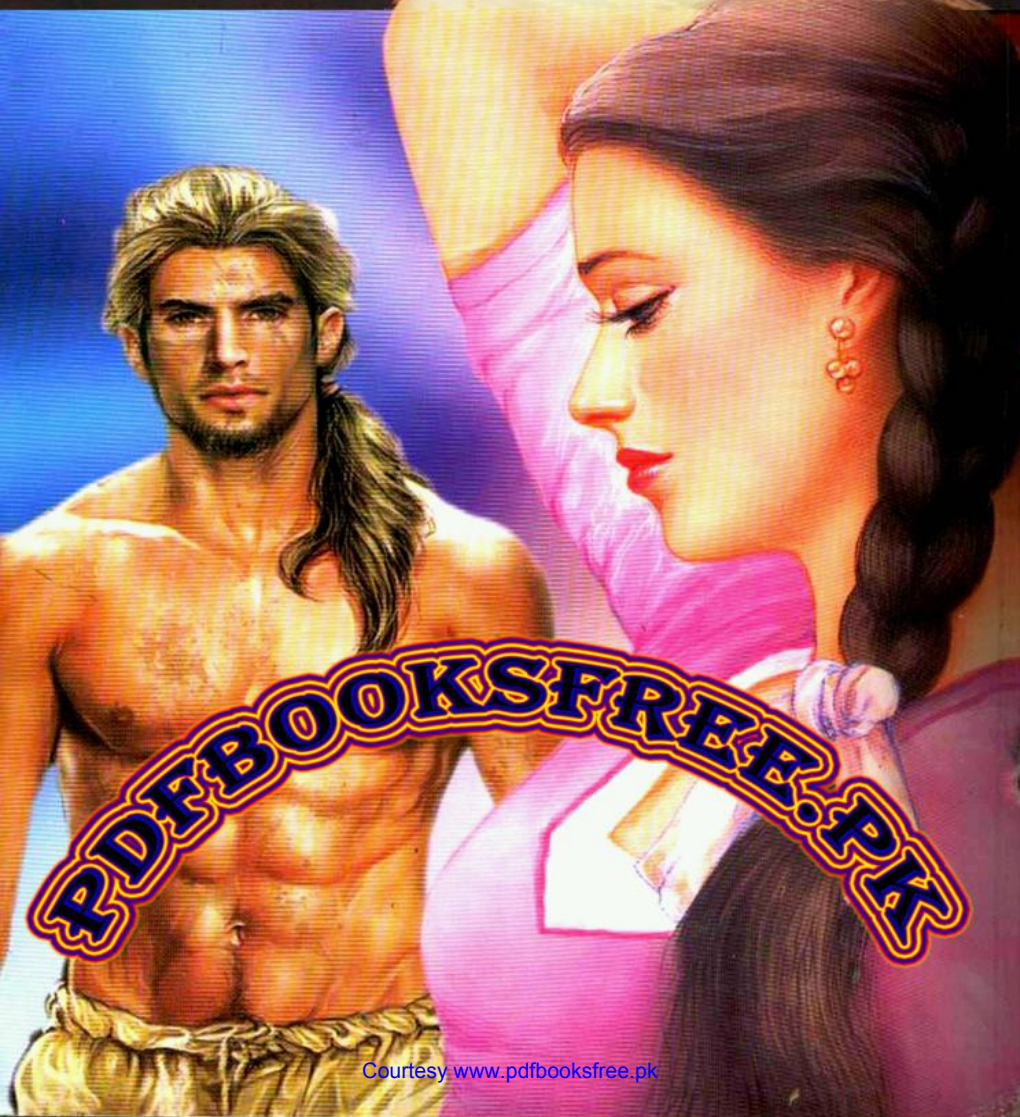
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

1



PDFBOOKSFREE.PK

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

پہلا حصہ

کاشف زبیر

PDFBOOKSFREE.PK

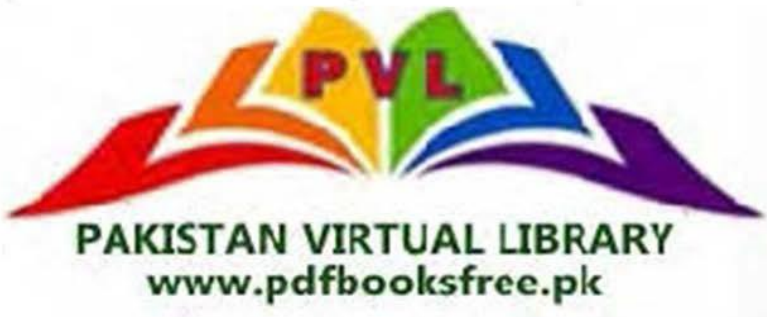
علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے نیچے دیکھا، رسے سے لٹکے سفیر کے چہرے پر ذرا بھی خوف و ہراس نہیں تھا۔ سب سے اوپر مونا تھی۔ اس کے بعد رسی کا سرا اس لمبی سی فولادی کیل میں بندھا تھا جو رفتہ رفتہ چٹان سے نکلتی جا رہی تھی۔ چند لمحے پہلے ہم اس بلند اور تقریباً سیدھی چٹان پر کامیابی سے چڑھ رہے تھے، اس وقت ترتیب اُلٹ تھی۔ سفیر سب سے اوپر تھا ہم سب میں وہی سب سے تجربہ کار کوہ پیما تھا۔ جدید اصطلاح میں چٹانوں پر چڑھنے کے شوقین افراد کو چٹان یعنی ROCK کی مناسبت سے ROCKERS کہا جاتا ہے۔ میں اس وقت بھی درمیان میں تھا۔ سب سے پیچھے مونا تھی۔ کوئی سات سو فٹ کی بلندی پر سفیر نے چٹان میں کیل گاڑی اور رسا اپنی کمر کے کلپ سے باندھ کر اوپر جانے لگا۔ وہ مناسب وقفے سے کیلیں گاڑ کر ان سے رسے کو باندھ رہا تھا کیونکہ میں اور مونا اتنی اہلیت نہیں رکھتے تھے کہ خالی ہاتھوں سے چٹان سر کر سکتے۔

غلطی مونا سے ہوئی، اسے کیل کے پاس رک کر انتظار کرنا چاہیے تھا کہ سفیر اگلی کیل گاڑ کر اس سے رسا باندھ دے۔ اس نے ایسے ہی اوپر آنے کی کوشش کی۔ میں اس سے دس فٹ اوپر اور قطعی بے خبر تھا اور نہ اسے روکنے یا کم سے کم خود کو روکنے کی کوشش ضرور کرتا۔ جھٹکا اچانک اور شدید تھا۔ میں اپنی گرفت قائم نہ رکھ سکا۔ مونا کا پاؤں سلپ ہوا تھا اور وہ چٹان پر اپنی گرفت نہ رکھ سکی اوپر سفیر بھی نہ سنبھل سکا اور ہمارے برابر سے گزرتا نیچے چلا گیا۔ مجھے نیچے گرتے ہوئے ایسا جھٹکا لگا کہ مجھے خدشہ ہوا، ابھی کیل چٹان سے نکل جائے گی اور ہم نیچے جا گریں گے مگر خیریت رہی کہ کیل اپنی جگہ قائم رہی اور جب تک یہ قائم رہتی، ہماری زندگی کی امید بھی باقی رہتی۔ مونا کے چہرے ہر ہراس نہیں تھا لیکن وہ گھبرائی ہوئی ضرور تھی۔

"شوبی! کیا سب ٹھیک ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک کی بچی!..... ہم سب زندگی کے آخری سرے پر ہیں۔ اوپر جا کر کیل کو مضبوط کرو۔" میں نے اسے ڈانٹا تو وہ روہانسی نظر آنے لگی۔

"پلیز..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

اچانک رسی کو جھٹکا لگا اور ہم چند انچ نیچے آئے۔ ایک لمحے کو میرا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ مگر جب مزید کوئی حرکت نہیں ہوئی تو وہ دوبارہ دھڑکنے لگا تھا۔ مونا کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔ رسی مونا سے کوئی دس فٹ اوپر تک تھی، اس کے بعد کیل تھی۔ میں مونا سے کوئی بیس فٹ نیچے تھا اور سفیر اتنے ہی فاصلے پر تھا۔ اچانک سفیر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔شوبی! میں رسا کاٹ رہا ہوں..... ورنہ ہم سب گر جائیں گے۔"

جب اس کے الفاظ کا مفہوم میری سمجھ میں آیا تھا تو میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی میں نے بے ساختہ کہا۔"سفیر! بکواس نہ کرو..... خبردار ایسی حرکت مت کرنا۔"

"سفیر کیا کر رہے ہو؟" مونا چلائی۔

"دیکھو..... وہ کیل میں نے گاڑی ہے۔" سفیر نے ہمیں سمجھانے کی کوشش کی۔"مجھے معلوم ہے وہ تین افراد کا بوجھ نہیں سنبھال سکتی، میں سب سے زیادہ وزنی ہوں۔ میرا وزن کم ہوگا تو تم دونوں کے بچنے کا امکان ہو گا۔"

"سفی.....!" مونا چلائی۔"تم نے ایسی حرکت کی تو میں خود نیچے چھلانگ لگا دوں گی۔"

"بکواس مت کرو۔" سفیر گر جا تھا۔"یہ جذباتی ہونے کا وقت نہیں ہے۔ اگر میں نے رسی نہ کاٹی تو کیل نکل جائے گی، ہم تینوں مر جائیں گے۔"

"سفیر! مونا ٹھیک کہہ رہی ہے، تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔" میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ میں ایک چٹانی چھجے سے کوئی چھ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ مونا بالکل سپاٹ چٹان سے لگی تھی اور سفیر خلا میں جھول رہا تھا۔ اگر میں کسی طرح اس چھجے تک پہنچ جاتا تو بات بن سکتی تھی۔ اسی لمحے ایک جھٹکا اور لگا۔ سفیر چلایا۔

"شوبی.....! مونا، مجھے رسا کاٹنے دو۔"

"تم ایسی کوئی حماقت نہیں کرو گے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔"مجھے اس چھجے تک پہنچنے کی کوشش کرنے دو، اپنے حواس بحال رکھو۔"

رسا جس کلپ سے منسلک تھا، اسے میں نے اپنی بیلٹ سے الگ کیا۔ چھجا مجھ سے کوئی تین فٹ نیچے تھا اگر میں اس کی طرف چھلانگ لگاتا تو اس کے کنارے تک پہنچنے کا امکان کم تھا۔ مجھے رسے پر مزید اوپر جانا تھا اور اس میں خطرہ تھا کہ رسے پر دباؤ بڑھنے سے کیل نکل سکتی تھی۔ چھ سو فٹ کی بلندی سے گر کر بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔"شوبی! کیا کر رہے ہو؟" مونا مجھے اوپر کی طرف سرکتے دیکھ کر بولی۔

سفیر اور مونا دم سادھے مجھے رفتہ رفتہ اوپر جاتے دیکھ رہے تھے۔ اب میں چھجے سے کوئی پانچ فٹ اوپر تھا مگر یہ بلندی بھی ناکافی تھی، مجھے اور اوپر جانا تھا۔ مغرب کی طرف جاتے سورج کی تیز کرنیں براہِ راست ہم پر پڑ رہی تھیں اور مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے ذرا اور پر رک کر پانی پیا۔ اس کے بعد دوبارہ سرکنے لگا۔ میری کوشش تھی کہ رسے کو جھٹکا نہ لگے۔ ہم نہایت نازک پوزیشن میں تھے، میرا اندازہ تھا کہ کوئی دس فٹ کی اونچائی سے میں چھلانگ لگا کر چھجے تک پہنچنے کی پوزیشن میں ہوتا اور اس سے رسی کو بھی جھٹکا نہ لگتا۔ اس دوران میں مونا بار بار سفیر کو رسی کاٹنے سے باز رکھنے کی تلقین کر رہی تھی حتیٰ کہ وہ جھنجلا گیا اور دانت پیس کر بولا۔

"کاش کہ میں اوپر ہوتا اور تم نیچے تو رسی ضرور کاٹتا۔"

میں مسکرا دیا۔ اس حالت میں بھی وہ نوک جھوک سے باز نہیں آ رہے تھے۔ اب میں چھجے سے کوئی آٹھ فٹ اوپر تھا اور رسے کے جھکاؤ کی وجہ سے چٹان سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ نو فٹ بلند ہونے پر رسی کو ایک بار پھر جھٹکا لگا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اب میں نے رسی نہ چھوڑی اور اس پر بوجھ کم نہ ہوا تو کیل نکل جائے گی۔ ہم سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیچے گر جائیں گے۔ میں نے جسم کو جھولا دیا اور رسی چھوڑ دی۔ میرا جسم چٹان کی طرف جانے کی نسبت نیچے کی طرف زیادہ تیزی سے گیا تھا۔ چھجا مجھے اپنی پہنچ سے دور نظر آیا تھا لیکن میں نے آخری کوشش کی۔ ہاتھ پاؤں مارے اور کسی پرندے کی طرح اُڑ کر چھجے تک پہنچنے کی کوشش کی مگر میں آج تک نہیں جان سکا کہ میں چھجے تک کس طرح پہنچا۔ اس کی کوئی منطقی وجہ نہیں ہے کیونکہ میں ایک بار خلا میں آنے کے بعد کشش ثقل کے خلاف اپنی مرضی سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ جب میرے حواس بحال ہوئے تو میرے ہاتھ چھجے پر جمے تھے اور جسم نیچے لٹک رہا تھا اور میرے کانوں میں مونا کی چیخ گونج رہی تھی۔ میں نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا اور انہیں بدستور لٹکے پا کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔ ورنہ مونا جس طرح چیخی تھی، ایسا لگا کہ کیل چٹان سے نکل گئی ہو اور وہ دونوں نیچے گر گئے ہوں۔ بعد میں مونا نے بتایا کہ مجھے گرتے دیکھ کر اس نے چیخ ماری اور آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سفیر نے بھی سر کھجاتے ہوئے کہا تھا۔ ''یار! میں نہیں سمجھ سکا کہ تم چھجے تک کیسے پہنچے۔ میں تو سو فی صد یہی سمجھ رہا تھا، تم نیچے گر رہے ہو۔''

''محسوس تو مجھے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''بس اللہ کو بچانا تھا اس لئے میرے ہاتھ چھجے تک پہنچ گئے۔''

میں نے پاؤں جمائے اور چھجے پر چڑھ گیا۔ اپنے بیگ سے ہتھوڑی اور کوئی دو فٹ لمبی کیل نکالی۔ اس کے سرے پر رسی باندھی اور اسے گاڑنے کے لئے کوئی موزوں جگہ تلاش کرنے لگا۔ اچانک مونا نے ایک عدد چیخ اور ماری۔ رسی کو جھٹکا لگا تھا۔ ''شوبی! جلدی، رسی نکلنے والی ہے۔''

''ہلومت!'' میں نے اسے پیر چلاتے دیکھ کر کہا۔

چھجے کے کونے میں ایک جگہ مجھے چٹان ہلکی سی چٹخی ہوئی محسوس ہوئی، میں نے وہاں کیل رکھ کر اس کو ٹھونکنا شروع کیا۔ میرے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ وقت پھسل رہا تھا، جیسے ہی کیل نصف چٹان میں گئی، میں نے اس کے سرے پر بندھی رسی کا گچھا سفیر کی طرف اچھال دیا۔ یہ رسی کوئی تین سو فٹ طویل تھی۔ سفیر کے پاس اتنی ہی طویل رسی تھی۔ اس کی مدد سے وہ بہ آسانی نیچے جا سکتا تھا۔ سفیر نے خود کو فوری طور پر اس رسی سے منسلک کر لیا تھا۔ دوسری رسی سے مونا منسلک تھی۔ اب ان کے گرنے کا امکان نہیں تھا۔ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر میں کیل کو مزید چٹان میں گاڑنے لگا اور جیسے ہی میں نے کیل کو مکمل طور پر چٹان کے قلب میں اتارا، اوپر والی کیل نکل گئی۔ مونا نے ایک چیخ اور ماری تھی۔ وہ تیزی سے نیچے گئی تھی۔ راستے میں سفیر سے ٹکرائی اور کوئی چالیس فٹ نیچے جا کر جھٹکے سے رک گئی تھی۔ میں نے احتیاطاً رسی مضبوطی سے تھام لی لیکن کیل نے ان دونوں کا بوجھ بہ آسانی برداشت کر لیا تھا۔ خود کو لٹکے پا کر مونا نے مسرت بھری چیخ ماری۔ تمام خواتین کی طرح اسے موقع بے موقع چیخ مارنے کا شوق تھا۔

''خدا کے لئے چیخنا بند کرو..... ورنہ یہ چٹانیں نہ گر جائیں۔'' سفیر نے ہنس کر کہا۔

''اب تم نیچے اترنا شروع کرو۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''اس سے پہلے کہ یہ کیل بھی نکلنا شروع ہو جائے۔''

سفیر نے اپنی رسی میری طرف پھینکی ہوئی رسی سے باندھی اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔ راستے میں اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مونا کو بھی اس رسی سے منسلک کیا۔ جب وہ دونوں نیچے پہنچ گئے تو میں نے ہتھوڑی کی مدد سے کیل نکال کر اپنی اپنی رسی اس سے الگ کر دی۔ رسی سمیٹ کر واپس کمر سے لٹکائی۔ نیچے سفیر اور مونا میری اس حرکت پر پیچ و تاب کھا رہے ہوں گے لیکن موت کے منہ سے نکل آنے کے بعد مجھے ایذا و نچر سوجھ رہا تھا۔ میں نے چھجے کے دائیں طرف سے چٹان کے کھردرے حصے پر قدم رکھا اور باہر نکلے ہوئے حصوں پر پیر جماتے ہوئے نیچے اترنے لگا تھا۔ بعض مقامات پر دشواری پیش آئی لیکن نصف گھنٹے بعد میں نیچے آ چکا تھا۔ چٹانوں یا پہاڑوں پر اترنے کی نسبت چڑھنا آسان ہوتا ہے۔

''آپ شرافت سے رسی سے نیچے نہیں آ سکتے تھے؟'' مونا غصے میں تھی۔

''بے شک..... لیکن اس صورت میں آپ نصف گھنٹے تک آزادی سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔''

سفیر نے دانت نکالے۔ ''بجا ارشاد فرمایا پیر و مرشد! آپ اب بھی جلدی آئے، خیر.....''

مونا کے گھورنے پر سفیر کی زبان کو بریک لگ گیا۔ ''اب چلیں..... اوپر تو جا نہیں سکے۔'' مونا بولی۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا، یہ جگہ مشکل ہے۔ میں اکیلا ہوتا تو اب تک اوپر پہنچ بھی چکا ہوتا۔''

''ہاں، تم تیس مار خان ہو.....'' مونا نے چڑ کر سفیر کی طرف دیکھا۔

''فی الحال تو ایک مار خان ہوں۔'' سفیر معنی خیز انداز میں بولا تو مونا کھسیا گئی۔ اس نے جلدی سے بات بدل دی۔

''بس اب چلو..... ورنہ رات ہو جائے گی پہنچتے پہنچتے۔''

''تمہارے کون سے اماں ابا انتظار کر رہے ہوں گے؟'' سفیر نے سر سبز ڈھلان پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''اماں ابا نہیں ہیں لیکن میری ایک عدد پیاری سی بلی ہے، جسے میرا انتظار ہوگا۔''

''مجھے بھی پہلے دفتر جانا ہوگا۔'' میں نے مونا کی تائید کی۔ ''آج تم لوگ زبردستی لے آئے تھے۔''

''اگر پنچوں کا فیصلہ یہی ہے تو سر آنکھوں پر۔'' سفیر اٹھ گیا تھا۔

مری سے نتھیا گلی کی طرف جاتے ہوئے یہ تقریباً سیدھی پہاڑ نما چٹان راستے میں آتی تھی۔ اس کے ایک طرف ڈھلان تھی جس پر اونچے درخت لگے تھے لیکن دوسری جانب سپاٹ چٹانی سینہ تھا۔ راکر اور ہائکرز کے لئے خاصی آئیڈیل قسم کی جگہ تھی۔ سفیر نے اسے چند ہفتے پہلے دیکھا اور اس دن سے بضد تھا کہ ہمیں اس چٹان کو سر کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔ ایک روز پہلے وہ مونا کے ساتھ میرے دفتر میں وارد ہوا اور میرے احتجاج کی پروا کئے بغیر مجھے زبردستی ساتھ لے گیا۔ ان دنوں کام اتنا تھا کہ مجھے مذاق نہیں حقیقتاً سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔ میں جانے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن ان دونوں نے خود طے کر لیا۔ طے تو اصل میں سفیر نے کیا تھا۔ مونا اس کی ربڑ اسٹیمپ تھی۔ اگر سفیر کہتا کہ ہم نے کے ٹو سر کرنی ہے تو وہ اس کے لئے بھی راضی ہو جاتی۔ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ وہ سفیر سے محبت کرتی تھی بلکہ محبت کیا، وہ اس کے عشق میں اتنا ڈوب چکی تھی کہ اس کے لئے جان بھی دے سکتی تھی۔ دونوں کا ساتھ بھی خاصا پرانا تھا۔ چھ سال پہلے یونیورسٹی میں ملے تھے۔ دونوں نے جیالوجی ڈیپارٹمنٹ کا انتخاب خود کیا تھا یا تقدیر انہیں اس طرح ملانا چاہتی تھی، بدقسمتی سے دونوں کی ابتدائی چند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملاقاتیں بڑے گرما گرم ماحول میں ہوئی تھیں اور بقول مونا کے بس ہاتھا پائی کی نوبت آتے آتے رہ گئی تھی۔ اس کے بعد چھ سال گزر گئے تھے۔ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر وہ ملازمت کر رہے تھے۔ سفیر معدنیات کے محکمے میں کام کرتا تھا اور مونا ایک نجی فرم میں تھی جو معدنیات کو پروسیس کیا کرتی تھی۔ اس عرصے میں ان کی اتنے انہیں وہ چند لفظ کہنے سے روکے رکھا تھا جس کے بعد تمام پردے اٹھ جایا کرتے ہیں۔ دونوں جانتے تھے کہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں مگر یہ بات زبان سے نہیں کہتے تھے، لڑتے تھے، جھگڑتے تھے، روٹھتے اور مناتے تھے، بس ایک دوسرے کے نہیں ہو چکتے تھے۔ سفیر کو سرکاری گھر ملا تھا گاڑی اس نے خود رکھی تھی، چاہتا تو گھر بھی خود لے لیتا۔ جہلم کے ایک زمیندار خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ مونا نے اسلام آباد میں ایک چھوٹا سا فلیٹ لے رکھا تھا اور اکیلی رہتی تھی۔ ایک بھائی تھا جو امریکا جا کر اسے بھول گیا تھا۔ ماں، باپ چند سال پہلے گزر گئے تھے۔ دور پرے کے چند رشتے دار تھے جنہیں وہ خود منہ نہیں لگاتی تھی۔ لے دے کے بس میں اور سفیر تھے جن سے وہ ملتی تھی۔

مجھ سے ان کی ملاقات بھی گرما گرم ماحول میں ہوئی تھی، انہوں نے شمالی علاقے کے ٹور کا پروگرام بنایا اور میرے دفتر پہنچ گئے۔ ان کے مطالبات سن کر میرا منیجر طاہر بھاگا ہوا آیا۔ ''سر! ایک مسئلہ ہے بلکہ دو مسئلے ہیں۔''

''کیا مسئلے ہیں؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''باری باری بیان کرو۔''

''سر! ایک لڑکا اور ایک لڑکی آئے ہیں، دونوں کا کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن وہ بضد ہیں کہ انہیں ایک ہی فلائٹ پر اسکردو کے لئے سیٹیں اور وہاں کے۔ٹو ہوٹل میں کمرے درکار ہیں۔''

''ڈبل بیڈ روم!'' میں نے غور کیا۔

''جناب، دو سنگل روم میں کہاں سے لاؤں۔'' منیجر طاہر فریادی لہجے میں بولا۔ ''اس وقت اسکردو میں درختوں کی شاخیں تک بک ہو جاتی ہیں اور یہ کے۔ٹو ہوٹل میں دو سنگل کمرے مانگ رہے ہیں۔''

میں نے کیلنڈر کی طرف دیکھا۔ دو جولائی کے دن یہ فرمائشیں واقعی بے حد مشکل بلکہ جوئے شیر لانے کی حد تک ناممکن تھیں۔ ''ایسا کرو، ان سے کہو..... اگلے سیزن تک آئیں، ان کی فرمائشیں پوری ہو جائیں گی۔''

''بہتر ہوگا، یہ بات آپ ان سے خود کہہ دیں۔'' طاہر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مرد تو معقول ہے لیکن اس کے ساتھ جو خاتون ہیں، اللہ معاف کرے.....'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ''وہ فساد پر آمادہ ہے جناب!''

میں ایک بکھرے ہوئے نورپیکیج کو یکجا کرنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ جو خاندان سیاحت پر آمادہ تھا، ان میں سے ہر ایک مختلف الخیال تھا۔ مثلاً ساس صاحبہ پہلے کاغان جانا چاہتی تھیں کہ اس دنیا سے جانے سے پہلے جھیل سیف الملوک دیکھ لیں حالانکہ ان کی پیرانہ سالی کے باعث مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ اس سفر کے دوران میں ہی سفرِ آخرت نہ اختیار کر لیں۔ بہو اور بیٹے کا ارادہ پہلے مری جا کر شاپنگ کرنے کا تھا، وہ مری کی خاص ہینڈی کرافٹس لینا چاہتے تھے جو راولپنڈی سے بن کر جاتی تھی جبکہ سسر صاحب ہنزہ جا کر ٹراؤٹ مچھلی کا شکار کرنا چاہتے تھے۔ ذریعہ سفر کے بارے میں بھی ان کے خیالات آپس میں متضاد تھے اور میں اس الجھے معمے کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ ایک نیا مسئلہ طاہر نے لا کر میرے سامنے رکھ دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر لاؤنج میں ایک خوش رُو نوجوان ٹورسٹ میگزین دیکھ رہا تھا۔ کسی قدر چھریرا جسم اور سرخ و سفید چہرے پر ہلکی سی داڑھی بھلی لگ رہی تھی۔ براؤن بال اور اسی رنگ کی آنکھیں۔ اس کے پاس اس سے کسی قدر ملتی جلتی لڑکی چاروں طرف دیکھتے ہوئے ہر چیز کے بارے میں تبصرہ کر رہی تھی۔

''کس قدر چبھتے ہوئے کلر ہیں یہاں اور یہ کولر شاید پانی کے بغیر چل رہا ہے، اس سے گرم ہوا آ رہی ہے۔ سفی! کیا ضروری تھا، ہم اس ٹورنگ ایجنسی میں آتے۔ اس کو دیکھا تھا، ہماری بات سنتے ہی کیسے غائب ہوا تھا۔''

''بھئی وہ معلوم کرنے گیا ہے۔'' سفیر نے مونا کو سمجھانے کی کوشش کی، اس وقت مجھے ان کے نام نہیں معلوم تھے۔

''وہ غائب ہے۔'' لڑکی نے چٹکی بجائی۔ ''تم لکھ کر رکھ لو۔ ہمیں یہاں سے مایوس جانا پڑے گا۔''

''خاتون! آپ نے فرمائش ہی ایسی کی ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔

''آپ کون ہیں مسٹر اور بلاوجہ ہماری گفتگو میں کیوں 'انٹر ہو رہے ہیں؟'' اس نے جارحانہ انداز میں کہا۔

''اتفاق سے میں اس ایجنسی کا مالک ہوں، جس کے بارے میں آپ مایوسی کا اظہار کر رہی ہیں۔''

وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی پھر چہک کر بولی۔ 'تو کیا غلط کر رہی ہوں، ابھی تک آپ لوگوں نے کیا، کیا ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''کیونکہ آپ کی فرمائش آسمان سے تارے توڑ کر لانے سے کم نہیں ہے، طیارے کی نشستوں اور ہوٹل میں کمروں کی بکنگ مہینوں پہلے ہو جاتی ہے۔ نہ تو کوئی سیٹ خالی ہے اور نہ کوئی کمرہ۔''

''یہ بات آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' اس کا انداز مزید جارحانہ ہو گیا۔

''اس لئے خاتون کہ.....''

''پلیز..... میں لڑکی ہوں، اَن میریڈ..... لہٰذا آپ مجھے خاتون نہ کہیں۔'' اس نے ٹوکا۔

میں نے خود پر جبر کیا اور دانتوں کی نمائش کی۔ ''مس، میں اس وجہ سے اتنا پُر یقین ہوں کہ میرا کام یہی ہے۔ میں آپ کو بتاؤں، اسکردو جانے والے کسی طیارے کی سترہ اگست سے پہلے کوئی نشست نہیں ہے، ستمبر سے پہلے کوئی کمرہ خالی نہیں ملے گا۔''

''تب آپ کا کیا کام ہے؟ کوئی بندہ یہاں آتا ہی اس مقصد کے لئے.....''

''درست ہے مگر خا..... میرا مطلب ہے مس!''

''مونا رحیم!'' اس نے بتایا۔

''اوکے مس مونا..... میں نہ تو ایئر لائن کا مالک ہوں اور نہ ہی اسکردو میں کوئی ہوٹل ہے۔ ہاں، میں بائی روڈ سفر کا بندوبست کر سکتا ہوں بلکہ ایک آفر ہے، پرسوں میں خود بائی روڈ اسکردو جا رہا ہوں۔ مجھے وہاں کے دفتر کے معاملات دیکھنا ہیں۔ وہاں آپ کو کہیں نہ کہیں سیٹ کرا دوں گا۔''

''ہم نے بائی ایئر ہی جانا ہے اور کے ٹو ہوٹل میں ٹھہرنا ہے۔'' مونا نے حتمی لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے لڑکے کی طرف دیکھا۔ ''مسٹر! آپ کا تعارف؟''

''سفیر شایان!'' اس نے کہا۔

''مسٹر سفیر! ان خاتون کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟''

''بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اس نے کہیں سے مستنصر حسین تارڑ کا سفرنامہ پڑھ لیا ہے تب سے مونا پر دُھن سوار ہے کہ اس نے پی آئی اے کے فوکر سے اسکردو جانا ہے اور وہاں کے۔ٹو ہوٹل میں ٹھہرنا ہے۔''

''خیر، یہ اتنی بری خواہش نہیں ہے۔''

''اصل خواہش کے بارے میں آپ نہیں جانتے۔'' سفیر شایان کراہا تھا۔ ''یہ دیوسائی پر ٹریکنگ کے لئے جانا چاہتی ہے۔''

''یہ بھی بری خواہش نہیں ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''ان دنوں ایک ٹیم جا رہی ہے، میں آپ دونوں کو اس میں فٹ کرا سکتا ہوں۔''

''میں تیار ہوں۔'' سفیر سے پہلے مونا بولی۔

''لیکن اس کے لئے آپ کو دو دن بعد اسکردو میں ہونا چاہئے۔'' میں نے آگاہ کیا۔ ''کیونکہ دو دن بعد ٹیم روانہ ہو رہی ہے۔ چار جرمن ہیں، دو اٹالین اور تین جاپانی۔ کوئی انگریزی بھی نہیں جانتا۔ آپ سکون سے سفر کریں گے۔''

''بدقسمتی سے مجھے جرمن اور اٹالین آتی ہے۔'' سفیر بولا۔

''آپ کو یہ بات انہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس وجہ سے جا رہا ہوں کہ انہیں بعض ضروری اشیاء پہنچانی ہیں جو اسکردو میں دستیاب نہیں ہیں۔''

''ہم چلیں گے۔'' مونا بے تابی سے بولی۔

''طیارے کی نشست۔'' سفیر نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''بھاڑ میں گئی۔''

''اور کے۔ٹو ہوٹل قیام.....''

''دو دن بعد ہم نے دیوسائی جانا ہے۔'' مونا بولی۔ ''لہٰذا رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''کل صبح چھ بجے میں نکلوں گا۔'' میں نے انہیں آگاہ کیا۔

''آپ بتائیں ہم آ جائیں گے۔'' سفیر بولا۔

''آپ دونوں کہاں رہتے ہیں؟'' میں نے پوچھا اور ان کی رہائش کا سن کر تجویز پیش کی۔ ''اس صورت میں بہتر ہے، آپ صبح چھ بجے تک یہیں آ جائیں۔ ہم اس جگہ سے روانہ ہوں گے کیونکہ مجھے سامان یہیں سے لے کر جانا ہے۔''

''معاف کیجئے گا، آپ کے پاس کونسی کیا ہے؟'' مونا بولی۔

''ایک بڑی سی جیپ ہے، اس قسم کے سفر میں جیپ ہی سب سے بہتر رہتی ہے۔''

''ہمارا سامان اس میں آ جائے گا؟'' سفیر نے پوچھا۔ ''دیوسائی کے سفر کے لئے ہم نے بھی خاصا سامان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جمع کرلیا ہے۔"

"اگرچہ اس کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن سامان لے لیا ہے تو ٹھیک ہے، جیپ میں آپ جہیز بھی لے جا سکتے ہیں۔ آپ جاتے ہوئے دیکھ لیجئے گا۔ سبز رنگ کی کیبن والی جیپ ہے۔"

گرما گرم ماحول میں ہونے والی گفتگو نہایت خوشگوار طریقے سے انجام کو پہنچی اور وہ دونوں خوش خوش رخصت ہوئے تھے۔ میرا دفتر راجا بازار کے قریب ایک چھوٹے سے بنگلے کے بیرونی حصے میں تھا۔ اس علاقے میں بے شمار ہوٹل اور گیسٹ ہاؤسز تھے۔ سیاح جو شمالی علاقے کی طرف جاتے تھے، وہ ان ہی ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز میں ٹھہرا کرتے تھے، ان سیاحوں سے میرا بزنس چلتا تھا۔ خاص طور سے شمالی علاقے سے ناواقف غیر ملکی سیاحوں سے مجھے اچھا بزنس ملا کرتا تھا۔ ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز میں میرے ایجنٹس تھے جنہیں میں کمیشن دیا کرتا تھا اور وہ میرے لئے کسٹمرز گھیر کر لاتے تھے۔ تین سال پہلے میں نے ایک معمولی سی دُکان میں اس کام کا آغاز کیا تھا، اب اس مقام پر تھا کہ اسکردو کے علاوہ گلگت میں بھی اپنی برانچز کھولی تھیں۔

میری رہائش آفس سے ذرا فاصلے پر ایک کئی منزلہ عمارت کے دوسرے فلور کے تین کمروں کے فلیٹ میں تھی مگر گرمیوں میں مجھے گھر جانے کا موقع کم ملتا تھا۔ اکثر دفتر میں ہی سو جاتا تھا۔ اس رات بھی میں دفتر میں سو گیا۔ صبح پانچ بجے مجھے چوکیدار نے اٹھایا۔ میں نے غسل کرکے لباس تبدیل کیا۔ ایک کپ کافی پی کر میں باہر آیا تو چوکیدار نے سامان جیپ میں رکھ دیا تھا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور اندر جا رہا تھا کہ ایک گاڑی آ کر گیٹ پر رکی۔ چوکیدار نے مجھے سفیر کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ اور مونا اندر آئے۔

"دیکھا، ہم وقت پر آ گئے۔" مونا چہکی۔

"ایک مسئلہ ہے، میں اپنی کار کا کیا کروں؟" سفیر بولا۔ "کیا اسے ساتھ لے جاؤں؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ورنہ ہم وقت پر اسکردو نہیں پہنچ سکیں گے، اوّل تو کار جیپ کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے، دوسرے آپ رستوں سے بھی ناواقف ہیں، پیچھے رہ گئے تو بچھڑ جائیں گے۔"

"میں اسے کہاں چھوڑوں، اب گھر واپس جاؤں گا۔" سفیر پریشان ہو گیا تھا۔

"اس کا بھی وقت نہیں رہا ہے۔" میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ "ہم دس منٹ بعد روانہ ہوں گے۔ ایک کام ہو سکتا ہے، کار یہیں چھوڑ جاؤ، واپسی میں مل جائے گی۔"

"یہ ہوئی ناں بات!" سفیر خوش ہو گیا۔ "آپ تو ہمارے حق میں فرشتہ ثابت ہوئے مسٹر!"

"شہباز احمد ملک۔" میں نے جواب دیا۔ "تعارف نہیں ہوا تھا کل۔"

"چلیں اب سہی۔" مونا بولی۔ "کیا ہم اپنا سامان رکھ لیں۔"

"جو بھیگنے کے خطرے سے محفوظ ہے وہ چھت پر اور جو بھیگ سکتا ہے وہ نیچے۔" میں نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ مجھے طاہر کے لئے کچھ ہدایات چھوڑنی تھیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں باہر آیا تو وہ دونوں سامان کا ایک انبار جیپ میں ٹھونسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں ان کی طرف لپکا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟"

"سامان رکھ رہے ہیں۔" مونا نے ایک بیگ اس سامان کے اندر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، جو میں لے جا رہا تھا اور اس میں بعض نازک چیزیں بھی تھیں۔ میں نے اس سے بیگ چھین لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کیا کر رہی ہو؟.....اس میں کیا ہے؟''

''میرے جوتے۔'' اس نے ایک دوسرا سوٹ کیس اٹھالیا جو بیگ سے بھی بڑا تھا۔

حیران ہونے کا وقت نہیں تھا۔ ''یہ نہیں جا سکتا۔'' میں نے اس سے سوٹ کیس بھی لے لیا۔ ''اس میں کیا ہے؟''

''میرے کپڑے۔'' مونا اطمینان سے بولی۔

سفیر ایک بڑا سا کارٹن کھینچتا لا رہا تھا۔ وہاں ایسا ہی ایک کارٹن، دو عدد سوٹ کیسز اور تین چار بیگز پہلے سے جمع تھے۔ ''ان کارٹنز میں کیا ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''ہمارے خیمے اور سلیپنگ بیگز۔'' سفیر ہانپتے ہوئے بولا۔

''اور ان بیگز میں؟''

''راشن، ہائیکنگ کا سامان اور دوسری ضروری اشیاء۔''

''یہ سب وہاں مل جاتا ہے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اور اتنے جوتے اور کپڑے لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''میرے پاس صرف پانچ جوڑے ہیں۔'' سفیر بولا۔ ''باقی سب سامان اس کا ہے۔''

''مس مونا! میں تمہیں صرف دس منٹ دیتا ہوں۔ اپنے لئے بہت آٹھ جوڑے اور ایک جوڑا جاگرز کا لے لو۔ ورنہ میں روانہ ہو جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''لیکن.....'' مونا نے احتجاج کرنا چاہا لیکن میرے تاثرات دیکھ کر سفیر اور وہ سوٹ کیسز اور بیگز کی طرف لپکے، انہوں نے جوگرز اور کپڑے نکال لئے، باقی سامان میں نے دفتر میں اپنے آرام کے کمرے میں رکھ دیا۔

''تمہیں ایسے ہی ملے گا، اَن کٹ۔'' میں نے انہیں تسلی دی لیکن راستے بھر مونا کا منہ بنا رہا تھا۔ باقی سامان کسی نہ کسی طرح جیپ کے اندر اور اوپر بار کر دیا تھا۔ بمشکل ایک گھنٹے کی تاخیر سے ہم سات بجے روانہ ہو سکے تھے۔ یہ سفر کم سے کم چودہ گھنٹے کا تھا اور آخری دو تین گھنٹے کا سفر کم روشنی یا تاریکی میں ہوتا۔ راستے میں ہمیں دو بار رکنا تھا۔ پہلے لنچ کے لئے اور پھر شام کی چائے کے لئے۔ راستے میں سب مل جاتا تھا اس لئے میں سوائے پانی یا کافی کے تھرماس کے کچھ لے جانے کی زحمت نہیں کرتا تھا۔ بارہ بجے کے قریب جب میں بھوک سے قریب المرگ تھا، تب میں نے ایک ریستوران کے سامنے جی روکی۔

''یہاں کیوں رکے ہیں؟'' مونا نے عقبی نشست سے پوچھا۔

''کیونکہ بندہ کھانے پینے پر چلتا ہے، صبح ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔''

''تو اس کے لئے اس سڑے سے ریستوران میں جانا ضروری ہے۔ میں آلو بھرے پراٹھے بنا کر لائی تھی، اب بھی گرم ہوں گے۔ ساتھ میں شامی کباب بھی ہیں۔''

''جیوس مونا!'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''ذرا آگے ایک آبشار ہے، اس کے کنارے لنچ کرنے کا مزہ آئے گا۔'' میں نے جیپ دوبارہ اسٹارٹ کی۔

''لیکن چائے تو لے لیں۔'' سفیر بولا۔ ''میرا چائے کے بغیر گزارہ نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر آپ خاکسار پر اعتماد کریں تو میں مس مونا کے ساتھ آبشار تک جاتا ہوں۔ آپ اتنی دیر میں چائے بنوا کر لے آئیں۔'' میں نے کہا تو سفیر ہچکچایا مگر مونا جلدی سے بولی۔

''تم ہو کر آؤ۔ شہباز صاحب شریف آدمی لگتے ہیں، مجھے لے کر نہیں بھاگیں گے۔''

بادل ناخواستہ سفیر تھرماس لے کر ریستوران کی طرف چلا گیا۔ میں نے جیپ آگے بڑھا دی۔ ''اعتماد کا شکریہ۔''

''اعتماد مجھے خود پر ہے۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔ ''تبھی اکیلے رہ رہی ہوں۔''

''ماں، باپ نہیں ہیں؟''

''گزر چکے ہیں۔ ایک بھائی ہے جو خود امریکا میں ہے۔ سال چھ مہینے میں اسے ایک بار بہن کی یاد آتی ہے۔''

''اوہ..... آئی ایم سوری!'' میں نے تعزیت کی اور جیپ سڑک سے ذرا فاصلے پر موجود آبشار کی طرف موڑ دی۔ آبشار کا پانی ذرا آگے سڑک سے گزر رہا تھا۔ جیپ روک کر ایک تھیلے سے مونا نے بڑا سا ہاٹ پاٹ نکالا۔ میرا بھوک سے اتنا برا حال ہو رہا تھا کہ میں نے سفیر کے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور کھانے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ مونا نے کہہ دیا، وہ سفیر کے ساتھ کھائے گی۔ اس نے چست ٹراؤزر پر فل آستین کی جرسی پہن رکھی تھی۔ وہ بلاشبہ دلکش لڑکی تھی اور مجھے حیرت تھی، سفیر نے اب تک اسے پرپوز نہیں کیا تھا۔ سفیر نصف گھنٹے بعد چائے لے کر آیا تو میں ہاٹ پاٹ کے بیشتر حصے کا صفایا کر چکا تھا۔ آبشار کا منرل واٹر پی کر میں نے ایک آسودگی بھری ڈکار لی تھی۔

''اب ہم کیا کھائیں گے؟'' مونا نے ہاٹ پاٹ دیکھا تھا۔

''سوری، مجھے بھوک میں خیال نہیں رہا..... لیکن کوئی بات نہیں ہے۔ شام تک ہم ایک جگہ پہنچیں گے جہاں ٹراؤٹ مچھلی ملتی ہے۔ میں تمہیں مچھلی کھلاؤں گا۔''

ٹراؤٹ کے وعدے پر انہوں صبر شکر سے باقی ماندہ کھانا کھایا۔ ہم نے چائے پی اور آگے روانہ ہو گئے۔ آگے راستہ خراب اور پُر پیچ تھا۔ ایسے میں بے حد محتاط رہ کر ڈرائیونگ ضروری تھی۔ اس راستے پر آئے دن حادثے ہوتے تھے۔ شام چھ بجے ہم اسکردو سے ابھی تین گھنٹے کی مسافت پر تھے۔ فوکر جیسا سست رفتار طیارہ یہ فاصلہ محض پینتیس منٹ میں طے کر لیتا ہے جبکہ سڑک سے یہ فاصلہ پندرہ سے اٹھارہ گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ وہ بھی سڑک درست اور موسم صاف ہو تو۔ اس روز خوش قسمتی سے سڑک پر کہیں لینڈ سلائڈنگ نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی موسم خراب تھا۔ جب ہم اسکردو پہنچے تو مونا کا موڈ خراب تھا کیونکہ میں نے راستے میں حسب وعدہ اسے ٹراؤٹ نہیں کھلائی تھی۔ اس کا وقت نہیں تھا۔ میں نے سیدھا دفتر کا رخ کیا جو اسکردو بازار میں تھا۔ رات ہونے کی وجہ سے شہر نیند کی لپیٹ میں تھا۔ جس گروپ کے لئے میں سامان لایا تھا اسے صبح چھ بجے روانہ ہونا تھا۔ مونا اور سفیر کے لئے جگہ تلاش کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے ان سے کہا۔

''تم دونوں یہیں سو جاؤ..... پیچھے ایک کمرا ہے۔ کمبل مل جائیں گے، سردی زیادہ نہیں ہے۔''

''بھوکے سو جائیں؟'' مونا نے خفگی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سوری..... میں ابھی لڑکے کو بھیجتا ہوں۔'' میں نے شرمندگی سے کہا۔

ان دونوں کو کھانا منگوا کر دیا۔ اسکردو برانچ کا منیجر گل شاہ صبح ہی آتا اس لئے میں نے خود ہی ضروری کام نمٹا دیئے۔ اس چکر میں رات دو بجے سو سکا اور صبح پانچ بجے پھر اٹھ گیا۔ یخ بستہ پانی کے چھینٹے مار کر اور تلخ سیاہ کافی پی کر نیند بھگائی۔ اس دوران میں گل شاہ آ گیا۔ سفیر اور مونا کو جگا کر میں نے تیار ہونے کے لئے کہا اور خود ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ گروپ کے لئے دو عدد جیپیں آ گئی تھیں مگر جب میں نے گروپ کے لیڈر جرمن باشندے سے بات کی تو اس نے بتایا، ان کے پاس گنجائش نہیں تھی۔ اس صورت میں ایک جیپ اور کرنی پڑتی اور اس کا سارا خرچ مونا اور سفیر کو دینا پڑتا۔ میں واپس دفتر تک آیا اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ مونا اطمینان سے بولی۔

''ہمیں نہیں پتا..... ہم آپ کے بھروسے پر یہاں آئے تھے اس لئے اب آپ ہمیں بھیجیں۔''

میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ہمدردی مجھے مہنگی پڑ گئی تھی۔ اب یہ میرے سر تھے۔ دونوں کسی صورت ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ''شہباز صاحب! ہمیں بہر صورت اس پارٹی کے ساتھ جانا ہے۔ آپ لارادے کرلائے تھے ہمیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''لہٰذا آپ ہی کچھ کریں۔''

''اوکے! آپ پچیس ہزار دیں..... باقی حساب کتاب اسلام آباد آنے پر ہوگا۔ واضح رہے، یہ آپ کو یہاں تک لانے اور دیوسائی کے سفر کے لئے ہیں۔ واپسی آپ کو اپنا خرچ کرنا ہوگا۔''

انہوں نے مجھے پچیس ہزار دیئے۔ ''یہ رقم زیادہ نہیں ہے؟'' مونا بولی۔

''غیر ملکی سیاحوں سے میں نے فی کس پچیس ہزار لئے ہیں، جبکہ یہاں آنے اور رہائش کی ذمے داری ان کی اپنی تھی۔ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ سامان جیپ میں رکھا ہے۔''

راستے میں ان کے لئے سامان لیا، بہت کچھ وہ اسلام آباد سے ساتھ لائے تھے۔ ''تم دونوں کو تین پورٹرز اور دو گھوڑے لینا ہوں گے۔''

''گھوڑے کیوں؟'' سفیر نے اعتراض کیا۔

''دیوسائی پر گرمیوں میں برف پگھلنے سے پانی کے وسیع دریا بن جاتے ہیں۔ ان کی گہرائی تین چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن پانی اتنا یخ ہوتا ہے کہ اس میں چلنے والوں کے پیر فراسٹ بائٹ کا شکار ہو سکتے ہیں اس لئے گھوڑے لے جانے ضروری ہیں۔''

''مجھے گھڑ سواری نہیں آتی ہے۔'' مونا بولی۔

''فکر مت کرو۔ یہ گھوڑے سدھے ہوئے اور دھیمی رفتار سے چلنے کے عادی ہیں۔''

غیر ملکی سیاحوں کی پارٹی روانہ ہو چکی تھی اور سورج کی اولین کرنوں میں وہ بلندی کی طرف جاتی نظر آ رہی تھی۔ دریائے سندھ عبور کر کے ہم نے ان کا تعاقب جاری رکھا تھا۔ میں ایک بار دیوسائی کا سفر کر چکا تھا اس لئے راستے میں انہیں اپنے تجربات سے مستفید کرتا رہا۔ راستے میں آنے والے ایک گاؤں پر رک کر میں نے تین عدد پورٹرز اور دو گھوڑوں کا بندوبست کیا۔ وہ شام تک دیوسائی کے دامن تک پہنچ جاتے۔ جہاں سے پارٹی اگلی صبح اپنے سفر کا آغاز کرتی۔ میں نے انہیں جھیل کچورا بھی دکھائی تھی۔ دوپہر تک ہم دیوسائی کے دامن تک جا پہنچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ دیوسائی دنیا کے چند بلند ترین میدانوں میں سے ایک ہے۔ کم سے کم دس ہزار فٹ بلند اس سطح مرتفع کی بلندی بعض مقامات پر بارہ ہزار فٹ سے زیادہ ہے۔ چاروں طرف سے معروف سیاحتی مقامات اور دنیا کی معروف ترین چوٹیوں سے گھرے دیوسائی کا سفر ہر ٹریکٹر کا خواب ہوتا ہے لیکن ان میں سے کم ہی خوش نصیب اس پر سفر کر پاتے ہیں کیونکہ اکثر نامواقف موسم آڑے آتا ہے۔ کبھی گرمیوں میں برف ہی نہیں پگھلتی ہے اور کبھی اتنی زیادہ پگھلتی ہے کہ پورے دیوسائی پر سیلاب آ جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں سیاح اس طرف کا رخ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ میں نے مونا اور سفیر سے کہا۔ ''شام تک پورٹرز اور گھوڑے آ جائیں گے۔ وقت ہوا تو تم لوگ اوپر چلے جانا ورنہ کل صبح سفر کا آغاز کرنا، وش یو گڈ لک!''

سفیر نے گرم جوشی سے معانقہ کیا۔ ''شہباز! آپ نے واقعی ہمارے لئے بہت کیا ہے۔ ہم صرف شکریہ ادا کر سکتے ہیں۔''

''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے جیب تھپتھپائی۔ ''تم نے مجھے ادائیگی کی ہے۔ اب مجھے اجازت دو، ابھی مجھے واپس جانا ہے اور برانچ کے معاملات درست کر کے واپس اسلام آباد جانا ہے۔''

مونا نے ہاتھ ملایا۔ ''پھر واپسی پر ملاقات ہوگی۔''

''ان شاء اللہ۔'' میں نے کہا اور جیپ اسٹارٹ کر کے اسے موڑنے لگا۔ جب تک وہ نظر آتے رہے، ہاتھ بھی ہلاتے رہے تھے۔ یہ تھی میری مونا اور سفیر سے اوّلین ملاقات۔

☆======☆======☆

ہر بچہ خواب دیکھتا ہے لیکن میں کچھ زیادہ ہی تخیل پسند تھا۔ میاں والی کا خطہ مردم خیز رہا ہے بلکہ زیادہ ہی مردم خیز ہے۔ یہ سراسر مردوں کا معاشرہ ہے۔ شجاعت اور مردانگی کا گڑھ ہے۔ اس خطے کے جیالوں نے جنگِ عظیم اوّل اور دوم میں یورپ اور افریقہ کے محاذوں پر تاجِ برطانیہ کی سربلندی کے لئے جان دی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد ان جیالوں کو ازالے کا موقع ملا اور انہوں نے پاک فوج میں شامل ہو کر دو جنگوں میں ملک کے دفاع کی جنگ لڑی۔ میرے والد ایاز ملک فوج سے میڈیکل پر ریٹائر ہوئے، ان کے پاؤں میں اکہتر کی جنگ میں گولے کا ٹکڑا لگا اور وہ فوج سے فارغ کر دیئے گئے۔ میرے دو بڑے بھائی شجاع اور شاہد فوج میں تھے۔ شجاع بھائی کرنل بن چکے تھے اور شاہد بھائی ابھی کیپٹن تھے۔ بابا کی خواہش تھی کہ ان کا تیسرا بیٹا بھی فوج میں جائے۔

بچپن میں، مَیں تعلیم کے نام سے بھاگتا تھا۔ اسکول جانے کی نسبت مجھے اپنے گاؤں کے اردگرد کے ٹیلوں پر گھومنا زیادہ پسند تھا لیکن بابا کے ڈر سے اسکول جاتا اور وہاں بور ہوتا۔ اسکول سے آتے ہی بستہ رکھ کر اور ماں جی سے نظر بچا کر باہر نکل جاتا۔ ویرانوں میں گھومتا، تھک جاتا تو کسی درخت کی چھاؤں تلے سو جاتا۔ جب گرمی اپنے جوبن پر ہوتی تو باہر جانے کے بجائے حویلی کے عقبی صحن میں لگے دو نیم کے درختوں کے تنوں سے بندھے نیٹ کے جھولے پر لیٹ کر خواب دیکھا کرتا تھا۔ میرے خواب بھی فکشن ہوتے تھے۔ انوکھی دنیاؤں اور انوکھی چیزوں کے بارے میں۔ جب اردو پڑھنا آئی تو بابا کی لائبریری سے داستانِ امیر حمزہ، الف لیلہ اور اسی قسم کی تمام کتابوں کو چاٹ ڈالا تھا پھر اس سے آگے بڑھا۔ غیر ملکی فکشن پڑھا۔ اس زمانے میں فلمیں صرف سینماؤں پر دکھائی جاتی تھیں۔ شجاع بھائی ان دنوں کالج میں تربیت حاصل کر رہے تھے۔ وہ آتے تو میرے لئے کتابیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے آتے تھے اور بابا ان پر خفا ہوتے۔ ''یہ لڑکا پاگل ہے۔ سارا دن گھومتا رہتا ہے یا کتابیں پڑھتا ہے۔''

''نہیں بابا! شوبی ذہین اور مختلف لڑکا ہے۔'' شجاع بھائی میرا دفاع کرتے تھے۔ ''اور ابھی بچہ ہے۔''

''اسے سمجھا دو، اسے بھی فوج میں جانا ہے۔ میں اسے کیڈٹ اسکول میں داخل کرانے والا ہوں۔''

بابا کی اس دھمکی نے مجھے دہلا دیا تھا۔ میں حویلی سے دور نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہاں ماں جی تھیں اور صغراں آپا تھی۔ صغراں آپا سب سے بڑی تھیں۔ شادی کے تین سال بعد ہی بیوہ ہو کر گھر آ بیٹھی تھیں۔ ایک بیٹی تھی، شمسہ جسے پیار سے شمی کہتا تھا۔ جب میں پانچویں میں تھا تب صغراں آپا کے شوہر ایک تنازع میں ثالثی کرانے گئے اور فریقین کی گولیوں کا نشانہ بن گئے تب سے صغراں آپا نے بیوگی کا سفید لباس پہن لیا اور کسی صورت اسے اتارنے کو تیار نہیں ہوئیں۔ ماں جی، بابا اور شجاع بھائی نے ہر ممکن کوشش کر لی۔ ہمارے تایا زاد بھائی یاسین ملک ان سے شادی کے خواہش مند تھے مگر صغراں آپا کی ناں ہاں میں نہ بدلی۔ کوئی زیادہ زور دیتا تو شمی کو سینے سے لگا کر رونا شروع کر دیتی تھیں۔

شمی میں ہم سب کی جان تھی، خاص طور پر میرے بغیر وہ ایک پل بھی رہنے کو تیار نہیں تھی۔ جب وہ آئی تو میرے اسکول کی چھٹیاں تھیں، جب اسکول کھلے اور میں پہلے دن جانے لگا تو شمی نے رو رو کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔ ''چھوبی نہیں جائے گا۔'' اس کی یہی رٹ تھی لہٰذا میرا اسکول جانا ملتوی کر دیا گیا۔ دو دن تک یہی ہوتا رہا۔ اس کے بعد حل نکالا گیا کہ ایک ملازمہ شمی کو لے کر میرے ساتھ جاتی تھی اور جب تک شمی آپا کے پاس جانے پر اصرار نہیں کرتی تھی، شمی ملازمہ کے ساتھ میری کلاس میں رہا کرتی تھی۔ بابا کی وجہ سے اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے یہ رعایت دی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ شمی نے میرے ساتھ جانے کی ضد ترک کر دی تو میں اکیلا اسکول جانے لگا۔

بابا نے مجھے کیڈٹ اسکول میں داخل کرانے کی بات کی تو میں پریشان ہو گیا۔ اب میں شمی اور دوسروں سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ شمی کی وجہ سے میں نے باہر جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ میں نے ماں جی اور صغراں آپا کے توسط سے بابا کے فیصلے کو بدلنا چاہا مگر ناکام رہا تھا۔ بابا تعلیم میں بہت سخت تھے۔ میرے دونوں بڑے بھائی کیڈٹ اسکول سے پڑھے ہوئے تھے۔ ماں جی نے شجاع بھائی کو اتنی سی عمر میں گھر سے دور بھیجنے پر خاصا واویلا کیا تھا لیکن ماں جی سے محبت کرنے والے اور ان کی ہر بات ماننے والے بابا نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ میری باری میں بھی انہوں نے کسی کی بات سننے سے انکار کر دیا۔

''جب اس کے دونوں بھائی گھر سے دور رہ کر پڑھے ہیں تو اس میں کون سی نوابی گل ہے۔ یہ بھی کیڈٹ اسکول جائے گا۔'' نوابی گل کی اصطلاح بابا کی ایجاد کردہ تھی اور زیادہ تر میرے لئے ہی استعمال کی جاتی تھی۔ جانے کا فیصلہ ہو گیا تھا اس لئے مجھے جانا پڑا۔ میں نے آٹھویں تک اسکول میں پڑھا تھا اور عام طور سے کیڈٹ اسکول میں بچوں کو آغاز سے لیا جاتا ہے لیکن بابا کی کوشش سے مجھے داخلہ مل گیا۔ یوں میں گھر سے دور ہو گیا۔ ابتدائی ایک مہینہ سخت گزرا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ عادت ہونے لگی۔ شمی اور ماں جی یاد آتی تھیں۔ جیسے ہی اسکول میں چھٹیاں ہوتیں میں گھر کی طرف بھاگتا۔ میٹرک کے بعد میں نے اس اسکول میں انٹر میں داخلہ لے لیا تھا۔ دوسرے سال جب گرمیوں کی چھٹیاں آئیں تب شجاع بھائی کورس مکمل کر کے کمیشنڈ آفیسر بن چکے تھے اور ان کی تعیناتی گلگت میں تھی۔ انہوں نے مجھے وہاں بلا لیا۔ پہلی بار میں نے آسمان کو چھوتے برف پوش پہاڑ دیکھے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کے حسن، رعب اور بلندی نے مجھے مسحور کر لیا تھا۔ دو مہینے میں نے خواب کی سرزمین پر گزارے۔ بھائی مجھے سیاچن بھی لے گئے جہاں پاکستان اور بھارت کی فوجوں کے درمیان جنگ زور و شور سے جاری تھی۔ ان گرمیوں میں مجھے ہائیکنگ کا شوق ہوا اور میں شجاع بھائی سے ہائیکنگ کی تربیت لیتا رہا اور جب میں نے بہت کچھ سیکھ لیا تو میری واپسی کا وقت آ گیا۔ چند دن حویلی میں رک کر میں واپس کالج آ گیا۔

سردیوں میں کالج پندرہ دن کے لئے بند ہوا تو میں جیسے ہی حویلی پہنچا، بابا نے مجھے طلب کر لیا۔

''برخوردار! امتحان ہوتے ہی آرمی کے لئے ٹیسٹ کی تیاری کرو۔''

''مگر کیوں بابا..... کیا ضروری ہے، شجاع بھائی اور شاہد بھائی کی طرح میں بھی آرمی میں جاؤں۔'' میں نے دبی زبان میں کہا تھا اور بابا کا پارا چڑھ گیا۔

''ہاں، بہت ضروری ہے۔ ہمارے خاندان نے ہمیشہ فوج کی نوکری کی ہے اور تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

''میرا اس طرف رجحان نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''رجحان!'' بابا حقارت سے بولے۔ ''یہ تم نوجوانوں میں رجحان بڑا پایا جاتا ہے۔ اگر فوج میں نہیں جانا تو برخوردار، پھر کیا کرنا ہے؟''

''میں نے ابھی سوچا نہیں۔'' میں پھر دبی زبان میں بولا۔

بابا کا پارہ مزید چڑھ گیا۔ ''خوب..... اپنے مستقبل کی اتنی فکر ہے کہ اس کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں ہے اور جو باپ سوچ رہا ہے وہ قبول نہیں ہے؟''

''بابا، میں آگے پڑھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے التجا کی۔

''کاکول میں تمہیں پڑھائیں گے، نہ ڈالے کر پی ٹی نہیں کرائیں گے۔ بس، میں نے کہہ دیا امتحان دے کر آؤ اور فوج کے امتحان کی تیاری کرو۔'' بابا کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ اس قسم کے لہجے کے بعد ان سے کوئی اختلاف کی جرأت نہیں کرتا تھا مگر اس روز میرے اندر سے اختلاف ابھرا تھا۔ میں نے صاف جواب دے دیا۔

''بابا، میں فوج میں نہیں جانا چاہتا۔''

اس کے بعد ایک طوفان اٹھا۔ بابا نے چھڑی اٹھالی تھی اور میں خاموشی سے پٹتا رہا۔ حتیٰ کہ ماں جی نے آ کر مجھے ان کے سامنے، سے ہٹا لیا ورنہ شاید بابا مجھے مار ہی ڈالتے۔ اس روز ان کو ایسا ہی غصہ آیا تھا۔ اپنے کمرے میں لا کر ماں جی نے مجھے بٹھایا اور خود ملک صاحب کو ٹھنڈا کرنے چلی گئیں۔ صغراں آپا نے آ کر میرے زخم دیکھے۔ شمی باہر سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی ورنہ وہ رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتی۔ ماں جی بابا کو چپ کرا کے آئیں پھر انہوں نے صغراں آپا کے ساتھ مل کر میرے زخموں پر مرہم لگایا تھا۔ بابا نے مارتے ہوئے نہیں دیکھا تھا کہ مجھے چوٹ کہاں لگ رہی تھی۔ ایک بار چھڑی میرے چہرے پر لگی تھی اور اس کی نوک نے میرے ہونٹ کے ذرا نیچے جلد پھاڑ دی تھی۔ اس کا نشان آج تک میرے ہونٹ پر ہے۔

''تو کیوں ملک صاحب کے حکم سے انکاری ہے؟'' ماں جی نے نم لہجے میں کہا۔ ''وہ تیرے بھلے کو کہتے ہیں۔''

میں چپ رہا۔ صغراں آپا میری پشت کے زخموں پر ہلدی لگا رہی تھیں انہوں نے کہا۔ ''شوبی تیرے بھائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی تو آرمی میں ہیں پھر تُو کیوں انکار کر رہا ہے؟"

"بس آپا! میں فوج میں نہیں جانا چاہتا۔ اگر بڑے بھائی آرمی میں گئے ہیں تو ضروری ہے کہ میں بھی آرمی میں ہی جاؤں؟"

"پر تیرے بابا نے اسے انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔" ماں جی نے فکرمندی سے کہا۔

"اگر ان کی انا اولاد کی خواہش پوری کرنے کی اجازت نہیں دیتی، تو میں کیوں ان کی بات مانوں؟"

میری بدقسمتی کہ یہ جملہ باہر سے گزرتے بابا نے سن لیا۔ ایک بار پھر طوفان آ گیا تھا۔ وہ دھاڑتے ہوئے اندر آئے اور مجھ پر پل پڑے تھے۔ رہی سہی کسر انہوں نے اس بار پوری کر دی۔ ماں جی اور آپا مجھے بچانے کی کوشش میں بابا سے پٹ گئیں۔ ایک بار بابا نے درمیان میں آتی آپا کو دھکا دیا تو ان کا سر دیوار سے جا لگا تھا۔ ان کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ ماں جی نے دیکھ کر چیخ ماری تھی۔

"یہ کیا، کیا ملک صاحب!"

صغراں آپا اکلوتی بیٹی تھیں اور بابا ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کے سر سے بہتے خون نے بابا کا غصہ آن واحد میں ٹھنڈا کر دیا تھا۔ وہ گھبرا کر اپنے شملے سے آپا کا خون روکنے لگے پھر انہیں سہارا دے کر باہر لے گئے۔ بابا کے لمبے چوڑے ہاتھوں نے مجھے پھر سے لہولہان کر دیا تھا۔ خاص طور سے ماتھے پر پڑنے والے مکے نے دو جگہ سے کھال پھاڑ دی تھی۔ بابا کی نقشین انگوٹھی چھپ کر رہ گئی تھی۔ ماں جی کبھی میری طرف دوڑ رہی تھیں اور کبھی بھاگ کر آپا کے پاس جاتی تھیں۔ بابا ان کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ بابا کا غصہ تو سرد ہو گیا تھا لیکن انہوں نے مجھ سے بات کرنا ترک کر دی۔ بلکہ دیکھتے تک نہیں تھے۔ کبھی اتفاق سے نظر پڑ جاتی تو منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ میں پندرہ دن مکمل ہونے سے پہلے ہی گھر سے چلا گیا تھا۔

ایف ایس سی میں، میں نے بہت جان ماری تھی۔ دن رات پڑھتا تھا۔ رات گئے تک جاگتا رہتا تھا۔ جیسے خود سے انتقام لے رہا ہوں۔ جب امتحان ہوئے تو پیپرز اتنے شاندار ہوئے تھے کہ مجھے یقین ہونے لگا، پورے کیڈٹ اسکول میں اوّل پوزیشن میری آئے گی۔ اسکول کا ہاسٹل بند ہونے والا تھا اور ویسے بھی یہاں کی حد تک میرا کام ختم ہو چکا تھا۔ اب مجھے بابا کے حکم کے مطابق کاکول جانا تھا یا اپنی خواہش کے مطابق کسی اور جگہ داخلہ لینا تھا۔ میں حویلی واپس آیا تو میرے لئے بابا کا غصہ برقرار تھا۔ البتہ حویلی میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ سویرا تھی، بابا کے ایک کزن کی بیٹی۔ ان کی کینسر کے مرض میں وفات ہو گئی تھی اور انہوں نے سویرا کو بابا کے حوالے کر کے انہیں سویرا کا سرپرست بنا دیا تھا جب تک کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے فیصلے خود کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔ شفقت ملک کی خاصی زمین اور دیگر جائیداد و دولت تھی جسے انہوں نے ٹرسٹ کی صورت میں سویرا کے لئے محفوظ کر دیا تھا۔ ان کے بھائی اور دوسرے افراد لالچی تھے۔ ان سے خدشہ تھا کہ وہ سویرا کو اس دولت اور زمین کے حصول کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کریں گے لہٰذا شفقت ملک نے بابا کو قانونی طور پر سویرا کا محافظ مقرر کر دیا تھا۔ وہ تیرہ برس کی تھی اور ان دنوں آٹھویں کلاس میں پڑھ رہی تھی۔ بے حد دبو اور خوف زدہ سی رہنے والی لڑکی تھی۔ میرے سامنے آنے سے کتراتی تھی اس لئے میں نے بھی اسے نظر انداز کر دیا۔

بابا کچھ عرصے تو چپ رہے تھے پھر پہلے امی اور صغراں آپا کے توسط سے مجھے حکم پہنچایا کہ میں ٹیسٹ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیاری کروں۔ جب میں نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا تو بابا نے مجھے طلب کر لیا۔

''تمہیں..... تمہاری ماں اور بہن نے میرا حکم نہیں پہنچایا؟'' انہوں نے مجھے کڑی نظروں سے دیکھا تھا۔

''جی پہنچایا۔''

''پھر..... تم نے اب تک تیاری کیوں شروع نہیں کی؟'' خلاف توقع بابا کا لہجہ نرم پڑ گیا تھا۔

''بابا! میں نے اب تک اسے قبول نہیں کیا ہے۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''آپ کیوں مجھے زبردستی فوج میں بھیجنا چاہتے ہیں؟ کیا ہمارے ملک میں اور شعبے نہیں ہیں؟''

''یہ سب میں نہیں جانتا..... مجھے واضح جواب دو۔'' بابا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''میں فوج میں نہیں جانا چاہتا۔'' میں نے دل کڑا کر کے کہہ دیا۔

''تب اس حویلی میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔ اپنا سامان لو اور یہاں سے جاؤ۔''

میں نے بے یقینی سے بابا کی طرف دیکھا۔ ''آپ مجھے حویلی سے نکال رہے ہیں؟''

''تو میں نے اور کیا کہا ہے۔ اپنی صورت لے کر دفع ہو جاؤ اور جو کرنا چاہتے ہو، کرو۔''

''اچھا..... آپ چاہتے ہیں تو ایسا ہی سہی۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ ''میں ابھی جا رہا ہوں۔''

ماں جی اور صغراں آپا کو پتا چلا تو وہ دوڑی آئی تھیں۔ ''شوبی! یہ کیا کر رہا ہے؟'' صغراں آپا نے میرے ہاتھ سے بیگ چھین لیا۔

''یہ بات آپ بابا سے پوچھیں۔ انہوں نے مجھے حویلی سے نکل جانے کا حکم دیا ہے۔ اب کیا میں یہ بات سن کر بھی بیٹھا رہوں؟''

''جھلا نہ بن..... وہ تیرے باپ ہیں۔'' ماں جی نے کہا۔ ''اور ملک صاحب سے میں ابھی بات کرتی ہوں، کیا گھر کے سارے فیصلے وہی کریں گے؟''

''تو اور کون کرتا ہے؟'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''کیا ہم نہیں کر سکتے، اپنی زندگی کے فیصلے..... اس سے تو بہتر ہے آدمی کہیں اور جا کر رہے۔'' میں نے الماری کھول کر اپنے کپڑے نکالنا شروع کر دیئے۔

''باپ تو غصے میں ایسی باتیں کر جاتے ہیں۔'' صغراں آپا نے کپڑے واپس رکھنا شروع کر دیئے۔

''انہوں نے غصے میں کہا ہے لیکن انہیں معلوم تھا، وہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' میں نے بستر کے نیچے سے جوتے نکالے۔

''تم فکر نہ کرو، ماں جی انہیں سمجھا لیں گی۔''

''بابا کبھی نہیں مانیں گے اور مان بھی گئے تب بھی اپنی شرط پر مانیں گے اور مجھے آرمی میں نہیں جانا۔''

''بھائی آرمی میں کیا خرابی ہے؟'' صغراں آپا نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اتنا عزت والا پیشہ ہے۔ پھر وطن کے محافظ بنو گے۔''

''اس میں کوئی خرابی نہیں ہے آپا! بس مجھے دلچسپی نہیں ہے۔ فوج میں پابندیاں ہوتی ہیں اور میں پابندی برداشت نہیں کر سکتا۔''

بہر حال ماں جی نے نہ جانے کیا جتن کر کے بابا سے میری گھر بدری کا فیصلہ واپس کرا دیا۔ رات میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانے کے لئے بڑے کمرے میں نہیں گیا جہاں سب رات کا کھانا اکٹھے کھاتے تھے۔ ملازمہ بلانے آئی لیکن میں نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر دیا۔ جوان گرم خون تھا اور میں اب تک اپنی بے عزتی کو شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ کئی بار میرے دل میں آ چکا تھا کہ خاموشی سے حویلی سے نکل جاؤں مگر ماں جی، آپا اور شمی کا خیال کر کے بیٹھا رہا تھا۔ تیسری بار ملازمہ کے بجائے سویرا آئی تھی، اس نے کھانے کی ٹرے اٹھا رکھی تھی۔

''ماں جی نے کھانا بھیجا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' میں نے منہ دوسری طرف کر کے کہا۔

''ماں جی نے مجھے حکم دیا ہے، آپ کو کھانا کھلا کر آؤں۔'' اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور میری طرف دیکھا۔ ''کھالیں ورنہ مجھے ماں جی کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ پتا ہے، وہ بھی کھانا نہیں کھا رہی ہیں، آپ کھائیں گے تو وہ کھائیں گی۔''

مجبوراً میں نے ہاتھ بڑھا کر روٹی توڑی۔ چند نوالے کھانے کے بعد ہاتھ کھینچ لیا۔ ''بس اب لے جاؤ۔''

''مجھے معلوم ہے، آپ تین روٹی کھاتے ہیں، آپ نے آدھی بھی نہیں کھائی ہے۔'' اس نے ٹرے کا جائزہ لیا اور میں نے اس کا۔ آج وہ پہلی بار مجھ سے اتنا سارا اور بے تکلف ہو کر بول رہی تھی۔ جبکہ اس سے پہلے اس نے سلام دعا اور چند الفاظ سے زیادہ گفتگو نہیں کی تھی۔ میں نے ایک بار پھر کھانا شروع کر دیا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا، میں تین روٹی کھاتا ہوں؟''

''مجھے تو یہ بھی پتا ہے، آپ کو مچھلی اچھی لگتی ہے۔ آپ گڑ والے چاول شوق سے کھاتے ہیں۔ برسات میں آم کے سوا کچھ نہیں کھاتے۔''

''ابھی برسات کہاں آئی ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''آپ کو پتلون قمیص اچھی لگتی ہے۔ سردیوں میں کوٹ پہنتے ہیں۔ پچھلے سال پہاڑوں پر گئے تھے اور آپ کو چپ رہنا اور ویرانوں میں پھرنا پسند ہے۔'' اس کا لہجہ شوخ سا ہو گیا تھا۔

میں نے سر ہلایا۔ ''تمہیں سب ماں جی نے بتایا ہوگا۔'' مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔''

وہ ہنسی۔ ''تو اور کون بتائے گا۔ ماں جی آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔''

میں نے بغور اسے دیکھا۔ سرخ و سفید رنگت، چھوٹی سی سرخ ناک، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور سیاہ بال۔ چھریرا جسم، میرے یوں دیکھنے پر وہ شرما گئی تھی، خود میں سمٹنے لگی۔ ''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟''

میں چونکا اور خفیف سا ہو گیا۔ ''میں دیکھ رہا تھا، آج تم میں کیا تبدیلی آئی ہے، اس سے پہلے کبھی تم نے مجھ سے اس طرح بات نہیں کی؟''

''آج ماں جی بہت پریشان ہیں، میں انہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی اسی لئے ہمت کر کے آپ سے بات کرنے چلی آئی۔''

''تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے؟''

''پہلے لگتا تھا، جب یہاں آئی تو آپا نے بتایا تھا، آپ مختلف آدمی ہو، زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتے ہو اس لئے ڈر کر آپ کے سامنے چپ ہو جاتی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایریا بھی کہہ سکتے ہیں اور اس طرف دو دروازے اور دو کھڑکیاں کھل رہی تھیں۔ میں دیوار پر چڑھا اور بے آواز اندر کود گیا۔ اندر کیونکہ فرش اونچا تھا اس لیے بلندی صرف چھ فٹ تھی اور مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ نیچے کودتے ہی میں جھک گیا کیونکہ ایک کھڑکی کھلی تھی اور اگر کوئی دوسری طرف کمرے میں موجود ہوتا تو میں اسے نظر آجاتا۔

میں کچھ دیر خاموشی سے سن گن لیتا رہا لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ سناٹا طاری تھا۔ شاید اس طرف کوئی نہیں تھا۔ پھر میں نے کھلی کھڑکی سے اندر جھانکا۔ یہ ایک سادہ سا بیڈروم تھا جس میں ایک بیڈ اور ایک ڈریسنگ ٹیبل کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ البتہ دوسرے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو وہ کھلا ہوا تھا اور اس کی کھڑکی اندر سے بند تھی اس لیے یہ کہنا مشکل تھا کہ اندر کوئی ہے یا نہیں ہے۔ اللہ کا نام لے کر میں نے دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔ اس کمرے کو خالی پا کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ شاید فرشی نشست گاہ تھی یا کسی طرح سے استعمال ہونے والا کمرہ تھا کیونکہ یہاں پر ایک قالین بچھا ہوا تھا کمبل اور ساتھ میں تکیے پڑے تھے۔ ایک تکیے کے نیچے سے کالی سی دھاتی چیز جھانک رہی تھی میں نے اسے نکالا تو میرے شک کی تصدیق ہوگئی۔ یہ ماؤزر پستول تھا۔ اصل کی چینی نقل لیکن بہت اچھی قسم کی نقل تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے نوے فی صد یقین ہو گیا کہ اس مکان میں پروفیسر اپنے آدمیوں سمیت موجود ہے ورنہ اس پستول کا کیا جواز ہو سکتا تھا۔ پستول لوڈ تھا میں نے اس کا سیفٹی کیچ ہٹایا اور اندر کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر مجھے دوسری طرف سے کسی کے آہستہ سے بولنے کی آواز آئی۔ لیکن وہ آہستہ سے نہیں بول رہا تھا بلکہ بند کمرے میں اس کی آواز کم آرہی تھی۔ میں نے دروازے سے کان لگا دیئے اور مجھے پروفیسر کی آواز شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

''شہلا تم اب تک پہنچیں کیوں نہیں؟''

وہ یقیناً فون پر بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے..... تم مجھے بتا تو سکتی تھیں..... نہیں مجھے تمہاری ضرورت ہے..... اوہ نہیں بابا ان معنوں میں نہیں..... ویسے بھی اب تم میں رکھا ہی کیا ہے۔ ہاں مجھے کسی بڑے مکان کی فوری ضرورت ہے..... میں اس حرامزادے سے رابطہ کر رہا ہوں لیکن اس کا موبائل بند جا رہا ہے..... ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... میں دیکھتا ہوں۔'' پروفیسر کا لہجہ بیزار ہو گیا تھا اور پھر اس نے فون بند کر کے کسی سے پوچھا۔ ''وہ آیا کہ نہیں؟''

''آنے والا ہے۔'' مجھے جان کی آواز آئی۔ پروفیسر کا روبوٹ نما باڈی گارڈ تھا۔ ''راستے میں ہے۔''

''اس نے شور تو نہیں مچایا۔ کیا نام ہے اس کا؟..... ہاں جیتو۔''

''نہیں سکون سے ہے۔'' جان نے جواب دیا۔

''ویسے میں اسے لانے کا مقصد نہیں سمجھ سکی۔'' اس بار دونیا کی آواز آئی۔ ''اصل آدمی تو شہباز ہے۔''

''ہاں لیکن وہ اس طرح سے قابو میں نہیں آئے گا اسے قابو کرنے کا سب سے آسان طریقہ ہے اس کے کسی ساتھی کو قابو کر لو اس کی خاطر وہ ہر بات ماننے کو تیار ہو جائے گا۔''

''کوٹھی سے تو وہ نکل بھاگنے میں کامیاب رہا اور اس نے چالاکی سے کام لے کر اپنے نشانات بھی صاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شجاع بھائی کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ بابا کے فیصلے سے مطمئن ہیں اور بالآخر مجھے زبردستی کاکول بھیج دیا جائے گا۔ اس وقت میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے چپکے سے غائب ہو جانا چاہئے اور اس وقت سے پہلے حویلی والوں کے ہاتھ نہیں آنا چاہئے جب تک ٹیسٹ کی تاریخ نہیں گزر جاتی۔ لہٰذا جیسے ہی حویلی پر خاموشی چھائی، میں نے چند جوڑے کپڑے اور اپنا ضروری سامان بیگ میں رکھا۔ مزے کی بات ہے، یہ بیگ شاہد بھائی پہلی بار کاکول جاتے وقت لے کر گئے تھے بعد میں انہوں نے یہ بیگ مجھے گفٹ کر دیا تھا۔ رات بارہ بجے جب چاروں طرف ہُو کا عالم تھا، سب گھر والے اگلے صحن میں چارپائیاں ڈالے سو رہے تھے۔ میں واحد فرد تھا جو شدید گرمی میں بھی اندر سویا کرتا تھا۔ ماں جی فجر میں اٹھتی تھیں اور میرے کمرے میں لازماً آتی تھیں اور اس وقت میری گمشدگی کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ بہرحال چار گھنٹے میں، میں خاصی دور نکل جاتا۔

ملک وال سے نکل کر میں نے نہر کے کنارے کنارے سرگودھا کا رخ کیا۔ مجھے امید تھی، صبح تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔ سرگودھا سے مجھے کہیں بھی جانے کے لئے بس مل جاتی۔ راستے میں کبھی کبھی چند گھڑی ستانے کے لئے رک جاتا تھا۔ صبح تک کوئی بارہ تیرہ میل کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ اس رات میں نے بہت سے تماشے دیکھے۔ ایسے تماشے جن کے بارے میں صرف سنا تھا، دیکھا نہیں تھا۔ اس رات دیکھ بھی لیا۔ نہر کے کنارے قطار در قطار درخت تھے۔ ایک ایسے ہی جھنڈ کے پاس سے گزرتے ہوئے چوڑیاں کھنکنے اور نسوانی ہنسی کی آواز آئی۔ ایک لمحے کو میں ٹھٹک گیا تھا اور میرے ذہن میں چڑیلوں اور چھلاوں پریوں کے وہ سارے قصے گھوم گئے تھے جو میں بچپن سے سنتا آ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے جذبات میں ڈوبی مردانہ آواز نے سارا معاملہ آن واحد میں کھول کر رکھ دیا تھا۔ یہ محبت کا مارا کوئی جوڑا تھا جو رات کے اس پہر ماں باپ کی عزت قدموں تلے روند رہا تھا۔ ہنسی اور درختوں سے آنے والی حیوانی آوازوں نے بتایا کہ وہ ہر حد پار کر چکے تھے۔ میں چاہنے کے باوجود بے حیائی کا یہ تماشا نہ دیکھ سکا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ اس سے کوئی دو ڈھائی میل آگے جواریوں کی ایک ٹولی ملی، میری آہٹ محسوس کر کے وہ اتنے بدحواس ہوئے کہ تاش کے پتے اور رقم چھوڑ کر نہر میں کود گئے تھے۔ اس تماشے نے مجھے محظوظ کیا تھا اور میں ہنستے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔ ایک جگہ دو رسا گیر چوری کی بھینس کو نہر عبور کرنے پر آمادہ کر رہے تھے اور وہ تاریکی میں پانی میں اترنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ ایک اور مقام پر درختوں کے جھنڈ کے اندر سے مجھے چھن چھن کی آواز آئی اور کسی نے میرا نام لے کر مجھے پکارا۔ میں نے جواب دینے یا رکنے کے بجائے رفتار تیز کر دی تھی۔ نام لینے والی میرے پیچھے آنے لگی۔ بلاشبہ یہ خوف کا مقام تھا مگر میں نے ذرا بھی خوف محسوس نہیں کیا تھا حالانکہ کچھ دیر پہلے چوڑیوں کی کھنک کے ساتھ نسوانی ہنسی نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ آواز نے خاصی دیر تک میرا پیچھا کیا اور پھر چپ ہو گئی۔

قریبی مسجد میں اذان کی آواز سن کر نہر کے کنارے سوتا بوڑھا مزدور نہر سے وضو کر کے مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ کسان اپنے کھیتوں کا رخ کر رہے تھے۔ جب صبح کی روشنی پوری طرح پھیلی تو چمکتے چہروں کے ساتھ بچے بستے سنبھالے اسکولوں کا رخ کر رہے تھے، رات بیت چکی تھی لیکن میں اسے آج تک فراموش نہیں کر سکا۔ ایک جھگی ہوٹل سے ناشتا کر کے میں نے بس اسٹینڈ کا رخ کیا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ میں لاہور یا راولپنڈی کا رخ کروں۔ یہ دونوں بڑے شہر تھے، یہاں مجھے قدم جمانے کا کوئی نہ کوئی موقع مل جاتا مگر جب بس اسٹینڈ پر پہنچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو تم پہلی فرصت میں مجھے چھوڑ جاؤ۔''

دونیا بولی تو اس کی آواز میں شکست خوردگی تھی۔''جب اتنا جانتے ہو تو میری طلب کے لیے مجھے اتنا کیوں تڑپاتے ہو؟''

اس وقت میرا ذہن کسی اور قسم کی طلب کی طرف گیا تھا لیکن پروفیسر کے جواب نے معاملہ کلیئر کر دیا۔

''ابھی احتیاط کی ضرورت ہے مجھے دوا بنانے میں کچھ وقت لگے گا اور اس کے لیے کسی پُرسکون جگہ کی ضرورت ہے۔ اسٹاک کم ہے اگر تم نے احتیاط نہیں کی تو خود مشکل میں پڑ جاؤ گی۔''

''میں خود..... پر قابو رکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا پلیز پوری نہیں تو آدھی گولی دے دو۔'' دونیا منتجی لہجے میں بولی۔''میں مر رہی ہوں۔''

''او کے۔'' پروفیسر نے کچھ دیر بعد کہا۔''میں ابھی آدھی گولی دوں گا لیکن تم کل سے پہلے پھر نہیں مانگو گی۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں۔'' دونیا نے جلدی سے کہا۔

مجھے یہ جان کر دکھ ہوا تھا کہ دونیا جیسی جوان اور بہ ظاہر پڑھی لکھی نظر آنے والی لڑکی کسی منشیات کی لت کی وجہ سے پروفیسر جیسے شخص کے آگے مجبور تھی اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ پروفیسر کی داشتہ بھی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ دیکھنے میں بالکل بھی کسی ایسے نشے کی عادی نہیں لگتی تھی۔ اس کے برعکس وہ تر و تازہ اور زندگی سے بھرپور نظر آتی تھی۔ انسان کو اپنا عادی بنا لینے والا ہر نشہ سب سے پہلے اس کی تازگی چھین لیتا ہے۔ پروفیسر شاید اس کمرے سے کہیں اور گیا تھا۔ دونیا اس کمرے کی طرف آئی جہاں میں موجود تھا۔ آہٹ سن کر میں نے دروازے کے پیچھے پوزیشن سنبھال لی تھی۔ ہینڈز اَپ کرانے کا وقت نہیں تھا۔ جیسے ہی وہ اندر آئی میں نے اس کی گردن پر ہاتھ مارا اور پھر اسے پکڑ لیا ورنہ وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر رہی تھی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے میں نے اسے ایک طرف اس طرح لٹا دیا جیسے وہ آرام کر رہی ہو اور اس کے سر کے نیچے ایک تکیہ بھی رکھ دیا۔

یہ مکان اندر سے گرم نہیں تھا پھر بھی یہاں سردی اتنی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے دونیا نے وہی مختصر سی ہلکے کپڑے کی شرٹ اور بہت چست جینز پہن رکھی تھی۔ میرا وار کاری تھا اور اس کے دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میرا ارادہ پروفیسر کے آنے کی صورت میں اسے بھی دونیا کے برابر میں لٹانے کا تھا۔ اس کے بعد میں بیتو کو لے کر یہاں سے نکل جاتا۔ اس لیے جب دروازے پر آہٹ ہوئی تو میں بالکل تیار تھا۔

مگر اس بار میرا اندازہ غلط نکلا وہ پروفیسر نہیں بلکہ جان تھا۔ وہ اندر آیا اور میں نے اس کی گردن پر وار کیا۔ وہ بلند قامت تھا اور اس کا قد کم سے کم بھی چھ فٹ چار انچ تھا اس لیے میرا وار اس کے شانے پر لگا اور وہ بے خبری کی وجہ سے ذرا سا لڑکھڑا کر آگے چلا گیا تھا۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی میں نے پستول نکالا اور اسے جان کے مضبوط سر پر آزمانے کی کوشش کی۔ مگر اتنی دیر میں وہ ہوشیار ہو گیا تھا اس نے جھکائی دی اور پستول کا دستہ اس کے شانے پر لگا۔ اس نے اپنی بائیں کہنی پیچھے کی طرف اچھالی جو میرے سینے سے ٹکرائی اور مجھے لگا جیسے میرا سانس رک گیا ہو میں دروازے سے ٹکرایا اور دروازہ بند ہو گیا۔

میں نے سنبھل کر اسے لات ماری اور یہ میری غلطی تھی۔ اس نے میری ٹانگ پکڑ لی اور مجھے آگے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز میں آواز ملاتے ڈرائیور کے گرد جمع ہونے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ان کو کھانا کھانے کا موقع دیا جائے یا پیسے دلوائے جائیں۔ مگر ڈرائیوران دونوں باتوں کو ماننے سے انکار کر رہا تھا۔ جھگڑا بڑھا اور مسافر ڈرائیور کو زبردستی اتار کر نیچے لے گئے۔ دو افراد تیس چالیس افراد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ جھگڑا ہوٹل تک جا پہنچا تھا جب ہوٹل والے نے مسافروں کا مطالبہ سنا تو اس نے بھی انکار کر دیا۔ وہ کھانا دوبارہ کھلانے کو تیار تھا اور نہ پیسے واپس کرنے کو۔

میں ٹہلتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور نصف گھنٹے بعد واپس آیا تو جھگڑا عروج پر پہنچنے کے بعد ختم ہو چکا تھا۔ مار پیٹ کی کارروائی میں زیادہ نقصان ہوٹل والے کا ہوا تھا، لوگوں نے نہ صرف اس کا خستہ حال فرنیچر توڑ پھوڑ دیا تھا بلکہ اس کے گلے سے اپنے کھانے کے پیسے نکال لئے تھے۔ مار اپیٹا الگ تھا۔ مرمت ڈرائیور اور کنڈیکٹر کی بھی ہوئی تھی مگر وہ اس قابل تھے کہ بس چلا سکتے تھے۔ میں واپس اپنی نشست پر بیٹھا تو سرمد علی بے حد خوش تھا اس نے مجھے سرگوشی میں بتایا۔ ''میں نے ہوٹل والے کے گلے سے دو سو روپے نکالے ہیں۔ کھانے کے پچیس روپے دیئے تھے۔''

''مزے کرو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''آپ کہاں جاؤ گے؟''

''ابھی سوچا نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا تو اس نے پیشکش کی۔

''میرے گاؤں چلو..... کاغان کی خوبصورت ترین جگہ ہے۔ میرے گھر رکنا..... جب دل چاہے، آگے چلے جانا۔ سچ کہتا ہوں، زمین پر جنت ہے میرا گاؤں۔''

مجھے کہیں رکنا تھا اور میرے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ ہوٹل وغیرہ کا خرچ برداشت کر سکتا اس لئے میں نے سرمد علی کی پیشکش قبول کر لی۔ وہ بھی مجھ سے کچھ نہ کچھ وصول کرتا مگر ہوٹل کے اخراجات سے کم ہی ہوتا۔ ''ٹھیک ہے سرمد علی! ممکن ہے ہفتہ، دن دس رک جاؤں۔''

سرمد علی خوش ہو گیا تھا۔ ''میں تم کو پورا کاغان گھماؤں گا۔ ادھر چکور اور مارخور کا شکار ملتا ہے۔ تم کو شکار کھلاؤں گا۔''

اس وقت مجھے شکار یا کسی بھی شے سے دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے ماں جی اور ثمی یاد آ رہے تھے۔ نہ جانے میرے اس طرح خاموشی سے غائب ہونے پر ان دونوں کا کیا حال ہو گا؟ ماں جی اور ثمی کے بارے میں سوچتے سوچتے دو سیاہ آنکھیں بھی سوچوں میں در آئیں جو میرے بارے میں بہت کچھ جانتی تھیں۔ کیا سویرا بھی اداس ہو گی۔ اس نے مجھے کیسے کھانا کھلایا تھا۔ دبلی دبلی اور چپ رہنے والی لڑکی کتنی ذہین نکلی تھی اور کتنی دلیر ہو گئی تھی۔ سوچتے سوچتے نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی تھی۔ اچانک کسی نے میرا شانہ ہلایا، یہ سرمد علی تھا۔ ''اٹھ جاؤ برادر..... ہمیں اترنا ہے۔''

ہمارے بس سے اترنے سے پہلے شام ان فلک بوس پہاڑوں میں اتر آئی تھی۔ جو چاروں طرف سر اٹھائے کھڑے تھے اور ان پر گھنے سبز جنگلوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ دور برف پوش چوٹیاں ڈھلتی دھوپ کا مزہ لے رہی تھیں۔ میں نے اپنا بیگ اتار لیا۔ سرمد علی کے پاس کوئی سامان نہیں تھا اس لئے اس نے اصرار کر کے مجھ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا بیگ لے لیا۔ ''برادر! اب تم میرے مہمان ہو اور ہم مہمان سے کوئی کام نہیں لیتے، اس کے سارے کام خود کرتے ہیں۔''

''اس عزت پر میں تمہارا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں دوست!'' میں نے بے تکلفی سے کہا۔

''جیسا تم کہو برادر!'' سرمد علی نے سڑک سے نیچے جاتی ایک پتلی سی پگڈنڈی پر اترنا شروع کر دیا تھا۔ دور تک صرف پہاڑ تھے۔ سرمد علی کا گاؤں نہ جانے کہاں تھا؟ یہ جگہ انتہائی سرسبز تھی۔ اونچے اور موٹے تنوں والے درخت تھے۔ ان کے دامن میں جھاڑیاں پھیلی تھیں۔ ایک جگہ اسٹرابیری جیسی جھاڑیوں پر اسٹرابیری جیسا پھل تھا، میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن سرمد علی نے روک دیا۔ ''نہیں برادر! اسے مت کھانا۔''

میں سمجھا کہ شاید زہریلا پھل ہے اس لئے سرمد علی منع کر رہا ہے۔ سرمد علی مجھے اپنے گاؤں کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کی بلندی چھ ہزار سات سو فٹ تھی اور اس کے اردگرد کی پہاڑی ڈھلانوں پر کسان چاول، گندم اور جو کاشت کرتے تھے۔ انگور کی بیلیں تھیں۔ جب انگور اترتا تھا تو گاؤں کے بچے انہیں چھابڑی میں رکھ کر سڑک کے کنارے بیچا کرتے تھے۔ گزرنے والی گاڑیوں کے مسافر سستے داموں ان سے انگوروں خرید لیتے تھے۔ کاشت کاری کے بعد دوسرا پیشہ مویشی پالنا تھا۔ گاؤں کے بعض افراد محنت مزدوری کرنے شہروں کو جاتے تھے اور بعض اسکردو اور گلگت جا کر پورٹر کا کام کرتے تھے۔ گاؤں کی آبادی تین ہزار کے قریب تھی۔ شروع نومبر سے وسط مارچ تک برف باری ہوئی تھی اور ہر شے برف کا سفید لبادہ اوڑھ لیتی تھی۔ ان پانچ مہینوں میں گاؤں والے اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور سوائے اشد ضرورت کے گھر سے نہیں نکلتے تھے۔ ان پانچ مہینوں کے لئے ضروریاتِ زندگی اور جانوروں کی خوراک وہ پہلے ہی ذخیرہ کر لیا کرتے تھے۔ ان پانچ مہینوں میں وہ کم خوراک کھاتے اور زیادہ ترسوتے تھے۔

وسط مارچ کے بعد جب برف پگھلنا شروع ہوتی تو وہ سب سے پہلے اپنے گھروں کی مرمت کیا کرتے تھے۔ جنہیں برف باری اور سرمائی طوفانوں سے نقصان ہوا کرتا تھا۔ اپریل کے آغاز میں درخت پودے برف جھٹک کر نئے پتوں کی چادر اوڑھ لیا کرتے تھے۔ کسان اپنے کھیتوں کی مرمت اور درستگی میں لگ جاتے۔ مویشی چرانے والے مویشی لے کر نچلی چراگاہوں کا رخ کرتے جہاں برف پہلے ہی پگھل جاتی تھی اور تازہ چارہ مویشیوں کے لئے وافر مقدار میں دستیاب ہوتا تھا۔ جب اوپر بھی بہار آتی تو مویشی والے اپنے جانور لے کر واپس آ جاتے۔ وادی بھرپور طور پر جاگ جاتی تھی۔ انگور کی خشک شاخوں میں نئے پتے آنے لگتے تھے۔ سیڑھی نما کھیتوں میں چاول اور گندم کے پودے سر اٹھانے لگتے تھے۔ وسط جون تک کھیت سبز ہو جاتے تھے۔ اس سبزے میں کہیں کہیں پھولوں کے رنگ نمایاں ہوتے تھے۔ جولائی کے آخر میں خوشے پکنا شروع ہوتے تو سبزہ بتدریج سنہرے رنگ میں بدلنے لگتا۔ اس وقت کسانوں کی بھرپور کوشش کے باوجود پھول بھی سر اٹھاتے تھے اور کھیت رنگوں کا مجموعہ بن جاتے تھے۔ جس سال کھیتوں کی سنہری فصل پر یہ رنگ غالب آ جاتے، اس سال کسان مایوس ہوتے تھے۔ کیونکہ فصل کم ہوتی تھی اور جس سال سنہری رنگ غالب رہا کرتا تھا، کسانوں کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بیج نکالنے کے بعد باقی فصل کاٹ کر اور خشک کر کے آنے والی سردیوں میں جانوروں کی خوراک کے طور پر محفوظ کر لی جاتی تھی۔ سرمد علی الفاظ کے استعمال کے ہنر سے واقف تھا۔ وہ اتنے دل چسپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انداز میں اپنے علاقے کے بارے میں بتا رہا تھا کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بات میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔ میں خود بھی معاشرے کی پیداوار تھا، کھیت کھلیان اور جانور میرے لئے اجنبی نہیں تھے۔

پگڈنڈی اب بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ راستے میں کئی افراد ملے تھے۔ جب کوئی آدمی سامنے سے آتا، سرمد علی داستان گوئی روک کر اس سے معانقہ کرتا، اس کے خاندان اور جانوروں تک کا حال احوال دریافت کرتا، میرا تعارف کراتا اور رکنے والا آدمی مجھ سے گلے مل کر آگے بڑھتا، تب ہم سفر شروع کرتے۔ سرمد علی مقامی زبان میں بات کرتا تھا اس لئے میں صرف اندازہ لگا سکتا تھا۔ مجھے خدشہ محسوس ہونے لگا کہ ہم اس طرح علیک سلیک کرتے آگے بڑھتے رہے تو اگلی صبح ہی سرمد علی کے گاؤں تک پہنچ سکیں گے مگر جیسے ہی پگڈنڈی بلندی پر پہنچ کر مائل بہ نشیب ہوئی۔ سامنے سے ایک حسین وادی بتدریج ابھرنے لگی۔ پہلے سبز کھیت نظر آئے، جن کے درمیان بے شمار رنگوں والے بے شمار پھول کھلے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم کھیتوں کے درمیان سے گزرتے وادی کے وسط میں واقع گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔ سورج کی آخری کرنوں میں سارا منظر واضح تھا۔ گاؤں کے تمام مکان لکڑی اور مٹی کی مدد سے بنائے گئے تھے، یہ نیم زمین دوز مکان تھے۔ جن کی ڈھلان چھتوں پر انگور کی بیلیں پھیلی تھیں۔ جہاں انگور کی بیلیں نہیں تھیں وہاں پھولدار بیلیں تھیں۔ لوگوں نے ننھی ننھی کیاریاں بنا کر ان میں بھی پھولدار پودے لگا رکھے تھے۔ سوائے گلیوں کے اور کہیں بھی مٹی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وادی میں چاروں طرف پہاڑ جیسے جھکے پڑ رہے تھے۔ ہوا میں ایسی مہک تھی جسے پوری شدت سے محسوس کیا جا سکتا تھا لیکن بیان کرنا دشوار تھا۔ یہ پھولوں، پودوں اور اس وادی کی ملی جلی خوشبو تھی۔

وادی میں داخل ہوتے ہی علیک سلیک کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔ کسان اپنے بیل نما جانور (زوہ کہلانے والا یہ جانور دراصل گائے اور یاک کا کراس ہوتا ہے کیونکہ گائے کو زیادہ بلندی پر تکلیف ہوتی ہے اور یاک نیچے آ کر بے کار ہو جاتا ہے لہٰذا ان دونوں کے ملاپ سے زوہ وجود میں لایا گیا تھا۔ جیسے گھوڑے اور گدھے کی ملاپ سے زیادہ خصوصیات والا خچر وجود میں آتا ہے مگر خچر کے برعکس زوہ تولیدی صلاحیت رکھتا ہے اور درمیانی بلندی پر خوب کام کرتا ہے) چھوڑ کر سرمد علی سے معانقہ کر رہے تھے۔ وہ بھی بلا تکلف مٹی اور کیچڑ میں سنے ان کسانوں سے گلے مل رہا تھا۔ البتہ میں نے صرف مصافحے پر اکتفا کیا۔ ان میں سے کئی افراد اردو جانتے تھے اور بڑی محبت سے میرا حال احوال دریافت کر رہے تھے۔

گاؤں کے نزدیک آتے ہی بچوں کے ایک غول نے ہمیں گھیر لیا۔ سرخ و سفید رنگت اور سنہرے بھورے بالوں والے یہ بچے جتنے خوبصورت تھے، اتنے ہی میلے کچیلے اور گندے بھی ہو رہے تھے۔ بیشتر نے پورے کپڑے بھی نہیں پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں گھیرا تو سرمد علی ڈانٹ کر انہیں دور بھگانے لگا۔ وہ کچھ دور جاتے اور دوبارہ ہمارے اردگرد چلنے لگتے۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہوتے ان بچوں کی تعداد سو ڈیڑھ سو تک جا پہنچی تھی۔ سرمد علی انہیں ڈانٹتے ہوئے مجھ سے معذرت کر رہا تھا۔ میں ہنسنے لگا۔ ''اگر تم میرے گاؤں آؤ تو بالکل ایسا ہی ایک غول تم کو بھی گھیر لے گا۔''

''لیکن یہ کچھ زیادہ ہی ڈھیٹ ہیں۔'' سرمد علی نے بچوں کو غصے سے دیکھا اور اپنی زبان میں ان سے بالفاظ دیگر خطاب کیا مگر بچے سن کر بے لطف نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں سے بعض قہقہہ مار کر ہنسے تھے۔ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس پروٹوکول کے ساتھ سرمد علی کے گھر تک آئے۔ اس نے مجھے باہر بچھی وسیع و عریض چارپائی پر بٹھایا اور میرا بیگ بھی وہیں رکھ کر اندر چلا گیا۔ مجھے ان علاقوں کا رواج پتا تھا اس لئے میں نے باہر بٹھائے جانے کو محسوس نہیں کیا۔ بچے اب بھی وہاں جمع تھے اگرچہ ان کی تعداد میں کمی ہوگئی تھی۔ ایک گھنٹے تک پیدل چل کر میں تھکن محسوس کر رہا تھا اس لئے بلاتکلف چارپائی پر دراز ہوگیا۔ آرمی کے ٹیسٹ ہونے میں ابھی ایک مہینا باقی تھا۔ اس لئے مجھے ایک مہینے سے پہلے گھر کا رخ نہیں کرنا تھا اور یہ جگہ دو تین ہفتے گزارنے کے لحاظ سے بری نہیں لگ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اندر سے ایک بچہ مٹی کا بڑا سا پیالہ لایا جس میں سفید گاڑھا دہی تھا۔ بچے نے پیالہ میری طرف بڑھاتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ وہ یہ گاڑھا دہی پینے کی دعوت دے رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ اس علاقے کی لسی تھی۔ صبح کا ناشتا کئے ہم چکا تھا اور میں بھوک محسوس کر رہا تھا اس لئے پیالے کی لسی پی گیا۔ اس کا ذائقہ میٹھا اور مزے کا تھا۔ لسی پیتے ہی میں تروتازہ ہوگیا تھا اور سفر کی ساری تھکن لمحوں میں دور ہوگئی تھی۔ تاریکی چھا رہی تھی۔ پہاڑوں سے مویشی چرانے والے اپنے جانور لے کر اتر رہے تھے۔ ان میں کئی عورتیں اور لڑکیاں بھی تھیں۔ کسان بھی اپنے بیل اور اوزار سمیٹ کر واپس آ رہے تھے۔ شاید خالی کھیتوں میں جوار اگایا جا رہا تھا۔ بچے کھچے بچے بھی اپنے گھروں کو سدھارے تو میں نے سکون محسوس کیا تھا۔ سرمد علی ایک گھنٹے بعد اندر سے نکلا۔ ان کا رواج تھا کہ مہمان کو اس کی مرضی پر چھوڑتے تھے۔ چوبیس گھنٹے اس کے سر پر سوار نہیں رہا کرتے تھے۔ سرمد علی کپڑے بدل کر آیا تھا۔

''برادر! اندر آؤ..... ادھر کچھ دیر میں سردی بہت ہو جائے گی۔''

اس نے میرا بیگ اٹھا لیا تھا۔ سورج ڈوبتے ہی خنکی میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا اور ہلکے کپڑوں میں مجھے سردی لگ رہی تھی۔ سرمد علی کا مکان بھی زمین دوز تھا۔ اندر جاتے ہی اس کے مفلوج باپ سے ملاقات ہوئی جو چارپائی پر پڑا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ اس نے رسمی سے انداز میں مجھ سے ہاتھ ملایا اور دوبارہ حقہ گڑگڑانے میں لگ گیا۔ اس کے پاس سے تمباکو کی تیز بو آ رہی تھی۔ شاید اس کا دن رات کا مشغلہ یہی تھا۔ سرمد علی نے بتایا۔

''میرے باپ کے دونوں پاؤں اوپر سے گرنے کی وجہ سے ٹوٹ گئے تھے تب سے بستر پر پڑا ہے، کبھی کبھی بیساکھی کا سہارا لے کر باہر چارپائی تک چلا جاتا ہے، اس کا سارا کام اس کی دوسری بیوی کرتی ہے۔''

''تمہارے کتنے بہن بھائی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

سرمد علی نے انگلیوں پر حساب لگایا۔ ''تین بیویوں سے میرے باپ کے گیارہ بچے ہیں۔''

میں دنگ رہ گیا۔ ''تمہارے باپ نے تین شادیاں کی ہیں۔''

سرمد علی مسکرایا۔ ''ادھر مرد عام طور سے شرعی کوٹا پورا کرتے ہیں۔ میرے باپ کو افسوس ہے کہ وہ چوتھی شادی کیوں نہیں کر سکا۔''

میں نے دل میں بڑے میاں کی بلند خیالی کی داد دی اور سرمد علی کے ساتھ اندر جانے لگا تو ایک طرف سے ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکی نکلی، وہ ایک چمٹے میں انگارے لے کر جا رہی تھی۔ شاید اپنے باپ کے حقے کے لئے۔ سرمد علی مجھے عقبی حصے میں ایک چھوٹی سی لیکن صاف ستھری کوٹھری تک لایا۔ ''یہ میرا کمرا ہے۔''

وہاں ایک صندوق تھا اور فرش پر خوش رنگ قالین بچھا ہوا تھا۔ میں جوتے اتار کر اس پر ہی بیٹھ گیا۔ میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیگ سرمد علی نے ایک جانب کھونٹے سے ٹانگ دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب سرمد علی سے حساب کتاب کر لیا جائے۔ ''دوست! یہ بتاؤ کہ مجھے طعام و قیام کا کیا دینا پڑے گا؟''

''کیا.....!'' پہلے تو سرمد علی کا منہ کھل گیا تھا پھر وہ خفا نظر آنے لگا۔ ''میں نے تمہیں مہمان کہا ہے، کیا تم ہمیں اتنا بے غیرت سمجھتے ہو کہ مہمان سے خرچہ لیں؟ خدا کی قسم، تم ساری عمر بھی رہو تب بھی مہمان رہو گے۔''

سرمد کو غصہ آ گیا تھا۔ میں نے معذرت کر کے بمشکل اسے ٹھنڈا کیا تھا۔ ''بھائی، مجھ سے غلطی ہوئی۔''

''شکر کرو، تم نے یہ بات میرے باپ کے سامنے نہیں کی ورنہ وہ اپنے پاس بھری بندوق رکھتا ہے۔'' نہ جانے سرمد علی نے مجھے دھمکایا تھا یا مذاق کیا تھا۔ مہمان کو گولی مارنے کا رواج دنیا میں کہیں نہیں تھا۔ سرمد علی مجھے وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ باہر سے کبھی کبھی عورتوں اور بچوں کی آواز آتی تھی، میں نے محسوس کیا کہ باہر سے مختصر نظر آنے کے باوجود یہ مکان اندر سے خاصا وسیع تھا۔ میٹھے دہی کی لسی پی کر مجھ پر خمار طاری ہو رہا تھا اس لئے میں پھر دراز ہو گیا مگر چند منٹ بعد ہی سرمد علی ایک تسلا اور لوٹے میں پانی لے کر آ گیا۔ اس نے میرا منہ ہاتھ دھلایا۔ اس کے چند منٹ بعد کھانا آ گیا۔ موٹی خمیری روٹیاں، بھنا گوشت اور اچار تھا۔ یہ کسی مقامی جڑی بوٹی کا اچار تھا۔ ہلکا سا ترش لیکن بے حد مزے دار تھا۔ کھانا اتنا لذیذ تھا کہ میں بھوک سے زیادہ ہی کھا گیا تھا۔ کھانے کے بعد الائچی والا سبز قہوہ آیا۔ اب مجھ پر شدت سے نیند سوار تھی اس لئے جیسے لیٹا، ویسے ہی سو گیا۔

صبح سویرے سرمد علی نے مجھے اٹھا دیا۔ ''برادر! رفع حاجت کے لئے یہی وقت ہے، دن میں تمہیں خاصا دور جانا پڑے گا، آ جاؤ۔''

میرے بیگ میں ایک ہلکی جیکٹ تھی، میں نے باہر جانے کے لئے نکالی تو سرمد علی نے اسے رکھ کر مجھے ایک گرم چادر پیش کر دی۔ ''یہ کام آئے گی۔'' اس نے کہا۔ ''پردے کا کام بھی کرے گی۔''

باہر بلا کی سردی اور تاریکی مسلط تھی، لگ ہی نہیں رہا تھا، یہ گرمی کا موسم ہے، جب گرمی کے موسم میں اتنی شدت کی سردی پڑتی ہے تو سردیوں میں کیا حال ہوتا ہو گا! واپسی پر سرمد علی نے مجھے بتایا۔ ''سردیوں کا مت پوچھو۔ رات کو باہر نکلنے کی ہمت کوئی نہیں کرتا، بے شک اس کا بچہ مر رہا ہو۔ دن میں بھی، بہت ضرورت کی وجہ سے اچھی طرح پہن اوڑھ کر نکلتے ہیں ورنہ ہاتھ پیروں کو سردی کھا جاتی ہے۔ ہمارے گاؤں میں سب سے زیادہ موتیں سردی کی ہوتی ہیں، خاص طور سے بوڑھے اور بچے سردی کی شکار ہوتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ طبی امداد نہ ملنے سے مرتے ہیں۔''

''یہاں پاس کوئی اسپتال یا ڈاکٹر نہیں ہے؟''

''قریب ترین اسپتال بھی یہاں سے کوئی چالیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے، گرمیوں میں بھی کوئی بیمار پڑ جائے تو اسے اتنی دور لے جانا مسئلہ ہوتا ہے۔ سردیوں میں تو کسی کو اسپتال تک لے جانا ناممکن ہوتا ہے۔ سارے راستے بند ہوتے ہیں، سردی اتنی شدید ہوتی ہے کہ جسے اسپتال لے جایا جا رہا ہو۔ وہ بعض اوقات سردی سے مر جاتا ہے۔''

ملک دال میں بھی عام آدمی کے لئے حالات اچھے نہیں تھے۔ گاؤں میں ایک ڈسپنسری تھی، جس میں کام کرنے والا کمپاؤنڈر ہی مریضوں کا علاج کرتا تھا۔ کوئی بیمار پڑ جاتا تو اسے حسب توفیق ریڑھے، تانگے پر ڈال کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسپتال لے جایا جاتا تھا لیکن سرمد علی کے اس گاؤں میں صورت حال حد درجے خراب تھی۔ یہاں بیمار پڑنے والا خود لوٹ پوٹ کر ٹھیک ہو جائے تو ہو جائے ورنہ ملک الموت ہی آ کر اسے تکلیف سے نجات دلاتے تھے۔ یہ جگہ جتنی خوبصورت تھی، یہاں کے لوگ غربت میں جکڑے ہوئے اتنی ہی بدصورت زندگی جی رہے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔

''سرمد علی! تم نے مجھے اپنے گاؤں کا نام تو بتایا ہی نہیں ہے؟''

''گلار نام ہے اس کا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''بدقسمت لوگوں کا خوبصورت گاؤں..... ہمارے ہاں شرح پیدائش اور شرح اموات دونوں زیادہ ہیں۔ پچھلے دس سال میں بمشکل دو سو افراد کا اضافہ ہوا ہے۔ درحقیقت آبادی کم ہوتی ہے۔ کئی افراد اپنے کنبوں سمیت بیرون گاؤں جا چکے ہیں۔''

ہم ایک اخروٹ کے باغ کے گرد چند فٹ اونچی پتھروں سے بنی چار دیواری پر بیٹھ گئے، ابھی آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ ہوا سرد لیکن تازگی لئے ہوئے تھی۔ یوں لگتا جیسے میں ہوا کے بجائے خنکی کے سمندر میں سانس لے رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد ہم اندر آئے۔ میں پھر سو گیا۔ سرمد علی نہ جانے کیا کرنے لگا۔ میری آنکھ کھلی تو کوٹھری بدستور تاریک تھی مگر کلائی میں بندھی گھڑی دس بجا رہی تھی۔ سرمد علی کو آواز دینے پر ایک بچہ اشارے سے باہر لے گیا۔ سرمد علی کا باپ اپنی چارپائی پر پڑا تھا اور کل والی لڑکی اس کے پیروں پر کسی تیل سے مالش کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ سرمد علی کے گھر کی کوئی اور عورت نظر نہیں آئی تھی۔ مجھے معلوم تھا، ان علاقوں میں پردے کا رواج نہیں ہوتا ہے مگر مرد اور عورت کا میل جول ان کی روایت نہیں ہے ورنہ عورتیں یہاں معاشرتی اور معاشی سرگرمیوں میں برابر کا حصہ لیتی ہیں، وہ کھیتوں اور باغوں میں کام کرتی ہیں۔ مویشی چراتی ہیں اور بھیڑوں سے حاصل ہونے والا اون کاتتی ہیں۔ خالی اون کے مقابلے میں دھاگے کی زیادہ قیمت ملتی ہے۔ جن خاندانوں کے مرد نہیں تھے یا کام کے غرض سے شہروں کو گئے تھے، وہاں عورتیں سارا کام خود کرتی تھیں۔ سرمد علی نے مجھے بتایا کہ اس کی دو بڑی مائیں اور تین بہنیں کھیتوں میں کام کرنے کے ساتھ مویشی چراتی ہیں اور تیسری ماں گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ بچے نے مجھے گھر سے باہر ایک کیاری میں منہ ہاتھ دھلوایا۔ دانت صاف کرنے کے لئے مجھے ایک عدد مسواک دی جو کسی مقامی درخت کی شاخ تھی۔ بہرحال اس سے دانت صاف ہو گئے تھے۔ سرمد علی اندر کے بجائے باہر سے آتا نظر آیا تھا۔ اس نے آتے ہی بچے کو کوئی حکم دیا اور وہ اندر بھاگ گیا۔ کچھ دیر بعد ناشتا آ گیا۔ دیسی گھی میں بنے پراٹھے اور تلے ہوئے انڈے تھے۔

''ناشتا کر لو پھر میں تمہیں راجا صاحب سے ملوانے لے جاؤں گا، اس علاقے کے مشہور آدمی ہیں۔ انگریزوں کے زمانے میں فوج میں شامل تھے۔ بڑا شاندار گھر بنایا ہے، اس کے باغ میں دنیا بھر کے درخت اور پودے ہیں۔''

''پر یار! وہ راجا صاحب مجھ سے کیوں ملیں گے؟''

''ضرور ملیں گے، اس علاقے میں باہر سے آنے والے ہر فرد سے مل کر وہ خوش ہوتے ہیں۔ ان کا حکم ہے کہ باہر سے کسی کے ہاں کوئی فرد آئے، وہ اسے راجا صاحب سے ملوانے ضرور لائے۔ دراصل لوگوں سے ملنا اور ان سے باتیں کرنا ہی راجا صاحب کی تفریح رہ گئی ہے۔ کسی زمانے میں یہاں ایک بڑا نواب تھا، اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورے علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ یہ راجا صاحب اس کی اولاد میں سے ہیں۔ راجا صاحب کا آبائی محل ایک زلزلے میں تباہ ہو گیا تھا، اب تو اس کے کھنڈرات باقی رہ گئے ہیں مگر ان کا موجودہ محل بھی کم نہیں ہے۔ بے شمار نوادرات ہیں۔ خاص طور سے تصاویر والی گیلری دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ راجا صاحب اپنے مہمانوں کو یہ سب دکھا کر خوش ہوتے ہیں۔"

"میں ضرور چلوں گا۔" میں نے کہا۔

"بس تو پھر تیار رہو۔ کپڑے بدلنا ہے تو بدل لو۔" سرمد علی رومال سے ہاتھ صاف کرتا اندر چلا گیا۔ میں بھی سیر ہو چکا تھا۔ ناشتے کے بعد پھر الائچی والا سبز قہوہ آیا۔ شاید ان کے یہاں دودھ والی چائے کا رواج نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد بچہ مجھے اندر لے گیا۔ ایک بار پھر وہی لڑکی سامنے آئی۔ اس بار وہ لوٹا لے کر سرمد علی کے باپ کے ہاتھ دھلا رہی تھی۔ مجھے اس کے چہرے پر عجیب سی بے رونقی اور سپاٹ پن نظر آیا تھا۔ میں کپڑے بدل کر آیا۔ اگرچہ یہ لوگ اچھے ہی لگ رہے تھے مگر میں نے اپنی رقم بیگ میں نہیں چھوڑی تھی۔ بیگ پر چھوٹا سا تالا لگا تھا جو بہ آسانی کھولا جا سکتا تھا۔

سورج نکلتے ہی گاؤں میں سرگرمیوں کا آغاز ہو جاتا تھا۔ لوگ اپنے کھیتوں، باغوں یا پھر مویشی لے کر چراگاہوں کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ انگور کی بیلیں خوشوں سے بھر گئی تھیں۔ خوشے بھی پکنے کے قریب تھے۔ اوپری ڈھلانوں پر سیب، خوبانی، آڑو اور آلو بخارے کے باغات تھے۔ تمام باغ پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ سرمد علی اندر سے آیا تو ہم راجا صاحب کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ اس بار ہم گاؤں کے مخالف سمت والے حصے سے گزرے تھے۔ اس کے بعد کھیتوں کا مرحلہ آیا۔ کھیت ختم ہوئے تو باغات شروع ہوئے۔ کہیں کہیں چیری کے درخت بھی تھے۔ جن پر چیریاں لٹک رہی تھیں۔ ایک جگہ وہ اسٹرابیری جیسا پھل نظر آیا جسے سرمد علی نے کھانے سے منع کیا تھا۔ اس بار میں نے پوچھ لیا۔ "یہ پھل زہریلا ہوتا ہے؟"

"نہیں تو..... تم سے کس نے کہا!" وہ حیرت سے بولا۔

"کل گاؤں کی طرف آتے ہوئے راستے میں اس کی جھاڑی نظر آئی تو تم نے کھانے سے منع کیا تھا۔"

"اوہ..... ہاں..... دراصل اسے خالی پیٹ نہیں کھاتے..... تکلیف کرتا ہے، دوسرے اسے کھانے کے بعد شدت کی پیاس لگتی ہے۔ وہاں راستے میں کہیں پانی نہیں ملتا۔"

"یعنی اب کھا سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں..... کچھ آگے چل کر پانی بھی مل جائے گا۔"

میں نے سرمد علی کے ساتھ مل کر جھاڑی پر بچے کھچے پھلوں کا صفایا کر دیا۔ سرمد علی کی بات درست نکلی۔ چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ مجھے پیاس لگنے لگی اور دس منٹ بعد ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے کئی روز سے پانی نہیں پیا ہو۔ شکر ہے کہ کچھ دور جاتے ہی ٹھنڈے پانی کا چشمہ مل گیا، اس کے پانی سے میں نے اور سرمد علی نے پیاس بجھائی۔ مزے کی بات ہے چند گھونٹ پانی پیتے ہی تشنگی مٹ گئی تھی۔ اس وقت دو بچے جن میں سے ایک دس گیارہ سال کی لڑکی اور دوسرا اس کا ہم عمر لڑکا تھا، بھیڑیں دوڑاتے چشمے تک آئے تھے۔ سرمد علی نے کہا۔ "یہ میرے بہن بھائی ہیں۔ بھائی بڑی ماں سے ہے جو میری ماں بھی ہے۔ بہن چھوٹی ماں سے ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس سے بڑی بہن ہے جو گھر میں تمہارے باپ کی خدمت کرتی ہے؟'' میں نے ایسے ہی پوچھ لیا۔

''ارے نہیں.....'' اس نے جھینپ کر جواب دیا۔ یکدم سرمد علی شرمندہ سا نظر آنے لگا تھا۔ ''وہ میری بہن نہیں ہے۔ میرے باپ کی تیسری بیوی ہے۔''

میں دم بخود رہ گیا تھا۔ ''بیوی ہے..... مگر وہ تو بہت کم عمر ہے۔ مشکل سے چودہ پندرہ سال کی ہوگی۔''

''ہمارے ہاں، ایسا ہی رواج ہے۔ میرے باپ کے پاس رقم تھی۔ اس نے اپنے لئے بیوی خرید لی۔ لڑکی کے گھر والوں کو صرف رقم سے مطلب ہوتا ہے۔ وہ مرد کی عمر وغیرہ نہیں دیکھتے۔''

''لیکن یہ تو ظلم ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا تھا۔

''ہاں ظلم تو ہے لیکن یہ ہمارے معاشرے کی روایات میں سے ہے۔'' سرمد علی نے اعتراف کیا۔ ''نہ جانے کب سے ایسا ہوتا آ رہا ہے اور کب تک ایسا ہوتا رہے گا!''

''تم اسے غلط سمجھتے ہو۔''

''اگرچہ ہماری مذہبی اور معاشرتی روایات کے لحاظ سے غلط نہیں ہے لیکن عورت کو خریدنے اور بیچنے کو میں نے کبھی اچھا نہیں سمجھا۔''

مجھے سچ مچ شاک لگا تھا، میں جسے اس معذور شخص کی بیٹی سمجھ رہا تھا، وہ اس کی بیوی نکلی۔ سرمد علی کا باپ کم سے کم بھی پینتالیس برس کا تھا یعنی اس لڑکی سے تین گناہ سے بھی زیادہ بڑا تھا۔ وہ معصوم پھول جیسی لڑکی اپنی باپ کے عمر کے شخص کی بیوی تھی جو معذور بھی تھا۔ اسے کسی بے زبان مویشی کی طرح خرید کر سرمد علی کے باپ نے اپنے باڑے میں ڈال لیا تھا۔ وہ سرمد علی سے بھی چار پانچ سال چھوٹی تھی۔ میں باقی راستے خاموش رہا۔ راجا عمر دراز کا محل وادی کے ایسے حصے میں تھا جو سرمد علی کے گاؤں گلار سے نظر نہیں آتا تھا۔ وادی آگے جا کر خم کھا رہی تھی اور راجا عمر دراز کا محل اس حصے میں تھا۔ یہاں پر درجن بھر گھروں پر مشتمل ایک آبادی اور تھی، ان گھروں میں بسنے والے راجا عمر دراز کے ملازم تھے۔ اس کی زمینوں پر کام کرتے تھے۔ یہاں وادی بلند ہونے کے باوجود زیادہ ہموار تھی اور راجا کی زمین کم سے کم پچاس ایکڑ تھی۔ اوپر کے باغات اس کے علاوہ تھے۔ وسیع و عریض، لکڑی اور پتھر سے بنا یہ محل مقامی طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ اس کے گرد پتھر سے بنی دس فٹ سے زیادہ اونچی چار دیواری تھی۔ پھاٹک فولادی اور کوئی بارہ فٹ چوڑا تھا۔ ستونوں پر شیروں کے سر نقش تھے۔ ایک طرف تختی لگی تھی جس پر راجا عمر دراز کا نام اور اس مقام کی بلندی سات ہزار دو سو بائیس فٹ بلند درج تھا۔ پھاٹک پر مسلح دربان تھے۔ سرمد علی نے ان سے مقامی زبان میں کچھ کہا اور انہوں نے پھاٹک کھول دیا۔ اندر رنگ و خوشبو کی ایک دنیا تھی۔ روش کے دونوں جانب رنگا رنگ اور شاید ہزاروں اقسام کے پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ یہ عام قسم کے پھول نہیں تھے بلکہ ان میں سے بیشتر میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

''راجا صاحب کا یہ باغ بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے۔'' سرمد علی نے کہا۔ ''غیر ملکی سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں۔ ان میں سے بعض اقسام کے پھول اور پودے صرف دس ہزار فٹ بلندیوں پر اگتے ہیں لیکن راجا صاحب نے کسی ترکیب سے انہیں اپنے باغ میں اگا لیا ہے۔'' کوئی ایک ایکڑ کا رقبہ باغ کے لئے مخصوص تھا۔ راجا عمر دراز کا محل اس پتھریلی چار دیواری کے تقریباً وسط میں تھا۔ عمارت بہت بڑی نہیں تھی لیکن پُرشکوہ تھی اس کی اوپری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منزل لکڑی کی تھی جس پر نفاست سے نقاشی کا کام کیا گیا تھا۔ نچلی منزل کے سامنے ایک بڑا سا چبوترا تھا جس پر سیڑھیاں چڑھ کر جانا پڑتا تھا۔ راجا صاحب اس چبوترے پر ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ انہیں ہماری آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔

''خوش آمدید میرے نوجوان مہمان!'' انہوں نے ہاتھ ملایا۔ ''مجھے اس علاقے میں اتنے کم عمر پاکستانی کو دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔''

''راجا صاحب میں ایک عام سا نوجوان ہوں اور میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔ آپ کے تعارف کے لئے یہ باغ کافی ہے۔'' میں نے اپنا تعارف کرایا۔

راجا عمر دراز خاصا عمر رسیدہ تھا۔ اس کی عمر کم سے کم بھی ستر برس تھی۔ سرخی مائل تانبے جیسی رنگت، بھتوسط قد و قامت اور سفید بالوں اور مونچھوں کے ساتھ راجا عمر دراز کسی اسپینش فلم کا کردار لگ رہا تھا۔ اس نے جینز کی پتلون اور کھلی سی سفید شرٹ پہنی تھی۔ ہاتھ میں گھڑسواری والی مخصوص چھڑی تھی۔ وہ شاید کہیں سے گھڑسواری کر کے آ رہا تھا۔ چبوترے پر میز کے گرد کرسیاں رکھی تھیں۔ راجا نے ہمیں ان پر بٹھایا اور اپنے ملازم سے کچھ کہا۔ پھر مجھ سے بولا۔

''شہباز احمد! تم نے میری شخصیت کے بارے میں ادھورا اندازہ لگایا ہے۔ یہ پھول میری زندگی کا صرف ایک حصہ ہیں۔''

''میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔''

راجا مجھ سے میری تعلیم اور مشاغل کے بارے میں پوچھتا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ مایوس تھا۔ عمر دراز بہترین اردو بولتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''تم اس طرف کیوں آئے ہو۔ لڑکے تو اس عمر میں لاہور اور کراچی جانا پسند کرتے ہیں۔''

''مجھے بڑے شہروں اور ہجوم سے وحشت ہوتی ہے۔ میں تو اپنے گاؤں میں بھی گوشہ تنہائی تلاش کرتا ہوں۔ پچھلے سال میں بڑے بھائی کے پاس گلگت گیا تھا، تب سے یہ پہاڑ مجھے اچھے لگتے ہیں۔''

''پہاڑ اچھے لگتے ہیں۔'' راجا نے پہلی بار دلچسپی سے مجھے دیکھا۔ ''کس لحاظ سے اچھے لگتے ہیں؟''

''یہ مجھے نہیں معلوم۔'' میں نے سوچ کر جواب دیا۔ ''بس اچھے لگتے ہیں۔ مجھے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔''

''خوش قسمت ہو نوجوان!'' راجا عمر دراز نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ ''یہ کیفیت کوئی کوئی ہی محسوس کرتا ہے۔ پہاڑ ہر ایک کو نہیں بلاتے..... اسے ہی بلاتے ہیں جسے اپنا کوئی بھید بتانا ہو۔ شہباز احمد، میری بات یاد رکھنا۔ تمہارا مقدر پہاڑوں سے جڑا ہے۔'' عمر دراز کے لہجے میں کوئی ایسی کیفیت تھی کہ میں ان الفاظ کی سنسنی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے پھر کہا۔

''ممکن ہے ابھی تم یہاں سے چلے جاؤ اور ممکن ہے طویل عرصے تک نہیں آؤ لیکن جن لوگوں کو پہاڑ کشش کرتے ہیں، وہ ان سے زیادہ دیر دور نہیں رہ سکتے، بالآخر وہ ان کے پاس آتے ہیں۔''

''کیا آپ کو بھی پہاڑ کشش کرتے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں..... بدقسمتی سے اس علاقے میں چند ایک ہی ملیں گے جنہیں پہاڑ اچھے لگتے ہیں۔ بیشتر لوگ ایسے ہی جو پہاڑوں سے بے زار ہیں۔ کیونکہ یہ انہیں روٹی نہیں دے سکتے۔ بس موسم کی سختیاں اور رکاوٹیں دیتے ہیں۔ انہیں وہ سہولت نہیں ملتی ہے جو میدانی علاقے کے لوگوں کو عام ملتی ہیں لہٰذا یہ پہاڑوں سے شکوہ کرتے ہیں، انہیں موردِ الزام ٹھہراتے ہیں حتیٰ کہ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کا بس چلے تو ان نامہربان پہاڑوں سے دور چلے جائیں۔''

''یہ لوگ اس طرح سوچتے ہیں؟'' میں حیران ہوا تھا۔ ''شہروں میں رہنے والے تو اس طرف آنے کے لئے ترستے ہیں۔''

''وہ دوسری بات ہے، انہیں دور سے پہاڑوں کی خوبصورتی متاثر کرتی ہے۔ وہ آتے ہیں شہروں جیسے ہوٹلز میں رکتے ہیں۔ شہروں جیسی دکانوں سے شاپنگ کرتے ہیں اور شہروں جیسی سڑکوں پر چلتے پھرتے واپس چلے جاتے ہیں۔ مگر ایسے سرپھرے بھی آتے ہیں جو صرف پہاڑوں کے لئے آتے ہیں۔ وہ ان کی دشوار گزار بلندیوں کے پاس جاتے ہیں۔ ناہموار راستوں پر پیدل سفر کرتے ہیں۔ راتوں کو کھلے آسمان تلے سوتے ہیں، یہی اصل میں پہاڑوں کے شیدائی کہلانے کے مستحق ہیں۔ باہر سے آنے والے شیدائی زیادہ ہوتے ہیں۔ دنیا کے کونوں کھدروں سے ان پہاڑوں کے عاشق چلے آتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایسے عاشق کم پائے جاتے ہیں۔''

راجا عمر دراز کو بولنے کا فن آتا تھا۔ اس عمر میں آ کر آدمی باتونی ہو جاتا ہے لیکن راجا کے انداز میں ایک چاشنی تھی۔ سننے والا بور نہیں ہوتا تھا۔ شاید اس نے میرے بارے میں جو کہا تھا وہ اپنی باتوں کو دلچسپ بنانے کے لئے کہا تھا ورنہ ان الفاظ کے خاص معنی نہیں تھے۔ پھر بھی میں ان الفاظ کی سنسنی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ کچھ دیر میں راجا کا ملازم چیری کا تھال لے کر آیا تھا۔ یہ پھل بلندی پر ہی ملتا ہے۔ اب اسے نیچے بھی کاشت کیا جانے لگا ہے لیکن جو لذت بلندی پر اُگنے والی چیری میں پائی جاتی ہے، وہ نیچے اگنے والی چیری میں نہیں پائی جاتی۔ بلندی سے نیچے لائے جانے پر یہ اتنی جلدی گل سڑ کر ختم ہو جاتا ہے کہ اسے میدانی منڈیوں تک رسائی کا موقع ہی نہیں ملتا ہے۔ چیری کے بعد خشک میوہ آیا اور آخر میں خوشبودار قہوہ، جو اس علاقے کی رواج بھی ہے اور ضرورت بھی۔

خاطر تواضع کے بعد راجا عمر دراز نے ہمیں اپنے محل کو اندر سے دیکھنے کی دعوت دی۔ چبوترے پر سے چند سیڑھیاں مزید چڑھ کر ہم صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ اس طرف ایک گیلری تھی۔ جس کے دائیں بائیں کوئی نصف درجن دروازے تھے۔ گیلری کوئی پچاس فٹ لمبی تھی اور آگے جا کر دائیں بائیں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ دیواروں کے ساتھ اخروٹ کی لکڑی سے بنی منقش میزیں تھیں جن پر مجسمے رکھے تھے، پتھر سے بنے یہ مجسمے شاید اس علاقے کی کسی پرانی تہذیب سے نکالے گئے تھے۔ ان کا انداز گندھارا تہذیب سے ملتا جلتا تھا۔ دیواروں پر روغنی تصاویر لگی تھیں۔ مجھے اگرچہ مصوری سے خاص دلچسپی نہیں تھی لیکن راجا عمر دراز کا دل رکھنے کے لئے میں ان میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ہر تصویر کے سامنے کچھ دیر رکتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔ مگر ایک تصویر نے مجھے سچ مچ روک لیا۔ یہ عجیب و غریب سی تصویر تھی۔ اس میں مصور نے تخیلاتی جانوروں کو دکھایا تھا۔ دو بائی ڈھائی کے کینوس میں اوپر بادلوں سے سورج کی کرنیں نکل کر نیچے ایک اہرام نما سنہری عمارت پر گر رہی تھیں۔ اس عمارت کے دائیں جانب وہ دیو مالائی مخلوق تھی جس کا جسم گھوڑے کا اور اوپری حصہ انسان جیسا تھا، اس کے ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تیر کمان تھا۔ ایک طرف انسانی جسم اور شیر جیسے چہرے والی مخلوق تھی۔ سامنے والے حصے میں دو سفید گھوڑا، گھوڑی آپس میں اٹکھیلیاں کر رہے تھے اور ان کے ماتھے پر سینگ سے تھے۔ اس وقت مجھے ان سب باتوں کے بارے میں خاص علم نہیں تھا کیونکہ یہ سب مغربی دیومالائی تاثر تھا۔ بہرحال تصویر نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

راجا عمر دراز بغور میری دلچسپی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اچانک پوچھا۔ ''تمہارے خیال میں یہ سب فرضی ہے؟''

''ظاہر ہے، اس قسم کے جانور ہماری دنیا میں کہاں پائے جاتے ہیں؟''

''برخوردار! بہت کچھ جو اس دنیا میں نہیں پایا جاتا، فرضی نہیں ہوتا ہے۔ ہر تخیل کے پس پشت کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور پائی جاتی ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے یہ جانور بھی حقیقت ہیں۔ دنیا میں کہیں پائے جاتے ہیں؟''

راجا عمر دراز مسکرایا تھا۔ ''تجربہ سننے سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے، تمہیں کبھی نہ کبھی ایسا تجربہ ہوگا۔ تب تم اس کی صداقت پر ایمان لاؤ گے۔ بات یہ ہے کہ دنیا کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے لئے ہمارے ظاہری حواس ناکافی ہیں، بہت ساری چیزیں ہمیں اپنی اندر کی آنکھ سے دیکھنی پڑتی ہیں۔ بہت ساری آوازیں ہم ان ظاہری کانوں سے نہیں سن سکتے۔ انہیں ہمارے اندر کے کان سنتے ہیں۔ بہت ساری چیزوں کو ہمارا شعور نہیں جانتا ہے لیکن لاشعور جانتا ہے۔''

اس کی فلسفیانہ گفتگو ہمیں مرعوب کر رہی تھی۔ ظاہر ہے یہ گفتگو اٹھارہ انیس سال کے لڑکوں کی ذہنی سطح سے خاصی بلندی تھی۔ راجا عمر دراز ہمیں اندر لے گیا۔ ایک کمرا پتھروں کے لئے مخصوص تھا۔ وہ انوکھی ساخت کے اور قیمتی پتھر تھے۔ شیشے کے شوکیسوں میں محفوظ ان پتھروں میں کئی کلوگرام وزنی نیلا شیدہ زمرد تھا۔

''یہ دنیا کا سب سے بڑا زمرد ہے جو پاکستان کی ایک کان سے نکلا ہے۔'' عمر دراز نے بتایا۔ ''ممکن ہے اس کی قیمت کئی لاکھ ڈالرز ہو۔''

''میرے خدا!'' میرے منہ سے نکلا تھا۔ ''تب آپ نے اسے فروخت کیوں نہیں کر دیا؟''

''میرے لئے یہ نادر ہے۔'' عمر دراز بولا۔ ''اس کی قیمت میرے لئے بے کار ہے۔ میرا اعزاز تو یہ ہے، دنیا کا سب بڑا زمرد میرے پاس ہے۔ آؤ میں ایک چیز اور دکھاؤں۔''

ایک شوکیس پر کپڑا پڑا تھا۔ راجا عمر داز نے اس پر سے کپڑا ہٹایا تو اندر ایک طشتری میں شتر مرغ کے انڈے کے سائز کا بالکل سیاہ پتھر تھا۔ اس کا رنگ اس قدر کالا تھا کہ اسے دیکھنے کے لئے بھی غور کرنا پڑتا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ پتھر روشنی جذب کر رہا ہو۔ ''یہ کیا چیز ہے راجا صاحب!'' سرمد علی بولا۔

''یہ بات میں بھی نہیں جانتا۔ میں نے چند ماہرین کو بھی دکھایا ہے لیکن وہ بھی اس کی ماہیت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس کی عجیب خاصیت تم ابھی دیکھو گے۔ اس وجہ سے اس کے شوکیس پر کپڑا پڑا رہتا ہے۔''

راجا عمر دراز کے اس محل میں بجلی تھی جو ظاہر ہے، جنریٹر سے پیدا کی جا رہی تھی کیونکہ اس پورے علاقے میں میلوں تک بجلی کا نام و نشان نہیں تھا۔ راجا نے شوکیس کے اوپر لگا بلب جلا دیا، اب سیاہ پتھر پر تیز روشنی پڑ رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ کئی منٹ گزر گئے اور ہم ساکت کھڑے پتھر کو گھور رہے تھے۔ مجھے بے چینی ہونے لگی اور مزید کئی منٹ گزرنے کے بعد میں گلا صاف کر کے راجا عمر دراز سے اس پتھر کی عجیب خاصیت کے بارے میں پوچھنے جا رہا تھا کہ مجھے کچھ محسوس ہوا۔ پتھر میں کوئی تبدیلی آئی تھی۔ یہ میرا وہم تھا یا سچ مچ اس کی سیاہی کم ہو رہی تھی، ناقابلِ یقین..... پتھر سچ مچ رنگ بدل رہا تھا۔ میں نے سرمد علی کی طرف دیکھا۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ بھی وہی کچھ دیکھ رہا ہے جو میں دیکھ رہا تھا۔ پتر کی سیاہی کم ہو رہی تھی اور کہیں کہیں سفید لہر سی نمودار ہو کر غائب ہو جاتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان سفید لہروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اب پتھر پر تربوز جیسی دھاریاں بن کر کٹ رہی تھیں۔ پھر سیاہی کم ہونے لگی اور سفیدی اس پر غالب آ گئی۔ اندر رہ رہ کر سفید لہریں اٹھ رہی تھی تب مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ یہ پتھر نہیں کسی شفاف مادے سے بنا خول تھا جس میں کوئی سیال بھرا تھا۔ مشکل سے پندرہ منٹ کے اندر اس کی ساری سیاہی ختم ہو گئی تھی اور سفید چمک دار پانی یا مائع صاف نظر آ رہا تھا اور اس کی سفیدی بتدریج بڑھ رہی تھی۔ اچانک عمر دراز نے دیوار پر لگا ایک سوئچ دبایا اور کمرے کے تمام بلب بجھ گئے تھے مگر روشنی تھی۔ یہ روشنی اس پتھر نما خول والی شے کے سیال سے نکل رہی تھی اور اتنی تیز تھی کہ ہم ایک دوسرے کے چہرے واضح طور پر دیکھ سکتے تھے۔ مارے حیرت کے میں اور سرمد علی گنگ تھے۔ ہم اس کے بارے میں پوچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ چند منٹ تک تو اس گولے کی روشنی برقرار رہی لیکن پھر رفتہ رفتہ مدھم پڑنے لگی۔ اب اس کی سفیدی پر سیاہی پھر سے چھا رہی تھی۔ حتیٰ کہ روشنی اتنی کم ہو گئی کہ گولے کے آس پاس ہی محدود ہو گئی۔ چٹ کی آواز کے ساتھ کمرے میں روشنی ہو گئی تھی۔ راجا عمر دراز نے بھاری مخملیں کپڑا دوبارہ شوکیس پر ڈال دیا۔

"یہ کچھ بھی نہیں ہے، اگر اسے سورج کی روشنی دو تو یہ رات کئی گھنٹے تک چمکتا رہتا ہے اور جب اس کی چمک عروج پر ہو تو اسے دیکھنا بھی سورج کو دیکھنے کی طرح مشکل ہو جاتا ہے۔"

"اس کے اندر سیال بھرا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں..... کئی بار میں نے سوچا کہ اس کا خول توڑ کر اسے دیکھوں..... لیکن اس خیال سے رک جاتا ہوں کہ کہیں یہ عجوبہ شے ضائع نہ ہو جائے۔"

"آپ اس کے مالک ہیں لیکن ہمارے لئے اس کا دیدار ہی کسی عجوبے سے کم نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میں سرمد علی کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے آپ سے ملوایا۔"

"نوجوان! تم جب تک یہاں ہو، روز مجھ سے ملنے آ سکتے ہو۔ اگر سرمد علی تمہیں اپنا مہمان نہ بنا چکا ہوتا تو میں تمہیں مہمان بنا کر خوشی محسوس کرتا۔ مجھے پہاڑوں سے محبت کرنے والے لوگ اچھے لگتے ہیں۔"

راجا عمر دراز نے ہمیں باقی محل دکھایا لیکن اور کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ ہم واپس چبوترے پر آ گئے۔ راجا عمر دراز نے کھانے پر رکنے کے لئے کہا لیکن سرمد علی نے انکار کر دیا۔ "راجا صاحب! مجھے اپنے دوست کو وادی کے اور حصے بھی دکھانے ہیں۔"

"ٹھیک ہے..... لیکن کل دوپہر کا کھانا تم دونوں میرے ساتھ کھاؤ گے۔"

"منظور ہے۔" سرمد علی بولا۔ "اب ہمیں اجازت دیں راجا صاحب!"

راجا عمر دراز نے ہاتھ ملا کر ہمیں چبوترے سے ہی رخصت کر دیا تھا۔ پھاٹک کی طرف آتے ہوئے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ تین بج رہے تھے۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ مسلح دربانوں نے پھاٹک کھولا۔

''لگتا ہے راجا صاحب اپنے نوادرات کی وجہ سے خاص حفاظت کرتے ہیں۔''

''نہیں یہ تو روایت ہے۔'' سرمد علی بولا۔ ''یہاں کون چرانے آئے گا۔ وادی کے برے لوگ بھی راجا صاحب کا احترام کرتے ہیں۔''

''باہر سے آ کر کوئی چرا سکتا ہے۔ اگر راجا صاحب ہر اجنبی کو اپنے نوادرات دکھا دیتے ہیں تو یہ خطرے والی بات ہے۔''

''اوّل تو تم اجنبی نہیں ہو، میں تمہیں لے کر گیا تھا۔ راجا صاحب مجھ پر اعتماد کرتے ہیں کہ میں کسی غلط آدمی کو لے کر نہیں آ سکتا۔ دوسرے وہ ہر کسی کو اپنے نوادرات نہیں دکھاتے۔ نہ جانے کیوں وہ تم پر اتنے مہربان ہو گئے ہیں۔ میں کتنی ہی بار راجا صاحب کے نوادرات والے کمرے میں جا چکا ہوں اور آج پہلی بار اس پتھر کو دیکھا ہے۔''

''راجا صاحب تم پر بھی مہربان ہیں۔''

''وہ میرے محسن ہیں۔ مجھے انہوں نے ہی تعلیم دلائی ہے۔ میرے تعلیم کے تمام اخراجات وہی برداشت کر رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ وادی کے بچوں کے لئے اسکول قائم کریں۔ میرے علاوہ اور بھی کئی لڑکوں کی تعلیم کا ذمہ راجا صاحب نے اٹھا رکھا ہے، جو اپنی تعلیم مکمل کر کے یہاں پر بچوں کو پڑھائیں گے۔''

''راجا صاحب سچ مچ بڑے آدمی ہیں۔''

''ہاں..... لیکن لوگ انہیں دھوکا دے جاتے ہیں۔ وادی کے ایک لڑکے کو راجا صاحب نے اپنے خرچ پر میڈیکل کی تعلیم دلوائی اور جب اس نے تعلیم مکمل کر لی تو وادی میں آ کر لوگوں کا علاج کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ یہاں ڈاکٹر کی اشد ضرورت ہے۔ وقتِ ضرورت راجا صاحب لوگوں کو قرض بھی دیتے ہیں۔ وہ لوگوں کی خالی فصلیں بھی خرید لیتے ہیں کیونکہ ان کی فصلیں ٹرکوں کے ذریعے شہروں کی طرف جاتی ہیں۔''

یعنی راجا صاحب نیک نامی بھی کما رہے تھے اور دولت بھی۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ اس طرح وادی کے لوگوں کو اپنا احسان مند بنا کر اپنا کام نکال رہے تھے لیکن سرمد علی کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک طرف وادی کے لوگوں کے کام آتے تھے تو دوسری طرف ان سے فائدہ بھی اٹھا رہے تھے۔ سرمد علی مجھے مزید ندی کی طرف لے جا رہا تھا۔ اب پہاڑی ڈھلانوں پر گھنے جنگلات تھے۔ پانچ فٹ قطر کے ستراسی اور بعض قامت سو فٹ سے زیادہ بلند دیودار اور چیڑ کے درخت تھے۔ بلندی پر سفید برف بھی تھا۔ جن کے سفید سرے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ بعض افراد درختوں سے شاخیں کاٹ کر رہے تھے۔

''حکومت نے اس علاقے میں درخت کاٹنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ دس سال پہلے سرکاری ٹھیکے دار آ کر درخت کاٹ کر لے جاتے تھے۔ اس سے جنگلات کو بہت نقصان ہوتا تھا۔ پھر پابندی لگ گئی تو جنگلات دوبارہ بڑھ گئے۔ وادی کے لوگ نئے درخت لگاتے ہیں اور پرانے درختوں سے صرف شاخیں کاٹتے ہیں۔ یہ لکڑی جلانے اور معمولی مرمت کے کاموں میں استعمال ہوتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور تعمیراتی کاموں کے لئے لکڑی کہاں سے آتی ہے؟''

''اکثر لوگوں نے اپنی نجی زمینوں پر درخت لگا رکھے ہیں۔ جب ضرورت پڑتی ہے تو ان درختوں سے لکڑی لیتے ہیں۔''

بلندی پر لکڑہاروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جس میں ورجن بھر گھر تھے۔ جب برف باری شروع ہوتی تو یہ اپنے گھر چھوڑ کر نیچے وادی میں چلے جاتے تھے اور جب برف پگھلتی تو یہ واپس آ جاتے اور لکڑی کاٹ کر گزارہ کرتے تھے، نیچے وادی میں انہوں نے ایک بڑا سا مشترکہ گھر بنا رکھا تھا۔ یہ ایک ہی خاندان کے لوگ تھے اس لئے مل جل کر رہتے تھے۔ لکڑی کاٹ کر بیچنا اور گھر بنانا ان کے روزگار کا ذریعہ تھا لیکن یہ بڑھئی نہیں تھے۔ سرمد علی نے مجھے ان کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا، گھروں کے قریب جا کر اس نے کرم نامی کسی شخص کو آواز دی۔ ایک پندرہ سولہ سال کا لڑکا باہر آیا تھا۔ وہ گرم جوشی سے مقامی زبان میں کچھ کہتا سرمد علی کے گلے لگ گیا خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد سرمد علی نے ہمارا تعارف کرایا۔ لڑکے نے پھر مقامی زبان میں کچھ کہہ کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور بھاگ کر ایک چارپائی لے آیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس بلندی پر ہوا میں خنکی تھی لیکن ساتھ ہی دھوپ بھی تیز تھی۔ میں نے دیکھا، کرم کی جلد جگہ جگہ سے جھلسی ہوئی تھی۔ یہ دھوپ میں زیادہ دیر رہنے کا نتیجہ تھا پھر وہ ہمارے لئے وہی گاڑھا دہی لے آیا جو اصل میں مقامی لسی تھی۔ اسے پی کر حسبِ معمول میں نے تازگی اور فرحت محسوس کی تھی۔ کرم اردو زبان سے نابلد تھا اس لئے سرمد علی مترجم کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ لڑکا میرے بارے میں متجسس تھا اور سرمد علی اس کی تشفی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ ہمارے لئے روٹی اور مختلف سبزیوں کا ایک مجموعہ لایا، جس میں ابلے گوشت کے ٹکڑے تھے۔ ترکاری پھیکی تھی لیکن بھوک کی وجہ سے مزہ آیا تھا۔ بلندی کی وجہ سے ہر شے ادھ گلی تھی کیونکہ بلندی پر کم دباؤ کی وجہ سے پانی سو درجے سینٹی گریڈ سے کم پر کھول جاتا ہے اس لئے ابال کر بنائی جانے والی اشیاء ادھ گلی رہ جاتی ہیں۔ بہرحال چل چل کر میری بھوک چمک گئی تھی اس لئے میں نے سیر ہو کر کھایا۔

کرم نامی یہ لڑکا سرمد کا بچپن کا دوست تھا اور سرمد علی جب آتا تھا، اس سے ملنے ضرور آتا۔ جب ہم اس کے پاس سے چلنے لگے تو وہ بھاگا ہوا اندر گیا اور اس نے سرمد علی کو شہد سے بھری ایک بڑے سائز کی بوتل دی۔ یہ شہد اس نے خود چھتے سے اتارا تھا۔ اس دوران میں کوئی ورجن بھر مکھیوں نے اسے اپنے ڈنک سے نوازا تھا۔ اس نے ہمیں نشانات بھی دکھائے تھے۔ سرمد علی نے راستے میں بتایا۔ ''کرم نے اس میں سے آدھا شہد تمہیں دیا ہے۔ وہ معذرت کر رہا تھا کہ اس کے پاس مزید شہد نہیں ہے ورنہ تمہیں الگ سے دیتا۔''

''میری طرف سے اس کا شکریہ ادا کرنا اور میرے حصے کا شہد بھی تم رکھو..... میں کہاں لے کر جاؤں گا۔''

''اپنے گھر اور کہاں!'' سرمد علی نے ذرا تعجب سے کہا تھا۔

''میں فی الحال وہاں نہیں جا سکتا۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔ ''اور ممکن ہے مجھے واپسی کی اجازت بھی نہ ملے۔''

''کیوں..... وہ تمہارا گھر ہے؟''

مجھے لگا کہ اگر میں نے کسی کو نہ بتایا تو شاید میرے دل کا بوجھ بڑھتا جائے گا۔ میں ایک درخت تلے رک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا اور رفتہ رفتہ سرمد علی کو اپنی کہانی سنا دی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ جب میں نے اپنی بات ختم کر لی تو وہ دوبارہ چلنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور ہم وادی میں اترنے لگے۔ اگرچہ سرمد علی نے میری داستان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی کوئی بات کی تھی لیکن میں اندر کی بات کہہ کر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ راجا عمر دراز کے محل کے پاس سے گزرے تو اندر سے ملی جلی خوشبوئیں باہر تک محسوس کی جا سکتی تھیں۔ راجا عمر دراز بھی اپنی طرح کا انوکھا انسان تھا جیسے اس کے محل میں انوکھے نوادرات موجود تھے۔ اس نے محل کے پھاٹک کے دونوں طرف شاہ بلوط کے درخت لگوائے تھے۔ جب ہم نیچے پہنچے تو سایہ وادی پر چھا چکا تھا اور سورج کی روشنی صرف بلند چوٹیوں پر رہ گئی تھی۔ مویشی چرانے والے اپنے جانور اور کسان ہل بیل لے کر گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ مکانوں کی چمنیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ یعنی رات کے کھانے کی تیاری شروع ہو چکی تھی۔

دھوپ رخصت ہوتے ہی خنکی میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا۔ سرمد علی مجھے اندر لے گیا۔ اندر باورچی خانے سے اٹھنے والا دھواں بھرا تھا۔ سرمد علی کا باپ بھی حسب معمول حقہ گڑگڑا رہا تھا اور اس نے میرے سلام کا جواب بھی حقے کی گڑگڑاہٹ سے دیا تھا۔ وہ بے حد گھٹیا درجے کا تمباکو پیا کرتا تھا کیونکہ حقے سے بے حد ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔ یہ پورا گھر بند اور گھٹا ہوا تھا۔ ایک تو ان لوگوں کا طرز تعمیر ایسا تھا۔ پورے گھر میں آمد و رفت کے لئے ایک دروازہ تھا۔ دوسرا واحد راستہ چمنی کا تھا جس سے چولھے کا دھواں باہر جاتا تھا۔ اندر کی فضا کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ کچھ بچت اور کچھ موسم کی خنکی کو روکنے کے لئے یہ لوگ مکانات میں کھڑکیاں اور روشن دان نہیں بناتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وادی کے اکثر باشندے کمزور صحت رکھتے تھے۔ ان کے چہروں پر بے رونقی اور آنکھیں اندر دھنسی تھیں۔ اس کا سبب غربت نہیں بلکہ یہ تنگ و تاریک مکانات تھے۔ گرمیوں میں بھی وہ بارہ گھنٹے اندر رہتے تھے اور سردیوں کے پانچ مہینے تو شاذ و نادر ہی ان مکانوں سے باہر آتے تھے۔ لکڑی جلنے سے پیدا ہونے والا زہریلا دھواں اندر بھر جاتا تھا اور یہ اس زہریلی فضا میں سانس لیتے تھے حالانکہ ذرا سی کوشش سے وہ اپنے گھروں میں تازہ ہوا کی آمد و رفت کا انتظام کر سکتے تھے۔ مگر شعور کی کمی اور جہالت کی وجہ سے وہ اپنے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ جب ڈیڑھ درجن کے قریب افراد اس بند جگہ سانس لیتے ہوں گے تو گھٹن کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سارا دن کھلی فضا میں گزارنے کے بعد سرمد علی کے تنگ مکان میں میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ ملک وال میں ہماری حویلی کے کمرے کھلے اور کشادہ تھے۔ ہر کمرے میں دروازوں کے ساتھ کھڑکیاں بھی تھیں۔ مجھے پہلی بار کسی ایسی جگہ رہنے کا تجربہ ہو رہا تھا جو بند در بند اندر تھی۔ یہ سوچ کر کہ مجھے ابھی کئی دن یہاں رہنا ہے، ابھی سے مجھے کچھ ہونے لگا تھا۔ رات کا کھانا یہ لوگ بھی جلدی کھا لیتے تھے یعنی سات بجے تک۔ اندر آتے ہی کچھ دیر بعد کھانا آ گیا۔ اس بار بھی میں نے کھل کر کھایا تھا۔ شاید یہ پہاڑوں پر چڑھنے اترنے کی مشق کا نتیجہ تھا کہ کھایا پیا فوراً ہضم ہو جاتا تھا یا شاید پھر اس وادی کے معدنی پانی کا کرشمہ تھا جو معدے کو لکڑ ہضم پتھر ہضم بنا دیا تھا۔ کھانے کے بعد قہوہ آیا اور پھر میں نے سرمد علی سے باہر چلنے کی فرمائش کی۔

''اس وقت.....؟'' وہ حیران ہوا تھا۔ ''باہر خاصی سردی ہو گی۔''

''کوئی بات نہیں یار! مجھے اندر گھٹن ہو رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا..... لیکن گرم چادر لے لو۔ ورنہ سردی لگ جائے گی۔''

اوڑھ لپیٹ کر ہم باہر نکلے۔ سرمد علی کا باپ حیران ضرور نظر آ رہا تھا لیکن اس نے ہم سے کوئی سوال نہیں کیا۔ باہر واقعی سردی تھی۔ جیسی سردی ہمارے علاقے میں آخر نومبر میں پڑتی تھی یہ ویسی ہی قابل برداشت قسم کی سردی تھی۔ میں نے باہر کی کھلی فضا میں چند سانس لئے تو سینہ کشادہ ہو گیا تھا۔ میں نے سرمد علی سے کہا۔ ''یار! کیا میں رات کو باہر نہیں سو سکتا؟''

''صبح تک نمونیا ہو جائے گا۔'' وہ ہنسا۔ ''اسے معمولی سردی مت سمجھنا۔ ویسے بھی تم نیچے علاقے کے رہنے والے ہو، مقامی لوگ تو برداشت کر سکتے ہیں، تم نہیں کر سکتے۔''

''مجھے اندر وحشت ہو رہی ہے۔ کل رات تو میں تھکن کی وجہ سے سو گیا تھا لیکن آج..... ہرگز نہیں، تم مجھے ادھر ہی چارپائی ڈال دو۔ میں جیکٹ پہن کر اور گرم چادر اوڑھ کر سو جاؤں گا۔''

میرا اصرار سن کر سرمد علی سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ایک کام ہو سکتا ہے۔ ذرا اوپر ہمارا بار ہے، اس میں ایک چھوٹی سی کوٹھری ہے۔ میں وہاں قالین اور بستر بچھا دیتا ہوں۔ تم وہاں سو سکتے ہو اور سردی سے بھی بچ جاؤ گے لیکن یار! مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ میں اپنے مہمان کو وہاں ٹھہراؤں۔''

''تم بالکل فکر نہ کرو۔'' میں جلدی سے بولا۔ ''بلکہ میں اس کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں گا۔''

''اچھا تم رکو، میں قالین اور بستر لاتا ہوں۔ تم کہو تو انگیٹھی بھی لے آؤں، رات کو سردی لگے تو جلا لینا؟''

''اس کی ضرورت تو نہیں ہے لیکن تمہیں کوئی مسئلہ نہ ہو تو لے آؤ۔''

''نہیں، مجھے کیا مسئلہ ہو گا!'' سرمد علی اندر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد کوئی لڑکی دروازے سے نکلی۔ ایک برتن لے کر مکان کے عقبی حصے میں چلی گئی۔ میں نے اس پر غور نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد وہ برتن میں کچھ لئے اندر جانے لگی تب میں نے اسے پہچانا، وہ سرمد علی کی تیسرے نمبر کی ماں تھی۔ ویسے میں نے سرمد علی کی پہلی اور دوسری ماں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ اندر ہی رہا کرتی تھیں۔ سرمد علی کے بعد تین بہنیں تھیں اور ان میں سے ایک کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ دو ابھی شادی کے قابل ہوئی تھیں اور سرمد علی کا باپ جلد از جلد ان کے دام بھی کھرے کر لینا چاہتا تھا۔ یہ سب مجھے بعد میں معلوم ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد سرمد علی اندر سے برآمد ہوا، اس نے قالین اور تہ کیا ہوا بستر مع ایک کمبل کے اٹھا رکھا تھا۔ میں نے اس سے کمبل اور بستر لے لیا۔ باغ مکان سے کوئی دس میٹر کے فاصلے پر تھا۔ اس کے گرد بھی پتھروں سے بنی چار دیواری تھی۔ اندر اخروٹ، خوبانی اور آڑو کے درخت لگے تھے۔ ایک آدھ سیب اور آلو بخارے کا بھی تھا۔

سرمد علی نے پہلے وہاں رکھا مٹی کے تیل کا لیمپ جلایا اور پھر کوٹھری کی صفائی کرنے لگا۔ کوٹھری کا فرش کچا تھا جس پر لکڑی کے تختے رکھ دیئے گئے تھے۔ دیواریں کچی مٹی سے اٹھائی گئی تھیں اور چھت پر بھی لکڑی کے تختے لگا کر مٹی سے ڈھلوان چھت بنائی گئی تھی۔ کوٹھری میں اوزار اور سامان رکھا جاتا تھا۔ مگر فی الحال وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ صفائی کر کے سرمد علی نے قالین بچھایا اور اس پر بستر بچھا دیا۔ پھر جا کر لوہے سے بنی انگیٹھی لایا اور اس میں لکڑی کا کوئلہ بھر دیا۔ مٹی کے تیل کی بوتل اور ماچس پاس رکھ دی تھی۔

''اگرچہ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن تم دروازہ بند کر لینا۔ کبھی کبھی پہاڑوں سے بھیڑیے اور ریچھ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس طرف آجاتے ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں دروازہ بند کرلوں گا۔"

سارا دن مٹرگشت کے بعد ہم دونوں ہی تھک گئے تھے۔ سرمد علی کچھ دیر بیٹھنے کے بعد چلا گیا۔ مگر چند منٹ بعد آ کر پانی کی بوتل اور گلاس دے گیا۔ مجھے نیند آ رہی تھی۔ باہر کی خنک ہوا دروازے سے بتدریج اندر آ کر کوٹھری کو بھی ٹھنڈا کر رہی تھی۔ مگر مجھے یہ بھی اچھی لگ رہی تھی۔ میرا دروازہ بند کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بستر میں گھس کر میں نے کمبل اوڑھ لیا تو سردی بالکل معمولی سی رہ گئی تھی لہٰذا میں اطمینان سے سو گیا۔ بغیر اس گمان کے کہ یہ میری زندگی کی ایک اور حیرت انگیز رات ثابت ہوگی جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔

گہری نیند کے باوجود رات کسی وقت مجھے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ خطرے کی گھنٹی نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ سرمد علی نے بھیڑیے اور ریچھ کا ذکر کیا تھا۔ لہٰذا قدرتی طور پر میرا خیال ان کی طرف گیا مگر بھیڑیا یا ریچھ کیروسین لیمپ نہیں بند کر سکتے۔ یہ کسی انسان کا کام تھا جو میرے نزدیک تھا اور میں اس کی گہری سانسوں کو صاف محسوس کر رہا تھا۔ میرے پیٹ کے قریب اس کا ہاتھ کمبل کے اوپر رینگ رہا تھا۔ میں نے تڑپ کر اسے پکڑ لیا اور پھر اتنا ہی تڑپ کر اسے چھوڑ دیا۔ میرے بازوؤں میں ایک نسوانی وجود آیا تھا۔ میں نے کمبل کو چھوڑ دیا تھا لیکن کمبل مجھ سے لپٹا جا رہا تھا۔ میں اسے دور کرنے کی جتنی کوشش کر رہا تھا، وہ اتنی ہی گھستی چلی آ رہی تھی۔ اس دوران میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی دبلی اور نازک اندام سی عورت بلکہ لڑکی تھی۔ اس کے جسمانی خدوخال لڑکیوں کے سے تھے۔

"کون..... کون ہو تم؟ یہ کیا حرکت ہے؟" میں اس سے زور آزمائی میں ہانپ گیا۔ ہانپنے کی وجہ کمزوری نہیں بلکہ اس کے وہ عزائم تھے جو اس تاریکی میں بھی بالکل واضح تھے۔ میرے اندر کا مرد کمزور پڑنے لگا تھا اور ممکن تھا میں اس کی خاموش لیکن پُرعزم پیش قدمی کے آگے ہار مان جاتا مگر اسی لمحے مجھے خیال آیا کہ میں شریف ماں، باپ کی اولاد تھا۔ بے شک میں ایک ضد کی وجہ سے گھر سے بھاگ آیا تھا لیکن اپنی شرافت پھینک نہیں آیا تھا، یہ عورت کیا مجھے لوٹ کا مال سمجھ رہی تھی؟ میں اس کی گناہ گار خواہش کے آگے جھک جاتا تو اپنے ماں باپ کے سامنے کیا منہ لے کر جاتا! میں نافرمان ضرور تھا لیکن خطاکار نہیں تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اسے پوری قوت سے دھکیل دیا تھا۔ پھر میں نے کمبل ایک طرف پھینک کر اندازے سے ماچس تلاش کی اور اس کی تیلی جلا کر عورت کی طرف دیکھا۔ جو الجھے الجھے انداز میں سانس لے رہی تھی۔ یہ سرمد علی کی تیسری ماں تھی، اس کے باپ کی کمسن بیوی جو رات کی اس تاریکی میں اپنے جذبات کی تسکین کے لئے بے باکی سے یہاں تک چلی آئی تھی۔ میں دم بخود سا اسے دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ ماچس کی تیلی میری انگلیوں میں بجھ گئی۔ تاریکی ہوتے ہی اس نے ایک بار پھر میری طرف آنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے روک دیا۔ "دور رہو مجھ سے۔ میں شریف آدمی ہوں اور میں نے اس گھر کا نمک کھایا ہے۔"

مگر یا تو وہ اردو نہیں سمجھتی تھی یا پھر اپنے جذبات کی زبان کے آگے کچھ اور نہیں سننا چاہتی تھی بلکہ یہی بات تھی ورنہ میرے الفاظ نہ سہی لیکن جسمانی ردِعمل اسے سمجھانے کے لئے کافی تھا۔ ممکن ہے وہ اس سے پہلے بھی کسی کے ساتھ یہی کھیل کھیل چکی ہو اور اسے اپنی قوتِ تسخیر پر یقین ہو۔ ممکن ہے مرد جلد یا بہ دیر اس کے سامنے ہتھیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈال دیتے ہوں۔ مگر اول تو میں ان مردوں میں سے نہیں تھا دوسرے اس کی صورت دیکھنے کے بعد یہ ناممکن تھا۔ سرمد علی کی ماں ہونے کے ناتے وہ میرے لئے قابل احترام تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ کسی صورت قابو میں نہیں آ رہی ہے تو میں نے اسے ایک طرف دھکیلا اور باہر نکل گیا۔ جب تک وہ اٹھ کر باہر آتی، میں درختوں میں روپوش ہو گیا تھا۔ وہ باہر آ کر پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر دوڑنے لگی اور دبی دبی زبان میں میرا نام لے رہی تھی۔

''شہباز..... شہباز! تو م کدر اے؟''

اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ کسی حد تک اردو جانتی تھی۔ یعنی میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا تو وہ میری بات بھی سمجھ رہی تھی۔ میں درختوں میں دم سادھے کھڑا تھا۔ وہ چند لمحے چکراتی رہی پھر مکان کی طرف چلی گئی تھی۔ آسمان پر شاید نویں دسویں کا چاند تھا اور ستارے بھی بے حد چمک دار تھے۔ وہ مجھے اس وقت تک نظر آئی جب تک نشیب میں اپنے مکان کے دروازے کی طرف نہیں چلی گئی۔ اس کے غائب ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ باہر کتنی شدت کی ٹھنڈ تھی۔ میں کوٹھری کی طرف لپکا اور دروازہ اس بار اندر سے بند کر لیا۔ ماچس میرے پاس تھی۔ میں نے پہلے کیروسین لیمپ جلایا۔ کھلے دروازے سے سرمد علی کی سوتیلی اور کمسن ماں ہی نہیں بلکہ یخ ہوا بھی اندر گھس آئی تھی۔ میں نے مٹی کا تیل چھڑک کر انگیٹھی میں رکھے کوئلوں کو آگ دکھا دی۔ چند لمحے بعد اندر دھواں بھرا تو میں نے انگیٹھی باہر رکھ دی۔ جب شعلے بجھ گئے اور کوئلے انگاروں میں بدل گئے تو میں انگیٹھی واپس کوٹھری میں لے آیا۔

اس واقعے نے میرے ہوش اُڑا دیئے تھے۔ ابتدائی ردِعمل کے بعد جب میں نے ذرا سنبھل کر اس پر غور شروع کیا تو خاصی سردی میں بھی مجھے پسینے آنے لگے تھے۔ شکر ہے کسی نے اس کو آتے یا جاتے نہیں دیکھا ورنہ اب تک شور مچ چکا ہوتا۔ اس قسم کے معاشرے میں معمول سے ہٹ کر کوئی بات نظر انداز نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ اسے فوری طور پر الم نشرح کر دیا جاتا ہے۔ میری خوش قسمتی کہ کسی نے اسے آتے یا جاتے نہیں دیکھا۔ لیکن ابھی میں یہیں تھا اور وہ دوبارہ کوشش کر سکتی تھی یا مجھ سے اپنی ناکامی کا انتقام لینے کے لئے کوئی اوچھی حرکت کر سکتی تھی۔ گویا میں مستقل خطرے میں تھا۔ اگر میں کسی چکر میں آ جاتا تو گلو خلاصی مشکل تھی۔ یہ لوگ عزت و غیرت کے معاملات میں ہم میاں والیوں سے کم نہیں تھے۔ بچپن سے ایسے واقعات پر میں نے قتل و خون ہی ہوتے دیکھے ہیں۔ بے شک میں بے قصور بھی ہوتا تب بھی مارا جاتا۔ مرد پر صرف الزام لگنا بھی کافی ہوتا ہے اس کے بعد انصاف کی کارروائی پبلک اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ شہر ہو تو مبینہ مجرم کی ہڈی پسلی ضرور ایک کر دی جاتی ہے جبکہ دیہی علاقے میں پولیس کی آمد سے پہلے خاتمہ بالخیر کیا جا چکا ہوتا ہے۔ میں نے خود سے کہا۔

''بیٹے شہباز ملک! اس سے پہلے کہ خاتون ٹرائی، ٹرائی اگین کے فارمولے پر عمل کرے تم اپنا بوریا بستر گول کر لو اور صبح سویرے یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔''

سرمد علی سے بہانہ کیا جا سکتا تھا مثلاً مجھے ماں باپ یاد آ رہے تھے اور میں ان سے معافی مانگنے کے لئے فوری طور پر جا رہا ہوں یا میں نے آرمی جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگرچہ دونوں باتیں سرمد علی کے لئے یو ٹرن ہوتیں لیکن وہ مجھے روک نہیں سکتا تھا۔ فیصلہ کر کے میں مطمئن ہو گیا تھا اور انگیٹھی سے کوٹھری خاصی گرم ہو گئی تھی اس لئے میں کمبل اوڑھ کر سو گیا۔ صبح جب سو کر اٹھا تو گلا جکڑا ہوا تھا اور سر میں درد ہو رہا تھا۔ درد کی شدت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جیسے سر میں ڈھول بج رہے تھے لیکن جب مجھے صحیح سے جاگ آئی تو اندازہ ہوا کہ کوئی کوٹھری کا دروازہ بجا رہا تھا۔ بمشکل کمبل سے نکلا تو اندازہ ہوا صرف سر میں ہی نہیں، سارے جسم میں..... ہے۔ گویا رات کی ٹھنڈ اثر کر گئی تھی۔ میں کوئی پندرہ منٹ تک کوٹھری سے باہر کے فضا میں رہا تھا۔ معمولی کپڑوں کی وجہ سے ٹھنڈ جسم میں سرایت کر گئی تھی۔ اس وقت تو اندازہ نہیں ہوا لیکن اب پتا چل رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سرمد علی میری صورت دیکھتے ہی بھانپ گیا تھا۔

''تم رات کو باہر نکلے تھے؟'' اس نے میرا ماتھا چھوا۔ ''دیکھا، سردی لگ گئی ناں..... اب پتا چلا، یہاں کے لوگ ایسے تنگ و تاریک مکانوں میں کیوں رہتے ہیں؟''

''بس یار! رفع حاجت کے لئے نکلا تھا اور ایسی خاص سردی بھی نہیں تھی۔'' میں نے مسکرا کر قدم آگے بڑھایا تو زمین اور آسمان گھوم کر رہ گئے۔ اگر سرمد علی نے مجھے نہ تھام لیا ہوتا تو نیچے گر جاتا۔ وہ مجھے سہارا دے کر باہر لایا اور آسمان تلے پڑی چارپائی پر لٹا دیا۔

''یہاں کی ٹھنڈ محسوس نہیں ہوتی لیکن چپکے سے جسم میں اتر جاتی ہے۔'' اس نے اندر سے مجھے کمبل لا کر اوڑھا دیا۔ ''ابھی اٹھنا مت، تمہیں باقاعدہ علاج کی ضرورت ہے۔ بلندی پر بعض اوقات معمولی سی بیماری جان لیوا ہوتی ہے۔''

سرمد علی چلا گیا اور میں ایک بار پھر غنودگی میں چلا گیا۔ مجھے نہیں معلوم وہ کس وقت گاؤں کے طبیب کو بلا لایا تھا۔ طبیب نے آ کر میرا معائنہ کیا اور سینے میں ٹھنڈ تشخیص کی جسے سنگل نمونیا بھی کہتے ہیں۔ اس نے ایک مرہم نکال کر میرے سینے پر مالش کیا اور ایک محلول پلانے کو دیا۔ کھانے میں مجھے صرف دنبے کے گوشت کی یخنی اور دلیہ تجویز کیا۔ مالش کرنے سے میری حالت بہتر ہوئی تھی۔ مجھے ہوش آیا تو سرمد علی چمچے سے میرے حلق میں یخنی ٹپکا رہا تھا۔ بھوک لگ رہی تھی اس لئے میں نے بے تابی سے یہ سوپ پیا۔ اس کی گرمائش اور غذائیت سے میری جان میں جان آئی تھی۔ اس کے بعد سرمد علی نے نمکین دلیہ کھلایا جو بمشکل میرے حلق سے اترا تھا۔ اس نے نہ جانے کیسے فائٹ سب بنوالیا تھا۔ اس کھانے کے بعد اس نے نیم کی طرح کڑوا محلول مجھے پلایا۔ اس کی بو سے طبیعت مالش کرنے لگی تھی لیکن اسے پیتے ہی جسم میں گرمی کی لہر سی دوڑ گئی تھی اور درد کم ہونے لگا تھا۔ ذرا دیر بعد میں گہری نیند سو چکا تھا۔ دوسری بار میری آنکھ کھلی تو سورج مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا اور میں اپنے جسم میں تازگی اور توانائی محسوس کر رہا تھا، اس کڑوے محلول کی ایک خوراک نے کام کر دکھایا یا سارے دن سورج کی حرارت بخش کرنوں نے میرے جسم سے سردی کا اثر زائل کر دیا تھا۔ میں انگڑائی لے کر کھڑا ہو گیا۔ صبح میری جو حالت ہو رہی تھی، اس کے پیش نظر مجھے امید نہیں تھی کہ میں اتنی جلدی بہتری محسوس کروں گا۔

''اے اٹھو مت..... لیٹ جاؤ۔'' اچانک مجھے سرمد علی کی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔

''میں اب بہتر محسوس کر رہا ہوں۔''

''یہ حکیم کی دوا کا اثر ہے۔ ابھی تمہاری صحت پوری طرح بحال نہیں ہوئی ہے۔ اگر بے احتیاطی کی تو پھر سے خراب ہو جائے گی۔'' اس نے زبردستی مجھے چارپائی پر لٹا دیا۔ ''ابھی تمہارا کھانا آ رہا ہے۔''

''کھانا میں کھا لوں گا۔ دلیہ بھی کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار لوں گا لیکن حکیم کی وہ دوا ہرگز نہیں پیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔"

میں نے اسے خبردار کیا تو وہ مسکراتا رہا۔ سب سے پہلے سوپ آیا جس میں اس بار بوٹیوں کا ریشہ تیر رہا تھا اور ساتھ میں مشروم کے ٹکڑے تھے۔ سوپ بلاشبہ لذیذ تھا۔ اس کے بعد آنے والا دلیہ اتنا ہی بدمزہ تھا۔ اس کے بعد کڑوی کسیلی دوا کی باری آئی تو میرا احتجاج بے کار گیا۔ سرمد علی زبردستی کے موڈ میں تھا۔ اس نے دھمکی دی کہ میں نے دوا نہ پی تو وہ مدد کے لئے ان بچوں کو بلا لے گا جو باغ کی چار دیواری کے باہر کھڑے دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ دوائی پینے کے بعد مجھے نیند آنے لگی تھی۔ شام کی دھوپ تیزی سے رخصت ہو رہی تھی۔ اس لئے سرمد علی نے مجھے کوٹھری میں منتقل کر دیا۔

"ویسے تو مجھے تمہارے گھر کے اندر لے جانا چاہئے تھا لیکن حکیم نے کہا ہے، تمہیں تازہ ہوا کی ضرورت ہے اس لئے تم یہیں سوؤ گے اور رات کو میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

میں نے سکون کا سانس لیا تھا ورنہ کوٹھری میں اکیلے رات گزارنے کا تصور پریشان کن تھا۔ مجھے یقین تھا، سرمد علی کی سوتیلی ماں پھر آ دھمکتی۔ کمسن ہونے کے باوجود وہ تریاہٹ میں کسی پکی عمر کی عورت سے کم نہیں تھی۔ سرمد علی میرے پاس ہوتا تو میں اس سے محفوظ رہتا مگر اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر چالاک نکلے گی۔ کوٹھری میں آنے کے کچھ دیر بعد میں سو گیا تھا۔ سونے کے دوران میں ہی سرمد علی نے میرے سینے پر مرہم لگا دیا تھا۔ اگلی بار میری آنکھ کھلی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ سرمد علی میرے پاس ہی قالین پر بیٹھا دیوار سے ٹیک لگائے لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی۔

"سرمد علی! پانی پلاؤ۔" میں نے کہا تو وہ چونک گیا۔ اس نے جلدی سے بوتل سے پانی نکال کر مجھے دیا۔

"بھوک لگ رہی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"زبردست قسم کی۔" میں نے جواب دیا۔ "صبح سے بیماروں والی غذائیں کھا رہا ہوں۔"

"بیمار جو ہو۔" وہ ہنسا۔ "میں ابھی کھانے کا کہہ کر آتا ہوں۔ بوٹیاں مل جائیں گی لیکن ابھی روٹی نہیں کھا سکتے۔" سرمد علی کہہ کر باہر نکل گیا۔ کوٹھری میں انگیٹھی جل رہی تھی اور فرحت بخش حرارت رچی ہوئی تھی۔ کوٹھری کا دروازہ سرمد علی نے ہلکا سا کھول رکھا تھا اس لئے تازہ ہوا کی آمد و رفت بھی جاری تھی اور اندر ذرا بھی گھٹن نہیں تھی۔ میں نے کتاب اٹھائی جو سرمد علی پڑھ رہا تھا۔ یہ قدرت اللہ شہاب کا "شہاب نامہ" تھا، میں کئی بار پڑھ چکا تھا۔ وقت گزاری کے لئے پھر اٹھالی۔ سرمد علی کوئی نصف گھنٹے بعد آیا۔ اس نے لوٹا اور تسلا اٹھا رکھا تھا۔ نیم گرم پانی سے میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ دانت صاف کر کے کلی کی۔

"کھانا آ رہا ہے ابھی۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے، بھوک کا اتنا کچا نہیں ہوں۔" میں مسکرایا۔ "ویسے یار! یہ تمہارا حکیم ہے زبردست آدمی۔ صبح مجھے لگ رہا تھا کہ میں تین چار دن بستر سے نہیں اٹھ سکوں گا اور اس وقت میں گھوڑے سے ریس لگا سکتا ہوں۔ کل صبح میں واپس جا رہا ہوں۔"

میرا اچانک جملہ سرمد علی کے سر سے گزر گیا اور جب اس کی سمجھ میں آیا تو اس نے زور شور سے نفی میں سر ہلایا۔ "ہرگز نہیں۔ تم ابھی دو دن نہیں جا سکتے۔ حکیم نے منع کیا ہے اور یہ تمہیں اچانک جانے کی کیا سوجھی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس یار! امی اور گھر والے یاد آ رہے ہیں۔ میں نے انہیں پریشان کر دیا ہے۔ اب میں واپس جا کر ان سے معافی مانگوں گا۔'' میں نے پہلے سے سوچا ہوا بہانہ اس کے سامنے پیش کر دیا۔

''پھر بھی تمہیں کم سے کم دو دن رکنا ہوگا۔ کل بھی اور پرسوں بھی تم سفر نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد حکیم کے خیال میں تمہاری طبیعت اس قابل ہوئی تو جا سکو گے۔''

''تمہارے حکیم صاحب گئے بھاڑ میں۔'' میں نے دل میں سوچا۔ ''اگر تمہاری سوتیلی ماں کا کھلایا گل سامنے آ گیا، وہ مجھے زہر دینے میں پیش پیش ہوں گے۔''

دروازے پر آہٹ ہوئی، میرا خیال تھا کہ سرمد علی کا چھوٹا بھائی کھانا لے کر آیا ہوگا مگر وہ اس کی سوتیلی ماں تھی۔ اس نے برتن اٹھا رکھے تھے۔ اسے دیکھ کر سرمد علی تیزی سے اٹھا اور اس کے ہاتھ سے برتن لیتے ہوئے تیز لہجے میں کچھ کہا۔ شاید وہ اس کے میرے سامنے آنے پر ناگواری کا اظہار کر رہا تھا۔ جواب میں اس کی سوتیلی ماں نے بھی ویسا ہی تیز لہجہ اختیار کیا۔ دونوں کچھ دیر اسی طرح تیز انداز میں بات کرتے رہے پھر سرمد علی کی سوتیلی ماں پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ میں بالکل چپ رہا، کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا اور نہ سرمد علی سے اس بارے میں کچھ پوچھا۔ اس نے برتن نیچے رکھے۔ کھانے میں روٹی اور سالن بھی تھا جو سرمد علی کے لئے تھا۔ میرے لئے یقیناً سوپ اور دلیہ تھا۔ سوپ دوپہر کی نسبت ذرا بھاری تھا اور اس میں بوٹیوں کے ریشے کے علاوہ انڈا بھی ابال کر اور توڑ کر ڈالا گیا تھا۔ دلیہ میں بھی نمک مرچ نظر آ رہا تھا اس لئے خوش ذائقہ سوپ کے بعد میں نے اسے بھی حلق سے اتار لیا تھا۔ دلیہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ پیٹ میں کچھ غذا جائے ورنہ میں مارے بھوک کے ساری رات کروٹیں بدلتا رہتا۔ سرمد علی غصے میں تھا، اس نے بالکل خاموشی سے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد میں نے رضا کارانہ طور پر کڑوی دوا لی۔ برتن سرمد علی لے گیا تھا اور میں کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا تھا۔ مجھے لگا کہ کڑوی دوا میں کوئی خواب آور شے بھی شامل تھی کیونکہ اسے پیتے ہی مجھے نیند آنے لگی تھی۔ اس بار یہ ہوا کہ غنودگی کی کیفیت ضرور ہوئی مگر نیند نہیں آئی شاید اس لئے کہ صبح سے سو ہی رہا تھا اور نیند ضرورت سے زیادہ لے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد سرمد علی آیا اور مجھے سوتا سمجھ کر اس نے انگیٹھی میں چند کوئلے ڈالے اور شہاب نامہ لے کر پڑھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ سر جھٹک کر جماہی لیتا تھا پھر اس نے کتاب رکھ دی اور لیمپ کی روشنی مدھم کر کے لیٹ گیا۔ چند منٹ کے اندر اس کے ہلکے ہلکے خراٹے سنائی دینے لگے تھے۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا اور اسے پورا کھلنے سے روکنے کے لئے سرمد نے آگے ایک چھوٹا سا پتھر رکھ دیا تھا۔

سرمد علی کی سوتیلی ماں پہلے بھی کئی بار میرے سامنے آ چکی تھی لیکن سرمد نے پہلی بار اتنا شدید ردِعمل ظاہر کیا تھا۔ مجھے شک ہونے لگا کہ وہ اپنی سوتیلی ماں کی مجھ میں دلچسپی بھانپ گیا تھا۔ میرے ساتھ اس کا رویہ اچھا بلکہ بہترین تھا۔ اس نے صبح سے اب تک جس طرح میرا خیال رکھا اس سے اس کا دلی خلوص جھلکتا تھا۔ کیا سرمد علی اپنی ماں کی آوارہ مزاجی سے واقف تھا؟ کیا وہ پہلے بھی اسے کسی مرد میں دلچسپی لیتے دیکھ چکا تھا۔ سرمد علی خود بھی خوبرو اور صحت مند نوجوان تھا، کیا سوتیلی ماں نے اس کی طرف بھی التفات ظاہر کیا تھا، اس قسم کے سوالات میرے غنودہ ذہن میں چکرا رہے تھے۔ اچانک کوٹھری کا دروازہ ہلکا سا ہلا اور میرا دھیان پھر ریچھ یا بھیڑیے کی طرف گیا اور سرمد علی کی سوتیلی کمسن ماں کو دیکھ کر میں گزشتہ رات سے زیادہ بھونچکا رہ گیا تھا۔ وہ پتھر ایک طرف کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دروازہ دھکیلتی اندر آئی اور پھرتی سے دروازہ بند کرلیا۔ میں نے بمشکل کہا تھا۔ ''تم.....؟''

''ام اے۔'' اس نے سینے پر ہاتھ مارا۔ اس نے آواز دبانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''جاؤ یہاں سے..... ابھی سرمد علی جاگ جائے گا اور تمہارے ساتھ میں بلاوجہ مارا جاؤں گا۔'' میں نے فریاد کی۔

اسے اس طرح سرمد علی کی موجودگی میں سامنے پاکر میری حالت غیر ہوگئی تھی۔ بے شک وہ گہری نیند سو رہا تھا مگر کسی وقت بھی جاگ سکتا تھا۔ سوتیلی ماں نے اس کی طرف دیکھا اور اطمینان سے بولی۔ ''تو تم بے فکر رہو۔ یہ ابھی نہیں جاگے گا۔''

''کیوں نہیں جاگے گا؟'' میں نے سرمد علی کی طرف دیکھا۔

''نہیں جاگے گا، یہ دیکھو۔'' اس نے سرمد علی کا ایک بازو پکڑ کر ہلایا اور وہ بدستور خراٹے لیتا رہا۔ میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی۔

''تم نے اس کے ساتھ کیا، کیا ہے؟''

چودہ پندرہ سالہ لڑکی فاتحانہ انداز میں مسکرائی تھی۔ ''ام نے اسے کھانے میں ایک بوٹی دیا اے۔ جو آدمی کو..... سلا دیتی اے۔ اب یہ صوبا تک سوتا رہے گا۔ تم فکر مت کرو۔''

''تم یہاں سے چلی جاؤ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے اپنے گرد کمبل لپیٹ لیا۔

''ام ٹھیک کردے گا۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا اور اپنی قمیص اتارنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں نے راست اقدام نہ کیا تو یہ عورت حد سے گزر جائے گی۔ میں نے کمبل پھینک دیا اور اس کا نازک سا گلا دبوچ لیا۔

''تمہارا دماغ درست ہے، تم ایک شخص کی بیوی ہو جس کے تم سے بڑے بچے ہیں۔''

''ام..... اس خبیث سے نفرت کرتا اے۔'' اس نے رک رک کر کہا۔ ''وہ نامرد اے۔''

''وہ نامرد ہے یا تمہارے آوارہ جذبات اس سے تسکین نہیں پاتے؟'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''تم اس پر الزام لگاتے ہوئے بھول رہی ہو کہ اس کے گیارہ بچے ہیں اور اس کی دو پہلی بیویاں تمہاری طرح بدکار نہیں ہوں گی۔ شاید تم پہلے بھی دوسرے لوگوں کے پاس جاکر اس کی امانت میں خیانت کرتی رہی ہو لیکن اس بار تم غلط آدمی کے پاس آ گئی ہو۔ میں تمہیں قتل کر کے تمہاری لاش لے جاکر کسی کھیت میں پھینک دوں گا۔ صبح جب تمہاری لاش ملے گی تو کوئی مجھ پر شک نہیں کرے گا کیونکہ آج دن میں سارے گاؤں نے دیکھا تھا کہ میری طبیعت کتنی خراب تھی۔ تم بہت نازک ہو، جلدی مر جاؤ گی۔'' میں نے کوشش کی کہ آواز اور چہرے کے تاثرات سے اپنے ڈرامے میں رنگ بھروں۔

وہ سچ مچ دہشت زدہ نظر آنے لگی کیونکہ میں نے ہاتھوں کا دباؤ اس حد تک بڑھا دیا تھا کہ اس کی سانس رکنے لگی۔ اب وہ مچلنے اور خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے کچھ دیر دباؤ برقرار رکھا تاکہ وہ اچھی طرح ڈر جائے۔ پھر میں نے کراہ کر اس کا گلا چھوڑا اور اپنا سر تھام لیا۔ جیسے میرے سر میں شدید درد اٹھا ہو۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا تو اس نے لپک کر کوٹھری کا دروازہ کھولا اور یوں بھاگی جیسے اس کے پیچھے بھوت لگے ہوں۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذرا زور سے کہا۔ ''اے کہاں جاتی ہو، رک جاؤ ورنہ مار دوں گا۔''

اس کے بعد اس کی رفتار میں اضافہ ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ باغ سے نکل کر تاریکی میں غائب ہو گئی۔ آج آسمان پر گہرے بادل تھے اور شاید بارش کا امکان بھی تھا۔ میں نے کوٹھری کا دروازہ اندر سے بند کیا اور خدا کا شکر ادا کرتا گرم کمبل میں گھس گیا کہ جس نے اتنی بڑی آفت سے اتنی آسانی سے نجات دلا دی۔ اس کی دیدہ دلیری نے میری عقل خبط کر کے رکھ دی تھی۔ وہ تو مجھے بروقت ترکیب سوجھ گئی اور وہ بھی اپنی ناتجربے کاری کی وجہ سے میرے جھانسے میں آ گئی کیونکہ میں کوئی پیشہ وار اداکار تو تھا نہیں۔ ممکن ہے اس کی جگہ کوئی بڑی عمر کی تجربہ کار عورت ہوتی تو میری اداکاری بھانپ جاتی۔ کچھ دیر بعد میں سکون سے سو گیا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ سکون بدستور عارضی ہے اور اس سے بڑی آفت کل مجھ پر نازل ہونے والی تھی۔

صبح میری اور سرمد علی دونوں کی آنکھ تاخیر سے کھلی تھی۔ مجھ پر دوا کا خمار تھا تو سرمد علی پر اس بوٹی کا جو اس کی سوتیلی ماں نے اسے کھانے میں شامل کر کے دی تھی۔ اس بوٹی کے زیر اثر وہ صبح تک بے خبر سوتا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے بھائی نے آ کر کوٹھری کا دروازہ بجایا تھا تو بمشکل ہماری آنکھ کھلی تھی۔ سرمد علی سخت متعجب تھا کہ وہ اتنی دیر تک کیسے سوتا رہا کیونکہ صبح سویرے اس کی آنکھ از خود کھل جاتی تھی۔ چاہے کتنی گہری نیند میں کیوں نہ ہو۔ کاش کہ میں اسے بتا سکتا کہ اس کی اس خود فراموشانہ نیند کی کیا وجوہات تھیں مگر ان معاملے میں زبان سے ایک لفظ نکالنے کا مطلب اپنی درگت خود بنوانا تھا۔ بیدار ہونے کے بعد وہی معمول کا کھانا پینا اور پھر دوا لینے کا عمل دہرایا۔ اس کے بعد میں باغ میں پڑی چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔ دوا کے اثر نے کچھ دیر بعد غنودگی چھانے لگی تھی اور نہ جانے کب میں سو گیا۔ سوتے ہوئے اچانک مجھے محسوس ہوا کہ کوئی مجھے آواز دے رہا ہے۔ پھر کسی نے مجھے جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ چارپائی کو چاروں طرف سے کوئی نصف درجن افراد نے گھیر رکھا تھا۔ ان میں سے دو کے ہاتھ میں رائفلیں تھیں اور انہوں نے راجا عمر دراز کے محافظوں کا مخصوص لباس پہن رکھا تھا۔ مجھے آوازیں دینے اور جھنجھوڑنے والا سرمد علی تھا وہ صورت سے اتنا وحشت زدہ نظر آ رہا تھا کہ مجھے ہوش و حواس میں آئے بغیر گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔

''کیا..... کیا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ سرمد علی کی سوتیلی ماں نے کوئی گل کھلایا ہے۔ ''آپ لوگ اس طرح کیوں جمع ہیں؟''

''شہباز! یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' سرمد علی کی صورت ہی نہیں آواز بھی وحشت زدہ ہو رہی تھی۔

''تم پیچھے ہٹو۔'' راجا عمر دراز کے ایک دربان نے سرمد علی کو درشتی سے پیچھے دھکیل دیا۔ ''ہم خود اس سے معلوم کریں گے۔ چلو ہمارے ساتھ۔'' آخری جملہ اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''کہاں..... کیوں..... کون ہو تم لوگ؟''

''یہ راجا صاحب کے محافظ ہیں۔'' سرمد علی کی آواز لرز رہی تھی۔ ''یہ کہہ رہے ہیں.....''

''لڑکے چپ رہو اور تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔'' محافظ نے اسے ڈانٹ دیا۔

میں کھڑا ہو گیا۔ حالات کی سنگینی محسوس کرتے ہوئے میری رہی سہی غنودگی بھی ہوا ہو گئی تھی۔ میرے کھڑے ہوتے ہی محافظوں نے مجھ پر رائفلیں تان لی تھیں۔ جیسے میں ابھی ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرار ہو جاؤں گا یا کہیں سے توپ نکال کر ان پر داغ دوں گا۔ میں نے سرمد علی کی طرف دیکھا۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں تھا کہ راجا صاحب وادی میں آنے والوں کو اس طرح بھی طلب کرتے ہیں؟''

''ادب سے نام لو راجا صاحب کا۔'' ایک محافظ غرایا۔

''بات کیا ہے؟'' اس بار میں جھنجلا گیا تھا۔

''چلو..... تمہیں اور اسے راجا صاحب نے بلایا ہے۔'' محافظ نے سرمد علی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اگر تم نہ چلے یا بھاگنے کی کوشش کی تو ہم گولی مار دیں گے۔''

''گولی مار دو گے.....'' میں نے چلا کر کہا تھا۔ ''کیوں، ہم نے کیا جرم کیا ہے؟''

''یہ تو راجا صاحب ہی بتائیں گے۔'' محافظ بولا۔

''شہباز! ہمیں چلنا ہوگا۔'' سرمد علی نے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے راجا صاحب کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ وہ ہم پر بہت مہربان تھے۔''

راجا عمر دراز کے محافظ ہمیں مجرموں کی طرح گرفتار کر کے لے جانے لگے تو ساری وادی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ میرا جو حال تھا سو تھا، سرمد علی کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا، زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ کچھ دیر گاؤں کے فارغ لوگوں نے مصاحبت کی تھی لیکن پھر قافلہ رفتہ رفتہ چھٹتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ جب ہم کھیت عبور کر کے باغوں سے گزرنے لگے تو صرف دو افراد تھے اور ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وفادار محافظ وہ راجا عمر دراز کے زر خرید محافظوں سے کم نہیں تھے۔ مسلسل آرام، سادہ غذا اور دوا سے میری حالت اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ میں بغیر کسی دقت کے دشوار راستے پر چل رہا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ البتہ سرمد علی پریشان تھا۔ میں نے اس سے سرگوشی میں کہا۔ ''راجا، کس حیثیت سے ہمیں اس طرح بلا رہا ہے؟''

''راجا صاحب ایک طرح سے وادی کے حکمران ہیں۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''اگر وہ کوئی ایسا کام کرتے ہیں تو کوئی بھی اعتراض نہیں کر سکتا ہے۔''

گویا راجا عمر دراز اس وادی کا جاگیردار یا وڈیرا تھا۔ اس کا کہا اور کیا قانون تھا۔ نصف گھنٹے بعد ہم اس کے شاندار محل کے احاطے میں داخل ہو رہے تھے جو رنگا رنگ پھولوں سے مہک رہا تھا۔ راجا عمر دراز چبوترے پر تنا کھڑا تھا اور اس کے انداز میں نرمی کے بجائے خشونت نظر آ رہی تھی۔ اس کے محافظوں نے ہمیں اوپر جانے سے روک دیا۔ ''ادھر ہی رکو اور راجا صاحب جو پوچھیں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔''

میں نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھا تھا۔ ''راجا صاحب! ہمیں مجرموں کی طرح گرفتار کر کے کیوں لایا گیا ہے؟''

''اس لئے کہ تم مجرم ہو۔ تم نے چوری کی ہے۔''

''چوری.....؟'' میں چلایا۔ ''راجا صاحب! خدا کی قسم ہم یہاں سے ایک پھول تک نہیں لے کر گئے تھے۔''

''اس روز نہیں لے کر گئے تھے لیکن پرسوں رات آئے اور میرے نوادر چوری کر کے لے گئے۔ سچ سچ بتاؤ انہیں کہاں چھپایا ہے، ورنہ کھال کھنچوا دی جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجا صاحب! ہم دوبارہ اس طرف نہیں آئے اور پرسوں رات کو میں سو رہا تھا۔''

''تم دونوں نہیں..... صرف تم!'' راجا نے میری طرف انگلی اٹھائی۔ ''میرے ایک محافظ نے خود تمہیں محل کے پاس دیکھا تھا۔''

''یہ غلط ہے۔ آپ کا محافظ جھوٹ بولتا ہے۔ پرسوں رات میں صرف چند منٹ کے لئے کوٹھری سے نکلا تھا اور مجھے سردی لگ گئی تھی، صبح تک مجھے بخار ہو گیا تھا۔''

راجا عمر دراز معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''یعنی تم اعتراف کرتے ہو کہ تم رات کو باہر نکلے تھے؟''

''ہاں..... لیکن نہ تو میں آپ کے محل کی طرف آیا تھا اور نہ ہی میں نے یہاں سے کچھ چرایا ہے۔''

''ابھی پتا چل جائے گا۔'' راجا نے کہا اور مقامی زبان میں اپنے ساتھ کھڑے شخص سے کچھ بولا۔ وہ شاید راجا کا سیکرٹری تھا۔ میری سمجھ میں صرف ایک نام فتح خان آیا تھا۔ چند منٹ بعد ایک پستہ قد ادھیڑ عمر اور رائفل سے مسلح شخص ہماری طرف آیا۔ اس نے بھی محافظوں والی وردی پہن رکھی تھی۔ اس کے نقوش مقامی اور آنکھوں کے نیچے گوشت لٹک رہا تھا وہ صورت سے خرانٹ اور عیار نظر آنے والا شخص تھا۔ وہ آ کر راجا کے سامنے ذرا جھکا اور مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ راجا نے اس سے بھی مقامی زبان میں کچھ کہا تو اس نے میری طرف دیکھا اور جلدی سے سر ہلایا۔ میرا ڈوبنے لگا۔ وہ وہی محافظ تھا جس نے چوری کی رات یعنی پرسوں مجھے محل کی چار دیواری کے آس پاس دیکھنے کا دعویٰ کیا تھا۔ فوراً ہی اس کی تصدیق ہو گئی۔ راجا عمر دراز نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''فتح خان کہتا ہے، اس نے تمہیں محل کی چار دیواری کے پاس دیکھا تھا۔ کیا تم نے پرسوں رات نیلی شلوار قمیص نہیں پہنی تھی؟''

''یہ درست ہے لیکن باقی سب جھوٹ ہے۔ مجھے نہیں معلوم یہ کس وجہ سے مجھ پر الزام لگا رہا ہے لیکن خدا گواہ ہے، میں اس طرف نہیں آیا اور نہ ہی چوری کی ہے۔''

''میرا محافظ بلاوجہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اب تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ میری چیزیں واپس کر دو، میں تمہیں واپس جانے دوں گا۔''

میں نے محسوس کیا کہ سرمد علی مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا ہے، اس کے انداز میں شک بھی تھا اور دکھ بھی۔ شاید محافظ کی گواہی میرے کپڑوں کے رنگ اور رات اکیلے کوٹھری میں گزارنے سے وہ بھی قائل ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے گہری سانس لی، ''راجا صاحب، جو چیزیں میں نے لی ہی نہیں ہیں، وہ میں واپس کیسے کروں؟''

''تو تم اس طرح نہیں مانو گے؟'' راجا عمر دراز کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے غرا کر محافظوں سے کچھ کہا اور وہ محافظ مجھے بازوؤں سے تھام کر راجا کے پیچھے چلنے لگے تھے۔ باقی افراد وہیں رک گئے تھے۔ راجا مجھے محل کے اندر لے گیا تھا۔ سب سے پہلے وہ تصاویر والی گیلری میں اس جگہ جا کھڑا ہوا، جہاں تخیلاتی تصویر لگی تھی۔ اس عجیب الخلقت جانور دکھائے گئے تھے۔ وہ تصویر نکال لی گئی تھی۔ یعنی تصویر چرا لی گئی تھی اور راجا کا شبہ مجھ پر تھا کہ اس روز میں نے تصویر کو دیر تک دیکھا تھا۔ راجا عمر دراز بغور میرا ردِعمل دیکھ رہا تھا۔

''یہ تصویر اور نوادرات والے ہال سے وہ سیاہ پتھر غائب ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''شہباز احمد! تم ابھی بچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو اور مجھے تم پر رحم آ رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں اپنے جلاّد صفت محافظوں کے حوالے کروں، یہ دونوں چیزیں مجھے واپس کر دو۔''

''راجا صاحب! میں کیسے یقین دلاؤں کہ وہ میرے پاس نہیں ہیں۔'' راجا عمر دراز کی دھمکی نے مجھے سچ مچ دہلا دیا تھا۔ میں اپنے پیاروں سے دور اجنبی وادی میں راجا عمر دراز کے رحم و کرم پر تھا اور اس کے عتاب سے مجھے سوائے خدا کے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

''تمہارے پاس نہیں ہیں تو پھر کس کے پاس ہیں؟ تمہارے اور ساتھی بھی ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں بتاؤ، میں ان سے نکلوا لوں گا۔'' راجا کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''میرا کوئی ساتھی نہیں ہے اور اس وادی تک بھی اتفاقاً آیا تھا، آپ سرمد علی سے پوچھ سکتے ہیں۔ میں اکیلا آیا ہوں۔''

راجا عمر دراز کچھ دیر سوچتا رہا تھا پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں تمہارے بیان کی تصدیق کرالیتا ہوں۔ اس وقت تک تم میرے پاس رہو گے۔''

''یعنی آپ مجھے قید رکھیں گے؟''

''قید نہیں..... تم میرے مہمان ہو گے۔'' راجا عمر دراز مسکرایا تھا۔

اس کے محافظوں نے مجھے محل کے نیچے بنے تہ خانے میں لا کر ایک کمرے میں دھکیل دیا جو شاید قید خانے کے طور پر ہی استعمال ہوتا تھا۔ اس میں سوائے ایک بستر اور ایک کمبل کے کچھ نہیں تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اپنے گھر سے نکل کر میں اتنی مشکلات میں پھنس جاؤں گا ورنہ شاید میں فوج میں ہی چلا جاتا۔ حرکت کرنے اور چلنے سے میں کمزوری محسوس کرنے لگا تھا یعنی ابھی میں مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوا تھا۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ راجا عمر دراز کے الزام اور اس کی جانب سے متوقع تشدد کے خیال نے میرے ہوش اڑا دیئے اور میں شدت سے پچھتا رہا تھا کہ یہاں آیا ہی کیوں؟ نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ باہر شاید شام ہو چکی تھی۔ کمرے میں ایک دیا جل رہا تھا اور اس کی کمزور سی روشنی تاریکی سے لڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ عمر دراز کا انداز بتا رہا تھا کہ محافظ کی گواہی کے بعد اسے مجھ پر پورا شک ہے اور وہ مجھ سے تصویر اور سیاہ پتھر حاصل کرنے کے لئے تشدد کا حربہ بھی استعمال کر گزرے گا۔

میں نے فرار کے بارے میں سوچا لیکن یہ ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ راجا عمر دراز کے محل سے نکلنا ہی ایک مسئلہ تھا۔ اس کے بعد وادی سے باہر جانا بھی کم مشکل نہیں تھا۔ سرمد علی مجھے جن پُر پیچ راستوں سے یہاں تک لایا تھا وہ میرے ذہن سے بڑی حد تک محو ہو چکے تھے اور سب سے بڑھ کر اس بیماری کے عالم میں کیسے سفر کرتا؟ لہٰذا میں نے فرار کے امکان کو رد کر دیا اور اپنے بچاؤ کے متبادل طریقوں پر غور کرنے لگا۔ اچانک مجھے محافظ کا خیال آیا۔ اس نے جھوٹی گواہی دی تھی پھر بھی اسے کیسے علم ہوا کہ پرسوں رات میں نے نیوی بلو کلر کی شلوار قمیص پہنا رکھی تھی۔ بے شک پرسوں رات چاندنی تھی لیکن چاند کی روشنی میں نیوی بلو اور سیاہ رنگ میں تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے اور اس فرق کو بے حد نزدیک سے ہی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ مزید غور و فکر سے ایک سوال اور سامنے آیا۔ کیا محافظ اس چوری میں ملوث تھا اور اپنی گردن بچانے کے لئے اس کا شبہ مجھ پر ڈال رہا تھا؟ آخر اسے بلا ضرورت جھوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولنے اور میرا ہی نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟

رات کے دس بج چکے تھے اور میں سردی محسوس کر رہا تھا۔ کمبل لپیٹ کر مجھے ذرا سکون ملا۔ حالانکہ اس میں سے ایک ناگوار سی بو آ رہی تھی۔ دوپہر اور رات کو کھانا نہ کھانے کے باوجود مجھے بھوک نہیں تھی شاید فکر نے بھوک اڑا دی تھی۔ سوا دس بجے کے قریب قید خانے کا بھاری لکڑی سے بنا دروازہ کھلا اور ایک محافظ نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے ساتھ تہ خانے کے ایک حصے میں پہنچا جہاں راجا عمر دراز ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا اور اس کے پاس دو تنومند افراد کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے صرف شلوار پہن رکھی تھی اور اس کا اوپری جسم عریاں تھا۔ مشعلوں کی تیز روشنی میں اس کے مضبوط جسم کے پٹھے نمایاں تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ تہ خانے کے اس حصے میں آلات تشدد پڑے تھے۔ کوڑے تھے، بید کی چھڑیاں تھیں۔ ایک تختی تھی جس پر باندھ کر آدمی کو مارا جاتا تھا۔ انگیٹھی اور داغنے والی سلاخوں کا انتظام بھی تھا۔ ایک طرف میز پر آلات جراحی کی طرح کے اوزار رکھے تھے۔ جن میں ایک زنبور اور ایک پلاس نمایاں تھے۔ شاید ان سے ناخن اور دانت کھینچنے کا کام لیا جاتا تھا۔ بلاشبہ اس ماحول اور ان سب اشیاء نے مجھے ڈرا دیا تھا اور میں اپنے جسم کی لرزش محسوس کر سکتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس قسم کے حالات سے واسطہ پڑا تھا اور یہ سب بے حد خوف ناک لگ رہا تھا۔

''شہباز! اب بھی وقت ہے۔'' عمر دراز نے گونجیلی آواز میں کہا تھا۔ ''تم مار کھا کر اور اپنا نقصان کر کے کچھ بتاؤ گے تو مجھے افسوس ہوگا۔''

''آپ یقین کریں راجا صاحب!''

''اگر تمہارا ایک ناخن یا ایک دانت نکال لیا گیا تو یہ ساری دنیا کی دولت دے کر بھی تم انہیں واپس حاصل نہیں کر سکتے۔'' راجا عمر دراز نے دانت پیس کر کہا۔

''راجا صاحب! ایک منٹ کے لئے میری بات سن لیں۔ اس کے بعد بھی آپ کو شبہ ہو تو جو سزا آپ مجھے دیں، مجھے قبول ہوگی۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' راجا عمر دراز نے غور سے مجھے دیکھا۔

''راجا صاحب! بقول فتح خان کے اس نے مجھے رات میں دیکھا تھا تو اسے میرے کپڑوں کا رنگ کیسے نظر آ گیا؟ میں نے نیوی بلو رنگ کے کپڑے پہنے تھے جو اتنی آسانی سے نظر نہیں آتا۔ بے شک چودھویں کا چاند تھا، بہت روشن تھا۔ پھر وہ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتا ہے؟''

راجا عمر دراز کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی لیکن مجھے محسوس ہوا جیسے میری بات نے اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے بات جاری رکھی۔ ''راجا صاحب! میں پہلی بار اس علاقے میں آیا ہوں، میں نے سرمد علی سے پہلی بار آپ کا نام سنا۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ آپ کے محل میں ایک عجیب سی تصویر اور وہ انوکھا سیاہ پتھر ہے جو روشنی پڑنے پر رنگ بدل لیتا ہے۔ دیکھنے کے بعد بھی میں نے ان میں وقتی دلچسپی لی تھی۔ مجھے انوکھی اور عجیب اشیاء کا کوئی شوق نہیں ہے۔ پھر میں ان چیزوں کو کیوں چرانے لگا؟ مجھ جیسا معمولی درجہ کا آپ کے محافظوں کو دھوکا دے کر اندر سے یہ چیزیں چرا لے جائے، یہ کس طرح ممکن ہے؟''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہی کہ آپ فتح خان سے پوچھیں۔ فرض کریں میں نے تصویر اور پتھر نہیں چرایا ہے، اس کا مطلب ہوا فتح خان جھوٹ بول رہا ہے۔ یا تو وہ اپنی نااہلی چھپانے کے لئے جھوٹ بول رہا ہے لیکن یہ بات خود مجھے بھی درست نہیں لگتی۔ اسے میرے کپڑوں کا رنگ کیسے پتا چلا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح خان خود بھی اس چوری میں ملوث ہے۔ وہ چوروں سے ملا ہوا ہے اور خود کو شبہے سے بالاتر رکھنے یا دونوں چیزیں وادی سے باہر لے جانے کی مہلت حاصل کرنے کے لئے اس نے میرا نام لگا دیا، اب آپ کی ساری توجہ مجھ پر ہے۔''

''تم تقریر اچھی کر لیتے ہو لیکن ھینا کا بیان بھی تمہارے خلاف ہے۔''

''ھینا کون؟'' میں چونکا۔

''سرمد علی کے باپ صورت علی کی تیسری بیوی ھینا..... اس نے تمہیں پرسوں رات کوٹھری سے نکل کر اوپر باغات کی طرف جاتے دیکھا تھا۔''

''جھوٹ ہے یہ سب..... وہ مجھ سے بدلہ لے رہی ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''کیسا بدلہ؟'' راجا عمر دراز نے مجھے گھورا تھا۔

''کک..... کچھ نہیں۔'' میں گھبرا گیا تھا، انجانے میں یہ بات منہ سے نکل گئی۔

''صحیح صحیح بتاؤ، کیا بات ہے؟ ھینا تم سے کس لئے..... بدلہ لینا چاہتی ہے؟''

میں چپ رہا۔ معاملات مزید بگاڑ کی طرف جا رہے تھے۔ میں ھینا کے بارے میں زبان کھولتا تو راجا عمر دراز کبھی میری بات کا یقین نہ کرتا بلکہ ممکن ہے ھینا کا لگایا ہوا الزام درست تسلیم کیا جاتا اور میرے جرائم میں ایک ''عفت مآب'' خاتون پر الزام لگانے کا جرم بھی شامل ہو جاتا۔

''اسے باندھ دو۔'' میری خاموشی سے تنگ آ کر راجا عمر دراز نے اپنے محافظوں کو حکم دیا۔ وہ جیسے منتظر تھے۔ بے قیمص کا گینڈا میری طرف لپکا اور بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا میرے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی تھی لیکن وہ بے پناہ طاقتور شخص تھا۔ اس کے سامنے میری مزاحمت بے کار تھی۔ مجھے باندھ کر اس نے مقامی زبان میں راجا عمر دراز سے کچھ کہا۔ اس نے جواب دیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''شہباز! مجھے تم پر رحم آ رہا ہے، آخری موقع پر بتا دو..... ورنہ یہ خود اگلوا دے گا۔''

میں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''راجا صاحب! آپ میری بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو میں کیا کروں؟''

''اسے مارو۔ اس وقت تک جب تک یہ میری چیزوں کو چرانے کا اقرار نہ کر لے۔'' راجا نے جلاد کو حکم دیا اور اس نے ایک چمڑے کا کوڑا اٹھا لیا تھا۔

☆======☆======☆

''اٹھ جائیں جناب! کیا یہیں رات گزارنے کا ارادہ ہے؟'' مونا نے میرا شانہ ہلایا تو میں چونک گیا تھا اور پھر خفیف ہو گیا۔ میں انہیں جلدی چلنے کو کہہ رہا تھا اور خود نہ جانے کب سو گیا۔ مونا اور سفیر ہنس رہے تھے۔

''دانت اندر کرو اور یہ بتاؤ کہ مجھے دو گھنٹے تک اٹھایا کیوں نہیں..... کیا کر رہے تھے تم دونوں؟''

مونا جھینپ گئی تھی۔ سفیر نے دانت نکالے۔ ''شرفا سے ہر بات نہیں پوچھا کرتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شرفا کے بچے!'' میں اٹھا تو وہ دونوں بھی جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

''او کے سینز فائر!'' سفیر بولا۔ ''اب چلو۔ ڈنر مری سے کر کے واپس چلیں گے۔''

''راستہ لمبا ہو جائے گا۔'' مونا بولی۔ ''میری مانو.....''

''مانو تمہارے فراق میں مر نہیں جائے گی۔'' سفیر بھنا کر بولا۔ ''مجھے دیکھ لو۔''

مونا اس بار لال پیلی ہو کر خود چل پڑی تھی اور سفیر سامان اٹھاتا اس کے پیچھے لپکا تھا۔ ''ارے سنو تو..... بابا..... سوری، بس منہ سے نکل گیا تھا۔''

میں نے مسکراتے ہوئے باقی ماندہ سامان اٹھایا اور ان کے پیچھے جانے لگا۔ میں نے رفتار جان بوجھ کر کم رکھی، جب اوپر جیپ کے پاس پہنچا تو مونا کے چہرے پر قوس قزح جیسی مسکراہٹ تھی۔ دھوم دھڑکے سے بارش کے بعد مطلع صاف ہو گیا تھا۔ یعنی ان میں صلح صفائی ہو چکی تھی۔ مونا جانتی تھی کہ میں ان کے تعلق کی تمام تر باریکیوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس کے باوجود اسے سفیر کا رومانٹک جملہ برا لگا تھا۔ وہ اتنی ہی حساس لڑکی تھی۔ نہ جانے یہ دونوں کب تک اپنی انا کے دام میں گرفتار رہتے۔

''کیا بات ہے، چلنا نہیں ہے؟'' میں نے سامان عقبی حصے میں رکھ کر پوچھا۔ ''یا کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہو گے؟'' انہوں نے جان بوجھ کر میری بات کا جواب نہیں دیا اس لئے میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور جیپ اسٹارٹ کر دی۔ ''اچھا اللہ حافظ! پھر ملیں گے۔ راولپنڈی آنا ہو تو اس خادم کے گھر ضرور آنا۔''

دونوں پھرتی سے جیپ میں سوار ہوئے تھے جیسے میں سچ مچ انہیں چھوڑ جاؤں گا۔ میں ہنس دیا تھا۔ واپسی کا راستہ ذرا طویل پڑتا اس لیے مری میں رک کر ڈنر کا ارادہ تھا اور پھر آگے سفر کرتے۔ مری ہائی وے کو اتنا اچھا بنا دیا گیا ہے کہ اس پر رات میں بھی سفر کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ رفتار ذرا کم رکھی جائے۔ مونا نے واک مین کا ہیڈ فون لگا لیا اور میوزک سننے میں لگ گئی۔ جبکہ سفیر موبائل پر گیم کھیلنے لگا اور میں پوری توجہ سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ اس قسم کے راستوں پر میری توجہ ہمیشہ ڈرائیونگ پر ہوتی تھی کیونکہ برسوں کے مشاہدے سے میں نے جان لیا تھا، پہاڑی سڑکوں پر کوئی بھی غلطی نوے فی صد مواقعوں پر آخری غلطی ثابت ہوتی ہے۔ یہ بات مونا اور سفیر بھی جانتے تھے اس لئے باتیں کرنے کے بجائے انہوں نے اپنی اپنی دلچسپیاں تلاش کر لی تھیں۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور پہاڑوں پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ رات آٹھ بجے ہم بارونق مال روڈ پر داخل ہوئے۔ جیپ پارک کرنے کے لئے بمشکل ایک جگہ تلاش کی اور خاصا دور تک پیدل چل کر مطلوبہ ریستوران تک پہنچے۔ مری میں سیزن عروج پر تھا اور چاروں طرف بے پناہ رش تھا۔ رات گزارنے کے لئے کھلے میں لگائے جانے والے خیمے تک بک ہو چکے تھے اور اس وقت کوئی جگہ تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے برابر تھا۔ ہم ریستوران کے پاس پہنچے تھے کہ ایک لگژری قسم کی فور وہیل ڈرائیو زن سے ہمارے پاس سے گزری اور ذرا آگے جا کر سڑک کے کنارے ترچھی ہو کر رک گئی۔ جیپ کے اس طرح رکنے سے اب سڑک پر اتنی گنجائش رہ گئی تھی کہ ایک وقت میں ایک گاڑی گزر سکے۔

''یہ کون جاہل ہے؟'' مونا غصے سے بولی، جیپ اسے تقریباً چھوتی ہوئی گزری، اس کے ساتھ ہمیں بھی غصہ آ رہا تھا۔ اول تو اتنے پُر رش بازار میں اس طرح تیز رفتاری سے گاڑی چلانا درست نہیں تھا۔ دوسرے مونا کے بالکل پاس سے گاڑی جان بوجھ کر گزری تھی کیونکہ ہم کنارے چل رہے تھے اور سڑک پر خاصی جگہ تھی۔ جیپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے تین نوجوان اترے۔ ان کا حلیہ اور انداز بتا رہا تھا کہ وہ بڑے گھرانوں کے اوباش فطرت لڑکے ہیں۔ انہوں نے ہماری طرف دیکھ کر بلند آواز سے مشترکہ قہقہہ لگایا تھا۔ سفیر بے قابو ہو کر ان کی طرف جانے لگا تو مونا نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''چھوڑو، ایسوں کے منہ کیا لگنا!''

''مونا صحیح کہہ رہی ہے، ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اور یہ موقع بھی مناسب نہیں ہے۔''

''ان لوگوں کی بے ہودگی دیکھو۔'' سفیر غصے سے بے تاب ہو رہا تھا۔ ''ان کو سزا دینی ہوگی۔''

''یار! چل کر پہلے کھانا کھالو..... پھر سزا بھی دے لیں گے۔'' میں نے مونا کے ساتھ مل کر اسے کھینچا۔

''اے صاحب!'' اچانک ایک دس بارہ سال کا لڑکا معصوم اور میلے سے کپڑوں میں پاس آیا تھا۔ ''بات سنو۔''

''ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔'' میں نے رکے بغیر کہا۔

''صاحب ہم کچھ بیچتا نہیں ہے۔'' لڑکے نے کہا۔ ''اگر ہم ان تینوں کو سزا دے تو ہم کو کیا دے گا؟''

اس کی بات نے ہم سب کو رک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ''کیا مطلب تم کیا سزا دو گے؟''

''بس صاحب، دیکھ لینا۔ ایسی بے عزتی ہوگی کہ سب لوگ ہنسیں گے۔ پر صاحب، ہمیں کیا دو گے؟''

''جو تم مانگو گے۔'' مونا بولی۔

''کوئی ضرورت نہیں۔ ہم خود ان سے نمٹ سکتے ہیں۔'' سفیر بدستور غصے میں تھا۔

''یار، میں تمہارے جذبات سمجھ رہا ہوں لیکن ان سے الجھ کر بات بڑھانے کا فائدہ نہیں ہے۔ میں نے ان کے ڈرائیور کو مسلح دیکھا ہے اور ممکن ہے ان کے پاس بھی اسلحہ ہو۔ ہم خالی ہاتھ ہیں اور ہمارے ساتھ مونا ہے، بات بڑھی تو یہ بھی لپیٹ میں آ جائے گی۔''

سفیر نے غور کیا۔ ''اوکے..... لیکن چھوٹے، تم کیا کرو گے؟''

''صاحب، جب کرے گا تو دیکھ لینا۔'' لڑکا پٹھان نہ ہوتے ہوئے بھی پٹھانوں کے سے لہجے میں بول رہا تھا۔ ''پر انعام کا وعدہ کرو۔ اگر مزہ نہ آئے تو انعام مت دینا۔''

''ٹھیک ہے، تمہیں دو سو ملیں گے۔'' سفیر بولا۔

''صرف دو سو صاحب!'' لڑکا بولا۔ ''پکڑا گیا تو یہ میری ہڈیاں توڑ دیں گے۔''

''اچھا بابا! تین سو..... اس سے ایک روپیا بھی اوپر نہیں۔'' سفیر بولا۔

''آپ کی جیپ دیکھی ہے میں نے کام کر کے ادھر ملے گا۔''

وہ اوباش امیر زادے سامنے والے ریستوران میں گئے تھے جبکہ ہم روڈ پار دوسرے ریستوران میں گئے تھے۔ زبردست قسم کی بھوک لگ رہی تھی۔ سفیر اور میں نے اپنے لئے بروسٹ منگوایا جبکہ مونا نے چکن کارن سوپ اور وجی ٹیبل رائس منگوائے تھے۔ وزن بڑھنے کے خیال سے وہ چکنائی والی چیزوں سے پرہیز بھی کرتی تھی۔ کھانے کے دوران میں بار بار سڑک کے پار ریستوران کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد کھانا آ گیا۔ کھانا ختم بھی ہو گیا مگر وہ تینوں اوباش باہر نہیں آئے تھے۔ ہم نے وقت گزاری کے لئے چائے منگوائی اور ابھی چائے آئی بھی نہیں تھی کہ وہ تینوں باہر آتے نظر آئے۔ میں نے جلدی سے بل کی رقم میز پر رکھی۔ ''باہر چلو، تماشے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت آ گیا ہے۔ دیکھیں یہ چھوٹو کیا کرتا ہے؟"

بیرا ہماری طرف لپکا تھا لیکن پھر میز پر بل کی رقم دیکھ کر رک گیا۔ "صاحب، چائے آ رہی ہے۔"

"پھر سہی۔" میں نے جواب دیا۔ "بل میں سے جو بچا وہ تمہارا ہو گا۔"

بیرے کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ میں نے ہزار کا نوٹ رکھا تھا اور بل سات آٹھ سو سے زیادہ کا نہیں تھا۔ تینوں اوباش امیرزادے چہل قدمی کے انداز میں اپنی جیپ کی طرف آ رہے تھے۔ میں نے چاروں کی طرف دیکھا لیکن وہ بچہ نظر نہیں آیا تھا۔ "لگتا ہے ہمارے ساتھ مذاق کر کے گیا ہے۔" مونا بولی۔

"نہیں، وہ مذاق کرنے والا نہیں ہے۔ تین سو روپے اس کے لئے بہت بڑی رقم ہے۔ وہ یہیں کہیں ہے لیکن چھپا ہے۔" سفیر نے وثوق سے کہا تھا۔

لڑکے کی تلاش میں ہم ان تین اوباشوں کے ساتھ ہونے والی کارروائی درست طور سے نہیں دیکھ سکے تھے اور دھاڑ تما گالی نے ہمیں چونکا دیا تھا۔ ان تینوں میں سے ایک اس حال میں کھڑا تھا کہ اس کے سر سے کیچڑ بہہ بہہ کر اس کے کپڑوں پر گر رہا تھا۔ پھر نہ جانے کہاں سے یکے بعد دیگرے پلاسٹک کی دو تھیلیاں آ کر دوسرے دونوں اوباشوں پر گریں اور پھٹ گئیں۔ ان میں بھرا کیچڑ ان کے کپڑوں پر لگ گیا تھا۔ چند لمحوں میں وہ ہنسا اور لطف اندوزی بھول کر دیوانہ وار گالیاں دینے اور کیچڑ پھینکنے والے کی ماں بہن ایک کرنے لگے تھے۔ وہ ہر طرف اس طرح بھاگ دوڑ کر رہے تھے جیسے ہوش و حواس گنوا چکے ہوں۔ پورا بازار ان کی طرف متوجہ تھا اور پھر جو قہقہے لگنے شروع ہوئے تو وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچتے جیپ میں جا گھسے۔ ان کا ڈرائیور اور محافظ بدحواسی کے عالم میں جیپ اسٹارٹ کر کے بھاگا تھا لیکن چند گز دور جاتے ہی جیپ کے دونوں ٹائر دھماکے سے پھٹے اور جیپ عملاً بیٹھ گئی تھی۔ غصے سے پاگل اوباش نوجوانوں نے اپنے ڈرائیور کو مارنا شروع کر دیا۔ وہ بے چارہ دہائیاں دے رہا تھا۔ تماشا ضرورت سے زیادہ تسلی بخش ہو گیا تھا اس لئے ہم ریستوران میں واپس آئے اور آرڈر کردہ چائے طلب کر لی۔

"مزہ آ گیا۔" مونا چہکی۔ "چھوٹو نے زبردست کام کر دکھایا ہے۔"

"ہاں، وہ انعام کا مستحق ہے۔" میں نے کہا۔ "بلکہ خصوصی انعام کا۔"

"چائے پی کر چلتے ہیں۔ داد اور انعام ایک ساتھ دیں گے۔" سفیر بولا، وہ خوش نظر آ رہا تھا۔

شاندار ڈنر، بہترین چائے اور بہترین تماشا دیکھنے کے بعد ہم ایک آسودگی بھری کیفیت میں اپنی جیپ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ رات دس بجے بھی مال روڈ کی رونق کم ہونے کے بجائے مزید بڑھ گئی تھی۔ ہوا میں خنکی اور نمی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہلکی سی بوندا باندی شروع ہو گئی اور یار لوگ اس سے بھی لطف اٹھانے لگے۔ ہم بھی ٹہلتے ہوئے جیپ تک پہنچے۔ میرا خیال تھا کہ لڑکا بے تابی سے ہمارا منتظر ہو گا لیکن وہاں اس کا نام و نشان نہیں تھا۔ "یہ کہاں رہ گیا؟" سفیر نے چاروں طرف دیکھا اور جیپ کے نیچے بھی جھانک لیا کہ لڑکا وہاں نہ چھپا بیٹھا ہو۔

"یار! وہ پکڑا تو نہیں گیا؟" مجھے فکر ہونے لگی۔ "اگر ان بدمعاشوں کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ اس کا حشر کر دیں گے۔ ممکن ہے مار ہی ڈالیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مونا نے اسے آوازیں دیں۔ مال روڈ کے اس حصے میں نسبتاً ویرانی تھی۔ آس پاس لوگ کم تھے کیونکہ ایک شاپنگ سینٹر زیرِ تعمیر تھا۔ بوندا باندی تیز ہوئی تو ہم جیپ میں جا بیٹھے۔ مونا کا اصرار تھا کہ لڑکے کو انعام دے کر ہی جاتا ہے۔ ہمارا بھی یہی خیال تھا لیکن ایک حد سے زیادہ انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دس منٹ گزر گئے، میں نے جیپ اسٹارٹ کی لیکن مونا نے اصرار کیا کہ ساڑھے دس بجے تک انتظار کر لیا جائے۔ میں نے جیپ کا انجن بند کر دیا۔ ''او کے..... لیکن ساڑھے دس بجے تک، اس سے زیادہ نہیں۔''

''وہ ضرور کسی چکر میں پھنس گیا ہے ورنہ پیسے لینے ضرور آتا۔'' مونا کے لہجے میں فکرمندی تھی۔ ''اتنی دیر نہ کرتا۔ ممکن ہے ادھر آ رہا ہو اور ہم نہ ملے تو اسے مایوسی ہوگی۔''

''مونا بی بی! شام سے تم ہی سب سے زیادہ واپسی کا شور مچا رہی تھیں اور اب.....''

''ٹیک اٹ ایزی!'' سفیر نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اب ساڑھے دس بجے تک انتظار تو کرنا ہے۔''

انتظار کی کیفیت میں گھڑی کی رفتار بھی سُست ہو جاتی ہے۔ خدا خدا کر کے یہ تیس منٹ بھی گزر گئے اور میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے ذرا آگے بڑھائی تھی کہ مونا چلائی۔ ''رکو۔''

میں نے بھنا کر بریک لگائے۔ ''اب کیا گیارہ بجے تک انتظار کرنا ہے یا ساری رات اسی جگہ رکے رہنا ہے؟''

''نہیں، وہ کوئی آ رہا ہے۔'' مونا نے ایک طرف اشارہ کیا جہاں تاریکی میں کوئی ہماری طرف سُست روی سے آ رہا تھا پھر لڑکے کی آواز سنائی دی۔

''رکنا صاحب! جانا مت، میں آ رہا ہوں۔''

لڑکا لنگڑا رہا تھا۔ میں نے انجن بند کیا۔ مونا نیچے اتر گئی تھی اور اب لڑکے کو ڈانٹ رہی تھی۔ ''کہاں تھے، اب تک ہم نے کتنا انتظار کیا۔''

''میرے ساتھ حادثہ ہو گیا تھا۔'' لڑکا بولنے لگا۔ ''اپنا کام کر کے بھاگا تو سیڑھیوں سے گر گیا تھا۔ بہت چوٹ آئی۔ گھر گیا تو ماں نے روک لیا۔ زبردستی مرہم پٹی کرنے لگی۔ اس سے پیچھا چھڑا کر یہاں آیا ہوں۔ شکر ہے تم گئے نہیں، میرا انعام.....؟''

''صبر صبر..... انعام کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔'' سفیر اسے پکڑ کر ایک طرف روشنی میں لے گیا۔ ''تم اس جگہ رہتے ہو؟'' اس نے لڑکے کے زخموں کا معائنہ کیا۔ لڑکا خاصا زخمی تھا۔ خاص طور سے کہنی کے پاس بازو کا گوشت پھول گیا تھا اور جلد کی رنگت نیلی پڑ رہی تھی۔ مونا نے بھی اس کا معائنہ کیا۔

''تم ڈاکٹر کے پاس نہیں گئے۔''

''ہم کدھر سے جائے۔ ادھر ڈاکٹر بہت فیس لیتا ہے۔ دوا مہنگی ہے۔ بس گھر میں ہلدی سے علاج کر لیا ہے۔''

مونا نے میری طرف دیکھا۔ ''اسے ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے۔''

مجھے بھی اس سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی اس لئے اس کے منع کرنے کے باوجود ہم اسے لے کر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر تک کھلنے والے کلینک میں لے آئے۔ ڈاکٹر فارغ بیٹھا تھا۔ اس نے لڑکے کی مرہم پٹی کی۔ ڈاکٹر نے اتفاق سے معائنے اور دوا کے تین سو روپے لئے تھے جو مونا نے دے دیئے۔ کلینک سے باہر آ کر میں نے اسے اس کے گھر تک چھوڑنے کی پیش کش کی۔ اس نے انکار کر دیا۔ صاحب! ادھر تک تمہاری جیپ نہیں جا سکتی۔ نیچے مکان ہے ہمارا، بس ادھر اتار دو جدھر سے لایا تھا۔ ہماری ماں انتظار کر رہی ہوگی۔''

''تمہاری بس ماں ہے؟'' مونا نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''ادھر صاحب لوگوں کے بنگلوں میں کام کرتی ہے۔ سردیوں میں کام نہیں ملتا ہے۔ مشکل سے گزارہ ہوتا ہے۔''

''تم نے پڑھا نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا تو لڑکا تلخی سے مسکرایا تھا۔

''کدھر سے پڑھتا صاحب! ماں نے بڑی مشکل سے ہم کو کھلا پلا کر پالا۔ ادھر بازار میں بچپن سے کام کرتا ہے یا آپ جیسے صاحبوں کے کام آتا ہے تو کچھ پیسا مل جاتا ہے۔''

''تم اس قسم کی چکر بازیاں کر کے کماتے ہو؟'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ مارا۔ ''لگ کر کام کیوں نہیں کرتے۔ تمہاری عمر کے لڑکے یہاں پر ہوٹلوں میں نوکریاں کرتے ہیں۔''

''ہم نے بھی کیا تھا لیکن اس میں دھوکا ہے، بے ایمانی ہے۔ لڑکے چوریاں کرتے تھے، ہم نے مالک کو بتایا تو الٹا ہمیں مار کر نکال دیا۔ اس کے بعد سے ہم نے نوکری نہیں دیکھا۔ ہماری ماں نے ہمیں رزقِ حلال پر پالا ہے، ہم کیسے حرام کمائے؟''

''اور یہ جو تم نے آج حرکت کی ہے۔ یہ صحیح کام ہے؟'' سفیر نے اسے گھورا۔

''انہوں نے بی بی صاحب کے ساتھ برا کیا تھا، ہم کو غصہ آ گیا تھا اس لئے ان کو سزا دیا اور آپ سے انعام لے لیا۔ انعام تو صحیح ہوتا ہے، ہم نے ناجائز نہیں کیا۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟'' مونا نے پوچھا۔

''نام تو شاکر ہے پر ماں شا کی کہتی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''اب میں جاتا ہوں۔''

''اپنا انعام تو لیتے جاؤ۔'' سفیر نے پرس سے تین سو روپے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

''نہیں صاحب، آپ نے ڈاکٹر کی فیس دے دی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ تو ہم نے خود دی ہے۔''

''نہیں صاحب، ہمارا انعام تین سو روپے تھا وہ آپ لوگوں نے دے دیا۔ ہم اپنے حق سے زیادہ نہیں لیتا۔''

اچانک مجھے خیال آیا۔ مجھے اپنے دفتر میں ایک آفس بوائے کی ضرورت تھی۔ ''نوکری کرو گے، تنخواہ کے علاوہ کھانا اور رہائش بھی ملے گی۔''

''نوکری ضرور کرے گا صاحب!'' وہ خوش ہو گیا۔ ''پر کہاں پر صاحب؟''

''راولپنڈی میں..... وہاں میرا دفتر ہے۔ مجھے اوپر کا کام کرنے والے لڑکے کی ضرورت ہے۔''

اس نے انکار کیا۔ ''ہم اپنی ماں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر تمہاری ماں کو بھی وہاں نوکری مل جائے؟'' مونا نے پوچھا۔ ''مجھے بھی گھر میں ایک کام کرنے والی چاہئے۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''ماں سے پوچھے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' یہ میرا کارڈ رکھ لو۔'' میں نے اپنا بزنس کارڈ دیا۔ ''اس نمبر پر کال کر لینا۔ میں تمہیں راستہ سمجھا دوں گا۔ یہاں پر تمہارا اپنا مکان ہے؟''

''ہاں، دو کمرے ہیں۔ گرمیوں میں ایک کمرا کرائے پر دے دیتے ہیں۔ اس سے کچھ آمدنی ہو جاتی ہے۔''

''وہاں بھی رہائش مل جائے گی۔'' سفیر نے تین سو روپے زبردستی اس کی جیب میں ٹھونس دیئے۔ ''علاج اس لئے کرایا کہ ہمارا کام کرتے ہوئے تمہیں چوٹ آئی تھی اس لئے ہمارا فرض بنتا تھا کہ تمہارا علاج بھی کراتے۔''

اس نے ممنونیت سے کہا۔ ''صاحب آپ اچھے لوگ ہو۔'' اس نے مونا کی طرف دیکھا اور شرمایا۔ ''بی بی صاحب بھی بہت اچھی ہیں۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' سفیر معنی خیز انداز میں بولا۔ ''یہ بہت اچھی ہیں۔''

مونا جھینپ گئی۔ ''بس فضول بلوا لو تم سے۔ اب چلنا نہیں ہے کیا؟''

''آپ نے ہی روکا ہوا تھا میڈم!'' میں جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر آیا۔ ''شاکر کا کارڈ سنبھال کر رکھنا، کبھی مجھے ایک کال کر دینا۔''

شاکر کے جانے کے بعد ہم بھی روانہ ہوئے۔ مری جی پی او کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے اوباش امیر زادوں کی جیپ دیکھی۔ جیسے ہی میں ان کے قریب سے گزرا وہ حرکت میں آئی اور میری جیپ کے پیچھے آنے لگی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ سفیر بھی چونکا تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا۔ ''یہ وہی حرام زادے ہیں۔'' پھر خفیف ہو کر مونا کی طرف دیکھا۔ ''سوری!''

مونا نے مڑ کر دیکھا۔ ''شوبی! سفیر! وہ بالکل پیچھے آ رہے ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔ اگر کوئی شرارت کی تو بھگتیں گے۔ اس سڑک پر..... وہ مجھ سے بہتر ڈرائیونگ نہیں کر سکتے۔''

میں نے جیپ کی رفتار بڑھائی۔ دوسری جیپ کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی۔ بارہ بجے کے قریب سڑک تقریباً سنسان تھی۔ کبھی کبھی سپلائی والے ٹرک ملتے تھے۔ دس پندرہ منٹ تک میں فاصلہ بڑھانے کی کوشش کرتا رہا مگر دوسری جیپ کا ڈرائیور بھی کم ماہر نہیں تھا۔ سفیر نے بتایا۔

''ڈرائیور نہیں ہے، ان میں سے ایک ڈرائیو کر رہا ہے۔''

''لگتا ہے، اس بے چارے کو وہیں فارغ کر دیا ہے۔''

مونا بولی۔ ''اور شاید ان کو پتا چل گیا ہے کہ ان کی بے عزتی ہم نے کرائی تھی۔''

''شوبی! ہم نہتے ہیں، ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' سفیر پریشان ہو گیا تھا۔ ''اگر انہوں نے ہمیں روک لیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو.....؟''

''فکر نہ کرو'' میں نے ایک تنگ موڑ تیز رفتاری سے کاٹا۔ جیپ کے پہیے سڑک کے کنارے تک چلے گئے تھے۔ ''میں انہیں قریب نہیں آنے دوں گا۔''

سفیر بزدل نہیں تھا، وہ مونا کی وجہ سے پریشان تھا۔ اتفاق سے مجھے بھی یہی فکر تھی۔ ہم مرد تھے لیکن مونا عورت ہونے کے ناتے زیادہ خطرے میں تھی اور مجھے اس قسم کے اوباشوں کا اچھی طرح پتا تھا، دولت اور اثر رسوخ کے نشے میں یہ ماورائے قانون حرکت بے دھڑک کر گزرتے تھے۔ ہمارا معاشرہ ایسے اوباش درندوں کی شکارگاہ بنتا جارہا ہے۔ جیپ کی رفتار تیس پینتیس کلومیٹر فی گھنٹا تھی اور ان سڑکوں پر دن میں بھی یہ رفتار زیادہ تھی۔ رات کو کوئی اس رفتار سے گاڑی نہیں چلاتا تھا۔ راستے میں مجھے جتنی گاڑیاں ملیں، ان میں سے کسی کی رفتار بیس کلو میٹر فی گھنٹہ سے اوپر نہیں تھی اور وہ پوری رفتار سے ہمارے پیچھے آرہے تھے۔ اگر ان کے عزائم درست ہوتے تو وہ کبھی اس رفتار سے ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ میں اس حد سے اوپر نہیں جاسکتا تھا۔ ذرا سی غلطی مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔

اچانک پچھلی جیپ کی رفتار میں تیزی آئی اور وہ ہمارے نزدیک آنے لگے۔ ''وہ لوگ قریب آرہے ہیں۔'' سفیر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ''شوبی! رفتار تیز کرو۔''

میری جیپ اچھی حالت میں تھی۔ اگرچہ پرانی تھی۔ البتہ اس کے ٹائر گھسے گئے تھے اور میں کچھ عرصے سے انہیں تبدیل کرانے کا کام ٹالتا آرہا تھا اور اس وقت مجھے پچھتاوا ہورہا تھا کہ کاش میں جیپ کے ٹائر بدلوالیتا۔ ان ٹائروں کے ساتھ رفتار زیادہ کرتا تو جیپ کے پھسلنے کا خطرہ تھا۔ اس جگہ بھی ہلکی سی بوندا باندی ہورہی تھی۔ جبکہ عقب میں آنے والی جیپ نہ صرف نئی تھی بلکہ اس کے ٹائر بھی اس طرح کے تھے کہ روڈ کو بہتر طریقے سے گرپ کررہے تھے۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''کم سے کم اس حصے میں رفتار نہیں بڑھا سکتا۔ جیپ کے ٹائر پرانے ہیں، سلپ کر جائیں گے۔ سڑک بارش کی وجہ سے نم ہے۔''

مونا بار بار پلٹ کر دیکھ رہی تھی اور آگاہ کررہی تھی کہ تعاقب کرنے والے کتنی دور ہیں۔ ''شوبی! وہ بیس گز پیچھے ہیں۔ اب دس گز..... اب پانچ گز.....''

میں جھنجلا گیا تھا۔ ''چپ رہو، مجھے ڈرائیونگ کرنے دو۔ اس جگہ سے نکل جائیں تو ان کا باپ بھی ہمارے قریب نہیں آسکتا۔''

''تم ہر بار یہی کہتے ہو۔'' مونا کے لہجے میں طنز تھا۔ ''لیکن یہ تو نزدیک آتے جارہے ہیں۔''

''مونا..... پلیز، شوبی کو اس کا کام کرنے دو، ڈسٹرب مت کرو۔''

جیپ خطرناک حد تک قریب آگئی تھی۔ جب میں کسی موڑ پر رفتار کم کرنے پر مجبور ہوتا تو پچھلی جیپ کا بمپر میری جیپ کو چھو جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر انہوں نے اچانک ہماری جیپ کو ٹکر ماری۔ میں نے بمشکل بے قابو ہوتی جیپ کو قابو میں کیا ورنہ سڑک تلے کھائی میں اتر چکے ہوتے۔ مونا نے چیخ ماری تھی۔ ان کے عزائم کھل کر سامنے آگئے تھے۔ وہ ہمیں روکنے کے بجائے جیپ کو حادثے سے دوچار کر کے جسمانی ضرر پہنچانا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتے تھے۔ ''شوبی! رفتار تیز کرو۔'' مونا نے چلا کر کہا۔

''اس سے زیادہ تیز کروں گا تو ان کی کوشش کے بغیر ہم حادثے کا شکار ہو جائیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔ عقبی جیپ ایک بار پھر تیزی سے قریب آئی تھی۔ میں نے رفتار تیز کرتے ہوئے جیپ کو پہاڑ کی طرف دبایا۔ اس لئے تصادم سے جیپ بے قابو نہیں ہوئی تھی لیکن ہم اچھل کر رہ گئے تھے۔ میں نے رفتار تیز کی، اب جیپ چالیس کلو میٹر فی گھنٹا کی رفتار سے جا رہی تھی۔ اوپر سے بوندا باندی میں تیزی آ رہی تھی اور مجھے وائپر چلانے پڑے۔ بارش میں تیزی سے سڑک پر پھسلن بھی بڑھ جاتی۔ میں دل ہی دل میں عقبی جیپ والوں کو بے نقط سناتے ہوئے منتظر تھا کہ وہ اگلا وار کب کرتے ہیں۔ وہ ہمارے نزدیک آنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ سفیر غصے سے بے قابو ہو کر انہیں گالیاں دے رہا تھا اور مونا زیر لب دعا مانگ رہی تھی۔

تیسری بار بھی اللہ نے بچا لیا ورنہ ان لوگوں نے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ایک کھائی کے نزدیک سے گزرتے ہوئے اچانک ہی ٹکر ماری تھی۔ ان بدمعاشوں نے اپنی جیپ کی روشنیاں بجھا دی تھیں اس لئے ان کے نزدیک آنے کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ جیپ نے ٹکر کھا کر کھائی کے ساتھ کی ریلنگ سے رگڑ کھائی تھی۔ معجزانہ طور پر جیپ ریلنگ توڑ کر کھائی میں گرنے سے محفوظ رہی تھی۔ میں نے زبردست جدوجہد کے بعد اسے سڑک پر سیدھا کر لیا تھا۔ میں نے چلا کر سفیر سے کہا۔ ''کچھ کر..... ان حرامیوں کی جیپ پر کچھ دے کر مار..... ورنہ یہ ہمیں کسی کھائی میں گرا کر دم لیں گے۔''

سفیر عقبی نشست سے ہوتا جیپ کے پچھلے حصے میں جا پہنچا۔ اس نے سامان ٹٹولنا شروع کر دیا۔ میں نے عقبی حصے کی لائٹ جلا دی تھی۔ اس دوران میں دوسری جیپ بالکل چپک کر چل رہی تھی۔ مجھے بالکل موقع نہیں مل رہا تھا کہ آگے نکل سکوں۔ سفیر نے سامان سے ایک ہائیکنگ میں کام آنے والی ہتھوڑی نکالی لیکن جب اس نے جیپ کا پچھلا دروازہ کھولنا چاہا تو وہ کھلا نہیں کیونکہ دوسری جیپ بالکل چپک کر چل رہی تھی۔ سفیر نے چلا کر پوچھا۔ ''اب کیا کروں؟''

''شیشہ توڑ دے۔'' میں نے کہا۔ اسی لمحے میری نظر تیزی سے نزدیک آتے ایک تنگ موڑ پر پڑی۔ عقب سے دوسری جیپ فیصلہ کن ٹکر کے ارادے سے آگے آ رہی تھی۔

تنگ موڑ مشکل سے تیس گز دور تھا اور اس رفتار سے یہ فاصلہ پلک جھپکتے میں گزر جاتا ہے۔ میں نے پلک جھپکنے میں فیصلہ کیا تھا۔ زندگی میں شاید ہی کبھی میں نے اتنا اچانک اور خطرناک فیصلہ کیا ہو۔ سفیر نے ہتھوڑی مار کر عقبی شیشہ توڑ دیا اور دوسرے ہی لمحے ہتھوڑی غراتی اور چرخی آتی دوسری جیپ کی ونڈ اسکرین پر دے ماری۔ اسی لمحے میں نے جیپ کا ایکسی لیٹر دبایا اور بے حد خطرناک رفتار کے ساتھ پوری قوت سے اسٹیئرنگ کاٹا۔ جیپ بری طرح لہرائی، مونا نے چیخ ماری اور پھر ہذیانی انداز میں چیختی چلی گئی۔ مجھے لگا جیسے جیپ موڑ پر سڑک سے اتر گئی ہو۔ میرے ہاتھ سختی سے اسٹیئرنگ پر جمے تھے، جو سیدھا ہونے کے لئے زور لگا رہے تھے۔ بارش سے تر سڑک پر ٹائر پھسل رہے تھے، چیخ رہے تھے۔ انجن کی غراہٹ، مونا کی چیخیں اور ٹائروں کے رگڑنے کی آواز جیپ کے اندر ایک پُرشور ماحول تخلیق کر رہی تھی۔ اس وقت مجھے یقین تھا، جیپ ابھی کھائی میں جا گرے گی اور میں آخری آواز ایک دھماکے کی سنوں گا، جس کے بعد دنیا میرے بلکہ ہم تینوں کے لئے بے معنی ہو جائے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر نہ تو جیپ کھائی میں گری اور نہ ہی دھماکا ہوا۔ ہم بچ گئے تھے۔ بعض واقعات انسان ہوتے دیکھتا۔ لیکن اس کا منطقی شعور اس واقعے کی وضاحت کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ ایسا ہی میرے ساتھ ہوا تھا۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ ہم اُس روز کس طرح بچ گئے تھے؟ بارش سے بھیگی سڑک پر کوئی چالیس کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے پچاس درجے زاویے کا موڑ کاٹا اور کھائی میں گرنے سے محفوظ رہے، میں جس دھماکے کا منتظر تھا وہ چند لمحے بعد سنائی دیا۔ سفیر عقب سے کچھ کہہ رہا تھا مگر مونا کی چیخوں اور انجن کی غراہٹ اور بریکوں کے شور میں اس کی بات سنائی نہیں دی تھی۔ جیپ دس بارہ گز پھسلنے کے بعد رک گئی تھی۔ میں نے انجن بند کیا اور مڑ کر مونا پر دھاڑا، ''چپ ہو جاؤ۔''

مونا نے اپنا منہ دبا لیا، وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ میں بھی لرز رہا تھا، میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''شوبی! وہ حرام زادے کھائی میں گر گئے ہیں۔'' سفیر نے اطلاع دی۔

میں نے گہری سانس لی۔ میں نے جو جوا کھیلا تھا اس کا ایک انجام یہ بھی تھا۔ دوسری جیپ ٹکر مارنے والی پوزیشن میں تھی اور اس کے ڈرائیور نے موڑ کا خیال بھی نہیں رکھا۔ میرے رفتار بڑھانے سے وہ مجھے چھونے میں ناکام رہی تھی اور تیز رفتاری کے باعث سڑک سے نیچے کھائی میں اتر گئی تھی۔ میں، سفیر اور مونا جیپ سے اتر کر کھائی کے کنارے تک آئے۔ جیپ کوئی تیس چالیس گز نیچے پڑی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس اور اندر کی روشنی ابھی تک جلی تھی، اس کی وجہ سے ہمیں نظر بھی آ گئی۔ جیپ کے اندر سے ان لوگوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی تھی۔ آوازوں اور گالیوں کے وزن سے اندازہ ہوتا تھا، وہ کسی جان لیوا چوٹ سے محفوظ رہے تھے۔ سفیر سامان سے طاقتور سرچ لائٹ نکال لایا تھا، اس کی مدد سے ہم نے جیپ سواروں کا معائنہ کیا۔ جیپ ایک خاصے تناور درخت سے ٹکرا کر رک گئی تھی ورنہ اس کے سواروں کو عشق کے کئی امتحانوں سے مزید گزرنا پڑتا۔ درخت نے انہیں بچا لیا تھا۔

''کیا خیال ہے نیچے چل کر انہیں جیپ سے نکالیں؟'' میں نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''ہرگز نہیں، تم بھول رہے ہو..... وہ مسلح ہیں۔'' مونا بولی۔

''درست کہا..... اور میں زخمی سانپ کی مدد کا قائل نہیں ہوں، وہ ڈستا ضرور ہے۔'' سفیر نے بھی مونا کی تائید کی تبھی میں نے بھی اتفاقِ رائے کیا۔

''تب چلا جائے، ان کو اپنی حرکتوں کا مزہ لینے دو۔'' میں نے جیپ کا رخ کیا۔

سفیر اور مونا کچھ دیر میں آ گئے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا سوچ رہا تھا۔ سفیر نے میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ ''کیا ساری رات یہیں مراقبہ کرنے کا ارادہ ہے؟''

''نہیں یار، میں سوچ رہا ہوں، کتنے ہی برے سہی، ہیں تو انسان..... انہیں اس طرح بے یار و مددگار چھوڑنا صحیح نہیں ہے۔ پتا نہیں کوئی شدید زخمی ہو اور اسے طبی امداد کی ضرورت ہو۔''

''تو جناب کیا کریں گے؟'' سفیر بھنا گیا تھا۔ ''اس کا علاج کریں گے؟''

''یار اسے کسی اسپتال تک تو لے جا سکتے ہیں۔'' میں جیپ سے اتر آیا۔ ''چلو میرے ساتھ۔''

''معاف کیجئے گا، مجھے کمینوں کی مدد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' سفیر نے صاف انکار کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا.....ایک ٹارچ اور ہتھوڑی دو۔''

''ذرا دور سے بات کرنا، ایسوں کا کوئی بھروسا نہیں ہے، مدد کے لئے آنے والے کو گولی مار دیں۔'' مونا نے مشورہ دیا۔

''زرہ بکتر پہن کر نہ چلا جاؤں؟'' میں نے بھنا کر کہا اور سفیر سے ٹارچ اور ہتھوڑی لے کر نیچے اتر گیا۔

بارش رک گئی تھی، زمین پر پھسلن تھی۔ شکر ہے جگہ جگہ پتھر تھے جن پر پاؤں جما کر اترنا آسان تھا ورنہ خالی مٹی ہوتی تو صحیح سلامت نیچے پہنچنا ایک مسئلہ بن جاتا۔ ٹارچ کی روشنی میں راستہ دیکھنا آسان تھا، میں قدم جماتا جیپ کے پاس جا پہنچا۔ وہ کسی قدر ترچھی کھڑی تھی۔ ونڈ شیلڈ چکنا چور ہو گئی تھی۔ اگلے دروازوں کی کھڑکیاں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ البتہ عقبی دروازوں کے شیشے سلامت تھے۔ ایک درخت کی آڑ سے میں نے ٹارچ کی روشنی میں جیپ کے اندر دیکھا۔ فرنٹ والی سیٹوں پر دو افراد پھنسے بیٹھے تھے۔ یوں کہ دروازے کھلنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ عقبی نشست پر بھی ایک شخص تھا۔ روشنی پڑتے ہی وہ سب مدد کے لئے چلانے لگے۔ ''ہمیں یہاں سے نکالو، ہمیں بچاؤ۔''

''.....خدا کے لئے ہمیں یہاں سے نکالو۔'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص چلایا۔ کچھ دیر پہلے یہی فرشتۂ اجل بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اندر جھانکا۔ فرنٹ سیٹ والوں کی حالت بری تھی۔ ونڈ شیلڈ کے ذرّے بندوق کے چھروں کی طرح لگے تھے اور ان کے چہرے لہولہان تھے بلکہ ڈرائیور کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ اس کی آنکھیں بھی زخمی تھیں۔ اس کے ساتھ بیٹھے شخص کی کلائی ٹوٹ گئی تھی اور وہ اسے اپنی والدہ ہمشیرہ سے منسوب کر کے بار بار سیدھا کر رہا تھا۔ اس طرح وہ صرف اپنی تکلیف میں اضافہ کر رہا تھا۔ تیسرا عقبی نشست پر خاموشی سے پڑا تھا۔ پہلے مجھے شبہ ہوا کہ وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر چکا ہے لیکن ٹارچ کی روشنی میں اس کا ہلتا سینہ اور کھلتے بند ہوتے دیدے نظر آئے تھے۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میری کمر میں جھٹکا آیا ہے، مجھ سے ہلا نہیں جا رہا۔'' اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

''تب تم آرام کرو۔'' میں نے کہا اور اگلے ٹیڑھے ہو جانے والے دروازے میں ہتھوڑی کی نوک پھنسا کر اسے کھینچا تو ذرا سی زور آزمائی سے دروازہ نکل گیا تھا۔ کلائی کو رونے والا فوراً باہر آ گیا اور چیخ مار کر نیچے گر گیا تھا۔ اس کے پاؤں میں بھی چوٹ آئی تھی۔ اسے ایک طرف ٹکا کر میں نے اگلے دروازے سے ہی ڈرائیور کو بھی باہر نکال لیا۔ اس کی آنکھیں سچ مچ زخمی تھیں اور اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے احتیاط کی تھی کہ وہ میری صورت نہ دیکھنے پائیں۔ اسے ایک مناسب جگہ بٹھا کر میں نے حادثے کے بارے میں دریافت کیا۔ ''تم لوگوں نے جیپ کھائی میں کیسے اتار دی؟''

''یہ سب ایک حرام زادے کا قصور ہے۔'' اس نے مجھے اجنبی جان کر سفید جھوٹ بولا۔ ''وہ مری سے ہمارے پیچھے لگا تھا۔ ہائے..... پہلے کسی لفنگے سے کیچڑ بھرے تھیلے پھنکوا کر ہمارے کپڑے خراب کئے اور پھر پیچھے سے ٹکر مار کر کھائی میں گرا دیا۔ وہ تو قسمت نے بچا لیا..... ہائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم لوگوں کی حرکتوں کے لحاظ سے خاصی کم سزا ملی ہے۔'' میں نے دل میں کہا۔

''یہاں سے نکل جائیں..... پھر اس..... کو بھی دیکھ لیں گے۔'' ٹوٹی کلائی والے نے ہلبلاتے ہوئے کہا۔ ایک لمحے کو میرا دل چاہا کہ انہیں چھوڑ جاؤں، یہ ذلیل لوگ الٹا مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہے تھے۔ مگر اپنے اندر کے انسان کی وجہ سے میں رک گیا۔ ''تم لوگ اوپر میری گاڑی تک کیسے آؤ گے؟''

''آ جائیں گے جناب! آپ ہمیں اسپتال تک پہنچا دیں۔'' ڈرائیور بولا۔

''سب سے پہلے اس کے خلاف رپورٹ کرانی ہے۔ اس کی جیپ کا نمبر مجھے یاد ہے۔'' ٹوٹی کلائی والا بولا تو میں اپنے ارادے پر نظرثانی کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ہم مدد کر کے پھنس جاتے۔ ''تم لوگ آرام سے بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اوپر آ کر جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ سفیر طنزیہ انداز میں بولا۔

''جناب کو پتا چل گیا ناں..... اپنی عقلمندی کا..... یہ کتے کی دُم جیسے لوگ ہیں۔''

''تم ہماری باتیں سن رہے تھے؟'' میں نے جھینپ کر کہا۔

''لعنت بھیجو اور کوئی پولیس والا آئے تو ان لوگوں کو پہچاننے سے بھی انکار کر دینا۔'' مونا بولی۔

میں نے ایک بار پھر جمہوری فارمولے کے تحت اکثریت سے اتفاقِ رائے کیا۔ ان دونوں کو ان کے گھروں پر اتار کر میں صبح چار بجے کے قریب گھر پہنچا تھا۔ مجھے ٹوٹی کلائی والے کی بات نے متفکر کر دیا تھا، اس کے عزائم خطرناک تھے۔ وہ کینہ پرور نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ جیپ کے نمبر کی مدد سے میرا سراغ لگانا بے حد آسان تھا کیونکہ میں نے جیپ اپنے نام پر کرائی تھی اور رجسٹریشن آفس سے میرا اتا پتا بھی بہ آسانی مل سکتا تھا۔ یہ ایک نئی پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ اگرچہ میں اتنا بھی کمزور نہیں تھا لیکن پھر بھی ایک کاروباری آدمی تھا اور اس قسم کے بکھیڑوں میں نہیں پڑ سکتا تھا۔ بہرحال میں اس معاملے میں قصوروار نہیں تھا اور نہ ہی ان سے الجھنا چاہتا تھا۔ اگر وہ اپنی خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتے تو میں مقابلہ کرنے پر مجبور ہوتا۔ رات سونے کے لئے گھر جانے کے بجائے میں نے آفس میں رکنے کا فیصلہ کیا۔ صبح بے شمار کام تھے۔ میں نے چوکیدار سیدگل سے کہا۔

''مجھے صبح گیارہ بجے اٹھا دینا۔''

مگر اس نے گیارہ بجے کے بجائے نو بجے ہی اٹھا دیا۔ میں جھنجلا گیا۔ ''کیا بات ہے سیدگل!''

وہ گھبرایا ہوا تھا۔ ''صاحب، باہر پولیس آئی ہے، آپ کا پوچھتی ہے۔''

☆======☆======☆

''سائیں!'' کی آواز کے ساتھ پہلی ضرب میری کمر پر لگی تو باوجود ضبط کے میرے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ راجا عمر دراز کے جلاد نے پوری قوت سے چمڑے کا بل کھایا کوڑا مارا تھا۔ ضرب کی شدت سے میرا جسم بل کھا کر رہ گیا تھا۔ دوسری ضرب پہلی سے زیادہ شدید تھی اور میری چیخ بھی بلند تھی۔ ''راجا صاحب! میں نہیں..... جا..... جانتا..... میں بے..... قصور ہوں۔'' مارے تکلیف کے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر میرے منہ سے نکل رہے تھے۔ ''خدا کے لئے..... اسے روکیں۔''

''یہ صرف ایک صورت میں رکے گا، جب تم نوادرات کا پتا بتا دو گے۔'' راجا عمر دراز نے سرد لہجے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ ''میں جا رہا ہوں، میرے پاس اس صورت میں آنا جب یہ کچھ بتانے پر آمادہ ہو ورنہ زحمت مت کرنا۔'' راجا عمر دراز کہتا ہوا چلا گیا۔

''راجا صاحب! میری بات.....'' میں چلایا۔ تیسری ضرب سے میری بات ادھوری رہ گئی تھی۔ مارنے والا ظالم اور سفاک شخص تھا، اسے کسی پر ظلم کرتے ہوئے مزہ آتا تھا کیونکہ کوڑا مارتے ہوئے اس کی لذت اندوز سسکاریاں میں نے خود سنی تھیں۔ تیسری ضرب کے بعد اس نے گلابی اردو میں کہا تھا۔

''لڑکا..... اب بی وقت اے..... بتا دو..... ورنہ ام چمڑی..... اتار دے گا۔''

تیسری ضرب سے سچ مچ میری کھال اتر گئی تھی۔ مجھے اپنی کمر پر سرسراتا خون صاف محسوس ہو رہا تھا۔

''میں بے قصور ہوں..... فتح خان جھوٹ کہتا ہے، میں رات کو سو رہا تھا۔''

''یہ سب راجا صاحب کو بولنا..... ام کو ٹھیک جواب دو..... ہاں یا ناں؟''

میں چپ رہا تو اس نے پھر کوڑا اٹھا لیا تھا۔ تکلیف سے توجہ ہٹانے کے لئے میں ضربیں گننے لگا مگر گنتی ہی بھول گیا۔ چند ضربوں کے بعد درد کی شدت نے ایسا بے حال کیا کہ میں سوچنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھا تھا۔ شاید میں جانور کی طرح چلا رہا تھا اور اس طرح چلاتے چلاتے نہ جانے کب ہوش سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ یہ بے ہوشی نامعلوم مدت تک جاری رہی۔ رفتہ رفتہ مجھے ہوش آنے لگا اور شعور کا پہلا احساس ہی تکلیف کا تھا مگر نہیں، تکلیف نہیں..... بلکہ یہ تکلیف کی یاد تھی۔ درحقیقت مجھے اپنی پشت میں ہلکی سی سوزش ہو رہی تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔ میں ایک نرم بچھونے پر اوندھے منہ پڑا تھا اور میری پشت پر ہلکا کمبل تھا۔ میں منتظر رہا کہ ابھی درد کی لہریں اٹھ کر مجھے جھنجھوڑ دیں گی مگر بس وہی ہلکی سی سوزش رہی۔ اس کا مطلب تھا کہ بے ہوشی کے دوران میں میری پشت پر کوئی زود اثر مرہم لگایا گیا تھا جس نے سارا درد کھینچ لیا تھا۔ میرے جسم پر صرف شلوار تھی۔ قمیص ویسے ہی پھٹ چکی تھی۔ اس کے باوجود مجھے سردی نہیں لگ رہی تھی۔ میں نے سر گھما کر دوسری طرف دیکھا۔ دیوار کے ساتھ انگیٹھی رکھی تھی جس میں انگارے دہک رہے تھے۔ ان کی وجہ سے کمرے میں حرارت تھی۔ یہ وہی کمرا تھا جہاں پہلے مجھے قید رکھا گیا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو پشت سے ٹیسیں اٹھی تھیں۔ مگر میں اٹھ گیا۔ میں نے کوشش کر کے ہاتھ پشت پر رکھا۔ میری انگلیوں سے کوئی نرم سی شے لگی۔ یہ کالی اور لیس دار تھی۔ شاید کوئی مقامی دوا تھی جسے میری پشت کے زخموں پر لگایا گیا تھا۔ بہرحال دوا حیرت انگیز حد تک زود اثر تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں سات آٹھ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش نہیں رہا تھا۔ اتنی دیر میں کوئی بھی دوا یا پین کلر درد کو اتنی جلدی نہیں دبا سکتی ہے۔ مارفین سے درد دب جاتا ہے لیکن انسان بھی غنودگی میں رہتا ہے جب کہ میرا ذہن مکمل طور پر چاق و چوبند تھا۔ دروازہ باہر سے بند لگتا تھا۔ چیک کرنے پر بھی بند ہی ثابت ہوا۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر بستر پر واپس آ بیٹھا۔ کچھ دیر تو اس جگہ آنے پر پچھتاتا رہا پھر حالات پر غور کرنے لگا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے راجا عمر دراز کے جلاد کے ہاتھ سے بدترین عذاب سے گزر رہا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو صاف ستھرا پایا تھا۔ یعنی درمیان میں کوئی ایسی بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے راجا عمر دراز کے رویے میں تبدیلی آئی تھی۔ ممکن ہے اس کے نواورات کا کوئی سراغ ملا ہو۔ میرے دل میں امید پیدا ہو گئی تھی۔ بہرحال کوئی تبدیلی آئی بھی تھی تو اس حد تک نہیں کہ راجا عمر دراز میری بے گناہی کا یقین کر لیتا۔ بند کمرا ظاہر کرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ ابھی مجھ سے شک ہٹا نہیں ہے۔ میں سوچوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک محافظ اندر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ ٹرے میں دو پیالے تھے۔ محافظ نے ٹرے میرے سامنے رکھی اور بولا۔

''ناشتا کرو۔''

یعنی یہ صبح کا وقت تھا۔ ایک بڑے پیالے میں سبزیوں اور گوشت کا سوپ اور دوسرے میں چائے۔ اس وقت مجھے شدت سے چائے کی طلب ہو رہی تھی لیکن پہلے کھانا ضروری تھا۔ پیالے کے ساتھ لکڑی کا چمچ بھی تھا۔ میں نے سوپ پینا شروع کیا تو مجھے پتا چلا میں کس قدر بھوکا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں نے پیالہ ختم کر دیا تھا۔ محافظ جا چکا تھا۔ سوپ کے بعد چائے پی اور ذہن پر چھائی غنودگی سے لڑتے ہوئے بستر پر لیٹ گیا۔ مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ کب میں سو چکا تھا۔ اس سوپ میں یقیناً کوئی خواب آور دوا تھی یا ممکن ہے وہی بوٹی ہو جو شینا نے سرمد علی کے کھانے میں ملائی تھی۔ بہر حال میں بے ہوشی کی نیند سوتا رہا اور مجھے پتا بھی نہیں چلا کب محافظ آ کر ٹرے واپس لے گیا اور کب کوئی آ کر مجھے پھر سے مرہم لگا گیا۔

اگلی بار میری آنکھ کھلی تو میں قید خانے کے بجائے ایک معقول قسم کے کمرے میں مسہری بچھے بستر پر لیٹا تھا۔ کچھ دیر تو مجھے یقین نہیں آیا شاید میں خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کمرے میں ہتھکڑی کا مطلب تھا کہ راجا عمر دراز کو میری بے گناہی کا یقین آ چکا تھا۔ ورنہ میں اب تک قید خانے میں پڑا ہوتا۔ میری پشت میں ہلکی سی تکلیف تھی جو فی الحال قابل برداشت بھی تھی۔ بیدار ہونے کے کوئی ایک گھنٹے بعد ایک لڑکی کمرے میں آئی تھی۔ اس نے مقامی طرز کا لباس پہن رکھا تھا اور حلیے سے ملازمہ لگتی تھی۔ ویسے اس کی خوبصورتی میں کوئی کلام نہیں تھا۔

''راجا صاحب..... آپ کو بلاتا۔'' اس نے معصومانہ انداز اور آواز میں کہا۔

''کدھر..... اور میری قمیص کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

لڑکی نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ایک طرف میرا بیگ رکھا تھا جس میں کپڑے اور دوسرا سامان تھا۔ ''ام ابی آتا اے۔'' لڑکی بول کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اتنی دیر میں کپڑے بدل لوں۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر کے بیگ سے ایک لباس نکال کر پہنا۔ قمیص پہننے کے دوران میں میرا ہاتھ پشت کی طرف گیا۔ مجھے توقع تھی کہ پھر میری انگلیوں پر وہ لیس دار مرہم لگے گا مگر میری انگلیاں جلد سے ٹکرائی تھیں۔ کیا میرے زخم اتنی جلدی بھر گئے تھے؟ کمرے میں ایک طرف ڈریسنگ ٹیبل رکھی تھی۔ میں نے اس کے آئینے میں اپنی پشت دیکھی۔ زخم حیرت انگیز طور پر بھر گئے تھے۔ بس چند لکیریں باقی رہ گئی تھیں۔ میں اپنی پشت کا معائنہ کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے جلدی سے قمیص پہنی۔ نہ جانے کس قسم کا مرہم تھا جس نے اتنی جلدی زخم بھر دیئے تھے۔ باہر لڑکی تھی، میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

اب تک میرا ذہن اس معاملے میں سُن تھا۔ میں کسی قسم کے جذبات محسوس نہیں کر رہا تھا لیکن شاندار سے ڈائننگ ہال کی لمبی سی میز کے ایک سرے پر بیٹھے راجا عمر دراز کو دیکھ کر میرے اندر ابال سا اٹھا تھا۔ اس شخص نے مجھے بے گناہ تشدد کا نشانہ بنایا تھا اور اب شاید اپنے ظلم کی تلافی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا دل چاہا کہ اس صحت مند بڈھے کی گردن پکڑ کر اس وقت تک دباتا رہوں جب تک اس کی آخری سانس بھی نہ نکل جائے۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بغور مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سر ہلا کر کہا۔ ''تمہاری خواہش بے جا نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اس کے بعد اس قسم کے خیالات آنا فطری ہے۔''

میں دم بخود رہ گیا تھا۔ اتنا زیادہ کہ اپنا غصہ بھی بھول گیا تھا۔ ''آپ کو کیسے پتا چلا..... کیا آپ نے میری سوچیں پڑھ لی ہیں؟''

راجا عمر دراز نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ انسان کا ذہن پڑھ سکتا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ انسان کی سوچیں اللہ نے سوائے اپنے سب سے چھپا رکھی ہیں۔ تم اسے قیافہ شناسی کہہ سکتے ہو۔ مجھے معلوم ہے اس وقت تمہارے دل میں میرے لئے شدید جذبات ہیں، کچھ تمہارے تاثرات نے بتایا تھا اور میں نے درست اندازہ لگایا۔ میں اس سلسلے میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ تصویر اور پتھر میرے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے تو تم مجھے معاف کر دو گے۔''

''شاید ان دونوں چیزوں کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ آپ نے بلا تکلف میری کھال اتروا دی۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں، بات قیمت کی نہیں ہے۔ وہ میرے لئے کسی کی نشانی تھی۔ میں ساری دنیا کی دولت کے بدلے بھی ان سے دستبردار ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ تم سوچو ان کے غائب ہونے پر میری کیا حالت ہو گی؟''

''وہ بے شک آپ کے لئے قیمتی ہیں لیکن کسی انسان سے زیادہ نہیں ہو سکتیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو نوجوان..... لیکن ان چیزوں کے معاملے میں..... میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔'' راجا عمر دراز کا لہجہ دردناک ہو گیا تھا۔ ''عمر کے اس آخری حصے میں، میں ان کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''ان چیزوں کی کسی کے نزدیک کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟ وہ پتھر شاید اپنی حیرت انگیز خصوصیت کی وجہ سے قیمت رکھتا ہو لیکن جہاں تک تصویر کا تعلق ہے، کوئی بھی اچھا مصور اس سے بھی اچھی تصویر بنا سکتا ہے۔''

''ایسا مت کہو..... اصل اہمیت اسی تصویر کی ہے۔ یہ اس ہستی نے مجھے بنا کر دی ہے جسے میں ہمیشہ سب سے زیادہ چاہتا رہوں گا۔ پتھر بھی اسی کا تحفہ ہے لیکن گزشتہ نصف صدی میں ان چیزوں کو میرے پاس سے چرانے کی کتنی کوششیں کی جا چکی ہیں، میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ وہ ان چیزوں کے پیچھے پاگل ہیں۔ اپنی جان پر بھی کھیل کر انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

''نصف صدی سے..... آخر وہ ہیں کون..... کوئی ایک فرد تو نہیں ہو سکتا۔'' میں نے تعجب سے کہا۔

راجا عمر دراز نے مجھے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''بلاشبہ تم ذہین ہو، تمہارا اندازہ درست ہے۔ وہ ایک فرد نہیں بلکہ پورا خاندان ہے نسل در نسل ان چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ارے تم اب تک کھڑے ہو، بیٹھ جاؤ۔''

میں ایک کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔ ''راجا صاحب، میرا دل ابھی صاف نہیں ہوا ہے۔''

''ہو جائے گا۔'' راجا عمر دراز نے پُر یقین لہجے میں کہا۔ ''پہلے ناشتا کرو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجا صاحب! پہلے مجھے بتائیں، کیا آپ نے مجھے بے گناہ تسلیم کرلیا ہے، آپ کی چیزیں مل گئی ہیں؟''

''حیرت ہے، تم اب بھی نہیں سمجھے۔ میں نے تم سے معافی مانگی ہے، اس کا مطلب یہی ہوا ناں کہ میرا دل اب تمہاری طرف سے صاف ہے اور ہاں، مجھے تصویر اور پتھر مل گیا ہے۔''

''کہاں سے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''پہلے ناشتا کرو، پھر سب بتاتا ہوں۔ یہ سب جاننا تمہارا حق ہے۔''

میرا خیال تھا کہ میں صبح سے کھا نہیں سکوں گا اس لئے بادل نخواستہ ناشتے کی طرف متوجہ ہوا لیکن جب ناشتا شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ مجھے کتنی شدت کی بھوک لگی ہے، میں کھاتا ہی چلا گیا تھا حالانکہ بے ہوشی کی دوا ملا سوپ بھی خاصا مقوی تھا، اس کے باوجود ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے پیٹ میں جن بیٹھ گیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں نے بیشتر اشیاء کا صفایا کر دیا۔ راجا عمر دراز مسکرا رہا تھا، میں جھینپ گیا۔

''سوری راجا صاحب! شاید آپ کے جلاد کے کوڑوں نے میرے معدے کو بھی ایڑھ لگا دی ہے۔''

وہ سنجیدہ بلکہ کسی حد تک مغموم ہو گیا۔ ''نوجوان! بار بار اس کا ذکر کر کے مجھے شرمندہ مت کرو اور اصل میں تمہاری پشت کے زخم جلدی اچھے کرنے کے لئے جو مرہم لگایا گیا تھا، اس کی وجہ سے تمہیں بھوک لگ رہی ہے۔ جسم کی تعمیر کے کام میں بہت زیادہ توانائی لگتی ہے اور یہ مرہم زیادہ توانائی چاہتا ہے، اسی وجہ سے گہرے سے گہرا زخم چوبیس گھنٹے میں بھر دیتا ہے۔''

''راجا صاحب، آپ کی اور چیزوں کی طرح یہ مرہم بھی حیرت انگیز ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں ہفتے بھر پشت کے بل لیٹ نہیں سکوں گا۔''

''اب بھی احتیاطاً دو دن پشت کے بل مت لیٹنا کیونکہ زخم پر کھال آئی ہے۔ اندر سے ابھی کچے ہیں۔ اندر کے زخم بھرنے میں دو دن لگیں گے۔''

''مرہم کسی جڑی بوٹی سے بنتا ہے؟'' میں نے ایسے ہی پوچھ لیا۔

''نہیں..... بلکہ ایک قسم کے پتھر کو جلا کر اس کی راکھ چند مقامی بوٹیوں میں ملا کر یہ مرہم بنایا گیا ہے۔ اگر اسے گولی کے زخم پر لگا دو تو جسم کے اندر موجود گولی خود بخود باہر آ جاتی ہے۔ بشرطیکہ گولی گوشت میں ہو۔ ہڈی یا اعضائے رئیسہ میں سے کسی عضو میں نہ پھنسی ہو۔''

راجا عمر دراز کچھ دیر مجھے اس مرہم کے معجزاتی اثرات کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔ اگر میں خود اس کا براہِ راست مشاہدہ نہ کر چکا ہوتا تو راجا عمر دراز کے باقی دعووں کو گپ سے زیادہ اہمیت نہ دیتا۔ میں نے پوچھا۔ ''وہ پتھر کہاں سے ملتا ہے، جس کی راکھ اس مرہم میں شامل کی جاتی ہے؟''

''وہ بھی کسی کا تحفہ ہے۔'' راجا عمر دراز بولا۔ عجیب بات تھی، وہ عمر میں مجھ سے چار گنا بڑا تھا لیکن میں اس سے بے تکلفانہ انداز میں بات کر رہا تھا اور مجھے اس کی بزرگی کا خیال تک نہیں تھا۔

''لگتا ہے آپ کو کسی کے تحفے کچھ زیادہ ہی ملے ہیں؟''

''ہاں۔'' وہ مسکرایا پھر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ''کیا تمہیں پتا ہے، مجھے تصویر اور سیاہ پتھر کہاں سے ملے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ظاہر ہے، نہیں..... میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ چور کون ہیں؟''

''یہ دو مقامی باشندے ہیں، اسی وادی میں رہتے ہیں۔ فطرتاً چور ہیں مگر انہوں نے یہ کام اپنے لئے نہیں بلکہ کسی اور کے لئے کیا ہے۔ میرے محافظ ان سے حقیقت اگلوا رہے ہیں، آؤ میرے ساتھ۔''

باہر سے بظاہر چھوٹا نظر آنے والا محل اندر سے خاصا وسیع تھا۔ ہم کئی راہ داریوں سے گزر کر اس تہ خانے تک آئے۔ جس میں مجھے بھی قید رکھا گیا تھا اور وہیں راجا عمر دراز نے اپنے معتوبین کو سزا دینے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ اب وہاں پر ایک کے بجائے دو افراد بندھے تھے اور جلاّد باری باری ان کی کمروں پر کوڑے مار رہا تھا۔ دونوں صورت شکل سے مقامی اور بحرمانہ فطرت والے لگتے تھے۔ مار کھا کر وہ ذبح کئے جانے والے بکرے کی طرح بلبلا رہے تھے۔ راجا عمر دراز نے مقامی زبان میں کچھ کہا تو وہ دونوں افراد چلانے لگے تھے۔ غالباً وہ اقرار جرم کرنا چاہ رہے تھے۔ راجا عمر دراز نے اشارے سے جلاّد کو روک دیا اور ان کی سننے لگا۔ دونوں باری باری اور جلدی سے بول رہے تھے جیسے خدشہ ہو کہ ایک لمحے کی تاخیر سے جلاّد پھر سے کوڑے برسانا شروع کر دے گا راجا عمر دراز کوئی دس پندرہ منٹ ان سے بات کرتا رہا۔ درمیان میں وہ سوال بھی کر رہا تھا۔ آخر میں اس نے اپنے سیکرٹری کو ہدایات دیں اور جلاّد سے کچھ کہتا ہوا تہ خانے سے باہر آ گیا۔ میں بے تابی سے منتظر تھا کہ وہ مجھے ان چوروں سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں کچھ بتاتا لیکن راجا عمر دراز سوچوں میں گم محل کی راہ داریوں سے گزرتا باہر نکل آیا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ چبوترے سے اتر کر وہ باغ میں آیا اور پھولدار پودوں کے تختوں کے درمیان ٹہلنے کے انداز میں گھومنے لگا۔ شاید اسے کوئی خاص بات چوروں سے معلوم ہوئی تھی اور وہ متفکر نظر آتا تھا۔

ڈٹ کر ناشتا کرنے کے بعد مجھ میں توانائی آ گئی تھی اور چلنا پھرنا مشکل نہیں لگ رہا تھا البتہ راجا عمر دراز کی پُراسرار چپ سے بوریت ضرور محسوس ہو رہی تھی۔ میں بھی پھولوں میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اپنی حویلی میں بھی میں نے گلاب کی بے شمار اقسام لگوائی تھیں، ماں جی کو موتیا اور رات کی رانی پسند تھی۔ رات کے وقت حویلی کا صحن ان پھولوں کی خوشبوؤں سے مہک جاتا تھا لیکن راجا عمر دراز کے باغ میں ان نادر اور نایاب اقسام کے پھولوں کی ایسی مہک تھی جو میں نے اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ ان میں سے اکثر پھول میں نے نہ تو براہِ راست اور نہ ہی تصویر یا ٹی وی پر دیکھے تھے۔ ایک چھوٹے سے نیلی پنکھڑیوں والے پھول سے جیسے ہلکی سی روشنی نکل رہی تھی۔ مجھے شبہ ہوا اور میں نے جھک کر دیکھا، واقعی اس کے کناروں سے نیلگوں روشنی پھوٹ رہی تھی اور دن کے وقت جب کہ سورج نکلا تھا پھر بھی یہ روشنی نمایاں تھی۔

''شہباز! اسے رات کو دیکھنا۔ یہ پوری کیاری روشن ہو جاتی ہے۔'' عقب سے راجا عمر دراز نے کہا۔

''حیرت انگیز..... میں نے روشنی دینے والے پودوں کے بارے میں سنا ضرور ہے لیکن کسی پھول کے بارے میں نہیں سنا کہ اس سے روشنی نکلتی ہو۔''

''سمندر میں روشنی دینے والے خاصے پھولدار پودے ہوتے ہیں لیکن خشکی پر یہ واحد پھول ہے جس سے روشنی نکلتی ہے۔'' وہ بولا پھر اس نے جھک کر ایک پھول توڑا۔ ''اس کی ایک حیرت انگیز خاصیت ہے، اسے سونگھو.....'' اس نے پھول میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے لے کر سونگھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس میں ذرا بھی خوشبو نہیں ہے۔''

''اب اسے اپنی ہتھیلی پر اچھی طرح مسل لو۔'' اس نے کہا تو میں نے ایسا ہی کیا اور جب اپنی ہتھیلی سونگھی تو اس سے ایسی انوکھی خوشبو آئی جس کا مجھے پہلے تجربہ نہیں ہوا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے گلاب اور خس کی خوشبوؤں کو آپس میں ملا دیا ہو۔ میں بے اختیار بولا۔

''حیرت انگیز..... راجا صاحب!''

میری دلچسپی محسوس کر کے راجا عمر دراز نصف گھنٹے تک مجھے ان پھولوں کے بارے میں لیکچر دیتا رہا تھا۔ اس سے بات کرنے کے دوران میرے ذہن سے چوروں کا خیال نکلا نہیں تھا اور جب میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو میں نے راجا عمر دراز کو ٹوک دیا۔ ''معذرت کے ساتھ راجا صاحب! بے شک آپ کا باغ انوکھا ہے اور اس میں نایاب اقسام کے پھول ہیں لیکن فی الوقت مجھے ان دو افراد سے زیادہ دلچسپی ہے جن کی وجہ سے میری درگت بنی تھی۔''

''اوہ..... معاف کرنا۔'' وہ ہنسا۔ ''بعض معاملات میں، میں سچ مچ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی کہتا رہتا ہوں، آؤ میرے ساتھ۔''

ہم چبوترے پر رکھی کرسیوں پر آ بیٹھے تھے۔ راجا عمر دراز نے وہاں موجود خادم کو کوئی حکم دیا تو وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ''ان دونوں نے اصل بات بتا دی ہے۔ ان کی خدمات ایک سفید فام نے حاصل کی تھیں۔''

''کسی سفید فام کو ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟''

''تم نہیں سمجھو گے۔ جو لوگ ان چیزوں کی اصلیت جانتے ہیں، وہ انہیں ہر قیمت پر مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔''

''تب آپ نے ان چیزوں کو ایسے کھلا کیوں رکھا ہے؟ آپ انہیں زیادہ حفاظت سے کسی تجوری میں رکھ سکتے ہیں۔''

''میں نے ان کی حفاظت کا بندوبست کر رکھا ہے۔ ایسے انتظامات ہیں جو بظاہر کسی کو نظر نہیں آتے لیکن جیسے ہی ان چیزوں کو چھیڑا جاتا ہے، مجھے پتا چل جاتا ہے؟''

''اس کے باوجود چور انہیں آپ کے محل سے لے اُڑے اور آپ کو پتا بھی نہیں چلا۔''

''اسی سے تو مجھے شبہ ہوا کہ یہ کام ان معمولی اچکوں کا نہیں ہو سکتا ہے۔ انہیں پوری طرح سمجھا کر بھیجا گیا تھا۔'' راجا عمر دراز بولتے بولتے سوچ میں پڑ گیا۔

''راجا صاحب! اگر باہر کے کسی شخص نے چوروں کو اتنی مکمل معلومات فراہم کی ہیں کہ وہ بے خبری میں بھی چیزیں چرا کر لے گئے تو لازمی طور پر محل کا کوئی فرد ان سے ملا ہوا ہے۔''

راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''تم واقعی ذہین ہو۔ میرے آدمی فتح خان کو تلاش کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ پہرا دینے والے دو محافظوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ چوروں کے بارے میں سنتے ہی فتح خان فرار ہو گیا تھا مگر وہ وادی سے باہر نہیں جا سکتا۔ میرے آدمی چپے چپے پر ہیں، جلد وہ پکڑا جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجا صاحب صرف فتح خان ہی نہیں بلکہ وادی میں بھی ان کا کوئی آلہ کار ہے جس نے فتح خان کو بتایا کہ میں اس رات اس رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔''

''تم نے درست کہا۔ میرے جاسوس اس معاملے کو دیکھ رہے ہیں۔ جلد وہ اس شخص کا سراغ بھی لگا لیں گے۔''

مجھے اب اس معاملے سے خاص دلچسپی نہیں رہی تھی۔ راجا عمر دراز کی چیزیں اور انہیں چرانے والے افراد مل گئے تھے اور میں یہاں سے جانا چاہتا تھا۔

''راجا صاحب، کیا اب میں آزاد ہوں؟''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''تم نے یہ سوال کیوں کیا؟ اب تم میرے معزز ترین مہمان ہو۔ تم پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔''

''راجا صاحب، میں اب جانا چاہتا ہوں۔''

''برخوردار! میں ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں اور میری خواہش ہے تم کچھ دن اور میرے ساتھ رہو۔ شاید میرے کیے کی تلافی ہو سکے۔''

''راجا صاحب! آپ کے حسن سلوک نے تلافی کر دی ہے اور یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے ورنہ لوگ اب اپنے کیے پر شرمندہ نہیں ہوتے ہیں۔ آپ اگر مجھے اسی حالت میں اپنے محل سے نکال دیتے تو میں کیا کر سکتا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے عمل اور الفاظ سے اپنی ندامت ظاہر کر دی ہے۔ پلیز اب دوبارہ معذرت کے الفاظ مت دہرائیے گا مجھے خود شرمندگی ہوتی ہے۔ جہاں تک جانے کی بات ہے تو مجھے جانا تو ہے۔''

''ہاں..... لیکن پھر بھی تم اس بوڑھے کی بات مان لو اور کچھ دن اور رک جاؤ۔ مجھے بہت عرصے بعد کوئی ایسا شخص ملا ہے، جس سے میں بات کر سکتا ہوں اور وہ میری بات سمجھتا ہے۔ شہباز، کم عمری کے باوجود تمہاری معلومات وسیع ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم ہر شے کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہو۔''

''بس راجا صاحب! کم عمری سے مجھے مطالعے کا شوق رہا ہے اور میں نے کتابوں سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''جو لوگ کم عمری میں کتاب کو اپنا ساتھی بنا لیں وہ زندگی میں کسی نہ کسی منفرد مقام پر پہنچتے ہیں۔ تم ذہنی لحاظ سے بھی مضبوط ہو ورنہ میں نے کسی کو اتنی تیزی سے خود کو سنبھالتے اور نارمل ہوتے نہیں دیکھا۔ یہ بتاؤ کہ پیراسائیکولوجی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' اس نے اچانک سوال کیا۔

میں نے سوچ کر جواب دیا۔ ''یہی کہ اس دنیا میں بہت کچھ ایسا بھی ہوتا ہے جس کا جواب ہمارے مادی اور طبعی علوم نہیں دے پاتے۔ ایسے میں پیراسائیکولوجی کی ضرورت پڑتی ہے۔''

''شاندار!'' اس نے تحسین آمیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''کسی اٹھارہ سالہ نوجوان سے اس جواب کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایک سوال اور ہے..... اگر ہمارے مشاہدے یا تجربے میں ایسا کچھ آئے جو عام زندگی میں نہیں ہوتا تو اسے ہم کیا کہیں گے؟''

راجا عمر دراز کا یہ سوال زیادہ مشکل اور میرے علم کے مقابلے میں زیادہ تھا۔ ''راجا صاحب! آپ نے بڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشکل سوال کیا ہے پھر بھی میں جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ نے دنیا کو ایک نظام کے تحت بنایا ہے۔ اسے آپ فزکس یا مادے کے اصول بھی کہہ سکتے ہیں۔ ماہرین ان اصولوں کو جانتے ہیں جیسے ایٹم کی ساخت جو مادہ بناتی ہے۔ یا کشش ثقل جس نے پوری کائنات کو باندھ کر رکھا ہے۔ عناصر کے ملاپ سے تشکیل پانے والی اشیاء ہمیشہ ایک جیسی ہوتی ہیں۔ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی کہ ہائیڈروجن اور آکسیجن ملنے سے پانی بنتا ہے لیکن کچھ واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں جو مادے کے ان اصولوں سے ہٹ کر ہوتے ہیں۔ ہم موجود اصولوں کے تحت ان کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کر سکتے گویا ایسے تجربات اور مشاہدات اصولوں کے محتاج نہیں ہوتے یا ہم ابھی تک ان اصولوں کو دریافت نہیں کر پاتے ہیں۔''

''گویا تم ماورائی اشیاء اور واقعات کو مانتے ہو؟''

''ایک حد تک۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''لیکن ہو سکتا ہے، ہم جسے معمول سے ہٹ کر سمجھ رہے ہوں، وہ دراصل ایک عام سی بات ہو لیکن ہم اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

راجا عمر دراز خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ اس دوران میں سبز قہوہ آ گیا جس سے الائچی کی خوشبو اٹھ رہی تھی، خادم نے قہوے کو سلیقے سے سرو کیا۔ ساتھ میں ایک ڈش میں کلچے نما چھوٹی چھوٹی ٹکیاں تھیں۔ ڈٹ کر ناشتا کرنے کے بعد میں ایک بار پھر بھوک محسوس کر رہا تھا۔ لہٰذا میں نے ان سے بھی انصاف کیا۔ ان کا ذائقہ بھی کلچے سے ملتا جلتا تھا۔ راجا عمر دراز نے برائے نام چکھا تھا۔ قہوے کے بعد اس نے منہ صاف کرتے ہوئے اپنے خادمِ خاص سے کچھ کہا پھر میری طرف دیکھا۔ ''شہباز! تمہاری دوا لگانے کا وقت ہو گیا ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ، وہاں طبیب موجود ہو گا۔''

میں خادمِ خاص کے ساتھ اندر آ گیا۔ خادمِ خاص چھوٹے سے قد کا چینی نقوش والا شخص تھا۔ اس کی عمر شاید راجا عمر دراز کے لگ بھگ تھی لیکن وہ سچ مچ بوڑھا لگتا تھا۔ بے پناہ جھریوں والا چہرہ اور نحیف و نزار جسم مگر چال اور حرکات میں پھرتی پائی جاتی تھی۔ وہ مجھے مہمان خانے میں میرے کمرے تک لایا۔ محل کا نچلا حصہ مہمانوں، کئی طرح کی نشست گاہوں اور وسیع و عریض ڈائننگ ہال کے لئے مخصوص تھا۔ راجا عمر دراز اور اس کے اعزا کی خواب گاہیں اوپری منزل پر تھیں۔ کمرے میں طبیب میرا منتظر تھا۔ یہ بھی معمر لیکن صحت مند شخص تھا۔ سیاہ پٹے میں وہ سچ مچ کوئی شاہی طبیب لگ رہا تھا۔ وہ اردو سے نابلد تھا اس لئے اپنی زبان میں کچھ کہا مگر بے اثر پا کر اس نے اشارے سے مجھے قمیص اتار کر اوندھے منہ قالین پر لیٹنے کو کہا۔ میں نے تعمیل کی، اس نے اپنی صندوقچی سے ایک جار نکالا جس میں گہرا سبزی مائل چٹنی جیسا گاڑھا مادہ بھرا تھا۔ اس نے لکڑی کا ایک چمچہ لیا اور اس سے مادہ میری پشت پر لیپ کرنے لگا۔ مرہم پشت پر ہلکی سی جلن کر رہا تھا پھر یہ جلن بڑھنے لگی۔ مجھے پہلی بار ہوش میں اس کا تجربہ ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ جلن اس حد تک بڑھی کہ میں کراہنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''میرے خدا..... کیا مجھے پھر سے بے ہوش نہیں کیا جا سکتا؟''

شاہی طبیب شاید میری بات کا مفہوم سمجھ گیا اس نے دانت نکالے تھے۔ پھر اس نے ایک ڈبیا نکالی اور اس میں بکری کی مینگنی کے رنگ اور سائز کی دو عدد گولیاں نکال کر میری طرف بڑھا دیں۔ میں نے لے کر سونگھا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس میں سے بو بھی مینگنی جیسی آ رہی تھی، میں نے گولیاں واپس کر دیں۔ ''میں یہ بکری کی مینگنیاں نہیں کھا سکتا۔''

اس پر شاہی حکیم نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی۔ وہ یقیناً ان مینگنیوں کی افادیت پر روشنی ڈال رہا تھا اور ان کے معجزاتی اثرات بیان کر رہا تھا مگر اس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ شاہی حکیم کو اس کا احساس کچھ دیر بعد ہوا۔ اس نے منہ بند کر کے کمرے میں ایک طرف لٹکی رسی کھینچی اور ایک منٹ کے اندر ایک خادم جن کی طرح حاضر ہو گیا۔ شاہی حکیم نے اسے کچھ کہا اور وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''جناب! آپ یہ دوائی کھا لیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے آج تک بکری کی مینگنی نہیں کھائی۔''

خادم نے جو کہا اس پر شاہی حکیم نے آتش زیر پا ہو کر ایک اور لمبی تقریر کی تھی۔ جس کا مرکزی خیال بلکہ خلاصہ خادم نے یہ کہہ کر پیش کیا کہ مذکورہ گولیاں کسی طرح سے بھی بکری کی مینگنی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ہیں اور میری پشت پر لگے مرہم سے جو تکلیف ہو رہی ہے اس کا علاج یہی گولیاں ہیں۔ لہٰذا بادل ناخواستہ میں نے وہ گولیاں پانی سے نگل لیں۔ شاہی حکیم نے مزید ہدایات جاری کیں کہ مرہم کم سے کم تین گھنٹے پشت پر لگا رہے۔ اس کے بعد میں اسے صاف کروا سکتا ہوں۔ وہ چلا گیا تو میں نے خادم سے کہا۔

''تین گھنٹے بعد آ کر میری پشت سے یہ لیس دار شے صاف کر دینا۔''

''آپ فکر نہ کریں جناب!'' خادم نے تسلیق لہجے میں کہا۔ ''تین گھنٹے بعد میں آپ کے لئے چوزے کی یخنی اور خوبانی کا سوپ لاؤں گا۔''

خادم کے جانے کے بعد میں اوندھے منہ لیٹ گیا تھا۔ نہ جانے یہ گولیوں کی تاثیر تھی یا مجھے غنودگی آ گئی تھی۔ میں حالاتِ حاضرہ پر غور کرتے کرتے سو گیا تھا۔ تکلیف میں مینگنی نما گولیاں کھاتے ہی کمی آنے لگی تھی۔ تین گھنٹے گزرنے کے بعد خادم نے آ کر مجھے بیدار کیا۔ اس نے پہلے روئی سے میری پشت پر لگا مرہم صاف کیا اور پھر غسل خانے تک رہنمائی کی۔ مہمان خانے میں اٹیچ باتھ نہیں تھے، جب تک میں نے غسل کر کے لباس بدلا، وہ یخنی اور خوبانی کا سوپ لے آیا تھا۔ یہ میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ شمالی علاقے میں جہاں بھی خوبانی پیدا ہوتی ہے یہ لوگوں کی عام غذا میں شامل ہے اور اسے طاقت اور درازی عمر کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ قابلِ غور بات ہے کہ ہنزہ، گلگت، کاغان اور چترال کی طرف جہاں یہ سوپ باقاعدگی سے پایا جاتا ہے، صحت کی عمومی صورتِ حال بہتر نہ ہونے کے باوجود لوگوں میں لمبی عمر پانے کی اوسط دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے بھی زیادہ ہے۔ حد یہ کہ میں نے گلگت میں ایک ایسی پولو ٹیم بھی دیکھی ہے جس کا ہر کھلاڑی سو سال سے زیادہ عمر رکھتا ہے۔

یخنی اور سوپ سے انصاف کر کے میں نے تازگی محسوس کی تھی اور رسی کھینچ کر خادم کو طلب کیا۔ ''میں باہر سیر کے لئے جانا چاہتا ہوں۔''

''پیدل جائیں گے یا گھوڑے پر؟'' اس نے پوچھا۔

مجھے گھڑ سواری آتی تھی لیکن اس کا ماہر نہیں تھا اور وادی کے اونچے نیچے راستوں پر یہی امید تھی کہ گھوڑا مجھے گرا دے گا لہٰذا میں نے پیدل چلنے کو ترجیح دی۔ ویسے بھی زخم اندر سے کچا تھا اور جھٹکوں سے مجھے نقصان ہو سکتا تھا۔ خادم نے شاہی حکیم کی خاص ہدایات جو مجھ تک پہنچائی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ میری پشت کے زخم پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی طرح کا بوجھ نہ پڑے یعنی مجھے مشکل راستوں پر جانے سے گریز کرنا تھا۔ میں راجا عمر دراز کے محل سے باہر آیا تھا۔ دوپہر کے دو بجے وادی تیز دھوپ میں نہا رہی تھی، اس کے باوجود موسم خنک تھا۔ اوپر سے پوری وادی کا منظر بے حد واضح تھا۔ میں درختوں کے درمیان سے گزرتا نیچے آنے لگا۔ میرا ارادہ سرمد علی سے ملنے کا تھا لیکن اس کے لئے مجھے نیچے نہیں جانا پڑا۔ مجھے نیچے سے چند افراد اوپر کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ مجھے شبہ ہوا کہ ان میں ایک سرمد علی بھی ہے۔ میں رک گیا۔ جب وہ لوگ نظر کی حد میں آئے تو میں ہینا کو پہچان کر حیران رہ گیا۔ ایک لحیم شحیم عورت نے اس کا بازو یوں تھام رکھا تھا جیسے اسے گرفتار کر کے لے جا رہی ہو۔ سرمد علی کے علاوہ ایک راجا عمر دراز کا محافظ بھی تھا۔ سرمد علی اور ہینا کے چہروں سے فکرمندی جھلک رہی تھی لیکن ہینا کے انداز میں خوف بھی تھا، وہ بار بار اپنے ساتھ کی عورت سے کچھ کہہ رہی تھی اور وہ اسے دھکے دے کر آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ میں نے ان کے سامنے آنا مناسب نہیں سمجھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہینا اور سرمد علی کو راجا عمر دراز نے طلب کیا ہے۔ وہ لوگ میرے نزدیک سے گزر کر راجا عمر دراز کے محل کی طرف چلے گئے۔ ممکن ہے ان کی طلبی راجا نے ابھی کی ہو ورنہ صبح اس نے مجھے اشارتاً بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا پھر مجھے خیال آیا کہ میں اتنا اہم کب سے ہو گیا کہ راجا عمر دراز مجھے اپنے معاملات میں شریک کرنے لگا تھا۔ میں ان کے تعاقب میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ کوئی سرد سی اور سخت شے میری گردن پر آ کر ٹک گئی۔

''یہ پستول اے۔'' کسی نے مقامی لہجے میں کہا۔ ''ذرا بھی بات..... یا حرکت کی تو ام گولی مار دے گا۔''

میں ساکت ہو گیا تھا۔ مجھے دھمکانے والا عقب میں تھا اور مجھے اس کی آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی۔

''کون ہو تم۔ مجھے اس طرح کیوں روکا ہے؟''

وہ شخص گھوم کر سامنے آیا تو میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ راجا عمر دراز کا مغرور محافظ فتح خان تھا۔ ''تو م نے دیکا..... وہ ہینا کو پکڑ کر لے گیا اے..... اب ام اسے چوڑائے گا۔''

مجھے دوسرا جھٹکا لگا تھا اور اچانک ہی سارا معاملہ میرے سامنے روشن ہو گیا تھا۔ ہینا اور فتح خان آپس میں ملے ہوئے تھے۔ ممکن ہے فتح خان بھی ہینا کا عاشق ہو۔ اس نے جس طرح مجھ پر پیش قدمی کی کوشش کی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ یہ کھیل اس کے لئے نیا نہیں ہے۔ فتح خان پرانا کھلاڑی تھا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''ہینا سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ وہ سرمد علی کے باپ کی تیسری بیوی ہے۔''

''امارا ہینا سے مرد عورت والا تعلق اے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ابی اور سے چلو۔'' اس نے پستول سے ایک طرف اشارہ کیا، میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔

''تم مجھے کیوں اور کہاں لے جانا چاہتے ہو؟''

''سوال مت کرو۔ ابی جیسا ام بولتا اے..... وہ کرو..... ورنہ گولی مار کر اور ای چوڑ دے گا۔'' اس نے خطرناک انداز میں کہا تو میں حرکت میں آنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اپنی دھمکی پر عمل کر گزرے گا۔ وہ مجھے بلندی پر واقع جنگلات کی طرف لے جا رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی۔ راجا عمر دراز کے محافظ اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے اور وہ دن دیہاڑے اتنی دیدہ دلیری سے گھوم رہا تھا، یہی نہیں بلکہ راجا عمر دراز کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک مہمان کو اغوا کر کے بھی لے جا رہا تھا۔ جلد ہم وادی کے اوپری حصے میں تھے، یہاں لوگوں کی آمد و رفت ہونے کی وجہ سے باقاعدہ راستے بھی نہیں تھے اور پتھروں پر سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ ایک جگہ روک کر اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے لے جانے لگا۔ پھر ہم جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے کسی تنگ سی جگہ آ گئے۔ فتح خان نے ایک جھٹکے سے میری آنکھوں سے پٹی کھینچ لی۔ یہ ایک کچا پکا کمرہ تھا اور شاید زمین دوز تھا وہاں دیوار پر لگی مشعلیں جل رہی تھیں۔ جن سے عجیب سی بو اٹھ رہی تھی۔ فتح خان نے زمین سے ایک زنجیر اٹھا کر اس کے سرے پر لگا کڑا میرے پاؤں میں ڈال کر لاک کر دیا۔ زنجیر کا دوسرا سرا زمین میں دبا تھا۔ مجھے باندھ کر فتح خان مسکرایا۔

''اب ام راجا سے شینا کو لے گا..... وہ تو مارے بدلے شینا کو دے گا۔''

''فتح خان، راجا عمر دراز کے آدمی تمہیں تلاش کر رہے ہیں اور وہ جلد تمہارا سراغ لگا لیں گے۔ بہتر ہے اس سے پہلے اس وادی سے فرار ہو جاؤ۔''

''ام بزدل نہیں اے۔'' وہ حقارت سے بولا۔ ''راجا ام کو نہیں جانتا۔ ام اسے بھی مار سکتا اے۔''

فتح خان مجھے چھوڑ کر اس تاریک کمرے کے ایک طرف چلا گیا۔ درحقیقت یہ کمرا نہیں تھا بلکہ دو طرف سرنگ کے درمیان میں ایک چوڑی سی جگہ تھی۔ میں ایک نئی افتاد میں پھنس گیا تھا۔ اس وادی میں آنا میرے لئے نیک فال ثابت نہیں ہوا تھا۔ پہلے سرمد علی کی سوتیلی ماں نے اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی اور شاید میری طرف سے مایوس ہو کر مجھے فتح خان کی مدد سے راجا عمر دراز کے نزدیک چور بنا دیا۔ یہ افتاد بھی مجھ پر شینا کی وجہ سے پڑی تھی اور اب بھی شینا کی وجہ سے میں فتح خان کا قیدی تھا۔ یہ خاتون شروع سے میرے لئے خطرے کا نشان تھی۔ میں زنجیر سمیٹ کر دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد فتح خان آیا تو اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر سفید فام تھا۔ اس کی عمر تقریباً پچپن سال تھی اور صورت سے وہ کسی اعلیٰ گھرانے کا چشم و چراغ لگتا تھا۔ مگر اس کے بشرے سے ایک خاص نوع کی مکاری اور عیاری بھی جھلکتی تھی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے آہستہ سے انگریزی میں فتح خان سے کچھ کہا، اس نے جواب دیا۔ ان دونوں کی گفتگو کچھ دیر جاری رہی۔ میں نے اپنی ساری سماعتیں اس طرف مرکوز کر رکھی تھیں اس کے باوجود میں ان کی گفتگو کا ایک لفظ بھی سننے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میرا اندازہ تھا، سفید فام مجھے اس جگہ لانے پر فتح خان سے ناراض ہو رہا تھا اور فتح خان اپنے فیصلے کا دفاع کر رہا تھا۔ سفید فام ناگواری کے تاثرات لئے جس طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔ میں نے فتح خان سے پوچھا۔

''یہ وہی شخص ہے..... جس نے راجا عمر دراز کے محل میں چوری کرائی تھی؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہ دونوں خنزیر کا بچہ پکڑا گیا، ام نے اس گورا بندر سے کہا تھا، ان پر اِدھ یقین نہ کرے پر یہ مانا نہیں۔''

''کیا مطلب.....'' میں چونکا۔ ''کیا وہ تم لوگوں کو بھی دھوکا دے کر فرار ہو رہے تھے؟''

''اسی وجہ سے تو پکڑا گیا۔'' فتح خان نے سر ہلایا۔

''اس تصویر اور پتھر میں ایسی کیا خاص بات ہے جو یہ گورا انہیں حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ گورا جانے..... یارا جا صاحب! ام کو پیسے سے مطلب اے۔'' فتح خان نے شانے اچکائے۔

''تصویر اور پتھر تو واپس راجا کے پاس چلا گیا ہے۔ اب یہ کورا کیا کرے گا؟''

فتح خان مسکرایا۔ ''وہ ای جو پہلے کیا..... فیر چورائے گا۔ اس بار ام کام کرے گا۔''

میں نے اسے خبردار کیا۔ ''تم راجا عمر دراز کے محل کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتے..... اس نے حفاظت سخت کر دی ہے۔''

''تم ابی فکر مت کرو۔ یہ امارا کام اے..... ام جانتا اے..... کس طریقے سے کام کرنا اے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔ راجا میرے بدلے شینا کو تمہارے حوالے کر دے گا۔''

''ضرور کرے گا۔ اگر اس کے مائی مان (مہمان) کو تکلیف ہوا تو اس کا بدنامی اوگا۔''

''کک..... کیا مطلب..... تم مجھے تکلیف دو گے؟''

''تو اور کیا.....'' وہ عیاری سے مسکرایا۔ ''اگر راجا صاب نے امارا بات نہ مانا تو ام تو مارا انگلی کاٹ کر اسے بیجے گا۔ فیر بی نہ مانا تو ساری انگلی کاٹ کر بیجے گا۔''

مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ وہ مذاق نہیں کر رہا تھا۔ قطعی سنجیدہ تھا۔ فتح خان جیسے لوگوں میں حسِ مزاح نام کی کوئی شے پائی ہی نہیں جاتی ہے۔ اگر راجا عمر دراز شینا کو اس کے حوالے کرنے سے انکار کرتا تو وہ ایسا ہی کرتا جیسا کہ کہہ رہا تھا۔ جو شخص راجا عمر دراز جیسے طاقتور شخص کی ناک تلے رہ کر اس کے مہمان کو اغوا کرے، اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ یہ جگہ راجا کے محل سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی اور وہ پوری بے خوفی سے یہاں چھپا تھا۔ میں نے اپنا خوف چھپاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ ''چلو، ایسا کر کے بھی دیکھ لو۔ مجھے نہیں یقین ہے کہ راجا عمر دراز تمہارا مطالبہ مانے گا..... اور ہاں، تم اسے کیسے بتاؤ گے کہ میں تمہارے پاس ہوں۔''

اس نے غور کیا اور آگے بڑھ کر میری ایک آستین نوچ لی۔ ''یہ دیک کر وہ مانے گا..... کہ نئیں مانے گا۔''

فتح خان چلا گیا تھا اور میں دیوار سے ٹک کر اپنے انجام پر غور کرنے لگا جو خاصا عبرت ناک نظر آ رہا تھا۔ میں ایک بار پھر جی جان سے پچھتایا تھا کہ کاش میں بابا جان کی بات مان لیتا تو اس مصیبت میں نہ پھنستا۔ فتح خان صرف انگلیوں کی قطع برید تک محدود نہ رہتا۔ اس کے عزائم خاصے خوف ناک تھے۔ کاش راجا عمر دراز کو کسی طرح اطلاع ہو جائے کہ اس کا مہمان اس کے محل سے کچھ فاصلے پر اس کے دشمنوں کی قید میں ہے۔ میں سوچوں میں غلطاں تھا کہ مجھے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔ سحر اس کی بڑی بادامی آنکھوں میں تھا یا حسین ترین ناک نقشے میں یا پھر اس کے نازک سے سراپا میں، میں کتنی ہی دیر اسے سحر زدہ سا دیکھتا رہا تھا۔ وہ غیر ملکی اور سفید فام ہی تھی۔ اس نے گھٹنوں تک اسکرٹ اور اس سے نیچے چمڑے کے لانگ شوز پہن رکھے تھے۔ بلاؤز کی حد پتلی سی کمر سے ذرا اوپر ہی ختم ہو رہی تھی۔ اخروٹی رنگ کے بال اس کے شانوں پر بکھرے تھے۔ اس کے سراپا نے اس جگہ کو جیسے رنگوں سے بھر دیا تھا، میں اسے دیکھ کر عارضی طور پر ان خطرات کو بھول گیا تھا جو مجھے فتح خان سے لاحق تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون ہو تم؟'' اس نے انگریزی میں پوچھا تھا۔ آواز میں نغمگی تھی۔

میں سنبھل گیا۔ ''پہلے بتاؤ، تم کون ہو؟''

''میں ایمن شاہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم انگریز ہو۔'' میں کھڑا ہو گیا تھا۔ مجھے بیڑی سے بندھا دیکھ کر بھی وہ ذرا ہراساں نہیں ہوئی تھی۔

''ہاں..... میرا تعلق انگلینڈ سے ہے۔''

''ابھی کچھ دیر پہلے ایک بوڑھا انگریز آیا تھا.....''

وہ میرے ڈیڈی ہیں۔'' ایمن بات کاٹ کر بولی۔

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کے انداز میں سوائے معصومیت کے کچھ نہیں تھا اور وہ کسی طرح سے ان جرائم پیشہ افراد میں سے نہیں لگ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں بے اختیار محسوس طور پر اس کے قریب ہونے لگا۔ میں اسے پکڑ کر خود کو آزاد کرانے کی کوشش کرنا چاہتا تھا لیکن جیسے ہی میں نے لپک کر اسے پکڑنے کی کوشش کی، وہ شاخ گل کی طرح لچک کر مجھے جھکائی دے گئی اور میں دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ ذرا فاصلے پر کھڑی ہنس رہی تھی۔

''کتنے افسوس کی بات ہے، ایک لڑکی کے ساتھ اس طرح دھوکا کرنا؟''

''دھوکے کی بچی!'' میں نے دوبارہ اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ میرے ہاتھ میں آئی بھی تھی لیکن نہ جانے کیسے چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکل گئی۔ وہ پھر ہنس رہی تھی۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ وہ کیوں اتنے اعتماد سے میرے پاس چلی آئی تھی۔ میں دوبارہ دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ ''او کے۔ اب ہم زبان سے بات کریں، پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں علم ہے..... تمہارا باپ یہاں کچھ چرانے آیا ہے؟''

''چرانے نہیں..... اپنی چیزیں واپس لینے آیا ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی۔ ''راجا اومر دراز کے پاس جو ہے وہ اصل میں ہمارے خاندان کا ہے۔ راجا نے اس پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اپنی چیز واپس لینا چرانا نہیں کہلاتا۔''

''تم لوگوں نے مجرمانہ طریقے اختیار کئے۔ دو پیشہ ور چوروں کی خدمات حاصل کیں۔ ہمارے ملک کے قانون کے لحاظ سے یہ جرم ہے اگر مذکورہ اشیاء تمہاری تھیں تو تم نے راجا عمر دراز کے خلاف رپورٹ کیوں نہیں لکھوائی۔؟''

وہ ذرا لاجواب نظر آنے لگی تھی۔ ''شاید میرے ڈیڈی نے مناسب نہیں سمجھا۔''

''دوسرے تمہارے ڈیڈی کے ہرکارے فتح خان نے اس چوری کا الزام مجھ پر عائد کیا اور نتیجے میں کوڑوں سے میری پشت ادھیڑ دی گئی۔''

''میں اس کے لئے سوری کرتی ہوں۔''

''تمہاری سوری کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ فتح خان نے مجھے لا کر یہاں اس لئے باندھا ہے کہ راجا عمر دراز سے اپنی محبوبہ کو چھڑا سکے جو کسی اور شخص کی بیوی ہے۔ اس کا ارادہ ہے اگر راجا عمر دراز نے اس کا مطالبہ نہ مانا تو وہ میرے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں کاٹ کر راجا عمر داز کو ارسال کرے گا۔''

''اوہ نہیں۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔

''اس پر بھی راجا عمر دراز نے اس کی محبوبہ کو رہا نہ کیا تو وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کے ٹکڑے راجا عمر دراز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو بھیج دے گا۔"

وہ چند لمحے اپنی بلوری آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ "میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ یہ وحشیانہ عمل ہے۔"

"غیر قانونی کام کرنے والے وحشت اور انسانیت کی پروا کب کرتے ہیں!"

"میں..... میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں؟" وہ سچ مچ پریشان ہو گئی تھی۔

"میری زنجیر کھول دو۔"

"اس کی چابی میرے پاس نہیں ہے۔ فتے کھان (فتح خان) کے پاس ہے۔"

"تب مجھے فتح خان کے ہاتھوں مر جانے دو۔"

میرا حربہ کامیاب رہا تھا۔ ایمن پریشان نظر آنے لگی تھی۔ "میں ڈیڈی سے بات کرتی ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میرے معاملے میں وہ فتح خان کے حامی ہیں۔"

"پتا نہیں ڈیڈی کیوں ان چیزوں کے پیچھے اتنے دیوانے ہو رہے ہیں جو گرینڈ پا سے غائب ہو گئی تھیں۔"

"یہ گرینڈ پا کہاں سے آ گئے؟"

"میرے گرینڈ پا ولیم شاہ ہندوستان میں برطانوی فوج میں شامل تھے اور دوسری جنگِ عظیم میں جاپانیوں کے خلاف لڑے تھے۔ راجا اعمر ڈراز گرینڈ پا کے ساتھ فوج میں تھا اور یہ چیزیں اصل میں گرینڈ پا کو ملی تھیں لیکن راجا نے چرا لیں۔"

"اچھا تو راجا عمر دراز تمہارے دادا کے ساتھ فوج میں تھا۔" میں نے غور کیا۔ "لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارے گرینڈ پا کو یہ چیزیں کہاں سے ملیں اور راجا عمر دراز نے انہیں کیوں چرایا جبکہ ان کی کوئی خاص اہمیت بھی نہیں ہے۔ راجا عمر دراز کا کہنا ہے کہ یہ چیزیں اس کے لئے کسی کا تحفہ ہیں اور وہ ان سے جذباتی وابستگی رکھتا ہے ورنہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ راجا کو کسی نے یہ چیزیں تحفے میں دی ہیں تو وہ بکواس کرتا ہے۔ وہ میرے گرینڈ پا کے ساتھ جنگ کے بعد ہمالیہ کی طرف کسی مہم میں گیا تھا اور مہم کے بعد چپکے سے فرار ہو کر اپنے علاقے میں آ گیا، جب گرینڈ پا کو پتا چلا تو دیر ہو چکی تھی۔ ہندوستان کا بٹوارا ہو چکا تھا اور گرینڈ پا راجا کے خلاف چوری کی رپورٹ بھی نہیں کرا سکتے تھے۔ ادھر انگلینڈ میں گرینڈ پا کا بھائیوں سے جاگیر پر تنازع تھا۔ وہ واپس انگلینڈ آ کر کئی سال تک اپنی جاگیر کے حصول کی کوششیں کرتے رہے اور ان کی صحت خراب ہو گئی، جب گرینڈ پا کا انتقال ہوا تو اس وقت ڈیڈی اسکول میں تھے۔ گرینڈ پا نے اپنی جاگیر واپس لے لی تھی لیکن اس کا انتظام نہ لے سکے تھے۔ یہ کام ڈیڈی نے کیا۔ کئی برس تک وہ معاشی طور پر خوش حال ہونے کی کوشش کرتے رہے تب کہیں جا کر اس قابل ہوئے کہ اپنے پاپا کی وصیت پوری کر سکیں۔"

"یعنی یہاں آ کر راجا عمر دراز سے وہ تصویر اور پتھر لے سکیں!"

"ہاں یہی بات ہے۔" اس نے سر ہلایا اور پھر منتی لہجے میں بولی۔ "پلیز ہماری مدد کرو۔ ڈیڈی فتے خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھان پر بہت اعتماد کرتے ہیں اور وہ مجھے بہت خطرناک لگتا ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''اوّل تو میں مان نہیں سکتا کہ راجا نے تصویر اور پتھر چرایا ہے۔ وہ اس قسم کا آدمی نہیں ہے۔ دوسرے یہ بات مان بھی لوں تو تمہاری مدد کیسے کر سکتا ہوں؟''

''کر سکتے ہو۔'' وہ زور دے کر بولی۔''اور اگر میں تمہیں ثبوت دے دوں کہ راجا نے یہ چیزیں اصل میں میرے گرینڈ پا کے پاس سے چرائی تھیں تو کیا پھر میری مدد کرو گے؟''

میں نے غور کیا اور مجھے امید کی ایک کرن نظر آئی۔ اگر لڑکی میری مدد حاصل کرنا چاہتی تھی تو لامحالہ اسے مجھے آزاد کرنا پڑے گا۔ میں نے سوچ کر جواب دیا۔''ٹھیک ہے..... لیکن پہلے تم ثبوت دو..... یہ سب چیزیں تمہارے گرینڈ پا کی ملکیت تھیں۔''

''میں ابھی آئی۔'' وہ تیزی سے سرنگ کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک البم تھی۔''لو اسے دیکھو..... اس میں میرے گرینڈ پا کے ہندوستان کے زمانے کی تصویریں ہیں۔ اس میں ایک تصویر میں وہ تصویر اور پتھر گرینڈ پا کے پاس ہوں گے۔ ان تصویروں میں تمہیں راجا بھی نظر آئے گا۔''

سیاہ مخملی جلد والے اس البم کا سائز دس بائی چھ تھا۔ اندر تصویروں کا سائز بھی یہی تھا۔ ابتدائی چند تصویریں عام سی تھیں۔ ولیم شا جوا کہرے جسم کا اور مخصوص برطانوی جنٹل مین لگتا تھا، کہیں کلب میں، کہیں رائڈنگ کرتے ہوئے اور کہیں دوستوں کی محفل کے درمیان تھا، ایک تصویر میں ولیم شا ایک ایئر گروپ کے ہمراہ اپنے طیارے کے سامنے ایئر فورس کی وردی میں نمایاں تھا۔ پیچھے پرانے طرز کا بڑا سا جنگی طیارہ کھڑا تھا۔ اس طرح کی تصاویر آگے بھی تھیں۔ پھر وہ تصویر سامنے آئی جس میں ولیم شا ایک ہاتھ میں تصویر اور دوسرے ہاتھ میں سیاہ پتھر لئے ہوئے تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ راجا عمر دراز اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ میں نے بغور دیکھا، وہ راجا عمر دراز ہی تھا۔ وقت نے اس کے نقوش پر اثر ڈالا تھا لیکن ناک کے اوپر سیاہ رنگ کا مسہ ویسے ہی نمایاں تھا۔ تصویر بہت واضح تھی اور اس میں تخیلاتی تصویر اور پتھر صاف نظر آ رہے تھے۔ روشنی میں آنے پر پتھر کی سیاہی کم ہو رہی تھی اور اس میں سفید لکیریں نظر آنے لگی تھیں۔

''یہ دیکھو..... یہ دونوں چیزیں میرے گرینڈ پا کے پاس ہیں۔ ویسے بھی وہ اس مہم کے سربراہ تھے جو ہمالیہ کی طرف گئی تھی۔'' ایمن نے کہا۔

''ٹھیک ہے..... وہ دونوں چیزیں تمہارے گرینڈ پا کے ہاتھ میں نظر آ رہی ہیں لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ یہ تصویر اور پتھر اسی کا ہے، ممکن ہے راجا عمر دراز نے اسے تصویر لینے کے لئے دیا ہو؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''تم اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ کسی بھی مہم سے واپسی پر مہم جُو اپنی حاصل کی ہوئی شے کے ساتھ تصویر کھنچواتے ہیں، کوئی اپنی شے کسی دوسرے کو نہیں دیتا ہے۔ یہی اشیاء کی ملکیت کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔''

''ممکن ہے، بعد میں ولیم شا نے یہ چیزیں راجا عمر دراز کے حوالے کر دی ہوں اور بعد میں اسے پچھتاوا ہوا ہو اور اس نے ان چیزوں کو واپس حاصل کرنے کی وصیت کی ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجا نے دھوکے سے یہ اشیاء چرائی تھیں۔ گرینڈ پا نے ان کو پیک کر کے بحفاظت لندن بھجوانے کی ذمے داری اسے سونپی تھی اور اس نے بدنیتی سے انہیں چرا لیا۔ اس کے غائب ہونے کے بعد گرینڈ پا کو علم ہوا۔ تصویر اور پتھر لندن پہنچے ہی نہیں تھے۔''

''ٹھیک ہے، میں تمہاری بات مان لیتا ہوں..... لیکن میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

ایمن کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ وہ میرے قریب کھسک آئی۔ ''تم چاہو تو مدد کر سکتے ہو۔'' اس نے اپنا ہاتھ میری آستین کے نیچے بازو پر رکھا تو میں سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ اس کے بدن کی گرمی اور مہک میں ارافاصلے سے بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہ عمر ایسی ہوتی ہے جس میں اس قسم کی حسیات تیز ہو جاتی ہیں۔ میں ذرا دور سرک گیا۔

''یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کس طرح؟''

''سنو..... تمہیں یہاں سے نکالنا میری ذمے داری ہے..... راجا تم پر اعتماد کرتا ہے۔ تم اس کے مہمان ہو اور آزادی سے اس محل میں حرکت کر سکتے ہو۔ تمہارے لئے تصویر اور پتھر نکال کر لانا مسئلہ نہیں ہے۔''

''چلو، میں نے یہ کام بھی کر دیا تب بھی راجا میرا دشمن ہو جائے گا، مجھے اس کے عتاب سے کون بچائے گا؟''

''ہم تمہیں بحفاظت وادی سے نکال لے جائیں گے بلکہ ڈیڈی تمہیں انعام بھی دیں گے۔''

''کیسا انعام..... کیش یا کسی اور صورت میں؟'' میں نے بغور اسے دیکھا تو وہ شرما گئی تھی۔

''تم بدتمیز آدمی ہو۔ ڈیڈی دس ہزار پاؤنڈز دیں گے۔''

دس ہزار پاؤنڈز اس وقت بھی خاصی بڑی رقم تھی۔ میں نے ہونٹ سکیڑ لئے تھے۔ ''لگتا ہے تمہارے ایلی خاصے دولت مند آدمی ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ڈیڈی نے یہ دولت بڑی محنت سے کمائی ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔''

''سچ.....!'' اس نے خوش ہو کر کہا اور اچانک میرا منہ چوم لیا۔ اس نے جس معاشرے میں پرورش پائی تھی، وہاں یہ عام سی بات تھی۔ لڑکیاں، باپ اور بھائی کے سامنے اپنے بوائے فرینڈز سے بوس و کنار کیا کرتی ہیں مگر ہمارے معاشرے میں اس کا تصور بھی محال ہے، یہاں تو میاں بیوی بھی سب کے سامنے ایک خاص حد میں رہتے ہیں اور سب کے سامنے ایک دوسرے کو چھونا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس طرح سے پیار کرنا۔ میں بھونچکا رہ گیا تھا۔ اسے بھی ذرا تاخیر سے احساس ہوا تو وہ شرما گئی تھی۔ جلدی سے مجھ سے دور ہو گئی۔

''شاہ باز اگر تم نے یہ کام کر دیا تو ہم پر تمہارا احسان ہو گا۔''

''معاوضہ دینے کے بعد بھی تم احسان مانو گی؟''

''ہاں، کیونکہ یہ گرینڈ پا کی وصیت کا معاملہ ہے۔ ڈیڈی کو اس کام کے لئے اپنی ساری دولت بھی خرچ کرنا پڑے تو وہ کر دیں گے۔''

میں نے اپنے پاؤں میں پڑے کڑے کی طرف دیکھا۔ ''اسے تو کھلواؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک منٹ میں..... ابھی آئی۔'' ایمن کہہ کر چلی گئی مگر ایک منٹ پورا ہوا ہی نہیں، ایک گھنٹا گزر گیا۔ دوسرا اور تیسرا گھنٹا بھی گزر گیا۔ تب میں مایوس ہونے لگا۔ کیا ایمن نے مجھ سے کسی قسم کا مذاق کیا تھا؟ وہ صرف دل بہلا رہی تھی۔ اتنی دیر تک جب وہ واپس نہیں آئی تو مجھے یقین ہونے لگا، وہ مجھے بے وقوف بنا گئی تھی۔ بہرحال میں خسارے میں نہیں رہا تھا۔ ایک نرم اور گرم سا احساس ابھی تک میرے ہونٹوں پر موجود تھا۔ میں دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ میرے پیٹ میں بھوک نے انگڑائی لے لی تھی۔ عام طور سے ایسے حالات میں آدمی کی بھوک مر جاتی ہے لیکن شاید مرہم کی وجہ سے میری بھوک میں شدت آ گئی تھی۔ میری گھڑی شام کے سات بجا رہی تھی۔ اس زمین دوز غار میں مشعلوں کی روشنی تھی ورنہ قدرتی روشنی اندر آنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ فتح خان پھر نہیں آیا تھا اور نہ ہی ایمن کے ڈیڈی کی صورت دکھائی دی تھی۔ اس غار میں ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہو سکتے تھے۔

اچانک غار کے داخلی حصے کی جانب سے آہٹیں سنائی دیں۔ میں چوکنا ہو گیا تھا۔ آنے والا فتح خان تھا۔ اس کے عقب میں ایک چادر پوش بھی تھا۔ وہ سامنے آیا بلکہ آئی تو میں چونک گیا تھا۔ فتح خان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ راجا عمر دراز نے اس کا مطالبہ مانتے ہوئے شینا کو رہا کر دیا تھا اور وہ اس وقت میرے سامنے کھڑی سلگتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے مجھے تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ فتح خان غرایا تھا۔ ''چھوڑ دے اسے۔''

میں نے ایک جھٹکے سے شینا کا ہاتھ چھوڑا تو وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئی تھی۔ سنبھل کر دوبارہ میری طرف لپکی تھی کہ فتح خان نے اسے روک دیا۔ ''اس کا فکر مت کرو۔ اسے ام ٹیک کرے گا۔''

میں مسکرایا۔ ''اپنی محبوبہ سے یہ تو پوچھو کہ کس بات پر مجھ سے خار کھائے ہوئے ہے؟ اگر یہ نہ بتائے تو پھر کر مجھ سے پوچھنا۔''

''فتح خان! اس نے امارا عزت پر ہاتھ ڈالا۔'' شینا بولی۔

''بکواس نہ کرو بے حیا..... کیا تمہاری کوئی عزت.....'' میں نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا۔ جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی فتح ان کا مکا میرے منہ پر لگا تھا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ اپنے ہونٹ اور منہ میں خون کی نمکینی محسوس ہوئی تھی۔ ایک مکا مارنے کے بعد فتح خان نے دوبارہ ہاتھ اٹھایا۔ اسے میری طرف سے مزاحمت ذرا بھی خطرہ نہیں تھا اس لئے میں نے تڑپ کر اس کے زیر ناف لات رسید کی تو تکلیف کے ساتھ حیرت سے ہم اس کا منہ کھل گیا تھا۔ شینا نے چیخ ماری تھی اور فتح خان کے حلق سے دھاڑ نکلی تھی۔ وہ پیٹ دبائے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ شینا اسے سنبھال رہی تھی۔ چند لمحے بعد جب اس کی تکلیف کم ہوئی تو اس نے بپھر کر شینا کو ایک طرف دھکا دیا اور میری طرف بڑھا تھا کہ ایمن کا ڈیڈی وہاں آ گیا۔ اس نے گرج کر پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''صاب، اس نے ام پر آملہ کیا۔'' فتح خان نے کہا۔ ''ام اسے چوڑے گا نئیں۔''

''بکواس کرتا ہے یہ..... ان دونوں نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔'' میں نے فتح خان اور شینا کی طرف اشارہ کیا۔

ایمن کے ڈیڈی نے بغور شینا کی طرف دیکھا اور پھر سرد لہجے میں فتح خان سے بولا۔ ''میرے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آؤ۔"

فتح خان مردہ چال کے ساتھ اس کے پیچھے چلا گیا۔ ورنہ اس کی دلی خواہش یہی تھی کہ میری صحیح سے درگت بنائے۔ شینا جان بوجھ کر رکی رہی۔ جیسے ہی ایمن کا ڈیڈی اور فتح خان نظروں سے اوجھل ہوئے، وہ میرے قریب آ گئی۔ اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "تم ام کو اچا لگتا اے۔"

"تم مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "تم کسی کتیا سے بھی گئی گزری ہو۔"

"دیکو، ام کیسا اے؟" اس نے مزید نزدیک آتے ہوئے اپنی قمیص سامنے سے پکڑی اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھتا، اس نے قمیص پھاڑ دی تھی۔ اس کا اوپری بدن عریاں ہو گیا تھا۔ قمیص پھاڑتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ "باچاؤ..... ام کو باچاؤ۔" اس نے چلا کر کہا اور پھر اپنی زبان میں شور کرنے لگی۔ میں نے خود کو اس سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن وہ جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھی۔ پھر جیسے ہی سرنگ میں دوڑنے کی آواز آئی، وہ مجھ سے الگ ہو کر بھاگی اور اندر سے آتے فتح خان سے چمٹ گئی۔ اس نے پورا خیال رکھا تھا کہ فتح خان اس کی پھٹی قمیص دیکھ لے۔ فتح خان کی آنکھوں میں یہ منظر دیکھ کر خون اتر آیا تھا۔ ایک شخص نے اس کے ہوتے ہوئے اس کی محبوبہ سے دست درازی کی تھی، یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اس نے شینا کو ایک طرف کرتے ہوئے اپنے لباس سے پستول نکال لیا تھا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سیدھی گل..... کیا احمقانہ بات کر رہے ہو؟'' میں نے ناگواری سے کہا۔

''امم ٹھیک کہتا ہے صاحب!'' اس نے بدحواسی کے عالم میں کہا تھا۔ ''باہر پولیس آیا ہے۔''

میں بادل ناخواستہ اٹھ کر باہر آیا۔ بنگلے کے پورچ میں ایک انسپکٹر کھڑا تھا۔ گیٹ کے باہر پولیس موبائل موجود تھی۔ میں نے انسپکٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''انسپکٹر، کیسے آنا ہوا؟''

اس نے میرا ہاتھ نظرانداز کیا اور اپنے پاس موجود پرچی پر ایک نظر ڈالی۔ ''کیا ایل ایس دو ہزار چار سو پندرہ، تمہاری جیپ کا نمبر ہے؟''

''ہاں۔'' میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ ''اپنی پرابلم مسٹر انسپکٹر؟''

''انگریزی مت جھاڑو۔'' اس نے درشت لہجے میں کہا۔ وہ تقریباً چالیس برس کا صورت سے سخت مزاج اور سفاک نظر آنے والا شخص تھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس نے کانسٹیبل سے انسپکٹر تک کا سفر بے شمار لوگوں کی کھالیں اتار کر طے کیا ہے۔

''چلو، میں انگریزی نہیں جھاڑتا..... لیکن تم بھی خواہ مخواہ کا رعب مت دکھاؤ۔ یہ بتاؤ، کیوں آئے ہو؟ میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔'' اس بار میں نے بھی لہجہ بدل لیا۔

اس نے سرد آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ ''وقت تو آپ کو نکالنا پڑے گا۔''

''انسپکٹر، میں نے کہا ہے ناں..... کام کی بات کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو وہ گویا خود پر ضبط کرتے ہوئے بولا۔

''نادر علی عباسی نے رپورٹ کی ہے کہ کل رات اس نمبر کی جیپ نے ان کی گاڑی کو پیچھے سے ٹکر مار کر گاڑی کو کھائی میں دھکیل دیا۔ جس سے ان کی گاڑی تباہ ہوگئی اور وہ اپنے دو ساتھیوں پرویز علی اور شہاب الدین کے ساتھ شدید زخمی ہو گئے۔''

''یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟''

''رات ڈھائی بجے کے قریب، مری ہائی وے پر پنڈی پوائنٹ والے موڑ کے پاس۔''

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''اس وقت ساڑھے نو بج رہے ہیں۔ ہماری پولیس کی کارکردگی واقعی اچھی ہوگئی ہے یا صرف اس معاملے میں مستعدی دکھائی ہے۔ صرف سات گھنٹے میں تم نے مطلوبہ نمبر کی گاڑی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے مالک کو ڈھونڈ نکالا۔ سنا ہے کوئی غریب غربا قتل ہو جائے تو اتنی دیر صرف جائے واردات پر پہنچنے میں لگا دیتے ہو۔''

انسپکٹر ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ ملازمت کے تجربے نے اسے سمجھا دیا تھا کہ عزت اور پیسا آنی جانی شے ہیں، آدمی کو غیرت پروف ہونا چاہئے۔ ''جناب شہباز احمد ملک صاحب! میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دیں۔ کیا یہ جیپ آپ کی ملکیت ہے؟''

''کیا تم میرے وارنٹ گرفتاری لائے ہو؟'' میں نے جواب دینے سے گریز کیا۔

''وہ بھی آ جائیں گے ملک صاحب!'' اس نے طنز کیا۔ ''اتنی جلدی کیا ہے ہماری میزبانی کی.....''

''قانونی لحاظ سے میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں لیکن تم قانون کے نمائندے ہو اور میں قانون کا احترام کرنے والا شخص ہوں۔ ہاں، اس نمبر کی جیپ میرے پاس ہے اور اگر تمہاری آنکھیں ملٹس بائی سکس ہیں تو تم نے سامنے کھڑی جیپ کی نمبر پلیٹ پڑھ لی ہوگی۔''

اس بار وہ جھینپ گیا۔ ''جناب! تصدیق بھی ضروری ہوتی ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''بعض لوگ اتنے شکی ہوتے ہیں کہ ثبوت کے بغیر اپنی ولدیت پر بھی شبہ کرتے ہیں۔''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اس نے غرا کر کہا۔ ''ملک صاحب، اتنا بولیں جس پر بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔''

اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔ ''مجھے اس جیپ کا معائنہ کرنا ہے۔''

''شوق سے کرو لیکن اتنا بتا دوں..... میں کسی نادر علی عباسی کو نہیں جانتا اور نہ ہی کل رات میں نے مری ہائی وے پر کسی گاڑی کو ٹکر ماری تھی۔ تم جیپ کا سامنے والا حصہ دیکھ سکتے ہو۔ یہ بے داغ ہے، معمولی سی ٹکر بھی اس پر کچھ نہ کچھ خراش ڈالتی اور بقول تمہارے میں نے اس جیپ سے ٹکر مار کر ایک گاڑی کو مری کی ہائی وے پر کھائی میں گرا دیا۔''

''ہمیں تو جی رپورٹ ہوئی ہے، اس پر کارروائی کرنے آئے ہیں۔'' انسپکٹر نے مایوسی سے جیپ کے اگلے حصے کا معائنہ کیا۔ ''ہماری کوئی ذاتی رنجش تو نہیں ہے۔''

''انسپکٹر میری ذاتی معلومات کے مطابق پولیس کے پاس گاڑیوں کی رجسٹریشن کا کوئی ریکارڈ نہیں ہوتا اور پولیس کو بھی کسی گاڑی کے مالک اور اس کے پتے کے لئے متعلقہ دفتر سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ دفتر دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں کھلتا اور تم ساڑھے نو بجے آ گئے، کیسے؟''

''ہمارا کام کرنے کا اپنا طریقہ ہے۔'' اس نے ایک بار پھر ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔ ''آپ کو میرے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔''

''معاف کرنا، کیا میں صورت سے احمق نظر آتا ہوں۔ ایک بار تھانے جانے کا مطلب ہے تم مجھ سے جو سلوک چاہے کرو۔ اگر تمہارے پاس میری گرفتاری کا وارنٹ ہے تو لے چلو۔''

''پولیس شبے میں بھی گرفتار کر سکتی ہے۔'' وہ عیاری سے بولا۔ ''وارنٹ بھی بعد میں آتا رہے گا۔''

''ٹھیک ہے، پہلے مجھے اپنے وکیل کو فون کرنے دو۔''

''فون تھانے میں ہے۔ وہاں سے جتنے چاہو، فون کر لینا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے خطرے کا احساس ہونے لگا۔ صورت سے جلاد نظر آنے والا یہ انسپکٹر مجھے تھانے لے جانے پر کیوں مُصر تھا، اگر معاملہ طے کرنا تھا یعنی ''مک مکا'' کرنا تھا تو اس کے لئے یہ جگہ بہتر تھی۔ تھانے میں اسے اور بھی کئی حرام خوروں کو کھلانا پڑتا۔ کیا مجھے تھانے لے جانا نادر علی عباسی سے کسی ڈیل کا نتیجہ تھا؟ وہاں میرے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ ہماری پولیس تشدد کرنے کی ماہر ہے۔ یعنی مارتی ہے اور نشان بھی نہیں پڑنے دیتی اور مرضی نہ ہو تو مرنے بھی نہیں دیتی۔ میں نے سوچا اور کہا۔ ''اوکے۔ میں اس طرح نہ کر آیا ہوں، مجھے منہ ہاتھ دھونے اور کپڑے بدلنے کا موقع تو دو۔''

''ٹھیک ہے..... لیکن جو کرنا ہے میرے سامنے کرو، ورنہ فرار ہو گئے تو.....''

''سنو انسپکٹر، میں تم سے تعاون کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں مجبور ہوں۔ صوبائی اور وفائی سطح پر ہر طرح سے میرے تعلقات ہیں۔ وکیل کے بجائے میں کسی اور کو فون کر دوں تو تمہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' میں نے برہمی سے کہا تھا۔

وہ مسکرانے لگا۔ ''اوہ جناب! ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو وزیر، سفیر فرار ہو جاتے ہیں۔ سابق وزرائے اعظم ضمانت پر رہا ہو کر دوبارہ ملک کا رخ نہیں کرتے۔''

''واضح رہے، میں نہ تو کسی سطح کا سیاست دان ہوں اور نہ سرکاری انتظامیہ کا کرپٹ نمائندہ، اس لئے فرار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور میں فرار کیوں ہوں گا۔ مجھ پر جو الزام لگایا گیا اس کی حقیقت بتانے کے لئے میری جیب کافی ہے۔''

''کل آپ مری کی طرف گئے تھے؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔ انکار کا کوئی فائدہ نہیں تھا جو اتنی جلدی میرے گھر کا پتا چلا سکتے تھے۔ وہ یہ بھی جان لیتے کہ کل میں سفیر اور مونا کے ساتھ مری گیا تھا۔

''آپ کے ساتھ اور کون کون تھا؟''

''کوئی بھی نہیں۔'' میں نے اس بار غلط بیانی سے کام لیا۔

''ہماری اطلاع کے مطابق آپ کے ساتھ جیپ میں ایک مرد اور ایک خاتون بھی تھی۔''

''ثابت کرنا آپ کا کام ہے، میں انکار کر چکا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''سوچ لیں۔ چیک پوسٹ کی پولیس بھی اس کی تصدیق کر سکتی ہے۔''

''شوق سے کرے۔ اگر ان خاتون اور حضرت کے بارے میں علم ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا۔''

میں بلاوجہ اس سے گفتگو کو طول نہیں دے رہا تھا۔ اندر میں سیدگل سے کہہ کر آیا تھا کہ وہ میرے وکیل ندیم احمد کو فون کر دے اور اسے فوری طور پر آنے کو کہے۔ ندیم سیٹلائٹ ٹاؤن میں رہتا تھا اور اسے بیس پچیس منٹ میں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ اس وجہ سے میں وقت گزار رہا تھا۔ ندیم احمد بھٹی بڑا دھانسو قسم کا وکیل تھا اور ہر سال مع بیوی بچوں کے شمالی علاقے کے ٹور پر جاتا تھا۔ میری اس سے جان پہچان اسی توسط سے ہوئی تھی۔ پھر ایک بار ایک قانونی معاملے میں اس کی مدد لی تو وہ مستقل میرا وکیل بن گیا۔ یہ انسپکٹر جان کو آ گیا تھا اور اس سے ندیم ہی درست طریقے سے نمٹ سکتا تھا۔ میں اندر جانے لگا تو وہ میرے پیچھے تھا لیکن جو وہ کرنے جا رہا تھا، وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اچانک میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی اور میں زمین پر گرنے سے پہلے ہوش گنوا چکا تھا۔

مجھے ہوش آیا تو ایسا لگا جیسے کوئی میرے چہرے پر بھیگے ہوئے تھپڑ مار رہا ہے۔ میرے حواس بحال ہوئے تو مجھے سب سے پہلے جوتوں کی ایک جوڑی نظر آئی اور مزے کی بات تھی، جوتے ٹانگوں سمیت الٹے تھے۔ چند لمحے بعد انکشاف ہوا جوتوں والا نہیں بلکہ میں ہی الٹا تھا۔ میں چھت سے الٹا لٹکا تھا اور میرے سامنے ایک شخص پولیس کی وردی میں ملبوس میرے چہرے پر مگے بھر بھر کر پانی پھینک رہا تھا تاکہ مجھے ہوش میں لایا جائے۔ مکمل ہوش مجھے انسپکٹر کی آواز سن کر آیا۔ وہ سپاہی سے کہہ رہا تھا۔ ''لگتا ہے اسے ہوش آ گیا ہے۔ تم نے بے چارے کو زیادہ ہی بھگو دیا ہے۔ اب ذرا اسے خشک کرو۔''

''دھونی دے کر سر جی!'' کانسٹیبل نے خوش ہو کر کہا۔ ''میں ابھی لایا۔''

انسپکٹر چلتا ہوا میرے پاس آیا اور اس نے اچانک میرے بال مٹھی میں جکڑتے ہوئے میرا سر پیچھے کی طرف کھینچا۔ ''کیوں ملک صاحب! بڑا طنطنہ دکھا رہے تھے..... اب بولو۔''

سر پیچھے کھینچنے سے میرا گلا تن گیا تھا اور مجھے سانس لینا بھی مشکل لگ رہا تھا۔ اس صورتِ حال میں کیا بولتا اور بولتا بھی تو میرے منہ سے انسپکٹر کے لئے ناگفتنی ہی نکلتی۔ اس کے عزائم واضح تھے۔ اس نے جھٹکے سے بال چھوڑے تو میری سانس بحال ہوئی تھی۔ میں نے چند گہرے سانس لے کر خود کو بحال کیا۔ الٹا لٹکنے کی وجہ سے..... خون دماغ کی طرف آ رہا تھا۔ مجھے اپنا سر بھاری لگنے لگا تھا۔ اس کا عقبی حصہ کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا لیکن خون سر کی طرف آنے سے اس کی تکلیف خاصی حد تک کم لگ رہی تھی۔

''انسپکٹر، تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟'' میں نے نزلہ زدہ آواز میں کہا۔

''یہ سوال تم خود سے کرو۔'' وہ بولا۔ ''تم ایک مجرم ہو۔''

''جھوٹ ہے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجرم تم ہو، نادر علی عباسی سے لی گئی رشوت اس طرح حلال کر رہے ہو۔''

''بھونکو مت کتے..... ابھی تمہاری ناک میں مرچوں کی دھونی دی جائے گی تو.....'' آگے اس کی گفتگو فحاشی کا ایسا شاہکار تھی جسے سوچ کر انسان شرما جائے۔ وہ اپنی مخصوص غلیظ ذہنیت کا مظاہرہ کر رہا تھا اور عملی تشدد سے پہلے لفظوں کے ذریعے مجھے ذہنی اذیت دے رہا تھا۔ میں سننے پر مجبور تھا لہٰذا میں نے فرض کر لیا کہ ایک کتا میرے پاس کھڑا بھونک رہا ہے۔ مگر اس سے کام نہیں چلا۔ کتے کی آواز تو صرف سماعت پر گراں گزرتی ہے اس کے الفاظ روح میں نشتر کی طرح اترے جا رہے تھے۔ جب میرا ضبط جواب دے گیا تو میں اس پر اتنے ہی فحش الفاظ کی بوچھاڑ کرنے لگا حالانکہ اس کا ضمیر اس معاملے میں بے حس تھا۔ جیسے نالیاں صاف کرنے والا دن رات اس کام میں مشغول رہ کر بدبو اور غلاظت کا احساس ہی کھو دیتا ہے۔

کانسٹیبل ایک انگیٹھی کھینچتا ہوا لا رہا تھا جس میں کوئلے دہک رہے تھے۔ اسے دیکھ کر میری روح فنا ہونے لگی۔ میں نے اس تشدد کے بارے میں سنا تھا کہ بڑے بڑے سخت جان مجرم بھی اسے سہہ نہیں پاتے ہیں۔ میں ایک عام سا شخص ہوں۔ میں یہ سب کیسے برداشت کروں گا۔ میں مر جاؤں گا۔ اس تصور سے لرزنے لگا۔ مرچوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا دھواں میرے ناک، منہ کے راستے جسم میں اتر جائے گا۔ ''نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' میں نے کسمساتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر نے میرے پیروں پر چھڑی ماری تھی۔ ''ہم کر کے دکھائیں گے۔''

کانسٹیبل نے انگیٹھی لا کر میرے سر کے نیچے رکھ دی۔ دو فٹ کے فاصلے سے میں اس کی حدت محسوس کر رہا تھا۔ ہلکا سا دھواں اٹھ رہا تھا۔ چند لمحے کے اندر مجھے سر پر تیز آنچ لگنے لگی۔ میں نے مچل کر سر اوپر کیا اور شور کرنے لگا۔ انسپکٹر کو پہلے ہی اس کی توقع تھی۔ اس نے میرے شور کا بندوبست بھی کر رکھا تھا اس نے میرے منہ پر چوڑا ٹیپ چپکا دیا۔ اب میں ناک سے چند محدود سی آوازیں نکال سکتا تھا۔ سر کو انگیٹھی سے دور کرنے کی کوشش ناکام رہی تھی۔ تھک ہار کر مجھے سر نیچے کرنا پڑا تھا۔

''ابھی سے پریشان ہو گئے ملک صاحب!'' انسپکٹر نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ ''ابھی تو دھونی باقی ہے۔''

قادس ایک نوجوان اندر آیا۔ میں نے اسے ذرا دیر سے شناخت کیا تھا۔ وہ ان تین اوباشوں میں سے ایک تھا جو ہمیں مری میں ملے تھے اور اپنی حرکتوں کی وجہ سے حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ یہ کلائی ٹوٹا شخص تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھ پر پلاسٹر بندھا تھا۔ شاید یہی نادر علی عباسی تھا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا جب انسپکٹر نے اسے مخاطب کیا۔ ''عباسی صاحب، یہ رہا آپ کا مجرم۔''

نادر علی عباسی نے سنگی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''یہی ہے وہ حرام زادہ..... اس نے ٹکر مار کر ہماری جیپ کو نیچے گرایا تھا۔''

''اس نے ٹکر ماری تھی یا نہیں..... یہ سب چھوڑیں۔'' انسپکٹر معنی خیز انداز میں بولا۔ ''یہ بتائیں کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے؟''

''اس کے دونوں ہاتھ توڑ دو اور اسے اتنا مارو کہ تین چار مہینے تک بستر سے نہ اٹھ سکے۔'' نادر علی عباسی یوں بول رہا تھا جیسے کوئی عام سی بات کر رہا ہو۔ ''ممکن ہو تو ایک ٹانگ بھی برابر کر دو۔ آئندہ یہ سیدھا کھڑا نہ ہو سکے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔'' انسپکٹر بولا۔ ''اس کا حال دیکھ کر آپ خوش ہو جائیں گے۔ ابھی آپ کے سامنے مرچوں کی دھونی سے آغاز کرنے والے ہیں۔''

''میں نہیں دیکھ سکتا۔'' نادر علی عباسی ناگواری سے بولا۔ ''مجھے مرچوں کی بو سے الرجی ہے۔ چھینکیں شروع ہو جاتی ہیں۔ دھونی چھوڑو..... اس کا ایک ہاتھ میرے سامنے توڑو۔ باقی کام بعد میں کرنا۔ ابھی مجھے جا کر آرام بھی کرنا ہے۔ اسپتال سے آ رہا ہوں۔''

''اچھا..... جیسی آپ کی مرضی۔'' انسپکٹر کو جیسے مایوسی ہوئی تھی۔ اس نے کانسٹیبل کی ماں، بہن ایک کرتے ہوئے اسے انگیٹھی لے جانے اور پائپ لانے کا حکم دیا تھا۔ وہ حکم کا غلام انگیٹھی اٹھا کر لے گیا۔ نادر علی میرے نزدیک آیا تھا۔ ''اس کتے سے پوچھو اس کا یار اور یار کی ماں کہاں ہے؟''

''ابھی تو یہ انکار کر رہا ہے..... لیکن بتائے گا۔''

''اکرم چشتی..... مجھے وہ لڑکی بہر صورت چاہئے۔'' نادر علی کا لہجہ اس کی فطری خباثتوں کا آئینہ دار تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسی خوبصورت لڑکیاں کم ہوتی ہیں۔''

''جب ملے گی تو ہم بھی دیکھیں گے..... عباسی صاحب!'' انسپکٹر اکرم چشتی معنی خیز انداز میں بولا۔

''کیوں نہیں، تمہیں بھی حصہ ملے گا۔'' نادر علی فراخ دلی سے بولا۔ ''یہ بتاؤ، اسے لانے میں دشواری تو نہیں ہوئی۔''

''نہیں جناب، اکرم چشتی کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ بس اس کا سر بجانا پڑا تھا۔ ہم اٹھا لے آئے۔''

''یاد رہے، اس کے ساتھ جو بھی ہو آف دی ریکارڈ ہو۔'' نادر علی نے اکرم چشتی کو وارننگ دی تھی۔ ''میرا نام کسی صورت نہیں آنا چاہئے۔ الیکشن آنے والے ہیں اور بھائی جی کوئی اسکینڈل پسند نہیں کریں گے۔''

نادر علی کی بات نے مجھے چونکایا تھا۔ مقامی سطح پر عباسی خاندان سیاست میں خاصا معروف تھا۔ راولپنڈی سے ایک دو صوبائی اور قومی اسمبلی کی نشستیں ہمیشہ عباس خاندان کو جاتی تھیں۔ میری معلومات کے مطابق مرشد علی اس خاندان کا سربراہ تھا اور ان دنوں وہ رکن صوبائی اسمبلی تھا۔ اس نے قومی اسمبلی کا انتخاب بھی لڑا تھا لیکن ہار گیا تھا۔ لوگ، گدی نشین پس منظر رکھنے والے اس خاندان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ ان کی اوباشی اور عیاشی کے قصے عام تھے۔ خاص طور سے گرلز کالج سے اغوا کی جانے والی تین لڑکیوں کی عباسی ہاؤس سے برآمدگی بہت مشہور ہوئی تھی۔ لڑکیوں کو ایک صوبائی وزیر کے اثر رسوخ کی وجہ سے بروقت برآمد کر لیا گیا تھا۔ اگرچہ سرکاری طور پر اس واقعے کو دبا دیا گیا تھا اور عباسی خاندان نے اسے مخالفین کی طرف سے اچھالا جانے والا کیچڑ قرار دیا تھا لیکن عوام میں اس خاندان کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ اگر نادر علی عباسی اس خاندان کا چشم و چراغ تھا تو اس کے عزائم پر میں قطعی متعجب نہیں تھا۔

اسی اثنا میں سپاہی ایک نولادی پائپ لے کر اندر آیا۔ اکرم چشتی جو بڑے اسٹائل سے سگریٹ نوشی کر رہا تھا، اس نے سگریٹ اچانک میری گردن پر مسل دیا۔ ضبط کے باوجود میں تڑپ گیا تھا۔ نادر علی نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا تھا۔ اکرم چشتی نے پائپ لے کر سپاہی کو حکم دیا۔ ''اس کا ہاتھ سیدھا کر کے پکڑو۔'' سپاہی نے میرا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو میں نے نیچے سے اس کی رانوں کے درمیان مکا مارا۔ سپاہی کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی اور وہ پیٹ تھام کر رکوع والی پوزیشن میں چلا گیا تھا۔ اگلا مکا میں نے اس کے منہ پر مارا اور وہ پیچھے جا گرا۔ اکرم چشتی ہنستے ہوئے سپاہی کو فحش گالیوں سے نواز رہا تھا۔

''ماں کے یار..... صحیح سے پکڑ.....''

سپاہی نے مشتعل ہو کر میرے سر پر گھٹنا مارا تھا اور ایک بار پھر میرا ہاتھ پکڑ کر سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ نادر علی اضطراب کے عالم میں ہمارے اردگرد ناچ رہا تھا۔ اکرم چشتی اب دھاڑتے ہوئے سپاہی کو بے نقط سنا رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر دروازے کی طرف گئی اور وہ چپ ہو گیا تھا جیسے بجلی سے چلنے والے کھلونے کی بجلی بند کر دی جائے۔ اکرم چشتی چپ ہوا تو سپاہی نے بھی دروازے کی طرف دیکھا اور بوکھلا کر میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اکرم چشتی اور سپاہی نے بیک وقت سلیوٹ کیا تھا۔ دروازے پر ڈی ایس پی کی وردی میں ملبوس شخص کھڑا اکرم چشتی کو گھور رہا تھا۔ پھر اس نے دھاڑ کر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟ یہ شخص کون ہے؟''

''سر، یہ ایک مجرم ہے۔ عباسی کی جیپ کو ٹکر مار کر کھائی میں گرا دیا تھا۔'' اکرم چشتی جلدی سے بولا۔ ''یہ اپنے ساتھیوں کا نام پتا بتانے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

''لہٰذا تم اسے الٹا لٹکا کر ان کا پتا پوچھ رہے ہو۔ اتارو اسے..... باہر اس کا وکیل آیا ہے اور پتا ہے، اس کا وکیل کون ہے.....؟ ندیم احمد بھٹی..... وہ سب کی وردیاں اتروا دے گا۔''

اکرم چشتی کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس نے مردہ سے لہجے میں کہا۔ ''اب کیا حکم ہے سر؟''

''اسے لے کر آؤ اور ہاں، یہ کون ہے؟'' اس نے نادر علی کی طرف دیکھا۔

''سر..... یہ مرشد علی عباسی..... کے چھوٹے بھائی نادر علی عباسی ہیں۔''

''ان لوگوں نے بھی ناک میں دم کر رکھا ہے۔'' ڈی ایس پی بیزاری سے بولا۔ ''منہ کیا دیکھ رہے ہو، اتارو اسے۔''

ڈی ایس پی کے جانے کے بعد اکرم چشتی نے خونخوار نظروں سے مجھے دیکھا اور غصہ سپاہی پر اتارتے ہوئے اسے حکم دیا۔ ''نیچے اتارو..... اپنی ماں کے.....''

نادر علی عباسی مایوس نظر آ رہا تھا۔ ''چشتی صاحب، یہ تو کچھ نہیں ہوا؟''

اکرم چشتی نے روکھا لہجہ اختیار کیا۔ ''عباسی صاحب، فی الحال آپ ٹھنڈے ٹھنڈے گھر جائیں یہ معاملہ بعد میں دیکھا جائے گا۔''

''بعد میں نہیں، ابھی دیکھا جائے گا۔'' نادر علی انسپکٹر کو ایک طرف لے گیا اور دونوں آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ اس دوران میں سپاہی نے رسی ڈھیلی کر کے مجھے نیچے اتارا۔ سیدھا ہوا تو دورانِ خون کی سر سے واپسی کی وجہ سے مجھے چکر آنے لگے تھے لیکن چند گہرے سانس لے کر میں نے اپنا ذہن صاف کر لیا تھا۔ سپاہی نے میرے پاؤں کھولے اور میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ میری قمیص غائب تھی۔ سپاہی نے نہ جانے کس کی گندی سی قمیص لا کر مجھے دے دی۔ ''یہ میری قمیص نہیں ہے۔'' میں نے اعتراض کیا۔

''اوہ شہزادے، اپنی کھال سلامت لے کر جا رہے ہو..... یہ کافی ہے۔'' انسپکٹر اکرم چشتی نے طنز کیا تھا۔ پھر سپاہی سے بولا۔ ''اسے ڈی ایس پی صاحب کے پاس لے جاؤ۔ میرا پوچھیں تو کہنا طبیعت ٹھیک نہیں ہے، الٹر کے پاس گیا ہوں۔''

''جی سر!'' سپاہی نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''چلیں جی۔''

''چھوڑو مجھے۔'' میں نے ایک جھٹکے سے بازو چھڑا لیا اور نادر علی عباسی کی طرف دیکھا۔

''تم انتہا درجے کے جھوٹے شخص ہو۔ تم نے میری جیپ کو ٹکر مار کر کھائی میں گرانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں خود کھائی میں جا گرے اور اس کا الزام بھی مجھ پر لگا دیا۔''

''مری میں جو ہمارے ساتھ ہوا اس کا حساب ابھی باقی ہے۔ وہ تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا حرامی پن تھا۔''

''ہم نے کچھ نہیں کیا تھا، یہ سب تمہاری اپنی ذہنی خباثت ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابھی تو تم بچ گئے ہو لیکن کبھی نہ کبھی میرے ہاتھ آؤ گے۔'' نادر علی کے لہجے میں دھمکی تھی۔ ''اس وقت حساب برابر ہوگا اور وہ لڑکی.....''

''اس کا نام لیا تو تمہارا دوسرا بازو بھی گردن سے لٹکا ہوگا۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''تمہاری تو.....'' نادر علی نے بے قابو ہو کر میری طرف بڑھنا چاہا لیکن اکرم چشتی نے اسے روک دیا۔

''عباسی صاحب! آپ کس سے منہ لگ رہے ہیں۔ اس سے بعد میں دوسری زبان میں بات کریں گے۔'' اکرم چشتی اسے دھکیلتا ہوا اسی ٹارچر سیل میں لے گیا تھا۔ کچھ دیر بعد میں ڈی ایس پی کے دفتر میں اپنے وکیل ندیم احمد بھٹی کو اپنے اوپر گزرنے والی روداد سنا رہا تھا۔ ندیم احمد خاصا طیش میں تھا۔ میرا بیان سن کر اس نے تلخ لہجے میں ڈی ایس پی سے کہا۔ ''جناب! اب میں اس شخص کو عدالت میں کھینچ لوں تو آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔ اس نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔''

''بے شک بھٹی صاحب! آپ حق بجانب ہیں لیکن میرا بھی خیال کریں۔ میرا ماتحت عدالت میں جائے گا تو میری ساکھ پر اثر پڑے گا۔ اس پر مٹی ڈالیں، آپ کا بندہ آپ کو صحیح سالم مل گیا ہے۔''

''اور وہ جو دھمکیاں دے رہا ہے؟'' ندیم بولا۔

''اس کی ضمانت میں لیتا ہوں۔'' ڈی ایس پی اصغر نواز جلدی سے بولا۔ میز پر رکھی تختی پر اس کا نام یہی لکھا تھا۔ ''ان کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔''

''نواز صاحب! اگر میرے مؤکل کو ذرا بھی نقصان ہوا تو میں ان لوگوں اور آپ کے انسپکٹر ہی کو نہیں، آپ کو بھی عدالت میں کھینچ لوں گا۔ مجھے معلوم ہے ایس پی کے عہدے پر ترقی پانے والے افسران میں آپ کا نام بھی ہے۔ خیال رکھیں، کہیں لسٹ سے خارج نہ ہو جائیں۔ اپنے انسپکٹر کو پٹا ڈال کر رکھیں۔'' ندیم احمد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ڈی ایس پی کے چہرے کا رنگ بدلا تھا، اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''بھٹی صاحب، میں نے کہا ناں..... آپ بے فکر ہو کر جائیں۔''

''میں خود پر بھروسا کرنے والا شخص ہوں۔'' ندیم احمد رکھائی سے بولا اور میرے ساتھ ڈی ایس پی کے کمرے سے نکل گیا۔ پولیس اسٹیشن کے باہر اس کی شاندار ہنڈا سوک کھڑی تھی۔ ندیم احمد ابھی تک غصے میں تھا، باہر آتے ہی اس کی توپوں کا رخ میری طرف ہو گیا۔ ''شہباز! اس صدی کے سب سے بڑے احمق، یہ تم نے کن لوگوں سے پنگا لیا ہے؟''

''میں نے نہیں لیا، وہ خود سر ہو گئے تھے۔''

''ابے اگر کوئی طاعون کا مریض تجھ سے چمٹے گا تو کیا تو بھی اس سے چمٹ جائے گا یا جان چھڑا کر بھاگے گا۔ یہ لوگ طاعون سے زیادہ خطرناک ہیں۔''

''اگر آپ ایک منٹ کے لئے بکواس بند کریں تو میں کچھ عرض کروں؟''

''ضرور..... ارشاد فرمایئے۔'' ندیم نے کار سڑک پر نکالی۔

میں نے اسے تفصیل سے مری میں اور پھر اس کے بعد آنے والے واقعات کے بارے میں بتایا۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا۔ ''اب بتا، اس میں میرا کیا قصور ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''انہیں..... نہ سمجھ'' ندیم نے پولیس والوں کی سی روانی سے گالی دی۔ ویسے بھی اس کا واسطہ صبح شام پولیس والوں سے پڑتا تھا۔ ایسے میں صحبت کا اثر لازم آتا ہے۔ ''وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ کچھ تم لوگوں نے پھکوا ہوگا۔ اس وجہ سے وہ پیچھے لگے تھے۔''

''اتنی کمینگی..... آدمی شبہے میں اتنا یقین بھی کرسکتا ہے؟''

''انہیں اپنی طرح کا انسان نہ سمجھ'' ندیم نے طنز کیا۔ ''یہ آج کے فرعون ہیں۔ اپنی سوچ کو درست سمجھنے والے، ممکن ہے ڈی ایس پی معاملہ ختم کرادے لیکن اب تجھے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ عباسی خاندان کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کینہ پروری میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے اور جس کے پیچھے پڑ جائیں، اسے قبر تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ بلا کے موقع پرست اور عیار سیاست دان ہیں۔ ایک بھائی ایک پارٹی میں، دوسرا اس کی مخالفت پارٹی میں اور تیسرا غیر جانب دار رہ کر الیکشن لڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کوئی بھی ہو، یہ ہمیشہ اقتدار میں رہنے والے لوگ ہیں۔ بیوروکریسی اور پولیس میں ان کا خاصا اثر رسوخ ہے۔ شوبی! میرے بوڑھے بچے، ان سے ایسے بچ جیسے لوگ پاگل کتے سے بچتے ہیں۔''

''میں کیسے بچوں..... یہ خود ہوشیار کتے کی طرح مجھے تلاش کرتے ہوئے آئے تھے۔'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''اس کا کوئی حل نکال، تجھے پتا ہے میں کاروباری آدمی ہوں، اس قسم کے چکروں میں نہیں پڑسکتا۔''

''میرا مشورہ ہے، کچھ عرصے کے لئے کہیں چلا جا۔'' ندیم بولا۔ ''بلکہ ایسا کر، میرے گھر چل..... تیری بھابی نے آج خاص سری پائے پکائے ہیں۔''

''مجھے اپنے سری پایوں کی پڑی ہے۔'' میں نے چڑ کر کہا۔ ''اور تجھے سری پائے کی سوجھ رہی ہے۔''

''چل..... اگر سری پائے نہ کھانے سے تیرے سری پائے بچ جاتے ہیں تو اچھی بات ہے۔ یہ بتا کہ تجھے کہاں پھینکوں؟''

''ظاہر ہے، میرے دفتر..... مجھے سید گل کی فکر ہے، پولیس نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی۔''

''زیادہ نہیں جب میں تیرے دفتر پہنچا تو وہ پورچ میں مدہوش پڑا تھا۔ اس کے ساتھ بھی تیرے جیسا سلوک کیا تھا اس حرامی انسپکٹر نے۔ اس نے ہوش میں آنے کے بعد بتایا کہ پولیس تجھے اغوا کر کے لے گئی ہے۔ ویسے یہ سید گل ہوشیار آدمی ہے۔ اس نے پولیس موبائل دیکھ لی تھی، اس سے پتا چل گیا کہ تیرے کس تھانے میں پائے جانے کے امکانات روشن ہیں ورنہ اب تک میں تجھے تھانوں میں ہی چھان رہا ہوتا اور تیری کھال اتر چکی ہوتی۔''

''وہ خبیث میرے ہاتھ پیر توڑنے کے چکر میں تھا۔''

''تیری خوش قسمتی کہ تھانے کا ایس ایچ او مجھ سے دبتا ہے اس لئے میرے وہاں پہنچتے ہی وہ تجھے نکال لایا، یہ بھی ایک نمبر کا بدمعاش ہے۔ اگر اس کی کچھ کمزوریاں میرے علم میں نہ ہوتیں تو وہ تیرے بارے میں صاف مکر جاتا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔''

''یار! اس معاشرے میں اتنی لاقانونیت ہے؟''

''تو اچھا خاصا کھاتا پیتا اور اثر رسوخ رکھنے کے باوجود ڈر رہا ہے۔'' ندیم احمد کے لہجے میں طنز تھا۔ ''ذرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان لوگوں کا سوچ جو پیسا کھلا کر بھی جان نہیں چھڑا سکتے ہیں۔ آئے دن پولیس مقابلوں میں یہی بے چارے نام ور اشتہاری ملزمان کے نام پر قربان ہوتے ہیں، چل اب اتر جا....."

میرا دفتر آ گیا تھا۔ "یار! اگر ان لوگوں نے مجھے قانونی طریقے پھانسنا سے چاہا تو.....؟"

"سب سے پہلے یہ جیپ غائب کر دے..... بلکہ ایسا کر جیپ مجھے دے..... میری کار اپنے چوکیدار کے ہاتھ بھجوا دینا۔ میں کل تک اس کا پچھلا حصہ ٹھیک کرا دوں گا اور بہتر ہے تُو بھی کہیں غائب ہو جا۔ تُو نے ٹھیک کہا ہے، اب یہ تجھے قانونی طریقے سے پھانسنے کی کوشش کریں گے۔ اگر تُو اکرم چشتی کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ اگلی پچھلی ساری کسر نکال لے گا۔"

ندیم نے نیچے اتر کر چابی میرے حوالے کی اور مجھ سے جیپ کی چابی لے کر چلا گیا۔ میں نے اندر جا کر سید گل کی مزاج پُرسی کی اور اسے کہا کہ دفتر کا خیال رکھے۔ "کوئی میرے بارے میں پوچھے تو کہنا کہ صاحب ٹمبکٹو یا پنجو کی ملیاں گئے ہیں۔" اندر ریسپشنسٹ لڑکی صائمہ اور میرا نائب طاہر آ گئے تھے اور لوگوں سے نمٹ رہے تھے۔ میں نے طاہر کو بھی ہدایات دیں۔ "میں کچھ دن دفتر نہیں آؤں گا۔ کوئی بھی میرے بارے میں یا میرے کسی جاننے والے کے بارے میں پوچھے تو تم لوگوں نے نفی میں جواب دینا ہے۔"

"میں سمجھ گیا لیکن کام کا....."

"بس یار! جیسے تیسے بھگتاتے رہو۔" میں نے کہا اور اپنے تمام ضروری کاغذات سمیٹ کر ایک بیگ میں ڈالے، اپنے چند جوڑے بھی رکھے تھے۔ میں ندیم کی کار میں بروقت نکلا تھا کیونکہ مین روڈ کی طرف آتے ہوئے میں نے ایک پولیس موبائل اپنے دفتر کی طرف جاتے دیکھی تھی اور موبائل وین کی اگلی نشست پر انسپکٹر اکرم چشتی اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ براجمان تھا۔ اس کی نظر اچانک مجھ پر پڑی اور اس نے چیخ کر موبائل وین کے ڈرائیور سے کچھ کہا۔ یقیناً وہ مجھے روکنے یا میرا پیچھا کرنے کی ہدایت دے رہا تھا۔ میں نے ایکسی لریٹر دبایا اور کار چیتے کی طرح جست لگا کر بھاگی تھی۔ کچھ دور جا کر میں نے عقبی آئینے میں دیکھا، وین رکنے کے بعد مڑ رہی تھی۔

☆======☆======☆

فتح خان یقیناً بے حد عیار و مکار شخص تھا۔ جو شخص راجا عمر دراز کی ناک تلے چھپا ہو، اس کی چالاکی میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے لیکن اس وقت اس کی ذہانت ایک کمسن اور کمزور سی لڑکی کے ہاتھ میں کھیل رہی تھی۔ اس نے بالکل ٹھیک داؤ چل کر فتح خان کو میری جان کا گاہک بنا دیا تھا۔ اس نے اپنے لباس سے پستول نکالتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ ظاہر ہے وہ میری مدح سرائی تو کرنے سے رہا تھا، گالیاں ہی دے رہا ہو گا۔ اس کے پیچھے شینا فاتحانہ انداز میں سینہ تانے کھڑی تھی اور اس وقت اسے اپنی برہنگی کی پروا بھی نہیں تھی۔ فتح خان کو پستول سیدھا کرتے دیکھ کر میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ یقینی موت سامنے کھڑی تھی اور میں خود میں اتنی ہمت نہیں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا سامنا کرتا۔ میرے کان دھماکے کے منتظر تھے، جس کے بعد میری زندگی کا چراغ گل ہو جاتا لیکن دھماکے کے بجائے عجیب سی آواز آئی جیسے کسی نے ریتلی زمین پر ڈنڈا مارا ہو۔ میں نے آنکھ کھول دی۔ ڈنڈا ہی مارا گیا تھا لیکن ریتلی زمین پر نہیں بلکہ فتح خان کی گدی پر اور ڈنڈا ایمن کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے آگے پیچھے ہوتے فتح خان کے سر پر دوسری ضرب لگائی اور وہ منہ کے بل زمین پر جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرا۔اس سے پہلے ہینا چیخ مار کر ایمن کی طرف لپکی تھی۔ جیسے ہی ایمن نے فتح خان کے سر پر دوسری ضرب لگائی ہینا اس سے لپٹ گئی تھی اور خالص زنانہ انداز میں اسے نوچنے کھسوٹنے لگی۔ ایمن پھرتیلی تھی لیکن ہینا اس سے اتنی بری طرح چمٹی ہوئی تھی کہ اسے موقع نہیں دے رہی تھی۔

میری نظر فتح خان کے بے ہوش جسم تلے دبے پستول پر تھی۔ مجھے اسلحہ خاص طور سے پستول اور ریوالور اچھی طرح چلانا آتا تھا۔ زنجیر اتنی لمبی نہیں تھی کہ میں فتح خان تک پہنچ سکتا اس لئے زمین پر گر کر میں نے فتح خان کو ایک طرف دھکیلا۔ پستول اس کے پیٹ تلے دبا تھا اور میری پہنچ سے باہر تھا۔ لہٰذا میں نے ایک بار پھر فتح خان کو پستول پر اوندھا کیا اور اسے قمیص سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ تو اس کے ساتھ اس کے جسم تلے دبا ہوا پستول بھی کھنچا چلا آیا تھا۔ میں نے فتح خان کو ایک طرف دھکیلا اور پستول پر قبضہ کر لیا۔ ہینا اور ایمن ایک دوسرے سے وحشی بلیوں کی طرح لڑ رہی تھیں۔ ہینا کی قمیص مکمل طور پر تار تار ہو کر اتر چکی تھی تو اس نے ایمن کا بال بھی کئی جگہ سے پھاڑ دیا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو میں ان لڑکیوں کی "فری اسٹائل ریسلنگ" سے ضرور محظوظ ہوتا۔ دونوں ہم عمر تھیں، ایمن ذرا بھرے جسم کی اور طویل قامت تھی جبکہ ہینا دبلی اور گٹھے ہوئے جسم والی لڑکی نما عورت تھی۔ ایمن کی ناک سے خون ٹپک رہا تھا جواب میں اس نے ہینا کے چہرے پر ناخنوں سے لکیریں کھینچ دی تھیں۔ میں نے پستول سیدھا کیا۔

"الگ ہو جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔"

ایمن ٹھٹکی تھی، شاید اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے بھی دھمکی دے سکتا ہوں جبکہ اس نے کچھ دیر پہلے اس کی جان بچائی تھی۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر ہینا نے اس کے سینے پر ٹکر ماری اور اسے دھکیلتے ہوئے دیوار کی طرف لے گئی۔ پھر ایمن نے ایک حیرت انگیز کرتب دکھایا۔ وہ دیوار تک جانے سے پہلے ہی اچانک زمین پر گر گئی اور اس نے ہینا کو پیروں کی مدد سے دیوار کی طرف اچھال دیا۔ ہینا کا سر دیوار سے لگا تھا اور وہ کراہ کر زمین پر آ گری۔ ایمن نے قلابازی کھائی اور دونوں پاؤں ہینا کے پیٹ پر مارے۔ اس نے چیخ ماری۔ رہی سہی کسر ایمن نے دوبارہ ہینا کا سر زمین پر مار کر پوری کر دی پھر اٹھتے ہوئے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ میں اس کی پھرتی ملاحظہ کر رہا تھا، اس کے اٹھتے ہی میں نے چونک کر پستول سیدھا کر لیا۔ ہینا سے ہاتھا پائی میں اس کا بلاؤز دو جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ میں نے ان جگہوں سے نظریں چراتے ہوئے اپنی بیڑی کھولنے کا حکم دیا۔ اس نے ہانپتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "چابی میرے پاس نہیں ہے۔"

"فتح خان کے پاس ہوگی، اس کی جیب سے نکالو۔ جلدی..... میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے ہاتھوں سے مارا جائے لیکن کسی نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو ضرور میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔"

"میں نے ابھی تمہاری جان بچائی ہے۔ اگر میں اسے ڈنڈا نہ مارتی تو اس کی جگہ تمہاری لاش پڑی ہوتی۔"

"میں اس کے لئے ساری عمر تمہارا شکر گزار رہوں گا مگر فی الحال جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو، اس کی جیب سے چابی نکالو۔"

بادل ناخواستہ ایمن نے فتح خان کے لباس کی تلاشی لی اور چابی نکال کر میری طرف بڑھا دی۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھاگ کر بیڑی کا لاک کھول دیا۔ ''اب تم مجھے باہر لے چلو گی۔''

اس نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھے اور ضدی لہجے میں بولی۔ ''میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔''

میں نے آگے بڑھ کر پستول اس کے سر سے لگا دیا۔ ''مجھے یہاں سے نکالو ورنہ ....''

''گولی مار دو گے..... تو مار دو..... مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں اس سے بچایا۔''

مجھے لگا اگر میں سچ مچ بھی گولی مارنے کا ارادہ رکھتا تب بھی وہ راضی نہ ہوتی۔ میں نے گہری سانس لے کر پستول نیچے کر لیا اور عاجزی سے بولا۔ ''پلیز! مجھے یہاں سے نکالو۔ نہ جانے میں کس چکر میں پھنس گیا ہوں، اس سے تو بہتر تھا، میں اپنے والد کا حکم مان کر فوج میں چلا جاتا۔''

میرے انداز پر اس کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔ ''اچھا تو تم گھر سے بھاگے ہوئے ہو۔'' وہ لگاوٹ بھرے انداز میں قریب آئی۔ ''یہ بتاؤ کہ میں کیسی لگ رہی ہوں؟''

''بہت اچھی کیوں کہ تم نے میری جان بچائی ہے۔'' میں نے کہا تو اسے مایوسی ہوئی تھی۔

''میں اس لئے اچھی لگتی ہوں۔''

''اور وجہ بھی ہیں..... لیکن خدا کے لئے تم یہ بلاؤز درست کر لو۔ اگر تمہارے ڈیڈی آ گئے تو ہمیں اس طرح نزدیک دیکھ کر مجھے ضرور گولی مار دیں گے۔''

''تم فکر نہ کرو ڈیڈی یہاں نہیں ہیں، وہ ایک کام سے باہر گئے ہیں۔''

''تب مجھے ان کے آنے سے پہلے رخصت ہو جانا چاہئے۔''

''ڈرو مت..... ڈیڈی تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ جب فتح خان تمہیں لے کر آیا تو انہوں نے اسے ڈانٹا تھا لیکن اس کے سر پر اس حرافہ کا بھوت سوار تھا۔'' ایمن نے بے سدھ پڑی شینا کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ پھیلائے چت پڑی تھی اور اس کا یہ پوز ایمن کو اچھا نہیں لگا۔ وہ شاید اسے اوندھے منہ کرنے کے لئے جھکی تھی کہ شینا کا ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا اور ایمن کراہ کر پیچھے کی طرف جا گری۔ شینا نے ہاتھ میں دبا پتھر اس کے سر پر مارا تھا۔ وہ نہ جانے کب ہوش میں آ کر موقع کی منتظر تھی۔ ایمن کے گرتے ہی اس نے لپک کر دوبارہ اس کے سر پر پتھر مارنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش میں نے لات مار کر ناکام بنا دی۔ ''کتیا!'' میں نے غصے سے اس کے سر پر پستول کا دستہ مارا۔ اس بار وہ سچ مچ بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں لپک کر ایمن کے قریب پہنچا، اس کی کنپٹی سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش تھی۔ شینا نے بہت سخت وار کیا تھا۔ میں نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا اور سرنگ کے اس حصے کی طرف بڑھا جدھر سے شینا اور فتح خان آئے تھے۔ آگے جا کر سرنگ تنگ اور تاریک ہو گئی تھی۔ میں ٹھوکریں کھاتا اور پھر جھاڑیوں سے الجھتا ایمن کو لے کر بمشکل باہر نکلا تو رات کی تاریکی وادی پر پھیل چکی تھی۔ مجھے اس خفیہ غار سے نکلنے کی جلدی تھی۔ اوّل تو مجھے ایمن کے والد بزرگوار کے آنے کا خدشہ تھا۔ دوسرے بے ہوش ایمن کو تازہ ہوا میں لانا چاہتا تھا۔ غار میں ہوا کی آمد و رفت نہ ہونے اور مشعلیں جلنے کی وجہ سے گھٹن تھی۔ باہر کی کھلی اور خشک فضا میں آنے سے ایمن پر اچھا اثر پڑا تھا اور اس نے میرے بازوؤں میں ہی کراہنا اور ہلنا شروع کر دیا تھا۔ اسے ایک جگہ لٹا کر میں نے اس کے گال تھپتھپائے۔

''ایمن ہوش میں آؤ..... ایمن!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کراہ کر اٹھ بیٹھی۔ اندھیرے میں نہ جانے کیا سمجھ کر اس نے مجھے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ ''
رہو..... پیچھے ہٹو۔'' اس نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

''ایمن، یہ میں ہوں۔'' میں نے کہا تو اس کی مزاحمت رک گئی تھی پھر وہ سہمے ہوئے انداز میں مجھ
لپٹ گئی۔

''یہ کہاں ہوں میں؟''

''شینا نے تمہارے سر پر پتھر مارا تھا۔ تم بے ہوش ہوگئی تھیں، میں تمہیں اٹھا کر یہاں لے آیا ہوں۔''

''ڈیڈی کہاں ہیں؟'' وہ پریشان لگنے لگی تھی۔

''پتا نہیں۔ تم نے ہی کہا تھا وہ باہر گئے ہیں۔'' میں نے اسے دوبارہ لٹا دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''ایمن بہت اچھی لڑکی ہو، یہ کن چکروں میں پڑ گئی ہو۔ اپنے ملک واپس چلی جاؤ۔ یاد رکھو یہاں کے لوگ جتنے س
ہیں، اتنے ہی سنگ دل بھی ہیں۔ اس سے پہلے تم کسی مصیبت میں پڑو، یہاں سے چلی جاؤ۔''

''مجھے ڈیڈی کی فکر ہے۔ میں ان کی وجہ سے یہاں آئی ہوں۔ وہ اس تصویر اور پتھر کے پیچھے پاگ
ہیں۔''

''تصویر اور پتھر اب کسی کو بھی نہیں مل سکتے۔'' میں نے صاف جھوٹ بولا۔ ''راجا عمر دراز نے انہیں کہ
ایسی جگہ چھپا دیا ہے جو اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔''

''کاش، میں ڈیڈی کو سمجھا سکتی۔''

''ایمن..... تمہارے پاس دو گھنٹے ہیں۔ میں راجا عمر دراز کے پاس جا رہا ہوں۔ اس دوران میں تم ا
ڈیڈی کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔ فتح خان اور شینا کو چھوڑ جانا..... وہ یہاں کے مجرم ہیں۔''

وہ چند لمحے مجھے دیکھتی رہی پھر گرم جوشی سے مجھ سے لپٹ گئی۔ ''شاہ باز! میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔
میں نے ایک بار پھر وہی نرم گرم سا لمس محسوس کیا تھا اور مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ کب اس نے پستو
میرے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ میں چونکا تو وہ ہنس دی۔ ''ڈرو مت۔ یہ میں نے اپنی حفاظت کے لئے لیا ہے۔
سے جدا ہو کر مجھے ابھی ڈیڈی کو بھی تلاش کرنا ہے۔''

''تم شاید اسے جھوٹ سمجھو لیکن مجھے تم سے ذرا سا بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا ہے۔'' میں نے خلوص
کہا۔ ''ایمن، میں بھی تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

اس نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ دبایا اور درختوں کے درمیان تاریکی میں غائب ہوگئی۔ اس کے جا
کے بعد میں نے پہلے اس خفیہ غار کا محل وقوع ذہن نشین کیا اور پھر وادی کے اوپری حصے کی طرف جانے لگا۔ جس
طرف راجا عمر دراز کا محل تھا۔ مجھے ایمن کے طرزِ عمل پر حیرت تھی۔ آخر اس نے میری جان کیوں بچائی تھی۔ ایک
بات طے تھی کہ وہ اچھی لڑکی تھی۔ باپ کی محبت میں یہاں تک آ گئی تھی لیکن اس کا ضمیر ایک مجرمانہ فعل میں شریک
ہونے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں نے دل سے دعا کی کہ اس کا باپ واپس جانے کے لئے تیار ہو جائے۔ وہ اس
کے بغیر نہیں جاتی اور اس کا باپ اپنی ہوس کی وجہ سے کسی مصیبت میں پھنستا تو وہ بھی لپیٹ میں آ جاتی۔ میں
راجا عمر دراز کے پاس جانے سے پہلے اتنا وقت ضائع کر دیا کہ ایمن اپنے باپ کے ہمراہ اس جگہ سے دور نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے۔ میں اپنے اندازے کے مطابق ایک گھنٹا اِدھر اُدھر پھرتا رہا تھا کیونکہ فتح خان نے قید کرتے وقت مجھ سے گھڑی لے لی تھی۔ اس کے بعد میں راجا عمر دراز کے محل کی طرف چل پڑا تھا۔ دس پندرہ منٹ میں، میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ دربان مجھے دیکھ کر اچھل پڑے تھے اور مجھے ہاتھوں ہاتھ محل کے اندر پہنچایا گیا۔ سب سے پہلے مجھے راجا کے مختصر سے سیکرٹری کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

''جناب، آپ کہاں تھے؟'' اس نے زلہ زدہ آواز میں کہا۔ ''راجا صاحب نے آپ کی تلاش میں پوری وادی چھان ماری۔''

''مجھے فتح خان اغوا کر کے لے گیا تھا۔''

''فتح خان.....!'' مختصر سیکرٹری اچھلا۔ ''وہ کہاں سے آ گیا؟''

''آ نہیں گیا۔ وہ یہیں چھپا تھا۔ ایک خفیہ غار میں..... ممکن ہے ابھی تک وہاں بے ہوش پڑا ہو۔''

''بے ہوش۔'' سیکرٹری پھر اچھلا۔ ''کیسے..... کب.....؟''

''یہ سب میں راجا صاحب کو بتاؤں گا۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''راجا صاحب کو اطلاع کر دی ہے۔''

''میں صبح سے بھوکا ہوں، کچھ کھانے کو دو۔''

میری فرمائش پر سیکرٹری نے فوری طور پر چند چیزیں منگوائی تھیں جن سے میں نے بھوکے کی تسلی کی تھی۔ اس دوران بعد راجا نے مجھے طلب کر لیا، وہ میری کہانی سننے کے لئے بے تاب تھا لیکن میں نے کہا۔ ''پہلے آپ فتح خان کو پکڑنے کے لئے اپنے آدمی میرے ساتھ روانہ کریں وہ ایک خفیہ غار میں بے ہوش پڑا ہے، اسے ہوش آ گیا تو وہ ثمینا کو لے کر غائب ہو جائے گا۔''

راجا عمر دراز نے فوری طور پر اپنے محافظوں کا ایک دستہ میرے ساتھ کر دیا۔ میں انہیں لے کر غار کی طرف روانہ ہوا۔ تاریکی کا بہانہ کر کے میں نے دو تین بار راستہ بھولنے کی اداکاری کی اور تاخیر کرتا رہا۔ مجھے فتح خان اور ثمینا سے کوئی غرض نہیں تھی، وہ بے شک دفع ہو جاتے۔ مجھے خطرہ ایمن اور اس کے باپ کا تھا۔ کہیں وہ لوگ بھاگنے میں تاخیر کر دی ہو اور پکڑے جائیں۔ کوئی پون گھنٹے تک بھٹکنے کے بعد میں نے غار کا رخ کیا۔ ان جھاڑیوں کے سامنے پہنچ کر راجا محافظوں سے کہا۔ ''ان جھاڑیوں سے راستہ جاتا ہے۔ میں اس جگہ سے واقف رہا ہوں۔''

''آپ اور ادھر رکو۔'' محافظوں کے انچارج نے مجھ سے کہا اور اپنے ساتھیوں سمیت جھاڑی میں گھس گیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ باہر کھڑا رہ گیا۔ محافظ رائفلوں سے مسلح تھے اور اگر ایمن اور اس کا باپ موجود تھے اور مقابلے کی نوبت آئی تو وہ نصف درجن مسلح افراد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن میرے خدشات محض خدشات ہی رہے۔ پندرہ منٹ بعد دو محافظ فتح خان اور ثمینا کو دھکیلتے ہوئے نمودار ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ پشت سے بندھے ہوئے تھے۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ اس خفیہ غار میں سوائے ان دونوں کے اور کوئی نہیں تھا اور ان کا بندھے پڑے تھے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ فتح خان مجھے خونی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور ثمینا کی آنکھوں سے میرے لئے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے میری طرف دیکھ کر زمین پر تھوک دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ام تم کو چوڑے گا نیں۔ قتل کرے گا۔'' فتح خان نے تلملاتے ہوئے کہا۔

''فتح خان! تم بھی کس عورت کی باتوں میں آ رہے ہو جو اپنے شوہر سے بے وفائی کر سکتی ہے وہ تمہاری وفادار کب سے ہونے لگی! میں کیا اتنا احمق ہوں کہ تمہاری قید میں ہونے کے باوجود اس پر دست درازی کرتا۔ اس نے مجھ سے انتقام لینے کے لئے اپنی قمیص خود پھاڑی تھی۔''

ہینا نے اپنی زبان میں اس سے کچھ کہا، فتح خان بدستور مجھے خوں خوار نظروں سے گھورتا رہا۔ میں نے بات جاری رکھی۔ ''دوسرے یہ کہ تم دونوں پر معاشرے اور مذہب کی حدود توڑنے پر مقدمہ چلے گا۔ اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

ذرا دیر بعد ہم سب راجا عمر دراز کے محل کی طرف جا رہے تھے۔ محل پہنچتے ہی فتح خان اور ہینا کو زیر زمین قید خانے میں بھیج دیا گیا اور مجھے راجا نے طلب کر لیا۔ وہ واضح طور پر یہ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ میں کہاں تھا؟ اور مجھے فتح خان کے بارے میں کیسے پتا چلا؟ میں نے مناسب رد و بدل کے ساتھ اسے اپنے پکڑے جانے اور رہائی پانے کے بارے میں بتایا۔ ایمن کا ذکر میں نے گول کر دیا تھا اور صرف اتنا بتایا تھا کہ وہاں پر ایک سفید فام لڑکی بھی آئی تھی اور اس نے فتح خان سے میری جان بچائی تھی۔ راجا عمر دراز متحیر ہوا تھا۔ ''اس لڑکی کو تم سے کیا دلچسپی تھی؟''

''میں نہیں جانتا۔ وہ وہاں موجود سفید فام کو ڈیڈی کہہ رہی تھی۔ باقی آپ فتح خان اور ہینا سے معلوم کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا اور ہینا کے الزام کا معاملہ بھی چھپا لیا، وہ خود بتاتی یا مجھ پر مکرر الزام لگاتی تو اس کی مرضی تھی۔ راجا عمر دراز اس کی بات کا یقین نہ کرتا۔ اس کے بعد میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر سونے کے لئے چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا آج رات فتح خان اور ہینا پر بھاری گزرے گی۔ راجا عمر دراز کے جلاد ان سے اپنے انداز میں بات کریں گے۔ اگلی صبح میں تازہ دم اٹھا تھا۔ فتح خان کے پکڑے جانے کے بعد اب مجھے کسی سے خطرہ نہیں رہا تھا لیکن ابھی میرے مسائل ختم نہیں ہوئے تھے۔

شاہی حکیم نے صبح سویرے مجھے مرہم کا ایک اور لیپ کیا اور وہی بکری کی مینگنی نما گولیاں کھلائیں جن سے مرہم کی تکلیف دہ تاثیر دب جاتی تھی۔ دو گھنٹے بعد میں نے گرم پانی سے غسل کیا اور اس کے بعد راجا عمر دراز کے ساتھ محل کے طعام خانے میں پُر تکلف قسم کے ناشتے سے لطف اندوز ہوا تھا۔ راجا کھانے کے دوران میں چپ رہنے کا عادی تھا اس لئے میں اس سے فتح خان اور ہینا کے بارے میں نہ پوچھ سکا۔ جیسے ہی ناشتا ختم ہوا اور راجا عمر دراز نے محل کے باغ کا رخ کیا، یہ بھی اس کا معمول تھا، ناشتے کے بعد وہ باغ میں چہل قدمی کرتا تھا میں نے موقع غنیمت جان کر فتح خان کے بارے میں پوچھا۔ ''اس نے کچھ بتایا جناب؟''

راجا عمر دراز نے مجھے دیکھا۔ ''وہ کیا بتا سکتا ہے؟''

''یہی کہ وہ انگریز کون ہے جو تصویر اور پتھر حاصل کرنا چاہتا ہے؟''

''میں جانتا ہوں، وہ کون ہے۔ یہ بات مجھے فتح خان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''آپ جانتے ہیں پھر آپ نے انہیں پکڑا کیوں نہیں؟''

''میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کون ہیں، یہ نہیں جانتا کہ کہاں ہیں؟ بہر حال میرے آدمی وادی کے چپے چپے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ وہ جلد یا بدیر پکڑے جائیں گے۔''

''وہ کون ہیں؟'' میں نے اس اطلاع پر اپنا اضطراب چھپاتے ہوئے کہا۔

''میرے کمانڈنگ آفیسر ولیم شا کا بیٹا برٹ شا۔'' راجا عمر دراز نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ ''یہ چیزیں میری تھیں لیکن ولیم شا کی نیت ان پر خراب ہوگئی اور مجھے مجبوراً فرار ہونا پڑا ورنہ ولیم شا بزور یہ تصویر اور پتھر مجھ سے چھین لیتا۔ اس کے مرنے کے بعد اب اس کی اولاد مجھ سے یہ چیزیں ہتھیانے کی کوشش کر رہی ہے۔''

''راجا صاحب! آپ نے انہیں کہاں سے حاصل کیا تھا؟'' میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''برخوردار! یہ ایک طویل کہانی ہے، کسی فرصت کے وقت سناؤں گا۔'' راجا عمر دراز نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ ''آؤ فتح خان کی خیریت پوچھیں..... اسے میں نے اپنے جرائم کا اعتراف کرنے کے لئے صبح تک کا وقت دیا تھا۔''

ہم تہ خانے میں واقع اس کمرے تک آئے جہاں چند دن پہلے میری پشت ادھیڑی گئی تھی۔ اب اس پوزیشن میں فتح خان تھا اور راجا عمر دراز کا جلاد اس پر کوڑے برسانے کے لئے بالکل تیار تھا۔ راجا عمر دراز نے فتح خان سے اردو میں ہی پوچھا۔ ''کیا سوچا تم نے فتح خان!''

اس نے مقامی زبان میں جواب دیا۔ راجا عمر دراز میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ''یہ ڈھیٹ شخص کہہ رہا ہے کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس نے مجھ سے تو غداری کی ہے، اس نے وادی کے ایک شریف شخص کی بیوی کو ورغلانے اور اس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنے کا سنگین جرم بھی کیا ہے، جس کی سزا یہ ہے کہ انہیں درخت کے تنے سے باندھ کر اس تنے کو بلندی سے لڑھکا دیا جائے۔''

فتح خان کے چہرے پر پہلی بار خوف کے آثار نظر آئے تھے، وہ چیخا۔ راجا عمر دراز نے ترجمہ کیا۔ ''یہ اب بھی اپنی بے گناہی پر اصرار کر رہا ہے۔''

''یہ جھوٹا ہے، اس سے پوچھیں اگر اس کے شینا سے تعلقات نہیں ہیں تو اس نے اسے آپ کی قید سے کیوں آزاد کرایا۔ شینا کے جھوٹے الزام پر یہ مجھے قتل کرنے پر کیوں تل گیا تھا؟''

راجا عمر دراز چونکا۔ ''کل تم نے یہ بات مجھے نہیں بتائی تھی۔''

''مجھے اس بے حیا کا الزام دہراتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔''

''ان سے اس کا حساب بھی لیا جائے گا۔'' راجا عمر دراز نے کہا اور اپنے جلاد کو کچھ کہا۔ اس کا کوڑا حرکت میں آ گیا تھا۔ پہلی چند ضربیں تو وہ خاموشی سے برداشت کر گیا تھا اس کے بعد بلبلانے لگا تھا۔ راجا عمر دراز نے شینا کو وہاں لانے کا حکم دیا۔ اس کے حکم کی تعمیل ہوئی تھی۔ شینا اپنے محبوب کی حالت دیکھ کر چیخ اٹھی تھی۔ اس نے خود کو محافظ سے چھڑا کر فتح خان کی طرف لپکنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔

''عورت، اس شخص سے کہہ..... یہ زبان کھول دے..... ورنہ اس کا ریشہ ریشہ ادھیڑ دیا جائے گا۔'' راجا عمر دراز نے سرد لہجے میں شینا سے کہا۔ ''مجھے بہرصورت انگریز آدمی چاہئے۔''

شینا نے لرزتے ہوئے مقامی زبان میں جواب دیا۔ اس پر راجا عمر دراز کا چہرہ درشت ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے مختصر سے سیکرٹری سے کہا۔ ''اس کے شوہر اور علاقے کے معززوں کو بلاؤ۔ اس کا فیصلہ آج ہی ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں۔'' ثینا چیخی اور جلدی جلدی کچھ کہنے لگی مگر عمر دراز اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر باہر چلا گیا۔ ثینا بری طرح بلک رہی تھی۔ اچانک اس نے خود کو محافظ سے چھڑا لیا اور میری طرف لپکی۔ میں چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے زمین پر گر کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔ ''ام کو بچاؤ۔''

میں نے پاؤں چھڑانے کی کوشش کی۔ ''میں کیسے بچاؤں؟''

''تو م بچا سکتا اے۔ راجا صیب تو ماری بات مانے گا۔''

میں نے ایک جھٹکے سے اپنے پاؤں چھڑا لئے۔ ''ثینا! تم نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا، وہ میں معاف کر سکتا ہوں لیکن تم اپنے شوہر کے اعتماد کو دھوکا دیتی رہیں، وہ تمہیں معاف کرے گا؟ تم نے راجا صاحب کے محل میں چوری کرنے والوں کی مدد کی، وہ تمہیں معاف کرے گا؟''

''تو م بولے گا تو وہ معاف کر دے گا۔'' اس نے دوبارہ میرے پیر پکڑنے کی کوشش کی۔

میں ہنسا۔ ''اس جلاد سے پوچھنا، چار دن پہلے اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ صرف اس لئے کہ تم نے اور فتح خان نے مجھے چوری کے الزام میں پھنسا دیا تھا۔ جب راجا صاحب ایک بے گناہ آدمی کی پشت صرف شبہے میں ادھڑوا سکتے ہیں تو تمہارے بارے میں تو انہیں یقین ہے، اپنے اس عاشق سے کہو، راجا صاحب کی بات مان لے اور جو وہ پوچھ رہے ہیں، وہ بتا دے۔ اس صورت میں تم دونوں کی بچت ممکن ہے۔ مجھ سے کسی قسم کی توقع مت رکھو۔''

وہ میری بات سمجھی نہیں یا اس میں ڈھٹائی زیادہ ہی تھی، وہ بدستور روتی چلاتی رہی۔ فتح خان اپنی تکلیف بھول کر اسے گھور رہا تھا۔ اچانک اس نے دھاڑ کر کچھ کہا۔ ثینا بھی چلائی اور میں باہر نکل گیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی لہٰذا میں نے خادم کو تلاش کیا اور اس سے کھانے کو کچھ لانے کو کہا۔ وہ کھانا لے کر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''راجا صاحب کہاں ہیں؟''

''اپنے خاص کمرے میں۔'' خادم نے آگاہ کیا۔ ''وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''میں سرمد علی سے ملنا چاہتا ہوں، کیا اسے کسی طریقے سے بلایا جا سکتا ہے؟''

''منشی سے کہہ دیں، وہ بلوا لے گا۔''

''تم منشی کو بلاؤ۔'' میں نے کہا۔

چند لمحے بعد منشی یعنی راجا عمر دراز کا سیکرٹری میرے سامنے تھا۔ ''مجھے سرمد علی سے ملنا ہے۔''

''کون سرمد علی جناب؟''

''ثینا کے شوہر کا سب سے بڑا لڑکا۔ وہ میرا اچھا دوست ہے۔''

''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا جناب!'' سیکرٹری نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ بھی اس معاملے میں ملوث ہیں اور ہم قبائلی اپنی عزت کے معاملے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ وہ لڑکا نہ جانے آپ سے کیا سلوک کرے، اس وقت آپ راجا صاحب کے مہمان ہیں اور آپ کی بے عزتی ان کی بے عزتی کے برابر ہیں۔''

''یعنی میں نہ تو کہیں آ جا سکتا ہوں اور نہ کسی سے مل سکتا ہوں؟''

''نہیں جناب، آپ جہاں چاہیں آ جا سکتے ہیں لیکن ایک دو محافظ ساتھ ہوں گے۔ پچھلی بار بھی آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اکیلے نکلے تھے اور غائب ہو گئے تھے۔ اس بار راجا صاحب نے آپ کی حفاظت کے لئے یہ پابندی لگا دی ہے، ہاں محل کے آس پاس آپ اکیلے جا سکتے ہیں۔"

گویا میں ایک طرح سے راجا عمر دراز کا قیدی تھا۔ زیادہ امکان یہی تھا کہ اس نے حفاظت کے نقطۂ نظر سے یہ پابندی لگائی ہو لیکن میرے اندر اور بھی کئی طرح کے خدشات سر ابھار رہے تھے۔ ایک تو یہ کہ راجا کو میری گمشدگی سے واپس آنے کے بعد والے بیان پر شک تھا اور وہ مجھے معزز قیدی بنا کر برٹ شا اور ایمن کو تلاش کروا رہا تھا۔ دوسرے ہینا نے مجھ پر الزام لگایا تھا جب جرگہ بیٹھتا اور ہینا وہاں پر بھی یہ الزام دہراتی تو مجھے بھی جرگے کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ سب خیالات میرے ذہن میں چکرا رہے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ میں ایک دلدل میں اتر گیا ہوں اور رفتہ رفتہ اس میں دھنستا جا رہا ہوں۔ سیکرٹری غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"جناب! یہ پابندی آپ کے اپنے مفاد میں لگائی گئی ہے۔ ابھی باہر کے حالات آپ کے لئے سازگار نہیں ہیں۔ فتح خان کے خاندان والے اس کی رہائی کے لئے زور ڈال رہے ہیں اور ممکن ہے انہیں پتا چل گیا ہو کہ فتح خان کی گرفتاری میں آپ کا ہاتھ ہے۔ اس وجہ سے باہر نکلنا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔"

"اور اگر میں وادی سے باہر جانا چاہوں تو؟"

"یہ بھی ممکن نہیں ہے۔" سیکرٹری نے پھر صاف انکار کر دیا۔ "ابھی فتح خان اور ہینا کے خلاف جرگہ بیٹھے گا، آپ کو ان کے خلاف گواہی دینی ہوگی۔"

"اور ہینا نے مجھ پر الزام لگا دیا تو.....؟"

"ایسا نہیں ہوگا، آپ بے فکر رہیں۔" سیکرٹری نے سنجیدگی سے جواب دیا لیکن میری تشویش کم نہیں ہوئی تھی۔ جرگہ ایک طرح کی عدالت تھی اور اس میں ہر فریق کے الزام کو سنا جاتا اور دوسرے سے اپنی صفائی پیش کرنے کو کہا جاتا، میں نے سیکرٹری سے کہا۔

"یہ کس طرح ممکن ہے۔ جرگے میں سب کے سامنے تم کس طرح ہینا کو اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور کرو گے؟"

"شہباز صاحب! آپ پریشان نہ ہوں، جب راجا صاحب نے ایک بات کہہ دی ہے تو وہ اس پر قائم رہیں گے۔ راجا صاحب اپنی زبان کا پاس رکھتے ہیں۔ اگر میری کسی خدمت کی ضرورت ہو تو مجھے دوبارہ طلب کر لیجئے گا۔"

سیکرٹری کے جانے کے بعد میری فکر کم نہیں ہوئی تھی۔ جو راجا ایک بار صرف شبہے میں میرے ساتھ برا سلوک کر سکتا تھا، دوسری بار اپنے مجرموں کو سزا دلوانے کے لئے مجھے بھی پھنسوا سکتا تھا۔ ایک طرف تو یہ خدشات تھے تو دوسری طرف میرے اندر سے کوئی مجھے راجا عمر دراز پر اعتماد کرنے کو کہہ رہا تھا۔ میں باہر باغ میں ٹہلتا رہا۔ تین بجے دوپہر کا کھانا ڈائننگ ہال میں اکیلے کھایا۔ راجا نہیں آیا تھا۔ وہ بدستور اپنے خاص کمرے میں محصور تھا۔ کھانے کے بعد میں نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر سے محل کی سیر کرنے نکل کھڑا ہوا۔ مجھے اندر باہر جانے سے کسی نے روکا ٹوکا نہیں تھا۔ ایک بات شدت سے محسوس ہوئی تھی، پورے محل میں راجا عمر دراز کے علاوہ صرف اس کے ملازمین اور محافظ تھے۔ مجھے اب تک اس کے کسی رشتے دار کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اوپر کی منزل راجا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے مخصوص تھی اور وہاں اس کے اہلِ خانہ کی موجودگی عین ممکن تھی مگر نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہوتا تھا کہ اوپر بھی اکیلا راجا ہی ہوتا ہے۔ اس کے رشتے دار اور اہلِ خانہ تھے، تب بھی اس محل میں نہیں پائے جاتے تھے۔ شام کے قریب مجھے سیکرٹری بیرونی دروازے سے اندر کی طرف جاتا نظر آیا، میں لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ ''میں راجا صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''اخاہ..... شہباز صاحب! آج موسم کتنا اچھا ہے۔'' اس نے واضح طور پر مجھے ٹالا تھا۔

''موسم گیا جہنم میں، میری بات کا جواب دو۔''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اس کا میرے پاس جواب نہیں ہے۔ راجا صاحب بدستور خاص کمرے میں ہیں اور وہاں کوئی نہیں جا سکتا۔''

''تم زبانی طور پر یا لکھ کر میری گزارش اندر بھیج سکتے ہو۔''

''کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''اور ہاں، اب آپ کے محل کے باہر جانے پر مکمل پابندی ہے۔ وادی کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ بعض شر پسند آپ کے خلاف افواہیں پھیلا رہے ہیں۔''

''کس قسم کی افواہیں؟''

''یہی کہ فتح خان اور ہینا اس معاملے میں بے قصور ہیں اور راجا عمر دراز آپ کی وجہ سے انہیں قید کئے ہوئے ہیں۔''

''بکواس۔ کیا جرگے میں ان کے خلاف مقدمہ نہیں چلے گا؟''

''وہ تو جب چلے گا، تب چلے گا۔ جرگے کے دو معزز اراکین وادی سے باہر گئے ہیں۔ ان کی واپسی کل تک ہوگی۔ ان کے آنے کے بعد مقدمے کی کارروائی کا آغاز ہوگا۔''

''اور مقدمہ کتنے دن چلے گا؟''

''اس کا کیا پتا جناب! یہ بھی ہو سکتا ہے ایک دو دن میں فیصلہ ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہفتے لگ جائیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تب تک مجھے اسی جگہ قید رہنا ہوگا؟'' میں جھنجلا گیا تھا۔

''قید کیوں جناب! آپ راجا صاحب کے معزز مہمان ہیں اور جنہیں قید رکھنا ہو ان کے لئے مخصوص جگہ آپ دیکھ چکے ہیں اور جناب، اتنی خوبصورت جگہ آنے کے لئے لوگ آرزو کرتے ہیں۔ بس چند دن کی بات ہے پھر راجا صاحب آپ کو شکار پر بھی لے جائیں گے۔''

میں خود پر قابو پانے لگا۔ مجھے احساس تھا کہ جوش سے کام لے کر میں اپنے لئے مسائل کھڑے کروں گا اس لئے بہتر یہی ہے کہ صبر سے کام لوں اور انتظار کروں، کب مجھے یہاں سے چھٹکارا ملتا ہے۔ میں سیکرٹری سے ٹکاتی لہجے میں کہا۔ ''میں بور ہوتا ہوں، آدمی کب تک پھول دیکھتا رہے یا سجے سجائے کمرے میں بیٹھا رہے؟''

''مجھے احساس ہے جناب! میں راجا صاحب تک آپ کا پیغام پہنچا دوں گا۔ ممکن ہے آج رات آپ کی شکایت دور ہو جائے۔''

سیکرٹری اندر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سوچا کہ تہ خانے کا ایک چکر لگا لوں۔ فتح خان اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ھینا کے بارے میں معلوم کر وں گا کس حال میں تھے۔ تہ خانے میں بھی جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ دروازے پر موجود محافظ نے مجھے اندر جانے دیا تھا۔ فتح خان بدستور کرسی پر بندھا تھا اور اس کے دم خم میں کمی نظر آ رہی تھی۔ البتہ ھینا وہاں نہیں تھی۔ جلاد کا کردار ادا کرنے والا شخص ایک طرف بیٹھا ستا رہا تھا۔ فتح خان کی شلوار جابجا خون کے چھینٹوں سے سرخ تھی اور یہ چھینٹے پشت کی جانب زیادہ تھے۔ محافظ اردو نہیں جانتا تھا یا کم سے کم اس نے ظاہر یہی کیا تھا۔ میں فتح خان کے نزدیک گیا۔

''فتح خان، میرے ایک سوال کا جواب دو گے؟''

''پوچھو۔'' اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''ام آدمی کو مارنے سے پہلے اس کے تمام سوالات کا جوابات دیتا اے۔ ام تم کو بتا کر مارے گا۔''

میں نے منہ بنایا۔ ''تم میں ذرا بھی عقل ہوتی تو تم میرے بجائے اس عورت کو قتل کرتے جو بیک وقت تمہیں اور اپنے شوہر دونوں کو بے وقوف بنا رہی ہے۔ بہرحال میں نے یہ پوچھنا ہے کہ انگریز اور اس کی لڑکی کب نکلے تھے؟''

''ام کو نئیں مالوم..... جب ام اوش میں آیا تو وہ جا چکا تھا۔ ام بند اپڑا تھا۔''

''تمہیں معلوم ہے، اب وہ کہاں ہیں؟''

وہ مسکرایا۔ ''اگر ام کو پتا اوتا تو ام راجا صیب کو بتا کر اپنا چمڑی نہ بچاتا۔ ام کو نئیں مالوم وہ کدر گیا اے۔ وہ بوت چالاک لوگ اے۔''

''تم کو پتا ہے وہ راجا صاحب کی تصویر اور پتھر کیوں چرانا چاہتے تھے؟''

اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''ام نے اس کے لئے کام کیا۔''

''اور اب سزا بھگتو گے؟'' میں نے طنز کیا۔

وہ مسکرایا۔ ''ام اکیلے نئیں بھگتے گا، تم بھی سزا پائے گا۔''

''بکواس مت کر۔ میں نے کیا، کیا ہے؟''

''جب ام راجا صیب اور جرگے کو بتائے گا کہ گورا صیب اور اس کا لڑکی سے ملنے تو م بی آتا تو تم کو بھی سزا ملے گا۔''

''کوئی تمہاری بات کا یقین نہیں کرے گا۔''

''کیوں نئیں کرے گا۔ اس کا لڑکی نے تو مارا جان بچایا۔ کیوں بچایا.....؟ تو مارا چاچا کا لڑکی اے جو جان بچایا، امارے سر پر ڈنڈا مارا۔''

مجھے محسوس ہوا کہ وہ درست کہہ رہا تھا۔ یہ سوال سب کے ذہن میں آئے گا کہ ایمن نے مجھے فتح خان کے ہاتھوں مرنے سے کیوں بچایا۔ میں خود راجا عمر دارز کو بتا چکا تھا کہ ایک سفید فام لڑکی نے مجھے فتح خان کے ہاتھوں مرنے سے بچایا تھا۔ جب کہ میں اسے جانتا بھی نہیں تھا اور زندگی میں پہلی بار اس سے ملا تھا۔ میں نے سر جھٹکا، جب یہ سوال سامنے آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ مجھے فتح خان سے بات کر کے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ برٹ شا اور ایمن کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ کل سے اب تک وہ یقیناً اس علاقے سے دور جا چکے ہوں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے جلاد کی طرف دیکھا اور فتح خان سے بولا۔ ''کیا تمہیں خوف نہیں ہے کہ یہ تمہاری باتیں راجا صاحب کو بتا دے گا۔''

''یہ صرف اور کی زبان جانتا ہے۔ اردو نہیں جانتا۔'' فتح خان بولا۔

''ممکن ہے، یہ تمہاری خوش فہمی ہو۔'' میں نے باہر جاتے ہوئے کہا۔

شبینا اسی تہ خانے میں کہیں تھی، میں نے اس کمرے کے دروازے کے اوپر بنی جالی سے اندر جھانکا، جہاں میں قید رہا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ وہاں شبینا تھی اور زمین پر پڑے بستر پر دراز تھی۔ اس کے ساتھ بلاشبہ زیادتی ہوئی تھی اور محض چودہ پندرہ سال کی عمر میں وہ اپنے سے تین گنا بڑے اور معذور شخص کی بیوی بنا دی گئی تھی جو شاید اس کی فطری خواہشات کی تسکین بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ بے راہ رو ہو گئی۔ اس نے فتح خان سے ناجائز تعلق قائم کر لیا اور مجھ پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس سنگین سزا کے بارے میں، میں سن چکا تھا جو اسے اور فتح خان کو ناجائز تعلقات قائم کرنے کے جرم میں دی جاتی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کوئی دروازے کی جالی سے اسے دیکھ رہا ہے، وہ لپک کر پاس آئی تھی۔

''تو م.....!'' وہ خوشی سے بولی۔ ''تو م کو امارا خیال آیا، تم ام کو چوری چوری دیک رہا اے۔''

''میں نے ایسے ہی اندر دیکھ لیا تھا۔'' میں نے جلدی سے وضاحت کی۔

''اندر آ جاؤ.....ام کو پاس سے دیکھو۔'' اس نے بے باکی سے دعوت دی۔ ''ام کو معلوم اے.....ام کو مار دیا جائے گا۔ اگر تم ایک بار امارے پاس آ جاؤ تو ام خوشی سے مر جائے گا۔''

''تم پاگل ہو۔ موت کے سامنے کھڑے ہو کر ایسی باتیں کر رہی ہو؟''

''ام پاگل اے۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''دو سال سے ام ایک بڈھے کا خدمت کرتا۔ اس کا گو موت صاف کرتا اے.....اور ام خود ایسے ای اے.....ام عورت اے.....ام کو مرد چاہئے۔''

''میں تمہیں سمجھانے آیا ہوں۔ فتح خان سے تعلق سے انکار کر دو۔ اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ سارا الزام فتح ان پر ڈال دینا۔''

اس کی آنکھیں غصے سے دہک اٹھی تھیں۔ ''ام جوٹ نہیں بولے گا۔ ام فتح خان کا عورت اے۔ ام اس سے موبت کرتا اے۔ ام انکار نہیں کرے گا۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ اس وقت مجھے عورتوں کا تجربہ نہ ہونے کے برابر تھا لیکن بعد میں جب دنیا دیکھی تب بھی اتنی متضاد فطرت والی عورت میری نظر سے نہیں گزری۔ کہاں تو وہ میری قربت کے لئے مری جا رہی تھی اور کہاں فتح خان سے محبت کا یہ عالم کہ موت کا خوف بھی اسے فتح خان کی محبت سے انکار پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

''معاف کرنا، میرا خیال تھا تم اپنی زندگی سے محبت کرتی ہو۔''

''ام فتح خان سے محبت کرتا اے۔ اس پر ایسی ہزار جان قربان۔''

میں دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اس اثنا میں سامنے سے باہر والا محافظ اندر آیا۔ اس نے مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''ادھر کیا کر رہا تھا؟''

''کچھ نہیں۔ باہر جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کے پاس سے ہو کر باہر کی طرف جانے لگا۔ محافظ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنا اطمینان کرنے کے لئے دروازے کی جالی سے ہینا کی طرف دیکھا اور جب میں دروازے سے باہر نکل کر سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا تو وہ بدستور جالی سے اندر جھانک رہا تھا۔ میں مسکرا دیا۔ راجا عمر دراز کے محافظ بھی انسان تھے البتہ راجا کے خوف سے انہوں نے ہینا کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا تھا جو عام طور سے قیدی عورتوں کے ساتھ طاقت اور اختیارات کے نشے میں بدمست محافظ کرتے ہیں۔

باہر شام اتر رہی تھی اور آسمان پر بادلوں کے سبب ابھی سے اندھیرا چھا گیا تھا۔ لگتا تھا کسی وقت بھی زوردار بارش شروع ہو سکتی تھی۔ اِدھر اُدھر پھرنے کے باوجود مجھے نہ تو راجا اور نہ ہی اس کا سیکرٹری نظر آئے تھے۔ وہ دونوں نہ جانے کہاں غائب تھے۔ راجا کے بارے میں مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ میرا سامنا کرنے کے بجائے اس نے اپنے خاص کمرے تک محدود رہنا پسند کیا۔ کیونکہ وہ مجھے زبردستی روکنے والا تاثر نہیں دینا چاہتا تھا، یہ کام اس نے اپنے سیکرٹری سے لیا تھا۔ میں بور ہوتا رہا اور محل کی راہداریوں میں چکر لگاتا رہا۔ دو بار میں نے قہوہ بنوا کر پیا اور ایک عدد قیلے کا رول کھایا۔ تصویروں والی گیلری سے وہ تخیلاتی تصویر غائب تھی اور نوادرات والا کمرا مقفل تھا۔ اس کے مضبوط دروازے پر موٹا سا چمکیلا تالا لگا تھا۔ رات کا کھانا میں نے اکیلے کھایا۔ ڈائننگ ہال کی کھڑکیوں سے رہ رہ کر چمکنے والی بجلی باغ کے ماحول کو منور کر رہی تھی اور اس دوران میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ کھانے کے بعد میں نے کمرے میں جا کر سونے کا ارادہ کیا لیکن نہ جانے کیوں ایک بار پھر میں نے تہ خانے کا رخ کیا تھا۔ تہ خانے کے دروازے پر تعینات محافظ اپنی جگہ سے غائب تھا۔ میں مسکرایا، وہ یقیناً ہینا کے کمرے میں تاک جھانک کر رہا تھا۔ میں نے راہداری میں جھانکا۔ مگر وہ ہینا کے کمرے کے دروازے کے سامنے نہیں تھا۔ اس کے بجائے مجھے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ میں بے ساختہ آگے آیا تو کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا پا کر چونکا تھا۔ دروازہ کیوں کھلا تھا؟ میں نے خاموشی اور احتیاط سے اندر جھانکا۔ ہینا اپنے بستر پر کمبل اوڑھے سو رہی تھی۔ اس کا رخ دیوار کی طرف تھا۔ دروازہ باہر سے مقفل تھا اور ہینا کسی صورت اسے اندر سے نہیں کھول سکتی تھی۔ یہ کام دروازے والا محافظ ہی کر سکتا تھا لیکن وہ کہاں تھا؟ میں نے دروازہ کھولا۔ باقی کمرا خالی تھا۔ محافظ کہاں تھا اور ہینا اتنی بے فکری سے کیوں سو رہی تھی، کیا اسے دروازہ کھلنے کا علم نہیں تھا؟ میں بنا آہٹ کیے اس کے سرہانے تک آیا اور آہستہ سے کمبل اس کے سر سے سرکایا لیکن اندر سے جو سر برآمد ہوا وہ ہینا کا ہرگز نہیں تھا۔ ہینا کے سر پر سرخی مائل سنہری بال تھے اور یہ سیاہ اور چھوٹے مردانہ بال تھے۔ میں نے ایک جھٹکے سے کمبل اس پر سے پورا ہٹا دیا۔ کمبل تلے دروازے کا محافظ ساکت پڑا تھا۔ میں نے اسے سیدھا کیا تو اس کے سینے پر خون پھیلا نظر آیا اور یہ خون ایک سوراخ سے نکل کر مزید پھیل رہا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔

محافظ کی کھلی آنکھیں بے نور تھیں لیکن زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ اسے مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ میں نے چونکنا ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ حالانکہ کمرے بلکہ راہداری میں بھی کوئی نہیں تھا۔ پہرے دار کی رائفل غائب تھی۔ مجھے یاد تھا کہ اس پر سنگین لگی تھی اور شاید یہی سنگین اس کے سینے میں اتاری گئی تھی۔ کس نے اتاری تھی، یہ سمجھنا بھی دشوار نہیں تھا۔ یہ یقیناً ہینا کا کام تھا، اس نے کسی طریقے سے پہرے دار کو اندر بلا لیا تھا۔ وہ بے باک فطرت رکھتی تھی اس کے لئے کوئی بھی حربہ استعمال کرنا ممکن تھا۔ ممکن ہے اس نے خود کو بے باک انداز میں پہرے دار کو دکھایا ہو اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے اندر چلا گیا ہو۔ موقع پا کر ہینا نے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی سنگین اس کے پہلو میں اتار دی ہو۔

میں کمرے سے نکلا۔ پہلے میں نے اوپر جا کر شور مچانے کا سوچا لیکن پھر اندر کی طرف بڑھ گیا حالانکہ یہ حماقت تھی۔ میں نے اتنا سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اگر ھینا نے محافظ کو مارا تھا تو وہ نہ صرف مسلح تھی بلکہ اس پر خون بھی سوار تھا۔ دوسرے وہ قید فتح خان کی طرف گئی تھی۔ اگر اس نے فتح خان کو بھی آزاد کرا لیا تو یہ سونے پر سہاگے والی بات ہو جاتی۔ وہ بھی میرا کم دشمن نہیں تھا۔ حسب توقع تفتیشی کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ میرے اندر سنسنی کی لہری دوڑ گئی تھی۔ اگر ایک احمقانہ سی مہم جوئی نے مجھے اسیر نہ کر رکھا ہوتا تو میں پلٹ کر اوپر کی جانب دوڑ لگا چکا ہوتا۔ ڈرتے ڈرتے میں نے تفتیشی کمرے میں جھانکا۔ فتح خان جس جگہ بندھا تھا اسے خالی دیکھ کر مجھے دھچکا لگا تھا۔ ھینا اپنا کام کر گئی تھی لیکن نہیں، مجھے ایک کرسی کے پیچھے سنہری مائل بالوں کی جھلک نظر آئی تھی۔ میں اندر آیا تو ایک کونے میں جلاد کو خونچکاں حالت میں دیوار کے ساتھ ڈھیر پایا۔ اس کے جسم پر کئی سوراخ تھے جن سے خون ابل رہا تھا۔ نہ جانے اسے سنگین ماری گئی تھی یا گولیاں کیونکہ میں نے فائرنگ کی آواز نہیں سنی تھی۔ میرا اندیشہ درست نکلا۔ وہ ھینا ہی تھی جو تڑی مڑی گڑیا کی طرح زمین پر پڑی تھی۔ اس کی گردن عجیب سے زاویے پر زیادہ ہی گھوم گئی تھی۔ عام طور سے گردن اتنا نہیں گھومتی ہے۔ وہ بھی مر چکی تھی۔ اگر جلاد کو ھینا یا فتح خان نے مارا تھا تو ھینا کو کس نے مارا تھا، فتح خان نے..... وہی ایک فرد تھا اس تہ خانے میں جس کی لاش نظر نہیں آئی تھی۔ معاً مجھے اپنے عقب سے کھٹکے کی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ دروازے پر فتح خان کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل اور چہرے پر وحشیانہ قسم کے تاثرات تھے۔

☆======☆======☆

مین روڈ پر آنے کے بعد میں نے سیدھا چلنے کے بجائے گلیوں میں گھسنا زیادہ مناسب سمجھا تھا۔ ایک تو سڑک پر بے پناہ رش تھا۔ میں پھنس جاتا، دوسرے سگنل تھے۔ ایک ریڈ سگنل مجھے پکڑوا دیتا۔ ندیم کا اندیشہ اتنی جلدی حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ جائے گا، یہ میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ مختلف گلیوں میں گھسنا اور تیز رفتاری سے ڈرائیو کرنا آسان نہیں تھا لیکن یہاں میں موبائل وین کو چکر دے سکتا تھا۔ ذرا آگے ایک پارک تھا اس کے گرد گھوم کر جاتا تو ایک راستہ پیر بدھائی کی طرف نکلتا تھا۔ لیکن پولیس وین کا ڈرائیور بھی کم ماہر نہیں تھا۔ اس نے اپنی کھٹارا سی وین کامیابی سے میرے پیچھے لگا رکھی تھی۔ اگرچہ گلیوں میں جلدی جلدی مڑنے کی وجہ سے درمیانی فاصلہ بڑھ رہا تھا۔ ہونڈا کارنی اور طاقتور انجن سے لیس تھی۔ اس کے ریڈیل ٹائر سڑک اور زمین کو اچھی طرح گرپ کر رہے تھے۔ میں رفتار زیادہ کم کئے بغیر موڑ کاٹ رہا تھا جبکہ پولیس وین کو رفتار خاصی سست کرنی پڑتی تھی۔ اس ترکیب سے میں وین سے فاصلہ اس حد تک بڑھا رہا تھا کہ ایک بار نظروں سے اوجھل ہو کر پیر بدھائی والے راستے کی طرف نکل جاؤں۔ دو تین بار برق رفتاری سے مختلف گلیوں کے چکر کاٹنے کے بعد عقبی آئینے میں پولیس وین غائب ہو گئی تھی۔ موقع غنیمت جان کر میں نے پارک کا چکر لگایا اور اس کے عقبی راستے سے پیر بدھائی کی طرف روانہ ہو گیا جو اس پورے علاقے میں روڈ ٹرانسپورٹ کا مرکز تھا۔ راستے میں، میں نے کہیں بھی مین سڑک سے پاؤں نہیں ہٹایا تھا اور جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ پولیس وین اب میرے پیچھے نہیں ہے تو میں ندیم کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ مری ہائی وے کے نزدیک ایک اسکیم میں رہتا تھا۔ اس نے ذاتی بنگلا لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا تھا اور اسے شاندار پیمانے پر آراستہ کیا تھا۔ ملازمت اس کی ضرورت نہیں تھی۔ بس شوقیہ کرتا تھا۔ پیچھے سے دولت مند خاندان سے تھا۔ اس کے بڑے بھائی کرنل عمیر شایان سے میری اچھی سلام دعا تھی وہ شجاع بھائی کے دوست بھی تھے۔ انہوں نے کاکول میں تقریباً ایک ہی وقت میں کورس کیا تھا۔

اس وقت سفیر دفتر میں ہوتا لیکن اس نے چوبیس گھنٹے کے لئے ایک ملازم رکھا تھا۔ جو نہ صرف کھانا بناتا تھا بلکہ گھر کے سارے کام کرتا تھا۔ سفیر اسے اپنے گاؤں سے لایا تھا۔ نام اس کا معصوم تھا اور صورت شکل سے بھی خاصا معصوم لگتا تھا۔ اس نے کال بیل کے جواب میں گیٹ کھولا تو میں کار اندر ہی لے گیا تھا۔ معصوم مجھے بے وقت دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ ''شوبی صاحب، آپ اس وقت..... صاحب تو.....''

''اسے گولی مارو اور مجھے اندر لے چلو۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے وہ اپنے سرکاری بل میں گھسا ہوگا اور ہاں، کھانے کو کچھ نکالو۔ اگر اگلے پندرہ منٹ میں مجھے کچھ کھانے کو نہ ملا تو میری وفات کی ذمے داری تم پر ہو گی۔''

عقلمند معصوم نے پھر کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اندر آ کر میں صوفے پر گر گیا تھا۔ معصوم نے پہلے ٹھنڈا پانی پیش کیا اور چکن سینڈوچز کی نوید سنائی جو سینڈوچ میکر میں بن رہے تھے۔ پانی پی کر میں نے اس سے فون طلب کیا۔ ''کارڈلیس لا دو مجھے۔''

میں نے سب سے پہلے ندیم سے رابطہ کیا تھا، وہ گھر پہنچ چکا تھا۔ ''تو کہاں ہے بغفور؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''تیرے گھر کے نزدیک ہی ہوں، سفیر کے ہاں۔''

''وہیں رہنا..... میں تیری جیپ ٹھکانے لگا کر آ رہا ہوں۔'' اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ میں نے گالی دے کر دوبارہ نمبر ملایا۔

''اُلو کے پٹھے، دوسروں کی تو سن لیا کر۔ تیرے جاتے ہی وہ تیرے ہم پیشہ آ گئے تھے۔ پولیس وین میں، اکرم چشتی بہ نفس نفیس موجود تھا۔ ان سے چھٹکارا پانے کے لئے مجھے تیری کار بڑی بے دردی سے استعمال کرنا پڑی۔''

''کیا.....؟'' وہ چلایا۔ ''ٹوٹے کہیں ماری تو نہیں؟''

''نہیں، ماری تو نہیں..... باقی دوڑائی خوب تھی۔''

''پھر خیر ہے، پولیس والوں نے یقیناً نمبر دیکھ لیا ہوگا۔ خیر، اب میں فوراً آ رہا ہوں، جیپ تیرے پاس چھوڑ کر کار لے جاؤں گا۔''

دوسرا نمبر میں نے سفیر کا ملایا۔ وہ دفتر میں ہی تھا۔ اسے صبح سے اب تک پیش آنے والے واقعات کی سمری سنا کر اسے فوری طور پر گھر آنے کو کہا۔

''ابھی نہیں آ سکتا۔'' وہ بولا۔ ''دس منٹ بعد میٹنگ ہے، میں ڈیڑھ گھنٹے بعد آؤں گا۔''

''تیری مرضی..... بھلے کل آ۔'' میں نے نمبر کاٹ کر اگلی کال مونا کو کی، وہ بھی دفتر میں تھی۔

''شوبی! کیا چکر ہے، میں نے تمہارے دفتر فون کیا تھا۔ وہ بتا رہے ہیں کہ تمہیں پولیس لے گئی تھی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں اور اب میں باضابطہ مفرور ہوں۔ مجھ سے سفیر کے ہاں مل سکتی ہو۔"

"میں آ رہی ہوں۔" مونا بولی۔

"ہاں آ جاؤ، سب مل کر ایک متفقہ بات طے کر سکیں گے تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو۔ میں ندیم کو بھی بلوا لوں گا۔" میں نے کہا اور معصوم کو ٹرے لاتے دیکھ کر مونا کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ معصوم کے ہاتھ میں ذائقہ تھا جو چیز بناتا لاجواب بناتا تھا۔ ٹرے خالی ہوتے ہوتے پیٹ بھر گیا تھا لیکن نیت نہیں بھری تھی، ابھی میں معصوم کو مزید سینڈوچز کا آرڈر دینے کا سوچ رہا تھا کہ ندیم نازل ہو گیا۔ وہ بے حد عجلت میں تھا۔ "چابی دے۔ مجھے فوراً جانا ہے۔ یہ اکرم چشتی ایک نمبر کا حرامی ہے۔ جیسے ہی اسے پتا چلے گا کہ کار میری ہے، وہ سیدھا میرے گھر کا رخ کرے گا۔ ابھی مجھے کار دھونی بھی ہے تُو نے اچھی طرح گندی کی ہے۔"

میں نے اسے چابی دی۔ "میری پیاری جیپ کہاں ہے، تم نے اسے سلیقے سے استعمال کیا ہے؟"

"پیاری جیپ!" ندیم نے قہقہہ مارا تھا۔ "اس جیپ کے لئے لفظ پیاری ایسا ہی ہے جیسے کوئی گینڈے کو ہرن کہہ دے۔ اس ہاتھی کا کسی نے کیا بگاڑنا ہے اور ایک بات تُو بھول رہا ہے۔ جیپ سلیقے، طریقے سے استعمال کے لئے ایجاد نہیں ہوئی ہے اسے اندر کر لے..... ایسا نہ ہو کسی پولیس والے کی بدنظر پڑ جائے اور تجھ سے اگلی ملاقات حوالات میں ہو۔"

"وکیل ہے ناں..... غلطی سے بھی اچھی بات نہیں کرے گا۔" میں نے اس کے ساتھ باہر جاتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنی کار لی اور روانہ ہو گیا۔ میں نے جیپ اندر کی اور معصوم سے کہا کہ اس کا کور نکال کر اسے ڈھک دے، کہیں ندیم کی یہ بات بھی درست ثابت ہو اور کوئی پولیس والا سچ مچ جھانک جائے۔ منہ ہاتھ دھو کر میں نے پیروں پر رسّی سے پڑنے والی خراشوں پر مرہم لگایا اور نشست گاہ میں آ کر ٹی وی آن کر لیا۔ ریموٹ سے چینل گھمانے لگا۔ میرے اندر ایک اضطرابی کیفیت جاری تھی اور مجھے سفیر اور مونا کا انتظار تھا، پہلے مونا آئی۔ اس کی کار کا منفرد ہارن سن کر میں نے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ وہ اپنی دلہن جیسی لال رنگ کی کار سے اتر رہی تھی۔ معصوم نے جا کر دروازہ کھولا اور وہ اس کی کسی بات پر ہنستی ہوئی اندر آئی۔ معصوم کے دانت بھی نکلے ہوئے تھے۔ میں نے دل میں کہا۔ "بچے، خوب مسکرا لے..... یہی جب مالکن بن کر آئے گی تو ساری بتیسی اندر چلی جائے گی۔"

"شکر ہے، تم یہاں ہو۔" مونا نے مسکرا کر کہا۔ "ورنہ لگ رہا تھا جیل میں ملاقات ہو گی۔"

"ہوئے، دوست تم جس کے..... دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟" میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔

وہ ہنسی۔ "ایک بار پولیس اسٹیشن کیا گئے شاعری کرنے لگے۔"

"پھر عرض کیا ہے، میں شاعر تو نہیں، مگر اے حسیں، جب سے دیکھا ہے تمہیں کو، مجھ کو شاعری آ گئی۔"

"خدا خیر کرے..... کہیں ڈرائنگ روم سے تو نہیں ہو آئے؟"

"تقریباً....." میں نے اعتراف کیا۔ "جب مجھے ہوش آیا تو میں الٹا لٹکا تھا اور مرچوں کی دھونی کی تیاری کی جا رہی تھی۔ ندیم بروقت آیا تھا۔"

"جناب، بے ہوش کیسے ہوئے تھے؟"

مونا کے سوال پر میں نے ملاحظے کے لئے سر پیش کیا۔ "یہ جو گومڑ آپ کو نظر آ رہا ہے، یہ پیدائشی نہیں ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلکہ اس خبیث انسپکٹر کی دست درازی کا نتیجہ ہے جو میرا دشمن ہو رہا ہے۔ اس سے بچ کر اور ایک خطرناک کار چیزنگ کے بعد میں صحیح سالم یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"کار کس کی تھی؟"

"ندیم کی..... ورنہ جیپ میں تو پکڑا جاتا۔ چھوٹی گلیوں میں چکر دینا پڑا تھا۔"

"لیکن باہر تو جیپ کھڑی ہے۔" مونا نے اعتراض کیا۔

"ندیم دے گیا ہے، اسے اپنی نئی نویلی کار کی فکر تھی۔"

مونا کچھ دیر چپ رہی پھر متفکر لہجے میں بولی۔ "شوبی مجھے پریشانی ہے۔ یہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔ جس کے پیچھے پڑ جائیں اسے تباہ کر کے دم لیتے ہیں۔"

"وہ تو ہے لیکن یار، میں نے جان بوجھ کر تو ان سے پنگا نہیں لیا ہے۔"

"پولیس کے ذریعے اس حد تک جا کر غیر قانونی کارروائی کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ تمہارے لئے کتنے شدید جذبات رکھتے ہیں۔ شوبی میرا مشورہ ہے کچھ عرصے کے لئے سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

"اور اپنے بزنس کا بیڑا غرق کر لوں؟"

"بزنس زندگی سے زیادہ ضروری نہیں ہوتا ہے، اس دوران میں ندیم تم پر سے حادثے والا الزام ختم کرا دے گا ایک بار قانونی چکر ختم ہو تو پھر ان سے بات کی جا سکتی ہے۔"

"وہ بات سننے والے لوگ نہیں ہیں۔"

"یہ تو ہے لیکن الیکشن قریب ہیں اور اس دوران میں وہ اپنے خلاف کوئی اسکینڈل کھڑا کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

میں نے صوفے پر گر کر سر تھام لیا تھا۔ "میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ کل رات سے ایک بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں جو ختم ہی نہیں ہو رہا ہے۔"

مونا میرے پاس آ بیٹھی۔ "فکر نہ کرو..... ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ کسی بھی مشکل میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تم جیسے اچھے دوست دیئے ہیں ورنہ میرے....." میں بولتے بولتے رک گیا تھا۔ خاندان والوں سے میں برسوں سے لاتعلق تھا۔ انہیں میرے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی اور نہ میں دوبارہ حویلی گیا تھا۔ اب مونا، سفیر اور ندیم ہی میرا خاندان تھے، میرے ہر دکھ سکھ میں یہی شریک ہوتے تھے۔ ندیم کی بیوی شازیہ بہت اچھی عورت تھی، ہم سب سے بڑی بہن کی طرح پیش آتی تھی۔ وہ مونا اور سفیر کے پیچھے پڑی رہتی تھی کہ اب وہ شادی کر لیں اور ضد کا پکا نہ کھیل بند کریں، وہ اسے ٹالتے رہا کرتے تھے۔ کھانے کے بعد خمار سا طاری ہو رہا تھا۔ رات کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی تھی پھر صبح سے جن اعصاب شکن تجربات سے گزرا تھا، مجھے خود بخود نیند آ گئی۔ صوفے پر ہی سو گیا تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ کب مونا نے میرے جوتے اتار کر مجھے صوفے پر سیدھا کر دیا تھا۔ آنکھ کھلی تو تاریکی چھا چکی تھی۔ ڈرائنگ روم کی روشنیاں بند تھیں لیکن ڈائننگ روم سے روشنی آ رہی تھی اور ساتھ ہی سفیر اور مونا کے بات کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ میں نے انگڑائی لی اور معصوم کو آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی۔

''کیا بات ہے؟'' مونا چلی آئی تھی۔ ''معصوم بازار گیا ہے۔''

''میرے اندر ایک کپ چائے ڈالو تاکہ میں کام کا آدمی بن سکوں۔''

''چائے بن رہی ہے، تم منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔''

سفیر نے آ کر روشنیاں جلائیں۔ ''یہ دیکھو، یہ مفرور یہاں چھپا ہے۔''

''اگر پولیس نے مجھے یہاں سے برآمد کر لیا تو بھی اعانتِ مجرمانہ میں اندر ہو گا۔''

''مونا مجھے بتا چکی ہے لیکن میں ایک بار پھر تیری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔'' سفیر بولا۔

''ایک منٹ میں چائے لے کر آ رہی ہوں۔'' مونا کچن سے چلائی۔ ''اس وقت تک بولنا مت۔''

سفیر نے دانت نکال دیے۔ ''جذبہ دیکھو، حالانکہ سب تم سے سن چکی ہے۔''

مونا چائے لے کر آئی تو میں نے صبح سے اپنی کہانی کا آغاز کیا، جب اکرم چشتی کا رُدِ منحوس نظر آیا تھا، درمیان میں صرف مونا کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے رکا تھا جسے بات بات پر اعتراض ہوتا تھا کہ یہ بات تو میں نے بتائی نہیں تھی۔ میں نے بھنا کر کہا تھا۔ ''اب تم نے کچھ کہا تو میں سفیر کو لے کر چھت پر چلا جاؤں گا۔''

''میں وہاں پر بھی آ جاؤں گی۔'' مونا بولی۔ ''اور احتجاج کرنا میرا حق ہے۔ تم نے آدھی باتیں بتائی ہی نہیں تھیں۔ کیا میں سفیر سے کم سمجھ ہوں۔ اگر یہ سترہ گریڈ کا ہے تو میں بھی اسی درجے کی افسر ہوں۔''

''خدا کے لئے..... اپنی افسری دفتر کے لئے اٹھا کر رکھو۔'' میں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''مجھے اپنی بات پوری کرنے دو۔ ایسا نہ ہو کہ ندیم آئے تو مجھے پھر سے سنانی پڑے۔''

''وہ تو سنانی پڑے گی۔'' ندیم نے اندر داخل ہوتے ہوئے اعلان کیا۔ ''اور ان لوگوں کو سنانے سے فائدہ..... یہ کیا کر سکتے ہیں۔'' اس نے حقارت سے مونا اور سفیر کی طرف دیکھا۔ ''کسی کیس میں اندر ہو جائیں تو ضمانت بھی نہیں کرا سکتے۔''

''ندیم بھائی!'' مونا نے پُرزور احتجاج کیا۔ ''اب ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں۔''

''مجھے پتا ہے بی بی! ذرا کچن سے ایک کپ میرے لئے بھی لانا۔''

مونا خراب موڈ کے ساتھ واک آؤٹ کر گئی اور مجھے نئے سرے سے شروع کرنا پڑا۔ مونا چائے بنا کر لائی تو ماحول ذرا چکا لیکن جلد معمول پر آ گیا۔ میری داستان ختم ہوتے ہوتے وہ سب بے حد سنجیدہ ہو گئے تھے۔

''یار! تیرا مسئلہ خطرناک ہے۔'' ندیم نے کہا۔ ''اکرم چشتی تو سامنے کا بندہ ہے۔ اصل میں ایک ایس ایس پی ان لوگوں کی حمایت کر رہا ہے۔ الیکشن میں کامیابی کی صورت میں اسے ڈی آئی جی بنانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر تو ان کے ہاتھ آ گیا تو تجھ پر مزید کیس بن سکتے ہیں۔''

''ضمانت قبل از گرفتاری ہو سکتی ہے؟''

''مشکل ہے..... اس کے لئے تجھے عدالت تک جانا پڑے گا اور پولیس تیری تاک میں ہو گی۔ عدالت میں جانے سے پہلے تجھے دبوچ لے گی۔ تجھے کچھ عرصے کے لئے منظرِ عام سے غائب ہو جانا چاہئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بھی یہی کہہ رہی تھی۔''

''میں اپنا بزنس.....''

''اوہ، میرے چندا! بزنس بھی چلتا رہے گا۔'' ندیم نے پچکار کر کہا۔ ''ہم دیکھ بھال کر لیں گے۔ تیرا پولیس کی گرفت سے باہر رہنا ضروری ہے۔ تیری تلاش پوری سرگرمی سے جاری ہے۔''

''پولیس آئی تیرے گھر؟'' میں نے پوچھا۔

''آیا تو تھا وہ خبیث اکرم چشتی.....اس وقت میں اپنی کار دھو رہا تھا۔ اس نے آتے ہی پہلا سوال کیا کہ میں کار کیوں دھو رہا ہوں؟ جواب میں، میں نے جو کہا وہ مونا بی بی کے سامنے نہیں کہہ سکتا کبھی بعد میں بتاؤں گا بہرحال وہ میرے سر ہو گیا کہ شہباز احمد نامی مجرم میری کار میں فرار ہوا تھا، میں نے کار کے چاروں دروازے اور ڈکی کھول دی کہ اس میں کہیں شہباز احمد ہے تو اسے برآمد کر لے۔ جب اس نے زیادہ بحث کی تو میں نے کہہ دیا ہم قانونی آدمی ہیں اور وہ کوئی وارنٹ لایا ہے تو پیش کرے ورنہ اپنی راہ لے۔''

''تجھے بھی دھمکا رہا تھا؟'' سفیر بولا۔

ندیم نے قہقہہ مارا ''پیارے، اپن کچی گولیاں نہیں کھیلے.....اس نے ڈرایا تھا لیکن ہم نے بھی عدالتوں میں جھک نہیں ماری ہے۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ جا کر میرے خلاف ایف آئی آر درج کرا دے۔ ملاوٹ بات کی تو عدالت میں کھینچ لوں گا۔''

''مجھے نہیں لگتا وہ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑے گا۔''

''اصل میں اسے اوپر سے ڈنڈا ہے، معذرت کے ساتھ۔'' ندیم نے مونا کی طرف دیکھا۔ ''وہ پوری کوشش کرے گا۔ شہباز، تو یہاں بھی محفوظ نہیں ہے۔ ایک زمانہ جانتا ہے تم دونوں دوست ہو۔ سفیر کا پتا تلاش کر.....میں اسے چند گھنٹے لگیں گے۔''

''تب یار.....! میں کہاں جاؤں؟ اور تو کوئی جاننے والا نہیں ہے اور ہوٹل میں بھی نہیں ٹھہر سکتا پولیس وہاں بھی چیک کرے گی۔''

''کچھ فاصلے پر مری سے پہلے ایک کاٹیج ہے۔ مری ہائی وے سے ذرا اندر پڑتا ہے۔ میں نے چند مہینے پہلے تیری بھابی کے نام سے لیا تھا۔ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا، تو وہاں رُوپوش رہ سکتا ہے مگر وہاں بجلی، گیس نہیں ہے۔ پانی بھی چشمے سے لانا پڑتا ہے۔ سمجھ لے بالکل جنگلی کیبن ہے۔''

''وہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن میں وہاں کب تک رُوپوش رہوں گا؟''

''جب تک میں تیرے خلاف الزام ختم نہیں کرا دیتا۔'' ندیم نے جواب دیا۔ ''اس معاملے کو آسان نہ سمجھ۔ اگر مدعی بااثر ہو تو معمولی سا کیس بھی انسان کے گلے پڑ جاتا ہے۔ میں نے ایک گیراج والے سے بات کی ہے، تیری جیپ اس کے ریکارڈ میں ایک ہفتے تک زیرِ مرمت رہی ہے اور کل ہی تجھے ملی ہے۔ ساری رسیدیں وہ دکھا لے گا۔ جی دار آدمی ہے، پولیس کا مقابلہ بھی کر لے گا۔''

''تب ہمیں فوری طور پر روانہ ہو جانا چاہئے۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''اس سے پہلے کہ پولیس سفیر کے گھر تک آئے اور یہ بھی چکر میں پڑ جائے اور ہاں، میں نے اکرم چشتی کے سامنے انکار کیا تھا کہ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں یا کوئی بھی میرے ساتھ تھا لہٰذا خیال رکھنا اور سفیر، مونا کا خیال رکھنا۔ وہ حرام زادہ نادر علی اس کے بارے میں عزائم رکھتا ہے۔"

"ہم بھی چل رہے ہیں۔" مونا بولی۔

"نہیں، تم ندیم کے ساتھ اس کے گھر جاؤ۔ سفیر یہاں رہے گا۔ یہ غائب ہوا تو اس پر بلاوجہ شک کیا جائے گا۔" میں نے کہا۔ "میں اپنی جیپ میں چلتا ہوں۔"

"پہلے ہم تجھے کیبن تک چھوڑیں گے۔" ندیم نے کہا۔ "ضروریات کا کچھ سامان بھی لینا ہے۔"

"مجھے ایک ساری رات کھلے رہنے والے اسٹور کا پتا ہے۔" مونا بولی۔

"بی بی! مجھے بھی پتا ہے۔" ندیم نے کہا۔ "شہباز اپنی جیپ لے کر نکل، سات آٹھ کلومیٹر بعد دائیں طرف ایک سڑک اوپر کی طرف نکل رہی ہوگی، یہ راستہ آگے جا کر پھر ہائی وے سے مل جاتا ہے، اس کے ساتھ نیلے رنگ کا بورڈ ہوگا۔ اس سڑک پر ایک کلومیٹر اندر جا کر رک جانا، ہم پیچھے سے سامان لے کر آ رہے ہیں۔"

خطرے کے احساس کی وجہ سے ہم تیزی سے حرکت میں آئے تھے۔ اگر کیس معمول کے مطابق ہوتا تو شاید میں خود گرفتاری دے دیتا۔ میں نے ہمیشہ قانون کا احترام کیا تھا لیکن یہاں تو قانون کے رکھوالے مجرموں کے ساتھ مل کر میری ہڈیاں توڑنے کے درپے تھے۔ اگر میں گرفتاری دے دیتا تو میرے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جاتا۔ اس کا ایک نمونہ دیکھتے دیکھتے رہ گیا تھا۔

رات دس بجے کے قریب ہم نکلے تھے، کھانا کسی نے بھی نہیں کھایا تھا۔ ندیم نے بتایا کہ کیبن میں خاصا سامان تھا اور انتہائی ضرورت کی چند اشیاء کے ساتھ صرف کھانے پینے کا سامان لے کر جانا تھا۔ میں جیپ مناسب رفتار سے چلاتا مطلوبہ مقام کی طرف روانہ ہو گیا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ندیم نے مجھے کاغذ پر نقشہ بھی بنا کر دے دیا تھا تاکہ میں راستہ نہ بھٹکوں۔ میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے حالات پر غور کرتا رہا۔ اچانک میرا سیل فون بجا۔ میں اسلام آباد کی حدود میں تھا اس لئے سگنل آ رہے تھے۔ جیپ ایک طرف روک کر میں نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے ایک بھاری اور اجنبی آواز سنائی دی۔

"تم شہباز احمد ہو؟"

"ہاں..... اور تم کون ہو؟"

"میرا نام مرشد علی عباسی ہے، میں....."

"میں جان گیا، تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو بلاوجہ۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر تلخی سے کہا تھا۔

"بلاوجہ نہیں..... تم نے میرے بھائی کی جیپ کو ٹکر ماری تھی، اس حادثے میں وہ مر بھی سکتا تھا۔"

"اگر تمہارے پاس آنکھ اور عقل ہے تو اس کی جیپ کا معائنہ کر لو۔ اس پر پیچھے کی جانب ایک خراش بھی نہیں ہوگی۔ تمہارا بھائی الٹا میری جیپ کو پیچھے سے ٹکر مار کر سڑک سے گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو میں مارا جاتا۔"

"اگر یہ بات ہے تو تم قانون سے بھاگ کیوں رہے ہو؟ خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

"میں قانون سے نہیں، تمہارے زر خرید کتوں سے بھاگ رہا ہوں جو مجھے تشدد کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے غصے سے کہا تھا۔

''شہباز احمد! تم بھاگ نہیں سکتے۔'' مرشد علی نے رعونت سے کہا۔ ''تم کاروباری آدمی ہو، اپنا کاروبار چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔ ایسا کرو، ایک بار مجھ سے ملاقات کرو۔ میں نادر کو تمہارے سامنے بٹھا کر تصفیہ کرا دیتا ہوں۔ اس طرح بھاگنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔''

''میں تمہاری اس آفر پر غور کروں گا۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ بلکہ موبائل آف کر دیا۔ مرشد علی سے گفتگو میں خاصا وقت ضائع ہوا تھا، دوسرا خدشہ مجھے یہ تھا کہ کہیں پولیس اس کال کی مدد سے مجھے ٹریس نہ کر لے۔ میں فوری طور پر روانہ ہو گیا اور اس بار میں نے خاصی تیز رفتاری سے جیپ چلائی۔ پونے گیارہ بجے میں مطلوبہ موڑ تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے کاغذی نقشے سے موازنہ کیا۔ اگرچہ تاریکی میں درست طور پر نظر نہیں آ رہا تھا پھر بھی مجھے یہی موڑ لگا جو ندیم کے کیبن تک جاتا تھا۔ موڑ کے ساتھ نیلے رنگ کا اشارے والا بورڈ بھی لگا تھا۔ اللہ کا نام لے کر میں نے جیپ اسی راستے پر موڑ دی۔ سڑک خاصی ڈھلوان تھی اور مزید بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ میری جیپ کے ڈیش بورڈ میں ایک آلٹی میٹر بھی لگا تھا۔ اس وقت میں پانچ ہزار دو سو فٹ کی بلندی پر تھا لیکن ایک کلو میٹر دور جاتے جاتے میں پونے چھ ہزار فٹ کی بلندی پر آ گیا تھا۔ احتیاطاً میں نے جیپ ایک کلو میٹر سے پہلے روک دی تھی۔ یہاں مجھے ندیم کا انتظار کرنا تھا۔ شاپنگ کر کے اسے اور مونا کو آدھا پون گھنٹے میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔

یہ سڑک خاصی تنگ تھی۔ اس کے ایک طرف بلندی کی طرف جاتی ڈھلان تھی اور دوسری طرف نشیب کو جاتی ڈھلان۔ انہیں پہاڑ یا کھائی نہیں کہہ سکتے تھے۔ دونوں طرف چیڑ کے بلند و بالا درخت تھے۔ ان کے پھل پک کر جھڑ رہے تھے۔ مجھے فکر تھی کہ سامنے سے کوئی بڑی گاڑی نہ آ جائے۔ اس صورت میں مجھے وہاں تک جیپ پیچھے لے جانی پڑتی جہاں تک اتنی کشادہ سڑک نہیں آ جاتی، جس سے دونوں گاڑیاں برابر سے گزر سکیں۔ رات خنک تھی اور اس بلندی پر اچھی خاصی سردی ہو رہی تھی لیکن میں انتظار سے تنگ آ کر جیپ سے اتر آیا اور سڑک پر ٹہلنے لگا۔ مگر جلد مجھے اوس کی وجہ سے دوبارہ جیپ کے اندر جانا پڑا۔ اس جگہ سے اسلام آباد کی روشنیاں جھلک رہی تھیں۔

اچانک مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی مجھے گھور رہا ہے۔ کہیں سے چھپ کر دیکھ رہا ہے۔ اردگرد تاریکی تھی اور اگر کوئی مجھے درختوں میں چھپ کر دیکھ بھی رہا تھا تو میرے لئے ناممکن تھا کہ میں اسے دیکھ لیتا۔ اچانک ہی کوئی سایہ سا تیزی سے سڑک سے گزرا۔ وہ بلندی سے نشیب والی سمت گیا تھا۔ میں کوشش کے باوجود اس کے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکا۔ وہ انسان بھی ہو سکتا تھا اور کوئی جانور بھی۔ اس علاقے میں گیدڑ، لومڑی اور بندر عام ملتے تھے۔ کبھی کبھی بھیڑیے اور ریچھ بھی اس طرف آ نکلتے تھے۔ اگر یہ جانور تھا، ریچھ کے علاوہ تو میں جیپ میں ہی محفوظ تھا۔ لہٰذا میں نے جیپ سے نیچے اترنے کی کوشش نہیں کی، میرے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ندیم سے کوئی ہتھیار، کوئی پستول، مہیا کرنے کے لئے کہوں گا۔ میرے پاس پستول اور رائفل کا لائسنس تھا لیکن میں نے کبھی اسلحہ نہیں لیا تھا۔ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ پونے بارہ بج چکے تھے اور ندیم اب تک نہیں آیا تھا۔ میں نے سیل فون نکالا لیکن اس کے سگنل نہیں تھے۔ ویسے بھی یہ جگہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آبادی سے خاصے فاصلے پر تھی۔ ناچار صبر کر کے بیٹھ گیا۔ کوئی بارہ بجے کے قریب نیچے سے روشنی لہرائی تھی۔ کوئی گاڑی اس سڑک کی طرف گھومی تھی۔ میں سنبھل رک بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ کر کے عقبی روشنیاں جلائی تھیں۔ چند منٹ بعد ندیم کی کار میرے عقب میں آ کر رکی۔ میں پہلے ہی اتر چکا تھا۔

''بہت جلدی آ گئے؟'' میں نے بھنا کر کہا تھا۔ ''انتظار کرتے کرتے میرا حشر ہو گیا۔''

''صبر میرے چاند، صبر..... دیر کی وجہ بھی ہے۔ سامان اکٹھا کرتے کرتے وقت ہو گیا تھا، آ کر میرے ساتھ سامان نکلوا۔''

''دوبارہ سامان نکالنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک ہی بار لے جائیں گے۔'' میں نے اعتراض کیا۔

''ایک تو کیبن یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ دوسرے میری کار کیبن تک نہیں جا سکتی۔ اس کے لئے جیپ چاہئے۔ میں خود جب بیوی بچوں کے ساتھ پکنک منانے آتا ہوں تو اپنے سالے کی جیپ لے کر آتا ہوں۔''

''مونا کہاں ہے؟'' میں نے کار کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔

''میں یہاں ہوں۔'' مونا نے کار کے اندر سے کہا۔ ''یہاں تو بہت سردی ہے۔ ہمیں ایک کمبل بھی لانا چاہئے تھا۔''

''کیبن میں کمبل بھی ہے اور آتش دان بھی، جلانے کے لئے لکڑیاں آس پاس سے بہت مل جائیں گی۔'' ندیم نے ایک بڑا سا شاپر کار کی ڈگی سے نکالا۔ میں نے جیپ کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔

''کیا سارے مہینے کا راشن لے آئے ہو؟'' میں نے کہا۔

''نہیں، ضرورت کا سامان ہے۔''

چند منٹ میں کار سے شاپرز جیپ کے عقبی حصے میں منتقل کر دیئے گئے۔ سردی سے کانپتی مونا بھی عقبی نشست میں گھس گئی تھی۔ ''اب کہاں چلنا؟'' میں نے جیپ اسٹارٹ کی۔

''ذرا آگے بلندی پر ہے کیبن۔ ہم تجھے وہاں چھوڑ کر پیدل واپس آ جائیں گے۔''

''ہم نہیں صرف آپ۔'' پیچھے سے مونا بولی۔ ''میں اتنی سردی اور اندھیرے میں نہیں آ سکتی۔ آپ نیچے آ کر کار لے آیئے گا۔''

''بی بی! اتنے نخرے تو میں نے کبھی بیوی کے بھی نہیں سہے۔'' ندیم نے ہنس کر کہا۔ ''جیپ ادھر موڑ لے۔''

''ادھر کہاں، ان جھاڑیوں میں.....؟'' میں نے خفگی سے کہا۔

''جھاڑیاں بڑھ گئی ہیں ورنہ یہ راستہ ہی ہے۔ کئی بار کیبن کے حرام خور رکھوالے سے کہہ چکا ہوں۔ اب لگتا ہے، پہلے مجھے اس کی طبیعت صاف کرنا پڑے گی۔ تب کہیں جا کر وہ جھاڑیاں صاف کرے گا۔''

ندیم کے اکسانے پر میں نے بادل ناخواستہ جیپ ان جھاڑیوں میں گھسا دی۔ ان کی شاخیں ونڈ اسکرین اور جیپ کی سائیڈوں سے ٹکرا کر عجیب سی آواز پیدا کر رہی تھیں۔ ندیم ہنسا۔ ''اس وجہ سے میں اپنی نازک اندام کار اس طرف نہیں لایا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری جیپ بھی میری کم چہیتی نہیں ہے۔ یہ جھاڑیاں میں کل ہی صاف کر دوں گا۔ کلہاڑی ہے کوئی؟''

''کیوں نہیں ہے، کئی طرح کی کلہاڑیاں مل جائیں گی۔''

خدا خدا کر کے ہم جھاڑیوں سے نکلے، اب سامنے ایک چھوٹا سا ہموار میدان تھا، جس پر سوکھے پتے بچھے تھے اور اس کے بعد درختوں کی چھاؤں تلے لکڑی سے بنا کیبن تھا۔ باہر سے یہ خاصا کھردرا اور بھدا لگتا تھا۔

''شوبی یہاں رہے گا؟'' مونا نے گھبرا کر کہا۔ ''یہ تو بھوت بنگلا لگ رہا ہے۔''

''شوبی کو یہیں رہنا ہے۔'' ندیم فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ''اگر یہ حوالات اور اس کے بعد ہڈی وارڈ میں نہیں رہنا چاہتا۔''

میں نے جیپ لے جا کر کیبن کے سامنے روک دی لیکن انجن بند نہیں کیا تاکہ روشنی برقرار رہے۔ ندیم نیچے اترا، اس نے کیبن کا تالا کھولا اور اندر جا کر روشنی کی۔ میں نے انجن بند کیا، گلوز کمپارٹمنٹ سے ٹارچ نکال لی اور مونا سے کہا۔ ''تم نیچے آؤ گی؟''

''جی نہیں، میں یہیں بھلی ہوں۔'' مونا نے صاف انکار کر دیا۔

''مرضی تمہاری۔ ویسے یہاں پر بھیڑیے اور ریچھ بھی پائے جاتے ہیں۔'' میں نے کہا تو مونا نہ صرف پھرتی سے نیچے اتر آئی بلکہ مجھ سے پہلے کیبن میں بھی پہنچ گئی۔ میں نے شاپرز نکالے اور باری باری کیبن میں پہنچا دیئے۔ ندیم جگہ جگہ لیمپ جلا رہا تھا۔ کیبن اندر سے خاصا بہتر اور صاف ستھرا تھا۔ گرد مٹی یہاں ویسے ہی نہیں ہوتی ہے۔ ایک رکھوالا آ کر ہفتے میں ایک بار صفائی بھی کر جاتا تھا۔ کیبن کا رقبہ بیس ضرب تیس فٹ تھا۔ عقب میں دو بیڈ رومز تھے۔ داخلی کمرا نشست گاہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ اس کے دائیں جانب کچن اور چھوٹا ڈائننگ ایریا تھا۔ دونوں بیڈ رومز کے ساتھ اٹیچ باتھ تھے۔ ندیم جب پکنک پر آتا تھا، اپنے ساتھ ڈیزل سے چلنے والا سکشن پمپ لاتا تھا۔ اس سکشن پمپ سے ذرا فاصلے پر موجود چشمے سے پانی کیبن کی ٹنکی میں بھر جاتا تھا۔ میں نے کچن کے سنک کا نلکا کھولا۔ اوپر سے صاف اور بے بو پانی آ رہا تھا۔ ندیم بولا۔ ''بے فکر رہ۔ دس دن پہلے میں آیا تھا تو جانے سے پہلے ٹنکی فل کر گیا تھا۔ بار بار پمپ لانا بھی عذاب ہے۔ بیس سیر سے کم نہیں ہے۔''

''یہاں بجلی نہیں ہے؟'' مونا نے پوچھا۔

''نزدیک ترین ٹرانسمیشن لائن کوئی دو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور اس سے بجلی لینے میں اتنا خرچ آ رہا ہے کہ اس سے سستا مجھے کیبن ٹرانسمیشن لائن کے قریب لے جانا پڑے گا۔'' ندیم نے بتایا۔ ''ویسے میرا ارادہ ہے کہ اس کیبن کو درست کراؤں گا تب ڈیزل جنریٹر لے آؤں گا۔ بجلی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ باورچی خانے کے لئے بڑا والا ایل پی جی سلنڈر ہے۔ چار پانچ مہینے آرام سے گزارہ ہو جاتا ہے۔ آؤ، میں تمہیں بیڈ رومز دکھاؤں۔''

باقی کیبن کے مقابلے میں بیڈ رومز واقعی پُر آسائش تھے۔ ندیم نے اچھا فرنیچر ڈلوایا تھا۔ فرش پر دبیز اور آرام دہ قالین تھا۔ دونوں بیڈ رومز میں آتش دان تھا۔ اس موسم میں آتش دان جلانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن نومبر، دسمبر میں یقیناً یہاں آتش دان کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا ہوگا۔ مونا پوچھ رہی تھی۔ ''یہاں برف گرتی ہے؟''

''میں نے دیکھی نہیں ہے لیکن رکھوالا بتا رہا تھا کہ دسمبر کے وسط سے لے کر آخر جنوری تک برف باری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتی ہے۔''

''ونڈرفل! تب تو میں سردیوں میں یہاں ضرور آؤں گی۔'' مونا نے پُرجوش لہجے میں کہا تھا۔

''بی بی! بہتر ہوگا آپ جا کر کھانے پینے کا سامان نکالیں۔ ہم سب بھوکے ہیں۔''

ندیم نے ایک ریستوران سے بچا کھچا مال پیک کروایا تھا۔ اس میں سیخ کباب اور شیرمال کے ساتھ فرنی بھی تھی۔ اسی چکر میں انہیں دیر ہوئی تھی۔ باقی سامان میں انڈے، ڈبل روٹی، مکھن، پنیر، ٹیٹرا پیک دودھ، چائے، کافی، شکر اور ٹن پیک کھانے تھے۔ وہ لوگ کافی کچھ اٹھا لائے تھے۔ مونا چولھا جلا کر سیخ کباب گرم کرنے لگی۔ ہم نے کچن میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ رات کا ایک بج رہا تھا اور ندیم نے اپنی بیوی کو نہیں بتایا تھا۔ اس لئے اسے واپس جانے کی جلدی تھی۔ کھانا کھاتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے مونا سے کہا۔ ''چلو بی بی! دیر ہو رہی ہے۔''

''میں پیدل نہیں جا سکتی۔'' اس نے انکار کیا۔

''تب شہباز کے ساتھ یہیں رہو۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں کہتا روانہ ہو گیا۔

مونا بے ساختہ اس کے پیچھے لپکی۔ ''ارے ندیم بھائی، رکیں۔''

''چلو، میں جیپ پر چھوڑ آتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

میں نے ان دونوں کو جیپ پر نیچے کھڑی کار تک پہنچایا۔ ندیم نے مجھے کیبن کے تالوں کی چابیاں دیں۔

''دل گھبرائے تو ذرا گھوم پھر لینا۔ یہاں دور تک کوئی آبادی نہیں ہے مگر زیادہ دور مت جانا۔''

''تم چار بچوں کے باپ ہو مگر میرے باپ مت بنو اور ہاں، کل مجھے آ کر تازہ رپورٹ دینا۔''

''کل میں نہیں آؤں گا، پرسوں آؤں گا۔ ایک بار پھر کہہ رہا ہوں، بے صبری مت دکھانا..... ورنہ کوئی مسئلہ بن سکتا ہے۔ مجھے قانونی طور پر اسے سلجھانے دو۔''

ان کے جانے کے بعد میں جیپ لے کر کیبن واپس آ گیا۔ اس ویرانے میں کوئی خطرہ نہیں تھا پھر بھی میں نے جیپ کو احتیاطاً کیبن کے عقبی حصے میں کھڑا کیا تھا۔ اندر آ کر میں نے ساری کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے تھے۔ کھڑکیوں پر لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ سامنے اور عقبی حصے والے دروازے بھی ٹھوس اور مضبوط لکڑی کے بنے تھے یعنی کسی کے لئے کیبن میں گھسنا آسان نہیں تھا۔ میں نے تمام لیمپ بجھا کر صرف اس بیڈروم والا لیمپ جلتے رہنے دیا جس کو میں نے سونے کے لئے منتخب کیا تھا۔ ندیم سامان میں ٹارچ، اس کے سیل اور موم بتیوں کے پیکٹ بھی لایا تھا۔ میں نے ٹارچ چیک کر کے اسے بھی سرہانے رکھ لیا تھا۔ بستر صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔ ندیم نے ایک ہلکا سا کمبل نکال کر رکھ دیا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے مونا کی نظر بچا کر مجھے کیبن کے ایک لفیہ خانے میں چھپے پستول اور کارتوسوں کے بارے میں بتایا تھا۔ میں بستر پر لیٹا تو مجھے اس کے بارے میں یاد آیا۔ پہلے میں نے فیصلہ کیا کہ پستول صبح نکالوں گا مگر کچھ دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد میں نے اٹھ کر پستول نکالنا مناسب سمجھا۔ ٹارچ لے کر میں نے بیڈروم کے کونے میں سے قالین ہٹایا، نیچے فرش بھی تختوں کا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں بغور دیکھنے پر انگ سے رکھا کوئی دس بائی دس انچ کا تختہ نظر آ گیا، میں نے کچن سے چھری لا کر اس کی نوک سے تختہ اوپر کیا۔ اندر چھوٹے سے خانے میں سیلون کے ایئر ٹائٹ تھیلوں میں پستول اور اس کے سو کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قریب فاضل کارتوس تھے۔

یہ چینی ساختہ ایم نائن پستول تھا۔ اس کا نشانہ اور کوالٹی اصل کے برابر ہی ہوتی ہے۔ پستول نہ صرف صاف ستھرا تھا بلکہ پوری طرح لوڈ بھی تھا۔ البتہ اس کا سیفٹی کیچ لگا تھا۔ میں نے فاضل گولیاں واپس خانے میں رکھ دیں۔ صرف پستول نکالا تھا۔ تختہ رکھ کر قالین برابر کیا اور واپس آ کر لیٹ گیا۔ پستول میں نے تکیے کے نیچے رکھ لیا تھا۔ اس بیڈ روم میں دو طرف کھڑکیاں تھیں۔ ایک دائیں طرف کھلتی تھی، یہ بڑی کھڑکی تھی۔ بستر کا سرہانہ اس کے نیچے تھا۔ دوسری باتھ روم کے دروازے کے ساتھ کیبن کے عقبی حصے میں تھی۔ میں نے اس کا پردہ برابر نہیں کیا تھا۔ یہ جنگل کا عقبی حصہ تھا اور کیبن کے ساتھ ایک ڈھلان سیدھی اوپر جا رہی تھی، اس طرف بے حد گھنے درخت تھے۔ جنہوں نے کیبن کو ایک طرح گھیر لیا تھا۔ لہٰذا اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ کوئی بھی کیبن کے عقبی حصے میں بالکل نزدیک آئے۔ کیروسین لیمپ کی روشنی دیکھ سکے جو کھڑکی کے باہر محدود جگہ تک جا رہی تھی۔

مجھے ہلکی سی سردی لگ رہی تھی اس لئے میں نے کمبل پیٹ تک کھینچ لیا۔ مجھے ذہنی اور جسمانی تھکن ضرور محسوس ہو رہی تھی لیکن سفیر کے گھر میں دیر تک سونے کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں کروٹ بدل کر عقبی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ اچانک ایک سایہ سا کھڑکی کے سامنے سے گزرا۔ مجھے کسی کا شانہ اور جھکا ہوا سر نظر آیا تھا۔ میں بے اختیار اٹھ بیٹھا تھا۔ کیبن کے باہر کوئی تھا اور کھڑکی سے میرا معائنہ کر رہا تھا۔ میں نے جلدی سے تکیے کے نیچے سے پستول نکالا اور اتر کر کھڑکی تک آیا۔ میں نے ٹارچ بھی اٹھالی تھی۔ اسے روشن کر کے باہر دیکھا مگر کوئی نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں اس سائے کو اپنا وہم سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں نے اسے واضح طور پر دیکھا تھا۔ اب وہ اس جگہ نظر نہیں آ رہا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ یہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ کیبن کے دائیں بائیں کسی طرف بھی ہو سکتا تھا اور اس کے عزائم درست نہیں تھے۔ اس طرح چھپنا ظاہر کرتا تھا کہ وہ میرے بارے میں غلط عزائم رکھتا تھا یا چوری کرنے کی نیت رکھتا تھا۔ کیبن کا عقبی دروازہ دوسرے بیڈ روم میں تھا۔ میں نے ٹارچ بجھائی اور دبے قدموں دوسرے بیڈ روم میں آیا، چند منٹ تک خاموشی سے باہر کی سن گن لیتا رہا۔ باہر ہوا چل رہی تھی، کبھی ایسی آواز آتی جیسے کوئی پتوں پر چل رہا ہے اور کبھی خاموشی چھا جاتی تھی۔

میں نے اچانک دروازہ کھول کر ٹارچ روشن کی تو کوئی شے درختوں میں غائب ہوتی نظر آئی۔ اس بار میں نے دیکھ لیا۔ اس کے جسم پر بھورے بال تھے۔ وہ بہرحال انسان نہیں تھا۔ کوئی انسان اتنا تیز رفتار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ریچھ بھی نہیں تھا۔ ممکن ہے بھیڑیا یا لومڑی ہو۔ میں نے دروازہ بند کیا اور اندر آ کر لیٹ کر سو گیا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ سات بجے تھے۔ میں واش روم تک گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر میں کیبن سے باہر نکل آیا تھا۔ صبح کی ہوا خنک، تازہ اور نباتات کی خوشبو سے بھرپور تھی۔ چند گہرے سانس لے کر میں تازہ دم ہو گیا تھا۔ نصف گھنٹے تک کیبن کے آس پاس چہل قدمی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ روشنی پوری طرح پھیل گئی تھی۔ اندر جانے سے پہلے میں نے ایک نظر جیپ پر ڈالنا مناسب سمجھا تھا اور جیپ کے بونٹ پر وہ سو رہا تھا، جو کل رات مجھے پریشان کرتا رہا تھا۔ یہ سرخی مائل بھورے رنگ کا درمیانی قد و قامت کا بندر تھا۔ اس کے گلے میں سیاہ رنگ کا پٹا تھا۔ یعنی وہ پالتو بندر تھا۔ اس وجہ سے کیبن کے آس پاس منڈلا رہا تھا کہ انسانوں سے مانوس تھا۔ میں نے اندر جا کر ایک ڈبل روٹی نکالی اور لا کر بونٹ پر بندر کے پاس رکھ دی۔ وہ اتنی گہری نیند میں تھا کہ اسے پتا ہی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلا تھا۔

اپنے لئے انڈے تل کر میں نے ڈبل روٹی سینکی اور چائے کا پانی رکھ کر ناشتا کرنے لگا۔ جب تک ناشتے سے فارغ ہوا، چائے تیار ہو چکی تھی۔ کپ میں بغیر دودھ کی چائے ہلکی سی شکر کے ساتھ ڈال کر میں باہر آ گیا۔ بندر بونٹ پر بیٹھا ڈبل روٹی کھا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ چوکنا ضرور ہوا لیکن بھاگا نہیں، میں وہیں ایک پتھر پر ٹک کر چائے پینے لگا۔ پکنک کے لحاظ سے یہ جگہ مثالی تھی۔ ایک طرف بلند ہوتا پہاڑ تھا جس پر گھنا جنگل تھا۔ سامنے دور تک نشیب تھا۔ یہاں بھی جنگل تھا لیکن زیادہ گھنا نہیں تھا۔ کیبن کے سامنے ہموار زمین تھی۔ ندیم نے مجھے چشمے کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ کیبن کے دائیں جانب کوئی سو فٹ کے فاصلے پر نشیب میں تھا۔ پانی کے حصول کے لئے ندیم نے زمین میں پلاسٹک کا پائپ بچھا کر اسے چشمے تک پہنچا دیا تھا۔ اس پائپ کا دوسرا سرا کیبن کی ٹنکی تک جاتا تھا۔ جب پانی بھرنا ہوتا تھا تو ڈیزل پمپ کا ایک سرا پانی میں ڈال کر دوسرا پلاسٹک کے پائپ سے جوڑ دیا جاتا تھا۔

''دوست، اگر اور بھوک لگی ہے تو کل رات کے بچے شیر مال بھی ہیں؟'' میں نے بندر سے کہا، وہ توجہ دیئے بغیر اپنا سر کھجاتا رہا۔ میرا اندازہ تھا کہ ڈبل روٹی کے چار سلائس اس کا پیٹ بھرنے کے لئے ناکافی تھے۔ اس لئے میں نے رات کے بچے شیر مال بھی اسے لا دیئے۔ وہ چند لمحے تو میرے بڑھے ہاتھ کو محتاط نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے جھپٹ کر شیر مال لے لیا اور جیپ کی چھت پر چڑھ گیا۔ میں ہنسا۔ ''برخوردار! کل رات تم نے مجھے بہت تنگ کیا تھا، بہرحال خوش رہو۔''

ندیم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ آج نہیں آئے گا۔ یعنی مجھے پورا دن اکیلے رہنا تھا۔ بوریت سے بچنے کے لئے میں نے کام شروع کر دیا۔ ناشتے کے برتن دھوئے، پھر سامان ترتیب سے رکھا۔ کیبن کی صفائی کی۔ میرے پاس مزید کپڑے نہیں تھے لیکن الماری میں ندیم کے دو تین پاجامے اور قمیصیں لٹکی تھیں۔ میں نے کپڑے بدلے، صابن اور کپڑے لے کر چشمے کی طرف چل پڑا۔ چشمہ خاصا نشیب میں تھا۔ شاید یہ برساتی نالا تھا جس میں کوئی قدرتی چشمہ پھوٹ کر گرنے لگا تھا اس لئے اس میں ہمہ وقت پانی رہا کرتا تھا۔ میں نے پہلے کپڑے دھوئے، اس کے بعد خود نہانے لگا۔ جب نہا رہا تھا تو اچانک بندر کے خوخیانے کی آواز آئی۔ وہ بدمعاش منہ پر ہاتھ رکھے شیم شیم کا انداز اختیار کئے ہوئے تھا۔ میں نے اس کی طرف پانی اچھالا تو وہ بھاگ گیا۔ نہا کر میں واپس آیا۔ کپڑے سوکھنے کے لئے کیبن کے سامنے گھاس پر پھیلا دیئے۔ اس اثنا میں بھوک لگنے لگی تھی اس لئے تلے ہوئے مٹروں اور سارڈن مچھلی کے ٹن پیک کھول کر انہیں گرم کیا اور کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار لیا۔ بعض اوقات ہائیکنگ یا ٹریکنگ کے لئے جاتے ہوئے سفر کے دوران میں ٹن بند خوراک پر گزارہ کرنا پڑتا تھا۔ مجھے اس کا ذائقہ اچھا نہیں لگتا تھا لیکن مجبوری تھی، مچھلی یا گوشت جیسی چیز صرف ٹن پیک دستیاب ہوتی ہے۔

کھانا کھا کر سو گیا تھا۔ آنکھ کھلی تو شام اتر رہی تھی۔ میں ایک کپ کافی بنا کر باہر آیا تو بندر ڈھلتی دھوپ میں کیبن کے سامنے درخت کے ایک کٹے تنے پر سو رہا تھا اور میرے کپڑے غائب ہو گئے تھے۔ میرے منہ سے بے اختیار ناگفتنی نکل گئی تھی۔ مجھے پہلے ہی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ بندر سے اس قسم کی حرکت کی توقع رکھنی چاہئے۔ میں نے پتھر مار کر اسے جگایا۔ وہ ڈر کر بھاگا نہیں بلکہ کافی دیر سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ ''اوئے بدمعاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے کپڑے کہاں ہیں؟"

بدمعاش سر کھجاتا رہا۔ تھک ہار کر میں نے خود کپڑوں کی تلاش شروع کی جو مجھے جیپ کے بونٹ پر نہایت سلیقے سے پھیلے مل گئے تھے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کپڑے ہلکے سے نم ہونے کے باوجود اندر لے آیا۔ میں نے کیبن کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا اور جب کپڑے رکھ کر آیا تو بندر نشست گاہ کے صوفے پر براجمان تھا۔

"اوئے..... تم ادھر بھی آ گئے، نکلو یہاں سے۔" میں نے کہا تو وہ دانت نکال کر خوخیانے لگا مگر انداز جارحانہ نہیں بلکہ درخواست گزارانہ تھا۔

"دیکھو برخوردار! میں خود یہاں مہمان ہوں اور مہمان کسی اور کو مہمان ٹھہرا نہیں سکتا۔ اس لئے بہتر ہو گا تم جاؤ۔ اپنے مالک کے پاس جاؤ۔"

وہ پاؤں پسارے میری بات غور سے سن رہا تھا یا شاید اونگھ رہا تھا۔ مجھے اس کے انداز پر غصہ آ گیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اس نے صوفے سے جست لگائی اور ریک کے اوپر چڑھ گیا۔ جب اس کے وزن سے جھول کر ریک گرنے لگا تو وہ چھلانگ لگا کر چھت سے لٹکے فانوس سے چمٹ گیا جس میں شمعیں جلائی جاتی تھیں۔ فانوس جھولنے لگا۔ ریک پر کئی طرح کے شوپیس رکھے تھے، جو ریک کے فرش پر گرنے سے بکھر گئے۔ میں نے جلدی سے ریک سیدھا کیا۔ شکر ہے قالین کی وجہ سے کچھ ٹوٹا پھوٹا نہیں تھا۔ سامان رکھ کر میں بندر کی طرف متوجہ ہوا۔ "مردود، نیچے اتر آ..... ورنہ گھیری....."

مگر وہ اترنے کے موڈ میں نہیں تھا بلکہ فانوس پر جھولتے ہوئے اسے مزے آنے لگے تھے۔ میں اندر جا کر وائپر لے آیا۔ وائپر دیکھتے ہی اس نے چیخ ماری اور فانوس سے کود کر کیبن سے فرار ہو گیا۔ میں نے فوراً دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ سورج غروب ہوتے ہی ہوا میں خنکی آ گئی تھی۔ میں نے لیمپ روشن کئے۔ نشست گاہ میں ایک طرف رسالے رکھے تھے۔ وقت گزاری کے لئے میں ایک رسالے کو لے کر بیٹھ گیا۔ گزشتہ کئی برسوں سے مصروفیات بڑھنے کے سبب مطالعہ کم ہو گیا تھا۔ وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ رسالوں کی وجہ سے میرا وقت اچھا گزر گیا۔ نیشنل جیوگرافک کے ایک مضمون میں ایسا کھویا کہ مجھے کھانے کا ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ مضمون ہمالیہ کی مختلف ٹریکنگ سائٹس کے بارے میں تھا اور یہ میری پسند کا موضوع تھا۔

ہمالیہ کا سلسلہ افغانستان اور قازقستان کی سرحد سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا ایک سلسلہ ہندوکش ہے اور جنوب مشرق میں یہ بھوٹان تک چلا جاتا ہے۔ تقریباً تین ہزار میل لمبے ہمالیہ میں بے شمار بلند اور دشوار گزار چوٹیاں ہیں۔ ہمالیہ کا بیشتر حصہ بھارت کے ساتھ لگتا ہے لیکن اس کی جتنی ٹریکنگ سائٹس اور خوبصورت چوٹیاں پاکستان میں ہیں اتنی کہیں اور نہیں ہیں۔ دنیا کی دوسری بڑی چوٹی کے ٹو اور دنیا کی دشوار ترین چوٹی نانگا پربت پاکستان میں ہیں۔ پاکستان کے شمالی علاقے بلاشبہ کوہ پیماؤں کی جنت ہیں اور ہر سال سیکڑوں تیمیں ان چوٹیوں کو سر کرنے پاکستان آتی ہیں اور صرف دیکھنے کے لئے آنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اگر حکومت توجہ دے تو محض شمالی علاقے کی سیاحت سے کروڑوں ڈالرز کما سکتی ہے۔ مگر محکمہ سیاحت کے افسران کو بیرون ملک کی سیاحت سے فرصت ملے تو وہ اپنے ملک میں سیاحت کے فروغ کے لیے کچھ کریں۔

بھوک لگی تو میں نے بادلِ ناخواستہ اٹھ کر ایک ڈبل روٹی نکالی۔ انڈے ابالے اور پنیر ایگ سینڈوچز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنائے۔ اکیلے رہنے کی وجہ سے ایسی خاصی چیزیں بنانا آ گئی تھیں۔ سینڈوچز بنا کر پیٹ پوجا کی۔ پھر کافی بنائی۔ رات بارہ بجے میں سونے کے لئے لیٹ گیا تھا۔ خاصی دیر بعد جا کر نیند آئی اور اسی طرح صبح آنکھ بھی دیر سے کھلی۔ کسل مندی ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر مختصر سا غسل کیا۔ سرد پانی نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ ناشتے کا سوال نہیں تھا۔ اس لئے دو سلائس چائے لے کر باہر آ گیا۔ بندر اپنے اڈے یعنی جیپ کے بونٹ پر بیٹھا تھا۔ کل سے اب تک ایک جیسے منظر دیکھ کر اور ایک جیسا وقت گزار کر میں بری طرح بور ہو چکا تھا اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ آج ندیم مغرب تک نہیں آیا تو میں خود اس کے گھر پہنچ جاؤں گا۔ وقت گزاری کے لئے سارا دن اردگرد کے جنگلات میں پھرتا رہا۔ دوپہر میں کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا تھا۔

جیسے جیسے دن ڈھل رہا تھا، میری جھنجلاہٹ اور بے زاری میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کیبن کو تالا لگایا اور جیپ میں بیٹھا تو اس نے اسٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا۔ خاصی دیر کوشش کرتا رہا پھر ٹارچ کی روشنی میں انجن کا معائنہ کیا خاصی دیر بعد جا کر خرابی کا سراغ مل گیا، ایک پوائنٹ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اسے ٹائٹ کر کے جیپ کو اسٹارٹ کیا تو انجن سیلف لگاتے ہی غرانے لگا تھا۔ اس چکر میں ایک گھنٹا گزر گیا تھا۔ اس اثنا میں موسم اچانک ہی بدل گیا تھا۔ آسمان پر گہرے سیاہ بادل جمع ہو رہے تھے اور لگتا تھا بارش ہو گی۔ اوپر سے مری ہائی وے تک آتے آتے بارش کا آغاز ہو گیا تھا اور چند منٹ کے اندر اتنی تیز بارش ہونے لگی کہ جیپ کی اضافی روشنیاں جلانے کے باوجود دس گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے رفتار سست کر دی اور بے حد محتاط انداز میں ڈرائیونگ کرنے لگا۔

سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ ظاہر ہے اس موسم میں کون پُرخطر پہاڑی راستوں کی طرف جانا پسند کرتا۔ بڑی گاڑیوں والے خاص طور سے پرہیز کرتے ہیں۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ خاصی دیر تک رینگنے کی رفتار سے ڈرائیونگ کرنے کے بعد اسلام آباد نزدیک آنے پر میں نے رفتار ذرا تیز کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور جیسے ہی میں نے رفتار بڑھائی، وہ شخص سامنے آ گیا۔ وہ اتنا اچانک سامنے آیا تھا کہ بریک لگانے کا وقت نہیں رہا تھا پھر بھی میں نے بریک لگائی اور ساتھ ہی اسٹیئرنگ گھمایا۔ اس کے باوجود جیپ کا بایاں پہلو اس سے ٹکرایا۔ میں نے اسے اچھل کر تاریکی میں غائب ہوتے دیکھا تھا۔ فضا میں ایک ہلکی سی چیخ گونجی تھی جو بریکوں کے شور میں دب گئی۔ مجھے پتا نہیں تھا، اس جگہ ایک مختصر سی پلیا تھی۔ سڑک ایک نالے پر سے گزر رہی تھی۔ جیپ نے پلیا کی ریلنگ کو ٹکر ماری۔ اسے توڑ کر جیپ کا دایاں اگلا پہیا خلا میں گیا۔ دھچکے سے میں دروازے سے ٹکرایا اور وہ کھل گیا۔ اگلے ہی لمحے میں نالے میں گر رہا تھا۔

☆======☆==========☆

میں ساکت ہو گیا تھا۔ فتح خان کے چہرے پر وحشت چھائی ہوئی تھی۔ اس کے رائفل اٹھانے کے انداز سے لگا جیسے وہ مجھے ابھی شوٹ کر دے گا مگر جب اس نے گولی نہیں چلائی تو میں نے ہمت کر کے کہا۔ ''فتح خان..... اسے تم نے مارا ہے؟''

''اس نے سر ہلایا۔ ''ام نے مارا..... اس نے ام سے بے وفائی کیا تھا ام کو دوکا دیا۔''

''اس نے تمہیں آزاد کرایا اور تم نے اسے مار دیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یکا یک فتح خان تھکا ہوا نظر آنے لگا وہ اندر آ گیا۔ ''ام نے مار دیا۔ اس نے آزادی کے واسطے اکرم کو اپنا جسم دیا۔ ام سے دوکا کیا۔''

''لیکن اس نے اکرم کو مار دیا تھا۔''

''اس نے ام سے دوکا کیا۔ جب اس نے بتایا تو ام نے اسے مار دیا۔'' فتح خان ہانپنے لگا۔ ''اس نے صرف اکرم کو ای نمیں..... اسے بھی مارا۔'' فتح خان نے بلاول کی طرف اشارہ کیا۔ ''ام کو آزاد کرایا پر ام نے اسے مار دیا۔ یہ تو عزت کا بات اے..... ام اسے کیسے چوڑتا۔'' وہ جیسے خود سے بات کر رہا تھا۔ واضح طور پر اسے ھینا کی موت کا شدید صدمہ تھا وہ رفتہ رفتہ اپنے حواس کھو رہا تھا اور اس کیفیت میں وہ مجھے بھی مار سکتا تھا۔ میں غیر محسوس انداز میں دروازے کی طرف کھسکنے لگا۔ فتح خان تنومند اور طاقتور شخص تھا۔ میں اسے خالی ہاتھ سے کبھی زیر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ رائفل سے بھی مسلح تھا۔ اچانک وہ چونکا۔ ''اے تم کدر جاتا اے؟''

''فتح خان! میں اس چکر میں بلاوجہ پھنسا ہوں۔ میرا نہ تو ھینا سے کوئی تعلق ہے اور نہ میں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا ہے۔''

وہ مسکرایا۔ ''تم نے ام کو سب سے بڑا نقصان کیا۔ ام سے ھینا کی محبت کو چھین لیا وہ تو م کو پسند کرنے لگا اے۔''

''یہ غلط ہے۔ وہ تم سے محبت کرتی تھی، تمہیں پتا ہے جب میں نے اس سے آخری بار بات کی تو اس سے کہا تھا کہ تم سے تعلق سے انکار کر دے۔ وہ سزا سے بچ جاتی لیکن اس نے منع کر دیا۔ تمہاری محبت سے انکار کے مقابلے میں اسے موت قبول تھی۔ فتح خان، یقین کرو تم واحد فرد ہو جس سے ھینا نے محبت کی تھی اور تم نے اسے مار دیا۔''

''ام پاگل ہو گیا اے۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''ام کو پتا اے، ام بھی مارا جائے گا۔ ام کسی کو بھی نمیں چوڑے گا۔''

اسے رائفل سنبھالتے دیکھ کر میں نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ فتح خان نے عجلت میں گولی چلائی جو دروازے کی چوکھٹ پر لگی تھی۔ میں باہر گیلری میں جا گرا تھا اور گرنے کی وجہ سے برسٹ سے بچ گیا تھا۔ میں نے تڑپ کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھر اتنی تیزی سے اٹھ کر بھاگا کہ لمحوں میں تہ خانے کی سیڑھیوں تک جا پہنچا تھا۔ اس اثنا میں غصے سے دھاڑتا فتح خان کمرے سے نکل آیا تھا۔ اس نے مجھ پر گولی چلانے کی کوشش کی مگر رائفل خالی ہو چکی تھی۔ اس کے میگزین میں اتنی ہی گولیاں تھیں۔ آندھی طوفان کی طرح سیڑھیاں چڑھ کر میں تہ خانے سے باہر آیا اور تہ خانے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ ساتھ ہی چلا چلا کر محافظوں کو آواز دینے لگا۔ ان کے بجائے سیکرٹری آ گیا تھا وہ شاید نزدیک ہی تھا۔ ''کیا ہوا جناب؟''

میں نے ہانپتے ہوئے بتایا۔ ''نیچے فتح خان آزاد اور مسلح ہے اس نے دونوں محافظوں کو مار دیا ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب؟'' سیکرٹری بوکھلا گیا تھا۔

''اندر جا کر فتح خان سے پوچھ لو۔'' میں نے جھنا کر کہا۔ سیکرٹری نے اپنے پٹھے سے ایک عدد سیٹی برآمد کر کے بجانا شروع کر دی تھی، یہ غالباً محافظوں کے لئے اشارہ تھا کیوں کہ فوراً ہی دوڑتے قدموں کی آواز آنے لگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ایک منٹ کے اندر اندر چار، پانچ محافظ وہاں آ چکے تھے۔ سیکرٹری نے غضب ناک انداز اور مقامی زبان میں انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا تو ان کے چہروں پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ فتح خان ان کے لئے اجنبی نہیں تھا میں نے پہلے ہی محسوس کیا تھا کہ دوسرے محافظ اس سے متاثر تھے۔ اپنے دو ساتھیوں کے مارے جانے کا سن کر وہ ڈر گئے تھے اور تہ خانے میں جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ سیکرٹری نے دھاڑ کر انہیں حکم دیا تو وہ بادلِ ناخواستہ تہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھے۔ اس اثنا میں راجا عمر دراز وہاں آ گیا۔ اس نے اپنی زبان میں سیکرٹری سے پوچھا۔ اس نے جواب دیا تو یک دم راجا کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے تھے اس نے تیز لہجے میں کچھ کہا اور فوری طور پر دو محافظوں کو طلب کر کے انہیں کہیں اور روانہ کیا اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوا۔

''شہباز! نیچے کیا ہوا تھا؟''

میں نے نیچے جو دیکھا وہ بلا کم و کاست راجا عمر دراز کے گوش گزار کر دیا۔ وہ بغور سنتا رہا۔ ''یہ تو بہت برا ہوا۔''

''مجھے بھی محافظوں اور ھینا کے مارے جانے کا افسوس ہے۔'' میں نے کہا تو راجا عمر دراز جھنجلا گیا تھا۔

''انہیں جہنم میں ڈالو۔ مجھے فتح خان کی فکر ہے، وہ شاطر آدمی یہاں کے سارے رازوں سے واقف ہے اب تک وہ نکل چکا ہوگا۔''

راجا عمر دراز کی بات نے مجھے چونکا دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ تہ خانے سے باہر جانے کا کوئی خفیہ راستہ بھی تھا اور یہ راستہ محل سے باہر جاتا تھا۔ مجھے ان محافظوں کا خیال آیا جنہیں راجا نے کہیں اور بھیجا تھا۔ تہ خانے کے خفیہ راستے سے واقف ہونے کا مطلب تھا کہ فتح خان، راجا عمر دراز کے معتمدوں میں سے ایک تھا اور اس کی حیثیت عام محافظ سے زیادہ تھی۔ راجا عمر دراز کے خدشات کی تصدیق ہو گئی جب نیچے جانے والے محافظ تہ خانے سے منہ لٹکائے نکلے۔ انہوں نے اپنی زبان میں راجا کو رپورٹ دی جس کا لبِ لباب یہی ہو سکتا تھا کہ فتح خان غائب تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ میں فتح خان کے ہاتھ سے بچ کیسے گیا؟ وہ کوئی عام اناڑی آدمی نہیں تھا جسے رائفل چلانی نہ آتی ہو اور نہ ہی انسانوں پر فائر کرنے میں کوئی جھجک ہونی چاہئے تھی اس کے باوجود اس کا نشانہ دو بار چُوک گیا اور وہ بھی اتنے نزدیک سے۔ مجھے یہ بات بچگانہ محسوس ہونے لگی، ایسا تو عام طور سے فلموں یا ناولوں میں ہوتا ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ فتح خان مجھے قتل کرنے سے گریز کر رہا تھا ورنہ وہ مجھے دروازے تک پہنچنے کی مہلت بھی نہ دیتا، اس رعایت کی وجہ کیا تھی، وہ میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ فتح خان بلاشبہ میرے خون کا پیاسا تھا وہ پہلے بھی مجھے ایک بار مارنے کی کوشش کر چکا تھا۔ مگر ایمن نے مجھے بچا لیا۔ ھینا اور وہ میری وجہ سے پکڑے گئے تھے۔ اس لحاظ سے اسے میرا مزید دشمن ہو جانا چاہئے تھا۔ یہی بات راجا عمر دراز سوچ رہا تھا اس نے کسی قدر مشکوک لہجے میں پوچھا۔ ''جب فتح خان مسلح تھا تو اس نے تم کو نکل جانے کا موقع کیسے دیا؟''

''اس نے دو بار مجھ پر فائر کئے لیکن خدا کو بچانا منظور تھا اس لئے بچ گیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' راجا عمر دراز نے سرد لہجے میں کہا تھا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لایا اس کی کھڑکیاں کھلی تھیں اور دور برف پوش پہاڑوں سے آنے والی ہوا کمرے کو سرد کر رہی تھی۔ پورے کمرے میں صرف آتش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دان کے سامنے ایک آرام کرسی رکھی تھی اور آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اس کی گرمی کمرے کو سرد ہونے سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ دلچسپ سی کشمکش تھی جب ہوا کا کوئی تیز جھونکا پل بھر کے لئے کمرے کا درجہ حرارت سرد کر جاتا تھا پھر اگلے ہی لمحے آگ سے اٹھتی حرارت کمرے کو معمول پر لے آتی تھی اور یہ معمول کا درجہ حرارت بھی ایسا تھا کہ میں سردی محسوس کرنے لگا تھا۔ راجا عمر دراز نے مجھے بعد میں بتایا کہ یہ کمرا اس نے غور و فکر کرنے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ باہر سے آتی سرد اور تازہ ہوا اس کے دماغ کو سن ہونے سے بچاتی تھی اور آتش دان اس کے جسم کی حرارت برقرار رکھتا تھا۔ یہیں پر اس نے غور و فکر کر کے اپنی زندگی کے بہترین فیصلے کئے تھے۔ راجا عمر دراز کرسی پر جا بیٹھا۔ اس کرسی کے سوا کمرے میں صرف قالین تھا۔ دیواریں سادہ گلابی رنگ کی تھیں اور ان پر کوئی آرائشی شے نہیں تھی، حد یہ کہ کسی دیوار پر کلاک تک نہیں لگی تھی۔ غالباً اس لئے کہ گزرتا وقت راجا عمر دراز کی توجہ نہ کھینچ سکے۔

''شہباز..... فتح خان نے بتایا کہ تمہیں بچانے کے لئے ایمن نے اس کے سر پر وار کر کے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔''

''ممکن ہے اس نے ایسا ہی کیا ہو لیکن اس وقت مجھے ہوش نہیں تھا۔ میں تو بس جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑا ہوا تھا اگر میں ایسا نہ کرتا تو ممکن ہے ان لوگوں کی قید سے نہ نکل پاتا اور فتح خان ہوش میں آ کر مجھے قتل کر دیتا۔''

''تہ خانے میں اس نے تمہیں قتل نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا ہے۔ کوئی بھی اسلحہ اس کے لئے کھلونا ہوتا ہے۔''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، اگر آپ مجھ پر کسی قسم کا شک کر رہے ہیں تو میں اس معاملے میں پہلے کی طرح بے بس ہوں جب آپ کے مرحوم جلاّد نے میری پشت ادھیڑ دی تھی۔'' میرا لہجہ کسی قدر تلخ ہو گیا۔

''میں تم پر شک نہیں کر رہا۔ کم سے کم تمہاری نیت پر شک نہیں کر رہا لیکن تم نے مجھ سے کچھ نہ کچھ چھپایا ہے۔ فتح خان نے اپنے بے ہوش ہونے کا جو وقت بتایا اس کے مطابق تمہیں فرار ہو کر ایک گھنٹا پہلے ہی میرے محل تک پہنچ جانا چاہئے تھا اتنی دیر تم کہاں رہے؟''

''میں بھٹک گیا تھا۔ تاریکی کی وجہ سے مجھے راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اتنی دیر تک میں فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے خوف سے جھاڑیوں میں دبکا رہا تھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرے پیچھے نہیں آ رہے ہیں تب میں جھاڑیوں سے نکل کر محل کی طرف آیا تھا۔''

راجا عمر دراز بغور مجھے دیکھ رہا تھا اگرچہ میرا دل زور سے دھڑک رہا تھا لیکن میں مطمئن بھی تھا میں نے اسے کوئی دھوکا نہیں دیا تھا صرف اپنے مفاد کا خیال رکھا تھا۔ راجا عمر دراز مہذب اور شائستہ ہونے کے باوجود بہر حال ایک قبائلی تھا اگر اس کی سوچ سنک جاتی تو وہ میرے ساتھ مروت اور شفقت بالائے طاق رکھ کر کچھ بھی کر سکتا تھا۔ مجھے اس کا تجربہ تھا۔ میں اس پر ایک حد سے زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے میں چپ رہا۔ آخر اس نے گہرا سانس لے کر مجھ پر سے نظریں ہٹائیں اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ سورج غروب ہو چکا تھا لیکن آسمان صاف ہونے کی وجہ سے تارے معمول سے زیادہ ہی چمک رہے تھے۔ ان کی روشنی میں پہاڑوں کی برف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نمایاں تھی۔

''نہ جانے کیوں تمہارے لئے دل میں اچھا خیال ہی آتا ہے۔''

''اچھے خیال پر یہ حال ہے تو خدانا خواستہ کسی برے خیال پر میرا کیا حشر کیا جاتا۔'' میں نے دل میں سوم اور منہ سے بولا۔ ''یہ نوازش ہے آپ کی راجا صاحب۔''

''مجھے یقین ہے تم اچھے آدمی ہو۔'' راجا نے شاید میری بات نہیں سنی تھی۔ ''اور مجھے یقین ہے تم کبھی مجھے نقصان نہیں پہنچاؤ گے ویسے میرے آدمیوں کے ہاتھوں برٹ شا اور اس کی بیٹی ایمن شا گرفتار ہو چکے ہیں اور آج رات کسی وقت وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔''

میں نے بمشکل اپنے تاثرات قابو میں رکھے تھے۔ راجا عمر دراز ایک بار پھر بغور میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ہنسا۔ ''لگتا ہے، تمہیں یہ بات پسند نہیں آئی۔''

''نہیں جناب..... دراصل اس لڑکی نے میری جان بچائی تھی۔''

''فکر نہ کرو۔ اس لڑکی کو کچھ نہیں کہا جائے گا وہ پورے عزت و احترام سے یہاں رہے گی۔ ہم عورتوں پر ہاتھ اٹھانے کے قائل نہیں ہیں۔''

''اور برٹ شا..... جناب اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟''

''اسے بھی میں ماروں گا نہیں لیکن اسے کوئی نہ کوئی سزا ملے گی۔ اس کی وجہ سے اتنا بڑا فساد ہوا، کتنے بے گناہوں کو تکلیف پہنچی، میرے تین آدمی اپنی جان سے گئے اس نے فتح خان جیسے وفادار اور کارآمد آدمی کو مجھ سے چھین لیا۔ میں اسے اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گا۔'' راجا عمر دراز کا چہرہ شعلوں کے عکس میں تمتما رہا تھا اور مجھے صاف لگ رہا تھا کہ وہ برٹ شا کو معاف نہیں کرے گا۔

''جناب آپ برٹ شا کے ساتھ ہر سلوک کرنے میں حق بجانب ہیں لیکن ایک بات بھول رہے ہیں، وہ برٹش شہری ہے۔ اس کی گمشدگی پر اس کی حکومت چپ نہیں بیٹھے گی اور یہاں پر مجبوراً حکومت کو حرکت میں آنا پڑے گا۔''

''فکر نہ کرو۔ وہ چھپ کر یہاں آیا ہے اس لئے اس کی گمشدگی کے بارے میں کوئی پوچھنے نہیں آئے گا۔'' راجا عمر دراز نے بے پروائی سے کہا۔ ''آؤ کھانا کھالیں۔ اس خوش خبری نے..... میری بھوک بڑھا دی ہے۔''

اس کے دو محافظوں سمیت تین افراد چند گھنٹے پہلے اس کے محل کے تہ خانے میں مارے جا چکے تھے، اس کا ہمدم فرار ہو گیا تھا لیکن اسے ان کی فکر نہیں تھی۔ اس کے بجائے برٹ شا اور ایمن کے پکڑے جانے کی اتنی خوشی تھی کہ اس کی بھوک بڑھ گئی تھی۔ راجا عمر دراز بھی مخصوص جاگیردارانہ ذہنیت رکھتا تھا۔ اسے انسانوں اور ان کی زندگیوں سے زیادہ اپنے مفادات کی فکر تھی۔ کھانا تیار تھا اور راجا کا حکم پاتے ہی خدام قابیں لانے لگے۔ اس نے سچ مچ ڈٹ کر کھایا۔ البتہ ایمن کے پکڑے جانے کی خبر سن کر میری بھوک اڑ گئی تھی۔ میں نے بمشکل کھانا زہر مار کیا تھا۔ راجا عمر دراز کے ارادے برٹ شاہ کے بارے میں درست نہیں تھے۔ اس صورت میں وہ ایمن کو بھی نہیں چھوڑتا اگر اسے کوئی تکلیف نہ بھی دیتا تب بھی وہ اسے آزاد نہیں کر سکتا تھا۔ ایمن اپنے باپ کے ساتھ ہونے والے سلوک سے ساری دنیا کو آگاہ کر دیتی۔ راجا عمر دراز یہ خطرہ نہیں مول لے سکتا تھا۔ اپنے علاقے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کتنا ہی بااثر ہو لیکن وہ حکومت سے نہیں لڑ سکتا تھا۔ اگر اوپر سے دباؤ آتا تو وہ برٹ شا اور ایمن کو چھوڑنے پر مجبور ہو سکتا تھا۔ کھانا خاموشی سے ختم ہوا اور راجا عمر دراز کھڑا ہو گیا۔

''اب تم سے کل ملاقات ہو گی۔''

''راجا صاحب میری ایک درخواست ہے۔''

''اس پر بھی صبح بات ہو گی۔'' راجا عمر دراز جلدی سے بولا۔ غالباً اس نے بھانپ لیا تھا کہ میں جانے کی بات کروں گا۔ لہٰذا اس نے پہلے ہی میری بات کو ٹال دیا اور تیزی سے چلا گیا۔ سیکرٹری وہاں موجود تھا، اس نے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ اس کا مقصد شاید یہ تھا کہ اب مجھے مہمان خانے میں اپنے کمرے میں چلے جانا چاہئے۔ راجا عمر دراز کے رویے سے لگ رہا تھا کہ وہ مجھے کسی صورت یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ یہ اجازت فی الحال تو محال تھی مگر اب مجھے یہ فکر بھی لاحق ہو گئی تھی کہ راجا عمر دراز مجھے جانے دے گا یا نہیں۔ بہرحال میں بھی اس راز سے واقف تھا کہ برٹ شا اور ایمن اس کی تحویل میں تھے۔ یہ راز کھلنا کسی صورت اس کے مفاد میں نہیں تھا۔ سیکرٹری جس کے نام کے آخر میں بیگ آتا تھا، اس کی ننھی سی جسامت اور سرخی مائل رنگت کو دیکھ کر لال بیگ کا خیال آتا تھا۔

''جناب اب آپ کو اپنے کمرے میں چلے جانا چاہئے۔'' اس نے میرے نزدیک آ کر کہا۔ ''راجا صاحب نے رات نو بجے سے صبح نو بجے تک محافظوں کے سوا سب کے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی ہے۔''

گویا اس بہانے مجھے نظر بند کیا جا رہا تھا۔ ''بیگ صاحب کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ راجا صاحب مجھے جانے کی اجازت دے دیں۔ عینا اور فتح خان والا معاملہ تو ختم ہو گیا۔ باقی معاملات سے میرا تعلق نہیں ہے۔''

بیگ نے اپنے صاف چاند پر ہاتھ پھیرا۔ ''جناب! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ کچھ دن اور صبر کریں۔''

''کتنے دن؟'' میں برہم ہو گیا تھا۔ ''کیا مجھے قید کر دیا گیا ہے؟''

''ایسی بات نہیں ہے، آپ راجا صاحب کے معزز مہمان ہیں۔ قیدیوں کے لئے ہمارے پاس جو جگہ ہے وہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ یہ بات وہ پہلے بھی ایک بار کہہ چکا تھا۔

''بس جگہ کا فرق ہے ورنہ میں ہوں قید میں۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''بیگ صاحب مجھے واضح طور پر میری حیثیت بتائیں ورنہ مجھے جانے کی اجازت دیں۔''

''شہباز صاحب آپ جذبات میں ہیں۔ براہ کرم خود کو سنبھالئے..... راجا صاحب کی مجبوری سمجھئے۔ ان کا صرف خلوص ہے ورنہ ان کے لئے کیا مسئلہ ہے آپ کو قید خانے میں ڈالنا۔''

اس کی بات میں وزن تھا۔ بہرحال یہ بھی درست تھا کہ میں راجا عمر دراز کا غیر اعلانیہ قیدی تھا۔ میں نے خود پر قابو پایا اور بیگ کے ساتھ اپنے کمرے تک آیا۔ جانے سے پہلے اس نے ایک بار پھر 9 سے 9 بجے تک والی پابندی کے بارے میں خبردار کیا اور اس کی وضاحت بھی کر دی۔ ''جناب فتح خان اس محل کا بھیدی ہے اور وہ جس طرح غائب ہوا ہے ممکن ہے ابھی تک اس محل میں ہو۔ وہ آپ کا جانی دشمن ہے اور رات کے وقت اپنے کمرے سے نہ نکلنا آپ کے مفاد میں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں خیال رکھوں گا۔'' میں نے سر ہلا کر کہا۔''لیکن اگر فتح خان اتنا ہی خطرناک آدمی ہے تو کیا اس کمرے کی دیواریں مجھے اس سے بچا سکیں گی؟''

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔''دو محافظ یہاں پر تعینات ہوں گے اس طرف پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا ہے۔''

فتح خان کو پرندہ بننے کی ضرورت نہیں تھی، وہ آرام سے عقبی باغ کی طرف کھلنے والی اس کھڑکی سے مجھے گولی مار سکتا تھا۔ کھڑکی بے شک زمین سے خاصی بلندی پر تھی لیکن اس کے لئے اوپر تک آنا ناممکن نہیں تھا میرا بیڈ بالکل سامنے تھا۔ بیگ کے جانے کے بعد میں نے بند کھڑکیوں کے پردے کھینچ لئے تھے۔ بستر پر لیٹنے کے بعد خاصی دیر تک کروٹیں بدلنے کے باوجود مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ مجھے ایمن کی فکر تھی۔ ممکن ہے وہ محل میں آ چکی ہو اس لڑکی نے مجھے فتح خان سے بچا کر میرے اوپر بوجھ سا لاد دیا تھا۔ اب وہ مشکل میں تھی اور میں بے بس تھا۔ چاہنے کے باوجود میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ ساری رات کروٹیں بدلتے اور سوتے جاگتے گزر گئی۔ صبح کے وقت مجھے ذرا گہری نیند آئی تھی لیکن کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی تو میں اٹھ بیٹھا۔ صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ میں نے دروازہ کھولنے سے پہلے احتیاطاً پوچھ لیا۔

''کون ہے؟''

باہر سے مہمان خانے کے ملازم کی آواز آئی تھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ ناشتے کی ٹرے لئے کھڑا تھا۔ میں نے اسے اندر آنے دیا اور خود باتھ روم چلا آیا۔ منہ ہاتھ دھو کر میں نے ناشتا کیا اس دوران میں ملازم میرے سر پر کھڑا رہا تھا۔ میں نے اس سے سرسری سے انداز میں پوچھا۔''کیا رات کو محل میں کچھ مہمان آئے تھے؟''

''ام کو نہیں معلوم۔'' اس نے نفی میں جواب دیا۔

''رات کو ہنگامہ ہوا تھا؟'' میں نے تکا مارا۔

''ام کو نہیں معلوم۔'' اس نے رٹے رٹائے انداز میں کہا۔ غالباً اسے میرے کسی بھی سوال کے جواب میں یہی کہنے کا حکم تھا۔ تنگ آ کر میں نے کہا۔

''مجھے راجا صاحب یا بیگ صاحب سے ملنا ہے۔''

''ام کو نہیں معلوم وہ کدر اے۔'' اس نے اضافہ کیا۔

''تو تم اسے بھیجو جسے کچھ معلوم ہو۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ ناشتا مکمل ہوتے ہی وہ برتن اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے کپڑے بدلے اور باہر نکل آیا۔ جب میں نے مہمان خانے سے محل میں جانے کی کوشش کی تو ایک محافظ سامنے آ گیا۔''اجازت نہیں اے..... اور سے جاؤ۔''

آزمانے کے لئے میں مہمان خانے سے نکل کر باغ میں جانے لگا۔ اس بار کسی نے مجھے نہیں روکا تھا اس کا مطلب تھا کہ صرف محل میں جانے کی پابندی تھی، باغ میں گھوم پھر سکتا تھا۔ میں نے مین گیٹ سے باہر جانے کی کوشش کی تو دربانوں نے مجھے روک دیا۔ مجھے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میرے خدشات درست تھے۔ اجا محمد راز نے مجھے اپنے محل میں قیدی بنا لیا تھا۔ میں محل کے سامنے والے چبوترے پر آ کر بیٹھ گیا۔ مجھے امید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی کہ جلد یا بدیر راجا یا اس کے چھوٹے سے سیکرٹری سے میری ملاقات ضرور ہوگی مگر بارہ بجے تک وہاں بیٹھنے کے باوجود ان دونوں میں سے کسی کی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ دھوپ تیز اور چبھنے والی ہوگئی تھی۔ مجبوراً میں وہاں سے اٹھ گیا۔ اس دوران میں کئی ملازموں سے میں نے راجا یا سیکرٹری بیگ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں جھنجلا کر اندر مہمان خانے میں آ گیا۔

دوپہر کا کھانا میں نے جوں کا توں واپس کر دیا۔ بھوک نہیں تھی۔ وقت سست رفتاری سے گزرتا رہا۔ شام ہوئی اور پھر رات ساڑھے سات بجے رات کا کھانا آیا۔ میں نے چند لقمے زہر مار کیے اور لانے والے سے ایک بار پھر راجا سے ملنے کی درخواست کی۔ حسبِ معمول اس کا بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ بات یقینی تھی کہ برٹ شا اور ایمن پکڑ کر محل میں لائے جا چکے تھے اگر حالات میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو اور ممکن ہے راجا عمر دراز کے جلادوں نے اپنا کام شروع کر دیا ہو۔ راجا عمر دراز نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایمن کو کوئی تکلیف نہیں دے گا لیکن اس نے میرے معاملے میں جس طرح قلابازیاں لگائی تھیں، مجھے اس کے کسی وعدے کا اعتبار نہیں تھا۔ وہ ایمن پر بھی نقد کروا سکتا تھا اور ان باپ بیٹی کو مار کر لاشیں بھی غائب کروا سکتا تھا۔

رات نو بجے کے بعد باہر نکلنے پر پابندی تھی۔ خاصی دیر تک کمرے میں ٹہلنے کے بعد میں بستر پر لیٹ گیا تھا باہر آسمان پر گہرے بادل تھے اور بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ بند کھڑکیوں کی وجہ سے آواز نہیں آ رہی تھی لیکن بادل گرج رہے تھے۔ اچانک دروازے پر ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ میں چونکا، مگر آواز بے حد معمولی سی تھی۔ میں نے اسے اپنا وہم قرار دیا لیکن ایک منٹ بعد پھر ویسا ہی کھٹکا ہوا، کوئی دروازے کے باہر تھا۔ میں بستر سے اتر کر دروازے تک آیا۔ ''باہر کون ہے؟'' میں نے آواز دبا کر پوچھا جواب میں پھر کسی نے ہلکی سی دستک دی تھی۔ چند لمحے سوچنے کے بعد میں نے دروازہ کھول دیا اور اس کے کھلتے ہی ایک لڑکی اندر گھس آئی۔ چند لمحے کے لئے میں بوکھلا گیا تھا پھر اسے پہچان لیا۔ وہ محل کی خادماؤں میں شامل تھی میں اسے کئی بار دیکھ چکا تھا۔

''تم کیوں آئی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

خادمہ نوجوان اور حسین تھی۔ اس کی آنکھوں سے ایک خاص شوخی جھلکتی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے بجائے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا پھر اپنے سینے پر اور آخر میں ہاتھ اٹھا کر باہر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مجھے کہیں لے جانے کے لئے آئی تھی۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم بول نہیں سکتیں؟''

وہ چپ رہی جب اس نے تیسری بار وہی اشارہ کیا تو میں جھنجلا گیا تھا۔ ''اچھا بابا باہر چلو لیکن مجھے مرواؤ مت دینا میرے آزادی سے گھومنے پھرنے پر پابندی ہے۔''

اس وقت میرا خیال تھا کہ مجھے راجا عمر دراز نے طلب کیا ہے مگر خادمہ نے دروازہ کھول کر رازدارانہ انداز میں باہر جھانکا تو مجھے اپنے خیال میں ترمیم کرنا پڑی۔ یہ کوئی اور چکر تھا۔ ورنہ خادمہ چوروں کی طرح باہر کیوں جھانکتی۔ میری چھٹی حس خطرے کا سگنل دینے لگی۔ خادمہ نے اطمینان کرنے کے بعد مجھے چلنے کا اشارہ کیا لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ''میں نہیں جاؤں گا جب تک تم بتاؤ گی نہیں، مجھے کہاں اور کیوں لے جا رہی ہو۔''

وہ لپک کر میرے پاس آئی اور التجا آمیز انداز میں میرا بازو پکڑ کر کھینچنے لگی۔ اس کے انداز نے مجھے حرکت میں آنے پر مجبور کر دیا۔ ہم کمرے سے نکلے، اس نے دروازہ بند کیا اور مجھے لے کر محل کے اندرونی حصے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف جانے لگی۔ اس نے میرا بازو چھوڑ دیا تھا اور ہر موڑ پر پہلے جھانک کر دیکھتی تھی اور جب مطمئن ہوتی تو آگے بڑھتی تھی۔ ایک راہ داری میں اس نے جھانکا تو گھبرا کر پیچھے ہٹی اور سراسیمہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا پھر میرا بازو تھام کر لپکتی ہوئی دیوار پر لگے آرائشی پردے کے پیچھے چلی گئی۔ دیوار اور پردے کے درمیان بے حد معمولی سا خلا تھا۔ وہ مجھ سے چپک کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے اس سے پوچھنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ اس کا نازک اور گداز ہاتھ میرے منہ پر آ گیا۔ اسی لمحے میں نے قدموں کی ہلکی سی چاپ سنی کوئی اسی طرف آ رہا تھا۔ گیلری میں فرش پر دبیز قالین بچھا تھا۔ اس لئے قدموں کی آہٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اگر آنے والا جان بوجھ کر پاؤں زور سے نہ رکھ رہا ہوتا تو یہ ہلکی سی چاپ بھی نہ سنائی دیتی۔ شاید وہ محافظ تھا۔ اس کے نزدیک آتے ہی خادمہ نے مجھے دیوار کی طرف دھکیلتے ہوئے اپنا بدن مجھ میں پیوست کر دیا تھا۔ ظاہر ہے اس نے یہ مجبوری میں کیا تھا کہ پردے کے پیچھے ہماری موجودگی کا شبہ نہ ہو لیکن میں ایک خاص نوعیت کی سنسنی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

سارا زور مجھ پر لگانے کے باوجود اس کی کمر کے خم کے نیچے کا بھاری حصہ پردے سے لگ رہا تھا۔ مزید آگے آنے کی گنجائش نہیں تھی اسی لئے ہم چپ چاپ ایک دوسرے کی دھڑکنیں سنتے آنے والے لمحات کا انتظار کر رہے تھے۔ چاپ آہستہ آہستہ نزدیک آتی گئی۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے آنے والا پردے کے سامنے رکا ہو لیکن یہ صرف ہمارے یا میرے احساسات کا کرشمہ تھا اور نہ پہریدار روانی سے سامنے سے گزر گیا تھا۔ وہ آگے نکلا تو پردے کے رخنے سے نظر آنے لگا۔ وہ آگے جا کر گیلری میں ایک جانب مڑ گیا تھا۔

ہم دونوں نے بیک وقت کب سے روکا ہوا سانس چھوڑا۔ مجھے احساس بھی نہیں ہوا کہ کب میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے جکڑ لیا تھا۔ وہ کسمسائی تو میں نے خفیف ہو کر اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ پردے سے نکلی اور ایک بار پھر میرے آگے آگے چلنے لگی تھی۔ ذرا دیر بعد ہم محل کے ایک تاریک گوشے میں تھے یہاں اس نے رہنمائی کے لئے میرا ہاتھ تھام لیا۔ کچھ دیر بعد میں نے دستک کی آواز سنی۔ یہاں پر روشنیاں بجھی تھیں اور مکمل تاریکی تھی۔ شاید دروازہ کھلا اور وہ مجھے لے کر اندر داخل ہوئی۔ ہمارے آتے ہی دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ بند ہو گیا اور چٹ کی آواز کے ساتھ کمرے میں روشنی ہو گئی تھی۔ میں وہاں موجود شخص کو دیکھ کر اچھل پڑا تھا۔

میں ایک مہم جویانہ احساس کے ساتھ خادمہ کے ہمراہ یہاں تک چلا آیا تھا لیکن میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ محل میں میرا سامنا فتح خان سے ہوگا، اس فتح خان سے جسے دیوانہ وار تلاش کیا جا رہا تھا اور وہ راجا عمر دراز کے ہاتھ آ جاتا تو اسے شاید ہی موت سے کم کوئی سزا ملتی۔ وہ راجا عمر دراز کا باغی اور تین افراد کا قاتل ہی نہیں بلکہ راجا کا ایسا راز داں بھی تھا جو نہ جانے کتنے رازوں سے واقف تھا۔ اس کا ہاتھ آنا بے حد ضروری تھا اور وہ فتح خان اس وقت راجا عمر دراز کی ناک کے عین نیچے اس کے محل کے ایک کمرے میں موجود تھا اور اس کے ہاتھ میں لمبی نال والا خوف ناک پستول دیکھ کر مجھے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ فتح خان میرے تاثرات بھانپ کر مسکرایا۔

"ڈرو نہیں۔ ام ابی دوست اے..... تو ماری مدد کرنے آیا اے۔"

"یہ پستول لے کر۔" میں نے اسے اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ تو تم کو چپ کرانے کے لئے اے۔" اس نے جواب دیا۔ "تو تم شور نہیں کرے گا۔"

"فتح خان تمہیں پتا ہے، راجا کے آدمی تم کو تلاش کر رہے ہیں اور تم اس کے محل میں گھسے ہوئے ہو۔"

"یہ سب چھوڑو۔" اس نے بے زاری سے کہا۔ "کام کا بات سنو..... کیا تو م اور سے نکلنا چاہتا اے۔ ام کو پتا اے..... راجا نے تو م کو قیدی بنالیا اے۔"

میں چونکا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

فتح خان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "ام کو اور کی ایک ایک بات کا پتا اے۔ امارا آدمی اے اور....." اس نے ایک نظر خادمہ کی طرف دیکھا جو مجھے لانے کے بعد ایک طرف خاموش کھڑی تھی۔

"چلو مان لیا..... لیکن تم نے یہ کیوں سوچا کہ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے؟"

"ہے..... امارا مدد کی ضرورت ہے۔" وہ زور دے کر بولا۔ "راجا ام سے بڑا ظالم اے..... وہ تو م کو کبھی اور سے جانے نہیں دے گا۔ تو م نے زیادہ شور کیا تو مروادے گا اور دفن کروادے گا۔ ام نے خود راجا کے واسطے کئی بندے مارے۔ ان کو اور دفن کیا۔"

"اور پھر پیسے کے لئے برٹ شا سے مل گئے۔" میں نے طنز کیا۔

"پیسے کے واسطے نہیں، انتقام کے لئے برٹ شا سے ملا۔ راجا نے امارے بھائی اور کو مروایا اے۔ ام اس سے بدلہ لے گا۔"

"راجا نے تمہارے بھائی کو مروادیا، لیکن کیوں؟"

"وہ ایک عورت کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ اسے راجا نے جرگے میں موت کا سزا سنایا۔"

"تو اس میں راجا کا کیا قصور ہے؟" میں نے اعتراض کیا۔ "اس نے جیسا کیا ویسی سزا پائی۔"

"بکواس بند کرو۔" فتح خان نے خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "امارا ایک ہی برادر تھا۔ ام نے راجا کا منت کیا پر اس نے امارے برادر کو سزا سنایا اور عورت کو اس کے خاندان کو دے دیا۔ وہ بچ گیا، امارا برادر امارا گیا۔ وہ عورت اسے لے گیا تھا۔"

دوسروں کی عورتیں بہکانا فتح خان کے خاندان کا وتیرہ تھا۔ وہ زور زور سے ہانپ رہا تھا۔ "ام راجا کو نہیں چھوڑے گا۔ ام اسے مارے گا۔"

"چلو تمہیں راجا سے انتقام لینا ہے لیکن میں کہاں سے درمیان میں آ گیا۔ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ اگر میں تمہارے ساتھ پکڑا گیا تو یہ لوگ میرا بھی برا حشر ہوگا۔"

"تو م فکر مت کرو اور کوئی نہیں آئے گا، ام اور فیک اے۔ ام کو تو ماری مدد کا ضرورت اے۔ ام برٹ شا اور اس کی بیٹی کو اور سے نکالنا چاہتا اے..... اس واسطے تو ماری مدد چاہئی اے۔"

"ایمن یہاں پر ہے؟" میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔

"اور محل کے نیچے اے۔" فتح خان نے سر ہلایا۔ "جدرام کو قید کیا تھا۔"

"اس کے ساتھ زیادتی تو نہیں ہوئی ہے؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"تو م کو لڑکی سے ام درد ی اے۔ اس نے تو مارا جان بچایا تھا ورنہ تو م امارے ہاتھ سے مارا جاتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فتح خان! وہ بے گناہ ہے، اس کا اپنے باپ کی حرکتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ اسے چوری سے روکنے کی کوشش کر رہی تھی، اسے مرنا نہیں چاہئے۔''

''ام کو پتا اے..... اس واسطے ام اسے اور سے نکالنا چاتا اے۔ راجا اسے مار دے گا یا اس کا شادی زبردستی کسی رشتہ دار سے کر دے گا۔''

''میں..... میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''تو م تیار اے؟'' فتح خان خوش ہو گیا تھا۔ ''ام بتائے گا پر ابی نہیں۔ ابی تو ڑا وقت اے۔ ام کو تیاری کرنا اے..... فیر ام بتائے گا۔''

''مگر یہ تو بتاؤ کہ کہ راجا مجھے کیوں جانے نہیں دے گا اور میں نے ہنگامہ کیا تو مجھے مار کر ادھر دفن کر دے گا؟''

''تو م نئیں جانتا، برٹ شا سے اس کا پرانا دشمنی اے۔ وہ اسے معاف نئیں کرے گا اور تو م کو بی نئیں جانے دے گا۔ مغز پر زور دو، وہ ایسے بندے کو کیوں جانے دے گا جو اس کا راز جانتا اے۔ تو م میرا سات دو۔ ام برٹ شا اور اس کی لڑکی کے سات تو م کو بھی لے جائے گا۔''

میں الجھن میں پڑ گیا تھا۔ راجا عمر دراز کے بارے میں میرے اندر بھی شکوک پیدا ہو چکے تھے اور مجھے نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے مجھے جانے دے گا۔ دوسری طرف فتح خان بھی اچھا آدمی نہیں تھا۔ ابھی کل تک وہ میرے خون کا پیاسا تھا، دو بار مجھے مارنے کی کوشش کر چکا تھا اور اب وہ مجھ سے تعاون کا طلب گار تھا۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ وہ میرے ساتھ پُر خلوص ہو اور کام نکل جانے کے بعد دھوکا نہ کرے بلکہ ممکن ہے کہ مجھے یہاں سے نکال لے جانے کے بعد آرام اور سکون سے قتل کرے۔ فتح خان بغور مجھے سوچتے دیکھ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ میرے ذہن میں کسی قسم کے خدشات آ رہے ہیں وہ بولا۔ ''ام را یقین کرو۔ ام دو کا نئیں دے گا۔ ام ھینا کا قسم کاتا اے۔''

فتح خان نے ھینا کی قسم کھائی تو میں سوچنے پر مجبور ہو گیا اور میرے ذہن میں یہی آ رہا تھا کہ مجھے فتح خان کی پیش کش قبول کر لینی چاہئے ورنہ راجہ عمر دراز نے مجھے کسی قید خانے میں ڈال دیا تو پھر میرے پاس کوئی چانس باقی نہیں رہے گا۔ ابھی میں ایک قسم کی نظر بندی میں تھا اور کسی حد تک نقل و حرکت کر سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں لیکن مجھے کیا کرنا ہو گا لیکن پہلے ہی بتا دوں میں لڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔''

''تو م فکر مت کرو۔ ام کو کسی سے لڑنا نئیں اے..... بس تو م ایک کام کرو۔ برٹ شا سے پوچو کہ اس نے کالے ڈبے کا کیا، کیا اے؟''

''کالا ڈبا..... یہ کیا چیز ہے؟''

''تو م اس کا فکر مت کرو، جو ام نے پوچھا اے وہ کرو۔''

''لیکن میں برٹ شا سے کیسے ملوں گا؟ وہ تہ خانے میں قید ہے۔''

''اس کا بی فکر مت کرو۔ ابھی راجا تو م کو اور لے جائے گا تب موقا (موقع) نکال کر برٹ شا سے پوچنا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے امارا نام لے کر پوچھنا، وہ بتائے گا..... فیر جو بتائے وہ تو م ام کو بتانا تب ام ان دونوں کے سات تو م کو بلی محل سے کمن (کھمن) سے بال کا مالک نکال دے گا۔"

میں سوچ رہا تھا کہ فتح خان شاید فرار میں مدد چاہے گا لیکن اس نے تو ایک اور ہی کام بتا دیا تھا۔ نہ جانے یہ کالا ڈبا کیا تھا اور ہمیں راجا کے چنگل سے نکالنے کے لئے اس کے بارے میں پوچھنا کیوں ضروری تھا۔ یہ کام تو فتح خان، برٹ شا، ایمن اور مجھے راجا عمر دراز کی قید سے نکالنے کے بعد بھی کر سکتا تھا۔ "ٹھیک ہے، میں پوچھوں گا لیکن تم تک برٹ شا کا جواب کیسے پہنچاؤں؟"

"تو م اس کمن کا ڈبی کو بتا دینا۔ یہ ام تک پوچا دے گی۔" فتح خان نے گھٹیا انداز میں خادمہ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تو بولتی ہی نہیں ہے۔"

"یہ بولتی اے..... پر اکیلے میں۔" فتح خان کا لہجہ مزید حیوانہ ہو گیا تھا۔ "اس کا فکر مت کرو۔ یہ امارے سات اے۔ اب تو م جاؤ۔"

"تم محل میں کیسے آئے؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

فتح خان مسکرایا۔ "ام سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اے..... راجا بی نہیں..... اسے امارے پردادا نے بنوایا اے، تو م جاؤ۔" وہ بے پروائی سے بولا۔

"فتح خان! ایک بات تم نے سوچی نہیں ہے اگر میں جا کر راجا کو سب بتا دوں۔"

اس نے ہلکا سا قہقہہ مارا۔ "وہ یقین نہیں کرے گا۔ تو م کو جوٹا بولے گا اور آنے کا جو راستہ اسے پتا اے..... اس پر پہرا اے۔"

"اس کا مطلب ہے، تم نے راجا کے نوادارات اسی خفیہ راستے سے محل سے نکالے تھے جس کے بارے میں راجا بھی نہیں جانتا ہے۔"

"اب تو م جاؤ۔" یک دم فتح خان محتاط نظر آنے لگا اور پھر ایک پردے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ خادمہ بھی مضطرب نظر آنے لگی تھی۔ اس نے اشارے سے مجھے چلنے کو کہا۔ شاید انہوں نے کوئی خطرہ محسوس کر لیا تھا۔ خادمہ نے روشنی بجھا دی اور ایک بار پھر میرا بازو تھام کر تاریکی میں چل پڑی تھی۔ وہ اس جگہ کے چپے چپے سے واقف تھی، اس لئے آرام سے گھپ اندھیرے میں چل رہی تھی یا اس کی آنکھوں میں بلی کی سی خاصیت تھی جو اندھیرے میں بھی دیکھ لیتی ہے۔ کچھ دیر بعد ہم محل کے روشن حصے میں تھے پہریداروں کی نظروں سے بچتے بچاتے ہم مہمان خانے تک آنے میں کامیاب رہے تھے۔ میرا خیال تھا وہ مجھے دروازے تک پہنچا کر رخصت ہو جائے گی لیکن وہ اندر آ گئی تھی اور اس نے دروازہ اندر سے بند کر کے اپنی چادر اتار دی تھی۔

"اب تم جاؤ۔ میں سوؤں گا۔" میں نے گھبرا کر کہا۔

اس نے حسب معمول اس بات کا بھی کوئی جواب نہیں دیا اس کے بجائے اس نے مسکراتے ہوئے ایک توبہ شکن انگڑائی لی۔ میں نے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ "خدا کے لئے جاؤ، کوئی آ گیا تو اسے کیا جواب دو گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بجھ گئی تھی، کچھ دیر بعد اس نے چادر اٹھا کر لپیٹی۔ دروازہ کھول کر باہر دیکھا اور تیزی سے نکلتی چلی گئی۔ میں نے جلدی سے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ باہر گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش جاری تھی اور یقیناً سردی میں اضافہ ہو گیا تھا مگر محل کے اندر اس کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں بستر پر لیٹ گیا اور ہلکا سا کمبل اوڑھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن کچھ دیر پہلے میں جن حالات سے گزرا تھا۔ انہوں نے میرے ہوش اُڑا دیئے تھے۔ فتح خان اس قدر دیدہ دلیر ثابت ہوگا، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ نہ صرف آرام سے محل میں پھر رہا تھا بلکہ اسے یہ خوف بھی نہیں تھا کہ میں راجا کو اس کے بارے میں بتا سکتا تھا۔ عجیب آدمی تھا۔ میرے بارے میں پوری طرح باخبر تھا ورنہ اسے کیسے پتا چلتا کہ راجا نے مجھے نظر بند کر دیا ہے۔ اس نے بالکل درست وقت پر مجھ سے رابطہ کیا تھا اگر میں راجا عمر دراز کے عزائم کے بارے میں مشکوک نہ ہوتا تو کبھی فتح خان پر بھروسا نہ کرتا بلکہ وہ مجھ سے رابطہ کرتا تو میں پہلی فرصت میں راجا کو اس کے بارے میں بتا دیتا مگر اب میں اس پر بھروسا کرنے پر مجبور تھا۔

اگلا دن بھی نظر بندی کی حالت میں گزرا تھا۔ سوائے مہمان خانے کے ملازم کے اور کسی کی صورت نظر نہیں آئی تھی اور اس کے پاس ہر سوال کے جواب میں ایک ہی جملہ تھا۔ "ام کو نہیں مالوم۔" سارا دن میں الجھن کا شکار رہا کئی بار میرے دل میں خیال آیا کہ راجا کو جا کر فتح خان کے بارے میں بتا دوں لیکن صرف سوچ کر رہ گیا تھا۔ مسلسل نظر بند رہنے کی وجہ سے راجا عمر دراز کی طرف سے میرا دل خراب ہوتا جا رہا تھا..... مشکل لگ رہا تھا کہ وہ مجھے جانے کی اجازت دے۔ برٹ شا کے بارے میں وہ خود کہہ چکا تھا کہ وہ اسے کسی صورت معاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا وہ اسے خود اپنے محل سے جانے کی اجازت کیوں دیتا جو اس راز سے واقف ہو کہ برٹ شا اس کی قید میں ہے۔

فتح خان کی شرط بھی معنی خیز تھی۔ وہ سیاہ ڈبے کے بارے میں جاننا چاہتا تھا جو برٹ شا کے پاس تھا اور برٹ شا کے جواب پر منحصر تھا کہ فتح خان ہمیں راجا عمر دراز کی قید سے نکالتا یا نہیں..... وہ جس طرح آزادی سے محل میں موجود تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ ہمیں یا کم سے کم مجھے محل سے نکال لے جانا فتح خان کے لئے قطعی مشکل نہیں ہے۔ اس کے باوجود میں فتح خان کی مدد لینا گوارا نہ کرتا اگر معاملہ ایمن کا نہ ہوتا۔ ایمن راجا کی قید میں تھی اور محض اپنے باپ کی وجہ سے عتاب میں تھی۔ اس نے میری جان بچائی تھی اور اتنی اچھی لڑکی کو کوئی نقصان ہو، یہ میری برداشت سے باہر تھا۔ اسے بچانے اور راجا کی قید سے نکالنے کے لئے میں فتح خان سے بھی تعاون کرنے کے لئے تیار تھا۔ رات کا کھانا میں نے سات بجے کھایا تھا اور اس امید کے ساتھ انتظار کرنے لگا کہ خادمہ آج آئے گی وہ شاید مجھے فتح خان سے ملوائے۔ دس بجے دروازے پر دستک ہوئی تو میں بستر سے چھلانگ لگا کر اترا، بے تابی سے دروازہ کھولا اور سامنے بیگ کو کھڑے دیکھ کر میرے جوش و خروش کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ وہ میرے تاثرات سے بھانپ گیا۔ "کیا بات ہے شہباز صاحب! کیا آپ کو کسی اور کا انتظار تھا؟"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "کل سے ایک ہی صورت دیکھ دیکھ کر تھک گیا تھا۔ یہ بتائیں کہ اس مجبور کا خیال کیوں آیا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ایک بار پھر بتادوں، آپ راجا صاحب کے معزز مہمان ہیں۔ انہوں نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔''

''شکر ہے انہیں میری یاد آئی۔'' میں نے کہا۔

بیگ مجھے مہمان خانے سے محل کے ایک کمرے میں لایا، جہاں راجا عمر دراز کشمیری شال اوڑھے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کے نزدیک ہی رکھے دھاتی حقے کی چلم سے خوشبودار دھواں اٹھ رہا تھا۔ بے حد سنجیدہ تاثرات کے ساتھ اس نے مجھے سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے حقہ گڑگڑاتا رہا پھر اس نے کہا۔

''شہباز مجھے پتا ہے تم اس طرح روکے جانے پر مجھ سے ناراض ہو لیکن بس چند دن کی بات ہے، مسئلہ تقریباً حل ہونے والا ہے۔ برٹ شا اور اس کی بیٹی میرے قبضے..... میں ہیں۔''

''راجا صاحب..... مجھے اب واپس جانا ہے۔ میں اپنے گھر والوں کی طرف سے پریشان ہوں۔ وہ تو مجھے رو دھو چکے ہوں گے۔ آپ کے معاملات سے میرا کیا تعلق ہے اور اگر آپ کو خدشہ ہے کہ میں اس جگہ سے باہر جا کر کسی کو آپ کے رازوں کے بارے میں بتادوں گا تو میں یقین.....''

''برخوردار..... ذرا صبر کرو۔'' راجا نے میری بات کاٹ کر سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''مجھے تمہاری طرف سے کوئی خدشہ نہیں ہے۔ خدشہ اپنے دشمنوں کی طرف سے ہے۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔''

''کیسے دشمن..... برٹ شا تو آپ کی قید میں ہے؟''

''صرف برٹ شا ہی نہیں ہے اس کے اور ساتھی بھی ہیں۔ شاید تمہیں معلوم نہیں ہے۔ آج صبح پولیس کا ایک دستہ میرے محل کی تلاشی لینے آیا تھا۔ انہیں برٹ شا اور ایمن کی تلاش تھی۔''

میں حیران ہوا۔ ''پھر آپ مشکل میں پڑ گئے ہوں گے۔ پولیس کے دستے نے تلاشی لی؟''

''نہیں، وہ وارنٹ کے بغیر آئے تھے۔ میں نے تلاشی دینے سے انکار کر دیا۔'' راجا مسکرایا۔ ''ان کی جرأت نہیں تھی کہ زبردستی میرے محل میں داخل ہوتے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ برٹ شا کے ساتھی اسے چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''ہاں اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ میں تمہیں اس لئے محل سے جانے نہیں دے رہا کہ تم میرے پاس برٹ شا کی موجودگی سے واقف ہو بلکہ میں تمہیں ان دشمنوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ وہ میرے محل کی نگرانی کر رہے ہیں اور تم اگر باہر گئے تو پہلے کی طرح غائب ہو جاؤ گے۔''

راجا کی بات نے مجھے ایک بار پھر الجھن میں ڈال دیا تھا اگر وہ درست کہہ رہا تھا تو..... میں اس کی بات کی تصدیق کرنے سے قاصر تھا۔ راجا عمر دراز نے میری طرف دیکھا۔ ''شاید تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا ہے لیکن یقین کرو میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔''

''مجھے شرمندہ مت کریں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ دراصل زندگی میں کبھی ایسی سچویشن سے واسطہ نہیں پڑا ہے اس وجہ سے پریشان ہوں۔''

''اس جگہ اور میری پناہ میں ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ بس تمہیں چند دن اس جگہ رکنا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کتنے دن راجا صاحب؟''

''میں ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔

اس سے پہلے میں کچھ کہتا وہی رات والی خادمہ ٹرے اٹھائے کمرے میں آئی۔ اس نے ٹرے سامنے میز پر رکھتے ہوئے اپنی فسوں خیز نظروں سے میری آنکھوں میں دیکھا۔ چند لمحے تک وہ اسی طرح دیکھتی رہی پھر سر جھکا کر قہوہ بنانے لگی تھی۔ مجھے لگا جیسے وہ نظروں ہی نظروں میں منع کر رہی ہو کہ راجا کی بات پر یقین نہ کروں۔ اس نے قہوہ تیار کر کے پیالیاں راجا اور مجھے دیں اور جس طرح خاموشی سے آئی تھی اسی طرح خاموشی سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے راجا سے پوچھا۔

''راجا صاحب..... آپ کے محل کے تمام خادم مرد ہیں پھر یہ واحد عورت.....''

''یہ خادمہ نہیں ہے۔ ایک طرح سے تم اسے میری پناہ میں سمجھ سکتے ہو۔ اس کا باپ ایک شکار کے دوران اتفاقاً میری گولی کا نشانہ بن گیا۔ اس بچی کا دنیا میں اور کوئی نہیں تھا اس لئے میں اسے اپنے ساتھ لے آیا، اس کی اچھی پرورش کی ہے۔ محل کے کام یہ اپنے شوق سے کرتی ہے، اس پر کسی قسم کی کوئی ذمے داری نہیں ہے۔''

میں چونکا تھا۔ کل رات سے اب تک یہ وجہ میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ اتنی خوبصورت اور منفرد نظر آنے والی لڑکی فتح خان کا ساتھ کیوں دے رہی تھی؟ اب پتا چلا، راجا عمر دراز اس کے باپ کا قاتل تھا اور وہ انتقامی جذبے کے تحت فتح خان کی مدد کر رہی تھی۔ راجا اپنے طور پر اس پر احسان کر کے مطمئن تھا اور اس نے غالباً سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ لڑکی اس کے دشمنوں سے ملی ہوئی ہے۔ میں نے دبی زبان میں کہا۔ ''راجا صاحب، اس کا باپ آپ کے ہاتھوں مارا گیا تھا، اس لڑکی کے دل میں آپ کے خلاف جذبات نہیں ہوں گے؟''

راجا عمر دراز چونکا۔ ''یہ بات تم کیوں کہہ رہے ہو؟'' اس نے ٹٹولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''ایسے ہی، بس ایک خیال آ گیا تھا۔''

راجا اپنی پیالی اٹھا کر قہوہ نوش کرنے لگا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ قہوہ ختم ہونے تک کمرے میں خاموشی رہی تھی۔ میں نے پیالی میز پر رکھی۔ ''راجا صاحب! آپ نے ایمن کے بارے میں کہا تھا، اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ وہ آرام سے رہے گی۔''

''مجھے اپنی بات یاد ہے اور میں ویسے بھی عورت پر ہاتھ اٹھانے کے خلاف ہوں۔''

''راجا صاحب..... کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟'' میں نے درخواست کی تو راجا ہنسا تھا۔

''لگتا ہے اسے دیکھے بغیر تمہاری تسلی نہیں ہوگی۔''

''آپ نے درست کہا ورنہ مجھے آپ پر مکمل اعتبار ہے۔''

راجا عمر دراز نے اپنی زبان میں سیکرٹری بیگ سے کچھ کہا۔ بیگ کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے راجا کی بات پسند نہیں آئی۔ اس نے جواب میں کچھ کہا لیکن جب راجا نے تحکمانہ انداز اختیار کیا تو وہ چپ ہو گیا تھا۔ راجا نے میری طرف دیکھا۔ ''تم اس کے ساتھ جا کر ایمن کو دیکھ سکتے ہو لیکن زیادہ دیر مت رکنا۔''

سیکرٹری بیگ بادل نخواستہ مجھے لے کر نکلا۔ اس کا رخ تہ خانے کی طرف تھا۔ غالباً وہ مجھے ایمن سے ملوانے کے حق میں نہیں تھا مگر جب راجا نے زور دیا تو مان گیا۔ مجھے فکر لاحق ہونے لگی کہ بیگ قید خانے میں ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سر پر مسلط رہے گا تو میں برٹ شا سے سیاہ ڈبے کے بارے میں کیونکر معلوم کروں گا۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے بیگ سے انگریزی مس پوچھا۔ ''ہاؤ مینی ایئرز یو سروفار راجا؟'' وہ بری طرح چونکا تھا۔

''کیا کہا جناب آپ نے؟'' اس نے دریافت کیا۔

''میں نے پوچھا آپ کتنے عرصے سے راجا صاحب کے ساتھ ہیں؟''

اس نے سرد آہ بھری۔ ''یہ نہ پوچھیں جناب! یوں سمجھیں کہ میرا خاندان راجا کے خاندان کا پشتینی خدمت گار ہے۔''

مجھے اطمینان ہو گیا کہ اسے انگریزی زبان نہیں آتی ہے۔ اب میں اس کے سامنے بھی برٹ شا سے کھل کر بات کر سکتا تھا۔ بشرطیکہ کوئی اور انگریزی دان وہاں موجود نہ تھا۔ تہ خانے کی سیڑھیاں اتر کر ہم نیچے آئے۔ میرا خیال تھا کہ برٹ شا اور ایمن پوچھ گچھ والے کمرے میں ہوں گے لیکن بیگ ایک اور کمرے کے سامنے رکا۔ اس کے آگے دو محافظ کھڑے تھے۔ بیگ نے اپنی زبان میں انہیں دروازہ کھولنے کا حکم دیا کیونکہ ان میں سے ایک نے چابیوں کا گچھا نکال کر دروازے کا لاک کھول دیا تھا۔ میں اور بیگ کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ اے کلاس سیل روم تھا یہاں وہ قیدی رکھے جاتے تھے جنہیں آرام دینا مقصود ہو۔ کمرے میں آرام دہ فرنیچر تھا۔ دو بستر تھے، برٹ شا کمبل اوڑھے سو رہا تھا اور ایمن چپ کر کے بیٹھی تھی۔ ہمیں دیکھ کر اس نے پہلے تو توجہ نہیں دی پھر چونک کر اٹھی اور لپک کر میرے پاس آئی۔

''شوباز۔'' اس نے پُرجوش لہجے میں میرے نام کی مٹی پلید کی۔ ''تم یہاں کیسے؟''

''تم بھول رہی ہو، میں نے بتایا تھا کہ میں راجا کا مہمان ہوں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''شوباز..... پلیز تم راجا سے کہو ہمیں جانے دے، میں نے پاپا کو راضی کر لیا تھا، وہ اب راجا سے نہیں الجھیں گے، راجا نے بلاوجہ ہمیں پکڑوا دیا ہے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ راجا تمہارے پاپا کو معاف کر دے اور تمہیں جانے دے۔'' میں نے کہا۔

''تھینک یو۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔ ''مجھے یقین ہے راجا تمہاری بات مان لے گا۔''

وہ عملی طور پر شکریہ ادا کرنے کے لئے آگے آئی تو میں بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔ ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔''

''لڑکے..... اس نادان لڑکی کو بے وقوف مت بناؤ۔'' برٹ شا کی آواز آئی، وہ کمبل چھوڑ کر بستر سے اتر آیا تھا۔ اس کے اٹھتے ہی بیگ نے بے حد پھرتی سے اپنے چُغے سے ایک عدد ریوالور نکال لیا مگر برٹ شا اس کی طرف توجہ دیئے بغیر میرے قریب آیا۔ ''راجا اوسمرڈ راز..... ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔ یہ ممکن نہیں ہے۔''

''ایسا بالکل ممکن ہے۔'' میں نے بیگ کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ وہ ہماری گفتگو سے بے نیاز نظر آ رہا تھا اگرچہ مجھے سو فی صد یقین نہیں تھا کہ بیگ انگریزی سے نابلد ہے۔ وہ اردو، جتنی اچھی بولتا تھا تو انگریزی بھی جان سکتا تھا لیکن مجھے خطرہ مول لینا تھا، ممکن ہے مجھے دوبارہ موقع نہ ملتا۔

''وہ کیسے نوجوان؟'' برٹ شا نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''فتح خان نے پوچھا ہے کہ سایہ ڈبا کہاں ہے؟ اس سوال کے جواب پر تم لوگوں کے یہاں سے نکلنے کا انحصار ہے۔'' فتح خان کے نام پر وہ چونکا اور سیاہ ڈبے کے ذکر پر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا لیکن اس سے پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ کچھ کہتا بیگ چمک کر بولا۔

''تم نے فتح خان کا نام کیوں لیا ہے؟''

''میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ فتح خان کو خرید کر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ راجا صاحب کے محل میں نقب لگا سکے گا۔''

''شہباز صاحب! بس آپ چلیں..... راجا صاحب نے زیادہ رکنے کی اجازت نہیں دی ہے آپ کی تسلی ہو گئی ہو گی۔'' اس نے بے رخی سے کہا۔

''بس ایک منٹ۔'' میں نے کہا اور اب ظاہر ہے ایمن سے مخاطب ہوا۔ ''مجھے جلدی سے میرے سوال کا جواب دو..... میں اب نہیں رک سکتا۔''

برٹ شا کچھ دیر تولنے والی نظروں سے مجھے دیکھتا رہا پھر مسکرایا۔ ''اسے کہہ دینا..... سیاہ ڈبا میرے پاس ہے۔''

''یہ کیا بک رہا ہے؟'' بیگ نے ایک بار پھر مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''اپنی بے گناہی پر اصرار کر رہا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''بے گناہی!'' بیگ تلخی سے بولا۔ ''اس شخص نے سازشوں کا جو جال پھیلایا، اس میں الجھ کر کئی افراد کی جان جا چکی ہے۔ شینا اور اس محل کے دو محافظ تمہارے سامنے مارے جا چکے ہیں، یہ شخص کس منہ سے خود کو بے گناہ کہتا ہے!''

''فی الحال تو اسی منہ سے کہہ رہا ہے۔'' میں نے شانے اچکائے اور ایمن سے بولا۔ ''فکر مت کرو، میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی پوری کوشش کروں گا۔''

''نوجوان..... اپنے قد سے اونچی بات مت کرو۔'' برٹ شا کہتا ہوا دوبارہ بستر پر جا لیٹا۔

''پاپا کی بات کا برا مت منانا۔'' ایمن نے معذرت کی تھی۔

سیکرٹری بیگ کچھ زیادہ ہی فکر مند لگ رہا تھا اس لئے میں نے ایمن کو خدا حافظ کہا اور بیگ کے ساتھ باہر آ گیا۔ ہمارے باہر نکلتے ہی محافظ نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ سیکرٹری بیگ برہم نظر آ رہا تھا۔ ''آپ کو ان سے بات نہیں کرنی تھی۔''

''صرف خیریت پوچھ رہا تھا۔''

''یہ راجا صاحب کے دشمن ہیں۔ ان سے زیادہ بات کرنا مناسب نہیں ہو گا۔'' وہ کراہت سے بولا۔ میں نے چپ رہنے میں عافیت سمجھی۔ بیگ بہت عیار آدمی تھا، وہ مجھ پر شک کر سکتا تھا اور اگر اسے شک ہو جاتا تو وہ مجھ پر نگرانی لگا سکتا تھا۔ وہ مجھے واپس راجا عمر دراز کے پاس لایا اور اسے رپورٹ دی۔ راجا خاموشی سے سنتا رہا پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز تم نے برٹ شا سے کیا بات کی تھی؟''

میں نے اسے بھی وہی بتایا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے تمہیں صرف تمہاری تسلی کے لئے بھیجا تھا لیکن یہ مت بھولو کہ برٹ شا میرا دشمن ہے۔''

''اس کی بیٹی سے تو آپ کی کوئی دشمنی نہیں ہے بلکہ وہ اپنے باپ کو سمجھا بجھا کر واپس لے جا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برٹ شا نے آپ کے نوادرات کا خیال دل سے نکال دیا ہے۔ آپ انہیں معاف کر کے جانے دیں۔'' میں نے عاجزی سے درخواست کی۔

راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''تم اور وہ لڑکی ایمن ابھی بچے ہو۔ برٹ شا جیسا مکار اتنی آسانی سے مان جائے میں مان ہی نہیں سکتا۔ اسے ان نوادرات کے لئے اپنی اولاد بھی قربان کرنی پڑی تو وہ ہنسی خوشی کر دے گا۔ اس قسم کے کاموں میں اپنی اولاد کو کون ملوث کرتا ہے! اس کے باوجود برٹ شاہ اپنی لڑکی کو لے آیا..... بات یہ ہے برخوردار! ان نوادرات کو حاصل کرنا اس کے خاندان کی انا کا مسئلہ ہے وہ پھر کوشش کرے گا اور یہ اس کی پہلی کوشش نہیں ہے اس سے پہلے بھی وہ کئی بار ان چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کر چکا ہے۔ ایک بار اس نے مجھ سے براہِ راست رابطہ کر کے ان چیزوں کی منہ مانگی قیمت دینے کو کہا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا۔''

''جناب مجھے نہیں معلوم ان چیزوں کی اہمیت کیا ہے؟ آپ مہربانی کر کے مجھے جانے دیں۔ میں اپنے رسک پر چلا جاتا ہوں اگر میرے ساتھ کچھ ہوا تو آپ پر اس کی ذمے داری نہیں ہوگی۔''

''یہ ممکن نہیں ہے برخوردار! وہ لوگ تمہیں یرغمال بنا کر مجھ سے مطالبہ کریں گے اور میں پہلے کی طرح ان کا مطالبہ ماننے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ ہینا کو چھوڑنا..... برٹ شا کو رہا کرنے کی نسبت مشکل فیصلہ تھا کیونکہ وہ وادی کے رسم و رواج اور قانون کی مجرم تھی۔ برٹ شا صرف میرا دشمن ہے۔ اس لئے میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ جب تک میں اس کا فیصلہ نہیں کر لیتا تمہیں میرے پاس ہی رہنا ہوگا۔ اس محل کی حد میں تم آزاد ہو۔''

''لیکن صرف دن میں؟'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''ہاں رات کی پابندی میں نے فتح خان کی وجہ سے لگائی ہے۔ وہ اس محل کے خفیہ راستوں سے واقف ہے اور رات کو خطرے کی وجہ سے سوائے محافظوں کے کوئی باہر نہیں رہ سکتا ہے۔ تمہارا تو وہ ویسے ہی جانی دشمن ہے۔''

میں چپ رہا۔ اسے کیسے بتاتا کہ رات کی تاریکی میں فتح خان آزادانہ محل میں آیا تھا اور اس نے مجھ سے ملاقات کی تھی، محل میں اس کے وفادار تھے۔ ایک خادمہ کو تو میں جانتا تھا اور نہ جانے کون کون تھا جسے میں جانتا بھی نہیں تھا۔ مجھے راجا عمر دراز کی خوش فہمی پر ترس آنے لگا۔ وہ اپنے محل کو محفوظ سمجھتا تھا حالانکہ یہاں آنے کے ایسے چور راستے بھی تھے جن سے وہ خود بھی واقف نہیں تھا۔ اس کے آدمی جن پر وہ پوری طرح بھروسا کرتا تھا وہ اس سے غداری کر رہے تھے۔ بہر حال اس نے جس قطعی لہجے میں مجھے جانے کی اجازت دینے سے انکار کیا تھا میرے اندر خدشات بڑھنے لگے تھے۔

کمرے سے واپس آ کر میں خاصی دیر تک جاگتا رہا میرا خیال تھا کہ خادمہ مجھ سے فتح خان کے سوال کا جواب لینے آئے گی، وہ مجھے راجا عمر دراز کے ساتھ دیکھ چکی تھی اور ممکن ہے برٹ شا اور ایمن سے ملاقات بھی اس کی نظر میں ہو مگر وہ نہیں آئی۔ نیند آئی اور میں سو گیا۔ صبح اٹھ کر دوسرے معمولات اور نتاشتے سے فارغ ہو کر میں نے باہر باغ کا رخ کیا۔ آج راجا عمر دراز چبوترے پر نظر آ رہا تھا، سیکرٹری بیگ اس کے پاس تھا میں چبوترے کی طرف بڑھا تو وہ عجلت میں لپک کر نیچے آیا۔

''جناب..... راجا صاحب اس وقت کسی معاملے میں سوچ رہے ہیں اور ایسے وقت کسی کی مداخلت پسند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کرتے، مہربانی فرما کر آپ کچھ دیر انتظار کریں۔''

''نو پرابلم۔'' میں نے کہا۔

''کیا فرمایا؟'' وہ بولا اور پھر شکوہ کیا۔ ''آپ اکثر انگریزی بول جاتے ہیں۔''

''عادت پڑ گئی ہے۔ معذرت کے ساتھ۔ میرا مطلب ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں بھی صرف سلام کرنے جا رہا تھا۔''

''جب راجا صاحب فارغ ہوں گے تو آپ کو بلا لیں گے۔''

''کیا برٹ شا کے بارے میں.....؟'' میں نے پوچھنا چاہا۔

''راجا صاحب اپنے معاملات کسی کو نہیں بتاتے۔'' بیگ نے میری بات کاٹی۔ ''اور براہِ کرم اب یہ نام دوبارہ زبان پر مت لائیے گا۔''

مجھے بھی معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا۔ برٹ شا راجا کا دشمن ہی نہیں تھا اس کے لئے بہت بڑا مسئلہ بھی تھا۔ مجھے اس معاملے میں زبان کھولتے ہوئے محتاط رہنا تھا۔ میں بیگ کے ساتھ پھولوں کے تختوں کے درمیان ٹہلتا رہا تھا۔ وقفے وقفے میں راجا کی طرف دیکھتا تھا۔ شروع میں جو بے تکلفی دکھائی تھی وہ اب اس کے انداز میں نظر نہیں آتی تھی۔ میرے لئے وہ سچ مچ کا راجا بن گیا تھا۔ آخر بیگ پلٹ کر آیا۔

''راجا صاحب یاد کر رہے ہیں۔''

راجا عمر دراز اس وقت بہت سنجیدہ تھا۔ اس نے اشارے سے مجھے کرسی پر بیٹھنے کو کہا میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ راجا سر جھکائے کسی سوچ میں گم تھا۔ بیگ اس سے ذرا فاصلے پر کھڑا تھا۔ خاصی دیر بعد راجا نے سر اٹھایا۔

''شہباز معاملات خراب ہو رہے ہیں۔ میں نے برٹ شا اور اس کی بیٹی کو یہاں سے منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''جی!'' میں نے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ یہ بات مجھے کیوں بتا رہا تھا۔

''تم بھی ان کے ساتھ جاؤ گے۔'' راجا نے میری الجھن بھانپ کر کہا۔

میں چونکا۔ ''وہ کیوں راجا صاحب؟''

''مجھے اطلاع ملی ہے اس بار پولیس سرچ وارنٹ کے ساتھ آئے گی اور اگر تمہیں دیکھا تو بعد میں بھی پریشان کر سکتے ہیں اس لئے تمہارا ابھی محل سے جانا ضروری ہے۔''

''آپ مجھے کہاں بھیج رہے ہیں؟'' میں فکر مند ہو گیا تھا۔ اگر راجا عمر دراز ہمیں کہیں اور بھیج دیتا تو فتح خان کا منصوبہ دھرا رہ جاتا۔

''ایک محفوظ جگہ ہے۔'' راجا عمر دراز بولا۔ ''وہاں تم اور میرے قیدی آرام سے رہو گے۔''

راجا عمر دراز فیصلہ کر چکا تھا۔ برٹ شا تو اس کا اعلانیہ قیدی تھا، میں غیر اعلان شدہ قیدی تھا جسے بعض مراعات اور مہمانوں کا سا طعام، قیام حاصل تھا۔ میں صرف دبے انداز میں احتجاج کر سکتا تھا۔ اس کے سامنے واضح طور پر انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ''ہمیں کب جانا ہوگا؟'' میں نے بے بسی سے پوچھا۔

''کسی وقت بھی۔'' راجا کے بجائے بیگ نے کہا تھا۔ ''آپ تیار رہیں، ذہنی طور پر۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجا نے نے مجھے اپنے ساتھ قہوہ پلایا اور خاصی دیر تک مشفقانہ انداز میں گفتگو کرتا رہا لیکن میں اس کے انداز میں صاف طور پر مصنوعی پن محسوس کر رہا تھا۔ شاید وہ بھی میری طرح الجھن کا شکار تھا۔ اگر میں کھل کر جانے کا مطالبہ کر دیتا تو اسے مجبوراً مجھے بھی برٹ شا کی طرح قید کرنا پڑتا۔ اتنا تو میں بھی جان گیا تھا کہ وہ مجھے کسی صورت جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ کچھ دیر بعد راجا عمر دراز اٹھ کر اندر چلا گیا اور میں نے مہمان خانے کا رخ کیا۔ فتح خان کو اس تبدیلی سے آگاہ کرنا ضروری تھا اور اس سے رابطے کا واحد ذریعہ خادمہ تھی مگر وہ کبھی مجھے مہمان خانے یا محل سے باہر بھی نظر نہیں آئی تھی۔ مہمان خانے میں اپنے کمرے میں آ کر میں کچھ دیر مضطربانہ انداز میں کمرے کے چکر لگاتا رہا پھر میں نے محل میں جانے کا فیصلہ کر لیا ممکن ہے راجا نے مجھ پر سے محل میں جانے کی پابندی اٹھالی ہو۔

خوش قسمتی سے مہمان خانے کے محافظ نے مجھے محل میں جانے سے نہیں روکا۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھ پر سے پابندی اٹھالی گئی تھی۔ محل کے نچلے حصے میں سب کچھ میرا دیکھا بھالا تھا۔ میں نے سب سے پہلے کچن اور طعام گاہ کا رخ کیا۔ خادمہ کے وہاں پائے جانے کے امکانات تھے مگر وہاں باورچی اور اس کے مددگار کے علاوہ کوئی نہیں تھا، جو دوپہر کا کھانا بنانے میں مصروف تھے۔ ان سے بات کرنا بے کار تھا کیونکہ وہ سوائے مقامی زبان کے اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ میں نے اشارے سے چائے کا کہا۔ باورچی کے نائب نے فوری طور پر چائے کے لئے پانی رکھ دیا تھا۔ باورچی خانے سے نکل کر میں نشست گاہوں والے حصے میں آیا۔ یہاں کئی قسم کی نشست گاہیں تھیں۔ بعض باہر سے آنے والوں کے لئے تھیں اور ایک صرف راجا اور اس کے خاص مہمانوں کے لئے مخصوص تھی۔ اس نشست گاہ میں کل رات اس نے مجھے شرف باریابی بخشا تھا۔ نشست گاہیں بھی خالی تھیں جب میں نے راجا عمر دراز کی خاص نشست گاہ میں جھانکا تو مجھے ایک چادر پوش عورت گلدان میں تازہ پھول رکھتی نظر آئی۔ اس کا چہرہ نمایاں نہیں تھا۔ میں اندر داخل ہوا اور آہستہ سے کھنکارا تو وہ پھرتی سے مڑی تھی۔ میں نے سکون کا سانس لیا وہ خادمہ ہی تھی لیکن اس سے پہلے میں کچھ کہتا اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں کوئی تھا اور میرا بولنا نامناسب ہوتا۔ وہ تیزی سے میرے پاس آئی اور سرگوشی میں بولی۔

''ابی جاؤ۔ ام تو مارے کمرے میں آتا۔''

''کب تک؟ مجھے ضروری بات کرنی ہے۔'' میں نے بھی سرگوشی میں کہا۔

''ام کو معلوم اے۔'' وہ فتح خان کی طرح گلابی اردو بول رہی تھی۔ شروع میں مجھے اس کے بارے میں شبہ ہوا تھا کہ وہ گونگی ہے یا اردو نہیں جانتی مگر اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اسے اچھی خاصی اردو آتی ہے۔

''اب تو م جاؤ۔'' اس نے مجھے دھکیلا، وہ میرے اتنے نزدیک آ گئی تھی کہ میں اس کی مہک کے ساتھ اس کے ہوشربا وجود کی گرمی بھی محسوس کر سکتا تھا۔

''دیر مت کرنا۔ ایسا نہ ہو راجا مجھے کہیں اور بھیج دے۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور جلدی سے وہاں نکل آیا۔ باورچی خانے میں جانے کے بجائے میں نے مہمان خانے کا رخ کیا تھا۔ کوئی میرے لئے چائے رکھ گیا تھا۔ میں نے گرم کیتلی سے چائے کپ میں ڈال کر بنائی اور اس کے سپ لیتے ہوئے خادمہ کا انتظار کرنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا خیال تھا کہ وہ جلد آئے گی مگر دو کپ چائے پینے اور ایک گھنٹے تک انتظار کرنے کے باوجود وہ نہیں آئی تھی اس کے بجائے دوپہر کا کھانا آ گیا تھا۔ مجھے بھوک نہیں تھی، اس کے باوجود میں نے کھا لیا کہ نہ جانے آگے کیا حالات پیش آئیں اور اگلا کھانا کب نصیب ہو، یا مجھے بھی برٹ شا کے ہمراہ کسی عقوبت خانے میں ڈال دیا جائے جہاں کھانے میں صرف گالیاں اور مار ہو۔ ملازم کھانا دے کر چلا گیا تھا اور برتن لینے خادمہ آئی تھی۔ میرے سامنے سے برتن سمیٹتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تو م کیا بولتا اے؟''

''فتح خان سے کہنا کہ مجھے اور برٹ شا کو اس کی بیٹی سمیت محل سے کہیں اور بھیجا جا رہا ہے۔ آج جانا ہے اور کسی وقت بھی روانگی ہو سکتی ہے۔''

''ام بتا دے گا۔'' اس نے بغیر کسی تاثر کے کہا اور برتن لے کر چلی گئی۔

میں نے اس کی قسمت پر افسوس کیا۔ وہ اس قابل تھی کہ کسی محل میں رانی ہوتی لیکن وہ راجا عمر دراز کے محل میں محض ایک خادمہ تھی۔ بہر حال میں صرف افسوس ہی کر سکتا تھا اور وہ بھی چند لمحے کے لئے کیونکہ مجھے اپنی پڑی تھی۔ کچھ دیر بعد مجھے نہ جانے کہاں بھیجا جانے والا تھا۔ خادمہ کے جانے کے کوئی گھنٹے بھر بعد راجا عمر دراز کی طرف سے بلاوا آیا تھا۔ وہ اپنی مخصوص نشست گاہ میں موجود تھا اور اس کے لباس سے لگ رہا تھا کہ وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار ہے۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''برخوردار تیار ہو جاؤ۔ ہمیں چلنا ہے۔''

''میرا سامان.....''

''اس کی فکر مت کرو، اب تک پہنچ چکا ہو گا۔''

راجا عمر دراز مجھے لے کر نکلا اس کے ساتھ ایک محافظ بھی تھا۔ ایک جگہ رک کر راجا نے محافظ سے کچھ کہا اور مجھ سے بولا۔ ''برخوردار مجھے افسوس ہے۔ آگے چلنے سے پہلے تمہیں اپنی آنکھوں پر پٹی بندھوانی پڑے گی۔''

''یعنی آپ نہیں چاہتے کہ میں اس راستے کو دیکھوں جس سے ہم جائیں گے۔''

''تم ذہین آدمی ہو۔'' راجا بولا اور اس کے اشارے پر محافظ نے میری آنکھوں پر ایک رومال باندھ دیا جس سے نسوار کی بو آ رہی تھی۔ وہی میرا ہاتھ تھام کر چلنے لگا۔ میں نے اپنے پیروں تلے ڈھلانی راستہ محسوس کیا یہاں گھٹن سی تھی جیسے ہم کسی بند جگہ سے گزر رہے ہوں کچھ دیر بعد مجھے حیوانی بو محسوس ہوئی تھی اور پھر گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ محافظ نے سہارا دے کر مجھے گھوڑے پر سوار کرایا اور گھوڑا چلنے لگا۔ ٹاپوں کی گونج سے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم کسی سرنگ میں سفر کر رہے ہوں اور سفر کرنے والے کئی تھے کیونکہ زیادہ ٹاپوں کی آواز میری سماعت تک آ رہی تھی۔ کوئی دس منٹ تک گھوڑے اسی طرح چلتے رہے۔ مجھے تعجب ہونے لگا اگر یہ سرنگ ہی تھی تو کتنی طویل تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم نے اس طرح چلتے چلتے کوئی ایک میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا پھر گھوڑے رکے اور میں نے پتھر سرکنے جیسی آواز سنی۔ محافظ نے مجھے نیچے اترنے کو کہا اور پھر میرا بازو تھام کر چلنے لگا۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ ہم کھلی فضا میں آ گئے ہیں۔ درختوں کی مہک آ رہی تھی لیکن محافظ نے رکنے یا مجھے پٹی اتارنے کی اجازت نہیں دی پھر میں نے راجا عمر دراز کی آواز سنی۔ ''ان کی پٹیاں اتار دو۔''

پٹی اترتے ہی ایک لمحے کے لئے میری آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ میں دن کی تیز روشنی کا عادی ہونے لگا۔ ایک کھلی جگہ ہم چھ افراد تھے یعنی میں، راجا عمر دراز، برٹ شا، ایمن اور دو عدد مسلح محافظ۔ ان میں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک چوکس کھڑا تھا اور دوسرا چھ عدد گھوڑے لا رہا تھا میں نے پہلی بار دیکھا ایمن اور برٹ شا کے منہ ٹیپ چپکا کر بند کر دیئے گئے تھے اور ان کے ہاتھ سامنے کی طرف رسی سے بندھے تھے اور اس رسی کا ایک سرا ان کے باہیں پیروں میں گھٹنوں سے نیچے اس طرح بندھا تھا کہ وہ منہ تک ہاتھ لے جا کر ٹیپ نہیں اتار سکتے تھے۔ یہ کام وہ صرف بیٹھ کر، کر سکتے تھے مگر انہیں بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک مسلح محافظ ان کے سروں پر مسلط تھا۔ گھوڑے آتے ہی محافظوں نے انہیں گھوڑوں پر بٹھایا پھر ہم سب بھی سوار ہوئے۔ راجا عمر دراز کا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے ایک محافظ تھا اس کے بعد میں اور میرے عقب میں برٹ شا اور ایمن تھے جب کہ ایک محافظ عقب میں تھا۔ میں نے دیکھا ہم ایک ڈھلان پر کھڑے تھے۔ سورج کے رخ سے میں نے اندازہ لگایا کہ راجا کا محل اس پہاڑ کے دوسری طرف تھا اور ہم سرنگ سے گزر کر براہ راست اس طرف آ گئے تھے۔ راجا ہمیں محل سے آنے والا یہ راستہ ایسی جگہ لگتا تھا کہ اس کے دشمن اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ نہ جانے وہ سرنگ قدرتی تھی یا بنائی گئی تھی۔ امکان یہی تھا کہ سرنگ قدرتی تھی ورنہ ان سخت پہاڑوں میں سرنگ بنانا اور وہ بھی کوئی میل بھر بے حد مشکل کام تھا۔

اس وقت ہم ڈھلان سے اتر کر ایک درّے میں سے گزر رہے تھے۔ سورج مغرب کی طرف جھکنے لگا تھا۔ راستہ ایسا نہیں تھا کہ اس پر گھوڑے دوڑائے جا سکتے اس لئے سفر بے حد سست رفتاری سے جاری تھا۔ ایک گھنٹے بعد درّہ عبور کر کے ہم نے ایک چھوٹی سی وادی میں قدم رکھا تھا جس کے چاروں طرف اونچے پہاڑ تھے، بے حد گھنے جنگل تھے۔ وادی کے وسط میں اونچی گھاس والے میدان میں اوپر برف سے پگھل کر آنے والا خوشبودار پانی بہہ رہا تھا۔ ایک بار میں نے گھوڑے سے اتر کر پانی پیا تو یوں محسوس ہوا جیسے آب حیات پی لیا ہو۔ اس جیسا پانی میں نے پھر نہیں پیا۔ سورج ڈوبنے کے قریب تھا جب ہم نے وادی سے باہر نکلنے والے درّے کو عبور کیا۔ دور نشیب میں گھنے جنگل سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ راجا عمر دراز نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ ''ہمیں وہاں تک جانا ہے، تم تھکے تو نہیں ہو؟''

یہ سچ تھا اتنے دن، اتنے دشوار راستوں پر گھڑ سواری کرنے سے میرا جوڑ جوڑ ہل گیا تھا اور میرے لئے سیدھا بیٹھنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ میرے مقابلے میں راجا عمر دراز کسی مجسمے کی طرح ساکت اور پُرسکون انداز میں گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ اس عمر میں اس کا اسٹیمنا اور جسم کی مضبوطی قابل رشک تھی۔ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے گھوڑا آگے بڑھایا تھا کہ اوپر سے فائر کی آواز آئی اور میرے عقب میں موجود محافظ چیخ مار کر گھوڑے سے گر گیا۔ گھوڑے بدک رہے تھے اور ہم انہیں قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسرے محافظ نے اس سمت رائفل سے فائر کئے جس طرف سے گولی آئی تھی اوپر سے پھر گولی چلی اور میں نے دوسرے محافظ کو گولی کھا کر گرتے دیکھا۔ میں گھوڑے سے اتر آیا۔ راجا عمر دراز پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بظاہر غیر مسلح تھا۔ برٹ شا اور ایمن دم بخود سے ساکت بیٹھے تھے۔

''راجا.....'' میں نے فتح خان کی آواز سنی اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ راجا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اس نے چیخ کر جواب میں کچھ ارشاد فرمایا۔ ظاہر ہے وہ فتح خان کو سخت سُست سنا رہا تھا۔ دونوں کے درمیان بلند آواز سے تبادلۂ خیال جاری رہا تھا۔ ایمن اپنا گھوڑا آگے میرے پاس لے آئی تھی۔ ''یہ لوگ کیا بات کر رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں؟ آواز فتح خان کی لگ رہی ہے۔"

"یہ فتح خان ہی ہے لیکن ان میں کیا گفتگو ہو رہی ہے، میں اتنا ہی ناواقف ہوں جتنا کہ تم۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھتا۔"

"میرا خیال ہے یہ دونوں مر گئے ہیں۔" ایمن نے محافظوں کی طرف دیکھا۔

فائرنگ کرنے والا یقینی طور پر مر چکا تھا میں نے اس کے سر پر گولی لگتے دیکھی تھی۔ البتہ پہلا محافظ ابھی زندہ تھا، وہ حرکت کر رہا تھا شاید اسے اتنا مہلک زخم نہیں آیا تھا جو فوری موت کی وجہ بنتا۔ میں نے راجا کو بالآخر ہاتھ بلند کر کے گھوڑے سے اترتے دیکھا۔ اس کے نیچے اترتے ہی فتح خان اور ایک دوسرا شخص نیچے اترنے لگے۔ وہ اوپر چٹانوں میں چھپے ہوئے راجا عمر دراز اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ فتح خان نے کلاشنکوف اٹھا رکھی تھی۔ اس کے ساتھی نے آتے ہی برٹ شا اور ایمن کے ہاتھ اور پاؤں سے رسی کاٹ کر انہیں آزاد کرا لیا تھا۔ فتح خان نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا تو وہ انہیں لے کر اوپر جانے لگا۔ راجا عمر دراز نے دانت پیس کر اپنی زبان میں کچھ کہا تو فتح خان مسکرانے لگا۔ "اب یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔" فتح خان نے میری طرف اشارہ کیا۔

"یہ میرا مہمان ہے، اسے ہاتھ لگانے کے لئے تمہیں میری لاش سے گزرنا پڑے گا۔" راجا عمر دراز غرایا۔

"ام یہ بی کر گزرے گا۔" فتح خان نے راجا کی طرف رائفل سیدھی کر لی اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سچ مچ راجا عمر دراز کو گولی مار دے گا۔ میں نے جلدی سے مداخلت کی۔

"ایک منٹ فتح خان! میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔"

"شہباز تم نہیں جاؤ گے۔" راجا زور سے بولا۔

"راجا صاحب! آپ اس معاملے میں دخل نہ دیں، میں اپنی خوشی سے جا رہا ہوں۔"

راجا عمر دراز نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "خوشی سے..... احمق لڑکے..... یہ تمہارا دشمن ہے۔"

"مجھے معلوم ہے، آپ میری فکر نہ کریں۔" میں نے لہجہ مزید روکھا کر لیا۔ "آپ نے اتنے دن مجھے اپنے پاس رکھا اس کا بے حد شکریہ۔"

"فتح خان! اسے مت لے کر جاؤ۔ میں تمہارے سارے جرم بھول جاؤں گا۔ میرا کوئی آدمی تمہاری تلاش میں نہیں جائے گا۔" راجا نے نرم لہجے میں کہا۔

"ام اسے لے کر جائے گا زندہ یا مردہ چوڑ کر جائے گا۔" فتح خان نے گن کا رخ میری طرف کر دیا تھا۔

"ابی فیصلہ کرو۔"

میں ڈر رہا تھا کہ فتح خان بھانڈا نہ پھوڑ دے کہ میں اس سے ساز باز کر چکا ہوں۔ اس صورت میں راجا عمر دراز کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑتی۔ اگر اس کے عزائم میرے بارے میں درست ہوتے تو اسے زیادہ صدمہ ہوتا لیکن فتح خان نے بالکل درست حربہ استعمال کیا۔ اس وقت میں نے یہ نہیں سوچا کہ فتح خان مجھے بھی لے جانے کے لئے اتنا بے تاب کیوں ہے۔ اصولاً تو کام نکل جانے کے بعد اس کو واپس چلے جانا چاہئے تھا۔ راجا کی قید میں مجھ پر کیا گزرتی ہے اس کی بلا سے۔

"ٹھیک ہے..... لیکن فتح خان اسے ذرا سا بھی نقصان ہوا تو میں دنیا کے آخری سرے تک تمہارا پیچھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروں گا۔" عمر دراز نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

"آپ فکر نہ کرو راجا صیب!" فتح خان مکاری سے بولا۔ "ام اسے چوڑ دے گا ابی ام اس کو یرغمال (یرغمال) بنا کر لے جاتا اے۔ اگر تو مارا آدمی امارے پیچھے آیا تو ام اس کا سر میں گولی اتار دے گا۔"

"میں ضمانت دیتا ہوں میرا کوئی آدمی تمہارے پیچھے نہیں آئے گا۔ ان لوگوں کو میں کچھ دن بعد خود چھوڑ دیتا۔ اب ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"ام ضمانت پر بھروسا نہیں کرتا اے..... ام اپنا کام اپنی تسلی سے کرتا اے..... چلو شہباز خان....." اس نے آخری جملہ مجھ سے کہا۔

"میرا نام شہباز ہے..... اس کے ساتھ خان نہیں لگتا ہے۔" میں نے خفگی سے کہا اور اوپر کی طرف قدم بڑھائے۔

"راجا صیب! کوئی شرارت مرارت مت کرنا۔ امارا آدمی اوپر رائفل لئے بیٹھا اے۔"

"میں کبھی دشمن کی پشت پر وار نہیں کرتا۔" راجا عمر دراز تلخی سے بولا۔ "تم تو صرف ایک نمک حرام ہو۔"

فتح خان نے خندہ پیشانی سے گالی سنی اور میرے ساتھ اوپر چڑھنے لگا۔ وہ جان بوجھ کر میرے نزدیک رہا تھا کہ راجا کے پاس کوئی ہتھیار ہو بھی تو وہ فائر نہ کرے۔ ذرا دیر بعد ہم اوپر جا پہنچے تھے یہاں سے ایک بلندی کی طرف جاتی عظیم الشان تہ در تہ ڈھلان کا آغاز تھا جس پر بے حد گھنے اور اونچے درختوں والا جنگل تھا۔ بلندی پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ راجا زندہ محافظ کے ساتھ گھوڑے پر اس طرف جا رہا تھا جہاں اس نے اپنے قید خانے کی نشان دہی کی تھی۔ اس طرف سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا۔ بلندی پر دھوپ تھی اور وادی کے نچلے حصوں میں تاریکی چھا رہی تھی۔ اوپر جاتے ہی فتح خان نے روانگی کا حکم دیا تھا۔ ان کے پاس چار عدد خچر تھے۔ یہ خاصے صحت مند پہاڑی خچر تھے جو اس علاقے میں سفر کرنے کے لئے بے حد موزوں ہوتے ہیں۔ برٹ شا اور ایمن ایک ہی خچر پر سوار ہو گئے تھے جب کہ ایک خچر میرے اور فتح خان کے ساتھی کے حصے میں آیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اوپر آتے ہی فتح خان کا رویہ بدل گیا تھا اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے میں اس کا قیدی ہوں۔ خچر پر اس کا ساتھی بھی شاید اس لئے ساتھ بیٹھا تھا کہ میں راستے میں کوئی شرارت نہ کروں۔

ایک خچر خالی تھا۔ فتح خان اپنا خچر برٹ شا کے پاس لے گیا تھا اور وہ آپس میں دبے لہجے میں بات کرنے لگے۔ ان کے اکا دکا الفاظ میرے کانوں تک آ رہے تھے۔ فتح خان انگریزی جانتا تھا۔ کئی بار میں نے بلیک بکس کا لفظ سنا لیکن ان کی مجموعی گفتگو نہیں سن سکا تھا۔ میرا اندازہ تھا فتح خان اس بلیک بکس یا سیاہ ڈبے کے بارے میں پوچھ رہا تھا جس کا اس نے مجھ سے بھی ذکر کیا تھا کہ میں برٹ شا سے معلوم کر کے بتاؤں اور اس کے جواب پر ہماری رہائی کا انحصار تھا۔ رفتہ رفتہ برٹ شا اور فتح خان کی آواز بلند اور تند ہونے لگی۔ وہ جھگڑ رہے تھے۔ میں نے برٹ شا کو چلا کر بولتے سنا۔ "تمہارا بلیک بکس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تمہارا پورا معاوضہ تمہیں دے چکا ہوں۔"

"کس کام کا؟" فتح خان زہر خند سے بولا۔ "جس کام کا معاوضہ دیا تھا وہ میں کر چکا ہوں۔ ابھی میں نے تمہیں راجا کی قید سے نکالا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کام تم نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔'' برٹ شا بے پروائی سے بولا۔ ''میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ مجھے اس سے بچاؤ۔ اس لئے معاوضے کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہے۔ بے شک تم ہمیں راجا کے حوالے کر دو۔''

''اتنا بے وقوف نہیں ہوں میں اور بلیک بکس میں لے لوں گا کہ تم خود دو گے۔''

اس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔ مکمل تاریکی چھانے تک ہم جنگل میں داخل ہو گئے تھے۔ راستہ کسی قدر بہتر تھا لیکن تاریکی میں اس پر سفر کرنا آسان نہیں تھا۔ فتح خان اور اس کے ساتھی نے بڑی ٹارچیں نکال کر روشن کر لی تھیں۔ ان کی روشنی میں سفر جاری رہا۔ کوئی دو گھنٹے بعد فتح خان نے خچر ایک جگہ روکے اور خود اتر کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا تھا۔ اس کا ساتھی نیچے اتر آیا اور پستول نکال کر ہماری نگرانی کرنے لگا۔ فتح خان کوئی دس منٹ بعد آیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ کسی فوری ضرورت کے تحت جھاڑیوں میں گیا تھا لیکن باہر آ کر اس نے اپنے ساتھی سے اپنی زبان میں کچھ کہا اور وہ ہمیں پستول کی نوک پر ہانک کر جھاڑیوں میں لے گیا جو اصل میں ایک غار کے دہانے پر تھیں اور اس طرح پھیلی تھیں کہ دہانہ مکمل طور پر چھپ کر رہ گیا تھا۔ وہ ٹارچ کی روشنی سے ہمیں راستہ دکھا رہا تھا۔

غار اندر سے کشادہ تھا اور یہاں ضرورت کا خاصا سامان بھی تھا۔ فتح خان کے ساتھی نے مجھے ایک کونے میں رکھی موم بتیاں روشن کرنے کا حکم دیا۔ ماچس بھی تھی میں نے موم بتیاں روشن کر دیں۔ ایک طرف چند بستر پڑے تھے اور غار کے اندر والے حصے میں خشک راشن پڑا تھا۔ فتح خان کے ساتھی نے خشک راشن سے بھنے ہوئے چنے نکالے اور ایک طرف بیٹھ کر کھانے لگا۔ اس نے ہمیں غار کی دیوار کے ساتھ دونوں ہاتھ پشت کی طرف کر کے بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے چنے ہمیں دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ برٹ شا نے مجھ سے کہا۔

''کیا تم فتح خان کے ساتھ ہو؟''

''بدقسمتی سے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اور اب مجھے لگ رہا ہے میں نے غلط فیصلہ کیا تھا۔ فتح خان نے مجھ سے کہا تھا وہ مجھے راجا کی قید سے آزاد کرائے گا۔''

''لیکن تم قید میں کہاں تھے؟'' برٹ شا تاسف سے بولا۔ ''تم نے حماقت کی۔''

''ہاں..... لیکن تم ان حالات سے گزرتے جن سے میں گزرا ہوں تو شاید تم بھی فتح خان کے جھانسے میں آ جاتے۔''

''فتح خان سخت بے اعتبار اور کمینہ شخص ہے۔'' برٹ شا نے مجھے آگاہ کیا۔ ''اپنے مفاد کے لئے یہ اپنے باپ کو بھی قربان کر سکتا ہے۔''

''درست کہا تم نے۔'' غار کے دہانے کی طرف سے فتح خان کی آواز آئی وہ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔ تاریکی کی وجہ سے وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتا وہ سامنے آیا۔ ''خود سوچو جو اپنے باپ کو قربان کر سکتا ہے تمہاری اس کے نزدیک کیا حیثیت ہو گی۔ برٹ، مجھے ہر صورت میں وہ بلیک باکس چاہئے اگر آسانی سے نہیں دو گے تو میں مشکل سے لے لوں گا۔''

''فتح خان، میں نے کہا ناں..... وہ بکس تم کو نہیں مل سکتا ہے۔''

''نا..... نا..... ایسی بات مت کرو جس پر بعد میں قائم نہ رہ سکو۔'' فتح خان کا انداز استہزائیہ تھا۔ ''اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے پاس کچھ وقت ہے سوچنے کے لئے۔ اس دوران میں سوچ لو۔"

"فتح خان! تم نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ اپنے وعدے کے مطابق مجھے جانے دو۔" میں نے کہا۔

فتح خان چونکا۔ "تو تم بی اے..... ابی تو تم سے بی بات کرتا اے۔"

فتح خان اپنے ساتھی کے پاس چلا گیا اور وہ آپس میں آہستہ آواز میں بات کرنے لگا۔ ایمن نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "اس کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔ راجا کی قید سے چھڑا کر اس نے ہمیں اپنا قیدی بنالیا ہے۔"

"مجھ سے بھی اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی مدد کروں تو یہ راجا کی گرفت سے نکال کر مجھے آزاد کر دے گا۔" میں نے جوابی سرگوشی کی۔

"یہ پاپا سے بلیک بکس مانگ رہا ہے۔ پاپا اسے کسی قیمت پر نہیں دیں گے۔"

"بلیک بکس میں کیا چیز ہے؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"ایک کالے رنگ کا چوکور دھاتی بکس ہے۔ چھ بائی دو بائی تین انچ کا ہوگا۔ پاپا نے اسے یہاں کسی سے خریدا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا ہے لیکن پاپا اسے بہت حفاظت سے رکھتے تھے۔ یہاں سے نکلتے ہوئے جب راجا کے آدمیوں نے ہمیں گھیر لیا تھا تو پاپا نے وہ بکس کہیں چھپا دیا تھا۔"

"ایمن..... کیا بات کر رہی ہو؟" برٹ شا نے اچانک کہا۔

"کچھ نہیں پاپا!" وہ گھبرا گئی تھی۔ "میں ایسے ہی بات کر رہی تھی۔"

برٹ شا اس کے نزدیک آیا اور آہستہ سے بولا۔ "بلیک باکس کا ذکر مت کرنا۔"

فتح خان اور اس کا ساتھی بھنے چنے کھاتے رہے۔ وہاں پانی نہیں تھا پھر فتح خان کا ساتھی ایک گیلن لے کر پانی لینے چلا گیا۔ فتح خان مخالف سمت میں دیوار سے ٹک کر ہماری نگرانی کرنے لگا۔ موم بتیوں کی روشنی میں اس کا مغلوں جیسے نقوش والا چہرہ زیادہ ہیبت ناک لگ رہا تھا۔ اس نے اچانک کہا۔

"برٹ! تمہیں اپنی بیٹی سے کتنا پیار ہے؟"

"جتنا کسی باپ کو اپنی بیٹی سے ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

فتح خان ہنسا۔ "ابھی میں باپ نہیں بنا ہوں۔ اس لئے مجھے نہیں معلوم..... ایک بیٹی سے اس کا باپ کتنی محبت کرتا ہے۔ مجھے مثال دے کر بتاؤ۔ ایک باپ کو اپنی بیٹی زیادہ پیاری ہو سکتی ہے یا کوئی اور چیز؟" فتح خان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"برٹ! تمہیں اپنی بیٹی زیادہ پیاری ہے یا وہ بلیک باکس.....؟ تم ان دونوں میں سے کسی ایک چیز کو لے جا سکتے ہو۔"

"تم.....! تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔" برٹ شا نے زور سے کہا لیکن اس کے لہجے کی لرزش صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان نے اپنے پستول کو نچایا۔ ''برٹ شا طاقت میرے پاس ہے..... میں تمہیں مجبور کر سکتا ہوں۔''

''میری بیٹی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے، کیا یہ تمہاری بیٹی نہیں ہے؟'' فتح خان طنزیہ انداز میں بولا۔ اس نے اچانک اٹھ کر برٹ شا کا گلا پکڑتے ہوئے پستول اس کے ماتھے سے لگا دیا۔ ''برٹ شا! تمہارے پاس سوچنے کے لئے صرف دو گھنٹے ہیں۔ اس کے بعد میں تمہاری بیٹی کو یہاں سے لے کر چلا جاؤں گا۔''

برٹ شا چپ رہا۔ فتح خان نے ایک جھٹکا دے کر اس کا گلا چھوڑ دیا اور اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اس دوران میں ایمن خوف زدہ انداز میں میرا بازو پکڑے رہی تھی۔ فتح خان نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''یہاں مرد کو عورت خریدنی پڑتی ہے۔ جتنی خوب صورت عورت ہوگی اتنی ہی قیمت ملتی ہے۔ کمسن کی قیمت بھی زیادہ لگتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کوئی بڑا خان تمہاری بیٹی کو اچھے دام میں لے، لے گا پھر یہ ساری عمر اس کی حویلی میں قید رہ کر گزارے گی۔''

''نہیں۔'' ایمن چلائی۔ ''میں مر جاؤں گی۔''

فتح خان ہنسا۔ ''ننھی حسینہ تمہیں مرنے کون دے گا، تم کچھ عرصے بعد عادی ہو جاؤ گی۔ ہر سال بچہ پیدا کرو گی اور خان سے مار کھاؤ گی پھر بھی خوش رہو گی۔''

''بکواس بند کرو۔'' اس بار برٹ شا حلق پھاڑ کر چلایا تھا۔ ''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

فتح خان نے اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''تمہارے پاس صرف ایک گھنٹا اور پچاس منٹ ہیں۔ جیسے ہی وقت پورا ہوگا میں تمہاری بیٹی کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا اور اس کے بعد تم کبھی اس کو نہیں دیکھ سکو گے۔''

''پاپا..... پاپا پلیز مجھے اس وحشی سے بچا لیں۔'' ایمن نے رونا شروع کر دیا۔ ''میں مر جاؤں گی۔''

فتح خان کی دھمکی نے برٹ شا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے مردہ لہجے میں کہا۔ ''فتح خان! اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم بلیک باکس لینے کے بعد مجھے جانے دو گے۔''

''تم میری زبان پر اعتبار کر سکتے ہو۔''

''تمہاری زبان.....!'' برٹ شا نے حقارت سے کہا۔ ''پیسے کے لئے وفاداری بدل لینے والے شخص کی کوئی زبان ہو سکتی ہے؟''

فتح خان نے برا نہیں مانا۔ ''مت کرو..... لیکن مجھے بلیک باکس نہ ملا تو میں وہی کروں گا جو ابھی کہہ چکا ہوں۔''

فتح خان کا ساتھی پانی لے آیا تھا انہوں نے پانی پیا لیکن ہمیں نہیں دیا پھر اس نے فتح خان کے کہنے پر ہمارے ہاتھ پیچھے کر کے رسی سے باندھ دیئے۔ مجھے اور برٹ شا کو ایک ہی رسی سے باندھا تھا۔ فتح خان بے حد چالاک شخص تھا اس نے برٹ شا پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایمن کو زبردستی اس کے پاس سے اٹھا کر سامنے دیوار کے ساتھ بٹھا دیا۔ وہ اب چپ تھی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ پستول کے سامنے ہم مزاحمت بھی نہیں کر سکتے تھے اوپر سے پشت پر بندھے ہاتھوں نے ہمیں بے بس کر دیا تھا۔ ایک گھنٹا گزرنے کے بعد فتح ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اپنے ساتھی سے خچر تیار کرنے کو کہا۔ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

''پاپا..... پلیز اسے وہ منحوس بکس دے دیں۔'' ایمن بلبلا گئی۔

''ایمن، یہ جھوٹا آدمی ہے..... یہ پھر بھی ہمیں آزاد نہیں کرے گا؟'' برٹ شا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''پاپا! اگر یہ مجھے لے گیا تو بیچ دے گا، پاپا میں مر جاؤں گی۔''

''برٹ شا تم ظالم باپ ہو۔'' فتح خان مسکرایا۔ ''میں تو سمجھتا تھا کہ باپ اپنی بیٹی سے زیادہ محبت کرتے ہیں لیکن تمہیں تو وہ بلیک بکس عزیز ہے۔''

''بکو مت..... لعنت ہو اس بلیک بکس اور تم پر؟'' برٹ شا پھٹ پڑا تھا۔ ''ٹھیک ہے، میں وہ بکس تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تمہیں پہلے ایمن کو چھوڑنا ہوگا۔''

''تاکہ تم ایک بار پھر بکس دینے سے انکار کر دو۔''

''میں تمہاری طرح ضمیر فروش نہیں ہوں۔ معزز برطانوی شہری ہوں، جو کہتا ہوں کر کے دکھاتا ہوں۔''

''معزز برطانوی۔'' فتح خان نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''زیادہ عرصہ نہیں گزرا تم لوگ ہمارے حکمران تھے اور ہم تم لوگوں کی زبان بھی دیکھ چکے ہیں، تم پر اعتبار نہیں کر سکتا اگر بعد میں تم مکر گئے تو میں سوائے تمہیں قتل کرنے کیا اور کیا کر سکتا ہوں۔''

برٹ شا چپ رہا۔ فتح کے ساتھی نے اس سے کچھ کہا۔ فتح خان نے سوچا اور ہم سے کہا۔ ''تم لوگ چار گھنٹے تک آرام کر سکتے ہو۔ صبح چار بجے ہمیں یہاں سے چلنا ہے۔''

''ہمیں کچھ کھانے کو اور پانی دو۔ تم دونوں ہی کھاتے جا رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''بس یہی بھنے ہوئے چنے ہیں۔ ابھی دیتا ہوں۔ ذرا انتظار کرو۔''

غار میں سردی بڑھ رہی تھی۔ فتح خان کے ساتھی نے باہر سے خشک لکڑیاں لا کر غار کے وسط میں ڈھیر کیں اور ان کے گرد پتھر رکھ کر الاؤ لگانے لگا۔ آگ جلی تو رفتہ رفتہ سردی کا اثر کم ہونے لگا تھا۔ فتح خان نے ایمن کے ہاتھ کھول دیئے۔ ''خود بھی کھاؤ اور ان دونوں کو بھی کھلاؤ لیکن دس منٹ کے اندر۔'' ایمن نے جلدی سے چنوں کا برتن لیا اور خود کھانے کے ساتھ مجھے اور اپنے باپ کو بھی باری باری کھلانے لگی پہاڑی راستوں پر کئی گھنٹے تک سفر کرنے کے بعد ہمارے پیٹ خالی ہو چکے تھے اور کم سے کم مجھے خاصی بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ برٹ شا نے بھی کھانے سے انکار نہیں کیا تھا۔ چنے کھانے کے بعد شدت سے پیاس محسوس ہونے لگی تھی لیکن میں نے احتیاط سے پانی پیا ورنہ اس کے اخراج کا مسئلہ پیدا ہو سکتا تھا اور فتح خان کے موڈ سے لگ رہا تھا کہ وہ ہم میں سے کسی کو غار سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ کھا پی کر ہم فرش پر ہی دراز ہو گئے۔ فتح خان نے ایمن کے ہاتھ دوبارہ پشت پر باندھ دیئے تھے اور خود ایک کونے میں پڑے بستر پر جا کر لیٹ گیا تھا اس کا ساتھی چوکسی سے پہرا دے رہا تھا۔ میں نہ چاہنے کے باوجود کسی وقت سو گیا تھا۔ ایک بار آنکھ کھلی تو فتح ان پہرا دے رہا تھا اور اس کا ساتھی سو رہا تھا یعنی وہ باری باری ہماری نگرانی کر رہے تھے۔

ہم رات ۳ بجے سوئے تھے اور فتح خان نے تین بجے اٹھا دیا۔ ''بس اب اٹھ جاؤ۔'' اس نے میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاؤں پر ٹھوکر ماری۔ ''بہت سو لئے۔''

''فتح خان۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہارا کام کر دیا تھا اب حسب وعدہ تم مجھے جانے دو۔''

''اتنی جلدی نہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''ابی ام کو کالا بکس چائی اے..... اس کے بادتوم تینوں کو ایک ساتھ چوڑے گا۔ پر ابی جانے کا بات مت کرو۔''

فتح خان کے ساتھی نے ہمارے لئے دلیے اور خشک کیے گوشت کا ناشتا بنایا تھا۔ اسے کھا کر ہم چلنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ہمارے ہاتھ ناشتے سے پہلے ہی کھول دیئے گئے تھے۔ ناشتے کے بعد فتح خان نے آگ بجھائی۔ موم بتیاں گل کیں اور ہم ٹارچ کی روشنی میں باہر آئے جہاں خچر جھاڑیوں میں کھڑے تھے۔ سردی سے بچانے کے لئے ان پر ترپالیں ڈال دی گئی تھیں۔ فتح خان کے ساتھی نے ترپالیں اتار کر غار میں ڈال دیں اور ہم خچروں پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ اندھیرے میں ہم ٹارچ کی روشنی کے سہارے سفر کر رہے تھے۔ ایمن حسب معمول اپنے باپ کے ساتھ تھی۔ ایک خچر پر میں تھا اور باقی دو پر فتح خان اور اس کے ساتھی تھے۔ اس بار مجھے اکیلے بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ روانگی سے پہلے فتح خان نے خاص طور سے مجھے خبردار کیا تھا کہ میں کسی قسم کی گڑبڑ نہ کروں کیونکہ میں گولی کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔ اس نے دھمکی دی کہ کسی کی بھی غلط حرکت کا خمیازہ بالآخر ایمن کو بھگتنا پڑے گا۔ اس دھمکی کا مجھ پر کیا اثر ہوتا لیکن برٹ شا چراغ پا ہو گیا۔

''میری بیٹی کا نام مت لو بار بار۔'' برٹ شا تیز لہجے میں بولا۔ ''میں کہہ چکا ہوں وہ بکس میں تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

ہم بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ اس وقت بھی خاصی سردی تھی مگر حرکت میں ہونے کی وجہ سے اس کا احساس کم تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم ڈھلان عبور کر کے دوسری طرف اتر رہے تھے۔ یہ پورا علاقہ بھول بھلیوں قسم تھا کیونکہ راستے ناپید تھے اور فتح خان راستے تلاش کر کے چلتا تھا۔ بعض اوقات جس راستے پر ہم سفر کرتے تھے وہ آگے جا کر بند یا ناقابل عبور ملتا تھا۔ اس لئے ہم پلٹ آتے تھے۔ صبح چھ بجے جب روشنی نمودار ہو رہی تھی تو ہم ایک وادی کے عین اوپر تھے۔ نیچے وادی میں کھلونوں کی طرح بکھرے مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ ہم وادی میں اترنے کے بجائے اس کی ڈھلانوں پر سفر کرتے جا رہے تھے۔ فتح خان کا خچر میرے خچر سے آگے تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا کہ راجا عمر دراز ہمیں کہاں لے جا رہا ہے؟''

''امارے آدمی اور بی اے۔'' اس نے کہا۔ ''ام کو منٹ منٹ کی خبر اے۔''

''اگر راجا اپنے ساتھ زیادہ محافظ لے کر آتا تب تم کیا کرتے؟''

''اور ایسے دو آدمی، سو آدمی قابو کر سکتا اے تم نے وہ جگہ دیکھا اور کوئی نہیں لڑ سکتا۔ ام تو م سب کو لے کر جاتا۔''

میں نے خچر اس کے نزدیک کیا اور آہستہ سے پوچھا۔ ''اس کالے ڈبے میں کیا ہے؟''

اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ ''تو م کیوں پوچتا اے؟''

''ایسے ہی..... مسلسل اس کا ذکر سن رہا ہوں تو تجسس ہو گیا۔''

''اس میں دولت اے..... ام کو..... سب کو دولت اچا لگتا اے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہر ایک دولت کے لئے اس حد تک نہیں جاتا۔''

''وہ بزدل اوتا اے۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

آٹھ بجے ہم ایک جگہ رکے۔ یہاں پر زمین کسی قدر ہموار تھی۔ فتح خان کے ساتھی نے سوکھی لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی اور چائے بنانے لگا۔ اس کے پاس چینی، پتی کے علاوہ خشک دودھ بھی تھا۔ اس نے چائے بنا لی اور باری باری سب کو دی۔ کپ دو تھے۔ میں نے اور برٹ شا نے پی لی لیکن ایمن نے جھوٹے کپ میں چائے لینے سے انکار کر دیا۔ ''مرضی تمہاری۔'' فتح خان نے اس کی چائے بھی خود پی۔ ''بس اب چل پڑو..... برٹ شا..... مجھے معلوم ہے کہ تم نے بلیک بکس..... اس جگہ چھپایا ہوگا، جہاں راجا کے آدمیوں نے تمہیں گھیرا ہو گا۔ وہ جگہ بھی مجھے معلوم ہے۔ میں تمہیں وہاں تک لے جاؤں گا۔ اس کے بعد بکس والی جگہ تم نے تلاش کرنی ہے۔''

''مجھے منظور ہے۔'' برٹ شا نے مردہ لہجے میں کہا تھا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ فتح خان اس کی جان چھوڑنے والا نہیں ہے۔ وہ اس سے بلیک بکس حاصل کر کے رہے گا۔ چائے پینے کے بعد سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ برٹ شا متفکر اور گم صم سا ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی کبھی ایمن سے بات کر لیا کرتا تھا لیکن اب اس سے بھی نہیں بول رہا تھا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ ''کیا تم سچ مچ اس بے گناہ لڑکی کو کسی کے ہاتھ بیچ دیتے؟''

''ام ایسا ای کرے گا اگر اس نے ذرا بی گڑبڑ کیا۔'' فتح خان نے سر ہلایا۔ ''تو م اس کو اچا مت سا مجو یہ بوت مردود گورا اے..... ام جانتا اے۔''

''لیکن اس کی لڑکی اچھی ہے۔ باپ کا بدلہ اس سے لینا مناسب نہیں ہے۔''

''کیا بات اے..... تو م لڑکی کا زیادہ بات کر را اے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''اس نے ایک بار میری جان بچائی تھی جب تم غصے سے پاگل ہو کر مجھ پر گولی چلانے والے تھے۔''

''چوٹ کا نشان اب تک امارے سر پر اے۔'' اس نے اپنا سر ٹٹولا۔ ''پر اس لڑکی نے ٹھیک کیا۔ اگر اس روز ام تو م کو گولی مار دیتا تو آج امارا مدد کون کرتا؟''

میں سیاہ بکس کے بارے میں سوچ رہا تھا اس میں کیا ہو سکتا تھا۔ سونا..... لیکن اس کا جو سائز تھا اس میں بمشکل دو تین کلو سونا آ سکتا تھا۔ اس کی قیمت چھ سات لاکھ روپے تھی۔ فتح خان کے لئے یہ رقم معنی رکھتی تھی لیکن برٹ شا کے لئے نہیں۔ اس نے فتح خان کو پہلے ہی خاصا معاوضہ دیا تھا بکس میں اس سے زیادہ مالیت کی کوئی قیمتی شے تھی اور سونے سے زیادہ قیمتی صرف جواہر ہو سکتے تھے۔ مٹھی بھر اعلیٰ درجے کے ہیروں کی قیمت کروڑوں میں ہو سکتی تھی۔ ہم وادی کے اوپری ڈھلان پر سفر کرتے رہے اور دوپہر تک ہم ایک سطح مرتفع پر تھے۔ یہ اونچے نیچے مختصر پہاڑوں کے درمیان پھیلی تھی ہم مزید شمال مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مجھے حیرت ہونے لگی۔ رانا کے آدمیوں نے کتنی دور سے برٹ شا اور ایمن کو پکڑا تھا۔ میں نے فتح خان سے کہا تو اس نے جواب دیا۔

''راجا عمر دراز معمولی آدمی نہیں اے..... اس کے باپ دادا کا اثر اے..... اب بھی راجا کا نام چلتا اے..... کتنا بندہ اس کا چاکری کرتا اے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوپہر دو بجے ہم ایک چشمے کے کنارے رکے۔ اس کے سرد اور شیریں پانی سے اپنی پیاس بجھائی اور ایک بار پھر بھنے ہوئے چنے کھائے اور تین بجے چل پڑے۔ فتح خان نے بتایا کہ وہ جگہ اب زیادہ دور نہیں ہے۔ روانگی سے پہلے فتح خان کا ساتھی اسے ایک طرف لے گیا اور کچھ دیر اس سے بات کرتا رہا۔ جب وہ واپس آئے تو میں نے محسوس کیا کہ ان کے چہروں پر کشیدگی تھی۔ شاید ان میں کسی مسئلے پر اختلاف تھا۔ فتح خان کا ساتھی جس کا نام کرم خان تھا، تنومند اور صحت مند نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر کسی تیز دھار آلے کے زخم کا طویل نشان تھا۔ اس بار سفر زیادہ تیز رفتاری سے کیا گیا۔ چشمے کا پانی پی کر اور اس کے کنارے اُگی سبز گھاس کھا کر خچر بھی چاق و چوبند ہو گئے۔ سطح مرتفع پر سفر کرنا بھی نسبتاً آسان تھا۔

ایک موقع پر جب فتح خان کا ساتھی خاصا پیچھے رہ گیا تو میں نے اپنے خچر کی رفتار کم کی اور برٹ شا اور ایمن کے خچر کے نزدیک ہو گیا۔ میں نے آہستہ سے برٹ شا سے پوچھا۔ ''کیا تم اسے سچ مچ بلیک بکس دے دو گے؟''

اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''مجھے لگ رہا ہے فتح خان اور اس کے ساتھی کی نیت درست نہیں ہے، اگر تم نے کسی ضمانت کے بغیر بلیک بکس اس کے حوالے کر دیا تو پچھتاؤ گے۔''

برٹ شا نے کوئی جواب نہیں دیا وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ایمن دبے انداز میں بولی۔ ''پاپا، یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ فتح خان کا ساتھی اکثر مجھے غلط نظروں سے دیکھتا ہے۔''

ممکن ہے مشرقی باپ ہوتا تو اس کی غیرت فوری طور پر جوش میں آ جاتی لیکن برٹ شا مغرب کا ٹھنڈا خون رکھنے والا باپ تھا۔ لہٰذا اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ کرم خان نزدیک آ رہا تھا۔ لہٰذا میں نے خچر کو ایڑ لگاتے ہوئے آگے بڑھا دیا۔ میں نے صرف خدشہ ظاہر نہیں کیا تھا بلکہ مجھے سچ مچ لگ رہا تھا کہ کرم خان شاید فتح خان سے کوئی مطالبہ کر رہا تھا اور فتح خان انکار کر رہا تھا اور یہ مطالبہ ایمن کے بارے میں تھا۔ جب وہ دونوں الگ ہو کر بات کر رہے تھے تب کرم خان بار بار ایمن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس وقت فتح خان اس کا مطالبہ ماننے سے انکار کر رہا تھا لیکن عین ممکن تھا جب بلیک باکس اس کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ اپنا خیال بدل دیتا۔

تمام تر کوشش اور تیز رفتاری کے باوجود ہم رات ہونے سے پہلے اس علاقے تک نہیں پہنچ سکے تھے جہاں برٹ شا نے بکس چھپایا تھا۔ راستے میں دو بار فتح خان غلط راہ اختیار کر بیٹھا جس کے نتیجے میں وقت ضائع ہوا تھا۔ فتح خان جھنجلایا ہوا تھا اس کی خواہش تھی کہ بلیک باکس جلد از جلد اس کے قبضے میں آ جائے۔

''تم اس جگہ تک جا سکتے ہو۔'' اس نے برٹ شا سے پوچھا۔

''اس تاریکی میں۔'' برٹ شا نے چاروں طرف دیکھا۔ ''بہت مشکل ہے۔ صبح کی روشنی میں ہی یہ کام ہو سکتا ہے۔''

''ٹارچ کی روشنی میں کرو۔'' فتح خان نے مطالبہ کیا۔

''مجھے مجموعی طور پر اندازہ نہیں ہے۔'' برٹ شا کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''ورنہ میں ٹارچ کی روشنی کے بغیر بھی اس جگہ تک تمہاری رہنمائی کر سکتا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے۔ ابھی نہ سہی لیکن صبح تک اس سے انکار نہیں کر سکو گے۔'' فتح خان نے غرا کر کہا۔ ''ورنہ تم جانتے ہو میں اپنے قول کا پکا ہوں تمہاری لڑکی کو کسی خان کے حرم کی زینت بنا کر رہوں گا۔''

''مجھے دھمکی مت دو۔'' برٹ شانزی سے بولا۔ ''ویسے اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم بلیک باکس لینے کے بعد بھی یہ کام نہیں کرو گے۔''

فتح خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کرم خان اس وقت اردگرد رات گزارنے کے لئے کوئی موزوں جگہ تلاش کر رہا تھا۔ فتح خان ہماری نگرانی کر رہا تھا اور بے حد چوکس تھا۔ کامیابی کے اتنے نزدیک آ کر وہ ناکام نہیں ہونا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد کرم خان نے ایک معقول جگہ کی دستیابی کے بارے میں بتایا جہاں رات گزاری جا سکتی تھی۔ یہ جگہ غار تو نہیں تھی لیکن ایک باہر کی طرف نکلے چٹانی چھجے کے اطراف میں گھنی جھاڑیاں اگ آنے سے ایک محفوظ قسم کی پناہ گاہ بن گئی تھی۔ فتح خان نے اس کے سامنے خچر باندھے اور جلانے کے لئے خشک لکڑیاں جمع کرنے لگا۔ اس دوران میں کرم خان ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ آگ جلا کر انہوں نے کھانے کے لئے چنے نکالے۔ جنہیں ہم نے بھی پانی کے ساتھ حلق سے اتارا اور سونے کے لئے کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے۔ تھکن سے سب کا برا حال تھا کچھ دیر بعد برٹ شا نے کہا۔

''میرے پیٹ میں گڑبڑ ہو رہی ہے۔''

''صبح تک انتظار کرو۔'' فتح خان نے جواب دیا۔

''نہیں کر سکتا۔ چنے کھا کر میرا پیٹ گڑبڑ کر گیا ہے۔'' برٹ شا گڑگڑایا۔

''ٹھیک ہے۔'' فتح خان نے بادل نخواستہ کہا اور کرم خان سے کہا کہ وہ اسے مناسب جگہ لے جائے پھر برٹ شا کو دھمکی دی۔ ''برٹ شا، کوئی عقل مندی نہیں کرنا۔ یاد رکھنا تمہاری لڑکی میرے پاس ہے۔''

''میں کوئی حرکت نہیں کروں گا۔'' برٹ شا نے کمزور لہجے میں جواب دیا اور کرم خان کے ہمراہ تاریکی میں غائب ہو گیا۔ رات خاصی سرد تھی۔ کمبل اور الاؤ کے باوجود ہم سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ میں آنکھ بند کر کے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہوا جب چٹانی چھجے سے ٹکراتی تو سیٹی جیسی آواز ابھرتی تھی۔ اچانک فتح خان نے مجھے ٹھوکر ماری اور غرایا۔ ''وہ اب تک نہیں آئے۔''

میں غنودگی کی کیفیت میں تھا۔ میں نے بھنا کر کہا۔ ''مجھے کیا معلوم..... وہ کیوں نہیں آئے۔''

''پندرہ منٹ سے اوپر ٹیم ہو گیا ہے۔'' فتح خان بولا پھر چلا کر کرم خان کو آواز دی مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تو یک دم فتح خان کی حالت بدل گئی وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرانے لگا تھا اس نے ایمن کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھڑا کر دیا اور کمبل جھٹک کر پستول اس کے سر سے لگا دیا۔ ایمن نے چیخ ماری اور خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ فتح خان نے ایک گندی گالی دی۔ ''سیدی کڑی را۔''

''فتح خان، اسے چھوڑ دو۔'' میں نے کہا۔

''تو م چوپ کرو۔'' وہ گرجا اور ایمن سے بولا۔ ''اپنے باپ کو پکارو۔ ورنہ ابی تمہارا سر اڑا تا اے۔'' فتح خان نے پستول کا ہیمر کھینچا تو ایمن کا بدن لرزنے لگا تھا۔ اس نے گھٹی گھٹی آواز میں باپ کو پکارا تو فتح خان نے پستول کی نال اس کے سر پر ماری۔ ایمن بری طرح چیخی۔ ''زور سے آواز نکالو۔'' فتح خان غرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پاپا..... پاپا..... کہاں ہو..... مجھے بچاؤ۔'' ایمن چلانے لگی۔

میں نے فتح خان کی آپے سے باہر ہوتی حالت دیکھی تو اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''فتح خان، ممکن ہے انہیں کوئی حادثہ پیش آیا ہو۔''

''بکومت۔'' فتح خان نے انگریزی میں کہا تھا۔ ''یہ سب برٹ کا حرامی پن ہے۔ میں اسے دیکھ لوں گا، کتا اپنے باپ کا کیا ہوا بھگتے گی۔'' اس نے ایمن کی طرف دیکھا جو اس کے بازو میں کسی بے بس چڑیا کی طرح پھنسی تھی۔ مجھے فتح خان کے لہجے سے خون کی بو آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی وحشت میں راجا عمر دراز کے محل کے تہ خانے میں دیکھ چکا تھا۔ جب اس نے شینا کو مار ڈالا تھا۔ جو شخص اپنے محبوب کو اپنی وحشت کی بھینٹ چڑھا دے، اس کے لئے کسی اور شخص کی کیا اہمیت ہو سکتی تھی! اس نے پستول کی نال ایمن کے سر سے لگائی تو میں لرز گیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

''فتح خان۔ ایک منٹ..... جلد بازی مت کرو۔ ابھی ایمن کی صورت میں تمہارے پاس ایک پتا ہے، اسے مار دیا تو پھر تم برٹ شا کو کس طرح مجبور کرو گے؟''

''اس نے مجبور ہونا ہوتا تو اس طرح باہر آتا کیوں؟'' فتح خان تلخی سے بولا۔

''ممکن ہے وہ اضطراری طور پر کوئی حرکت کر چکا ہو اور اب پچھتا رہا ہو۔ دیکھو اسے بیٹی سے پیار نہ ہوتا تو وہ اسے یہاں تک کیوں لاتا؟ میری بات مانو..... صبر سے کام لو۔ ایمن کے لئے وہ جلد یا بدیر سامنے آئے گا اور تم ایک بات اور بھول رہے ہو اس کے پاس اب رائفل بھی ہو گی۔ اگر تم نے ایمن کو مار دیا تو پھر کسے ڈھال بناؤ گے؟ وہ ارد گرد جہاں بھی چھپا ہے تمہیں دور سے گولی مار دے گا۔''

فتح خان سوچ میں پڑ گیا تھا اور اس کے چہرے پر طاری وحشت میں بھی رفتہ رفتہ کمی ہوتی جا رہی تھی مگر پستول کی نال ابھی تک ایمن کے سر سے ٹلی نہیں تھی بالآخر اس نے گہری سانس لے کر ایمن کے سر سے پستول ہٹا لیا اور اس کا ہیمر بھی نیچے کر لیا۔ ''ٹھیک اے..... ابی دیکھے گا..... وہ کب تک ہمارے سامنے نہیں آتا۔''

چالاک فتح خان نے سب سے پہلے الاؤ کی لکڑیاں بجھائیں تاکہ اس جگہ روشنی نہ رہے۔ اسے خطرہ تھا کہ روشنی میں برٹ شا اسے دور سے رائفل کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے میرے اور ایمن کے ہاتھ ایک ہی رسی سے پشت کی طرف کر کے باندھے۔ اس کی وحشت کم ہوئی تھی لیکن غصہ بڑھتا جا رہا تھا اور وہ رہ رہ کر برٹ شا کو مغلظات سے نواز رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ برٹ شا کو آوازیں دیتا اور اسے بتاتا کہ وہ ایمن کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ یہ دھمکیاں ناقابل بیان تھیں۔ انہیں سن کر ایمن سہمی جا رہی تھی۔ اس نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ ''کیا یہ سچ مچ..... یہ سب کرے گا۔''

میں نے جوابی سرگوشی کی۔ ''یہ کوئی شریف آدمی تو ہے نہیں۔ تم اس سے کس بات کی توقع کر سکتی ہو۔ ویسے تمہارے باپ نے حماقت کی ہے اگر میں اسے نہ سمجھاتا بجھاتا تو اس نے تمہیں مار ہی دینا تھا۔''

''پتا نہیں پاپا پر کیا گزری ہے۔ مجھے ان کی فکر ہو رہی ہے۔'' وہ سسکیاں لینے لگی۔

''چپ کرو۔'' فتح خان زور سے غرایا اور اس نے نزدیک آ کر ایمن کو تھپڑ مارا تھا۔

''فتح خان عورتوں پر ہاتھ اٹھانا مردوں کا شیوہ.....'' میرا باقی جملہ منہ میں رہ گیا تھا کیونکہ فتح خان نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک عدد ہاتھ مجھے بھی رسید کیا تھا۔

''چپ کرو۔'' وہ ہانپ رہا تھا۔

میں نے اپنے ہونٹوں پر خون کا ذائقہ محسوس کیا تھا۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''فتح خان، اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔''

اس نے پستول نکال کر میرے سینے پر رکھ دیا۔ ''تو م کو گولی مارے گا۔ تو م امارے کس کام کا؟''

میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی اور میں دم بخود رہ گیا تھا۔ فتح خان چند لمحے تک پستول اسی طرح میرے سینے پر رکھے رہا پھر اس نے قہقہہ مار کر پستول اٹھا لیا۔ ''شہباز تو م ڈرتا اے۔''

''جب ہتھیار تمہارے جیسے شخص کے ہاتھ میں ہو تو آدمی کو ڈرنا ہی چاہئے۔'' میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

رفتہ رفتہ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ صبح کاذب کی روشنی چند لمحے کے لئے پہاڑوں پر پھیلی تھی اور پھر سے تاریکی چھا گئی تھی۔ فتح خان نے ہم دونوں کو آگے بٹھایا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''فرض کرو وہ دونوں کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں۔''

''نئیں..... برٹ شانے کرم خان کو قابو کر لیا اے..... ام کو یقین اے۔''

''وہ کیسے؟ برٹ شا نہتا اور عمر والا آدمی ہے۔ کرم خان جوان اور مسلح ہے۔''

''ام نئیں جانتا، یہ فرنگی بوت مکار اے۔''

''ہم کب تک یہاں رہیں گے؟'' ایمن نے پوچھا۔

''جب تک تمہارا باپ سامنے نہیں آ جاتا۔'' فتح خان بولا۔

صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ رات بھر جاگنے اور اعصابی کشیدگی کی وجہ سے میرا اور ایمن کا برا حال تھا۔ فتح خان بھی ٹھیک نہیں تھا لیکن وہ اس قسم کے حالات کا عادی ضرور تھا۔ دوسرے اس کی جان پر بنی تھی اس لئے وہ کسی بھیڑیے کی طرح چوکنا تھا روشنی ہونے پر وہ چھجے کے اندرونی حصے میں چلا گیا تھا۔ میں نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''فتح خان، تم بھی ڈر رہے ہو۔''

''چوپ کرو۔'' اس نے غرا کر کہا۔ ''ام پہلے تو مارے سر میں سوراخ کرے گا۔''

ہم چھجے کے سامنے والے حصے میں تھے۔ یہ حصہ مشرق کی طرف تھا اس لئے سورج کی کرنیں براہ راست ہم پر آ رہی تھیں۔ رات بھر ٹھٹھرنے کے بعد ان حرارت بخش کرنوں سے بڑا سکون رہا تھا۔ اب تک کم سے کم مجھے اردگرد کوئی حرکت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اگر برٹ شانے کرم خان پر قابو پا لیا تھا تب بھی وہ چالاکی سے اردگرد کہیں چھپا تھا اور سامنے آنے کے بجائے فتح خان کے اس جگہ سے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جبکہ فتح خان اس سے زیادہ مکار تھا۔ اس نے ہمیں سامنے کر رکھا تھا اور خود پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔ وہ رائفل کے نشانے سے باہر تھا۔ جیسے جیسے سورج بلند ہو رہا تھا چٹان گرم ہوتی جا رہی تھی اور مجھے گرمی لگنے لگی تھی، ایمن کا حال زیادہ خراب تھا۔ فتح خان نے جان بوجھ کر ہمیں دھوپ میں بٹھایا تھا۔ بلندی کی وجہ سے سورج کی چمک میں تیزی تھی۔ رات کی خنکی زائل ہوئی تو باقاعدہ پسینہ آنے لگا تھا۔ ایمن کسمسائی، اس نے مجھ سے کہا۔ ''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''ہمیں پانی دو پیاس لگ رہی ہے۔'' فتح خان نے گیلن والے کین کی طرف دیکھا اور بے پروائی سے بولا۔ ''تمہارے لئے امارے پاس پانی نہیں اے۔ ایسے ای بیٹو۔''

''اچھا ہمیں اندر آنے دو۔ یہاں دھوپ بہت تیز ہے۔'' ایمن نے التجا کی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ فتح خان پانی دینے سے انکار کر رہا ہے۔ فتح خان کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''تم ادھر اچھی لگ رہی ہو۔ ممکن ہے تمہارا باپ بھی کہیں چھپ کر دیکھ رہا ہو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ کب تک تمہیں بھوکا پیاسا اس طرح دھوپ میں بیٹھا دیکھ سکتا ہے۔'' وہ انگریزی میں بولا۔

''اور اگر وہ یہاں نہیں ہوا تو.....؟'' میں نے پوچھا۔

''تب بی تو م اس کی سزا بگتے گا۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

مجبوراً ہم دھوپ میں بیٹھے رہے۔ اردگرد چٹانیں ہونے کی وجہ سے گرمی بڑھتی جا رہی تھی۔ جھاڑیاں بھی چٹانوں تلے تھیں۔ ورنہ دھوپ کی شدت انہیں جلا سکتی تھی۔ ایمن کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا اور ہونٹ پیاس کی شدت سے خشک ہو چکے تھے۔ فتح خان سے التجا کرنا بھی بے سود تھا۔ وہ ہمیں استعمال کر کے برٹ شا کو سامنے لانا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لئے وہ اس سے بھی زیادہ سفاکی کا مظاہرہ کر سکتا تھا اردگرد سفید چٹانوں کی وجہ سے دھوپ کی چمک خیرہ کن حد تک بڑھ گئی تھی اور دیکھنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ اچانک مجھے شبہ ہوا دائیں طرف چٹانوں میں کوئی سیاہ چیز حرکت کر رہی ہے۔ میں نے بغور دیکھا لیکن اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ کیا وہ برٹ شا تھا اس کے بال سیاہ تھے اور چہرے پر کئی دن کی داڑھی بھی تھی۔ میں فتح خان کو ایسا تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں نے کوئی خاص چیز دیکھی تھی۔ اس لئے میں وقفے وقفے سے ان چٹانوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تمہارے باپ کو سامنے آنا پڑے گا۔'' فتح خان نے ایمن سے کہا جو گرمی اور پیاس سے بے حال ہو رہی تھی۔ مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس بلندی پر اتنی خوف ناک گرمی پڑ سکتی ہے۔

خراب حالت کے باوجود ایمن نے اسے جواب دیا۔ ''پاپا..... یہاں نہیں ہیں ورنہ..... مجھے اس حال میں دیکھ کر سامنے آ جاتے۔''

فتح خان طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''بے بی، اسے تم سے زیادہ دولت عزیز ہے جو بلیک بکس میں ہے۔''

''میرے پاپا ایسے نہیں ہیں۔ وہ دولت مند آدمی ہیں۔''

''دولت مندوں کو ہی مزید دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔'' فتح خان نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

''بکواس مت کرو۔ میرے پاپا مجھ سے محبت کرتے ہیں، دولت سے نہیں۔'' ایمن ہذیانی لہجے میں چلائی۔ ''وہ یہاں ہوتے تو اب تک تمہارا سر اڑا چکے ہوتے۔''

''وہ یہیں ہیں۔'' فتح خان بولا۔ ''میں اس کی قوتِ برداشت آزما رہا ہوں ورنہ میں چاہوں تو وہ ابھی ایک منٹ میں ہمارے سامنے ہو۔''

ایمن دبی دبی سسکیاں لینے لگی تھی۔ ''فتح خان، اتنی سختی مناسب نہیں ہے۔ تم مجھے نہ سہی اس لڑکی کو پانی دے دو۔'' میں نے کہا۔

''جب تک برٹ شا سامنے نہیں آتا اور ام کو بلیک بکس نہیں دیتا، کسی کو پانی نہیں ملے گا۔'' وہ فیصلہ کن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لہجے میں بولا۔

''کیا میں اسے تلاش کر کے لاؤں؟'' میں نے پوچھا تو اس نے قہقہہ مارا۔

''فتح خان بے وقوف نہیں اے۔ تو م جائے اور باگ جائے۔''

اس سے بحث کرنا بے کار تھا اور مجھے بولنے سے بھی شدت کی پیاس لگنے لگی تھی۔ فتح خان نے ہمیں جھاڑیوں کے سائے میں جانے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ تپتا ہوا سورج ہمارے سروں کے عین اوپر تھا اور چٹانوں سے گرمی کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ایمن نے ہانپتے ہوئے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا تھا، اس پر غشی سی طاری ہو رہی تھی۔ ایک بجے وہ بے ہوش ہو گئی۔ میں نے ایک بار پھر فتح خان سے التجا کی۔

''خدا کے لئے اسے پانی دے دو ورنہ یہ مر جائے گی اور یہ مر گئی تو تم اس کے باپ کو کس طرح مجبور کرو گے۔''

''مر جانے دو اس بے غیرت کا لڑکی کو۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔ ''ام اسے پانی نہیں دے گا۔''

میں نے بے ہوش ایمن کو اپنے زانو پر لٹاتے ہوئے اس کے سر کے اوپر اپنا سایہ کر لیا تھا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور کچھ دیر بعد اسے ہوش آ گیا تھا۔ ''پانی۔'' اس نے نحیف سی آواز میں کہا۔

''پانی ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔'' میں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا لیکن زبان بھی خشک تھی۔

''اس سے کہو..... مجھے گولی مار دے۔''

''اگر تمہارا باپ جلد یا بدیر سامنے نہیں آیا تو اس نے یہی کرنا ہے۔''

''پاپا مجبور ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''مجھے شک ہے کہ کرم خان کی نیت خراب ہو گئی ہے۔ وہ پاپا کو کہیں لے گیا ہو گا اور ان سے بلیک باکس کا پتا پوچھ رہا ہو گا۔''

''آخر اس بلیک بکس میں ہے کیا؟''

''اس میں ہیرے ہیں۔ ملکہ کے آنسو نامی دو جڑواں ہیرے جو کبھی روس کے زارین کیتھرین کے خزانے میں شامل تھے ان کے علاوہ بھی تقریباً تین درجن قیمتی ہیرے ہیں لیکن اصل اہمیت ان کی ہے۔ پاپا نے ان کا سودا بھی کیا تھا، ایک روسی جنرل سے جو افغانستان میں تعینات ہے۔ یہ ہیرے کسی طرح اس کے ہاتھ لگ گئے اور سوئٹزرلینڈ کا ایک تاجر انہیں خریدنے کے لئے تیار ہو گیا۔ پاپا اس کے ایجنٹ بن کر آئے ہیں۔ یہ ہیرے اس سوئس تاجر تک پہنچانا پاپا کے لئے عزت کا مسئلہ ہے۔''

''تبھی وہ شدت سے انکار کر رہا ہے۔''

ایمن نے سر ہلایا۔ ''پاپا کی غلطی سے فتح خان کو ان ہیروں کا پتا چل گیا اور وہ اب موقع سے فائدہ اٹھا کر انہیں حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

ایمن نے جونکتہ اٹھایا وہ میرے یا فتح خان کے ذہن میں نہیں آیا تھا، مجھے خیال آیا کہ میں اس نکتے سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''سنو ہمیں سائے میں آنے دو۔ میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ تمہارے فائدے کی بات ہے۔''

''کیا؟'' اس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پہلے ہمیں سائے میں آنے دو اگر ہم کچھ دیر اور یہاں رہے تو بے ہوش ہو جائیں گے۔ ممکن ہے مر جائیں اگر تمہیں اطمینان نہ ہو تو واپس دھوپ میں بٹھا دینا۔ پستول تمہارے پاس ہے اور ہم تمہاری بات ماننے پر مجبور ہیں۔''

اس نے سوچا اور سر ہلا کر بولا۔ ''ٹھیک ہے، آ جاؤ لیکن اگر کوئی احمقانہ بکواس کی تو اس لڑکی کو میں دھوپ میں بٹھا دوں گا لیکن تمہیں گولی مار کر لاش سامنے پھینک دوں گا۔'' اس نے غالباً ایمن کو بتانے کے لئے انگریزی میں کہا۔ فتح خان کی انگریزی اس کی اردو سے بدرجہا بہتر تھی شاید اس نے یہ زبان باقاعدہ سیکھی تھی۔ میں نے ایمن کو سہارا دے کر اٹھایا۔ بندھے ہاتھوں کے ساتھ یہ کام خاصا مشکل تھا۔ کسی نہ کسی طرح میں اسے سائے میں لے آیا۔ سائے میں آتے ہی سکون کا ایک لطیف احساس ہوا تھا۔ پیاس کی شدت میں کمی نہیں آئی تھی لیکن ناقابلِ برداشت دھوپ سے نجات مل گئی تھی۔ پسینے کی وجہ سے جسم کی نمی تیزی سے ضائع ہو رہی تھی۔ پسینے میں ذرا کمی آئی تھی۔ فتح خان پھاڑ کھانے والے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''اب بکو بھی۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ برٹ شا نے کرم خان پر قابو پا لیا ہے اور اب تمہاری تاک میں ہے؟''

فتح خان چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے کہ معاملہ الٹ بھی ہو سکتا ہے؟''

''ٹھیک سے بکو۔'' وہ غرایا۔

''ہو سکتا ہے کرم خان نے برٹ شا سے اپنے طور پر فائدہ اٹھانے کا سوچا ہو اور وہ اسے لے گیا ہو۔ اسے بھی معلوم ہو گا کہ تم برٹ شا سے بلیک بکس حاصل کرنے کے چکر میں ہو جس میں روس کی ملکہ کیتھرین کے دو عدد قیمتی ہیرے ہیں۔''

''تو تم کو پتا چل گیا؟'' اس نے کہا اور بے ساختہ ایمن کی طرف دیکھا۔ ''اس نے بتایا ہو گا۔''

''اسے چھوڑو..... فتح خان، تم لکھ کر رکھ لو کہ یہی بات ہے۔ کرم خان نے سوچا ہو گا کہ وہ ہیرے اکیلے ہڑپ کر لے ورنہ تم خود سوچو برٹ شا اس پر کس طرح قابو پا سکتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ اسے دھوکا دے کر بھاگ سکتا ہے، اس صورت میں کرم خان کو تمہارے پاس واپس آنا چاہئے تھا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے تب بھی گولی چلنے کی آواز نہیں آئی میری بات کا یقین کرو اس وقت باہر جو شخص تمہاری تاک میں ہے وہ برٹ شا نہیں کرم خان ہے۔''

''بکواس!..... کرم خان کیوں ہونے لگا؟'' فتح خان نے بھڑک کر کہا۔

''اس لئے ہونے لگا کہ وہ کوئی بھی دھمکی دے کر برٹ شا سے بلیک بکس حاصل نہیں کر سکتا ہے اس کے پاس ایک ہی راستہ ہے، ایمن کو حاصل کرے اور اسے استعمال کر کے برٹ شا سے بلیک بکس حاصل کرے۔''

فتح خان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ''اگر کرم خان نے ایسا کیا اے تو میں اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کروں گا۔''

''یعنی تم مانتے ہوئے یہ کام کرم خان بھی کر سکتا ہے۔ اس صورت میں ہمیں پانی سے محروم کرنا زیادتی ہے۔''

''میں پانی نہیں دے سکتا۔'' اس نے پھر انکار کر دیا۔ ''میرے پاس اتنا ہی پانی ہے اور تم لوگوں کو دے دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو مجھے پانی لینے کے لئے باہر جانا پڑے گا۔"

"چلو مجھے مت دو لیکن اسے تو دو۔" میں نے ایمن کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا بات اے؟" اس بار وہ اردو میں معنی خیز انداز میں بولا۔ "تو م اس کا بوت خیال کرتا اے۔" ایمن پر سائے میں آنے کے بعد پھر سے غشی طاری ہو گئی تھی۔ مضبوط جسم رکھنے کے باوجود وہ ایک نازک لڑکی تھی۔ پیاس سے اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ فتح خان نے کچھ دیر سوچا پھر گلاس میں پانی لے کر میری طرف بڑھا دیا۔ "اسے دو۔"

پانی بمشکل آدھا گلاس تھا۔ میں نے ایمن کو سہارا دے کر اس کا سر اوپر کیا اور گلاس کا پانی قطرہ قطرہ اس کے منہ میں ٹپکانے لگا۔ پانی کا ذائقہ محسوس کرتے ہی وہ تیزی سے ہوش میں آئی تھی اس نے بے تابی سے گلاس کا پانی پینا چاہا لیکن میں نے گلاس پیچھے کر لیا۔ "آرام سے ایمن، آرام سے..... اس طرح پانی پینا اچھا نہیں ہو گا۔ آرام سے....." میں اسے گھونٹ گھونٹ دینے لگا۔ تشنگی کی شدت سے میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس گلاس سے ایک گھونٹ میں بھی..... پانی پی لوں..... لیکن دل پر جبر کر کے اسے پلاتا رہا۔ اس نے آخری قطرہ تک پی لیا اور نڈھال ہو کر سر زمین پر رکھ دیا۔ میں نے گلاس فتح خان کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے کسی قدر ہچکچانے کے بعد گلاس میں دوبارہ پانی ڈال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "تو م پی پیو۔"

"شکریہ....." میں نے اس سے گلاس لیا اور اس کا پانی چوس چوس کر پی لیا۔ اسے ایک دم پینا خطرناک ہو سکتا تھا۔ نصف گلاس میں نے تھوڑا تھوڑا کر کے پانچ، چھ منٹ میں پیا اور زندگی میں پانی کا ایسا ذائقہ کم ہی محسوس کیا تھا۔ پانی پی کر میں نے گلاس اسے واپس کر دیا۔ "فرض کرو کہ باہر کرم خان تمہاری تاک میں ہے تو تم کیا کرو گے؟"

"ام انتظار کرے گا۔ اس کے پاس کانے کو کوچ نہیں اے، چنا ام مارے پاس اے۔"

"لیکن تمہارے پاس پانی نہیں ہے۔"

"ام اسے تین دن چلا سکتا اے۔" اس نے گیلن کی طرف دیکھا۔

"اور ہم..... ان تین دن میں کیا ہم زندہ رہیں گے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "صرف ایک دن میں ہمارا پانی کے بغیر یہ حال ہو گیا تھا۔"

"ام کو نہیں معلوم۔ پر اب اس پانی سے تو م کو ایک بوند بی نئی دے گا۔"

"اچھا مجھے باہر جا کر پانی تلاش کرنے دو۔"

اس نے پھر انکار کیا۔ "اور خطرہ اے۔ گرم خان تو م کو پکڑ لے گا۔"

"مجھے اس سے کیا فرق پڑے گا۔ چاہے تمہاری قید میں رہوں یا کرم خان کی۔"

"اچھا چوپ کرو۔" اس نے مجھے جھڑک دیا۔ "اور جاؤ۔"

میں ایمن کے پاس آ بیٹھا۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا مگر کھانے کا خیال بھی نہیں تھا۔ آدھے گلاس پانی سے شدت کی پیاس میں معمولی سی کمی آئی تھی۔ سورج مغرب کی طرف ڈھلنے سے چٹان کے سامنے سایہ بڑھ اس تناسب سے تپش بھی کم ہو رہی تھی۔ فتح خان نے مجھے۔ کا۔ "جا کر خچر سے چنے کا تھیلا لے آؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور کرم خان کی گولی کا نشانہ بن جاؤں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نہیں جاؤں گا۔''

''بکومت..... جاؤ.....'' وہ پستول اٹھا کر دھاڑا۔ ''ابی ام گولی مار دے گا۔''

''بے شک تم مار دو لیکن مجھے تمہارے دھوکے میں مارا جانا گوارا نہیں ہے۔'' میں اڑ گیا تھا۔

''کرم خان تو م پر گولی نہیں چلائے گا۔'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

''وہ چلائے گا۔ کیونکہ اس طرح وہ تمہیں ڈرائے گا۔ اس کے لئے ایمن ضروری ہے، میں یا تم نہیں۔''

''یہ اور پڑا اے۔'' فتح خان نے خفگی سے ایمن کو دیکھا۔ ''تمیں تو م جائے گا۔ ام تین تک گنے گا۔ اگر تو م نہیں گیا تو ام تو م کو گولی مار دے گا۔ ایک..... دو..... تین.....'' اس نے کہہ کر پستول میری طرف کیا۔

''ٹھیک ہے..... میں جا رہا ہوں۔'' میں نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''لیکن میں مارا گیا تو اس کی ساری ذمے داری تم پر ہوگی۔''

''تو م فکر مت کرو۔ ایک بار ام کو کالا ڈبا مل گیا تو ام تو مارے نام کا فاتیا (فاتحہ) کروائے گا۔''

''تو اس کا مجھے کیا فائدہ ہوگا؟'' میں نے بھنا کر کہا تھا۔

''تو م سیدا جنت میں جائے گا۔'' وہ بولا۔ ''اب جاؤ۔''

میں اٹھ کر خچروں کی طرف بڑھا جو بائیں طرف جھاڑیوں کے ساتھ بندھے تھے۔ ان کے پاس جانے کے لئے مجھے کھلے سے گزرنا پڑتا۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کھلے حصے میں قدم رکھا جب کچھ نہیں ہوا تو میں نے خچروں کی طرف قدم بڑھایا اور اسی لمحے کوئی شے سنسناتی ہوئی میرے سر کے پاس سے گزر کر آگے چٹان پر لگی۔ فائر کی آواز ذرا تاخیر سے آئی تھی۔ میں نے بے تحاشا چھلانگ لگائی اور خچروں کے درمیان میں جا گرا جو فائر کی آواز پر بھڑک رہے تھے۔ مجھے فتح خان کے چلانے کی آواز آئی، وہ اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے چٹان کی اوٹ سے اس طرف لگاتار فائر کئے جس طرف سے گولی آئی تھی۔ میرا اندازہ بلکہ ایمن کا خیال درست ثابت ہوا تھا۔ کرم خان نے برٹ شا کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا کیونکہ برٹ شا کو مجھے گولی مارنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ باہر روشنی اتنی بہر حال تھی کہ ایک کمزور نظر والا بھی مجھ میں اور فتح خان میں تمیز کر سکتا تھا۔ چلانے والے نے مجھ پر جان بوجھ کر دوسری گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد تو دھڑا دھڑ فائرنگ کرنے لگا۔

خچر فائرنگ سے بھڑک رہے تھے۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ ایک گولی آ کر میرے سامنے والے خچر کی گردن میں لگی۔ اس نے بھیانک آواز نکالی اور زمین پر گر کر ایڑیاں بلکہ کھر رگڑنے لگا۔ دوسرے خچر اس افتاد پر مزید بدحواس ہو گئے اور اپنی لگامیں جھاڑیوں سے چھڑانے کے لئے اچھل کود کرنے لگے۔ میں ان کے کھروں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس دوران میں مجھے کرم خان کی آواز آئی وہ فتح خان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ فتح خان بھی اسے جواب دے رہا تھا۔ ظاہر ہے ان کی گفتگو کا ایک لفظ میرے پلے نہیں پڑ رہا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہ گالیوں کا آزادانہ تبادلہ کر رہے تھے۔ فتح خان کا زور بیان زیادہ تھا مگر پوزیشن کرم خان کی بہتر تھی وہ چٹانوں میں کہیں اوپر تھا اور فتح خان اس جگہ دبکے رہنے پر مجبور تھا۔ ہتھیار کے معاملے میں بھی کرم خان کو برتری حاصل تھی اس کے پاس کئی سو گز تک مار کرنے والی رائفل تھی۔ جب کہ فتح خان کا پستول سو فٹ سے زیادہ کارآمد نہیں تھا۔ کرم خان بہت دور تھا اس سے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں جھاڑیوں میں دب گیا تھا۔ میرے سامنے مردہ خچر کا جسم تھا جس نے مجھے تحفظ دے رکھا تھا۔ ورنہ اب تک کرم خان مجھے نشانہ بنا چکا ہوتا اس نے چند گولیاں میری طرف اور چلائی تھیں جو مر جانے والے خچر کو لگی تھیں۔ ایک خچر لگام آزاد ہو جانے کے بعد دولتیاں جھاڑتا بھاگ گیا تھا اب وہاں دو خچر تھے اور وہ بھی رہ رہ کر بھڑک رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں دہشت اور خوف تھا۔ میں انہیں دبی زبان میں چمکار رہا تھا کیونکہ ان خچروں کے ہونے سے مجھے تحفظ تھا۔ اگر یہ درمیان سے نکل جاتے تو کرم خان مجھے آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ فتح خان اور کرم خان کے درمیان گالیوں اور گولیوں کا تبادلہ بند ہو چکا تھا۔ فی الحال محاذ پر خاموشی چھائی تھی۔

''فتح خان!'' میں نے آواز دی۔ ''یہ حرمزادہ میری جان کا دشمن کیوں ہو رہا ہے؟''

''یہ تو مارے کو رقیب قرار دے رااے۔'' فتح خان نے بتایا۔ ''یہ بی ایمان (ایمن) کو پسند فرماتا اے۔''

''بھی سے کیا مطلب ہے؟ تم لوگوں کا دماغ خراب ہے۔ میری جان پر بنی ہے اور میں لڑکیاں پسند کروں گا۔ پہلے تم کو حسینا کے معاملے میں مجھ پر شک تھا اور اب کرم خان نے ایک نئی بچ نکال لی ہے۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

''بچ کیا اوتا اے؟''

''گدھا گاڑی میں..... گدھے کے ساتھ جو اس کا مددگار گدھا ہوتا ہے اسے بچ کہتے ہیں۔'' حالات کی خرابی کے باوجود میں اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر نہیں رہ سکا۔

''اچا..... اچا..... ام سجا، یہ بی کوئی نیا گالی اے۔''

''گالی ہی سمجھو..... اگر میں کرم خان کو بچ کہتا ہوں تو اس کا مطلب ہے تمہیں گدھا قرار دے رہا ہوں، وہ تمہارا ساتھی ہے۔''

''اب وہ امارا دشمن اے۔'' فتح خان خفگی سے بولا۔

''فتح خان! ایمن محفوظ ہے ناں؟''

''اسے ام نے چٹان کے سب سے اندر کر دیا اے..... اور گولی نئی آتی۔''

''کرم خان کے پاس رائفل ہے اور تمہارے پاس پستول ہے۔ اس صورت میں تم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہو؟''

''ام کو نشانہ بنانے کے لئے اسے اوپر آنا پڑے گا اور ام اسے کتے کی ماپک مار دے گا۔''

''وہ کتے کے موافق مرنے کے لئے ادھر کیوں آئے گا؟ وہ آرام سے اپنی جگہ بیٹھ کر تمہارے باہر آنے کا انتظار کرے گا۔''

''رات ام ادر سے نکل جائے گا۔''

فتح خان نے یہ بات قابل غور کہی تھی۔ کرم خان اسے صرف دن میں روک سکتا تھا۔ رات کی تاریکی میں فتح خان بہ آسانی نکل سکتا تھا اور میں ایک بار پھر اس کے رحم و کرم پر ہوتا جبکہ مجھے آزادی حاصل کرنے کا موقع نظر آ رہا تھا کرم خان اس پناہ گاہ کے بائیں جانب کہیں چٹانوں میں تھا اور اس کے بائیں جانب کوئی سو فٹ کے میدان کے بعد چٹانیں تھیں اگر میں ان تک پہنچ جاتا تو نہ صرف کرم خان بلکہ فتح خان سے بھی محفوظ ہو جاتا لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوفٹ کا فاصلہ طے کرنا آسان نہیں تھا۔ کرم خان کے پاس رائفل تھی۔ اچانک مجھے خچروں کا خیال آیا تھا۔ میں ان کی آڑ میں یہاں سے نکل سکتا تھا۔

''شہباز تو م اوپر آ جاؤ۔'' غالباً فتح خان کے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا، اس نے مجھے حکم دیا۔

''معاف کرنا..... پہلے ہی میں مرتے مرتے بچا ہوں اگر گولی دو انچ نیچے ہوتی تو خچر کے بجائے یہاں میری لاش پڑی ہوتی۔ اندھیرا ہونے سے پہلے میں اس جگہ سے حرکت بھی نہیں کروں گا۔''

''اور سے بھاگنے کا خیال مت کرنا۔'' آخر فتح خان نے کھل کر کہہ دیا۔ ''ام تو م کو جانے نہیں دے گا۔''

''..... مجھے بھی اس کوشش میں جان دینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' میں نے کہتے ہوئے ایک خچر کی باگ جھاڑی سے نکالنا شروع کر دی۔ جب اس کی باگ ڈھیلی پڑ گئی تو میں نے اسے جھاڑی میں اپنے نزدیک ہی باندھ دیا تا کہ جب ضرورت پڑے، اسے نکال سکوں۔ اس کے بعد میں دوسرے خچر کی طرف کھسک کر آیا لیکن وہ نسبتاً کھلے میں تھا اور فتح خان نہ سہی کرم خان مجھے اس کی لگام نکالتے دیکھ سکتا تھا۔ لہٰذا میں رک گیا۔ کرم خان مشرق میں تھا جب سورج ڈوبنے لگتا تو اس کی روشنی براہِ راست کرم خان کی آنکھوں میں جاتی اور اس وقت موقع ہوتا کہ میں خچر کی لگام نکال لیتا۔ میں دم سادھے پڑا رہا۔ درمیان میں فتح اور کرم کے درمیان کئی بار گفتگو ہوئی۔ جس میں برٹ شا اور ایمن کا ذکر آیا تھا اور ان کے لہجے میں اب تندی کے بجائے مفاہمت کا رنگ نمایاں تھا۔ شاید رفتہ رفتہ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ آپس کے جھگڑے میں کہیں یہ موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے لیکن ان میں مفاہمت اتنی آسان بھی نہیں تھی۔ ان کے اعتماد میں دراڑ آ چکی تھی۔ فتح خان کو باتوں میں لگانے کے لئے میں اس سے کرم خان کے بارے میں پوچھتا رہا۔ وہ اس کا چچازاد بھائی تھا اور ایک زمانے میں وہ ایک ساتھ گائڈ کا کام کرتے تھے اور غیر ملکی سیاح ٹیموں کو مختلف جگہوں پر لے جاتے تھے۔ اب مجھے پتا چلا کہ فتح خان اتنی بہترین انگریزی کیسے بولتا تھا۔ وہ غیر ملکی سیاحوں کے ساتھ جاتا تھا اور اسی وجہ سے اس کی انگریزی کی استعداد بہتر ہوتی گئی۔

''جب تم پورٹر اور گائڈ کا کام کرتے تھے تو پھر راجا عمر دراز کے پاس کیسے آئے؟''

''ام راجا کے ساتھ ایک ٹور پر گیا۔ تب ام نے اس کا جان بچایا اور راجا نے ام کو ملازمت میں لے لیا تب سے ام اس کے ساتھ اے۔''

''تھے..... اب تم پلٹ کر راجا کی طرف گئے تو وہ اپنے ہاتھ سے تمہیں گولی مار دے گا۔'' میں نے تصحیح کی۔

اس دوران میں سورج رفتہ رفتہ مغرب کی طرف اتنا جھک گیا کہ میرے اندازے کے مطابق کرم خان کے لئے اس طرف دیکھنا آسان نہیں رہا تھا اس لئے میں آہستہ سے کھسک کر دوسرے خچر تک گیا اور اس کی لگام کھولنے کی کوشش شروع کی تھی کہ ایک سنسناتی گولی جھاڑیوں سے گزری اور میں پھرتی سے دوبارہ مرحوم خچر کی لاش کے عقب میں ہو گیا۔ کرم خان نے چلا کر فتح خان سے کچھ کہا اور فتح خان مجھ پر دھاڑا۔

''تو م بھاگنے کی کوشش کرتا اے۔''

''یہ بکواس کرتا ہے۔ میں خچر کے پیچھے ہوں اس نے بلاوجہ گولی چلائی اور اب تمہیں گمراہ کر رہا ہے۔''

''تو م ادھر والے خچر کی طرف نہیں آیا؟'' فتح خان نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فتح خان..... یہ مکار شخص..... تمہیں اس طرح الجھا کر سامنے لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ دوسری صورت میں تم مجھے اندر آنے کو کہو گے۔ ہم میں جو بھی مارا گیا فائدہ کرم خان کا ہی ہوگا۔''

''تو م ٹیک بولتا اے۔'' فتح خان نے چند لمحے بعد کہا۔ ''یہ خنزیر ام کو دوکا دیتا اے۔''

''اندھیرا ہوتے ہی میں اندر آ جاؤں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''کیا تو م چنے کا تھیلا اندر مجیں پھینک سکتا اے، ام کو زور کا بوک لگا اے۔''

میں نے تھیلے والے خچر کو دیکھا جو ذرا آگے تھا یعنی وہی خچر جس کی میں نے لگام نکالنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے فتح خان کو بتایا۔ ''وہ خچر کھلے میں ہے کرم خان مجھے نشانہ بنا سکتا ہے، اس لئے اندھیرا ہونے تک انتظار کرو۔''

''اچا.....'' فتح خان نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''خیراب دیر نہیں اے۔''

ہمیں صبح سے پانی کے لئے ترسانے والے کو اپنی بھوک کا احساس تھا۔ رفتہ رفتہ سورج پہاڑوں کے عقب میں رُوپوش ہو گیا تھا اور اب تاریکی چھانے لگی تھی۔ پہاڑی علاقوں میں سورج غروب ہونے کے بعد بہت تیزی سے اندھیرا چھا جاتا ہے اور مجھے انتظار تھا۔ اندھیرا چھاتے ہی مجھے حرکت میں آنا تھا کیونکہ کرم خان کی آنکھوں کو تاریکی سے مانوس ہونے میں وقت لگتا۔ خوش قسمتی سے میں نے گہرے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے اس لئے میں بھی تاریکی کا جزو بن جاتا۔ سورج غروب ہونے کے پانچ چھ منٹ بعد میں حرکت میں آیا اور آگے سرک کر دوسرے خچر کی لگام بھی کھول دی۔ اسے پیچھے لایا اور پہلے والے خچر کو کھولتے ہوئے میں دونوں کو لے کر حرکت کرنے لگا۔ میری کوشش تھی کہ میں خچروں کے عقب میں ہی رہوں۔ تاریکی کے باوجود آسمان صاف ہونے کی وجہ سے کرم خان کو خچروں کی حرکت کا احساس ہو گیا تھا اس نے فائر کیا۔ خچر بھڑک کر بھاگے اور میں ان کی آڑ میں بھاگتا رہا۔ دوسرے فائر پر ایک خچر بے ہنگم آوازیں نکالتا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اسے گولی لگ گئی تھی۔ میں اور دوسرا خچر بھاگتے ہوئے چٹانوں تک پہنچنے میں کامیاب رہے۔ میں نے آڑ میں آتے ہی اس کی لگام تھام کر اسے روکا ورنہ اس کا ارادہ بھاگتے ہی چلے جانے کا تھا۔ عقب میں زبردست شور شرابا تھا۔ کرم خان اور فتح خان آپس میں چیخ چیخ کر بات کر رہے تھے مگر ان کا سارا زور گفتگو تک محدود تھا۔ نہ تو کرم خان نے مزید کوئی فائر کیا اور نہ ہی فتح خان نے روشنی کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے فرار سے واقف ہونے کے باوجود فتح خان سامنے آنے اور کرم خان پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

میں نے تاریکی میں خچر کو ٹٹولا تو یہ جان کر میری باچھیں کھل گئیں کہ یہ چنے کے تھیلے والا خچر تھا اور مجھے بھی زبردست قسم کی بھوک لگ رہی تھی لیکن اس وقت یہاں رکنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ فتح خان نہ سہی، کرم خان ضرور میرے پیچھے آ سکتا تھا۔ میں نے خچر کی لگام تھامی اور چٹانوں کی آڑ میں رہتے ہوئے آگے بڑھنے لگا میری کوشش تھی کہ جلدی سے جلد چٹانوں سے نکل کر درختوں اور جھاڑیوں والے حصے میں پہنچ جاؤں۔ وہاں چھپنے اور بچنے کے زیادہ مواقع تھے۔ پتھریلی زمین پر خچر کے سم آواز پیدا کر رہے تھے اور مجھے خوف تھا کہ یہ آواز میری نشان دہی نہ کر دے۔ کرم خان کے پاس کلاشنکوف رائفل تھی۔ وہ برسٹ مار دیتا تو میں اور خچر دونوں ہی آں جہانی ہو جاتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درختوں والے حصے میں تاریکی شدید تھی اور وہاں قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ بمشکل میں نے خچر کو ایک جھاڑی تلاش کر کے وہاں باندھا اور اس کا تھیلا ٹٹولنے لگا۔ میں چنے والا تھیلا اتار رہا تھا کہ مجھے اس کے نیچے کسی اور شے کا احساس ہوا، میں نے اسے ٹٹولا۔ ایک اور تھیلے میں کوئی سخت دھاتی شے تھی مجھے فوراً چل گیا تھا کہ یہ پستول تھا۔ فتح خان نے اضافی پستول خچر کے تھیلے میں ڈال دیا تھا صرف پستول ہی نہیں اس میں فاضل گولیاں اور ایک عدد چھوٹی ٹارچ بھی تھی اور میرے لئے دونوں چیزیں نعمت غیر مترقبہ تھیں۔ میں نے پستول نکال کر ٹارچ کی محدود روشنی میں اس کا معائنہ کیا۔ اس کا میگزین مکمل طور پر بھرا تھا۔ فاضل گولیاں میں نے اپنی جیب میں ڈال لی تھیں۔ چنے کا تھیلا بھی خچر سے اتار لیا۔ اسے تلاش کرنا آسان تھا اور میری عافیت اسی میں تھی کہ خچر سے زیادہ سے زیادہ دور رہوں۔ خچر شاید پیاسا بھی تھا۔ اس لئے رہ رہ کر آوازیں نکال رہا تھا اور کوئی بھی ان آوازوں سے متوجہ ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک مٹھی چنے نکالے اور انہیں کھانے لگا اگرچہ اس میں یہ ضرور تھا کہ پیاس مزید بھڑک جاتی۔ بہرحال اب میں آزاد تھا اور اپنی تلاش کر سکتا تھا۔ مجھے یاد تھا جب ہم اس طرف آ رہے تھے تو ڈھلان پر کئی چشمے اور نالے ملے تھے جن میں بارش کا پانی موجود تھا۔ چنے کھانے سے پیٹ میں ہونے والی اینٹھن کم ہوئی تھی لیکن پیاس مزید بڑھ گئی تھی۔ رات ہونے کی وجہ سے موسم نم اور سرد تھا۔ ورنہ دن کی گرمی ہوتی تو میں شاید چلنے کی ہمت بھی نہ کر پاتا۔

کبھی کبھی میں ٹارچ جلا کر راستہ دیکھ لیا کرتا تھا۔ میرے کانوں کو پانی بہنے کی مخصوص آواز کی تلاش تھی اوپر آتے ہوئے نصف گھنٹے بعد بالآخر مجھے پانی بہنے کی مدھم آواز آئی اور میں نے ٹارچ کی روشنی میں پانی کا نالا تلاش کر لیا جس کی تہ میں پانی پتلی سی لکیر کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ میں نے چھلانگ لگانے کی خواہش پر قابو پایا اور احتیاط سے اتر کر نیچے تک جا پہنچا تھا۔ بارش کئی روز پہلے ہوئی تھی اور پانی نہ ہونے کے برابر تھا۔ بہرحال میری پیاس بجھانے کے لئے کافی تھا۔ میں نالے کے پاس بیٹھ کر گھونٹ گھونٹ یہ سرد اور صاف پانی پیتا رہا۔ ساتھ ہی چنے کھاتا رہا حتیٰ کہ بھوک پیاس کا احساس ختم ہو گیا چنے میں نے کم کھائے تھے اور پانی زیادہ پیا تھا۔ یک لخت میرے حواس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں وہیں نالے کی دیوار سے ٹیک لگا کر سو گیا۔ نیچا ہونے کی وجہ سے نالے میں ٹھنڈ کی شدت کم تھی۔ میں سکڑ سمٹ کر سوتا رہا تھا۔

اچانک کسی آواز نے مجھے بیدار کر دیا۔ جاگنے کے بعد میں نے حرکت نہیں کی اور شاید اسی وجہ سے میں بچ گیا۔ مجھ سے کوئی دس فٹ کے فاصلے پر ایک سایہ پانی کے ساتھ بیٹھا چلو سے پانی پی رہا تھا اور اس کے پانی پینے کی آواز نے مجھے جگایا تھا اسے دیکھتے ہی میں نے سانس بھی روک لی تھی۔ تاریکی کے باوجود مجھے اس کی رائفل کی نال کی چمک نظر آئی تھی اور وہ یقیناً کرم خان تھا جو یہاں پانی پینے آیا تھا۔ جانے برٹ شا کہاں تھا! جب تک وہ اٹھ کر نالے کی دیوار پر چڑھ کر نہیں چلا گیا میں نے حرکت نہیں کی تھی۔ میرا پستول میرے پاس تھا لیکن اس کے پاس رائفل تھی۔ دوسرے میں عام انسان تھا جب تک میری جان پر نہ بن جاتی میں کسی کو مار نہیں سکتا تھا۔ شاید میں کوشش کرتا تب بھی میں اسے بے خبری میں نہیں مار سکتا تھا۔ اس کے جانے کے پانچ منٹ بعد میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی، ایک بار پھر جی بھر کے پانی پیا اور اوپر آ گیا۔ میری گھڑی میں صبح کے تین بج رہے تھے میں کوئی چھ سات گھنٹے سویا تھا اور پھر پوری طرح تازہ دم تھا بھوک ایک بار پھر میرے پیٹ میں ہلچل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مچا رہی تھی۔ میں چپنے پھانک کر اسے کم کرنے لگا۔

میں واپس جاتے ہوئے محتاط تھا۔ ممکن ہے کرم خان بھی میری طرح اطراف میں منڈلا رہا ہو اور میرا اس سے ٹکراؤ ہو جائے۔ فتح خان کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ تاریکی ہوتے ہی وہ باہر نکل کر کرم خان پر قابو پانے اور برٹ شا کو اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ بلیک بکس کے ہیروں کے پیچھے دیوانہ ہو رہا تھا۔ ایمن اس کے پاس ترپ کے پتے کی طرح تھی مگر وہ برٹ شا کے بغیر بے کار تھی۔ اس سارے کھیل میں میری کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میں جس کے سامنے بھی آتا وہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کرتا۔ مجھے یہاں سے فرار ہو جانا چاہئے تھا۔ اس سارے معاملے پر لعنت بھیج کر..... لیکن ایمن کا خیال میرے پاؤں میں زنجیر ڈال رہا تھا۔ اسے فتح خان اور کرم خان جیسے وحشیوں کے قبضے میں چھوڑ کر جانا ممکن نہیں تھا۔ میں ایک بار اسے ان کے چنگل سے نکال کر اس کے احسان کا بدلہ اتارنا چاہتا تھا۔

مجھے فکر لاحق تھی کہ کرم خان نے برٹ شا کا کیا کیا۔ وہ اسے آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا، یقیناً اسے بے دست و پا کر کے آیا تھا۔ دوسری طرف فتح خان بھی ایمن کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میں جھاڑیوں اور درختوں سے ہوتا چٹانوں تک آیا۔ آسمان صاف ہو گیا تھا اور ستاروں کی روشنی میں چٹانیں نمایاں ہو رہی تھیں۔ میں ایک جگہ بیٹھ کر نظر دوڑانے لگا۔ بغیر کسی واضح وجہ کے جنگل سے نکل کر چٹانوں میں داخل ہونا خطرناک ہو سکتا تھا کیونکہ کرم خان اور فتح خان ایک دوسرے کی تاک میں تھے۔ کسی کو میں مل جاتا تو یہ اس کے لئے بونس ہوتا۔ مجھے خیال آیا اگر میں کرم خان ہوتا تو برٹ شا کو کس طرح قید کرتا۔ میں اسے کسی درخت سے باندھ دیتا۔ اس طرح وہ خود کو آزاد نہیں کرا سکتا تھا اور درخت سے باندھنے کے لئے ضروری تھا کہ کرم خان اسے چٹانوں سے اوپر جنگل کی طرف لے جاتا۔ میں نے مشرقی ڈھلان کا جائزہ لیا۔ اس طرف جانے کے لئے مجھے خاصا طویل چکر لگانا پڑتا لیکن برٹ شا کے پائے جانے کا امکان اس طرف تھا میں اٹھ کر چلنے لگا۔ چھ سات گھنٹے کی نیند اور پیٹ بھر کر کھا پی لینے کے بعد جسم میں توانائی سی آ گئی تھی میں درختوں کے نیچے سے گزرتا مشرقی ڈھلان کی طرف آیا۔ میں نے پستول ہاتھ میں لے لیا تھا اور کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھا۔

میں درختوں کے درمیان برٹ شا کو تلاش کر رہا تھا۔ جس طرف مجھے شبہ ہوتا میں اسی طرف جاتا اچانک میں نے کسی کے کھانسنے کی آواز سنی۔ آواز بے حد نزدیک سے آئی تھی۔ میں چوکنا ہو گیا۔ ممکن ہے یہ برٹ شا ہوتا لیکن کرم خان کے پائے جانے کا امکان بھی تھا۔ میں بے حد آہستگی سے اس طرف حرکت کرنے لگا۔ اگر یہ برٹ شا تھا تب بھی کرم خان کے آس پاس پائے جانے کا پورا امکان تھا میں نے ایک درخت کے تنے پر ہاتھ رکھا تو میرے ہاتھ تلے رسّی آ گئی تھی۔ میں نے ٹٹولا رسی کئی بار درخت کے تنے کے گرد گھومی ہوئی تھی اور دوسری طرف یقیناً برٹ شا تھا۔ میں نے اس تاریکی میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کہ برٹ شا کی آواز سنی۔ ''کرم..... تم کدھر ہو مجھے پیاس لگی ہے۔ پانی دو..... مجھے کچھ کھانے کو دو..... سور کے بچے..... کتے کے بچے۔''

کرم خان نے اسے نہ جانے کب سے باندھ رکھا تھا۔ خود نہ جانے کہاں تھا۔ میں کرم خان کی طرف سے کسی ردِعمل کا منتظر تھا۔ وہ انگریزی نہیں جانتا تھا لیکن سمجھ سکتا تھا۔ برٹ شا کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ گزشتہ چوبیس گھنٹے سے بھوکا پیاسا ہے۔ تقریباً پندرہ منٹ تک جب کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تو میں گھوم کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برٹ شا کے سامنے آ گیا اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''آواز مت نکالنا۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''میں شہباز ہوں۔ ابھی تمہیں کھولتا ہوں۔ کرم خان کتنی دیر پہلے گیا تھا؟''

''دو گھنٹے ہو گئے ہیں۔'' برٹ شا نے بھی آہستہ سے کہا۔ ''وہ حرامی یہیں کہیں ہوگا، مجھے پانی دو۔''

''پانی نہیں ہے لیکن میں تمہیں پانی تک لے جا سکتا ہوں۔'' ''ایک منٹ پہلے میں تمہیں کھول دوں۔''

میں نے گرہ تلاش کر لی جو کرم خان نے خاصی سخت باندھی تھی بڑی مشکل سے ایک ناخن تڑوا کر میں نے اسے کھول لیا۔ بل دے کر رسی اتاری تو برٹ شا آزاد ہوتے ہی گرنے لگا تھا میں نے اسے سہارا دیا۔ بھوک پیاس سے زیادہ مسلسل بندھے رہنے سے اس کا جسم بے جان ہو رہا تھا۔ میں اسے سہارا دے کر چلانے لگا۔ اس ترکیب سے وہ اپنی طاقت بحال کر سکتا تھا۔ چند منٹ کے بعد وہ صرف میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر چلنے لگا۔ میں جلد از جلد اس جگہ سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ برٹ شا بھی یہ بات سمجھتا تھا۔ اس لئے ہم خاموشی سے اور ہر ممکن تیزی سے سفر کرتے رہے۔ حرکت کرنے سے برٹ شا کا دوران خون بحال ہوا تھا اور اب وہ بغیر سہارے کے چل رہا تھا لیکن اس کی پیاس اور بھوک بھڑک اٹھی تھی۔ میرے پاس چنے تھے انہیں کھانے سے پیاس اور بھڑک جاتی اس لئے میں نے اسے چنوں کے بارے میں نہیں بتایا۔ اس نے پہلا سوال ایمن کے بارے میں کیا۔

''وہ فتح خان کے قبضے میں ہے۔'' میں نے اسے جواب دیا اور مختصراً اسے اپنے فرار کا بتایا۔ ''یہ بتاؤ تم پر کیا گزری تھی؟''

''یہ سب کرم خان کا حرامی پن ہے۔ واپسی کے سفر میں اس نے اچانک میرے سر پر رائفل کا بٹ مارا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں درخت سے بندھا تھا۔ وہ مجھ سے بلیک بکس کا پوچھ رہا تھا جب میں نے جواب نہیں دیا تو اس نے مجھ پر تشدد بھی کیا تھا۔''

''کرم خان کو انگریزی آتی ہے؟'' مجھے تعجب ہوا۔

''بہت اچھی.....'' اس نے جواب دیا۔ ''میں نے اس سے صاف کہہ دیا جب تک مجھے ایمن نہیں ملے گی میں اسے بلیک بکس کا پتا نہیں بتاؤں گا چاہے وہ میری بوٹیاں کیوں نہ نوچ لے۔ اس پر مجبور ہو کر اس نے فتح خان سے ایمن کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''فتح خان تو تم پر شک کر رہا تھا، یہ تو ایمن کو خیال آیا کہ کرم خان نے تمہیں قبضے میں لے لیا ہے پھر جلد کرم خان کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ اس نے فتح خان سے ایمن کا مطالبہ کیا تھا۔''

''تمہارے پاس پستول ہے۔'' برٹ شا نے ایک کھلی جگہ پر میرے ہاتھ میں پستول دیکھ لیا تھا۔

''ہاں مجھے خچر سے ملا تھا۔'' میں نے بتایا۔ ''میرے پاس چنے بھی ہیں لیکن بہتر ہے تم پہلے تھوڑا پانی پی لو تاکہ پیاس اور نہ بھڑکے۔ نالا کچھ ہی دور ہے۔''

پانی کی آواز سن کر برٹ شا اتنا بے تاب ہوا کہ نالے میں تقریباً کود گیا تھا جب تک میں اسے روکتا وہ کئی بڑے گھونٹ لے چکا تھا۔ اچانک اسے ابکائی آئی اور پیا ہوا سارا پانی الٹی کی صورت میں نکل گیا۔

''آرام سے۔'' میں نے جھک کر کہا۔ ''پانی چوس کر پیو اور چند گھونٹ کے بعد چنے لے لینا ورنہ خالی پیٹ پھر الٹی آ جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار اس نے تھوڑا پانی پیا اور چنے لے کر چبانے لگا۔ ہم نالے کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے میں اسے بتانے لگا کہ فتح خان کا ارادہ تھا رات ہوتے ہی وہ ایمن کے ہمراہ اس پناہ گاہ سے نکل جائے گا جو دن میں اس کے لئے چوہے دان ثابت ہوئی تھی۔ برٹ شا بے قرار ہو گیا۔ ''کہیں وہ ایمن کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کرے۔''

''فکر مت کرو، جب تک بلیک بکس ان کے ہاتھ نہیں آ جاتا وہ اسے انگلی بھی نہیں لگائیں گے مگر جیسے ہی بلیک بکس ہاتھ آئے گا وہ تمہیں قتل کریں گے اور ایمن ان کی درندگی کا نشانہ بنے گی کیونکہ وہ ایک کمزور لڑکی ہے۔''

''نہیں۔'' برٹ شا نے اضطراب سے کہا۔ ''میں انہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔''

''اس کی ایک ہی ترکیب ہے۔ ایمن کو ان کے قبضے سے چھڑا لیا جائے۔ کرم اور فتح ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے ہیں۔ ہم ان کی دشمنی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''یہ تو میں نے ابھی نہیں سوچا لیکن اگر وہ آپس میں لڑ جائیں تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔''

برٹ شا نے غور کیا۔ ''وہ اتنے پاگل نہیں ہیں کہ خود لڑ کر ہمیں بھاگنے کی موقع دیں۔''

''لالچ بری بلا ہے۔ وہ مل بانٹ کر کھانے کے بجائے ہیروں کو اکیلے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

''پستول مجھے دے دو۔ مجھے چلانا آتا ہے۔''

''پستول مجھے بھی چلانا آتا ہے۔ بیس فٹ کے فاصلے پر رکھا سیب اڑا سکتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''آؤ کچھ دیر میں صبح کی روشنی نمودار ہو جائے گی۔''

چنے کھانے کے بعد اس کی حالت سنبھل گئی تھی۔ اس نے میرے روکنے کے باوجود ایک بار پھر جی بھر کر پانی پیا۔ ہم کچھ دور چلے تھے کہ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ ''مجھے..... چکر آ رہا ہے۔''

''یہ کھا کر اتنا پانی پینے کا نتیجہ ہے اب تم کہیں لیٹ کر آرام کرو۔ ورنہ کسی کام کے قابل نہیں رہو گے۔''

میں نے اسے مشورہ دیا اور وہ وہیں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر دراز ہو گیا اور ذرا دیر میں وہ بے ہوشی کے انداز میں سو چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ تین چار گھنٹے سے پہلے نہیں جاگے گا۔ دوسرے مجھے اس کی نہیں ایمن کی فکر تھی۔ اسے سوتا چھوڑ کر میں نیچے اترنے لگا۔ اس وقت پانچ بج رہے تھے۔ تارے کم ہو گئے تھے کیونکہ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے اور دھند چھا رہی تھی۔ روشنی اتنی کم تھی کہ راستہ نظر آنا محال ہو رہا تھا جیسے تیسے میں چٹانوں تک پہنچا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ فتح خان اور کرم خان کہاں ہیں اس تاریکی میں وہ نچلے نہیں بیٹھے ہوں گے بلکہ حرکت کر رہے ہوں گے۔

اچانک چٹانوں والے علاقے کے مغربی حصے سے رائفل کا فائر ہوا اور اس کے بعد پے در پے پستول سے فائر ہوئے اور پھر سناٹا چھا گیا۔ فتح اور کرم میں مقابلہ شروع ہو گیا تھا صرف فائر کی آواز بتا رہی تھی کہ کوئی نئی نہیں ہوا ہے۔ دونوں بچ گئے تھے یا ان میں سے کوئی فنا کے گھاٹ اتر گیا تھا۔ میں تیزی سے ڈھلان پر سے رنے لگا اور چٹانوں میں آنے کے بجائے ان کے اوپر سے ہوتا مغربی حصے کی طرف جانے لگا۔ چٹانوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کی صورت میں ان لوگوں سے اچانک سامنا ہو سکتا تھا اور بہر حال میں ان کے مقابلے میں ایک عام فرد تھا اور وہ دونوں پکے بدمعاش تھے۔ جیسے جیسے میں مغربی حصے کی طرف جا رہا تھا مجھے ایک عجیب سی سرسراتی آواز آ رہی تھی۔ قریب جانے پر یہ آواز واضح ہونے لگی۔ کوئی سسکیاں لے رہا تھا بلکہ لے رہی تھی اور یہ بلاشبہ ایمن تھی۔ میں گھومتا ہوا ایک چٹان کے اوپر پہنچا تھا۔ میں نے فتح ان کی دبی دبی آواز سنی، وہ اسے پھنکار رہا تھا۔

''چپ رہو۔ تمہارے اس باپ نے سن لیا تو اس بار سر میں گولی مارے گا۔''

''مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔'' میں نے ایمن کی کراہتی آواز سنی۔ ''بہت درد ہو رہا ہے۔''

''اب کیا ادسکتا ہے؟'' فتح خان بولا۔ ''برداشت کرو۔ ام اس حرامی کو گولی مار دے گا۔''

''تم اس سے کون سے کم ہو؟'' ایمن تلخی سے بولی۔ ''کاش میں نے پاپا کے ساتھ آنے کے بجائے گھر رکنے کا فیصلہ کیا ہوتا۔''

''اور آنا تمہارے مقدر میں تھا۔'' فتح خان فلسفیانہ انداز میں بولا۔

مجھے اندازہ ہوا کہ ایمن کو گولی لگی ہے مگر زخم خطرناک نہیں تھا ورنہ وہ اس اسپرٹ میں بات نہ کر رہی ہوتی اور زخم رائفل کی گولی کا تھا جو بہر حال خطرناک ہوتا ہے۔ فتح خان اس چٹان تلے چھپا تھا تو کرم خان لازماً سامنے والے حصے میں کہیں تھا۔ میں چٹان کے اوپر اوندھے منہ لیٹ گیا۔ روشنی ہونے پر مجھے کرم خان نظر آ جاتا کیونکہ میں بلندی پر تھا پھر میں نے اس کی آواز سنی وہ اپنی زبان میں فتح خان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ فتح خان نے غراتے لہجے میں جواب دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے کرم خان کی طرف ایک فائر بھی کیا تھا۔

آواز سے میں نے اندازہ لگایا کہ کرم خان بیس پچیس گز کے فاصلے پر تھا۔ یعنی وہ بھی فتح خان کی فائرنگ کی حد میں تھا اور اس لحاظ سے میرے پستول کے فائر کی زد میں بھی تھا لیکن میرا نشانہ کرم خان نہیں تھا بلکہ مجھے فتح خان سے ایمن کو حاصل کرنا تھا۔ وہ زخمی بھی ہو گئی تھی اور اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی جبکہ فتح خان کو اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ مشرق سے روشنی نمودار ہونے لگی تھی اور میں کرم خان کی نظر میں آ سکتا تھا۔ اس لئے میں چٹان سے ہٹ گیا اور ذرا دائیں طرف ایک گول چٹان کے پیچھے مورچہ بنا لیا۔ یہاں سے میں دونوں طرف نظر رکھ سکتا تھا۔ کرم خان روشنی نمودار ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس طرح وہ فتح خان کو آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ جس جگہ وہ چھپا تھا وہ جگہ کرم خان کی فائرنگ کی زد میں تھی تبھی ایمن کو گولی لگی تھی۔ روشنی ہونے پر یہ جگہ اور بھی غیر محفوظ ہو جاتی۔ یہ بات غالباً فتح خان کے ذہن میں بھی تھی۔ میں نے ایک سائے کو اس چٹان کی طرف سے نمودار ہوتے دیکھا جس کے تلے فتح خان اور ایمن چھپے تھے۔ سایہ اوپر سے خاصا چوڑا لگ رہا تھا۔ میں نے آنکھوں پر زور دیا تو پتا چلا کہ سائے نے شانے پر کسی کو اٹھا رکھا ہے۔ فتح خان ایمن کو اس طرح سے لے کر آ رہا تھا۔ اچانک رائفل کا فائر ہوا اور وہ نیچے گر گیا۔ میں دم بخود رہ گیا۔ گولی اسے یا ایمن کو لگی تھی۔ مکار کرم خان بھی ان کے پیچھے تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ سایہ لیٹے لیٹے اوپر کی طرف حرکت کر رہا ہے اور اوپر لیٹی ایمن چپ اور ساکت تھی شاید بے ہوش ہو چکی تھی۔ اتفاق سے فتح خان ایمن کو لئے اس چٹان کی طرف آ رہا تھا جس کے عقب میں، میں تھا۔ مشرق کی طرف سے روشنی خاصی نمودار ہو چکی تھی اور ماحول بھی رفتہ رفتہ روشن ہوتا جا رہا تھا مجھے کرم خان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش تھی آخر وہ مجھے ایک ۔دوسری چٹان کے عقب میں رینگتا نظر آیا۔ میں چاہتا تو اسے نشانہ بنا سکتا تھا مگر اس پر فائر کرنے سے فتح خان ہشیار ہو جاتا اور اس کے قبضے سے ایمن کو حاصل کرنا دشوار ہو جاتا۔ میں پوری طرح چوکس تھا جیسے ہی فتح خان نزدیک آتا میں پستول کی مدد سے اس پر قابو پا لیتا مگر دوسری طرف کرم خان موت بن کر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ ایمن کو زخمی کر چکا تھا۔ بے شک اس کا ارادہ فتح خان کو جہنم رسید کرنا تھا مگر گولی اس میں اور ایمن میں فرق نہیں کرتی۔ ان کی آپس کی لڑائی میں وہ بھی ماری جا سکتی تھی۔

کرم خان وقفے وقفے سے سر اٹھا کر فتح خان کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ مجھ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر تھا اور ایک چھوٹی سی چٹان کے عقب میں پوشیدہ تھا۔ اس نے ایمن کو اس چٹان کے پیچھے لٹایا اور خود رینگتا ہوا میری طرف آنے لگا۔ وقتی طور پر میری ساری توجہ فتح خان پر مبذول ہو گئی تھی اور جیسے ہی وہ چٹان کے پاس آیا میں نے اچانک عقب سے اس کے سر پر پستول کے دستے سے ضرب لگائی۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی تھی لیکن دوسری ضرب پر وہ ساکت ہو گیا میں نے جھک کر اس کے ہاتھ سے پستول نکال لیا پھر کرم خان کی طرف متوجہ ہوا لیکن وہ اپنی جگہ سے غائب تھا۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ اتنی جلدی وہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اچانک اپنے سر کے عقب میں کسی شے کا دباؤ محسوس ہوا اور مجھے کرم خان کی آواز آئی۔ وہ مقامی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ بے اختیار میرے دونوں ہاتھ اوپر بلند ہو گئے کرم خان نے ایک ایک کر کے مجھ سے دونوں پستول چھین لئے اور پھر رائفل بدست سامنے آ گیا۔ میں اب تک حیران تھا وہ اتنی پھرتی اور خاموشی سے آیا تھا کہ مجھے کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔

''اوپر کیسے آئے؟ میری موجودگی کا کیسے پتا چلا؟'' میں نے انگریزی میں پوچھا۔

''ادھر سے۔'' اس نے ایک راستے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔''

کرم خان نے مجھے فوری طور پر گولی نہیں ماری تھی اس کا مطلب تھا کہ وہ فی الحال مجھے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے نیچے بے سدھ پڑی ایمن کی طرف اشارہ کیا۔ ''اگر اجازت ہو تو میں اسے دیکھ لوں۔''

''ابھی نہیں..... اسے دیکھو.....'' اس نے فتح خان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کی چادر سے اس کے ہاتھ پیر باندھ دو۔''

میں نے کرم خان کے چاقو سے چادر کے ٹکڑے کر کے پٹیاں بنائیں اور ان سے فتح خان کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔

''اب یہ سارا دن ادھر دھوپ میں پڑا رہے گا۔'' کرم خان مسکرایا۔

ایمن چٹان کے ساتھ گٹھری سی بنی پڑی تھی۔ گولی اس کے بازو سے ہوتی گزر گئی تھی اور خون سے پوری آستین سرخ ہو رہی تھی مگر اس کی بے ہوشی کی وجہ کچھ اور تھی وہ اس نے بعد میں بتایا کہ فتح خان نے اس کے سر پر زور سے مکا مارا تھا اور وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں نے اسے کرم خان کے حکم کے مطابق اٹھا لیا۔ مجھ سے چنے کا تھیلا اس نے لے لیا تھا اور بے صبری سے چنے کھائے تھے وہ بھی بھوکا تھا۔ چٹانوں کے اوپر سے ہوتے ہم جنگل میں داخل ہوئے۔ میں سخت دل برداشتہ تھا۔ کامیابی اتنی آسانی سے میرے ہاتھ سے نکل جائے گی، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ دن کی روشنی نمودار ہو چکی تھی۔ کرم خان نے ایک جگہ مجھے ایمن کو زمین پر لٹانے کا حکم دیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلا سوال برٹ شا کے بارے میں کیا۔

"وہ کہاں ہے؟..... جھوٹ مت بولنا مجھے معلوم ہے اسے تم نے ہی آزاد کرایا ہے۔"

"میں اسے پانی پلانے نالے تک لے گیا تھا مگر زیادہ پانی پی لینے سے وہ راستے میں بے ہوش ہو گیا۔"

"کہاں..... مجھے اس تک لے چلو۔" وہ بے تابی سے بولا تھا۔ "اگر وہ نکل گیا تو میں تمہیں گولی ماردوں گا۔"

"اسے کہاں چھوڑیں....." میں نے ایمن کی طرف دیکھا۔ "یہ بے ہوش ہے اور بے بس ہے۔"

"اسے یہیں پڑا رہنے دو اور چلو۔" اس نے مجھے دھکیلا۔ مجبوراً مجھے حرکت میں آنا پڑا۔ ہم دوبارہ مغربی ڈھلان سے ہوتے اس حصے کی طرف آئے جس کے اوپر برساتی نالا بہتا تھا۔ کرم خان مجھے رائفل کی نال سے دھکیل رہا تھا اور مجھے اس کے تیوروں سے لگ رہا تھا برٹ شا کے ملتے ہی وہ مجھے گولی مار دے گا۔ وہ صرف اس وجہ سے رکا تھا، میں نے محسوس کیا کہ کرم خان اپنے کزن فتح خان سے کہیں زیادہ سفاک تھا۔ میں اسے اندازے سے اس جگہ تک لایا جہاں میں برٹ شا کو چھوڑا تھا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ کرم خان جھنجلا گیا۔

"کدھر ہے وہ؟"

"مجھے کیا معلوم؟ اس جگہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اب بعد میں اسے ہوش آیا اور وہ کہاں گیا یہ مجھے نہیں معلوم۔" میں نے جواب دیا تو وہ جھنجلا گیا تھا۔

"بکواس مت کرو۔ میں تمہیں گولی ماردوں گا۔"

"اگر مجھے گولی مارنے سے برٹ شا ملتا ہے تو مجھے ضرور مار دو لیکن فائر کی آواز اسے ہوشیار کر دے گی۔ ابھی ایمن کی صورت میں تمہارے پاس ایک کارڈ ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے بے تابی سے کہا۔ "جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو وہ غائب ہو جائے۔" اس نے مجھے پھر دھکیلا اور ہم تیز رفتاری سے واپسی کا سفر کرنے لگے۔ پتا نہیں میں کرم خان کو صحیح مقام تک لے گیا تھا یا لاشعوری طور پر اسے غلط جگہ دکھائی تھی۔ شکر ہے اس نے غصے سے پاگل ہو کر مجھے گولی نہیں ماری۔ تیز رفتاری سے ہم واپس اس جگہ آئے جہاں ایمن کو لٹا کر گئے تھے، اب وہ جگہ بھی خالی تھی۔ کرم خان کا غصے سے برا حال ہو گیا اور وہ چیخ چیخ کر اپنی زبان میں گالیاں دینے لگا۔ کم سے کم اس کے تاثرات سے ایسا ہی لگ رہا تھا پھر اس نے پستول نکال کر اس کا رخ میری طرف کر دیا۔ "یہ سب تمہارا قصور ہے میں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

"اگر تم مجھے بے فائدہ قتل کرنا چاہتے ہو تو کر دو۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا۔ میں تمہیں بے فائدہ نہیں ماروں گا۔ مجھے معلوم ہے برٹ شا اور اس کی لڑکی اس جگہ کے آس پاس ہیں۔" وہ زور سے بولنے لگا۔ "اگر میرے دس گننے تک وہ سامنے نہیں آئے تو میں تمہیں بائیں گھٹنے میں گولی ماروں گا اور پھر دس گننے تک سامنے نہیں آئے تو دائیں گھٹنے کو نشانہ بناؤں گا اس طرح ہر دس بار گننے کے بعد تمہیں ایک گولی ماروں گا اور پھر بھی یہ دونوں سامنے نہیں آئے تو آخری گولی۔" اس نے انگلی سے میرا ماتھا تھپکا۔ "یہاں ماروں گا۔"

میں سچ مچ ڈر گیا تھا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ایسا کروں گا۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا اور بلند آواز سے گنتی گننے لگا۔ ''ایک..... دو..... تین..... چار..... پانچ۔''

''کرم خان میری بات سنو۔ میں اتنا اہم نہیں ہوں کہ وہ میری جان بچانے کی خاطر تمہارے سامنے آ جائیں اس وقت وہ تمہاری حماقت سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ تم خود سوچو کوئی کسی کی خاطر خود کو موت کے سامنے دھکیلے گا۔''

''بے شک وہ سامنے نہ آئیں اس صورت میں، میں پہلے وعدے کے مطابق تمہیں گولیاں ماروں گا اور پھر ان کی تلاش میں جاؤں گا۔ اس علاقے کو وہ مجھ سے بہتر نہیں جانتے میں انہیں پکڑ لوں گا۔ چھ..... سات..... آٹھ..... نو۔''

''میری بات سنو۔'' میں نے ہاتھ اوپر کیا۔

''دس.....'' اس نے گنتے ہی پستول بلند کیا تھا کہ ایمن کی آواز آئی۔

''رکو.....'' وہ ایک درخت کے پیچھے سے نکل کر آئی تھی۔ ''اسے مت مارو۔''

ایمن کی حالت خراب تھی۔ میں دیکھ رہا تھا وہ بمشکل کھڑی ہے اور زور زور سے ہانپ رہی تھی مگر کرم خان کو برٹ شا کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ ''لڑکی! تمہارا باپ کہاں ہے؟''

''پتا نہیں..... میں نے اسے نہیں دیکھا۔'' ایمن بولی اور کرم خان کی طرف آنے لگی۔ اسی لمحے میں نے برٹ شا کو دیکھ لیا وہ ایک عدد ڈنڈا لئے عقب سے کرم خان کی طرف بڑھ رہا تھا اس کی کوشش تھی کہ اس کے قدموں کی آہٹ کرم خان تک نہ پہنچے جو پوری طرح ایمن کی طرف متوجہ تھا۔ ''مجھے ہوش آیا تو میں یہاں پڑی تھی۔ مجھے فتح خان سے کس نے چھڑایا؟''

''میں نے؟'' کرم خان فخر سے بولا۔ حالانکہ یہ سفید جھوٹ تھا۔

''تم شہباز کو کیوں مارنے کی بات کر رہے تھے؟''

''کیونکہ یہ میرے لئے بے کار شے ہے اور میں بے کار چیزوں کو ضائع کر دیا کرتا ہوں۔'' اس نے کہا اور پستول کا رخ میری طرف کر دیا تھا۔ لاشعوری طور پر میں جان بچانے کے لئے بغیر کسی ارادے کے خود بخود گرا تھا اور اسی لمحے کرم خان نے گولی چلا دی جو سنسناتی ہوئی میرے پاس سے گزری تھی۔ ایمن نے چیخ ماری اور اس کے والد بزرگوار نے ڈنڈا کرم خان کے پستول والے بازو پر مارا۔ حالانکہ یہ ڈنڈا کرم خان کے سر پر مارنا چاہئے تھا بہر حال ضرب کی شدت کی وجہ سے پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اس نے چلا کر گالی دی اور گھوم کر برٹ شا کو لات ماری۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا لیکن ڈنڈا ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا، اسے کرم خان کے پیروں پر مارا اور وہ چیخ مار کر نیچے گرا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ شانے پر لگی راکٹل کے بجائے دوسرا پستول نکالنے کی فکر میں تھا۔ برٹ شا نے ڈنڈا مارا مگر وہ کروٹ لے کر بچ گیا۔ میں نے زمین پر گرے پستول کی طرف چھلانگ لگائی اور جس وقت کرم خان جیب سے پستول نکال کر برٹ شا کو نشانہ بنانے جا رہا تھا، میں نے پستول کی نال اس کے سر سے لگا دی۔ ''بس اب حرکت مت کرنا۔ پستول نیچے رکھ دو ورنہ.....''

اس نے بادل نخواستہ پستول نیچے رکھ دیا جسے میں نے اٹھا کر برٹ شاہ کی طرف اچھال دیا اور خود اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شانے سے رائفل اتار کر سب سے پہلے ایک عدد ٹھوکر اس کے سر پر رسید کی۔ لگاتار چند ٹھوکریں سر پر کھانے کے بعد وہ بھی لیٹ گیا تھا۔ یہ ایمن پر گولی چلانے کی سزا تھی۔ ایمن نے ہی آ کر مجھے روکا۔ ''بس کرو، یہ بے ہوش ہے۔''

''اتنا غیرت مند نہیں ہے۔'' میں نے اس کے جسم پر ایک موزوں مقام پر پاؤں رکھا تو وہ بے ہوشی کی اداکاری بھول کر بلبلا گیا تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی تو اس کی شلوار سے ایک خنجر اور ایک چھوٹا سا ریوالور نکلا تھا۔ برٹ شا چوکس کھڑا تھا اور لگ رہا تھا کہ کرم خان کی کسی بھی غلط حرکت پر اسے شوٹ کر دے گا۔ میں نے کرم خان کی قمیص اتار کر پھاڑی اور اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔ برٹ شا اور ایمن کا زخم دیکھ رہا تھا۔ اس کا خون رک گیا تھا لیکن اسے طبی امداد کی اشد ضرورت تھی۔ ''رائفل کی گولی کا زخم جلدی خراب ہو جاتا ہے اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ پہلے ہمیں نالے تک جا کر اس کا زخم صاف کرنا ہوگا ممکن ہے وہاں کوئی ایسی جھاڑی بھی مل جائے جس کے پتے مرہم کا کام دے سکیں۔'' برٹ شا بولا۔

''اس کی حالت نالے تک جانے والی نہیں ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم دونوں ٹھہرو۔ میں خچر لے کر آتا ہوں۔ دو خچر تو مارے جا چکے ہیں ایک میں نے جھاڑیوں میں باندھ دیا تھا۔''

میں نے پہلے جا کر چٹانوں والی پناہ گاہ دیکھی۔ خوش قسمتی سے بھاگنے والا خچر وہاں آ گیا تھا۔ میں نے سامان اس پر لادا اور اسے لے کر اس جگہ پہنچا جہاں دوسرے خچر کو باندھا تھا۔ وہ بھی اپنی جگہ موجود تھا۔ ان دونوں کو لے کر واپس آیا۔ برٹ شا اور ایمن چنے کھا رہے تھے۔ ایمن کو بعد میں فتح خان نے پانی بھی دیا تھا۔ اس لئے اسے بے تاب کرنے والی پیاس نہیں لگی تھی۔ برٹ شا نے کرم خان کو ایک درخت سے باندھ دیا تھا۔ وہ ہوش میں تھا اور مجھے دیکھ کر گڑگڑایا۔ ''خدا کے لئے مجھے اس طرح باندھ کر مت جاؤ۔''

''تمہیں آزاد کر دیں تاکہ تم پھر ہمارے پیچھے پڑ جاؤ۔'' میں نے طنز کیا۔

ایمن کو خچر پر بٹھا کر ہم نالے تک آئے، اس کے زخم کو دھویا۔ خود بھی پیاس بجھائی۔ ڈبے میں پانی بھرا اور خچروں کو بھی پانی پلایا۔ اس کے بعد انہیں نالے کے ساتھ اگی ہوئی گھاس کھانے کے لئے چھوڑ دیا۔ میں نے برٹ شا سے کہا۔ ''ہم اس علاقے سے باہر کیسے جائیں گے؟''

''مجھے راستہ پتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن ابھی ایک کام باقی ہے۔''

''بلیک بکس۔'' مجھے یاد آیا۔ ''وہی اس فساد کی جڑ ہے۔''

''ہاں، لیکن یہ ایک ذمے داری ہے، میں اس کی قیمت سوئس بینک کے ڈرافٹ کی صورت میں ادا کر چکا ہوں۔ اگر میں انہیں نہ پہنچا سکا تو اپنا سب کچھ بیچ کر بھی ان کی قیمت ادا نہیں کر سکوں گا اور بدنامی الگ ہوگی۔''

''بلیک بکس کہاں ہے؟''

''تم ایمن کا خیال رکھو۔'' اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''میں آدھے گھنٹے میں آتا ہوں، اس کے بعد ہم روانہ ہوں گے۔''

برٹ شا پستول اور خچر لے کر چلا گیا۔ یہ آخری موقع تھا جب میں نے اسے دیکھا۔ میں اور ایمن نالے کے کنارے سبز گھاس پر دراز تھے۔ میں رات سویا تھا لیکن اس کے بعد ہونے والی اعصاب شکن جدوجہد اور مار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھاڑ نے مجھے تھکا دیا تھا۔ مجھے پتا نہیں چلا کہ میں کب سو گیا۔ دوپہر دو بجے مجھے ایمن نے اٹھایا۔ ''شہباز، پاپا ابھی تک نہیں آئے، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

برٹ شا آدھے گھنٹے کا کہہ کر گیا تھا اور اسے گئے ہوئے چار گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ یہ خاصی تشویش ناک بات تھی۔ اتنی دیر میں تو آدمی وادی کے دو چکر لگا سکتا تھا۔ ایمن پریشان تھی۔ ''فکر نہ کرو، ہم ابھی انہیں تلاش کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ نالے میں اتر کر میں نے پانی پیا جو نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا کین کا پانی میں محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ سامان خچر پر رکھا اور ایمن کو اس پر بٹھا کر نیچے کی طرف چل پڑا۔ سچی بات ہے مجھے برٹ شا کی اس لئے فکر تھی کہ وہ ہمیں اس علاقے سے باہر لے جا سکتا تھا۔ زخم صاف ہونے اور اس پر پتوں کے مرہم کا لیپ ہونے کے بعد ایمن کی حالت بہتر ہو رہی تھی۔ ذرا دیر بعد ہم چٹانی علاقے میں تھے۔ ایمن کو ذرا اوپر سائے میں چھوڑ کر اور اسے ایک عدد پستول دے کر میں نے چٹانوں کا رخ کیا۔ میرے پاس رائفل تھی۔ میں نے چٹانوں میں برٹ شا کو آوازیں دیں۔ خود بھی گھوم کر دیکھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ پھر میں اس چٹان تک گیا جس کے اوپر فتح خان کو بندھا چھوڑ کر آئے تھے مگر وہ غائب تھا اور اس کی چادر کے ٹکڑے پڑے تھے۔ میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں بھاگتا دوڑتا واپس آیا اور ایمن کو اپنی جگہ پا کر سکون کا سانس لیا۔ میں نے اسے فتح خان کے غائب ہونے کے بارے میں بتایا۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ ''پاپا خطرے میں ہیں۔''

اور میں سوچ رہا تھا کہ برٹ شا خطرے کی حد سے گزر چکا ہے۔ ''ہمیں کرم خان تک جانا ہوگا۔ ممکن ہے برٹ شا وہاں ہو، نیچے چٹانوں میں وہ نہیں ہے۔''

خچر سمیت ہم اس ڈھلان تک پہنچے جہاں کرم خان کو درخت سے باندھا تھا۔ دور سے وہ سر جھکائے بے ہوش سا نظر آیا لیکن قریب جانے پر مجھے اندازہ ہوا، اس کی بے ہوشی دائمی تھی۔ اس کے عریاں سینے پر خون پھیلا ہوا تھا۔ کسی نے اس کا گلا کاٹ دیا تھا۔ ایمن نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا اور میرا خیال پختہ ہونے لگا کہ برٹ شا اب زندہ نہیں ہے۔ فتح خان نے کسی طرح خود کو آزاد کرا لیا تھا۔ اس نے برٹ شا اور کرم خان دونوں کا کام تمام کر دیا تھا اور خود فرار ہو گیا تھا۔ اگر اس نے برٹ شا کو ہلاک کیا تھا تو اس کا پستول فتح خان کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اب اس جگہ ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

''ایمن، ہمیں اس جگہ سے نکلنا ہوگا۔''

''میں پاپا کے بغیر نہیں جاؤں گی۔''

''ایمن حوصلہ کرو..... میرا خیال ہے..... تمہارے پاپا اب زندہ نہیں ہیں۔''

''نہیں۔'' اس نے چلا کر کہا۔ ''تم بکواس کرتے ہو۔''

''ممکن ہے لیکن دیکھو، فتح خان غائب ہے۔ کرم خان کو اس نے قتل کیا ہے۔ یہ کام تمہارے پاپا کا نہیں ہو سکتا۔ فتح خان نے انہیں بھی مار دیا ہے اور اب وہ ہماری تاک میں ہوگا۔''

''نہیں.....'' ایمن نے سسکی لی تھی۔

''امکان یہی ہے ورنہ تم بتاؤ برٹ شا کہاں ہے؟ میں نے اسے جتنی دیر تلاش کیا ہے اگر وہ اس وادی میں ہوتا اسے مل جانا چاہئے تھا۔ پتا نہیں فتح خان کہاں ہے؟ اگر وہ یہاں ہے تو ہم خطرے میں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمن باپ کے بغیر جانے کے لئے تیار نہیں تھی لیکن میں نے اسے کسی نہ کسی طرح راضی کر لیا۔ سورج کے غروب ہونے کی پوزیشن دیکھ کر میں نے جنوب مشرق کا تعین کیا اور ہم چل پڑے۔ ایمن بار بار پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ ہمارے پاس کمبل اور خوراک تھی۔ دو تین دن ہم آرام سے سفر کر سکتے تھے۔ دو، تین بار ایمن نے ضد کی کہ واپس چل کر اس کے باپ کو تلاش کیا جائے لیکن میں ایسا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ ایک مہینے بعد مجھے اس جنجال سے نکلنے کا موقع ملا تھا اور میں اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے ایمن کی التجائیں نظر انداز کیں اور سفر جاری رکھا۔ ایک بار اس نے زیادہ ہی رونا دھونا کیا تو میں نے خچر کی لگام اس کے حوالے کر دی۔

''تم جا کر شوق سے اپنے باپ کو تلاش کرو۔ میں صرف یہ رائفل لے کر جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور چل پڑا۔ عقب سے ایمن کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ ذرا آگے جا کر میرے قدم رک گئے اور میں نے واپس آ کر خچر کی لگام اس سے لے لی۔ رات دس بجے تک ہم تاروں کی چھاؤں میں سفر کرتے رہے حتیٰ کہ ایمن نے ٹھنڈ سے لرزنا شروع کر دیا۔ مسلسل سفر سے اس کی حالت ویسے ہی خراب ہو رہی تھی۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر میں نے اسے زمین پر کمبل بچھا کر لٹا دیا۔ لکڑیاں جمع کر کے الاؤ جلایا اور اسے چنے کھانے کو دیئے۔ حرارت ملی تو اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی تھی۔ میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ فرار ہونے کے بعد میں نے کیا کیا تھا۔ کیسے برٹ شا کو آزاد کرایا اور کیسے فتح خان کو قابو میں کیا لیکن کرم خان نے حیرت انگیز پھرتی سے مجھے قابو کر لیا تھا۔ باپ کے ذکر پر وہ آبدیدہ ہو گئی تھی۔

''شہباز، ممکن ہے پاپا زخمی ہوں، انہیں مدد کی ضرورت ہو؟''

''اگر وہ وہاں موجود ہوتے تب بھی میں انہیں تلاش کر لیتا۔ میرے ذہن میں ابھی ایک خیال اور آیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فتح خان نے کسی طریقے سے تمہارے پاپا پر قابو پا لیا ہو اور انہیں اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ برٹ شا نے اسے بتایا ہو کہ کرم خان کہاں بندھا ہے، ورنہ اسے کیا پتا کہ کرم خان کہاں اور کس حال میں ہے؟''

''ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے۔'' ایمن کے لہجے میں امید آ گئی تھی۔ ''شہباز کیا ہم پاپا کو تلاش کر کے اس سے چھڑا نہیں سکتے۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ فتح خان انہیں کہاں لے گیا ہے۔ یہ کام حکومت کر سکتی ہے، ہمیں جلد از جلد کسی آبادی تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے، تمہارے پاپا کو بچانے کی یہی ایک صورت ہے۔ اب تم سو جاؤ، ہم صبح سویرے یہاں سے نکل جائیں گے۔''

ایمن کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی تھی۔ اس کے بازو کا زخم سوج رہا تھا لیکن مجموعی طور پر اس کی حالت بہتر تھی۔ میں بھی آگ کے قریب بیٹھ گیا۔ اس سفر کے دوران میں، میں نے محسوس کیا کہ کوئی ہمارے پیچھے نہیں ہے اور کسی اکیلے انسان کے لئے ہمارا تعاقب کرنا ممکن بھی نہیں تھا۔ خچر کی وجہ سے ہماری رفتار تیز تھی اور ہمارے پاس خوراک اور خاص طور سے پانی تھا۔ سفر کے دوران میں مجھے کہیں کوئی چشمہ یا نالا نظر نہیں آیا تھا۔ اس جگہ خاصے دن سے بارش نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے پانی کے ذرائع خشک ہو گئے تھے۔ فتح خان کے پاس پانی نام کی کوئی شے نہیں تھی اگر وہ ہمارے پیچھے آ رہا تھا تو اسے لازماً پانی کی ضرورت پڑتی اور پانی اس کے پاس تھا نہیں۔ ایک بجے کے قریب مجھے بھی نیند آ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز۔'' کسی نے مجھے شانہ ہلا کر آواز دی تو میں ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ میں نے پستول اٹھایا تھا کہ ایمن بولی۔ ''میں ہوں..... اٹھ جاؤ، روشنی ہونے والی ہے۔''

میں اتنی گہری نیند سویا کہ مجھے وقت کا اندازہ بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے اٹھ کر جلدی سے سامان سمیٹا۔ ایمن تازہ دم نظر آ رہی تھی مگر اس کے بازو کی سوجن بڑھ گئی تھی اور ہلانے پر اسے زیادہ درد ہو رہا تھا۔ ہمارا جلد از جلد کسی آبادی تک پہنچ جانا ضروری تھا تاکہ ایمن کو کسی قسم کا علاج میسر آ سکے اور اس کے باپ کی تلاش شروع کی جا سکے۔ کھانے کے لئے ہمارے پاس صرف چنے تھے۔ انہیں کھا کر روانہ ہوئے۔ ایک جگہ ہمیں پکے ہوئے آڑو بھی نظر آئے لیکن درخت پر چند ایک لگے تھے باقی جانور یا پرندے کھا چکے تھے اونچے نیچے پہاڑوں، تنگ وادیوں، گھاٹیوں اور ٹیلوں پر ہم سارا دن رینگتے رہے لیکن کوئی آبادی نظر نہیں آئی۔ ایک بار ایک چرواہا ملا مگر نہ وہ میری زبان سمجھ رہا تھا اور نہ ہی میں اس کی۔ بہرحال اس نے اشاروں سے بتایا کہ آبادی آگے ہے۔ جب رات تک سفر کے باوجود کوئی آبادی نہیں ملی تو ہم نے پڑاؤ ڈال دیا۔ ایمن کی حالت دن بھر کے سفر اور زخم کی وجہ سے خراب ہو رہی تھی۔ ایک بار میں نے اسے ہاتھ لگایا تو اس کا جسم گرم محسوس ہوا تھا، اسے خاصا تیز بخار ہو رہا تھا اور چند منٹ کے بعد وہ بری طرح ہپنے لگی تھی، میرے پاس کوئی دوا نہیں تھی۔ اس لئے اس کا بخار کم کرنے کے لئے میں پانی میں بھگو کر کپڑا اس کے ماتھے پر رکھتا رہا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد اس کا بخار کم ہوا تھا اور اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔

''شکریہ شہباز! اب تم آرام کرو، تم نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔''

''ایمن میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم نے میری جان بچا کر جو احسان کیا تھا۔ یہ اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں تمہیں محفوظ ہاتھوں میں پہنچا کر ہی رہوں گا۔''

''مجھے یقین ہے۔'' وہ مسکرائی تھی اور چند لمحے بعد وہ سو چکی تھی۔

اگلے روز ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ایک بستی تک جا پہنچے تھے۔ وہاں ایک شخص ہماری رہنمائی کے لئے تیار ہوا۔ بستی میں ایمن کے زخم کی عارضی مرہم پٹی کر دی تھی مگر اسے فوری اور باقاعدہ علاج کی ضرورت تھی۔ اس دن شام تک ایمن کو ایک آرمی اسپتال تک پہنچا دیا گیا۔ اس کے برٹش شہری ہونے کا علم ہوتے ہی انتظامیہ تیزی سے حرکت میں آئی تھی۔ اس رات برٹ شا کی تلاش کے لئے ایک پولیس ٹیم روانہ کر دی گئی تھی، جس کے ساتھ میں بھی تھا۔ شامت اعمال کے سبب میں ایک ہفتے تک ان علاقوں میں پولیس کے ساتھ پھرتا رہا تھا مگر برٹ شا کا پتا نہیں چلا۔ اس دوران میں ایمن برطانیہ روانہ کر دی گئی تھی اور اس کے بعد مجھے اس سے رابطہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اور نہ ہی اس نے کوئی رابطہ کیا تھا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک شدید جھٹکا لگا اور میں نے خود کو ہوا میں معلق پایا۔ خوش قسمتی سے پل سے نیچے گرتے ہوئے میرے ہاتھ میں کھلے دروازے کا ہینڈل آ گیا تھا اور میں اس کے سہارے لٹک رہا تھا۔ اگر یہ ہینڈل ہاتھ میں نہ آتا تو میں نجانے کتنی گہرائی میں جا گرتا۔ تاریکی میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ جھکی جیپ کا انجن بند ہو گیا تھا لیکن اس کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں۔ میں نے پانی کی وجہ سے پھسلتے ہینڈل کو مضبوطی سے تھاما اور دوسرا ہاتھ بڑھا کر سیٹ کا سہارا لیا۔ جسم ذرا اوپر آیا تو میں نے اندر ہینڈ بریک کو پکڑا اور خود کو اندر کھینچ لیا۔ شکر ہے ریلنگ ذرا مضبوط قسم کی تھی ورنہ جیپ نالے میں جا گرتی۔ اس کا اگلا دایاں پہیا ہوا میں معلق تھا۔ میں نے انجن اسٹارٹ کرنے کے لئے چابی گھمائی۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ انجن اسٹارٹ ہو گیا اور میں نے ریورس گیئر لگاتے ہوئے جیپ کو کسی قدر وقت سے پیچھے کر لیا۔ جیپ سڑک پر لا کر میں نے انجن بند کیا اور ٹارچ لے کر نیچے اترا۔ جس شخص کو میں نے جیپ سے بچانے کی کوشش کی تھی اسے بائیں طرف ہونا چاہئے تھا۔ میں ٹارچ کی روشنی میں سڑک کا جائزہ لے رہا تھا کہ مجھے وہ شخص گٹھری بنا ساکت پڑا نظر آیا۔ شاید بے ہوش تھا۔ میں نے اسے سیدھا کیا۔ چیتھڑا اور گندا لباس جس سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ بڑھی ہوئی شیو اور الجھے ہوئے بال۔ وہ فقیر لگ رہا تھا پھر میری نظر اس کے ہاتھ میں ایک پلاسٹک رول پر گئی جسے اس نے سینے سے لگا رکھا تھا۔ میں نے گردن پر نبض دیکھی تو اسے ساکت پایا۔ بدحواس ہو کر میں نے سینے پر سر رکھ کر اس کے دل کی دھڑکن سننا چاہی لیکن وہاں بھی خاموشی تھی۔ وہ شخص مر چکا تھا۔ میں چند لمحے کے لئے دم بخود رہ گیا تھا۔ اسے جیپ سے ہلکی سی ٹکر لگی تھی اور اس وقت جیپ کی رفتار بھی کم تھی پھر بھی وہ مر گیا تھا! ایک اور حادثہ میرے نام کر گیا تھا۔ پھر میں چونکا۔ ایک لاش کے ساتھ پکڑے جانا عقل مندی نہ ہوتی جبکہ پولیس پہلے ہی سرگرمی سے میری تلاش میں تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ میں دبے رول کی طرف دیکھا اور رول نکال لیا۔ یہ پلاسٹک رول نہیں تھا بلکہ پلاسٹک شیٹ میں کوئی شے لپٹی تھی۔ میں نے رول کھولا اور اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ یہ کوئی پینٹنگ تھی۔ ایک اہرام تھا..... جس کے اوپر کرنیں پھینکتا سورج تھا۔ میں چونکا تھا یہ تو وہی پینٹنگ تھی جو میں نے آٹھ سال پہلے راجا عمر دراز کے محل میں دیکھی تھی اور جس کے چوری ہونے پر عتاب مجھ پر نازل ہوا تھا اور وہ تصویر بعد میں دوسرے ذریعے سے راجا کو مل گئی تھی۔ یہی تصویر میں آج اس فقیر نما مرحوم کے پاس دیکھ رہا تھا۔ میں نے تصویر کو دوبارہ رول کیا جسے گرد اور پانی سے بچانے کے لئے پلاسٹک کوٹڈ کر دیا گیا تھا۔ میں نے فقیر کے لباس کی تلاشی لی۔ اندر سے ایک پرس نکلا تھا۔ میں اسے دیکھنے جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا کہ عقب سے تیز روشنی آئی تھی کوئی گاڑی آرہی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ گاڑی آ کر مجھ سے چند گز کے فاصلے پر رکی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی مجھ پر پڑ رہی تھی اور پھر میں نے اکرم چشتی کی منحوس آواز سنی۔

"واہ بھئی واہ..... یہ تو اپنے شہباز صاحب نظر آتے ہیں۔"

خطرے کو سامنے پا کر میرے اندر جیسے بجلی سی بھر گئی تھی میں نے زقند بھری اور جیپ کی طرف بھاگا۔ عقب سے اکرم چشتی کی للکار کی آواز آئی وہ مجھے رکنے کو کہہ رہا تھا پھر اس نے فائر کر دیا۔ گولی میرے سر کے خاصی اوپر سے گزری، یہ عجلت میں کیا گیا فائر تھا۔ اگلے لمحے میں جیپ میں تھا۔ چیزیں برابر والی نشست پر پھینک کر میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور ایکسی لیٹر دبا دیا۔ اگلا فائر جیپ کی باڈی پر کہیں لگا تھا میں نے "ٹن" کی آواز سنی تھی۔ جیپ تیزی سے حرکت میں آئی تھی اگر پیچھے پک اَپ موبائل تھی تو وہ مجھے ہرگز نہیں پکڑ سکتے تھے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ موبائل وائرلیس سے اسلام آباد پولیس کو خبردار کر دیتی تو مجھے منٹوں میں گھیر لیا جاتا۔ ذرا آگے جاتے ہی میں نے جیپ کچے میں اتار دی، اس طرف جھاڑیاں تھیں اور ناہموار زمین تھی۔ اس پر جیپ جیسی کوئی گاڑی چل سکتی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ آگے جا کر ایک کچا راستہ تھا جو اس کالونی کی طرف جاتا تھا جہاں ندیم بھٹی کا گھر تھا لیکن جیپ لے کر اس کے گھر تک جانا اسے بھی پھنسانے کے برابر تھا اور یہ جیپ اب خطرہ بن چکی تھی۔ میں نے اسے چھوڑنے کا فیصلہ کیا لیکن فی الحال پولیس سے جان چھڑانی تھی۔ میرے تعاقب میں پولیس موبائل بھی کچے میں اتر آئی تھی مگر اس جگہ چلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی میں نے اسے رکتے دیکھا تھا۔ جیپ کو زبردست جھٹکے لگ رہے تھے مگر وہ رکی نہیں ذرا آگے جا کر میں نے اس کا رخ دوبارہ مری ہائی وے کی طرف موڑ دیا تھا میرا ارادہ واپس کالیج تک جانے کا تھا لیکن سڑک تک جانے سے پہلے ہی جیپ ایک نالے میں اتر گئی۔ مجھے آخری لمحے میں احساس ہوا اس وقت میں اسے روکنے کے قابل نہیں تھا۔ زبردست دھچکے سے جیپ کا اگلا حصہ نا... کی تہ سے ٹکرایا اور فوراً ہی جیپ کے اندر پانی بھرنے لگا۔ میں نے ہاتھ مارے اور تصویر اور بٹوا اٹھا لیا تھا۔ بارش کی وجہ سے نالے میں خاصا پانی تھا۔ جیپ کے کاغذات اور چابی نکال کر میں جیپ سے اتر آیا تھا۔ جیپ کا بونٹ پانی میں تھا اور پانی ونڈ اسکرین تک نظر آ رہا تھا۔ میں نے بونٹ کا سہارا لے کر نالا عبور کیا۔ پیچھے جانے کے بجائے آگے بڑھتے رہنے میں عافیت تھی۔ بارش ایک بار پھر تیز ہو گئی تھی اور ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا تھا۔ شدید بارش میں ہماری پولیس ٹھنڈی پڑ جاتی اور مجھے نکل جانے کا موقع ملتا۔ میں نے تصویر کا رول اور بٹوا اپنی قمیص میں ڈال لیا تھا۔ نالے سے نکل کر میں نے ہائی وے کا رخ کیا مگر سخت اندھیرے میں راستہ تلاش کرنا دشوار تھا۔ میں ٹٹول ٹٹول کر چل رہا تھا اور اکرم چشتی کو کوس رہا تھا جسے اس وقت ہی نازل ہونا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے یوں بھاگنا پڑا اور میری پیاری جیپ نالے میں پڑی تھی۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا پانی اس کا کیا حشر کرے گا۔

خاصی دیر تک چلنے کے باوجود مجھے ہائی وے نظر نہیں آئی۔ شاید میں راستہ بھٹک گیا تھا اتنے اندھیرے میں یہی ایک بات یقینی حد تک ممکن تھی۔ تین چار منٹ بعد ایک آدھ بار بجلی چمکتی تو ماحول نظر آتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اس طرح چلتا رہا تو اپنی جیپ کی طرح کسی حادثے کا شکار ہو جاؤں گا۔ اس لئے میں ایک رخت تلے رک گیا تھا مگر اس کے نیچے برسات زیادہ جاری تھی اس لئے میں پھر کھلے میں آ گیا۔ پانی تلے بھیگتے ہوئے کھڑے رہنا مجبوری تھی۔ بارش ایک مستقل رفتار سے جاری تھی۔ ایک بار بجلی زور سے چمکی۔ میں نے دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذرا فاصلے پر ایک مکان تھا شاید فرلانگ بھر دور تھا۔ درمیان میں کھیت تھے یہاں مکئی کی فصل کھڑی تھی۔ بلندی ہونے کی وجہ سے ابھی تک فصل نہیں پکی تھی۔ میں اس طرف چلنے لگا اس وقت گھپ اندھیرا تھا اور میں اندازے سے سفر کر رہا تھا جب مکئی کی فصل شروع ہوئی تو مجھے پتا چلا کہ میں درست سمت میں سفر کر رہا تھا۔

بظاہر یہ ویرانہ تھا لیکن اس مکان سے لگ رہا تھا کہ آس پاس آبادی ہے۔ اس بار بجلی چمکی تو میں نے مکان واضح طور پر دیکھ لیا۔ اس کے گرد سرخ اینٹوں سے بنی چار دیواری تھی مگر بڑے گیٹ کا ایک پٹ گرا ہوا تھا۔ اندر مکان میں ہلکی سی روشنی تھی جو سامنے والی کھڑکیوں سے جھلک رہی تھی۔ مکان بھی سرخ اینٹوں کا بنا تھا اور پختہ چھت تھی۔ بناوٹ سے شہری قسم کا مکان تھا۔ میں گرے گیٹ سے گزر کر اندر پہنچا اور برآمدے میں داخل ہو گیا۔ اس جگہ میں کم از کم بارش کی بوچھاڑ سے محفوظ تھا۔ ہوا کے جھونکے سرد اور تیز تھے لیکن قابل برداشت تھے۔ میں پانی جھاڑنے لگا۔ مکان کے اندر خاموشی تھی اور اگر کوئی آواز تھی تب بھی بارش کے شور میں اسے سننا ممکن نہیں تھا۔ میں نے دروازے پر دستک نہیں دی۔ میں صاحب خانہ کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ مجھے کیا سمجھتا اور پولیس کو مطلع کر دیتا۔ اس لئے میں دم سادھے برآمدے میں کھڑا رہا۔ اس طرح نصف گھنٹا گزر گیا۔ اچانک اندر سے آہٹ ہوئی اور اس سے پہلے کہ میں دروازے سے ہٹتا وہ کھل گیا۔ سامنے ایک جوان العمر عورت کھڑی دم بخود سی مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے معذرت کی۔

"معاف کیجئے گا، میں بغیر اجازت آپ کے مکان میں پناہ کے لئے آ گیا جیسے ہی بارش رکے گی میں چلا جاؤں گا۔ آپ کو ذرا بھی زحمت نہیں ہوگی۔"

"کون ہو تم؟" عورت سہمے ہوئے انداز میں بولی۔

"ایک مسافر ہوں۔ میری جیپ اوھر نالے میں پھنس گئی ہے۔ بڑی سڑک کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ بھٹک گیا۔ بجلی چمکی تو آپ کا مکان نظر آیا۔ پناہ کے لئے یہاں چلا آیا۔"

میری بات سن کر عورت کا خوف کم ہوا تھا وہ چند لمحے تذبذب میں سوچتی رہی پھر آہستہ سے کہا۔ "اندر آ جاؤ۔ یہاں تو ہوا سرد ہے تم بھیگے ہو کہیں بیمار نہ پڑ جاؤ۔" اس کا لہجہ کسی قدر ویرانی تھا۔

"شکریہ خاتون میں یہیں ٹھیک ہوں۔ ایسا نہ ہو آپ کے گھر والے برا مانیں۔"

"میرا گھر والا ہے لیکن وہ شام سے فتح جنگ گیا ہے۔ اسے کسی سے اپنی رقم لینی تھی۔ اب تک واپس نہیں آیا۔"

"تب تو میرا اندر آنا اور بھی نامناسب ہوگا۔" میں ہچکچایا مگر پھر اس کے اصرار پر اندر چلا آیا۔ مکان اندر سے متوسط قسم کا تھا پہلا کمرا نشست گاہ تھا۔ اندر کیروسین لیمپ جل رہا تھا یہاں بجلی نہیں تھی۔ عورت نے مجھے تولیا دیا۔ جس سے میں نے بال اور کسی حد تک لباس صاف کیا میرے جوتے کیچڑ میں سنے ہوئے تھے وہ میں نے باہر ہی اتار دیئے تھے۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔

"ایسا کرو۔ میں تمہیں اپنے شوہر کا لباس دیتی ہوں وہ پہن لو، تمہارے کپڑے بالکل گیلے ہو رہے ہیں۔"

"نہیں! میں کپڑے نہیں بدلوں گا۔" میں نے حتمی انداز میں کہا۔ مجھے اس کی دلیری پر حیرت تھی اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرانے میں رہتے ہوئے اس نے مجھے اندر بلا لیا۔ رات کے بارہ بجے وہ بالکل اکیلی تھی اگر میری نیت اس پر خراب ہو جاتی تو یہاں دور تک بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ عورت بھی جوان اور دلکش تھی۔ اس نے مجھے چائے بنا کر دی اور اندر چلی گئی۔ میں نے کسی بچے کے رونے کی آواز سنی۔ آواز سے بچہ شیر خوار لگ رہا تھا۔ بچہ چند لمحے بعد چپ ہو گیا تھا۔ نشست گاہ میں لکڑی کی بنی ہوئی کرسی تھی میں اس پر ہی بیٹھ گیا۔ گیلے کپڑوں سے صوفے خراب ہو جاتے۔ عورت نصف گھنٹے بعد آئی تھی۔

"تم کرسی پر کیوں بیٹھے ہو، ادھر صوفے پر بیٹھو۔"

"شکریہ..... میں یہاں ٹھیک ہوں۔" میں نے کہا اور ذرا توقف کے بعد بولا۔ "آپ کا بچہ ہے؟"

"ہاں، اسے بھوک لگ رہی تھی اس لئے رو رہا تھا۔ اسے دودھ پلا کر آ رہی ہوں۔" وہ سادگی سے بولی۔

"ایسا کرو، ادھر قالین پر لیٹ جاؤ۔"

"خاتون۔" میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔ "بہتر ہو گا، آپ مجھے اجازت دیں اور یہ بتائیں کہ بڑی سڑک یہاں سے کس طرف اور کتنی دور ہے۔ بارش ہلکی ہو رہی ہے۔"

"بڑی سڑک تو ادھر سے کوئی ایک میل دور ہے مگر تم اس وقت نہیں جا سکتے۔ بارش کی وجہ سے راستہ خراب ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے کھڈ ہیں..... خلیل اسی وجہ سے نہیں آیا۔ اب وہ صبح آئے گا۔"

"خلیل تمہارا شوہر ہے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہماری شادی کو چار سال ہوئے ہیں۔"

"کیا تمہیں اس ویرانے میں اکیلے رہتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟"

"اب تو عادی ہو گئی ہوں۔ شروع میں بہت ڈر لگتا تھا۔ ادھر ہماری زمین ہے۔ خلیل اس پر سبزیاں لگاتا ہے۔ اسلام آباد میں اس کے اچھے دام مل جاتے ہیں۔ ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ خلیل کا چھوٹا بھائی اور ماں بھی ہیں، وہ رشتے داروں کی شادی میں لائل پور گئے ہیں۔"

"فیصل آباد۔" میں نے تصحیح کی۔ "پھر بھی آپ کو اس طرح کسی اجنبی پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔"

"تم اچھے آدمی لگے تھے اس لئے اندر بلا لیا۔"

"اب میں چلتا ہوں۔" میں کھڑا ہو گیا۔ "چائے کا شکریہ۔"

"مرضی تمہاری۔" اس بار اس نے رکنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ میں نے باہر آ کر بارش میں صاف ہو جانے والے جوتے پہنے چمڑا بھیگ کر نرم پڑ گیا تھا۔ میں نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ سامنے سے روشنی نظر آئی، کوئی گاڑی اس طرف آ رہی تھی۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس موسم میں صرف پولیس ہی میری تلاش میں اس طرف آ سکتی تھی۔ میں نے عورت سے پوچھا۔ "کیا تمہارے شوہر کے پاس گاڑی ہے؟"

"نہیں، ہمارے پاس صرف ایک گدھا گاڑی ہے..... خلیل اس پر سبزیاں بیچنے جاتا ہے۔"

"اندر چلو۔" میں نے عورت کو اندر دھکیلا۔

"کیا بات ہے، تم ڈر رہے ہو؟" وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"سنو..... یہ جو کوئی بھی ہوں اگر اس طرف آئیں تو دروازہ مت کھولنا اور میرا ذکر مت کرنا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی لمحے مکان کے احاطے میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ عورت یکدم ہی خوف زدہ اور پریشان نظر آنے لگی۔ اس نے مجھے مکان کے اندر والے حصے کی طرف دھکیلا۔ ''اندر جاؤ..... پیچھے ایک کوٹھری ہے اس میں چلے جانا جب تک میں آواز نہ دوں، باہر مت آنا۔''

مذکورہ کوٹھری اندر والے کمرے کے بعد تھی اور یہ مکان کے عقبی حصے میں کھلتی تھی۔ یہاں اوزار رکھے تھے۔ میں تاریک کوٹھری میں دبکا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا۔ اگر آنے والا عورت کا شوہر تھا اور اس نے مجھے یہاں دریافت کر لیا تو وہ مجھے قتل کرنے میں حق بجانب ہوتا۔ یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہوتی۔ میں ایک ناکردہ جرم میں مارا جاتا پھر مجھے پستول کا خیال آیا۔ یہ کام اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ میں نے جیب سے پستول نکال کر اس کا معائنہ کیا۔ بھیگنے کے باوجود مجھے امید تھی کہ یہ کام کرے گا۔ اس لمحے مجھے نشست گاہ کی طرف سے کسی کے تیز تیز بولنے کی آواز آئی۔ آواز مردانہ تھی۔ اس کے پس منظر میں عورت کی دبی دبی آواز بھی آ رہی تھی پھر آوازیں اس کمرے کی طرف آنے لگیں جس کے ساتھ کوٹھری میں، میں چھپا ہوا تھا۔

''زینب، مجھے شبہ ہے یہاں کوئی ہے۔'' مردانہ آواز آئی اور مجھے اپنے کانوں پر شبہ ہوا، کیا یہ اکرم چشتی کی آواز تھی؟

''اکرم، مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟'' عورت کی آواز ابھری اور اس نے میرے شک کی تصدیق کر دی۔ وہ اکرم چشتی ہی تھا۔ وہ عورت کو زینب کہہ کر مخاطب کر رہا تھا اور اس کے انداز سے لگتا تھا، وہ اسے جانتا ہے۔ معاً مجھے خطرے کا شدید احساس ہوا۔ میں کسی چوہے کی طرح اس چوہے دان میں آ پھنسا تھا۔ باہر پولیس اور میرا دشمن اکرم چشتی موجود تھا۔ زینب اسے یقین دلا رہی تھی۔ ''خلیل کی غیر موجودگی میں کون آنے لگا ادھر؟''

''کیوں نہیں آ سکتا۔'' اکرم چشتی معنی خیز انداز میں بولا۔ ''کیا تو کسی سے یاری نہیں لگا سکتی۔ آخر کبھی میرے ساتھ بھی تو.....''

''اکرم، ان باتوں کو بھول جا۔'' زینب تڑپ کر بولی۔ ''اب میں خلیل کی گھر والی ہوں۔ خدا گواہ ہے کسی اور کا کیا..... کبھی تیرا خیال بھی ذہن میں نہیں آیا۔''

''ویسے اب تو اور بھی خوبصورت ہو گئی ہے، پکے ہوئے انگور کی طرح۔'' اکرم چشتی بے ہودگی سے بولا۔ ''ادھر گھر والی ہے، بچے پیدا کر کر کے پوری بھینس ہو گئی ہے اور تو بچے کے بعد اور سوہنی لگنے لگی ہے، کیا خیال ہے، پرانے دنوں کی یاد تازہ کر لیں؟''

''اکرم، اب میں کسی کی بیوی ہوں..... مجھ سے دور رہ۔''

''خلیل ادھر ہے نہیں..... اور ایسی راتیں کبھی کبھی آتی ہیں۔''

''چھوڑ مجھے۔'' زینب چلائی۔ ''خدا کے لئے.....''

میں دم بخود سا کمرے سے آتی آوازیں سن رہا تھا۔ زینب اکرم چشتی کو خدا رسولؐ کے واسطے دے رہی تھی لیکن اس پر شیطان سوار تھا۔ وہ یہ واسطے کیوں سنتا؟ میں نے کپڑا پھٹنے کی آواز سنی اور اکرم چشتی نے قہقہہ لگایا۔

''میں نے ٹھیک کہا تھا.....'' اگلا جملہ ناقابل بیان تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اکرم..... چھوڑ دے مجھے۔'' عورت بے بس ہو کر فریادوں پر اتر آئی تھی۔

''چھوڑ دوں گا۔'' اکرم چشتی بولا۔ ''بس آدھا پون گھنٹا برداشت کر لے۔''

''نہیں۔'' زینب چیخی۔ اس کے انداز میں ایسی بے بسی اور دہشت تھی کہ میں خود پر قابو نہ پا سکا اور بے اختیار کوٹھری سے نکل آیا۔ اکرم چشتی زینب کو بستر پر گرائے اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس نے زینب کی قمیص پھاڑ کر جسم سے تقریباً الگ کر دی تھی۔ اپنی کارروائی میں وہ اس قدر مگن تھا کہ اسے میرے آنے کا پتا ہی نہیں چلا اور میں نے پستول کا دستہ پوری طاقت سے اس کی گدی پر رسید کیا۔ اس ضرب کے پیچھے میرا اتمام ترغصہ اور نفرت تھی۔ وہ ایک سیکنڈ میں بے ہوش ہو کر زینب کے اوپر گر پڑا تھا جو آنکھیں بند کیے کمزور انداز میں مزاحمت کر رہی تھی۔ یہ ایک ایسی عورت کی مزاحمت تھی جو ایک بار پہلے بھی ہار چکی تھی۔ اکرم چشتی کی باتوں سے لگ رہا تھا، شادی سے پہلے زینب کے اس سے جسمانی تعلقات تھے۔ ضرب کی آواز اور اکرم چشتی کے بے سدھ ہونے سے اسے تبدیلی کا احساس ہوا اور اس نے اکرم چشتی کو خود پر سے دھکیل دیا پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے جلدی سے بستر کی چادر سے اپنا عریاں جسم چھپا لیا۔ میں نے اکرم چشتی کو نیچے گرایا۔

''اس کے ساتھ اور کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

زینب ابھی تک حواس باختہ تھی، اس نے بمشکل کہا۔ ''باہر پولیس کی گاڑی ہے۔ مجھے نہیں پتا، اس میں کتنے بندے ہیں؟''

''اب مجھے جانا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ پیچھے سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟''

''ہاں ہے۔'' اس نے خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ یہ ہوش میں آ کر پھر مجھ سے زیادتی کرے گا۔''

''تمہارے لئے کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا تو وہ شرمندہ نظر آنے لگی۔

''تم نے سب سن لیا مگر میں اس وقت بھی بے قصور تھی۔ یہ میرے تائے کا لڑکا ہے۔ بچپن سے ایک گھر میں رہے تھے۔ مجھے پتا نہیں تھا، یہ انسان کے بھیس میں شیطان ہے۔ ابھی میں پوری طرح جوان بھی نہیں ہوئی تھی، ایک روز اکیلے پا کر اس نے مجھے پکڑ لیا۔ اس کے بعد میں اس کا کھلونا بن گئی۔ موقع پاتے ہی دبوچ لیتا تھا پھر خدا نے اس سے میری جان چھڑائی اور میں خلیل کی گھر والی بن گئی۔ آج یہ پھر شیطان بن کر آیا تھا اور خدا نے تمہیں فرشتہ بنا کر بھیج دیا۔''

میں نے اکرم چشتی کا سر ٹٹولا۔ اس کا سر نہیں پھٹا تھا۔ بس ایک گومڑ نکلا تھا۔ میں نے زینب سے کہا۔ ''میں جا رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد اس کے ساتھیوں کو بلا کر اسے ان کے حوالے کرنا اور کہنا کہ یہ پھسل کر گر گیا تھا میں چوٹ لگی ہے، اسے اسپتال لے جائیں۔ مجھے امید ہے یہ کسی کو اصل بات نہیں بتائے گا اور شاید تمہیں دوبارہ تنگ نہ کرے اور تم اس جگہ کو چھوڑ دو۔ جوان عورتوں کو اتنی ویران جگہ نہیں رہنا چاہئے۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔ اب میں خلیل سے صاف کہہ دوں گی۔ بے شک مجھے ایک کوٹھری لے دے۔ مجھے اب یہاں نہیں رہنا ہے۔''

اچانک اسے اپنی حالت کا احساس ہوا۔ وہ صرف چادر میں تھی اور اس کی پھٹی قمیص ایک طرف پڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے شرما کر کہا۔ ''مجھے کپڑے پہننے ہیں، اس نے.....''

''ٹھیک ہے، میں کوٹھری میں جا رہا ہوں۔'' میں نے کوٹھری کا رخ کیا۔ ''تم مجھے آواز دے لینا۔''

چند منٹ بعد اس نے مجھے آواز دی۔ میں باہر آیا تو اس نے پھولدار ریشمی قمیص پہن لی تھی اور خفیف نظر آ رہی تھی شاید اسے خیال آیا تھا کہ میں اسے کس حال میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے اپنے چیتھڑا لباس کے ٹکڑے بھی چھپا دیئے تھے۔ ''اس طرف راستہ ہے۔'' اس نے کمرے کے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم جلدی سے نکل جاؤ۔ میں اس کے ساتھیوں کو بلاتی ہوں۔''

''کسی کو اصل بات کا پتا مت چلنے دینا۔'' میں نے اسے ایک بار پھر خبردار کیا۔ ''ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گی۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔'' اس نے ایک بار پھر یقین دلایا۔ ''تمہارا شکریہ۔ تم نے میری عزت لٹنے سے بچالی۔''

میں نے اسے خدا حافظ کہا اور باہر تاریکی میں قدم رکھ دیا۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ اس بار بجلی بھی رہ رہ کر چمک رہی تھی اس لئے مجھے راستہ نظر آ رہا تھا۔ زمین پر ہر طرف پانی تھا اور نشیبی جگہوں پر تو اچھا خاصا پانی کھڑا تھا۔ میں گڑھوں سے بچ کر چل رہا تھا۔ بائی وے تک پہنچنے میں مجھے نصف گھنٹا لگا تھا۔ بارش کے تسلسل میں کمزوری آنے لگی تھی اور آدھے گھنٹے بعد بارش رک چکی تھی اور بادل چھٹ رہے تھے۔ ستاروں اور کبھی کبھی چاند کی روشنی سے ماحول منور ہو جاتا تھا۔ ہوا رک جانے سے سردی کا احساس بھی کم ہو گیا تھا۔ مجھے ابھی پندرہ سولہ میل پیدل سفر کرنا تھا۔ کاش کوئی گاڑی مل جاتی تو میں زحمت سے بچ جاتا۔ اس وقت شاید کوئی اور دعا مانگتا تو وہ بھی قبول ہوتی کیونکہ فوراً ہی عقب سے روشنی نمودار ہوئی تھی، یہ کوئی بڑی گاڑی تھی، شاید ٹرک۔ میرا اندازہ درست تھا، یہ بیڈفورڈ ٹرک تھا جو دودھ لے کر جا رہا تھا۔ میرے اشارے پر ٹرک رک گیا اور اس کے ڈرائیور نے جھانکا۔ ''کیا بات ہے بھائی! کیا گڈی چھین لی ہے ڈاکوؤں نے؟''

''نہیں یار! پیچھے خراب ہو گئی تھی، چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ ذرا آگے جانا ہے۔''

''آ جاؤ۔'' اس نے دوسرا دروازہ کھول دیا اور میں ٹرک پر سوار ہو گیا۔ کلینر بھی اندر بیٹھا تھا۔ ''گڈی کتھوں خراب ہوئی؟''

''پل کے ذرا بعد..... سڑک سے اتر کر ایک گڑھے میں پھنس گئی، کرین ہی نکالے گی۔''

''پل پر تو پولیس لگی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''کوئی چکر ہو گیا ہے۔''

''ہاں میں نے بھی دیکھی تھی پر دھیان نہیں دیا۔''

''ایک لاش اٹھا رہے تھے پولیس والے۔'' کلینر بولا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، تھکا ہوا تھا اور مسلسل بھیگنے سے جسم بھی ٹوٹ رہا تھا۔ میں نے پشت سے سر ٹکا لیا۔ ٹرک جس رفتار سے جا رہا تھا، آدھے گھنٹے سے پہلے میں منزل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے ڈرائیور کو بتا دیا کہ مجھے کہاں اتارنا ہے؟

''فکر مت کرو بھائی! ادھر پہنچ کر میں خود اٹھا دوں گا تسی بے شک تسلی سے سو جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں غنودگی محسوس کر رہا تھا۔ اس لئے سیٹ سے سر ٹکاتے ہی نیند آ گئی۔ ا ک۔ مجھے لگا جیسے کوئی میری قمیص میں ہاتھ ڈال کر رول نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں نے چونک کر ہاتھ ۔ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''چھوڑ میرا ہاتھ۔'' اور جھٹکا دے کر چھڑانے کی کوشش ں۔ میں نے کمر میں بیلٹ میں اڑسا ہوا پستول نکال کر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

''بدمعاش کیا مجھے غافل سمجھ رہے تھے۔ میرا لباس ٹٹول رہے تھے، ابھی گولی مار دوں گا۔''

ڈرائیور نے ڈیش بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ میں نے ڈانٹ کر کہا۔ ''خبردار..... اگر ہلا تو جہنم رسید کر دوں گا۔'' ڈرائیور کا ہاتھ رک گیا، یقیناً ڈیش بورڈ میں کوئی ہتھیار تھا۔ آج کل طویل فاصلے پر اور خاص طور سے شہروں سے باہر جانے والے ٹرک ڈرائیور کوئی نہ کوئی ہتھیار رکھتے ہیں کیونکہ شاہراہوں پر ڈاکوؤں کی لوٹ مار عام ہے۔ یہ ٹرک ڈرائیور اور اس کا کلینر خود بدمعاش تھے۔ تبھی مجھے اتنی آسانی سے بھنا لیا تھا۔ میری قمیص کے ابھار کو دیکھ کر سمجھ رہے تھے کہ میں نے اس میں کوئی قیمتی شے چھپا رکھی ہے۔

''لوگوں کو لوٹتے ہو۔'' میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔ ''جانتے ہو، میں کون ہوں؟''

ان کے چہرے فق ہو گئے تھے، ڈرائیور ہکلا کر بولا۔ ''آپ..... تسی خفیہ والے ہو۔''

میں معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''لیکن فکر مت کرو، ہم تم جیسے چھوٹے بندوں پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اگر مجھے ذرا سا بھی نقصان ہوتا تو تمہیں پتا چل جاتا۔''

ڈرائیور اور کلینر اب بالکل سدھی ہوئی بھیڑیں بن گئے تھے۔ میرے کہے پر دل و جان سے عمل کرنے والے۔ ڈرائیور مستعدی سے بولا۔ ''سر جی، تسی جتھے کہو، میں ادھر ہی اتارتا ہوں۔''

''نہیں..... میں نے جہاں کہا ہے، وہیں اتار دینا۔'' میں نے بھی بارعب لہجہ بنایا۔ ''لیکن یاد رکھنا..... میرا کسی سے ذکر کیا اور یہ بات پھیلی تو تم دونوں یوں غائب ہو جاؤ گے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔''

دونوں قسمیں کھا کر مجھے یقین دلانے لگے کہ ان کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلے گا۔ اگر نکلا تو بے شک ان کی زبان کاٹ دی جائے۔ میں طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''اسے اتنا ہلکا معاملہ نہ سمجھو، اس میں زبانیں نہیں بلکہ گردنیں کٹتی ہیں، میری جگہ کوئی اور ہوتا تو تمہاری لاشیں ٹرک سمیت کسی کھڈ میں پڑی ہوتیں اور کسی کو بھی پتا نہیں چلتا کہ تمہارے ساتھ کیا گزری۔''

ان کے چہرے سفید پڑ گئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ مقررہ جگہ پر ڈرائیور نے ٹرک روکا۔ میں نے اترنے سے پہلے کہا۔ ''یہ مت سمجھنا کہ میری پہنچ سے باہر ہو جاؤ گے۔ میں نے ٹرک کا نمبر نوٹ کر لیا ہے اور تمہارے چہرے بھی میری یادداشت میں محفوظ ہو گئے ہیں، اب جاؤ۔''

میرے اترتے ہی ٹرک دھواں چھوڑتا بھاگا تھا۔ اتنا پکا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے کوئی پولیس تک نہ پہنچے۔ اکرم چشتی کو معلوم ہوتا تو وہ سمجھ جاتا اور کسی کتے کی طرح میری بو سونگھتا یہاں تک آ جاتا۔ میں نے پیدل چلنا شروع کیا۔ کپڑے خاصی حد تک خشک ہو گئے تھے مگر اس بلندی پر سردی خاصی تھی۔ میں نے کانپنا شروع کیا تو چلنے کے بجائے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس سے جسم میں کسی قدر گرمی آئی تھی۔ میں دس منٹ بعد کانیج کے سامنے تھا۔ بندر برآمدے میں سکڑا ہوا سو رہا تھا۔ میں نے کانیج کا دروازہ کھولا تو وہ بھی جاگ گیا تھا۔ میں نے اندر جا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیمپ جلایا۔ بندر نے دروازہ بجایا، میں نے جا کر کھولا۔

''کیا بات ہے برخوردار؟''

اس نے التجا آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ بھوکا اور سردی کا مارا ہوا تھا۔ مجھے ترس آنے لگا۔ میں نے ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا۔ ''برخوردار! آ جاؤ..... لیکن براہِ کرم چیزوں پر مت چڑھنا اور پوٹی کا مسئلہ ہو تو باہر کا رخ کرنا، دروازہ کھولنا آتا ہے؟''

اندر آ کر وہ منہ اٹھائے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اندر جا کر سب سے پہلے آتش دان جلایا، اس کے بعد ندیم کا سلیپنگ سوٹ نکال کر پہنا۔ آگ سے حرارت ملی تو میری جان میں جان آئی تھی۔ کچن میں آ کر میں نے ڈبل روٹی نکالی جو کسی حد تک باسی ہو چلی تھی مگر کھانے کے قابل تھی۔ نصف توس میں نے بندر کی خدمت میں پیش کئے اور باقی نصف کے سینڈوچز بنائے۔ دو عدد انڈے ابالے۔ کھا پی کر آخر میں کافی تیار کی تو بندر کیتلی کے پاس آ کر اسے سونگھنے لگا۔ لگتا تھا اسے بھی کافی پسند ہے۔ میں نے ایک مگ میں ڈال کر اسے بھی کافی دی تھی۔ اس نے لی اور فرش پر بیٹھ کر پینے لگا۔ اس کی عادات اور کھانے پینے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ باقاعدہ تربیت یافتہ تھا۔ چمپانزی نسل کا بندر تھا جو سب سے ذہین بندر ہوتے ہیں۔ کھا پی کر وہ وہیں کچن کے فرش پر لیٹ گیا۔ میں نے بھی بیڈ روم کا رخ کیا۔ جسم کے درد کو دبانے کے لئے ایک پین کلر لی اور بستر پر گر کر خوابِ خرگوش کے مزے لینے لگا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں مرنے والے فقیر کا بٹوا دیکھ سکتا۔ بٹوا اچھا اور قیمتی تھا، کسی فقیر کے پاس ایسا بٹوا ہونا محال تھا۔

ان چند گھنٹوں میں مجھے وہ تجربات ہوئے تھے جو لوگوں کو برسوں میں بھی نہیں ہوتے۔ اس فقیر کی موت آئی تھی جو وہ جیپ کے سامنے آیا اور معمولی سی ٹکر کھا کر مر گیا جبکہ میں نے اس سے کہیں زیادہ شدید ایکسیڈنٹ میں لوگوں کو خراش سے بھی محفوظ دیکھا ہے۔ بہرحال اکرم چشتی کی آمد سے معاملہ سنگین رخ اختیار کر گیا تھا۔ اکرم چشتی اب زیادہ انتقامی جذبے سے میرے خلاف کیس کو مضبوط کرے گا۔ یہی نہیں، وہ فقیر کی موت کو قتلِ عمد ثابت کرے گا اور اس بار میری گلوخلاصی مشکل ہو جائے گی۔ ندیم سے رابطہ کرنا اشد ضروری تھا اور میں اپنی جیپ بھی گنوا چکا تھا۔

صبح مجھے بندر نے اٹھایا۔ وہ میرا بازو پکڑ کر ہلا رہا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو چھلانگ لگا کر دور ہو گیا۔ اسے خدشہ تھا کہ میں جھنجلا کر اسے ہاتھ نہ مار دوں۔ اس نے منہ سے آواز نکالی اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔

''کیا بات ہے یار! سونے دو مجھے۔'' میں نے بے زاری سے کروٹ لی۔ اچانک مجھے خیال آیا، اسے کچھ آ رہا ہوگا، شاید اسی وجہ سے اس نے مجھے اٹھایا تھا۔ میں نے اٹھ کر باہر جانے والا دروازہ کھولا۔ بندر نے قلقاری ماری اور باہر چلا گیا۔ میں دوبارہ لیٹ کر سو گیا اور ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ پھر آ گیا۔ یہ مصیبت خود میں نے گلے لگائی تھی۔ جب اس نے دروازہ بجانا شروع کیا تو مجبوراً مجھے اٹھ کر جانا پڑا۔

''اُلو کے پٹھے، اب کیا ہے؟'' میں نے دروازہ کھول کر کہا اور شرمندہ ہو گیا، سامنے ندیم کھڑا تھا۔ وہ اندر آیا۔

''اُلو کے پٹھے کے بارے میں بعد میں پوچھوں گا پہلے یہ بتا..... رات تُو نے کیا کارنامے انجام دیے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھ سے پوچھے بغیر۔" وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

"تجھے کیسے پتا چلا؟"

"وہ تیرا نہ ہونے والا سالا آیا تھا صبح سویرے..... اکرم چشتی، بپھرا ہوا تھا۔ میں نے ایک ایس ایس پی سے بات کی تو بالکل پُرسکون ہو گیا تھا مگر تیری جیپ پولیس کے قبضے میں ہے اور تجھ پر چند مزید کیسوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔"

"وہ تو مجھے معلوم تھا۔" میں نے تلخی سے کہا اور کچن کا رخ کیا۔ کافی کے لئے پانی رکھ کر ندیم کے سامنے میز پر آ بیٹھا۔ جب تک کافی کا پانی کھولا، میں نے اسے رات کے معرکے کے ابتدائی واقعات سنائے اور باقی واقعات کافی پیتے ہوئے اس کے گوش گزار کر دیئے۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ آخر میں اس نے میری شان میں چند ہمہ صفت قسم کے الفاظ کہے۔ "آخر تجھے کیا تکلیف تھی جوٹو نے شہر کا رخ کیا؟"

میں بھنا گیا۔ "مجھے یہاں چھوڑ کر سب بھول گئے تھے۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ جواب دے گیا تھا اس لئے....."

"جناب نے فیصلہ کیا کہ اپنے مصائب میں مزید اضافہ کر لیا جائے۔" اس نے طنز کیا۔ "مرشد علی والے کیس میں کوئی جان نہیں تھی لیکن اب تُو نے اکرم چشتی کے لئے ایک عدد لاش بھی مہیا کر دی ہے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ وہ مکر سے مرا ہے، تم اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

"اکرم چشتی نے پکا کام کیا ہے۔ مرنے والے کا جسم بری طرح مجروح ہے۔"

"ڈاکٹر احمق نہیں ہوتے..... زندہ جسم کی چوٹ اور مرنے کے بعد پہنچائے جانے والے نقصان کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

"ڈاکٹر بھی پولیس کی مرضی کے مطابق رپورٹ دیتے ہیں..... ممکن ہے کوئی اچھا ڈاکٹر ہو اور آڑ جائے موت کی اصل وجہ لکھ دے مگر فی الحال تیری ضمانت قبل از گرفتاری منظور ہونے کا امکان باقی نہیں رہا ہے۔ تجھے مستقل طور پر رُوپوش رہنا ہوگا۔"

میں نے سر تھام لیا۔ "بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"مرد بن..... ہمت کر..... رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی تیرے یار ہیں، ہر جگہ تیرا مقدمہ لڑیں گے، ایسی پریشانیاں آتی رہتی ہیں۔"

"مونا کیسی ہے..... وہ آنے کو کہہ رہی تھی؟"

"وہ تو نہیں لیکن اس کا لٹو صبح صبح آ گیا تھا۔ آج وہ تیرے معاملے میں اپنے ڈائریکٹر سے بات کرے گا۔ ڈائریکٹر کا بھائی وزارتِ داخلہ میں کسی اونچی پوسٹ پر ہے۔"

"اکرم چشتی نے اس واقعے کا ذکر کیا جس میں وہ اپنی کزن پر دست درازی کرتے ہوئے میرے ہاتھوں بے ہوش ہوا تھا؟"

"وہ بے غیرت ضرورت ہے، بے وقوف نہیں۔ اس واقعے کا وہ کسی سے ذکر نہیں کرے گا لیکن یہ اس کے خلاف اچھا پوائنٹ بن سکتا ہے اگر زینب....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے بھول جا..... میں اپنی بچت کی خاطر ایک عورت کا گھر نہیں اجاڑ سکتا۔''

''تیری مرضی..... اب مجھے اجازت دے اور میرے ساتھ آ کر سامان اتروالے۔ میں راشن بھی لے آیا ہوں، تجھے نامعلوم مدت تک اس جگہ رہنا ہے۔''

''اپنا قیام زیادہ طویل نہیں ہوگا۔ اکرم چشتی کو پتا چل گیا ہے، میں ان اطراف میں کہیں پایا جاتا ہوں۔ وہ اس کا نیچ تک بھی آ سکتا ہے۔''

''اتنی مستعد نہیں ہے ہماری پولیس اور یہ کانیچ جائے واردات سے کوئی سترہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور اکرم چشتی کے فرشتے بھی اس طرف نہیں آ سکتے تو بے فکر ہو کر رہ۔''

میں نے جا کر ندیم کی کار سے سامان نکلوایا اور وہ رخصت ہو گیا۔ میں سامان اٹھا اٹھا کر اندر لانے لگا۔ ایک بار باہر نکلا تو بندر ایک پیکٹ اٹھا کر چلا آ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے دانت نکالے اور اندر چلا گیا۔ میں نے سر ہلایا۔ یہ بندر تو عربی کا اونٹ ثابت ہو رہا تھا۔ بہرحال میں باقی سامان لے کر اندر آیا تو وہ بے حد تمیز سے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھا تھا اور غالباً ناشتے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے ابلے ہوئے مٹروں کا ایک ٹن کھول کر دیا، اس نے سونگھا اور ٹن ایک طرف رکھ دیا۔ اسے مٹر پسند نہیں آئے تھے لہٰذا میں نے اپنے ساتھ اس کے لئے بھی سینڈوچز تیار کئے اور اس نے میرے ساتھ بالکل انسانوں کی طرح بیٹھ کر ناشتا کیا تھا۔ تمیز اور سلیقے سے سینڈوچز ختم کر کے اس نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے کافی کے بارے میں استفسار کر رہا ہو۔ میں نے کافی کا پانی رکھ دیا تھا مگر پھر چائے کا موڈ ہونے لگا۔ میں نے کھولتے پانی میں پتی ڈالی تو اس نے آ کر سونگھا اور دوبارہ لاتعلقی سے کرسی پر جا بیٹھا۔ اسے چائے پسند نہیں آئی تھی اس لئے میں نے صرف اپنے لئے نکالی۔

''آؤ میاں ذرا باہر ہو آئیں۔'' میں نے کہا تو وہ کرسی سے اٹھ کر میرے ساتھ ہو لیا۔ صبح کی دھند چھٹ رہی تھی اور سورج کی نرم کرنیں چہرے کو گدگدا رہی تھیں، میں درخت کے کٹے تنے پر جا بیٹھا۔ بندر مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''برخوردار! تمہارا اصل وطن افریقہ میں ہے تم یہاں کیسے آئے، تمہارا مالک کون ہے؟''

اس سوال کا جواب بندر کی گردن سے بندھے پٹے میں ہو سکتا تھا۔ چائے پی کر میں نے مگ رکھا اور محتاط انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ کتنا ہی مہذب سہی تھا تو جانور، مشتعل ہو کر مجھے نوچ کھسوٹ سکتا تھا لیکن وہ سکون سے بیٹھا رہا۔ میں نے عقب سے ٹہک نکال کر اس کا پٹا کھولا۔ اس پر نہ تو کوئی نمبر تھا اور نہ ہی کوئی پتا۔ صرف ایک دھاتی بلا تھا جو پٹے کے اندر کی جانب تھا اور اس پر انگریزی میں J-D لکھا تھا۔

''جیدی۔'' میں نے مسکرا کر کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''خوب، تو برخوردار کا نام جیدی ہے لیکن یہ ہمارے ایک معروف اور محترم شاعر اور مزاح نگار کا نام اور تخلص ہے اس لئے میں تمہیں جیدی کے بجائے جونی کہوں گا۔ کیا خیال ہے جونی؟''

جونی کے نام پر وہ ذرا بھی نہیں ہلا۔ میں مگ اٹھا کر اندر آنے لگا تو وہ کٹے ہوئے تنے پر بیٹھ گیا۔ میں نے اندر آ کر برتن دھوئے۔ ندیم کا لایا سامان لگایا۔ اس میں فوری تیار ہونے والی اشیاء تھیں جیسے نوڈلز، اسپاگیٹی..... خشک گوشت کے ٹن پیک پارچے۔ ایک تھیلے میں سیب اور آڑو بھی تھے۔ انہیں میں نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوکری میں سجا دیا۔ میں نے ندیم سے اپنے دفتر کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ ایک دو دن تو معاملات چل جاتے لیکن اس سے زیادہ دن وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اخراجات کے لئے بینک سے رقم میرے سائن کئے چیک سے نکلتی تھی اور چیک بک میرے پاس تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ جب ندیم آئے گا تو اپنے چیک سائن کر کے اس کے حوالے کر دوں تا کہ دفتر میں جب رقم کی ضرورت ہو، وہ نکال کر دے سکے۔ کچن سے نمٹ کر میں نے ریڈیو آن کیا اور مقامی اسٹیشن لگا کر خبریں سننے لگا لیکن ان میں میرا یا رات ملنے والی لاش کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ معاً مجھے لاش کے لباس سے ملنے والے بٹوے کا خیال آیا۔ میں نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔

بٹوا بیڈ روم میں پڑا تھا۔ میں نے اسے کھولا اندر سے خاصی رقم کے ساتھ ایک شناختی کارڈ نکلا۔ اس کے علاوہ چند کاغذی چٹیں تھیں جن پر کچھ پتے اور فون نمبر تھے۔ شناختی کارڈ دیکھ کر میں چونکا۔ اس پر نام سجاد مہر لکھا تھا لیکن خاص بات اس کا پتا تھا۔ یہ کاغان کے کسی گاؤں کا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ یہ گاؤں راجا عمر دراز اور سرمد علی کے گاؤں کے پاس ہی کہیں تھا۔ کیا یہ اتفاق تھا، یہ شخص اس علاقے سے تعلق رکھتا تھا تو اس کے پاس تصویر کہاں سے آئی؟ مجھے یاد تھا، راجا عمر دراز اس تصویر کا کتنا دیوانہ تھا، اسے کتنا عزیز رکھتا تھا۔ اس نے اس تصویر کو حفاظت سے رکھا تھا۔ چوری ہونے کے بعد جب تصویر واپس ملی تو پہلے سے زیادہ اس کی حفاظت کا بندوبست کیا تھا اور اب یہ تصویر ایک شخص کے پاس سے نکلی تھی۔ بٹوے میں رکھے نوٹوں اور شناختی کارڈ سے ظاہر تھا کہ مرحوم فقیر نہیں تھا بلکہ اس نے کسی خاص وجہ سے ایسا حلیہ بنایا تھا اور شامت کا مارا میری جیپ کے سامنے آ کر مر گیا تھا۔ اب پتا نہیں وجہ انتقال کیا تھی لیکن مجھے یقین تھا، اکرم چشتی مرحوم کو میرے کھاتے میں ڈالنے کی پوری کوشش کرے گا۔ بٹوے میں کوئی گیارہ ہزار اور چند سو روپے تھے۔ بٹوے کی سائیڈ میں چھوٹی سی فون ڈائری تھی اس پر بھی کئی نمبر لکھے تھے۔

میں نے تصویر پلاسٹک شیٹ سے نکالی۔ اسے ٹیپ لگا کر مکمل طور پر سیل کر دیا گیا تھا۔ اس لئے تصویر بالکل خشک تھی۔ میں نے اسے میز پر پھیلایا۔ تصویر کے نچلے حصے میں افسانوی اور تخیلاتی مخلوقات تھیں۔ اسے دیکھتے ہوئے عجیب سا احساس ہونے لگا تھا۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے سب کچھ متحرک ہو۔ میں نے سر جھٹکا تو تصویر پہلے کی طرح ساکت تھی۔ میں نے جلدی سے اسے لپیٹ دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ڈر سا لگا تھا۔ اسے لپیٹ کر میں نے دوبارہ پلاسٹک میں ڈال دیا۔ شاید یہ میرے احساسات کا کرشمہ تھا، اس تصویر اور سیاہ پتھر کے لئے میں نے ایسی جدوجہد دیکھی تھی کہ میرے ذہن میں اس کی حیثیت مافوق العقل ہو گئی اور شاید اس وجہ سے مجھے اس کے کردار متحرک نظر آئے تھے۔ رول لپیٹ کر بٹوے کے ساتھ میں نے الماری میں رکھ دیا تھا۔

اچانک مجھے کسی مشین کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ غور کرنے پر پتا چلا کہ کوئی گاڑی اس طرف آ رہی ہے۔ میں نے چوکنا ہو کر ریوالور نکالا اور سامنے والے حصے سے باہر جھانکا۔ جھاڑیوں سے ایک چھوٹی فور وہیل ڈرائیو برآمد ہو رہی تھی اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر سفیر تھا، اس کے ساتھ مونا بیٹھی تھی۔ میں ریوالور پھینک کر باہر بھاگا۔ جونی درخت کے کٹے تنے پر محو استراحت تھا۔ گاڑی رکی اور سفیر نکل کر مجھ سے بغلگیر ہو گیا۔ ''مبارک ہو، سنا ہے تمہارے پکڑے جانے کی ایک اور کوشش ناکام ہو گئی ہے؟''

میں جھینپ گیا۔ ''بس یار! بور ہو کر نکل پڑا تھا۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ شامت میرا انتظار کر رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس اب سب ایک بندے کے پیچھے مت پڑ جایا کرو۔'' مونا بھی باہر آئی۔ ''ندیم بھائی بھی صبح اتنی سنا کر گئے تھے، گھر میں بھی غصے میں تھے۔''

''اس کا غصہ بجا ہے۔ اس نے خود اپنا کیس خراب کیا ہے۔'' سفیر بولا۔

مونا نے چیخ ماری۔ ''یہ کیا ہے؟'' اس نے بندر دیکھ لیا تھا۔

''محترم جونی صاحب!'' میں نے تعارف کرایا۔ ''ناشتے کے بعد قیلولہ کرتے ہیں۔''

''واہ..... یہ تو وی آئی پی بندر ہے۔'' سفیر نے دلچسپی سے کہا۔ ''تمہارے ہاتھ کیسے آیا؟''

''خود ہی آ گیا تھا بلکہ اس نے مجھے خاصا ڈرایا بھی تھا۔ پُراسرار طور پر کامیچ کے آس پاس گھومتا رہا تھا اور میں ڈرتا رہا کہ یہ کون میری نگرانی کر رہا ہے۔''

''یہ پالتو ہے، اس کی گردن میں پٹا ہے۔'' مونا نے غور کیا۔

''ہاں..... لیکن پٹے پر صرف اس کا نام ہے، جیدی..... میں نے اسے جونی کر دیا ہے۔''

''لگتا ہے اس کا مالک حسِ مزاح سے عاری کوئی شخص ہے۔'' مونا غصے سے بولی۔

بندر کو سوتا چھوڑ کر ہم اندر آئے۔ مونا نے مہمان ہونے کے باوجود کچن کا چارج سنبھالا اور چائے بنائی۔ وہ بریانی بہت اچھی بناتی تھی۔ میں نے فرمائش کی۔ اتفاق سے سامان بھی تھا لہٰذا اس نے دوپہر کے کھانے کے لئے بریانی کی تیاری شروع کر دی۔ کچھ چیزوں کی کمی تھی، اس لئے سفیر کو جانا پڑا۔ دوپہر میں کھلے لان میں دسترخوان بچھا کر ہم نے پُرلطف لنچ کیا۔ مونا نے میرے لئے شام کا سالن بھی تیار کر دیا تھا۔ وہ دونوں شام تک میرے ساتھ رہے تھے۔ انسپکٹر اکرم چشتی نے سفیر کا پتا چلا لیا تھا اور اسے تلاش کر رہا تھا۔ سفیر دو دن سے دفتر نہیں گیا تھا اور دفتر میں اس کا جو پتا تھا وہ بھی اب بدل چکا تھا۔

''میں نے چار دن کی مزید چھٹی لے لی ہے۔'' سفیر نے ہنس کر بتایا۔ ''اب اسے جھک مارنے دو۔''

''اس چکر میں نہ رہنا۔ کل رات مجھے اندازہ ہوا، وہ پولیس والا ضرور ہے لیکن اس کی کھوپڑی میں شیطان کا دماغ ہے۔''

''ہاں، ندیم بتا رہا تھا، تم اس کی کزن کے گھر جا پہنچے تھے اور اس نے اپنی کزن پر دست درازی کی تھی۔ تم نے اس کی کھوپڑی بجا دی تھی۔''

''ہاں، وہ اسے اکیلا سمجھ کر دست درازی پر اتر آیا تھا۔'' میں نے مونا کی وجہ سے گول مول انداز میں کہا، وہ سمجھ گئی اور چائے بنانے کے بہانے کچن کی طرف چلی گئی۔ تب میں نے سفیر کو تفصیل سے اکرم چشتی کی خباثت سے آگاہ کیا۔ اس نے تبصرہ کیا۔

''یہ کوئی پیدائشی حرامی لگتا ہے۔''

''اسے گولی مار.....'' میں نے کہا اور اسے مرنے والے کے پاس سے نکلنے والی تصویر کے بارے میں بتایا۔ سفیر کو پتا تھا۔ وہ حیران رہ گیا۔

''کیا حیرت انگیز اتفاق ہے!''

''مرنے والا اس علاقے سے تعلق رکھتا ہے اور مجھے شبہ ہے کہ یہ شخص راجا عمر دراز کی تصویر چرا کر بھاگا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ ورنہ اس کے پاس سے تصویر نکلنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ راجا یہ تصویر ساری دنیا کی دولت کے عوض بھی کسی کو نہیں دے سکتا ہے۔"

"ممکن ہے راجا مر چکا ہو اور اس کے وارثوں نے تصویر بیچ دی ہو؟"

"اس تصویر کے لئے ولیم شا کا خاندان دیوانہ ہے۔ وہ راجا عمر دراز کو منہ مانگی قیمت کی پیش کش کر چکے تھے۔ اگر اس کے وارثوں نے تصویر بیچنا ہی تھی تو انہیں بیچتے، نہیں بیٹے! یہ کوئی اور ہی چکر ہے۔"

"ان چکروں کو چھوڑو..... اپنے چکر پر غور کرو۔"

"یار! پولیس مرشد علی کے اشارے پر میرے پیچھے پڑی ہے اور اکرم چشتی ان کا خاص مہرہ ہے۔ اس کا توڑ یہی ہو سکتا ہے کہ میں بھی کوئی بڑی سفارش پکڑوں۔"

"ان لوگوں کا اثر رسوخ بہت زیادہ ہے۔ مذہب کے نام پر انہوں نے بڑی کاروباری سلطنت قائم کر رکھی ہے۔ ہزاروں جاہل عقیدت مند ان کے ایک اشارے پر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اس طاقت کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔" سفیر بولا۔

"تب میں کیا کروں..... خود کو ان کے سامنے پیش کر دوں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "یا ان کے وحشیانہ جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے بندھے ہاتھ آگے کر دوں۔ وہ مونا کے لئے بھی مکروہ عزائم رکھتے ہیں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" سفیر بھڑک کر بولا۔ "لیکن ہم اثر رسوخ کے لحاظ سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، پولیس ان کا ساتھ دے گی۔ ہمیں یہ جنگ عدالت میں لڑنا ہوگی۔"

"عدالت..... وہ بھی دباؤ میں ہوتی ہے۔ پولیس میرے خلاف ایک کے بعد ایک مقدمہ بنا سکتی ہے۔ اس کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ نہیں سفیر، یہ معاملہ زمین سے نیچے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔"

"شوبی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" مونا چائے لے کر آئی۔ "قانون کے طریقے سے ان سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے، ہمیں کوئی اور راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔"

"شوبی، تمہارے بھائی اب فوج میں شاید کرنل ہیں۔" سفیر بولا۔ "کیا وہ....."

"فی الحال میں اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا۔"

میں نے حتمی لہجے میں کہا تو وہ چپ ہو گیا تھا، شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے غلط موضوع چھیڑ دیا ہے۔

"خیر ابھی معاملہ گرم ہے۔" مونا بولی۔ "شوبی یہاں محفوظ ہے۔ ہم دوسرے معاملات دیکھ لیں گے۔"

"مونا تمہیں فی الحال ندیم کے گھر تک محدود رہنا ہے۔ کوشش کرو کہ دفتر سے چھٹی مل جائے۔"

"لیکن یہ مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔" مونا کے لہجے میں بھی تلخی آ گئی تھی۔ "میں کب تک دفتر سے چھٹی کر کے بیٹھی رہوں گی؟ میری نوکری ختم ہو جائے گی۔"

"جب تک مسئلے کا کوئی حل نہ نکل آئے۔" سفیر نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "ہنگامی حالات میں نارمل زندگی نہیں گزاری جا سکتی ہے۔ بہرحال زندگی کی اہمیت ہر شے سے بڑھ کر ہے۔ نوکری، کاروبار، مکان اور مینشن..... ہر شے زندگی اور عزت کے بعد آتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم دونوں جذباتی ہو گئے تھے۔'' میں نے غور کر کے کہا۔

''اب ہم چلتے ہیں۔'' سفیر کھڑا ہو گیا۔ ''ممکن ہے تین چار دن بعد پھر چکر لگائیں، بشرطیکہ تم اپنی حرکتوں کی وجہ سے حوالات میں نہ ہو۔''

''بکواس نہ کر..... آدمی ایک حماقت بار بار نہیں کرتا۔''

''لیکن بعض اوقات آدمی عقدِ ثانی کی صورت میں یہ غلطی کر جاتا ہے۔'' سفیر سرد آہ بھر کر بولا۔ ''غلطی بشریت کا تقاضہ ہے۔''

''تم چلو..... تو.....'' مونا نے دانت پیسے۔

''بیٹے ابھی تیرا پہلا عقد بھی نہیں ہوا تو کیوں عقدِ ثانی کی بات کر کے اس کے امکانات ختم کر رہا ہے؟'' میں نے ہنس کر کہا تو مونا خفگی سے واک آؤٹ کر گئی تھی لیکن رخصتی سے پہلے اس کا موڈ درست ہو گیا تھا۔ سفیر مجھ سے گلے مل کر رخصت ہوا۔ ''اپنا خیال رکھنا..... میں کوشش کروں گا کہ معاملات سلجھ جائیں..... ورنہ دیکھ لیں گے جو تقدیر میں ہوا۔''

''ان شاء اللہ۔'' میں نے جواب دیا۔ ان کی فور وہیل ڈرائیو جب جھاڑیوں میں غائب ہوئی تو سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے جاتے ہی ماحول اداس اور خاموش ہو گیا تھا۔ میں درخت کے کٹے تنے پر آ بیٹھا۔ آج سفیر نے میرے زخموں کو چھیڑ دیا تھا۔ شجاع بھائی کا ذکر کر کے۔

☆======☆======☆

بابا کا ردِعمل میری توقعات کے عین مطابق تھا۔ انہوں نے میری صورت دیکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ میرے لئے ان کا حکم تھا کہ میں ان کے سامنے نہ آؤں۔ شجاع بھائی اور شاہد بھائی بھی مجھ سے ناراض تھے لیکن بہرحال مجھ سے بات کرتے تھے۔ ماں جی چند دن خفا رہنے کے بعد مان گئی تھیں اور صغراں آپا میرے لئے ہمیشہ محبت رکھتی تھیں۔ سویرا شروع میں جھجکی تھی لیکن رفتہ رفتہ مجھ سے مانوس ہوتی چلی گئی۔ شجاع بھائی نے مجھ سے آگے کے بارے میں پوچھا تو میں نے گریجویشن کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس پر شجاع بھائی نے راولپنڈی کے ایک کالج میں میرا داخلہ کرا دیا تھا۔ ہوسٹل میں قیام تھا اور میں دو سال کے لئے حویلی سے رخصت ہو گیا۔

کالج لائف الگ ہنگامہ خیز تھی، تعلیم سے زیادہ غیر نصابی سرگرمیوں پر زور تھا۔ دونوں سال گرما کی چھٹیوں میں کالج فیلوز کے ہمراہ شمالی علاقے کے ٹورز کئے۔ ان چھٹیوں میں بھی چند دن کے لئے حویلی گیا تھا۔ دل تو بہت کرتا تھا لیکن بابا کا رویہ میرا حوصلہ توڑ دیتا تھا اور مجھ سے چند دن سے زیادہ حویلی میں نہیں رکا جاتا تھا۔ ماں جی، صغراں آپا، ننھی شمی اور سویرا سب بے حد اصرار کرتے تھے مگر میں وہاں سے چلا آتا۔ دوسرے سال گرما کی چھٹیاں گلگت اور بلتستان میں گزار کر کالج کھلنے سے پہلے میں چند دن کے لئے حویلی آیا تو میں نے سویرا کے انداز میں تبدیلی محسوس کی تھی۔ وہ میرے آگے پیچھے پھرتی تھی لیکن جہاں میں اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا، وہ بھاگ جاتی تھی۔ سولہ سال کی عمر میں اس نے خوب قد کاٹھ نکالا تھا۔ رنگت پکی گندم کی جیسی سنہری ہو گئی تھی۔ چھریرا جسم کسی قدر بھر گیا تھا۔ سنجیدہ وہ پہلے بھی تھی لیکن اب زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ میں ایک ہفتے بعد واپس جا رہا تھا تو اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں۔ اس سال شجاع بھائی کی شادی ہو گئی۔ میری پڑھائی زور لگا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر تھی۔ اس لئے میں صرف چار دن کے لئے حویلی آ سکا۔ میں نے ماں جی سے شکوہ کیا کہ شجاع بھائی کی شادی دو مہینے بعد کرتے تو کیا جاتا؟

''سب نے یہی کہا تھا لیکن تیرے بابا نہیں مانے۔'' ماں جی بولیں۔

''اگر وہ مجھے بھائی کی شادی میں شریک نہیں کرنا چاہتے تھے تو ویسے ہی کہہ دیتے۔'' میں نے تلخی سے کہا تھا۔

''شوبی! پاگل نہ بن۔'' ماں جی نے مجھے ڈانٹا تھا۔

شجاع بھائی کے ولیمے کے اگلے روز میں واپس روانہ ہو گیا تھا۔ دو مہینے تک امتحانات کی وجہ سے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی تھی۔ جب امتحان دے کر فارغ ہوا تو حویلی جانے کی تیاری شروع کر دی۔ ان دنوں ماں جی شاہد بھائی کے لئے لڑکی تلاش کر رہی تھیں۔ میں حویلی پہنچا تو ماں جی اور صغراں آپا میاں والی جا رہی تھے۔ جہاں صغراں آپا کے سسرال میں کوئی لڑکی تھی۔ بابا حسب معمول میری آمد کے بعد بیٹھک تک محدود ہو گئے تھے اور اتنی بڑی حویلی میں ایک سویرا تھی جس سے میں بات کر سکتا تھا۔

اس روز ناشتے کے بعد میں اپنے کمرے میں ساتھ لائی چند کتابیں دیکھ رہا تھا کہ سویرا آئی۔ ''آپ چائے پئیں گے؟''

''ہاں، اگر تم پلاؤ گی تو ضرور پیوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں ابھی لائی۔'' وہ چٹکی بجا کر بولی اور بل کھا کر واپس گئی تو میں اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ چند منٹ بعد وہ ٹرے میں چائے سجا کر لے آئی اور کپ بنا کر مجھے دیا۔ میں نے سپ لیا۔ چائے اچھی تھی، میں نے تعریف کر دی۔ وہ کھل اٹھی۔ ''سچ اچھی ہے۔''

''ہاں..... میں کسی کی جھوٹی تعریف نہیں کرتا۔''

''چھوڑیئے، آپ تو کبھی تعریف بھی نہیں کرتے۔'' اس نے کہا۔ ''آپ نے بتایا نہیں..... میں کھانا کیسا بناتی ہوں؟''

میں حیران ہوا تھا۔ ''تم نے کھانا کب بنایا؟''

''لیجئے..... جو پچھلے تین دن سے آپ کھا رہے ہیں، وہ کون بناتا ہے؟''

''خدا کی قسم، مجھے نہیں معلوم تھا۔ باقی کھانوں کے ذائقے یاد نہیں..... لیکن کل رات کا پلاؤ لاجواب تھا۔''

وہ خوش ہو گئی۔ ''آج میں کڑاہی بناؤں گی اور ساتھ میں گڑ والے چاول۔''

''واہ.....!'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''تم نے تو میرا پسندیدہ مینو بنا دیا۔''

''مجھے آپ کی پسند اور ناپسند کے بارے میں سب پتا ہے۔'' اس نے اتنے اعتماد سے کہا کہ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔

''سویرا، تم میرا اتنا خیال کیوں رکھ رہی ہو؟''

اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ ''یہ سوال تو آپ کو خود سے کرنا چاہئے۔''

اس لمحے مجھے لگا جیسے میں اس لڑکی کی زندگی میں کوئی خاص اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ وہ میٹرک کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرسٹ ایئر میں آئی تھی لیکن اس کی باتیں اپنی عمر سے کہیں زیادہ پختہ تھیں۔

''اور اگر مجھے کوئی جواب نہ ملے؟''

اس کے چہرے پر مایوسی کی بدلی آ گئی تھی۔''تب میں اسے اپنی قسمت سمجھوں گی۔''

اس کے جانے کے بعد میں دیر تک اس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ دوپہر کا کھانا مجھے ملازم نے لا کر دیا۔ سویرا نہیں آئی تھی۔ میں شام کو باہر نکلا تو وہ صحن میں بیٹھی چاول صاف کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے جلدی سے دوپٹا درست کیا۔''تم دوپہر کا کھانا لے کر کیوں نہیں آئیں؟'' میں نے پوچھا۔

وہ چاول چننا بھول گئی تھی، ایسے ہی ہانھ مار رہی تھی۔''میں نے سوچا آپ میرے بار بار آنے سے تنگ نہ آ جائیں۔''

''میں تم سے کیوں تنگ آنے لگا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' وہ نروس ہو رہی تھی۔

''سویرا! میں تمہاری کسی بات سے کبھی تنگ نہیں ہو سکتا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا اور باہر چلا گیا۔ شدت کا حبس تھا اور آسمان پر کالے بادل جمع ہو رہے تھے۔ مون سون کا آغاز ہونے والا تھا۔ مجھے ماں جی اور صغراں آپا کی فکر ہونے لگی۔ اگر بارش ہو جاتی تو وہ پھنس جاتیں۔ بارشوں میں راستے خراب ہو جاتے تھے۔ خاص طور سے پکی سڑک سے ملک وال تک آنے والا راستہ قطعی بے کار ہو جاتا تھا۔ بابا نے علاقے کے رکن صوبائی اسمبلی سے اس سڑک کو پختہ کروانے کی بات کی تھی۔ اس نے وعدہ بھی کیا تھا لیکن الیکشن جیت کر وہ اپنا وعدہ بھول گیا تھا۔ میں ٹہلتا ہوا ذرا دور نکل گیا تھا۔ اچانک بادل گرجے اور اتنی تیز بارش ہوئی کہ مجھے کسی درخت تلے جانے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ لمحوں میں شرابور ہو کر رہ گیا تھا۔ جب بھیگ گیا تو میں نے پناہ تلاش کرنے کے بجائے واپسی کا سوچا اور حویلی کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ابھی شام تھی لیکن بادلوں اور بارش کی وجہ سے ماحول تاریک ہو رہا تھا۔ مجھے راستے میں آنے والے گڑھے کا اندازہ نہیں ہوا۔ اچانک پیر گڑھے میں چلا گیا تو ٹخنے میں درد کی لہر سی اٹھی تھی۔ اس وقت میں نے توجہ نہیں دی مگر حویلی آتے آتے پاؤں کا درد اتنا شدید ہو گیا تھا کہ پاؤں رکھنا بھی محال ہو رہا تھا۔ میں سہارا لے کر اندر داخل ہوا تو سویرا سامنے برآمدے میں کھڑی تھی۔ شاید میری راہ دیکھ رہی تھی کیونکہ مجھے دیکھ کر وہ بارش کی پروا کیے بغیر بھاگی آئی تھی۔

''آپ کو کیا ہوا..... ایسے کیوں چل رہے ہیں؟''

''راستے میں پاؤں ایک گڑھے میں چلا گیا تھا۔ شاید موچ آ گئی ہے۔''

''بہت تکلیف ہو رہی ہے، آئیں میں آپ کو اندر لے چلتی ہوں۔'' اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''میں چلا جاؤں گا۔'' مجھے جھجک محسوس ہو رہی تھی، کوئی اسے میرے اتنے نزدیک دیکھتا تو کیا سوچتا!

''نہیں، آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' اس نے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور میرا ہاتھ اپنے شانے پر رکھ لیا۔''آپ میرا سہارا لے لیں۔ پاؤں پر زور نہ ڈالیں۔''

مجھ سے واقعی پاؤں پر زور نہیں پڑ رہا تھا۔ مجبوراً میں نے اپنا وزن اس کے نازک شانوں پر ڈال دیا اور اس کے سہارے برآمدے تک رکھی کرسیوں تک آیا۔ وہ اتنی بے قرار تھی کہ مجھے کرسی پر بٹھا کر خود میرا پاؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھنے لگی جو سوچ گیا تھا۔ میں حیران رہ گیا، وہ رو رہی تھی۔ ''ارے ..... روتی کیوں ہو؟''

''آپ کو بہت چوٹ لگی ہے..... اس وقت تو حکیم بھی نہیں ملے گا۔''

''فکر مت کرو۔ صبح تک ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میں فضل سے کہتی ہوں، وہ آپ کو کمرے میں لے جائے گا۔ میں دودھ گرم کر کے اور ہلدی ملا کر لاتی ہوں۔ ماں جی نے تیل بنایا ہے، وہ بھی لاتی ہوں۔''

میرے منع کرنے کے باوجود اس نے ملازم فضل سے مجھے میرے کمرے میں بھجوا دیا۔ میرے لئے خشک کپڑے بھجوائے اور جب میں نے دوسرے کپڑے پہن لئے تو وہ ہلدی ملا دودھ اور مالش کے لئے تیل لے آئی۔

''میں یہ نہیں پی سکتا۔''

''پئیں۔'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''اس سے توانائی ملے گی، درد بھی کم ہو گا۔ جب تک میں مالش کرتی ہوں۔ پی لیں..... ورنہ میں رونا شروع کر دوں گی۔''

''پلیز رونا مت!'' میں نے جلدی سے گلاس اٹھا لیا۔ اس نے شلوار کا پائنچا اوپر کیا اور ہاتھ میں تیل لے کر میرے مضروب ٹخنے پر ملنے لگی۔ شروع میں درد ہوا تھا لیکن نہ جانے یہ تیل کی تاثیر تھی یا اس کے نرم ہاتھ کا اثر۔ میرا درد رفتہ رفتہ کم ہونے لگا تھا۔ میں نے دودھ کا گلاس ختم کر کے اسے دکھایا۔ ''دیکھو، سارا پی لیا۔''

وہ پہلی بار مسکرائی۔ ''میری دھمکی سے ڈر گئے؟''

''جی نہیں، مجھے رونے والی لڑکیاں بالکل اچھی نہیں لگتی ہیں۔''

''یعنی آپ کو لڑکیاں اچھی لگتی ہیں؟''

''نہیں بابا!'' میں گھبرا گیا۔ ''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو، کسی نے سن لیا تو شامت آ جائے گی۔ خاص طور سے بابا نے سن لیا تو میری وفات یقینی سمجھو۔''

''اللہ نہ کرے۔'' اس نے بے ساختہ کہا پھر ہچکچا کر بولی۔ ''کیا واقعی آپ کو دوسری لڑکیاں اچھی لگتی ہیں؟''

''یہ دوسری سے کیا مراد ہے؟'' میں نے اس کے سوال پر غور کیا۔

''کک..... کچھ نہیں۔'' وہ گھبرا کر بولی۔ ''اچھا میں چلتی ہوں..... آپ آرام کریں۔ رات کا کھانا میں یہیں سے لاؤں گی۔''

''نہیں، دو گھنٹے بعد لے آنا۔ میں ہلکی سی بھوک محسوس کر رہا ہوں۔''

''لیکن آپ بستر سے اتریں گے نہیں، میں آپ کو بابا جان کی چھڑی لا دیتی ہوں۔ اس کے سہارے چلئے ا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔

وہ دروازے سے پلٹ آئی۔ ''شہباز، آپ کے بابا آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔''

''ہاں، جیسے مالک اپنے کتے سے محبت کرتا ہے..... لیکن وہ اس کا حکم نہ مانے تو اسے دھتکار دیتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پلیز ایسا مت کہیں۔ وہ سچ مچ آپ سے محبت کرتے ہیں۔''

''مجھے یقین ہے۔'' میں بستر پر دراز ہو گیا۔ وہ چند لمحے کھڑی دیکھتی رہی پھر باہر چلی گئی۔ مجھے معلوم تھا، میری چوٹ کا علم ہونے کے باوجود بابا مجھے دیکھنے نہیں آئیں گے۔ وہ اتنے ہی ضدی تھے اور میں بھی ان کی اولاد تھا۔ نہ جانے کب مجھے نیند آ گئی۔ درمیان میں سویرا کھانے کا پوچھنے آئی تھی لیکن مجھے بے خبر سوتا پا کر واپس چلی گئی۔ پھر پیاس کی وجہ سے میری آنکھ کھلی۔ کمرے میں تاریکی تھی لیکن میں نے محسوس کیا، دروازے کے پاس کوئی کھڑا تھا۔ میں نے سویرا سمجھ کر پانی مانگا تو سایہ آہستہ سے حرکت میں آیا۔ میں ششدر رہ گیا۔ وہ بابا تھے، نہ جانے کب سے دروازے پر کھڑے تھے۔ اس کے کچھ دیر بعد سویرا آئی۔ اس نے روشنی کی۔ اس وقت حویلی میں بجلی آ چکی تھی۔ ''آپ جاگ گئے، میں آپ کو دیکھنے آئی تھی۔'' وہ ظاہر کر رہی تھی کہ اس کی آمد اتفاقی ہے۔

''تمہیں بابا نے بھیجا ہے؟'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''بابا..... نے..... نہیں تو۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی پھر اقرار کر لیا۔ ''ہاں، وہ میرے پاس آئے تھے، کہہ رہے تھے کہ آپ کو پیاس لگی ہے، انہیں کیسے پتا چلا؟''

''میرا اندازہ غلط تھا، وہ مجھے دیکھنے آئے تھے..... لیکن دروازے سے واپس چلے گئے۔''

سویرا نے مجھے گلاس میں پانی دیا۔ ''میں نے کہا ناں وہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔''

''لیکن اپنی انا کے حصار میں..... یہ انا انہیں دروازے تک آنے کے باوجود اندر آنے سے روکتی ہے۔'' میرے لہجے کی تلخی محسوس کر کے اس نے موضوع بدل دیا۔

''آپ کو بھوک لگ رہی ہے تو میں کھانا لے آؤں۔ روٹیاں خود ڈالوں گی۔''

''ہاں لے آؤ۔'' میں نے کہا، وہ چلی گئی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے، باہر زور شور سے بارش جاری تھی۔ کھڑکی سے بھیگی ہوا کے خنک اور سبک جھونکے اندر آ رہے تھے۔ سویرا پندرہ منٹ بعد کھانا لے آئی تھی۔ تنور کی موٹی روٹیوں کے بجائے اس نے پتلی روٹیاں بنائی تھیں۔ اسے معلوم تھا مجھے پتلی روٹیاں اچھی لگتی ہیں۔ کھانا گرم اور لذیذ تھا۔ مجھے بھوک بھی لگی تھی اس لئے سیر ہو کر کھایا۔ سویرا پاس بیٹھی رہی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم جا کر سو جاؤ۔ برتن صبح اٹھا لینا۔''

''نہیں۔ میں برتن لے کر جاؤں گی۔'' اس نے اصرار کیا۔

سچی بات ہے اتنی رات گئے اس کی اپنے کمرے میں موجودگی اور امی اور آپا کے گھر میں نہ ہونے سے مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی اور میں چاہتا تھا وہ اب چلی جائے۔ مجھے رہ رہ کر بابا کا خیال بھی آ رہا تھا۔ اس معاملے میں وہ سخت خیالات رکھتے تھے اور کزنز کے آپس میں بے تکلفانہ میل جول کے قائل نہیں تھے۔ شجاع بھائی کی بیوی فوزیہ بھابی ہمارے سگے چچا کی لڑکی تھیں مگر منگنی کے پانچ سالوں کے دوران میں ان کی ایک بار بھی بھائی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے معلوم تھا، وہ سویرا کی رات گئے میرے کمرے میں موجودگی پسند نہیں کریں گے۔ میں نے کھانا ختم کیا اور سویرا سے برتن اٹھانے کو کہا، اس نے پوچھا۔ ''آپ چائے پئیں گے؟''

''اتنی رات گئے؟'' میں نے زبردستی جماہی لی۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

وہ خاموشی سے برتن لے کر چلی گئی اور میں اسٹک کے سہارے باتھ روم گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر آیا تو وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمرے میں موجود تھی۔ میں جھنجلا گیا تھا اور میرے منہ سے نکل گیا۔ ''تم پھر آ گئیں۔ کیا رات یہاں گزارنے کا ارادہ ہے؟'' منہ سے یہ بات نکالتے ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا، اس کے چہرے کا رنگ لمحوں میں بدل گیا تھا اور پھر وہ منہ چھپا کر روتی کمرے سے نکل گئی تھی اور میں اپنی زبان کی لغزش پر پچھتاتا رہ گیا۔ پھر جب میری نظر سرہانے تپائی پر رکھے دودھ کے گلاس پر پڑی تو میرے پچھتاوے میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ بے چاری سونے سے پہلے مجھے دودھ کا گلاس دینے آئی تھی اور میں نے کتنے سفاک الفاظ کہہ دیئے تھے۔ میرے پاؤں کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ میرے پاس عام پین کلر گولیاں پڑی تھیں۔ وہی کھا کر سو گیا۔ بلکہ سویا کہاں، ساری رات درد اور پچھتاوے کے زیر اثر کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ صبح تک پاؤں کی سوجن اور تکلیف میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ فضل صبح سویرے مقامی حکیم کو لے آیا۔ اس نے پاؤں کا معائنہ کر کے اس پر سخت پٹی باندھ دی اور لگانے کو مرہم دیا تھا۔

سویرا ناشتا لے کر نہیں آئی۔ اس نے فضل کے ہاتھ بھجوا دیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کتنی ناراض ہو گی لیکن میں نے ڈر کر اسے آنے کا پیغام بھی نہیں بھیجا۔ حکیم کے مرہم اور سخت پٹی سے فائدہ ہوا تھا۔ سارا دن حبس کے بعد شام کو پھر سے بارش شروع ہوئی تو میں چھڑی کا سہارا لے کر برآمدے تک آ گیا۔ سویرا ذرا آگے ایک کرسی پر اس طرح بیٹھی تھی کہ بارش کی بوچھاڑیں اس کے پیروں تک آ رہی تھیں۔ اسے میری آمد کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ میں کھنکارا تو وہ چونکی تھی۔ میری طرف دیکھا اور اٹھ کر جانے لگی تو میں آہستہ سے پکارا۔ ''سویرا..... رک جاؤ..... میری بات سن لو، پھر بے شک چلی جانا۔''

وہ رک گئی مگر نہ تو زبان سے کچھ کہا اور نہ میری طرف دیکھا۔ ''سویرا! یہاں آؤ..... ادھر کرسی پر بیٹھو۔''

''میں یہاں ٹھیک ہوں، کہیئے کیا کہنا ہے؟'' وہ بولی۔

''میں کل والی بات پر سوری کہنا چاہتا ہوں۔ وہ سب میں بے اختیار کہہ گیا تھا۔ میرا مقصد تمہاری توہین کرنا نہیں تھا۔''

''آدمی وہی بے اختیار کہتا ہے جو اس کے ذہن میں ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ مجھے ایسا.....'' اٹکتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''سویرا! خدا کی قسم میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم نہیں جانتیں، میں اس حویلی میں کیسے رہ رہا ہوں۔ مجھے ڈر تھا کہ تمہاری میرے کمرے میں اتنی دیر موجودگی پسند نہیں کریں گے۔ میں منہ سے کہنا نہیں چاہتا کہ تم اب جاؤ..... اب اپنے کمرے میں دوبارہ دیکھا تو.....''

''آپ کی بات ہو گئی۔'' اس نے میری بات کاٹی اور وہاں سے چلی گئی۔

''سویرا!'' میں نے آواز دی لیکن وہ رکی نہیں تھی۔

رات کا کھانا بھی فضل لے کر آیا تو میں نے واپس بھجوا دیا۔ ''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''بی بی کہہ رہی ہیں، کھانا کھالیں آپ نے دوپہر میں بھی نہیں کھایا تھا۔'' فضل پھر ٹرے اٹھائے چلا آیا۔

''میں نے کہہ دیا ناں..... مجھے بھوک نہیں ہے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

میرا خیال تھا کہ سویرا خود آ جائے گی مگر اس بار فضل بھی نہیں آیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب سویرا مجھ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناراض ہوئی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا، وہ اتنی سخت ثابت ہوگی۔ میں اسے منانا چاہتا تھا اور وہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھی۔ ایک ڈر مجھے یہ بھی تھا کہ وہ صفراں آپا سے شکایت نہ کردے۔ ان سے زبردست ڈانٹ تو پڑتی لیکن اس سے زیادہ مجھے شرمندگی کا ڈر تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گی کہ ان کا بھائی کسی لڑکی سے اس طرح بات بھی کرسکتا ہے؟ رات نو بجے میری بھوک اتنی بڑھ گئی کہ میں نے بے قرار ہوکر باورچی خانے کا رخ کیا۔ وہاں فریج میں سالن تھا۔ روٹیاں چنگیری میں پڑی تھیں۔ ٹھنڈے سالن کو ٹھنڈی روٹیوں سے حلق سے اتارا اور پانی پی کر واپس جانے لگا تھا کہ کوئی باورچی خانے کے پاس سے تیزی سے گیا۔ میں نے ایک جھلک دیکھی، وہ سویرا ہی تھی۔ میں اس کے پیچھے لپکا اور اس کے کمرے کے دروازے پر اسے روک لیا۔ ''سویرا..... میری بات سنو۔''

''اب آپ کو خیال نہیں ہے کہ آپ کے بابا برا سمجھیں گے؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

''پلیز..... میں تم سے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ چلے جائیں..... مجھے کچھ نہیں سننا۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی اور کمرے میں چلی گئی۔

میں شرمندگی کے عالم میں جانے کے لئے پلٹا تو راہداری میں بابا کھڑے نظر آئے۔ میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ میری بے عزتی کا منظر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان کے تاثرات سخت تھے۔ میں سر جھکا کر جانے لگا تو وہ تاثرات سے بھی زیادہ سخت لہجے میں بولے۔ ''شہباز! میرے کمرے میں آؤ۔''

میں چپ چاپ ان کے پیچھے چل پڑا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ میری طرف مڑے اور تلخ لہجے میں بولے۔ ''شہباز! مجھے معلوم نہیں تھا، میرا خون اس حد تک گر سکتا ہے؟''

''بابا! میں نے کیا، کیا ہے؟'' میں حیران رہ گیا تھا۔

''تم نے..... تم نے اس معصوم بچی کی نظروں میں مجھے بھی شرمندہ کردیا ہے جسے میں پناہ دے کر اس گھر میں لایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس گھر میں اتنی محفوظ ہوگی جتنی ایک بیٹی باپ کے گھر میں ہوتی ہے مگر تم نے میرے اعتماد کا خون کردیا۔''

مجھے احساس ہونے لگا کہ بابا کو میری اور سویرا کی گفتگو سن کر کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ''بابا! میری بات سنیں۔''

''برخوردار! اب مجھے صرف اتنا کہنا ہے..... آئندہ میں تمہیں سویرا سے بات کرتے یا اس کے آس پاس بھی نہ دیکھوں۔'' بابا کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

''بابا! آپ غلط سوچ رہے ہیں۔'' میں نے احتجاج کیا۔

''سویرا بہت پیاری اور لحاظ کرنے والی بچی ہے۔ وہ تم سے اس انداز میں بات کر ہی نہیں سکتی ہے، اس تک تم اسے اس حد تک تنگ نہ کردو۔ شہر میں رہ کر تمہارے خیالات بھی آوارہ ہوگئے ہیں۔''

''بابا! آپ..... آپ میرے بارے میں اتنا غلط سوچ سکتے ہیں.....'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''آپ نے سنا اس کی بنیاد پر فیصلہ کرلیا۔''

''اب تم جاسکتے ہو۔'' بابا نے جیسے میری بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ دوسری طرف مڑ گئے تھے۔ میں اشتعال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ان کے کمرے سے نکلا تھا۔ بابا سمجھ رہے تھے کہ میں سویرا کو تنگ کر رہا تھا، یہ سمجھ کر کہ وہ ہمارے گھر میں بے بس اور مجبور ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط تھا۔ سویرا کے بارے میں میرے ذہن میں کبھی کوئی غلط خیال نہیں آیا تھا۔ چند الفاظ سن کر بابا نے میرے کردار پر شک کی حتمی مہر لگا دی تھی۔ میں کھولتے ذہن کے ساتھ کمرے میں آیا لیکن بے چینی ایسی تھی مجھ سے کمرے میں نہ رہا گیا اور میں باہر صحن میں نکل آیا جہاں بارش برس رہی تھی۔ سرد پانی جسم پر گرا تو مجھے سکون محسوس ہوا تھا۔ میں نہ جانے کتنی دیر تک پانی میں بھیگتا رہا۔ پھر اندر آ کر بستر پر بے سدھ گر گیا۔

اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ ذہن پر غبار سا طاری تھا۔ اس غبار کے پار کبھی تاریکی چھا جاتی اور کبھی روشنی ہو جاتی تھی، ماں جی اور صغراں آپا کی آواز آتی۔ کبھی کبھی سویرا کی آواز بھی آتی تھی۔ زیادہ تر اجنبی آوازیں آتی تھیں پھر میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اسپتال میں پایا تھا۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر ماں جی اور صغراں آپا خوشی سے پاگل ہو گئی تھیں، میں چار دن سے بخار اور بے ہوشی کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ دوسرے دن مجھے اسپتال لایا گیا تھا اور ساری حویلی مع بابا کے اسپتال میں موجود تھی۔ شاہد بھائی کورس کے سلسلے میں انگلینڈ گئے تھے مگر شجاع بھائی کراچی سے آئے تھے۔ مجھے ہوش اور خطرے سے باہر دیکھ کر انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

ایک ہفتے بعد میں اسپتال سے واپس حویلی آیا تھا۔ سویرا میرے ہوش میں آتے ہی واپس چلی گئی تھی۔ جب میں آیا تب بھی میرے سامنے آنے سے کتراتی رہی تھی۔ بابا کے حکم کے بارے میں، میں نے یا سویرا نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ ماں جی اور آپا کسی قدر حیران تھیں کہ سویرا میرے کمرے کی طرف کیوں نہیں آتی ہے۔ آپا نے پوچھ لیا۔ ''سویرا کو تم نے کچھ کہا ہے.....؟ وہ تمہارے پاس آتی ہے نہ بات کرتی ہے؟''

''نہیں تو۔'' میں نے انکار کیا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''اچھا!'' آپا معنی خیز انداز میں بولیں۔ ''یہ بتاؤ سویرا کیسی لگتی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بوکھلا کر جواب دیا۔

مجھے لگ رہا تھا کہ سویرا نے اب تک مجھے معاف نہیں کیا ہے۔ اس سے معافی مانگنے کے چکر میں، میں بابا کی نظروں میں برا بن گیا تھا۔ وہ میرے پاس بھی نہیں آ رہی تھی کہ میں اس سے معافی مانگ سکتا اور اس کے پاس جانے پر بابا نے پابندی لگا دی تھی۔ اسپتال سے آ کر بھی مجھے ہفتہ بھر تک آرام کرنا پڑا تھا۔ تب کہیں جا کر میری کمزوری دور ہوئی تھی۔ صحت بحال ہونے کے بعد میں زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنے لگا تھا۔ گرمی کے دن تھے اس لئے نہر کے کنارے چلا جاتا۔ وہاں بیٹھ کر کتاب پڑھتا یا تیراکی کیا کرتا تھا۔

اس روز میں صبح ناشتا کر کے جانے لگا تھا کہ ماں جی نے کہا۔ ''شوبی! پتر..... سویرا کو کالج چھوڑ آ..... تانگے والا نہیں آیا ہے، اس کا ضروری پرچہ ہے۔'' ماں جی غالباً ٹیسٹ کا کہہ رہی تھیں۔

''ماں جی..... میں.....'' میں جھجک گیا تھا۔

''ہاں..... تو..... اور کون لے کر جائے گا۔ موٹر سائیکل پر چھوڑ آ۔''

شجاع بھائی نے کار لے لی تھی اور اپنی موٹر سائیکل حویلی میں چھوڑ گئے تھے، وہی کام آتی تھی۔ ''مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔'' میں نے بہانہ کیا۔

''فضول میں جا کر پھرے گا۔'' ماں جی نے ڈانٹا۔ ''جا کر اسے چھوڑ کر آ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجبوراً میں نے موٹر سائیکل نکال کر صاف کی اور سویرا کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کچھ دیر بعد چادر میں لپٹی اور گھبرائی ہوئی آئی تھی۔ ''وہ..... مجھے..... ماں جی نے بھیجا ہے۔'' اس نے اٹک اٹک کہا۔

''مجھے معلوم ہے، تمہیں میرے ساتھ جانا اچھا نہیں لگ رہا..... لیکن مجبوری ہے، آؤ۔'' میں نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور وہ خاموشی سے پیچھے بیٹھ گئی۔ میں نے بائیک حویلی سے نکالی۔ مختصر راستہ خراب تھا اس لئے میں نے سڑک کا رخ کیا۔ یہ راستہ ذرا طویل تھا لیکن صاف ستھرا تھا۔ پون گھنٹے بعد میں نے سویرا کو کالج کے سامنے اتارا۔ ''واپس کیسے آؤ گی؟''

''پتا نہیں..... ویسے ٹیسٹ صرف ایک گھنٹے کا ہے، گیارہ بجے ختم ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں کالج کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔'' میں نے کہا۔

گرلز کالج کے سامنے رکنا مناسب نہیں لگا تھا۔ میں ایک جاننے والے کے پاس چلا گیا وہ گاؤں کا رہنے والا تھا اور سرگودھا کے بازار میں اس کی دکان تھی۔ ایک گھنٹا اس کے ساتھ گپ شپ میں گزار کر میں واپس کالج آیا۔ گیارہ بجے سویرا اندر سے نکلی تھی۔ اسے لے کر واپس جانے کے بجائے میں نے ایک ہوٹل کا رخ کیا۔ جہاں پر فیملی کیبن بھی تھے۔ سویرا گھبرا گئی۔ ''یہ آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟''

''فکر مت کرو..... تم سے صرف چند باتیں کرنی ہیں۔ اس کے بعد بحفاظت حویلی پہنچا دوں گا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ کے ساتھ میں ہر جگہ محفوظ ہوں۔''

فیملی کیبن میں آ کر وہ ذرا گھبرائی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔ میں نے چائے منگوائی۔ ''آرام سے بیٹھ جاؤ۔''

''پلیز شہباز جو کہنا ہے جلدی کہیں، مجھے اس جگہ سے وحشت ہو رہی ہے۔''

''سویرا! کیا تم نے مجھے اب تک معاف نہیں کیا؟''

''میں..... نے..... میں تو خود شرمندہ ہوں..... اس رات آپ کے ساتھ.....''

''تم نے سن لیا تھا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں، جب بابا آپ کو اپنے کمرے میں لے گئے تب میں بھی پیچھے آئی تھی۔ مجھے بے حد افسوس ہے، میں آپ سے شرمندہ ہوں۔''

''تمہاری شرمندگی میرے کس کام کی۔ بابا کی نظروں میں میرا امیج بگڑ چکا ہے۔ بلکہ اس میں تمہارا بھی کیا قصور ہے۔ یہ امیج تو ہمیشہ کا بگڑا ہوا تھا۔''

''ایسا نہیں ہے، بابا اب بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔ جب میں نے آپ کے پاؤں کی چوٹ کا بتایا تو ان کی بے قراری دیکھنے والی تھی۔''

میں چپ رہا، بیرا چائے لے آیا تھا۔ اس نے چائے بنا کر ہمارے سامنے رکھی۔ اس کے جانے کے بعد بھی خاموشی رہی۔ ہم چائے پیتے رہے۔ آخر میں نے ہمت کر کے وہ سوال کر دیا جو اس رات سے میرے ذہن میں تھا، جب سویرا نے معنی خیز انداز میں مجھ سے بات کی تھی۔ ''سویرا، میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟''

اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی تھی۔ ''آپ..... آپ اچھے ہیں۔''

''میں اچھا ہوں یا نہیں..... مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے چہرے کی سرخی بڑھ گئی تھی۔ ''اچھے لگتے ہیں۔'' اس نے سر جھکا لیا اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''میں آپ کو کیسی لگتی ہوں؟''

''سویرا..... میں نے آج تک تمہارے بارے میں نہیں سوچا تھا، کم سے کم از انداز سے نہیں سوچا تھا۔''

''کس انداز میں؟'' اس کے انداز میں سوال تھا۔

''سویرا! اگر میں کہوں کہ تم ہمیشہ کے لئے حویلی میں رہ جاؤ؟''

''تو..... تو میں رہ جاؤں گی۔'' اس نے اٹک اٹک کر کہا تھا۔

☆=====☆======☆

اچانک کسی نے میرے شانے پر ہاتھ مارا، میں چونکا۔ یہ جونی تھا، اس نے مخصوص انداز میں دانت نکالے، میں سمجھ گیا اسے بھوک لگی تھی۔ وہ سارا دن غائب رہا تھا۔ شاید سفیر اور مونا کی وجہ سے پاس نہیں آیا تھا۔

''چلو برخوردار! تمہاری پیٹ پوجا بھی کرا دوں۔''

میں نے اندر آ کر اسے سیب اور چاول کھانے کو دیئے۔ اس نے کھانا شروع کیا اور میں اخبار دیکھنے لگا جو سفیر لایا تھا۔ یہ ایک اخبار نہیں تھا بلکہ سفیر گزشتہ تین دن کے وہ سارے اخبار لے آیا تھا جس میں میرے بارے میں کوئی خبر تھی۔ میں ان نشان زدہ خبروں کو دیکھنے لگا۔ اس سے جو تصویر سامنے آتی تھی وہ خاصی پریشان کن تھی۔ پولیس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ مجھے پوری طرح مجرم سمجھ لیا گیا تھا اور میری تلاش میں پولیس پوری طرح سرگرداں تھی۔ مزے کی بات ہے کہ اس سارے معاملے میں مرشد علی عباسی کے خاندان کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ جو اس سارے فساد کی جڑ تھا۔ مری کے راستے میں جیپ حادثے کا شکار ہونے والے شخص کا نام بھی ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ پولیس کے رویے سے صاف ظاہر تھا، وہ مجھے بچانے کی جتنی کوشش کر رہی تھی، اس سے زیادہ کوشش وہ مرشد علی عباسی کے خاندان کو بچانے کے لئے کر رہی تھی۔

اخبارات ایک طرف رکھ کر میں نے مایوسی کے عالم میں اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا لیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میں ان لوگوں کے بچھائے ہوئے جال سے نہیں بچ سکوں گا، وہ کامیابی سے میرے خلاف ایک کے بعد ایک کیس بنا رہے تھے، مجموعی طور پر مجھ پر چھ مقدمات تھے۔ ان میں قتل، اقدام قتل، مار پیٹ، پولیس پارٹی پر حملہ اور حراست سے فرار کے الزامات تھے۔

جونی کھا پی میز کے پاس فرش پر بیٹھا کسی غور و فکر میں مصروف تھا۔ باہر ایک بار پھر بوندا باندی شروع ہو گئی تھی لہٰذا میں نے اسے باہر نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ ویسے بھی گزشتہ رات وہ کانچ میں نہایت تمیز سے رہا تھا۔ اس نے نہ تو کوئی شے چھیڑی تھی اور نہ ہی گندگی پھیلائی تھی۔ وہ تربیت یافتہ اور سدھایا ہوا لگتا تھا۔ نہ جانے اس کا مالک کون تھا، اور یہ یوں بے یار و مددگار پھر رہا تھا۔ ''برخوردار! تمہارا مالک کہاں ہے؟''

اس نے منہ اٹھا کر میری طرف دیکھا پھر اٹھ کر کیتلی سونگھنے لگا۔ اسے کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر کافی کا پانی رکھا۔ سورج ڈوبتے ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہوا تھا اور میں بھی کافی کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ کافی بنا کر اسے دی اور خود مگ لے کر نشست گاہ میں آ گیا۔ ایک بار پھر اخبارات کو کھنگالا۔ مجھے اپنی جیپ سے ٹکرا کر مرنے والے سجاد مہر کے بارے میں جاننا تھا۔ خاصی جستجو کے بعد اندر کے صفحے پر اس کے بارے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خبر ملی اور یہ بھی بے کار ثابت ہوئی۔ پولیس تفتیش کے باوجود اس کو شناخت نہیں کر سکی تھی۔ حالانکہ حادثے کے اگلے روز اس کی تصاویر اخبارات میں دی گئی تھیں، میں سوچنے لگا کہ کسی طریقے سے اس کا پرس پولیس تک پہنچا دیا جائے تاکہ اس کی لاش وارثوں کو دے دی جائے۔ میں نے اپنی جیب سے اس کا پرس نکالا۔ بندر نشست گاہ کے دروازے کے پاس قالین پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی میں نے پرس نکالا، وہ چونکا اور چھلانگ لگا کر میری طرف جھپٹا۔ میں بوکھلا کر صوفے پر لڑھکا۔ وہ میرے ہاتھ سے پرس لینے کی فکر میں تھا۔ وہ دانت نکال کر خوخیا رہا تھا اور اس کی ساری متانت رخصت ہو چکی تھی۔ میں نے پرس پیچھے کیا اور اسے چمکارنے لگا۔ ''برخوردار! بیٹے، آرام سے..... کیا ہو گیا ہے، ارے.....''

اس نے میرے ہاتھ پر کاٹنے کی کوشش کی تو میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا تھا۔ وہ صوفے سے چھلانگ لگا کر سینٹر ٹیبل پر ناک لگانے والے انداز میں بیٹھ گیا۔ میں نے پرس جیب میں ڈالا تو وہ بھی پُرسکون ہو گیا تھا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور تجربے کے طور پر پرس باہر نکالا تھا کہ وہ پھر چوکنا ہو گیا۔ دانت نکال کر مجھے جھپکی بھی دی تھی۔ میں نے پرس جیب میں رکھا اور پھر اندر جا کر الماری میں رکھ کر اسے بند کر دیا۔ یہ سوال رہ رہ کر میرے ذہن میں اٹھ رہا تھا کہ بندر پرس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا تھا؟ کیا سجاد سے اس کا کوئی تعلق تھا اور بندر اس کے پرس کو پہچانتا تھا۔ بندر اب اونگھ رہا تھا اور سونے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ اس کے طرزِ عمل نے مجھے مشکوک کر دیا تھا۔ پرس کی خاطر وہ آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ رات کو بھی کوئی کارروائی کر سکتا تھا۔ میں نے اچانک اسے پٹے میں ہاتھ ڈال کر اٹھا لیا اور اس کے چیخنے چلانے کی پروا کیے بغیر اسے کیبن سے نکال کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ برآمدہ بارش سے محفوظ تھا اور سردی سے بچنے کے لئے اس کے جسم پر بالوں بھری کھال موجود تھی۔

اندر آ کر میں نے آتش دان میں لکڑیاں جلائیں اور لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ حالات حاضرہ اور مستقبل کے بارے میں غور کرتے کرتے مجھے نیند آ گئی تھی۔ رات کسی پہر میری آنکھ کھلی۔ میں سوچنے لگا کہ آنکھ کیوں کھلی تھی۔ شاید میں نے سوتے میں کوئی آواز سنی تھی۔ میں نے اٹھ کر نشست گاہ میں دیکھا۔ اس کی کھڑکی پر پردے پڑے تھے۔ سامنے والی کھڑکی کا پردہ ذرا سرکا ہوا تھا اور باہر تاریک خلا اس سے جھانک رہا تھا۔ اچانک ہلکی سی روشنی اس خلا میں لہرائی۔ یہ بجلی کی چمک نہیں تھی۔ میں تیزی سے کھڑکی تک آیا اور پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ نشست گاہ میں تاریکی تھی۔ صرف بیڈ روم کے لیمپ کی ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ یہ روشنی باہر تک جا سکے گی۔ کیبن کے سامنے تاریکی تھی۔ بارش رک گئی تھی لیکن بادل بدستور چھائے ہوئے تھے۔ تاریکی میں کہیں کوئی روشنی نہیں تھی مگر لہرانے والی روشنی میرا واہمہ نہیں تھی۔

میں تاریکی میں گھورتا رہا۔ اچانک سامنے والی جھاڑیوں سے روشنی لہرائی۔ کسی کے پاس ٹارچ تھی، وہ اسے بار بار لہرا رہا تھا۔ ہوا میں دائرے بنا رہا تھا۔ جب ٹارچ کا رخ سامنے کی طرف ہوتا تو اس کی روشنی کیبن تک آتی تھی۔ معاً میں نے بندر کو بھاگ کر جھاڑیوں کی طرف جاتے دیکھا۔ تیز رفتاری کے لئے وہ چاروں ہاتھوں پیر استعمال کر رہا تھا۔ وہ جھاڑیوں میں ٹارچ لہرانے والے کے پاس جا پہنچا۔ میں نے اچھل کر اسے ٹارچ والے سے لپٹتے دیکھا۔ اس کا انداز دوستانہ تھا۔ کچھ دیر بعد ٹارچ والے نے اسے نیچے اتار دیا۔ بندر سر ہلا ہلا کر کیبن کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا، وہ نہ صرف ٹارچ والے سے واقف تھا بلکہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے محبت کرتا تھا۔ اس کے چمٹنے کے انداز سے یہی ظاہر تھا پھر ٹارچ والا کیبن کی طرف آنے لگا۔ میں کھڑکی سے ہٹا اور جلدی سے اندر جا کر۔ ریوالور اور بڑی ٹارچ نکالی اور دوبارہ کھڑکی کی طرف آیا۔ ٹارچ والا کیبن کے سامنے تھا اور اس بار اس نے ٹارچ بجھا دی تھی۔ بندر اس کے برابر میں کھڑا تھا۔ میں نے پردہ سرکاتے ہوئے ٹارچ اس کی طرف کر کے روشن کر دی اور چند لمحے کے لئے بوکھلا گیا۔ میرے سامنے وہ شخص کھڑا تھا جو میری جیپ سے ٹکرا کر مر گیا تھا اور اس کی لاش اس وقت سرد خانے میں پڑی تھی۔ ویسا ہی سیاہ میلا کچیلا لباس، بڑھے ہوئے بال اور داڑھی، چہرے سے وہی وحشت برس رہی تھی۔ اس کے نقوش بھی ویسے ہی تھے۔ روشنی پڑنے کے بعد چند لمحے تک وہ ساکت کھڑا رہا تھا۔ پھر اس نے چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ بندر اس کے پیچھے تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ میں اب تک ہکا بکا تھا۔ کیا وہ واقعی وہی شخص تھا؟ میں نے خود سے پوچھا اور پھر جھینپ گیا۔ سوال احمقانہ تھا، بھلا کوئی مر کر واپس آتا ہے۔ یہ اسی حلئے کا شخص تھا اس لئے مجھے اس پر دھوکا ہوا تھا۔

خاصی دیر تک مجھے باہر وہ شخص یا بندر دوبارہ نظر نہیں آئے اس لئے میں کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ روم میں آ گیا۔ معاملہ پُراسرار سا تھا۔ آخر یہ شخص کون تھا اور یہاں کیوں آیا تھا؟ بندر اس کا تھا تو اس نے اسے واپس لینے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ رات کے اس پہر پُراسرار انداز میں بندر سے ملنے کیوں آیا تھا؟ کیا بندر کو کسی خاص مقصد کے لئے میرے پاس بھیجا گیا تھا؟ ان ہی سوالات میں گھرا نہ جانے میں کب سو گیا۔ مجھے خطرے کا احساس تھا مگر ساتھ ہی یہ اطمینان بھی تھا کہ فقیرانہ حلئے والے اس شخص کا پولیس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ورنہ اب تک میں حوالات میں ہوتا۔

اگلی صبح تیز بارش جاری تھی اور بندر بدستور غائب تھا۔ شاید بھانڈا پھوٹنے پر وہ شخص اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ناشتا کر کے میں نے برساتی اور ربر کے لانگ شوز پہنے اور کاٹیج سے باہر آ گیا۔ ریوالور میں نے ساتھ رکھا تھا۔ بارش کے ساتھ ہوا کے یخ بستہ جھونکے بھی آ رہے تھے لیکن میں برساتی میں محفوظ تھا۔ کاٹیج کے سامنے والی جھاڑیوں سے میں نے آغاز کیا۔ سڑک تک جا کر میں واپس آیا پھر میں نے اوپری حصے کا رخ کیا۔ اگرچہ اتنی بارش اور ٹھنڈ میں کوئی باہر رات نہیں گزار سکتا تھا پھر بھی میں نے چیک کر لینا مناسب سمجھا۔ اوپری درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس پہنچ کر میں ٹھٹک گیا۔ درختوں کے درمیان زمین پر آگ جلانے کے نشانات تھے اور وہاں پر کھانے پینے کی بچی کھچی اشیاء بھی پڑی تھیں۔ میں نے ڈبل روٹی کا پیس اٹھایا جو دو دن سے زیادہ پرانا نہیں تھا۔ دو دن پہلے یہاں پر کوئی تھا، ممکن ہے اس کے بعد بھی رہا ہو۔ میرے جسم میں سنسنی کی لہری دوڑ گئی تھی۔ کوئی میرے پیچھے تھا۔ میری نگرانی کر رہا تھا۔ لیکن کیوں.....؟ میں سوچتا ہوا کاٹیج تک آیا اور اس کا دروازہ کھلا دیکھ کر چونک گیا تھا۔

☆======☆======☆

ہر انسان کی زندگی میں ایک بار ایسی تبدیلی ضرور آتی ہے جب یہ دنیا اسے پہلے سے زیادہ اچھی اور خوبصورت لگنے لگتی ہے۔ میری زندگی میں یہ تبدیلی سویرا کی صورت میں آئی تھی۔ صبح جب میں اسے کالج لے کر گیا اور جب لے کر واپس آیا تو میرے اندر کی دنیا بدل چکی تھی۔ ماں جی ہمارے لئے فکرمند تھیں اور ہمیں ہنستے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسکراتے دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ انہوں نے میری بلائیں لیں۔ ''آج میرا پتر کتنے دن بعد مسکرایا ہے!''

سویرا شرما گئی۔ بابا زمین پر گئے تھے۔ بارشوں نے فصل کو کتنا نقصان پہنچایا تھا، آج کل وہ اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ اکثر صبح جاتے تو سورج ڈھلنے کے بعد گھر آتے تھے۔ اس لئے مجھے سویرا سے بات کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ اگرچہ وہ جھجکتی تھی لیکن میرے بلاوے پر انکار نہیں کرتی تھی۔ ماں جی اور آپا جس لڑکی کو شاہد بھائی کے لئے دیکھنے گئی تھیں، وہ لڑکی انہیں پسند نہیں آئی تھی۔ معاملہ لڑکی کے گھر والوں کی شرائط نے خراب کیا تھا۔ شادی کی بات ہونے سے پہلے انہوں نے شرائط لگانا شروع کر دی تھیں۔ شاہد بھائی نے سن کر ہی انکار کا فون کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ رشتے کبھی شرط کے ساتھ نہیں کیے جاتے ہیں۔ ان ہی دنوں میرا رزلٹ آیا تھا۔ میں نے فرسٹ ڈویژن لی تھی۔ سب بے حد خوش تھے۔ سویرا نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنا سوئیٹر تحفے میں دیا اور جب میں ماسٹرز میں داخلے کے لئے حویلی سے جانے لگا تو مجھے آنسوؤں کا تحفہ دیا تھا اور یہ تحفہ ہمیشہ میرے پاس رہا تھا۔ اس کے دو مہینے بعد ہاسٹل میں مجھے اطلاع ملی۔ سویرا کی شادی شاہد بھائی سے طے کر دی گئی ہے اور میں دوبارہ حویلی کی طرف نہیں گیا۔

☆======☆======☆

ندیم شام کے وقت آیا تھا اور اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ حالات اچھے نہیں ہیں۔ اس نے پہلی خبر یہ سنائی۔ ''ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست مسترد ہو گئی ہے۔''

''پھر.....؟'' میں نے پوچھا۔

''اب تجھے گرفتاری دینا ہو گی۔'' اس نے قانونی پہلو بتایا۔

''مجھے ہتھیاں تڑوانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''تب جب تک مقدمات کا فیصلہ نہیں ہو جاتا تُو مفرور رہ سکتا ہے..... لیکن پولیس کیس پیش ہی نہیں کرے گی جب تک تُو ان کے ہاتھ نہیں آ جاتا۔''

''مقدمہ تم کرو گے، آخر وکیل کس لئے ہو؟''

''وہ تو میں کروں گا لیکن بھیا، معاملہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر بادشاہ گر قوتوں کو ضمنی اور پھر مقامی حکومت کے انتخاب میں عباسی خاندان کی ضرورت ہے اور سمجھ لو انتظامیہ اس وقت ان کے اشارے پر ناچ رہی ہے۔''

''تصفیہ نہیں ہو سکتا ہے۔''

''میرا ایک جاننے والا صحافی ہے..... لیکن وہ پہلے ہی مرشد علی عباسی کے خلاف لکھ چکا ہے۔ اگر اس کی طرف سے یہ اسٹوری آئی تو اسے ڈس انفارمیشن قرار دیا جائے گا۔''

''وہ کسی اور نام سے چلا دے۔''

''معاملہ اتنا ہلکا نہیں ہے۔ مرشد علی کے خلاف جعلی نام سے رپورٹ نہیں بنائی جا سکتی ہے۔ وہ اصل بندے کا پتا چلا لے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا کر، اسے کہہ کر رپورٹ بنوا دے..... لیکن نام نہ دے۔ بس اشارہ دے اور میرا کیس پیش کر دے۔''

''ہاں، یہ ہوسکتا ہے۔'' ندیم نے سر ہلایا۔

میں نے اسے رات والے واقعے کے بارے میں بتایا تو وہ فکرمند ہوگیا۔ ''مرنے والے کی تدفین آج تھی، قبر دیکھنے کے لئے میں خود گیا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی مل گئی۔ رپورٹ تیرے خلاف بھی ہے اور حق میں بھی۔ موت کی وجہ سر پر لگنے والی چوٹ ہے اور باقی زخموں کے بارے میں لکھا ہے وہ اس کے مرنے کے بعد کے ہیں۔''

''اس صورت میں کیس کو سازش قرار دیا جاسکتا ہے۔'' میں نے جوش سے کہا۔

''یہ سارے نقطے میری نظر میں ہیں لیکن فی الحال مجھے تیری طرف سے درخواست عدالت میں لگانی ہے۔ جب سماعت ہوگی تو یہ ساری باتیں بھی سامنے آئیں گی۔ بہرحال پولیس کی کوشش ہے کسی طرح تجھے گرفتار کر کے مرشد علی کی نظروں سے سرخرو ہو جائے۔''

''بندر اور اس آدمی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟''

''وہ آدمی شاید چور تھا اور بندر کی مدد سے چوریاں کرتا ہے۔ اس کے بارے میں اتنا فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی خطرہ ہوتا تو اب تک سامنے آچکا ہوتا۔ یہ بتا کہ تجھے کس شے کی ضرورت ہے، میں کل صبح آؤں گا۔''

''تازہ اخبار لے آنا اور کوشش کرو رپورٹر والا کام جلد از جلد کرو اور ہاں، ایک منٹ رکنا..... میں تجھے کچھ چیک سائن کر کے دے رہا ہوں۔ بوقتِ ضرورت ظاہر کو رقم لکھ کر دے دینا۔ ویسے تو وہ بھی ایمان دار آدمی ہے لیکن ذمے داری لینے سے گھبراتا ہے۔''

''لاؤ دو۔'' وہ کھڑا ہوگیا۔

میں نے اپنی چیک بک سے چیک سائن کر کے اسے دیئے۔ ''بلاضرورت باہر مت نکلنا..... بلکہ کوشش کرو۔ کسی کو احساس نہ ہو کہ اس کیبن میں کوئی رہتا ہے۔''

''یہاں رہتا ہی کون ہے؟''

''ایسا مت سمجھ ادھر چرواہے آتے ہیں۔ اوپر پہاڑ پر لکڑیاں کاٹ کر بیچنے والے آتے ہیں۔ یہ کیبن کئی افراد کی نظر میں رہتا ہے۔ چوکیدار بھی آتا ہے۔''

''مجھے تو اب تک نہیں ملا۔''

''جب بھی ملے، اسے بتا دینا میں نے اسے فارغ کر دیا ہے۔ مجھے ایسا چوکیدار نہیں چاہئے جو گھر بیٹھ کر چوکیداری کرے۔''

''یہاں سب ایسے ہی ملیں گے۔'' میں ہنسا۔ ''جسے رکھے گا وہ گھر بیٹھ کر یہ کام کرے گا۔''

''میں سوچ رہا ہوں تیرا کیس عدالت میں پیش ہی نہ کروں۔ تُو یہاں رہے گا، مجھے مفت کا چوکیدار مل جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پھر روز کون آئے گا۔ جب پکنک منانے آئیں گے تو تجھے بھی راشن پانی ڈال دیا کریں گے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''اب میں چلتا ہوں تیری بھابی نے مٹن کڑاہی بنائی ہے۔''

''مزے ہیں تیرے!'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ایک ہم ہیں، پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔''

''فکر نہ کر..... اس چکر سے نکل کر پھر تیرا کہیں نہ کہیں چکر چلا دیں گے۔'' وہ بولا۔ ''ارے ہاں، یاد آیا..... وہ تصویر تو دکھا اور مرنے والے کا بٹوا بھی مجھے دے دے۔ میں کسی طریقے سے پولیس تک پہنچا دوں گا۔''

میں نے اسے تصویر اور بٹوا دیا۔ ''رقم مرنے والے کے نام ایصال ثواب کر دینا ورنہ جس کو دے گا وہ رقم کی وجہ سے بٹوا بھی غائب کر دے گا اور بے چارے کی لاش کبھی ورثا تک نہیں پہنچے گی۔''

ندیم نے پلاسٹک سے تصویر نکالی اور بے توجہی سے اسے دیکھا، اسے آرٹ کے بارے میں صرف اتنا پتا تھا کہ اسے اردو میں فنون لطیفہ بھی کہتے ہیں۔ ''اس سے اچھی تصویر آج کل میرا بیٹا بنا لیتا ہے۔ اسے بھی لے جا رہا ہوں، فرصت سے دیکھوں گا۔''

''اگر میں کہوں کہ اس تصویر کی وجہ سے کم سے کم چار افراد مارے گئے اور ایک برطانوی گورا آج تک پاکستان کے شمالی علاقے میں لاپتا ہے۔''

''اس تصویر کی خاطر.....؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''اس میں ایسی کیا خاص بات ہے، کیا یہ قیمتی تصویر ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا پھر اسے راجا عمر دراز اس کے علاقے میں آٹھ برس بیشتر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں مختصراً بتایا۔ ''میں حیران ہوں راجا کے محل سے یہ تصویر نکلی کیسے؟''

ندیم کو راجا اور اس کی تصویر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ''اچھا میں چلتا ہوں، دیر ہو رہی ہے۔''

میں اسے چھوڑنے باہر تک آیا تھا۔ ''ندیم! تصویر حفاظت سے رکھنا۔ اس چکر سے نکل جاؤں تو راجا تک اسے پہنچانے کی کوشش کروں گا۔''

''فکر نہ کر۔'' وہ بولا اور جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ اپنی بے داغ کار وہ نیچے چھوڑ کر آتا تھا۔ کیونکہ اوپر آتے ہوئے اس پر خراشیں آ سکتی تھیں۔ اس کی خاطر وہ پیدل اوپر آنا گوارہ کرتا کر لیتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں واپس کاٹیج میں آیا اور شام کے کھانے کی تیاری کرنے لگا۔ سارا دن کچھ نہیں کھایا تھا اس لئے اب بھوک لگ رہی تھی۔ اکیلے ہونے کے باوجود مجھے کھانا بنانے میں خاص مہارت نہیں تھی اس لئے کبھی مجبوری میں خود بناتا تھا تو جیسے تیسے کھانا پڑتا تھا۔ جو ڈشیں مجھے بنانا آتی تھیں ان کا سامان نہیں تھا لہٰذا میں نے پکایا ہوا زہر مار کیا اور کافی بنا کر بیڈ روم میں آ گیا۔ آج سردی نہیں تھی اس لئے آتش دان جلانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ میں نے کمبل لیا اور لیمپ سرہانے رکھ کر ایک میگزین کا مطالعہ کرنے لگا۔ ایک گھنٹے بعد ہلکی سی غنودگی محسوس ہونے لگی تھی۔ میں سونے سے پہلے واش روم گیا تھا۔ یہ کاٹیج کے عقبی حصے میں تھا۔ میں باہر آ رہا تھا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے باتھ روم کے باہر کوئی ہلکی آواز میں بول رہا ہے۔ اس کا روشن دان ذرا سا کھلا تھا۔ میں قریب گیا تو پھر سرگوشی جیسی آواز آئی۔ باہر کوئی تھا، الفاظ میری سمجھ سے باہر تھے مگر آواز کسی انسان کی تھی۔ میں چوکنا ہو گیا، جلدی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازہ کھول کر باہر آ گیا مگر عقبی سمت میں کوئی نہیں تھا۔ مگر میں نے خود آواز سنی تھی۔ میں دبے قدموں چلتا دائیں طرف والی دیوار تک آیا اور پھر سامنے آ گیا، اس طرف بھی کوئی نہیں تھا۔ میں پھر دبے قدموں سامنے والے حصے تک آیا، میدان چاند کی روشنی میں دور تک صاف تھا۔ میں بار بار پلٹ کر بھی دیکھ رہا تھا کہ کوئی عقب سے نہ آ جائے۔ اب صرف کیبن کا بایاں حصہ بچتا تھا۔ میں نے وہاں بھی دیکھ لیا اور گھوم کر دوبارہ کیبن کے عقبی حصے میں آ گیا۔ کیا میں نے جو آواز سنی تھی، وہ کان کا وہم تھا۔ پہاڑی علاقے میں جب ہوا چلتی ہے تو عجیب عجیب آوازیں نکالتی ہے جن پر بعض اوقات انسانی آوازوں کا شبہ ہوتا ہے۔ میں مطمئن ہو کر اندر آیا اور جیسے ہی دروازے سے اندر قدم رکھا، کوئی سخت شے سر سے ٹکرائی۔ میں چکرا گیا۔ ٹارچ میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ میرا سر چکرا گیا تھا اور میں گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ حملہ کرنے والا بے حد چالاک تھا، اس نے باہر سے آوازیں نکالیں اور جب میں باہر آیا تو وہ چکر کاٹ کر میری عدم موجودگی میں اندر آ کر میرا انتظار کرنے لگا تھا۔ کیبن سے باہر مجھ پر حملہ کر کے قابو پانا محال تھا۔ میں مسلح تھا اور چوکنا بھی۔ البتہ جب کیبن میں آیا تو اتنا چوکس نہیں رہا تھا اور اس نے اسی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر مجھے ناک آؤٹ کر دیا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دھندلائی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور ریوالور والا ہاتھ اس کی طرف بلند کرنا چاہا۔ وہ اب تک آرام سے کھڑا میرا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے ریوالور اوپر کرنے کی کوشش کرتے دیکھ کر اس کا ہاتھ ایک بار پھر حرکت میں آیا اور اس دوسری ضرب نے مجھے بے ہوش کر دیا۔

☆======☆======☆

مجھے کئی بار بے ہوش ہونے کا اتفاق ہو چکا تھا اور ہر بار میں نے ہوش میں آنے کے بعد الگ کیفیت محسوس کی تھی۔ شعور جاگنے پر مجھے لگا جیسے میں کسی کنکریٹ مکسر میں ہوں اور اسے چلا دیا گیا ہو۔ چکر اور گھماؤ کی کیفیت اتنی شدید تھی کہ سوچ بھی ایک جگہ قائم نہیں تھی۔ الفاظ واشنگ مشین میں کپڑوں کی طرح گڈمڈ ہو رہے تھے۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو زمین آسمان بھی گھوم رہے تھے۔ چہرے سامنے آ کر ہٹ رہے تھے، بن اور بگڑ رہے تھے۔ یہی حالت سماعت کی تھی، کبھی الفاظ صاف آتے اور کبھی یوں شور ہونے لگتا جیسے ریڈیو میں نشریاتی لہروں میں خلل کی وجہ سے شور ہوتا ہے۔

''ضرب شدید..... دماغ متاثر ہوا..... کیفیت مستقل ہے..... موٹی سی گالی..... ضرب لگانے والے کی ماں، بہن کی شان میں گستاخی..... مزید گالیاں اور دھمکیاں۔''

مجھے لگ رہا تھا کہ زمین اور آسمان کے ساتھ میری کھوپڑی میں دماغ بھی گھوم رہا ہو۔ آوازیں آ رہی تھیں۔

''مستقل پاگل..... بہتر ہے..... سلا دیا..... انجکشن لاؤ۔''

میں نے اپنے بازو میں چبھن محسوس کی اور میں سو گیا تھا۔ اگلی بار آنکھ کھلی تو سب کچھ تھم چکا تھا۔ سکون اور سناٹا اتنا زیادہ تھا کہ غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔ جسم اور ذہن بھی حالت سکون میں تھا لیکن سر کا عقبی حصہ بوجھل تھا جہاں ضرب لگی تھی۔ وہاں وزن سا آ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ سے سر چھوا۔ سر پھٹا نہیں تھا لیکن اس جگہ ورم تھا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، اوپر سیاہ چھت تھی اور کمرے کی دیواریں بھی رنگ سے محروم تھیں۔ میں ایک کھاٹ نما بیڈ پر پڑا تھا جس کے عین اوپر ایک پیلا بلب روشن تھا۔ سیاہ در و دیوار کی وجہ سے اس کی روشنی یرقان زدہ لگ رہی تھی۔ پیاس سے میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں نے سر گھمانا چاہا تو مضروب حصے سے ٹیس سی اٹھی تھی۔ میں نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا کمرے کا فرش پکا تھا لیکن اس پر ابھی ٹائلیں لگانا باقی تھا۔ لگ رہا تھا جیسے میں کسی زیر تعمیر مکان میں ہوں۔ میں نے ذہن پر زور دیا تو مجھے یاد آیا، میں کیبن میں تھا اور کسی نے دھوکے سے سر پر وار کر کے مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ درمیان میں ہوش آ کر میں نے بے ہوش کرنے والے کے خاندان کی تاریخ مسخ ہوتے سنی تھی۔ ڈاکٹر اس وقت میرے بارے میں رائے دے رہا تھا۔ یہ میرا اندازہ تھا، بستر کے برابر میں پلاسٹک کی بوتل تھی اس میں کولڈ ڈرنک آتی ہے لیکن فی الحال اس میں پانی تھا۔ میں نے بے تابی سے بوتل سے پانی پیا۔ پانی خالی پیٹ میں جا کر لگا تو مجھے احساس ہوا کہ میں نے کئی وقت سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ میری بے ہوشی کو نہ جانے کتنی دیر گزری تھی۔ میرے ہاتھ سے گھڑی اتار لی گئی تھی اور اس بند کمرے میں اندازہ لگانا محال تھا کہ باہر دن ہے یا رات؟ البتہ ایک بات یقینی تھی کہ اب میں شہر میں یا کسی نیچے کے علاقے میں تھا کیونکہ بند کمرے میں خاصا حبس اور گرمی تھی۔ میں پسینے میں بھیگ رہا تھا۔

میں نے کمرے کا اکلوتا دروازہ بجایا۔ ''کوئی ہے..... مجھے یہاں کیوں قید کر رکھا ہے؟'' میں چلایا۔

کچھ دیر تک دروازہ بجانے کے باوجود کوئی جواب نہیں آیا تو میں واپس بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔ میں نہ جانے کس دشمن کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اس قید میں ڈالنے والا کوئی دشمن ہی ہو سکتا تھا۔ میں پولیس کے ہاتھ نہیں لگا تھا لیکن مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ میں اکرم چشتی کی کسی نجی عقوبت گاہ میں تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد میں نے پھر دروازہ بجایا۔ اس بار کسی نے باہر سے درشت لہجے میں کہا۔ ''شور مت کرو، آرام سے بیٹھو، ابھی تم سے پوچھتے ہیں۔''

''مجھے کیوں بند کیا ہے، میرا قصور کیا ہے؟''

''قصور بھی بتا دیں گے، اتنی جلدی کیا ہے؟''

''اچھا..... مجھے کھانے کے لئے کچھ دو۔''

''کھانے کو بھی یہاں بہت کچھ ملے گا۔'' آواز نے قہقہہ لگایا تھا۔ اس کے بعد اس کی آواز نہیں آئی۔ بھوک کی شدت سے میں نے اندازہ لگایا کہ مجھے کم سے کم چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ سن والی کیفیت رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی اور سر میں درد جاگ رہا تھا۔ شاید دی جانے والی دوا کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ بہر حال درد برداشت کی حد میں تھا۔ پانی پی کر میں لیٹ گیا۔ حبس اور گرمی رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی۔ یہ ہر طرف سے بند کمرا تھا جس میں ہوا کی آمد و رفت کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی، اندر کی ہوا بھاری اور گرم ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی نصف گھنٹے بعد دروازہ اچانک کھلا اور دو افراد اندر آئے۔ ڈیل ڈول، لباس اور اسلحے سے وہ کسی جاگیردار کے باڈی گارڈ لگ رہے تھے۔ بڑھی ہوئی داڑھی اور سرخ آنکھیں کسی بھی عام آدمی کو دہلانے کے لئے کافی تھیں۔ میں نے خوش مزاجی سے کہا۔

''کیا حال ہے دوستو! اگر ڈاکا مارنے آئے ہو تو غلط جگہ آئے ہو۔ تم سے پہلے ہی کچھ لوگ میرا سب لوٹ چکے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بکواس مت کرو۔'' ایک کٹ کھنے کتے کی طرح غرایا۔ ''ہمارے ساتھ چلو۔''

''اگر تاوان کی غرض سے اغوا کرنا چاہتے ہو تو یہ بھی بے کار ہے، پیسے ایسا کوئی نہیں ہے جو تاوان ادا کرے۔''

''اب بولے تو گولی مار دوں گا۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔

دوسرے نے درشت انداز میں میرا بازو تھام کر دروازے کی طرف دھکیلا۔ ''چلو، مرشد نے یاد کیا ہے۔ ان کے سامنے کوئی فالتو بات مت کرنا۔''

''ورنہ وہ مجھے جلا کر بھسم کر دیں گے؟'' میں نے منہ پھٹ خیز لہجے میں کہا۔

کٹ کھنے نے مشتعل ہو کر مارنے کے لئے رائفل کا بٹ بلند کیا لیکن دوسرے نے اسے روک دیا۔ ''اسے مرشد نے بلایا ہے، وہی اسے سزا دے گا۔''

مرشد کے نام پر مجھے مرشد علی کا خیال آیا۔ کیا میں اس کے قبضے میں تھا؟ لیکن اسے میری قیام گاہ کا علم کیسے ہوا۔ مجھے ندیم پر شبہ ہوا۔ کسی نے اس کا تعاقب کیا اور کیبن تک آ گیا تھا۔ وہ دونوں مجھے اس زیر تعمیر عمارت کی راہ داریوں اور کمروں سے گزار کر ایک ایسے کمرے میں لائے جو خاصی حد تک مکمل تھا۔ حتیٰ کہ اس پر رنگ بھی کیا ہوا تھا۔ فرش پر ایک چھوٹا قالین تھا، جس پر شاہانہ طرز کی سنہری کرسی پر ایک ہرخ و سفید اور پُر گوشت چہرے والا شخص بیٹھا تھا۔ میں نے مرشد علی کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اخبار میں کئی بار اس کی تصاویر دیکھ چکا تھا۔ اس نے سنہری کام والا گاؤن پہن رکھا تھا اور اوپر سنہری کلاہ تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں سرمے سے بھری تھیں اور ان میں جلالی ڈورے اس کے عقیدت مندوں کو مرعوب کرنے کے لئے کافی تھے۔ اس کے دائیں بائیں دو مسلح محافظ کھڑے تھے۔ ایک ملازم قسم کا شخص کونے میں سہما سہما کھڑا تھا۔

''شہباز احمد!..... خوش آمدید!'' مرشد علی نے مسکرا کر کہا۔

''یہ تم کہہ رہے ہو، میرا خیال.....''

''ادب سے بات کر۔ میرے پیچھے کھڑے کٹ کھنے نے غرا کر کہا، اس پر مرشد علی نے اسے قہر ناک نظروں سے دیکھا اور گرج کر بولا۔

''حرام زادے..... تیری جرأت کیسے ہوئی..... میرے سامنے بولنے کی۔''

کٹ کھنے کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ وہ ہکلانے اور بکری کی طرح منمنانے لگا۔ ''مرشد..... م..... جانی.....''

''غفورے، اس سے گن لے لو..... جسے ہمارے سامنے زبان پر اختیار نہ ہو، ہم اسے ہتھیار کیسے دے دیں، باہر جاؤ تمہارا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا، جاؤ یہاں سے۔''

کٹ کھنے کے ساتھی نے اس سے گن لے لی اور اس کے ساتھ باہر چلا گیا۔ میں نے مسکرا کر مرشد کی طرف دیکھا۔

''تم مجھے حیران کر رہے ہو۔ میرا خیال تھا کہ اب تک مجھے کسی اسپتال کے ہڈی وارڈ میں لٹکے ہونا چاہئے تھا۔ تمہارے بھائی نے یہی ارادہ کیا تھا ناں.....؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کی بات چھوڑو۔ وہ نوجوان ہے، اس کا خون گرم ہے۔ پھر اسے چوٹ بھی لگی تھی اس لئے غصے میں آ گیا۔''

''وہ تو غصے میں آیا تھا۔'' میرا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ ''لیکن پولیس مجھ پر کیوں چڑھ دوڑی..... اب تک مجھے کیوں تلاش کر رہی تھی۔ کیا نادر کے غصے کا جن پولیس پر بھی چڑھ گیا تھا جو اتنی سرگرمی سے مجھ پر مقدمے بنا رہی ہے؟''

''ان پر بھی بات ہو سکتی ہے، اور مقدمے ختم کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' مرشد علی کا لہجہ حیران کن حد تک مصالحانہ تھا۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ کوئی چکر ہے۔ مرشد علی کی کوئی گوٹ پھنس گئی تھی اور وہ مجھ سے نرم رویہ اختیار کرنے پر مجبور تھا یا پھر وہ میرے ساتھ بلی چوہے کی طرح کھیل رہا تھا جو چوہے کے ساتھ کھیلتی ہے اور جب وہ خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ ایک جھٹکے سے اس کی گردن مروڑ دیتی ہے۔ اب میرے ساتھ نہ جانے کیا تھا۔ میں چپ رہا، مرشد علی کچھ دیر بعد بولا۔

''شہباز احمد ملک! میں ان تمام مقدمات کو ختم کرا سکتا ہوں۔ نادر کی طرف سے میں ضمانت دوں گا کہ وہ تمہیں یا تمہارے دوستوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

''اتنی مہربانی کس خوشی میں؟''

''میری نیت پر شک نہ کرو۔'' وہ بولا پھر اس نے بارعب آواز میں کہا۔ ''تجلّے!''

دونوں محافظ اور سہما ہوا ملازم کھلونوں کی طرح حرکت میں آئے اور کمرے سے چلے گئے۔ اب میں اور مرشد علی وہاں تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ مرشد کا ایک ہاتھ اس کے گاؤن کی جیب کے پاس تھا۔ جس میں کوئی بھاری شے تھی۔ ''بیٹھو شہباز ملک!'' اس نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

میں کرسی پر ٹک گیا۔ ''مجھے یہاں آئے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے؟''

''اس وقت رات کے تین بجے ہیں۔'' اس نے اپنی گھڑی دیکھی۔

''گویا میں نے چھبیس گھنٹے سے کچھ نہیں کھایا۔ تمہارے گرگے نے مجھے رات ایک بجے بے ہوش کیا تھا۔''

اس نے تالی بجائی، ملازم اندر آیا۔ ''کھانے کے لئے کچھ لاؤ۔''

ملازم نصف گھنٹے میں سینڈوچز اور ایک بڑا برگر لے آیا۔ شاید اس جگہ سے کوئی کھانے پینے کا رات بھر کھلا رہنے والا اسپاٹ نزدیک تھا۔ بھوک سے میرا برا حال تھا اس لئے میں نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا اور سب کچھ صاف کر دیا۔ اس دوران میں ملازم چائے بنا کر لے آیا تھا جو اس نے مجھے اور مرشد علی کو دی۔ دشمن کی قید میں رہ کر اس کا کھانا پینا ناگوار ہی سہی لیکن زندہ رہنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ مرشد علی مجھے کھاتے پیتے دیکھ کر خوش تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے درندے کی آنکھوں میں شکار دیکھ کر نمودار ہوتی ہے۔ اتنا تو میں بھی سمجھ رہا تھا کہ مرشد علی کی یہ عنایات بے سبب نہیں تھیں۔ وہ جتنا سفاک تھا اتنا ہی شاطر بھی نظر آتا تھا۔ اس کے بارے میں چند سال پہلے میں نے ایک خبر سنی تھی کہ اس نے ملتان کے نزدیک اپنے چند معتوبوں کو شوگر مل کے بوائلر میں ڈلوا دیا تھا۔ ان بے چاروں کی ہڈیاں تک راکھ ہو گئی تھیں اور مرشد علی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو سکی تھی۔ ایسے شخص سے مجھے کسی نرمی کی امید نہیں تھی۔ بلاسبب معاف کرنا ایسے لوگوں کی سرشت ہی نہیں ہوتی ہے۔

"مرشد علی..... تمہارا بھائی نادر خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ حالانکہ میں نے اس کا کا کچھ نہیں بگاڑا۔ مری میں اس سے صرف سامنا ہوا تھا۔ اس کے بعد اس نے واپسی پر میری جیپ کو اپنی جیپ سے ٹکر مار کر گرانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں وہ ایک بار خود کھائی میں جا گرا۔ میری جیپ پولیس کی تحویل میں ہے تم خود اس کا عقبی حصہ دیکھ سکتے ہو جسے نادر کی جیپ کی ٹکروں نے نقصان پہنچایا ہے..... وہ....." اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں بول رہا تھا اور مرشد علی نہیں سن رہا تھا۔ اسے غالباً ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ چائے نوشی میں مصروف تھا۔ میں نے گہری سانس لے کر ایک بار پھر پوچھا۔

"مرشد علی، مجھ پر یہ عنایت کیوں؟"

اس نے کپ سامنے تپائی پر رکھ دیا۔ "شہباز احمد! اگر کبھی تمہاری جان پر بن آئے اور معمولی سی قیمت ادا کر کے تم اپنی جان بچا سکتے ہو تو تم کیا کرو گے؟"

میں نے سوچ کر جواب دیا۔ "یہ تو شے پر منحصر ہے۔ ممکن ہے وہ شے مانگنے والے کی نظر میں معمولی ہو لیکن میری نظر میں اتنی قیمتی ہے کہ میں جان کی قیمت پر بھی اسے دینا گوارہ نہ کروں، دوسرے وہ شے میری دسترس میں بھی ہو۔"

"معقول جواب ہے..... لیکن اگر مانگنے والا ہر قیمت پر وہ شے حاصل کرنا چاہے اور اس کے لئے کوئی بھی قدم اٹھانے کے لئے تیار ہو۔ دیکھو ناں..... آدمی موت سے ڈرتا ہے لیکن بعض حالات میں آدمی خود موت کی دعا کرتا ہے۔"

میں اس دھمکی کو سمجھ رہا تھا۔ "مرشد علی گول مول باتیں کرنے کے بجائے مجھے کھل کر اپنا مطالبہ بتاؤ، میں اس چکر سے نکلنے کے لئے تمہارا ہر معقول مطالبہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں ایک کاروباری آدمی ہوں اور بلاوجہ کی دشمنی مول لینا مجھے پسند نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں صاف بات کرتا ہوں۔ شہباز احمد! مجھے وہ تصویر چاہئے جو تم نے اپنی جیپ سے ٹکرانے والے فقیر کے پاس سے لی تھی۔"

میں بری طرح چونکا تھا۔ "وہ تصویر..... وہ تو میں نے بعد میں پھینک دی تھی، میرے نزدیک بے کار کی چیز تھی۔ مجھے تصاویر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

میرا جواب سن کر مرشد علی کا نرم چہرہ یکدم مسخ ہو گیا تھا۔ اس کے تاثرات سے نفرت اور سفاکی جھلکنے لگی تھی۔ اس نے سانپ کی طرح پھرتی سے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔ "شہباز احمد! اگر تم نے تصویر ضائع کر دی ہے تو اپنے حق میں بہت برا کیا ہے۔ اس جرم کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ تمہارے سر میں سوراخ کر دوں۔ مجھے بتاؤ، وہ تصویر کہاں ہے؟"

اس کے جنونی تاثرات نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے لگا جیسے وہ مجھ پر گولی چلا دے گا۔ میں نے بڑی سے ہاتھ اٹھایا۔ "ایک منٹ، میں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے اسے ضائع کیا ہے۔ میں نے اسے جھاڑیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پھینک دیا تھا، اس پر پلاسٹک شیٹ لپٹی تھی اور اسے پانی سے نقصان نہیں ہو سکتا۔ ہاں، کسی نے اسے وہاں سے اٹھا لیا ہو تو الگ بات ہے۔"

مرشد کے تاثرات میں تبدیلی آئی۔ "تمہیں وہ جگہ یاد ہے جہاں تم نے تصویر پھینکی تھی؟"

"ہاں..... لیکن سوال یہ ہے، تم ایک ایسی شے کے لئے جس کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں تھی اور نہ ہی مجھے یہ معلوم تھا، کیا تم اس کے لئے میری جان لینے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کی وجہ سے تمہاری جان بخشی ممکن ہوئی ہے۔"

لاشعوری طور پر اس نے اگل دیا تھا کہ تصویر کا معاملہ نہ ہوتا تو میرا وہی حشر ہوتا جس کا ارادہ اس کے بھائی نادر علی نے کیا تھا۔ اس تصویر نے معمے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ پہلے میں نے راجا عمر دراز کی دیوانگی دیکھی اور اپنی پشت پر ہنٹروں کی صورت میں سہی تھی اور اب مرشد علی اپنی عداوت بھول کر مجھے معاف کرنے کے لئے تیار تھا دوسری طرف تصویر کے ضائع ہونے کے امکان نے اسے بھڑکا دیا تھا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ "اس تصویر میں ایسی کیا خاص بات ہے..... بچگانہ سی تھی۔"

"تم نہیں سمجھ سکتے..... اور میں بتا بھی نہیں سکتا۔ یوں سمجھ لو..... وہ تصویر ہر قیمت پر مجھے چاہئے۔ اس کے لئے مجھے کسی کی جان لینا پڑے تو میں بالکل نہیں ہچکچاؤں گا۔"

"تم قومی سطح پر جانے پہچانے لیڈر ہو لیکن اس وقت اپنے صوفیانہ حلئے سے قطع نظر گینگسٹروں کی طرح بات کر رہے ہو۔"

"صرف اس تصویر کی حد تک..... ورنہ میں بہت نرم دل آدمی ہوں۔"

میں مسکرایا۔ "ہاں، تمہاری نرم دلی کے کچھ قصے میں نے سن رکھے ہیں جیسے ملتان میں شوگر مل....."

"فضول باتوں سے گریز کرو۔" وہ بھڑک گیا تھا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"مرشد علی! اگر تمہیں تصویر مل گئی اور تم نے مجھے پھر بھی معاف نہ کیا تو میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا؟"

"تمہارا یہ خدشہ بجا ہے لیکن اپنی طرف سے میں یقین....."

"اپنی یقین دہانی کی بات مت کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "میں تم پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"شہباز احمد! مت بھولو کہ اس وقت تم میرے قبضے میں ہو اور پوری طرح مجبور ہو۔ میں کسی بھی طریقے سے وہ تصویر حاصل کر سکتا ہوں۔"

"ایسا دعویٰ مت کرو۔ دوسرے میں بخوشی تصویر والی جگہ کی نشاندہی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم مجھے ضمانت دو، اس کے بعد مجھے نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔"

"کیسی ضمانت چاہتے ہو؟"

"اس کا بندوبست میرا وکیل کرے گا۔ وہ ایسی شخصیت کو لے آئے گا جس کی ضمانت دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔" میں نے تجویز پیش کی۔

اس نے غور کیا۔ "ٹھیک ہے..... میں نے کسی کی ضمانت دے دی اور بعد میں مجھے تصویر نہ ملی..... میرا مطلب ہے کہ تم کسی ایسی جگہ لے جا کر کھڑا کر دو جہاں سرے سے وہ تصویر ہی نہ ہو، تب میں کیا کر لوں گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تصویر یقینی طور پر ملے گی۔ مرشد علی ہمارے درمیان باقاعدہ تحریری معاہدہ ہوگا۔ اگر میں تصویر نہ دے سکا تو تم ہر پابندی سے آزاد ہو۔''

مرشد علی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ ''یہ خاصا طویل معاملہ ہو جائے گا۔ اتنی دیر میں تصویر کو نقصان ہو سکتا ہے، اسے کوئی اٹھا کر لے جا سکتا ہے۔''

''اس بات کی ضمانت میں دیتا ہوں کہ تصویر اپنی جگہ ملے گی۔ میں نے اسے اس طرح رکھا ہے کہ کوئی دوسرا اسے حاصل نہیں کر سکتا۔''

مرشد علی چونکا۔ ''اس کا مطلب ہے تم نے شروع میں مجھ سے جھوٹ کہا تھا۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس بار بھی جھوٹ نہیں بول رہے؟''

''میں تمہارے قبضے میں ہوں۔ زیادہ دیر جھوٹ نہیں بول سکتا۔'' میں نے شانے اچکائے۔

''ٹھیک ہے، میں سوچوں گا اور ممکن ہوا تو تمہارے وکیل سے تمہارا رابطہ بھی کرا دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''تب تک تمہیں اسی جگہ رہنا ہوگا۔''

''اس بند کمرے میں، میں نے چند گھنٹے اور گزار لئے تو پھر وہاں سے میری لاش ہی نکلے گی۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''اور لاش تمہیں تصویر کا پتا نہیں بتا سکے گی۔''

اس نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا۔ ''ٹھیک ہے، تم دوسرے کمرے میں رہو گے لیکن کوئی شرارت مت کرنا، میرے آدمی بہت خطرناک ہیں۔''

''تمہارے جیسے شخص کے آدمیوں کو خطرناک ہی ہونا چاہئے۔''

اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ ''تم زبان دراز آدمی ہو۔ اپنی زبان قابو میں رکھنا ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''اس سے زیادہ مصیبت اور کیا ہوگی؟'' میں نے سرد آہ بھری تھی۔

وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''بس، اتنی سی مشکل سے گھبرا گئے؟''

مرشد علی کے حکم پر مجھے ایک اور کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ جس میں کھڑکیاں اور روشن دان تھے۔ یہاں بھی گرمی تھی لیکن حبس نہیں تھا۔ کھڑکیوں کی سلاخوں سے تازہ ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ وہاں بستر نہیں تھا۔ فرش پر ایک چٹائی تھی جس پر موٹا سا کھیس ڈال دیا تھا۔ از راہ عنایت مجھے پانی کی بوتل اور ایک پلاسٹک کا گلاس بھی دے دیا گیا تھا۔ روشن دان بہت اوپر تھے اور ان پر بھی سلاخیں لگی تھیں۔ یعنی یہاں سے میرے لئے فرار کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کھیس پر دراز ہو کر میں ان کہانیوں پر غور کرنے لگا جن میں قیدی جیلوں اور جنگی کیمپوں سے حیرت انگیز انداز میں فرار ہو جاتے تھے۔ وہ چمچ سے سرنگ کھود لیا کرتے تھے اور شیو کرنے والے بلیڈ سے سلاخیں کاٹ دیا کرتے تھے مگر میرے پاس نہ تو کوئی چمچ تھا اور نہ ہی بلیڈ..... ورنہ ممکن ہے میں سلاخیں کاٹنے کی کوشش کرتا۔

ندیم اور میرے دوستوں کو میرے غائب ہونے کا علم ہو چکا ہوگا۔ اگر مرشد علی کے آدمیوں نے ذرا احتیاط سے کام لیا ہوگا تو سارے نشان مٹا دیئے ہوں گے اور وہ لوگ مجھے برا بھلا کہہ رہے ہوں گے کہ میں منہ مار کر پھر کسی ایڈونچر پر نکل گیا ہوں۔ انہیں کیا خبر کہ میں دشمن کے ہاتھ لگ گیا ہوں اور میری زندگی کا انحصار اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تصویر پر ہے جو میں نے ندیم کے حوالے کی تھی۔ مرشد کے انداز سے لگ رہا تھا، وہ ہر قیمت پر تصویر حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھا اور میری نظر میں اس تصویر کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی لہٰذا میں بلا تکلف اسے اپنے سر پر آئی بلا ٹالنے کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مرشد علی میرے خلاف مقدمات ختم کرا دے اور مجھ سے مستقبل میں تعرض نہ کرے تو میں یہ تصویر اسے دے دوں گا۔

ہوش میں آنے کے بعد مرشد علی کے سامنے پیشی تک میرا خیال یہی تھا کہ اب مجھے آزادی نصیب نہیں ہو گی۔ ان لوگوں سے معافی یا رحم دلی کی توقع ایسی ہی تھی جیسے آدم خور بھوکا شیر انسان پر ترس کھا کر اسے جانے دے مگر مقدر مہربان تھا اور ایک تصویر جو محض اتفاق سے میرے ہاتھ لگی تھی، میری فوری بچت کا سبب بن گئی تھی۔ امکان یہ تھا کہ میں بچ جاؤں لیکن اس کا انحصار آنے والے وقت پر تھا۔ مطمئن ہونے اور پیٹ بھرنے کے بعد مجھے اس کھردری جگہ پر بھی نیند آ گئی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو کھڑکی سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ درحقیقت دھوپ منہ پر آنے سے میری آنکھ کھلی تھی۔ میں نے انگڑائی لی اور اٹھ کر دروازہ بجایا۔ اس وقت تک بجاتا رہا جب تک باہر سے کسی نے پوچھا نہیں۔

''کیا بات ہے؟''

''مجھے باتھ روم جانا ہے..... جلدی.....''

''ایک منٹ رکو۔'' باہر والے نے کہا تھا، کوئی پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا اور دو مسلح افراد مجھے اپنی نگرانی میں باتھ روم تک لے گئے۔ رہائشی حصوں کی نسبت باتھ روم خاصا معقول تھا اور وہاں نہانے دھونے کے انتظامات بھی تھے، میں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ دونوں نگرانوں نے مجھے باجماعت لا کر کمرے میں چھوڑا۔ میں نے فریاد کی۔ ''بھائیو، بندہ صبح ناشتا بھی کرتا ہے۔''

''ناشتا ابھی آتا ہے۔'' ایک بولا اور وہ دروازہ بند کر کے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ناشتے کی ٹرے اندر لا کر رکھ دی۔ لانے والے نے سخت لہجے میں کہا۔

''جلدی سے ناشتا کر لو۔ پیر بادشاہ کے حضور جانا ہے۔''

''ایسی کم تیسی تمہارے پیر بادشاہ کی۔'' میں نے دل میں کہا اور اطمینان سے ناشتہ کرنے لگا۔ وہ میرے سر پر کھڑا تھا اور میری رفتار دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ کئی بار اس نے مجھے جلدی ناشتہ کرنے کو کہا۔ جب اس کے صبر کا پیمانہ چھلکنے کو تھا تو میں نے ناشتا ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ پھر اس کے ساتھ اس کمرے میں پہنچا جہاں رات مرشد علی سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ رات والے حلیے میں اور کسی قدر متفکر چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ میں دھڑکتے دل سے منتظر تھا کہ وہ کچھ کہے۔ اس نے میری تجویز مان لی ہے یا مسترد کر دی ہے۔ دوسری صورت میں میرے ساتھ اس کا رویہ بدل جاتا۔

''شہباز!'' خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ ''مجھے وہ تصویر چاہئے۔''

''میں نے جو کہا تھا.....؟''

''اسے بھول جاؤ۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''اس میں رسک بہت زیادہ ہے اور میں کمزور پڑ جاؤں گا۔ میرے پاس ایک آسان راستہ ہے۔ مجھے تصویر کا پتا تم بتاؤ گے، میرے پاس ایسے آدمی ہیں جو پتھر سے بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی بات اگلوا سکتے ہیں۔"

"اکرم چشتی جیسے لوگ؟" میں نے تلخی سے کہا۔

"اکرم چشتی.....!" وہ مسکرایا۔ "وہ سرکاری ملازم ہے، اسے کہیں نہ کہیں مجبور ہونا پڑتا ہے۔ میرے آدمیوں کو تم کسی بھی مرحلے پر مجبور نہیں پاؤ گے۔"

"تم مجھے تشدد کی دھمکی دے رہے ہو؟"

"نہیں، حقیقت بتا رہا ہوں۔ میرے آدمی ماریں گے اور تمہیں مرنے بھی نہیں دیں گے۔ تم مجھے ابھی تصویر کا پتا بتا دو، اس عذاب سے بچ جاؤ گے۔"

"اس کے بعد تمہارے رحم و کرم پر رہ جاؤں اور تم مجھے اپنے بھائی کے حوالے کر دو جو ایک بے بنیاد بات پر پاگل کتے کی طرح میرے پیچھے پڑا ہے۔"

مرشد علی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "اپنی زبان کو لگام دو۔ ایسا نہ ہو اسے وقت سے پہلے گدی سے کھینچ لیا جائے۔"

"مرشد علی! تم مجھے اپنے جلادوں کے حوالے کر دو..... لیکن اس طرح تمہیں تصویر نہیں ملے گی۔ جب تک مجھے ضمانت نہیں مل جاتی کہ تصویر حاصل کرنے کے بعد تم وہ سب کرو گے جس کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، میں تصویر تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔"

"تمہیں اس تصویر سے کیا دلچسپی ہے، اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" وہ غرا کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے جھوٹ کہا۔ میں نے چند دن پہلے اسے دیکھا تھا۔ مجھے تو اپنی آزادی، سلامتی اور اپنے کاروبار سے دلچسپی ہے۔ اس تصویر کی میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں ہے کہ تم اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو میں اپنی قیمت کیوں نہ مانگوں، پھر تم یہ قیمت ادا بھی کر سکتے ہو۔"

"میں تمہیں ہر طرح کی ضمانت دے سکتا ہوں۔"

"زبانی ضمانتوں کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"لگتا ہے، تم اس طرح نہیں مانو گے۔" اچانک مرشد علی دھاڑا۔ "اوئے لے چلو اسے..... ذرا نمونہ دکھاؤ۔" وہ غصے میں اپنے مہذبانہ لبادے سے باہر آ کر فلمی جاگیردار بن گیا تھا جو اس کا اصل روپ تھا۔ مجھے اس کے بارے میں پتا تھا، اس کا کسی گدی نشین، خاندان سے تعلق نہیں تھا بلکہ اس کے دادا پر آخری عمر میں دماغی خلل کے دورے پڑتے تھے۔ جسے ان لوگوں نے مجذوبیت مشہور کر دیا اور دادا کے مرنے کے بعد اس کا مزار بنا کر خود سجادہ نشین بن گئے تھے۔ باپ اور چچا کے بعد اب مرشد علی گدی نشین تھا۔ اس کے گرگوں نے مجھے بازوؤں سے دبوچ لیا اور کھینچ کر لے جانے لگے۔ وہ مجھے ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں لائے۔ جس کا فرش کچا تھا۔ وہاں لکڑی کی ایک کرسی رکھی تھی۔ مجھے اس پر بٹھا کر رسی سے اس طرح باندھا دیا گیا کہ ہاتھ اور پیر کو بھی حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ رسی میرے جسم میں گڑنے لگی تھی۔ ایک صورت سے سخت اور سفاک نظر آنے والا شخص پلاس نما آلہ لے کر میرے پاس آیا۔

"یہ ایک ایک کر کے تمہارے ہاتھوں اور پھر پیروں کے ناخن کھینچے گا۔" مرشد علی نے مجھے آگاہ کیا۔ "پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی تم نہ مانے تو یہ اگلے مرحلے میں تمہاری انگلیاں ایک ایک کر کے کٹر سے کاٹے گا۔ تیسرے مرحلے میں تمہارے کان اور ناک کاٹے جائیں گے اور آخری مرحلے میں تمہاری آنکھیں اور زبان نکال لی جائیں گی۔ اس کے بعد تم یقیناً موت کی آرزو کرو گے۔''

اگر یہ کہا جائے کہ میں مرشد علی کی منظر کشی سے ڈرا نہیں تھا تو یہ جھوٹ ہوگا۔ اس کی تقریر سن کر اندر سے میری حالت بری ہونے لگی اس لئے کہ وہ مذاق نہیں کر رہا تھا۔ اس کا جلاّد میرے سر پر بالکل تیار تھا اور میں قطعہ بے بس تھا۔ بچت کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی، سوائے اس کے کہ میں مرشد علی کی بات مان لوں۔ اس صورت میں بھی بچت عارضی تھی۔ مجھے معلوم تھا یہ کینہ پرور شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ دوسرے میں ندیم کا کرا سے مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔ میرا ذہن تیزی سے کوئی طریقہ سوچ رہا تھا۔ میں مرشد علی کے جلاّد کو نہیں روک سکتا تھا۔ میری مسلسل خاموشی سے تنگ آ کر اس نے سفاک صورت شخص کو اشارہ کیا اور وہ دانت نکالتا ہوا میرے پیروں کی طرف جھک گیا۔ اس نے میرے دائیں پاؤں کی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ لی۔

''ٹھیک ہے مرشد علی!'' میں نے ہار ماننے کے انداز میں کہا۔ ''میں تصویر تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں لیکن تصویر میرے بغیر نہیں ملے گی۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے جلاّد کو رک جانے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''تصویر بینک لاکر میں ہے اور وہاں سے میں ہی اسے نکال سکتا ہوں۔''

''بکواس مت کرو..... تمہیں موقع کہاں ملا کہ تصویر لاکر میں رکھ سکو؟''

''تمہیں کیا معلوم..... میں نے اگلے ہی روز یہ کام کر دیا تھا۔''

''مجھے بے وقوف بنانا تمہیں مہنگا پڑ سکتا ہے۔'' مرشد علی کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ ''ایک تصویر جو تمہیں ایک فقیر کے پاس سے ملی تھی، اسے تم نے اگلے روز لاکر میں بھی رکھ دیا؟''

''اس لئے کہ میں اس کی اہمیت سے واقف ہوں۔'' میں نے اقرار کر لیا۔ ''مجھے معلوم ہے، اصل میں تصویر راجا عمر دراز کی ملکیت ہے۔ یہ تصویر میں اس کے محل میں دیکھ چکا ہوں۔ اس کے پیچھے اس زمانے میں بہت خاصا ہنگامہ ہو چکا تھا۔''

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''تم راجا عمر دراز کو کیا جانو.....؟''

''تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''میں نے تصویر راجا عمر دراز کی امانت سمجھ کر لاکر میں رکھ دی تھی۔ مجھے معلوم ہے، بعض غیر ملکی اس کے پیچھے پڑے ہیں۔ اب میں یہ تصویر تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں اور اس کے لئے مجھے خود بینک جانا ہوگا۔''

''تم کسی کو پاور آف اٹارنی دے سکتے ہو۔ وہ جا کر بینک لاکر سے نکال سکتا ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اوّل تو بینک اس قسم کی پاور آف اٹارنی تسلیم نہیں کرتا، دوسرے یہ اختیار بھی میرے وکیل ندیم احمد بھٹی کے پاس ہے۔''

''وہ تصویر لا سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ظاہر ہے، اس کے پاس پاور آف اٹارنی ہے لیکن اس کو درمیان میں لانے سے تم پہلے ہی انکار کر چکے ہو اس لئے مجھے جانا پڑے گا۔''

میں اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہا تھا۔ مرشد علی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تصویر اس کے لئے زیادہ اہم تھی اور مجھ سے انتقام ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ ''شہباز! اگر یہ دھوکا ہوا تو ابھی نہ سہی، بعد میں تمہیں بڑے عبرت ناک حالات سے گزرنا پڑے گا۔''

''مجھے معلوم ہے اس لئے میں نے خلوص کے ساتھ تمہیں اصل بات بتا دی ہے۔ اب تم اس کی تصدیق کرا سکتے ہو تو کرا لو۔''

مرشد علی نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''اسے واپس کمرے میں پہنچا دو اور اس کا خیال رکھنا۔''

''مرشد علی! میرا ایک مشورہ ہے۔ ندیم احمد کو اصل بات بتا دو۔ وہ میرے بدلے تمہیں تصویر دے دے گا ورنہ بات کرنے سے بھی انکار کر دے گا۔''

''تم اس کی فکر مت کرو کہ میں کیا کرتا ہوں۔'' مرشد علی بولا۔ ''بس ایک بات کا خیال رکھنا، اس میں کوئی جھوٹ نہ ہو۔''

''تم خود دیکھ لو گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

مرشد علی کے آدمی مجھے اس کمرے میں بند کر گئے جہاں میں رات کو رہا تھا۔ کھڑکی سے کوٹھی کا بیرونی حصہ نظر آ رہا تھا۔ اجاڑ لان، بلکہ لان کبھی بنا ہی نہیں تھا، کی زمین پر خودرو گھاس پھوس اور پودے اُگ آئے تھے۔ کوئی تیس گز کے فاصلے پر اونچی دیوار تھی اور فضا میں ایسی خاموشی تھی جیسے یہ کوئی نو آباد علاقہ ہو۔ میں نے اب تک کسی گاڑی کی آواز نہیں سنی تھی۔ یعنی کوٹھی کے سامنے کوئی سڑک نہیں تھی یا یہاں سے گاڑیاں گزرتی ہی نہیں تھیں۔ عین آخری لمحے میں آنے والے خیال نے عارضی طور پر میری جان بچائی تھی۔ اب معاملہ مرشد علی اور ندیم کے ہاتھ میں تھا جو بھی ذرا ہوشیاری دکھاتا، اپنے مقصد میں کامیاب رہتا لیکن مجھے امید تھی ندیم، مرشد علی کے جال میں نہیں آئے گا۔ وہ بے حد ذہین آدمی تھا۔ دوسرے وہ معاملے کی نوعیت سے واقف تھا، اس لئے اسے کہانی سے سب کچھ سنبھال لینا چاہئے تھا۔ مرشد علی کی طرف سے رابطہ ہوتے ہی وہ سمجھ جاتا کہ میں اس کے قبضے میں ہوں اور پھر وہ تصویر کو مجھے رہا کرانے کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ مجھے سترفی صد امید تھی کہ ندیم اپنا کردار ادا کرے گا۔

مجھے دوپہر کا کھانا ذرا معقول ملا تھا۔ یہ چکن بریانی اور کبابوں پر مشتمل تھا۔ مجھ سے مع گھڑی کے سب کچھ لے لیا گیا تھا۔ اس لئے وقت کے بارے میں اندازہ کر سکتا تھا۔ سورج گزر کر دوسری طرف جا چکا تھا اور سائے آہستہ آہستہ طویل ہو رہے تھے۔ گرمی کی شدت میں بھی کمی آئی تھی۔ دن میں ایک بار میں باتھ روم گیا اور اس بار نگرانوں نے مجھ پر سخت نظر رکھی تھی۔ ذرا سا بھی موقع نہیں دیا تھا اور موقع ملتا بھی تو میں کون سا فلمی ہیرو تھا جو بھاگ کر یہاں سے فرار ہو جاتا! شام کے وقت مجھے چائے دی گئی اور رات کا کھانا مجھے سورج غروب ہوتے ہی دے دیا گیا تھا۔ اب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ انتظار میرے اعصاب کے لئے ایک امتحان تھا۔ رات کسی وقت میں نے کوٹھی میں کسی بھاری گاڑی کی آواز سنی۔ اس کا انجن کسی خرابی کی وجہ سے زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی شور مچا رہا تھا۔ میری نیند اچاٹ ہو گئی تھی اور جب خاموش ہونے پر میں دوبارہ سونے کی کوشش کر رہا تھا تو دروازہ کھلا اور نگران اندر آئے۔ ''اٹھو، ہمارے ساتھ چلنا ہے۔'' ایک نے مجھے پاؤں سے ہلایا۔

میں اٹھ بیٹھا۔ ''کہاں؟''

''سوال مت کرو، جو کہا ہے وہ کرو۔'' غرا کر کہا گیا۔

مجھے گن پوائنٹ پر رکھ کر باہر لایا گیا۔ کوٹھی کے احاطے میں ڈبل کیبن جیپ کھڑی تھی، اس کا انجن شور کر رہا تھا کیونکہ اس کے سوا یہاں کوئی اور گاڑی نہیں تھی۔ مجھے اس جیپ کے عقبی حصے میں دھکیل دیا گیا اور میرے اردگرد دو افراد آ کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ اس طرح تاریکی میں مجھے لے کر جا رہے تھے یا تو مسئلہ ان کا تھا یا پھر میرے لئے کوئی مسئلہ کھڑا ہونے والا تھا۔ میرے اندر خدشات سر اٹھانے لگے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص آ بیٹھا۔ لیکن جیپ کی روانگی سے پہلے میرے دائیں طرف بیٹھے شخص نے میری آنکھوں پر کپڑا باندھ دیا اور اوپر سے بڑے سائز کی عینک لگا دی تاکہ باہر سے کپڑا نظر نہ آئے۔ اس کے بعد جیپ اسٹارٹ ہوئی اور کوٹھی سے نکل گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں راولپنڈی یا اسلام آباد کے کس علاقے میں تھا اور مجھے کہاں لے جا رہے تھے۔ میں نے راستے میں ایک دو بار پوچھنے کی کوشش کی لیکن مجھے جھڑک کر خاموش کر دیا گیا۔ ان لوگوں کے رویے سے لگ رہا تھا کہ میرے لئے مرشد علی کے انداز میں نرمی نہیں آئی تھی۔ یہ سفر کوئی آدھے یا پون گھنٹے جاری رہا۔ جیپ کسی جگہ رکی۔ دروازہ کھلا اور جیپ اندر چلی آئی۔ یہ بھی کوئی کوٹھی تھی کیونکہ جیپ مین گیٹ سے خاصی اندر آئی تھی۔ مجھے اتار کر اندر لایا گیا۔ تب میری آنکھ سے پٹی ہٹائی گئی تھی۔ یہ ایک شاندار پیمانے پر آراستہ نشست گاہ تھی اور میں نے صوفے پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر چونکا تھا، وہ نادر علی تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ پلاسٹر میں لپٹا گلے میں پڑا تھا۔ ہونٹوں پر نفرت آمیز مسکراہٹ تھی۔

''کیوں شہباز ملک! مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی۔''

''جب تمہارے برادر کلاں کو دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی تو تمہیں دیکھ کر کیوں ہونے لگی۔ یہ بتاؤ کہ مجھے اس انداز میں کیوں بلوایا ہے؟''

''میرا تم سے کچھ حساب نکلتا ہے۔''

''تم بلاوجہ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''مری میں جو ہوا وہ تمہاری کارستانی تھی۔'' اس نے غصے سے جواب دیا۔ ''تمہاری وجہ سے میری جیپ کو حادثہ ہوا، میرا ہاتھ ٹوٹا..... مجھے ان سب باتوں کا حساب لینا ہے۔''

''مری میں جو ہوا، اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوسرے جیپ کو حادثہ تمہاری اپنی حرکت سے پیش آیا تھا۔ یہ تو تمہاری مجرمانہ حرکت تھی جس کا خمیازہ تم نے بھگتا۔''

''اور تم بچ گئے۔'' وہ ہٹ دھرم لہجے میں بولا۔ ''لیکن اب نہیں بچو گے..... مرشد بھائی تم کو رہا کرنے کو کہہ رہے ہیں، اس سے پہلے میں اپنا بدلہ لوں گا۔''

''مجھے ذرا بھی نقصان ہوا تو اس کا نتیجہ تمہارے بھائی کے حق میں برا نکلے گا۔ اسے اس کی مطلوبہ چیز نہیں ملے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے قہقہہ لگایا۔ ''تم اس کی فکر مت کرو۔ یہ میرا اور بھابی کا معاملہ ہے۔ تم اپنی فکر کرو۔ میں نے بس یہی بتانے کے لئے تمہیں بلوایا تھا، اسے لے جاؤ۔'' اس نے میرے عقب میں کھڑے افراد کو حکم دیا۔ انہوں نے ایک بار پھر میری آنکھوں پر کپڑا اور عینک چڑھائی اور مجھے اسی طرح جیپ میں بٹھا کر واپس لے آئے۔ جب مجھے کمرے میں دھکیلا گیا تو صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ اب نیند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ نادر علی کی دھمکی نے میری نیند اُڑا دی تھی۔ ممکن ہے مرشد علی اس کے عزائم سے بے خبر ہو لیکن زیادہ امکان یہی تھا کہ وہ اپنے بھائی کی آشیرواد سے یہ سب کر رہا ہو۔ اس طرح مرشد علی میری نظر میں اپنی ساکھ بچا رہا تھا اور بعد میں، میں کوئی قدم اٹھاتا تو اس کی لپیٹ میں صرف نادر علی آتا۔ مرشد علی خود کو صاف بچا جاتا۔ یہ قدم شاید ندیم سے رابطہ ہونے اور تصویر اور میرے تبادلے کا فیصلہ طے ہو جانے کے بعد اٹھایا گیا تھا۔ یعنی ندیم نے تصویر دینے کی ہامی بھر لی تھی۔ اس شرط پر کہ مجھے حوالے کیا جائے۔

نادر علی کے خوف ناک عزائم، میں پولیس اسٹیشن میں سن چکا تھا۔ وہ میرے ہاتھ پیر تڑوا کر مجھے اپاہج کر دینا چاہتا تھا اور یہ اس خبیث کے نزدیک کم ترین بدلہ تھا جو وہ مجھ سے لے سکتا تھا۔ روشنی ہونے کے بعد ناشتا آیا تو مارے فکر کے مجھ سے کھایا نہیں گیا تھا۔ مارے باندھے میں نے تھوڑا سا حلق سے اتارا تھا اور چائے پی۔ دوپہر بارہ بجے کے قریب انہوں نے مجھے کمرے سے نکالا اور اس وسیع ہال میں لائے۔ جہاں لوہے کی کرسی سے باندھ کر مرشد علی نے میرے ناخن کھنچوانے کا ارادہ کیا تھا، اب اس کے بھائی کے عزائم میرے ہاتھ پاؤں توڑنے کے تھے۔ میرا اندازہ بلکہ اندیشہ درست نکلا تھا۔ جب مجھے کرسی سے باندھا جانے لگا، میں نے مزاحمت کی تو وہاں موجود چار افراد مجھ سے چمٹ گئے۔ میں نے مقدور بھر ہاتھ پاؤں چلائے مگر ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ انہوں نے مجھے بے بس کر کے کرسی سے باندھ دیا۔ البتہ میرے بائیں ہاتھ کو آزاد رہنے دیا گیا۔ جیسے ہی مجھے باندھا گیا، نادر علی ہال میں آیا۔ اس نے ہاتھ میں لکڑی کا موٹا سا ڈنڈا اٹھا رکھا تھا۔

''تمہیں پتا ہے، میں کیا کرنے والا ہوں۔'' اس نے ڈنڈا لہرایا، یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کے عزائم اس کی صورت سے عیاں تھے۔

میں نے حوصلے سے کہا۔ ''ہاں، تم میری ہڈیاں توڑ دو گے لیکن اس صورت میں مرشد علی کو وہ تصویر نہیں ملے گی، جس کے پیچھے وہ پاگل ہو رہا ہے۔''

''نہ ملے..... میں بھی تم سے انتقام لینے کے لئے پاگل ہو رہا ہوں۔'' اس نے جنونی لہجے میں کہا اور ایک نگران کو حکم دیا۔ ''اس کا ہاتھ پکڑ کر سیدھا کرو۔''

اس نے میرا آزاد ہاتھ تھام کر اور پنجے میں پنجہ پھنسا کر سیدھا کر لیا۔ میں نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ نادر علی آنکھوں میں وحشیانہ چمک لئے آگے آیا اور اس نے سر سے ڈنڈا بلند کر کے پوری قوت سے وار کیا تھا۔ جیسے ہی اس کا ڈنڈا حرکت میں آیا، میں نے جو ہاتھ اب تک ڈھیلے انداز میں سیدھا رکھا تھا، یکدم سخت کرتے ہوئے اس شخص کو اپنی طرف کھینچا، جس نے ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ابتدائی فرماں برداری کے بعد اسے میری طرف سے اس ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔ اس نے روکنے کی کوشش کی مگر کرسی زمین میں نصب تھی اور اس کے پیر آزاد تھے۔ وہ کھنچا آیا اور جو ڈنڈا میری کلائی پر لگنا تھا، وہ ٹھک کی آواز کے ساتھ اس کی کلائی پر لگا۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلبلاہٹ میں دب گئی تھی۔ ایک دھاڑ نادر علی نے بھی ماری تھی۔ وہ پوزیشن بدلتے دیکھ چکا تھا لیکن جسم کی پوری طاقت سے کئے جانے والے اس وار کو روکنا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ مگر ان میرا ہاتھ چھوڑ کر اور دوسرے ہاتھ سے مضروب ہاتھ تھام کر زمین پر لوٹنے لگا تھا۔

''حرامزادے!'' نادر علی دھاڑا۔ ''ٹھیک سے کیوں نہیں پکڑا تھا اپنی ماں کے یار کا ہاتھ۔''

''ہائے ربا!..... میں مر گیا۔'' اس نے چلا کر کہا اور اس کے ساؤنڈ ایفیکٹس سے لگ رہا تھا کہ وہ سچ مچ نزع کے عالم میں ہو۔ ''شاہ جی..... مجھے اسپتال بھجواؤ۔''

''اوئے..... لے جاؤ اسے کسی زچہ خانے۔'' نادر علی نے بدمزگی سے دوسروں کو حکم دیا۔ ''اتنا شور تو بچہ جننے والی عورت بھی نہیں ڈالتی ہے۔''

دو افراد اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ اب ہال میں نادر علی کے ساتھ صرف ایک فرد تھا۔ نادر علی نے اسے حکم دیا۔ ''اس کا ہاتھ پکڑو..... لیکن زور لگا کر..... اس زخمے کی طرح مت پکڑنا۔''

''فکر نہ کرو صاحب! یہ اپنا ہاتھ مر کر بھی نہیں چھڑا سکے گا۔'' اس نے کہا اور میرا ہاتھ سیدھا کرنے کی کوشش کی مگر میں نے انگلیاں رسی میں پھنسائی تھیں۔ وہ کوشش کے باوجود میرا ہاتھ سیدھا نہ کر سکا تھا۔ میں نے ہانپتے ہوئے نادر علی سے کہا۔ ''ایسا کرو اپنے دو تین پلے اور بلواؤ تب میرا ہاتھ سیدھا ہوگا۔''

نادر علی کا گرگا میرا ہاتھ نکالنے کی کوشش میں ہانپنے لگا تھا اس نے مشتعل لہجے میں کہا۔ ''چھوڑ..... تیری تو.....''

میں نے اچانک رسی سے انگلیاں نکال لیں اور مکا بنا کر اس کے منہ کی طرف اچھالا۔ وہ بھی کھینچ رہا تھا اس لئے مکا دگنی طاقت سے اس کے منہ پر لگا تھا۔ اس نے چلا کر گالی دی اور نادر علی نے مشتعل ہو کر ڈنڈے سے میرے سر پر وار کیا۔ بچتے بچتے بھی ڈنڈا چھوتا ہوا گزر گیا تھا۔ اگر براہ راست سر پر لگتا تو شاید میرا سر کھل جاتا لیکن اب بھی یکدم آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا تھا اور میری مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ مجھے احساس تھا کہ میرا ہاتھ سیدھا کیا جا رہا تھا اور میں اسے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ مجھے چکراتے پا کر نادر علی نے اپنا کام کر لیا تھا۔ اچانک میرے ہاتھ میں تڑپا دینے والا درد ہوا تھا اور ضبط کے باوجود میرے منہ سے چیخیں نکل گئی تھیں۔

چکراتے سر کے ساتھ میں نے سوکھی شاخیں چٹخنے جیسی آواز سنی۔ یہ میری ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز تھی۔ درد کی ایک لہر میرے وجود سے ٹکرائی تھی۔ اس درد نے سر کا درد دبا دیا تھا اور میں تیزی سے ہوش میں آیا تھا۔ میرا ہاتھ کلائی کے پاس سے سوجنا شروع ہو گیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے کلائی اپنے اصل سائز سے دگنی ہو گئی تھی۔ اس شخص نے جھٹکا دے کر میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میرے حلق سے ایک چیخ اور نکلی تھی۔ کلائی واضح طور پر ٹوٹ چکی تھی۔ نادر علی کے چہرے پر فتح اور مسرت کے تاثرات تھے۔ اس نے ایک گونجتا قہقہہ مارا اور اپنے گرگے کو حکم دیا۔

''اس کا دوسرا ہاتھ بھی کھولو۔ میں اسے بھی توڑ دوں گا اور اس کے بعد اس حرافہ کی باری آئے گی۔''

''کبوتر.....'' میں تکلیف کے باوجود بولا۔ ''تم..... اسے پا نہیں سکتے۔''

''جیسے تجھے تلاش کر لیا ہے..... ایک دن اسے بھی تلاش کر لوں گا۔''

درد کی شدت سے میرا سر چکرانے لگا تھا۔ ہڈی ٹوٹنے کا درد جان نکال لیتا ہے اور مجھے ایسا لگ رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے کلائی کے راستے میری روح نکل رہی ہو۔ اس نے ڈنڈے کی نوک سے میری مضروب کلائی کو ہلایا تو ایک بار پھر میری چیخ نکل گئی تھی۔ اس دوران میں نادر علی کا آدمی میرا دوسرا ہاتھ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گرہیں اتنی سختی سے باندھی ہوئی تھیں کہ اس سے کھل نہیں پا رہی تھیں۔ دوسری طرف نادر علی میرا دوسرا ہاتھ توڑنے کے لئے بے تاب تھا۔ اس نے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

''جلدی کر دمردار! دم نہیں ہے کیا؟''

''کھل نہیں رہا۔ کرموں نے بہت کس کر باندھی ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''رسّی کاٹ دے۔'' نادر علی نے حکم دیا تو وہ چاقو لے آیا اور میری رسی کاٹنے لگا۔ ہال کے ایک طرف کی دیوار میں خالی کھڑکیاں تھیں۔ ان پر لوہے کا جال بھی نہیں تھا۔ باہر سے تیز دھوپ آ رہی تھی۔ گرگے بھنے میرے ہاتھ کی رسی کاٹ کر ہاتھ آزاد کرایا اور اسے کھینچ کر سیدھا کر دیا۔ میں نے معمولی سی مزاحمت کی، یہ بھی لاشعوری حرکت تھی ورنہ مجھ میں بالکل بھی ہمت باقی نہیں رہی تھی۔ نادر علی نے میرا جائزہ لیا اور ڈنڈا تولتے ہوئے اسے بلند کیا۔ میں بے بسی کے عالم میں اسے وار کے لئے تیار دیکھ رہا تھا۔ عین اسی لمحے میں نے کھڑکی سے کود کر چند سائے اندر آتے دیکھے۔ نادر علی دھاڑا تھا۔ الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے۔ میں نے اسے ڈنڈا پھینک کر اپنے لباس سے گن نکالتے دیکھا تھا۔ میں نے ہی نہیں بلکہ اندر آنے والوں نے بھی دیکھا تھا کیونکہ فوراً ہی کئی فائر ہوئے اور میں نے نادر علی کے لباس کو رنگین ہوتے دیکھا۔ وہ ڈگمگایا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ اس کے گرگے نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ بلند کر لئے تھے۔ آنے والوں نے آناً فاناً اسے منہ کے بل گرا کر اس کے ہاتھ پشت سے جکڑ دیئے تھے۔ میں نے دیکھا، انہوں نے اسے لوہے اور ناکون سے بنی ہتھکڑیاں پہنا دی تھیں۔ اس قسم کی ہتھکڑیاں پولیس والے استعمال نہیں کرتے ہیں۔ ہتھکڑیاں پہنا کر وہ اسے کھینچتے ہوئے باہر لے گئے تھے۔ وہ سب سیاہ لباس میں اور نقاب پوش تھے۔ ہال میں رہ جانے والے دو سیاہ پوش میرے پاس آئے۔ ان میں سے ایک نے میرے مضروب ہاتھ کا جائزہ لیا۔

''اس کی کلائی ٹوٹ گئی ہے۔'' اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور سر پر بندھے ہیڈ فون کے مائیک میں کہا۔

''میڈیکل کٹ لے آؤ۔''

وہ نہ صرف مسلح تھے بلکہ انہوں نے سینے پر بلٹ پروف جیکٹیں بھی پہن رکھی تھیں اور ان کا انداز تربیت یافتہ کمانڈوز جیسا تھا۔ ایک منٹ کے اندر ایک اور نقاب پوش میڈیکل کٹ لے کر آیا تھا۔ اس نے اندر سے دو چھوٹی لکڑیاں نکالیں اور میرا ہاتھ سیدھا کر کے لکڑیاں ٹوٹے حصے کے اوپر نیچے رکھ دیں۔ دوسرے نے سخت بینڈیج کر دی تھی۔ ضبط کے باوجود میری کراہیں نکل گئی تھیں لیکن کلائی سیدھی ہونے کے بعد میں افاقہ محسوس کرنے لگا تھا۔

''تم..... لوگ کون ہو؟'' میں نے گہری سانسیں لیتے ہوئے پوچھا۔

''فی الحال تمہارے ہمدرد ہیں۔'' کٹ منگوانے والے نقاب پوش نے کہا۔ ''اسے لے چلو۔'' اور اپنے مائیک میں بولا۔ ''آل کلیئر لیٹس گو ناؤ۔''

میری رسیاں کھول دی گئی تھیں۔ سہارا دے کر مجھے کھڑکی کے راستے اتارا گیا۔ کوٹھی کے احاطے میں دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عدد طاقتور بند جیپیں تھیں۔ مجھے ایک جیپ کی عقبی نشست پر بٹھایا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ پوش سٹ کر اس طرف آئے اور جیپوں میں سوار ہو گئے۔ جیپیں حرکت میں آئیں اور کوٹھی سے نکلتی چلی گئیں تب میں نے پہلی بار دیکھا، یہ جی ٹی روڈ پر آباد ہونے والی نئی کالونی تھی۔ کوٹھی اس کے ایک غیر آباد حصے میں تھی اور باہر سے یہ کوٹھی زیر تکمیل تھی۔ البتہ اس کی چار دیواری بلند اور گیٹ مضبوط تھے۔ اس کی حالت ان لوگوں کی سرگرمیوں کے عین مطابق تھی۔ میں نے نشست کی پشت سے سر ٹکا لیا تھا۔ کلائی کا درد بڑھتا جا رہا تھا۔

''انہیں طبی امداد کی ضرورت ہے۔'' میرے برابر میں بیٹھے سیاہ پوش نے اگلی نشست پر بیٹھے سیاہ پوش سے کہا۔ اس کا لہجہ میرے لیے احترام آمیز تھا۔

''فی الحال ہم کسی اسپتال نہیں جا سکتے۔ ڈاکٹر آ جائے گا۔'' وہ بولا، اس نے ایک موبائل فون نکالا اور نمبر ملا کر بولا۔ ''ایک ڈاکٹر اور پلاسٹر کرنے کے سامان کا بندوبست کرو..... ہری اپ!''

یہ سیاہ پوش کون تھے اور انہوں نے مرشد علی کے اس ٹھکانے پر حملہ کیوں کیا تھا۔ انہوں نے میرے سامنے نادر علی کو گولی ماردی تھی اور چند لمحے پہلے فرعون بننے والا اپنے ہی خون میں ڈوبا پڑا تھا۔ آنے والوں کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ کس پر گولی چلا رہے ہیں۔ بے دھڑک گولی مارنے سے ظاہر تھا کہ ان کی مرشد علی اور نادر علی سے شدید دشمنی تھی۔ اب پتا نہیں وہ نادر علی کو مارنے آئے تھے یا مجھے اس کے چنگل سے بچانے۔ اگر وہ مجھے بچانے آئے تھے تو انہوں نے کسی قدر دیر کر دی تھی اور ساتھ ہی بروقت آئے تھے، میرا دوسرا بازو بچ گیا تھا۔ جیپیں برق رفتاری سے سفر کرتی رہیں۔ میں بار بار ذہن کی طرف آنے والی غنودگی کی لہر کو روک رہا تھا۔ شاید یہ جسم کا خودکار عمل تھا جس کے تحت ذہن درد کی شدت سے بچنے کے لئے بے ہوشی میں پناہ لیتا ہے۔ کیونکہ کلائی ٹوٹنا ایسی چوٹ نہیں تھی کہ آدمی بے ہوش ہو جائے۔ کوئی نصف گھنٹے بعد جیپیں اسلام آباد کی ایک کوٹھی میں داخل ہوئی تھیں۔ مجھے اتار کر اندر پہنچایا گیا۔ جہاں ایک ڈاکٹر میرا منتظر تھا۔ اس نے پٹی اور لکڑیاں ہٹا کر کلائی کا معائنہ کیا۔

''کمپاؤنڈ فریکچر لگ رہا ہے۔ شاید آپریشن کرنا پڑے۔'' اس نے میرے ساتھ آئے سیاہ پوش سے کہا۔ انہوں نے راستے میں نقاب اتار دیئے تھے اور صورتوں سے میرے لئے اجنبی تھے۔ یہ سب نوجوان اور چہرے مہرے سے پڑھے لکھے نظر آنے والے افراد تھے، ان کا سربراہ ایک تقریباً تیس بتیس سال کا ہلکے سانولے رنگ کا خوش شکل جوان تھا۔ وہ ڈاکٹر سے میرے بارے میں بات کر رہا تھا۔ ''ڈاکٹر! آپریشن یہاں ہو سکتا ہے؟''

''نہیں..... یہ کام کسی باقاعدہ آپریشن روم میں ہی ہو سکتا ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔ ''اس کے لئے آلات چاہئیں خاص طور پر ہڈیاں سیٹ کرنے والے آلات۔''

انچارج کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے تھے۔ ڈاکٹر نے مجھے ایک پین کلر انجکشن دیا تھا اور کلائی پر دوبارہ بینڈیج کر دی تھی۔ پین کلر انجکشن کے بعد میں کسی قدر سکون محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ اور انچارج مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ میں ہلکی سی غنودگی محسوس کرنے لگا تھا۔ انجکشن کے ذریعے دی جانے والی دوا مسکن تھی۔ حالات یوں پلٹا کھائیں گے، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ نادر علی میرا ایک ہاتھ توڑ چکا تھا اور دوسرا توڑنے جا رہا تھا۔ ایسے میں یہ لوگ فرشتہ بن کر آئے اور مجھے اس شیطان کے چنگل سے نکال لیا۔ اب ان کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقصد کیا تھا، یہ مجھے کیوں اپنے ساتھ لائے تھے اور آئندہ میرے ساتھ کیا کرتے؟ اس کا جواب آنے والا وقت ہی دیتا۔ فی الحال تو یہ میرے علاج کے لئے فکرمند تھے۔ یہ کوٹھی خاصی بڑی اور شاندار تھی۔ انہوں نے جس طرح کام کیا تھا، اس سے لگتا تھا یہ کوئی منظم گروہ تھا اور طاقت میں کسی طرح مرشد علی سے کم نہیں تھا۔ انچارج کوئی ایک گھنٹے بعد آیا تھا۔

''مسٹر شہباز، ہم کوشش کر رہے ہیں، کسی اسپتال میں آپ کے ہاتھ کا آپریشن ہو سکے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہوا تو ہم آپ کو راولپنڈی اسلام آباد سے باہر کسی دوسرے شہر لے جائیں گے۔''

''آپ لوگ مجھ پر مہربانی کیوں کر رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ ''میں آپ کو جانتا بھی نہیں ہوں۔''

وہ مسکرایا۔ ''ہم بھی آپ کو نہیں جانتے..... لیکن کسی شخص نے ہمیں آپ کے لئے ہائر کیا ہے۔ وہ آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ فی الحال ہمارا ایک دوسرے کو نہ جاننا ہی بہتر رہے گا۔''

''میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟'' میں نے بے تکلفی اختیار کی۔

''آپ مجھے وسیم کہہ سکتے ہیں۔'' وہ سوچ کر بولا۔ ظاہر ہے یہ اس کا اصل نام نہیں تھا۔

''او کے مسٹر وسیم، یہ بتاؤ کہ مجھے بچانے یا پانے کے لئے تمہیں کس نے ہائر کیا ہے؟''

''سوری، میں اس کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''لیکن کل شام یا رات تک وہ خود آ جائے گا۔ تب آپ دیکھ لیں گے۔''

''ڈاکٹر میرے ہاتھ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''چوبیس گھنٹے کے اندر سرجری ضروری ہے ورنہ گینگرین کا خطرہ ہے۔'' اس نے پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''گینگرین.....'' میں سن رہ گیا تھا۔ طبی اصطلاح میں گینگرین اس کنڈیشن کو کہتے ہیں جب جسم کا کوئی حصہ مردہ ہو جائے اور اکثر و بیشتر صورتوں میں اس حصے کو کاٹنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا، جسم کا یہ حصہ جو بچپن سے میرے ساتھ تھا۔ کیا مجھ سے الگ ہو جائے گا؟ نہیں..... میں لرز گیا تھا۔ وسیم بغور مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے تسلی دی۔

''شہباز صاحب، فکر نہ کریں..... چوبیس گھنٹے سے بہت پہلے ہی ہم سرجری کا بندوبست کر لیں گے۔''

''یہ تو تم کہہ رہے ہو..... آگے تقدیر نے نہ جانے کیا فیصلہ کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

''اچھا ہی ہوگا۔'' وہ بولا۔ ''آپ آرام کریں۔ کوئی بھی ضرورت ہو تو یہ بیل بجا دیں۔ میں آپریشن کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔''

اس کے جانے کے بعد میں بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ انجکشن کے اثر سے تکلیف خاصی کم ہو گئی تھی۔ وسیم نے آپریشن کی امید بھی دلائی تھی۔ اس لئے میں خاصا مطمئن تھا مگر میں نے تقدیر کی جو بات کی تھی، وہ اس طرح سچ ثابت ہو گی، اس وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ شام تک میں دوبارہ تکلیف محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا دوسرے میں نے محسوس کیا کہ سوجن سیاہی مائل چمک دار ہو رہی تھی اور میرے ہاتھ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مجھے علاج بلکہ فوری آپریشن کی اشد ضرورت تھی ورنہ ڈاکٹر کا اندیشہ درست ثابت ہو سکتا تھا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانتا تھا اس وقت کسی بھی اسپتال میں جانے کی صورت میں پولیس مجھے گرفتار کر سکتی تھی۔ نادر علی کے مارے جانے کے بعد حالات میرے لئے مزید خراب ہو گئے تھے۔ ممکن ہے اس کے مارے جانے کا الزام بھی مجھ پر ڈال دیا جائے۔ پولیس نہ سہی مرشد علی کے آدمی مجھے پاگل کتوں کی طرح تلاش کر رہے ہوں گے۔ ان کے ہاتھ آنا زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ وہ میری بوٹی بوٹی کرنے کے لئے بے تاب ہوں گے۔ دوسری طرف میرے ہاتھ کا آپریشن نہ ہو سکا تو اپنے ہاتھ سے محروم ہو سکتا تھا۔ معاملات پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے بیل بجائی۔ چند لمحے بعد ایک نوجوان میرے سامنے تھا۔

''میرے ہاتھ میں درد بڑھ رہا ہے۔''

''ابھی ڈاکٹر آ جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''آپ جب سے آئے ہیں، کچھ کھایا نہیں ہے، کیا کھانے کے لئے کچھ لاؤں؟''

''اگر کافی کے ساتھ سینڈوچز مل جائیں۔''

''میں ابھی لایا سر!'' اس نے کہا اور چلا گیا۔ یہ نوجوان بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے مرشد علی کی کوٹھی پر حملہ کیا تھا اور اس وقت گھریلو ملازم والا کام کر رہا تھا۔ یعنی کوٹھی میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ممکن ہے باورچی بھی انہی میں سے کوئی ہو۔ وہ محض دس منٹ میں سینڈوچز اور کافی لے آیا تھا۔ دونوں چیزیں ذائقے والی تھیں۔ سینڈوچز سے انصاف کر کے میں کافی پی رہا تھا کہ ڈاکٹر آ گیا۔ اس نے بینڈیج کھول کر میری کلائی کا معائنہ کیا اور مجھے اس کی آنکھوں میں تشویش نظر آئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''ڈاکٹر، کیا کنڈیشن ہے؟''

''اچھی نہیں ہے۔ اصل میں مجھے شبہ ہے کلائی کی رگیں متاثر ہوئی ہیں اور جلد ہڈی نہ سیٹ کی گئی تو کلائی سے اگلا حصہ خون کی روانی نہ ہونے سے بے جان ہو جائے گا۔ اپنی انگلیاں ہلاؤ۔''

میں نے کوشش کی تو بمشکل اپنا انگوٹھا ہلا سکا تھا۔ میرا ہاتھ مکمل طور پر بے حرکت رہا تھا۔ میرے اندر خوف کی لہر اٹھی تھی، کیا میرا ہاتھ ناکارہ ہو گیا ہے۔ میں نے سوچا۔

''کنڈیشن ابھی اتنی خراب نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے مجھے تسلی دی۔ ''ہاں، بارہ گھنٹے بعد معاملہ خراب ہونے کے امکان ہے۔ امید ہے اس سے پہلے آپریشن کا بندوبست ہو جائے گا۔'' اس نے مجھے ایک اور انجکشن لگایا۔ ''اس سے آپ مزید چھ گھنٹے تک درد زیادہ محسوس نہیں کریں گے۔''

''شکریہ ڈاکٹر!'' میں نے کہا اور ڈاکٹر کے جانے کے بعد بیل بجا کر نوجوان کو بلایا۔ ''تمہارا انچارج کہاں ہے؟''

''وہ باہر گئے ہیں جناب..... آپ کے آپریشن کے سلسلے میں۔''

''اچھا، وہ جب آئے اسے میرے پاس بھیجنا اور ہاں، نادر علی کے بارے میں کوئی اطلاع آئی ہے؟''

''وہ بچ گیا ہے۔ اس وقت اسپتال میں ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' نوجوان نے بتایا۔ ''اسے تین گولیاں لگی تھیں۔''

''مجھے امید نہیں تھی، وہ بچ جائے گا۔''

''ہم نے جان بوجھ کر اس پر فائر نہیں کیا تھا۔'' نوجوان نے صفائی پیش کی۔ ''اس نے پستول نکال لیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ مجبوراً ہمیں فائر کرنا پڑے۔ اتفاق سے ایک گولی ریڑھ کی ہڈی میں لگ گئی۔ یہی خطرناک ہے ورنہ دو گولیاں اسے ٹانگ اور بازو پر لگی تھیں۔''

''اگر وہ مر جاتا ہے تب بھی تم لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اوّل تو وہ اسی قابل تھا، دوسرے تم لوگوں نے اپنے دفاع میں فائر کئے تھے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''بائی دا وے تم لوگوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟''

''ہم کولیگ ہیں۔'' اس نے مبہم انداز میں جواب دیا۔ ''جناب، آپ کو کسی شے کی ضرورت ہو تو پھر سے یاد کر لیجئے گا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا۔ شاید میرے مزید سوالوں سے بچنے کے لئے راہِ فرار اختیار کی تھی۔ اس بار ڈاکٹر نے زیادہ طاقتور انجکشن دیا تھا۔ مجھے غنودگی محسوس ہونے لگی اور پھر میں سو گیا تھا۔ اچانک مجھے لگا جیسے کوئی مجھے حرکت دے رہا ہو۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ مجھے بستر سے اٹھا کر ایک اسٹریچر پر منتقل کیا جا رہا تھا، اس قسم کا اسٹریچر عام طور سے ایمبولینسز میں استعمال ہوتا تھا۔ پاس ہی وسیم کھڑا تھا۔

''مجھے..... کہاں لے جا..... رہے ہو؟'' میں غنودہ کیفیت سے لڑتے ہوئے پوچھا۔

''لاہور!'' وسیم نے جواب دیا۔ ''یہاں پر خطرہ تھا، میں نے لاہور کے ایک اسپتال میں آپریشن کا بندوبست کر لیا ہے۔ موٹروے کے راستے آپ چار گھنٹے بعد لاہور میں ہوں گے۔ اسپتال پہنچتے ہی آپ کا آپریشن ہوگا۔

''تھینک یو وسیم!''

''مائی پلیژر! بٹ اٹس مائی ڈیوٹی۔'' اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ ''ایک ڈاکٹر بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔ راستے میں کوئی مسئلہ ہوگا، تو یہ دیکھے گا۔''

''کیا لاہور میں مجھے خطرہ نہیں ہوگا، پولیس.....''

''آپ بے فکر رہیں، جس اسپتال میں آپ کا آپریشن ہوگا۔ وہاں سب آف دی ریکارڈ ہوگا۔ کلیئر ہوتے ہی آپ کو اس ایمبولینس میں اسپتال سے کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے گا۔''

مجھے اسٹریچر پر لٹا کر بیلٹ سے باندھا جا رہا تھا۔ وسیم کے ساتھ دو اٹینڈنٹ بھی تھے۔ وہی مجھے لے جا رہے تھے۔ اسٹریچر ایک راہ داری سے ہوتا باہر آیا تھا۔ پورچ میں ایک خاصی بڑی اور جدید قسم کی سفید ایمبولینس کھڑی تھی۔ مجھے سیڑھیوں سے اتارا گیا اور جس وقت ایمبولینس کے عقبی حصے میں سوار کرایا جا رہا تھا تو میں نے کسی بڑی گاڑی کے انجن کے غرانے کی آواز سنی۔ آواز نزدیک آ رہی تھی۔ پھر بریک چرچرائے۔ دھڑ ادھڑ دروازے کھلنے کی آواز آئی اور پھر میں نے برسٹ چلنے کی آواز سنی اور کوئی چلایا۔ ''خبردار! کوئی حرکت نہ کرے..... ورنہ اسے گولی مار دی جائے گی۔''

وسیم نے جیب ایک طرف ہاتھ بڑھایا تھا لیکن اس سے پہلے تین افراد نے ہمیں گھیر لیا تھا اور کوئی نصف درجن افراد بھاگتے ہوئے کوٹھی کے اندر کی طرف گئے تھے۔ اندر سے فائرنگ کی آوازیں آنے لگی۔ وسیم کا چہرہ ست گیا۔ فائروں کے ساتھ چیخیں بھی سنائی دی تھیں جن میں موت کا کرب نمایاں تھا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ کسی کو سنبھلنے تو کیا سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ میں اور ایمبولینس کے اٹینڈنٹ دم بخود تھے۔ ڈاکٹر باقاعدہ کانپ رہا تھا۔ ایک مسلح شخص ڈرائیور کو بھی دھکیلتا ہوا لایا۔ ''ادھر بیٹھو۔'' اس نے پشتون لہجے میں کہا تھا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا سب نے ڈھیلی ڈھالی شلوار قمیص اور چپلیاں پہن رکھی تھیں۔ بعض کے چہروں پر داڑھی تھی اور بعض کلین شیو تھے۔

''تم لوگ کون ہو؟'' وسیم نے پوچھا جواب میں اس کے سر پر رائفل کی نال ماری گئی اور وہ چکرا کر گر گیا۔ یہ کون سی نئی مصیبت نازل ہوگئی۔ تین مسلح افراد ہمیں گھیرے کھڑے تھے۔ نصف درجن اندر جا چکے تھے اور کئی کے ایمبولینس کے عقب سے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے مین گیٹ بند کر دیا تھا۔ ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ کوٹھی کے باہر بھی بھاگ دوڑ اور شور شرابا جاری تھا۔ کئی گاڑیوں کے رکنے کی آواز آئی تھی۔ ایک گچھ پوش بھاگتا ہوا آیا۔ ''اندر چلو..... پولیس آ گئی ہے۔''

وہ سب عجلت میں اندر [illegible] کی نوک پر ہمیں بھی اپنے ساتھ ہانک کر اندر لے گئے تھے۔ اٹینڈنٹ بادل ناخواستہ میرا اسٹریچر اٹھائے ہوئے تھے اور ان کی صورتوں سے لگ رہا تھا یہاں آنے پر وہ دل کھول کر پچھتا رہے تھے۔ نشست گاہ میں گھستے ہی ایک خونچکاں منظر سامنے آیا تھا۔ میری خدمت کرنے والا نوجوان، اس کا ایک ساتھی اور تین عدد حملہ آور خون میں لت پت پڑے تھے۔ نوجوان اور اس کا ساتھی مر چکے تھے، ان کو پورے پورے برسٹ لگے تھے۔ تینوں نے انہیں چھلنی کر دیا تھا۔ حملہ آوروں میں سے ایک یقیناً مر چکا تھا، اس کا چہرہ ہی اڑ گیا تھا۔ جبکہ باقی دو آخری دموں پر نظر آئے تھے۔ مجھے لانے والے ایک اٹینڈنٹ نے بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ اس پر ایک وحشت ناک چہرے والے نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا اور اس سر سے پستول لگاتے ہوئے غرایا۔

''چپ کر خنزیر.....!''

دوسرے ہی لمحے فائر کی آواز آئی اور نوجوان زمین پر گرنے سے پہلے مر گیا تھا۔ اس کے ماتھے پر گولی ماری تھی۔ وحشت ناک چہرے والے نے ریوالور لہرایا۔ ''اب کسی نے آواز نکالی تو اس کا یہی حشر ہوگا۔ ان کو اندر لے چلو۔''

ہمیں دھکیل کر اندر پہنچایا گیا تھا۔ بچنے والا اٹینڈنٹ اسٹریچر کھینچ رہا تھا۔ یہ بڑا سا کمرا تھا جس پر قالین تھا اور دیواروں کے ساتھ تکیے لگے تھے۔ بے ہوش وسیم کو کھینچ کر ادھر ڈال دیا گیا تھا۔ دو مسلح افراد ہمارے اوپر لگا دیئے گئے تھے۔ جو اس طرح گھور رہے تھے جیسے ابھی کچا چبا جائیں گے۔ اچانک مجھے باہر سے مدھم سی آواز آئی۔ ''تم لوگوں کو چاروں طرف سے پولیس نے گھیر لیا ہے۔ بہتر ہے ہتھیار پھینک کر سامنے آ جاؤ۔ ورنہ ہم فائر کھول دیں گے۔''

میں نے محسوس کیا کہ ان دونوں مسلح افراد کی آنکھوں میں خوف نظر آنے لگا تھا۔ ان کے پیچھے پولیس لگی تھی اور وہ پناہ کے لئے اس کھلے گیٹ والی کوٹھی میں گھس آئے تھے۔ یہ ہماری بلکہ کسی حد تک میری بدقسمتی تھی، اگر وہ چند منٹ کی تاخیر سے آتے تو میں ایمبولینس میں نکل چکا ہوتا۔ ہم کل پانچ افراد تھے یعنی ڈاکٹر، اس کا مددگار، ایمبولینس کا ڈرائیور، وسیم اور میں۔ ان لوگوں کی تعداد بھی درجن بھر تھی لیکن وسیم کے ساتھیوں کی فائرنگ سے تین افراد مارے جا چکے تھے۔ مگر اب بھی نو دس افراد تھے اور سب بھرپور طریقے سے مسلح تھے۔ ایک کے ہاتھ میں، میں نے ایل ایم جی بھی دیکھی تھی جسے اسٹینڈ پر رکھ کر چلایا جاتا ہے۔ ان کے پاس اس سے بھی زیادہ تباہ کن اسلحہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اس کا مجھے بعد میں پتا چلا۔

میرا اسٹریچر زمین کے برابر کر دیا گیا تھا، یہ اوپر نیچے ہونے والا اسٹریچر تھا۔ میرے پاس ہی قالین پر وسیم پڑا تھا، اس کا سر پھٹ گیا تھا اور خون بہہ کر چہرے تک آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد پولیس نے اپنی وارننگ دہرائی تو کوٹھی کے اندر سے کسی نے رائفل کا برسٹ مارا تھا مگر پولیس نے جوابی فائر نہیں کیا۔ پھر ہمیں نے کسی کے چلانے کی آواز سنی۔ ''ہم نے کوٹھی والوں کو یرغمال بنا لیا ہے، اگر پولیس نے اندر آنے کی کوشش کی تو ہم انہیں قتل کر دیں گے۔''

''نہیں۔'' ڈاکٹر کے منہ سے نکلا۔ ''میں مرنا نہیں چاہتا۔'' وہ باقاعدہ لرز رہا تھا۔

''چپ کرو..... کتی کا بچہ!'' ایک نگران غرایا۔ میں ان پر غور کر رہا تھا نہ جانے کیوں مجھے ان میں کوئی بات عجیب سی لگی تھی۔ ان کا حلیہ، زبان اور انداز بالکل شمالی قبائلی باشندوں جیسا تھا لیکن کوئی چیز اس سے ہٹ کر تھی۔ شاید ان کا لہجہ..... اچانک مجھے احساس ہوا، وہ پشتو لہجے میں نہیں بلکہ کسی حد تک فارسی لہجے میں اردو بول رہے تھے۔ وہ افغانی تھے، جن کی زبان دری تھی یا اس پر فارسی کے اثرات غالب تھے۔ وہ پاکستانی پشتون نہیں تھے۔

کچھ دیر بعد وسیم ہوش میں آنے لگا۔ وہ ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ نگران اس سے اتنے بے نیاز تھے کہ انہوں نے اس کی جانب دیکھا بھی نہیں اور بدستور ہم چاروں کو گھورتے رہے۔ ان کے انداز میں سفاکی اور بے حسی نمایاں تھی۔ جیسے وہ جذبات اور احساسات سے عاری روبوٹ ہوں۔ ہوش میں آ کر وسیم اٹھ بیٹھا، اس نے اپنے چہرے سے خون صاف کیا اور میری طرف دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں، لیکن ان لوگوں کے عزائم درست نہیں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''انہوں نے تمہارے دونوں ساتھیوں کو مار دیا ہے۔''

''رفیق..... اشرف!'' اس نے جیسے خود سے کہا۔ یہ مرنے والوں کے نام تھے اور اسے یقیناً اپنے ساتھیوں کی ہلاکت کا شدید دکھ تھا۔ ''انہوں نے مزاحمت کی ہوگی؟''

''ہاں، تین حملہ آور بھی ان کے ہاتھ سے مارے گئے لیکن یہ تعداد میں بہت ہیں..... کم سے کم بھی درجن ہیں۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''کیا کوٹھی میں بس تم تین تھے؟''

''ہاں، باقی افراد دوسری جگہوں پر رہتے ہیں۔'' وہ بھی انگریزی میں بول رہا تھا اور انداز ایسا تھا جیسے میری طبیعت پوچھ رہا ہو۔ وہ میرا جسم ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہا تھا اور اس کا مقصد اس وقت سمجھ میں آیا جب اس نے کوئی سخت دھاتی شے میرے دائیں بازو تلے سرکائی۔ یہ اس کی گن تھی۔ میں نے غیر محسوس انداز میں اسے بالکل نیچے کر لیا۔ وسیم دوبارہ قالین پر دراز ہو گیا۔ افغانیوں کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ انگریزی سے نابلد ہیں۔ باہر ابتدائی فائرنگ کے بعد اب خاموشی تھی۔ شاید یرغمالیوں اور انہیں قتل کی دھمکی نے پولیس کو کنفیوز کر دیا تھا اور وہ اوپر والوں سے اس بارے میں ہدایات لے رہے تھے۔ ایک بات یقینی تھی کہ اس کوٹھی کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا گیا تھا اور یہ لوگ اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں جا سکتے تھے۔ اچانک وسیم نے سر اٹھا کر دونوں افغانیوں کو مخاطب کیا۔ ''یہ شخص مریض ہے، اس کا اسپتال میں آپریشن ہونا تھا، اسے جانے دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم کو نہیں پتا۔''

''تمہارا سردار کون ہے؟''

''بکومت..... چپ کرو۔'' افغانی کا لہجہ درشت ہو گیا تھا۔ ''ورنہ اب ہم سر میں گولی مارے گا۔''

اسی لمحے دو افغانی اندر آئے۔ ان میں سے ایک پستہ قد اور تانبے جیسے رنگ کا مالک تھا۔ اس کا جسم گٹھا ہوا تھا۔ اس نے تیز نظروں سے ہمارا جائزہ لیا اور اپنی زبان سے نگرانی کرنے والے افغانیوں سے کچھ کہا تو وہ پریشان نظر آنے لگے۔ ان میں سے ایک نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا تو پستہ قد ان پر برس پڑا تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا، وہی ان کا سردار ہے۔ دونوں افغانی اپنی رائفلیں شانے پر لٹکائے آگے آئے اور پہلے ڈاکٹر کو کھڑا کر کے اس کی تلاشی لی اور اس کے پاس سے ہر شے ہتھیا لی۔ پھر یہی سلوک ایمبولینس ڈرائیور اور اٹینڈنٹ کے ساتھ کیا تھا۔ پھر وسیم کو کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ سستی سے کھڑا ہوا۔ اس کی تلاشی لی۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میری باری تھی اور میرے پاس سے پستول برآمد ہو جاتا تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ ایک افغانی میری طرف آیا اور اس نے میرے جسم پر ہاتھ پھیرا کر تلاشی لی۔ مگر اس نے میرے جسم کے نچلے حصے کو نہیں دیکھا۔ جہاں گن دبی تھی۔ سوائے میرے باقی چار افراد کو اس طرح دیوار کے ساتھ بٹھا دیا گیا کہ ان کے ہاتھ ان کے سروں پر رکھے تھے۔ میں زخمی کلائی کی وجہ سے ان کی نظروں میں پہلے ہی ناکارہ تھا۔ مجھے اپنی کلائی کی فکر تھی۔ ڈاکٹر نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کلائی کا بروقت آپریشن نہ کیا گیا تو گینگرین کا خطرہ تھا۔ جس کے بعد ہاتھ کاٹنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہتا۔ میں نے پستہ قد افغانی کو مخاطب کیا۔ ''کیا تم اردو جانتے ہو؟''

''اچھی طرح۔'' اس نے کھردرے انداز میں کہا۔

''میرے ہاتھ میں فوری آپریشن ہونا ہے، میں اسپتال جا رہا تھا۔''

''ابھی تو تم ہاتھ کے بجائے اپنی جان کی فکر کرو۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔ ''ہمیں ایک ایک یرغمالی کی اشد ضرورت ہے۔''

''پولیس تمہیں جانے نہیں دے گی۔'' میں نے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم تم سب کو قتل کر کے پولیس سے لڑیں گے۔ ممکن ہے مر جائیں یا بھاگ جائیں۔''

''مم..... مجھے باتھ روم جانا ہے۔'' ڈاکٹر نے لرزتی آواز میں کہا۔

''یہ باتھ روم ہے۔'' پستہ قد نے ایک دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ ''لیکن ادھر سے نکلنے کا اتنا بڑا راستہ ہے، تم جا کر فارغ ہو لو لیکن دروازہ بند نہیں ہوگا۔''

ڈاکٹر بے چوں و چرا اندر چلا گیا۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ پستہ قد نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وہ فارسی آمیز افغانی بول رہے تھے۔ پستہ قد سردار کا ساتھی باہر چلا گیا۔ جیسے ہی ڈاکٹر آیا، سردار نے اعلان کیا۔ ''یہ کمرا تم لوگوں کے لئے صحیح نہیں ہے، ادھر سے چلو۔''

ہمیں کوٹھی کے اندرونی حصے کے ایک کمرے میں لایا گیا۔ یہ اسٹڈی روم تھا۔ انہوں نے اس کی تلاشی لی اور ہر ایسی شے نکال لی جسے ہم ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے۔ اس کے ساتھ چھوٹا سا اٹیچ باتھ بھی تھا اور یہاں سے نکلنے کا صرف ایک دروازہ تھا جسے بند کر دیا گیا۔ اب افغانی ہماری طرف سے بے فکر ہو کر پولیس والوں پر توجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے سکتے تھے۔ میرا اسٹریچر ایک طرف دیوار کے ساتھ تھا۔ افغانیوں کے جاتے ہی وسیم حرکت میں آیا، اس نے سب سے پہلے واش روم میں جا کر اپنا زخم دھویا۔ وہاں پر کوئی دوا بھی رکھی تھی۔ جسے لگا کر اس نے خون کو روک دیا پھر وہ میرے پاس آیا۔

"مجھے افسوس ہے شہباز صاحب! میں آپ کو اسپتال پہنچانے کا وعدہ پورا نہ کر سکا۔"

"اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "یہ تو تقدیر کا لکھا تھا۔"

وسیم نے اتنی آہستہ آواز میں کہا کہ دوسرے نہ سن سکیں۔ "ہم خود کو ان لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں پولیس پر انحصار کرنے کے بجائے خود کچھ کرنا ہوگا۔"

"مثلاً.....؟" میں نے دریافت کیا۔ "ان فولادی مسلح افراد کے خلاف ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں، لائیے پستول دیں۔" اس نے پھر آہستہ سے کہا اور پستول نکال کر اپنی قمیص تلے پتلون میں اڑس لیا۔

"مجھے کھولو..... میں اس پوز میں لیٹے لیٹے تھک گیا ہوں۔" میں نے کہا۔ وسیم نے بیلٹ کھول کر مجھے اسٹریچر سے آزاد کر دیا۔ میں نے اس بیلٹ کی مدد سے بائیں ہاتھ کو گلے سے لٹکا لیا۔ سب سے پہلے میں واش روم گیا۔ شام کے کھائے سینڈوچز ہضم ہو چکے تھے اور مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ فی الحال صرف پانی کا آسرا تھا۔ وسیم بے حد خاموشی اور احتیاط سے اسٹڈی میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ عین ممکن تھا، دروازے کے باہر کوئی ہو اور وہ آوازیں سن کر اندر آ جائے۔ بالآخر وسیم کو مطلوبہ شے مل گئی۔ یہ چاکلیٹ کا بڑا سا ڈبا تھا جو اس نے ایک بک شیلف میں کتابوں کے عقب سے دریافت کیا تھا۔ وہ ڈبا لے کر میرے پاس آیا۔

"مجھے چاکلیٹ پسند ہے۔ اسے میں نے چھپایا تھا۔ کیونکہ رفیق ڈھونڈ کر میری لائی چاکلیٹیں کھا جاتا تھا۔ یہ نہ جانے اس سے کیسے بچ گیا؟" اپنے ساتھی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا لہجہ دکھی ہو گیا تھا۔ "میرا خیال ہے آپ کو بھوک لگی ہے۔"

"ہاں دوست!" میں نے ڈبے سے ایک چاکلیٹ نکالی۔ "تم بھی لو۔"

"نہیں شکریہ..... میں فی الحال ضرورت محسوس نہیں کر رہا۔" اس نے انکار کیا، نہ جانے سچ مچ اسے بھوک نہیں تھی یا وہ اس خیال سے نہیں لے رہا تھا کہ میں کھا لوں۔ اسے معلوم تھا، میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ایک چاکلیٹ کھا کر میں نے ہاتھ روک لیا۔ نہ جانے ہمیں کب تک یہاں رہنا پڑے اور دوسرے بھی تھے۔ وسیم نے انہیں بھی پیش کش کی مگر کوئی چاکلیٹ کھانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ سب پہلی بار اس قسم کے حالات سے دوچار ہوئے تھے جب موت سامنے کھڑی نظر آتی ہے۔ ان کی بھوک پیاس اڑ جانا فطری بات تھی۔ وسیم کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی اور گزشتہ چند دن میں، جن حالات سے میں گزرا تھا، ایک طرح سے میں بھی عادی ہو چکا تھا اس لئے میری بھوک بھی برقرار تھی اور پیاس بھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ دیئے جانے والے انجکشن کا اثر زائل ہو رہا تھا اور میرے ہاتھ میں تکلیف بڑھنے لگی تھی۔ میں نے ڈاکٹر سے اس کا ذکر کیا۔ اس نے میری کلائی کا معائنہ کیا۔ "سوجن خطرناک ہو رہی ہے۔ اس وجہ سے رگیں بلاک ہونے سے پنجے کے مردہ ہونے کا خطرہ ہے۔ ممکن ہے رگوں پر دباؤ کم کرنے کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کٹ لگانا پڑے لیکن میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"تمہارا میڈیکل بکس کہاں ہے؟" وسیم نے اس سے پوچھا۔

"ایمبولینس میں۔" ڈاکٹر بولا۔ "کاش میں آتا ہی نہیں۔ دو ہزار روپے کے لالچ نے مروادیا۔"

"اب آ ہی گئے ہو تو رونے سے کیا فائدہ؟" وسیم بولا۔ "ان لوگوں سے تمہارا میڈیکل بکس لینے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"نہیں، یہ ہمیں مار دیں گے۔" ڈاکٹر کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"فکر نہ کرو..... فی الحال ہم ان کے لئے ضروری ہیں۔" وسیم نے اٹھ کر دروازہ بجایا۔ "فوراً ہی باہر سے غراتی آواز میں کسی نے کچھ کہا، وسیم چلایا۔ "ہمیں مریض کی دوا چاہئے..... دروازہ کھولو۔"

دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور وسیم پھرتی سے پیچھے نہ ہو جاتا تو اس کے منہ پر لگتا۔ افغانی نے اندر آتے ہی اس کے سینے پر رائفل رکھ دی۔ "تم کو کیا تکلیف ہے؟" وہ غرایا۔

"اس کے بازو میں درد ہو رہا ہے۔ اسے دوا کی ضرورت ہے جو باہر ایمبولینس میں رکھی ہے۔"

"اس کا علاج ہم اس سے کرے گا۔" افغانی نے رائفل لہرائی۔ "اب جس نے دروازہ بجایا، ہم اس کا سر میں گولی مارے گا۔" اور دھڑام سے دروازہ بند کر لیا۔

ڈاکٹر نے سکون کا سانس لیا۔ "شکر ہے اس نے گولی نہیں چلائی۔"

"گولی سے ڈرتے ہو..... حالانکہ مقدر میں جو گولی ہے وہ تمہیں کھانی پڑے گی۔" وسیم اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ "یہ صرف دکھاوا کر رہا تھا۔ ورنہ ابھی یہ ہمیں گولی نہیں مار سکتے۔ ہمیں ڈھال بنا کر پولیس کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔"

میں نے میز پر رکھے فون کی طرف دیکھا۔ "یہ کام نہیں کر رہا ہے؟"

"نہیں، انہوں نے تاریں کاٹ دی ہیں بہت چالاک لوگ ہیں۔" وسیم نے سر ہلایا۔ "کاش کہ مجھے باہر رابطہ کرنے کا موقع مل جائے۔"

"میرے لئے مسئلہ ہو جائے گا۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اگر ان لوگوں سے بچ گیا تو باہر والے نہیں چھوڑیں گے۔"

"ان کی فکر مت کرو۔" وسیم بولا۔ "فی الحال مسئلہ یہ لوگ ہیں۔"

اسی لمحے کمرے میں عجیب سی آواز گونجی۔ یہ مسلسل تیز مدھم ہوتی آواز تھی۔ اٹینڈنٹ نے جھپٹ کر اپنے گلے میں ہاتھ ڈالا اور سیاہ ڈوری باہر کھینچ لی۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا اور پتلا سا موبائل فون لٹکا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی اور آواز رک گئی۔ ریسیو کر کے اس نے کال کاٹ دیا اور موبائل بند کر دیا۔ وسیم جھپٹ کر اس کے پاس پہنچا۔ "احمق آدمی! تم اسے چھپا کر بیٹھے تھے۔"

"ڈاکوؤں کی نظر پڑ جاتی تو وہ چھین لیتے۔ قیمتی موبائل ہے میرے بھائی نے امریکا سے بھیجا ہے۔" وہ گڑگڑا کر بولا تھا۔

"گدھے..... بے وقوف!" وسیم کا غصے سے برا حال تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اسے دو تین ہاتھ رسید کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے گا مگر پھر اس نے خود پر قابو پایا اور اس سے موبائل چھین لیا۔

"اے یہ کیا کر رہے ہو؟" انٹینڈنٹ نے احتجاج کیا۔

"چپ رہو۔" وسیم غرایا۔ اسی لمحے دروازہ دھڑام سے کھلا اور افغانی نے اندر جھانکا۔

"اب تم لوگوں کا آواز آیا تو ہم....." آگے اس نے بے حد شرمناک بات کی تھی۔

"یہ لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔" وسیم مسکرایا۔ "میں انہیں چپ کرا رہا تھا۔"

اس نے موبائل اپنی ہتھیلی میں چھپا لیا تھا۔ یہ بے حد مختصر سا تھا۔ شاید اسی وجہ سے تلاشی لینے والوں سے بچ گیا تھا۔ سیاہ ڈوری کو میں تعویذ کی ڈوری سمجھ رہا تھا جیسی کہ اکثر لوگ پہنتے ہیں۔ میری طرح تلاشی لینے والوں نے بھی نہیں سوچا تھا کہ اس میں موبائل فون لٹک رہا تھا۔ افغانی کچھ دیر ہمیں گھورتا رہا اور پھر دروازہ بند کر لیا۔ اس کے جاتے ہی وسیم نے جھک کر آہستہ سے انٹینڈنٹ سے کہا۔ "اب موبائل کا نام بھی مت لینا ورنہ یہ موبائل چھپانے کے جرم میں سب سے پہلے تمہیں مار ڈالیں گے۔"

"مم..... میں نہیں بولوں گا۔"

"اسی میں تمہاری عافیت ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس میں بیلنس کتنا ہے، بیٹری کتنی دیر چلے گی؟"

"ابھی پانچ سو والا کارڈ ڈلوایا ہے۔ اس سے دو گھنٹے سے زیادہ بات ہو سکتی ہے۔"

وسیم سر ہلا کر میری طرف آیا۔ "میں بات کرنے جا رہا ہوں۔ اگر کوئی آئے تو تم زور سے کراہنا، میں سمجھ جاؤں گا۔"

"تم فکر مت کرو..... لیکن جلدی کرو..... اب یہ کسی وقت بھی پولیس سے الجھ سکتے ہیں اور سب سے پہلے شامت ہماری آئے گی۔"

وسیم باتھ روم میں چلا گیا تاکہ اس کے بات کرنے کی آواز باہر نہ جائے۔ اس نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے، میرے بازو کی تکلیف خاصی بڑھ چکی تھی، معمولی سی حرکت سے بھی ایسی ٹیس اٹھتی تھی کہ کراہ نکل جاتی تھی۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ میں ہاتھ کو کم سے کم حرکت دوں۔ سوجن اب اتنی بڑھ گئی تھی کہ پٹی کلائی میں گڑ گئی تھی۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا، اسے ڈھیلا کر دے۔ اس نے پٹی کھولی اور سوجن کا معائنہ کیا۔ میں نے اس کے تاثرات سے اندازہ لگایا کہ صورتِ حال اچھی نہیں ہے۔ سوجن میں ایک نیلاہٹ مائل چمک صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ "یہ وسیم صاحب جو حرکت کر رہے ہیں کہیں ہم سب ہی نہ مارے جائیں۔" اس کے انداز میں تلخی تھی۔

"فکر مت کرو وہ خودکشی کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "اور وہ کچھ نہ بھی کرے تب بھی ہم شدید خطرے میں ہیں۔ یہ سارے مرنے مارنے والے لوگ ہیں۔ اگر پولیس نے ریڈ کر دیا تو یہ مرنے سے پہلے ہمیں مار دیں گے۔"

"وہ ہمیں مروا دے گا۔" انٹینڈنٹ چیخ اٹھا تھا۔

"خود پر قابو رکھو ورنہ وقت سے پہلے مر جاؤ گے۔" میں نے دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا تھا۔ اسی لمحے افغانی نے پھر دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو سب چپ ہو گئے تھے۔ چند لمحے ہمیں گھورنے کے بعد دروازہ بند کر لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غالباً اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہم چپ نہیں رہیں گے۔ لہٰذا اس نے بھی بولنا بند کر دیا تھا لیکن آواز آنے پر ہماری سرگرمیوں کا جائزہ ضرور لیتا تھا۔ اس نے وسیم کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ اس کے دروازہ بند کرنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں نے گراہ کر وسیم کو خبردار نہیں کیا تھا لیکن باتھ روم سے اس کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ افغانی نے بھی غور نہیں کیا تھا کہ وسیم کمرے میں نہیں ہے ورنہ وہ اس کے بارے میں پوچھتا یا اس نے اپنے طور پر فرض کر لیا تھا کہ وہ باتھ روم میں ہے۔

وسیم کچھ دیر بعد آیا تھا۔ اس نے میرے پاس بیٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''میں نے اپنے ایک واقف کار ایس پی سے بات کی ہے۔ اتفاق سے وہی اس آپریشن کی کمان کر رہا ہے۔ اس نے بتایا، یہ لوگ دہشت گرد ہیں اور انہوں نے راولپنڈی کے ایک تھانے پر حملہ کر کے اپنے دو ساتھیوں کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ جنہیں پولیس نے دو روز پہلے ایک بس میں بم نصب کرتے ہوئے گرفتار کیا تھا۔ پولیس نے ان کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔ حاصلی خونریزی ہوئی ہے۔ تھانے پر حملے میں ان کے چھ ساتھی مارے گئے۔ دو پولیس والے بھی ہلاک ہوئے ہیں۔ اس کے بعد یہ فرار پر مجبور ہوئے۔ پولیس ان کے تعاقب میں تھی۔ اس سے بچنے کے لئے یہاں گھس آئے۔ اب یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ صبح چھ بجے تک ان کے دونوں ساتھی رہا کر کے ان تک نہ پہنچائے تو وہ ہر گزرنے والے گھنٹے میں ایک یرغمالی کو ہلاک کر دیں گے۔ میں نے اسٹڈی روم میں لگے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ چار بجنے میں بارہ منٹ تھے۔

''یعنی کوئی سوا دو گھنٹے بعد ہم میں سے کوئی ایک جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔''

''امکان یہی ہے کیونکہ پولیس کے حکام ان دو افراد کو رہا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''ان سے دہشت گردوں کے اہم منصوبوں کے انکشاف کی توقع ہے۔''

''اس صورت میں ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہئے؟''

''ہم لڑیں گے۔ میں نے ایس پی کو اندر کی صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس نے ایک گھنٹے بعد پھر رابطہ کرنے کو کہا ہے۔''

''بہتر ہے موبائل کہیں چھپا دو۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''نہیں..... میں یہ خطرہ نہیں مول لے سکتا۔'' اس نے کہا۔ ''ممکن ہے یہ ہمیں کسی اور کمرے میں منتقل کر دیں۔ اس صورت میں موبائل ہاتھ سے جائے گا۔''

''مجھے ان لوگوں کی طرف سے خوف ہے۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''یہ خوف زدہ ہیں..... ڈر کر راز نہ کھول دیں۔''

''میں انہیں سمجھاتا ہوں۔''

''ہاں، لیکن حقیقت مت بتانا..... کوئی حوصلہ افزا بات کہنا۔'' میں نے کہا۔ ہم اتنی آہستگی سے بات کر رہے تھے کہ ان تینوں تک آواز بے شک جا رہی ہو گی لیکن الفاظ ان کی سمجھ سے باہر تھے اور انہیں اس کی پروا بھی نہیں تھی کہ ہم کیا بات کر رہے ہیں؟ میرے پاس سے اٹھ کر وسیم ان کے پاس گیا اور آہستہ سے ان سے بات کرنے لگا۔ میرے بازو کا درد رفتہ رفتہ ناقابل برداشت حدوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اسٹریچر پر لیٹ گیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درد سے توجہ ہٹانے کے لئے سفیر اور مونا کے بارے میں سوچنے لگا۔ میرے غائب ہونے سے وہ طیش میں اور پھر پریشان ہوں گے۔ پھر مرشد علی نے ندیم سے رابطہ کیا ہوگا تب انہیں پتا چلا ہوگا کہ میں کن لوگوں کے قبضے میں ہوں۔ ندیم نے تصویر کا تبادلہ میرے ساتھ منظور کرلیا ہوگا۔ اچانک مجھے خیال آیا، میں ندیم کو آگاہ کرسکتا تھا۔ اسے تصویر کے تبادلے سے روک سکتا تھا ورنہ مرشد علی اس سے دھوکا کر کے بھی تصویر لے سکتا تھا۔ میں نے اسٹریچر سے اٹھتے ہوئے وسیم کو اشارہ کیا۔ وہ پاس آیا تو میں نے اس سے موبائل مانگا۔ ''مجھے ایک بے حد ضروری بات کرنی ہے۔''

''ضرور کریں..... لیکن خیال رہے، بیٹری پر زور نہ پڑے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' میں نے کہا اور موبائل لے کر باتھ روم میں آ گیا۔ اندر سے دروازہ بند کر کے میں نے نکا چلایا اور ندیم کا موبائل نمبر ملایا۔ اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی۔ میری آواز سن کر وہ چلایا۔ ''اوئے شوبی کے بچے! تُو زندہ ہے، ہم تو تیرا سوم کرنے جا رہے تھے۔''

''بکواس بند کر اور غور سے سن..... میں مرشد کے چنگل سے نکل آیا ہوں، اسے تصویر مت دینا۔''

''یہ تو مجھے معلوم ہے، نادر علی مرتے مرتے بچا ہے۔ پر تُو کہاں ہے؟''

''بدقسمتی سے اس کوٹھی میں..... جس پر دہشت گردوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ کوئی چینل لگا کر دیکھ..... اس کی خبر آ رہی ہوگی۔ امکان یہی ہے اگر دہشت گردوں سے بچ گیا تو پولیس کے ہتھے چڑھ جاؤں گا اور نادر علی کا کیس بھی میرے سر ڈال دیا جائے گا۔ اس بارے میں کچھ کر اور اس تصویر کو بہت احتیاط سے کہیں چھپا دے۔ مرشد علی سے نمٹنے کے لئے وہ ہمارا ٹرمپ کارڈ ہے، اچھا خدا حافظ..... اس نمبر پر کال مت کرنا کیونکہ میں دہشت گردوں سے چھپ کر کال کر رہا ہوں۔''

''سن تو.....'' ندیم چلاتا رہ گیا لیکن میں نے کال کاٹ دی۔ ہاتھ دھو کر میں باہر آیا اور موبائل وسیم کے حوالے کر دیا۔

''اس کی بیل آف کر دو۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

''یہ کام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔'' اس نے کہا۔

چار بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔ ایس پی نے وسیم سے پانچ بجے کال کرنے کو کہا تھا۔ وہ مضطرب لگ رہا تھا۔ اس نے میرے پاس آ کر کہا۔ ''کیا آپ کو پستول چلانی آتی ہے؟''

''بہت اچھی طرح..... لیکن اس حالت میں نہ جانے میں کیا کر سکوں گا۔''

''آپ حوصلہ مند آدمی ہیں۔'' اس نے تعریفی انداز میں کہا۔ ''میرا خیال ہے ان حالات میں ان لوگوں سے زیادہ کام آئیں گے۔'' اس نے ان تینوں کی طرف دیکھا۔

''تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میرا ارادہ تبھی اندازہ ہے کہ ایس پی اندر باہر سے بیک وقت کارروائی کرنے کا منصوبہ پیش کرے گا۔ پہلے میں اندر والے پر قابو پاؤں گا۔ اس کے بعد ہم اس کے اسلحے سے ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ دوسری طرف کمانڈوز باہر سے کارروائی کر کے انہیں ٹیک اوور کر لیں گے مگر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں درست ٹائمنگ اور خوش قسمتی ضروری ہے۔"

میں سمجھ رہا تھا۔ "اگر کارروائی شروع ہونے کے بعد ہم اس کمرے تک محصور رہے تو نقصان میں رہیں گے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "ہمیں کم سے کم دو مورچے بنانا ہوں گے۔ اس کمرے سے ذرا آگے ایک دو پختہ ہے۔ وہ اچھی جگہ ہے۔"

اس اثنا میں باہر موجود افغانی نے اندر جھانکا۔ یہ کوئی دوسرا تھا۔ پہلے والا شاید آرام کرنے چلا گیا تھا۔ اس نے دانت نکالے۔ "تیار ہو جاؤ، ہم نے پولیس کو چھ بجے کا ٹائم دیا ہے۔"

"کس..... کس چیز کا ٹائم؟" ڈاکٹر نے اٹھتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں کہا تھا۔

"تو میں سے ایک کام آئے گا۔ قربانی کا بکرا..... اگر پولیس نے ہمارے ساتھی کو نہ چھوڑا تو۔"

ڈاکٹر نے احمقانہ انداز میں وسیم کی طرف دیکھا۔ "تم نے تو کچھ اور کہا تھا۔" وہ ہذیانی لہجے میں بولا۔

"تم نے کیا کہا تھا؟" افغانی نے مشکوک نظروں سے وسیم کی طرف دیکھا۔

"میں نے اسے تسلی دی تھی کہ تم ہمیں کچھ نہیں کہو گے۔" وسیم بولا اور اٹھ کر ڈاکٹر کے پاس گیا۔ "فکر نہ کرو، یہ ہمیں ڈرا رہا ہے۔"

حیرت انگیز طور پر ڈاکٹر چپ ہو کر بیٹھ گیا ورنہ مجھے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی مزید واویلا کرے گا اور اس کا بھنڈا پھوٹ جائے گا۔ افغانی ہنستا ہوا چلا گیا۔ "مزہ کرو جب تک۔" اس نے دروازہ بند کر لیا۔

اس کے جاتے ہی وسیم نے پستول نکال کر ڈاکٹر کے سر پر رکھ دیا اور خونخوار لہجے میں بولا۔ "کیا تم لگا جانتے نہیں ہو؟ اب کسی کے منہ سے ایک لفظ غلط نکلا تو وہ میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔"

ڈاکٹر کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے گڑگڑا کر کہا۔ "مجھے معاف کر دو، میں پاگل ہو گیا تھا۔"

"بہتر ہے اپنے حواسوں میں رہو۔" وسیم نے جھٹکا دے کر اس کا گریبان چھوڑ دیا۔

"چار بج کر اڑتالیس منٹ ہو رہے تھے۔ وسیم بے چین ہونے لگا۔ اس نے پستول میرے حوالے کیا "میں ایس پی سے بات کرنے جا رہا ہوں، ان کا خیال رکھنا۔"

"فکر نہ کرو۔" میں نے کہا۔ وسیم واش روم میں چلا گیا۔

☆======☆======☆

میں دھڑکتے دل کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ آنے والے لمحات ہمارے لئے کیا لاتے ہیں۔ وسیم کا منصوبہ بظاہر اچھا تھا لیکن اس پر کامیابی سے عمل درآمد کے لئے بہت سارے اتفاقات کا یکجا ہونا ضروری تھا۔ افغانیوں کے بارے میں مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا، وہ سب بے حد خونخوار اور سفاک قسم کے لوگ تھے۔ ہم سے خطرہ محسوس کرتے تو ہمیں مارنے میں چند لمحے لگاتے۔ پولیس کے گھیرے میں آ کر ان کی حالت زخمی درندے کی سی ہو رہی تھی جو سامنے آنے والے ہر انسان پر جھپٹ پڑتا ہے۔ ابھی وسیم باتھ روم میں تھا کہ افغانی نگران نے اندر جھانکا اور وسیم کو نہ پا کر پوچھا۔ "تمہارا ساتھی کدھر ہے؟"

"باتھ روم میں..... اس کا پیٹ خراب ہے۔" میں نے جلدی سے وضاحت کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افغانی ہنسا۔ ''اسے کہو اپنا پیٹ ٹھیک کرلے..... اس کا باری بھی جلد آئے گا۔''

میں نے پستول والا ہاتھ آڑ میں کرلیا تھا۔ افغانی کی بات پر میں نے ان تینوں کا ردِعمل دیکھا۔ ان کے چہرے خوف سے سفید پڑ گئے تھے۔ اچانک اٹینڈنٹ چلایا۔ ''وہ اندر پولیس والوں سے بات کر رہا ہے۔ اس میں ہمارا قصور نہیں ہے۔''

''کیا.....؟'' افغانی چلایا۔ وہ باتھ روم کی طرف دوڑا اور اس کے دروازے پر ٹکر ماری مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔ ''باہر آؤ..... ورنہ ام گولی مار دے گا۔''

میرا دل چاہا کہ اٹینڈنٹ کو گولی مار دوں۔ اس نے نہ صرف وسیم کا منصوبہ ناکام بنا دیا تھا بلکہ اس کی اس بزدلانہ حرکت کی وجہ سے موت تیزی سے ہماری طرف آ رہی تھی۔

''یہ بکواس کرتا ہے۔'' میں نے افغانی سے کہا۔ ''وہ بھلا پولیس سے کیسے بات کر سکتا ہے؟''

''اس کے پاس میرا موبائل فون ہے۔'' اٹینڈنٹ نے مزید گل افشانی کی۔ ''اس پر بات کر رہا ہے۔''

''موبائل فون.....!'' افغانی سن کر پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے ذرا پیچھے ہٹ کر دروازے پر برسٹ مارا۔ کمرے میں فائرنگ کی آہنی جھنکار گونجی۔ مجھے لگ رہا تھا افغانی سامنے آتے ہی وسیم کو مار دے گا یا مار چکا تھا۔ اس نے دس بارہ گولیاں چلائی تھیں۔ پھر پیچھے ہٹ کر اس نے دروازے پر لات ماری۔ گولیاں لگنے سے اندر سے کنڈی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ دروازہ کھل گیا۔ اس سے پہلے کہ افغانی دوبارہ برسٹ مارتا، میں نے عقب سے اس کے سر میں گولی اتار دی۔ وہ تیورا کر گرا تھا۔ اس کے ساتھ ہی باہر سے دوڑتے قدموں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

''وسیم!'' میں نے چلا کر کہا۔ ''وہ آ رہے ہیں۔''

وسیم کسی تندبگولے کی طرح واش روم سے نکلا تھا اور مرنے والے افغانی کی رائفل لے کر باہر کی طرف لپکا تھا۔ دروازے سے نکلتے ہی اس نے فائر کیے۔ چیخوں کی آواز نے بتایا کہ اس کے فائر بے کار نہیں گئے تھے۔ وہ راہ داری میں غائب ہو گیا۔ مشکل سے ایک منٹ بعد وہ مزید دو عدد رائفلیں اور ان کے میگزین لے کر اندر آ چکا تھا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کیا اور ان تینوں سے بولا۔ ''منہ کیا دیکھ رہے ہو، یہ الماری کھسکاؤ۔''

وہ تینوں اب تک سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے۔ وسیم کے کہنے پر بادلِ نخواستہ حرکت میں آئے اور ایک بھاری الماری کھسکا کر دروازے کے سامنے کر دی۔ عین اسی لمحے باہر سے کسی نے دروازے پر برسٹ مارا۔ اگر الماری سامنے نہ ہوتی تو گولیاں اندر تک آ سکتی تھیں۔ لاک ٹوٹتے ہی دروازہ بھی کھل جاتا۔

''ایک اور الماری سامنے کرو۔'' وسیم نے حکم دیا اور ان چاروں نے مل کر کتابوں سے بھری ایک اور الماری کھسکا کر دروازے کے سامنے کر دی تھی۔ ''تم میں سے کسی کو رائفل یا پسٹل چلانی آتی ہے۔''

''مجھے آتی ہے۔'' ڈرائیور نے اعترافِ جرم کرنے والے انداز میں کہا۔

''اسے سنبھالو۔ اگر کوئی اندر آنے کی کوشش کرے، اسے بے دریغ شوٹ کر دینا۔''

''ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' ڈاکٹر بولا۔

''شٹ اَپ..... اگر تم کچھ کر نہیں سکتے ہو تو اپنا منہ بند رکھو۔'' وسیم نے اسے جھڑک دیا اور میری طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا۔ ''کیا آپ رائفل چلا سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم ایس پی سے بات کر کے اسے یہاں کی سچویشن بتاؤ۔ ورنہ انہوں نے دستی بم استعمال کیا تو.....''

''میں سمجھ گیا۔'' وسیم نے میری بات کاٹی اور موبائل نکال کر رابطہ کرنے لگا۔ کئی بار اس نے کوشش کی مگر کسی وجہ سے موبائل کام کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ ''نیٹ ورک کا مسئلہ آ رہا ہے۔ لائن بزی مل رہی ہے۔''

''حالانکہ اس وقت ایس پی کو اپنا موبائل فری رکھنا چاہئے تھا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اس نے کہا تھا کہ موبائل فری رکھے گا۔''

''حکام بالا..... یہ بات کہاں سمجھتے ہیں؟ ان کے نزدیک خود صورت حال سے آگاہ رہنا ضروری ہوگا۔''

وسیم بار بار کوشش کر رہا تھا اور کمرے کے باہر سے بھاگ دوڑ کرنے اور افغانیوں کے چلانے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''بہتر ہے، ہم دروازے کے سامنے سے ہٹ جائیں۔''

اسی لمحے باہر سے کسی نے بھاری مشین گن کا برسٹ مارا جس کی گولیاں دروازے اور الماریوں سے گزرتی ہوئی سامنے شیشے کی الماری پر لگی تھیں۔ چھناکے سے سارے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ میں اسٹریچر پر بیٹھا تھا اور بال بال بچا۔ اس کے ساتھ ہی سب بھاگ کر دروازے کے سامنے سے ہٹ گئے۔ وسیم نے جھنجلا کر موبائل میز پر رکھا دیا اور ہونے والے ایک سوراخ سے اپنی رائفل کی نال نکال کر برسٹ مارا۔ کوئی شامت کا مارا پھر سامنے آ گیا تھا کیونکہ میں نے چیخ کی آواز سنی تھی۔

''وہ مارا!'' وسیم چلایا اور پیچھے ہو گیا۔

ڈاکٹر اور باقی دو افراد سخت ڈرے ہوئے تھے۔ ''سنو، ہمیں باتھ روم جانے دو۔ ان حالات میں ہم یہاں نہیں رک سکتے۔''

''باہر جانے کا ارادہ ہے؟'' وسیم نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

اس نے ڈاکٹر کی پوری بات نہیں سنی تھی۔ ''ہمیں باتھ روم میں جانے دو۔'' ڈاکٹر نے پھر التجا کی۔

باتھ روم باہر والے دروازے کے سامنے تھا اور اگر باہر سے فائرنگ ایک خاص زاویے سے کی جاتی تو گولیاں باتھ روم کے اندر تک رسائی حاصل کر سکتی تھیں۔ وہاں جگہ کم تھی اس لئے بچنے کی گنجائش بھی محدود تھی۔ یہی سوچ کر وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم لوگ اس جگہ زیادہ محفوظ ہو۔''

''ہم باتھ روم میں جائیں گے۔'' ڈاکٹر غصے سے بولا۔ ''یہ ہماری جان کا مسئلہ ہے۔''

اس کی حالت اس کبوتر کی سی ہو رہی تھی جو خطرہ سامنے دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے۔ ''میں روک نہیں رہا صرف سمجھا رہا ہوں..... باتھ روم محفوظ جگہ نہیں ہے۔''

''ہم خود بھی عقل رکھتے ہیں۔'' ڈاکٹر بولا اور باتھ روم کی طرف بڑھا۔ مارے جانے والے افغانی کی لاش دروازے کے عین سامنے پڑی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے پھلانگنے کے لئے قدم بڑھایا تھا کہ باہر سے بھاری مشین گن پھر گرجی اور میں نے ڈاکٹر کی پشت میں کوئی نصف درجن سوراخ نمودار ہوتے دیکھے۔ ڈاکٹر منہ کے بل افغانی کی لاش پر گرا اور شاید گرنے سے پہلے وہ مر چکا تھا۔ برسٹ نے اس کے سارے ہی اعضائے رئیسہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھید ڈالے تھے۔ اٹینڈنٹ کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور اس نے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ڈرائیور کا چہرہ سُن ہو گیا تھا اور میں اور وسیم تاسف بھری نظروں سے ڈاکٹر کی لاش دیکھ رہے تھے۔

''کسی اور نے من مانی کرنی ہے تو اپنا شوق پورا کر لے۔'' وسیم سرد لہجے میں بولا لیکن اٹینڈنٹ اور ڈرائیور اپنی جگہ ساکت رہے تھے۔ وسیم ایک بار پھر ایس پی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر رابطہ ہو گیا۔ میں نے وسیم کو چلاتے سنا۔ ''ایس پی صاحب، آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ ہمیں قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم ایک کمرے میں محصور ہو چکے ہیں۔'' وہ چپ ہو کر سننے لگا۔ ''ہمارے پاس تین رائفلیں ہیں لیکن ان سے ہم کب تک مشین گنوں اور بموں کا مقابلہ کریں گے۔ انہوں نے ایک دستی بم اندر پھینک دیا تو ہم سب کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔ ڈاکٹر مارا جا چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم بھی مارے جائیں، خدا کے لئے اپنی فورس عزت میں لے آئیں..... اوکے..... اوکے۔'' اس نے کال ختم کر دی اور مجھے بتایا۔ ''پولیس ریڈ کرنے والی ہے۔''

''خدا خیر کرے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''ہماری پولیس ریڈ کرتے ہوئے اپنے پرائے اور گناہ گار اور بے گناہ میں فرق نہیں کرتی ہے۔ سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتی ہے۔''

وسیم ہنسا۔ ''درست کہا آپ نے..... ممکن ہے ان افغانیوں سے بچ جائیں اور پولیس کے ہاتھوں مارے جائیں، سب ہوشیار رہیں۔'' اس نے اچانک رائفل دروازے کے ایک سوراخ سے نکالتے ہوئے نیم دائرے میں برسٹ مارا..... لیکن اپنے تین چار ساتھی گنوانے کے بعد افغانی بھی ہوشیار ہو گئے تھے۔ میں نے حساب لگایا۔ کم سے کم سات افراد ان کے بھی مارے جا چکے تھے اور اب ان کی تعداد پانچ چھ رہ گئی تھی گویا عددی لحاظ سے برتری زیادہ نہیں تھی جبکہ انہیں باہر پولیس کی کثیر نفری کا بھی سامنا تھا مگر ان کے پاس اسلحہ کہیں زیادہ خطرناک تھا۔ پتا نہیں پولیس باہر کیا کر رہی تھی۔ ایس پی سے بات کئے پانچ منٹ ہونے کو آئے تھے اور اب تک باہر سے کوئی ردِعمل دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

اچانک کمرے کے دروازے کے سامنے زبردست دھماکا ہوا اور دروازے کے پرخچے اڑ گئے۔ ایک الماری فرش پر آ گری اور دوسری میں کوئی دو فٹ لمبا چوڑا سوراخ ہو گیا تھا۔ اس سوراخ سے دوسرا دستی بم اندر آ کر گرا تھا۔ ہم سب فرش پر اوندھے منہ گرے ہوئے تھے۔ اتفاق سے وسیم نے دستی بم گری ہوئی الماری کے دوسری طرف گرتے دیکھا جس طرف بدنصیب ڈرائیور اور اٹینڈنٹ تھے۔ کانوں کو جھنجھوڑ دینے والے (سماعت شکن) دھماکے نے میرے اعصاب سن کر دیئے تھے۔ کوئی چیز میرے سر کو چھوتی گزری تھی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کمرے میں دھواں بھرا ہوا تھا اور فضا میں کتابوں کے جلتے اوراق اڑ رہے تھے۔ الماری اور اس طرف سے فرنیچر میں آگ لگی تھی۔ میری ہمت نہیں ہوئی کہ اٹھ کر ڈرائیور اور اٹینڈنٹ کا حشر دیکھوں۔ دوسرے مجھے اپنی فکر تھی، ایک اور دستی بم آ کر اندر گرتا اور میرا حشر بھی یہی ہوتا، میں نے دھوئیں سے ایک سربرآمد ہوتے دیکھا۔ دروازے کے سوراخ سے ایک افغانی اندر جھانک رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کمرے میں موجود تمام افراد اب مرحوم ہو چکے تھے، جن سے اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ تب ہی اس نے اپنا سر بے خوف و خطر اندر کر دیا تھا۔ مجھے زندہ پا کر اس کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔ اس نے عجلت میں اپنا سر باہر کرنے کی کوشش کی، میرا ہاتھ جیسے خود بخود بلند ہوا اور میں نے اسے شوٹ کر دیا۔ گولی اس کے سر پر لگی تھی اور وہ تڑپے بغیر سوراخ میں ہی جھول گیا تھا۔ اچانک کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے میرا بازو پکڑ کر کھینچا۔ یہ وسیم تھا جو مجھے کھینچتا ہوا واش روم میں لے آیا تھا۔ یہاں دھواں کم تھا۔ دستی بم کا ٹکڑا اس کے ماتھے پر لگا تھا اور خون بہہ کر رخسار تک آ رہا تھا۔

''وہ دونوں بھی مارے گئے۔'' اس نے تاسف سے کہا۔

''اس معاملے میں ہم بے بس ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ اسی لمحے کمرے میں تیسرا دستی بم گرا تھا۔ اگر ہم اب تک کمرے میں ہوتے تو بلاشبہ مارے جاتے۔ رہی سہی کسر اس دستی بم نے پوری کر دی تھی اور کمرے میں شدت سے آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس کا دھواں باتھ روم تک آ رہا تھا۔ میں نے تشویش سے سوچا۔ اگر افغانیوں سے بچ جاتے تب بھی آگ سے جل کر یا دم گھٹ کر مارے جاتے، پولیس والے نہ جانے کیا کر رہے تھے۔ ''مجھے لگتا ہے، پولیس ہماری لاشیں اٹھانے آئے گی۔''

وسیم تلخی سے مسکرایا۔ ''انہیں اپنی جانوں کی فکر بھی ہوگی۔ پانچ ہزار روپے تنخواہ پانے والا سپاہی اپنی جان کیوں خطرے میں ڈالے گا؟''

میں نے باتھ روم کے دروازے سے جھانکا۔ ''انہوں نے افغانی کی لاش دروازے سے ہٹالی ہے۔ شاید وہ ہماری طرف سے مطمئن ہیں۔''

''تین دستی بم ایک کمرے میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''یقین کریں شہباز، ہم بہت خوش قسمت ہیں جو اب تک زندہ ہیں۔''

''اگر میں بچ گیا تو ساری عمر آج کے دن پر تعجب کروں گا۔''

آگ بہت زیادہ پھیل چکی تھی اور اب بظاہر باہر جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسٹڈی روم میں ہر شے آگ پکڑنے والی تھی۔ لاشیں تک جل رہی تھیں اور ان سے گوشت جلنے کی بو اٹھ رہی تھی۔ میرا دل متلانے لگا تھا۔ آگ سے زیادہ خطرناک وہ دھواں تھا جو اندر بھر رہا تھا۔ دھویں نے سانس لینے کا عمل مشکل بنانا شروع کر دیا تھا اور کچھ دیر بعد اس میں سانس لینا محال ہو جاتا۔ وسیم نے اپنی قمیص اتار کر پھاڑی اور اسے گیلا کر کے ایک حصہ میری طرف بڑھا دیا۔ ''اسے منہ پر رکھ کر سانس لیں، کسی حد تک دھویں سے بچ جائیں گے۔''

گیلے کپڑے میں سانس لینے سے دھویں سے بچت ہو رہی تھی مگر ایک اور مسئلہ گرمی کا تھا۔ کمرے میں آگ بھڑک رہی تھی اور باتھ روم کا اندرونی درجہ حرارت بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے باتھ روم کا نل اور شاور دونوں کھول دیئے۔ وسیم مگ سے پانی لے کر دروازے پر پھینکنے لگا تاکہ اس میں آگ نہ لگ سکے۔ دروازہ جل جاتا تو دھویں کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ پانی گرنے سے درجہ حرارت میں کمی ہوئی تھی۔ ''شہباز صاحب! بچنا مشکل لگ رہا ہے، اس آگ کو فائر بریگیڈ والے ہی بجھا سکتے ہیں۔''

''ایس پی کو فون کر کے فائر بریگیڈ بلواؤ۔''

''موبائل غائب ہے۔ دھماکے کے بعد مجھے اپنا ہوش نہیں تھا۔ موبائل نہ جانے کہاں گیا؟'' اس نے مایوسی سے کہا۔ وہ مگ بھر بھر کر دروازے پر پھینک رہا تھا لیکن دروازے کی حالت بتا رہی تھی، وہ آگ پکڑنے والا تھا۔ یہ ٹھوس لکڑی کا بنا دروازہ تھا۔ اگر پلائی کا ہوتا تو اب تک جل کر خاک ہو چکا ہوتا۔ کمرے سے آگ کے اشیاء کھانے کی آواز اتنی تیز تھی کہ ہمیں کچھ اور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ عین ممکن تھا، باہر پولیس ریڈ کر چکی ہو اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب تک افغانیوں پر قابو پا چکی ہو بلکہ انہیں مار چکی ہو۔ مجھے ان لوگوں کے جنونی انداز سے مشکل ہی لگ رہا تھا کہ کوئی زندہ پولیس کے ہاتھ آئے۔ اپنی دانست میں وہ ہمیں مار چکے تھے۔

''یار، کسی کو مدد کے لئے پکارو..... ممکن ہے پولیس اندر آ چکی ہو؟'' میں نے کہا۔

''کوشش کرتا ہوں۔'' وسیم نے سر ہلایا اور کپڑے کو گیلا کر کے انگارے کی طرح گرم ہو جانے والا دروازے کا ہینڈل پکڑ کر گھمایا۔ دروازہ ذرا سا کھلتے ہی جیسے جہنم کا جھونکا آیا تھا۔ بے حد گرم ہوا کے ساتھ دھوئیں کا ریلا تھا۔ وسیم چلایا۔ ''مدد کرو..... مدد'' اور فوراً دروازہ بند کر دیا۔ ان دو لمحوں میں خاصا دھواں اندر آ چکا تھا۔ ہم کھانسنے لگے۔ صرف شاور کے نیچے کسی حد تک دھواں کم تھا۔ ساتھ ہی باتھ روم کی دیواریں بھی گرم ہو رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ شاور کا پانی بھی کسی قدر گرم آنے لگا ہے۔ باتھ روم کے اندر بھاپ پیدا ہونے سے حبس کی کیفیت ہو رہی تھی۔ ہم فرش پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔ اچانک باتھ روم کا بلب بند ہو گیا۔ شاید کمرے سے اس کا کنکشن آگ کی وجہ سے ناکارہ ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی باتھ روم کا اگزاسٹ فین بھی بند ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہوا جیسے ہر لمحے کثیف ہونے لگی۔ میں نے زندگی میں پہلی بار دم گھٹنے کی کیفیت محسوس کی۔ یوں لگا جیسے کوئی اَن دیکھی طاقت گلا دبا رہی ہو۔ سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ ذہن پر تاریکی چھانے لگی۔ آکسیجن کی کمی کا نتیجہ دماغ کے بلیک آؤٹ کی صورت میں نکلتا ہے۔ مجھے بھی پتا نہیں چلا کہ کب میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

جیسے صحرا میں پیاسے بھٹکنے والے کو ٹھنڈے پانی کا کوئی چشمہ مل جائے اور وہ بے تابی سے اس میں سے پانی پیتا ہے۔ بالکل ایسی کیفیت میری تھی۔ میں اس سرد اور جاں فزا ہوا کو بے تابی سے اپنے اندر سمونے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس کے لئے نہ جانے کب سے میرے پھیپھڑے ترس رہے تھے۔ ہوا کا یہ خزانہ مجھے کیسے ملا، مجھے نہیں معلوم۔ آکسیجن ملتے ہی دماغ کا بلیک آؤٹ بھی ختم ہو گیا تھا اور میں بہت تیزی سے ہوش میں آیا تھا۔ میں کھلی فضا میں ایک اسٹریچر پر لیٹا تھا اور میرے منہ سے آکسیجن ماسک لگا تھا۔ میں نے سر گھما کر دیکھا میرے برابر میں وسیم لیٹا تھا، اس کے منہ پر بھی آکسیجن ماسک تھا لیکن وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔

مجھے بعد میں پتا چلا کہ فائر بریگیڈ کے چار ارکان اپنی جان پر کھیل کر اس کمرے میں داخل ہوئے اور ہمیں بروقت وہاں سے نکال لیا۔ کچھ دیر ہم وہاں اور پڑے رہتے تو آگ ہمیں چاٹ جاتی ورنہ دم گھٹنے سے لازماً ہلاک ہو جاتے۔ پولیس مقابلے میں باقی ماندہ افغانی بھی مارے جا چکے تھے سوائے ایک کے، جو شدید زخمی حالت میں گرفتار ہوا تھا۔ اسے اسپتال روانہ کر دیا گیا تھا۔ اٹینڈنٹ اور ڈرائیور دستی بم کے دھماکے میں مارے گئے تھے اور ان سب کی لاشیں مع ڈاکٹر اور افغانی کے بری طرح جل چکی تھی۔ پولیس اور افغانیوں کے مقابلے میں ایک راہ گیر بھی مارا گیا تھا۔ فائر بریگیڈ نے بمشکل کوٹھی کے پورے وسطی حصے تک پھیل جانے والی آگ پر قابو پایا تھا۔ باقی ماندہ کوٹھی کا حلیہ بے تحاشا فائرنگ نے بگاڑ دیا تھا۔

میرا گلا یوں خشک اور کھردرا ہو رہا تھا جیسے کسی نے حلق میں ریگ مال پھیر دیا ہو۔ میں نے اشارے سے موجود شخص سے پانی مانگا۔ اس نے ایک بوتل ماسک ہٹا کر میرے منہ سے لگا دی۔ میرے ہاتھ اسٹریچر سے بندھے ہوئے تھے۔ پانی پلا کر اس نے دوبارہ ماسک لگا دیا۔ پھر ہمارے اسٹریچر ایمبولینس میں منتقل کئے جانے لگے۔ میں نے دیکھا، ہمارے پاس دو پولیس اہلکار موجود تھے اور پھر میں نے انسپکٹر اکرم چشتی کی منحوس صورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھی۔ وہ ڈی ایس پی رینک کے کسی آدمی سے بات کرتا اس طرف آ رہا تھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا، یہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے والی بات ہوئی تھی۔ میرے لئے اکرم چشتی ان افغانی ڈاکوؤں سے کم خطرناک نہیں تھا بلکہ اس کے عزائم تو زیادہ بھیانک تھے۔ میرے قریب آ کر وہ مخصوص انداز میں مسکرایا۔ ''لو جی..... اپنے شہباز صاحب، ڈاکوؤں کے پاس سے ملے ہیں ان کی تو ہمیں خاصے عرصے سے تلاش تھی۔''

اس نے میرا ہاتھ دیکھا۔ ''افسوس کوئی پہلے ہی کام دکھا گیا ہے۔ خیر اسپتال سے آپ نے ہمارے پاس ہی آنا ہے۔''

میں نے اسے نظرانداز کر کے ڈی ایس پی سے کہا۔ ''جناب! مجھے کچھ افراد کے خلاف رپورٹ کرانی ہے۔ انہوں نے مجھے جس بے جا میں رکھ کر تشدد کا نشانہ بنایا اور مجھے زخمی حالت میں سڑک پر پھینک کر چلے گئے جہاں سے یہ نیک دل لوگ مجھے اٹھا کر لائے اور ایمبولینس کے ذریعے مجھے اسپتال بھیج رہے تھے کہ ان کے گھر میں ڈاکو گھس آئے۔''

''انکوائری کے بعد تمہیں موقع دیا جائے گا۔'' ڈی ایس پی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''فی الحال تم خود کو زیر حراست سمجھو۔''

''میں اپنے وکیل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تمہیں اس کا موقع دیا جائے گا۔'' ڈی ایس پی نے کہا اور اکرم چشتی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے میری طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

''پیارے، اپنے دوسرے ہاتھ اور گوڈوں کی خیر مناؤ۔ یہ رپورٹ شپورٹ کا چکر بھول جاؤ۔''

''اکرم چشتی میں اتنی آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔'' میں نے بھی آہستہ سے کہا۔ ''اپنے باپ نادر علی کا حشر دیکھ لیا ہوگا۔ مجھے اتنا کمزور بھی مت سمجھو۔''

اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا اور اس نے پولیس کی مخصوص سرکاری زبان استعمال کرتے ہوئے مجھے دھمکی دی۔

''نادر علی کے ساتھ جو ہوا ہے، اس کا حساب الگ سے دینا ہوگا۔''

''لے سکو تو ضرور لے لینا۔'' میں مسکرایا تھا۔ ''ویسے نادر علی کی حالت اب کیسی ہے؟''

''زخمی سانپ جیسی..... وہ تمہارے پورے خاندان کو مٹانے کی قسمیں کھا رہا ہے۔''

''اس سے کہو خاندان تک جانے کی بات نہ کرے۔ پہلے مجھ سے نمٹ لے۔'' میں نے حقارت سے کہا۔

''لے جاؤ اسے۔'' انسپکٹر اکرم چشتی نے پیرامیڈیکل اسٹاف کو حکم دیا اور سپاہیوں کو میری سخت نگرانی کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایمبولینس کا دروازہ بند ہوا اور وہ حرکت میں آ گئی۔ نصف گھنٹے بعد میں ایک سرکاری اسپتال میں تھا کیونکہ پولیس کی تحویل میں ملزمان صرف سرکاری اسپتال میں جا سکتے تھے۔ جہاں میرے ہاتھ کا معائنہ ہوا اور ڈاکٹروں نے گینگرین تشخیص کیا تھا۔ مجھے فوری طور پر آپریشن کے لئے لے جایا گیا تھا اور میرے ہاتھ کے آپریشن کی تیاری شروع کر دی گئی تھی۔ انہوں نے مجھ سے پیپرز پر سائن لیے تھے۔ آپریشن سے پہلے مجھے بے ہوش کر دیا گیا تھا اور میں نے ذہنی طور پر خود کو اس ہاتھ سے محرومی پر تیار کر لیا تھا۔ عام طور سے آپریشن میں پرسکن یا بے ہوشی کی دوا استعمال کی جاتی ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی انسان پر اس کے ناگوار اثرات برقرار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہتے ہیں۔ سر چکراتا ہے اور طبیعت متلاتی ہے۔ یہ بات میں نے دوسروں کی زبانی سنی تھی کیونکہ جب مجھے ہوش آیا تو میری کیفیت معمول کی تھی بس اعصاب ہلکے سے سن ہو رہے تھے لیکن ذہن صاف اور پُرسکون تھا۔ اچانک مجھے اپنے ہاتھ کا خیال آیا اور میں نے چونک کر دیکھا تھا۔ اپنے بائیں ہاتھ کو پا کر میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ کلائی والے حصے پر پٹی بندھی تھی اور پورا بازو ایک کھانچے میں اس طرح سے پھنسا تھا کہ الگ سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ ۱۹۰ آپریشن کی وجہ سے پلاسٹر نہیں کیا گیا تھا۔ میں کسی الگ کمرے میں تھا اور فی الحال وہاں کوئی نہیں تھا۔ بازو کے ساتھ ایک ڈرپ لگی تھی اور اس کا نمکین پانی بتا رہا تھا کہ ڈرپ میں طاقت کی اور دوسری دوائیں شامل تھیں۔ اسی وجہ سے مجھے بھوک پیاس کا احساس نہیں تھا حالانکہ میں نے آخری کھانا گزشتہ شام کھایا تھا اور اس وقت یقیناً اگلے روز کی شام ہو چکی تھی۔ آپریشن کے بعد میں پانچ چھ گھنٹے تو بے ہوش رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک موٹی سی لیکن ہنس مکھ چہرے والی نرس آئی۔

''ینگ مین، کیسا ہے تم؟''

''ایک دم فٹ.....'' میں نے جواب دیا۔ ''سسٹر! ڈاکٹر کو بلاؤ..... میں اس سے اپنے ہاتھ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں اور ہاں..... مہربانی کر کے میرے وکیل کو اطلاع کر دو۔''

''ایک آدمی باہر بیٹھا ہے خود کو تمہارا وکیل بتاتا ہے پر سپاہی لوگ اسے اندر آنے نہیں دیتا۔'' موٹی نرس نے بتایا۔ ''ڈاکٹر ابھی آ جائے گا۔''

''پلیز سسٹر! کسی طرح اسے اندر لے آؤ۔'' میں نے التجا کی۔

اس نے سر ہلایا۔ ''ابھی کوشش کرتا ہے..... آگے جو پولیس کو منظور۔''

اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ندیم اندر آیا، وہ سخت غصے میں تھا اور محکمہ پولیس کو سخت سُست سنا رہا تھا۔

''کیسا ہے تُو..... ان کی تو.....''

''اب بے چاروں نے اپنی انرجی کیوں ضائع کرتا ہے۔ یہ افسران کے حکم سے مجبور ہیں۔''

''افسران کا حکم!'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ابھی میں سو کا نوٹ دیتا تو یہ میرا شناختی کارڈ بھی نہ دیکھتے اور مجھے توپ سمیت اندر آنے کی اجازت دے دیتے۔ بے شک میں اجرتی قاتل ہوتا۔''

''دفع کرا سے..... یہ بتا کہ حالات کیسے ہیں؟''

''پہلے سے زیادہ بدتر..... نادر علی کی حالت نے مرشد اور اس کے گرگوں کو پاگل کر دیا تھا۔ انہوں نے رات کے وقت تیرے دفتر پر حملہ کیا اور اسے آگ لگا دی۔''

''دفتر کو آگ لگا دی.....'' میرا دل رک سا گیا تھا۔ ''اور سید گل.....؟''

''اس نے ان لوگوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو اسے گولی مار دی۔''

میرے اندر سے کرب کی لہر اٹھی تھی۔ ''وہ بے چارہ میرے لئے جان سے گزر گیا، کب کا واقعہ ہے یہ؟''

''کل رات کا..... آج میں اس کی لاش اس کے گاؤں بھجوانے کے انتظامات میں لگا رہا۔ لاش شام کو گئی ہے۔ اُدھر سے سیدھا تیرے پاس آیا ہوں۔''

''اور اس واقعے کی ایف آئی آر؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مرشد اور اس کے بھائی کو فریق بنا کر میں نے ایف آئی آر درج کرا دی ہے۔''

''بے کار ہے۔ پولیس کچھ نہیں کرے گی۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''بے چارے سید گل کا خون رائیگاں جائے گا۔''

''فی الحال ایف آئی آر بے کار ہے..... لیکن مستقبل میں یہ کارآمد بھی ہو سکتی ہے۔ حالات بدلتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔''

''میری کیا پوزیشن ہے؟''

''پولیس نے تجھے نادر علی والے جیپ کیس میں گرفتار کر لیا ہے۔ باقی کیسز کا ملبہ بعد میں تجھ پر ڈالا جائے گا۔ خاص طور سے سجاد مہر کے ایکسیڈنٹ کیس کا..... پولیس نادر علی کے زخمی ہونے کا تعلق تجھ سے جوڑنے کی کوشش کرے گی لیکن زخمی ہاتھ تیرا گواہ ہے۔ اگر تیرے خلاف فائرنگ کا کیس بنا تو اس کے خلاف بھی تجھے زخمی کرنے کا کیس بنے گا۔''

''حالانکہ یہ اس کا حرامی پن تھا۔ زخمی اسے کسی اور نے کیا ہے۔'' میں نے کہا پھر اسے مختصراً وسیم اور اس کے گروپ کی کارگزاری کے بارے میں بتایا۔ ''ہم جو افغانی ڈاکوؤں سے بچ گئے ہیں تو یہ بھی اسی کا کام ہے۔ اس نے حوصلے سے ان کا مقابلہ کیا تھا اور محض ایک پستول سے۔''

''یہ کام کا آدمی ہے، اس سے ملنا ہوگا۔'' ندیم سوچ کر بولا۔ ''اگر انہوں نے تجھے بچایا ہے تو ممکن ہے بعد میں بھی تیرے کام آئیں۔''

''مجھے اپنے ہاتھ کی فکر ہے۔''

''میں نے ڈاکٹر سے بات کی تھی۔ انہوں نے آپریشن کر کے ہڈیاں سیٹ کی ہیں اور خون کی نالیاں بھی کھول دی ہیں۔ اگر خون کا بہاؤ درست ہو گیا تو گینگرین کا خطرہ ختم ہو جائے گا۔''

''ورنہ میرا ہاتھ کاٹنا پڑے گا۔''

''یہ تو ڈاکٹر ہی بتا سکتا ہے۔'' ندیم بولا اور اسی لمحے ڈاکٹر آ گیا۔ وہ سخت خفا لگ رہا تھا۔

''لگتا ہے ہماری پولیس فورس میں چن چن کر جاہل ترین افراد بھرتی کیے جاتے ہیں۔ مجھے اندر نہیں آنے دے رہے، مریض ان کا باپ دیکھے گا؟''

''ڈاکٹر! انہیں جہنم میں بھیجو، یہ بتاؤ..... میرے ہاتھ کی کیا کیفیت ہے؟''

''اچھی نہیں ہے۔ آئی ہوپ..... کہ خون رواں ہو جائے اور تمہارا ہاتھ بچ جائے۔ اگر دو دن میں ہاتھ درست حالت میں نہ آیا تو اسے جسم سے جدا کرنا پڑے گا ورنہ زہر اوپر چڑھنا شروع ہو جائے گا۔''

امکان ذہن میں ہونے کے باوجود ڈاکٹر کے منہ سے یہ سن کر مجھے دھچکا لگا تھا۔ چند لمحے کے لئے میں گم صم ہو گیا تھا۔ ندیم نے پُر ملامت نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''لیکن تم جوان آدمی ہو، بچنے کے بھی امکانات ہیں۔ آج رات ایک ماہر آ کر تمہارا ہاتھ دیکھے گا۔ وہ زیادہ بہتر رائے دے گا۔''

''ایک ملزم کے لئے ماہر آئے گا؟'' میں نے حیرت آمیز طنز کے ساتھ کہا۔

''اس کا ارینج منٹ مسٹر ندیم نے کیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو فکر نہ کر..... اگر تیرے ہاتھ کے لئے باہر سے کسی کو بلوانا پڑا تو اسے بھی بلوالیں گے۔''

ڈاکٹر کے جانے کے بعد ندیم مجھے کچھ دیر سمجھاتا رہا کہ پولیس کو بیان میں کیا کہنا ہے اور کن باتوں سے گریز کرنا ہے۔ خاص طور سے وسیم کی کوٹھی میں ہونے والے واقعات سے لاعلمی اور لاتعلقی ظاہر کرنی ہے۔ میں نے خدشہ ظاہر کیا۔ ''کہیں میرے اور وسیم کے بیان میں ٹکراؤ نہ ہو جائے؟''

''میں ابھی جا کر اسے سمجھا دیتا ہوں۔''

''کیا تجھے اس سے ملنے دیں گے؟''

''وہ کوئی زیر حراست تھوڑی ہو گا۔ تجھ پر تو کئی کیس ہیں۔'' ندیم اٹھتے ہوئے بولا۔ ''یہ بتا، کوئی چیز چاہئے..... میں ہو سکتا ہے صبح چکر لگاؤں۔ تجھ سے ضمانت کی درخواست پر دستخط لینے ہیں۔''

''وہ کس لئے..... درخواست تو میری طرف سے ہو گی۔''

''میری جانب سے پولیس اور مرشد علی کے خلاف حبس بے جا اور تشدد کی شکایت پر مبنی درخواست ہو گی۔ اس طرح بائل (ضمانت) کا کیس مضبوط ہو گا۔''

''اور ہاں، مجھے کچھ نہیں چاہئے تو نے سید گل کے لواحقین کو کچھ بھیجا؟''

''میں نے طاہر کے ہمراہ کی ہے میت۔ وہ بیس ہزار روپے دے گا۔''

''بیس ہزار تو کم ہیں یار! اپنے گھر کا وہ واحد کفیل تھا۔ ایسا کر اسے میرے اکاؤنٹ سے پچاس ہزار روپے اور بھجوا دے۔''

''طاہر آتا ہے تو میں اس سے پتا لے کر یہ کام کرتا ہوں۔''

ندیم کے جانے کے بعد میں آنکھیں بند کر کے اپنے مستقبل پر غور کرنے لگا جو فی الحال خاصا عبرت ناک نظر آ رہا تھا۔ پولیس نے مرشد علی کے اشارے پر میرے خلاف کئی ایک کیس بنا دیئے تھے، پہلے دشمنی کی وجہ نہایت ہچکچا رہی تھی تو اب اسے ایک پختہ بنیاد مل گئی تھی۔ نادر علی میری وجہ سے زخمی اور معذور ہوا تھا اور ان لوگوں نے اپنے وحشیانہ انتقام کا آغاز میرے کاروبار کو تباہ کر کے کیا تھا۔ میرا ایک ہاتھ زخمی تھا اور ڈاکٹروں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ مجھے اس سے محروم ہونا پڑتا۔ کچھ دیر بعد نرس نے آ کر مجھے دوائیاں دیں اور ایک انجکشن لگایا۔ ''اگر بھوک لگ رہی ہے تو کچھ دیر میں کھانا آ جائے گا۔'' اس نے اطلاع دی۔

''شکریہ۔ مجھے واش روم جانا ہے۔''

''میں ابھی کسی میل کو بھیجتی ہوں۔'' اس نے کہا، اس کے جانے کے کوئی دس منٹ بعد ایک وارڈ بوائے آ کر مجھے واش روم لے گیا۔ بازو میں فٹ کھانچے کے ساتھ حرکت کرنا آسان تھا لیکن ضروریات سے فارغ ہونا بے حد دشوار تھا۔ بہر حال میں جیسے تیسے اس مرحلے سے گزر گیا تھا منہ ہاتھ دھو کر آیا تو کچھ دیر بعد رات کا کھانا آ گیا۔ اس میں سوائے ابلے ہوئے انڈے اور دودھ کے گلاس کے سب بدمزہ تھا، جسے میں نے کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار لیا تھا۔

نو بجے ماہر آیا، اس نے میرے ہاتھ کا معائنہ کیا اور فوری طور پر کچھ دوائیں دینے کی ہدایت کی۔ ''آپ لوگوں کو بہت پہلے یہ دوائیں دے دینا چاہئے تھیں۔'' اس نے ناگواری سے ڈیوٹی ڈاکٹر سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جناب! یہ سرکاری اسپتال ہے، یہاں لوگوں کو عام دوائیں مل جائیں تو بڑی بات ہے۔'' ڈاکٹر طنزیہ انداز میں بولا تھا۔

''ملنا الگ بات ہے..... آپ کے ڈاکٹر کو دوائیں تجویز کرنی چاہئے تھیں۔ مجھے خطرہ ہے آپ لوگوں کی غفلت سے خاصی تاخیر ہو چکی ہے۔''

''ڈاکٹر! کیا میرا ہاتھ.....؟''

''ہم کوشش کر رہے ہیں۔'' ماہر نے میرا شانہ تھپکا۔ وہ ندیم کے قریبی واقف کاروں میں سے تھا۔ اس نے خود ہی دوائیں منگوائیں اور ایک گھنٹے بعد مجھے دو انجکشن لگ چکے تھے۔ ڈاکٹر، جس کا نام شریف احمد تھا، اس نے کہا۔ ''ان کا ردِعمل صبح تک پتا چلے گا۔''

''اور اگر انہوں نے کام نہ کیا تب.....؟''

میرے سوال کا جواب ڈاکٹر شریف کے چہرے پر رقم تھا۔ اس نے مجھے تسلی دی۔ ''یار! ہمیشہ اچھی امید رکھو، خدا سے اچھی امید کرو گے تو وہ اچھا ہی کرے گا۔ وش یو گڈ لک!''

بارہ بجے کے قریب سفیر اور مونا آئے تھے۔ سفیر نے اس ملاقات کے لئے سپاہیوں کو پانچ سو روپے دیئے تھے۔ اس نے مونا کو میری بہن بتایا تھا۔ وہ برقع میں تھی۔ وہ پوری طرح احتیاط کر کے آئے تھے۔ مونا میرے بازو سے سر ٹکا کر رونے لگی تھی۔ ''پاگل! روتی کیوں ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ واضح طور پر ندیم کے توسط سے میرے ہاتھ کی رپورٹ ان تک پہنچ گئی تھی۔ ''یار! تجھے مونا کو لانے کی کیا ضرورت تھی۔ مرشد اور اس کے پالتو پاگل ہو رہے ہیں۔''

''تجھے پتا ہے یار! تیرے دفتر کے جلنے اور سید گل کے مارے جانے سے مجھے اچھی طرح اندازہ ہے لیکن میں اس پاگل لڑکی کو نہیں سمجھا سکتا۔''

''تُو ابھی سے مستقبل کا زن مرید ثابت ہو رہا ہے۔ بہرحال مجھے یقین ہے مرشد علی کے آدمی اسپتال کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔''

''میں نے باہر دو تین مشکوک حلئے والے افراد دیکھے ہیں لیکن میں مونا کو لے کر دوسری طرف سے آیا ہوں۔ میں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ اس کی طبیعت خراب ہے اور میں اسے ڈاکٹر کو دکھانے آیا ہوں۔''

''انہیں احمق نہ سمجھ..... بہتر ہوگا سامنے سے نکلنے کے بجائے کوئی عقبی راستہ اختیار کرنا۔ ممکن ہے انہوں نے اسپتال کے کسی فرد کو خرید لیا ہو جو میرے پاس آنے والوں کی اطلاع باہر موجود افراد کو دیتا ہو؟''

''ہاں، تُو ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سفیر متفکر ہو گیا تھا۔

''رکنے کے بجائے نکلنے کی کرو اور تم دونوں بے حد محتاط رہو۔ حالات میرے حق میں خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ جو میرے قریب ہوگا وہ بھی لپیٹ میں آ جائے گا۔''

''لیکن اس ڈر سے ہم تیرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔'' سفیر کھڑا ہو گیا۔ ''ہم تیری لڑائی میں برابر کے شریک ہیں۔''

''شوبی! اپنا خیال رکھنا۔'' مونا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا وادی اماں! اب جاؤ..... تم لوگوں نے مجھے پریشان کر دیا۔ صبح ندیم سے اپنی خیریت کی اطلاع بھجوا دینا، بس اب جاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئے تھے۔ مونا جاتے جاتے بھی رو رہی تھی۔

میں مونا اور سفیر کے لئے فکر مند تھا۔ انہوں نے اس طرح کھلے بندوں آ کر خطرہ مول لیا تھا۔ گزشتہ کچھ عرصے میں مجھے ان لوگوں کا جو تجربہ ہوا تھا اس سے مجھے ان لوگوں کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ کتے کی دُم تھے جو سو سال نلکی میں رہنے کے باوجود ٹیڑھی رہتی ہے۔ ایک بار مجھ سے دشمنی کا رشتہ قائم ہونے کے بعد وہ ساری عمر اسے نبھانے کے لئے تیار تھے۔ ان کی کینہ پرور فطرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ مجھے معاف کر دیں یا مجھ سے سمجھوتا کر لیں۔ رات دیر سے نیند آئی اور صبح چھ بجے نرس نے اٹھا کر مجھے دوائیں دیں۔ ڈرپ اتار دی گئی تھی، میں نے نرس کے جانے کے بعد اپنے ہاتھ کا معائنہ کیا جس پر دو انجکشن لگے تھے اور ان کا نتیجہ بارہ گھنٹوں بعد نکلنے والا تھا۔ مجھے رات کے مقابلے میں ہاتھ کی حالت میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی تھی، اس کی سوجن اور نیلگوں مائل سیاہ رنگت برقرار تھی۔ مجھے مایوسی ہونے لگی۔ ہاتھ بالکل بے حس و حرکت تھا۔ میں نے انگلیوں کو جنبش دینے کی کوشش کی لیکن ان میں ذرا بھی حرکت نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی دوسرے ہاتھ سے چھونے پر احساس ہو رہا تھا۔ یوں لگا جیسے میں کسی اور شے کو چھو رہا ہوں، جس کا میرے ہاتھ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ میرا دل مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگا تھا۔ میرے جسم کا بچپن کا یہ حصہ اب میرا نہیں رہا تھا۔ اسے وقت سے پہلے مجھ سے جدا ہو جانا تھا۔

دروازے پر آہٹ ہوئی تو میں نے یہ سوچ کر توجہ نہیں دی کہ نرس ہو گی لیکن جب کوئی سامنے نہیں آیا تو میں نے سر گھما کر دیکھا اور دروازے پر مرشد علی کو دیکھ کر چند لمحے کے لئے دم بخود رہ گیا تھا پھر میں سنبھلا۔ ''آؤ مرشد علی! کیا اپنے بھائی کا انتقام لینے آئے ہو یا اس کا کارنامہ دیکھنے؟'' میں نے اپنے مضروب ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں، میرے خیال میں نادر علی اپنی حماقت کا شکار ہوا ہے۔ اسے تم سے انتقام لینے کا خبط تھا اور میرے خیال میں حساب برابر ہے۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''اچھا..... اچھا، شاید اس کی وجہ وہ تصویر ہے؟''

''چلو، تم ایسا ہی سمجھ لو۔'' مرشد علی میرے بستر کے پاس آیا۔ ''مجھے وہ تصویر چاہئے، کسی بھی قیمت پر۔''

''تم لوگ جو میرے ساتھ کر چکے ہو اس کے بعد بھی توقع رکھتے ہو کہ میں تمہیں وہ تصویر دوں گا۔ ڈاکٹر میرے ہاتھ سے مایوس ہیں۔ شاید اسے کاٹنا پڑے۔''

''میں نے کہا ناں..... مجھے افسوس ہے۔ میں اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا لیکن ہر جانے میں تم جو چاہے مجھ سے لے سکتے ہو۔''

''جو چاہوں لے سکتا ہوں؟'' میں نے جذباتی ہو کر کہا۔ ''تب مجھے اپنا بایاں ہاتھ کاٹ کر دے دو۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''میں معاملات سلجھانے آیا ہوں۔''

''مجھے تم سے اب بات نہیں کرنی ہے۔ تمہارا جو دل چاہے کرو۔ میرے خلاف مزید مقدمے بنواؤ یا میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرا ہاتھ بھی تڑوا دو۔''

''کیا تمہیں کسی بھی نقصان کی پروا نہیں ہے؟'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' میں چونکا۔

''مطلب یہ کہ..... انسان بعض اوقات اپنے نقصان سے بے نیاز ہو جاتا ہے لیکن اپنے پیاروں کا خیال اسے پھر بھی رکھنا پڑتا ہے۔''

میرے اندر اندیشے سر سرانے لگے تھے۔ ''مرشد..... کھل کر کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟''

مرشد علی میری طرف جھکا۔ ''وہ دونوں میرے پاس ہیں۔ صحیح سلامت اور با آبرو..... لیکن مجھے تصویر مل گئی تو وہ نہ صحیح سلامت رہیں گے اور نہ با آبرو۔''

''کک..... کون؟..... کیا بکواس کر رہے ہو تم؟''

اس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ ''شہباز! تمہاری ساتھی لڑکی مونا اور اس کا یار سفیر ہمارے پاس ہیں۔ اگر تم نے انہیں واپس حاصل کرنا ہے تو تصویر میرے حوالے کر دو۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم!''

''اچھا..... میں ابھی تمہاری بات کرا دیتا ہوں۔'' اس نے موبائل فون پر کوئی نمبر ملایا اور تحکمانہ انداز میں بولا۔ ''دونوں کہاں ہیں..... ہاں، موبائل فون لڑکی کو دو۔ لو بات کرو۔'' آخری جملہ اس نے مجھ سے کہا اور موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کان سے لگایا۔

''ہیلو..... کون؟''

''شوبی.....!'' مونا کی آواز آئی۔ ''یہ ہمیں پکڑ لائے ہیں۔''

''مونا! کہاں ہو تم..... میری بات سنو!'' لیکن اس سے کسی نے موبائل چھین کر کال منقطع کر دی تھی۔ میں نے موبائل دیوار پر دے مارا، اس کے پرزے بکھر گئے تھے۔ ''مرشد علی! اگر میرے ساتھیوں کو خراش بھی آئی تو.....''

''تو تم ٹینک لے کر میرے گھر پر چڑھ دوڑو گے؟ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر کشتوں کے پشتے لگا دو گے؟'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا پھر ذرا جھک کر بولا۔ ''شہباز احمد! تم کچھ نہیں کر سکتے۔ تم اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتے تو کسی دوسرے کے لئے کیا کرو گے؟ حقیقت تسلیم کرو..... اب بھی وقت ہے، مجھ سے سمجھوتا کر لو۔ مجھے تصویر دے دو، صرف اپنے ساتھی ہی حاصل نہیں کرو گے بلکہ میری دوستی بھی حاصل کر لو گے۔''

''لعنت ہو تمہاری دوستی پر..... اس سے بہتر ہے میں شیطان سے دوستی کر لوں۔''

''تمہیں تو فلموں میں ہونا چاہئے تھا، بالکل فلمی ہیرو کی طرح ڈائیلاگ بولا ہے۔'' وہ ہنسا اور یکدم سنجیدہ ہو کر بے حد سرد لہجے میں بولا۔ ''ہوش کی دنیا میں آؤ، اپنے ساتھیوں کے لئے مشکلات پیدا نہ کرو۔ میرے ایک اشارے پر ان کے لئے مصائب کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ خاص طور سے وہ لڑکی کسی ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہو سکتی ہے۔'' اس کا انداز معنی خیز ہو گیا تھا۔ ''تم بھی سوچ سکتے ہو ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ کیا کچھ.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' میرا حوصلہ جواب دینے لگا تھا۔ ''میں وہ لعنتی تصویر تمہیں دے دوں گا مگر پہلے میرے ساتھیوں کو آزاد کرو۔ ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق، کیوں نہیں ہے۔ وہ تمہارے ساتھی ہیں۔ وہ اس وقت رہا ہوں گے، جب تصویر مجھے مل جائے گی۔''

''ایسا کرو، تم ندیم سے رابطہ کرو۔ پہلے بھی اس معاملے کو وہی دیکھ رہا تھا۔ درمیان میں نادر علی گڑبڑ نہ کرتا تو اب تک مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔''

''ایک بات اور..... مجھے نہیں معلوم کہ نادر کو گولی مارنے والے اور تمہیں لے جانے والے کون لوگ تھے مگر میں جلد انہیں تلاش کرلوں گا اور انہیں اس حرکت کا حساب دینا ہوگا۔''

''میں بھی انہیں نہیں جانتا۔ مل جائیں تو ضرور پوچھ لینا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''وہ زیادہ دیر مجھ سے نہیں چھپ سکتے۔''

''بہتر ہوگا، تم جا کر ندیم سے بات کرو۔ میں اپنے ساتھیوں کو جلد از جلد آزاد دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اگر ابھی مجھے تصویر مل جائے تو میں ابھی انہیں آزاد کر دوں گا۔''

''بات صرف تصویر کی نہیں ہوگی بلکہ میرے ساتھیوں کی رہائی کے ساتھ مقدمات اور تمہاری طرف سے پھر کسی کارروائی کا اعادہ نہ ہونے کی ضمانت بھی ہوگی۔''

''یہ پیش کش میری طرف سے پہلے ہی تھی۔'' اس نے کہا اور فرش پر بکھرے موبائل کی طرف دیکھے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے اس میں سے سم نکالنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ اچانک مجھے خیال آیا، وہ میرا دشمن تھا اور دشمن کے بارے میں ہر طرح سے باخبر رہنا ضروری تھا۔ میں بستر سے اترا اور موبائل کے پُرزوں میں سے سم نکالی اور باقی پُرزوں کو یونہی پڑا رہنے دیا۔ چپ تکیے کے نیچے رکھ لی جیسے ہی میں لیٹا، اکرم چشتی اندر آ گیا۔ اس نے مخصوص شکی انداز میں میرا جائزہ لیا۔ ''خاصے تندرست نظر آ رہے ہو؟''

''کس لئے آئے ہو؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''تمہارا بیان لینا ہے۔''

''اپنے وکیل کی موجودگی کے بغیر میں کوئی بیان نہیں دوں گا۔''

''وکیل کو بھول جاؤ..... اس وقت تم پولیس کی حراست میں ہو اور ساتھ ہی مفرور مجرم بھی ہو۔''

''میں کبھی گرفتار نہیں ہوا اس سے پہلے..... اس لئے فرار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

اکرم چشتی نے سگریٹ سلگائی۔ ''یہ بتاؤ کہ اتنے دن تم کہاں چھپے رہے؟''

''تمہارے گھر میں..... جا کر اپنے بیوی بچوں کو گرفتار کرلو۔''

اس کی آنکھوں میں خطرناک چمک نمودار ہوئی تھی۔ ''شہباز احمد ملک! مجھے مجبور نہ کرو۔ میں تمہیں اسپتال کے بستر سے کھینچ کر تھانے لے جاؤں گا اور تمہارے ہاتھ پیر توڑ دوں گا۔ کوئی مجھ سے نہیں پوچھے گا۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔''

''تمہارے ہاتھ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم زیادہ بہتر جانتے ہو..... نادر علی.....''

''ان کا نام مت لو..... وہ اس وقت اسپتال میں تھے۔'' اس نے میری بات کاٹی۔

''ٹھیک ہے پھر یہ تمہارا کام ہے۔ میں دونوں کے خلاف بھی عدالت میں درخواست دوں گا۔''

''جسے مرضی دینا..... جلد ایک اے ایس آئی تمہارا بیان لینے آئے گا، اسے جو بھی چاہے لکھوا دینا مگر دو باتوں کا خیال رہے..... ایک تو نادر علی یا مرشد علی کا نام نہ آئے دوسرے میرا ذکر نہ آئے ورنہ تم ہو تو پولیس کی تحویل میں۔''

''مجھے معلوم ہے تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن ایک ذات ہے جو تمہارے مظالم کا حساب لے گی۔''

''اس کی فکر نہ کرو۔'' اس نے تکبر بھرا قہقہہ مارا۔ ''اپنے پیر صاحب کی سفارش ہے۔''

''اپنے ساتھ پیر صاحب کو بھی لے کر جاؤ گے۔''

''بکو مت!'' وہ مشتعل ہو گیا تھا۔ ''پیر صاحب کے بارے میں ایک لفظ کہا تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔''

''اب تم بھی میرا دماغ مت کھاؤ، جاؤ یہاں سے۔'' میں نے بے زاری سے کہتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کی نظر موبائل کے ٹکڑوں پر پڑ گئی تھیں۔ ''یہ کس کا موبائل تھا؟''

''مجھے کیا پتا، ہو گا کسی کا؟''

''مجھے تو مرشد علی کا لگ رہا ہے۔'' اس نے بیٹھ کر پُرزے اٹھانا شروع کر دیئے۔ ''اس کی چپ کہاں ہے؟''

''مجھے کیا معلوم.....'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''جس کا موبائل ہے اسی سے پوچھو۔''

''اوہ یار! زیادہ اوکھا مت بن۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''خدا نہ کرے، آئندہ مجھے یار مت کہنا۔''

اس کی ہنسی کو بریک لگ گئی تھی اور وہ مجھے گھورتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد اے ایس آئی نازل ہو گیا۔ اسے میرا بیان چاہئے تھا۔ میں نے ندیم کے بتائے ہوئے نکات ذہن میں رکھ کر مختصر سا بیان دے کر اس سے جان چھڑائی۔ اس کے جانے کے بعد راؤنڈ کا ڈاکٹر آ گیا۔ اس نے میرے ہاتھ کا معائنہ کیا اور کوئی تبصرہ کئے بغیر چلا گیا۔ شریف احمد نو بجے آیا تھا۔ اس نے میرے ہاتھ کا معائنہ کیا اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ ''ڈاکٹر! کیا کنڈیشن ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں آپ سے چھپاؤں گا نہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''درحقیقت ہاتھ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ اب ایک آخری دوا ہے۔ اس کے بعد کل صبح تک ہمیں ہاتھ کو لازمی آپریٹ کرنا پڑے گا۔''

اس نے اپنے بیگ سے ایک انجکشن نکالا اور سرنج میں بھر کر آہستہ سے میرے نیلگوں اور سوجے ہوئے ہاتھ میں انجکٹ کر دیا۔ ''آج شام تک اس کا اثر معلوم ہو جائے گا۔''

''شریف احمد! آپ کا شکریہ..... لیکن مجھے لگتا ہے شاید مجھے اس ہاتھ سے محروم ہونا پڑے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ مایوس نہ ہوں۔ شہباز صاحب! میں نے ایسے ایسے مریضوں کو ٹھیک ہوتے دیکھا ہے جن کو جسم کے کسی حصے میں کنفرم کینسر ین ہو چکا تھا اور وہ ٹھیک ہو گئے۔ ڈاکٹر صرف علاج کرتا ہے لیکن وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے علاج سے مریض صحت یاب ہو گا یا نہیں؟ اسی طرح مریض کے بچنے یا نہ بچنے کے بارے میں بھی ہم اندازہ لگا سکتے ہیں، یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ آپ اللہ سے دل کی گہرائیوں سے مانگیں تو وہ ضرور دے گا۔'' وہ میرا شانہ تھپتھپا کر رخصت ہو گیا۔

میں کچھ دیر اس کے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ ایک نظر ایک ہاتھ کو دیکھا اور دل میں دعا مانگی۔ ''اے اللہ، اگر میرا یہ ہاتھ میرا مقدر ہے تو اسے بچا لے اور میرا مقدر نہیں ہے تو اش پر صبر دے۔'' اس دعا کے ساتھ ہی میرے اندر کا بوجھ اور دکھ ہلکا ہونے لگا تھا۔ ناشتا کر کے میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ مونا اور سفیر کا خیال مجھے خاصی دیر سے پریشان کر رہا تھا۔ پتا نہیں ندیم کو ان کی گمشدگی کا پتا تھا یا نہیں۔ ورنہ اسے صبح سویرے میرے پاس آنا چاہئے تھا۔ وہ گیارہ بجے آیا تھا۔

''ندیم! مونا اور سفیر.....''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے مونا اور سفیر سے بات ہوئی ہے۔ یار، تم لوگوں کو سوائے مسائل پیدا کرنے کے اور کوئی کام نہیں ہے؟''

''مسائل نہ ہوں تو تیرا کام کیسے چلے گا؟'' میں مسکرایا۔ ''لیکن ان دونوں نے حماقت کی۔''

''تیرے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ یہاں سائن کر دے۔'' اس نے فائل کھول کر میرے سامنے کی۔ ''شام کو مرشد علی اپنے وکیل کے ساتھ میرے دفتر آئے گا۔''

''سن! مونا اور سفیر کو ہر قیمت پر صحیح سلامت اس کے قبضے سے نکالنا ہے۔ میرے مقدمات ثانوی مسئلہ ہیں۔''

''تم اس مسئلے پر سر نہ کھپاؤ۔ انہیں مجھے دیکھنے دو۔'' اس نے کہا۔ ''ڈاکٹر نے کیا کہا؟''

''امید کم ہے۔ ایک انجکشن اور دیا ہے اگر شام تک بہتری نہ آئی تو کل لازماً اسے آپریٹ کرنا پڑے گا۔''

''اوہ.....!'' ندیم کے منہ سے نکلا تھا، سائن لے کر اس نے فائل بند کی۔ ''میں شام کو آؤں گا۔ یہ بتا، پولیس کو کیا بیان دیا؟''

''میں نے اسے بیان کے بارے میں بتایا۔ وہ بغور سنتا رہا۔ پھر سر ہلا کر بولا۔ ''بالکل ٹھیک بیان دیا ہے۔''

''وسیم سے ملاقات ہوئی؟''

''نہیں..... وہ کل شام ہی اسپتال سے غائب ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے ڈسچارج نہیں کیا تھا۔''

''اچھا..... وہ مرشد علی سے بچنے کے لئے غائب ہوا ہے لیکن اس کی کوٹھی.....''

''کوٹھی کرائے کی ہے کسی غضنفر نامی شخص نے لی تھی۔ مالک بیرون ملک ہے۔ اس نے کوٹھی کسی اسٹیٹ ایجنٹ کے ذریعے کرائے پر دی ہے۔ پولیس کو اس کوٹھی میں رہنے والے کسی فرد کے بارے میں نہیں معلوم ہے۔ غضنفر کی تلاش جاری ہے۔ مگر اسٹیٹ ایجنٹ بھی تین سال میں اس کی صورت بھول چکا ہے۔ کرایہ اسے مختلف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افراد آ کر دے جاتے تھے۔''

''تمہیں یہ سب کہاں سے معلوم ہوا؟''

''ایسے ہی کامیاب وکیل نہیں ہوں۔'' اس نے فائل بیگ میں رکھی۔ ''ہر جگہ لائن بنا کر رکھی ہے۔ تیرا وجہ سے میں نے پوری رپورٹ لی ہے۔''

''یہ تو برا ہوا۔''

''نہیں ایک لحاظ سے اچھا ہوا۔ اگر وسیم تیرا ہمدرد ہے تو اسے پولیس سے دور رہنا چاہئے کیونکہ پولیس کے ہاتھ آنے کا مطلب ہے، مرشد علی کے ہاتھ آنا۔ وہ آزاد رہ کر تیری بہتر مدد کر سکتا ہے۔''

ندیم ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ''تو کب آئے گا؟''

''دیکھو، ان لوگوں سے کب تک معاملہ طے پاتا ہے۔ مونا اور سفیر محفوظ ہیں اس لئے میں کوشش کروں گا تمام تصفیہ طلب معاملے طے کر لوں۔''

''مرشد علی ضمانت دینے کی بات کر رہا تھا کہ بعد میں مجھے یا میرے واقف کاروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

''اس قسم کی کوئی ضمانت بے کار ہے۔ یہ لوگ عدالتی ضمانتوں کو اہمیت نہیں دیتے۔''

''اس کا مطلب ہے مستقبل میں بھی ہمیں ان سے خطرہ لاحق رہے گا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''فی الحال پولیس سے جان چھوٹتی نظر نہیں آ رہی ہے۔''

''مجھے بھی تم لوگوں کا یہاں رہنا دشوار لگ رہا ہے مگر اس پر بعد میں غور کریں گے۔ پہلے موجودہ مسائل سے تو نمٹ لیں۔'' ندیم اٹھتے ہوئے بولا۔

پین کلر اور اعصاب کو سن کرنے والی ادویات کی بدولت مجھے کلائی میں درد کم لگ رہا تھا۔ مگر ذہنی اذیت اس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ میرے ہاتھ کی پریشانی پس پشت چلی گئی تھی اور مجھے مونا اور سفیر کی فکر لاحق تھی۔ میری وجہ سے انہیں کوئی نقصان ہوتا تو میں کبھی خود کو معاف نہ کرتا۔ ندیم اس معاملے کو بالکل غیر جذباتی انداز میں لے رہا تھا اس لئے مجھے امید تھی، وہ زیادہ بہتر طریقے سے معاملات طے کر لے گا۔ سوچتے سوچتے میں نہ جانے کب سو گیا۔ شاید اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ چار بجے مجھے ایک نرس نے اٹھایا۔

''آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ ابھی آپ کو دوا بھی لینی ہے۔'' وہ میرے لئے سوپ لائی تھی، مجھے بھوک لگ رہی تھی، میں نے بستر اوپر کر دا کے سوپ پیا۔ اس کے بعد نرس نے مجھے دوائیں دیں۔ میں نے نرس سے کہا۔

''سسٹر! کیا مجھے چائے یا کافی مل سکتی ہے؟''

''اسپتال کی طرف سے نہیں..... لیکن میں آپ کو چائے لا دوں گی۔''

''میں شکر گزار رہوں گا۔'' میں نے ممنونیت سے کہا تھا۔

میرے ہاتھ کی رنگت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی بلکہ مجھے لگ رہا تھا کہ اس کا رنگ مزید سیاہ ہو گیا ہے۔ سوجن میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، مجھے اپنا اندر بھی اس ہاتھ کی طرح تاریک اور بے حس لگنے لگا۔ جب نرس چائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے کر آئی تو میرا موڈ نہیں تھا۔ چائے برابر میں دراز پر رکھی رکھی سرد ہو گئی۔ میرا ذہن ایک خلا بن گیا تھا جس میں کوئی سوچ نہیں تھی۔ میں اس وقت چونکا جب ڈاکٹر شریف احمد آیا تھا۔ اس نے میرے ہاتھ کا بغور معائنہ کیا۔ اسے دبا کر دیکھتا رہا، مجھ سے تکلیف اور احساس کے بارے میں پوچھتا رہا ہر بار میرا جواب نفی میں ہوتا تھا۔ اس نے آپریشن کے زخم کی پٹی سرکا کر دیکھی اور آخر میں گہری سانس لے کر بولا۔

''شہباز دوست! مجھے افسوس ہے۔ اٹ ول بی کٹ آف ناؤ۔''

''آپریٹ کب ہوگا؟'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''جتنی جلد ہو سکے اس طرح ہم زہر کو اوپر چڑھنے سے روک سکیں گے۔ اگر تم پسند کرو تو میں آپریشن کر دوں۔ میری کوشش ہوگی زیادہ سے زیادہ ہاتھ بچایا جا سکے۔ یہاں کے ڈاکٹر شاید زخم کے اوپر سے آپریٹ کر دیں۔''

''میں آپ سے آپریٹ کرواؤں گا۔'' میں نے فوری فیصلہ کیا۔

''اوکے۔ آدھی رات کے بعد کسی وقت آپریشن کریں گے۔ میں آپ کے ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں۔ وہی بتائے گا کہ آپریشن کب ہوگا۔''

''میں تیار ہوں ڈاکٹر!'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے، میں آپ کے لئے کچھ نہ کر سکا۔'' وہ مغموم لہجے میں بولا اور چلا گیا۔ میرے اندر کا خلا اور خاموشی بڑھ گئی تھی۔ کمرے میں روشنی مستقل جلتی رہتی تھی۔ کھڑکی کے باہر تاریکی چھانے لگی تب مجھے احساس ہوا کہ شام ہو چکی ہے۔ مجھے ندیم کا خیال آیا تو کئی گھنٹوں بعد ذہن میں تحریک پیدا ہوئی تھی۔ مجھے مونا اور سفیر کا خیال ستانے لگا اگر سب کچھ طے پا گیا تھا تو وہ رہا ہو چکے تھے یا ہونے والے تھے۔ مجھے ندیم کا انتظار تھا۔ نرس نے آ کر مجھے شام کی دوائی دی تو میں نے وقت معلوم کیا۔ اس نے بتایا کہ آٹھ بجنے والے ہیں۔ مجھے واش روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ ایک وارڈ بوائے مجھے سپاہیوں کی نگرانی میں باتھ روم لے گیا تھا۔ واپسی پر میرا ڈاکٹر چیک کرنے آیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میرا آپریشن رات دو بجے ہوگا اس نے ایک فارم دیا۔

''اس پر سائن کر دیں۔''

''اس میں کیا ہے؟'' میں نے فارم دیکھا۔ یہ دراصل ایک طرح کا راضی نامہ تھا کہ میں ڈاکٹروں کو اپنا ہاتھ کاٹنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ میں نے لرزتے ہاتھ سے فارم پر سائن کر دیئے۔ ڈاکٹر مجھ سے فارم لے کر چلا گیا۔ ندیم اب تک نہیں آیا تھا۔ مجھے پریشانی ہونے لگی تھی۔ پولیس کسٹڈی کی وجہ سے میں مجبور تھا۔ کسی طرح اس سے رابطہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد مجھے طاقت کا انجکشن دیا گیا تھا تاکہ میں آپریشن کے لئے جسمانی طور پر تیار ہوں۔ اگرچہ میرے لئے یہ بہت اہم تھا لیکن ڈاکٹروں کی نزدیک یہ عام سا اور مائنر (Miner) قسم کا آپریشن تھا، انہیں میرا ہاتھ قطع کر کے بس کھال سی دینی تھی۔ دواؤں میں مجھے شاید کوئی مسکن دوا دی گئی تھی کیوں کہ میں غنودگی محسوس کر رہا تھا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ ندیم نہیں آیا تھا اور شاید اب اس کے آنے کا امکان بھی نہیں رہا تھا۔ آج رات میرے لئے تبدیلی لانے والی تھی۔ غنودگی کی کیفیت سے کبھی کبھی چونک کر اس ہاتھ کی طرف دیکھ لیتا تھا جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھ سے جدا ہونے والا تھا۔ بچپن سے آج تک میں نے اسے کبھی اہمیت نہیں دی تھی لیکن اب مجھے اس کا احساس تھا۔ اس چھوٹی سی شے کے نہ ہونے سے میں ادھورا رہ جاتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے، ایک روپیا ایک لاکھ روپے نہیں ہوتا مگر ایک لاکھ میں سے ایک روپیا نکال دیا جائے تو وہ ایک لاکھ روپیا نہیں رہتا ہے۔ ایسے ہی میرا یہ ہاتھ میرا پورا جسم نہیں تھا لیکن اگر یہ ہاتھ نہ رہتا تو میرا جسم پورا نہیں کہلا سکتا تھا۔

رات کا نہ جانے کتنا حصہ گزر چکا تھا لیکن ابھی دو نہیں بجے تھے، جب مجھے آپریشن تھیٹر میں لے جایا جاتا۔ پھر دروازے پر آہٹ سے میں چونکا۔ دو وارڈ بوائے اسٹریچر اندر لا رہے تھے۔ سپاہیوں نے انہیں آرام سے آنے دیا کیونکہ ان کا تعلق اس اسپتال سے تھا۔ انہوں نے مجھے اسٹریچر پر لٹایا اور لے کر روانہ ہو گیا۔ میں نے سرد آہ بھر کر سوچا۔ وقت آ گیا ہے، اسٹریچر اسپتال کی راہ داریوں سے گزر کر آپریشن روم کی طرف جا رہا تھا۔ وارڈ بوائز کے انداز میں عجلت تھی۔ انہوں نے آپریشن والا مخصوص لباس پہن رکھا تھا۔ شاید ڈاکٹر شریف آ چکا تھا اور انتظامات بھی مکمل تھے۔ ایک طویل راہ داری سے گزر کر ہم ایک بڑے دروازے تک پہنچے اور جب اس سے نکلے تو ہم کھلی فضا میں تھے۔

''یہ تم لوگ..... مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''کیا میرا آپریشن نہیں ہونا ہے؟''

''نہیں جناب!'' میرے سر کے عقب میں موجود وارڈ بوائے نے سرگوشی کی۔ ''ہم آپ کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔''

''کہاں؟'' میں نے اضطراب سے پوچھا۔ میرے اندر اندیشے سر سرانے لگے تھے۔ ''کون ہو تم..... اسٹریچر روکو ورنہ میں اتر جاؤں گا۔''

مگر اتنی دیر میں وہ اسٹریچر ریمپ سے اتار کر نیچے کھڑی ایمبولینس تک لا چکے تھے۔ ''آپ فکر نہ کریں، آپ دوستوں میں ہیں جناب!''

''بکو مت!'' میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ دوسرا پھرتی سے میری طرف آیا اور اس نے جیب سے کچھ نکال کر میرے منہ پر رکھ دیا۔ سانس روکتے روکتے بھی اس شے کی تیز بو میرے حواسوں پر طاری ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے بے اختیار سانس لیا اور میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے چھینک آئی اور میں بیدار ہو گیا اس بار بھی ناک میں تیز بو کا احساس تھا لیکن یہ ہوش میں لانے والی تھی۔ امونیا کی جانی پہچانی بو تھی۔ ذہن صاف ہوا تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں ایک صاف ستھرے اور آرام دہ بستر پر تھا۔ مجھے امونیا سنگھانے والا شاید کوئی ڈاکٹر تھا۔ اس نے مجھے انجکشن دیا تھا کیونکہ بازو میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے تسلی دی۔ ''نیوروبیان کا انجکشن ہے، طاقت کے لئے دیا ہے۔''

''میں کہاں ہوں؟'' میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے روک دیا۔

''پلیز، چند منٹ لیٹے رہیں، آپ دوستوں میں ہیں۔''

''دوستوں کو اس طرح بے ہوش کر کے لایا جاتا ہے کیا؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کو کس طرح لایا گیا ہے لیکن میں سو فی صد ذمے داری سے کہہ رہا ہوں، آپ اپنے ہمدردوں میں ہیں۔''

''یہ کس قسم کے ہمدرد ہیں؟'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''مجھے آپریشن روم کے بجائے یہاں لے آئے۔ صبح سے پہلے میرا یہ ہاتھ قطع نہ کیا گیا تو اس کا زہر پھیلنے لگے گا۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ''لیکن اس بارے میں بھی آپ بے فکر رہیں۔ آپ کو یہاں لانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کے ہاتھ کو بچانے کی ایک کوشش اور کی جائے۔''

''کیا مطلب..... اس کام کا ماہر ڈاکٹر شریف مایوس ہو چکا ہے..... تو تم لوگ کیا کر سکو گے؟''

''دیکھیں انسان حرفِ آخر نہیں ہے۔ سب کچھ اس ذات کے ہاتھ میں ہے جسے ہم اپنا رب مانتے ہیں۔ اس سے امید رکھیں، سب بہتر ہوگا۔ یہ بتائیں آپ کچھ کھائیں گے یا چائے کافی کوئی اور مشروب؟''

میں نے صاف انکار کر دیا۔ ''جب تک مجھے معلوم نہیں ہو گا کہ میں کن لوگوں میں ہوں، میں کچھ نہیں کھاؤں پیوں گا۔''

''شہباز صاحب! آپ دوستوں میں ہیں۔'' دروازے سے ایک جانی پہچانی آواز آئی۔ وہاں وسیم کھڑا تھا۔ میں بے اختیار بستر پر بیٹھ گیا۔ وسیم آگے آ کر میرے گلے سے لگا۔ ''میں اسپتال سے نکلنے کے بعد بھی آپ کی خبر رکھے ہوئے تھا اور جیسے ہی اطلاع ملی، آپ کا ہاتھ آپریٹ ہونے والا ہے، ہم نے آپ کو وہاں سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مگر کیوں.....؟ میرے ہاتھ کا آپریشن ہو جانے دیتے اور یہ کیا کہہ رہا ہے..... کیا میرے ہاتھ پر کوئی تجربہ کیا جائے گا؟''

''ہاں، ایک اور طریقۂ علاج آزمایا جائے گا۔''

میں نے گہرا سانس لیا۔ ''وسیم، آخر تم بتاتے کیوں نہیں..... تم لوگ کون ہو اور میرے لئے اتنی زحمت کیوں کر رہے ہو؟''

وہ مسکرایا۔ ''یہ ابھی ایک راز ہے۔ جس شخص نے ہمیں آپ کے لئے ہائر کیا ہے، وہ جلد یہاں آنے والا ہے۔ اسے دیکھ کر آپ کو آپ کے تمام سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔''

''اور وہ کب تک آئے گا؟''

وسیم نے گھڑی دیکھی۔ ''اس وقت صبح کے سات بج رہے ہیں۔ شاید بارہ ایک بجے تک آ جائے گا۔''

مجھے ندیم، مونا اور سفیر کا خیال آیا۔ ''مجھے اپنے وکیل سے بات کرنی ہے۔''

وہ پھر مسکرایا۔ ''مجھے معلوم ہے..... لیکن اس معاملے میں بھی آپ کو تھوڑا صبر کرنا پڑے گا۔ فی الحال رابطہ ممکن نہیں ہے اور ہم آپ کے ساتھیوں کو چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بس یہ پتا چل جائے وہ کہاں رکھے گئے ہیں۔''

مجھے سم کا خیال آیا جو میں نے مرشد علی کے تباہ شدہ موبائل سے نکالی تھی اور وہ بستر کے سرہانے رہ گئی تھی۔ ''کیا موبائل چپ میں موجود نمبروں سے ان کا پتا چل سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں؟'' اس نے چونک کر کہا تب میں نے اسے مرشد علی کی موبائل فون چپ کے بارے میں بتایا۔

''اوہ کاش.....! آپ اسے لے آتے..... خیر.....'' وہ جلدی سے کمرے سے چلا گیا اس کی واپسی کوئی پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی۔ ''میں نے اپنے آدمی روانہ کر دیئے ہیں۔ خدا کرے چپ مل جائے۔''

''مجھے ندیم کو فون کرنے دو۔ وہ تصویر کی ڈیل کر رہا ہوگا۔''

''مجھے افسوس ہے۔ آپ اسے فون نہیں کر سکتے، اسے ہماری مجبوری سمجھیں۔''

''کیسی مجبوری.....؟ کیوں فون نہیں کر سکتا؟'' میں جھنجلا گیا تھا۔

''پلیز شہباز صاحب، ذرا صبر کریں..... بس چند گھنٹے کی بات ہے۔ سب آپ کے سامنے آ جائے گا۔ اس وقت تک آپ ناشتا کریں اور آرام کریں۔''

''ان حالات میں کھانا یا آرام کرنا ممکن ہے جبکہ میرے ساتھی ایک کمینے دشمن کے قبضے میں ہیں اور میں بے دست و پا تمہارے پاس ہوں؟''

''لوگوں پر اس سے بھی برا وقت آتا ہے۔ آپ کے ساتھیوں کے بارے میں، میں ضمانت دیتا ہوں۔ مرشد علی ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ وہ تصویر اس کے لئے [illegible] ہے۔''

میں چونکا۔ ''تمہیں اس تصویر کے بارے میں کیا معلوم ہے؟''

''بہت کچھ لیکن یہ تصویر اسے نہیں ملے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ مرشد علی ایک جاہل جاگیردار خاندان سے ہے جسے فنونِ لطیفہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے تب تصویر کی اس کے لئے کیا اہمیت ہے؟''

''تصویر اسے اپنے لئے نہیں بلکہ کسی اور کے لئے چاہئے۔''

میں چونکا۔ ''کس کے لئے..... کیا وہ کوئی غیر ملکی ہے۔''

''آپ بھی اس تصویر کے بارے میں خاصے باعلم ہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''میں ابھی ناشتا بھجواتا ہوں۔ دوائیں بھی منگوالی ہیں اور ایک ڈاکٹر ہمہ وقت موجود رہے گا۔''

وہ چلا گیا اور میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ میری زندگی کے ہنگامہ خیز دور کا آغاز بھی اس تصویر کی وجہ سے ہوا تھا اور اب جب کہ میں اپنی مشکلات میں گھرا تھا، یہ تصویر ایک بار پھر میرے لئے آزمائش کا باعث بن رہی تھی۔ شاید تقدیر نے یہ تصویر میری زندگی میں شامل کر دی تھی۔ کچھ دیر میں ناشتا آ گیا۔ سلیقے سے سنکے ہوئے توس تھے۔ مکھن اور ابلے ہوئے انڈے تھے۔ جام اور جیلی تھی اور سب سے بڑھ کر ناشتا کرانے کے لئے حسین اور طرح دار نرس تھی۔ وہ پہلی بار آئی تھی اور اس کے آتے ہی کمرے کے بے جان اور ساکت ماحول میں زندگی کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ یہ لہریں اس کے وجود سے پھوٹ رہی تھیں، اس نے کمرے کے پردے ہٹائے اور ناشتے کی میز بستر کے ساتھ لگا کر اپنے ہاتھوں سے مجھے مختلف چیزیں دینے لگی۔ سنہرے سیب جیسی رنگت، سنہری مائل بال، زندگی سے بھرپور ہنستا اور جگمگاتا چہرہ اور نرس کی یونیفارم میں پارے کی طرح چلتا بدن۔

''میرا نام جولی ہے سر!'' اس نے کہا۔ ''میں آپ کی خدمت پر مامور ہوں۔''

''گزشتہ ایک ہفتے میں تم میری نظر سے گزرنے والی سب سے حسین نرس ہو۔''

وہ ہنسی ''سر، یہ توس لیں، میں نے خود جام لگایا ہے۔''

''شکر ہے یہ جام بنانے والے ہاتھ نہیں ہیں۔ میں پیتا نہیں ہوں۔''

''اور سر! اگر میں جام بنانے والی ہوتی؟'' اس کے لہجے میں شرارت نمایاں تھی۔

''تب میں پینے پر غور کرتا۔'' میں نے اس کے لہجے میں کہا۔ اسی طرح باتوں باتوں میں اس نے مجھے پورا ناشتا کرا دیا اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔ میری فرمائش پر وہ خاص کافی بنا کر لائی اور پھر اپنے دستِ مبارک سے دوا کھلا کر کوئی انجکشن لگایا۔ ''سر! اب آپ آرام کریں۔''

''اور تم.....؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''میں یہیں ہوں کوئی کتاب دیکھوں گی، میں بی کام کی تیاری کر رہی ہوں۔ ڈیوٹی کے دورانِ اوقات کچھ تیاری کر لیتی ہوں۔''

''تم نرسنگ کر چکی ہو، پھر بی کام کیوں؟''

''کیونکہ سر! اس پیشے میں عزت نہیں ہے۔ لوگوں کے نزدیک میری خدمت گزاری اور نرسنگ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ مجھے صرف ایک لڑکی کے طور پر دیکھتے ہیں۔ بی کام کر کے میں کہیں اور جاب کر لوں گی۔''

نہ جانے کیوں میں شرمندہ ہو گیا تھا اور چند لمحے پہلے میں جتنا زندہ دل ہو رہا تھا، اب اندر سے اتنا ہی مر گیا تھا۔ ابھی کل تک میرا دوسری نرسوں سے واسطہ پڑتا رہا تھا۔ میں نے ان سے کوئی فالتو بات نہیں کی حالانکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے بھی میری اتنی ہی خدمت کی تھی اور نہ ہی ان کی محبت نے میرے جذبات میں تھرتھری پیدا کی تھی شاید اس لئے کہ وہ سب عام سی شکل صورت کی حامل تھیں اور جولی بے حد حسین تھی۔ میرے تاثرات دیکھ کر اس نے جلدی سے کہا۔ ''سر! میں نے آپ کے حوالے سے یہ بات نہیں کی ہے۔ آپ ان چند لوگوں میں سے ہیں جن کی آنکھوں میں میل نہیں ہے۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''پھر بھی میں شرمندہ ہوں۔ کیونکہ اس مرد برادری کا رکن ہوں جو عورت کو کھلونا سمجھتی ہے۔''

''نہیں سر! اس معاشرے میں ابھی اچھے لوگ بھی ہیں اور مجھے یقین ہے، آپ ان میں سے ایک ہیں۔''

''شکریہ جولی۔ تم بھی ایک اچھی لڑکی ہو۔'' میں بستر پر دراز ہو گیا۔

اس نے اپنے بڑے سے بیگ سے بینکنگ کے موضوع پر نصابی کتاب نکالی اور اس کا مطالعہ کرنے لگی۔ اس نے اپنی کرسی کھڑکی کے نزدیک کر لی تھی تاکہ روشنی صحیح طرح سے آئے۔ میں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گیا تھا۔ مونا اور سفیر کے بارے میں وسیم کا رویہ پُرسکون تھا۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی تھیں۔ اوّل تو یہ کہ مونا اور سفیر واقعی محفوظ تھے، جب تک تصویر کا حصول ممکن نہ ہو جاتا، قوی امکان تھا کہ مرشد علی انہیں ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ میری گمشدگی کے بعد یہ ڈیل پھر کھٹائی میں پڑ چکی ہو گی۔ وسیم کے انداز سے لگ رہا تھا کہ تصویر اب تک مرشد علی کو نہیں ملی ہے۔ عین ممکن ہے، ندیم نے میری گمشدگی کو مرشد علی کے کھاتے میں ڈال کر میری بازیابی کا مطالبہ بھی کر دیا ہو اور یہی غالباً وسیم کا مقصد تھا کہ ندیم میرے بارے میں کنفیوژ رہے اور تصویر مرشد علی کے حوالے نہ کرے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ وسیم نے اس حوالے سے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ تصویر سے اس کی دلچسپی بھی ظاہر تھی کیونکہ اس نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ تصویر کسی صورت مرشد علی کو نہیں ملے گی۔ یعنی اس مونا اور سفیر کی پروا نہیں تھی۔ میرے لئے وہ اس لئے سرگرم تھا کہ تصویر میرے توسط سے مل سکتی تھی۔ اچانک مجھے خیال آیا۔

''جولی! کیا تمہارے پاس موبائل ہے؟''

''ہے سر! لیکن فی الحال وہ مجھ سے لے لیا گیا ہے۔'' اس نے کہا تو میں سرد آہ بھر کر رہ گیا۔ وسیم ہر پہلو پر نظر رکھنے والا شخص ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے مجھ پر پابندی لگائی تھی نہ جانے کیوں میرا ذہن اس کے بارے میں منفی انداز میں سوچنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جولی مطالعے میں گم رہی اور میں آرام کرتا رہا۔ دواؤں کے مسلسل استعمال سے کلائی کے آپریشن کی تکلیف خاصی کم ہو گئی تھی لیکن اس سے نیچے ایک عجیب سی اینٹھن اور درد والی کیفیت تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی پوری قوت سے میرا پنجہ بھینچ رہا ہو۔ کئی بار میں چونک کر ہاتھ جھٹکتے جھٹکتے رہ گیا تھا۔ سامنے دیوار پر خوب صورت سی وال کلاک لگی تھی۔ میں بھی کبھی اس میں وقت دیکھ لیا کرتا تھا۔ بارہ بجے میری بے چینی عروج پر تھی۔ وسیم نے جس شخص کا ذکر کیا تھا، اسے آ جانا چاہئے تھا یا وہ اب تک آ چکا تھا۔ میں نے جولی سے کہا۔ ''مجھے وسیم سے بات کرنی ہے۔''

''میں انفارم کرتی ہوں سر!'' اس نے کہا اور میز پر رکھے ٹیلی فون کے سیٹ کا کریڈل اٹھا کر ایک نمبر دبایا۔ ''مسٹر شہباز! وسیم صاحب سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے کہا اور دوسری طرف سے جواب سن کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکریہ کہا اور ایک نمبر اور ملایا۔ ''سر! میں جولی بات کر رہی ہوں۔ شہباز صاحب، آپ سے بات کریں گے۔''

اس نے انٹر کام کا ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ ''جی جناب!'' وسیم کی آواز آئی۔

''وسیم، میں اس شخصیت سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں جو میرے لئے اتنے جتن کر رہی ہے۔''

''وہ اب سے دو گھنٹے کے اندر یہاں ہوں گے اس میں ذرا تاخیر ہو رہی ہے اور تاخیر بھی اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ وہ آپ کے علاج کی دوا لا رہے ہیں۔''

''چلو، جہاں اتنا وقت گزرا ہے، وہاں دو گھنٹے اور سہی۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''وسیم، کیا تم مجھے باہر کے حالات بتانا پسند کرو گے؟ پولیس، مرشد علی اور میرا وکیل نریم میری گمشدگی کو کس نظر سے دیکھ رہے ہیں؟''

''میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔'' اس نے کہا اور لائن بے جان ہو گئی۔ میں نے ریسیور جولی کو واپس کر دیا۔

وسیم چند منٹ بعد میرے سامنے تھا۔ وہ بالکل تر و تازہ لگ رہا تھا۔ دو روز پہلے کے حادثے کا صرف معمولی سا نشان اس کی کنپٹی کے پاس زخم کا تھا جس پر کھرنڈ آ گئی تھی۔ اس نے خاص نظروں سے جولی کی طرف دیکھا تو وہ چپ چاپ کمرے سے چلی گئی۔ وسیم کرسی کھسکا کر بستر کے پاس بیٹھ گیا۔ ''جولی اچھی لڑکی ہے اور قابل اعتماد بھی ہے اس کے باوجود آپ اپنے یا میرے بارے میں بات کرتے ہوئے محتاط رہیں۔''

''سوری، مجھے خیال نہیں رہا تھا۔''

''معذرت کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ بہر حال آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ پولیس آپ کو مفرور قرار دے رہی ہے۔ ڈیوٹی پر موجود سپاہیوں کو معطل کر کے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ندیم اسے پولیس کی چال قرار دے رہا ہے اور آج اس نے آپ کی بازیابی کے لئے درخواست عدالت میں دائر کر دی ہے۔ تیسری طرف مرشد علی اسے ہمارے کھاتے میں ڈال رہا ہے۔ اگرچہ وہ ہم سے ناواقف ہے لیکن اتنا جانتا ہے کہ اس کے خلاف آپ کے کچھ ہمدرد موجود ہیں۔''

''مرشد علی کا خیال درست ہے۔'' میں مسکرایا۔ ''یعنی وہ ذہین آدمی ہے۔''

''نہیں، یہ بات سمجھنا معمولی ہے، آپ کو اس نے اغوا نہیں کرایا اور نہ ہی پولیس نے غائب کیا ہے۔ پولیس خود اس کی زر خرید ہے اور اس سے چھپ کر ایسا کام نہیں کر سکتی۔ اب ہم رہ جاتے ہیں جو ایک بار پہلے بھی آپ کو اس کے چنگل سے نکال چکے ہیں۔''

''بس ذرا تاخیر سے۔'' میں نے سرد آہ بھر کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

''مجھے ساری عمر افسوس رہے گا اگر ہم چند منٹ جلدی پہنچ جاتے۔''

''بس مقدر میں تھا۔''

''آپ مایوس نہ ہوں۔'' اس نے مجھے تسلی دی۔ ''آج دوا آ رہی ہے، وہ یقیناً اثر دکھائے گی۔''

''خدا کرے۔'' میں نے دل سے کہا۔

''ندیم صاحب کو بے خبر رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح وہ سچ مچ آپ کی بازیابی کے لئے بھاگ دوڑ کریں گے۔ اس سے مرشد علی اور پولیس کا شبہ تذبذب میں پڑ جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ندیم کو پتا چل جائے تب بھی وہ پوری کوشش کرے گا۔'' میں نے کہا۔

''معذرت چاہوں گا لیکن اس کا حکم نہیں ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

کس کا حکم نہیں تھا، ظاہر ہے اس شخص کا جس نے وسیم کو ہائر کیا تھا جو دو بجے تک یہاں آنے والا تھا۔ وسیم کچھ دیر بعد چلا گیا تھا۔ میں واش روم سے آیا تو جولی چکن کارن سوپ کی شکل میں دوپہر کا کھانا لے آئی تھی۔ اسے پی کر میں نے دوا لی۔ انجکشن نہیں لگا تھا شاید اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے ہاتھ کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آئی تھی۔ دو بجے کے قریب وسیم آیا تھا۔ ''جناب! کیا آپ چل سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں۔'' میں اٹھتے ہوئے بولا۔ ''کہاں جانا ہے؟''

''یہیں پاس ایک کمرے میں ... آ گئے ہیں، آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''چلو، میں تو کب سے انتظار کر رہا ہوں۔''

''ممکن ہے آپ حیران رہ جائیں۔'' وہ مسکرایا۔

''گزشتہ کچھ دن سے میں یہی کام تو کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کبھی کبھی تو یہ سب خواب لگتا ہے جیسے ابھی آنکھ کھل جائے گی اور میں اپنی معمول کی زندگی میں ہوں گا۔''

''ایسا بھی ہوگا جناب!'' اس نے گویا مجھے تسلی دی۔ میں اس کے ہمراہ ایک وسیع نشست گاہ میں داخل ہوا جو قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھی۔ صوفے پر ایک شخص سنہری کلاہ پہنے بیٹھا تھا۔ اس کی بھنویں تک سفید تھیں لیکن کمر بالکل سیدھی تھی اور آنکھوں میں عقابی چمک تھی۔ بلند پیشانی اور کھڑی ہوئی ناک اس کے عالی ہمت ہونے کی نشانی تھی۔ وہ راجا عمر دراز تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس نے صوفے سے اٹھتے ہوئے مجھے سینے سے لگا لیا۔ ''کیسے ہو شہباز احمد!''

''آپ کے سامنے ہوں راجا صاحب!'' میں نے حیرت سے سنبھلتے ہوئے کہا۔ ''میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ شخصیت آپ کی ہوگی۔''

''حالانکہ اس شہر میں تصویر دیکھ کر تمہیں سمجھ جانا چاہئے تھا کہ میں بھی آس پاس ہوں گا۔''

''اس کے برعکس تصویر دیکھ کر مجھے کچھ اور خیال آیا تھا خدانخواستہ.....''

''میں اس دنیا میں نہیں رہا۔'' وہ مسکرایا۔

''یا پھر اسے آپ کے محل سے چرا لیا گیا تھا؟''

''ہاں..... لیکن میرے آدمی چوروں کے پیچھے تھے اور انہوں نے تصویر حاصل کر لی تھی۔ بدقسمتی سے جس کے پاس تصویر تھی، وہ تمہاری گاڑی سے ٹکرا گیا۔''

''اس کی موت میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، وہ اتنا اچانک سامنے آیا تھا کہ میں کوشش کے باوجود اسے نہ بچا سکا۔ بہرحال تصویر میں نے اس سے لی تھی اور وہ اب میرے پاس محفوظ ہے۔''

''مجھے معلوم ہے، یہ ایک حادثہ تھا۔ بڑی اتفاق سے اس کا بندر تمہارے پاس پہنچ گیا۔''

''وہ بندر اس فقیر کا تھا۔'' میں چونکا۔ مجھے فقیر سے مشابہ چلنے والا شخص یاد آیا جس کے ساتھ بندر چلا رہا تھا۔ میں نے اس کا ذکر راجا عمر دراز سے کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ اس کا بھائی تھا۔ بندر دونوں نے مل کر پالا تھا اور اب وہ میرے پاس ہے۔'' راجا عمر دراز بولا اور دی۔ ''جے ڈی..... ادھر آ جاؤ۔''

بندر چاروں ہاتھوں پیروں سے چلتا نشست گاہ میں آیا اور راجا عمر دراز کے قدموں میں بیٹھ گیا، اس نے ی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''میرا بیٹا!''

جواب میں بندر نے فدویانہ انداز میں دانت نکالے۔ یہ بلاشبہ وہی بندر تھا۔ اس کے دائیں کان پر کسی کے کاٹنے کا نشان تھا۔ اس نے لاتعلقی سے میری طرف دیکھا تھا جیسے مجھے جانتا ہی نہیں ہو۔ میں نے اس توجہ ہٹا کر راجا کی طرف دیکھا۔ ''آپ نے میرے لئے اتنی زحمت اسی وجہ سے کی کہ وہ تصویر میرے پاس

''اس وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ میرے دشمن تمہارے دشمنوں کے حلیف بن چکے ہیں۔''

''مرشد علی!'' میں چونکا۔ ''اور آپ کے دشمن.....''

''وہی شا خاندان..... لیکن اب اس کا ایک نیا مہرہ سامنے آیا ہے۔ شاید تمہیں علم نہ ہو۔ برٹ شا کو مردہ دیا چکا ہے اور اس کی جائیداد اس کے ایک کزن کے قبضے میں ہے۔ ڈیوڈ شا نامی یہ شخص بے حد خطرناک افریقہ میں اپنی قوم کی خدمات کے صلے میں اسے بڑے اعزازات اور جاگیر سے نوازا گیا ہے۔ وہاں یہ ں طاقتوں کے مفاد میں خانہ جنگیاں کراتا رہا ہے اور اب ولیم شا کے وارث کی حیثیت سے تصویر حاصل نے آیا ہے۔''

''برطانیہ کا ایک سیاسی اور سرکاری کارندہ!'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''مرشد علی سے اس کا کیا تعلق ا ہے؟''

''وہی جو آقا سے غلام کا ہوتا ہے۔ مرشد علی خود اس کا مرید بنا ہوا ہے کیونکہ وہ سیاست میں اونچے مقام پہنچنا چاہتا ہے اور ہمارے ملک میں یہ تصور عام ہے کہ حکومتیں بیرونی اشارے پر تشکیل پاتی ہیں۔'' راجا راز کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں قدرتی طور پر آپ کا حلیف بن گیا لیکن سوال یہ ہے کہ میرے ساتھی مرشد علی کی قید یں وہ مجھ سے تصویر کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تصویر میرے قبضے میں ہے اور میں آپ کے قبضے میں ہوں۔ تصویر کی ملکیت ہے، ان حالات میں آپ مجھ سے کیا چاہ سکتے ہیں؟''

''فی الحال کچھ نہیں۔ مرشد علی تصویر کے حصول کی امید باقی رہنے تک کوئی قدم اٹھانے کی پوزیشن میں ہے اور میرے آدمی تمہارے ساتھیوں کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''اور فرض کریں، انہیں کامیابی نہ ہوئی تب.....؟''

''تب بھی اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہو گا۔'' راجا عمر دراز بولا۔ ''میں اپنے ساتھ ذاتی حکیم کو لایا ہوں، وہ اعلاج کرے گا، تمہیں ایک بار پہلے بھی تجربہ ہو چکا ہے۔''

مجھے وہ حیرت انگیز مرہم یاد آیا جس نے میرے گہرے زخم صرف ایک دن میں بھر دیئے تھے اور میری پ معمول سے نشان رہ گئے تھے۔ ''جی یاد ہے۔ کیا حکیم وہی مرہم میرے ہاتھ پر آزمائے گا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، مرہم کا فارمولا بدل دیا ہے۔ مجھے امید ہے تمہارا ہاتھ چند دن میں اچھا ہو جائے گا۔''

''جناب! میں اپنے وکیل سے رابطہ کرنا چاہتا تھا مگر وسیم نے انکار کر دیا۔''

''اسے میں نے کہا ہے فی الحال تمہارا کسی سے رابطہ مناسب نہیں ہے۔ میں نے معلومات حاصل کی ہیں، تمہارے وکیل نے پولیس کو ہلا کر رکھ دیا ہے، خاص طور سے اس نے اکرم چشتی نامی انسپکٹر کے خلاف درخواست دی ہے کہ تمہیں غائب کرنے میں اس کا ہاتھ ہے۔''

''اس شخص کو پولیس میں نہیں ہونا چاہئے۔'' میں نے انسپکٹر اکرم چشتی کے نام پر دانت پیسے۔

''بہت سارے پولیس والوں کو فورس میں نہیں ہونا چاہئے لیکن وہ ہوتے ہیں۔''

''یہی ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے۔ ہر محکمے میں وہ لوگ بھرے ہیں جن کو وہاں نہیں ہونا چاہئے۔'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''اب میرے لئے کیا حکم ہے؟''

''تم جاؤ..... حکیم آ رہا ہے۔ وہ تمہارا علاج کرے گا اور فکر نہ کرو..... ان شاء اللہ یہ ہاتھ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے اس سے بھی زیادہ خراب حالت میں اعضا ٹھیک ہوتے دیکھے ہیں۔''

بازو میں لگے کھانچے نے میرے مضروب ہاتھ کو اس طرح سنبھال رکھا تھا کہ مجھے نقل و حرکت میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ دوا کے مسلسل استعمال سے بازو کے اوپری حصے کی سوجن بھی خاص حد تک کم ہو گئی تھی۔ مسئلہ میرے ہاتھ کا تھا۔ وسیم کے ساتھ میں کمرے میں آیا جہاں شاہی حکم راجا عمر دراز کے سیکرٹری بیگ کے ساتھ موجود تھا۔

''خوش آمدید جناب!'' بیگ نے مسکرا کر کہا۔

میں ہنسا۔ ''یہ بات تو مجھے کہنی چاہئے۔''

''یہاں بھی آپ ہمارے مہمان ہیں۔'' اس نے کہا تھا۔ راجا کی طرح اس کی ساخت میں بھی خاص فرق نہیں آیا تھا۔ شاید پہاڑوں پر وقت کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی جب راجا عمر دراز کی طرح سیکرٹری بیگ نے بھی مجھ سے سوال نہیں کیا کہ فتح خان کے ساتھ جانے کے بعد مجھ پر کیا گزری تھی؟ کچھ کہانی تو ان تک مقامی انتظامیہ کے توسط سے جا پہنچی ہو گی کیونکہ ایمن نے کھل کر راجا عمر دراز پر الزام لگایا تھا۔ اس کا بیان ریکارڈ پر تھا جسے حاصل کرنا راجا کے لئے مسئلہ نہیں تھا۔ البتہ بعد میں کسی نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ حالانکہ میرا نام پتا بھی ریکارڈ میں شامل ہو چکا تھا اور راجا کے لئے آسان تھا، وہ مجھ تک رسائی حاصل کرتا لیکن اس نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اب بھی راجا اور میرا رابطہ نہ ہوتا اگر تصویر کا مسئلہ ایک بار پھر کھڑا نہ ہوتا۔ راجا نے ایک بار بھی مجھے تصویر دینے کو نہیں کہا تھا، اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ تصویر کے موجودہ مقام سے مطمئن ہے اور اسے کوئی خدشہ نہیں ہے کہ تصویر مرشد علی کے پاس جا سکتی ہے۔

شاہی حکیم اپنے مخصوص لباس میں تھا۔ اگر کمرا ایئر کنڈیشنڈ نہ ہوتا تو اسے خاصی گرمی لگتی۔ یہ لباس پہاڑوں پر چل سکتا تھا۔ نیچے تو آدمی کا اس میں دم گھٹ جائے۔ وہ ایک میز پر اپنے بکس سے مرتبان نکال کر سجا رہا تھا۔ پھر اس نے بیگ سے کچھ کہا اور بیگ نے ترجمہ کیا۔ ''جناب! اگر آپ نے بیت الخلا جانا ہے تو ہو آئیں کیونکہ علاج کے دوران میں آپ کو کم سے کم چھ گھنٹے بستر سے ہلنا نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا اور واش روم سے ہو آیا۔ حکیم نے مجھے زمین پر لٹایا تھا۔ میرا بازو پھیلا کر ایک سبز رنگ کے موٹے کپڑے پر رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے میرے بازو کو کھانچے سے آزاد کرایا۔ کھانچے سے نکلتے ہی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں نے حرکت کی تو میں تڑپ گیا تھا۔ اگرچہ آپریشن کر کے اندر پلیٹیں ڈال دی گئی تھیں لیکن ہڈیاں درست طور سے جڑنے میں ابھی مہینوں کی مدت درکار تھی۔ حکیم نے میرا ہاتھ سیدھا کیا اور ایک مرتبان سے سبزی مائل گاڑھا مرہم نکال کر میرے ہاتھ اور زخم پر لیپ کرنے لگا۔ ایک طرف لیپ کرنے کوئی پندرہ منٹ بعد حکیم نے ہاتھ کو پلٹا جب مرہم اتنا خشک ہو گیا کہ اب اس کا ہاتھ سے الگ ہونے کا امکان نہیں رہا تھا یہ مہندی کی طرح خشک ہو کر چپک گیا تھا۔ اس عمل میں بھی مجھ پر قیامت گزر گئی تھی اور ضبط کے باوجود میری کراہیں نکل گئی تھیں۔ حکیم نے میری تکلیف پر توجہ دیئے بغیر مرتبان سے مرہم نکال کر لیپنے کا عمل جاری رکھا اور ہاتھ کو آپریشن کے زخم تک مرہم سے ڈھانپ دیا۔ پھر اس نے بیگ سے کچھ کہا اور اس نے اردو میں ترجمہ کیا۔

''جناب! حکیم قاوس کا کہنا ہے کہ آپ اگلے چھ گھنٹے تک اس ہاتھ کو حرکت نہیں دے سکتے۔ یعنی ہاتھ اس کپڑے سے نہیں اٹھا سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ حکیم ایک ڈبیا سے وہی مینگنی نما گولیاں برآمد کر رہا تھا جیسی کہ آٹھ سال پہلے کھلائی تھیں اور جن کے بارے میں آج تک مجھے شبہ تھا کہ وہ گولیاں تھیں یا مینگنیاں۔ ان کی جسامت، رنگ اور بو بالکل بکری کی مینگنی جیسی ہی تھی۔ بہرحال اس وقت شاہی حکیم نے مجھے یقین دلایا تھا کہ یہ مینگنی نہیں ہے بلکہ جڑی بوٹیوں سے تیار کی ہوئی جادو اثر گولیاں ہیں۔ اس وقت اس نے ان گولیوں کے خواص پر ایک لمبی چوڑی تقریر بھی کی تھی جس کا بیشتر حصہ میرے سر پر سے گزر گیا تھا۔ حکیم نے گولیاں میرے منہ کی طرف بڑھائیں۔ یعنی وہ اپنے ہاتھ سے مجھے یہ گولیاں کھلانا چاہتا تھا۔ ان سے وہی مخصوص بو اٹھ رہی تھی۔ میں نے رحم طلب نظروں سے بیگ کی طرف دیکھا۔ ''کیا انہیں کھائے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا؟''

وہ مسکرایا۔ ''یہ ضروری ہیں جناب! آپ اللہ کا نام لے کر پانی کے ساتھ نگل جائیں۔''

باول نخواستہ میں نے یہی کیا تھا۔ گولیاں پانی سے حلق سے اتار لیں اور کچھ دیر تک ابکائی روکتا رہا۔ حکیم نے اپنا ساز و سامان سمیٹا اور کچھ کہتا ہوا رخصت ہو گیا۔ بیگ نے مجھے بتایا۔ ''ممکن ہے، اس دوا سے آپ کو نیند آنے لگے تو آپ سو جائیں۔ ایک آدمی ہمہ وقت یہاں رہے گا جو آپ کی نگرانی کرتا رہے گا۔''

''شکریہ بیگ صاحب!'' میں نے جواب دیا۔ مجھے سچ مچ غنودگی محسوس ہو رہی تھی اور کچھ دیر بعد میں سو گیا تھا پھر میری آنکھ تکلیف سے کھلی۔ رات ہو چکی تھی بلکہ دس بج رہے تھے اور میں جناتی قسم کی بھوک محسوس کر رہا تھا جو اس مرہم کی مخصوص نشانی تھی۔ حکیم میرے ہاتھ سے خشک ہو جانے والا لیپ اتار رہا تھا اور مجھے ہاتھ کی حرکت سے تکلیف ہو رہی تھی۔ میں بے چینی سے اپنے ہاتھ کی حالت دیکھنا چاہتا تھا۔ پہلے زخم والے حصے سے لیپ اترا تو اس کی حالت حیرت انگیز طور پر بہتر تھی۔ زخم تقریباً بھر جانے والی کیفیت میں تھا اور ٹانکے خشک ہو چکے تھے۔ البتہ جب ہاتھ پر سے لیپ اترا تو اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ہاتھ ویسا ہی سوجا ہوا اور سبزی مائل سیاہ ہو رہا تھا۔ میں نے اپنی انگلیوں کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ حکیم نے اپنی زبان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ کہا۔ ترجمے کے لئے ایک اور شخص تھا، اس نے مجھ سے کہا۔ ''جناب! حکیم صاحب فرما رہے ہیں، آپ کھانے پینے اور دوسری ضروریات سے فارغ ہو جائیں تا کہ اگلا لیپ کیا جائے۔''

اپنے ہاتھ کی حالت میں کوئی بہتری نہ پا کر میں شاک کی کیفیت میں تھا۔ جب اس شخص نے دوبارہ کہا تو میں نے جواب دیا۔ ''کھانا لے آؤ، مجھے بھوک لگی ہے۔''

کھانے سے پہلے اس نے لوٹے اور تسلے میں میرا ہاتھ دھلایا۔ اس کے بعد مقوی غذاؤں سے بھری ایک میز لائی گئی تھی۔ میں نے نیچے ہی بیٹھ کر کھایا اور پہلے ہی کی طرح اپنی معمول کی خوراک سے دگنا کھا گیا۔ کھانے میں شہد اور خوبانی کے سوپ کو ملا کر بنائی گئی سویٹ ڈش بھی تھی۔ میں اس کا پورا ڈونگا صاف کر گیا تھا۔ کھا پی کر میں نے کچھ دیر آرام کیا پھر واش روم سے ہو کر آیا تو شاہی حکیم دوسرے راؤنڈ کے لئے تیار تھا۔ اس نے ایک بار پھر میرے بازو کھانچے سے نکال کر پچھلا عمل دہرایا اور میں میکنی نما گولیاں کھا کر مدہوشی کی نیند سو گیا۔ شاید ان میں کوئی خواب آور جزو بھی تھا۔

صبح کے وقت مجھے تکلیف سے جاگ نہیں آئی بلکہ اس بار جاگنے کا سبب شدید قسم کی بھوک تھی جو میرے پیٹ میں ہلچل مچائے ہوئے تھی۔ میری پہلی نظر اپنے ہاتھ پر گئی، اس پر سے دوسرا لیپ بھی اتار دیا گیا تھا۔ میری کلائی پر آپریشن کا زخم بالکل خشک ہو گیا تھا اور اب کھال پر صرف نشان رہ گیا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اپنا ہاتھ ہلایا تو مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی تھی البتہ میرا پنجہ بے جان انداز میں جھول رہا تھا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ سوجن کسی قدر کم ہو گئی ہے اور ہاتھ کی سیاہی مائل رنگت میں بھی بہتری آئی تھی۔ اسی لمحے ایک ملازم ناشتے کی ٹرے لے کر آیا۔ میں حیران ہوا کہ اسے کیسے علم ہوا، میں جاگ گیا ہوں اور بے حد بھوکا ہوں؟

''آپ منہ ہاتھ دھو لیں۔'' اس نے ادب سے کہا۔ ''حکیم صاحب کہہ رہے تھے اب یہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کھانچے کی طرف اشارہ کیا۔ ''لیکن ہاتھ کو کم سے کم حرکت دیں اور اس ہاتھ کو پانی سے بچائیں۔''

میں آرام سے واش روم گیا اور سارے کاموں سے فارغ ہوا۔ مجھے کلائی کی ٹوٹنے والی جگہ ذرا بھی درد نہیں ہو رہا تھا۔ اگرچہ اس مرہم کا مجھے پہلے بھی ایک بار تجربہ ہو چکا تھا مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ مرہم ٹوٹی ہوئی ہڈی کو بھی اتنی جلدی اچھا کر دیتا ہے۔ واپس آ کر میں نے حسبِ معمول ڈٹ کر ناشتا کیا حالانکہ آٹھ گھنٹے پہلے ہی میں اپنے پیٹ کی گنجائش سے زیادہ کھا چکا تھا اور اس وقت مجھے لگ رہا تھا جیسے میں نے پورے چوبیس گھنٹے سے کچھ نہیں کھایا ہو۔ ناشتے میں چار عدد ابلے ہوئے انڈے، مکھن کا ایک پیالہ، فرائی کلیجی، دیسی گھی میں بنے پراٹھے اور سبز قہوہ تھا۔ میں نے چائے مانگی تو مجھے بتایا گیا، اس کی ممانعت ہے، مجھے قہوے پر گزارہ کرنا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے ملازم سے وسیم کے بارے میں پوچھا، اس نے بتایا۔ ''وہ باہر گئے ہیں۔''

مجھے باہر کے معاملات کی فکر ہو رہی تھی۔ مرشد علی اور ندیم کی بات چیت کہاں تک پہنچی تھی، ساتھ ہی مجھے یہ فکر بھی تھی کہ مرشد علی کے آدمی کہیں ندیم کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر گزریں۔ وہ بیوی بچوں والا آدمی تھا۔ اگر اس سے بیوی بچوں پر بن آتی تو وہ یقیناً مجھے بھول جاتا اور میں اس پر اسے دوش بھی نہیں دے سکتا تھا۔ باہر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صورتِ حال سے مجھے وسیم آگاہ کر سکتا تھا اور وہ خود باہر گیا تھا۔ ناشتے کے آدھے گھنٹے بعد شاہی حکیم مع اپنے سیاہ بکس کے پھر آ گیا۔ وہ آٹھ آٹھ گھنٹے کے وقفے سے مجھے لیپ کر رہا تھا اور دو لیپ سے میری کلائی کا زخم بھر گیا تھا۔ نیچے لیٹ لیٹ کر میں تھک گیا تھا۔ ترجمان کے توسط سے میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا میں بستر پر نہیں لیٹ سکتا؟''

ترجمان کے ترجمے کے جواب میں حکیم نے ایک تقریر کی، جس کا خلاصہ ترجمان نے پیش کیا۔ ''اس علاج کے دوران میں سخت زمین پر لیٹنا ضروری ہے تاکہ جسم تھوڑا سا بے آرام رہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نیچے لیٹ گیا۔ حکیم نے اپنا کام شروع کیا، اس کے لیپ کے دوران میں سیکرٹری بیگ آ گیا، میں نے اس سے باہر کے حالات پوچھے، اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہاں باہر کے معاملات دوسرے لوگ دیکھتے ہیں، مجھے اس بارے میں قطعی علم نہیں ہے۔''

میرے خیال میں وہ غلط بیانی سے کام لے رہا تھا۔ وہ راجا کا رازداں اور مقرب تھا، اسے کچھ نہ کچھ علم ضرور تھا۔ بہرحال میں اسے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا میرا اگلا سوال ہاتھ کے بارے میں تھا۔ ''حکیم سے پوچھیں یہ میرے ہاتھ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ کیا میرا ہاتھ بچ جائے گا؟''

''آپ فکر نہ کریں جناب! یہ اپنی پوری کوشش کر رہا ہے اور علاج تسلی بخش طریقے سے جاری ہے۔ صحیح صورتِ حال پانچ لیپ کے بعد سامنے آئے گی۔ ویسے کیا آپ فرق محسوس نہیں کر رہے ہیں؟''

''ہاں، معمولی سا فرق محسوس ہو رہا ہے۔ بلکہ کلائی کا زخم تو غائب ہی ہو گیا ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''جناب! پانچ لیپ میں آپ کی ہڈی لازماً جڑ جائے گی۔ آپ ہاتھ کو حرکت بھی دے سکیں گے لیکن ایک مہینے تک اس ہاتھ سے کوئی بھاری کام مت لیجئے گا۔ باقی ہاتھ کے بارے میں بھی ہم بہت پُرامید ہیں، کم سے کم اسے کاٹنا نہیں پڑے گا۔''

''سچ.....!'' میں نے اُمید سے پوچھا۔ ''ایسا ممکن ہے؟''

''بالکل جناب!..... کیونکہ حکیم اس مرہم سے سردی کا شکار ہونے والے افراد کے ہاتھ پیر کٹنے سے بچا چکا ہے۔ ڈاکٹروں کے نزدیک اس کا واحد علاج کاٹ دینا ہے۔ ان میں سے کچھ افراد کے اعضاء پوری طرح بحال نہیں ہو سکے لیکن کٹنے سے بچ گئے۔''

''یہ مرہم حیرت انگیز ہے۔'' میں نے ہاتھ پر لیپ کئے جانے والے اس سبزی مائل گاڑھے مادے کی طرف دیکھا۔ ''اس نے ایک بار پہلے بھی مجھے حیران کیا تھا۔''

''یہ ایک مرہم نہیں ہے بلکہ حکیم مختلف چوٹوں کے لئے اسے مختلف طریقے سے تیار کرتا ہے، اس کا صرف ایک جزو ہمیشہ ایک رہتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''مجھے یاد پڑتا ہے راجا صاحب نے کسی معجزاتی اثر رکھنے والے پتھر کا ذکر کیا تھا جسے جلا کر اس کی راکھ مرہم کی تیاری میں استعمال کی جاتی ہے۔''

''وہی اس مرہم کی بنیادی شے ہے۔''

''وہ پتھر راجا صاحب نے کہاں سے حاصل کیا تھا؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بات راجا صاحب نے آج تک مجھے بھی نہیں بتائی ہے۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

اپنا کام مکمل کر کے شاہی حکیم نے مخصوص گولیاں میری طرف بڑھائیں۔ میں نے بیگ کی طرف دیکھا۔

''یہ اب سونا نہیں چاہتا، کیا ان گولیوں کو کھائے بغیر علاج نہیں ہو سکتا؟''

بیگ نے یہ بات حکیم سے پوچھی۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر حسب عادت خاصی لمبی بات کی تھی۔ بیگ نے مجھے بتایا۔ ''گولیاں کھانا ضروری ہیں جناب! اور جہاں تک سونے کا تعلق ہے تو آپ نہ سونے کا ارادہ کر لیں، آپ کو نیند نہیں آئے گی اور نہ غنودگی محسوس ہوگی۔''

''یعنی صرف ارادہ کرنے سے گولیاں مجھ پر اثر نہیں کریں گی؟''

''نہیں جناب! یہ گولیاں عارضی طور پر آپ کے ارادے کو اس قدر مضبوط بنا دیتی ہیں کہ آپ اپنے جسم پر مکمل قابو حاصل کر لیتے ہیں، اپنی مرضی سے سو اور جاگ سکتے ہیں۔''

''اگر میں اپنے اس ہاتھ کو ہلانے کی کوشش کروں؟'' میں نے بے جان ہاتھ کی طرف دیکھا۔

بیگ نے حکیم سے پوچھ کر کہا۔ ''جب تک لیپ ہے، ہاتھ کو حرکت نہیں دینی ہے، اس کے بعد آپ کوشش کر سکتے ہیں۔''

''بیگ صاحب! اگر وسیم آ گیا ہے تو اس سے میری بات کرا دیں۔ ورنہ راجا صاحب سے بات کرا دیں کیونکہ ابھی ابھی میرے ذہن میں ایک اندیشہ آ رہا ہے۔''

''اگر یہ اندیشہ اپنے وکیل ندیم صاحب کے بارے میں ہے تو آپ بے فکر رہیں۔''

کچھ دیر کے لئے میں بھونچکا رہ گیا۔ ''مگر..... آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''کیونکہ میرے سامنے راجا صاحب نے آپ کے وکیل کی حفاظت کے لئے وسیم سے آدمی لگانے کو کہا تھا۔ ان کے ذہن میں یہ خدشہ اسی وقت آ گیا تھا جب انہیں پتا چلا کہ تصویر ندیم صاحب کے پاس ہے۔ بدقسمتی سے آپ کے اور راجا صاحب کے دشمن انسانیت کے احساس سے خالی ہیں۔ ان سے کسی بھی قدم کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''اوہ!'' میں نے کہا۔ ''راجا صاحب کی اس پہلو پر بھی نظر ہوگی کہ تصویر کے حصول کے لئے وہ لوگ میرے ساتھیوں کے ساتھ ندیم کے اہل خانہ کو بھی یرغمال بنا سکتے ہیں۔''

''میں نے کہا ناں..... آپ بالکل بے فکر رہیں۔'' بیگ نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔ اگرچہ اس سے میری تسلی تو نہیں ہوئی تھی کیونکہ مجھے تجربہ تھا۔ مختصر الوجود بیگ نہایت شاطر آدمی تھا اور دوسرے کو کسی نہ کسی طرح مطمئن کر دیا کرتا تھا، پھر بھی میری تشویش میں خاصی کمی آئی تھی۔ جولی نامی نرس کل شام کے بعد سے نظر نہیں آئی تھی شاید اسے اور میرا معائنہ کرنے والے ڈاکٹر کو فارغ کر دیا گیا تھا اور مجھے ادویات بھی نہیں دی جا رہی تھیں۔ مجھے کلی طور پر شاہی حکیم کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ گولیاں حلق سے اتار کر میں نے بیگ سے پچھلے دو دن کے اخبارات کی فرمائش کی اور چار پانچ اردو اور انگریزی کے اخبار گنوا دیئے جو مجھے درکار تھے۔ ''میں جلد از جلد منگوا کر آپ کو بھیجتا ہوں، شاید یہیں مل جائیں۔ دوسری صورت میں آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔''

''فکر مت کرو..... میرے پاس انتظار کے لئے وقت ہی وقت ہے۔'' میں نے کہا تو بیگ شاہی حکیم کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ چلا گیا۔ مجھے لگا جیسے میں آٹھ سال سے خواب دیکھ رہا تھا اور اب میرا خواب ٹوٹ گیا تھا۔ وہی کردار ذرا سی تبدیلی کے ساتھ میرے سامنے تھے۔ لگ نہیں رہا تھا کہ درمیان میں کوئی وقفہ بھی آیا ہے۔ راجا عمر دراز کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ دنیا سے گزر چکا ہے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند نظر آ رہا تھا۔ اس کی عمر کم سے کم 80 برس ہو چکی تھی اور دم خم میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ اس کی زندگی شاہانہ ہونے کے ساتھ مشکل کوش بھی تھی۔ اس نے جاگیرداروں والی مخصوص عیاشانہ زندگی گزارنے کے بجائے اپنا وقت تعمیری سرگرمیوں میں لگایا تھا۔

اخبارات کوئی ایک گھنٹے بعد آئے تھے۔ اس وقت میں جاگ رہا تھا اور پوری طرح چاق و چوبند تھا۔ غنودگی کا نام و نشان نہیں تھا یعنی بیگ کی بات درست تھی۔ میں نے اخبارات دیکھنا شروع کئے۔ لیٹ کر محض ایک ہاتھ سے اخبار پڑھنا خاصا مشکل کام تھا۔ تنگ آ کر میں نے موقع پر موجود خادم کو یہ ذمے داری سونپ دی کہ وہ اس کے صفحے پلٹ کر میرے سامنے کرتا رہے اور میں اس میں سے مطلوبہ خبریں دیکھتا رہا۔ کوئی دو گھنٹے میں نے اپنے بارے میں شائع ہونے والی تمام خبریں اور حیرت انگیز طور پر دو آرٹیکل پڑھے تھے۔ میرے بارے میں پولیس کا مؤقف تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اسپتال سے فرار ہوا۔ بعض صحافیوں نے اپنے طور پر بھی تحقیق کی تھی اور ایک شخص نے مجھے زبردستی بے ہوش کر کے ایمبولینس میں ڈالے جانے والا سین دیکھ لیا تھا، اس نے صحافیوں کو بتا دیا۔ اب اخبارات پولیس سے سوال کر رہے تھے کہ اگر میں فرار ہوا تھا تو مجھے زبردستی بے ہوش کر کے ایمبولینس میں کیوں ڈالا گیا؟ زیادہ اخبارات ندیم کے مؤقف کی تائید کرتے ہوئے میرے غائب ہونے کا واقعہ پولیس کے کھاتے میں ڈال رہے تھے جو پہلے ہی گرفتار ہونے والوں کو غیر قانونی حراست میں رکھنے کے لئے مشہور ہے۔

ایف آئی آر کی بنیاد پر بعض واقفانِ حال صحافیوں نے ایک بااثر خاندان سے میری جاری ٹسل کا ذکر کیا تھا اور اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ میرے خلاف پولیس کی سرگرمی کے پیچھے اس بااثر خاندان کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔ نادر علی کے زخمی ہونے کا واقعہ بھی اسی تناظر میں لیا جا رہا تھا اور میرے ایک ہاتھ کے زخمی اور ناکارہ ہونے کا اگر بھی تھا جسے ڈاکٹر کاٹنے والے تھے اور یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ مجھے عین اس وقت اسپتال سے فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی جب میرا ناگزیر آپریشن ہونے والا تھا اور ڈاکٹر کہہ چکے تھے اگر میرے اس ہاتھ کا بروقت آپریشن نہ کیا گیا تو اس کا زہر جسم کے باقی حصوں تک بھی پھیل سکتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے بارے میں اخبارات اور صحافیوں کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ شاید اس کے پسِ پشت ندیم کا ہاتھ تھا۔ اس کے بعض صحافیوں سے اچھے تعلقات تھے۔

تین گھنٹے بعد مجھے دوبارہ بھوک لگنے لگی تھی لہٰذا میں نے سینڈوچز کی فرمائش کی جو نصف گھنٹے بعد مجھے فراہم کر دیئے گئے تھے۔ انہیں کھا کر میں لیٹ گیا بلکہ لیٹا ہوا ہی تھا۔ دوا کی کارکردگی آزمانے کے لئے میں نے سوچا کہ دو گھنٹے کے لئے سو رہا ہوں، اس وقت پونے بارہ بج رہے تھے۔ سچ مچ میں چند منٹ کے اندر سو گیا تھا۔ گھنٹے تک گہری نیند ہونے کے بعد پونے دو بجے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ٹھیک نے دو بج رہے تھے۔ یہ دوا واقعی حیرت انگیز تھی۔ نہ جانے اس شاہی حکیم نے کون سے اجزا ملا کر یہ دوا بنائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ اگر اسے باقاعدہ تیار کر کے دنیا کے سامنے لایا جاتا تو ایک تہلکہ مچ جاتا۔ مشرق کی نہ جانے کتنی معجز اثر ادویات ایسی ہیں جنہیں فرسودہ قرار دے کر رد کیا جا چکا ہے اور اب ان کے فارمولے یا تو دنیا سے مٹ چکے تھے یا شاہی حکیم جیسے چند افراد کے سینوں تک محدود تھے۔

جب سے دواؤں کا کاروبار ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہاتھ میں آیا ہے، تب سے دنیا بھر میں مقامی دواؤں کو چن چن کر نشانہ بنایا گیا ہے اور روایتی طریقۂ علاج کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ جیسے ہمارے حکیموں کو پیچھے دھکیلا گیا ہے، ہومیو پیتھک نے بالآخر اپنی افادیت منوالی ہے لیکن اس کی دوائیں بھی اب ملٹی نیشنل ادارے بنا رہے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اس کا راستہ کھلا چھوڑا گیا ہے۔ مقامی دوائیں غیر قانونی قرار دی جا رہی ہیں اور اب صرف وہی دوائیں استعمال ہوتی ہیں جن کی اجازت حکومت دے۔ طب کی حوصلہ شکنی سے بے شمار پُر افادیت ادویات مٹ چکی ہیں کیونکہ ان کے بنانے والے اب اس دنیا میں نہیں رہے اور اگر کوئی ایسی دوا سامنے آئی بھی تو یا تو اسے مضر قرار دے کر روک دیا جائے گا یا اس کا تجزیہ کرا کے کوئی ملٹی نیشنل کمپنی اس پر قابض ہو جائے گی۔ کھربوں ڈالر کا سالانہ کاروبار کرنے والی ادویاتی کمپنیاں اپنا نفع برقرار رکھنے کے لئے ایسے ایسے ہتھکنڈے آزماتی ہیں کہ عام آدمی ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

ٹھیک چھ بجے شاہی حکیم آ گیا تھا۔ اس نے بے حد احتیاط سے میرے ہاتھ سے لیپ کی خشک ہو جانے والی تہ اتاری۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ لیپ اتارنا بھی کوئی اہم کام تھا یا شاید وہ اس کی اہمیت جتانے کے لئے خود اتار رہا ہو ورنہ یہ کام کوئی بھی کر سکتا تھا۔ جب لیپ کلائی سے ہٹا تو میں نے دیکھا۔ کلائی کی سوجن مکمل طور پر ختم ہو گئی تھی۔ آپریشن کے ٹانکے خشک ہو چکے تھے۔ حکیم نے بے پروائی سے انہیں کھینچ لیا اور وہ اتنی آسانی سے میری کھال سے نکلتے چلے گئے جیسے مکھن میں سے بال نکلتا ہے اور ٹانکوں کے نشانات بھی اتنے معمولی سے رہ گئے تھے کہ بغور دیکھنے پر نظر آتے تھے۔ مرہم پہلے کے مقابلے میں زود اثر تھا۔ اس نے چوبیس گھنٹے سے پہلے ہی اتنا گہرا زخم بھر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ لیپ اترنے سے میرا ہاتھ سامنے آ رہا تھا اور ساتھ ہی میری دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ہاتھ کے ساتھ کلائی کا حصہ جو پہلے سیاہی مائل اور سوجا ہوا تھا، اب اس کی سوجن کم اور کھال ہلکی سی سرخی مائل ہو رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس نے پورے ہاتھ سے لیپ اتار دیا۔ پنجے میں پہلے کے مقابلے میں سوجن اور سبزی مائل رنگ کم تھا۔ شاہی حکم نے میری طرف دیکھ کر کچھ کہا۔ اس کے ساتھ آنے والے ترجمان نے ترجمہ کیا۔

''حکیم صاحب کہہ رہے ہیں، انگلیاں ہلانے کی کوشش کرو۔''

میں نے انگلیاں ہلانے کی کوشش کی لیکن ان میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ حکیم نے پھر کہا۔ ''جناب! پوری توجہ ہاتھ پر دیں اور ذہن میں بار بار دہرائیں، میں اپنی انگلیاں ہلا سکتا ہوں۔'' ترجمان نے بتایا۔

میں نے اپنے خیالات کا تمام تر ارتکاز اپنے ہاتھ پر مرکوز کر دیا اور شدت سے ذہن میں الفاظ دہرانے لگا کہ میں اپنی انگلیوں کو حرکت دے سکتا ہوں۔ ساتھ ہی میں انہیں حرکت دینے کی پوری کوشش بھی کر رہا تھا۔ خاصی دیر تک میں پوری توجہ سے یہ کام کرتا رہا۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ میری انگلیوں میں لرزش پیدا ہو رہی ہے۔ میں نے شاہی حکیم کی طرف دیکھا تو اس نے چلا کر کچھ کہا۔ ترجمان فوراً بولا۔ ''جناب! حکیم صاحب فرما رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں، اپنی ساری توجہ انگلیوں پر رکھیں۔ آپ انہیں حرکت دے سکتے ہیں۔"

گویا یہ لرزش میں نے ہی نہیں حکیم نے بھی محسوس کی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اپنی ساری توجہ انگلیوں پر مرکوز کر دی۔ انگلیوں کی لرزش جاری تھی۔ یکا یک انگوٹھے نے واضح طور پر حرکت کی اور اس کے ساتھ ہی میں نڈھال ہو کر لیٹ گیا۔ اس معمولی سے کام نے جیسے میری ساری توانائیاں نچوڑ لی تھیں۔ حکیم نے خادم کو کچھ ہدایت دی اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "جناب، آپ آرام کریں۔ میں آپ کے لئے سوپ لاتا ہوں، اس سے آپ کی توانائی بحال ہو جائے گی۔"

"جلدی لاؤ۔" میں نے کمزور لہجے میں کہا۔ سچ مچ میں ایسی کمزوری محسوس کر رہا تھا جیسے میں کتنی توانائی صرف کر چکا تھا۔ بظاہر یہ معمولی سا کام لگ رہا تھا لیکن اس نے مجھے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد خادم بھاپ اڑاتا سوپ کا پیالہ لایا۔ یہ عام روایتی سوپ نہیں تھا بلکہ اس میں گوشت کے ریشوں کے ساتھ کئی اقسام کی سبزیوں کے ٹکڑے بھی تیر رہے تھے۔ چکھنے پر بے ذائقہ سا لگا کیونکہ نمک مرچ بالکل نہیں تھا۔ بہر حال اس وقت مجھے ایسی بھوک لگی تھی کہ سوپ بدذائقہ بھی ہوتا تب بھی میں اسے پی جاتا۔ سوپ حلق سے اترا تو میری جان میں جان آئی تھی۔

"میں غسل کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے خادم سے پوچھا۔ "حکیم صاحب سے پوچھ کر بتاؤ۔"

اس نے واپس آ کر جواب دیا۔ "وہ اجازت دے رہے ہیں لیکن ہاتھ کو پانی سے بچانا ہے۔ اس پر کوئی شاپر لپیٹ دیں۔"

میں نے ہدایت کے مطابق غسل کیا۔ کئی دن بعد نہایا تو جسم میں ایک فرحت سی آ گئی۔ نہا کر آیا تو دوپہر کا بھاری بھرکم کھانا تیار تھا۔ میں نے ایک بار پھر ڈٹ کر کھانا کھایا۔ چار بجے کے قریب حکیم اگلا لیپ کرنے آیا اور اس کے ساتھ ہی وسیم آ گیا۔ سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا۔ "آپ کچھ ۔ ۔ ۔ ے تھے؟"

"ہاں، وسیم میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں پریشان ہوں۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ ہم نے ندیم اور اس کے خاندان کی حفاظت کا بندوبست کر دیا ہے۔ البتہ مونا اور سفیر کا پتا چلانے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔"

"مجھے اصل فکر ان کی ہی ہے۔"

"موجودہ صورتِ حال میں جب کہ آپ کا پتا نہیں ہے اور ندیم پولیس کو الزام دے رہا ہے، سنا ہے انسپکٹر اکرم چشتی کو افسران بالا نے طلب کر لیا ہے، مرشد علی کسی قسم کا رسک نہیں لے گا۔ اسے معلوم ہے جلد یا بدیر آپ اپنے ساتھیوں کے لئے اس سے رابطہ کریں گے اور تصویر کے بدلے ان کی رہائی چاہیں گے۔ وہ انہیں نقصان پہنچانے کی حماقت نہیں کرے گا۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ کب تک یہ حماقت نہیں کرے گا؟ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو سکتا ہے۔ نادر علی کی معذوری اسے مشتعل کر سکتی ہے۔"

"نادر علی علاج کے لئے دبئی جا چکا ہے۔ مرشد علی واقعی کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن آپ ڈیوڈ شا کو بھول رہے ہیں، وہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی ہے۔ وہ مرشد علی کو ایسا کوئی قدم اٹھانے نہیں دے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم لوگ کس طرح مونا اور سفیر تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''ہمارا انداز سائنٹفک ہے۔ ہم نے عباسی ہاؤس سے کی جانے والی یا وہاں آنے والی تمام فون کالز کی مانیٹرنگ کا بندوبست کر لیا ہے۔ میرے آدمیوں نے اندر بھی کچھ آلات نصب کر دیئے ہیں۔ وہ لائن مین بن کر اندر گئے اس کے علاوہ مرشد علی کے اہم آدمیوں کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ دو مشکوک ٹھکانے ہمارے علم میں آئے ہیں۔ ایک فتح جنگ کے نزدیک اور آبادی سے دور ڈیرہ نما مکان ہے۔ مرشد علی کا خاص آدمی ارشد جٹ دو بار وہاں جا چکا ہے اور دوسرا ٹھکانہ سیٹلائٹ ٹاؤن کی ایک کوٹھی ہے، ہم کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طریقے سے ان کے اندر کا حال معلوم کریں۔''

''کیا تمہارے آدمی ایکشن کر کے اندر نہیں جا سکتے؟'' میں نے پوچھا۔

''شہباز صاحب! یہ اعصاب کا کھیل ہے۔ دونوں میں سے جس فریق کے اعصاب جواب دے گئے، ہار اس کا مقدر بن جائے گی۔''

''ان کا مقصد محض ایک بے جان تصویر ہے اور میں اپنے دو جیتے جاگتے ساتھیوں کے لئے فکرمند ہوں۔ وہ انتظار کر سکتے ہیں۔ میں اپنے ساتھیوں کی قید کی ایک ایک لمحے کی اذیت محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا تھا۔ وسیم کچھ دیر چپ رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''شہباز صاحب، آپ یقین کریں یا نہ کریں، میں اس معاملے میں جتنی کوشش کر رہا ہوں، میں نے کبھی کسی اسائنمنٹ کے لئے اتنی کوشش نہیں کی۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''میں تمہیں الزام نہیں دے رہا ہوں لیکن اگر میرے ساتھیوں پر کوئی آنچ آئی تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔ میں وہ تصویر اپنے ساتھیوں کو دیکھے بغیر کسی کو نہیں دے سکتا۔''

''راجا صاحب کو بھی اس بات کا احساس ہے اسی وجہ سے انہوں نے آپ سے تصویر کی بات بھی نہیں کی ہے۔'' وسیم بدستور نرم لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

شاہی حکیم اس گفتگو کے دوران میں اپنا کام کرتا رہا تھا۔ نام تو اس کا قادس تھا لیکن نہ جانے کیوں اسے دیکھتے ہی زمانہ قدیم کے کسی شاہی طبیب کا خیال آتا تھا۔ اس کے جادوئی لیپ نے اب تک وہ کام دکھایا تھا جو کوئی ڈاکٹر اور کوئی دوا نہیں دکھا سکی تھی۔ لیپ سے فارغ ہو کر اس نے مجھے گولیاں کھلائیں اور بکس سنبھال کر رخصت ہو گیا۔ جذباتی ابال کم ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا تھا کہ میں نے وسیم سے زیادتی کی تھی۔ شروع سے اب تک اس کا رویہ میرے ساتھ بہترین اور مؤدبانہ رہا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''سوری یار! میں جذباتی ہو گیا تھا۔''

''مجھے آپ کی پوزیشن کا احساس ہے۔ آپ کی جگہ میں ہوتا تو اپنے ساتھیوں کے لئے اسی طرح فکرمند ہوتا لیکن جناب انہیں آزاد کرانے کے لئے صبر و تحمل لازمی ہے۔''

''تم نے بتایا کہ تاور علی کو علاج کے لئے دبئی روانہ کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ خبر مصدقہ ہے؟''

''سوفی صد... میرے آدمیوں نے خود اس کا سفری بستر طیارے میں سوار ہوتے دیکھا تھا۔ اسے ایک خاص علاج کے لئے وہاں بھیجا گیا ہے۔ یہاں اس کا علاج ممکن نہیں ہے۔ میرے آدمیوں کی ایک گولی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں لگی ہے۔ جس سے اس کے جسم کا نچلا حصہ مفلوج ہو گیا ہے۔ مقامی ڈاکٹر اس گولی کو چھیڑتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے ڈر رہے ہیں۔ اگر اسپائنل کورڈ (Spinal Cord) کو نقصان ہوا تو وہ مر بھی سکتا ہے اور اس کی معذوری دائمی بھی ہو سکتی ہے۔ دبئی کے اس اسپتال میں اس قسم کے آپریشن کامیابی سے کئے جا چکے ہیں۔ اگر گولی درست طریقے سے نکال لی گئی تو وہ معذور ہونے سے بچ سکتا ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، اپنے بھائی کی اس حالت کے باوجود کیا مرشد مجھ سے دیانت داری سے سمجھوتا کر لے گا؟''

''کبھی نہیں۔'' وسیم نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''فی الحال وہ تصویر کی وجہ سے آپ کے سامنے مجبور ہے۔ پھر الیکشن بھی پاس ہیں۔ ان کے بعد وہ پوری قوت سے آپ کے خلاف حرکت میں آ جائے گا۔''

میرا بھی یہی خیال تھا۔ ''وہ کیا کر سکتا ہے؟''

وسیم نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''جناب، وہ کیا نہیں کر سکتا۔ اس کے پاس درجنوں مفرور ملزمان اور دہشت گرد ہیں۔ سیکڑوں عقل کے اندھے مرید ہیں اور پولیس بھی اس کے ساتھ ہے۔ جس شخص کے پاس اتنی طاقت ہو وہ اپنے مخالفوں کے خلاف جو نہ کر گزرے وہ کم ہے۔ مرشد علی کم ظرف اور گھٹیا دشمن ہے اور میں اس پر ایک فی صد بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔''

''تمہارے خیال میں اپنے ساتھیوں کی رہائی کے بعد کیا کرنا چاہئے؟''

''اگر آپ اس سے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں تو آپ کو اس سے ہر ممکنہ حد تک دور رہنا چاہئے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ میں اس کے ہاتھوں کی پہنچ سے دور رہوں..... میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔''

''میرا یہی مطلب ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''مکار درندے سے نہتے مقابلہ کرنا دانش مندی نہیں حماقت کہلاتی ہے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں کسی لحاظ سے بھی مرشد کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ نہ طاقت میں، نہ بدمعاشی میں، نہ اثر رسوخ میں اور نہ دولت میں۔ وہ ہر لحاظ سے مجھ پر حاوی ہوتا جیسے ہرن اور شیر کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ ہرن کی عافیت اسی میں ہے کہ شیر کی پہنچ سے باہر رہے۔ اگرچہ نہ میں ہرن تھا اور نہ ہی مرشد علی شیر تھا لیکن اس کی طاقت کے آگے میں فی الحال بے بس تھا۔ خوش قسمتی سے تصویر کی صورت میں میرے پاس ایک ٹرمپ کارڈ تھا جس کی وجہ سے مرشد علی مجھے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے عزائم پر عمل درآمد سے قاصر تھا۔ میں نے وسیم سے دریافت کیا۔ ''ہم اس وقت کہاں ہیں؟''

''یہ راجا صاحب کی کوٹھی ہے، وہ جب دارالحکومت آتے ہیں، اسی کوٹھی میں ٹھہرتے ہیں، اسے ایک طرح سے کوٹھی کی انیکسی سمجھ لیں۔''

''میں اندر لیٹے لیٹے تنگ آ گیا ہوں۔ جب یہ لیپ اتر جائے تو کیا میں باہر کھلی فضا میں نکل سکتا ہوں؟''

''آپ اس انداز میں پوچھ کر شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو باہر بھی جا سکتے ہیں لیکن ایسا کرنا کتنا مناسب ہے، اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔''

''میں یہاں لیٹے لیٹے تھک گیا ہوں۔''

''آپ کہیں تو میں اس کمرے میں ٹی وی سیٹ کرا دیتا ہوں۔ آپ اپنی پسند کا چینل دیکھ کر دل بہلا سکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یں۔'' اس نے پیش کش کی اور میری رضامندی پا کر باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد دو افراد ایک ٹی وی ٹرالی سمیت آئے۔ اس کی تاریں اور کیبل لیڈ سیٹ کر کے اور چلا کر اپنے اطمینان کرنے کے بعد انہوں نے ریموٹ مجھے تھما دیا۔ کیبل بہت اچھی کوالٹی کا اور کوئی دو سو چینلز کا تھا۔ میں چینل بدل بدل کر دیکھتا رہا۔ کچھ نیوز چینل دیکھے۔ اچانک ایک چینل پر ایسا چہرہ نظر آیا کہ میں چونک گیا۔ چینل سرچنگ کرتے ہوئے میں اس چینل سے گزر گیا تھا۔ جلدی سے چینل بیک کیا۔ وہ لڑکی سلسلۂ قراقرم کے ساتھ کھڑی انگریزی میں کمنٹری کر رہی تھی۔ ماحولیات کے اس چینل سے پاکستان کے شمالی علاقے کے پہاڑوں کے بارے میں ایک ڈاکومنٹری فلم دکھائی جا رہی تھی۔ میں لڑکی کو دیکھ کر چونکا تھا۔ اس کا چہرہ جانا پہچانا تھا۔ اس کے نقوش میں ایمن شا کی جھلک تھی۔ چند لمحے بعد ایک سلائڈ پر اس کا نام آیا تو میرے شک کی تصدیق ہوگئی۔ وہ ایمن شاہی تھی، برٹ شا کی بیٹی جو شمالی علاقے میں لا پتا ہو گیا تھا اور وہ اس ڈاکومنٹری میں پاکستان میں نظر آ رہی تھی۔ نہ جانے یہ ڈاکومنٹری کب بنی تھی اور ایمن شا کب آئی تھی؟ پاکستان میں تھی یا واپس جا چکی تھی؟

راجا عمر دراز نے مجھے ڈیوڈ شا کے بارے میں بتایا تھا۔ جو لا پتا برٹ شا کا کوئی کزن تھا اور اس کی جائیداد پر قابض ہو چکا تھا۔ کیا ایمن اس ڈیوڈ شا کے ساتھ آئی تھی، جس کے بارے میں خبر تھی کہ وہ بے حد خطرناک آدمی ہے مگر اس کے باپ کی جائیداد پر قبضے کے بعد اس کا امکان کم تھا کہ ایمن شا کا اس سے کوئی تعلق ہو۔ پھر اپنے انداز سے وہ اس چینل کی ملازم لگ رہی تھی۔ ڈاکومنٹری ہائیکنگ سائٹ کے بارے میں تھی۔ پاکستان کے شمالی علاقے دنیا کی بہترین ہائیکنگ سائٹس رکھتے ہیں۔ ایمن شا اس ڈاکومنٹری میں منجھے ہوئے انداز میں میزبانی کر رہی تھی۔ نصف گھنٹے بعد پروگرام ختم ہو گیا۔ اس کی تفصیلات کی جو سلائڈ چل رہی تھی اس میں تاریخ بھی آئی تھی۔ یہ پروگرام دو مہینے پہلے ریکارڈ کیا گیا تھا۔ ان دنوں میں اتفاق سے اسکردو میں تھا اور یہ ٹیم بھی لازماً اسکردو آئی ہو گی۔ بس مقدر سے ان سے سامنا نہیں ہوا۔ میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ میں ایمن شا کے بارے میں کسی کو ایک لفظ نہیں بتاؤں گا۔ راجا عمر دراز کے نزدیک وہ اس کے دشمن خاندان کی لڑکی تھی اور ممکن ہے ڈیوڈ شا کو زک پہنچانے کے لئے وہ ایمن کے خلاف کچھ کر گزرتا۔ اگر اس کی بدقسمتی سے راجا یا اس کے ساتھیوں کو ایمن شا کے بارے میں کسی اور ذریعے سے علم ہوتا تو بے شک ہو جاتا۔

ایمن شا کا بدن پہلے کے مقابلے میں کسی قدر بھر گیا تھا۔ آٹھ سال پہلے والی نوخیز لڑکی کے مقابلے میں اب وہ تقریباً پچیس چھبیس برس کی میچور لڑکی تھی۔ اس کی میچورٹی اس کے انداز اور گفتگو سے بھی جھلک رہی تھی۔ ممکن ہے اپنے باپ کی جائیداد سے محروم ہونے کے بعد وہ بطور پیشہ اس طرف آئی ہو۔ میں نے ایک مقامی خبروں کا چینل لگایا جو آنے والے بلدیاتی الیکشن کے بارے میں پروگرام دکھا رہا تھا۔ مرشد علی کی کوشش تھی کہ کسی ناظم اس کا آدمی ہو لیکن مخالف پارٹی بھی کمزور نہیں تھی اور اس کے کونسلروں نے سابقہ دور میں خاصا کام کرکے رکھا تھا اس لئے امکان یہی تھا کہ وہ پھر کامیابی حاصل کرے گی۔ مرشد علی کامیابی کے لئے منفی ہتھکنڈے زیادہ کھل کر استعمال کر رہا تھا۔ پروگرام کرنے والے نے سوال اٹھایا تھا کہ کیا مرشد علی کا بھائی نادر علی کسی سیاسی چپقلش کا شکار ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ خبروں کا چینل مرشد علی کو سپورٹ کر رہا ہے۔ ممکن ہے مرشد علی نے اسے خرید لیا ہو یا کسی اور طریقے سے اثر ڈالا ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ایک اور چینل لگایا اور پھر بور ہو کر ٹی وی بند کر دیا۔ گزشتہ کچھ عرصے سے ٹی وی چینلز کی بھرمار ہو گئی تھی لیکن دیکھنے والے بور ہوتے تھے اور شاید چینلز کی بہتات نے لوگوں کو کنفیوز کر دیا تھا کہ وہ کیا دیکھیں اور کیا نہ دیکھیں۔ مجھے یاد ہے میرے بچپن میں جب ہمارے گاؤں میں نئی نئی بجلی آئی تھی تو ابا جی ایک بھدا سا بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی لے کر آئے تھے اور ہم کس قدر ذوق و شوق سے اکلوتے چینل کے پروگرام دیکھا کرتے تھے۔ وہ مزہ اور سنسنی آج کے جدید ترین رنگین ٹی وی پر رنگا رنگ چینلز دیکھ کر بھی محسوس نہیں ہوتی۔

جب ویسے بوریت ہونے لگی تو دوبارہ ٹی وی کھول کر ایک مووی چینل لگایا اور اس پر دکھائی جانے والی فلم دیکھنے لگا۔ خوش قسمتی سے فلم اچھی اور مزاحیہ تھی۔ ہنستے ہنستے تین گھنٹے گزر گئے تھے۔ اس کے بعد رات کا کھانا آ گیا جو میں نے ایک ہاتھ سے کھایا۔ بایاں ہاتھ کپڑے سے اٹھانے کی ممانعت تھی اس لئے اس بار کھانا وقت سے کھایا گیا۔ اس وقت نو بجے تھے اور ابھی لیپ بننے میں ایک گھنٹا باقی تھا۔ اس کے بننے کے بعد میں باہر جا سکتا تھا اور فی الحال میری یہی خواہش تھی، مزید ایک گھنٹا ٹی وی کی مدد سے گزار لیا۔ پھر حکیم آیا اور اس نے لیپ اتارنا شروع کیا۔ ہاتھ کی حالت میں پچھلی دفعہ کے مقابلے میں معمولی سی بہتری آئی تھی، سوجن کم ہو گئی تھی اور ہاتھ کی رنگت قدرے بحال ہوئی تھی۔ حکیم نے ایک بار پھر مجھ سے انگلیوں کو حرکت دینے کی مشق کرائی۔ شدید کوشش اور محنت کے بعد میں انگوٹھا اور اس کے ساتھ والی انگلی ہلانے میں کامیاب رہا تھا۔ کلائی تو جیسے کبھی ٹوٹی ہی نہیں تھی۔

شاہی حکیم قادس نے مطمئن ہو کر ترجمان کے ذریعے کہا۔

''ابھی تمہیں اتنے ہی لیپوں سے اور گزرنا پڑے گا۔''

''گزر جاؤں گا لیکن کیا میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس کے جواب میں شاہی حکیم نے حسبِ معمول ایک لمبی چوڑی تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جو اللہ نے بنایا ہے، ویسا انسان کے لئے بنانا ممکن نہیں ہے۔ میرا ہاتھ بالکل پہلے کی طرح کام کر سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں کمزوری رہ جائے۔ اس کا انحصار بڑی حد تک مجھ پر ہے میں اس ہاتھ کو جتنی توجہ دوں گا، یہ اتنا ہی بہتر کام کرے گا۔ میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ میرا ہاتھ پہلے جیسی قوت اور گرفت حاصل نہیں کر سکے گا لیکن میں توجہ دوں تو یہ ستر اسی فی صد بحال ہو سکتا ہے۔ سوجن اور نیلگوں رنگت میں کمی ظاہر کر رہی تھی کہ گینگرین کا خطرہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ حکیم نے مزید چار لیپ کرنے کی بات کی تھی جبکہ پہلے اس نے کل پانچ لیپ کہے تھے۔ یعنی میرے ہاتھ کی بحالی اس کے اندازے سے زیادہ دشوار ثابت ہو رہی تھی۔ میں باہر نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اس بار مجھے انگلیاں ہلانے کی کوشش میں پہلے کے مقابلے میں کم تھکن ہوئی تھی۔ اتنے میں ترجمان خادم ایک بڑا سا پیالا لے کر آیا جس میں مقوی سوپ تھا۔ اگرچہ باہر جانے کی خواہش زیادہ تھی لیکن میں نے سوپ آ جانے پر اسے پی لینا مناسب سمجھا۔ ابھی سوپ ختم کیا تھا کہ خادم ایک اتنے ہی بڑے پیالے میں گرم پانی لے آیا۔ اس کے ساتھ ایک ربر کا ایسا دستانہ تھا جیسا کہ عام طور سے اوون سے ٹرے نکالنے میں استعمال ہوتا ہے۔ بس یہ ہلکا تھا۔

''اس کا کیا کرنا ہے؟''

''حکیم صاحب نے کہا ہے کہ آپ یہ دستانہ پہن کر دس پندرہ منٹ کے لئے ہاتھ گرم پانی میں رکھیں۔''

گیارہ بج چکے تھے اور اگلا لیپ ہونے میں ایک گھنٹا باقی تھا۔ بیس پچیس منٹ اس میں لگ جاتے تو مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشکل سے نصف گھنٹا ملتا۔ بہر حال ہاتھ کا معاملہ ہر خواہش پر مقدم تھا اس لئے میں نے ربر کا دستانہ چڑھا کر ہاتھ پیالے میں ڈبو دیا۔ پانی خاصا گرم تھا لیکن مجھے بہت ہلکا سا محسوس ہوا تھا مگر اس ہلکے سے احساس سے مجھے پتا چلا کہ میرے ہاتھ کی محسوس کرنے کی حس واپس آ رہی ہے۔ جب تک پانی کی گرمی برقرار رہی، میں ہاتھ سینکتا رہا تھا۔ اس کے بعد ہاتھ کا معائنہ کیا اور یہ دیکھ کر مجھے بے پناہ خوشی ہوئی کہ میں اپنا انگوٹھا بہ آسانی ہلا سکتا تھا۔ چند روز پہلے اس ہاتھ کو خود سے جدا کرنے پر ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ انگوٹھے کو حرکت دیتا میں خادم کے ہمراہ انیکسی سے باہر آیا۔ اسلام آباد میں رات ہمیشہ خوشگوار ہوتی ہے۔ فضا میں نباتات کی مہک رچی ہوئی تھی۔ میں گہرے گہرے سانس لے کر ٹہلتا رہا تھا۔ مجھے کوئی اور اہم فرد نظر نہیں آیا تھا البتہ ملازمین دکھائی دیئے تھے اور کسی سے ملنے کا وقت بھی نہیں تھا اس لئے میں انیکسی میں واپس آ گیا۔ جب تک واش روم سے فارغ ہو کر آیا، حکیم اپنے چرمی بکس سمیت آ چکا تھا۔ اس نے مجھے فرش پر لٹا کر جس پر قالین بچھا تھا اپنا کام شروع کیا۔ مرہم لیپ کرنے کے بعد اس نے مجھے گولیاں دیں۔ گولیاں وہ ہمیشہ اپنے سامنے کھلاتا تھا یہی نہیں بلکہ جب مرہم خشک ہو جاتا تو اس کے اترنے والے ٹکڑے بھی وہ سمیٹ کر لے جاتا تھا گویا اسے خطرہ تھا کہ اس کی دواؤں کے فارمولے کوئی چرا سکتا ہے۔ میں دل ہی دل میں مسکرایا تھا۔ مشرقی طبیبوں کی اس حریصانہ فطرت کی وجہ سے نہ جانے کتنی زود اثر اور اچھی دواؤں کے فارمولے قبروں میں جا سوئے تھے۔

حکیم کے جانے کے بعد میں نے سونے کا ارادہ کیا، اس خیال کے ساتھ کہ صبح چھ بجے میری آنکھ کھل جائے گی اور میں چند منٹ کے اندر سو چکا تھا۔ ٹھیک چھ بجے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ شاہی حکیم آنے والا تھا لیکن چھ سے اوپر وقت ہو گیا اور وہ نہیں آیا۔ سوا چھ بجے اس کا خادم ترجمان آیا تھا، اس نے لیپ اتارا اور اسے سبز کپڑے میں سمیٹ کر لے گیا۔ اس کے بعد وہ میرے لئے سکائی کا پانی لے کر آیا۔ سکائی سے فارغ ہو کر میں نے واش روم کا رخ کیا۔ واپسی پر خادم ناشتے کے بجائے اکیلا ہی منتظر تھا۔

''جناب، راجا صاحب آپ کو ناشتے کی میز پر یاد فرما رہے ہیں۔''

''ہم خوش ہوئے۔'' میں نے کہا۔ میں بھی روٹین سے اکتا گیا تھا۔ خادم کی رہنمائی میں کوٹھی کے ڈائننگ ہال تک پہنچا جو راجا عمر دراز کے محل کے ڈائننگ ہال کی طرح پُرشکوہ نہیں تھا لیکن قیمتی فرنیچر سے مزین تھا۔ راجا عمر دراز بھری پُری میز پر میرا انتظار کر رہا تھا اور اس نے ایک خادم کو بھی مقرر کیا تھا کہ ایک ہاتھ کی وجہ سے مجھے تکلیف نہ ہو۔ سلام دعا کے بعد میں نے خاموشی سے ناشتا کیا۔ جب چائے آئی تو میں نے حکیم کے بارے میں سوال کیا۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے لیکن تم فکر نہ کرو۔ لیپ والا کام اس کا نائب بھی کر لے گا۔''

''راجا صاحب! میرے ساتھیوں کے بارے میں کوئی اطلاع؟''

''شہباز! اس معاملے میں ہمیں صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا۔ بے صبری صرف دشمن کو فائدہ پہنچائے گی۔'' راجا عمر دراز نے چائے کی پیالی اٹھائی۔ ''میرے آدمی پوری کوشش کر رہے ہیں۔''

''راجا صاحب، دشمن بھی کم چالاک نہیں ہے۔ مونا اور سفیر اس کے لئے ترپ کے پتے ہیں، وہ انہیں ایسی جگہ چھپا کر رکھے گا جہاں کسی کا دماغ بھی نہ جا سکے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جو بات ایک انسان کا دماغ سوچتا ہے اسے دوسرے انسان کا دماغ بھی سوچ سکتا ہے۔''

''راجا صاحب! مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر ہے جب تک وہ دشمن کے رحم و کرم پر ہیں، مجھے چین نہیں آئے گا۔'' میں نے کسی قدر چڑ کر کہا۔

''تب تم کیا چاہتے ہو؟'' راجا عمر دراز نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''میں انہیں رہا کروانا چاہتا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''ممکن ہے وہ تصویر آپ کے نزدیک کئی انسانی جانوں سے زیادہ قیمتی ہو لیکن میرے ساتھی ایسی ہزاروں تصویروں سے زیادہ وقعت رکھتے ہیں۔''

''تو تمہارے خیال میں وہ صرف ایک تصویر ہے؟'' راجا عمر دراز کا لہجہ سرسراتا ہوا تھا۔ ''نہیں، وہ محض ایک تصویر نہیں ہے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اتنے لوگ بلاوجہ اس تصویر کے پیچھے نہیں پڑے ہیں۔ وہ ایک تصویر نہیں ہے۔'' راجا عمر دراز مارے جوش کے کھڑا ہو گیا تھا۔ ''وہ ایک کنجی ہے..... ایک کی ہے..... ایک ہی دنیا میں راستے کی..... ایسی دنیا جس کے بارے میں انسان نے سوچا ہے..... لیکن اسے دیکھا نہیں ہے۔''

''کیا آپ نے دیکھا ہے.....؟؟'' میرے لہجے میں طنز تھا جسے محسوس کر کے راجا عمر دراز کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''ہاں، میں نے اسے دیکھا ہے۔''

راجا غالباً اس عمر میں خواب دیکھنے لگا تھا۔ ''راجا صاحب مجھے کسی نئی دنیا سے دلچسپی نہیں ہے۔ انسان پہلے ہی نئی دنیا (امریکا) کا عذاب بھگت رہے ہیں۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی بحفاظت واپسی کے علاوہ اور کسی شے سے دلچسپی نہیں ہے۔''

راجا عمر دراز اٹھ کر میرے عقب میں آیا۔ ''شہباز! تم جذباتی ہو رہے ہو۔ اس عمر میں، میں بھی ایسا ہی بھڑک جانے والا گرم خون رکھتا تھا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا۔ چند منٹ بعد ایک ملازم آیا۔

''حکیم صاحب، آپ کو کمرے میں بلاتے ہیں۔''

میں ابھی تک اندر سے کھول رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اور اٹھ گیا۔ حکیم اپنا سامان لئے میرا انتظار کر رہا تھا۔ لیپ کر کے اور دوائیں دے کر وہ چلا گیا۔ میں نے اخبار منگوائے تھے۔ خادم کی مدد سے ان کا مطالعہ کرنے لگا۔ کوئی نئی خبر نہیں تھی سوائے اس کے کہ پولیس سرگرمی سے مجھے تلاش کر رہی تھی۔ اخبار پلٹتے ہوئے اچانک ایک سرخی پر نظر جم گئی۔ یہ ثقافتی صفحہ تھا اور سرخی تھی ''برطانیہ کے مشہور ماہر آثاریات ڈیوڈ شا کی پاکستان آمد۔'' شا خاندان کا ایک فرد برٹ شا شمالی علاقے میں غائب ہو گیا تھا اور آج تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ وہ ڈیوڈ شا کا کزن تھا۔ میں نے انٹر کام پر راجا عمر دراز رابطہ کر کے اسے خبر کے بارے بتایا، اس نے کہا۔

''میں دیکھ چکا ہوں۔''

''یہی شخص تصویر حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''ہاں، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو گا۔''

''لیکن وہ تو ماہر آثاریات ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ صرف پردہ ہے۔ پاکستان اس کی آمد کا واحد مقصد تصویر کا حصول ہے۔''

''راجا صاحب! آخر اس تصویر میں ایسی کیا بات ہے؟''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں اور کھلے عام اس قسم کی باتیں مناسب نہیں ہیں۔'' اس نے میری بات کاٹی۔

''او کے۔ میرے ساتھیوں کا کچھ پتا چلا؟''

''خاص نہیں..... کچھ دیر میں وسیم آئے گا۔ اس بارے میں اس کے پاس کوئی نئی خبر ہے۔ میں آتے ہی اسے تمہاری طرف بھیج دوں گا۔''

''شکریہ راجا صاحب!'' میں نے کہا اور دوبارہ سے اخبارات کھنگالنے لگا مگر دو گھنٹے بعد بھی اپنے مطلب کی کوئی خبر تلاش نہیں کر پایا تھا۔ کہ مجھے یمن شا کا خیال آیا۔ ممکن ہے اس کا پروگرام پھر سے دکھایا جا رہا ہو۔ میں نے ٹی وی لگایا اور وہ چینل چیک کیا۔ خوش قسمتی سے ایمن شا والا پروگرام پھر سے دکھایا جا رہا تھا۔ اور اس ڈاکومنٹری فلم کا آغاز تھا۔ ایمن شا نے اسکردو سے ہی اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس کی ٹیم میں کیمرا مین سمیت کئی افراد تھے۔ مقامی گائیڈ اور پورٹر بھی تھے، جب جیپ کا راستہ ختم ہو گیا تو وہ خچروں پر آ گئے تھے۔ شمالی علاقے میں اکثر راستے ایسے ہیں جن پر مشینی ٹرانسپورٹ نہیں چل سکتی ہے لہٰذا یہاں پر خچر کام آتے ہیں۔ پہاڑی اور دشوار گزار راستوں پر سواری کے لئے اس سے بہتر جانور اور کوئی نہیں ہے۔

ابھی میں ڈاکومینٹری دیکھ رہا تھا کہ دستک دے کر وسیم اندر آیا۔ ''کیا حال ہیں جناب!''

''بہترین..... آؤ بیٹھو..... راجا صاحب بتا رہے تھے کہ کوئی نئی خبر ہے تمہارے پاس؟'' میں نے غیر محسوس انداز میں ٹی وی بند کر دیا۔

''ایسا ہی سمجھ لیں۔ میرے آدمیوں نے فتح جنگ والی عمارت میں ایک لڑکی کو دیکھا ہے۔ اسے ایک آدمی چند منٹ کے لئے باہر لایا تھا پھر اندر لے گیا۔ لڑکی نے کاسنی رنگ کا لباس پہن رکھا ہے۔''

''مونا نے اسی رنگ کا لباس پہنا تھا جب وہ مجھ سے ملنے اسپتال آئی تھی۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''آج رات میرے آدمی وہاں داخل ہوں گے، آپ اطمینان رکھیں۔ اگر وہ آپ کے ساتھی ہیں تو کل صبح تک بہر صورت آپ کے پاس ہوں گے۔''

''اللہ کرے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔

وسیم نے میرے بازو پر تھپکی دی۔ ''شہباز صاحب! نہ جانے کیوں دل آپ کی طرف کھنچتا ہے۔ حالانکہ ہم پیسے کے لئے کام کرنے والے لوگ ہیں..... لیکن آپ کی خاطر دل سے کام کر رہے ہیں۔''

''تم نے کبھی اپنے بارے میں بتایا نہیں؟''

''کبھی موقع ہی نہیں ملا۔'' وہ میرے قریب ہو کر قالین پر بیٹھ گیا تھا۔ ''یہ بتائیں کہ آپ کے ہاتھ کا کیا حال ہے؟''

''بہت بہتر ہے، حکیم کی دوا اثر کر رہی ہے۔ میں اپنی انگلیوں کو حرکت دے سکتا ہوں۔''

''جب یہ مسخرا حکیم آیا تھا تو مجھے یقین نہیں تھا، یہ آپ کے لئے کچھ بہتر کر سکے گا۔ بلکہ مجھے خطرہ تھا، آپ کا زخم مزید خراب نہ ہو جائے لیکن میں راجا صاحب کے حکم سے مجبور تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں پہلے بھی ایک بار اس علاج سے گزر چکا ہوں۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''اور وہ تجربہ بھی حیرت انگیز تھا۔ میرے زخم چوبیس گھنٹے کے اندر بھر گئے تھے۔''

''آپ کو دیکھ کر یقین آیا ہے۔ دنیا میں کچھ ایسی ادویات بھی ہیں۔'' اس نے کہا۔

''تم اسپتال سے کیسے نکلے تھے؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔

''بہت آسانی سے..... مجھ پر پہرا نہیں تھا اور زخم بھی معمولی تھے۔ ایک شخص کو قابو کر کے اس کا لباس پہنا اور خاموشی سے نکل گیا۔''

''وہ کوٹھی کس نے کرائے پر لی تھی؟'' میں نے پوچھا۔ ''پولیس کوئی اور نام لے رہی ہے۔''

''وہ فرضی نام تھا لیکن مجھے اپنے دونوں ساتھیوں کا ساری عمر افسوس رہے گا۔ اتنے پیارے اور جیالے لوگ کم ہوتے ہیں۔ اتنے مسلح افراد کے سامنے ڈٹ گئے تھے۔''

''درحقیقت ان کی وجہ سے ہم ان لوگوں کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔ پانچ افراد کی کمی سے وہ کمزور پڑ گئے تھے ورنہ.....''

''ٹھیک کہا آپ نے..... انہوں نے قربانی دی۔'' وسیم نے سرد آہ بھری تھی۔ ''وہ میرے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے جب ہم معمولی درجے کے جرائم پیشہ ہوتے تھے۔''

''جرائم پیشہ؟'' میں چونکا تھا۔

وہ مسکرایا۔ ''تو اور کیا..... اب ہم ذرا مختلف طریقے اور پیمانے پر جو کرتے ہیں، قانون کی نظر میں وہ جرم ہی ہے۔''

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''تمہارے انداز سے لگتا ہے کہ تم باقاعدہ پڑھے لکھے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے یونیورسٹی سے قانون میں ماسٹر کیا ہے۔''

''قانون میں.....؟'' میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''اور یہ سب کچھ.....''

''اب میں قانون شکنی کے لئے اپنی ڈگری استعمال کر رہا ہوں۔'' وہ بولا۔ اسی لمحے اس کے لباس سے رنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے موبائل نکال کر کال ریسیو کی۔ ''جی راجا صاحب!..... جی ابھی حاضر ہوتا ہوں۔''

اس نے موبائل بند کر کے جیب میں رکھا۔ ''مجھے راجا صاحب نے بلایا ہے۔''

وسیم کے جانے کے بعد خادم میرے لئے سوپ لے کر آیا۔ لیپ کے درمیان مجھے لازماً کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ دیا جاتا تھا ورنہ میں کمزوری محسوس کرنے لگتا تھا۔ سوپ سے فارغ ہو کر میں نے باقی وقت ٹی وی دیکھنے میں گزارا۔ دو بجے حکیم نے آ کر لیپ اتارا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن وہ خود کام کرنے پر مُصر تھا۔ دوائیں لے کر وہ چلا گیا۔ میں نے خود انگلیاں ہلانے کی مشق کی۔ میرے ہاتھ کی حالت ہر لیپ کے بعد بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ کلائی کے جوڑ تک سوجن بالکل اتر چکی تھی اور ہاتھ کی اصل رنگت بھی کسی قدر بحال ہو گئی تھی۔ البتہ ہتھیلی اور انگلیوں پر سوجن اور نیلی رنگت برقرار تھی۔ اس بار میں نے انگلیوں کو زیادہ آسانی سے حرکت دی تھی۔ انگوٹھا مکمل طور پر حرکت کر رہا تھا۔ میں نے ایک طرف رکھا کپ نما شوپیس انگوٹھے سے اٹھانے کی کوشش کی لیکن انگوٹھا اس کا نصف کلوگرام وزن نہیں سہار سکا اور وہ نیچے گر کر کرچی کرچی ہو گیا۔ خادم گرم پانی لے کر آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار ربر کا دستانہ نہیں تھا اور پیالے کی تہ میں کچھ جڑی بوٹی نما اشیاء پڑی تھیں۔

''اب کے آپ کو براہِ راست پانی میں ہاتھ رکھنا ہے۔ اور حکیم صاحب کی ہدایت ہے، پانی میں اپنے ہاتھ کو حرکت دینے کی کوشش کرتے رہنے گا۔''

میں نے حکیم کی ہدایت پر عمل کیا اور پندرہ منٹ تک اس جڑی بوٹیوں والے گرم پانی میں ہاتھ کو حرکت دیتا رہا۔ تین بجے عمر دراز نے مجھے لنچ کے لئے مدعو کر لیا۔ وہ چپ اور کسی سوچ میں گم تھا۔ مجھے لگا جیسے کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ کھانے کے بعد راجا نے مجھے نشست گاہ میں لے کر آیا۔ ''راجا صاحب! کوئی خاص بات.....؟''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''کل رات ندیم کے مکان میں کچھ افراد نے گھسنے کی کوشش کی تھی۔ وسیم کے آدمیوں نے ان کی کوشش ناکام بنا دی۔ فائرنگ سے دو درانداز مارے گئے اور ایک زخمی حالت میں پولیس کی تحویل میں ہے۔ باقی فرار ہو گئے تھے۔''

''ندیم اور اس کے گھر والے.....''

''وہ خیریت سے ہیں..... پولیس اس بات کی تفتیش کر رہی ہے کہ وہ کیوں آئے تھے اور ان پر کس نے حملہ کیا؟''

''وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔'' میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

''اوچھے ہتھکنڈے ان کا معمول ہیں۔ مجھے حیرت تھی کہ اب تک انہوں نے حملہ کیوں نہیں کیا۔ بہر حال وسیم کے آدمیوں نے ندیم کے بیوی بچوں کو ایک محفوظ مقام پر منتقل کر دیا ہے اور ندیم کے ساتھ بھی تین افراد مستقل رہتے ہیں۔''

''ندیم کو میرے بارے میں پتا ہے؟''

''نہیں، لیکن اسے شبہ ہو گیا ہے۔ وہ کئی بار وسیم کے آدمیوں سے تمہارے بارے میں پوچھ چکا ہے۔''

''اس نے تصویر کہاں رکھی ہے؟''

''یہ اس نے نہیں بتایا اور نہ وسیم کے آدمیوں نے پوچھا ہے۔ وہ مشکوک ہو کر ان لوگوں سے دور ہو جاتا ہے تو مرشد علی کا آسان شکار بن جائے گا۔''

''راجا صاحب، حالات خرابی کی طرف جا رہے ہیں۔ مرشد علی تصویر کی طرف سے مایوس ہو کر محض انتقام کے لئے مونا اور سفیر کو ضرر پہنچا سکتا ہے۔''

''بس آج رات تک صبر کر لو۔''

''راجا صاحب، کیا میں اس مہم میں جا سکتا ہوں؟''

''جا تو سکتے ہیں لیکن قادس کی اجازت سے..... وہی تمہارے ہاتھ کے بارے میں بہتر بتا سکتا ہے۔''

''رات تک ساتواں لیپ ختم ہو جائے گا۔ صرف ایک لیپ رہ جائے گا، وہ میں واپس آ کر بھی کروا سکتا ہوں۔'' میں نے التجا کی۔ ''پلیز راجا صاحب!''

راجا عمر دراز نے بغور میرا ہاتھ دیکھا۔ ''واقعی، اس کی حالت پہلے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔''

میں نے اسے انگلیاں حرکت دے کر دکھائیں۔ ''دیکھیں، میرا ہاتھ حرکت کرنے لگا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجا عمر دراز نے حکیم قاوس کو بلوالیا اور اس سے میرے بارے میں دریافت کیا۔ یہ دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا کہ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ راجا نے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے افسوس ہے، شہباز! حکیم کا کہنا ہے، لیپ اپنے معمول کے مطابق ہی ہوں گے ورنہ اس کا اثر ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاتھ میں موجود زہر ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا ہے اور ایک بار اسے پھیلنے کا موقع مل گیا تو شاید حکیم بھی اس پر قابو نہ پا سکے۔''

میں نے سرد آہ بھر کر سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے راجا صاحب!''

''اور اپنے ساتھیوں کی فکر نہ کرو، وسیم خود اس آپریشن کی نگران کرے گا۔''

''میں صرف اپنی تسلی چاہتا تھا ورنہ میں اس آپریشن میں کوئی کردار تو ادا نہیں کر سکتا ہوں۔'' میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''جاؤ جا کر لیپ کرواؤ۔ یقین کرو مجھے تمہارے ہاتھ کی بحالی کی بہت فکر ہے۔'' راجا نے میرا شانہ تھپکا اور میں حکیم کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

رات دس بجے جب حکیم ساتواں لیپ اتار رہا تھا، وسیم اندر آیا۔ سیاہ رنگ کی پتلون اور ہم رنگ ہاف جیکٹ میں وہ بالکل ہالی وڈ کی فلموں کا کوئی کمانڈو لگ رہا تھا۔ اس کے شانے سے ایک چھوٹی سی رائفل جھول رہی تھی اور کمر سے پستول بندھا تھا۔ جیکٹ کی متعدد جیبوں میں ان کا ایمونیشن تھا۔

''شہباز صاحب! خدا سے دعا کریں کہ میں کامیاب لوٹوں۔ آج شاید پہلی بار نیکی کا کوئی کام کرنے جا رہا ہوں اور میرا وعدہ ہے اگر زندہ رہا تو آپ کے ساتھیوں کو لے کر ہی آؤں گا۔''

''خدا کرے!'' اس کے لہجے نے مجھے اندر سے ہلا دیا تھا۔ وہ ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ وسیم سے واقفیت چند دن کی بات تھی لیکن میں اس سے ایسی انسیت محسوس کرنے لگا تھا جو برسوں کی جان پہچان کے بعد ہوتی ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی مگر رات کا کھانا میں نے لیپ اترنے کے بعد کھایا۔ کھانا بھی مشینی انداز میں کھایا تھا ورنہ اندر سے خواہش نہیں تھی۔ بس پیٹ کی مانگ تھی جسے پورا کر رہا تھا۔ راجا عمر دراز کوٹھی میں تھا لیکن اس نے مجھے رات کے کھانے پر نہیں بلایا۔ ممکن ہے وہ رات کا کھانا جلد کھا لیتا ہو۔ میں کوٹھی کے لان میں نکل آیا تھا اور رات بارہ بجے تک وہیں ٹہلتا رہا تھا پھر اندر آیا۔ حکیم نے آخری لیپ کیا۔ اس وقت تک ہاتھ کی سوجن تقریباً اتر چکی تھی اور رنگت بھی پہلے جیسی ہو رہی تھی۔ حکیم نے بتایا کہ اس لیپ کے بعد بھی اگر ہاتھ سے نیلگوں رنگت ختم نہ ہوئی تو مزید لیپ کرنا ہوں گے کیونکہ یہ مرہم ہاتھ میں پھیلا زہر کھینچ رہا ہے۔ جب تک یہ زہر نہیں نکلے گا، ہاتھ پہلے والی حالت میں نہیں آئے گا۔ میں لیٹ گیا تھا۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ ان حالات میں نیند آنا بے حد مشکل تھا۔ میں جاگتا رہا اور انتظار کرتا رہا۔ ایکسی کے سامنے کوٹھی کا ڈرائیوے تھا۔ کوئی گاڑی گزرتی تو مجھے اسکی آواز آتی۔ رات رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ تنگ آ کر میں نے سونے کا فیصلہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید مجھے نیند نہیں آئے گی مگر فیصلہ کرنے کے چند منٹ کے اندر میں سو چکا تھا۔

اچانک میری نیند اچاٹ ہوئی تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے باہر ہنگامہ ہو رہا ہو۔ بیک وقت کئی افراد کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لہجہ ایسا تھا جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ کیا وہ لوگ آ گئے تھے۔ مونا سفیر کو لے آئے تھے؟ اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے اور ابھی مجھے دو گھنٹے مزید اسی طرح لیٹ کر گزارنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ میں نے انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر گیٹ کا نمبر دبایا۔ وہاں چوبیس گھنٹے گارڈز رہا کرتے تھے۔ ''کیا بات ہے، یہ ہنگامہ کیسا ہے؟''

''سر..... وسیم صاحب کے ساتھی واپس آئے ہیں۔'' گارڈز نے بتایا۔

''اور وسیم.....؟'' میں نے پوچھا۔

''صاحب وہ زخمی ہیں، ان کے ساتھی انہیں اندر لے گئے ہیں۔''

''میرے خدا..... اچھا سنو، کوئی لڑکی بھی ہے ان کے ساتھ؟''

''میں ادھر گیٹ پر ہوں اور اتنی دور سے بتا نہیں سکتا۔'' اس نے معذرت کی۔

''میں نے باورچی خانے کا نمبر ملا کر اپنے لئے مامور خادم حضور بخش کو طلب کیا۔ ''جی جناب! کیا لاؤں؟''

''کچھ نہیں..... یہ بتاؤ کہ جو لوگ آئے ہیں، ان کے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

''پتا نہیں صاحب! میں کچن سے آگے نہیں جانتا۔ آپ کہو تو پتا کر کے آؤں؟''

''ہاں، جاؤ اور جلدی آنا اور دیکھو، کوئی لڑکی آئی ہو تو اس کا بھی بتانا۔''

''میں ابھی آیا صاحب!'' وہ کمرے سے نکل گیا۔

اگرچہ ابھی صورتِ حال سامنے نہیں آئی تھی لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ وسیم جو مقصد لے کر گیا تھا اس میں اسے ناکامی ہوئی ہے اور اس نے شاید زیادہ خطرہ مول لیا تھا اور زخمی ہو گیا تھا۔ مجھے اس کی فکر بھی لاحق ہو گئی تھی۔ خادم پندرہ منٹ بعد آیا۔ اس کے ساتھ وسیم کا ایک ساتھی تھا جسے میں کئی بار دیکھ چکا تھا، نام مجھے یاد نہیں اس لئے ہم اسے نمبر دو فرض کر لیتے ہیں۔ وہ عجلت میں تھا۔ اس نے رپورٹ دینے کے انداز میں کہا۔ ''جناب! آپریشن ناکام رہا۔ وہ لوگ چوکنا تھے، جیسے ہی ہم نے عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ اندر سے شدید فائرنگ شروع ہو گئی۔ کمانڈر سب سے آگے تھے انہیں تین گولیاں لگی ہیں۔''

''اب وسیم کی حالت کیسی ہے؟''

''وہ بے ہوش ہیں۔ ڈاکٹر آنے والا ہے۔''

''اوہ!'' میں نے مایوسی سے کہا تھا۔ ''کوئی اور نقصان تو نہیں ہوا؟''

''نہیں باقی سب محفوظ ہیں۔ کمانڈر کی وجہ سے ہمیں پسپا ہونا پڑا تھا، مجھے افسوس ہے۔''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے وسیم کے زخمی ہونے کا افسوس ہے۔''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے جناب یہ ہمارا کام ہے۔''

''پھر بھی مجھے وسیم کے زخمی ہونے کا افسوس ہے۔ اسے اسپتال لے کر کیوں نہیں گئے؟''

''سر، ہمارے گروپ کا اصول ہے، ایسی کنڈیشن میں اسپتال کا رخ نہیں کرتے ہیں۔ ہم پولیس ریکارڈ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ چند ڈاکٹرز ہمارے پے رول پر ہیں۔ ان کو بلا لیتے ہیں۔''

''اگر اسپتال جائے بغیر چارہ نہ ہو تو.....؟''

''سر، میں بتا چکا ہوں..... اسپتال ہم کسی صورت نہیں جاتے۔'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''کمانڈر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے ڈاکٹر کال کر رہا ہے، وہ آتا ہوگا۔''

''گولی نکالنے کے لئے آپریشن کی ضرورت پڑے گی۔''

''اس کے لئے کوٹھی میں چھوٹا سا آپریشن تھیٹر ہے۔ ہمارا ایک ساتھی مرہم پٹی کا ماہر ہے۔ وہ ڈاکٹر کی مدد کرتا ہے آپریشن میں۔ اس وقت بھی آپریشن روم تیار کر رہا ہے۔''

نمبر دو چلا گیا۔ صبح کے پانچ بجے ڈاکٹر آیا تھا۔ اس کے آنے پر معمولی سی ہلچل مچی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب حکیم قاوس جیسا باکمال شخص موجود ہے تو اتنی دیر تک ڈاکٹر کا انتظار کیوں کیا گیا؟ مجھے یاد ہے، ایک بار راجا عمر دراز نے اس مرہم کی ایک خاصیت یہ بھی بتائی تھی کہ اگر گولی کے زخم پر لگایا جائے تو گولی بغیر آپریشن کے خود بخود باہر آ جاتی ہے۔ بشرطیکہ ہڈی یا کسی اعضائے رئیسہ میں نہ پھنسی ہو۔ ممکن ہے وسیم کو کسی ایسی جگہ گولی لگی ہو، ڈاکٹر کے آنے سے پہلے اور بعد میں بھی باہر گاڑیوں کے آنے جانے کا سلسلہ لگا ہوا تھا۔ شاید وسیم کے لئے خون یا جان بچانے والی ادویات کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ میں صبر سے ساری آوازیں سنتا رہا۔ چھ بجے شاہی حکیم ترجمان کے ساتھ آیا۔ وہ خاصا ناراض لگ رہا تھا۔ میرے ہاتھ سے لیپ اتارتے ہوئے وہ مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔

''آج حکیم صاحب کو کیا ہوا؟''

''یہ ناراض ہیں، ان کے ہوتے ہوئے اس جگہ کسی ڈاکٹر کو قدم رکھنے کی جرأت کیوں کر ہوئی؟ وہ وسیم صاحب کا علاج بھی کرنا چاہتے ہیں۔''

''ویسے وسیم کی حالت کیسی ہے؟''

''آپریشن کر کے گولیاں نکال دی گئی ہیں اور انہیں خون دیا جا رہا ہے۔''

حکیم نے لیپ اتارنے کے بعد میرے ہاتھ کا بغور جائزہ لیا اور ترجمان کے توسط سے کہا۔ ''ابھی مزید لیپ ہوں گے۔''

میں نے انگلیاں ہلانے کی مشق کی۔ حکیم نے کہا کہ جب تک اگلا لیپ نہیں لگتا، میں انگلیاں ہلاتا رہوں۔ حتیٰ کہ سنکائی کے پیالے میں بھی حرکت دیتا رہوں۔ خدا خدا کر کے ساڑھے چھ بجے میری جان چھوٹی اور میں کوٹھی میں آیا۔ وسیم آپریشن روم میں ہی بستر پر لیٹا تھا۔ اس کے زرد چہرے پر آکسیجن ماسک لگا تھا۔ ایک بازو میں خون اور دوسرے بازو میں ڈرپ چڑھ رہی تھی۔ ڈاکٹر ہاتھ اور اپنے اوزار دھو رہا تھا۔ اس نے وسیم کی کنڈیشن کے بارے میں بتایا۔ ''بہتر نہیں ہے۔ ایک گولی پھیپھڑوں سے گزر گئی تھی۔ اگر اندر خون نہ رکا تو پھیپھڑے اپنا فنکشن روک سکتے ہیں۔''

''خون کیسے رکے گا؟''

''میں نے زخم سی دیئے ہیں، دوائیاں کھلا دی ہیں، باقی اللہ بہتر کرنے والا ہے۔''

''کیا یہ بے ہوش ہے؟''

''نہیں سو رہا ہے، اسے دوا دی گئی ہے..... ورنہ تکلیف کی شدت اس کی جان لے سکتی ہے۔''

''اللہ رحم کرے۔'' میرے منہ سے نکلا تھا۔ اسی لمحے راجا عمر دراز بھی اندر آیا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا وسیم کی طرف دیکھتا رہا، پھر ڈاکٹر سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر اسے اسپتال لے جایا جائے؟''

''تب بچنے کے بہتر امکانات ہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اسے اسپتال لے جانے کا بندوبست کرو۔''

''سوری راجا صاحب! یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔'' نمبر دو نے اندر آ کر کہا۔

راجا عمر دراز جھنجلا گیا تھا۔ ''یہاں یہ مر جائے گا۔''

''ممکن ہے۔'' نمبر دو لاپروائی سے بولا۔ ''راجا صاحب، اگر کمانڈر ہوش میں ہوتے تو وہ بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے۔''

''انسان کی جان سے زیادہ کچھ قیمتی نہیں ہوتا۔''

''ہوتا ہے..... بعض چیزیں ہر شے سے حتیٰ کہ انسان کی جان سے بھی بڑھ کر ہوتی ہیں۔ کمانڈر کا علاج یہیں ہوگا۔'' نمبر دو کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

راجا کا موڈ آف ہو گیا۔ ''تم میرے گھر میں کھڑے ہو کر مجھ پر حکم نہیں چلا سکتے۔''

''سوری..... میری بات آپ کو بری لگی۔ اس صورت میں بہتر یہی ہے، ہم کمانڈر کو لے کر یہاں سے چلے جائیں۔''

''معاہدے کے تحت تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''تب ہمارے اصولوں کو نہ چھیڑا جائے ورنہ ہم معاہدہ ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''او کے!'' راجا عمر دراز غصے سے وہاں سے چلا گیا۔

''وسیم کی حالت خطرے میں ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''میں جانتا ہوں۔'' نمبر دو آہستہ سے بولا۔ ''لیکن یہ ہماری مجبوری ہے۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' اچانک وسیم کی مدھم سی آواز آئی، وہ ہوش میں آ گیا تھا۔

''وسیم اب کیسے ہو؟'' میں اس کی طرف لپکا۔ ''تمہیں اسپتال لے جانا بہت ضروری ہے۔''

''مجھے افسوس ہے شہباز صاحب! میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔''

''اسے بھول جاؤ۔ مجھے یقین ہے تم نے اپنی پوری کوشش کی ہوگی۔''

''میں اسپتال نہیں جا سکتا۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔ چند لمحوں میں وہ دوبارہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ میں نے پریشان ہو کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا لیکن وہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''ان کا ہوش میں آنا اچھی علامت ہے۔ اب مجھے امید ہے یہ جلدی کور کر لیں گے۔''

راجا عمر دراز کا خادم ناشتے کی دعوت لے کر آیا تھا۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وسیم کے پاس سے ہٹوں لیکن مجبوری تھی۔ ایک گھنٹے بعد مجھے لیپ کے اگلے مرحلے سے گزرنا تھا۔ ناشتے کی میز پر راجا عمر دراز کسی قدر فکرمند بیٹھا تھا۔ ناشتے کے بعد چائے نوش کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ''معاملات بگاڑ کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمارے حملے نے انہیں یقین دلا دیا ہوگا کہ کوئی طاقت تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔''

''اس سے کیا فرق پڑے گا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پڑے گا..... اب وہ محتاط ہو جائیں گے۔ تمہارے ساتھیوں کی نگرانی سخت کر دی جائے گی۔ انہیں رہا کرانا مزید مشکل ہو جائے گا۔''

''راجا صاحب! کیا ہم تصویر دے کر انہیں نہیں چھڑا سکتے؟''

''تصویر کا نام بھی مت لو۔'' راجا غرایا تھا پھر نرم پڑتے ہوئے بولا۔ ''اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ وہ تصویر حاصل کرنے کے بعد بھی تمہارے پیچھے پڑا رہے گا۔ میرا اشارہ مرشد علی کی طرف ہے۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ویسی ہی نقلی تصویر بنا کر دے دی جائے۔''

''مرشد علی ہوتا تو اسے یہ دھوکا دیا جا سکتا تھا لیکن ڈیوڈ شلکو دھوکا دینا مشکل ہوگا۔ وہ تصویر کی اصل سے واقف ہوگا۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' میں نے اعتراض کیا۔ ''دوسرے اگر تصویر کا سونا اور سفیر سے تبادلہ ہوا تو کیا ڈیوڈ شا خود اطمینان کرنے آئے گا۔''

''عین ممکن ہے۔ وہ بہت مکار آدمی ہے۔ مجھے اصل خطرہ اس سے ہے۔ ورنہ یہ مرشد علی مسخرے سے زیادہ نہیں ہے۔'' راجا عمر دراز بے پروائی سے بولا۔

''اس مسئلے کا کیا حل نکل سکتا ہے؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''حوصلہ رکھو نوجوان! اُس نے میرا شانہ تھپکا۔ ''صبر کرنے سے ہی پھل پکتا ہے ورنہ کچا پھل ہاتھ آتا ہے۔''

میں اپنے کمرے میں آیا۔ جہاں حکیم قاوس میرا منتظر تھا۔ اس نے لیپ کیا اور گولیاں دے کر جانے لگا۔ میں نے پوچھا۔ ''ابھی کتنے لیپ باقی ہیں؟''

ترجمان نے بتایا۔ ''ممکن ہے تین چار لیپ اور کرنا پڑیں۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں لیٹوں نہیں..... بلکہ لیپ خشک ہونے کے بعد ذرا چل پھر لوں؟''

''نہیں۔'' قاوس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''چھ گھنٹے سے پہلے ہاتھ کو حرکت دینا مناسب نہیں ہوگا۔''

''جیسے تمہاری مرضی!'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا اور لیٹ گیا۔ رات ٹھیک طرح سے نہیں سو سکا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ کچھ دیر سو لیا جائے۔ شب و روز میرے لئے ایک سے ہو گئے تھے۔ چار گھنٹے کا ذہن میں رکھ کر میں نے سونے کا سوچا اور کچھ دیر میں گہری نیند سو چکا تھا۔

☆======☆======☆

میں نے چار کلو کا ڈمبل بہ آسانی اٹھا لیا تھا لیکن جلد ہاتھ لرزنے لگا اور چند سیکنڈ بعد ڈمبل میرے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ تین دن میں میرے ہاتھ کی رنگت، چھونے اور محسوس کرنے کی حسیات مکمل طور پر بحال ہو چکی میں لیکن ہاتھ کی قوت ابھی کمزور تھی۔ اگر میں کوئی وزنی شے اٹھانے کی کوشش کرتا تو ہاتھ لرزنے لگتا تھا اور وہ شے میرے ہاتھ سے نکل جاتی تھی۔ شاید اس وجہ سے بھی کہ میری کلائی کی ہڈی جڑنے کے باوجود پوری طرح مضبوط نہیں ہوئی تھی۔ لیپ ختم کرنے کے بعد شاہی حکیم صبح شام میرے ہاتھ کی کسی خاص تیل سے مالش کرتا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس سے میرے ہاتھ کی کارکردگی بہت جلد بحال ہو جائے گی۔ حالات میں کوئی تبدیلی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئی تھی۔ سوائے اس کے کہ میری ایک بار ندیم سے بات ہوئی تھی۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں کہاں اور کن لوگوں کے پاس ہوں۔ میری آواز سنتے ہی وہ برس پڑا تھا۔

''ابے کہاں غائب ہو تم سب کے سب۔ میں عذاب بھگتنے کے لئے اکیلا رہ گیا ہوں۔ وہ ماں کا یار مرشد روز میری جان کھاتا ہے۔''

''اسے بہلاتا رہ اور مونا، سفیر سے بات ہوئی تھی؟''

''ہاں، دو روز پہلے ہوئی تھی۔ میں نے مرشد سے صاف کہہ دیا ہے جب تک تُو بحفاظت واپس نہیں آ جاتا، تصویر اسے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''مونا اور سفیر ٹھیک تھے ناں.....؟''

''ہاں.....تو اپنی سنا، کہاں ہے؟''

''جہاں بھی ہوں، خیریت سے ہوں اور تم اسی طرح واویلا مچاتے رہو۔ خاص طور سے اکرم چشتی کی بیٹی ضرور اتروانا۔''

''وہ تو گیا۔'' ندیم نے ہنس کر کہا۔ ''دو روز پہلے لائن حاضر ہوا ہے۔''

''اچھا، اللہ حافظ!'' میں نے کہا اور موبائل بند کر دیا۔ ندیم چلاتا رہ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کا فون آ گیا مگر نمبر دو نے کرخت لہجے میں انکار کر دیا کہ اس نمبر پر کوئی شہباز ہوتا ہے۔ مونا اور سفیر کے بارے میں جان کر مجھے اطمینان ہوا تھا۔ ندیم نے اشاروں میں بتایا تھا کہ تصویر محفوظ ہے، اتنی عقل اس کے پاس تھی کہ وہ اس سارے کھیل کو سمجھ جاتا جس میں تصویر کا کردار کلیدی تھا۔ لیپ کا چکر ختم ہونے سے پہلے میں نے نمبر دو سے فرمائش کر کے ایک سائلنسر لگا پستول حاصل کر لیا تھا۔ جب باہر نکلنے لگا تو وسیع لان میں اس سے فائرنگ کی مشق کیا کرتا تھا۔ میں نے محسوس کیا میری زندگی کا دھارا جس سمت میں مڑ گیا تھا، اس میں اسلحے کے استعمال سے شناسائی ضروری تھی۔

پورے چار دن میں نے لیٹ کر بے تحاشا کھایا تھا۔ ممکن ہے عام حالات میں ایسا ہوتا تو میرا وزن بڑھ جاتا لیکن حکیم کے مرہم اور گولیوں میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ میرا جسم بدستور اتنا ہی رہا، یہی نہیں، میں نے اپنی قوت میں بھی کوئی کمی محسوس نہیں کی تھی۔ صبح وسیم کے گروپ کے تمام ارکان لان میں مختلف قسم کی ایکسرسائزز اور آپس میں مارشل آرٹ کی پریکٹس کیا کرتے۔ ڈیڑھ گھنٹے صبح اور ایک گھنٹا شام۔ میں بھی ان مشقوں میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ احتیاط کی وجہ سے مارشل آرٹ کی پریکٹس نہیں کر رہا تھا لیکن ایکسرسائز میں بھرپور حصہ لیتا تھا۔ کچھ دنوں کی ایکسرسائز نے میرے رگ و پٹھے ٹھوس کر دیئے تھے۔

وسیم کی حالت چوتھے دن تک اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ وہ خود چل کر باہر تک آیا تھا لیکن خون زیادہ بہہ جانے اور پھیپھڑوں کے زخم کی وجہ سے کمزوری اتنی تھی کہ وہ چند منٹ سے زیادہ نہ رہ سکا تھا۔ میں فارغ وقت اس کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ راجا عمر دراز ان دنوں کوٹھی میں کم نظر آتا تھا اور کوٹھی میں ہوتا بھی تو اپنے کمرے تک محدود رہا کرتا تھا۔ میری اس سے صرف ناشتے پر ملاقات ہوتی تھی۔ مونا اور سفیر کی بازیابی کا معاملہ اس نے وسیم پر چھوڑ رکھا تھا۔ دوسری طرف وسیم کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک مہینے سے پہلے کسی مہم میں حصہ لے سکتا۔ ابھی تو اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے زخم بھی نہیں بھرے تھے۔ جسمانی کارکردگی بحال ہونے میں عرصہ تھا۔ وسیم کے آدمی اب دور سے عمارت کی نگرانی کر رہے تھے۔ جہاں مونا اور سفیر تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ مونا اور سفیر ابھی تک اس عمارت میں تھے۔ انہیں کہیں اور لے جانے کی کوشش نہیں کی گئی تھی شاید اس لئے بھی کہ اس عمارت کے حفاظتی انتظامات سخت تھے اور ان لوگوں کی ناکام مہم جوئی سے بھی یہ بات ظاہر تھی۔ مرشد علی نے اس عمارت کی حفاظت کے انتظامات وسیم کے اندازے سے کہیں زیادہ کر رکھے تھے۔

ایک شام ایکسرسائز سے فارغ ہو کر نہانے کے بعد میں وسیم کے پاس آ گیا۔ اسے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا اور وہ سرہانے سے ٹیک لگائے اپنا پستول صاف کر رہا تھا۔ ''کیا حال ہیں؟''

''بہتر ہیں۔ ممکن ہے ایک دو دن میں ڈاکٹر چلنے پھرنے کی اجازت دے دے گا۔''

''اور یہ کس چیز کی تیاری ہے؟'' میں نے پستول کی طرف اشارہ کیا۔

''اس وعدے کی جو میں نے آپ سے کیا تھا۔''

''فی الحال تم اپنی صحت کی طرف توجہ دو۔''

''صرف یہی ایک طریقہ ہے، میں جلد از جلد صحت یاب ہو سکتا ہوں۔'' اس نے پستول سرہانے رکھ دیا۔ ''ڈاکٹر میری پروگریس سے حیران ہے۔''

''وسیم وہاں کیا ہوا تھا؟''

''غلطی میری تھی، یہ پہلا موقع تھا جب میں نے پروفیشنل ازم کو نظر انداز کیا اور اسی کا خمیازہ بھگتا۔'' اس نے اپنے سینے کی طرف دیکھا۔ ''میں اندر کودا تھا کہ وہاں موجود مسلح افراد نے فائرنگ شروع کر دی۔ وہ سب ناتجربے کار جرائم پیشہ ہیں۔ کاش کہ مجھے گولی نہ لگتی اور میرے دو ساتھی اندر آ جاتے تو میں ان پر آسانی سے قابو پا لیتا لیکن زخمی ہوتے ہی میں نے انہیں اندر آنے سے منع کر دیا۔ میں بھی کسی نہ کسی طرح باہر آ گیا۔ میری حالت کی وجہ سے میرے ساتھی فوری طور پر واپس آ گئے۔ کاش میں بے ہوش نہ ہوتا تو انہیں روک دیتا۔''

''انہوں نے بالکل ٹھیک کیا۔'' میں نے کہا۔ ''وسیم، تمہاری زندگی کی اہمیت کسی طرح میرے ساتھیوں سے کم نہیں ہے۔''

اس نے کسی قدر تعجب سے میری طرف دیکھا۔ ''آپ ایسا سمجھتے ہیں..... میں صرف ایک پیشہ ور شخص ہوں، جسے موت کے منہ میں جانے کے لئے ادائیگی کی جاتی ہے۔''

''میں ایسا نہیں سمجھتا..... میرے نزدیک ہر انسان کی وقعت ہے بشرطیکہ اس میں انسانیت ہو، وہ بھی دوسرے انسان کو اہمیت دیتا ہو۔''

''شہباز صاحب! بس چند دن رک جائیں۔''

''یار، کوئی جلدی نہیں ہے۔'' میں نے اس کے بازو پر تھپکی دی۔ ''میں نے صبر کرنا سیکھ لیا ہے۔''

''میرے اوپر یہ قرض ہے۔''

''میں نے کہا ناں..... تم فکر نہ کرو۔''

میرے ذہن میں ایک دو دن سے کھچڑی پک رہی تھی اور اس سلسلے میں، میں نے راجا عمر دراز سے بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا، میں نے اسے پیغام بھجوایا، کچھ دیر بعد وہ نشست گاہ میں میرے سامنے تھا۔ ''خیریت، تم نے فوری ملاقات کا پیغام بھیجا؟''

''راجا صاحب! میں فارغ بیٹھے بیٹھے تنگ آ گیا ہوں۔''

''تو باہر نکلو، گھومو پھرو..... بس احتیاط کرنا۔''

''میں گھومنا پھرنا نہیں، اپنے ساتھیوں کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

''اس کے لئے وسیم اور اس کے ساتھی.....''

''قطع کلامی معاف راجا صاحب.....! وسیم ابھی دو تین ہفتے تک کسی مہم میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہے اور اس کے ساتھی محض جسم ہیں۔ دماغ کے بغیر حرکت میں نہیں آ سکتے۔ میرے ساتھی اتنی دیر مرشد علی کی قید میں رہیں، مجھے کسی صورت گوارہ نہیں ہے کہ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہوں۔''

''تب تم کیا چاہتے ہو؟'' راجا عمر دراز نے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میں سب سے پہلے اس جگہ کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں جہاں میرے ساتھی قید ہیں۔''

''یہ کام خطرناک ہو سکتا ہے۔''

میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''مجھے لگ رہا ہے، اب میری زندگی خطروں میں گزرے گی۔''

''میں نے کچھ اور سوچا تھا کہ جب تک تمہارا وکیل یہ مسئلہ حل نہیں کر لیتا ہے تمہیں بیرونِ ملک بھجوا دوں۔''

''جب تک مونا اور سفیر قید میں ہیں، میں کہیں نہیں جا سکتا۔''

''او کے۔ میں وسیم سے کہہ دیتا ہوں..... وہ مطلوبہ ہدایت جاری کر دے گا۔''

''مجھے وسیم کے ساتھیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے صرف وہ جگہ دکھا دی جائے۔''

''شہباز! تم کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھاؤ گے، جو تمہارے ساتھ مجھے بھی.....''

''آپ بے فکر رہیں راجا صاحب!''

رات بارہ بجے میں اور وسیم کے دو ساتھی ایک سیاہ شیشوں والی جیپ پر سوار ہو کر نکلے۔ راجا عمر دراز کی یہ کوٹھی نسبتاً الگ تھلگ جگہ تھی۔ اسلام آباد کی حدود سے گزرتے ہوئے ڈرائیور نے رفتار کم رکھی تھی کیونکہ مقررہ رفتار سے ذرا تیز ہوتے ہی ٹریفک پولیس پیچھے لگ جاتی تھی۔ البتہ جب اسلام آباد کی حدود سے نکل گئے تو اس نے بے فکری سے جیپ دوڑائی تھی۔ فتح جنگ کے نزدیک پہنچ کر اس نے جیپ سڑک سے اتار دی اور کچے راستے پر سفر کرتے ہوئے ایک چھوٹے سے جنگل تک آ پہنچے۔ وسیم کا نمبر دو چلا گیا تھا اور اس کی جگہ شکیل نامی یہ نوجوان آیا تھا جو عقبی نشست پر میرے ساتھ بیٹھا تھا۔

''تمہارے آدمی کہاں ہیں؟''

''ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔'' اس نے کہا اور لباس سے ایک محدود فاصلے میں کام کرنے والا ریڈیو سیٹ نکالا اور کسی نامانوس زبان میں کچھ کہا۔ بلکہ یہ سرے سے کوئی زبان ہی نہیں تھی..... بلکہ اردو، انگریزی اور پنجابی کے الفاظ کا مغلوبہ تھا۔ دوسری طرف سے اسی زبان میں جواب آیا۔ اس نے ریڈیو بند کر دیا اور میری طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا۔ ''تین ساتھی..... تین اطراف سے کوٹھی کی نگرانی کر رہے ہیں۔ بارہ گھنٹے بعد ان کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے، ان میں سے ایک ابھی اس طرف آئے گا۔''

''وہ آنے جانے والوں کو بھی دیکھتے ہیں؟''

''ہاں..... کیونکہ وہ آنے جانے والوں کا مکمل ریکارڈ رکھ رہے ہیں۔ ان کے پاس دن اور رات میں نگرانی کرنے والے آلات ہیں۔''

''تم لوگ سائنٹفک انداز میں کام کرتے ہو۔''

شکیل ہنسا۔ ''یہی وجہ ہے، ہمیں کم ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور ہماری ایک ساکھ ہے۔''

چند لمحے بعد نزدیک سے جھینگر بولنے کی آواز آئی۔ جواب میں شکیل نے بھی ویسی ہی آواز نکالی تھی جو حیرت انگیز طور پر جھینگر کے بولنے سے مشابہ تھی۔ مجھے بعد میں پتا چلا، ان کے پاس ایسی سیٹیاں تھیں جن میں پھونک مارنے سے جھینگر کے بولنے جیسی آواز نکلتی تھی کیونکہ جیپ کے اندر تاریکی تھی اس لئے میں شکیل کو سیٹی بجاتے نہیں دیکھ سکا تھا۔ ایک سایہ جیپ کے نزدیک آیا۔ ہم خاموشی سے جیپ سے اترے اور ایک لفظ کہے بنا سائے کے ساتھ چل پڑے۔ البتہ ڈرائیور جیپ میں ہی رہا تھا۔ جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان سے گزرتے ہم ایک ٹیلے تک آئے تھے۔ ''اوپر جانا ہوگا۔'' سائے نے دبی آواز میں کہا۔

کسی نہ کسی طرح ہم ٹیلے پر چڑھ گئے۔ جہاں جھاڑیوں کے درمیان نگرانی کرنے والے نے آبزرویشن پوسٹ بنا رکھی تھی اور اس کے پاس تمام ضروری آلات تھے۔ یہاں سے وہ وسیع اور دیہی طرز کی لیکن پختہ عمارت صاف نظر آ رہی تھی جس کے گرد اونچی چار دیواری تھی۔ یہ چار دیواری کوئی ایک ایکڑ کے رقبے میں پھیلی تھی اور اس کا احاطہ تیز روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ دیوار پر ہر چند گز کے بعد تیز روشنی والا بلب لگا تھا اور دیوار پر خاردار تاریں بھی تھیں۔ نگران نے بتایا۔

''یہ تاریں دو دن پہلے لگائی گئی ہیں۔ آدمیوں کا بھی اضافہ کر دیا ہے، اب اس عمارت میں کم سے کم ڈیڑھ درجن مسلح افراد ہیں۔ مین گیٹ پر دو افراد ہمہ وقت رہتے ہیں اور عمارت پر بھی چھ سات افراد کا مستقل پہرا ہے۔''

ٹیلا عمارت سے کوئی پانچ سو گز کے فاصلے پر تھا اور اتنی دور سے محض آنکھ سے نگرانی ناممکن تھی لیکن اس جگہ سے عمارت اور اس کے احاطے کا بیشتر حصہ بڑی اچھی طرح نظر آ رہا تھا۔ میں نے دوربین مانگی۔ اس نے مجھے عام دوربین دی۔ نائٹ وژن کی ضرورت نہیں تھی۔ عمارت والوں نے روشنی کا معقول انتظام کر رکھا تھا۔ ایک طرف احاطے میں دیوار کے ساتھ چند کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے دوربین آنکھوں سے لگائی تو احاطہ جیسے چند گز کے فاصلے پر آ گیا تھا۔ یہ دوربین مختصر لیکن بے حد طاقتور تھی۔ احاطے میں گیٹ سے کچھ فاصلے پر چار پانچ گاڑیاں اور چند موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں۔ میں نے دوربین گھما کر مین گیٹ کی طرف کی۔ وہاں ایک شخص شانے سے کاربائن لٹکائے ٹہل رہا تھا۔ یہ پرانی ساخت کی گن تھی۔ البتہ احاطے میں عمارت کے گرد موجود افراد کے پاس جدید ساخت کی رائفلیں تھیں۔ عمارت ایل شکل کی تھی اور اس کی سیدھی ساخت میرے سامنے تھی یعنی ایل کا کونا میری طرف تھا۔ اس ایک منزلہ عمارت کو سرخ پکی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ بعض کھڑکیاں روشن تھیں اور بعض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاریک تھیں۔ میں روشن کھڑکیوں کو دیکھنے لگا۔ گرمی کی وجہ سے کھڑکیاں کھلی تھیں اور ان پر سے پردے بھی ہٹے ہوئے تھے۔ ایک کمرے میں ایک بڑی اور گھنی مونچھوں والا شخص شراب نوشی میں مصروف تھا۔ حلئے اور لباس سے وہ بدمعاش لگ رہا تھا۔ اچانک کھڑکی کے سامنے ایک لڑکی آئی تھی۔ اس نے مختصر سا لباس پہن رکھا تھا۔ اسے پشت کی طرف سے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے دل کی دھڑکن رک گئی تھی کیونکہ پیچھے سے وہ مونا سے بے حد مشابہ لگ رہی تھی خاص طور سے اس کے لیئر کٹ بال بالکل مونا جیسے تھے لیکن جب صوفے پر بیٹھے ہوئے بدمعاش نے اسے اپنی جانب کھینچا اور اس کا چہرہ سامنے آیا تو میں نے سکون کا سانس لیا، وہ مونا نہیں تھی بلکہ صورت سے بازاری خدوخال رکھنے والی عورت نظر آ رہی تھی، اس کے اطوار اور لباس بھی اس کی گواہی دے رہا تھا۔

''لڑکی اچھی ہے۔'' شکیل بھی دوربین آنکھوں سے لگائے اسی جانب دیکھ رہا تھا۔

''میں اسے عقب سے دیکھ کر ڈر گیا تھا۔'' میں نے اعتراف کیا اور دوسری روشن کھڑکیوں میں جھانکنے لگا۔ پھر ایک کھڑکی کے سامنے آتے ہی میرے ہاتھ رک گئے تھے۔ وہ بلاشبہ مونا تھی۔ دونوں ہاتھوں سے کھڑکی کی سلاخیں تھامے وہ آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا ستا ہوا چہرہ ان مصائب اور آلام کا آئینہ دار تھا جو اس پر گزر رہے تھے۔ ویسے وہ ٹھیک ٹھاک لگ رہی تھی۔ میں نے دوربین کو مزید فوکس کرتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔ میرا دل کٹنے لگا۔ میرے پیارے صرف میری وجہ سے کتنی پریشانی اٹھا رہے تھے۔ اچانک اس کے عقب سے سفیر نمودار ہوا اس نے مونا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہا تو وہ اس کے شانے سے سر ٹکا کر رونے لگی تھی۔ اس کا ہچکولے لیتا جسم گواہی دے رہا تھا۔ سفیر اسے تسلی دینے لگا اور جب یہ تسلی سنسر کی حدود میں داخل ہونے لگی تو میں نے جھینپ کر دوربین وہاں سے ہٹالی اور احاطے کا جائزہ لینے لگا۔ ساتھ ہی میں نے نگران سے پوچھا۔

''تمہارے بقیہ دو ساتھی کہاں ہیں؟''

''انہوں نے دوسرے مقامات پر پوسٹیں بنا رکھی ہیں۔ ایک عمارت کے دوسری جانب ہے اور دوسرا اس راستے کی نگرانی کرتا ہے جو پکی سڑک سے حویلی کی طرف آتا ہے۔''

''ممکن ہے عمارت تک آمدورفت کے لئے کوئی اور راستہ بھی اختیار کیا جاتا ہو؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اتنے دن کی نگرانی سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہے۔ یہی ایک راستہ ہے جو شمال میں پکی سڑک تک جاتا ہے۔''

''دو درجن افراد کے لئے روزانہ سامان آتا ہوگا۔ خاص طور سے دودھ، انڈے، گوشت جیسی چیزیں تو روز درکار ہوتی ہیں۔''

''ایک سوزوکی پک اَپ روز سپلائی کر کے جاتی ہے۔''

''کیا اس پک اَپ کو ٹریپ کر کے اندر جانا ممکن نہیں ہے؟''

''میں نے اس کا جائزہ لیا ہے لیکن یہ کام بوں بے حد مشکل ہے کہ پک اَپ کھلی ہوتی ہے اور ڈرائیور اکیلا ہوتا ہے۔ گیٹ کے نگران اس کی صورت دیکھ کر دروازہ کھولتے ہیں۔''

''اس کے علاوہ کوئی آمدورفت؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہر دوسرے تیسرے دن برقع پوش عورتوں کو لے کر ایک گاڑی آتی ہے۔ عام طور سے رات کے وقت اور صبح سویرے چلی جاتی ہے۔''

''پیشہ ور عورتیں؟'' میں نے پوچھا۔

''امکان یہی ہے ورنہ اس عمارت میں اس طرح عورتوں کے آنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟'' شکیل بولا۔

میں نے نگران سے پوچھا۔ ''کیا آج بھی برقع پوش عورتیں آتی ہیں؟''

''جی جناب!'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''رات نو بجے ایک کار میں چار برقع پوش عورتیں آئی تھیں۔ اس وقت وہ احاطے کے ساتھ موجود کوٹھریوں میں ہیں۔''

میں نے دوربین اس طرف گھمائی۔ دیوار کے ساتھ چھ سات کوٹھریاں تھیں۔ کچی مٹی سے بنی ان کوٹھریوں پر ٹین کی شیٹیں پڑی تھیں۔ جب میں دیکھ رہا تھا تو ایک شخص صرف دھوتی میں باہر نکلا اور ایک طرف بنے باتھ روم میں چلا گیا۔ وہ سو رہا تھا یا کسی اور ''مصروفیت'' میں گم تھا، یہ واضح نہیں تھا۔ اچانک ایک اور کوٹھری کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک عورت نکل کر بھاگی۔ اس کے بدن پر لباس نام کی کوئی شے نہیں تھی مگر اسے چند قدم سے آگے جانا نصیب نہیں ہوا۔ کوٹھری سے دو مرد چیتے کی طرح جھپٹے اور اسے کسی بکری کی طرح دبوچ کر لے گئے۔ اگر وہ راضی خوشی آنے والی پیشہ عورتوں میں سے تھی تو اسے اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ان لوگوں نے کسی عورت کو قید کر رکھا تھا اور اس کی بے حرمتی کر رہے تھے؟ میں نے یہ بات نگران سے پوچھی، اس نے نفی میں جواب دیا۔

''ایک ہفتے کے دوران میں، میں نے کسی عورت کو نہیں دیکھا ہے، سوائے موناں بی بی کے۔''

''آپ اس معاملے میں سر نہ کھپائیں شہباز صاحب!'' شکیل بولا۔ ''یہ بتائیں آگے اب ہمیں کیا کرنا ہے؟''

''حملہ!'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''صبح جب یہ عورتیں واپس جائیں گی تو ہم انہیں ٹریپ کر لیں گے اور پھر ان کے برقعوں میں واپس آئیں گے۔ رات بھر عیاشی کے بعد یہ بے خبر سو رہے ہوں گے اور ہم بہ آسانی ان پر قابو پا سکتے ہیں۔''

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔ اندر ڈیڑھ درجن کے قریب مسلح افراد ہیں۔ ان میں سے چھ سات ہر وقت پہرے پر رہتے ہیں۔''

''بے خبری میں حملہ کر کے ہم ان پر قابو پا سکتے ہیں۔ پھر ان جگہوں سے بھی ہماری مدد کی جائے گی جہاں سے عمارت کی نگرانی ہوتی ہے۔ تم لوگوں کے پاس دور مار رائفلیں ہوں گی۔''

''شہباز صاحب! اس قسم کے منصوبے اس طرح نہیں بنتے ہیں، ہمیں پوری پلاننگ کے بعد حملہ کرنا ہو گا۔''

''نہیں حملہ آج ہی ہو گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''یہ مت بھولو..... تم سب میرے چارج میں ہو۔''

''اچھا، جیسی آپ کی مرضی۔'' شکیل نے بے بسی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوٹھی سے پانچ افراد..... کم سے کم تین اچھے نشانے باز ہوں اور دور مار رائفلیں ہوں۔ باقی اسلحہ تم اپنی صوابدید پر لا سکتے ہو۔'' میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''چار افراد میرے ساتھ جائیں گے۔ چار برقع پوش ہوں گے اور ایک کار کی ڈکی میں ہوگا۔ جیسے ہی ہم اندر جائیں گے، سب سے پہلے مین گیٹ والوں کو شوٹ کرنا ہوگا۔ ہمارے پاس خاموش پستول بھی ہونے چاہئیں۔''

''میں سمجھ گیا۔ ایک تجویز اور ہے۔ ایک تیز گاڑی میں کم سے کم چار افراد پیچھے ہوں جیسے ہی گیٹ والے مارے جائیں، وہ بھی اندر آ جائیں۔''

''یہ بہتر رہے گا۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

مونا اور سفیر کو بے کسی کی حالت میں قید دیکھ کر میرا دل تڑپ گیا تھا اور میں ہر خطرہ مول لے کر انہیں مرشد علی کے چنگل سے نکالنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ شکیل آدمی اور اسلحہ لانے کے لئے چلا گیا۔ میں وہیں رک گیا۔ دوربین سے وقفے وقفے سے عمارت کا جائزہ لے رہا تھا۔ نگران نے مجھے تھرماس سے کافی نکال کر دی۔

''سوری سر! کافی باسی ہو چکی ہے۔''

''کوئی بات نہیں، کافی ہے۔'' میں نے کپ لیا۔ میرا ذہن اس پلان میں الجھا تھا۔ درحقیقت مجھے بھی احساس تھا کہ میں نے کوئی بہت اچھا منصوبہ نہیں بنایا ہے۔ یہ بے حد رسکی تھا اور کامیابی غیر یقینی تھی البتہ ایک بات یقینی تھی کہ حملے کی صورت میں دونوں طرف سے کئی جانیں جا سکتی تھیں۔ بہرحال حالات نے مجھے اس رخ پر پہنچا دیا تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کے لئے دشمن کا خون بہانے کے لئے بھی تیار تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ گیٹ کے افراد سے تھا اگر وہ خطرہ بھانپ جاتے تو کام بے حد مشکل ہو جاتا۔ ہمیں الٹا لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔ انہیں خاموشی سے قابو کرنا بے حد ضروری تھا۔

صبح کے چار بج رہے تھے۔ شروع میں احاطے میں پانچ چھ مسلح افراد تھے۔ ان کی ڈیوٹیاں بدل رہی تھیں۔ اندر سے کوئی ایک آتا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا چلا جاتا تھا اور جانے والا بھی آرام نہیں کرتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صبح چار بجے تک صرف دو افراد باہر تھے اور وہ بھی سست انداز میں عمارت کے سامنے والے حصے میں ٹہل رہے تھے۔ اس وقت ریڈیو پر شکیل کے آنے کا اشارہ ملا۔ میں نے اسے اپنی جگہ رکنے کو کہا اور خود نگران کے ساتھ ٹیلے سے اتر کر شکیل کے پاس پہنچ گیا۔ اس بار جیپ میں چار افراد مزید تھے۔ ایک اور جیپ میں چار افراد سڑک کے پاس تھے۔

نگران کو واپس بھیج کر میں شکیل اور دوسرے افراد کے ہمراہ سڑک تک آیا۔ جہاں دوسری جیپ ایک درختوں کے جھنڈ کے عقب میں چھپی تھی۔ مجھے اور شکیل کو ملا کر کل دس افراد تھے۔ ٹیلے والا نگران ماہر نشانچی تھا اور اس کے پاس دور مار رائفل بھی تھی۔ باقی دو نشانچی اور دو مار رائفلیں شکیل اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہیں دوسری پوسٹوں پر بھیج دیا گیا اور ان کے نگران ہمارے ساتھ آ ملے۔ ہم سب کے پاس مختصر فاصلے پر کام کرنے والے ریڈیو سیٹ تھے جن سے منسلک ہیڈ فون اور مائیک ہمارے سر پر چڑھے تھے۔ تمام آلات کی عملی مشق کر لی گئی۔

''ہمیں برقع پوش لڑکیوں والی گاڑی کو روکنا ہوگا۔ لڑکیوں کو اتار کر ان کے برقع چار افراد پہنیں گے۔'' میں نے انہیں بریف کیا۔ ''اگر کار ہوئی تو ایک آدمی ڈکی میں چھپے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری ایک تجویز ہے سر!'' شکیل نے کہا۔ ''ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ پر ایک لڑکی کو بٹھا دیا جائے۔''

''یہ خیال میرے ذہن میں بھی آیا تھا لیکن کام رسکی ہے۔ لڑکی بھاگ بھی سکتی ہے اور ایک آدمی بھی کم ہو گا۔ اگر مین گیٹ کے گارڈز کو شک ہو جائے تو اسے فوراً شوٹ کر دیا جائے اور اندر جانے والے تمام افراد کے پاس خاموش پستول ہونے چاہئیں۔ اسلحے کی کیا پوزیشن ہے؟''

''سر! سب کے پاس خودکار رائفلیں اور پستول ہیں۔ پہلے اندر جانے والے چار یا پانچ افراد کے لئے خاموش پستول ہیں۔ چند دستی بم بھی ہیں۔''

''بم انہیں دو جنہیں استعمال کرنے آتے ہیں، کیا کوئی بے ہوش کرنے والا گیس کا بم نہیں ہے؟''

''سوری سر! اس کا خیال نہیں رہا۔'' شکیل نے معذرت کی۔

''کوئی بات نہیں۔ ایک بات یاد رکھیں، آپ کی جان اور یرغمالیوں کی جان سب سے مقدم ہے۔ لہٰذا جیسے ہی کوئی مسلح فرد نظر آئے اسے بلا وارننگ شوٹ کر دیں۔''

''یس سر!'' ان سب نے یک آواز کہا تھا۔

''نگرانوں کی طرف سے اشارہ ملتے ہی ہمیں حرکت میں آ جانا ہو گا۔''

دونوں جیپیں کچے راستے کے ایک ایسے مقام پر چھپا دی گئی تھیں جہاں سے فوری طور پر انہیں حرکت میں لا کر راستہ بلاک کیا جا سکتا تھا۔ احتیاطاً ایک شخص کو سڑک کی طرف بھیج دیا گیا تا کہ کوئی بس طرف آئے تو وہ ہمیں پہلے ہی خبردار کر دے۔ ان سارے کاموں میں پانچ بج گئے۔ وسط ستمبر ہونے کی وجہ سے صبح کے نزدیک موسم کسی قدر سرد ہو جاتا تھا۔ نگران کا کہنا تھا کہ برقع پوش عورتیں عام طور سے صبح چھ، ساڑھے چھ بجے واپس جاتی تھیں۔ یعنی صبح سویرے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جاتی تھیں تا کہ سارا دن آرام کر کے آنے والی رات کے لئے تیار ہو سکیں۔

شکیل کھانے پینے کا سامان ساتھ لایا تھا۔ میں نے چند بسکٹ اور کافی لی۔ رات کا کھانا بھی میں نے ہلکا لیا تھا۔ اس وجہ سے مجھے ہلکی سی بھوک لگ رہی تھی اور میں پوری طرح چاق و چوبند تھا۔ وقفے وقفے سے میں کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتا تھا۔ منٹ کی سوئی رفتہ رفتہ بارہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آخر چھ بج گئے۔ صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی اور اردگرد کے درختوں کے پرندے چہچہاتے ہوئے اپنی روزی کی تلاش میں روانہ ہو رہے تھے۔ ابھی تک نگرانوں میں کسی کی جانب سے اشارہ نہیں ملا تھا اور میرے دل میں خدشات جاگنے لگے تھے ممکن ہے عورتیں زیادہ تھکن کی وجہ سے واپس جانے کے بجائے یہیں رک جائیں، اس صورت میں ہمارا پلان ہی فیل ہو جاتا۔ میں بے تاب ہو کر ٹیلے والے نگران سے بات کرنے جا رہا تھا کہ میرے ایئرفون میں اس کی آواز آئی۔

''سر! عورتیں ایک کار میں سوار ہو رہی ہیں، ان کے ساتھ ایک بوڑھا ڈرائیور ہے۔''

''گڈ..... تم ہوشیار رہو اور ٹائمنگ کا خیال رکھنا۔''

''آپ بے فکر رہیں سر!'' اس نے جواب دیا۔

دونوں جیپوں کے ڈرائیور تیار تھے۔ اشارہ ملتے ہی وہ جیپیں لا کر راستہ بند کر دیتے۔ ایئرفون کی آواز آئی۔ ''کار گیٹ سے نکل رہی ہے۔''

''اس میں ڈکی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی سر! خاصی بڑی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''ساتھیو، تیار ہو جاؤ۔'' میں نے کہا تھا۔

پرانے ماڈل کی یہ بڑی سی سیاہ کرولا کچے راستے پر ہچکولے کھاتی نمودار ہوئی۔ جیسے ہی وہ ایک خاص فاصلے تک آئی، میرے اشارے پر جیپ حرکت میں آئی اور اس نے راستہ بلاک کر دیا۔ سیاہ کار رکتے بھی جیپ کے نزدیک جا پہنچی تھی۔ بوڑھے ڈرائیور نے خطرہ بھانپ کر کار کو بیک کرنا چاہا لیکن اس اثنا میں دوسری جیپ جھاڑیوں سے نکل کر اس کی واپسی کا راستہ بھی بند کر چکی تھی۔ آناً فاناً چار مسلح ساتھیوں نے کار کو گھیر کر سب سے پہلے ڈرائیور کو اتار کر کار کے بونٹ پر اوندھا لٹا دیا اور اس کی تلاشی لینے لگے۔ باقی دو افراد نے عورتوں کو نیچے اترنے کو کہا تو وہ چلانے لگیں۔ ''نہیں ... گے۔''

''بکومت!'' ایک عورت کو گھسیٹ کر نیچے اتارا گیا تو باقی خود اتر آئیں۔ ان کے جسم تھرتھرا رہے تھے۔ میں نے حکم دیا۔ ''اپنے برقع اتارو۔ جس نے ایک منٹ سے زیادہ لگایا اسے گولی ماردی جائے گی۔''

''پلیز! ہمیں مت مارو..... ہم نے کیا، کیا ہے؟'' وہ گڑگڑاتے ہوئے برقع اتارنے لگیں۔ منٹ سے بھی پہلے چاروں برقع زمین پر ڈھیر تھے۔ برقعے پردے کے لیے نہیں تھے بلکہ وہ اپنی شناخت چھپانا چاہتی تھیں۔ ایک تو اپنی شرٹ کے بٹن بھی کھول رہی تھی، میں نے سخت لہجے میں اسے روک دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''انہیں جھاڑیوں میں لے جاؤ اور کوئی آواز نکالیں تو گولی ماردینا۔''

''ہم بالکل نہیں بولیں گے۔'' ایک سترہ اٹھارہ سال کی عورت بولی۔ کمسنی کے باوجود اس میں لڑکیوں والی کوئی بات نہیں تھی۔ دو افراد انہیں ہنکا کر جھاڑیوں میں لے گئے۔ تین افراد کا انتخاب میں پہلے کر چکا تھا۔ یہ تینوں چھریرے جسم کے مالک تھے۔ مناسب قد کے ساتھ برقع میں ان کی مردانگی چھپی رہ سکتی تھی۔ جس کی آنکھیں خوب صورت تھیں اسے اگلی نشست پر بیٹھنا تھا۔ اس دوران میں جب کہ ہم نے برقع پہنے، شکیل خاص زبان میں عمر رسیدہ ڈرائیور کو سمجھا رہا تھا کہ وہ کوئی غلط حرکت کر کے مقررہ وقت سے پہلے مرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں..... کوئی حرکت نہیں کروں گا۔ مجھے مت مارنا، میں صرف ڈرائیور ہوں۔''

''اوہ چاچا، شرم کرو، اس عمر میں ان کوٹھے والیوں کی چاکری کر رہے ہو۔'' ایک نے اسے شرم دلائی۔

''چاکری کون حرامی کرتا ہے؟'' وہ بھڑک کر بولا۔ ''یہ سب میری بھانجیاں ہیں۔''

''ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تم صرف ڈرائیور ہو۔'' میں نے اسے گھورا۔ ''شرافت سے کار میں بیٹھو اور یاد رکھنا، میں تمہارے پیچھے ہوں گا، کوئی غلط خیال بھی دل میں آیا تو پیچھے سے دل میں گولی اتار دوں گا۔''

''مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔

''واپس جہاں سے آئے تھے؟'' میں نے نقاب درست کیا۔

''اوہ نہیں جی!..... میں نہیں جاؤں گا، وہ بہت ظالم ہیں۔''

''ہم بھی کچھ کم ظالم نہیں ہیں۔'' میں نے اسے یقین دلایا اور پستول اس کے ماتھے پر رکھ دیا۔ ''گولی چلا کر دکھاؤں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں جی..... میں جاؤں گا۔'' اس نے دونوں آنکھوں سے پستول کو دیکھ کر لرزتی آواز میں کہا۔

''گڈ چاچا جی..... اب اندر بیٹھو اور واپس چلو۔'' میں نے اسے کار کے اندر دھکیلا اور ہم چاروں بھی سوار ہو گئے تھے۔ میرے منع کرنے کے باوجود شکیل ڈکی میں لیٹ گیا۔ یہ اندر سے بہ آسانی کھل سکتی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ بعد میں آنے والی جیپ پر سوار ہو مگر وہ نہیں مانا۔ دوسری جیپ میں چار افراد تھے اور ایک کو لڑکیوں پر نگرانی کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ جیسے ہی کار آگے بڑھی، میں نے ریڈیو پر نگرانوں کو ہوشیار رہنے کو کہا۔ ان کا کام یہ تھا کہ جیسے ہی اندر معرکہ گرم ہو، یہ سامنے آنے والے مسلح افراد کو دور مار رائفل کا نشانہ بنائیں۔ میں درمیان میں تھا کیونکہ میری جسامت باقی تین کی نسبت زیادہ تھی اور مجھ پر شک کیا جا سکتا تھا لیکن شک تو کار کے واپس آنے پر بھی ہو سکتا تھا جیسے جیسے عمارت نزدیک آ رہی تھی، میرے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ڈرائیور فی الحال تو وہی کر رہا تھا جو میں نے کہا تھا لیکن اندر جا کر اس کا کیا ردعمل ہوتا یہ ابھی کہنا دشوار تھا۔ کار پھاٹک کے سامنے رکی۔ بوڑھے نے ہلکا سا ہارن دیا۔ میں نے اسے تیز ہارن دینے سے منع کیا تھا تاکہ اندر والے نہ چونکیں۔

''اوئے تُو پھر آ گیا؟'' ایک جاہل لہجے والے شخص نے باہر جھانک کر کہا۔ ''کی گل اے؟''

''ایک بی بی کا ہار اندر رہ گیا ہے۔'' ڈرائیور نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ ''وہ لینا ہے۔''

''ہار یا کچھ اور۔'' جاہل شخص خشن انداز میں بولا۔ ''یہ ہار بھولنے والی تو نہیں ہیں۔''

''وقت مت خراب کرو۔ دروازہ کھولو، ابھی واپس بھی جانا ہے۔''

''دروازہ تو اب نہیں کھلے گا۔ جس موٹی کا ہار ہے، وہ پیاں پیاں اندر جا کر لے آئے۔'' وہ چھوٹا گیٹ کھول کے باہر آیا۔ ''اگر وہ نہیں جا سکتی ہے تو بازوؤں میں لے جاتے ہیں۔''

''بکواس مت کرو مجھے میاں صاحب سے شکایت کرنی پڑے گی۔'' بوڑھے نے ناراضی سے کہا۔ ''بی بی، پیدل نہیں جا سکتی۔ رات بھر کی تھکی ہوئی ہے۔''

وہ شخص جاہل ضرور تھا لیکن احمق نہیں..... نزدیک آتے ہی اسے شک ہو گیا تھا اور اس نے اپنے شانے سے لٹکی رائفل کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ ہلکی سی آواز کے ساتھ اس کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا۔ میرے برابر میں بیٹھے شخص نے اسے اتنی مہارت سے نشانہ بنایا کہ مجھے بھی آواز آنے تک پتا نہیں چلا کہ اسے کس نے گولی ماری ہے۔ اس کے گرتے ہی ہم تینوں پھرتی سے کار سے اتر آئے تھے۔ مقتول کے گرنے کی آواز نے اس کے ساتھی کو چونکا دیا اور وہ اضطراری طور پر سامنے آیا تھا کہ میرے ساتھی نے اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔

''تمہارا نشانہ واقعی لاجواب ہے۔'' میں نے کہا اور دونوں لاشیں گھسیٹ کر گیٹ کے ساتھ ڈالنے کی ہدایت کی اور نگرانی سے پوچھا۔ ''کیا صورتِ حال ہے؟''

''صاف ہے دونوں افراد پھاٹک سے دور ہیں۔ انہیں گیٹ کی صورتِ حال کا علم نہیں ہے۔''

''گڈ!'' میں نے کہا اور پھاٹک سے اندر داخل ہو گیا۔ ڈرائیور کے برابر میں بیٹھے شخص نے اس کے سر پر ہتھوڑے کا دستہ مار کر اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ ہم چاروں تیزی سے اندر داخل ہوئے تھے۔ نگران میری راہنمائی کر رہا تھا۔ ''ایک پہرے دار کوٹھریوں والی سمت کی طرف گیا ہے، اب عمارت کے سامنے والے حصے میں آ رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

میں نے دو افراد کو اس سے نمٹنے بھیجا اور عمارت کی طرف بڑھا۔ میرے ساتھ شکیل تھا۔ ایک ساتھی دوسرے گارڈ کی طرف بھیجا تھا۔ میں خود اس کھڑکی کی طرف بڑھا جس میں مجھے مونا اور سفیر نظر آئے تھے۔ میں نے کھڑکی سے اندر جھانکا تو مجھے دھچکا لگا، کمرا خالی نظر آ رہا تھا مزید تسلی کے لئے میں نے کھڑکی کے اوپر چڑھ کر اندر دیکھا۔ کمرا واقعی خالی تھا۔ مونا اور سفیر اب وہاں نہیں تھے۔ کیا انہیں کمرے سے کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا، پھر اس جگہ سے ہی کہیں اور لے جایا گیا تھا؟..... لیکن نہیں رات بھر میں خود یہاں کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ اس جگہ سے باہر کوئی نہیں گیا تھا۔ مونا اور سفیر کو لازماً عمارت کے اندر ہونا چاہئے تھا۔ گارڈز کی طرف بھیجے جانے والے افراد نے یکے بعد دیگرے انہیں ٹھکانے لگائے جانے کی اطلاع دی تھی۔ نگران نے بھی یہی بتایا کہ اب احاطے میں دشمن کا کوئی مسلح فرد نہیں تھا جو بھی تھے، وہ اندر ہی تھے۔ مزید چار ساتھی عمارت کے احاطے میں آ گئے تھے میں نے برقع اتار پھینکا اور عمارت کے اندر جانے کی راہ تلاش کرنے لگا۔ ایل کے کونے پر مجھے ایک دروازہ نظر آیا لیکن اس کے اندر کنڈی لگی تھی۔ میں نے کنڈی والے حصے پر پستول رکھ کر فائر کیا تو ہلکی سی آواز کے ساتھ کنڈی اڑ گئی۔ دروازہ کھل گیا تھا۔ میں اندر داخل ہو رہا تھا کہ کوٹھ ن کی جانب سے کسی نے شاٹ گن کا فائر کیا، یہ دشمن کا فائر تھا کیونکہ ہم میں سے کسی کے پاس شاٹ گن نہیں تھی۔

"سب ہوشیار ہو جاؤ۔" میں نے مائیک میں کہا۔ یہ اس قسم کا سسٹم تھا کہ ایک بولتا تو سب آواز سنتے تھے کیونکہ ریڈیو کی فریکوئنسی یکساں تھی۔ فائر ہوتے ہی کھلبلی مچ گئی تھی۔ اندر سے چیخنے دھاڑنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ میں اور شکیل اندر گھسے تھے کہ ایک دروازے سے وہی گھنی مونچھوں والا بدمعاش نمودار ہوا جسے میں نے رات کو دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں خوفناک سی رائفل تھی لیکن وہ اسے استعمال کرنے کی حسرت لئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ میں نے اور شکیل نے بیک وقت فائر کئے تھے نہ جانے وہ کس کی گولی سے مرا تھا۔ ایک انسان پر فائر کرتے ہوئے میرے ہاتھ لرز گئے تھے لیکن جلد ہی میں نے خود پر قابو پا لیا۔ اب عمارت کے مختلف حصوں سے فائرنگ کی بے تحاشا آوازیں آ رہی تھیں۔ درجن بھر آتشیں ہتھیار ہلاکت برسانے میں مصروف تھے۔ کم سے کم پانچ افراد کے مارے جانے سے دشمن کی نفری میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ نگران کی تعداد پھر بھی ہم سے زیادہ تھی۔

"شکیل..... مونا اور سفیر کو دیکھو۔" میں نے اس کمرے میں جھانکتے ہوئے کہا جس سے گھنی مونچھوں والا نکلا تھا۔ اندر وہی سیمیں تن لڑکی بت بنی بیٹھی تھی۔ بت ان معنوں میں بھی کہ اس کے بدن پر لباس نام کی کوئی شے نہیں تھی، میں نے دروازہ کھینچ کر باہر سے بند کر دیا۔ یہ خاصا معقول اور صاف ستھرا حصہ تھا اور یہاں شاید یہی دو افراد تھے لیکن تیسرا دروازہ کھلنے کے بعد مجھے اپنے خیال میں ترمیم کرنا پڑی تھی۔ اس کمرے کے فرش میں خلا تھا جس سے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ "شکیل ادھر کوئی تہ خانہ ہے۔" میں نے شکیل کو آگاہ کیا۔

"باہر کیا پوزیشن ہے؟" شکیل نے کسی سے دریافت کیا۔

"چار مزید گرا دیئے ہیں۔ ایل کے بڑے حصے کی طرف سے زیادہ مزاحمت ہے۔" کسی نے جواب دیا۔

"گڈ..... زیادہ مزاحمت ہو تو دستی بم استعمال کرنا۔" شکیل نے حکم دیا اور مجھے دروازے کی نگرانی کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے تہ خانے کی طرف بڑھا۔ اس نے محتاط انداز میں اندر جھانکا اور پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک مجھے خیال آیا۔ ''مونا..... سفیر کہاں ہو تم؟'' میں نے چلا کر پوچھا۔

''ہم یہاں ہیں۔'' فوراً ہی تہ خانے سے مونا کی آواز آئی۔ ''یہ فتح خان.....'' اس کی آواز یوں رک گئی جیسے کسی نے اس کا منہ دبا دیا ہو۔

''سفیر.....!'' میں چلایا..... مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں تڑپ کر نیچے کی طرف بھاگا۔ قلیل نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ کئی سیڑھیاں بیک وقت پھلانگتے ہوئے میں نیچے پہنچا تو میری نظر سب سے پہلے کرسی سے بندھے سفیر پر پڑی، اس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا اور مونا غائب تھی۔ ''مونا، کہاں ہو تم؟'' میں نے پھر چلا کر کہا۔ تہ خانے میں ایک طرف پیٹیوں کا ڈھیر تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس ڈھیر کے عقب میں کوئی تھا۔ میں رائفل تانے محتاط قدموں سے اس طرف بڑھا۔ اچانک ایک جگہ سے مونا اس طرح سامنے آئی کہ اس کی گردن کسی کے بازو میں دبی تھی اور دوسرے ہاتھ سے ایک چاقو اس کے رخسار کو چھو رہا تھا۔

''کون ہو تم؟ چھوڑ دو اسے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔

''پیچھے ہٹ جاؤ..... ورنہ ہم لڑکی کا گردن اتار دے.....'' کسی نے پٹھان لہجے میں اردو بولی اس کا لہجہ سنتے ہی جانا پہچانا لگا۔

''لڑکی کو چھوڑ دو..... میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔''

''بکواس مت کرو، پیچھے جاؤ۔'' وہ شخص مونا کو لئے سامنے آیا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا، اس کے خدوخال میں عمر رسیدگی آ گئی تھی۔ سر کے بکھرے بال اور داڑھی سفید ہو رہی تھی لیکن وہ سو فی صد فتح خان تھا۔

وہ بلاشبہ فتح خان تھا۔ دوسرے لمحے اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ''تم..... شہباز!''

''فتح خان میری پہلے بھی تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی اور اب بھی نہیں ہے۔ لڑکی کو چھوڑ دو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔''

''پہلے بھی میں بے وقوف نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہوں..... یہ پستول میری طرف پھینک دو..... ورنہ میں مرنے سے پہلے لڑکی کا گلا ضرور کاٹ دوں گا۔'' اس کا لہجہ صاف تھا۔ اتنے عرصے میں یہ بھی ایک تبدیلی آئی تھی ان اس کی سفاک فطرت ویسی ہی تھی۔ میں نے ایک نظر سفیر پر ڈالی۔ اس کا ہلتا پیٹ بتا رہا تھا کہ وہ زندہ ہے۔

''تم نے اس کے ساتھ کیا، کیا ہے؟''

''کچھ نہیں..... تصویر کا پتا پوچھ رہا تھا۔''

''شوبی! اس نے سفیر پر بہت تشدد کیا ہے۔'' مونا روہانسی آواز میں بولی۔

''فتح خان میں اپنے دوست کے ساتھ کیا جانے والا سلوک بھی بھول جاؤں گا لیکن اسے چھوڑ دو۔ مجھ سے پستول لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ باہر راجا عمر دراز کے درجن بھر مسلح افراد ہیں۔ وہ تمہیں نہیں جانے دیں گے۔ تم یہیں تہ خانے میں چھپ جاؤ۔''

''بکواس مت کرو۔ پستول ادھر پھینکو۔'' اس نے غرا کر کہا اور چاقو کا بلیڈ مونا کی نازک سی گردن میں دبا دیا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوکے..... اوکے تم مرنا چاہتے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔'' میں نے پستول اس کی طرف اچھال دیا۔

''یہ رائفل بھی۔'' اس نے میرے شانے پر لٹکی رائفل کی طرف اشارہ کیا۔

بادل نخواستہ میں نے رائفل بھی اس کی طرف پھینک دی۔ جیسے ہی رائفل نیچے گری اس نے مونا کو ایک طرف دھکا دیا اور جھپٹ کر پستول اٹھا لیا اس کا رخ میری طرف کرتے ہوئے اس نے رائفل بھی اٹھا لی تھی ''اتنے عرصے بعد تمہیں دیکھ کر خوش ہو رہی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اب میں اپنی قسم پوری کر سکوں گا۔'' اس نے پستول میری طرف کیا تھا۔

''ایک منٹ، کیسی قسم؟''

''جب تم ایمن کو لے کر بھاگ گئے تھے تو میں نے قسم کھائی تھی کہ تمہیں قتل کر دوں گا۔''

فتح خان ایک بار پھر موت کے روپ میں سامنے آیا تھا۔ ''چلو مجھے مار دیا تب اوپر والوں سے کیسے لڑو گے۔'' وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔

''چلو آج نہیں میں پھر کبھی اپنی قسم پوری کروں گا۔ ابھی تم مجھے اس جگہ سے باہر نکالو اگر کسی نے روکا تو سب سے پہلے تم دونوں مرے گا۔''

''میں اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''راجا عمر دراز کے آدمیوں کے لئے تم زیادہ ضروری شخص ہو۔ صرف میری وجہ سے وہ تمہیں جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''بکومت اوپر چلو۔'' اس نے رائفل سے اوپر اشارہ کیا۔ میں اور مونا ایک ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ میں نے اسے سہارا نہ دے رکھا ہوتا تو وہ شاید گر جاتی۔ اس کا بدن بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ فتح خان ہمارے پیچھے تھا۔ پہلے میں کمرے میں نکلا اور اسے خالی دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی تھی میرا خیال تھا کہ شکیل کہیں گھات لگائے بیٹھا ہوگا اور دھوکے سے فتح خان کو قابو کر لے گا لیکن وہ شاید باہر چلا گیا تھا۔ فتح خان ہمارے عقب میں کسی چوکنے بھیڑیے کی طرح باہر آیا تھا۔ میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ابھی باہر جانے کے لئے جانے تمہیں ایسے کتنے مراحل سے گزرنا پڑے گا۔''

''تم باہر جا کر گاڑی دروازے کے سامنے لاؤ گے۔'' اس نے میری بات نظر انداز کر کے کہا۔ ''یاد رکھنا پانچ منٹ سے اوپر ہوئے تو میں اس لڑکی کو گولی مار دوں گا۔''

''کیا پوزیشن ہے؟'' میں نے ریڈیو کے بٹن پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''آل نیک اوور سر۔'' کسی نے جواب دیا۔ ''جب ہم اوپر آئے تو فائرنگ رک چکی تھی۔''

''میرے ساتھ لوگ عمارت پر پوری طرح قابض ہو چکے ہیں۔'' میں نے فتح خان کو آگاہ کیا۔

''تمہارے پاس چار منٹ رہ گئے ہیں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور رائفل کا رخ مونا کی طرف کر دیا۔

''اوکے.....'' میں نے کہا۔ ''لیکن ہماری گاڑیاں عمارت سے باہر اور دور ہیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ احاطے میں ایک بحیرہ کھڑی ہے وہ میری ہے۔ یہ لو اس کی چابی۔'' اس نے چابی میری طرف اچھال دی۔ ''اب تین منٹ ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھ پر بلاوجہ کا دباؤ مت ڈالو۔ ابھی مجھے ان لوگوں کو بھی سمجھانا ہے ان کی اجازت کے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا ہوں۔''

''یہ سب مجھے نہیں معلوم..... بس اتنا یاد رکھنا مقابلے کا موقع آیا تو میں اکیلا نہیں مروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں جانے کے لئے مڑا تھا کہ عقب سے عجیب سی آواز آئی جیسے کسی نے ریت کی بوری پر مکا مارا ہو میں بوکھلا کر پلٹا تو فتح خان زمین پر گرتا نظر آیا، اس کے عقب میں شکیل گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فتح خان منہ کے بل گر کر ساکت ہو گیا اس کے سر کے عقبی حصے سے خون بہہ رہا تھا۔ میں کچھ دیر کے لئے دم بخود رہ گیا تھا۔ ''تم کہاں سے نازل ہوئے؟''

''اوپر سے۔'' اس نے مسکرا کر اوپر کی طرف اشارہ کیا تب میں نے دیکھا کہ چھت کے ساتھ ایک چھجا سا سامان رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اپنے سفید رنگ کی وجہ سے وہ چھت کے ہم رنگ ہو رہا تھا اس وجہ سے غور سے دیکھے بغیر نظر نہیں آ رہا تھا۔ فتح خان کے سر پر شکیل نے پستول کا دستہ مارا تھا اور وہ بے ہوش تھا۔ میں اور مونا بیک وقت تہ خانے کی طرف لپکے۔ اچانک مجھے خیال آیا میں نے رک کر شکیل سے کہا۔ ''اس کا خاص خیال رکھنا یہ راجا عمر دراز کا مجرم ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ آپ کا مرد ساتھی کہاں ہے؟''

''تہ خانے میں..... دو افراد کو بھجواؤ شاید اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔''

جب تک میں نیچے پہنچا مونا سفیر کی رسیاں کھول چکی تھی میں نے اسے سنبھال کر نیچے لٹایا۔ سفیر کے پیروں اور جسم پر تشدد کے نشان نمایاں تھے میں نے اس کی نبض چیک کی۔ وہ کسی قدر سستی کے ساتھ مگر باقاعدگی سے دھڑک رہی تھی۔ میں نے مونا سے پانی مانگا اور سفیر کے گال تھپتھپانے لگا۔ مونا کہیں سے پانی لے آئی۔ میں نے پانی اس کے منہ پر چھڑکا، چند قطرے منہ میں ٹپکائے۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ وہ ہلنے جلنے لگا تھا اسی دوران میں ایک فرد نیچے آیا یہ ٹیم کا طبی امداد کا ماہر بھی تھا اس نے سفیر کا معائنہ کیا اور بتایا کہ زخم معمولی نوعیت کے ہیں ان کی مرہم پٹی بعد میں کی جا سکتی ہے۔ پھر اس نے ایک بوتل اپنی جیکٹ سے نکالی اور اسے کھول کر اسے سفیر کی ناک میں لگا دیا۔

''یہ امونیا ہے اس سے یہ جلدی ہوش میں آ جائیں گے۔''

واقعی امونیا سنگھانے کے ایک منٹ کے اندر اندر سفیر ہوش میں آ گیا۔ آنکھیں کھول کر وہ چند لمحے کے لئے خلا میں گھورتا رہا۔ جیسے ہی میں اس کی طرف جھکا وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ ''شوبی..... میرے یار..... میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''نہیں سفی..... میری جان میں آ گیا ہوں۔ اب تُو آزاد ہے۔'' میں نے اس کے چہرے پر پیار کیا۔ ''جلدی سے اٹھ جا ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''وہ منحوس فنخس کہاں ہے؟'' اس نے چاروں طرف دیکھا۔

''فتح خان..... وہ ہمارے قبضے میں ہے اس سے تیرے ایک ایک زخم کا حساب لوں گا۔''

سفیر دنگ رہ گیا تھا ''فتح خان تھا..... وہی.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں وہی خبیث..... میں اسے دیکھ کر خود حیران رہ گیا تھا۔'' میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ میرا گچ سالم ہاتھ دیکھ کر سفیر کی آنکھیں ایک بار پھر پھیل گئی تھیں۔

''شوبی تیرا ہاتھ.....''

''اس کی کہانی بھی بعد میں سنا دوں گا۔ اب یہاں سے نکلنا ہے اس سے پہلے کہ کوئی اور مصیبت نازل ہو جائے۔'' میں اور مونا سہارا دے کر سفیر کو تہ خانے سے باہر لائے تھے۔ شکیل نے گاڑیاں پہلے ہی نکلوا دی تھیں جو لوگ زندہ بچے تھے انہیں نہتا کر کے ایک کمرے میں بند کیا جا چکا تھا۔ ہم باہر نکلے تو کھلے گیٹ سے ہماری دونوں جیپیں دندناتی ہوئی اندر آئی تھیں۔ میں نے نگرانوں کو بھی چلنے کا حکم دیا۔ احاطے میں کھڑی ایک گاڑی منتخب کی گئی کیونکہ افراد زیادہ تھے اور دو جیپوں میں نہیں آ سکتے تھے۔ البتہ سارا اسلحہ اپنے ساتھ رکھا گیا تھا۔ اب لوگوں کو حکم دیا گیا کہ کار کسی جگہ چھوڑ کر ٹیکسی میں کوٹھی تک آئیں۔

راستے میں شکیل نے موبائل فون پر وسیم کو آپریشن کی کامیابی کی اطلاع دی۔ فتح خان کے بارے میں بتایا تو کچھ دیر بعد راجا عمر دراز کا خود فون آ گیا تھا۔ شکیل نے اس سے بات کی اور موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ راجا کی اضطراری آواز آئی۔ ''شہباز کیا تمہیں یقین ہے..... وہ فتح خان ہی ہے۔''

''سوفی صد راجا صاحب..... اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا۔''

''شہباز اسے پوری احتیاط سے لانا۔ میں نے اس کی تلاش میں سارا شمالی علاقہ چھنوا دیا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ یہاں چھپا بیٹھا ہوگا۔''

''راجا صاحب اس کا اس کوٹھی میں پایا جانا کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ ہے۔ مرشد علی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے عین ممکن ہے اسے ڈیوڈ شانے ہائر کیا ہو۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' راجا عمر دراز پُر جوش لہجے میں بولا۔ ''فتح خان شروع سے میرے دشمنوں سے ملا ہوا ہے۔ میں اسے عبرت کا نشان بنا دوں گا۔''

''آپ بے فکر رہیں راجا صاحب۔ یہ چند لمحے بعد آپ کے قدموں میں ہوگا۔'' میں نے کہا اور موبائل بند کیا تھا کہ عقب سے کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔

''جیپ روکو..... حرامزادہ کود گیا ہے۔''

میں نے مڑ کر دیکھا فتح خان جیپ کے عقبی حصے میں پڑا ہوا تھا اور اس پر ایک ترپال ڈال دی گئی تھی۔ نہ جانے کس وقت ہوش میں آ کر اس نے پہلے سے جیپ کا عقبی دروازہ کھولا اور نیچے کود گیا۔ جب تک جیپ رکتی اور ہم اس کے پیچھے جاتے وہ لنگڑاتا ہوا ہائی وے کے ساتھ جھاڑیوں میں غائب ہو چکا تھا۔ میں جیپ سے اترتے ہوئے چلایا۔ ''پیچھا کرو اس کا، نکل کر جانے نہ پائے۔''

فتح خان کے اچانک کودنے سے عقب میں آنے والی نئی تویلی دلہن جیسی کار اسے بچانے کی کوشش میں سڑک سے اتر کر درخت سے جا ٹکرائی تھی۔ اسے چلانے والا نوجوان تصادم کے بعد سنبھل کر باہر آ رہا تھا۔ شکیل کے چار ساتھی جیپوں سے اتر کر فتح خان کے پیچھے بھاگے تھے۔ کار والا نوجوان بھنایا ہوا میرے پاس آیا۔ ''یہ کیا حرکت تھی..... کون تھا وہ پاگل کا بچہ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پاگل ہی ہے بھائی۔'' میں نے مغموم لہجے میں کہا۔ میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ فتح خان کے بارے میں کیا کہنا ہے۔ ''ہمارا سب سے بڑا بھائی ہے، اسے دورے پڑ رہے ہیں بچپن سے..... اسلام آباد کے ایک اسپتال سے لے کر آ رہے ہیں۔''

''پاگل ہے تو اسے باندھ کر رکھنا تھا۔'' نوجوان تلخی سے بولا۔ ''میری نئی کار کا بیڑا غرق کر دیا۔''

''مجھے افسوس ہے۔ تمہارا جو نقصان ہوا ہے پورا ہو جائے گا۔'' میں نے کہا اور اسے ندیم کا نمبر دیا۔ ''یہ میرا وکیل ہے ندیم بھٹی..... اس سے رابطہ کرنا اور مرمت کا بل بھجوا دینا۔''

نوجوان چونکا۔ ''آپ ندیم بھائی کے کلائنٹ ہیں۔''

''ندیم بھائی!'' میں چونکا۔ ''تم اسے کیسے جانتے ہو؟''

''وہ میرے بہنوئی ہیں، ان کی بیوی کزن ہیں میری۔''

''شازیہ تمہاری کزن ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر ندیم کی بیوی کا نام لیا تاکہ اسے یقین ہو جائے۔ ''یہ تو اچھی بات ہے، ورنہ ندیم اتنی آسانی سے معاملہ نہیں کرتا۔''

''اب آپ شرمندہ نہ کریں۔ آپ ندیم بھائی کے کلائنٹ ہیں۔ ویسے بھی کار انشورڈ ہے۔ انشورنس والے اسے ٹھیک کرا دیں گے۔''

خوش قسمتی سے اس کی کار کا زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔ میں اسے کار تک لایا اور..... رخصت کر دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ فتح خان کو اس کے سامنے پکڑ کر لایا یا تو وہ مشکوک ہو جائے گا۔ مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ چار کے بعد مزید چار افراد آ گئے تھے۔ وہ نصف گھنٹے تک جھاڑیوں میں فتح خان کو تلاش کرتے رہے تھے۔ لیکن وہ گدھے کے سینگوں کی طرح غائب ہو چکا تھا۔ نصف گھنٹے تک ایک ایک جھاڑی دیکھنے کے بعد فتح خان کے بارے میں یقین ہو گیا کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اسے جیپ میں ڈالنے والوں سے یہ غلطی ہو گئی تھی کہ اس کے ہاتھ پاؤں نہیں باندھے گئے ورنہ وہ اتنی آسانی سے فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے اس کی پھرتی اور غائب ہونے میں اتنی تیزی پر رشک آیا تھا۔ فتح خان چالیس سے اوپر کا ہو چکا تھا۔ اس کے ستے چہرے اور بھاری پٹھوں سے لگتا تھا کہ وہ سست اور کاہل انسان ہے۔ وہ ایک بار پہلے بھی مجھے اسی طرح حیران کر چکا تھا۔ شکیل ان لوگوں پر برس رہا تھا جنہوں نے فتح خان کو جیپ میں ڈالا تھا میں نے اسے روکا۔ ''بس کرو یار..... باقی کارروائی کوٹھی جا کر کر لینا..... کہیں پولیس یا کوئی اور مصیبت نازل نہ ہو جائے۔''

قدرت شاید منتظر تھی کہ ادھر میرے منہ سے الفاظ نکلیں اور ادھر مصیبت نازل ہو جائے۔ سامنے سے ایک موٹر سائیکل سوار آ رہا تھا۔ اس کے نزدیک آنے پر میں جلدی سے جیپ کی آڑ میں ہو گیا وہ انسپکٹر اکرم چشتی تھا۔ جو نہ جانے کہاں سے آ رہا تھا اس کے جسم پر پوری وردی تھی جب کہ اسے معطل کیا جا چکا تھا یہ اس کی لاقانونیت کی ایک مثال تھی کہ معطل ہو جانے کے باوجود وہ فورس کی وردی پہن کر گھوم رہا تھا، اوپر سے وہ جیپ کے پاس آ کر رک گیا۔ مجھے اس کی شکی آواز آئی۔ ''کیا بات ہے، کون ہو تم لوگ..... یہاں کیوں کھڑے ہو؟''

''ہمارا کتا جیپ سے کود کر جھاڑیوں میں گھس گیا ہے اسے تلاش کر رہے ہیں۔'' شکیل کی آواز آئی۔

''کتا کہاں ہے؟'' اکرم چشتی نے اگلا سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں ملا۔'' شکیل نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ ''بہت شرارتی ہے اب بھگتے گا جب خود گھر آئے گا۔''

''اچھا..... اچھا!'' اکرم چشتی نے کہا اور موٹر سائیکل آگے بڑھا دی۔

''یہ غنیث کہاں سے آ گیا تھا؟'' میں نے شکیل سے کہا۔ ''یہ انسپکٹر چشتی ہے میرا بدترین دشمن۔''

''اچھا آپ پہلے بتاتے اسے ادھر ہی نپٹا دیتے۔''

''نہیں، میں بلاوجہ کے کشت وخون کا قائل نہیں ہوں۔''

سفیر اور مونا نے بھی اکرم چشتی کو دیکھتے ہی اپنے سر نیچے کر لئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اکرم چشتی انہیں جانتا تھا شاید مرشد علی کی قید میں ان سے ملاقات کر چکا تھا۔ اس کے جانے کے بعد انہوں نے سر اوپر کئے۔ سفیر نڈھال ہو رہا تھا۔ اس نے گزشتہ رات کٹھن وقت گزارا تھا۔ میں جلد از جلد اسے طبی امداد اور آرام پہنچانا چاہتا تھا اس لئے چار آدمی فتح خان کی تلاش میں چھوڑ کر باقی لوگوں کے ہمراہ روانہ ہوا۔ ان چاروں کے لئے جیپ ڈرائیور سمیت وہیں چھوڑ دی تھی۔ نصف گھنٹے بعد ہم کوٹھی میں داخل ہوئے تو راجا عمر دراز کوٹھی کے سامنے والے حصے میں صبح کی دھوپ سینکتا نظر آیا۔ میں نے سفیر اور مونا کو اندر پہنچانے کی ہدایت کی اور خود راجا کی طرف بڑھا وہ بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔

''مبارک ہو شہباز تم نے اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر کارنامہ انجام دیا ہے۔ فتح خان کہاں ہے؟''

''مجھے افسوس ہے راجا صاحب..... ذرا سی غفلت سے وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔''

''فرار ہو گیا۔'' راجا کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ ''کیسے؟''

میں نے اسے تفصیل سے فتح خان کے ملنے اور فرار ہونے کی کہانی سنائی۔ ''ان لوگوں سے ذرا سی غفلت ہو گئی کہ اس کے ہاتھ پیر نہیں باندھے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ نکل گیا۔''

''لعنت ہو۔'' راجا عمر دراز برافروختہ تھا میں نے کبھی اسے اس طرح جذباتی نہیں دیکھا تھا۔ ''شہباز تم نہیں جانتے اس کا نکل جانا کتنا خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''مجھے اندازہ ہے راجا صاحب..... سات آٹھ سال پہلے کتنی بار میرا اس سے واسطہ پڑ چکا ہے۔ وہ تو خدا نے بچایا ورنہ فتح خان مجھے مار چکا ہوتا۔ اب بھی اس نے مجھے قتل کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔''

''فتح خان کے پیچھے آدمی بھیجے ہیں۔''

''ہاں چار آدمی اور گاڑی وہیں چھوڑ آئے ہیں۔ وہ اس علاقے میں فتح خان کو تلاش کر رہے ہیں ممکن ہے وہ پکڑ لیا جائے۔''

''مشکل ہے۔'' راجا عمر دراز مایوسی سے بولا۔ ''وہ بے حد چالاک شخص ہے ایک بار نکل جانے کے بعد اس کا ہاتھ آنا محال ہے۔''

مجھے یاد تھا کہ راجا کے محل میں فتح خان کیسے دندناتا پھرتا تھا۔ جب کہ راجا کے آدمی اسے چاروں طرف تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ میں تھکا ہوا اور بھوکا تھا۔ راجا سے اجازت لے کر اندر آیا۔ انیکسی میں ڈاکٹر نے سفیر کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ مونا منہ، ہاتھ دھو کر فریش نظر آ رہی تھی۔ ناشتے کا کہہ دیا تھا اس وقت تک ان کے لئے کافی مہیا کر دی گئی تھی۔ ان کے چہروں کی رونق بحال ہو گئی تھی۔ میں ان کے بارے میں جاننے کے لئے جتنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے تاب تھا اس سے زیادہ وہ مجھے اپنی کہانی سنانے کے لئے بے چین تھے لیکن اس وقت خادم نے ناشتا ملنے کی جان فزا خبر سنائی لہٰذا ہم انیکسی کے مختصر ڈائننگ روم میں آئے میں نے ان سے کہا۔ ''تم دونوں ناشتا کر کے آرام کرو۔ جب اٹھو گے تب بات کریں گے۔''

مگر مونا کے پیٹ میں خواتین کی روایت کے مطابق درد ہو رہا تھا۔ ناشتے کے دوران وہ چھوٹے چھوٹے واقعات سناتی رہی ادھر میں سنتا رہا۔ سفیر نے برائے نام ناشتا کیا وہ پین کلر کے زیر اثر غنودگی محسوس کر رہا تھا۔ درمیان میں معذرت کر کے اٹھ گیا۔ انیکسی کے دو کمرے ان کے لئے کھول دیئے گئے تھے البتہ مونا میرا پیچھا چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ناشتے سے زیادہ اس کا زور باتوں پر تھا۔ ناشتے کے بعد میں چائے لے کر اٹھ گیا کیونکہ حکیم قادس کمرے میں میرا انتظار کر رہا تھا اسے میرے ہاتھ کی مالش کرنا تھی مونا نے اسے دلچسپی سے دیکھا اور انگریزی میں بولی۔ ''یہ کیا نمونہ ہے؟''

''اردو میں بات کرو ممکن ہے اسے انگریزی آتی ہو۔'' میں نے اپنا ہاتھ شاہی حکیم کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''شوبی تمہاری تو کلائی ٹوٹ گئی تھی پھر اتنی جلدی.....''

''یہ اس حکیم کا کمال ہے صرف کلائی نہیں ٹوٹی تھی بلکہ ہاتھ کاٹنے کی تیاری کی جا رہی تھی کہ یہ لوگ مجھے اٹھا کر لے آئے۔'' میں نے مونا کو اس معجزہ اثر مرہم کے بارے میں بتایا۔ وہ منہ کھولے سن رہی تھی۔

''ناممکن، ہڈی کم سے کم چار پانچ مہینے میں جڑتی ہے اور تمہارا تو کمپاؤنڈ فریکچر تھا۔''

''یقین تو مجھے بھی نہیں تھا لیکن امید ضرور تھی کیونکہ ایک بار پہلے بھی میں اس جادوئی مرہم کی کارگزاری دیکھ چکا تھا۔

مونا نے غور سے میرا ہاتھ دیکھا۔ ''جب میں نے اسے اسپتال میں دیکھا تھا تو یہ بالکل نیلا اور سوجا ہوا تھا، اب اس کی رنگت نارمل ہو گئی ہے۔''

''خدا کے بعد یہی شخص اس کا ذمے دار ہے جسے تم نمونہ قرار دے رہی ہو۔''

میرا سر نیند سے بوجھل ہو رہا تھا۔ اب مونا جہاں لے رہی تھی میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ جا کر کمرے میں سو جائے، کوئی بھی مسئلہ ہو یا ضرورت ہو تو بلا تکلف کسی ملازم سے کہہ دینا۔ ''شوبی یہ اس راجا عمر دراز کی کوٹھی ہے جو.....''

''ہاں بابا، یہ اسی راجا عمر دراز کی کوٹھی ہے جاؤ، جا کر سو جاؤ۔''

اس کے جانے کے بعد حکیم نے مالش مکمل کر کے مجھے گولیاں کھلائیں اس کا کہنا تھا کہ ان گولیوں کا کچھ عرصے تک استعمال ضروری تھا تاکہ ہاتھ اپنی پوری توانائی حاصل کر سکے۔ اس کے جانے کے بعد میں ہاتھ پر ایک موٹی گرم پٹی لپیٹ کر لیٹ گیا اور چند منٹ میں گہری نیند سو چکا تھا۔ پھر میری آنکھ شام چار بجے کھلی۔ کسل مندی دور کرنے کے لئے میں نے غسل کیا اور جب کمرے میں آیا تو مونا ٹی وی لگائے بیٹھی تھی۔ ''تم کب اٹھیں؟''

''میں تو تین بجے اٹھ گئی تھی، زور کی بھوک لگی تھی نہا کر کھانا کھایا۔ سفیر ابھی تک سو رہا ہے اس لئے تمہاری طرف چلی آئی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے بھی شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔ کچن کال کر کے اپنے لئے کھانا اور مونا کے لئے چائے منگوائی۔

"ہاں، اب بتاؤ تم لوگوں پر کیا گزری؟"

"وہ لوگ شاید پہلے ہی ہماری تاک میں تھے جیسے ہی ہم اسپتال کی عقبی گلی میں پہنچے، نیچے چار مسلح لوگوں نے ہمیں گھیر لیا۔ سفیر ان سے بھڑ گیا تھا لیکن ایک نے اس کے سر پر کچھ مارا وہ گر گیا تھا۔ میں نے چیخ مارنے کی کوشش کی لیکن میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا گیا اور اس طرح ہمیں پاس کھڑی گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ یہ بڑی سی وین کا پچھلا حصہ تھا جو چاروں طرف سے بند تھا میرے منہ پر ہاتھ رکھنے والے نے کہا کہ اب میں جتنا چاہوں شور کر سکتی ہوں۔ اس وین سے آواز باہر نہیں جا سکتی۔ سفیر کے ہاتھ پیچھے کر کے باندھ دیئے گئے اور مجھے اس سے دور بٹھا دیا گیا۔ سارے راستے وہ فضول قسم کی بکواس کرتے رہے تھے۔" یہ بتاتے ہوئے مونا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مونا تمہارے ساتھ کسی قسم کی زیادتی تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں..... جسمانی طور پر نہیں..... لیکن ذہنی طور پر....." وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"پگلی روتی کیوں ہے۔ اب تُو محفوظ ہے۔"

"ان دنوں میں نے بے حد اذیت سہی ہے۔ انسان اس قدر غلیظ بھی ہو سکتا ہے۔"

"یہ انسان کہاں ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "یہ حیوان ہیں نفس پرست درندے۔"

"خاص طور سے ایک شامانامی بندا بہت خبیث تھا۔" مونا نے بتایا۔ "گھنی مونچھوں والے اس شخص کے دماغ میں دنیا جہاں کی گندگی تھی۔"

"خوش ہو جاؤ..... وہ اپنی ساری گندگیت میرے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکا ہے۔"

اس کا چہرہ جگمگا اٹھا تھا۔ "سچ.....! اس نے ایک بار سفیر کو بھی مارا تھا اس نے غصے میں آ کر اسے گالیاں دی تھیں۔"

"تم لوگوں کو اور کہاں لے جایا گیا تھا؟"

"اور کہاں لے جاتے..... ہم تو شروع سے اسی عمارت میں تھے۔ ہمیں پہلے اوپری کمروں میں رکھا گیا تھا مگر ایک رات فائرنگ کے بعد ہمیں رات کے وقت نیچے ایک تہ خانے میں رکھا جاتا تھا۔ البتہ صبح اوپر لے آتے تھے۔ ایک بار مرشد علی آیا تھا وہ ہم سے تصویر اور تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا ہمیں حیرت ہوئی اس نے بتایا کہ اسپتال سے غائب ہوا اور ندیم نے اس پر الزام لگایا ہے۔ وہ بے حد غصے میں تھا خاص طور سے اپنے بھائی کے حوالے سے دھمکیاں دے رہا تھا کہ اس کے بھائی کے ساتھ جو ہوا اس کا خمیازہ خاص طور سے مجھے بھگتنا پڑے گا۔"

"مجھے اس کی نیت کا اندازہ تھا۔ جب تک تصویر میرے پاس تھی وہ تم لوگوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ یہ پتا کہ وہاں کوئی ڈیوڈ شانامی گورا آیا تھا۔"

"نام تو نہیں پتا لیکن اس فتح خان کے ساتھ ایک برطانوی آیا تھا۔ چھوٹے قد کا اور بھاری جسم کا شخص، یقین کرو شوبی، اس کی آنکھیں ایکسرے کی طرح اندر تک اتر جاتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہمارے ذہن پڑھ رہا ہو۔ مرشد علی اس کے سامنے پالتو کتے کی طرح دُم ہلا رہا تھا اس نے ہم سے تصویر کے بارے میں پوچھا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے جواب سن کر مرشد علی سے کہا یہ سچ کہہ رہے ہیں اس کی وجہ سے ہمارے ساتھ بہتر سلوک ہونے لگا تھا۔ خاص طور سے ان لوگوں کی بدزبانیاں کم ہوگئی تھیں اس نے مرشد علی کو حکم دیا تھا کہ ہمیں آرام سے رکھے۔"

"ڈیوڈ شا نہایت خطرناک آدمی ہے۔ یہ برٹ شا کا کزن ہے اور تصویر کے چکر میں یہاں آیا ہے ورنہ مرشد علی جیسے جاہل جاگیردار کو تصویر سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے!"

"اس تصویر میں ایسی کیا خاص بات ہے جو اتنے لوگ اس کے پیچھے دیوانے ہیں۔"

"کم سے کم مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ کسی معروف مصور کی بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا سرے سے کوئی مقام نہیں ہے۔"

"کیا میں اس تصویر کو دیکھ سکتی ہوں۔"

"ہاں..... جب میں راجا عمر دراز کے حوالے کروں گا تب دیکھنا۔"

"تصویر کہاں ہے؟"

"ندیم کے پاس..... میں نے خوش قسمتی سے اس کے حوالے کر دی تھی ورنہ اس رات کاٹیج پر حملہ کر کے مجھے اغوا کر لیا گیا تھا۔ حملہ آور تصویر بھی لے جاتے اور اب تک میں قصۂ پارینہ بن چکا ہوتا۔"

خدا نہ کرے۔" مونا بے اختیار بولی۔

میں نے سر ہلایا۔ "اگر تصویر مرشد علی کے ہاتھ لگ جاتی تو تم میرا انجام سوچ سکتی ہو۔ صرف تصویر کے حصول کے لئے اس نے مجھ سے نرم رویہ رکھا۔"

"تمہاری کلائی توڑ دی تھی۔" مونا نے یاد دلایا۔

"وہ نادر علی کی بدمعاشی تھی۔ میرا اندازہ ہے مرشد علی کو اس کی خبر نہیں تھی۔"

"وہ بہت کمینہ شخص ہے، مجھے یقین ہے اسے خبر تھی بلکہ اس نے نادر علی کو تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرنے کو کہا ہوگا۔"

"پھر بھی تصویر کی وجہ سے وہ اپنے اصل عزائم پر عمل نہیں کر سکا تھا۔"

اس دوران میں کھانا آ گیا۔ کھانا کھانے کے بعد ہم سفیر کے کمرے میں آئے۔ وہ جاگ گیا تھا۔ ہمیں دیکھ کر مسکرایا۔ "بیٹے عیش ہیں تمہارے۔"

"تو بھی کر لے۔" میں ہنسا۔ "بھوک لگ رہی ہے۔"

"زبردست قسم کی۔" اس نے کہا۔ مونا نے انٹرکام پر سفیر کے لئے کھانا منگوایا۔ میں نے ملازم سے کہہ کر موبائل فون منگوایا۔ وہ کارڈلیس اٹھا لایا۔ میں نے ندیم کا نمبر ملایا۔ وہ دفتر میں نہیں تھا اور گھر بھی نہیں پہنچا تھا اس لئے موبائل پر ٹرائی کیا۔ بیل جاتی رہی خاصی دیر بعد اس نے کال ریسیو کی۔

"ندیم کیا حال ہیں؟ کال کیوں نہیں ریسیو کر رہا تھا؟"

"ٹریفک میں پھنسا ہوں۔" ندیم نے محتاط اور بے جان انداز میں کہا۔

"ابھی کہاں ہو؟"

"میں..... باہر ہوں۔" اس نے اسی انداز میں کہا۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔ اگر وہ سفر کر رہا تھا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹریفک کا شور ضرور سنائی دیتا۔

"ندیم کیا چکر ہے کوئی مسئلہ ہے۔"

"نہیں کوئی مسئلہ نہیں۔" ندیم بولا اور میرے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

"کیا گھر جا رہے ہو؟"

"نہیں ایک اور جگہ..... مگر دیر سے پہنچوں گا۔" اس نے کہا اور کال ختم کر دی۔

سفیر غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "کیا بات ہے؟"

"یار کوئی چکر ہے، ندیم بہت اکھڑے اکھڑے انداز میں بات کر رہا تھا۔ دوسرے اس نے غلط بیانی کی کہ وہ ٹریفک میں پھنسا ہے جب کہ پیچھے مکمل خاموشی تھی۔"

ہم تینوں کے ذہن میں ایک بات آئی تھی۔ پہل مونا نے کی۔ "شوبی..... کہیں ندیم کو بھی تو....."

"وہ کھلا ہدف تھا۔" سفیر بولا۔ "تصویر بھی اس کے پاس ہے۔"

"میرے خدا۔" میں اچھل پڑا تھا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

میں تیزی سے باہر نکلا اور وسیم کے پاس آیا۔ "خیریت شہباز صاحب؟" اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔

میں نے مختصر الفاظ میں اسے صورت حال بتائی۔ "ہمیں فوری طور پر ندیم کے گھر پہنچ کر وہ تصویر حاصل کرنی ہے۔ اس سے پہلے کوئی اور یہ کام کر جائے۔"

وسیم نے فوری طور پر شکیل کو بلا کر اسے میرے ساتھ جانے کی ہدایت کی اور پھر موبائل پر ان لوگوں سے رابطہ کیا جو ندیم کے گھر کی حفاظت پر مامور تھے۔ انہوں نے بتایا کہ فی الحال سب ٹھیک تھا۔ پھر وسیم نے اس شخص سے رابطے کی کوشش کی جو بطور محافظ ندیم کے ساتھ ہونا تھا لیکن اس کی جانب سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ اس سے ہمارے شک کی تصدیق ہوتی تھی۔ شکیل مزید دو لڑکوں کے ساتھ مکمل طور پر تیار ہو کر آیا۔ میں جیپ کی عقبی نشست پر بیٹھا تھا۔ میں بہر حال ایک مفرور ملزم تھا اور پولیس کو میری تلاش تھی۔ میں کھلے عام نہیں پھر سکتا تھا۔ میں نے ایک پی کیپ پہن لی تھی اور سن گلاسز لگا لئے تھے اس سے میرا چہرہ خاصی حد تک چھپ گیا تھا۔

جیپ برق رفتاری سے اسلام آباد کی سڑکوں سے گزرتی ندیم کے گھر کی طرف رواں دواں تھی۔ مری بائی دے پر آتے ہی ڈرائیور نے رفتار مزید تیز کر دی تھی۔ پندرہ منٹ بعد ہم ندیم کے گھر کے سامنے تھے اب وسیم کے آدمی اس کے بنگلے کے اندر رہا کرتے تھے۔ جیپ دیکھتے ہی انہوں نے گیٹ کھول دیا تھا۔ جیسے ہی شکیل جیپ سے نکلا گیٹ کھولنے والے نے رپورٹ دی، سر ایک مشکوک سفید کار کئی بار بنگلے کے سامنے سے گزری ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ اس میں بیٹھے چار افراد مسلح ہیں۔"

میں اندر کی طرف بڑھا۔ یہاں ندیم کی بیوی شازیہ اپنے لخت جگروں کو بالفاظ دیگر خطاب کر رہی تھی۔ انہوں نے اس کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کھل گئی۔ "ارے بھیا اتنے دن بعد دکھائی دیئے..... کہاں تھے..... ندیم تمہارے بارے میں پریشان تھے..... کم بختو آرام سے بیٹھو۔"

"بھابی سب خیریت ہے میں تھوڑے وقت کے لئے آیا ہوں۔"

"ارے نہیں..... تم کھانا کھا کر....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بھابی..... فی الحال میں یہاں نہیں رک سکتا۔ پولیس میری تلاش میں ہے۔ اگر رکا تو شاید رات کا کھانا حوالات میں کھانا پڑے۔''

اچھا میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔ مونا اور سفیر کا کچھ پتا چلا۔''

''ہاں وہ میرے ساتھ ہیں۔''

''اے بھیا..... اب انہیں ٹھکانے لگا دو۔''

''ضرور، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں مگر ابھی میں وہ تصویر لینے آیا ہوں جو میں نے ندیم کے پاس رکھوائی تھی۔''

''کیسی تصویر؟''

''کوئی دس بارہ دن پہلے ندیم پلاسٹک میں لپٹا ایک رول لایا ہوگا۔''

''ہاں..... لائے تو تھے۔ شاید الماری میں رکھا ہے۔ میں چائے لا کر دیکھتی ہوں۔''

''بھابی پہلے اسے دیکھ لیں۔'' میں نے عاجزی سے کہا تو وہ باول نخواستہ بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ میں بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اگر ندیم سچ مچ ٹریپ ہو چکا ہوتا تو دشمن سب سے پہلے اس سے تصویر کے بارے میں اگلوانے کی کوشش کرتے اور وہ تکلیف برداشت کرنے والا آدمی نہیں تھا وہ انہیں تصویر کے بارے میں بتا دیتا اور وہ اس کے گھر پر چڑھ دوڑتے۔ ایک بار تصویر کا علم ہو جانے کے بعد وہ اسے کسی بھی قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتے چاہے انہیں اپنے چند آدمیوں کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑتی۔ کرائے کے آدمیوں کے مرنے سے ان کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔ میں اس وقت سے پہلے تصویر یہاں سے لے کر نکل جانا چاہتا تھا۔ ندیم کی بیوی بچوں کا جانا بھی ضروری تھا ورنہ حملے کی صورت میں انہیں بھی نقصان ہو سکتا تھا۔ شازیہ چند منٹ بعد آئی تو رول اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے بے تابی سے لے کر اسے کھولا اندر تصویر کو موجود پا کر میں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ ندیم نے اس تصویر کو گھر میں رکھ کر بے شک حماقت کی تھی لیکن وہ تصویر کسی خفیہ مقام پر چھپا دیتا تو وہ ہمیں نہ ملتی۔ غالباً یہی سوچ کر ندیم نے اسے گھر میں رکھا تھا کہ اس کے حادثے کی صورت میں تصویر گمشدہ ہو جاتی۔

''بھیا ایسی کیا بات ہے اس تصویر میں؟'' بھابی مجھے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''بھابی یہ تو میں بھی نہیں جانتا..... لیکن اتنا ضرور پتا ہے کہ ندیم کسی مشکل میں ہے جن لوگوں کو اس تصویر کی تلاش ہے وہ آپ کے گھر پر حملہ کر سکتے ہیں، آپ فوری طور پر بچوں کو لے کر کہیں اور چلی جائیں بلکہ ہمارے ساتھ چلیں۔''

اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ ''یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں شہباز بھائی؟''

''آپ دیکھ چکی ہیں ان لوگوں نے پہلے بھی ایک بار حملے کی کوشش کی تھی۔ اس بار وہ شدید حملہ کر سکتے ہیں۔''

''ندیم کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟''

''ندیم کے بارے میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔''

یہ سن کر شازیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ ''اللہ خیر کرے۔''

''خیر ہی کرے گا۔ فی الحال آپ چلنے کی کریں۔ میں آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔''

میرے لہجے سے اسے معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے حرکت میں آئی۔ میں نے باہر جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر شکیل کو بتایا کہ ہم ندیم کے بیوی بچوں کو لے کر جائیں گے۔ وہ اپنی گاڑی میں ہوں گے اور اگر کسی نے تعاقب کیا تو روکا جائے گا۔ شکیل نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ گیا جناب۔ ان کی کار آگے ہوگی اور ہم تعاقب کرنے والوں کو الجھا کر نکلنے کا موقع دیں۔''

''بالکل یہی بات ہے۔''

''میرا خیال ہے کار کے بجائے یہ جیپ میں زیادہ محفوظ ہوں گے۔ کار میں ہم لوگ جاتے ہیں۔ جیپ زیادہ تیز رفتار ہے۔''

''ٹھیک ہے جیپ میں تم ان کے ساتھ جاؤ گے میں کار میں پیچھے آؤں گا۔''

''میری تجویز ہے آپ جیپ میں ان کے ساتھ جائیں۔ میں کار میں آتا ہوں۔''

میں نے غور کیا اصل اہمیت تصویر اور ندیم کے بیوی بچوں کی تھی۔ میرا ان کے ساتھ ہونا ضروری تھا۔

''ٹھیک ہے۔ تم بقیہ افراد کے ساتھ کار میں آؤ۔''

ندیم کی بیوی پریشان تھی بچوں کو تیار کرنے کے دوران وہ بار بار ندیم کے موبائل پر فون کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا اس نے اپنا اور بچوں کا ضروری سامان دو بیگوں میں رکھا اور میرے ساتھ باہر نکل آئی۔ ندیم کے چار بچوں میں سب سے بڑا نو دس سال کا لڑکا تھا پھر دو لڑکیاں جو چھ سات سال کی اور ایک بچہ حال میں معرض وجود میں آیا تھا جو گود کا تھا وہ سب جیپ کی عقبی نشست پر آئے۔ شکیل کے ساتھ آنے والے ایک نوجوان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ہم روانہ ہو گئے۔

ندیم کی پرانی سفید کار جیپ کے پیچھے تھی جس میں شکیل اور اس کے ساتھی چوکس تھے۔ ہائی وے تک آتے آتے دو گاڑیاں ہمارے پیچھے لگ چکی تھیں۔ ان میں ایک سفید کار تھی اور ایک سرخ رنگ کی ہڈ والی جیپ ہائی وے پر ذرا سا فاصلہ رکھ کر ہمارے پیچھے آنے لگی تھی۔ میں نے موبائل پر شکیل سے رابطہ کیا۔ ''کیا یہ دشمن ہو سکتے ہیں؟''

''امکان ہے جناب..... خاص طور سے سفید کار کے بارے میں میرے ساتھی کو یقین ہے۔ یہ وہی کار ہے جو مشکوک انداز میں ندیم صاحب کے بنگلے کے اردگرد گھوم رہی تھی۔''

''تم اپنی رفتار نارمل رکھو اور دیکھو ہمارے رفتار بڑھانے پر ان کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔'' میں نے فون بند کر کے ڈرائیور سے رفتار بڑھانے کو کہا اس نے ایکسی لریٹر پر زور ڈالا اور جیپ چند سیکنڈ میں ساٹھ میل فی گھنٹا کی رفتار سے نوے میل فی گھنٹا کی رفتار تک جا پہنچی۔ میں نے پلٹ دیکھا۔ شکیل کی کار دور ہو رہی تھی۔ مگر سفید کار کے عقب میں آنے والی سرخ جیپ کی رفتار بڑھی اس نے شکیل والی کار کو اوورٹیک کرنا چاہا۔ وہ کار اس کے سامنے آ گئی۔ اس کا ڈرائیور کار کو لہرا لہرا کر جیپ کو آگے آنے سے روک رہا تھا اتنی دیر میں ہم خاصا آگے نکل چکے تھے۔ میں نے جیپ ڈرائیو کرنے والے نوجوان سے پوچھا۔ ''آگے جا کر کوئی متبادل راستہ ملے گا۔''

''بالکل ملے گا صاحب..... مگر وہ ویرانے سے گزرتا ہے سڑک بھی خراب ہے۔''

''پروا نہیں ہے..... ان لوگوں سے پیچھا چھڑانا ضروری ہے۔''

''کوئی چار کلو میٹر بعد آئے گا راستہ۔'' اس نے بتایا تیز رفتاری کی وجہ سے سب نے سیٹ بیلٹ باندھ لی تھیں۔ اچانک میں نے سفید کار کو لڑکھڑا کر ہائی وے سے اترتے دیکھا۔ وہ کوئی ایک کلو میٹر پیچھے تھی۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عقب میں ریڈ جیپ سے کوئی کارروائی ہوئی تھی یا تو انہوں نے فائر کر کے اس کا ٹائر بے کار کر دیا تھا یا پھر عقب سے ٹکر ماری تھی..... بہر حال شکیل کی کار سڑک سے اتر کر رک گئی تھی۔

''رفتار بڑھاؤ۔'' میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ''وہ آ رہے ہیں۔''

''کون آ رہا ہے شہباز بھائی؟'' ندیم کی بیوی نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بھابی آپ بچوں کو دیکھیں باقی سب مجھ پر چھوڑ دیں۔'' میں نے جواب دیا۔ جیپ اب سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے اڑی جا رہی تھی۔ اتنی رفتار پر معمولی سا حادثہ بھی ہم کو ختم کرنے کا باعث بن سکتا تھا۔ شکیل اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے رہ جانے سے ہماری عافیت اس میں تھی کہ سرخ جیپ والوں سے دور رہیں۔ اب مجھے ایک فی صد بھی شبہ نہیں تھا کہ جیپ میں ہمارے دشمن تھے۔

''سامنے سے سڑک بند ہے۔'' ڈرائیور ہذیانی انداز میں چلایا تو میں نے چونک کر سامنے دیکھا۔ دو بڑی گاڑیوں نے سڑک بند کر دی تھی۔ ان کے عقب میں کچھ مسلح افراد صاف نظر آ رہے تھے۔ میں نے فوری فیصلہ کیا۔ ''جیپ سڑک سے اتار لو اور کچے سے گزرنے کی کوشش کرو۔''

مگر سڑک ایسی جگہ سے بلاک تھی کہ جیپ کا کچے میں اترنا ممکن نہیں تھا۔ سڑک کے دونوں جانب گہرے نالے تھے۔ اس موقع پر ڈرائیور نے عقل مندی کا ثبوت دیا اس نے بریک لگاتے ہوئے جیپ گھمائی اور اس کا رخ دوسری طرف کر کے ایکسی لریٹر دبا دیا۔ سرخ جیپ والے بوکھلا گئے تھے انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم پلٹ کر ان کی طرف آ جائیں گے۔ وہ لہراتے ہوتے ہوئے زن سے ہمارے پاس سے گزر گئی۔ خاصی دور سفید کار نظر آ رہی تھی۔ میں نے پیروں کے پاس رکھی رائفل اٹھا کر ڈرائیور سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''بابر جناب۔''

''گڈ..... جب میں کہوں تو جیپ دائیں طرف کچے میں اتار کر دوبارہ اسلام آباد والے رخ پر سفر کرنا..... سمجھ گئے۔''

''جی جناب۔'' اس نے مستعدی سے کہا۔ سفید کار تیزی سے نزدیک آ رہی تھی۔ میں نے جیپ کی سرکنے والی چھت ہٹائی اور رائفل سمیت باہر آ گیا۔ کہنیاں چھت پر ٹیک کر میں نے کار کے اگلے حصے کا نشانہ لیا اور کوئی پانچ سو گز کے فاصلے پر ایک طویل برسٹ مارا۔ فاصلے کے باوجود خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور کار کے دونوں وہیل پھٹ گئے تیز رفتاری کے باعث کار نے چکر کھایا اور الٹ کر سڑک سے اتر گئی۔ میں نے گھوم کر سرخ جیپ کی طرف دیکھا جو ہمارے تعاقب میں آ رہی تھی۔ سفید کار کا انجام دیکھ کر اس کے ڈرائیور نے رفتار ایک دم کم کر دی تاکہ ہم سے فاصلہ بڑھ جائے۔ میں نے جھک کر بابر سے کہا۔ ''جیپ کچے میں اتار کر نالے کے دوسری طرف لے جاؤ۔''

بابر نے مستعدی سے میری ہدایت پر عمل کیا اور سڑک سے جیپ اتار کر کچے میں لے گیا۔ ہائی وے پر سو میل فی گھنٹا کی رفتار کا بھی پتا نہیں چل رہا تھا لیکن کچے میں آتے ہی چالیس کی رفتار پر ایسے جھٹکے لگنا شروع ہو گئے کہ میرے لئے سنبھل کر بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ میں واپس سیٹ پر آ گیا۔

''اب کہاں جانا ہے جناب؟''

''اس متبادل راستے کی طرف جانے کی کوشش کرو جس کا تم نے ذکر کیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھ گیا جناب..... آپ سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔''

سرخ جیپ ہمارے نزدیک سے گزر کر پیچھے گئی اور پھر جس جگہ سے ہم مڑے تھے وہ بھی اس جگہ سے کچے میں اتر آئے۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ سرخ جیپ خاصے فاصلے سے آ رہی تھی۔ میں نے بابر کو رفتار بڑھانے کو کہا۔ ''جناب اس سے زیادہ رفتار ممکن نہیں ہے۔ ورنہ جیپ الٹ جانے کا خطرہ ہے۔''

اس کی بات درست تھی۔ میں نے دور ہوتی سڑک پر ان بڑی گاڑیوں کو آگے کی طرف جاتے دیکھا۔ جنہوں نے راستہ ہلاک کیا تھا۔ شاید وہ آگے ہمارا راستہ روکنے کی فکر میں تھے۔ اچانک فائر کی آواز آئی۔ سرخ جیپ سے ہم پر فائرنگ کی گئی تھی۔ ایک گولی ٹن کی آواز کے ساتھ جیپ کے کسی حصے پر لگی اور بھابی نے بچوں کو سمیٹتے ہوئے چیخ ماری تھی۔ ''جھک جائیں..... آپ لوگ جھک جائیں۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ہم فائرنگ کی زد میں تھے۔ اچھلتی کودتی جیپ کا توازن برقرار رکھتے ہوئے میں بمشکل کھلے خانے سے باہر نکلا اور رائفل عقب میں کر کے برسٹ مارا۔ اس حالت میں درست نشانہ لینا ممکن نہیں تھا۔ مگر اس برسٹ کا خاطر خواہ اثر ہوا اور سرخ جیپ ذرا پیچھے ہو گئی تھی۔ اس وقت بابر جیپ کو دو ٹیلوں کے درمیان سے گزار لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جگہ بے حد تنگ تھی اور ذرا سا توازن خراب ہونے پر جیپ کے پھسل جانے کا اندیشہ تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سرخ جیپ تیزی سے نزدیک آنے لگی۔ پھر اس کی کھڑکیوں سے دو دو افراد دائیں بائیں سے نکلے اور خودکار رائفلوں سے گولیاں برسانے لگے۔ چند گولیاں میرے اوپر سے سنسناتی ہوئی گزریں تو میں جلدی سے اندر ہو گیا۔

''بابر جلدی نکلو..... وہ نزدیک آ رہے ہیں۔''

''بس دو منٹ جناب اس جگہ سے نکل گئے تو ان کا باپ بھی ہمیں نہیں پکڑ سکتا۔''

یہ بابر کے آخری الفاظ تھے، کیونکہ اندر آتی ایک گولی عقبی شیشہ توڑ کر اس کے سر میں لگی اور وہ اسٹیئرنگ پر اوندھے منہ گر گیا تھا۔ میں چند لمحے کے لئے بھونچکا رہ گیا تھا۔ چند لمحے پہلے مجھ سے بات کرنے والا پل بھر میں لاش میں بدل گیا تھا۔ شاذیہ بچوں سمیت اوندھے منہ گری ہوئی تھی۔ اس لئے اسے اندازہ نہیں ہو سکا۔ بابر کے مرنے کے باوجود جیپ چل رہی تھی اور اس سے پہلے کہ کسی حادثے کا شکار ہوتی میں نے ہینڈ بریک کھینچ کر اس کا انجن بند کر دیا۔

سرخ جیپ تیزی سے نزدیک آ رہی تھی۔ میں نے بابر کو گھسیٹ کر اپنی نشست پر ڈالا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ اس دوران میں ایک اور برسٹ نے عقبی شیشہ بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ میں نیچا ہونے کی وجہ سے بچ گیا تھا۔ بریک ریلیز کر کے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ کو اس تنگ جگہ سے نکالنے کی کوششیں کرنے لگا۔ سرخ جیپ اتنی تیزی سے نزدیک آ گئی کہ میں اس میں سوار افراد کے چلانے کی آواز بھی سن سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے ٹیلوں کی وجہ سے اب ہم ان کی نظروں سے اوجھل تھے۔ خدا خدا کر کے جیپ ان ٹیلوں کے درمیان سے نکلی۔ بابر درست کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد خاصا ہموار میدان تھا اور اس کے پار ایک سڑک نظر آ رہی تھی اس طرف آنے والا واحد قابل گزر راستہ ٹیلوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ جہاں سے ہم آئے تھے۔ بابر نے مرنے سے پہلے اپنا کام کر دیا تھا۔ میں نے افسوس سے ایک نظر اسے دیکھا اور شاذیہ سے پوچھا۔

''بھابی آپ اور بچے ٹھیک ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم ٹھیک ہیں بھائی۔'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہ کیا موت کے فرشتے پیچھے لگ گئے ہیں۔''

''فکر نہ کریں وہ اب ہمارا پیچھا نہیں کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ میرا اندازہ تھا کہ سرخ جیپ ٹیلوں کے درمیان سے نہیں نکل سکتی تھی کیونکہ وہ خاصی چوڑی تھی۔ سڑک پر آتے ہی میں نے سب سے پہلے موبائل چیک کیا اور سگنل موجود پا کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔ میں نے وسیم کے موبائل پر کال کی۔ ''ہیلو کہاں ہیں آپ لوگ۔ میں کتنی دیر سے کوشش کر رہا ہوں۔''

''مسئلہ ہو گیا ہے۔ مرشد علی کے کتے پیچھے لگے ہیں۔''

''یہ مجھے معلوم ہے۔ گدھے شکیل نے بتایا تھا۔''

میں نے مختصر الفاظ میں اسے اپنی روداد سنائی اور بابر کے آنجہانی ہونے کی اطلاع دی۔ وہ چند لمحے کے لئے چپ ہو گیا تھا پھر سنبھل کر بولا۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

''میرا خیال ہے کہ میں اس متبادل سڑک پر ہوں جس کا بابر نے ذکر کیا تھا۔''

''میں آدمی بھیج رہا ہوں۔'' اس نے عجلت میں کہا اور اسی لمحے موبائل سے سگنل ختم ہو گئے۔ ہم سروس کی حد سے نکل گئے تھے۔ میں نے جیپ کی رفتار بڑھائی۔ مگر رفتار بڑھنے کے بجائے کم ہونے لگی۔ میں نے ایکسی لریٹر پر زور دیا۔ کوئی فرق نہیں پڑا۔ تب میری نظر فیول گیج پر پڑی جو آخری دموں پر تھا کچھ دیر پہلے ہی فیول ٹنکی کو نصف سے زیادہ بھرا ہوا دکھا رہا تھا اتنی جلدی ایندھن ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ چند سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انجن جھٹکے کھا کر خاموش ہو گیا۔

''یہ کیا ہوا گاڑی کیوں روک دی۔'' شازیہ نے اتنی دیر میں پہلی بار سر اٹھایا اور پھر باہر کو دیکھ کر چیخ ماری۔

''خود پر قابو رکھیں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''اسے..... اسے کیا ہوا ہے؟''

میں جواب دینے کے بجائے نیچے اترا اور فیول ٹینک چیک کیا۔ وہ بالکل خالی تھا۔ عقب میں دیکھا تو سیاہ سڑک پر ایک لکیر نمایاں تھی۔ ناہموار راستے پر نیچے سے کچھ لگنے سے فیول لائن بریک ہو گئی تھی اور سارا ایندھن بہہ چکا تھا۔ میں حیران پریشان سڑک پر کھڑا تھا۔ اگر اکیلا ہوتا تو اتنا مسئلہ نہیں تھا لیکن ندیم کی بیوی جو قطعی گھریلو عورت تھی اسے اور اس کے چار بچوں کو لے کر کہاں جاتا۔ میں نے موبائل دیکھا اس میں سگنل بدستور غائب تھے۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ عقب سے مجھے ایک بڑی سفید گاڑی کی جھلک نظر آئی۔ یہ دشمن تھا یا نہیں۔ بہر حال اس ایک جھلک نے میرے اندر بجلیاں بھر دی تھیں۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ کچھ دیر میں تاریکی چھا جاتی جو انسان کا سب سے اچھا پردہ رکھتی ہے۔ میں نے جلدی سے جیپ کے اندر سے اسلحہ نکالا۔ عقب میں دو عدد رائفلیں اور ان کے فاضل میگزین رکھے تھے۔ بابر کی کمر سے بندھا پستول اور اس کے کلپ بھی نکال لئے تھے۔ ایک ذاتی پستول میرے پاس تھا۔

''بھابی جلدی اتریں۔ دشمن اس طرف آ رہے ہیں۔'' میں نے کہتے ہوئے تصویر اپنی قمیص میں ڈال لی۔

شازیہ ہراساں سی اتری۔ میں نے اس کی بچیوں کا ہاتھ پکڑا اور سڑک کے دائیں طرف اتر گیا۔ اس جانب ذرا بلندی پر گھنے درخت نظر آ رہے تھے ممکن ہے ہمیں وہاں پناہ مل جاتی۔ ہر ممکن تیز رفتاری سے ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درختوں تک پہنچے تو جیپ کے پاس سفید وین آ رکی اور اس میں سے مسلح افراد نکل کر جیپ کی طرف لپکے۔ پھر ایک شخص نے ہمیں دیکھ لیا اور چلا چلا کر دوسروں کو بتانے لگا۔ کئی ایک رائفلیں ایک ساتھ گرجیں اور گولیاں ہمارے آس پاس سے گزرتی چلی گئیں اس کے فوراً بعد ہم درختوں میں داخل ہو چکے تھے۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ جھنڈ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میں نے شازیہ اور بچوں کو ایک محفوظ مقام پر بٹھایا" یہاں سے کوئی نکلے نہیں۔"

شازیہ کی حالت بری ہو رہی تھی لیکن بچوں کی خاطر خود کو سنبھال رہی تھی۔ میں واپس آیا اور درختوں کے درمیان سے ان لوگوں کو اوپر آتے دیکھ رہا تھا ان کی تعداد سات آٹھ سے کم نہیں تھی۔ ان کے حلیوں اور انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مرشد علی کے بدمعاش تھے۔ جیسے جیسے وہ جھنڈ کے قریب آ رہے تھے۔ ان کی رفتار سست ہوتی جا رہی تھی۔ اُن دیکھی موت اور چھپے دشمن سے سب ڈرتے ہیں۔ انہیں معلوم تھا میں مسلح ہوں اور اس جھنڈ میں گھات لگا کر انہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں۔ میں نے درختوں اور زمین کا جائزہ لے کر ایک پلان سوچا اور ان لوگوں کے نزدیک آنے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ پھیل کر اور محتاط انداز میں آ رہے تھے۔ درختوں کے پیچھے تاریکی تھی اور مجھے خدشہ نہیں تھا کہ کوئی مجھے دیکھ سکے گا۔ جب تک میں فائر نہ کرتا میری موجودگی چھپی رہتی۔ سات کے قریب افراد اوپر آ رہے تھے اور ایک نیچے وین کے پاس کھڑا تھا۔ فاصلہ کوئی چار سو گز تھا۔ اتنے فاصلے سے اسے نشانہ بنانا مشکل تھا لیکن میں نے کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ رائفل کو سنگل موڈ پر لا کر احتیاط سے اس کے جسم کے درمیان کا نشانہ لیا اور سانس روک کر فائر کر دیا۔ فائر کی آواز آنے سے پہلے ہی وہ اچھلا اور اپنے پیٹ سے پھوٹتے خون کے فوارے کو روکنے کی کوشش کرتے کرتے ڈھیر ہو گیا۔ فائر کے ساتھ اس کی چیخ کی آواز نے اوپر آنے والوں کو چوکنا کر دیا تھا۔

"وہ رہا۔" کسی نے اس درخت کی طرف برسٹ مارا جس کے عقب میں، میں تھا۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹا اور درختوں کی آڑ میں جھنڈ کے دوسرے کنارے تک جا پہنچا۔ وہ سب کے سب اس درخت پر اپنا ایمونیشن ضائع کر رہے تھے جہاں سے میں نے فائر کیا تھا۔ تین افراد ایک دوسرے سے چند گز کے فاصلے پر تھے۔ کوئی سو گز کی دوری سے میں نے ان کے پیروں کا نشانہ لے کر برسٹ مارا اور ان کے گرنے سے پہلے ہی درخت کی آڑ میں ہو کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ ان کی چیخوں نے آنے والوں کو بوکھلا دیا۔ میں بھاگتا ہوا جھنڈ کے دوسرے کنارے پہنچا اور باہر جھانکا تو وہ لوگ اپنے زخمی ہونے والے ساتھیوں کو اٹھا کر وین کی طرف بھاگ رہے تھے میں نے رائفل میں نیا کلپ لگایا اور بھاگنے والوں کو دھمکانے کے لئے برسٹ مارا۔ ان میں سے ایک بدقسمتی سے گولیوں کی زد میں آ گیا اور اپنے زخمی ساتھی کو چھوڑ کر اپنی ٹانگ دبائے وہیں لیٹ گیا۔ اگلا وار میں نے وین کے فیول ٹینک پر کیا۔ وہ جس زاویے سے کھڑی تھی۔ فیول ٹینک صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے رائفل سنگل موڈ پر کرتے ہوئے ٹینک پر لگاتار تین گولیاں چلائیں۔ کوئی گولی ٹینک میں جا لگی اور فیول نے آگ پکڑ لی پھر ایک دھماکے سے پوری وین شعلوں کی زد میں آ گئی تھی۔ تین افراد جو زخمی ہونے سے بچ گئے تھے وین کی تباہی پر مجنونانہ انداز میں فائرنگ کرنے لگے۔ میں درخت کے پیچھے محفوظ تھا۔ چار زخمی ڈھلان پر پڑے مدد کے لئے چلا رہے تھے۔ ان میں سے ایک ساکت تھا مرا تو نہیں تھا شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔

"تم بھی کیا یاد کرو گے مرشد علی۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔ "تم نے ایک سیدھے سادے بزنس مین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو خطرناک دشمن میں تبدیل کر دیا ہے۔"

میں سہمی ہوئی شازیہ اور اس کے بچوں کے پاس آیا۔ "دشمن فی الحال پسپا ہو گیا ہے۔ مگر دوبارہ آئے گا، ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔"

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا بھیا کہ تم اس طرح مار دھاڑ کر سکتے ہو۔" شازیہ بولی۔

"میں نے بھی نہیں سوچا تھا۔" میں پھیکے انداز میں مسکرایا۔ "اب چلیں۔"

"انکل میرے ابو کہاں ہیں؟" ندیم کے بیٹے نے پوچھا۔

"ہم پتا چلا لیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ ایک رائفل میں نے جھاڑیوں میں پھینک دی تھی یہ امریکن ایم سولہ رائفل کی چینی نقل تھی جو بالکل اصل جیسی لگتی تھی اور کارکردگی میں بھی کسی طرح اصل سے کم نہیں تھی۔ تین رائفلوں کو سنبھالنا ذرا مشکل کام تھا۔ اس بار میں نے دونوں بچیوں کو گود میں لے لیا۔

جھنڈ سے نکلے تو سامنے جھاڑیوں سے بھرا میدان تھا۔ دور بلند پہاڑ نظر آ رہے تھے یہ شاید مارگلہ کا کوئی حصہ تھا۔ ممکن ہے اس پہاڑ کے عقب میں ہم کسی آبادی میں پہنچ جاتے اس جگہ تو دور دور تک کسی آبادی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ شازیہ کے لئے بچے کو سنبھال کر چلنا بے حد دشوار ہو رہا تھا۔ وہ اس قسم کے حالات سے گزرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ "بھیا کہاں جا رہے ہو؟"

"پتا نہیں بھابی..... فی الحال تو دشمن سے دور جانا ہے۔ میں نے بھی یہ علاقہ پہلی بار دیکھا ہے۔ ممکن ہے آگے کہیں پناہ مل سکے۔"

سورج غروب ہو چکا تھا اور تاریکی تیزی سے چھا رہی تھی۔ ندیم کی تیسرے نمبر کی بیٹی بار بار پانی مانگ رہی تھی اور جب اس سے برداشت نہیں ہو سکا تو اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ شازیہ جھنجلا کر چیخی۔ "چپ کر جا..... یہاں تجھے کہاں سے پانی لا کر دوں۔"

"بھابی آہستہ بولیں ممکن ہے وہ تعاقب میں ہوں اور آواز سن لیں۔" میں نے کہا اور بچی کو پیار سے سمجھانے لگا۔ "بیٹا آپ بھی چپ ہو جائیں ورنہ جو ہمارے پیچھے آ رہے ہیں انہوں نے آپ کی آواز سن لی تو ہمیں پکڑ لیں گے اور مار دیں گے وہ بچوں کو بھی مار دیتے ہیں۔"

"سچ انکل۔" دوسری لڑکی نے کہا جو اب تک گم صم تھی اور پھر جلدی سے اپنی بہن کو چپ کرانے لگی۔ اس کی کوششوں سے دوسری بہن چپ ہو گئی لیکن جلد مستقبل کی یہ خواتین حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنے لگیں اور ان کی باتیں مجھے سننا پڑ رہی تھیں۔ لڑکا ابھی سے سنجیدہ اور بردبار تھا اس نے ایک دفعہ بھی شکایت نہیں کی تھی اور اپنی عمر سے بڑھ کر ساتھ دے رہا تھا بلکہ اس نے مجھ سے ایک بار کہا کہ میں رائفل اسے دے دوں کیونکہ میں نے اس کی بہنوں کو بھی اٹھا رکھا ہے۔ میں نے اسے منع کر دیا۔ "نہیں بیٹا آپ اپنی امی کو دیکھو، ان کی مدد کرو۔"

وہ مشکل جگہوں پر ماں کو سہارا دیتا تھا۔ اب تک عقب میں کوئی آتا نظر تو نہیں آیا تھا لیکن دشمن آرام سے بیٹھنے والے نہیں تھے۔ تصویر کے حصول کے لئے وہ اس سے زیادہ آدمی کٹوا سکتے تھے۔ کرائے کے بدمعاشوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مکمل تاریکی چھانے کے بعد ہم پہاڑ کے دامن تک جا پہنچے تھے۔ بچی نے پیاس کی شدت سے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا تھا شازیہ اور بچے پیاس کے ساتھ تھکن سے بھی نڈھال تھے۔ میں نے انہیں ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ بٹھایا۔ تاریکی میں آگے بڑھنا مشکل تھا۔ مجھے چاند نکلنے کا انتظار تھا۔ میں نے شازیہ سے کہا۔

''بھابی..... آپ بچوں کو سنبھالیں۔ میں اردگرد دیکھتا ہوں کہیں پانی یا پناہ گاہ مل جائے۔''

وہ سہم گئی تھی۔ ''بھیا ہمیں چھوڑ کر نہ جانا۔''

''بھابی ایسا ہو سکتا ہے۔ میں جیتے جی آپ اور بچوں کو اس ویرانے میں چھوڑ جاؤں۔'' میں نے شکوہ کیا۔

وہ شرمندہ ہو گئی۔ ''یہ بات نہیں ہے بھیا بس حالات نے مت ماردی ورنہ ندیم بھی ہوتے تو اس سے زیادہ کیا کرتے جو تم نے کیا ہے۔''

''آپ آرام کریں اور کوئی آواز نہ نکالیں اگر آہٹ ہو اور میری آواز نہ آئے تو بچوں کو لے کر کسی جھاڑی میں چھپ جائیے گا۔''

میں اوپر جانے لگا۔ شازیہ کو کوئی اسلحہ دینا بے کار تھا۔ وہ اسے استعمال بھی نہیں کر سکتی تھی۔ تاریکی میں، میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ ذرا سی غلطی مجھے نیچے لے جا سکتی تھی کیونکہ ڈھلان خاصی ترچھی تھی۔ پہاڑ زیادہ بلند نہیں تھا۔ مشکل سے دو سو فٹ اونچا تھا لیکن دشوار ضرور تھا میں پندرہ منٹ میں اوپر پہنچا تھا۔ اس وقت چاند نمودار ہو رہا تھا۔ مجھے دائیں جانب ایک جگہ روشنی نظر آئی جیسے کسی بند جگہ دیا جل رہا ہو۔ شاید وہاں کوئی گھر تھا۔ ان پہاڑوں پر درختوں اور جھاڑیوں کی وجہ سے اکا دکا چرواہوں اور لکڑہاروں نے مکانات بنا رکھے تھے۔ میں واپس آنے لگا۔ جہاں روشنی تھی وہاں انسان اور پانی ملنے کا امکان تھا۔ ابھی میں نصف رستے میں تھا کہ مجھے اس طرف سے لہراتی روشنیاں نظر آنے لگیں جس طرف سے ہم آئے تھے اور اب دشمن ہمارے پیچھے آ رہے تھے۔ بقیہ راستہ میں نے ہر ممکن تیزی سے طے کیا۔ شازیہ اور بچے خاموش سہمے بیٹھے تھے۔ میں نے آہستہ سے آواز دی تو وہ اچھل پڑے تھے۔

''بھیا..... جلدی کرو..... بچے پیاس سے بے حال ہیں۔'' شازیہ نے کہا۔

''میں نے ایک جگہ دیکھ لی ہے۔'' میں نے بچیوں کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''وہاں سے ہمیں پانی مل سکتا ہے لیکن بالکل خاموشی سے آواز نکالے بغیر چلیں..... دشمن بھی اسی طرف آ رہا ہے۔''

میں ڈھلان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ روشنی ذرا آگے ڈھلان کے گھماؤ پر ذرا بلندی پر نظر آ رہی تھی۔ کوئی دس منٹ چلنے کے بعد روشنی نظر آ گئی تھی۔ یہ بہت مدھم روشنی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اگر چاند نہ نکلا ہوتا تو یہ روشنی نظر نہ آتی۔ محض تاریکی کی وجہ سے نظر آ گئی تھی۔ ڈھلان پر احتیاط سے چڑھنا تھا۔ مجھ پر اسلحے کے ساتھ دو بچیوں کا بوجھ تھا اور مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ موقع کی نزاکت محسوس کر کے بچیاں مجھ سے چمٹ گئی تھیں۔ پیچھے شازیہ بچے کو سنبھالے اور لڑکے کا سہارا لیتی آ رہی تھی۔ ذرا بلندی پر آتے ہی عقب میں لہراتی روشنیاں پھر نظر آنے لگیں۔ وہ اس جگہ سے قریب تھے جہاں کچھ دیر پہلے ہم تھے۔ میرے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ وہ بالکل درست راہ پر تھے یعنی ہمارے پیچھے اس روشنی والی جگہ پر بھی آ سکتے تھے۔

نزدیک آنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو خودرو جھاڑیوں سے بھرا ایک کسی قدر مسطح قطعہ تھا۔ میں اس میں داخلے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ ایک طرح سے یہ جھاڑیاں قدرتی چاردیواری تھی۔ بالآخر ایک رخنہ نظر آیا۔ میں نے بھابی اور بچوں کو باہر چھوڑا اور خود اس رخنے میں گھس گیا۔ تنگ سا راستہ ایک صحن میں نکلا۔ جس کے آگے کچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مٹی کا جھونپڑا تھا۔ جھونپڑے کے آگے چھپر کا برآمدہ تھا اور اس میں ایک لالٹین لٹکی ہوئی تھی۔ اس کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ ایک باورچی خانہ تھا یہاں کوئی عورت چولہے پر جھکی پھونکیں مار رہی تھی۔ چھپر کے سامنے کھلے صحن میں پلنگ پر ایک بوڑھا لیٹا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھا تھا کہ میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

''آواز مت نکالنا۔''

بوڑھا پریشان ہو گیا۔ ''بھائی..... ہم غریب لوگ ہیں ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میرے پیچھے دشمن لگے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے آیا ہوں میرے ساتھ بہن اور اس کے بچے ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''یہاں اور کون ہے؟''

''بھاگ بھری کی ماں ہے بیمار اندر پڑی ہے۔'' بوڑھے نے بتایا۔

''میرے ساتھ چلو۔ بھابی اور بچوں کو لانا ہے اور ہاں یہ لالٹین بجھا دو، اگر دشمنوں نے یہ روشنی دیکھ لی اور ادھر آ گئے تو ہمارے ساتھ تمہیں بھی سارے گھر سمیت مار دیں گے۔''

بوڑھے نے تیزی سے اٹھ کر لالٹین بجھا دی۔ عورت اور بچوں کا سن کر اس کا خوف کسی حد تک کم ہوا تھا۔ وہ میرے ساتھ آ کر شازیہ اور بچوں کو اندر لے آیا۔ میں نے پانی کا کہا تو کونے میں رکھے گھڑے سے پانی مٹی کے کٹورے میں لے آیا۔ پیاس مجھے بھی لگ رہی تھی۔ مگر پہلے بچوں کو پانی دیا۔ ہماری بے تابی بھانپ کر بھاگ بھری کہیں سے صراحی لے آئی تھی۔ بچے پانی پینے کے لئے بے تاب تھے لیکن شازیہ نے عقل مندی کرتے ہوئے انہیں تھوڑا تھوڑا پانی پلایا تھا۔ وقفے کے بعد دوبارہ پانی دیا تھا۔ بوڑھا اندر سے کسی کا جگ لے آیا تھا۔ اس نے ٹھنڈی نمکین لسی دی۔ اسے پی کر طبیعت میں فرحت آ گئی تھی۔ پانی بے حد شیریں اور سرد تھا۔ شدید پیاس کے عالم میں اسے پی کر مزہ آ گیا تھا۔ اچانک اندر سے کوئی عورت چلانے لگی۔ میں نے پریشان ہو کر اس بوڑھے سے کہا۔ ''اسے چپ کراؤ، اس کی آواز سن کر دشمن اس طرف آ سکتے ہیں۔''

بوڑھا اٹھ کر اندر گیا اور اپنی بیوی کو سمجھانے لگا مگر وہ بدستور بلند آواز میں چلا رہی تھی اور اس کی آواز دور تک جاتی محسوس ہو رہی تھی۔ پہاڑی علاقے میں آواز ویسے بھی زیادہ گونجتی ہے۔ موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے بھاگ بھری بھی اندر چلی گئی اور اس نے کسی نہ کسی طرح ماں کو چپ کرا دیا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والے شکاری کتوں نے یہ آواز نہ سن لی ہو۔ میں رائفل سنبھالتا ہوا اٹھا تو شازیہ نے دبی زبان میں کہا۔ ''تم کہاں جا رہے ہو بھیا؟''

''میں باہر دیکھ کر آتا ہوں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اگر کوئی خطرہ محسوس ہو تو ہلکی سے چیخ مار دینا۔ میں جاؤں گا اور بچوں کو خاموش رکھیں۔''

چاند خاصا بلند ہو چکا تھا اور ارد گرد کا منظر کسی قدر واضح تھا۔ میں جھاڑیوں کے درمیان کے تنگ راستے سے باہر آیا اور یہ دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا کہ ٹارچ بردار افراد اس جگہ پہاڑی کے عین نیچے تھے اور ان کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ٹارچوں کی تعداد سے میں نے اندازہ لگایا وہ چھ سات افراد تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کے ہاتھ میں ٹارچیں نہیں تھیں۔ یعنی ان کی تعداد نو دس بھی ہو سکتی تھی۔ پھر انہوں نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ ان کا رخ اس طرف ہی تھا۔ میں پیچھے ہٹ کر رخنے میں گھس گیا۔ پھر میں نے کسی کی آوازیں سنیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ادھر رحمت نامی لکڑہارا رہتا ہے وہ لوگ اس کے گھر میں نہ گھس گئے ہوں۔''

''اوئے..... یہ رحمت کون ہے؟'' کسی بدمعاش نے پوچھا۔

''جی ادھر رہتا ہے۔ بیوی اور ایک لڑکی ہے بھاگ بھری۔'' بتانے والے کا لہجہ دیہاتی تھا۔

''بھاگ بھری..... یہ تو رس بھری لگ رہی ہے۔ چل بھئی رحمتے کے گھر۔'' بولنے والے کی آواز میں شیطان تھا۔ ''اگر ہمارے پروہنے نہ ملے تو بھاگ بھری کو ہی دیکھ لیں گے۔''

اب موقع بالکل نہیں تھا۔ اگر وہ ذرا بھی اوپر آ جاتے تو میں مارا جاتا۔ میں اتنے لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے رائفل سیدھی کی اور نیم دائرے میں اوپر آنے والے افراد پر پورا کلپ خالی کر دیا۔ اس میں مشکل سے سات آٹھ سیکنڈ لگے۔ سناٹے میں یک دم فائرنگ کے ساتھ چیخوں کا شور بھی گونجا تھا۔ تار چیں بند ہو گئیں۔ میں زمین پر گر گیا اور ہر ممکن تیزی سے رینگتا ہوا اندر جانے لگا۔ اگلے لمحے میرے اردگرد گولیاں برس رہی تھیں۔ بیک وقت کئی ہتھیاروں کے دہانے میری طرف کھل گئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ فائرنگ سے کم سے کم تین افراد زخمی ہوئے یا مارے جا چکے تھے۔ خیریت رہی کہ کسی گولی نے میری طرف رخ نہیں کیا۔ اندر شازیہ بچوں سمیت کوٹھری میں جا چکی تھی۔ یہ اچھا ہوا۔ کیونکہ گولیاں اب اندر تک آ رہی تھیں۔ میں نے چھلانگ لگا دی اور تین فٹ اونچی کچی مٹی کی دیوار کے دوسری طرف جا گرا۔ کوٹھری کے گرد احاطے یا بارش کا پانی روکنے کی غرض سے یہ دیوار بنائی گئی تھی۔ بچ جانے والے جھاڑیوں پر اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ وہ چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے کچھ کہہ بھی رہے تھے لیکن فائرنگ کے شور میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ خاصی دیر سے انہیں احساس ہوا کہ وہ اپنا اسلحہ ضائع کر رہے تھے اس لئے فائرنگ روک دی۔ ''اوئے بھاگ بھری کا ماما تو مر گیا۔'' کسی نے شاید رہنمائی کرنے والے کے بارے میں فرمایا۔

''بکواس مت کر بھاگ بھری کے باپ۔'' کسی نے اسے گھرکا۔ ''اپنے بھی دو مر گئے ہیں۔ فیکا اور ٹیکا زخمی ہیں۔''

''کتے کا بچہ..... حرامزادہ۔'' انہوں نے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ میں نے چار بندے بے کار کر دیئے تھے۔ اب بس کم سے کم اتنے ہی مسلح افراد تھے۔ بہرحال دشمن کی نظری میں کمی اطمینان بخش تھی۔ میں جھکا اور اندر کوٹھری میں آیا۔ جہاں سب سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں نے بوڑھے سے پوچھا۔

''اس جگہ سے نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ ''بس جھاڑیوں میں یہی راستہ ہے۔''

''دشمن باہر تک آ چکا ہے اسے ہمارے بارے میں معلوم ہے۔ کسی مقامی شخص نے ان کی رہنمائی کی ہے۔ تمہاری بیٹی کے بارے میں ان کے عزائم درست نہیں ہیں۔''

''میری بیٹی کے بارے میں کس نے بتایا جی؟''

''جو شخص انہیں یہاں لایا ہے اس نے بتایا ہوگا۔ شاید وہ بھی مارا گیا ہے۔''

''مارا گیا ہے۔'' بوڑھے کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

''کم سے کم تین آدمی مارے جا چکے ہیں اور دو زخمی ہیں۔ اس وجہ سے دشمن باہر رکا ہے ورنہ اب تک اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ چکا ہوتا۔" میں نے کہا۔ "تمہیں رائفل یا پستول چلانا آتا ہے۔"

"کیوں نہیں آتا۔ دس سال فوج کی نوکری کی ہے۔" بوڑھے نے فخر سے کہا۔ "اُدھر بیٹ مین تھا پھر پاؤں میں چوٹ لگی تو ریٹائر ہو گیا۔"

اب مجھے پتا چلا کہ اس جنگل میں رہنے والے دیہاتی بوڑھے کا لہجہ اتنا صاف کیوں تھا جب کہ اس کی بیٹی اور بیوی خالص پوٹھوہاری پنجابی بول رہی تھی جو عام مروجہ پنجابی کے مقابلے میں خاصی مشکل ہوتی ہے۔

"میرے ساتھ آؤ..... دشمن اندر گھسنے کی کوشش کرے گا، ہمیں اسے اندر گھسنے سے روکنا ہوگا ایک بار وہ اندر آ گئے تو ہمیں آسانی سے گھیر لیں گے۔"

ہم دیوار تک آئے۔ باہر خاموشی تھی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ لوگ جا چکے تھے۔ وہ آزاد تھے اور مزید کمک منگوا سکتے تھے۔ صرف نو دس افراد نہیں ہوں گے بلکہ ان کی اور ٹیمیں اس علاقے میں گھوم رہی ہوں گی۔ مرنے اور زخمی ہونے والوں سے زیادہ انہیں ہماری اور درحقیقت تصویر کی فکر تھی انہوں نے ہمیں ایک جگہ گھیر لیا تھا اور اب وہ مزید کمک لا کر ہم پر قابو پانے کی فکر میں تھے۔ تب تک وہ خاموش رہنا چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے اس جگہ سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا۔

"وہ لوگ کدھر ہیں صاحب؟" بوڑھے نے سرگوشی کی۔

"باہر ہیں..... اندر آنے کی فکر میں ہیں۔" میں نے جوابی سرگوشی کی اور رائفل اسے دے کر اسے استعمال کرنے کا طریقہ سمجھانے لگا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر سر ہلا کر بولا۔

"سمجھ گیا صاحب..... اسلحے کو ہاتھ لگائے بھی اتنا عرصہ ہو گیا ہے۔" اس نے رائفل لی اور تین چار بار اسے موڑا اور اَن لوڈ کرنے کا مظاہرہ کیا۔ میگزین نکال کر لگایا۔ میرے پاس دو رائفلیں اور کل پانچ کلپ تھے ان میں سے دو کلپ رائفلوں میں لگے تھے اور تین کلپ اضافی تھے۔ ایک اضافی کلپ بوڑھے کو دے دیا۔ اس کا نام رحمت تھا۔ "رحمت تم اس ویرانے میں کیوں رہتے ہو وہ بھی جوان لڑکی کے ساتھ۔"

"مجبوری ہے صاحب..... کہیں زمین لینے یا مکان بنانے کی حیثیت نہیں ہے۔ لکڑی بیچ کر گزارا کرتا ہوں۔ اس لئے جنگل میں رہنا پڑتا ہے۔"

اس لمحے مجھے پیچھے سے آہٹ ہوئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ یہ بھاگ بھری تھی۔ وہ سترہ اٹھارہ برس کی صحت مند اور دلکش نقوش والی لڑکی تھی۔ سرخی مائل رنگت اس کی کشش میں اضافہ کرتی تھی۔ رحمت نے اسے دیکھ کر ڈانٹا۔ "تُو کیوں ادھر آئی ہے اندر جا بھاگ بھری۔"

"بابا میں تیری مدد کروں گی۔"

"تم اندر جاؤ اور بچوں کو سنبھالنے میں مدد دو۔ انہوں نے بہت دیر سے کھانا نہیں کھایا ہے اگر کچھ کھانے کو ہے تو وہ دو اور ہاں سب کو دروازے کے سامنے سے ہٹا دو۔"

لڑکی سمجھدار تھی خاموشی سے اندر چلی گئی۔ بڑے میاں جوش میں آنے لگے۔ "صاحب باہر نکل کر ان پر حملہ کیوں نہ کریں..... انہیں مار بھگائیں۔"

"نہیں وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ گھات لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ چاند نکل آیا ہے اس کی روشنی میں ہمیں فوراً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ لیں گے اور گولی مار دیں گے۔''

''اچھا صاحب میں بات کروں..... میری تو ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''دشمنی کیوں نہیں ہے، تمہارے گھر میں ان کے دشمن نے پناہ لے رکھی ہے اور اس جگہ سے فائرنگ کر کے ان کے کئی ساتھی مار دیئے ہیں۔ وہ تو تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔''

''اگر میں اسی جگہ سے ان سے بات کروں۔''

''ہاں کر کے دیکھو۔'' میں نے غور کر کے کہا۔ ''بلکہ ہماری موجودگی سے مکر جانا..... کہنا کہ جو بھی تھے وہ پیچھے کی طرف سے فرار ہو چکے ہیں۔''

رحمت نے سر ہلایا اور اپنی جگہ سے چلا کر بولا۔ ''کون ہو تم؟ تم نے میرے گھر پر فیر (فائر) کیوں کئے؟''

اس نے دوبارہ زیادہ بلند آواز سے سوال دہرایا تو ایک سنسناتی ہوئی گولی ہمارے اوپر سے گزر گئی تھی۔

''رحمتے ادھر ہمارے دشمن ہیں، ان سے کہو باہر آ جائیں انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔'' کوئی چلایا۔

''وہ تو جی پچھلی طرف سے کب کے جا چکے ہیں۔'' رحمت بولا۔ ''ادھر میں اور میری بیوی بچی ہے۔''

''اچھا..... ایسا ہے تو تم تینوں سامنے آ جاؤ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' بولنے والا مکاری سے بولا۔

''یہ چالاکی کر رہا ہے۔ اسے معلوم ہے ہم اندر ہیں۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''شاید انہیں یہاں لانے والا بتا چکا ہے کہ ان جھاڑیوں میں آمد و رفت کا ایک ہی راستہ ہے۔''

اس دیوار کے دوسری طرف جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ چاروں طرف گزوں پر پھیلی ہوئی جھاڑیاں تھیں لیکن یہ جھاڑیاں گولی کا راستہ نہیں روک سکتی تھیں اور ڈھلان کے سبب کوئی آڑ بھی نہیں تھی۔ بولنے والے نے کہا۔ ''بوڑھے اپنی عورت اور بیٹی کو لے کر باہر آ جاؤ ورنہ ہم ان جھاڑیوں کو آگ لگا دیں گے۔''

رحمت نے پریشان ہو کر میری طرف دیکھا۔ ''یہ تو جی بڑی خطرناک دھمکی دے رہے ہیں۔''

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا۔ ''ان سے کہو اگر جھاڑیوں کو آگ لگا دی تو یہ آگ پہاڑی کی وجہ سے دور سے نظر آئے گی۔ ممکن ہے فائر بریگیڈ یا پولیس والے آ جائیں۔''

اس نے یہی بات بلند آواز سے کہی تو دوسری طرف موجود افراد کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ اس معاملے میں سرکاری مداخلت کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے اگرچہ سرکار کے پٹھو خاصی تعداد میں ان کے ساتھ تھے۔ مگر انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ دوسری پارٹی (عمر دراز) بھی کمزور نہیں ہے اور اس کا بھی اثر رسوخ ہے۔ کچھ دیر بعد اس شخص نے کہا۔ ''ہمیں معلوم ہے شہباز یہاں چھپا ہے اس سے کہو..... تصویر ہمیں دے دے، ہم خاموشی سے چلے جائیں گے اپنے ساتھیوں کی موت بھی بھول جائیں گے۔''

''یہ کس تصویر کی بات کر رہے ہیں؟''

''بکواس کر رہے ہیں، بات تصویر کی نہیں یہ میرے خون کے پیاسے ہیں۔ میں تصویر انہیں دے دوں تب بھی یہ ایسے نہیں جائیں گے۔''

باہر والا دوبارہ بولا۔ ''اگر تصویر نہیں دی تو ہم پہلے جھاڑیوں کو آگ لگا دیں گے اور پھر اندر موجود ایک ایک فرد کو گولی مار دیں گے۔ رحمتے تیری بیٹی کو بے آبرو کریں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جا کر رکھیل بنا کر رکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیں گے۔ اس آدمی سے بول باہر آ جائے۔''

رحمتے کا خون کھولنے لگا۔ ''حرامزادے۔'' اس نے دبی زبان میں گالی دی۔ ''میری بیٹی کا نام لیا۔''

''رحمت چالاکی سے کام لو، انہیں اندر آنے پر اکساؤ۔ میری موجودگی سے انکار کر دو اور جب یہ اندر آئیں تو ہم انہیں بھون ڈالیں گے۔ راستہ صاف کر کے ہم یہاں سے نکل جائیں گے، اس کے بعد تمہاری، تمہاری بیوی اور بیٹی کی حفاظت ہمارے ذمے ہوگی۔ تمہیں نوکری بھی ملے گی اور رہائش بھی۔''

''صاحب مجھے لالچ مت دو۔ یہ کام میں اپنی حفاظت کے لئے بھی کروں گا میں غریب ہوں پر اب تم میرے مہمان ہو۔ آخری سانس تک تمہاری حفاظت کروں گا۔''

''میں لالچ نہیں دے رہا لیکن جو شخص میرا ساتھ دے، میری خاطر ان درندوں سے ٹکرائے میں اسے ان کے سامنے بے بس نہیں چھوڑ سکتا۔''

رحمت نے چلا کر کہا۔ ''ادھر کوئی نہیں ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو اندر آ کر دیکھ لو۔''

''رحمتے..... چالاکی نہ کر..... وہ اندر ہی ہیں۔ پیر بادشاہ کے غیظ وغضب کو آواز نہ دے۔''

''کون پیر بادشاہ؟''

''ارے تُو پیر بادشاہ مرشد علی کو نہیں جانتا۔ اس علاقے کا بچہ بچہ ان کا مرید ہے۔''

''تم لوگ جھوٹ کہہ رہے ہو۔'' رحمت نے بے یقینی سے کہا۔ ''تم مجرم ہو..... پیر بادشاہ سے تمہارا کیا تعلق؟''

''ہم مجرم نہیں پیر بادشاہ کے مرید ہیں۔ یہ شخص جو گھر میں چھپا ہے پیر بادشاہ کا مجرم ہے۔ ان کی ایک قیمتی تصویر چرا کر بھاگا ہے۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے سرگوشی کی۔ ''بکواس کرتا ہے، تصویر اور پیر بادشاہ سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے یہ تمہیں صرف بے وقوف بنا رہے ہیں۔''

''تب انہوں نے پیر بادشاہ کا نام کیوں لیا؟''

''یہ تم ان سے پوچھو۔'' میں نے پہلو بدل کر کہا۔ مجھے رحمت کا لہجہ بدلا ہوا لگ رہا تھا۔

اس نے بلند آواز میں پوچھا۔ ''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے تم پیر بادشاہ کے آدمی ہو؟''

''کیا کوئی پیر بادشاہ کے نام پر جھوٹ بول سکتا ہے؟'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

رحمت نے میری طرف دیکھا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس علاقے میں پیر بادشاہ کے نام پر کوئی جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

میں نے دل ہی دل میں پیر بادشاہ کو بے نقط سنائیں۔ ''عام لوگ یقیناً پیر بادشاہ کے نام پر جھوٹ نہیں بول سکتے لیکن یہ مجرم ہیں اپنے مطلب کے لئے کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' وہ بولا اور رائفل کا رخ میری طرف کر کے بلند آواز سے کہا۔ ''وہ پیر بادشاہ کے مرید ہیں اور تم ان کے مجرم..... ہاتھ اوپر کرو۔''

''کیا یہ تمہارے پاس ہے؟'' بولنے والے نے بے تابی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں میں نے اس کی رائفل چھین لی ہے۔'' رحمت چلایا۔

''رائفل ادھر دو۔'' میں نے کہا۔ اس نے رائفل بلند کی اور گولی چلا دی۔ سنگل موڈ پر فائر ہوا اور دھماکے نے فضا کو جھنجھوڑ دیا تھا اندر سے عورتیں چلائی تھیں۔ خاص طور پر شازیہ کی چیخ نمایاں تھی۔

''کیا ہوا، یہ فائر کس نے کیا؟'' باہر سے پوچھا گیا۔

''میں نے اسے گولی مار دی۔'' رحمت میری طرف دیکھ کر بولا۔ وہ سراسر جھوٹ کہہ رہا تھا میں زندہ تھا گولی میرے سر کے فٹ بھر اوپر سے گزر گئی تھی۔

''شاباش۔'' باہر والے نے کہا۔ ''اب تم باہر آ جاؤ۔''

''نہیں تم اندر آؤ۔'' رحمت نے کہا اور آہستہ سے بولا۔ ''وہ دھوکے میں اندر آئیں گے۔''

''شکر ہے ورنہ میں سمجھا تھا کہ تم نے مارے عقیدت کے گولی مار دی ہے۔''

''صاحب دس سال فوج میں نوکری کی ہے تھوڑی بہت عقل ہے میرے پاس۔''

''ہم اندر آ رہے ہیں۔'' باہر سے کہا گیا۔ ''لیکن پہلے تم رائفل باہر پھینک دو۔''

''پھینک دو، میرے پاس پستول بھی ہیں۔'' میں نے کہا تو رحمت نے کھڑے ہو کر رائفل باہر کی طرف اچھال دی، جو جھاڑیوں سے ہوتی ہوئی باہر جا گری۔ میں نے اسے پستول دیا اور ہم نے ذرا فاصلے پر مورچہ لے لئے۔ کوٹھری کے اندر بالکل خاموشی تھی۔ میں نے رحمت سے کہا تھا کہ بالکل رعایت نہیں کرنی ہے سامنے آنے والے کو شوٹ کرنا ہے لیکن وہ دوسرے شخص کو گولی مارے گا۔ پہلا میرا شکار ہوگا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور دیوار کے دوسرے کونے کی طرف چلا گیا۔ کوئی ایک منٹ بعد جھاڑیوں میں سرسراتا پہلا سایہ نمودار ہوا تھا۔

''یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ اوئے تُو کدھر ہے۔'' اس نے چلا کر کہا۔

''آہستہ بول۔'' اس کے پیچھے آنے والے نے کہا تھا اور اسے رحمت نے گولی مار دی۔ دھماکے کے ساتھ وہ چیخ مار کر گرا تھا کہ میں نے اگلے سائے کے پیروں پر ہلکا سا برسٹ مارا۔ وہ دھاڑتا ہوا زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ جھاڑیوں میں ہلچل مچی تو میں نے اگلا برسٹ اس کی طرف مارا لیکن بھاگنے والے بچ گئے میں اچھل کر سامنے آیا اور اپنے شکار کی رائفل پاؤں مار کر دور کر دی پھر اسے بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ رحمت کا نشانہ چُننے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ غالباً وہ معمولی زخمی ہوا تھا اور بچ نکلا تھا۔ زخمی کراہ رہا تھا اور دبی زبان میں گالیاں دے رہا تھا۔ ''کیا ایک گولی تمہارے منہ میں بھی مارنے پڑے گی۔'' میں نے دھمکی دی۔

''میں مر رہا ہوں۔'' اس نے فریاد کی۔

''اتنی آسانی سے نہیں مرو گے تم کتے کے بچے۔'' میں نے اس کی تلاشی لی تو اس کی شلوار سے ایک ریوالور بھی نکلا تھا۔ دو گولیاں اس کے بائیں گھٹنے کے اوپر نیچے سوراخ کرتی گزر گئی تھیں۔ یہ زخم ایسے نہیں تھے کہ وہ مر جاتا۔ ہاں خون زیادہ بہہ جاتا تو ضرور مر سکتا تھا۔ رحمت رینگتا ہوا نزدیک آیا۔

''میں نے جس کو گولی ماری تھی وہ تو پہلے سے بھاگ گیا۔''

''تمہارا نشانہ خطا گیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اسے دیکھو۔''

رحمت نے اس کے زخموں پر اس کی قمیص پھاڑ کر پٹیاں باندھ دی تھیں۔ اس کے بعد میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شروع کیے۔ ''باہر اور کتنے ساتھی ہیں تمہارے؟''

وہ چپ رہا تو میں نے اس کا زخمی پاؤں ہلایا۔ ''چار۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔

''مرے اور زخمی کتنے ہیں؟''

''تین مرے ہیں۔ مجھے ملا کر تین زخمی ہیں۔'' اس نے کراہ کر جواب دیا۔

''کل دس افراد ہوئے۔ اس علاقے میں اور کتنے افراد ہیں جو ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''بہت ہیں۔'' وہ نفرت سے بولا۔ ''تم بچ کر جا نہیں سکو گے کچھ دیر میں وہ بھی آنے والے ہیں۔ ہائے۔ میں نے حرامی بالے سے کہا تھا، ان کا انتظار کر لے لیکن اسے نمبر بنانے کا شوق تھا۔ مجھے مروا دیا۔''

''ابھی کہاں مرے ہو تم..... اگر تمہارے ساتھیوں نے حملہ کیا تب ان کی فائرنگ سے مرو گے ہم تمہیں آگے رکھیں گے۔'' میں نے کہا تو ہلکی چاندنی میں اس کے چہرے پر خوف صاف نظر آنے لگا۔

''تم کچھ بھی کر لو بچ نہیں سکتے۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

رحمت جا کر اس کی گن اٹھا لایا تھا۔ یہ طاقتور ٹرپل ٹو رائفل تھی۔ اس کے اضافی میگزین زخمی کے پاس تھے۔ ''اب ہم کیا کر سکتے ہیں جناب۔'' رحمت نے تشویش سے پوچھا۔

''جب تک ہمارے پاس اسلحہ ہے یہ پاس پھٹک نہیں سکتے۔''

''اور اس کے بعد جناب۔''

''اس کے بعد اللہ مالک ہے۔ ویسے میرے ساتھی بھی مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ میرے پاس موبائل فون ہے لیکن اس کے سگنل ہوتے تو میں انہیں بتا سکتا تھا۔'' میں نے کہا اور اچانک مجھے خیال آیا۔ ''رحمت کیا تم یہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے جہاں سگنل ہوں۔''

''وہ کیا ہوتے ہیں جی۔'' اس نے سادگی سے کہا تو میں نے موبائل نکال کر اسے تفصیل سے سمجھایا کہ اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ وہ سر ہلا کر بولا۔

''میں سمجھ گیا جی، پر میں جاؤں کہاں؟''

''مری ہائی وے یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''بہت دور ہے جناب سات آٹھ میل تو ہو گی۔''

''وہاں سگنل مل جائیں گے اور تم مدد لا سکتے ہو۔''

''مجھے تو کال کرنا نہیں آتی۔''

میں نے اسے ایزی ڈائل کا طریقہ سمجھایا اور بار بار اس سے پوچھا۔ دس پندرہ بار کرنے پر وہ رواں ہو گیا تھا۔ ''اس نمبر پر کال کرنا اور میرا نام لے کر بتانا..... وہ مدد کو آئیں گے۔''

''ایک طریقہ ہے۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''صبح کے قریب چاند ڈوب جائے گا۔ تب میں نکل سکوں گا۔ ذرا آگے برساتی نالا ہے اس تک پہنچ گیا تو کسی کی نظر میں آئے بغیر نکل جاؤں گا۔''

اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے۔ رحمت اندر جا کر میرے لئے روٹی اور اچار لے آیا۔ بھوک شدت کی لگ رہی تھی۔ اس لئے موٹی روٹیاں اور اچار لذیذ ترین کھانوں سے بھی اچھا لگا تھا۔ کھا کر میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیریں پانی پیا۔ یہاں پانی کا ذائقہ بے حد منفرد اور اچھا تھا۔ پتا چلا کہ رحمت نیچے ایک چشمے سے پانی لاتا تھا۔ رات کو خنکی تھی اور اوپر سے اوس گر رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم بھیگ گئے مگر اندر نہیں جا سکتے تھے۔ نہ جانے کب دشمن حملہ کر دے۔ زخمی کراہ کر بے ہوش ہو چکا تھا۔ شاید خون بہہ جانے کی وجہ سے اس پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ فی الحال اس کا خون رک گیا تھا۔ دیوار کی آڑ میں بیٹھے بیٹھے میں اس وقت کے بارے میں سوچنے لگا۔ گزشتہ ساڑھے آٹھ گھنٹے بے حد ہنگامہ خیز گزرے تھے اور یہ سارا چکر ندیم کو کال کرنے سے پیدا ہوا تھا۔ میں ندیم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ نہ جانے کہاں اور کس حال میں تھا۔ وسیم کے بارے میں مجھے یقین تھا ہمیں تلاش کرنے کے لئے وہ پوری طرح سرگرم ہو گا۔

رحمت ایک بار جا کر باہر تک ان لوگوں کا معائنہ کر آیا تھا۔ اس نے خطرہ مول لیا تھا کیونکہ جھاڑیوں میں ذرا سی بھی سرسراہٹ ہوتی تو وہ لوگ فائرنگ کر سکتے تھے۔ مگر رحمت اچھی طرح جانتا تھا کہ جھاڑیوں میں ایسی آہٹ پیدا کئے کس طرح گزرنا ہے۔ اس نے واپس آ کر بتایا۔ ''وہ لوگ باہر ہیں، میں نے ان کی باتیں کرنے کی آواز سنی ہے۔''

''رحمت اب مت جانا۔ اگر انہوں نے فائرنگ کر دی تو بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔''

''جی ان سے بچنا ہے تو خطرہ مول لینا پڑے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے جا کر شازیہ اور بچوں کو دیکھا۔ بچے سو گئے تھے البتہ شازیہ اور بھاگ بھری جاگ رہے تھے اور آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ بچے کھا پی چکے تھے۔ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر میں واپس آ گیا۔ رحمت نے چائے کا پوچھا۔ ''نہیں اس کے لئے آگ جلانی پڑے گی اور اس وقت آگ جلانا دشمنوں کو.....''

''اندر ایک چھوٹا مٹی کے تیل کا چولہا ہے۔''

''تب تو بسم اللہ۔'' میں نے خوش ہو کر کہا تو رحمت اندر چلا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ دو پیالیوں میں بھاپ اڑاتی چائے لے آیا۔ اس کا ذائقہ اور شیرینی میری پسند سے مختلف تھی لیکن بہرحال یہ چائے تھی جس نے مزہ دیا تھا۔ ذہن اور جسم پر چھائی سستی چھٹ گئی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ صبح کے چار بجے چاند ڈوب گیا اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ رحمت نے جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ایک بار سوچ لو..... یہ بہت خطرناک لوگ ہیں، اگر پکڑ لیا تو گولی مار دیں گے۔''

''مارنا تو ویسے بھی ہے۔ میں کوشش کیوں نہ کروں جناب..... میری بیوی اور بچی بچ جائیں۔''

رحمت نے سیاہ رنگ کا ایک شلوار سوٹ پہنا تھا۔ میں نے اسے پستول دیا۔ موبائل کا استعمال ایک بار سکھایا۔ اس نے موبائل اور پستول اپنے لباس میں رکھا۔ میرے گلے لگا۔ ''صاحب دعا کرنا۔''

''ان شاء اللہ رحمت..... وہ اپنی رحمت کرے گا۔''

رحمت خاموشی سے جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ میری دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں نے اسے موت کے منہ میں بھیج دیا ہے۔ یہ بات یقینی کہ اب تک ان لوگوں کے مزید آدمی یہاں آ چکے ہوں گے اور اس جگہ کو چاروں طرف سے گھیر رہے تھے۔ ایسے میں رحمت کا ان کے بیچ سے بچ کر نکل جانا ناممکن نہیں تو بے حد دشوار ضرور تھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ شور یا فائرنگ کی آواز کا منتظر رہا۔ کئی بار میرے ذہن میں آیا کہ کاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا کر صورتِ حال کا جائزہ لینے کی کوشش کروں۔ مگر میری ہمت نہ ہوئی۔ رحمت کو گئے ہوئے پندرہ منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے اور اب مجھے کچھ کچھ اطمینان ہونے لگا تھا۔ عقب سے آہٹ ہوئی میں نے مڑ کر دیکھا۔ رحمت کی بیٹی بھاگ بھری تھی۔

''بابا کدھر گیا ہے؟''

''پولیس بلانے۔'' میں نے اس کی ذہنی سطح کے لحاظ سے جواب دیا۔ ''تم کیوں باہر آئی ہو؟''

''صاحب..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ سمٹ کر میرے قریب آ گئی تھی۔ ''اگر یہ ادھر آ گئے تو.....''

''کچھ نہیں ہوگا۔ جب تک میرے پاس یہ ہتھیار ہیں میں کسی کو نہیں آنے دوں گا اور ان شاء اللہ اس وقت تک مدد بھی آ جائے گی۔''

''رب کرے۔'' لڑکی نے کہا تھا۔ ''صاحب تیرے لئے چائے لاؤں۔''

''لا سکتی ہو تو لے آؤ۔'' میں نے کہا۔ درحقیقت میں اس وقت شدت سے چائے یا کافی کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ رات بھر جاگنے اور کھلے آسمان تلے رہنے سے میرا جسم اس وقت ٹوٹ رہا تھا اور سر میں درد ہونے لگا تھا۔ ''میری چائے میں دودھ یا چینی نہ ڈالنا۔''

''ایسی چائے کیسے پیئے گا؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ایسی ہی چائے کی ضرورت ہے جو نیند بھگائے۔''

''میں لاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور اندر چلی گئی۔

آسمان کچھ دیر کے لئے سفید ہوا تھا لیکن یہ صبح کا دھوکا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ دوبارہ تاریک ہو گیا۔ مگر اب صبح زیادہ دور نہیں تھی۔ لڑکی پیالے میں چائے بنا کر لے آئی اور پھر کچھ افراد شور کرنے لگے۔ ''پکڑو..... اسے جانے نہ دینا..... مار دو۔'' فائرنگ ایک بار پھر ہوئی تھی اور شور بھی۔ مدھم ہوتے ہوتے یہ بھی ختم ہو گیا تھا میں اور بھاگ بھری دم بخود بیٹھے تھے۔ رحمت کو گئے ہوئے پون گھنٹا ہونے کو آیا تھا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ فائرنگ اور شور کی وجہ وہی تھا۔ شاید اسے وہاں سے نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا کسی جگہ دبکا ہوا تھا۔ پھر کسی نے اسے دیکھ لیا۔ اتنی فائرنگ کے بعد اس کا بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ یہی بات بھاگ بھری سوچ رہی تھی۔ اس نے اچانک بلند آواز سے رونا شروع کر دیا میں نے بوکھلا کر اسے چپ کرانے کی کوشش کی۔

''بھاگ بھری مت رو..... عین ممکن ہے تیرا بابا بچ گیا ہو۔''

''نہیں اسے مار دیا ہے۔'' وہ چلائی۔ اوپر سے اس کی ماں نے اوپر سے چلانا شروع کر دیا اور اچھا خاصا ماتمی ماحول بن گیا۔ جھنجھلا کر میں گرجا۔ ''چپ کرو، وہ بچ گیا ہے لیکن تم لوگ شور مچا کر مارے جاؤ گے۔ ابھی وہ رونا سن کر حملہ کر دیں گے۔''

بھاگ بھری سہم کر خاموش ہو گئی۔ ''سچ کہہ رہے ہو؟'' اس نے آنسو صاف کئے۔

''ہاں اور جا کر اپنی ماں کو بھی چپ کراؤ۔'' میں نے اسے اندر بھیجا۔ مجھے خدشہ تھا کہ جلد یا بدیر حملہ ہوگا۔ رحمت مارا گیا تھا یا بھاگ نکلا تھا دونوں صورتوں میں انہیں پتا چل گیا تھا کہ اندر مدافعت کے لئے میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ بلکہ مجھے خدشہ ہوا کہ وہ عقب سے جھاڑیاں کاٹ کر اندر نہ آ جائیں۔ میں نے اٹھ کر ایک چکر لگایا۔ ہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف خاموشی تھی یہ خاصی سخت قسم کی جھاڑیاں تھیں۔ اگر انہیں کاٹنے کی کوشش کی جاتی تو خاصا شور پیدا ہوتا۔ شاید اسی وجہ سے انہوں نے جھاڑیاں ہٹا کر اندر آنے کا نہیں سوچا تھا۔ اس کے بجائے وہ روشنی ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ دن میں اگر وہ ان جھاڑیوں میں آگ لگا دیتے تو وہ اتنی نمایاں نہیں ہوتی اور ان کا مقصد بھی پورا ہو جاتا۔

''شہباز ملک۔'' اچانک کسی نے للکارتی آواز میں کہا۔ ''بہتر ہے ہتھیار ڈال کر سامنے آ جاؤ ورنہ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہم کسی پر رحم نہیں کریں گے۔''

میں نے جواب نہیں دیا۔ میں اب تک اس حکمتِ عملی پر کاربند تھا کہ دشمن کو کنفیوز رکھوں، اپنی موجودگی کی خود تصدیق نہ کروں۔ کئی بار مجھے باہر آنے کی ترغیب دی گئی۔ وہ ڈر کر اندر آنے سے گریز کر رہے تھے۔ ان کے کئی ساتھی میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے یا زخمی تھے۔ ایسے میں ان پر دہشت طاری ہونا لازمی تھی لیکن جلد ان پر عقب سے ڈنڈا پڑتا اور وہ جان پر کھیل کر اندر گھسنے کی کوشش کرتے۔ چھ بجے جب روشنی خاصی ہو چکی تو میں نے پہلی بار اس جگہ کو روشنی میں دیکھا۔ جھاڑیوں کے درمیان کوئی تیس گز لمبا اور بیس بائیس گز چوڑا میدان تھا جس پر چار دیواری اور کوٹھری تھی۔ عقب میں چھپر تلے دو بکریاں بندھی تھیں اور ایک طرف مرغی کا ڈربہ تھا۔ کوٹھری زیادہ بڑی نہیں تھی مشکل سے بیس بائیس فٹ کی تھی۔ شازیہ بچوں کو عقبی حصے میں حوائج ضروریہ سے فارغ کرا رہی تھی۔ بھاگ بھری اندر ناشتا بنا رہی تھی جو مکئی کی روٹی اور چائے پر مشتمل تھا بچے خوش تھے۔ ان کے لئے رات کی خوفناک گزر چکی تھی۔ شازیہ بمشکل انہیں باز رکھ رہی تھی ورنہ وہ اس کھلی جگہ بھاگنا دوڑنا اور کھیلنا شروع کر دیتے۔ وہ ایک ایک کر کے انہیں باہر لے جا رہی تھی۔ جب وہ دوسری بچی کو لے کر آ رہی تھی تو اسی لمحے باہر سے ایک برسٹ فائر ہوا۔

''جلدی سے اندر چلو۔'' میں نے شازیہ سے کہا اور خود بھاگ کر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ شازیہ بچی کو اٹھا کر اندر کی طرف لپکی تھی۔ پہلے برسٹ کے بعد چاروں طرف سے بے تحاشا فائرنگ شروع ہو گئی۔ گولیاں جھاڑیوں میں سے گزر کر کوٹھری کی دیواروں میں لگ رہی تھیں۔ بچے رونے اور چلانے لگے تھے۔ میں چیخ چیخ کر انہیں فرش پر لیٹنے کو کہنے لگا۔ گولیاں بلندی پر لگ رہی تھیں۔ وہ لوگ بلندی سے فائرنگ کر رہے تھے لیکن عقب سے جھونپڑی محفوظ تھی۔ خطرہ سامنے کی طرف کھلے دروازے سے تھا۔ اس طرح بے تحاشا فائرنگ کر کے وہ ہمیں ڈرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بائیں طرف سے جھاڑیاں صاف کر کے اندر آ سکتے تھے فائرنگ کے شور میں مجھے بالکل بھی پتا نہیں چلتا۔ یہ جگہ مخدوش بھی تھی کیونکہ مجھے صرف سامنے کی فائرنگ سے دیوار بچا رہی تھی۔ دائیں بائیں سے کی جانے والی فائرنگ میرے لئے خطرہ تھی اور جب ایک بار گولی میرے سر پر سے گزر کر صحن میں رکھے گھڑے پر لگی تو میں نے اندر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ زمین پر لیٹے لیٹے میں پیچھے ہٹا اور رینگتا ہوا کوٹھری کے اندر چلا گیا۔ زخمی باہر دیوار کے ساتھ بے سدھ پڑا تھا۔ شازیہ اور بچے ایک طرف دبکے ہوئے تھے اور بھاگ بھری اپنی بیمار ماں کے ساتھ دیوار سے لگی بیٹھی تھی۔ عورت نے مجھے دیکھا تو اس پر دورہ سا پڑ گیا۔ اس کے بیشتر الفاظ میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے لیکن جو آ رہے تھے ان سے ظاہر تھا کہ وہ مجھے گالیاں دے رہی ہے۔ اپنے خاوند کی موت اور اس مصیبت کا ذمے دار مجھے قرار دے رہی ہے۔ بھاگ بھری اسے چپ کرانے کی کوششیں کر رہی تھی۔

اماں چپ کر جا..... اسے کچھ نہ بول.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں نہ بولوں..... یار ہے تیرا وہ جو منع کر رہی ہے۔''

ماں کی بات پر بھاگ بھری کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں لاحول پڑھا۔ عنایہ صد ہے عورت کا دماغ الٹ گیا تھا۔ بہرحال میں نے اپنی توجہ باہر کی طرف کر لی۔ فائرنگ ذرا کم ہوئی تھی یعنی وہ پورے برسٹ مارنے کے بجائے سنگل فائر کر رہے تھے۔ زیادہ زور سامنے کی طرف تھا۔ اس طرف سے جھاڑیاں کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ کوئی جھاڑیوں سے نمودار ہوا۔ اچانک میری نظر زخمی پر پڑی۔ وہ گھسٹ گھسٹ کر باہر جا رہا تھا۔ میں نے رائفل اس کی طرف سیدھی کی لیکن پھر اس پر بے سود گولی ضائع کرنے کے بجائے رک گیا۔ اگر وہ اپنی جان بچا سکتا ہے تو بے شک بچائے۔ کچھ دیر میں وہ جھاڑیوں تک پہنچ گیا تھا اور چلا چلا کر اپنے ساتھیوں کو آواز دے رہا تھا لیکن فائرنگ میں اس کی آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی تھی۔ اس نے سر زمین سے بلند کیا اور یہی حرکت اس کی زندگی ختم کرنے کا باعث بن گئی۔ سامنے سے آنے والی ایک گولی اس کے ماتھے کو پھاڑتی سر کے عقبی حصے سے نکل گئی تھی اور وہ اوندھے منہ گر گیا۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ وہ جب تک دیوار کی آڑ میں تھا، محفوظ تھا لیکن اس کا وقت آ گیا تھا، اس لئے وہ اپنی موت کے لئے طے شدہ جگہ تک چلا گیا۔

سورج نکل آیا تھا اور اردگرد کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ جس طرح سکون سے محاصرہ کئے بیٹھے تھے اس سے ظاہر تھا کہ انہیں کسی کا خوف نہیں تھا اور وہ پوری بے فکری سے میرا محاصرہ کر رہے تھے۔ بے دھڑک کارروائی نہ کرنے کی ایک وجہ شاید تصویر بھی تھی۔ انہیں خوف ہو گا کہ بے دھڑک حملے میں تصویر تباہ ہو جائے گی اس لئے وہ مجھے مجبور کر کے سامنے لانے کی فکر میں تھے۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ میں کسی صورت ان کے محاصرے سے نہیں نکل سکتا تھا ممکن ہے کچھ آدمی عقب کی طرف سے راستہ بنا کر جھونپڑے کے عقب میں پہنچ چکے ہوں۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ میں ایک بے سود جنگ لڑ رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ کسی طرح رحمت ان لوگوں سے بچ کر مری ہائی وے تک جا پہنچے اور وسیم کو کال کر دے۔ اب اس کا بھی نہیں پتا تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔

فائرنگ رک رک کر ہو رہی تھی۔ اچانک جھاڑیوں سے ایک شخص نمودار ہوا اور قلابازی کھا کر مٹی کی دیوار کے عقب میں چلا گیا تھا۔ البتہ اس کے پیچھے آنے والے دوسرے شخص کو میں نے موقع نہیں دیا۔ جھاڑیوں سے نکلتے ہی وہ اپنا پیٹ پکڑ کر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے پیچھے آنے والا جھاڑیوں میں گر گیا تھا اور شاید واپس چلا گیا تھا۔ دیوار کے پیچھے پہنچ جانے والے نے اچانک رائفل بلند کر کے کوٹھری کی طرف دس بارہ برسٹ فائر کئے۔ اس کی بیشتر گولیاں دیواروں پر لگیں اور جو ایک دو اندر آ گئیں وہ بھی چھت کی طرف گئی تھیں۔ شازیہ اور بھاگ بھری چلائے تھے۔ میں نے اشارے سے انہیں دروازے کی سائیڈ والی دیوار کی طرف آنے کو کہا۔ پیچھے وہ فائرنگ کی زد میں آ سکتے تھے۔ میں دائیں طرف دروازے کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے رائفل شانے پر لٹکا کر پستول نکالا اور اس کی طرف سے دوبارہ فائرنگ کا انتظار کرنے لگا۔ جیسے ہی وہ دیوار کی آڑ سے نکلا میں نے فائر کئے اور وہ چیخ مار کر آڑ میں ہو گیا۔ اس کا ہاتھ یقینی طور پر زخمی ہوا تھا۔ مجھے منڈیر پر گرنے والے خون کے قطرے نظر آ رہے تھے۔ پھر وہ چیخ چیخ کر گالیاں دینے لگا۔ ''شہباز..... تجھے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اگر کتے کی موت نہیں مرنا چاہتا تو سامنے آ جا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے تم لوگوں کی موت مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' میں نے پہلی بار کسی کی بات کا جواب دیا۔ ''ہاں اگر کسی نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ضرور مارا جائے گا۔''

اس دوران میں مجھے دائیں بائیں سے منڈیر کے پیچھے حرکت کا احساس ہوا۔ کچھ افراد اندر آ چکے تھے اور اب دیوار کے پیچھے مورچے بنا لئے تھے۔ یہ صورتِ حال بے حد خطرناک تھی۔ میں اکیلے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا خاص طور سے جب مجھ پر سات جانوں کے تحفظ کی ذمے داری تھی۔ شاید جلد میرے ہتھیار ڈالنے کا وقت آ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سامنے والی منڈیر سے کوئی نصف درجن آتشیں ہتھیار جھانکنے لگے تھے۔ پھر ایک جانی پہچانی آواز آئی۔

''شہباز..... باہر آ جاؤ..... ورنہ ہم اندر آئے تو کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔''

''فتح خان..... اس روز تم بچ گئے تھے۔ آج کیوں مرنے کے لئے چلے آئے کیا اس جگہ سے جانے والی لاشوں کی گنتی نہیں کی۔''

''بڑا بول مت بولو..... تم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے۔''

''تمہیں کیا معلوم کہ میں اکیلا ہوں یا میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے اور میرے پیچھے کتنے آنے والے ہیں؟''

''بکو مت.....'' اچانک فتح خان غرایا اس نے اپنی رائفل کا برسٹ مارا۔ ''وہ تصویر ہمیں دے دو میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔''

''تم اور تمہارے وعدے۔'' میں ہنسا۔ ''تصویر اندر آ کر لے سکتے ہو تو لے لو۔''

''سنو ہمارے پاس دستی بم بھی ہیں ایک اس کوٹھری کے لیے کافی ہوگا۔''

''ضرور..... اور ساتھ میں یہ تصویر بھی تباہ کر دو گے، پھر اپنے آقا کو لے جا کر کیا منہ دکھاؤ گے؟''

اس پر فتح خان کو سانپ سونگھ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اچانک کوٹھری کی طرف فائر کھول دیا۔ پھر سات خودکار رائفلیں گولیاں برسانے لگی تھیں۔ گولیاں کھلے دروازے سے گزر کر پیچھے لگ رہی تھیں مگر فی الحال..... ہم محفوظ تھے۔ کچی مٹی سے بنی کوئی دو فٹ موٹی دیوار ہمیں تحفظ دے رہی تھی۔ شازیہ، بھاگ بھری اور اس کی ماں دیوار کی جڑ سے لپٹے ہوئے تھے۔ فائرنگ کے شور سے ڈر کر شازیہ کا شیر خوار بچہ اور لڑکیاں رونے لگی تھیں۔ بھاگ بھری کی ماں کے منہ سے ڈری ڈری آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ دروازے سے رگڑ کھا کر گزرتی گولیاں لکڑی کے ٹکڑے اڑا رہی تھیں۔ ایک چوکھٹ اس گولی کی تاب نہ لاتے ہوئے دیوار سے نکل گئی اور پٹے سمیت فرش پر گری۔ پیچھے رکھا بیشتر سامان تباہ ہو چکا تھا۔

''بھیا..... خدا کے لئے وہ تصویر ان کے حوالے کر دو۔'' شازیہ روہانسے لہجے میں چلائی۔ ''ورنہ یہ ہمارے بچوں کو مار دیں گے۔''

''بھابی..... خدا سے دعا کریں۔ تصویر ان کو دے بھی دی تب بھی یہ ہمیں نہیں بخشیں گے۔''

''میرے بچے۔'' وہ بچوں کو خود سے لپٹا کر رونے لگی تھی۔

میں نے فائرنگ کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس کا فائدہ بھی نہیں تھا وہ سب محفوظ آڑ میں تھے اور میں بے سا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے آتا تو کوئی نہ کوئی گولی مجھے چاٹ جاتی۔ بازی ہار کے نزدیک تھی۔ اگر یہ چھ افراد اندر گھسنے کی کوشش کرتے تو میں زیادہ سے زیادہ دو تین کو روک سکتا تھا اس کے بعد وہ مجھے مار ڈالتے۔ بچت کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے بے بسی سے سوچا اور قمیص کے اندر سے تصویر کا رول نکالا۔ کیا اسے دینے سے یہ وعدے کے مطابق ہمیں بخش سکتے تھے؟ نہیں یہ بے اعتبار لوگ تھے۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ میں نے کوٹھری میں دیکھا۔ لالٹین ایک طرف دیوار سے لٹکی تھی کسی گولی نے اس کا شیشہ توڑ دیا تھا لیکن نچلا حصہ جس میں تیل جمع ہوتا ہے سلامت تھا۔ اس طرف دیوار کے نیچے بھاگ بھری کی ماں کا بستر تھا۔ میں نے بھاگ بھری سے پوچھا۔ ''ماچس کہاں ہے؟''

اس نے دیوار پر لٹکے ریک کی طرف اشارہ کیا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہاں ایک عدد موم بتی بھی رکھی تھی اور اس طرف جانے کے لئے مجھے دروازے کے سامنے سے گزرنا پڑتا۔ فائرنگ رک گئی تھی کبھی کبھی کوئی گولی داغ دیتا تھا۔ میں نے اچانک قلابازی کھائی اور دروازے کے سامنے سے ہوتا دوسری طرف چلا گیا تھا نے میرے گزرتے ہی ایک بار پھر بے تحاشا فائرنگ شروع ہو گئی تھی لیکن میں اس پر کوئی توجہ دیئے بغیر اپنے کام میں لگ گیا۔ میں نے سب سے پہلے بستر سے گودڑی نما چادر سے کپڑا پھاڑا اور اسے تصویر پر لپیٹ دیا۔ اس کے بعد ٹوٹی لالٹین سے مٹی کا تیل اس پر انڈیلا۔ مقدار کم رکھی تھی۔ آخر میں موم بتی دیوار کے پاس رکھ کر جلائی تا کہ دروازے سے آتی ہوا اسے متاثر نہ کرے۔ میں جو کھیلنے جا رہا تھا۔ ممکن ہے میں کامیاب ہو جاتا اور یہ بھی امکان تھا کہ ہار میرا مقدر بنتی۔

میں نے دروازے کی آڑ سے چلا کر کہا۔ ''فتح خان..... کیا تم موجود ہو؟''

''ہاں ہم ہے۔'' اس نے غرور سے کہا۔

''فتح خان تم لوگ تصویر کی وجہ سے میرے پیچھے لگے ہو اگر میں اسے جلا ڈالوں تو.....''

''نہیں۔'' فتح خان بے ساختہ چلایا۔ ''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''کیوں نہیں کر سکتا؟'' میں ہنسا۔ ''میں نے تو انتظام کر لیا ہے۔ یہ دیکھو۔'' میں نے کپڑا چڑھا رول دروازے سے نکالا۔ ''فتح خان تصویر پر مٹی کے تیل میں لتھڑا ہوا کپڑا ہے۔ میرے پاس موم بتی روشن ہے بس اسے موم بتی کے پاس لے جانے کی دیر ہے۔ چند سیکنڈ بعد اس تصویر کا کوئی وجود باقی نہیں رہے گا۔ جس کے پیچھے اتنے ہنگامے ہو رہے ہیں۔ کتنے ہی لوگ مارے جا چکے ہیں!''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''میں ایسا ہی کروں گا۔ فتح خان اپنے آدمی پیچھے لے جاؤ۔ یہاں صرف تم رہو گے۔ میرے دس تک گنتی گننے تک تمہارے آدمی نہیں گئے تو میں اس تصویر کو آگ لگا دوں گا اس کے بعد مجھے پروا نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔''

''کیا تمہیں عورتوں اور بچوں کی پروا نہیں ہے۔'' فتح خان زہریلے لہجے میں بولا۔

''ان کا اور میرا جینا مرنا ایک ہے۔''

''میرے ساتھی جا رہے ہیں۔'' فتح خان بولا۔ بچ بچ ایک ایک کر کے اس کے ساتھی جھاڑی والے راستے سے جانے لگے جب ایک گزر جاتا تو دوسرا جاتا تا کہ میں فائر بھی کروں تو ایک ہی مرے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب میرے ساتھی جا چکے ہیں۔''

''فتح خان تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے اس کوٹھری کے گرد تمہارے کئی ساتھی موجود ہیں انہیں بھی ہٹاؤ۔''

''اب کوئی نہیں ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو خود آ کر دیکھ لو۔''

''میں نہیں..... رحمت کی لڑکی آ کر دیکھے گی اور جھاڑیوں کے اندر تمہارا ایک آدمی بھی نظر آیا تو تمہیں پتا ہے میں کیا کروں گا!''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے ہار مان لی اور وہاں موجود باقی افراد کو بھی جانے کا حکم دیا۔

مجھے کامیابی کی توقع تو تھی لیکن اتنی نہیں..... تصویر کو جلانے کی دھمکی نے ان کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ کوٹھری کے عقبی حصے سے بھی چار افراد نکل کر چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے بھاگ بھری سے کہا کہ وہ جا کر دیکھے کوئی اور تو نہیں ہے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے باہر نکل کر معائنہ کیا اور سب صاف کی رپورٹ دی۔

''فتح خان تم جانتے ہو..... یہ تصویر تمہارے آقا کے لئے کتنی ضروری ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے کہا۔ ''اب تم کیا چاہتے ہو شہباز؟''

''میں براہِ راست ڈیوڈ شا سے بات کرنا چاہتا ہوں اسے یہاں بلا کر۔''

فتح خان دنگ رہ گیا تھا۔ ''تم ڈیوڈ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''یہی کہ وہ برٹ شا کا کزن ہے وہی برٹ شا جسے تم نے قتل کر دیا تھا اور ڈیوڈ شا نے اس کی دولت اور جائیداد پر قبضہ کر لیا۔''

''یہ جھوٹ ہے برٹ کو میں نے قتل نہیں کیا۔''

''اگر تم نے قتل نہیں کیا تب بھی وہ تمہاری قید میں ضرور ہے۔'' میں نے کہا تو فتح خان کو سانپ سونگھ گیا یعنی میں نے درست اندازہ لگایا تھا۔ کافی دیر بعد اس نے سرد لہجے میں کہا۔

کاش کہ میں نے تمہیں پہلا موقع ملتے ہی قتل کر دیا ہوتا۔''

''اب یہ کام کر گزرنا۔'' میں نے مشورہ دیا۔ ''لیکن جب تک تصویر میرے قبضے میں ہے ایسی حماقت مت کرنا ورنہ مرشد علی اور ڈیوڈ شا تمہارا قیمہ کر کے بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔''

''ان کی فکر مت کرو، فتح خان سب سے نمٹ سکتا ہے۔''

''فی الحال تم ڈیوڈ شا کو بلاؤ۔ اس کام کے لئے تمہارے پاس صرف آدھا گھنٹا ہے۔''

''اتنی جلدی یہ ممکن نہیں ہے۔ ڈیوڈ شا اسلام آباد میریٹ ہوٹل میں ہے اسے وہاں سے یہاں آنے میں کچھ وقت لگے گا۔''

''کتنا وقت؟ جب اسے تصویر کا پتا چلے گا تو وہ جیٹ طیارے کی رفتار سے آئے گا۔ فتح خان باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔ اس وقت آٹھ بج کر بارہ منٹ ہوئے ہیں۔'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''اگر وہ نو بجے تک یہاں نہیں پہنچا تو تصویر جل کر راکھ ہو جائے گی۔''

فتح خان تیزی سے رینگتا ہوا جھاڑیوں کی طرف چلا گیا۔ اس کا خیال تھا جیسے وہ میرے خون کا پیاسا ہو رہا تھا، اس طرح میں بھی موقع ملتے ہی اسے گولی مار دیتا۔ وہ بچ کر گیا تھا میں نے بھاگ بھری سے کہا۔ ''تم تھوڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر بعد احاطے کا چکر لگا کر اور یہ دیکھتی رہو کوئی چھپ کر اندر تو نہیں آ رہا۔"

وہ سر ہلا کر باہر چلی گئی اور چند منٹ بعد واپس آ گئی۔ احاطے میں کوئی نہیں تھا۔ کوئی پندرہ منٹ بعد فتح خان واپس آیا۔ "شہباز ہم نے لاشیں اٹھانی ہیں۔"

"شوق سے لے جاؤ لیکن کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ مزید لاشیں گریں اور ڈیوڈ شا کی کیا اطلاع ہے؟"

"اسے تار دیا ہے اور وہ وہاں سے چل پڑا ہے۔ آنے میں کچھ وقت لگے گا۔"

"لو بچے کا وقت یاد رکھنا۔"

"مجھے بار بار مت دھمکاؤ۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔ "اس معاملے سے میرا تعلق نہیں ہے۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ "فتح خان مجھے بے وقوف مت بناؤ اس معاملے میں تمہارا بھی مفاد ہے۔"

"میرا کیا مفاد ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا کہ اس تصویر سے کیا چکر وابستہ ہے لیکن تم تصویر کے معاملے میں جس طرح بے تاب ہو اس سے ایسا ہی لگتا ہے۔"

فتح خان واپس چلا گیا تھا، اس کے آدمی لاشیں اٹھا کر جانے لگے تھے۔ میں نے موم بتی بجھا دی کیونکہ وہ زیادہ بڑی نہیں تھی اگر مشعل جلتی رہتی تو جلد ختم ہو جاتی۔ میں اسے بعد میں جلا سکتا تھا۔ بھاگ بھری دس منٹ کے بعد باہر کا چکر لگا رہی تھی۔ اس لڑکی کے حوصلے نے مجھے متاثر کیا تھا۔ ممکن ہے اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو باہر جانے سے انکار کر دیتی۔ مگر وہ میرے دو بار کہنے کے بغیر باہر کے چکر لگا رہی تھی۔ میں بھی پوری طرح چوکنا تھا۔ ان لوگوں پر بھروسا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر یہ میرے ساتھ دھوکا کرتے یا حملہ کرتے تو میں تصویر بچ بچا دینا یہ کہنا مشکل تھا! سچی بات تھی میں نے محض دھمکی دی تھی ابھی تک میرے ذہن میں ایسا خیال نہیں آیا تھا کہ میں تصویر کو سچ مچ آگ لگا دوں۔ مجھے معلوم تھا یہ تصویر جتنی ڈیوڈ شا کے لئے ضروری تھی اس سے زیادہ اہم راجا عمرو راز کے لئے تھی۔ تصویر سے اس کی وابستگی کسی فائدے کے لئے نہیں بلکہ جذباتی تھی۔ ورنہ اس سے فائدہ اٹھانا اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔ تصویر نصف صدی سے زیادہ عرصے سے اس کے پاس تھی، میں اسے ہر ممکن حد تک محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ بلو تر تک رنگیز آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل وفہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر وشر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل وغارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail:alimian_publications@yahoo.com

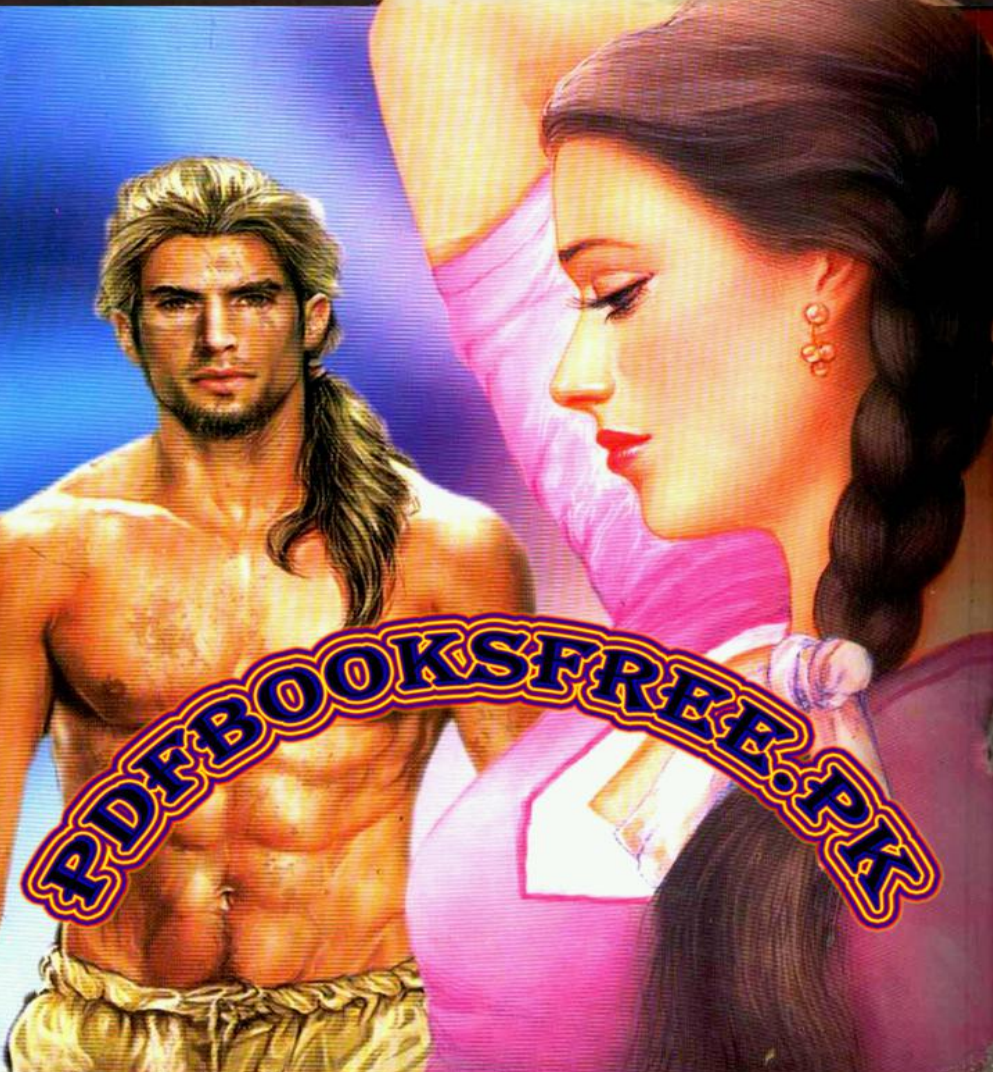
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

2



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

دوسرا حصہ

کاشف زبیر

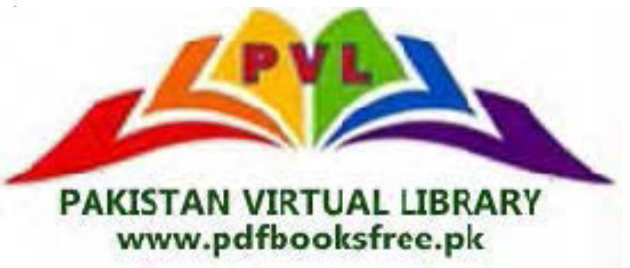
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 ONR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھاگ بھری نے شادیہ ہوا اس کے بچوں کو گڑ شامل کر کے گئی کے دانے کھانے کو دیے تھے۔ میں نے بھی ایک مٹھی لی لی۔ یہ خشک اور مزے کی تھی۔ ناشتے سے چلیا جاہ ہو چکا تھا اس لئے چائے بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن بھاگ بھری نے ہمت کی اور باہر جا کر لکڑی کا چولہا جلا کر چائے بنائی۔ ہاروہ اور موت کی بھاؤں میں اس طرح کے معمولات زندگی عجیب لگتے ہیں لیکن یہی زندگی ہے جو کسی صورت امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر شیخ خان سے رخصت کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی اگر وہ نکلنے میں کامیاب رہا تھا تو یہ لوگ چلے ہی جاتے۔ اگر وہ مارا گیا تھا تو پھر میں صورت حال خود سامنے آ جاتی۔ میں نے چائے پی کر پیالہ رکھا تو نو بجنے میں چار منٹ باقی تھے۔ میں نے ایک بار پھر موم بتی روشن کر لی اور بھاگ بھری کو باہر بھیج دیا کہ وہ لکڑی کے گرد چکر لگاتی رہے۔ نو بجے تھی میں نے چلا کر شیخ خان کو آواز دی۔ "شیخ خان! ہم آ گئے ہیں۔"

وہ جہازیوں میں سے غرایا۔ "شہباز کوئی حماقت مت کرنا..... ڈیوڈ شا آنے والا ہے راستہ آسان نہیں ہے۔"

"کتنی دیر لگے گی؟"

"بس دس منٹ اور۔۔۔"

"ٹھیک ہے میں سوا نو بجے تک انتظار کروں گا لیکن یاد رکھنا اس کے بعد تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کروں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" شیخ خان بولا اور میں واپس چلا گیا۔ کوئی چھ سات منٹ بعد وہ ایک کسی قدر بھاری مگر گٹھے ہوئے جسم کے مالک سفید فام کے ساتھ جہازیوں سے برآمد ہوا۔ سفید فام خوبرو تھا۔ چہرہ وجاہت سا مگر آنکھیں بے حد خطرناک تھیں۔ تیز اندر تک اتر جانے والی کیمرے کی جیسی نظریں۔ ان میں ایسی سرد مہری اور سفاکی تھی کہ آدمی دیکھے تو لرز جائے اس نے جہازیوں سے برآمد ہونے کے بعد چند لمحے کے لئے رک کر ادھر ادھر دیکھا پھر اس کی نظریں کوٹھری پر مرکوز ہو گئیں۔ اس نے انگریزی میں کہا۔ "مسٹر شے باز۔۔۔ میں ڈیوڈ شا مکاس موجود ہوں۔"

"مسٹر ڈیوڈ شا۔۔۔ اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر کے آگے آؤ لیکن صرف تم۔۔۔ شیخ خان وہیں رہے گا۔" وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ اوپر کر کے احاطے کے اندر آیا اور برآمدے کے آگے رک گیا۔

''اس تصویر کے لئے میں تمہارا ہر مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے ہر مطالبہ منوانے کا شوق نہیں ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' میں نے الفاظ جما کر کہا۔ ''مجھے اور میرے ساتھیوں کو زندگی کا حق چاہئے۔''

''میں تمہیں ہر ضمانت دینے کے لئے تیار ہوں۔''

''ضمانت نہیں..... مجھے یقینی راستہ چاہئے۔'' میں نے کہا اور رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ ''ڈیوڈ شا اندر آ جاؤ۔''

''تم میرے ساتھ دھوکا کر رہے ہو۔'' اس کی آواز سپاٹ تھی۔

''نہیں اپنے تحفظ کی یقینی ضمانت چاہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے تم سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے لیکن مجھے معلوم ہے تمہاری وجہ سے تمہارے آدمی مجھے دھوکے سے مارنے سے پہلے دس بار سوچیں گے۔''

وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا میں نے رائفل لوڈ کی۔ ''ڈیوڈ شا گزشتہ پندرہ گھنٹوں میں تمہارے کتنے آدمی میرے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اس لیے خودکشی کی کوشش مت کرو۔''

''شہباز۔'' فتح خان چلایا۔ ''تم دھوکا کر رہے ہو۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔''

''میں نے کہا ناں..... میں صرف اپنا تحفظ چاہتا ہوں۔ ڈیوڈ شا مجھے کسی محفوظ مقام تک پہنچا دے اور اس کے بعد تصویر لے کر چلا جائے۔''

''کیا تم واقعی تصویر میرے حوالے کر دو گے؟''

''ظاہر ہے مجھے اس کا اچار تو نہیں ڈالنا۔''

''اچار؟'' اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''ہماری زبان کا ایک محاورہ ہے میرا مطلب ہے کہ اس تصویر کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے لہٰذا میں بخوشی اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

فرض کرو میں تمہیں کسی محفوظ مقام تک پہنچا دیتا ہوں اور تم پھر بھی تصویر مجھے نہیں دیتے۔''

''اس معاملے میں تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

اس نے چند لمحے سوچا پھر سر ہلایا۔ ''ویل..... میں تیار ہوں۔''

''ٹھیک ہے اپنے آدمیوں سے کہو کوئی بڑی جیپ لائیں۔ جس میں آٹھ نو افراد آرام سے آ جائیں اس کام کے لئے ان کے پاس صرف نصف گھنٹا ہے۔''

''ایسی ایک جیپ باہر موجود ہے میں اس پر آیا ہوں۔'' ڈیوڈ شا بولا۔ ''جیپ نیچے کھڑی ہے۔''

''ٹھیک ہے تم آگے آؤ میں تمہیں ڈھال بنائے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔''

''شہباز تمہیں میری زبان.....''

''شٹ اپ!'' میں غرایا۔ ''بکواس کرنے کے بجائے آگے آؤ ورنہ۔'' میں نے رائفل کو جنبش دی تو وہ بادل ناخواستہ آگے آیا تھا۔ ''اس طرف گھوم جاؤ۔'' میں نے کہا اور پستول نکال لیا۔ جیسے ہی وہ دوسری طرف گھوما

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پستول اس کی کمر سے لگا دیا اور شازیہ سے کہا۔ ''بچوں کو اٹھاؤ..... بھاگ بھری اپنی ماں کو سنبھالو۔''

''ان لوگوں کو لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے بھاگ بھری اور اس کی ماں کی طرف اشارہ کیا۔

''میں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔ ''میں انہیں مرشد علی کے وحشی کتوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ اب چلو۔''

سب سے آگے ڈیوڈ شا تھا۔ اس کے بعد میں اور میرے پیچھے باقی سب تھے۔ فتح خان غائب تھا شاید وہ باہر جا چکا تھا۔ میں پوری طرح چوکنا تھا میں نے اونچی آواز میں کہا۔ ''اگر کوئی جھاڑیوں میں ہے تو دور چلا جائے۔ کسی چالاکی کا نتیجہ تمہارے اَن داتا کی ناگہانی موت کی صورت میں نکلے گا۔''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' ڈیوڈ شا نے پوچھا۔

''تمہارے ساتھیوں کو بتا رہا ہوں کہ تمہاری موت کا سبب نہ بنیں۔''

''کوئی تمہارے راستے میں نہیں آئے گا۔'' اس نے آہستہ سے کہا تھا۔

میں نے برآمدے سے صحن میں قدم رکھا تھا کہ مجھے اپنے عقب میں حرکت کا احساس ہوا اور مجھ پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ ہل جانے کی وجہ سے وار براہِ راست سر پر نہیں لگا تھا مگر میں چند لمحے کے لئے بلیک آؤٹ میں چلا آیا تھا۔ دشمن کبھی بے وقوف نہیں ہوتا۔ دشمنی چالاک لوگوں کا کام ہے۔ ڈیوڈ شا کے زر خریدوں نے اس طرف سے وار کیا تھا جہاں کے بارے میں مَیں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کوئی چالاک آدمی خاموشی سے کوٹھری کی چھت پر چڑھا اور جب میں صحن میں آیا تو اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے میں اوندھے منہ جا گرا تھا۔ ڈیوڈ شا نے پھرتی سے مڑ کر میرا پستول چھین لیا تھا۔ بازی پلٹ گئی تھی۔ شازیہ اور بھاگ بھری چلانے لگے تھے۔

''چپ کرو۔'' ڈیوڈ شا بولا۔ ''اسے دیکھو۔''

''آئی ایم کل اِٹ۔'' حملہ کرنے والے نے کہا اور پستول میری طرف سیدھا کیا۔

''نو..... لیو اِٹ۔'' ڈیوڈ شا نے حکم دیا۔ ''ان عورتوں اور بچوں کو اندر کرو، جلدی۔''

حملہ کرنے والے نے ان سب کو اندر دھکیل کر کوٹھری میں کر دیا تھا۔ اس وقت تک میں بلیک آؤٹ سے نکل رہا تھا۔ سر جھٹک کر میں نے اٹھنا چاہا لیکن چکر آ جانے کے باعث میں نے سر دوبارہ زمین پر ٹیک دیا اور گہرے سانس لے کر اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اپنے سر کی پشت پر مجھے خون سرسراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اگر یہ وار پوری طرح پڑتا تو شاید کھوپڑی ٹوٹ جاتی۔ آخر مجھ میں اتنی ہمت آئی کہ میں اٹھ سکوں لیکن میں پڑا رہا اور یہ ظاہر کرتا رہا کہ میں نیم غشی میں ہوں، ہل سکتا ہوں لیکن اٹھنے کی ہمت نہیں ہے۔

''شہباز۔'' ڈیوڈ شا نے جھک کر کہا اور تصویر کا رول میری جانب لہرایا۔ رول اس نے میری قمیص سے نکال لیا تھا۔ ''بازی اب میرے ہاتھوں میں ہے۔''

مجھے نزدیک ہی فتح خان کی آواز آئی۔ ''اس کا کیا کرنا ہے جناب؟''

''فتح خان یہ کامیابی پر تمہارا انعام ہے۔'' ڈیوڈ شا نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شکریہ جناب..... میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور قسطوں میں قتل کروں گا۔'' فتح خان کا لہجہ سنگدلانا تھا۔ ''مجھے کبھی کسی شخص کو قتل کرنے کی اتنی خواہش نہیں رہی۔''

''فتح خان اسے ابھی مار دو..... ورنہ شاید کبھی نہیں مار سکو گے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جنہیں موقع مل جائے تو وہ بازی الٹ دیا کرتے ہیں۔'' ڈیوڈ شا نے مشورہ دیا۔

''میں اسے ایسے شکنجے میں جکڑوں گا کہ یہ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔'' فتح خان پُرغرور انداز میں بولا۔ ''ان عورتوں اور بچوں کا کیا کرنا ہے؟''

''اس گھر کی مالک کی بیوی اور بیٹی کو غائب کر دو اور وکیل کے بیوی بچوں کو کسی ایسی جگہ پہنچا دو جہاں سے یہ اپنے گھر کو جا سکیں۔''

''انہیں چھوڑ دیں جناب؟'' فتح خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں..... میں نے کیا کہا ہے۔'' ڈیوڈ کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

''سوری سر..... میں سمجھ گیا۔'' فتح خان نے جلدی سے تابعداری سے کہا اور مجھ پر حملہ کرنے والے سے کہا۔ ''رحمت کی بیوی اور بیٹی کو ڈیرے پر پہنچا دو..... وہاں ان کا فیصلہ کریں گے۔''

وہ بھاگ بھری اور اس کی بیمار ماں کو ہنکا کر لے جانے لگا۔ فتح خان نے میرے ماتھے کے بال پکڑ کر میرا سر اوپر کیا۔ ''شہباز ملک آخر تم میرے قابو میں آ ہی گئے۔''

میں نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا اور آنکھیں بند کر کے کراہنے لگا۔ ڈیوڈ شا بولا۔ ''اسے چھوڑ دو..... یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ جا کر روانگی کا بندوبست کرو۔ مجھے فوراً واپس جانا ہے۔''

''جی جناب۔'' فتح خان نے میرے بال چھوڑ دیئے تھے اور وہاں سے چلا گیا۔ ڈیوڈ میرے پاس ٹہلنے لگا تھا۔ ''شہباز میرا خیال ہے تم سننے اور سوچنے کی حد تک ہوش میں ہو۔ جانتے ہو..... میں یا راجا عمر دراز اس تصویر کے دیوانے کیوں ہیں..... نہیں جانتے..... کوئی بھی نہیں جانتا..... راجا عمر دراز اور ولیم شا احمق تھے۔ اتنا بڑا راز اپنے سینوں میں دبائے رہے۔ ایسا راز جو انہیں دنیا کے خزانوں کا مالک بنا دیتا۔ انہیں لافانی شہرت دلوا دیتا۔ مگر یہ بے وقوف.....'' اس کے لہجے میں حقارت آ گئی۔ ''بہرحال اب یہ تصویر میرے قبضے میں ہے۔'' اس نے پلاسٹک شیٹ کھولی تاکہ تصویر دیکھ سکے۔ ''اس کی مدد سے میں وہ سب حاصل کر لوں گا، جس کا میں اب تک خواب دیکھا کرتا تھا۔''

''شاید تم جہنم میں جانے کے خواب دیکھتے تھے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کیونکہ اس تصویر کی وجہ سے کئی افراد وہاں جا چکے ہیں۔ تم بھی جلد ان میں شامل ہو سکو گے۔''

''تم کچھ نہیں جانتے.....'' وہ ہنسا۔ ''یہ تصویر.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ ایک فائر کے ساتھ کسی کی چیخ کی آواز آئی تھی اور اس چیخ میں موت کا کھوب رچا تھا۔ ابھی فائر اور چیخ کی بازگشت ختم نہیں ہوئی تھی کہ بے تحاشا فائرنگ ہونے لگی۔ ڈیوڈ شا کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا جدید موبائل نما آلہ نکال کر کسی سے رابطہ کیا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے..... ہیلو جان..... جواب دو..... لعنت ہو۔'' اس نے موبائل بند کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاروں طرف دیکھا اور کوٹھری کے عقب کی طرف بڑھا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو اس نے مڑتے ہوئے ریلنگ مجھ پر فائر کر دیا۔ میں بال بال بچا تھا لیکن یوں ہی زمین پر ڈھیر ہو گیا جیسے مجھے گولی لگ گئی ہے۔ ڈیوڈ شاہ دوڑتا ہوا غائب ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی میں اس کے پیچھے لپکا۔ وہ عقبی طرف کی جھاڑیوں میں اس راستے میں گھستا نظر آیا جو فتح خان کے آدمیوں نے بنایا تھا میں بھی دبے قدموں اس کے پیچھے تھا۔ جھاڑیوں میں گھسا تو سرسراہٹ کی آواز پر اس نے دو تین فائر اور کئے اس بار بھی خدا نے مجھے محفوظ رکھا اور میں اس جگہ دبک کر ساکت ہو گیا۔ جب ڈیوڈ شاہ جھاڑیوں سے نکل آیا تو اس کے ایک منٹ بعد حرکت میں آیا۔ دو بار بال بال بچنے کے بعد میں تیسری بار خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جب میں جھاڑیوں سے نکلا تو ڈیوڈ شاہ غائب ہو چکا تھا۔ کچھ فاصلے پر گھنی جھاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو پہاڑ کی بلندی تک جا رہا تھا اور دور نشیب تک پھیلا ہوا تھا۔ اگر ڈیوڈ شاہ ان جھاڑیوں میں گھس گیا تھا تو اسے تلاش کرنا، ناممکن حد تک محال تھا۔ اس کے باوجود میں ان کی طرف بھاگا۔ نزدیک آنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ جھاڑیاں میرے اندازے سے زیادہ گھنی تھیں اور ان میں گھسنا محال تھا۔ پھر مجھے شازیہ اور بچوں کی فکر بھی تھی۔ لہٰذا میں پلٹا اور بھاگتا ہوا رحمت کی کوٹھری کی طرف واپس آیا۔ شازیہ اور بچے اندر دبکے تھے۔

''بھابی یہاں سے نکلیں۔'' میں نے اس کی بچیوں کو اٹھا لیا۔

''تمہارے سر سے تو خون بہہ رہا ہے۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''ٹھیک ہے..... معمولی چوٹ ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا اور کوٹھری سے باہر نکلا تھا کہ سامنے سے جھاڑیاں ہٹیں اور ان میں سے ایک شخص نکلا۔ وہ شکیل تھا۔

''شہباز صاحب۔'' اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ ''خدا کا شکر ہے آپ ٹھیک ہیں۔''

میں بچیوں کو اتار کر اس کی طرف لپکا۔ ''شکیل..... شکر ہے..... کیا حملہ تم لوگوں نے کیا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''مرشد علی کے آدمی مارے جا چکے ہیں یا فرار ہو گئے ہیں۔ جلدی کیجئے، اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ مدد لے کر آئیں ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''تمہیں ہمارے بارے میں کس نے بتایا؟''

''رحمت نامی شخص کی آپ کے موبائل سے کال آئی تھی۔ وہی ہمیں یہاں تک لایا ہے۔''

''خدا کا شکر ہے وہ زندہ ہے ورنہ میں اس کی بیوی اور بیٹی کو کیا منہ دکھاتا؟''

''اس کی بیوی اور بیٹی کہاں ہیں؟''

میں چونکا۔ ''کیا وہ باہر نہیں ملے..... فتح خان انہیں لے گیا تھا۔''

''نہیں..... وہاں کوئی عورت نہیں ہے۔ مرشد علی کے کچھ افراد فرار ہونے میں کامیاب ہوئے ہیں شاید وہ عورتوں کو ساتھ لے گئے ہیں۔''

''شکیل انہیں تلاش کرو، ہر قیمت پر..... ورنہ میں رحمت کو کیا کہوں گا وہ میری مدد کے لئے جان پر کھیل کر اور میں اس کی بیوی اور بیٹی کی حفاظت نہیں کر سکا۔''

اسی لمحے رحمت جھاڑیوں سے نمودار ہو کر اپنے گھر کی طرف لپکا تھا اور اپنی بیوی بیٹی کو پکارنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بھاگ بھری..... تُو کہاں ہے بھاگ بھری کی ماں..... تُو کہاں ہے۔'' پھر وہ پلٹ کر میری طرف آیا اور میرا گریبان پکڑ لیا۔ ''صاحب! میں اپنی بچی..... بیوی تیرے سپرد کر کے گیا تھا..... وہ کہاں ہے صاحب؟''

میں نے سر جھکا کر کہا۔ ''رحمت..... میں شرمندہ ہوں..... وہ انہیں لے گئے۔ میں بے بس تھا انہوں نے مجھ پر قابو پا لیا تھا۔''

رحمت کا سانولا چہرہ راکھ جیسا ہو گیا تھا۔ اس نے میرا گریبان چھوڑ دیا اور لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ ''میری بھاگ بھری..... صاحب وہ تو لڑکی تھی صاحب..... وہ درندے اسے کھا جائیں گے۔''

''رحمت ہمارے آدمی تعاقب کر رہے ہیں ان کا۔ وہ تمہاری بیوی اور بیٹی کو چھڑا کر لائیں گے۔'' شکیل نے اسے تسلی دی۔

''سچ صاحب۔'' رحمت کے لہجے میں زندگی آ گئی۔ ''صاحب انہیں لے آؤ۔ ان کے بغیر میں بے کار ہوں۔''

''رحمت فکر مت کر۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ان شاء اللہ ضرور ملیں گے۔''

ہم لوگ باہر آئے جہاں شکیل کے درجن بھر سے بھی زیادہ مسلح افراد موجود تھے۔ مرشد علی کے اتنے ہی لوگوں کی لاشیں وہاں بکھری تھیں اور باقی فرار ہو چکے تھے۔ میں شکیل کو بتانے لگا کہ ڈیوڈ شا نے کس طرح مجھ پر قابو پایا تھا اور تصویر لے کر فرار ہو گیا تھا۔ شکیل تصویر کے ذکر پر چونکا تھا لیکن اس نے زیادہ ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا البتہ اس نے چار ساتھیوں کو ان جھاڑیوں کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ کچھ دور تک ہمیں پیدل چلنا پڑا تھا۔ یہاں ان لوگوں کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ شکیل نے مجھے شازیہ اور بچوں کو ایک گاڑی میں سوار کرایا تھا اور باقی افراد دوسری گاڑیوں پر لد گئے تھے۔ ان میں سے ایک گاڑی وہیں رہ گئی تھی۔ وہ باقی چار افراد کو لے کر آتی جو ڈیوڈ شا کی تلاش میں گئے تھے۔ ''ندیم کا کچھ پتا چلا۔'' میں نے آہستہ سے شکیل سے پوچھا۔

''جی وہ اسپتال میں ہیں۔'' اس نے بھی آہستہ سے بتایا۔ مقصد شازیہ کو بے خبر رکھنا تھا۔ مگر اس کے کان کھڑے تھے اس نے میرا سوال اور شکیل کا جواب دونوں سن لئے تھے۔ وہ تڑپ کر بولی۔

''کیا کہہ رہے ہو..... کیا ہوا ندیم کو..... ہاسپٹل میں کیوں ہیں؟''

شکیل نے اسے تسلی دی۔ ''معمولی زخمی ہیں۔ میں آپ کو وہیں لئے چلتا ہوں۔ آج شام تک وہ ڈسچارج ہو جائیں گے۔''

مگر شازیہ کی تسلی نہیں ہوئی وہ بار بار ندیم کی خیریت کے بارے میں پوچھتی رہی تھی۔ شکیل کو بھی اتنا پتا تھا کہ آج صبح وہ زخمی حالت میں ایک سڑک کے کنارے بے ہوش ملا تھا اور اس کی جیب سے اس کے کاغذات ملے تھے۔ پولیس نے اسے اسپتال پہنچایا تھا۔ زخم معمولی نوعیت کے تھے پھر بھی احتیاطاً ڈاکٹر نے اسے شام تک روک لیا تھا۔ ہم نصف گھنٹے بعد سڑک تک پہنچے تھے۔ شکیل نے میرے سر کے زخم پر رومال باندھ دیا تھا۔ میں نشہ سے سر ٹکا کر آرام کرنے لگا۔ سر میں چوٹ اور مسلسل بے آرامی سے سر جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ شازیہ اور بچوں نے رات کو آرام کیا تھا اس لئے ان کی حالت زیادہ خراب نہیں تھی۔ مجھے پتا نہیں چلا کہ میں کب سو گیا۔ گاڑی رکی تو میری آنکھ کھلی۔ ہم ہاسپٹل کی پارکنگ میں تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چلیں میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس چھوڑ کر انہیں ندیم کے پاس لے جاتا ہوں۔''

''نہیں میں بھی ندیم کے پاس چلوں گا۔ مرہم پٹی بعد میں کرا لوں گا۔'' میں نے انکار کیا اور شکیل کو میری بات ماننا پڑی۔ ندیم کمرے میں خاموشی سے آنکھیں بند کر کے لیٹا تھا۔ اپنے بیوی بچوں کی آواز سن کر وہ تڑپ کر اٹھا تھا۔ بچے بھاگ کر اس سے لپٹ گئے تھے اور شازیہ اس کے بازو پر سر رکھ کر رونے لگی تھی۔ بے حد تکلیف دہ منظر تھا۔ میں اور شکیل خاموشی سے باہر نکل آئے۔ ''چل یار پہلے ڈریسنگ کرا دے۔''

وہ ہنسا۔ ''میں اس وجہ سے بھی کہہ رہا تھا۔''

''بس یار سر پر چوٹ لگی ہے اور گزشتہ تیس گھنٹے سے جاگ رہا ہوں۔ اس لئے دماغ درست طور پر کام نہیں کر رہا ہے۔''

ایک نرس نے میرے سر کی ڈریسنگ کی۔ زبردستی دو انجکشن لگا دیئے اور ڈاکٹر نے سر کا ایکسرے کرانے کا مشورہ دیا۔ میں وہاں سے نکل بھاگا۔ شکیل ہنستا ہوا میرے پیچھے آیا۔ ''آپ تو یوں بھاگے جیسے وہ آپ کو زبردستی داخل کر لیں گے۔''

''نہیں دراصل مجھے خدشہ تھا کہ اگر میں کچھ دیر مزید رکا تو آپریشن روم میں لے جا کر میرا سر کھول کر معائنہ کرنے لگ جائیں گے۔''

ندیم، شازیہ اور بچوں کے چہروں پر ایسی خوشی اور شادمانی تھی جسے صرف محسوس کیا جا سکتا تھا بیان کرنا ممکن نہیں تھا۔ مجھے دیکھ کر ندیم اٹھنے لگا۔ ''لیٹا رہ.....'' میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔ حرامیوں نے دبا کر مارا تھا۔''

''جب ٹو موبائل پر انتخاب جیت جانے والے سیاست دان کی طرح کلف زدہ لہجے میں بات کر رہا تھا تب میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ میں نے تیرے گھر کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔

''ندیم اگر شہباز بھائی نہ آتے تو نہ جانے ہمارا کیا ہوتا۔''

''کچھ نہیں ہوتا بھابی۔'' میں نے کہا۔ ''آپ اپنے میاں کو سنبھالیں۔ میں باہر جا کر کچھ کھاؤں گا اور آرام کروں گا۔ سفیر اور مونا پریشان نہ ہوں۔''

''میری بات ہوئی تھی ان سے۔'' ندیم بولا۔ ''رات تک میں بھی آ جاؤں گا ابھی تو جا۔''

''یار مجھے تیری طرف سے فکر ہے۔''

''فکر مت کر..... شکیل صاحب کے آدمی میری حفاظت کے لئے موجود ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''تو جا کر آرام کر باتیں پھر کریں گے۔''

سفیر اور مونا سے زیادہ مجھے راجا عمر دراز کی فکر کھائے جا رہی ہے میں اسے تصویر کے بارے میں کیا بتاتا اور جواب میں نہ جانے اس کا کیا ردعمل ہوتا۔ مگر اس نے سکون سے میری بات سنی اور آہستہ سے بولا۔ ''شہباز جا کر آرام کر و اب اس معاملے کو میں دیکھ لوں گا اور میری وجہ سے تمہیں اور تمہارے جاننے والوں کو جو تکلیف ہوئی اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔''

''پلیز راجا صاحب..... شرمندگی تو مجھے ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے بھول جاؤ۔'' اس نے میرا شانہ تھپکا اور چلا گیا۔

سر دھوئے بغیر غسل کیا۔ مونا اور سفیر کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے بمشکل کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ کر بستر پر دراز ہوتے ہی بے خبر سو گیا۔ میری آنکھ بھوک سے کھلی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ باہر بچوں کا شور بتا رہا تھا کہ ندیم اور اس کی بیوی آئے ہیں۔ ان کی مختصر مہمان خانے کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں جمی تھی۔ سب اتنے عرصے بعد مل کر بیٹھے تھے یا ایسا لگ رہا تھا گزشتہ کچھ عرصے میں سب نے ہی جو حالات دیکھ لئے تھے اس کے بعد اس طرح مل کر بیٹھنا بھی کسی کے خواب و خیال سے کم نہیں تھا۔ میں نے کچن کال کر کے کھانے کی فرمائش کر دی تھی وہ سب کھانا کھا چکے تھے۔ مونا نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''شوبی..... جلدی سے اپنی کہانی سناؤ۔''

''کہانی نہیں..... یہ ایک دردناک آپ بیتی ہے۔ جسے سن کر خواتین چار چار آنسو بہائیں گی۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن کہانی سنانے کے لئے جسم میں توانائی چاہئے اور توانائی مل سکتی ہے کھانے سے لہٰذا پہلے مجھے کھانا کھانے دیں۔''

کھانا لذیذ اور مرغن تھا۔ کھانے کے بعد کافی پر میں نے انہیں اپنی آپ بیتی سنائی۔ اگرچہ شاز یہ سب بتا چکی تھی لیکن وہ میرے منہ سے سننے کے متمنی تھے۔ سب کو تصویر اور رحمت کی بیوی اور بیٹی کے جانے کا افسوس تھا۔

''وہ بے چارہ بہت دکھی ہے۔'' سفیر نے بتایا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے ملا تھا۔''

''مجھے افسوس ہے لیکن اس وقت میں بے بس تھا انہیں بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔''

''خدا کرے وہ زندہ سلامت ہوں۔'' مونا بولی۔

''دعا کرو کہ عزت سے زندہ سلامت ہوں ورنہ وہ جن درندوں کے پاس ہیں عورت ان کے لئے شکار ہوتی ہے۔'' سفیر نے تلخی سے کہا۔ ''ممکن ہے شہباز اور ہمارا بدلہ بھی وہ ان غریب اور بے بس عورتوں سے لیں۔''

''شوبی! کیا کسی طریقے سے انہیں واپس لا سکتے ہیں؟''

''لانے کی ایک ترکیب ہو سکتی ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''میں ڈیوڈ شا سے بات کرتا ہوں وہ غیر ملکی ہے اور بلاوجہ قتل و غارت گری سے گریز کرے گا۔''

''تم اس سے کہاں رابطہ کرو گے۔''

''وہ میریٹ اسلام آباد میں ٹھہرا ہے۔'' میں نے کہا اور موبائل پر میریٹ کا نام ملایا۔ آپریٹر نے شیریں لہجے میں دریافت کیا۔

''یس سر واٹ کین آئی ڈو فار یو؟''

''پلیز کنیکٹ ٹو ڈیوڈ شا۔''

''یور نیم پلیز؟''

''شہباز ملک۔'' میں نے سوچ کر اپنا اصل نام بتا دیا۔

''ون منٹ ہولڈ پلیز سر!'' آپریٹر نے کہا اور میوزک سنائی دینے لگی۔ چند لمحے بعد ڈیوڈ شا لائن پر تھا۔

''کیا بات ہے مسٹر شہباز؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مسٹر شا..... مجھے وہ لڑکی اور اس کی ماں واپس چاہئے۔'' میں نے بھی بلا تمہید کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ فتح خان کے پاس ہیں۔''

''مسٹر شا! فتح خان تمہارے اختیار میں ہے، اسے کہو ان مظلوم عورتوں کو چھوڑ دے۔ ان کا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اس کے کہ میں نے ان کے گھر پناہ لی تھی۔''

''اوکے۔'' اس نے کہا اور کوئی واضح بات کئے بغیر فون بند کر دیا۔ وہ بے حد چالاک آدمی تھا۔ فون پر ایسی کوئی بات منہ سے نہیں نکالنا چاہتا تھا جس سے وہ پھنس جاتے۔ سب سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے ڈیوڈ شا اور اپنی گفتگو دہرائی۔ سفیر پُر امید لہجے میں بولا۔ ''شاید وہ فتح خان کے چنگل سے انہیں نکلوا لے۔''

''مشکل ہے۔ وہ عورتیں ایک طرح سے فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ڈیوڈ شا کے خلاف گواہ ہیں۔''

''وہ تو شازیہ بھی ہے۔''

''شازیہ گواہ نہیں ہو سکتیں۔'' ندیم نے کہا۔ ''وہ ہم سے تعلق رکھتی ہے لیکن رحمت کی بیوی اور بیٹی اس کے خلاف گواہی دے سکتی ہیں۔''

''کیا ان غریب عورتوں کی گواہی ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہے؟'' مونا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں اگر معاملہ عدالت میں چلا گیا تو ان کے خلاف گواہی مؤثر ہو گی۔'' ندیم بولا۔

''وہ لوگ کوئی خطرہ مول لینا گوارا نہیں کریں گے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''میں نے ایک چانس لیا تھا۔''

''ڈیوڈ شا نے تجھے ٹرخا دیا ہے۔'' ندیم بولا۔ ''یہ شرافت کی زبان سمجھنے والے لوگ نہیں ہیں۔''

ایک ملازم اندر آیا۔ ''آپ کو راجا صاحب نے طلب کیا ہے۔'' اس نے مجھ سے کہا۔

ان لوگوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر میں ملازم کے ساتھ کوٹھی کے اندر اس نشست گاہ تک آیا جہاں راجا درباز موجود تھا۔ ''بیٹھو شہباز..... تھکن اتر گئی۔ سر کی تکلیف کیسی ہے؟''

''آپ نے پوچھا تو یاد آیا میرے سر پر چوٹ لگی تھی۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور اس کے اشارے پر بیٹھ گیا۔

''شہباز! ڈیوڈ شا کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''جتنا آپ نے بتایا تھا۔ ایک ملاقات میں وہ بے حد عیار اور ٹھنڈے دماغ کا شخص لگا۔ اس کی خطرناکی کوئی شبہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور راجا کو اس سے تھوڑی دیر پہلے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ اس نے سر ہلایا۔

''ڈیوڈ نے تمہیں ٹال دیا ہے لیکن وہ مجھے نہیں ٹال سکتا۔'' اس نے کہا اور فون اٹھا کر میریٹ ہوٹل کا نمبر ملایا۔ نمبر میں نے بتایا تھا۔ ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کے نمبر مجھے ازبر تھے۔ اس نے ڈیوڈ شا سے ملانے کو کہا۔ چند لمحے بعد وہ لائن پر تھا۔ راجا عمر دراز نے نہایت طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تصویر مبارک ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیوڈ شا نے اسے نہ جانے کیا جواب دیا، اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''تصو
حاصل کر کے یہ مت سمجھو کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ بہرحال ابھی میں نے اس لئے فون کیا ہے کہ ان دو عورتوں
چھوڑ دو۔ میں بھی تمہیں نظر انداز کر دوں گا۔'' راجا عمر دراز بولا اور دوسری طرف کی بات سن کر اس نے فون ر
دیا۔ ''رحمت کی بیوی اور بیٹی کل صبح تک اپنے گھر پہنچ جائیں گے۔''

''کیا آپ کو یقین ہے ڈیوڈ شا اپنے الفاظ کا پاس رکھے گا۔''

''ہاں..... کیونکہ وہ جانتا ہے میں اس کے لئے کتنی مشکلات کھڑی کر سکتا ہوں۔''

''آپ اس کے خلاف رپورٹ نہیں کرا سکتے؟''

''کرا تو سکتا ہوں لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اسے غیر ملکی ہونے کے ناتے سفارتی تحفظ حاصل
ہے۔''

''آپ تصویر کی چوری کی رپورٹ تو کرا سکتے ہیں؟''

راجا عمر دراز سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''بہرحال اگر اس نے رحمت کی بیوی اور بیٹی کو رہا کر دیا تو میں ا
وعدے کی پابندی کرنے پر مجبور ہوں گا۔''

اس کے بعد راجا عمر دراز پھر چپ ہو کر سوچ میں گم تھا۔ میں نے محسوس کیا اس نے مجھے کوئی خاص با
کہنے کے لئے بلایا کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ مجھے اسٹڈی روم میں لایا اور ایک کونے میں رکھی تجوری کھول کر ایک بڑا سا موٹا لفافہ نکالا۔ میز پر رکھ
اس نے لفافہ کھولا اور اس سے جو چیز نکال کر دکھائی اسے دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا تھا۔ یہ وہی تصویر تھی جسے ڈیوڈ
مجھ سے لے اڑا تھا۔ میں نے بمشکل کہا۔ ''یہ تصویر.....''

''اس کی نقل ہے۔'' راجا عمر دراز بولا۔

''بہت اچھی نقل ہے لیکن کیا آپ کے لئے اصل جتنی اہمیت رکھتی ہے؟''

اس نے تعریفی انداز میں سر ہلایا۔ ''تم ذہین آدمی ہو۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جذباتی طور پر
تصویر کی میرے لئے کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن اس کی دوسری اہمیت برقرار ہے۔''

''اور غالباً دوسری اہمیت ہے جس کی وجہ سے سارے ہنگامے ہیں۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔''

''راجا صاحب کیا اس تصویر سے کوئی بہت بڑا فائدہ وابستہ ہے؟''

''تم ایسا ہی کہہ سکتے ہو۔''

اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ مجھے تصویر کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا ہے اور مجھے بھی اس سے
دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اکتا کر کہا۔ ''راجا صاحب آپ نے مجھے کیوں طلب فرمایا ہے؟''

''شہباز تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا فی الوقت منظر عام پر آنا مناسب نہیں ہے۔''

''ہاں..... لیکن ہم کب تک روپوشی کی زندگی گزار سکتے ہیں؟''

''تمہیں روپوش رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ بیرونِ ملک چلو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بیرون ملک۔" میں چونکا۔ "کب..... کہاں..... کیوں؟"

"اس کب..... کہاں اور کیوں کا جواب مختصر سا ہے۔ لیکن پس منظر بہت تفصیلی ہے۔ میں چاہتا ہوں پہلے تم ایک دلچسپ کہانی سن لو۔"

"اگرچہ میں کہانی سننے کی عمر سے گزر چکا ہوں..... لیکن آپ کہتے ہیں تو سن لوں گا۔"

"بیٹھو۔" راجا عمر دراز نے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا اور اخبار کام اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "چائے، کافی، قہوہ؟"

"کافی۔" میں نے کہا تھا۔

☆======☆======☆

محمد علی نے بیٹے کو پیار سے گود سے اتار کر لاری پر سوار کرایا۔ وہ پہلی بار اس سے دور جا رہا تھا۔ خانو اس کا ایک ہی بیٹا تھا اس کی ساری دولت اور جائیداد کا اکلوتا وارث۔ جب محمد علی نے ہوش سنبھالا تو اس کے باپ نے تعلیم دلوانے کے لئے ملک کے بہترین استاد بلوائے تھے۔ مگر اب زمانہ بدل گیا تھا۔ اب اسکولوں اور کالجوں کا دور تھا۔ جدید تعلیم حاصل کرنے کے لئے بچے کو اسکول اور کالج بھیجنا لازمی تھا۔ لہٰذا اس نے خانو کو شہر کے اسکول میں داخل کرانے کا فیصلہ کیا تو اس کے پس پشت دو عوامل تھے۔ ایک تو خانو شہر کے طور طریقے سیکھے اور دوسرے جدید دنیا کے بارے میں جانے۔

ان کا گاؤں پہاڑوں کی بے حد محدود دنیا تھی۔ وہ لوگ اپنے علاقے سے باہر بہت کم جاتے تھے اور شہر دیکھنے کا اعزاز صرف چند لوگوں کو حاصل تھا۔ ان میں ایک محمد علی بھی تھا۔ جب وہ اپنے گاؤں کے لوگوں کو شہری نگار نگ اور جدید دنیا کی کہانی سناتا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی تھیں۔ ریل گاڑی، موٹریں، سینما اور بجلی سے چلنے والے دیے۔ یہ سب ان کے لئے پرستان سے کم نہیں تھا۔ ان میں سے بعض تو ایسے تھے جو کبھی گاؤں سے باہر نہیں گئے تھے۔ ان کے لئے ان سب چیزوں کا تصور بھی محال تھا۔ ممکن ہے محمد علی کی جگہ کوئی اور یہ سب باتیں بناتا تو وہ اسے جھوٹا قرار دیتے مگر محمد علی گاؤں کے مالک کا اکلوتا بیٹا تھا اور اب اس کا اکلوتا لڑکا خانو تعلیم حاصل کرنے کے لئے شہر جا رہا تھا۔ محمد علی نے بیٹے کے لئے پشاور کے ایک ایسے اسکول کا انتخاب کیا جو مسلمانوں نے اپنی مدد آپ کے تحت مسلمان بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے قائم کیا تھا۔ خانو کو ہاسٹل میں رہنا تھا اس لئے ساتھ محمد علی نے دو نوکر بھی بھیجے تھے جو ہاسٹل میں اس کا خیال رکھتے۔ ماں کی بیماری کی وجہ سے محمد علی خود اپنے لخت جگر کو چھوڑنے نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی محبت اور شفقت کا عادی خانو جاتے جاتے بھی اس سے لپٹا رہا تھا لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ باپ سے مطالبہ کر سکتا اسے اتنی دور نہ بھیجا جائے۔ وہ اس سے..... حویلی سے..... ماں سے دور اپنے شاہ زور سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ شاہ زور محمد علی کی چہیتی گھوڑی کا بچہ تھا جو پیدا ہوتے خانو کا ہو گیا تھا اور اب ایک سال کا تھا۔ خانو اس سے بے پناہ پیار کرتا تھا جس روز وہ کئی گھنٹے شاہ زور کے ساتھ نہیں گزارتا تھا اسے رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ باپ نے اسے لاری میں بٹھایا تو اپنی آنکھیں اس سے چھپا رہا تھا جن میں نمی آ رہی تھی۔ خود خانو منہ چھپا کر رو رہا تھا۔

راستے میں اس کا زیادہ وقت رونے دھونے میں گزر رہا تھا اس لئے وہ نہیں دیکھ سکا تھا کہ لاری کہاں کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گزر رہی ہے۔ چھوٹے موٹے قصبوں کے بعد لاری پشاور میں داخل ہوئی اس وقت تک خانو کے آنسو خشک ہو چکے تھے اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی تسلیم کر لیا تھا کہ اب اسے آنے والے چودہ پندرہ سال گھر سے دور گزارنے تھے، اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ گرمیوں میں اسے دو مہینے حویلی میں گزارنے کا موقع ملتا۔ اس نے آنکھیں صاف کر کے دیکھا تو وسیع و عریض پشاور دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ صاف ستھرے پختہ راستے، شاندار بنگلے، بازاروں میں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہجوم، لوہے کی پٹری پر دوڑتی لمبی دھواں اڑاتی ٹرین۔ ایک ایک شے اس کے لئے ایک عجوبہ تھی۔ لاری اڈے سے تانگا لے کر وہ اسکول کے ہاسٹل روانہ ہوئے۔ خانو کا داخلہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ دس سال کی عمر تک اس نے ایک استاد سے اردو، انگریزی، حساب اور جغرافیہ پڑھا تھا۔ شہر کی بہت ساری چیزیں اس کے لئے اجنبی نہیں تھیں۔ اس کے باوجود شہر کا رعب اور دبدبہ الگ شے تھی جو صرف دیکھنے سے محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اسے چوتھی کلاس میں داخلہ ملا تھا۔ کیونکہ اسکول کا پرنسپل اس کے باپ کے دوستوں میں سے تھا۔ محمد علی جب پشاور آتا اس کے ہاں ٹھہرتا تھا اس کے باوجود اس نے محمد علی سے کہہ دیا تھا کہ اگر اس کا بیٹا معیار پر پورا نہ اترا تو اسے نچلے درجے میں بھیج دیا جائے گا۔ اسے امتحان دینا تھا۔ ہاسٹل میں اسے اس کا کمرا دکھایا گیا جہاں تین دوسرے بچے بھی مقیم تھے۔ ہر کمرے میں چار لڑکے تھے۔ ہر لڑکے کے بستر کے ساتھ ایک چھوٹی سی الماری تھی جس میں طالب علم اپنا سامان رکھ سکتا تھا۔ ایک مشترکہ اسٹڈی ٹیبل اور اس کے ساتھ چار کرسیاں تھیں۔

خانو کے نوکروں کو ہاسٹل میں جگہ نہیں مل سکتی تھی اس لئے انہوں نے رات سرائے میں گزاری۔ اگلے روز خود پرنسپل نے خانو کا امتحان لیا تھا اور جب اس نے خانو کے تحریری جوابات دیکھے تو انہیں یقین نہیں آیا کہ لڑکا ایک ایسے علاقے سے آیا ہے جہاں تیس میل کی دوری تک کوئی اسکول نہیں ہے اور جہاں ہزار میں صرف ایک دو افراد پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ خانو کی تعلیمی قابلیت کسی طرح چھٹی کلاس کے بچے سے کم نہیں تھی لیکن وہ اسے چھٹی جماعت میں داخل نہیں کر سکتا تھا اس لئے اسے پانچویں کلاس سے داخلہ ملا تھا۔ خانو تعلیمی سال شروع ہونے کے دو مہینے بعد آیا تھا لیکن اس نے اپنی محنت سے پانچ مہینے میں کورس مکمل کر کے امتحان دے دیا اور اسے چھٹی جماعت میں داخلہ مل گیا۔

خانو کے ساتھ آنے والے نوکر ایک کمرے کا مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے تھے۔ اگرچہ ہاسٹل کی طرف سے خانو کو تمام سہولیات میسر تھیں اس کے باوجود وہ صبح سے شام تک اس کی خدمت کے لئے حاضر رہتے تھے۔ دوسرے سال سے پرنسپل نے خانو کو ہاسٹل کے بجائے اپنے گھر میں رکھ لیا تھا اور نوکر بھی اس کے پاس آ گئے تھے۔ خانو نے اس دوران میں خود کو تعلیمی نظام سے ہم آہنگ کر لیا تھا۔ وہ نصاب کے علاوہ بھی کتابیں پڑھتا تھا اور اسکول کی لائبریری اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ چار سال بعد اس نے میٹرک کر لیا تھا۔ محمد علی اس سے مطمئن تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اس کا لڑکا اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اس وجہ سے اس نے اسے اسلامیہ کالج پشاور میں داخل کرایا۔ وہاں سے خانو نے انٹر کیا اور اب محمد علی اسے علی گڑھ بھیجنا چاہ رہا تھا۔ مگر تقدیر نے خانو کے لئے کچھ اور ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ ان دنوں برطانیہ کی سرکار ہندوستان میں فوج کا فضائی بازو منظم کر رہی تھی اور اس نے اخبارات میں بھرتی کے لئے اشتہار دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خانو نے طیارہ ایک بار دیکھا تھا جب کمپنی سرکار نے شمالی سرحد کے حریت پسندوں پر بمباری کے لئے پہلی بار جنگی طیارے برصغیر میں استعمال کئے تھے۔ پشاور سے یہ طیارے پرواز کرتے تھے۔ ایسے ہی خانو نے ایک طیارہ دیکھا تھا اور اس مشین نے اسے مسحور کر دیا تھا جو انسان کو ہوا کے دوش پر لے جاتی تھی جب اس نے اخبار میں اشتہار دیکھا تو اس کے اندر بے اختیار فضائیہ میں شامل ہونے کی خواہش ابھری تھی۔ مگر اسے معلوم تھا کہ اس کا باپ اسے اجازت نہیں دے گا کیونکہ وہ اسے علی گڑھ بھیجنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ اسے تحریک پاکستان کا سپاہی بنانا چاہتا تھا۔ خانو خود بھی دل و جان سے پاکستان کا حامی تھا اور کالج میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی جانب سے سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔

ان دنوں یورپ میں جنگ عظیم دوم عروج پر تھی اور جاپانیوں نے انگریزوں سے سوائے ہندوستان کے ان کی ساری ایشیائی کالونیاں چھین لی تھیں۔ ایسے میں ہندوستان برطانیہ کی امیدوں کا مرکز تھا۔ یہاں سے انہیں نہ صرف جنگ کے لئے دولت بلکہ افرادی قوت بھی مل رہی تھی۔ خاص طور سے شمالی مغربی ہندوستان سے دھڑا دھڑ بھرتیاں ہو رہی تھیں۔ غلام ہندوستانیوں کو برطانوی مفاد پر قربان کیا جا رہا تھا۔ غدار اور لالچی لوگ مقامی لوگوں کو بھرتی کرا کے وفاداری میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ خانو نے باپ سے پوچھے بغیر درخواست دے دی اور اس کو انٹرویو کے لئے بلا لیا گیا۔ جب کامیاب امیدواروں کا اعلان ہوا تو اس میں اس کا نام بھی شامل تھا اب اسے فکر ہوئی کہ یہ بات باپ کو کیسے بتائے اسے معلوم تھا کہ باپ آگ کی طرح بھڑک اٹھے گا۔ مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ اس نے گاؤں کے لئے رخت سفر باندھا۔ محمد علی اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس وقت اسے علی گڑھ میں ہونا چاہئے تھا اور وہ گاؤں چلا آیا تھا۔ ''کیا بات ہے خانو..... تو اس طرح بے وقت کیوں آیا ہے؟''

''بابا..... میں نے فضائیہ میں بھرتی دے دی ہے۔'' اس نے برملا اعتراف کر لیا تھا۔ مگر خلاف توقع محمد علی بھڑکا نہیں تھا۔

''پھر مجھے کیوں اطلاع دے رہے ہو؟'' محمد علی نے سرد لہجے میں کہا۔

''بابا مجھے شرمندگی ہے میں نے آپ کی اجازت کے بغیر یہ کام کیا۔''

''مگر اب تم کر چکے ہو تو کیا اس پر پچھتا رہے ہو؟''

''نہیں بابا..... یہ میرا شوق ہے۔ صرف آپ کی اجازت نہ ہونے کا پچھتاوا ہے۔''

''اگر تو مانگتا تو میں ضرور دے دیتا۔'' محمد علی نے سرد آہ بھری۔

خانو کو یقین نہیں آیا تھا اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''بابا اب آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟''

''نہیں خانو..... میں بھلا تجھ سے ناراض ہو سکتا ہوں۔ تو نے میری اجازت کے بغیر فوج میں شمولیت کی ہے اب تیری سزا یہ ہے کہ تجھے سب سے آگے رہنا ہوگا۔ اچھی سے اچھی تربیت حاصل کرنا کہ جب ہم ملمانوں کا اپنا ملک بن جائے تو، تو اس کی خدمت کر سکے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں بابا۔'' اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اگر کبھی دوسرے نمبر پر آیا تو آپ کو منہ نہیں دکھاؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے تجھ سے یہی توقع ہے بس اپنے خاندان کی ناک کا خیال رکھنا، ہم نے انگریزوں کی نوکری کرنی ہے غلامی نہیں کرنی ہے۔"

اس عزم کے ساتھ خانو ائیر مین شپ ٹریننگ کورس میں شامل ہوا کہ اسے کچھ بننا ہے۔ اپنے بیچ میں وہ واحد مسلمان تھا۔ باقی افراد ہندو، سکھ اور مقامی عیسائی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اسے امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ خوش قسمتی سے ان کا انسٹرکٹر اچھا آدمی تھا اور محنتی افراد کی قدر کرتا تھا۔ جب اس نے خانو میں سیکھنے کا جذبہ دیکھا تو اسے دوسروں سے زیادہ اہمیت دینے لگا۔ اس پر اس کے ساتھی جل گئے تھے۔ کورس کے دوران انہوں نے اسے تنگ کرنے بلکہ ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ مگر وہ استقامت سے ڈٹا رہا۔ ایک سال کی تربیت کے بعد اسے برما کے محاذ پر بھیج دیا گیا۔ پرل ہاربر پر جاپانی حملے کے بعد امریکا بھی جنگ میں کود پڑا تھا اور جاپانی اپنے مقبوضہ علاقوں پر گرفت کھو رہے تھے۔ ہر ملک میں خاص طور سے چین میں ان کے خلاف حریت پسند سرگرم تھے۔ جنہیں اتحادی مدد دے رہے تھے۔ ایک روز خانو اور اس کے ائیر مین گروپ کو واپسی کا حکم ملا اور جب وہ کلکتہ پہنچے تو ان کے نئے پوسٹنگ آرڈر تیار تھے انہیں آسام میں تبت کی سرحد سے کچھ فاصلے پر ایک ہوائی مستقر پر کام کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ خانو اور اس کے ساتھی حیران تھے کہ اس ہوائی اڈے پر ان کا کیا کام تھا جو کسی بھی محاذ سے دور واقع تھا۔ بہر حال حکم تھا اور انہیں جانا تھا۔

اسی ہوائی اڈے پر بڑے ٹرانسپورٹر طیارے تعینات تھے۔ وہاں اسلحہ اور دوسرا ساز و سامان کثیر تعداد میں تھا لیکن بظاہر کوئی جنگی سرگرمی نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر انہیں اولین مشن پر روانگی کا حکم ملا۔ خانو ائیر ڈراپ ٹیکنیشن تھا۔ یعنی وہ طیارے کے سامان پیراشوٹ کے ذریعے گرانے والے مکینزم کو چلاتا تھا۔ روانگی تک اسے علم نہیں تھا کہ اس کی منزل کہاں ہے۔ جب طیارہ فضا میں بلند ہوا تو انہیں بتایا گیا کہ انہیں کوہ ہمالیہ اور تبت کے بلند پہاڑوں کو عبور کر کے چین میں حریت پسندوں کے لئے اسلحہ اور سامان رسد گرانا تھا جو جاپانی فوج سے نبرد آزما تھے۔ طیارے میں خانو سمیت کل پانچ افراد تھے۔ ان میں دو پائلٹ اور دو مزید ٹیکنیشن تھے۔ مشن کمانڈر فلائنگ لیڈر ولیم شا نے انہیں مشن کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں سات گھنٹے دشمن فضاؤں میں گزارنے ہیں اس دوران جاپانیوں نے ہمیں دیکھ لیا تو ہمیں بھاگنے کی مہلت بھی نہیں ملے گی یا طیارے میں کوئی خرابی ہوئی تو ایک ہزار میل تک طیارہ اتارنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ خود کو ہر قسم کے حالات کے لئے تیار رکھیں۔"

خانو اور اس کے ساتھی مشن کا سن کر کسی حد تک خوفزدہ ہوئے تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ان کا اعتماد بحال ہو گیا تھا۔ برما میں کئی بار مشن کے دوران انہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑا تھا بس فرق یہ تھا کہ وہ وہاں بے یار و مددگار نہیں تھے ان کے ٹرانسپورٹر طیارے کی حفاظت کے لئے لڑاکا طیارے ہوا کرتے تھے مگر اس مشن میں انہیں کوئی ایسا طیارہ دستیاب نہیں تھا جو اتنی دور تک ٹرانسپورٹر کے ساتھ جا سکتا۔ اگرچہ اس طیارے میں فضا لڑائی بلکہ دفاع کے لئے گنیں لگی تھیں مگر ان کی کارکردگی محدود تھی اور یہ کسی طرح لڑاکا طیاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ جاپانی زیرو طیارے ویسے بھی اپنی پھرتی اور ڈاگ فائٹنگ کے لئے مشہور تھے۔ ڈاگ فائٹنگ سے مراد لڑاکا طیاروں کی فضا میں جھڑپ ہے ایک ٹیکنیشن جو گندر سنگھ تھا۔ اس نے فکرمندی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپاں دی شادی وی نہیں ہوئی ہے۔''

''ہم بھی کنوارے ہیں یار۔'' خانو ہنسا۔

''میں نے سنا ہے جاپانی بڑے ظالم ہوتے ہیں۔''

''یار جاپانیوں نے ہمارا کیا لینا ہے، ہم تو انگریزوں کے غلام ہیں۔'' خانو آہستہ سے بولا۔ ان کا تیسرا ساتھی جوزف گپتا عیسائی تھا۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

''انگریزوں نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ ورنہ ہم جانوروں کی زندگی گزار رہے تھے۔''

''دوسری اقوام کے بارے میں تم نے ٹھیک کہا لیکن مسلمان ہمیشہ سے متمدن قوم رہے ہیں۔ ہمیں انگریزوں سے کچھ لینے کی ضرورت نہیں ہے سوائے آزادی کے۔''

جوزف گپتا اس جواب پر کھسیا گیا تھا اور طیارے کی محدود فضا میں خاموشی چھا گئی تھی۔ جس میں سوائے انجنوں کی گونج کے اور کوئی آواز نہیں تھی۔ ولیم شا اور اس کا آسٹریلین نائب ایلن بریڈ کیبن میں تھے۔ انہوں نے رات دو بجے ٹیک آف کیا تھا۔ نیچے سوائے تاریکی کے کچھ نہیں تھا۔ سامنے بلند اور برف سے ڈھکے ہمالیہ کے پہاڑ تھے۔ عظیم ہمالیہ..... اس جیسا کوئی پہاڑی سلسلہ روئے زمین پر نہیں پایا جاتا ہے۔ ہزاروں سال سے اس نے برصغیر کو چین سے الگ کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے آج تک قابل اعتماد اور سارے سال کھلا رہنے والا زمینی راستہ تشکیل نہیں دیا جا سکا ہے سوائے شاہراہ ریشم کے۔ جسے تعمیرات کی دنیا میں آٹھواں عجوبہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ راستہ بھی اکثر برف باری یا لینڈ سلائیڈنگ سے بند ہو جاتا ہے۔

طیارہ بلند ہوا اور سلسلہ ہمالیہ کے اوپر سے گزرنے لگا۔ اس کے بعد تبت کی پُراسرار زمین تھی۔ جہاں بدھ مت کے ماننے والوں کی عظیم خانقاہیں ہیں۔ یہاں بدھوں کا روحانی پیشوا دلائی لامہ رہا کرتا تھا۔ یہ سرزمین ابھی تک کسی بھی غیر ملکی تسلط سے آزاد تھی۔ خانو نے اس سرزمین کے بارے میں پڑھا تھا اور وہ اس سے متاثر تھا۔ ساڑھے چار بجے وہ تبت کو عبور کر کے چین کے علاقے میں داخل ہوئے اس کے ساتھ ہی کیبن کے اندر کی روشنیاں جلنے بجھنے لگی تھیں، یہ چوکس رہنے کا اشارہ تھا۔ سب نے اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لی تھیں۔ جوگندر سنگھ اور جوزف گپتا مشین گنوں پر جا بیٹھے تھے۔ یہ شیشے کے بنے شفاف بکس تھے جن میں تین سو ساٹھ ڈگری زاویے پر گھومنے والی مشین گن نصب تھی۔ ایک میکنزم کی مدد سے یہ گول بکس طیارے کے پیندے سے باہر نکل گئے تھے۔ خانو ایئر ڈراپ میکنزم پر مستعد تھا اس کی نظر لائٹوں پر لگی تھی ایک سرخ بلب جلنے پر اسے طیارے کا عقبی خانہ کھولنا تھا اور دوسرا بلب جلنے پر سامان نیچے گرانا تھا۔ ان سے منسلک پیراشوٹ طیارے سے گرتے ہی خودکار طریقے سے کھل جاتا اور سامان بحفاظت زمین تک پہنچ جاتا۔

جیسے ہی ایک بلب روشن ہوا خانو نے دیوار میں لگا ہینڈل کھینچا اور طیارے کا عقبی حصہ کھلنے لگا۔ سامان تین قطاروں میں پھسلنے والی پٹریوں پر رکھا تھا۔ خانو بہ آسانی اسے دھکا دے کر گرا سکتا تھا۔ جیسے ہی دوسرا بلب روشن ہوا اس نے سامان کی پہلی قطار کو دھکا دیا۔ بنڈل ایک ایک کر کے تاریک خلا میں گرنے لگے۔ جب ایک قطار گر گئی تو اس نے دوسری قطار کو دھکیلا اور پھر تیسری قطار کے بنڈل بھی باہر گرا دیئے۔ ان کے مشن کا ایک حصہ مکمل ہو چکا تھا۔ اس نے ہینڈل پرے کھینچ کر طیارے کا عقبی حصہ بند کر دیا۔ طیارے نے چکر لگایا اور واپسی کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پرواز کرنے لگا۔ مگر ابھی الرٹ ختم نہیں ہوا تھا، روشنیاں بدستور جل بجھ رہی تھیں اپنا کام کر کے خانو نے عقبی حصے میں لگی مشین سنبھال لی تھی۔ اس وقت صبح کے سوا پانچ بج رہے تھے۔ ان کے دل شدت سے دھڑک رہے تھے۔ جاپانی طیاروں کی آمد کا مطلب بڑی حد تک موت تھا۔ ان کے پاس سوائے فرار کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ جاپانی لڑاکا طیارے اس ٹرانسپورٹر طیارے سے زیادہ تیز رفتار تھے مگر خیریت رہی اور ان کا طیارہ اپنا مشن کامیابی سے مکمل کر کے ساڑھے چھ بجے تک چین کی فضاؤں سے نکل کر تبت کی حدود میں داخل ہو گیا تھا۔ اس وقت صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ سردیوں کے دن تھے اور سورج آٹھ بجے کے قریب نکلتا تھا۔ بلندی کی وجہ سے انہوں نے جلد روشنی دیکھ لی تھی۔

خطرے کی حد سے نکل کر انہوں نے کھانے پینے کا سامان کھولا۔ سینڈوچز، رولز، کیک پیس، بسکٹ اور چکن پیٹس تھے۔ ساتھ میں گرم کافی اور چائے تھی۔ پائلٹوں نے اپنی نشستوں پر ناشتا کیا۔ وہ اس تکلف سے آزاد تھے۔ ساڑھے سات بجے تک ناشتا کر کے خانو طیارے کی کھڑکیوں سے عظیم ہمالیہ کا نظارہ کرنے لگا جو رفتہ رفتہ نزدیک آ رہا تھا۔ اس نے ولیم سے پوچھا۔ ''سر ہم کب تک ہمالیہ کے اوپر ہوں گے؟''

''ابھی آدھا گھنٹا ہے۔ پہاڑ سو میل سے زیادہ دور ہیں۔''

حیران کن طور پر اتنے فاصلے سے پہاڑ اور ان کی برف صاف نظر آ رہی تھی۔ خانو نے طیارے میں لگے کیمرے سے ہمالیہ کی تصاویر لینے کی اجازت مانگی جو ولیم نے دے دی۔ اعلیٰ درجے کے اس کیمرے میں طاقتور لینس لگا تھا۔ جو طویل فاصلے سے بھی بالکل صاف تصویر لے سکتا تھا۔ یہ ایک جاسوس کیمرا تھا اور اس کا مقصد دشمن کے مورچوں اور تنصیبات کی تصویر لینا تھا۔ خانو ہمالیہ کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے موسم بالکل صاف تھا۔ نہ تو بادل تھے اور نہ ہی دھند تھی۔ آٹھ بجے وہ ہمالیہ کے عین اوپر تھے۔ نیچے ہمالیہ کی سفیدی تھی۔ صرف ان مقامات پر چٹانیں اور پہاڑ ننگے تھے۔ جہاں ڈھلان زیادہ ہونے کی وجہ سے برف کے ٹکنے کی گنجائش نہیں تھی۔ خانو نے کیمرا سنبھالا اور خاص لگنے والے مناظر کی تصاویر لینے لگا۔ وہ اچھا فوٹو گرافر تھا۔ اچانک طیارے کے انجنوں کی آواز میں تبدیلی آئی اور یکساں گونجتے آہنگ کے بجائے انجن کھانسنے کے انداز میں چلنے لگا۔ ساتھ ہی طیارہ نیچے آنے لگا۔ جو گندر کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ ''گر کر پا کرے۔''

''سر کیا ہو رہا ہے؟'' خانو نے بے ساختہ ولیم سے پوچھا۔ حالانکہ وہ اس سے سوال کرنے کا مجاز نہیں تھا۔

''انجن مسئلہ کر رہے ہیں۔'' ولیم کنٹرول پینل سے نبرد آزما تھا۔

یکا یک دائیں طرف کا انجن بند ہو گیا۔ طیارہ مزید تیزی سے نیچے جانے لگا۔ محض ایک لمز ور پڑتے انجن کے سہارے وہ زیادہ دیر پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ ان کو موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ اوّل تو اس جگہ طیارہ اتارنے کی گنجائش نہیں تھی اور وہ کسی نہ کسی طرح طیارہ اتار بھی لیتے تو بے پناہ سردی ان کی جان لے لیتی۔ اس ہنگامی صورتِ حال میں ولیم اور ایلن چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔ وہ انجنوں کو پھر سے پوری رفتار سے چلانے کی دیوانہ وار کوشش کر رہے تھے۔ مگر معاملہ خرابی کی انتہا کو پہنچ گیا جب دوسرا انجن بھی بند ہو گیا۔ اب طیارہ محض اپنے پروں کے سہارے ڈول رہا تھا۔ اوپر سے ایک آفت دھند کی صورت نازل ہو گئی۔ اب طیارے کے چاروں طرف سوائے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ طیارہ اس وقت بیس ہزار فٹ کی بلندی پر تھا جو ہر گزرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لمحے کم ہوتی جا رہی تھی۔ سب کے ذہنوں میں ایک سوال تھا کہ اب کیا ہوگا۔

''ہم مرنے والے ہیں۔'' جوزف گپتا نے ہذیانی انداز میں کہا۔

''اپنے حواس قابو میں رکھو۔'' خانو سخت لہجے میں بولا۔ ''اس طرح رونے دھونے سے موت نہیں ٹل جائے گی۔ اپنی سیٹوں پر بیٹھ کر بیلٹ باندھ لو۔''

خانو کی نشست طیارے کے کاک پٹ کے عین پیچھے تھی اس نے بیلٹ باندھ لی اور ذرا آگے ہو کر دیکھنے لگا کہ ولیم شا اور اس کے نائب طیارے کے انجن دوبارہ اسٹارٹ کرنے کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ ایک منٹ میں طیارے کی بلندی پندرہ سو فٹ کم ہو چکی تھی اور طیارہ اس وقت ساڑھے اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ یہ خطرناک بلندی تھی کیونکہ ہمالیہ کی بیشتر چوٹیاں بیس ہزار فٹ یا اس سے زیادہ بلندی رکھتی تھیں۔ کسی بھی لمحے طیارہ کسی چوٹی یا گلیشیر سے ٹکرا سکتا تھا۔ طیارہ جیسے جیسے نیچے جا رہا تھا۔ تصادم کے امکانات بڑھتے جا رہے تھے۔ خانو کی نظریں بلندی بتانے والے آلے پر مرکوز تھیں۔ اس موقع پر ولیم شا نے طیارے کے پُرزوں سے کام لے کر اس کے گرنے کی رفتار کو سُست کیا اور اب طیارہ گلائیڈ کے انداز میں فی منٹ پانچ سو فٹ نیچے جا رہا تھا۔ دھند کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ تین منٹ بعد وہ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور حیران کن طور پر طیارہ کسی شے سے ٹکرایا نہیں تھا۔ انجن بار بار انجن کا اسٹارٹر دبا رہا تھا۔ مگر ان کے پنکھے ساکت تھے۔

سولہ ہزار فٹ..... ساڑھے پندرہ ہزار فٹ..... پندرہ ہزار فٹ..... چودہ ہزار فٹ آلٹی میٹر بتا رہا تھا وہ زمین سے نزدیک ہوتے جا رہے تھے۔ خانو کی سمجھ میں طیارہ کی پہاڑی یا گلیشیر سے نہ ٹکرانے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آ رہی تھی کہ ابھی اللہ کو ان کی زندگی منظور تھی۔ ورنہ ہمالیہ کے تقریباً وسط میں اتنی کم بلندی شاید ہی کہیں پائی جاتی ہو اور جب طیارہ دس ہزار فٹ سے نیچے آیا مارے حیرت کے ان کی عقلیں خبط ہونے لگی تھیں۔ ''مجھے لگتا ہے جیسے ہم کنویں میں اتر رہے ہیں۔'' ولیم شا نے کہا۔ انجن بند ہونے کی وجہ سے طیارے میں ایسی خاموشی تھی کہ وہ ایک دوسرے کی سرگوشیاں بھی سن سکتے تھے۔

''ممکن ہے سر یہاں کوئی وادی ہو۔'' خانو نے کہا۔

''یہی امکان ہے۔'' ولیم شا نے اس کے خیال کی تائید کی۔

اس لمحے وہ بادلوں سے نیچے آ گئے اور زمین کا منظر صاف ہونے لگا۔ نو ہزار فٹ کی بلندی پر ایک حیران کن منظر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ دھند سے نکلے نیچے سبز رنگ نمایاں ہونے لگا۔ ان کا طیارہ ایک سرسبز گھنے جنگل پر گلائیڈ کر رہا تھا جو کم سے کم دو ہزار فٹ نیچے تھا۔ وہ سب مبہوت ہو کر یہ منظر دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ وہ یہ بھول گئے تھے کہ ان کے طیارے کے انجن بند تھے اور وہ کریش ہونے جا رہا تھا۔ اچانک ایلن نے چونک کر سیف اسٹارٹر کا بٹن دبانا شروع کر دیا۔ چوتھی یا پانچویں بار دبانے پر انجنوں نے جھرجھری لی اور تیز گونجتے آہنگ کے ساتھ اس کے پُرگھومنے لگے تھے ان کے منہ سے مارے حیرت کے چیخیں نکل گئی تھیں۔ ولیم شا نے انجنوں کو طاقت دی اور طیارے کو وادی کے وسطی حصے کی طرف موڑ دیا اس وقت وہ سات ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ گھنے جنگل اور ان میں بھاگتے دوڑتے جانور صاف نظر آ رہے تھے لیکن یہ نامانوس سے جانور تھے۔ جنگل کے درمیان کہیں کہیں کھلے گھاس کے میدان تھے۔ اچانک خانو نے سامنے دیکھا اور چلایا۔ ''سر اس طرف کوئی شہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے..... وہ دیکھیں۔"

وادی کے وسطی حصے سے ایک شہر ابھر کر سامنے آ رہا تھا۔ اس کی سنہری عمارتیں دور سے چمک رہی تھیں۔ اس پوری وادی میں عجیب سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ حالانکہ اوپر اتنی دھند تھی کہ سورج کی روشنی کا نیچے آنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے باوجود وادی کی ہر شے واضح تھی۔ شہر کے وسط میں ایک بڑی سنہری مندر نما عمارت تھی جس کے گنبد کے اوپر سنہرے رنگ کا کلس چمک رہا تھا۔ شہر کے گرد ایک فصیل بھی تھی۔ اندر خوب صورت اور پختہ عمارتیں نظر آ رہی تھیں جن کے درمیان صاف ستھرے راستوں پر انسان چل پھر رہے تھے۔

"یہ تو کوئی متمدن شہر نظر آ رہا ہے۔" ولیم شا بولا۔ "خانو اس کی تصویر لو۔"

خانو کو ہوش آیا اور اس نے طیارے کا کیمرا سنبھال لیا لیکن ابھی اس نے صرف دو تصویریں لی تھیں کہ نہ جانے کیمرے میں کیا مسئلہ ہوا اس نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ "سر کیمرا کام نہیں کر رہا۔"

"کیوں نہیں کر رہا؟" ولیم شا غصے سے بولا۔ "اسے ٹھیک کرو..... ہمارے پاس ایندھن کم ہے۔ زیادہ دیر اس جگہ پرواز نہیں کر سکتے۔"

"سر میں کوشش کر رہا ہوں۔" خانو بولا۔ وہ کیمرے کے ساتھ الجھا ہوا تھا۔ اس لئے شہر کا زیادہ نظارہ نہیں کر سکا تھا۔ یکا یک ایک طرف سے بادل چھٹ گئے اور سورج جھانکنے لگا تھا۔ یہاں دھوپ کی آب و تاب اور چمک معمول سے زیادہ تھی۔ پوری وادی جیسے روشنی میں نہا گئی تھی۔ شمال کی سمت میں انہیں کوئی بے حد تیز چمک محسوس ہوئی تھی۔ ولیم شا نے طیارہ اس طرف موڑ دیا تھا۔ خانو نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ کیمرے کے ساتھ ہلکان ہو رہا تھا۔ جبکہ جوگندر اور جوزف پلکیں جھپکائے بغیر ایک ایک منظر دیکھ رہے تھے۔ طیارے کے عین سامنے ہرے بھرے جنگل میں بلند ہوتی ڈھلان پر سنہرے رنگ کی اہرام نما عمارت تھی اس کی چوٹی ہیرے کی طرح مختلف رنگوں میں جھلملا رہی تھی۔ بے حد شاندار منظر تھا۔ خانو کیمرا بھول کر کاک پٹ پر جھک گیا۔

"خوب صورت۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"تم نے کیمرا ٹھیک کر لیا؟" ولیم شا نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں سر..... میرا خیال ہے اس کے اندر کوئی خرابی ہو چکی ہے اور اسے کھولے بغیر درست کرنا ممکن نہیں ہے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اوہ....." ولیم شا کے لہجے میں مایوسی تھی۔ "ایلن فیول کتنا ہے؟"

"پون گھنٹے کی پرواز کا۔" ایلن نے جواب دیا۔

"دس منٹ میں اس وادی سے نکل جانا چاہئے۔" ولیم شا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

دس منٹ تک طیارے نے وادی پر چکر لگایا۔ عین ہمالیہ سلسلے کے وسط میں ایک سرسبز وادی کی موجودگی اتنی حیران کن نہیں تھی جتنی ایک متمدن شہر اور شہر میں شاندار عمارتوں کی موجودگی۔ دنیا کو اس وادی اور شہر کا علم نہیں تھا کیونکہ انہیں ہمالیہ کا جو نقشہ اور چارٹس مہیا کئے گئے تھے ان میں اس شہر کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ دس منٹ ہوتے ہی ولیم شا نے طیارہ بلند کیا اور وادی کی دیواروں کے ساتھ ہوتا بادلوں میں گھس گیا۔ دس ہزار فٹ کی بلندی پر وادی کی دیواروں پر برف نظر آنے لگی تھی۔ ان کے اندازے کے مطابق وادی کم و بیش تیس میل لمبی چوڑی تھی۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیواریں کہاں تک بلند تھیں وہ نہیں دیکھ سکے تھے کیوں کہ وہ ایک بار پھر دھند میں سفر کر رہے تھے۔ تقریباً بائیس ہزار فٹ پر انہیں صاف موسم ملا تھا۔ ولیم نے اپنے چارٹ اور نقشوں پر وادی کے مقام پر ٹک لگا دیا تھا۔

جب وہ سلسلہ ہمالیہ عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہو رہے تھے تو سوچ رہے تھے کہ انہوں نے ابھی جو دیکھا وہ سچ تھا یا ان کا وہم تھا۔ مگر بیک وقت پانچ افراد کو وہم نہیں ہو سکتا تھا۔ نو بجے کے قریب وہ آسام کے ہوائی مستقر پر اتر چکے تھے۔ طیارے کے انجنوں نے دوبارہ گڑبڑ نہیں کی تھی۔ رن وے پر اترتے کرولیم شا نے لاگ بک میں اپنی رپورٹ لکھی۔ اس میں اس نے طیارے کے انجنوں کی خرابی اور اس کے نیچے جانے کا ذکر کیا تھا لیکن اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا کہ انہوں نے راستے میں کوئی وادی بھی دیکھی جہاں سرسبز جنگل تھے اور انسانوں سے آباد شہر تھا۔ ایک عجیب و غریب اہرام نما عمارت تھی۔ جب وہ اندر جانے لگے تو ولیم شا نے ان تینوں کو طلب کر کے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''ہم نے راستے میں جو دیکھا ہے اس کے بارے میں کسی سے ایک لفظ نہیں کہنا ہے۔ یہ مشن کمانڈر کی حیثیت سے میرا حکم ہے۔''

''یس سر۔'' ان تینوں نے کہا حالانکہ وہ جانتے تھے مشن کمانڈر مشن سے واپسی کے بعد اس قسم کا کوئی حکم دینے کا مجاز نہیں تھا۔ مگر فوجی تربیت میں افسران کا حکم ماننا سکھایا جاتا ہے۔ بعد میں جوگندر سنگھ نے خانو سے کہا۔ ''یہ گورا افسر بہت چالاک ہے۔ سارا نام اپنا کرے گا۔''

''کرے۔'' خانو بے پروائی سے بولا۔ ''ویسے ان تصویروں کی وہ کیا وضاحت کرے گا؟''

''وہ تصویریں غائب بھی کر سکتا ہے۔''

جوگندر سنگھ کا خدشہ درست ثابت ہوا جب کیمرے سے نکالی جانے والی ریل خالی پائی گئی۔ جبکہ اس میں خاصی تصویریں کھینچی جا چکی تھیں۔ خانو بعد میں فلائنگ لیڈر ولیم شا کے ساتھ مشن پر جاتا رہا تھا لیکن ولیم شا نے اپنی تفصیلی رپورٹ میں بھی اس وادی کا ذکر گول کر دیا تھا۔ ولیم شا نے نہ تو اس طرف سے طیارہ گزارنے کی کوشش کی اور نہ ان سے اس بارے میں بات کی۔ پانچویں مشن کے دوران برما اور تھائی لینڈ جاپانیوں سے واپس حاصل کر لئے گئے تھے اور اب چینی حریت پسندوں کی مدد وہاں سے کی جا رہی تھی۔ سنگاپور پر فیصلہ کن حملے کے لئے ان کے یونٹ کو برما بھیج دیا گیا تھا۔ ایک سال بعد جنگ ختم ہو گئی۔ برطانوی افسران واپس جانے لگے اور نچلے درجے کے ہندوستانی فوجیوں کو فارغ کیا جانے لگا۔ مگر خانو کا شمار ٹیکنیشن میں ہوتا تھا اس لئے اس کی ملازمت برقرار رہی لیکن اب وہ اس ملازمت سے اکتا گیا تھا۔ تحریک پاکستان عروج پر تھی اور ملازمت کی وجہ سے وہ گھٹن محسوس کرتا تھا۔ 1946ء کے مارچ میں اس کی تعیناتی بمبئی میں تھی۔ ایک روز وہ بیرک میں آیا تو دروازے پر ایک سپاہی اسے ملا۔ ''تم کو بلایا ہے۔''

''کس نے؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہم نہیں جانتا۔'' سپاہی دیسی ہوتے ہوئے بھی گورا شاہی اردو بول رہا تھا۔ ''افسر لوگ ہے ادھر کار میں انتظار کرتا۔''

خانو اس کے ساتھ سڑک کے پاس کھڑی کار تک آیا اور ولیم شا کو دیکھ کر اس نے سلیوٹ کیا۔

''سر آپ ادھر ہیں مجھے پتا نہیں تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس کلکتے سے آیا ہوں۔'' ولیم شا نے بتایا۔ ''میرے ساتھ چلو مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

خانو اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ وہ اسے ایک اونچے درجے کے بار تک لایا خانو نے میز پر بیٹھتے ہی اسے بتا دیا کہ وہ اب بھی نہیں پیتا ہے اس لئے ولیم شا نے اس کے لئے صرف سوڈا واٹر منگایا۔ اپنے لئے اس نے بیئر منگوائی تھی۔ خانو منتظر تھا کہ وہ موضوع کی طرف آئے جس کے لئے وہ اسے یہاں لایا تھا۔ بیئر کا گلاس ختم کر کے ولیم شا نے سگریٹ سلگائی۔ ''خانو میں ایک مہم لے کر ہمالیہ جا رہا ہوں۔''

خانو ہمالیہ کے نام پر چونکا۔ ''ذاتی طور پر۔''

''نہیں ایئر فورس کی جانب سے..... یہ ایک سروے مہم ہے۔'' وہ بولا۔ ''ہمیں مستند نقشے تیار کرنے ہیں۔''

''خانو ہچکچایا۔ ''مہم کس طرف سے جائے گی سر؟''

''آسام سے..... تمہیں ہوائی مستقر یاد ہے..... ہم وہیں سے روانہ ہوں گے۔''

''ہم کون..... سر؟''

''میں اور ایلن..... ہندوستانیوں میں سے تم ہو گے۔''

''کیا آپ نے سرکاری طور پر میرا نام دیا ہے؟''

''نہیں..... میں بمبئی آیا تھا..... سوچا پہلے تم سے پوچھ لوں..... پھر نام دوں گا۔''

''کیا میں سوچ سکتا ہوں سر؟''

''کیوں نہیں..... پرسوں میری روانگی ہے تم جواب دے سکتے ہو..... ہم مئی کے آخر یا جون کے پہلے ہفتے میں روانہ ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے سر..... میں سوچ کر جواب دوں گا لیکن میں کیوں سر؟''

ولیم شا مسکرایا۔ ''کیونکہ تم باصلاحیت اور اپنے کام سے کام رکھنے والے شخص ہو۔''

خانو نے سوچا اور دو دن بعد ولیم شا کو اپنی رضامندی سے آگاہ کر دیا۔ وہ خوش نظر آنے لگا۔ ''مجھے یقین تھا تم یہی فیصلہ کرو گے۔''

خانو کو ہمالیہ کا یہ اسرار سلسلہ کوہ کشش کرتا تھا۔ خاص طور سے وہ اس انجانی وادی کے بارے میں سوچا کرتا تھا جس نے انہیں اپنی ایک جھلک دکھائی تھی۔ ہمالیہ کے برف زاروں کے عین وسط میں ایک ہری بھری وادی کی موجودگی کس قدر تعجب انگیز تھی۔ ولیم شا نے جانے سے پہلے اسے کہا۔ ''جلد تمہیں سرکاری طور پر مہم کے بارے میں مطلع کیا جائے گا۔ تنخواہ اور متعلقہ الاؤنس نہیں ملیں گے لیکن ان کی پروا مت کرنا۔''

''ان کی مجھے ویسے بھی پروا نہیں ہے نوکری میں نے ضرورت کے تحت نہیں کی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

ولیم مسکرایا۔ ''میں نے سنا ہے کہ تمہارا تعلق کسی نواب خاندان سے ہے۔''

''نواب تو نہیں لیکن ہمارا خاندان صدیوں سے اپنے علاقے میں حکمراں چلا آ رہا ہے۔''

''ممکن ہے وسط مئی تک تمہیں آنا پڑے۔ بہتر ہے چھٹی لے کر گھر ہو آؤ۔ اس مہم میں نہ جانے کتنا عرصہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگ جائے۔"

"یہ بھی ممکن ہے سرے سے واپسی نہ ہو۔ میں پہاڑوں کا باشندہ ہوں اور جانتا ہوں کہ یہ کسی کو آسانی سے راستہ نہیں دیتے ہیں۔"

جب خانو کو سرکاری طور پر مطلع کیا گیا تو اس نے مہم کے لئے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے چھٹی کی درخواست دی اور گھر چلا گیا۔ ایک مہینہ وہاں گزار کر واپس آیا تو اس کا ریل ٹکٹ اس کا منتظر تھا۔ کلکتہ کے بجائے اسے براہِ راست آسام تک جانا تھا۔ ہوائی مستقر اب تقریباً ختم ہو چکا تھا اور وہاں برطانوی فضائیہ کے چند طیارے کھڑے تھے۔ بیشتر عملہ فارغ ہو چکا تھا۔ قبل از وقت بلانے کی وجہ ایک تربیتی کورس تھا جس میں مہم پر جانے والے افراد کو مختلف کام سکھائے جاتے۔ مہم میں کل پانچ افراد تھے۔ ولیم شا، ایلن بریڈ اور خانو کے علاوہ دو نیپالی پورٹر تھے۔ یہ خاص طور سے بلند علاقوں میں بوجھ اٹھانے کے لئے بے مثال سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں طیارے کے ذریعے ہمالیہ کے دامن میں ایک ایئر اسٹرپ پر اتارا جانا تھا جسے دوسری جنگ عظیم میں اتحادی فوج نے چین پر حملے کے لئے بنایا تھا لیکن اس کے استعمال کی کبھی کوئی نوبت ہی نہیں آئی۔

مئی کی آخری تاریخوں میں وہ روانہ ہوئے چھوٹے طیارے نے انہیں ہمالیہ کے دامن میں ایئر اسٹرپ پر اتارا۔ نو ہزار فٹ کی بلندی پر بے پناہ سردی تھی اور درجۂ حرارت رات کے وقت نقطۂ انجماد سے نیچے چلا جاتا تھا۔ مجموعی طور پر ان کے ساتھ دو سو کلوگرام سامان اتارا گیا تھا۔ جس میں خشک خوراک، ایندھن، خیمے، کمبل، دوائیں اور دوسرا ضروری سامان تھا جو اس مہم میں استعمال ہوتا۔ ہر نیپالی پورٹر ساٹھ ساٹھ کلوگرام وزن اٹھاتا اور ان کو تیس کلوگرام کے قریب وزن اٹھانا پڑتا۔ طیارے کے پائلٹ نے بتایا کہ وہ ایک ہفتے بعد چکر لگائے گا اور اس کے بعد ہر تیسرے دن یہاں آئے گا وہ اس وقت تک آتا رہے گا جب تک موسم اجازت دے گا۔

سر سے پاؤں تک وہ پوری طرح موسم کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ طیارے کی واپسی کے فوراً بعد انہوں نے آگے کا سفر شروع کر دیا تھا۔ ان کے پاس دو ہفتے کی خوراک تھی اور اس دوران میں انہیں ایئر ٹرپ تک واپس آ جانا تھا۔ پائلٹ نے ایک پیکٹ الگ سے اتارا تھا۔ جسے انہوں نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ اگر واپسی تک ان کی خوراک ختم ہو جاتی اور پائلٹ طیارہ نہیں لایا ہوتا تو وہ اس محفوظ خوراک سے استفادہ کر سکتے تھے۔

خانو اس مہم میں خود کو ایک غیر متعلقہ فرد محسوس کر رہا تھا کیونکہ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور ان کے کیا عزائم ہیں۔ ولیم شا اور ایلن اس سے دور آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے اور نقشے دیکھا کرتے تھے اور اسے اپنی کسی بات میں شریک نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے تین خیمے لگوائے تھے۔ نیپالی پورٹر رات کھلے میں کمبل میں گزارنے کے عادی تھے اور ان کے لئے خیمے لانے کا مطلب تھا کہ وزن میں مزید اضافہ کر لیا جاتا۔ رات کا کھانا کھاتے ہی وہ اپنے خیموں میں گھس گئے تھے۔ سردی ایسی تھی کہ گرم سلیپنگ بیگ میں بھی خاصی دیر تک ٹھٹھرنے کے بعد انہیں نیند آئی تھی۔ صبح خانو خیمے سے نکلا تو ولیم شا دھوپ میں دوربین سے دور نظر آنے والے برف زدہ پہاڑوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ خانو نے اسے صبح بخیر کہا۔ "آؤ دوست..... وہ دیکھو..... ہمیں اس جگہ ہمالیہ میں داخل ہونا ہے۔" اس نے خانو کو دوربین تھما دی۔

"سر، ہمارے پاس سروے کا سامان تو ہے نہیں۔" خانو نے دوربین لے کر مذکورہ درّہ دیکھا تو وہ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانا پہچانا لگا تھا۔ خاص طور سے اس کے اوپر مخروطی گنبد نما چوٹی.....اس نے کہاں دیکھی تھی۔ پھر اسے یاد آیا جب وہ وادی سے نکلے تھے تو ہمالیہ اترنے سے پہلے اس نے یہ درّہ اور چوٹی دیکھی تھی اس کا شبہ پختہ ہونے لگا۔ ولیم شا کا اصل مقصد زمینی راستے سے اس وادی تک رسائی حاصل کرنا تھا۔ یہ کام طیارے کی مدد سے زیادہ آسانی سے ہوسکتا تھا۔ مگر اوّل تو اسے ہمالیہ کی طرف طیارہ لے جانے کی اجازت نہیں ملتی۔ دوسرے اس طرح سے وادی کا راز اور لوگوں کے علم میں آجاتا لہٰذا اس نے زمینی راستے سے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''سر کیا ہم اس وادی کی طرف سفر کر رہے ہیں؟''

ولیم شا چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''سر یہ جو چوٹی نظر آرہی ہے یہ میں نے واپسی میں دیکھی تھی۔ مجھے یاد ہے۔''

''اس کا مطلب ہے میں نے تمہیں لے جانے کا فیصلہ درست کیا ہے۔'' ولیم شا نے خود سے کہا تھا۔ ''خانو مجھے یقین تھا تم اس سفر کے لئے موزوں ترین شخص ہو۔ ہاں میرا مقصد اس وادی کی طرف رسائی حاصل کرنا ہے۔ اس جگہ سے آنے کے بعد ہم دنیا کے مشہور ترین انسان ہوں گے۔''

''بشرطیکہ ہم واپس آسکے۔ میرے خیال میں زمینی سفر بے حد دشوار ہوگا۔ شاید طیارے کے سفر کا ایک منٹ ہمیں ایک دن کے برابر پڑے۔''

''دشواری ہوگی۔ مگر میں وہاں تک رسائی کا عزم لے کر جا رہا ہوں۔''

''سر اس صورت میں پندرہ دن کی خوراک ناکافی ہوگی۔ ہمیں کم سے کم ایک مہینے کی خوراک رکھنی چاہئے تھی۔'' اس نے کہا۔

''اس صورت میں ہمیں مزید افراد لینا پڑتے اور میں کم سے کم افراد کے ساتھ یہ سفر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ شرپا نیپالی ہیں۔ واپسی پر ہم انہیں ایئر اسٹرپ سے فارغ کر دیں گے اور وادی کا راز صرف ہم تین افراد کے پاس ہوگا۔''

''سر، اس وادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''ممکنہ طور پر یہ کوئی پرانا تمدن ہے۔ ہمالیہ کے برف زاروں کی وجہ سے اس کا رابطہ باقی دنیا سے کٹ گیا ہے اور یہ لوگ بس اس وادی کی حد تک جی رہے ہیں۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟''

''سر مجھے تو یہ کوئی طلسمی شہر لگتا ہے۔ اس کی کوئی شے نارمل شہروں کی طرح نہیں ہے۔ وادی میں بھاگتے دوڑتے جانور بھی عام جانوروں کی طرح نہیں تھے۔''

ولیم شاہ ہنسا۔ ''تم مشرقی ہر شے کو طلسم کی طرف لے جاتے ہو۔ دیکھو ناں وادی اتنے عرصے سے باقی دنیا سے الگ ہے تو وہاں کی ہر شے باقی دنیا سے الگ ہی ہوگی۔''

نیپالی شرپا ناشتا بنا رہے تھے۔ ابلے ہوئے انڈے، دلیا اور کافی۔ انڈے وہ ابال کر لائے تھے۔ اب انہیں بس کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر گرم کرنا تھا۔ ناشتا کر کے انہوں نے سامان باندھا اور روانگی کے لئے تیار ہوگئے۔ دس ہزار فٹ کی بلندی پر برف کا علاقہ شروع ہوگیا تھا انہوں نے چھڑیاں نکال لیں اور خود کو ایک لمبی رسی سے باندھ لیا۔ ہر شخص دوسرے سے پانچ گز کے فاصلے پر چل رہا تھا تاکہ اگر کوئی برف میں چھپے گڑھے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرے تو باقی محفوظ رہیں اور اسے بچالیں۔ وہ احتیاطاً برف میں چھڑیاں مار مار کر چل رہے تھے۔ بلندی بڑھنے کے ساتھ ہوا لطیف ہوتی جارہی تھی اور اس میں سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ آگے بڑھنے کی رفتار بے حد سست تھی۔ دو بجے وہ کھانے کے لئے رکے تھے اگرچہ انہوں نے زیادہ وزن نہیں اٹھایا تھا۔ اس کے باوجود ان کی حالت نیپالی شرپاؤں سے زیادہ خراب تھی جنہوں نے ان سے زیادہ وزن اٹھا رکھا تھا۔ نصف گھنٹے بعد وہ پھر روانہ ہو گئے تھے اور شام تک گیارہ ہزار فٹ بلندی پر واقع اس درّے تک جا پہنچے تھے۔ مخروطی چوٹی کے نیچے کھڑے ہو کر انہوں نے درّے کے دوسری جانب دیکھا تو لامتناہی فاصلے تک برف ہی برف تھی اور اونچے نیچے پہاڑ تھے ہمالیہ اپنی ہیبت سمیت ان کے سامنے تھا۔

☆======☆======☆

راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''جانتے ہو خانو کون تھا؟''

''جناب معاف کیجئے گا۔ بچگانہ سوال ہے کہ اس کا جواب ایک بچہ بھی دے سکتا ہے ظاہر خانو آپ ہی ہیں۔'' میں نے ادب سے کہا۔

راجا عمر دراز ہنسا۔ ''میری عمر تک آ کر آدمی کو کبھی کبھی بچہ بننے کا شوق ہو جاتا ہے۔ ہاں خانو میں ہی ہوں۔ یہ ہماری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چھوٹے سردار کے ہیں۔''

''راجا صاحب مجھے یہ سب بتانے کا مقصد؟''

''مقصد ہے لیکن ابھی نہیں..... جب پوری داستان سنا دوں گا تو مقصد بھی بتا دوں گا۔ اب رات خاصی ہو گئی ہے تم جا کر آرام کرو۔''

''باقی کب بتائیں گے؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔ سچی بات ہے کہ میں راجا صاحب کی داستان میں نہ چاہتے ہوئے بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا اور باقی آئندہ کا اعلان مجھے کھل رہا تھا۔

''اگر کوئی مصروفیت نہ ہوئی تو کل سنا دوں گا۔''

راجا نشست گاہ سے نکل گیا۔ شاید وہ بھی تھک گیا تھا۔ میں واپس مہمان خانے میں آیا تو سب سونے کے لئے اپنے کمروں میں جا چکے تھے اور مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر بیٹھا بور ہوتا رہا چادر اوڑھ کر لان میں نکل آیا تھا۔ باہر خنکی تھی جو بھلی لگ رہی تھی۔ میں لان میں ٹہلتا رہا اور ایک بار ٹہلتا ہوا پائیں باغ کی طرف چلا گیا۔ اچانک ہی میری نظر رحمت پر پڑی وہ دبے قدموں دیوار کے ساتھ ساتھ لگا کوٹھی کی عمارت کے عقبی حصے میں جا رہا تھا۔ مجھے اس کا انداز مشکوک لگا۔ اسے آواز دینے کے بجائے میں دبے قدموں اس کے پیچھے جانے لگا۔ رحمت عقبی حصے کی طرف مڑا تو مجھے اس کے ہاتھ میں کسی ہتھیار کی جھلک نظر آئی تھی۔ میں چادر پھینک کر بے قدموں بھاگا۔ رحمت کیا کرنے جا رہا تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا۔ وہ چھوٹی سی منڈیر پر چڑھ کر ایک کھڑکی سے اندر جھانک رہا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کا پستول والا ہاتھ بلند ہونے لگا۔ میں زندگی میں شاید کبھی اتنا تیز نہ بھاگا ہوں گا جتنا اس روز بھاگا تھا۔ رحمت کے نزدیک جاتے ہی میں نے ہوا میں جست لگائی اور اسے لیتا ہوا مین پر جا گرا۔ اسی لمحے اس نے فائر کر دیا تھا۔ جو کھڑکی کے شیشے پر لگا تھا۔ دوسرے فائر سے پہلے میں نے اس سے پستول چھین لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کیا کیا پاگل آدمی؟'' میں نے اسے جھنجھوڑا۔

''ہاں میں پاگل ہوں۔'' اس نے چلا کر کہا۔ ''میرے بیوی، بچے درندوں کی قید میں ہیں تم لوگ آرام سے بیٹھے گپیں مار رہے ہو۔''

اس دوران میں رات کے محافظ وہاں آ گئے تھے اور پھر کھڑکی سے راجا عمر دراز نمودار ہوا۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''اس نے آپ پر فائر کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اسے اندر لاؤ۔'' راجا عمر دراز نے محافظوں کو حکم دیا۔

میں بھی ان کے ساتھ اندر آیا۔ رحمت دیوانگی کے دورے سے باہر آ کر سہما ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسے راجا عمر دراز کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں نے اسے تفصیل سے سارا واقعہ سنایا۔ اس نے رحمت کی طرف دیکھا۔ ''تم نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کیوں کی؟''

''جناب انہوں نے میرے بیوی بچوں کو مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔'' رحمت گڑگڑایا۔

''کھل کر بات کرو۔'' راجا عمر دراز نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ورنہ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔''

''نہیں جناب۔'' وہ لرز گیا تھا۔ ''میں سچ سچ بتا دوں گا۔ کل مجھے شمشاد باہر لیا تھا وہ کوٹھی میں کام کرتا ہے اس نے میری دو آدمیوں سے ملاقات کرائی تھی۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی اگر میں نے ان کے حکم پر عمل نہیں کیا تو میری بیوی اور بیٹی کو مار دیا جائے گا۔''

''شمشاد کو چیک کرو۔'' میں نے ایک محافظ سے کہا اور وہ باہر چلا گیا۔ ''تمہیں پستول کس نے دیا تھا؟'' میں نے رحمت سے پوچھا۔

''آج شام کو مجھے شمشاد نے باہر لے جا کر میری بیوی اور بیٹی کو دکھایا تھا وہ ایک کار میں تھیں مگر مجھے ان سے ملنے نہیں دیا تھا۔ واپسی پر شمشاد نے مجھے پستول اور حکم دیا کہ میں راجا صاحب کو قتل کر دوں۔ میں کیا کروں میں مجبور تھا۔'' وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ مجھے اس پر ترس آنے لگا کہ وہ کن لوگوں کے کہنے میں آ کر یہ کام کرنے جا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا وہ کسی صورت میں اس کی بیوی اور بیٹی کو نہیں چھوڑیں گے۔ کم سے کم زندہ تو نہیں چھوڑیں گے۔ اس دوران میں محافظ نے آ کر بتایا۔

''شمشاد رات نو بجے سے کوٹھی سے نکلا ہوا ہے اور اب تک واپس نہیں آیا۔''

''شمشاد کیا کرتا ہے؟'' راجا عمر دراز نے پوچھا۔

''مالی کا نائب ہے۔'' محافظ نے بتایا۔

''مالی کو چیک کرو اور اسے پابند کرو کہ وہ باہر نہ جانے پائے۔'' راجا عمر دراز نے حکم دیا۔ ''اسے بھی لے جا کر بند کرو اس کا فیصلہ بعد میں کریں گے۔''

محافظ روتے بلکتے رحمت کو ساتھ لے گئے تھے میں ترس کھانے کے باوجود اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھا۔ ''جناب آپ نے اسے بیوی بیٹی چھوڑنے کو کہا تھا اور اس نے رحمت کو آلہ کار بنا لیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجا عمر دراز کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ''ڈیوڈ شا کو دھوکا مہنگا پڑے گا۔''

''فی الحال تو آپ بال بال بچے ہیں.....'' میں نے کہا تھا کہ باہر ایک شدید دھماکا سنائی دیا۔ میں اور راجا عمر دراز بے ساختہ کھڑے ہو گئے۔

☆======☆======☆

راجا عمر دراز نے باہر جانا چاہا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ ''نہیں جناب آپ کا کھلی فضا میں جانا مناسب نہیں ہے۔ اپنے آدمیوں سے معلوم کریں۔''

بات راجا عمر دراز کی سمجھ میں آ گئی تھی، اس نے اپنے کارڈلیس انٹرکام پر کسی سے رابطہ کیا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''میں اس کے پاس تھا اس لئے کارڈلیس سے آنے والی آواز سن رہا تھا۔ کسی نے ہیجانی انداز میں کہا۔ 'جناب کسی نے مین گیٹ پر بم مارا ہے..... ایک محافظ زخمی ہے..... دوسرا اندر ہونے کی وجہ سے بچ گیا ہے۔''

''سب کو الرٹ کر دو۔'' راجا عمر دراز غرایا۔

اسی اثناء میں وسیم بھی اندر آ گیا تھا۔ اس کے زخم خاصی حد تک بھر چکے تھے اور وہ معمول کی حرکت کرتا تھا مگر ابھی تک اپنی ذمے داریاں نبھانے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ غالباً دھماکے نے اسے کمرے سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ''کیا ہوا ہے جناب عالی؟'' اس نے راجا عمر دراز سے پوچھا۔

''کسی نے مین گیٹ پر بم مارا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''ایک زخمی ہے، دوسرا اندر ہونے کی وجہ سے گیا۔''

''وہ لوگ اب براہِ راست حملوں پر اتر آئے ہیں۔'' وسیم نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''یہ جگہ غیر محفوظ ، سب کو دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہئے۔''

''کیا یہ مسئلے کا حل ہے؟'' راجا عمر دراز کے لہجے میں ناگواری تھی۔ ''یہ میرے وقار کا.....''

''جناب، گستاخی معاف..... ڈیوڈ شا جیسے مکار اور مرشد علی جیسے گھٹیا دشمن کے سامنے وقار کام نہیں آتا ۔ مجھے رحمت کے حملے کا علم ہو چکا ہے۔ ڈیوڈ شا سے رابطہ غلطی تھی۔ اسے ہمارے ٹھکانے کا علم ہو گیا۔''

''وسیم درست کہہ رہا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''افسوس مجھے خیال نہیں رہا کہ اب موبائل فون کا ع بھی لگایا جا سکتا ہے۔''

اسی لمحے شکیل اندر آیا تھا۔ اس نے وسیم کو رپورٹ دی۔ ''ایک کار سے راکٹ فائر کیا گیا ہے۔ مین گیٹ ستون تباہ ہو گیا اور اس کے پاس موجود گارڈ زخمی ہوا ہے تاہم اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔''

''اپنے سارے آدمیوں کو الرٹ کر دو۔'' وسیم نے کہا۔

اس دوران میں سوچ میں پڑ گیا تھا کہ دشمن نے ایسا بچگانہ قدم کیوں اٹھایا۔ چلتی کار سے راکٹ فائر کر کوٹھی کی چار دیواری کو ہی تباہ کر سکتا تھا۔ اندر والے محفوظ تھے۔ اچانک ایک بوکھلا دینے والا اندیشہ میرے ں آیا تھا۔ ''جناب..... اتنے بڑے دھماکے کے بعد پولیس کا اس طرف آنا لازمی ہے اور نہ صرف میں اور اس کے ساتھی بھی پولیس کو مطلوب ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز صاحب درست کہہ رہے ہیں۔'' وسیم کے لہجے سے فکرمندی جھلکنے لگی تھی۔''ان کا یہاں ہونا او پولیس کا سامنا کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''صرف شہباز کے لئے ہی نہیں تمہارے لئے بھی خطرہ ہے۔'' راجا عمر دراز نے چند لمحے سوچنے کے بع فیصلہ کن لہجے میں کہا۔''تم لوگ نکلو..... صرف چند افراد یہاں رکیں گے..... قادس بھی تمہارے ساتھ جائے گا شہباز کا علاج جاری رکھنا ضروری ہے۔''

راجا عمر دراز نے ہمیں جانے کا اشارہ کر کے کارڈلیس پر بیک کو طلب کیا تھا۔ میں، وسیم اور شکیل باہر گئے۔''میرا خیال ہے ندیم اور اس کے بیوی، بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔''انہیں پولیس سے خط نہیں ہے۔''

''میں باہر جا کر مونا اور سفیر کو اٹھاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

شکیل مسکرایا۔''جناب اس وقت کوٹھی کا ہر فرد جاگ رہا ہے۔ دھماکا ہی ایسا تھا۔ مونا بی بی مجھ سے پو رہی تھیں۔''

مونا اور سفیر نہ صرف جاگ رہے تھے بلکہ یہاں سے نکل بھاگنے کے احکامات پر تبادلہ خیال بھی کر رہے تھے۔''بس تیار ہو جاؤ.....'' میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔''ہمیں نکلنا ہے اس سے پہلے کہ پولیس یہا آ جائے۔''

انہیں مختصراً راکٹ حملے اور اس کی پس پردہ وجہ سے آگاہ کر کے میں ندیم کے پاس آیا۔ وہ بھی بیوی بچو کے ساتھ جاگ رہا تھا۔ میری بات سن کر اس نے سر ہلایا۔''بالکل درست فیصلہ ہے اور مجھے ویسے بھی اکرم چن کے خلاف اغوا کی ایک ایف آئی آر اور کل عدالت میں ایک پٹیشن دائر کرانی ہے۔''

''مگر احتیاط کرنا..... بلکہ ایسا کر بھابی اور بچوں کو کچھ عرصے کے لئے کہیں بھیج دے۔''

''اچھا ہے اس بہانے ہی میکے جائے۔'' ندیم نے مسکرا کر بیوی کی طرف دیکھا تو وہ خفا ہو گئی۔

''میں کون سا آپ کے سر پر سوار رہتی ہوں!''

''سر پر نہیں..... اعصاب پر تو سوار رہتی ہو۔'' ندیم نے سرد آہ بھری اور بچوں کی طرف اشارہ کیا۔'' نعمتیں اور رحمتیں اس کا ثبوت ہیں۔''

شازیہ جھینپ گئی تھیں''آپ تو بس شروع ہو جاتے ہیں۔''

''میں چلتا ہوں..... ابھی یہاں سے نکلنا بھی ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا۔''میرے بارے میں واویلا مچا رکھنا اور کوشش کرنا مرشد علی اینڈ پارٹی کا نام منظر عام پر آ جائے لیکن رحمت یا اس کی بیوی اور بیٹی کی طرف سے بھی اشارہ مت کرنا۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' ندیم نے سر ہلایا۔''لیکن رحمت خان نے حماقت کی ہے۔''

''مجبور آدمی ہے اس کے پاس بیوی اور بیٹی کے سوا ہے بھی کیا۔'' میں نے کہا۔''مجھے امید ہے راجا ا معاف کر دے گا۔''

''سفیر اور مونا وسیم کے ساتھ کوٹھی کی بڑی نشست گاہ میں تھے۔ وسیم نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔''پولیس آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والی ہے اس کے آنے سے پہلے ہمیں اپنے مخصوص اسلحے سمیت یہاں سے غائب ہو جانا ہے۔''

''نکلیں گے کیسے؟'' میں نے پوچھا۔ ''مرشد علی کے آدمی جب راکٹ فائر کر سکتے ہیں تو کوٹھی کی نگرانی بھی کر رہے ہوں گے۔''

''آپ فکر مت کریں، ہم ایک اور راستے سے نکلیں گے۔'' وسیم نے کہا۔ ''میرے آدمیوں نے کوٹھی کے عقبی حصے سے گزرنے والی ایک متروکہ سیوریج لائن دریافت کی ہے اس سے ذرا مشکل تو پیش آئے گی لیکن ہم بلا خوف و خطر گزر جائیں گے۔''

ہم کوٹھی سے باہر آئے تو وسیم کے آدمی راستہ کھول چکے تھے۔ مین ہول کا فولادی ڈھکن بظاہر کوٹھی کے سیوریج سسٹم کا ایک حصہ لگ رہا تھا وسیم اور شکیل جا رہے تھے، ان کے آدمیوں نے سامان کے بکس اٹھا رکھے تھے، وہ ایک ایک کر کے مین ہول میں اتر گئے۔ اسی اثنا میں ایک شخص رحمت خان کو لے آیا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ جا رہا تھا۔ سب سے آخر میں، میں اترا اور اوپر سے ایک شخص نے ڈھکن لگا دیا تھا۔ مین ہول خشک اور صاف تھا ہلکی سی بو رچی ہوئی تھی۔ مگر یہ قابل برداشت تھی۔ چار فٹ قطر کے پائپ سے گزرنا مشکل نہیں تھا، بس ذرا سا سر جھکا کر سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ متروک لائن کا دوسرا سرا جنگل میں نکلا تھا۔ میرا خیال تھا، ہم نے اندر ہی اندر کوئی نصف کلو میٹر پیدل سفر کیا تھا۔ وسیم کے آدمیوں نے روشنی کا بھی معقول بندوبست کر رکھا تھا۔ اس لئے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ بس ذرا حبس کا احساس تھا، وہ بھی جنگل کی کھلی فضا میں نکل کر جاتا رہا۔ آکسیجن سے بھرپور نباتات سے ہلکی فضا میں سانس لے کر میں لمحوں میں تازہ دم ہو گیا تھا۔

سارا سامان ایک جگہ ڈھیر تھا اور وہیں مجھے حکیم قادس مع اپنے ساز و سامان کے نظر آیا تھا۔ وہ شاید سب سے پہلے آیا تھا۔ ہم سب کوئی بندرہ افراد تھے۔ وسیم اور شکیل ایک طرف کھڑے تھے میں..... ان کے پاس چلا آیا۔ ''اب یہاں سے کہاں جانا ہے؟''

''ابھی گاڑیاں آ جائیں گی۔'' وسیم نے بتایا۔ ''مجھے شبہ ہے نہ صرف راجا صاحب کی کوٹھی کی بلکہ اس کے ارد گرد کی سڑکوں کی بھی نگرانی کی جا رہی ہے۔ ہمیں نکلنے میں احتیاط سے کام لینا ہوگا۔''

''اس صورت میں مناسب ہوگا، اسلحہ تیار رکھا جائے۔'' میں نے مشورہ دیا۔

شکیل عملی طور پر کمانڈر تھا، وہ اپنے ساتھیوں کو ہدایت دینے لگا۔ انہوں نے بکس کھول کر اس میں سے اسلحہ نکال لیا تھا۔ ان لوگوں نے روشنیاں گل کر دی تھیں اور چاند کی روشنی پر گزارہ کر رہے تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر سفیر اور مونا ایک طرف درخت کے سائے میں سرگوشیوں میں مگن تھے۔ اکتوبر کا آغاز تھا اور رات کو خاصی خنکی ہو جاتی تھی۔ کوئی نصف گھنٹے بعد شکیل کے موبائل پر کال آئی۔ ''سب تیار ہو جائیں۔'' اس نے کال سن کر کہا۔ ''ہمیں سڑک تک چلنا ہے۔''

شکیل کی رہنمائی میں ہم سب چل پڑے تھے۔ ایک جگہ سڑک سے کچھ ہی دور شکیل ہمیں روک کر خود سڑک تک گیا۔ میرا خیال تھا کہ کوئی جیپ، کار یا وین ہمیں لینے آئے گی لیکن جب دودھ کے ڈبوں سے لدا ایک کھڑکھڑاتا ٹرک سڑک کے کنارے رکا تو میں دنگ رہ گیا تھا۔ وسیم مسکرایا۔ ''اس میں سفر کرنے پر بھلا کون شک کر سکتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس میں بیٹھیں گے کہاں؟'' میں نے ٹرک کا جائزہ لیا۔ ''یہ تو اوپر تک ڈبوں سے بھرا ہوا ہے۔''

''ابھی دیکھتے جائیں۔'' وسیم مسکرایا۔ شکیل ٹرک کے پاس گیا تھا، اس نے ڈرائیور سے کچھ کہا اور اس جانے کیا کیا کہ ٹرک کی ایک سائیڈ اوپر کی طرف کھلنے لگی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ حصہ اوپر اٹھتا چلا گیا تب پتا چلا کہ ٹرک پر رکھے جانے والے دودھ کے ڈبے صرف ایک دھوکا ہیں۔ ان کے عقب میں ایک اتنا بڑا خانہ تھا جس میں ہم سب مع سامان کے سما سکتے تھے۔ شکیل نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور سب بھاگ کر اس کھلے حصے میں گئے۔ ٹرک سڑک کے کنارے اس حالت میں کھڑا تھا کہ اس کا ایک حصہ کھل کر ہوا میں معلق تھا۔ کسی وقت بھی کوئی گاڑی آ سکتی تھی۔ خفیہ خانہ کھلنے کے ایک منٹ کے بعد ہم سب مع شکیل اس میں جا چکے تھے اور خانہ بند ہو گیا۔ ٹرک ایک گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ اسٹارٹ ہوا اور آگے روانہ ہو گیا۔ اندر روشنی تھی اور میں وسیم کے پاس بیٹھا تھا۔

''حیرت انگیز..... تم نے محفوظ سفر کے لئے زبردست چیز بنا رکھی ہے۔''

''ہمیں ایسی چیزیں رکھنا پڑتی ہیں۔'' وسیم بولا۔ ''ان کے بغیر ہمارا کام نہیں چلتا ہے۔''

''اسی لمحے ٹرک رک گیا۔ شکیل نے اضطراب سے کہا۔ ''یہ کیوں رکا ہے؟''

اس نے اٹھ کر چھت کے پاس لگا ایک بٹن دبایا۔ یہ شاید کوئی مائیک سسٹم تھا کیونکہ فوراً ہی اندر ڈرائیور کی آواز گونجی تھی۔ وہ دیہاتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''کی گل ہے سرکار..... کیوں روکا ہے؟''

''اوئے ٹرک میں کیا ہے؟''

ڈرائیور ہنسا۔ ''کیوں مخول کرتے ہو سرکار..... دودھ کے ٹرک میں کیا ہوگا..... سبزی یا مرغی؟''

''بکواس نہ کر.....'' بولنے والے نے ڈرائیور کو ایک فحش گالی دی تھی۔ ''جتنا پوچھا ہے اتنا بول۔''

''تو ناراض کیوں ہوتے ہو سرکار..... بتایا ہے دودھ ہے۔''

''اس کی تلاشی لو.....''

''نہ، تلاشی کیوں..... تسی پولیس والے ہو؟''

ڈرائیور کو گالی دینے والے نے پولیس کی شان میں بھی گستاخی کی تھی۔ ''نیچے اتر.....''

ڈرائیور نے مزاحمت کی اس پر انہوں نے اسے ٹرک سے اتار کر مارنا شروع کر دیا تھا۔ شکیل نے دانت پیسے۔ ''احمق ان سے الجھنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ہماری آواز باہر جا رہی ہے؟'' میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

''نہیں لیکن اگر ہم چاہیں تو آواز باہر جا سکتی ہے۔'' شکیل نے کہا۔ وہ اور اس کے ساتھی متفکر نظر آنے لگے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ ٹرک کو روکنے والے اور ڈرائیور کو زدوکوب کرنے والے ہمارے دشمن تھے۔ مجھے فکر تھی کہ اگر انہوں نے ڈرائیور کو بے ہوش کر دیا یا مار دیا یا پھر ساتھ لے گئے تو ہمارا کیا ہوگا۔

''ٹرک کا یہ خانہ اس جگہ سے کھولنے کا کوئی ذریعہ موجود ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس بٹن کے دبانے سے یہ خانہ کھل جائے گا۔'' شکیل نے چھت پر لگے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ ڈرائیور اور ان لوگوں کی آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ شاید وہ اسے دور لے گئے تھے۔ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانس روکے انتظار کر رہے تھے۔ مونا نے سرگوشی میں سفیر سے پوچھا۔

''اب کیا ہوگا؟''

''وہی جو منظورِ خدا ہوگا۔'' سفیر نے روایتی جواب دیا، مونا اسے گھور کر رہ گئی۔

اس جگہ ہوا کی آمد و رفت کا کوئی نظام تھا کیونکہ اتنے لوگ ہونے کے باوجود اندر گھٹن نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ تقریباً دس منٹ بعد شکیل نے اپنے آدمیوں کو تیار ہونے کو کہا۔ ''ہمیں باہر جانا ہوگا۔''

کیونکہ عملی طور پر اس وقت کمانڈر شکیل تھا، اس لئے وسیم نے اس کے کام میں مداخلت نہیں کی۔ البتہ اس کے تاثرات سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ شکیل کے فیصلے سے متفق نہیں تھا۔ شکیل اور اس کے دو ساتھی باہر جانے کے لئے تیار تھے۔ شکیل نے پہلے اندر کی روشنی بند کی اور پھر خانہ کھولنے والا بٹن دبایا تاکہ کھلنے والے خانے سے آنی باہر نہ جا سکے۔ بٹن دبانے کے بعد بھی خاموشی رہی اور خانہ نہیں کھلا۔ شکیل نے اس بار روشنی کر کے بٹن دبایا۔ نتیجہ پہلے والا نکلا تھا۔ اس کے بعد وہ بار بار دباتا رہا۔

''خانہ نہیں کھلا۔'' اچانک وسیم نے اس سے کہا۔ ''اپنی توانائیاں ضائع مت کرو۔''

''کیوں؟'' شکیل نے پوچھا۔

''جب تک ٹرک کا انجن اسٹارٹ نہیں ہوگا، یہ سسٹم کام نہیں کرے گا۔''

شکیل کا منہ اتر گیا تھا اور مونا نے خوف زدہ لہجے میں سرگوشی کی۔ ''میرے خدا! ہم اس جگہ قید ہو کر رہ گئے ہیں اگر کوئی مسئلہ ہو گیا تو کیا ہوگا؟''

اس کی بات ذرا دیر سے میری سمجھ میں آئی تھی۔ میں نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی تھی وہاں جان پر بنی تھی اسے فطری تقاضوں کی پڑی تھی۔ اس وقت صبح کے پانچ بج رہے تھے اور کچھ دیر بعد باہر روشنی نمودار ہونے لگتی اس وقت یہ ٹرک لوگوں کی نظروں میں آ جاتا۔ بات پولیس تک جاتی تو ہمیں بازیاب ہونے میں زیادہ دیر نہ لگتی۔ وسیم کا ذہن بھی اسی نہج پر سوچ رہا تھا۔

''شہباز صاحب، آپ کا پولیس سے بچنا لازمی ہے۔ راجا صاحب نے ہمیں یہ ذمے داری سونپی ہے۔''

''پولیس سے کون بچ جائیں گے پہلے اس قید خانے سے تو نکلیں۔''

''اس سے پہلے کبھی ایسا مسئلہ ہی نہیں ہوا۔'' شکیل نے کہا۔

''ہر مسئلہ کبھی نہ کبھی پہلی بار ہوتا ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

حکیم قادس اپنی زبان میں بڑبڑایا۔ اس کے نائب نے ترجمہ پیش کیا۔ ''حکیم صاحب فرما رہے ہیں، کے ہاتھ کی مالش کا وقت ہو گیا ہے۔''

''اسے کہو فی الحال خاموش بیٹھے۔'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں شہباز صاحب، یہ ضروری ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''آپ مالش ضرور کروائیں۔''

ڈرائیور کو غائب ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اور صورتِ حال سنگین تھی۔ اگر ڈرائیور کو لے جانے والے نقت سے واقف ہو چکے تھے تو جلد یا دیر ہم مرشد علی کے ہتھے چڑھنے والے تھے اور اگر انہوں نے حقیقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے بغیر ڈرائیور کو مار دیا یا اپنے ساتھ لے گئے تھے تب بھی صورت حال کی سنگینی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ہم بے بسی سے اس جگہ بند تھے۔ حکیم قادس نے میرے ہاتھ کی مالش شروع کر دی تھی۔ ساتھ ہی وہ معمول کے مطابق تقریریں بھی کر رہا تھا اور اس وقت اس کی یہ تقریر مجھ پر گراں گزر رہی تھی۔ تنگ آ کر میں نے خادم سے کہا۔ ''حکیم سے کہو چپ رہے، ممکن ہے دشمن اس وقت اس کی آواز سن لیں اور ہم سب مارے جائیں۔''

نائب کی بات سن کر حکیم قادس کی زبان کو فوری طور پر بریک لگی تھی اور میرے ساتھ دوسروں نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''اس جگہ سے نکلنے کا کوئی اور طریقہ ہے؟''

''بہت مشکل ہے۔ اس خانے کو خصوصی طور پر بلٹ پروف فولادی چادر سے بنایا گیا ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں اسے توڑنا تقریباً ناممکن ہے۔''

''گویا ہم اپنے بنائے ہوئے دان میں خود قید ہو کر رہ گئے ہیں۔''

''آئی ایم سوری۔''

''ارے نہیں..... میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں ہے۔'' میں نے وسیم کو تسلی دی۔ ''ظاہر ہے یہ سب اتفاق سے ہوا ہے۔''

بظاہر تو میں خوش مزاجی دکھا رہا تھا لیکن اندر سے متفکر ہو چکا تھا کہ اگر ڈرائیور یا کوئی اور نہیں آیا تو ہمارا کیا ہوگا۔ امکان یہی تھا کہ پولیس اسٹیشن میں شایان شان استقبال ہوگا۔ اس دوران میں شکیل اپنے آلہ مواصلات آزما رہا تھا۔ ریڈیو بے کار تھا کیونکہ اس کے پاس ایف ایم موڈ پر کام کرنے والے ریڈیو تھے اور موبائل فون کے سگنل اس خانے میں اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ ان سے کام لینا مشکل تھا۔ دو دفعہ شکیل نے کسی سے رابطے کی کوشش کی اور ناکام رہا تھا سب کے چہروں پر سوالیہ نشان بنا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ میں نے اچانک قہقہہ لگایا تو سب نے میری طرف یوں دیکھا جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''شوبی تم ٹھیک ہو؟''

''الحمدللہ۔'' میں نے ایک دم سنجیدہ ہو کر اور اسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ مزید ڈر گئی تھی۔ وہ جلدی سے سفیر کے پاس کھسک گئی اور جا کر بہ آواز بلند سرگوشی کی۔

''میں کہتی تھی ناں، یہ حکیم کا بچہ کچھ گڑبڑ کرے گا۔''

وسیم میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''کیا بات ہے شہباز صاحب۔''

''یار خیال آیا تھا اگر کوئی ٹرک چرا کر لے جائے تو ہماری بھی لاٹری ہو سکتی ہے۔''

بات وسیم کی سمجھ میں آئی تو اس نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔ ''خیال تو واقعی انوکھا ہے۔ سب مل کر کسی چور کے لئے دعا کرتے ہیں۔''

مونا نے مجھے گھورا۔ ''تم نے ڈرا دیا تھا۔''

میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ حکیم قادس مالش مکمل کر کے اپنی جگہ چلا گیا تھا۔ ''حالانکہ بی بی تمہیں ایک فرد سے ڈرنا چاہئے جو مستقبل میں تمہارا.....''

''بس شروع ہو گئے۔'' مونا نے جھینپ کر کہا اور سفیر نے دانت نکال دیئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ڈرنا تو مجھے چاہئے۔'' سفیر نے بے چارگی سے اداکاری کی۔

''وسیم صاحب۔'' اس بار مونا جھنجھلا گئی تھی۔ ''ان دونوں کو چپ کرائیں یا کسی طرح خانہ کھولیں میں باہر جاؤں گی۔''

''فی الحال دونوں کام میرے بس سے باہر ہیں۔'' وسیم مسکرایا۔

باتوں اور ہلکی مذاق سے ماحول کی کشیدگی کم ہوئی تھی۔ چھ بجنے والے تھے اور باہر یقینی طور پر روشنی ہو چکی تھی، ابھی سورج نکلنے میں ذرا وقت تھا۔ کئی گاڑیاں گزرنے کی آواز آ چکی تھی لیکن کوئی ٹرک کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ شکیل اور اس کے ساتھی موبائلوں سے الجھے ہوئے تھے ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح ایس ایم ایس ہی چلا جائے۔

''میں نے سنا ہے موبائل کی لہریں بالکل بند جگہوں سے بھی گزر جاتی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوہے کے ڈبے میں بند ہیں اور یہ دھات مقناطیسی میدان کو متاثر کرتی ہے۔ اس وجہ سے سگنل صحیح سے کام نہیں کرتے ہیں۔'' شکیل نے وضاحت کی۔

اسی لمحے مائیک سسٹم پر ٹرک کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ہم سب چوکنا ہو گئے تھے۔ شکیل کے ساتھیوں نے بے اختیار ہتھیار سنبھال لئے تھے۔ پھر کسی کی آواز آئی۔ ''رشید یار ٹرک تو خالی ہے؟''

''اوئے خانے کی تلاشی لے۔'' رشید نے کہا۔ ''ممکن ہے مال پانی مل جائے۔''

''اچکے لگتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

''یار اس میں تو چابی بھی لگی ہے۔'' دوسرے کی آواز آئی۔ ''پھر اس نے خانے میں ہاتھ مارا۔ ''اوئے اس میں اسلحہ ہے۔ پستول اور اس کی گولیاں..... پیسا نہیں ہے۔''

رشید نے پستول کا معائنہ کیا تھا۔ ''سراجے..... پستول ہی قیمتی لگتا ہے۔ اس کے دس پندرہ مل جائیں گے۔ اب نکل جا.....''

شکیل نے اوپر لگا ایک بٹن دبایا اور بولا۔ ''سنو ہم ٹرک کے پچھلے حصے میں قید ہیں..... ہمیں رہا کراؤ..... ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔''

''یہ آواز کدھر سے آئی ہے۔'' سراجے کی خوف زدہ آواز آئی۔

''ہم ٹرک کے پچھلے حصے میں ہیں۔'' اس بار میں نے کہا۔ ''دو لاکھ روپے تو اب بھی ہمارے پاس ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے چاہو مل جائیں گے۔''

''بھاگ چل..... مجھے تو یہ آسیب لگ رہے ہیں۔'' سراجے نے کہا۔

''چپ کر۔'' رشید نے اسے جھڑکا۔ ''کیا سچ مچ تمہارے پاس دو لاکھ روپے ہیں؟''

''ہاں، اگر ہم نے جھوٹ بولا تو تم گولی مار دینا تمہارے پاس اب پستول بھی ہے۔''

''بکواس کرتے ہیں۔'' سراجے کی مدھم آواز آئی۔ ''ادھر صرف دودھ کے ڈرم ہیں۔''

''یار ڈبوں کے پیچھے ایک خانہ ہے۔ ہم اس میں قید ہیں۔ یقین نہیں آتا تو ٹرک اسٹارٹ کر کے دیکھ لو۔''

''رشیدے بھاگ چل، اس معاملے میں نہ پڑ۔'' سراجے جس کا نام یقیناً سراج تھا، بولا۔ ''ایسا نہ ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس آ جائے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"بکواس بند کر، بزدل!" رشید نے اسے جھڑک دیا اور ٹرک اسٹارٹ کرنے لگا۔ چابی گھومتے ہی انجن حرکت میں آ چکا تھا۔ میں نے شکیل کو اشارہ کیا اور وہ اس سے پہلے ہی حرکت میں آ چکا تھا۔ اس نے پھرتی سے خانہ کھولنے والا بٹن دبا دیا اور ہلکی سی گونج کے ساتھ خانہ کھلنے لگا۔ جیسے ہی اس کا پٹ اتنا اوپر اٹھا کہ اس میں سے اوپر نکلا جا سکے تو شکیل کے دو ساتھی جمپ کر کے باہر نکل گئے اور انہوں نے ایک منٹ سے بھی پہلے دونوں اچکوں پر قابو پا لیا تھا۔ خفیہ خانہ پوری طرح کھلا تو میں اور شکیل بھی باہر نکل آئے اور وسیم نے اٹھ کر بٹن دوبارہ دبا کر خانہ بند کر دیا۔

دونوں اچکے ٹرک کی آڑ میں زمین پر اوندھے منہ لیٹے تھے اور شکیل کے ساتھی ان کے سروں پر مسلط تھے۔ دور دور تک نہ تو کوئی گاڑی تھی اور نہ ہی کوئی فرد تھا۔ میں نے جھک کر ان سے پوچھا۔ "کون ہو تم دونوں؟"

"جی ہم بے قصور ہیں۔" سراج گھگھیایا میں نے اسے آواز سے شناخت کیا تھا۔

"بکو مت، تم نے کب ٹرک دیکھا تھا؟"

"جی ہم علاقے کے چوکیدار ہیں..... صبح سے دوسری بار دیکھا تھا۔" سراج نے رو دینے والے انداز میں کہا تھا۔ "میں نے اس حرامی کو منع بھی کیا تھا کہ اس چکر میں مت پڑ مگر یہ سنتا کہاں ہے۔"

"ان کی تلاشی لو اور کھڑا کر دو..... اس طرح تماشا بن جائے گا۔" میں نے ان دونوں سے کہا۔ شکیل اس دوران میں اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک میں نے اسے جھاڑیوں میں جاتے دیکھا اس کا انداز یوں تھا جیسے اسے کوئی خاص شے نظر آئی ہو۔ میں اس کی طرف لپکا۔ وہ جھاڑیوں میں پڑے ڈرائیور کو دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے لگا جیسے ڈرائیور کی لاش ہو لیکن شکیل نے بتایا۔ "زندہ ہے مگر حالت اچھی نہیں ہے اسے فوری طور پر اسپتال لے جانا ہے۔"

شکیل موبائل نکال کر کسی کو کال کرنے لگا، میں واپس آیا اور پستول نکالتے ہوئے دونوں نگرانوں سے کہا۔ "جھاڑیوں میں ڈرائیور بے ہوش پڑا ہے اسے جا کر نکال آؤ۔"

وسیم اندر ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے خانہ کھول دیا۔ جتنی دیر میں وہ ڈرائیور کو لے کر آئے خانہ کھل چکا تھا۔ ایک نے ڈرائیور کی قمیص اتار کر پہن لی اور ڈرائیونگ سیٹ پر چلا گیا۔ شکیل نے واپس آ کر ایک مخصوص جگہ کے بارے میں بتایا۔ "وہاں ٹرک روکنا ڈرائیور کو اسپتال لے جانے کے لئے گاڑی آئے گی۔ ان دونوں کو اندر بٹھاؤ۔" اس نے اچکوں کے بارے میں حکم دیا۔

احتیاطاً شکیل خود بھی ڈرائیور کے پاس چلا گیا تھا۔ ٹرک روانہ ہو گیا۔ حکیم قادس بے ہوش ڈرائیور کو دیکھ رہا تھا اس نے تشویش سے سر ہلایا اور جلدی سے اپنا چرمی بیگ کھول کر اس میں سے ایک ڈبیا برآمد کی اور اس سے مرہم نما شے نکال کر ڈرائیور کے سر پر آنے والے نیلگوں ابھار پر مالش کرنے لگا۔ ڈرائیور کو زبردستی لے جانے والوں نے اس کے سر پر کسی سخت شے کا وار کر کے اسے بے ہوش کر دیا تھا اور جب اسے ٹرک میں ڈالا گیا تو اس کی سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ یہی حال اس کی دل کی دھڑکن کا تھا۔ ہم سب خاموشی سے حکیم قادس کو مصروف عمل دیکھ رہے تھے۔ چوٹ ڈرائیور کے سر کے بائیں طرف اور آنکھ کے درمیان ذرا اوپر بالوں میں لگی تھی اور یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حصہ خاصا متورم تھا لیکن جب حکیم قادس نے اسے مرہم لگایا تو متورم حصہ چند سیکنڈ بعد پھولنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے سر اس جگہ سے کوئی تین انچ پھول چکا تھا۔ حکیم قادس نے مرہم والی ڈبیا رکھی اور اب اپنے بیگ سے ایک تیز دھار آلہ نکالا۔ یہ کوئی سرجری کا اوزار لگ رہا تھا۔ حکیم قادس یہ اوزار لے کر ڈرائیور کی طرف جھکا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟" وسیم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

حکیم قادس نے بے حد ناگواری سے کچھ کہا نائب نے اس کا ترجمہ پیش کیا۔ "حکیم صاحب فرما رہے ہیں اگر زخمی کی جان بچانی ہے تو ان کے کام میں دخل نہ دیا جائے۔"

"وسیم اسے کرنے دو۔" میں نے کہا۔ "یہ اپنے کام کا ماہر ہے امید ہے ڈرائیور کے لئے بہتر کرے گا۔"

بادل نخواستہ وسیم نے حکیم قادس کا ہاتھ چھوڑ دیا جو کچھ دیر تک وسیم کو گھورتا رہا تھا پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے بے ہوش ڈرائیور کے پھول جانے والے معروب حصے پر نشتر سے چیرا لگایا فوارہ ہی خون کا فوارہ سا بلند ہوا تھا اور حکیم قادس کی زرتار قبا مزید رنگین کر گیا تھا لیکن وہ پروا کئے بغیر اپنا کام کرتا رہا اس نے متورم حصے کو ایک چیرا اور لگایا اور اس بار بھی خون کا فوارہ بلند ہوا تھا۔ وسیم مضطرب ہو گیا تھا۔

"اسے روکو..... کیا یہ اس کا سارا خون بہا دے گا؟"

"اسے کام کرنے دو۔" اس بار میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ میں دیکھ رہا تھا اصل میں خون اتنا زیادہ نہیں نکلا تھا لیکن فوارے کی طرح اچھلنے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے بہت زیادہ خون نکل رہا ہو۔ دوسری بات میں نے نوٹ کی تھی خون رواں ہوتے ہی ڈرائیور کی رکی سانس تواتر کے ساتھ آنے لگی تھی۔ میں نے نبض دیکھی۔ اس میں بھی باقاعدگی آتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حکیم قادس نے تیسرا چیرا لگایا اور اس بار بھی خون فوارے کی طرح نکلا تھا۔ فرش پر بھی خاصا خون پھیل گیا تھا۔ ڈرائیور کی کنپٹی کا ورم خاصی حد تک کم ہو گیا تھا۔ خون رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے پانچ منٹ بعد بالکل بند ہو گیا تھا۔ حکیم قادس نے ایک صاف موٹے سوتی کپڑے سے اس کے زخم صاف کئے اور ان پر فائبل پٹی کے طور پر ایک راکھ نما سفوف چھڑک دیا۔ عام طور سے وہ دوران علاج تقریر کیا کرتا تھا۔ اس بار تقریر اس نے کام مکمل کرنے کے بعد کی تھی۔ نائب کے ترجمے کے مطابق ڈرائیور کے سر پر لگنے والی ضرب کی وجہ سے اندرونی جریان خون شروع ہو گیا تھا اور اگر حکیم صاحب اس کا بروقت علاج نہ کرتے تو وہ وفات بھی پا سکتا تھا اور عمر بھر کے لئے آنکھ، کان، یا جسم کے کسی اور حصے سے معذور بھی ہو سکتا تھا۔ اب اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔

"حیرت انگیز بات ہے۔" میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ "جو بات سمجھنے کے لئے ڈاکٹر سی ٹی اسکین کا سہارا لیتے ہیں، وہ اس نے بغیر کسی اسکین کے جان لی اور بغیر آپریشن اس کا علاج بھی کر دیا۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "یہ شخص مجھے ہمیشہ حیران کرتا ہے۔"

میں ہنسا۔ "اس کے باوجود تم اس کے بارے میں مشکوک رہتے ہو۔ میں نے سنا ہے جب تمہیں زخمی حالت میں لایا گیا تھا تو تم نے حکیم قادس سے علاج کرانے سے انکار کر دیا تھا۔"

"ہاں کیونکہ میں اس قسم کے علاج کا قائل نہیں ہوں۔ اتنی تیزی سے اور ناقابل علاج قسم کے مسئلوں میں شفایابی کا کچھ نہ کچھ سائیڈ ایفیکٹ تو ہوتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یار اس نے میرے ہاتھ کا علاج کر کے اسے بچا لیا ہے، اس کے بدلے میں کوئی بھی سائیڈ ایفیکٹ بھگتنے کو تیار ہوں۔''

ٹرک کی رفتار سست ہوئی اور پھر وہ رک گیا۔ شکیل کی آواز آئی۔ ''خانہ کھول دیں ڈرائیور کو اسپتال لے جانے والی گاڑی آ گئی ہے۔''

ٹرک کے پاس ایک وین کھڑی تھی۔ خفیہ خانہ کھلتے ہی دو افراد نے آ کر پھرتی سے بے ہوش ڈرائیور کو وین میں ڈالا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سراج اور رشید نے گڑگڑا کر کہا۔ ''سانوں وی جان دو بادشاہو۔''

''چپ کر کے بیٹھو۔'' میں نے انہیں گھورا۔ ''ابھی تمہارا احساب کتاب بھی کرنا ہے۔''

مزید پندرہ منٹ کے سفر کے بعد ٹرک کی رفتار کم ہوئی تھی اور پھر وہ رک گیا۔ اس بار خانہ ٹرک کے ڈرائیونگ کمپارٹمنٹ میں موجود میکنزم سے کھولا گیا تھا۔ یہ ایک مناسب سائز کے احاطے والی کوٹھی تھی۔ عمارت درمیانے سائز کی اور سادہ تھی۔ جو درختوں اور پھولدار پودوں سے گھری ہوئی تھی۔ پاس ہی مجھے پہاڑوں کی جھلک نظر آئی تھی یعنی ہم مارگلہ ہلز کے قرب و جوار میں تھے۔ سب سے پہلے سراج اور رشید کو اندر لے جایا گیا تھا کہ وہ کوٹھی کے محل وقوع سے واقفیت حاصل نہ کر سکیں۔ مونا اور سفیر اردگرد دیکھ رہے تھے۔ مونا نے کہا۔ ''یہ پہاڑیاں جانی پہچانی لگ رہی ہیں۔ شاید یہاں کبھی ہم پکنک کے لئے آئے تھے۔''

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے وسیم سے پوچھا۔

''ہمارا ایک ٹھکانا ہے۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔ ''ایسا کریں..... اندر چلیں..... کچھ کھا پی کر آرام کریں..... گزشتہ رات تو بے آرام گزر گئی۔''

ہم کوٹھی کے اندر آئے۔ اندر سے یہ خاصی پرتعیش تھی۔ کئی ملازم نظر آ رہے تھے۔ ہمارے پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد بڑے سے ڈائننگ ہال میں ناشتا لگا دیا گیا تھا۔ ہم لوگ منہ ہاتھ دھو کر آ گئے مجھے زبردست بھوک لگ رہی تھی۔ اس لئے ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔ لیپ ختم ہو چکا تھا لیکن اس کے بھوک والے اثرات اب بھی باقی تھے۔ ناشتے کے بعد حکیم کا نائب میرے لئے جڑی بوٹیوں والا گرم پانی لایا جس میں ہاتھ ڈال کر مجھے سکائی کرنا تھی۔ میرا ہاتھ بظاہر پوری طرح بحال ہو چکا تھا۔ مگر کبھی کبھی بے جان سا ہو جاتا تھا یا اس کی محسوس کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی تھی۔ حالات ایسے چل رہے تھے کہ علاج میں وقفہ آ جاتا تھا اور حکیم قادس پہلے ہی واویلا مچا چکا تھا کہ اس طرح میرا ہاتھ متاثر ہو سکتا تھا۔ مجھے نیند آ رہی تھی لیکن اس سے پہلے میں جاننا چاہتا تھا کہ پولیس نے رات کی کارروائی کی تھی۔ میں نے وسیم سے اس کا موبائل لے لیا اور ندیم سے رابطہ کیا۔ ''رات کیا صورت حال رہی؟''

''پولیس آئی تھی اور مزے کی بات ہے وہ نظفہ تحقیق اکرم چشتی پولیس پارٹی کے ساتھ تھا۔ میں نے اعتراض کیا وہ معطل تھا تو کس حیثیت سے پولیس پارٹی کے ساتھ تھا۔ اس نے ڈھٹائی دکھائی اور مجھے دبی زبان میں دھمکیاں دینے لگا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد اس کے موبائل پر کسی کی کال آئی اور وہ نو دو گیارہ ہو گیا۔ میرا خیال ہے راجا نے اوپر بات کی تھی۔ بہرحال پولیس کا رویہ شریفانہ تھا اور وہ نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی آر لکھ کر لے گئی۔''

راجا نے مرشد یا کسی اور کا نام نہیں لیا۔'' مجھے کسی قدر مایوسی ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں اور میرے خیال میں ٹھیک کیا..... اس طرح معاملات الجھتے چلے جائیں گے۔''

''میرے خیال میں تو یہ مرشد علی کے خلاف دباؤ بڑھانے کا سنہری موقع تھا۔''

''تو نہیں سمجھے گا اس طرح راجا صاحب ایک فریق بن جائیں گے اور تیری کھل کر مدد نہیں کر سکیں گے۔''

''تیرا کیا ارادہ ہے؟''

''فی الحال تو یہیں رکنے کا ہے، عیش ہیں۔ بیوی بھی خوش ہے کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا تینوں ٹائم پکا پکایا مل جاتا ہے۔ بچے بھی زیادہ تر ملازموں کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور پھر میں بھی اس کے قبضے میں ہوں۔ ایک عورت کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔''

''عورت نہیں بیوی کو۔'' میں ہنسا۔ ''مزے کر۔''

ایک شخص نے مجھے کمرا دکھایا تھا۔ مہمان خانہ کوٹھی سے الگ ایک چھوٹی سی عمارت میں تھا۔ ابھی میں لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا مگر بادل نخواستہ پکارا۔ ''آ جاؤ۔''

مونا اور سفیر اندر آئے تھے اور ان کے چہروں سے لگ رہا تھا کہ وہ خاصی سنجیدہ قسم کی گفتگو کر کے آئے تھے۔ ''جی فرمایئے..... کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

سفیر نے مونا کی طرف دیکھا تھا اور پھر سرد لہجے میں پوچھا۔ ''یار شوبی یہ معاملہ کب تک چلے گا؟''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''سب کچھ تمہارے سامنے ہے، میں حالات کے سامنے قطعی بے بس ہوں۔''

''یار میری بات کا غلط مطلب نہ لے۔'' سفیر نے کہا۔ ''لیکن یہ تو سوچ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہو گا ہم کب تک ان سے لڑتے اور بھاگتے رہیں گے۔''

''تب بہتر ہو گا ہم مرشد علی کے سامنے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کر لیں گے جو اس کے مزاج میں آئے ہم سے سلوک کرے، اس کی آتش انتقام کسی طریقے ٹھنڈی پڑ جائے تو مسئلہ بخوبی حل ہو جائے گا۔'' میرے لہجے میں تلخی آ گئی تھی۔

''میرا یہ مطلب نہیں ہے..... مگر تمہارے معاملات پھیلتے جا رہے ہیں اور ہم غیر ضروری طور پر دوسروں کے پھیلائے مسئلوں میں الجھتے جا رہے ہیں جیسے راجا عمر دراز..... کیا ضروری ہے کہ ہم تصویر کی بازیابی کے لئے اس کا ساتھ دیں۔''

''قطعی ضروری نہیں ہے۔''

''تب ہمیں اپنی راہ الگ رکھنی چاہئے۔''

''ضرور.....'' میں نے تسلیم کیا۔ ''اب تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

''کیا کرنا چاہئے؟'' سفیر نے احمقانہ انداز میں مونا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اگر ہم راجا اور اس کی پارٹی سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو ہمیں لائحہ عمل بھی سوچنا ہو گا۔ ہم کہاں جائیں گے اور مرشد علی کے خلاف دفاع کے لئے کیا تدبیر کریں گے، نیز ہمارا وکیل ندیم احمد بھٹی اپنے بیوی بچوں کو لے کر اپنے مکان پر جانے پر مجبور ہو گا، اس کی حفاظت کون کرے گا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔'' مونا نے سادگی سے کہا۔

''میں نے گہری سانس لی۔'' تو میرا اندازہ درست تھا بی بی۔ سفیر سے مجھے اس قسم کی احمقانہ بات کی توقع نہیں تھی۔''

مونا خفا ہوگئی۔ ''میں احمقانہ باتیں کرتی ہوں۔''

''اب سوچے سمجھے بغیر اس قسم کی بات کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ تمہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ بیٹھے بٹھائے اتنے طاقتور محافظ مل گئے جو ہماری خاطر مرشد علی جیسے شخص سے ٹکرا سکتے ہیں اور اسے ناکوں چنے چبوا سکتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو خدا ہی جانتا ہے ہمارا کیا حشر ہوتا۔''

''مگر یہ مسئلہ جلد حل ہوتا نظر نہیں آ رہا۔'' سفیر فکرمندی سے بولا۔ ''میرے تو گھر والوں کو بھی نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں اور کیا کرتا پھر رہا ہوں؟''

''میں چونک کر سیدھا ہوگیا۔'' سفیر ابھی ابھی میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے، تو مونا کو لے کر اپنے گاؤں چلا جا۔ میں نے سنا ہے اپنے علاقے میں کوئی تم لوگوں کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتا..... تم اور مونا وہاں محفوظ ہو گے۔''

''میں نہیں صرف مونا۔'' سفیر نے جواب دیا۔ ''میں تیرا ساتھ کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا..... مونا کو گھر پہنچا کر آ جاؤں گا۔''

''سوری میں بھی شوبی اور تمہارے ساتھ رہوں گی۔'' مونا نے صاف انکار کر دیا تھا۔

میں ہنسا۔ ''پرنالہ وہیں رہا۔''

سفیر سنجیدہ ہوگیا۔ ''اس کی بات پر توجہ نہ دے..... اسے میں چھوڑ آؤں گا۔''

''مسٹر سفیر شاہان صاحب۔'' مونا نے چمک کر کہا۔ ''تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے میں کوئی بھیڑ، بکری نہیں ہوں جسے تم اپنے باڑے میں باندھ آؤ گے۔''

''مونا کے ساتھ تمہارا جانا ضروری ہے۔'' میں نے سفیر سے کہا۔ ''میں اکیلا بہتر طور پر مرشد علی اور ڈیوڈ شا کا سامنا کر سکتا ہوں۔''

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ صرف تیرا نہیں بلکہ میرا اور مونا کا بھی معاملہ ہے اس لئے ہم تیرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔''

''ہاں، جو بھی گزرے گی، سب پر اکٹھے گزرے گی۔'' مونا اکڑ کر بولی۔ مجھے ہنسی آ گئی۔

''اچھا بی بی مونا..... لیکن شکوے شکایت بھی مت کرنا۔'' میں نے کہا اور سفیر کو آنکھ سے اشارہ کیا وہ سمجھ گیا۔

''چلو مونا، شوبی کو سونے دو..... یہ تھکا ہوا ہے۔''

''ہاں..... ہاں..... تو میں نے کب روکا ہوا ہے؟'' وہ بے پروائی سے بولی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔ سفیر نے اس سے ریموٹ چھین لیا۔ ''مطلب یہ کہ یہاں سے کھسکو۔''

بادلِ نخواستہ مونا وہاں سے روانہ ہوئی تھی، ان کے جانے کے بعد میں بستر پر لیٹ کر حالات پر غور کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا۔ اگر چہ اب ہم آزاد تھے اور فی الحال پولیس کی پہنچ سے دور تھے۔ مگر حالات سدھرتے نظر نہیں آ رہے تھے۔ سرشد علی کا پلا اس لحاظ سے بھاری تھا کہ وہ نقل و حرکت کرنے کے لئے آزاد تھا اور اسے اپنے مربی کے لئے وہ تصویر حاصل کر کے اس کی نظروں میں سرخرو ہونا تھا۔ اسے اعلیٰ سرکاری حلقوں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اس لحاظ سے وہ مجھ پر حاوی تھا لیکن اس کی زد میں آئے بغیر میں اس سے کمزور نہیں تھا۔ میری پشت پر راجا عمر دراز کی مضبوط شخصیت تھی۔ اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا کہ وسیم کی ہمدردحمایت مجھے کب تک حاصل رہے گی؟ لیکن ایک بات یقینی تھی کہ مشکل حالات میں یہ کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ دروازے پر دستک ہوئی اور توقع کے مطابق سفیر اندر آیا تھا۔ ''بڑی مشکل سے پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔'' اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''بیٹے! مجھے تیرا مستقبل جیل کے قیدی سے مختلف نظر نہیں آ رہا ہے۔ شادی تیرے لئے عمر قید کا آغاز ہو گی۔''

''کاش یہ سزا جلد ہو جائے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

میں اچک کر بیٹھ گیا۔ ''دیکھ یار، اب مونا کی ملازمت ختم سمجھ اور میں نہیں سمجھتا کہ شادی کے بعد وہ ملازمت کرے یا تم اس کی اجازت دو..... تو بہتر ہے تم اور مونا شادی کر کے باہر چلے جاؤ۔''

''میں اپنا ملک اور اپنی زمین نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یار کہنے کو تو کراچی دور اور بڑا شہر ہے..... لیکن اتنا ہی غیر محفوظ بھی ہے..... سرشد علی جیسے لوگوں کے لئے وہ جگہ دور نہیں ہے۔''

''اسے بعد میں دیکھیں گے۔'' سفیر ٹالنے والے انداز میں بولا۔ ''فی الحال میں چاہتا ہوں مونا کو اپنی حویلی میں پہنچا دو..... وہاں وہ محفوظ رہے گی۔''

''ہاں لیکن وہ تیرے بغیر نہیں جائے گی اس لئے.....''

''میں نہیں جاؤں گا۔'' سفیر نے میری بات کاٹی۔ ''یہ بات تو اچھی طرح ذہن میں بٹھا لے۔''

''چل ٹھیک ہے.....''

''لیکن مونا کو کیسے حویلی جانے پر رضامند کروں؟''

''ترکیب نمبر بارہ۔'' میں نے کہا۔ ''پہنچا دے اور پھر وہاں سے نو اور دو گیارہ ہو جا..... تیرے ساتھ وہ آسانی سے چلی جائے گی۔''

''یعنی اسے دھوکا دے کر لے جاؤں اور دھوکا دے کر بھاگ آؤں۔ اس کے بعد جانتا ہے مونا میرے ساتھ کیا کرے گی؟''

''تو اسے مستقبل کی شوہرانہ زندگی کی ریہرسل سمجھ کر قبول کر لینا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''مگر ابھی اسے اس سین سے ہٹانا ضروری ہے۔ اس سارے معاملے میں وہ ایک غیر ضروری ہستی ہے۔ اس کی موجودگی ہمیں مدد نہیں دیتی بلکہ پرابلم کرتی ہے۔''

''ہاں.....'' سفیر بولا۔ ''میں نے وسیم سے بات کی ہے..... امید ہے ہم کل صبح روانہ ہو جائیں گے۔''

''وش یو گڈ لک.....'' میں دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ ''میری بات پر غور کرنا..... اگر تو بھی چند دن اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کشیدہ ماحول سے باہر گزار لے تو....."

"فوری واپسی تو ممکن نہیں ہوگی۔" اس نے میری بات کاٹی۔ "چھ مہینے سے حویلی نہیں گیا لیکن میں پندرہ دن سے زیادہ نہیں رکوں گا۔"

"ٹھیک ہے یار..... ابھی میرے ہاتھ کا علاج بھی جاری ہے۔ میں ندیم سے بات کر کے اپنے پولیس کے معاملات سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں..... باقی مرشد علی کتے کی دم ہے..... جب اس کی کوئی مجبوری ہوگی تب وہ ہمارے آگے جھکے گا یا سمجھوتا کرے گا۔"

"اور جب اس کی مجبوری ختم ہو جائے گی تو دوبارہ اپنی خباثت پر لوٹ جائے گا۔" سفیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب تُو سو جا..... تیری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔"

حکیم قادس نے اگرچہ اب مجھے گولیاں دینی بند کر دی تھیں۔ بکری کی مینگنی کے ہم رنگ، ہم وزن اور ہم بو جیسی ان گولیوں نے مجھ پر حیرت انگیز اثر کیا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ میں اعصابی طور پر پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا تھا اور غیر متوقع حالات کا بھی مجھ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا۔ دوسرے میں اب بھی سونے جاگنے والے معمولات پر حاوی تھا۔ اس وقت بھی میں نے چند گھنٹے کی پُرسکون نیند سونے کے بارے میں سوچا اور چند سیکنڈ میں سو چکا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو شام قریب تھی اور مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے انٹرکام پر کچن میں رابطہ کیا۔ تیسری کوشش میں میرا رابطہ ہو گیا۔

"کھانے میں کیا ہے؟"

"جو چاہیں سر۔"

"جو بھی پندرہ منٹ میں دو چائے کے ساتھ مل سکتا ہے لے کر مہمان خانے میں آ جاؤ۔" میں نے کہا اور اٹھ کر باتھ روم کا رخ کیا۔ نہا دھو کر میں نے پرانے کپڑے پہنے..... میرے پاس فی الحال یہی لباس تھا۔ جب میں باہر آیا تو ایک نوجوان لڑکا ٹرالی میں کھانے کا سامان چائے سمیت لا چکا تھا۔ سینڈوچز تھے، چکن رولز اور پیٹس تھے۔ گھر کے بنے سموسے تھے اور ساتھ میں رس ملائی تھی۔ میں نے سب کے ساتھ انصاف کیا آخر میں چائے کا کپ بنا کر پہلے سفیر کے کمرے میں جھانکا۔ وہ خالی تھا۔ مونا بھی اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ دونوں باغ میں تھے۔ خوشگوار خنک ہوا چل رہی تھی اور آسمان پر سفید بادل تھے۔ خاصا رومانٹک موسم تھا اور ان دونوں پر پوری طرح اثر انداز بھی تھا۔ سفیر ذرا جھک کر سرگوشی کے انداز میں کچھ کہہ رہا تھا اور مونا شرمیلے انداز میں ہنس رہی تھی۔ یہ منظر اتنا اچھا لگا کہ میں اس میں مخل ہونے کے بجائے خاموشی سے پیچھے ہو گیا۔ پھر لان کے ایک گوشے میں چہل قدمی کرتے ہوئے مجھے بے اختیار دو سیاہ آنکھیں یاد آ گئیں۔ وہ سیاہ آنکھیں جو کبھی میرے لئے ستاروں کی طرح چمکتی تھیں لیکن اب وہ کسی اور کی ہو گئی تھیں۔ میرے لئے اتنی محترم ہو گئی تھیں کہ ان میں جھانکنا تو درکنار ان کے سامنے آنکھ اٹھانا بھی میرے لئے گستاخی سے کم نہیں تھا۔ اچانک میں جھرجھری لے کر چونکا۔ کسی نے پاس سے مجھے پکارا تھا۔ ایک طرف سے وسیم میرے پاس آ رہا تھا، اس کے زخم تقریباً بھر چکے تھے اور اب وہ آسانی سے چل پھر رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے میرے پاس آیا تھا۔ "کن خیالوں میں کھوئے ہوئے ہیں شہباز صاحب..... میں آوازیں دے رہا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس یار ایسے ہی..... کوئی خاص بات۔''

''ہاں، آپ کے حکیم نے ہنگامہ کھڑا کیا ہوا ہے۔ اسے آپ کی تلاش ہے۔''

''اوہ، ہاں مالش کا وقت ہو گیا ہے۔''

وسیم نے غور سے میرا ہاتھ دیکھا۔ ''سچی بات ہے شہباز صاحب مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا کہ شاہی طرہ نظر آنے والے اس شخص نے آپ کا ہاتھ بچا لیا۔''

''یقین تو مجھے بھی نہیں آتا ہے۔'' میں نے کوٹھی کا رخ کرتے ہوئے کہا تھا۔

حکیم قادس سخت خفا نظر آ رہا تھا اور خلاف روایت اس بار اس نے علاج سے پہلے ہی تقریر شروع کر دی تھی۔ میں نے نائب کی طرف ترجمانی کے لئے دیکھا۔ وہ مسکرانے لگا۔ ''حکیم صاحب جو فرما رہے ہیں اس کے ترجمے کی ضرورت نہیں۔ آپ ان کے جذبات کو سمجھ جائیں۔''

''میری طرف سے معذرت کر لو۔'' میں نے حکیم قادس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا۔

مالش کے دوران حکیم صاحب نے مزید فرمایا کہ میری علاج کی جانب سے بے پروائی رنگ لا سکتی ہے، میں ہاتھ کی درست کارکردگی سے محروم ہو سکتا ہوں۔ سچی بات تھی ہاتھ بچ جانے کے بعد سے میں اس معاملے میں بے پروا ہو گیا تھا۔ یہ ہماری قومی عادت بھی ہے جیسے ہی کوئی افتاد سر پر پڑتی ہے، بھاگ دوڑ کرنے لگتے ہیں، اب معاملہ ٹھنڈا پڑتا ہے تو خود بھی ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ میں نے حکیم قادس سے پوچھا۔ ''مجھے مزید کتنا عرصہ علاج کروانا ہو گا؟''

''کم سے کم ایک ہفتے..... روزانہ صبح شام مالش ہو گی۔'' اس نے جواب دیا۔

اپنا کام مکمل کر کے اس نے میرے لئے جڑی بوٹیوں والا گرم پانی کا پیالہ منگوایا اور اپنا چرمی بیگ سمیٹنے لگا۔ اس دوران میں شکیل آ گیا تھا اور خاموش بیٹھا قادس کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بولا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے فرحان کی رپورٹ آئی ہے۔''

''فرحان کون..... ڈرائیور؟''

''ہاں وہ ہمارا ایک بہترین کارکن ہے۔ اسپتال میں اس کے سر کا سی ٹی اسکین ہوا ہے۔ ڈاکٹر حیران ہیں اندرونی جریان خون کے باوجود وہ خون اس کے دماغ پر کیوں جمع نہیں ہوا اور جب انہیں فرحان کی بیرونی کاری کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دماغ پر کسی حادثے کی صورت میں جمع ہونے والا خون صرف آپریشن سے ہی صاف ہو سکتا ہے اور بعض اوقات آپریشن سے بھی صاف نہیں ہوتا۔ ان کے مطابق بیرونی طریقے سے اس خون کو نکالنا ممکن نہیں ہے۔''

''اس دنیا میں بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جو عام مروجہ اصولوں یا طریقوں کے تحت ناممکن نظر آتا ہے۔ ان میں حکیم قادس کا طریقہ علاج بھی شامل ہے۔''

میں ہنسا۔ ''لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ اوّل تو حکیم قادس جیسے لوگ اپنے طریقہ علاج یا ادویات کے بارے میں کسی کو بتاتے نہیں ہیں۔ یہ چیز نسل در نسل چلتی ہے۔ دوسرے ہمارے ہاں سائنٹفک ریسرچ کا رواج نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسی وجہ سے ایسی حیرت انگیز چیزیں دنیا سے مٹتی جا رہی ہیں۔''

''کیا میں باہر جا سکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے وسیم صاحب سے پوچھ لینا بہتر ہوگا..... لیکن اپنی شکل صورت کے ساتھ آپ باہر نہیں جا سکتے ہیں۔ شہر کے ہر پولیس والے کو آپ کی تصویر مہیا کر دی گئی ہوگی۔ مرشد علی آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے دیوانہ ہوا جا رہا ہے۔ آپ کو پکڑنے والے کے لئے اس نے پچاس لاکھ کے انعام کا وعدہ کیا ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ پولیس کو کتنی شدت سے آپ کی تلاش ہوگی۔''

''یہ اطلاع کب اور کس ذریعے آئی ہے؟''

''پولیس کے محکمے میں [illegible] ہمارے بھی ہیں۔ ان سے ابھی اطلاع ملی ہے۔''

میں نے غور کیا۔ مرشد اب پوری طاقت سے ہمارے سامنے آ گیا تھا۔ ڈیوڈ شا کی جانب سے وہ کسی دباؤ سے آزاد تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ ''راجا صاحب نے ڈیوڈ شا سے تصویر حاصل کرنے کے لئے اب کوئی قدم نہیں اٹھایا؟''

''ہمارے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں راجا صاحب اپنے طور پر کچھ کر رہے ہوں تو اور بات ہے۔''

''راجا صاحب سے رابطہ ہو سکتا ہے؟''

''ہاں لیکن احتیاطاً ہم اس کوٹھی سے رابطہ کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ یہ بات یقینی ہے اور راجا صاحب کی کوٹھی سے کی جانے والی کالز چیک کی جا رہی ہوں گی۔''

''موبائل کالز بھی۔''

''کسی حد تک۔'' شکیل نے کہا۔ ''ایسی ٹیکنالوجی ہے جس سے پتا چلایا جا سکتا ہے کہ کال کہاں سے کی جا رہی ہے یا کہاں سے آ رہی ہے۔ ٹرانسمیٹر ٹاور کا تعین ہونے کے بعد تلاشی کا کام ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود رہ جاتا ہے۔''

''ان دو لفنگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

شکیل ہنسنے لگا۔ ''وہ بھی ایک نمونے ہیں..... بہرحال ان کی وجہ سے ہمیں رہائی ملی تھی۔ وسیم صاحب انہیں دس، دس ہزار روپے انعام کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ وہ رکنے اور ہمارے ساتھ رہنے پر بضد تھے۔ مگر ہم ان کا کیا کرنا تھا؟''

''یہ اچھا کیا۔ غیر متعلقہ آدمی جتنا دور رہیں اچھا ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''وسیم کہاں ہے؟''

وسیم اپنے کمرے میں ٹی وی کے آگے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔ ''آیئے..... ذرا یہ دیکھیں۔''

ٹی وی چینل پر دارالحکومت اسلام آباد میں ہونے والی قتل و غارت گری کا ذکر کیا جا رہا تھا۔ میرے حملہ، سید گل کا قتل اور آتش زنی، پھر ندیم کے گھر پر حملہ..... مارگلہ کے دامن میں ہونے والے خونی جھڑپ میں درجن سے زیادہ افراد مارے جا چکے تھے۔ اس سے پہلے افغان ڈاکوؤں کا کوٹھی پر راکٹ حملہ..... ربا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں میرا، ندیم اور راجا عمر دراز کا ذکر تھا لیکن مرشد علی کا نام کسی نے نہیں لیا صرف اتنا کہا گیا کہ ان سارے ہنگاموں میں راولپنڈی کا ایک بارسوخ سیاسی خاندان ملوث ہے۔ ڈھکے چھپے انداز میں مرشد علی کے بھائی کی طرف اشارہ کیا تھا جو ان دنوں دبئی میں زیر علاج تھا۔ رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ ساری ہنگامہ آرائی آنے والے الیکشن میں برتری حاصل کرنے کے لئے کی جارہی تھی۔

''بکواس۔'' میں نے غصے سے کہا۔ ''کیا ان لوگوں کو نظر نہیں آتا کہ میں اور ندیم عام افراد ہیں، ہمارے نہ تو سیاسی عزائم ہیں اور نہ ہی کسی ایسی جماعت سے ہمارا تعلق ہے۔''

وسیم مسکرایا۔ ''سب جانتے ہیں..... ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں مگر کچھ مصلحتیں ان کا راستہ روکتی ہیں۔ سیاسی بے راہ روی نے اس میں اضافہ کیا ہے۔''

''یہ تو صحافتی خبریں ہیں..... تمہاری اطلاعات کیا ہیں؟''

''حالات تشویش ناک ہیں۔'' اس نے تسلیم کیا۔ ''مرشد علی دباؤ بڑھا رہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اعلیٰ پولیس حکام کا ایک وفد راجا صاحب سے ملا اور ان سے ہماری حوالگی کا مطالبہ کیا۔ میں نامعلوم مجرم ہوں اور آپ کے خلاف دہشت گردی کے الزام میں ایف آئی آر کاٹ دی ہے۔''

''میرے خدا..... ! میرے خلاف کیا کیس ہے؟''

''افغان ڈاکوؤں نے جو کارروائی کی تھی اس میں آپ کا نام شامل کر دیا ہے پولیس کا دعویٰ ہے آپ یہاں ان کی مدد کر رہے تھے۔''

میرے منہ سے بے اختیار گالی نکل گئی تھیں۔ ''بکواس کرتے ہیں یہ مرشد کے زر خرید۔''

وسیم مسکرایا۔ ''یہ بات مجھ سے زیادہ بہتر اور کون جان سکتا ہے..... بہر حال اب ندیم کے لئے بھی دشواری ہوں ہے۔ اس نے آپ کی قبل از گرفتاری ضمانت کی جو درخواستیں دے رکھی تھیں، امکان ہے وہ مسترد ہو جائیں گی۔''

''یعنی اب مجھے مستقل روپوشی کی حالت میں رہنا پڑے گا؟''

''اگر ضمانت کی درخواست منظور ہو جائے تب بھی آپ منظر عام پر نہیں آ سکتے ہیں..... مرشد علی کے گرگے آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔''

میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر کہا۔ ''میں چاہتا ہوں، مونا اور سفیر اس چکر سے نکل جائیں..... سفیر ایک بڑے زمیندار خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ مونا اور سفیر ان کے پاس محفوظ رہیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ سفیر کی حویلی میں چلے جائیں۔''

''اگر آپ چاہتے ہیں تو اس میں مسئلہ کیا ہے؟''

''مسئلہ وہ دونوں خود ہیں۔ سفیر مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا ہے اور مونا اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تمہیں بھی اندازہ ہوگا کہ ان دونوں کی شمولیت میرے لئے بوجھ ہے۔ میرے ساتھ مجبوری ہے۔ میں اپنی نارمل زندگی سے ہٹ چکا ہوں اور میری واپسی کا امکان خاصا کم ہے لیکن مونا اور سفیر پر کوئی الزام نہیں ہے اور انہیں سوائے مرشد علی کے کسی سے خطرہ نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ درست کہہ رہے ہیں انہیں اس معاملے سے نکل جانا چاہئے۔''

''مسئلہ یہ ہے وہ سیدھی طرح یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

وسیم مسکرایا۔''جو سیدھی طرح نہ مانے..... ان کے لئے ہمارے پاس دوسرے طریقے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مونا اور سفیر یہاں سوئیں اور ان کی آنکھ سفیر صاحب کی حویلی میں کھلے۔''

''نہیں..... اس کی ضرورت نہیں..... میں نے سفیر کو راضی کر لیا ہے..... وہ دھوکے سے مونا کو حویلی چھوڑنے جائے گا..... اب کرنا صرف یہ ہے کہ اس کی واپسی سے پہلے میں غائب ہو جاؤں اور سفیر کو اطلاع ملے کہ میں ملک سے باہر جا چکا ہوں..... صرف سفیر کو ہی نہیں..... بلکہ مرشد علی کو بھی یہی معلوم ہونا چاہئے..... تاکہ یہ طوفان بدتمیزی تھم جائے۔''

''ہاں یہ ممکن ہے لیکن مکمل پلان بنانے کے لئے غور کرنا ہوگا۔''وسیم نے سر ہلایا۔

''میں سفیر سے بات کرتا ہوں..... وہ ابھی روانہ ہو جائے تو بہتر ہے، رات کا سفر ٹھیک رہے گا۔ تم ان کے ساتھ چند افراد بطور محافظ بھیج دینا۔''

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے آپ ان سے ملے کر کے مجھے آگاہ کر دیں۔ گاڑی اور بندے پانچ منٹ کے نوٹس پر تیار ہوں گے۔''

میں اٹھ رہا تھا کہ مجھے خیال آیا۔''یار، رحمت والے معاملے کا کیا ہوا؟ اس کی بیوی اور بیٹی کا پتا چلایا نہیں۔''

وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔''راجا صاحب نے کوشش کی تھی۔ البتہ یہ طے ہے کہ وہ دونوں ان کے قبضے میں ہیں۔''

''بے چارہ رحمت خان..... اس نے اپنی جان پر کھیل کر میری مدد کی تھی۔''

''آپ نے بھی اس کی بیوی اور بیٹی کی حفاظت کی پوری کوشش کی تھی۔''وسیم نے مجھے تسلی دی۔

''پھر بھی یار، میں خود کو قصوروار سمجھتا ہوں..... خاص طور سے اس کی لڑکی کی طرف سے فکر ہے۔ وہ اوباشوں کے قبضے میں ہے اور اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے یا ہو چکا ہوگا۔''

''خدا سے بہتری کی امید رکھیں۔''وسیم نے کہا۔''مرشد علی جانتا ہے رحمت خان اور اس کی بیوی، بیٹی ان کے خلاف گواہ ہیں اور جب تک رحمت خان اس کی پہنچ سے دور ہے، وہ شاید ان ماں بیٹی کو نقصان پہنچانے سے گریز کرے۔''

''شاید۔''میں نے مایوسی سے کہا۔''ویسے اتنے احتیاط پسند نہیں ہوتے مرشد جیسے لوگ..... یہ درندوں کی سی وحشت رکھتے ہیں..... شکار کو چیر نے پھاڑنے کے بعد سوچتے ہیں کہ اس کی لاش کا کیا کرنا چاہئے۔''

''ویسے رحمت خان اب پُرسکون ہے، اس نے یہ سارا معاملہ تقدیر پر چھوڑ دیا ہے۔''

''پھر بھی اس سے محتاط رہو۔ اسلحہ اس کی پہنچ سے دور رکھو..... وہ سابق فوجی بندہ ہے..... اس کا دماغ گھوم گیا تو وہ کوئی بھی حرکت کر سکتا ہے۔''

''آپ نے اچھا کیا بتا دیا..... میں ابھی سب کو ہدایت کر دیتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مونا اور سفیر لان میں بیڈمنٹن کھیل رہے تھے، نہ جانے کہاں سے کھیل کا سامان ان کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ سفیر نے پرانا لباس پہن رکھا تھا البتہ مونا کو نیا لباس مل گیا تھا۔ سورج ڈوبنے کے قریب تھا اور رفتہ رفتہ تاریکی چھا رہی تھی۔ سفیر نے ایک شاٹ جان بوجھ کر نیچے کھیلا اور مونا ریٹرن نہ کر سکی۔

''یہ فاؤل ہے۔'' وہ چلائی۔

سفیر ہنستا ہوا میری طرف آیا۔ ''جب لوگ ہارتے ہیں تو یہی الزام لگاتے ہیں۔''

''سفیر میں نے وسیم سے بات کی ہے۔'' میں نے بلاتمہید کہا۔ ''تُو ابھی مونا کو لے کر نکل جا اور اسے بہلا کر واپس آ جانا۔''

''کیا باتیں ہو رہی ہیں؟' مونا دوپٹے سے پسینہ خشک کرتی آئی۔

''میں اور تم آج رات حویلی جا رہے ہیں۔'' سفیر نے اسے آگاہ کیا۔

''اتنی جلدی۔'' مونا نے مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھا۔ ''فیصلہ کب ہوا؟''

''ابھی۔'' میں نے کہا۔ ''میری وسیم سے بات ہوئی ہے۔ اس کا کہنا ہے ابھی اس کے پاس بندے ہیں جو تمہارے ساتھ بطور محافظ جا سکتے ہیں۔ کل ان کی ضرورت نہ جانے کہاں پڑ جائے۔''

مونا کا منہ لٹک گیا تھا۔ ''شوبی..... میں تم سے.....''

''پلیز یہ عام معاملہ نہیں ہے..... حالات تمہارے سامنے ہیں..... میں خود ابھی حالات کے دھارے پر ہوں۔ اگر ہم میں سے کسی کو بچ کر محفوظ جگہ جانے کا موقع مل رہا ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جتنے لوگ خطرے سے دور ہوں گے، میں خود کو اتنا ہی طاقتور محسوس کروں گا۔''

سفیر نے کہا۔ ''ہم تیری بات سمجھ رہے ہیں۔ میں نے بھی مونا سے اس سلسلے میں بات کی تھی۔''

''بس تو تم دونوں تیار ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''رات کا کھانا کھاتے ہی روانہ ہو جانا۔''

''شوبی مجھے تمہاری فکر لگی رہے گی۔''

''میں بچہ نہیں ہوں اور ان لوگوں کے ساتھ بالکل محفوظ ہوں۔'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ مارا۔ ''میری ماں زندہ ہے، اللہ اسے سلامت رکھے اس لئے میری ماں بننے کی کوشش مت کرو۔''

آنسو چھپانے کے لئے مونا دوسری طرف گھوم گئی تھی۔ میں نے سفیر کو آنکھ ماری۔ ''دیکھ یار تُو نے اس کا پوری طرح خیال رکھنا ہے۔''

''وہاں کوئی خیال رکھنے دے گا تو میں رکھوں گا۔'' سفیر نے منہ لٹکا کر کہا۔ ''ہمارے ہاں زنان خانہ، مردانے سے بالکل الگ ہوتا ہے۔''

مونا جھینپ کر اندر چلی گئی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''تب تو تیرا کام آسان ہو جائے گا۔''

''ہاں لیکن ایسا نہ ہو اُدھر مونا کو دھوکا دے کر اور چپکے سے نکل کر آؤں اور اِدھر تُو کہیں اور نکل جائے۔'' سفیر نے خدشہ ظاہر کیا جو سچ بھی تھا میرا یہی ارادہ تھا۔

''یار میں نے کہاں جانا ہے!'' میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''اپنے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے اور کیا تجھے مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھروسا تو ہے مگر تُو ہمیں بچانے کے لئے ایسا کر گزرے تو بعید بھی نہیں ہے۔"

"سفیر کیا تیرے گھر والے مونا کو قبول کر لیں گے؟ میرا مطلب ہے اس سے کوئی غلط سلوک.....!"

"یار تُو میرے ماں باپ، سب سے ملا ہے، کیا وہ اس قسم کے لگتے ہیں؟ بلکہ ماں جی تو مونا سے ملنے کے لئے بے تاب ہیں جب سے میں نے حویلی میں مونا کا ذکر کیا ہے۔"

"ہاں پھر بھی ہمارے معاشرے میں کسی لڑکی کا اس طرح لڑکے کے گھر پہنچ جانا اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ تیرے ماں باپ نہ سہی کوئی اور یہ بات کہہ دے تو، مونا کا سوچ..... وہ ویسے اندر سے حساس ہے اوپر سے بہادر بنتی ہے۔"

سفیر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ "یار میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ ماں جی سب سنبھال لیں گی۔"

"اگر تُو ایسا سمجھتا ہے تو ٹھیک ہے۔"

رات کا کھانا ہم نے کوٹھی کے ڈائننگ ہال میں ساتھ کھایا تھا۔ وسیم اور شکیل بھی شریک تھے کھانے کے بعد مونا اور سفیر تیار ہونے چلے گئے۔ وسیم اور میں باہر آئے۔ موسم بدل رہا تھا اور ہلکی سی خنکی محسوس کی جا سکتی تھی۔

"ایک بیجیر و جیپ اور تین مسلح افراد جائیں گے۔" وسیم نے مجھے بتایا۔ "ان میں سے ایک ڈرائیونگ کرے گا۔"

سفیر کا گاؤں اٹک میں دریا کے پار تھا۔ وہاں جانے کے لئے تقریباً دو گھنٹے لگتے۔ مونا اور سفیر تیار ہو کر آئے تو دونوں اداس تھے۔ میں نے سفیر کو گلے لگایا اور دل ہی دل میں اس سے معذرت کی اس دھوکے کی جو میں اسے دینے جا رہا تھا۔ مونا کو گلے لگایا تو وہ رونے لگی تھی۔ میں نے اسے ڈانٹا۔ "پگلی کوئی ہمیشہ کے لئے تھوڑی جا رہی ہے..... سمجھ لے رخصتی کی ریہرسل ہے، اصل رخصتی پوری شان سے بینڈ باجوں کے ساتھ ہوگی۔"

"بس فضول باتیں کروالو تم سے۔" مونا جھینپ گئی۔

سفیر اچانک بولا۔ "یار شوبی تُو بھی چل....."

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ مناسب نہیں ہوگا جلد ہی میں اشتہاری مجرم بن جاؤں گا اور تیری حویلی میں میری موجودگی مسئلہ بن جائے گی۔"

"شوبی تم ملک سے چلے جاؤ۔" مونا نے تجویز دی۔ "پھر ہم تمہارے پاس آیا کریں گے۔"

"دیکھو فی الحال تو میں نے کچھ طے نہیں کیا ہے۔"

وسیم اپنے آدمیوں کو سمجھا رہا تھا کہ کسی غیر متوقع صورتحال میں انہوں نے کیا کرنا ہے۔ "سمجھ لو ان کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی ہے اپنی جان سے بھی زیادہ۔" وسیم نے آخر میں کہا تھا۔

"آپ بے فکر رہیں سر....." ایک نے مستعدی سے کہا۔ "ان پر اس صورت میں آنچ آئے گی جب ہم تینوں نہ رہیں۔"

مونا اور سفیر جیپ میں بیٹھے۔ ڈرائیور نے اپنی نشست سنبھالی اور جیپ گیٹ سے نکل گئی۔ ان لوگوں کے چلے جانا ہی ہم تینوں کے مفاد میں تھا اس کے باوجود میں اپنے دل میں ایک بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ ملک والا سے تمام رابطے ختم کرنے کے بعد مونا اور سفیر ہی ایسے دو افراد تھے جنہیں میں اپنا کہہ سکتا تھا ان سے اپنے دل کی بات کہہ سکتا تھا۔ کہنے کو تو ندیم سے بھی دوستی اور بے تکلفی تھی لیکن وہ شادی شدہ اور بیوی بچوں والا تھا اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس میں مونا اور سفیر والی بات نہیں تھی۔ اس شہر میں ہم تینوں ایک دوسرے کے سب کچھ تھے۔ گزشتہ چار سال میں شاید ہی کوئی ایسا موقع آیا تھا جب ہم ایک دوسرے سے دور ہوئے ہوں۔ گرمیوں میں ہم لازماً شمالی علاقے میں سے کہیں نہ کہیں ہائکنگ یا ٹریکنگ کے لئے جاتے تھے۔ میں نے کاغان میں محکمۂ جنگلات کا ایک پرانا اے کلاس ہاؤس نیلامی میں خرید کر اسے تزئین و آرائش کر کے گیسٹ ہاؤس میں بدل دیا تھا۔ وہاں کا چکر لگتا تو مونا اور سفیر میرے ساتھ ہوتے تھے۔ سردیوں میں جب سفیر اپنے گاؤں جاتا اور وہاں پرندوں کا شکار کھیلتا تھا تو میں بھی اس کے ساتھ جاتا تھا اس موقع پر مونا چند دن کے لئے ہم سے دور رہا کرتی تھی ایک بار ہم نے مل کر چین کا طوفانی کیا تھا اور درہ خنجراب کے راستے کاشغر تک ہو آئے تھے۔

تقریباً روز ہی رات کو مونا اور سفیر میرے دفتر آ جاتے تھے۔ سید گل سے باہر سے کھانا منگوا کر بھرپور لنچ کرتے تھے۔ گرمیوں کی راتوں میں پورے شہر میں جگہ جگہ گھوم کر آئس کریم کھاتے، چھٹی والے دن ڈوپہر ناشتہ میرے گھر دھاوا بولتے تھے۔ سارا دن گھوم پھر کر شام کو واپس آ جاتے تھے۔ وہ سب باتیں اب خواب کی طرح محسوس ہوتی تھیں۔ حالانکہ زیادہ دن پرانی باتیں نہ تھیں لیکن مجھے لگ رہا تھا میں چند ہفتوں سے نہیں سالوں سے اس چکر میں پڑا ہوں اور میری باقی عمر بھی شاید اسی میں گزر جائے گی۔

''اندر چلیں..... کب تک یہاں کھڑے رہیں گے؟'' شکیل نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

میں چونکا۔ ''نہیں یار ابھی میرا موڈ نہیں ہو رہا ہے، میں ذرا لان میں ٹہلوں گا۔''

شکیل سمجھ گیا میں فی الحال اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔ وہ خاموشی سے اندر چلا گیا اور میں لان کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اب رات بارہ بجے میرے ہاتھ کی مالش کرانی تھی اور بارہ بجنے میں خاصا وقت تھا۔ لان میں جا بجا لوہے کے پائپوں کے اوپر شیشوں کے سفید گلوبوں میں سفید بلب روشن تھے۔ ان کی وجہ سے پورا لان روشن ہو رہا تھا۔ میں خاموشی سے ٹہلتا رہا ایک بار ٹہلتے ٹہلتے باڑھ کے نزدیک گیا تو ایک سایا جدا ہو کر میری طرف آنے لگا۔ مجھے شبہ ہوا وہ رحمت خان ہے، وہ قریب آیا تو شبہ درست نکلا۔ ''شہباز صاحب۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''رحمت خان۔'' میں اس کے قریب چلا آیا۔ ''کیسے ہو؟''

''بس صاحب زندہ ہوں۔'' اس نے پھیکے لہجے میں کہا۔ ''بھاگ بھری اور اس کی ماں کے بغیر.....''

''رحمت خان میں تم سے شرمندہ ہوں۔ یقین کرو ان کی بازیابی کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی راجا صاحب تک نے ان سے بات کی تھی۔''

''میں شرمندہ ہوں..... اپنی بیٹی اور بیوی کی محبت کی وجہ سے میں نے راجا صاحب جیسے نیک انسان کو مارنے کی کوشش کی..... مجھے معلوم تھا اس بدمعاش پیر کے غنڈے صرف دھمکی نہیں دیتے ہیں، اس پر عمل بھی کرتے ہیں..... میں پہلے ہی ان کے ظلم کا شکار ہوں۔

میں چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''آپ نے میری بیوی کو دیکھا ہے..... اس کی حالت دیکھی ہے۔'' رحمت خان نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں دیکھی تو ہے مگر اس وقت میں توجہ نہیں دے سکا تھا۔'' میں نے ہچکچا کر کہا۔ ''وہ شاید بیمار ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بیمار نہیں صاحب وہ ذہنی مریض ہے۔ انیس سال سے خوف میں جی رہی ہے، ذرا سی بات اس کا دورہ الٹ دیتی ہے۔''

''اسے کیا بیماری ہے؟''

رحمت خان نے گہری سانس لی۔ ''صاحب اسے وہ بیماری ہے جو ہر اس غریب عورت کو ہو سکتی ہے عزت پیاری ہو اور اس کی عزت لٹ جائے..... اس کے اپنے گھر میں لٹ جائے۔''

میں نے رحمت خان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''رحمت خان تمہارے انداز سے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم میں کوئی دکھ چھپائے بیٹھے ہو۔''

''ہاں صاحب..... یہ ناسور ہے جو ہماری زندگیوں کو اندر ہی اندر چاٹ رہا ہے۔ انیس سال ہو گئے میاں بیوی ایک دوسرے سے آنکھ ملا کر بات بھی نہیں کر سکے۔''

''رحمت خان تم اپنا دکھ مجھ سے کہہ سکتے ہو اور کچھ نہیں تو تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

رحمت خان کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے اپنی ماضی کے ورق الٹنا شروع کیے۔

☆======☆======☆

رحمت خان اور نور بی بی مارگلہ کے دامن میں آباد ایک چھوٹے سے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ نور بی بی سترہ سال کی ہوئی تو اس کے ماں باپ نے رحمت خان کا رشتہ قبول کر لیا۔ نور بی بی اور رحمت خان باپ آپس میں گہرے دوست تھے اور یہی دوستی اس شادی کی وجہ بنی تھی۔ نور بی بی پُرکشش اور سلیقہ مند لڑکی تھی رحمت خان ان دنوں فوج میں نیا نیا بھرتی ہوا تھا۔ چار پانچ مہینے بعد اسے چند دن کے لئے گھر آنے کا موقع تھا۔ ماں باپ کے ساتھ وقت گزار کر خوش خوش واپس چلا جاتا تھا۔ مگر جب نور بی بی اس کی زندگی میں آئی تو کے لئے گھر سے دور رہنا عذاب ہو گیا تھا، وہ بے تابی سے گھر جانے کے دن گنا کرتا تھا اور چند دن نور بی بی ساتھ گزار کر جب وہ واپس جانے لگتا تو اس کا جانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ بارہا اس نے سوچا کہ استعفیٰ د دے..... لیکن اس کا کوئی اور ذریعہ روزگار نہیں تھا اور ان کے پاس کاشت کاری کے لئے زمین نہیں تھی۔ ر خان کے باپ کے پاس کچھ جانور تھے جن کا دودھ بیچ کر گزر اوقات کرتے تھے۔

جب نور بی بی بیاہ کر آئی تو یہ جانور اس کی ذمے داری بن گئے تھے اور وہ روز انہیں چرانے کے لئے جاتی تھی۔ آس پاس سرسبز چراگاہوں کی کمی نہیں تھی۔ ایک روز نو. بی بی جانور لے کر چرانے کے لئے نکلی نزدیکی چراگاہ تک گئی۔ چند گھنٹے بعد اسے دو گھڑ سوار وہاں نظر آئے اس نے توجہ نہیں دی کیونکہ اس علاقے گھڑ سواری عام تھی۔ دشوار راستوں پر کوئی مشینی سواری بے کار تھی۔ اس لئے نور بی بی چوکنی نہیں تھی لیکن قریہ کر وہ گھوڑے سے اتر کر اس کی جانب لپکے تو اسے خطرے کا احساس ہو۔ وہ گاؤں کی طرف بھاگی۔ مرد زیادہ تھے انہوں نے چند قدم بعد ہی اسے جا لیا تھا اور اسے کھینچ کر گھوڑوں کی طرف لے جانے لگے تھے۔ نور بی بی چیخیں ماریں۔ خوش قسمتی سے گاؤں کے چند مرد نزدیک ہی سے گزر رہے تھے وہ اس کی مدد کو آئے۔ انہوں دونوں افراد کو پکڑ لیا اور لاٹھیوں سے مار مار کر ان کا بھرکس نکال لیا تھا۔ نور بی بی نے اس غیبی امداد پر خدا کا شکر کیا تھا اور جب ان دونوں کو پولیس کے حوالے کرنے کے لئے لے جایا جا رہا تھا۔ پیر بادشاہ کے ہرکارے آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور انہیں اپنی تحویل میں لے لیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ان مجرموں کو پیر بادشاہ سزا دیں گے۔ گاؤں والے پیر بادشاہ کے عقیدت مند تھے اس واقعے کے بعد عقیدت مندی سے ادھ موئے ہو گئے تھے۔

پیر بادشاہ مرشد علی کا باپ ریاست علی تھا اور مرشد اس وقت نوجوان تھا۔ رحمت خان واپس آیا اور اسے پتا چلا تو اس کا خون کھول گیا تھا۔ گھر والوں اور نور بی بی سے مل کر وہ پیر بادشاہ کے پاس پہنچا تھا وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کو اغوا کرنے کی کوشش کرنے والوں کو کیا سزا ملی۔ مگر اسے درگاہ میں داخل نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ اس وسیع احاطے میں جا بجا پیر بادشاہ کے پالے مسٹنڈے مرید تھے جو آنے والوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے اور کوئی شخص ان سے بچ کر براہ راست اندر نہیں جا سکتا تھا۔

''کیا بات ہے منہ اٹھائے کدھر جا رہا ہے۔'' ایک ملنگ نے اسے روک کر جھڑکا۔ ''جانتا نہیں ادھر مرکز تجلیات ہے۔''

ملنگ کا اشارہ مرشد علی کے دیوانے دادا کی قبر کی طرف تھا جو حالت مجذوبیت میں مر گیا تھا اور اب اس کی اولاد اس کی قبر پر کاروبار چلا رہی تھی۔ ''مجھے پیر بادشاہ سے ملنا ہے۔''

''ادئے پیر بادشاہ..... اونچی ذات ہے..... اس سے ملنا ہر بندے کے بس کی بات نہیں ہے اپنا مسئلہ بتا۔''

رحمت خان کو پیروں فقیروں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی اور نہ ہی وہ عقیدت کا مارا تھا۔ اس نے ملنگ کو ان مجرموں کے بارے میں بتایا جنہوں نے اس کی بیوی کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور جو اب پیر بادشاہ کی تحویل میں تھے۔ ملنگ اس کی بات سن کر معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا اور اسے ایک شخص کے حوالے کر دیا۔ ''اسے چھوٹے سرکار کے پاس لے جاؤ۔''

''لیکن مجھے تو پیر بادشاہ سے ملنا ہے۔'' رحمت خان نے احتجاج کیا۔

''پیر بادشاہ اس وقت چلے میں ہیں کسی سے نہیں مل سکتے۔'' ملنگ نے ٹکا سا جواب دیا۔

''وہ لوگ اسے تحویل میں لے کر درگاہ کے ایک طرف بنی چھوٹی سی عمارت میں لے گئے تھے۔ عمارت باہر سے سادہ تھی لیکن اندر اس کی آرائش دیکھ کر رحمت خان کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ اس آسائش و عشرت کدے میں مرشد علی ایک کمرے میں تخت پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا اور ایک نوجوان عورت اس کا جسم دبا رہی تھی وہاں روحانیت کے بجائے نفس پرستی کا ماحول تھا۔ ملنگ نے جھک کر مرشد علی کے کان میں کچھ کہا۔ اس نے مخمور آنکھیں اٹھا کر رحمت خان کی طرف دیکھا تھا۔ نزدیک ایک تپائی پر رکھی بوتل اور جام دیکھ کر شبہے کی بات نہیں رہی تھی۔ مرشد علی شراب نوشی کر رہا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور اشارے سے عورت کو وہاں سے جانے کو کہا۔ عورت کے جانے کے بعد وہ چند لمحے بغور رحمت خان کو گھورتا رہا۔ ''تو نور کا شوہر ہے؟''

رحمت کو ایک بدمست شرابی کے منہ سے اپنی بیوی کا نام اچھا نہیں لگا تھا وہ کراہت دباتے ہوئے بولا۔ ''نور بی بی میری عورت ہے۔''

''چھوٹے سرکار بول۔'' ملنگ نے اسے گھرکا۔

''چھوٹے سرکار نور بی بی میری عورت ہے۔'' رحمت خان نے خود پر جبر کر کے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرشد عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ''پتا ہے تیری بیوی کو اغوا کرنے والے کون تھے؟ ان کا تعلق جنوں سے ہے۔'' مرشد علی انکشاف کرنے کے انداز میں بولا۔ ''بڑے سرکار نے انہیں قید کر دیا ہے۔ پران کے ساتھی بدلہ لینے کی فکر میں ہیں۔''

''پران کو تو گاؤں کے لوگوں نے مار مار.....''

''ہم پر شبہ نہ کر۔'' مرشد علی غضب ناک انداز میں بولا۔ ''اگر پیر بادشاہ کا علاقہ نہ ہوتا تو وہ ایسے بھی نور بی بی کو لے جاتے..... مگر پیر بادشاہ کے علاقے میں جن بھی پَر مارنے کی مجال نہیں رکھتا۔ پر خطرہ اب بھی ہے۔''

''کیسا خطرہ..... چھوٹے سرکار؟''

''جن دوبارہ نور بی بی کو لے جانے کی فکر میں ہیں اور وہ صرف ایک وجہ سے بچ سکتی ہے.....''

رحمت خان ان چیزوں کو نہیں مانتا تھا لیکن وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ ''وہ کیسے چھوٹے سرکار؟''

''اسے آنے والی چار جمعراتیں اس درگاہ کے احاطے میں گزارنا ہوں گی۔''

رحمت خان چپ رہا۔ ملنگ نے اسے ٹہوکا دیا۔ ''سوچتا کیا ہے..... چھوٹے سرکار کسی کسی پر اتنے مہربان ہوتے ہیں۔ اپنی بیوی کو جنوں سے بچانا چاہتا ہے تو آنے والی جمعرات سے پہلے اسے یہاں لے آ.....''

رحمت خان نے ایک نظر مرشد علی کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں ناچتی ہوس دیکھ کر وہ جان گیا تھا کہ نور بی بی کو اصل میں کس جن سے خطرہ تھا اور سارا معاملہ بھی اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ ایک لمحے کو اس کے دل میں آئی کہ نتائج کی پروا کیے بغیر چھوٹے سرکار کی گردن توڑ دے۔ وہ جوان اور مضبوط شخص تھا فوجی تربیت میں دست بہ دست لڑائی شامل ہوتی ہے۔ چھوٹے سرکار کی گردن توڑنا کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن اس کے بعد وہ خود بھی یہاں سے زندہ سلامت نہیں جا سکتا تھا۔ وہ نور بی بی اور ماں باپ کے لئے زندہ رہنا چاہتا تھا۔

''بول کیا کہتا ہے؟'' مرشد علی نے کہا۔

''سرکار..... میں سوچ کر.....''

''بکواس نہ کر.....'' ملنگ غضب ناک انداز میں بولا۔ ''چھوٹے سرکار کی بات رَد کرتا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں جہنم بن جائیں گی۔''

''جی چھوٹے سرکار..... میں گھر والی کو لے آؤں گا۔'' رحمت خان نے بے چارگی سے کہا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے نور بی بی کو لے کر اس جگہ سے کہیں اور جانا پڑا تو وہ چلا جائے گا۔ اسے امید تھی کہ ان دنوں وہ جس کرنل صاحب کا اردلی تھا، وہ بخوشی نور بی بی کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے دیں گے۔ مگر مرشد علی اس کے اندازے سے زیادہ شاطر نکلا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تمہیں لانے میں زحمت ہو گی۔ ابھی جابر تمہارے ساتھ جائے گا۔'' اس نے ملنگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''تمہاری گھر والی کو لے کر آئے گا۔ وہ جتنی جلدی درگاہ کے احاطے میں آئے گی اتنا ہی اچھا ہو گا۔''

''زحمت کیسی جی..... میں لے آؤں گا۔'' رحمت نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''بد بخت! چھوٹے سرکار کا حکم جھٹلاتا ہے۔'' ملنگ نے اسے گھرکا ''گھر آئی رحمت کو ٹھکراتا ہے۔''

رحمت خان چشم تصور سے دیکھ رہا تھا کہ رحمت کے نام پر اس کے گھر کیا سیاہ بختی آنے والی تھی مگر وہ پھنس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہ گیا تھا۔ اسے معلوم تھا انکار کر کے بھی وہ نور بی بی کو نہیں بچا سکتا تھا۔ یہ لوگ اسے قید کر لیتے اور نور بی بی کو کسی اور طریقے سے چھوٹے سرکار کے قدموں میں لا ڈالتے۔ نہ جانے اس کی منحوس نظر کب اور کیسے نور بی بی پر پڑی تھی۔ رحمت خان اسے نہیں بچا سکتا تھا لہٰذا اس نے ڈپلومیسی سے کام لیا۔

''میں بھلا سرکار کی بات رد کر سکتا ہوں..... دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی۔''

مرشد علی فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا تھا۔ ''تو سمجھدار آدمی لگتا ہے..... فکر نہ کر جب نور بی بی یہاں سے واپس جائے گی تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔''

رحمت خان کا دل چاہ رہا تھا کہ خدائی کے دعوے کرنے والے اس ذلیل شخص کو قتل کر دے۔ مگر وہ مجبور تھا اس کے بعد وہ بھی مرتا اور اس کا پورا خاندان ان فرعونوں کے انتقام کی بھینٹ چڑھ جاتا۔ ملنگ اسے باہر لایا اور ہلکے پھلکے انداز میں دھمکی دی کہ اگر اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ اس نے رحمت خان سے کہا تھا۔ ''نور بی بی نے ادھر آنا ہی آنا ہے۔''

کچھ دیر بعد ملنگ دو افراد کے ساتھ اسے لے کر ایک جیپ میں اس کے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ رحمت خان کو انہوں نے درمیان میں مجرموں کی طرح بٹھا رکھا تھا۔ شام کے قریب وہ گاؤں کے نزدیک تھے کہ جیپ کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ملنگ گالیاں دینے لگا کیونکہ ابھی انہوں نے واپس بھی جانا تھا اور رات کے وقت کچے پہاڑی راستوں پر ڈرائیونگ آسان کام نہیں تھا اس کے حکم پر دونوں افراد جیپ کا ٹائر بدلنے لگے۔ جیپ ذرا سی ترچھی کھڑی تھی اور اسے سلپ ہونے سے بچانے کے لئے ایک بڑا پتھر درکار تھا جسے نیچے رکھا جاتا۔ رحمت خان نے اس موقع پر جلدی سے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ ''میں تلاش کر کے لاتا ہوں۔''

باقی دو جیپ میں لگے تھے اس لئے ملنگ نے اسے پتھر تلاش کرنے کی اجازت دے دی۔ ''فرار مت ہو جانا!'' اس نے رحمت خان کو دھمکایا۔ ''میرے پاس رائفل ہے۔''

''نہیں جی..... میں کیوں بھاگوں گا؟'' رحمت خان نے مسکین سے لہجے میں کہا تھا۔

رحمت خان دکھاوے کے لئے ایک چھوٹا پتھر لایا لیکن اسے مسترد کر دیا گیا۔ وہ بڑے پتھر کی تلاش میں ارغنوں کے درمیان گھسا اور پھر آہٹ کئے بغیر ہر ممکن تیزی سے گاؤں کی طرف بھاگا جو دو تین کلو میٹر دور تھا۔ ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ عقب سے ان لوگوں کے چلانے اور اسے دھمکیاں دینے کا شور بلند ہوا۔ جابر اسے گولی مارنے کی دھمکی دے رہا تھا پھر اس نے فائر بھی کیا۔ گولی رحمت خان کے سر پر سے گزر گئی تھی۔ وہ رکا نہیں..... اسے معلوم تھا کہ نیم تاریکی میں جھاڑیوں کے درمیان اس کا درست نشانہ لینا ممکن نہیں تھا ہاں اس کی خطا آ جائے اور گولی اس کی طرف کا رخ کر لے تو الگ بات تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے کبھی جھک جاتا تھا اور کبھی رخ بدل لیا کرتا تھا۔ یہ اس کا علاقہ تھا اور وہ اس کے چپے چپے سے واقف تھا اسے معلوم تھا کہ کہاں راستہ اچھا ہے اور کہاں گڑھے ہیں۔ وہ بلا جھجک دوڑے جا رہا تھا جب کہ اس کے پیچھے آنے والے راستوں سے ناآشنا ہونے کے سبب رک رک کر دوڑ رہے تھے۔ رحمت خان کی ساری طاقت ٹانگوں میں آ گئی تھی۔ اسے معلوم تھا آج وہ پکڑا گیا تو اپنی جان کے ساتھ آبرو سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

پہاڑی علاقے کے دیگر دیہات کی طرح اس کا گاؤں بھی پھیلا ہوا تھا جس کو جہاں جگہ ملی اس نے مکان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنالیا تھا۔ اس کا مکان ایک طرف دوسرے مکانوں سے ہٹ کر تھا۔ گاؤں میں داخل ہونے کے باوجود اس کی رفتار میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی بلکہ مکان کے نزدیک پہنچ کر اس نے چلا چلا کر نور بی بی کو آواز دینا شروع کر دی تھی۔ وہ گھر میں تھی، شوہر کی آواز سن کر گھبرا کر گھر سے باہر نکل آئی۔ ''کیا ہوا رحمت خان؟''

''نور..... چل۔'' رحمت خان نے اس کا بازو پکڑا اور اسے پکڑ کر گاؤں سے باہر لے جانے لگا۔ وہ اس بار مخالف سمت میں جا رہا تھا۔

''ہوا کیا ہے..... کچھ تو بتا؟''

''میرے ساتھ بھاگ..... کتے پیچھے آ رہے ہیں..... تجھے لے جانے کے لئے۔''

رحمت کے لہجے سے نور بی بی نے اندازہ لگایا کہ کوئی بہت سنگین بات ہے، وہ اس کے ساتھ حتی الامکان تیزی سے دوڑنے لگی۔ چند منٹ کے اندر وہ گاؤں کے دوسری طرف واقع جنگل میں تھے۔ یہاں رک کر رحمت خان نے مختصر الفاظ میں بتایا کہ وہ کیوں اسے لے کر بھاگا تھا۔

''نور اس سے پہلے پیر بادشاہ کے کتے ہمیں تلاش کر لیں..... یہاں سے نکل جانا چاہئے..... ہمیں کرنل صاحب کے پاس ہی پناہ مل سکتی ہے۔''

پیر بادشاہ کے سپوت کے عزائم جان کر نور بی بی کا خوف سے برا حال تھا۔ اگر اس وقت رحمت خان اسے جہنم میں چلنے کو کہتا تو وہ بخوشی تیار ہو جاتی۔ دونوں میاں بیوی تاریکی چھاتے ہی پکی سڑک کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے انہیں بس مل سکتی تھی۔ رحمت خان کھاریاں چھاؤنی میں تھا۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں پنڈی اڈے تک جانے والی بس مل گئی تھی۔ جہاں سے انہوں نے صبح دم کھاریاں جانے والی ویگن پکڑی اور سورج نکلنے سے پہلے وہ کھاریاں میں تھے۔ رحمت خان سے اس کی کہانی سن کر کرنل اور اس کی بیوی نے فوری طور پر نور بی بی کو پناہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

نور بی بی کو محفوظ کرنے کے بعد اب رحمت خان کو اپنے ماں باپ کی فکر تھی، وہ ان کے بارے میں جانے کے لئے خود نہیں جا سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا پیر بادشاہ کے پالتو اس کی تاک میں ہوں گے۔ وہ اپنے جنگل میں شیر تھے اور کوئی ان کے منہ سے نوالہ چھین کر لے جائے ایسے شخص کی نسلیں مٹا کر بھی ان کے جذبہ انتقام کی تسلی ممکن نہیں تھی۔ اس نے ایک جاننے والے کے توسط سے پتا چلایا۔ پیر بادشاہ کے گرگے اس کے ماں باپ کو پکڑ کر لے گئے تھے لیکن پھر مار پیٹ کر رہا کر دیا تھا اور وہ اب اپنے گھر میں تھے ان کی خیریت معلوم کر کے رحمت خان نے اطمینان محسوس کیا تھا۔ نور بی بی اس بہانے اب اس کے ساتھ تھی۔ کرنل صاحب کی بیگم اس پر اتنی مہربان تھی کہ اس کی باقاعدہ تنخواہ لگا دی تھی۔ یوں رحمت خان اس قابل ہوا تھا کہ باقاعدگی سے ماں باپ کو خرچہ بھیج سکے۔ گاؤں جانے کی ہمت اس نے پورے سال بعد کی تھی وہ رات کی تاریکی میں گاؤں میں داخل ہوا اور ماں باپ سے مل کر صبح روشن ہونے سے پہلے واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ ہر دوسرے، تیسرے مہینے اسی طرح آ کر خاموشی سے ماں باپ سے مل جاتا تھا۔ پانچ سال گزر گئے نور بی بی کی گود ہری نہ ہو سکی تھی۔ اگرچہ دو بار وہ امید سے ہوئی تھی۔

ایک بار رحمت خان ماں، باپ سے ملنے روانہ ہوا۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ یہ خفیہ آمد و رفت گاؤں والوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے چھپی نہیں رہی تھی۔ جس رات رحمت خان کے گھر میں روشنی رہتی گاؤں والے سمجھ جاتے کہ رحمت خان ماں باپ سے ملنے آیا ہے۔ سب اس کے حامی اور دوست تھے تو کچھ ایسے بھی تھے جو اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے پیر بادشاہ کو اس کی آمد کے بارے میں بتا دیا۔ اب تک ان کی آگ اس لئے دبی ہوئی تھی کہ وہ ایک کرنل کے گھر میں گھس کر کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ سرکار کے کتنے ہی مقرب سہی لیکن اس حد تک آتے ہوئے ان کے پَر بھی جلا کرتے تھے اب انہیں پتا چلا تو یہ آگ ایک بار پھر پوری شدت سے بھڑک اٹھی تھی۔

رحمت خان حسب معمول تاریکی میں آیا لیکن مخبر تاک میں تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا اور درگاہ تک خبر پہنچا دی کہ تمہارا شکار آن پہنچا ہے۔ رحمت خان صبح کے قریب گھر سے نکلا اور سڑک کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں گھات لگائے افراد نے حملہ کر کے اسے قابو کرنے کی کوشش کی۔ ان کی بدقسمتی کہ رحمت خان ہوشیار ہو گیا۔ اوچھا وار بچا کر اس نے لاٹھی سے حملہ آور کو مار گرایا اور خود بھاگ نکلا۔ انہوں نے رحمت خان کو پکڑنے کی کوشش کی۔ شاید وہ اسے مرشد علی کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ اس سے خود انتقام لے سکے۔ ورنہ اسے مارنا بہت آسان تھا۔ رحمت خان کو ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر ان گرگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ جابر کا انجام نہیں بھولے تھے جسے مرشد علی نے نور بی بی کو لانے میں ناکامی کے بعد کتوں کے آگے ڈلوا دیا تھا۔ انہوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور ایک گولی رحمت خان کے ٹخنے سے گزر گئی۔ وہ جس جگہ گرا تھا اس کے پاس جھاڑیوں میں پوشیدہ ایک گڑھا تھا وہ رینگ کر اس میں چلا گیا تھا۔ گولی نے اس کی ہڈی توڑ دی تھی اور وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ خاموشی سے گڑھے میں پڑا رہا۔ باہر مرشد علی کے آدمی اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے کسی کا احسان اس گڑھے کی طرف نہیں گیا تھا۔

کئی گھنٹے بعد وہ جھنجھلاتے ہوئے، گالیاں دیتے وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس وقت رحمت خان کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے ماں باپ پر ستم ٹوٹنے والا تھا۔ مرشد علی کے گرگے وہاں پہنچے اور اس کے ماں باپ کو مکان کے اندر بند کر کے مکان کو آگ لگا دی۔ دوسری طرف رحمت خان کو جب یقین ہو گیا کہ وہ چلے گئے ہیں تو وہ رینگتا ہوا گڑھے سے نکلا اس نے زخم پر رومال باندھ لیا تھا۔ مگر ابھی اس کے لئے زمین پر پاؤں رکھنا ممکن نہیں تھا۔ دن نکل آیا تھا۔ اس نے کسی نہ کسی طرح ایک مضبوط لکڑی تلاش کر لی اور اس کے سہارے سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔ زخمی پاؤں کے ساتھ یہ کام بے حد مشکل تھا مگر وہ کسی نہ کسی طرح چلتا رہا۔ دو کلو میٹر کا فاصلہ اس نے گھنٹے میں طے کیا تھا۔ سڑک تک پہنچتے پہنچتے اس کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ وہاں سے گزرنے والے کسی انسان دوست شخص نے اسے اسپتال تک پہنچایا۔ جہاں اس کی جیب سے نکلنے والے آرمی کارڈ کی مدد سے کرنل سے رابطہ ہوا۔ کرنل آ کر اسے فوری طور پر سی ایم ایچ لے گیا تھا، رحمت خان نے اسے خود پر گزرنے والی کہہ سنائی۔ کرنل کو غصہ آ گیا تھا۔

"میں ان لوگوں کے خلاف ایف آئی آر درج کراؤں گا۔"

"بے کار ہے کرنل صاحب..... یہ طاقتور لوگ ہیں۔ پولیس اور انتظامیہ ان کی مٹھی میں ہے۔"

رحمت خان نے دکھ سے کہا۔ "مجھے اپنے ماں باپ کی فکر ہے نہ جانے ان کا کیا حال ہوا ہو گا؟"

کرنل نے ایف آئی آر درج کروائی تھی لیکن پولیس نے نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی آر درج کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ رحمت خان حملہ آوروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے ان کے چہرے تک نہیں دیکھے تھے اور پولیس بغیر کسی ثبوت کے ایف آئی آر میں پیر بادشاہ یا اس کے کسی آدمی کا نام شامل کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور وہیں کرنل کو پتا چلا تھا کہ رحمت خان کے ماں باپ مکان میں اتفاقاً آگ لگنے سے جل کر ہلاک ہو گئے ہیں۔ رحمت خان کو پتا چلا تو وہ رونے لگا۔ ''کرنل صاحب ان ظالموں نے ہی میرے ماں باپ کو مارا ہے۔''

''تم فکر مت کرو..... ہم انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔''

لیکن جلد کرنل کو بھی اندازہ ہو گیا کہ پیر بادشاہ کتنی طاقت رکھتا تھا یہ پورا علاقہ اس کے حلقہ اثر میں تھا اور سیاست دان ووٹروں کے لئے اس کے محتاج تھے۔ اس کے خلاف کارروائی کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی، اس لئے رحمت خان پر حملے اور اس کے ماں باپ کے قتل کا معاملہ دب گیا۔ پولیس نے تفتیش سرے سے کی ہی نہیں تھی اور چند مہینے بعد دونوں کیسوں کی فائلیں بھی داخل دفتر کر دی گئی تھیں۔ رحمت خان چند دن بعد اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ کرنل اور اس کی بیوی نے رحمت خان اور اس کی بیوی کو اپنے پاس رکھا لیکن جب وہ مکمل صحت مند ہو گیا تو انکشاف ہوا کہ ٹخنے کی ہڈی میں کمزوری کے سبب وہ فوج میں مطلوبہ معیار کا حامل نہیں رہا تھا اور اسے میڈیکل پر ریٹائر کیا جا رہا تھا۔ یہ رحمت خان کے لئے ایک اور صدمہ تھا اس کی ملازمت کرتے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے اسے معمولی سی رقم ملی تھی۔ اسے کسی اور جگہ ملازمت کرنی پڑتی یا گاؤں جا کر کوئی کام کرنا پڑتا۔ کرنل نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ اسے شہر میں کسی جگہ ایڈجسٹ کرا دے گا مگر رحمت ان کی بدقسمتی کہ کرنل کا تبادلہ اچانک ہی ہوا تھا اور وہ جانے سے پہلے رحمت خان کی ملازمت کا بندوبست نہ کر سکا تھا۔

اب رحمت خان بے یار و مددگار تھا۔ گاؤں جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہاں وہ درندے اب بھی دندناتے پھر رہے تھے جو اس کے ماں باپ کا لہو پی چکے تھے۔ مگر اس کے پاس گاؤں کے سوا اور کوئی ٹھکانا بھی نہیں تھا۔ اس نے نور بی بی کو لیا اور گاؤں آ گیا۔ اس کا مکان جلا تھا لیکن زمین تو اس کی تھی۔ چند دن ایک رشتے دار کے ہاں رہ کر اس نے اپنا مکان مرمت کیا اور نور بی بی کے ساتھ وہاں آ ٹھہرا۔ چند جانور تھے، اپنے پاس موجود رقم سے اس نے مزید بکریاں لے لی تھیں۔ گاؤں والوں کے پاس کاشت کے لئے موزوں زمین کم تھی اور زیادہ تر لوگوں کا پیشہ جانور پالنا تھا۔

شروع میں رحمت خان اور نور بی بی بے حد خوف زدہ رہتے تھے۔ ہر لمحے یہ خدشہ محسوس ہوتا تھا کہ ابھی پیر بادشاہ کے آدمی آئیں گے اور اس کے بعد ان کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ مگر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اور کوئی نہیں آیا تو ان کے خدشات بھی کم ہونے لگے تھے۔ چند مہینے بعد وہ اس خوف سے خاصی حد تک آزاد ہو گئے۔ رحمت خان اور نور بی بی کی خواہش تھی کہ اللہ انہیں اولاد سے نوازے۔ دونوں صحت مند تھے..... کوئی خرابی یا کمی نہیں تھی، بس قدرت کی طرف سے دیر تھی۔ یہ تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اولاد کس طرح ان کا نصیب ہو گی۔

اس روز بے پناہ سردی تھی۔ انہیں گاؤں آئے پانچواں مہینہ تھا۔ رحمت خان اور نور بی بی سرِ شام گھر میں دبک گئے تھے۔ انگیٹھی اور رضائی سے خود کو گرم رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک رحمت خان کے کمن میں آہٹ ہوئی۔ بکریاں بولنے لگی تھیں۔ وہ دیکھنے کے لئے باہر نکلا ہی تھا کہ کسی نے اس کے سر پر وار کیا اور وہ ہوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وحواس سے بیگانہ ہو گیا۔ اس کی کراہ سن کر نور بی بی باہر آئی اور اسے دو افراد نے پکڑ لیا اسے چلانے کا موقع بھی نہیں ملا اور چلاتی بھی تو کون سنتا نزدیکی گھر بھی سو فٹ کے فاصلے پر تھا اور اس سردی میں سب دروازے کھڑکیاں بند کر کے بیٹھے تھے۔ اس پر کوئی سن بھی لیتا تو اس کی مدد کے لئے نہیں آ سکتا تھا۔ رحمت خان بے ہوش پڑا تھا، آنے والے ان دونوں کو اندر لے آئے۔ انہیں دیکھتے ہی نور بی بی جان گئی تھی کہ وہ جس برے وقت سے ڈر رہے تھے وہ وقت آ گیا تھا۔

انہوں نے نور بی بی کا منہ بند کیا اور اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اسے اندر چارپائی پر لا پھینکا اور رحمت خان کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ اس کے بعد مرشد علی اندر آیا تھا۔ نور بی بی اس کے عزائم جان گئی تھی لیکن مزاحمت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اس رات کو کئی بار مری اور کئی بار زندہ ہوئی۔ جب مرشد اسے روند کر فاتحانہ چال سے واپس گیا تو اس کے کتوں نے یلغار کر دی۔ نور بی بی ساری رات موت کی دعائیں مانگتی رہی لیکن موت ابھی تقدیر میں نہیں تھی۔ رحمت خان کو ہوش آیا تو طوفان آ کر جا چکا تھا لیکن اس کی ساری زندگی اور خوشیاں تہ و بالا کرنے کے بعد..... لٹی پٹی نور بی بی اندر بے ہوش پڑی تھی اور اس کی حالت چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ اس پر کیا گزری ہے۔ اپنے نصیبوں کو روتے ہوئے رحمت خان نے نور بی بی کو لباس پہنایا اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ بکری کا دودھ گرم کر کے نور بی بی کے حلق میں ٹپکانے سے خاطر خواہ نتیجہ نکلا تھا اور وہ ہوش میں آنے لگی۔

نور بی بی ہوش میں تو آئی لیکن حواس سے بیگانہ رہی تھی۔ ہوش میں آتے ہی وہ چلانے اور ہاتھ پاؤں چلانے لگتی تھی۔ جیسے کسی نادیدہ وجود کے خلاف مزاحمت کر رہی ہو۔ دو دن اس کی یہی حالت رہی تھی۔ رحمت خان اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ بار بار بکھر جاتی تھی۔ بے آبروئی اور ذلت کے احساس نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔ تیسرے دن رحمت خان کی کوششوں سے اس کی حالت سدھرنے لگی تھی۔ جب نور بی بی کو صحیح معنوں میں ہوش آیا تو اس نے خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ اس نے چھت کو سنبھالنے والی لکڑی کے ڈنڈے (بلی) سے چادر باندھ کر خود کو پھانسی دینا چاہی تھی لیکن رحمت خان بروقت آ گیا تھا۔ اس نے نور بی بی کو بچا لیا۔ اس کے بعد سے وہ اس کی کڑی نگرانی کرنے لگا۔ ایک ہفتے تک وہ گھر سے ہی نہیں نکلا، اپنے جانور اس نے اپنے ایک چچازاد کے سپرد کر دیئے تھے، وہ چرا کر لے آتا تھا، بدلے میں رحمت خان اسے نصف دودھ دے دیا کرتا تھا۔

رفتہ رفتہ نور بی بی کی حالت سدھرنے لگی۔ وہ زیادہ تر چپ پڑی رہا کرتی تھی لیکن کبھی اس سانحے کی چھائیاں اسے تنگ کرتی تھیں تو اس کا دماغ الٹ جاتا تھا اور وہ چیخنے چلانے اور ہنگامہ کرنے لگ جاتی تھی۔ رحمت خان کا خیال تھا کہ ان پر گزرنے والے سانحے کی گاؤں میں کسی کو خبر نہیں ہے۔ ورنہ اب تک اس کا جینا حرام ہو چکا ہوتا۔ گاؤں والوں کو اس نے یہی بتایا تھا کہ نور بی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس پر دورے پڑتے رہتے ہیں۔ گاؤں کی عورتیں اسے دیکھنے آتی تھیں تب بھی روایت کے خلاف رحمت خان ان کے پاس موجود رہتا تھا اسے ڈر تھا کہ کبھی نور بی بی پر دورہ پڑ جائے اور وہ راز فاش کر دے۔ ایک روز چند عورتیں آئی ہوئی تھیں نور بی بی کی طبیعت خراب ہو گئی لیکن اسے دورہ نہیں پڑا تھا بلکہ چکر آنے لگے تھے اور متلی ہو رہی تھی۔ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھی اور تجربے کار عورت نے رحمت خان سے کہا۔ ''مجھے لگ رہا ہے تُو باپ بننے والا ہے..... جا کر دائی کو بلا لا۔''

سانحے کو گزرے دو ہفتے گزر چکے تھے۔ رحمت خان کے اندر خدشات سر اٹھانے لگے۔ اگر نور بی بی ماں بننے والی تھی تو کیا یہ اس کا بچہ تھا یا اس دہشت کا نتیجہ جو نور بی بی نے سہی تھی۔ دائی نے بھی تصدیق کر دی کہ نور بی بی ماں بننے والی تھی۔ رحمت کے خدشات برقرار رہے تھے۔ یہ ایک اور اذیت ناک بات تھی۔ اس سانحے سے صرف دو دن پہلے انہوں نے ازدواجی فرض ادا کیا تھا۔ ابھی یہ ذہنی اذیت کم نہیں ہوئی تھی کہ رحمت خان نے محسوس کیا کہ وہ گاؤں سے گزرتا ہے تو لوگ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ایک روز اس نے اپنے بچپن کے دوست جمال کو پکڑ لیا۔ ''جمال! یہ گاؤں والے مجھے ایسے کیوں دیکھتے ہیں جیسے مجھ سے کوئی قصور ہوا ہو؟''

جمال نے بھی اسے انہی نظروں سے دیکھا تھا۔ ''تو کیا تُو نہیں جانتا کہ گاؤں میں تیرے اور تیری گھر والی کے بارے میں کیا خبریں پھیل رہی ہیں؟''

''نہیں۔'' رحمت خان لرز گیا تھا۔ ''کیسی خبریں؟''

جمال نے اسے افسوس سے دیکھا۔ ''سارا گاؤں جانتا ہے، تیرے گھر ڈاکو گھسے تھے اور تیری گھر والی کی.....''

''جمال.....'' رحمت نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''رحمت! تُو کس کس کا گریبان پکڑے گا۔'' جمال نے اپنا گریبان چھڑا لیا۔ ''پورا گاؤں یہی بات کہہ رہا ہے بلکہ لوگ تو اور بھی بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہیں؟''

''چھوڑ رحمت خان..... تُو سچ سن نہیں سکتا۔'' جمال نے تلخی سے کہا۔ ''اس بار شاید تُو میرا گلا پکڑ لے گا۔''

رحمت خان کا سر جھک گیا۔ ''نہیں جمال، تُو بول۔''

''گاؤں میں یہ بات پھیلی ہے کہ نور بی بی کا بچہ..... تیرا نہیں ہے۔''

''یہ بکواس ہے۔'' رحمت خان نے کربناک آواز میں کہا۔ ''نور پر بہتان ہے۔''

جمال نے کچھ نہیں کہا۔ رحمت خان کو ترحم آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد گاؤں کا ہر فرد اسے ایسے ہی دیکھنے لگا تھا۔ وہ اور نور بی بی اچھوت بن کر رہ گئے تھے۔ کوئی اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اس کے پاس آنے سے گریز کرتا تھا۔ گھر میں آنا جانا بند کر دیا تھا۔ نور بی بی باہر نہیں جاتی تھی۔ البتہ رحمت خان کی مجبوری تھی، وہ باہر جانے اور لوگوں کا سامان کرنے پر مجبور تھا۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی نور بی بی کی طرح گھر بیٹھ جائے لیکن اس صورت میں وہ کیا کرتے اور کہاں سے کھاتے! جیسے جیسے ولادت کا وقت قریب آ رہا تھا، گاؤں میں رہنا ان کے لئے دشوار ہو رہا تھا۔ کئی افراد نے رحمت خان کو مشورہ دیا کہ وہ گاؤں چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے۔ پھر ایک روز گاؤں کے سرپنچ وفد بنا کر آئے اور رحمت خان سے مطالبہ کیا۔ ''اس گاؤں سے چلے جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں؟'' رحمت خان چلا اٹھا۔ ''میں کیوں جاؤں اپنے باپ دادا کی زمین سے۔''

''کیونکہ اب تم اور تمہاری بیوی یہاں رہنے کے قابل نہیں رہے ہو۔'' انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔

رحمت خان نے ان کے پتھر چہروں کو دیکھا اور سمجھ گیا۔ وہ فیصلہ کر کے آئے تھے۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا تھا۔ ان سے التجا کرنے لگا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دیں مگر پہاڑوں میں رہنے والوں کے دل بھی پتھر ہو گئے تھے۔ انہوں نے رحمت خان کو ایک ہفتے کی مہلت دی کہ اپنا سامان سمیٹ کر گاؤں سے نکل جائے ورنہ وہ اسے خود زبردستی نکال دیں گے۔ رحمت خان نے اس فیصلے کے خلاف شور کیا۔ منتیں کیں۔ پیروں تک میں پڑ گیا لیکن کسی نے رحم نہیں کیا۔ ایک ہفتے بعد وہ نور بی بی اور اپنا سامان لے کر گاؤں سے نکل گیا تھا پھر اس نے کسی بھی آبادی سے دور اس ویرانے میں اپنا آشیانہ بنایا تھا۔ بھاگ بھری وہیں پیدا ہوئی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ بھاگ بھری اس کی اولاد ہے یا نہیں اور نہ ہی اس نے کبھی اس بارے میں سوچا تھا۔ وہ بھاگ بھری سے اتنی ہی شدت سے محبت کرتا تھا جتنی شدت سے کوئی باپ اپنی بیٹی سے کر سکتا ہے۔ نور بی بی کا ذہنی توازن کسی قدر بہتر ہوا تھا لیکن کبھی کبھی وہ سنک جاتی تھی اور چیخنے چلانے لگتی تھی۔ گزشتہ ایک سال سے وہ کچھ زیادہ ہی بیمار رہنے لگی تھی۔

☆======☆======☆

میں نے غور سے رحمت خان کی طرف دیکھا۔ اس کی داستان دکھ بھری تھی۔ ایسی داستانیں عام ہیں۔ کب سے دیکھتا اور سنتا آ رہا ہوں لیکن رحمت خان کی اس داستان کا تعلق مجھ سے تھا۔ بے شک جو نور بی بی کے ساتھ ہوا، اس کا ذمے دار میں نہیں تھا لیکن جو کچھ بھاگ بھری کے ساتھ ہو چکا تھا یا ہونے والا تھا، اس کا کسی حد تک ذمے دار میں تھا۔ رحمت خان نے اپنے آنسو خشک کیے۔ ''ایسا لگتا ہے وقت خود کو دہرا رہا ہے۔ پہلے جو ظالم تھے وہ آج بھی ظالم ہیں اور جو ان کے ظلم کا شکار ہوئے تھے، وہ آج بھی ان کے ظلم کا شکار ہیں۔''

''رحمت خان اللہ سے بہتری کی امید رکھو..... وہی انسان کی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''پتا نہیں..... وہ ہماری کیوں نہیں سنتا۔'' رحمت خان کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''ایسا مت کہو..... خدا سب کی سنتا ہے..... انسان یہ بات سمجھتا نہیں ہے۔''

رحمت خان نے سر ہلایا اور تھکے قدموں سے کوارٹرز کی طرف بڑھ گیا تھا، جہاں کوٹھی میں کام کرنے والے ملازمین رہا کرتے تھے۔ میں بھی اندر آ گیا کچھ دیر بعد حکیم مالش کرنے آ گیا۔ اس نے مالش اور تقریر کی اور مجھے گرم پانی کا پیالہ دے کر رخصت ہو گیا۔ اب گرم پانی کا پیالہ اس کا نائب مالش کے فوراً بعد لے آتا تھا تاکہ مالش ختم ہوتے ہی گرم پانی میں ڈال دوں۔ نہ جانے حکیم کون سا تیل استعمال کرتا تھا کہ جب وہ مالش ختم کرتا تھا تو میرا ہاتھ بالکل خشک ہوتا تھا ذرا بھی چکنائی باقی نہیں رہتی تھی۔ پندرہ منٹ تک پانی میں ہاتھ رکھ کر حرکت دینے کے بعد میں نے اسے ایک چھوٹے سے تولیے میں لپیٹ لیا تاکہ ہوا سے محفوظ رہے۔ میرے ہاتھ کی کارکردگی بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے مختلف وزنی اشیاء اس ہاتھ سے اٹھانے کی کوشش کی اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی کہ جو وزن پہلے میں اس ہاتھ سے نہیں اٹھا پاتا تھا وہ وزن اب میں با آسانی اٹھا رہا تھا۔ آنے والے حالات ایسے تھے کہ میں ذہنی اور جسمانی طور پر مضبوط ہوتا، ان کا اتنا ہی بہتر طور پر سامنا کر سکتا تھا۔ میں اپنی جنگ خود لڑنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

جیپ جی ٹی روڈ پر بہلوہار کے علاقے سے نکل کر پنجاب کے میدانی علاقے کی طرف رواں تھی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک تقریباً چالیس برس کا مضبوط اور سخت جان نظر آنے والا شخص بیٹھا تھا۔ وہ میرے لئے اجنبی تھا اور میں نے اسے پہلی بار اس جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر دیکھا تھا۔ چند گھنٹے پہلے میں ایکسر سائز اور غسل سے فارغ ہو کر آرام کر رہا تھا، اچانک وسیم کمرے میں آیا۔ ''جناب ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے..... آپ کو ایک اور جگہ منتقل کیا جا رہا ہے۔ میرے ساتھی جو سفیر صاحب اور مونا کو چھوڑنے گئے تھے۔ وہ واپس آ چکے ہیں اور امکان ہے کہ سفیر صاحب بھی [illegible] کوشش کریں گے۔''

''کوشش؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''میرے ساتھیوں نے ایسا بندوبست کیا تھا کہ ان کی روانگی کے چند گھنٹے بعد سفیر صاحب کو آپ کی جانب سے ایک رقعہ ملے گا جس میں انہیں حویلی میں رہنے اور شہر کی طرف نہ آنے کی ہدایت کی گئی ہو۔''

''ٹھیک ہے۔ اب کیا کرنا ہے؟''

''ہم یہ کوٹھی خالی کر کے جا رہے ہیں، ممکن ہے سفیر صاحب یہاں آ جائیں۔''

''میرا غائب ہونا ضروری ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔

''گاڑی تیار ہے، حکیم اور اس کا نائب بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔''

یہ پرانے ماڈل کی خاصی بڑی سی جیپ تھی جس کے عقبی حصے میں مقامی ساختہ فولاد سے بنا کیبن سا، اس پر سرخ رنگ کیا گیا تھا۔ جیپ کے سامنے والے حصے میں خاصا بھاری بھرکم بونٹ تھا اور اس کے آگے فولادی گرل لگی تھی۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا جو میرے ساتھ ہی آیا تھا۔ ''ہمیں کہاں جانا ہے؟''

اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''اس کا مجھے بھی علم نہیں ہے..... یہ بندوبست راجا صاحب کا ہے۔ بس اتنا پتا ہے، آپ کو پنجاب کے میدانی علاقے میں کہیں جانا ہے۔''

''میں جانے سے پہلے راجا صاحب سے بات کرنا چاہوں گا۔''

درحقیقت میں اپنے ساتھ کئے جانے والے اس کھلونا سلوک سے بیزار ہو گیا تھا۔ یہ لوگ مجھے اپنی مرضی سے حرکت دے رہے تھے اور میری آزادی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ وسیم نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے آئیں..... میں بات کراتا ہوں۔''

وسیم نے رابطے کے لئے سیٹلائٹ فون استعمال کیا تھا، اس کی کال ٹریس کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لئے وسیم نے سیٹلائٹ فون سے کال کی تھی۔ راجا صاحب کے پاس شاید ایسا ہی فون تھا۔ راجا صاحب سے بات کر کے وسیم نے فون میری طرف بڑھایا۔ ''ہیلو راجا صاحب..... میں اپنی منزل کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے بلا تمہید کہا۔

''منزل کا تمہیں ڈرائیور بتا دے گا۔''

''راجا صاحب میں اس معاملے میں.....'' میں نے تیز لہجے میں کہنا چاہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''برخوردار صبر کرو..... اور حالات کے مطابق عمل کرو..... فی الحال شہر میں رہنا تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔'' راجا نے میری بات کاٹ کر نرمی سے کہا۔

''راجا صاحب..... میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ میرے لئے یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں.....''

''میری کہانی ابھی نامکمل ہے۔ جب یہ مکمل ہوگی تو تم سمجھ جاؤ گے اور جان جاؤ گے۔''

''یہ کہانی کب تک مکمل ہوگی؟''

راجا عمر دراز ہنسا۔ ''ہو جائے گی، ابھی حالات اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ ممکن ہے مجھے اپنے علاقے کی طرف واپس جانا پڑے۔''

راجا نے کال بند کر دی۔ میں نے فون وسیم کی طرف بڑھا دیا۔ ''مونا اور سفیر محفوظ ہیں۔ میں بھی کسی محفوظ مقام کی طرف جانے والا ہوں..... لیکن یہاں کے معاملات کا کیا ہوگا۔ خاص طور سے مجھے ندیم کی فکر رہے گی۔''

''ندیم صاحب کی آپ فکر نہ کریں۔ میرے چار آدمی مستقل ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔''

ان لوگوں نے مجھے کپڑے اور ذاتی استعمال کا دوسرا سامان مہیا کر دیا تھا۔ یہ سامان اب ایک سوٹ کیس میں میرے ساتھ تھا۔ روانگی سے کچھ پہلے حکیم قادس اور اس کا نائب اپنا سامان سنبھالے ہوئے آئے اور جیپ کے عقبی حصے میں سوار ہو گئے۔ میں نے احتیاطاً پی کیپ کے ساتھ ایک زیرو کی عینک لے لی تھی۔ ہم تاریکی پھیلنے کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ جب ڈرائیور نے موٹروے کے بجائے جی ٹی روڈ کا رخ کیا تو میں نے اندازہ لگایا کہ ہمیں وسطی پنجاب سے پہلے کہیں جانا ہے۔ راستے میں صادق نے بھی تصدیق کر دی تھی۔ ڈرائیور کا نام صادق تھا۔

''ہمیں جہلم کے پاس ایک جگہ جانا ہے۔'' اس نے کہا۔

عقبی نشست پر حکیم قادس اور اس کے نائب کے ساتھ ایک محافظ سب سے پچھلے حصے میں موجود تھا۔ صادق کے بارے میں وسیم نے بتایا تھا کہ وہ بھی تربیت یافتہ لڑاکا اور مسلح ہے۔ ان لوگوں کے پاس اسلحہ تھا اور مجھے اطمینان تھا کہ ناگہانی طور پر کہیں دشمن سے سامنا ہو بھی گیا تو ہم اس کے مقابلے میں ہلکے نہیں پڑیں گے۔ روانگی سے پہلے صادق کہہ رہا تھا کہ راستے میں رکنے کا خطرہ کم سے کم مول لینا ہوگا، اس لئے ہم تمام ضروریات سے فارغ ہو کر چلیں۔ کھانے کے لئے وسیم کی اس کوٹھی کے باورچی نے پیکٹس بنا دیئے تھے۔ ان میں دوران سفر آسانی سے کھائی جانے والی اشیاء تھیں جیسے برگر، سینڈوچز، فرائز اور روسٹ وغیرہ۔ جب ہم کوٹھی سے نکلے تو صادق بڑی محتاط ڈرائیونگ کر رہا تھا، اسلام آباد کی حدود میں اس نے کوئی ایسا رسک نہیں لیا تھا کہ ٹریفک پولیس کو اسے روکنے کا موقع ملے۔ ساتھ ہی وہ بار بار عقبی آئینے پر نظر ڈال رہا تھا۔ میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ ''کیا کوئی تمہارا تعاقب کر رہا ہے؟''

''نہیں..... پر خطرہ ہے جناب۔'' صادق نے اپنی مخصوص بھاری آواز میں کہا۔

''جی ٹی روڈ پر آنے کے کچھ دیر بعد مجھے ایک سیاہ لانسر کار کافی دیر تک جیپ کے عقب میں نظر آتی رہی۔''

''اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے صادق سے کہا۔

''ممکن ہے جناب۔'' وہ بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن نصف گھنٹے بعد لانسر کار کہیں پیچھے رہ گئی اور باقی سفر میں ایسی کوئی گاڑی نظر نہیں آئی تھی جس پر تعاقب کا شبہ کیا جا سکتا۔ دو گھنٹے بعد ہم نے دوران سفر کھانا کھایا۔ پینے کے لئے پانی کے ساتھ کولڈ ڈرنک اور چائے بھی تھی۔ جہلم کے پاس پہنچ کر صادق نے جی ٹی روڈ چھوڑ دی اور ہم ایک کچی سڑک پر آ گئے، اس کے ساتھ ہی سفر کا مشکل مرحلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس سڑک پر کبھی اچھا اور صاف راستہ آ جاتا اور کبھی ایسے جھٹکے لگتے کہ ہڈیاں کڑکڑا اٹھتی تھیں۔

''یار اس بیگم پور تک جانے کے لئے کوئی آسان راستہ نہیں ہے۔'' میں نے صادق سے کہا۔

''وہ آہستہ سے ہنسا۔ ''اگر ہوتا تو میں اُدھر سے نہ لے جاتا..... ویسے فکر نہ کریں..... یہ زیادہ طویل نہیں ہے کچھ دیر بعد ہم صاف سڑک پر ہوں گے۔''

اس کی بات درست نکلی۔ نصف گھنٹے بعد ہم ایک نسبتاً بہتر سڑک پر تھے اور ابھی تک پوٹھوہار کے علاقے میں سفر کر رہے تھے۔ اگرچہ اس علاقے میں اب میدانی جھلک نمایاں تھی بہ نسبت ناہموار زمین کے۔ گندم کے پودے کھیتوں میں بالشت بھر اونچے ہو رہے تھے۔ چاندنی میں کھیت قالین کی طرح ہموار لگتے۔ اچانک جیپ لڑکھڑانے لگی۔ صادق نے تیز رفتاری کے باوجود پھرتی سے بریک لگا کر جیپ کو قابو کر لیا۔ اس نے جیپ ایک طرف کر کے روکی اور نیچے اتر کر دیکھا۔ ''ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔'' اس نے اطلاع دی اور عقبی حصے سے جیک اور اسٹپنی نکالنے لگا۔ میں بھی نیچے اتر آیا تھا۔ یہ جگہ کھیتوں کے درمیان میں تھی اور خاصے فاصلے پر ایک اونچی جگہ کوئی آبادی تھی اس کی روشنیاں یہاں سے نظر آ رہی تھیں۔ صادق ایک گارڈ کی مدد سے پنکچر ہونے والا ٹائر بدل رہا تھا۔ میں سڑک کنارے ٹہلنے لگا تھا۔ اس وقت دس بج رہے تھے۔

حکیم قادس اتر کر ایک طرف استادہ چند درختوں کی طرف بڑھا۔ میں نے اسے روکا۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

نائب نے کھڑکی سے سر نکال کر بتایا۔ ''حکیم صاحب حوائج ضروریہ کے لئے جا رہے ہیں۔''

میں نے راستہ چھوڑ دیا۔ ''ضرور جائیں..... لیکن زیادہ دیر نہ لگائیں ابھی ہم نے مزید سفر کرنا ہے۔''

حکیم قادس درختوں میں چلا گیا تھا۔ میں پلٹ کر صادق کی طرف آیا جو اتارے جانے والے ٹائر کی جگہ دوسرا لگا رہا تھا۔ ''اگر مزید کوئی ٹائر پنکچر ہو گیا تو.....''

''ایک اور ہے..... اس کے بعد اللہ مالک ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

اسے ٹائر بدلنے میں دس منٹ لگے تھے۔ جیک اور ٹائر اندر رکھنے کے بعد اس نے سڑک کے کنارے کھیتوں میں بہنے والے پانی سے ہاتھ دھوئے۔ میں نے درختوں کی طرف دیکھا۔ ''یہ حکیم نہیں آیا اب تک۔''

صادق نے ایک گارڈ سے کہا۔ ''یار جا کر اسے بلا ابھی ایک گھنٹے کا سفر ہے۔''

گارڈ نے نزدیک جا کر حکیم قادس کو آواز دی۔ تین چار بار پکارنے کے بعد اس نے خود درختوں میں جھانکا اور بدحواسی میں چلایا۔ ''حکیم یہاں نہیں ہے۔''

میں اور صادق بیک وقت درختوں کی طرف لپکے تھے۔ یہ یوکلپٹس کے درختوں کا ایک جھنڈ تھا دس بارہ تنوں کے درمیان روشنی کم تھی لیکن اتنی کم بھی نہیں کہ حکیم قادس نظر نہ آتا۔ وہ درختوں کے نیچے نہیں تھا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے آواز دی۔ صادق بھی چلایا۔ ہمارے پیچھے حکیم کا نائب بھی دوڑا آیا تھا۔ وہ بھی بدحواسی میں اسے پکارنے لگا۔ میں نے صادق کی طرف دیکھا۔ ''گارڈ کو ہوشیار کردو اور کوئی ٹارچ ہے تو وہ بھی لے آؤ۔''

صادق جیپ کی طرف بھاگا تھا۔ میں نے جھنڈ کا جائزہ لیا۔ یہ بات تو طے تھی کہ حکیم سامنے والی طرف سے نہیں نکلا تھا۔ ورنہ سب اسے دیکھ سکتے تھے۔ وہ جھنڈ کے عقبی حصے سے کہیں گیا تھا اور حکیم خود کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہمیں روانہ ہونا ہے۔ اس جھنڈ کے عقب میں کوئی پچاس گز تک ہموار کھیت تھا اس کے بعد جھاڑیاں تھیں جن کا سلسلہ دور واقع جنگل سے جا کر مل رہا تھا۔ صادق ٹارچ اور دونوں گارڈز بھی لے آیا۔ میں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''جیپ کے پاس کوئی رہے، اسے اکیلا مت چھوڑنا۔''

صادق نے ایک گارڈ اور حکیم کے نائب کو واپس جیپ کی طرف بھیج دیا۔ ہوشیار رہو اگر کوئی جیپ کی طرف آنے کی کوشش کرے تو ہوائی فائر کر کے ہمیں خبردار کر دینا۔''

اس دوران میں، میں ٹارچ کی تیز روشنی میں جھنڈ کے اندر زمین کا جائزہ لے رہا تھا۔ زمین سخت تھی اور اس پر پیروں کے نشانات نہیں تھے پھر روشنی میں کوئی شے چمکی تھی۔ میں نے آگے ہو کر دیکھا یہ سیاہ چمک دار پتھروں کی مالا تھی جو میں نے بارہا حکیم کے گلے میں دیکھی تھی۔ اس وقت یہ مالا بکھر گئی تھی۔ اب بالکل واضح تھا کہ حکیم قادس کو زبردستی کہیں لے جایا گیا تھا۔ مگر اسے کون لے جا سکتا تھا اور وہ بھی اتنی خاموشی کے ساتھ کہ بالکل نزدیک ہونے کے باوجود ہم بے خبر رہے۔ یہی بات صادق سوچ رہا تھا۔

''شہباز صاحب مجھے کسی گڑبڑ کی بو آ رہی ہے..... کوئی ہماری بے خبری میں ہمارا تعاقب کرتا رہا ہے۔''

''مگر کیسے..... اس پورے سفر کے دوران مجھے کوئی گاڑی اپنے پیچھے آتی نظر نہیں ہوئی اور جی ٹی روڈ سے اترنے کے بعد تو سرے سے کوئی گاڑی نظر نہیں آئی۔''

''جناب تعاقب اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن پہلے ہی ہماری منزل سے واقف ہو اور راستے میں گھات لگائے بیٹھا ہو۔''

صادق کی بات میں وزن تھا۔ ''کیا تم مطلوبہ مقام تک جانے کے لئے اس راستے سے جاتے یا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی ہے؟''

''اس کے علاوہ بھی کئی راستے ہیں لیکن سب سے موزوں راستہ یہی ہے۔''

میں فکرمند ہو گیا تھا۔ ''صادق اگر تمہاری بات درست ہے تو ہم پوری طرح دشمن کی نظروں میں ہیں۔ حکیم کو غائب کرنے والے اب ہماری فکر میں ہوں گے۔''

''ممکن ہے اسے غائب کر کے دشمن نے ہمارے لئے جال بنایا ہو۔ ہم حکیم کی تلاش میں نکلیں اور اس جال میں پھنس جائیں۔''

''اس کے باوجود ہمیں حکیم قادس کو تلاش کرنا ہے۔''

میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''کیا تمہارے پاس کوئی فاصل ہتھیار ہے۔''

دونوں گارڈز خودکار رائفلوں سے مسلح تھے۔ جبکہ صادق کے پاس شاٹ گن تھی اس نے اپنے کرتے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ ڈالا اور ایک اعشاریہ اڑتیس کا اسمتھ اینڈ ولسن پستول نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

''اس کے فاصل میگزین ہیں؟'' میں نے پستول چیک کر کے پوچھا۔

اس بار صادق نے ایک اضافی میگزین دیا۔ ''پہلے میں جاؤں گا۔ کسی حملے کی صورت میں تم مجھے کور دو گے۔'' میں نے صادق سے کہا۔ ''جب میں اشارہ کروں تو باری باری آنا۔''

میں ٹارچ اور پستول سنبھالتا کھیت سے ہوتا جھاڑیوں کی طرف بڑھا۔ بعض جگہوں سے گندم کی فصل دبی ہوئی تھی جیسے اس پر کچھ لوگ گزرے ہوں۔ نشانات تازہ تھے اور میں نے اندازہ لگالیا کہ حکیم قادس کو لے جانے والے کم سے کم دو افراد تھے۔ جھاڑیوں تک خیریت سے پہنچ کر میں نے صادق کو اشارہ کیا۔ پہلے وہ اور اس کے بعد گارڈ بھی میرے پاس پہنچ گئے تھے۔ ''ہمیں خاموشی سے پھیل کر آگے بڑھنا ہوگا۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''ٹارچ کو بجھا دو۔''

صادق نے بھی ٹارچ اٹھا رکھی تھی۔ اس نے ٹارچ بجھائی اور دائیں طرف سے جھاڑیوں میں داخل ہو گیا۔ گارڈ میرے بائیں طرف تھا۔ ہم خاموشی سے جھاڑیوں میں آگے بڑھنے لگے۔ حکیم قادس کو اغوا کرنے والے ماہر اور پیشہ ور قسم کے لوگ لگ رہے تھے انہوں نے اتنی صفائی سے کام کیا تھا کہ ہمیں ذرا بھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ ہم حکیم کو واپس حاصل کر پائیں گے۔ اسے لے جانے والے اتنی دیر میں نہ جانے کہاں نکل گئے ہوں گے۔ بس ایک امید کے سہارے میں نے حکیم قادس کو تلاش کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ مل جاتا۔

جھاڑیوں والی پٹی کوئی نصف کلومیٹر چوڑی تھی اور اس سے آگے ناہموار زمین تھی جو چھوٹے، بڑے اور بہت بڑے درختوں سے چھپی ہوئی تھی۔ اس جگہ جا بجا برگد اور پیپل کے درخت موجود تھے اور ان کی وجہ سے جنگل کا تاثر بن رہا تھا۔ ورنہ دوسرے درخت جھاڑی نما تھے۔ اچانک مجھے بائیں طرف ہلکی سی آواز آئی۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ میں تمیز کرنے سے قاصر تھا کہ آواز کسی انسان کے منہ سے نکلی ہے یا اس کا مخرج کچھ اور تھا۔ اس طرف گارڈ تھا۔ میں سامنے جانے کے بجائے محتاط قدموں سے بائیں طرف بڑھا۔ سب سے پہلے مجھے گارڈ کے پاؤں نظر آئے۔ وہ زمین پر پڑا تھا۔ کم سے کم اس کے جوتوں کی پوزیشن سے یہی لگ رہا تھا۔ میں تیزی سے پلٹا اور گھوم کر دوسری طرف سے گارڈ کی طرف آیا۔ ایک سیاہ پوش چھلاوے کی طرح درختوں میں غائب ہو رہا تھا اور گارڈ زمین پر اس طرح پڑا تھا کہ اس کی پشت پر عین دل کے مقام پر ایک سادہ دستے والا خنجر پیوست تھا اور وہ مر چکا تھا۔ میں نے چھلاوے پر فائر کیا اور چلایا۔ ''صادق ہوشیار..... حملہ ہوا ہے۔''

صادق بھاگتا ہوا جھاڑیوں سے نمودار ہوا اور گارڈز کو دیکھ کر اس کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

''اسے کیا ہوا؟''

''کسی نے قتل کر دیا ہے۔ میں نے اسے درختوں میں غائب ہوتے دیکھا تھا۔'' میں نے نائب سے کہا۔ اچانک مجھے احساس ہوا میں اور صادق کتنی غیر محفوظ جگہ پر کھڑے تھے۔ اس جگہ چاندنی تھی اور ہمیں دور سے بھی واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ ''اس جگہ سے ہٹو..... ہم دشمن کے نشانے پر ہیں۔'' میں نے کہا اور جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گیا اسی لمحے فائر ہوا اور میں نے صادق کو اپنا سینہ تھام کر اوندھے منہ گرتے دیکھا تھا۔ فائر کی آواز سنتے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھی زمین پر گر گیا تھا اور رینگتا ہوا جنگل کے تاریک گوشے کی طرف جانے لگا۔ خطرے کے احساس سے میرا دل میرے سینے میں دھک رہا تھا۔

تاریک حصے میں آتے ہی میں تیزی سے اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور سڑک کی جانب بھاگا۔ ہمیں پوری طاقت سے گھیرا گیا تھا۔ حکیم قادس کا اغوا صرف نمائشی قدم تھا اور ہم دشمن کے بچھائے جال میں پھنس گئے تھے۔ انہوں نے ایک ایک کر کے ہم سب کو قابو میں کر لیا تھا۔ گارڈ اور صادق مارے جا چکے تھے اور اب مجھے جیپ پر موجود گارڈ اور حکیم کے نائب کی عافیت خطرے میں لگ رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میرے پیچھے بھی قاتل تھے اور ان سے محفوظ رہنے کے لئے میرا ان کی نظروں سے اوجھل رہنا ضروری تھا۔ میں درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے سڑک کی طرف جا رہا تھا اور جس راستے سے ہم آئے تھے اس سے ذرا ہٹ کر جا رہا تھا۔ میں جیپ کے عین سامنے نکلتا۔ کھیتوں کے پاس پہنچ کر میں نے جھانک کر جیپ کی طرف دیکھا۔ گارڈ چوکس کھڑا تھا اور حکیم کا نائب جیپ کے اندر ساکت بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے عقب کا جائزہ لیا اور ایک دم ہی جیپ کی طرف بھاگا۔ میں تقریباً اڑتے ہوئے جیپ تک پہنچا تھا۔ گارڈ مجھے آتے دیکھ کر چوکس ہو گیا تھا۔

''جلدی کرو..... یہاں سے نکلو..... ورنہ ہم بھی مارے جائیں گے۔'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ حکیم کا نائب بدستور ساکت بیٹھا تھا۔ میری بات پر اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ اچانک اس کے عقب سے ایک چہرہ نمودار ہوا تھا جسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ وہ چہرہ ہمیشہ مجھے حیران کر دیا کرتا تھا۔ وہ فتح خان کا چہرہ تھا اور میں نے پہلی بار دیکھا کہ حکیم کے نائب کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی آنکھیں بے نور تھیں۔ اگلے لمحے کوئی شے میری گدی سے ٹکرائی اور میں گرنے سے پہلے بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆======☆======☆

مجھے ہوش آیا تو جسم جیسے پانی کی لہروں میں ڈول رہا تھا۔ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ البتہ پاؤں آزاد تھے۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا میں کسی گاڑی میں تھا اور وہ حرکت میں تھی اس وجہ سے مجھے اپنا جسم ڈولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے بولنے کی کوشش کی تو انکشاف ہوا کہ منہ بھی بند تھا۔ اس پر سخت ٹیپ لگا دیا تھا۔ نہ جانے میں کتنی دیر بے ہوش رہا تھا۔ ضرب جتنی شدید تھی امکان یہی تھا کہ میں کئی گھنٹے بے ہوش رہا تھا۔ فتح خان کا منحوس چہرہ سوفی صد یقین دلانے کے لئے کافی تھا کہ میں مرشد علی یا ڈیوڈ شا کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

دشمنوں نے سارا کام اتنی صفائی اور مہارت سے کیا تھا کہ میرے ساتھیوں کا صفایا کر کے مجھ پر قابو پانے میں انہیں ذرا سی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں پاؤں ٹٹول کر اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں کس قسم کی گاڑی میں کہاں تھا۔ چند منٹ کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں کسی وین کے فرش پر پڑا تھا۔ فرش دھاتی اور ہموار تھا۔ اس پر کوئی نشست یا گدی نہیں لگی تھی اور اس جگہ سوائے میرے کوئی نہیں تھا۔

ضرب کی وجہ سے سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا مگر میں اب ایسی چوٹوں کا عادی ہو چکا تھا۔ اس لئے درد زیادہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے ایک دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے پاؤں سے دوسری جگہ دیوار پر لاتیں مارنا شروع کر دیں۔ میرے پیروں میں سخت سول والے جوتے تھے اور ان کی ضرب سے دیوار بج اٹھی تھی۔ اندر شور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ محسوس ہو رہا تھا مگر باہر بھی کچھ نہ کچھ شور محسوس ہوا تھا اور اس کا خطرہ خواہ رد عمل بھی ہوا۔ گاڑی کے اگلے حصے سے کچھ کھلنے کی آواز آئی اور کسی نے درشت انداز میں کہا۔

''آرام سے بیٹھو ورنہ گولی مار دیں گے۔''

''مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' میں نے چلا کر پوچھا۔

''جہنم۔'' تمسخرانہ انداز جواب دیا گیا اور شاید اس کیبن اور ڈرائیونگ کمپارٹ کے درمیان کھلنے والی کھڑکی پُرشور طریقے سے بند کر دی گئی۔ میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ میں نے آنکھوں پر بندھی پٹی اتارنے کی کوشش کی لیکن پشت پر بندھے ہاتھوں کے ساتھ ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ تھک کر میں نے اپنی کوششیں ترک کر دیں۔ گاڑی کے باہر یا تو ٹریفک نہیں تھا یا ڈبا ساؤنڈ پروف تھا۔ باہر کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی لیکن جلد کوئی گاڑی پاس سے گزری اور اس کی آواز آئی تھی یعنی یہ وین کسی سنسان راستے پر سفر کر رہی تھی اور جھٹکوں سے ظاہر تھا کہ سڑک ناہموار یا کچی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ابھی رات ہے یا دن نکل آیا ہے لیکن موسم معتدل تھا یعنی نہ تو مجھے سردی لگ رہی تھی اور نہ گرمی۔ دیوار پر لاتیں مارنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ شاید باہر سے کوئی متوجہ ہو جاتا لیکن اس سنسان راستے پر میں کسے متوجہ کرتا اس لئے آرام سے بیٹھ گیا بلکہ لیٹ گیا۔ ذرا سی کوشش سے میرے سر کے درد کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

سفر میرے اندازے کے مطابق کوئی ایک گھنٹے جاری رہا تھا اور اس کے آخری حصے میں مجھے خاصے شدید قسم کے جھٹکے برداشت کرنے پڑے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے وین ناہموار کچے راستے سے گزر رہی ہو۔ ٹائروں کے پانی سے گزرنے کے چھپاکے بھی سنائی دیتے تھے۔ میری قوت شامہ نے گوبر کی مخصوص بو محسوس کی تھی یعنی ہم انسانی آبادی کے قریب تھے۔ اس جگہ وین چند لمحے کے لئے رکی اور دوبارہ حرکت میں آئی لیکن اس بار بہت معمولی رفتار تھی جیسے وین کہیں پارک کرنے کے لئے لے جائی جا رہی ہو۔

وین رکی اور ایک منٹ بعد اس کا عقبی دروازہ کھلا اور کسی نے بے رحمی سے مجھے بازو سے پکڑ کر اس طرح کھینچا کہ میں کچی زمین پر جا گرا۔ اس بات پر کچھ لوگوں نے قہقہے لگائے اور میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کم سے کم بھی چار پانچ تھے۔ پشت پر بندھے ہاتھوں کی وجہ سے مجھے کھڑے ہونے میں ذرا دشواری پیش آئی تھی۔ پھر کسی نے اتنی ہی بے رحمی سے میری آنکھوں پر بندھی پٹی نوچ لی میں نے دل ہی دل میں ایسا کرنے والے کو بے نقط سنائیں اور آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔ سورج کی روشنی نمودار ہو چکی تھی اور میں ایک کچے احاطے میں کھڑا تھا جس کے تین طرف مخصوص دیہاتی طرز کے کمرے بنے ہوئے تھے اور ایک طرف کچی مٹی کی دیوار میں لکڑی کا بڑا سا دروازہ لگا تھا۔ ایک طرف چھپر تلے چارپائیاں بچھی تھیں اور ایک احاطے میں ایک سفید رنگ کی ٹویوٹا پک اَپ کھڑی تھی۔ جس کے عقبی حصے میں بند دھاتی کیبن تھا۔

پٹی نوچنے والا ایک تنومند شخص تھا، اس نے دھوتی اور بنیان پہن رکھی تھی۔ گلے میں سیاہ ڈوری سے چاندی کا تعویذ بندلٹک رہا تھا۔ پاس ہی چار بٹے کٹے نوجوان کھڑے تھے۔ مجھے گاڑی سے بھی اس تعویذ والے نے ہی اتارا تھا۔ پک اَپ کے اگلے حصے میں ایک ڈرائیور اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بیٹھا تھا۔ ڈرائیور نے تعویذ والے سے کہا۔ ''پہلوان جی اپنی امانت سنبھالو..... ہم چلتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوئے ایسے ہی چلتے ہیں۔'' پہلوان خلاف توقع تقریباً نسوانی آواز میں بولا۔ ''اللہ رکھا کے ڈیرے سے کوئی بغیر روٹی ٹکر کے چلا جائے..... یہ کیسے ممکن ہے۔''

''پہلوان واپس جا کر اور کام بھی کرنے ہیں..... تم جانتے ہو ہم کیسے بندے کے لئے کام کرتے ہیں۔ ذرا سی غلطی ہوئی تو کھال غائب سمجھو۔''

''اچھا یارو..... پھر رب راکھا۔'' اللہ رکھا نے بے پروائی سے کہا۔ ڈرائیور نے پک اَپ اسٹارٹ کی اور لکڑی کے گیٹ سے نکل گیا۔ گیٹ پر بھی ایک تنومند شخص موجود تھا۔ بظاہر یہ جگہ بدمعاشوں کا ڈیرا لگ رہی تھی۔ چار افراد میں سے دو کے شانوں پر شاٹ گنیں لٹک رہی تھیں۔

''دوستو، میرے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے خوش دلی سے کہا مگر وہ سب میری طرف تمسخرانہ انداز میں دیکھتے رہے تھے۔ جب وہ خاموش رہے تو میں سر ہلا کر کہا۔

''اچھا اچھا..... تم لوگ انسانوں کی زبان نہیں سمجھتے۔''

اس بات پر چاروں غرا کر میری طرف بڑھے تھے لیکن اللہ رکھا نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ ''نیا جنا در ہے..... باڑنے میں آ کر اچھلے گا لیکن کچھ دن میں ساری اچھل کود بھول جائے گا۔''

میں الٹے قدموں پر ایک چارپائی تک گیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ اللہ رکھا نے اپنے آدمیوں میں سے ایک کو حکم دیا۔ ''اسے روٹی پانی ڈال..... میں ابھی سونے جا رہا ہوں.....'' اور اندر چلا گیا۔

''روٹی پانی بعد میں ڈالنا..... پہلے میرے ہاتھ کھولو اور مجھے ایسی جگہ دکھاؤ جہاں میں ضرورت سے فارغ ہو سکوں۔''

''دلشاد..... چل اس کا ہاتھ کھول۔'' ایک شاٹ گن والے نے سب سے کم عمر نوجوان کو حکم دیا۔ درحقیقت وہ چاروں ہی بیس پچیس برس تک کے نوجوان تھے لیکن اپنے ڈیل ڈول کی وجہ سے اپنی عمروں سے خاصے بڑے لگتے تھے۔ دلشاد نے آ کر میرے ہاتھ کھولے میرے دونوں ہاتھ اتنی دیر بندھے رہنے سے سن ہو گئے تھے۔ خاص طور سے بایاں ہاتھ تقریباً بے حس ہو رہا تھا، اس کا علاج ابھی جاری تھا اور بقول حکیم قادس یہ علاج بہت اہم تھا، اس کے ادھورے رہ جانے سے میرے ہاتھ میں کمزوری آ سکتی تھی اب قسمت کی نامہربانی کہ میں دشمنوں کے ہاتھ لگ گیا تھا اور فی الحال مجھے اپنی ہڈی پسلی کے بارے میں تشویش تھی۔ ہاتھ کو کیا دیکھتا! پھر بھی میں نے مالش کر کے اور مستقل حرکت دے کر اس کی حس اور حرکت بحال کی۔ حکیم قادس کے بارے میں کچھ پتا نہ تھا۔ وہ نہ جانے کس حال میں تھا۔ اگر دشمنوں نے اسے بھی باقی افراد کی طرح اس دنیا سے روانہ کر دیا تھا تو میرے ہاتھ کے مزید علاج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

''چلو۔'' شاٹ گن والے نے اشارہ کیا اور مجھے احاطے کے ایک طرف بنی چھوٹی سی کوٹھری تک لایا۔ اندر سے آنے والی بو حال بیان کر رہی تھی یہ ایک دیسی ساختہ لیٹرین تھا۔ دو اینٹوں پر پاؤں جما کر ضروریات سے فارغ ہوا جاتا تھا خیر یہ کرتب دکھانا مشکل نہیں تھا اصل مسئلہ وہاں کی بدبو برداشت کرنا تھا۔ دیوار میں ایک سوراخ سے غلاظت بہائی جاتی تھی لیکن یہ طریقہ کار کارآمد نہیں تھا۔ غلاظت کا کچھ نہ کچھ حصہ اندر رہ جاتا تھا۔ دل پر جبر کر کے میں دس منٹ وہاں رہا اور یہ عزم کر کے باہر نکلا تھا کہ اگر اس جگہ رہا تو کم سے کم پارہ گھنٹے سے پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس جگہ کا رخ نہیں کروں گا۔ اس لیٹرین کی واحد صاف شے پانی سے بھری ٹنکی تھی۔

ایسی ہی ایک ٹنکی باہر بھی رکھی تھی میں منہ ہاتھ دھو کر چارپائی پر آ بیٹھا۔ سامنے والے حصے کے ایک کونے میں کچا باورچی خانہ اور تنور تھا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت وہاں پراٹھے تل رہی تھی۔ فضا میں دیسی گھی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اس خوشبو نے احساس دلایا کہ مجھے شدت سے بھوک لگی تھی۔ ذرا دیر بعد عورت نے ایک اور لکڑی کے چولہے پر فرائنگ پین رکھ کر اس میں دیسی انڈے مکھن میں تلنا شروع کر دیئے۔ ڈاکٹروں سے پوچھا جائے تو وہ اس ناشتے کو زہر سے کم قرار نہیں دیں گے لیکن دیہاتوں اور گاؤں میں جہاں اس قسم کا ناشتا اور کھانا عام ہے، وہاں دل اور بلڈ پریشر کے امراض کا تناسب شہروں کے مقابلے میں کم ہے۔ شہروں میں، میں نے ایسے افراد بھی دیکھے تھے جو ساری عمر کھانے پینے میں احتیاط کرنے کے باوجود دل کے دورے سے جاں بحق ہوئے۔

سارا مسئلہ خوراک اور خرچ کا ہے۔ دیہات میں عام طور سے لوگ جس طرح کھاتے ہیں، اس طرح کام بھی کرتے ہیں لہٰذا سارا کھایا پیا ہضم ہو جاتا ہے۔ جبکہ شہروں میں کام کرنے کا رواج ختم ہو رہا ہے۔ آدمی صبح سے شام تک دماغ سوزی کرتا ہے اور جسم سے کام نہیں لیتا۔ نتیجے میں اعصابی اور دل کے امراض کا شکار ہو رہا ہے۔ عورت اپنے حلیے سے ملازمہ لگ رہی تھی، اس نے جہازی سائز کے چار عدد پراٹھے اور اتنے ہی تلے ہوئے انڈے لا کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ اس وقت وہاں صرف شاٹ گن والا تھا۔ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''لو باؤ..... کم سے کم ایک پراٹھا ضرور کھانا۔''

اسے معلوم نہیں تھا کہ میرا تعلق بھی دیہات سے تھا۔ جہاں اتنی خوراک نارمل سمجھی جاتی ہے۔ خود میں نے بابا کو ماں جی کے ہاتھ کے بنے نصف درجن پراٹھے بغیر ڈکار لئے کھاتے دیکھا تھا۔ میں نے کھانا شروع کیا اور جب میں نے دوسرا پراٹھا ختم کر کے تیسرے سے انصاف شروع کیا تو شاٹ گن والے کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''اوئے بلے بلے..... ٹوکھانے کا شیر ہے بھئی۔''

میں مسکرا دیا تھا۔ ابھی تک یہ معما میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ میں اپنے معروف دشمنوں کی قید میں کیوں نہیں تھا اور یہ کون لوگ تھے؟ مجھے ان کے حوالے کیوں کیا گیا تھا، ویسے ان کے انداز سے لگ رہا تھا میں ان کا قیدی تھا۔ البتہ وہ مجھ سے دشمنوں والا سلوک نہیں کر رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا وہ میرے براہِ راست دشمن نہیں تھے۔ پھر بھی یہ الجھن باقی تھی کہ مجھے ان لوگوں کے حوالے کیوں کیا گیا تھا۔ سر کی چوٹ، رات بھر بے آرامی اور پھر تگڑے ناشتے نے میرے دماغ کو سن کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے اٹھ کر ہاتھ منہ دھوئے اور آ کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ نہ جانے یہ کون سا علاقہ تھا مگر صبح نو بجے کے قریب بھی ہوا خوشگوار حد تک خنک تھی، اس کے جھونکوں نے مجھے مدہوشی کی نیند سلا دیا تھا۔

اچانک کسی نے مجھے زلزلے کی طرح ہلایا تھا۔ یہ پہلوان اللہ رکھا تھا جو اپنی مخصوص باریک آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اوئے کاکا اٹھ جا..... شام کا ویلا ہو رہا ہے۔''

میں اٹھ بیٹھا۔ سورج مغرب کی طرف جھک چکا تھا اور فضا میں سرمئی سا غبار پھیلا ہوا تھا اور اب مجھے پھر سے بھوک لگ رہی تھی مگر ظاہر ہے میں کھانے کے لئے یہاں نہیں تھا۔ میں نے اٹھ کر منہ پر پانی کے چھینٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارے۔ ان لوگوں کے ہاں چائے کا رواج نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر بھی میں نے پہلوان سے پوچھ لیا۔ ''یہاں چائے ملے گی۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''او۔ ئے پہلوان کے ڈیرے پر سب ملے گا۔ دوا بھی ملے گی اور زہر بھی ملے گا۔ زہرہ..... ادھر آ۔''

صبح میں نے پہلوان اللہ رکھا کو جس کمرے میں جاتے دیکھا تھا اس میں سے ایک بنی سنوری دلکش اور جوان عورت برآمد ہوئی۔ شاید اس کا نام زہرہ تھا اور خوب تھا۔ اس نے سبز رنگ کا ریشمی سوٹ زیب تن کر رکھا تھا جو اس کے پورے جسم پر کھال کی طرح فٹ تھا اور خوش بدنی کے تمام پیچ و خم نمایاں کر رہا تھا۔ پتلی سی کمر کے اطراف میں متعلقات ذرا بھاری تھے اور چہرے کے نقوش بھی نہایت جاذب نظر تھے۔ حلئے کے برعکس اس کی آنکھوں میں مجھے معصومیت اور حیا نظر آئی تھی۔ یہ تضاد، حیران کن تھا۔ پتا نہیں اس نے ایسا لباس کیوں پہنا تھا جو اسے اس حد تک نمایاں کر رہا تھا۔ چھوٹا سا باریک دوپٹا اس کے سراپے کو چھپانے میں بری طرح ناکام رہا تھا۔

''اس کے لئے چائے لے آؤ۔'' اللہ رکھا نے میری طرف اشارہ کر کے اس سے کہا۔ زہرہ نے اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور واپس کمرے میں چلی گئی۔ اللہ رکھا نے کہا۔ ''یہ میری بیوی زہرہ ہے۔''

اللہ رکھا تقریباً چالیس برس کا صورت سے گاؤدی اور احمق نظر آنے والا شخص تھا اور بلاشبہ بیوی کے معاملے میں خوش قسمت تھا۔ اس کا اور زہرہ کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ پانچ منٹ بعد زہرہ چائے لے آئی تھی۔ دور سے اپنی اچھی جسامت کی بنا پر وہ کسی قدر بڑی عمر کی لگتی تھی لیکن جب چائے دینے کے لئے نزدیک آئی تو اس کی اصل عمر جھلکنے لگی تھی وہ بیس بائیس سال کی تھی یعنی عمر میں اللہ رکھا سے نصف تھی اور یہاں بھی ان دونوں کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ میں نے بڑے سائز کے مگ میں موجود گرم اور کسی قدر شیریں چائے کا گھونٹ لیا۔ چائے تقریباً شہری انداز کی تھی۔ میں نے سرسری سے انداز میں کہا۔ ''شاید تمہیں چائے پسند نہیں ہے پہلوان؟''

وہ ہنسا۔ ''ہاں یہ اپنی زہرہ کے شوق ہیں..... شہر کی ہے ناں۔''

تو میرا اندازہ درست تھا۔ بہرحال یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا جس پر میں زیادہ دیر غور کرتا۔ ''پہلوان میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا ہے اور میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ پھر میرے دشمنوں نے مجھے تمہارے حوالے کیوں کیا ہے؟''

''تم اپنے دشمنوں کو جانتے ہو؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''ہاں..... مجھے فتح خان نے اغوا کیا ہے..... میرے سارے ساتھیوں کو اس نے قتل کر دیا۔''

اللہ رکھا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں کسی فتح خان کو نہیں جانتا۔''

''مرشد علی..... ڈیوڈ شا.....''

''اوئے نہیں کا کا..... مجھے ان کا کچھ نہیں پتا۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔ ''تجھے پہلوان کے ڈیرے پر رانا نعیم نے بھیجا ہے۔''

''رانا نعیم؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''تحصیل شکر گڑھ کا بہت بڑا زمیندار ہے۔ مجھ سے کام لیتا ہے۔ پہلے بھی بندے شندے رکھواتا رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"تب میرے دشمنوں نے مجھے اس کے حوالے کیا ہے۔"

"پولیس کا معاملہ ہے۔" پہلوان نے غور سے مجھے دیکھا۔

"لگتا ہے میرے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا۔"

"بس اتنا معلوم ہے کہ ایک خطرناک بندہ ہے۔ اپنے پاس خطرناک بندے آتے رہتے ہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "رانا صاحب پرانے مہربان ہیں۔"

"اللہ رکھا مجھے کب تک یہاں رہنا ہوگا۔"

"کا کا..... ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا..... رانا صاحب کب بلاتے ہیں۔" وہ بولا اور کھڑا ہو گیا۔ "کا کا بس ادھر آرام سے رہنا بھاگنے کا مت سوچنا۔ میرے کتوں سے تیز نہیں بھاگ سکو گے۔"

"دو پیروں والے یا چار پیروں والے۔" میں مسکرایا۔ "اور میرا نام کاکا نہیں..... ملک شہباز احمد ہے۔"

پہلوان مسکرایا تھا۔ "دونوں۔" اس نے کہا۔

پہلوان لکڑی کے پھاٹک سے باہر چلا گیا۔ ایک طرف ایک نیا بندہ شاٹ گن کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ بظاہر اس جگہ حفاظتی انتظامات معمولی سے تھے۔ مگر نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا کہ اس جگہ سے فرار آسان نہیں تھا چائے پی کر میں نے کچھ دیر چہل قدمی کی۔ سورج ڈوبنے والا تھا اور فضا میں تیزی سے تاریکی چھا رہی تھی اچانک ایک نامانوس سا شور بلند ہو گیا اور احاطہ تیز روشنیوں سے جگمگانے لگا۔ کونوں پر تیز روشنی والی راڈز لگی تھیں اور ان کے لئے بجلی جنریٹر سے مہیا کی جا رہی تھی۔ جنریٹر احاطے کے پاس تھا۔ ذرا دور ہونے کے باوجود اس شور سماعت کو انتہائی ناگوار محسوس ہو رہا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد یہ شور کم ہو گیا تھا شاید جنریٹر کی سیٹنگ کر دی گئی تھی سورج ڈوبتے ہی رات کے کھانے کی تیاری شروع ہو گئی تھی۔ اس بار بھی وہی ادھیڑ عمر عورت کھانا بنا رہی تھی سالن چڑھا کر وہ روٹیاں لگانے کی تیاری کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد زہرہ اپنے کمرے سے نکلی وہ مگ لینے آئی تھی۔ "چائے کا شکریہ..... تم نے بہت اچھی چائے بنائی تھی۔" میں نے کہا تو وہ خوف زدہ نظر آنے لگی۔ جلدی سے مگ لے کر کمرے میں چلی گئی تھی۔ شاید پہلوان سے خوف زدہ تھی اور اسے مردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر دوسری طرف پہلوان۔ اسے چائے لانے کو کہا تھا اور اس نے جسم نمایاں کرنے والا لباس پہنا تھا۔ میں الجھن محسوس کر رہا تھا۔

پھر میں نے زہرہ کو ذہن سے جھٹک کر اپنے حالات پر توجہ دی۔ راجا عمر دراز کو علم ہو گیا ہوگا کہ میں حکیم قادس غائب ہیں، اس کے سارے آدمی مارے جا چکے تھے۔ بلاشبہ دشمن کہیں تیز تھا اور ہمیں آخر لمحے احساس نہیں ہوا تھا کہ دشمن پیچھے ہے، اس نے حیران کن طریقے سے ہمارا تعاقب کیا تھا۔ یہ بات بھی یقینی تھی ہم اتفاقیہ ان کی نظروں میں نہیں آئے تھے بلکہ جب ہم وسیم کی کوٹھی سے نکلے تھے تب ہی سے دشمن پیچھے تھا سوچتے ہوئے اچانک ایک اور اندیشہ ستانے لگا تھا۔ مونا اور سفیر بھی اس کوٹھی سے نکل کر گئے تھے تو کیا دشمن کی سفیر کی حویلی میں موجودگی سے بھی واقف ہو چکا تھا۔ ممکن ہے مرشد علی اینڈ کمپنی نے وہاں پر بھی وار کیا کرنے والا ہو۔ میں مارے اضطراب کے کھڑا ہو گیا تھا۔ شاٹ گن والا ایک دم چوکنا ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا بات ہے..... بیٹھ جا.....'' اس نے للکار کر کہا۔

میں نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔ میرا دل چاہا کہ اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس جگہ سے نکل جاؤں۔ میرے تاثرات نے اسے بھڑکا دیا تھا۔ اس نے شاٹ گن تان لی۔ ''اوئے، میں نے کیا کہا ہے..... سنا نہیں بیٹھ جاؤ۔''

میں چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ وہ شاٹ گن ہلاتا میری طرف آیا تھا۔ ''اوئے سنا نہیں.....'' اس کے ساتھ ہی اس نے ایک موٹی سی گالی دی۔

اس نے شاٹ گن کی نال میرے شانے پر مارنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر ایک ہاتھ سے شاٹ گن کی نال پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر گھونسا مارا۔ اس نے تلملا کر مجھ سے شاٹ گن چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اگر میں نے شاٹ گن چھوڑ دی تو وہ مجھے گولی مارنے سے گریز نہیں کرے گا۔ ''چھوڑ دے.....'' گالیوں میں غالباً اس نے پی ایچ ڈی کر رکھا تھا۔

دوسری بار گالی مکمل ہونے سے پہلے میں نے اسے کے منہ پر گھونسہ مارا تھا۔ میں نے الٹے ہاتھ سے شاٹ گن کی نال تھام رکھی تھی اور ابھی تک اس کی گرفت میں کمزوری نہیں آئی تھی۔ اچانک ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ شاٹ گن میرے ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ یہ بات اس نے بھی محسوس کی تھی۔ اس نے ایک زوردار جھٹکا دیا اور شاٹ گن میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ وہ شاٹ گن کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے گھٹنا اس کے زیر ناف رسید کیا۔ اس نے پھر چلا کر گالی دی اور نیچے جھکا تھا کہ میں نے گھٹنا اس کے منہ پر مارا اور وہ اچھل کر زمین پر جا گرا تھا۔ دو گھونسوں کے بعد کسر اس ضرب نے پوری کر دی تھی۔ اس کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا۔ اس عالم میں بھی وہ مجھے قتل کرنے کی فکر میں تھا۔ لیکن میں نے اسے شاٹ گن سیدھی کرنے کا موقع دیئے بغیر لات گھمائی اور شاٹ گن اڑ کر دور جا گری تھی۔

''بس۔'' اچانک پہلوان اللہ رکھا کی آواز آئی۔ وہ سامنے کھڑا تھا اور اتفاق سے شاٹ گن اس کے قدموں میں جا گری تھی، اس نے شاٹ گن اٹھا کر قہرناک نظروں سے مجھے گھورا۔ ''اوئے..... یہ کیا ہو رہا تھا؟''

''اپنے آدمی سے پوچھو..... یہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

وہ تڑپ کر اٹھا تھا۔ ''بکواس کرتا ہے یہ..... یہ خود مجھ سے لڑا تھا۔''

''میں صرف کھڑا ہوا تھا اس نے مجھے دھکایا اور پھر مارنے کی کوشش کی..... میں نے صرف اپنا دفاع کیا تھا۔ تم چاہو تو اس عورت سے پوچھ لو۔'' میں نے کھانا بنانے والی عورت کی طرف اشارہ کیا۔

''فضل جا کر اپنی مرہم پٹی کرا۔'' خلاف توقع پہلوان نے عورت سے پوچھا نہیں۔

فضل مجھے خونی نظروں سے دیکھتا باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد پہلوان نے شاٹ گن گیٹ کے چوکیدار کو پکڑا دی جس نے اس سارے معاملے میں اب تک کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ ''تو بھی اپنا دماغ ٹھنڈا رکھ..... یہ پہلوان کا ڈیرا ہے۔'' پہلوان نے مجھ سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ اس نے اس سارے ہنگامے پر مجھے بس اتنا ہی کہا تھا ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ میری شامت آنے والی ہے۔ کھانا بنانے والی عورت نے مجھ سے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ ''لے آؤ۔'' میں ہاتھ دھونے کے لئے ٹنکی کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھ گیا تھا۔

جس دوران میں کھانا کھا رہا تھا۔ کھانے بنانے والی عورت پہلوان کے کمرے کی طرف کھانا لے جا رہی تھی۔ سالن کی پوری دیگچی کے ساتھ روٹیوں کا ایک پورا انبار تھا۔ کھانے کے بعد میں کچھ دیر صحن میں چہل قدمی کرتا رہا۔ دن میں کسی قدر گرمی رہی تھی لیکن سورج ڈوبتے ہی موسم خوشگوار ہو گیا تھا اور اب خاصی خنکی تھی۔ پہلوان کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہی تھا کہ وہ انسانی حس سے عاری کوئی سکہ بند بدمعاش ہے لیکن اس کی حسین بیوی کو دیکھ کر مجھے اپنے خیال میں ترمیم کرنا پڑی تھی۔ پھر فضل سے لڑائی اور اسے لہولہان کرنے کے باوجود پہلوان کا رویہ میرے ساتھ غیر متوقع تھا۔ اس نے مجھے صرف دھمکی دی تھی اور اس وقت بھی میں جسمانی طور پر آزاد تھا۔ ورنہ مجھے کسی کوٹھری میں بھی بند کیا جا سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد پہلوان باہر نکل آیا۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گیا اور اس کا چوکیدار کھانا کھانے لگا۔ اس وقت احاطے میں بس یہی افراد تھے۔ میرا خیال تھا کہ اب سب سو جائیں گے۔ مگر اس کے بجائے لکڑی کا دروازہ بجا اور چوکیدار نے کھانے سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ایک شخص اندر آیا، پہلوان نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا تھا۔ اس دبلے پتلے سیاہ رو شخص نے قیمتی کپڑے کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ ہاتھ میں سونے کی انگوٹھیاں تھیں جن میں نگ جڑے ہوئے تھے۔ وہ شخص پہلوان کے ساتھ آ کر چارپائی پر بیٹھ گیا اور دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد اگلے ایک گھنٹے میں مزید پانچ افراد آئے اور چارپائیوں پر بیٹھ کر گپیں لڑانے لگے۔ اپنے حلیے اور باتوں سے وہ سب کھاتے پیتے لگ رہے تھے اور میں سمجھنے سے قاصر تھا وہ کیوں آئے تھے۔ کچھ دیر بعد پہلوان نے اپنے کمرے کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

''زہرہ بوتل اور گڈی لے آؤ۔''

یہ سنتے ہی جیسے ان چند افراد کی نگاہیں دروازے پر گڑ گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد زہرہ اندر سے نکلی، اس وقت بھی اس نے نہایت چست ریشمی لباس پہن رکھا تھا اور اس بار دوپٹے کا تکلف بھی نہیں تھا۔ اس کا ہوش ربا حسن دیکھ کر ان لوگوں کی رال ٹپکنے کی کسر باقی رہ گئی تھی ورنہ ان کے تاثرات ایسے تھے جیسے کتوں نے گوشت دیکھ لیا ہو۔ وہ ایک بڑی بوتل لائی تھی جس میں غالباً دیسی شراب تھی اور دوسرے ہاتھ میں تاش کی دو گڈیاں تھیں۔ اس نے دونوں چیزیں چارپائی کے پاس چھوٹی میز پر رکھیں۔ جب تک وہ اندر نہیں چلی گئی ان لوگوں کی گرسنہ نگاہیں اس پر مرکوز رہی تھیں۔ جبکہ پہلوان اپنی بیوی کے حلیے اور ان لوگوں کے انداز سے قطعی بے پروا نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے چوکیدار سے کہا۔

''اوئے..... راجے..... گلاس لا۔''

راجا چھ عدد گلاس لے آیا۔ سب نے اپنے اپنے گلاسوں میں شراب ڈالی۔ پہلا دور ختم ہونے کے بعد انہوں نے اپنی جیبوں سے رقم نکال کر پہلوان کے سامنے رکھ دی۔ میں پہلوان کو رقم گنتا دیکھ رہا تھا۔ یہ خاصی بڑی رقم تھی۔ ہر شخص نے پہلوان کو بیس ہزار دیئے تھے اور کل رقم بنتی تھی ایک لاکھ بیس ہزار روپے..... گویا یہاں جوا ہوتا ہے۔ میں نے سوچا۔ رقم پہلوان نے میز پر چھ الگ الگ حصوں میں رکھ دی تھی۔ پہلوان نے اپنے لئے شراب نہیں نکالی تھی۔ وہ شاید پیتا نہیں تھا یا اس وقت پینے سے گریز کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھ افراد دو گروہوں میں بٹ گئے تھے اور تین تین افراد آپس میں کھیلنے لگے۔ نصف گھنٹے بعد دو افراد اپنی رقم ہار چکے تھے اور منہ لٹکائے ایک طرف بیٹھے تھے۔ اس بار چار افراد آپس میں کھیل رہے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ جو فاتح ہوتا وہی ساری رقم کا مالک بن جاتا۔ کچھ دیر بعد میں بیزار ہو کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ یہ خاصے بڑے سائز کی چارپائیاں تھیں۔ ایک چارپائی پر تین افراد آرام سے لیٹ سکتے تھے۔ ایک گھنٹے بعد نئی بازی جاری تھی کیونکہ سابقہ بازی کا فیصلہ نہیں ہو سکا تھا۔ ہارنے والے دو افراد مزید ایک گلاس دیسی شراب حلق سے اتار کر رخصت ہو گئے تھے۔ چار افراد کا جوش و خروش اور بے تابی دیدنی تھی۔ اس سے پہلے مجھے کبھی جوا دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا بس سنا ہی تھا کہ اس کے عادی افراد اس کے پیچھے اپنے تن کے کپڑوں سے بھی ہاتھ دھو لیا کرتے تھے۔

بارہ بجے کے قریب بازی اختتام کو پہنچی اور دبلے پتلے سیاہ شخص نے بازی جیت لی۔ وہ سب سے پہلے آیا تھا۔ باقی تین افراد پر ناکامی کا غبار چڑھ گیا تھا۔ انہوں نے مرے ہوئے انداز میں سیاہ رو شخص کو مبارک باد دی اور نامراد قدموں سے رخصت ہو گئے۔ سیاہ رو نے کامیابی کا جشن منانے کے لئے اپنے لئے گلاس بنایا تھا۔ میرا خیال تھا وہ گلاس پی کر اور جیت کی رقم لے کر رخصت ہو جائے گا لیکن اس کے بعد جو ہوا اس کا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ دولت کے لئے انسان کس قدر پستی میں گر سکتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے کیا کر سکتا ہے یہ میں نے اس رات جانا۔

پہلوان نے ایک لاکھ بیس ہزار روپے پورے کے پورے سیاہ رو شخص کے سامنے رکھ دیئے تھے۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس نے رقم میں سے کچھ نہیں لیا تھا۔ سیاہ رو شراب کے بڑے بڑے گھونٹ لے رہا تھا وہ شاید عادی شرابی تھا۔ ورنہ تیز دیسی شراب اس طرح نہ پیتا۔ پہلوان معنی خیز انداز میں اسے دیکھ رہا تھا، اس نے زہرہ کو آواز دی۔ ''ادھر آ..... یہ بوتل لے جا۔''

زہرہ بجھے قدموں کے ساتھ آئی اور بوتل لے کر جانے لگی مگر پہلوان نے اسے روک لیا۔ ''اتنی جلدی کیا ہے؟'' وہ بولا پھر سیاہ رو شخص کی طرف دیکھا۔ ''کیا خیال ہے رانا صاحب؟''

رانا پوری بے باکی سے زہرہ کو آنکھوں سے ٹٹول رہا تھا۔ پھر اس نے ایک نظر گڈیوں پر ڈالی اور اثبات میں سر ہلایا۔ پہلوان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ''اب تو جا اور ذرا بچ کر رہا کر۔'' اس نے بیوی سے کہا۔ زہرہ جلدی سے اندر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی پہلوان نے نوٹوں کی گڈیاں اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔ میرا ذہن سنسنا اٹھا تھا میرے سامنے ایک شوہر اپنی بیوی کا سودا کر رہا تھا۔ ایک لاکھ بیس ہزار کے عوض اس کی حرمت دوسرے شخص کے حوالے کر رہا تھا۔ پہلوان نے اپنے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔

''رانا صاحب آپ کے پاس تین گھنٹے ہیں اور خیال رکھنا اسے کوئی تکلیف نہ ہو..... میری بات سمجھ رہے ہو ناں آپ؟'' اس نے رانا کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''فکر نہ کر پہلوان۔'' رانا نے قہقہہ لگایا تھا اور اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

میرا دماغ جیسے کھول رہا تھا۔ رانا کے جانے کے بعد میں خود پر ضبط نہ کر سکا۔ ''پہلوان میں نے تم جیسا بے غیرت انسان نہیں دیکھا۔''

''اوئے کاکے..... لگتا ہے تو نے ابھی دنیا میں کچھ دیکھا ہی نہیں۔'' اس نے سکون سے جواب دیا۔ میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گالی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ''میں نے صرف بیوی بیچی ہے ناں..... لوگ ماں بیچ دیتے ہیں، ملک بیچ دیتے ہیں۔''

''اس سے تمہاری بے غیرتی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔'' میں نے بھڑکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم ایک عورت کو بیچ رہے ہو جو تمہاری بیوی ہے۔''

وہ ہنسا۔ ''صرف نام کی بیوی ہے میرے کسی کام کی نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ میرے پاس وہ صلاحیت ہی نہیں ہے جو بیوی کے پاس جانے کے لئے چاہئے ہوتی ہے۔''

میرے خدا..... مجھے لگ رہا تھا یا تو یہ شخص پاگل تھا یا مجھے بنا رہا تھا۔ اس نے کتنے آرام سے میرے سامنے اپنی بیوی کا سودا دوسرے شخص سے کر کے اسے اس کے کمرے میں بھیج دیا تھا اور اب کتنی سادگی سے اعتراف کر رہا تھا کہ وہ مردانہ صلاحیت سے محروم ہے۔ اس کے پہاڑ جیسے جسم کو دیکھتے ہوئے اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سر جھٹکا..... کیا میں خواب دیکھ رہا تھا یا سچ مچ یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا۔ پہلوان اللہ رکھا کے چہرے پر معصومانہ غبی پن تھا اور اس کی سوئی سوئی سی آنکھوں میں سپاٹ پن کے سوا کچھ نہیں تھا۔

''تم..... یہ بات مجھے بتا..... رہے ہو۔'' میں نے ناقابلِ یقین لہجے میں کہا۔

''یہ بات پورا علاقہ جانتا ہے۔ تجھ سے چھپا کر مجھے کیا کرنا ہے۔''

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ پہلوان کس قسم کا شخص تھا یا تو وہ انتہائی عیار شخص تھا یا کوئی نفسیاتی مریض لگ رہا تھا۔ میں نے غور کیا اور مجھے پہلی والی بات درست لگی تھی۔ پہلوان بظاہر بے وقوف نظر آنے والا بباطن انتہائی عیار شخص تھا۔ اس نے بیوی کی ایک رات کی اتنی زیادہ قیمت وصول کرنے کا نیا طریقہ سوچا تھا۔ چھ افراد مل کر جوا کھیلتے ہیں اور جو شخص ساری رقم جیت جاتا ہے اس کے سامنے پہلوان دو آپشن رکھ دیتا ہے یا تو ساری رقم لے جائے یا بدلے میں اس کی بیوی کے ساتھ رات گزار لے۔ سارے طریقۂ کار میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ ایک شخص کی جیب سے بیس ہزار جا رہے تھے اور زہرہ جیسی عورت کے حصول کے لئے یہ رقم معمولی سی تھی۔ جیتنے والا بھی بیس ہزار ہی گنواتا۔ ورنہ پہلوان کسی سے ایک لاکھ بیس ہزار مانگتا تو وہ کبھی نہ دیتا۔ شہروں میں دولت مند ایک کال گرل کی ایک رات کا معاوضہ اس سے بھی کہیں زیادہ دیتے تھے۔ ندیم بھٹی کے ایک مؤکل نے اسے ایک ایسی کال گرل سے ملوایا تھا جو ایک رات کا معاوضہ دس لاکھ روپے لیا کرتی تھی۔ مگر یہاں اس دیسی علاقے میں کوئی اتنا اچھا معاوضہ نہ دیتا۔ لہٰذا پہلوان نے یہ شاطرانہ طریقہ دریافت کیا تھا۔ اس طرح لوگ بیک وقت جوئے اور شراب کے ساتھ شباب سے بھی لطف حاصل کر سکتے تھے۔ زہرہ کا حسین وجود جوئے کی بازی کی سنسنی خیزی کو بڑھا دیتا تھا۔ پہلوان نے کیا ترکیب سوچی تھی، زہرہ سے کمانے کی اور اسے ذرا بھی شرمندگی نہیں ہو رہی تھی۔

''لوگ جانتے ہیں اس بات کو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں..... میں کوئی ڈھک چھپ کر کام نہیں کرتا۔''

''کوئی تمہیں کچھ کہتا نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوئے کاکے..... کسی کی مجال ہے جو کچھ کہے.....'' اس نے بدمعاشوں کے مخصوص لہجے میں کہا۔ ''کوئی مائی کا لال ابھی پیدا نہیں ہوا ہے۔''

''تمہارے خیال میں تم جو کام کر رہے ہو وہ ٹھیک ہے؟''

''کبھی سوچا ہی نہیں۔'' اس نے بے پروائی سے ٹھوڑی کھجائی۔ ''مجھے صرف پیسے سے مطلب ہے۔''

''لیکن پیسا کمانے کے اور بھی.....''

''اوئے کاکے.....'' اس نے میری بات کاٹی۔

''میرا نام شہباز ہے..... براہ کرم اب مجھے کاکا کہہ کر مت پکارنا۔'' میں نے بھی اس کی بات کاٹی۔

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''اچھا بھائی شہباز صاحب..... بات یہ ہے..... ہر شخص کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ مجھے کمانے کا یہ طریقہ اچھا لگتا ہے۔''

اس شخص نے بے غیرتی کی انتہا کر دی تھی۔ ہماری تاریخ میں آج سے نہیں تیس چالیس برس پہلے جس شخص کو پہلوان کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ عزت و احترام خود بخود مخصوص ہو جاتا تھا۔ جب کسی شخص کو پہلوان کا لقب ملتا تھا تو جاننے والے خود بخود جان جاتے تھے کہ وہ شخص علم و شرافت کا پیکر ہوگا۔ بوڑھوں کا ادب، بچوں سے پیار اور عورتوں کی عزت کرنے والا ہوگا۔ بے پناہ طاقت رکھنے کے باوجود اس کی ذات سے ناانصافی ممکن ہی نہیں ہوگی۔ پھر قدریں بدلیں اور پہلوان کا لقب بدمعاشوں کے معنوں میں استعمال ہونے لگا اور آج کل اس لقب کے حامل شخص سے کسی بھی برائی کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن جو کام یہ شخص کر رہا تھا، وہ کرتے ہوئے شاید شیطان بھی شرماتا۔ مجھے اس سے کراہت محسوس ہوئی تھی۔

''کاش کہ یہ بات مجھے یہاں آتے ہی معلوم ہو جاتی۔''

اس نے طنزیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''تو کیا کرتے تم؟''

''اس جگہ سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پیتا۔''

''تو اب نہ پینا۔''

''تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اگر رانا صاحب نے تین چار دن نہ پوچھا تو تم فوت ہو جاؤ گے۔'' وہ ہنسا۔

''رانا صاحب۔'' میں نے غور کیا۔ ''یہ جو ابھی اندر گیا ہے..... یہ بھی تو رانا.....''

''رانا صاحب کا رشتہ دار ہے۔'' وہ بولا۔

اچانک اندر سے ایک نسوانی چیخ سنائی دی تھی اور ظاہر ہے یہ چیخ زہرہ کی تھی پھر اس کے لگاتار چلانے کی آواز آئی۔ پہلوان فکرمند ہو کر اٹھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''رانا صاحب اپنی رقم وصول کر رہے ہیں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

زہرہ نے غالباً بھاگنے کی نیت سے دروازہ کھولا تھا کیونکہ اس کی ایک جھلک نظر آئی تھی اگلے ہی لمحے اسے واپس کھینچ لیا گیا اور دروازہ ایک دھماکے سے بند ہو گیا۔ یہ ایک جھلک بتانے کے لئے کافی تھی کہ رانا صاحب حیوانیت کی حدوں کو بھی پار کر چکے تھے اور زہرہ کے نازک جسم پر ان کی درندگی کے نشان واضح تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلوان دروازے کی طرف لپکا اور اسے بجا کر کسی کوئل کی طرح دھاڑا۔ "رانا..... انسان کا بچہ بن جا....."

"دفع ہو جاؤ۔" جتے کے مقابلے میں رانا کی آواز گرج دار تھی ایسا لگ رہا تھا کہ پہلوان اور رانا کے گے بدل گئے تھے۔ "پہلوان اس کتیا نے میری توہین کی ہے۔"

"رانا اسے ہاتھ مت لگانا۔" پہلوان نے دروازہ بجانا جاری رکھا۔ "میں نے کہا تھا اپنی حیوانیت قابو میں رکھنا۔"

"خریدار من مانی کی قیمت ادا کرتا ہے۔" میں نے پھر پہلوان کو چرکا لگایا۔

"بکواس نہ کر۔" اس نے خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھا اور ایک بار پھر دروازہ بجایا۔ "رانا دروازہ کھولو ورنہ میں توڑ دوں گا۔"

جواب میں رانا کی جانب سے جو کچھ کہا گیا وہ قطعی ناقابلِ بیان تھا اس کی آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ زہر کو قابو کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ آخر میں اس نے چلا کر کہا تھا۔ "پہلوان تو اندر آیا تو میں گولی مار دوں گا۔"

زہرہ کی اگلی چیخ لرزہ خیز تھی۔ پہلوان جو اب تک تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا یک دم آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے شانے سے ایک ضرب لگائی اور دروازہ ٹوٹ گیا۔ پہلوان کسی ارنے بھینسے کی طرح اندر گیا تھا۔ فوراً ہی اندر سے دھماکے کی آواز آئی تھی اور پہلوان اپنے سینے پر ہاتھ رکھے صحن میں آ گرا تھا۔ زہرہ کی چیخیں اب ہذیانی ہو گئی تھیں۔ گیٹ کا چوکیدار اپنی شاٹ گن سنبھالے بھاگتا ہوا آ رہا تھا کہ اندر سے رانا نمودار ہوا اس نے چوکیدار کو شاٹ گن سیدھی کرنے کا موقع دیئے بغیر اسے بھی گولی مار دی۔ اس کا نشانہ بہترین تھا۔ میں دیکھ رہا تھا پہلوان کے عین دل کے مقام پر گولی لگی تھی اور چوکیدار کو بھی اس نے اسی جگہ گولی ماری تھی۔ دونوں مر چکے تھے یا مرنے کے قریب تھے۔ چوکیدار کو مار کر رانا نے میری طرف دیکھا تو میں نے جلدی سے ہاتھ اوپر کر لئے۔

"میں قیدی ہوں..... ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ "تجھے بڑے رانا صاحب نے بھیجا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کس نے بھیجا ہے؟" میں نے جواب دیا۔

رانا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا اور اس کے انداز میں ذرا بھی گھبراہٹ نہیں تھی۔ اس کے بجائے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اس نے پستول کا رخ میری طرف کر دیا۔ "اٹھو ادھر کمرے میں آؤ۔"

حکم عدولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا وہ فحش میرے سامنے دو افراد کو گولی مار چکا تھا اور اس کا تیسرا شکار بننا مجھے قبول نہیں تھا۔ بادلِ نخواستہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے پہلوان کے کمرے کے برابر والا دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا میں اندر داخل ہوا۔ یہ کمرا شاید مہمانوں کے لئے تھا کیونکہ یہاں سوائے چارپائیوں اور ایک میز کے کچھ نہیں تھا۔ رانا نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ ایک منٹ بعد باہر سے زہرہ کے چیخنے اور بین کرنے کی آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور رانا نے بے رحمی سے زہرہ کو اندر دھکیل دیا۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ ہاں پورا جسم جگہ جگہ سے گل رنگ ہو رہا تھا۔ وہ فرش پر گری اور وہیں خود کو سمیٹ کر بلند آواز سے رونے لگی۔ میں دروازے کی طرف لپکا لیکن اس سے پہلے رانا دروازہ بند کر چکا تھا۔ میں نے دروازہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوڑ دیا۔

"ذلیل آدمی اس کے کپڑے دو..... یا کوئی چادر دو۔" میں نے چلا کر کہا۔

اس نے باہر سے قہقہہ لگایا۔ "مزے کرو بھی....."

مارے طیش کے میں نے اسے بنا سنسر کے سنائیں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ کچھ دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ میں ہواؤں سے باتیں کر رہا تھا رانا ہمیں یہاں بند کر کے جا چکا تھا۔ اگر مجھے کال کوٹھری میں بند کر دیا جاتا اور صبح سورج نکلنے سے پہلے پھانسی دی جانے والی ہوتی تب بھی مجھے اتنی گھبراہٹ نہ ہوتی جتنی اس عورت کے ساتھ ہو رہی تھی جو شوہر کے ہاتھوں روز بکا کرتی تھی۔ میں نے منہ دوسری طرف کر کے اپنی قمیص اتار کر اس کی طرف پھینک دی۔

"یہ پہن لو۔"

مگر وہ بدستور رو رہی تھی۔ اس کا انداز سوگ منانے والا تھا اور وہ ہچکیوں کے درمیان دبی آواز میں اللہ رکھا کا نام لے رہی تھی۔ کمرے کا فرش بھی کچا تھا اور اس کے زخموں اور اس سے بہنے والے لہو پر مٹی جم گئی تھی۔ ابتدائی جذباتی ردعمل کے بعد جب میرا غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو مجھے رانا کی حرکت سے تشویش ہونے لگی آخر اس کی حرکت کا مقصد کیا تھا۔ اس نے مجھے اور زہرہ کو اس حال میں کمرے میں کیوں بند کیا تھا۔ کیا اس کا مقصد محض فرار تھا یا اس کے دماغ میں کوئی شاطرانہ منصوبہ آ گیا تھا۔ اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔

کمرے میں ایک طرف صراحی اور پیتل کا بڑا گلاس موجود تھا۔ میں نے اٹھ کر صراحی کو چیک کیا اس میں پانی تھا۔ گلاس میں پانی نکال کر میں زہرہ کے پاس آیا۔ "لو پانی پیو اور خود پر قابو پاؤ۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا تھا۔

اس کی ہچکیاں رک گئی تھیں ذرا دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور ذرا سا ہاتھ آگے کر کے گلاس لے لیا۔ میں نے دوسری طرف رخ کر کے کہا۔ "پانی پی کر میری قمیص پہن لو۔"

اس نے پانی پی کر گلاس ایک طرف پھینک دیا اور بھرائے لہجے میں بولی۔ "میرے پاس چھپانے کے لئے باقی ہی کیا رہا ہے؟"

"فضول باتیں کرنے کے بجائے قمیص پہنو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ ہم دونوں ہی مصیبت میں ہیں، رانا ہمیں کسی مقصد سے یہاں بند کر کے گیا ہے۔"

اس نے اٹھ کر میری شرٹ پہن لی اور چارپائی پر اس طرح دوزانو ہو کر بیٹھ گئی کہ شرٹ نے اس کے پاؤں بھی کسی حد تک ڈھک لئے تھے۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ "سب سے پہلے مجھے رانا کے بارے میں بتاؤ۔"

"اس کا نام حسن رانا ہے۔ یہ بڑے رانا کا چچازاد بھائی ہے۔"

"کیا پہلوان سے اس کا کوئی تنازع تھا۔ معمولی بات پر کوئی اس طرح قتل نہیں کرتا ہے۔"

اس نے سر ہلایا اور تلخ لہجے میں بولی۔ "بہت بڑا تنازع تھا..... اور وجہ میں تھی..... وہ چاہتا تھا کہ میں پہلوان کو چھوڑ کر اس کی رکھیل بن جاؤں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تو اس سے کیا فرق پڑتا!''

میری بات سمجھ کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''میں پہلوان کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ میں نے اس سے محبت کی تھی۔''

میں دم بخود ہو گیا تھا، یہ کیسی محبت تھی! پہلوان نامرد تھا اور اس نے زہرہ کو کاروبار کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ اس کے باوجود اس سے محبت کر رہی تھی۔ ''کیا تمہیں شادی سے پہلے معلوم تھا کہ پہلوان ان صلاحیتوں سے محروم ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس نے خود بتایا تھا۔''

میں ایک بار پھر دنگ رہ گیا تھا۔ ''اس کے باوجود تم نے اس سے شادی کر لی۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''تو پھر محبت کس بات کی ہوئی؟''

''اور یہ جو پہلوان تمہاری تجارت کر رہا تھا۔''

''میں نے خود کو اس کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ جیسا چاہتا کر سکتا تھا۔''

پہلوان کا ذکر کرتے ہوئے اس کا لہجہ پھر سے بھرا گیا تھا اور اس نے منہ چھپا کر رونا شروع کر دیا تھا۔

میں اس عجیب و غریب محبت پر غور کرنے لگا۔ پہلوان کسی طرح اس جیسی حسین اور میرے اندازے کے مطابق پڑھی لکھی عورت کے قابل نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ خوش قسمت تھا کہ اسے زہرہ ملی اور بدقسمت بھی کہ اس وقت اس کی لاش اپنے ہی گھر میں خاک و خون میں پڑی تھی اور اس کا قاتل ہمیں یہاں بند کر کے جا چکا تھا۔ مجھے اپنی فکر بھی تھی۔ میں نے اٹھ کر پہلے دروازے کا معائنہ کیا۔ یہ بے حد مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اسے باہر سے کوئی پہلوان جیسا آدمی ہی توڑ سکتا تھا۔ اندر سے اسے رستم زماں بھی نہیں توڑ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے لئے اسے پوری چوکھٹ اکھاڑنی پڑتی۔

''یہاں سے نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے؟''

''نہیں۔'' زہرہ نے سر اٹھا کر کہا۔ ''اس کمرے میں بس یہی دروازہ ہے۔''

کمرے کی کچی دیواریں بے حد موٹی تھیں۔ میرا اندازہ تھا کہ یہ کم سے کم بھی ڈیڑھ فٹ موٹی دیواریں تھیں۔ ''اس کی دوسری طرف کیا ہے؟'' میں نے عقبی دیوار کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''باڑہ ہے۔'' زہرہ نے جواب دیا۔ ''ہماری بھینسیں رکھی ہیں۔''

مجھے یاد آیا جب ہم آ رہے تھے تو گوبر کی تیز بو محسوس ہوئی تھی۔ اس وقت پک اَپ یقیناً باڑے کے پاس سے گزر رہی تھی۔ ''کیا یہ ڈیرا آبادی میں ہے؟''

''نہیں..... گاؤں سے ذرا ہٹ کر ہے۔'' زہرہ نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کئے تھے۔

میں نے کمرے کے سامان کا جائزہ لیا۔ چارپائیوں اور میز کے علاوہ صرف صراحی اور گلاس تھا۔ جبکہ دیوار پر کپڑے ٹانگنے کے لئے ایک کھونٹی بھی لگی تھی۔ ان میں سے کوئی شے مٹی کھودنے میں کام نہیں آ سکتی تھی۔ میرے ذہن میں تھا کہ اگر کسی طرح دیوار میں سوراخ کر لیا جائے تو فرار ممکن تھا۔ اچانک میری نظر گلاس پر پڑی۔ یہ پیتل کا کوئی آٹھ انچ لمبا اور مضبوط گلاس تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر اس کے پیندے..... والے حصے کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوار پر مارا۔ یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ مٹی کا خاصا بڑا ٹکڑا جھڑ کر گرا تھا۔

زہرہ چونکی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''دیکھتی رہو۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور ہاں ہو سکے تو دروازے کے باہر کا خیال رکھنا جیسے ہی کوئی آواز آئے مجھے خبردار کر دینا۔''

اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''تم فرار ہونا چاہتے ہو؟''

''ظاہر ہے مجھے کسی چکر میں نہیں پڑنا ہے۔ رانا نے تمہارے لئے پہلوان کو مار دیا ہے اور اس سارے معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

دوسرے وار سے بھی خاصی مٹی جھڑی تھی۔ میں لگاتار ضربیں لگانے لگا۔ دیوار کچی تھی مگر سالوں سے جمی ملی پتھر کی طرح سخت ہو رہی تھی۔ اوپری پرت جھڑنے کے بعد کام خاصا دشوار ہو گیا تھا۔ سخت مٹی پر گلاس کا کنارہ اچٹ رہا تھا۔ اور معمولی سی مٹی نکل رہی تھی۔ میں مایوس ہونے لگا اس رفتار سے تو کام چار پانچ گھنٹوں میں جا کر مکمل ہو گا اور میرے پاس اتنی مہلت نہیں تھی۔

''یہ خشک مٹی ہے اتنی آسانی سے نہیں نکلے گی۔'' زہرہ نے کہا تھا۔

''تو پھر کیا کروں؟''

''اسے گیلا کر لو.....'' اس نے مشورہ دیا۔

میں نے صراحی کی طرف دیکھا اس میں نصف سے زیادہ پانی بھرا ہوا تھا اور یہ خاصی بڑی صراحی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ پانی دو ڈھائی لیٹر ہو گا۔ میں نے کچھ پانی گلاس میں نکالا اور اسے احتیاط سے دیوار کے کھرچے جانے والے حصے پر گرانے لگا۔ میری کوشش تھی کہ پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہو۔ سارے کا سارا دیوار میں جذب ہو جائے۔ جب دیوار نے گلاس کا پانی پی لیا تو میں نے پھر سے گلاس سے مٹی کھودنا شروع کی۔ مٹی نم ہو کر نرم پڑ گئی تھی اس لئے میرا کام نسبتاً آسان ہو گیا تھا مگر اب اس میں وقت بہت لگنے لگا تھا۔ پہلے میں دیوار کو پانی سے نم کرتا تھا اور پھر نرم ہونے والی مٹی کو کھودتا تھا۔ ایک گھنٹے کی کوشش سے میں نے کوئی فٹ بھر اندر تک اور دو انچ قطر کا سوراخ کر لیا تھا۔ اتنا ہی کام باقی تھا۔

اسی لمحے باہر صحن سے چند افراد کے بولنے اور چلنے کی آوازیں آئی تھیں۔ زہرہ نے سراسیمہ ہو کر میری طرف دیکھا۔ ''وہ آ گئے۔''

میں نے تیزی سے دوسری چارپائی.....اس سوراخ کے سامنے کھڑی کر دی تھی۔ زہرہ ایک بار پھر سمٹ کر بیٹھ گئی اس طرح وہ اپنی برہنگی چھپا رہی تھی۔ میں ایک طرف فرش پر بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ، پاؤں اور جسم مٹی مٹی ہو رہا تھا۔ فرش پر بیٹھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا جواز پیدا ہو جائے۔ زہرہ خوف کے مارے لرزنے لگی تھی۔ ''یہ بہت ظالم لوگ ہیں۔''

''خود پر قابو رکھو۔'' میں نے دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا۔ ''دیوار کے بارے میں اشارہ بھی مت کرنا ورنہ میرے ساتھ تم بھی ماری جاؤ گی۔''

اسی لمحے کسی نے باہر سے کنڈی کھولی۔ پہلے رانا اندر آیا اس نے پستول اٹھا رکھا تھا اس کے بعد ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹے قد کے..... مگر صورت اور حلیئے سے جاگیردار نظر آنے والے شخص نے اندر قدم رکھا۔ میں کھڑا ہو گیا میرا مقصد تھا کہ ان کی توجہ مجھ پر ہو جائے اور وہ کمرے کا جائزہ نہ لے سکیں۔ میں نے کہا۔

''رانا صاحب..... آپ سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے..... مجھے جانے دیں۔''

جاگیردار نظر آنے والا ہنسا۔ ''رانا سے نہیں ہے..... پر ہم سے تو ہے ناں..... مجھے رانا نعیم کہتے ہیں۔''

میں سناٹے میں رہ گیا مگر پھر جلد سنبھل گیا۔ ''دشمنی میری تم سے بھی نہیں ہے۔''

''ہاں لیکن ہمارے سجنوں سے تو ہے۔'' اچانک اس کا لہجہ خطرناک ہو گیا تھا۔

ان کے تیور بتا رہے تھے کہ جانے کی اجازت تو ایک طرف رہی وہ مجھے کسی نئی مصیبت میں پھنسانا چاہ رہے تھے۔ رانا حسن کچھ دیر گرسنہ نظروں سے زہرہ کو دیکھتا رہا۔ جب کہ رانا نعیم فاتحانہ انداز میں مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔ زہرہ ان کی نظروں سے بچنے کے لئے جھک گئی تھی۔ اچانک رانا نے اسے گالی دی۔

''حرامزادی..... کیا چھپا رہی ہے..... اس کی قمیص پہن کر کیا تُو سمجھتی ہے خود کو چھپا لے گی۔ بس چند دن رک جا..... تیرے یار جیسا حشر نہ کیا تو میرا نام حسن رانا نہیں۔''

اس کے لہجے میں جاگیرداروں والی مخصوص فرعونیت تھی۔ پہلوان کے ذکر پر زہرہ پھر رونے لگی تھی۔ اس نے چلا کر کہا۔ ''مار دے..... مجھے بھی مار دے..... چند دن کیوں رکھتا ہے..... ابھی مار دے۔''

''فکر نہ کر تیری یہ حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔'' رانا زہر خند کے ساتھ بولا۔ ''لیکن تُو کیا سمجھتی ہے اتنی آسانی سے مر جائے گی؟ نہیں، پہلے ہمارا ایک ایک کتا تجھے بھنبھوڑے گا تب جا کر تجھے موت ملے گی۔''

مجھے لگا جیسے رانا اس عورت کے خلاف دل میں شدید قسم کا عناد رکھتا تھا۔ نہ جانے وہ کن کتوں کا ذکر کر رہا تھا وہ دو پیر والے تھے یا چار پیروں والے۔ رانا نعیم نے اسے اشارہ کیا اور وہ دونوں کمرے سے چلے گئے تھے۔ دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔ میں لپک کر دروازے کے پاس پہنچا۔ رانا اپنے چچازاد سے کہہ رہا تھا۔ ''دو گھنٹے بعد انسپکٹر اقبال آ کر انہیں لے جائے گا۔ قتل کا پرچہ اس کے خلاف کٹے گا۔ زہرہ کو وہ اس معاملے سے نکال دے گا۔ بس اس نے ایک شرط رکھی ہے زہرہ دو دن اس کے پاس رہے گی۔''

''چار دن رکھے..... پر اس معاملے میں رانا خاندان کا نام نہ آئے۔''

''آپ فکر نہ کریں بھائی جی..... قسمت مہربان ہے..... قربانی کا بکرا بھی ادھر ہی مل گیا ہے۔''

وہ باتیں کرتے ہوئے دور چلے گئے اور ان کی آواز اتنی مدھم ہو گئی تھی کہ صاف سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ان کی باتوں نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا وہ جس قربانی کے بکرے کا ذکر کر رہے تھے وہ خاکسار ہی تھا۔ پہلوان کا قتل میرے سر ڈالے جانے کا پلان بن چکا تھا۔ میں نے زہرہ کی طرف دیکھا جسے ابھی رانا کو بچانے کی قیمت ادا کرنی تھی۔ انسپکٹر نے بدلے میں اسے مانگا تھا۔ انسپکٹر دو گھنٹے بعد آتا اور میرے پاس بھی اتنی ہی مہلت تھی۔ میں نے فیصلہ کیا اور دروازہ کی زنجیر اندر سے چڑھا کر پھر سے دیوار کھودنے لگ گیا۔ اس بار میں احتیاط کر رہا تھا کہ کھدائی کی آواز باہر نہ جائے۔ پانی چھڑک کر مٹی کھود رہا تھا۔ رفتہ رفتہ سوراخ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ اس وقت مجھے فکر لاحق ہو گئی جب ڈیڑھ فٹ تک کھدائی مکمل ہونے کے باوجود سوراخ نہیں ہوا تھا۔ دیوار میرے اندازے سے زیادہ موٹی تھی یا باہر کی طرف سے مٹی کا ڈھیر تھا اور میں اس میں کھدائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزر رہا تھا۔ ایک گھنٹا مزید گزر چکا تھا یا ہو سکتا تھا اس سے زیادہ وقت ہو گیا ہو۔

پولیس کسی بھی وقت بھی آ سکتی تھی اور ایک بار پولیس آ جاتی تو فرار بے حد مشکل ہو جاتا۔ یہ سوچ کر میرے ہاتھ ہر ممکن تیزی سے چلنے لگے۔ سیدھے ہاتھ سے ضرب لگا کر میں الٹے ہاتھ سے مٹی جھاڑ رہا تھا جب علی سخت ہو جاتی تو اس پر پانی ڈالا کرتا تھا۔ اچانک گلاس کی ضرب سے مٹی جھڑ کر باہر گری تھی۔ میرا دل اچھل پڑا تھا۔ دیوار میں سوراخ ہو گیا تھا۔ میں نے بے تابی سے تاریک اور چھوٹے سے خلا سے ہاتھ باہر نکالا۔ میرے ہاتھ نے بیک وقت خنکی اور آزادی کا لمس محسوس کیا تھا۔ میں نے ہاتھ اندر کیا اور جلدی جلدی گلاس سے ضرب لگا کر اس سوراخ کو بڑا کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ سوراخ وسیع ہو رہا تھا۔ اس لمحے مجھے کمرے سے باہر صحن میں کسی کے اور سے بولنے کی آواز آئی تھی۔ ''اوئے کدھر ہے..... وہ معشوق جوڑا؟''

میرا دل ایک لمحے کو رک گیا تھا۔ آزادی کا ٹھنڈا میٹھا چشمہ یک دم سراب بن گیا تھا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس آ گئی تھی، کچھ دیر بعد وہ کمرے میں ہوتی اور میری اتنی دیر کی محنت ضائع جاتی۔ ان آوازوں کو سن کر میں چند لمحے کے لئے سن رہ گیا تھا لیکن پھر بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا۔ میں نے پوری قوت سے گلاس دیوار پر مارنا شروع کیا اور زہرہ سے بولا۔ ''اِدھر آؤ یہ مٹی ہٹاؤ۔ پولیس آ گئی ہے۔''

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' اس نے خوف زدہ آواز میں کہا۔ ''پولیس رانا کو پکڑے گی۔''

''رانا کو نہیں مجھے پکڑے گی۔ پہلوان کے قتل کے الزام میں اور تمہیں انسپکٹر کو رشوت میں پیش کیا جائے گا۔ دو دن اس کے پاس رہو گی۔ اس کے بعد تمہیں رانا کے حوالے کر دیا جائے گا۔ رانا تمہارے ساتھ کیا کرے گا، وہ یہ بات تمہیں بتا چکا ہے۔ اگر بھیڑیوں سے بچنا چاہتی ہو تو میرا ساتھ دو۔''

زہرہ آگے آئی اور زمین پر گر جانے والی مٹی ہٹانے لگی اس وقت تک سوراخ کوئی فٹ بھر چوڑا ہو گیا تھا میں اس کے کنارے پر ضربیں لگا رہا تھا۔ اسی لمحے کسی نے دروازہ بجایا۔ اندر سے زنجیر لگی تھی اور زنجیر خاصی مضبوط تھی۔ ''اوئے..... دروازہ کھولو۔'' کسی نے للکار کر کہا۔

''ہم نہیں کھولیں گے۔'' میں نے چلا کر جواب دیا۔ ''پہلوان کو میں نے نہیں رانا نے مارا ہے، اسے جا گرفتار کرو۔''

''اوئے کھول تیری..... تو..... توڑ دوں دروازے کو۔''

بولنے والا شاید انسپکٹر اقبال تھا اس نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا۔ فوراً ہی ضربیں دروازے پر لگنے لگی تھیں

''روشنی بجھا دو۔'' میں نے زہرہ سے کہا اور اس نے کمرے میں روشن اکلوتا بلب بجھا دیا۔

روشنی گل کرنے کی دو وجوہات تھیں ایک تو میں نہیں چاہتا تھا کہ دروازہ توڑنے کی کوشش کرنے والوں کو سوراخ نظر آئے۔ دوسرے اس سوراخ سے روشنی چھلکتی اور باہر کوئی ہوتا تو وہ ہوشیار ہو جاتا۔ ویسے بھی میں کھودی جانے والی دیوار کے سامنے چارپائی کھڑی کر دی تھی باہر پولیس والے دروازے پر ٹھڈے اور رائفل کے بٹ آزما رہے تھے لیکن یہ دروازہ ٹوٹنے والا نہیں تھا۔ میں نے سوراخ اتنا بڑا کر لیا تھا کہ اس میں کسی کوشش کے بعد گزرا جا سکتا تھا۔ پہلے میں نے زہرہ کو جانے کو کہا۔ اس کا لوچ دار جسم بہ آسانی سوراخ سے نکل گیا تھا البتہ مجھے خاصی دشواری پیش آئی تھی، رگڑ لگی تھی اور جسم پر خراشیں آئی تھیں لیکن زندگی اور آزادی کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ جگہ باڑے کے ساتھ تھی اور ہم نے براہِ راست گوبر اور بھینسوں کے درمیان قدم رکھا تھا۔ زہرہ گوبر میں لت پت تھی اور میرا حال بھی اچھا نہیں تھا۔ بہرحال ان باتوں پر توجہ دینے کا وقت نہیں تھا۔ آج آسمان پر بادل تھے اور نیم تاریکی میں ایک طرف کوئی چار پانچ فٹ اونچی دیوار نظر آ رہی تھی۔ میں زہرہ کا ہاتھ تھام کر جھکے جھکے دیوار کی طرف بڑھا۔ یہاں کسی کی موجودگی عین ممکن تھی۔ ہمارے عقب میں کمرے کا دروازہ توڑنے کی کوششیں بھرپور طریقے سے کی جا رہی تھیں۔ ان کا اندازہ بلند ہونے والی آوازوں سے ہو رہا تھا۔ جیسے ہی ہم نے دیوار پھاندی عقب میں شور بلند ہوا تھا۔ ''اوئے..... وہ کہاں گئے..... بھاگ گئے..... پکڑو.....''

''دوڑو..... ورنہ ابھی پکڑے جائیں گے۔'' میں نے زہرہ سے کہا۔ ''گاؤں سے باہر جانے والا راستہ کدھر ہے؟''

''ہمیں نہر کی طرف جانا ہوگا اس کے پار جنگل ہے..... ہم وہاں جا کر بچ سکتے ہیں۔''

زہرہ نے جس طرف اشارہ کیا تھا میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اس طرف کو دوڑ لگا دی۔ میرے پیروں میں جوتے تھے اور وہ ننگے پاؤں تھی۔ اس کے لئے ناہموار زمین اور اونچے نیچے راستے پر دوڑنا بے حد دشوار ہو رہا تھا۔ جب وہ لڑکھڑاتی تو میں اسے سہارا دیا کرتا تھا۔ عقب میں کچھ دیر شور سنائی دیتا رہا پھر وہ مدھم پڑ گیا۔ کوئی دس منٹ بعد اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''مجھ..... خدا..... کے..... لئے..... اب..... مجھ..... سے نہیں..... بھاگا جا رہا..... رک جاؤ۔''

میں رک گیا۔ ''نہر کتنی دور ہے؟''

''وہ..... جو درخت نظر آ رہے ہیں ان کے..... پار۔''

میں نے اسے اٹھا کر شانے پر ڈالا اور اس کی تحیر انگیز آوازوں کو اَن سنی کرتے ہوئے درختوں کی جانب دوڑ لگا دی تھی۔ معمولی مزاحمت کے بعد وہ ساکت ہو گئی تھی۔ پولیس والے شاید ہماری راہ پر لگ گئے تھے۔ میں دو منٹ میں درختوں کے سامنے تھا اسی لمحے عقب سے کسی گاڑی کی لہراتی روشنیاں مجھ پر پڑی تھیں۔ اگلے لمحے میں درختوں میں تھا لیکن یہ سوچنا حماقت تھی کہ عقب سے آنے والوں کی نظر مجھ پر نہیں پڑی ہوگی۔ سامنے ایک چوڑی سی نہر بہہ رہی تھی اور خزاں کے باوجود اس میں اچھا خاصا پانی تھا۔

''تمہیں تیرنا آتا ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ہاں۔'' زہرہ نے جواب دیا۔ ''لیکن زیادہ اچھا نہیں تیرتی۔''

''ہمیں نہر کے پار جانا ہے۔''

میں نے اسے نیچے اتار دیا تھا اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ذرا آگے پلیا ہے اس سے آ کر وہ ہمیں پکڑ لیں گے۔ نہر کے ساتھ ساتھ آگے چلو۔''

عقب میں لہراتی کسی گاڑی کی روشنی قریب آ رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''نہر کے کنارے کیوں..... نہر کے اندر سفر کریں گے۔''

میں نہر میں کود گیا۔ ''آ جاؤ۔'' اسے پکارا تو وہ کسی قدر جھجک کے ساتھ نہر میں کود گئی۔ پانی ٹھنڈا تھا اور اس کا بہاؤ اندازے سے زیادہ تیز تھا۔ ہم اس کے سہارے تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ زہرہ میرے بازوؤں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چمٹی تھی مگر وہ ازخود بھی تیر رہی تھی۔ اس کا سارا بوجھ مجھ پر نہیں تھا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ رفتار سے تیرا جائے۔ کیونکہ نہر کے کنارے نہ پا کر وہ لازماً ہمیں بہاؤ کے ساتھ تلاش کرتے اور ان کے پاس جیپ یا اس قسم کی کوئی گاڑی تھی۔ وہ تیزی سے آگے آ کر ہمیں پکڑ سکتے تھے۔

نہر کے پانی نے ذرا سی دیر میں ہم پر جمی غلاظت اور مٹی صاف کر دی تھی۔ جہاں نہر درختوں کے نیچے سے گزر رہی تھی وہاں مکمل تاریکی چھا جاتی تھی اور جہاں کھلی جگہ ہوتی تھی کچھ کچھ نظر آتا تھا۔ سرد پانی نے رفتہ رفتہ ہمارے جسموں کو شل کرنا شروع کر دیا تھا اور مجھے لگ رہا تھا ہم کچھ دیر اور اس میں تیرے تو جسم پر اختیار کھو دیں گے۔ زہرہ کی حالت مجھ سے زیادہ خراب تھی اب اس نے اپنا سارا بوجھ مجھ پر ڈال دیا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ کنارے کی طرف جانا شروع کر دیا۔ بہاؤ کی وجہ سے یہ کام بھی آسان نہیں تھا۔ آخر میں نے کنارے کی لمبی گھاس پکڑ لی۔

''اوپر..... چڑھنے..... کی..... کوشش کرو۔'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں چڑھ سکتی۔'' وہ منمنائی۔

میں نے کوشش کی کہ گھاس کو پکڑ کر خود کو اوپر کھینچ لوں لیکن اسی لمحے انکشاف ہوا کہ میرا بایاں ہاتھ اپنی قوت کھو چکا تھا۔ میں گھاس پکڑنے میں ناکام رہا اور محض دائیں ہاتھ کے بل بوتے پر خود کو اوپر کھینچنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں نے زہرہ کو بلایا۔ ''اوپر چڑھو ورنہ ہم دونوں پانی میں بہہ جائیں گے۔''

بادل نخواستہ اس نے کوشش کی اور گھاس تھام کر خود کو اوپر کی طرف کھینچنے لگی۔ نیچے سے میں اسے سہارا دے رہا تھا۔ اس لئے رفتہ رفتہ وہ اوپر ہونے لگی اور پھر کسی نہ کسی طرح کنارے پر چڑھ گئی، وہ ناتواں سہی لیکن اس کا جسم مکمل طور کام کر رہا تھا جب کہ میرا بایاں ہاتھ اپنی گرفت کھو چکا تھا اور محض ایک ہاتھ کے سہارے اوپر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے پاؤں جمانے کی کوشش کی لیکن میرے پیروں تلے صرف پانی آ رہا تھا۔ یہاں ڈھلان تقریباً عمودی تھی اگر گھاس نہ ہوتی تو اس پر چڑھنا قطعی ناممکن تھا۔ میں نے زہرہ کو آواز دی۔ ''مجھے اوپر آنے میں مدد دو۔ میں ازخود نہیں آ سکتا۔''

وہ کنارے پر لیٹ گئی اور اپنا ہاتھ آگے کیا۔ میں نے اپنا بایاں ہاتھ اسے تھما دیا۔ ''اسے مضبوطی سے پکڑنا۔ چھوڑنا مت۔''

زہرہ نے ہاتھ پکڑ لیا تو میں نے دوسرے ہاتھ سے کوشش کی اور اوپر پہنچ گیا۔ اس دوران ایک موقع پر میں نیچے گرتے گرتے بچا تھا بلکہ شاید زہرہ کو بھی لے جاتا مگر اس نے خود کو سنبھالے رکھا۔ نہر کے کنارے گھاس پر گر کر ہم کتنی دیر تک سانس بحال کرتے رہے تھے۔ مشرق کی طرف سے سفیدی نمودار ہونے لگی تھی اور ہم بھی مشرقی کنارے پر تھے۔ آدھے یا پون گھنٹے میں ہم نہ جانے کتنی دور نکل آئے تھے لیکن یہ فاصلہ کم سے کم بھی میلوں میں تھا۔ زہرہ روشنی دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''اب ہم کہاں جائیں گے اور میرے پاس تو.....'' وہ جھجک کر چپ ہو گئی۔ اس کے جسم پر سوائے ایک شرٹ کے کچھ نہیں تھا۔ میں نے کچھ دیر سوچا اور اٹھ کر درخت کی آڑ سے اپنی پتلون بھی اتار کر اسے دے دی۔ نیچے میں نے کسی قدر بڑے سائز کی نیکر پہن رکھی تھی اس لئے میری ستر پوشی ہو رہی تھی۔ عورت ہونے کے ناتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے مکمل لباس کی زیادہ ضرورت تھی۔ اس نے خاموشی سے گیلی پتلون پہن لی اور میں کھسیانے انداز میں درخت کے پیچھے سے نکل آیا۔ میری ہیئت کذائی دیکھ کر وہ ہنسی تو میں مزید کھسیا گیا تھا۔

"سوری..... لیکن مجبوری ہے۔"

"سوری تو مجھے کرنا چاہئے۔" وہ بولی۔ "تم نے میری جان بچائی اور میں نے تمہارے کپڑے اتروا لئے۔"

گیلی پتلون اتر جانے سے مجھے ذرا سا سکون محسوس ہوا تھا۔ میں اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا۔ "اسے بھول جاؤ اب یہ بتاؤ کہ جانا کہاں ہے یہ علاقہ میرے لئے بالکل اجنبی ہے۔"

وہ سوچنے لگی اور اس کے چہرے پر مایوسی نظر آ رہی تھی۔ "ابھی ہم کہیں نہیں جا سکتے۔ رانا خاندان اس علاقے میں بہت مضبوط ہے اس کے بندے روشنی ہوتے ہی ہر طرف پھیل جائیں گے۔ ہم کسی بھی آبادی یا سڑک کے قریب گئے تو ان کو اطلاع مل جائے گی۔"

"تم پڑھی لکھی لگتی ہو۔" میں نے اس کے تجزیے پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا مطلب ہے ہمیں آبادی یا سڑکوں سے دور رہنا چاہئے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں نے بی ایڈ کیا تھا اسکول ٹیچر تھی اور ایم ایڈ کی تیاری کر رہی تھی جب میں نے اللہ رکھا سے شادی کا فیصلہ کیا۔"

"مجھے اب بھی یقین نہیں ہے تم پہلوان جیسے شخص....."

"میں نے اس سے محبت کی تھی اور اب بھی کرتی ہوں۔" وہ تند لہجے میں بولی۔ "دنیا کے نزدیک وہ کیسا بھی..... میرا محبوب ہے..... ہائے ربا..... کیسے زمین پر پڑا تھا!" اس نے اچانک دبی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ "اسے مارنے والے..... رانا..... تیرے بچے روئیں..... تجھے موت آئے۔" وہ کوسنے دے رہی تھی۔ محبوب کا غم مناتے ہوئے اس کی بی ایڈ کی ڈگری ایک طرف رہ گئی تھی۔ میں نے اسے رونے دیا اور صورت حال پر غور کرنے لگا۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو اتنا مسئلہ نہیں تھا مگر زہرہ کا ساتھ ہونے کی وجہ سے خطرہ کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ اگر میں اسے خدا حافظ کہہ کر اپنی راہ لیتا تو یہ خود غرضی نہ کہلاتی لیکن اخلاقی لحاظ سے یہ بات مجھے اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ اس کی وجہ سے لاحق خطرات کم کرنے کے لئے میں اس کو چھوڑ دوں جبکہ رانا کے کتے مجھ سے زیادہ شدومد سے اس کی تلاش میں تھے۔ پولیس والوں سے لے کر رانا کے..... بدمعاشوں تک کی رال اس پر بہہ رہی تھی۔

سورج طلوع ہونے والا تھا اور مشرقی افق پوری طرح سرخ ہو چکا تھا۔ اس طرف دور تک ریتلی زمین پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ہمارے چھپنے کے لئے یہ بہترین جگہ تھی لیکن سوال یہ تھا ہم کب تک چھپ سکتے تھے! میں اور زہرہ درختوں کے درمیان سائے میں تھے اور دور سے ہمیں دیکھنا ناممکن تھا۔ اچانک نہر کے مغربی کنارے پر ایک جیپ نمودار ہوئی۔ میں اور زہرہ بیک وقت گھاس میں لیٹ گئے تھے۔ جیپ آ کر دوسرے کنارے پر رکی تھی۔ اس سے چار افراد کودے۔ میں نے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ چاروں مسلح تھے اور نہر کے پانی کو جھک جھک کر دیکھ رہے تھے۔ "پتا نہیں..... کہاں نکل گئے.....؟" ایک شخص نے خوش گالی کے ساتھ کہا۔

"وہ بندہ بہت حرامی ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اس گشتی کے ساتھ عیش کر رہا ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سنا ہے کپڑے بھی نہیں ہیں اس کے پاس۔" تیسرے نے لطف لینے والے انداز میں کہا۔

"ایک بار ہاتھ آ جائے تو لے جانے سے پہلے....." پہلے والے نے پھر گل افشانی کی۔ اس سے آگے کی ساری گفتگو اس کے منہ سے ابلنے والی گندگی تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑے اسی طرح کی بکواس کرتے رہے۔ پھر ایک کو وہیں چھوڑ کر باقی تین جھیپوں پر نکل گئے۔

"یہ مصیبت تو چھوڑ گئے۔" میں نے سرگوشی میں زہرہ سے کہا۔ وہ دبی دبی آواز میں رو رہی تھی۔ ظاہر ہے اس کا رونا ان لوگوں کی گفتگو پر تھا لیکن میں اس معاملے میں جذباتی نہیں ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کوئی پاک باز عورت نہیں تھی۔ پہلوان اسے جوئے کی بازی میں استعمال کرتا رہا تھا اور وہ اپنی خوشی سے استعمال ہوتی رہی تھی۔ "خود پر قابو رکھو..... اس سے پہلے وہ اس کنارے پر آ جائیں ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور جنگل کی طرف اشارہ کیا۔ "چھپنے کے لئے یہ بہترین جگہ ہے۔ ہمیں اس طرف جانا ہے۔"

لیکن مسئلہ نہر کے دوسرے کنارے پر موجود شخص تھا۔ یہاں گھاس میں تو ہم اس کی نگاہوں سے بچے ہوئے تھے لیکن ہم جھاڑیوں کی طرف جاتے تو وہ ہمیں دیکھ لیتا۔ اس سے بچنا لازمی تھا۔ میں نے زہرہ سے کہا۔ "پہلے ہمیں گھاس کے ساتھ ساتھ آگے جانا ہوگا جب یہ نظروں سے دور ہو جائے گا تب ہم جھاڑیوں میں جائیں گے۔"

"آگے بھی کوئی نہ کوئی ہوگا۔" اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اس طرح تو پیچھے بھی کوئی نہ کوئی ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔ "آگے جانا بہتر ہوگا، اسی طرح جھکے جھکے چلو۔"

ہم گھاس کے ساتھ ساتھ چاروں ہاتھوں، پیروں سے چلنے لگے۔ جہاں کہیں گھاس کی اونچائی کم ہو جاتی ہم پیٹ کے بل رینگنے لگتے تھے۔ کئی سو گز کا فاصلہ اسی طرح طے کرنے کے بعد میں نے سر اٹھا کر دوسرے کنارے کی طرف دیکھا۔ وہ شخص نظروں سے اوجھل تھا یہ اچھا موقع تھا کہ ہم جھاڑیوں میں گھس جاتے اتفاق سے اس جگہ جھاڑیاں بھی نزدیک تھیں۔ میں اور زہرہ جھکے جھکے دوڑے اور جھاڑیوں میں گھس گئے۔ نہر کے دوسرے کنارے پر موجود شخص کی نظر ہم پر نہیں پڑی تھی۔ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ شہروں کے برعکس دیہی علاقوں میں صبح کی روشنی بے حد سرعت سے پھیلتی ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ وہاں نہ آلودہ گیسیں ہوتی ہیں اور نہ ہی گاڑیوں اور فیکٹریوں سے نکلنے والا دھواں ہوتا ہے۔

زہرہ آگے بھاگی جا رہی تھی میں نے اسے روکا۔ "ہمیں نہر سے نزدیک رہنا چاہئے۔ آگے جا کر راستہ بھٹک سکتے ہیں۔ بھارتی سرحد یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"کوئی بارہ تیرہ میل کے فاصلے پر۔"

"ہم بے خیالی میں وہاں تک چلے گئے تو مسئلہ بن جائے گا۔"

"یہاں وہ لوگ ہمیں تلاش کر لیں گے۔"

"ان جھاڑیوں میں تلاش اتنی آسان نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سخت گھنی اور کانٹے دار جھاڑیاں تھیں جن کے درمیان جگہ خاصی کم تھی۔ اگر کوئی شخص ان جھاڑیوں میں گھس جاتا تو کسی فوج کے لئے بھی اسے تلاش کرنا آسان نہ ہوتا۔ پھر بھی احتیاطاً ہم جھاڑیوں میں خاصے اندر چلے آئے تھے۔ شاید چند دن پہلے بارش ہوئی تھی کیونکہ جھاڑیاں ہری بھری ہو رہی تھیں اور زمین پر جہاں جگہ خالی تھی وہاں بھی گھاس اگ آئی تھی۔ میں ایسی ہی ایک ہری جگہ جھاڑی تلے بیٹھ گیا اور اپنے بائیں ہاتھ کا معائنہ کرنے لگا۔ پانی سے نکلنے کے بعد اس کی کارکردگی بہتر ہوئی تھی اور اب وہ گرفت کر رہا تھا اگرچہ یہ گرفت اب بھی کمزور تھی۔ زہرہ غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ''تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟''

''اسے حادثہ پیش آ گیا تھا۔'' میں نے تفصیلات بتانے سے گریز کیا۔ ''اس کے بعد سے کبھی کبھی اس کی گرفت ختم ہو جاتی ہے تبھی میں خود سے نہر کے اوپر نہیں چڑھ پا رہا تھا۔''

زہرہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ''بظاہر تو اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔''

''ہاں بعض خرابیاں اوپر سے نظر نہیں آتی ہیں۔''

اس نے میری بات سے نہ جانے کیا مطلب نکالا وہ افسردہ نظر آنے لگی۔ ''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ جیسے میری زندگی..... ایک گندگی.....''

میں نے بوکھلا کر کہا۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

مگر اس نے میری وضاحت قبول نہیں کی تھی وہ کچھ دیر بیٹھی رہی پھر اٹھ کر ایک طرف بڑھ گئی۔ ''کہاں جا رہی ہو؟''

''یہیں ہوں فکر مت کرو۔'' اس نے تلخی سے کہا تھا۔ ''میں دیکھ رہی ہوں کوئی ہمیں تلاش کرتا نہ آ گیا ہو۔''

میں نے اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ حالات میرے لئے کتنی تیزی سے بدل رہے تھے۔ پرسوں تک میں مطمئن تھا کہ دشمنوں کے وہم و گمان سے بھی دور ہوں لیکن اس وقت میں کسی چوہے کی طرح ان سے چھپتا پھر رہا تھا۔ نہ جانے فتح خان اور اس کے آقاؤں نے مجھے ان راناؤں کے حوالے کیوں کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ مجھے باآسانی اپنی قید میں رکھ سکتے تھے۔ رانا نعیم نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ میں مرشد علی کا دشمن ہوں لہٰذا اس کا بھی دشمن ہوں۔ دوسرے الفاظ میں، میں مرشد علی کی قید میں تھا لیکن یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ مرشد علی میرے خون کا پیاسا ہو رہا تھا اور اگر میں اس کے ہاتھ آ جاتا تو وہ پہلی فرصت میں میرا قیمہ بنانے کی کوشش کرتا نہ کہ مجھے ان راناؤں کے پاس بھجواتا۔

دوسرے مجھے جس انداز میں اغوا کیا گیا تھا۔ مرشد علی کے لوگوں میں اتنی صلاحیت نہیں تھی۔ وہ مار دھاڑ کرنے والے اور طاقتور بدمعاش تھے۔ ان سے یہ توقع محال تھی کہ وہ کسی اعلیٰ درجے کے منصوبے پر اتنی صفائی اور سلیقے سے عمل کر سکیں۔ یہ انداز مجھے ڈیوڈ شا کا لگ رہا تھا اور فتح خان اس کے لئے یہ کام کر رہا تھا۔ اچانک میں چونکا۔ مجھے زہرہ کی دبی دبی چیخ سنائی دی۔ آواز کچھ ایسی تھی کہ کسی نے زہرہ کا گلا دبا لیا ہو۔ اس کے باوجود مجھے سمت کا اندازہ تھا میں اٹھ کر خاموشی اور احتیاط سے اس طرف بڑھا۔ راستے میں ایک بڑے سیب کے سائز کا گول پتھر نظر آیا تو میں نے اسے ہتھیار کے طور پر اسے اٹھا لیا۔ اس دوران میں کئی بار مجھے زہرہ کی گھٹی گھٹی آواز آئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ جس جھاڑی کے پیچھے سے یہ آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے اس کے عقب میں جھانکا۔ دو افراد نے اس طرح زہرہ کو قابو کر رکھا تھا کہ ایک نے اس کی بغلوں سے ہاتھ گزار کر اسے جکڑ رکھا تھا اس کا منہ بھی اسی شخص نے دبا رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا کہ میری شرٹ جو زہرہ نے پہن رکھی تھی تار تار ہو چکی تھی اور دوسرا چتلون سے نبرد آزما تھا۔ زہرہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔

دونوں بدمعاش جوان عمر کے تھے اور حلئے سے عام افراد نظر آ رہے تھے۔ ان کے پاس مجھے سوائے اس ڈانگ کے کوئی ہتھیار نظر نہیں آیا جو ایک طرف زمین پر پڑی تھی۔ یہ لوگ کسی کام سے آئے تھے اور زہرہ کو اکیلا سمجھ کر ان کی نیت خراب ہو گئی تھی۔ میں گھوم کر دوسری طرف سے آیا اور اس کے سر پر پتھر سے تسلی بخش قسم کی ضرب لگائی جس نے زہرہ کا منہ اور جسم جکڑ رکھا تھا۔ پتھر کی ضرب پہ جب اس نے ہائے وے رپاکارا تو اس کے ساتھی نے اس پر قطعی توجہ نہ دی جو پورے انہماک سے اپنا کام کرنے میں مصروف تھا۔ دوسری ضرب پر اس نے مزید کچھ پکارنے کے بجائے بے ہوش ہو جانا مناسب سمجھا۔ وہ لڑھکا تو زہرہ کا جسم بھی آزاد ہوا۔

"کتے دے پتر..... صحیح سے پکڑ اپنی ماں کو۔"

مگر کتے دا پتر بے خبر زمین پر پڑا تھا۔ جب دوسرے کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے گھبرا کر زہرہ کو چھوڑ دیا اور چند لمحے ساکت رہنے کے بعد یک دم اپنی ڈانگ کی طرف لپکا۔ ظاہر ہے میں اسے ڈانگ اٹھانے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے پتھر پھینک کر اس کے سر پر مارا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا اس نے ڈانگ کے بجائے اپنا سر تھام لیا تھا۔ تقریباً اُڑ کر میں نے اس کی کمر پر لات رسید کی تو وہ سامنے والی خاردار جھاڑی میں جا گھسا اور دلدوز آواز میں اپنی ماں کو پکارا۔ میں نے اس کی کمر پر ایک لات اور رسید کی۔ "خبیث کیا سمجھ کر اس پر دست درازی کر رہا تھا؟"

مجھے پتا نہیں تھا کہ آزاد ہونے کے بعد زہرہ جوشِ انتقام میں سلطان راہی کا زنانہ ایڈیشن بن جائے گی۔ اس نے ڈانگ اٹھا کر جھاڑی میں پھنسے شخص کو مارنے کی کوشش کی۔ مجھے اس وقت پتا چلا جب ڈانگ کا فولاد چڑھا حصہ اس شخص کی گردن پر لگا اور اس کی چیخ پکار یک دم رک گئی۔ میں نے سوکھی شاخ چٹخنے جیسی آواز سنی تھی۔ اس پر وار کر کے زہرہ زخمی شیرنی کی طرح زمین پر بے ہوش پڑے شخص کی طرف لپکی اور جب تک میں اسے روکتا وہ جوش اور غضب سے بھرپور وار اس کے سر پر کر چکی تھی۔ اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔ میں نے زہرہ سے ڈانگ چھین لی۔

"پاگل ہو گئی ہو، یہ کیا کیا تم نے؟"

"دو کتوں کو مار دیا۔" اس نے تمتماتے چہرے اور لہجے کے ساتھ کہا۔

میں نے جھاڑی والے کا معائنہ کیا اس کا جسم اب نزع کے عالم میں جھٹکے کھا رہا تھا۔ دوسرے کا بھی خون جتنی تیزی سے بہہ رہا تھا وہ مجھے کچھ دیر کا مہمان لگ رہا تھا۔ میں نے زمین پر پڑے شخص کے لباس کو خون سے بچانے کی کوشش کی۔ اس نے سیاہ رنگ کا کرتہ شلوار پہن رکھا تھا۔ جھاڑی والے کا لباس جھاڑی کی وجہ سے بے کار ہو چکا تھا اور وہ اتنی بری طرح کانٹوں سے الجھا ہوا تھا کہ اسے نکالنا بھی ناممکن تھا۔ پہلے جھاڑی والے نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کے بعد وہ صرف دس منٹ زندہ رہا تھا۔ زہرہ نے اس کے شانے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑا سرخ رنگ کا بڑے سائز کا رومال لے کر جسم کے اوپری حصے کی ستر پوشی کر لی تھی۔ پانچ منٹ بعد جھاڑی والے کا جسم بھی اینٹھا اور اس نے جان دے دی۔ میں افسوس سے انہیں دیکھتا رہا۔ میں ان کو بچانے کے لئے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کچھ دیر پہلے ایک عورت کو کمزور جان کر دست درازی کرنے والے ان دو ہٹے کٹے مردوں نے غرور مردانگی میں سوچا بھی نہیں ہوگا کہ ان کی موت اس کمزور نظر آنے والی عورت کے ہاتھ سے لکھی ہے۔

"یہ کہاں سے آ گئے تھے؟"

"پتا نہیں....." اس نے سر ہلا دیا وہ ابھی تک کانپ رہی تھی۔ "میں اس طرف آئی تو انہوں نے پکڑ لیا۔"

اگرچہ وہ اتنی بڑی سزا کے حق دار نہیں تھے لیکن ان کی موت اسی طرح لکھی تھی۔ زہرہ نے انہیں قتل کرنے کے لئے وار نہیں کیا تھا یہ اور بات تھی کہ وہ مر گئے۔ میں نے دوسرے کی شلوار قمیص اتاری اور اسے جھاڑ کر پہن لیا۔ زہرہ دوسری طرف چلی گئی تھی اس کے بعد میں نے جھاڑیوں میں پھنسے شخص کی لاش کی تلاشی لی۔ اس کی جیب سے ایک بٹوا، سگریٹ اور لائٹر نکلا تھا۔ میں نے سگریٹ کا پیکٹ پھینک دیا اور احتیاطاً اسے پیروں سے مسل دیا تاکہ میری انگلیوں کے نشانات باقی نہ رہیں۔ پرس میں چند سو کی رقم اور اس کے کاغذات تھے میں نے رقم نکال کر پرس بھی صاف کر کے پھینک دیا۔

شلوار کرتہ مجھے ذرا چھوٹا تھا لیکن برا نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں کئی بار مرحوم سے معذرت کی کیونکہ اس نے نیچے انڈرویئر بھی نہیں پہنا ہوا تھا۔ زہرہ ایک طرف سر جھکائے بیٹھی تھی ابتدائی غیظ و غضب ختم ہونے کے بعد وہ اب پشیمان اور خوف زدہ نظر آ رہی تھی اس نے میری طرف دیکھا اور سرگوشی میں بولی۔ "پولیس مجھے گرفتار کرے گی؟"

"پولیس کو کیا پتا کہ انہیں کس نے مارا ہے!" میں نے کہا۔ "پھر تم نے جان بوجھ کر تو انہیں قتل نہیں کیا ہے۔ اب یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ یہ مر گئے۔"

مجھے ایک خیال اور آیا ڈانگ ہمیں پھنسوا سکتی تھی۔ لہٰذا میں نے اسے بھی صاف کر کے ایک گھنی جھاڑی کے وسط میں پھینک دیا کہ وہ نظر میں نہ آ سکے۔ "اب ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔"

"کہاں؟" اس نے پوچھا۔

"جہاں تقدیر لے جائے گی۔" میں نے فلمی ڈائیلاگ بولا۔ "یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے اگر پکڑے گئے تو یہ دونوں قتل سچ مچ ہمارے گلے پڑ جائیں گے۔"

زہرہ نے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے کھڑی ہو گئی اور ہم مخالف سمت میں روانہ ہو گئے۔ ہم گاؤں یا رانا کے کھیتوں سے جتنا دور جاتے، اتنا ہی محفوظ ہوتے۔ ان دونوں نے زہرہ کی شرٹ اس طرح پھاڑی تھی کہ وہ بے چاری خود کو نمایاں ہونے سے بچانے کی کوششوں میں نظر آ رہی تھی۔ کاش میں کسی طرح جھاڑی میں پھنسے شخص کا کرتہ اتار سکتا۔ اسے عفت سے بچانے کے لئے میں اس کے آگے چلنے لگا۔ میری کوشش تھی کہ ہم گھنی اور اونچی جھاڑیوں کے درمیان سے گزریں تاکہ اگر دشمن آس پاس تلاش کر رہے ہوں تو ہمیں دیکھ نہ پائیں۔

سورج سر پر آنے کے بعد گرمی کا احساس ہونے لگا تھا۔ زہرہ کا تو نہیں پتا لیکن میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ ہوا بھی بہت خشک سا علاقہ تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے پیاس لگی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پیاس تو مجھے بھی لگی ہے لیکن اس وقت نہر کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں ہے ایک بار دشمن کی نظر پڑ گئی تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔''

''مجھے زور سے پیاس لگی ہے۔'' وہ اس بار رو دینے والے انداز میں بولی۔ ''میں اتنی پیاس برداشت نہیں کر سکتی۔''

بادل نخواستہ اسے لے کر میں مغرب کی طرف بڑھا جس طرف نہر ہونی چاہئے تھی لیکن خاصی دیر تک چلنے کے بعد بھی نہر نہیں آئی۔ بلکہ جھاڑیوں کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہیں ہم راستہ تو نہیں بھٹک گئے تھے۔ زہرہ اب چلتے ہوئے لڑکھڑا رہی تھی۔ ایک بار وہ چلتے ہوئے زمین پر گر گئی اور اس کا منہ ہانپنے سے کھلا ہوا تھا اور اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ میں نے اسے سہارا دے کر ایک جھاڑی کے سائے میں کر دیا تھا۔

''تم یہاں بیٹھو میں پانی دیکھتا ہوں۔''

میں نے آگے جانے سے پہلے جھاڑیوں کی چند نشانیاں رکھیں اور ایک ڈنڈی توڑ کر اس سے ریت پر نشان بناتا آگے روانہ ہو گیا۔ یہ نشان واپسی میں میری رہنمائی کرتا۔ اگر ہم راستہ نہیں بھٹکے تو نہر کے اپنی جگہ نہ ہونے کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی کہ نہر نے اپنا راستہ بدل لیا تھا۔ میں نے اپنا رخ ذرا سا جنوب مغرب کی طرف کر لیا۔ سورج سے مجھے سمتوں کا تعین کرنے میں مدد مل رہی تھی۔ بالآخر ایک جگہ سے جھاڑیاں نسبتاً کم گھنی ہونے لگی تھیں اور مجھے ایک طرف درختوں کی قطار نظر آنے لگی۔ یہ نہر کی نشانی تھی۔ نہر کے کنارے کا بیشتر حصہ درختوں سے ڈھکا تھا۔ یہ درخت پانی کو ضائع ہونے سے بچاتے تھے اور ساتھ ہی نہر کے پشتے کو بھی مضبوط بناتے تھے۔ پیاس مجھے بھی شدت کی لگ رہی تھی اور جب کچھ دور بہتے پانی کی امید نظر آئی تو میں خود پر ضبط نہیں کر سکا تھا۔ تیز رفتاری سے کمر کے بل جھکے جھکے میں نے جھاڑیوں اور درختوں کا درمیانی فاصلہ طے کیا۔ درختوں کے اندر نیم تاریکی تھی۔ پہلے میں نے سن گن لی کہ وہاں دشمن کا کوئی آدمی تو موجود نہیں ہے۔ پھر میں بے تابی سے پانی کی طرف لپکا۔ گھاس پکڑ کر نہر کے بہتے پانی تک رسائی حاصل کی اور چلو سے پانی پینے لگا۔ پانی ٹھنڈا اور صاف تھا۔ اگر برسات کا موسم ہوتا تو نہر کا پانی گدلا اور مٹی زدہ ہوتا۔

جی بھر کر پانی پینے کے بعد میں جیسے ہی اوپر کی طرف آیا۔ دو عدد رائفلیں میرے چہرے سے چند انچ کے فاصلے پر آ کر رک گئیں۔ یہ دونوں افراد نہ جانے کب اور کس وقت اتنی خاموشی سے میرے سر پر آن پہنچے تھے اور مجھے ذرا بھی خبر نہیں ہوئی۔ حلیے اور انداز سے وہ بلاشبہ رانا اینڈ پارٹی کے آدمی لگ رہے تھے۔ میں نے بے ساختہ ہاتھ اوپر کر لئے۔ ان میں سے ایک نے ڈاکوؤں جیسی گھنی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے دریافت کیا۔ ''لڑکی کہاں ہے؟''

''کون لڑکی؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''بکواس مت کر.....'' دوسرے نے اشتعال انگیز لہجے میں کہا۔ ''کہاں چھپایا ہے اپنی ماں کو۔''

''میری ماں اللہ کے حکم پر میرے باپ کے گھر ہے۔ اپنی ماں کے بارے میں جاننا.....''

اس نے رائفل کی نال میرے سر پر مارنے کی کوشش کی تھی میں نے جھکائی دے کر اپنا سر بچایا۔ اس نے اتنی قوت سے وار کرنے کی کوشش کی تھی کہ ناکامی کے بعد وہ اپنے زور میں گھوما اور میرے اور اپنے ساتھی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درمیان میں آ گیا۔ میں موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا؟ میں نے ایک ہاتھ سے عقب سے اس کی گردن جکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس سے رائفل چھین لی۔ دوسرے نے تڑپ کر اپنی رائفل سیدھی کر لی۔ ''اوئے..... اوئے چھوڑ اسے۔''

میری گرفت میں موجود شخص نے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی لیکن میری گرفت سے نہ نکل سکا۔ اس کے بجائے میں نے اس کی کمر پر گھٹنا رسید کیا اور اس سے رائفل چھین لی لیکن میں رائفل ایک ہاتھ سے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے مجھے شبہ تھا کہ دوسرا رائفل بردار اپنے ساتھی کی پروا کرے گا۔ عین ممکن ہے وہ گولی چلا دے اور اتنے نزدیک سے رائفل کی گولی لازماً ہم دونوں کو مار گرجاتی۔ میں نے سوچا اور رائفل عقب میں نہر کے پانی میں اچھال دی اور جکڑے شخص کو اس کے ساتھی کی طرف دھکیل کر دونوں ہاتھ اوپر کر لئے۔ ''ابتدا اس نے کی تھی میرا لڑائی کا ارادہ نہیں تھا۔''

''لڑائی دے.....'' پہلا والا ارنے بھینسے کی طرح میری طرف لپکا اور میں نے اس کا سر اپنے پیٹ پر روکا۔ کچھ دور وہ مجھے دھکیلتا چلا گیا پھر میں نے اچانک زمین پر گر کر اسے دونوں پیروں پر لیتے ہوئے عقب میں اچھال دیا۔ ایک چنگھاڑ کے ساتھ وہ نہر کے پانی میں جا گرا تھا۔

''ساکت ہو جا۔'' رائفل بردار نے مجھے دھمکایا تو میں سچ مچ ساکت ہو گیا تھا۔ وہ نروس ہو رہا تھا اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھیار زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ مضطربانہ انداز میں نہر کے پانی کو دیکھتے ہوئے اپنے ساتھی کو آواز دے رہا تھا۔ ''قدیرے..... اوئے کدھر مر گیا ایں۔''

یہ سارا ہنگامہ نہر کے کنارے درختوں میں ہو رہا تھا۔ قدیرے کو غالباً تیرنا نہیں آتا تھا اور نہر میں گرنے کے بعد اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ قدیرے کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے شرربار نظروں سے میری طرف دیکھا اور رائفل میری طرف سیدھی کر لی۔ ''اوئے مرنے کے لئے تیار ہو جا۔''

''ایک منٹ۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''مجھے مار کر تم رانا کو کیا جواب دو گے اور زہرہ کا پتا بھی صرف میں ہی جانتا ہوں۔''

''رانا نے کہا ہے اگر تو مزاحمت کرے تو تجھے اڑا دیا جائے۔ میں تجھے گولی مار بھی دوں تو رانا مجھے کچھ نہیں کہے گا بلکہ شاباش دے گا۔ تُو نے قدیرے کو بھی مارا ہے۔''

''میں نے اسے صرف دور پھینکا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا وہ نہر میں جا گرے گا اور ڈوب کر مر جائے گا! کیا تم زہرہ کے بارے میں نہیں جاننا چاہتے۔''

میں اسے باتوں میں ایک خاص مقصد کے تحت الجھا رہا تھا۔ زہرہ کے نام پر وہ سوچ میں پڑ گیا تھا غالباً اس کے ذہن میں فاسدانہ خیالات جنم لے رہے تھے۔ زہرہ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا پھر اس نے سوچا کہ جب زہرہ اس کے ہاتھ آ جاتی تب بھی مجھے گولی ماری جا سکتی تھی۔ اس لئے فی الحال اس نے مجھے گولی مارنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ''ٹھیک ہے..... اس کا پتا کہاں ہے؟''

''تمہارے پیچھے۔'' زہرہ نے اس کے عقب سے کہا اور لکڑی کی موٹی شاخ گھما کر اس کے سر پر ماری۔ وار بہت قوت سے اور تمام تر نفرت کے ساتھ کیا تھا۔ رائفل بردار نے ایک آہ بھری اور آلو کی بوری کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زمین پر لڑھک گیا۔ وہ گرنے سے پہلے بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے تیزی سے اس کی رائفل اٹھائی اور پھر زہرہ کو سنبھالا۔ نہ جانے کتنے حوصلے اور ہمت سے وہ یہاں تک آئی تھی اور اس نے مجھے بچانے کے لئے یہ جرأت مندانہ قدم اٹھایا تھا۔ اب اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہ گرنے لگی تو میں نے اسے سنبھال کر زمین پر لٹا دیا۔ پیاس سے اس کے ہونٹ خشک اور چہرہ ویران ہو رہا تھا۔ میں نے پہلے قدیرے مرحوم کے بے ہوش ساتھی کا معائنہ کیا۔ آثار بتا رہے تھے کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ پھر میں نے اس کے شانے پر پڑے بڑے سے رومال کو اٹھایا اور نیچے نہر میں اتر کر اسے پانی سے تر کر کے زہرہ کے خشک ہونٹوں پر پانی ٹپکایا۔ دو مرتبہ اسی طرح کر کے اسے پانی پلایا تو اس کے حواس بحال ہوئے تھے اور اس میں اتنی ہمت آئی کہ خود نیچے جا کر پانی پی لے۔

اس نے جو سرخ رومال اپنی ستر پوشی کے لئے رکھا تھا وہ نہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔ وہ پھر سے میری قمیص کے چیتھڑوں سے ستر پوشی کر رہی تھی۔ میں نے بے ہوش شخص کی قمیص اتار کر اس کی طرف بڑھا دی۔ ''یہ پہن لو..... ان چیتھڑوں کو اتار پھینکو۔''

میں نے رخ دوسری طرف کیا اور وہ قمیص بدلنے لگی۔ مجھے خاصی بھوک لگ رہی تھی اور اس کا حال یقیناً مجھ سے زیادہ خراب تھا لیکن وہ صبر اور حوصلے سے برداشت کر رہی تھی۔ میں نے بے ہوش شخص کی تلاشی لی اس کی دھوتی کی ڈب سے ایک تھیلی کے سوا کچھ نہیں نکلا تھا میں نے تھیلی کھولی تو اس کے اندر سونے کی پتھر جڑی انگوٹھیاں نکلیں ان کی تعداد چھ تھی اور یہ سب زنانہ تھیں۔ زہرہ میرے پاس چلی آئی۔ ''یہ شاید چور ہے۔''

''ظاہر ہے رانا کے خاص آدمی اس قسم کے جرائم پیشہ ہی ہو سکتے ہیں۔'' میں نے انگوٹھیوں کا معائنہ کیا۔ ان میں سے تین میں شفاف ہیرے جڑے تھے دو میں زرد اور ایک میں سرخ رنگ کا پتھر تھا شاید یہ یاقوت تھا۔ مجھے جواہرات کی شناخت نہیں تھی لیکن اتنا ضرور معلوم تھا اگر ان انگوٹھیوں میں لگے جواہرات اصلی تھے تو ان انگوٹھیوں کی مالیت بہت زیادہ تھی۔ قمیص پہن کر زہرہ کسی قدر پُرسکون ہو گئی تھی اس نے مجھ سے کہا۔ ''اب یہاں سے چلو..... اس کے ساتھی نہ آ جائیں۔''

''نہیں فی الحال ہمیں اس جگہ رکنا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم یہاں تک کیسے آئیں؟''

''میں تھوڑی دیر تک تو وہیں رہی پھر پیاس سے مجبور ہو کر تمہارے پیچھے چل پڑی۔ تم ریت پر چھڑی سے نشان بناتے آئے تھے، میں اس نشان کو دیکھتی ہوئی یہاں تک آ گئی۔ اس وقت تم دوسرے سے لڑ رہے تھے پھر تم نے اسے پانی میں پھینک دیا۔''

''اگر تم اس کے سر پر وار نہیں کرتیں تو یہ تو مجھے گولی مارنے والا تھا۔''

''اتنی آسانی سے نہ مارتا۔'' وہ زہر خند کے ساتھ بولی۔ ''ان کتوں کی رال تو مجھ پر ٹپک رہی ہے۔''

''رانا نے یہ بہت خطرناک چال چلی ہے۔ اب اس کے تمام آدمی بھوکے بھیڑیوں کی طرح ہمیں تلاش کر رہے ہوں..... تم ذرا منہ دوسری طرف کرو۔''

''کیوں؟'' اس نے الجھی نظروں دیکھا۔

''کرو تو..... میں نے اصرار کیا تو اس نے بادل نخواستہ منہ دوسری طرف کر لیا۔ میں نے بے ہوش شخص کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھوتی اتاری اور اس سے پٹیاں پھاڑ کر ان سے رسی بنائی اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ آخر میں اس کے رومال سے اسے اس کے منہ کو بھی بند کر دیا اس طرح وہ مکمل طور پر بے بس ہو گیا تھا۔ آخر میں بچ جانے والی دھوتی اس کی کمر کے گرد لپیٹ دی تھی تا کہ کسی حد تک اس کی ستر پوشی ہوتی رہے۔ اس دوران میں اسے بے ہوش ہوئے ایک گھنٹا گزر چکا تھا۔ وقت کے ذکر پر یاد آیا اس کی کلائی میں ایک عدد قیمتی رولیکس بھی تھی جو میں نے اتار کر پہن لی تھی۔ اس طرح مجھے وقت کے سلسلے میں آسانی ہو گئی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ از خود وہ نہ جانے کب ہوش میں آ جائے۔ ایک بار پھر میں نہر تک گیا تھا اپنی شرٹ کے چیتھڑے پانی میں بھگو کر لایا کچھ پانی اس کے حلق میں ٹپکایا اور کچھ اس کے منہ پر..... میری کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ دس منٹ بعد وہ کراہنے لگا اور مزید پانچ منٹ بعد اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر مسکرانے لگا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے پوچھا وہ مسکراتا رہا۔

''ہمارے پیچھے رانا کے مزید کتنے گرگے لگے ہیں؟'' اس سوال پر بھی وہ مسکراتا رہا۔

''اسے پہچانتے ہو؟'' میں نے زہرہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مسکراتا رہا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''لگتا ہے تمہاری لگائی گئی ضرب نے اس کے دماغ کو متاثر کیا ہے۔''

''کیا یہ پاگل ہو گیا ہے؟'' زہرہ نے لاتعلقی سے کہا۔

''ممکن ہے..... اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو گیا ہو۔''

''لعنت بھیجو اس پر..... یہاں سے چلو۔''

''نہیں مجھے پاگلوں پر رحم آتا ہے۔ بے چارہ کس طرح ساری عمر پاگل پنے میں گزارے گا۔ اس سے بہتر ہے یہ مر جائے۔ میں اسے نہر میں لڑھکا دیتا ہوں۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں کچھ دیر میں ڈوب کر مر جائے گا۔'' میں نے کہا اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھانے لگا۔ اس بار اس نے مسکرانے سے گریز کیا اور مچلنے لگا۔ اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح خود کو چھڑا لے۔ زہرہ ہنسی۔

''میرا خیال ہے، اس کا دماغ درست ہو گیا ہے۔''

میں نے اسے نہر کے کنارے گرایا اور اس کی گردن دبا کر کہا۔ ''میں تمہارے منہ سے کپڑا ہٹا رہا ہوں کوئی چیخ آواز نکلی یا میرے کسی سوال کا جواب نہ ملا تو میں تمہیں نہر میں دھکا دے دوں گا۔ آگے کچھ نہ کچھ عقل تمہارے پاس بھی ہے۔''

''خدا کے لئے۔'' اس نے کپڑا ہٹتے ہی کہا۔ ''مجھے تیرنا نہیں آتا۔ اس طرح میں ضرور ڈوب کر مر جاؤں گا۔''

''ایسا ہی ہو گا اگر میرے کسی سوال کو جواب نہ دیا۔ یہ بتاؤ کہ رانا کے کتنے بندے ہماری تلاش میں ہیں اور کہاں کہاں تلاش کیا جا رہا ہے؟''

''ادھر نہر کے آس پاس ہم تلاش کر رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''سڑک کی طرف پولیس لگی ہے۔''

''بندے کتنے ہیں اور گاڑیاں کتنی ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ادھر تو تین گاڑیاں ہیں، ایک جیپ چھوڑ کر گئی ہے ہمیں۔'' وہ تمام سوالوں کے فرفر جواب دے رہا تھا اگرچہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا لیکن مجھے اس کے لہجے میں سچائی محسوس ہو رہی تھی۔

''نہر کے اس طرف کتنے بندے ہیں..... اسلحہ کون سا ہے ان کے پاس؟''

''سات یا آٹھ بندے ہیں۔ میرے اور قدیرے کے پاس رائفل تھی باقی کے پاس دو تین پستول ہیں اور اتنا ہی اسلحہ اور بندے دوسری طرف بھی ہیں۔''

''یعنی اب رائفل میرے پاس ہے۔''

''دیکھو تم رانا صاحب سے بچ کر نہیں جا سکتے اس لئے بہتر ہوگا خود کو ان کے حوالے کر دو۔''

میں نے اس کا مشورہ نظر انداز کر کے اگلا سوال کیا۔ ''سڑک پر پولیس ہے اگر اس جگہ سے نکلیں تو کس طرف جا سکتے ہیں۔''

''اسے چھوڑو میں بتاتی ہوں۔'' زہرہ نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے یہاں سے نکلنے کا راستہ۔''

''لیکن کیا ہم پیدل جا سکتے ہیں اور کتنی دور جائیں گے..... ان کے پاس گاڑیاں ہیں یہ ہمیں پکڑ سکتے ہیں۔''

''تب ہم کیا کریں؟''

''ہمیں گاڑی کا انتظار کرنا ہوگا۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور قیدی کے منہ پر پھر سے کپڑا باندھ دیا۔ اسے زہرہ کی نگرانی میں چھوڑ کر میں درختوں کے جھنڈ سے باہر آیا۔ دوپہر کے تین بج رہے تھے اور دور دور تک کوئی بندہ بشر یا گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں واپس جھنڈ میں آ گیا جہاں زہرہ اس کے پیٹ میں مسلسل ٹھوکریں مار رہی تھی اور وہ تڑپتے ہوئے بچنے کی کوششیں کر رہا تھا میں نے اسے پیچھے کھینچا۔ ''یہ کیا کر رہی ہو..... ہوش میں ہو؟''

''چھوڑ دو مجھے..... میں ان کتوں کو مار ڈالوں گی۔'' وہ جوشِ غضب سے جامے سے باہر ہو رہی تھی۔ ''یہ اتنے ذلیل اور گھٹیا ہیں کہ اس حالت میں بھی ان کی آنکھوں میں سوائے گندگی کے اور کچھ نہیں ہے۔''

''احمق نہ بنو، اسے مار کر تمہیں کیا ملے گا اور سب سے اہم بات یہ زندگی تم نے خوشی سے قبول کی تھی جسے اپنانے کے بعد تم کسی مرد کی نگاہوں میں عزت اور احترام نہیں پا سکتی ہو۔''

یک دم اس کا جوش و خروش رک گیا تھا اس نے زخمی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ ''کیا تم بھی ان مردوں میں سے ہو؟''

''میں اس فطرت کا آدمی نہیں ہوں۔ میری ماں نے مجھے ہر حال میں عورت کی عزت کرنا سکھایا ہے۔ میرے کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ لوگوں سے ان کی اوقات سے زیادہ توقع مت رکھو۔''

کرتہ اس کے جسم پر بہت ہی ڈھیلا تھا اور جوش میں اس کے شانے سے اتر گیا تھا اسے احساس ہی نہیں تھا لیکن جب وہ حواس میں آ گئی تو اس نے جلدی سے کرتہ درست کیا اور اس کے سارے ہی بٹن بند کر لئے تھے۔ میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں ان دیہاتی مردوں کی فطرت سمجھ رہا تھا۔ زہرہ کے رحم و کرم پر ہونے کے باوجود وہ اس سے خوف زدہ نہیں تھا اور اس نے منہ بند ہونے کے باوجود کوئی اشتعال انگیز حرکت کی ہوگی۔ جس پر زہرہ نے اسے ٹھوکروں سے مارا تھا۔ میں نے اس بار درختوں سے باہر جھانکا تو مجھے گاؤں والی سمت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نقطہ حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ وہ جیپ یا کوئی اور گاڑی تھی جو ابھی خاصی دور تھی۔ میں تیزی سے اندر آیا۔ ''کوئی گاڑی آ رہی ہے ہوشیار ہو جاؤ۔''

''میں کیا کروں؟'' اس نے کہا۔

''تم اس کے پاس رہو اگر یہ ہنگامہ کرے یا کوئی متوجہ کرنے والی حرکت کرے تو بلا تکلف نہر میں دھکا دے دینا۔ مگر بلاوجہ دھکا مت دینا۔''

''مجھے سمجھ آ گئی ہے۔'' اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

میں رائفل لے کر درختوں کے پاس آ گیا۔ آنے والی گاڑی جیپ تھی اور اب کچھ فاصلے پر تھی۔ اس میں سامنے بیٹھے دو افراد بھی نظر آ رہے تھے۔ جیپ نزدیک آ کر رکی اور دونوں افراد کود کر جھنڈ کی طرف بڑھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ..... اردگرد رانا کے کتنے آدمی تھے اور اس جگہ سے کتنے فاصلے پر تھے۔ اگر میں رائفل سے فائر کرتا تو ان تک آواز جاتی۔ ان کے خبردار ہونے سے میرے راستے میں رکاوٹ ہو سکتی تھی اس لئے میں نے فائر کرنے سے گریز کیا۔ ''خبردار۔'' ان کے قریب آنے پر میں نے چلا کر کہا اور درخت کے تنے کی آڑ سے رائفل نکالی۔ ''رک جاؤ ہاتھ اوپر کر لو۔''

وہ رک گئے انہوں نے رائفل کی نال دیکھی اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا اور ہاتھ اوپر کر لئے۔

''زمین پر اوندھے منہ لیٹ جاؤ..... اپنے ہاتھ آگے کی طرف پھیلا لو۔''

اس بار انہوں نے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ گھنی داڑھی اور مونچھوں والا تپے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تو کیا سمجھتا ہے اس طرح بچ جائے گا۔''

''یہ بعد کا مسئلہ ہے۔ تمہارے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔'' میں نے مصلحتاً غلط بیانی سے کام لیا۔ ''تم ان میں اپنا اضافہ نہیں کرنا چاہتے تو جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کرو۔''

میں رائفل بدست درختوں سے نکل آیا۔ ذرا ڈرانے دھمکانے پر وہ مان گئے انہوں نے زمین پر اوندھے منہ لیٹ کر ہاتھ سامنے پھیلا لئے تھے۔ میں نے زہرہ کو آواز دی۔ وہ بھاگی ہوئی آئی۔ ''ان کی تلاشی لو۔'' میں نے اس سے کہا۔ زہرہ نے ان کی تلاشی لی تھی ان کے پاس سے ایک پستول نکلا تھا۔ یہ گھنی داڑھی مونچھوں والے کے پاس سے نکلا تھا۔ رائفل زہرہ کو تھما کر اس بار میں نے ذرا مردانہ انداز میں ان کی تلاشی لی۔ مگر ان کے پاس مزید کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس کے بعد میں نے باری باری ان کی پگڑیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے اور انہیں درختوں میں ڈال دیا۔

اس دوران میں زہرہ نے جیپ کی تلاشی لے لی تھی اس کے عقبی حصے میں پانی کی ایک بوتل اور کپڑے میں لپٹی ہوئی ٹکیاں اور گڑ سے بنی ہوئی ٹکیاں برآمد ہوئیں۔ جب زہرہ نے ان کی برآمدگی کی اطلاع دی تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا کیونکہ مجھے لگ رہا تھا اگر چند گھنٹے اور مجھے کچھ کھانے کو نہ ملا تو میں بھوک سے فوت ہو جاؤں گا۔ کھا پی کر میں نے جیپ کسی نہ کسی طرح درختوں کے اندر چھپا دی اور اس کے بعد ان لوگوں سے معلومات حاصل کرتا رہا تھا۔ نجانے انہوں نے جان بوجھ کر مجھے ڈرانے کی کوشش کی تھی یا یہ سچ تھا۔ بقول ان کے نہ صرف پولیس اور رانا کے آدمی ہماری تلاش میں تھے بلکہ رانا کی طرف سے ہمیں پکڑنے والے کو دس ہزار کے انعام کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اطلان کے بعد اردگرد کے دیہات کے لوگ بھی ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔

صورت حال تشویش ناک تھی۔ لامحدود افرادی قوت سے بچنا محال تھا۔ ساڑھے چار بجتے ہی سورج بڑی سے رو بہ زوال ہوا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ سورج ڈوبتے ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ تاریکی میں ہم کسی قدر محفوظ تھے۔ میرے پاس رائفل اور اس کے دو درجن اضافی شاٹس اور ایک پستول مع ایک اضافی میگزین کے تھا یعنی اسلحے کے لحاظ سے پوزیشن تسلی بخش تھی۔ جیپ کی ٹنکی ڈیزل سے نصف بھری ہوئی تھی اور عقبی حصے میں دس گیلن کا کین بھرا تھا یعنی ایندھن کی بھی کمی نہیں تھی۔

''میرا خیال ہے ہمیں نہر کے ساتھ شمال کا رخ کرنا چاہئے۔'' میں نے ان تینوں کو سنانے کے لئے زہرہ سے کہا۔ ''اس طرف سے ہمیں لاہور جانے والی کوئی نہ کوئی سڑک مل جائے گی۔''

''سڑک ہے۔'' زہرہ میرا مقصد بھانپ کر بولی۔ ''لیکن گاؤں سے بچ کر جانا ہوگا اس کے لئے ہمیں اوپر سے چکر لگانا پڑے گا۔''

''یہ مسئلہ نہیں ہے۔ بس تیاری کرو۔ ہمیں نکلنا ہے۔''

میں نے ان کے منہ باندھنا مناسب نہیں سمجھا تھا اس طرح وہ چلا چلا کر مدد حاصل کر سکتے تھے۔ عین ممکن تھا کہ بندھے منہ کے ساتھ وہ یہیں بھوکے پیاسے بندھے کے مر جاتے۔ سورج ڈوبتے ہی تاریکی نے تیزی سے تسلط قائم کیا تھا۔ میں نے پانی کی بوتل نہر سے بھری کیونکہ آگے جا کر ہم نہر سے جدا ہو جاتے۔ کم سے کم زہرہ نے یہی بتایا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے جیپ کا رخ شمال کی طرف رکھا تھا لیکن کچھ آگے جا کر واپس مڑا اور جھاڑیوں سے ہوتے ہوئے جنوب کا رخ کیا۔ اس جگہ سے نہر جنوب مغرب کی جانب مڑ رہی تھی اور ہمیں جنوب کی طرف جانا تھا۔

''تمہیں راستہ اچھی طرح معلوم ہے ناں..... ایسا نہ ہو ہم صحرا میں بھٹک جائیں۔''

''صحرا آگے بہاولپور اور رحیم یار خان کی طرف ہے۔ تم فکر مت کرو..... پہلوان کے ساتھ میں نے اس علاقے میں سفر کیا ہے۔''

''پکی سڑک کتنی دور ہے اور ہم کس شہر کا رخ کر سکتے ہیں لیکن بڑا شہر کوئی نہیں ہے۔''

''لاہور جانے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟''

''اس طرف سے سڑک مل جائے گی لیکن خطرہ ہے آگے چیکنگ ہوگی۔''

''کوئی اور راستہ۔''

''میرے علم میں نہیں ہے۔'' اس نے کہا پھر خاموش ہو کر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ ''ہاں ایک طریقہ ہو سکتا ہے مزید جنوب کی طرف جائیں تو ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ اس طرف ہمیں سہ سٹہ جانے والی ٹرین مل سکتی ہے۔ وہاں سے لاہور جا سکتے ہیں۔''

''تم نے اچھا طریقہ بتایا ہے۔'' میں نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''ٹرین سے سفر کرنے میں ہم محفوظ رہیں گے۔ تمہیں اسٹیشن کا علم ہے۔''

''ہاں پہلوان کے ساتھ دو بار جا چکی ہوں جب اس نے بہاولپور یا ملتان کی طرف جانا ہوتا تھا تو ٹرین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے سفر کرتا تھا۔''

''پہلوان تمہیں کہاں اور کیسے ملا؟''

''میں قصور کی رہنے والی ہوں۔ وہیں اسکول میں پڑھاتی تھی۔ میرا ابا بھی اسکول ماسٹر تھا۔ پہلوان ایک میلے میں ملا تھا۔ وہاں کچھ اوباش مجھے اور میری ساتھی ٹیچر کو چھیڑ رہے تھے۔ وہ علاقے کے بااثر افراد کی بگڑی ہوئی اولاد تھے۔ اس لئے کوئی انہیں روکنے کے لئے آگے نہیں بڑھا تھا۔ پہلوان بھی وہاں آیا تھا جب ان کی حرکتیں حد سے گزرنے لگیں تو پہلوان نے انہیں روکا اور جب وہ نہ مانے تو مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیا۔''

''یعنی بالکل فلمی انداز تھا۔'' میں مسکرایا۔

''ہاں..... میں نے اسی لمحے دل ہار دیا تھا۔ جب عورت دل ہار جاتی ہے تو اس کے سامنے دنیا کی کوئی دیوار، دیوار نہیں ہوتی ہے۔ کوہ ہمالیہ بھی آئے تو وہ اسے پھلانگ جاتی ہے۔ اس وقت سب کے ساتھ مجھے پہلوان نے بھی سمجھایا تھا اور کوئی چارہ نہ پا کر اس نے یہ راز بھی کھول دیا کہ وہ شادی کے قابل ہی نہیں ہے۔ مگر میں اس کے عشق میں پاگل ہو چکی تھی۔ میں نے اسے دھمکی دی اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میں خودکشی کر لوں گی۔''

''پہلوان مان گیا تھا؟''

''کیسے نہیں مانتا۔'' اس کے لہجے میں غرور تھا۔ ''پھر ایک رات ہم چپکے سے قصور سے نکل گئے۔ راستے میں میرا اور پہلوان کا نکاح ایک مولوی نے پڑھایا تھا۔''

''پہلوان کا ذریعہ معاش کیا تھا؟''

''بھینسیں پالی ہوئی تھیں، بہت بڑا باڑا تھا جو اب بھی ہے۔''

''یعنی پہلوان ایک کھاتا پیتا شخص تھا پھر تم دونوں کو اس گندگی میں اترنے کی کیا ضرورت تھی؟ پہلوان کو تنی ہی ہوس زر تھی تو ڈاکا مارتا، اسمگلنگ کرتا۔''

''نہیں، اسے ہوس نہیں تھی میں نے مجبور کیا تھا۔''

مارے حیرت کے میں دم بخود رہ گیا تھا۔ کیا وہ مرحوم پہلوان کا الزام اپنے سر لے رہی تھی؟ ''تم نے..... کر کیوں.....؟ کیا ہر رات اس طرح نیلامی کی بھینٹ چڑھنا تمہیں اچھا لگتا ہے۔''

''نہیں یہ بات نہیں ہے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کون عورت طوائف بننا پسند کرتی ہے! ڈیڑھ سال تو ہم سکون سے رہ رہے تھے لیکن پھر لوگوں نے پہلوان کو طعنے اور مجھے آوارگی کے پیغامات دینا شروع کر دیئے تھے۔ خاص طور سے رانا خاندان کے مردوں کی نیت شروع سے مجھ پر خراب تھی اور پہلوان طاقتور تھا لیکن ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ طعنوں سے اس کا دل چھلنی کرتے رہتے تھے۔ میں نے پہلوان سے کہا کہ وہ اپنا علاج کیوں نہیں کراتا۔ اس نے بتایا کہ اس نے ہر ممکن جگہ اپنا علاج کرانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کامیابی نہ ہو سکی۔ میں نے اخبار میں لاہور کے ایک ڈاکٹر کا اشتہار دیکھا تھا جو اس قسم کے معاملات میں مہارت رکھتا تھا۔ میں اصرار کر کے پہلوان کو لاہور لے گئی جہاں اس ڈاکٹر نے پہلوان کو چیک کیا اور پھر اس نے کہا کہ پہلوان کا امریکا میں ایک آپریشن ہوگا جس کے بعد یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا لیکن علاج بہت مہنگا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجموعی طور پر اس پر تین کروڑ روپے لگتے۔"

"تین کروڑ روپے جمع کرنے کے لیے پہلوان نے یہ ترکیب سوچی؟"

"نہیں..... پہلوان نے نہیں..... میں نے یہ بات سوچی تھی اور جب میں نے اس سے کہا تو اس نے غصے میں مجھے مار ہی دیا تھا۔"

"پھر مانا کیسے؟"

"میں نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میں اس کے پاس سے بھاگ کر کسی کوٹھے پر جا بیٹھوں گی۔" اس کا لہجہ دکھی ہو گیا "بظاہر دنیا والے پہلوان کو بے غیرت اور دلال تک کہتے تھے لیکن میں جانتی ہوں اندر سے وہ کتنا حساس تھا۔ میری خاطر اس نے ذلت کا یہ گھونٹ بھی پی لیا تھا۔"

میں دنگ رہ جانے میں حق بجانب تھا۔ بے شمار محبت و عشق کے افسانے تھے جن میں محبت کرنے والے ناقابل تصور آزمائشوں سے گزر گئے تھے۔ مگر ایسی آزمائش کا میں نے یا شاید کسی اور نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں ڈرائیونگ کرتا رہا اور اس بارے میں سوچتا رہا۔ جیپ جھاڑیوں اور کھیتوں کے درمیان کچے راستوں سے گزرتی رہی۔ اس علاقے میں بڑے درخت صرف وہیں تھے جہاں پانی وافر مقدار میں میسر تھا۔ جیسے نہروں کا کنارہ۔ باقی جگہوں پر چند فٹ اونچی جھاڑیاں یا گھاس پھونس تھی۔ جنوب کی طرف جاتے ہوئے کہیں کہیں ریت یا بجری کے خشک علاقے بھی آتے تھے۔ زہرہ کو بھی اس اسٹیشن کا درست محل وقوع معلوم نہیں تھا لیکن جنوب کی طرف سفر کر کے ہم ریلوے لائن تک جا سکتے تھے اس کے بعد ریلوے اسٹیشن تک پہنچنا مشکل نہیں تھا۔

دس بجے جیپ کا ایندھن ختم ہونے والا تھا۔ میں نے دس گیلن والا کین جیپ کی ٹنکی میں الٹ دیا۔ چار گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ نے مجھے تھکا دیا تھا لیکن دشمن کی پہنچ سے دور نکلنے کے احساس نے تمام تھکن اتار دی تھی۔ آرام کے اس وقفے میں ہم نے بچی ہوئی میٹھی روٹی کھا کر پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا جو انسان کو ہر حال میں رزق دیتا ہے۔ گیارہ بجے ہم دوبارہ روانہ ہوئے۔ اب تک ہم نے ساٹھ ستر میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا اور ریلوے لائن اب تک نہیں آئی تھی۔ میرے ذہن میں راستہ بھٹک جانے کا خدشہ تھا مگر فی الحال میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ گیارہ بجے تک چاند خاصا بلند ہو چکا تھا اور اس کی مدد سے سمتوں کا پتا چل رہا تھا۔

"جیپ روکو۔" اچانک زہرہ نے کہا۔

میں نے جیپ روک دی۔ "کیا ہوا؟"

"وہ..... مجھے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے جھینپنے والے انداز میں کہا اور جیپ سے اتر کر ایک طرف جانے لگی۔

"دور مت جانا..... روشنی اتنی نہیں ہے۔" میں نے پکار کر کہا اور وہ سر ہلاتی ایک جھاڑی کے عقب میں چلی گئی تھی۔ میں انتظار کرنے لگا اور جیپ کا انجن بند کر دیا۔ اس کا شور رات کے سناٹے میں دور تک صاف سنائی دے رہا تھا۔ علاقہ سنسان لگ رہا تھا اس کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ زہرہ کو گئے ہوئے تقریباً دس منٹ ہو چکے تھے اور میں بے قرار ہو کر اسے آواز دینے والا تھا کہ اس کی لرزہ خیز چیخ سنائی دی۔ میں جیپ سے اتر کر بے ساختہ جھاڑی کی طرف بھاگا۔ جیسے ہی دوسری طرف پہنچا ایک سیاہ لمبی سی شے پھرتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے لہراتی ہوئی نزدیکی جھاڑی میں گھستی نظر آئی۔ زہرہ زمین پر بیٹھی تھی اور اس نے پنڈلی پکڑ رکھی۔

''سانپ۔'' اس نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔ ''اس نے مجھے کاٹ لیا ہے۔''

''ہلنا مت..... ساکت رہو۔'' میں نے کہا اور اسے گود میں اٹھا لیا۔ ''سانس بھی آہستہ لو..... خوف مت محسوس کرو۔''

''میں درد سے مر رہی ہوں۔'' اس نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے اسے لا کر جیپ کے عقبی حصے میں لٹا دیا۔ اس کی پنڈلی سے پتلون کا پائنچہ اوپر کیا۔ خوش قسمتی سے یہ میری پتلون تھی اور اس کا پائنچہ اسے ڈھیلا تھا اس لئے آسانی سے اوپر ہو گیا۔ چاند کی مدھم روشنی کے باوجود اس کی شفاف پنڈلی پر سانپ کے کاٹے کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے۔ دو سوراخوں سے خون کی سیاہ بوندیں نکل کر جم رہی تھیں اور پنڈلی کا یہ حصہ نیلگوں ہو رہا تھا۔ سانپ کے کاٹے کی احتیاطی تدبیر ہم یہاتی لوگوں کو ازبر ہوتی ہیں۔ میں نے پائنچہ اس کے گھٹنے سے اوپر کرنے کی کوشش کی مگر یہاں آ کر پائنچہ تنگ پڑنے لگا تھا۔ وہ درد کے مارے سسکیاں لے رہی تھی۔ مجبوراً میں نے پائنچہ پھاڑ دیا اور اسے ران تک لے گیا۔ اس کے بعد میں نے جیپ کے عقبی حصے میں موجود کیمن کو باندھنے والی رسی کس کر زہرہ کی ران پر باندھ دی۔ سانپ نے گھٹنے سے ذرا نیچے ڈسا تھا۔ اب خون کا اوپر کی جانب سفر ذرا سست پڑ جاتا۔

دوسرے مرحلے میں اس کی پنڈلی سے منہ لگا کر زور سے خون چوسا اور تھوک دیا۔ زہرہ گھبرا گئی تھی اپنی تکلیف بھول کر مجھے منع کرنے لگی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو..... زہر تمہارے جسم میں چلا جائے گا۔''

''فکر مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''سانپ کا زہر منہ میں جانے سے نقصان نہیں کرتا یہ صرف خون میں شامل ہو کر نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔''

''پھر بھی میں اپنی زندگی کے بدلے تمہیں خطرے سے دوچار نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ ذرا اوپر ہو کر بولی۔ اس کے چہرے سے پسینا پھوٹ رہا تھا حالانکہ موسم خاصا خشک تھا۔ ''میں ایسی عورت نہیں ہوں جس کے لئے کوئی اپنی زندگی خطرے میں ڈالے۔''

میں اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے زہر چوستا رہا۔ کاش میرے پاس کوئی تیز دھار آلہ ہوتا تو میں اس کے زخم کو چیرا لگا دیتا تاکہ زیادہ سے زیادہ زہر نکل جاتا۔ جیپ میں ایسی کوئی شے تلاش کے باوجود مجھے نہیں ملی تھی۔

''وہ بڑا سا سیاہ رنگ کا سانپ تھا۔'' میرے پوچھنے پر زہرہ نے بتایا۔ یہ تشویش ناک بات تھی کیونکہ سانپ جتنا بڑا ہوتا ہے اس کے اندر اتنا ہی زہر پایا جاتا ہے۔ سانپ کے دونوں دانتوں کے درمیانی فاصلہ زیادہ تھا، یہ بھی اس کے بڑے ہونے کی نشانی تھی۔ میں نے زہرہ کو احتیاط سے اگلی نشست پر بٹھایا۔ ''اپنے حواس قابو میں رکھو اور جاگنے کی کوشش کرتی رہو۔''

اس نے سست روی سے سر ہلایا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس پر سانپ کا زہر اثر انداز ہو رہا تھا۔ اچانک میری نظر جیپ کے سائیڈ کے آئینے پر پڑی۔ میں نے پتھر اٹھا کر اس پر مارا اور اس کا ایک ٹکڑا لے کر زہرہ کی پنڈلی کے زخمی والی جگہ چبھو دیا۔ شیشے نے کٹ لگایا اور اس جگہ سے تیز رفتاری سے خون بہنے لگا تھا۔ خون کا رنگ بھی سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ زہرہ نے پاؤں جیپ سے باہر لٹکا دیا تھا کہ خون جیپ کے فرش کو گندا نہ کرے۔ پاؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیچے کرنے سے خون کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد خون بہنے کی رفتار میں کمی آ گئی تھی اور اس کا رنگ بھی سرخی مائل ہو گیا تھا۔ یعنی پنڈلی میں موجود زہر کا بیشتر حصہ نکل گیا تھا۔ رفتہ رفتہ خون رک گیا۔ میں نے جھاڑی سے پتے توڑ کر اس کا پاؤں صاف کیا۔ اتنا خون بہہ جانے کے بعد وہ نڈھال نظر آنے لگی تھی۔ اسے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت تھی اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ہم کسی آبادی تک جا پہنچیں۔ میں نے جیپ پوری رفتار سے چلانا شروع کر دی کچھ دیر بعد زہرہ نے سیٹ کی پشت سے سر لگا لیا تھا۔ اس پر غنودگی چھا رہی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ سے اسے جھنجھوڑا۔

"زہرہ اٹھو..... جاگنے کی کوشش کرو۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے غنودہ سی آواز میں کہا۔

"زہرہ سو گئیں تو پھر ہوش نہیں آئے گا، جاگتی رہو۔"

اس نے میری طرف دیکھا اور پھیکے سے انداز میں ہنسی۔ "پہلوان کے بعد زندگی بے کار سی لگنے لگی ہے۔ خدا کرے اسی بہانے ہمیشہ کی نیند سو جاؤں۔"

"زندگی خدا کی امانت ہے جب اس کی مرضی ہوتی ہے تو لیتا ہے۔" میں نے اسے باتوں میں الجھانا شروع کر دیا۔ "ٹھیک ہے پہلوان تمہاری محبت اور تمہارا شوہر تھا لیکن اس کے مرنے سے دنیا ختم نہیں ہوئی ہے۔"

"میری تو ختم ہو گئی۔"

زہرہ ابھی تم نوجوان ہو..... خوب صورت ہو تمہیں زندگی کا دوسرا ساتھی مل سکتا ہے۔"

"کون کرے گا مجھ سے شادی۔" وہ تلخی سے بولی۔ "وہ جو مجھ سے واقف ہیں یا میں کسی کو دھوکا دوں جو کبھی نہ کبھی کھل جائے گا۔"

"دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہے تم اس علاقے سے چلی جاؤ..... مجھے یقین ہے ایک نئی زندگی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"زندگی یا موت۔" وہ ہنسی۔ "اب تو مجھے نئی زندگی موت کی صورت میں نظر آ رہی ہے۔"

"یہ صرف مایوسی ہے ورنہ تمہارے مرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دیکھو، سانپ کا بیشتر زہر میں نے چوس لیا تھا اور باقی خون کے ساتھ نکل گیا جو معمولی سا رہ گیا ہے وہ نقصان دہ نہیں ہے اور تم جاگتی رہو تو زیادہ سے زیادہ ایک دو دن میں اس کے اثرات بھی ختم ہو جائیں گے۔"

باتیں کرنے سے وہ قائل ہوئی یا نہیں اس کی غنودگی ختم ہو گئی تھی۔ میں نے پانی کی بوتل اسے دی۔ "اس سے اپنے چہرے پر چھینٹے مارتی رہو۔"

اس نے خاموشی سے بوتل لے لی۔ میں نے جیپ کی روشنیاں گل کر دی تھیں تاکہ ریلوے لائن دور سے نظر آ جائے لیکن ریلوے لائن اس وقت نظر آئی جب جیپ اس کے بالکل سامنے جا پہنچی تھی۔ میں خوشی سے اچھل پڑا۔ "زہرہ دیکھو ریلوے لائن مل گئی اب ہمیں کس طرف جانا ہے؟"

زہرہ کا سر آگے جھکا تھا اس نے بمشکل سر اٹھایا۔ "دائیں طرف۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے پھر نیند آ رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دینے کے لئے جھوٹ بولا تھا ورنہ میرے خیال میں سانپ کا زہر خاصی مقدار میں اب بھی اس کے جسم میں تھا اور اسے علاج کی ضرورت تھی۔ میں نے جیپ دائیں طرف موڑ دی۔ "جاگتی رہو..... زہرہ..... پانی پیو..... جتنا پانی پی سکتی ہو۔"

اس نے بمشکل بوتل منہ سے لگا کر کچھ پانی پیا بیشتر اس پر گر گیا۔ میں نے اس سے بوتل لے کر رکھ دی اور بائیں ہاتھ سے اس کا گال زور سے تھپتھپایا۔ وہ چونکی۔ "مجھے کیوں مار رہے ہو؟"

"میں مار نہیں رہا، جگا رہا ہوں۔"

"مجھے سونے دو۔" اس نے غنودہ سی آواز میں کہا۔

"سوئیں تو ہمیشہ کے لئے سو جاؤ گی۔" اس بار میں نے اس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑے۔ تکلیف سے اس کے منہ سے کراہ نکل گئی تھی۔ میں نے پھر بال جھنجھوڑے۔

"ظالم۔" وہ چیخی۔ مگر دھیمی آواز میں، اس میں بلند آواز سے بولنے کا حوصلہ بھی نہیں تھا۔

ایک موقع پر دشوار راستے کی وجہ سے میں جیپ کو ریلوے لائن سے ذرا دور لے گیا۔ میری کوشش تھی کہ ریلوے لائن سے دور نہ نکلوں۔ جیسے ہی لائن کے ساتھ ناہموار حصہ ختم ہوا میں پھر ریلوے لائن کے ساتھ آ گیا۔ میں مشکل سے چند منٹ کے لئے زہرہ سے بے خبر رہا تھا اور جب میں نے اسے دیکھا تو وہ سو چکی تھی۔ میں نے اس کے بال جھنجھوڑے، اسے تھپڑ مارے لیکن اس کی نیند نہیں ٹوٹی۔ بس وہ بے ہوشی کے عالم میں کراہ کر رہ گئی۔

اس بار میں نے اسے جگانے کی مزید کوشش کرنے کے بجائے جیپ کو ہر ممکن تیزی سے آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ میں جلد از جلد ریلوے اسٹیشن تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ جہاں ریلوے اسٹیشن تھا وہاں کوئی نہ کوئی ڈاکٹر یا دیسی معالج مل جاتا۔ ایک بج چکا تھا۔ رات کی تاریکی میں ناہموار راستے پر میں پچاس پچپن کی رفتار سے جیپ چلا رہا تھا۔ جب کوئی جھٹکا لگتا تو مجھے زہرہ کو بھی سنبھالنا پڑتا تھا۔ وہ ہوش و حواس سے قطعی بیگانہ ہو چکی تھی۔ ایک بار چند لمحے کے لئے جیپ روک کر میں نے اس کی نبض اور دل کی دھڑکن چیک کی جو خاصی غیر متوازن تھی۔ نبض رفتار سست ہو رہی تھی۔

سانپ کا زہر دو طرح سے انسان پر اثر کرتا ہے۔ ایک قسم کا زہر خون کے سرخ اور سفید ذرات کو متاثر کر دیتا ہے۔ نتیجے میں خون جمنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے اور جریان خون شروع ہو جاتا ہے۔ یہ زہر خطرناک ہوتا ہے لیکن آدمی کے مرنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ دوسری قسم کے زہر کے اثر سے دماغ کا وہ حصہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے جو تنفس یعنی سانس کے نظام اور دل کی دھڑکن کو قابو کرتا ہے۔ نتیجے میں آدمی کا سانس رک جاتا ہے۔ دل بند ہو جاتا ہے اور شکار چپکے سے موت کی وادی میں اتر جاتا ہے۔ اس زہر کے شکار کو نیند آنے لگتی ہے اور اگر وہ سو جائے تو بچنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ زہرہ کو اسی قسم کے زہر کے حامل سانپ نے کاٹا تھا۔ وقفے وقفے سے میں اسے جھنجھوڑتا رہا تھا۔ اس کی بے ہوشی نما نیند میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دو دفعہ میں نے رک کر اس کے دل کی دھڑکن اور نبض کی حالت دیکھی اور دونوں کو ہر بار زیادہ خراب پایا تھا۔ اس کا سانس بھی رک رک کر آنے لگا تھا۔

میں ہر ممکن تیزی سے جیپ ڈرائیو کر رہا تھا وقت اور زہرہ کی زندگی رفتہ رفتہ میرے ہاتھوں سے پھسل رہی تھی۔ اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں تھا سوائے انسانیت کے۔ ہاں وہ میری محسن تھی اس نے میری جان بچائی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ورنہ رانا کے گرگے مجھے مار چکے ہوتے۔ میں اسے یوں مرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ریلوے لائن سے دونوں جانب دور تک تاریکی اور ویرانہ تھا میں نے اب تک کسی آبادی کے آثار نہیں دیکھے تھے۔ مگر ایک بار جب میں ایک نالے کو عبور کرنے کے لئے ریلوے لائن سے ذرا دور آیا تو مجھے نالے سے ذرا فاصلے پر ایک بلند جگہ روشنی نظر آئی تھی۔ میں نے جیپ کا رخ اس روشنی کی طرف کر دیا۔ بے شک وہاں چور ڈاکو ہوتے لیکن میں ان سے کسی آبادی کا پتا تو پوچھ سکتا تھا۔ جیپ ٹیلے کے نیچے رکی۔ میں نے زور سے آواز دی۔ ''کوئی ہے..... مدد چاہئے۔''

ٹیلے کے اوپر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ''کون ہے..... کون ہے کیا بات ہے؟'' کسی نے بھاری لہجے اور مقامی زبان میں کہا تھا۔

''مجھے مدد چاہئے..... میری بیوی کو سانپ نے ڈس لیا ہے..... وہ بے ہوش ہے۔''

''اوہ'' اوپر سے کسی نے کہا تھا۔ ''اسے جلدی سے اوپر لے آؤ۔''

مجھے جلدی تھی لیکن اوپر جانے سے پہلے میں نے رائفل اور پستول ساتھ لئے تھے پھر زہرہ کو گود میں لے کر چاند کی ہلکی سی روشنی میں اوپر پہنچ گیا۔ یہ خاصا دشوار کام تھا جو میں نے کسی نہ کسی طرح کر لیا تھا۔ اوپر پہنچتے ہی ایک دھوتی پوش ہیولے سے میرا سامنا ہوا۔ اس کا بالائی جسم ننگا تھا اور اس نے گلے میں بے شمار مالائیں ڈال رکھی تھیں۔ روشنی الاؤ سے ہو رہی تھی اس نے میری رہنمائی کی۔ ''ادھر..... ادھر لے آ..... یہاں چٹائی پر لٹا دے۔''

''تم کون ہو؟'' میں نے زہرہ کو چٹائی پر لٹانے کے بعد پوچھا۔

''ہم ملنگ لوگ ہیں۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔ ''تیری بیوی کو سانپ نے کہاں کاٹا ہے؟''

''تم کیا کر سکتے ہو.....! ڈاکٹر کہاں سے ملے گا؟''

''ادھر بارہ میل جنوب میں ریلوے اسٹیشن ہے..... ڈاکٹر بھی اُدھر ملے گا پر یہ اُدھر جاتے جاتے مر جائے گی۔ اس کی حالت دیکھو۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا زہرہ کی سانس اکھڑ رہی تھی اور وہ کچھ دم کی مہمان لگ رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر اس سے کہا۔ ''تم کچھ کرو..... ورنہ یہ مر جائے گی۔''

الاؤ کی روشنی میں اس کی بدہیئت صورت نمایاں تھی۔ سرخ آنکھیں اور چہرے کا بیشتر حصہ بالوں سے پوشیدہ تھا۔ البتہ جسمانی طور پر وہ مضبوط لگ رہا تھا۔ اس نے حلیہ بھی ملنگوں جیسا بنا رکھا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس سے کراہت آئی تھی اس کے باوجود میں اس سے مدد مانگنے پر مجبور تھا۔ اس نے غور سے زہرہ کو دیکھا اور پھر مجھ سے بولا۔ ''ملنگ علاج کر سکتا ہے پر شرط ہے جیسا بولوں ویسا کرنا پڑے گا۔ انکار کیا تو علاج نہیں ہوگا۔''

''مثلاً کیا بولو گے؟''

''دیکھ تو اس کا شوہر ہے پر میں علاج کرنے والا ہوں..... اس لئے کہہ رہا ہوں..... ڈاکٹر بھی کچھ نہیں چھپاتے۔''

''تم شرطیں منوانے کے بجائے اس کا علاج شروع کرو۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔ ''علاج کے لئے تمہیں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے، پہلے اس کے تمام کپڑے اتار دے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے ساختہ میں نے پستول نکال لیا۔ ''خبیث حرامزادے۔''

''بابا..... ملنگ علاج کے لئے کہہ رہا ہے۔'' اس نے جلدی سے ہاتھ بلند کر دیئے۔ ''اگر نہیں..... تو تمہاری مرضی۔''

میں بہرحال زہرہ کو بچانا چاہتا تھا۔ ''سن، اگر میں نے محسوس کیا کہ تُو نے کوئی شرارت کی تو پوری بارہ گولیاں جسم میں اتار دوں گا۔''

''میں ملنگ ہوں..... ایسی حرکت نہیں کرتا..... پراب دیر نہ کر۔''

واقعی وقت نہیں تھا۔ میں نے بادل نخواستہ زہرہ کا لباس اتار دیا۔ اس دوران ملنگ اپنے جھونپڑے میں جا چکا تھا۔ یہ کام کرتے ہوئے میں نے فیصلہ کر لیا تھا اگر ملنگ نے بدمعاشی کی یا زہرہ کو بچانے میں ناکام رہا تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ وہ کچھ دیر بعد اندر سے آیا۔ میں نے قمیص زہرہ کے اوپر ڈال دی تھی لیکن اس نے اسے بھی ہٹا دیا اور پھر ایک مرتبان سے کوئی چیز نکال کر اس کے جسم پر لیپ کرنے لگا۔ میں یہ سب دیکھنے پر مجبور تھا لیکن اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے میں سمجھ سکتا کہ وہ اپنے سفلی جذبات کی تسکین کر رہا تھا ایک منٹ سے بھی کم وقت میں اس نے گردن سے پاؤں تک اس کے جسم پر لیپ کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایک اور مرتبان اس کے پاس رکھ دیا اور مجھ سے کہا۔ ''صاحب اس کے منہ پر کس کے یہ کپڑا باندھ دو۔'' اس نے ایک جھیلی نما کپڑا میرے حوالے کیا تھا۔ ''اتنا کسنا کہ کوئی مکھی بھی اندر نہ جا سکے۔''

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''کم سے کم دس قدم دور چلا جا۔''

اس بار بھی میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے دوسرے مرتبان کا ڈھکن ایک چھڑی سے ہٹایا اور طرد بھی پھرتی سے میرے پاس آ کھڑا ہوا۔ مرتبان خاصا بڑا تھا۔ کوئی دو فٹ اونچا اور ایک فٹ قطر کا۔ ''اس میں کیا ہے؟''

''ابھی دیکھ..... چپ رہنا۔''

کوئی شے مرتبان کے سرے پر حرکت کر رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک سیاہ رنگ کی خاصے بڑے سائز کی چھپکلی نما شے مرتبان سے نکلی اس نے سر اٹھا کر گویا فضا میں سونگھا اور ایک عجیب سی آواز نکالتی زہرہ کی طرف لپکی میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا لیکن ملنگ نے میرے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور سرگوشی میں بولا۔ ''حرکت نہ کر..... چپ چاپ دیکھتا رہ۔''

دیکھتے ہی دیکھتے چھپکلی زہرہ کے جسم پر چڑھ گئی کچھ دیر وہ اسے جیسے سونگھتی رہی پھر اچانک اس نے منہ کھول کر زہرہ کے جسم سے لگا دیا۔ میں اسے دیکھنے میں اتنا مگن تھا کہ مجھے پتا ہی نہ چلا کہ مرتبان سے ایسی چار اور چھپکلیاں نکل کر زہرہ کی طرف آئیں اور انہوں نے بھی اس کے جسم کے مختلف حصوں سے منہ لگا دیئے تھے۔

''یہ کیا بلائیں ہیں؟'' میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

''چپ..... یہ اس کے جسم سے زہریلا خون چوس رہی ہیں۔ اس کے اثر سے یہ جاگ جائے گی۔''

''یہ چھپکلیاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں..... لیکن خاص نسل کی۔ جونک جیسی ہوتی ہیں۔ جسم سے چمٹ جائیں تو رستم زماں بھی الگ نہیں کر سکتا، خود ہی خون پی کر الگ ہوتی ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ چھپکلیوں کا حجم بڑھ رہا تھا۔ یہ سچ مچ جونک جیسی خصوصیات رکھتی تھیں۔

"یہ بس چھ سات ہی ہیں؟"

"ہاں..... اتنی بھی بڑی مشکل سے ملی ہیں..... انہیں پکڑنا آسان نہیں ہے۔"

"تمہیں یقین ہے میری بیوی بچ جائے گی۔"

"یہ تو اوپر والے کی مرضی ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا تو میں نے پستول اس کے سر سے لگا دیا۔

"ملنگ بابا ایسا مت کہو..... میں نے بڑی کڑی شرط مانی ہے تمہاری..... اب ادھر دیکھنا بند کرو اور خدا سے دعا کرو کہ میری بیوی بچ جائے۔ ورنہ اس کے ساتھ تمہیں بھی مرنا ہوگا۔"

میرے لہجے میں ایسی سرد مہری تھی کہ وہ لرزنے لگا۔ اس نے اپنا رخ جلدی سے دوسری طرف کر لیا اور گڑگڑانے لگا۔ "میں تو صرف کوشش کر سکتا ہوں۔"

"کوشش کے بچے..... مجھے کیا پتا..... میری بیوی کے علاج کے بہانے تم اس مکروہ مخلوق کو اس کا خون پلا رہے ہو۔"

"نہیں..... اوپر والے کی قسم..... یہ صرف زہریلا خون چوسیں گی اور پھر زہر کے اثر سے بے ہوش ہو کر خود اس سے الگ ہو جائیں گی۔"

"اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"اوپر والے کی مرضی ہوئی تو تیری بیوی بچ جائے گی۔"

"اور نہ بچی تو اس کے ساتھ ہی اپنی قبر بھی تجھے کھودنا پڑے گی میں صرف مٹی ڈالنے کی زحمت کروں گا۔" میں نے پستول لہرا کر کہا تھا۔

میرے لہجے میں موجود عزم نے اسے لرزا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ میں نے تو اپنی طرف سے پُن کیا تھا..... اسے میرا پاپ کیوں بنا رہے ہو۔"

"میں پاپ اور پُن کے الفاظ پر چونکا۔" تم ہندو ہو..... خبیث..... خود کو مسلمان ظاہر کر کے دھوکا دے دیتے ہو۔"

"نہیں..... میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ اپنا نام بھی نہیں بتایا۔"

واقعی غلطی میری تھی میں نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا ہی نہیں تھا۔ "بہرحال، تم جو بھی ہو میری بیوی نہ بچی تو تم بھی نہ بچو گے۔"

میں نے پلٹ کر زہرہ کی طرف دیکھا اس کے جسم سے لپٹی چھپکلیاں اپنے اصل سائز سے دگنا ہو گئی تھیں میں نے تشویش سے دیکھا۔ کیا ان جونکوں نے زہرہ کا سارا ہی خون چوس لیا تھا۔ کہیں وہ خون کی کمی سے نہ مر جائے۔ میں نے اس جعلی ملنگ کو گردن سے پکڑ لیا۔ "یہ جونکیں اس کا سارا خون پی جائیں گی..... انہیں الگ کرو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں..... کیا کوئی بھی نہیں الگ کر سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ خود ہی الگ ہوں گی اس سے۔''

''اور اس دوران میں یہ اس کا سارا خون پی جائیں گی۔'' میں چلایا۔

''نہیں..... انسان کے شریر میں بہت خون ہوتا ہے۔''

اچانک ایک جونک زہرہ کے جسم سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑی۔ وہ بے حس پڑی تھی۔ اس کے چند لمحے بعد دوسری جونک نما چھپکلیاں زہرہ کے جسم سے الگ ہو کر بے حس و حرکت پڑی تھیں دو تو اس کے جسم پر ہی ساکت تھیں مگر زہرہ بھی ساکت تھی۔ اس کے سینے کا خفیف سا زیر و بم بتا رہا تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔ ملنگ بدستور دوسری طرف منہ کئے کھڑا تھا۔ میرے خوف سے وہ زہرہ کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے پتا نہیں تھا کہ اس کی جونکیں زہرہ کے جسم سے الگ ہو چکی ہیں۔ میں نے قریب جا کر ایک جونک کو رائفل کی نال سے ہلایا مگر وہ بدستور بے سدھ پڑی رہی تھی۔ اچانک زہرہ کے کراہنے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ میں نے تیزی سے اس کے اوپر سے چھپکلی نما جونکیں بھی اس سے دور پھینک دیں۔ میں نے قمیص اس پر ڈال دی اور ملنگ سے کہا۔

''اس چیز کو یہاں سے ہٹاؤ۔''

ملنگ تیزی سے آیا۔ اس نے مسرت سے کہا۔ ''میں نے کہا تھا..... ابھی دیوی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''خدا کے لئے ان چھپکلیوں کو ہٹاؤ ورنہ دیوی نے انہیں دیکھ لیا تو اس کا ویسے ہی انتقال ہو جائے گا۔''

اس نے جلدی جلدی سے جونکیں اٹھا کر مرتبان میں ڈالیں اور اس کا ڈھکن بند کر کے جھونپڑی میں لے گیا۔ میں نے جلدی سے زہرہ کو لباس پہنایا۔ اگرچہ یہ خاصا مشکل مرحلہ ثابت ہوا مگر میں کسی نہ کسی طرح اس مرحلے سے گزر گیا تھا۔ زہرہ سر ہلا رہی تھی اور کبھی کبھی کراہتی بھی تھی۔ میں نے ملنگ سے کہا۔ 'تمہارے پاس پانی ہے تو لے آؤ۔''

''نہیں پانی نہیں..... اسے کچھ اور دینا ہے..... میں لے کر آتا ہوں۔''

کچھ دیر بعد وہ ایک کٹورے میں دودھیا مائل سبز محلول لے کر آیا۔ ''دیوی کو یہ پلانا ہے۔'' اس نے کٹورا میری طرف بڑھا دیا۔

''ہوش میں آنے کے بعد؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں ابھی چمچے سے پلانا شروع کر دو۔''

کٹورے میں المونیم کا میلا سا چمچہ تھا۔ میں نے زہرہ کا منہ ہاتھ سے کھولا اور محلول چمچے سے اس کے منہ میں ٹپکانا شروع کر دیا۔ جونکوں کے خون چوسنے کے بعد حیرت انگیز طور پر زہرہ کی حالت خاصی سدھر گئی تھی۔ سانس ہموار سی آ رہی تھی۔ دل کی دھڑکن کسی قدر سست تھی لیکن اس میں روانی آ گئی تھی۔ جیسے جیسے محلول اس کے منہ میں جا کر جسم میں اتر تا رہا اس کے چہرے کی نیلگوں رنگت بھی بحال ہوتی چلی گئی تھی۔ اس میں سرخی جھلکنے لگی تھی۔ نصف کے قریب محلول پی کر اسے ہوش آ گیا تھا۔

''میں کہاں ہوں؟'' اس نے نقاہت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''فکر مت کرو اب تم ٹھیک ہو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''یہ محلول پیو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کیا ہے؟'' اس نے ذرا سا اٹھ کر پیالے کو دیکھا۔

''ایک دوا ہے۔ اس کے اثر سے تمہیں ہوش آیا ہے۔''

میں نے سوچا کہ فی الحال اسے جونکوں کے بارے میں نہ بتایا جائے۔ ''اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''تکلیف نہیں ہے..... بس ہلکی سی نیند محسوس ہو رہی ہے۔''

''یہ محلول پی لو تو نیند بھی غائب ہو جائے گی۔''

اس نے اٹھ کر کٹورے سے محلول پیا اور اس کا ذائقہ یقیناً بہتر تھا ورنہ زہرہ اسے ایک سانس میں نہیں پی جاتی۔ پھر اس نے اپنا معائنہ کیا۔ غالباً اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کے لباس کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ ہوئی ہے۔ ''وہ میرے کپڑے.....؟''

''میں تمہیں گود میں اس جگہ اٹھا کر لایا ہوں اس وجہ سے کپڑے بے ترتیب ہو گئے اور تم جانتی ہو میں نے اب تک تمہیں غلط نظر سے نہیں دیکھا ہے۔''

''نہیں..... نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''تم پر مجھے خود سے زیادہ اعتبار ہے۔''

''بہرحال اس شخص کے سامنے خود کو میری بیوی ظاہر کرنا۔'' میں نے جھونپڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں نے اسے یہی بتایا ہے۔''

''کون ہے یہ؟'' زہرہ نے جھونپڑی کے دروازے پر کسی بھوت کی طرح کھڑے ملنگ کی طرف دیکھا۔

''خدا جانے..... ہندو ہے..... اس نے تمہارا علاج کیا ہے۔''

''یہ کیسی دوا ہے جس سے سانپ کے زہر کا اثر ختم ہو گیا۔''

''یہ بھی مجھے نہیں معلوم..... لیکن جب تمہیں یہاں لایا تو تمہاری حالت اچھی نہیں تھی لیکن اس نے کمال کر دیا۔''

''میرے جسم میں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے شکایت کرتے ہوئے جسم کے ان حصوں کو دبایا جہاں چھپکلی نما جونکوں نے دانت گاڑے تھے۔

''شاید یہ زہر کا اثر ہے۔'' میں نے اس کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا۔

زہرہ اٹھ بیٹھی تھی اس نے چاروں طرف دیکھا اور سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''یہاں سے چلو..... مجھے اس جگہ ڈر لگ رہا ہے۔''

خود میرا بھی یہی حال تھا۔ زہرہ کی حالت حیرت انگیز طور پر بہتر ہوئی تھی اور وہ سفر کر سکتی تھی۔ میں نے رانا کے گرگوں سے مالِ غنیمت میں حاصل کئے روپوں میں سے ایک ہزار روپے نکالے اور ملنگ کو آواز دی وہ دوڑا ہوا آیا تھا۔ ''حکم سرکار۔''

''یہ رکھ لو..... فی الحال اتنے ہی ہیں۔ ورنہ زیادہ دیتا۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔''

اس نے بے حد سفید دانت نکالے اور نوٹ لے لئے۔ ''سرکار کی عنایت ہے۔''

''اب ہمیں جانا ہے، یہ بتاؤ ریلوے اسٹیشن کتنی دور ہے؟''

''اس طرف لائن کے ساتھ چلے جاؤ۔ بارہ میل بعد اسٹیشن ہے۔'' اس نے ریلوے لائن کی طرف اشارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔

''اب میری بیوی کی طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے سرکار..... بس ایک دو دن کمزوری رہے گی۔''

وہ ہمیں ٹیلے کے نیچے تک چھوڑنے آیا تھا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی لیکن میرا دل نہ چاہا کہ اس غلیظ شخص سے کھانے کو مانگوں۔ ریلوے اسٹیشن پہنچ جاتے تو کھانے کو کچھ نہ کچھ مل جاتا۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور احتیاط سے ریلوے لائن کے نزدیک جانے لگا۔ یہ سارا علاقہ ندی نالوں سے پٹا پڑا تھا اس کی وجہ سے مجھے بار بار جیپ لائن سے دور لے جانی پڑتی تھی اور بعض مقامات پر نالا عبور کرنے کے لئے خاصا سفر کرنا پڑتا تھا۔ صبح چار بجے بھی ہم مشکل سے سات آٹھ میل آگے جا سکے تھے اور ڈیزل ختم ہونے کے قریب تھا۔ میں نے ایک ندی عبور کی جس میں فی الحال پانی نہیں تھا اور جیپ رک گئی۔ زہرہ جیپ میں نڈھال لیٹی تھی۔

''اب پیدل چلنا ہوگا۔''

''مجھ میں تو ہمت نہیں ہے۔''

''میں سہارا دوں گا۔''

''تم میرے لئے اتنا کیوں کر رہے ہو.....؟ مجھے اس جگہ چھوڑ جاؤ۔''

''میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''شہباز تم اپنے راستے پر جاؤ..... میرے مقدر میں جو ہوگا وہ بھگت لوں گی۔ ویسے بھی ساری عمر تو مجھے ساتھ نہیں رکھو گے۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔ ''ہمارا یہ ساتھ عارضی ہے۔''

''ہاں..... لیکن میں تمہیں اس ویرانے میں بے بس حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ جب تک میں تمہیں محفوظ مقام تک نہ پہنچا دوں۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ آؤ جیپ سے اترو۔''

وہ سُست روی سے نیچے آئی۔ میرا سہارا لے کر چند قدم چلی۔ پھر اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے نہیں چلا جا رہا۔ میں بہت کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔''

''بس ریلوے لائن تک ہمت کر لو۔ اس کے بعد میں تمہیں اٹھا لوں گا۔ میرے خیال میں دو تین میل کا فاصلہ باقی رہ گیا ہے۔''

میں اسے سہارا دے کر ریلوے لائن تک لایا۔ اس کا بیشتر بوجھ مجھ پر تھا اس کے باوجود اس کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا تھا۔ ''شہ..... باز..... اب مجھ سے نہیں..... چلا جا رہا ہے۔''

''بس تم فکر مت کرو۔'' میں نے بیٹھ کر اسے پیٹھ پر سوار کر لیا۔ اس کے وزنی جسم کو آسانی سے اور دیر تک اٹھانے کا یہی طریقہ تھا۔ قد اس کا ساڑھے پانچ فٹ کے قریب تھا اور جسم خاصا بھرا بھرا تھا۔ خاص طور سے ان امات سے، جہاں عام طور سے خواتین کے جسم بھاری ہوتے ہیں۔ میرا اندازہ تھا اس کا وزن پینسٹھ..... کلوگرام ے کم نہیں تھا۔ اگرچہ اپنی پتلی کمر کی وجہ سے وہ ہلکی پھلکی لگتی تھی۔ خدا گواہ ہے اس پورے سفر کے دوران میرے ن میں اس کے بارے میں ایک بھی غلط خیال نہیں آیا تھا۔ حالانکہ گزشتہ چوبیس گھنٹے میں، میں نے اسے ہر ، میں دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی مرد کو نہیں بلکہ ایک مقدس کتاب کو پشت سے چپکی ہوئی تھی۔ مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا کہ وہ ایک دلکش عورت ہے۔ اس نے اپنی بانہیں عقب میں میرے گلے میں ڈال رکھی تھیں اور سر میرے کندھے سے ٹکا رکھا تھا۔

شکر ہے اس ریلوے لائن پر انگریزوں کے زمانے کے لکڑی کے چوڑے تختے لگے ہوئے تھے۔ ان پر پاؤں رکھ کر سفر کرنا آسان تھا آج کل سیمنٹ اور لوہے سے تیار کردہ راڈز لگی ہوتی ہیں جن پر پاؤں رکھ کر سفر کرنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ دیودار کے فٹ بھر چوڑے تختے برسوں گزر جانے اور موسموں کے سرد و گرم جھیلنے کے باوجود روئی کے بالوں کی طرح مضبوط تھے۔ جبکہ ہزاروں ٹن وزنی ٹرینیں ان سے گزر چکی تھیں۔ میں لائنوں پر لگے تختوں نے ان سے بھی زیادہ وزن برداشت کیا ہے۔

میں اس کو پشت پر لادے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اس کے پیر تھامے احتیاط سے تختوں پر قدم جماتا چل رہا تھا۔ سامنے صرف اس وقت دیکھتا جب سانس درست کرنے کے لئے رکتا تھا۔ پانچ بج رہے تھے اور چاند غروب ہو جانے سے ماحول بھی تاریک ہو رہا تھا۔ بس کچھ ستاروں کی روشنی تھی۔ ایک بار میں نے ستانے کے لئے سامنے دیکھا تو دم بخود رہ گیا۔ ریلوے اسٹیشن کا پلیٹ فارم مجھ سے بمشکل سو فٹ کے فاصلے پر تھا اور اس کے وسط میں آفس کے سامنے لگے ہوئے کیروسین لیمپ کی روشنی صاف نظر آ رہی تھی۔ مجھے خبر ہی نہیں ہوئی تھی کہ کب ہم ریلوے اسٹیشن تک آ پہنچے تھے۔ میں نے زہرہ کے پاؤں ہلائے۔

''اٹھ جاؤ ہم ریلوے اسٹیشن تک آ گئے ہیں۔''

''وہ چونکی۔ ''آں..... ہاں..... سچ۔''

''سامنے دیکھو۔'' میں نے سر سے اشارہ کیا۔ ''اب اتر جاؤ بہت سواری کر لی ہے۔''

''میں تو نہیں اتر رہی۔'' اس نے ضد آمیز شرارت میں کہا۔ ''مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ تمہاری پیٹھ پر اتنا مزہ آئے گا، میں تو سو گئی تھی۔''

''مزے کا مجھ سے پوچھو۔'' میں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ ''تمہارا اپکا سوا دو من کا وزن اٹھا کر تین میل سے آ رہا ہوں۔''

''وہ میری پشت سے اتر آئی۔ ''اتنی وزنی نہیں ہوں میں۔''

ریلوے اسٹیشن دیکھ کر اس کے اندر بھی توانائی آ گئی تھی۔ ہم پلیٹ فارم پر واقع عمارت کے پاس آ گئے۔ یہ خاصی پرانی عمارت تھی۔ سامنے کی طرف تین دروازے سے تھے ایک طرف چھوٹا سا لیٹرین اور اس کے ساتھ منہ ہاتھ دھونے کے لئے ہینڈ پمپ لگا تھا۔ اس کے پاس کچی مٹی کے گھڑے اور گلاس رکھے تھے۔ میں نے اور زہرہ نے پہلے پانی پیا۔ گھڑے کا پانی صاف اور ٹھنڈا تھا۔ اس کے بعد ہینڈ پمپ چلا کر دل بھر کر منہ ہاتھ دھویا۔ یہ پانی ہلکا سا گرم تھا جو سردی کی آمد کی نشانی تھی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' زہرہ نے منمنا کر کہا۔

''فی الحال تو یہاں کوئی بندہ نظر نہیں آ رہا۔'' میں نے چاروں طرف دیکھا۔ اکلوتے پلیٹ فارم اور اس پر دفتر کی عمارت سنسان پڑی تھی۔ حد یہ کہ چوکیدار بھی نہیں تھا وہ شاید کہیں دبکا سو رہا تھا۔ صبح کے آثار نمایاں تھے اور اس وقت پوتے چھ بج رہے تھے۔ ایک طرف بینچ تھی زہرہ جا کر اس پر لیٹ گئی۔ میرا بھی تھکن اور نیند سے برا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حال تھا مگر فی الحال میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ میرے پاس رائفل تھی اور اسے دیکھ کر کوئی بھی شخص بہ آسانی مشکوک ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے رائفل سے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کیا۔ یہ کام زیادہ مشکل نہیں تھا۔ میں نے رائفل عمارت کے سامنے والے شیڈ کے اوپر پھینک دی۔ وہاں وہ کسی کی نظر سے محفوظ رہتی جب تک کوئی خاص طور سے اوپر چڑھ کر نہ دیکھتا۔

''یہ کیا کر رہے ہو..... رائفل کیوں پھینک دی؟'' زہرہ اٹھ کر میرے پاس چلی آئی۔

''میں نے رائفل کی گولیاں بھی پھینک دیں۔'' یہ چیز خطرناک ہے یا تو جاگیرداروں کے پاس ہوتی ہے یا ڈاکوؤں کے پاس..... ویسے پستول ہے میرے پاس۔''

جیسے ہی میں نے گولیاں پھینکیں، پلیٹ فارم سے ایک شخص اس طرف آتا نظر آیا۔ اس نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا ہماری طرف آیا وہ چالیس سال کا طویل قامت اور مضبوط جسم رکھنے والا شخص تھا۔ کسی قدر سرخی مائل گندمی رنگت، نفاست سے ترشی مونچھیں اور سلیقے سے بنے بالوں کے ساتھ وہ وجیہہ اور بارعب شخص نظر آ رہا تھا۔ اس نے تیز نظروں سے ہمیں دیکھا اور مجھ سے بولا۔ ''بندے کو سید غلام حسین کہتے ہیں..... آپ کی تعریف۔''

''ملک شہباز احمد.....'' میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس نے کسی قدر گرم جوشی سے تھام لیا۔

''شہباز صاحب! میں اسٹیشن ماسٹر ہوں اور آپ کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

اس کے لہجے میں خفیف سا طنز دیکھ کر میں محتاط ہو گیا تھا۔ ''خادم حسین صاحب..... میں اور میری بیوی رحیم یار خان کی طرف جا رہے تھے کہ ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔''

اس نے کسی قدر حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''رحیم یار خان..... کہاں سے جا رہے تھے؟''

''قصور سے..... شکر گڑھ میں ایک شادی کی تقریب میں شرکت کر کے رحیم یار خان جا رہے تھے۔''

اس نے غور کیا۔ ''اس علاقے سے رحیم یار خان کوئی سڑک نہیں جاتی۔''

''ہم ریل سے جانا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ کے اسٹیشن کی طرف آ رہے تھے درمیان میں ڈاکوؤں سے ٹکراؤ ہو گیا انہوں نے نہ صرف ہمیں لوٹا بلکہ ہماری گاڑی بھی چھین کر لے گئے۔''

''گاڑی۔'' وہ چونکتا ہو گیا تھا۔ ''اگر گاڑی تھی تو سڑک کے راستے کیوں نہیں چلے گئے۔''

''گاڑی ہماری نہیں میزبان کی تھی۔ ڈاکوؤں نے ہمیں مارا بھی تھا۔'' میں نے شرمندہ نظر آنے کی کوشش کی۔ ''ان کی مار پیٹ کی وجہ سے میری بیوی کے کپڑے پھٹ گئے تھے اس لئے راستے میں ایک دیہاتی سے اس کے کپڑے لئے۔''

''اوہ۔'' اس بار اس کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ ''آپ تو مصیبت کے مارے ہیں۔ ایسا کریں میرے ارٹر چلیں۔ پہلے کچھ کھا، پی کر آرام کر لیں اس کے بعد سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

اس کی پیش کش قطعی غیر متوقع تھی مگر میں نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ''آپ کو زحمت ہو گی۔''

''نہیں جناب یہ تو میرا فرض ہے۔'' وہ بولا۔ ''آ جائیں..... اپنی بیگم صاحبہ کو بھی لے آئیں۔''

سید خادم حسین ہمیں ریلوے اسٹیشن سے متصل ایک کوارٹر تک لایا۔ یہ اچھا خاصا مکان تھا جو پختہ سرخ ل سے بنا ہوا تھا۔ وسیع صحن میں نیم کے دو تناور درخت تھے جنہوں نے مکان کو گھیر رکھا تھا۔ بیرونی دیوار اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صحن میں جا بجا پھولوں اور سبزیوں کے پودے لگے تھے۔ مکان کے ایک طرف ترچھے برآمدے پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ گیٹ کے دروازے تک سرخ اینٹوں کا فرش تھا۔ اگر یہ سرکاری کوارٹر تھا تو حیرت انگیز طور پر خوب صورت اور صاف ستھرا تھا۔

''غریب خانہ۔'' اس نے چابی سے گیٹ پر لگا تالا کھولا۔

''آپ اکیلے رہتے ہیں۔''

''جی جناب۔'' اس نے مختصراً کہا اور اندر والے مکان کا دروازہ بھی کھولا۔ اندر سادہ سی لیکن صاف سی نشست گاہ تھی وہ اس کے برابر والے کمرے میں ہمیں لایا۔ ''اس کمرے میں غسل خانہ ہے۔'' اس نے کہا۔ ''آپ نہانا چاہیں تو نہا سکتے ہیں۔'' پھر اس نے میرا جائزہ لیا۔ ''آپ کو میرے کپڑے ذرا ڈھیلے ہوں گے لیکن گزارہ ہو جائے گا۔ بیگم صاحبہ کے لئے میں اپنی بیوی کا جوڑا لے آتا ہوں۔''

وہ چلا گیا تو زہرہ نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ تو کچھ زیادہ ہی مہربان ہو رہا ہے۔''

''سمجھ لو اس کی صورت میں خدا مہربان ہے۔''

''لیکن کوئی اور چکر نہ ہو۔''

''اس پر شک نہ کرو۔ کوئی اور چکر ہوا تو دیکھ لیں گے۔'' میں نے کرتے تلے پستول پر ہاتھ مارا۔ اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے کہا۔ ''آ جائیں جناب۔''

وہ اندر آیا۔ اس نے دو سوٹ اٹھا رکھے تھے۔ ایک مردانہ کرتہ پاجامہ تھا اور ایک زنانہ ریشمی پھولدار سوٹ تھا۔ ''معذرت خواہ ہوں لیکن اس وقت یہی میسر ہے۔ سات بجے تک ناشتا تیار ہو جائے گا۔'' وہ چلا گیا تو زہرہ پہلے غسل خانے میں گئی۔ مجھے فکر لاحق ہو گئی اب وہ نہ صرف اپنے جسم پر جونکوں کے کاٹنے کے نشانات دیکھ لے گی بلکہ شاید ملنگ نے اس کے جسم پر جس لیپ کو لگایا تھا شاید اس کے نشانات بھی باقی تھے۔ حسبِ توقع نصف گھنٹے بعد وہ آگ بگولا اندر سے نکلی۔

''یہ میرے جسم پر نشانات کیسے ہیں..... اس خبیث ملنگ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔''

''اس نے کچھ نہیں کیا ہے۔'' میں نے اسے ٹھنڈا کرتے ہوئے بتایا کہ وہ علاج کے کن مراحل سے گزری تھی۔ کنگ سائز چھپکلی نما جونکوں کا سن کر اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ ''میرے خدا۔'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ''اگر میں ذرا بھی ہوش میں ہوتی تو بے شک مر جاتی لیکن ان کو اپنے پاس نہ آنے دیتی۔''

''ان چھپکلیوں نے زہریلا خون چوس کر تمہاری جان بچائی ہے لیکن مجھے اندازہ تھا اس لئے اب تک یہ بات تم سے چھپائی تھی۔''

سید خادم حسین کی بیوی نسبتاً مختصر قامت رکھتی تھی اس لئے اس کے کپڑے زہرہ کو تنگ تھے۔ اس نے ذرا جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔ ''خادم حسین سے کہو..... کوئی چادر..... دے دے..... ان کپڑوں میں تو میں بہت بے ہودہ لگ رہی ہوں۔''

میں نے کمرے سے باہر جھانکا لیکن خادم حسین نظر نہیں آ رہا تھا اور یہ مناسب نہیں تھا کہ اسے تلاش کرنے کے لئے میں پورے گھر میں دندناتا پھروں۔ میں نے دروازہ بند کر لیا۔ ''ابھی خادم حسین کہیں اور ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم آرام کرو..... میں نہانے جا رہا ہوں۔''

یہ خاصا معقول قسم کا غسل خانہ تھا۔ ایک بڑی سی ٹنکی تھی جس میں سے پانی، بالٹی میں منتقل کر کے مگے سے نہایا جا سکتا تھا۔ خوشبودار صابن اور صاف ستھرا تولیا بھی تھا۔ میں جی بھر کے نہایا اور باہر آیا تو زہرہ بے خبر سو رہی تھی۔ کرتہ پاجامہ ہونے کی وجہ سے لباس بے تکا نہیں لگ رہا تھا ورنہ سید خادم حسین کا قد مجھ سے دو انچ زیادہ تھا اگر شلوار قمیص ہوتا تو زیادہ بے تکا لگتا۔ میں نے بال خشک کئے اور آئینے میں دیکھ کر کنگھی کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں باہر نکل آیا۔ خادم حسین نہ جانے کہاں سے پُرتکلف قسم کا ناشتا بنوا کر لایا تھا۔ اس میں پراٹھے تھے، سوجی کا حلوا، تلے ہوئے ڈبل زردی کے انڈے تھے اور ساتھ میں لسی تھی۔ ''بیگم صاحبہ تو اتنی تھکی ہوئی تھیں کہ سو گئی ہیں۔'' میں نے اسے بتایا۔

''کوئی بات نہیں وہ بعد میں ناشتا کر لیں گی۔'' اس نے کہا۔ ''آیئے آپ میرا ساتھ دیں۔''

خادم حسین مہذب آدمی تھا۔ کھانے کے دوران اس نے گفتگو یا کسی قسم کے سوالات سے گریز کیا تھا۔ میں نے گزشتہ چھتیس گھنٹے سے کچھ نہیں کھایا تھا سوائے میٹھی روٹیوں کے۔ اس لئے میں نے ڈٹ کر ناشتا کیا اور سب کچھ صاف کر دیا پھر مجھے خیال آیا کہ زہرہ کے لئے تو کچھ چھوڑا ہی نہیں تھا۔ میں نے معذرت خواہانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا وہ مسکرایا۔ ''فکر مت کریں..... میں ابھی ناشتا بنوا لیتا ہوں۔ بہتر ہے ان کو بھی اٹھا لیجئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھوکی ہوں گی۔''

لسی کے ایک بڑے گلاس نے تمام ناشتے کو جیسے خواب آور دوا میں تبدیل کر دیا تھا۔ میں بری طرح خمار محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے ناشتے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔ ''مزید ایک گھنٹا لگے گا اصل میں، میں اکیلا رہتا ہوں..... تینوں وقت کا کھانا لائن مین کے گھر سے آتا ہے۔ اگر مہمان آئے ہوں تو اسے بتانا پڑتا ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں ابھی جا کر کہہ دیتا ہوں۔''

''جناب ایک مہربانی اور کریں..... اگر ایک چادر مل جائے۔''

''میں لاتا ہوں۔''

مجھے چادر دے کر وہ چلا گیا تھا۔ میں کمرے میں آیا۔ چادر چارپائی پر سوتی ہوئی زہرہ پر ڈال دی اور خود دوسری چارپائی پر لیٹ کر سو گیا۔ تھکن اور پیٹ بھر کر کھانے کا خمار ایسا تھا کہ مجھے دنیا سے غافل ہونے میں ایک منٹ بھی نہیں لگا تھا۔ میں بے خبر سوتا رہا اور کافی دیر تک سوتا رہا۔ میری آنکھ کھلی تو کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ کھڑکی کے پردے سے باہر ہلکی سی روشنی جھلک رہی تھی پھر زہرہ کی چارپائی خالی دیکھ کر میں چونک کر رہ گیا۔ وہ کمرے سے کہاں چلی گئی تھی کیونکہ غسل خانے کی کنڈی بھی باہر سے لگی تھی۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ شام کی تاریکی چھائی تھی۔ پانچ بج رہے تھے اور آسمان پر بادل بھی تھے۔ گویا میں کوئی نو گھنٹے سوتا رہا تھا۔ ساری تھکن اتر گئی تھی۔ میں نے باہر جھانکا۔ نشست گاہ میں بھی کوئی نہیں تھا۔ میں صحن میں آیا۔ زہرہ اور خادم حسین وہاں تھے۔ خادم حسین نے صحن میں ایک طرف بید کی کرسیاں رکھی تھیں۔ یہیں وہ دونوں چائے پی رہے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ مجھے زہرہ کے چہرے پر ایک خوشی اور چمک نظر آ رہی تھی۔ خادم حسین کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیں اپنے شہباز صاحب بھی آ گئے۔"

"اُف..... کتنا عرصہ ہو گیا ہے چائے کی خوشبو سونگھے۔" میں نے گہری سانس سینے میں بھری۔

"آپ سو رہے تھے۔ بیگم صاحبہ جاگ گئی تھیں میں نے سوچا چائے پیش کر دوں۔" خادم حسین کا انداز صفائی پیش کرنے والا تھا۔

"مجھے بیگم صاحبہ مت کہیں۔" زہرہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "شہباز میں انہیں سب بتا چکی ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

میری نیند کے دوران کوئی انقلاب آ گیا تھا۔ میں نے پہلی بار غور سے دیکھا۔ زہرہ اور خادم خاصے فاصلے پر تھے لیکن نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ وہ دونوں ایک ہیں یا ذہنی طور پر ایک ہو چکے ہیں ان کے درمیان کچھ طے پا گیا تھا۔ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے تم ان کو سب کچھ بتا چکی ہو۔"

زہرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "خادم اپنے آدمی ہیں انہوں نے وعدہ کیا ہے یہ میری ہر ممکن مدد کریں گے۔"

"تمہاری؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ زہرہ کے انداز سے واضح تھا کہ اس نے مجھے الگ کر دیا تھا۔ "میرا خیال ہے مدد کی ضرورت ہمیں ہے۔"

"بنیادی طور پر تمہارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ "ان لوگوں سے براہ راست تمہاری دشمنی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے میرا معاملہ نہ ہوتا تو وہ کبھی ہمارے پیچھے نہ آتے۔"

"میں ہنسا۔ "تمہیں اپنے بارے میں زیادہ ہی خوش فہمی ہے۔ بہرحال تم نے اپنا راستہ الگ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم نے اس وقت درست کہا تھا کہ جلد یا بدیر ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔"

"شکر ہے تم نے سمجھداری سے کام لیا۔" وہ بولی۔ "اب میری ذمے داری خادم پر ہے۔"

میں نے خادم حسین کی طرف دیکھا۔ "آپ کی ہمدردی لائق تحسین ہے۔"

وہ کھسیا گیا تھا۔ "بس جناب شروع سے ایسی طبیعت پائی ہے۔ اس وجہ سے میں نے کئی لوگوں سے دشمنیاں مول لی ہیں۔"

"تو یہ طے ہے زہرہ اب آپ کے حوالے ہے۔ یہ بتائیں کہ مجھے یہاں سے جانے کے لئے کون سی ٹرین مل سکتی ہے۔"

"ٹرین تو اب صبح دس بجے گزرے گی۔" اس نے کہا۔ "آپ اس میں سمہ سٹہ تک جا سکتے ہیں وہاں آپ کو ملک کے کسی بھی حصے کے لئے ٹرین مل جائے گی۔"

"شکریہ سیّد صاحب..... کیا میرے لئے چند ملبوسات اور ایک بیگ کا بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"بیگ تو مشکل نہیں۔" اس نے سوچ کر کہا۔ "ہاں کپڑوں میں مسئلہ ہو سکتا ہے۔ یہ چھوٹا سا قصبہ ہے۔ درزی اور اُن سلے کپڑے مل جائیں گے لیکن ریڈی میڈ سوٹ مشکل ہیں۔"

"کوشش کریں درزی ایک دو جوڑے بنا کر دے دے اور ایک سینڈل مل جائے۔ میں ان سب چیزوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ادائیگی کروں گا۔"

اس نے شاکی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "جناب آپ میرے مہمان ہیں میری یوں بے عزتی نہ کریں۔ میں جو ممکن ہوا کروں گا۔"

خادم حسین اٹھ کر باہر نکل گیا اس کے جانے کے بعد زہرہ شرمندہ نظر آنے لگی تھی۔ اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ "وہ میں نے سوچا..... تم نے ٹھیک کہا تھا..... مرنے والے کے ساتھ....."

"وضاحت کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا۔ "تم اپنے اور اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے پوری طرح آزاد ہو۔"

"پھر بھی تم نے میری جان بچائی۔ ایک بار نہیں دو بار اور مجھے کتنی کوشش کر کے یہاں تک لائے۔"

"وہ میرا فرض تھا۔ انسان ہونے کے ناتے..... میں تم سے اس کا صلہ طلب نہیں کر رہا تھا بلکہ مجھے خوشی ہو رہی ہے اگر خادم حسین تمہارا رفیق بن جائے تو۔"

"تم سوچ رہے ہو گے میں نے اتنی عجلت کیوں کی؟ اور تم سے مشورہ لئے بغیر ہی اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔"

"نہیں..... میں زیادہ سوچنے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے بے زاری سے کہا۔ سچی بات ہے مجھے اب اس موضوع سے کوفت ہو رہی تھی۔ "کیا مجھے چائے نہیں ملے گی؟"

"میں ابھی لاتی ہوں....." وہ جلدی سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

میں سیلاب پر بہنے والے تنکوں کی سی بے بسی سے حالات کے دھارے پر بہتا جا رہا تھا۔ ہر نئے دن میرے لئے نئے حالات ہوتے تھے۔ نئے واقعات..... نئے کردار اور نیا ماحول..... بلکہ احساسات تک بدل جاتے تھے۔ زہرہ اس کی ایک مثال تھی۔ بہرحال اس سے اب مجھے کوئی شکوہ تھا بھی تو وہ معمولی سا تھا چند منٹ سے زیادہ میرے دل میں نہ ٹک سکا۔ زہرہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔ اس نے چادر کے بجائے باریک سا دوپٹا لے رکھا تھا اور یوں بے تکلفی سے مکان میں گھوم پھر رہی تھی جیسے وہ اس جگہ کی مالکن ہو۔ میں نے چائے لے لی۔

"خادم حسین کے سامنے میں نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ تم دونوں کے انداز سے لگ رہا ہے کہ تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے؟"

"ہاں..... یہ درست ہے۔"

"کیا تم اس کی باتوں پر یقین کر سکتی ہو؟"

"ہاں۔" اس بار وہ ذرا ہچکچائی تھی۔ "اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ سچا ہے۔"

"گڈ! اگر تم مطمئن ہو تو میں بھی یہاں سے مطمئن جاؤں گا۔" میں نے چائے کا کپ اسے دے دیا۔ "نیک خواہشات کے ساتھ۔"

خادم حسین دو گھنٹے بعد آیا تھا اس کے ساتھ قصبے کا درزی تھا اس نے میرا ناپ لیا اور یقین دلایا کہ صبح تک شلوار قمیص مجھے تیار ملیں گے۔ خادم حسین دو جوڑے جوتے اور ایک پشاوری چپل لایا تھا۔ جوتوں میں سے ایک مجھے ٹھیک آ گیا۔ پشاوری چپل بھی ناپ کی تھی۔ اس نے میرے لئے اپنے پاس سے ایک سفری بیگ بھی نکال لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ واضح طور پر مجھے جلد از جلد یہاں سے روانہ کرنے کے موڈ میں تھا تا کہ زہرہ پر اس کا قبضہ ہو سکے۔ میں یہیں جانتا تھا کہ اس کے عزائم کیا تھے۔ زہرہ باورچی خانے کی طرف تھی اس لئے میں نے اس سے بات کر لینا مناسب سمجھا۔

''خادم حسین صاحب..... میں کھل کر بات کروں گا۔ زہرہ کے لئے آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''شادی کا۔'' اس نے بلا جھجک کہا۔ ''میں نے مسجد کے مولانا سے بات کر لی ہے۔ آج عشاء کے بعد ہمارا نکاح پڑھایا جائے گا۔''

میں سن کر کشمکش میں پڑ گیا تھا۔ کیا زہرہ نے اسے اپنے بارے میں یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے بیوہ ہوئے محض اڑتالیس گھنٹے گزرے تھے اور وہ عدت پوری کئے بغیر کسی سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔ میری ہچکچانے کی وجہ یہ تھی کہ اگر زہرہ نے غلط بیانی کی تھی تو میری طرف سے سچائی کے اظہار کو ان دونوں کی جانب سے نہ جانے کس نظر سے دیکھا جاتا۔ میں نے سوچ کر کہا۔

''سید صاحب فرض کریں مستقبل میں آپ کو پتا چلتا ہے زہرہ نے آپ سے کسی معاملے میں غلط بیان کی ہے تو آپ کا ردِعمل کیا ہوگا؟''

خادم حسین سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے ایک طویل سانس لی۔ ''شہباز صاحب! میں آپ سے چھپاؤں گا نہیں..... میں زہرہ کو پسند کرنے لگا ہوں اور جب وہ مجھے اپنے بارے میں بتا رہی تھی تو مجھے شک تھا اس نے بہت ساری باتیں غلط بتائی ہیں یا مجھ سے چھپائی ہیں۔''

''اپنی شادی کے بارے میں اس نے کیا بتایا؟''

''یہی کہ اس کا شوہر مر چکا ہے۔''

''درست۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''لیکن اسے مرے صرف دو دن ہوئے ہیں..... تو سید صاحب آپ سمجھ سکتے ہیں۔ چار مہینے دس دن سے پہلے زہرہ کی آپ سے شادی اس ملک کے قانون اور مذہب کی رو سے ممکن نہیں ہے۔''

خادم حسین کا چہرہ تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ اس نے مکان کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولا۔ ''زہرہ نے مجھے یہ بات نہیں بتائی ہے۔''

''سید صاحب..... زہرہ اچھی عورت ہے۔ اس نے زمانے کے بہت دکھ سہے ہیں اور میں گواہی دے سکتا ہوں کہ یہ بنیادی طور پر اچھی عورت ہے۔''

''ملک صاحب میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ ایک اسٹیشن ماسٹر کو جتنے کردار اور آدمی دیکھنے کا موقع ملتا ہے شاید ہی کسی شخص کو ملتا ہو۔''

خادم حسین نے بڑک ماری تھی ورنہ زہرہ کے ہوش رُبا حسن نے اسے اپنا اسیر کر لیا تھا۔ مگر میں نے اپنے طور پر درست فیصلہ کیا تھا۔ انہیں معاشرتی اور مذہبی حدود توڑنے سے بچا لیا تھا۔ زہرہ کے مقدر میں جو ہوگا وہ اسے مل کر رہے گا۔ خادم حسین اندر چلا گیا۔ اس علاقے میں بجلی نہیں تھی۔ خادم حسین نے کیروسین لیمپ لگا رکھے تھے۔ ان کی تیز روشنی سے صحن جگ مگا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اندر سے زہرہ کے تیز لہجے میں بولنے کی آواز آئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے ابھی سے اپنی بات بدل دی۔''

خادم حسین نے دبی زبان میں کچھ کہا۔ زہرہ پھر چلانے لگی تھی۔ ''تمہیں اس پر اعتبار ہے..... مجھ پر نہیں..... بکواس کرتا ہے وہ۔''

ظاہر ہے روئے سخن میری طرف تھا۔ زہرہ آتش فشاں بنی باہر آئی تھی۔ ''کمینے..... ذلیل..... شخص..... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم نے.....''

''بکواس بند کرو۔'' میں نے برہمی سے کہا۔ ''کیا تم نے مجھے بتا کر ان سے جھوٹ بولا تھا اور جھوٹ بھی اس معاملے میں..... جس میں دوسرے کو سراسر دھوکا دیا جا رہا ہو۔ میرے سامنے کوئی غلط کام کرے تو میرا فرض ہے کہ اسے ٹوکوں..... اگر میں اصول پسند نہ ہوتا تو تم راناؤں کے قبضے میں ہوتیں یا تمہاری لاش ویرانے میں پڑی ہوتی۔''

خادم حسین باہر آیا۔ ''زہرہ تم بلاوجہ غصہ کر رہی ہو..... میں تم سے ناراض نہیں ہوں لیکن شکوہ ہے تم نے مجھے شروع سے کیوں نہیں بتایا۔'' اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''سن لیا تم نے۔'' میں نے کہا۔ ''زہرہ تم بلاوجہ ایک اچھے شخص سے سچ چھپا رہی ہو۔''

زہرہ کچھ دیر کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی پھر یک دم روتی ہوئی اندر چلی گئی۔ میں نے خادم حسین کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ اس کے پاس جائے اور اسے منائے۔ خادم حسین اندر گیا تو میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا۔ باہر موسم خنک ہو چکا تھا۔ نو بجے خادم حسین کھانا لے آیا تھا۔ زہرہ نہیں آئی تھی گویا خادم حسین نے ابھی سے اسے اپنی حرم سمجھ لیا تھا۔ کھانے میں پُرتکلف مرغ مسلم اور بکرے کے گوشت کا سالن تھا۔ دیسی خمیری روٹیاں تھیں۔ صبح کا ناشتا ہضم ہو چکا تھا اس لئے میں نے ڈٹ کر کھایا۔ حکیم قادس کے علاج کے بعد میری بھوک کھل گئی تھی۔ کھانے کے بعد زہرہ چائے لے کر آئی تو اس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔

''میں شرمندہ ہوں۔ تمہیں غلط الفاظ سے پکارا۔''

''میں نے تمہیں پہلے ہی معاف کر دیا ہے ورنہ میں اس وقت یہاں نہ ہوتا۔''

''میں لائن مین کے گھر جا رہی ہوں۔ اب جب تک میری عدت کا وقت نہیں گزر جاتا میں وہیں رہوں گی۔''

''یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے خادم حسین عقل مند شخص ہے۔''

''شہباز! میں تمہاری شکر گزار ہوں اس بار تم نے مجھے دائمی گناہ سے بچا لیا۔ میری کمزوری آڑے آ رہی تھی۔'' اس نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

رات خنک تھی اس لئے میں نے پاؤں کی طرف رکھی چادر اوڑھ لی۔ دن بھر سونے کے بعد مجھے خاصی دیر تک نیند نہیں آئی تھی۔ شاید میں دو یا تین بجے سویا تھا اور اس دوران میں اپنے پیاروں اور دوستوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ نہ جانے وہ کیسے ہوں گے۔ میرے غائب ہونے پر وہ کیا سوچتے ہوں گے۔ میرے لئے کتنے پریشان ہوں گے۔ دشمنوں سے نمٹنے کے لئے تدبیریں سوچتے ہوں گے۔ مجھے ان کی قید سے چھڑانے کے منصوبے بناتے ہوں گے۔ شاید دشمن کے خلاف کوئی کارروائی کر گزرے ہوں۔ مجھے دوسرے افراد کے حوالے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کا قدم ظاہر کرتا ہے کہ دشمن میرے بارے میں کسی قدر دباؤ کا شکار تھے۔

صبح ساڑھے آٹھ بجے مجھے خادم حسین نے بیدار کیا تھا۔ ''اٹھ جائیں ملک صاحب..... ٹرین جانے میں ڈیڑھ گھنٹا رہ گیا ہے۔ آپ کے سوٹ آ گئے ہیں انہیں دیکھ لیں۔ ناشتا کرنے سے پہلے غسل کرنا چاہیں تو پانی بھی ہے۔''

میں نے اٹھ کر غسل کیا۔ خادم حسین کا لایا ایک شلوار سوٹ پہن لیا۔ میرے بال اور شیو بڑھی ہوئی تھی لیکن انہیں درست کرانے کا وقت نہیں تھا اپنے دوسرے کپڑے اور سینڈلز میں نے بیگ میں رکھے۔ خادم حسین ناشتا لے آیا۔ ہم دونوں نے ناشتا کیا۔ اس کے بعد میں نے خادم حسین کو کپڑوں اور جوتوں کی قیمت دینے کی کوشش کی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ ''اس سے بہتر ہے ملک صاحب آپ مجھے براہ راست ذلیل کر دیں۔''

''لاحول ولاقوۃ..... ایسی احسان فراموشی کی امید آپ مجھ سے رکھتے ہیں۔'' میں نے ہڑبڑا کر کہا۔

''تب ایسی بات نہ کریں۔''

''جیسے آپ کی خوشی۔'' میں نے تھک ہار کر اس کی بات مان لی تھی۔

ساڑھے نو بجے زہرہ آئی تھی۔ وہ مجھ سے الوداعی ملاقات کرنے آئی تھی۔ جب میں بیگ اٹھا کر جا رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ میرے ساتھ اسٹیشن تک جانا چاہتی تھی لیکن میں نے منع کر دیا۔ ''زہرہ، تمہیں محتاط رہنا ہوگا۔ یہ جگہ پہلوان کے گاؤں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہاں کا کوئی فرد اس طرف آیا اور تم پر نظر پڑ گئی تو تم سوچ سکتی ہو کہ کیا ہو سکتا ہے۔''

زہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ ''مم..... میں باہر نہیں جاؤں گی۔''

''اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ باہر جاؤ بھی تو خود کو چھپا کر۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

پلیٹ فارم پر چند افراد تھے جو ٹرین کا انتظار کر رہے تھے۔ خادم حسین اپنے دفتر میں مجھے لے آیا اس نے ٹکٹ بھی بنوا دیا تھا۔ ''چار گھنٹے بعد آپ سمہ سٹہ میں ہوں گے۔ وہاں آپ کو کوئی اَپ ٹرین مل جائے گی۔ تقریباً ساری ہی ٹرینیں وہاں رکتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے میں آپ راولپنڈی میں ہوں گے۔''

''میں آپ کا شکر گزار ہوں سید صاحب۔''

وہ مسکرایا۔ ''شکر گزار تو مجھے ہونا چاہئے۔''

''اس کا ایک طریقہ ہے آپ زہرہ کا خیال رکھیں اور ایک مشورہ ہے اگر آپ مانیں..... جلد از جلد اس جگہ سے چلے جائیں۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔ تبادلے کی درخواست میں نے پہلے ہی دے دی تھی۔ ویسے بھی زہرہ کو میری شادی ہوتے ہی ڈیرہ غازی خان لے جاؤں گا..... میرا آبائی شہر ہے۔''

ڈیرہ غازی خان شکر گڑھ سے خاصے فاصلے پر واقع ہے۔ زہرہ وہاں زیادہ محفوظ رہتی..... ٹرین بیس منٹ کی تاخیر سے آئی تھی۔ اس کا اسٹاپ دو منٹ کا تھا۔ ٹرین پر چڑھنے سے پہلے خادم حسین کے گلے لگا۔ ''بہت محتاط رہنے گا..... وہ بہت سفاک لوگ ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں ملک صاحب..... بازو میرے بھی کمزور نہیں ہیں۔'' اس نے مونچھوں کو تاؤ دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ بازدوں، انہیں بارود کی زبان میں بات کرنے والے لوگ ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں وہ اور بھی خطرناک ہیں۔'' میں نے خادم حسین کو خطرے کا احساس دلانے کی کوشش کی لیکن بعد میں جو ہوا اس سے ثابت ہو گیا تھا میں اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

چار گھنٹے بعد اس سست رفتار پسنجر ٹرین نے مجھے سمہ سٹہ کے اسٹیشن پر اتارا تھا۔ یہاں مجھے شام کے وقت لاہور جانے والی ٹرین ملی تھی۔ میں نے دوپہر کا کھانا ایک نزدیکی ہوٹل میں کھالیا تھا۔ میں نے موسم کی مناسبت سے ایک اضافی ٹوپی اور سیاہ فریم کی رنگین زیرو پیشوں والی عینک لے لی اس سے میرا حلیہ ساٹھ فیصد بدل گیا۔ باقی کسر میں نے ایک باربر سے بالوں اور شیو کو حجامت بنوا کر مکمل کر لی۔ فرنچ کٹ اور آرمی کٹ بالوں کے ساتھ میں خاصا مختلف نظر آنے لگا تھا۔ ایک حمام میں غسل کر کے میں نے دوسرا لباس پہن لیا۔ آخر میں بازار سے ایک پینٹ شرٹ اور ایک ریڈی میڈ شلوار سوٹ لیا۔ جب میں اسٹیشن آیا تو گاڑی میں کچھ وقت تھا۔ ٹکٹ مجھے محکمہ ریل کے بااختیار نمائندوں یعنی قلیوں نے دلوایا تھا۔ برتھ بھی انہوں نے دلوائی۔ یہ اے سی پارلر کی برتھ تھی۔ میں نے ٹھاٹھ سے لاہور تک کا سفر کیا تھا۔ رات لاہور کے اسٹیشن روم میں گزار کر صبح میرا ارادہ راولپنڈی کے لئے ریل کار پکڑنے کا تھا۔ خادم حسین کے پاس سے روانگی کے بعد اب تک جاگتا رہا تھا اس لئے ویٹنگ روم کی ایک بینچ پر بیگ رکھ کر سویا تو پھر صبح نو بجے آنکھ کھلی تھی۔ ریل کار جا چکی تھی۔ بہرحال مجھے افسوس نہیں تھا۔ موٹروے کے راستے میں زیادہ جلدی پنڈی پہنچ سکتا تھا میں نے سب سے پہلے ایک پی سی او سے ندیم کا نمبر ملایا۔ فون شازیہ نے اٹھایا تھا مجھے شرارت سوجھی میں نے کوشش کرتے ہوئے ایک نسوانی آواز برآمد کی۔

''پلیز، ندیم سے بات کرا دیں۔''

''آپ کون ہیں؟'' شازیہ کا لہجہ مشکوک تھا۔

''کسٹمر۔'' میں نے لہجے کو بدل کر کہا۔ ''ندیم نے رات آنے کو کہا تھا لیکن آئے نہیں۔''

''کہاں آنے کو.....''

''آف کورس..... میرے گھر..... وہ میرا کیس گھر پر ہی دیکھتے ہیں۔''

''اچھا مجھے تو پتا نہیں تھا۔'' ندیم کی بیوی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ عقب سے ندیم کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ فون کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ''لین خود بات کر لیں اپنی کسٹمر سے۔''

''میری کسٹمر۔'' ندیم نے حیرت سے کہا اور فون لے کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''تمہارا باپ۔''

''شہباز۔'' ندیم چلایا۔ ''کہاں ہے تُو؟''

''فی الحال نہ پوچھ..... بس جہاں ہوں، محفوظ ہوں۔ وہاں کے حالات بتا۔''

''مونا اور سفیر خیریت سے ہیں..... میرا وسیم سے رابطہ ہے..... راجا صاحب واپس جا چکے ہیں۔ مرشد علی دوبار مجھ سے صلح کی درخواست کر چکا ہے۔''

''حیرت ہے اسے اب صلح کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''ضرورت ہے، الیکشن قریب ہیں۔ مخالف پارٹی مضبوط ہے اور تیرے کیس کو سپورٹ کر رہی ہے۔ تیری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گمشدگی کا الزام مرشد علی پر آ رہا ہے۔ میں نے مرشد علی اور اکرم چشتی کے خلاف عدالت کی مدد سے ایف آئی آر درج کرا دی ہے۔ اکرم چشتی معطل ہے۔"

"اس سے ہوشیار رہنا..... زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہے۔"

"اس کی فکر مت کر..... ایک دن میرے گھر آ گیا۔ باقاعدہ پاؤں پڑ گیا تھا۔ خیر میں نے تیرے کیسوں کو ختم کرنے کی شرط رکھ دی ہے۔ اس کے بعد ہی میں ان کی مدد کر سکتا ہوں۔ امید ہے ایک دو ہفتے میں کوئی اچھا نتیجہ نکلے گا۔"

"میں ان کی گرفت میں سے نکل گیا ہوں۔ اس وجہ سے بھی زیادہ بوکھلائے ہوئے ہیں۔ تُو ایسا کر ان کے خلاف میری بازیابی کا کیس داخل کر دے۔"

"آہستہ میرے شیر آہستہ..... یہ قانونی کام فٹافٹ نہیں ہو جاتے۔ میں سب کر لوں گا۔ بس تُو اپنی حفاظت کر..... ان سے دور رہ۔"

"میں گھر آنا چاہتا ہوں۔"

"میں اس کا مشورہ بالکل نہیں دوں گا۔ یہاں تُو محفوظ نہیں ہے۔ بہتر ہے جہاں ہے وہیں رہ۔"

"مانا دلی میں رہیں کھائیں گے کیا؟" میں نے محاورے کی صورت میں اپنا حال بتایا۔

"ایسا کر مجھے ایک موبائل پر کال کر۔"

ندیم کی بات سے لگ رہا تھا جیسے اسے شبہ ہو اس کا فون آبزرویشن پر تھا اور یہ عین ممکن تھا۔ میں نے پی سی او سے کاغذ قلم لے کر ندیم کا بتایا ہوا موبائل نمبر نوٹ کیا اور پھر اس نمبر پر کال ملوائی۔ "ہاں اب بتا..... کیا ہو سکتا ہے؟"

"مجھے شبہ ہے میرے گھر کا فون چیک پر ہے۔ تُو لاہور میں ہے۔"

"ہاں..... یہ بتا مجھے یہاں رقم اور کوئی جائے پناہ مل سکتی ہے؟"

"ہاں، میں نے یہی بتانے کے لئے تجھے یہ نمبر دیا۔ وہاں میری بیوی شازیہ کا ماموں ہے ڈاکٹر حماد۔ سنکی آدمی ہے لیکن قابلِ اعتماد شخص ہے۔"

ندیم نے مجھے اس کا پتا اور فون نمبر دیا۔ "ریٹائرڈ آدمی ہے..... صبح اور شام اپنی کوٹھی میں فری کلینک چلاتا ہے۔"

"یار سفیر اور مونا کہاں ہیں؟"

"سفیر کی حویلی میں..... سفیر بھاگ آیا تھا بڑی مشکل سے راجا نے اسے واپس بھجوایا تھا۔ ورنہ وہ مُصر تھا تیرے پاس جانے کے لئے۔"

"اچھا ہوا وہ نہیں تھا..... لیکن یار مجھے دشمن کی مستعدی پر حیرت ہے۔ انہوں نے شروع سے ہمیں نظر میں رکھا تھا۔ میرے علاوہ سب مارے گئے البتہ حکیم قادس کا یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"ان چکروں کو چھوڑ..... فی الحال اپنی فکر کر..... رابطہ کرنا ہو تو باہر سے کرنا..... سمجھ رہا ہے ناں..... تیرے دشمنوں کے ہاتھ لمبے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا تو وسیم کو میرے بارے میں بتائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں..... ممکن ہے دشمنوں نے ان پر بھی نظر رکھی ہو اور ان کے پیچھے پیچھے پہنچ جائیں۔ پچھلی بار بھی ایسا ہوا ہے۔''

''یار مجھے خود سے زیادہ تیری اور ان دونوں کی فکر ہے۔''

''ہم جانتے ہیں یار..... اب زیادہ باتیں نہ کر..... کوئی بھی ضروری بات ہو تو ایک نمبر اور لکھو اس پر کال کرنا..... اس پر مت کرنا۔''

ندیم بلاشبہ ذہین آدمی تھا۔ اس نمبر کو ٹریس کیے جانے کا امکان فی الحال نہیں تھا البتہ اگر دشمن اس کے گھر کا نمبر چیک کر رہا تھا تو اسے یہ نمبر مل گیا تھا البتہ ندیم نے اب جو نمبر بتایا تھا وہ یقینی طور پر اس کی رسائی سے دور تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''تو بھی کوئی موبائل لے لے۔''

''فی الحال میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''تم ماموں تک جا سکتے ہو ناں؟''

''ہاں اتنا تو ہے۔''

''تو بس اس کے پاس پہنچ جاؤ..... یہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔''

میں پی سی او کے مالک کو رقم دے کر نکلا اور سامنے سے گزرنے والی ٹیکسی روک لی۔ اسے ڈاکٹر حماد کا پتا بتایا۔ پتا ماڈل ٹاؤن کا تھا اس لئے ٹیکسی ڈرائیور نے فوراً ماڈل ٹاؤن والا کرایہ طلب کر لیا۔ میں نے سر ہلا دیا کیونکہ کون سا میری جیب سے جا رہا تھا۔ مالِ حرام تھا جسے میں بے دردی سے لٹا رہا تھا۔ ٹیکسی والے نے اپنی اور میری جان ہتھیلی پر رکھ کر لاہور کی تنگ اور ٹریفک سے بھرپور سڑکوں پر اپنی ڈرائیونگ کے جوہر دکھانے شروع کیے۔ یہ جوہر بعض اوقات اتنے تاب ناک ہوتے تھے کہ میں نے اس یقین کے ساتھ آنکھیں بند کر لی تھیں کہ اب یہ آنکھیں اگلے جہاں میں ہی کھلیں گی لیکن جب پون گھنٹے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے مجھے ماڈل ٹاؤن کی مطلوبہ کوٹھی کے سامنے اتار دیا تو اس بات پر میرا ایمان پختہ ہو گیا تھا۔ انسان چاہے کتنی ہی کوشش کر لے اس کی اور دوسروں کی موت کا وقت مقرر ہے۔ کرائے کے ساتھ میں نے زندہ سلامت پہنچانے پر معقول ٹپ بھی ٹیکسی ڈرائیور کی خدمت میں پیش کی تو مارے خوشی کے اس نے زوردار سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔ ٹیکسی کے روانہ ہوتے ہی میں نے کال بیل پر انگلی رکھی اور اچھل پڑا۔ اس میں کرنٹ آ رہا تھا۔ شکر ہے جھٹکا زوردار نہیں تھا۔

بڑا سا گیٹ بند تھا اور اندر دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے گیٹ کو ہاتھ لگایا کہ اس میں کرنٹ نہ آ رہا ہو۔ پھر اسے زور سے بجایا۔ چند لمحے بعد گھنٹی کے بٹن تلے لگی جالی سے کسی نے دریافت کیا۔

''کون ہے؟''

''جی میں شہباز احمد ہوں۔ ڈاکٹر حماد کی بھانجی شازیہ کے شوہر ندیم کا دوست۔''

''اتنا لمبا تعارف کرانے کی کیا ضرورت ہے؟'' اندر سے کہا گیا۔ ''بیل بجاؤ دروازہ کیوں بجایا؟''

''جناب بیل سے آدمی خود بج سکتا ہے اس میں کرنٹ آ رہا ہے۔''

''اچھا..... اچھا بارش کے بعد ایسا ہو جاتا ہے۔ نامراد کہاں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کسی نامراد سے واقف نہیں ہوں۔ ویسے یہ ہے کون اور آپ کی تعریف؟''

''میں ڈاکٹر حماد ہوں۔ ابھی آتا ہوں..... نامراد حسبِ معمول سو رہا ہوگا۔''

چند منٹ بعد اندر سے ایک عمر رسیدہ دبلا اور لمبا شخص گاؤن کی ڈوریاں کستا ہوا برآمد ہوا۔ اس نے آ کر دروازہ کھولا۔ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ''شہباز احمد!''

اس نے اپنے ہاتھ گاؤن سے نکالنے کی زحمت کئے بغیر جواب دیا۔ ''ڈاکٹر حماد۔ ایم بی بی ایس فرام لندن۔''

پھر اس نے دھاڑ کر نامراد کو آواز دی۔ ایک منٹ بعد ایک چارفٹ قامت کا نمونہ بھاگتا ہوا آیا اور اٹینشن کھڑا ہوگیا۔ نمونہ میں نے اسے یوں کہا کہ اس نے خٹک ڈانس کرنے والوں کا سا گھیر دار لباس پہن رکھا تھا اور زلفیں بھی ان کی طرح لمبی تھیں۔ بس ایک تلوار کی کمی تھی، ڈاکٹر نے اس سے پوچھا۔ ''کہاں مر گیا تھا؟''

''ام پے خانے گیا تھا۔'' نامراد نے اطمینان سے کہا۔

''اچھا..... پیٹ خراب ہے تمہارا..... ایک گھنٹے بعد کلینک پر آ جانا۔''

ڈاکٹر صاحب کا فرمان سن کر نامراد کے چہرے پر بارہ بج گئے تھے۔ یقیناً اس کی حرام خوری کا ڈاکٹر صاحب نے کوئی شافی علاج تیار کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مجھے اندر لے آئے۔ ایک چھوٹی نشست گاہ میں لا کر انہوں نے پہلے ناشتے کا پوچھا اور میرے انکار کرنے پر انٹرکام پر کسی کو کافی لانے کا حکم دیا۔ ''تو تم ہو شہباز ملک۔'' انہوں نے جیب سے ایک بجھا سگار نکال کر سلگایا۔ ''کچھ دیر پہلے ندیم کا فون آ گیا تھا۔''

''جی ندیم میرا بہت اچھا دوست ہے۔''

''بتانے کی ضرورت نہیں۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ ''میری طرف سے تم کو ہر ممکن تعاون ملے گا۔ کافی پی لو۔ اتنی دیر میں، میں ملازمہ سے تمہارے لئے گیسٹ ہاؤس میں کمرا سیٹ کرا دیتا ہوں۔''

''میں آپ کا شکر گزار ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے گہرا کش لے کر گاڑھا دھواں چھوڑا۔ ''مجھے افسوس ہے میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا۔ صبح نو سے شام سات بجے تک میرا وقت مریضوں اور مطالعے کے لئے مخصوص ہے۔ ناشتے اور رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔ ہاں میں دوپہر کا کھانا نہیں کھاتا..... اس لئے ملازمہ سے اپنے لئے کہہ دینا۔''

''شکریہ جناب..... اتنی عنایات کافی ہیں۔''

ملازمہ گرم مسکتی اور بھاپ اڑاتی کافی لے کر آئی تھی۔ جو بلاشبہ میری زندگی کی چند بہترین کافیوں میں سے ایک تھی۔ ملازمہ تقریباً چالیس برس کی قبول صورت اور متناسب جسم والی عورت تھی۔ اس نے خاصا اچھا لباس پہن رکھا تھا اور اس کے لباس میں ملازماؤں والی بات نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے اس سے کہا۔ ''ان کے لئے ایک کمرا گیسٹ ہاؤس میں سیٹ کر دو۔''

''جی سر.....!'' اس نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''کوثر میری زندگی میں آنے والے چند بہترین انسانوں میں سے ایک ہے۔ میں خوش قسمت ہوں مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس عمر میں ایسی مہذب اور وفادار خادمہ ملی ہے۔"

"درست فرمایا۔ اچھے ملازمین قسمت سے ہی ملتے ہیں۔" میں نے تائید کی۔ مجھے سید گل یاد آ گیا۔ کہنے کو تو وہ چوکیدار تھا لیکن اس نے میرے بیشتر کام اپنے ذمے لے رکھے تھے حد یہ کہ دفتر میں صبح کا ناشتہ وہی بناتا تھا۔ صفائی ستھرائی اور آنے جانے والوں کا خیال رکھنا کی ذمے داری بھی اس نے از خود لے لی تھی۔ کاش میں اس کے قاتلوں کو بتا سکتا کہ وہ میرے لئے کیا تھا۔

"جناب آپ کا کمرا تیار ہے۔" کوثر نے آ کر کہا تو میں چونک گیا تھا۔

"برخوردار اب تم جا کر آرام کرو، میرا بھی مریضوں کو دیکھنے کا وقت ہو رہا ہے۔ کوئی ضرورت ہو تو کوثر سے کہہ دینا۔"

"جی شکریہ۔" میں نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب چلے گئے اور میں کوثر کے ساتھ کوٹھی سے متصل انیکسی میں آیا۔ وہیں آنے والے مہمانوں کے لئے رہائشی کمرے تھے۔ مجھے دیا جانے والا کمرا تمام سہولیات سے آراستہ تھا۔ بیش قیمت فرنیچر اور گل رنگ قالین۔ بستر کے سامنے ٹرالی میں ٹی وی، سی ڈی پلیئر اور ایک طرف ریک میں کتابیں اور رسائل رکھے تھے۔ کھڑکیوں پر آسمانی رنگ کے پردے تھے۔ جو دیواروں سے ہم رنگ ہو رہے تھے۔ کوثر نے مجھے کمرا دکھایا اور ادب سے بولی۔

"جناب..... لنچ کب لینا پسند کریں گے۔ کوئی خاص ڈش پسند ہو تو حکم فرمائیں۔"

"نہیں..... کچھ بھی بنا لینا..... کھانا میں دو بجے کھاؤں گا۔"

"مزید کسی چیز کی ضرورت ہو تو؟"

"ہاں مجھے ایک کال کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

کوثر مجھے مہمان خانے کے اس حصے میں لائی جہاں فون موجود تھا۔ میں نے ندیم کے دیئے ہوئے موبائل نمبر پر کال کی۔ کال اس نے ریسیو کی۔ شاید اس نے صرف میرے لئے یہ سسٹم بنایا تھا۔ "کیا حال ہیں شہزادے؟" میری آواز سن کر وہ بولا۔ "نمبر بتا رہا ہے تو ماموں کے پاس پہنچ گیا ہے۔"

"ہاں..... لیکن ماموں نے مال پانی کی بات نہیں کی ہے ابھی تک..... مجھے موبائل بھی لینا ہے۔"

"بھول گئے ہوں گے، میں ابھی یاد دلا دیتا ہوں۔"

"یار مجھے وسیم اور راجا صاحب کے نمبر بھی چاہئیں۔"

"اوہ..... بھائی تجھے پھر سے ان معاملات میں گھسنے کا شوق چرا رہا ہے۔"

"ان لوگوں کی مدد کے بغیر میرا بعض مسائل حل کرنا، ناممکن ہے۔ تو فکر مت کر میں انہیں اپنا پتا نہیں دوں گا۔"

"او کے..... میں نمبر ایس ایم ایس کر دوں گا۔" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

ایک گھنٹے بعد کوثر نے ایک لفافہ لا کر میرے حوالے کیا۔ میں نے اس کے جانے کے بعد لفافہ کھولا۔ اس کے اندر پانچ سو اور ہزار کے خاصے نوٹ تھے۔ ان کی مالیت بیس ہزار تھی۔ میں نے رقم نکال کر جیب میں رکھ لی۔

دو بجے کوثر نے کھانے کا کہا۔ "آپ کے کمرے میں لا دوں یا ڈائننگ ٹیبل پر لگاؤں؟" میں نے ڈائننگ ٹیبل کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ترجیح دی تھی۔

کھانے کے بعد میں نے کوثر کو بتایا۔ ''میں ذرا باہر جا رہا ہوں اگر ڈاکٹر صاحب میرے بارے میں پوچھیں تو کہنا شام تک آ جاؤں گا۔''

''جی جناب۔''

نامراد گیٹ پر تھا اور میں نے اس سے ٹیکسی یا رکشے کی دستیابی کے بارے میں پوچھا۔ ''جناب آپ اور سے سیدھا جائے گا..... دائیں طرف مڑے گا..... سامنے کوئی نہ کوئی ٹیکسی یا رکشا مل جائے گا۔'' اس نے سمجھایا اور جب میں اس کے بتائے ہوئے راستے پر دائیں طرف مڑا تو سامنے ہی دو عدد رکشے نظر آئے میں نے پہلے والے کو ترجیح دی لیکن وہ مال روڈ جانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے مجھے پیش کش کی کہ وہ مجھے مزنگ لے جا سکتا ہے۔

''تم مزنگ شوق سے جاؤ..... مجھے مال روڈ جانا ہے۔''

دوسرا رکشے والا مان گیا بشرطیکہ میں میٹر سے پچاس روپے اوپر دیتا۔ ماننا میری مجبوری تھی۔ اس سے پہلے بھی میں کئی بار لاہور آ چکا تھا لیکن چند دنوں میں، میں شہر کی گلی کوچوں سے واقف نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا چالاک رکشے والا مجھے گھما تا رہا اور پورے ایک گھنٹے بعد اس نے مجھے مال روڈ کے ایک شاپنگ سینٹر کے سامنے اتار دیا تھا۔ یہ دیکھ کر میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا تھا کہ میٹر نے تین سو روپے بنا دیئے تھے۔ میں نے منہ بنا کر کہا۔

''تمہارے رکشے میں کیا بجلی کا نیا والا میٹر لگا ہے۔ اتنی رقم کیسے بن گئی؟''

''آپ دیکھ سکتے ہو۔'' اس نے بے نیازی سے میٹر کی طرف اشارہ کیا اور اسٹائل سے بیڑی پینے لگا۔

''چلو پچاس چھوڑ دو صرف کرایہ دے دو۔''

''تین سو روپے میں تو ٹھاٹ سے کسی ٹیکسی میں آ سکتا تھا۔ اس چھکڑے میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ جو شاید انسان کو ذلیل کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔''

''تو ٹیکسی لے لیتے۔''

''میں ڈیڑھ سو دوں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''دو سو۔'' اس نے جواب دیا اور پھر دو سو لے کر مجلت میں روانہ ہوا تو میں حیران رہ گیا تھا۔ البتہ ٹریفک کانسٹیبل کو دیکھ کر حیرت رفع ہو گئی۔ جو شکار ہاتھ سے نکل جانے پر کفِ افسوس ملتا واپس اپنی جگہ جا رہا تھا۔ رکشے والے نے نو پارکنگ کے بورڈ کے عین سامنے رکشا روک رکھا تھا۔ میں نے شاپنگ سینٹر کا رخ کیا۔ ان دنوں موبائل فون عام ہو چکا تھا لیکن ابھی ہمارا قومی جنون نہیں بنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شاپنگ سینٹروں میں ہر دوسری دکان موبائل شاپ نہیں بنی تھی۔ شاپنگ سینٹر کے اوپری فلور پر موبائل کی چند دکانیں تھیں۔ میں ایک دکان کی طرف جا رہا تھا کہ ایک شخص نے روک لیا۔

''موبائل چاہئے..... نوکیا، سونی ایئر کسن، موٹرولا، سام سنگ..... سب آدھی قیمت پر ملے گا۔ بالکل نیا جیسا۔''

وہ یقیناً چوری کے موبائل بیچتا تھا اور کسی دکان دار سے اس کا کمیشن طے تھا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے تم سے موبائل نہیں لینا ہے۔''

''قیمت آپ کی پسند کی ہوگی۔''

''مجھے چوری کا مال نہیں لینا۔'' اس بار میں نے صاف انکار کر دیا۔

اس نے نہایت غلط نظروں سے مجھے دیکھا اور چلا گیا۔ میں نے ایک دکان سے ذرا مارکل قیمت والے موبائل سیٹ دکھانے کو کہا۔ اس نے مجھے کئی سیٹ دکھائے..... ایک سیٹ مجھے پسند آ گیا۔ یہ بلیک اینڈ وائٹ اسکرین کا لیکن دیرپا بیٹری والا مختصر سا سیٹ تھا۔ اب تو اس کی قیمت خاصی گر گئی ہے لیکن اس وقت دکان دار نے اس سیٹ کی قیمت چھ ہزار بتائی تھی۔ پھر اس نے ساڑھے پانچ میں سیٹ دے دیا۔ اس کا چارجر بھی تھا۔ میں نے سم کی بات کی اس نے ایک مقبول موبائل سروس کمپنی کی سم بھی دلوا دی۔

''سر اس کی ایک سال کی مکمل وارنٹی ہے کوئی بھی مسئلہ ہو آپ میرے پاس لے آئیں۔ اسی وقت آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔'' دکان دار نے وارنٹی کارڈ بنا کر میرے سپرد کیا میں نے ادائیگی کی اور موبائل لے لیا۔ اس نے مجھے بیلٹ لگانے والا کلپ گفٹ میں دیا۔

''مگر بہتر ہوگا..... موبائل جیب میں رکھیں۔ آج کل موبائل چھیننے کی وارداتیں زیادہ ہونے لگی ہیں۔''

اس نے مشورہ دیا تو مجھے چوری کے موبائل بیچنے والے شخص کا خیال آیا۔ میں نے دکان دار لڑکے کو اس بارے میں بتایا۔ ''بس جناب چند کالی بھیڑیں اس کاروبار کو بدنام کر رہی ہیں۔'' لڑکے کی بات پر یقین کرنا مشکل تھا کیونکہ کسی قسم کی اخلاقیات کو ہم کاروباری حضرات نے بہت پہلے اپنی زندگی سے خارج کر دیا تھا۔ اب کوئی صنعت کار، کوئی تاجر یا کوئی دکان دار دیانت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس پر ذرا مشکل سے ہی یقین آتا ہے۔ میں شاپنگ سینٹر سے باہر نکل آیا تھا۔ میرا ارادہ مزید کچھ خریداری کرنے کا تھا۔ اپنے حلیے کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ میں دشمن کی نظروں سے محفوظ ہوں۔ میں فٹ پاتھ پر آگے چل پڑا۔ ایک دکان سے میں نے دو پینٹ شرٹس لیں۔ کیونکہ عام طور پر مجھے اسی لباس کی عادت تھی۔ شلوار قمیص شاذ ہی پہنتا تھا۔ دکان میں جاتے ہوئے میری نظر ایک چادر پوش پر پڑی تھی۔ خاصی دیر بعد جب میں دکان سے نکلا تب بھی وہ باہر موجود تھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا اور اس وقت تو میں ٹھنک گیا جب میں نے ایک جوس کارنر پر بھی اسے خود سے چند قدم کے فاصلے پر پایا۔ کیلے کا ملک شیک پینے کے دوران میں نے عینک کے رنگین شیشوں کے عقب سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ شاید اکیلا تھا اور مجھ سے بے نیاز نظر آنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ کیا دشمن میری بو پا گئے تھے؟ لیکن اگر اس کا تعلق مرشد علی کی پارٹی سے تھا تو اس کے دوسرے ساتھیوں کی اردگرد موجودگی یقینی تھی اور اس صورت میں اس شخص کی چادر تلے کسی ہتھیار کی موجودگی بھی لازمی تھی۔

میں جوس کارنر سے آگے بڑھا تو وہ ٹہلتے ہوئے میرے نزدیک آنے لگا۔ اگر میں فرار ہونے کی کوشش کرتا تو وہ مجھے فوری طور پر گولی مار سکتا تھا۔ شاید وہ مجھے پکڑ کر لے جانے کی فکر میں تھا۔ ابھی میں فرار کے کسی موزوں طریقے پر غور کر رہا تھا کہ وہ میرے قریب آن کھڑا ہوا۔ اس کی چادر کا ایک حصہ مجھے چھو رہا تھا۔ پھر چادر کے نیچے سے کوئی شے مجھے پہلو میں چبھنے لگی۔

''یہ پستول ہے۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا چاہتے ہو تم؟'' میرا لہجہ پُرسکون تھا۔

''اپنا موبائل میرے حوالے کردو۔''

میں نے گہری سانس لی وہ میرے دشمنوں میں سے نہیں تھا۔ بلکہ موبائل چھیننے والا ڈاکو تھا۔ ''دوست! موبائل میری جیب میں ہے تم نکال لو۔''

''زیادہ چالاکی مت دکھا..... چند ہزار کے موبائل کے لئے جان مت دو..... شرافت سے موبائل میرے حوالے کردو۔'' اس نے دانت پیسے۔

''مجھے بھی اس کے پیچھے مرنے کا شوق نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم موبائل لے جاؤ۔''

''خاموشی سے نکال کر دے دو۔''

''میں نے موبائل نکال کر اسے دے دیا۔ ''ہلنا مت..... میرا ایک ساتھی آس پاس ہے اگر شور مچایا تو وہ گولی مار دے گا۔''

اسی لمحے ایک بچہ بھاگتا ہوا آیا اور چادر پوش سے ٹکرا گیا۔ یہ افغانی بچہ تھا۔ اپنے ساتھی سے لڑ کر بھاگ رہا تھا۔ اس جنگ زدہ قوم کی نفسیات میں لڑائی، مار کٹائی اس طرح بیٹھ گئی ہے کہ اس کے بچوں کا پسندیدہ کھیل آپس میں لڑنا بھڑنا ہے۔ چادر پوش اس ٹکر کے لئے تیار نہیں تھا وہ ہڑبڑا گیا۔ سنبھلنے کی کوشش میں اس کی چادر پاؤں تلے آئی اور وہ سڑک پر جا گرا۔ مزید بدقسمتی سے ایک بائیک اس طرف آ رہی تھی اور بچاتے بچاتے بھی اس کے پاؤں پر چڑھ گئی۔ اس نے ذبح کئے جانے والے بکرے کی سی آواز نکالی تھی۔ میں نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ قابو میں کیا لیکن وہ اپنے ہوش میں کہاں تھا۔ میں نے بہ آسانی اس سے پستول چھین لیا۔

''لاؤ موبائل دو ادھر۔''

اس نے جلدی سے موبائل مجھے واپس کر دیا اور میں نے پستول سے میگزین نکال کر اسے ایک کار کے نیچے پھینک دیا۔ چادر پوش دبی زبان میں گالیاں دے رہا تھا۔ اچانک وہ دھاڑا ''پکڑ لو اس..... کو۔''

فٹ پاتھ پر دو طرف سے چادر پوش میری طرف لپک رہے تھے۔ ان کا مسلح ہونا یقینی تھا۔ ان چوروں کی دیدہ دلیری لائق تحسین تھی کہ بھاگنے کے بجائے وہ مجھے گھیرنے کی فکر میں تھے۔ میں نے فوری فیصلہ کیا اور ٹریفک کے دریا میں کود پڑا۔ دو گاڑیوں سے بچتے بچتے تیسری گاڑی نے پہلو میرے کولہوں پر مارا۔ اس کے بعد میں خیریت سے دوسری طرف پہنچ گیا۔ ٹریفک کے بے پناہ شور کے باوجود مجھے موبائل چھیننے والے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو میرا تعاقب کرنے اور مجھے جہنم رسید کرنے کا حکم دے رہا تھا۔

میں بے تحاشا بھاگا تھا۔ وہ دونوں بندروں کی طرح گاڑیوں سے بچتے اس طرف آ رہے تھے۔ فٹ پاتھ پر لوگوں کا ہجوم تھا اس لئے وہ دور سے گولی چلانے کی پوزیشن میں نہیں تھے لیکن اگر میں ان کے ہاتھ آ جاتا تو شاید وہ مجھے گولی مار دیتے۔ بدقسمتی سے اس فٹ پاتھ پر جانے والوں سے زیادہ آنے والوں کا ریلا تھا۔ وہ اس فٹ پاتھ پر آ چکے تھے اور لوگوں کو بلاتکلف دھکے دیتے میرے پیچھے دوڑے آ رہے تھے۔

اچانک میری نظری سامنے سے آتی بس پر پڑی۔ بس رفتار سے جا رہی تھی۔ میں نے سوچا اور اچانک سڑک پر اتر کر چلتی بس کا ڈنڈا پکڑ کر جھول گیا۔ میرے پاؤں سڑک پر رگڑ کھا رہے تھے اور میں پائیدان پر چڑھنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی کوشش کر رہا تھا۔ بس ان دو چادر پوشوں کے پاس سے گزری تو ان کے منہ کھل گئے تھے پھر ان نے ایک کو چادر سے پستول برآمد کرتے دیکھا تو دیوانہ وار کوشش کی اور پائیدان پر چڑھ گیا۔ اگلے لمحے میں بس کے اندر تھا۔ فائر کی آواز سنائی دی تھی لیکن گولی نہ جانے کہاں گئی۔ میں دوسری طرف کی نشستوں میں لڑھکتا چلا گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے کھڑکی کے غائب شیشے سے دوسری طرف کا منظر دیکھا۔ موبائل چھیننے والا زمین پر گرا تھا اس کے سامنے دو افراد تھے۔ ایک نے چھوٹی سی رائفل اٹھا رکھی تھی۔ چادر پوش نے ہاتھ اوپر کیا جیسے انہیں روکنا چاہ رہا ہو اور رائفل بردار نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ خون اور مغز فوارے کی طرح اچھلا تھا۔ محض ایک سیکنڈ میں، میں نے یہ سب دیکھ لیا اور بس اس جگہ سے آگے بڑھ گئی۔ فائر کی آواز نے لوگوں کو ہراساں کر دیا تھا۔ وہ جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

''اوہ، میاں..... یہ کیا چکر ہے؟'' ایک نستعلیق قسم کے بزرگ نے پوچھا۔

''میرا چکر ہے جناب! مجھ سے موبائل چھیننا چاہتے تھے میں بھاگا تو مجھے مارنے کی کوشش کی تھی۔ بس میں لٹک کر جان نہ بچاتا تو مارا جاتا۔'' میں نے مصنوعی سانسوں کے درمیان کہا۔

میں نے عقبی شیشے سے دیکھا۔ سائیڈ سے ایک سیاہ جیپ نکل کر بڑے غلط انداز میں ٹریفک کے دھارے میں شامل ہوئی تھی۔ جیپ تیزی سے بس کے پیچھے آنے لگی تو میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اب تک میں اس معاملے کو موبائل چھیننے کی ایک واردات سمجھ رہا تھا لیکن مجھے محسوس ہوا معاملہ کچھ اور تھا میں تیزی سے بس کے اگلے حصہ کی طرف لپکا۔ اس سے پہلے کہ جیپ والے بس تک رسائی حاصل کرتے میرا بس سے اتر جانا ضروری تھا۔ ڈرائیور اب بس کو ریس دے رہا تھا اور چلتی بس سے کودنا خودکشی کرنے کے برابر ہوتا۔ میں نے اگلے دروازے سے لٹک کر باہر جھانکا۔ سیاہ جیپ تیزی سے ٹریفک میں راستہ بناتی ہوئی آ رہی تھی۔ اگر وہ بس تک رسائی حاصل کر لیتے تو مجھے پکڑ لینا یا گولی مار دینا ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ابھی انہوں نے کچھ دیر پہلے سرِ عام ایک شخص کو ہلاک کیا تھا۔ میں نے ڈرائیور سے بس روکنے کو کہا۔

''اے..... روکو۔''

''جاؤ..... جاؤ.....'' اس نے جواب میں کہا۔ ''بس اسٹاپ پر رکے گا۔''

''اسٹاپ کے بچے! بس میں بم لگا ہے..... بس روکو..... بم پھٹ گیا تو سب مارے جائیں گے۔'' میں نے چلا کر کہا تھا تاکہ سب سن لیں۔ اس اعلان کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا تھا۔ لوگوں نے چلانا شروع کر دیا۔ خود ڈرائیور نے بدحواس ہو کر اس طرح بریک لگائے کہ عقب میں آنے والی تین گاڑیاں پہلے بس سے اور پھر آپس میں ٹکرائیں۔ بس رکتے ہی میں نے چھلانگ لگائی اور ایک کار کے بونٹ سے ہوتا فٹ پاتھ پر جا گرا۔ جیپ کوئی سو گز کے فاصلے پر پیچھے ٹریفک میں پھنس گئی تھی میں آگے کی طرف بھاگا۔ موت کے ہرکارے میرے پیچھے تھے اور میں جلد از جلد ان کی پہنچ سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے ارد گرد دیکھا۔ ایک عورت اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہی تھی اور شاپنگ کے سامان سے بھرے تھیلے اس نے برابر میں رکھ لئے تھے۔ میں نے فوری فیصلہ کیا اور جھپٹ کر کار کی عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ ''میرے ہاتھ میں پستول ہے۔ میں نے دہشت زدہ خاتون سے کہا۔ دشمن میرے پیچھے ہیں۔ جلدی نکلو، دیر کی تو میرے ساتھ تم بھی ماری جاؤ گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پلیز..... پلیز..... گولی مت چلانا۔'' وہ لرزتے لہجے میں بولی اور اتنے ہی لرزتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ سیاہ جیپ سے اترنے والے تین افراد گاڑیوں کو پھلانگتے اسی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ پتا نہیں انہوں نے مجھے اس خاتون کی کار میں بیٹھتے دیکھا تھا یا نہیں لیکن اگر وہ یہاں تک آ جاتے تو مجھے تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

''جلدی کرو..... وہ آ رہے..... ہیں۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''سفاک لوگ ہیں میرے سامنے اپنے ایک ساتھی کو مار چکے ہیں۔ وہ مجھے فرار سے روکنے میں ناکام رہا تھا۔''

خاتون نے بالآخر کار اسٹارٹ کر لی اور بے ڈھنگے پن سے ریورس کرنے کے بجائے سامنے فٹ پاتھ پر چڑھا دی۔ ''مروا دیا.....'' میں کراہا۔ ''ادھر..... برابر والی سیٹ پر جاؤ۔''

اس کار خیر میں مجھے خاتون کی مدد کرنا پڑی تھی۔ اسے برابر والی نشست پر دھکیل کر میں نے کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار ریورس کر کے دوڑا دی۔ عقب میں فائر ہونے کی آواز آئی اور ایک گولی بیک ونڈ سے آگے پیچھے کے شیلڈز میں سوراخ کرتی گزر گئی۔ میں نے خاتون کا سر نیچے کی طرف جھکا دیا۔ ''نیچے رہو وہ لوگ فائرنگ کر رہے ہیں۔''

میں نے کار صاف ہو جانے والی سڑک پر دوڑا دی کیونکہ عقب میں بس اور اس کے عقب میں ساری ٹریفک جام تھی۔ پہلی سائیڈ روڈ آتے ہی میں نے کار اس پر گھما دی۔ ''یہ..... تت..... تم کہاں جا رہے ہو؟'' خاتون نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ عمر تیس بتیس تھی لیکن بہت دلکش اور نسوانیت سے بھرپور خاتون تھی۔ ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑھی اور گہرے نیلے رنگ کے بلاؤز میں اس کا حسن نکھر رہا تھا۔ خوف اور تشویش بھی اس کے چہرے کی خوبصورتی کو دبانے میں ناکام رہے تھے۔

''دشمنوں سے دور.....'' میں نے کار ایک گلی میں گھماتے ہوئے کہا۔ ''وہاں بڑی سڑک پر وہ بہ آسانی ہمارے پیچھے آ سکتے تھے۔''

''تب..... مجھے اتار دو..... تم بے شک کار لے جاؤ۔''

اس کی تجویز معقول تھی۔ ''ہاں..... لیکن آپ مجھے اپنا کوئی نمبر دے دیں..... میں آپ کو کال کر کے بتا دوں گا کہ میں نے آپ کی گاڑی کہاں چھوڑی ہے، آپ منگوا لیجئے گا۔''

اس نے جلدی سے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ ''اس پر میرے تمام نمبر ہیں۔''

میں نے کارڈ دیکھا۔ اس پر بیگم شاہینہ خان کے ساتھ ایک این جی او آسان کا نام بھی تھا۔ ''آپ سماجی کارکن ہیں؟''

''ہاں، میری این جی او بے سہارا ہو جانے والی لڑکیوں کو شادی اور باعزت زندگی گزارنے کے لئے مدد دیتی ہے۔ ہمارا ایک شیلٹر ہوم بھی ہے۔'' میرے مہذبانہ رویے نے اسے کسی قدر بے خوف کر دیا تھا۔

''شکریہ! اگر کبھی حالات نے موقع دیا تو میں آپ کا شکریہ ادا کرنے ضرور آؤں گا۔'' میں نے کار روک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی۔

وہ اتر گئی۔ میں نے شاپنگ کے تھیلے بھی اس کی طرف بڑھا دیئے۔ ''آپ کے پاس ایکسٹرا چابی ہوگی۔ میں کار لاک کر کے جاؤں گا۔''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا اور شاپرز لے کر پیچھے ہو گئی۔ میں نے کار آگے بڑھا دی۔ سائیڈ روڈ پر آنے کے بعد مجھے عقب میں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے باوجود مجھے اطمینان نہیں تھا۔ ان لوگوں کے پیچھے پڑنے کا انداز بتا رہا تھا کہ یہ مرشد علی کی پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ بے شک مرشد علی کا تعلق راولپنڈی سے تھا لیکن اس کی سیاست پنجاب میں تھی اور لاہور پنجاب کی سیاست کا مرکز تھا۔ مرشد علی حکومتی جماعت کا ایک حصہ تھا۔ یہاں اس کا اثر اور قوت ہونا تعجب کی بات نہیں تھی۔ میں کار مختلف سڑکوں سے گزارتا رہا۔ پھر ایک جگہ مجھے ٹیکسیاں کھڑی نظر آئیں اور میں نے کار ایک گلی میں روک دی۔ چابیاں میں نے فٹ میٹ پر اس طرح ڈال دی تھیں کہ باہر سے نہ نظر آئیں۔

میں نے جو کپڑے لئے تھے ان کا شاپر بھاگ دوڑ میں گر گیا تھا۔ بہر حال موبائل بچ گیا تھا۔ میں نے ایک ٹیکسی والے سے بات کی۔ وہ شریف آدمی فوراً چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کی ٹیکسی کا میٹر بھی مناسب رفتار سے چل رہا تھا۔ اس نے آدھے گھنٹے میں مجھے ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی کے سامنے اتار دیا اور کرائے کے علاوہ پچاس روپے لے کر خوشی خوشی رخصت ہو گیا۔ نامراد جس کا اصل نام مراد خان تھا گیٹ پر موجود تھا۔ میں نے بیل بجانے سے گریز کیا اور دروازہ بجایا۔ ''بھاگ جاؤ۔'' مراد خان نے کرسی سے جواب دیا۔

''بھاگ جاؤ کے بچے.....! میں ہوں تمہارے صاحب کا مہمان۔''

''تم ہے صاحب!'' اس نے بوکھلا کر جلدی سے دروازہ کھولا۔

مہمان خانے میں اپنے کمرے میں آ کر میں نے کافی طلب کی۔ ذرا دیر کی بھاگ دوڑ نے میرا جسم ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کافی آنے تک میں نے ایک مختصر سا غسل کیا۔ میرے پاس ابھی کوئی صاف جوڑا نہیں تھا۔ مجبوراً وہی کپڑے پہن لئے۔ کوثر کافی لے کر آئی تو میں نے اس سے کپڑے دھلوانے کے بارے میں پوچھا۔ ''یہاں پاس لانڈری ہے؟ مجھے اپنے کپڑے دھلوانے ہیں۔''

''میں دھو دیتی ہوں۔'' اس نے پیشکش کی۔ ''ایک گھنٹے بعد آپ کو کپڑے مل جائیں گے۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ میرے پاس اور کوئی صاف سوٹ نہیں ہے اب۔''

''اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''میں آپ کو ایک سوٹ اور لا دیتی ہوں۔ یہ بھی دے دیں۔''

جب تک میں نے کافی پی اس نے مجھے ایک سوتی ٹراؤزر اور ایک سفید ٹی شرٹ لا دی۔ میں نے لباس تبدیل کر کے تمام گندے کپڑے اس کے حوالے کر دیئے۔ یقیناً کوٹھی میں کوئی کوئیک واش اینڈ ڈرائی واشنگ مشین تھی۔ سچ مچ ایک گھنٹے کے اندر اس نے مجھے تمام کپڑے دھلے اور استری کئے ہوئے لا دیئے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں پوچھا۔ ''اس وقت وہ کلینک میں ہیں۔ ان سے ڈنر کی میز پر ملاقات ہو گی۔'' کوثر نے بتایا۔ ''ڈنر ٹھیک آٹھ بجے ہوتا ہے۔ دس بجے ڈاکٹر صاحب سونے کے لئے چلے جاتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سات بج رہے تھے۔ ندیم یقیناً دفتر سے گھر آ چکا تھا۔ میں نے اس کا موبائل نمبر ملایا۔ ''کیا حال ہیں اس طرف سب خیریت ہے ناں؟''

ندیم میرے لہجے سے بھانپ گیا۔ ''ادھر سب خیریت ہے، تم بتاؤ وہاں سب ٹھیک ہے؟''

''ویسے تو ٹھیک ہے لیکن ایک چکر ہوا تھا۔'' میں نے کہا اور پھر اسے مختصر الفاظ میں پیش آنے والا واقعہ سنایا۔ ''بس سمجھ لے اللہ نے بچالیا۔''

''بیٹے! وہ تو میں پچھلے کئی مہینے سے دیکھ رہا ہوں۔''

''یار! انہوں نے مجھے اتنی جلدی تلاش کیسے کرلیا؟''

''سوال یہ ہے کہ اب بھی تُو ان کی نظروں سے دور ہے یا نہیں؟''

میرے جسم میں سنسنی سے دوڑ گئی۔ ''تیرا مطلب ہے انہوں نے میرا تعاقب کیا ہوگا۔''

''عین ممکن ہے۔ دراصل یہ سارا واقعہ خاصا بھونڈا لگ رہا ہے اگر انہوں نے تجھے اغوا یا قتل کرنا تھا تو یہ کام براہِ راست بھی کرسکتے تھے۔ ان گھٹیا قسم کے ڈاکوؤں کو سامنے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

ندیم کے سوال نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ واقعی انہوں نے قطعی احمقانہ طریقہ اختیار کیا اور میں اسی وجہ سے نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ میں نے بھی تعاقب کا امکان ذہن میں رکھا تھا اور ٹیکسی میں بھی عقب سے دیکھتا رہا تھا مجھے ایک بار بھی تعاقب کا شبہ نہیں ہوا تھا۔ بعض اوقات خاصی دیر تک ہمارے پیچھے کوئی گاڑی ہی نہیں ہوتی تھی۔

''نہیں یار..... مجھے ننانوے فی صد یقین ہے کہ میرا تعاقب نہیں ہوا ہے۔ دشمن میری پناہ گاہ سے بے خبر ہے۔''

''چل تُو مطمئن ہے تو پھر ٹھیک ہے۔'' ندیم بولا۔ ''سفیر تجھ سے بات کرنے کے لئے مرا جا رہا ہے۔ اسے بھی کال کرلے اس کے موبائل پر..... ویسے اس کی آبائی حویلی میں فون بھی ہے اس پر کال کرلے۔''

ندیم نے مجھے نمبر بتایا جو میں نے نوٹ کرلیا۔ ''کیس کی کیا پروگریس ہے؟''

''آج میں نے تیری بازیابی کے لئے اکرم چشتی اور مرشد علی کو فریق بنا کر کیس فائل کردیا ہے۔ شاید کل عدالت سمن جاری کردے۔ میری کوشش ہے میڈیا کیس کو زیادہ سے زیادہ کوریج دے۔''

''لیکن ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا۔'' میں نے مشورہ دیا۔ ''وسیم کے آدمی تیرے ساتھ ہیں؟''

''ہاں بیویوں کی طرح چوبیس گھنٹے چمٹے رہتے ہیں۔ ان کا بس چلے تو باتھ روم اور بیڈ روم میں ساتھ جائیں۔''

''اس معاملے میں اتنی ہی حفاظت کی ضرورت ہے۔ میں نے تجھ سے راجا کا نمبر مانگا تھا۔''

''اس کی کوٹھی کال کرلے۔ اس کا لال بیگ سیکرٹری یہیں ہے، وہ بتادے گا۔ تجھے راجا کے حوالے سے تازہ ترین صورتِ حال سے بھی آگاہ کردے گا۔''

میں نے اگلا نمبر راجا عمر دراز کی کوٹھی کا ملایا۔ ایک منٹ بعد بیگ لائن پر تھا۔ ''راجا صاحب جا چکے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے محتاط لہجے میں بتایا۔ ''ہاں، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''حکیم قادس کی کوئی خبر ملی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں اس کا کچھ پتا نہیں ہے۔ باقی افراد کی لاشیں مل گئی تھیں۔ سوائے صادق کے۔'' بیگ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''شاید اسے بھی حکیم قادس کے ساتھ لے جایا گیا ہے۔'' میں نے غور کیا۔

''شاید۔ اب اس نمبر پر کال مت کرنا۔'' بیگ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

میں صورتِ حال پر غور کر رہا تھا۔ اب دشمن میرے پیچھے تھا۔ ظاہر ہے مرشد علی بہر صورت مجھے اپنے قبضے میں کرنا یا قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس کی جاگیردارانہ ذہنیت اور خدائی کے تکبر تک پہنچی انا کا تقاضا یہی تھا۔ اس کے لئے وہ ہر ممکن وسائل استعمال کر رہا تھا لیکن قادس کا اس نے کیا کرنا تھا۔ اگر وہ راجا سے بھی انتقام لینا چاہتا تھا اور حکیم قادس کا تعلق راجا سے تھا، تب بھی اسے اغوا کرنے کا تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پھر آج جس بھونڈے پن سے مجھے پکڑنے کی کوشش کی گئی اس سے ظاہر تھا کہ پس پردہ کوئی نہ کوئی ایسا معاملہ جاری تھا جو فی الحال میری سمجھ سے باہر تھا۔ مرشد علی سے نمٹنا ندیم کا کام تھا کیونکہ طاقت میں، میں کسی طرح اس کا ہم پلا نہیں تھا۔ اسے صرف سیاست اور قانون کے میدان میں مجبور کیا جا سکتا تھا کہ وہ سمجھوتا کرے۔ اگرچہ مرشد علی جیسے لوگ زبان یا تحریری معاہدوں کی پروا نہیں کرتے ہیں۔ جب ان کا داؤ لگتا ہے یہ اپنی کر گزرتے ہیں۔

میں نے سفیر کی حویلی کا نمبر ملایا۔ کئی مراحل سے گزرنے کے بعد کال مردانے میں سفیر کو ملی۔ عقب میں جاری شور بتا رہا تھا کہ نوجوانوں کی ٹولی ہلا گلا کر رہی ہے۔ میں نے اونچی آواز میں سفیر سے بات کرانے کو کہا۔ فون اٹھانے والا چلایا۔ ''اوئے سفیر تیرا فون ہے۔''

''ہیلو۔'' کچھ دیر بعد سفیر کی آواز آئی۔

''کیا تیری شادی کی تاریخ رکھی جا رہی ہے۔''

''کون..... شوبی۔'' سفیر چلایا۔ ''کہاں ہے تُو.....؟''

''ایک شہر میں..... تُو بتا..... کیسا ہے..... مونا کیسی ہے۔''

''تجھے یاد کرتا ہوں۔'' سفیر خفگی سے بولا۔ ''مونا تو روتی ہے۔''

''یار مجھے بھی تم دونوں بہت یاد آتے ہو۔ مگر کیا کروں..... تقدیر کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا ہوں۔''

''تیرے غائب ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ پھر پرسوں ندیم سے بات ہوئی تو اس نے تیرے بارے میں بتایا تھا۔''

''یار دشمن کتے کی طرح پیچھے ہے۔'' میں نے اسے مختصراً خود پر بیتنے والی سنائی۔

''شوبی میں تیرے پاس آنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اضطرابی لہجے میں کہا۔

''فی الحال یہ ممکن نہیں ہے۔ میں خود چھپتا پھر رہا ہوں اور جب دشمن تاک میں ہو تو سب کا ایک جگہ ہونا حماقت کہلاتا ہے۔''

''تُو نے وسیم سے رابطہ کیا۔ وہ تیرے لئے بہت فکرمند ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ابھی میں کسی قسم کا رسک لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ مرشد علی کے گرگے میری توقع سے بڑھ کر چالاک ثابت ہو رہے ہیں۔"

"ڈیوڈ شا اور فتح خان کے مل جانے سے یہ لوگ بہت طاقتور ہو گئے ہیں۔"

"ڈیوڈ شا اپنا مقصد حاصل کر کے جا چکا ہے۔ فتح خان بھی اس کے ساتھ تھا لیکن مجھے اغوا کرنے والوں میں وہ شامل تھا۔ اس کا مطلب ہے کم سے کم فتح خان مرشد علی کے لئے کام کر رہا ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں لیکن مرشد علی سے اسے کیا مفاد ہو سکتا ہے؟"

"پیسا..... اور دوسرے اسے راجا کے خلاف ایک مضبوط سہارا مل گیا ہے۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "بہرحال فتح خان ایک چالاک آدمی ہے۔ میں اب تک حیران ہوں اس نے نہ جانے کیسے ہمارا تعاقب کیا تھا؟"

کچھ دیر تک سفیر سے باتیں کر کے اور اسے مونا کو تسلی دینے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ مونا زنان خانے میں تھی اور وہاں اس سے بات کرنے میں ذرا دشواری تھی اس لئے میں اس سے بات نہ کر سکا تھا۔ کچھ دیر بعد کوثر نے رات کے کھانے کی اطلاع دی۔ ڈاکٹر صاحب میرے منتظر تھے۔ کھانے کے دوران انہوں نے مجھ سے کچھ رسمی قسم کے سوالات کئے تھے یعنی مجھے یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے اور میں ٹھیک سے رہ رہا ہوں۔

"برخوردار اسے اپنا گھر سمجھو۔" انہوں نے کہا۔ "کسی قسم کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ضرور جناب۔" میں نے سعادت مندی سے کہا۔

کھانا پُرتکلف تھا اور میرا پسندیدہ بھی۔ کھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب مجھے لاؤنج میں لے آئے۔ کوثر کو انہوں نے کافی کا کہہ دیا۔ پندرہ بیس منٹ تک ہم گفتگو کرتے رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے قصے سنا رہے تھے۔ شادی شدہ اور بچوں والے تھے۔ بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اور بچے سارے ہی بیرون ملک تھے اس لئے اکیلے تھے۔ مریضوں اور مطالعے سے دل بہلایا کرتے۔ بچے ہفتے میں ایک بار فون پر خیریت پوچھ کر فرض سے سبکدوش ہو جاتے تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب بچوں سے دوری اور تنہائی محسوس کرتے تھے۔

بس میاں..... انسان بچوں میں لگ کر ساری دنیا فراموش کر دیتا ہے لیکن جیسے ہی بچے اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے ہیں، ماں، باپ کو بھول کر اپنی دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں۔"

"دنیا اسی کا نام ہے جناب۔" میں نے کہا۔ "ماں باپ اپنے بچوں کے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑتے ہیں ان میں ان کے اپنے ماں، باپ بھی شامل ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب کا منہ کھل گیا تھا وہ ہکا بکا رہ گئے تھے۔ "برخوردار! تم نے بالکل درست کہا ہے واقعی میں بھی گاؤں میں اپنے ماں، باپ کو چھوڑ کر شہر کی زندگی میں آ کر بیوی، بچوں میں لگ گیا تھا۔ ماں باپ کو بھول گیا تھا۔"

"یہی وجہ ہے ہم پریشان ہیں اور اکیلے ہیں۔" میں نے گہری سانس لی۔

"نوجوان تمہاری سوچ اچھی ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے سر اپنے کے انداز میں کہا۔

اس کے باوجود میں پریشان ہوں..... آوارہ و سرگرداں۔ میں نے تلخی سے سوچا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب اٹھ گئے اور میں نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لئے میں نے ٹی وی آن کر لیا۔ مختلف چینلز گھماتے ہوئے ایک ماحول پر کام کرنے والے ٹی وی چینل پر آیا تو ایمن کا نام اور جانا پہچانا چہرہ دیکھ رک گیا۔ لگ رہا تھا کہ وہ اس چینل کی اہم فرد تھی۔ تبھی اس کے خاصے پروگرام آتے تھے۔ وہ کسی افریقی ملک میں تھی اور وہاں کے فطری ماحول کے بارے میں پروگرام پیش کر رہی تھی۔ نیچے سلائڈ پر اس کا نام اور ای میل ایڈریس آ رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں اس سے انٹرنیٹ پر رابطہ کر سکتا تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے اور اس پوش علاقے میں انٹرنیٹ کیفے ہونا چاہئے تھا۔

میں نے لباس تبدیل کیا اور مہمان خانے کے باہر جانے والے راستے سے نکل آیا۔ مراد خان گیٹ کے پاس چارپائی پر لیٹا ریڈیو پر گانے سن رہا تھا۔ "مراد خان میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "کچھ دیر میں آؤں گا۔"

"کدر جاتا اے صیب؟" اس نے پوچھا۔

"یار یہاں کوئی نیٹ کیفے ہے۔"

"نیٹ کیفے۔" اس نے سر کھجایا۔

"جہاں کمپیوٹر ہوتے ہیں۔" میں نے آسان زبان میں اسے سمجھایا۔

"اچا..... اچا..... وہ والا کیفے..... اور سے الٹے ہاتھ پر جاؤ..... بڑا روڈ پر بڑھو کان اے..... اور ملے گا۔"

یہ خاصا شاندار قسم کا ائیر کنڈیشنڈ اور جدید ترین کمپیوٹرز والا انٹرنیٹ کیفے تھا۔ خاصے لوگ تھے اس کے باوجود مجھے ایک کیبن مل گیا۔ پلائی سے پارٹیشن بنائے گئے تھے۔ جن کے نیچے خلا تھا۔ میں نے اپنا ای میل اکاؤنٹ کھولا۔ خاصے عرصے سے بند رہنے کی وجہ سے اکاؤنٹ اَن ایکٹویٹ تھا۔ میں نے اسے ایکٹو کیا اور ایمن کو ای میل کرنے لگا۔

"مس شا..... اگر تمہیں شہباز ملک یاد ہو..... تو اس میل کا جواب دینا۔ میں نے تمہیں ٹی وی پر دیکھا ہے۔ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گئی ہو..... تمہیں یاد ہے..... تمہارا باپ جس تصویر کے لئے آیا تھا، اس نے کئی آدمیوں کی جان لی تھی..... اس بار تمہارا چچا ڈیوڈ شا آیا اور تصویر کے حصول کے لئے اس نے درجنوں آدمی قربان کر دیئے۔ اس نے مجھے بھی اغوا کرایا تھا۔ تصویر ڈیوڈ شا کے قبضے میں جا چکی ہے۔ تمہارے باپ کا مبینہ قاتل فتح خان ڈیوڈ شا کے لئے کام کر رہا ہے۔ جن دنوں تصویر کے حصول کے لئے خونریزی کی جا رہی تھی، اس سے چند دن پہلے تم پاکستان میں تھیں۔ کیا تمہیں ان سب حالات کا علم ہے؟"

شہباز احمد۔"

اسے ای میل کر کے مجھے خیال آیا۔ اس کا ای میل ہاٹ میل کا تھا۔ میں نے ایم ایس این کھولا اور اس پر اپنا اکاؤنٹ بنایا۔ جب میسنجر کھل گیا تو ایمن کا ای میل ایڈریس دوستوں والے خانے میں درج کر دیا۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ آن لائن ہو اور یہ دیکھ کر میں خوش ہو گیا کہ وہ آن لائن تھی۔ میں نے اسے پیغام بھیجا۔ "میں شہباز احمد ہوں۔" مگر اس نے رد کر دیا۔ میں نے پھر میسج کیا اور بار بار کرتا رہا۔ مجھے امید تھی کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تنگ آ کر ایک بار تو پڑھے گی۔ میری توقعات پوری ہوئیں۔ کوئی دس منٹ بعد اس کا پیغام آیا۔

''میرے خدا..... شہباز یہ تم ہو۔ ابھی مجھے تمہاری ای میل ملی ہے لیکن وہ دوسرے ای میل ایڈریس سے تھی۔ شکر ہے مجھے خیال آ گیا کہ پیغام دینے والے بھی تم نہ ہو۔''

''میں تمہیں یاد تھا۔'' میں نے لکھا۔

''شہباز تم بھولنے والی شے نہیں ہو۔'' اس کا جواب آیا۔ ''پاکستان میں جو وقت میں نے تمہارے ساتھ گزارا تھا اور تم نے مجھے بچانے کے لئے جس طرح اپنی جان خطرے میں ڈالی تھی اسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔''

''میں بھی تمہیں نہیں بھولا تھا۔ ابھی ٹی وی پر تمہارا پروگرام دیکھ رہا تھا۔''

''ہاں..... یوگنڈا میں تھی..... لیکن ابھی تو میں لندن میں ہوں..... تم کہاں ہو؟''

''پاکستان میں۔''

''تمہاری میل نے مجھے حیران اور پریشان کر دیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان خوبصورت وادیوں میں یہ خونی کھیل کھیلا جا رہا ہوگا۔''

''ایمن..... یہ کھیل اب شہروں اور میدانوں تک آ پہنچا ہے۔ میرے لئے لکھ کر بتانا ممکن نہیں ہے ورنہ میں تمہیں اپنی رُوداد سناتا۔''

''وائس پر آ جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''ایک منٹ رکنا۔'' میں نے اس سے کہا اور کیفے کے مالک یا منتظم کے پاس آیا۔ اس سے وائس چیٹ کے لئے مائیک اور ہیڈ فون لیا۔ اسے پی سی سے منسلک کر کے میں نے ایمن کو وائس چیٹ کا پیغام بھیجا۔ فوراً ہی ہیڈ فون پر اس کی کھنکتی آواز آئی۔

''شہباز کیسے ہو؟ اتنے عرصے بعد تم سے بات ہوگی مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''لیکن آج کل میں جن انہونیوں سے گزر رہا ہوں..... مجھے یقین ہے۔ میں ہر بات اور واقعے کے لئے تیار رہتا ہوں۔''

''لگتا ہے ان دنوں تم کچھ پریشان ہو۔''

''ہمارے ایک شاعر نے کہا ہے۔ ''مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں..... میری بات چھوڑو..... اپنی سناؤ..... ڈیوڈ شا اس تصویر کے لئے پاگل ہو رہا تھا۔''

''نام نہ لو اس شخص کا..... مجھے نفرت ہے اس سے..... اس نے میرے باپ کی جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ بلکہ نہیں بلکہ اسے مروہ بھی قرار دلوا دیا۔''

''اس کے بغیر وہ برٹ شا کی جائیداد پر قبضہ کیسے کر سکتے تھے۔ میں نے سنا ہے پاکستانی حکومت نے بھی برٹ شا کی فائل بند کر دی ہے۔''

''ہاں یہ سب ڈیوڈ شا کا چکر ہے۔ اس نے میری بے خبری میں یہ کام کیا۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے اس کے اقدام کو عدالت میں چیلنج کروں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہاں..... برطانیہ یا پاکستان میں؟"

"پہلے پاکستان ہے اور اس کے بعد یہاں..... اس سلسلے میں اگلے ہفتے پاکستان آ رہی ہوں۔"

"یہ تو اچھی خبر ہے۔"

"تم سے کہاں ملاقات ہوگی؟"

"فی الحال یہ مشکل ہے۔" میں نے کہا۔

میں نے ایمن کو اپنے اور اپنے پیاروں پر گزرنے والی رُوداد اختصار کے ساتھ سنائی تھی اس کے باوجود بات ایک گھنٹے میں جا کر ختم ہوئی تھی۔ ایمن دم بخود سی سنتی رہی تھی۔ آخر میں اس نے کہا۔ "شہباز مجھے لگتا ہے تمہاری قسمت کی لکیر میں سکون سے رہنا نہیں لکھا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ وہ چند دن تھے جب میں ایک نارمل زندگی سے دور رہ رہا تھا۔ اس کے بعد میں سکون سے ایک عام آدمی کی طرح جی رہا تھا کہ یہ افتاد آن پڑی۔"

اس نے گویا جھرجھری لی۔ "پہلے وزٹ کے بعد بھی میں کئی بار پاکستان آئی میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں بااثر لوگ قانون کو اس حد تک کھلونا بنا کر رکھتے ہیں!"

"اس سے بھی زیادہ..... میں تو پھر ان کا مقابلہ کر رہا ہوں۔ یقین کرو کوئی غریب بے سہارا ہوتا تو اس کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔"

"شہباز اب تم کیا کرو گے؟" اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"مقابلہ! اس کے سوا اپنوں نے میرے لئے کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا ہے۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میرا وکیل کوشش کر رہا ہے کہ مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے لیکن مجھے ایک فی صد بھی امید نہیں ہے کہ ایسا ہوگا۔"

"سنو..... تم ملک سے نکل جاؤ..... برطانیہ آ جاؤ..... میں ویزا دلوانے میں ہر ممکن مدد کروں گی۔"

"قانونی طریقے سے میرا نکلنا مشکل ہے کیونکہ میں کئی مقدمات میں پولیس کو مطلوب ہوں اور غیر قانونی طریقے سے نکلنا مجھے قبول نہیں ہے۔ ویسے تم فکر نہ کرو۔ خدا کی ذات کے بعد میرے مہربانوں کی کمی نہیں ہے۔"

"راجا اچھا آدمی ہے۔ وہ مجھے اس وقت بھی اچھا لگا تھا۔"

"یقین کرو۔ راجا جیسے لوگ جھوٹے اور چور نہیں ہو سکتے ہیں اس نے مجھے اس مہم کا تھوڑا سا احوال سنایا جس میں وہ تمہارے دادا کے ساتھ ہمالیہ کی طرف گیا تھا۔"

ایمن بے چین ہو۔ "اس نے یہ نہیں بتایا کہ کیوں گیا تھا۔"

"نہیں۔" میں نے سوچ کر کہا۔ افسانوی شہر کا ذکر کرنا مجھے مناسب نہیں لگا تھا آخر اس کے باپ نے بھی اسے یہ بات نہیں بتائی تھی۔

"پاکستان آ کر میں تم سے کیسے رابطہ کروں گی؟"

"میرا موبائل نمبر لے لو..... اگر تمہارے آنے تک یہ میرے پاس رہا تو اس پر رابطہ کرنا ورنہ اللہ مالک ہے۔" میں نے نمبر لکھ بھیجا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''او کے۔ میں کوشش کروں گی۔ اگر تمہارا نمبر نہ ملا تو مجھے اسلام آباد کے میریٹ میں کال کرنا میں وہیں ٹھہروں گی۔''

''ضرور بشرطیکہ حالات کال کرنے کی اجازت دیں۔'' میں ہنسا۔

''شہباز اپنا خیال رکھنا۔'' ایمن کی آواز اچانک جذباتی ہوگئی۔ ''تم نہیں جانتے میں تمہارے لئے دل میں کتنا خلوص رکھتی ہوں!''

''شکریہ ایمن..... اب مجھے جانا ہوگا۔ میں زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتا ہوں۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔ گڈ بائے۔''

''بائے۔'' میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس کیفے کے مالک نے اپنے کسٹمرز کو اچھی سہولیات دے رکھی تھیں۔ سب سے بڑھ کر نیٹ بہت تیز تھا۔ اس پر کام کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔ بل ادا کر کے میں وہاں سے نکل آیا۔ بارہ بج رہے تھے اور پوش علاقہ ہونے کی وجہ سے گلیاں سنسان تھیں۔ صرف شرٹ میں مجھے ہلکی سردی لگ رہی تھی۔ میں تیز قدموں سے ڈاکٹر کی کوٹھی کے پاس پہنچا۔ اس کے مین گیٹ کے سامنے ایک کار کھڑی تھی۔ میں رک گیا جب میں گیا تھا تو یہ کار نہیں تھی اور اس علاقے میں گھروں کے اندر اور باہر گاڑیاں کھڑی کرنے کی اتنی گنجائش تھی کہ کوئی بھی مجبوری میں کار کسی کے مین گیٹ کے سامنے پارک کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میری چھٹی حس نے چونکا دیا تھا اور میں نزدیک جانے کے بجائے ایک درخت تلے رک گیا۔ یہاں تاریکی تھی اور دور سے مجھے دیکھ لیا جانا ناممکن تھا۔ کار کے اندر بھی تاریکی تھی اور یہ جاننا ممکن نہیں تھا کہ اندر کوئی ہے یا نہیں۔ اچانک کار کے اندر ایک سرخ نقطہ نظر آیا۔ کوئی سگریٹ پی رہا تھا۔ میں نے ٹنول کرز مین سے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور سڑک کے کنارے لگے درختوں کی آڑ لیتا ہوا، جھکے جھکے کار کے نزدیک پہنچا اور کار کی ڈگی کے ساتھ دبک گیا۔ اچانک اندر سے کسی کی گھٹی گھٹی آواز آئی اور پھر کوئی غرایا۔

''وہ کہاں ہے..... تیری ماں کا یار۔''

''کون.....؟ ام کو نہیں پتا۔'' مراد خان نے فریاد کی۔

''یہ نہیں مانے گا اسے سلا دو..... اندر دیکھو۔'' کسی دوسرے نے کہا۔ اس کے فوراً بعد ہلکی سی ٹھک کی آواز آئی اور میں نے مراد کی ہلکی سی چیخ سنی تھی۔

☆======☆======☆

اندر کم سے کم دو افراد تھے اور ایک شاید گاڑی میں تھا، ممکن ہے گاڑی میں ایک سے زیادہ افراد ہوں۔ مجھے صرف سگریٹ نوش نظر آیا تھا۔ اندر سے آنے والی آوازوں سے ظاہر تھا کہ مراد خان سے پوچھ گچھ کے بعد اسے بے ہوش کر دیا گیا تھا یا ممکن ہے وہ مارا جا چکا ہو۔ وہ لازماً مسلح تھے اور ان کے سامنے آنا خودکشی کرنے کے مترادف تھا۔ میں خاموشی سے پیچھے ہٹا اور مناسب فاصلے پر جا کر موبائل سے ڈاکٹر صاحب کے گھر کا نمبر ملایا۔ تیسری بیل پر ڈاکٹر صاحب نے کال خود ریسیو کی تھی۔ ''ڈاکٹر صاحب! میں شہباز احمد بول رہا ہوں، آپ کی کوٹھی کے باہر سے۔''

''باہر سے کیوں؟ اندر کیوں نہیں آئے..... اچھا سمجھا، وہ نامراد پڑا سو رہا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نامراد کے بارے میں مجھے شبہ ہے، وہ ہمیشہ کی نیند سو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب آپ کی کوٹھی میں چند ڈاکو گھسے ہیں، پولیس کو کال کریں۔''

''میرے خدا ایک منٹ رکنا۔'' ڈاکٹر صاحب بوکھلا کر بولے۔ غالباً انہوں نے موبائل پر کسی سے رابطہ کیا۔ کچھ دیر بعد بولے۔ ''شیر خان..... میں ہوں ڈاکٹر..... ہاں، میری کوٹھی میں کچھ ڈاکو گھس آئے ہیں۔ فوراً پولیس بھیجو۔ ہاں..... ہاں، پستول ہے میرے پاس..... تم اپنے آدمی بھیجو۔''

پھر وہ لائن پر آئے۔ ''میں نے ایک جاننے والے ڈی ایس پی کو کال کر دی ہے۔ وہ پولیس پارٹی بھیج رہا ہے، تم کہاں ہو؟''

''ڈاکٹر صاحب، آپ جانتے ہیں، میرا پولیس کے سامنے آنا مناسب نہیں ہے۔ فی الحال آپ کوٹھی کی کھڑکیاں، دروازے اندر سے بند کر لیں تاکہ وہ اندر نہ آنے پائیں۔ ان کا ایک یا ایک سے زیادہ ساتھی باہر ایک کار میں موجود ہیں۔''

''اوہ..... میں دیکھتا ہوں۔'' ڈاکٹر صاحب نے فون بند کر دیا۔''

میں نے ڈاکوؤں کا ذکر کر کے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ یہ لوگ سوفی صد میرے لئے آئے تھے۔ اچانک کار سے ایک سایہ اترا اور درختوں کی طرف آیا تھا۔ میں جس درخت کے عقب میں تھا، اس کے تنے سے چمٹ گیا۔ کیا اسے یہاں میری موجودگی کا شبہ ہوا تھا۔ مگر میرا شبہ غلط نکلا، جب وہ درخت کے تنے سے ذرا فاصلے پر دیوار کی طرف منہ کر کے ایک خاص پوز میں بیٹھا..... تو میں سمجھ گیا کہ یہ فطرت کی پکار تھی جو اسے یہاں تک لائی تھی۔ میں اس کی آمد سے فائدہ نہ اٹھاتا تو بلاشبہ احمق کہلاتا تھا۔ میں نے آرام سے اس کی گدی پر ہاتھ رکھا اور اس کا سر اس دیوار سے دے مارا، جس کی جڑ کو وہ آلودہ کر رہا تھا۔ سر اور دیوار کے تصادم سے خاصی آواز بلند ہوئی تھی۔ البتہ اس کے منہ سے نکلنے والی آواز میرے ہاتھ تلے دب کر رہ گئی۔ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ سر دیوار پر مارا، دوسری بار سر دیوار سے لگا تو وہ سکون سے زمین پر دراز ہو گیا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اسے پتا چل گیا تھا کہ یہ فطرت کی نہیں اصل میں شامت کی پکار تھی۔ میں نے پھرتی سے اس کی تلاشی لی اور اس کے کرتے کی جیب سے برآمد ہونے والا پستول اور بٹوا قبضے میں کر لیا۔ اس کی طرف سے مجھے اطمینان تھا۔ اگر کوئی مداخلت نہ کرتا تو وہ خاصی دیر تک خواب خرگوش کے مزے لے سکتا تھا۔

میں محتاط قدموں سے کار کی طرف بڑھا۔ درختوں کے نیچے مکمل تاریکی تھی اس لئے اگر کوئی کار کی سمت سے اس طرف دیکھ بھی رہا تھا تب بھی میں اسے نظر نہ آتا۔ نزدیک جا کر میں نے ایک چھوٹا سا کنکر کار کے بونٹ کی طرف اچھال دیا۔ خاموشی میں اس کی آواز بھی گونجی تھی۔ کار کے اندر سے کسی نے بے اختیار باہر جھانکا۔ وہ شخص ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ اردگرد دیکھنے کے لئے اس نے چند لمحے کے لئے کار کے اندر کی روشنی جلائی۔ میں نے دیکھ لیا، ڈرائیور اکیلا تھا اور اس نے پستول اٹھا رکھا تھا۔ جیسے ہی اس نے روشنی بجھائی، میں پھرتی سے اس کے سر پر پہنچ گیا۔ میں نے پستول کا دستہ عقب سے اس کی کنپٹی پر مارا اور وہ آہ بھر کر ساتھ برابر والی سیٹ پر لڑھک گیا۔ ضرب بالکل درست جگہ اور قوت سے لگی تھی۔ وہ یقیناً بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں نے پھرتی سے اس کی تلاشی لی۔ اس کا پستول سامنے تھا۔ مزید کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اسے برابر والی نشست پر دھکیل دیا اور پھر جا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے شخص کو بھی لا کر عقبی سیٹ پر ڈال دیا۔

میں یہ سب ایک منصوبے کے تحت کر رہا تھا۔ اس کے بعد میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اندر موجود افراد کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ باہر ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا کارروائی ہو چکی ہے۔ کار کا ٹھکانا میں نے پہلے ہی سوچ لیا۔ نیٹ کیفے سے آتے ہوئے میں نے ایک ویران کوٹھی دیکھی تھی جو کھنڈر ہو چکی تھی اور اس کی ایک دیوار شاید گزشتہ بارش میں گر گئی تھی۔ میں نے بلا تکلف کار اینٹوں کے ملبے پر چڑھا دی۔ ممکن تھا اندر کوئی چوکیدار ہوتا اور مجھے اسے بھی لمبا لٹانا پڑتا لیکن نامعلوم چوکیدار اپنی خوش قسمتی سے غائب تھا۔ میں نے کار کو اندر لے جا کر کھڑا کیا۔ باہر سے نظر آنے کا امکان نہیں تھا، لہٰذا میں نے روشنی جلا کر اطمینان سے کام کیا۔ توقع کے عین مطابق ڈکی سے مجھے رسی کا ایک گچھا مل گیا جس سے میں نے ان دونوں کو باندھا اور آخر میں ان کی قمیص پھاڑ کر ان کے منہ بھی بند کر دیئے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں نے ڈیش بورڈ کی تلاشی لی۔ اندر ایک عدد ماؤزر اور اس کے فاضل میگزین رکھے تھے۔ میں نے وہ بھی نکال لئے۔ ماؤزر تلے ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی تھی، یہ بھی مال غنیمت تھا جو میری جیب میں گیا۔ گڈی میں کم سے کم دو سو نوٹ تھے یعنی یہ دو لاکھ روپے تھے۔ ان دونوں کے پاس سے موبائل فونز بھی نکلے تھے اور یہ زیادہ قیمتی چیز تھی۔

اب مجھے اندر جانے والوں کی فکر تھی، میں واپس ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی کے سامنے آیا۔ وہاں بدستور سناٹا اور تاریکی تھی لیکن میں نے مین گیٹ کے قریب جانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ پولیس کسی وقت بھی وہاں آ سکتی تھی۔ ممکن ہے آنے والے بھاگ جاتے اور میں پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا۔ اس لئے میں نے کوٹھی سے ذرا فاصلے پر ایک اور کوٹھی کے سامنے لگی کراٹا کی باڑھ کے پیچھے جگہ سنبھال لی۔ کیونکہ فی الحال پولیس کی آمد کے آثار نہیں تھے اس لئے میں نے ندیم کو کال کی۔ چوتھی بیل پر اس نے چراغ پا انداز میں کال ریسیو کی اور پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔ ''اس وقت کیا مسئلہ ہے؟''

''معاف کرنا..... شاید میں نے غلط موقع پر کال کی ہے۔'' میں ہنسا۔ ''مجھے وسیم کے موبائل کا نمبر چاہئے۔''

ندیم نے ایک خاصی وزنی گالی دی تھی اور رابطہ منقطع کر دیا۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر پھر اس کا نمبر ملانے جا رہا تھا کہ اس کی طرف سے ایس ایم ایس آ گیا۔ اس نے وسیم کا موبائل نمبر بھیج دیا تھا بلکہ یہ دو نمبرز تھے۔ میں نے ایک نمبر ملایا۔ وسیم نے فوری کال ریسیو کی تھی۔ ''یس..... ہواز؟''

''میں ہوں۔'' میں نے نام لئے بغیر کہا۔ ''میں لاہور میں ہوں۔''

''آپ..... مجھے معلوم ہے، کوئی خاص بات؟''

''شکاری کتے یہاں بھی میرے پیچھے ہیں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں نے دو کتے پکڑ لئے ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔ آپ کہاں ہیں؟''

میں نے اسے ڈاکٹر کی کوٹھی کا پتا بتایا۔ ''میں اس کے باہر ہوں۔ اندر مزید شکاری کتے ہیں۔ میں نے باہر والوں کو قابو کیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں سمجھ گیا..... ابھی چند منٹ کے بعد میرا آدمی آپ سے رابطہ کرے گا۔ آپ کا نمبر میرے پاس آ گیا ہے۔"

وسیم نے فون بند کر دیا۔ پانچ منٹ بعد جیسے ہی موبائل تھرتھرایا، میں نے کال ریسیو کر لی۔ میں نے اس کی قل بند کر دی تھی۔ "یس!" میں نے کہا۔

"میں عادل بات کر رہا ہوں..... وسیم صاحب کے توسط سے۔ آپ کہاں ہیں اس وقت؟"

میں نے اسے بھی پتا سمجھایا۔

"میں سمجھ گیا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میں آپ سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ میں اور میرے آدمی بیس منٹ کے اندر ایک سیاہ وین میں وہاں آ رہے ہیں۔"

"میں انتظار کر رہا ہوں..... لیکن خیال سے..... یہاں پولیس بھی آنے والی ہے۔"

"میں سمجھ گیا، آپ بے فکر رہیں۔"

میں نے باڑھ سے ذرا اوپر ہو کر دیکھا۔ اسی لمحے ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی سے تین افراد باہر آئے تھے۔ میں نے ایک کی آواز سنی۔ "اوئے، یہ کہاں مر گئے؟"

بولنے والا لہجے سے بدمعاش طبقے کا لگ رہا تھا۔ دوسرے نے بھی کچھ کہا، آواز تو آئی لیکن الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے۔ وہ کار اور اپنے ساتھیوں کے غائب ہونے سے پریشان تھے۔ پولیس اپنی مخصوص رفتار سے آ رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو کال کیے پون گھنٹا گزر چکا تھا اور ابھی تک ان کی آمد کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ایک آدمی اس طرف آیا جہاں میں باڑھ کے پیچھے چھپا تھا۔ دوسرا فرد گلی کے دوسرے سرے پر گیا تھا۔ وہ کار اور اپنے ساتھی کو تلاش کر رہے تھے۔ اچانک میری والی طرف سے ایک پولیس موبائل سائرن آن کرتی گلی میں داخل ہوئی تھی۔ اس طرف آنے والا اچھل کر بھاگا اور درمیان میں کھڑے شخص نے پولیس موبائل پر فائر کیے تھے۔ موبائل رک گئی اور پھر اس سے کسی نے برسٹ مارا..... بھاگنے والا شخص لڑکھڑایا، چند قدم بھاگا اور پھر منہ کے بل سڑک پر گر گیا۔ فائر کرنے والا پہلے ہی بھاگ رہا تھا۔ موبائل دوبارہ حرکت میں آئی اور اس کے تعاقب میں آگے بڑھی۔ موبائل سے دو پولیس اہلکار برسٹ کا شکار ہونے والے کے پاس کودے تھے۔ ایک نے گرنے والے کو ہلا جلا کر دیکھا جبکہ دوسرے نے بھاگنے والے پر فائر کیے۔ وہ تقریباً گلی کے کونے کے پاس جا پہنچا۔ سپاہی کی فائرنگ سے وہ بچ گیا تھا لیکن قریب آنے والی موبائل سے اس پر فائر ہوئے تو میں نے اسے بھی گرتے دیکھا۔ گلی کے دوسرے سرے کی طرف جانے والا موبائل دیکھتے ہی بھاگ کر گلی سے نکل گیا تھا، اب موبائل اس کے پیچھے تھی۔

اترنے والے دونوں سپاہی آگے بڑھ رہے تھے، وہ شاید ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی کے اندر جانا چاہتے تھے۔ دو دفعہ فائر ہوئے تھے اور خاصا شور بھی ہوا تھا لیکن اردگرد کی کوٹھیوں میں سناٹا طاری تھا۔ کسی کوٹھی سے روشنی یا آواز کا اشارہ نہیں ملا تھا۔ سب دم سادھے بیٹھے تھے۔ ورنہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اتنی فائرنگ کسی نے سنی نہ ہو۔ میں باڑھ کے پیچھے رہتے ہوئے گلی کے کونے کی طرف جانے لگا۔ عادل شاید آنے والا تھا۔ باڑھ ختم ہونے کے بعد میں نے درختوں کی آڑ لی، اس دوران میں دو بار اور فائرنگ کی آواز گونجی تھی۔ پولیس غالباً ان تینوں کو ڈاکو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قرار دے کر مقابلے میں پار کر رہی تھی۔ ایک تو لازماً مارا جا چکا تھا۔ دوسرا بھی زخمی تھا اور تیسرے کا بھی کچھ نہ کچھ ہو چکا تھا۔ اگر پولیس کو معلوم ہوتا کہ یہ ڈاکو نہیں، بلکہ ایک حکومتی بندے مرشد علی کے آدمی ہیں تو شاید گولیوں کے بجائے وہ انہیں سلیوٹ مارتی۔ میں گلی کے سرے تک پہنچا کہ عادل کی کال آئی۔ ''ہم کھنڈر کوٹھی کے سامنے ہیں۔''

''میں بھی آ رہا ہوں۔'' میں نے موبائل بند کیا اور گلی سے نکل کر تیزی سے اس کوٹھی کی طرف بھاگا۔ پولیس موجود تھی اور مزید پولیس کی آمد بھی متوقع تھی۔ میں کسی نئے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ کھنڈر نما کوٹھی کے سامنے ایک سیاہ وین کھڑی تھی۔ میں نے وین کے عقبی حصے پر ہاتھ مارا۔ عقبی دروازہ کھلا اور میں اندر گھس گیا۔ وین کے عقبی حصے میں تین افراد تھے۔ میں نے تعارف کرایا۔ ''شہباز ملک!''

''عادل شیخ!'' ایک نوجوان نے تعارف کرایا۔

''وہ دونوں اندر کھڑی کار میں بندھے پڑے ہیں۔'' میں نے کوٹھی کی طرف اشارہ کیا۔ ''جو کرنا ہے جلدی کرو، کچھ دیر میں پولیس یہاں بھی آ سکتی ہے۔''

''آپ آئیں۔'' عادل نے کہا اور اپنے ساتھیوں سمیت نیچے اتر گیا تھا۔ پانچ منٹ میں ہم نے دونوں بے ہوش افراد کو وین میں منتقل کیا۔ ڈرائیور نے وین گھما کر اس طرح ٹوٹی دیوار کے ساتھ لگا دی تھی کہ ہمیں دشواری پیش نہیں آئی۔ ہمارے بیٹھتے ہی وین روانہ ہو گئی تھی۔ عادل نے کار کے کاغذات بھی نکال لئے تھے۔ نمبر پلیٹ جعلی بھی ہو سکتی تھی۔ بے ہوش افراد کے بارے میں میرا اندازہ غلط نکلا تھا، ان میں سے ایک ہوش میں تھا۔ عادل آگے ڈرائیور کے پاس چلا گیا تھا اور باقی دو افراد سے میں واقف نہیں تھا، ویسے بھی وہ مؤدبانہ انداز میں خاموش بیٹھے تھے جیسے مجھ سے مرعوب ہوں۔ وین تیزی سے اس علاقے سے نکلی تھی۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو کال کی۔ خاصی دیر بعد کوثر نے فون ریسیو کیا۔ ''کوثر، ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ..... باہر پولیس والوں کے ساتھ ہیں۔'' اس نے میری آواز پہچان کر کہا۔ ''کیا بلاؤں؟''

''نہیں، بس ان کی خیریت معلوم کرنی تھی۔ میں..... فی الحال کہیں اور جا رہا ہوں بعد میں رابطہ کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب کو میرے بارے میں بتا دینا۔ وہ پریشان نہ ہوں، خدا حافظ!''

دونوں قیدی وین کے فرش پر ساکت اور سہمے ہوئے پڑے تھے۔ وین کوئی نصف گھنٹے بعد رک گئی۔ عقبی دروازہ کھول کر عادل کے دونوں ساتھی اتر گئے۔ میں بھی نیچے آیا۔ یہ خاصا وسیع سا احاطہ تھا جس کے چاروں طرف لال اینٹوں کی اونچی چار دیواری تھی۔ دیوار پر خاردار تاریں اور ہر دس فٹ کے بعد ایک طاقتور بلب لگا تھا جس کی وجہ سے پورا احاطہ جگمگا رہا تھا۔ مین گیٹ سے ایک شیڈ تک ساری زمین سرخ اینٹوں سے پختہ کی گئی تھی اور باقی زمین کچی تھی جس پر جا بجا پھولدار پتھروں کی کیاریاں بنی تھیں۔ وسط میں ایک چھوٹا سا مکان تھا جسے چاروں طرف سے سفیدے کے اونچے درختوں نے گھیر رکھا تھا۔

''آئیے جناب!'' عادل نے مجھ سے کہا تھا۔

''یہ لوگ'' میں نے وین میں موجود قیدیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے ان سے کچھ پوچھنا ہے۔''

''میرے ساتھی ابھی انہیں تیار کر دیں گے۔'' عادل نے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔ ''یہ اتنے شریف نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں کہ آسانی سے کچھ بتا دیں۔''

عادل مجھے عمارت کے اندر لایا یہ ریڈ کراس کے نشان جیسی کوئی عمارت تھی۔ وسیع ہال میں ایک بڑا سا ہال نما کمرا تھا جس کے چاروں طرف دو دو کمرے قطار میں تھے۔ ہال ایک طرح سے نشست گاہ تھی۔ عادل نے ایک ملازم کو کافی لانے کا حکم دیا پھر مجھ سے پوچھا۔ ''آپ کو بھوک لگی ہو تو کھانے کا انتظام بھی ہے۔''

''نہیں شکریہ!'' میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''وسیم کو اطلاع دے دی؟''

''جی جناب..... میری بات ہوگئی تھی ان سے راستے میں۔''

پندرہ منٹ بعد کافی آ گئی، میں بے تابی سے ان دونوں افراد سے پوچھ گچھ کا منتظر تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی تک کیسے آئے جبکہ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا تھا۔ تعاقب پر مجھے یاد آیا، میں نے اب تک اس نیک خاتون کو اس کی کار کے بارے میں نہیں بتایا تھا، میں نے جیب سے اس کا دیا ہوا کارڈ نکالا اور مطلوبہ نمبر ملایا۔ اس عورت کی آواز آئی۔ ''ہیلو..... کون بات کر رہا ہے؟''

''آپ کا شرمسار۔'' میں نے ندامت سے کہا۔ ''ابھی تک آپ کو آپ کی کار کے بارے میں نہیں بتا سکا تھا۔''

''اوہ..... تم خیریت سے تو ہو ناں..... مجھے تمہاری فکر تھی۔''

''میں خیریت سے ہوں، بہت شکریہ!'' میں نے کہا اور اسے جگہ بتائی جہاں میں نے اس کی کار چھوڑی تھی۔ ''اپنی گاڑی وہاں سے منگوا لیں۔''

''وہ میں منگوا لوں گی مگر تم اپنا بہت خیال رکھنا۔ تمہارے دشمن خطرناک لوگ ہیں۔ کل شام ان کی فائرنگ سے دو افراد مارے گئے تھے۔''

''وہ ان کے ساتھی تھے کیونکہ وہ مجھے روکنے میں ناکام رہے تھے، اس لئے طیش میں آ کر انہوں نے اپنے ہی ساتھیوں کو مار دیا۔ ایک بار پھر بہت شکریہ۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے تمہارے کام آ کر خوشی ہوئی۔''

میں کافی ختم کر چکا تھا۔ عادل نے آ کر بتایا۔ ''وہ دونوں تیار ہیں، آیئے میرے ساتھ۔''

ایک کمرے کے فرش سے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ ان سے اتر کر ہم ایک تہ خانے میں آئے۔ اس کے ایک کونے میں وہ دونوں الٹے لٹکے تھے اور ان کے سروں کے نیچے بجلی کا ہیٹر لگا تھا۔ ان کے پاس دو افراد موجود تھے جو صورت سے ہی سفاک اور جلاد طبیعت کے نظر آتے تھے۔ عادل نے ان کی طرف دیکھا۔ ''کچھ کہا انہوں نے؟''

ایک مسکرا کر بولا۔ ''کہیں گے سرکار! کیوں نہیں کہیں گے، آپ سوال کر کے دیکھو۔''

ان دونوں کی آنکھوں سے خوف جھلک رہا تھا لیکن فی الحال وہ بہادری دکھا رہے تھے۔ میں ایک کے قریب گیا۔ ''مجھے پہچانتے ہو؟''

''نہیں جی! ہم آپ کو نہیں جانتے۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

''پھر ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی پر کیوں گئے تھے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم جی ڈاکو ہیں۔ ڈاکا مارنے گئے تھے۔ ہمیں پولیس کے حوالے کردو۔'' دوسرے نے کہا۔

''ماچس ہوگی کسی کے پاس؟'' میں نے پوچھا۔ عادل نے ماچس منگوا کر میرے حوالے کی۔ میں نے اس کی ایک تیلی جلائی اور بجھا کر ایک بدم پہلے والے کی ناک سے لگادی۔ اس نے تڑپ کر چیخ ماری تھی۔

''بس..... اتنی سی قوت برداشت ہے؟'' میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''یہ ہیٹر جب جلیں گے اور تمہارے سروں میں موجود مغز اس کی گرمی سے فرائی ہوں گے تب کیسے برداشت کرو گے؟''

''ہمیں..... ہمیں کچھ نہیں معلوم..... ہمیں معاف کردو۔''

میں نے اس کی فریاد نظر انداز کی۔ ''جب گرمی ناقابل برداشت ہو جائے گی تو کاسۂ سر میں تمہارے مغز پگھل کر..... ناک اور کان کے راستے باہر آئیں گے۔''

دونوں ڈر چکے تھے مگر ابھی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھے۔ عادل کے اشارے پر ایک شخص نے ہیٹر آن کردیا۔ یہ خاصے بڑے سائز کا ہیٹر تھا جو ان کے سروں سے صرف دو فٹ نیچے تھا۔ ہیٹر تیزی سے گرم ہوا اور جب اس کی آنچ ان کے سروں تک پہنچی تو انہوں نے کلبلانا اور سر اونچا کر کے حرارت سے بچنے کی کوشش شروع کردی لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔ مستقل سر اٹھائے رکھنا ممکن نہیں تھا اور جیسے ہی وہ سر نیچے کرتے، حرارت ان کے سروں کو جلانے لگتی تھی۔ ذرا دیر میں ایک کی ہمت جواب دے گئی اور اس نے چلانا شروع کردیا۔

''خدا کے لئے..... میں بتاتا ہوں۔'' دوسرے نے چلا کر کہا۔

''چپ کر..... سؤر کے بچے..... ابلا تیرے میرے خاندان کو کھا جائے گا۔'' پہلے والا غرایا۔

''میں برداشت نہیں کرسکتا۔'' دوسرے نے باقاعدہ تڑپنا شروع کردیا تھا۔ ''اوئے میرا سر پگھل جائے گا، بند کروا اسے۔''

میں نے اشارہ کیا تو ہیٹر بند کردیا گیا۔ اگرچہ اس کی تپش فوری طور پر کم نہیں ہوئی تھی لیکن انہوں نے نفسیاتی سکون محسوس کیا تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ پسینے پسینے ہو گئے تھے۔ ان کے سروں سے پسینے کے قطرے ہیٹر پر گر رہے تھے۔ گرم ہیٹر سے چھن چھن کی آواز آرہی تھی، میں نے اشارہ کیا۔ ''اگر تم چند سیکنڈ اور نہ مانتے تو پسینے کی جگہ تمہارا مغز ہیٹر پر گر رہا ہوتا۔''

''خدا کے لئے..... مجھے اتارو..... پانی دو۔'' دوسرے نے ہانپتے ہوئے کہا۔

عادل نے میری طرف دیکھا تو میں نے سر کے اشارے سے اسے اتارنے کو کہا۔ جب اسے اتارا جا رہا تھا تو اس کے ساتھی نے ایک بار پھر اسے دھمکانا شروع کردیا۔ ''اوئے..... زبان کھولی ناں تو.....''

عادل نے اچانک اس کے منہ پر ٹھوکر ماری تھی۔ اس نے کرب ناک سی آواز نکالی اور تڑپنا شروع کردیا اس کے سامنے کے دو دانت غائب ہو گئے تھے اور خون فوارے کی طرح اچھلا تھا۔

''اب یہ کتا بھونکے تو اس کے سر کے نیچے ہیٹر آن کردینا۔'' عادل نے کہا اور دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے لے آؤ۔''

ذرا دیر بعد وہ ہمارے سامنے تھا اس کی حالت پانی پی کر خاصی سنبھل گئی تھی۔ میں نے پہلا سوال بلا کے بارے میں کیا۔ ''یہ بلا کون ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی، آپ بلا چوہدری کو نہیں جانتے؟'' اس نے بے حد تعجب سے کہا۔

''بدقسمتی سے ہمیں بالکل نہیں پتا چلا کہ چوہدری صاحب منسٹر بن گئے ہیں۔'' میں نے ملامت سے کہا۔

''اوہ..... نہیں جی، بلا چوہدری لاہور کا بہت بڑا بدمعاش ہے۔''

''اچھا..... سات فٹ اونچا اور پانچ من وزنی ہے۔''

''اوہ نہیں جی!'' وہ میرے غیر سنجیدہ رویے پر جھنجلا گیا۔ ''بہت سفاک بندہ ہے جی!''

''ہم سے بھی زیادہ؟''

''ہاں..... نہیں جی!'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''شاہد جی..... سب شادا کہتے ہیں۔''

''تو شادا صاحب..... تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑے ہو؟''

''یہ تو جی بلا چوہدری جانتا ہے، اس نے ہمیں آپ کی تصویر اور اس کوٹھی کا پتا بتا کر بھیجا تھا۔''

''اسے کیسے پتا چلا کہ میں اس کوٹھی میں ہوں؟''

''پتا نہیں جی!'' اس نے سر کھجایا۔ ''پر جب ہم جا رہے تھے تو ایک آدمی بلا چوہدری کے پاس تھا۔ اس نے جی ایک بڑی سی مشین اٹھا رکھی تھی۔ وہ بلا چوہدری سے کہہ رہا تھا، شہباز نے آخری کال اس جگہ سے کی ہے۔''

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ''کیسی کال؟''

''پتا نہیں جی..... شاید موبائل کال کی بات کر رہے تھے۔ اس شخص نے عجیب سی بات کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ مشین نے کال پکڑی تھی۔''

''میرے خدا!'' میں نے جلدی سے اپنا موبائل نکالا اور اس میں سے سم نکال دی۔

عادل غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھے ایک طرف لے گیا اور آہستہ سے بولا۔ ''یہ عین ممکن ہے جناب، کمانڈر نے بھی باہر سے ایک ایسی مشین منگوائی ہے، اس کی مدد سے نہ صرف کسی موبائل کا محل وقوع معلوم کیا جا سکتا ہے بلکہ اس موبائل سے کی جانے والی کال بھی سنی جا سکتی ہے۔''

''میں اس شخص کے پاس آیا۔'' ''مشین والے شخص کا نام کیا ہے؟''

''پتا نہیں جی۔ پر وہ شخص بڑا تیز تھا جی! بلا چوہدری کسی سے نہیں ڈرتا ہے..... لیکن وہ بھی اس سے دبا دبا لگ رہا تھا۔ چہرے سے بھی وہ خطرناک نظر آتا تھا۔''

''اس کا حلیہ..... میرا مطلب ہے، نقوش کس طرح کے تھے؟''

''کچھ چینیوں جیسے۔''

''اس کے ماتھے پر زخم کا نشان تھا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''دائیں طرف کسی پرانی چوٹ کا نشان ہے۔''

''فتح خان!'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''وہ فتح خان ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں عادل کو ایک طرف لے گیا۔ ''معاملہ بہت خطرناک ہو گیا ہے۔ میں نے اس موبائل سے وسیم سے رابطہ کیا تھا، اسے فوری طور پر مطلع کرو اور موبائل فون کے بجائے کوئی اور ذریعہ استعمال کرنا۔ میرا خیال ہے، نہ صرف وسیم کا ٹھکانا بلکہ یہ جگہ بھی دشمن کے علم میں آ چکی ہے۔ فی الحال کوئی موبائل کا استعمال نہ کرے۔''

صورتِ حال یک دم ہی سنسنی خیز ہو گئی تھی۔ گزشتہ ایک ہفتے سے میں شدید الجھن میں تھا کہ مرشد علی یا ڈیوڈ شا کے آدمیوں نے ہمارا سراغ کیسے لگایا۔ ان کے ٹریپ سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ ہماری نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر تھے۔ میں شاداکے پاس واپس آیا۔ ''میرے بارے میں کیسے علم ہوا کہ میں لاہور میں ہوں؟''

''میں نہیں جانتا لیکن ہو سکتا ہے، مزمل جانتا ہو۔''

''تمہارا ساتھی جوتہ خانے میں ہے؟'' عادل نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہ بلا چوہدری کے قریب ہے۔'' وہ کہتے کہتے یک دم خوف زدہ نظر آنے لگا۔ ''جناب! بلا بہت ظالم ہے، اسے پتا چلا تو وہ میرے سارے گھر والوں کو زندہ جلا دے گا، وہ پہلے بھی ایسا کر چکا ہے۔''

''فکر مت کرو۔ یہ بات اس تک نہیں پہنچے گی۔''

عادل نے اسے تہ خانے میں بھجوا دیا۔ میں اور عادل اوپر آئے تو وہاں زبردست چہل پہل تھی۔ شیڈ تلے موجود گاڑیاں تیار کی جا رہی تھیں۔ میں نے سوالیہ نظروں سے عادل کی طرف دیکھا۔

''ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔'' اس نے بتایا۔ ان لوگوں کا نظم و ضبط میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ مختصر سے نوٹس پر کسی بھی صورتِ حال میں حرکت میں آ جاتے تھے۔ میں حیران تھا، ہمارے ہاں اتنے منظم اور سائنٹفک انداز میں کام کرنے والے جرائم پیشہ گروہ بھی پائے جاتے ہیں۔ میں نے جرائم پیشہ اس وجہ سے کہا تھا کیونکہ وہ جو کام کرتے تھے، تکنیکی لحاظ سے جرائم ہی کے زمرے میں آتا تھا۔ اندر سے سامان لا کر گاڑیوں پر لادا جا رہا تھا۔ کُل تین گاڑیاں تھیں، ایک وین اور دو پجیرو۔ احاطے میں سات آٹھ افراد نظر آ رہے تھے۔ دس منٹ بعد دونوں قیدیوں کو بھی لا کر وین میں ڈال دیا گیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے اور منہ پر ٹیپ لگا تھا۔ عادل میری طرف آیا۔ ''جناب! آپ بھی وین میں آ جائیں، یہ محفوظ ہے۔''

''بہتر ہو گا، مجھے اپنے ساتھ کھلی گاڑی میں رکھو اور اگر کوئی خطرہ ہو تو مجھے بھی کوئی ہتھیار دے دو۔'' میں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''تب بہتر ہو گا آپ پجیرو میں آ جائیں۔''

مزید دس منٹ بعد احاطے اور عمارت کی تمام روشنیاں گُل کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد گیٹ کھلا اور ایک ایک کر کے تینوں گاڑیاں باہر آئیں۔ میں ایک پجیرو کے عقبی حصے میں تھا۔ پہلی بار میں نے دیکھا، یہ شاید کوئی نواحی علاقہ تھا۔ دور دور تک خالی پلاٹ اور کہیں کہیں مکانات تھے۔ چھوٹی چھوٹی دیواروں کی مدد سے پلاٹوں کی حد بندی کی گئی تھی۔ گاڑیاں ایک نیم پختہ سڑک پر آگے بڑھنے لگی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ عادل اور اس کے ساتھی چوکس تھے۔ انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال رکھے تھے۔ فی الحال دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ عادل نے دھیمی آواز میں ڈرائیور سے کہا۔ ''رفتار بڑھاؤ..... جلدی نکلو یہاں سے.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی عادل کا جملہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ سامنے سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور میرے کانوں نے بیک وقت کسی خودکار رائفل کا برسٹ چلنے اور شیشہ بکھرنے کی آواز سنی۔ جیپ ایک دھچکے سے رکی تھی۔ ہم دونوں نے بروقت سر نیچے کئے تھے۔ ڈرائیور اور اس کے ساتھی شاید گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ اس پہلے برسٹ کے ساتھ ہی ہم پر تین طرف سے فائرنگ ہونے لگی تھی۔ سامنے سے اور دائیں بائیں سے..... دشمنوں نے جال بچھایا تھا اور ہم نہایت آسانی سے ان کے جال میں پھنس گئے تھے۔ تین اطراف سے نشانہ لے کر ہم پر فائرنگ کی جارہی تھی۔ شیشے ٹوٹ رہے تھے۔ گاڑی..... کی باڈی گولیاں سہ کر ہمیں بچا رہی تھی لیکن کب تک..... کسی وقت بھی گولیاں اس کے پار ہو کر ہمیں چھلنی کر سکتی تھیں۔

عادل نیچے جو کچھ کر رہا تھا، میں اندھیرے میں دیکھنے سے قاصر تھا۔ اچانک اس نے سیدھے ہو کر کوئی شے دائیں طرف اچھال دی اور پھر جھک گیا اسی لمحے اس کے پاس سے تیز سیٹی کی آوازیں گونجی تھیں۔ ساتھ ہی اس نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز صاحب، آنکھیں بند کرلیں، باہر ہرگز مت دیکھیں۔''

میں نے جھجکتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ اسی لمحے باہر روشنی کا ایسا شدید جھماکا ہوا کہ جھکے ہونے اور بند آنکھوں کے باوجود میں نے محسوس کیا جیسے باہر بیک وقت کئی سورج طلوع ہو گئے ہوں۔ عادل نے زور سے کہا۔ ''ابھی آنکھیں مت کھولیے گا۔''

میں نے محسوس کیا وہ جھکے جھکے پھر سرگرم ہو گیا تھا اور پھر اس نے سیدھے ہو کر ایسی ہی کوئی اور شے باہر اچھال دی۔ میں نے سیٹی کی آواز سنی۔ سیٹی کا مطلب شاید ایک اشارہ تھا کہ آنکھیں بند کرلی جائیں۔ اس بار ہونے والے روشنی کے جھماکے ایسے تھے کہ روشنی کسی تند بگولے کی طرح ہم سے ٹکرائی تھی اور مجھے بے اختیار آنکھوں پر ہاتھ رکھنے پڑے تھے۔ اس کے باوجود روشنی آنکھوں میں گھسی جارہی تھی، چبھ رہی تھی۔ نہ جانے باہر جنہوں نے کھلی آنکھوں سے اس روشنی کا سامنا کیا تھا، ان کا کیا حشر ہوا تھا لیکن اس ''چیز'' کے پھینکتے ہی فائرنگ رک گئی تھی اور کچھ افراد کے چلانے کی آوازیں آرہی تھی۔ جیسے ہی یہ خیرہ کن روشنی ختم ہوئی، عادل نے ایک اور سیٹی بجائی اور اپنے ہتھیار سنبھالتا گاڑی سے اتر گیا۔ میں بھی بائیں طرف اتر گیا تھا۔ اس طرف دوسری گاڑی ذرا فاصلے پر تھی۔ عادل اور اس کے ساتھی ان کے آڑ لے کر جوابی فائرنگ کر رہے تھے۔ اندھیرے میں کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ ان کا ٹارگٹ کہاں تھا؟

لیکن میرا اندازہ غلط تھا۔ ان لوگوں کے پاس رات کو دیکھنے والی عینکیں تھیں اور وہ دشمن کی طرف تاک کر فائرنگ کر رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے دشمنوں کا تقریباً صفایا کر دیا تھا۔ ان کو روشنی کے بے پناہ جھماکوں نے اندھا کر دیا تھا اور عادل اور اس کے ساتھی نائٹ وژن عینکوں سے صاف دیکھ رہے تھے۔ پانچ منٹ تک بھرپور کارروائی کرنے کے بعد عادل اور اس کے ساتھی واپس گاڑیوں میں گھسے۔ اس کے دو ساتھی مارے گئے تھے اور دو زخمی تھے۔ ان کو وین میں منتقل کر دیا گیا اور فوراً ہی تینوں گاڑیاں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ تاریکی نے ٹوٹے شیشوں اور گاڑیوں پر لگنے والی گولیوں کے نشان چھپا لئے تھے جس گاڑی میں، میں تھا اسے عادل خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ ''ہم کہاں جارہے ہیں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ملتان روڈ پر ایک ٹھکانے کی طرف۔'' اس نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا وہ جگہ ہمارے دشمنوں کی نظر سے محفوظ ہے؟''

''امکان تو یہی ہے۔'' اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ جیسے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا ہو۔ اس لئے میں بھی چپ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے راستے میں مزید کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ ایک جگہ پہنچ کر اچانک تینوں گاڑیاں الگ ہو گئیں۔ جیپ ایک تاریک راستے پر جا رہی تھی۔ ساتھ ہی عادل نے گاڑی میں موجود دونوں افراد کو ہوشیار رہنے کو کہا۔ کچھ دیر بعد مجھے اندازہ ہوا، وہ تعاقب کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اس کا ایک ساتھی نائٹ وژن دوربین کی مدد سے عقب میں دیکھ رہا تھا، اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''سر، پیچھے دور تک کوئی نہیں ہے۔''

عادل شاید اب تک ایسے ہی گاڑی گھما رہا تھا۔ جب اس کے ساتھی نے تعاقب کا امکان مسترد کیا تو اس نے ایک راستہ پکڑ لیا۔ کچھ دیر بعد گاڑی ایک نئی قائم ہونے والی آبادی کی ایک کوٹھی میں داخل ہوئی۔ کوٹھی کے ڈرائیوے میں سرگرمی تھی۔ شاید وہاں موجود لوگوں کو ہماری آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ پورچ میں ایک لڑکی کھڑی تھی۔ گاڑی دیکھتے ہی وہ بے تابی سے لپکی تھی۔ ''عادل، تم ٹھیک ہو ناں؟''

عادل نیچے اترا اور اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہاں..... لیکن دو آدمی مارے گئے ہیں۔''

میں نیچے آیا تو عادل نے تعارف کرایا۔ ''شہباز صاحب! شی از مائی وائف سونیا..... اور سونیا، یہ شہباز صاحب ہیں۔''

''میں ان کے بارے میں سنتی رہی ہوں۔'' اس نے اشتیاق سے کہا۔ ''آپ اندر آئیں۔''

''تم شہباز صاحب کو لے جاؤ، ابھی مجھے کچھ کام نمٹانے ہیں۔''

شاید اسے ابھی گاڑیاں ٹھکانے لگانی تھیں اور اپنے مارے جانے اور زخمی ہونے والے ساتھیوں کا کچھ کرنا تھا۔ ہمارے پیچھے باقی دو گاڑیاں بھی آ گئی تھیں۔ میں رات بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد تھک گیا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا۔ سونیا نے راستے میں مجھے بتایا کہ وسیم نے اسے میرے بارے میں بتایا تھا۔ ''میرے بھائی ہیں..... وسیم اور میں ان کے گروپ میں شامل ہوں۔''

مجھے حیرت ہوئی تھی۔ وسیم نے اپنی بہن اور عادل نے اپنی بیوی کو اس خطرناک دھندے میں شامل کر رکھا تھا جس میں قدم قدم پر موت کا سامنا تھا۔ مگر فی الحال میرے پاس ان باتوں پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔ اس نے مجھے تلاش کرنے کے لئے اس مشین کا سہارا لیا ہو نہ صرف موبائل فریکوئنسی پکڑ لیتی تھی، بلکہ جس جگہ سے موبائل کا استعمال ہو رہا ہوتا تھا اس کی نشاندہی بھی کرا دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے لاہور آتے ہی تلاش کر لیا گیا تھا۔ پہلی بار شاید کسی پہچاننے والے نے مجھے دیکھا تھا۔ شاید وہی چادر پوش جس نے موبائل شاپ سے میرا پیچھا کیا تھا اور مجھے روکنے میں ناکامی کی پاداش میں سر عام مارا گیا تھا، اس نے بلاچوہدری کے آدمیوں کو اس شاپ کی نشاندہی کر دی تھی۔ اس سے میرا کنکشن نمبر حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اسلام آباد سے روانگی کے بعد سے میرے ساتھ اب تک جو ہوا تھا اس میں ایک بات قابل غور تھی۔ مرشد علی نے مجھے زندہ کیوں رہنے دیا جبکہ میں اس کے قابو میں آ چکا تھا۔ اس کی وضاحت کسی حد تک ندیم نے کر دی تھی کہ الیکشن قریب تھے اور مرشد علی کے طاقتور حریف میرا کیس اس کے خلاف اچھال کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے اور اس مرحلے پر میرا مارا جانا شاید مرشد علی کی سیاسی ساکھ کے لئے نقصان دہ ہوتا۔ اخبارات اور میڈیا بھی اس کیس میں دلچسپی لے رہا تھا لہٰذا مجھے قابو میں کر کے مرشد علی نے راناؤں کے حوالے کر دیا تا کہ بعد میں مجھ پر دباؤ ڈال کر مجھ سے اپنے حق میں بیانات حاصل کئے جائیں لیکن اس کی نوبت آنے سے پہلے میں پہلوان کے ڈیرے سے مع اس کی بیوی زہرہ کے فرار ہو گیا تھا۔

مرشد علی کی نسبت معاملہ کسی حد تک واضح تھا لیکن ڈیوڈ شا مجھ سے کیا چاہتا تھا اور میری تلاش میں اس طرح کیوں سرگرم تھا یہ فی الحال میں سمجھنے سے قاصر تھا، تصویر وہ حاصل کر چکا تھا اور اب اسے مجھ سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے تھی۔ ایک وجہ میرے ذہن میں رہ رہ کر آ رہی تھی کہ مارگلہ کے پہاڑوں میں جب مرشد علی کے آدمیوں نے مجھے گھیر لیا تھا تو میں نے تصویر جلانے کی دھمکی دے کر ڈیوڈ شا کو بلوا لیا تھا اور پھر اسے یرغمال بنا لیا تھا شاید ڈیوڈ شا اس کا انتقام لینا چاہتا تھا لیکن ہر بار میرے دل نے اس بات کو رد کر دیا۔ ڈیوڈ شا جیسے لوگ ان چھوٹے موٹے معاملات میں اپنی توانائی اور وقت ضائع نہیں کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ بڑے مقاصد ہوتے ہیں۔ سونیا نے مجھے ایک کمرا دکھا دیا۔ اگرچہ مجھے بھوک لگ رہی تھی مگر نیند سے برا حال تھا۔ اس لئے میں نے چار گھنٹے بعد ناشتے کے ساتھ جگائے جانے کی درخواست کی اور سو گیا۔ چار گھنٹے بعد مجھے خود سونیا نے جگایا تھا، میں اسے دیکھ کر ذرا بوکھلا گیا تھا۔ ''آپ..... اسی ملازم کو بھیج دیا ہوتا۔''

وہ مسکرائی۔ ''ہمیں یہاں آئے ہوئے صرف دو دن ہوئے ہیں اور فی الحال کوئی ملازم نہیں ہے۔ دوسرے کھانا میں خود بناتی ہوں۔ عادل ابھی سو رہا ہے، اس لئے صرف آپ ناشتا کر لیں۔''

وہ ناشتے کی ٹرالی ساتھ لائی تھی۔ جس پر خالص لاہوری اسٹائل کا ناشتا تھا۔ پائے، پراٹھے اور لسی کے ساتھ خاصا کچھ تھا۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ سونیا ناشتا لگا کر چلی گئی تھی۔ جب تک میں نے اطمینان سے ناشتا مکمل کیا وہ چائے لے آئی۔ ''آپ نے تکلف کیا مسز عادل!''

وہ ہنسی۔ ''تکلف آپ کر رہے ہیں، آپ میرے لئے دیسم بھائی کی طرح ہیں اور مجھے نام لے کر مخاطب کر سکتے ہیں۔''

''اوکے..... سسٹر، یہ بتاؤ..... کہ رات مزید کوئی ہنگامہ تو نہیں ہوا؟''

''نہیں۔ البتہ عادل کے ساتھی ایک صحافی کو مشکوک سمجھ کر پکڑ لائے ہیں۔ وہ یہاں کسی اسٹوری پر کام کر رہا ہے۔ بہرحال عادل اٹھ کر اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔''

''یعنی تم لوگوں نے اسے قید کر رکھا ہے؟''

''مجبوری ہے..... کیونکہ بغیر چھان بین کے اسے نہیں چھوڑ سکتے..... دشمن صحافی کے بھیس میں بھی آ سکتا ہے۔''

''یہ بات تو درست ہے..... اسے کہاں رکھا ہے؟''

''عقبی حصے میں نوکروں کے لئے کوارٹر ہیں، وہاں ہے۔''

''میں اسے دیکھتا ہوں۔'' میں نے چائے کا کپ رکھ کر کہا۔ ''مجھے دکھانا..... کہاں ہے کوارٹر؟''

سونیا مطلوبہ کوارٹر کی نشاندہی کر کے واپس چلی گئی تھی اور جب میں کوارٹر میں داخل ہوا تو وہاں خاصی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلچسپ صورت حالت تھی۔ ایک دبلا پتلا نسبتاً طویل قامت اور خوش رو نوجوان عادل کے دو ساتھیوں سے جھگڑ رہا تھا۔ "یہ میانوالی جیل ہے۔ غضب خدا کا! صبح کے دس بج رہے ہیں اور اب تک ناشتے کا نام و نشان نہیں ہے۔"

عادل کے ساتھی مجھے دیکھ کر اٹینشن ہو گئے تھے۔ ایک نے شکایت کی۔ "اس نے رات سے ہمیں تنگ کر رکھا ہے۔ اگر عادل صاحب کا خیال نہ ہوتا تو میں اسے....."

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے اسے ڈانٹا۔ "جا کر اس کے لئے ناشتا لاؤ۔"

اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے عادل کا نام لے کر غلطی کی ہے۔ وہ اور اس کا ساتھی خاموشی سے باہر چلے گئے تھے۔ صحافی بستر پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے انگلیوں کے درمیان سگریٹ دبا رکھا تھا۔ اس نے بڑے اسٹائل سے مٹھی دبا کر کش لیا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ "نام کیا ہے تمہارا؟"

"راجا ناصر!" اس نے کش لے کر کہا۔ "جرنلسٹ ہوں۔" اس نے کارڈ نکال کر پیش کیا۔

میں نے ملاحظہ کیا۔ "کیا ثبوت ہے کہ یہ اصلی ہے؟"

"معلوم کروالو، شہباز ملک صاحب۔"

میں اچھل پڑا تھا۔ "تم میرا نام جانتے ہو..... تم یقیناً مرشد علی یا بلا چوہدری کے ساتھی ہو۔"

"ان دونوں خبیثوں سے واقف ہوں..... لیکن تمہیں جاننے کی وجہ کچھ اور ہے۔ اسلام آباد میں میرا ایک دوست تمہارے لئے مہم چلا رہا ہے۔ تمہارے وکیل ندیم بھٹی کا دوست ہے۔"

"اچھا!" میں نے غور کیا۔ "تمہارے استدلال نے مجھے متاثر کیا..... لیکن ہائی داوے..... تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"میں تو سامنے والی کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا۔ مجھے اطلاع ملی تھی، یہاں ہائی کلاس قحبہ خانہ ہے جسے بعض بااثر سرکاری شخصیات کی پشت پناہی حاصل ہے۔"

"اس قسم کے عوامی خدمت گاروں کو سرکار کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے اور یہ کوئی اتنی خاص اسٹوری بھی نہیں ہے۔"

"ہاں، اس لحاظ سے تو خاص نہیں ہے۔ البتہ ایک نیا چکر ہے۔ اس قحبہ خانے کو لاہور شہر کے گرلز ہاسٹل سے لڑکیاں سپلائی کی جاتی ہیں۔ یہ لڑکیاں رات کی تاریکی میں آتی ہیں اور صبح سویرے رخصت ہو جاتی ہیں۔ بے چارے والدین اپنی لڑکیوں کو دور دراز کے قصبوں سے یہاں پڑھنے کے لئے بھیجتے ہیں اور ان کو خبر ہی نہیں ہے کہ ان کی بچیاں کس غلاظت میں اتر چکی ہیں؟"

"واقعی، یہ اس معاشرے کا اہم مسئلہ ہے۔" میں نے تسلیم کیا۔

"کل رات بھی میں دو ایسی ہی لڑکیوں کا تعاقب کرتا یہاں تک آیا تھا۔ کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا کہ تمہارے آدمیوں نے مجھے چھاپ لیا۔"

"اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو ان سے غلطی ہوئی۔"

"ہائی داوے..... تم لوگ کون ہو؟"

"سامنے والوں کے حریف یا حلیف؟" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''برخوردار! مجھے تمہاری نوجوانی پر رحم آ رہا ہے ورنہ اس سوال کا جواب میں کسی اور طرح دیتا۔''

اس نے ہاتھ اٹھائے۔ ''اوکے..... بندہ صرف قلم یا زیادہ سے زیادہ زبان چلا سکتا ہے باقی معاملات میں کورا ہے۔''

''راجا جی، بہتر ہوگا دونوں کے چلانے میں ذرا احتیاط سے کام لیا کرو۔''

اس نے آخری کش لے کر سگریٹ کو تقریباً فلٹر تک ختم کر کے ایک طرف اچھال دیا۔ ''احتیاط ہی تو نہیں آتی ورنہ یہاں کیوں بیٹھا ہوتا..... وہ کیا فرمایا ہے اپنے علامہ صاحب نے 'بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق.....' تو بس کچھ ایسی ہی طبیعت پائی ہے۔''

اتنے میں عادل کا ساتھی ناشتا لے آیا۔ راجا ناصر نے لپک کر ناشتے کی ٹرے لی تھی۔ ''جزاک اللہ، بس ساری بات یہ تھی، آج کا ناشتا تمہارے ہاں مقدر تھا۔''

''ناشتا!'' عادل کے ساتھی نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔ ''وہ جو رات سے تم نے فرمائشیں کر کر کے اُدھم مچا رکھا تھا۔''

''پکڑا تم لوگوں نے ہے..... فرمائشیں میں کس سے کرتا۔'' اس نے سخت ڈھٹائی سے کہا۔ ''اور ہاں، کافی لے کر آنا۔ میں ناشتے کے بعد کافی لیتا ہوں..... بلیک اور نان شوگر۔''

عادل کا ساتھی اسے گھورتا ہوا جانے لگا، میں نے اسے کہا۔ ''میرے لئے بھی کافی لانا۔''

وہ بادل ناخواستہ روانہ ہوا تو میں نے ناشتے میں بے خطر کود پڑنے والے صحافی سے کہا۔

''تم اس طرح ہر ایک سے پنگا لینے کے عادی ہو..... تعجب ہے اب تک فوت نہیں ہوئے۔''

''بندہ، صورت سے جتنا احمق نظر آتا ہے۔ حقیقت میں اس سے ذرا کم احمق ہے۔'' اس نے کھانے کی رفتار میں کمی لائے بغیر کہا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے یہ اس کا آخری ناشتا ہے۔ جب تک اس نے ناشتا ختم کیا، اندر سے کافی بھی آ گئی تھی۔

''تو شہباز صاحب! بات یہ ہے آپ نے مگرمچھ کی دم تلے پناہ لے رکھی ہے۔'' اس نے کافی کا مگ سنبھالا۔ ''اور آپ اس کے سامنے نہیں آ سکتے۔''

''تم نے مرشد علی کو درست طور پر مگرمچھ قرار دیا ہے میں جب بھی اس کے سامنے آیا، وہ مجھے دبوچنے سے گریز نہیں کرے گا۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''ویسے تم اس سارے معاملے کو کس نظر سے دیکھ رہے ہو..... اور ہائی داوے..... تم نے مجھے شناخت کیسے کیا؟''

راجا ناصر مسکرایا۔ ''جناب کے پوسٹر لاہور کے ہر معمولی سے بدمعاش کے پاس بھی موجود ہیں۔ مجھے حیرت ہے تم اس طرح منہ اٹھا کر گھوم رہے ہو اور کسی نے تمہیں شناخت نہیں کیا۔ تمہارے لئے ایک لاکھ کا انعام رکھا گیا ہے۔''

''سخت قدر ناشناس ہے مرشد علی صرف ایک لاکھ روپے۔'' میں نے برہمی سے کہا۔

''ایک لاکھ کا انعام صرف شناخت کرنے اور پکڑوانے والے کے لئے ہے۔'' راجا ناصر نے گویا مجھے تسلی دی۔ ''ورنہ درجہ بہ درجہ مرشد علی تک یہ انعام یقیناً پانچ، دس لاکھ تک پہنچ جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دس لاکھ ہاں یہ کچھ معقول رقم ہے۔''

ناصر نے کافی کا بڑا سا گھونٹ لے کر بات جاری رکھی۔ ''مرشد علی فی الحال الیکشن کی وجہ سے مجبور ہے ورنہ تمہارے لئے زمین آسمان ایک کر دیتا۔''

''زمین آسمان وہ اب بھی ایک کئے ہوئے ہے۔''

ناصر نے مگ خالی کر کے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگائی۔ ''نہیں..... فی الحال وہ خود کرنے کے بجائے دوسروں سے کام لے رہا ہے۔ اپنے آدمیوں کو اس نے پیچھے ہٹا لیا ہے۔''

میں نے غور کیا شاید اس وجہ سے اس نے مجھے شکر گڑھ کے راناؤں کے حوالے کیا تھا۔ ناصر کے انداز میں ایک نامحسوس سچائی تھی لیکن جب تک عادل اسے کلیئر قرار نہیں دیتا اس پر اعتماد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ''تمہارا مطلب ہے زمین آسمان ایک کرنے والا کام وہ الیکشن کے بعد کرے گا؟''

راجا ناصر نے سر ہلایا۔ ''یقیناً..... نتیجہ کچھ بھی ہو، اسے یقینی سمجھو..... ویسے بھی وہ ہمیشہ سرکاری پارٹی میں رہا ہے۔ پولیس اور صوبے کی انتظامیہ اس کے ساتھ ہے۔ وفاقی حکومت میں بھی اس کا اثر رسوخ ہے۔''

''مرشد کے بھائی نادر کے بارے میں کوئی خبر ہے؟''

''ہاں..... دبئی میں اس کا آپریشن ناکام رہا ہے اور اب اسے علاج کے لئے امریکا بھیجا جا رہا ہے۔ ایک بات طے ہے، مرشد علی بھائی کی اس حالت کا ذمے دار تمہیں سمجھتا ہے اور کسی صورت تمہیں معاف نہیں کرے گا، صرف ایک طریقہ ہے..... تم اس سے بھی زیادہ طاقتور شخص کی پناہ میں آ جاؤ، جس سے مرشد علی بھی ڈرتا ہو۔''

''اور اس کے علاوہ کوئی طریقہ؟'' میں نے ملائمت سے پوچھا۔

''ہے، اس دریا سے دور رہو..... جس میں مگرمچھ مرشد علی ہے۔''

میں اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ ''مجھے نہ کسی طاقتور شخص کی پناہ چاہئے اور نہ ہی میں دریا سے دور رہوں گا اور تم بھی براہِ کرم اس کمرے تک رہنا..... اس سے باہر جانے کی کوشش تمہاری صحت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

''فکر نہیں کرو..... کون پاگل کا بچہ اتنے ٹھاٹ چھوڑ کر جانا پسند کرے گا۔ بھاڑ میں گیا اخبار اور اس کا مالک۔ ہاں، دوپہر کے کھانے میں.....''

میں نے باہر نکل کر عادل کے ساتھی سے کہا۔ ''اس کا خیال رکھو..... جو چیز مانگے دے دو..... لیکن پوری طرح نظر بھی رکھنا۔''

''میں سمجھ گیا جناب! لیکن یہ بہت تنگ کرتا ہے۔'' اس نے شکایت کی۔

''پھر بھی کوئی بدتمیزی مت کرنا۔ ممکن ہے ہمارا ہمدرد نکلے۔''

عادل جاگ گیا تھا اور میرے کمرے میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ ''کیسا رہا جناب! کیا یہ واقعی صحافی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔ اس نے ندیم کا حوالہ دیا ہے۔ اسلام آباد کے کسی صحافی کا دوست ہے۔ اس کی تصدیق کرا لو۔ ویسے مجھے ٹھیک لگ رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عادل نے سر ہلایا۔ ''آج ذرا مشکل ہے مرنے والے افراد کی میتیں ان کے گھر پہنچانی ہیں۔ زخمیوں کا آج آپریشن ہے۔ اسے کل دیکھیں گے۔''

''جیسا تم مناسب سمجھتے ہو..... لیکن خیال رہے، اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔'' میں نے شانے اچکائے۔

''کیا وسیم کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''جی جناب! وہ آج کسی وقت یہاں آئیں گے۔''

میں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ مجھے اس شخص سے الجھن ہو رہی تھی۔ اگرچہ اس نے اب تک میرے لئے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی اس شخص کے مزاج سے مجھے لگ رہا تھا کہ میری اس سے نہیں بنے گی۔ اس نے راجا ناصر کے معاملے کو کل تک مؤخر کر دیا تھا حالانکہ یہ کام اس وقت کیا جا سکتا تھا۔ وہ صحافی تھا اور اس کا زیادہ دیر غائب رہنا کسی مسئلے کا سبب بھی بن سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کسی کے علم میں ہو کہ وہ کہاں ہے۔ عادل کچھ دیر بعد معذرت کر کے چلا گیا تھا۔ میں ایک بار پھر سونے کے لئے لیٹ گیا کیونکہ چار گھنٹے کی نیند کافی ثابت نہیں ہوئی تھی۔ اس بار میری آنکھ کھلی تو شام کے چار بج رہے تھے۔ میں نے اٹھ کر غسل کیا۔ نیم گرم پانی نے ساری کسلمندی دور کر دی تھی۔ باہر آیا تو کمرے میں وسیم کو موجود پا کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ میں اس کے سینے سے لگا۔ ''تم کب آئے؟''

''ابھی..... آپ کیسے ہیں؟''

''ابھی تک بہتر ہوں۔''

''اور ہاتھ کا کیا حال ہے؟''

''یار، حکیم قادس کے بعد میرے ہاتھ کا علاج رک گیا ہے۔ بعض اوقات ہاتھ سُن اور بے جان ہو جاتا ہے۔''

وسیم کچھ دیر چپ رہا۔ ''مجھے افسوس ہے شہباز صاحب! لیکن حکیم قادس کا پتا نہیں چل رہا ہے۔ اس کی لاش بھی نہیں ملی تھی۔''

''ممکن ہے وہ زندہ ہو اور دشمن کی قید میں ہو۔''

''عین ممکن ہے، وہ حیرت انگیز آدمی ہے اور اسے زندہ رکھ کر اس سے بہت کام لئے جا سکتے ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ آپ پر کیا گزری؟''

ایک طویل نشست میں، میں نے تفصیل سے وسیم کو جہلم میں غائب ہونے سے لے کر خود پر اب تک گزرنے والے واقعات سنائے۔ وسیم بغور سن رہا تھا۔ آخر میں، میں نے ڈیوڈ شا کے بارے میں اپنا شک ظاہر کیا۔ ''وہ کسی وجہ سے میرے پیچھے پڑا ہے..... فتح خان کی لاہور میں موجودگی اس کا ثبوت ہے۔''

''ممکن ہے وہ مرشد علی کے لئے کام کر رہا ہو۔''

''نہیں، وہ ڈیوڈ شا کا ملازم ہے اور مجھے یقین ہے ابھی اس سرزمین سے اس کا انٹرسٹ ختم نہیں ہوا ہے۔''

ڈیوڈ شا ایک ہفتے پہلے پاکستان سے واپس لندن جا چکا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممکن ہے لیکن ابھی اس کا کام ختم نہیں ہوا ہے۔ اس تصویر کا حصول، مقصد نہیں تھا بلکہ صرف مقصد کا ایک حصہ تھا۔''

''شہباز، آپ اس تصویر کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔'' وسیم کے لہجے میں دلچسپی تھی۔ ''آخر اس میں ایسی کیا بات ہے؟''

''سچی بات ہے مکمل طور پر تو میں بھی نہیں جانتا..... لیکن اس تصویر کا تعلق ہمالیہ میں کہیں پائی جانے والی ایک پُراسرار سرزمین سے ہے۔''

اس بار وسیم کے لہجے میں بچگانہ اشتیاق تھا۔ ''لگتا ہے کسی خزانے کا چکر ہے؟''

میں مسکرا دیا۔ ''شاید ہو..... اور شاید نہ ہو۔''

''نہیں..... ضرور خزانے کا معاملہ ہے ورنہ ڈیوڈ شا جیسے لوگوں کو تصویر سے اور کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟''

وسیم اپنے انداز میں سوچ رہا تھا۔ میں نے تردید کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ''اسلام آباد کے حالات کیا ہیں؟''

وہ میرا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ ''حیرت انگیز طور پر مرشد علی بالکل خاموش ہے۔ البتہ اس کے وکیل ندیم بھٹی سے بات کر کے صلح کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''صلح کی کوشش!'' میں تلخی سے ہنسا۔ ''اور یہاں اس کے کتے میرا تعاقب کرتے رہے۔''

''آپ کا اس کے ہاتھ آنا اس کی ایک بڑی کامیابی ہوگی۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''لیکن فی الحال وہ زیادہ سرگرم نہیں ہے ورنہ ایسے لوگ جس کے دشمن ہو جائیں، اس پر پوری طاقت سے حملہ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ ٹھنڈا ہی ہے۔''

''ان حالات میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہئے؟'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''سچی بات ہے..... میں نہیں سمجھتا کہ مرشد علی سے کسی قسم کی معالجانہ ڈیل مستقبل میں [illegible] گا آ [illegible] گی۔ وہ جب بھی مشکل سے نکلے گا، آپ کا رخ کرے گا۔''

''یہی سوچ میری بھی ہے۔''

''آپ کو بہت زیادہ سیکورٹی میں رہنا ہوگا۔ دوسرے آپ کو نارمل طرزِ زندگی ترک کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ واحد حل یہ ہے کہ آپ ملک چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ چلے جائیں۔''

''پہلا راستہ میرے لئے ممکن نہیں ہے اور دوسرا مجھے قبول نہیں ہے۔''

''پھر کون سا راستہ باقی رہ جاتا ہے؟''

''ایک راستہ ہے۔'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''وسیم!..... میں مقابلہ کروں گا..... مرشد علی سے اس کے میدان میں مقابلہ کروں گا۔''

وسیم کا منہ کھل گیا۔ ''مقابلہ؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''ہاں..... مقابلہ..... یہی واحد راستہ بچا ہے میرے لئے۔''

وسیم نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''شہباز صاحب، شاید آپ ان کی طاقت کا درست اندازہ نہیں کر رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' میں نے سکون سے کہا۔ ''میں ہاتھی اور چیونٹی کی مثال نہیں دوں گا۔ کیونکہ مرشد علی اور میں دونوں انسان ہیں۔ جو وہ کر سکتا ہے وہ میں بھی کر سکتا ہوں۔''

وسیم نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''آپ اس کی طرح ظالم اور گھٹیا نہیں ہو سکتے۔''

''میں نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ ''چند مہینے پہلے تک میں بھی یہی سمجھتا تھا لیکن اب تک کئی افراد میرے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔''

''وہ آپ نے اپنے دفاع میں مارے تھے۔''

''کسی دن شاید میں مرشد علی یا اس کے گرگوں کو جان بوجھ کر بھی مار دوں گا۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''خیر چھوڑو..... یہ لمبی بحث ہے..... تم ایسا کرو، بلاچوہدری نامی شخص کے بارے میں معلوم کرو۔ اس کے دو آدمی تمہارے آدمیوں کی تحویل میں ہیں۔''

''جنہیں آپ نے پکڑا تھا؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''خاص طور سے بلاچوہدری کے پاس فتح خان کی موجودگی کی تصدیق کرتی ہے۔''

''وسیم نے غور کیا۔ ''ٹھیک ہے میں اپنے آدمی لگا دیتا ہوں۔''

''بہتر ہوگا پہلے ان دو افراد سے تفصیلی بات کر لو..... اور ہاں، کل رات عادل کے آدمیوں نے کوٹھی کے باہر سے ایک شخص کو پکڑا جس کا دعویٰ ہے وہ صحافی ہے، اس نے ایک اخبار کا پریس کارڈ بھی دکھایا ہے۔''

''میں اسے بھی چیک کرتا ہوں۔''

میں اور وسیم باہر نکل آئے تھے۔ وسیم نے عادل کو بلا کر ہدایات دیں۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا لیکن اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اسے یہ احکامات ناگوار گزر رہے تھے۔ آخر میں وہ سر ہلا کر چلا گیا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''یہ تمہارا بہنوئی مجھے تمہارے دوسرے آدمیوں سے مختلف لگتا ہے۔''

''ہاں، مزاج کا ذرا مختلف ہے لیکن بے حد ذمے دار آدمی ہے۔''

''مجھے حیرت ہے تم نے اپنی بہن کو بھی.....''

وسیم نے گہری سانس لی۔ ''سونیا..... شروع سے ہمارے ساتھ ہے۔ آپ کو سن کر حیرت ہوگی، جب ہم نے کام شروع کیا تو میرے ساتھ سونیا اور شکیل تھے۔ ہم تین افراد نے اس آرگنائزیشن کی بنیاد رکھی تھی۔ آج اس میں تین سو سے زیادہ افراد ہیں۔''

میں نے ذرا محتاط انداز میں کہا۔ ''لیکن یہ تمہارے بعض ساتھیوں کو ناگوار گزرتا ہو، جس طرح تم میرا ساتھ دے رہے ہو؟''

وہ چونکا اور پھر جلدی سے بولا۔ ''ایسی بات نہیں ہے جناب!''

''دیکھو وسیم! میرا تم پر قرض نہیں ہے، جو تمہیں لازماً ادا کرنا ہو۔ اگر تم اس معاملے سے پیچھے ہٹنا چاہو تو تم مکمل طور پر آزاد ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پلیز شہباز صاحب! شرمندہ نہ کریں۔ میں تو اپنی ذمے داری بھی پوری نہیں کر سکا ہوں۔ راجا صاحب نے مجھے آپ کے لئے بہت بڑی رقم دی ہے۔ آپ کسی طرح سے بھی ذمے داری نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے..... سب سے پہلے اس صحافی کا معاملہ کلیئر کرو۔''

سونیا چائے لے آئی تھی۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود وہ نازک سی کالج گرل لگتی تھی۔ شربتی آنکھیں اور اخروٹی رنگ کے بال اس کی گلابی رنگت سے میل کھاتے تھے۔ نسبتاً دبلی اور دراز قامت ہونے کے باوجود مجھے لگتا تھا وہ بہت مضبوط لڑکی ہے۔ ''شہباز بھائی! چائے.....'' اس نے ٹرے لان کی میز پر رکھی۔ ''عادل کام سے نکلے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ..... فی الحال میری ذمے داری ہیں۔''

میں نے چائے کا سپ لیا۔ ''اگر چائے تم نے بنائی ہے تو خوب بنائی ہے۔''

''شکریہ!'' وہ خوش ہو گئی۔ ''میں کھانا بھی اچھا بناتی ہوں۔ رات کو اپنے ہاتھ سے بنی بریانی کھلاؤں گی۔''

''آہ..... بریانی..... میں تو اب بریانی اور قورمے کا ذائقہ بھی بھولتا جا رہا ہوں۔''

''قورمہ بھی ہوگا اور گاجر کا حلوا بھی۔''

''خوش رہو!'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''اب مجھے ذرا آج کے اخبارات بھجوا دو..... اگر موجود ہیں۔''

''میں ابھی بھجواتی ہوں۔'' سونیا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی ڈھیر سارے اخبارات رکھ گیا۔ اردو کے چار اور انگریزی کے دو اخبارات تھے۔ میں نے اردو کے دو اخبار نکالے جو صوبائی خبریں زیادہ دیتے تھے۔ دوسرے اخبار کے اندر ایک خبر نے میری توجہ حاصل کر لی تھی۔ میں نے شام کے بھی اخبارات منگوائے تھے۔ اس خبر نے مجھے چونکا دیا تھا۔ جنوب مشرقی پنجاب کے ایک چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کے اسٹیشن ماسٹر کا بہیمانہ قتل۔ میرے اندر مرغی نے ہلچل مچا دی تھی اور جب خبر دیکھی تو ایک لمحے کو دل رک گیا تھا۔ مارے جانے والے اسٹیشن ماسٹر کا نام سیّد خادم حسین تھا۔ پولیس نے نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ قائم کر لیا تھا۔ خبر میں زہرہ کا کوئی ذکر نہیں تھا لیکن یہ بات یقینی تھی اگر قاتل اسے ساتھ نہیں لے گئے تھے تب بھی وہ پولیس کے ہاتھ لگ چکی تھی اور اسے واپس شکر گڑھ پہنچایا جا چکا ہوگا۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ شاید خادم حسین معاملے کی سنگینی کو نہیں سمجھ سکا تھا، جب اس نے زہرہ کی ذمے داری قبول کی تھی تو اسے وہیں ٹکے رہنے کے بجائے پہلی فرصت میں وہاں سے چلے جانا چاہئے تھا۔ قاتل اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔ افسوس کہ اس نے میری بات پر دھیان نہیں دیا تھا ورنہ شاید آج بھی زندہ ہوتا۔

درحقیقت مجھے خادم حسین کے مارے جانے کا بے حد افسوس تھا۔ وہ اچھا آدمی تھا۔ اگرچہ اتنی جلدی زہرہ کے چکر میں آنے سے ظاہر تھا کہ وہ حسن پرست شخص ہے، اس کے باوجود اتنی بڑی سزا کا مستحق نہیں تھا۔ نہ جانے زہرہ پر کیا بیتی تھی؟ اگر وہ ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی تو لازمی بات ہے، اچھے حالات میں نہیں ہوگی۔ پولیس اور رانڈوں سے لے کر ان کے عام ملازم تک اس پر دانت لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے پوری خبر دیکھی۔ اخبار کے دوسرے حصے بھی کھنگالے۔ دوسرے اخبار میں لاہور میں اچانک ہونے والی فائرنگ اور ڈکیتی کی وارداتوں کو جلی حروف میں شائع کیا گیا تھا۔ ایک رپورٹر نے مال روڈ پر فائرنگ اور ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی کے باہر مارے جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے تینوں ڈاکوؤں کا آپس میں رشتہ جوڑا تھا۔ کیونکہ مال روڈ پر مارے جانے والے دو افراد میں سے ایک ڈاکوؤں میں سے ایک کا بھائی تھا۔ دونوں بھائیوں کا سوائے ایک بوڑھی ماں کے اور کوئی نہیں تھا اور وہ اب بے سہارا ہو چکی تھی۔

انگریزی اخبارات میں ایک مضمون اسلام آباد اور اس کے گرد و نواح میں واقع سیاسی براوریوں کے بارے میں تھا۔ ان میں مرشد علی کے خاندان کا ذکر بھی تھا۔ کچھ اشارے حالیہ واقعات کی طرف بھی تھے اور کہا گیا تھا کہ ان کی وجہ سے مرشد علی مشکلات میں ہے، اس بار اس کے حریف بڑی تیاری کے ساتھ میدان میں اترے تھے۔ خاص طور سے انہوں نے کالج کی طالبہ کے اغوا اور اس کی مرشد ہاؤس سے برآمدگی کو اس خاندان کی سیاسی ساکھ تباہ کرنے کے لئے اچھالا۔ ایک بزنس مین کا ذکر بھی تھا جس سے مرشد کے بھائی نادر کی دشمنی تھی۔ اس کے دفتر پر حملہ کر کے اسے تباہ اور دفتر کے گارڈ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ بزنس مین غائب تھا اور اس کے وکیل نے پولیس اور مرشد کے خلاف اغوا کا کیس درج کرا دیا تھا۔ کورٹ میں ابھی معاملہ چل رہا ہے۔

ابھی میں رپورٹ پڑھ رہا تھا کہ شام کا اخبار بھی آ گیا۔ حسب توقع گزشتہ رات ہونے والی وارداتوں کو ان میں ہائی لائٹ کیا گیا تھا۔ خاص طور سے عادل کے ٹھکانے سے باہر ہونے والے حملے کا ذکر تھا جس میں شدید فائرنگ کے ساتھ روشنی کے عجیب و غریب جھماکے بھی تھے جو میلوں دور سے دیکھے گئے تھے۔ جب پولیس جائے وقوعہ پر پہنچی تو وہاں بے شمار گولیوں کے خول، گاڑیوں کے ٹوٹے شیشے اور جا بجا خون پڑا ہوا نظر آیا تھا لیکن کوئی زندہ یا مردہ شخص ملا اور نہ ہی کوئی گاڑی ملی۔ گویا دوسری پارٹی والے بھی اپنے زخمی اور مردے اٹھا کر لے گئے تھے۔ یہی خیال پولیس نے بھی ظاہر کیا تھا کہ جائے وقوعہ پر پائی جانے والی لاشیں اور زخمی، متحارب حریفوں نے غائب کر دیئے تھے۔ اخبارات دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ کیا شے تھی جس نے روشنی کے اتنے شدید جھماکے پیدا کئے تھے۔ اتنے میں وسیم آ گیا۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے جو کام کہے تھے ان پر آدمی لگا دیئے ہیں۔ ناصر کو میں نے خود چیک کیا ہے، سچ مچ صحافی ہے۔''

''وہ مجھے جانتا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''خیر چھوڑو..... یہ بتاؤ کہ گزشتہ رات جب دشمن نے ہمیں روکا تھا تو عادل نے کوئی چیز ان کی طرف پھینکی تھی جس سے روشنی کے.....''

''یہ روشنی کے خاص بم تھے۔ ہائی انرجی لائٹ بم کہلاتے ہیں۔ اتفاق سے کچھ بم ہمیں ملے اور یہ ہم بہت خاص مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے رات کو..... دشمن کے لئے یہ بہت غیر متوقع حربہ ہوتا ہے۔''

''اگر کوئی براہ راست اس کی روشنی دیکھ لے تو.....؟''

''نوے فی صد امکان یہی ہے کہ اس کی آنکھیں ضائع ہو جائیں گی۔''

''میرے خدا!'' میرے منہ سے نکلا۔ ''اتنی خوف ناک ایجاد ہے۔''

''روسیوں نے بنائی تھی۔ افغان جنگ کے آخری دنوں میں اسے استعمال بھی کیا گیا تھا۔ اتفاق سے ہم جس افغانی سے اسلحے کی ڈیل کرتے ہیں، اس کے پاس تھے، اسے خود بھی ان کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا، اس نے ہمیں دے دیئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے دکھاؤ۔'' میں نے فرمائش کی تو وسیم مجھے کوٹھی کے اندر لایا۔ ایک کمرے سے خفیہ راستہ تہ خانے میں جاتا تھا۔ تہ خانہ ظاہر ہے خفیہ مقاصد کے لئے تھا، وہاں ایک کمرے میں جدید ترین اسلحے کا ڈھیر تھا۔ ایک طرف ایک ریک پر سلیقے سے نارنجی رنگ کے بال پوائنٹ پین قطار میں رکھے تھے۔ وسیم نے ایک پین اٹھایا اور اس کا اوپری حصہ ذرا سا گھما کر دکھایا۔ پھر مجھے بتایا۔

''اس حصے کو دو بار کلاک وائز گھما کر پھینک دیں۔ دس سیکنڈ بعد یہ بلاسٹ ہو جائے گا اور کم سے کم بیس سے پچیس سیکنڈ اس کی روشنی برقرار رہے گی۔ اس دوران میں اس کی طرف دیکھنے والا لازماً عارضی طور پر اپنی بینائی کھو دے گا۔''

ریک پر ایسے کوئی تین درجن پین رکھے تھے۔ ''ان سے صرف روشنی نکلتی ہے؟''

''صرف روشنی..... یہ پورے کا پورا پین ایسے مادے سے بنا ہے جو روشنی میں تبدیل ہو جاتا ہے نہ اس کے ٹکڑے باقی رہتے ہیں اور نہ آگ نکلتی ہے۔''

''واقعی، منفرد حربہ ہے۔'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ ''کیا میں ایک دو لے سکتا ہوں؟''

''آپ یہاں سے جو چاہیں لے جا سکتے ہیں لیکن ان کا کیا کریں گے؟''

''وقت ضرورت کہیں کام آئیں گے۔''

''بے شک آپ لے لیں..... بلکہ اور بھی کوئی ہتھیار آپ کو درکار ہو تو بلا تکلف لے سکتے ہیں۔ آپ کو کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

''شکریہ دوست!'' میں نے اسلحے خانے کا جائزہ لیا اور ایک سیاہ دستے اور نیلگوں نالی والا اسمتھ اینڈ ولسن منتخب کر لیا۔ اس چھوٹے سے پستول میں بارہ گولیوں والا کلپ لگتا تھا اور اس کی مار اور درستی اپنے حجم کے بڑے پستول سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ وسیم نے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ ''میرا بھی پسندیدہ ہتھیار ہے۔ چینی نقل ہے لیکن اصل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس کے بعد مجھے روسی ساختہ ٹی ٹی پسٹل اچھا لگتا ہے۔''

''مجھے اسلحے کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے لیکن اسے پہلے بھی استعمال کر چکا ہوں۔'' میں نے پستول بیلٹ میں اڑس لیا۔ ریک سے اس کے تین اضافی کلپ بھی اٹھا لئے تھے۔ وسیم مسکرایا۔

''خیریت تو ہے شہباز صاحب! کسی مہم کا ارادہ ہے؟''

''بلاچوہدری اور فتح خان کے بارے میں کب تک معلوم ہو جائے گا؟''

''آج رات کسی وقت..... میں نے اس معاملے میں اپنے سب سے تیز آدمی استعمال کئے ہیں۔ اندر کی خبر نکال لاتے ہیں۔''

''گڈ..... اب اس صحافی کا کیا کرنا ہے؟''

''میرا خیال ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔ آج رات تک۔''

''جتنی جلدی ہو اس سے معاملے کو ختم کرو۔ اسے رہا کرنے میں تاخیر سے مسائل ہو سکتے ہیں۔ وسیم! جیسے ہی فتح خان کے بارے میں کوئی اطلاع ملے، اسے اٹھانے کی پلاننگ کرنی ہے۔''

وسیم نے سوال کیا۔ ''وجہ جناب!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وجہ مت پوچھو..... ویسے یہ راجا صاحب کا ہی کام ہے۔''

''راجا صاحب کا..... وہ کیسے؟''

''راجا صاحب کی تصویر بازیاب نہیں ہوئی ہے۔ تصویر ڈیوڈ شا کے پاس ہے اور فتح خان اس کا خاص گرگا ہے، اس ملک میں ڈیوڈ شا کا کام ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ وہ پھر آئے گا۔ فتح خان سے اس کے عزائم کا پتا چل سکتا ہے۔ ممکن ہے تصویر کے بارے میں بھی معلوم ہو اور سب سے بڑھ کر اس سے حکیم قادس کے زندہ یا مردہ ہونے کے بارے میں پتا چلے گا۔''

وسیم نے گہری سانس لی۔ ''لگتا ہے شہباز صاحب آپ ان دنوں سوچتے رہے ہیں۔''

''ہاں..... میں نے کہا ناں..... میں نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب میں ان کے پیچھے رہوں گا، بھاگتے بھاگتے اور حالات کا کھلونا بنے بنے تھک گیا ہوں۔''

ہم اوپر آئے، میں کوارٹرز کی طرف آیا جہاں راجا نا صر قید تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بستر پر سیدھا بیٹھ گیا۔ ''اور سنائیں، ملک صاحب! کیا حال ہے؟''

''تم سناؤ۔''

''راوی چین لکھ رہا ہے۔ آج بھی مزے کیے۔''

''ممکن ہے آج رات تمہارے یہ مزے ختم ہو جائیں۔''

''صرف مزے..... یا میں بھی؟'' اس نے کمال سادگی سے پوچھا۔

''فی الحال مزے..... لیکن تم نے آئندہ ہمارے معاملات میں دخل درنا معقولات کیا تو دوسری صورت بھی پیش آ سکتی ہے۔''

''میں نے کہا تھا ناں..... بندہ صرف قلم یا زبان چلا سکتا ہے۔''

''میرا اشارہ بھی اس طرف ہے۔ انہیں قابو میں رکھنا۔'' میں نے کہا اور اٹھنے لگا۔

''ایک منٹ شہباز، میری بات سنو۔''

اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا اور واپس بیٹھ گیا۔ ''ہاں کہو۔''

''تم کن لوگوں کے ساتھ ہو؟''

میں چونکا۔ ''تم نے یہ سوال کیوں کیا..... تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''مجھ پر اعتماد کرو..... میں تمہارا ہمدرد ہوں۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''صرف اتنا کہ تم جن کے ساتھ ہو، ان سے ہوشیار رہو۔''

''راجا جی..... تم اپنے لئے مشکلات مت پیدا کرو..... میں نے کہا ناں..... اپنی زبان قابو میں رکھو کیونکہ میں جن لوگوں کے ساتھ ہوں۔ ان پر اتنا ہی اعتماد کرتا ہوں..... جتنا اپنی ذات پر۔''

''تمہاری مرضی!'' اس نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ''بعد میں نہ کہنا کہ میں نے خبردار نہیں کیا تھا۔ ویسے اگر کوئی مسئلہ ہو تو بعد میں تم اخبار کے دفتر کے ذریعے مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کوارٹر سے نکل آیا۔ کوٹھی کے اندر آیا تو سونیا نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ ''کہاں تھے آپ سب..... کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''بس بی بی..... ادھر ہی تھے۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔ ''کھانا کہاں لگا ہے؟''

سونیا مجھے کھانے والے کمرے میں لائی۔ کچھ دیر بعد عادل اور وسیم بھی آ گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ دونوں سنجیدہ تھے اور شاید کوئی کشیدگی والی بات ہوئی تھی، میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''ایوری تھنگ از اوکے؟''

''جی!'' اس نے نظریں چرائیں۔ ''بھئی، سونیا کھانا لاؤ..... بھوک لگی ہے۔''

عادل قطعی طور پر چپ تھا اور اس کے چہرے سے کشیدگی صاف جھلک رہی تھی۔ کوئی نہ کوئی بات تھی لیکن فی الحال بریانی اور قورمے کی خوشبو نے مجھے سب بھول جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں کھانے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ سونیا نے بریانی اور قورمہ دونوں ہی بہترین بنائے تھے، میرے مقابلے میں وسیم اور عادل بھی چکھتے رہے تھے۔ سونیا نے ان سے کہا۔ کھائیے ناں..... آپ دونوں نے کچھ لیا ہی نہیں ہے۔''

''بس..... مجھے بھوک نہیں ہے۔'' عادل نے اچانک کہا اور ٹشو سے منہ صاف کرتا ہوا اٹھ گیا۔ ''ایکسکیوز می، آپ کھانا کھائیں۔''

میں نے سونیا کے سامنے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وسیم فکرمند نظر آنے لگا تھا اور سونیا شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔ میں سر جھکائے کھاتا رہا۔ کھانے کے بعد موسم کی مناسبت سے وسیم نے کافی کا کہا۔ اب راتیں خاصی خنک ہونے لگی تھیں۔ رات کے وقت باہر نکلو تو سردی لگتی تھی۔ وسیم اور میں نشست گاہ میں آ گئے تھے۔ میں نے موقع ملتے ہی اس سے عادل کے رویے کی وجہ دریافت کی۔ ''کچھ نہیں شہباز صاحب! عادل کسی نجی وجہ سے پریشان ہے۔''

''مجھے بچہ مت سمجھو۔ نجی پریشانی لوگ اس طرح سب کے سامنے ظاہر نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی وجہ سے کسی سے سرد رویہ رکھتے ہیں۔ کیا میری ذات وجہ تنازع ہے؟''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' وسیم نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''وسیم، میری طرف دیکھ کر بات کرو۔''

اس نے سر نہیں اٹھایا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''میں شرمندہ ہوں شہباز صاحب! اصل میں عادل محتاط آدمی ہے۔''

''یعنی وہ مرشد علی جیسی طاقت سے نہیں ٹکرانا چاہتا؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اس کا کہنا ہے ہم ٹاسک نمٹانے والے ہیں کسی سے باقاعدہ دشمنی کا روگ نہیں پال سکتے۔''

''اگر عادل اتنا ہی محتاط شخص ہے تو بہتر ہے تم لوگ میرے معاملے سے ہاتھ اٹھا لو۔'' میرے لہجے میں غصہ شامل ہو گیا تھا۔ ''میں اپنی لڑائی خود اور خدا کے بھروسے پر لڑ سکتا ہوں۔''

''پلیز شہباز صاحب! یوں شرمندہ نہ کریں۔'' وسیم نے عاجزی سے کہا۔ ''یہ بات کہنے کی جرأت میں بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ عادل نے بھی ایسی بات نہیں کہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں کہی ہے تو جلد کہہ دے.....'' میں بولتے بولتے رک گیا، سونیا کافی کی ٹرے لے کر آ رہی تھی۔

''کون کیا..... کہہ دے گا؟'' اس نے ٹرے میز پر رکھی۔

میں ہنسا۔ ''یہی کہ تم سے بہتر کھانا کوئی نہیں بناتا۔''

''بے وقوف مت بنائیں۔'' وہ فخر سے ہنسی۔ ''ویسے میں شروع سے اچھا کھانا بناتی ہوں۔ وسیم بھائی سے پوچھ لیں۔''

''حالانکہ بی بی نے کفگیر چلانے سے پہلے ہاتھ پاؤں چلانے سیکھے تھے اور انہوں نے پہلی ڈش جو بنائی تھی اسے کھا کر میں دو دن باتھ روم یاترا پر رہا تھا۔'' وسیم نے بھی بناوٹی خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

''خدا خیر کرے۔'' میں نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی۔ ''میں نے تو زیادہ ہی کھا لیا ہے۔''

''اوں، شہباز بھائی!'' اس نے احتجاج کیا۔ ''ابھی تو آپ میرے کھانوں کی تعریف کر رہے تھے، اب کیا مسئلہ ہو گیا؟''

''سوری بی بی!'' میں نے جلدی سے معذرت پیش کر دی۔

''شہباز بھائی، پلیز ایسے مت کہیں، آپ میرے لئے وسیم بھائی سے کم نہیں ہیں۔''

سونیا کے جانے کے بعد ہم دوبارہ عادل کے موضوع پر آئے۔ ''تمہاری آرگنائزیشن میں عادل کا کیا مقام ہے؟''

''میرے اور شکیل کے بعد اس کا نمبر ہے۔ اگر میں اور شکیل نہ رہے تو کمانڈر عادل ہو گا۔''

''میں نے محسوس کیا ہے..... تم لوگوں کے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے آرگنائزیشن بہتر انویسٹمنٹ حاصل کرتی ہے۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''بے شمار لوگ ہمارے مستقل کسٹمرز ہیں، ان کو درپیش مسائل ہماری ذمے داری ہوتے ہیں۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''شاید اس وجہ سے تم لوگ اتنے اونچے پیمانے پر کام کرتے ہو۔''

''سائنٹفک انداز میں۔''

''اس کے باوجود تمہارے ساتھی مرشد علی اور بلا چوہدری جیسے روایتی بدمعاشوں سے خوف زدہ ہیں۔'' میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔

''یہ بات نہیں ہے۔ مرشد علی کے پاس صرف بدمعاش ہی نہیں ہیں۔ سرکار میں اس کا اثر رسوخ بھی ہے اور اس کے لاکھوں مرید الگ ہیں۔ خاص طور سے پوٹھوہار کے علاقے میں اس کے مریدوں کی کمی نہیں ہے۔ رہا بلا چوہدری تو اس کا شمار لاہور کے نامی گرامی بدمعاشوں میں ہوتا ہے۔ بے شک وہ سلطان راہی اسٹائل کا بدمعاش ہے۔ یعنی اپنے علاقے میں اس نے لوگوں اور خاص طور سے غریبوں میں اپنی ساکھ بنا رکھی ہے۔ اہل علاقہ اس کی سرگرمیوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ پولیس حکام اور بعض مقامی سیاست دان اس کے سرپرست ہیں لیکن مرشد علی سے اس کے روابط کا علم نہیں ہے۔''

''تمہارے آدمی.....'' میں نے کہنا چاہا تھا کہ اس کے موبائل کی بیل بجی۔ اس نے کال ریسیو کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں رضا..... کیا رہا..... ٹھیک ہے.....'' وہ خاموش ہو کر سنتا رہا خاصی لمبی رپورٹ تھی۔ آخر میں وسیم کسی قدر پُر جوش نظر آنے لگا۔ ''پوری طرح نگرانی کرو۔ یہ شخص نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔''

''کیا ہوا.....؟ کس کے بارے میں بات ہو رہی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''فتح خان..... میرے ساتھیوں نے اسے تلاش کر لیا ہے۔ دریائے راوی کے کنارے ایک کاٹیج ہے۔ میرے ساتھیوں نے بلاچوہدری کے ڈیرے سے اس کا تعاقب کیا تھا۔''

''وسیم! یہ زبردست کام ہوا ہے۔'' مل کھڑا ہو گیا تھا۔ ''تمہارے آدمی کاٹیج کی نگرانی کر رہے ہیں ناں.....؟''

''پوری طرح..... میں ابھی مزید آدمی اس طرف روانہ کرتا ہوں۔''

''آدمی نہیں۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ہم خود جائیں گے۔ اس سے پہلے فتح خان ہوشیار ہو جائے، ہمیں اسے پکڑنا ہے۔''

''اتنی جلدی مناسب ہو گی؟'' وسیم نے ہچکچا کر پوچھا۔

''اس سے زیادہ مناسب بات اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''تم فتح خان کو نہیں جانتے..... اسے ذرا بھی شبہ ہو گیا تو وہ چھلاوے کی طرح غائب ہو جائے گا بلکہ تمہیں اس کا تجربہ ہے۔ یاد ہے، جی ٹی روڈ پر وہ کیسے غائب ہو گیا تھا۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''اوکے..... میں اپنی تیاری کرتا ہوں..... آپ.....''

''میں تیار ہوں۔'' میں نے پسٹل تھپتھپایا۔ دس منٹ بعد دو گاڑیاں تیار تھیں۔ یہ سیاہ شیشوں والی کاریں تھیں۔ طاقتور انجن اور بڑے ٹائروں کی وجہ سے ہر سطح پر تیز رفتاری سے دوڑ سکتی تھیں۔ کُل چھ افراد تھے اور سب کے پاس خود کار ہتھیار تھے۔ عادل نہیں تھا۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا۔ وسیم نے آہستہ سے کہا۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

کاریں تیز رفتاری سے دریائے راوی کی طرف روانہ ہو گئی تھیں۔ میں پچھلی نشست پر وسیم کے ساتھ تھا۔ آگے ڈرائیور تھا۔ وسیم نے اسلحہ چیک کیا۔ میں نے پوچھا۔ ''روشنی والے بم ہیں؟''

''نہیں، ان کی ضرورت نہیں ہے۔''

میں نے اسے مختصراً فتح خان کے بارے میں بتایا۔ وہ حیران ہوا۔ ''یہ تو خبیث شے ہے۔''

''خبیث سے بھی زیادہ۔ یہ شخص سرتاپا مجرم ہے۔ اس کا ذہن ہمہ وقت مجرمانہ منصوبوں میں لگا رہتا ہے۔ انسان کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اپنی محبوبہ کو اس نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا کیونکہ اس نے فتح خان کو رہا کرانے کے لئے نگران کو اپنے جسم کی رشوت دی تھی اور فتح خان نے رہا ہوتے ہی اس کی گردن مروڑ دی تھی۔''

''میں سمجھ گیا اس شخص سے کسی بھی حرکت کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

تقریباً پون گھنٹے بعد ہم دریائے روای کے کنارے بنے کاٹیج سے ذرا فاصلے پر تھے۔ وسیم نے ریڈیو پر نگرانی کرنے والوں سے رابطہ کیا۔ ''کیا پوزیشن ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ اندر ہے سر! اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔'' ریڈیو سے آواز آئی۔

''گڈ..... پوری طرح ہوشیار رہو۔'' وسیم نے کہا اور اپنے آدمیوں کو چاروں طرف سے کانیج گھیرنے کا حکم دیا۔

کانیج ہموار زمین پر تھا اور دوسرا کانیج کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا چاروں طرف ایسی کوئی آڑ نہیں تھی جس کے پیچھے چھپ کر کانیج کا محاصرہ کیا جاتا۔ میں نے وسیم کی توجہ اس طرف دلائی۔ ''اگر فتح خان ہوشیار ہو گیا اور اس نے اندر سے فائرنگ شروع کر دی تو تمہارے پاس کوئی آڑ نہیں ہے۔''

''پھر کیا کریں؟''

''اپنے آدمیوں سے کہو اپنی گاڑی لائیں۔ کانیج کے دائیں بائیں اور عقب میں گاڑیوں کے پیچھے مورچے بنالیں۔''

''اور سامنے کی طرف؟''

''سامنے فتح خان کی گاڑی ہے ناں.....؟'' میں بولا۔

''لیکن وہ کانیج کے بالکل سامنے کھڑی ہے۔''

''کوئی بات نہیں..... اور یہ بتاؤ گیس کے بم ہیں۔''

''میرا خیال ہے، ڈکی میں دو پڑے ہیں۔''

''بس..... کام بن گیا۔ فتح خان کو بنا وارننگ کے گیس کے بم مار کر نکالا جا سکتا ہے ورنہ وہ اندر مورچہ بند ہو گیا تو ہمیں پسپا ہونا پڑے گا۔ وہ اپنے ساتھی بھی بلوا سکتا ہے اور پولیس کو بھی کال کر سکتا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اسے موقع نہیں دینا ہے۔'' وسیم نے اپنے ساتھیوں کو نئی حکمت عملی سمجھائی اور وہ گاڑیاں لے کر کانیج کو گھیرنے لگے لیکن فتح خان کے کانیج کے پاس کھڑی گاڑی اتنی نزدیک تھی کہ اس کے پیچھے مورچہ بنانا مجھے نامناسب لگا تھا اس لئے تینوں گاڑیاں کانیج کے گرد اس طرح پھیلا دیں کہ ان سے چاروں طرف نظر رکھی جا سکے۔ گیس کے بم پھینکنے کا فریضہ عقبی طرف موجود افراد کا تھا۔ وسیم کے اشارے پر وہ بم اندر پھینکتے۔ میں سامنے والے حصے میں تھا، میرے ساتھ دو افراد تھے۔ وسیم نے خود عقبی حصہ سنبھالا تھا۔ اس نے مجھے بھی ایک چھوٹا ریڈیو سیٹ دے دیا تھا۔ پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد اس نے گیس بم اندر پھینکنے کا حکم دیا تھا۔

دو آدمی احتیاط اور خاموشی سے آگے بڑھے۔ کانیج مختصر سا تھا اور اس میں چاروں طرف کھڑکیاں تھیں۔ لاہور کے امرا نے راوی کے کنارے اس قسم کے کانیج بنوا رکھے ہیں جہاں گرمیوں میں وہ تفریح کرنے اور بعض عیاشی کرنے آتے ہیں۔ وسیم کے آدمیوں نے بیک وقت دو مختلف کھڑکیوں کے شیشے توڑ کر گیس بم اندر اچھال دیئے تھے۔ پھر وہ واپس سے بھاگے اور گاڑیوں کے عقب میں چلے گئے۔ ہم سب مستعد تھے۔ میں نے اندر سے کسی عورت کے چلانے کی آواز سنی پھر کوئی مرد دھاڑا تھا۔ میں آواز سے شناخت نہیں کر سکا۔ ویسے بھی میں کانیج سے کوئی تیس میٹر کے فاصلے پر تھا۔ اگر رات کا سکوت نہ ہوتا تو اتنی واضح آوازیں بھی نہ آتیں۔ اچانک کانیج کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک بدحواس اور دبلا سا شخص باہر آیا۔ کانیج کے سامنے لگے تیز روشنی کے بلب میں وہ واضح نظر آ رہا تھا۔ وہ فتح خان نہیں تھا۔ اس نے وحشت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کی بدقسمتی کہ اس کا رخ عقب میں کھڑی ہماری ایک کار کی جانب تھا جیسے ہی وہ کار کے نزدیک سے گزرنے لگا وسیم کے ایک ساتھی نے جھپٹ کر اسے کار کے عقب میں گھسیٹ لیا۔ وہ اتنا خوفزدہ تھا کہ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی خاموشی سے زمین پر لیٹ گیا۔

چند منٹ بعد کانچ کا دروازہ کھلا اور ایک نا کافی لباس والی لڑکی لڑکھڑاتی ہوئی باہر آ کر گری جیسے اسے کسی نے اندر سے دھکا دیا ہو۔ ظاہر ہے اندر فتح خان تھا اور وہی ان دونوں کو باہر دھکیل رہا تھا۔ غالباً وہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ باہر آنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ لڑکی کھانس کھانس کر بے حال ہو رہی تھی۔ اس کے جسم پر ایک چھوٹی سی شرٹ تھی اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر فتح خان باہر نہیں آیا تھا میں حیران تھا کہ اس پر گیس نے اثر نہیں کیا تھا۔ میں نے چلا کر کہا۔ ''فتح خان باہر آ جاؤ۔ ورنہ اندر دم گھٹ کے مر جاؤ گے۔''

اندر سے فتح خان کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔ ''میرے پاس گیس ماسک ہے۔''

''فتح خان، تمہارے پاس صرف دو منٹ ہیں۔ اس بار اندر گیس بم نہیں، فاسفورس بم پھینکا جائے گا۔ اگر جل کر مرنا نہیں چاہتے تو باہر آ جاؤ۔''

''تم بکواس کرتے ہو۔'' اس بار اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''تمہارے پاس ایک منٹ اور پینتالیس سیکنڈ رہ گئے ہیں۔'' میں نے خبردار کیا۔

''بھونکتے رہو شہباز ملک!''

''اوہ، تم مجھے پہچان گئے..... بہرحال اب ڈیڑھ منٹ باقی ہے اور فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے، کانچ چاروں طرف سے گھیرے میں ہے۔''

''میں باہر نہیں آؤں گا۔''

''ایک منٹ رہ گیا ہے فتح خان! کیوں بلاوجہ ایک گورے کے پیچھے مر رہے ہو..... میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا ورنہ گیس بم کی جگہ دستی بم پھینکنا کون سا مشکل تھا۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ''اب تمہارے پاس تیس سیکنڈ ہیں۔ فتح خان، اسے مذاق میں مت لو، فاسفورس بم بہت تیزی سے آگ لگاتے ہیں۔ ایک بار بم پھینک دیئے تو تمہارے پاس بچنے کا امکان نہیں رہے گا۔''

اس بار فتح خان کی ہمت جواب دے گئی، اس نے یقین کر لیا تھا کہ جو لوگ گیس بم پھینک سکتے ہیں، ان کے پاس فاسفورس بم بھی ہوں گے۔ ''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں۔''

فتح خان دروازے پر نمودار ہوا، اس کے چہرے پر گیس ماسک تھا۔ باہر آتے ہی اس نے گیس ماسک اتار دیا تھا۔ اس کے ہاتھ خالی نظر آ رہے تھے۔ ''فتح خان، ہاتھ بلند کر کے آگے آؤ۔''

فتح خان آگے بڑھا۔ جیسے ہی وہ اپنی گاڑی کے پاس پہنچا، اچانک زمین پر گر گیا اور تیزی سے گاڑی کے اندر داخل ہو گیا، میں نے چلا کر کہا۔ ''وہ بھاگ رہا ہے، گاڑی میں گھس گیا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی میں نے فتح خان کی گاڑی کے دونوں ٹائروں کو رائفل سے نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ سنگل شاٹ سے میں نے جیپ کے ٹائروں کا نشانہ لیا۔ نتیجتاً دونوں ٹائر برسٹ ہو گئے، فتح خان جیپ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری دونوں گاڑیوں سے بھی وسیم کے آدمی آ گئے تھے اور انہوں نے جیپ کے ہال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو ٹائر بھی برسٹ کر دیئے تھے۔ ایک منٹ کے اندر فتح خان کو نہتا کر کے زمین پر سینے کے بل لٹایا جا چکا تھا۔ وسیم کے ایک ساتھی نے اس کے بازو میں ایک انجکشن لگایا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ مزید ایک منٹ بعد ہم اسے کار میں ڈال کر وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ فتح خان میرے اور وسیم کے درمیان بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے جسم سے شراب اور پسینے کی ملی جلی بو آ رہی تھی۔ وسیم نے ناگواری سے کہا۔ ''کم بخت کھل کر عیاشی کر رہا تھا۔''

''میں نے کہا ناں..... یہ صرف اپنا مفاد دیکھنے والا شخص ہے، کتنی بے دردی سے اس شخص اور لڑکی کو باہر دھکیل دیا تھا۔ ان کا کیا کیا؟''

''میرے آدمیوں نے انہیں کانیج کے ساتھ ڈال دیا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہوش میں آ کر جہاں سینگ سمائیں، چلے جائیں۔''

''اس نے کسی نہ کسی کو اطلاع کر دی ہو گی۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''اپنے آدمیوں سے کہو واپس جانے کے لئے معمول سے ہٹ کر کوئی راستہ تلاش کریں۔''

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔'' وسیم نے پُرسوچ انداز میں کہا اور ریڈیو پر اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے لگا۔

مجھے لاہور آنے کا اتفاق کم ہوا تھا اور میں نے اس کے زیادہ علاقے نہیں دیکھے تھے۔ خاص طور سے راوی کا علاقہ میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔ اس لئے میں نہیں بتا سکتا کہ انہوں نے واپسی کے لئے کون سا راستہ اختیار کیا تھا لیکن یہ خاصا طویل راستہ تھا جو ناہموار بھی تھا۔ ہم پورے ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس پہنچے تھے۔ فتح خان کو نیچے تہ خانے میں لے جایا گیا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''احتیاطاً اس کا مکمل معائنہ کراؤ اور اس کے جسم سے ہر شے الگ کر کے تلف کر دو..... ممکن ہے اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جو اس کی نشان دہی کر دے۔''

''اتفاق سے میرے ذہن میں بھی یہ بات تھی۔'' وسیم مسکرایا۔ ''میں نے پہلے ہی اپنے آدمیوں سے کہہ دیا ہے، وہ اسے آلات سے بھی چیک کر لیں گے۔''

رات کے تین بج رہے تھے اور میں تھکن کے ساتھ خوشی بھی محسوس کر رہا تھا۔ فتح خان کا ہاتھ آ جانا بڑی کامیابی تھی۔ مجھے یقین تھا وہ بہت سارے معموں کی گتھیاں سلجھا دے گا تاہم یہ بھی حقیقت تھی اس سے کچھ اگلوانا آسان نہیں ہو گا۔ میں اپنے کمرے کی طرف آیا۔ فتح خان صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ مجھے راجا ناصر کا خیال آیا لیکن پھر میں نے سوچا اب صبح ہی بات کروں گا۔ میں لیٹتے ہی سو گیا تھا۔ گزشتہ کچھ عرصے کی مستقل بھاگ دوڑ نے میری صحت پر اثر ڈالا تھا۔ اب میں پہلے جیسا اسٹیمنا اور قوت محسوس نہیں کر رہا تھا۔ ذرا سی بھاگ دوڑ مجھے تھکا دیتی تھی۔ صبح میں دیر تک سوتا رہا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو دس بج رہے تھے۔ میں منہ ہاتھ دھو کر باہر آیا بستر پر چند جوڑے تہ کئے رکھے تھے۔ یہ یقیناً سونیا لائی تھی۔ میں نے شلوار کرتہ منتخب کیا تھا۔ ریڈی میڈ اور تقریباً میرے سائز کا تھا۔ ساتھ ہی نئی چپل تھی، میں باہر آیا۔ ڈائننگ روم خالی تھا میں نے آواز دی۔ ''ارے کوئی ہے جو یک غریب لامکان شخص کو ناشتا کرائے۔''

سونیا مسکراتی ہوئی کچن سے نکلی تھی۔ ''شہباز بھائی، بیٹھیں..... میں ناشتا لاتی ہوں۔''

''ان نوازشوں کا شکریہ!'' میں نے لباس کی طرف اشارہ کیا۔

''شرمندہ نہ کریں۔'' وہ بولی اور کچن میں چلی گئی۔ اسی لمحے عادل، سونیا کو آواز دیتا ڈائننگ روم میں آیا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے دیکھ کر ٹھٹکا اور سرد مہری سے بولا۔

''آپ..... کیسے ہیں؟''

''فائن..... تم سناؤ، فتح خان کا کیا حال ہے؟''

''ابھی تک اس نے زبان نہیں کھولی ہے۔ ویسے آپ نے اسے پکڑ کر غلطی کی ہے۔ اس طرح یہ جنگ مزید پھیل جائے گی۔''

''تم اس کی فکر مت کرو۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''راجا ناصر کہاں ہے؟''

''اسے چھوڑ دیا گیا ہے اور فرق کیوں نہیں پڑتا ہے۔ ہمارے لئے مسائل بڑھیں گے۔''

اس کے لہجے پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔ ''مسٹر عادل! تمہیں غالباً اس بات کی ادائیگی کی گئی ہے، یہ تمہاری ذمے داری ہے۔''

عادل نے غور سے مجھے دیکھا اور نرم پڑ گیا۔ ''سوری، میرا یہ مطلب نہیں تھا..... لیکن ان لوگوں سے الجھنا!''

''الجھنا پڑے گا۔ پہلے والے ٹھکانے سے نکلنے کے بعد تمہارے ساتھ کیا ہوا۔ تمہارے دو آدمی مارے گئے اور اب بھی وہ تمہاری تلاش میں ہوں گے۔''

عادل کھڑا ہونٹ کاٹتا رہا تھا پھر ایک جھٹکے سے مڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کا رویہ مخاصمانہ تھا۔ مگر یہ میرا دردِ سر نہیں تھا۔ وسیم خود اس سے نمٹ لیتا۔ سونیا ناشتا لے کر آئی تو کسی قدر سنجیدہ تھی۔ میں ناشتے کے دوران میں اس سے ہنسی مذاق کرتا رہا تھا تب کہیں جا کر اس کا موڈ بحال ہوا۔ ناشتے کے بعد وہ کافی لے آئی تھی۔ اس دوران میں وہ مجھ سے میرے بارے میں سوال کرتی رہی۔ میں اسے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں بتاتا رہا۔ پھر حالیہ واقعات اختصار سے سنائے۔ وہ ٹورنگ ایجنسی کا سن کر پُرجوش ہو گئی تھی۔ ''ہائے..... کاش آپ اس جھگڑے میں نہ پڑتے..... میں بھی ناردرن ایریا دیکھنا چاہتی ہوں، مجھے..... پہاڑ اچھے لگتے ہیں۔''

''میں ذرا اس چکر سے نکل جاؤں..... پھر میری طرف سے ایک ٹور تمہارے لئے گفٹ ہوگا۔''

''شہباز بھائی!'' اس بار وہ ذرا جھجک کر بولی۔ ''آپ کی شادی ہو چکی ہے؟''

''نہیں..... اور نہ ہی فی الحال امکان ہے۔''

''اور کوئی لڑکی جسے..... آپ..... میرا مطلب ہے.....؟''

میں ہنسا۔ ''نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔''

لیکن یہ کہتے ہوئے میرے تصور میں دو سیاہ آنکھیں آ گئی تھیں۔ جو مجھ سے پوچھ رہی تھیں کیا واقعی کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے ان آنکھوں سے نظریں چرا لیں..... فی الحال میرے پاس ان آنکھوں کے سوال کا جواب نہیں تھا۔ سونیا برتن سمیٹ رہی تھی، میں نے وسیم کے بارے میں پوچھا۔ ''وسیم کہاں ہے؟''

''وہ صبح سے تہ خانے میں ہیں۔''

''میں بھی تہ خانے کی طرف جا رہا ہوں۔'' میں نے کافی کا دوسرا مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

فتح خان ایک کرسی پر اس طرح بندھا بیٹھا تھا کہ اس کے جسم پر صرف انڈرویئر تھا۔ پورے جسم پر جا بجا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹے چھوٹے زخم تھے۔ وسیم کا ایک آدمی ان پر رہ رہ کر نمک مرچ والا پانی چھڑک رہا تھا۔ خود وسیم ذرا دور دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ پانی پڑتا تو کراہ روکنے کے لئے فتح خان ہونٹ بھینچ لیا کرتا تھا۔ البتہ اس کا جسم شدتِ کرب سے بل کھا کر رہ جاتا تھا۔

''کیا رہا؟'' میں نے وسیم سے پوچھا۔

''ابھی پہلے اسٹیج پر ہے۔'' وسیم بولا۔

فتح خان کرب زدہ آواز میں ہنسا۔ ''آخری اسٹیج بھی کر کے دیکھ لو، ہمارا زبان نہیں کھلے گا۔''

میں نے پانی چھڑکنے والے کو اشارے سے روک دیا۔ ''اس کے زخم صاف کرو۔''

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ میں نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ اس نے سر ہلایا تو اس کے آدمی نے فتح خان کے زخم صاف کرنے کے بعد ان پر ایک سفوف سا چھڑکا یہ تکلیف ختم کرنے والا سفوف تھا۔ اس سے فتح خان کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ وسیم کا آدمی اپنا کام کر کے باہر نکل گیا۔ میں ایک کرسی کھینچ کر فتح خان کے نزدیک بیٹھ گیا۔ ''فتح خان..... میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''میری ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''جب مجھے موقع ملا، میں تیرے کو قتل کر دے گا۔''

''مجھے خوشی ہے تم نے صاف گوئی سے کام لیا..... اور امید ہے..... تم میرے سوالوں کے جوابات بھی اسی صاف گوئی سے دو گے۔''

''پوچھو..... اگر دینا ہوگا تو ہم دے گا۔''

میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔ ''فتح خان، ڈیوڈ شا میرے پیچھے کیوں ہے۔ اس بات کا انکار مت کرنا، میں جانتا ہوں، تم مرشد علی کے نہیں ڈیوڈ شا کے نمائندے ہو۔''

فتح خان سوچتا رہا۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ ''درست ہے..... ڈیوڈ شا..... تمہیں اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا ہے..... لیکن کیوں، میں اس سے اتنا ہی بے خبر ہے جتنا کہ تم.....''

''میں یہ بات نہیں مان سکتا، تم مکمل طور پر بے خبر نہیں ہو سکتے..... تم کچھ نہ کچھ جانتے ہو۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ خیال ہے تمہارا۔'' وہ مسکرایا۔

''حمیرا دت کہاں ہے؟'' میں نے دوسرا سوال کیا۔

''میں نہیں جانتا۔''

میرا دل خوشی سے معمور ہو گیا۔ ''یعنی وہ زندہ ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو فتح خان ایک لمحے کے لئے بوکھلا گیا۔

''تم جو چاہے سمجھو۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''اسلام آباد سے جب ہم جی ٹی روڈ سے روانہ ہوئے تو راستے میں ہم نے تعاقب کا پورا خیال رکھا تھا پھر تم ہمارا تعاقب کیسے کرتے رہے؟''

''یہ ڈیوڈ صیب کا طریقہ تھا..... تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''شاید تم موبائل فون کی مدد سے تلاش کرنے والی مشین کی بات کر رہے ہو؟ یہاں بھی اس کی مدد سے میرا سراغ لگایا تھا۔''

''تم جانتا ہے؟'' فتح خان ایک بار پھر بوکھلا گیا تھا۔

''لیکن پہلی بار مجھے کیسے تلاش کیا تھا؟''

''تمہاری تصویریں لاہور کے سارے بدمعاشوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ اس طرح تمہارا پہلا سراغ لگا تھا۔''

''یہ جواب درست ہے لیکن میرے اس سے پہلے کئے گئے سوال کا ابھی تک جواب نہیں ملا۔ تم نے ہائی وے پر ہمارا تعاقب کیسے کیا تھا؟''

''بہت آسانی سے۔ تمہاری ایک گاڑی میں ایک چھوٹا سا آلہ لگا دیا تھا جو ہمیں بتاتا تھا، اب تم کدھر ہے۔''

''مجھے بے ہوش کر کے راناؤں کے حوالے کیوں کیا گیا تھا؟''

''مجھے نہیں پتا ڈیوڈ صیب تم کو کہیں اور بھیجنا چاہتا تھا لیکن خود پاکستان آ کر..... تب تک کے لئے تمہیں ادھر رکھوایا تھا۔ شہر میں خطرہ تھا تمہارا ساتھی لوگ تمہیں تلاش کر لیتا۔''

''ڈیوڈ شا کب تک پاکستان آئے گا؟''

''میں نہیں جانتا۔''

''چلو میں نے مان لیا..... لیکن میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ تمہیں علم ہی نہیں ہے کہ ڈیوڈ شا مجھے کیوں اغوا کرانا چاہتا ہے، آخر اس کا اب مجھ سے کیا مفاد ہے؟''

''میں نے کہا ناں ہم نہیں جانتا۔''

میں نے انکار سنا ہی نہیں۔ ''ڈیوڈ شا اس وجہ سے مجھے اب تک مرشد علی سے تحفظ دینے پر مجبور ہے ورنہ مجھے رانا کے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔''

''ہم نہیں جانتا۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب میرے ساتھ کیا کرو گے؟''

میں مسکرایا۔ ''فتح خان، تمہارے خیال میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک مناسب ہوگا؟''

''ہم نے کبھی ایسا سوچا نہیں۔'' اس نے کہا۔

''تو اب سوچو..... جیسا تم چاہو گے، ویسا ہی سلوک ہوگا۔''

فتح خان نے بے یقینی سے کہا۔ ''تم سچ کہتے ہو؟''

''ہاں..... فی الحال تمہیں کھانا اور میڈیکل ایڈ دی جائے گی لیکن فتح خان، جو بھی فیصلہ کرنا خوب سوچ سمجھ کر کرنا کیونکہ تمہیں اس کی قیمت دینا ہوگی۔''

میں نے محسوس کیا کہ وسیم میری اس بات سے کچھ مضطرب نظر آنے لگا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں، جب ہم تہ خانے سے باہر آئے تو اس نے بے چینی سے کہا۔ ''شہباز صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے تھے، اگر اس نے کہا کہ اسے چھوڑ دیا جائے تو ہم اسے چھوڑ دیں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، چھوڑ دیر اگے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

وسیم اچھل پڑا تھا۔ 'یہ کیا کہہ رہے ہیں جناب! فتح خان، راجا صاحب کا مجرم ہے۔ ہم اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟''

میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''راجا صاحب کی فکر مت کرو، انہیں میں جواب دوں گا۔ فی الحال راجا صاحب کو فتح خان کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وسیم چپ ہو گیا تھا لیکن اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ مطمئن نہیں ہے۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''وسیم! فتح خان بہت کچھ چھپا رہا ہے اور ہمیں اس سے معلومات حاصل کرنے کے لئے اسے چھوڑنا بھی پڑا تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہوگا کیونکہ ڈیوڈ شا اور اس کے عزائم فتح خان سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ فتح خان ایک مجرم ہے جسے کسی وقت بھی سزا دی جا سکتی ہے۔''

وسیم مطمئن نظر آنے لگا۔ ''میں سمجھ گیا تھا۔''

میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''وسیم، تم راجا صاحب کی فکر مت کرو۔ ان کو میں سمجھا لوں گا۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔''

''دوسرے اگر فتح خان کو چھوڑا گیا تو ہم اس کا تعاقب کریں گے۔ اسے ایسے ہی نہیں چھوڑ دیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں دشمن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلوم ہونا چاہئے۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ بدقسمتی سے میں نے پہلے جاسوسی کے شعبے پر توجہ نہیں دی تھی۔''

''اب دو..... اس مقصد کے لئے آلات حاصل کرو۔ آلات نے جاسوسی کے کھیل کو بہت آسان بنا دیا ہے۔ دیکھو، فتح خان ایک معمولی سے سگنل دینے والے آلے کی مدد سے ہمارا تعاقب کرتا رہا تھا۔ اب تو موبائل فون کی ٹریکنگ بھی ہو جاتی ہے۔''

''ہاں، میں نے ایک مشین منگوالی ہے۔ جاپانیوں نے بنائی ہے۔ یہ مشین ایک بار کسی موبائل فون کی فریکوئنسی پکڑ لے تو اس پر آنے والی یا اس موبائل سے کی جانے والی تمام کالز سنی جا سکتی ہیں۔''

''یہ زبردست چیز ہے۔''

''شاید کل تک مجھے مل جائے۔ میں نے فی الحال دو مشینیں منگوالی ہیں، اگر انہوں نے درست کام کیا تو پھر مزید مشینیں منگواؤں گا۔''

''فی الحال تم لوگ بھی موبائل فون کا استعمال بند کر دو۔''

''ہم نے تمام نئے کنکشن حاصل کر لئے ہیں، تمام پرانے کنکشن ترک کر دیئے ہیں۔''

''گڈ!'' میں نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''فتح خان کو 'باس' اور ناشتا دلوا دو مگر بے حد احتیاط سے..... خطرناک آدمی ہے چالوں کا ماہر ہے۔ خالی ہاتھ سے بھی پانسا پلٹ دیتا ہے۔''

میرے سر میں ہلکا سا درد ہو رہا تھا اور طبیعت بھی گری گری سی لگ رہی تھی۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ پھر میں نے سونیا سے چائے یا کافی کا کہنے کا سوچا اور آخر میں اس سے کہنے کے بجائے خود بنا لینا بہتر سمجھا، میں اٹھ کر کچن میں آیا، ڈسپرین کمرے میں سے مل گئی تھی۔ کافی بنا کر میں نے دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈسپرین لیں اور کمرے میں جانے کے بجائے تہ خانے کا رخ کیا۔ دروازے کے قریب مجھے عادل اندر سے نکلتا ہوا نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا پھر تیزی سے میرے پاس سے گزرنے لگا۔ فتح خان مکمل لباس میں تھا۔ اسے آزاد کر دیا گیا تھا لیکن اس طرح کہ اس کا ایک پاؤں فولادی زنجیر سے منسلک حلقے میں تھا اور یہ زنجیر دیوار میں پیوست تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا۔

''اتنا اچھا سلوک کرنے کے لئے شکریہ!'' وہ بولا۔ ''تم شریف دشمن ہے۔''

''اس کے باوجود موقع ملنے پر مجھے ضرور قتل کرو گے؟'' میں ہنسا۔

''وہ میرا قسم کا معاملہ ہے۔''

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''فتح خان..... اس بات کو برسوں گزر چکے ہیں۔ کیا تمہیں اب بھی یقین ہے کہ شینا نے مجھ پر جو الزامات لگائے تھے، وہ درست ہیں؟''

''اس نے جھوٹ بولا تھا۔'' فتح خان سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''پر اسے تمہاری وجہ سے مارا..... اس کا قاتل تم ہے۔''

''اچھی منطق ہے۔ جب اس نے جھوٹ بولا تو تم نے مان لیا۔ اب اس کا جھوٹ آشکار ہو چکا ہے۔ تب میرے لاگو کیوں ہو؟''

''کیونکہ وہ اور میں تمہاری وجہ سے پکڑے گئے تھے۔''

''اچھی وجہ ہے..... خیر اسے چھوڑو، مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا جواب کیا ہے؟''

''میں..... میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ اس کی ایک قیمت ہوگی، وہ ادا کرو اور یہاں سے جاؤ۔''

''کیا قیمت ہوگی؟''

''مجھے..... ڈیوڈ شا اور اس کے عزائم کے بارے میں بتاؤ اور یہاں سے جاؤ۔''

''میں بتا چکا ہوں..... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''ٹھیک ہے..... میں نے قیمت بتا دی..... اب تم دے سکتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ یہیں رہو اور اب یہ تم سے اپنے طریقے سے پوچھیں گے۔''

''تم مجھے جانتے ہو، میں مر جاؤں گا۔''

''یہی تو مسئلہ ہے فتح خان! آج کل تشدد نے سائنس کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ ایسے ایسے طریقے اختیار کر لئے ہیں کہ پتھر بھی بول ہی پڑتا ہے۔ مرنے بھلا کون دیتا ہے؟''

''میں پتھر کا ہی بنا ہے..... ٹوٹ سکتا ہوں..... لیکن جھک نہیں سکتا۔''

میں مسکرایا۔ ''فتح خان، تم بہت جلد جھکو گے اور وہ سب بتاؤ گے جو میں چاہتا ہوں۔''

میں اوپر آیا، وسیم لان میں جسمانی مشقیں کر رہا تھا۔ شروع میں، میں نے بھی ایسی ایکسرسائزز کی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یار، ہیروئن کے انجکشن مل سکتے ہیں؟''

''وہ چونکا۔ ''ہیروئن..... خدا خیر کرے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''احمقانہ باتیں مت سوچو۔ میں فتح خان کے لئے کہہ رہا ہوں۔''

''اوہ، تو آپ اس پر یہ حربہ استعمال کریں گے؟''

''مجبوری ہے، وہ تشدد کے سامنے جھکنے والا شخص نہیں ہے۔''

''مل جائیں گے لیکن مجھے امید نہیں ہے، وہ کچھ جانتا ہوگا۔''

''تم اسے نہیں جانتے..... یہ وہ شخص ہے، جس نے راجا صاحب کے محل میں اس خفیہ سرنگ کا پتا چلا لیا تھا۔ جس سے صرف راجا اور اس کا سیکرٹری واقف تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ اس نے ڈیوڈ شا کے لئے کام کرتے ہوئے اس کے عزائم کے بارے میں کھوج نہ لگایا ہو۔''

''آپ کا خیال ہے وہ اس طرح بتا دے گا؟''

''امکان ہے..... ہیروئن سب سے پہلے آدمی کی قوت ارادی ہی تباہ کرتی ہے۔ اس کے عادی لوگ زندہ لاشوں میں بدل جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مضبوط آدمی اس کے عادی ہو جانے کے بعد کیچوے کی طرح حقیر ہو جاتے ہیں۔''

''جیسا آپ کہتے ہیں..... ہم ویسا ہی کریں گے۔''

ڈسپرین لینے سے میری طبیعت خاصی سنبھل گئی تھی۔ میں نے وسیم اور اس کے ساتھیوں کے ہمراہ ورزش میں حصہ لیا۔ پھر کوٹھی کے عقبی حصے میں موجود سوئمنگ پول میں تیراکی کی۔ باہر آیا تو لنچ تیار تھا۔ کھانا کھا کر میں لمبی تان کر سو گیا۔ اس کے بعد آنکھ کھلی تو شام ہو رہی تھی۔ میں نے تہ خانے کا رخ کیا تھا۔ وہاں فتح خان دیوار کے پاس مدہوش پڑا تھا۔ میں نے نگرانی کرنے والے سے پوچھا۔ ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''جناب! اسے انجکشن دیا ہے۔'' نگران نے بتایا۔

یعنی وسیم نے میرے کہنے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ میں مطمئن ہو کر باہر آیا۔ وسیم اپنے کمرے میں تھا۔ دستک کے جواب میں اس نے کہا۔ ''یس، کم ان۔''

وہ بستر پر بیٹھا ایک لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔ اس نے فون کی تار نوٹ بک میں لگا رکھی تھی اور شاید انٹرنیٹ استعمال کر رہا تھا۔ ''سوری..... شاید میں مخل ہوا ہوں۔''

''ارے نہیں..... شہباز صاحب، آپ سے کیا پردہ..... میں ذرا ساتھیوں کو ہدایات دے رہا تھا، اب میں نے فیصلہ کیا ہے، احکامات انٹرنیٹ سے جاری کروں گا۔''

''لیکن کمپیوٹر ہر جگہ تو دستیاب نہیں ہوتا۔''

وہ مسکرایا۔ ''موبائل تو ہر جگہ ہوتا ہے۔ میرے تمام ساتھیوں کے پاس جدید ترین موبائل فون ہیں۔ جن سے انٹرنیٹ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وہ میری بھیجی ہوئی میلز اپنے موبائل پر چیک کر لیتے ہیں۔ اس میں اتنا زیادہ خطرہ بھی نہیں ہے۔''

''گڈ..... فتح خان کو پہلی ڈوز دے دی ہے۔ میں ابھی اسے دیکھ کر آ رہا ہوں۔''

''احتیاطاً ابھی ہلکی مقدار دی ہے کیونکہ وہ عادی نہیں ہے۔ میں نے ایک ڈاکٹر سے معلوم کیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ اگر روزانہ آدمی کو اس کا انجکشن دیا جائے تو ساتویں آٹھویں دن وہ ہیروئن کے لئے اپنی ماں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فروخت کرنے کو بھی تیار ہو جاتا ہے۔"

"ممکن ہے فتح خان زیادہ وقت لے..... لیکن ہمارے پاس اس سے زیادہ وقت ہے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "جب تک کوئی ایمرجنسی نہ آ جائے۔"

"وسیم! مجھے بھی انٹرنیٹ استعمال کرنا ہے۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ابھی میرا ذرا سا کام ہے اس کے بعد آپ یوز کر لیجئے گا۔"

کچھ دیر بعد اس نے لیپ ٹاپ میرے حوالے کر دیا۔ یہ خاصے چھوٹے سے سائز کا منی لیپ ٹاپ تھا جس میں تمام سہولتیں موجود تھیں۔ میں نے اپنا ای میل چیک کیا۔ حسبِ توقع ایمن کی میل تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں نے اپنا موبائل کیوں بند کر رکھا ہے؟ میں نے اسے جوابی میل کی اور تفصیل سے بتایا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟ میں نے اس سے کہا کہ میں پاکستان کے وقت کے مطابق رات دس بجے ایم ایس این پر آن لائن ہوں گا۔ اگر وہ میری میل پڑھ لے تو خود بھی آن لائن ہو جائے۔ میل کر کے میں نے وسیم سے کہا۔ "مجھے ایک کمپیوٹر چاہئے، انٹرنیٹ کی سہولت کے ساتھ۔"

"میرے پاس ایک اور لیپ ٹاپ ہے، آپ اسے استعمال کریں۔ فون لائن آپ کے کمرے میں بھی ہے۔"

وسیم نے ایک نیا لیپ ٹاپ مجھے دیا۔ سلور رنگ کی باڈی والا یہ سائز میں وسیم کے لیپ ٹاپ سے بڑا تھا۔ کیونکہ اس کی اسکرین بڑی تھی۔ اس میں کچھ پروگرام انسٹال کرنا تھے۔ میں سی ڈیز اور لیپ ٹاپ لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ رات تک اس میں الجھا رہا تھا۔ صرف کھانے کے لئے اٹھا تھا۔ بہرحال دس بجے تک کام ہو گیا تھا۔ انٹرنیٹ کے لئے فون کی وائر لگائی تو یاد آیا کہ میرے پاس انٹرنیٹ تو تھا ہی نہیں۔ بہرحال وسیم سے اس کے انٹرنیٹ کی آئی ڈی اور پاس ورڈ لیا۔ جیسے ہی میں ایم ایس این پر لاگ آن ہوا، ایمن موجود تھی۔

"کیا حال ہیں؟" اس نے لکھا۔

"تمہارے چچا کی مہربانیوں سے اچھے نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "وائس پر آ جاؤ۔"

"تم ڈیوڈ شا کی بات کر رہے ہو؟" ہیڈ فون میں اس کی آواز آئی۔

"ہاں ..... اس کے گرگے میرے پیچھے ہیں۔ جس رات تم سے بات ہوئی تھی، اسی رات انہوں نے حملہ کیا۔ قسمت تھی جو بچ گیا۔ اس کے بعد دوبارہ حملہ ہوا، اس بار بھی قدرت کو میری موت یا گرفتاری منظور نہیں تھی۔"

"میرے خدا..... میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی، ڈیوڈ اس حد تک مجرمانہ ذہن کا مالک نکلے گا۔"

"نہیں، انگریزوں کو سمندر پار کرتے ہی کچھ ہو جاتا ہے اور قانون کی حکمرانی کے بارے میں ان کے خیالات بدل جاتے ہیں۔"

"سیاست مت کرو۔"

"اسی کو تو سیاست کہتے ہیں۔" میں ہنسا۔ "خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ تم کب پاکستان آ رہی ہو؟"

"اسلام آباد میں میرے وکیل کیس کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔" وہ بولی۔ "کچھ مصروفیات بھی ہیں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ممکن ہے اگلے ہفتے تک آؤں۔"

"کیا تمہارا چچا پسند کرے گا کہ تم اپنے باپ کو تلاش کرنے کے لئے حکومت پاکستان کو درخواست دو؟"

"بالکل بھی نہیں۔ اس طرح اس سے جائیداد اور خطاب چھن جائے گا۔"

"تب مشکل ہے کہ تمہارے دائر کئے ہوئے کیس پر کوئی کارروائی ہو..... یہاں کی ایک بہت بڑی بارسوخ سیاسی شخصیت تمہارے چچا کی بے دام....."

"اسے بار بار میرا چچا مت کہو..... مجھے نفرت ہے اس سے۔" وہ جھنجلائی۔

"او کے۔ ڈیوڈ شا کا مرید ہے۔"

"مرید..... کیا مطلب؟"

"مطلب بندۂ بے دام..... غلام ہوتا۔"

"ہمارے ہاں اوپری طبقے میں آج بھی گوروں کو آسمانی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ تو مس ایمن ڈیوڈ شا کے اس غلام کے ہوتے ہوئے تمہاری دال گلنا محال ہے۔ حکومت بھی کچھ نہیں کرے گی اور برٹ شا بدستور غائب رہے گا۔"

"پتا نہیں کیوں، مجھے یقین ہے ڈیڈی زندہ ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

فتح خان کے بعد صرف میں جانتا تھا کہ برٹ شا اس دنیا میں ہے۔ ایمن کا دل غلط نہیں کہہ رہا تھا لیکن میں اسے یہ بات کہہ نہیں سکتا تھا۔ اس کی توجہ ہٹانے کے لئے میں نے موضوع بدل دیا۔ "تم نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"تمہیں بتایا تو تھا غم روزگار نے فرصت ہی نہیں دی۔ شہباز، میں تمہیں بتا نہیں سکتی میں نے کچھ دن کتنی مشکلوں میں کاٹے ہیں۔"

"اور اب؟"

"اب میں مطمئن ہوں..... اچھی جاب ہے۔ اچھی تنخواہ ہے۔ لندن میں فلیٹ ہے میرے پاس۔"

"گڈ اب تم اس قابل ہو کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکو۔"

"فی الحال اس بارے میں سوچا نہیں ہے۔" اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ "تم ڈیوڈ شا سے ملے ہو؟"

"ڈیوڈ شا سے میری ایک ہی ملاقات ہوئی ہے۔ میں نے اسے کچھ دیر کے لئے یرغمال بنایا تھا۔"

"یرغمال.....!" ایمن نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، ورنہ اس کے آدمی مجھے زندہ نہ چھوڑتے۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ تم بھی اس سے دور رہو۔"

ایمن نے گہری سانس لی۔ "اس نے میرے باپ کی جاگیر اور خطاب پر قبضہ کیا ہے میں اسے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گی۔"

"اسے مارو گولی اپنے بارے میں بتاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمن اپنے بارے میں بتاتی رہی پھر اس نے اچانک پوچھا۔ ''میں کیسی لگی تمہیں؟''

''کیسی لگتی..... کیا مطلب؟''

''بھئی..... تم نے اتنے سال پہلے دیکھا تھا مجھے اور اب ٹی وی پر۔''

''معاف کرنا، ٹی وی پر تم خاصی بے حال سی نظر آئیں..... اس لئے کہہ نہیں سکتا۔ ہاں برسوں پہلے والی ایمن کو میں آج تک نہیں بھولا۔'' میرے لہجے میں شرارت آ گئی تھی۔

''مجھ میں زیادہ فرق تو نہیں آیا۔ اس وقت میرا قد پانچ فٹ چھ انچ تھا۔ اب سات انچ ہے۔ وزن اس وقت ایک سو دس پونڈز تھا، آج ایک سو پندرہ ہے۔ صرف پانچ پونڈز کا فرق پڑا ہے۔ ہاں، میں نوخیز نہیں رہی، پختہ عمر کی لڑکی ہوں۔''

''ہاں فرق تو پڑا ہے پہلے خوب تھیں اب خوب تر ہو گئی ہو۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''کیا کسی اور نے یہ فرق نوٹ نہیں کیا؟''

''لوگ بڑھے بھی..... نظروں نے پیغام بھی دیئے اور پھول بھی آئے..... لیکن شہباز، نہ جانے کیا بات ہے، دل نے کسی کو قبول ہی نہیں کیا۔''

شاید باپ کو کھونے اور پھر مشکل حالات دیکھنے کے بعد اس کے اندر کی لڑکی مرجھا گئی تھی ورنہ جس ایمن سے میں ملا تھا، وہ کتنی شوخ و چنچل تھی۔ مشکلات میں بھی ہنستی مسکراتی رہی تھی۔ مگر اب حالات نے اسے سنجیدہ کر دیا تھا کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''اب مجھے دفتر جانا ہے۔''

بارہ بج رہے تھے اور لندن میں شام کے سات بجے تھے۔ ''اس وقت..... دفتر.....؟''

''ہاں، میری ایک ڈاکومنٹری فلم کی ایڈیٹنگ ہے۔ اس دوران میں میرا موجود رہنا ضروری ہے ویسے میں نارمل ورکرز کی طرح ڈیوٹی پر نہیں جاتی ہوں۔ جب لندن میں ہوتی ہوں تو زیادہ تر گھر پر رہتی ہوں۔''

''او کے..... بائی..... اب کب بات ہو گی؟''

''کل اسی وقت..... میں کچھ کام بھی نمٹا لوں گی تو تمہیں بہتر طور پر بتا سکوں گی کہ کب تک پاکستان آ سکوں گی۔ دراصل میرے چینل والے، کے۔ ٹو کی طرف جانے والی ایک مہم کو اسپانسر کر رہے ہیں۔ ممکن ہے، مجھے اس کے ساتھ کر دیا جائے، بائے!''

میں نے لیپ ٹاپ بند کیا اور ہیڈ فون سر سے اتار دیا۔

☆======☆======☆

میں ایکسرسائز سے فارغ ہوا تو پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ گزشتہ ایک ہفتے کی باقاعدہ ایکسرسائز سے میرے اسٹیمنا اور جسمانی حالت میں واضح بہتری آئی تھی۔ وسیم مجھے سیلف ڈیفنس کے گر بھی سکھاتا رہا۔ خاص طور سے اس نے مجھے ٹانگوں کی اہمیت سمجھائی۔ آدمی کے زمین پر کھڑے اور ڈٹے رہنے کا انحصار ہی ٹانگوں پر ہوتا ہے جب تک یہ مضبوط، توانا اور چست نہیں ہوں گی، سیلف ڈیفنس کے بارے میں سوچنا بھی حماقت ہے۔ وسیم مجھے جو ایکسرسائز کراتا تھا، ان میں زیادہ تر ٹانگوں کے لئے تھیں۔ ان سے بہت فرق پڑا تھا میری ٹانگیں پہلے بھی مضبوط تھیں لیکن ان کے مسلز نمایاں نہیں تھے اب ان کے مسلز نمایاں ہو گئے تھے۔ بازوؤں، پیٹ اور سینے پر بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واضح فرق پڑا تھا۔

ایکسرسائز سے فارغ ہو کر جسم کو ٹھنڈا اور مسلز کو معمول پر رکھنے کے لئے ایک گھنٹا سوئمنگ کی۔ وسیم اور اس کے ساتھی باقاعدگی سے مجھے اپنے درمیان دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ تہ خانے میں ہم فائرنگ اور ہتھیاروں کو استعمال کرنے کی مشق کرتے تھے۔ تہ خانے میں فائرنگ رینج بنائی گئی تھی۔ اس دوران میں فتح خان کو باقاعدگی سے ہیروئن کے انجکشن دیئے جا رہے تھے جن کے اثر سے وہ زیادہ تر مدہوش پڑا رہتا تھا۔ اس نے کھانا پینا برائے نام کر دیا تھا۔ اس کے لئے جانے والا کھانا عام طور سے جوں کا توں واپس آ جاتا تھا۔ اسے انجکشن عادل لگاتا تھا اور مجھے خوشی ہوئی تھی کہ اس کا رویہ اب بدل گیا تھا۔ البتہ وحیا مجھ سے ایسی گھل مل گئی تھی جیسے میری سگی بہن ہو۔ وسیم سے وہ بے پناہ محبت کرتی تھی لیکن ان میں بے تکلفی نہیں تھی۔ یہ محبت، ادب و احترام میں لپٹی ہوئی تھی۔ عادل بھی سرد مہر ہونے کے باوجود وسیم کا بے حد احترام کرتا تھا لیکن میں سونیا سے جیسے ہلکی مذاق کرتا تھا تو اس کی شاید بچپن کی تشنگی اس معاملے میں دور ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صبح سے شام تک میرے گرد منڈلاتی تھی اور اس کے لبوں سے نکلنے والی ''شہباز بھائی!'' کی صدائیں ہمہ وقت میرے کانوں میں گونجا کرتی تھیں۔ رات کے کھانے کے بعد میں نے وسیم کے ساتھ تہ خانے کا رخ کیا۔ آج فتح خان کو انجکشن دیتے ہوئے آٹھواں دن تھا اور اسے چوبیس گھنٹے کے بعد انجکشن دیا جاتا تھا اور آج اسے ابھی تک انجکشن نہیں دیا گیا تھا۔ وسیم نے بتایا تھا، شام سے اس کی حالت دگرگوں ہونے لگی تھی اور کچھ دیر پہلے وہ انجکشن کے لئے چیخ چلا رہا تھا۔

''میرا خیال ہے، آج فتح خان لائن پر آ جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''ممکن ہے..... اور یہ بھی ممکن ہے اسے مزید انجکشن دینا پڑیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''میں نے ڈاکٹر سے دوبارہ بات کی تھی، اس کا کہنا ہے بعض مضبوط قوت ارادی رکھنے والے افراد کو عادی ہونے میں وقت لگتا ہے۔''

لیکن فتح خان کی حالت ردی ہو رہی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی گڑگڑانا شروع کر دیا تھا۔ ''خدا کے لئے..... انجکشن دے دو۔ میں مر رہا ہوں۔'' وہ چٹکیوں سے اپنے بازو نوچ رہا تھا۔ انگلیوں اور ہتھیلیوں پر دانت کے کاٹنے سے خون رس آیا تھا۔ وحشت میں اس نے اپنی قمیص کئی جگہ سے پھاڑ لی تھی۔ زنجیر کھینچنے سے اس کی ٹانگ پر زخم سا بن گیا تھا۔ مجموعی طور پر اس کی حالت بہت بری ہو رہی تھی۔ وسیم نے عادل کی طرف دیکھا جو پہلے سے تہ خانے میں تھا۔ اس نے اپنی جب سے سرنج اور انجکشن نکالا تو فتح خان کی حالت اس کتے کی سی ہو گئی جو زنجیر سے بندھا کئی دن سے بھوکا ہو اور اس کے سامنے گوشت رکھ دیا گیا ہو۔ وہ بے ساختہ زنجیر گھسیٹتا ہوا عادل کی طرف لپکا پھر زنجیر کی حد ختم ہوئی اور وہ زمین پر گر گیا۔ اسے خاصی چوٹ آئی تھی لیکن چوٹ کے بجائے وہ صرف انجکشن کی فکر میں تھا۔ غالباً اسے گولی ماردی جاتی تب بھی مرنے تک وہ انجکشن ہی مانگتا۔

''دے دو..... خدا کے لئے..... دے دو۔'' وہ پھر گڑگڑایا۔

میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ''فتح خان..... میں نے کہا تھا ناں..... یہاں ہر شے کی ایک قیمت ہے اس انجکشن کی بھی ایک قیمت ہے۔''

''میرے..... پاس کچھ نہیں ہے۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

''تمہارے پاس ہے..... دینے کے لئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا..... کیا ہے..... لے لو، سب لے لو۔ مجھے انجکشن دے دو۔ میں مر رہا ہوں۔'' اس نے زمین پر شدتِ کرب سے بل کھانا شروع کر دیا۔

''میرا خیال ہے اسے انجکشن دے دیں..... تیس گھنٹے ہو گئے ہیں۔ کہیں مر نہ جائے۔'' عادل نے مشورہ دیا۔

''ہاں، دے دو..... لیکن پورا نہیں، صرف تھوڑا سا..... جس سے اس کی تکلیف کم ہو۔'' وسیم نے سوچ کر کہا۔ ''پورا دے دیا تو یہ بولنے کے قابل نہیں رہے گا۔''

''عادل نے انجکشن دینا چاہا لیکن وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑا تب کہیں عادل نے انجکشن لگایا۔ فوراً ہی فتح خان کا مرزنہ بدن پُرسکون ہوتا چلا گیا تھا۔ پھر وہ چت لیٹ کر کتے کی طرح ہانپنے لگا تھا۔ عادل نے صرف تہائی سرنج انجکٹ کی تھی۔

''فتح خان..... اب تم زیادہ بہتر حالت میں ہو۔ میرے سوالوں کا جواب دو گے تو پورا انجکشن ملے گا۔''

''پوچھو..... پوچھو..... ہم بتائے گا۔''

''حکیم قادس کہاں ہے؟'' میں نے پہلا سوال کیا۔

''ادھر ہی ہے..... لاہور میں۔''

''یعنی وہ زندہ ہے؟ لیکن تم نے اسے کیوں پکڑا ہے، وہ تمہارے کس کام کا ہے؟''

''ہم کو نہیں پتا..... ڈیوڈ صاحب جانتا ہے، اس نے کہا تھا اس نے تم کو بھی پکڑنے کو کہا تھا میں نے کو نہیں پتا کہ کیوں کہا تھا؟''

''قادس کو کہاں رکھا ہے؟''

فتح خان نے شیخوپورہ کے قریب ایک فارم کا بتایا۔ ''وہ ادھر ہے۔''

''فارم کس کا ہے؟''

''سراج الحق قریشی نامی شخص کا ہے۔ میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔''

''تم مشہور اسمگلر قریشی کی بات کر رہے ہو ناں.....؟'' وسیم نے چونک کر کہا۔

''ہاں..... ہاں، وہی ہے۔''

''میں اسے جانتا ہوں۔ انڈیا سے دبا کر اسمگلنگ کرتا ہے سرحدی حکام سے گہرے تعلقات ہیں اس شخص کے۔''

''ڈیوڈ شاکب پاکستان آئے گا؟''

''دو تین دن بعد۔'' فتح خان بولا۔ ''وہ قادس کو لے کر شمالی علاقے کی طرف جائے گا۔''

میں نے فتح خان سے مزید سوالات کیے اور وہ تمام سوالوں کے فرفر جواب دیتا رہا تھا۔ اس دوران میں اس کے منہ سے مستقل رال بہہ رہی تھی جسے وہ بار بار ہاتھ سے صاف کر رہا تھا۔ اس کی گرسنہ نگاہیں سرنج پر مرکوز تھیں۔ یہ جاننے کے لئے کہ وہ جھوٹ تو نہیں بول رہا تھا، میں نے ایک سوال کئی بار کیا لیکن اس نے ہر بار ایک ہی جواب دیا تھا۔ حکیم قادس کے زندہ ہونے کی خبر اچھی تھی، ایک تو وہ باکمال طبیب اور راجا کا خاص آدمی تھا جسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف میرے ہاتھ کے علاج کے لئے راجا کے علاقے سے لایا گیا تھا۔ دوسرے میرے ہاتھ کی کمزوری کا علاج اس کے پاس تھا۔ جب میں پورے طور پر مطمئن ہو گیا تو میں نے عادل سے کہا۔

''اسے انجکشن دے دو۔''

عادل نے بقیہ رہ جانے والا انجکشن بھی اسے لگا دیا اور ایک منٹ کے اندر وہ آسودہ سا ہو کر فرش پر لیٹ گیا تھا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ ''آپ کا حربہ کامیاب رہا۔ ویسے یہ خیال آپ کو کیسے آیا؟''

''فتح خان اپنے دشمنوں کو اس طرح سے بھی سزا دیتا ہے۔ وہ انہیں ہیروئن کا عادی بنا کر اور پھر بغیر ہیروئن کے ان کے تڑپ تڑپ کر مرنے کا نظارہ کرتا ہے۔ اس نے مجھے خود بتایا تھا، میں نے سوچا اس کا حربہ کیوں نہ اسی پر آزماؤں۔''

''جیسے کو تیسا۔'' وسیم ہنسا، ہم اوپر آئے۔ باہر خاصی سردی تھی۔ اس لئے ہم نے نشست گاہ کو ترجیح دی۔ وسیم نے اپنے ایک ساتھی کو کافی بنانے کو کہا۔ ''شہباز صاحب! قادس کا مل جانا بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ راجا صاحب خوش ہو جائیں گے۔''

بشرطیکہ قادس ابھی تک وہیں ہو، اتنا تو دشمن بھی جانتے ہیں کہ فتح خان کے علم میں جو کچھ ہے، وہ ہم بھی جان سکتے ہیں اس لئے عین ممکن ہے انہوں نے محتاط ہو کر حکیم کو کہیں اور منتقل کر دیا ہو۔''

''یہ بھی ممکن ہے ابھی تک وہیں ہو..... اگر انہوں نے حکیم کو وہاں رکھا ہے تو اس کا مطلب ہے، وہ ممکنہ حد تک محفوظ جگہ ہے اس لئے حکیم کو بدستور وہیں رکھا جا رہا ہے۔''

''تم اپنے آدمیوں کو نگرانی پر لگا دو۔ ہمیں بہر صورت پتا چلنا چاہئے کہ قادس وہاں ہے یا نہیں، اس کے بعد ہم اسے چھڑانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

وسیم نے سر ہلایا اور موبائل فون پر کسی کو پیغام بھیجنے لگا۔ ان دنوں وہ کال کرنے کے بجائے ایس ایم ایس سے کام چلا رہا تھا۔ میں اس سے معذرت کر کے اٹھ گیا۔ مجھے ابھی ایمن سے بات کرنی تھی۔ جب میں نیٹ پر لاگ آن ہوا تو وہ پہلے سے موجود تھی۔ اس نے مجھے پیغام بھیجا۔

''آج میں بہت خوش ہوں۔''

''کیوں؟'' میں نے مائیک میں پوچھا۔

''برطانوی وزارتِ داخلہ کے توسط سے پاکستانی وزارتِ داخلہ کو میرے باپ کی گمشدگی کا کیس ری اوپن کرنے کی جو درخواست بھیجی گئی تھی، وہ منظور ہو گئی ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' میں نے اس کا موڈ خراب کرنے سے گریز کیا ورنہ مجھے معلوم تھا، ہمارے ہاں اس درخواست کو کیسے ری اوپن کیا جائے گا۔ سیکرٹری داخلہ کے حکم سے درخواست درجہ بدرجہ اس تحصیل کے تھانیدار تک پہنچے گی، جہاں برٹ شاغائب ہوا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے پوری ''تفتیش'' کر کے رپورٹ اوپر بھیج دے گا جو درجہ بدرجہ ہوتی سیکرٹری داخلہ اور وہاں سے برطانیہ بھیج دی جائے گی۔ رپورٹ میں یہی درج ہو گا کہ دوبارہ کوشش کے باوجود غائب ہونے والے [illegible] نوی شہری کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

''میں نے آج اتنے دنوں بعد نیا ڈریس پہنا ہے۔ بال سیٹ کرائے ہیں، تمہیں دکھاؤں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں دکھاؤ۔'' میں نے کہا۔

اس نے ویب کیم کا پیغام بھیجا۔ یعنی انٹرنیٹ کے ذریعے ویڈیو لائیو دکھانا..... میں نے پیغام قبول کیا۔ چند لمحے بعد اسکرین کے ایک باکس میں ایمن کی تصویر نمودار ہوئی، وہ کیمرا سیٹ کر رہی تھی۔ تصویر رک رک کر آ رہی تھی۔ ''میں نظر آ رہی ہوں؟''

''ہاں..... لیکن تصویر رک رہی ہے۔''

''تمہاری طرف نیٹ سلو ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اب دیکھو مجھے۔''

اس نے گلابی رنگ کا لباس پہنا تھا، جس میں اس کی دلکشی نمایاں تھی۔ سنہری مائل بال شانوں پر لہرا رہے تھے۔ وہ رقص کرنے کے انداز میں گھومی تو بال بھی ہوا میں پھیل گئے تھے۔ پھر وہ ہنستی ہوئی اپنے کمپیوٹر کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ ''ہاں، اب بتاؤ..... میں کیسی لگی؟''

''اچھی لگ رہی ہو۔''

''صرف اچھی.....؟'' اس کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔

''نہیں، بہت اچھی۔''

''صرف بہت اچھی۔''

''تو بابا..... تم بتا دو..... کتنی اچھی لگنا چاہتی ہو؟'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''سب سے اچھی..... دنیا کی ہر شے سے..... ہر عورت سے اچھی۔'' اس نے جذباتی لہجے میں کھل کر کہہ دیا تھا۔ میں سناٹے میں رہ گیا تھا۔ میں کوئی نادان یا کم عمر لڑکا نہیں تھا۔ ایک پختہ مرد تھا۔ عورت کے اس لہجے اور جذبات کو اچھی طرح سمجھنے والا۔ مجھے معلوم تھا وہ کیا کہہ رہی تھی۔

''واہ..... برسوں پرانی ہونے والی ایک ملاقات کی بنیاد پر.....'' میں ہنسا۔

''چلو اب مل لیتی ہوں..... ویسے بھی میں پاکستان آ رہی ہوں۔''

''لیکن..... تم مجھ سے نہیں مل سکتیں۔ میں مفرور ہوں..... روپوش ہوں..... منظر عام پر آیا تو پولیس مجھے گرفتار کر لے گی۔''

''تو میں تم سے ملنے آ جاؤں گی۔''

''پہلے تم پاکستان تو آؤ..... پھر اس بارے میں طے کر لیں گے۔'' میں نے اسے ٹالا۔

''شہباز! تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟'' اس نے موضوع نئے انداز سے چھیڑا۔ ''کیا کوئی کہانی ہے۔ میں نے سنا ہے تمہارے ہاں پسند کی شادی بہت بڑا مسئلہ ہے۔''

''بڑے سے بھی خاصا بڑا..... لیکن خدا کا شکر ہے، میرے ساتھ یہ مسئلہ نہیں ہے۔ بس کاروباری مصروفیات نے فرصت ہی نہیں دی اور آج کل دشمنوں سے فرصت نہیں ہے، جن میں تمہارا چچا..... میرا مطلب ہے ڈیوڈ شا..... فی الحال سرفہرست ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ اسے پاکستان اور تم سے کیا دلچسپی ہے؟''

''معاملہ وہی ہے۔ تمہارے دادا جان کی ہمالیہ والی مہم کا..... ڈیوڈ شا نے راجا عمر دراز سے تصویر حاصل کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لی ہے اور مزید کسی منصوبہ بندی میں لگا ہے۔ ڈیوڈ شا کا ایک خاص آدمی ہمارے قبضے میں ہے، اس نے بہت کچھ بتایا ہے۔''

''وہی دیوانگی..... جس کا شکار میرا باپ ہوا تھا۔'' ایمن نے گہری سانس لی۔ ''نہ جانے وہ منحوس تصویر اور کتنے لوگوں کی جان لے گی؟''

''ایمن..... وہ دیوانگی سہی لیکن اس میں کچھ نہ کچھ صداقت ہے ورنہ تمہارے خاندان کی تین نسلیں اس کے پیچھے پاگل نہ ہوتیں۔''

''براہِ کرم مجھے ان نسلوں میں شامل نہ کرو۔ میں نے کبھی ان چیزوں کے بارے میں نہیں سوچا جو میرے گرینڈ پا ہمالیہ سے لائے تھے۔''

''لیکن تمہارے الفاظ بتا رہے ہیں کہ تم ان پر اپنا حق ضرور سمجھتی ہو۔ جبکہ تمہیں پہلے ہی پتا ہے کہ راجا عمر دراز ان پر دعویٰ رکھتا ہے۔''

''رکھتا ہوگا۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔ ''میں نے کہا ناں..... مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف اپنے ڈیڈی کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ اگر وہ زندہ ہیں تو کہاں ہیں اور مر گئے ہیں تو ان کی لاش مجھے ملنا چاہئے۔''

''میں معذرت خواہ ہوں۔'' میں نے معذرت کی۔ ''تم واقعی اس کی حق دار ہو۔ اگرچہ میں خود مارا مارا پھر رہا ہوں لیکن..... تمہاری اس معاملے میں جو بھی مدد ہوگی، کروں گا بلکہ ایک مدد ابھی کر سکتا ہوں۔''

''وہ کیا؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''تمہیں فتح خان یاد ہے ناں..... جسے تمہارے باپ نے ہائر کیا تھا؟''

''ہاں، اس نے ڈیڈی کے خلاف سازش کی تھی بلکہ مجھے شبہ ہے ڈیڈی کو غائب کرنے میں بھی اسی کا ہاتھ ہے۔ تمہیں یاد ہے ناں..... وہ ہیروں والا بکس.....؟''

''ہاں، صرف تمہارے ڈیڈی اس کے بارے میں جانتے تھے۔''

''فتح خان نے ان ہیروں کے لالچ میں میرے ڈیڈی کے ساتھ کچھ کیا تھا۔''

''درست..... میرا بھی یہی شک ہے۔ یہی فتح خان پاکستان میں تمہارے انکل ڈیوڈ شا کا خاص آدمی بنا ہوا ہے۔''

''اوہ نو.....!'' وہ حیران رہ گئی تھی۔

''یہ بات سو فی صد یقینی ہے اور فتح خان اس وقت میرے قبضے میں ہے۔''

''میرے خدا کیا آج میرے حیران ہونے کا دن ہے؟''

''مجھے اب تک خیال نہیں آیا تھا، اب میں اس سے پوچھوں گا۔ تمہارے ڈیڈی کے بارے میں۔''

''کیا وہ بتا دے گا؟'' ایمن کے لہجے میں شک تھا۔

''میں جس طرح پوچھوں گا، وہ ضرور بتائے گا۔''

''تشدد؟'' اس نے ہچکچا کر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اسے انگلی بھی نہیں لگاؤں گا، اس پر تشدد نہیں ہوگا، اسے کوئی کچھ نہیں کہے گا مگر وہ بتائے گا۔''

''تب پلیز، اس سے ڈیڈی کے بارے میں معلوم کرو، اس سے مجھے بہت مدد مل سکتی ہے۔''

''میں پوری کوشش کروں گا..... لیکن ایمن تم اس معاملے میں اپنا دل مضبوط رکھنا۔ کیونکہ اتنا طویل عرصہ کوئی کسی کو قید نہیں رکھتا ہے۔ تم سمجھ رہی ہو ناں.....؟''

''ہاں۔'' اس نے روہانسی آواز میں کہا۔

''آئی ایم سوری!''

''نہیں، اس میں تمہارا قصور نہیں ہے؟''

میں اسے تسلی دیتا رہا۔ اس وقت فتح خان سے پوچھنا بے کار تھا کیونکہ وہ انجکشن کے زیر اثر مدہوش پڑا تھا اور غالباً اتنا مجبور بھی نہیں تھا کہ مجھے مطلوبہ سوالوں کا جواب دے دیتا۔ اس سے کل شام پوچھنا ہی مناسب ہوتا۔ جب وہ انجکشن کے لئے بے تاب ہوتا۔ میں ایمن کو گڈ بائے کہہ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے ایک منٹ رکنے کا کہہ کر ایمن کو رخصت کیا۔ پھر اٹھ کر دروازہ کھولا، وسیم تھا۔ ''سوری، میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا..... لیکن میرے آدمیوں کی جانب سے اہم اطلاع ملی ہے، انہوں نے مذکورہ فارم سے ایک تصویر کھینچ کر بھیجی ہے۔''

''اوہ، کس کی؟'' میں چونکا۔

وسیم اندر آیا، اس نے اپنی جیب سے ایک چار بائی چھ کی تصویر نکالی۔ ''میرے آدمیوں نے اندھیرے میں تصویر کھینچنے والا کیمرا اور ٹیلی لینس استعمال کر کے تصویر اتاری ہے۔ تصویر واضح نہیں ہے پھر بھی مجھے شبہ ہے یہ حکیم قادس ہے۔''

میں نے تصویر دیکھی۔ ''ہاں، لگ رہا ہے۔'' میں نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔ ''لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتے۔''

''میرے ساتھ آیئے۔'' وسیم نے کہا۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لایا۔ اس نے نوٹ بک کے ساتھ سکینر لگایا اور تصویر کو سکین کر کے نوٹ بک میں منتقل کیا۔ تصویر نوٹ بک کی اسکرین پر نمودار ہوئی تھی۔ اس کے بعد وسیم نے تصویر کو بہتر بنانے کے لئے فوٹو شاپ کا سافٹ ویئر کھولا اور اس کی مدد سے تصویر کو بہتر اور واضح کرنے لگا۔ کچھ دیر میں تصویر خاصی روشن اور بہتر ہو کر سامنے آئی تھی۔ اس بار میں نوے فی صد یقین سے کہہ سکتا تھا کہ تصویر حکیم قادس کی تھی۔ ''یہ حکیم ہی ہے۔'' میں نے وسیم سے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''اس کا مطلب ہے حکیم قادس اس کوٹھی میں ہے اور فارم کے ایک حصے میں ہے۔''

''تمہارے آدمی فارم میں داخل ہو چکے ہیں؟''

''نہیں، انہوں نے ذرا دور پوزیشن سنبھالی ہے۔ وہ آنے جانے والے راستے کی نگرانی کر رہے ہیں۔''

''حکیم قادس کی یہ تصویر کس وقت اتاری گئی؟''

''اب سے کوئی ایک گھنٹا پہلے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور تمہارے پاس اتنی جلد آ بھی گئی؟'' میں چونکا۔

''وسیم مسکرایا۔ ''ٹیکنالوجی کا کمال ہے جناب! ڈیجیٹل کیمرے سے تصویر کھینچی اور موبائل کی مدد سے ایم ایم ایس کر کے مجھے بھیج دی گئی۔ میں نے جدید ترین لیزر پرنٹر سے اس کا پرنٹ نکال لیا تھا۔''

''حکیم بظاہر کھلی جگہ پر ہے۔'' میں نے تصویر ایک بار پھر غور سے دیکھی۔

''میرے آدمیوں کا کہنا ہے اسے کچھ دیر کے لئے باہر لایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے، تصویر کھینچنے کے چند منٹ بعد اسے اندر لے جایا گیا تھا۔''

''اپنے آدمیوں سے کہو..... انہیں شک کا موقع نہ دیں..... اور اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ اندر کتنی افرادی قوت ہے۔''

''میں نے کہہ دیا ہے۔'' وسیم نے غور سے میری طرف دیکھا۔ ''کیا اندر گھسنے کا ارادہ ہے؟''

''ظاہر ہے..... حکیم قادس کو حاصل کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہی میرے ہاتھ کو مکمل طور پر درست حالت میں لا سکتا ہے۔''

وسیم چلا گیا تھا اور میں سونے کے لئے لیٹ گیا تھا۔ اگلے روز میں صبح کے وقت طعام خانے میں گیا تھا۔ فتح خان فرش پر بچھی چٹائی پر مزے سے خراٹے لے رہا تھا۔ شاید اس کا نشہ ابھی جما ہوا تھا ورنہ وہ اتنے سکون سے نہ سو رہا ہوتا۔ میں نے اس کے پاؤں پر ٹھوکر ماری تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا تھا، مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا..... میں بدلہ لے گا۔''

''اس کا اعلان تو تم پہلے ہی کرتے رہے ہو۔ خیر، یہ بعد کا مسئلہ ہے۔ اس وقت میں تم سے کچھ پوچھنے آیا ہوں۔''

''شام کو پوچھنا، جب میں انجکشن کے بدلے سب بتانے کو تیار ہوں گا۔''

''ابھی بتا دو..... تو شام کی اذیت سے بچ جاؤ گے جیسے ہی طلب شروع ہوئی، انجکشن مل جائے گا۔''

وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ''پوچھو..... کیا پوچھنا ہے؟''

''فتح خان! تم نے برٹ شا کے ساتھ کیا، کیا تھا؟''

''میں نے اسے مار کر جنگل میں پھینک دیا تھا۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا پھر ذرا تجسس سے پوچھا۔ ''اتنا عرصہ بعد تم کو برٹ شا کیوں یاد آیا؟''

میرا دل ڈوبنے لگا۔ اگرچہ مجھے اس جواب کی توقع تھی لیکن میں ایمن کو یہ بات کس طرح بتاتا، وہ کل کتنی بے چین تھی کہ اس کے باپ کی تلاش کا کیس ری اوپن کرنے کی درخواست پاکستان کی حکومت کو بھیج دی گئی تھی۔

''سوال مت کرو فتح خان..... اور تم نے اتنی آسانی سے اسے کیسے مار دیا، کیا تمہیں اس سے وہ ہیرے حاصل نہیں کرنے تھے جن کے پیچھے تم پاگل ہو رہے تھے؟''

''میں نے کوشش کی تھی..... وہ نہیں مانا..... پھر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں نے اسے مار دیا۔ بعد میں مجھے افسوس ہوا تھا۔''

''یعنی وہ ہیرے اب تک غائب ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، ورنہ میرے کو ڈیوڈ شا کا نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی پھر تو میں اسے نوکر رکھ سکتا تھا۔''

اس کی دلیل میرے دل کو لگی تھی۔ وہ ہیرے واقعی اتنے ہی قیمتی تھے۔ میں نے پھر پوچھا۔ ''کیا تمہیں وہ جگہ یاد ہے جہاں برٹ شا کی لاش پھینکی تھی؟''

''نہیں، اتنا پرانا بات ہے..... میں پھر اُدھر نہیں گیا..... اور اب لاش اُدھر کدھر ہوگا۔ جانور اُس وقت کھا گیا ہوگا..... اب تو اس کا ہڈی بھی نہیں ہوگا اُدھر۔''

''فتح خان! تم نے جس فارم میں حکیم قادس کی موجودگی کا بتایا تھا، وہ وہیں ہے..... اور شاید آج رات ہم اسے وہاں سے نکال لائیں۔''

''بے شک لاؤ۔ پر ادھر سخت پہرا ہوتا ہے۔ اندر کم سے کم درجن بھر مسلح افراد ہوتا ہے۔ اسلحہ بھی بہت ہے۔''

میں کریدکرید کر فتح خان سے فارم اور کوٹھی کا اندرونی نقشہ دریافت کرتا رہا اور اہم باتوں کو نوٹ کرتا رہا تھا۔ میرا ارادہ تھا، شام کو جب انجکشن کا وقت آئے گا تب فتح خان سے ایک بار پھر ان باتوں کی تصدیق کروں گا۔ ممکن ہے وہ ابھی غلط بیانی سے کام لے رہا ہو لیکن شام کو وہ جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ میں نے اوپر آ کر وسیم کو تلاش کیا لیکن وہ کوٹھی میں نہیں تھا، شاید باہر گیا ہوا تھا۔ میں نے سونیا سے فون کے بارے میں پوچھا۔ کوٹھی میں دو عدد فکسڈ لائن فون تھے اور موبائل فون بھی کئی عدد تھے لیکن میں ان کی مدد سے ندیم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ ٹھکانا بہت اہم تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ذرا سی بداحتیاطی سے یہ دشمن کی نظر میں آ جائے، سونیا نے کہا۔

''ہمارے پاس ایک سی ڈی ایم اے ہے۔''

''یعنی وائرلیس فون؟''

''ہاں، وہی جو پبلک کال آفس میں آج کل استعمال ہو رہا ہے۔ فارغ پڑا ہے، آپ کہیں تو میں لا دیتی ہوں۔''

''اسے استعمال کرنے میں خطرہ تو نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے، اس کی مدد سے اس جگہ کا سراغ تو نہیں لگایا جا سکے گا؟''

''نہیں..... کیونکہ اسے جعلی نام اور شناختی کارڈ کی مدد سے حاصل کیا گیا تھا۔ پتا بھی کہیں اور کا ہے۔ آپ اسے بلاخوف استعمال کر سکتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''رکیں، میں ابھی لاتی ہوں۔''

وہ کچھ دیر بعد ایک وائرلیس فون لے آئی۔ میں نے اسے بجلی سے پلگ کر کے دیکھا۔ درست کام کر رہا تھا۔ اس میں خاصے یونٹس بھی تھے۔ ''چلے گا..... اب ایسا کرو، ملازم سے ایک کپ کافی میرے کمرے میں بھجوا دو۔''

''میں فون لے کر اپنے کمرے میں آیا، پلگ کر کے میں نے ندیم کا گھر کا نمبر ملایا۔ آج اتوار تھا، لہٰذا اسے گھر پر ہونا چاہئے تھا۔ فون اس کی بیوی شازیہ نے ریسیو کیا۔ میری آواز سن کر وہ چلائی۔

''شہباز بھائی! آپ کہاں تھے..... یہاں غضب ہو گیا ہے۔''

''کیا ہوا..... ندیم ٹھیک ہے؟'' میرا دل اس کے انداز پر دھڑک اٹھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، ندیم ٹھیک ہیں..... یہ لیں، ان سے بات کریں۔''

''شہباز!'' ندیم کی برہم آواز سنائی دی۔ ''کہاں مر گئے ہو..... سب کے فون بند پڑے ہیں، میں صبح سے لڑائی کر رہا ہوں۔''

''ہوا کیا ہے؟''

''ہونا کیا ہے..... تم سب اپنی من مانیاں کرتے ہو اور میری زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔''

''کچھ بکواس بھی کرو گے یا آزاد شاعری ہی کرتے رہو گے؟''

''مونا اور سفیر کل شام سے غائب ہیں۔''

''غائب ہیں، کیا مطلب.....؟''

''غائب ہونے کا مطلب غائب ہونا ہی ہوتا ہے۔ کل شام کے وقت سفیر، مونا کو لے کر حویلی سے نکلا تھا۔ اس کے بعد وہ واپس نہیں آئے۔ سفیر جو گاڑی لے کر گیا تھا وہ حویلی سے دو میل دور خالی کھڑی پائی گئی تھی۔''

''میرے خدا!'' میرے منہ سے نکلا۔ ''یہ سفیر کو باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔'' ندیم سخت بھنایا ہوا تھا۔ ''اگر مونا بی بی کی طبیعت ناساز تھی تو اس کے لئے ڈاکٹر گھر پر بھی آ سکتا تھا۔ اسے باہر لے جانا ضروری نہیں تھا۔''

''یہ تو بہت برا ہوا۔ مجھے سفیر سے اس حماقت کی توقع نہیں تھی۔''

''لیکن مجھے تھی..... مونا بی بی کا حویلی میں دم گھٹ رہا تھا، اس نے سفیر کو اکسایا ہوگا، ڈاکٹر کو دکھانے کے بہانے دونوں آؤٹنگ پر نکلے ہوں گے۔'' ندیم نے اندازہ لگایا۔

''ان کا پھر پتا چلا؟''

''سفیر کے بھائی نے رپورٹ درج کرا دی ہے اغوا کی۔ فی الحال کچھ پتا نہیں ہے۔ پولیس سے بھی امید نہیں ہے..... جو کرنا ہے خود کرنا ہے..... تُو راجا کے ان گرگوں سے بات کر۔''

''تُو فکر نہ کر۔ اگر مونا اور سفیر کو دشمنوں نے اٹھایا ہے تو ان کا بھی ایک خاص بندہ ہماری تحویل میں ہے۔''

''یار، مجھے زیادہ فکر مونا کی ہے۔ تُو جانتا ہے مرشد علی اور اس کا بھائی مونا کے بارے میں کیسے عزائم رکھتے ہیں۔ میں نے مرشد علی سے بات کی ہے لیکن وہ انکار کر رہا ہے، اس اغوا میں اس کا ہاتھ نہیں ہے۔''

''اسے تو انکار کرنا ہے۔ تُو فکر نہ کر..... اللہ سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ ہم اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کریں گے۔''

''بس یار! تجھ سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا ہے ورنہ میں بہت پریشان تھا۔ یار، مجھ سے رابطہ رکھنا۔ ان کا پتا چلے تو مجھے فوراً بتانا۔''

اسے تسلی دے کر میں نے فون بند کر دیا لیکن خود اندر سے میرا تشویش سے برا حال تھا۔ اس موقع پر جبکہ حالات ہمارے حق میں جا رہے تھے۔ مونا اور سفیر کا غائب ہونا سارے کئے کرائے پر پانی پھیرنے کے مترادف تھا۔ ان پر غصہ کر کے خون جلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے ان کو چھڑانے کا طریقہ سوچنا تھا۔ میں نے وسیم کا پوچھا، وہ ابھی تک باہر سے نہیں آیا تھا۔ سونیا میری بے چینی سے تاڑ گئی تھی۔ ''کیا بات ہے شہباز بھائی، آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پریشان لگ رہے ہیں؟"

"نہیں کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے ٹالا۔

"آپ مجھ سے چھپاتے ہیں۔" وہ دکھی ہوگئی تھی۔

"اوہ نہیں..... بابا، خبر ہی ایسی ہے۔ میرے ساتھی مونا اور سفیر غائب ہیں، کل شام سے۔"

"یہ تو بہت بری خبر ہے۔" اس کے چہرے پر تشویش پھیل گئی تھی۔

"ہاں، اس لحاظ سے زیادہ بری ہے کہ ان کے دشمن کے ہتھے چڑھنے کا امکان ہے۔"

"مرشد علی؟" اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"امکان یہی ہے..... یا یہ بھی ہوسکتا ہے، یہ فتح خان کے اغوا کا ردِعمل ہو۔"

"اس سے پوچھتے ہیں۔"

"ہاں، یہ تم نے اچھی بات کی..... ورنہ میرا تو ذہن سُن ہو رہا ہے۔"

میں تہ خانے کی طرف آیا تو سونیا میرے ساتھ تھی۔ فتح خان چٹائی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ آہٹ سن کر وہ چونکا اور پھر ہمیں دیکھ کر سیدھا ہوگیا۔ اس نے خاص طور سے سونیا کا معائنہ کیا تھا۔

"فتح خان، یہ بتاؤ کہ ڈیوڈ شا کے لئے اور کتنے افراد کام کرتے ہیں؟"

"میرے ساتھ تو پندرہ بیس افراد ہیں۔ باقیوں کا مجھے نہیں پتا۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

"یعنی اس نے اور بھی لوگوں کو ہائر کیا ہے؟"

فتح خان نے سر ہلایا۔ "اس جیسا آدمی کسی ایک شخص پر اعتبار کیسے کرسکتا ہے۔"

"اس کا کوئی گروپ راولپنڈی سائیڈ پر بھی کام کر رہا ہے؟"

"اکثر وہی ہیں..... لاہور تو میں تمہاری خاطر آیا تھا۔"

"میرے ساتھیوں کی نگرانی بھی جاری ہے؟"

"ڈیوڈ شا نے مجھ سے تو نہیں کہا..... ممکن ہے دوسرے لوگوں سے یہ کام لیا ہو۔" فتح خان نے جواب دیا۔ وہ بار بار دزدیدہ نظروں سے سونیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہوس کی چمک محسوس کی جاسکتی تھی۔ "تم مجھ سے اس بارے میں سوال کیوں کر رہے ہو، کیا تمہارا کوئی ساتھی غائب ہے۔"

"بکواس بند کرتے!" اچانک سونیا نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری تھی۔ فتح خان الٹ کر گرا تھا۔ وہ اٹھا تو اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے بے پروائی سے خون صاف کیا۔

"تم عادل کا بیوی ہو؟"

"تمہیں کیسے معلوم؟" میں نے حیرانی سے کہا کیونکہ اس کے سامنے کسی کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ سونیا عادل کی بیوی ہے؟

"شاید کوئی بول رہا تھا، میں نشے میں تھا پر یاد رہ گیا۔" اس نے کہا۔

"فتح خان میرے دو ساتھی غائب ہیں، انہیں تصویر والے چکر میں مرشد علی نے اغوا کیا تھا۔"

"مرشد....." وہ حقارت سے بولا۔ "اس گدھے کو سوائے بدمعاشی کے اور کچھ نہیں آتا تھا۔ اس قسم کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارے کام میں کرتا تھا، تمہارے ساتھیوں کو بھی اسپتال سے میں نے اغوا کیا تھا۔"

میں مسکرایا۔ "تو یہ نیکی کا کام ہے؟"

"میرا مطلب ہے..... مرشد اور اس کے ساتھی پلاننگ سے کوئی کام نہیں کر سکتے، وہ صرف مار دھاڑ کرنے والے لوگ ہیں۔"

"تمہارا کیا اندازہ ہے، میرے ساتھی کہاں ہو سکتے ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"راولپنڈی میں اپنے ٹھکانوں کا پتا بتاؤ، جہاں ان لوگوں کو رکھا جا سکتا ہے؟"

"وہاں میرے علم میں ایسا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ میں خود مرشد علی کے گھر میں رہتا تھا"

صاف ظاہر تھا، وہ بتانے سے گریز کر رہا تھا اور فی الحال وہ مجبور بھی نہیں تھا۔ ابھی انجکشن کی طلب کا مرحلہ نہیں آیا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس سے شام کو بات کریں گے۔ میں اور سونیا، پرآئے، وہ فتح خان کو ٹھوکر مار کر اپنا غصہ کسی حد تک سرد کر چکی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ "اب تم تہ خانے میں مت جانا..... وہ جس طرح تمہیں دیکھ رہا تھا، یہ بات مجھے پسند نہیں تھی لیکن میں بے بس آدمی پر ہاتھ اٹھانے کے خلاف ہوں۔"

"بے حیا شخص ہے۔" سونیا غصے سے سرخ ہو گئی۔ "اگر یہ آپ لوگوں کے لئے ضروری نہ ہوتا تو اس کی آنکھیں نکال لیتی۔"

"فکر مت کرو، اسے اس سے بھی زیادہ سخت سزا ملے گی۔ آج ان شاء اللہ حکیم قادس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد اسے بھی راجا کے حوالے کریں گے۔ وہ اسے سخت سزا دے گا۔ ان کے ہاں اپنے مجرموں کو بڑی وحشت ناک سزائیں دی جاتی ہیں۔"

"کاش کہ میں اسے سزا پاتے دیکھ سکوں۔"

وسیم آ گیا تھا۔ میں نے اسے مونا اور سفیر کے غائب ہونے کا بتایا تو وہ پریشان ہو گیا تھا۔ "میرے خدا..... یہ کیا، کیا انہوں نے؟"

"یار، اب تو جو ہونا تھا، ہو گیا ہے۔ مجھے شبہ ہے انہیں فتح خان کے جواب میں اغوا کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ درحقیقت ڈیوڈ شا کی قید میں ہو سکتے ہیں۔ فتح خان سے ان کے راولپنڈی اور اسلام آباد کے ٹھکانوں کا پتا کرنا ہے لیکن فی الحال وہ بتانے پر مجبور نہیں ہے۔"

وسیم میرا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ "فکر مت کریں۔ شام تک وہ سب بتائے گا۔"

میں کچھ سوچ رہا تھا، وسیم کی بات سن کر چونکا۔ "یار وسیم! میں نے ہیروئن کے عادی افراد دیکھے ہیں۔ فتح خان بے شک عادی ہو گیا ہے لیکن مجھے اس کے انداز میں وہ خاص بات محسوس نہیں ہو رہی ہے جو ہیروئن کے عادی افراد میں ہوتی ہے۔"

وسیم مسکرایا۔ "عام افراد اور فتح خان میں کچھ تو فرق ہو گا۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔ یہ بتاؤ، صبح سے کہاں تھے؟"

"میں اور عادل فارم کا جائزہ لینے گئے تھے۔ چھوٹا سا فارم ہے جس میں زیادہ تر پھل دار درخت لگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ البتہ اس میں بنی کوٹھی شاندار اور وسیع رقبے پر پھیلی ہے شاید دو ایکڑ رقبے پر ہے۔''

''مشن کے لحاظ سے کیسی ہے یہ کوٹھی؟''

''دفاعی انتظامات خاص نہیں ہیں۔ دیواریں آٹھ نو فٹ اونچی ہیں لیکن ان پر خاردار تاریں نہیں ہیں، گیٹ پر ایک مسلح شخص ہے۔ رات کو بارہ بجے کے بعد اندر کتے کھول دیئے جاتے ہیں۔''

''وسیم، ہمیں مغرب کے قریب وہاں دھاوا بولنا ہوگا۔''

''مغرب کے قریب!'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''نصف رات کو کیوں نہیں؟''

''میرا تجربہ ہے، سورج نکلتے اور غروب ہوتے وقت آدمی سُست ہوتا ہے۔ صبح نیند کی وجہ سے اور دن میں تھکن کی وجہ سے..... نصف رات کے وقت ایسے لوگ چاق و چوبند ہوتے ہیں۔ یہی وقت سب سے بہتر ہو گا۔ پھر ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ اس وقت بھی کوئی حملہ کر سکتا ہے، وہ آسانی سے مار کھا جائیں گے۔''

وسیم ہچکچا رہا تھا۔ ''لیکن اس طرح تو ہم خود بھی ان کی نظروں میں آ جائیں گے۔''

''رات کو وہ کتوں کی وجہ سے فوراً ہوشیار ہو جائیں گے۔ تب بھی ان کی نظروں میں تو آئیں گے پھر ہم روشنی میں پوزیشن سنبھال لیں گے اور تاریکی ہوتے ہی اندر گھسنے کی کوشش کریں گے۔''

وسیم ہچکچاہٹ کا شکار تھا لیکن میں نے اسے قائل کر ہی لیا۔ وسیم نے بتایا کہ اس نے کرائے پر مزید چھ افراد کا بندوبست کیا ہے کیونکہ یہاں لاہور میں اس کے پاس افرادی قوت کم ہے۔ ''ان کو ہمارے مشن کے بارے میں تو علم نہیں ہے۔''

''ان کو صرف وہ کرنا ہے جو ہم کہیں گے۔ ان کو نہ تو ہمارے ٹھکانے کا علم ہے اور نہ ہی اس جگہ کا جہاں ہم نے حملہ کرنا ہے، ویسے وہ تمام تربیت یافتہ افراد ہیں۔''

''یعنی ہم شام کے قریب روانہ ہوں گے؟''

''نہیں، فاصلہ زیادہ ہے۔ ہمیں سہ پہر کے وقت گھر سے نکلنا ہوگا۔'' وسیم نے کہا۔ ''میں بندوبست کرتا ہوں۔''

وسیم کے جانے کے بعد سونیا نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ لیکن مونا اور سفیر کے اغوا کا سن کر میری بھوک مر گئی تھی۔ میں نے برائے نام ہی چکھا تھا۔ اس کے بعد تیار ہونے کے لئے اپنے کمرے میں آ گیا۔ موسم کی مناسبت سے فلالین کی پتلون اور جرسی کی ہائی نیک شرٹ منتخب کی۔ کیونکہ سورج ڈوبنے کے بعد سردی میں تیزی سے اضافہ ہوتا تھا۔ غسل کر کے میں نے لباس تبدیل کیا۔ فی الحال میرے پاس صرف ایک پستول تھا لیکن اسلحہ لازماً ہمارے ساتھ ہوتا۔ پھر مجھے اس لائٹ گرینیڈ کا خیال آیا جو میں نے اسلحہ خانے سے لیا تھا۔ جس کے پھٹنے پر شدید قسم کی روشنی نکلتی تھی، میں نے اسے بھی پتلون کی جیب میں رکھ لیا۔ بظاہر دیکھنے میں یہ پین لگتا تھا۔ وسیم کے ساتھی بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ پورچ میں گاڑیاں تیار کی جا رہی تھیں کیونکہ کارروائی کچے علاقے میں کرنی تھی اس لئے دو عدد فور وہیل ڈرائیو لی گئی تھیں۔ ان میں ایک ہلکی جیپ تھی اور دوسری لینڈ روور تھی۔ سونیا اور عامل اندر سے اسلحہ لا رہے تھے۔ رائفلیں، پستول اور ان کے اضافی میگزینز، ہینڈ گرینیڈ اور اسموک گرینیڈ تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارا اسلحہ گاڑیوں کے خفیہ خانوں میں منتقل کیا جا رہا تھا۔ تین بجے وسیم آ گیا تھا۔ اس نے بتایا۔

''کرائے کے آدمی تیار ہیں، وہ ہمیں شیخوپورہ روڈ پر ملیں گے۔''

''یہاں سے کون کون ساتھ جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''میں آپ اور چار دوسرے ساتھی، عادل دو افراد کے ساتھ یہاں رکے گا۔''

''میں ساتھ جانا چاہتا ہوں۔'' عادل نے جلدی سے کہا۔

''نہیں، فتح خان کی نگرانی اہم ہے، اسے بھی خطرناک سمجھو۔ ذرا سی بے پروائی سے یہ شخص نکل جائے گا۔ اسے اپنے قبضے میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔''

''اور بھائی میں؟'' سونیا نے کہا۔

وسیم مسکرایا۔ ''ظاہر ہے، تمہیں تو قطعی نہیں لے جا سکتے۔ تم بھی یہاں کی ذمے داری سنبھالو۔''

ساڑھے تین بجے کے قریب ہم گھر سے روانہ ہوئے۔ فتح خان سے راولپنڈی میں ڈیوڈ شا اور مرشد علی کے ٹھکانوں کے بارے میں معلوم کرنے کی ذمے داری عادل کے سپرد کر دی گئی تھی۔ میں نے اپنا حلیہ بدلنے کے لئے سر پر گول ٹوپی کے ساتھ گول شیشوں والی عینک لے لی تھی۔ شیو بڑھ آئی تھی اور مجھے امید تھی کہ قریب سے دیکھے بغیر مجھے کوئی شناخت نہیں کر سکے گا۔ گاڑیاں تیز رفتاری سے فاصلہ طے کرنے لگیں۔

---

میں ایک بڑے گورکھ دھندے میں پھنس گیا تھا جس کا سرا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میرے پاس ٹکڑوں کی صورت میں معلومات موجود تھیں جن سے ایک خاکہ بن رہا تھا لیکن پوری تصویر سامنے نہیں آ رہی تھی۔ واقعات کے دو ٹریک تھے، ایک ٹریک راجا عمر دراز، ڈیوڈ شا اور مجھ سے تعلق رکھتا تھا۔ جب کہ دوسرا ٹریک مرشد علی، نادر علی، مونا، سفیر اور مجھ سے تعلق تھا۔ یعنی دونوں طرف کے واقعات آ کر مجھ پر جمع ہو رہے تھے۔ ڈیوڈ شا، مرشد علی اور فتح خان ایک طرف تھے جبکہ دوسری طرف میں، میرے ساتھی، راجا عمر دراز اور اس کے ساتھی تھے لیکن ہم سب کے مقاصد مختلف تھے۔ میں اپنا دفاع کرتا اور اپنی پُرسکون زندگی کی طرف لوٹ جانا چاہتا تھا جبکہ مرشد علی مجھے ایسا کرنے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ دوسری طرف عمر دراز اور شا خاندان میں گزشتہ ساٹھ برس سے جاری کش مکش ڈیوڈ شا کی صورت میں ایک نئے موڑ تک چلی آئی تھی اور فی الحال دونوں طرف سے واقعات کا کوئی انجام نظر نہیں آ رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' وسیم نے مجھے سوچ میں ڈوبا پا کر پوچھا۔

''سوری، میں ذرا کھو گیا تھا۔''

''شہباز صاحب، فکر نہ کریں..... حالات سے لڑتے رہنا ہی کامیابی ہے۔ حوصلہ ہار دینے سے صرف ناکامی ملتی ہے اور لڑتے رہنے والے کبھی کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔''

میں ہنسا۔ ''یار، فکر مت کرو۔ میں مایوس کن خیالوں میں نہیں کھویا تھا۔ دراصل میں سوچ رہا تھا کہ میرے معاملات اور پھر راجا عمر دراز کے معاملات آپس میں کتنے گتھ گئے ہیں کہ اب ہمارا مفاد تقریباً ایک ہے۔''

''میں راجا صاحب کو اتنا تو نہیں جانتا ہوں..... لیکن اتنا سمجھتا ہوں۔ آپ کے لئے وہ بے غرض انسان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔"

"میں جانتا ہوں..... میں اس راستے کی بات کر رہا ہوں جس طرف واقعات چل رہے ہیں۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "شہباز صاحب، بس میں اس تصویر والے معاملے کی دیوانگی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ ڈیوڈ شا نے اس کے حصول کے لئے مرشد علی کے کتنے آدمی مروا دیئے تھے۔ کتنے بے گناہ بھی مارے گئے، کوئی اور ہوتا تو مرشد علی اسے کچا چبا جاتا لیکن ڈیوڈ شا کے قدموں میں وہ بچھا جا رہا تھا۔"

"میرے خدا..... بے گناہ پر یاد آیا، میں رحمت خان کو تو بھول ہی گیا تھا۔ اس کی بیوی اور بیٹی فتح خان کے قبضے میں تھے۔" میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ "فتح خان ہمارے قبضے میں ہے اور مجھے اس سے پوچھنے کا خیال ہی نہیں آیا۔"

"میں نے پوچھا تھا۔ رحمت خان کی بیٹی کے بارے میں۔ بیوی کی لاش تو سڑک کے کنارے مل گئی تھی، اس کی موت طبعی تھی۔"

"اسے بھی قتل کہو۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "شاید وہ اپنے بعد اپنی بیٹی کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ برداشت کر سکی اور مر گئی۔"

وسیم نے افسوس سے سر ہلایا۔ "اسے فتح خان نے داشتہ بنا رکھا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے وہ اسے اپنے کسی رشتے دار کے ہاں رکھوا آیا ہے۔ اسے اپنی عورت کہتا ہے۔"

"میں اس حرام زادے کی گردن مروڑ دوں گا۔" میں نے بھڑک کر کہا۔ "اس پھول سی بچی کو اپنی عورت کہتا ہے۔"

"اپنا قبضہ مستحکم رکھنے کے لئے اس نے نام نہاد نکاح بھی پڑھا رکھا ہے۔"

اشتعال کے عالم میں، میں نے فتح خان کو ایک سو ایک گالیاں دیں۔ "آج سے اس کا انجکشن بند کر دو۔ کتے کی طرح تڑپ کر مرے گا۔"

"شہباز صاحب، فی الحال یہ کام مشکل ہے۔" وسیم نے آہستہ سے کہا۔ "ابھی فتح خان کی ضرورت ہے۔"

"اوہ..... ہاں۔" میں ذرا ٹھنڈا ہوا تھا۔ "لیکن اسے بخشا نہیں ہے۔"

ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم شیخوپورہ روڈ پر اس فارم کے سامنے تھے۔ راستے سے ایک سیاہ کار بھی ہمارے پیچھے آنے لگی تھی۔ اس میں وسیم کے حاصل کردہ کرائے کے آدمی تھے۔ مزید تین آدمی پہلے سے اس علاقے میں موجود تھے۔ گاڑیوں کو طے شدہ جگہ پر کھڑا کر دیا گیا۔ یہ ایک نالے کے کنارے اُگی اونچی گھاس تھی جس میں گاڑیاں چھپا کر ہم فارم کی طرف بڑھے۔ وسیم نے سب سے پہلے ریڈیو پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کر کے رپورٹ لی تھی۔ اس قسم کے ریڈیو ہم سب کے پاس تھے اور کانوں پر مائیک اور فون کا سیٹ تھا۔ اس لئے رپورٹ بھی سب سن رہے تھے۔ اس کے مطابق صبح سے اب تک کوئی چھ گاڑیاں فارم ہاؤس میں آ کر جا چکی ہیں۔ ان میں ایک دو افراد ہی تھے۔ فارم پر کوئی نہیں رکا۔ سب واپس گئے تھے۔ وسیم نے آپریشن پلان بتایا۔ اس کے مطابق ایک شخص کو گاڑیوں کے پاس رکنا تھا، دو افراد کوٹھی کے باہر رہتے اور چھ اس کے احاطے میں پوزیشن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنبھالتے۔ چھ افراد اندر جا کر حکیم قادس کو تلاش کرتے اور اسے باہر لاتے۔ ایک ٹیم جس میں تین افراد تھے ایک سمت سے کوٹھی میں اور دوسری ٹیم دوسری سمت سے اندر داخل ہوئی۔ مسلح افراد کو دیکھتے ہی گولی مار دینی تھی اور غیر مسلح افراد کو صرف کور کرنا تھا۔

ہمیں دائیں بائیں سے اندر جانا تھا۔ کوٹھی کے باہر رہ جانے والے دو افراد نے چوکیدار کو قابو کرنا تھا۔ دونوں دستے چھ چھ کے گروپ میں درختوں کی آڑ میں کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ جب تک ہم دائیں بائیں دیوار تک پہنچے چوکیدار کو قابو کر لیا گیا تھا۔ وسیم نے پلاسٹک کی کھل جانے والی سیڑھیوں کا بندوبست بھی کیا تھا۔ انہیں دیوار سے لگا کر ہم یکے بعد دیگرے اندر کود گئے۔ رپورٹ کے مطابق احاطہ خالی تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی تاریکی تیزی سے چھائی تھی۔ احاطے میں کہیں کہیں روشنی جلا دی گئی تھی لیکن کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں پانچ دوسرے افراد کے ساتھ بائیں جانب سے اندر کودا تھا۔ ریڈیو پر ہمارا برابر ایک دوسرے سے رابطہ تھا۔ ابھی تک کسی فرد سے سامنا نہیں ہوا تھا اور یہ بات مجھے عجیب سی لگ رہی تھی۔ ہم اتنی آسانی سے اندر گھس آئے تھے صرف ایک چوکیدار تھا جسے آسانی سے قابو کر لیا گیا تھا۔ کوٹھی میں بتی تھی اور برقی قمقمے روشن ہو گئے تھے۔ میں نے ریڈیو پر آہستہ سے وسیم سے کہا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے۔"

"اس طرف بھی کلیئر ہے۔"

"میں دو افراد کو لے کر اندر جا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں بھی....."

تین افراد کو باغ میں پوزیشن سنبھالنے کا کہہ کر میں دو افراد کے ساتھ اندر کی طرف بڑھا تھا۔ باغ اتنا وسیع تھا کہ اس میں درجنوں افراد چھپ سکتے تھے۔ تین افراد کا تو پتا ہی نہیں چلتا۔ کوٹھی بھی خاصی بڑی تھی اور اس طرف بے شمار کھڑکیاں تھیں، دروازہ صرف ایک تھا اور کھلا بھی تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہمارے لئے ہی چھوڑ دیا گیا ہو۔ میں دونوں ساتھیوں کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ یہ ایک گیلری تھی جس کے دائیں بائیں درجن بھر سے زیادہ دروازے تھے، میری چھٹی حس خطرے کا الارم بجانے لگی تھی۔ وہاں غیر فطری سناٹا تھا، میں نے ریڈیو پر کہا۔

"وسیم، میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں..... ہم ٹریپ....."

وسیم کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ باہر سے فائرنگ اور چیخوں کی آواز آئی، وسیم دھاڑا تھا۔ "باہر نکلو، ....."

ہم لوگ پلٹے تو جس دروازے سے آئے تھے، وہ زوردار آواز سے بند ہو گیا۔ میں نے گھر جانے والے کی طرح چاروں طرف دیکھا۔ فائرنگ اور چیخوں کی آواز بڑھ گئی تھی۔ میں نے ایک کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ لاک تھا۔ اسی لمحے گیلری کا ایک دروازہ کھلا اور اس سے ایک شخص ری پیٹر لئے نمودار ہوا۔ میرے ساتھی نے اس پر فائر کئے تھے لیکن اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا اور جب اس نے ری پیٹر چلائی تو فائرنگ کرنے والے کے سینے میں چھ انچ قطر کا سوراخ ہو گیا تھا، وہ اچھل کر نیچے گرا اور گرنے سے پہلے مر گیا تھا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار میں نے اور دوسرے ساتھی نے بیک وقت برسٹ مارے۔ اس بار بھی اسے کچھ نہیں ہوا۔ اس نے ری پیلر لوڈ کر کے فائر کیا تو میرا دوسرا ساتھی بھی پیٹ سے نکلنے والی آنتیں سنبھالتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

''دھوکا..... دھوکا.....'' کوئی میرے ذہن میں چلا رہا تھا۔ رائفلوں میں نقلی میگزین تھے۔ ان میں گولیاں نہیں تھیں، میں ریڈیو پر چلایا۔ ''وسیم! نکل جاؤ..... ہمارے ہتھیاروں میں نقلی گولیاں ہیں..... میرے خدا.....!'' لمبا اور گنجا شخص تیسری بار ری پیئر لوڈ کر رہا تھا اور اس بار میری باری تھی۔ اس سے پہلے وہ مجھ پر فائر کرتا میں نے رائفل اس پر کھینچ ماری۔ یہ اقدام اس کے لئے غیر متوقع تھا۔ بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے فائر کیا اور گولی خاصی بلندی سے گزر گئی، مجھے اتنی مہلت ملی تھی کہ میں نے کمر سے لگا پستول نکال کر گنجے کے سر میں گولی اتار دی۔ اسی لمحے عقب سے کسی نے میرے سر پر وار کیا تھا۔ وار شدید تھا۔ میں بے ہوش تو نہیں ہوا تھا لیکن چکرا کر گر پڑا تھا۔ میرے اردگرد شور جاری تھا۔ کسی نے مجھے پاؤں سے پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا۔ میرے ہاتھ کسی نم شے سے ٹکرائے جو فرش پر پھیلی تھی۔ میرے ذہن پر تاریکی چھا رہی تھی۔ اس سے لڑتے ہوئے میری توجہ دوسری چیزوں سے ہٹ گئی تھی، میں کچھ دیکھ اور سن نہیں رہا تھا اچانک ایک جھٹکے سے مجھے کہیں پھینکا گیا۔ میرا سر زمین سے ٹکرایا تھا، تاریکی بڑھنے لگی تھی۔

''کیا مر گیا ہے؟'' کسی نے پوچھا۔ مجھے آواز پر شک ہوا۔

''نہیں زندہ ہے۔ بس بے ہوش ہوا ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''کسی نے میرے گال پر زور سے تھپڑ مارا۔ ''شہباز خان! آنکھ کھول کر ہم کو دیکھو۔''

''میں نے بمشکل آنکھ کھولی۔ شاک نے مجھے چوکنا کر دیا تھا۔ آواز سن کر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے آنکھوں سے دیکھا..... تب یقین آیا، وہ فتح خان تھا..... لیکن فتح خان کو ہم کوٹھی کے دالان میں چھوڑ آئے تھے، وہ یہاں کہاں.....!

''میرے کو پہچانا..... میں فتح خان ہے۔'' اس نے اپنا مکروہ چہرہ میرے قریب لاتے ہوئے کہا اور پھر میرے چہرے پر ٹکر ماری۔ تاریکی کا سفر شروع ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے نہیں معلوم کہ میں کتنی دیر اس دنیائے رنگ و بُو سے بیگانہ رہا۔ درمیان میں ایک بار ہلکا سا ہوش آتا محسوس ہوا ہی تھا کہ بازو میں کوئی شے چبھی اور میں ایک بار پھر بے خبر ہو گیا۔ جب مجھے پوری طرح ہوش آیا تو میں ایک سپاٹ دیواروں والے کمرے کے فرش پر بچھے ایک بدبودار کمبل پر دراز تھا۔ میرے سر کے زخم کی بینڈیج کر کے کوئی پین کلر بھی دے دیا گیا تھا اس وجہ سے سر میں درد نہایت معمولی سا رہ گیا تھا بس چھونے یا دبانے پر محسوس ہوتا تھا۔ پیاس سے گلا خشک ہو رہا تھا، یہ کم سے کم پندرہ سولہ گھنٹے پانی نہ ملنے کا قدرتی ردِعمل تھا۔ روشن دان سے ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔ یہ شاید دن کا آخری حصہ تھا۔ میں اٹھ بیٹھا تو نزدیک ہی رکھا پانی کا کٹورا نظر آیا جس میں لبالب پانی بھرا تھا۔ میں نے بے تابی دکھانے کے بجائے پہلے احتیاطاً اسے سونگھا، زبان سے چکھ کر دیکھا، سوائے کورے پانی کی مہک اور ذائقے کے اور کچھ نہیں تھا پھر بھی میں گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا۔ پاس ہی ایک چھوٹی سی گول ٹوکری میں چند سیب رکھے تھے۔ یہ گویا قید کرنے والوں کی جانب سے میرے لئے کھانے پینے کا انتظام تھا۔

میں نے چند گھونٹ سے زیادہ پینے سے گریز کیا۔ خالی پیٹ اتنا پانی مسئلہ بن سکتا تھا۔ ایک سیب لے کر پہلے کمرے کا جائزہ لیا۔ دیواروں پر چونا تھا، دروازہ بھی تازہ تازہ وارنش کیا گیا تھا۔ وارنش کی تیز بُو آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ یہ کمرا کسی نو تعمیر شدہ یا زیرِ تعمیر مکان کا ایک حصہ ہے۔ سیب کھاتے ہوئے میں نے اپنے ہوش و حواس کے آخری لمحات پر غور کیا۔ ہمیں گھیر لیا گیا تھا۔ میں نے وسیم اور اس کے ساتھیوں کے چیخنے کی آوازیں سنی تھیں۔ ساتھ ہی فائرنگ کا شور بھی ہوا تھا، یہ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگا کہ وہ اس فائرنگ کا نشانہ بن گئے تھے۔ نہ جانے زندہ بھی تھے یا نہیں؟ اور سب سے ناقابلِ یقین بات وہاں فتح خان کی موجودگی تھی۔ وہی فتح خان، جسے میں عادل کی کوٹھی کے تہ خانے میں چھوڑ آیا تھا، بے بسی اور لاچاری کی تصویر بنا میرے حساب سے انجکشن کے لئے رو، گڑگڑا رہا ہو گا لیکن میں نے اس کوٹھی میں ایک دوسرے فتح خان کو دیکھا تھا پہلے کی طرح خباثت سے بھرپور اور دشمن پر پوری قوت سے وار کرنے والا۔ یہ عقل کو چکرا دینے والی بات تھی۔ بے بس اور مقید فتح خان اتنی جلد اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اس جگہ تک کیسے جا پہنچا؟ اور اس نے اتنی جلدی ہمارے لئے جال بھی بچھا لیا! ممکن ہے میں اسے اپنی نظر کا دھوکا سمجھتا مگر فتح خان ایک ہی تھا اور میں اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہی لہجہ اور وہی انداز۔ اس جیسا دوسرا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے مجھے اپنے سر کی ضرب سے بے ہوش کیا تھا یعنی وہ پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح فٹ تھا۔ پھر وہ انجکشن کے لئے تڑپنے اور ہماری ہر بات ماننے والا شخص کون تھا، لازمی طور پر وہ بھی فتح خان تھا۔

معاملہ اتنا پیچیدہ تھا کہ سوچنے سے میرے سر میں درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔ ساتھ ہی مجھے عادل اور سونیا کی فکر بھی تھی۔ وہ پیچھے رہ گئے تھے اور لازماً مشکل میں تھے۔ فتح خان کا فرار اور مجھے بے ہوش کرنے سے قبل کا فاتحانہ انداز یہی ظاہر کرتا تھا کہ حالات اور میرے ساتھی بھی اس کے قابو میں تھے۔ فی الحال مجھے اپنے حالات پر توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ میں کہاں ہوں، اور کن لوگوں کے قبضے میں ہوں۔ کیا یہاں سے فرار ممکن ہے۔ کیونکہ یہاں سے فرار ہو کر ہی میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں جان سکتا تھا یا ان کی مدد کر سکتا تھا۔ دو عدد سیب کھا کر میں نے تھوڑا پانی اور پیا۔ بھوک اور پیاس کا مسئلہ کسی حد تک حل ہو گیا تھا۔ میں نے دروازے کا جائزہ لیا۔ یہ ٹھوس لکڑی کا تھا اور ظاہر ہے باہر سے بند تھا۔ میں نے دروازہ پیٹا اور انتظار کرنے لگا کہ کسی طرف سے ردعمل آئے۔ دوسری بار دروازہ پیٹنے پر باہر سے کسی نے درشت لہجے میں پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''مجھے باتھ روم جانا ہے، فوراً.....'' میں نے بلند آواز سے کہا۔

''ایک منٹ!'' بولنے والا شاید دروازے کے قریب آیا۔ اس نے تالا کھولا اور مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ کوئی ساڑھے چھ فٹ اونچا اور ڈرم جیسی جسامت والا شخص تھا۔ اس نے شاید کوئی نشہ کر رکھا تھا کیونکہ اس کی آنکھیں انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ تالا کھول کر وہ پیچھے ہو گیا تھا۔ اس نے ٹریپل ٹو رائفل اٹھا رکھی تھی جو اس کے جہازی سائز ہاتھوں میں کھلونا لگ رہی تھی۔ اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہاتھ اوپر کرو۔''

میں نے ہاتھ اوپر کئے ''اور کوئی حکم؟''

''دائیں طرف چلو۔'' اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ اس کے ہاتھ اور جسم بالکل ساکت تھے۔

میں دائیں طرف بڑھا۔ یہ بھی ایک کمرا تھا اور اس کے دائیں طرف ایک چھوٹا دروازہ تھا جو باتھ روم ثابت ہوا۔ حوائج ضروریہ اور غیر ضروریہ سے فارغ ہو کر میں واپس آیا تو وہ اسی پوز میں کھڑا تھا ''ہاتھ اوپر کرو۔''

میں نے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے پوچھا۔ ''فتح خان کہاں ہے؟''

''میں کسی فتح خان کو نہیں جانتا، اندر چلو۔''

میں کمرے میں آیا۔ ''پھر مجھے یہاں کون لایا تھا؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے کہا اور دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔ اتنی دیر میں، میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص ذہنی لحاظ سے اتنا چوکس نہیں ہے لیکن اسے جو کام سونپا جاتا ہے، اسے نہایت توجہ سے کرتا ہے۔ میرے بارے میں شاید اسے بتا دیا گیا تھا کہ میں نہتا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں اس لئے وہ میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھا۔ اس نے ایک بار بھی مجھ پر سے نظر نہیں ہٹائی تھی اور نہ ہی رائفل کو جنبش دی تھی۔ ذرا دیر بعد میں باقی ماندہ پانی اور سیب معدے میں ڈال کر بے فکری سے لیٹ گیا۔ یہ صورت حال میرے لئے نئی نہیں تھی اس لئے جو بھی ہوتا دیکھا جاتا۔ میری گھڑی میری کلائی پر تھی اور اس کے مطابق شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ روشن دان سے آنے والی روشنی بہت کم رہ گئی تھی۔ شاید سورج ڈوبنے والا تھا۔ کمرے میں بلب تھا مگر اس کا سوئچ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد بلب خود بخود روشن ہو گیا۔ یقیناً اسے باہر سے روشن کیا گیا تھا۔ چھ بجے دروازہ کھلا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیو قامت نے ایک بوتل اور ٹرے اندر رکھ دی ٹرے میں رکھے پیالے سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا ہی تھا کہ وہ غرایا۔

''پڑے رہو۔'' اس نے رائفل کا رخ میری طرف کر دیا تھا۔ میں ساکت ہو گیا اس نے ٹرے سرکا کر دروازہ بند کر دیا۔ میں نے اٹھ کر پیالا دیکھا۔ اس میں مرغی کا سوپ تھا۔ سوپ میں بوٹیوں کے ریشے اور انڈے کے ابلے ہوئے ٹکڑے بھی تیر رہے تھے۔ اس سے زبردست خوشبو اٹھ رہی تھی۔ جس نے میرے اندر سیبوں سے کھل جانے والی بھوک کو جگا دیا تھا۔ میں نے پیالا اٹھا کر چمچے سے سوپ چکھا۔ یہ کنگ سائز پیالا تھا جس میں عام طور سے دیہاتوں میں دودھ یا اسی طرح کی اشیاء پی جاتی ہیں۔ چائے کے شوقین بزرگ عام طور پر اسی سائز کے پیالے میں چائے نوش کرنا پسند فرماتے ہیں۔

میں نے سوپ پینا شروع کیا تو اس وقت میرے ہاتھ رکے جب پیالہ خالی ہو گیا۔ یک لخت میرے اعصاب میں ڈھیلا پن آ گیا پہلے تو میں اسے پُرخوری کا خمار سمجھا لیکن جب یہ خمار میرے حواس پر طاری ہونے لگا اور کمرے کے در و دیوار مع بلب اور دروازے کے میری نظروں کے سامنے گھومنے لگے تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ ساقی نے کچھ ملا دیا تھا سوپ میں، چکرا کر گرنے سے بہتر سمجھا کہ خود کمبل پر دراز ہو جاؤں۔ کمبل پر لیٹا تو آنکھوں کی شدت سے آنکھیں کھولنا بھی محال لگ رہا تھا نہ جانے کب اس چکراتے ذہن کے ساتھ میں ایک بار پھر بے ہوشی کی آغوش میں جا سویا۔ نہ جانے دشمن میرے ساتھ کیا کھیل، کھیل رہے تھے۔ مجھے مارنے کے بجائے اس طرح زندہ رکھنے میں ان کا کیا مفاد تھا؟ فی الحال میرے چکراتے ہوئے ذہن میں اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☆======☆======☆

اگلی بار میں جاگا تو اس طرح دو افراد کے درمیان سینڈوچ بنا ہوا تھا کہ میرے ہاتھ سامنے کر کے بندھے ہوئے تھے۔ اسی طرح دونوں پاؤں بھی بندھے تھے۔ یہ کسی بڑی گاڑی کا عقبی حصہ تھا۔ چاروں طرف یوں بوریے پڑے تھے جیسے پردہ دار خواتین کی گاڑیوں میں ہوتے ہیں کہ ان پر ڈرائیور کی نظر بھی نہ پڑے۔ انجن کی آواز سے لگ رہا تھا کہ یہ کوئی بڑی گاڑی تھی۔ میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ ''لگتا ہے اب شادی کے لئے لے جایا جا رہا ہے۔ میرے ساتھ نکاح بالجبر کی واردات ہونے والی ہے۔ تم لوگ شاید میرے سالے والے سالے ہو۔''

''بکومت!'' بائیں طرف موجود شخص غرایا۔

''کیا سالا ہونا اتنی بری بات ہے؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔ ''یا تم مجھے اپنی ماں کے لئے زیادہ اچھا سمجھتے ہو؟''

وہ حسب توقع مشتعل ہوا اور اس کا بائیں ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا۔ میں تیار تھا اس کے باوجود جب رائفل کا دستہ سر پر لگا تو مجھے چکر آ گیا اور میں نے مارنے والے کے شانے سے سر ٹکا لیا۔ میری کوشش تھی کہ بے ہوش ہونے پاؤں، دوسرے نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہ کیا، کیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بکواس کیے جا رہا تھا۔'' پہلے نے مشتعل لہجے میں کہا۔''حرام زادہ، ماں کا نام لیتا تھا۔''

''باس کا حکم ہے، اسے بغیر کسی نقصان کے مطلوبہ جگہ پہنچانا ہے۔'' دوسرے والے کا لہجہ مزید سرد ہو گیا تھا۔''اب اس کے سامنے وضاحت کرنا کہ اسے کیوں بے ہوش کیا بلکہ اپنی ماں کو بھی لے آنا۔''

غالباً پہلے والے کے ہوش اُڑ گئے تھے۔ اس نے کمزور سے لہجے میں کہا۔''اس نے مجھے غصہ دلا دیا تھا اس لئے.....''

''باس بھی تمہاری قوتِ برداشت کا امتحان لے گا۔''

اس سارے چکر کا مقصد یہ جاننا تھا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے اور لے جانے والے کون ہیں؟ یہ کسے باس کہہ رہے ہیں؟ اب دونوں چپ تھے، دوسرے نے مجھے ہلایا۔''پوری طرح بے ہوش ہے ممکن ہے مر جائے۔ اگر یہ مر گیا تو جانتے ہو کیا ہو گا؟''

''کیا ہو گا، قیامت آ جائے گی؟'' پہلے نے چڑ کر پوچھا۔

''اپنے لئے تو آ گئی سمجھو، باس کے لئے یہ شخص بہت اہم ہے۔''

پہلے والے نے دبی زبان میں باس کی شان میں گستاخی کی۔''دیکھ لوں گا اسے بھی، میرا نام شمشاد ہے۔''

''ضرور دیکھ لینا۔'' دوسرے نے طنز کیا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ جیپ ناہموار اونچے نیچے راستوں پر چل رہی تھی اور راستے میں موڑ بھی بہت زیادہ تھے۔ جیپ کسی پہاڑی علاقے میں سفر کر رہی تھی۔ انجن کی آواز اور پھر فور وہیل ڈرائیور سے یہ گاڑی جیپ ہی لگ رہی تھی۔ گاڑی کا ہیٹر آن تھا کیونکہ سامنے سے گرم ہوا کی لہریں آ رہی تھیں پھر بھی سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ میرے جسم پر کپڑوں کے اوپر ایک سادہ سے سوئٹر کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جو ظاہر ہے انہی لوگوں نے مجھے پہنایا تھا۔

''میں سردی سے تنگ آ گیا ہوں۔'' کچھ دیر بعد پہلے والے نے کہا۔''نہ جانے کب یہ کام ختم ہو گا اور ہم لاہور جائیں گے۔ پہلے اس لڑکی اور مرد کو پہنچایا تھا، اب اسے لے جا رہے ہیں۔''

''لگتا ہے تم اپنی زندگی سے تنگ آ گئے ہو تبھی اتنی بکواس کر رہے ہو۔'' دوسرے نے آہستہ سے کہا۔ ''ڈرائیور تمہارا چاچا نہیں ہے اس نے تمہاری گل افشانیاں باس تک پہنچا دیں تو اپنا انجام سوچ لینا۔''

''کیا کرے گا وہ چینی خرکار!'' پہلا حقارت سے ہنسا۔

میں نے خود کو بمشکل چونکنے سے باز رکھا۔ چینی نقوش فتح خان کے تھے۔ لڑکا اور لڑکی کے ذکر نے بھی میرے خون کی گردش تیز کر دی تھی، وہ یقیناً مونا اور سفیر تھے؟ ظاہر ہے انہیں بھی فتح خان نے اغوا کرایا ہو گا۔ بے شک وہ میری قید میں تھا لیکن اس کے کارپرداز تو آزاد تھے۔ مجھے بھی اب وہیں لے جایا جا رہا تھا۔ کیا سب کا حشر ایک ساتھ برپا کرنا تھا؟ میں اپنے سر کی تکلیف سے توجہ ہٹانے کے لئے ان کی باتیں غور سے سنتا رہا تھا۔ اب خاموشی ہوئی تو سر کا زخم یاد آنے لگا تھا۔ شکر ہے میں وار کے لئے تیار تھا اس لئے بچت ہو گئی ورنہ میں پھر بے ہوش ہو جاتا اور اتنی قیمتی معلومات سے محروم رہ جاتا۔ اس کے لئے مجھے اس ہاتھ چھوڑ بڑبولے کا بھی شکر گزار ہونا چاہئے تھا جس کی زبان میں اس کے ہاتھ سے کہیں زیادہ خارش ہو رہی تھی۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد جیپ نے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تقریباً عمودی قسم کی چڑھائی چڑھنا شروع کی۔ پہلے والے نے اعلان کیا۔ ''ہم پہنچ گئے ہیں۔''

''پتا ہے، اپنا منہ بند رکھ۔'' دوسرے نے بیزاری سے جواب دیا۔

جیپ کسی بلند پہاڑی پر چڑھ رہی تھی۔ پہلے والے کی زبان میں پھر کھرک (کھجلی) اٹھی۔ ''پتا نہیں اس پہاڑ پر یہ جگہ بنانے کی کیا تک تھی؟''

''تو کیا تیرے باپ کا مقبرہ بنتا؟'' دوسرے نے جھنجلا کر کہا تھا۔

راستے کا عمودی پن کم ہوا اور بالآخر جیپ ایک ہموار جگہ پہنچ کر رک گئی۔ ''چل اسے اتار۔'' دوسرے والے نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور فوراً ہی یخ ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ میں نے خود کو لرزنے سے بمشکل روکا۔ انہوں نے مجھے باہر کھینچا اور جب اٹھایا تو میرا سر پیچھے کی طرف جھول رہا تھا۔ شاید دوپہر کا وقت تھا کیونکہ سورج اوپر تھا۔ یعنی جہاں تک میری نگاہ جاتی تھی بلند و بالا جنگلات سے ڈھکے پہاڑ تھے جن کی چوٹیوں پر برف تھی۔ نومبر کا آغاز تھا اور اس علاقے کا موسم نہایت یخ تھا۔ میرا اندازہ گاڑی کے بارے میں درست تھا، یہ جیپ تھی اور اس کے شیشے سیاہ رنگ کے تھے۔ جیپ کسی عمارت کے پورچ میں کھڑی تھی۔ عمارت کی ساخت کا اس نامعقول قسم کے زاویے سے جائزہ لینا تقریباً ناممکن تھا اور دوسرے مجھے بمشکل ایک منٹ کھلی فضا میں گزارنے کا موقع ملا تھا۔ پھر مجھے اندر لے جایا گیا۔ یہ کوئی طویل راہ داری تھی۔ جو کارپٹ سے ڈھکی تھی۔ دیواروں کے ساتھ سجاوٹ کے لئے مختلف اشیا تھیں۔ اسی حالت میں مجھے ایک تہ خانے میں لے جایا گیا۔ بالآخر انہوں نے مجھے ایک دبیز قالین پر بچھا اور گدھوں کی طرح ہانپنے لگے۔ یہ تہ خانے کا مرکزی حصہ تھا۔ اس کے آگے شاید مزید حصے تھے کیونکہ دو عدد دروازے مجھے نظر آئے تھے۔ تہ خانہ ہونے کی وجہ سے موسم کی شدت کم ہو گئی تھی مگر پھر بھی خاصی سردی تھی۔

''باس کہاں ہے؟'' دوسرے نے کہا۔ ''اس نے کہا تھا، اسے یہاں تک پہنچانا ہے۔''

''تو پھر چلو، اسے یہاں پڑا رہنے دو۔'' پہلے والے نے بے تابی سے کہا۔ ''ویسے بھی ہمارا کام ختم ہو گیا ہے۔''

''ابھی نہیں۔ جب تک باس ہمیں جانے کی اجازت نہیں دے گا، ہم یہاں سے کیسے جا سکتے ہیں؟''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سیڑھیوں کی طرف سے فتح خان کی آواز آئی۔ ''تم میری اجازت کے بغیر نہیں جا سکتے۔''

''باس، آپ۔'' دوسرے نے خوشامدی لہجے میں کہا۔ ''ہم اسے لے آئے ہیں۔''

''میرے کو معلوم ہے۔ جیپ کا ڈرائیور میں ہی تو تھا۔'' فتح خان نے اطمینان سے کہا تھا۔

''نہیں۔'' بڑبولے کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''ہاں..... میں نے وہ سب سنا جو تم میرے بارے میں فرما رہا تھا۔''

''باس، خدا کے لئے رحم!'' پہلے والے نے چلا کر کہا۔

''اندر چلو۔'' فتح خان کا لہجہ سرد تھا۔

''باس، اسے معاف کر دو۔'' دوسرے نے گویا سفارش کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بکواس بند کرو، تم بھی چلو۔'' فتح خان نے اسے جھڑکا۔

''نہیں۔'' پہلے والا ہذیانی انداز میں بولا پھر اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر اسے سیڑھیوں سے آگے جانا نصیب نہیں ہوا۔ فتح خان نے عقب سے اس کے دل میں گولی اتار دی، وہ منہ کے بل گرا اور چند لمحے تک ہاتھ پاؤں پٹخنے کے بعد ساکت ہو گیا تھا۔ فتح خان نے دوسرے سے کہا۔ ''اس کی لاش اٹھاؤ، اندر چلو۔''

''مم..... میرا قصور باس! میں تو اسے چپ کرا تا رہا تھا۔'' دوسرے نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ اس کی لاش ٹھکانے لگاؤ۔'' فتح خان ہنس کر بولا لیکن اس کے لہجے میں چھپی سفاکی میں بخوبی محسوس کر رہا تھا۔ دوسرا بے چارہ رحم کے لئے دہائیاں دیتا اپنے ساتھی کی لاش اٹھا کر اس کے ہمراہ کمرے میں لے گیا اور پھر میں نے دوسرے فائر کی آواز سنی۔ فتح خان نے اسے بھی ختم کر دیا تھا۔ چند لمحے بعد وہ واپس آیا اور بولا۔ ''شہباز خان! اٹھ جاؤ، میرے کو پتا ہے تم ہوش میں ہے۔''

''شہباز ملک!'' میں نے بیٹھتے ہوئے تصحیح کی۔ ''ویسے ان بے چاروں کا قصور اتنا زیادہ تو نہیں تھا کہ تم انہیں مار ہی ڈالتے!''

''ان کا قصور اس سے بھی بڑا تھا۔ انہوں نے یہ جگہ دیکھ لیا تھا، اس جگہ سے ہر بندے کو واقف نہیں ہونا چاہئے۔''

''یعنی تم نے پہلے بھی کئی بندے مارے ہیں؟'' میں نے غور کیا۔

فتح خان مکارانہ انداز میں مسکرایا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ میں نے پوچھا۔ ''اس کمرے میں کیا ہے، جو وہ بڑبولا اس میں جانے کا سن کر پاگل ہو گیا تھا؟''

''دعا کرو..... تمہیں اس کمرے میں نہ جانا پڑے۔'' اس نے جواب دیا اور میرے بندھے ہاتھ اور پیروں کا معائنہ کیا۔

''لیکن شاید میں تمہیں اس کمرے میں لے جاؤں۔'' میں نے کہا۔ ''جب میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھوں گا۔''

''کیا تم اس پوزیشن میں ہے؟'' اس نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

''فتح خان! پوزیشن کی بات مت کرو۔ تم جانتے ہو، میں نے کبھی حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی، کئی مواقع ایسے آئے جب میں تمہیں بہ آسانی اس دنیا سے رخصت کر سکتا تھا۔''

''میں تمہارا احسان مند ہے۔'' وہ بدستور غیر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''فتح خان! میرے ساتھی کہاں ہیں؟ مونا، سفیر، وسیم، سونیا اور عادل؟'' اس بار میں نے کسی قدر ملتجی لہجے میں کہا۔

''مونا اور سفیر ادھر ہی ہیں۔ وسیم اور وہ لڑکی سونیا غائب ہے۔ وسیم زخمی تھا، وہ واپس بھاگا لیکن جب میرے آدمی اس کے ٹھکانے پر پہنچے تو وہاں صرف بے ہوش عادل تھا۔''

''وسیم زخمی تھا..... کیسے؟''

''وہ خوش قسمت تھا جو بچ گیا، اس کے ساتھ آنے والوں میں صرف تم بچے ہو یا وسیم..... باقی سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارے گئے۔"

"اور عادل؟"

فتح خان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "میرا خون منگول ہے..... میرا جدِ اعلیٰ چنگیز خان ایسے لوگوں کے لئے ایک ہی حکم دیتا تھا۔ جو اپنوں سے غداری کر کے اس سے ملتا تھا، ان کو تلوار کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔"

میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی "تمہارا مطلب ہے عادل.....؟"

"تم نے غور نہیں کیا، میں تمہارے سامنے بالکل ٹھیک ٹھاک کھڑا ہوں۔"

میری آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹنے لگے۔ یہ اسے انجکشن دینے والا عادل تھا۔ ہمیں یہ تو معلوم تھا کہ وہ اسے ہیروئن کے انجکشن دیتا ہے مگر ہم نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ انجکشن واقعی ہیروئن کا تھا یا طاقت کا۔ عادل کا انداز اگر چہ شروع سے مخاصمانہ تھا لیکن میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس حد تک چلا جائے گا۔ وہ فتح خان سے مل گیا تھا۔ لیکن اس نے ایسا کیوں کیا۔ فتح خان نے یہ سوال میری آنکھوں میں پڑھ لیا تھا۔

"سربراہ بننے کے لالچ میں اس نے میرا ساتھ دیا۔ اس کا کہنا تھا اس کے بدلے میں اسے تم سے اور وسیم سے چھٹکارا دلوا دوں۔"

"اس نے میرے اور وسیم کے قتل کی بات کی تھی؟" میرے انداز میں بے یقینی تھی۔

وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "تو چھٹکارا کیسے دلاتے ہیں؟"

"میرے خدا..... عادل اس حد تک گر جائے گا، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

"شاید وہ لوگ بھی اس کی اصلیت سے واقف ہو گئے تھے اس لئے اسے وہیں کوٹھی میں چھوڑ گئے تھے ورنہ اسے بھی ساتھ لے جاتے۔"

"تم نے کیا، کیا اس کے ساتھ؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"میں بے ہوش آدمی پر گولی ضائع نہیں کرتا۔" فتح خان سفاکی سے بولا۔ "میں نے اس کا گلا دبا کر....."

"حرام زادے!" میں نے بندھے پیروں سے اس کے پاؤں پر پوری قوت سے ٹھوکر ماری۔ وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا، ڈگرا کر الٹ گیا۔ میں نے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن بندھے ہاتھ پیروں سے یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ فتح خان گالیاں بکتا اٹھا اور میرے سینے پر ٹھوکر ماری۔ اس بار میں منہ کے بل گرا۔ لیکن اس نے میرے قریب آنے سے گریز کیا اور دور کھڑا گالیاں اور دھمکیاں دیتا رہا۔ میں تکلیف برداشت کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔ اس نے بہت زور سے ٹھوکر ماری تھی۔ "فتح خان..... تمہیں بہت سارے بے گناہوں کے خون کا حساب دینا ہوگا۔"

"ہم دے لے گا، تم اپنی فکر کرو۔"

"تم کس کے لئے کام کر رہے ہو، مرشد علی یا ڈیوڈ شا کے لئے؟"

"مرشد علی!" وہ حقارت سے بولا۔ "ہم سمجھتا تھا دنیا کا سب سے کمینہ اور سفاک آدمی ہم ہے، پر یہ مرشد علی..... بہت ہی ذلیل آدمی ہے۔"

"کم سے کم تمہارے مقابلے میں۔" میں نے سر ہلایا۔ "گویا تم ڈیوڈ شا کے لئے کام کر رہے ہو۔ ڈیوڈ شا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہاں ہے؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''بکواس..... تمہیں پتا نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے، تم مجھے نہیں بتانا چاہتے۔''

''چلو ایسا ہی سمجھ لو۔'' وہ ہنسا۔

''فتح خان، یہ کون سا علاقہ ہے؟ راجا عمر دراز کا؟'' اچانک مجھے خیال آیا۔

''نہیں، پر اس سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔''

''حکیم قادس کو تم لوگوں نے کیوں پکڑ رکھا ہے؟''

''ڈیوڈ صاحب جانے..... اس کے حکم پر ہم نے حکیم کو اغوا کیا تھا۔''

میں نے غور کیا۔ ''تو وہ سارا چکر حکیم قادس کو اغوا کرنے کے لئے تھا۔ میں مفت میں تم لوگوں کے ہاتھ آ گیا۔''

''ایسا ہی سمجھ لو۔ ڈیوڈ صاحب تمہیں مرشد سے بچانا چاہتا تھا اس لئے اس شرط پر اس کے حوالے کیا کہ تم کو نقصان نہ ہو۔''

''اس مہربانی کی وجہ؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''یہ بھی ڈیوڈ صاحب جانے۔'' اس نے شانے ہلائے۔

''مونا اور سفیر کہاں ہیں؟''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''دو دن سے مرشد علی پاگل کتے کا مافق میرے پیچھے لگا ہے۔''

''مونا اور سفیر کے لئے؟''

''صرف لڑکی کا واسطے۔ کہتا ہے، لڑکی صرف دو دن کے لئے اس کے حوالے کر دی جائے، ڈیوڈ صاحب کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''اس نے ہمیں لالچ بھی دیا تھا، دس لاکھ کا..... جب نہیں مانا..... تو دھمکیاں بھی دی تھیں پر فتح خان ان جیسے زنخوں سے نہیں ڈرتا جو صرف کمزور لوگوں پر اکڑتے ہیں۔''

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے، میرے ہاتھ پاؤں کھول کر دیکھو۔'' میں نے چیلنج کیا۔

''میں بے وقوف نہیں ہے۔'' وہ مسکرایا اور پھر اس نے سیڑھیوں کی طرف منہ کر کے کسی کو آواز دی۔

''گلے خان، اِدھر آ۔''

''یہ گلے خان کیسا نام ہے؟''

وہ ہنسا۔ ''گل خان اصل نام ہے۔ پر میں گلے خان کہتا ہوں۔ میرا کتے کی طرح وفادار ہے۔''

چند لمحے بعد جو شے اندر آئی، اسے گلے خان نہیں بلکہ گلگلے خان کہنا زیادہ مناسب تھا۔ پانچ فٹ کی اونچائی اور ڈھائی فٹ کے قطر میں تقریباً ڈھائی سو پونڈ وزن قید تھا اور تھل تھل کرتا تھا۔

''حکم خان صیب!'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''اسے بھی ان دونوں کے ساتھ بند کرنا ہے۔'' فتح خان نے حکم دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کا پاؤں بندھا ہے۔'' اس نے میرا جائزہ لیا۔

''پاؤں کھول دو۔'' فتح خان نے پستول نکال لیا، اسی پستول سے اس نے کچھ دیر پہلے اپنے دو ساتھی مارے تھے اور ان کو مار کر بھی بالکل نارمل لگ رہا تھا۔ جیسے اس نے دو انسانی جانیں نہیں لی تھیں بلکہ دو چیونٹیاں مسل دی تھیں۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا، اگر میری طرف سے اسے خطرہ ہوا تو وہ بے دریغ مجھے بھی گولی مار دے گا۔ گلے خان نے میرے پاؤں کی رسی کھولی۔

''کھڑے ہو جاؤ۔'' وہ جس طرح ہانپ رہا تھا، لگتا تھا اپنا وزن اٹھانا بھی اس کے لئے دشوار تھا لیکن مجھے اس نے نہایت آسانی سے اٹھا لیا تھا پھر اس نے مجھے دھکا دیا۔ ''چلو، خدائی خوار۔''

اس نے مجھے کمرے میں موجود دوسرے دروازے کی طرف دھکیلا۔ میرے پیچھے وہ تھا اور اس کے عقب میں فتح خان۔ وہ میری طرف سے پوری طرح محتاط تھا۔ مجھ سے اس نے ایک خاص فاصلہ برقرار رکھا تھا۔ گلے خان نے چابی سے اس دروازے کا تالا کھولا۔ اس طرف ایک راہ داری تھی اور اس کے دونوں جانب لوہے کی سلاخیں نظر آ رہی تھیں۔ شاید باقاعدہ قید خانہ تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کتنے عرصے بعد مونا اور سفیر کو دیکھتا۔ بے شک قید میں ہی سہی لیکن میں اپنے پیاروں کو دیکھ سکتا تھا، ان سے مل سکتا تھا۔ راہداری کے دونوں طرف سلاخیں لگا کر چار سیل بنا دیے گئے تھے۔ پہلے دونوں سیل خالی تھے۔ میں نے بے ساختہ آواز دی۔

''مونا..... سفی کہاں ہو تم؟'' میری آواز مرتعش تھی۔

وہ دونوں تڑپ کر آئے۔ مونا بائیں طرف کی دوسری کوٹھری میں تھی اور سفیر دائیں طرف کی تیسری کوٹھری میں تھا۔ مونا چلائی۔ ''شوبی!'' اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں اس کی طرف لپکا، سلاخوں سے ہاتھ ڈال کر اس کا سر تھپکنے لگا۔

''مونا..... میری گڑیا!..... روؤ مت، چپ کرو..... شاباش، دیکھو میں بھی آ گیا ہوں۔''

''شوبی!'' اس بار سفیر نے گلوگیر لہجے میں پکارا اور میں سلاخوں سے ہی اس سے چمٹ گیا۔

''ٹو ٹھیک ہے ناں.....؟'' میں نے اسے ٹٹولا۔

''دیکھ لو شہباز خان!'' عقب سے فتح خان نے پکار کر کہا۔ ''تمہارا ساتھی ایک دم ٹھیک ٹھاک اور فٹ فاٹ ہے۔''

میں نے پلٹ کر کہا۔ ''فتح خان! انہیں کھول دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں، ہم کوئی ایسی حرکت نہیں.....''

''فتح خان کسی پر اعتبار کرنے والا شخص نہیں ہے۔ ورنہ مرشد کی بات نہ مان لیتا۔ دس لاکھ کسے برے لگتے ہیں!''

''یہ تم نے اپنے حق میں اچھا کیا۔ ورنہ تم یہ دس لاکھ استعمال کرنے کے لئے زندہ نہ رہتے۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ اس کے اشارے پر گلے خان نے مجھے سفیر کے برابر والی دوسرے نمبر کی کوٹھری میں دھکیل دیا۔

''اب تم آرام کرو۔'' فتح خان نے سامنے آ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"حکیم قادس کہاں ہے؟"

"اسی کوٹھی میں..... لیکن اوپر ہے۔ وہ ذرا معزز قیدی ہے۔"

فتح خان اور اس کا ملازم باہر چلے گئے میں نے دروازہ لاک ہونے کی آواز سنی۔ ایک گہرا سانس لے کر میں نے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ یہ جگہ بند تھی لیکن یہاں گھٹن نہیں تھی۔ ایک طرف لکڑی کا بستر تھا جس پر فوم کا پتلا گدا بچھا تھا اوڑھنے کے لئے ایک ہلکا کمبل تھا۔ روشنی کے لئے راہداری کے وسط میں دو ٹیوب لائٹیں جل رہی تھیں اور ان کی روشنی کافی زیادہ تھی۔ ان کے جاتے ہی سفیر نے کہا۔ "تو کیسے پھنسا یار؟"

"میں تو شروع سے ہی پھنسا ہوا ہوں لیکن یہ تم لوگوں کو کیا سوجھی تھی، اچھی بھلی محفوظ حویلی سے نکل گئے۔ اکثر کو گھر پر بھی بلایا جا سکتا تھا۔"

"بس یار! اتنے دن سے کہیں نکلے نہیں تھے اور بور ہو رہے تھے۔" سفیر نے شرمندگی سے کہا۔ "سوچا تھا کہ مونا کو ڈاکٹر کو دکھا دیں گے اور کچھ گھوم پھر لیں گے۔"

"اور یہاں پہنچ جائیں گے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ بتا کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں..... بس میں نے ذرا مزاحمت کی تو کم بختوں نے بے دردی سے سر پر ڈنڈا دے مارا۔"

"مونا نے پوچھا۔ "تم کیسے پکڑے گئے؟"

"نہ پوچھو، بڑی لمبی داستان ہے، آہستہ آہستہ سناؤں گا۔ کیا تم لوگوں کو علم ہے، ہم ڈیوڈ شاہ کے قبضے میں ہیں۔"

"ہاں، فتح خان نے مجھے بتا دیا تھا۔ وہ ہم سے آج ہی ملا ہے۔ ورنہ ہم اس سے پہلے اجنبی افراد کی تحویل میں تھے اور مرشد علی کا سوچ کر میرا خون خشک ہو رہا تھا۔"

"اس نے کوشش کی تھی بقول فتح خان کے..... لیکن وہ مانا نہیں۔ ہمیں براہ راست ڈیوڈ شاہ نے اغوا کرایا ہے۔ حکیم قادس بھی اسی کے قبضے میں ہے۔"

"ڈیوڈ شاہ کس چکر میں ہے؟" سفیر نے پوچھا۔

"یہ تو شاید فتح خان بھی نہیں جانتا اور ایک حرے کی بات بتاؤں کہ پچھلے کچھ عرصے میں میرا ایمن سے رابطہ ہے۔ برٹ شاہ کی بیٹی اور ڈیوڈ شاہ کی بھتیجی۔"

"واقعی، کیا وہ تم سے ملی تھی؟" مونا نے بے چینی سے کہا۔ "حویلی میں ٹی وی پر میں نے اس کے کئی پروگرام دیکھے تھے۔"

"نہیں، انٹرنیٹ پر رابطہ ہوا تھا۔ وہ پاکستان آنے والی تھی یا آ چکی ہو گی۔ برطانوی وزارت خارجہ کے توسط سے پاکستانی حکام سے اپنے گمشدہ باپ کی تلاش کے لئے ایک کوشش اور کرنے کی درخواست کی ہے۔"

"تم یاد تھے اسے؟" سفیر کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"ہم بھولنے والی شے نہیں ہیں پیارے۔" اس وقت شام کے چار بج رہے تھے۔ میں نے انہیں اپنی داستان سنانی شروع کی۔ زہرہ کا ذکر میں نے مونا کی وجہ سے ذرا احتیاط سے کیا تھا۔ بعد میں جب میں نے خادم حسین کے مارے جانے اور زہرہ کے غائب ہونے کا ذکر کیا تو مونا افسردہ ہو گئی۔ وہ میرے سامنے تھی اس لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماس کے تاثرات دیکھ سکتا تھا۔

"کاش! خادم حسین تمہاری بات مان کر وہاں سے فوری روانہ ہو جاتا۔" سفیر نے کہا۔

"یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی سنسنی خیز انگلش مووی دیکھ رہے ہیں۔" مونا نے کہا۔

"مجھے خود بھی یقین نہیں آیا تھا۔ بہرحال اب ذرا عادی ہو گیا ہوں۔"

رات آٹھ بجے تک میں نے اپنی داستان مکمل کر لی تھی۔ عادل کی غداری اور پھر موت کا سن کر وہ دنگ رہ گئے۔ سفیر نے بے تابی سے کہا۔ "یار، وسیم ٹھیک ہو گا نا..... مجھے اس بندے سے نہ جانے کیوں محبت محسوس ہوتی ہے۔"

"خدا نے اسے بچا لیا ورنہ فتح خان اور عادل نے بہت مضبوط جال بچھایا تھا۔ مجھے امید ہے، وہ خیریت سے ہو گا۔ وہ عادل کو بے ہوش کر کے سونیا کو نکال لے گیا تھا۔"

"خدا کے بعد وہی ہمارے کام آتا رہا۔" مونا نے کہا۔

"ہاں، لیکن ہم اپنی جدوجہد میں کسی شخص پر تکیہ کر کے نہیں بیٹھ سکتے۔ ہمیں اپنی جنگ خود لڑنا ہو گی۔"

"مرشد علی جیسے شخص سے؟" سفیر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں، کیوں کہ ہم اس جیسے شخص کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال سکتے۔ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے، مرنا تو ہے پھر کیوں نہ ہم جدوجہد کریں۔ مرشد علی ہمارے جیسا انسان ہے بلکہ ہمیں اس پر برتری حاصل ہے کیونکہ ہم حق پر ہیں۔"

"کیا اس جیسا شخص حق یا ناحق کا مطلب سمجھتا ہے؟" سفیر نے ایک بار پھر طنزیہ کہا۔

"سفیر، جب معاملہ زندگی اور موت کا آتا ہے تو سب سے کمزور انسان وہ نکلتا ہے جس کا ضمیر کمزور ہو۔"

"مرشد علی جیسے افراد کے پاس سرے سے ضمیر ہی نہیں ہوتا ہے۔" مونا نے لقمہ دیا۔

"اس لحاظ سے مرشد علی بہت کمزور ہے بشرطیکہ ہم اسے یقین دلا دیں کہ ہم اس کے خلاف آخری حد تک جانے کو تیار ہیں۔"

"یعنی مرنے، مارنے کو تیار ہیں؟" سفیر نے پوچھا۔

"بالکل.....! اس کے بعد دیکھیں گے کہ وہ کیا کرتا ہے؟"

"یہ یقین ہم کیسے دلائیں گے؟" سفیر بولا۔ "جبکہ ہم خود یہاں فتح خان کی قید میں ہیں۔"

"دیکھو سفی! کوئی بھی عمل سے پہلے صرف ایک خیال ہوتا ہے، ہم آج سوچیں گے تو کل عمل کریں گے ں! اور ممکن ہے ہمیں یہ بات بتانے کا موقع یہیں مل جائے۔"

"اس کے بعد.....؟"

"یار، کچھ مستقبل کے لئے بھی چھوڑ دو۔"

"بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے۔"

"اس صورت میں بہتر ہو گا کہ تم فتح خان سے چھٹکارا پاتے ہی ملک سے باہر نکل جانا کیونکہ اس صورت تم دونوں آزاد فضا میں سانس لے سکو گے۔" میرا لہجہ سرد تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سفیر!'' مونا چلائی۔ ''کیا کہہ رہے ہو تم..... ہم شوبی کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' سفیر نے شرمندگی سے کہا۔

''پھر کیا مطلب تھا؟'' مونا برہمی سے بولی۔ ''تم نے پوری بات سنی ہی نہیں اور بحث کرنا شروع کر دی۔'' اس کے بعد مونا نے اسے بے بھاؤ کی سنائیں یہاں تک کہ مجھے مداخلت کرنا پڑی تھی۔

''بی بی، آج کے لئے اتنا کافی ہے۔''

''آپ چپ رہیں..... بجائے اسے کچھ کہنے کے الٹا شہ دے رہے ہیں۔'' غصے میں وہ آپ جناب پر اتر آئی تھی۔ ''کتنی آسانی سے کہہ دیا آپ نے..... ہم باہر چلے جائیں۔ آپ کو چھوڑ کر!''

''سوری!'' سفیر نے اس بار زیادہ شرمندگی سے کہا تھا۔ ''خدا کی قسم، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

مونا جواب دینے کے بجائے سلاخوں سے سر ٹکا کر رونے لگی۔ اس بار میں بھی بوکھلا گیا۔ ''اوہ ہاہا! مونا..... اُلو کی پٹھی..... دیکھو تم نے رونا بند نہ کیا تو میں یہ سلاخیں توڑ دوں گا۔''

''سلاخیں بہت مضبوط ہیں۔'' اس نے روتے روتے کہا۔

''مونا..... میں وعدہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی ایسی بات نہیں کروں گا۔'' سفیر نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''تمہاری قسم..... ہم شوبی کا ساتھ دیں گے، فتح یا موت..... دونوں میں سے ایک شے ہمارا مقدر ہوگی۔''

''ان شاء اللہ..... مرشد علی جیسے لوگ اوپر سے پہاڑ نظر آتے ہیں لیکن اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔''

بمشکل مونا کا موڈ بحال کیا۔ ابھی ہم نے باتوں کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا تھا کہ گلے خان نازل ہوا۔ اس نے کھانے کی تین عدد تھالیاں اٹھا رکھی تھیں۔ ان میں خمیری روٹی اور بھنا ہوا بھیڑ کا گوشت تھا۔ ساتھ میں پالی کی تین عدد پیٹ بوتلیں تھیں اس نے تھالیاں سلاخوں کے نچلے حصے سے اندر سرکا دیں۔ ''کھانا کھالو، ام ایک گھنٹے بعد آئے گا۔ لیٹرین لے جانے کا واسطے۔''

میرا پیٹ قطعی خالی تھا اس لئے میں نے تکلف سے کام نہیں لیا۔ وہ دونوں بھی کھانے لگے۔ مونا نے کہا۔ ''پتا نہیں یہاں کے پانی کی تاثیر ہے یا آب وہوا کا اثر ہے، بھوک کھل کر لگتی ہے حالانکہ ہم سارا دن بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں۔''

''غلط!'' سفیر نے نوالہ چباتے ہوئے کہا۔ ''میں سارا دن آرام ہی نہیں کرتا ہوں بلکہ ایکسرسائز بھی کرتا ہوں۔''

کھانا معقول مقدار میں تھا اس لئے پیٹ کے ساتھ نیت بھی بھر گئی۔ پھر لذیذ بھی تھا۔ اس میں پہاڑ کھانوں والی سادگی اور لذت تھی۔ لیکن یہ امیروں والا کھانا تھا۔ یہاں گوشت دولت مند ہی کھاتے ہیں۔ غربا بلکہ متوسط طبقے کے لوگ بھی سبزیوں اور اناج پر گزارا کرتے ہیں کیونکہ مویشی ان کی دولت ہوتے ہیں اور ان سے ہی کماتے ہیں۔ دس بجے گلے خان آیا اور سب سے پہلے مونا کی کوٹھری کا دروازہ کھولا اور اسے اوپر لے گیا۔ میرے اندر اندیشے سر سرانے لگے مگر یہ اندیشے میں نے اپنے اندر ہی رکھے۔ پندرہ منٹ بعد مونا کی واپسی ہوئی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ گلے خان نے اگلا دروازہ میری کوٹھری کا کھولا اور غرا کر بولا۔ ''چلو جلد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرو۔''

میں اس کے ساتھ اوپر آیا۔ کوٹھی کے ایک حصے میں شاید ملازمین کے لئے باتھ روم اور لیٹرین بنے تھے۔ یہ بھی صاف ستھری حالت میں تھے لیکن اس جگہ کے شایان شان نہیں تھے کہ جس گیلری سے گزر کر یہ خانے تک رسائی حاصل کی جاتی تھی، یہ لیٹرین اور باتھ روم اس کے دائیں جانب ایک اور راہداری کے آخری میں تھے، وہ حصہ ملازمین کے لئے مخصوص لگ رہا تھا۔ میں باہر آیا تو گلے خان مستعد تھا، مجھے شرارت سوجھی۔ ''گلے خان! اگر میں بھاگ جاؤں تو مجھے کیسے پکڑو گے؟''

وہ خلاف توقع مسکرایا۔ ''ام..... ام کچھ نہیں کرے گا، تم بھاگ جاؤ۔''

میں دنگ رہ گیا۔ ''بھاگ جاؤں؟''

''ہاں..... باہر جانے کا راستہ معلوم ہے تم کو؟''

میں نے کھوجتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم پیچھے سے گولی مار دو گے۔''

''نہیں مارے گا۔'' اس نے کمال فراخ دلی سے کہا۔

''اگر مار ہی دی تو میں فریاد کس سے کروں گا؟''

اس نے سوچا اور اپنی جیب سے پستول نکال کر اس کا میگزین الگ کر دیا۔ اس نے میگزین میری طرف بڑھایا۔ ''اب جاؤ۔''

میں میگزین لیتے ہی باہر والے دروازے کی طرف لپکا۔ اگر اس کے پاس دوسرا میگزین تھا تب بھی اسے لگانے میں کچھ وقت تو لگتا! میں نے گیلری کے ساتھ ساتھ مڑتے ہوئے پیچھے دیکھا، وہ خراماں خراماں چلتا ہوا آ رہا تھا اور اس کا اطمینان ظاہر ہے بے سبب نہیں تھا۔ میں بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ باہر ایسے کون سے انتظامات ہیں جن کے بل بوتے پر یہ اتنا مطمئن ہے۔ جیسے ہی میں نے باہر پورچ میں کھلنے والا دروازہ کھولا، وہاں موجود سیاہ بالوں کا ایک ڈھیر غراتا ہوا میری طرف لپکا۔ اگر میں نے دروازہ بند کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر کی ہوتی تو کتا اندر گھس آتا۔ یہ جہازی سائز کتا تھا اور جسے بھنبھوڑتا اسے کتے کے کاٹے کے انجکشن بھی نہیں لگوانے پڑتے، اسے صرف پوسٹ مارٹم کی ضرورت پیش آتی ہوگی۔ کتا کسی بلڈوزر کی طرح دروازے سے ٹکرایا تھا۔ اگر کنڈی نہ لگی ہوتی تو میں کسی صورت اسے نہیں روک سکتا تھا۔ میں نے ہانپتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا کہ دروازہ بے حد ٹھوس اور مضبوط لکڑی کا بنا تھا۔ گلے خان پیچھے کھڑا ہنس رہا تھا پھر اس نے بلند آواز سے کہا۔ ''فرنگی بھاگ جا۔''

''یہ فرنگی ہے؟'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''اتنا کالا اور جسیم..... اسے ویسٹ انڈین کہنا چاہئے۔ شکر ہے میں نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔''

''تمہارا قسمت..... فرنگی فرار کی کوشش کرنے والے دو افراد کو مار چکا ہے۔ لاش کا بھی ٹکڑے کر دیتا ہے، مشکل سے چھوڑتا ہے۔''

''باہر یہی ہے؟''

''نہیں، اس کا دوسرا بھائی بھی ہے۔ وہ پچھلی طرف ہوتا ہے، روسی۔''

''فرنگی اور روسی، اچھے نام رکھے ہیں۔'' میں ہنسا۔ ''یہ لوگ بھی ہمارے سابق حکمرانوں کے نام پر اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کتوں کے نام رکھتے تھے۔''

''اسی واسطے ان کا نام رکھا ہے۔'' گلے خان نے میگزین کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ''پرام کو یہ کتا لوگ بہت پیارا ہے۔ اتنا سا تھا جب ہم نے دونوں کو پالا۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا اور میگزین لے کر جیب میں رکھ لیا۔ ''یہ صرف ہم کو پہچانتا ہے۔''

''فتح خان کو بھی نہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، خان جی نے کوشش بوت کیا پر فرنگی اور روسی نہیں مانا۔ ایک بار خان جی نے غصے میں آ کر ان کو گولی مارنے کا سوچا پر ام پاؤں پڑ گیا۔''

''تم فتح خان کو کب سے جانتے ہو؟''

''اب چلو..... ابھی تمہارے ایک اور ساتھی کو لانا ہے۔'' اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا۔

''ذرا دیر بعد میں اپنی کوٹھری میں تھا اور سفیر اس کے ساتھ اوپر جا چکا تھا۔ اب تک مجھے گلے خان کے ۱۳ اس جگہ اور کوئی ملازم نظر نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی فتح خان کہہ چکا تھا اس جگہ کو خفیہ رکھنے کے لئے وہ اب تک کل افراد کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا جن میں تازہ اضافہ مجھے یہاں لانے والے دو افراد تھے۔ گلے خان پر قابو پایا جا سکتا تھا۔ مسئلہ اس کے بعد باہر جانے کا تھا۔ مجھے یاد آیا جس وقت مجھے لایا گیا، کوٹھی کے باہر کتے نہیں تھے۔ ممکن ہے دن میں کتے بندر کھے جاتے ہوں اور صرف رات کو انہیں کھولتے ہوں۔

جب گلے خان سفیر کو بند کر کے جانے لگا تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''فتح خان کہاں ہے؟''

''ہم کو نہیں معلوم۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ وہ کبھی صاف لہجے میں بات کرتا تھا اور کبھی بھول کر گلابی اردو پر اتر آتا تھا۔

''مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''خان جی آئے گا تو ہم بتا دے گا۔'' اس نے کہا اور چلا گیا۔

''تمہیں اس منحوس صورت سے کیا ضروری کام پڑ گیا؟'' مونا نے پوچھا۔ اس نے سردی سے بچنے کے لئے اپنے گرد کمبل لپیٹ لیا تھا۔

''ڈیوڈ شانے ہمیں ایسے ہی قید نہیں کروایا ہے، اس کے پیچھے اس کا کوئی بہت بڑا مفاد ہے ورنہ وہ اب تک ہمیں مرشد علی کے حوالے کر چکا ہوتا۔''

''ہم سے اس کا کیا مفاد ہو سکتا ہے؟'' سفیر نے دریافت کیا۔

''شاید تصویر والا معاملہ ہے۔ حکیم قادس کو بھی اسی نے اغوا کرایا۔ یہ جان کر تم لوگوں کو حیرت ہو گی کہ جب ہمارے قافلے پر فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے حملہ کیا تو ان کا مقصد میرا نہیں بلکہ حکیم کا اغوا تھا، میں تو گتھی میں ہاتھ آ گیا۔''

''یعنی حکیم اہم شخصیت ہے۔'' سفیر نے غور کیا۔ ''لیکن کس لحاظ سے؟''

''تم بھول رہے ہو، وہ بعض ایسی دواؤں کا موجد ہے جو بظاہر بے کار ہو جانے والے جسمانی حصوں کو بھی بحال کر دیتی ہیں۔ میرا ہاتھ اس کا ثبوت ہے۔ اس کے پاس ایسی دوائیاں بھی ہیں جو گہرے سے گہرے الم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی چوبیس گھنٹے میں بھر دیتی ہیں۔ تم سوچ سکتے ہو..... ان دوائیوں کے فارمولے بین الاقوامی سطح پر کس قیمت پر بک سکتے ہیں!''

''میرے خدا..... وہ تو انمول ہوں گے۔ ملٹی نیشنل دوا ساز کمپنیاں ان فارمولوں کے عوض منہ مانگے دام دینے کو تیار ہوں گے۔'' سفیر نے بے ساختہ کہا تھا۔

''اس نقطہ نظر سے سوچا جائے تو حکیم قادس کا اغوا سمجھ میں آتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس نے ہمیں کیوں اغوا کرایا ہے، یہ فی الحال سمجھ سے باہر ہے۔''

مونا کسی سوچ میں گم تھی۔ سفیر نے اسے چھیڑا۔ ''کیا بات ہے..... کھوئے کھوئے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔''

مونا جھینپ گئی۔ ''بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔''

''خواتین کی صحبت کا لازمی اثر یہی ہو سکتا ہے۔'' سفیر نے ہنس کر جواب دیا۔

''مونا سنجیدہ ہو گئی۔ ''سفی! اگر ڈیوڈ شا نے ہمیں مرشد علی کے حوالے کر دیا تو۔''

میں اور سفیر ایک دم چپ ہو گئے۔ درحقیقت یہ سوال میرے ذہن میں تھا لیکن اس کا ہم سے کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ عین ممکن تھا ڈیوڈ شا اپنا مفاد پورا ہو جانے کے بعد ہمیں مرشد علی کے حوالے کر دیتا۔ اس کا چیلا بھی خوش ہو جاتا۔ کچھ دیر بعد سفیر نے ڈوبے لہجے میں کہا۔ ''وہ ایسا نہیں کر سکتا۔''

''اسے کون روک سکتا ہے؟'' مونا کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ ''ہم یہاں بے بس ہیں اور کسی کو ہمارے بارے میں علم بھی نہیں ہے جو ہمیں چھڑانے کی کوشش کرے۔''

''تب تم بتاؤ، ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' سفیر جھنجلا گیا۔

''نہیں سفیر..... مونا نے اچھا سوال کیا ہے۔ اگر ہمیں مستقبل میں مرشد علی کے حوالے کر دیا گیا تب ہم کیا کریں گے اور اس کا بہت زیادہ امکان ہے، ڈیوڈ شا نے ہمارا چارہ تو نہیں ڈالا! جب اس کا کام نکل جائے گا تو اس کے لئے سب سے مناسب یہی ہو گا کہ مرشد علی کو خوش کرے اور اس کی وفاداری کے صلے میں ہمیں اس کے حوالے کر دے۔''

''سوال وہی ہے تب ہم کیا کریں؟''

''ہمیں آرام سے بیٹھنے یا گپوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے رہائی کی تدبیر سوچنی چاہئے۔''

''یہی میں بھی کہنا چاہتی تھی۔ ممکن ہے یہ وقت گنوا کر ہم پچھتائیں۔'' مونا نے جوش سے کہا۔ ''کیا ہم اس موٹے پر قابو نہیں پا سکتے؟''

میں نے انہیں اس جگہ کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں بتایا۔ جس میں گلے خان کے ساتھ دو عدد گدھے کے سائز کے کتے بھی شامل تھے۔

''یعنی ہمیں ایک گلے خان اور اس کے دو عدد کتوں سے نمٹنا ہو گا۔'' سفیر نے کہا۔

''ممکن ہے دن میں کتے بند کر دیئے جاتے ہوں..... یہ بتاؤ تم دونوں کو گلے خان کے علاوہ یہاں کوئی اور نظر نہیں آیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں۔'' مونا بولی۔ ''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں کوئی اور نہیں ہے۔''

''اگر ہم دن میں گلے خان پر قابو پالیں تو یہاں سے نکلنے کی سبیل ہو سکتی ہے۔'' سفیر بولا۔

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ ''گلے خان کتنی بار کھانا دینے آتا ہے؟''

''تین بار۔'' مونا نے بتایا۔ ''صبح، دوپہر، شام۔''

میں نے غور کیا۔ ''صبح کے ناشتے سے پہلے بھی اوپر لے جاتا ہے..... رفع حاجت کے لئے؟''

سفیر نے کہا۔ ''ہاں! اور جس وقت یہ ہمیں باہر نکالتا ہے، بس اسی وقت موقع پا کر ہم اسے قابو کر سکتے ہیں۔''

''کیسے، اب اس پر غور کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ ''سمجھ لو ہمارے پاس اس کام کے لئے دو دن ہیں۔ اگر یہ وقت گزر گیا تو پھر موقع نہیں ملے گا۔''

''دو دن.....'' مونا چونکی۔ ''وہ کیسے؟''

''ارے بابا! سمجھا کرو..... یہ سمجھ کر کام کرنا ہے کہ بس اتنا ہی وقت ہے ہمارے پاس۔''

مگر خمارِ گندم نے زیادہ دیر سوچنے کا موقع نہیں دیا اور میں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو صبح کے سات بج رہے تھے۔ سردی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بستر کے جس حصے پر سو رہا تھا، بس وہی گرم تھا۔ باقی جیسے برف کی سل بن گیا تھا۔ کروٹ بدلتا تو اچھل جاتا تھا۔ تنگ آ کر میں اٹھ گیا اور کمبل اوڑھ کر کوٹھری میں چہل قدمی کرنے لگا۔ مجھے سفیر کی آواز آئی۔ ''تو بھی اٹھ گیا ہے۔''

''بڑی خوف ناک سردی ہے یار!'' میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''میری تو بستر سے نکلنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی ہے۔'' مونا بولی۔

''کچھ دیر بعد میں نے کمبل اتار پھینکا اور وہ ایکسرسائز کرنے لگا جو اس دس بائی آٹھ فٹ کی کوٹھری میں ممکن تھیں۔ سفیر کی کوٹھری سے بھی ایسی ہی آوازیں آ رہی تھیں وہ بھی ایکسرسائز کر رہا تھا۔ مونا نے کہا۔ ''مہربانی کر کے آپ حضرات اپنے کمبل میری طرف پھینک دیں تاکہ میں کچھ دیر سکون سے سو سکوں۔''

میں نے اپنا کمبل تہ کیا اور سلاخوں سے ہاتھ نکال کر مونا کو پکڑا دیا۔ البتہ سفیر نے صاف انکار کر دیا۔

''ابھی میں کمبل اوڑھوں گا، اس لئے معذرت!''

''شوبی، دیکھی تم نے اس شخص کی خود غرضی۔'' مونا جلے کٹے لہجے میں بولی۔

''میں تو دیکھ رہا ہوں، بہتر ہے تم بھی دیکھ لو۔'' میں نے اوپر لگی یخ بستہ سلاخیں پکڑ کر لٹکتے ہوئے کہا۔ ''آخر کو عمر تمہیں گزارنی ہے۔''

''میری پیٹھ میں خنجر نہ گھونپ دوست!'' سفیر کراہا۔ ''یہ پہلے ہی مجھ سے فلرٹ ہوتی جا رہی ہے، کہیں ایسا نہ.....''

''شروع ہو گئی، آپ دونوں کی بک بک۔'' مونا چڑ کر کمبل میں روپوش ہو گئی۔

نصف گھنٹے تک مسلسل ورزش کرنے سے جسم گرم ہو گیا تھا۔ ویسے بھی صبح کا آغاز تھا، اس لئے سردی کی شدت کم ہوتی جا رہی تھی۔ مونا نے ٹھیک کہا تھا اس علاقے کے پانی یا آب و ہوا میں ایسی کوئی بات تھی کہ کھانا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوراً ہضم ہو جاتا تھا۔ رات کو میں نے ڈٹ کر کھایا تھا اور صبح تک پیٹ خالی لگ رہا تھا۔ رہی سہی کسر ورزش نے پوری کر دی تھی۔ میں نے سفیر سے دریافت کیا۔ ''گلے خان ناشتا کب تک لاتا ہے؟''

''نو بجے!'' اس نے آگاہ کیا۔

''یعنی پورا ایک گھنٹا باقی ہے؟'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

''کچھ سوچا تو نے؟'' سفیر نے کہا۔

''یار پیٹ میں کچھ جائے تو سمجھ میں بھی آئے۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ جو تم فتح خان سے ملنے کے لئے کہہ رہے تھے؟''

''اس کے لئے میرے پاس کچھ خاص اطلاعات ہیں۔'' میں نے جلدی سے سفیر کی بات کاٹی۔

کچھ دیر بعد مونا بھی اٹھ گئی۔ وہ دونوں یہاں سے فرار کے بارے میں بات کرتے رہے اور میں ہوں ہاں کر کے انہیں ٹالتا رہا۔ ساڑھے آٹھ بجے گلے خان نیچے آیا اور کیے بعد دیگرے مونا اور سفیر کو اوپر لے گیا۔ آخر میں میری باری آئی لیکن جب میں باتھ روم سے نکلا تو وہ مجھے تہ خانے میں لے جانے کے بجائے کوٹھی کے ایک کمرے میں لایا۔ دبیز قالین کے ساتھ ایک کونے میں جلتے آتش دان کی وجہ سے کمرے میں خوش گوار حرارت رچی ہوئی تھی۔ فتح خان قالین پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے فٹ بھر اونچی چوکی پر پُرتکلف ناشتا سجا ہوا تھا۔

''آؤ شہباز خان! ناشتا کرو۔'' فتح خان نے مسکرا کر کہا۔

''خیریت..... اتنی خاطر تواضع.....'' میں نے بھری ہوئی میز پر نظر ڈالی۔ ''کہیں تم نے مجھے سفر آخرت پر روانہ کرنے کا فیصلہ تو نہیں کر لیا؟''

''اوہ نہیں..... شہباز خان، فتح خان کم سے کم تمہیں دھوکے سے نہیں مارے گا، جب مارے گا بول کر مارے گا۔''

میں چوکی کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''یہ عنایت صرف مجھ پر ہی کیوں..... تہ خانے میں میرے دو ساتھی بھی ہیں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''ان کو بھی ناشتا دیا جا رہا ہے۔''

''یہی ناشتا دے رہے ہو! اگر نہیں تو میرے لئے وہی ناشتا منگوا لو، جو ان کو دیا ہے۔''

''تم ان کے چکر میں مت پڑو۔'' اس نے جھنجلا کر کہا۔

''کام بتاؤ، مجھے کس لئے بلایا ہے؟'' میں نے رکھائی سے کہا۔

''وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے بولا۔ ''شہباز! تمہارے ساتھیوں کو بھی یہ ناشتا مل جائے گا، میرا دماغ مت خراب کرو۔''

میں نے مناسب سمجھا کہ ناشتا کر لوں۔ فتح خان نے یقیناً کسی خاص مقصد کے تحت مجھے بلایا تھا، ناشتے میں پراٹھے اور دیسی انڈے تھے، تلے ہوئے اور ابلے ہوئے، مکھن اور سوجی کا حلوا تھا۔ شہد اور میٹھی روٹیاں تھیں۔ میں نے سب چیزوں سے انصاف کیا۔ آخر میں الائچی والا سبز قہوہ آیا۔ فتح خان بظاہر غیر مسلح نظر آ رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن مجھے یقین تھا، چوکی تلے اس کے سامنے کوئی نہ کوئی ہتھیار رکھا تھا۔ کئی بار میرے دل میں آیا کہ اچانک چوکی الٹ کر اس ہتھیار پر قبضہ کرلوں لیکن ہر بار اس خیال نے روک لیا کہ وہاں اگر کوئی ہتھیار نہ ہوا تو.....؟ یہ تو طے تھا، فتح خان کسی پر اعتماد کرنے والا شخص نہیں تھا۔ قہوہ نوشی کے دوران اس نے ایک چھوٹے سے واکی ٹاکی سیٹ پر گلے خان سے کہا۔ ''نیچے والوں کو بھی یہی ناشتا دو۔''

''تمہارے ٹھاٹ باٹ متاثر کن ہیں۔'' میں نے چاروں طرف اشارہ کیا۔ ''ورنہ ایک زمانے میں تم عمر دراز کے ملازموں میں شمار ہوتے تھے۔''

وہ مسکرایا۔ ''ہر آدمی کو ترقی کا حق ہے ممکن ہے کل عمر دراز کا اولاد میری اولاد کا ملازم ہو۔''

''عین ممکن ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔

''تمہارے پاس میرے لئے کون سی اطلاع ہے؟'' اس نے اچانک پوچھا۔

''میرے پاس!'' میں نے بے حد تعجب سے کہا۔ ''میں نے کب کہا کہ میرے پاس تمہارے لئے کوئی اطلاع ہے۔''

''تم نے مجھے نہیں کہا..... لیکن کہیں اور کہا تھا۔'' فتح خان مسکرایا اور ایک مختصر سا ڈیجیٹل ریکارڈر میرے سامنے رکھ کر اس کا پلے کا بٹن دبا دیا۔ چند سیکنڈ بعد میری آواز سنائی دی۔ جب میں سفیر سے کہہ رہا تھا کہ میرے پاس فتح خان کے لئے اہم اطلاع ہے۔ اس نے بٹن دبا کر ریکارڈر آف کر دیا۔ ''اب بولو، شہباز خان!''

''تم ہماری باتیں سن رہے تھے؟''

''نہیں، یہ تو خود بخود ریکارڈنگ ہوتا ہے، میں آ کر سن لیتا ہوں۔''

''تہ خانے میں خفیہ مائیک لگے ہیں۔'' میں مسکرایا۔ ''مجھے پہلے ہی شبہ تھا اور میں نے اطلاع والی بات اسی لئے کی تھی۔''

''مجھے بے وقوف مت بناؤ۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''تمہیں کہاں سے شبہ ہونے لگا۔ اب تم بتانا نہیں چاہ رہے۔''

''فرض کرو، ایسا ہی ہے..... تم نے مجھے قید کر رکھا ہے تو میں تمہیں یہ سب کیوں بتاؤں؟''

''اگر تم اپنی اور اپنے ساتھیوں کی چمڑی بچانا چاہتا ہے تو ضرور بتائے گا۔'' وہ عیاری سے بولا۔ ''تم خود سوچ لو، ان کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''فتح خان، مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو کس نیت سے پکڑا ہے اور ہمارے بارے میں تمہارے عزائم کیا ہیں لیکن تم نے ہمیں آرام سے رکھا ہے اور اب تک کوئی تکلیف نہیں دی ہے۔ ہماری تذلیل نہیں کی ہے اس لئے میں تمہیں بتا رہا ہوں۔''

''کیا بات ہے؟'' اس نے بے تابی سے کہا۔

''برٹ شا کی بیٹی..... ایمن شا تمہیں یاد ہوگی..... اس نے برطانوی وزارت خارجہ کی مدد سے پاکستان میں اپنے باپ کی گمشدگی کا مردہ کیس پھر سے کھلوایا ہے اور اس کیس میں نامزد ملزم تم ہو۔''

ایک ثانیے کے لئے فتح خان کے چہرے پر تشویش لہرائی تھی پھر اس نے کہا۔ ''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ پولیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خانہ پری کر کے پھر کیس بند کر دے گی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "لیکن ممکن ہے، کوئی پروگریس ہو ہی جائے۔"

"ہوئی بھی تو دیکھا جائے گا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ "فتح خان، وہ جواہرات بہت قیمتی تھے۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"مطلب یہ کہ تم برٹ شا کو اتنی آسانی سے نہیں مار سکتے۔ ان جواہرات کا پتا صرف وہی جانتا تھا۔"

فتح خان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا اندازہ ہے تم نے برٹ شا کو قید کر لیا ہوگا اور اس سے جواہرات کا پتا پوچھتے رہے ہو گے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "تم نے ٹھیک کہا..... میں نے ایسا ہی کیا تھا۔"

اگرچہ میں کچھ دیر پہلے اپنا خیال ظاہر کر چکا تھا لیکن فتح خان کے اقرار نے مجھے دم بخود کر دیا تھا۔ خاصی دیر بعد میں نے کہا۔ "یعنی برٹ شا آج بھی زندہ ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "میرے پاس..... پاگل ہو گیا ہے۔ کبھی روتا ہے..... کبھی ہنستا ہے، کبھی تین تین دن کھانا نہیں کھاتا، کبھی سارا دن کھانا مانگتا ہے۔"

"تم نے اس پر تشدد کیا ہوگا؟" میں نے شکی لہجے میں کہا۔

"کیا تھا پر اتنا بھی نہیں کہ وہ پاگل ہو جائے۔ پاگل تو وہ دو سال بعد ہوا تھا۔"

"اور اتنے سالوں سے تمہاری قید میں ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاں..... میں نے اسے آرام سے رکھا ہے۔"

"حیرت ہے، وہ تمہارے قبضے میں ہے..... اور اتنے سال سے ہے اور تم اس سے ایک بات نہیں اگلوا سکے۔ یہ بات حلق سے نہیں اترتی۔"

"میں نے ہر ممکن کوشش کی۔ ایک بار تو وہ مرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ خدا کی قسم میں نے اپنی زندگی میں اتنا ضدی آدمی نہیں دیکھا۔"

"کیا وہ مزید تشدد سے بچنے کے لئے دیوانہ بنا ہے؟"

"ممکن ہے..... لیکن میں مزید خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اگر وہ سچ مچ پاگل ہو گیا تو ہیرے ہمیشہ کے لئے میرے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔"

"کیا یہ بات یقینی ہے کہ ہیرے اسی مقام پر ہیں، جہاں برٹ شا نے چھپائے تھے۔"

"اس وادی میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ حکومت نے جنگل کاٹنے پر پابندی لگا دی ہے۔ اب وہاں سوائے چرواہوں کے اور کوئی نہیں ہے۔"

"اور وہ چرواہے یقیناً تمہارے آدمی ہوں گے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں خطرہ نہیں لے سکتا کہ کوئی اور اس طرف آئے۔ ہیرے اتفاق سے بھی کسی کو مل سکتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس معاملے میں تمہارے آدمیوں کی نیت بھی خراب ہوسکتی ہے ممکن ہے کسی کو ہیرے مل جائیں اور وہ خاموشی سے انہیں ہضم کر جائے؟''

''نہیں وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا ان کو انجام معلوم ہے۔''

''فتح خان اتنی بڑی دولت کی خاطر آدمی اپنے باپ کی پروا نہ کرے اپنے دین ایمان کی پروا نہ کرے تو تم کیا چیز ہو، خیر آج کل ان کی مالیت کیا ہوگی؟''

''کم سے کم بیس کروڑ امریکی ڈالرز!''

''اوہ..... یعنی بارہ ارب روپے!''

''ممکن ہے، اس سے بھی زیادہ قیمت ہو۔'' اس نے کہا۔ ''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔''

''لے چلو۔ تمہاری قید میں ہوں۔''

''نہیں، اس معاملے میں مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''یعنی تم چاہتے ہو کہ میں برٹ شا کے پاس جاؤں اور اس سے ہیروں کی جائے وقوع اگلوانے کی کوشش کروں؟''

''تم ذہین آدمی ہے۔ میں تمہیں اس کے پاس لے جاؤں گا۔ تم اس سے بات کرو، اس کی بیٹی کے بارے میں بتاؤ۔ ممکن ہے وہ ہیروں والی جگہ بتا دے۔''

''میں کوشش کروں گا، لیکن فتح خان! یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ وہ بیٹی کا سن کر ہیروں کی جگہ بتا دے گا۔''

''کیا اسے اپنی بیٹی سے محبت نہیں ہے۔ وہ اس سے نہیں ملنا چاہتا؟''

''اسے بیٹی سے محبت ہے اور وہ اس سے ملنا بھی چاہتا ہوگا لیکن اسے سب سے زیادہ خطرہ اپنی جان کا ہو گا۔ تبھی اس نے تمہیں ہیروں کی جگہ نہیں بتائی۔ اسے بجا طور پر خطرہ ہوگا کہ جیسے ہی ہیرے تمہارے ہاتھ آئے، تم اسے مار دو گے۔''

''شروع میں میرا یہی ارادہ تھا، میں اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔'' فتح خان نے اعتراف کیا۔ ''لیکن اب مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا، میں نے سارا بندوبست کر لیا ہے۔ ہیرے ملتے ہی میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''یہاں سے.....؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اس ملک سے..... ہیرے یورپ کی کسی پارٹی کو بیچ دوں گا اور خود سینٹرل ایشیا کے کسی ملک میں جائیداد خرید کر مزے سے رہوں گا۔''

''بشرطیکہ برٹ شا اپنے حواسوں میں ہو اور ہیرے تمہارے حوالے کرنے پر راضی ہو جائے۔'' میں نے کہا۔

''تمہیں یہ کام کرنا ہوگا شہباز خان!'' فتح خان بولا تو اس کا لہجہ یکسر بدلا ہوا تھا۔

''میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''ورنہ.....؟''

وہ سفاکانہ انداز میں مسکرایا۔ ''تم جانتا ہے، تمہارا دوست میرے پاس ہے۔''

''تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا ہی سمجھ لو..... اگر تم برٹ شا سے ہیروں کا جگہ نہیں اگلوا سکا تو میں لڑکی کو مرشد علی کے حوالے کر دے گا۔''

میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ ''تم ایسا نہیں کرو گے فتح خان!''

اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ ''نہیں کرے گا بشرطیکہ مجھے ہیرے مل جائیں۔''

''تم احمقانہ شرط لگا رہے ہو جو کام تم اتنے سالوں سے نہیں کر سکے، وہ میں اتنی جلدی کیسے کر سکتا ہوں! برٹ شا مجھے کیوں بتانے لگا؟''

''بتائے گا، جب تم اسے اس کی بیٹی کے بارے میں بتائے گا تو وہ ضرور بتائے گا۔ تم کہے گا کہ ایمن شا اس کی تلاش میں پاکستان آنے والا ہے۔ اگر اس نے ہیروں کا پتا نہیں لگایا تو اس کا بیٹی بھی ادھر آ جائے گا۔''

''کیا تم ایمن کو بھی اغوا کرا لو گے؟''

''ضرورت پڑا تو ایسا بھی کرے گا مگر ابھی تم اسے سمجھاؤ۔ اپنی بیٹی کو مصیبت میں نہ ڈالے، شرافت سے ہیرے میرے حوالے کر دے۔''

''میں کوشش کروں گا لیکن تم نے جو دھمکی دی ہے اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ اگر تم نے مونا کو مرشد علی کے حوالے کر دیا تو.....''

''میں جانتا ہے، لیکن میں مجبور ہو گا۔ کیونکہ پھر مجھے ایمن چاہئے ہوگی اور مرشد علی مجھے مونا کے بدلے ایمن لا کر دے گا۔''

فتح خان گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کا ماہر تھا۔ بظاہر وہ مجھ سے نرمی سے پیش آ رہا تھا مگر درحقیقت اس نرمی کے پردے میں اپنا کام نکالنے کی کوشش کر رہا تھا اور اب اس نے مجھے دھمکی دے کر خود کو بے نقاب کر دیا تھا، اس کے اچھے سلوک اور نرمی کے پس پشت وہ ہیرے تھے جو اسے برٹ شا سے حاصل کرنے تھے۔ میں غور کرتا رہا، فتح خان کے الفاظ پر مجھے قطعی شبہ نہیں تھا۔ وہ ان افراد میں سے تھا جو اپنے مفاد کے لئے کسی حد سے گزرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔ فتح خان بغور مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''کیا سوچ رہا ہے شہباز خانا!''

''اس بات کی کیا ضمانت ہے، کام نکل جانے کے بعد تم ہمیں مرشد علی کے حوالے نہیں کرو گے؟''

''میں کیا ضمانت دے۔ ویسے بھی مرشد علی میرا یار تھوڑی ہے۔ مجھے اس سے کوئی کام ہو گا تب میں لڑکی کو اس کے حوالے کرے گا۔''

''فتح خان، گزشتہ کچھ عرصے میں تم نے جو رنگ دکھائے ہیں، جس طرح روپ بدلے ہیں، تم پر اعتبار کرنا ذرا مشکل ہو گیا ہے۔''

''تم بے شک اعتبار مت کرو۔ پر یہ کام تیرے کو کرنا پڑے گا۔'' فتح خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''تم اس کے لئے مجبور ہے۔''

فتح خان صحیح کہہ رہا تھا، میں مجبور تھا۔ وہ مجھے باہر لایا جہاں گلے خان جیپ کی صفائی کر رہا تھا۔ اسی جیپ میں مجھے لایا گیا تھا۔ فتح خان نے ایک بڑی سی سیاہ عینک میری طرف بڑھائی۔ ''اسے پہن لو۔''

میں نے عینک پہن لی جس نے میری آنکھوں کو اس طرح ڈھانپ لیا کہ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کانوں کے عقب میں کمانیاں اس طرح پھنس گئی تھیں کہ عینک ذرا بھی نہیں ہل رہی تھی اور اس میں ذرا سا بھی رخنہ نہیں تھا۔ گلے خان نے مجھے بازو سے پکڑ کر جیپ کے عقبی حصے میں بٹھا دیا۔ وہ خود بھی میرے برابر میں آ گیا تھا۔ پھر اس نے سیٹی بجائی۔ فتح خان جلدی سے جیپ میں سوار ہوتے ہوئے غرایا۔ ''میرے کو بیٹھنے دے۔''

گلے خان ہنسا۔ ''فکر نہ کرو خان! میرے ہوتے یہ تم کو کچھ نہیں کہیں گے۔''

''اور تُو ابھی مر گیا تو کیا میں جیپ میں ہی بیٹھا رہوں گا۔'' فتح خان جھنجلا کر بولا۔

''خان جی، اس صورت میں تمہیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔ ان کتوں کے لئے یہ جیپ بھی کھلونا ہے۔''

فتح خان نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ غالباً گیٹ پر روکی، گلے خان نے اتر کر گیٹ کھولا اور جیپ کے باہر آنے پر بند کر دیا۔ کسی کتے کو بھنکارتا ہوا میرے پاس آ بیٹھا۔ ''اب جب تک ہم نہیں آئیں گے، نہ تو کوٹھی سے کوئی باہر جا سکتا ہے اور نہ اندر آ سکتا ہے۔'' فتح خان نے کہا۔

''اگر تمہارے اندیشے کے مطابق گلے خان کسی وجہ سے انتقال کر گیا تب واپسی کی کیا صورت ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے کو کیا ہوگا؟'' گلے خان نے خفگی سے کہا۔

''تمہاری جسامت دیکھ کر دل کے دورے کی توقع کسی وقت بھی کی جا سکتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''لیکن ناگہانی انتقال کی اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں، خاص طور سے اس پیشے میں۔''

''بکواس بند کرو۔'' گلے خان غرایا تھا اسی لمحے جیپ نے ناک کے بَل اترنا شروع کر دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہم سامنے سے لڑھک کر ونڈ شیلڈز توڑ کر جیپ کے سامنے جا پڑیں گے۔ خدا خدا کر کے جیپ سیدھی ہوئی۔

''فتح خان، ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''زیادہ دور نہیں ہے۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ پاکستان میں شہروں سے نکل کر اگر آپ کے فاٹا کے باشندے سے تھر کے صحرا کا پوچھیں گے تو وہ اسی طرح بے پروائی سے کہے گا۔ ''زیادہ دور نہیں ہے۔'' اس لئے فتح خان کی بات پر یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ یہ سفر ابھی کئی گھنٹے تک جاری رہتا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد جیپ سڑک چھوڑ کر کچے اور پتھریلے راستوں پر اتر آئی تھی اور میں کچھ اسی طرح حرکت کر رہا تھا جیسے مجھے کسی کنکریٹ مکسر میں ڈال کر ہلایا جا رہا ہو۔ میرے گلے خان پر گرنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا لیکن جب گلے خان جیپ کی حرکت کے نتیجے میں میرے اوپر آتا تھا تو مجھے بند آنکھوں سے دن میں تارے نظر آ جاتے تھے۔ یہ بے ہودہ اور اذیت ناک سفر کوئی ایک گھنٹا جاری رہا۔ پھر جیپ رک گئی۔ گلے خان پہلے خود اترا پھر اس نے بازو سے پکڑ کر مجھے اتار لیا۔ اسی طرح بازو پکڑے ہوئے وہ مجھے کسی بند جگہ لے گیا کیونکہ اس جگہ بند رہنے والی مخصوص بو رچی ہوئی تھی۔ مجھے فتح خان کی آواز آئی، وہ کسی سے پوچھ رہا تھا، بڈھا کیسا ہے؟''

''سو رہا ہے..... کل رات بھر روتا رہا۔'' کسی نے نسوانی لہجے میں جواب دیا مگر آواز مردانہ تھی۔

وہ یقیناً برٹ شا کے بارے میں بتا رہا تھا۔ کسی نے میری آنکھوں سے عینک کھینچ لی۔ یہ عجیب سا شخص تھا۔ گٹھا ہوا مضبوط جسم لیکن چہرے پر نسوانی خدوخال کے ساتھ نسوانی ہی تاثرات بھی تھے۔ رہی سہی کسر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت پوری ہوگئی جب اس نے لبک کر کہا۔ ''قربان جاؤں..... سوہنے کیسے ہاتھ لگے خان جی کے؟''

''یہی سوال میں بھی کر سکتا ہوں۔'' میں نے اس کا جائزہ لے کر پوچھا۔ یہ جگہ کچی مٹی کی دیواروں پر مشتمل تھی جس پر لکڑی کی چھت تھی۔ لکڑیوں کے اوپر مٹی کی لپائی کی گئی تھی۔ ایک طرف لکڑی کی مشعل روشن تھی جسے شاید چربی میں بھگویا گیا تھا کیونکہ نہایت ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔ اگر برٹ گزشتہ گیارہ برسوں سے ایسی جگہ قید تھا تو اس کا دماغی توازن سچ مچ متاثر ہو سکتا تھا۔ یہ جگہ کسی مہذب انسان کے رہنے کے قابل نہیں تھی۔ فتح خان میرے پاس آیا۔

''وہ سو رہا ہے..... میں تمہیں یہاں چھوڑ جاؤں گا۔ اب یہ تم پر ہے، اسے کتنی جلدی اپنی راہ پر لگاتے ہو۔''

''یہاں چھوڑ جاؤ گے؟'' میں نے بوکھلا کر کہا۔

''ہاں اور تمہارے پاس صرف دو دن ہیں۔'' فتح خان کے لہجے میں رکھائی آ گئی تھی۔

''دو دن بعد تم مجھے واپس لے جاؤ گے؟'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں..... اور مونا کو مرشد علی کے حوالے کر دوں گا۔'' وہ بولا یہ ایک طرح کی دھمکی تھی پھر اس عورت نما مرد یا مرد نما عورت سے کہا۔ ''مقدر، اسے بھی اس کے پاس لے جا..... پوری دیکھ بھال کرنا..... خطرناک آدمی ہے، کئی قتل کر چکا ہے۔ بھاگ گیا تو تیری خیر نہیں ہوگی۔''

''فکر مت کرو خان جی! بندی کے ہوتے ہوئے..... اس کی روح ہی جا سکتی ہے یہاں سے۔''

''میرے ساتھی تمہارے قبضے میں ہیں۔ میں بھلا انہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟''

فتح خان میری بات پر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''شہباز! بے وقوف کسی اور کو بنانا..... پر یاد رکھنا، اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو یہ بات تمہارے ساتھیوں کے حق میں بہت ہی بری ہوگی۔ تم سوچ سکتے ہو ان کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے؟''

''ہاں..... اس لئے میں فرار کی کوئی کوشش نہیں کروں گا۔''

مقدر جس کا اپنا مقدر درست نہیں لگ رہا تھا، گلے خان کے ساتھ مجھے برٹ شا کے قید خانے تک چھوڑنے آیا۔ اوپر کی کچی کوٹھری کے مقابلے میں اندر پختہ قید خانہ تھا جسے سلاخوں کی مدد سے تیار کیا گیا تھا۔ اندر گھاس کے ڈھیر پر ایک میلا کچیلا ڈھیر پڑا تھا۔ دیوار پر وہی بدبودار مشعل جل رہی تھی لیکن یہ قید خانے سے باہر تھی۔ اندر فضلے کا تعفن نہیں تھا، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں اس کا کوئی معقول بندوبست تھا۔ لوہے کا دروازہ کھول کر مقدر نے مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی میں اندر گیا، وہ دروازے کو تالا لگا کر رخصت ہو گئے۔ فرش پر خشک گھاس کے ڈھیر تھے اور ان کی وجہ سے یہاں پر سردی معقول حد تک کم تھی، میں نے ایک طرف گھاس جمع کی اور اسے بستر کی شکل دے کر اس پر بیٹھ گیا۔ سرد علاقہ ہونے کی وجہ سے اس کا امکان کم ہی تھا کہ گھاس میں سانپ یا اس قبیل کے زہریلے کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہوں۔ میں سوچ رہا تھا، فتح خان نے مجھے کس چکر میں ڈال دیا ہے۔ شاید مجھے اور میرے ساتھیوں کو اغوا کرنے کا مقصد بھی یہی تھا اور ڈیوڈ شا کا نام وہ صرف دھوکا دینے کے لئے لے رہا تھا۔ مجھے بہر صورت برٹ شا سے ہیروں کا پتا اگلوانا تھا میں کسی صورت اپنے یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے ساتھیوں کا مرشد علی کے قبضے میں جانا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ ہمارے خون کا پیاسا ہے، بھال کی مستقل معذوری کے امکان نے اسے چراغ پا کر دیا تھا۔

میں سوچنے لگا کہ برٹ شا کے ساتھ کیسا طرز عمل اختیار کروں۔ خاصے غور و خوض کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے بے نیازی کا رویہ اپنانا ہوگا۔ برٹ شا کو پہچاننے سے گریز کرنا ہوگا۔ شاید اس طرح وہ کھل جائے ورنہ اگر وہ پاگل پن کا ڈھونگ رچا رہا تھا تو کسی صورت میرے سامنے نہیں کھلتا۔ یہ فیصلہ کر کے میں گھاس پر دراز ہو گیا۔ اب مجھے انتظار تھا کہ وہ کب جاگتا ہے تاکہ میں اپنی اداکاری کا آغاز کروں۔ وقت گزر رہا تھا اور برٹ شا جاگنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ غالباً وہ تھک کر سویا تھا۔ بقول مقدر کے وہ گزشتہ رات روتا رہا تھا اور رونے کے لئے جاگنا ضروری تھا۔

دو گھنٹے بعد تنگ آ کر میں نے خود اسے اٹھانے کا فیصلہ کیا لیکن طریقہ بلاواسطہ استعمال کیا۔ میں نے سلاخیں تھام کر مرحوم اداکاروں سلطان راہی اور محمد علی کے ملے جلے انداز میں ڈائیلاگ بولنا شروع کئے۔ فتح خان اور اس کے چیلوں کو للکارنے کے ساتھ ان کی ایسی کم تیسی کرنے کا دعویٰ بھی کرنے لگا۔ اتنا واویلا سن کر لاہور کے مروے اور سینما گھروں میں سوئے تماشائی تک جاگ جاتے تھے تو برٹ شا کیسے نہ اٹھتا! اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا چند چیخیں ماریں اور پھر قہقہے لگانے لگا۔ اس بار میں نے بھی بوکھلانے کی اداکاری کی۔ ''مجھے نکالو یہاں سے..... سؤر کے بچو..... اپنے پاگل باپ کے ساتھ بند کر دیا ہے۔''

''پاگل..... ہوگا..... تُو.....'' عقب سے برٹ شا اردو میں دھاڑا۔

میں نے مڑ کر ڈرے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ بے تحاشا بڑھے ہوئے بالوں، داڑھی اور مونچھوں کے ساتھ وہ زمانہ قبل از انسانیت کا کوئی وحشی لگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ ویسے اس نے پتلون اور قمیص کے اوپر لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی لیکن کوئی شے سلامت نہیں تھی۔ اس کے پاؤں میں مقامی طرز کے چمڑے کے جوتے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا تمہیں بھی انہوں نے پکڑ رکھا ہے؟''

اس نے قہقہہ لگایا۔ ''انہوں نے نہیں، میں نے انہیں قید کر رکھا ہے۔''

''تت..... تم پاگل ہو؟'' میں سلاخوں کے ساتھ چپک گیا۔ ''میرے پاس مت آنا۔''

''میں پاگل نہیں ہوں۔'' اس بار اس نے نرمی سے کہا۔ ''لیکن یہ تمہیں کیوں پکڑ لائے ہیں؟''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''فتح خان سے میری پرانی دشمنی ہے۔ گیارہ سال سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔''

''گیارہ سال سے!'' وہ چونکا۔ ''میں بھی اتنے ہی عرصے سے قید ہوں۔'' غیر ارادی طور پر وہ اگر جل کر اتر آیا تھا۔

''میرے خدا..... تم گیارہ سال سے یہاں ہو لیکن کیوں..... فتح خان نے تمہیں کیوں اس طرح قید کر رکھا ہے؟''

''لمبی کہانی ہے۔'' وہ گھاس پر بیٹھ گیا۔ ''اور تمہیں کیوں لایا ہے؟''

''پتا نہیں..... گیارہ سال پہلے پاکستان کے شمالی علاقے کی سیر کرنے آیا تھا۔ اتفاق سے فتح خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹکراؤ ہو گیا۔'' میں نے کہا اور اسے غور سے دیکھا۔'' تم شاید انگریز ہو۔ لہجے سے بھی لگتے ہو۔ کیا ایسٹ انڈیا کمپنی جاتے ہوئے تمہیں یہاں بھول گئی تھی؟''

'' بکومت، میں اتنا عمر رسیدہ نہیں ہوں۔'' اس نے برا مان کر کہا۔

'' تم کیسے انگریز ہو، تعارف کرائے بغیر بات کر رہے ہو، میں نے سنا ہے انگریز بغیر تعارف کے گالی کا جواب بھی نہیں دیتے۔''

'' برٹ شا!'' اس نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

'' برٹ شا!'' میں نے یوں کہا جیسے مجھے یہ نام جانا پہچانا لگ رہا ہو۔ پھر اچھل پڑا۔'' میرے خدا، تم ایمن شا کے باپ ہو..... تبھی میں کہوں مجھے جانے پہچانے سے لگ رہے ہو، مجھے پہچانا، میں شہباز ملک ہوں؟''

'' شہباز ملک!'' اس نے چونک کر کہا پھر اضطرابی انداز میں بولا۔'' تم ایمن کو جانتے ہو؟''

'' ہاں..... کیوں نہیں، میں ہی تو اسے پہاڑوں سے نکال کر لے گیا تھا۔ بہت دنوں تک تمہاری تلاش کی جاتی رہی۔ پھر ایمن مایوس ہو کر اپنے وطن چلی گئی۔ پچھلے دنوں میرا اس سے رابطہ تھا۔''

'' رابطہ تھا!'' وہ لرزتی آواز میں بولا۔'' کیسی ہے میری بچی؟ میری ایمن!؟''

'' ٹھیک ہے، صحافی بن گئی ہے۔ ایک ٹی وی چینل پر کام کرتی ہے۔ اس نے وزارت خارجہ کے توسط سے یہاں تمہارا کیس ری اوپن کرایا ہے۔''

'' بے کار ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔'' یہ لوگ مجھے پہلے نہیں تلاش کر سکے تو اب کیسے تلاش کر لیں گے؟''

'' یہ تو میں نہیں جانتا لیکن فتح خان نے تمہیں کیوں قید کر رکھا ہے؟ تمہارے بارے میں میرا خیال تھا کہ اس نے تمہیں قتل کر دیا ہے۔''

برٹ شا نے محتاط نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا اور میرے پاس سرک آیا۔'' تم بھول رہے ہو۔ میں نے وہ ہیرے چھپا دیئے تھے جن کے پیچھے فتح خان پاگل ہو رہا تھا۔''

'' اس نے اتنے عرصے سے تمہیں ہیروں کی خاطر قید کر رکھا ہے؟'' میں نے بے یقینی سے کہا۔

'' ہاں، وہ مجھ سے اب بھی ہیروں کا مطالبہ کر رہا ہے۔''

'' اور تم نے ہیروں کی خاطر اتنی لمبی قید کاٹی ہے۔ اس طرح غیر انسانی حالات میں؟'' اس بار میرا لہجہ اور بھی حیرت لئے ہوئے تھا۔

'' ہیروں کی خاطر نہیں۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔'' اپنی جان بچانے کے لئے..... جس دن فتح خان کو وہ ہیرے مل گئے، وہ زمین سے ہیرے نکال کر ان کی جگہ مجھے دفن کر دے گا۔ میں اس پر بالکل بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔''

خلاف توقع برٹ شا بہت جلدی کھل گیا اور اس نے میرے اندازوں کی تائید بھی کر دی، وہ صرف جان بچانے کے لئے منہ بند رکھے ہوئے تھا۔ اب تک اس نے اذیتیں اور یہ خوف ناک قید بھی برداشت کر لی تھی۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔'' تم پاگل بنے ہوئے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں۔'' وہ چونکا۔ ''لیکن تمہیں کس نے بتایا؟'' اس کے لہجے میں شک نمایاں تھا۔

مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا، میں نے جلدی سے بات بنائی۔ ''مجھے جو مرد نما عورت یہاں قید کر کے گیا ہے اس نے بتایا ہے۔''

''مقدر!'' اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ ''بہت ظالم آدمی ہے۔ شروع میں اس نے مجھ پر وحشیانہ تشدد کیا۔ میری پشت داغ دار کر دی۔ اس کے ظلم سے بچنے کے لئے مجھے پاگل بننا پڑا تب کہیں جا کر اس سے جان چھوٹی۔''

''سوال یہ ہے کہ فتح خان نے مجھے کیوں پکڑوایا ہے۔ خاصے عرصے سے میں نے اسے نہیں دیکھا اور نہ ہی اس وادی سے نکلنے کے بعد ہمارا کوئی معاملہ ہوا ہے۔''

''وہ تمہیں شاید ہیروں کے لئے لایا ہے۔ یقین کرو، وہ ان ہیروں کے پیچھے اتنا پاگل ہے کہ اسے ساری دنیا کو قتل کرنا پڑے تو وہ سب کو مار دے گا۔''

''یعنی میں ہیرے تم سے لے کر اسے دے دوں؟'' میں نے احمقانہ انداز میں کہا۔ ''لیکن تم مجھے وہ ہیرے کیوں دینے لگے؟''

''فتح خان بہت مکار ہے۔'' برٹ شا نے آہستہ سے کہا۔ ''شاید تمہارے ذریعے سے وہ اندازہ لگانا چاہتا ہے کہ میں سچ مچ پاگل ہوں یا بنا ہوا ہوں۔ میرے خدا!'' وہ خوف زدہ انداز میں اچھل پڑا تھا۔ ''شاید اس نے یہاں کوئی خفیہ آلہ چھپا دیا ہو جو ہماری باتیں اس تک پہنچا رہا ہو۔ میں نے حماقت کی۔''

''میرا خیال ہے، ایسا کوئی آلہ نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اس جگہ ویسے بھی بجلی نہیں ہے۔ حالانکہ مجھے یقین تھا، فتح خان نے ہماری گفتگو سننے کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر رکھا ہوگا۔

مگر برٹ شا کی تسلی نہیں ہوئی۔ ''تم اسے نہیں جانتے، تم اسے نہیں جانتے۔''

''چلو فرض کرو، وہ ہماری باتیں سن رہا ہے اور جان گیا ہے کہ تم نے فرضی پاگل پن طاری کر رکھا ہے، وہ یہ بھی جان گیا ہے کہ تم نے جان کے خوف سے زبان بند رکھی تھی لیکن اگر وہ تمہیں جان کی ضمانت دے تو کیا تم ہیرے اس کے حوالے کر دو گے؟''

''میں فتح خان پر ایک فی صد اعتبار نہیں کر سکتا۔'' اس نے صاف جواب دیا۔ ''وہ بے شک جان جائے اور مجھ پر پھر سے تشدد کرے، ہیرے اسے کسی صورت نہیں ملیں گے۔''

''برٹ شا! ایمن پاکستان آنے والی ہے۔ تمہاری تلاش کے سلسلے میں اگر اس نے ایمن کو بھی اغوا کر لیا تو کیا تم تب بھی ہیرے دینے سے انکار کرو گے؟''

''نہیں، نہیں۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''ایمن کا نام بھی مت لو۔ یہ شیطان اس کے بھی پیچھے پڑ جائے گا۔''

وہ چپکے چپکے رونے لگا، ایمن کا نام لے کر، وہ باپ بھی تھا۔ میرا دل اس کے لئے ہمدردی سے بھر گیا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''برٹ شا..... اس جہنم سے نکلنے کی سوچو۔ اس سے پہلے کہ ایمن بھی یہاں آ پھنسے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ہیرے اسے دے دوں گا۔ بے شک وہ مجھے بھوکے کتوں کے آگے ڈلوا دے لیکن ایمن کو کچھ نہ کہے۔'' اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

''تمہیں یاد ہے، تم نے ہیرے کہاں چھپائے تھے؟''

''اتنے عرصے بعد بالکل ٹھیک سے تو نہیں یاد ہے لیکن وادی دیکھوں گا تو یاد آ جائے گا۔''

میرا خیال تھا کہ یہ سب سن کر فتح خان دوڑا دوڑا آئے گا لیکن اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔ دوپہر ہوئی اور پھر شام۔ مقدر نے کھانے میں سوکھی روٹیاں اور پتلی لسی دی۔ برٹ شا نے بتایا کہ رفع حاجت کے لئے ایک کونے میں پتھر کی سل ہٹانے سے خانہ کھلتا تھا۔ یہ خانہ شاید کوئی نالی تھی کیونکہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی، نالی نظر آتی اور اس میں فضلہ کبھی بھرا نہیں تھا۔ صفائی کے لئے ڈول میں پانی اور مگ بھی تھا، پینے کے لئے ایک طرف رکھے گھڑے میں دوسرے تیسرے دن تازہ پانی بھر دیا جاتا تھا۔

''شدید سردی میں کیسے گزارا کرتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ گھاس دیکھ رہے ہو، یہ سردی کو بے کار کر دیتی ہے۔ یقین کرو، ان گیارہ سالوں میں کبھی سردی نے پریشان نہیں کیا۔ یہ لوگ سردیوں میں مجھے موٹے اونی کمبل دیتے ہیں۔''

''لگتا ہے، تم باقاعدہ ورزش کرتے ہو۔'' میں نے اس کے مضبوط جسم پر غور کیا۔ ''ورنہ اتنے عرصے کی بیکاری آدمی کو چاٹ جاتی ہے۔''

''ہاں..... مجھے ورزش کرنا پڑتی ہے..... ورنہ کچوا ہو کر رہ جاؤں۔ یہ مجھے سادہ لیکن اچھی خوراک دیتے ہیں۔ اس وجہ سے صحت بنی ہوئی ہے۔ گیارہ سال سے وہسکی اور سگار کو ہاتھ بھی نہیں لگایا، یہ بھی اچھی صحت کی وجہ ہے۔'' اس نے حسرت سے کہا۔ اسے سگار اور شراب کی محرومی کا سخت افسوس تھا۔

''برٹ شا کیا تمہیں امید تھی کہ تم رہا ہو سکو گے، اپنی دنیا میں واپس جا سکو گے؟''

''نہیں، کبھی امید تھی لیکن کچھ عرصے سے مکمل مایوسی ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''برٹ تمہاری جائیداد اور خطاب پر تمہارا کزن ڈیوڈ شا قابض ہو گیا تھا۔''

''اوہ، وہ بدمعاش لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، میری بیٹی موجود تھی؟'' اس نے دانت پیسے۔

''اس بے چاری نے یہاں سے جانے کے بعد چند سال بڑی مشکل میں گزارے۔ بہرحال اب وہ خوش ہے۔''

''ڈیوڈ سانپ ہے۔'' اس نے اپنے کزن کے بارے میں سچ بیانی کی۔

''میرا اس سے بھی واسطہ پڑ چکا ہے۔ میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔''

''وہ چونکا۔ ''کب کیسے؟''

''اس تصویر کے سلسلے میں..... جس کے لئے تم آئے تھے۔''

''وہ تصویر.....!'' برٹ اچھل پڑا تھا۔

میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''وہ ہر معاملے میں تمہارا وارث بن رہا ہے۔ تصویر کے معاملے میں بھی..... ں شاید معلوم نہیں، فتح خان، ڈیوڈ شا کے لئے کام کرتا رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے لئے.....'' برٹ شا کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

''فکر مت کرو۔ میرا خیال ہے فتح خان نے تمہیں سب سے چھپا کر رکھا ہے، ورنہ اب تک ڈیوڈ شا تمہیں مروا چکا ہوتا۔ وہ اس جاگیر اور خطاب کے اصل مالک کو کیسے چھوڑتا جس پر آج کل وہ خود قابض ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو..... لیکن فتح خان اور ڈیوڈ شا کا گٹھ جوڑ بہت خطرناک ہے، خاص طور سے راجا عمر دراز کے لئے۔''

''راجا صاحب کی فکر مت کرو۔ وہ ان سے کم نہیں ہیں۔ ڈیوڈ شا نے اگرچہ ان سے وہ تصویر حاصل کر لی ہے لیکن راجا صاحب کا کہنا ہے، وہ اس کے لئے بے کار ہے۔''

برٹ شا نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''تم راجا صاحب کے بہت نزدیک لگتے ہو۔ کیا تم اس تصویر کی اہمیت سے باخبر ہو؟''

''اگر میں کہوں ہاں تو کیا تم مان لو گے؟'' میں مسکرایا۔

''ہاں..... تم فی الحال حالات تو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔'' اس نے سر ہلایا۔

''ایک بات بتاؤ، تم لوگ اس تصویر کے لئے کیوں پاگل ہو رہے ہو، کیا صرف اس لئے کہ وہ تصویر ایک انجانی سرزمین کے بارے میں ہے؟''

''نہیں۔ ہم وہاں جانا اور وہاں کے عجائبات دنیا کے سامنے لانا چاہتے ہیں۔''

''میرا نہیں خیال ہے کہ تم یا ڈیوڈ شا..... یا کوئی بھی عمر دراز کے بغیر اس انجانی سرزمین تک جا سکے کیونکہ وہاں جانے کے راستے سے صرف وہی واقف ہے۔''

''ایسا نہیں ہے، کوئی دوسرا بھی کوشش کر سکتا ہے۔'' برٹ شا بولا، اس کے انداز میں جذب جھلکنے لگا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی، وہ گیارہ سال سے اس جگہ قید تھا۔ رہائی سے مایوس تھا اور اس جگہ جانے کے خواب دیکھ رہا تھا جہاں کبھی اس کا باپ گیا تھا۔ کیا خواب واقعی اتنے طاقتور اور پُرکشش ہوتے ہیں کہ بدترین صورت حال میں بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

''برٹ شا، اگر تمہارے سامنے یہ ہیرے اور اس پُراسرار وادی کا سفر رکھ دیا جائے تو تم کسے چنو گے؟''

''وادی کا سفر..... اس کے لئے میں کچھ بھی چھوڑ سکتا ہوں۔''

''راجا عمر دراز وہاں جا کر آ چکا ہے، پھر وہ دوبارہ کیوں نہیں گیا؟''

''وہ چور احمقانہ رومانیت کا شکار ہے۔'' برٹ شا نے حقارت سے کہا۔ ''وہ ان پاگلوں میں سے ہے جو پُراسرار اشیاء کو کھوجنے کے بجائے ان کی پوجا کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔''

''میں راجا عمر دراز کے بارے میں تمہارے اس تبصرے سے متفق نہیں ہوں۔ وہ ان چند عقل مند لوگوں افراد میں سے ہے جن سے میں ملا ہوں۔ یہ درست ہے کہ وہ اس سرزمین کے بارے میں کسی قدر جذباتی ہے لیکن وہ پاگل اور پُراسرار اشیاء کو پوجنے والوں میں سے نہیں ہے۔''

''تب اس میں ہمت نہیں ہے۔ وہ اس راز کو جان کر بھی دنیا کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔''

''شاید وہ ایسا مناسب نہیں سمجھتا، اسے کم ہمت نہیں کہہ سکتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں؟'' برٹ شا نے چمک کر پوچھا۔

''میرا خیال ہے، وہ باوقار آدمی ہے۔ اس میں تم سفید فاموں جیسی ہوس نہیں ہے۔''

''احمقانہ بات ہے۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''دنیا میں اگر ایسی کوئی شے ہے تو اسے سب کے سامنے آنا چاہئے۔''

''اور اس کے لئے تم کزنز آپس میں مقابلہ کر رہے ہو۔'' میں نے طنز کیا۔

''میں تو یہاں قید ہوں، ڈیوڈ شا آزاد اور بااختیار ہے۔''

''یقین کرو، اسے تمہارے بارے میں بھنک بھی پڑ گئی تو وہ اپنے سارے کام چھوڑ کر سب سے پہلے تمہارا کام تمام کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''اس صورت میں فتح خان مجھے ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ کیونکہ وہ ڈیوڈ کے لئے کام کرتا ہے۔'' اس نے غور کر کے کہا۔

''اگر اسے ہیرے مل جائیں تو وہ ڈیوڈ کی پروا بھی نہیں کرے گا۔'' میں نے کہا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد مقدر نے رات کا کھانا دیا۔ ابلی ہوئی سبزیوں میں گوشت کے ریشے تیر رہے تھے اور ساتھ میں تنوری روٹی تھی۔ اس قسم کا سادہ لیکن مقوی کھانا اس خطے میں عام تھا۔ مقدر کھانا دے کر چلا گیا۔ برٹ شا نے آگاہ کیا۔ ''اب یہ جا کر شراب پیئے گا، ناچے گائے گا اور پھر سو جائے گا۔''

سچ مچ کوئی ایک گھنٹے بعد گانے کی آواز کے ساتھ گھنگرو بجنے کی آواز آنے لگی۔ وہ اپنی بھونڈی آواز میں اقبال بانو کے مشہور گانے کا حشر نشر کر رہا تھا۔ ''پائل میں گیت میں چھم چھم کے..... تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے۔''

''یہ بک بک کب تک جاری رہے گی؟'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

''جب تک یہ بالکل ہی نشے میں دھت ہو کر سو نہیں جائے گا۔''

برٹ کا کہنا درست ثابت ہوا، وہ تقریباً بارہ بجے چپ ہوا اور ہم بھی سونے کے لئے لیٹ گئے۔ میں برٹ شا سے ذرا فاصلے پر تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہیں کبھی فرار کا خیال نہیں آیا۔''

''کئی بار آیا..... دو بار فرار بھی ہوا تھا۔''

''فرار ہوئے تھے۔'' میں نے دلچسپی سے کہا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''ظاہر ہے پکڑا گیا۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''ورنہ یہاں کیوں ہوتا!''

''اگر اب فرار ہونے کا موقع ملے تو کیا کرو گے؟''

''کیا کروں گا، ارے سیدھا برطانوی سفارت خانے کا رخ کر کے جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔''

کچھ دیر بعد وہ خراٹے لینے لگا۔ میں بھی سو گیا۔ یہ واقعی حیرت انگیز گھاس تھی، اتنی دبیز اور گرم کہ اوپر کا کمبل بس خانہ پری کی چیز لگ رہا تھا۔ ورنہ گزشتہ رات جو میں نے فتح خان کی کوٹھی کے تہ خانے میں گزاری تھی، بہت مشکل رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ فتح خان اگلے روز مجھ سے رپورٹ لینے آئے گا۔ میں ناشتے کے بعد اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظار کرتے ہوئے برٹ شا سے باتیں کرنے لگا۔ وہ ایمن کے بارے میں بتانے لگا کہ اس نے کتنی محبت اور محنت سے اس کی پرورش کی تھی۔ اس نے اسے مروجہ تعلیم کے علاوہ بھی بہت کچھ سکھایا تھا۔ بچپن میں ایک بار سمندر کے کنارے تیرتے ہوئے لہر اسے بہا کر لے گئی تھی۔ لوگ اسے بچانے کو دوڑے لیکن وہ خود ہی جدوجہد کر کے ساحل تک آنے میں کامیاب رہی۔ برٹ شا کے لہجے میں ایمن کے لئے محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ میں سنتا رہا، کبھی کبھی درمیان میں سوال بھی کرتا۔ صبح سے دوپہر ہو گئی لیکن فتح خان نہیں آیا جب مقدر دوپہر کا کھانا دینے آیا تو میں نے اس سے فتح خان کا پوچھا۔ ''اس سے کہو، مجھے چھوڑ دے ورنہ.....''

''خان جی، ادھر نہیں ہے۔'' اس نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ ''آرام سے بیٹھو، کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے کہو، میں ہوں ناں.....؟''

''کیا تم مجھے جانے دو گے؟''

''اس دنیا سے۔'' وہ بولا۔ ''لیکن اس قید خانے سے نہیں۔''

''بے کار ہے۔'' عقب سے برٹ شا نے کہا۔ ''اسے فتح خان سے کم مت سمجھو۔''

''یہ مجھے زیادہ اچھی طرح جانتا ہے۔'' مقدر بولا اور بل کھا کر واپس چلا گیا۔

''تم فتح خان سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟'' اس کے لہجے میں شک تھا۔

''یہ تم سے کس نے کہا؟''

''میں صبح سے محسوس کر رہا ہوں، تم انتظار والی کیفیت میں ہو۔''

میں ذرا حیران ہوا۔ واقعی میں اس سے اپنی کیفیت نہیں چھپا سکا تھا لیکن میں نے نفی میں جواب دیا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''دراصل کل تم سے ملنے کی حیرت تھی اور آج مجھ پر قید کی دہشت طاری ہو رہی ہے۔''

وہ اٹھ بیٹھا۔ ''سچ بتاؤ..... تمہیں فتح خان نے تو نہیں بھیجا ہے؟''

''یہ سوال تمہارے ذہن میں کیوں آیا؟''

''کیونکہ وہ بلاوجہ روگ پالنے کا عادی نہیں ہے۔ اگر تم اس کے محض دشمن ہو تو وہ تمہیں ختم کر دے گا۔ اس طرح قید میں نہیں رکھے گا۔''

''یہ تم سے کس نے کہا کہ وہ صرف میرا دشمن ہے اور مجھ سے اس کا مفاد نہیں ہے؟''

''تم نے اس بارے میں بتایا نہیں ہے۔''

''بتانے والی بات ہوتی تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔''

اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''کہیں اس کا تعلق مجھ سے اور ہیروں تو نہیں ہے؟''

''تم کچھ بھی سمجھنے کے لئے آزاد ہو۔'' اس بار میں نے بھی خشک لہجہ اختیار کیا۔

''معاف کرنا۔'' وہ شرمندگی سے بولا۔ ''اتنے عرصے کی قید نے میرا دماغ الٹ دیا ہے، اپنے سائے تک کو شک سے دیکھنے لگا ہوں۔''

''اپنے سائے کو تم ضرور شک سے دیکھو لیکن دوسروں کو معاف رکھو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''خدا کے لئے دوست، مجھے معاف کردو۔'' اس نے گڑگڑا کر کہا تھا، پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''کیا ایمن حج پاکستان آنے والی ہے؟''

''اس سے آخری بار میری جو بات ہوئی تھی، اس سے کچھ ایسا ہی لگتا تھا کہ وہ یہاں آنے کی تیاری کر رہی ہے۔''

''اسے یہاں نہیں آنا چاہئے۔'' برٹ شا نے اضطرابی انداز میں کہا۔ ''تمہارا اس سے رابطہ کیسے ہوا، فون کے ذریعے؟''

''نہیں، انٹرنیٹ کے ذریعے۔''

''انٹرنیٹ کیا.....؟'' اس نے منہ کھول کر کہا۔

اسے سمجھنا پڑا کہ انٹرنیٹ کیا چیز ہوتی ہے اگرچہ 1990ء کے عشرے تک انٹرنیٹ نے عام فرد تک رسائی حاصل کر لی تھی لیکن ابھی اس نے عوامی صورت اختیار نہیں کی تھی اور زیادہ تر اداروں تک محدود تھا۔ بہرحال برٹ شا جدید دنیا کا تعلیم یافتہ باشندہ تھا اس لئے بات جلد اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے سر ہلایا۔

''ان گیارہ سالوں میں دنیا بہت تیزی سے بدل گئی ہے۔''

''خاصی تیزی سے۔'' میں نے بتایا۔ ''چند سال پہلے تک ہمارے ہاں لگسڈ فون حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف سمجھا جاتا تھا، اب چھابڑی والا بھی موبائل فون لئے گھومتا ہے۔''

''ہماری طرف کے ایک دانشور سائنس داں نے پیش گوئی کی تھی کہ اس صدی کے آخر تک ترقی کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی، ہر دس سال بعد دنیا بدل جائے گی۔''

''دنیا کی اکلوتی سپر پاور اس کے لئے بڑی محنت کر رہی ہے، اس کی کوشش ہے کہ ایک دو سال میں دنیا کا نقشہ بدل جائے۔ کم سے کم مسلم ممالک اور ہمارا ملک اس کا پورا پورا ساتھ دے رہا ہے۔''

''سیاست مت کرو۔'' اس نے منہ بنایا۔

''حالانکہ یہ تم لوگوں کی سیاست ہے، اپنی مرضی اور دھونس دھاندلی کر لو اور جب غریب ملک یا اس کے لوگ شور مچائیں تو اسے سیاست قرار دے دو۔ ویسے آج کل ایک نعرہ بہت مقبول ہو رہا ہے۔''

''کون سا نعرہ؟'' وہ چونکا۔

''دہشت گردی کا۔ اس نعرے سے مغربی دنیا وہ کام لے رہی ہے جو وہ چار پانچ سو سال کی تاریخی کالونی ازم سے حاصل نہیں کر سکی۔''

وہ پھر منہ بنا کے بولا۔ ''یہ کیا بکواس ہے؟''

''یہی تو میری اور بہت سارے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ مسلح اور جارح شخص لوگوں کو مارے اور امن کا علم بردار کہلائے اور جو اپنی جان بچانے کی کوشش کرے وہ دہشت گرد۔ مغربی دنیا آج کل یہی کر رہی ہے۔''

نائن الیون اور اس کے بعد کے حالات نے اسے کسی قدر فکرمند کر دیا تھا، آخر اس نے پوچھا۔ ''ایمن صحافی ہے، کہیں اسے بھی عراق یا افغانستان.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ ماحولیاتی صحافی ہے۔'' میں ہنسا۔''اس کا کسی میدانِ جنگ میں جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ دوسرے وہ میدانِ جنگ میں جائے بغیر بھی بہت سارے خطرات سے دوچار ہے۔''

''یہاں آنے سے.....''

''نہیں، اپنے ملک میں بھی۔ تمہاری بازیابی اور تلاش کی کوشش کر کے لازمی طور پر ڈیوڈ شا چوکنا ہو گیا ہو گا۔''

''ڈیوڈ بہت سفاک شخص ہے۔'' برٹ شا نے فکرمندی سے کہا۔ بچپن سے اس کے رجحانات تشدد پسندانہ تھے۔ ایک بار اسے چند مہینے کے لئے نفسیاتی اسپتال میں داخل کرایا گیا تھا۔ اس نے اپنی ماں کی پالتو چینی مرغیوں کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا اور پوچھنے پر صرف اتنا کہا کہ وہ دیکھنا چاہتا ہے، زہر کے اثر سے ایک جاندار کس طرح جان دیتا ہے۔''

''تم نے جانوروں پر اس کا تشدد دیکھا ہے، یہاں اس نے اس تصویر کے حصول کے لئے درجنوں انسانوں کو بے دریغ مروا دیا ہے۔''

''ایمن خطرے میں ہے۔''

''لیکن یہاں بیٹھ کر تم اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''فتح خان سے بات کرو۔ اس سے معاملہ طے کرو اور یہاں سے نکلو، اگر کسی طرح ڈیوڈ شا کو تمہارے بارے میں علم ہو گیا تو یہ کام ناممکن ہو جائے گا، تم جانتے ہو ڈیوڈ کو ہیروں سے نہیں تمہاری جان لینے سے دلچسپی ہو گی۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ غالباً وہ میری تجویز کا جائزہ لے رہا تھا۔''فتح خان سے معاملہ کیسے ہو گا، ابھی وہ سب مان جائے گا، لیکن جب ہیرے اس کے ہاتھ میں آ جائیں گے، تو کیا وہ مجھے ڈیوڈ کے حوالے کر کے نمبر نہیں بنا لے گا؟''

''یہ خدشہ تو میرے دل میں بھی ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''دوسرا سوال یہ..... کہ تم فتح خان سے معاملہ کرنے پر اتنا زور کیوں دے رہے ہو؟''

''کیونکہ مجھے بھی ایمن کی فکر ہے۔''

''ایمن کا باپ میں ہوں۔''

''برٹ شا مجھے تم سے اور تمہاری بیٹی سے ہمدردی ہے۔ اگر تم اسے کسی اور پیمانے سے ناپنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔''

''میں تم پر شک نہیں کر رہا ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔''میں صرف بات واضح کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

میں چپ ہو گیا۔ مجھے یہاں آئے ہوئے پورا ایک دن ہو گیا تھا اور اب صرف ایک دن رہ گیا تھا۔ مجھے فتح خان کی دھمکی کی فکر تھی اور ساتھ ہی یہ حیرت بھی کہ مجھے یہاں بھیج کر وہ اتنا مطمئن ہو کر کیوں بیٹھ گیا تھا! شام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی، مقدر رات کا کھانا لایا۔ اس بار وہ دو الگ تھالوں میں کھانا لایا تھا، ایک تھال مجھے دیا اور دوسرا برٹ شا کو پکڑا دیا۔ جب تک ہم کھانا کھاتے رہے، اس نے باہر سے مشکیزے میں لائے بہازی سائز ڈول اور گھڑے میں پانی بھرا۔ کھانا کھانے کے پندرہ منٹ بعد برٹ شا نے جماہی لی۔ ''مجھے آج نیند محسوس ہو رہی ہے۔''

''سو جاؤ۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''حیرت ہے، مجھے شاید ہی کبھی اتنی جلدی نیند آئی ہو۔'' وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ پر لیٹ گیا اور چند منٹ بعد اس کے خراٹے نشر ہو رہے تھے۔ تقریباً دس پندرہ منٹ کے بعد مقدر آیا، اس نے خاموشی سے تالا کھولا اور مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ میں باہر نکلا اس نے تالا لگایا اور مجھے اس کوٹھری میں لایا جہاں میری آنکھوں سے تاریک عینک اتاری گئی تھی۔

''اس نے کھانا کھالیا؟'' مقدر نے پوچھا۔

''آخری نوالے تک۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کھانے میں کیا تھا، وہ چند منٹ کے اندر سو گیا؟''

''ایک خواب آور دوا تھا۔'' فتح خان اندر آتے ہوئے بولا۔

''تم کہاں تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک چکر میں پڑ گیا تھا۔ ابھی میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

''فتح خان، میں نے اسے تقریباً راضی کر لیا ہے۔''

''اسے مارو گولی، میرے ساتھ چلو۔''

''اس وقت..... جیپ پر.....؟'' میرا خون خشک ہو گیا تھا۔

''تم فکر مت کرو۔ سارا راستہ میرا دیکھا ہے۔ میں آنکھ بند کر کے جیپ چلا سکتا ہے۔''

''اب ایسا بھی مت کرنا۔'' میں نے کہا اور مقدر نے مجھے عینک پہنا دی۔

اس بار سفر میں میرے ساتھ مقدر بیٹھا تھا۔ جیپ سُست رفتاری لیکن مستقل رفتار سے اس دشوار ترین راستے پر سفر کر رہی تھی۔ مقدر نے سیٹ بیلٹ باندھ دی، اس سے جھٹکے تو کم نہیں ہوئے تھے لیکن میں لڑھکنے سے بچ گیا۔ دن کے مقابلے میں رات ہونے کی وجہ سے زیادہ دیر لگی تھی۔ میرا اندازہ تھا، ہم کوئی تین گھنٹے بعد کوٹھی تک پہنچے تھے۔ پورچ سے گیلری تک آتے آتے میری کھانسی جم گئی۔ اونچی پہاڑی پر ہونے کی وجہ سے یہاں سردی کی شدت زیادہ تھی۔ فتح خان نے جس طرح پٹڑی بدلی تھی، اس سے لگ رہا تھا، حالات میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ کہاں تو کل تک وہ برٹ شا سے ہیرے اگلوانے کے لئے اتنا بے تاب تھا کہ مجھے اس کام کے لئے صرف دو دن کی مہلت اور اتنی خوف ناک دھمکی دی تھی اور کہاں اب وہ برٹ شا اور ہیروں کو جہنم میں جھونکنے کا مشورہ دے کر مجھے وہاں سے نکال لایا تھا۔ کوٹھی میں سناٹا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ حالات کی تبدیلی کی وجہ میرے سامنے آئے گی لیکن اس کے بجائے گلے خان میرا منتظر تھا۔ اس نے مجھے تہ خانے میں اپنے سیل میں پہنچا دیا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ سفیر اور مونا بے خبر سو رہے تھے۔

ان کے بستر یقیناً گرم ہو چکے تھے لیکن میرا بستر برف کی سل بنا ہوا تھا اور اس پر لیٹنا کسی عذاب سے کم نہیں تھا۔ بہر حال لیٹنا تو تھا۔ میں کمبل لے کر لیٹ گیا۔ سفر نے جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا مگر اس سردی میں آسانی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیند کہاں سے آتی اس لئے میں غور و فکر کرنے لگا۔ فتح خان اتنی رات گئے جس طرح مجھے عجلت میں لایا تھا، کوئی گڑبڑ لگ رہی تھی۔ لیکن فتح خان کو کسی کی کیا فکر ہو سکتی تھی! اچانک ایک رونگٹے کھڑے کر دینے والا خیال آیا۔ کہیں فتح خان نے مرشد علی سے ہمارا سودا تو نہیں کر لیا۔ ہمارا سودا مرشد علی کے مزید انتقام کے لئے ہی نہیں، بلکہ اس کی سیاسی بقا کے لئے بھی ضروری تھا۔ ہم زندہ رہتے اور اس کے خلاف لڑتے رہتے تو اس کے سیاسی مخالفین ہماری حمایت اور مدد کر کے اس کے لئے مزید مشکلات کھڑی کر سکتے تھے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ہم سے چھٹکارا حاصل کر لے اور اس کے لئے وہ بڑی سے بڑی قیمت دینے کو تیار ہو گا۔ فتح خان کی زندگی کا محور و مرکز ہی پیسا تھا اور وہ پیسے کے لئے ہی سب کچھ کرتا تھا۔ اگر مرشد علی اسے بڑی رقم کی پیش کش کرتا تو وہ ہمیں اس کے حوالے کر سکتا تھا۔ اسے مرشد علی سے اور فوائد بھی حاصل ہو سکتے تھے۔

نہ جانے کب مجھے نیند آئی پھر مجھے مونا کی آواز نے جگایا تھا۔ وہ مجھے آوازیں دے رہی تھی۔

''شوبی! اٹھو..... تم کب آئے..... شوبی؟''

''رات کو.....'' میں نے کمبل سے سر نکال کر کہا۔ ''تم دونوں تمام مویشی بیچ کر سو رہے تھے۔''

''ہمیں جگا دیا ہوتا۔''

''نہیں بے کار تھا۔ خود میرا تھکن اور نیند سے برا حال تھا۔''

''فتح خان، تجھے کہاں لے گیا تھا؟''

گلے خان کے آنے تک میں نے تفصیل سے انہیں دو دن کی رُوداد سنائی۔ برٹ شا کے زندہ ہونے کا سن کر وہ اچھل پڑے تھے۔ ''میرے خدا، وہ گیارہ سال سے فتح خان کی قید میں ہے؟'' مونا بولی۔

''دونوں ہی بلا کے ضدی ہیں۔ فتح خان کو ہیرے درکار ہیں اور برٹ شا کو آزادی۔ دونوں ایک دوسرے پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں۔''

''فتح خان کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے برٹ شا سے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''اسے برٹ شا سے خطرہ ہے، آزادی کے بعد وہ پاکستانی حکام پر دباؤ ڈال کر اس کے خلاف کارروائی کروا سکتا ہے۔ فتح خان پہلے ہی پولیس کو مطلوب ہے۔''

اتنے میں گلے خان اندر آیا، اس نے سفیر اور مونا کی کوٹھریوں کو بیک وقت کھولا۔ ''پہلے تم دونوں جائے گا۔''

گلے خان نے غالباً ایک چکر بچانے کے لئے ان کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد ان کی واپسی کے بعد میری کوٹھری کا دروازہ کھولا۔ ''اب تمہاری باری ہے۔''

''کیا چکر ہے استاد!'' میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ''آج بڑی عجلت میں لگ رہے ہو، کیا اوپر کوئی مہمان آیا ہے کیا؟''

اس وقت ہم سیڑھیوں کے پاس تھے، گلے خان نے منہ بنایا۔ ''ابھی تم دیکھ لے گا۔''

باتھ روم سے فارغ ہو کر اور سرد ترین پانی سے اغلاقاً منہ ہاتھ دھو کر میں باہر نکلا تو گلے خان نے مجھے واپس تہ خانے کی طرف لے جانے کے بجائے دائیں طرف کی ایک ایسی گیلری کا رخ کیا جہاں میں اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے کبھی نہیں گیا تھا۔ ایک بڑے سے دروازے کے سامنے رک کر اس نے دستک دی اور چند لمحے بعد دروازہ کھول کر اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہوا لیکن وہ باہر ہی رہا اور دروازہ بند کر دیا۔ اندر ایک شاہانہ طرز کی کرسی پر ڈیوڈ شا خاصے شاہانہ قسم کے لباس میں بیٹھا تھا اور فتح خان اس کے سامنے پشتینی ملازموں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ ان دونوں نے میری آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ میں کچھ دیر تک انہیں دیکھتا رہا پھر بے پروائی سے دیوار گیر آتش دان کے اوپر لگی سینری کو غور سے دیکھنے لگا۔ سینری میں گھوڑوں کے ایک ریوڑ کو سنہری جنگلات کے دامن میں ایک چراگاہ میں مصروف روزگار دکھایا گیا تھا۔

''شہباز ملک!'' ڈیوڈ شا کی آواز گونجی تو میں نے نوٹس نہیں لیا۔

''تم نے سنا نہیں؟'' اس بار فتح خان دھاڑا۔

''ہاں، سنا تھا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''کیا اس تصویر کا تعلق بھی کسی انجانی سرزمین سے ہے۔''

''اگر میں کہوں ہاں تو.....؟''

''میں تمہیں چیلنج نہیں کروں گا کیونکہ ایسے احمقانہ دعوے لوگ کرتے ہی رہتے ہیں۔''

ڈیوڈ شا اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ ''مجھے لاف گزاف کرنے کی عادت نہیں ہے، میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''کام کی بات کرو۔'' میں نے اسے ٹوک دیا۔ ''بے کار کی باتیں کرنا تمہارے جیسے آدمی کو زیب نہیں دیتا۔''

''کام بھی بتا دیا جائے گا۔ فی الحال تمہیں چند طبی مراحل سے گزرنا ہوگا، تمہارے اس ہاتھ کا معائنہ ہو گا۔'' اس نے میرے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

''ضرور..... کیا تم نے حکیم قاوس کو بھی اسی لئے اغوا کیا ہے؟''

اس سوال پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر سرد لہجے میں کہا۔ ''تم زیادہ ہی چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''کیا واقعی..... میں چالاک ہوں نہیں؟'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اسے لے جاؤ۔'' ڈیوڈ شا نے بے زاری سے کہا۔ فتح خان نے واکی ٹاکی پر گلے خان کو طلب کیا اور دونوں مجھے کوٹھی کے عقبی حصے میں لان کے آخری سرے پر بنی دو کمروں کی چھوٹی سی عمارت میں لائے، اس کے اوپر سرخ کھپریل کی چھت تھی۔ اس کے ایک کمرے میں دو سفید فام مصروف عمل تھے۔ انہوں نے سفید کوٹ پہن رکھے تھے اور کمرے میں کئی طرح کی مشینیں نظر آ رہی تھیں۔ غالباً وہ ان مشینوں کو سیٹ کرنے میں مصروف تھے۔

''ابھی وقت لگے گا۔'' ایک نے ناگواری سے فتح خان کو اطلاع دی۔ ''اسے ابھی سے کہاں لے آئے؟''

''کتنی دیر لگے گی؟'' فتح خان نے اسی کے انداز میں کہا تھا۔

''تقریباً دو گھنٹے۔''

''بہتر ہو گا تم مجھے ناشتے سے فارغ کرا دو۔'' میں نے فتح خان کو مشورہ دیا۔

''اس معائنے سے پہلے ناشتا نہیں مل سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ معائنے کی شرط ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''عجیب احمقانہ شرط ہے۔''

ان مشینوں میں زیادہ تر چھوٹی اور کمپیوٹرائزڈ تھیں۔ وہ انہیں خاص ترتیب میں نصب کر رہے تھے، کمرے میں ہر طرف تاروں کے جال پھیلے تھے۔ مجھے ایک چھوٹی سی ایکسرے مشین بھی نظر آئی۔ اس گورے نے فتح خان کو مشورہ دیا جو پہلے بھی بولا تھا۔ ''فی الحال اسے یہاں سے لے جاؤ، جب مشینیں تیار ہوں گی تو بتا دیں گے۔''

''اسے ڈیوڈ صاحب نے یہاں بھیجا ہے۔'' فتح خان بولا پھر اس نے واکی ٹاکی پر شاید ڈیوڈ شا سے رابطہ کیا۔ ''ابھی تک یہ لوگ تیار نہیں ہیں، کہتے ہیں دو گھنٹے اور لگ سکتے ہیں۔ اب کیا حکم ہے؟''

جواب سن کر فتح خان نے واکی ٹاکی بند کر دیا اور مجھے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ ہم باہر لان پر نکل آئے۔ لان بھی چھوٹا سا ہی تھا دراصل اس پہاڑی کی اوپری سطح زیادہ بڑی نہیں تھی۔ جس پر یہ کوٹھی واقع تھی۔

''تو یہ وجہ تھی، مجھے رات کو واپس لانے کی؟'' میں نے فتح خان سے کہا۔

''تم نے عقل مندی کی جو ڈیوڈ صاحب کے سامنے برٹ شا کا ذکر نہیں کیا۔ گلے خان نے تمہیں اس کے انجام سے آگاہ کر دیا ہوگا۔''

دفعتاً گلے خان کے وسیع و عریض چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ظاہر ہے اس نے مجھے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی اور یہ بات میں فتح خان کو بتا دیتا تو اس کی شامت آ جاتی لیکن میں نے اس سے گریز کیا۔ ''فی الحال تو دھمکیوں پر گزارا چل رہا ہے۔ بائی دا وے! اگر ڈیوڈ شا کو برٹ شا کی موجودگی کا علم ہو جائے تو کیا ہوگا؟''

''تمہارا وفات!'' فتح خان نے خوں خوار لہجے میں کہا۔

''تبھی میں نے نہیں بتایا۔ ویسے مجھے معلوم ہے، ڈیوڈ شا کیا کرے گا۔''

''کیا کرے گا؟'' فتح خان نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔

''تمہارے ساتھ تو نہ جانے کیا کرے گا لیکن اپنے کزن کو فوری طور پر اپنے آبا و اجداد کے پاس بھیج دے گا۔''

''تمہارا مطلب ہے قتل کر دے گا؟'' فتح خان نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

''ہاں، اگر اسے زندہ رکھنا اور اس سے ہیرے حاصل کرنا چاہتے ہو تو ڈیوڈ کو برٹ شا کی بھنک بھی مت پڑنے دینا۔''

''میں ایسا ہی کرے گا۔'' فتح خان بولا۔ ''پر تم کو اس سے کیا ہمدردی ہے؟''

''میری ڈیوڈ شا سے دشمنی ہے اور اس کا ہر دشمن میرا دوست ہے۔''

فتح خان نے گلے خان کو جانے کا اشارہ کیا اور اس کے جانے کے بعد دھیمے لہجے میں بولا۔ ''یہ بتاؤ، برٹ شا ہیرے دینے پر راضی ہے؟''

''بشرطیکہ اسے ضمانت دی جائے کہ اسے کام نکل جانے کے بعد مارا نہیں جائے گا۔''

''میں ضمانت دے گا۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ زبانی کلامی نہیں، ٹھوس ضمانت چاہتا ہے۔''

''یہ کیسے ہوگا؟'' فتح خان نے اپنی خشخشی داڑھی کو کھجایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ سوچنا تمہارا کام ہے برٹ شا کو ایسی کوئی ضمانت دو کہ وہ ہیرے تمہارے حوالے کرنے پر راضی ہو جائے۔''

''ایک بات بتاؤ، کیا برٹ شا اور ڈیوڈ شا میں دشمنی ہے؟''

''اتنی سی بات تو ایک بچہ بھی سمجھتا ہے۔ ڈیوڈ شا نے برٹ شا کے غائب ہوتے ہی اس کی بچی کے نابالغ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی جائیداد اور خطاب کو ہتھیا لیا۔ برٹ شا اسے کیسے معاف کر سکتا ہے دوسرے ڈیوڈ شا کیا جاگیر اور خطاب سے دست بردار ہو جائے گا؟''

''تم ٹھیک کہتا ہے۔''

''سنو..... اگر تم برٹ شا کو رہا کر دو گے تو وہ تمہارے خلاف کچھ کرنے کے بجائے سب سے پہلے وطن جا کر اپنی جائیداد واپس حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور ممکن ہے سرے سے واپس ہی نہ آئے۔ تمہارے پاس اتنا وقت ہوگا کہ اپنا سب بیچ کر اور ہیرے لے کر وسط ایشیا کی طرف نکل جاؤ۔''

''یہ تم میرا اتنی خیر خواہی کیوں کر رہا ہے؟'' اس نے شکی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''کیونکہ میری بھی دلی خواہش ہے کہ تم یہاں سے دفع ہو جاؤ تاکہ میرا ایک جنجال تو کم ہو۔ پہلے ہی میری پریشانیاں کم نہیں ہیں۔''

''اگر میرے کو ہیرے مل جائیں تو میں بالکل دفع ہو جائے گا۔'' فتح خان نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔

''یہ یقین مجھے نہیں، برٹ شا کو دلاؤ۔''

اس لمحے مجھے یقین آ گیا کہ لالچ اچھے خاصے عقل مند آدمی کی مت بھی مار دیتا ہے۔ فتح خان بالکل بچوں کی طرح ردِعمل ظاہر کر رہا تھا اور میری باتوں پر اتنے خضوع و خشوع سے سر ہلا رہا تھا جیسے مجھ سے بڑا اس کا خیر خواہ اس دنیا میں کوئی نہ ہو۔ اس وقت وہ اپنے باس ڈیوڈ شا سے بھی فرنٹ لگ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''تم ڈیوڈ شا کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

''کیسے چھوڑ دوں..... ابھی تو اس نے مجھے بچایا ہوا ہے۔ پیسا بھی یہی دے رہا ہے کوٹھی بھی اس کی ہے۔'' اس نے اشارہ کیا۔

''یہ کوٹھی ڈیوڈ شا کی ہے!'' میں حیران ہوا تھا۔

''ادھر پاکستان میں اس کے پاس بہت جائیداد اور دولت ہے، بڑے بڑے لوگوں سے اس کے تعلقات ہیں۔''

''یعنی یہ یہاں ہاتھ پاؤں پھیلا رہا ہے۔''

''کہتا ہے مجھے مشرق پسند ہے، شاید ہمیشہ کے لئے یہاں رہ جائے۔''

''اور شہروں میں بھی اس کے ٹھکانے ہیں؟''

''ہر بڑے شہر میں، کراچی، لاہور، اسلام آباد اور ادھر پشاور میں بھی۔'' اس نے انکشاف کرنے کے انداز میں کہا۔ ''ادھر کاغان، ناران، بلتستان، ہر جگہ اس کا ٹھکانا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک مجھے یاد آیا۔ ''سنو، میں نے صبح اپنے ساتھیوں سے برٹ شا کی بات کی تھی اگر وہ ڈیوڈ شا نے سن لی تو.....؟''

''ہم بچہ نہیں ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''اندر قید خانے کا مائیک خراب کر دیا ہے۔ ابھی اس کا آدمی رات کو ٹھیک کرے گا، تب تک تم اپنے ساتھی لوگ کو سمجھا دینا۔''

''ٹھیک ہے..... لیکن اب تم بھی محتاط رہو۔ جتنی جلدی ممکن ہو، برٹ شا سے معاملہ طے کرلو اور اب اس کا نام بھی مت لینا۔ ان گوروں کو نہیں جانتے ہو تم..... وہاں پہنچ جاتے ہیں جہاں آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔''

دو گھنٹے بعد گورے ٹیکنیشین نے مشینری کی تنصیب کا اعلان کیا۔ مجھے اس کمرے میں لے جایا گیا۔ ایک کرسی پر میرا ہاتھ ہتھے سے باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد اس پر ایک چمڑا لپیٹ دیا گیا، جس سے متعدد تاریں نکل کر ایک مشین میں جا رہی تھیں۔ ڈیوڈ شا بھی وہاں آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی دونوں گورے محتاط اور مؤدب نظر آنے لگے تھے۔ ایک گورا مشین کی اسکرین پر ریڈنگ لے رہا تھا۔ تقریباً چند منٹ تک میرے ہاتھ پر چمڑا چڑھا رہا آخر میں اس نے رپورٹ پیش کی۔ ''ہاتھ ہر لحاظ سے نارمل ہے، بس پشت کے مسلز ذرا کمزور ہیں۔ جن کی وجہ سے اسے کبھی کبھی گرفت کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔''

''یہ درست کہہ رہا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔

دوسرے گورے نے میرے ہاتھ سے چمڑا اتار کر چھوٹے چھوٹے الیکٹروڈ چپکانے شروع کر دیئے۔ اکثر مریضوں کو جن کے دل کا کارڈیوگراف لینا ہو، اس قسم کے الیکٹروڈ لگا دیئے جاتے ہیں۔ یہ اس کی چھوٹی قسم تھی جو میری کلائی سے لے کر انگلیوں کی پوروں تک چپکائے تھے، یہ الیکٹروڈ بھی ایک چھوٹی سی مشین سے منسلک تھے اور مشین سے ایک لیپ ٹاپ کمپیوٹر لگا تھا دوسرا گورا اس کے بٹنوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ اسکرین پر ایک ہاتھ نما گراف آ رہا تھا۔ پھر اس گراف کو واضح کیا جانے لگا۔ ذرا سی دیر میں اسکرین پر خلیات نما چیزیں حرکت کرتی نظر آنے لگیں۔ ان خلیوں کے درمیان سبزی مائل کوئی مادہ سا تھا۔

''یہ کیا چیز ہے؟'' ڈیوڈ شا نے پوچھا۔

''ایک کیمیکل..... جو خلیوں کے درمیان ہے۔ نارمل میں بھی خلیوں کے درمیان میں ایسا کوئی کیمیکل نہیں پایا جاتا ہے اس کے تجزیے کے لئے ہمیں اس کے ہاتھ سے نمونہ لینا ہوگا۔''

''لے لو۔ مجھے کب تک رپورٹ ملے گی؟''

''تجزیے کے لئے اسے اسلام آباد لے جانا ہوگا۔'' گورے نے کہا۔ ''کم سے کم دو دن لگیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈیوڈ شا نے سر ہلایا اور مجھ سے بولا۔ ''آؤ، میرے ساتھ.....''

''جناب نمونہ!'' کمپیوٹر چلانے والے گورے نے کہا۔

''ابھی کچھ دیر میں یہ آ جائے گا۔''

ڈیوڈ شا مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لایا۔ ''بیٹھو۔'' ڈیوڈ شا نے نرمی سے کہا۔

میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ڈیوڈ شا نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''حکیم قادس باکمال آدمی ہے اس کے پاس ناممکن کو ممکن کر دکھانے والی کچھ ادویات ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں براہ راست دو بار ان دواؤں کا اثر دیکھ چکا ہوں۔'' میں نے بتایا۔

''میں جانتا ہوں..... اگر یہ ادویات بین الاقوامی مارکیٹ میں آ جائیں تو.....''

''ملٹی نیشنل کمپنیوں کو لوٹ کھسوٹ کا ایک اور موقع مل جائے گا۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں جو مفید ایجادات کو عام لوگوں تک پہنچاتی ہیں۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''بہرحال یہ بحث کا موقع نہیں ہے۔ حکیم کا کہنا ہے کہ وہ دوا میں چند مقامی جڑی بوٹیاں استعمال کرتا ہے لیکن ان کا اصل جزو ایک خاص پتھر کی راکھ ہے جو راجا عمر دراز کے پاس ہے۔''

''یہ بھی درست ہے۔''

''مجھے وہ پتھر چاہئے۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''حاصل کر لو جیسے تصویر حاصل کی تھی۔''

''نہیں، اب میں اسے دوسرے طریقے سے حاصل کروں گا۔'' میں نے ڈیوڈ شا کو پہلی بار مسکراتے دیکھا۔ ''وہ پتھر مجھے تم لا کر دو گے شہباز ملک!''

''میں.....؟''

''ہاں تم!'' وہ بولا۔

''اور اب تم مجھے میرے ساتھیوں کے حوالے سے دھمکی دو گے؟'' میں نے گہری سانس لے کر تلخ لہجے میں کہا۔

''کیا تم نہیں جانتے، مرشد علی تم تینوں کے خون کا پیاسا ہے۔ اگر تم اس کے ہاتھ آ گئے تو وہ تمہارا کیا حشر کر سکتا ہے، خاص طور سے اس نازک لڑکی کا.....''

''مرشد علی کی آڑ کیوں لیتے ہو۔ کیا تم میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ براہ راست مجھے دھمکی دے سکو۔'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''شہباز ملک! مجھے وہ پتھر چاہئے۔ اگر راجا عمر دراز تمہیں نہ دے تو تم اسے چرا کر لاؤ گے۔'' وہ میری بات نظر انداز کر کے بولا۔

''اس کام کے لئے تم یقیناً مجھے آزاد کر دو گے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''لیکن مونا اور سفیر میرے پاس ہوں گے۔''

''ظاہر ہے، ورنہ میں تمہارا کام کیسے کروں گا؟'' میں نے سر ہلایا۔

''اب تم جا کر نمونہ دے دو..... ممکن ہے اس ایک نمونے کی وجہ سے تاریخ میں تمہارا نام محفوظ رہ جائے۔''

''مجھے ایسے نام کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

☆======☆======☆

گوروں نے میرے ہاتھ سے میرے ٹشوز کا ایک نمونہ لیا تھا۔ اس کے بعد مجھے ناشتا فراہم کیا گیا تھا۔

کمرے میں پہنچا تو مونا اور سفیر بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مونا مجھے دیکھ کر کھل اٹھی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہاں تھے تم..... یہ تمہیں کہاں لے جاتے ہیں؟''

''بتاتا ہوں۔'' میں نے گلے خان کے رخصت ہونے کا انتظار کیا۔

''لگتا ہے فتح خان تجھے زیادہ ہی پسند کرنے لگا ہے؟'' سفیر ہنسا۔

''گلے خان جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہوا، میں نے انہیں اوپر پیش آنے والے واقعات مختصراً سنائے۔

''خاص بات یہ ہے کہ تہ خانے میں لگے مائیکروفون ناکارہ ہیں۔''

''میرے لئے تو مائیکروفون کی موجودگی کی اطلاع ہی نئی ہے۔'' سفیر بولا۔

''تم بھول رہے ہو، مائیکروفون کی مدد سے فتح خان میری بات سن کر مجھے برٹ شا کے پاس لے گیا تھا۔ میں نے وہ بات ہی اس لئے کی تھی کہ مجھے مائیک کا شبہ تھا۔''

''اب یہ مائیک کیسے خراب ہو گئے؟'' مونا نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے تم لوگ سو رہے ہو..... ابھی کیا بتایا ہے میں نے۔'' میں بھنا کر بولا۔ ''فتح خان نے بتایا ہے۔''

''کیا تم اس کی بات پر اعتبار کر سکتے ہو؟''

''فی الحال تو اعتبار کرنا ہی پڑے گا۔''

''کیوں.....؟'' مونا نے کہا۔

''ہمیں یہاں سے نکلنا ہے ورنہ معاملات خراب تر ہو جائیں گے۔ ڈیوڈ شا کا مطالبہ میں بتا چکا ہوں، وہ میری مدد سے اس پتھر کو حاصل کرنا چاہتا ہے، جس سے معجزہ اثر ادویات بنتی ہیں۔''

''لیکن نکلیں گے کیسے؟''

''میرے ذہن میں ایک پلاٹ تھا لیکن میں مائیک کے شبے کی وجہ سے خاموش رہا تھا۔''

''ممکن ہے اب بھی فتح خان نے جھوٹ بولا ہو۔''

''ہاں، ممکن ہے..... لیکن ہمیں خطرہ مول لینا چاہئے۔ اسے ناؤ اور نور سمجھو۔''

''کرنا کیا ہے؟'' مونا نے پوچھا۔

''بی بی، تمہیں صرف خاموش بیٹھنا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور سفیر سے کہا۔ ''مجھے تمہاری پتلون میں بیلٹ نظر آ رہی ہے۔''

''ہاں ہے، لیکن میں اسے اتار نہیں سکتا، پتلون ذرا ڈھیلی ہے۔'' اس نے اعتراض کیا۔

''اس کے بغیر کام نہیں ہوگا۔ سنو، جب رات کو گلے خان ہمیں باتھ روم یا ترا پر لے جانے کے لئے آئے گا تب میں باہر نکلتے ہی اس پر حملہ کروں گا۔ اسے دھکیل کر تمہاری کوٹھری کی طرف لاؤں گا۔ جیسے ہی وہ سلاخوں سے لگے، عقب سے اس کی گردن میں بیلٹ ڈال کر اس کا سر سلاخوں سے ٹکرانا۔''

''گلے خان کا سر..... بہت مشکل ہے، اس بلڈوزر کو کھینچنا۔'' سفیر نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''تب سکون سے بیٹھا رہ۔ میں جا رہا ہوں راجا کے پاس۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''کیا ہو گیا ہے تجھے۔ پہاڑوں کو سر کرنے والے کو اتنا کم ہمت نہیں ہونا چاہئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے چھوڑ دشوبی!'' مونا نے تلخی سے کہا۔ ''یہ تو حویلی سے نکلنے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔''

''اپنی ضد کا نتیجہ دیکھ لیا؟'' سفیر نے ہنسا کر بولا۔ ''میں کم ہمت نہیں ہوں لیکن اگر ناکام رہے تو.....؟''

''تب بھی قید تو ہیں ناں.....؟'' مونا بولی۔

اگلے نصف گھنٹے میں ہم جزئیات کے ساتھ طے کر چکے تھے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ سفیر نے اپنی بیلٹ کی ریہرسل شروع کر دی اور میں کسی ہتھیار کی تلاش میں تھا جس سے گلے خان پر باہر سے حملہ کر سکوں مگر اس کوٹھری میں ایسی کوئی شے نہیں تھی، بیڈ لکڑی کا ضرور تھا لیکن اس میں لگی لکڑی کا نکالنا ممکن نہیں تھا۔ دوسرے تختہ لے کر کوٹھری سے باہر آنے کی اجازت مجھے کون دیتا! اس لئے مجھے جو کرنا تھا، اپنے ہاتھوں پیروں سے ہی کرنا تھا۔

''رات کے وقت ہمیں جسمانی طور پر خود کو تیار رکھنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''فکر مت کرو، اس کے آنے سے پہلے وارم اَپ کر لیں گے۔'' سفیر بولا۔

''مونا کچھ متفکر نظر آ رہی تھی۔ سفیر کے پوچھنے پر اس نے کہا۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ گلے خان گینڈے کی طرح مضبوط ہے۔''

''ہم بھی شیر سے کم نہیں ہیں۔'' سفیر نے جواب دیا۔ ''تم نے دیکھا ہوگا بڑے شکار کو ہمیشہ دو تین یا زیادہ شیرنیاں ہی گرماتے ہیں۔''

''میں نے آج تک ایک شیر کو بھی شکار گراتے نہیں دیکھا۔'' مونا طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''ہمیشہ شیرنیاں ہی شکار کرتی ہیں اور جب وہ شکار مار گراتی ہیں تو شیر کھانے کو آ جاتے ہیں۔''

''دیکھا..... جانوروں میں بھی کچن اور کھانا مہیا کرنا ماداؤں کی ذمے داری ہوتی ہے۔'' سفیر نے چہکا۔

''یہ تُو نے پتے کی بات کی۔'' میں نے اسے داد دی۔ ''ہم مردوں کی حماقت دیکھو، نہ صرف کما کر لاتے ہیں بلکہ پکانے میں بھی عورتوں کی مدد کرتے ہیں۔''

''تو مت کیا کرو۔'' مونا خفا ہو گئی۔

''سچ ہے کہ ہم مردوں نے ہی انہیں سر پر چڑھا رکھا ہے۔'' سفیر کا لہجہ جلانے والا تھا۔

''مونا منہ پھلا کر بستر پر جا بیٹھی۔ ''میں کچھ نہیں سن رہی۔''

''بس بھائی، ہم مردوں کی قسمت ہی خراب ہے، ورنہ جنت میں عیش نہ کر رہے ہوتے۔''

''صرف بابا آدم۔'' مونا سے رہا نہ گیا۔ ''تم سب کہاں سے وجود میں آتے؟''

''واقعی، ہم سب کہاں سے آتے؟'' سفیر نے حیرت سے کہا تو مونا کھسیا گئی تھی۔

''بدتمیز ہو تم دونوں؟'' اس نے جھینپ کر کہا۔

''یہ بھی آپ کی عنایت ہے، کسی قابل تو سمجھا۔'' سفیر معنی خیز لہجے میں بولا تو مونا نے چپ ہونے میں عافیت سمجھی تھی۔ باتوں کے دوران میں نے محسوس کیا کہ باہر روشنی اچانک کم ہو گئی ہے۔ میں نے باہر جھانکا، دو میں سے ایک ٹیوب لائٹ بند ہو گئی تھی۔ میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

''شاید مائیک کی تبدیلی ہونے والی ہے۔''

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ پہلے گلے خان کھانا لایا۔ اس کے بعد وہ ایک گورے کے ساتھ آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گورے نے اسٹول رکھ کر ٹیوب لائٹ کی ٹیوب نکالی۔

''یہ تو ٹھیک ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر بولا۔ ''میرا خیال ہے، اس کا کوئیک چارجر خراب ہو گیا ہے، اسے بدل دیتے ہیں۔''

اس نے کوئیک چارجر پٹی سے الگ کیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ یہ ٹیوب لائٹ کے عام کوئیک چارجر سے بڑا تھا۔ شاید اس میں مائیک بھی پوشیدہ کیا گیا تھا۔ اس نے کٹ سے ویسا ہی کوئیک چارجر نکال کر اسے نصب کر دیا۔ ٹیوب لگائی اور گلے خان کو اشارہ کیا۔ اس نے باہر جا کر بٹن آن کیا اور ٹیوب جل اٹھی۔ گورا گلے خان کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ میں نے دیکھا تھا، پہاڑی کے ایک طرف سے بجلی کی تاریں کوٹھی تک آ رہی تھیں۔ یعنی علاقے میں بجلی موجود تھی۔ شاید متبادل بندوبست جیسے یو پی ایس بھی تھا کیونکہ سفیر اور مونا نے ایک لمحے کے لئے بھی لائٹ جاتے نہیں دیکھی تھی۔ جبکہ اس علاقے میں لوڈ شیڈنگ عام تھی۔

اب منصوبے پر بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لئے ہم موجود صورت حال پر تبصرہ کرتے رہے۔ اپنے پرانے دور کی باتیں کرتے رہے پھر میں آرام کرنے کا کہہ کر لیٹ گیا۔ رات کے مرحلے سے پہلے میں اپنی توانائیاں پوری طرح بحال رکھنا چاہتا تھا۔ میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔

ابھی لیٹے ہوئے مشکل سے نصف گھنٹا ہوا تھا کہ گلے خان نازل ہو گیا۔ اس نے میری کوٹھری کا دروازہ کھولا۔ ''چلو تم کو اوپر بلایا ہے۔''

میں اٹھ کر باہر آیا۔ ''کس نے بلایا ہے۔ فتح خان..... یا ڈیوڈ شانے۔''

''سوال مت کرو۔'' اس نے غرا کر کہا۔ ''اور چلو۔'' اس نے مجھے دھکا دیا پہلے تہ خانے والے کمرے میں لا کر قید خانے کا دروازہ لاک کیا اور پھر مجھے سیڑھیوں سے اوپر لا کر تہ خانے میں جانے والا دروازہ بھی لاک کر دیا۔

''خیریت، آج تو زیادہ احتیاط کر رہے ہو۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''ویسے مطمئن رہو، ہمارا فرار کا ارادہ نہیں ہے۔''

''ام شکر گزار ہے۔'' اس نے اچانک آہستہ سے کہا۔ ''تم نے خان جی سے بولا نہیں۔''

''اوہ..... وہ معمولی سی بات تھی۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''اور ویسے بھی تم سے میری کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں ہے۔''

''تمہیں ڈیوڈ صیب نے بلایا ہے۔'' اس نے آگاہ کرنے کے انداز میں کہا۔

''ڈیوڈ شا اپنے کمرا خاص میں حکم قادس کے ساتھ موجود تھا۔ میں نے اسے خاصے عرصے بعد دیکھا تھا، وہ کمزور اور سہما ہوا نظر آیا۔ میں سیدھا اس کے پاس گیا۔ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''کیا حال ہیں، حکیم صاحب!''

اس نے بے بسی سے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھ کر اپنی زبان میں چند جملے کہے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی اسے اتنی مختصر گفتگو کرتے نہیں سنا تھا۔ وہ ہمیشہ تقریر کیا کرتا تھا۔ میں دنگ رہ گیا جب ڈیوڈ شا نے اسی کی زبان میں جواب دیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا تم اس کی زبان جانتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اس علاقے کی کئی زبانیں جانتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''قادس ایک منفرد زبان بولتا ہے جسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ میرا خیال ہے یہ راجا عمر دراز کے شاہی خاندان کی مخصوص زبان ہے جسے اس خاندان کے افراد اور ان کے خاص ملازمین ہی سمجھتے ہیں۔''

''مشرق میں اس قسم کی پیچیدگیاں عام ہیں لیکن تم نے یہ زبان کیسے سیکھی؟''

''اس سے۔'' اس نے حکیم قادس کی طرف اشارہ کیا۔

میں ایک بار پھر دنگ رہ گیا تھا۔ ''اتنی کم مدت میں؟''

''ہاں، مجھ میں زبانیں سیکھنے کی غیر معمولی صلاحیت ہے۔ میں سترہ زبانیں اور جانتا ہوں جو تمہارے ملک سے باہر بولی جاتی ہیں۔ یہاں کی سات زبانیں اس کے علاوہ ہیں۔''

''میں خاصا متاثر ہوا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

ڈیوڈ شا کی تیوری پر بل پڑ گئے تھے۔ ''تمہارے خیال میں میں جھوٹ بول رہا ہوں۔''

''نہیں، ایسا میں کیسے سوچ سکتا ہوں۔ جبکہ تم ابھی اپنی بات ثابت بھی کر چکے ہو۔'' میں نے حکیم کی طرف اشارہ کیا۔ ''بائی داوے، یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''یہ تمہارے ہاتھ کا معائنہ کرنا چاہتا ہے۔''

''تو کرے، بلکہ اس سے کہو، میرے ہاتھ میں کمزوری باقی ہے۔ خاص طور سے ٹھنڈا ہونے پر بے حس ہو جاتا ہے۔''

''میں نے اس سے ذکر کیا تھا لیکن فی الحال اس کے پاس تمہارے علاج کے لئے ادویات نہیں ہیں۔''

''مجھے یاد ہے، جب ہم اسلام آباد سے چلے تھے تو اس کے پاس میرے علاج کے لئے تمام دوائیں موجود تھیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، اغوا کرنے والوں کی غلطی سے وہ تھیلا ضائع ہو گیا، جس میں دوائیں تھیں۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔ پھر اس نے حکیم قادس سے کچھ کہا اور اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''جو کام تم لوگ مشینوں سے لیتے ہو، یہ بغیر کسی مشین کے کرتا ہے۔'' میں نے حکیم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم درست کہہ رہے ہو۔ مشرق میں ایسی حیرت انگیز چیزیں عام ہیں لیکن نتائج غیر یقینی ہوتے ہیں۔ اس کے لئے ان کے کاموں کو سائنٹفک کرنا ضروری ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بعض چیزوں کو سائنٹفک کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کو بروئے کار لانے میں انسان کا اور اس کے جذبات کا عمل دخل لازمی ہوتا ہے۔''

''میں تم سے ان موضوعات پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔''

''موضوعات!'' میں ہنسا۔ ''حالانکہ میں نے تو موضوع پر بھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی صرف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ مجھے معلوم ہے تم اپنے ارادے پر بہر صورت عمل کرو گے۔''

''جب میں اور ڈیوڈ شا گفتگو کر رہے تھے تب حکیم قادس میرے ہاتھ کا معائنہ کر رہا تھا۔ وہ کبھی اسے غور سے دیکھتا اور کبھی انگلیوں سے دبا کر معائنہ کرتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیوڈ شا نے اٹھ کر ایک طرف رکھی بوتل سے اپنے لئے جام بنایا اور ٹہل ٹہل کر اس کی چسکیاں لینے لگا۔

میں نے کہا۔ ''مسٹر شا، سوال یہ ہے کہ عمر دراز سے وہ پتھر حاصل کرنے کا فائدہ! کیوں کہ وہ تھوڑا ہی ہوگا اور بڑے پیمانے پر ان ادویات کی تیاری کے لئے وہ ناکافی ہوگا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''دوسرے جہاں سے یہ پتھر مزید مقدار میں مل سکتا ہے وہاں بھی اس کی بہت زیادہ مقدار نہیں ہوگی۔''

''اتفاق سے میرا بھی یہی خیال ہے۔'' اس نے دوسرا پیگ تیار کیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ معجزاتی ادویات محدود تعداد میں ہی بنیں گی اور ہر کس و ناکس کے لئے نہیں ہوں گی۔''

''تمہارا ذہن مجھ سے خاصا ملتا ہے۔'' اس نے تعریفی انداز میں کہا۔

''خدا نہ کرے۔'' میں نے کہا جس پر وہ خاصا جز بز ہوا مگر میں نے کوئی نوٹس لئے بغیر گفتگو جاری رکھی۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ادویات صرف ان لوگوں کے لئے ہوں گی جو ان کی منہ مانگی قیمت ادا کر سکیں گے۔''

''رائٹ!'' اس نے خالی جام ایک طرف پھینک دیا۔ ''مسٹر ملک، تمہارا یہ اندازہ بھی درست ہے۔ میرا بالکل یہی ارادہ ہے۔ تم واقعی ذہین آدمی ہو۔''

''تمہاری جیسی فطرت کے لوگ کوئی کام مفادِ عامہ کے لئے کر ہی نہیں سکتے۔ یہ بات سمجھنے کے لئے آدمی کا اتنا ذہین ہونا ضروری نہیں ہے۔''

حکیم قادس نے میرے ہاتھ کا معائنہ مکمل کر کے ڈیوڈ شا کو رپورٹ دی۔ وہ بغور سنتا رہا پھر مجھ سے کہا۔

''اس کی رپورٹ بھی وہی ہے جو مشینوں سے ملی تھی۔ تمہارے ہاتھ کی طاقت میں ابھی کمی ہے، اس کا کہنا ہے تمہارا دو ہفتے اور علاج ہو تو یہ کمی مکمل طور پر دور ہو جائے گی۔''

''اور علاج کے لئے وہ پتھر درکار ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

''ہاں، اگر تم وہ پتھر لے آئے تو ادویات کی پہلی آزمائش تمہارے ہاتھ پر ہوگی۔'' اس نے لالچ دینے والے انداز میں کہا۔

''ایک بات بتاؤ..... بلکہ اس سے پوچھو، پتھر کے اثرات اس نے خود دریافت کئے تھے یا راجا عمر دراز نے اسے بتائے تھے؟''

ڈیوڈ شا چونکا۔ پھر اس نے مقامی زبان میں یہ سوال حکیم قادس سے کیا، اس نے مرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ڈیوڈ شا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اس کا کہنا ہے پتھر کے اثرات اسے راجا عمر دراز نے بتائے تھے اور ادویات کے لئے اسے پتھر بھی وہی مہیا کرتا رہا ہے۔''

''گویا پتھر راجا عمر دراز کے پاس ہے اور وہی جانتا ہے کہ یہ کہاں سے ملے گا؟ اگر میں تم کو پتھر لا بھی دوں، تب بھی تم اس مقام کا پتا کیسے چلاؤ گے، جہاں پتھر پایا جاتا ہے۔'' ڈیوڈ شا سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''یہ بعد کا مسئلہ ہے۔'' خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ ''فی الحال تو وہ پتھر ملے۔''

''تم مجھے کب رہا کر رہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے مشکوک انداز مجھے دیکھا۔ بڑی جلدی ہے تمہیں؟"

"غالباً تم بھول رہے ہو، ہم یہاں قید میں ہیں اور قید سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"بس اسلام آباد سے رپورٹ آنے دو۔" وہ بولا۔ "اس کے بعد تمہیں چھوڑا جائے گا۔ ابھی تم جا کر آرام کرو۔"

گلے خان مجھے لے جانے آیا تھا۔ راستے میں، مَیں نے اس سے آہستہ سے پوچھا۔ "فتح خان کہاں ہے؟"

"ادھر نہیں ہے، ڈیوڈ صیب نے اسے کسی کام سے شہر بھیجا ہے۔" اس نے سادگی سے بتا دیا۔

"اسلام آباد!" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"اور کون سا شہر ادر سے قریب ہے۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

یعنی آج رات فتح خان کوٹھی میں موجود نہیں ہوگا۔ میں نے سوچا۔ ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا۔ وہ خطرناک آدمی تھا۔ خطرناک تو گلے خان بھی کم نہیں تھا لیکن فی الحال میں فتح خان پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کوٹھی میں موجود ہوتا تو مجھے روکنے کی کوشش کرتا اور عین ممکن تھا اس کوشش میں ہم دونوں میں سے ایک اپنی جان سے جاتا۔ گلے خان نے مجھے میری کوٹھری میں بند کر دیا۔ مونا اور سفیر نے اس طلبی کی وجہ پوچھی اور میں نے سادگی سے اوپر ہونے والی تمام باتیں بیان کر دیں۔ ڈیوڈ شا کو برا بھلا بھی کہا انہوں نے بھی میرا ساتھ دیا۔ بلکہ مونا نے یہ جان کر کہ مجھے "کچھ دنوں میں" رہا کر دیا جائے گا باقاعدہ رو کر فریاد کی تھی کہ میں باہر جا کر ان دونوں کو بھول نہ جاؤں۔

"میں کیوں بھولوں گھا۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "تمہیں بچانا تو میرا فرض بنتا ہے۔ آج کل مجبوری کا دوسرا نام فرض ہے۔"

"دفع ہو جا..... مت کرنا ہمارے لئے کچھ۔" سفیر خفا ہو گیا۔

"یارا، ناراض کیوں ہوتا ہے۔ آج کل تو خون سفید ہو گیا ہے۔ بھائی، بھائی کا نہیں ہے۔ اگر باہر جا کر میں بھول گیا تو یہ کون سی بڑی بات ہوگی۔"

مونا ہنسنے لگی۔ "تم ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"

"ہاں، خدا کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے؟"

"تم مجھے پیدائشی بے وقوف قرار دے رہے ہو۔" مونا خفا ہو گئی۔

"نہیں، اس کا پتا دو تین سال کی عمر میں چلا ہوگا۔ ہماری..... بعض فلمی ہیروئنیں بھی عقل مند لگتی ہیں، جب تک بولیں نہ۔"

"اب میں نہیں بولوں گی۔" مونا نے منہ پھلا لیا تھا۔

"یہ تم نے ذہانت کی بات کی ہے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "لیکن مجھے شبہ ہے، تم اس پر قائم رہ سکو گی۔"

اس کے بعد مونا نے سچ مچ چپ سادھ لی تھی۔ میں نے اور سفیر نے اسے گفتگو پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کی حتیٰ کہ اسے دھمکی دینا پڑی کہ اب اگر ہم نے اسے تنگ کیا تو وہ رونا شروع کر دے گی۔ سفیر بوکھلا گیا۔ خدا کے لئے..... ہرگز نہیں، میں اب نہیں بولوں گا۔"

"لگتا ہے، تو پہلے بھی بھگت چکا ہے۔"

"اب چپ بھی کرو یار!" سفیر بھنا گیا تھا۔ "مجھے آرام کرنے دو۔"

یہ اشارہ تھا کہ اس نے سلاخوں سے بیلٹ نکال کر گلے خان کی گردن میں پھنسانے کی مشق کرنی ہے جبکہ مجھے اور مونا کو باہر کی طرف سے ہوشیار رہنا تھا تاکہ جیسے ہی کوئی اندر آنے لگے، ہم سفیر کو ہوشیار کر دیں اور وہ بیلٹ پہن لے۔ اس کا بیلٹ اتارنا شک کا باعث بن سکتا تھا اس لئے وہ بیلٹ پہنے رہتا تھا۔

باہر شاید بارش ہوئی تھی یا سردی کی تازہ لہر آئی تھی۔ شام چھ بجے ہی سردی مزاج پوچھنے لگی اور ہم نے کمبل اوڑھ لئے تھے۔ رات کے کھانے کے بارے میں ہم پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ کھانا نہیں کھانا ہے۔ ورنہ ممکن ہے سستی کی وجہ سے کمانڈو ایکشن درست طور پر نہ ہو سکے۔ گلے خان کا لایا کھانا بیڈ کے نیچے ڈال کر خالی برتن اسے واپس کر دیتے۔ میں سوچ رہا تھا کہ گلے خان پر قابو پانے کے بعد ہمارا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے، یہ بات تو طے تھی کہ ہم آسانی سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ڈیوڈ شا کے ساتھ کچھ ہرکاروں کی موجودگی بھی لازمی تھی اور ان سے زیادہ خطرناک گلے خان کے روسی اور فرنگی تھے۔ اس کے باوجود مجھے اعتماد تھا۔ ایک بار ہم نے گلے خان پر قابو پا کر ان سلاخوں سے رہائی حاصل کر لی تو ہم پر اتنی آسانی سے کوئی قابو نہیں پا سکے گا۔ گلے خان کے پاس پستول لازمی ہو گا اور اوپر بھی کوئی ہتھیار مل سکتا تھا۔

مائیک کسی قدر خطرہ تھے لیکن فتح خان نے بتایا تھا کہ وہ ریکارڈ پر ہوتا ہے ظاہر ہے کوئی ہر وقت ہماری باتوں پر کان لگا کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ کم سے کم فتح خان سے اس کی امید نہیں تھی لیکن ڈیوڈ شا بہت شاطر اور کسی پر اعتبار نہ کرنے والا شخص تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس نے کسی کو بٹھا دیا ہو اور جب ہم گلے خان پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہوں نیچے کی کارروائی اوپر مائیک پر سن کر وہ لوگ نیچے آ دھمکیں اور ہم اڑنے سے پہلے ہی گرفتار ہو جائیں۔ بہرحال اب یہ سب سوچنا بے کار تھا۔ ہمیں عمل کرانا تھا، پھر اس کا جو بھی نتیجہ سامنے آئے۔ اس روز دونوں وقت کا کھانا میں نے لیٹ کھایا تھا۔ اس کے باوجود رات آٹھ بجے تک میرے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تھے اور ان دونوں کا حال اس سے زیادہ برا تھا۔ میں نے غور کیا کہ جب کھانا آئے گا تو کیا میں اسے بیڈ کے نیچے پھینک سکوں گا؟

ساڑھے آٹھ بجے گلے خان کھانا لایا تو میں نے مناسب سمجھا کہ کچھ نہ کچھ کھا لوں۔ غالباً یہی کام مونا اور سفیر نے بھی کیا تھا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ آسرا ہو گیا ہے تو باقی کھانا میں نے بیڈ کے نیچے ڈال دیا۔ اگرچہ رزق کو اس طرح پھینکتے ہوئے دل دکھا تھا، مگر مجبوری تھی، برتن خالی کرنا ضروری تھا ورنہ گلے خان چونک جاتا۔ میں نے مونا کو انگوٹھے سے اشارہ کیا، اس نے بھی جواب میں یہی اشارہ کیا اور پھر اشارے سے بتایا کہ سفیر بھی اپنا کام کر چکا ہے۔ میں اور سفیر وارم اَپ ہونے لگے۔ چہل قدمی کے بعد اچھل کود کر جسم گرم کیا۔ گلے خان کھانا لانے عام طور سے ایک گھنٹے بعد آتا تھا۔ یعنی نو یا ساڑھے نو بجے۔ پہلے نو اور پھر ساڑھے نو بج گئے لیکن گلے خان نہیں آیا۔ مجھے تشویش لاحق ہونے لگی۔ کہیں سچ مچ مائیک کام تو نہیں کر رہے تھے؟ اور فتح خان نے مجھ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھوٹ بولا تھا۔ اس نے ہماری ساری باتیں سن لی تھیں اور اب گلے خان محتاط ہو گیا تھا۔

ان دونوں کے ذہنوں میں بھی یہی خدشات تھے لیکن مائیک کی وجہ سے وہ کھل کر کہنے سے ہچکچا رہے تھے۔ آخر سفیر نے بالفاظ دیگر کہا۔ ''یار، میرا تو پیٹ گڑبڑ کر رہا ہے۔ یہ گلے خان ابھی تک نہیں آیا ہے۔''

''آ جائے گا۔'' مونا نے گویا خود کو تسلی دی۔ ''کبھی کبھی اسے دیر ہو جاتی ہے۔''

میں نے خود کو وارم اَپ کرنا جاری رکھا اور سفیر کو مشورہ دیا۔ ''ذرا چہل قدمی کر لو۔ شاید مسئلہ کچھ دیر کے لئے ٹل جائے۔''

''یا مزید مسئلہ بن جائے۔'' مونا ہنسی۔

دس بجے مجھے بھی تشویش لاحق ہونے لگی۔ اس دوران میں سفیر نے کئی بار باتھ روم کا رونا رویا۔ شاید وہ چیک کرنا چاہ رہا تھا کہ مائیک پر کوئی فرد موجود ہے جو اس کی فریاد پر توجہ دے سکے لیکن کوئی نہیں آیا اور یہ اس لحاظ سے اطمینان بخش تھا کہ مائیک پر کوئی براہِ راست ہماری باتیں نہیں سن رہا بلکہ ریکارڈنگ چل رہی ہے۔ مگر گلے خان کا نہ آنا تشویش ناک تھا۔ ''یار! کہیں وہ بھول تو نہیں گیا؟'' میں نے کہا۔

''ممکن ہے سو گیا ہو۔'' مونا نے بھی خیال آرائی کی۔

''خدا کے لئے..... کیا مجھے ساری رات جبر کر کے جاگنا پڑے گا۔'' سفیر گھبرا گیا۔

''اسی لمحے باہر والے دروازے پر آہٹ ہوئی اور دروازہ کھلنے پر گلے خان کی صورت نظر آئی۔

''معاف کرنا..... ام اوپر صاحب لوگ کی خدمت کر رہا تھا۔'' اس نے معذرت کرتے ہوئے مونا کی کوٹھری کا دروازہ کھولا۔

''کیا مطلب..... صاحب لوگ! کیا اوپر بہت سارے لوگ ہیں؟'' مونا نے باہر آتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

''نہیں، گورا صاحب تو تین ہے۔ پر کھانے پینے میں نخرا بہت کرتا ہے۔ خاص طور سے پینے میں۔''

گلے خان مونا کو لے کر اوپر چلا گیا۔ میں نے ہاتھ نکال کر سفیر کو تیار رہنے کا اشارہ کیا۔ اس نے جواباً ہاتھ نکال کر مجھے اوکے کا اشارہ کیا تھا۔ گلے خان جب مونا کو لے کر آتا تو ہم میں سے کسی کو بھی لے جا سکتا تھا۔ اگر وہ میری طرف آتا تو سفیر کو مختصر سے نوٹس پر پلٹ تیار کرنا پڑتی۔ یہ بھی ممکن تھا، گلے خان پہلے اس کی طرف جاتا۔ اس لئے اس نے پلٹ باندھ رکھی تھی۔

اچانک میرے ذہن میں خیال آیا، میں نے سفیر سے کہا۔ ''یار، تمہارا پیٹ گڑبڑ ہے، پہلے تم چلے جانا۔ سمجھ رہے ہو ناں میری بات؟''

''ہاں..... شکریہ دوست!'' سفیر نے جواب دیا۔

''میں چاہتا تھا کہ وہ پہلے چلا جائے اور جب میں نکلوں تو وہ تیار ہو۔ بلکہ بہتر یہ ہوتا کہ میں واپس آتا تب ہم حرکت میں آتے۔ میں نے کہا۔ ''یار! میرے واپس آنے تک سو مت جانا۔''

سفیر سمجھ گیا۔ ''فکر مت کرو، میں جاگتا رہوں گا۔ جب تم واپس آؤ گے تب میں بات کر کے ہی سوؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت آہستہ سے گزر رہا تھا۔ لمحے رینگ رہے تھے۔ بے تابی کی شدت سے میرا دل پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ مونا کو لے کر گئے ہوئے پندرہ منٹ سے اوپر ہو چکے تھے اور مجھے کسی قدر تشویش ہونے لگی تھی۔ مونا کو اتنی دیر نہیں کرنی چاہئے تھی۔ پھر بیس منٹ ہو گئے تو سفیر بھی فکر مند ہو گیا۔ ''یار! مونا ابھی تک نہیں آئی۔''

''مجھے بھی پریشانی ہو رہی ہے۔''

''شوبی یار! میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ مونا کسی مشکل میں ہے۔''

''پچھلی صدی کا عاشق مت بن۔'' میں نے اس کا مذاق اڑایا لیکن اندر سے میری پریشانی بڑھ گئی تھی۔ اتنی دیر کرنے کا مطلب تھا کہ اوپر کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔ وہ ایک لڑکی تھی اور اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر ہو سکتا تھا جتنا کہ میرے یا سفیر کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ عورت ہونا اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی اور ہم دشمن کی قید میں تھے جو ہمارے ساتھ کچھ بھی کرنے کے لئے آزاد تھا۔

''یار شوبی! اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔'' سفیر کی وحشت زدہ آواز آئی۔

''ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا ورنہ اندر سے میرا حال اس سے مختلف نہیں ہو رہا تھا۔

''میں یہ سلاخیں نہ توڑ سکا تو ان سے ٹکرا کر.....''

''سفیر، خدا کے لئے خود کو قابو میں رکھ..... اپنا اصل کام نہ بھول۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''اسی لمحے دروازے کی طرف آہٹ ہوئی۔'' میں اور سفیر سلاخوں سے چپک گئے تھے۔ آنے والا گلے خان تھا لیکن وہ اکیلا تھا اس کے ساتھ مونا نہیں تھی۔

''مونا کہاں ہے؟'' سفیر نے دھاڑ کر پوچھا۔

''مونا کہاں ہے؟'' میں نے بھی کہا، مجھے گلے خان کا انداز معمول سے ہٹ کر لگ رہا تھا۔ ''گلے خان! جواب دو۔''

''وہ اسے لے گئے۔'' اس نے آہستہ سے کہا، وہ اپنی چابیاں ٹٹول رہا تھا۔

''کون.....؟'' سفیر چلایا۔

''صاحب کے دونوں گورے آدمی..... میں لڑکی کو لا رہا تھا، وہ نشے میں ادھر آ گئے اور اسے زبردستی لے گئے۔''

''اور تم دیکھتے رہے، بے غیرت!'' سفیر پھر دھاڑا۔

''میں کیا کرتا، وہ صاحب کا آدمی ہے۔ میں اس کے ملازم کا ملازم۔'' گلے خان کا لہجہ کمزور تھا۔

''سنو گلے خان! وہ ایک مسلمان لڑکی ہے۔ وہ کافر اس کی عزت برباد کر دیں گے۔ تم کیسے مسلمان ہو؟'' میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''ہم بے غیرت نہیں ہے..... پر کیا کرے.....؟''

''سنو، ہمیں آزاد کرو، ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں۔'' وہ خوف زدہ نظر آیا۔ پہلی بار میں نے اسے خوفزدہ دیکھا تھا۔ ''خان جی، مجھے قتل کر دے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور وہ لڑکی، جسے تم لے کر گئے تھے۔'' میں نے سلاخوں کو جکڑتے ہوئے کہا۔

''اسے واپس لانا تمہاری ذمے داری ہے۔''

''میں کیا کرے؟'' گلے خان نے بے بسی سے کہا۔

''ادھر آؤ، میں بتاتا ہوں۔'' میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''کیا.....؟'' وہ غیر ارادی طور پر سر جھکا کر قریب آیا۔

میں نے اس کا سر پکڑ کر سلاخوں سے ٹکرایا۔ یہ کام میں نے اتنی تیزی سے کیا تھا کہ وہ بالکل نہیں سمجھ سکا۔ میں نے پوری قوت صرف کر دی تھی۔ اس کا سر پھٹ گیا اور اس کے حلق سے دھاڑ نکلی تھی لیکن میں اس کی دھاڑوں پر توجہ دیئے بغیر مسلسل اور پوری قوت سے اس کا سر سلاخوں سے ٹکراتا رہا۔ سفیر دبی دبی زبان اور جوش کے ساتھ مجھے بڑھاوا دے رہا تھا۔ کوئی نصف درجن بار سلاخوں سے سر ٹکرانے کے بعد جب وہ جھولنے لگا تو میں نے ہاتھ مار کر سب سے پہلے اس کا پستول تلاش کر کے نکال لیا۔ پستول بستر پر پھینک کر میں نے چابی تلاش کی اور اس کا گچھا ہاتھ میں آتے ہی آخری بار پوری قوت سے گلے خان کا سر سلاخوں سے ٹکرا کر اسے چھوڑ دیا۔ وہ کراہ کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ چند سیکنڈ کے اندر میں نے دروازہ کھول لیا اور پستول لے کر باہر نکلا۔ سفیر کی کوٹھری کا تالا کھولا تو وہ لپک کر نکلا۔ ''سفی، اس کی تلاشی لے، پستول کے اضافی میگزین ڈھونڈ کے۔''

جب سفیر اس کی تلاشی لے رہا تھا تو اس نے مزاحمت کی کوشش کی۔ میں نے پستول کا دستہ اس کے سر پر دے مارا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ سفیر نے ایک عدد اضافی میگزین نکال لیا۔

''اب اسے کوٹھری میں ڈال جلدی۔'' میں نے کہا اور سفیر کے ساتھ مل کر اسے اپنی کوٹھری میں ڈال کر اسے لاک کر دیا۔ یہ سب مشکل سے دو منٹ کے اندر ہوا تھا۔ ویسے مجھے گلے خان کو بے ہوش کر کے افسوس ہو رہا تھا۔ وہی ہمیں درست طور پر بتا سکتا تھا کہ مونا کو لے جانے والے دونوں گورے اس بڑی سی کوٹھی میں کہاں تھے؟

''شوبی! چل..... کیا سوچ رہا ہے؟'' سفیر نے میرا بازو پکڑ کر ہلایا۔

''سفی! ہوش میں رہ کر کام کرنا ہے۔ کسی جذباتی قدم کی وجہ سے ہم پکڑے گئے تو مونا کی کیا مدد کریں گے؟''

''میں سمجھ رہا ہوں..... تُو چل۔''

میں نے چابیاں اپنے قبضے میں رکھی تھیں اور قید خانے کے دروازے کو بھی لاک کر دیا تھا۔ ممکن ہے گلے خان کے پاس اضافی چابیاں ہوں اور وہ کوٹھری کا تالا کھول لے۔ بہرحال اب وہ قید خانے سے باہر نہیں آ سکتا تھا۔ سیڑھیوں کے اوپر والا دروازہ کھلا تھا اور فی الحال بے حد خاموشی تھی۔

''یار! اتنی خاموشی کیوں ہے؟'' سفیر نے اضطرابی سرگوشی کی۔

''سفیر! تُو اس طرف جا..... لیکن اکیلے کچھ مت کرنا..... میں اس طرف جاتا ہوں۔ اگر پھنس جائے تو چیخ مار کر مجھے خبردار کر دینا۔'' میں نے بائیں طرف والی گیلری کی طرف اشارہ کیا۔ یہ باہر جاتی تھی اور خود اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں ڈیوڈ شا سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے کمرا کھولنا چاہا مگر وہ لاک تھا۔ اچانک مجھے کسی کی ہلکی سی آواز آئی۔ آواز راہداری میں مخالف سمت والے کمرے سے آئی تھی۔ میں نے کی ہول سے اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھانکا، سامنے ایک کاؤچ پر مونا اس طرح پڑی تھی کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے اور منہ پر کپڑا بندھا تھا، اس کے علاوہ وہ ٹھیک ٹھاک نظر آ رہی تھی۔ اس نے سر ہلا کر ناک سے آواز نکالی اور شاید میں نے ایسی ہی آواز سنی تھی۔ میں تیزی سے واپس آیا۔ میں سفیر کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ مجھے گیلری میں کہیں نظر نہیں آیا۔ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ وقت کم تھا، مجھے مونا کو ان کے چنگل سے نکالنا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر دست درازی کرتے۔

میں نے تیزی سے سوچا اور دروازے پر دستک دی۔ ''کون ہے۔'' چند لمحے بعد اندر سے کسی نے انگریزی میں کہا، بولنے والا کرافٹسمین تھا۔

''ام..... گلے خان میب!'' میں نے ممکنہ حد تک گلے خان کی سی آواز نکالی۔

''کیا ہے؟''

''ضروری بات ہے میب..... جلدی کرو۔''

اس نے جھنجلا کر دروازہ کھول دیا۔ ''کیا بات.....''

اپنے سینے پر رکھے پستول کو دیکھ کر اس کی زبان رک گئی۔ میں نے اسے اندر دھکیلا تو وہ بلا چوں و چرا اندر چلا گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی مونا کے پیروں سے بندھی رسی کھول رہا تھا۔ میں نے جاتے ہی اس کی گدی پر پستول والا ہاتھ مارا اور وہ منہ کے بل زمین پر گرا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ دروازہ کھولنے والے گورے کی گھگی بندھ گئی تھی۔ اس کی حالت سے لگ رہا تھا کہ لڑائی بھڑائی اس کے لئے نئی چیز تھی۔ وہ صرف مردانگی کے زعم میں مونا کو اٹھا لائے تھے، اس کے باوجود میں اس کی طرف سے پوری طرح محتاط تھا۔ ''فرش پر اوندھے منہ لیٹ جاؤ۔ ہاتھ پشت پر رکھو۔''

اس نے پھرتی سے حکم کی تعمیل کی تھی۔ میں نے اس کی تلاشی لی، اس کے پاس کوئی ایسی شے نہیں تھی جسے ہتھیار کہا جا سکتا۔ ایک موبائل فون نما آلہ تھا جو میں نے آف کر کے ایک طرف پھینک دیا پھر بے ہوش فرد کی تلاشی لی اور اس کے پاس سے ایک پستول نکل آیا۔ اس دوران میں مونا ناک سے آوازیں نکالتی رہی تھی۔ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ''ایک منٹ گڑیا!'' میں نے اس کے ہاتھ کھولے اور کہا۔ ''اب پاؤں اور منہ کھول لو لیکن منہ بند رکھنا۔''

اس کے بعد میں زمین پر پڑے شخص کی طرف متوجہ ہوا، اس کی گدی پر پستول کی نال رکھ کر پوچھا۔

''یہاں اور کتنے افراد ہیں؟''

میں نے لہجہ خونخوار رکھا تھا، وہ لرزنے لگا۔ ''مم..... مجھے مارنا مت۔''

''میرے سوال کا جواب دو۔'' میں نے گھٹنا اس کی ریڑھ کی ہڈی پر رکھ کر دباؤ ڈالا۔

''ڈیوڈ شا اور وہ مقامی موٹا.....''

''ان کے علاوہ.....؟''

''کک..... کوئی نہیں ہے۔'' اس نے تڑپ کر کہا۔ ''میری کمر.....''

''اگر یہ بات غلط نکلی تو.....'' میں نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر کہا۔

''بائی گاڈ، میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس دوران میں مونا نے اپنا پاؤں اور منہ بھی کھول لیا تھا۔ وہ لیکی اور باہوش شخص کو ٹھوکریں مارنے لگی۔ اس کے منہ سے دبی دبی گالیاں اور سسکیاں نکل رہی تھیں۔ میں نے اسے روکا نہیں، اس کی بھڑاس نکل جاتی، پھر مجھے خیال آیا۔

''مونا، وقت کم ہے..... ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔''

''وہ چونگی، جوش وغضب سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ ''سفی کہاں ہے؟''

''وہ دوسری طرف گیا تھا، یہ بتاؤ..... یہ کیسے لائے تمہیں؟''

''ان حرام زادوں کی نیت خراب ہوگئی۔ وہ موٹا ان کی منت سماجت کرتا رہا، ویسے تم لوگ کیسے نکلے؟''

میں نے اسے مختصراً بتایا کہ ہم کیسے نکلے۔ ''مونا! فتح خان یا کوئی اور آدمی نہیں ہے، یہ اچھا موقع ہے، یہاں سے نکلنے کا۔''

''ان دونوں کا کیا کرنا ہے؟'' اس نے گوروں کی طرف اشارہ کیا۔

''انہیں بھی گلے خان کے ساتھ سیل میں بند کر دیتے ہیں۔''

''میرا دل چاہ رہا ہے انہیں گولی مار دوں۔' مونا نے دانت پیسے۔

''اگرچہ یہ اسی کے مستحق ہیں لیکن ہم قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔''

''تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔'' باہوش گورے نے کہا۔ ''باہر دو خوف ناک کتے ہیں۔ وہ کسی کو یہاں سے جانے نہیں دیتے۔''

''کتوں کا کیا کریں گے؟'' مونا نے ڈرے ہوئے انداز میں کہا۔

''ہم انہیں گولی مار دیں گے۔'' میں نے دل کڑا کر کے کہا اور باہوش گورے سے کہا۔ ''چلو، اپنے ساتھی کو اٹھاؤ۔''

اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور سفیر اندر آیا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا، فوراً ہی اس کے عقب سے ڈیوڈ شا نمودار ہوا تھا۔

سفیر کے عقب میں ڈیوڈ شا کو دیکھتے ہی میں پھرتی سے حرکت میں آیا۔ مونا کو صوفے کے عقب میں دھکا دیتے ہوئے خود میں نے بیڈ کے عقب میں چھلانگ لگائی گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ ڈیوڈ شا نے بھی شاید دھمکانے کے لئے ہی فائر کیا تھا۔ ''پستول پھینک دو شہباز!'' اس نے للکار کر کہا۔

''مونا نیچے رہو۔'' میں نے کہا اور جوابی فائر سفیر سے خاصی بلندی پر کیا تھا۔ ''ڈیوڈ! میرے ساتھی کو چھوڑ دو۔''

''اگر تم نے پستول نہ پھینکا تو میں دس تک گن کر اسے مار دوں گا۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور گننا شروع کر دیا۔

''ڈیوڈ شا..... تمہارے ان ساتھیوں نے مجھے مجبور کیا۔ میری ساتھی کی عزت کو کھلونا بنانا چاہا۔

''مجھے معلوم نہیں تھا ورنہ تمہیں زحمت نہ کرنی پڑتی۔''

''معاف کرنا، میں بے وقوف بننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اگر میں نے ہتھیار ڈال دیئے تو تم لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے ساتھ کچھ بھی کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ اس ذلت سے بہتر ہے، ہم ماریں اور مر جائیں۔"

"شوبی، پستول مت پھینکنا۔" سفیر نے چلا کر کہا۔

میں نے کہا۔ "ڈیوڈ شا، تم نے ہمارا فیصلہ سن لیا۔ اب جواب دو۔ ورنہ میں ان دونوں کو گولی مارنے جا رہا ہوں، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"اوہ نہیں۔" باہوش گورا رو دینے والے انداز میں بولا۔ "ڈیوڈ، ہمیں بچاؤ۔"

بیڈ کراؤن کے عقب سے میں ڈیوڈ شاہ کو دیکھ رہا تھا، اس نے گنتی گننا بند کر دی تھی اور تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ اسے معلوم تھا، ایک بار قتل و غارت گری شروع ہو گئی تو اس سمیت کوئی نہ بچے گا۔ مونا کے ساتھ دست درازی کی کوشش نے کام خراب کر دیا تھا۔ میں نے اور سفیر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی صورت ہتھیار نہیں ڈالنے ہیں۔ ڈیوڈ شا کو دیا جانے والا تاثر کام کر گیا اور اس نے اچانک سفیر کے سر پر اپنے پستول کا دستہ مارا اور اسے دھکا دے کر پھرتی سے دروازے سے نکل گیا۔ میں لپکا، سفیر بے سدھ پڑا تھا۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا، ڈیوڈ شا بائیں طرف گیلری میں غائب ہو رہا تھا۔ اس کے پیچھے جانا فضول تھا۔ اسی لمحے مونا کی چیخ سنائی دی۔

"شوبی! ہوشیار....."

باہوش گورا موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے بیڈ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ ریوالور کی جھلک دیکھتے ہی میں نے گولی چلا دی۔ گولی اس کے پہلو پر لگی۔ وہ شدید زخمی ہوا تھا، اس کے باوجود اس نے ریوالور اٹھانا چاہا۔ دوسری گولی اس کے سینے پر لگی تو اس کی ہمت جواب دے گئی میں نے آگے بڑھ کر ریوالور اس کی بے جان ہوتی انگلیوں سے نکال لیا۔ میں نے اسے اپنے دفاع میں گولی ماری تھی اس لئے مجھے ذرا بھی پچھتاوا نہیں تھا۔ مونا سفیر کو اٹھا رہی تھی، سفیر کے انداز میں کمزوری تھی۔ بہرحال وہ ہوش میں تھا۔ میں نے بھی سہارا دیا اور بستر پر لٹا دیا۔ سفیر نے کمزور سے لہجے میں کہا۔ "شوبی! اسے دیکھ..... وہ نکل جائے گا۔"

"اس پر لعنت بھیج۔" میں نے کہا اور اندر سے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ مونا نے وہاں موجود پانی کی بوتل سے پانی نکال کر سفیر کو دیا۔ اس کا سر پھٹا نہیں تھا۔ گومڑ نکل آیا تھا۔ اس میں سخت درد ہو رہا تھا۔ مگر وہ خطرے سے باہر تھا۔ اب ہمارے پاس تین ہتھیار تھے۔ مونا بھی آتشیں اسلحے کا استعمال جانتی تھی۔ میں نے ریوالور اسے دے دیا۔ کمرے کی تلاشی لینے پر ان دونوں ہتھیاروں کے فاضل راؤنڈز بھی مل گئے تھے۔ سفیر لہولہان ہوا تھا۔ اس نے اصرار کیا۔ "شوبی! یہاں سے نکلنے کی کر۔"

"جلد بازی سے کام مت لے۔ ڈیوڈ شا آزاد ہے اور اس کوٹھی میں ہے۔ باہر خوف ناک کتے ہیں، ان سے نمٹے بغیر ہم یہاں نہیں جا سکتے۔"

مونا خوف زدہ نظروں سے زخمی گورے کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ڈرے ہوئے انداز میں کہا۔

"شوبی!..... شاید یہ مر گیا ہے۔"

میں نے گلے پر نبض دیکھی۔ وہ ساکت تھی۔ دوسری گولی اس کے دل سے ذرا اوپر لگی تھی اور شاہ والا جان لیوا ثابت ہوئی تھی۔ دوسرا ابھی تک بے ہوش تھا لیکن کبھی کبھی جنبش کرتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے مونا کے ہاتھ پیروں سے اتری رسی سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے، مونا یہ عمل دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''اسے باندھ رہا ہوں۔'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔

مونا جھنجلا گئی۔ ''کس لئے..... یہ تو بے ہوش ہے؟''

''بی بی! یہ ہمیشہ بے ہوش نہیں رہے گا۔ دوسرے مجھے جا کر گلے خان کو لانا ہے، وہی ہمیں یہاں سے بحفاظت نکال سکتا ہے۔''

''تم باہر نہیں جاؤ گے۔'' سفیر اٹھ بیٹھا۔ ''ڈیوڈ شاہ باہر موجود ہے۔ وہ تمہیں چھپ کر گولی مار سکتا ہے۔''

''وہ تو اس وقت بھی مار سکتا ہے، جب ہم یہاں سے نکل رہے ہوں گے، میں نے پستول چیک کیا۔ اس کے دو اضافی میگزین میرے پاس تھے۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا اور مونا سے کہا۔ ''مجھے کور دینا، میری پشت پر کوئی آئے تو اسے بلا جھجک گولی مار دینا مگر دیکھ لینا، مجھے ہی مت مار دینا۔''

''یہ میں دیکھوں گا۔'' سفیر اٹھتے ہوئے بولا۔

''سفیر نے دروازے کے قریب پوزیشن سنبھال لی۔ میں محتاط قدموں سے باہر نکلا۔ گیلری خالی تھی، میں دائیں بائیں کے تمام دروازے چیک کرتے ہوئے چل رہا تھا۔ تمام دروازے بند تھے۔ میں نے گیلری کے سرے پر پہنچ کر پہلے ساتھ لایا سیاہ کشن اوٹ سے نکال کر سرعت سے واپس کھینچ لیا۔ اگر دوسری طرف ڈیوڈ شاہ تھا تو اسے یہ تاثر ملتا کہ میں سر نکال کر دیکھ رہا ہوں، ممکن ہے وہ گولی چلا دیتا۔ دو تین بار ایسا ہی کرنے پر جب کوئی ردِعمل نہیں ہوا تو میں نے اپنا ذاتی سر نکال کر جھانکا۔ یہ گیلری بھی تا حدِ نگاہ ویران تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ڈیوڈ شاہ دوسری طرف ہوتا، میں نے مڑ کر سفیر کو نگرانی کرتے رہنے کا اشارہ کیا اور خود بائیں طرف والی گیلری میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے راستہ تہ خانے کی طرف بھی جاتا تھا اور ملازموں والے حصے کی طرف بھی۔ میں سوچنے لگا کہ ڈیوڈ شاہ اس طرف کیوں آیا تھا۔ تہ خانے میں جانے والا راستہ کھلا تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر اسے اندر سے بند کر لیا۔ اسے باہر سے بند نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے میں نیچے پہنچا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ چابی سے تالا کھول کر میں قید خانے میں داخل ہوا۔ گلے خان بستر پر چت لیٹا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ بیٹھا۔ ''تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔ ام کو چھوڑ دو۔'' اس نے غرا کر کہا۔

''کس خوشی میں؟ ہم جا رہے ہیں۔ میں نے سوچا تمہیں گولی مارتا جاؤں۔ اس طرح یہاں بند ہو کر بھوک پیاس سے مرنے سے بہتر ہے گولی کھا کر فوراً مر جاؤ۔'' میں نے پستول بلند کیا۔

''رکنا..... رکنا.....'' اس نے بوکھلا کر کہا۔ ''ام نہیں مرے گا۔ فتح خان صیب ام کو نکال لے گا۔''

''یہ تمہارے لئے اور بھی خطرناک صورتِ حال ہو گی۔ فتح خان کیا تمہیں بخش دے گا؟''

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''خان جی..... ایسا نہیں کرے گا۔''

''بچنے کی ایک ہی صورت ہے، بھاگ جاؤ۔''

''تو دروازہ کھول دو۔'' اس نے بے تابی سے کہا۔

''کس خوشی میں..... مجھے تم سے کیا فائدہ ہو گا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں تمہیں باہر نکال سکتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''روسی اور فرنگی کو صرف میں قابو میں کر سکتا ہوں۔''

''انہیں تو دو گولیوں میں قابو کیا جا سکتا ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم کو نہیں پتا..... وہ بوت چالاک ہے۔ اتنا بڑا کتا ایک گولی سے نہیں مرے گا، دو نے حملہ کیا تو کیا کرے گا؟''

''فتح خان کہاں گیا ہے؟''

''ام کو نہیں معلوم۔ پر وہ کل آئے گا۔''

''ڈیوڈ شاہ آزاد ہے اور کوٹھی کے اندر ہے، اس کے ایک ساتھی کو میں مار چکا ہوں، دوسرا میری قید میں ہے تمہاری طرح۔''

وہ چونکا۔ ''ڈیوڈ صیب بھاگ گیا؟''

''بھاگا نہیں، اس کوٹھی میں ہے۔ روسی اور فرنگی کے ہوتے ہوئے وہ باہر کیسے جا سکتا ہے؟''

''تم کو نکیں معلوم..... ادھر سے نکلنے کا ایک خفیہ راستہ بھی ہے۔ وہ صرف فتح خان کو معلوم ہے، اس نے ڈیوڈ صاحب کو بتایا ہوگا۔''

''صرف فتح خان کو.....؟'' میں نے غور کیا۔ ''لیکن اس نے تو مجھ سے کہا تھا کہ یہ کوٹھی ڈیوڈ شا کی ہے؟''

''ہاں..... پر خریدا اور پھر اسے بنایا تو فتح خان نے تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اس کا اوپری حصہ میرے سامنے بنا ہے۔''

''تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ کوئی خفیہ راستہ بھی ہے؟''

''کیونکہ خان جی اچانک آ جاتا ہے..... اچانک چلا جاتا ہے۔ کئی بار وہ اچانک غائب ہوا اور پھر دروازے سے آیا۔''

''یعنی خفیہ راستہ ہے لیکن ضروری ہے کہ ڈیوڈ شاہ کو بھی اس کا علم ہو۔''

''کل ڈیوڈ صیب بھی اسی طرح غائب ہوا تھا۔ پھر واپس آ گیا۔ ام کو یقین ہے راستہ اُدھر ملازموں والے کمروں سے ہے۔ سارے کمرے بند ہیں، سوائے میرے کمرے کے۔''

''جب وہ جا سکتا ہے تو آ بھی سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''گلے خان میں تمہیں اس شرط پر نکال رہا ہوں کہ ہمیں کوٹھی سے نکالو۔''

''میں تیار ہے۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔

''حکیم قادس کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ اُدھر دو کمرے والی عمارت میں ہے۔'' اس نے کہا۔

میں گلے خان کو اوپر لایا۔ اس دوران میں، مَیں پوری طرح محتاط رہا تھا۔ ڈیوڈ شا کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا۔ ظاہر ہے وہ اتنی آسانی سے ہمیں جانے نہیں دیتا۔ سفیر اور مونا چوکنے تھے۔ گلے خان کو دیکھ کر مونا کو غصہ آ گیا اور اس نے اسے سخت برا بھلا کہا۔ ''تم بے غیرت..... یہ تمہارے سامنے مجھے کھینچ کر لے گئے اور تم دیکھتے رہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس کرو یار! ان کو ان کے کیے کی سزا مل گئی ہے۔''

''اس کو مل گئی ہے۔'' گلے خان نے لاش کی طرف دیکھا اور پھر بندھے گورے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے ام سزا دے گا۔''

''وہ کیسے؟'' مونا نے پوچھا۔

''یہ مت پوچھو..... تم نے ام کو بے غیرت کہا ہے، اب اس کا خون ہمارا صفائی کرے گا۔''

''ہمارے پاس وقت نہیں ہے، یہاں سے نکلو۔'' میں نے اسے ٹوکا۔

گلے خان نے بندھے گورے کو شانے پر لاد لیا۔ ''ہمارے ساتھ آؤ، ام ابھی اس کا حشر تم سب کو دکھاتا ہے۔''

وہ مچلنے لگا اور حلق پھاڑ کر چلایا۔ ''کہاں لے جا رہا ہے مجھے..... چھوڑ دو مجھے۔''

''میرا خیال ہے اپنے کتوں کے حوالے کرنے کے لئے لے جا رہا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''نہیں۔'' وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز سے چلایا۔ ''چھوڑو مجھے..... خبیث کتے!''

''کتے اس کے ہیں..... یہ خود انسان ہے۔'' سفیر ہنسا۔ ''اس کی حالت دیکھ کر ہم تینوں خاص کر مونا بہت لطف اٹھا رہی تھی، اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اسے کتا کہہ رہے ہو..... اور خود کیا ہو؟''

میں، سفیر اور مونا تینوں محتاط تھے، جب گلے خان کے ساتھ باہر جا رہے تھے تو ہم تینوں ہر طرف نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں گلے خان کی بھی نگرانی کر رہا تھا۔ عین ممکن تھا، وہ کوئی چال چل جاتا، مگر ہم بہ خیریت باہر نکل آئے، گلے خان نے سیٹی بجائی۔ ذرا دیر بعد اس نے پھر سیٹی بجائی اور فکرمندی سے بولا۔ ''روسی اور فرنگی کدھر مر گیا ہے؟''

میں نے اس کی پشت پر پستول رکھ دیا۔ ''گلے خان اگر تم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے کتوں کو ہم پر حملہ کرنے کا سگنل دیا ہے تو سب سے پہلے تم مرو گے۔''

''ام..... ام نے ایسا کوئی سگنل مگنل نہیں دیا۔'' وہ بولا اور آگے بڑھا۔ ''اوہ ماڑا..... یہ کیا؟''

پھر میں نے بھی لان کے وسط میں پڑے دونوں دیو قامت ہیولوں کو دیکھ لیا۔ وہ قطعی بے حس و حرکت تھے۔ گلے خان نے شانے پر لدے شخص کو بوری کی طرح گھاس پر پھینکا اور اُڑ کر ان ہیولوں کے پاس پہنچا۔ پھر اس کے دھاڑوں کی آواز آئی۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''خانہ خراب..... کسی نے ہمارا فرنگی، روسی کو مار دیا؟''

کتوں کے جسموں سے ڈھیروں خون نکلا تھا۔ گلے خان کے پاؤں، گھٹنے اور ہاتھ خون میں لت پت ہو گئے تھے۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''اس پر نظر رکھو۔''

اور خود عمارت کی طرف بڑھا۔ کتوں کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ حکیم قادس کے حوالے سے اور جب میں پستول تانے عمارت میں گھسا اور باری باری دونوں کمروں کی تلاشی لی تو حکیم کو نہ پا کر میرے خادشات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ ڈیوڈ شا کتوں کو ختم کر کے حکیم قادس کو لے گیا تھا، اس جگہ اس کے لئے سب سے اہم شخص وہی تھا۔ میں نے اندر جتنی احتیاط اور تاخیر کی تھی، اس نے اس کا فائدہ اٹھایا تھا۔ مونا بھی اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئی تھی اور وہاں نصب مشینوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ ''شوبی یہ کیا ہے؟''

''اب نکلو یہاں سے..... اس سے پہلے کہ ڈیوڈ شاہ اپنے آدمی..... لاکر دھاوا بول دے۔'' میں نے مونا کو باہر کی طرف دھکیلا۔

گلے خان بالفاظ دیگر کتوں کے قاتل کے لئے خطرناک عزائم ظاہر کر رہا تھا۔ مونا کو دیکھ کر وہ چپ ہو گیا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''انہیں ڈیوڈ شانے مارا ہے۔ وہ حکیم کو نکال لے گیا۔''

''ام..... ام اسے چھوڑے گا نہیں۔'' اس نے کسی فلمی ہیرو کی طرح دھاڑ کر کہا۔

''ابھی فی الحال تو یہاں سے نکلنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پورچ میں کھڑی گاڑی کی چابی کہاں ہے؟''

''گاڑی میں ہو گی۔'' اس نے ناک صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اِدھر کوئی گاڑی سے چابی نہیں نکالتا ہے۔''

اس کا کہنا درست تھا۔ اس منی جیپ میں چابی لگی تھی۔ سامنے دو نشستیں اور عقب میں سامان رکھنے کا مختصر سا خانہ تھا۔ مگر اس کا انجن طاقتور تھا۔ میں نے گلے خان سے پوچھا۔ ''یہ کون سا علاقہ ہے؟''

''وادی کاغان کے پاس ہے۔ اس سڑک پر سیدھا جاؤ۔'' اس نے دور پہاڑوں میں بل کھاتی سیاہ ناگن جیسی سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ ''آگے جا کر یہ اسلام آباد جانے والی سڑک پر مل جاتی ہے۔''

میں چونکا، مجھے یاد تھا یہی سڑک راجا عمر دراز کی وادی کی طرف جاتی تھی۔ ''تمہارا کیا خیال ہے ڈیوڈ شاہ نے حکیم قادس کے ساتھ کہاں کا رخ کیا ہو گا؟''

''ام نہیں جانتا۔'' اس نے دکھی لہجے میں کہا۔ وہ ابھی تک اپنے کتوں کے غم میں مبتلا تھا شاید ان کے سوا اس کا دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔ مجھے لگا وہ درست کہہ رہا ہے۔

''گلے خان، اب ہم جا رہے ہیں۔ تمہارے لئے بھی بہتر ہے، فتح خان کے آنے سے پہلے یہاں سے چلے جاؤ۔''

''اب ام جی کر کیا کرے گا؟''

''احمقانہ باتیں مت کرو، زندگی اتنی سستی نہیں ہوتی۔'' میں نے کہا۔

جیپ کا ٹینک تین چوتھائی فل تھا۔ عقب میں ڈیزل سے بھرا ایک دس لیٹر والا کین بھی تھا۔ گلے خان نے بتایا کہ اتنے ایندھن کے ساتھ ہم آرام سے اسلام آباد پہنچ سکتے تھے اور اس میں تقریباً چھ گھنٹے لگتے۔ میں اسے تاثر دے رہا تھا کہ ہمیں اسلام آباد ہی جانا ہے۔ سفیر کو چھوڑ کر میں اور مونا گلے خان کے ساتھ کوٹھی کے اندر آئے۔ کچن سے ہم نے کھانے کا سامان لیا اور آئل اسٹوو پر جلدی سے کافی تیار کر کے تھرماس میں بھر لی کھانے میں بسکٹ کے ڈبے، دودھ کے پیک اور خاص طریقے سے بنائی اور خشک کی ہوئی میٹھی روٹی تھی اس کے بعد گلے خان ہمیں رخصت کرنے باہر تک آیا بلکہ اس نے بھاگ کر جیپ کے لئے پھاٹک بھی کھولا تھا۔ ہم باہر آئے۔ گیٹ کے فوراً بعد خوف ناک اترائی تھی۔ مونا میرے برابر میں تھی اور سفیر عقبی حصے میں فٹ تھا۔ اب جیپ نے کتے کی طرح تھوتھنی زمین سے لگائی تو سفیر لڑھک کر مونا پر آ رہا تھا۔

''سنبھل کر بیٹھو۔ یہ کیا بے ہودگی ہے؟'' مونا نے جھینپ کر کہا۔ ''سیٹ بیلٹ باندھو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''معاف کرنا..... یہاں سرے سے سیٹ ہی نہیں ہے۔'' اس نے بھنا کر جواب دیا۔ ''اور اوپر سے اتنا سامان بھی مجھ پر لاد دیا ہے۔''

میں ان کی نوک جھوک سے محظوظ نہ ہو سکا کیونکہ میری ساری توجہ ڈرائیونگ پر تھی۔ تاریکی میں ذرا اسٹیئرنگ بہکتا اور جیپ راستے سے اتر جاتی۔ خدا خدا کر کے ڈھلان ختم ہوئی، راستہ صراط مستقیم پر آیا لیکن پکی سڑک اب بھی ذرا فاصلے پر تھی، میں نے ان دونوں سے کہا۔ ''ذرا دیر کے لئے اپنی زبانیں بند کر لیں اور ہتھیار سنبھال لیں۔''

سفیر چوکنا ہو گیا۔ ''کوئی خطرہ ہے؟''

''ایسا سمجھ لے کر سڑک پر دشمنوں کی پوری فوج ہماری منتظر ہے۔''

☆======☆======☆

ان دونوں نے پستول سنبھال لئے تھے۔ ڈیوڈ شا کو فرار ہوئے ایک گھنٹا ہونے کو آیا تھا۔ اگر آس پاس اس کا کوئی ٹھکانا تھا تو اتنی مہلت وہاں سے کمک لانے کے لئے کافی تھی۔ ویسے حیرت ہو رہی تھی، فتح خان اور ڈیوڈ شا نے صرف گلے خان پر اعتماد کافی سمجھا تھا۔ وقت پڑنے پر اس کا بھاری بھرکم جثہ سفید ہاتھی ثابت ہوا تھا۔ ڈیوڈ شا کی قسمت اچھی تھی کہ ہم کوٹھی کے خفیہ راستے سے ناواقف تھے اور اسے حکیم قادس سمیت نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ سڑک پر آتے ہوئے میرا دل دھڑکا تھا لیکن دشمن کا خدشہ محض خدشہ رہا تھا۔ اطمینان ہوتے ہی مونا نے کافی کا مطالبہ کیا۔ سفیر نے اس کے اور اپنے لئے کافی نکالی۔ سردی بلا کی تھی۔ میں نے فریاد کی۔ ''دوستو! میں نے کیا قصور کیا ہے؟''

''آپ توجہ سے ڈرائیونگ کریں۔ کافی سے بعد میں شوق کیجئے گا۔ کافی کے چکر میں ہمیں کسی کھائی میں پہنچا دیں گے۔'' سفیر نے ایک زوردار چسکی لے کر کہا۔

''بھاڑ میں گئی ڈرائیونگ۔'' میں نے جیپ روک دی۔ ''مجھے بھی کافی دو..... ورنہ یہاں بیٹھے ٹھرتے رہنا۔''

مونا کپ بھی لائی تھی، اس نے تھرماس سے کافی نکال کر میٹھی روٹی کے ساتھ مجھے پیش کی۔ ''شوق فرمائیں جناب!''

''یار! مجھے خواب لگ رہا ہے۔'' سفیر نے خواب ناک سی آواز میں کہا۔ ''ہم کتنے عرصے بعد ایک ساتھ ہیں۔''

''اس موقع کو غنیمت سمجھ۔'' میں نے کافی کے بڑے بڑے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''نہ جانے تقدیر نے آگے کیا لکھا ہے؟''

''ان شاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔ منہ سے اچھی بات نکالا کرو۔'' مونا نے کہا۔

''یار شوبی! میرا خیال ہے ہمیں سیدھا میری حویلی کی طرف جانا چاہئے۔'' سفیر بولا۔ ''مونا کو وہاں چھوڑ کر ہم.....''

''میں وہاں نہیں رہوں گی۔'' مونا نے اس کی بات کاٹی۔ ''جہاں تم وہاں میں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہر دفعہ اتفاقات نہیں ہوتے۔'' سفیر نے طنز کیا۔ ''اگر گلے خان ضمیر کی خلش سے مجبور ہو کر نیچے نہ آتا تو ہمیں پتا بھی نہیں چلتا کہ اوپر تم پر کیا گزری ہے؟''

''سفی ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''تم اور تمہاری عزت ہمارے لئے دنیا کی ہر شے سے قیمتی ہے۔''

مونا رونے لگی، چپکے چپکے خاموشی سے آنسو بہاتے ہوئے۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ کچھ دیر بعد مونا سے کہا۔ ''رومت..... فی الحال ہم اسلام آباد کی طرف نہیں جا رہے ہیں۔''

وہ دونوں چونکے۔ ''پھر کہاں جا رہے ہیں؟'' سفیر بولا۔ ''گلے خان کے سامنے تم کہہ رہے تھے اسلام آباد جانے کا؟''

''اگر میرا اسلام آباد جانے کا ارادہ ہوتا تو کیا یہ بات گلے خان کو بتانا ضروری تھی؟'' میں نے طنز کیا۔

''ظاہر ہے، میں اسے مس گائیڈ کر رہا تھا۔''

''پھر کہاں جانا ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''راجا عمر دراز کے پاس..... اس کا آبائی محل اس علاقے میں ہے۔''

''وہی محل، جہاں انوکھے پھولوں کا باغ ہے۔'' مونا نے اشتیاق سے پوچھا۔

''اور وہ روشنی والا پتھر بھی؟'' سفیر بھی پُرجوش ہو گیا۔

''وہاں سے تم لوگ حویلی رابطہ کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دے سکو گے۔''

آسمان پر بادلوں کی وجہ سے تاریکی کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی اور بعض اوقات جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی بھی ناکافی محسوس ہوتی تھی، میں پوری توجہ سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ یہ علاقہ جنگلات سے پُر تھا اور ان جنگلات میں جانوروں کی موجودگی لازمی تھی جو اکثر اوقات سڑکوں پر آ نکلتے تھے اور حادثات کا باعث بنتے تھے۔ پھر میری احتیاط کام آئی۔ اچانک پہاڑی بکرا سڑک پر نمودار ہوا اور ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی نے اسے اپنی جگہ جما دیا۔ اسے خطرے کا احساس نہیں تھا۔ میں نے بریک لگائی تو جیپ تقریباً اسے چھو کر رکی۔ لمس محسوس کرتے ہی اس نے لمبی زقند بھری اور تاریکی میں غائب ہو گیا۔ مونا سیٹ بیلٹ کی وجہ سے اپنی جگہ رہی مگر سفیر لڑھک کر ہمارے درمیان آ گرا تھا۔

''یہ کس..... قسم کی ڈرائیونگ ہے؟'' اس نے بھنا کر کہا تھا۔

''معاف کرنا یار! بکرا آ گیا تھا سڑک پر۔'' میں نے دوبارہ جیپ آگے بڑھائی۔

مونا جو اونگھ رہی تھی، بیدار ہو گئی۔ ''ہم سے غلطی ہوئی، ہمیں کمبل بھی لانا چاہئے تھے۔''

''اور غالباً بستر بھی۔'' سفیر نے طنز کیا۔

''سردی بہت زیادہ ہے۔'' مونا نے ہاتھ ملے۔

جیپ کا ہیٹر آن تھا، اس کے باوجود سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ باہر اس کی شدت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ رات کے دو بج رہے تھے اور ابھی خاصی رات باقی تھی۔

''میرا خیال ہے ہمیں کہیں پناہ حاصل کرنی ہو گی۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ شاید قدرتی کا لونا تھا کیونکہ مونا نے کہا۔ ''وہ دیکھو، شاید کوئی مکان ہے اس طرف۔'' اس نے ذرا نشیب کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جیپ کی روشنی میں کسی مکان کی دیواریں چمکی تھیں۔ میں نے جیپ روک دی۔ سفیر نے جھانک کر معائنہ کیا۔

''یہ تو بھوت بنگلا لگ رہا ہے، تاریک اور ویران۔''

عمارت خاصی لمبی چوڑی اور اپنے انداز سے ڈاک ہاؤس نظر آتی تھی۔

''متروکہ سرکاری عمارت ہے۔'' میں نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ٹارچ نکالتے ہوئے کہا۔

''ہاں، مکھنڈرات سے تو ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔'' سفیر نے تائید کی۔

''سفیر میرے ساتھ آؤ، مونا تم یہیں رکو۔''

''جی نہیں، میں بھی ساتھ چلوں گی۔'' اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''چلو بابا! تمہارے بغیر ہم کچھ کرنے کے قابل کہاں ہیں۔'' میں نے بادل نخواستہ کہا اور اترنے سے پہلے احتیاطاً چابی نکال لی کہ جو کچھ دیر بعد کام بھی آئی، باہر نکلتے ہی سردی کی شدت نے ایسا حملہ کیا کہ چند لمحے کے لئے حواس ہی گم ہو گئے تھے۔ جسم لرزنے لگے تھے اور منہ سے لایعنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ہمارے لباس اس شدت کی سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے قطعی ناکافی تھے۔

''چ چ..... خدا کے لئے..... جو کرنا ہے جلدی کرو۔'' مونا نے دانت بجاتے ہوئے کہا۔

ہم تینوں اس عمارت کی طرف بڑھے، اس کے سامنے ٹوٹا پھوٹا پتھر کا برآمدہ تھا، اس کی سیڑھیاں تک ٹوٹ چکی تھیں لیکن ہم کسی نہ کسی طرح اوپر چڑھ گئے۔ عمارت واقعی ویران تھی اور یہ کوئی سابقہ ریسٹ ہاؤس ہی تھا لیکن نہ جانے کس محکمے کا تھا اور اتنی اچھی لوکیشن پر اسے یوں ویران چھوڑنے کی کیا وجہ تھی؟

''ممکن ہے، عمارت آسیب زدہ ہو؟'' مونا نے رائے دی۔

''اب ہو گئی ہے۔'' سفیر نے دانت نکالے۔ ''دو عدد بھوت اور ایک چڑیل یہاں آ چکی ہے۔''

''خبردار جو مجھے چڑیل کہا۔'' مونا بولی۔ ''تم اپنے بارے میں جو چاہے کہتے رہو۔''

''بیشتر کمروں کے دروازے غائب تھے۔ مقامی لوگ یا چور اچکے نکال کر لے گئے ہوں گے۔ چھت ان کی پہنچ سے اوپر تھی۔ اس لئے محفوظ تھی۔ سارے ہی کمرے صاف تھے اور فرش پر سوائے منوں گرد کے اور کچھ نہیں تھا۔ البتہ ایک کمرے میں لکڑی کا ٹوٹا پھوٹا فرنیچر اور اسی طرح کا کاٹھ کباڑ نظر آیا، خاص بات یہ تھی کہ اس کمرے میں صرف ایک دروازہ تھا اور اس کے جھولتے پٹ موجود تھے یعنی یہاں پر سردی سے بچا جا سکتا تھا۔

''بس رات یہاں گزاریں گے۔'' میں نے اعلان کر دیا۔

''یہاں اس بھوت بنگلے میں؟'' مونا اچھل پڑی۔ ''ہرگز نہیں۔''

''تب آپ جا کر جیپ میں سکون سے سو سکتی ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''ہم یہاں آگ جلا کر آرام سے سوئیں گے۔''

''اچھا پھر میں بھی.....'' اس نے ہچکچا کر کہا۔

''میں نے اور سفیر نے لکڑی نکال کر جمع کی۔ اب مسئلہ اسے آگ دکھانے کا تھا۔ سفیر نے کہا۔ ''جیپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ڈیزل کا کین لاتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

ہم باہر برآمدے میں آئے تو مونا رک گئی، اس نے آہستہ سے کہا۔ "شش..... مجھے جیپ کے پاس کوئی نظر آ رہا ہے۔"

"مونا..... تم یہیں رکو۔" میں نے پستول نکال لیا۔ خوش قسمتی سے ٹارچ کی روشنی محدود تھی ورنہ جیپ کے پاس موجود شخص ہوشیار ہو جاتا۔ میں نے سفیر کو دائیں طرف سے جانے کا اشارہ کیا اور خود بائیں طرف سے گیا۔ وہ شخص جیپ کے ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے پر جھکا غالباً لاک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے پستول کی نال اس کی گدی پر رکھ دی۔ "ہلنا مت۔ ہاتھ اوپر کرو۔"

مگر اس نے بے حد پھرتی سے گھوم کر پستول پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔ میں بمشکل پستول اس سے بچا سکا تھا۔ اس کے بعد اس نے میرے سینے پر ٹکر مارنے کی کوشش کی مگر میں نے اس سے پہلے اس کے سر پر پستول کی نال ماری۔ اس نے دلدوز کراہ کے ساتھ سر تھام لیا۔ اس کے بعد سفیر نے اندھیرے سے نمودار ہو کر اس کے پہلو پر لات رسید کی۔ وہ لڑھک گیا۔

"کون ہو تم؟" میں نے اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ وہ مقامی تھا، کم از کم لباس سے یہی محسوس ہوتا تھا۔ زمین پر ایک مڑا تڑا تار بھی پڑا تھا جس سے وہ جیپ کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چہرے سے کم عمر لگتا تھا۔ دو افراد کو مسلح دیکھ کر اس کی ساری تیزی طراری ہوا ہو گئی تھی اب وہ ساکت پڑا تھا۔ سفیر نے اس کی تلاشی لی، اس کی جیب سے ایک چاقو نکلا جس کا پھل بٹن دبانے سے باہر آ جاتا ہے۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ گھگھیا کر بولا۔ "صاحب، میرے کو معافی دے دو۔"

"ضرور دیتے ہیں۔ اسے اندر لے چلو۔" میں نے جیپ کے عقبی حصے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ کین اور اس اچکے کو لے کر ہم اندر آئے، آگ جلائی اور پھر اس کا انٹرویو لیا۔ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ اس نے نام سمیت اپنے تمام کوائف بالکل غلط بتائے تھے۔ وہ معمولی درجے کا اُچکا تھا۔ جیپ خالی کھڑی دیکھ کر اس کے دل میں لالچ آیا تھا کہ اندر سے رقم یا اور کوئی قیمتی شے مل جائے، تالا کھولنے میں اسے اتنی مہارت نہیں تھی اس لئے پکڑا گیا۔

"اب اس کا کیا کرنا ہے؟" سفیر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کرنا کیا ہے مار کر گاڑ دیتے ہیں..... کسی کو کیا پتا چلے گا؟" میں نے بھی دھیمی لیکن اتنی آواز میں کہا کہ وہ سن لے۔

"جانے دو یار ہمارا کیا بگاڑا ہے اس نے....."

"ہاں، یہ تو ہے۔" میں نے قائل ہو کر کہا۔ "لیکن بہت دنوں سے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

"خدا کو مانو..... دو دن پہلے تم نے اُس بے چارے کو مارا تھا۔"

اس نامعلوم بے چارے کا سن کر اس بے چارے کی حالت خراب ہو گئی تھی اور اس نے ہمارے قدموں میں لوٹتے ہوئے خدا رسولؐ کے واسطے دینا شروع کر دیے۔ ہمارا بھی اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا، صرف ڈرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھمکا رہے تھے تاکہ جب وہ یہاں سے بھاگے تو بھاگتا ہی جائے، پلٹ کر نہ آئے۔ سفیر نے اسے باہر لے جا کر کہا۔ ''میں تین تک گنوں گا، اس کے بعد بھی تم نظر آئے تو گولی مار دوں گا۔'' کچھ دیر بعد وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا۔ ''وہ تو بھوت کی طرح غائب ہو گیا۔ میرے تین کہنے تک اس کا نام و نشان نہیں تھا۔''

لیکن جب مرحلہ فرش کی صفائی کا آیا تو مونا نے صاف انکار کر دیا۔ ''بہت جلدی تھی، اسے بھگانے کی..... اب خود صاف کرو۔''

''تم بھی یہ بات پہلے نہیں بتا سکتی تھیں۔'' سفیر بھنا کر بولا۔

بہر حال فرش صاف کرنا حماقت تھی کیونکہ اس پر کئی انچ موٹی مٹی کی تہ جمی تھی جسے کسی صورت صاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کا حل جیپ کے کور کی صورت میں نکلا۔ اسے مٹی پر بچھا کر ہم سب ہی اس پر لیٹ سکتے تھے لیکن میں نے پہلے ان دونوں کو لیٹنے کو کہا اور خود الاؤ کے پاس بیٹھ گیا۔ ہم میں سے کسی ایک کا جاگتے رہنا ضروری تھا۔ کمرے میں الاؤ کی وجہ سے سردی کی شدت قابلِ برداشت حد تک کم ہو گئی تھی۔ میں نے جیپ لا کر عمارت کے اس کمرے کے بالکل سامنے کھڑی کر دی تھی۔ دروازے میں ایک جھری برقرار رکھی تھی جس سے جیپ نظر آ رہی تھی۔

الاؤ کے پاس بیٹھ کر سردی میں آگ تاپنے میں کیا مزہ ہے، یہ بات وہی لوگ جانتے ہیں جن کی سرد راتیں الاؤ کے سامنے گزری ہوں۔ سفیر اور مونا ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر بے خبر سو گئے تھے پھر مونا نے کروٹ لی، اسے سردی لگ رہی تھی۔ وہ بچوں کی طرح سمٹ گئی تھی، میں نے کور کا کچھ حصہ اسے اُڑھا دیا تھا۔ الاؤ میں مزید لکڑی ڈالی۔ میرا ارادہ تھا کہ دو گھنٹے بعد سفیر کو اٹھا دوں گا لیکن الاؤ سے ایسی نیند بھری حدت اٹھی کہ میری آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئی تھیں۔ نہ جانے کب میں الاؤ کے پاس ہی لڑھک کر سو گیا۔ پھر میری آنکھ مونا کے جھنجھوڑنے سے کھلی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ ''کک..... کیا ہوا..... خیریت ہے؟''

''یس سر! صبح ہو گئی ہے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''سب گھوڑے گدھے بیچ کر سوتے رہے تھے اور یہ تو اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے۔'' اس نے سفیر کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کا تو باپ بھی اٹھے گا۔'' میں نے کہا اور ایک باریک تنکے سے سفیر کے کان میں سلائی گھمائی وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''کک..... کیا ہوا یہ کیا حرکت ہے؟'' اس نے کان میں انگلی گھماتے ہوئے خفگی سے کہا اور ہم دونوں ہنسنے لگے، کچھ دیر بعد سفیر بھی کھسیائے ہوئے انداز میں ہمارے ساتھ ہنس رہا تھا۔

''سفی..... شوبی..... ہم کتنے عرصے بعد اس طرح بے فکری سے ہنس رہے ہیں؟'' مونا بولی۔

''مجھے سفیر کے ملازم کے ہاتھ کے سینڈوچز یاد آ رہے ہیں۔''

''اور کافی تو وہ غضب کی بناتا تھا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا جب ہم اس طرح بے فکری سے ہنسیں گے اور کافی کے ساتھ سینڈوچز بھی کھائیں گے۔'' سفیر نے کہا۔ ''عزیز کو میں نے فی الحال حویلی بلوا لیا ہے۔ اسلام آباد والا مکان خالی ہے۔''

مونا چونکی۔ ''یہ بات ہمارے دشمنوں کو بھی معلوم ہو گی۔ کیا ہم چپکے سے اس مکان میں جا کر نہیں رہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس سے زیادہ آسانی اس میں ہے کہ ہم خود کو مرشد کے حوالے کر دیں۔"

"اس کے آدمی وہاں کی نگرانی کر رہے ہوں گے؟" سفیر نے میری طرف دیکھا۔

"سوفی صد۔" میں نے کہا۔ "اس وقت ہمارا راجا عمر دراز کے پاس جانا ضروری ہے۔ وہیں ہمیں پناہ اور اطلاعات ملیں گی۔"

"یعنی ہمارے لئے دوسروں کے سہارے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے؟" سفیر نے تلخی سے کہا۔

"یار! اتنا پریشان کیوں ہوتا ہے؟" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے بھی ماں، باپ کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ اپنے معاملات خود دیکھنے لگتا ہے اور پھر ایسا وقت آتا ہے جب وہ خود ماں، باپ کا سہارا بن جاتا ہے۔"

سفیر نے سر ہلایا۔ "ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن ایسا کب تک ہوگا؟"

"دیکھ یار! ہم ڈیوڈ شا اور فتح خان کی قید سے نکل آئے بغیر کسی سہارے اور مدد کے، کیا یہ ہماری کامیابی نہیں ہے؟"

سفیر ہچکچایا۔ "ہاں، ہے تو..... لیکن ہمارا مسئلہ مرشد اور اس کے گرگے ہیں۔"

"یار! یہ بھی اس سے ملے ہوئے ہیں، سارے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ تو فکر نہ کر..... اب ہم مرشد علی کو سبق سکھائیں گے۔"

ناشتے کے لئے ہمارے پاس بسکٹ اور میٹھی روٹیاں تھیں، انہیں کھا کر اور پانی پی کر ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ باہر تیز دھوپ تھی لیکن حرارت سے خالی۔ البتہ سردی کی شدت میں رات کے مقابلے میں نمایاں کمی ہوئی تھیں آگ بجھا کر اور کور سمیٹ کر ہم نے روانگی کی تیاری کی۔ روانگی سے پہلے سفیر فطرت کی پکار پر اس متروک ریسٹ ہاؤس کے عقبی حصے کی طرف روانہ ہوا اور چند لمحے بعد ہی ہانپتا کانپتا، بھاگتا ہوا آیا، اس کی حالت دیکھ کر ہم پریشان ہو گئے تھے۔ مونا نے مذاق میں پوچھا۔ "خیریت تو ہے، کیا کوئی سانپ، بچھو یا دشمن دیکھ لیا؟"

"میرے خدا! اب پتا چلا..... ریسٹ ہاؤس کیوں چھوڑا گیا..... ہم ساری رات پل صراط پر سوئے رہے تھے۔" سفیر ہانپتے ہوئے بولا۔

"کیا بک رہا ہے میرے یار.....! عالم جنوں میں....."

"خود چل کر دیکھ لو۔" اس نے خفگی سے کہا۔

میں اور مونا اس کے ساتھ ریسٹ ہاؤس کے عقبی حصے میں آئے اور یہاں جو منظر سامنے آیا، اسے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس طرف ڈھلان تھی اور ماضی میں جنگلات کی بے دریغ کٹائی نے مٹی کو ڈھیلا کر دیا تھا۔ لینڈ سلائیڈنگ ہوئی تو ریسٹ ہاؤس کے نیچے سے بھی مٹی سرک گئی تھی اور اس وقت نصف کے قریب ریسٹ ہاؤس عملاً خلا میں تھا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ نہ تو اس کی دیواروں میں دراڑیں آئی تھیں اور نہ ہی فرش کہیں سے تڑخا تھا۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ فٹ بھر سے زیادہ موٹی دیواروں کا وزن بے پناہ ہوگا۔ چھت اور پتھر سے بنا فرش بھی کم وزنی نہیں تھا لیکن تعمیر اتنی مضبوط تھی کہ اس نے باقی نصف ریسٹ ہاؤس کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنبھال رکھا تھا۔ مونا لرز گئی تھی۔

''اگر میں رات کو دیکھ لیتی تو کبھی اس میں نہ رکتی۔ بے شک باہر سردی سے اکڑ کر مر جاتی، یہ تو موت کا پل ہے۔''

''جو میرے ایمان کی طرح نہ جانے کب سے متزلزل ہے۔'' سفیر بولا۔ ''نہ جانے کب زمین بوس ہو جائے، اب یہاں سے چلو۔''

اچانک میری نظر عمارت تلے خالی ڈھلان سے سرکتی مٹی پر پڑی۔ میں چلایا۔ ''بھاگو..... شاید عمارت گرنے والی ہے۔''

ہم افراتفری میں اوپر کی طرف بھاگے اس دوران میں سلائڈنگ تیز ہو گئی تھی۔ مونا چلائی۔ ''عمارت جھک رہی ہے۔''

سچ مچ عمارت ڈھلان کی طرف جھک رہی تھی۔ مجھے جیپ کا خیال آیا۔ نہ جانے عمارت کے گرنے سے کتنے بڑے علاقے میں لینڈ سلائیڈنگ ہوتی۔ میں جیپ کی طرف بھاگا۔ زمین لرز رہی تھی۔ مٹی اپنی جگہ چھوڑ رہی تھی۔ سب سے پہلے مونا جیپ میں گھسی۔ میں نے کہا۔ ''جیپ سے اتر دسڑک کی طرف بھاگو۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔ پیدل جائیں۔'' اس نے برہمی سے کہا۔

''میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور اسے ریورس میں پیچھے لے جانے لگا۔ اس دوران میں عمارت کا سامنے والا حصہ رفتہ رفتہ پیچھے جا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جیپ کے ٹائروں تلے مٹی سرک رہی تھی۔ جیپ اس رفتار سے پیچھے نہیں جا رہی تھی، جس رفتار سے اسے جانا چاہئے تھا حالانکہ میں نے ایکسی لیٹر پورا دبا دیا تھا۔ سفیر نہ جانے کہاں تھا، وہ جیپ میں نہیں آیا تھا۔ مٹی سرکنے سے فضا میں گرد کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ جس نے اردگرد کے منظر کو دھندلا دیا تھا۔ اچانک جیپ پیچھے کے بجائے آگے جانے لگی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' مونا خوف زدہ ہو کر بولی۔

''مونا..... نیچے کود جاؤ۔'' میں چلایا۔ ''اس جگہ بھی لینڈ سلائیڈنگ ہو رہی ہے۔''

لیکن وہ جیسے خوف سے منجمد ہو گئی تھی۔ مجبوراً میں نے اسے دروازہ کھول کر زور سے دھکا دیا۔ اس نے چیخ ماری تھی۔ میں خود بھی اسی طرح سے کود گیا کیونکہ جیپ دائیں پہلو سے ترچھی ہو کر نیچے جا رہی تھی، میں سرکتی مٹی میں گرا۔ اس پر کھڑے ہونا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے میں لیٹے لیٹے ہی ہاتھ پیروں کے بل چھپکلی کی طرح اوپر جانے لگا۔ ساتھ ہی میں چیخ چیخ کر ان دونوں کو آوازیں دے رہا تھا۔ ''مونا..... سفیر..... کہاں ہو تم؟''

مٹی اتنی زیادہ اُڑ رہی تھی کہ چند فٹ سے زیادہ فاصلے پر بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک پاس سے کسی کے کھانسنے کی آواز آئی اور میرے ہاتھ میں مونا کا ہاتھ آ گیا۔ مٹی کی وجہ سے اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھیں میں نے اسے اپنے ساتھ کھینچنا شروع کر دیا۔

''لیٹے لیٹے اوپر کھسکو۔ کھڑے ہونے کی کوشش..... مت کرو۔''

بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ کیچڑ میں تیرنے کے انداز میں ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ میں پہلے ہی اس انداز میں ہاتھ پاؤں چلاتے خود کو نیچے جانے سے روکنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ ریت کی چادر سرک رہی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس کے ساتھ پتھر اور پودے بھی چلے آ رہے تھے۔ عمارت کے گرنے سے بہت بڑا خلا پیدا ہوا تھا جسے بھرنے کے لئے اوپر سے ریت گر رہی تھی اور یہی مجھے اور مونا کو نیچے کی جانب لے جا رہی تھی۔ سفیر نہ جانے کہاں تھا۔ میں چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا۔ بڑے ہی خوف ناک لمحات تھے۔ مجھے معلوم تھا اگر ہم نے خود کو اس جگہ قائم نہ رکھا تو مٹی ہمیں نیچے لے جائے گی اور پھر اوپر سے آنے والی مٹی ہمیں زندہ دفن کر دے گی۔ اس علاقے کے باسیوں کے لئے لینڈ سلائیڈنگ نئی بات نہیں تھی، سال میں درجنوں واقعات ہوتے تھے۔ جن میں بے شمار جانیں جاتی تھیں۔ ہم آئے دن ٹی وی اور اخبارات میں ان کے بارے میں دیکھتے اور سنتے رہا کرتے تھے لیکن کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ خود بھی اس مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

''شوبی..... شوبی!'' مونا چلا رہی تھی۔

سرکتی مٹی پر پاؤں یا ہاتھ جمانا ناممکن تھا۔ اس میں ہاتھ پاؤں چلانا زیادہ مناسب تھا۔ ''مونا، اوپر چڑھنے کی کوشش کرو۔''

''کیسے؟'' اس نے کہا۔

''میں تمہارا ہاتھ چھوڑ رہا ہوں، ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل..... سانپ کی طرح رینگ کر اوپر چڑھو۔'' میں نے کہا اور اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے اسے اوپر دھکیلا اور خود بھی ہاتھ اور پاؤں مٹی میں گاڑ کر اوپر جانے لگا۔ میری کوشش تھی کہ مونا کے قریب رہوں اور اسے اوپر دھکیلتا رہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ مٹی کے سرکنے کی رفتار تیز ہو رہی تھی یعنی ہم اس خلا کے نزدیک ہو رہے تھے جو عمارت کے گرنے اور ڈھلان پر لڑھکنے سے پیدا ہوا تھا اور اس میں گرنے کا مطلب تھا کہ ہمارے بچنے کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ جاتا۔ اوپر سے نہ جانے کتنی مٹی، ریت اور پتھر آ رہے تھے۔

موت کے خیال نے میرے اندر بجلی بھر دی تھی۔ میں اوپر جانے کے لئے دیوانہ وار ہاتھ پیر چلانے لگا۔ مونا نیچے پھسل رہی تھی مجھے اس کو بھی اوپر دھکیلنا پڑ رہا تھا۔ وہ نازک سی لڑکی ان حالات میں کس طرح اپنے حواس برقرار رکھ سکتی تھی، کمزور ہونے کے باوجود ہمت سے اوپر جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''مونا..... حوصلہ رکھو..... شاباش، ہاتھ پیر چلاؤ..... رکنا مت..... ورنہ مارے جائیں گے۔''

''شوبی..... سفیر.....!'' مونا نے سسکی لی تھی۔

''وہ..... پہلے ہی..... اوپر جا چکا تھا۔'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''وہ ٹھیک ہوگا۔''

اچانک سرکتی ریت اور مٹی کی رفتار میں تیزی آئی تھی۔ شاید عمارت پوری طرح گر چکی تھی دھول مٹی کے ساتھ فضا شور اور گڑگڑاہٹ سے بھی بھر گئی تھی۔ شاید بہت بڑی لینڈ سلائیڈنگ شروع ہو چکی تھی۔ مونا خوف زدہ انداز میں چیخ رہی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں مشینی انداز میں چل رہے تھے۔ ایک بار میں نے مٹی میں پاؤں مار کر اوپر جانا چاہا تو میرا پاؤں خلا میں گیا تھا۔ میرا دل ایک لمحے کو رک گیا۔ ہم اس خلا کے عین اوپر تھے جس میں مٹی پتھر گر رہے تھے۔ اس میں جانے کا مطلب موت کے منہ میں جانا تھا۔

''یا خدا..... کیا ایسی بے بسی کی موت مقدر ہے۔'' میں نے بے ساختہ اس ہستی کو پکارا جو ہر انسان کا اوّل اور آخری سہارا ہوتا ہے لیکن ہم اسے آخر میں ہی پکارتے ہیں، اس پر بھی وہ فوری سنتا ہے۔ ٹالتا نہیں ہے۔ ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الفاظ میرے منہ سے پوری طرح نکلے بھی نہیں تھے کہ میرے ہاتھ میں ایک رسی نما شے آ گئی۔ میں نے اسے مضبوطی سے تھاما۔ پہلے تو مجھے شبہ ہوا کہ رسی بھی اوپر سے آنے والی مٹی میں شامل ہے لیکن جب میں نے اسے کھینچا تو وہ تن گئی تھی۔

''مونا میری کمر پکڑ لو۔'' میں نے چلا کر کہا۔

مونا میری کمر سے چمٹ گئی اور میں اس رسی کے بل پر خود کو اوپر کھینچنے لگا تھا۔ مٹی کے ریلے کے ریلے آ رہے تھے۔ بعض اوقات رسی ہاتھ سے پھسلنے لگتی تھی لیکن میں نے اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس وقت زندگی اور موت کے درمیان یہی معمولی سی لکیر تھیں مونا پوری قوت سے میری کمر سے چمٹی تھی۔ مجھے فکر تھی اس کی گرفت کمزور نہ ہو۔ میں بار بار اسے مضبوطی سے پکڑنے کو کہہ رہا تھا۔ مٹی بری طرح اڑ رہی تھیں آنکھیں کھولنا ناممکن تھا۔ یہ کان اور ناک میں گھسی جا رہی تھی۔ حلق میں گھس گئی تھی۔ میں بار بار کھانستا تو تھوک کے ساتھ مٹی بھی باہر آتی۔ انچ انچ کر کے میں اوپر جا رہا تھا۔ ایک بار پھر میرے پیروں میں زمین آنے لگی تھی، یعنی میں خلا سے اوپر نکل چکا تھا۔ ابتدائی خطرناک سلائیڈنگ کے بعد اب اوپر سے مٹی آنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ اچانک مونا نے چیخ ماری اور اس کی گرفت میری کمر سے ختم ہونے لگی اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے الگ ہوتی، میں نے پلٹ کر اسے تھام لیا۔ اس کا بازو میری گرفت میں آیا تھا۔

''مونا، کیا ہوا ہے..... پکڑو مجھے۔'' میں چلایا۔

مگر وہ بے حس و حرکت رہی، نہ جانے اسے کیا ہوا تھا۔ میرا دل خدشات سے بھر گیا۔ اب صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ میں نے ایک ہاتھ سے رسی تھام رکھی تھی اور دوسرے سے مونا کو۔ یہ میرا کمزور ہاتھ تھا۔ اگرچہ ابھی اس کی گرفت برقرار تھی لیکن کسی وقت یہ گرفت ختم ہو جاتی، اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ایسے نازک مواقع پر پہلے بھی کئی بار میرا یہ ہاتھ مجھے دھوکا دے چکا تھا۔ میں نے مونا کو اوپر کھینچنے کی کوشش کی لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ مٹی کا بہاؤ رکاوٹ ڈال رہا تھا اور ڈھلان بھی خاصی ہو چکی تھی۔

''مونا..... اٹھو..... ہ اکے لئے۔'' میں نے اس کے پیروں پر پاؤں سے ٹھوکر ماری۔

مونا تو نہیں ہلی البتہ میں نے محسوس کیا کہ اس کے بازو پر میرے ہاتھ کی گرفت ختم ہو رہی ہے۔ کمزوری نے اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ گرفت قائم رہے مگر ہاتھ کی قوت ہی زائل ہو رہی تھی۔ ایک بار مونا میری گرفت سے نکل جاتی تو اسے نیچے جانے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی۔ نہ جانے وہ کہاں جاتی۔ گرفت قائم رکھنے کی کوشش میں میرا جسم لرزنے اور ذہن چکرانے لگا۔ اچانک مونا کا بازو میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں نے پھرتی سے اسے ایک پاؤں سے روک لیا۔ میرا پاؤں کمر کے پاس سے اس کے گرد لپٹا تھا لیکن یہ بہت مشکل اور اذیت ناک پوز تھا۔ مونا کو نیچے جانے سے بچانے کے لئے مجھے جلد کچھ کرنا تھا۔ کٹھن حالات کے باوجود میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

میں نے رسی کھینچ کر دانتوں سے پکڑی۔ اس کے بعد سیدھے ہاتھ سے مونا کو پکڑ کر آہستہ سے اوپر کھینچنا شروع کیا۔ دانتوں پر دباؤ پڑا تو ایسا لگا کہ رسی یا جبڑا دونوں میں سے ایک شے میرے منہ سے نکل جائے گی۔ بہرحال میں رسی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ مونا کو اتنا اوپر کھینچنے کے بعد کہ وہ میرے پیروں کی گرفت میں آ سکے، میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی کمر کے گرد دونوں پیروں سے قینچی بنا کر گرفت کر لی اور سیدھے ہاتھ سے دوبارہ رسی تھام لی۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام تھا مونا کی کمر بہت کم تھی اور میں نے پیروں سے جو حلقہ بنایا تھا وہ زیادہ بڑا تھا لیکن وہ اس میں کسی نہ کسی طرح پھنس گئی تھی۔ ذرا سی دیر میں میرے دانت بجنے لگے تھے۔ سیدھے ہاتھ سے میں رسی تھام کر خود کو نیچے جانے سے روک سکتا تھا لیکن اوپر جانے کے لئے دونوں ہاتھوں کا استعمال لازمی تھا۔

اچانک مجھے سفیر کا خیال آیا اور میں نے چلا کر اسے آواز دی۔ ''سفیر!''

لیکن میرے منہ سے جو آواز نکلی تھی وہ ایک ذرا صحت مند سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ چند فٹ کے فاصلے کے بعد اسے سننا ناممکن تھا۔ بہرحال سفر کے دل کو راہ ہو گئی تھی کیونکہ اس نے مجھے اور مونا کو آواز دینا شروع کر دی تھی۔ ''مونا..... شوبی، کہاں ہو دم؟''

''اِدھر ہیں بھائی!'' میں دوبارہ سرگوشی میں چلایا۔

''مونا..... شوبی!''

''اُلو کے پٹھے، ہم یہاں ہیں۔''

اچانک، مجھے خیال آیا۔ جیپ کی چابیوں پر جو کی چین تھی اس سے ایک سیٹی بھی منسلک تھی لیکن اسے نکالنے کے لئے ضروری تھا کہ میں رسی چھوڑتا۔ میں نے الٹے ہاتھ سے کوشش کی جو انگلیاں بے جان ہونے سے ناکام رہی۔ میں نے مونا کا گال تھپتھپایا۔ ''مونا اٹھو..... شاباش دیکھو، سفیر پکار رہا ہے، اسے جواب دو۔''

بار بار ہاتھ منہ پر مارنے سے وہ کسمسانے لگی۔ ''سفی..... شوبی..... بچاؤ۔''

''مونا..... دیکھو..... سفی پکار رہا ہے۔''

اور اب سفیر گلا پھاڑ پھاڑ کر ہمیں پکار رہا تھا۔ ہماری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر اس کی آواز میں دکھ بھی شامل ہوتا جا رہا تھا۔ ''ابھی ہم زندہ ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

دو تین تھپڑ کھا کر مونا کو ہوش آ گیا تھا اور یہ بات میرے علم میں نہیں تھی۔ میں نے ایک ہاتھ اور رسید کیا تو وہ جھنجلا گئی۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

''سوری، مجھے معلوم نہیں تھا..... سفیر کو آواز دو..... میری تو آواز نہیں نکل رہی ہے۔''

''سفیر..... کہاں ہے؟''

''ابھی تو اس کی آواز آ رہی تھی، ہمیں پکار رہا تھا۔''

''سفیر!'' مونا اتنی زور سے چلائی کہ میں اچھل پڑا۔

''اسے پکارتی رہو اور مجھے پکڑ کر اس رسی تک آؤ..... یہ تمہیں اوپر لے جائے گی۔''

''تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟''

''حسبِ معمول عین موقع پر دھوکا دے گیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''مونا سفیر کو پکارتی اور مجھ پر سے گزرتی رسی تک گئی۔ ''ہاں، میں رسی پکڑ کر اوپر جا سکتی ہوں، تم میرے ساتھ اوپر آؤ۔''

''مشکل ہے۔ تم اور سفیر مل کر رسی کھینچو گے تبھی میں اوپر آ سکوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی لمحے سفیر کے پکارنے کی آواز آئی۔ مونا نے اسے جوش سے جواب دیا اور رسی کے سہارے اوپر چڑھتی چلی گئی۔ سلائیڈنگ رک گئی تھی اور فضا میں پھیلا گرد و غبار بھی کم ہو گیا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ مٹی میں پاؤں جما کر خود کو اوپر کھینچ سکوں لیکن ایک ہاتھ سے یہ کام آسان نہیں تھا۔ سفیر کی آواز قریب آنے لگی پھر میں نے اس کی مسرت بھری آواز سنی، اس نے یقیناً مونا کو دیکھ لیا تھا۔ "شوبی نیچے ہے۔ اس کا بایاں ہاتھ کام نہیں کر رہا ہے، رسی کھینچو۔"

ان دونوں نے مل کر رسی کھینچنا شروع کر دی تھی، میں ذرا ذرا سرک کر اوپر جا رہا تھا اور کچھ دیر بعد میں ان کے ساتھ اس عظیم الشان گڑھے کے کنارے تھا جو لینڈ سلائیڈنگ سے پیدا ہوا تھا۔ نیچے ابھی تک گرد و غبار کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ میں اور مونا تو مٹی کے بھوت بن گئے تھے۔ سفیر کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا تھا۔ مونا نے قہقہہ مارا۔ "قسم سے پورے بھوت لگ رہے ہو۔"

"کاش کہ میرے پاس آئینہ ہوتا" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

"بیٹے، شکر ادا کر کہ جان بچ گئی ورنہ میں نے تو کلمہ بھی پڑھ لیا تھا۔" میں نے کہا۔ "تُو کہاں تھا جب سلائیڈنگ شروع ہوئی۔"

"میں اس چٹان کی طرف بھاگا تھا۔" سفیر نے ذرا فاصلے پر واقع چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ "اس پر چڑھنے سے جان بچی تھی ورنہ مارا جاتا۔"

"ان بی بی نے منع کرنے کے باوجود جیپ میں سواری کی تھی۔" میں نے مونا کو گھورا۔

"سلائیڈنگ نے مجھے ڈرا دیا تھا۔" مونا بولی۔

"یہاں سے ہٹو..... ایسا نہ ہو یہ کنارہ بھی گر جائے۔" سفیر نے کہا تو ہم سب بے اختیار پیچھے کی طرف بھاگے تھے اور پھر سڑک پر آ کر دم لیا تھا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ لینڈ سلائیڈنگ اتنی خطرناک ہوگی۔" مونا نے طویل سانس لی۔

"حالانکہ ایک ہائکر کے طور پر تمہیں اس کا اچھی طرح اندازہ ہونا چاہئے۔" سفیر بولا۔

عملی طور پر واسطہ تو پہلی بار پڑا ہے۔" مونا جھنجلائی۔ "اور تم ہر وقت میرے پیچھے ست پڑے رہا کرو۔"

"بے چارے کے پاس یہی موقع ہے۔" میں نے بالوں اور کپڑوں سے گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد تم ہی اس کے پیچھے پڑی رہا کرو گی۔"

مونا انجان بن گئی البتہ سفیر نے شرارت سے دریافت کیا۔ "کس کے بعد؟"

"کسی کے بعد نہیں..... اب یہاں سے چلو..... کسی جگہ جائیں تو یہ مٹی اتاریں۔"

"ممکن ہے آس پاس کوئی ندی، نالا یا چشمہ مل جائے۔ کم سے کم منہ ہاتھ تو دھو لیں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یار! اس طرح سڑک پر پھرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔" سفیر نے سوچ کر کہا۔ "سڑک علاقے میں آمد و رفت کا واحد ذریعہ ہے اور اس پر فتح خان..... ڈیوڈ شایان کے گرگوں سے مڈبھیڑ کا پورا امکان ہے اور میرا خیال ورتو کھو گیا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوش قسمتی سے میرا پستول قمیص کے اندر ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔ اس کے دو میگزین بھی تھے البتہ مونا کا ریوالور سلائیڈنگ کے دوران گر گیا تھا۔ بہرحال ہم نہتے نہیں تھے۔ اس کے باوجود میں نے سفیر کی بات سے اتفاق کیا۔

''سڑک سے ہٹ کر سفر کرنا بہت مشکل اور دشوار ہوگا۔ ہم کمریں بانٹ لیتے ہیں۔ میں سامنے نظر رکھوں گا تو پیچھے اور مونا دائیں بائیں۔ جیسے ہی کوئی گاڑی نظر آئے گی، ہم سڑک سے ہٹ جائیں گے۔''

کچھ دیر بعد سفیر نے شکایت کی۔ ''مڑ مڑ کر دیکھنا بہت مشکل ہے۔''

''تو الٹا چل سکتا ہے۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

پھر مونا نے بھی دائیں بائیں دیکھنے پر شکایت کی، میں بھنا گیا۔ ''ایسا کرو..... تم لوگ ایک دوسرے کو دیکھو، چاروں طرف میں خود دیکھ لیتا ہوں۔''

یونہی چلتے چلتے اور لڑتے جھگڑتے ہم ایک بڑی سڑک پر جا نکلے۔ اسی لمحے سفیر نے خبردار کیا۔ ''پیچھے سے کوئی گاڑی آ رہی ہے۔''

ہم تینوں ایک ساتھ بھاگے اور ذرا بلندی پر موجود ایک بڑے سے پتھر کے عقب میں ہو گئے۔

''کیسی گاڑی تھی؟'' مونا نے پوچھا۔

''ابھی آئے گی تو دیکھ لینا۔'' سفیر نے جواب دیا۔

ذرا دیر بعد ایک نیلے رنگ کی فور وہیل نمودار ہوئی اور خاص بات یہ تھی کہ اس کی ڈرائیونگ نشست پر خود فتح خان براجمان تھا۔ وہ دھیمی رفتار سے ہمارے سامنے سے گزرا اور بائیں جانب مڑ گیا، میں نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا۔ ''ہمیں دائیں طرف جانا ہوگا۔''

''کہیں اس طرف ڈیوڈ شانہ مل جائے۔'' سفیر بولا۔

''بے شک..... ویسے تم دونوں نے محسوس کیا، اس بار ہمارے ساتھ فتح خان کا رویہ نرم تھا۔''

''نرمی پر یہ حال ہے۔'' مونا نے طنز کیا۔

''تم لوگوں نے اسے زیادہ نہیں دیکھا ہے..... میں اسے جانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ شاید ڈیوڈ شا کے حکم سے مجبور ہے ورنہ ہم سے تعرض بھی نہ کرتا۔''

''یہ ڈیوڈ شا کو اچانک حکیمی نسخوں کی کیا سوجھی؟'' سفیر نے دریافت کیا۔

''کمال کا سوال کیا ہے تو نے..... خود میرے ذہن میں یہی بات تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے دو عقل مند ایک سے انداز میں سوچتے ہیں۔''

''اور بے وقوف آپس میں کبھی اختلاف نہیں کرتے۔'' مونا نے معصومیت سے لقمہ دیا۔

سفیر نے اسے گھورا۔ ''کیا تم نے ہمیں بے وقوف قرار دینے کی کوشش کی ہے؟''

''نہیں، مجھے کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' مونا کا لہجہ مزید سادہ ہو گیا۔

''چل بھائی..... ورنہ واقعی ہم یہی ثابت ہوں گے۔'' میں کھڑا ہو گیا۔

اس سڑک اور ہائی وے کے آس پاس خاصے اونچے اور گھنے درخت تھے۔ کہیں کہیں یہ چھدرے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن بلندیوں پر بے حد گھنے تھے۔ اس طرف بھی نمبر مافیا نے ہاتھ کی صفائی دکھانا شروع کر دی تھی کیونکہ میرا زیادہ تر کاروبار ہی شمالی علاقے سے متعلق تھا اس لئے مجھے بخوبی اندازہ ہے کہ اس علاقے میں جنگلات کی قیمتی دولت کو کتنی بے دردی سے نقصان پہنچایا گیا ہے۔ جن پہاڑوں پر ایک زمانے میں درخت تھے، اب وہ اپنے سبز پیرہن سے محروم ہو کر ننگے ہو چکے تھے۔ اس کے اثر سے مٹی اپنی جگہ چھوڑ رہی تھی اور لینڈ سلائیڈنگ کے واقعات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ ایک زمانے میں شمالی علاقے کے دریا طغیانی سے نا آشنا تھے اب ان میں ہر سال سیلاب آتا ہے کیونکہ درختوں سے عاری چوٹیوں پر برف بے حد تیزی سے پگھل جاتی ہے۔ پانی سیلاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ عوام اور حکومت دونوں اس تباہی میں برابر کے شریک ہیں۔ لوگ اپنی اس قیمتی دولت کو جلا کر ختم کر رہے ہیں تو اس کی حفاظت کے ذمے دار رقم کے عوض نمبر مافیا کو جنگلات کے قتل عام کا پروانہ فراخ دلی سے عطا کر رہے ہیں۔

''کیا سوچ رہا ہے؟'' سفیر نے میرے شانے پر ہاتھ مارا۔

''یار! کچھ عرصے میں یہ علاقے اپنا سارا حسن کھو بیٹھیں گے۔'' میں نے اردگرد دیکھا۔ ''یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔''

''ہاں بھائی، لیکن کیا، کیا جا سکتا ہے؟'' اس نے مایوسی سے کہا۔ ''ہم تو ورثے میں ملنے والی ہر اچھی شے کو برباد کرنے والی قوم بن گئے ہیں۔''

''فی الحال اپنی فکر کرو۔'' مونا نے ہمیں یاد دلایا۔ ''ہم دشمن کی قید سے فرار ہوئے ہیں اور پیدل، لاچار پھر رہے ہیں۔ نہ کوئی ٹھکانا ہے اور نہ ہی سمت کا پتا۔''

''لیکن دشمن سے دور بھی ہیں۔'' سفیر نے اسے تسلی دی۔

''جب تک وہ سر پر نہ آ جائیں۔'' مونا نے لقمہ دیا۔

''کوئی آ رہا ہے۔'' سفیر نے مڑ کر دیکھا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔ ''شاید مرغیوں کا ٹرک ہے۔''

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنجرے ٹرک کے دونوں طرف نکلے ہوئے تھے اندر ایک ڈرائیور اور اس کا ایک عدد کلینر تھا۔ اسے روکنے کے لئے ہم تینوں سڑک کے وسط میں اس طرح کھڑے ہو گئے کہ وہ ہم پر سے گزرے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود میرے خیال میں اس نے محض اس لئے ٹرک روکا تھا کہ سب سے آگے مونا کھڑی تھی۔ اگر میں اور سفیر ہوتے تو شاید وہ ہم پر سے ٹرک گزار کر لے جاتا۔ دھول مٹی میں اَٹے ہونے کے باوجود مونا کا حسن دور سے نظر آ رہا تھا، یہ خیال سفیر نے ظاہر کیا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' ڈرائیور نے سر نکال کر پوٹھوہاری لہجے میں پوچھا، ویسے اس کی نظریں مونا پر مرکوز تھیں۔

''ہماری گاڑی لینڈ سلائیڈنگ کی نذر ہو گئی ہے۔'' میں نے پاس جا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ ''ہمیں اگلے گاؤں تک لفٹ چاہئے۔''

''آ جاؤ..... آ جاؤ۔'' اس نے فراخ دلی سے کہا۔

ٹرک کا ایک ہی خانہ تھا۔ لہٰذا سفیر اور کلینر کو اوپر جانا پڑا اور مجھے اور مونا کو ڈرائیور کے ساتھ جگہ مل گئی۔ میں نے خود اس کے ساتھ بیٹھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مونا دروازے کے ساتھ تھی، جس کا ڈرائیور نے بہت برا منایا تھا اس نے کہا بھی۔ ''اِدھر کا سیٹ نرم ہے۔ خاتون کو اِدھر بھیج دو۔''

''یہ ادھر ہی ٹھیک ہے۔'' میں نے رکھائی سے کہا اور اس نے جھٹکے سے ٹرک آگے بڑھا دیا۔

''کدھر سے آ رہا ہے تم لوگ؟''

''گئے تھے ذرا ایک کام سے۔'' میں نے کہا۔

''کس کام سے؟'' اس نے بال کی کھال نکالی۔

''ایک دشمن کا کام کرنا تھا۔'' میں نے گردن پر انگلی پھیری۔

''ایک کا.....!'' وہ مذاق سمجھا۔

''نہیں، قسمت سے ایک اور دشمن بھی اس کے ساتھ تھا۔ دونوں کا کام اکٹھے کر دیا۔''

''بی بی بھی گیا تھا؟''

''اسی نے دونوں بندے مارے..... ہم تو بس اخلاقی مدد کر رہے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم مذاق اچھا کرتا ہے۔'' وہ ہنسا۔

''نہیں، میں قتل بھی اچھا کر سکتا ہوں۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''پر اس دفعہ اس نے ضد کی تھی، اس لئے اسے موقع دیا۔''

اس بار وہ کچھ ڈر گیا۔ اس نے ذرا دیر بعد پوچھا۔ ''کیا واقعی تم لوگوں کی گاڑی سلائیڈنگ میں ضائع ہو گئی۔''

''ہم جھوٹ نہیں بولتے ورنہ اس طرح کون بتاتا ہے کہ وہ دو قتل کر کے آ رہا ہے۔''

''دو نہیں تین۔ تیسرا جو بلاوجہ پستول نکال رہا تھا۔'' مونا نے لقمہ دیا۔

''اوہ..... اسے تو میں بھول گیا تھا۔'' میں نے سر ہلایا اور پھر ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ ''دوست، ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ ہمیں جھوٹا سمجھا جائے۔ میرا خیال ہے تم دل میں ہمیں جھوٹا سمجھ رہے ہو۔''

''نہیں، بالکل نہیں.....'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''مجھے پورا یقین ہے۔''

اس کے ساتھ ہی اس کی حالت خراب نظر آنے لگی تھی اور وہ بار بار کنکھیوں سے سامنے ڈیش بورڈ کی دیکھ رہا تھا۔ اس میں غالباً رقم تھی یا کوئی اسلحہ..... اس قسم کے ٹرک ڈرائیور عام طور سے اپنے ساتھ ہی دونوں چیزیں لے کر چلا کرتے تھے اور یہ تو سپلائی کا ٹرک تھا، اس کے پاس بھاری رقم کی موجودگی لازمی بات تھی۔

''فکر مت کرو۔ ہم ڈاکو نہیں ہیں..... اور نہ ہی جرائم پیشہ ہیں۔ یہ تو بس کچھ خاندانی دشمنی کا معاملہ ہے جو نمٹانا ہی پڑتا ہے۔ اس علاقے کی روایات سے تو تم واقف ہو؟''

''لہجے سے تو تم اس علاقے کے نہیں لگتے۔'' اس نے مشکوک لہجے میں کہا۔

''اصل میں پڑھ لکھ گئے ہیں، شہر سے تعلیم حاصل کی ہے۔''

مگر اس کا شک کم نہیں ہوا۔ ایک گھنٹے بعد ٹرک ایک چھوٹے سے قصبے میں داخل ہوا۔ اس جگہ موجود ہوٹلوں کے لئے وہ مرغی لے کر آتا تھا۔ ٹرک مین بازار میں رکا۔ مونا اتر گئی اور میں نے اترنے سے پہلے ڈرائیور سے کہا۔ ''جو کہا تھا، اس کا کسی سے ذکر مت کرنا ورنہ ہمارے دشمنوں میں بلاوجہ تمہارا اضافہ ہو جائے گا۔'' میں نے قمیص اوپر کر کے اسے پستول کی جھلک بھی دکھا دی۔ اس کا رنگ اڑ گیا۔

''نہیں..... میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

سفیر بھی نیچے اتر آیا اور ہماری ہیئت کذائی دیکھ کر لوگ جمع ہونے لگے۔ میں نے ایک ذرا معقول نظر آنے والے ہوٹل کا رخ کیا۔ اس کا مالک ہماری طرف لپکا۔ سواگت کے لئے نہیں، بھگانے کے لئے۔ ''کیا اے..... کدر آتا اے..... ایسے!''

''پیچھے ہٹو۔'' میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھکیلا اور غرا کر بولا۔ ''کیا ہم تم کو فقیر نظر آتے ہیں؟''

وہ گڑبڑا گیا۔ ''تو فیر ایسا کیوں لگتا؟''

''حادثہ پیش آیا تھا۔ سب سے پہلے ہمیں منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی اور صابن دو اور پھر اپنے ہوٹل کی بہترین ڈش..... بہترین برتنوں میں لے آؤ۔''

''اچا..... اچا، ابی بندوبست فرماتا اے۔'' اس نے دانت نکالے اور اپنے لڑکے کو مقامی زبان میں گرم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پانی اور صابن لانے کا حکم دیا۔

''جناب نے یہ جو فراخ دلی سے آرڈر فرمایا ہے۔'' مونا نے دبی زبان میں کہا۔ ''اس کی ادائیگی کہاں سے کی جائے گی؟''

''گلے خان زندہ باد۔ اس کا بٹوا بھی اس کی طرح بھاری بھرکم ہے۔'' میں نے بٹوا نکال کر مونا سے زیادہ ہوٹل کے مالک کو ہرے، سرمئی اور لال نوٹوں کی جھلک دکھائی، اس کا خاطر خواہ اثر ہوا کیونکہ اس کے بعد مالک نے ہوٹل میں ہنگامی حالات نافذ کر دیئے تھے۔ ہر شخص بھاگ دوڑ کرنے لگا اور یہ ساری بھاگ دوڑ ہماری خاطر تھی۔ عقب سے مرغیوں کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں اور سامنے ہوٹل کا باورچی مالک پر چلا رہا تھا۔ کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ آرڈر ایمرجنسی میں صحیح..... پر کھانا اتنی جلدی کیسے بن سکتا تھا۔ مالک کے اصرار پر اس نے گستاخانہ لہجے میں کہا۔

''تو م..... خود بنالے۔''

مالک نے کھسیا کر ہمیں دیکھا اور دانت نکالے۔ ''امارا والد..... ذرا پاگل اے۔''

''والد!'' میں دم بخود رہ گیا تھا۔ ''یہ تمہارا باپ ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ ہوٹل اسی نے بنایا..... ام چلاتا اے۔''

یعنی ناخلف بیٹے نے باپ کو معزول کر کے اسے باورچی کے درجے پر فائز کرتے ہوئے خود ہوٹل کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ ''کھانا بے شک ذرا دیر سے ملے لیکن ہو قرینے کا۔''

میں، مونا اور سفیر اس طرف بڑھ گئے جہاں منہ ہاتھ دھونے کا انتظام تھا۔ گرم پانی اور صابن کے ساتھ صاف ستھرا تولیا بھی تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر اور ممکن حد تک خود کو صاف ستھرا کر کے ہم اپنے لئے خاص طور سے بچھائی گئی میز پر آ گئے۔ اس پر صاف سفید کپڑا بچھا تھا۔ ہوٹل کے مالک نے اس وقت ہمارے دل جیت لئے جب بیٹھتے ہی اس نے گرما گرم بھاپ اڑاتی چائے لا کر دی۔

''جیو.....'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ایک بات بتاؤ، یہ کون سا علاقہ ہے؟''

اس نے پہلے حیرت اور پھر شک سے مجھے دیکھا۔ ''آپ کو نئیں معلوم؟''

''ہم گلگت کے لئے سفر کر رہے تھے، راستہ بھٹک گئے۔''

''یہ کاغان ویلی کا علاقہ ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا!'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''اس علاقے میں میرے ایک بہت اچھے دوست ہیں۔ راجا عمرو راز صاحب! بہت دنوں سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''راجا صیب!'' وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ راجا صیب کا دوست اے؟''

''ہاں۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''ام کو مافی دو۔'' وہ گڑگڑایا۔ ''ام کو نئیں معلوم تھا۔''

''ہاں..... لیکن تم پریشان مت ہو۔''

''آپ اِدر بیٹے او..... ام کو راجا صیب گدے پر بٹائے گا۔'' اس نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ ''ملہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کالا فرما کر۔"

"تم جانتے ہو..... راجا صاحب کا محل کس طرف ہے۔"

"دور اے..... پر ام اُدر لے جائے گا۔" اس نے نیاز مندی سے سینے پر ہاتھ باندھ کر کہا۔

"یہ تو اچھا ہوا۔" مونا خوش ہو گئی۔ "ورنہ ہم بغیر گاڑی اور سامان کے کہاں جاتے۔"

میں نے ہوٹل کے مالک کو لینڈ سلائیڈنگ کے بارے میں بتایا۔ "ہماری گاڑی اس میں تباہ ہو گئی۔ سامان بھی اسی میں تھا۔"

"فکر مت کرو صیب! ام اسے بھی نکالے گا، آپ جگہ بتاؤ۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ معاملہ غلط رخ پر جا رہا تھا۔ جیپ ہماری نہیں تھی۔ اسے نکالنے کی صورت میں ہمارے لئے مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ پھر میں نے راجا عمر دراز کا نام لیا تھا اس لئے ہمارا سراغ بھی آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ "مجھے جگہ نہیں یاد ہے۔" میں نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔ "فی الحال کھانا اور اس کے بعد ہمیں راجا صاحب تک پہنچانے کے لئے کسی گاڑی کا بندوبست کرو۔"

مونا نے سر ہلایا۔ "گاڑی کا بندوبست راجا صاحب خود کریں گے۔"

ہم جس طرح بے تکلفی سے تقریباً برابری کی سطح پر راجا صاحب کا ذکر کر رہے تھے اس سے وہ خاصا مرعوب نظر آ رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد سفیر نے دانت پیسے۔

"آپ کو آج کل زیادہ ہی بکواس کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔"

"صحبت کا اثر لازم ہے۔" میں نے بھی دانت نکالے۔

ہوٹل کے مالک کا باپ چڑچڑا اور غصہ ور سہی لیکن وہ باورچی لاجواب تھا، اس نے کمال کے چکن پیس تلے اور کیا شاندار قسم کے تکے بنائے جو بھیڑ کے گوشت کے تھے، ساتھ میں تنوری نان تھے۔ کھانے کا مزہ آ گیا۔ اس کے بعد اس نے خاص قسم کی سبز چائے پلائی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ جب اس خاطر تواضع کا بل سامنے آیا تو میرے ہوش اُڑ گئے تھے۔ "پندرہ سو روپے! ہم نے ایسا کیا کھایا ہے؟"

"دے دو..... یار، مزے کیے ہیں، پیسے بھی تو لگاؤ۔" سفیر نے آنکھ ماری۔

میں نے بٹوا نکالا تو ہوٹل کے مالک نے بل لیا، پین سے پندرہ سو کی رقم کاٹی اور اسے پانچ سو کر دیا۔ وہ چالاک آدمی اس طرح ہمیں بتا رہا تھا کہ اصل بل تو پندرہ سو روپے بنتا ہے لیکن وہ ہم سے راجا صاحب کا مہمان اور دوست ہونے کی وجہ سے صرف پانچ سو لے رہا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح وہ راجا عمر دراز کی نظروں میں نمبر بناتا اور بل بھی وصول کر لیتا یعنی اصل بل..... میں نے پانچ سو کا نوٹ اس کے سامنے رکھا۔

"یہ رہا بل!"

اس نے دانت نکالے اور نوٹ لے لیا۔ پھر میں نے ہزار کا نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔

"اور یہ تمہاری میزبانی کے صلے میں۔"

اس نے پھر دانت نکالے اور یہ نوٹ بھی وصول کر لیا۔ اس کے بعد وہ بولا۔ "ایک جیپ آپ کو راجا صیب کے پاس لے جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے ہمارے لئے جس جیپ کا بندوبست کیا تھا اسے دیکھ کر لگتا تھا، وہ ہمیں راجا عمر دراز کے پاس نہیں بلکہ خدا کے پاس لے جانے کے لئے تھی۔ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ جیپ شاید ٹیکسلا کے کھنڈرات سے برآمد ہوئی تھی۔ اسے ٹیکسلا میوزیم میں ہونا چاہیے تھا۔ ایک دبلا پتلا اور لمبا سا مقامی شخص جیپ کے بونٹ پر بیٹھا سگریٹ کے کش اتنے خشوع وخضوع سے لگا رہا تھا جیسے اس سے زیادہ ضروری کام دنیا میں اور کوئی نہ ہو۔ ''ہم اس جیپ میں جائیں گے؟'' مونا نے مشکوک لہجے میں ہوٹل کے مالک سے پوچھا۔

''ہاں..... جائے گا..... اس کا شکل مت دیکھو..... جیپ بوت اچا اے۔''

''اس میں کوئی شبہ نہیں ہے..... جب یہ فیکٹری سے نکلی تھی، تب اچھی تھی۔'' سفیر نے اس کی تائید کی۔

''مگر اس پر آدمی صرف پل صراط عبور کرنے کی ہمت کر سکتا ہے۔''

''میں کم سے کم اس جیپ پر نہیں جا سکتی۔'' مونا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

یہ سن کر ہوٹل کا مالک پریشان نظر آنے لگا۔ مجھے یقین تھا، وہ جیپ کے مالک یا ڈرائیور سے پہلے ہی اپنا کمیشن وصول کر چکا تھا۔ اس نے ہمیں قائل کرنے کی سعی شروع کر دی۔ ''آپ..... ایک بار دیکو، بیٹو..... جیپ بوت اچا۔''

''اس میں تم بیٹھو۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے لیے انسانوں والی سواری کا بندوبست کرو۔''

لیکن سفیر کچھ سوچ رہا تھا، وہ مجھے ایک طرف لے گیا۔ ''یار..... بحث کرنے کے بجائے..... یہاں سے نکلنے کی کرو۔ اس سے پہلے کہ کوئی نئی مصیبت آئے..... ہمیں راجا کے محل میں ہونا چاہئے۔''

اس کی بات مجھے درست لگی۔ واقعی ہمیں جیپ کے بجائے اپنی ذاتی حالت دیکھنا چاہئے۔ میں نے سر ہلایا۔ ''تو ٹھیک کہہ رہا ہے، ہمیں نکلنے کی کرنی چاہئے۔''

ہم جیپ کے ڈرائیور کے پاس آئے۔ ''کب تک روانگی ہو سکتی ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''ابی چلو۔'' اس نے سگریٹ کے بچ جانے والے ٹوٹے کو بادل نخواستہ پھینکا۔

''تو بس چلو۔'' میں نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

''کیا.....؟'' مونا بولی۔

''بحث کا وقت نہیں ہے، بس چلو۔'' سفیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

جیپ چلنے میں اتنی بری نہیں تھی، سیٹیں بھی ٹھیک تھیں۔ بس ظاہری حالت خراب تھی، میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ''ہم کتنی دیر میں پہنچیں گے؟''

''کل صبح تک۔'' اس نے جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا!'' میں اچھل پڑا تھا۔ ''کل صبح؟''

''ہاں، راستہ خراب اے۔''

''رات کہاں رکیں گے؟''

''ایک گاؤں تک پہنچ جائے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''رات اُدر رکے گا۔ فیر کل چلے گا۔''

تن بہ تقدیر ہم بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے جیپ آگے بڑھائی۔ ''اُدر پرسوں سلائڈ ہوا اے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا ہم سڑک سے ہٹ کر گزریں گے؟''

''دو جگہ سے۔'' اس نے سر ہلایا۔

''مارے گئے۔'' مونا کراہی۔ ''شاید راجا کے پاس ہمارے پیس پہنچیں۔''

''سارے..... راستے خراب نہیں ہوتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''کچھ اچھے بھی ہوتے ہیں۔''

''ہاں، یہی ایک دو فی صد!'' سفیر نے لقمہ دیا۔

''میرا تو ٹخنوں سے برا حال ہے۔'' مونا سیٹ پر پھیل کر بولی۔

''بس زیادہ دیر نہیں..... تین چار گھنٹے بعد ہم مذکورہ گاؤں میں ہوں گے اس کے بعد تم لمبی تان کر سو سکتی ہو۔''

''بات جلدی کی نہیں..... رات ہونے والی ہے۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد یہ لوگ سفر نہیں کرتے ہیں، کیوں ستاد؟'' میں نے ڈرائیور کے شانے پر ہاتھ مارا، اس نے دانت نکالے۔

''ٹھیک فرمایا صیب!''

سردیوں میں دن چھوٹے اور خاص طور سے پہاڑی علاقوں میں بہت ہی چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ شام چار پانچ بجے ہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔ ابھی کیونکہ سرما کا آغاز تھا، اکتوبر کا دوسرا ہفتہ چل رہا تھا اس لئے ساڑھے پانچ بجے تک روشنی رہتی تھی۔ ابھی دو بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے، میں نے ڈرائیور سے وقت کے لحاظ سے پوچھا۔ ''ہم کتنے بجے تک گاؤں پہنچیں گے؟''

''چھ بجے۔'' اس نے جواب دیا۔

واقعی، لینڈ سلائڈنگ کی وجہ سے راستوں کی حالت خراب تھی۔ کئی مقامات پر مٹی کے تودے جمع ہونے سے اصل سڑک بند تھی اس لئے متبادل راستہ تلاش کرنا پڑا تھا اور یہ متبادل راستہ عام طور سے ایسا ہوتا تھا کہ جوڑ اڑا لگ ہو جاتا تھا، کم سے کم اس وقت لگتا ایسا ہی تھا۔ شام ہو گئی تھی اور ہم ابھی تک پہاڑوں میں رینگ رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے تقریباً تاریکی چھا چکی تھی۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ''ابھی کتنی مسافت اور ہے؟''

''یہ تو ام کو نئیں معلوم۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

''او بھائی! مزید کتنی دیر لگے گی؟'' سفیر نے آسان الفاظ میں پوچھا۔

''ایک گھنٹا اور اے۔''

بہر حال یہ ایک گھنٹا محض ڈیڑھ گھنٹے میں پورا ہو گیا اور ہم سات بجے ایک گاؤں میں داخل ہوئے جہاں گھروں میں سونے کے لئے جا چکے تھے۔ ڈرائیور نے جیپ ایک باغ میں روکی جس میں اخروٹ اور سیب کے درخت تھے۔ اس نے باغ کے ساتھ ملے ہوئے گھر کا دروازہ بجایا اور اندر غائب ہو گیا۔

''یہ کہاں گیا؟'' مونا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے یہ اس کا گھر ہے۔'' سفیر نے خیال ظاہر کیا۔ ''کوئی کسی کے گھر میں ایسی بے تکلفی سے جا سکتا ہے؟''

ڈرائیور دس منٹ بعد آیا۔ ''آؤ صیب!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکان لکڑی اور مٹی پتھر کا بنا تھا، اس کی چھت لکڑی کی تھی آدھا مکان زمین کے اندر تھا۔ گھٹا ہوا اور ہوا سے محروم۔ اس نے ہمیں رہائش کے لئے ایک کمرا دیا۔ اس مکان کو دیکھ کر مجھے سرمد علی کا گھر یاد آ گیا۔ وہاں ایسا ہی تنگ و تاریک اور گھٹا ہوا تھا۔ نہ جانے سرمد علی اور اس کے خاندان والے کیسے تھے۔ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے گاؤں کے اسکول میں پڑھانا چاہتا تھا۔ سفیر اور مونا فرش پر بچھے ہوئے لیکن نرم قالین پر ڈھیر ہو گئے۔ ایک طرف مٹی کے تیل کا لیمپ روشن تھا۔ کچھ دیر میں ڈرائیور مالک گل آیا۔ اس نے ایک چھوٹی سی سینی پر تین پیالیاں رکھی تھیں۔ ''ابی کا نا آتا اے۔'' اس نے اطلاع دی۔

''مالک..... یہ تمہارا مکان ہے۔'' میں نے قہوے کی چسکی لی۔

''اللہ کے فضل سے؟'' اس نے جواب دیا۔ ''اور امارا بی بی اور بچہ لوگ اے۔''

''ہمیں کمبل بھی چاہئے۔'' مونا نے کہا۔ ''ایسے رات نہیں گزار سکتے ہم۔''

''ام ابی لایا۔'' اس نے مستعدی سے کہا اور چلا گیا۔ ہم مالک کے سامنے محتاط تھے، اس کے سامنے کوئی خاص معاملات پر بات نہیں کی تھی۔ اب موقع ملا تھا۔ سفیر اور مونا میرے قریب کھسک آئے۔

''یار شوبی! جب فتح خان اور ڈیوڈ شا آئیں گے تو گلے خان کا کیا ہوا ہوگا؟''

''حالانکہ اس بے چارے کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سارا حرامی پن ڈیوڈ شا کے ساتھیوں کا تھا۔'' میں نے کہا۔

''پھر بھی شامت غریب کی آتی ہے۔'' مونا تلخی سے بولی۔

''میرا نہیں خیال کہ گلے خان وہاں رکا ہوگا۔'' سفیر بولا۔ ''اتنی عقل اس کے پاس بھی ہے کہ فرار ہونے میں عافیت ہوگی۔''

''فتح خان کہاں جا رہا تھا؟'' مونا نے اچانک سوال کیا۔

''اور اس سے بھی زیادہ اہم سوال ہے وہ کہاں سے آ رہا تھا؟'' سفیر نے پوچھا۔

''اس کا جواب بہت آسان ہے، وہ کوٹلی کی طرف سے آ رہا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور کہاں جا رہا تھا؟'' مونا نے پوچھا تو میں چونک گیا۔

''یہ واقعی اہم سوال ہے..... ممکن ہے وہ اس جگہ جا رہا ہو جہاں برٹ شا کو قید رکھا گیا ہے۔''

''اس کا تعاقب کر کے وہ جگہ معلوم کی جا سکتی ہے۔'' سفیر نے غور کیا۔

''کیوں نہیں۔'' میں نے جوش سے کہا۔ ''اگر ہم نے راجا کو اس بارے میں بتایا تو وہ ضرور کوئی نہ کوئی قدم اٹھائے گا۔''

''برٹ شا کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ فتح خان کی قید سے نکل کر راجا کی قید میں چلا جائے گا۔'' مونا نے کہا۔

''نہیں، مجھے امید ہے راجا اسے قید نہیں کرے گا، وہ اعلیٰ ظرف انسان ہے۔ وہ برٹ شا کو رہا کرا کے اسے اس کے سفارت خانے کے حوالے کر دے گا۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''یا ممکن ہے، اس سے ہیروں والی جگہ اگلوانے کی کوشش کرے۔ آخر دولت سے کسے دلچسپی نہیں ہوتی؟''

سفیر کی اس بات پر میں نے کہا۔ ''راجا سے مجھے ایسی امید نہیں ہے، اس پر بھی اس نے برٹ شا سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلوک کیا تو وہ حق بجانب ہوگا کہ کیونکہ برٹ شا نے اس سے کہیں برا سلوک کیا تھا۔ اس کی چیزیں بھی چرانے کی کوشش کی تھی اور اسے چور بھی قرار دیا تھا۔

اس پر بات اس پُراسرار تصویر کی طرف مڑ گئی جو فی الحال ڈیوڈ شا کے قبضے میں تھی۔ مونا نے پُراسرار سے انداز میں ہی پوچھا۔ ''کیا یہ تصویر واقعی کسی انجانی سرزمین سے متعلق ہے۔ جہاں پُراسرار اشیاء اور جانور پائے جاتے ہیں؟''

''مجھے راجا نے یہی بتایا تھا اور میں اس کی بات پر یقین کرنے پر مجبور ہوں کیونکہ اسے اس بارے میں مجھ سے غلط بیانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے یہ چالاک گورا خاندان جس طرح اس تصویر کے پیچھے پڑا رہا ہے، اس سے بھی لگتا ہے، بات میں کسی نہ کسی درجے کی صداقت ہے لیکن محض ایک تصویر کی بنیاد پر میں پُراسرار اشیاء اور جانوروں کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ جبکہ راجا عمر دراز نے بھی ان کا سرسری سا ذکر کیا تھا۔''

''وہ جو تمہیں اپنے سفر کی رُوداد سنا رہا تھا؟'' مونا نے یاد کیا۔

''ہاں، لیکن ابھی اس کی پہلی قسط ہی سنائی ہے اور باقی آئندہ..... اس کے بعد مجھے راجا عمر دراز سے ملاقات کا موقع ہی نہیں ملا۔''

''اب ہم اس کے پاس جا رہے ہیں۔ اس سے پوری کہانی سنیں گے۔'' مونا بولی۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔ ''اس کہانی کا ہمارے ساتھ براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے، ہو ہی جائے۔'' سفیر قالین پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''سوچ..... ڈیوڈ شا کو ہم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے..... وہ ہمارے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟''

''شاید میرے ہاتھ کی وجہ سے۔'' میں نے غور کیا۔ ''وہ اس کا تجزیہ کرانا چاہتا تھا۔''

''اس کام کے لئے تم نے کافی تھے..... ہمیں کیوں اغوا کرایا؟'' اس بار مونا نے پوچھا۔

''تم دونوں کو یرغمال کے طور پر رکھنا تھا۔'' میں نے وضاحت پیش کی۔

''نہیں، یار! یہ بات دل کو نہیں لگتی..... اگر اسے پتھر چاہئے تو اس کے لئے اور بھی طریقے ہیں، ہمیں اغوا کے ہم سے یہ کام لینا خاصا مشکل طریقہ کار نہیں ہے؟''

''ہاں، یہ تو ہاتھ گھما کر ناک پکڑنے والی بات ہے۔'' میں نے غور کیا۔ ''دوسرے طریقے سے یہ کام زیادہ آسانی سے اور خاموشی سے کیا جا سکتا تھا۔''

''ممکن ہے اس نے دوسرا طریقہ آزما لیا ہوں'' مونا بولی۔ ''اس میں ناکامی کے بعد اس نے ہمیں پکڑا ہو۔''

''سب ممکن ہے۔'' میں بھی دراز ہو گیا۔ اس سفر نے جوڑوں کا حشر کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد مالک گل کمبل لے آیا پھر اس نے تسلہ لا کر ہمارے ہاتھ دھلائے۔ آخر میں کھانا آیا جو سبزی، باجرے کی روٹی اور مکھن پر مشتمل تھا۔ سبزی گلی ہونے کے باوجود لذیذ ثابت ہوا۔ کھانا کھا کر ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب اپنی اپنی جگہوں پر دراز ہو گئے۔ اس کے بعد آنکھ کھلی تو صبح نمودار ہو چکی تھی، کم سے کم مکان کے اندر آتی زنانہ آوازوں سے یہی لگ رہا تھا۔ مونا غائب تھی۔ دوسری خاتون یا خواتین یقیناً مالک گل کے خاندان کی عورتیں تھیں۔ جیسے ہی میں اٹھا، مالک گل جن کی طرح نمودار ہوا، اسے نہ جانے کیسے ہماری بیداری کی اطلاع ملی تھی۔

''چلو صیب!'' اس نے چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا۔ ''ابی جانا بی اے۔''

مالک گل کی رہنمائی میں ہم حوائج ضروریہ سے فارغ ہوئے۔ یہ مرحلہ خاصی دقت سے سر ہوا گو کہ مکانات ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے مگر ہم اس ماحول کے عادی نہیں تھے، بہرحال ہم نے فرض کر لیا کہ پردہ آنکھ کا ہوتا ہے اور آنکھ ہر شخص کی ذاتی ذمے داری ہے۔ ناشتے میں مکئی کی موٹی سی روٹی تھی جس پر مکھن کا ڈلا پگھل رہا تھا، اس کے بعد حسبِ معمول قہوہ، ان علاقوں میں چائے کا رواج نہیں تھا۔ ناشتے کے فوراً بعد ہم روانگی کے لئے تیار ہوئے۔ مالک گل جیپ کا تیل پانی چیک کر رہا تھا۔ مونا اندر عورتوں میں تھی، وہ سب سے آخر میں ہنستی ہوئی برآمد ہوئی۔ ''بائی گاڈ! کتنی حرے کی ہیں، یہاں کی عورتیں۔'' اس نے ہمیں آگاہ فرمایا۔

''عورتیں.....!'' میں نے انگریزی میں غور کیا اور بھول گیا کہ شمالی علاقے میں سیاحوں کے ساتھ کام کرنے والے اردو زبان سے واقف ہوں نہ ہوں، انگریزی ضرور جانتے ہیں۔ ''مالک گل کی کتنی بیویاں ہیں؟''

''دو صاحب!'' مالک گل نے انگریزی میں کہا تو میں سٹپٹا گیا تھا۔

''معاف کرنا یار! میں تمہارے گھر پر بات کر رہا ہوں۔''

وہ مسکرایا۔ ''آپ صیب اے.....اچا آدمی اے.....آپ بات کر سکتا اے۔''

''میں تو صبح سویرے اٹھ گئی تھی۔'' مونا جلدی سے جیپ میں گھستے ہوئے بولی۔ اس نے اندر سے شیشہ بند کر لیا تھا۔ اگرچہ سورج پوری آب و تاب سے روشن تھا لیکن ہوا یخ تھی اور ہم گرم کپڑوں میں بھی ٹھٹھر رہے تھے۔ میں نے مالک سے پوچھا۔

''مالک! ابھی کتنا سفر باقی ہے؟''

''تین گھنٹے کا صیب!'' اس نے جواب دیا اور جیپ کا کھلا بونٹ بند کر دیا پھر اس کے انجن تلے رکھا ہوا آئل اسٹوو نکالا جو رات بھر کے جمے ہوئے اور سرد انجن کو گرم کر رہا تھا۔ اس کے بعد چند بار سیلف گھمانے سے انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ اسے چلتا چھوڑ کر وہ اسٹوو مکان میں رکھنے گیا۔ کچھ دیر بعد ہم مالک گل کے گاؤں سے سڑک کی طرف جا رہے تھے۔ جھٹکوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو سڑک آنے تک جاری رہا تھا۔ خدا خدا کر کے سڑک آئی۔

''کیا راجا عمر درا اپنے محل میں ہوگا؟'' مونا نے فکرمندی سے پوچھا۔

''وہ نہ بھی ہوا تو اس کے سارے ملازمین مجھے جانتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

جیپ دو جگہ اور راستے سے اتری۔ ایک جگہ سڑک بہا لے جانے والی آبشار کے راستے پر ہم پتھر جما کر گزرے اور ایک جگہ لینڈ سلائڈنگ سے بال بال بچے۔ ہم گزر رہے تھے کہ اوپر سے مٹی اور پتھر برس پڑے تھے۔

''مالک گل! تم لوگوں نے درختوں کا صفایا کر کے اپنے ماحول کو بگاڑ دیا ہے۔'' سفیر نے اس سے کہا۔

''اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ام نے خراب نہیں کیا اے پر.....درخت تو شہر کا لوگ لے جاتا اے.....ام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھوڑا کچرا کاٹتا..... وہ سارا جنگل لے جاتا۔"

"یہ درست کہہ رہا ہے۔" میں نے تائید کی۔ "اس علاقے میں فطرت کی تباہی میں مقامی لوگ بھی شامل ہیں لیکن اصل تباہی باہر کے لوگ لاتے ہیں۔"

"بارکا آدمی..... درخت کاٹتا ہے..... بار سے سامان لاتا..... کچرا ادر ڈالتا ہے..... اور چلا جاتا ہے۔"

وہ درست کہہ رہا تھا، بغیر کسی پلاننگ کے سیاحت سے اس علاقے کے فطری ماحول کو بہت نقصان ہو رہا تھا۔ میدانی علاقوں سے جب لوگ آتے تو سامان لاتے اور اسے استعمال کر کے کچرا اس جگہ پھینک جاتے تھے۔ ہمارے لوگوں کے مقابلے میں بیرون ملک سے جو سیاح اور مہماتی ٹیمیں آتی ہیں، وہ ماحول کی صفائی ستھرائی کا بہت خیال رکھتی ہیں۔ اپنے ساتھ جو بھی لاتی ہیں، اسے پیک کر کے واپس بھی لے جاتی ہیں۔ حد یہ ہے کہ میں نے دیکھا ہے یہ لوگ حتی الامکان دوسروں کا پھیلایا ہوا کچرا بھی صاف کرتے ہیں۔ مغربی سیاحوں کی ایک ٹیم خاص طور سے اس لئے آئی تھی کہ کے ٹو اور اس کے آس پاس کی چوٹیوں کے گرد جو کچرا جمع ہو گیا ہے، اسے جمع کر کے واپس میدانی علاقے میں لے جایا جائے۔ افسوس کہ ان غیر ملکیوں کو دیکھ کر بھی ہمارے لوگ سبق سیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔

مالک گل کی جیپ بظاہر کھٹارا تھی لیکن چلنے میں بہترین تھی۔ اس نے سوائے راستے کے دھکوں کے ہمیں اور کوئی تکلیف نہیں دی تھیں، ہم نو بجے روانہ ہوئے تھے۔ مالک گل نے بارہ بجے تک پہنچنے کی نوید سنائی تھی لیکن ہم اندازے سے صرف ڈیڑھ گھنٹا لیٹ، راجا عمر دراز کے محل کو جانے والے پہاڑی راستے کے نیچے تھے۔ راستے میں سرمد علی کا گاؤں آیا تھا جو اب بھی ویسا ہی سکڑا سمٹا اور خوابیدہ تھا۔ جس میں زندگی کی واحد علامت یعنی بچے بھی نظر نہیں آتے تھے۔ بعد میں پتا چلا، بچے اسکول میں تھے۔ بالآخر راجا عمر دراز اپنے علاقے میں دو عدد اسکول کھولنے میں کامیاب رہا تھا۔ ایک لڑکیوں کے لئے جو ابھی پرائمری تک تھا جبکہ لڑکوں کے لئے موجود اسکول مڈل تک جا پہنچا تھا۔

مالک گل کو ہم نے نیچے سے رخصت کر دیا۔ کرائے کے اوپر مزید پانچ سو لے کر وہ بے حد خوشی خوشی رخصت ہوا تھا۔ سامان ہمارے پاس کچھ تھا نہیں، اس لئے بے فکری سے اوپر چل پڑے ابھی آدھے راستے میں تھے کہ اوپر سے دو ملازم آتے دکھائی دیئے۔ انہوں نے راجا کے محل کے ملازموں کی مخصوص وردی پہن رکھی تھی۔ یہ سرخ رنگ کے انگلش کوٹ اور سفید پتلون پر مشتمل تھی۔ ایسا لباس عام طور سے قیام پاکستان سے قبل معزز گورے پہنا کرتے تھے۔ گویا راجا نے ان سے انتقام لیا تھا۔ انگریزوں نے ٹیپو سلطان کو شہید کرنے کے بعد ان کا درباری لباس ملازموں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ افسوس آج بھی کالے انگریز اپنے ملازموں کو یہی لباس پہناتے ہیں۔ راجا عمر دراز اپنے ملازموں کو انگریزوں کا لباس پہنا کر ان سے بدلہ لے رہا تھا۔

"آپ کون ہیں اور کس سے ملنے آئے ہیں۔" ان میں سے ایک نے صاف ستھری اردو میں دریافت کیا۔ "آپ محل جانے والے راستے پر ہیں۔"

"ہم محل میں جا رہے ہیں، راجا عمر دراز سے ملنے۔ کیا وہ محل میں تشریف رکھتے ہیں؟"

"جناب کا اسم گرامی؟" ملازم اچانک مؤدب اور محتاط ہو گیا تھا۔ راجا کا ذکر اتنی بے تکلفی سے کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے عام افراد نہیں ہو سکتے تھے۔

''شہباز ملک اور یہ میرے ساتھی ہیں..... ہم راجا سے ملاقات کرنے آئے ہیں۔''

''آئیں جناب!'' اس نے بغیر کوئی مزید سوال کیے ہماری رہنمائی کی۔ محل کی چار دیواری کسی قدر بلند ہو گئی تھی، البتہ اس کا گیٹ اور اس کے دائیں بائیں لگے شیروں کے مجسمے ویسے ہی تھے۔ ذیلی دروازہ کھلا اور ہم رنگ و بو کی ایک دنیا میں داخل ہوئے تھے۔ ایسی بھانت بھانت کی خوشبوئیں تھیں کہ انسان چکرا کر رہ جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ گزشتہ سالوں میں پھولوں کی تعداد اور اقسام میں اضافہ ہوا تھا۔

''میرے خدا!'' مونا نے گہری سانس لی۔ ''اتنی طرح کی خوشبوئیں؟''

''ان میں سے بیشتر پھول تم نے کبھی نہیں دیکھے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''حیرت انگیز طور پر بعض پھول دار پودے صرف دیوسائی کے میدان پر پائے جاتے ہیں لیکن راجا نے کسی ترکیب سے انہیں یہاں سات ہزار فٹ کی بلندی پر اُگا لیا ہے۔''

پختہ روشوں سے گزرتے ہوئے ہم محل کی عمارت تک پہنچے۔ شاید اس پر اسی سال ہلکا گلابی رنگ کیا گیا تھا کیونکہ رنگ بے حد تازہ لگ رہا تھا۔ راجا عمر دراز حسبِ معمول سامنے والے ٹیرس پر دھوپ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے محل کے معاملات نمٹا رہا تھا۔ یہ ٹیرس اس انداز میں بنایا گیا تھا کہ طلوعِ آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک اس کی روشنی ٹیرس پر رہتی تھی، بشرطیکہ آسمان پر بادل نہ ہوں۔ راجا کا سیکرٹری بیگ اس کے پاس کھڑا اسے بعض کاغذات ملاحظہ کرتے دیکھ رہا تھا۔ پہلے اس کی نظر ہم پر پڑی۔ وہ چونکا اور اس نے جلدی سے جھک کر راجا کے کان میں سرگوشی کی۔ راجا نے بے حد نارمل انداز میں ہماری طرف دیکھا اور کچھ کہا۔ بیگ اتر کر ہماری طرف آیا۔ اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ ''اخاہ..... ! شہباز صاحب، کیا حال ہیں؟''

''تمہارے سامنے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا راجا صاحب اس وقت مصروف ہیں؟''

''جی ہاں، آئیے میرے ساتھ۔''

وہ ہمیں راجا کے پاس لے جانے کے بجائے محل کے بائیں طرف واقع مہمان خانے میں لایا۔ ''میرا خیال ہے..... راجا صاحب کو ہمارا آنا پسند نہیں آیا ہے۔'' میں نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

مونا اور سفیر بھی اس استقبال سے کسی قدر مشتعل تھے۔ ''اگر راجا کو ہمارا آنا ناگوار گزرا ہے تو ہمیں بھی ایسی مار نہیں پڑی ہے۔'' مونا غصے سے بولی۔

''بی بی! راجا صاحب کا احترام ملحوظِ خاطر رکھیں۔'' بیگ نے تنبیہ کی۔ ''اور ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بعض وجوہات کی بنا پر راجا صاحب آپ سے نہیں مل سکتے..... لیکن آپ تازہ دم ہو جائیں اور کچھ کھا پی لیں، اس کے بعد راجا صاحب سے بھی ملاقات ہو گی۔''

''راجا صاحب کے انداز سے تو نہیں لگ رہا کہ وہ ہم سے ملاقات ضروری سمجھتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔'' اس نے سمجھایا۔ ''میں نے کہا ناں..... بعض وجوہات کی بنا پر راجا صاحب سب کے سامنے آپ سے ملاقات نہیں کرنا چاہتے۔''

میں نے غور کیا۔ ''تمہارا مطلب ہے، پوتڑے پر جو لوگ راجا صاحب کے سامنے تھے، ان میں بیرون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محل کے لوگ بھی شامل ہیں؟"

"شکر ہے۔" بیگ نے گہری سانس لی۔ "آپ میری بات تو سمجھے۔"

"ٹھیک ہے..... اس معاملے کو بعد میں دیکھیں گے، فی الحال تو ہمارے لئے کپڑوں کا بندوبست کرو۔"

بیگ نے ہمیں مہمان خانے کے ملازموں کے حوالے کیا۔ مونا کے لئے خاص طور سے ایک ملازمہ کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اگلے دو گھنٹوں میں ہم نہانے دھونے اور لباس کی تبدیلی سے لے کر طعام تک کے مراحل سے گزر چکے تھے۔ میرے لئے ایک شاندار قسم کا شلوار سوٹ تھا اور سفیر کو ایک کرتہ پاجامہ پورا آیا تھا البتہ مونا کو مقامی طرز کے لباس پر اکتفا کرنا پڑا تھا۔ اس کی ہیت کذائی دیکھ کر سفیر نے بلند آواز سے قہقہہ رسید کیا تھا۔ کڑھی ہوئی پھولدار قمیص اتنی لمبی تھی کہ ٹخنوں سے ذرا ہی اوپر تھی۔ پہلے مونا جھینپی پھر غصے میں آ گئیں "اپنے بارے میں کیا خیال ہے، پچھلی صدی کے لکھنوی نمونے!"

"میرا خیال ہے یہ راجا عمر دراز کا کوئی لباس ہے جو اس نے اس زمانے میں سلوایا تھا۔" میں نے بھی سفیر پر غور کیا۔

"میں نے ایک وارڈ روب سے خود نکالا ہے۔" سفیر نے اعلان کیا۔ "ویسے اس میں ہر طرح کے لباس تھے مگر مجھے یہی پسند آیا۔"

سفیر نے کرتے پر صدری لے رکھی تھی۔ اس موسم میں اس کے بغیر گزارہ نہیں تھا۔ کھانا حسب روایت پُرتکلف تھا جو ہم نے چھوٹے طعام خانے میں کھایا۔ یہ مہمان خانے سے ملا ہوا تھا اور میرے لئے نیا تھا۔ اس سے فارغ ہوتے ہوئے شام کے چار بج گئے تھے۔ مجھے تعجب تھا کہ راجا نے ہم سے ملنے کے لئے کوئی بے تابی نہیں دکھائی اس وقت باہر کے لوگ آئے ہوئے تھے مگر انہیں گئے ہوئے بھی خاصی دیر ہو چکی تھی۔ مونا اور سفیر اس معاملے سے بے نیاز تھے۔ کھانے کے بعد وہ دونوں مٹرگشت کے لئے محل کے باغ کی طرف چلے گئے اور میں بستر پر دراز ہو گیا۔ نہا دھو کر اور کھا پی کر تھکن اتر گئی تھی۔ اب اکتاہٹ تھی۔ میں سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ "آ جاؤ" میں نے بلند آواز میں کہا۔ بیگ اندر آیا تھا، میں بستر پر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ کو راجا صاحب نے یاد کیا ہے۔" اس نے کسی قدر شرمندگی سے کہا۔ "شاید آپ آرام کر رہے تھے، میں مخل ہوا۔"

"اب تو ہو ہی گئے ہو۔" میں نے سرد آہ بھری۔

راجا عمر دراز اپنے خاص کمرے میں خاص انداز میں موجود تھا۔ یعنی شمال کی طرف والی کھڑکی کھلی تھی اور آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی۔ راجا نے مجھ سے ہاتھ ملایا لیکن اس کا رویہ گرم جوشی سے بالکل عاری تھا۔ مجھے پھر احساس ہونے لگا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ راجا سے ملے مجھے خاصا عرصہ گزر گیا تھا اور وہ شاید اس چکر سے بے زار ہو چکا تھا۔

"خیریت تو ہے راجا صاحب! آپ کچھ فکرمند نظر آ رہے ہیں؟" میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"ہاں، خیریت ہے۔" اس نے روکھے انداز میں کہا۔

"اور شاید آپ ہمارے سے آنے سے خوش بھی نہیں ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری اس دوٹوک بات نے اسے چونکا دیا۔ ''تم نے ایسا کیوں محسوس کیا برخوردار!''

''آپ جو محسوس کرا رہے ہیں، میں وہی محسوس کروں گا۔'' میں نے بھی رکھائی سے کہا۔ ''ویسے آپ کو ہمارا آنا ناگوار گزرا ہے تو آپ صاف بتا دیں۔''

''یہ بات نہیں ہے برخوردار! دراصل گزشتہ کچھ عرصے سے حالات عجیب سے چل رہے ہیں۔''

''ہاں اور مجھے از خود عجیب حالات کا براہ راست تجربہ بھی ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا آپ جانتے ہیں ڈیوڈ شا آپ کے علاقے میں ہے؟''

راجا عمر دراز عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ''تو تمہیں یہ بات معلوم ہے؟''

''معلوم۔'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''جناب! ہم اس کی قید سے فرار ہو کر آ رہے ہیں۔''

''حیرت ہے، اس نے مونا اور سفیر کو کیسے آنے دیا؟'' راجا عمر دراز بولا تو مجھے پھر گڑبڑ کا احساس ہوا۔ میں نے گہری سانس لی۔

''راجا صاحب! بہتر ہوگا آپ کھل کر بات کریں۔''

''ٹھیک ہے..... بیگ اسے ریکارڈنگ سناؤ۔'' راجا عمر دراز نے اپنے سیکرٹری کو حکم دیا اور اس نے اپنے لبادے سے ایک ننھا سا ریکارڈر نکال کر اس کا پلے کا بٹن دبا دیا۔ فوراً ہی کمرے میں میری اور ڈیوڈ شا کی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ یہ وہی گفتگو تھی جو ڈیوڈ شا مجھ سے اس مخصوص پتھر کے بارے میں کر رہا تھا جو حکیم قادس اپنی معجزہ صفت دوائیوں میں استعمال کرتا تھا۔ دس منٹ کے اس ریکارڈ میں جو گفتگو تھی اس کے مطابق میں نہ صرف مونا اور سفیر کو بچانے کے لئے بلکہ مرشد علی سے جان چھڑانے اور ایک لاکھ برطانوی پاؤنڈز اسٹرلنگ کے بدلے میں ڈیوڈ شا کو وہ پتھر لے جا کر دینے پر آمادہ تھا۔ ظاہر ہے یہ جعلسازی تھی کیونکہ مجھ سے ہونے والی گفتگو میں ڈیوڈ شا نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی، یہ اضافہ اس نے بعد میں کیا تھا، اسے ایڈٹ کرتے ہوئے۔ میں اور راجا دونوں خاموشی سے سنتے رہے تھے حتیٰ کہ ریکارڈر چپ ہو گیا۔ راجا عمر دراز نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیا کہتے ہو برخوردار، اس کے بارے میں؟''

میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''آپ کیا سوچ رہے ہیں؟''

''مجھے یہ ریکارڈنگ آج صبح ملی ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ان لوگوں کی ٹائمنگ پرفیکٹ ہے۔ غالباً انہیں یقین تھا، میں آپ کے پاس آؤں گا۔''

اس نے چبھتی نظروں سے دیکھا۔ ''شاید تم کہنا چاہ رہے ہو کہ یہ ریکارڈنگ غلط ہے؟''

''سوال یہ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے، میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں کہ یہ غلط ہے اور آپ کس طرح یقین کریں گے؟''

وہ ناگواری سے بولا۔ ''میں بچہ نہیں ہوں، شبہات مجھے بھی ہیں۔''

''کہ میں معاہدے کے مطابق وہ پتھر لینے آیا ہوں۔''

''نہیں..... کیا یہ ریکارڈنگ جعلی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''معاف کیجئے گا راجا صاحب! آپ کا طرزِ عمل آپ کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔''

''اس قسم کے حالات میں ایسا طرزِ عمل لازمی ہے۔'' اس بار سیکرٹری بیگ بولا تھا۔

''پھر بھی میں اس قسم کے حالات کا عادی نہیں ہوں۔ اگر راجا صاحب مجھ پر شک کر رہے ہیں تو میرا یہاں سے رخصت ہو جانا بہتر ہے۔''

''میں تم پر شک نہیں کر رہا ہوں۔'' اس بار راجا نے نرمی سے کہا تھا۔

''تب بھی میرا یہاں سے چلے جانا بہتر ہوگا۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' راجا نے مجھے ڈانٹا۔ اس کے لہجے میں شفقت بھی آ گئی۔ ''تم اتنے خود مختار کب سے ہو گئے ہو؟''

''راجا صاحب میں نے ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے اس لئے نہیں کہ آپ دولت مند یا بااثر شخص ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ مجھ جیسے عام سے شخص کے ساتھ آپ نے شفقت اور ہمدردی کا برتاؤ کیا ہے، آپ بڑے انسان ہیں..... لیکن بہر حال انسان ہیں، جو بدگمان بھی ہو جاتا ہے۔''

''مجھے ڈیوڈ شا سے پہلے بھی خبر کی توقع نہیں تھی اور تمہاری بات سن کر مجھے بالکل یقین ہو گیا ہے۔''

راجا عمر دراز بولتے بولتے رکا اس نے بیگ کی طرف دیکھا۔ راجا کا نصف صدی کا رازداں اس کی آنکھ کا اشارہ سمجھ کر وہ خاموشی سے کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد راجا نے بات جاری رکھی تھی۔ ''تم نے درست کہا، میں عام انسان بھی ہوں، بدگمان بھی ہو جاتا ہوں لیکن تمہارے ساتھ اس طرزِ عمل کی ایک خاص وجہ اور بھی ہے۔ مجھے شبہ ہے محل میں ڈیوڈ شا کا کوئی جاسوس موجود ہے۔''

''وہ کیسے؟'' میں چونکا۔

''یہ ریکارڈر صبح ناشتے کی میز پر پایا گیا تھا۔''

''اور آپ کو اب بھی شبہ ہے؟'' میں حیران رہ گیا تھا۔

''ممکن ہے..... یہ کام کسی نے لالچ میں کر دیا ہو۔'' راجا نے کہا۔ ''صبح کے وقت تقریباً ایک درجن ملازمین کاموں کے لئے محل میں داخل ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی یہ کام کر سکتا ہے۔''

''ممکن ہے، صبح کے وقت ریکارڈر رکھنے کی وجہ یہی ہو کہ آپ کا شبہ ان جز وقتی ملازمین کی طرف جائے۔''

''سب کچھ ممکن ہے۔ عام طور سے عارضی ملازمین کو تلاشی کے بعد اندر آنے دیا جاتا ہے لیکن آج صبح بارش کی وجہ سے ملازمین کی سرسری تلاشی لی گئی تھی اس لئے عین ممکن ہے کوئی چھپا کر اندر لانے میں کامیاب ہو گیا ہو۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''یعنی اب آپ کو مجھ پر شبہ نہیں ہے۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم پر شبہ کرنے کا مطلب ہے میں انسانوں کو شناخت کرنے کی صلاحیت کھو چکا ہوں۔''

''آپ کو معلوم ہے کہ حکیم قادس زندہ ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ اندازہ مجھے ریکارڈ سنتے ہی ہو گیا تھا۔''

''ڈیوڈ شا میرے نہیں بلکہ حکیم قادس کے چکر میں تھا۔ اس نے اسے اغوا کرنے کے لئے یہ سارا چکر شروع کیا تھا۔ راجا صاحب آپ کو ماننا پڑے گا، ڈیوڈ شا اس پُراسرار وادی اور اس کے عجائبات کے چکر میں ہے۔''

''ہاں، یہ بات ماننا پڑے گی۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''لیکن وہ ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''تم یہ بات نہیں سمجھو گے۔'' وہ مسکرایا۔ ''وہ احمق گورا ابھی اسے نہیں سمجھ سکتا۔ وہ اسے اپنے انداز میں لے رہا ہے۔''

''کس انداز میں؟''

''مادی انداز میں..... یہ چیزیں مادی فائدہ حاصل کرنے کے لئے نہیں ہیں۔''

''آپ کا کیا خیال ہے، وہ ان چیزوں کو روحانی لحاظ سے لے گا۔ نہیں جناب، وہ اسے کھوجنے اور جاننے کے بعد اپنے مفاد میں استعمال کرے گا۔ اس کا رویہ مغربی کلچر کے عین مطابق ہے۔ آپ اسے الزام نہیں دے سکتے۔ ہاں، آپ اسے روک سکتے ہیں لیکن کیسے..... یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔''

''میرا خیال ہے مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں راجا صاحب! کیا اس سے اس کی حوصلہ افزائی نہیں ہو گی۔ ڈیوڈ شا آپ کے خلاف مسلسل سرگرم عمل ہے۔ اس نے آپ کی تصویر حاصل کی، اس نے حکیم قادس کو اغوا کیا اور اب بھی وہ آپ کے محل اور اس کے پُراسرار خزانوں میں نقب لگانے کی فکر میں ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ہاں، اس کی وجہ ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''میں نے سب کچھ یہاں سے ہٹا دیا ہے۔ اب یہاں کچھ نہیں ہے اس لئے کچھ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ رہا حکیم قادس تو وہ اس کے لئے بے کار ہے۔ وہ اپنی دواؤں میں جو اجزا استعمال کرتا ہے، وہ میرے پاس ہیں اور صرف مجھے معلوم ہیں کہ کہاں سے ملتے ہیں۔''

''اس پُراسرار وادی سے۔'' میں نے بچوں کی طرح سوال کیا۔

''وہ مسکرایا۔ ''ڈیوڈ شا احمق ہے۔''

''ایسا مت کہئے جناب! ڈیوڈ شا ولیم شا کے خاندان سے متعلق ہے۔ جس طرح آپ نے اس جگہ کا سفر کیا تھا۔ اس نے بھی کیا تھا۔ کیا ڈیوڈ شا ان نشانات کے سہارے اس وادی تک نہیں جا سکتا ہے۔''

''اگر جا سکتا تو اب تک یہاں جھک نہ مار رہا ہوتا۔ گورے وقت ضائع نہیں کرتے اور تم اس معاملے میں زیادہ فکر مت کرو۔ ابھی کچھ دن تم میرے ''عتاب'' میں رہو گے، بظاہر تم پر باہر جانے کی پابندی بھی ہو گی لیکن صرف نمائشی..... اگر میرے محل میں ڈیوڈ شا کا کوئی جاسوس ہے تو وہ اس تک یہ اطلاع پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ میرے تمام آدمی زیر نگرانی ہوں گے۔''

اس کے بعد گفتگو کا رخ مجھے پیش آنے والے واقعات کی طرف مڑ گیا تھا۔ اگرچہ درمیان میں راجا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عمر دراز کو میرے بارے میں اطلاعات ملتی رہی تھیں لیکن اسے زیادہ علم نہیں تھا۔ میں نے واقعات کا خلاصہ کر کے سنایا تھا، اس کے باوجود خاصی دیر لگ گئی۔ جب میں نے بات مکمل کی تو اس نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''کھانے کا وقت ہو گیا ہے، اب تم اپنے کمرے میں جاؤ اور ان دونوں کو بھی بتا دینا۔''

''ایک سوال اور ہے..... کیا آپ ڈیوڈ شا کے خلاف کارروائی نہیں کریں گے؟ جبکہ اس کا ایک گماشتہ بھی آپ کے علم میں آ گیا ہے؟''

''نہیں، کیونکہ وہ یہاں سرکاری سرپرستی میں آیا ہے، اس لئے اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ البتہ میرے آدمی اب اس کی نگرانی ضرور کریں گے۔''

''راجا صاحب، اس کے خلاف حکیم قادس کے اغوا کی رپورٹ.....''

''ہرگز نہیں۔ اس صورت میں وہ اسے مار بھی سکتا ہے اور میں ہرگز ایسا نہیں چاہوں گا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''وہ زیادہ دیر اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکے گا۔''

''اور میرے خیال میں وہ اسے اپنے پاس رکھنے کے لئے مرا جا رہا ہے، صرف حکیم کو نکال لے جانے کے لئے اس نے دو خوفناک کتوں کو مارا تھا۔''

''میں نے کہا ناں..... وہ احمق ہے۔'' راجا ناگواری سے بولا۔ ''تصویر اور حکیم کو حاصل کر کے وہ سمجھ رہا ہے اس نے خاص کارنامہ انجام دیا ہے۔''

اچانک مجھے برٹ شا کا خیال آیا، میں نے اس کے بارے میں اسے بتایا ہی نہیں تھا۔ ''راجا صاحب! ایک بات اور..... کیا آپ کے علم میں ہے کہ برٹ شا زندہ ہے؟''

''نہیں۔'' وہ حیران رہ گیا۔ ''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''وہ ایسے کہ میں خود اس سے مل چکا ہوں۔ وہ فتح خان کی قید میں ہے اور چالاک فتح خان نے ڈیوڈ شا کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔''

راجا عمر دراز ابھی تک حیران تھا۔ ''گیارہ سال سے فتح خان نے اسے قید کر رکھا ہے، کیوں.....؟''

''آپ بھول رہے ہیں۔ برٹ شا کے پاس قیمتی ہیرے تھے۔ بین الاقوامی مارکیٹ میں ان کی قیمت آج کل کروڑوں ڈالرز میں ہے۔ جب آپ کے محل سے فرار کے بعد فتح خان نے مجھے پکڑ لیا تھا تو برٹ شا اور اس کی بیٹی ایمن بھی اس کے پاس تھے۔ فتح خان کو اتفاق سے ہیروں کا علم ہو گیا۔''

''اور وہ برٹ شا کے پیچھے پڑ گیا۔'' راجا عمر دراز نے زہر خند سے کہا۔ ''کیا برٹ شا کو علم نہیں تھا، فتح خان مجھ سے غداری کر کے اس سے ملا تھا اور ایسا شخص کسی کا وفادار نہیں ہو سکتا ہے۔''

''خاصی کش مکش کے بعد میں ایمن کو بچانے میں کامیاب رہا تھا لیکن برٹ شا غائب ہو گیا۔ ابھی تین دن پہلے تک میرا یہی خیال تھا کہ برٹ شا مارا گیا ہے۔ اس کی بیٹی کو بھی اپنے باپ کے مارے جانے کا بڑی حد تک یقین تھا۔ پھر بھی وہ اپنی تسلی کے لئے برطانیہ کی وزارت خارجہ کے توسط سے کیس ری اوپن کرا رہی ہے۔''

''ایمن شاہ..... میں نے دیکھا ہے اسے، بہت پیاری لڑکی ہے۔''

''پچھلے دنوں میری اس سے بات ہوئی تھی اور وہ پاکستان آنے والی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ آ چکی ہے۔'' راجا عمر دراز نے تصحیح کی۔ ''گزشتہ رات وہ میریٹ ہوٹل اسلام آباد میں تھی۔''

''آپ کی انٹیلی جنس بھرپور طریقے سے کام کر رہی ہے۔''

''کام ہی نہیں..... میرے آدمی اس کی حفاظت بھی کر رہے ہیں۔ اسے کوئی خطرہ ہوا تو وہ حرکت میں آنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کریں گے۔''

''وسیم اور اس کی بہن کا پتا چلا؟''

''نہیں، میرے آدمی اسے بھی تلاش کر رہے ہیں۔'' راجا عمر دراز سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ''مجھے بھی اس کی فکر ہے خدا کرے وہ بچ گیا ہو۔''

''خدا کرے.....'' میں نے کہا لیکن وسیم کے غائب ہونے کا سن کر میرے اندر اندیشے جاگ اٹھے تھے۔ بے شک وہ لاہور سے نکل گیا تھا کیونکہ وہاں اس کا کوئی ساتھی باقی نہیں رہا تھا لیکن راولپنڈی میں اس کے ساتھی اور ان کے ٹھکانے موجود تھے۔ وہ ان کے پاس کیوں نہیں آیا؟ میں نے جب راجا عمر دراز سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا۔

''وسیم کے باقی ساتھی غائب ہیں اور ان کے ٹھکانے ویران پڑے ہیں۔''

''اوہ.....'' میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''یہی وجہ ہے وسیم آپ سے رابطہ نہ کر سکا۔''

''نہیں، مجھ سے رابطہ کرنا کون سا مشکل تھا۔ میرے تمام رابطے اس کے علم میں ہیں۔''

''پھر اس نے رابطہ کیوں نہیں کیا؟'' میں ایک بار پھر فکر مند ہو گیا۔

اس کا ممکنہ جواب میرے اور غالباً راجا کے ذہن میں بھی تھا لیکن ہم نے زبان پر لانے سے گریز کیا تھا۔

☆======☆======☆

''کہاں غائب تھے جناب؟'' سفیر نے مجھے دیکھتے ہی خفگی سے کہا۔ ''پورے تین گھنٹے بعد تشریف آوری ہوئی ہے اور یہاں کوئی سیدھے منہ بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

''میں ایسے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔'' مونا نے پاؤں پٹخے۔

''اور کیا میری نہ سہی..... اس کی عزت تو ہے۔'' سفیر نے اس کی تائید کی۔

''ایک منٹ پہلے میری سن لو، اس کے بعد بکواس کرنا۔''

''میں نے انہیں اپنے اور راجا عمر دراز کے درمیان ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔ ریکارڈر کا سن کر وہ حیران رہ گئے تھے۔ سفیر نے طیش میں کہا۔ ''ڈیوڈ شاہ بڑا ہی حرام زادہ نکلا۔''

''اس جیسے آدمی سے ایسی چھوٹی حرکت کی توقع ہی تھی۔'' مونا بولی۔

''ان کے لئے کوئی حرکت چھوٹی بڑی نہیں ہوتی۔ دشمن کو بہر صورت ٹھکانے لگانا ان کا مقصد ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''البتہ مجھے ڈیوڈ شاہ سے اتنی احمقانہ حرکت کی امید نہیں تھی، آج کل یہ پتا چلانا بہت آسان ہے کہ ریکارڈنگ میں جعل سازی ہوتی ہے یا نہیں؟''

''مجھے راجا پر حیرت ہے، وہ اس کے خلاف کسی کارروائی کے لئے تیار نہیں ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''جبکہ حکیم قادس بھی اس کے قبضے میں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے لگ رہا ہے راجا کے ذہن میں کوئی خاص بات ہے لیکن ابھی وہ ہمیں بتانا نہیں چاہ رہا ہے، ممکن ہے کچھ دن میں بات واضح ہو جائے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ پھر انہیں وسیم اور اس کے ساتھیوں کے بارے آپ ڈیٹ کیا۔ آنے والے تین دن تک راجا کے سامنے نہ تو ہماری طلبی ہوئی اور نہ ہی ملازمین نے راجا کے بارے میں کوئی واضح جواب دیا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ راجا عمر دراز تخلیے میں ہے اور وہاں تک رسائی عام ملازمین کے بس کی بات نہیں تھی۔ صرف سیکرٹری بیگ راجا کے پاس جا سکتا تھا لیکن وہ بھی غائب تھا۔ اس لئے ان تین دنوں میں ہم نے آرام کیا۔ راجا کے محل میں فون کی سہولت نہیں تھی بلکہ اس پوری وادی میں دور دور تک فون یا بجلی کا نام و نشان نہیں تھا۔ مونا، سفیر اور میں صبح ناشتا کر کے مٹرگشت کرنے کے لئے نکل جاتے تھے۔ راجا کے دو مسلح محافظ ہمارے ساتھ ہوتے لیکن وہ دور دور سے نگرانی کرتے۔ ان تین دنوں میں ہم نے وادی کے چپے چپے کو چھان مارا تھا۔ تیسرے دن ہم وادی کے وسط میں قائم اسکول بھی ہو آئے اور مجھے سرمد علی کو لڑکوں کے اسکول کا ہیڈ ماسٹر دیکھ کر خوشی ہوئی تھی لیکن وہ اتنے عام سے بلکہ روکھے انداز میں ملا کہ مجھے خفت محسوس ہونے لگی۔ ظاہر ہے اس بے چارے کے خاندان کو گیارہ سال پہلے اس کی سوتیلی ماں کا کیا دھرا بھگتنا پڑا تھا اور اس داستان رسوائی کا ایک کردار میں بھی تھا۔ اگرچہ میرا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔

مونا لڑکیوں والے اسکول میں گئی اور اس نے وہاں اتنی دیر لگائی کہ میں اور سفیر تنگ آ کر ذرا دور ایک باغ کی منڈیر پر جا بیٹھے۔ یہ منڈیر کوئی ڈھائی فٹ چوڑی تھی اور سورج کی روشنی نے پتھروں کو معقول حد تک گرم کر دیا تھا۔ سفیر لیٹتے ہوئے کراہا۔ ''بھوک سے برا حال ہے، یہ مونا کب نکلے گی وہاں سے؟''

''سمجھ لے..... میں بھی عنقریب فوت ہونے والا ہوں۔'' میں نے اس کی تائید کی۔

''اگر مونا آدھے گھنٹے کے اندر نہ آئی تو میں روانہ ہو جاؤں گا۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ہاں بھائی، آج کل مجنوں ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''وہ اپنا ایک لوکل عاشق تھا مہینوال..... سنا ہے ران کے کباب بنا کر کھلا دیئے تھے اور آپ.....؟''

''فی الحال تو یہ حال ہے کہ اپنے کباب خود کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

اسی لمحے مونا اسکول سے نکلتی نظر آئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ ہم دونوں اس کی طرف لپکے ''محل چلیں؟''

سفیر کے اس سوال پر اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''مجھے پتا ہے دونوں بھوکے ہوں گے۔''

''آفرین ہے تم پر۔'' میں نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔ ''اگر ان پہاڑوں پر گھوم پھر کر بھی تمہیں بھوک نہیں لگ رہی ہے۔''

''نہیں، بھوک تو لگ رہی تھی لیکن اندر بچیوں کو پڑھانے والی دونوں استانیوں نے اصرار کر کے مجھے اپنے لنچ میں شامل کر لیا تھا۔''

سفیر بھنا گیا۔ ''دیکھی تُو نے اس کی خود غرضی؟''

میں نے بھی ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ ''تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی، اکیلے اکیلے کھاتے ہوئے؟''

''ساگ، مکئی کی روٹی اور مکھن تھا۔'' مونا نے جلانے والے انداز میں کہا۔

''شکر ہے۔'' سفیر نے سکون کا سانس لیا۔ ''اچھا کیا تم نے دعوت نہیں دی۔ یہ ساگ پات جیسی چیزیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حلق سے نہیں اترتیں۔"

"ہم جا کر قورمہ اور پلاؤ کھائیں گے۔" میں نے بھی سفیر کی تائید کی۔

مونا نے بہت دور نظر آنے والے محل کی طرف دیکھا اور سر ہلا کر بولی۔ "چلو قورمے اور پلاؤ کا تصور تم لوگوں کو وہاں تک جانے کی ہمت تو دے گا۔"

"تم ہمیں کسی صورت دل برداشتہ نہیں کر سکتیں۔ مردوں کے لئے ایسی چھوٹی موٹی تکلیفوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" سفیر نے بے نیازی سے کہا اور ہم نے محل کی طرف مارچ شروع کر دیا۔ فرق اتنا تھا کہ ہم کو نیک مارچ کرنا چاہ رہے تھے اور مونا سیاسی مارچ کر رہی تھی یعنی خراماں خراماں ٹہلتے ہوئے آ رہی تھی۔ اس نے رفتار تیز کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

"پیٹ بھر کر کھانے کے بعد مجھ سے تیز نہیں چلا جاتا۔"

"ٹھیک ہے، تم آتی رہنا، ہم جا رہے ہیں۔"

"اچھا....." مونا نے سفیر کو گھورا۔ "ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ مرد حضرات ایسی چھوٹی تکالیف کی پروا نہیں کرتے۔"

"تکالیف کی بات اور ہے..... لیکن مسئلہ اس وقت فطرت کی پکار کا ہے۔"

مونا طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ "دونوں کو..... بیک وقت؟"

"احمق!" میں نے سفیر کو گھورا۔ "سوچ سمجھے بغیر مت بولا کرو۔"

سفیر بھی کھسیا گیا اور مونا بھی اپنے جملے پر شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم محل میں داخل ہوئے تو مجھے سچ مچ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں بھوک سے فوت ہونے والا ہوں۔ میں نے اور سفیر نے سیدھا طعام خانے کا رخ کیا۔ خوش قسمتی سے باورچی خانے میں کھانا تیار تھا۔ اس لئے ہماری فرمائش پر فوری طور پر کھانا لگا دیا گیا۔ تھکن اور پُرخوری کے احساس کے ساتھ ہم سب نے اپنے کمروں کا رخ کیا۔ راجا عمر دراز نے محل میں بجلی کی سپلائی کا نظام بہتر کر لیا تھا۔ جنریٹرز اور بیٹریوں کی مدد سے ایسا نظام قائم کیا گیا تھا کہ محل میں چوبیس گھنٹے بجلی رہا کرتی تھی۔ میں سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔ یہاں پر سورج غروب ہوتے ہی منٹوں میں تاریکی چھا جاتی تھی۔ گھڑی دیکھی تو شام کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ میں نے لباس تبدیل کیا، راجا کے ملازمین نے ہمارے ناپ کے کئی لباس اور دوسری چیزیں مہیا کر دی تھیں۔ میں باہر ہی نکلا تھا کہ بیگ نظر آ گیا، وہ شاید میری طرف ہی آ رہا تھا۔

"جناب، راجا صاحب آپ تینوں کا چائے کی میز پر انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے رسمی علیک سلیک کے بعد کہا۔

"حیرت ہے، آج راجا صاحب نے کیسے یاد کر لیا؟"

"بس جناب، کچھ معاملات تھے۔ راجا صاحب مصروف تھے، اس وقت ایک ضروری معاملے پر بات کرنے کے لئے آپ کو بلایا ہے۔"

راجا عمر دراز اندرون خانہ کوئی کھچڑی پکا رہا تھا۔ میں نے مونا اور سفیر کو جگایا۔ وہ دونوں تیار ہوئے تو ان کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے کر راجا عمر دراز کے کمرا خاص کا رخ کیا۔ بیگ نے بتایا تھا، شام کی چائے کا بندوبست وہیں تھا۔ راجا ہمارا منتظر تھا۔ اس نے گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا تھا۔ ''آؤ میرے بچو! میں سب سے پہلے اس رویے کے لئے معذرت خواہ ہوں جو میں نے تم لوگوں سے روا رکھا۔''

''شرمندہ مت کریں راجا صاحب! آپ ہمارے محسن ہی نہیں، بزرگ بھی ہیں اور بزرگ اپنے بچوں سے معافی نہیں مانگتے۔'' مونا ادب سے بولی تو راجا عمر دراز خوش نظر آنے لگا۔

''جیتی رہو بیٹی! ماشاء اللہ بہت سعادت مند ہو۔''

مونا شرمائی۔ ''شکریہ راجا صاحب!''

''تم مجھے چچا بھی کہہ سکتی ہو۔'' راجا عمر دراز نے کمال شفقت سے کہا۔ ''تم میرے لئے بیٹی کی طرح ہو۔''

مونا نے پھر شکریہ ادا کیا اور سب کے لئے چائے بنانے لگی۔ ساتھ ہی میز پر کھانے پینے کے کئی لوازمات تھے۔ ان سے انصاف کرنے اور چائے نوشی کے دوران میں خاموشی رہی۔ میں منتظر تھا کہ راجا عمر دراز کب اس اہم معاملے کی طرف آتا ہے۔ آخر اس نے چائے کی پیالی رکھ کر منہ صاف کیا۔

''ایمن شا نے پاکستانی حکومت سے رابطہ کیا ہے۔''

''آپ اس کے معمولات سے باخبر ہیں؟'' میں نے کہا۔

''ہاں اور کل یا پرسوں تک وہ اس معاملے کو اٹھانے کے لئے سیکرٹری داخلہ سے ملاقات کرنے جا رہی ہے۔''

''وہ ہمارے سابق آقاؤں کی اولاد ہے وزیراعظم اور صدر تک سے مل سکتی ہے۔'' سفیر نے طنز کیا۔

''برخوردار! غیر متعلقہ باتوں سے گریز کرو۔ معاملہ بہت اہم ہے، فتح خان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آج کسی وقت اسلام آباد کے لئے روانہ ہوا ہے۔ میرے جاسوسوں نے اسے چیک پوسٹ سے گزرتے دیکھا ہے۔''

''میرے خدا!! ایمن خطرے میں ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ''میں چاہتا ہوں، تم لوگ اسے بچانے کے لئے فوری طور پر روانہ ہو جاؤ۔''

''ہم لوگ!'' مونا نے ہچکچا کر کہا۔

''ہاں، میں اپنے آدمی بھی بھیج سکتا تھا لیکن ایمن ان پر اعتماد نہیں کرے گی۔ وہ صرف شہباز پر اعتماد کرے گی۔''

میں نے غور کیا۔ ''کیا اسے یہاں لانا ہے؟''

''لازمی بات ہے۔ فتح خان اور ڈیوڈ شا اس کے دشمن ہو رہے ہیں۔ حکومت اسے تحفظ نہیں دے سکتی۔ اس لئے ہم اسے تحفظ دیں گے۔''

''مجھے کب روانہ ہونا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہیں نہیں، ہم دونوں نے۔'' سفیر نے جلدی سے تصحیح کی۔

''نہیں، ہم تینوں نے۔'' مونا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

راجا عمر دراز ہماری نوک جھوک پر مسکرا رہا تھا۔ ''یہ فیصلہ میں تم لوگوں پر چھوڑتا ہوں کہ کون جائے گا۔ روانگی آج ہی ہے۔ میرا پانچ افراد پر مشتمل خاص دستہ تمہارے ساتھ جائے گا، یہ سب مار دھاڑ کے ماہر ہیں۔''

''آج ہی..... یعنی رات کو؟'' میں چونکا۔

''رات کا وقت ہی بہترین ہے، جیسے میرے آدمی اس علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں، اسی طرح دشمن کے جاسوس بھی ہوں گے۔ تمہارا ان کی نظروں سے بچنا بہت ضروری ہے۔''

''میرا خیال ہے مونا یہیں رہے۔'' میں نے ہچکچا کر کہا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ غرائی۔ ''میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔''

''یار، تُو سمجھا اسے۔'' میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔

وہ ہنسا۔ ''یہ بھی ایک کہی تم نے..... اگر یہ میرے کہنے میں ہوتی تو آج ہم حویلی میں نہ ہوتے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''مونا..... تم نہیں جاؤ گی۔''

اس نے مجھے گھورا اور پھر پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ عمر دراز جواب تک مسکرا رہا تھا، اس کے جاتے ہی سنجیدہ ہو گیا۔

''شہباز! یہ بہت مشکل کام ہے۔ اس میں خطرہ بھی ہے۔ خاص طور سے تمہارے لئے۔ پولیس کا خطرہ الگ ہے اور فتح خان بھی دشمن ہے، تم چاہو تو جانے سے انکار کر سکتے ہو۔''

''میں جاؤں گا راجا صاحب! اور اسے میں اپنا کام سمجھ کر کروں گا۔ خطرات کے بارے میں سوچنا پریشان ہونا میں بہت پہلے چھوڑ چکا ہوں۔''

راجا عمر دراز کا چہرہ کھل گیا تھا۔ ''دیکھو..... یہ ضروری ہے کہ ہم دشمن کو کامیاب نہ ہونے دیں، اسے اس کے مقاصد سے روکیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ فتح خان کیوں اسلام آباد گیا ہے لیکن ایمن کے آتے ہی اس کا وہاں جانا معنی خیز ہے۔ ممکن ہے اسے ڈیوڈ شا نے بھیجا ہو یا وہ خود اسے اغوا کرنے کی فکر میں ہوتا کہ اس کے باپ پر دباؤ ڈال کر اس سے ہیرے حاصل کر سکے۔''

''دونوں صورتوں میں ایمن کا ان کے ہاتھ نہ آنا ہماری کامیابی ہو گی۔'' میں نے کہا۔ ''ایمن کے ہمارے پاس ہونے کی صورت میں ڈیوڈ شا اور فتح خان دونوں کی پوزیشن کمزور پڑ جائے گی۔''

''ہم براہ راست ان سے الجھے بغیر ان کے تمام خانے ایک ایک کر کے بند کر دیں گے اور ان کو شہ مات ہو گی۔'' راجا عمر دراز جوش سے بولا تھا۔

اگرچہ میں نے اس کی بات سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ زندگی شطرنج کی چالوں کی طرح محدود نہیں تھی، اس میں ایک خانہ بند ہوتا ہے تو دس خانے کھل جاتے ہیں۔ محض دفاعی چالوں سے حریف کو شکست دینا صرف اس وقت ممکن ہے جب آپ کے پاس وسائل لامحدود ہوں اور حریف مجبور ہو۔ اس میں نئے محاذ کھولنے کی سکت نہ ہو۔ جبکہ ڈیوڈ شا اور فتح خان کے پاس وسائل اور میدان کی کمی نہیں تھی۔ وہ ہمارے سامنے محدود یا مجبور نہیں تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہرحال میں نے راجا صاحب کی بات سے اختلاف بھی نہیں کیا۔ اس وقت ایمن کو ان لوگوں کے چنگل میں جانے سے بچانا ضروری تھا۔ ''میرا خیال ہے، ہمیں فوراً روانہ ہو جانا چاہئے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کے آدمی کہاں ہیں؟''

''وہ باہر ہائی وے پر ملیں گے۔ ایک جیپ تم کو وہاں تک پہنچا دے گی۔''

میں اور سفیر جلدی میں تیار ہوئے۔ کپڑے بدلے۔ مشن اور موسم کی مناسبت سے سیاہ اونی ٹراؤزر، ہائی نیک جرسی اور لیدر جیکٹ کے ساتھ پاؤں میں جوگرز تھے جو بھاگ دوڑ کے لئے بہترین تھے۔ جب ہم نکلنے لگے تو بیگ ہمیں باہر تک چھوڑنے آیا تھا، اس نے کہا۔ ''وہاں پر رہائش اور دوسرے انتظامات کی ذمے داری فرخ شاہ نامی شخص کے سپرد ہے۔ وہ آپ کو اس نمبر پر ملے گا۔'' بیگ نے ایک موبائل نکال کر اسکرین پر فرخ شاہ کا نمبر دکھایا اور موبائل میرے حوالے کر دیا۔ ''اسلام آباد پہنچ کر اس سے رابطہ کیجئے گا۔'' پھر اس نے ایک مستطیل اور کسی قدر موٹا پیکٹ میرے حوالے کیا۔ اس میں کچھ رقم ہے، آپ جانتے ہیں بہت ساری گتھیاں صرف زر کی انگیوں سے کھولی جا سکتی ہیں۔''

''میری پوزیشن کیا ہوگی؟''

''سب آپ کے ماتحت ہیں اور اپنی حکمتِ عملی کے معاملے میں آپ آزاد ہوں گے۔''

جب ہم جیپ کے پاس پہنچے تو اس کے ڈرائیور نے سلام کیا اور میرے لئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا، اندر بیٹھتے ہی مجھے عقبی نشست پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور وہاں مونا کو موجود پایا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟'' میں نے خفگی سے کہا۔

''اسے چارسو بیسی کہتے ہیں۔'' وہ اطمینان سے بولی۔ ''میں نے کہا تھا ناں..... تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔''

''میرے خدا، یہ موجود ہے۔'' سفیر عقبی دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

''ہاں..... اب چلو۔ رات سرد ہوتی جا رہی ہے۔'' مونا بولی، اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ کسی صورت واپسی جانے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ مجبوراً میں نے سر پر اونی ٹوپی چڑھاتے ہوئے ڈرائیور کو چلنے کا حکم دیا۔ بیگ اندر جا چکا تھا۔ جیپ محل سے خاصی نیچے تھی، نہ جانے راجا نے محل تک جانے کے لئے راستہ کیوں نہیں بنوایا تھا جبکہ بیرونی سڑک سے وادی تک گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے کچی سڑک موجود تھی۔ اس کی حالت اتنی بہتر ضرور تھی کہ اس پر رات کی تاریکی میں بھی سفر کیا جا سکتا تھا۔ میری خاموشی اور غصے نے مونا کو ڈرا دیا تھا۔

''سوری شوبی!'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''میں نے تمہاری بات نہیں مانی۔''

''اب سوری کرنے کا فائدہ!'' میں نے رکھائی سے کہا۔

''تو کیا میری سوری کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ ''ٹھیک ہے، میں یہیں اتر جاتی ہوں۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' میں بھنا گیا تھا۔

''بس بھی کر یار!'' سفیر بول اٹھا پھر چپکے چپکے مونا کو تسلیاں دینے لگا جو رو رہی تھی۔ میں خاموشی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیپ کے سامنے آنے والے راستے کو دیکھتا رہا۔ ہیڈ لائٹس کے علاوہ جیپ کے اوپر طاقتور لائٹس بھی لگی تھیں۔ جن کی روشنی میں راستہ دور دور تک صاف نظر آ رہا تھا۔ شدت کی سردی کی وجہ سے وادی بالکل سنسان لگ رہی تھی۔ لوگ سرِ شام ہی اپنے گھروں میں چلے جاتے تھے۔ آوارہ جانور تک کونے کھدروں میں دبکے ہوئے تھے۔ جیپ میں ہیٹر تھا اس لئے ذرا سی دیر میں اندر کا ماحول خوشگوار حد تک گرم ہو گیا۔ جیپ نئی تھی اور اس کے شاک بھی بہترین حالت میں تھے۔ ایک گھنٹے بعد جیپ ہائی وے تک پہنچ چکی تھیں سڑک کے کنارے جیپ روک کر ڈرائیور نے ایک وائی ٹائی نکال کر اس پر کسی کو کال کی۔

''مہمان آ گئے ہیں۔'' اس نے مختصراً کہا اور ریڈیو بند کر دیا پھر میری طرف دیکھا۔

''وہ کچھ دیر میں پہنچ جائیں گے جناب!''

اس کا اشارہ یقیناً راجا عمر دراز کے خصوصی دستے کی طرف تھا۔ مونا اور سفیر اب خاموش تھے۔ میں نے بھی انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ دس منٹ بعد سامنے سڑک پر روشنی نمودار ہوئی۔ ڈرائیور نے اچانک پستول نکال لیا اور مجھ سے کہا۔ ''جناب! ہوشیار رہیں۔ دشمن بھی ہو سکتا ہے۔''

''ہم صرف ہوشیار ہو سکتے ہیں..... ہمارے پاس اسلحہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''ڈیش بورڈ کے خانے میں دو عدد پستول ہیں۔ وہ نکال لیں..... آپ کے لئے ہی ہیں۔''

میں نے خانہ کھولا تو اعشاریہ چالیس کے پستول رکھے دیکھے۔ یہ کیلیب لیکن استعمال میں آسان تھے، ان کی ہلاکت خیزی بھی مسلمہ تھی، میں نے دوسرا پستول سفیر کی طرف بڑھا دیا۔ اندر دو عدد اضافی میگزین بھی تھے۔ جو میں نے جیکٹ کی جیب میں رکھ لئے۔ ڈرائیور اتر کر آنے والی گاڑی کی طرف بڑھا۔ یہ ایک کوسٹر وین تھی۔ ڈرائیور نے جا کر اس کے ڈرائیور سے بات کی۔ کوسٹر کا عقبی دروازہ کھلا اور ایک طویل قامت شخص اتر کر جیپ کی طرف آنے لگا۔ اس نے چست لباس پہن رکھا تھا اور سر پر موسم کی مناسبت سے سیاہ گرم ٹوپی تھی، اس کے منہ سے بھاپ نکل رہی تھی۔ میں بھی نیچے اتر گیا۔ اس نے نزدیک آ کر مجھے سلیوٹ کیا۔

''کیپٹن نیک نام سر!''

''کیپٹن!'' میں حیران ہوا تھا۔ ''کیا تم آرمی سے ریٹائرڈ ہو؟''

''نو سر! افغان آرمی..... سولہویں انفینٹری سے میرے گروپ کا تعلق رہا ہے۔ میرے ساتھ ایک کارپول اور تین سارجنٹ ہیں۔''

اب مجھے سمجھ میں آیا کہ راجا عمر دراز نے اتنے یقین سے کیوں کہا تھا کہ وہ لڑائی بھڑائی کے ماہر تھے۔

''او کے کیپٹن! اب ہم ساتھ چلیں گے۔''

''ویلکم سر!'' اس نے کوسٹر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے جیپ کا عقبی دروازہ کھولا۔

''نیچے آ جاؤ، ہمیں کوسٹر میں سفر کرنا ہے۔''

سفیر نیچے اترا۔ ''کیا یہ وہی ہیں؟'' اس نے سرگوشی کی۔

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔ راجا کے ڈرائیور نے بھی تصدیق کی ہے۔'' میں نے جوابی سرگوشی کی۔

''مونا نے اس طرح ساتھ آ کر اچھا نہیں کیا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''لیکن اب اسے کچھ کہنا مت، آ ہی گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے تو اسے بھگتنا تو پڑے گا۔"

"یار، جب ڈیوڈ شا کے آدمی اسے لے گئے تو مت پوچھ میری اندر سے کیا حالت تھی۔ اب ایسی سچویشن کا سوچ کر ہی میں لرز جاتا ہوں۔"

"چلیں سر!" کیپٹن نیک نام نے ہمیں سرگوشیوں میں معروف پا کر پکارا۔ "وقت کم ہے، ہمیں صبح سے پہلے اسلام آباد پہنچنا ہے اور راستے ٹھیک نہیں ہیں۔"

سفیر نے مونا کو اتارا اور ہم تینوں کوسٹر کی طرف آئے۔ اس کے اندر بڑی کشادہ اور آرام دہ نشستیں تھیں۔ ڈرائیور والی نشست کے عقب میں دو دو کر کے دو قطاروں میں نشستیں تھیں اور عقبی حصے میں ایک بڑی نشست تھی اس پر تین افراد آرام سے بیٹھ سکتے تھے۔ مجموعی طور پر نو افراد کی گنجائش تھی۔ کیپٹن نیک نام ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر آیا تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی وین حرکت میں آ گئی۔ میں ڈرائیور کے پیچھے والی نشست پر تھا۔ میرے برابر مونا تھی اور سفیر میرے پیچھے تھا۔ نیک نام نے تعارف کرانا شروع کیا۔

"ڈرائیور کارپول آدم خان۔"

"ہیلو سر!" اس نے کہا۔

"سارجنٹ شیر باز!"

"سارجنٹ محمد خان۔"

"اور سارجنٹ روحیل ایاز!"

یہ تینوں عقبی نشست پر ایک ساتھ تھے۔ ہر ایک اپنے نام پر ہیلو کا نعرہ بلند کرتا تھا۔ "ہمارا یہ گروپ آپ کی کمانڈ میں ہے۔" نیک نام نے آخر میں کہا۔ "آپ جو کہیں گے، ہم اس پر عمل کریں گے سر!"

"اگر میں کہوں کہ پہاڑ سے چھلانگ لگانی ہے تو.....؟"

"سر! ہم لگا دیں گے۔ اِٹ از آور ڈیوٹی سر!"

راجا عمر دراز نے یہ کیا شے سر مار دی تھیں میں نے ذرا بے زاری سے سوچا۔ یہ میدانی جنگ میں لڑنے والے لوگ تھے، انہیں شہر میں ہونے والی کارروائیوں کا کیا پتا ہوگا؟ بہر حال ان کے تعارف کے بعد مجھے لگ رہا تھا جیسے میں کسی ہالی وڈ کی فلم میں کام کر رہا ہوں جو جنگ و جدل سے بھرپور کسی مشن کے بارے میں ہے۔ میں نے نیک سے پوچھا۔ "کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے ہم لوگ اسلام آباد؟"

"دس سے بارہ گھنٹے میں سر!" اس نے جواب دیا۔

"خدا کے لئے یہ سر سر کے نعرے لگانا بند کر دو، تم میرا نام لے سکتے ہو، مجھے آپ جناب سے مخاطب کر سکتے ہو۔ یہ میرا حکم ہے۔ دوسرے فوجی نظر آنے کے بجائے عام فرد نظر آنے کی کوشش کرو۔ اسلام آباد میں یہ چیز ہمیں مشکل میں ڈال دے گی۔"

"یس سر! آئی مین جناب!" اس نے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے اسلام آباد میں ہمیں کہاں جانا ہے؟" میں نے اسے ٹٹولا۔

"نہیں جناب! ہمیں آپ کو اسلام آباد تک پہنچانا ہے اس کے بعد ذمے داری آپ کی ہے۔" اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دیا۔ ''آپ لوگ چاہیں تو آرام کرلیں یا میں آپ کی خدمت میں کافی پیش کروں؟''

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

کیپٹن نیک نام نے کاغذی کپوں میں بھاپ اڑاتی کافی نکالی۔ کارپول آدم خان اچھا ڈرائیور تھا۔ وین بھی اچھی حالت میں تھی اس لئے ہم جھٹکوں سے محفوظ تھے۔ کافی پی کر میں اونگھنے لگا تھا۔ مونا شاید سوگئی تھی یا آنکھ بند کئے پڑی تھی۔ سفیر تینوں سارجنٹس سے گپ شپ لگا رہا تھا۔ البتہ نیک نام خاموش تھا۔ وین کی نشستیں جہاز کی سیٹوں کی طرح کسی قدر پھیل جاتی تھیں۔ وین کبھی تیز رفتاری سے اور کبھی سست رفتاری سے پہاڑی راستوں پر چلتی رہی۔ بعض مقامات آہ وفغاں کے بھی آئے لیکن وین بہ خیر وخوبی وہاں سے گزر گئی۔ رات بارہ بجے کے رات بارہ بجے کے قریب اچانک وین ایک روشن نظر آنے والی عمارت کی طرف گھوم گئی، اس کی پیشانی پر ہوٹل کا بورڈ جگمگا رہا تھا۔ ''یہ کون سی جگہ ہے؟'' مونا نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

یہی سوال میں نے نیک نام سے کیا اس نے جواب دیا۔ ''جناب، یہ سارے سال اور چوبیس گھنٹے کھلا رہنے والا ہوٹل ہے۔ ہم اس وقت بھی یہاں ڈنر کرسکیں گے۔''

''اس وقت..... بارہ بجے.....؟'' میں نے مشکوک لہجے میں کہا۔

''آزما کر دیکھ لیں۔ بس کچھ وقت دینا ہوگا۔''

گزشتہ کئی گھنٹے سے بندھے بندھے جسم سن ہوگیا تھا اور پھر بھوک بھی لگ رہی تھی اس لئے ہم بہت خوشی سے اترے۔ شیشے کے دروازے سے اندر آئے تو ایک گھنٹی بجی۔ چند لمحے بعد ایک ادھیڑ عمر شخص آنکھیں ملتا ہوا نمودار ہوا۔ ہمیں دیکھ کر وہ چوکنا ہوگیا تھا۔ ''جی جناب! کیا خدمت کرسکتا ہوں؟'' اس نے مجھ سے کہا۔

''آٹھ افراد کے لئے ڈنر تیار کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ جلدی سے ہمیں میزوں کی طرف لایا۔ ''تشریف رکھیں جناب! آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ تب تک آپ چائے یا کافی سے دل بہلائیں۔ ٹی وی، ریڈیو بھی ہے۔''

نیک نام گروپ ایک الگ میز پر چلے گئے تھے۔ جب کہ ہم تینوں ایک ایسی میز کے گرد بیٹھ گئے جس کے چاروں طرف صوفے کی دائرہ نما نشست تھی۔ ہوٹل سینٹرلی ہیٹڈ لگ رہا تھا کیونکہ ہال معقول حد تک گرم تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ شمالی علاقے میں ایسا ہوٹل بھی پایا جاتا ہے ورنہ چند بڑے ہوٹلوں کو چھوڑ کر کوئی مرکزی گرمائی نظام نہیں رکھتا حالانکہ مرکزی گرمائی نظام رکھنے سے نہ صرف اخراجات کم ہوتے ہیں بلکہ ہوٹلوں کی ریپوٹیشن بھی بڑھتی ہے۔ مگر مسئلہ ایک تو ہوٹل مالکان کی اس ٹیکنالوجی کے بارے میں عدم واقفیت ہے۔ دوسرے وہ اسے بہت مہنگا سمجھتے ہیں حالانکہ یورپ اور کینیڈا میں شدید سردی کے موسم میں تین تین منزلہ اور بیس پچیس کمروں والے مکانات کو چوبیس گھنٹے میں صرف ڈیڑھ یا دو من لکڑی کے خرچ سے گرم رکھا جاتا ہے اور ان کی تعمیر اس طرح کی گئی ہوتی ہے کہ ان سے حرارت باہر نہیں نکل پاتی۔ افسوس کہ جب ہمارے ہوٹلوں کے مالکان ان کی تعمیر کراتے ہیں تو اس قسم کی باتوں کا خیال نہیں رکھتے۔ سردیوں میں بھی بے شمار لوگ برف باری دیکھنے کے لئے جانا چاہتے ہیں اور وہ بے چارے، مری، ایوبیہ، نتھیا گلی اور پتریاٹہ ہو کر چلے جاتے ہیں اس سے آگے جانے کے لئے نہ تو راستے کھلے ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کو رہائش ملتی ہے۔ ایسے میں اس ہوٹل کی موجودگی حیران کن تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیس منٹ بعد ایک ملازم نے چائے اور پیسٹریاں سرد کی تھیں۔ کھانے کے لئے ہم نے چکن کڑاہی اور اس سے پہلے چکن کارن سوپ کا آرڈر دیا تھا۔ جب تک ہم چائے پیسٹریوں سے فارغ ہوتے، گرما گرم چکن کارن سوپ آ گیا۔ جو لذیذ بھی تھا، بے حد خوشگوار ماحول میں ہم نے رات ڈیڑھ بجے ڈنر کیا تھا۔ کھانے کے دوران میں نے ہوٹل کے مالک کو تھرماس کافی سے بھرنے کو کہہ دیا تھا۔ کھانے کے ساتھ دوسری ضروریات سے فارغ ہو کر اور تازہ دم ہو کر ہم دو بجے ہوٹل سے روانہ ہوئے تھے۔ بل میں نے ادا کیا تھا جو خاصا بھاری تھا لیکن کھانے اور ماحول کو دیکھ کر برا نہیں لگ رہا تھا۔

اس بار ڈرائیونگ سارجنٹ روحیل ایاز کر رہا تھا اور قادم خان پیچھے سونے چلا گیا تھا۔ میں بھی کچھ دیر سو گیا تھا۔ اس وقت نیک نام جاگ رہا تھا۔ سیٹ کتنی آرام دہ سہی لیکن سفر پھر بھی سفر تھا۔ ہم سوتے جاگتے اور اونگھتے رہے۔ درمیان میں دو بار رکے کیونکہ راستہ صاف کیا جا رہا تھا۔ جس وقت صبح کی روشنی پھیلی، ہم اسلام آباد سے خاصے دور تھے اور تین چار گھنٹے سے پہلے وہاں پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ رات بھر سیٹ پر بیٹھے بیٹھے حشر ہو گیا تھا۔ اس لئے جب ایک ریستوران کے سامنے ناشتے کے لئے رکے تو شدید سردی کے باوجود ہم باہر نکل آئے تھے۔ ریستوران ابھی کھلا تھا اور ناشتے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ ہم تینوں باہر لان سے بھیگی سڑک پر چہل قدمی کر کے اپنی کسل مندی دور کرنے لگے۔ ''میرے خدا..... اتنا طویل سفر!'' مونا بولی۔ ''مجھے تو لگ رہا تھا میری ٹانگیں سیدھی نہیں ہوں گی۔ کمر کا بھی حشر ہو گیا ہے۔''

''کیا خیال ہے، ذرا رنگ نہ کریں..... جسم کھل جائے۔'' میں نے تجویز پیش کی جو مونا نے مسترد کر دی اور ریستوران کے اندر چلی گئی۔ وہ پانچوں بھی اندر تھے۔ میں اور سفیر جاگنگ کرنے لگے۔

''یار..... کہیں راجا ہمیں اپنے مقصد کے لئے استعمال تو نہیں کر رہا ہے؟'' سفیر نے موقع میسر آتے ہی کہا۔

''میں بھی اس لئے رک گیا تھا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''آخر راجا عمر دراز کو ایمن سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ وہ ہم سے مخلص ہے لیکن ساتھ ہی وہ اپنے معاملات اور باتیں ہم سے چھپا رہا ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔ مخلص بھی ہے اور بات چھپا بھی رہا ہے۔''

''ہاں، اندرون خانہ وہ ڈیوڈ شا کے خلاف کچھ کر رہا ہے، اس کے آدمی اس پر اور فتح خان پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ آخر اسے دلچسپی ہے تبھی تو جاسوس چھوڑ رکھے ہیں پھر یہ سابقہ فوجیوں کا دستہ بھی ہائر کر رکھا ہے اور ہمیں ان کے بارے میں بتایا بھی نہیں۔''

''خیر اس کی توقع تو رکھنی بھی نہیں چاہئے..... یہ بڑے لوگ ویسے بھی رازداری کے خبط میں مبتلا رہتے ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''لیکن وہ اس سے کیوں انکار کر رہا ہے کہ اسے ڈیوڈ شا اور اس کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''اور اس میں دلچسپی سامنے ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تو سفیر جان..... اب ہمیں جو کرنا ہے پوری آنکھیں کھول کر کرنا ہے۔''

سفیر غور کر رہا تھا۔ ''دیکھ، مرشد علی سے ہمارے معاملات ندیم طے کرا سکتا ہے۔ وہ وکیل ہے ایسے تمام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہتھکنڈے جانتا ہے جن سے مرشد علی جیسے سانڈ بھی رام ہو جاتے ہیں ہمارا مسئلہ فتح خان اور ڈیوڈ شاہین۔ ویسے شوبی، میرا خیال ہے وہ ہیرے ہمارے قبضے میں آنے چاہئیں۔"

"ہیرے..... کیا تو دولت کے چکر میں پڑ رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں..... فتح خان ان ہیروں کے پیچھے پاگل ہے۔ یہ ہیرے ہمارے پاس آ گئے تو سمجھ لو وہ ہمارا غلام بن گیا۔ پھر ہم اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتے ہیں۔ مرشد جیسے لوگ بدمعاش ہوتے ہیں اور صرف بدمعاش سے ڈرتے ہیں۔"

"بات تو ٹھونے پتے کی، کی ہے۔" میں نے سوچ کر کہا۔

"اب اندر چلا جائے۔" سفیر نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ "بھوک کھل گئی ہے۔"

اندر ناشتا بس لگنے والا تھا۔ جب تک ہم واش روم سے ہو کر آئے، ناشتا لگ چکا تھا۔ اس بار نہ تو ماحول تھا اور نہ ہی ناشتا مزے دار تھا، بس زہر مار کر لیا البتہ کافی مزے کی تھی۔ اس کے فوراً بعد ہی ہم روانہ ہو گئے۔ ابھی کافی فاصلہ باقی تھا۔ اس بار ڈرائیونگ خود نیک نام کر رہا تھا اور میں اس کے برابر میں جا بیٹھا۔ "افغان آرمی سے یہاں منتقلی کیسے ہوئی؟"

"طالبان کے کابل پر قبضے کے بعد..... ہم شمالی اتحاد والوں سے بھی نہیں ملنا چاہتے تھے۔ اس لئے اس طرف آ نکلے۔"

"فری لانسر ہو؟" میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔ اس نے سر ہلایا یعنی وہ راجا عمر دراز کے باقاعدہ ملازم نہیں تھے۔ ان کی خدمات معاوضے پر حاصل کی گئی تھیں۔ وہ پانچوں خوش باش تھے اور اردو، انگریزی روانی سے بولتے تھے کیونکہ افغانی اور پشتون تھے اس لئے پشتو اور دری بھی جانتے ہوں گے۔ اپنے انداز سے وہ تربیت یافتہ اور نظم و ضبط رکھنے والے لوگ تھے۔ یہ وین بھی خاص طور سے ان کے لئے بنائی ہوئی لگتی تھی، میں نے محسوس کیا کہ اس میں خفیہ خانے بھی تھے کیونکہ چھت اور پہلو میں بہت سارے حصے ابھرے ہوئے تھے۔ چھوٹے ہتھیار ان کے لباس میں تھے اور بڑے ہتھیار انہوں نے وین میں چھپا رکھے تھے۔

دو گھنٹے بعد ہم مری کے مضافات سے گزر رہے تھے اور مجھے وہ شام یاد آ گئی جب اس سارے چکر کا آغاز ہوا۔ نہ ہم لیٹ ہوتے اور نہ کھانے کے لئے مری کے مال روڈ پر رکتے اور نہ نادر علی اینڈ پارٹی سے ٹکراؤ ہوتا۔ بعض اوقات معمولی سی تاخیر انسان کی زندگی کا رخ بدل دیتی ہے۔ بہرحال کاتب تقدیر انسان کے لئے ایسے نشیب و فراز لکھتا رہتا ہے۔ کبھی نہ کبھی ہماری زندگی معمول پر آئے گی۔ جانے پہچانے مناظر سامنے آئے تو مونا اور سفیر میں بھی زندگی کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔

"سفی..... وہ دیکھو..... ہم اس چٹان پر چڑھے تھے۔"

"ہاں..... تم نے اس جگہ جان بحق ہونے کی کوشش کی تھی۔" سفیر نے یاد کیا۔ "لیکن میں نے بچا لیا تھا۔"

"جی نہیں، میرا ذرا سا پاؤں پھسلا تھا اور میں فوراً سنبھل گئی۔"

"دس فیٹ نیچے جا کر۔" سفیر نے معصومیت سے کہا۔

اب وین مری کی اترائیاں تیزی سے طے کر رہی تھیں اس جگہ اتنی مسلسل ڈھلان ہے کہ بعض چالاک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈرائیو رائیدھن بچانے کے لئے انجن بند کر دیتے ہیں اور محض ڈھلان کی مدد سے دس بارہ کلو میٹر کا سفر طے کر لیتے ہیں۔ ہم تینوں رات بھر میں کچھ نہ کچھ سو لئے تھے، اس کے باوجود کچھ نہ کچھ نیند باقی تھی لیکن وہ پانچوں حیرت انگیز طور پر چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ حالانکہ وہ مسلسل جاگتے رہے تھے اور پوری طرح چوکنا تھے۔ نصف گھنٹے بعد ہم مری نول پلازا سے گزرے تو میں نے موبائل نکال لیا اور انتظار کرنے لگا کہ اس پر کب سگنل نمودار ہوتے ہیں۔ چند منٹ بعد سگنل نظر آنے لگے۔ اس وقت ہم بہارہ کہو کی آبادی سے کچھ دور تھے۔ میں نے نیک نام سے کہا۔ ''وین ایک طرف روک لو۔''

اس نے سڑک کے ساتھ ایک کچی ہموار جگہ دیکھ کر وین روک لی۔ میں نے موبائل میں موجود فرخ شاہ نامی شخص کا نمبر ملایا۔ اس نے فوری جواب دیا۔ ایک نرم اور شائستہ سی آواز آئی۔

''ہیلو..... شہباز صاحب!''

''آپ جانتے ہیں؟'' مجھے جھٹکا لگا۔

''جی اس نمبر سے صرف آپ کال کر سکتے ہیں، فرمائیے کہاں ہیں؟''

''بہارہ کہو سے ذرا دور سڑک کے کنارے رکے ہیں۔''

''آپ نے اچھا کیا، اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوئے بغیر مجھے کال کر لی۔ چند منٹ رکئے میں پہنچ رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''یعنی آپ نزدیک ہی ہیں؟''

''جی، اسی آبادی میں رہائش پذیر ہوں۔ غریب خانہ یہیں ہے۔'' اس نے کہا اور کال ختم کر دی۔

''وہ آ رہا ہے۔'' میں نے نیک نام سے کہا۔ ''راجا صاحب کا مقامی ایجنٹ!''

''ہوشیار رہو۔'' اس نے اپنے آدمیوں سے کہا اور وہ وین سے اتر کر دائیں بائیں جھاڑیوں کے پیچھے چلے گئے تھے۔ ایک سڑک کے پار چلا گیا۔

''یہ کس لئے؟''

''ہمیں ہوشیار رہنا ہے۔ اب ہم دشمن کے قریب ہیں۔ ویسے احتیاط اچھی چیز ہے۔''

میں نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔ خود نیک نام وین کے پاس رہا، میں اس کے ساتھ تھا۔ سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد سردی زیادہ نہیں رہی تھی اور پھر سورج بھی چمک رہا تھا۔ لیدر جیکٹ بوجھ لگنے لگی تھی۔ میں نے جیکٹ اتار دی اور پستول پتلون کی جیب میں ڈال لیا لیکن نیک نام اپنی جیکٹ میں رہا تھا۔ حد یہ کہ اس نے سر سے ٹوپی تک نہیں اتاری تھی۔ پندرہ منٹ بعد نیچے سے ایک کار آتی نظر آئی۔ ویسے گاڑیاں مسلسل گزر رہی تھیں لیکن کوئی ہمارے پاس رکی نہیں تھی۔ یہ کار وین کے نزدیک آ کر سست ہوئی اور پھر رک گئی۔ اس سے ایک نستعلیق قسم کا پروفیسر نظر آنے والا شخص نکلا۔ گول شیشوں کی عینک اور سادہ سی پتلون قمیص میں کسی قدر بڑے پیٹ کے ساتھ وہ بے ضرر اور عام سا فرد لگ رہا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا۔ میرا ہاتھ جیب میں تھا اور میں نے موبائل کا ڈائل بٹن دبا دیا۔ چند لمحے بعد اس شخص کے لباس سے موبائل بجنے کی آواز آئی۔ میں نے موبائل فون نکال کر کال کاٹ دی اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز ملک!''

''سید فرخ شاہ!'' اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

مونا اور سفیر بھی وین سے اتر آئے تھے۔ میں نے ان کا تعارف کرایا پھر نیک نام کا تعارف کرایا۔ ''اپنے باقی ساتھیوں کا تعارف یہ خود کرائیں گے۔''

نیک نام نے اپنے آدمیوں کو سامنے آنے کا اشارہ کیا۔ سید فرخ شاہ نے ان کا بغور معائنہ کیا۔ ''کیا تم لوگوں کے پاس نارمل کپڑے ہیں؟''

''نو سر!'' نیک نام نے مستعدی سے کہا۔

''تب تم لوگوں کو یہاں انتظار کرنا ہوگا۔ میرا ایک ملازم تمہارے لئے لباس لے کر آئے گا تم ان کے ساتھ حلیہ بدل کر آؤ گے..... میری بات سمجھ رہے ہو ناں.....؟''

''جی سر!'' نیک نام نے کہا۔

''آپ لوگ میرے ساتھ آئیں۔'' فرخ شاہ اپنی کار کی طرف مڑا۔ ہم اس کے ساتھ کار میں جا بیٹھے۔

''آپ ذرا لیٹ ہیں۔'' اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں، راستہ ذرا خراب تھا۔''

''میرا بھی یہی اندازہ تھا۔'' وہ بولا اور اس کے بعد سارے راستے خاموش رہا تھا۔

آبادی سے ذرا پہلے اس نے کار بائیں طرف نکلنے والی ایک سڑک کی طرف موڑ دی۔ اس طرف عام رہائشی مکانات کے بجائے فارم ہاؤس تھے۔ کار ایک فارم ہاؤس کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور ایک خوبصورت سی دو منزلہ کوٹھی کے سامنے رکی۔ اس کے چاروں طرف روایتی لان کے بجائے باغ تھا جس میں بے شمار اقسام کے پھولدار اور غیر پھولدار پودے تھے۔

''تشریف لائیے۔'' اس نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔ پورچ میں دو افراد تھے۔ اس نے ایک کو بلا کر چابی اس کے سپرد کی۔ ''پانچ چادریں لے کر مری کی طرف جاؤ۔ تین کلومیٹر کے بعد ایک وین دائیں طرف کھڑی نظر آئے گی، چادریں ان افراد کے حوالے کرنا جو وین کے پاس ہوں اور پھر ان کو یہاں لے آنا..... پیچھے انیکسی میں ٹھہرانا۔''

''جی صاحب!'' ملازم نے چابی لی اور اندر چلا گیا۔

فرخ شاہ ہمیں اندر لایا۔ ''آپ نہا دھو کر تازہ دم ہو جائیں۔ اتنی دیر میں کھانا بن جاتا ہے۔''

ایک ملازم نے ہمیں کمرے دکھائے۔ یہاں موسم معتدل تھا۔ گرمی نہیں تھی اور خنکی خوشگوار حد تک تھی۔ نیم گرم پانی سے نہا کر طویل سفر کی کسل مندی خاصی حد تک دور ہو گئی تھی۔ باہر آیا تو فرخ شاہ نشست گاہ میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ ''اب بتائیے، آپ کی آمد کا مقصد کیا ہے؟''

''راجا صاحب نے کچھ بتایا نہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''انہوں نے صرف آپ کے بارے میں بتایا تھا کہ آپ ایک اہم کام سے یہاں آ رہے ہیں۔ آپ کو پولیس اور بعض افراد کی طرف سے خطرہ ہے۔ آپ کو ہر ممکن سہولت دی جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے سب سے پہلے ایک عدد بار بر کی ضرورت ہے فوراً۔''

''ابھی آ جاتا ہے۔'' اس نے کہا اور گھنٹی بجا کر ایک ملازم طلب کر کے اسے بار بر لانے کو کہا۔

''اس کے بعد مجھے کپڑے درکار ہیں۔ تھری پیس سوٹ ہو تو بہتر ہوگا۔ ایک کار بھی چاہئے۔''

''ہو جائے گا۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

حجام پندرہ منٹ میں آ گیا تھا اور اس نے میرے بال سلیقے سے تراشے اور شیو اس طرح بنائی کہ ٹھوڑی کے اطراف میں ایک منی سی فرنچ چھوڑ دی۔ قلمیں غائب کر دیں۔ سائیڈوں اور گدی سے بال مشین کی مدد سے مختصر کر دیئے تھے۔ اس کے بعد اس نے میری ہدایت پر چہرے بالوں، مونچھوں اور فرنچ پر ہلکے سرخی مائل رنگ کا آکسائیڈ آزمایا جس میں سنہری رنگ بھی جھلک رہا تھا۔ اس سے میرا حلیہ خاصی حد تک بدل گیا تھا۔ سر اور منہ دھو کر میں نے لباس تبدیل کیا، کھانا کھایا اور کپڑے تبدیل کئے۔ فرخ شاہ نے مختصر سے وقت میں میرے لئے میرے ناپ کے مطابق تین عدد سوٹ، دو جوڑے جوتے اور دیگر سامان منگوا لیا تھا۔ اس میں ایک قیمتی رولیکس اور قیمتی سن گلاسز بھی تھے۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ مجھے میریٹ ہوٹل تک جانا ہے۔ اس لیے حلیہ بھی ایسا ہونا چاہیے تھا۔ میں نے نیک نام کو بلا کر اسے اپنی مہم کے بارے میں آگاہ کیا۔ ''گاڑی میں گنجائش کم ہے صرف دو افراد جا سکتے ہیں۔''

''میں اور آدم خان جائیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''باقی تین دین میں ہوں گے۔''

''میرے ساتھ سفیر بھی ہوگا لیکن تم دونوں کو سوٹ درکار ہوں گے۔''

''یہاں سے مل سکتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ صرف ایک گھنٹا دیجئے۔''

ایک گھنٹے میں انہوں نے سوٹ بوٹ مہیا کر لئے تھے۔ میں نے سفیر کو خاموشی سے بتا دیا اور یہ اچھی بات تھی کہ وہ سو رہی تھی۔ سفیر البتہ کسی قدر فکر مند تھا۔ ''کیا مونا کو یوں چھوڑ کر جا سکتے ہیں، ہم اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''یار، راجا عمر دراز کا خاص آدمی ہے۔ پھر بھی ایسا کر تُو رک جا۔''

''میں تجھے اکیلے جانے نہیں دوں گا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں اکیلا نہیں ہوں میرے ساتھ یہ پانچوں بھی ہیں۔'' میں نے اصرار کیا۔ ''تُو نے صحیح کہا ہے، ہم مونا کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے اور ویسے بھی خطرے کی جگہ سب کو اکٹھے نہیں جانا چاہئے چند لوگوں کا پیچھے رہنا بھی ضروری ہے۔ ریزرو دستے۔''

''او کے!'' اس نے بادل نخواستہ کہا۔ ''لیکن وعدہ کر کوئی بلاوجہ کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ یعنی بیل سے مارنے کی فرمائش نہیں کرے گا۔''

''نہیں کروں گا بابا اور تُو بھی ہوشیار رہنا۔ ممکن ہے دشمنوں کو ہماری آمد کی بھنک مل چکی ہو اور وہ ہماری تاک میں ہوں۔''

''مجھے زیادہ خطرہ پولیس سے ہے۔''

''اسی وجہ سے میں نے اپنا حلیہ اس حد تک بدل لیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، تجھے اب آسانی سے شناخت کرنا مشکل ہے۔ بالکل قوم کا خون چوسنے والا کوئی سرمایہ دار لگ رہا ہے۔''

فرخ شاہ نے ایک نئے ماڈل کی ہنڈا سٹی کار ہمارے حوالے کی۔ ڈرائیونگ نیک نام کر رہا تھا۔ میں نے ڈرائیو لینے سے انکار کر دیا جب ہم نے میریٹ ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں کار روکی اور اینٹرنس کی طرف بڑھے تو میں چونک گیا۔ دروازے پر موجود گارڈ اندر جانے والوں کے لباس سے میٹل ڈی ٹیکٹر لگا کر چیک کر رہا تھے۔ ہم دونوں کے پاس ہتھیار تھے۔ ''ہمیں اپنے پستول چھوڑنا پڑیں گے۔'' میں نے کہا۔

''مجبوری ہے۔'' نیک نام بولا۔ ''ہم نے واپس آ کر اپنے پستول کار میں چھوڑ دیئے۔ اندر آ کر ہم بیٹھ گئے۔

یہاں سے ریسیپشن اور داخلی دروازے پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا اور آہستہ سے نیک نام سے کہا۔ ''سنو..... میں یہاں ایک لڑکی سے ملنے آیا ہوں۔ برٹش نیشنل ہے، مجھے اپنا دوست سمجھتی ہے۔ یہاں کچھ لوگ اس کی تاک میں ہیں۔ ممکن ہے اسے نکال کر لے جانا پڑے۔''

''رکاوٹ آ سکتی ہے؟''

''کیوں نہیں..... میں تمہیں اور کس لئے ساتھ لایا ہوں..... ورنہ اکیلا نہیں آ سکتا تھا۔''

''لڑکی کہاں ہے؟''

''یہ معلوم کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا اور موبائل سے ہوٹل کا نمبر ملایا۔ کاؤنٹر کے ایک طرف فون بورڈ کے سامنے کھڑی لڑکی نے کال ریسیو کی اور میری آواز سن کر بولی۔

''یس سر! کین آئی ہیلپ یو؟''

''مجھے مس ایمن شا سے بات کرنی ہے۔''

''ون منٹ پلیز سر!'' اس نے کہا اور فون ہولڈ کرا دیا۔ میں دیکھ رہا تھا، اس نے کسی اور سے بات شروع کی تھی اگر وہ ایمن سے بات کر رہی تھی تو وہ ہوٹل میں ہی تھی۔ ایک منٹ بعد آپریٹر لائن پر آئی۔ ''سوری سر! مس شا کسی اجنبی سے بات نہیں کرتیں۔''

''میں اجنبی نہیں ہوں۔ میرا نام شہباز ملک ہے۔''

''سوری سر! انہوں نے نام بھی سننے سے انکار کر دیا ہے۔''

''پھر بھی ایک بار ان سے بات کر لیں۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر ریسیپشن کی طرف بڑھا۔

''اوکے سر! جسٹ فار یو۔'' اس نے کھنکتی آواز میں کہا۔ لڑکی پیاری تھی اور جینز ٹراؤزر اور شرٹ میں اس کی نازک بدنی نمایاں تھی۔ میں نے ہولڈ کی آواز سنتے ہی موبائل ہتھیلی میں چھپا لیا تھا اور جب لڑکی نے بورڈ پر لگے نمبر دبائے تو میں نے دیکھ لیا، اس نے دوبارہ دبایا تھا۔ یعنی ایمن کمرا نمبر دو سو بارہ میں تھی۔ میرا کام بن گیا۔ اس لئے میں واپس لوٹ آیا۔ کاؤنٹر گرل مشکوک نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی، میرے پلٹ جانے سے اسے مایوسی ہوئی۔ جب تک میں اپنی نشست تک واپس آیا، آپریٹر لائن پر آ چکی تھی۔

''سوری سر! انہوں نے کسی شہباز ملک کو شناخت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو پرابلم، شکریہ!'' میں نے کہہ کر کال کاٹ دی۔ نیک نام سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے لڑکی خطرے میں ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اس نے مجھے شناخت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

''اوہ..... یعنی دشمن اس تک آ چکا ہے۔''

''امکان یہی ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر لفٹ کی طرف بڑھ گیا لیکن پھر میں نے لفٹ استعمال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ لفٹ مین ہمیں دیکھ لیتا اور یہ بات بعد میں مسئلہ بن سکتی تھیں میں سیڑھیوں کی طرف گھوم گیا۔ دوسرے فلور پر سناٹا تھا۔ ویسے بھی سیاحوں کا سیزن ختم ہو چکا تھا اور ان دنوں ہوٹل کا کام ذرا سست ہو جاتا ہے۔ بیشتر کمرے خالی ہو جاتے تھے۔ ''تم بائیں طرف دیکھو۔ میں دائیں طرف جاتا ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور نیک نام سر ہلاتا ہوا بائیں طرف چلا گیا۔ میں نے دائیں طرف کی راہداری کا رخ کیا۔ دو سو بارہ کمرا زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے موبائل نکالا اور اس میں کچھ چیک کرنے کے بہانے دروازے کے عین سامنے رک گیا۔ اندر خاموشی تھی۔ میں نے آہستہ سے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمایا مگر کمرا اندر سے بند تھا۔ یعنی ایمن اندر تھی۔ میں دروازے کے سامنے سے ہٹنے لگا۔ اس جگہ مستقل کھڑے رہنا بھی ممکن نہیں تھا۔ کوئی آ جاتا تو اسے شک ہو جاتا لیکن اس سے پہلے کہ میں دروازے کے سامنے سے ہٹتا، اچانک دروازہ کھلا اور سامنے ایک پستول بردار شخص نظر آیا۔ اس نے پستول میرے سینے سے لگایا اور کوٹ کا کالر پکڑ کر اندر کھینچ لیا، اگلے ہی لمحے دروازہ بند ہو گیا۔

''کک..... کون ہو تم..... اس طرح مجھے کیوں پکڑا ہے؟'' میں نے خوف زدہ لہجے میں ان دونوں سے کہا جنہوں نے ہوٹل کے اسٹاف کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ دونوں مسلح تھے۔ ایمن ایک کونے میں کرسی پر سکڑی اور سہمی بیٹھی تھی۔

''تم دروازے کے سامنے کیوں رکے تھے؟'' مجھے اندر کھینچنے والے نے خوں خوار لہجے میں پوچھا۔

''میں..... کب رکا تھا..... میں تو فون کرنے جا رہا تھا۔'' میں نے احتجاج کرتے ہوئے موبائل دکھایا۔

''اور تم لوگ کون ہو..... ڈاکو ہو..... میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔''

''بکواس مت کرو۔'' اس نے مجھے جھڑکا پھر ایمن کی طرف دیکھا۔ ''یہ تمہارا ساتھی ہے؟''

''نن..... نہیں۔'' اس نے کہا۔

میرا خیال تھا، ایمن نے مجھے شناخت نہیں کیا۔ گیارہ سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ وہ بھی خاصی بدل گئی تھی اور مجھ میں تو بہت ساری تبدیلیاں آئی تھیں۔ پھر میں نے بالوں، داڑھی اور مونچھوں کا رنگ بھی بدلوا لیا تھا۔ ایمن نے کمرے کی مناسبت سے شارٹس پر بنیان پہن رکھی تھی جس میں اس کی سڈول رانیں، بازو، گردن اور اس سے نیچے ڈھلان ہوتا بدن نمایاں تھا۔ مغربی خواتین کا یہ عام پہناوا تھا اس کے لئے تو یہاں کا موسم بھی گرم تھا۔ بازوؤں اور پیروں کی بے داغ جلد نمایاں تھی۔ بال ہلکے سنہری مائل سرخ ہو رہے تھے شاید اس نے ڈائی کرائے تھے۔ چہرہ عام انگریز لڑکیوں کے برعکس بے داغ اور شفاف تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ دونوں پیشہ ور افراد تھے اور ہماری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ ایمن کی کم لباسی ان کے نزدیک خاص اہمیت نہیں رکھتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ سوال کرنے والے نے غرا کر کہا۔ ''بکواس مت کرو، ابھی کچھ دیر پہلے دو دفعہ تمہارے لئے فون آیا تھا، وہ کون تھا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' ایمن نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ''میں کسی شہباز ملک کو نہیں جانتی۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' سوال کرنے والا درشت لہجے میں بولا۔ ''جس شخص نے تمہاری جان بچائی تھی، تم اس کا نام ہی بھول گئی ہو؟''

''میرے خدا!'' ایمن چونکی۔ ''یہ وہ شہباز ہے؟''

''اسے دیکھو..... یہ کون ہے۔'' سوال کرنے والے نے میری طرف اشارہ کیا۔

''میں نے کہا ناں..... میں نہیں جانتی۔'' ایمن جھنجلا گئی۔ ''کون ہو تم، میرے کمرے میں کیوں گھس آئے ہو، کیا چاہتے ہو؟''

''ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔''

''میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' ایمن نے بپھر کر کہا۔

''اسی لمحے میں نے غیر محسوس انداز میں موبائل سے نیک نام کے موبائل کا نمبر دبایا اور اس کا اسپیکر اپنی ہتھیلی تلے دبا دیا۔ دوسرے آدمی نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے؟''

''مجھے شبہ ہے، یہ اس کا آدمی ہے یا دوسری پارٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے بھی لے جانا ہوگا۔''

''سوچ لو، دو افراد کو اس طرح بھرے پرے ہوٹل سے نکال لے جانا آسان نہیں ہوگا۔'' دوسرے نے خبردار کیا۔

''تم فکر مت کر، انہوں نے گڑبڑ کی تو یہیں گولی مار دیں گے اور جو راستے میں آیا اسے بھی اُڑا دیں گے۔'' سوال کرنے والے نے سفاکی سے کہا تھا۔

''تم کون ہو..... یہ تمہیں کیوں لے جا رہے ہیں؟'' میں نے ایمن سے پوچھا۔

''میں برٹش سٹیزن ہوں۔ ایک کام سے آئی ہوں، مجھے نہیں معلوم یہ کون ہیں اور مجھے کیوں لے جانا چاہتے ہیں؟'' وہ بولی اور اس بار اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ میری آواز سن کر وہ چونکی تھی غالباً اسے شک ہو گیا تھا۔

''مس شا..... جلدی سے کپڑے بدل لو۔'' سوال کرنے والے نے اسے حکم دیا۔ ''ابھی ہم نے یہاں سے نکلنا ہے، ہری اَپ!''

لیکن اس سے پہلے کہ ایمن اپنی جگہ سے اٹھتی..... مجھے عجیب سی بُو محسوس ہوئی اور میرا سر چکرانے لگا غالباً ایسی ہی کیفیت دوسرے بھی محسوس کر رہے تھے۔ میری نظر دروازے کے قفل کے سوراخ سے نکلتے غبار پڑی، اسی لمحے سوال کرنے والے نے بھی اسے دیکھ لیا۔ وہ گالی دے کر دو چار قدم چلا تھا کہ زمین پر ڈھیر ہو گیا خود میں بھی چکراتے ہوئے فرش پر بیٹھا اور نہ جانے کس وقت لڑھک گیا۔

☆======☆======☆

میں بے ہوش نہیں ہوا تھا، بس ایسا لگ رہا تھا جیسے جسم سے جان نکل گئی ہو۔ ریشے ریشے سے توانائی خارج ہو چکی ہو۔ میں نے بمشکل سر گھما کر دیکھا، ایمن کرسی پر بے بسی کی حالت میں پڑی تھی جبکہ وہ دونوں افراد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر پڑے حرکت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے پستول ان کے سامنے پڑے تھے۔ کمرے میں ائیر کنڈیشننگ سسٹم کام کر رہا تھا اس لئے گیس کی بو رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ حتیٰ کہ غائب ہو گئی، میں گھڑی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اندازہ تھا کہ ہمیں بے بسی کی حالت میں پڑے ہوئے پندرہ منٹ گزر چکے ہیں۔

چند لمحے بعد دروازے میں چابی گھومنے کی آواز آئی۔ دروازہ کھلا اور جو چہرہ نظر آیا اسے دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا۔ اندر آ کر نیک نام نے فضا سونگھی اور مطمئن ہو کر اندر سے دروازے کو کنڈی لگا دی۔ اس کے بعد وہ سیدھا ان دونوں کے پاس گیا اور ان کے ہتھیار اپنے قبضے میں لے کر ان کی تلاشی لی، سوال کرنے والے کے پاس سے ایک عدد چھوٹا سا پستول نکلا تھا۔ یہ سب نیک نام نے ایک کونے میں پھینک دیا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس سے صرف دو عدد موبائل نکلے جو نیک نام نے اپنی جیب میں ڈال لئے۔ اس کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا ان ہیلر نکالا اور اسے میری ناک سے لگا کر اس کا بٹن دبا دیا، ایک میٹھی اور تازہ خوشبو میرے احساسات سے ٹکرائی اور مجھے اپنی توانائیاں بحال ہوتی محسوس ہوئیں۔ یہ اس گیس کا توڑ لگتا تھا۔ ایک منٹ بعد اس نے ان ہیلر ہٹا لیا اور میں ذرا سی کوشش سے اٹھ بیٹھا۔ ''یہ کیا تھا؟''

''نرو گیس!'' اس نے مختصر جواب دیا۔ ''واش روم میں جا کر جتنا پانی پئیں گے طبیعت اتنی جلدی بحال ہو گی۔'' اس نے ایمن کی ناک سے ان ہیلر لگا دیا۔ میں نے واش روم میں جا کر واش بیسن کے نل سے پانی پیا۔ اگرچہ مجھے پیاس نہیں تھی اس کے باوجود میں خاصا پانی پی گیا۔ نتیجتاً میں نے اپنی طبیعت میں واضح بہتری محسوس کی۔ باہر آ کر میں نے ایمن کے لئے بوتل میں پانی لیا۔ نیک نام اسے ان ہیلر دے چکا تھا۔ میں نے بوتل اس کے لبوں سے لگا دی۔ ''پانی پیو، اس سے طبیعت جلدی اچھی ہو جائے گی۔''

اس نے لرزتے لبوں کے ساتھ جلدی جلدی بڑے گھونٹ لئے۔ نصف بوتل خالی کر کے اس نے منہ سے ہٹا دی۔ ''کون ہو تم..... یہ آدمی کون ہے؟''

''فکر نہ کرو، ہم تمہارے ہمدرد ہیں، ان سے بچانے آئے ہیں، یہ ڈیوڈ شا کے آدمی ہیں۔''

''ڈیوڈ!'' اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''وہ شیطان یہاں ہے؟''

''خاصے عرصے سے.....'' میں نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ ''اگر تم اپنی طبیعت میں بحالی محسوس کر رہی ہو تو جلدی سے چینج کرو اور اپنی اہم چیزیں لے لو۔''

''کیوں؟''

''ایمن! میں تمہیں یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''دشمن تمہارے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے۔ ایک بار ان کے ہاتھ آ گئیں تو اپنے باپ کی طرح ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاؤ گی۔''

اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔ ''تم نے میرے باپ کا حوالہ کیوں دیا؟''

''کیونکہ میں اس کے بارے میں جانتا ہوں۔''

''تم شہباز ہو ناں.....'' اس نے بہت آہستہ سے پوچھا۔

''اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ ابھی تیاری کرو، ان کے اور ساتھی بھی ہوں گے، وہ آ گئے تو ہم آسانی سے نہیں نکل سکیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں جانے کے بجائے ہوٹل کی سکیورٹی کیوں نہ بلالوں؟''

''تمہاری مرضی.....اس صورت میں، میں چلا جاؤں گا تم جانتی ہو.....میرا ذرا مسئلہ ہے۔''

''تم شہباز ہی ہو۔'' اس نے مسرت آمیز لہجے میں کہا اور میرے گلے لگ گئی۔

''پلیز، وقت کم ہے۔'' میں نے اسے اگلے مرحلے میں جانے سے روکتے ہوئے کہا۔ ''اگر ہمارے ساتھ چلنا ہے تو فوری فیصلہ کرو اور تمہارے باپ کے بارے میں میرے پاس ایک اطلاع ہے۔''

''ڈیڈی کے بارے میں.....'' وہ چونکی۔ ''وہ زندہ ہیں؟'' اس کے لہجے میں بے تابی آ گئی تھی۔

''وہ اطلاع صرف ساتھ چلنے کی صورت میں دے سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں تمہارے لئے بے کار ہوگی۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''میں.....میں تیار ہوں۔'' اس نے جلدی سے سر ہلایا۔ باپ کے بارے میں سن کر وہ ہیجان میں آ گئی تھی۔ اس نے الماری سے لباس نکالا اور واش روم میں چلی گئی۔ چند منٹ میں اس نے لباس تبدیل کیا، اپنے پاسپورٹ اور دوسرے اہم کاغذات، ٹریولرز چیکس اور اپنا لیپ ٹاپ ساتھ لیا۔ میں نے اسے سوٹ کیس لینے سے منع کیا تھا۔ ''بے کار ہے، اس سے تم غیر ضروری طور پر ہوٹل اسٹاف کی نظروں میں آ جاؤ گی۔ نیچے جا کر چابی کاؤنٹر پر دو اور نکل کر باہر پارکنگ میں آ جاؤ۔ ہم وہاں ہوں گے، سمجھ گئیں؟''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا۔

ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر ہم باہر آئے، ایمن لفٹ سے نیچے گئی جبکہ ہم نے سیڑھیوں کا رخ کیا، جب اتر کر باہر جا رہے تھے تو ایمن کاؤنٹر پر کھڑی تھی۔ میں نے نیک نام کو گاڑی اینٹرنس پر لانے کو کہا اور خود لابی کا معائنہ کرنے لگا۔ دائیں طرف دیوار کے ساتھ ایک شخص ایمن کو دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے، اس نے لباس سے خود کو معزز بنانے کی کوشش کی تھی لیکن چہرے پر غنڈوں کی چھاپ صاف نظر آ رہی تھی۔ ایمن کاؤنٹر سے ہٹ کر باہر جانے لگی، میں بھی ٹہلتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ وہ شخص بھی تیزی سے ایمن کی طرف لپکا تھا اور میں نے بروقت ٹانگ آگے کر دی۔ وہ جیسے ہی الجھ کر سامنے کرسی پر بیٹھی عورت کی گود میں گرا اور اس نے چیخ کے ساتھ چائے کا گرم کپ اس پر الٹا اور میں نے باہر کا رخ کیا، نیک نام کار لا رہا تھا، ایمن کا بازو پکڑتے ہوئے میں باہر آیا۔

''یہ کون تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے ان کا ساتھی تھا، تمہیں روکنے آ رہا تھا میں نے بروقت ٹانگ اڑا دی۔''

''جیسے ہی نیک نام نے کار روکی۔ میں اور ایمن اس میں گھس گئے۔ ''چلو.....چلو.....رکو مت، وہ پیچھے ہیں۔'' میں نے کہا۔

نیک نام نے کار کو چوتھے گیئر میں ڈالا اور گولی کی طرح پارکنگ سے نکلتا چلا گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ خاتون کی گود میں گر کر چائے سے غسل کرنے والا بوکھلائے انداز میں باہر آیا تھا۔ اس نے بے بسی سے دور جاتی کار کو دیکھا۔ ''تمہارے آدمی کہاں ہیں؟''

''ہمارے پیچھے آئیں گے۔ اگر کسی نے تعاقب کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے روکیں گے۔'' میں عقب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی کار سڑک پر آئی تھی، ایک سیاہ مزدا پک اَپ بھی سڑک پر آئی۔ اس کے انداز سے مجھے شبہ ہوا تھا۔

''نیک نام! شاید یہ مزدا پک اَپ تعاقب میں ہے؟''

''سیاہ پک اَپ کو چیک کرو۔'' نیک نام نے اپنے کوٹ کے کالر میں کہا۔ اس نے شاید مختصر فاصلے پر استعمال ہونے والا ٹرانسمیٹر لگا رکھا تھا۔

ہم کوئی ایک کلومیٹر دور گئے ہوں گے کہ میں نے مزدا پک اَپ کو لڑکھڑاتے دیکھا۔ مگر وہ سڑک سے اتری نہیں رک گئی تھی، نیک نام نے اطلاع دی۔ ''اس کا ایک ٹائر برسٹ ہو گیا ہے۔''

''شہباز، یہ سب کیا ہے؟'' ایمن نے کہا، وہ سخت متوحش نظر آ رہی تھی۔

''فکر مت کرو، اب سب ٹھیک ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''ڈیوڈ شا میرے پیچھے کیوں ہے؟'' اس نے سوالات کا آغاز کیا۔ ''ڈیڈ کے بارے میں تمہارے پاس کیا اطلاع ہے؟''

''سب بتاؤں گا لیکن پہلے ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں۔'' میں نے عقب میں دیکھتے ہوئے کہا، مجھے خدشہ تھا کوئی اور تعاقب میں نہ ہو لیکن اب دور تک سڑک صاف تھی۔

''تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

''اطمینان رکھو، میں تمہیں اغوا نہیں کر رہا ہوں۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ ''ذرا اپنی زبان کو آرام دو۔''

اس نے مجھے گھور کر دیکھا تھا لیکن اس کے بعد کچھ کہا نہیں۔ نیک نام زیر لب مسکرا رہا تھا۔ نصف گھنٹے بعد ہم فرخ شاہ کے فارم ہاؤس میں داخل ہو رہے تھے۔ نیک نام کے ساتھیوں کی دو ین ہمارے تعاقب میں تھی۔ میں ایمن کو لے کر اندر آیا اور مہمان خانے کا رخ کیا۔ وہاں ایک چھوٹی سی نشست گاہ تھی جہاں سفیر اور مونا پہلے سے تشویش ناک صورت بنائے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ کھل اٹھے۔

''شکر ہے۔'' مونا نے بے تابی سے میرا ہاتھ تھاما، پھر ایمن کو دیکھ کر رک گئی۔ ''یہ کون ہے؟''

''مس ایمن شا!'' میں نے تعارف کرایا۔ ''اور ایمن، یہ میرے ساتھی سفیر شایان اور مس مونا۔''

''ہیلو!'' ایمن نے گرم جوشی سے ان دونوں سے ہاتھ ملایا۔ ''نائس ٹو میٹ یو!''

سفیر نے خوش اخلاقی سے جواب دیا تھا لیکن مونا کا انداز سرد تھا۔ اس نے بے حد خشک سے لہجے میں ''می ٹو۔'' کہا تھا۔ میں نے مختصر الفاظ میں ایمن کو نکال لانے کی کارروائی سنائی۔ مونا نے شکر ادا کیا۔ ''اچھا ہوا، کسی خون خرابے کی نوبت نہیں آئی۔''

''اس خوشی میں چائے کیوں نہ ہو جائے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔

اور مونا نے انٹر کام پر کچن سے چائے لانے کو کہا، ایمن بے چین ہو رہی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''پلیز شہباز مجھے ڈیڈی کے بارے میں بتاؤ۔ تم نہیں جانتے میں کتنی بے تاب ہوں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا میں نے ایمن سے کہہ تو دیا تھا کہ اسے اس کے باپ کے بارے میں ایک اہم بات بتاؤں گا۔ لیکن اب میں سوچ رہا تھا کہ اسے بتانا مناسب تھا بھی یا نہیں۔ اگر میں اسے بتا دیتا کہ برٹ شا زندہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور فتح خان کی قید میں ہے۔ تو میں بھی اس معاملے میں ملوث ہو جاتا۔ ایمن انتظامیہ سے رابطہ کرتی اور گواہ کے طور پر مجھے پیش کرتی جب کہ میں فی الحال پولیس یا انتظامیہ کے سامنے نہیں جا سکتا تھا اور نہ وہ برٹ شا کو بھول جاتے اور مجھے پکڑ لیتے۔ دوسرے میں نے برٹ شا کو زندہ ضرور دیکھا تھا لیکن میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ فتح خان نے اسے کہاں رکھا ہے۔ اس لیے میں اس کی نشان دہی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر برٹ شا نہ ملتا تو ایمن کی نظروں میں میرا امیج متاثر ہوتا اور عین ممکن ہے وہ مجھے جھوٹا اور راجا عمر دراز کا ایجنٹ سمجھتی جس نے اسے اپنے قبضے میں کرنے کے لیے یہ سارا چکر چلایا۔ لیکن اسے بھی کچھ نہ کچھ بتانا ضروری تھا۔ میں نے کہا۔

''ایمن بات یہ ہے کہ..... میرے خیال میں برٹ شا زندہ ہے۔''

''ڈیڈی زندہ ہیں؟'' اس کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے۔

''ہاں..... اور شاید فتح خان کی قید میں ہیں۔''

''فتح خان!'' اس نے دہرایا، اس کا چہرہ ست گیا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں اگر ڈیڈی اس کے قبضے میں ہیں تو اس نے کب ان کو زندہ چھوڑا ہوگا؟ تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''میں چند دن پہلے خود فتح خان کی قید میں تھا اور اس نے مجھے ایک ویران جگہ رکھا ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ جگہ کہاں ہے لیکن وہاں کوئی اور بھی تھا جسے الگ جگہ رکھا گیا تھا۔ وہ پاگل ہو گیا تھا اور کبھی کبھی انگریزی میں شور شرابا کرتا یا شیکسپیر کے ڈراموں کے ڈائیلاگ گاتا تھا۔''

''ڈیڈی کو شیکسپیر بہت پسند ہے؟'' وہ بے تابی سے بولی۔ ''شہباز، تم سچ کہہ رہے ہو ناں.....؟''

''اسی سے مجھے شبہ ہوا کہ وہ برٹ شا ہو سکتا ہے مگر میں پورے یقین سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے دیکھا نہیں ہے صرف سنا ہے۔''

''اگر وہ ڈیڈی ہی ہیں تو فتح خان نے ان کو کیوں قید رکھا ہے؟''

''شاید تم ان ہیروں کو بھول رہی ہو جنہیں برٹ شا نے چھپایا تھا۔ ممکن ہے فتح خان نے ہیرے حاصل کرنے کے لیے برٹ شا کو قید رکھا ہو۔''

''اگر ڈیڈی زندہ ہیں..... تو انہیں وہ لعنتی ہیرے دے دینے چاہئے تھے۔''

''یقین کرو ایمن، اگر تمہارا باپ زندہ ہے تو صرف اس لیے کہ اس نے ہیرے فتح خان کے حوالے نہیں کیے۔ ورنہ وہ اب تک موت کی نیند سو چکا ہوتا۔ فتح خان نے صرف ہیروں کی امید میں اسے زندہ رکھا ہوگا۔''

''تم نے بتایا کہ وہاں موجود انگریز پاگل ہے؟'' ایمن نے پوچھا۔

''ہو سکتا ہے مسلسل قید اور فتح خان کے تشدد نے اسے پاگل کر دیا ہو۔ یا وہ ڈرامہ کر رہا ہو اس لیے فتح خان نے اس سے ہیرے نکلوانے کے لئے دوسرے طریقوں کے بارے میں سوچا ہو۔''

''ایمن چونکی۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ وہ لوگ فتح خان کے آدمی تھے۔''

''ممکن ہے ڈیوڈ شا کے آدمی ہوں۔''

''اس میں کیا فرق ہے؟'' اس نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔ ''ابھی تم کہہ رہے تھے، فتح خان ڈیوڈ کے لئے کام کر رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں..... لیکن برٹ شا کے معاملے میں دونوں الگ ہوں گے۔ فتح خان نے ڈیوڈ شا کو اس کے کزن کے بارے میں ہوا بھی نہیں لگنے دی ہوگی کیونکہ فتح خان اس سے ہیرے چاہتا ہے اور ڈیوڈ شا یقیناً اسے قتل کرنا پسند کرے گا۔ برٹ شا کی واپسی کی صورت میں وہ خطاب اور جاگیر سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔''

ایمن بات کو سمجھ رہی تھی اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن ڈیوڈ شا کو مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟''

''تم نے برٹ شا کا کیس ری اوپن کرا کے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے اس لئے وہ اس کے آدمی بھی ہو سکتے ہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔'' اس نے مجھے غور سے دیکھا۔

اسی لمحے ملازم ٹرالی میں چائے اور دوسرے لوازمات لے آیا۔ اس نے چائے بنا کر سب کو سرو کی اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے ایمن کے سوال کا جواب دیا۔ ''مجھے فتح خان پر شبہ ہے بلکہ عین ممکن ہے۔ وہ ڈیوڈ شا کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلا رہا ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''وہ ڈیوڈ شا کو برٹ شا کی خبر دیئے بغیر تمہیں اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ تمہارے باپ پر دباؤ ڈال سکے۔ تم سوچو اگر تمہاری جان پر بن آئے تو کیا برٹ شا ہیرے فتح خان کے حوالے نہیں کرے گا؟''

''بالکل کرے گا۔'' ایمن نے فوراً کہا۔

''اس کا مطلب ہے میں نے تمہیں یہاں لا کر غلطی نہیں کی؟''

''ہاں، اب مجھے بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن میں تمہاری حکومت سے رابطہ کر کے بھی سکیورٹی مانگ سکتی ہوں۔''

''ہوٹل میں سکیورٹی بھی کم نہیں ہوتی ہے۔ باہر اسلحہ چیک کرنے کے آلات ہیں۔ اس کے باوجود دو مسلح افراد تمہارے کمرے تک جا پہنچے اور وہ تمہیں اغوا کر کے بھی لے جاتے اگر ہم بروقت نہ پہنچتے۔''

''لیکن پولیس سکیورٹی.....''

''معاف کیجئے گا مس شا!'' سفیر نے بات کاٹی۔ ''آپ ہماری پولیس کی کارکردگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ حالات ذرا سے خراب ہوں تو ان کو خود اپنی سکیورٹی کی فکر پڑ جاتی ہے دوسروں کو یہ کیا سکیورٹی دیں گے؟''

''ہم پر اعتماد کرو۔'' مونا نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ ''ہم تمہارے بھلے کے لئے یہاں لائے ہیں۔ اس جگہ تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''بات خطرے کی نہیں ہے، میں پاکستان اپنے ڈیڈی کی بازیابی کے لئے آئی ہوں۔ اس طرح سب سے چھپ کر میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔''

''سرکار برٹ شا کو بازیاب کرانے کے لئے کچھ نہیں کر سکتی ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''یہ کیس بھی تمہارے ملک کی وزارت خارجہ کے دباؤ میں ری اوپن کیا جا رہا ہے اور اس معاملے میں صرف رسمی خانہ پری ہو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر حکومت اسے تلاش کر سکتی تو بہت پہلے کر چکی ہوتی۔'' مونا بولی۔

''اگر برٹ شا زندہ ہے تو اسے صرف ہم ان لوگوں کے چنگل سے آزاد کرا سکتے ہیں۔'' میں نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔ ''کیونکہ ہم ان لوگوں سے بہتر طور پر نمٹ سکتے ہیں۔''

''اس نے بے بسی سے ہم تینوں کو دیکھا۔ ''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔''

''فی الحال تم اپنے ذہن سے ان سب باتوں کو نکال دو۔ ایک دو دن ہمارے ساتھ رہو۔ اس کے بعد تم بہتر فیصلہ کر سکو گی۔ اگر تم جانا چاہو گی تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''

''تم میرے لئے یہ سب کیوں کر رہے ہو؟''

''یہ میں تمہیں رات کے کھانے کے بعد بتاؤں گا۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ''فی الحال تم کچھ آرام کر لو۔ اگرچہ یہاں الگ کمرے بھی ہیں لیکن تمہارا مونا کے کمرے میں ٹھہرنا مناسب ہوگا۔''

''اور تم الگ رہنا چاہو تو یہ بھی ممکن ہے۔'' مونا بولی۔

''نہیں، میں تمہارے ساتھ رہنا چاہوں گی۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''آؤ میرے ساتھ..... کچھ آرام کر لو تو بہتر محسوس کرو گی۔'' مونا اسے ساتھ لے گئی۔

''یار راجا کو اس سے.....'' سفیر نے کہنا چاہا۔

لیکن میں نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ ''یار، اندر مجھے گھٹن ہو رہی ہے، آؤ ذرا باہر لان تک ہو آئیں۔''

''چلو.....'' سفیر سمجھ گیا۔

ہم باہر لان پر نکل آئے۔ ''اندر بات کرتے وقت محتاط رہا کر۔'' میں نے کہا۔ ''خاص طور سے راجا عمر دراز کے بارے میں بات کرتے ہوئے۔''

''یار، مجھے شک ہو رہا ہے، راجا محض انسانی ہمدردی کے تحت ایمن کے کام نہیں آ رہا ہے۔''

''پھر تیرا کیا خیال ہے؟''

''مجھے لگ رہا ہے، وہ ہیروں کے چکر میں ہے۔'' سفیر نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ ''کروڑوں ڈالر کم نہیں ہوتے، روپے میں اربوں روپے سمجھ لے۔ اتنی رقم کس کے لئے پُرکشش نہیں ہوتی!''

''خود میرے ذہن میں بھی یہی خیال آ رہا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''اس طرح شاید راجا برٹ شا سے اس حرکت کا انتقام بھی لے لے۔''

''کون سی حرکت؟'' سفیر چونکا۔

''اس نے راجا عمر دراز کے محل سے تصویر اور ایک خاص پتھر چرانے کی کوشش کی تھی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''اس لحاظ سے برٹ شا راجا کا دشمن ہے۔''

''ہاں، یہ ممکن ہے۔'' سفیر نے غور کیا۔ ''لیکن وہ ایمن کے ساتھ کیا کرے گا؟''

''تمہارا مطلب ہے وہ ایمن کو کیوں حاصل کرنا چاہتا ہے؟''

''بالکل۔'' اس نے سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممکنہ طور پر اسی مقصد کے لئے..... جس کے لئے فتح خان ایمن کو اغوا کرنا چاہتا ہے۔''

سفیر کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''یعنی وہ بھی اسے استعمال کر کے برٹ شا سے ہیرے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''شاید.....'' میں نے کہا اسی لمحے میری نظر نیک نام پر پڑی۔ وہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ ''اب اس موضوع پر بات مت کرنا۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' سفیر نے سر ہلایا۔

نیک نام نزدیک آیا۔ ''جناب، مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔''

''ضرور لیکن مجھے بھی کچھ پوچھنا ہے۔''

''ضرور جناب!''

''وہ کیا چیز تھی، کوئی گیس جس نے ہمیں مفلوج کر دیا تھا۔''

''وہ ایک قسم کی نروگیس ہے۔'' اس نے کہا اور جیب سے ایک چھوٹا سا سلنڈر نکال کر دکھایا۔ یہ مشکل سے چھ انچ لمبا تھا۔ ''اس میں اتنی گیس ہے جس سے سو مربع میٹر کے رقبے میں ہر جاندار بے حس و حرکت ہو سکتا ہے۔ مجھے صرف ایک چھوٹا سا پائپ اس کے ساتھ لگا کر کی ہول سے داخل کرنا پڑا تھا۔''

''اور جو ہماری ناک سے ان ہیلر لگایا تھا؟''

''وہ اس گیس کا توڑ ہے۔'' نیک نام نے جواب دیا۔ وہ کچھ بے چین نظر آ رہا تھا۔

''ہاں، تم کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟''

''جناب، کیا ہم جس کام کے لئے آئے تھے، وہ ہو گیا ہے؟''

''تقریباً۔'' میں نے مبہم جواب دیا۔

''یعنی اس لڑکی کا حصول ہمارا مقصد تھا؟''

''ہاں، تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''اس صورت میں ہمیں فوری طور پر واپسی کا سفر شروع کرنا چاہئے۔''

''ابھی اس میں کچھ مسئلہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''واپسی کا فیصلہ ایک دو دن میں ہو گا۔''

''جناب، یہ وقت زیادہ ہے۔''

''اس مشن کا انچارج کون ہے؟'' مجھے اس کے انداز پر غصہ آ گیا تھا۔

''آپ جناب۔''

''اس لئے فیصلہ بھی مجھے کرنا ہے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''ناؤ گو..... اور میرے آئندہ احکامات کا انتظار کرو۔''

''یس سر!'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اباؤٹ ٹرن کے انداز میں گھوم کر کوٹھی کے عقبی حصے میں چلا گیا۔

''تو نے بالکل ٹھیک سلوک کیا اس کے ساتھ۔'' سفیر نے ہنس کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے اس کے تیور بدلے ہوئے لگ رہے ہیں۔'' میں نے تشویش سے کہا۔

''کیا یہ ہمیں ہائی پاس کرنے کی کوشش کریں گے؟''

''ممکن ہے..... اب میں کسی بھی شے یا واقعے کے لئے تیار رہتا ہوں۔ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔''

''ہم پر بھی نہیں؟'' سفیر نے دل گرفتگی سے کہا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ ''مونا اور تُو میرے وجود کا ایک حصہ ہو۔''

''اندر چل، سردی بڑھ رہی ہے۔'' اس نے میری کمر پر ہاتھ رکھ کر دھکیلا۔

ڈنر ہم نے مہمان خانے کے ڈائننگ روم میں کیا تھا۔ ملازم نے فرخ شاہ کی طرف سے معذرت کی تھی، وہ کسی تقریب میں شرکت کرنے گیا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد ہم نے کافی نشست گاہ میں منگوائی تھی۔ باہر بارش شروع ہوگئی تھی اور سردی کی شدت میں یکلخت اضافہ ہوگیا تھا۔ ایمن منتظر تھی کہ میں اسے بتاؤں کہ میں اس کی مدد کیوں کر رہا تھا؟ کیا میری کوئی غرض ہے یا میں بے لوث تھا؟ میں نے کہا۔ ''ایمن! اگر میں کہوں کہ میں بے غرض ہوں تو یہ غلط ہوگا۔ اس معاملے سے میری غرض ہے۔ تمہیں یاد ہے، میں نے تمہیں بتایا کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔ کیسے میں ایک سیدھے سادے کاروباری سے آج اس مقام پر ہوں کہ دشمن سے بچنے کے لئے میں اپنی جان دے سکتا ہوں اور اس کی جان لے بھی سکتا ہوں۔''

''ہاں..... میں نے آج بھی دیکھا تھا..... یہ لوگ کون ہیں؟''

''میرے ہمدرد ہیں۔ ڈیوڈ شا اور اس کے مقامی ساتھی جو میرے اصل دشمن ہیں، ان سے مقابلہ کرنے کے لئے مجھے ہمدردوں کی ضرورت ہے۔ یہی نہیں اور بھی بہت سارے لوگ ہیں جو میرے ساتھ ہیں، اب میں اکیلا نہیں ہوں۔''

''مورشید آلی۔'' اس نے اٹک کر کہا۔ ''یہی نام ہے ناں تمہارے دشمن کا؟''

''ہاں، وہی میری دربدری کا ذمے دار ہے۔'' میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''مجھے شبہ ہے، تمہیں اغوا کرنے کے لئے آنے والے افراد اصل میں مرشد علی کے آدمی تھے۔''

''ڈیوڈ سے اس شخص کا کیا تعلق ہے؟''

''دونوں ایک جیسی مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ڈیوڈ شا اور مرشد علی کے درمیان تعلق کیسے شروع ہوا لیکن راجا عمر دراز سے تصویر حاصل کرنے کے لئے ڈیوڈ نے مرشد علی اور فتح خان کی خدمات حاصل کی تھیں۔ فتح خان سے تم اچھی طرح واقف ہو۔''

''اس خوف ناک آدمی کو میں کیسے بھول سکتی ہوں؟'' اس نے جھرجھری لی۔ ''اگر تم نہ ہوتے تو میرا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔ اس شخص کی نیت مجھ پر خراب تھی۔'' اس نے سادگی سے کہہ دیا اور مونا جھینپ گئی تھی۔ کافی آئی، مونا نے ٹرالی لے کر ملازم کو رخصت کر دیا اور خود کافی بنانے لگی۔

''مجھے معلوم نہیں تھا ڈیوڈ اس حد تک گر سکتا ہے۔'' کچھ دیر بعد ایمن نے کہا۔ ''وہ میرے پیچھے کیوں ہے؟''

''میں نے کہا ناں، وہ تمہیں روکنا چاہتا ہے مگر اصل خطرہ تمہیں فتح خان سے ہے۔ وہ بے حد مکار شخص

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، تمہیں یرغمال بنا کر وہ تمہارے باپ سے ہیرے نکلوائے گا اور پھر شاید تم دونوں کو ختم کر دے گا۔''

کافی نوشی کے دوران میں اسے مرشد علی، ڈیوڈ شا اور فتح خان سے مقابلے کی رُوداد سناتا رہا۔ باتیں ہوتی رہیں..... رات سرد ہوتی جا رہی تھی۔ گرج چمک کے ساتھ دھیمی بارش مستقل جاری تھی۔

''شہباز..... مجھے کسی حد تک سمجھ میں آ رہا ہے لیکن میں تمہارے ساتھ رہوں تو تم میری مدد کس طرح کرو گے؟ میرے ڈیڈی کو فتح خان کے چنگل سے کیسے نکالو گے؟''

''فی الحال اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ایمن تم ہمارے ساتھ رہو یا نہ رہو لیکن ہم ان کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے اور اس سلسلے میں جو کچھ بن پڑا کریں گے۔''

اس نے سر ہلایا تھا۔ مونا نے جماہی لی۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' اس نے منمنا کر کہا۔

''تم لوگ جا کر سو جاؤ۔'' میں نے سفیر کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

''ہاں یار، میرا تو برا حال ہے، اس لئے میں چلا۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

مونا بھی کھڑی ہو گئی۔ ''میں بھی جا رہی ہوں، ایمن تم آ جانا۔''

''او کے گڈ نائٹ!'' اس نے سر ہلایا۔

اصل میں، مَیں نے محسوس کیا تھا کہ ایمن ان دونوں کے سامنے کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہی تھی۔ شاید وہ ان سے بے تکلفی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر خاموش رہی تھی پھر اس نے میری طرف جھکتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ ''میں تمہیں یاد رہی تھی؟''

''ہاں..... تم بھولنے والی چیز نہیں ہو۔'' میں نے کسی قدر بوکھلا کر کہا۔

''اچھا، میری کیا چیز یاد رہی۔''

''سب کچھ..... مطلب یہ کہ خصوصیت سے نہیں۔'' میں نے نظریں چرائیں۔

''اس وقت کے مقابلے میں مجھ میں کیا تبدیلی آئی؟'' اس کا سوال اکسانے والا تھا کہ مجھے دیکھو اور موازنہ کرو۔ سچی بات ہے، وہ گیارہ سال پہلے کی نوخیز ایمن کے مقابل میں میچور اور بھرپور جوان عورت میں بدل چکی تھی۔ اس وقت وہ جسمانی لحاظ سے متناسب تھی تو اب متناسب ترین ہو گئی تھی لیکن میں نے ان خصوصیات کا ذکر نہیں کیا اور متانت سے جواب دیا۔ ''تم ذہنی لحاظ سے میچور اور مضبوط ہو گئی ہو۔''

''صرف ذہنی لحاظ سے؟'' اس نے پھر اکسانے والے انداز میں پوچھا۔

''نہیں اور لحاظ سے بھی۔'' میں نے بادل ناخواستہ جواب دیا اور موضوع بدل دیا۔ ''ایمن..... کیا تم مجھ پر اعتماد کرتی ہو۔''

''ہاں، کیوں نہیں ورنہ میں کسی اور کے ساتھ اس طرح آ سکتی تھی؟'' اس نے آنکھیں پھیلا کر میری طرف دیکھا۔ مجھے دل میں اعتراف کرنا پڑا۔ مغربی حسن کا اتنا مکمل نمونہ کم ہی میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ حالانکہ سیاحوں کی صورت میں آئے دن میرا واسطہ گوریوں سے پڑتا رہتا تھا لیکن ان میں کوئی ایمن جیسی نہیں تھی۔

''تب مجھ پر بھروسا بھی کرو۔ میں تمہارے باپ کو فتح خان کے چنگل سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر وہ زندہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں یہاں سے جانا ہوگا۔''

''کہاں؟'' اس نے پوچھا۔

''راجا عمر دراز کے پاس۔''

''اوہ نو.....! میں اس پر اعتماد نہیں کر سکتی۔''

''ایمن! راجا اچھا آدمی ہے۔ اُس وقت بھی وہ چاہتا تو تم اتنی آسانی سے ملک سے نہیں جا سکتی تھیں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو تمہارے باپ نے غلط کام کیا تھا۔ راجا کے محل سے چوری کروائی تھی۔ اگر وہ رپورٹ کروا دیتا تو آج تم اور برٹ شاپاکستانی پولیس کو مطلوب ہوتے۔''

''پھر بھی، میں اس پر اعتماد نہیں کر سکتی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے یقین ہے، اس نے ہمیں دل سے معاف نہیں کیا ہے۔ میرے دادا بتاتے تھے، راجا عمر دراز سخت دل قبائلی تھا۔''

''تم راجا نہ سہی..... مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ''ہاں، میں تم پر اعتماد کر سکتی ہوں۔''

''ایمن تمہارے لئے واپسی کا راستہ کھلا رہے گا۔ دیکھو، تم اپنے باپ کو تلاش کرنے آئی ہو اور دشمن تمہاری راہ پر لگ گئے ہیں۔ اب تم صرف راجا کے محل میں محفوظ رہ سکتی ہو اور ہم برٹ شا کو تلاش کر سکتے ہیں۔''

''میں سمجھ گئی۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن شوبی، میں صرف تم پر اعتماد کر سکتی ہوں۔''

میں چونکا۔ ''ارے تمہیں کیسے پتا چلا کہ میرا نک نیم شوبی ہے..... مونا نے بتایا ہے؟''

''مجھے تو نہیں معلوم۔'' وہ حیران ہوئی۔ ''میں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا، اِٹس رئیلی!''

''ہاں..... یہ حقیقت ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''مونا نے یہ نام رکھا تھا۔''

''یہ لڑکی کون ہے؟'' اس نے سرسری انداز میں پوچھا لیکن اس کے لہجے سے حسد کی بو صاف آ رہی تھی۔

''آئی مین..... تمہاری کیا لگتی ہے؟''

''کچھ نہیں اور سب کچھ۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' اس کے انداز میں تشویش آ گئی تھی۔

''میری دوست ہے، بہن ہے اور جب سفیر کی بیوی بھی بن جائے تو بھابی بھی ہوگی۔''

''اچھا!'' اس نے سکون کا سانس لیا اور دلچسپی سے بولی۔ ''یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں؟''

''ہاں..... لیکن اظہار نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کے سامنے اعتراف کرتے ہیں۔ تم اس معاملے میں محتاط رہنا۔ اشارتاً بھی اس بارے میں کوئی بات مت کرنا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تمہاری شادی نہیں ہوئی..... لیکن کیا تم نے کسی کو پسند بھی نہیں کیا؟''

''پسند.....'' میں نے سر کھجایا۔ ''اصل میں فرصت ہی نہیں ملی۔ کاروبار میں لگا رہا، بہت مصروفیات والا کام تھا۔ یعنی ٹورایجنسی چلانا۔''

''اب تمہارا کام کون چلا رہا ہے؟''

''کوئی بھی نہیں۔ صرف اسکردو اور گلگت والے دفاتر کام کر رہے ہیں۔ یہاں کا آفس بھی جلا دیا دشمنوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے۔ میرا چوکیدار بھی مارا گیا۔''

''اوہ.....'' اس نے افسوس کیا۔ ''اس چکر میں تمہیں بہت دھچکا لگا ہوگا۔''

''ہاں..... یہ تو ہے..... لیکن جو خدا کی مرضی.....'' میں نے گہری سانس لی۔

نشست گاہ کے ایک طرف شیشے کی دیوار تھی جس سے کوٹھی کے بائیں طرف کا باغ نظر آتا تھا۔ اس وقت بارش ہو رہی تھی اور باغ میں تاریکی تھی کیونکہ کھمبوں پر بلب لگے تھے، بارش کی نمی سے ان کے کنکشن شارٹ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے شاید اسی لئے تمام بلب بند تھے۔ بارش کی بوندیں اندر کی روشنی میں برستی نظر آ رہی تھیں۔ باہر ایک نظر ڈال کر میں ایمن کی طرف مڑنے والا تھا کہ اچانک باغ کے ایک گوشے میں چند لمحے کے لئے روشنی لہرائی اور پھر بجھ گئی۔ میں چونکا۔ اس وقت باغ میں کون ہو سکتا تھا؟ میں نے اٹھ کر شیشے سے باہر دیکھا۔ جہاں اب تاریکی تھی۔

''تم نے باغ میں کوئی روشنی دیکھی؟'' میں نے ایمن سے پوچھا۔ ''چند لمحے کے لئے۔''

''نہیں۔ میرا اس طرف دھیان نہیں تھا۔''

میں اس روشنی کو اپنا وہم سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حالات نے مجھے محتاط ہی نہیں شکی بھی بنا دیا تھا۔ کوٹھی یا فارم ہاؤس کا کوئی فرد اس موسم اور سردی میں باہر کیوں جانے لگا۔ جا بھی سکتا تھا۔ میرے دل نے دلیل دی اور ذہن نے اسے مسترد کر دیا۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ایمن سے کہا۔ ''تم یہاں رکو، میں ابھی آتا ہوں۔''

''کہاں جا رہے ہو؟'' وہ میرے انداز سے بھانپ گئی۔ ''کوئی خاص بات ہے؟''

''مجھے شبہ ہے باغ میں کوئی مشکوک فرد ہے۔'' میں نے اپنی لیدر جیکٹ پہنی اور پستول نکال لیا۔ ایمن کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''میں بھی چلوں گی؟'' اس نے کہا۔

''نہیں، تم اندر رہو۔'' میں نے کہا پھر مجھے خیال آیا۔ ''ہاں..... میرے ساتھ آؤ، تم دروازہ اندر سے بند کر لینا۔''

''مہمان خانے کا ایک دروازہ باہر باغ میں بھی کھلتا تھا۔ میں نے راہداری کی روشنی بند کر دی اور دروازہ کھولنے سے پہلے ایمن سے کہا۔ ''میرے باہر جاتے ہی دروازہ بند کر لینا اور جب تک میں دستک نہ دوں، دروازہ مت کھولنا۔''

''مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم دستک دے رہے ہو؟'' اس نے سوال کیا۔

''ہاں..... میں تین بار ہلکی سی دستک دوں گا اور اگر باہر سے فائر کی آواز آئے تو مونا اور سفیر کو اٹھا دینا۔''

''شوبی، اپنا خیال رکھنا۔'' ایمن کا لہجہ لرز رہا تھا۔

میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر تاریکی میں رینگ گیا۔ بارش کا پانی یخ بستہ تھا۔ اگر میں نے گلے تک جیکٹ کی زپ نہ بند کر رکھی ہوتی تو لمحوں میں شرابور ہو جاتا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا باغ کے اس حصے کی طرف جانے لگا جس طرف مجھے روشنی نظر آئی تھی۔ اگرچہ تاریکی میں نہ تو کچھ نظر آ رہا تھا اور نہ ہی بارش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شور میں کوئی آواز سنائی دے رہی تھی، اس کے باوجود میری چھٹی حس خطرے کا اشارہ دے رہی تھی۔ اچانک بجلی چمکی اور سارا ماحول لمحے بھر کے لئے روشن ہو گیا۔ میں نے کسی کو دائیں طرف پھولدار پودوں کے عقب میں جاتے دیکھا۔ یہ خاصے اونچے اور گھنے پودے تھے۔ میں نے فوری طور پر حرکت کرنے سے گریز کیا۔ جیسے میں نے اس شخص کو دیکھ لیا تھا، ممکنہ طور پر اس نے یا کسی دوسرے نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور اس کا فوری ثبوت بھی مل گیا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ کوئی شے میرے برابر میں دیوار سے ٹکرائی۔ اگلے ہی لمحے میں نیچے گر گیا اور شاید اسی وجہ سے میری جان بچ گئی تھی۔ کھٹا کھٹ کر کے ایسی ہی کئی گولیاں دیوار سے ٹکرائی تھیں۔ کوئی بے آواز ہتھیار سے فائر کر رہا تھا۔ میں لیٹے لیٹے واپس کھسکنے لگا۔ میں اگلی بار بجلی چمکنے سے پہلے کسی محفوظ جگہ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ یہ بات یقینی تھی، میرے دشمن ان پہنچے تھے۔ انہوں نے کسی طرح سے ہمارا ٹھکانہ ڈھونڈ نکالا تھا، میں اس سے بے خبر تھا۔

میرے پاس اعشاریہ اڑتیس والا پستول تھا اور یہ خاصا زوردار دھماکا کرتا تھا۔ نیک نام اور اس کے ساتھیوں کے پاس بے آواز ہتھیار بھی تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ پولیس اس طرف آئے۔ اگر حملہ آوروں سے نمٹنے کے لئے فائرنگ کرنا پڑتی تو یہ بات بھی یقینی تھی کہ اس کے بعد ہمیں یہاں سے فرار ہونا پڑتا۔ عمارت کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ حملہ آوروں کے لئے اندر گھسنا آسان نہیں تھا۔ میں اندر جا کر نیک نام کو بھی خبردار کر سکتا تھا۔ وہ لوگ زیادہ بہتر طور پر ان سے نمٹ سکتے تھے۔ اچانک کسی نے میری گردن پر کوئی شے رکھ دی۔

''خبردار! حرکت.....''

اس کا جملہ ابھی منہ میں تھا کہ میں پھرتی سے گھومتے ہوئے بیٹھ گیا اور اپنے سر سے اس کے پیٹ میں ٹکر ماری۔ وہ کراہ کر جھکا تھا کہ میں نے سر کے اوپری حصے کو اندازے سے اس کے منہ پر مارا اور وہ ناگفتنی بکتا ہوا نیچے گرا۔ میں نے پستول کا دستہ اس کے سر پر مارا اور اس کی بک بک ایک دم رک گئی۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں نے بغیر کسی تاخیر کے اسے کھینچنا شروع کر دیا۔ اس کا ہتھیار اندھیرے میں کہیں رہ گیا تھا۔ میں اسے دروازے تک لایا اور پھر آہستہ سے تین بار دستک دی۔ ایمن شاید دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا اور آہستہ سے بولی۔ ''شہباز!''

''پیچھے ہٹو۔'' میں نے کہا اور بے ہوش شخص کو کھینچتا ہوا اندر لے آیا۔ ''دروازہ بند کر دو ..... جلدی۔'' میں نے کہا اور راہداری کی روشنی جلا دی۔ ''جا کر سفیر اور مونا کو بیدار کرو۔ کوٹھی میں شاید مسلح افراد گھس آئے ہیں۔''

ایمن جلدی سے کمروں کی طرف چلی گئی۔ میں نے اس شخص کا جائزہ لیا۔ جوان آدمی تھا۔ صورت اور حلیے سے نچلے طبقے کا لگ رہا تھا۔ سر پر ضرب کے نشان سے گومڑ بن گیا تھا۔ اتنے میں سفیر اور مونا بھی دوڑے آئے۔ ''کیا ہوا؟'' سفیر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''یہ کون ہے؟''

میں نے مختصر الفاظ میں انہیں صورتِ حال بتائی اور بولا۔ ''نیک نام اور اس کے ساتھیوں کو ہوشیار کرنا پڑے گا۔''

میں نے فون ملایا۔ نیک نام نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی۔

''یس سر!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''خطرہ..... کچھ لوگ کوٹھی کے باغ میں ہیں۔ میں باہر گیا تھا، مجھ پر فائرنگ ہوئی۔ ان کے پاس بے آواز ہتھیار ہیں۔ ایک میرے جسم میں چبھ گیا ہے اسے اندر لے آیا ہوں۔''

''میں سمجھ گیا..... آپ سب اندر رہیں..... اور کسی کو اندر نہ آنے دیں، کوئی ایسی کوشش کرے تو اسے شوٹ کر دیں۔''

''فائرنگ کی آواز گونجے گی تو ہم بھی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔''

''میں سمجھ گیا جناب!'' اس نے کہا اور کال ختم کر دی۔

''ہمیں ہوشیار رہنا ہے۔'' میں نے ان تینوں سے کہا۔ ''اپنے ہتھیار نکال لو۔ اگر کوئی اندر آنے کی کوشش کرے تو ہمیں اسے روکنا ہوگا۔''

''اندر آنے کے صرف دو راستے ہیں۔ یہ دروازہ اور دوسرا جو کوٹھی کے اندر کھلتا ہے۔''

''اسے بھی بند کر دو۔'' میں نے سفیر سے کہا اور وہ دروازہ بند کرنے چلا گیا۔

''یہ کون ہو سکتے ہیں؟'' ایمن نے سوال کیا۔

''ظاہر ہے، ہمارے دشمن..... ڈاکو بے آواز ہتھیار لے کر نہیں آتے ہیں اور نہ ہی بلاوجہ فائر کرتے ہیں کچھ دیر پہلے میں بال بال بچا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' مونا چونکی۔

''کسی نے اندھیرے میں مجھ پر بے آواز ہتھیار سے فائر کئے تھے۔ بس اللہ نے بچا لیا۔''

ایمن کا چہرہ فق ہو گیا تھا، اس نے میرا بازو تھام کر جذباتی انداز میں کہا۔ ''اب تم باہر نہیں جاؤ گے۔''

اس پر مونا نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''جب تک میرا آخری وقت نہیں آئے گا، تو صدر بش بھی مجھے نہیں مار سکتا۔''

ایمن نے منہ بنایا۔ ''یہ نام مت لو..... مجھے نفرت ہے اس شخص سے۔''

''اس لئے کہ ابھی تم ہمارے پاس ہو؟'' مونا نے طنز کیا۔

''نہیں۔'' ایمن غصہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے یہ شخص شروع سے ناپسند ہے۔''

میں نے ملامت آمیز نظروں سے مونا کو دیکھا۔ ''اس شخص کو کوئی بھی معقول شخص پسند نہ کرے، خیر چھوڑو.....'' میں نے کہا۔

اور اس شخص کو کھینچ کر دائیں طرف کے ایک کمرے میں لایا۔ یہ کمرا اس لحاظ سے محفوظ تھا کہ اس کا کوئی دروازہ یا کھڑکی باہر کی طرف نہیں کھلتا تھا۔ نہ جانے نیک نام اور اس کے ساتھی باہر کیا کرتے پھر رہے تھے۔ اس نے کہا تھا۔ ہم باہر نہ آئیں، اچانک باہر سے کسی نے اتنی زور سے چیخ ماری کہ اندر تک صاف سنائی دی۔ مونا اور ایمن نے پوچھا۔ ''یہ..... یہ کیسی آواز تھی؟''

''یہ کس نے چیخ ماری؟'' مونا بولی۔

''دیکھ کر آتا ہوں۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو مونا اور ایمن نے بیک وقت دائیں بائیں سے پکڑ لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم باہر نہیں جاؤ گے۔'' مونا بولی۔

''تو.....تو.....'' ایمن کے لہجے میں اضطراب تھا۔

''تو مجھے کیا معلوم کس نے چیخ ماری تھی!'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''اب آپ دونوں ذرا چپ بیٹھیں۔''

''یار اس کا کیا کرنا ہے؟'' سفیر بولا۔ وہ بے ہوش شخص کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

میں نے اس کا معائنہ کیا۔ بے ہوشی خاصی گہری تھی اور ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے اس کے ہوش میں آنے کے کوئی امکانات نہیں تھے، میں نے اسے باندھنے کی تجویز پیش کی سفیر نے دروازے کے سامنے لگے پردے کو پھاڑ کر اس کی پٹیاں بنالیں اور ان پٹیوں سے۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا۔ ہمارے پاس کل تین پستول تھے اور ایمن خالی ہاتھ تھی۔

اگر کوئی ہتھیار ہے تو مجھے بھی دو۔'' اس نے مطالبہ کیا۔ ''میں نے باقاعدہ تربیت لی ہے۔''

''افسوس کہ ہمارے پاس کل یہی ہتھیار ہیں اور اتفاق سے ہم تینوں کو چلانا بھی آتے ہیں۔'' میں نے معذرت کی۔

اس چیخ کے بعد مزید کوئی آواز نہیں آئی۔ اچانک گیلری میں باہر کھلنے والے دروازے پر کسی نے پے در پے فائر کئے۔ غالباً لاک توڑنے کے لئے۔ اس بار بھی ہتھیار بے آواز تھا، صرف دروازے سے گولیاں ٹکرانے اور اس کی کھپچیاں اُڑنے کی آواز آئی تھی۔ میں نے کمرے کے دروازے سے جھانکا۔ دروازے کا لاک ٹوٹ گیا تھا اور دروازہ جھول رہا تھا۔ کسی نے دروازے پر لات ماری اور فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے مونا سے اس کا اعشاریہ بتیس کا پستول لیا، اس کی آواز زیادہ نہیں تھی۔ اگر فائر کرنا پڑتا تو امید تھی کہ آواز فارم ہاؤس سے باہر نہیں جائے گی۔ جیسے ہی پہلے شخص نے اندر گھسنے کی کوشش کی، میں نے اس کے پیروں پر فائر کیا اور دروازے پر ہی ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا اسے پھلانگ کر اندر آیا تھا اور چند ثانیے میں دروازے تک آ سکتا تھا۔ احتیاط کا وقت نہیں تھا، میں نے اس بار اوپر فائر کیا اور وہ سینہ تھام کر ڈھیر ہو گیا۔ دو سپاہی ناکارہ ہونے کے بعد حملہ آور سپاہ کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ٹانگ پر گولی کھانے والا رینگتا ہوا باہر جا رہا تھا۔ میں نے اسے جانے دیا۔ سینے پر گولی کھانے والا اوندھے منہ ساکت پڑا تھا۔ اس کے بعد مزید کسی نے اندر آنے کی کوشش نہیں کی۔

مجھے ٹیک نام سے بات کئے ایک گھنٹا گزر چکا تھا۔ بے حد ٹینشن کی کیفیت میں ہم انتظار کر رہے تھے کہ اس کی طرف سے پیغام ملے۔ میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''یار! کہیں ان لوگوں کے ساتھ مسئلہ نہ ہو گیا ہو؟''

''عین ممکن ہے، آنے والے مسلح اور جان کی بازی لگانے والے لگتے ہیں۔ ورنہ یہ اس طرح بے دریغ اندر نہ آتے۔'' اس نے مرنے والے کی طرف اشارہ کیا۔

''اس صورت میں ہم اس جگہ محصور ہو جائیں گے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ ''ایک دستی بم ہم سب کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہے۔''

یہ بات میں نے آہستہ سے کہی تھی لیکن کونوں میں دبکی خواتین نے سن لی تھی۔ ایمن نے گھبرا کر کہا۔

''اوہ نہیں کچھ کرو شوبی!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی!'' سفیر نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''خاتون بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہیں۔ اتنی جلدی شوبی تک آ گئیں۔''

''بکواس نہ کر..... وہ مونا نے بولا تھا تو میرے بِک سے واقف ہو گئی۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔

''فکر مت کرو۔'' سفیر نے ایمن کو تسلی دی۔ ''وہ تمہیں زندہ لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ ورنہ ہمارے لئے وہ راکٹ لانچر یا توپ لاتے۔''

''مورشید اتنا خطرناک آدمی ہے؟'' ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

''سفاک سمجھ لو۔ اپنے مقصد کے لئے انسان کو بے دردی سے استعمال کرنے والا۔ جیسے چنگیز خان یا ہٹلر تھے۔''

''اتنا خطرناک ہے؟'' ایمن دنگ رہ گئی تھی۔

''لیکن تمہارے چچا ڈیوڈ شا سے کم..... اس نے محض ایک تصویر کی خاطر کئی درجن افراد مروا دیئے تھے۔ کتنے ہی گھر اجاڑ دیئے، تبھی تو وہ مرشد علی کا باس بنا ہوا ہے۔''

ایمن نے جھرجھری لی۔ ''مجھے پتا نہیں تھا کہ ڈیوڈ شا اتنا بھیانک ہو گا؟''

اسی لمحے دروازے کے باہر آہٹ ہوئی اور ہم چوکنے ہو گئے پھر ہم نے نیک نام کی آواز سنی۔ ''میں ہوں..... سب ٹھیک ہے۔''

اس کے باوجود میں نے پہلے احتیاطاً جھانکا۔ کوئی نیک نام کی کمر پر پستول رکھ کر بھی یہ بات کہلوا سکتا تھا لیکن وہ اکیلا تھا۔ وہ اندر کمرے میں آیا۔ ''کیا حالات ہیں؟''

''کوٹھی میں اس وقت کوئی حملہ آور نہیں ہے۔ دو باہر مارے گئے ہیں اور ایک یہاں پڑا ہے۔ باقی شاید فرار ہو گئے ہیں۔ ان میں کچھ زخمی بھی ہوں گے۔''

''انہیں جہنم میں جھونکو۔ فرخ شاہ کے ملازمین اور چوکیدار کیا کر رہے ہیں؟''

''چوکیدار مارا گیا ہے۔'' نیک نام نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ ''ملازمین اپنے کوارٹروں میں ہیں، انہیں معاملے کی خبر نہیں ہے اور وہ سب خیریت سے ہیں۔''

چند منٹ بعد فرخ شاہ بھی وہاں موجود تھا۔ اسے سوتے سے اٹھا کر لایا گیا تھا۔ اس کے اہلِ خانہ کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ کوٹھی میں اکیلا رہتا تھا اور اس وقت بھی اکیلا تھا۔ حملہ آوروں کے بارے میں سن کر وہ پریشان نظر آنے لگا اور چوکیدار کے مرنے کا سن کر اس کی حالت خراب ہونے لگی۔ اس نے کراہ کر کہا۔ ''میرے خدا اب پولیس آئے گی۔''

''پولیس تو بہرصورت آتی۔'' میں نے راہداری میں پڑی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں، انہیں ہم ٹھکانے لگا دیتے۔'' نیک نام نے اختلاف کیا۔ ''لیکن چوکیدار کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس کے اہلِ خانہ بھی ساتھ رہتے ہیں۔''

''پولیس کا سامنا ہم کسی صورت نہیں کر سکتے۔'' میں نے غور کیا۔

''اس لئے ہمیں یہاں سے جانا ہو گا۔'' نیک نام بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس وقت..... اتنی بارش میں۔'' مونا نے پریشانی سے کہا۔

''یہاں سے دو کلو میٹر اوپر میری ایک عمارت ہے۔'' فرخ شاہ نے کہا۔''فی الحال تم لوگ وہاں چلے جاؤ۔''

''جب دشمن فارم ہاؤس کے بارے میں جانتے ہیں تو اس عمارت کے بارے میں بھی جانتے ہوں گے۔'' نیک نام بولا۔''ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے، میرا خیال ہے، ہمیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے، آخری فیصلہ شہباز صاحب کریں گے۔'' اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

میں نے غور کیا اور نیک نام سے کہا۔'' جا کر ملازموں کو لو اور پورے فارم ہاؤس کو دیکھو۔ گاڑیوں کو خاص طور سے چیک کرنا۔ بوبی ٹریپ یا کوئی ڈی فیکٹر لگانا بہت آسان کام ہے۔''

وہ چلا گیا۔ میں نے فرخ شاہ کی طرف دیکھا۔''آپ پولیس کو نصف گھنٹے بعد کال کیجئے۔ تب تک ہمیں غور کرنا ہے۔ اپنے کسی ملازم سے کافی بھجوا دیں۔''

وہ سمجھ دار آدمی تھا، یہ کہتا ہوا چلا گیا۔''میں ابھی بھجواتا ہوں۔''

میں ان سب کو لے کر اپنے کمرے میں آیا۔ ایمن جانے کے ذکر سے پریشان تھی۔''یہ آدمی کہاں جانے کی بات کر رہا تھا؟''

میں نے اس سے چھپانا مناسب نہیں سمجھا۔''راجا عمر دراز کے پاس..... کیونکہ اب یہاں پولیس آئے گی اور ہم پولیس کا سامنا نہیں کر سکتے۔ پولیس حملہ آروں کے بارے میں تو کیا ہی تفتیش کرے گی، ہمیں ضرور مال غنیمت میں لے جائے گی۔''

''اوہ.....'' اس نے آہستہ سے کہا۔''لیکن مجھے راجا پر اعتماد نہیں ہے۔''

''تم اس پر نہیں ہم پر اعتماد کرو۔'' میں نے نرمی سے سمجھایا۔

مونا اس معاملے میں بولنے کے لئے کچھ بے چین نظر آ رہی تھی۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔''اگر تم ہم پر اعتماد نہیں کرتیں تو جو مرضی آئے کرو۔''

''مونا۔ خدا کے لئے چپ رہو۔'' سفیر نے اسے ڈانٹا تو وہ چپ ہو کر منہ بنانے لگی، میں نے بھی اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''ایمن تمہیں جلدی فیصلہ کرنا ہے اور ہمارے ساتھ جانا ہے۔ میں تمہیں کسی صورت چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

''اوہ اچھا..... کیوں؟'' وہ کھل اٹھی تھی۔

''بس مجھے تمہارا خیال ہے۔'' میں نے بوکھلا کر مونا اور سفیر کی طرف دیکھا۔''ایک بار تم پولیس کے ہاتھ آ گئیں تو مرشد علی کے توسط سے جلد ڈیوڈ شاتک پہنچ جاؤ گی۔''

''اوکے..... میں تمہارے ساتھ چلوں گی لیکن ایک بار پھر کہہ رہی ہوں، میں راجا پر اعتماد نہیں کر سکتی صرف تمہارے بھروسے پر جا رہی ہوں۔''

ملازم کافی لے آیا۔ کافی پی کر ہم نے کپڑے بدلے۔ اپنا سامان پیک کیا۔ صرف ایمن خالی ہاتھ تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے پاس ہینڈ بیگ تھا جس میں اس کی ضروری اشیاء تھیں۔ کپڑے نہیں تھے۔ فرخ شاہ نے اس کے لئے ایک زنانہ کوٹ مہیا کر دیا تھا۔ اسے پہن کر وہ سردی سے کسی قدر محفوظ رہ سکتی تھی۔ نیک نام نے اپنے آدمیوں اور فرخ شاہ کے ملازمین کی مدد سے پورے فارم ہاؤس کی تلاشی لے لی تھی اور حملہ آوروں کا کوئی آدمی نہیں ملا تھا، وہ تین لاشیں اور ایک زخمی چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ ''اسے بھی لے کر چلنا ہے۔'' میں نے بے ہوش زخمی کی طرف اشارہ کیا۔

''او کے۔'' نیک نام نے اپنے آدمیوں کو کہا اور وہ اسے لے گئے۔ ''اسے لے جا کر کیا کرنا ہے۔''

''اس سے پوچھ گچھ کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اور اس کے بعد؟''

''یار! بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ اب جا کر چلنے کی تیاری کرو۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

نیک نام کے جانے کے بعد میں نے سفیر اور دونوں خواتین سے کہا۔ ''ہمیں طویل سفر کرنا ہے اور راستے میں کم سے کم رکنا ہے۔ بہتر ہے کھانے پینے کی اشیاء اور چائے کافی تیار کر لی جائے۔ راستے میں خطرہ ہوگا۔''

''دشمن تعاقب کرے گا؟'' سفیر نے غور کیا۔

''اگر نہ کرے تو احمق ہوگا۔'' وہ یہاں سے نکلنے کے راستوں پر گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

''تب وہ ہمیں روکنے کی کوشش کریں گے۔''

''لازمی بات ہے لیکن اس ہزیمت کے بعد امید ہے وہ اتنی جلدی ہمارے سامنے آنے کی کوشش نہیں کریں گے۔''

فرخ شاہ نے نیک نام کو متبادل راستوں کے بارے میں بتایا تھا۔ یہ فارم ہاؤس کے عقب سے گھومتا ہوا ہائی وے پر جا نکلتا تھا۔ ''یہ راستہ خراب اور اس موسم میں اس پر سفر کرنا آسان نہیں ہوگا۔''

''ہم اس سے نہیں جائیں گے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''اگر میں دشمن کی جگہ ہوتا تو اپنی ساری طاقت اس راستے پر لگا دیتا، ہم سامنے کی طرف سے جائیں گے۔''

نیک نام فکر مند نظر آنے لگا۔ ''کیا ایسا کرنا مناسب ہوگا؟''

''بالکل..... کیونکہ اس خراب راستے پر دشمنوں نے ہمیں گھیر لیا تو فرار کی گنجائش کم ہوگی، جب کہ ہائی وے پر ہمارے پاس بہتر موقع ہوگا۔''

''شہباز صاحب درست کہہ رہے ہیں۔ اس طرف گھات لگانے کے مواقع کم ہیں۔'' فرخ شاہ نے کہا۔

''میں اپنے آدمی بھیجتا ہوں..... اگر کوئی مشکوک فرد ہوا تو ہمیں پتا چل جائے گا۔''

فرخ شاہ نے اپنے ایک ملازم کو طلب کر کے اسے ریکی کے مشن پر روانہ کیا۔ اس دوران میں کھانے کا سامان تیار ہو رہا تھا۔ فرخ شاہ کے باورچی نے فٹافٹ پیزا اور انگ سینڈوچز بنا کر ایک بڑے سائز کے ہاٹ پاٹ میں پیک کر دیئے تھے۔ ان کی تعداد اتنی تھی کہ راستے میں دو بار آرام سے کھا سکتے تھے۔ دو بڑے سائز کے تھرماس چائے اور کافی سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ بسکٹ اور چاکلیٹ بھی تھیں۔ جب تک فرخ شاہ کا ملازم واپس آیا۔ ہم پورچ میں روانگی کے لئے تیار تھے۔ اس نے رپورٹ دی۔ ''جناب، دور تک کوئی نہیں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سڑکیں اور راستے ویران ہیں، مجھے راستے میں ایسی کوئی گاڑی نظر نہیں آئی جس میں کوئی فرد ہو۔"

"پھر بھی کوئی نہ کوئی ہوگا۔" میں نے کہا۔ "اصل گھات انہوں نے دوسرے راستے پر لگائی ہوگی۔ ہمیں تیزی سے نکل جانا چاہئے۔"

"نیک نام نے اتفاق کیا۔ میں نے فرخ شاہ سے ہاتھ ملایا۔ "مسٹر شاہ! میں تمہارا شکر گزار ہوں، تم نے میری مدد کی۔"

"نو پرابلم!" اس نے گرم جوشی سے کہا۔ "مجھے امید ہے تم دوبارہ اس طرف آئے تو مجھ سے ضرور ملو گے۔"

"ان شاء اللہ۔" میں نے کہا اور وین میں بیٹھ گیا۔

نیک نام نے اپنے ڈرائیور کو روانگی کا حکم دیا۔ "سوائے ہیڈ لائٹس کے تمام روشنیاں بجھا دو۔"

آدم خان نے تمام فالتو روشنیاں بجھا دیں۔ باہر جانے والا راستہ بارش کی وجہ سے خراب تھا۔ جا بجا گڑھوں میں پانی بھرا تھا۔ اس وقت بھی ہلکی بارش جاری تھی۔ باہر ہائی وے تک آنے کے بعد صاف سڑک ملتے ہی آدم خان نے رفتار بڑھا دی۔ اس دوران میں نیک نام آنکھوں پر نائٹ وژن گاگلز لگائے راستے کا جائزہ لے رہا تھا، اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "ایک گاڑی آ رہی ہے، اندازاً ڈھائی میٹر دور ہے۔ رفتار تیز کروں۔"

"نہیں اسی رفتار سے چلتے رہو..... وہ نزدیک آنے کی کوشش نہیں کر رہی ہے۔"

"اچانک پھینکوں.....؟" آدم خان نے پھر پوچھا۔

"نہیں..... ممکن ہے ابھی کچھ اور بھی ہوں۔" نیک نام نے جواب دیا۔ "صورت حال پوری طرح واضح ہونے کے بعد کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔"

"پیچھے آنے والی گاڑی دشمن کی ہے؟" مونا نے سادگی سے پوچھا۔

"ظاہر ہے ورنہ اس موسم میں کون ہیڈ لائٹس آف کر کے سفر کرتا ہے۔" سفیر نے کہا

"اوہ..... ہاں۔" مونا خفیف ہو گئی تھی۔

"سر، آگے رکاوٹ ہے۔" اچانک آدم خان بولا۔

میں نے آگے ہو کر دیکھا۔ ہیڈ لائٹس کی طاقتور روشنی میں ایک تنگ مقام پر ایک بڑی جیپ اس طرح کھڑی تھی کہ وین کے گزرنے کا راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ نیک نام نے فوراً کہا۔ "اڑا دو اور وین کو بلٹ پروف ہے۔"

آدم خان نے پتا نہیں کیا، کیا کہ وین کے تمام شیشوں پر فولادی چادر چڑھ گئی۔ حد یہ کہ ونڈ شیلڈ پر بھی ایک فولادی چادر اس طرح آئی تھی کہ صرف ڈرائیور کے دیکھنے کے لئے سات آٹھ انچ قطر کا سوراخ تھا لیکن آدم خان نے اس سے دیکھنے کے بجائے چھت سے کچھ کھینچ کر نیچے کیا۔ ایک دوربین نما شے نیچے آئی۔ وہ بالکل اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

"یہ آبدوز کی دوربین کی طرح ہے۔" نیک نام نے مجھے بتایا۔ "اس سے باہر کا سارا منظر صاف نظر آتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدم خان نے وین کی رفتار کسی قدر تیز کی۔ ہم سب نے پہلے ہی سیٹ بیلٹ باندھ لی تھی۔

''ہوشیار..... آگے جھک جائیں۔'' آدم خان نے تیز لہجے میں کہا، اسی لمحے وین نے جست بھری، لوہے سے لوہا ٹکرانے کا اور شیشہ بکھرنے کی سمع خراش آواز آئی۔ اس آواز میں ٹائروں کی آواز دب گئی تھی۔ گولیاں وین کی فولادی چادر سے ٹکرائی نہیں لیکن ان کی حیثیت کسی بدمست ہاتھی پر پھینکی جانے والی کنکریوں سے زیادہ نہیں تھی۔ شیشہ بکھرنے کے بعد میں نے چند افراد کے چلانے کی آواز سنی جو یقیناً جیپ میں تھے۔ وین نے اسے سڑک سے نیچے دھکیل دیا۔ وہ قلابازیاں کھا گئی تھی۔ یہ سب بعد میں آدم خان نے بتایا تھا۔ اس نے جیپ کو ٹکر مارنے کے بعد کمال مہارت سے وین کو قابو کر لیا تھا۔ اسے سڑک سے اترنے نہیں دیا تھا۔ راستہ صاف ہوتے ہی نیک نام نے حکم دیا۔ ''اسپاٹ لائٹ گرا دو۔''

آدم خان نے ڈیش بورڈ کا ایک بٹن دبایا اور اس کے ساتھ ہی عقب سے فائرز کی آواز آئی تھی۔ وین کی چادر سے گولیاں ٹکرائیں اور حسب سابق اس کا کچھ بگاڑنے میں ناکام رہیں ایک موڑ کاٹتے ہی آدم خان نے شیشوں سے فولادی چادریں ہٹا دیں تھیں۔ اندر کی روشنی بجھا کر نیک نام نے پھر نائٹ ویژن گاگلز لگا لئی تھیں۔ اس نے عقب کا جائزہ لیا، اب راستے گھومنا شروع ہو گئے تھے اس لئے تعاقب کا درست طور سے اندازہ لگانا دشوار تھا۔ خاصی دیر بعد نیک نام نے کہا۔ ''میرا خیال ہے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ روشنی بھی نظر نہیں آ رہی ہے۔''

''اس قسم کے راستوں پر روشنی بجھا کر ڈرائیو تو کی جا سکتی ہے لیکن تعاقب نہیں۔ آدم خان سے کہو تیز ڈرائیو کرے، جس حد تک بھی ممکن ہو۔ اس طرح پیچھے اگر کوئی روشنی بجھا کر ڈرائیو کر بھی رہا ہو تو وہ زیادہ دیر ہمارے پیچھے نہیں رہے گا۔''

''میرا خیال ہے، کیلوں نے کام کر دیا ہے۔'' آدم خان نے کہا۔

''یہ کیلیں کیا ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کوکھر دو ٹائپ کی کیلیں ہیں۔ وین کے پیچھے ایک خانے میں بھری ہیں، جسے بٹن دبا کر کھولا جا سکتا ہے۔ کیلیں سڑک پر بکھر کر تعاقب میں آنے والی گاڑی کے ٹائر برسٹ کر دیتی ہیں۔''

''خاصے عجائب رکھتی ہے تمہاری یہ گاڑی!'' سفیر نے تبصرہ کیا۔ جواب میں نیک نام مسکرایا تھا۔ بلندی پر آنے کے بعد بارش رک گئی تھی۔ خشک سڑک پر سفر کرنا نسبتاً آسان تھا۔ مری جانے کے بجائے ہم ایک سڑک سے نتھیا گلی کی طرف مڑ گئے تھے۔ اس طرف سے کئی راستے تھے جن میں ایک کاغان کی طرف بھی جاتا تھا۔ سفیر میرے برابر میں ڈرائیور کے عقب والی نشست پر بیٹھا تھا۔ اس نے جھک کر آہستہ سے کہا۔ ''کیا ہم خطرے کی حدود سے باہر ہیں؟''

''میرا خیال ہے، نہیں۔'' میں نے بھی آہستہ سے کہا۔ ''دشمن احمق نہیں ہیں اور میں کم سے کم خان اور ڈیوڈ شا کو احمق سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اب مجھے خیال آ رہا ہے، وہ حملہ اس لئے کیا گیا تھا کہ رم ہاؤس سے نکل بھاگیں اور ہمیں راستے میں گھیر لیا جائے۔''

''جس قسم کے حالات پیش آئے ہیں، اس سے تو یہی لگتا ہے۔'' سفیر نے میری بات سے اتفاق کیا۔ ''مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی، یہ خود آنے کے بجائے پولیس کو بھی بھیج سکتے تھے۔ ظاہر ہے ان کا سامنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے پر بھی ہم بھاگ نکلنے کو ترجیح دیتے۔"

"ممکن ہے اتنی جلدی میں پولیس سے معاملہ نہ بنا ہو۔ مرشد علی کا اثر رسوخ مسلم ہے لیکن پولیس کے محکمے میں سب اس کے باپ کے غلام نہیں ہیں۔ اس لئے اندر آنے والے بے آواز ہتھیار لے کر آئے تھے۔ اگر فائر کرنا بھی پڑے تب بھی پولیس متوجہ نہ ہو۔"

"اور ان لوگوں کو ہمارا سراغ کیسے ملا؟"

"اب مجھے خیال آ رہا ہے۔ ہم نے فرخ شاہ کی گاڑی استعمال کر کے بے وقوفی کی تھی۔ دشمنوں نے یقیناً اس کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور پراس کے سہارے فرخ شاہ کے فارم ہاؤس تک آ پہنچے تھے۔"

"آپ نے درست کہا، ایسا ہی ہوا ہوگا۔" نیک نام نے مداخلت کی۔

"بس اس معمولی سی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔"

"میرے ذہن میں تھی یہ بات..... لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شاہ صاحب درست نمبر پلیٹ والی گاڑی دے دیں گے۔"

"نیک نام! اس راستے سے منزل تک پہنچنے، میں کتنی دیر لگے گی؟"

"راستہ طویل ہے اور راستہ بھی خراب ہو سکتا ہے۔ اس لئے زیادہ ٹائم بھی لگ سکتا ہے، ممکن ہے ہمیں راستے میں رکنا پڑے۔"

"تب اس ہوٹل میں رکنا جس میں ہم نے آتے ہوئے ڈنر کیا تھا۔"

"ہاں، وہ راستے میں آئے گا۔" نیک نام بولا۔ "لیکن ابھی ہوٹل تک بھی چھ سات گھنٹے کا سفر باقی ہے۔"

ہمارے پاس سوائے آرام کرنے یا سونے کی کوشش کرنے کے کوئی چارہ نہیں تھا۔ عقبی نشستوں پر مونا اور ایمن آپس میں سر جوڑے محو گفتگو تھیں۔ ابتدائی کشیدگی کے بعد ان کے درمیان دوستانہ رویہ جھلک رہا تھا۔ میں نے نشست کو ذرا دراز کیا اور پشت سے سر ٹکا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ چند منٹ بعد مجھے سچ مچ نیند آ گئی۔ ہیٹر کی وجہ سے وین کے اندر خوشگوار گرمی تھی ورنہ باہر کا درجۂ حرارت یقیناً نفی میں تھا۔ جب وین کسی ناہموار راستے سے گزرتی تو خفیف جھٹکوں سے میری نیند متاثر ہوتی تھیں مگر میں دوبارہ سو جاتا۔ ایک بار جھٹکے سے آنکھ کھلی تو ونڈ اسکرین کے باہر ہلکی روشنی میں، مَیں نے ہوٹل کی عمارت دیکھی، اس کے نیون سائن بجھے ہوئے تھے۔ "ہم اتنی جلدی ہوٹل آ گئے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"جناب، آپ چھ گھنٹے سوتے رہے ہیں۔" نیک نام ہنسا۔ میں نے دیکھا سفیر، مونا اور ایمن بھی بے خبر سو رہے تھے۔ البتہ نیک نام اور اس کے ساتھی جاگ رہے تھے۔ بلاشبہ وہ فرض شناس اور محتاط رہنے والے لوگ تھے شاید اس لئے اب تک زندہ تھے۔ میں نے ان تینوں کو جگایا۔

"اٹھ جاؤ۔ ہوٹل آ گیا ہے، باقی کسر یہاں پوری کر لینا۔"

اندر ہال سرد تھا لیکن باہر کے مقابلے میں یہ سردی بہت کم تھی۔ اندر ایک ملازم موجود تھا اور کاؤنٹر کے پاس اونگھ رہا تھا۔ گھنٹی کی آواز نے اسے ہوشیار کر دیا۔ "آیئے جناب..... ناشتے میں کچھ دیر ہے ابھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمیں کمرے بھی چاہئیں۔'' میں نے کہا۔

''مل جائیں گے لیکن لائٹ نہیں ہے۔ کہیں تار ٹوٹ گئی ہے۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں بھی آرام کرنا ہے۔'' میں نے کہا اور کمرے بک کرانے لگا۔

کل چار کمرے بک کرائے تھے، تین ڈبل بیڈ کے اور ایک ٹرپل بیڈ کا۔ شمالی علاقے کے ہوٹلوں میں چار اور پانچ بیڈ کے کمرے بھی مل جاتے ہیں۔ بلکہ میں نے چھ اور سات بیڈ کے کمروں والے ہوٹلز بھی دیکھے ہیں۔ کاغذی کارروائی کے بعد ملازم نے جا کر مالک کو اٹھایا اور وہ ہمارے لئے ناشتا بنانے میں لگ گیا۔ سینڈوچز ٹھنڈے ہو چکے تھے اس لئے کسی کا دل نہیں چاہ رہا تھا، سب نے گرم ناشتے کو ترجیح دی۔ پہلے مونا اور ایمن نے خستہ پراٹھوں اور فرائی انڈوں کا ناشتا کیا اس کے بعد میری اور سفیر کی باری آئی اور جب تک ہم نے ناشتا ختم کیا، نیک نام اور اس کے ساتھیوں کو ناشتا مہیا کیا جانے لگا۔ جو ناشتا کر لیتا، اس کے لئے کچن سے گرم گرم چائے یا کافی آ جاتی۔ ایمن اور مونا اپنے مگ لے کر اوپر چلی گئی تھیں۔ سفیر بھی کافی پی کر اٹھ گیا۔

''مجھے تو شدت سے نیند آ رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''تم لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟'' میں نے نیک نام سے پوچھا۔

''ہم بھی سوئیں گے لیکن میرے دو آدمی احتیاطاً جاگتے رہیں گے۔ ہمارے لئے چار چار گھنٹے کی نیند کافی ہوتی ہے۔ شام تین بجے ہم پھر روانہ ہوں گے۔''

میں مطمئن ہو کر اوپر کمرے میں آ گیا۔ کھانے اور دوسرے انتظامات کی طرح کمروں کا معیار بھی اچھا تھا۔ صاف ستھرے بستر اور بو سے پاک تکیے اور کمبل تھے۔ سفیر ایسے ہی پورے کپڑوں میں لیٹ کر خراٹے لے رہا تھا، میں نے کپڑے بدلے۔ ایک سوتی پاجامہ اور جرسی پہن کر لیٹ گیا۔ اپنا لباس میں نے کمرے میں گرم ہوا کے داخلے کے سوراخ کے پاس رکھ دیا تھا تاکہ وہ گرم رہے اور پھر کمبل میں لپٹ کر بے خبر ہو گیا۔ پھر کسی وجہ سے میری آنکھ کھلی تھی۔ ابھی میں اس وجہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے بستر چھوڑا اور دروازے کے پاس جا کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''سر، میں ہوں..... نیک نام۔'' دوسری طرف سے اس کی مدھم آواز آئی۔

میں نے پھر بھی کیٹ آئی سے جھانکا۔ ''نیک نام ہی تھا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ تیزی سے اندر آیا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ بارہ بج رہے تھے۔ ''خیریت..... کوئی خاص بات!''

''خاص الخاص جناب! ادھر آئیں۔'' اس نے کہا اور کھڑکی کے پاس آ کر پردہ ذرا سا سرکایا۔

''وہ دیکھیں سڑک کے دوسری جانب سرخ پتوں والا درخت نظر آ رہا ہے۔''

''سردی سے سارا جنگل سرخ ہو رہا ہے۔'' میں نے غور کیا۔

''نہیں جناب، وسط میں دیکھیں، ایک درخت زیادہ ہی سرخ ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

واقعی ایک درخت گویا شعلے اگل رہا تھا اور شاید چنار کا تھا۔ ''ہاں، ہے تو.....''

ہمیں ہوٹل کے سامنے والے حصے میں دوسری منزل پر کمرے ملے تھے۔ ہوٹل سڑک سے ذرا ہٹ کر تھی۔ کوئی سو گز کا فاصلہ تھا۔ نیک نام نے مجھے ایک چھوٹی سی اور طاقتور دوربین تھما دی۔ ''اس سے دیکھیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یار، اتنا سسپنس مت پھیلاؤ..... کیا دشمن ہے؟'' میں نے دوربین آنکھوں سے لگائی۔

''خاصی حد تک امکان ہے۔ ٹارگٹ درخت کو بنایئے گا۔'' اس نے کہا۔

میں نے دوربین سے دیکھا۔ فوکس واضح تھا۔ ظاہر ہے نیک نام نے دیکھا ہوگا۔ درخت تلاش کرنے میں ذرا دیر لگی لیکن اس کے تلے چھپائی گئی جیپ فوراً ہی نظر آ گئی۔ اس جیسی ڈھلان پر کوئی فور وہیل ڈرائیو جیپ ہی چڑھ سکتی تھی۔ دو افراد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ سر سے پاؤں تک گرم کپڑوں میں ملبوس انہوں نے شانوں پر ایم سولہ رائفلیں لٹکا رکھی تھیں۔ ایم سولہ ایک طرح سے روسی کلاشنکوف کا جواب ہے اور اس سے زیادہ جدید اور بہتر رائفل مانی جاتی ہے۔ مگر ہمارے ملک میں اس کا رواج کم ہے کیونکہ روسی اسلحہ بہتات سے اور بہت کم نرخوں پر دستیاب ہے۔

''دو آدمی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''کم سے کم دو اور ہیں۔'' نیک نام بولا۔ ''اور یہ بھی دوربین سے ہوٹل کی عمارت کا جائزہ لے رہے تھے، ممکن ہے ان کے اور ساتھی بھی ہوں۔''

میں نے ان دونوں کا جائزہ لینے کے بعد دوربین سے اس ڈھلانی جنگل کا جائزہ لیا۔ ایک جگہ مجھے کسی کی جھلک نظر آئی، میں نے اس جگہ دوربین فوکس کی۔ ایک شخص درخت کے عقب میں تھا لیکن اس کا جسم جھلک رہا تھا اور خاص بات تھی کہ اس کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی جس کی نال بھی نظر آ رہی تھی، میں نے نیک نام کو دکھایا۔

''ایک آدمی اور ہے۔''

''نیک ناک نے دوربین سے دیکھا۔ ''ہاں، یہ بھی مسلح ہے۔''

''اس کا مطلب ہے، دشمن مسلسل ہمارے تعاقب میں رہا ہے۔'' میں نے گہری سانس لی۔

''شاید لیکن ہم راستے بھر چوکنا رہے تھے۔'' نیک نام نے تشویش سے کہا۔

''کیا تمہارے آدمیوں نے اپنی وین میں بوبی ٹریپ کے ساتھ سگنل دینے والا آلہ بھی تلاش کیا تھا؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وین میں ایسے آلات نصب ہیں جو سگنل دینے والے آلات کی فوری نشان دہی کرتے ہیں۔''

''خیر، یہ اتنا مشکل نہیں ہے۔ یہ فتح خان کا علاقہ ہے اور اس کے لئے بہت آسان ہے کہ مختلف جگہوں پر اپنے آدمی تعینات کر دے۔ اس علاقے میں رسائی کے چند ایک راستے ہیں اور ہمیں ان میں سے کسی نہ کسی سے گزرنا ہی تھا۔ اس راستے پر بھی ان کے آدمی گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

''ایسا ہی ہوا ہوگا۔''

''اب سوال یہ ہے کہ ان سے چھٹکارا کیسے پایا جائے؟'' میں نے کہا۔

وہ مسکرایا۔ ''یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے جناب! آپ میری وین کی کارکردگی دیکھ چکے ہیں۔ ہم انہیں اپنے پیچھے لگا کر ویرانے میں لے جائیں گے اور ٹھکانے لگا دیں گے۔''

''ہم بھی چلیں گے۔''

''نہیں، آپ لوگ فی الحال یہیں رکیں۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''ابھی ہمیں جانے دیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ادھر تم انہیں ٹھکانے لگانے کے لئے لے جاؤ اور ادھر ان کے دوسرے ساتھیوں نے ہوٹل پر دھاوا بول دیا تو.....؟''

''ہاں، یہ امکان بھی ہے۔'' وہ بولا۔ ''اس صورت میں ہمیں کم سے کم یہ شکر کرنا ہوگا کہ ہم سب جا رہے ہیں۔''

''اور اس کے لئے رات کا وقت بہتر ہے۔'' میں نے غور کیا۔ ''نیک نام دشمن کو کبھی کمزور یا بے وقوف مت سمجھو۔ اس لئے ہر پہلو سے غور کر لو۔ تمہاری وین کی خصوصیات ان کے علم میں آ چکی ہیں اور ممکن ہے انہوں نے اس کا کوئی توڑ نکال لیا ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وین کی فولادی چادر گولیاں روک سکتی ہے لیکن انہوں نے راکٹ لانچر جیسی کوئی شے استعمال کر لی.....؟''

''ہاں، اس کا خطرہ ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''بہرحال ہمارا کام تو خطروں سے کھیلنا ہے، میں سارے امکانات اپنے ساتھیوں کے سامنے رکھتا ہوں۔ ہم کوئی نہ کوئی پلان بنا لیں گے۔''

''اگر انہوں نے رات سے پہلے ہوٹل کا رخ کیا تو؟''

''میرا نہیں خیال کہ وہ تاریکی سے پہلے اس طرف آئیں گے۔ دن کی روشنی میں ہم انہیں بہ آسانی اپنا شکار بنا سکتے ہیں۔ ویسے میرے دو آدمی مستقل نگرانی پر ہیں۔''

میں نیک نام کے ساتھ اس کے کمرے تک آیا۔ اس کے ساتھی مسلح حالت میں کسی بھی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھے۔ وہاں ہمارے درمیان مختصر سی بحث ہوئی اور سب سے پہلے ہوٹل کا جائزہ لینے کا فیصلہ ہوا۔ دشمن کن راستوں سے حملہ کر سکتا تھا۔ میں اور نیک نام پہلے نیچے آئے۔ ہم نے گھوم پھر کر ہوٹل کے اندر باہر کا جائزہ لیا۔ عقبی سمت میں ڈھلان تھی اور پھر چار دیواری تھی یعنی اس طرف سے حملہ آسان نہیں تھا۔ ڈھلان کے نیچے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ''اس طرف سے رسائی آسان نہیں ہے۔'' نیک نام نے کہا۔ ''بظاہر گاؤں کی طرف سڑک سے کوئی راستہ نہیں جا رہا ہے۔''

''راستہ ہوگا جو آگے پیچھے نکلتا ہوگا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر انہوں نے بھرپور حملے کا فیصلہ کر لیا تو وہ عقب سے بھی آ سکتے ہیں۔''

''تو آپ کا خیال ہے وہ حملہ کریں گے؟''

''امکان ہے لیکن یہ دل کو لگ نہیں رہا ہے۔ وہ ہمیں باہر سڑک پر گھیرنے کی کوشش کریں گے، جہاں سے ہمارے بچ نکلنے کا امکان کم ہوگا۔''

''ممکن ہے۔'' نیک نام نے کہا اور اوپر چلا گیا۔ ہوٹل کے باہر دو عدد گاڑیاں کھڑی تھیں اور درجن بھر افراد کھانے کے منتظر تھے۔ ہوٹل کا مالک جو منیجر بھی خود تھا۔ چھوٹے قد کا مدقوق شخص تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ میرے پاس آیا۔

''اور صاحب کیسا ہے..... لنچ میں ابھی تھوڑا ٹائم لگے گا۔ ابھی ان لوگوں کو لنچ دے دیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی بات نہیں ہے..... ابھی میرے اکثر ساتھی سو رہے ہیں۔'' میں نے کہا اور ہوٹل کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ سامنے والے حصے میں ایک طرف پارکنگ تھی اور دوسری طرف سرسبز لان تھا جس پر چلغوزے، اخروٹ اور چیری کے درخت لگے تھے۔ میں نے خطرہ مول لیا تھا۔ مجھے دور سے گولی بھی ماری جا سکتی تھیں میرے دشمن میرے خون کے ایسے ہی پیاسے ہو رہے تھے۔ مرشد علی سے تو کبھی خیر کی توقع نہیں رہی تھی مگر اب ڈیوڈ شا اور فتح خان بھی مجھے کوئی رعایت دینے کو تیار نہ ہوتے، ایمن کو ان سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے میں ان کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا تھا، موقع ملنے پر وہ مجھے راستے سے ہٹانے سے ذرا نہ چوکتے۔

مگر اس وقت ان کے لئے اہم ترین فرد ایمن تھی۔ مجھے مارنے سے ان کا مقصد خطرے میں پڑ سکتا تھا۔ سڑک سے جو راستہ ہوٹل کی طرف آتا تھا، وہ ایک چھوٹے سے نالے پر سے گزرتا تھا۔ یہ اصل میں ایک ٹیلا تھا جس پر ہوٹل قائم تھا۔ برساتی نالے کے اوپر لکڑی سے بنا مضبوط پل تھا جس پر بھاری سے بھاری گاڑی گزر سکتی تھی۔ نالے کی چوڑائی بیس پچیس فٹ سے زیادہ نہیں تھی اور اس وقت نالے میں بارش کا پانی کسی قدر تیزی سے بہہ رہا تھا۔ جبکہ مجھے یاد تھا، صبح اس نالے سے پانی بہنے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اوپری علاقوں میں بارش ہوئی تھی جس کی وجہ سے نالے میں پانی آیا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اگر نالے کا پل توڑ دیا جاتا تو ہم ہوٹل میں محصور ہو کر رہ جاتے لیکن دشمن ایسا کیوں کرنے لگا۔ وہ تو ہمیں یہاں سے نکالنے کی فکر میں تھا۔ میں واپس آیا تو سفیر جاگ رہا تھا۔ میں نے اسے تازہ ترین حالات سے باخبر کیا۔ ''یار، یہ ہمارا پیچھا چھوڑیں گے بھی یا نہیں؟''

''جب تک زندہ ہیں، تب تک تو ممکن نہیں ہے۔''

''مونا اور ایمن کو بتایا؟''

''وہ ابھی سو رہی ہیں اور بلاوجہ ہراساں کرنے کا فائدہ! جب وقت آئے گا تو ان کو بھی پتا چل جائے گا۔''

''نیک نام کیا کہتا ہے؟''

''اس کا خیال ہے وہ اور اس کے ساتھی ہمیں چھوڑ کر اور وین لے کر نکلیں۔ دشمن تعاقب کرے گا۔ ذرا آگے جا کر ان کا قلع قمع کر دیں گے۔''

''اگر دشمن کا داؤ چل گیا تو ہمارا کیا بنے گا؟''

''سفیر..... یار، اتنا فکرمند کیوں ہو رہا ہے، کیا ہمارے بازو میں زور نہیں ہے؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

''نیک نام تو ابھی آیا ہے جو خدا پہلے بھی بچاتا آیا ہے، وہی آگے بھی بچائے گا۔''

''سوری یار! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' سفیر شرمندہ ہو گیا۔

''چل دیکھتے ہیں، نیک نام نے کیا پلان کیا ہے؟'' میں نے موضوع بدل دیا اور ہم نیک نام کے کمرے میں آئے۔ وہ کھڑکی سے دوربین لگائے دیکھ رہا تھا۔

''ایک گاڑی اور آئی ہے۔'' نیک نام نے ہمیں مطلع کیا۔ ''ان افراد کی تعداد کم سے کم سات آٹھ ہے، اور وہ سب مسلح ہیں۔''

''کیا ہم کسی اور راستے سے نہیں نکل سکتے؟'' سفیر نے سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہو تو بتائیں؟'' نیک نام ملامت سے بولا۔

''تب ہمیں جلد از جلد نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔''

''شہباز صاحب کا خیال ہے رات کا وقت بہتر رہے گا۔'' نیک نام نے میری طرف اشارہ کیا۔

سفیر نے مجھے گھورا۔ ''رات تک وہ نہ جانے کتنی مدد حاصل کر چکے ہوں گے۔''

''دن میں انہیں دھوکا دینا مشکل ہے۔'' میں نے کہا۔ ''درحقیقت صرف نیک نام اور اس کے ساتھی جائیں گے جب کہ دشمن کو ایسا تاثر دینا ضروری ہے جیسے ہم سب جا رہے ہیں۔''

''باہر جا کر تم کیا کرو گے؟'' سفیر نے نیک نام سے پوچھا۔

''وہی جو پہلے تعاقب کرنے والوں کے ساتھ کیا تھا۔'' نیک نام مسکرایا۔

سفیر کے ذہن میں بھی وہی خیال آیا جو میرے ذہن میں آیا تھا۔ ''اس بار وہ زیادہ تیاری سے آئیں گے، معاملہ الٹ نہ جائے۔''

''ایسا ممکن ہے، اس صورت میں آپ لوگ ہوٹل کی عقبی طرف والی ڈھلان سے اتر کر ان سے دور جانے کی کوشش کیجئے گا۔''

''ہمیں اسلحہ بھی درکار ہے۔'' میں نے کہا تو نیک نام نے اپنے ایک آدمی کو وین سے اسلحہ لانے کے لئے روانہ کیا۔

''دشمن کا جو آدمی ہمارے پاس تھا، اس کا کیا ہوا؟'' مجھے خیال آیا تھا۔

''وہ وین میں محفوظ ہے۔ میرے آدمی اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔''

''یعنی تمہاری وین میں خفیہ خانے بھی ہیں؟'' سفیر بولا۔

''ذرا دیر میں جمعہ خان نامی شخص ایک بیگ لایا جس میں دو عدد چھوٹی ساخت کی کلاشنکوف رائفل تھیں۔ یہ کلاشنکوف سیریز کی مختصر اور ہلکی شکل اے کے چوہتر تھی۔ نیک نام نے کہا۔ ''ان کی مار اور درستی دونوں اے کے سینتالیس سے بہتر ہیں۔''

دو رائفلوں کے ساتھ چار عدد اضافی میگزین بھی تھے۔ مجھے خود کار رائفل چلانی آتی تھی۔ سفیر کو جمعہ خان چلانے کی تربیت دینے لگا۔ میں نے نیک نام سے کہا۔ ''میرا خیال ہے لنچ کے لئے کہہ دیا جائے، یہاں شام تیزی سے ہوتی ہے اور تاریکی ہوتے ہی ہمیں حرکت میں آ جانا ہوگا۔''

نیک نام نے اتفاق کیا۔ میں نے جا کر مونا اور ایمن کے کمرے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد مونا نے آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ کھولا۔ ''کچی نیند سے اٹھا دیا۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''اب سونے کا وقت نہیں ہے، تیار ہو کر لنچ کے لئے نیچے آ جاؤ۔''

''اچھا!'' مونا نے دروازہ بند کر لیا۔ میں نے نیچے کا رخ کیا اور ہوٹل کے مالک کو کھانے کا آرڈر دیا۔ ہال میں اب چار افراد تھے جو فارغ ہو کر چائے پی رہے تھے۔

''جناب کچھ دیر لگے گی۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''ویسے دال چاول اور چکن کڑاہی ہے۔ اس کے علاوہ جو آرڈر کریں گے، اس میں پون گھنٹا لگے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فی الحال یہی لے آؤ۔ پھر دیکھیں گے۔'' میں نے کہا۔ کچھ دیر میں سفیر اور دونوں خواتین بھی نیچے آ گئی تھیں۔ چاول اور اس کے ساتھ مسور کی دال تھی۔ دونوں کا ذائقہ لاجواب تھا۔ ساتھ ہی چکن کڑاہی تھی۔ ہم سب نے حالات کی کشیدگی بھلا کر پیٹ بھر کر کھایا۔ اتنے میں ان پانچوں نے اپنا کھانا اور اوپر منگوالیا تھا۔ غالباً وہ کھانے کے ساتھ نگرانی بھی جاری رکھنا چاہتے تھے۔ نیچے آنے کی صورت میں نگرانی کرنا ناممکن تھا، کھانے کے بعد ہم نے چائے منگوائی۔ ایمن نے بدقسمتی سے سبز مرچوں کی چٹنی خاصی ڈال لی تھی، اوپر سے کڑاہی بھی خاصی چٹ پٹی تھی لیکن وہ کھانا ترک کرنے پر مادہ نہیں تھی۔ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں سے صاف کرتے ہوئے کھانا جاری رکھا۔ چائے پیتے ہوئے اس نے اعلان کیا۔ ''بائی گاڈ! اتنا مزے کا اور اتنا خوف ناک کھانا میں نے پہلے کبھی نہیں کھایا۔''

''ابھی تو تم نے ہماری طرف کی دھواں دھار نہاری اور حلیم نہیں کھایا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اسے کھا کر انسان کے کانوں سے دھواں نکلنے لگتا ہے۔''

''رئیلی!'' اس نے شوق سے کہا۔ ''میں کھاؤں گی۔''

''ہاں، جب کھانے میں ہم وزن مرچ پڑی ہو تو دھواں نکلے گا۔'' سفیر نے اسے ڈرایا۔

''ہم وزن مرچ..... یہ کون ڈالتا ہے؟'' اس نے حیران ہو کر کہا۔ ''اتنی مرچ کھاتا کون ہے؟''

''کھانے والے کھاتے ہیں۔'' مونا نے چٹخارا لیا، وہ خود تیز مرچ کی شوقین تھی۔

''تم لوگ اتنی مرچ کیوں کھاتے ہو؟'' ایمن نے پوچھا۔

سفیر نے شرارت سے مونا کی طرف دیکھا۔ ''ہمارے ہاں خواتین کا خیال ہے، مرچ کھانے سے زبان تیز ہوتی ہے اور گفتگو میں کاٹ آتی ہے۔''

''وہ تو دنیا کی ہر عورت کی زبان میں ہوتی ہے۔'' مونا خفگی سے بولی۔ ''جو بالکل بھی مرچ نہیں کھاتی ہیں۔''

''یعنی تم اعتراف کرتی ہو؟'' سفیر خوش ہو گیا۔

''جی نہیں، میں نے کوئی اعتراف نہیں کیا ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''مجھے تم لوگوں کے بعض رواج حیران کرتے ہیں۔'' ایمن نے کہا۔ ''پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ثقافت بدل جاتی ہے۔ لباس، خوراک، رسم و رواج اور زبان، سب بدل جاتی ہے اس کے باوجود تم سب خود کو پاکستانی کہتے ہو؟''

''کہتے نہیں ہیں..... پوز کرتے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''جس دن سے خود کو پاکستان سمجھنا شروع کر دیا اس دن ہمیں دنیا پر چھانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ ''جب تم اندر خود کو پاکستان نہیں مانتے ہو تو پھر کس چیز نے تمہارے ملک کو ایک رکھا ہے؟''

''اس نے، جس نے یہ ملک بنایا ہے، یعنی خدا کی ذات نے، کیونکہ نہ تو منطقی اعتبار سے اس ملک کا بننا سمجھ میں آتا ہے اور نہ ہی قائم اور مضبوط رہنا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''منطقی وجہ.....؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''ہاں..... جب تحریک پاکستان چل رہی تھی تو مسلمان کمزور اور اقلیت میں تھے، انگریز با اختیار اور ہندو ہر لحاظ سے مسلمانوں سے آگے تھے۔ اس کے باوجود وہ ہمیں پاکستان دینے پر مجبور ہوئے پھر مغربی دنیا کی آنکھوں میں کوئی مسلم ملک اتنا نہیں کھٹکتا ہے جتنا کہ پاکستان! تمام سپر طاقتوں نے اسے توڑنے کی سازش کی، آج بھی پاکستان ان کو قبول نہیں ہے۔ اندرونِ ملک اختلافات ہیں، مسائل حد سے زیادہ ہیں اوپر سے دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ بھی ہماری سرزمین پر جاری ہے۔ اس کے باوجود یہ ملک قائم ہے۔ ورنہ ایسا بھی ہوا کہ ملک میں ایک خاص طرز حکمرانی ختم ہوا تو ملک ہی بکھر گیا۔ سوویت یونین اور یوگوسلاویہ اس کی مثال ہیں۔ کتنے ہی طاقتور ممالک تھے۔ جن کے بڑی طاقتوں نے دو ٹکڑے کر دیئے۔ موجودہ حالات میں کسی ملک کا بکھر جانا بہت آسان ہے، اسے قائم رکھنا بہت مشکل ہے۔''

پتا نہیں بات ایمن کی سمجھ میں آئی یا نہیں آئی۔ تاہم وہ چپ ہو گئی تھی۔ سفیر نے تالیاں بجائیں۔ ''تو، تو لیڈر بنتا جا رہا ہے۔''

''بکواس نہ کر..... میں لیڈر ہوتا تو اس طرح در بدر مارا مارا پھرتا؟ لندن یا دبئی میں عیش نہ کرتا۔''

پلیز اسٹاپ دی پولیٹکس۔'' ایمن نے ہاتھ اٹھایا۔

''مشکل ہے، ہم سیاست شروع کرنے کے قائل ہیں اسے ختم کرنے کے نہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔

''حضور والا، دشمنوں کی فکر کریں جو باہر گھیرا ڈال کر بیٹھے ہیں۔'' سفیر نے آہستہ سے کہا۔

مونا کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''میرے خدا..... اور ہم اتنے سکون سے کھانا کھا رہے ہیں۔''

ایمن اردو سے نابلد تھی لیکن ہمارے تاثرات اور لہجے سے بھانپ گئی تھی۔ ''کوئی مسئلہ ہے؟''

میں نے اسے مختصراً بتایا کہ وہ لوگ پھر سے ہماری راہ پر تھے جن سے اسلام آباد میں پیچھا چھڑا کر یہاں آئے تھے۔ ایمن کا ردِعمل زیادہ شدید تھا۔

''یہ میری وجہ سے تمہارے پیچھے ہیں؟''

''نہیں..... وہ ہمارے بھی دشمن ہیں۔ تم خود کو قصوروار مت سمجھو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''نیک نام ان سے نمٹ لے گا۔''

چائے پی کر ہم اوپر آئے۔ مونا اور ایمن تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ہم نے اپنے کمرے میں آ کر کپڑے بدلے۔ نیک نام اپنے کمرے میں تھا۔ میں چیک کر کے اس کے پاس آیا۔

''کیا پروگریس ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم تیار ہیں۔'' اس نے پستول اپنی بیلٹ میں لگایا۔ ''جیسے ہی تاریکی ہو گی، ہم باہر نکلیں گے۔ وین ہوٹل کے دروازے کے سامنے آئے گی۔ آپ چاروں نمایاں ہو کر وین کی طرف آئیں گے اور چپ کر واپس چلے جائیں گے۔''

''وہ کیسے..... کیا ہوٹل کا مالک یہ سب نہیں دیکھے گا؟'' میں نے اعتراض کیا۔

''اس کی فکر مت کریں، میں نے اس سے بات کر لی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ تعاون کرے گا۔'' نیک نام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اپنی جیکٹ پہنی اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ''سورج ڈوبنے والا ہے۔''

''اگر تمہارے جانے کے بعد کوئی ہوٹل چیک کرنے آ جائے تو ہوٹل کا مالک اسے کیسے روکے گا؟''

''وہ انکار کر دے گا۔''

''اسلحے کے سامنے کون انکار کر سکتا ہے؟''

''اس صورت میں آپ انہیں کنٹرول کریں گے۔'' نیک نام نے جواب دیا۔ ''میرا مشورہ ہے، آپ دوسری منزل پر رہئے گا۔ باہر کی صورتِ حال پر نظر رکھنے کے لئے آپ کا کمرا بہترین ہے۔''

''اگر ان کے پاس بھی نائٹ وژن دوربین ہوئی تو وہ ہمارا چکر بھانپ جائیں گے۔''

''نائٹ وژن وین کے اندر دیکھ سکے گی اور اگر کمرے میں کوئی آدمی آیا بھی تو ان کو کیا معلوم وہ کون ہو گا؟''

''ہاں، لیکن اس صورت میں کمروں کی روشنی بجھانا ہو گی۔ ظاہر ہے ہوٹل والے بلاوجہ روشنی نہیں کرتے۔''

''جناب، یہ باتیں اتنی اہم نہیں ہیں۔'' نیک نام جھنجلا گیا۔

''حیرت ہے، تم نے پلان بنا لیا اور اس کی باریکیوں پر غور نہیں کیا۔ جب ہم ہوٹل میں رکیں گے تو ہمارے لئے سب سے محفوظ جگہ ہوٹل کا تہ خانہ ہو گا۔ وہاں دیکھنے کا خیال کسی کو مشکل سے آئے گا۔''

''اور شبہ ہو گیا تو آپ چاروں پھنس جائیں گے۔''

''پھنسنے کا امکان تو اوپر بھی ہے۔ تہ خانے کے بارے میں میرا خیال ہے، اس سے باہر جانے کے لئے اور بھی راستہ ہو گا، تم کنفرم کرو۔''

دس منٹ میں نیک نام نے تصدیق کر لی۔ ہوٹل کا ایک چار بائی چار کا خانہ عقبی ڈھلان پر کھلتا تھا، اس سے کچرا اور بوائلر کو گرم کرنے والی لکڑی کی راکھ وغیرہ باہر پھینکی جاتی تھی۔ درحقیقت انہی چیزوں کا سوچ کر میں نے تہ خانے کے دروازے کا اندازہ لگایا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس دروازے تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ یعنی ہم فرار ہونا چاہتے تو کوئی ہمیں روک نہیں سکتا تھا۔

''تاریکی ہونے والی ہے۔'' نیک نام نے ایک بار پھر کھڑکی سے جھانکا۔

''میں اپنے ساتھیوں کو لے کر نیچے آتا ہوں۔''

''آپ دس منٹ بعد آئیے گا۔'' نیک نام نے کہا۔

میں کمرے میں آیا تو مونا، ایمن اور سفیر تیار بیٹھے تھے۔ ''کیا خبریں ہیں دوست! روانگی کا کیا پلان ہے؟''

''میں نے انہیں پلان سے آگاہ کیا اور گھڑی دیکھی۔ ''پانچ منٹ بعد ہمیں نیچے جانا ہے۔''

''فرض کرو..... یہاں سے نکل گئے تب بھی دشمن نے آگے گھات نہیں لگائی ہو گی۔'' سفیر نے اچانک کہا۔ ''ہم کب تک اس سے بچتے رہیں گے!''

''یار، یہ سوال تو میرے ذہن میں بھی آ رہا ہے لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''واپس!'' میں حیران رہ گیا تھا۔ ''کہاں.....؟''

''میدانی علاقے کی طرف..... وہاں میرے بے شمار دوست ہیں..... ہم کہیں بھی پناہ لے سکتے ہیں۔''

''معاملہ پناہ کا نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے، پناہ ہمیں کہیں بھی مل سکتی ہے..... مگر یہ ہمارے مسائل کا حل نہیں ہوگا۔''

''راجا عمر دراز کے پاس تیرے مسائل کا حل ہے!''

''میرے نہیں..... ہمارے مسائل کا حل..... اور میں نے راجا سے بھی توقع نہیں لگائی ہے۔ پر یار، ہمارے اردگرد ایک کہانی چل رہی ہے اور اس کہانی کا مرکز فی الحال راجا عمر دراز ہے۔ ہم اس سے دور رہ کر..... اس کہانی سے کٹ جائیں گے۔ ہمارا اس سے جڑے رہنا ضروری ہے۔ یاد رکھو، جتنی ضرورت ہمیں راجا کی ہے، اتنی ہی ضرورت اسے ہماری بھی ہے۔ اس کہانی کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے..... ہم اپنے مفاد اسی صورت میں حاصل کر سکیں گے، جب ہم مرکز کے قریب رہیں۔''

مونا نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، شوبی کا نہیں یہ ہماری بقا کا سوال بھی ہے۔''

''بی بی، تم ہمیشہ کی طرح غلط سمجھ رہی ہو۔'' سفیر بھنا گیا تھا۔

''میرا خیال ہے اس بحث کو یہیں چھوڑو..... نیچے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ہم سب نے اپنے بیگ اٹھائے اور کمروں سے نکل آئے۔ ہوٹل کے داخلی دروازے کے عین سامنے وین موجود تھی۔ میں نے کاؤنٹر پر ادائیگی کی۔ مالک رسید کاٹتے ہوئے فکرمند نظر آ رہا تھا۔

''جناب!'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''خطرے کی بات تو نہیں ہے؟''

''اگر ہے بھی تو ہمارے لئے ہے، تمہارے لئے نہیں۔'' میں نے سخت اور جارحانہ انداز میں کہا۔ ''تم اس چکر میں مت پڑو، جیسا کہا جا رہا ہے، ویسا کرو۔ یہ پانچ ہزار اور رکھو۔''

''یہ کس لئے جناب!'' اس نے نوٹ لینے کے بعد پوچھا۔

''اس زحمت کے بدلے جو تم ہمارے لئے کرنے جا رہے ہو۔''

میں ان تینوں کے ساتھ باہر آیا۔ نیک نام کے آدمی چوکس انداز میں وین کے اردگرد کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں صرف ہتھیاروں کی کمی تھی ورنہ ان کا انداز کمانڈوز والا تھا۔ ہم یکے بعد دیگرے وین کے کھلے دروازوں سے اندر گئے۔ دروازے دونوں طرف سے کھلے تھے۔ پھر جیسے ہی مخالف سمت کے دروازے بند ہو گئے، نیک نام نے ہمیں اشارہ کیا۔ ہم سر جھکائے اور اپنے بیگ لئے اترے اور ہوٹل کے کھلے دروازے سے اندر گھس کر فوراً اس دیوار کی آڑ میں ہو گئے جس کے پیچھے آ کر ہم باہر والوں کی نظروں سے محفوظ ہو گئے تھے۔ دیوار کے ساتھ ساتھ ہم کھسکتے ہوئے کاؤنٹر تک آئے۔ اسی لمحے باہر وین اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ ہوٹل کا مالک ہمیں کاؤنٹر کے برابر میں تہ خانے کو جانے والی سیڑھیوں تک لایا۔

''آپ لوگ نیچے چلے جائیں۔'' اس نے مجھ سے کہا۔ ''اگر اوپر کوئی آپ کو پوچھتا آیا تو میں بٹن دباؤں گا، نیچے گھنٹی بجے گی۔ آپ لوگ ڈھلان والے راستے سے باہر جا سکتے ہیں۔''

''تم جانتے ہو۔ ہمارے دشمن ہمارے پیچھے ہیں؟'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی صاحب، اور یہ آپ رکھ لیں۔'' اس نے پانچ ہزار میری طرف بڑھائے۔ ''اب میں خلوص سے آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں، اب کیا ہوا ہے؟'' میں نے رقم نہیں لی۔

''مجھے معلوم ہے، آپ کے پاس اسلحہ ہے۔ آپ چاہتے تو کرایہ بھی نہیں دیتے، ہمیں یرغمال بنا لیتے مگر آپ نے اتنی شرافت دکھائی اس لئے.....''

''ٹھیک ہے..... لیکن یہ رکھو..... میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا اور سیڑھیوں سے اتر گیا۔ اوپر کے شاندار ہوٹل کے مقابلے میں اندر کا حصہ بہت سادہ اور عام سا تھا، نیچے کچن کے علاوہ اسٹور روم، ملازموں کی رہائش اور بوائلر روم تھا۔ اس جگہ سے پوری عمارت کو حرارت کے ساتھ گرم پانی بھی فراہم ہوتا تھا۔ اس جگہ وہ دروازہ تھا جو تہی ڈھلان کی طرف کھلتا تھا۔ دروازہ کیا تھا، چارپائی چار کا لکڑی کا تختہ تھا جسے اٹھا کر ایک طرف کر کے خانہ کھولا جا سکتا تھا۔ اندر اس پر لوہے کی مضبوط کنڈی لگی تھی۔ میں نے سب سے پہلے اسے کھول کر دیکھا۔ باہر سے یخ بستہ ہوا کا جھونکا آیا تھا۔ نیچے طویل ڈھلان تھی جو فی الحال تاریکی میں تھی لیکن میں اندازہ لگا سکتا تھا اس ڈھلان پر کتنا کچرا جمع ہوگا۔

مونا نے بھی آ کر جھانکا۔ ''سوال یہ ہے کہ وقت پڑنے پر کیا ہم اس ڈھلان سے نیچے جا سکتے ہیں؟''

''یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔'' میں نے تختہ بند کر دیا۔ ''ممکن ہے ڈھلان اتنی خطرناک نہ ہو جتنی کہ دن کے وقت اوپر سے نظر آ رہی تھی۔''

''ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔'' سفیر نے کہا۔ ''یا کسی بھی ہنگامی صورتِ حال میں سب سے پہلے نیچے آنے والے دروازے بند کرنا ہوں گے۔''

''خدا کے لئے..... تم تو ایسے بات کر رہے ہو، جیسے دشمن ابھی آنے ہی والا ہو۔'' مونا نے کہا۔

''ہمیں تیار اسی طرح رہنا چاہئے۔'' سفیر نے اصرار کیا۔

ایمن ایک طرف رکھی لکڑی کی کرسی پر بیٹھی تھی۔ مونا نے جا کر کچن میں جھانکا اور وہاں کام کرنے والے ملازم سے کافی کے بارے میں دریافت کیا۔ ''ابھی لاتا ہوں میم صاحب!'' اس نے جواب دیا۔

اسی لمحے مجھے محسوس ہوا جیسے زمین ہل گئی ہو۔ یہی بات دوسروں نے بھی محسوس کی تھی۔ ''میرے خدا، یہ کیا ہے؟'' ایمن بولی۔ ''کیا زلزلے کا جھٹکا تھا۔''

''نہیں..... ایسا لگ رہا ہے بہت بڑا دھماکا.....'' میں کہتے کہتے رک گیا پھر اوپر کی طرف لپکا تھا۔

''اوہ بھائی، کیا ہوا ہے؟'' سفیر میرے پیچھے آیا تھا۔

ہوٹل کا مالک مجھے سیڑھیوں کے سامنے ملا تھا۔ وہ سخت گھبرایا ہوتا تھا۔ ''جناب! سڑک کی جانب سے دھماکے کی آواز آئی ہے۔ میرے ملازم نے شعلہ اٹھتے دیکھا تھا۔''

''کہاں..... کس طرف.....'' میں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

ہوٹل کے مالک نے ڈائننگ ایریا کی روشنیاں بند کر دی تھیں اس لئے ہمارے دیکھ لئے جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ شیشے کی دیوار کے عقب سے دور سڑک پر کسی جگہ آگ جل رہی تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ یہ آگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیسے لگی تھی، اس نے کسے چاٹ لیا تھا۔ نیک نام کو یا ہمارے دشمنوں کو۔ یہ بات یقینی تھی کہ آگ کسی گاڑی میں لگی تھی۔ میں نے باہر جانا چاہا تو سفیر نے میرا بازو پکڑ لیا۔ "آپ کہاں چلے؟"

"میں دیکھنے جارہا ہوں۔"

"نیک نام کے انجام سے سبق پکڑیں۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "آجیل مجھے مار کی پالیسی ترک کر دیں۔"

"تو کہنا کیا چاہ رہا ہے؟"

"میرا خیال ہے دشمن اس طرف آنے والا ہے۔ انہوں نے تصدیق کے بعد کہ ہم وین میں نہیں ہیں، وین اڑادی ہے۔" سفیر نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا اور سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں رائفلیں لے کر آیا۔ ہوٹل کے مالک کی یہ ہتھیار دیکھ کر ہی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس نے ایک رائفل مجھے دی اور بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔ "نیک نام کا یہی انجام ہونا تھا۔ ہمیں دوپہر میں ہی نکل جانا چاہئے تھا۔ پلان بنانے کے چکر میں اس نے دشمنوں کو پلاننگ کرنے کا پورا وقت دیا تھا۔"

میں نے محسوس کیا، وہ ٹھیک کہہ رہا تھا، ایک بار دشمن کی موجودگی کا علم ہونے کے بعد اس جگہ رُکے رہنا حماقت تھی، ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکل جانا چاہئے تھا۔ "تو یہ رائفلیں کس خوشی میں لایا ہے؟"

"مقابلہ کرنے کے لئے اور کس لئے!" وہ سخت جھنجلایا ہوا تھا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو، اگر انہوں نے نیک نام کی وین اُڑادی ہے تو کیا ہم دو رائفلوں سے ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

"پھر کیا کریں؟"

"نیچے جاؤ..... ان لوگوں سے کوئی طویل رسی لو اور اس کی مدد سے ڈھلان پر اترنے کا بندوبست کرو، ہمیں فرار ہونا ہے۔"

☆=====☆=====☆

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ، لہو ترنگ، زنجیر آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا منظور تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail: alimian_publications@yahoo.com

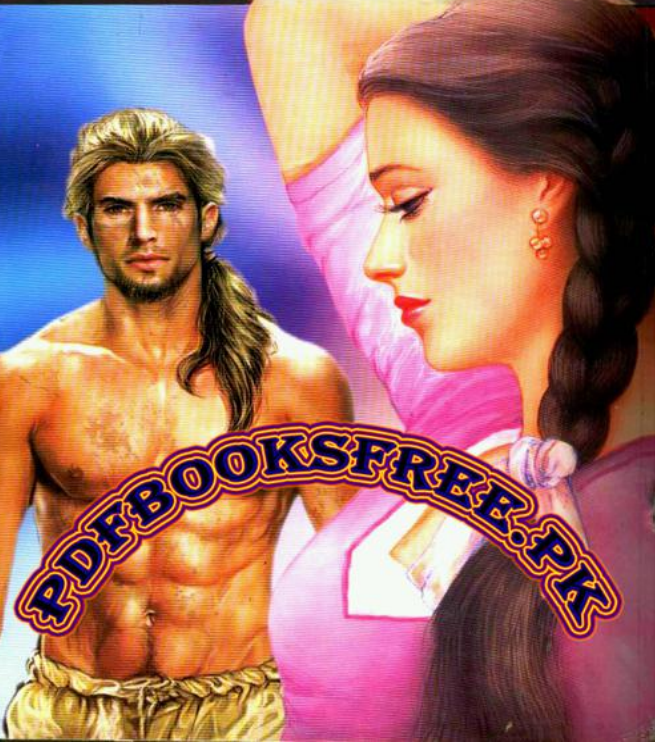
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

3



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

تیسرا حصہ

کاشف زبیر

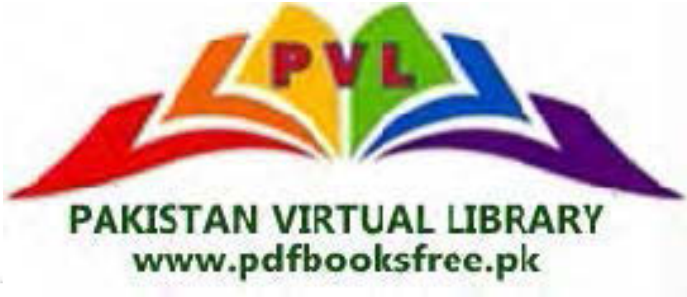
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




ISBN 978-969-517-320-6

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 ONR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفیر چند لمحے سوچتا رہا پھر تیزی سے نیچے چلا گیا۔ میں نے ہوٹل کے مالک کو بلایا۔ "سنو، ہم نیچے جا کر دروازے بند کر لیں گے۔ اگر اجنبی لوگ ہمیں تلاش کرتے ہوئے آئیں تو تم گھنٹی بجا کر ہمیں خبردار کر دینا۔" میں نے اس سے کہا تو وہ سر ہلانے لگا۔ فرار والی بات میں نے اس کے سامنے نہیں کہی تھی۔ ممکن ہے دشمن کے آدمی اس پر تشدد کرتے تو وہ قبل از وقت راز کھول دیتا۔ ویسے اس کا تشویش سے برا حال تھا۔ ہمارے پاس اسلحہ تھا اور ایک بار یہاں جنگ چھڑ جاتی تو اس کے ہوٹل کا اللہ ہی حافظ ہوتا! میں غور کرتا رہا اور پھر میں نے اسے بے خبر رکھنے کا فیصلہ واپس لے لیا۔ میں نے اسے اپنے پاس بلایا۔ "سنو، ہم دشمنوں کے آنے سے پہلے عقبی ڈھلان کی طرف اترنا چاہتے ہیں۔"

"وہ تو بہت خطرناک ہے جی، اندھیرے میں اس سے بالکل نہیں اتر سکتے۔"

"تم اس کی فکر مت کرو۔ ہمیں چند طویل رسیاں اور ٹارچ مہیا کر سکتے ہو۔"

"مل جائیں گی۔" اس نے مستعدی سے کہا۔

"تب فوراً لے آؤ۔" میں نے تہہ خانے کی طرف جاتے ہوئے اسے ہدایت کی۔

مونا اور ایمن پریشان تھیں۔ سفیر نے کہیں سے ناکون کی پتلی رسی کا ایک طویل لچھا تلاش کر لیا تھا اور اب اس میں مخصوص انداز میں گرہیں لگا رہا تھا تاکہ اترتے ہوئے ان پر گرفت قائم رہے۔ میں نے رسی دیکھی۔ "کیا یہ کافی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"سو گز ہے۔ ایسے ہی دو لچھے اور ہیں۔" اس نے ایک کونے میں پڑے دو لچھوں کی طرف اشارہ کیا۔

"مونا، تم بھی گرہیں لگاؤ۔" میں نے ایک لچھا اس کی طرف بڑھا دیا اور دوسرے پر خود گرہیں لگانے لگا۔ ہوٹل کا مالک بھی نیچے آ گیا تھا، اوپر اس کا اکلوتا ملازم نگرانی کر رہا تھا۔

"جیسے ہی ہم نیچے اتریں، تم راستہ بند کر کے سب معمول کے مطابق کر دینا۔ اجنبی افراد ہمارے بارے میں پوچھیں تو مکر جانا، کہنا ہم بھی چلے گئے۔ اگر انہوں نے تم سے حقیقت اگلوالی تو تمہارا حشر کر دیں گے۔ میری بات سمجھ رہے ہو ناں ——؟"

"جی جناب!" اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"بس تو ڈٹے رہنا اور ہمارے ساتھی آ جائیں تو ان کو اصل بات بتا دینا، وہ خود ہمیں نکال لیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھ گیا جناب!'' اس بار اس نے نسبتاً اعتماد سے کہا۔

رسیوں کے استعمال کے ہم ماہر تھے۔ اس لئے سارا کام دس منٹ میں مکمل کر لیا۔ تینوں رسیوں کو آپس میں ملا کر سب سے پہلے سفیر نیچے گیا۔ اس نے اپنا بیگ شانے سے باندھ لیا تھا۔ جبکہ میں نے اپنے ساتھ مونا کا بیگ بھی باندھ لیا تھا۔ لکڑی کے دروازے کی فولادی کنڈی سے رسی باندھ کر سفیر اتر گیا۔ رسی کا نچھا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ نیچے اترتے ہوئے اسے حسب ضرورت کھولتا جاتا۔ رائفلوں اور میگزین والا بیگ مونا کے شانے پر تھا اور ایمن نے اپنا ہینڈ بیگ اپنی کمر سے باندھ لیا تھا۔ اسے کوہ پیمائی کا تجربہ نہیں تھا لیکن وہ فٹ اور مضبوط جسامت کی مالک تھی اس لئے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ نیچے اتر گئی۔ پھر میں گیا اور میرے بعد مونا آئی تھی۔ جانے سے پہلے میں نے ہوٹل کے مالک سے کہا۔ ''سنو دوست! ہم تم پر اعتماد کر کے جا رہے ہیں، لیکن بعد میں پتا چلا کہ تم نے دھوکا کیا ہے تو ہم پھر آئیں گے۔ ہم نہ آئے تو دوسرے آئیں گے، سمجھ رہے ہو ناں..... میری بات؟''

''جی جناب!'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا، میری دھمکی نے اس کا رنگ اڑا دیا تھا۔

آخر میں مونا آئی تھی۔ میں نے ہوٹل کے مالک سے کہا تھا جیسے ہی رسی ڈھیلی ہو، وہ اوپر سے اسے کھول کر نیچے پھینک دے۔ میرے پیروں تلے کھانے پینے کا گلا سڑا کچرا اور لکڑی کی راکھ آ رہی تھی۔ یہ ایک طرح سے اچھا ہی تھا اس سے پاؤں جمانے میں مدد مل رہی تھی۔ ڈھلان اتنی خطرناک نہیں تھی، جتنی بظاہر دکھائی دیتی تھی۔ ہم بلا رسی کے بھی اتر سکتے تھے لیکن اس صورت میں اتنی تیزی سے نہیں اتر سکتے تھے۔ ڈھلان خاصی دور تک پھیلی تھی۔ دس منٹ میں ہم کوئی سو گز نیچے آئے تھے۔ نیچے سے سفیر نے آواز دی۔ ''رسی ختم ہونے والی ہے۔''

''ڈھلان کیسی ہے؟'' میں نے چلا کر پوچھا۔

''اس کے بغیر بھی اتر سکتے ہیں۔ ایمن کو شاید مشکل ہو۔''

''فکر مت کرو، اسے سنبھال لیں گے۔''

''جی میں دیکھ رہی ہوں۔'' مونا آگے سے بولی۔ ''آپ اسے سنبھالنے کے لئے خاصے بے چین ہیں۔''

''بی مینڈ کی کو بھی زکام ہو گیا ہے۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔

جہاں رسی کی حد ختم ہوتی تھی وہاں سفیر نے ایک جگہ تلاش کر لی تھی جس پر ہم لڑھکے بغیر رک سکتے تھے، ہم سب اس پر جمع ہو گئے، اس مشقت نے ہمارا سانس پھلا دیا تھا اور اس بے پناہ سردی میں بھی ہمیں پسینہ آ گیا تھا۔ اب حرکت رکی تو اندازہ ہوا کہ سردی کتنی شدت کی تھی۔ سفیر نے رسی کا آخری سرا ایک جھاڑی سے باندھ کر اسے ڈھیلا چھوڑ دیا تھا تاکہ ہوٹل کا مالک اسے اوپر سے کھول دے۔ چاند نہیں تھا لیکن صاف آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ ان کی مدھم روشنی میں آس پاس کا ماحول کسی قدر نمایاں تھا لیکن دور کے مناظر دھندلے سے محسوس کئے جا سکتے تھے۔ میں نے سر اٹھا کر ہوٹل کی عمارت کی طرف دیکھا وہ بہت دور نظر آئی تھی۔ اکا دکا روشنیاں ستاروں کی طرح ٹمٹما رہی تھیں۔ اچانک اوپر سے رسی سرسراتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ سفیر نے پھرتی سے اسے سمیٹنا شروع کر دیا۔ میں رسی کو الجھنے سے بچانے لگا۔ ابھی خاصی ڈھلان باقی تھی۔

''فرض کرو..... دھما کا دشمنوں کا ہوا ہو اور نیک نام ابھی تک زندہ سلامت ہو مع اپنے تمام ساتھیوں کے؟'' مونا نے سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب بھی یہ کام ضروری تھا کیونکہ دشمن کا سامنا ہونے کے بعد فرار اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اس ڈھلان پر وہ خرگوشوں کی طرح ہمارا شکار کر لیتے۔ اس وقت ہم آزاد تو ہیں۔''

''یہاں سے چلو۔'' ایمن سردی سے لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ورنہ میں تو مر جاؤں گی۔''

''حالانکہ تم جس ملک سے ہو، وہاں اس سے زیادہ سردی پڑتی ہے۔'' مونا نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں، لیکن وہاں اس سردی میں کوئی باہر نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، بالخصوص رات کو۔''

''میرا خیال ہے نیچے اتر جائے۔'' میں نے اوپر کی طرف دیکھا۔ ''ہم اس جگہ بھی محفوظ نہیں ہیں، ابھی چاند نکل آیا تو ہم پھنس جائیں گے، دور سے نظر آئیں گے۔''

سفیر نے ایک پتھر تلاش کیا جو مضبوطی سے زمین میں گڑا ہوا تھا۔ اس کے گرد رسی لپیٹ کر اسے ایک خاص گرہ لگائی۔ جسے نیچے سے بھی جھٹکا دے کر کھولا جا سکتا تھا۔ میں نے ایک ٹارچ جلائی۔ ہوٹل کے مالک نے دو بڑی ٹارچیں ہمارے حوالے کی تھیں۔ ان کی روشنی میں سو فٹ تک صاف نظر آ رہا تھا۔ ڈھلان اب صاف ستھری تھی یعنی پتھروں اور مٹی پر مشتمل تھی اور اس پر قدم جمانا آسان نہیں تھا۔

''احتیاط سے اترنا۔'' میں نے ایمن اور مونا سے کہا۔ ''اب ڈھلان خطرناک ہے۔''

بہر حال کوئی سو گز کے بعد ہم اس زمین تک جا پہنچے جس پر ہیلی کاپٹر کی مدد کے بھی چلا جا سکتا تھا۔ سفیر نے جھٹکا دے کر رسی کھول لی اور اس کا بنڈل بناتے ہوئے بولا۔ ''اب کہاں کا رخ کرنا ہے؟''

''کہیں کا بھی نہیں..... آس پاس کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی ہے جہاں ہم آگ جلا کر رات گزار سکیں اور دشمن سے بھی محفوظ رہیں۔''

''تم دونوں یہاں رکو۔'' سفیر نے مونا اور ایمن سے کہا۔ ''ہم ذرا آس پاس کا معائنہ کر کے آتے ہیں۔''

''ہم اکیلے.....؟'' مونا نے پریشان ہو کر لطیفہ کہا جس پر میں نے اور سفیر نے قہقہہ مارا۔

''خوب..... یعنی آپ دونوں اکیلے؟'' میں نے کہا۔

سفیر ہنسا۔ ''یہ تو وہی بات ہوئی، میں اور باپو اکیلے اور چور اور لاٹھی دو۔''

''مطلب یہ کہ ہم یہاں ہوں اور دشمن یا کوئی جانور آ گیا تو.....؟'' مونا خفا ہو گئی تھی۔

''تم دونوں کے پاس پستول ہیں اور تم ان کو استعمال کرنا بھی جانتی ہو۔ دونوں میں سے جو بھی آئے، بلا تکلف شوٹ کر دینا لیکن گولی چلانے سے پہلے دیکھ لینا..... ہم نہ ہوں۔''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' ایمن بولی۔

میں نے اسے بتایا کہ ہم کوئی ٹھکانا تلاش کرنا چاہ رہے ہیں جبکہ مونا کو دشمن یا جانور کا خوف لاحق ہے۔

''اوہ.....!'' ایمن نے کہا۔ ''مجھے جانور کا تو خوف نہیں..... ہاں، آدمی سے ڈر لگتا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے نرد کی پتھر پر بیٹھنے کی کوشش کی جو گیدڑ ثابت ہوا۔ گیدڑ نے ایک چیخ ماری اور بھاگ گیا، دوسری چیخ ایمن نے ماری اور مجھ سے لپٹ گئی۔ مونا کی بھی گھگی بندھ گئی تھی۔

''یہ کیا تھا؟'' سفیر بولا تو ایمن جلدی سے مجھ سے الگ ہو گئی۔

''گیدڑ تھا۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کم بخت جلدی بھاگ گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمن کا حشر سے برا حال تھا۔ ''وہ اچانک ہوا تھا ایسا..... تو اس لئے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' سفیر نے فراخ دلی سے کہا۔ ''گیدڑ بدقسمت تھا۔ قسمت والا تو شوبی ثابت ہوا۔''

''بکواس نہ کر۔'' میں نے اردو میں فرمایا۔ ''کوئی جگہ تلاش کرو ورنہ رات میں سردی سے اکڑ جائیں گے۔ ابھی صرف آٹھ بجے ہیں۔''

''آٹھ.....'' سفیر دنگ رہ گیا۔ ''بس اتنا وقت ہوا ہے۔''

''یہاں پانچ بجے سورج غروب ہو جاتا ہے۔'' میں نے بیگ اتار کر مونا کے حوالے کرنا چاہا جو ایمن نے لے لیا۔ ''مجھے دے دو..... اس کے پاس پہلے ہی بیگ ہے، میں خالی ہاتھ ہوں۔''

مونا نے اسے گھورا تھا لیکن منہ سے کچھ بولی نہیں۔ میں نے رائفل نکالی اور اس کے دو اضافی کلپ اپنی جیکٹ میں لگا لئے۔ دوسری رائفل سفیر نے لے لی۔ میرے پاس پستول تھا جبکہ سفیر نے اپنا پستول ایمن کے حوالے کر دیا تھا۔ ''کوئی موقع آئے تو احتیاط سے چلانا ہمارے پاس زیادہ فاضل گولیاں نہیں ہیں۔''

مشرق سے چاند نے سر اٹھا لیا تھا اور ماحول کسی قدر روشن ہو رہا تھا۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ ہوٹل والی ڈھلان کے مقابل دوسری ڈھلان پر گھنے جنگلات تھے۔ جن کے دامن میں دائیں طرف آگے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو اس جگہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہوٹل سے دکھائی دیا تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''میں اس جنگل میں دائیں طرف جاتا ہوں..... تو بائیں طرف جا۔ مگر زیادہ دور مت جانا، ان لڑکیوں کو زیادہ دیر اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔''

''تو نے بھی وہی بات کی۔'' سفیر جاتے ہوئے ہنسا۔ ''دو اور اکیلی!''

میں نے دائیں طرف کا رخ کیا۔ ڈھلان کے ساتھ بلند اور سیدھے درخت لگے تھے۔ اس کے نیچے کچھ حصوں میں جھاڑیاں تھیں۔ میں ان سے ہٹ کر درختوں میں داخل ہوا۔ یہاں تاریکی تھی اس لئے ٹارچ روشن کرنا پڑی پھر ایک چٹان کے نیچے معقول قسم کی جگہ مل گئی تھی۔ اس کا چھجا اوپر سے خاصا نکلا ہوا تھا۔ اگر بارش ہو جاتی تو یہ پانی سے بھی تحفظ دے سکتا تھا اور اس کے نیچے آگ جلا کر ہم سردی سے بھی محفوظ رہ سکتے تھے۔ اسے دیکھ کر میں فوری طور پر واپس آیا۔ سفیر ابھی نہیں آیا تھا۔ اسے بلانے کے لئے میں نے سیٹی بجائی۔ وہ دوڑا ہوا آیا۔ ''ٹھکانا مل گیا ہے..... سامان اٹھا۔''

دونوں خواتین نے اس قسم کی ڈھلان پر کسی قسم کا سامان اٹھانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس لئے وہ بھی ہمیں اٹھانا پڑا۔ سفیر نے موسم کی مناسبت سے سرد آہ بھری۔ ''کاش..... کہ تم لوگوں نے خود بھی پیدل جانے سے انکار کر دیا ہوتا۔''

''بکو مت۔'' مونا جھینپ گئی۔

''نہیں سوچو..... اب بچا ہی کیا ہے تم دونوں کے سوا!''

سامان چٹان تک لا کر پھر ہم خشک لکڑی تلاش کرنے کی مہم پر نکلے، جسے جلا کر حرارت حاصل کی جا سکے۔ ویسے اس جگہ سردی کی وہ شدت نہیں تھی جو تقریباً ڈیڑھ سو گز بلند ہوٹل والے علاقے میں تھی۔ پھر بھی رات وہاں بے لحاف نہیں گزار سکتے تھے۔ جب تک حرکت میں رہتے، جسم بھی گرم رہتا تھا جیسے ہی ساکت ہوتے،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سردی مزاج پرسی کرنے لگتی تھی۔ خاصی تگ و دو کے بعد ہمیں کچھ خشک لکڑی ہاتھ آئی تھی۔ اسے جلانے کے لئے سفیر نے خشک گھاس لی۔ چٹان تلے جگہ صاف ستھری تھی۔ انہوں نے ٹارچ جلائی تھی۔ میں نے لکڑی اور گھاس اکٹھا کر کے آگ روشن کی۔ "لکڑی کم ہے۔" مونا نے آگ کے قریب سرک کر کہا۔

"فی الحال اس پر گزارا کرو۔ آس پاس خشک لکڑی کم ہے۔" میں نے کہا۔

"اس جگہ آبادی ہے۔" سفیر بھی بولا۔ "ظاہر ہے اس موسم میں انہیں جلانے کے لئے لکڑی کی زیادہ ضرورت ہے اور وہ اردگرد سے ساری خشک لکڑی سمیٹ کر لے گئے ہیں۔ انہیں درختوں کی نیچی شاخیں کاٹنے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔"

"ابھی پھر کوشش کرتے ہیں۔" میں نے شعلوں کو دیکھ کر مونا کو تسلی دی۔ "واقعی، یہ لکڑی کم ہے۔"

"یار، مجھے تو بھوک لگی ہے۔" سفیر نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

"صبر کر یار!" میں نے چٹان کی جڑ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "فی الحال سوائے غم کے اور کھانے کو کچھ نہیں ہے۔"

"جی نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔" مونا مسکرائی اور اس نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ "جب ہم تہہ خانے میں آئے تو میں نے ہوٹل کے مالک سے نظر بچا کر ایک الماری سے بہت کچھ نکال لیا تھا۔"

مونا کے بیگ میں کیک، پیسٹریاں، بن، نصف ڈبل روٹی، بسکٹ کے ڈبے، چپس کے پیکٹ اور چاکلیٹس تھیں۔ سفیر کھل اٹھا تھا۔ "تم نے وہ کام کیا ہے کہ دل چاہ رہا ہے، تمہارا منہ....."

"فضول باتیں مت کرو۔" مونا بگڑ گئی۔

"بھئی جملہ تو پورا سن لیا کرو۔ میں کہہ رہا تھا، تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں؟" سفیر نے جواب دیا اور عملاً اپنا منہ چیزوں سے بھرنے لگا۔ میں نے ایک بن لیا اور ایک ایمن کی طرف بڑھا دیا۔ وہ میرے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے شکریہ کہہ کر بن لے لیا اور اس کا پلاسٹک ریپر پھاڑ کر کھانے لگی۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے پوچھا۔ "دھماکا ہماری وین کا تھا۔"

"امکان تو یہی ہے ورنہ اب تک نیک نام کو آ جانا چاہئے تھا۔ اس کا اتنی دور جانے کا ارادہ نہیں تھا۔"

"اسے زیادہ ہی دور بھیج دیا گیا ہے۔" سفیر نے سر ہلایا۔

"کھانے کی چیزیں خاصی تھیں لیکن پینے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا کوئی حل بھی نہیں تھا۔ تاریکی میں پانی تلاش کرنا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے خدا کا شکر ادا کر کے آگ کے اردگرد دراز ہو گئے بلکہ دراز کہاں ہوئے سب سکڑے سمٹے پڑے تھے۔ میں نے سفیر سے کہا کہ میں جاگتا رہوں گا، وہ سو جائے۔ اسے تین بجے اٹھا کر میں خود سو جاؤں گا۔ نیند ایسی چیز ہے جو محاورے کے مطابق پھانسی کے پھندے پر بھی آ جاتی ہے۔ اس لئے سخت زمین اور سردی کے باوجود وہ تینوں سو گئے۔ میں اٹھ کر آس پاس سے خشک لکڑی تلاش کرنے لگا اور جو ملتا رہا اسے آگ کی نذر کرتا رہا۔ میری کوششوں سے اتنا ہوا کہ الاؤ سرد نہیں ہوا تھا۔ چٹان کچھ ایسے زاویے کی تھی کہ اس کے نیچے روشن آگ دور سے یا بلندی سے نظر نہیں آ سکتی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اس کے اردگرد پتھر جمع کر دیئے تاکہ شعلوں کا انعکاس کم ہو جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلتے پھرتے رہنے کا فائدہ یہ ہوا کہ نیند مجھ پر غلبہ نہیں پا سکی تھیں ساتھ ہی میں اردگرد کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ ہوٹل کی عمارت اس جگہ سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسے دیکھنے کے لئے مجھے درختوں سے باہر جانا پڑتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اوپر سے کوئی نیچے دیکھتا تو اسے ہم بھی نظر نہ آتے۔ میں ڈھلان کا جائزہ بھی لیتا رہتا تھا۔ چاند بلند ہونے سے خاص طور سے ہوٹل کے ساتھ والی ڈھلان نمایاں نظر آنے لگی۔ ابھی تک کسی کا اس طرف نہ آنا ثابت کرتا تھا کہ ہوٹل کا مالک ان لوگوں کو بہلانے میں کامیاب رہا تھا یا وہ اس طرف آئے ہی نہیں تھے۔ نیک نام اور اس کے ساتھی اگر زندہ یا کسی قابل ہوتے تو اب تک ہوٹل تک آ چکے ہوتے اور ہماری تلاش میں نیچے بھی آ جاتے۔ میں ان کے لئے افسوس محسوس کر رہا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ رہے تھے اور خاص طور سے نیک نام کی مدد سے میں نہ صرف ایمن کو نکال لایا تھا بلکہ خود بھی بچ گیا تھا ورنہ ایمن کو اغوا کرنے کے لئے آنے والے مجھے بھی لے جاتے۔ دو بجے تک میں خاصی لکڑیاں جمع کر چکا تھا۔ اب صبح تک گزارہ چل سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے سفیر کو اٹھا دیا۔ ''جھنجھوڑنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔'' کک..... کیا ہوا؟''

''اٹھ جا..... اب تیری باری ہے۔'' میں نے الاؤ کے پاس لیٹتے ہوئے کہا۔ آگ کے اثر سے زمین بھی کسی قدر گرم ہو گئی تھی۔ ''سو مت جانا..... اور آس پاس بھی نظر رکھنا۔ تیرے سسرالی رشتے دار نہ آ جائیں۔''

''آہستہ بول..... مونا نے سن لیا تو..... شامت میری آئے گی۔'' سفیر گھبرا کر بولا۔

''تُو ابھی سے سکہ بند زن مرید نظر آنے لگا ہے۔'' میں نے ملامت کی۔ ''مردوں کا نام ڈبو رہا ہے۔''

''شوبی..... میں سن رہی ہوں۔'' مونا نے منمناتی آواز میں کہا۔

''سنتی رہو..... ہم کسی سے ڈرتے نہیں ہیں۔'' میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔ ''البتہ ان صاحب کو دیکھ کر شاید گھگی بندھ گئی ہے۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔'' سفیر نے بھنا کر کہا تھا۔

میں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ ذرا دیر میں، میں سو چکا تھا۔ صبح کے قریب آنکھ کھلی تو الاؤ تقریباً بجھ چکا تھا۔ بس انگارے باقی رہ گئے تھے۔ سفیر ایک لکڑی سے انہیں کرید کر جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سردی زیادہ ہو گئی تھی یا مجھے لگ رہی تھی بہرحال ایک ہی پوزیشن میں سوتے سوتے جسم اکڑ گیا تھا۔ مونا اور ایمن ایک دوسرے سے پشت ملائے بے خبر سو رہی تھیں۔ سفیر ایک چاکلیٹ کھا رہا تھا۔ میں نے مونا کے بیگ میں جھانکا۔ ''کچھ چھوڑا بھی ہے یا سب کھا گئے۔''

''ویسٹریاں ہیں۔ مجھے پسند نہیں ہیں۔'' سفیر نے اطمینان سے جواب دیا۔

بہرحال اندر دو عدد بن بھی تھے۔ میں نے ایک بن نکالا۔ ''یار، کہیں سے پانی مل جائے تو.....''

''ابھی سورج نکلنے کے بعد پتا چلے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جہاں سے بھاپ اٹھے گی وہاں پانی ہو گا۔ مگر ابھی سورج نکلنے میں بھی ایک گھنٹا باقی ہے۔''

اس وقت ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ ''یار، الاؤ روشن رکھنا۔ سردی زیادہ ہو گئی ہے۔'' میں نے انگاروں کے پاس ہو کر کہا۔

''اب چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''الاؤ جلانے کا نہیں بجھانے کا وقت ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے مونا اور ایمن کو اٹھایا۔ کسی قدر وقت سے وہ اٹھ گئیں۔ ''کیا سونے کے لئے آئی تھیں؟'' میں نے ڈانٹا۔ ''غضب خدا کا..... سورج نکلنے والا ہے اور یہ پڑی سو رہی ہیں۔''

''پلیز شوبی!'' مونا نے منہ بنایا۔ ''ہماری والدہ محترمہ بننے کی کوشش مت کرو۔''

انہوں نے بال سنوارے اور اس کے بعد کھانے کے لئے مونا کے بیگ سے رجوع کیا۔ مونا نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''ہمارے لئے یہ بچایا ہے۔''

''شکر صبر کر کے کھالو۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''رات کو جاگنا پڑتا تو پتا چلتا۔ اگر کھانا نہ رہتا تو سو جاتا۔''

مونا اور ایمن نے بادل نخواستہ بچی کھچی چیزوں سے ناشتا کیا۔ میں اور سفیر ایک طرف جا بیٹھے۔ ''اب کیا کرنا ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''ظاہر ہے، کسی آبادی کا رخ کرنا ہے۔ وہاں سے ہمیں رہنمائی مل سکے گی۔''

''اس کے بعد.....؟''

''اس کے بعد راجا عمر دراز تک پہنچنے کی کوشش کرنی ہے۔''

''کیا دشمن ہمیں اس تک جانے دے گا؟ مجھے یقین ہے، اس نے راستے میں جگہ جگہ گھات لگا رکھی ہو گی۔''

''تب کیا کریں، جانا تو ہے۔''

''یار! ایسا نہیں ہو سکتا..... فی الحال راجا کے پاس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں۔ کہیں اور نکل جائیں۔ اس کے پاس ہم بعد میں جا سکتے ہیں..... جب دشمن ہمیں تلاش کرنا بند کر دے۔''

سفیر کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کل تک کی بات اور تھی، نیک نام اور اس کے ساتھی ہمارے ساتھ تھے اور ہم کمزور نہیں تھے، اب وہ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ پتا نہیں اس دنیا میں بھی تھے یا نہیں؟ ہم چار تھے، صرف میں اور سفیر وقت پڑنے پر کسی سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ مونا اور ایمن سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی بلکہ وہی ہماری سب سے بڑی کمزوری تھیں۔ اگر اپنی جان کے علاوہ ہم مجبور ہوتے تو ان کی وجہ سے ہوتے۔ مجھے مونا کا ساتھ ہونا شروع سے کھل رہا تھا۔ فتح خان کی قید میں خدا نے مدد کی اور گلے خان کے دل میں خلش ڈالی۔ ورنہ مونا..... میں اس سے آگے سوچ نہ سکا۔ میں نے جھرجھری لی جب سفیر نے کہیں اور چلنے کو کہا تو مجھے خیال آیا۔

''یار، مونا کو ہم تیری حویلی تک نہیں پہنچا سکتے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا اسی وجہ سے تجھ سے نیچے کی طرف چلنے کو کہہ رہا تھا۔ مونا کے سامنے میں کھل کر نہیں کہہ سکتا تھا۔''

''اور وہ مخالفت کر رہی تھی۔'' میں مسکرایا۔

سفیر نے سر ہلایا۔ ''ظاہر ہے اسے بھی یہی خطرہ ہو گا، وہ ہمارا ساتھ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

''اب ہم واپس جانے کی بات کرتے ہیں تو وہ چوکنا نہیں ہو جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، ہو تو جائے گی لیکن ہم اسے کہہ سکتے ہیں کہ نیک نام اور اس کے ساتھیوں سے بچھڑنے کے بعد ہم اس علاقے میں مزید سفر نہیں کر سکتے لہٰذا واپس جانا ہی مناسب ہوگا۔''

''خاتون، تجھے گھور رہی ہے۔'' میں نے سفیر کو متوجہ کیا۔ ''ممکن ہے ہمارے ارادے بھانپ گئی ہو؟''

مونا اٹھ کر ہمارے پاس آئی اور سفیر کو گھورتے ہوئے بولی۔ ''یہ واپسی کی کیا باتیں کر رہے ہو تم دونوں؟''

''میرے خدا کیا خرگوش کے کان ہیں تمہارے؟'' سفیر بے ساختہ بولا۔

''اور اس سائز کے کانوں والے ایک بڑے جانور کا دماغ۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ویسے ہم واپسی کا نہیں، آگے پیش آنے والے حالات کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔''

''کیسے حالات؟'' مونا کے لہجے میں شک تھا۔ اس نے میرا جملہ بھی نظر انداز کر دیا تھا۔

''تمہارے سامنے ہیں..... جا بجا ہمیں روکنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم اپنے محافظوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں آگے کا سفر خودکشی کے مترادف ہے۔''

''پھر کیا ارادے ہیں؟''

''ہم سوچ رہے ہیں کہ کسی اور طرف نکل جائیں۔ ہمارے پاس رقم ہے اور ہم کچھ عرصہ کہیں خاموشی سے گزار سکتے ہیں۔''

''مثلاً کہاں؟''

''بابا..... تم تو بال کی کھال اتار رہی ہو..... ابھی اتنا نہیں سوچا ہے۔'' سفیر نے جھنجلا کر کہا تھا۔

صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا لیکن ابھی پہاڑوں کے عقب میں تھا۔ ''اب چلنے کی تیاری کرو۔ دشمن اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اسے معلوم ہے ہم اس علاقے میں ہیں۔''

''یہاں وہ ہمیں کیسے تلاش کرے گا؟'' سفیر نے بیگ شانے پر لادا۔

''یہاں تلاش کرنا مشکل ہے لیکن اس جگہ سے نکلنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔ آمد و رفت کے چند ہی راستے ہوتے ہیں۔''

میں نے آگ پر مٹی اور پتھر ڈال دیئے۔ جنگل میں آگ کے لئے اصول ہے کہ روانگی سے پہلے اسے پوری طرح بجھایا جائے۔ ورنہ جنگل میں آگ لگنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ہم نے دائیں طرف والی گھاٹی کا رخ کیا تھا جہاں اوپر ہوٹل سے کچھ آبادی نظر آئی تھی۔ بیشتر سامان میں نے اور سفیر نے اٹھا رکھا تھا۔ مونا کے پاس بیگ تھا اور ایمن خود کو سنبھال رہی تھی، اس کے پیروں میں ناموزوں جوتے تھے۔ میں چلتے چلتے اچانک رکا۔ وہ تینوں بھی رک گئے، سفیر نے پوچھا۔ ''اب کیا خیال ہے، جناب کا؟''

میں نے سوچ کر کہا۔ ''یار، جس طرح ہم اس آبادی سے واقف ہیں، دوسرے بھی ہو سکتے ہیں۔''

''ہاں، معلومات پر کوئی پابندی تو نہیں ہے۔'' سفیر نے اعتراف کیا۔

''لہٰذا انہوں نے سوچا ہو کہ رات کو ہمیں تلاش کرنے کی زحمت کے بجائے سکون سے آبادی میں رک کر ہمارا انتظار کیا جائے۔ آخر ہمیں کسی آبادی کا رخ کرنا پڑے گا۔''

سفیر چلتے چلتے رک گیا۔ ''پیر و مرشد! دل چاہ رہا ہے، آپ کے ہاتھ چوم لوں..... بخدا کیا غیب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مضامین آرہے ہیں۔" اس نے سامان نیچے رکھ دیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔

"رک کیوں گیا ہے؟"

"وہاں جا کر پکڑے جانا ہے۔" اس نے نفی سے سر ہلایا۔

"احمق یہ صرف ایک مفروضہ ہے اور اب ہم خود کو کون سا منہ اٹھائے کسی آبادی میں گھس جائیں گے، اچھی طرح دیکھ بھال کر کوئی قدم اٹھائیں گے۔"

سفیر دوبارہ کھڑا ہو گیا اور سامان اٹھا کر چلنے لگا۔ مونا اسے گھورنے لگی اور ایمن ہنس رہی تھی۔ وہ اپنے جوتوں کی وجہ سے سب سے پیچھے تھی اور مونا کے پاس ہو گیا اور میں ذرا پیچھے ہو کر ایمن کے قریب آ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "تمہارا ساتھی سفیر بہت جولی ہے۔"

"یہ بات مونا کے سامنے مت کہنا، وہ اس کے معاملے میں بہت حساس ہے۔"

"مجھے پتا ہے وہ اسے پسند کرتی ہے۔ یہ آپس میں شادی کیوں نہیں کر لیتے ہیں۔"

میں نے سرد آہ بھری۔ "ہمارے ہاں مشرق میں اس مرض کا آخری علاج شادی ہے جسے عرف عام میں عشق کہتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی بہت سارے مراحل آتے ہیں، ویسے ہمارے ہاں عشق کو کامیاب اور لافانی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ شادی سے گریز کیا جائے۔"

"ایسا تو ہمارے ہاں بھی ہونے لگا ہے، اب لوگ شادی سے گریز کرتے ہیں۔"

"مقاصد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تمہارے ہاں شادی سے گریز بیوی اور ہو جانے والے بچوں کی ذمے داری سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عام طور سے اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عشق کو روحانی کیفیت میں شمار کیا جاتا ہے۔"

"اوہ..... میں نے ایک کتاب پڑھی تھی اس میں انڈو پاک میں ایسے ہونے والے قصوں کے بارے میں عجیب و غریب باتیں لکھی تھیں۔ عاشق حضرات نے ناممکن کام کر دکھائے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "بھینسیں چرانے سے لے کر بغیر بھینسوں کی مدد کے دودھ کی نہریں بہانے تک ہمارے ہاں عاشق حضرات نے متعدد محیر العقول کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اگرچہ یہ قصے تحقیق سے ثابت نہیں ہوتے، اس کے باوجود عوام ان پر الہامی کتابوں کی طرح ایمان رکھتی ہے۔"

"ایک عاشق نے اپنی محبوبہ کو اپنی ران کے گوشت کا روسٹ بنا کر کھلا دیا تھا شاید پنوں نام تھا اس کا۔"

"مہینوال نے۔" میں نے تصحیح کی۔ "اس کے بجائے وہ اپنی محبوبہ کو تیرنا سکھا دیتا تو آج اس کی نسل کہیں رو رہی ہوتی۔"

"ہاں، میں نے پڑھا تھا سوہنی نے اس کی مدد سے..... وہ کیا کہتے ہیں اسے..... دریا عبور کرنے کی....."

"گھڑا....." میں نے بتایا۔ "اس کی بھابی نے سازش کی۔ پکے گھڑے کی جگہ کچا گھڑا رکھ دیا تھا۔"

اس کے بعد مجھے نہ صرف پکے اور کچے گھڑے بلکہ بھابی کے رشتے کی وضاحت کرنی پڑی اور اسے یہ بھی بتانا پڑا تھا کہ بہن کے شوہر کو بھابا نہیں کہتے۔ اس نے بے حد تعجب کا اظہار کرنے کے بعد کہا تھا۔ "مشرق واقعی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشرق ہے یہاں کی ہر شے نرالی ہے۔"

"اس سے زیادہ نرالا پن اور کیا ہوگا کہ اپنے وسائل پر مغرب کو پھلتے پھولتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ذرا بھی اعتراض نہیں کرتے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

"سیاست نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"حالانکہ تم لوگوں کی اصل سیاست یہی ہے۔ جہاں مشرق اپنے مفاد پر بات کرتا ہے، اسے سیاست قرار دینا شروع کر دیتے ہیں۔"

"اوہ..... میں نے کبھی ان باتوں پر غور نہیں کیا۔" اس کے لہجے میں بے زاری تھی۔

صرف ایمن کا ہی نہیں، میں نے اکثر تعلیم یافتہ اور معقول نظر آنے والی یورپی و امریکی افراد کا اس معاملے میں یہی رویہ پایا ہے۔ جہاں مغرب کے استحصالی رویے کی بات آتی ہے، وہ اسے سیاست قرار دے کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس بات کو انتہائی حد تک نظر انداز کرتے ہیں کہ ان کی ذاتی خوشحالی کی تمام جڑیں اسی استحصالی نظام سے پھوٹتی ہیں۔ امریکا اور یورپ دنیا کی کل آبادی کا بمشکل پندرہ فیصد ہیں لیکن یہ خطے دنیا کی کل توانائی کا نصف سے زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

"سوری!" کچھ دیر بعد ایمن نے کہا۔ "مجھے واقعی سیاست کے موضوع سے چڑ محسوس ہوتی ہے۔"

"واقعی۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "تب تو تم الیکشن میں ووٹ بھی نہیں دیتی ہوگی؟"

"وہ کھسیا گئی۔ "نہیں ووٹ میں دیتی ہوں، یہ تو ہر ذمے دار شہری کا فرض ہے۔"

"اور اس کے بعد اس کا لیڈر جو کرے، اس سے بری الذمہ ہو جانا چاہیے۔"

"نہیں، وہ غلط کرے گا تو اگلے الیکشن میں لازمی طور پر بھگتے گا۔" اس نے یقین سے کہا۔

"یہی تمہارے نظام کی کامیابی کا راز ہے، لیکن نیا آنے والا بھی تو وہی کرتا ہے جو اس کا پیش رو کرتا آیا تھا۔" میں مسکرایا۔ "خیر چھوڑو اسے۔"

"مجھے پیاس لگ رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"وہ تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔" میں نے ارد گرد دیکھا اوپر پہاڑوں پر سورج کی روشنی نظر آنے لگی تھی۔ ایک جگہ مجھے جھاڑیوں کے درمیان سے بھاپ اٹھتی نظر آئی۔

"شاید اس طرف پانی ہے۔" میں نے اشارہ کیا۔

سفیر نے بھی دیکھ لیا تھا لیکن جب ہم پانی کے اس چشمے تک پہنچے تو ایک چرواہے کی بھیڑیں اس چشمے کے پانی پر پوری طرح قابض تھیں۔ نہ صرف چشمے تک جانے کا راستہ بلکہ پانی کو بھی استعمال کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ بھیڑوں کی بائی پروڈکٹ چشمے کے شفاف پانی میں صاف نظر آ رہی تھی۔ ایمن اور مونا نے صاف انکار کر دیا۔ "ہم یہ پانی نہیں پی سکتے۔"

"پی تو ہم بھی نہیں سکتے۔" میں نے ایک بھیڑ کو بے تکلفی سے پانی کی مقدار میں اضافہ کرتے دیکھ کر کہا۔ "آؤ، اس چرواہے سے پوچھتے ہیں۔"

چرواہا چھوٹے قد کا اور زرد دانتوں والا چالاک مگر مسکین نظر آنے والا شخص تھا اس نے غالباً کسی غیر ملکی کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عطا کی ہوئی جیکٹ پہن رکھی تھیں جو قد میں ایک فٹ اور وزن میں اس سے سو پونڈ زیادہ ہوگا۔ لہٰذا جیکٹ اس کے گھٹنوں تک آ رہی تھی اور آستین میں ہاتھ غائب تھے۔ اس نے ہم سے ہاتھ ملانے کے لئے آستین سے دایاں ہاتھ برآمد کیا، اسے اردو بالکل بھی نہیں آتی تھی البتہ مجھے اور سفیر کو کسی حد تک مقامی زبان آتی تھی، میں نے پوچھا "کیا تم لوگ پانی پیتے ہو؟"

"ہاں۔" اس نے تعجب سے جواب دیا۔ "پانی کون نہیں پیتا۔"

"یہ پانی؟" میں نے چشمے کی طرف اشارہ کیا۔

"ناں ناں..... ہم ادھر سے پانی لاتا۔" اس نے دور نامعلوم مسافت کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ جانوروں کے واسطے ہے۔"

"تمہارے پاس پانی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے ایک خاصی بڑی سی چھاگل ہماری طرف بڑھائی۔ گلا اس ظاہر ہے نہیں تھا۔ سفیر اور میں نے بلاتکلف پانی پی لیا۔ چرواہا اس دوران میں غور سے اور خاصی تفصیل سے مونا اور ایمن کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "یہ ہماری عورتیں ہیں۔"

"ہم کو نہیں پتا تھا۔" اس نے فوراً مسکین بن کر کہا۔ اس نے پھر مونا اور ایمن کی طرف نہیں دیکھا۔

"یہ جانور تمہارے ہیں؟" سفیر نے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔ ہم غریب آدمی..... دوسروں کا جانور چراتا..... ہم بہت غریب ہے دو بیوی بارہ بچے....."

میں بھونچکا رہ گیا تھا۔ غربت میں یہ عالم تھا تو پیسا آنے کی صورت میں یہ شخص کیا قیامت ڈھاتا! فیملی پلاننگ والے راشن پانی لے کر اس پر چڑھ دوڑتے۔ اس نے ٹوپی اتار کر سر کھجایا۔ "سچ صاحب! ہم غریب ہے، پر تم ادھر کہاں؟"

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ میں نے فوری طور پر کہانی بنائی۔ "ادھر پیچھے تو دا گرنے سے سڑک بند ہو گئی، ہم کو اسلام آباد جانا تھا۔ پیدل چل پڑے۔ اب تک دوبارہ سڑک نہیں ملی۔"

"سڑک ادھر اوپر ہے۔" اس نے ڈھلان کی طرف اشارہ کیا۔ "پر آگے سے اوپر جانا پڑے گا، جدھر ہمارا گاؤں ہے۔"

"تمہارا گاؤں کتنی دور ہے؟" سفیر نے پوچھا۔

"بہت دور ہے، تم اکیلا نہیں جا سکتا۔" اس نے مکاری سے کہا۔

"یہ ہمارا گائیڈ بننے کی فکر میں ہے۔" سفیر نے مجھ سے اردو میں کہا۔

"احتیاطاً پنجابی میں بات کر۔" میں نے پنجابی میں کہا۔ "یہ مکار اردو اور انگریزی بھی جان سکتا ہے۔"

"اسے نوٹ مت دکھانا پھیل جائے گا۔"

"مجھے تجھ سے زیادہ تجربہ ہے ان لوگوں کا۔" میں نے کہا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تمہارا نام کیا ہے دوست؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زردوز خان۔'' اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ وہ لفظ دوست سے سمجھ گیا تھا کہ صاحب لوگ مفت میں یا برائے نام معاوضے پر اس کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ''ہم بہت غریب ہے صاحب!'' اس نے سرد آہ بھری۔

''ہم بھی کوئی امیر نہیں ہے۔'' میں نے جوابی سرد آہ بھری۔ ''پھر بھی تم سڑک تک ہماری رہنمائی کرو تو ہم پچاس روپے تمہاری خدمت میں پیش کریں گے۔''

''پچاس روپیا!'' اس نے یوں واویلا مچایا جیسے میں نے اس سے کوئی خون خشک کرنے والی مشقت لی ہو اور معاوضہ پسینے والا دے رہا ہوں۔ ''اتنا کم..... اتنے میں تو ہمارا بھیڑ بھی نہ جائے۔''

''بے شک وہ نہیں جا سکتی..... ورنہ کب کا جا چکی ہوتی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ دوست، ہمیں اسلام آباد پیدل اور بھوکے پیاسے نہیں جانا ہے، کرائے اور راستے میں کھانے پینے کے لئے بھی رقم درکار ہوگی۔''

''چلو پچاس روپیہ میں دوں گا۔'' سفیر بولا۔

''پچاس پچاس بی بی لوگ کا بھی۔'' اس نے فوراً شرط عائد کر دی۔

''ہمارا بی بی لوگ کے بارے میں بات مت کرو۔'' میں نے غرا کر کہا۔ ''سو روپیہ سے ایک بھی اوپر نہیں ملے گا۔ چلنا ہے تو چلو..... ورنہ ہم خود چلا جائے گا۔''

''گاؤں تمہارا اسی راستے پر آگے ہے اور زیادہ دور بھی نہیں ہے، وہاں سے کوئی نہ کوئی ہمیں سڑک تک پہنچانے والا بھی مل جائے گا۔'' سفیر نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''ٹھیک ہے، ہم لے جائے گا۔'' اس نے بادل نخواستہ رضامندی ظاہر کی۔

ہم نے اپنا اسلحہ چھپا لیا تھا ورنہ وہ فری میں اور سر کے بل ہمیں لے جانے پر آمادہ ہو جاتا۔ ''سنو زردوز خان۔ ہمیں گاؤں سے ہٹ کر کسی راستے سے لے چلو۔''

''کیوں؟'' اس نے مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھا۔

''ہم وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے، ممکن ہے تمہارے گاؤں والے میزبانی کے چکر میں پڑ جائیں۔ ہمیں سورج غروب ہونے سے پہلے کسی مناسب جگہ پہنچنا ہے۔''

''ابھی ہمارے گھر چلو..... ادھر ناشتا کرو۔'' اس نے پیش کش کی۔ وہ مزید کمانے کے چکر میں تھا۔

''یار بھوکے کب تک سفر کریں گے!'' سفیر نے کہا۔ ''اس کی بات مان لے۔''

''اور وہاں گاؤں میں دشمن ہوئے تو کسی اور طریقے سے ناشتا کرائیں گے۔''

''اس سے بات کر لیتے ہیں، یہ ہمیں چھپا کر وہاں لے جائے گا۔ بہانہ یہی کر دینا کہ ہم زیادہ دیر رک نہیں سکتے۔''

''تیری بات سے مجھے ایک خیال اور آیا ہے۔ زردوز خان کی مدد سے ہم حلیہ بھی بدل سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''اس سے ہم اپنے اور ان خواتین کے لئے مقامی لباس حاصل کر سکتے ہیں اس حلئے میں تو کئی میل دور سے ہی پہچانے جائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم ان لوگوں کا لباس پہن لیں گے..... لیکن خواتین۔'' سفیر نے ان کی طرف دیکھا۔ ''یہ کبھی نہیں مانیں گی۔''

''ان کو صرف شمل کاک برقع درکار ہوگا نیچے بے شک یہ اس لباس میں رہیں۔''

''مسئلہ شمل کاک برقع کا ہے۔ یہ روشن خیال خواتین جیل جانا پسند کریں گی، برقع میں نہیں۔''

''یار! جب برقع مل جائے گا تو پہنا بھی دیں گے..... فی الحال تو زردوز خان کی پیش کش قبول کر اور ساتھ ہی بھاؤ تاؤ بھی کر لے۔''

سفیر زردوز خان کی طرف بڑھ گیا۔ جو اسم بامسمّٰی ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے مونا اور ایمن سے کہا۔ ''اس نے ہمیں اپنے گھر لے جانے کی پیش کش کی ہے۔''

''شکر ہے۔'' وہ دونوں خوشی سے اچھل پڑی تھیں، مونا بولی۔ ''سر درد سے پھٹ رہا ہے، چائے.....''

''اس کی توقع مت رکھو۔ یہاں عام طور سے قہوہ نوش کیا جاتا ہے۔ ناشتا ہی مل جائے تو اسے غنیمت سمجھو بیبیوں۔''

سفیر کامیاب مذاکرات کے بعد واپس لوٹا تو بے حد خوش تھا۔ ''سارے معاملات سیٹ ہو گئے ہیں۔ زردوز خان ہزار روپے سکہ رائج الوقت کے بدلے ہمیں نہ صرف فائیو اسٹار ناشتا کرائے گا بلکہ ہمیں مقامی کپڑے بھی فراہم کرے گا۔''

''مقامی کپڑے!'' مونا نے مشکوک لہجے میں کہا۔ ''وہ کس لئے؟''

''حلیہ بدلنے کے لئے..... تاکہ تلاش کرنے والوں کی نگاہ سے بچ سکیں۔''

''سوری، میں ان لوگوں کے کپڑے نہیں پہنوں گی۔'' مونا نے انکار کر دیا۔ ''برائے مہربانی آپ ہی یہ شوق پورا کیجئے گا۔''

''اور جب دشمن آپ کو شناخت کر کے لے جائے گا تو ہم انجان بن جائیں گے۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''کیا آپ اسی لئے ساتھ ہیں کہ ہر معاملے میں انکار کرتی رہیں؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' مونا شرمندہ ہوگئی۔ ''سوری.....!''

ایمن ہمیں دیکھ رہی تھی۔ ''یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟''

میں نے اب اسے انگریزی میں بریفنگ دی۔ ''ہمیں اس جگہ سے بحفاظت نکلنے کے لئے حلیہ بدلنا ہوگا۔''

''شکر ہے، یہ بات تم نے کہہ دی ورنہ میں پریشان تھی، غیر ملکی کے طور پر میں کسی طرح ان سے نہیں چھپ سکتی تھی۔ ہمیں حلیہ بدل لینا چاہئے۔''

ایمن کی بات سن کر مونا مزید شرمندہ نظر آنے لگی۔ ہم نے سامان اٹھایا اور زردوز خان کے ساتھ چلنے کو تیار ہوئے۔ زردوز خان نے منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹی بجائی۔ چند لمحے بعد دو مختلف سمتوں سے وہی سیٹیاں سنائی دی تھیں۔ سفیر چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے زردوز کا بازو پکڑ لیا۔

''یہ کسے سیٹیاں بجا کر خبردار کر رہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اپنے ساتھیوں کو..... میں بتا رہا ہوں..... میں جاتا ہوں میرے جانوروں کا خیال رکھنا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔ ''ورنہ کوئی جانور لے جا بھی سکتا ہے..... اب وہ خیال رکھے گا۔''

میرے اندر بھی وسوسے آئے تھے لیکن میں نے خود کو تسلی دے لی۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ سفر شروع کیا۔ اس نے اپنی بھیڑیں وہیں چشمے کے پاس چھوڑ دی تھیں۔

''کیا بھیڑیں خود نہیں بھاگ سکتیں۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، میرے نہ ہونے سے بھیڑیں ایک جگہ رہیں گی۔''

وہ ہمیں جھاڑیوں کے درمیان سے لے جا رہا تھا۔ جبکہ بعض دفعہ درختوں سے بھی گزرتا تھا۔ شاید اس طرح وہ ہمیں دوسروں کی نظروں سے بچا رہا تھا۔ میں اور سفیر اس سے ذرا پیچھے تھے۔

''اگر اس نے دھوکا دیا؟'' اس نے پوچھا۔

''تو دیکھ لیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''جب پھنس جائیں تب دیکھنے کا فائدہ؟'' سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ابھی دیکھنا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' سفیر نے اسلحے والے بیگ سے دونوں رائفلیں نکالیں۔ ایک مجھے دی اور دوسری اپنے شانے پر لٹکا لی۔ ایک بار زردوز خان راستہ بتاتے ہوئے مڑا تو رائفلیں دیکھ کر رک گیا۔ اس نے ڈرے ہوئے انداز میں کہا۔

''یہ رائفل جی.....''

''ہاں، ہمارے دشمن بھی ہیں۔'' سفیر نے بے پروائی سے کہا۔ ''کہیں بھی ٹکراؤ ہو سکتا ہے اس لئے اسلحہ رکھا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک اسلحہ ہے۔''

''دستی بم کے بارے میں بتانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے اسے ڈانٹا۔

''بس غلطی سے منہ سے نکل گیا۔'' سفیر نے شرمندگی ظاہر کی۔

''تم کیوں ڈر رہے ہو؟ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' میں نے زردوز خان کو غور سے دیکھا۔

''وہ تو میں جانتا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''پر صاحب خیال رکھنا، ہم بہت غریب آدمی ہے۔''

اسے غالباً یہ خطرہ تھا کہ ہم اس کا حق خدمت نہ مار جائیں۔ میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''ہمیں معلوم ہے، تم بہت غریب آدمی ہو اور ہم اس کا خیال رکھیں گے۔''

اس نے جھوٹ کہا تھا کہ آبادی دور ہے۔ ہم بمشکل بیس منٹ میں اس کے گھر تک جا پہنچے تھے جو اتفاق سے آبادی کے آغاز میں تھا اور ہمیں اتنی صبح آتے کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ راستے میں مجھے خیال آیا، میں نے زردوز خان سے اتنی صبح بھیڑیں لے جانے کی وجہ پوچھی، اس نے بتایا، چند دنوں میں علاقے میں برف باری شروع ہونے والی تھی۔ وہ اس سے پہلے اپنے جانوروں کو زیادہ سے زیادہ چرا لینا چاہتا تھا۔ صبح ذرا سی روشنی ہوتے ہی جانوروں کو لے کر چراگاہ والے علاقے میں آ جاتا تھا۔ اس کا مکان مقامی طرز کا نیم کچا پکا اور خستہ حال تھا۔ دیواریں مٹی اور پتھر کی تھیں جبکہ چھت لکڑی کی تھی۔ انداز جھونپڑے والا تھا اور خاصا مختصر سا مکان تھا۔ موٹا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مکان دیکھتے ہی کہا۔ ''ہم کہاں آئیں گے اس میں..... اس کی بیویوں اور بچوں نے جگہ چھوڑی ہوگی۔''

لیکن زر ... ن ہمارے لئے ایک الگ، چھوٹا اور کسی قدر گندا کمرا حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ کسی قدر گندا یوں کہ ہماری آمد سے پہلے وہ نہایت غلیظ رہا ہوگا۔ زردوز خان نے اس کی ہنگامی بنیادوں پر صفائی کی تھی۔ جیسے برسات سے پہلے شہر کی انتظامیہ سیوریج کے نالوں کی صفائی کراتی ہے۔ انداز تقریباً وہی تھا۔ یعنی نالے کی گندنالے کے باہر ڈال دی گئی تھی۔ ہر عمر اور سائز کے بچے ہماری زیارت کو آرہے تھے اور باپ سے گالیاں کھا کر بے مزہ نہیں ہوئے تھے، ایک بے تکلف حضرت نے اندر آ کر ایمن کا بیگ کھنگالنے کی کوشش کی۔ ایمن نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا۔ وہ سمجھنے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ اس کے باپ نے اسے درست طریقے سمجھایا اور دو عدد تھپڑ رسید کئے اور برخوردار کو کمرے سے بے دخل کر دیا۔ اس کے بعد ہمارے لئے جنگی بنیاد پر ناشتے کی تیاری شروع ہوئی۔ جنگی بنیاد پر یوں کہ باہر ہونے والا شور محاذ جنگ کے شور سے ذرا کم تھا۔ زردوز خان، اس کی بیویاں اور بچے یکساں طور پر چلا رہے تھے۔ ایمن متفکر ہوگئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''یہ کیوں شور کر رہے ہیں؟''

''زردوز خان اس لئے شور کر رہا ہے کہ ہمارے لئے اعلیٰ درجے کا ناشتا تیار کیا جائے۔ بیویاں اس لئے چلا رہی ہیں کہ وہ ہفتے بھر کے راشن کی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں اور رہے بچے تو ان کا کام ہی چلانا ہے۔''

''یہ بچوں کو اسکول نہیں بھیجتے؟'' ایمن نے وحشت زدہ ہو کر کہا۔

''کیونکہ یہ بچے اسکول بھیجنے کے لئے پیدا نہیں کرتے ہیں اور دوسرے بچے پیدا کرنے سے فرصت ملے تو ان کے دوسرے مسائل پر غور بھی کریں۔''

''کیوں ملک کو ڈی گریڈ کر رہا ہے۔'' سفیر نے مجھے گھورا۔

میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''میں بے چارہ کیا ڈی گریڈ کروں گا اس ملک کے کرتا دھرتا پہلے ہی یہ کام مکمل طور پر کر چکے ہیں۔''

کمرے میں نرم قالین بچھا تھا جس کے بارے میں شک تھا۔ وہ صاف ہے بھی یا نہیں۔ ایمن اور مونا نے پہلے تو بیٹھنے سے گریز کیا مگر کب تک کچھ دیر بعد وہ بیٹھ گئیں اور مزید کچھ دیر بعد دیواروں سے ٹیک لگا کر نیم دراز بھی ہوگئیں۔ ہم سب شہری معیار کے سکون و آرام کے عادی تھے اور گزشتہ رات کی خانہ بدوشی نے ہماری چولیں ہلا دی تھیں۔ خاص طور سے ایمن اور مونا کا برا حال تھا۔ نرم قالین ملا تو وہ اونگھ گئیں۔ میں نے زردوز خان کو بلا کر درخواست کی کہ ناشتا بے شک دیر سے ملے لیکن شور شرابے کے بغیر۔ اس دوران میں وہ ہمیں کپڑے لا دے، یہ سن کر اس نے سر کھجایا اور بولا۔ ''وہ ناشتے کے بعد..... ورنہ ابھی اور شور ہوگا۔''

''اور شور..... وہ کس لئے؟'' سفیر نے کہا۔

''عورت اپنا چیز آسانی سے کدھر دیتا ہے۔'' وہ مسکین صورت بنا کر بولا۔ ''شور تو ہوگا۔ پر آپ فکر مت کرو، سب مل جائے گا۔''

''کب تک؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب آپ روپیا دے گا۔ ہم فوراً جا کر لے آئے گا۔''

میں نے اسے ہزار کا نوٹ دیا جو میں پہلے ہی گڈی سے الگ کر چکا تھا۔ راجا عمر دراز نے ایک لاکھ روپے دیئے تھے۔ رقم کی ہمارے پاس کمی نہیں تھی۔ ایک وسیع کشادہ مسکراہٹ کے ساتھ زردوز خان نے نوٹ لیا۔ ''ہمیں کپڑے پرانے لیکن صاف ستھرے چاہئیں۔ ان عورتوں کے لئے برقع اور پیروں میں پہننے والے مقامی طرز کے جوتے درکار ہیں، ہمارے لئے بھی جوتے لاؤ۔''

''ہزار میں.....'' اس کی مسکراہٹ سکڑ کر غائب ہوگئی۔ ''اتنے میں تو نہیں آئے گا۔''

سفیر نے اسے دو سو روپے اور دیئے۔ ''ہمارے لئے چھوڑو، پر عورتوں کے لئے جوتے ضرور لانا۔''

اپنی بیویوں کو ناشتے کے بارے میں ایک پُر شور بریفنگ دے کر وہ کپڑے لانے کے لئے روانہ ہوا، میں نے اسے خاص طور سے سمجھا دیا تھا کہ ہمارا ذکر نہ کرے۔ ممکن ہے دشمن گاؤں تک آ گیا ہو۔ ہمارے بارے میں اسے پتا چلا تو وہ بلا تکلفی سے راکٹ مار دیگا۔'' راکٹ مارا تو ہمارے ساتھ تمہارا بیوی بچہ بھی گیا۔''

''تم بالکل غریب ہو جائے گا بغیر بیوی بچوں کا۔'' سفیر نے اسے مزید ڈرایا۔

''ہم احتیاط کرے گا۔'' اس نے گھبرا کر کہا تھا۔

زردوز خان کے جانے کے بعد میں اور سفیر بھی دراز ہو گئے تھے۔ قالین سے ایسی بو آ رہی تھی جیسے چھوٹے بچوں والے بستر سے آتی ہے۔ مگر اس وقت ہمیں اتنی ناگوار نہیں لگ رہی تھی۔ وقت آدمی کو حالات سے سمجھوتا کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ نصف گھنٹے بعد ایک نسبتاً بڑی عمر کا بچہ آیا یعنی آٹھ، نو سال کا۔ اس نے کسی قدر صاف کپڑا بچھایا اور اس کے بعد ناشتے کی آمد شروع ہوئی۔ یہ سرونگ پارٹی چار سال سے لے کر دس سال کے بچے بچیوں پر مشتمل تھی اور سب نے کچھ نہ کچھ اٹھا رکھا تھا۔ دیسی گھی میں تر تراتے پراٹھے۔ دیسی انڈے، تلے اور ابلے ہوئے، مکھن اور مقامی طرز کی لسی جو بہت گاڑھی ہوتی ہے۔ ناشتا بے حد مقوی تھا لیکن جب ہم نے کھانا شروع کیا تو سب صاف کر دیا۔ شروع میں مونا اور ایمن نے خاصی ناک بھوں چڑھائی تھی مگر جب کھانا شروع کیا تو ہم سے کسی طرح پیچھے نہیں رہی تھیں۔ سردی، رات بھر کی مشقت آمیز نیند (جدید طبی تحقیق کے مطابق سخت اور سرا جگہ سونے سے انسانی جسم بہتر طور پر کیلوریز ضائع کرتا ہے) اور پہاڑی علاقے میں سفر نے ہمارے اعضاء کو پوری طرح فعال کر دیا تھا۔ سب سے آخر میں چائے آئی تو ہماری مسرت کے کیا کہنے!

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' مونا نے خلوص سے کہا۔ ''اس چائے کے بدلے زردوز خان کو ہزار روپے اور دیا۔''

اگرچہ اصولی طور پر میں نے مونا سے اتفاق کیا تھا لیکن زردوز خان کو ایک روپیا مزید دینے سے انکار کر دیا۔ ''لالچی اور کمینے لوگوں سے چڑ ہے، ممکن ہے وہ اس طرح کا روباری ذہنیت نہ دکھاتا تو میں اسے ایک لاکھ کے بجائے دو دیتا۔''

''چل یار! اتنا شاندار ناشتا کرایا ہے اور پھر چائے۔'' سفیر نے مونا کی حمایت کی۔ ''میں دے دوں گا۔''

''تیری مرضی..... لیکن یہ رویہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے، اسے بھنک بھی مل گئی کہ ہمارے پاس بڑی رقم ہے تو اس کی نیت میں فتور آ سکتا ہے محتاط رہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کا ترجمہ میں یا مونا ایمن کے گوش گزار کر رہے تھے تا کہ اسے محسوس نہ ہو۔ اس نے میری حمایت کی۔ ''لالچی لوگوں کے سامنے آدمی کو محتاط رہنا چاہئے۔''

ناشتا کر کے مونا اور ایمن نے دسترخوان سمیٹا اور بے تکلفی سے مکان کے اندر چلی گئیں۔ خواتین کو یہ بڑی سہولت ہے، اجنبی جگہوں پر بھی آرام سے چلی جاتی ہیں۔

''یار..... چھپنے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے؟'' سفیر قالین پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

''دشمن کے اتنے قریب!'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔ ہمیں جلد از جلد اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہئے۔ جیسے ہی زردوز خان ہمارے لئے کپڑے لایا، ہم حلیہ بدل کر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

''زردوز خان سے بسوں اور دوسری ٹرانسپورٹ کے بارے میں بھی پوچھنا۔'' سفیر نے یاد دلایا۔ ''میں سوچ رہا ہوں، ہم کسی راستے سے ایبٹ آباد کی طرف نکل جاتے ہیں۔ اس طرف تلاش کرنے کا کسی کو خیال بھی نہیں آئے گا۔ ہمیں تلاش کرنے والوں کا زور کاغان اور اس کے مخالف سمت میں اسلام آباد کی طرف ہوگا۔''

''یہ تُو نے کام کی بات کی ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''لیکن کیا یہاں سے ایبٹ آباد جانے کے لئے کوئی ٹرانسپورٹ ملے گی؟''

''جیب میں پیسا ہونا چاہئے، سب مل جاتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ اسی لمحے زردوز خان دروازے پر نظر آیا۔ اس نے ایک بڑا سا گٹھر اٹھا رکھا تھا۔ وہ اندر آیا اور گٹھر ہمارے سامنے رکھ دیا۔

''اس میں تم لوگوں کے واسطے کپڑے ہیں اور تمہاری بی بی کے واسطے برقع اور جوتا بھی ہے۔''

میں نے کھول کر دیکھا، اندر ملیشیا کے دو سوٹ تھے۔ دو عدد شٹل کاک برقع تھے۔ جو ان علاقوں میں سفر کرنے والی عورتیں عام استعمال کرتی ہیں۔ اپنے علاقے میں یہاں پردے کا رواج کم ہے۔ عورتیں عام طور سے چادر یا دوپٹے سے کام چلاتی ہیں۔ برقعوں کے ساتھ چمڑے کے زنانہ جوتے تھے، یہ دیسی جوتے صرف اس علاقے میں نظر آتے ہیں، انہیں پہن کر دشوار راستوں پر چلنا آسان ہوتا ہے۔ جوڑوں کے ساتھ سروں پر پہننے والی گرم ٹوپیاں بھی تھیں۔ جوڑے میرے خیال میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ہمارے ناپ کے تھے۔

''کیسا ہے صاحب؟'' زردوز خان نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں پہن کر دیکھ لینا چاہئے۔'' سفیر نے تجویز پیش کی۔ ہم نے دروازہ بند کر کے کپڑے تبدیل کئے۔ میری شلوار چھوٹی تھی لیکن اسے شرعی تقاضا بھی سمجھا جا سکتا تھا جبکہ سفیر کی چھوٹی قمیص جیکٹ تلے آ گئی تھی لہٰذا مسئلہ نہیں تھا۔ ٹوپیاں بھی ٹھیک تھیں۔ اپنے اتارے کپڑے ہم نے بیگوں میں ڈال لئے۔ پھر مجھے خیال آیا۔

''ہمیں گرم چادریں بھی درکار ہیں۔''

''دو سو روپے اور لے گا۔'' زردوز خان نے کھرے لہجے میں کہا اور دو سو روپے لے کر ہمیں اپنی دو عدد بوسیدہ ہو جانے والی گرم چادریں لا دیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس سے مرے ہوئے چوہے جیسی بو آ رہی ہے۔'' سفیر نے اپنی چادر کو سونگھا۔

''اور اس سے کھٹملوں والی۔'' میں نے اپنی چادر دیکھی۔

''ابھی تو یہی ملے گا۔'' زردوز خان نے دانت نکالے۔ ''نیا والا تین سو میں ملے گا ایک چادر۔''

''نہیں، یہی ٹھیک ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا در حقیقت ہمیں ایسا حلیہ بنانے کی ضرورت تھی، جس میں کوئی اور ہماری طرف متوجہ نہ ہو۔ اس کے لئے پرانے کپڑے اور یہ بوسیدہ چادریں ہی مناسب تھیں۔

''ہمارے جوتے اور بیگز؟'' سفیر نے توجہ دلائی۔ ''یہ شک کی وجہ بن سکتے ہیں۔''

''ان کا علاج کرتے ہیں۔'' میں نے کہا اور جوتے زردوز خان کے حوالے کئے۔ ''اپنے بچوں سے کہو، ان کو باہر مٹی میں لے جا کر خوب رگڑیں لیکن خیال رہے، پھٹیں نہیں۔''

زردوز جوتے لے گیا۔ سفیر نے پوچھا۔ ''بیگز کا کیا کرنا ہے؟''

''یار، ان کا بھی کچھ کر لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''خواتین کو کیسے نکالا جائے۔ یہ تو اندر جا کر بیٹھ گئی ہیں۔''

سفیر نے جھانکا تاکی کرنے والے ایک بچے کو بلایا اور اشاروں سے اسے سمجھایا کہ جا کر مونا اور ایمن کو بلا لائے۔ اشارے اس کی سمجھ میں آ گئے۔ مونا اور ایمن یا دل نخواستہ آئیں خاص طور سے ایمن ان عورتوں اور بچوں میں بے حد خوش تھی۔ اس نے اپنے ننھے سے ڈیجیٹل کیمرے سے ان لوگوں کی تصاویر بھی لی تھیں۔

''تم لوگوں کو کیا جلدی ہے؟'' مونا نے خفگی سے کہا۔

سفیر نے دانت پیسے۔ ''آپ شادی میں یا کسی رشتے دار کے ہاں نہیں آئے ہیں۔ دشمنوں سے بچتے پھر رہے ہیں، اب تیار ہو اور چلو۔''

اگلا مرحلہ دشوار ترین تھا یعنی ان خواتین کو برقع میں جانے پر آمادہ کرنا۔ ایمن نے تو صبر سے پہن لیا حالانکہ رواج سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسے بہت دشواری پیش آ رہی تھی۔ مونا نے خاصا شور مچایا تھا۔ بہر حال اسے برقع اور جوتے پہننا پڑے تھے۔ البتہ کام کی بات ایمن نے بتائی۔ ''یہ لباس اور جوتے پہن کر میں ان راستوں پر کسی صورت نہیں چل سکتی۔''

میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''یار، یہ تو واقعی مسئلہ ہے۔''

''اگر ایک عدد گدھا ہائر کر لیا جائے؟'' سفیر نے فوری طور پر مسئلے کا حل پیش کیا۔

''میں گدھے پر ہرگز نہیں بیٹھوں گی۔'' مونا کی برہمی بڑھتی جا رہی تھی۔

''اب تمہارے لئے یہاں گاڑی تو منگوانے سے رہے۔''

گدھے کا سن کر ایمن کا رنگ بھی اڑ گیا تھا۔ اس نے منمنا کر کہا۔ ''مجھے گدھے سے ڈر لگتا ہے۔ ایک بار بچپن میں مجھے گدھے نے کاٹ لیا تھا۔''

''فکر مت کرو، پاکستانی گدھے بے حد شریف اور امن پسند ہوتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی اور چلا کر زردوز خان کا نام لیا۔ وہ دوڑا ہوا آیا تھا۔

''یار، یہ جو ہمارے ساتھ خواتین ہیں ان کا پیدل چلنے کا موڈ نہیں ہے۔ کیا ان کے لئے ایک عدد گدھا یا خچر مل سکتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مل سکتا ہے، کیوں نہیں مل سکتا پر کرایہ....."

"مناسب ہونا چاہئے۔" سفیر نے اسے خبردار کیا۔ "کرائے کے نام پر خچر کی قیمت لینے کی کوشش مت کرنا۔"

"صرف سو روپیا..... ہم اس سے ایک روپیا نہیں لے گا۔" اس نے دانت نکالے۔ "پر ہم نہیں جائے گا خچر کا مالک جائے گا۔"

"اسے بلالاؤ..... لیکن ہمارے بارے میں مت بتانا۔"

"ہم سمجھتا ہے۔" زردوز نے کہا اور خچر لانے روانہ ہو گیا۔

مونا اب بھی خفا تھی۔ "سنو، ان عورتوں اور بچوں کو کچھ رقم دینی چاہئے۔ زردوز خان نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ عورتیں اپنے گھر کے لئے اشیائے خورد و نوش کا انتظام خود کرتی ہیں اور زردوز نے پتے بھر کا راشن ہمیں ناشتے میں بنوا دیا تھا۔"

"میرا مطلب تھا۔ انڈے اور مکھن وغیرہ!" مونا نے وضاحت کی۔ "اب ان لوگوں کو صرف سوکھی روٹی کھانی پڑے گی۔"

سفیر نے عورتوں اور بچوں کے خیال سے زیادہ مونا کو خوش کرنے کے لئے ایک ہزار کا ایک نوٹ دیا کہ وہ زردوز خان کی بیویوں کو دے آئے۔ "لیکن انہیں کہہ دینا، یہ بات زردوز خان کو نہ بتائیں۔"

دس منٹ بعد زردوز خان، خچر اور اس کے مالک کو لئے حاضر ہوا تھا۔ اس نے ہمیں اپنے دور پرے کے رشتے دار قرار دیا لیکن خچر کے مالک نے یقین نہیں کیا تھا۔ ہم کسی طرح بھی زردوز خان کے رشتے دار نظر نہیں آتے تھے۔ بہرحال ہم گاہک تھے اور یہ بات اس دور دراز گاؤں کا خچر والا بھی جانتا تھا۔ کسٹمر از آل ویز رائٹ، لہٰذا اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اس پر کچھ بولا کہ ہم سڑک تک جانے والے معروف اور مختصر راستے کو چھوڑ کر ایسے راستے سے جائیں گے جس پر کوئی ہمیں دیکھنے نہ پائے۔ البتہ اس زحمت کا معاوضہ اس نے دگنا کر دیا تھا۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ یہ کمرشل ازم اور پیسے کی ہوس ہم شہر والے ان علاقوں میں لائے تھے اور اس سے بھی افسوس ناک بات یہ تھی کہ چالاکی سے حاصل کی گئی، ان لوگوں کی کمائی شہر کے لوگ زیادہ چالاکی سے واپس لے جاتے تھے۔ یہاں دستیاب ہونے والی ضروریاتِ زندگی کی ہر شے شہر کے مقابلے میں کہیں مہنگی تھی۔

خچر کافی تندرست تھا۔ مونا اور ایمن بہ صد مشکل اس پر سوار ہوئیں۔ ایک موقع پر خچر بدکا تو دونوں نے سرپلی اور ہسٹریائی چیخیں ماری تھیں۔ اس پر خچر نے بھی بے ہنگم آوازیں نکالیں مگر اس کے مالک نے اسے قابو میں رکھا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ بھاگ تو نہیں جائے گا، اس پر ہماری عورتیں ہیں؟"

"نہیں صاحب یہ ہمیشہ سواری گرا کر بھاگتا ہے۔" مالک نے اطمینان سے بتایا۔ "آپ کا بی بی لوگ لے کر نہیں بھاگے گا۔"

شکر ہے، مونا مقامی زبان سے نابلد تھی ورنہ اس جملے پر نہ جانے اس کا کیا ردِعمل ہوتا خود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہنسوں یا غصہ کروں؟ صبح کے دس بج رہے تھے جب ہم نے سڑک کی طرف سفر شروع کیا۔ خچر کے مالک عزیز گل نے بتایا کہ سڑک دو گھنٹے کی مسافت پر تھی کیونکہ ہم آبادی کے اوپر سے چکر کاٹ کر جا رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ آبادی سے جاتے تو ایک گھنٹا لگتا۔ ہم نے دو عدد بیگز لے کر ان میں سارا سامان بھر لیا تھا اور یہ بیگ ہمارے شانوں پر تھے ان کو چھپانے کے لئے اوپر سے چادر لے لی تھی۔ ہمارے جوتے زرووز خان کے بچوں نے صحیح سے رگڑے تھے۔ ان کی شکل بگڑ گئی تھی۔ مونا اور ایمن مصیبت میں تھیں۔ برقع اور خچر کی سواری دونوں نئی چیزیں تھیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے خاص طور سے ہاتھ کیونکہ ان کے نرم و نازک، نیل پالش زدہ ہاتھ مقامی عورتوں سے بالکل مختلف تھے۔ ایمن آگے تھی اور مونا پیچھے۔ برقع ان کے گھٹنوں تک آ رہے تھے۔ خاصی مشکل میں تھیں اور امکان یہی تھا کہ ہمیں دل کھول کر برا بھلا کہہ رہی ہوں گی، دل میں۔ ''ہم برقع اتار کر پیدل نہیں چل سکتے۔'' مونا نے مظلومانہ انداز میں فریاد کی۔

اس سے پہلے کہ سفیر کا دل پسیجتا، میں نے قطعی اور کھردرے لہجے میں کہا۔ ''ہرگز نہیں، ایسے ہی چلو۔''

''شوبی! تم سخت ظالم شخص ہو۔'' اس نے بلبلا کر کہا۔

''شرم کرو..... یہ لڑکی گوری ہو کر کتنے صبر سکون سے بیٹھی ہے، ایک بار بھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائی اور ایک تم ہو، مسلسل شکوے کئے جا رہی ہو۔'' میں نے اسے شرم دلائی۔ مونا چپ کر گئی۔ ہم زرووز خان کے گھر سے نکل کر بائیں طرف واقع جنگل کی ڈھلان پر چڑھے، ہمیں گھنے درختوں کے اوپر سے جانا تھا۔ اس طرف سوائے چرواہوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ زرووز خان اپنی بھیڑوں کے پاس جانے کے لئے بے چین تھا اس لئے وہ بھی چلا گیا تھا۔ عزیز گل اس کا دوست تھا، اس کے پاس نصف درجن تندرست اور توانا خچر تھے جنہیں وہ کرائے پر چلاتا تھا۔ ڈھلان سے گزرتے ہوئے وہ مسلسل اپنے خچروں کی بات کرتا رہا تھا۔ آخر سفیر کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ ''ہمیں تمہارے خچروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''اتنے اچھے خچر سے بھی نہیں؟''

''کسی قسم کے خچر سے نہیں ہے۔'' سفیر غرایا تو عزیز گل بادل نخواستہ چپ ہوا تھا۔

میں اردگرد نظر رکھے ہوئے تھا۔ اگرچہ کل سے اب تک کہیں بھی ہمیں دشمنوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ وہ کہیں آس پاس ہی ہیں۔ وہ اتنی آسانی سے ہماری جان نہیں چھوڑیں گے۔ وہ چالاکی سے کام لے کر ان جنگلوں میں گھسنے کے بجائے سکون سے سڑک پر ہمارے منتظر تھے۔ ان علاقوں میں چند ہی سڑکیں تھیں اور باہر آمد و رفت کے لئے ان سے گزرنا لازمی تھا۔ میں نے یہ لمبا چوڑا پلان ان کی نظروں سے بچنے کے لئے ہی بنایا تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''یار، بہتر ہوگا، سڑک پر پہنچ کر ہم الگ الگ ہو جائیں۔''

''الگ ہو جائیں!'' سفیر چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں اور ایمن، تم اور مونا الگ الگ جوڑے بن جاتے ہیں۔ ہم پاس پاس ہی رہیں گے لیکن ایک دوسرے سے لاتعلق۔''

''ٹھیک ہے..... لیکن کیا تلاش کرنے والے اس سے دھوکا کھا جائیں گے؟''

''اس طرح تو اس حلئے کے بارے میں بھی یہی سوال اٹھتا ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''اپنی طرف سے ہمیں ہر ممکن احتیاط کرنی چاہئے۔''

''ٹھیک ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا، اس کے انداز سے لگ رہا تھا، اسے یہ تجویز زیادہ اچھی نہیں لگی تھی۔ بارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجے کے قریب ایک پُر مشقت سفر کے بعد ہم سڑک تک پہنچنے میں کامیاب رہے تھے۔ اسی سڑک پر آگے جا کر وہ ہوٹل تھا جہاں سے ہم فرار ہوئے تھے۔ میں نے عزیز گل سے پوچھا۔

''یہاں بس کب تک ملتی ہے؟''

''ہم کو نہیں معلوم۔'' اس نے رُکھائی سے جواب دیا۔ خچروں کے ذکر سے منع کرنے پر وہ خاصا دل برداشتہ نظر آ رہا تھا۔ بہر حال اپنا معاوضہ وصول کر کے اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا اور اس نے بتایا کہ اس سڑک پر شام تین بجے تک بسیں چلتی ہیں۔ میں نے پرائیویٹ گاڑی کا پوچھا۔ ''اس کے لئے بارہ میل نیچے جانا ہوگا، ادھر بڑا گاؤں ہے، وہاں سے جیپ یا کار مل جائے گا۔''

''بارہ میل!'' میں نے لمبی آہ بھری۔ ''یعنی کوئی پچیس میل، اگر ہم قصبے تک جانا چاہیں تو شام سے پہلے پہنچ سکتے ہیں۔''

''ہاں، ہم ابھی جا کر دو خچر اور لاتا ہے۔ شام تک آپ اُدھر ہوگا۔''

اسے آنے جانے میں دو گھنٹے لگ جاتے اور ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔ میں نے سفیر سے بات کر کے پیدل مارچ کرنے کا فیصلہ کیا اور جب عزیز گل سے کہا تو اس نے مطالبہ کر دیا۔ ''ہم پانچ سو لے گا۔''

''پانچ سو۔'' میں اچھل پڑا تھا۔ ''تمہارا دماغ درست ہے، کیا تم کو اسلام آباد لے جا رہے ہیں؟''

''بارہ میل کے پانچ سو!'' مونا نے بھی اعتراض کیا۔

''ہم کو رات ادھر رکنا ہوگا۔ ہوٹل کا کرایہ کھانا اور خچر کا واسطے چارہ۔ یہ سب ہم کو اپنی جیب سے دینا ہو گا۔''

''لہٰذا تم اس رقم کو گنتا کر کے ہماری جیب سے نکلوا رہے ہو۔ ہمیں تمہارے ساتھ نہیں جانا۔''

''اچھا چار سو دے دو۔''

''چار روپے بھی نہیں۔'' میں مسکرایا۔ ''بس آ رہی ہے۔''

اس نے پلٹ کر دور بلندی سے اترتی بس کو دیکھا اور بے زبان خچر پر غصہ اتارتا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ چند منٹ بعد خستہ حال بسی جھولتی اور لڑکھڑاتی ہمارے سامنے رکی۔ بس میں پہلے ہی لوگ یوں بھرے ہوئے تھے۔ جیسے انار میں دانے۔ بہر حال ہم سب کسی نہ کسی طرح فٹ ہو گئے تھے۔ مرد و زن کی تخصیص نہیں تھی۔ ایمن اور مونا کو ایک سیٹ پر جگہ ملی۔ مجھے اور سفیر کو دوسرے افراد کے ساتھ باہم شیر و شکر ہونا پڑا تھا۔ ابھی بس چلی تھی کہ ایک دھچکے سے پھر رک گئی۔ میں سمجھا کہ کوئی اور مسافر ہوگا مگر اس کے بجائے ڈرائیور اور کنڈیکٹر کے کسی سے جھگڑنے کی آواز آئی۔

''ہم نہیں رو کے گا، گاڑی ہٹاؤ۔''

جواب میں گالیوں کی بوچھاڑ آئی۔ ''تمہاری..... نیچے اترو.....''

کسی نے ڈرائیور کو نیچے کھینچ لیا۔ کنڈیکٹر پہلے ہی نیچے تھا۔ میں نے بمشکل چند افراد کے اوپر سے جھانکنے کی کوشش کی۔ سفیر نے میرے کان میں کہا۔ ''یہ کیا چکر ہے؟''

''خطرہ سر پر آ گیا ہے۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔ گالیوں اور دھمکیوں کی آواز بڑھ رہی تھی اور اب ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چند مسافروں کی آوازیں بھی شامل ہوگئی تھیں۔ اچانک کسی خودکار ہتھیار سے برسٹ چلنے کی آواز آئی۔ کوئی چیخا اور سارے مسافر بے ساختہ جھک گئے۔ تب میں نے دیکھا، بس کے عین سامنے نیلے رنگ کی جانی پہچانی جیپ کھڑی تھی اور اس جیپ کے پاس رائفل بردار ایک جانی پہچانی شخصیت تھی۔ میں سیدھا کھڑا تھا اور اس شخصیت نے میری طرف دیکھا تھا۔ میں تیزی سے جھک گیا تھا۔ میرا دل سوال کر رہا تھا، کیا اس نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا تھا.....؟ اس سوال کا میرے پاس جواب نہیں تھا۔

☆======☆======☆

عظیم الجثہ گلے خان کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے دل کی دھڑکن رکی تھی۔ وہی گلے خان جس کی وجہ سے ہم ڈیوڈ شا اور فتح خان کی قید سے نکلے تھے۔ وہ ان کا بندۂ بے دام تھا لیکن اس کا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی جان پر کھیل کر ہماری مدد کی تھی اور مجھے یقین تھا فتح خان نے اسے کم سے کم سزا یہ دی ہوگی کہ اسے قتل کر دیا ہوگا۔ کم سے کم یوں کہ وہ موت سے بھی زیادہ سخت سزا دینے کا ہنر جانتا تھا۔ اس لئے گلے خان کو زندہ سلامت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ نہ جانے کیسے فتح خان نے اسے معاف کر دیا تھا حالانکہ اس کی لغت میں سرے سے یہ لفظ ہی نہیں تھا۔ ''سفی..... باہر گلے خان ہے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

''مارے گئے۔'' وہ کراہا۔ ''وہ ہمیں آنکھیں بند کر کے بھی شناخت کر سکتا ہے۔''

''اس نے شاید مجھے دیکھ لیا ہے اور ابھی ہم پکڑے جائیں گے۔''

''یار، مجھے مونا اور ایمن کی فکر ہے۔''

مونا اور ایمن ہم سے ذرا فاصلے پر تھیں اور برقعوں میں پوری طرح روپوش تھیں۔ ''شاید ان کی طرف دھیان نہ جائے۔''

''ہمیں مفروضوں پر غور کرنے کے بجائے ان سے مقابلہ کرنا چاہئے۔''

میں نے سفیر کی تجویز پر غور کیا۔ گلے خان کے ساتھ کوئی نصف درجن مسلح افراد اور بھی تھے۔ ہم صرف دو تھے، اتنے افراد کا مقابلہ کرنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھا۔ دوسرے وہ کھلی جگہ پر اور آزاد تھے۔ جبکہ ہم بس کے چوہے دان میں پھنسے ہوئے تھے۔ کسی نے باہر سے چلا کر مقامی زبان میں کہا۔ ''سب بس سے اتر آؤ ورنہ بم مار کر بس اُڑا دیں گے، ہاتھ اپنے سروں پر رکھ کر آنا۔''

یہ سنتے ہی لوگوں میں کھلبلی مچ گئی اور اب ہر ایک سب سے پہلے بس سے اترنا چاہتا تھا۔ سب بیک وقت نکلنے کی کوشش میں دروازے پر پھنس گئے تھے۔ یہ ان کی چالاکی تھی، وہ اندر آنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے اطمینان سے سب کو بس سے اتار کے شناخت پریڈ کراتے اور ہمیں پکڑ لے جاتے۔ میں نے ذرا سر اٹھا کر دیکھا۔ اترنے والے مردوں کو چار پانچ مسلح افراد ہانک کر قطار میں کھڑا کر رہے تھے اور چلا چلا کر ان کو ہاتھ سروں پر رکھنے کا حکم بھی دے رہے تھے۔ بس میں برائے نام عورتیں تھیں۔ مونا اور ایمن کے علاوہ ان کی تعداد نصف درجن تھی۔ لوگوں کے نیچے اترنے سے رش کم ہو رہا تھا اور اب باقی لوگ زیادہ تیزی سے نیچے جا رہے تھے۔ سفیر گھبرایا ہوا تھا۔ ''یار اب کیا کریں؟''

''ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں نکلنا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیسے؟'' سفیر مایوسی سے بولا۔ ''انہوں نے بس کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔''

میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ فتح خان کے آدمیوں میں مجھے صرف گلے خان ہی شناخت کر سکتا تھا اور مجھے امید تھی وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا کیونکہ اس صورت میں فتح خان کو پتا چل جاتا کہ ہمیں فرار کرانے میں اس کا ہاتھ تھا۔ ممکن ہے کسی وجہ سے یہ حقیقت ابھی تک فتح خان کے علم نہ آئی ہو اور گلے خان کی بچت ہو گئی ہو مگر حقیقت جان لینے کے بعد فتح خان سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اسے معاف کر دے گا۔ گلے خان کی عافیت اسی میں تھی کہ ہم نہ پکڑے جائیں۔ ہمارے آس پاس کے لوگ اٹھ کر دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ جلد یا بدیر ہمیں بھی اٹھنا تھا ورنہ خاص طور سے نظروں میں آ جاتے۔ میں نے پھر سر اٹھا کر دیکھا۔ اترنے والی عورتوں کو ایک طرف کیا جا رہا تھا۔ میں نے سرگوشی کی۔ ''سفی، اٹھ جا..... اسلحہ احتیاط سے رکھنا، ان کی نظر میں نہ آئے۔''

''اسلحہ آئے نہ آئے، ہم تو ان کی نظر میں آ ہی جائیں گے۔''

میں نے مونا اور ایمن کو اشارہ کیا کہ وہ بھی نیچے اترنے والوں میں شامل ہو جائیں، ایمن نے میرا اشارہ دیکھ لیا تھا، اس نے مونا کا بازو ہلایا اور سرگوشی میں کچھ کہا۔ مونا بادل نخواستہ اٹھی تھی۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''ہم ان کے نیچے اترنے کے بعد جائیں گے۔''

''میرا خیال ہے ہمیں الگ الگ اترنا چاہئے۔''

سفیر کی تجویز اچھی تھی جیسے ہی مونا اور ایمن دروازے کے پاس پہنچے، میں کھڑا ہو گیا۔ مجھ سے آگے چار پانچ افراد تھے۔ میں دروازے تک پہنچا تو ایمن اور مونا دوسری عورتوں کے ساتھ کھڑی نظر آئیں۔ شکر ہے کہ شٹل کاک برقع نے ان کو مکمل طور پر چھپا لیا تھا۔ میں نیچے اترا تو ایک رائفل بردار شخص نے مجھے نال کے اشارے سے مردوں والے حصے کی طرف جانے کو کہا، دوسرا غرایا۔ ''ہاتھ اوپر کرو خدائی خوار!''

کلاشنکوف میری بغل تلے تھی۔ اس لئے نمایاں نہیں تھی۔ گہرم چادر نے مجھے پوری طرح چھپا لیا تھا۔ میں نے سر بھی جھکا لیا تا کہ چہرہ آسانی سے نظر نہ آئے، اس کے باوجود میں نے محسوس کیا، گلے خان بغور مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے برابر میں لومڑی کی سی صورت والا ایک پستہ قد شخص کھڑا تھا۔ اس نے چھوٹی نال کی روسی ساختہ شاٹ گن اٹھا رکھی تھی۔ سب سے افسوس ناک منظر کنڈیکٹر کی چھلنی لاش تھی جو بس کے عین سامنے پڑی تھی، اسے بے دردی سے مار دیا گیا تھا۔ شاید اس نے ان لوگوں کو ڈاکو سمجھ کر مزاحمت کی تھی۔ بس کا ڈرائیور مسافروں کے ساتھ کھڑا تھا اور اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد سفیر بھی اترا اور مجھ سے ذرا دور کھڑا ہو گیا۔ پانچ افراد ہم سب کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ پوری طرح ہوشیار اور چوکس تھے۔ لومڑی کی صورت والے نے پشتو میں گلے خان سے کہا۔ ''ان کو دیکھو، کون ہے ان میں سے؟''

''کوئی نہیں۔'' گلے خان نے آہستہ سے کہا، وہ لومڑی نما شخص سے ذرا دبا لگ رہا تھا۔

''غور سے دیکھو۔'' لومڑی کی صورت والا غرایا۔ وہ لوگ نہیں ملے تو جانتے ہو خان کیا کرے گا؟''

گلے خان نے بادل نخواستہ ہم مسافروں کے پاس آ کر ہمارا معائنہ شروع کر دیا۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ گلے خان ہماری صورتیں بھول جاتا۔ سوائے اس کے کہ کسی وجہ سے اس کی یادداشت ہی چلی جاتی۔ مگر اس کا رویہ حوصلہ افزا تھا، مجھے واضح طور پر دیکھنے کے باوجود اس نے مجھے شناخت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یعنی اسے بھی فکر تھی کہ ہم پکڑے گئے تو اس کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ اس لئے وہ ہمیں شناخت کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ میرے سامنے آ کر وہ ایک لمحے کو رکا اور میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ میرے انداز میں دھمکی تھی اور اس نے اس دھمکی کو سمجھ بھی لیا تھا اس لئے جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ سفیر کے سامنے تو اس نے رکنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی۔ گلے خان نے قطار میں کھڑے آخری آدمی کو بھی دیکھنے کے بعد لومڑی نما چہرے والے کو آگاہ کیا۔ میں نے سکون کا طویل سانس لیا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ گلے خان ہماری طرف اشارہ نہ کر دے۔ اس نے کہا تھا۔ ''ان میں سے کوئی نہیں ہے۔''

''عورتوں کو دیکھو۔'' لومڑی نما چہرے والے نے حکم دیا اور میرا سکون غارت کر دیا۔ عورتوں کو دیکھنے کا مطلب تھا ایمن اور مونا پکڑی جاتیں، ان کا حلیہ مقامی عورتوں سے بالکل مختلف تھا۔ بس برقع اتارنے کی دیر تھی۔ ایمن تو لہجے سے پکڑی جاتی، اسے کوئی مقامی زبان نہیں آتی تھی۔

''جب وہ دونوں مرد یہاں نہیں ہیں تو عورتوں کو دیکھنے کا فائدہ!'' گلے خان نے کمزور لہجے میں کہا۔

''فضول باتیں مت کرو، عورتوں کو دیکھو۔'' لومڑی نما چہرے والا غرایا۔ ساری گفتگو پشتو میں ہو رہی تھی۔ اس لئے مونا کو بھی پتا نہیں تھا کہ روئے سخن ان کی طرف ہے ورنہ وہ شاید اضطراری طور پر خود اپنا بھانڈا پھوڑ دیتی۔ مگر دوسری عورتیں تو یہ زبان جانتی تھیں۔ ایک عورت نے واویلا شروع کیا۔ وہ کسی طرح برقع اتارنے اور اپنا چہرہ دکھانے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس نے لومڑی نما چہرے والے کو بے نقط سناتے ہوئے کہا کہ جس نے اس کے قریب آنے کی کوشش کی وہ اس کا پیٹ پھاڑ دے گی۔ اس کے پاس خنجر تھا۔

''عورت! منہ بند رکھ۔'' لومڑی نما شخص دھاڑا اور گلے خان سے کہا۔ ''نقاب ہٹاؤ، اس کا۔''

گلے خان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے آج تک ایسا بے غیرتی کا کام نہیں کیا، تم خود ہٹا لو۔''

اس پر عورت نے لومڑی نما چہرے والے کو پشتو کی خاص اور شاندار گالیوں سے ایسا نوازا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس کی طرف عورت کو احتجاج کرتے دیکھ کر مردوں کو بھی جوش آ گیا اور وہ بلند آواز میں شور کرنے لگے۔ مسلح افراد چلا چلا کر ان کو چپ رہنے کا کہہ رہے تھے مگر ایک بار جب عوام بپھرتی ہے تو اسے قابو کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ زبانی احتجاج کے ساتھ لوگ آگے بڑھنے لگے تھے خاص طور سے جن کی عورتیں تھیں، وہ مرنے مارنے پر تل گئے تھے۔ ایک تنومند شخص مچل مچل کر لومڑی نما آدمی کی طرف جانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے ساتھی اسے روک رہے تھے۔

''نکلو یہاں سے۔'' گلے خان نے اس سے کہا۔ ''تم نے بات بگاڑ دی۔ ابھی اس شخص کا حساب بھی دینا ہوگا، قتل کا مطلب سمجھتے ہو۔'' گلے خان نے کنڈیکٹر کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

''تم فکر مت کرو۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''تم کو یقین ہے وہ ان میں نہیں ہیں۔''

''نہیں ہیں، اب نکلو یہاں سے۔'' گلے خان نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو جیپ کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب دوڑ کر جیپ میں سوار ہوئے۔ لوگ اب نعرے لگا رہے تھے بلکہ ایک نے پتھر بھی جیپ پر کھینچ مارا، اس پر گلے خان نے اپنی رائفل باہر نکال کر فضا میں برسٹ مارا۔ لوگ بے ساختہ پیچھے کی طرف بھاگے تھے۔ میں اور سفیر پہلے ہی پیچھے تھے۔ جیپ نے چکر کاٹا اور بس کے پاس سے گزر کر چلی گئی۔ ناقابلِ یقین طور پر ہم بچ گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے ورنہ جس وقت لوہڑی نما شخص نے عورتوں کو چیک کرنے کا حکم دیا تھا، مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب ہم پکڑے جائیں گے۔ خدا اس خاتون کا بھلا کرے جنہوں نے واویلا مچا کر فتح خان کے سفاک گرگوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا تھا، ان کی سفاکی کا نمونہ کنڈیکٹر کی لاش کی صورت میں ہمارے سامنے تھا۔ جیپ کے غائب ہوتے ہی کچھ لوگ کنڈیکٹر کی لاش اٹھانے لگے، میں اور سفیر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔

''پھر بچ گئے۔'' سفیر بولا۔ ''خدا مہربان ہے۔''

''مونا اور ایمن بچ گئیں۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''اگر وہ ان کی طرف جاتے تو ہم خاموش کہاں رہتے؟ پھر آر ہوتا یا پار۔''

مونا اور ایمن نے ہماری طرف آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چپ کھڑی تھیں۔ اگر وہ ہم سے بات شروع کر دیتیں تو شاید بس کے مسافر چونک جاتے۔ اب لوگ بحث کر رہے تھے کہ کیا، کیا جائے؟ ایک خیال تھا نے جانے کا تھا لیکن اکثر لوگوں نے اس کی مخالفت کی تھی۔ کوئی بھی پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ فہذا طے پایا کہ اگلی پولیس چوکی تک بس جائے گی اور وہاں پر رپورٹ کی جائے گی۔''

''پولیس!'' سفیر نے سرگوشی کی۔ ''یہ تو آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے والی بات ہو جائے گی۔''

رائے عامہ اگلے قصبے میں اتر جانے کے حق میں تھی جو عزیز گل کے مطابق اس جگہ سے کوئی بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ پولیس چوکی اس قصبے کے بعد آتی۔ ''فکر نہ کر، ہم بھی قصبے میں اتر جائیں گے۔''

''وہاں امکان ہے فتح خان کا کوئی نہ کوئی آدمی ہوگا۔''

''ممکن ہے لیکن ہم پولیس چوکی تک جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔'' میں نے غور کیا سفیر کی بات میں وزن تھا۔ انسانوں کو آبادیوں میں تلاش کیا جاتا ہے کیونکہ جلد یا بدیر انسان مجبور ہو کر آبادی کا رخ کرتا ہے۔

''ایک تجویز ہے، ہم قصبے سے ذرا پہلے اتر جاتے ہیں۔''

''اس کے باوجود کسی سواری کے لئے قصبے تک تو جانا پڑے گا۔''

یہ اس وقت دیکھیں گے۔'' میں نے لوگوں کو بس میں سوار ہوتے دیکھ کر کہا۔ ''ابھی تو یہاں سے کھسکنے کی کرو۔'' میرے اشارے پر مونا اور ایمن بھی بس میں سوار ہو گئی تھیں ان کا حوصلہ قابلِ داد تھا۔ عادت نہ ہونے کے باوجود اب تک برقعوں میں ملفوف تھیں بلکہ انہوں نے اس صورتِ حال کا سامنا بھی بہادری سے کیا تھا اور کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے ان پر شک جاتا۔ مسافروں کے سوار ہوتے ہی بس چل پڑی تھی۔ دن کے تین بجے تھے اور سورج تیزی سے مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اسی تناسب سے سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا کہیں کہیں گزشتہ برف کی باقیات پڑی تھیں۔ میں نے محسوس کیا تیز ہوا چلنے لگی تھی۔ یہ بھی سردی میں اضافے کی علامت تھی۔ آدھے گھنٹے بعد بس قصبے کے نزدیک جا پہنچی تھی جو سڑک کے دونوں طرف آباد تھا خاصا بڑا قصبہ تھا لیکن سردیوں کی وجہ سے ویران نظر آ رہا تھا۔ میں نے کھڑے ہو کر ڈرائیور سے کہا۔

''رکو، ہمیں یہاں اترنا ہے۔''

میرا لہجہ میرے حلئے سے میل نہیں کھا رہا تھا۔ اس پر کئی افراد نے مجھے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں، ڈرائیور نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی بس روک دی۔ میں نے اور سفیر نے اپنے بیگ اٹھائے اور جب ہم دروازے کی طرف بڑھے تو ایمن اور مونا بھی کھڑی ہو گئیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہی اتری تھیں اس بار بھی کسی نے کچھ نہیں کہا البتہ لوگوں کی نظروں میں شک نظر آیا تھا۔ نیچے اتر کر بس کے جاتے ہی مونا نے شٹل کاک برقع اتارنے کی کوشش کی تھی۔ سفیر نے اسے روکا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟"

"میں چند منٹ اور اس میں رہی تو بے ہوش ہو جاؤں گی۔"

"حالانکہ ہمارے ہاں کی عورتیں ساری عمر اس میں گزار دیتی ہیں۔" سفیر نے ملامت کی۔

"وہ عادی ہوتی ہیں۔" مونا جھنجلائی۔

"پلیز بحث مت ..... ابھی ہمیں اس جگہ سے نکلنا بھی ہے۔" میں نے چاروں طرف دیکھا۔ "اس سے پہلے کہ دشمن نازل ہو جائے۔"

"اب تو مجھے خواب میں بھی دشمن نظر آتے ہیں۔" مونا نے سرد آہ بھری۔

"شوبی، کیا کرنا ہے اب؟" ایمن میرے پاس چلی آئی۔ مقامی طرز کی سیدھی سی چپل اور برقع میں اس کے لئے چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔

"یہاں سے بھی نکلنا ہے۔" میں نے کہا۔ "ابھی کسی گاڑی کی تلاش کرنی ہے۔ میرا خیال ہے میں قصبے کی طرف جاؤں۔ وہاں کوئی نہ کوئی گاڑی مل جائے گی۔"

"میں تجھے اکیلے جانے نہیں دوں گا۔" سفیر جلدی سے بولا۔

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ ان دونوں کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ ہم دونوں میں سے کسی کا ساتھ رہنا ضروری ہے۔"

"اور ہم کہاں رہیں گے؟" مونا نے پوچھا۔

"فی الحال تم لوگ سڑک سے ہٹ جاؤ۔ ایسا کرو اوپر درختوں میں چلے جاؤ۔ جب تک میں نہیں آؤں، نیچے مت آنا اور نہ ہی کسی دوسرے کے سامنے آنا۔"

"ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی کے سامنے آنے کی۔"

میں نے اپنی بیلٹ سے رقم نکال کر اس میں سے صرف دس ہزار روپے رکھے اور باقی سفیر کو دیدی، پستول اور راکٹل چیک کی۔ ہتھیار دونوں ہی ضروری تھے اور اس علاقے میں لوگ اسلحہ عام لے کر گھومتے تھے اس لئے کوئی خاص طور سے میری طرف متوجہ نہ ہوتا۔ میں نے چادر اچھی طرح لپیٹ لی اور سر جھکائے تیز قدموں سے قصبے کی طرف بڑھا۔ سفیر لڑکیوں کو لے کر اوپر چلا گیا تھا۔ سڑک کے آس پاس رہنا خطرناک تھا۔ فتح خان کے کتے پاگلوں کی طرح اس علاقے میں ہماری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ ان سے کسی لمحے بھی ٹکراؤ ہو سکتا تھا۔ قصبہ دور سے بتا رہا تھا ویران نظر آ رہا تھا اور حقیقت اتنا ویران نہیں تھا، دکانیں اور ایک عدد ہوٹل کھلا تھا اور اس کے سامنے کچھ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ یہ سب کرشل گاڑیاں تھیں۔ کچھ عرصے پہلے تک اس علاقے میں کرائے پر گاڑیاں چلانے والے بیشتر افراد سردیاں گزارنے یا تو نچلے علاقوں میں چلے جاتے تھے یا اپنی گاڑیاں بند کر کے بیٹھ جاتے تھے لیکن گزشتہ چند سالوں سے راستے بہتر ہونے اور میدانوں کی طرف سے برف باری دیکھنے اور اسکیئنگ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شائقین کی آمد سے سردیوں میں بھی مقامی علاقوں میں رونق رہنے لگی ہے اور کاروبار جاری رہتا ہے۔ اس وجہ سے ہوٹل کھلے تھے اور گاڑیوں والے بھی موجود تھے جب اپنے علاقے میں ان کو کئی گنا زیادہ معاوضہ مل سکتا تھا تو ان کو گھروں سے دور جانے کی کیا ضرورت تھی؟

اگرچہ مجھے ایسا کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا جس پر میں فتح خان کا گرگا ہونے کا شبہ کر سکتا۔ ارد گرد موجود تمام افراد مقامی لگ رہے تھے، کم سے کم ان کے انداز سے یہی لگ رہا تھا، اس کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا، جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا ہی ہمارے مفاد میں تھا۔ میں نے ہوٹل کے باہر کھڑی گاڑیوں میں سے ایک بڑی جیپ کو تاڑا اور اندر جا کے ہوٹل کے کاؤنٹر پر کھڑے شخص سے اس کے مالک کے بارے میں پوچھا۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔ "السلام علیکم! عیسیٰ خان ۔۔۔ تمہارا کستھر۔۔۔"

میں شرمندہ ہو گیا۔ "معاف کرنا خان صاحب! مجھے سلام کرنا یاد نہیں رہا۔"

اس نے پہلے سے زیادہ برا منہ بنایا۔ "ہم خان نہیں ہے۔"

"البتہ عیسیٰ خان خالص پٹھان تھا۔ درمیانے قد پر اس نے خاصا بھاری بھرکم لباس اور اس سے بھی کہیں زیادہ بھاری پگڑ باندھ رکھا تھا۔ "کیا بات اے صیب! کدر جانا اے۔۔۔ ہم جائے گا۔"

"ہمیں ایبٹ آباد تک جانا ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"جائے گا، کیوں نہیں جائے گا؟" اس نے یقین سے کہا۔ "تم فور چائے پیو۔ ہم اتنا دیر میں جیپ تیار کرتا اے۔"

"تم کتنا لو گے؟" میں نے ہوٹل کے مالک کو چائے لانے کا اشارہ کیا۔

"چار ہزار۔" اس نے چار انگلیاں اٹھا کر کہا۔ "نا ایک پیسا کم ۔۔۔ نا ایک زیادہ۔"

"منظور ہے۔ میرے ساتھ کچھ لوگ اور ہیں۔"

"پورا جیپ تمہارا اے صیب! جس کو چاہو لے جاؤ۔" عیسیٰ خان نے کہا اور باہر جیپ تیار کرنے چلا گیا اور میں نے چائے سنبھال لی اس موسم میں اس سے زیادہ کسی اور شے کی طلب نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے شرمندگی بھی ہوئی، میرے ساتھی بے چارے باہر ٹھٹھر رہے تھے اور میں یہاں مزے سے چائے پی رہا تھا۔ میں نے ہوٹل کے مالک سے کہا۔ "کھانے کو کچھ مل سکتا ہے۔ بیک کروانا ہے لیکن آدھے گھنٹے کے اندر۔"

"مل جائے گا۔ مرغی تیار ہے، ہم فرائی کر دیتا ہے۔ ساتھ میں نان ہو جائے گا۔"

"بس تو تم تیار کر کے رکھو۔" میں نے ایک پانچ سو کا نوٹ اس کے سامنے رکھا۔ "میں آدھے گھنٹے میں آتا ہوں۔ کھانا کم سے کم پانچ آدمیوں کا ہو۔"

باہر عیسیٰ خان جیپ کا تیل پانی چیک کر رہا تھا۔ جیپ اندر سے صاف ستھری اور کشادہ تھی۔ عقبی نشستوں کے پیچھے سامان رکھنے کی خاصی گنجائش تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور تاریکی بڑی تیزی سے چھاتی جا رہی تھی۔ عیسیٰ خان نے میری طرف دیکھا۔ "صیب! رات ہو چکی اے۔ کیا اس ٹیم سفر کرنا ضروری اے؟"

"بالکل ضروری ہے۔ سمجھ لو زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔"

"زندگی موت کا مسئلہ اے۔" اس نے تشویش سے کہا۔ "ہم جائے گا، کیوں نہیں جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عیسیٰ خان اگر جیپ تیار ہے تو چل کر پہلے میرے ساتھیوں کو لانا ہے، باقی تیل پانی تم ادھر آ کر دیکھ لینا۔ اصل میں ہم بس سے ذرا پیچھے اتر گئے تھے۔"

"اس بس سے جس کا بندہ مار دیا اے؟" اس نے پوچھا۔

"شاید ڈاکو تھے۔" میں نے سر ہلایا اور گھوم کر جیپ کے اندر آ گیا۔ عیسیٰ خان نے ونڈ اسکرین پر کپڑا مارا اور ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ جیپ چند سیلف مارنے پر اسٹارٹ ہو گئی۔

"کدر جانا اے صیب!"

"سامنے چلو۔ میرے ساتھی سڑک کے ساتھ رکے ہوئے ہیں۔"

میں نے جیپ اس جگہ رکوائی جہاں میں ان تینوں کو چھوڑ کر گیا تھا۔ "جیپ کی روشنیاں جلائے رکھو۔"

عیسیٰ خان کو ہدایت دے کر میں نیچے اترا اور ہیڈ لائٹس کے سامنے کھڑا ہو گیا تا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ لیں، چند منٹ بعد اوپر سے تین سائے درختوں کے عقب سے برآمد ہوئے اور آتے ہی جیپ میں گھس گئے۔

"میرے خدا..... کیا غضب کی ٹھنڈ ہے۔" مونا نے لرزتی آواز میں کہا۔ "اگر تم کچھ دیر اور نہ آتے تو میں جم جاتی۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں گرم چائے سے غسل دے کر پگھلا لیتا۔"

"آہ..... یہ تُو نے کیا نام لیا ہے۔" سفیر کراہا۔ "مجھے لگ رہا ہے، میں نے آخری چائے کا کپ شاید ایک سال پہلے پیا تھا۔"

"فکر نہ کر۔ ابھی تجھے سب ملے گا۔" میں نے اسے تسلی دی۔ ذرا دیر بعد ہوٹل کے گرم ماحول میں گرم شیرہ نما چائے پی کر ان کی جان میں جان آئی تھی۔ میں نے ان کو عیسیٰ خان سے ڈیل کے بارے میں بتایا۔ "ہم ایبٹ آباد جائیں گے۔"

"ایبٹ آباد محفوظ جگہ ہے؟" سفیر نے سوال کیا۔

"اسلام آباد اور راولپنڈی کے مقابلے میں محفوظ ہے۔ وہاں ہمیں بہ آسانی کسی ہوٹل میں کمرے مل جائیں گے، اس کے بعد ہم سوچ سکتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟"

ایمن کچھ مضطرب تھی۔ شاید کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں کسی حد تک سمجھ رہا تھا، وہ اپنے باپ کے لئے پریشان تھی۔ ممکن ہے اسے خیال آ رہا ہو کہ ہم اس کے باپ کو تلاش کرنے کے بجائے اس علاقے سے نکل بھاگنے کی فکر میں ہیں لیکن یہ ضروری تھا۔ میں ایمن کو بعد میں سمجھا سکتا تھا۔ ابھی یہاں فتح خان اور اس کے گرگوں سے ہمیں شدید خطرہ تھا۔ انہوں نے نیک نام کی منظم ٹیم کو اُڑا کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس علاقے میں کتنے طاقتور تھے اور ان سے ٹکرانا فی الحال ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ ہوٹل کے مالک نے کھانا تیار کرا کے پیک کر دیا تھا۔ چائے پیتے ہی ہم تیار ہو گئے تھے۔ ہوٹل کے نسبتاً صاف ستھرے باتھ روم میں سب نے خود کو طویل سفر کے لئے تیار کر لیا تھا۔ عیسیٰ خان بھی بالکل تیار تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی اس نے جیپ چلا دی۔ ہیٹر کی وجہ سے اس کا کیبن خوشگوار حد تک گرم تھا۔ عیسیٰ خان نے مجھ سے کہا۔ "صیب، رات کا وقت اے۔ ٹیم تھوڑا زیادہ لگے گا۔ ام صبح تک ایبٹ آباد پہنچے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فکر مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''بلکہ کسی ایسے راستے سے لے چلو جو زیادہ مصروف نہ ہو۔''

''وہ کیوں صیب!''

''بس ایسے ہی۔'' میں نے اسے ٹالا مگر اس کی آنکھوں میں شک آ گیا تھا۔

''صیب، تم شہری لوگ اے۔ اتنا اسلحہ کیوں لیا اے؟''

''حفاظت کے لئے، ہمیں بعض لوگوں سے خطرہ ہے۔''

''وہ لوگ اور تو نہیں اے؟'' آخر عیسیٰ خان نے دل کی بات پوچھ لی۔

''کچھ ایسا ہی سمجھو مگر تم فکر مت کرو۔ دشمنی ہم سے ہے، کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔''

''امارا باپ کو بھی صیب لوگوں نے ایسا ہی تسلی دیا تھا۔' اس نے سر ہلایا۔ ''لڑائی صیب لوگ کا دشمن سے ہوا۔ گولی امارا باپ کو لگا۔''

''وہ اتفاق ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''صیب یہ اتفاق ام غریبوں کے ساتھ ہوتا اے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''امارا ماما جوا اے..... وہ بازار گیا تھا اور پولیس اور ڈاکو کے درمیان فائرنگ ہوا۔ گولی امارا ماما کو لگا۔''

''تمہاری خاندانی تاریخ اس ملک کے عوام کی تاریخ سے ملتی ہے۔'' سفیر نے افسوس کا اظہار کیا۔ ''پھر تمہارے والد اور ماموں مارے گئے؟''

''نہیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔ ''باپ کا پاؤں میں گولی لگا اور ماما کے بازو میں۔''

''تب تو ڈرنے کی بات ہی نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تمہاری خاندانی تاریخ بتاتی ہے، تم لوگ سر، سینے یا پیٹ پر گولی کھانے کے قائل نہیں ہو۔''

''ام مرنے سے نہیں ڈرتا۔ بستر پر پڑنے سے ڈرتا اے۔''

''حالانکہ آدمی کو قبر میں لیٹنے سے ڈرنا چاہئے۔'' سفیر بولا۔ ''وہاں نہ تو رشتے دار ہوتے ہیں اور نہ تیماردار، صرف فرشتے آتے ہیں۔''

''خدا کے لئے..... تم لوگ کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔'' مونا نے خفا ہو کر کہا۔

''درست کہا بی بی! ویسے بھی دشمن موت کے فرشتے کے ساتھ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔'' میں نے تائید کی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' ایمن نے کہا، وہ خاصی دیر سے خاموش تھی۔

ابھی ہم نے کوئی چھ گھنٹے پہلے اتنا بھاری بھرکم ناشتہ کیا تھا کہ شہر میں کیا ہوتا تو رات تک بھی ہضم ہونے کی نوبت نہ آتی مگر پہاڑی راستوں پر سفر اور غضب کی سردی نے سب ہضم کر دیا تھا۔ میں خود بھی بھوک محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ایمن سے کہا۔ ''تم نکال لو۔ ہم بھی بعد میں کھا لیں گے یا جسے بھوک لگی ہے، وہ تمہارے ساتھ کھا لے۔''

''اور تم.....؟''

''میں ابھی نہیں کھا رہا۔'' میں نے جواب دیا۔ دراصل مجھے فکر تھی، ہم بحفاظت اس علاقے سے نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں۔ چھ بجے کے قریب عیسیٰ خان نے عام سڑک سے ہٹ کر ایک اور راستے پر جیپ ڈال دی۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ تم کہاں جا رہے ہو؟''

''صیب، آپ نے کہا تھا کسی ایسے راستے سے چلو جو مشہور نہ ہو۔ یہ ایسا ہی راستہ ہے۔''

''کوئی مسئلہ تو نہیں ہے اس پر؟''

''نہیں صیب، پکا سڑک اے۔ لینڈ سلائیڈنگ نہ ہو تو پتا بھی نہیں چلتا۔''

سردیوں اور بارش کے موسم میں ان علاقوں میں لینڈ سلائیڈنگ معمول کی بات تھی۔ بہرحال پہلی ترجیح کتے کی طرح بو سونگھتے ہوئے دشمنوں سے بچنا تھا۔ باقی قدرتی آفات کا مقابلہ انسان صبر سے کر ہی لیتا ہے۔ ایک مناسب جگہ عیسیٰ خان نے جیپ روک دی تاکہ ہم کھانا کھا سکیں۔ ایمن نے اکیلے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ میں اور سفیر عقبی حصے میں چلے گئے تھے۔ پندرہ منٹ میں ہم نے سب صاف کر دیا۔ اس کے بعد سفر کا پھر سے آغاز ہوا۔ عیسیٰ خان نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ''ام نے کالیا تو ڈرائیونگ مشکل ہو جائے گا۔ ام ایبٹ آباد جا کر کھائے گا۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' مونا راستہ دیکھ کر ڈر رہی تھی۔ حالانکہ وہ ان علاقوں میں بہت سفر کر چکی تھی۔ ''ایسے راستے پر تو ذرا سی بھول ہوئی اور مارے گئے۔''

عیسیٰ خان نے جیپ کی روشنیاں پوری طرح جلا رکھی تھیں اور بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس سڑک پر آنے کے بعد میں نے اسے بیس میل فی گھنٹا سے اوپر جاتے نہیں دیکھا تھا۔ عام طور سے وہ دس میل فی گھنٹا کے آس پاس رہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اس رفتار سے تو ہم پرسوں صبح ایبٹ آباد پہنچیں گے۔''

''نہیں صیب! بس اس سڑک سے نکل جائے۔ پھر دیکھنا سورج نکلنے سے پہلے آپ ایبٹ آباد میں ہوگا۔ ابھی آپ سو جاؤ۔''

اس کا مشورہ مناسب تھا۔ ابھی تو صرف آٹھ بجے تھے یعنی پوری رات پڑی تھی۔ سفیر عقبی حصے میں چلا گیا تھا۔ وہاں ایک عدد کمبل تھا۔ ایمن اور مونا عقبی نشست پر پھیل کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ میں نے بھی سیٹ ذرا پیچھے کر کے پاؤں پھیلا لئے تھے۔ ہیٹر کی وجہ سے اندر حرارت تھی اور ہم آرام سے تھے، میں نے جسم اور ذہن دونوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اب تک کوئی غیر معمولی صورتِ حال سامنے نہ آنے سے چوکسی کی کیفیت بھی ختم ہو گئی تھی اور شاید دشمن کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ مجھے وسیم، سونیا اور شکیل کا خیال آیا۔ وہ نہ جانے کہاں تھے اور ان پر کیا گزر رہی تھی۔ عادل کی غداری اور خود غرضی نے اسے ہی جہنم رسید نہیں کیا تھا بلکہ اتنے مضبوط گروپ کو بھی شدید نقصان پہنچایا تھا۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس سونیا کا تھا، اس نے عادل سے پسند کی شادی کی تھی اور اس نے اسے بھی دھوکا دیا تھا۔ وسیم شدید زخمی ہوا تھا۔ میں سوچتے سوچتے غنودگی میں چلا گیا تھا۔ حالات نے مجھے سخت جاں بنا دیا تھا، اب تکالیف اور دکھ مجھ پر زیادہ دیر حاوی نہیں رہا کرتے تھے۔ جیپ دھیمی رفتار سے چل رہی تھی۔ اس وجہ سے جھٹکے نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں تقریباً نیند میں چلا گیا تھا کہ اچانک مجھے احساس ہوا کہ جیپ رک گئی ہے۔ انجن بدستور چل رہا تھا، میں چونکا۔ ''کیا ہوا عیسیٰ خان؟'' میں نے سامنے دیکھا۔ جیپ کی روشنی میں راستے پر ملبے کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لینڈ سلائیڈنگ!'' عیسیٰ خان نے مایوسی سے کہا۔

''اب کیا ہوگا؟'' عقب سے مونا نے پوچھا۔

''ام دیکھتا اے۔'' عیسیٰ خان نے جیپ کے ڈیش بورڈ سے ایک طاقتور فلیش لائٹ نکالی۔ اس نے ہینڈ بریک لگا کر انجن چلتا رہنے دیا تا کہ ہیٹر بھی آن رہے۔ اس نے ایک لمحے کے لئے دروازہ کھولا اور سرد ہوا کا ایسا یخ بستہ جھونکا آیا کہ ہم سب لرز اٹھے۔ میں نے بھی جانے کے بارے میں سوچا لیکن سفیر مجھ سے پہلے اتر گیا تھا۔

''تُو ادھر خواتین کے ساتھ رہ۔''

''ہم، بچیاں نہیں ہیں۔'' مونا بولی۔

''یہی تو میں بھی کہتا ہوں، اب تم بچی نہیں ہو۔'' سفیر کہتا ہوا اتر گیا۔ جیپ کا کیبن چند لمحے کے لئے پھر سرد ہوا تھا۔ سفیر، عیسیٰ خان کے پیچھے چلا گیا تھا۔ دونوں ملبے اور پتھروں کے ڈھیر کے عقب میں غائب ہو گئے تھے۔ شفاف فضا بتا رہی تھی کہ لینڈ سلائیڈنگ کو خاصا وقت گزر چکا تھا اور اب تک ایسے آثار نظر نہیں آئے تھے کہ سڑک کو صاف کیا جا رہا ہو۔ یہ کام دن میں ممکن تھا اور اس کا مطلب تھا، ہمیں ساری رات اور شاید سارا دن اسی سڑک پر گزارنا پڑے۔ دوسری صورت یہ ہوتی کہ ہم واپس جاتے مگر اس میں خطرہ زیادہ تھا۔ اس بات کا خاصا امکان تھا کہ فتح خان کے آدمیوں کو ہمارے ایک جیپ حاصل کرنے کی اطلاع مل چکی ہوگی اور عیسیٰ خان کی جیپ کی تلاش شروع کی جا چکی ہوگی۔ گزشتہ چند گھنٹوں میں امکان تھا کہ فتح خان اور ڈیوڈ شا کے مزید آدمی یہاں آ چکے ہوں اور ہماری تلاش پوری سرگرمی سے جاری ہو۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ہمیں واپس نہیں جانا ہے۔ مین ہائی وے پر پکڑے جانے کا امکان زیادہ تھا۔ سفیر اور عیسیٰ خان واپس آئے اور جیپ میں گھس گئے، سردی سے ان کی حالت خراب تھی۔ جیپ کے باہر درجۂ حرارت منفی میں بھی نیچے جا چکا تھا۔ ''صیب، سڑک پر کوئی دو سو گز تک ملبا اے، اس کے بعد سڑک صاف ہے لیکن ادھر راستہ ملنا مشکل اے۔''

''تب کیا کریں؟''

''جیسا آپ حکم کرو، بولو تو ابھی واپس چلتا اے۔ بڑی سڑک سے جائے گا۔''

''نہیں، جانا اسی سڑک سے ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''عیسیٰ خان کوئی راستہ تلاش کرو۔''

''اتنی بڑی جیپ کا واسطے راستہ ملنا مشکل اے..... پر ام کوشش کرتا اے۔'' اس نے جواب دیا اور جیپ ریورس کرنے لگا۔ خوش قسمتی سے ایک جگہ اتنی چوڑی مل گئی کہ اس نے جیپ گھمالی۔ اب اسے سڑک کے اطراف میں کسی ایسے راستے کی تلاش تھی جس سے گزر کر سڑک پر پڑے ملبے کے پار جایا جا سکے۔ مگر دو ڈھائی کلومیٹر پیچھے آنے کے باوجود کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ راستہ نظر نہیں آیا ورنہ راستہ تھا ضرور۔ ایک جگہ عیسیٰ خان نے جیپ روک دی۔

''صیب، ایسے تو ام واپس بڑی سڑک پر چلا جائے گا۔''

''بڑی سڑک پر کسی صورت نہیں جانا ہے۔''

''تب رات گزارنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنا پڑے گا۔ جیپ کا انجن چلا کر رکھا تو سارا ڈیزل ختم ہو جائے گا۔'' اس نے مسئلہ بیان کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس ویران جگہ رات گزارنے کے لئے کوئی پناہ گاہ مل سکے گی؟"

"ام کوشش کر سکتا اے صیب! اور پہاڑ پر لکڑی کاٹنے والوں نے ٹھکانا بنا رکھا ہوتا اے۔ ام کو ایسا کوئی جگہ مل گیا تو رات آرام سے گزرے گا۔"

"تب تلاش کرو۔" مونا نے کہا۔ "میرا تو برا حال ہے۔"

"اور ذرا پیچھے ایک جگہ اے۔" عیسیٰ خان نے جیپ آگے بڑھا دی۔

"یہ مختصر سی بل کھاتی اور خطرناک ڈھلان والی سڑک تھی جس پر دو بڑی گاڑیاں برابر سے نہیں گزر سکتی تھیں اور اس موسم میں قطعی ویران پڑی تھی۔ گزشتہ تین گھنٹے میں ہمیں محض دو تین گاڑیاں ملی تھیں جس جگہ لینڈ سلائیڈنگ ہوئی تھی اس سے کوئی تین کلومیٹر پیچھے ایک اونچے پہاڑ کے ساتھ عیسیٰ خان نے جیپ کچے میں اتار کر روک دی اور انجن بند کر دیا۔ "معاف کرنا صیب! ڈیزل کم اے۔ راستے میں ملنے کا امکان بھی کم اے۔ اس لئے بچت ضروری اے۔"

"خدا کے لئے..... جلدی جاؤ..... اتنی ہی دیر میں جیپ سرد ہو گئی ہے۔" مونا نے کہا۔

"میں اس کے ساتھ جاتا ہوں۔" سفیر نے پھر کہا اور نیچے اتر گیا۔ دونوں فلیش لائٹ لے کر ڈھلان پر واقع جنگل میں داخل ہو گئے۔ میں نے کیبن کے اندر کی روشنی بجھا دی تھی۔ ایمن نے کہا۔ "پلیز اسے بلاؤ، میرا دم گھٹ رہا ہے اتنے اندھیرے میں۔"

"مجبوری ہے۔ اتنے اندھیرے میں یہ معمولی سی روشنی بھی بہت دور سے نظر آ سکتی ہے اور ہمیں تلاش کرنے والے آس پاس ہی گھوم رہے ہیں۔ اس لئے احتیاط بہتر ہے۔"

"ایک منٹ میرے پاس چھوٹی سی ٹارچ ہے، اس کی روشنی باہر نہیں جائے گی۔" مونا نے اپنے بیگ میں ہاتھ مار کر ٹارچ برآمد کی اور اسے جلایا۔ کیبن میں ہلکی سی روشنی پھیل گئی تھی۔ امکان یہی تھا کہ فاصلے سے اس کو دیکھنا محال تھا۔ یہ مشکل سے ایک انگلی جتنی لمبی ٹارچ تھی جس میں چھوٹا گھڑی سیل پڑتا ہے اور اس میں عام بلب کے بجائے ایل ای ڈی لگا ہوتا ہے جو بہت کم بجلی استعمال کرتا ہے۔ اس ننھے سے سیل سے بھی یہ ٹارچ گھنٹوں جل سکتی تھی۔ ایمن نے سکون کا سانس لیا تھا۔ "تھینک یو، تاریکی میں میرا سانس رکنے لگتا ہے۔"

عیسیٰ خان نے اس طرح جیپ روکی تھی کہ یہ سڑک سے ذرا ہٹ کر تھی لیکن مجھے دور تک سڑک پر دکھائی دے سکتا تھا۔ بشرطیکہ روشنی ہوتی یعنی کوئی گاڑی اس طرف آنے لگتی تو مجھے اس کی ہیڈ لائٹس خاصی دور سے نظر آ جاتیں اور شاید اس وجہ سے ہماری بچت ہو گئی۔ ابھی سفیر اور عیسیٰ خان کو گئے پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ مجھے کوئی دو تین کلومیٹر کے فاصلے پر کسی گاڑی کی روشنیاں دکھائی دیں۔ "کوئی گاڑی اس طرف آ رہی ہے۔"

میں نے کہا تو ان دونوں نے بیک وقت باہر دیکھا، مونا بولی۔ "ہاں کوئی آ رہا ہے۔"

"نکلو جیپ سے اپنا سامان بھی اٹھاؤ، اس سے پہلے کہ وہ سر پر آ جائیں۔"

اتنی سردی میں باہر جانے کے خیال سے مونا اور ایمن کی جان نکل گئی تھی، ایمن نے کہا۔ "ممکن ہے دشمن نہ ہوں۔"

"ممکن ہے دشمن ہوں..... پھر؟" میں نے سوال کیا تو ان کو چپ لگ گئی تھی۔ میں نیچے اترا اور عقبی حصے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اپنا سامان نکالا۔ جیپ کی چابی لگی تھی میں نے چابی نکال کر دروازہ لاک کر دیا۔ وہ دونوں کھلی فضا میں آنے کے بعد تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ دل تو میرا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ کانپنا شروع کر دوں مگر اپنی مردانہ خو کو بلند رکھنے کے لئے میں نے کانپنے سے گریز کیا۔ البتہ میرا حال بھی اتنا ہی برا تھا۔ ہوٹل سے روانگی سے پہلے میں نے اور سفیر نے اپنے گرم کپڑے پہن لئے تھے ورنہ نہ جانے کیا حشر ہوتا۔

''مونا اپنی ٹارچ سے روشنی دکھاؤ۔'' میں نے کہا مونا نے ٹارچ سے روشنی کی اور آگے جانے لگی، میں اس کے نقش قدم پر تھا اور ایمن میرے پیچھے۔ اس پہاڑ پر بڑے تنوں والے بلند قامت سیدھے درخت تھے۔ جا بجا پتھر اور چٹانیں تھیں جن پر قدم جمانا آسان نہیں تھا۔ ذرا سا پاؤں پھسلتا تو سڑک تک کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی، ایمن کا جوتا اس قسم کے سفر کے لئے قطعی غیر موزوں تھا اس لئے اسے سب سے زیادہ دشواری پیش آ رہی تھیں مونا کے پیروں میں جاگرز تھے، دوسرے وہ ان راستوں کی عادی تھی اس لئے مزے سے چلی جا رہی تھی۔ کوئی سو گز اوپر آ کر ہم رک گئے۔ آنے والی گاڑی اب کوئی ایک کلو میٹر کے فاصلے پر تھی، میں نے منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹی بجائی۔ سفیر اس سیٹی کو پہچانتا تھا۔ فوراً ہی مجھے اس کی طرف سے جواب ملا تھا۔ میں نے اسے اشارہ دے دیا تھا کہ میں جیپ سے باہر ہوں اور کوئی خطرہ ہی ہو گا جو میں جیپ سے باہر تھا، مجھے امید تھی، وہ جیپ کی طرف جانے سے گریز کرے گا۔ آنے والی گاڑی اب کچھ ہی فاصلے پر تھی، ایمن اور مونا ایک درخت کی جڑ سے چپک کر بیٹھ گئی تھیں۔ میں نے مونا سے ٹارچ لے لی اور اپنی رائفل بھی نکال لی تھی۔ اگر یہ دشمن تھے تو مقابلہ ناگزیر تھا۔ مرنے مارنے کا مرحلہ آنے والا تھا۔ ایک بار پھر مجھے سفیر کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ اوپر کہیں تھا، میں نے جوابی سیٹی مارنے کے بعد ٹارچ سے اشارہ دینا شروع کیا کچھ دیر بعد اوپر سے بھی روشنی نظر آئی۔ سفیر اور عیسیٰ خان ہماری طرف ہی آ رہے تھے۔

آنے والی گاڑی خاصی رفتار میں تھی لیکن جیسے ہی وہ جیپ کے نزدیک پہنچی، اس کی رفتار میں کمی آنے لگی تھی اور جیپ کے پاس آ کر وہ رک گئی۔ مجھے وہ درمیانے سائز کی لینڈ کروزر فور وہیل ڈرائیو لگی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس عیسیٰ خان کی جیپ پر مرکوز تھیں۔ اس میں سے چار افراد اترے انہوں نے جیپ کو گھیر لیا، ان کا انداز اور ان کے پاس بڑا اسلحہ دیکھنے کے بعد شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ وہ ہمارے پیچھے آئے تھے۔ اتنی دور سے میں ان کی باتوں کی آواز نہیں سن سکتا تھا مگر ان کو دیکھ سکتا تھا۔ انہوں نے فلیش لائٹ کی مدد سے عیسیٰ خان کی جیپ کا اندر سے جائزہ لیا اور اسے خالی پا کر دائیں بائیں دیکھنے لگے تھے۔ ایک نے پہاڑی کی طرف اشارہ کیا اور وہ سب ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں بحث کرنے لگے تھے۔ شاید ہمیں تلاش کرنے کے بارے میں پلان بن رہا تھا۔

سفیر اور عیسیٰ خان بے خبر تھے کہ نیچے فتح خان کے گرگے آ چکے تھے اور وہ مزے سے فلیش لائٹ جلائے چلے آ رہے تھے۔ نیچے موجود کسی شخص نے اس کی روشنی دیکھ لی اور ان میں ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ اوپر کی طرف اشارے کر کے زور شور سے آپس میں بات کرنے لگے تھے۔ میں نے پلٹ کر سفیر کو ٹارچ جلا بجھا کر خطرے کا سگنل دیا جو شاید اس نے دیکھا نہیں یا سمجھا نہیں۔ وہ بدستور ٹارچ جلائے چلا آ رہا تھا۔ نیچے والے احمقوں نے بالآخر اپنی گاڑی کی روشنیاں بجھا دیں۔ میری جگہ کوئی انسانیت سے عاری شخص ہوتا تو اب تک ان چاروں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیشہ کی نیند سلا چکا ہوتا۔ ان کے لئے ایک برسٹ کافی ہوتا لیکن یہ جاننے کے باوجود کہ موقع ملنے پر یہ مجھے مارنے سے گریز نہیں کریں گے، میرا ان پر ہاتھ نہیں اٹھ رہا تھا۔ اس جگہ بیٹھے رہنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ سب سے پہلے اسی طرف آتے ہمارا مزید اوپر جانا لازمی تھا۔

"چلو ہمیں اوپر جانا ہوگا۔" میں نے ان دونوں سے کہا۔

"اس اندھیرے میں، میں بالکل نہیں چل سکتی۔" ایمن نے مجھے آگاہ کیا۔

"آؤ، میں تمہیں سہارا دوں گا۔" میں نے اس کا بازو پکڑا۔

"مجھ بے چاری کا تو آپ کو خیال بھی نہیں ہے۔" مونا نے حالات کو بالائے طاق رکھ کر شکوہ کیا۔

"بابا، تمہارے پاس جاگرز ہیں اور تمہیں تجربہ بھی ہے، اس بے چاری کو کچھ نہیں آتا۔"

"بہت خیال ہے اس بے چاری کا؟"

"تمہارا خیال رکھنے والا آخر آرہا ہے۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "چلنا ہے تو چلو ورنہ بیٹھی رہو دونوں۔"

ایمن ہماری گفتگو تو نہیں سمجھ سکی تھی لیکن اتنا جان گئی کہ موضوع وہی تھی۔ "میں چل لوں گی۔" اس نے کہا۔

"جلدی کرو، یہ جگہ غیر محفوظ ہے۔" میں نے بیگ کندھے پر ڈالا اور اوپر کی طرف بڑھ گیا۔

"ویٹ اے منٹ!" ایمن نے لپک کر میرا بازو تھام لیا، مونا بھی میرے پیچھے آنے لگی تھی۔ تاریکی کی وجہ سے میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ آنے والے جان گئے تھے کہ ہم پہاڑی کی ڈھلان پر ہیں، اس کے باوجود میں نے جلد بازی سے گریز کیا۔ عجلت میں گر کر میں کوئی ہڈی تڑوانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ دل ہی دل میں سفیر کو بے نقط سنا رہا تھا جو بدستور فلیش لائٹ جلائے دشمنوں کے لئے مشعل راہ بنا ہوا تھا۔ اسے نیچے سے کوئی نہایت آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ سفیر اور عیسیٰ خان ہم سے کوئی دو سو گز اوپر تھے۔ اچانک نیچے سے فائر کی آواز آئی اور فلیش لائٹ، بجھ گئی۔ میرا دل ایک لمحے کو دھک سے رہ گیا تھا۔ مگر جب سوائے روشنی گل ہونے کے اور کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ میں نے ٹارچ جلا کر اس سے اوپر اشارہ کیا۔ جواب میں سفیر نے ایک ثانیے کے لئے فلیش لائٹ جلا کر اوکے کا اشارہ کیا تھا۔

"شکر ہے۔" مونا نے نجانے کب سے دبی سانس خارج کی۔ "میں تو سمجھی تھی....."

میں وقفے وقفے سے ٹارچ روشن کر کے سفیر کو اپنی پوزیشن سے آگاہ کر رہا تھا تاکہ وہ سیدھا میری طرف آئے حتیٰ کہ اس کی آواز آئی۔ "بس کر، میں آگیا ہوں۔"

"لوٹ کے بدھو آگئے؟" مونا نے طنز کیا۔

"بس شکر کرو، لوٹ آئے ہیں۔" سفیر نے جگجیت سنگھ کے انداز میں گنگنا کر کہا۔

"ابھی وہ نیچے سے گولی مار دیتے تو ساری گلوکاری دھری رہ جاتی۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "جب میں نے سیٹی بجائی تھی تو ٹارچ جلانے کی کیا ضرورت تھی اور یہ عیسیٰ خان کہاں ہے؟"

"ام ادھر ہے۔" اس کی لرزتی آواز درخت کے پیچھے سے آئی تھی۔ "ام کو پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا۔ امارا خاندانی تاریخ گواہ اے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فکر مت کرو، ابھی صرف ایک گولی چلی ہے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"ابھی اور چلے گا۔" اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ "ام خواہ مخواہ مارا جائے گا۔"

"ابھی تک تمہارے خاندان میں کوئی نہیں مارا گیا ہے۔" مونا نے بھی اسے تسلی دی۔

"اس بات کا کیا گارنٹی اے کہ آئندہ بھی نہیں مارا جائے گا؟"

"اگر ہم اس طرح بحث کرتے رہے تو ضرور مارے جائیں گے، دشمن اس طرف ہی آ رہا ہے۔" میں نے ایک بیگ سفیر پر لاد دیا۔ اس طرح میرے پاس اب ایک ہی بیگ تھا۔ مونا نے اپنا خنجر سا بیگ خود اٹھا رکھا تھا۔

"اوپر کی طرف چلو۔" میں نے ایمن کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"اوپر..... پر ہمارا گاڑی نیچے اے۔"

"دشمن بھی نیچے ہے۔ اگر تم اپنی خاندانی تاریخ کو درست ثابت کرنا چاہتے ہو تو شوق سے نیچے جاؤ۔"

"لوف..... ام کیا کرے؟"

"یار مرد بنو! روتے کیوں ہو۔" سفیر نے اسے ڈانٹا۔ "وہ تمہاری جیپ کھا نہیں جائیں گے۔"

"ہاں، تم ہاتھ آ گئے تو تمہیں نہیں چھوڑیں گے کیونکہ تم ان کے دشمنوں کے ساتھ ہو۔"

"اچھا تو ہمارا گاڑی اللہ کے حوالے۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"گڈ، یہ کی ناں مردوں والی بات اور اگر تمہاری گاڑی کو نقصان ہوا تو ہم ذمے دار ہوں گے۔"

"عیسیٰ خان کی تشویش رفع ہو گئی تھی۔ "تب ام آپ کے ساتھ اے صیب؟"

میں نے نیچے دیکھا، اس طرف لمبی لمبی روشنیاں لہرا رہی تھیں۔ ان لوگوں نے بھی طاقتور ٹارچیں نکال لی تھیں۔ وہ اوپر آ رہے تھے، ان کا رخ دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اوپر دائیں طرف چلو۔ ان سے دور جانا ہے۔"

"یار، اوپر کے بجائے نیچے نہ جائیں؟" سفیر نے تجویز پیش کی۔ "ان کی گاڑی لے جاتے ہیں۔"

"ان کا گاڑی!" عیسیٰ خان چونکا۔ "اور ہمارا گاڑی.....؟"

"اسے تم لے جاؤ گے۔" سفیر نے جواب دیا۔

"گاڑی لے کر ہم کہاں جائیں گے، آگے بھی ان لوگوں سے مڈبھیڑ کا امکان ہے۔" میں نے غور سے کہا۔ "دوسرے انہوں نے گاڑی میں کسی نہ کسی کو چھوڑا ہو گا۔"

"ایک آدھ بندہ ہوا تو اسے قابو کرنا کون سا مسئلہ ہے؟" وہ بولا۔

میں نے دیکھا، ٹارچوں کی روشنیاں پھیل رہی تھیں۔ "اوکے ہم نیچے جانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن تصادم کے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا۔ عیسیٰ خان تم پستول چلانا جانتے ہو؟" اس نے میرے سوال کا سخت برا منایا۔

"ہمارے ہاں، بچہ چلنا بعد میں سیکھتا ہے، ہتھیار چلانا اسے پہلے آتا اے۔"

"اچھا اچھا..... خفا مت ہو۔" میں نے اسے سفیر کا پستول تھما دیا۔ "ممکن ہے دشمن تمہاری خاندانی تاریخ کو دہرانے کی کوشش کرے تب تم اسے جواب دے سکتے ہو۔ ویسے یہ ہماری لڑائی ہے چاہو تو ایک طرف ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاؤ۔"

"ام اتنا بے مروت نہیں ہے۔" اس نے پھر برا مان کر کہا۔

"او کے..... تم بے مروت نہیں ہو۔" میں نے چلنا شروع کر دیا۔ "اس سے پہلے دشمن واپس گاڑی کی طرف جائے، ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔"

ایمن کو میں نے سہارا دیا تھا اور مونا کو سفیر نے۔ حالانکہ اسے سہارے کی اتنی ضرورت نہیں تھی لیکن سفیر کے خیال میں ایسا کرنا ضروری تھا۔ عیسیٰ خان سب سے آگے پستول تھامے چل رہا تھا۔ ہم چکر کاٹ کر نیچے جا رہے تھے۔ خوش قسمتی سے دشمن نے نارچیں روشن کر رکھی تھیں اور ہمیں معلوم تھا کہ وہ کتنی دور تھے اور کس سمت میں حرکت کر رہے تھے۔ عیسیٰ خان ہمیں اس طرح نیچے لے جا رہا تھا کہ ہم ان لوگوں سے دور تھے مگر گاڑیوں کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر ہم رک گئے، اس سے آگے جاتے تو گاڑی یا اس کے آس پاس موجود شخص ہمیں دیکھ سکتا تھا۔

"ادھر دیکھو۔" میں نے ان سے کہا، اپنی پشت سے بیگ اتارا اور رائفل بھی سفیر کے سپرد کر دی۔ "احتیاط سے..... ممکن ہے دشمن تمہاری طرف آئے۔ بوکھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ایمن نے میرا بازو تھام لیا۔ "کہاں جا رہے ہو تم؟"

میں نے اس کے بازو پر تھپکی دی۔ "فکر مت کرو۔ میں ابھی آیا۔"

میں درختوں اور پتھروں کی آڑ میں گاڑیوں کی طرف جانے لگا۔ ایک پتھر کی آڑ سے میں نے ایک کنکر تلاش کیا اور اسے عیسیٰ خان کی جیپ کی طرف اچھال دیا۔ سناٹے میں ٹن کی آواز آئی تھی۔ اس کا ردعمل فوری سامنے آیا تھا۔ لینڈ روور سے ایک سایہ جدا ہوا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا پھر جیپ کی طرف آیا۔ اس نے جیپ میں جھانکا، کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر واپس لینڈ روور تک پہنچ گیا تھا۔ جیسے ہی اس نے اندر جانے کے لئے دروازہ کھولا، میں نے عقب سے اس کے سر پر پستول کا دستہ رسید کیا۔ کراہ کر وہ آگے جھکا۔ دوسری ضرب نے اسے ناک آؤٹ کر دیا تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس سے ایک ٹی ٹی برآمد ہوئی اس کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میں نے گاڑی کی آڑ لے کر نارچ روشن کر کے اشارہ کیا۔ وہ سب بھاگے دوڑے آئے تھے۔

"سفیر تو لینڈ روور میں لڑکیوں کے ساتھ جائے گا۔"

"اور تو.....؟" سفیر نے سوال کیا۔

"میں اس کے ساتھ عیسیٰ خان کی جیپ میں ہوں گا۔" میں نے بے ہوش شخص کی طرف اشارہ کیا۔

"اسے لے جانے کی کیا ضرورت ہے، پھینکو اسے۔" مونا نے اعتراض کیا۔

"بی بی، آپ چپ کر کے گاڑی میں بیٹھیں۔" میں نے اسے کہا۔ "اس سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

وقت نہیں تھا۔ سفیر جلدی سے لینڈ روور کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، لڑکیاں عقبی حصے میں گھس گئی تھیں۔ میں نے بے ہوش شخص کو عیسیٰ خان کی جیپ کے عقبی حصے میں ڈالا۔ عیسیٰ خان کسی قدر فکر مند لگ رہا تھا۔

"صیب! اس کا کیا کرنا اے؟"

"اچار ڈالنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جلدی سے نکلو یہاں سے۔ اگر اس کے ساتھی آ گئے تو ہمارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آطیٹ بھی بن سکتا ہے۔ روشنیاں مت جلانا ابھی۔"

پہلے عیسیٰ خان نے جیپ اسٹارٹ کی پھر سفیر نے لینڈ روور آگے بڑھائی۔ میں ڈھلان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں روشنیاں لہرا رہی تھیں۔ ان کے کانوں تک گاڑیوں کی آواز شاید ہی پہنچی ہو گی، ایک منٹ میں ہم اس ڈھلان سے آگے جا چکے تھے، کوئی دو سو گز کے بعد عیسیٰ خان نے روشنیاں جلانے کو کہا۔ "صیب، اندھیرے میں کسی کھڈ میں اتر جائے گا۔"

"او کے جلا لو۔ مگر زیادہ تیز مت کرنا۔"

عیسیٰ خان نے ہیڈ لائٹس آن کیں تو سفیر نے بھی آن کر لیں۔ میں نے اندرونی کیبن کی روشنی کر کے بے ہوش شخص کا جائزہ لیا۔ خدوخال سے ہی مقامی لگ رہا تھا۔ اس نے اونی شلوار قمیص کے اوپر موٹی گرم جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اگر یہ فتح خان کے آدمی تھے تو اس نے خاصے احمق لوگ منتخب کر کے روانہ کیے تھے۔ ان کو پتا ہی نہیں چلا اور ہم کتنے آرام سے وہاں سے نکل آئے۔ میں نے وار خاصے زوردار کیے تھے لیکن سر پر اونی ٹوپی کی وجہ سے وہ صرف بے ہوش ہوا تھا۔ دس منٹ بعد اس نے کلبلانا شروع کر دیا تھا۔ پندرہ منٹ میں ہم کوئی چار پانچ کلومیٹر آگے نکل آئے تھے۔ میں نے عیسیٰ خان سے کہا۔ "سڑک سے ہٹ کر کسی جگہ گاڑی روک لو۔ اس سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

"کیا پوچھے گا صیب!"

"یہ ہمیں بتائے گا، آگے ہماری تلاش میں اور کتنے شکاری کتے گھوم رہے ہیں؟"

"آگے بھی اے۔" عیسیٰ خان ڈر گیا تھا۔ "اب ام ضرور مارا جائے گا۔"

"اب تم خان برادری کا نام ڈبو رہے ہو؟" میں نے اسے ملامت کی۔

"ایسا نہیں اے صیب!" اس نے دفاعی انداز میں کہا۔

"تو اور کیا بات ہے، تم تو کہہ رہے تھے۔ تمہیں پستول چلانا خود چلنے سے پہلے آیا تھا اور اب بزدلی دکھا رہے ہو۔"

"ام بزدل نہیں اے۔" اُسے غصہ آ گیا تھا۔ "موقع پڑا تو آپ دیکھ لے گا صیب!"

عیسیٰ خان نے جیپ ایک نسبتاً ہموار جگہ پر روک لی۔ پیچھے سفیر بھی رک گیا تھا۔ "روشنیاں بجھا دو۔" میں نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ جیپ کا عقبی دروازہ کھول کر بے ہوش شخص کو نیچے کھینچ لیا۔ وہ کسی قدر ہوش میں تھا، اس نے مزاحمت کی تھی۔ سفیر بھی اتر کر چلا آیا تھا۔ "کیوں رکا ہے یار!"

"پیچھے نظر رکھ۔ میں ذرا اس سے دو دو باتیں کر لوں۔" میں نے اس شخص کی جیکٹ اتار کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "گاڑی اسٹارٹ رکھنا۔ تم بھی تیار ہو۔" میں نے عیسیٰ خان کی طرف دیکھا اور اس شخص کی قمیص بھی اتار دی۔ "خواتین سے کہنا اس طرف دیکھنے سے گریز کریں۔"

"معاملہ سنسر کی حدود میں داخل ہو گیا ہے۔" سفیر نے مجھے اس شخص کی شلوار اتارتے دیکھ کر کہا اور لینڈ روور کی طرف لپکا۔ اب اس کے جسم پر بنیان اور ایک عدد انڈرویئر تھا۔ میں نے بنیان کھینچی تو اسے ہوش آ گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کیا کرتا ہے۔" اس نے ہڑبڑا کر کہا۔

"تم کو ذرا ہوا لگا رہا ہے۔" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

بے پناہ سردی اسے فوراً حواسوں میں لے آئی تھی۔ "میرے کپڑے دو۔" اس نے لرزتی آواز میں مطالبہ کیا۔

"ضرور..... لیکن پہلے میرے چند سوالوں کے جواب دو۔"

"مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ حلق پھاڑ کر چلایا۔ "میرے کپڑے.....!"

میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ وہ الٹ کر زمین پر گرا اور تڑپ کر سیدھا ہو گیا۔ زمین برف بنی ہوئی تھی۔ میں نے پھر لات مار کر اسے گرایا اور اس کے سینے پر پاؤں رکھ دیا۔ وہ بری طرح مچل رہا تھا۔

"اب چلانا مت!" میں نے خوں خوار لہجے میں کہا۔ "یہ مت سمجھنا، تمہارے ساتھیوں تک آواز جا سکے گی۔"

"تت..... تم..... کیا چاہتے ہو؟" اس نے بے اختیار لرزتے ہوئے پوچھا۔

"فتح خان کے اور کتنے گرگے ہیں ہماری تلاش میں؟"

"کون فتح..... خان!" اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔

"لگتا ہے تم سردی سے مرنا چاہتے ہو۔ اس وقت درجۂ حرارت منفی چھ ہے اور مشکل سے بیس منٹ میں تمہارا جسم سرد پڑ جائے گا اور پھر دنیا کا کوئی ڈاکٹر تمہیں نہیں بچا سکے گا۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"کیوں! ایک مجرم کے لئے جان دینا چاہ رہے ہو۔ میرے لئے یہ جاننا اتنا ضروری بھی نہیں ہے، جیسے تم پانچوں سے نمٹ سکتے ہیں تو باقیوں کو بھی نمٹا سکتے ہیں۔"

"میرے ساتھیوں کے ساتھ کیا، کیا تم نے؟"

میں ہنسا۔ "میں نے کچھ نہیں کیا۔ جو کرنا ہے جنگل کے بھوکے جانور کریں گے۔"

"تم نے..... مار دیا انہیں؟" وہ چلایا تھا۔

"تو کیا ان کی دعوت کرتا؟" میں نے طنز کیا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تو تم کو بھی ان کے پاس بھیج دوں گا۔"

آسمان سے بادل چھٹنے لگے اور چاند کی ہلکی سی روشنی پھیل گئی۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ خوف زدہ تھا مگر اپنا خوف چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "مجھے کچھ نہیں پتا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پستول نکال کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ "تب تمہارا کیا فائدہ۔ میں اپنا ایک دشمن ہی کم کر دوں، دوسروں کو بھی دیکھ لوں گا۔"

"خدا کے لئے۔" وہ ہکلایا۔ "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"ہاں واقعی، تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا ہے سوائے اس کے تم دشمن کے ساتھی ہو۔ اس لئے میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ تمہارے دونوں گھٹنوں میں گولیاں مار کر ہمیشہ کے لیے ناکارہ کر دوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ذرا پیچھے ہو کر اس کے گھٹنے کا نشانہ لیا تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے، لھو کیا معلوم کرنا ہے؟''

''آگے سڑک پر کتنے بندے ہمیں تلاش کر رہے ہیں؟''

''مجھے اس بارے میں زیادہ نہیں معلوم..... لیکن مری تک دو پارٹیاں اور ہیں۔''

''فتح خان کہاں ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم..... اسے میں نے دیکھا بھی نہیں ہے، صرف نام سنا ہے۔ یہ صرف شمشیر کو معلوم ہے۔''

''شمشیر کون ہے؟''

''ہمارا استاد..... اسے بھی تم نے مار دیا۔''

میں نے گھما پھرا کر اس سے سوال کئے مگر اسے سچ مچ زیادہ معلوم نہیں تھا سردی سے اس کی حالت خراب ہو رہی جا رہی تھی اور چہرہ نیلگوں پڑ گیا تھا۔ آخر میں نے اسے اٹھنے اور کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔ عیسیٰ خان کی جیپ کے عقبی حصے میں کچھ رسی پڑی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے درمیانی نشست پر ڈھکیل دیا۔ ''اگر تمہاری بات غلط ثابت ہوئی تو سب سے پہلے تمہیں گولی ماروں گا۔''

''اب کدر جانا اے صیب!'' عیسیٰ خان نے پوچھا۔

''واپس چلو۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''مین روڈ پر ہم تمہیں فارغ کر دیں گے۔''

''شکریہ صیب!'' وہ خوش ہو گیا۔ اس نے جیپ آگے بڑھا دی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے، مین سڑک پر دشمنوں سے ٹکراؤ ناگزیر تھا اور ہمارے پاس صرف دو رائفلیں اور دو عدد پستول تھے جبکہ دشمن کے پاس لامحدود اسلحہ تھا۔ رات بارہ بجے کے قریب ہم مین ہائی وے پر پہنچ چکے تھے۔ میں تھکن محسوس کر رہا تھا۔ بلکہ خواتین کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ ان کی حالت خراب ہو گی۔ ہائی وے پر جانے سے پہلے میں نے جیپ رکوائی۔ ''بس عیسیٰ خان! ہمارا تمہارا ساتھ یہیں تک تھا۔''

نیچے اتر کر میں نے قیدی کو بھی اتارا اس کا نام راز گل تھا۔ عیسیٰ خان ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ میں نے اسے چار ہزار پیشگی دے دیئے تھے۔ راز گل کو دھکیل کر میں لینڈ روور تک لایا۔

''یہ کس کی جیپ ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''شمشیر خان کی۔'' اس نے جواب دیا۔

''اسے کیوں رخصت کر دیا؟'' سفیر نے لینڈ روور سے جھانک کر کہا۔ ''اور اس کا کیا کرنا ہے؟''

''ابھی سوچا نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور راز گل کو لینڈ روور کے عقبی حصے میں ٹھونس دیا۔ یہ خانہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میں نے پہلے چیک کر لیا تھا۔ اس کے اندر ایسی کوئی شے نہیں تھی جس سے وہ خود کو آزاد کرا سکتا۔ ایک بار اور بڑا سا بکس تھا۔ وہ بھی مقفل تھا۔ میں فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ مونا اور ایمن عقبی نشست پر اونگھ رہی تھیں اور فی الحال انہوں نے میرا دماغ کھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''یار، ہمیں سفر جاری رکھنے کے بجائے کوئی پناہ گاہ تلاش کرنی چاہئے۔'' سفیر نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایسے ہم کب تک سفر کرتے رہیں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن اس موسم میں پناہ کہاں ملے گی۔ ہوٹل تک بند پڑے ہوں گے۔''

''ہوٹلوں کا رخ بھی نہیں کرنا ورنہ مارے جائیں گے۔ اس علاقے میں لوگوں کے بنگلے ہیں۔ ان میں سے کسی میں پناہ لی جاسکتی ہے۔''

''ہاں، میرا خیال ہے چند کلومیٹر بعد ایک جگہ کچھ بنگلے ہیں تو۔'' میں نے یادداشت پر زور دیا۔ ''لیکن ہمیں پناہ دے گا کون؟''

سفیر ہنسا۔ ''کوئی نہیں، ہمیں لینا پڑے گی۔''

''تیرا مطلب ہے، مان نہ مان، میں تیرا مہمان؟''

''اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔'' سفیر بولا۔ ''ہم اس طرح سفر کرتے رہے تو کہیں نہ کہیں دشمن کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔''

''پلیز، میں نیند اور تھکن سے مرنے والی ہوں۔'' مونا عقب سے بولی۔ ''کہیں تو رکو۔''

''کوشش کرتے ہیں۔ دعا کرو کہ دشمن سے ٹکراؤ نہ ہو۔''

سفیر نے مین ہائی وے پر آتے ہی رفتار تیز کر دی تھی۔ میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مذکورہ بنگلے کہاں تھے۔ میں نے کئی سال پہلے وہ جگہ دیکھی تھی۔ وہ جگہ سڑک سے ذرا ہٹ کر تھی۔ جب مری کی طرف سے ایبٹ آباد کی طرف آتے ہیں تو ایک سڑک دائیں طرف اوپر کی جانب جاتی تھی اور اس پر یہ بنگلے تھے جو صاحب حیثیت امرا نے بنوائے تھے۔ وہ اپنے اہلِ خانہ سمیت گرمیوں میں یہاں آتے تھے۔ سرما میں برف باری دیکھنے آتے تھے۔ امید تھی کہ فی الحال ان بنگلوں میں بیشتر خالی ہوں گے اور شاذ ہی کوئی آ کر ٹھہرا ہوگا۔ البتہ چوکیداروں کی موجودگی عین ممکن تھی۔ ''مجھے یاد آتا ہے۔ ان بنگلوں کی طرف جانے والے راستے سے ذرا پہلے ہائی وے پر ایک پیٹرول پمپ اور کچھ دکانیں ہیں جن سے عام استعمال کا سامان ملتا ہے۔''

''گڈ! اب تلاش کرنا اتنا مشکل نہیں ہوگا۔'' سفیر بولا۔

رات کے اس پہر سڑک مکمل طور پر ویران تھی۔ ارد گرد کوئی گاڑی یا فرد نظر آتا تو امکان یہی ہوتا، اس کا تعلق دشمن سے نکلتا مگر خیریت رہی، کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا۔ ایک گھنٹے بعد ہم مطلوبہ پیٹرول پمپ تک جا پہنچے۔ دکانیں اور پمپ دونوں بند تھے لیکن ان سے ہمیں نشانِ منزل مل گیا تھا۔ سفیر نے لینڈ روور واپس گھمائی اور دائیں طرف آنے والے راستے پر چڑھا دی۔ اونچے گھنے درختوں کے درمیان سے گزرتا یہ راستہ بلندی کی طرف جا رہا تھا۔ بنگلے اس راستے پر آنے والی ایک ہموار چھوٹی سی جگہ پر بنے تھے۔ یہ شاید تین ایکڑ کا ٹکڑا تھا جس پر کوئی درجن بھر بنگلے بنے تھے۔ ایک کلومیٹر سفر کے بعد بنگلے آ گئے۔ سفیر نے گاڑی ان کی طرف گھما دی۔ بیشتر بنگلے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سفیر نے تجویز پیش کی۔ ''بہتر ہے کسی غیر آباد بنگلے میں تشریف فرما ہوا جائے۔''

''میں تجھ سے اختلاف کروں گا۔ اوّل تو یہ ایک غیر قانونی کام ہوگا، دوسرے ہمیں کئی تالے توڑنا پڑیں گے اور سب سے اہم بات یہ ہے، خالی بنگلے میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے ایسا بنگلا تلاش کرنا چاہئے جس میں کم سے کم چوکیدار ہو۔ اسے ہزار دو ہزار دیں گے تو وہ خوشی خوشی سارا بندوبست کر دے گا۔''

''شوبی ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' مونا بولی۔ ''اور ہم میں کچھ کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ایک بنگلے کی طرف اشارہ کیا جس کی بعض کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ ''اس کے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا؟''

''بسم اللہ۔'' سفیر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ یہ بنگلا ذرا آخر میں تھا اور اس کے بعد ڈھلان تھی۔ میں گاڑی سے اترا اور لوہے کا بڑا سا گیٹ بجایا۔ سناٹے میں آہنی شور اس طرح گونجا کہ ایک لمحے کو میں خود بھی اچھل پڑا مگر اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا تھا۔ چند لمحے بعد بنگلے کے برآمدے میں کوئی آیا تھا۔ اس نے لالٹین اٹھا رکھی تھی۔ میں نے جھری سے جائزہ لیا۔ آنے والا حلیے سے چوکیدار لگ رہا تھا۔ اس نے مقامی زبان میں پوچھا۔

''کون ہے رات کے اس وقت؟''

''مسافر ہیں، پناہ چاہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ گیٹ کھول کر باہر آیا، اس نے لالٹین اونچی کر کے میرا اور گاڑی کا جائزہ لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ مسلح نہیں تھا۔ ''ہمیں سفر کرتے ہوئے رات ہو گئی ہے۔ اس لئے صبح تک پناہ چاہتے ہیں۔ اس کے لئے معقول معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔''

''کیوں نہیں صاحب!'' معاوضے کا سن کر اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم شہر سے آئے ہیں اس لئے وہ اردو میں بات کر رہا تھا۔ وہ تقریباً پچاس برس کا طویل قامت اور دبلا شخص تھا۔ اس نے گرم اونی چادر لے رکھی تھی۔ ''میرا نام زرین علی ہے۔ اندر آؤ صاحب! گاڑی بھی لے آؤ۔''

''ہمارے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں صاحب! ادھر بوت کمرا اے۔'' اس نے گیٹ کھولا۔

سفیر گاڑی کھلے گیٹ سے اندر لے آیا۔ اس نے جان بوجھ کر گاڑی کو کورڈ پورچ میں لے جا کر روکا تھا کہ وہ باہر سے آسانی سے نظر نہ آئے۔ زرین مجھے اندر لے آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا اسے راز گل کے بارے میں کیا بتاؤں، پھر مجھے خیال آیا۔ ''زرین! ہمارے ساتھ ہمارا نوکر بھی ہے۔ بے چارہ پاگل ہو گیا ہے۔ اسے دکھانے بڑے اسپتال شہر لے گئے تھے۔''

''اوہو..... خطرناک پاگل اے؟'' اس نے افسوس کیا۔

''نہیں، خطرناک تو نہیں ہے لیکن کبھی کبھی خود کو نقصان پہنچانے لگتا ہے اس لئے اسے باندھ کر رکھنا پڑتا ہے۔ راستے میں بھی اسے دورہ پڑا تھا اس لئے باندھنا پڑا۔ یہ بتاؤ کہ کوئی خالی کمرا ہے جس میں اسے بند کیا جا سکے تاکہ یہ خود کو نقصان نہ پہنچا سکے۔''

''خاص کمرا تو نہیں اے۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''اور پیچھے کوٹھری اے..... ام اس کو ادر رکھ سکتا اے۔''

''ٹھیک ہے مگر اسے بند رکھنا ہوگا۔ ورنہ یہ دورے کی حالت میں باہر نکل جائے گا اور اسے یہ پرکھا بھی نہیں ہوگی کہ باہر کتنی سردی ہے۔''

''آپ بے فکر ہو جاؤ صاب۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔ ''وہ کدر اے؟''

''گاڑی میں..... ابھی ہم نے اسے باندھ رکھا ہے۔''

''میرے ساتھ آؤ، اس کوٹھری میں بند کرتا اے۔''

''پہلے مجھے کوٹھری دکھاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفیر، مونا اور ایمن بنگلے کی نشست گاہ میں آ گئے تھے۔ میں نے سفیر کو اشارہ کیا کہ وہ راز گل پر نظر رکھے۔ میں زرین کے ساتھ بنگلے کے عقبی حصے میں آیا جسے وہ کوٹھری کہہ رہا تھا، وہ اصل میں بنگلے کا اسٹور روم تھا اس میں آمدورفت کے لئے صرف ایک دروازہ تھا۔ اوپر چھوٹا سا روشن دان تھا جس سے کوئی بلی تو گزر سکتی تھی لیکن انسان کے لئے اس سے نکلنا ناممکن تھا۔ دروازہ بھی مضبوط تھا۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اندر ایک عدد چارپائی اور اس پر گدا پڑا تھا۔ زرین نے وضاحت کی۔ "جب صاحب لوگ آتا اے تو ام اور سوتا اے۔"

دوسری صورت میں وہ بنگلے کے کسی بیڈ روم میں ٹھاٹ سے سوتا ہوگا۔

"ٹھیک ہے، میں اپنے ملازم کو لاتا ہوں لیکن اس کے کمرے کا دروازہ کسی صورت مت کھولنا۔ بعض اوقات وہ خطرناک بھی ہو جاتا ہے۔ ایک بار دورے کی حالت میں اس نے اپنے ساتھی ملازم کو جان سے بھی مارنے کی کوشش کی۔ وہ تو دوسروں نے دیکھ لیا تھا، ورنہ اس نے تو گلا دبا ہی دیا تھا۔"

"اتا خطرناک اے!" زرین کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "اسے کیوں رکھا اے صاحب، نکال باہر کرو۔"

"کیا کریں، خاندانی ملازم ہے، اس کے باپ دادا ہماری خدمت کرتے آئے ہیں۔" میں نے اطمینان سے جھوٹ بولنے کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔

میں نے آ کر گاڑی کے عقبی حصے سے راز گل کو نکالا۔ "سنو بیٹے، تم ہمارے پاگل نوکر ہو۔ اس لئے فرار ہونے یا اس بنگلے کے چوکیدار کو ورغلانے کی کوشش مت کرنا، ایسا نہ ہو تمہارے ساتھ اسے بھی مار کرنا پڑے۔"

"میں چپ رہوں گا۔"

"اسی میں تمہاری عافیت ہے، آئندہ بھی زندہ رہو۔ تم نے اندازہ کر لیا ہوگا، میں بلاوجہ کسی کو قتل نہیں کرتا جب تک وہ مجھے مجبور نہ کر دے۔"

اسے اچھی طرح ڈرا دھمکا کر میں نے اسے کوٹھری میں بند کر دیا۔ زرین نے ہمارے لئے نچلے حصے کے دو بیڈ روم کھول دیئے تھے۔ یہ شاید گیسٹ ہاؤس کا حصہ تھا کیونکہ کمروں میں نارمل قسم کا فرنیچر تھا۔ البتہ کام کی چیز آتش دان تھے۔ زرین نے بوری میں سے لا کر آتش دانوں میں لکڑی کا کوئلہ سلگایا تھا۔ تھوڑی دیر میں کمرے مناسب حد تک گرم ہو گئے تھے۔ کھانے کے لئے فی الحال کچھ نہیں تھا اس نے نکئی کی روٹی اور مکھن پیش کر دیا۔ ہم نے اسے ہی غنیمت سے اتارا البتہ اس نے کافی شاندار بنائی تھی۔ کھا پی کر مونا اور ایمن تو فوری طور پر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں نے سفیر سے اکیلے میں کہا۔ "میں زرین کے ساتھ ہوں تو سو جا، چار گھنٹے بعد تجھے جگا دوں گا۔"

"تجھے اس پر اعتماد نہیں ہے۔" سفیر نے زرین کی طرف اشارہ کیا۔

"ظاہر ہے، وہ کون سا میرا سگا ہے۔ اگر راز گل بھاگ گیا تو ہمیں بھی اس جگہ سے بھاگنا پڑے گا۔"

سفیر نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے میں سو جاتا ہوں۔"

"اور میں بے خوابی کے بہانے زرین سے گپ شپ کرتا ہوں۔" میں نے باہر کا رخ کیا۔ زرین لاؤنج میں آتش دان کے سامنے بستر لگائے لیٹا تھا۔ مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"خیریت صاب! کوئی کام.....؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں یار!" میں آتش دان کے پاس قالین پر بیٹھ گیا۔ "نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا تم سے گپ شپ کروں۔"

"کیوں نہیں صاب!" وہ خوش ہو گیا تھا۔ "کوئی چائے..... کافی..... قہوہ پئے گا؟"

"کافی تو تم پلا چکے ہو..... ہاں چائے مل جائے تو....."

"میں ابھی لایا صاب!" وہ جانے لگا پھر رکا۔ "صاب وہ..... آپ کا نوکر..... کیا اسے بھی روٹی اور چائے دوں؟"

"ہاں، اسے بھی دو۔ بلکہ ایسا کرو، میرے ساتھ چلتا نا کہ کوئی مسئلہ ہو تو میں سنبھال لوں۔"

"بالکل صاب! ام کو تو اس کے پاس جانے کا سوچ کر ڈر لگتا اے۔"

زرین علی چائے بنانے چلا گیا۔ دس منٹ بعد اس نے ٹرے میں بکی کی روٹی، بکسن اور چائے لا کر مجھے دی۔

"ہمارے ساتھ چلو صاب!"

زرین نے کوٹھری کے باہر سے تالا لگا دیا تھا۔ اس نے تالا کھولا اور میں نے ٹرے راز گل کے سامنے رکھی جو چارپائی پر کمبل میں دبکا ہوا تھا۔ "یہ کھالو اور سو جانا۔"

"مجھے پیشاب کے لئے جانا ہے؟" اس نے مطالبہ کیا۔

"پہلے کھالو۔ ہم ابھی آتے ہیں پھر تم کو لے جا سکیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ اگرچہ پستول میں نے کمرے میں رکھ دیا تھا لیکن راز گل کے سامنے میں نے ہاتھ مستقل اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھا تھا جیسے میرے ہاتھ میں پستول ہے۔ ہم واپس لاؤنج میں آئے۔ کوٹھی میں بجلی کی تقریباً تمام ہی اشیاء تھیں لیکن بجلی نہیں تھی۔ بنگلے میں تیل سے جلنے والے لیمپ لگے تھے۔ میں نے بجلی کے بارے پوچھا۔

"اور بجلی نہیں اے صاب! جنریٹر ہے..... جب صاب لوگ آتا ہے تو چلاتا اے۔"

"صاحب کہاں رہتا ہے تمہارا..... اسلام آباد..... یا کسی اور شہر میں؟"

"نہیں، اسی علاقے میں رہتا اے۔ کبھی کبھی آتا اے۔ ابی اس کا بی بی اور ہی تھا۔ اس کے بچہ ہونے والا اے۔ اسے صاب نے شہر بھیج دیا اے۔ اس کا طبیعت بہت خراب تھا۔"

"حیرت ہے، جب وہ اس علاقے میں ہی رہتا ہے تو اس کوٹھی میں کیوں نہیں رہتا؟"

"ام کیا جانے صاب! وہ تو ادھر آتا بی کم اے۔ سال میں دو تین بار ای آتا اے۔ پر اب بی بی کی وجہ سے چکر لگاتا اے۔"

"بی بی واپس آئے گی؟"

"ہاں، پر دس بارہ دن لگے گا۔" اس نے کہا اور چائے کے برتن اٹھانے لگا۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔

"اسے لیٹرین لے جانا ہے۔" میں نے کہا۔ "کدھر ہے لیٹرین؟"

زرین علی نے مجھے لیٹرین دکھایا۔ یہ بھی عقبی حصے میں تھا۔ میں نے اس سے دروازے کی چابی لے کر اسے برتن دھونے کچن کی طرف روانہ کر دیا۔ اسے کوٹھری سے نکال کر لیٹرین تک لایا۔ "آگے چوبیس گھنٹے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئے صرف پانچ منٹ میں فارغ ہو جاؤ ورنہ مجھے کچھ ایسا کرنا پڑے گا کہ تمہیں اس قسم کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی۔''

وہ پانچ منٹ میں آ گیا تھا۔ اسے کوٹھری میں بند کر کے میں واپس آیا۔ میں نے محسوس کیا کہ سوائے مہمان خانے، لاؤنج اور ڈرائنگ روم کے سب بند تھا۔ غالباً اس وجہ سے زرین بے فکر تھا۔ یہاں سے کچھ غائب کرنا ممکن نہیں تھا۔ زرین واپس آ چکا تھا اور مقامی زبان کا ایک گانا گنگناتے ہوئے آتش دان میں کوئلے سلاخ سے کرید رہا تھا۔ ''صاب! آپ کو گانا اچھا لگتا اے۔''

''ہاں، بشرطیکہ گانے والا مرد نہ ہو۔'' میں نے سر ہلایا۔

''یعنی امارا گانا پسند نہیں اے۔''

''مرد گلوکاروں میں مجھے صرف تان سین پسند ہے وہ بھی اس لئے کہ مر چکا ہے۔'' میں آتش دان کے پاس نیم دراز ہو گیا۔ گانے کے بجائے تم مجھے اس علاقے کے بارے میں بتاؤ۔''

''ام اس علاقے کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ ام خود سوات کا رہنے والا اے۔''

''تب اپنے علاقے کے بارے میں بتاؤ۔''

''ام پندرہ سال کا تھا جب ادھر سے نکلا۔ اب ام پچاس سال کا اے ام سترہ سال لاہور رہا اور بارہ سال ام اسلام آباد رہا۔ اس کے بعد سے ادر اے۔''

''یعنی تم چھ سال سے ادھر ہو؟'' میں نے غور کیا۔ ''تم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔ اپنے گاؤں کب تک پہنچ جاؤ گے؟''

''جب ام ساٹھ کا ہو جائے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تب ام اور باغ لگائے گا۔ خوبانی کا، سیب کا اور اخروٹ کا۔'' اس کی آنکھوں میں خواب آ گئے تھے۔

''تمہارے پاس زمین ہے؟''

''نہیں اے..... امارا باپ کا تھا۔ پر وہ قرض میں چلا گیا۔ ام پیسے جمع کر رہا اے، اپنی زمین واپس لے گا۔ پھر اس پر باغ لگائے گا۔ جب ام مرے گا تو امارا بیٹا بے زمین نہیں ہوگا۔''

اس کے لہجے میں دکھ تھا اور اس دکھ میں وہ ساری داستان بھی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف اس غریب چوکیدار کی نہیں، اس ملک میں بسنے والے تقریباً ہر غریب کا دکھ تھا۔ وہ جو خود حاصل نہیں کر سکا، وہ اپنے بیٹے کے لئے چاہتا ہے۔ وہ اپنی محرومیوں سے اپنی اولاد کو بچانا چاہتا ہے مگر درّہ خنجراب سے کراچی کی پورٹ تک، کوئٹہ سے لاہور تک بے شمار مافیائیں ہیں جن کا کام ہی اس ملک میں بسنے والے لوگوں سے ان کے معمولی معمولی خواب چھین لینا ہے۔ یہ جو چھین لیتی ہیں اس پر خوش نہیں ہوتیں جو نہیں چھین پاتیں، اس پر بے چین رہتی ہیں۔ کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی تھی۔ آتش دان میں انگارے کبھی کبھی چٹختے تھے۔ میں نے خاموشی کو توڑا۔ ''تمہارا صاحب اعتراض نہیں کرے گا تم نے ہمیں ٹھہرایا؟''

''نہیں، صاب! اگر صاب نے منع کیا ہوتا تو امارا کیا مجال تھا، آپ کو اور ٹھہراتا۔ بات یہ اے لوگ اور صرف مشکل میں آتا اے۔ اسے پناہ دینا چاہئے امارا صاب نے ام کو کبھی منع نہیں کیا اور سال میں چار پانچ بار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ جیسا مہمان آجاتا ہے۔ ام خدمت کرتا ہے۔ ام کو بی کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔''

''معاف کرنا، مجھے اس کا خیال نہیں رہا۔'' میں نے اپنا پرس نکالا اور اس میں سے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''فی الحال اسے رکھو۔ باقی حساب جاتے وقت کرلیں گے۔''

''مہربانی صاب!'' اس نے خوشی سے نوٹ لے لیا۔ زرین کچھ دیر بات کرنے کے بعد سونے کے لئے لیٹ گیا تھا۔ ظاہر ہے جاگنا اس کی نہیں میری مجبوری تھی۔ وہ خرانے لینے لگا تو میں نے اس کے پاس رکھی چابیاں لے کر کوٹھری کا رخ کیا تھا۔ وقت گزاری کے لئے راز گل سے پوچھ گچھ سے بہتر مشغلہ اور کیا ہوسکتا تھا اگرچہ نیند اور تھکن کی وجہ سے میرا سر بوجھل ہو رہا تھا لیکن ابھی دو گھنٹے جاگنا تھا۔ وہ بے خبر پڑا خرانے لے رہا تھا۔ میں نے اس پر پڑا کمبل کھینچا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا تھا۔ ''کک..... کون..... کیا بات ہے؟''

''میں ہوں۔'' میں نے اسے پھر چارپائی پر دھکیل دیا۔ ''تم سے ذرا گپ شپ کا ارادہ ہے۔''

''جی جناب!'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ''فتح خان کے اس علاقے میں کہاں کہاں ٹھکانے ہیں؟''

''اس بارے میں شمشیر خان جانتا تھا۔'' اس نے مسکینی سے کہا۔ ''ویسے بھی میں اس علاقے کا رہنے والا نہیں ہوں۔''

''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''کالام کا جی!''

''تب یہ کیسے ممکن ہے تم اس علاقے سے ناواقف ہو۔ یہ جگہ کالام سے زیادہ دور نہیں ہے۔''

''بس جی، کبھی اس طرف آنے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

''تمہارے گروپ کا لیڈر شمشیر خان تھا۔ باقی دو گروپس جو ہمیں تلاش کر رہے ہیں، ان میں کون ہے؟''

''باقیوں کو تو میں نہیں جانتا لیکن جو گروپ اوپر کے علاقے میں ہے، اس کا سربراہ صابر شاہ ہے۔''

''صابر شاہ کون ہے؟''

''وہ فتح خان کے قریبی ساتھیوں میں سے ہے۔ اس علاقے کا رہنے والا ہے۔ میں نے سنا ہے، بہت خطرناک آدمی ہے۔ انسان کھمبی، مچھر کی طرح مار دیتا ہے۔''

''خوب، سامنے آئے تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔ یہ بتاؤ، نیچے جو گروپ ہے وہ کس کا ہے؟''

''اس کا مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے لجاجت سے کہا۔ ''صاحب، میں نے آپ سے کچھ نہیں چھپایا ہے، مجھے جانے دینا، مجھے مت مارنا میری ایک بوڑھی ماں ہے۔''

''سب کی بوڑھی مائیں ہوتی ہیں اور ماں کا اتنا ہی خیال ہے تو ایسے چکروں میں کیوں پڑے؟''

اس کا چہرہ ست گیا تھا۔ ''بس جی، قسمت ہی خراب ہے۔ ورنہ آج آرام سے گھر میں ہوتا۔''

میں نے اس سے کچھ دیر اور پوچھ گچھ کی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ سچ بول رہا ہے یا اس نے کوئی غلط بیانی کی بھی تھی تو میں اسے پکڑ نہیں پایا تھا۔ بہرحال صابر شاہ کا نام ایک اضافہ تھا۔ اگر مجھے ان لوگوں سے مقابلہ کرنا تھا اور ان کے مقابلے میں کھڑے رہنا تھا تو میرے لئے ضروری تھا ان کے بارے میں تمام معلومات رکھوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنگ وہی جیتتا ہے جس کا جاسوسی کا نظام مضبوط ہو۔ میں اس کے پاس سے اٹھ گیا جیسے ہی باہر نکلا، میں ۔ زرین علی کو سامنے پایا، وہ مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ غالباً اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں۔ میں ۔ تالا لگایا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے لاؤنج میں لے آیا۔ ''تم نے ہماری باتیں سن لی ہیں؟''

''تھوڑی سی صاب!'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''کیا یہ آپ کا دشمن اے۔ نوکر نہیں اے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''دشمن کا ساتھی..... وہ ہمارے پیچھے ہے۔ یہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔''

زرین پریشان نظر آنے لگا۔ ''صاب، میں نے آپ کو مسافر سمجھا۔''

''ہم مسافر بھی ہیں اور ہمارے دشمنوں سے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کو پتا نہیں ہے کہ ہم کہاں ہیں؟''

''پر وہ آپ کو تلاش کرتا اور آ گیا؟''

''تب کی تب دیکھی جائے گی۔ میں نے کہا ناں اس کا امکان نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ پھر مجھے ایک خیال آیا۔ ''سنو زرین! کیا ہم اپنی گاڑی کہیں اور نہیں چھپا سکتے، یہ بالکل سامنے کھڑی ہے؟''

''اور پیچھے جگہ اے۔'' اس نے بنگلے کے عقبی طرف اشارہ کیا۔

''تب چلو، اسے ابھی وہاں کھڑا کرتے ہیں۔ کوئی ترپال ہے تو اسے ڈھک دو۔''

''ترپال تو نہیں اے پر اور کوئی گاڑی کو دیکھ نہیں سکتا۔''

میں نے چابی لی اور لینڈ روور کو لے جا کر بنگلے کے عقبی حصے میں کھڑا کر دیا۔ اس طرف واقعی اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس طرف نہ تو کوئی بنگلا تھا اور نہ ہی کوئی اونچی جگہ تھی بلکہ یہ اس مسطح چوٹی کا سب سے اونچا اور آخری حصہ تھا۔ اس کے بعد ڈھلان تھی۔ اندر آ کر میں نے وقت دیکھا۔ صبح کے چھ بج رہے تھے۔ سفیر نے زیادہ ہی سو لیا تھا۔ میں نے اسے جگایا اور مختصراً صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ خاص طور سے زرین کے بارے میں خبردار کیا اور اس کی جگہ گرم بستر میں گھس کر فوراً ہی خوابِ خرگوش میں گم ہو گیا۔ باہر کے مقابلے میں اندر کمرے گرم تھے۔ میری نیند کے دوران میں کوئی خلافِ معمول واقعہ پیش نہیں آیا تھا اس لئے میں سکون سے سوتا رہا پھر مجھے بارہ بجے سفیر نے اٹھایا۔

''اٹھ جا یار!'' اس نے میرا پاؤں ہلایا۔ ''کب تک سوتا رہے گا، بارہ بج رہے ہیں۔''

میں نے انگڑائی لی۔ ''اف، میں بھوک سے فوت ہونے والا ہوں۔''

''منہ ہاتھ دھو لے..... پھر زرین ناشتا بنا دے گا۔ ہم نے تو کر لیا ہے۔''

کمرے کے ساتھ واش روم تھا اور اس میں گرم پانی آ رہا تھا۔ گرم پانی دیکھ کر میرا دل مچل گیا۔ نہ جانے کتنے عرصے سے میں نے غسل نہیں کیا تھا۔ میں نے کپڑے اتارے اور گرم شاور لینے لگا۔ طبیعت خوش ہو گئی تھی۔ میں نے باہر آ کر دوسرے کپڑے پہنے لاؤنج میں آیا تو مونا اور ایمن سر جوڑے ایمن کے لیپ ٹاپ کمپیوٹر پر کچھ دیکھ رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ جلدی سے سیدھی ہو گئیں اور ایمن نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ وہ اس ننھے سے کمپیوٹر کو اپنے بیگ میں ساتھ ساتھ لئے پھر رہی تھی۔ ''کیا دیکھا جا رہا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' مونا جلدی سے بولی۔ ''ہم بس ایسے ہی دیکھ رہے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کھانے کو کچھ ملے گا؟''

''میں دیکھتی ہوں، زرین ناشتا بنانے گیا تھا۔'' مونا بولی اور لاؤنج سے نکل گئی۔

''خیریت..... یہ اتنی بدحواس کیوں ہو رہی ہے؟'' میں نے ایمن سے پوچھا۔

''مجھے کیا پتا۔'' وہ بے بی دبی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''رات ایسی بے ہوشی کی نیند آئی تھی۔''

''میں صبح چھ بجے سویا تھا لیکن اتنی نیند کافی ہے میرے لئے۔ تم پریشان تو نہیں ہو؟''

''کیا مجھے نہیں ہونا چاہئے؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''ہونا چاہئے۔ ہم تو عادی ہو گئے ہیں، آئے دن ایسے ہی حالات سے گزرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس بار دشمن تمہارے لئے اتنا پاگل ہو رہا ہے۔''

ایمن کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے پوچھا۔ ''شوبی! ڈیڈی زندہ ہیں ناں.....؟''

''اس کا یقین تو مجھے بھی نہیں ہے۔ صرف ایک اندازہ ہے اور جو فتح خان کی قید میں دیکھا تھا۔''

''میں نے برسوں ان کو مردہ سمجھا ہے۔ میرا دل اسے قبول کرتے ہوئے ڈر رہا ہے، اگر یہ بات غلط نکلی تو.....؟''

''یہ میرا اندازہ ہے فتح خان نہایت عیار شخص ہے اس نے برٹ شا کو ہیروں کے چکر میں زندہ رکھا ہوگا۔ وہ اس سے ہیرے حاصل کرنا چاہتا ہوگا۔ مگر برٹ شا نے اپنی زبان بند رکھی ہوگی۔ اس لیے اب اسے دباؤ میں رکھنے کے لیے فتح خان تمہیں اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ کامیاب رہا تو برٹ شا اس کی بات ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس کے پاس کامیابی کا یہ واحد طریقہ ہے اور برٹ شا کی زندگی لازمی ہے کیونکہ صرف وہی جانتا ہے کہ ہیرے کہاں ہے۔ فتح خان جس طرح تمہیں حاصل کرنے کے لیے پاگل ہو رہا ہے اس سے مجھے لگ رہا ہے کہ برٹ شا اس کے قبضے میں زندہ ہے۔''

''ممکن ہے فتح خان انہیں حاصل کر چکا ہو؟''

''اس صورت میں وہ یہاں نہیں ہوتا۔''

''کیا تمہیں یقین ہے، وہ ہیرے وہیں ہوں گے۔''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں! اوّل تو مجھے ہیروں سے دلچسپی نہیں ہے، دوسرے ان کو تمہارے ڈیڈی نے چھپایا تھا اور اس نے ہیرے یقیناً کسی ایسی جگہ چھپائے ہوں گے جہاں سے ان کو دوبارہ آسانی سے حاصل کیا جا سکے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے ان ہیروں کی کہانی کیا ہے؟''

''ڈیڈی ایک سائیڈ بزنس بھی کرتے تھے۔ نوادرات کی ڈیلنگ کا۔ جن دنوں وہ پاکستان آ رہے تھے، اٹلی کی ایک پارٹی نے ان سے رابطہ کیا تھا۔ ان کو ایک افغان سردار سے یہ ہیرے لے کر پارٹی کو پہنچانے تھے اور سردار کو سوئس بینک ڈرافٹ کی صورت میں رقم دینا تھی۔ یہ خاصی بڑی رقم تھی چار اعشاریہ دو ملین امریکی ڈالرز۔ ڈیڈی کو اس سلسلے میں دس فی صد کمیشن دیا گیا تھا۔''

اس اثنا میں مونا ناشتے کی ٹرے لے آئی۔ کلچے نما پراٹھے، تلے ہوئے انڈے اور سوجی کا حلوا تھا۔ ساتھ میں چائے کے دو مگ تھے۔ مونا نے ٹرے میرے سامنے رکھ دی، چائے وہ اپنے اور ایمن کے لئے لائی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے دیکھ کر ایمن چپ ہو گئی تھی۔ مونا نے چائے میں دودھ اور چینی ڈالی اور مگ ایمن کو تھما دیا۔ میں نے ناشتے سے انصاف شروع کیا۔ ''سفیر کہاں ہے؟''

''زرین کے ساتھ لگا ہے، اسے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔''

''گڈ!'' میں نے سر ہلایا اور ایمن کی طرف دیکھا۔ ''تمہاری بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔''

''گڑبڑ وہاں سے شروع ہوئی جب ان ہیروں کا علم اتفاق سے فتح خان کو ہو گیا اور اس نے انہیں ہتھیانے کی کوشش شروع کر دی۔''

''مجھے یقین ہے تصویر اور پتھر چرانے جانے والے چور بھی فتح خان کی سازش سے راجا عمر دراز کے ہاتھ لگے تھے، مقصد صرف تم لوگوں کو جاننے سے روکنا تھا۔''

ایمن چونکی۔ ''مجھے بھی یقین ہے، میرے ذہن میں بھی بالکل یہی خیال آیا تھا، کاش اس وقت ڈیڈی میری بات مان لیتے، اس دیوانگی کو چھوڑ کر واپس چلے جاتے۔''

''تمہارے ڈیڈی خوش قسمت ہیں ورنہ میں نے ان چیزوں کے پیچھے درجنوں افراد کو اپنی جان سے ہاتھ دھوتے دیکھا ہے۔ ان میں سے کئی میرے ہاتھوں مارے گئے۔''

''تمہارے ہاتھوں.....؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔ ''تم کسی کو نہیں مار سکتے۔''

''ہاں، میں نے یہ کام جان بوجھ کر نہیں کیا مجھے مجبور کیا گیا تبھی میں نے کسی کی جان لی تھی۔''

مونا معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''خاتون، تمہارے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمی کا شکار ہیں۔''

''پلیز، میرے سامنے انگلش میں بات کیا کرو۔'' ایمن نے خفگی سے کہا۔ ''آداب محفل کے خلاف ہے۔''

''او کے!'' میں نے کہا۔ ''ہم آئندہ خیال رکھیں گے۔''

مونا نے مجھے گھور کر دیکھا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ ایمن نے حیرت سے کہا۔ ''اسے کیا ہوا، میں نے تو ایک عام سی بات کہی تھی۔''

''کچھ نہیں..... وہ سفیر کے پاس گئی ہے۔''

ایمن میرے پاس کھسک آئی۔ ''کبھی کبھی یہ مجھے حیران کر دیتی ہے۔ جب میں محسوس کرنے لگتی ہوں کہ ہمارے درمیان بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے تو اچانک کسی بات پر اس کا موڈ خراب ہو جاتا ہے اور یہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی ہے۔''

''اس کی ایک ہی وجہ ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''سرکار کی کوششوں سے ہماری خواتین میں روشن خیالی تو آ گئی ہے مگر ان کے سوچنے کے انداز میں جذباتیت برقرار ہے۔ اس وجہ سے ان کے رویے میں یکسانیت نہیں پائی جاتی، تم فکر مت کرو، مونا دل کی اچھی لڑکی ہے۔''

''ہاں، اس کا تو مجھے بھی علم ہے۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ ہم کب تک یہاں رہیں گے۔ اسلام آباد کب جائیں گے۔''

''فی الحال تو اسلام آباد جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور اس جگہ کیا خرابی ہے۔ رہنے کو بہترین بنگلا ہے جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تمام سہولتیں بھی ہیں، تین ٹائم پکا پکایا کھانے کے ساتھ وقت بے وقت چائے کافی بھی مل رہی ہے، دشمن کی کوئی فکر نہیں ہے۔ وہ ہماری تلاش میں اس موسم میں مارا مارا پھر رہا ہے اور ہم اس پُر آسائش بنگلے میں بیٹھے ہیں۔"

"نہیں، مسئلہ تو کوئی نہیں ہے۔ بس مجھے گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔"

"فتح خان کے ہاتھ آنے سے بہتر ہے، یہ تھوڑی سی گھبراہٹ برداشت کر لو۔ اصل میں تم ان حالات کی عادی نہیں ہو، دو چار دن ہمارے ساتھ رہو گی تو عادی ہو جاؤ گی۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "باہر کیسا موسم ہے، آؤ ذرا گھوم کر آئیں۔"

"ہاں، یہ اچھا خیال ہے۔" وہ خوش ہو گئی تھی۔

میں نے جیکٹ، گرم ٹوپی پہنی اور جوتے پہنے اور ایمن کے ساتھ باہر جانے لگا تھا کہ لاؤنج میں زرین آ گیا۔ "صاب، کافی لایا اے۔"

"لاؤ یار دو..... ہم ذرا لان میں جا رہے ہیں۔"

اس نے مجھے کافی کا بھاپ اڑاتا مگ تھمایا۔ "صاب، زیادہ دیر باہر مت رہنا۔ اور کا سردی چپکے سے جسم میں اتر جاتا اے۔"

"ہم جلدی آ جائیں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

بنگلے کے سامنے خاصا بڑا لان تھا جس پر چنار اور اخروٹ کے درخت لگے تھے اور فی الحال ہر شے پر خزاں چھائی ہوئی تھی۔ سخت اور سرمئی ہو جانے والی گھاس میں موجود نمی سردی سے جم گئی تھی اور جب ہم اس پر قدم رکھتے تھے تو یہ برف کرچ کرچ کی آواز کے ساتھ ٹوٹتی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا، ہم نازک سے شیشوں پر چل رہے ہیں اور وہ ٹوٹتے جا رہے ہیں۔ میں نے جلدی جلدی کافی کے گھونٹ لئے کیونکہ کھلی فضا میں غضب کی سردی تھی۔ کافی تیزی سے ٹھنڈی پڑ جاتی۔ ایمن کھلی فضا میں آ کر خوش تھی۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔

"شاید آج رات برف باری ہو۔"

آسمان پر بادل تھے لیکن سفید رنگ کے تھے۔ "یہ بادل برف باری نہیں کرتے۔"

"میں بچپن سے ایسا موسم دیکھتی آئی ہوں۔ ہماری جاگیر شمالی انگلینڈ میں ہے جہاں شاذ ہی سورج نظر آتا ہے۔ ہوا اور بادل کہہ رہے ہیں کہ برف باری کا امکان ہے۔"

"کمال ہے، میں تو سمجھتا تھا اس انداز میں پیش گوئی صرف ہمارا محکمۂ موسمیات کر سکتا ہے۔"

"تو کیا میں بکواس کر رہی ہوں!" وہ خفا ہو گئی تھی۔

"اوہ سوری! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ ہم ٹہلتے ہوئے چنار کے درخت تلے چلے آئے، یہ بہت بڑا اور بہت پرانا چنار تھا۔ چنار کا درخت بہت سُستی سے بڑھتا ہے اور اس کی عمر بھی بہت طویل ہوتی ہے۔ کشمیر میں سینکڑوں برس پرانے چنار کے درخت ہیں۔ میں نے ہری پور میں چنار کے تیس چالیس فٹ اونچے درخت دیکھے ہیں جن کی عمر تین سو برس سے زیادہ ہے۔ یہ کشمیر کے مسلمان حکمرانوں کے دور میں لگائے گئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی! تم اپنے ماں باپ سے نہیں ملتے؟'' ایمن نے اچانک کہا تو میرے سینے میں تیر سا لگا تھا۔ کتنے برس ہو گئے تھے ان کو دیکھے۔ ماں جی میرے لئے کس طرح تڑپتی ہوں گی۔ اکثر میں سوچتا تھا کہ سب بھول کر حویلی چلا جاؤں لیکن جب وہ سیاہ آنکھیں سوچوں میں آتیں اور مجھ سے سوال کرتیں۔ ''کیا میرا سامنا کر سکو گے؟'' تو میرا خیال پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ جاتا تھا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' میرا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی سرد ہو گیا تھا۔

''سوری..... اگر میں نے کوئی پرسنل بات پوچھی ہو۔'' وہ میرے لہجے سے گھبرا گئی تھی۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''ہاں، میں برسوں سے گھر نہیں گیا۔ میرا اپنے ماں، باپ اور بہن بھائیوں سے کوئی رابطہ نہیں رہا ہے۔''

''مگر کیوں شوبی! ماں، باپ کو تو کوئی نہیں چھوڑتا اور میں نے دیکھا ہے تو تمہارے ملک میں ماں، باپ کی بہت قدر کی جاتی ہے۔''

''ہاں، مجھے بھی ان سے بے پناہ محبت ہے لیکن میں ان سے ملنے ان کے گھر نہیں جا سکتا۔''

ایمن نے میرا سرد ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ ''شوبی! اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے بتا دو۔ اس طرح تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میرے دل پر کوئی بوجھ ہے۔ مونا کی بچی نے میرے بارے میں سب ہی پھوٹ دیا تھا کیا؟ میں نے سوچا۔ ''تم میرے دل کے بوجھ کے بارے میں کیا جانتی ہو؟''

ایمن ہچکچائی۔ ''وہ تمہاری کوئی کزن تھی ناں..... تم اسے پسند کرتے تھے لیکن پھر اس کی شادی تمہارے بھائی ''

''مونا.....!'' میں نے دانت پیسے۔

''اس کا قصور نہیں ہے۔ یہ تو میں نے سوال کر کر کے اس سے اگلوایا ہے۔'' ایمن گھبرا کر بولی۔ ''پلیز! اسے کچھ مت کہنا۔ اس کا قصور نہیں، یہ تو میں ہوں جو تمہاری زندگی کے ہر ہر پہلو سے واقف ہونا چاہتی ہوں۔''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ ''بس ایسے ہی۔'' وہ کچھ دیر چپ رہی پھر اس نے پوچھا۔ ''تمہاری کزن بہت خوبصورت تھی ناں.....؟''

میرے تصور میں سیاہ آنکھوں کے ساتھ گلابی رنگ والے نقوش بھی در آئے تھے۔ جنہیں میں برسوں سے اپنی یادداشت سے دور دھکیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک نازک سا سراپا جسے میں بھول جانا چاہتا تھا مگر چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ میں کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا۔ سب میرے اندر اس طرح محفوظ تھا، جیسے شیشی کے اندر خوشبو محفوظ ہوتی ہے۔ شیشی نہ بھی کھلے تب بھی خوشبو آ ہی جاتی ہے۔ ایمن کی آواز نے مجھے چونکایا تھا۔

''وہ خوبصورت تھی؟''

''شاید تھی۔ اگر خوبصورتی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی آپ کی یادداشتوں میں بس جائے تو وہ خوبصورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''یاد تو تم نے مجھے بھی رکھا تھا۔'' وہ تیکھے انداز میں بولی۔

میں چونکا۔ ''ہاں، تم بھی یاد تھیں۔''

''یعنی میں خوبصورت ہوں؟''

''میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''ہاں، تم بھی خوبصورت ہو۔''

''کتنی خوبصورت؟'' اس نے شوخی سے پوچھا۔

''بابا..... اس سے زیادہ جتنا تم لگتی ہو۔'' میں نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔

''شوبی، تم جانتے ہو، میں یہاں کیوں آئی ہوں؟''

''برٹ شا کی تلاش کے لئے۔'' میں انجان بنا۔

''ہاں، یہ وجہ بھی ہے لیکن ایک وجہ اور بھی ہے۔'' وہ میرے قریب آ گئی۔ ''وہ وجہ تم ہو شوبی! میں تمہارے لئے بھی یہاں آئی ہوں۔''

''میرے لئے، میں تو خود برے حالوں سے گزر رہا ہوں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''انسان کو برے حالات میں اپنوں کی مدد اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''میں اس کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے نرمی سے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔ ''اپنوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے ہیں۔''

''رائٹ، مگر تمہارا یہ عمل سنسر کی زد میں آتا ہے۔'' میں نے اتنی ہی نرمی سے اس کی بانہیں ہٹا دیں۔

''سرِ عام ہمارے ہاں اس قسم کی حرکت کا مطلب حدود کی دفعہ کے تحت پولیس اسٹیشن جانا بھی ہو سکتا ہے۔''

اس نے برا نہیں منایا اور شوخی سے بولی۔ ''او کے! اکیلے میں تو پابندی نہیں ہے ناں.....؟''

''اکیلے میں بھی پابندی سمجھو۔ دراصل ہمارے معاشرے میں مرد اور عورت کو اتنی آزادی نہیں ہے اس لئے میرا ضمیر اس کی اجازت نہیں دے گا۔''

''اچھا!'' وہ کسی قدر مایوس ہوئی تھی یا شاید پوز کر رہی تھی۔ عورت مرد کے معاملے میں مایوس ہونا جانتی ہی نہیں ہے۔ ایمن جانتی تھی، میدان صاف ہے اس کا کوئی مدِ مقابل نہیں ہے۔ اس لئے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ مجھے خاتون کی کوششوں پر کوئی اعتراض نہیں تھا بشرطیکہ وہ ایک حد میں رہتیں۔ ایمن ہمارے لئے اتنی ہی ضروری تھی، جتنا ہم اس کے لئے ناگزیر تھے۔ وہ ہماری مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح وہ ہمارے لئے بعض معاملات میں مؤثر ثابت ہو سکتی تھی۔ فی الحال تو اسے فتح خان کے قبضے میں جانے سے بچانا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''اندر چلو۔ اس سردی میں اتنی دیر باہر رہنا مناسب نہیں ہے، ویسے بھی ہم اس جگہ چھپے ہوئے ہیں زیادہ باہر نکلنے سے گریز کرنا چاہئے۔''

''گاڑی کہاں ہے؟'' وہ خالی پورچ دیکھ کر چونکی۔

''اسے عقبی حصے میں کھڑا کر دیا ہے۔ اس جگہ اسے گیٹ سے بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم اندر آئے تو زرین علی، سفیر اور مونا کو کوئی قصہ سنا رہا تھا۔ جس کا مرکزی کردار وہ خود تھا۔ میں اور ایمن آتش دان کے پاس چلے آئے۔ زرین علی نے قصہ ادھورا چھوڑ کر مستعدی سے چائے کا پوچھا۔

''لے آؤ یار.....! اور اسے ناشتا دیا۔''

''جی صاب..... صبح صاب کے ساتھ جا کر دے آیا تھا۔'' اس نے سفیر کی طرف اشارہ کیا۔ اسے ہم میں سے کسی کا نام نہیں معلوم تھا، احتیاطاً ہم اس کے سامنے ایک دوسرے کا نام نہیں لیتے تھے۔ زرین کے جانے کے بعد سفیر نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''کہاں تھے جناب؟''

''انگریزی میں پوچھو۔'' مونا نے معصومیت سے طنز کیا۔ ''ورنہ ایمن برا مناجائے گی۔''

''میں نے برا نہیں منایا تھا صرف ایک جنرل بات کی تھی۔'' ایمن نے صفائی پیش کی۔ ''تم سب اپنی زبان میں بات کرتے ہو اور میں احمقوں کی طرح تمہارا منہ دیکھوں۔''

''سوری، آئندہ اس کا خیال رکھیں گے۔'' سفیر نے معذرت کی۔

''شوبی! آئندہ کا کیا پلان ہے؟'' مونا نے میری طرف دیکھا۔

''فی الحال تو یہیں قیام کرنا ہے۔'' میں قالین پر دراز ہو گیا۔ ''جب تک ہماری تلاش میں پھرتے دشمن ٹھنڈے نہ پڑ جائیں۔''

''اگر مالک آ گیا بنگلے کا تو بے عزتی سے رخصت ہوں گے۔'' مونا نے ڈرایا۔

''جرأت ہے کسی کی۔ کوئی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے تو.....'' سفیر نے اپنا پستول نکال کر بدمعاشوں والے انداز میں لہرایا۔ پھر اس نے اسے انگلی پر گھما کر پکڑنے کی کوشش کی تھی مگر پستول نیچے گر گیا۔ سفیر نے کھسیا کر اسے اٹھا لیا۔ ''بس ذرا پریکٹس کی کمی ہے۔''

''وہ بھی ہو جائے گی اگر یہی حالات رہے۔'' مونا نے طنز کیا۔

سفیر سنجیدہ ہو گیا۔ ''بی بی! تمہیں کسی نے مجبور نہیں کیا تھا حویلی سے نکلنے کے لئے..... بلکہ تمہیں روکا تھا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' مونا گھبرا گئی تھی۔

''مونا..... گھر سے باہر حالات دشوار ہی ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''بہتر ہو گا تم اور ایمن کسی محفوظ مقام پر رہو۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔'' مونا نے ہمارے لہجوں سے اندازہ لگا لیا کہ ہمارے کیا عزائم تھے اس لئے اس نے مخالفت سے گریز کیا۔ ''لیکن اس جگہ سے تو نکلیں۔''

''ہاں، ابھی ہم محفوظ ہیں۔'' ایمن نے سر ہلایا۔ ''جب ہماری تلاش رک جائے گی تب نکلنا مناسب ہو گا۔'' زرین علی چائے بنا لایا تھا۔ اس نے چائے سرو کی۔ ''صاب، دوپہر کو کھانے میں کیا لے گا۔''

''جو بھی مل جائے، بس اچھا بنا ہو۔'' میں نے کہا۔

''لیکن خیال رہے ہم مسلمان ہیں!'' سفیر نے اسے خبردار کیا۔ ''دال سبزی..... یہ نبیوں کی خوراک ہوتی ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زرین علی نے دانت نکالے۔ ''ہم سمجھتا اے صاب! ابی آپ کو بھیڑ کے گوشت کا ایک ڈش کھلائے گا۔ یہ ام نے بلتستان میں بنانا سیکھا تھا۔''

''جس میں سبزی بھی پڑتی ہے۔'' سفیر نے پوچھا۔

''مشروم اور کچھ مقامی سبزی پڑتا اے۔ پر ام یقین دلاتا اے تم نے اتنا مزے کا سبزی کبھی نہیں کھایا ہو گا۔'' اس نے کہا۔ 'شام اس کے ساتھ ایک خاص نان بی بنائے گا۔''

''زرین تم چوکیدار ہو یا باورچی؟'' مونا نے حیرت سے کہا۔

''ام سب اے۔'' وہ ہنسا۔ ''ویسے ام نے زیادہ نوکری باورچی کا کیا اے۔ ام کو شہری کھانے بنانے بھی آتے ہیں۔''

''مثلاً بریانی اور پلاؤ۔'' سفیر نے حسرت سے کہا۔ ''قورمہ کھائے نہ جانے کتنی صدیاں بیت گئی ہیں!''

''خدا کا خوف کرو، ابھی دو دن پہلے تم نے ہوٹل میں یہ سب کھایا ہے۔'' مونا نے اسے یاد دلایا۔

''دو دن؟'' سفیر نے بے یقینی سے کہا۔ ''مجھے تو لگ رہا ہے، بہت عرصہ گزر چکا ہے۔''

زرین دانت نکال کر ان کی نوک جھوک سن رہا تھا۔ ''ام کھلائے گا۔ پر ابھی نہیں..... کچھ سامان نہیں ہے جا کر لانا پڑے گا۔''

''کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''جو کچھ ہے، ہم اس پر گزارہ کر لیں گے۔''

زرین پریشان ہو گیا۔ ''پر صاب ضرورت کا کچھ سامان تو باہر سے لانا ہوگا۔ ورنہ کھانا کیسے بنے گا۔''

''کچھ بھی ہو، اس بنگلے سے باہر نہیں جانا ہے۔''

''جیسا آپ کا حکم..... پھر ام سے شکایت مت کرنا۔'' زرین نے سر ہلایا اور چائے کے برتن لے گیا۔

سفیر سونے کے لئے چلا گیا۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ اسے دوپہر کے کھانے پر نہ اٹھایا جائے۔ میں سمجھ رہا تھا، وہ آنے والی رات کو جاگنے کے لئے بھی سو رہا تھا۔ مونا اور ایمن ہلکی پھلکی کشیدگی کے بعد پھر شیر و شکر ہو رہی تھیں۔ میں نے زرین سے ایک چادر مانگی اور اسے سر تک اوڑھ کر باہر جانے لگا۔ چادر نے مجھے پوری طرح چھپا لیا تھا اور میں مقامی باشندہ ہی لگتا۔ مونا چونکی تھی۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

''ذرا باہر کا جائزہ لینے جا رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے پستول اور رائفل لی۔ یہ دونوں بہ آسانی چادر تلے چھپ گئے تھے۔ ایمن اور مونا نے بھی ساتھ چلنے کی بات کی۔ میں نے انکار کیا۔ ''کسی کا یہاں رکنا ضروری ہے۔ زرین اگرچہ ابھی تک سیدھا رہا ہے مگر اس پر نظر رکھنا ہوگی۔ ایمن تمہارے پاس پستول ہے ناں.....؟''

''نہیں۔'' اس نے انکار کیا۔

''مونا اسے سفیر کا پستول لا دو اور ہاں پوری طرح ہوشیار رہنا۔''

بنگلے کے گیٹ سے نکل کر میں نے چاروں طرف دیکھا۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ بیشتر بنگلے بھی خالی اور ویران لگ رہے تھے۔ ان کے چوکیدار بھی تھے تو وہ مالکان کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھروں کو چلے گئے تھے۔ درمیان میں ایک پتھروں سے بنی سڑک کے دونوں طرف یہ بنگلے تھے۔ بعض بنگلے ذرا پیچھے تھے۔ سردی بے پناہ تھی۔ مکمل گرم کپڑوں اور چادر کے باوجود میں لرز اٹھا تھا۔ میں نے چادر مضبوطی سے لپیٹی اور تیز قدموں سے پہاڑی سے نیچے جانے والے راستے پر چل پڑا تھا۔ پتھروں کی سڑک غالباً بنگلوں کے مالکان نے اپنی مدد آپ کے تحت بنوائی تھی۔ یہ کوئی نصف کلومیٹر لمبی اور نیچے سڑک سے جا ملتی تھی۔ سڑک تک مجھے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ میں واپس پلٹنے کا سوچ رہا تھا کہ ایک گاڑی نیچے کی طرف سے نمودار ہوئی اور میرے برابر سے گزرتی ہوئی بنگلوں کی طرف جانے والے راستے پر گھوم گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک قوی ہیکل بوڑھا تھا اور عقبی نشست پر مجھے دو لڑکیوں کی جھلک نظر آئی تھی۔ میں بھی اوپر کی طرف چل پڑا۔ میرے دل میں خدشہ آیا تھا یہ زرین کے مالکان میں سے نہ ہوں لیکن جب میں اوپر پہنچا تو گاڑی کو ایک بنگلے سے ذرا فاصلے پر رکے پایا۔ میں اس کے پاس سے گزرنے لگا تو بڑے میاں نے پکارا۔

''اے بھائی..... سنتا.....''

''جی فرمایئے۔'' میں رک گیا تھا۔

بوڑھا کار سے اتر آیا۔ یہ ذرا پرانے ماڈل کی مرسیڈیز کار تھی۔ ''کوئی مسئلہ ہوا ہے۔ کار بند ہوگئی ہے۔''

''میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''سامنے کوٹھی ہے، وہاں تک گاڑی کو دھکا لگانا ہے۔'' بوڑھے نے بنگلے کے کھلے گیٹ کی طرف اشارہ کیا کار کی عقبی نشست خالی تھی۔ یعنی لڑکیاں اندر جا چکی تھیں۔

میں نے رائفل کو شانے پر منتقل کیا۔ ''کیوں نہیں۔''

''شکریہ جناب!'' بوڑھا خوش ہوگیا، لہجے سے وہ راولپنڈی کے آس پاس کا رہنے والا لگ رہا تھا۔ اس نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ میں مقامی نہیں تھا اس لئے اس کے طرزِ تخاطب میں تبدیلی آگئی تھی۔ میں نے ڈکی پر ہاتھ رکھا اور کار کو دھکیلنے لگا۔ بوڑھا بھی اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دھکا لگا رہا تھا۔ پانچ منٹ میں کار بنگلے کے پورچ میں تھی۔ بوڑھے نے میرا شکریہ ادا کیا۔ ''اندر آئیں جناب، ایک کپ چائے .....''

''شکریہ۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''اب مجھے جانا ہے۔''

دراصل مجھے خدشہ تھا۔ ابھی بڑے میاں سوالات شروع کر دیں گے۔ میرے انکار نے اسے مایوس کیا تھا۔ ''اچھا..... بی بی لوگ ناراض ہوں گے میں نے آپ کو ایسے ہی جانے دیا تو.....''

''کوئی بات نہیں، میری طرف سے معذرت کر لینا۔''

لیکن اس سے پہلے میں جاتا، ایک لڑکی باہر نکل آئی۔ ''تاج الدین! سامان اندر لاؤ۔'' وہ مجھے دیکھ کر رک گئی۔ ''یہ کون ہے؟''

''انہوں نے میری مدد کی ہے، کار اندر لانے میں۔'' تاج الدین نے کہا۔

''اوہ..... بہت شکریہ!'' لڑکی نے کہا۔

''اس میں شکریے کی کیا بات ہے، اب مجھے اجازت دیں۔''

''نہیں..... آپ ایسے نہیں جا سکتے۔ ہمارے ساتھ کم سے کم ایک کپ چائے پی کر جائیں گے۔'' لڑکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ویسے آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔''

''خادم کو اشرف کہتے ہیں۔'' میں نے ذہن میں آنے والا پہلا نام بتا دیا۔

''اشرف۔'' وہ ہنسی۔ ''واٹ اے نیم!''

''کیوں اس میں کیا بات ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

لڑکی تقریباً بائیس برس کی تھی۔ متناسب جسامت اور درمیانہ قد۔ چہرے کے نقوش دلآویز تھے۔ سرخی مائل رنگت اور اونی ٹوپی تلے اس کے سنہری مائل بال جھانک رہے تھے۔ ''سوری، میں بلاوجہ ہنستی ہوں، میرا نام نیلما ہے۔''

''مس نیلما! مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

تاج الدین ڈکی سے دو عدد سوٹ کیس نکال کر اندر لے آیا تھا۔ ''جی نہیں، آپ اندر آئیں۔ ویسے آپ یہیں آئے ہیں؟'' نیلما نے بنگلوز کی طرف اشارہ کیا۔

''ذرا آگے ہے۔ بنگلا..... ہم یہاں سے گزر رہے تھے، موسم کی وجہ سے رک گئے۔''

''لوہ، کوئی جاننے والے ہیں؟''

''نہیں، بس ایسے ہی۔'' میں نے جواب دیا۔

''یعنی کسی چوکیدار نے ٹھہرایا ہے رقم لے کر۔'' وہ ذہین تھی، بات کی تہہ تک پہنچ گئی۔ ''یہاں کے اکثر چوکیدار یہی کام کرتے ہیں۔ اس طرح اضافی انکم حاصل کرتے ہیں۔ ہمارا تو چوکیدار ہی غائب ہے، اپنے گھر چلا گیا ہوگا۔''

''شاید.....؟'' میں نے کہا۔

وہ مجھے اندر لے گئی۔ یہ خاصی پُرآسائش قسم کی کوٹھی تھی۔ کم سے کم اس کے ڈرائنگ روم سے تو یہی لگ رہا تھا۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر تھا اور خاصی قیمتی آرائش تھیں ''اے بنٹی! کہاں ہو تم؟'' نیلما نے اپنی ساتھی کو پکارا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''یہ کوٹھی میرے پاپا کی ہے اور بنٹی میری کزن ہے۔ ہم برف باری دیکھنے آئے ہیں۔''

بنٹی صاحبہ اندر سے برآمد ہوئیں۔ تعارف کا مرحلہ طے ہونے کے بعد انہوں نے تاج الدین سے کافی تیار کرا کے مجھے پلائی۔ بنٹی نیلما کی نسبت زیادہ خوبصورت کہی جا سکتی تھی مگر اس کی بے حد گوری رنگت میں کشش نہیں تھی۔ انہوں نے سوالات بھی خاصے کئے تھے اور میں نے سارے ٹالنے والے جواب دیئے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مجھے خیال آ رہا تھا وہ تینوں میرے لئے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ کافی پیتے ہی میں کھڑا ہو گیا اور ان سے جان چھڑا کر وہاں سے نکل آیا۔ نیلما مجھے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔ ''جانے سے پہلے ہم سے ضرور ملیے گا۔''

''جی ضرور!'' میں نے دوبارہ اس طرف نہ پھٹکنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

حسبِ توقع ایمن اور مونا پریشان تھیں۔ ''کہاں رہ گئے تھے؟'' مونا نے مجھے دیکھتے ہی کہا تھا۔

''ہم پریشان ہو گئے تھے۔'' ایمن نے اس کی تائید کی۔

''واقعی آپ دونوں پریشان ہیں۔'' میں نے اردو میں کہا تو مونا کی رنگت سرخ ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ بھی فضول بولے جاتے ہیں۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم دونوں؟'' ایمن نے ہمیں گھورا۔

''کچھ نہیں، یہ بتاؤ کہ کھانے کی کیا پوزیشن ہے؟ ایک تو اس علاقے میں بھوک بہت لگتی ہے۔'' میں نے چادر اتار کر آتش دان کے سامنے دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''بن گیا ہے، میں زرین سے کہتی ہوں وہ کھانا لگا دے۔''

''قیدی کا کسی نے خیال کیا۔ وہ بے چارہ صبح سے بھوکا پیاسا بندھا ہے۔''

''سفیر نے اسے ناشتا کرا دیا تھا لیکن آپ بلاوجہ اس مصیبت کو لے آئے۔ راستے میں کہیں پھینک دیتے۔'' مونا بولی۔

''وہ ہمارا سارا پلان سن چکا تھا، اپنے ساتھیوں کو لے کر سیدھا یہاں آتا۔''

''تو اس کا خیال رکھتے۔''

''بس بھول ہوگئی۔'' میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''بی بی، جا کر کھانے کا پتا کرو۔''

''کہاں تھے تم؟'' مونا کے جاتے ہی ایمن کھسک کر میرے پاس آ گئی۔

میں نے اسے مختصراً ٹینا اور منی کے بارے میں بتایا۔ ''اچھا رہا کہ ان سے ملاقات ہوگئی۔''

''کیوں؟'' ایمن نے مجھے گھورا۔

''بوقت ضرورت ہمارے پاس رکنے کے لئے ایک ٹھکانا اور ہو سکتا ہے۔''

ایمن مطمئن نظر نہیں آ رہی تھی۔ ''شوبی! ہمیں ٹھکانے تلاش کرنے کے بجائے یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچنا چاہئے دشمن جتنا نزدیک ہو خطرہ اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن فی الحال باہر نکلنا بھی مناسب نہیں ہے۔ قدرت نے بیٹھے بٹھائے ایک پناہ گاہ مہیا کر دی ہے، ایسے میں باہر نکل کر خطرہ مول لینا عقل مندی نہیں ہوگی۔ ہمیں کچھ دن صبر کرنا پڑے گا۔''

''جیسے تمہاری مرضی!'' اس نے بے دلی سے کہا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''ایمن، مجھ پر بھروسا کرو۔ یہ اعصابی جنگ ہے، اس میں وہی جیتے گا جس کے اعصاب زیادہ مضبوط ہوں گے۔ ورنہ ہم برٹ شا کو کیا تلاش کریں گے، خود پکڑے جائیں گے۔''

''میں کبھی ایسی صورتِ حال سے گزری نہیں ہوں۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''اس لئے کہہ رہا ہوں مجھ پر بھروسا کرو۔''

مونا اچانک آئی تھی، میں نے جھینپ کر ایمن کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ مونا معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔

''مجھے ڈیڈی کی فکر ہے۔'' ایمن کی آواز بھرا گئی تھی۔

''تم اتنے سالوں سے ان پر صبر کیے ہوئے تھیں۔'' مونا نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔

''اس وقت کی بات اور تھی، مجھے معلوم نہیں تھا کہ ڈیڈی زندہ ہو سکتے ہیں لیکن اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا، شوبی! کیا میں پولیس کی مدد نہیں لے سکتی؟''

''ہاں، یہ ممکن ہے، اوپر سے دباؤ پڑے گا تو پولیس ان کو سرگرمی سے تلاش کر سکتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش کہاں کرے؟''

''ایک بات اور یہ ہے ممکن ہے ابھی فتح خان نے تمہارے ڈیڈی کو زندہ رکھا ہو لیکن پولیس نے ان کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو فتح خان خطرہ محسوس کر کے ان کو مار سکتا ہے۔

''نہیں۔'' ایمن نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''یا کم سے کم ان کو کسی دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے۔ جہاں پولیس یا ہم اسے تلاش نہ کر سکیں۔ اس وقت مجھے اتنا آئیڈیا تو ہے کہ اس نے برٹ شا کو کہاں رکھا ہوگا۔''

''تم پولیس کی مدد نہیں کر سکتے؟'' ایمن نے التجا کی۔

''میں نے پولیس کی مدد کرنے کی کوشش کی تو وہ برٹ شا کو بھول جائے گی اور پہلے مجھے اندر کرنے کی کوشش کرے گی۔ تم کیوں بھول رہی ہو، میں پولیس کو انتہائی مطلوب ہوں۔''

''سوری، مجھے خیال نہیں رہا تھا۔'' ایمن خفیف ہوگئی۔

''کیا خیال ہے، زرین کو کھانا لگانے کو نہ کہا جائے؟'' مونا نے شاید ماحول بدلنے کے لئے تجویز پیش کی تھی۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ!'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر میں زرین نے لاؤنج میں ہی کھانا لگا دیا تھا۔ یہ مقامی طرز کی ڈش تھی۔ ہلکے سے شوربے میں گوشت اور سبزیاں اُدھ گلی تھیں، مجھے یاد تھا شاید سرمد علی خان کے گاؤں میں، میں نے اسی قسم کی کوئی ڈش کھائی تھی۔ خاص قسم کے روغنی خانوں کے ساتھ یہ کھانا بہت مزے کا تھا۔ کھانے کے بعد اس نے مقامی طرز کا قہوہ سرو کیا تھا۔ کھانے کے بعد میں سونے کے لئے چلا گیا۔ چار بج رہے تھے میں نے سفیر کو اٹھا دیا۔

''اب تیری ڈیوٹی ہے۔''

سفیر نے جماہی لی۔ ''میری غیر موجودگی میں کچھ نیا تو نہیں ہوا۔''

میں نے اسے ٹینا اور منی کے بارے میں بتایا اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''کیسی ہیں؟''

میں نے اسے گھورا۔ ''تو بھول رہا ہے، مونا بھی یہاں ہے۔''

''یہ حقیقت تو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''خیر کھانے میں کیا ہے؟''

''جب کھائے گا تو دیکھ لینا۔'' میں اس کی جگہ دراز ہوگیا۔ آتش دان میں انگارے راکھ بن رہے تھے لیکن کمرے کا درجہ حرارت خوشگوار تھا، مجھے چند ہی منٹ میں نیند آ گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو تاریکی پھیل چکی تھی، میں نے اٹھ کر کیروسین لیمپ روشن کیا۔ بنگلے میں جا بجا ایسے لیمپ دیواروں میں لگے تھے۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور باہر آیا۔ مونا اور سفیر کچن میں تھے۔ جبکہ ایمن نشست گاہ میں میز پر اپنا کمپیوٹر رکھے کچھ کام کر رہی تھی۔

''اٹھ گئے تم؟'' اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

''ہاں، تم کیا کر رہی ہو؟''

''خاص نہیں۔ اپنے بعض پروگرام چیک کر رہی تھی۔''

''حیرت ہے تمہارے کمپیوٹر کی بیٹری اب تک کام کر رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، میں نے اس میں خاص بیٹری لگوائی تھی جو دس گھنٹے سے زیادہ چلتی ہے، مجھے اس کی ضرورت رہتی ہے۔ اکثر ڈاکومینٹریز کے دوران چارجنگ کے لئے بجلی نہیں ملتی۔''

''تم نے اس شعبے کا انتخاب کیوں کیا؟ تم چاہتیں تو فلم یا ٹی وی میں بھی ٹرائی کر سکتی تھیں۔''

''تعریف کا شکریہ!'' وہ مسکرائی۔ ''لیکن اس طرف میرا دھیان کبھی نہیں گیا اور جہاں تک اس شعبے کا تعلق ہے تو تم اسے خاندانی اثر بھی کہہ سکتے ہو۔ ہمارے خاندان میں اکثر افراد کو مہم جوئی، فطرت اور انوکھی جگہوں کی سیر میں دلچسپی رہی ہے۔''

''جیسے تمہارے دادا اور پھر باپ.....!''

''ڈیڈی کاروباری آدمی تھے اور ان کو اس قسم کے معاملات سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی، سمجھ لو وہ ایک طرح سے اپنے باپ کی ادھوری مہم مکمل کرنے آئے تھے۔''

''یعنی راجا عمر دراز سے وہ چیزیں حاصل کرنے جو اس نے تمہارے دادا کے ہمراہ ہمالیہ کی ایک مہم میں حاصل کی تھیں۔''

''اس نے وہ چیزیں چرائی تھیں۔'' ایمن نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔

''افسوس میں تمہارے دادا کے اس دعوے سے متفق نہیں ہوں۔ جہاں تک میں نے عمر دراز کو سمجھا ہے وہ چور نہیں ہو سکتا۔ اس کا تعلق ایک بے حد معزز خاندان سے ہے اور اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔''

''انسان صرف دولت کے لئے تو چوری نہیں کرتا ہے۔''

''اسے نوادرات کا معقول حد تک شوق ہے لیکن اتنا نہیں کہ وہ اس کے لئے چوری پر اتر آئے، اس کا کہنا ہے، یہ چیزیں اس کی اپنی ملکیت ہیں اور ولیم شاغلط طور پر ان کو اپنی ملکیت قرار دے رہا ہے۔''

''میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی کہ دونوں میں سے کون درست ہے سوال یہ ہے جو بھی جھوٹ بول رہا ہے وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ میں نے جس وہ تصویر دیکھی ہے۔ عام سی تصویر تھی۔ ایسی تصویریں لندن اور پیرس میں فٹ پاتھوں پر سستے داموں فروخت ہوتی ہیں۔ ہاں، وہ پتھر حیرت انگیز تھا۔''

''راجا عمر دراز کا کہنا ہے، اس تصویر سے اس کی جذباتی وابستگی ہے۔ یہ اسے کسی عزیز ہستی نے تحفے میں دی ہے اور پتھر بھی اسی ہستی کا ہے۔ تم جانتی ہو تمہارا نام نہاد چچا ڈیوڈ اس کے بدلے منہ مانگی قیمت دینے کو تیار تھا مگر راجا نے اسے کسی بھی قیمت پر فروخت کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد ڈیوڈ نے بے دریغ رقم خرچ کی۔ مقامی بدمعاشوں کی خدمات حاصل کیں اور اس تصویر کے حصول کے لئے درجنوں افراد کی جان کی قربانی دے دی۔''

''اس نے پتھر کے حصول کی کوشش نہیں کی؟'' ایمن نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ سوال میرے ذہن میں بھی آیا تھا لیکن وہ پتھر آج بھی راجا کے محل میں محفوظ ہے۔ اس کا مطلب ہے اصل اہمیت تصویر کی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، تصویر کی یہ اہمیت کیوں ہو سکتی ہے؟''

ایمن کو اس تصویر کے بارے میں علم نہیں تھا اور نہ ہی اس نے دورانِ گفتگو کبھی مجھ سے اس پُراسرار زمین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا ذکر کیا تھا، جہاں اس کے دادا اور عمر دراز گئے تھے یا جانتی تھی تو کسی وجہ سے اس کے ذکر سے گریز کر رہی تھی۔ اس لئے میں نے بھی فی الحال اس بات کو نہ چھیڑنے کا فیصلہ کیا۔ ''جہاں تک میرا خیال ہے، اس تصویر میں کوئی معما پوشیدہ ہے۔''

''کس قسم کا معما؟''

''ابھی میں اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے کسی خزانے کا نقشہ ہو۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''سچی بات ہے، میں نے اس معاملے میں زیادہ غور کبھی نہیں کیا۔ مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں رہی ہے۔ ورنہ شاید میں اپنے طور پر ان ہیروں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا جو برٹ شانے چھپائے تھے، اس وادی میں چھپانے کی زیادہ جگہیں نہیں ہیں۔''

ایمن نے سر ہلایا۔ ''میں نے پچھلے دنوں ان ہیروں کے بارے میں ایک ماہر سے معلوم کیا تھا، اس کا خیال ہے ہیروں کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ان کی مالیت اس وقت پچاس ملین امریکی ڈالرز کے لگ بھگ ہے۔''

''یعنی پانچ کروڑ ڈالرز اور ہماری کرنسی میں کوئی تین ارب روپے۔ بس اسی سے اندازہ کر لو میں کس قسم کا شخص ہوں۔ دولت مجھے بھی اچھی لگتی ہے لیکن میں کبھی اس کی دیوانگی میں مبتلا نہیں رہا، میں اپنا کیریئر بنانا چاہتا تھا، وہ میں نے حاصل کر لیا تھا۔''

''تمہارے بزنس کو کون سنبھالتا ہے؟''

''پتا نہیں، میرا فیجر طاہر ہے۔ وکیل ہے۔ یہی دونوں مل کر دیکھ بھال کرتے ہیں۔ میں نے عرصہ ہوا ان سے اس بارے میں بات بھی نہیں کی۔ میرا راولپنڈی کا دفتر ڈیوڈ شا کے مقامی حلیف مرشد علی کے بدمعاشوں نے جلا دیا تھا۔ میرے چوکیدار کو قتل کر دیا۔ میرا سب سے بڑا نقصان یہی ہے۔ میں اب تک اس کے گھر والوں کے لئے بھی کچھ نہیں کر سکا۔'' میں نے دکھ سے کہا۔

''واقعی افسوس ناک واقعہ تھا۔'' ایمن نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میرے نزدیک انسان کی جان ہر شے سے بڑھ کر قیمتی ہے۔''

''بدقسمتی سے اس دنیا کے بیشتر بااختیار اور طاقتور لوگ اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک ان کا مفاد دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے دنیا جہنم بنی ہے۔ ملکوں کے اقتدار پر بھی یہی لوگ قابض ہیں۔''

''درست کہا تم نے..... دنیا ایک خاص نظام کے قبضے میں جا چکی ہے۔'' ایمن بولی۔ ''بہرحال یہ تو ایک بحث ہے۔ یہ بتاؤ کہ موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

''میں نے کہا ناں، اب یہ اعصاب کا کھیل بن گیا ہے اور اس میں وہ فریق ہارے گا جس کے اعصاب جواب دے جائیں گے۔ دشمنوں کو ہمارا معاملہ آپس میں اس طرح گتھ گیا ہے کہ نہ ہم ان کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ وہ تو ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔'' ایمن نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان لوگوں نے نیک نام کی وین کو بم سے اڑا دیا۔''

''ان کو یقین تھا کہ ہم وین میں نہیں ہیں ورنہ وہ کبھی یہ قدم نہ اٹھاتے۔تم سمجھ سکتی ہو،تم فتح خان کے لئے کتنی قیمتی ہو؟''

''ڈیوڈ شا تو مجھے مارنے کے درپے ہوگا۔''اس نے تلخی سے اپنے چچا کا نام لیا۔

''ہاں،مگر وہ شاید تمہارے بارے میں اتنا فکرمند نہیں ہے،تمہیں ناکام بنانے کے لئے اس کا ایک مہرہ مرشد علی کافی ہے،وہ بلاوجہ تمہیں مار کر اپنے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لے گا۔''

''اور تم؟ تمہاری کیا اہمیت ہے ان لوگوں کے نزدیک،تمہارے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟''

''اس بارے میں،میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مرشد علی میرے خون کا پیاسا ہے اور میں اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ میرے قتل سے کم کسی شے پر راضی نہیں ہوگا۔مگر ابھی ہمارے خلاف جو لوگ سرگرم عمل ہیں ان کا تعلق مرشد علی سے نہیں بلکہ فتح خان سے ہے اور فتح خان ڈیوڈ شا کے لئے کام کر رہا ہے،تم اسے کرائے کا گوریلا بھی کہہ سکتی ہو۔''

''فتح خان کی تم سے بھی تو دشمنی ہے۔''ایمن نے یاد دلایا۔''ثمینا کے لئے اس نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''وہ دشمن اب بھی ہے مگر فتح خان کے نزدیک اس سے زیادہ اہم دوسرے مفادات ہیں اوّل تو وہ ہیروں کے چکر میں ہے۔''میں نے کہا تو مجھے خیال کہ اس نے برٹ شا کی زبان کھلوانے کے لئے مجھے بھی استعمال کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں اس کے جھانسے میں نہیں آیا۔میں نے بات جاری رکھی۔''دوسرے ڈیوڈ شا کسی مقصد کے تحت مجھے اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا ہے اور اس نے یہ کام فتح خان کو سونپ رکھا ہے،اس وجہ سے بھی وہ فی الحال مجھے قتل کرنے سے گریز کر رہا ہے۔''

''اس سارے معاملے میں مونا اور سفیر کا کیا کردار ہے؟''

''کچھ بھی نہیں.....لیکن مرشد علی ان کا دشمن بھی ہو رہا ہے۔ایک بار پہلے بھی فتح خان ان دونوں کو سفیر کے علاقے سے اغوا کر چکا ہے مگر اس سے پہلے کہ انہیں مرشد علی کے حوالے کیا جاتا،میں نے انہیں چھڑا لیا۔اس میں فتح خان کے ایک آدمی نے ہماری مدد کی تھی۔تم اسے دیکھ چکی ہو۔''

ایمن چونکی۔''وہ کون ہے؟''

''جب فتح خان کے آدمیوں نے بس کو گھیر لیا تھا۔ان کے ساتھ ایک بے حد موٹا سا شخص تھا۔''

''ہاں،مجھے یاد ہے،مجھے لگ رہا تھا وہ اپنے ساتھیوں سے اختلاف کر رہا تھا۔خاص طور سے اس لومڑی جیسے چہرے والے سے۔''

''لومڑی نما چہرہ۔''میں ہنسا۔''اچھی تشبیہ دی ہے۔وہ واقعی لومڑی تھا اور وہ گلے خان سے اختلاف کر رہا تھا اس نے عورتوں کی تلاشی کا حکم دیا تھا۔وہ تو اس عورت کا خدا بھلا کرے جس نے واویلا مچا کر ان لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔لوگوں کے جذبات جوش میں آ گئے تھے۔''

''میں نے بھی محسوس کیا ہے،عورتوں کے معاملے میں یہاں کے لوگ بہت حساس ہیں۔اپنی عورت کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب کی نظروں سے بچا کر رکھتے ہیں۔"

"اسی وجہ سے ہماری بچت ہوئی۔ اگر تم دونوں برقع میں نہ ہوتیں تو ہم پہلے ہی پکڑے جا چکے ہوتے۔"

"کون، کس کے کام آیا؟" سفیر نے نشست گاہ میں آتے ہوئے پوچھا۔

"برقع والا آئیڈیا!" میں نے اسے کہا۔

"آئندہ میں اس خیمے میں جانے کے بجائے جیل جانے کو ترجیح دوں گی۔" مونا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

"بی بی، جیل کا مرحلہ دور ہے۔" میں نے ملامت سے کہا۔ "ویسے سفیر کی حویلی بری جگہ نہیں ہے۔"

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔" سفیر نے میری تائید کی۔

"صرف مونا ہی نہیں، بلکہ تم بھی۔"

"جی نہیں، میں تیرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اور میں تم دونوں کا۔" مونا جلدی سے بولی۔

"مونا..... ہم بہت نازک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ ہم میں سے جو بھی کسی محفوظ جگہ پہنچ جائے ہماری مضبوطی کی وجہ بنے گا۔ اس طرح ہم سب غیر محفوظ ہیں۔"

"ان بی بی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" مونا نے نام لئے بغیر اردو میں ایمن کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کی بات دوسری ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "اس کے لئے فی الحال کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے۔"

"اور میں اسے حویلی لے گیا تو میں وہاں خود نہیں رہ سکوں گا۔" سفیر نے سر کھجایا۔ "ماں جی کو فرنگیوں بلکہ فرنگوں سے خاصی چڑ ہے۔"

"تو تم دونوں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" مونا نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔ "میں وہاں کیا کروں گی؟"

"وہی جو لڑکیاں کرتی ہیں۔" سفیر نے ڈانٹا۔ "حویلی میں کام کی کمی ہے؟"

"ماں جی کچھ کرنے ہی نہیں دیتی تھیں۔ پانی بھی پینے جاتی تھی تو دو تین ملازمائیں پہلے ہی دوڑ کر لے آتی تھیں۔"

"کوئی بات نہیں ہے، میں ماں جی سے کہہ دوں گا۔ وہ ساری ملازماؤں کی چھٹی کر دیں اور سارا کام تم کرو گی۔" سفیر نے تجویز پیش کی۔

"میں ماسی ہوں کیا؟" مونا بھنا گئی تھی۔

"اللہ نہ کرے۔" سفیر نے اتنے بے ساختہ کہا کہ میں نے بے ساختہ قہقہہ مارا تھا۔

"میں اکیلے حویلی نہیں جاؤں گی۔" مونا ضدی لہجے میں بولی۔

"ہاں سفیر تمہارے ساتھ جائے گا۔"

"صرف چھوڑنے کے لئے۔" وہ بولا۔

"یار تیری ملازمت کا کیا ہوا ہوگا؟" اچانک مجھے خیال آیا۔

"مسلسل غیر حاضری پر شوکاز نوٹس جاری ہو گیا ہوگا اور کچھ عرصے بعد ملازمت سے بھی برطرف کر دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاؤں گا۔" سفیر مسکرایا۔ "بہر حال میں نے ملازمت کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں، شوق سے کی تھی۔"

"اور میری ملازمت بھی گئی سمجھو۔" مونا نے ٹھنڈی سانس لی۔

"فکر مت کرو، ذرا حالات کے چکر سے نکلیں تو تمہارے لئے پکی ملازمت کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا تو مونا جھینپ گئی تھی۔

"بس فضول بلوا لو تم سے۔"

"زرین کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے سفیر سے پوچھا۔ "اور ہمارے قیدی کو دانہ پانی ڈالا؟"

"زرین ہمارے بارے میں فکرمند ہے۔ خاص طور سے طویل قیام کے بارے میں۔ اسے فکر ہے اس کا صاحب یا اس کا کوئی جاننے والا آ گیا تو وہ کیا جواب دے گا؟"

"اسے تسلیاں دیتے رہا کرو۔ وہ فرنٹ ہو گیا تو ہمارے لئے مسائل کھڑے کر سکتا ہے۔"

"یار، میرا خیال ہے ہمیں کل صبح سویرے نکل جانا چاہئے۔ تلاش کرنے والے اب تھک چکے ہوں گے۔" سفیر نے تجویز پیش کی۔

"فتح خان جیسے لوگ اتنی آسانی سے ہار نہیں مانتے۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "اب تک اس کے آدمی اس تک پہنچ چکے ہوں گے اور اسے لینڈ روور کا پتا چل گیا ہو گا جو ہمارے پاس ہے۔ اس جیپ کی خاص طور سے تلاش جاری ہو گی۔ ابھی ہمیں نکلنے سے گریز کرنا چاہئے۔"

"کب تک.....؟"

"کم سے کم دو دن اور..... اور ویسے بھی آج رات برف باری کا امکان ہے۔ مس ایمن کا خیال یہی ہے۔"

میں نے ایمن کی طرف دیکھا تو اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھایا۔ "یہ صرف میرا اندازہ ہے، میں اس کے بارے میں کوئی حلفیہ بیان نہیں دے سکتی۔"

"برف باری کی صورت میں راستے آمد و رفت کے قابل نہیں رہیں گے جب تک کہ برف صاف نہ کر دی جائے۔" میں نے کہا۔

"لیکن ہم برف باری کی آڑ میں نکل جائیں۔" سفیر نے اصرار کیا۔ "دشمن سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی ایسے موسم میں باہر نکلے گا۔"

"ہمیں تلاش کرنے والے خود اپنی پناہ گاہوں میں دبک جائیں گے۔" ایمن نے بھی سفیر کی تائید کی۔

"میں بھی یہاں سے نکلنے کے حق میں ہوں۔" مونا بولی۔

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ وہ تینوں متفق تھے اور ان کے مقابلے میں، میں اکیلا تھا۔ میں کوئی بھی فیصلہ اکیلے نہیں کر سکتا تھا۔ خاص طور سے جب اس پر دوسروں کی زندگی کا انحصار بھی تھا۔ میں نے ان تینوں کو دیکھا۔

"تم تینوں کا فیصلہ منظور ہے لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ ہمیں جلد بازی سے گریز کرنا چاہئے۔"

"تاخیر سے کوئی نیا مسئلہ بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔" سفیر نے کہا۔ "بہتر یہی ہے، ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں، یہ بہر حال دشمن کا علاقہ ہے اور اسے یہاں زیادہ سہولت حاصل ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سارا ملک ہی دشمن کا ہے۔'' میں مسکرایا۔ ''ہر جگہ ان کو ہم سے زیادہ سہولت ہے۔''

''اس جگہ ہم بے دست و پا ہیں کسی دوسری جگہ کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔''

سفیر کی بات میں وزن تھا۔ شہر میں وسیم جیسا مضبوط جاں نثار تھا، اس کا منظم گروپ تھا۔ جو مرشد علی جیسے شخص کو ناکوں چنے چبوا سکتا تھا۔ ندیم جو ہمارے لئے قانون کی جنگ لڑ رہا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔

''اوکے، ہم کل صبح روشنی نمودار ہوتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔''

''گڈ! اب کی ناں کام کی بات۔'' سفیر خوش ہو گیا تھا۔

''اس شخص کا کیا کرنا ہے؟'' ایمن نے قیدی راز گل کے بارے میں پوچھا۔

''کیا کرنا ہے، مار کر کھائی میں پھینک دیں گے۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''کیا..... سچ مچ؟'' ایمن کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

میں ہنسا۔ ''اتنے سفاک نظر آتے ہیں کہ ایک مجبور انسان کی جان لیں۔ کوئی مناسب جگہ دیکھ کر اسے چھوڑ جائیں گے۔ جہاں سے وہ اپنے ساتھیوں میں واپس جا سکے۔''

ایمن نے سکون کا سانس لیا۔ ''شکر ہے تم نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔''

''رات کے کھانے کی کیا پوزیشن ہے؟'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

''زرین آلو بھرے پراٹھے اور قیمہ تیار کر رہا ہے۔'' مونا نے اطلاع دی۔ ''بس بننے والا ہے۔''

''میں سوچ رہا ہوں اسے لئے چلتے ہیں۔ کھانے کا جواب بنتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''خود تو ہمارے پاس رہنے کو ٹھکانا نہیں ہے، اسے کہاں رکھیں گے؟'' مونا نے اسے گھورا۔

''چلو کوئی بات نہیں۔ تمہارے ہاتھ کے بنے کھانے کھا لوں گا۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔

''منہ دھو رکھو..... میں نے کوئی کھانے نہیں بنانے۔''

سفیر نے دانت نکالے۔ ''وہ بھی میں بنا لوں گا، اور کچھ.....؟''

''تمہارا سر!'' مونا جھینپ کر وہاں سے چلی گئی۔

''یار، میرا مشورہ ہے حویلی جا کر دو بول پڑھوا لے۔ جتنی دیر کرے گا، مسئلہ اتنا ہی الجھے گا۔''

''میں ایمرجنسی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' سفیر نے انکار کیا۔ ''جب بھی کی دھوم دھڑکے سے اور یار دوستوں کے ساتھ کروں گا۔''

''اس آزادی کے فی الحال آثار نظر نہیں آ رہے۔''

''تب مجھے بھی آزاد اور رہنے دے کچھ عرصے۔ شادی کے لئے تو ساری عمر پڑی ہے۔''

رات کا کھانا ہم نے نو بجے کے قریب کھایا تھا۔ میں نے زرین کے ساتھ جا کر راز گل کو کھانا دیا۔ وہ اب تک شرافت سے رہ رہا تھا۔ کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا تھا اور اس کے بعد مونا اور ایمن اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سفیر کو بھی نیند آ رہی تھی، اس نے جماہی لی۔ ''یار، میں بھی چلا..... جب نیند آئے تو مجھے اٹھا دینا۔''

''میں تجھے دو بجے اٹھا دوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ سفیر کے جانے کے بعد میں لاؤنج میں آتش دان کے سامنے بیٹھ گیا۔ زرین دروازے اور کھڑکیاں چیک کر رہا تھا۔ مطمئن ہونے کے بعد اس نے اپنا بستر بچھا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے حواسوں پر بھی غنودگی طاری ہو رہی تھی حالانکہ ابھی چند گھنٹے پہلے بھرپور نیند لے کر اٹھا تھا۔ شاید پیٹ بھر کر کھانے کے نتیجے میں خمار طاری ہو رہا تھا۔ میں نے سر جھٹکا۔ زرین لینے کے چند منٹ کے اندر خراٹے لینے لگا تھا۔ میں آتش دان کے پاس نیم دراز سر جھٹکتا رہا۔ مگر نیند تھی کہ ریلے کی طرح چڑھی چلی آ رہی تھی۔ اچانک میں بلبلا اٹھا۔ آتش دان میں لکڑی کا کوئلہ چٹخا اور اس کا خاصا بڑا انگارہ آ کر میرے بازو پر کلائی سے ذرا اوپر چپکا تھا، میں نے جلدی سے اسے جھٹکا لیکن ذرا سی دیر میں اس نے کھال پر آبلہ ڈال دیا تھا جس میں بے پناہ سوزش ہو رہی تھی۔ میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی اور اسی لمحے دوسری طرف منہ کیے لیٹے زرین کے خراٹے رک گئے۔ میں چونکا تھا اور نہ جانے میرے ذہن میں کیا آیا کہ میں آتش دان کے سامنے لیٹے ہوئے ساکت ہو گیا اور آنکھیں یوں بند کر لیں جیسے گہری نیند میں ہوں، شاید یہ آبلہ نہ ہوتا تو میں سو بھی چکا ہوتا۔

زرین نے اٹھ کر محتاط انداز میں میرا جائزہ لیا اور بولا۔ ''سو گیا یہ بی!''

اس نے اپنی چابیاں سنبھالیں اور بنگلے کے عقبی حصے کی طرف چلا گیا۔ میں کچھ دیر لیٹا رہا پھر دبے قدموں اٹھا اور زرین کے پیچھے گیا۔ وہ کوٹھری کی طرف جا رہا تھا۔ جس میں رازگل بند تھا۔ اسے کوٹھری کے دروازے کا تالا کھولتے دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ آبلے کی تکلیف کم ہوئی تھی اور میرے حواسوں پر پھر سے غنودگی طاری ہونے لگی۔ یک لخت مجھے احساس ہوا کہ ہمیں کوئی خواب آور دوا دی گئی تھی۔ شاید قہوے میں، ورنہ سب کو بیک وقت نیند کیسے آ سکتی تھی اور خاص طور سے مجھے۔ جبکہ میں اپنی نیند پوری کر چکا تھا۔ نیند کے جھونکے جس شدت سے حملہ آور ہوئے تھے، صاف لگ رہا تھا میں کچھ دیر سے زیادہ نہیں جاگ پاؤں گا۔ میں نے اپنا پستول نکالا اور دبے قدموں کوٹھری تک پہنچا۔ زرین، رازگل کو جگا کر اس سے کہہ رہا تھا۔

''بھاگ جاؤ۔ جلدی سے جا کر صاب کو بتاؤ، میں نے سب کو نیند کا دوا دے دیا۔''

رازگل غور سے سن رہا تھا اور یقیناً اچھل پڑا ہوگا جب میں نے جھٹکے سے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی۔ زرین کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔ ''یہ کیا کرتا صاب! دروازہ کھولو۔''

''صاب کے بچے! بے وقوف بنا رہا ہے، اب بیٹھا رہ اس جگہ۔'' میں نے کنڈی کو اچھی طرح بند کر دیا۔ اس کے بعد اندر آ کر بنگلے کا دروازہ بھی اندر سے بند کر دیا۔ میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور ذہن پر رہ رہ کر غبار چھا رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے بنگلے کے تمام دروازے اور کھڑکیاں چیک کیں، ان میں سے کوئی کھلی نہ ہو۔ پھر میں واش روم میں آیا، سرد پانی کے چھینٹے منہ پر مارے، اس سے عارضی فائدہ ہوا تھا مگر جیسے ہی کمرے میں آیا، پورا کمرا میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔ سفید بیڈ پر پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ میں اس کے برابر میں ڈھیر ہو گیا اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ مجھے یہ سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا کہ زرین، رازگل سے کس صاحب کو اطلاع دینے کو کہہ رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک ہی خیال تھا کوئی بے ہوشی کے دوران ہم پر قابو نہ پا سکے۔

☆======☆======☆

میں سویرا کو سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ کتنی کمزور ہو گئی تھی۔ گلاب رنگت مرجھا گئی تھی اور سیاہ آنکھوں میں چمکتے ستارے ماند پڑ گئے تھے۔ میں نے بے قراری سے پوچھا۔ ''سویرا! یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''کیا ہوا؟'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''میں ٹھیک تو ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں..... مجھ سے بچھڑنے کے بعد تم کتنی بدل گئی ہو، کتنی کمزور ہوگئی ہو۔''

''آپ مجھ سے دور ہی کیوں ہوئے؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

''میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ تم جانتی ہو، تمہیں مجھ سے دور کیا گیا ہے۔''

''شوبی! میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی، میں مر جاؤں گی۔''

اس کے آنسوؤں نے مجھے بے تاب کر دیا تھا۔ میں نے بے اختیار ہاتھ بڑھایا، اس کے آنسو صاف کرنا چاہے اچانک ایک آواز نے مجھے لرزا دیا۔ ''شہباز! یہ کیا کر رہا ہے۔ سویرا اب تیرے بھائی کی امانت ہے۔ تیرا اس پر کوئی حق باقی نہیں ہے۔''

''نہیں۔'' میرا ہاتھ رک گیا۔ سویرا، جو پُر امید نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی، بولی۔

''کیا ہوا شوبی! رک کیوں گئے؟''

''سویرا، میرا اب تم پر کوئی حق نہیں ہے۔'' میں نے رخ پھیر لیا۔

''ایسا نہ کہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی۔ میرے پاس آنا چاہا لیکن اس سے پہلے وہ مجھے چھوتی میں آگے بڑھ گیا۔

''شوبی! رکیں..... میری بات سنیں۔'' وہ عقب سے چلائی۔

مگر میں رکا نہیں، مجھے خوف تھا، میں رکا تو اس کے اور اپنے درمیان رشتے کی بے ادبی کا مرتکب ہو جاؤں گا۔ وہ پیچھے سے پکار رہی تھی۔ ''شوبی!..... سنیں، شوبی..... شوبی!''

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی..... شوبی!'' آواز مسلسل آ رہی تھی۔

''سویرا..... خدا کے لئے..... مجھے مت پکارو۔'' میں نے کراہ کر کہا۔

اس نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔ ''شوبی! ویک اَپ..... لسن..... ویک اپ!''

اچانک میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ سویرا نہیں، ایمن تھی جو میرا بازو پکڑ کر مسلسل ہلا رہی تھی۔ اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ ''کک..... کیا ہوا؟''

''شوبی! باہر..... فتح خان ہے۔''

اس بار میں صحیح معنوں ہڑبڑا گیا تھا۔ ''فتح خان..... کہاں پر؟''

''پتا نہیں، کیا ہو رہا ہے۔ میری آنکھ دروازہ بجانے کی آواز سے کھلی تھی۔ شوبی، میں نے کھڑکی سے جھانکا تو پورچ میں ایک بڑی سی دین کے پاس مجھے فتح خان نظر آیا۔''

''میرے خدا.....!'' میں اٹھ کر بھاگا۔ ''تم سفیر کو جگاؤ۔ اس کے منہ پر ٹھنڈا پانی مارو، یہ نیند کی دوا کے اثر میں ہے۔'' میں ایمن اور مونا کے کمرے میں آیا۔ اس کی کھڑکی سے پورچ کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ میں نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا۔ پورچ میں ایک سیاہ رنگ کی دین کھڑی تھی جس کے شیشوں پر پردے نظر آ رہے تھے البتہ ڈرائیونگ کمپارٹ میں شیشے نہیں تھے اور وہ خالی تھا۔ اچانک مجھے پورچ کے سامنے بنگلے کے دروازے پر کسی کی حرکت کا احساس ہوا۔ فتح خان سامنے آیا تھا، وہ بلاشبہ فتح خان تھا۔ دن طلوع ہو چکا تھا۔ رات بھر کی برف باری کے بعد بادل ہلکے ہو گئے تھے اور روشنی پوری تھی۔ فتح خان کسی پر برس رہا تھا پھر ایک لمبے قد کا مسلح شخص سامنے آیا جو سر جھکائے فتح خان کی باتیں سن رہا تھا، بند کھڑکی کی وجہ سے آواز نہیں آ رہی تھی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہم جس خطرے سے بچنے اور چھپنے پھر رہے تھے، وہ پوری شدت سے سامنے آ گیا تھا۔ میں نے کھڑکی سے بس اتنا پردہ سرکایا تھا کہ پورچ کا منظر نظر آئے۔ فتح خان یا اس کا ساتھی اس طرف دیکھتے بھی تو انہیں کچھ نظر نہ آتا۔ مونا بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے پردہ برابر کر کے اسے جھنجھوڑا اور پھر سرہانے رکھے جگ کا پانی اس کے منہ پر پھینکا تھا۔ وہ نیند میں کسمسائی۔

''سفی کے بچے!''

''یہ میں ہوں۔'' میں نے اسے پھر جھنجھوڑا۔ ''اٹھ جاؤ۔ خطرہ فتح خان کی صورت میں سر پر آ گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان کا نام سن کر مونا بھی تیزی سے حواس میں آ گئی تھی اور اسے پوری طرح ہوش میں لانے کے لئے میں نے اسے فتح خان کی جھلک بھی دکھادی تھی۔ ''میرے خدا..... ہم پھنس گئے۔''

''سامان سمیٹو اپنا اور اگر کوئی مسئلہ ہو تو سامان بلاتکلف پھینک کر جان بچانے کی کوشش کرنا۔'' میں نے دوسری رائفل بھی اٹھائی۔ ایمن سفیر کو جگا چکی تھی، وہ بستر پر بیٹھا تھا اور ناراض لگ رہا تھا۔

''یہ کس قسم کا مذاق ہے؟''

''مذاق نہیں فتح خان، باہر پورچ میں موجود ہے اور کسی وقت بھی اندر آ سکتا ہے۔'' میں نے رائفل اس کی طرف اچھالی۔ ''صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

''فتح خان کو کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں ہیں؟'' ایمن نے سوال کیا۔

''یہ ساری حرام زدگی، زرین کی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے ہمیں رات قہوے میں کوئی خواب آور دوا دی تھی جس کے اثر سے ہم سب سو گئے۔ خوش قسمتی سے میرا ہاتھ جل گیا اور میں نے زرین کو رازگل کو آزاد کرانے کی کوشش کرتے دیکھ لیا تھا۔ میں نے اسے بھی رازگل کے ساتھ قید کر دیا۔'' میں نے مختصراً احوال بتایا۔ ''فتح خان غالباً اس وجہ سے اندر نہیں آ سکا ہے کہ زرین نہیں ہے۔''

''وہ سمجھ رہا ہے، زرین کہیں چلا گیا ہے۔'' ایمن بولی۔ ''اور شاید اسے ہمارے بارے میں علم نہیں ہے ورنہ وہ دروازہ توڑ کر آ جاتا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو، اس کے ساتھ صرف ایک آدمی ہے لیکن ہماری موجودگی زیادہ دیر راز نہیں رہے گی، جیسے ہی وہ عقب میں کھڑی لینڈ روور دیکھے گا، جان جائے گا کہ ہم بھی آس پاس پائے جاتے ہیں۔'' میں لاؤنج والے حصے میں آیا، پورچ والا دروازہ اسی طرف تھا۔ میں نے قریب جا کر سن گن لی۔ فتح خان کی دبی آواز آ رہی تھی، وہ کسی کو بے نقط سنا رہا تھا۔ اس کے ساتھی نے کہا۔ ''خان جی! پیچھے تو کوئی نہیں ہے، سوائے ایک گاڑی کے۔''

''کیسا گاڑی؟'' فتح خان کی آواز آئی۔ ''اور کوئی گاڑی نہیں اے۔''

''سرمئی رنگ کی لینڈ روور ہے؟'' دوسرے آدمی نے کہا۔

''وہ لوگ اور ہے۔'' فتح خان نے بے ساختہ کہا اور میں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ وہ دونوں عقبی حصے کی طرف گئے تھے، میں نے احتیاط سے دروازہ کھولتے ہوئے باہر جھانکا۔ وین کے آس پاس کوئی نہیں تھا میں نے چلا کر ان تینوں کو آواز دی۔ ''سامان، سمیت آ جاؤ ادھر۔''

چند لمحے بعد وہ سامان بدست نمودار ہوئے تھے۔ مونا سب سے آگے تھی ''سنو، ہمیں وین میں یہاں سے نکلنا ہے، میں جا کر وین دیکھتا ہوں، تم لوگ تیار رہو۔ جیسے ہی میں کہوں وین کے عقبی حصے میں گھس جانا۔''

سفیر کو شاید میرے پلان پر اعتراض تھا مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ میں باہر نکلتے ہی وین کے ڈرائیونگ کمپارٹ میں گھسا اور یہ دیکھ کر میری باچھیں کھل گئیں کہ چابی اگنیشن میں لگی تھی۔ میں نے انہیں آواز دی۔

''آ جاؤ..... ہری اَپ!''

وہ تینوں دوڑتے ہوئے آئے۔ میں نے چابی گھمائی اور وین کا طاقتور ڈیزل انجن جھرجھری لے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسٹارٹ ہوگیا۔ مونا اور ایمن عقبی دروازہ کھول کر اندر گھس گئیں اور میں نے سفیر کی حیرت زدہ آواز سنی۔

''ادھر ایک عورت ہے..... میرے خدا!''

''سفیر، تُو آگے آجا۔ یہ اسے دیکھ لیں گی۔'' میں نے کہا اور وین کو آگے بڑھا دیا۔

''رک جا، مجھے کہاں چھوڑے جا رہا ہے!'' سفیر چلتی وین کا دروازہ کھول کر اندر گھس آیا۔

پورچ سے نکلتے ہوئے میں نے مین گیٹ کی طرف جاتے ہوئے بنگلے کے دائیں طرف دیکھا، عقبی طرف جانے کا راستہ صرف اس طرف سے تھا۔ فتح خان اور اس کا ساتھی صرف اس طرف سے آسکتے تھے۔ گیٹ کی سیدھ میں آتے ہی میں نے رفتار بڑھائی۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ رک کر گیٹ کھولا جاتا اور ہم باہر نکلتے۔ فتح خان اور اس کے ساتھی کا مسلح ہونا لازمی تھا۔ دروازے کے قریب میں نے سائیڈ مرر میں فتح خان اور اس کے طویل قامت ساتھی کو عمارت کے پہلو سے برآمد ہوتے دیکھا۔ اس کے ساتھی نے خودکار رائفل اٹھا رکھی تھی، اس نے رائفل وین کی طرف سیدھی کی تھی لیکن میں نے فتح خان کو اشارے سے اسے روکتے دیکھا۔ اسی لمحے وین کا بمپر مین گیٹ سے ٹکرایا۔ خوش قسمتی سے اس کے پٹ بند تھے لیکن کنڈی نہیں لگی تھیں معمولی سے تصادم نے پٹوں کو طوفانی انداز میں وا کیا اور وین باہر نکلتی چلی گئی۔ میں نے زبردست کوشش کے بعد اسے سڑک پر سیدھا کیا ورنہ وین سامنے والی کوٹھی کی دیوار توڑ کر اندر گھس جاتی۔ سڑک پر لاتے ہی میں نے اسے پوری رفتار سے دوڑایا تھا۔

''آرام سے..... کیا مروائے گا۔'' سفیر چلایا۔

''آرام کا وقت نہیں ہے۔'' میں اسٹیئرنگ سے لڑتے ہوئے بولا۔ سڑک پر برف کی تہہ تھی جو نرم اور پھسلوں تھی، اس پر زیادہ رفتار سے وین دوڑانے کا مطلب یقینی حادثہ تھا مگر رکنے کا مطلب بھی موت ہوسکتا تھا۔ جب وین کوئی سو گز آگے آئی تو پہاڑی سے اترنے والی سڑک شروع ہوگئی، اس موقع پر میں نے رفتار کم کی ورنہ حادثہ یقینی ہو جاتا۔ ڈھلان کی وجہ سے بریکیں بھی ناکارہ تھیں۔ وین برف پر پھسلنے لگتی تھی۔ سفیر شاید کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ مستقل بریکوں پر زور ڈالنے سے رفتار ذرا قابو میں آئی تو ہم دونوں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ دھیمی رفتار سے وین آگے جا رہی تھی اور میں مسلسل عقبی آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا، فتح خان لینڈ روور لے کر ہمارے پیچھے ضرور آئے گا اگرچہ چابی کی عدم موجودگی میں اسے اسٹارٹ کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ مین ہائی وے سے چند سو گز کے فاصلے پر میں نے وین روک دی اور رائفل سمیت نیچے اترنے لگا تو سفیر نے بوکھلا کر پوچھا۔ ''او بھائی، کیا ارادے ہیں؟''

''سفیر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالو۔ میں فتح خان کو پیچھے آنے سے روکنا چاہ رہا ہوں۔ اگر حالات اس کے برعکس ہو جائیں تو وین لے کر نکل جانا۔''

''اس کی ضرورت کیا ہے؟''

''ہے یار..... فتح خان کو ہائی وے پر آنے سے روکنا ہے، وہ یہاں سے اپنے آدمیوں کو پیغام بھیج کر راستوں کی ناکا بندہ کرا سکتا ہے۔ ہم گھیر لئے جائیں گے۔''

''تُو جا کہاں رہا ہے؟'' سفیر چلایا۔

''میں ذرا اوپر جاؤں گا اور فتح خان کی گاڑی ناکارہ بنانے کی کوشش کروں گا۔ ممکن ہوا تو اسے بھی جہنم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رسید کردوں گا۔''

''یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' سفیر جلدی سے بولا۔ ''حکیم قادس اور برٹ شا اس کے قبضے میں ہیں اس کے مارے جانے کا ان پر نہ جانے کیا اثر ہو۔ حکیم خاص طور سے ضروری آدمی ہے۔''

''او کے، میں خیال رکھوں گا البتہ اس کی قضا آجائے تو اور بات ہے۔''

میں نیچے اترا اور سفیر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ انجن چل رہا تھا میں نے ایندھن کی پوزیشن دیکھ لی تھی ٹنکی تقریباً فل تھی۔ اس ایندھن کے ساتھ ہم مری سے بھی آگے تک جاسکتے تھے ممکنہ طور پر راولپنڈی تک مگر اولین مرحلہ اس علاقے سے صحیح سلامت نکلنے کا تھا۔ میں نے نیچے اتر کر سلائیڈنگ ڈور کھولا۔ مونا اور ایمن ایک نشیب پر تھیں۔ سامنے ایک عورت چادر میں منہ چھپائے بیٹھی تھی۔

''اس نے کچھ بتایا، کون ہے یہ؟'' میں نے اسے گھورا۔

''نہیں، یہ ایک لفظ نہیں بول رہی ہے۔'' مونا نے بتایا۔

''اس کی اور وین کے اس حصے کی تلاشی لی۔ یہاں اسلحہ عین ممکن ہے۔''

''اس کی تلاشی لی تھی اور اس کے پاس سے کچھ نہیں نکلا، البتہ اس سیٹ کے نیچے خانے میں بہت کچھ ہے۔'' مونا نے اس نشست کی طرف اشارہ کیا جس پر وہ بیٹھی تھیں۔

''مجھے دیکھنے دو۔'' میں نے کہا تو انہوں نے اٹھ کر نشست ہٹائی۔ خانے میں واقعی خاصا اسلحہ تھا۔ اس میں رائفلیں، اسنائپر رائفل، دستی بم اور ایک چھوٹا راکٹ لانچر اور اس کے راکٹوں کا بکس بھی تھا۔ چند چھوٹے پستول تھے ان میں سے ایک نے میری توجہ حاصل کی۔ یہ اعشاریہ چار دو کا پستول تھا اور اس پر سائلنسر بھی لگا تھا۔ میں نے اسے اٹھالیا۔ اس میں بارہ گولیوں کا کلپ تھا۔ میں نے ایک فاضل کلپ اٹھالیا۔ ایمن اور مونا تشویش سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ سوالات کی ابتدا مونا نے کی۔

''شوبی، رکے کیوں ہو؟''

''ایک ضروری کام ہے آگے خطرہ ہے اسے کلیئر کئے بغیر آگے نہیں جاسکتے۔''

''کیسا خطرہ ہے؟'' ایمن نے دریافت کیا۔

''فتح خان ہمارے راستے میں رکاوٹ کھڑی کرسکتا ہے، اسے اس جگہ روکنا لازمی ہے۔''

ایمن کا چہرہ فکر انگیز ہوگیا تھا۔ ''شوبی! وہ خطرناک شخص ہے۔''

''میں اس سے اس وقت بھی ٹکرا چکا ہوں جب میں صرف ایک ناتجربے کار لڑکا تھا۔'' میں مسکرایا۔ ''تم فکر مت کرو، میں غیر ضروری خطرہ مول نہیں لوں گا لیکن اس جگہ سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم فتح خان کو اس کے ساتھیوں سے رابطہ کرنے سے روک دیں۔ تم لوگ بھی اس اسلحہ خانے سے پستول وغیرہ نکال لو۔'' میں نے کہا اور ڈور کھول کر نیچے اتر گیا۔ وین سڑک کے نسبتاً چوڑے اور کم ڈھلان والے حصے پر کھڑی تھی میں نے ایک بار پھر سفیر کو ہدایت کی۔

''اگر کوئی مسئلہ ہو تو ان لوگوں کو لے کر نکل جانا۔''

''اور تُو.....؟'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری بات یاد رکھنا'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔

میں سڑک کے اوپری حصے کی طرف بھاگا تھا۔ میں کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا جہاں مور چا بنا کر فتح خان کو روک سکوں، تقریباً دو سو گز کے بعد خاصی سیدھی سڑک تھی مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی ہموار جگہ پر میں اسے آسانی نشانہ بنا سکتا تھا بلکہ اس جگہ گاڑی کی رفتار بھی تیز ہوتی اس لئے اس کا ٹائر برسٹ ہونے کی صورت میں اسے حادثہ ہو سکتا تھا۔ میں نے سڑک کے کنارے ایک چوڑے تنے والے درخت کے عقب میں پوزیشن سنبھال لی، ہمیں فتح خان کے بنگلے سے نکلے دس منٹ ہونے کو آئے تھے اور فتح خان سے اس سے زیادہ تاخیر ممکن نہیں تھی وہ کسی وقت بھی نمودار ہو سکتا تھا میں نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور پستول سنبھال لیا۔ تجربے کے طور میں نے اس سے دو فائر کئے اور گولیاں درست جگہ پر لگیں۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ پہلے اوپر گرے رنگ کی گاڑی کی جھلک دکھائی دی اور پھر لینڈ روور طوفانی انداز میں سڑک پر نمودار ہوئی تھی۔ میں نے اس کے نزدیک آنے کا انتظار کیا اور درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے لینڈ روور کے اگلے ٹائروں پر پستول سے لگاتار فائرنگ کی۔ میں اس وقت تک ٹریگر دباتا رہا۔ جب تک خالی۔ ''کلک کلک'' کی آواز نہیں آنے لگی تھی، مجھے نہیں معلوم کہ کس گولی نے کام کیا تھا۔ لینڈ روور کا اگلا دایاں ٹائر دھماکے سے پھٹا۔ وہ بری طرح لہرائی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر فتح خان کا ساتھی تھا، اس نے وین کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر گاڑی اس کے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ وہ لہرائی اور الٹ گئی۔ دو تین قلابازیاں کھائیں اور سیدھی میری طرف آئی۔ میں اٹھ کر بھاگا اور درخت کے عقب میں چلا گیا۔ مجھے مشکل سے نکلنے کا موقع ملا تھا میرے عقب میں آتے ہی گاڑی پوری قوت سے آ کر درخت سے ٹکرائی اور درخت بری طرح لرز اٹھا، دھماکے کی آواز کے ساتھ شیشے بکھرنے اور دھات چٹخنے کی سمع خراش آوازیں میں نے بے حد نزدیک سے سنی تھیں۔ میرے دائیں بائیں سے اس کے پرزے اڑ کر گزرے تھے۔ ایک ٹائر تو میرے سر کے پاس سے گولی کی طرح گزرا تھا۔ درخت بے حد مضبوط تھا ورنہ وزنی لینڈ روور نے جتنی قوت سے ٹکر ماری تھی، درخت کو گر جانا چاہئے تھا۔ ابھی میں سنبھل نہیں پایا تھا کہ اوپر سے پتوں اور شاخوں پر جمی برف برسنا شروع ہو گئی۔ ایک وزنی گولا آ کر میرے شانے سے ٹکرایا تو میں اس جگہ سے اٹھ کر بھاگا۔ ورنہ برف کے گولے مجھے سنگسار کر دیتے۔

جب برف پڑتی ہے تو درختوں کی اونچی شاخوں پر جم جاتی ہے اور جب دھوپ نکلتی ہے تو اوپر کی برف پگھل کر نیچے آتی ہے اور اندرونی شاخوں پر پھر سے جم جاتی ہے۔ یہ برف الٹی نوکدار شکل میں جم جاتی ہے، اوپر سے پانی کی آمد کے ساتھ یہ برفانی تیر لمبے اور وزنی ہو جاتے ہیں اور جب ان کا وزن ایک حد سے بڑھ جائے یا کسی وجہ سے درخت کو حرکت ہو تو یہ نیچے برس پڑتے ہیں۔ تیس چالیس فٹ کی بلندی سے گرنے کی صورت میں تین سے چار کلوگرام وزنی برفانی تیر جان لیوا ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس وجہ سے میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا اور بال بال بچا تھا۔ اوپر سے گرنے والی برف میں ایسے کئی وزنی برفانی تیر تھے۔

میں ایک اور درخت کے پیچھے تھا۔ تصادم کے بعد لینڈ روور پہلو کے بل سڑک کے پاس جا گری تھی اور اس کا حلیہ خراب ہو رہا تھا۔ خاص طور سے فرنٹ کا حصہ بری طرح متاثر تھا۔ مجھے امید نہیں تھی جو بھی اس حصے میں ہوگا، وہ صحیح سلامت ہوگا۔ میں نے کچھ دیر لینڈ روور کا جائزہ لیا۔ میری رائفل نہ جانے کہاں گئی تھی، وہ درخت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس رکھی تھی۔ پستول البتہ میرے پاس تھا، میں نے اس کا کلپ بدلا اور محتاط انداز میں لینڈ روور کی طرف بڑھا۔ گھوم کر سامنے آنے پر دیکھا اس کی ٹوٹی ونڈ شیلڈ سے ایک شخص اوندھے منہ پڑا تھا، اس کا سر سامنے کے رخ سے پھٹ گیا تھا اور مغز جھانک رہا تھا۔ اگر وہ شخص زندہ بھی تھا تو بس کچھ دیر کا مہمان تھا۔ سامنے والے حصے میں دوسرا فرد نہیں تھا۔ میں نے اس شخص کو سیدھا کیا۔ وہ فتح خان نہیں تھا، فتح خان کہاں ہے؟ میں نے سوچا، لینڈ روور میں اندر جھانکا، عقبی نشستوں پر بھی کوئی نہیں تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ فتح خان کہیں نہیں تھا، وہ نہ جانے کہاں تھا۔ شاید بچ نکلا تھا۔ میں درخت کی طرف لپکا اگر وہ بچ گیا تھا اور مسلح تھا تو مجھے بہ آسانی نشانہ بنا سکتا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ ابھی میں درخت کے پاس پہنچا تھا کہ فائر ہوا اور گولی میرے سر کے اوپر سے گزری تھی۔ فائر سڑک کے دوسری طرف سے ہوا تھا۔ میں نے پلٹ کر جوابی فائر کیا۔ مجھے فتح خان کی جھلک نظر آئی تھی۔ وہ سڑک کے اس طرف ایک درخت کے عقب میں ہو گیا تھا۔

''شہباز! تم آج بچے گا نہیں۔'' اس نے چلا کر کہا۔

''اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر بھی تم یہ بات کہہ رہے ہو؟'' میں نے جواب دیا اور رائفل کی تلاش میں نظر دوڑانے لگا۔ فتح خان سے نمٹنے کے لئے رائفل ضروری تھی۔ اس کے پاس رائفل تھی، اس لحاظ سے اسے برتری حاصل تھی مگر رائفل نہ جانے کہاں گر گئی تھی اور میں اسے آزادی سے تلاش کر بھی نہیں سکتا تھا۔ فتح خان میری تاک میں تھا۔

''ایک آدمی کا مرنے سے ہم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''تم بھی ایک ہی آدمی ہو۔''

''ہم فتح خان ہے۔''

''فتح خان تم ہو یا کوئی اور، موت سب کو آنی ہے۔ میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا، مجھے جانے دو۔''

''بکو مت۔ ابھی میرا ساتھی تم سب کو گھیر لے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تم کتے کی موت مارا جائے گا اور ہم باقی سب کو لے جائے گا۔''

میں نے محسوس کیا، فتح خان اس طرح بات کر کے وقت لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیا واقعی اس کے ساتھی آ رہے تھے، مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر لگ گئی جو راستے میں رکے ہوئے تھے۔ انہوں نے دھماکے کی آواز سنی تھی، مجھے ڈر تھا کہ سفیر اس طرف نہ آ جائے۔ فتح خان پر خون سوار تھا۔ جس طرح میں درخت کے پیچھے سے نہیں نکل سکتا تھا، اسی طرح فتح خان بھی اپنی جگہ سے نہیں نکل سکتا تھا۔ البتہ کوئی سڑک پر آ جاتا تو وہ ہم دونوں کے نشانے پر ہوتا۔ میں آہستہ سے پیچھے ہٹا، دوسرا درخت کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں چاروں ہاتھوں پیروں کے بل اس تک پہنچا۔ اس کے عقب سے میں نے سڑک پار دیکھا۔ کیا فتح خان بھی اسی طرح حرکت کر رہا ہو گا؟ میں نے سوچا۔ ایک درخت کے پیچھے آنے کے بعد دوسرے درختوں تک جانا اتنا مشکل نہیں تھا۔ درخت درمیان میں آنے سے میں فتح خان کے براہِ راست نشانے سے محفوظ ہو گیا تھا۔ اسی طرح وہ بھی میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ اتنی عقل اس کے پاس تھی کہ وہ سمجھ سکتا تھا، میرے ساتھی آس پاس تھے اور وہ ان کی طرف جا سکتا تھا۔ میں تیزی سے نیچے جانے لگا، خوش قسمتی سے میں ڈھلان والی جگہ پر تھا۔ اس لئے نیچے جانے کے لئے آزاد تھا۔ بعض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقامات پر مجھے ذرا دشواری پیش آئی تھی لیکن میں کسی نہ کسی طرح نیچے ڈھلان تک پہنچا۔ ایک اونچی پتھروں کی دیوار سے کود کر میں سڑک تک پہنچا اور پوری قوت سے نیچے کی طرف بھاگا۔ اس جگہ میں قطعی غیر محفوظ تھا۔ ایک طرف پہاڑی کی دیوار تھی۔ جسے پتھروں کی مدد سے سیدھا کیا گیا تھا۔ میری عافیت اسی میں تھی کہ فتح خان سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جاؤں۔

میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے وین چھوڑی تھی۔ مجھے چند لمحے کے لئے اپنی آنکھوں پر شبہ ہوا یہ وہی جگہ تھی کیونکہ میں نے جہاں وین چھوڑی تھی، اس جگہ وین نہیں تھی۔ میں نے سڑک پر آگے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ سڑک گھومتی ہوئی نیچے جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ مجھے ہائی وے نظر آنے لگی مگر سیاہ وین کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ لوگ کہاں چلے گئے، سفیر مجھے لئے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ کیا دھما کے کی آواز نے اسے جانے پر مجبور کیا تھا یا کوئی اور وجہ تھی، ہائی وے تک آتے آتے مجھے یقین ہو گیا تھا، کسی مجبوری کی وجہ سے سفیر میرا انتظار کئے بغیر جا چکا تھا۔ میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔ میں حیران اور پریشان سا سڑک پر کھڑا تھا۔

اچانک مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا، اس طرح کھلے میں رہ کر میں دشمن کے لئے آسان نشانہ بنا ہوا تھا۔ میں جلدی سے واپس ڈھلان پر آ گیا۔ ایک جگہ کچھ سخت جھاڑیاں تھیں، میں ان کی آڑ میں اس طرح سے بیٹھ گیا کہ بیک وقت اوپر سے آنے والی سڑک اور ہائی وے پر نظر رکھ سکوں۔ مجھے اس دوران میں ایک خدشہ اور ستانے لگا تھا کہ میرے ساتھیوں کو فتح خان کے گرگے نہ لے گئے ہوں۔ مجھے اس جگہ بیٹھے ہوئے دس منٹ ہوئے تھے کہ اوپر ہائی وے سے ایک مزدا پک اَپ نمودار ہوئی۔ ڈرائیونگ کیبن میں دو افراد تھے اور چار افراد پیچھے کھلی جگہ بیٹھے تھے۔ وہ سب مسلح تھے۔ مزدا گھوم کر اوپر جانے والی سڑک پر مڑی تھی کہ سامنے سے فتح خان نمودار ہوا اسے دیکھتے ہی پک اَپ رک گئی تھی۔ مسلح افراد نکلے اور فتح خان کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو گئے، وہ سخت غصے میں تھا اور ان کو سخت سُست کہہ رہا تھا۔ مجھے اس کی آواز نہیں آ رہی تھی لیکن انداز سے کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔

میں نے دیکھا، چار افراد دوبارہ پک اَپ میں سوار ہوئے اور پک اَپ ریورس ہو کر ہائی وے پر آگے روانہ ہو گئی، جس طرف سفیر کو جانا چاہئے تھا۔ مجھے امید ہونے لگی شاید وہ ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ تبھی فتح خان اپنے ساتھیوں کو ان کے پیچھے روانہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو افراد تھے۔ فتح خان کا دایاں بازو شانے سے خون آلود ہو رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جس وقت ٹائر برسٹ ہونے سے لینڈ روور بے قابو ہوئی تھی، فتح خان نے نیچے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس وجہ سے بچ گیا تھا ورنہ وہ گاڑی کے اندر ہوتا تو بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بات معمولی زخموں پر ٹل گئی تھی۔ فتح خان نے دائیں ہاتھ میں وزنی رائفل اٹھا رکھی تھی یعنی زخم ایسا نہیں تھا جو اس کی آزادی کو محدود کرتا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو دائیں بائیں جانے کا حکم دیا اور خود سڑک اور ہائی وے کے سنگم پر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہاں سے وہ تین طرف نظر رکھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھی اوپر جانے والی سڑک پر دائیں بائیں جنگل میں داخل ہوئے۔ وہ محتاط انداز میں تلاش کر رہے تھے۔

ایک میری طرف آیا تھا۔ وہ درختوں اور جھاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ مشکل مرحلہ تھا۔ دن کا وقت ہونے کی وجہ سے فوراً نظر میں آ جاتا اور جھاڑی میں دبکا رہتا تو جلد یا بدیر اس کی نظروں میں آ جاتا۔ اس کے پاس خودکار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رائفل تھی اور میرے پاس محض پستول۔ مجھے فوری فیصلہ کرنا تھا۔ میں فتح خان کے ساتھی کو گولی مارتا تو ایک طرح سے اپنی موجودگی کا اعلان خود کر دیتا۔ اس کے بعد فتح خان اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے گھیرنے کی کوشش کرتا۔ دوسری طرف مجھے یہ فائدہ تھا کہ مجھے ایک رائفل مل جاتی اور میں فتح خان کے مقابلے کی پوزیشن میں آجاتا۔ میں نے گرگے سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور فیصلہ کرتے ہی میں حرکت میں آیا اور رائفل بردار کے دائیں شانے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی، اس کا ہاتھ ناکارہ ہو جاتا اور اس کا خون بھی میرے سر نہیں جاتا۔ گولی لگتے ہی اس نے چلا کر کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آیا رائفل اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ میں نے چھلانگ لگائی اور زمین سے رائفل اٹھالی۔

وہ نیچے گرا بائیں ہاتھ سے اپنا شانہ دبا کر خون روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور اگلے ہی لمحے جھٹکے سے نیچے گر گیا تھا۔ اس کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹنے لگے اور وہ نزع کے عالم میں جھٹکے لے رہا تھا۔ اسی لمحے فضا برسٹ کے شور سے گونج اٹھی۔ کسی نے برسٹ مارا تھا۔ نشانہ شاید میں تھا اور درمیان میں وہ آ گیا، دوسرے ہی لمحے میں زمین پر گر کر رینگتا ہوا نزدیکی درخت کی آڑ میں چلا گیا۔ برسٹ فتح خان کے ساتھی نے ڈھلان کی طرف سے مارا تھا۔ فتح خان بھاگتا ہوا اس طرف آ رہا تھا، میں نے درخت کی آڑ سے اس پر فائر کیا جو عجلت میں ضائع گیا۔ فتح خان ایک پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔ اس کے ساتھی نے دوبارہ فائر کیے، گولیاں اس درخت کے تنے پر لگیں جس کے عقب میں، میں تھا۔ اس کا نشانہ اچھا تھا۔ تقریباً دو سو گز کے فاصلے سے وہ بالکل درست نشانہ لے رہا تھا۔ میں فتح خان کی تاک میں تھا لیکن وہ مکار پتھر کے پیچھے اس طرح دبک گیا تھا کہ بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگلی بار اس کے ساتھی نے گولیاں برسائیں تو میں پھر بال بال بچا تھا۔ وہ گھوم کر میرے پیچھے آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے اردگرد دیکھا۔ ایک نسبتاً چوڑے تنے کا درخت تھا اور اس کے ساتھ ایک پتھر اس طرح تھا کہ میں اس کے عقب میں چلا جاتا تو دو طرف سے محفوظ ہو سکتا تھا۔ میں نے اندازے سے فتح خان کے ساتھی کی طرف ایک برسٹ مارا اور اٹھ کر اس درخت کی طرف دوڑا تھا اس بار بھی میں بال بال بچا تھا۔ گولی مجھ سے پہلے درخت پر لگی تھی، اگلے لمحے میں چھلانگ لگا کر اس کے عقب میں جا چکا تھا۔ اس بار فتح خان نے بھی مجھ پر فائر کیا تھا۔ پھر وہ چلایا۔ ''شہباز! تم بچ کر نہیں جا سکتا خود کو میرے حوالے کر دو۔''

''مجھے پکڑ سکتے ہو تو پکڑ لو۔ ویسے صرف نصف گھنٹے میں یہ دوسرا آدمی ہے جو میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔''

''میرے پاس کتوں کی کمی نہیں ہے۔'' فتح خان نے غرور سے کہا۔ ''تم دو مارو گے، ابھی کچھ دیر میں دس اور آ جائے گا، پھر تم کیا کرو گے؟''

میں فتح خان کی بکواس سننے کے بجائے فرار کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے پیچھے جنگل تھا، جس کا سلسلہ ایک طرف تو اوپر جا رہا تھا اور دوسری طرف یہ دائرے کی صورت میں نیچے ہائی وے سے مل رہا تھا۔ درخت دس سے بیس فٹ کے فاصلے پر تھے اور ان کے درمیان میں پتھر تھے یا جھاڑیاں اور وہ آڑ نہیں دے سکتی تھیں۔ میری پوزیشن ایسی تھی کہ میں اس جگہ آڑ سے اٹھتا تو فوراً نظر میں آ جاتا۔ دو طرف سے کی جانے والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائرنگ سے بچنا محال تھا، اب تک قسمت تھی جو میں بچتا آ رہا تھا۔ فی الحال میرے پاس دبکے رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ساتھ ہی مجھے احساس تھا فتح خان اور اس کا ساتھی مجھے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔ فتح خان سڑک پر ہونے کی وجہ سے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نیچے کے ساتھ اوپر کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر بھی تھی۔ میں نے حقیقت جاننے کے لیے فتح خان سے کہا۔ ''فتح خان..... تم مجھے روک سکتے ہو لیکن میرے ساتھیوں کو نہیں وہ ہر گزرتے لمحے تم سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔''

''ان کے پیچھے میرا آدمی گیا ہے، وہ بھی پکڑا جائے گا۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ سفیر، سونا اور ایمن ابھی فتح خان کی گرفت سے باہر تھے۔ ''فتح خان وین میں ایک عورت بھی تھی، وہ کون ہے؟''

''جب وہ آئے گا تو تم دیکھ لے گا۔'' فتح خان بولا۔

''فتح خان! برٹ شا تمہارے قبضے میں ہے، اگر یہ بات ڈیوڈ شا کو معلوم ہو جائے؟''

''ہو جائے..... ہم اس کے لئے پیسے کا واسطے کام کرتا ہے، اس کے باپ کا غلام نہیں ہے۔''

فتح خان سے گفتگو کے دوران میری نظریں اوپری ڈھلان پر سرگرداں تھیں۔ فتح خان سے بات کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ مجھے اس کی جگہ کا اندازہ رہے اور میں بے فکری سے اس کے ساتھی پر توجہ دے سکوں، میں نے رائفل کو تیار رکھا تھا اور میں اس کے نظر آتے ہی فائر کر دیتا۔ ''ڈیوڈ شا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہارا..... میں۔'' فتح خان نے جواب میں ایک ناقابلِ بیان پتا بتایا تھا۔ میں نے قہقہہ لگایا۔

''فتح خان، ڈیوڈ شا کو اپنے محل وقوع کا پتا چلا تو وہ سخت برا منائے گا۔''

جواب میں فتح خان نے ڈیوڈ شا کی شان میں خاصی وزنی گستاخی کی تھی۔ میں نے پھر اسے پن چبھوئی ''اگر اسے ہیروں کا پتا چل گیا تو کیا وہ تم کو اتنی آسانی سے ہضم کرنے دے گا۔''

''ہیرا، اس کے باپ کا نہیں ہے۔''

''لیکن، وہ تمہارا مائی باپ ضرور ہے۔'' میں نے طنز کیا۔ عین اسی لمحے مجھے اوپر درختوں میں حرکت محسوس ہوئی تھی، میں جلدی سے درخت کے ساتھ لگے پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔ ''فتح خان! تم ڈیوڈ شا سے نہیں لڑ سکتے۔ اسے تمہارے جیسے درجنوں غلام مل جائیں گے۔ تمہاری حیثیت استعمال شدہ روڑے سے زیادہ نہیں ہے۔''

جواب میں فتح خان کی جانب سے گالیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔ اس نے مجھے اور ڈیوڈ شا کو ایک صف میں رکھ کر نوازا تھا۔ مجھے اس کی آواز سے اطمینان تھا، وہ اپنی جگہ پر تھا اور میں اس کے ساتھی کی طرف پوری توجہ دے سکتا تھا۔ میں نے رائفل سیدھی کر لی تھی اور اس شخص کے نظر آتے ہی فائر کرنے کے لئے تیار تھا، وہ اوپری درختوں میں اس طرح حرکت کر رہا تھا کہ اس کی معمولی سی جھلک کبھی کبھی نظر آتی تھی لیکن اسے نشانہ بنانے کے لئے یہ جھلک کافی نہیں تھی۔ میں ایک بھرپور جھلک کا منتظر تھا وہ جس طرف حرکت کر رہا تھا، میں نے اس سے آگے درختوں کی پوزیشن دیکھی۔ ایک جگہ درختوں کے بیچ واضح خلا تھا۔ میں نے رائفل کا رخ اس طرف کر لیا۔ پتھر سے خود کو ٹکاتے ہوئے ساکت کر لیا اور میری انگلی ٹریگر پر پوری طرح تیار تھی۔ کنکھیوں سے میں دیکھ رہا تھا، وہ رفتہ رفتہ اس خلا کے قریب آ رہا تھا۔ لازمی تھا وہ تیزی سے اس خلا کو عبور کرتا اور میرے پاس وقت کم ہوتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاید نصف سیکنڈ..... اگر میں تاخیر کرتا یا جلد بازی کر جاتا، دونوں صورتوں میں وہ بچ جاتا اور اس کے بعد میں اس کے رحم و کرم پر ہوتا کیونکہ اس کے بعد وہ ایسی پوزیشن میں آ جاتا کہ بہ آسانی مجھے نشانہ بنا سکتا تھا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں نے سانس روک لی تھی اور مجھے احساس تھا کہ وہ خلا کے پاس آ رہا ہے۔ فی الحال میں نے فتح خان کو بھی ذہن سے نکال دیا تھا۔

حسبِ توقع اس نے بے حد تیزی سے خلا کو پار کرنے کی کوشش کی تھی، اس کی جھلک دیکھتے ہی میں نے لبلبہ دباتے ہوئے رائفل کو دائیں سے بائیں ہلکی سی جنبش دی تھی۔ فضا برسٹ کے شور سے گونجی تھی۔ وہ خلا پار کر گیا تھا۔ میرا دل ڈوب گیا۔ وہ بچ گیا تھا۔ اب مجھے اس کی جوابی کارروائی سے بچنا تھا۔ میں پتھر کی آڑ میں اور بھی دبک گیا تھا۔ خلا پار کرنے کے بعد مجھے اس کی طرف سے کوئی حرکت نظر نہیں آئی تھی، میں نے فتح خان کو دیکھنے کا سوچا لیکن اس کے لئے مجھے پتھر کی آڑ سے نکلنا پڑتا اور اس دوران مجھے فتح خان کے ساتھی کی طرف سے خطرہ تھا۔ اچانک اوپر سے پتھر لڑھکتے دکھائی دیئے اور پھر ایک انسانی جسم قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے گرنے لگا۔ دو تین بار لڑھک کر وہ ایک درخت کے ساتھ ٹک گیا۔ وہ فتح خان کا ساتھی تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، کیا اسے گولی لگی تھی یا وہ اس طرح کوئی چال چل رہا تھا؟ مجھے اس طرح اپنی کمین گاہ سے نکال کر سامنے لانا چاہتا تھا مگر کوئی اس طرح اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالتا۔ میں نے جھانک کر فتح خان کی طرف دیکھا۔ وہ پتھر کی آڑ میں تھا۔ میں یک دم اوپر کی طرف دوڑا۔ چند چھلانگوں میں، میں اس شخص کے پاس تھا۔ یہ ایک نوجوان آدمی تھا اور اس کے سینے میں دو سوراخ تھے۔ وہ بلاشبہ مر چکا تھا۔ افسوس کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں اسے نہ مارتا تو وہ مجھے مار دیتا۔ اب مجھے فتح خان کی فکر تھی۔ میں نے مرنے والے کے لباس سے رائفل کے فاضل میگزین نکال لئے اور درختوں کی آڑ میں اوپر جانے لگا۔

فتح خان نے خاصی دیر سے ردِعمل ظاہر کیا تھا۔ اس نے نیچے سے فائرنگ کی تب تک میں درختوں میں خاصا اوپر جا چکا تھا اور اس کی زد سے باہر تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں کہاں جاتا؟ میرے پاس اسلحہ تھا۔ رائفل اور اس کے تین عدد اضافی میگزین تھے، ایک پستول تھا لیکن میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ فتح خان کے پاس آدمی تھے اور کچھ دیر میں اس کے پاس آ جاتے، اس کے بعد وہ پوری قوت سے میرے خلاف حرکت میں آ جاتا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ مجھے اوپر بنگلوں میں سے کسی میں پناہ لینی چاہئے۔ اوّل تو فتح خان کا دھیان اس طرف کم ہی جاتا۔ بھلا کون دشمن کی کچھار میں جاتا ہے۔ اس کا خیال یہی ہوتا کہ میں اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ دور ہونے کی کوشش کروں گا۔ پھر اس موسم میں زیادہ دیر باہر رہنا بھی ممکن نہیں تھا۔ برف باری کے بعد سرد ہوا چلنی شروع ہو چکی تھی اور درجہ حرارت گرتا جا رہا تھا۔

اس خیال کی ایک وجہ اور بھی تھی، میرے خیال میں میرے ساتھی جلد یا بدیر پکڑے جاتے اور وہ اسی جگہ لائے جاتے۔ میں ان کی مدد کر سکتا تھا۔ میں نے ہر ممکن تیزی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ جنگل کے بیچ پتھروں اور چٹانوں پر قدم جمانا آسان نہیں تھا، میں چاہتا تھا کہ اس سے پہلے فتح خان کا دھیان اس طرف جائے، میں اوپر پہنچ جاؤں۔ مجھے دو جگہ سے سڑک عبور کرنا پڑی تھی۔ اندر داخل ہونے کے لئے میں نے بائیں طرف والی ڈھلان پر بنگلوز کے عقب سے جانے کا فیصلہ کیا۔ عین ممکن تھا، درمیانی راستے سے جانے پر میں کسی کی نظر میں آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا۔ بائیں طرف ڈھلان خاصی ترچھی تھی دراصل یہ وی کی صورت کا پہاڑی کٹاؤ تھا جس کی تہہ میں برساتی نالہ تھا۔ میں نے وقت دیکھا، بارہ بج رہے تھے اس بار شاید بارش کا امکان تھا۔ برف باری کے مقابلے میں سرما کی بارش کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور درجہ حرارت بہت کم ہو جاتا ہے۔ میں نے تیسرے بنگلے کا انتخاب کیا تھا کیونکہ اس کی عقبی دیوار خاصی نیچی تھی۔

☆======☆======☆

میں نے دل ہی دل میں بنگلے کے مالک سے معذرت کی اور دیوار عبور کر کے اندر داخل ہو گیا۔ دیوار کے ساتھ برچ کا درخت تھا۔ میں اس کے تنے کی آڑ میں دبک گیا۔ کچھ دیر سن گن لیتا رہا۔ نہ کوئی آہٹ تھی اور نہ ہی کوئی حرکت۔ بنگلا ویران تھا۔ میں دبے قدموں عمارت کی طرف بڑھا۔ کسی کے نہ ہونے کا مطلب تھا کہ بنگلا بند ہوتا اور میں زبردستی ہی اندر جا سکتا تھا۔ پیچھے کے دروازے اور کھڑکیاں بند تھے۔ میں گھومتا ہوا پہلو کی طرف آیا تب میری نگاہ اوپر آتش دان کی چمنی پر پڑی۔ اس سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔ دن ہونے کی وجہ سے یہ اتنا نمایاں نہیں تھا اس وجہ سے دور سے نظر نہیں آیا تھا۔ میں محتاط ہو گیا۔ اندر کوئی تھا۔ یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ مجھے باہر ٹھہرنا نہیں پڑتا۔ خوش قسمتی سے پہلو کا ایک دروازہ کھلا تھا اور میں خاموشی سے اندر گھس گیا۔ میں نے رائفل شانے پر لٹکا کر پستول نکال لیا تھا۔ اس پر سائلنسر تھا۔ یہ گیلری تھی، اس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ میں آہستہ آہستہ دونوں طرف کے تیسرے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سا کھول کر اندر جھانکا۔ کمرا خالی تھا البتہ اندر آتش دان جل رہا تھا۔ بستر پر چند نسوانی ملبوسات بکھرے تھے۔ میں اندر آ گیا۔ ایک طرف دروازہ تھا اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

یہ کمرا کسی عورت کا تھا اور وہ واش روم میں تھی۔ اس کے کپڑے کمرے میں بستر پر پھیلے تھے اور یہ کوئی عام صورتِ حال ہوتی تو میں یہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتا۔ مگر ابھی مجھے بہرصورت پناہ کی ضرورت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے کہ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آنا بند ہو گئی اور اس سے پہلے کہ میں کہیں چھپتا، واش روم کا دروازہ کھلا اور بنٹی اندر سے برآمد ہوئی۔ اس نے جسم پر بڑا سا تولیا باندھ رکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے چیخ مارنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔ ''خبردار! آواز نہ نکلے..... ورنہ پھر کبھی آواز نہیں نکلے گی۔''

بنٹی بھی مجھے دیکھ کر اتنا ہی حیران ہوئی تھی جتنا میں اسے دیکھ کر۔ میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ میں انجانے میں ان لوگوں کے بنگلے میں گھس آیا تھا۔ بنٹی نے جلدی سے ہاتھ بلند کر لئے۔ اس نے تولیہ درست طریقے سے باندھا بھی نہیں تھا، ابھی باندھ رہی تھی۔ نتیجے میں تولیا نیچے گر گیا۔ میں نے بے ساختہ لاحول پڑھی اور رخ دوسری طرف کر لیا۔ ''جلدی سے کپڑے پہنو اور کوئی غلط حرکت مت کرنا۔''

بنٹی تولیا اٹھاتی ہوئی بیڈ کی طرف لپکی، اس نے بے حد پھرتی سے لباس تبدیل کیا۔ مشکل سے ایک منٹ لگا ہوگا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ جامے میں آ گئی ہے تو میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''سوری! مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ تمہارا بنگلا ہے اور نہ یہ پتا تھا کہ یہ تمہارا کمرا ہے۔''

بنٹی نے سویٹر پہنا جو جمپر کی طرح اس کے جسم پر فٹ ہو گیا تھا۔ اس بار میں نے دل ہی دل میں لاحول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑی۔اس نے کانپتی آواز میں پوچھا۔''تت.....تم ڈاکو ہو؟''

''خاتون! کیا میں صورت سے تمہیں ڈاکو نظر آتا ہوں؟''میں نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔

''اور میں تمہیں خاتون نظر آتی ہوں؟''اس نے بھی اسی انداز میں جز بز ہو کے کہا۔

''بہتر ہوگا ہم دونوں معذرت کا تبادلہ کر لیں۔''میں نے پستول نیچے کر لیا۔''میں پناہ کے لئے یہاں آیا ہوں۔دشمن میرے پیچھے ہیں۔''

''اتنی جلدی تمہارے دشمن بھی پیدا ہو گئے؟''وہ حیران ہوئی۔

''پیدا تو وہ خاصا عرصہ پہلے ہو گئے تھے۔''میں نے سرد آہ بھری۔''مجھ سے بھی پہلے.....لیکن آج بدقسمتی سے یہاں ٹکرا گئے۔ہم نے اس کی کوٹھی میں پناہ لے رکھی تھی اور وہ اچانک آ گیا۔میرے ساتھی عجلت میں نکل گئے اور دشمنوں کو ان کے پیچھے جانے سے روکنے کے لئے میں یہیں رہ گیا،اس کے بعد معاملہ الٹا ہو گیا۔اب دشمن میرے پیچھے ہے۔''

بنٹی نے گہری سانس لی۔''میں نے سوچا بھی نہیں تھا،تم سے دوبارہ اس طرح ملاقات ہو گی۔شکر کرو ہمارے ڈرائیور کو پتا نہیں ہے۔''

''اچھا ورنہ وہ کیا کر لیتا؟''

''بہت کچھ کر سکتا ہے،اسے محض بوڑھا نہ سمجھو،سابق آرمی کمانڈر ہے۔پاپا نے خاص طور سے ہماری حفاظت کے لئے لگایا ہے۔''

''وہ.....اس کا مطلب ہے تمہارے پاپا توپ چیز ہیں؟''

''میاں ممتاز حسین کا نام سنا ہے؟''

''میں چونکا۔''آں.....ہاں.....وہ جو وسطی پنجاب کا ایک طاقتور سیاست دان ہے؟''

''میرے پاپا ہیں۔''اس نے فخر سے کہا۔

''اور تم لوگ اس طرح پھر رہی ہو جبکہ الیکشن قریب ہیں۔تمہارے پاپا کا کوئی مخالف اس کا فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے۔''

''پاپا کو بھی نہیں پتا کہ ہم کہاں ہیں؟''اس نے اطمینان سے بتایا۔''کسی اور کو کیا پتا ہو گا؟''

''ایسا مت کہو۔دشمن کبھی کمزور یا بے خبر نہیں ہوتا اس کا مجھے اچھی طرح تجربہ ہو گیا ہے۔''

''تمہارے دشمن کون ہیں اور کیوں ہیں؟''

''میرے دشمن!''میں نے گہری سانس لی۔''خاصے احمق اور فرعون ہیں۔بس میرے پیچھے پڑ گئے ہیں اور کیوں،اس کی وجہ بھی میں نہیں جان سکا۔اتفاق سے ان کا تعلق بھی سیاست سے ہے۔''

اس نے بے نیازی سے بستر پر پھیلی اپنی اشیاء اٹھا کر الماری کی دراز میں ڈال دیں۔وہ جتنی تیزی سے نارمل ہوئی تھی اور مجھ سے عمومی گفتگو شروع کر دی تھی۔اس سے ظاہر تھا کہ وہ خاصی روشن خیال لڑکی تھی۔عین ممکن ہے وہ مخلوط سوئمنگ پولز میں جاتی ہو۔یعنی بے لباسی اس کے لئے کوئی نئی بات نہ ہو اور وہ اب مجھ سے خوف زدہ بھی نہیں تھی۔اپنا کام نمٹا کر اس نے میری طرف دیکھا۔''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ظاہر ہے، جب تک باہر میرے دشمن دندنا رہے ہیں، میں پناہ چاہتا ہوں۔''

''اور میں یا نیٹا انکار کر دیں.....؟'' وہ مسکرائی۔

''تب مجبوراً مجھے انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑیں گی۔''

''او کے، او کے۔'' اس نے جلدی سے ہاتھ اوپر کئے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے ہماری مدد کی تھی اور ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔''

''شکریہ!'' میں نے اس کے لہجے میں خلوص محسوس کرتے ہوئے پستول جیکٹ میں رکھ لیا۔ ''لیکن تمہارا محافظ.....! وہ اعتراض نہ کرے؟''

''اس کی فکر مت کرو۔ وہ روبوٹ ہے جو صرف ہماری بات سنتا ہے اور جو سنتا ہے، بس اس پر عمل کرتا ہے باقی تمام معاملات میں وہ گونگا، بہرا اور اندھا ہے۔''

''اس کے باوجود میں اس کے سامنے نہ آنا چاہوں تو.....؟''

''تو پرابلم! اس کمرے تک محدود رہو۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''ہاں، یٹا سے میں نہیں چھپا سکتی۔''

''وہ تو ظاہر ہے، ویسے بائی دا وے..... کیا واقعی تم لوگ اتنی دور صرف برف باری دیکھنے آئی ہو؟''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر مسکرائی۔ ''تم واقعی چالاک ہو۔ یٹا کا ایک بوائے فرینڈ ہے، پاپا اسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اگر یٹا اس سے کہیں اور ملے تو پاپا کو پتا چل جائے گا۔ اس لئے وہ یہاں آئے گا۔''

''میرا اندازہ درست تھا۔'' میں نے گہری سانس لے کر سوچا۔ ''یہ بے راہ رو لڑکیاں تھیں، ظاہر ہے یٹا کا بوائے فرینڈ محض ملاقات کے لئے تو نہیں آئے گا اور نہ ہی وہ اپنے جذبات کا اظہار فلمی انداز میں ڈوئٹ گا کر کریں گے۔''

''کیا تمہارے پاپا کو تمہاری ان سرگرمیوں پر اعتراض نہیں ہوتا؟''

''نہیں، پاپا نے ہمیں پوری آزادی دے رکھی ہے، وہ روشن خیال آدمی ہیں۔''

''سبحان اللہ۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی اور دل میں کہا۔ ''خدا ایسے بے غیرت باپوں سے اس ملک کو محفوظ رکھے۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''شاید تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگی۔''

''ہاں، بدقسمتی سے میں نے ایک تاریک خیال گھرانے میں پرورش پائی ہے جو انسان کی شرافت اور تہذیب کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دیتا ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

وہ کھسیا گئی۔ ''چھوڑو اس موضوع کو۔''

مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی۔ وہ کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے؟ میں نے بنٹی سے کہا۔ ''تمہارے پاس کوئی دوربین ہے؟''

''ہاں، لیکن اس کا کیا کرنا ہے؟''

''سوال مت کرو۔ دوربین دو مجھے۔'' میں نے کہا تو اس نے الماری میں رکھی دوربین نکال کر مجھے تھما دی، یہ طاقتور دوربین تھی۔ ''مجھے چھت پر جانا ہے۔'' میں نے دوسرا مطالبہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس موسم میں؟'' وہ کسمسائی۔

''ہاں میں ابھی کئی گھنٹے کھلی فضا میں گزار کر رہا ہوں۔ اتنی سردی بھی نہیں ہے۔''

''میں نہیں جا سکتی۔'' اس نے انکار کیا۔

''کچھ پہن لو اور میرے ساتھ چلو۔'' میں نے اس کے انکار کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دی تھی۔ ''تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے۔'' میں نے پستول دوبارہ نکالا تو اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

''او کے..... میں چلتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا اور الماری سے ایک بھاری اوور کوٹ نکالا۔ اس بنگلے میں بجلی تھی اور مجھے کہیں دور جنریٹر چلنے کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔ اوور کوٹ کے ساتھ اس نے اونی ٹوپی اور دستانے پہنے پھر پیروں میں اونی موزے چڑھائے۔

''فی الحال میں نہیں چاہتا کہ پتا چلے یا تمہارے خادم کو پتا چلے، اس لئے کسی ایسے راستے سے چلو کہ بیراہ میں نہ آئیں۔'' میں نے ایک مطالبہ اور کیا۔

اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے، راستہ ایک ہی ہے۔''

میرے لہجے میں دھمکی محسوس کر کے اس نے جلدی سے یقین دلایا۔ ''یہاں کوئی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا۔''

مگر میں پوری طرح محتاط رہا۔ ان لڑکیوں کا کردار جاننے کے بعد ان پر بھروسا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس ذہنیت کے لوگ صرف اپنا مفاد دیکھتے ہیں۔ بنٹی مجھے گیلری سے لائی۔ اس حصے میں گول سیڑھیاں اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔ ''یہ سیڑھیاں براہ راست اوپر والی منزل پر نکلتی ہیں۔'' اس نے مجھے آگاہ کیا۔

میں نے سیڑھیوں کی طرف کھلنے والا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ ''اسے کیوں بند کر رہے ہو؟''

''تاکہ کوئی ہمارے پیچھے نہ آ سکے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے فکر مت کرو، تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

میرے تسلی دلانے کے باوجود اس کی تشفی نہیں ہوئی تھی وہ فکر مند نظر آنے لگی تھی۔ ہم اوپر آئے۔ یہ کوٹھی کا سب سے بلند حصہ تھا اور اس جگہ سے اردگرد کے بنگلوں کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا، ان میں فتح خان کا بنگلا بھی تھا۔ میں نے دوربین نکال کر دیکھا۔ بنگلے کا سامنے کا لان اور پورچ کا حصہ صاف نظر آ رہا تھا اور خاص بات یہ تھی کہ وہاں فتح خان، رازگل اور زرین کے ساتھ موجود تھا۔ فتح خان ان پر برس رہا تھا اور ان دونوں کی حالت بری تھی۔ خاص طور سے رازگل کی۔ شاید اس لئے کہ اس نے مجھے سب بتا دیا تھا۔ فتح خان کچھ کہتے ہوئے رازگل کی پشت پر گیا۔ اچانک اس کا ہاتھ بلند ہوا اور اس نے ایک چھوٹے چھل والا خنجر دستے تک رازگل کے سر میں اتار دیا تھا۔ میں اچھل پڑا تھا اور دوربین میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ بنٹی بھی دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہکلا کر کہا۔ ''یہ..... اس..... نے کیا، کیا.....؟''

میں نے جھپٹ کر دوربین اٹھائی۔ رازگل اوندھے منہ فرش پر پڑا تھا۔ وہ بلاشبہ مر چکا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ فتح خان اچانک اسے ختم کر دے گا۔ زرین یوں لرز رہا تھا جیسے اسے جاڑے کا بخار چڑھا ہو۔ فتح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان نے اس سے کچھ کہا اور وہ پھرتی سے رازگل کی لاش کھینچتا بنگلے کے عقبی حصے میں لے گیا۔ میں نے دوربین گھمائی۔ ایک مسلح شخص مجھے بنگلے کے مین گیٹ پر بھی نظر آیا تھا۔ اچانک بنٹی نے میرا بازو ہلایا۔ ''وہ دیکھو..... ایک گاڑی آرہی ہے۔''

میں نے دوربین سے نظریں ہٹا کر دیکھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔ یہ وہی سیاہ وین تھی جو سفیر، مونا اور ایمن کے ساتھ لے کر نکل گیا تھا۔ اس کے فرنٹ پر پڑا ڈینٹ نمایاں تھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ وہ پکڑے گئے تھے۔ درحقیقت مجھے پہلے سے یہ خدشہ تھا۔ سیاہ وین چلتی ہوئی آکر فتح خان کے بنگلے کے سامنے رکی۔ مسلح شخص رائفل تانے وین کی ڈرائیونگ سیٹ تک آیا، اس نے جھک کر کسی سے بات کی اور واپس آکر گیٹ کھول دیا تھا۔ وین اندر پورچ میں جانے لگی۔ فتح خان کے ساتھی کہیں تیز ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت میں وین کو جالیا تھا۔ ''یہ..... کون ہے؟'' بنٹی سرگوشی میں بولی۔

''چپ کرو.....'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

وین پورچ میں رک گئی، اس کے اگلے حصے سے دو افراد اترے۔ ایک نے فتح خان سے کچھ کہا۔ وہ وین کے عقبی حصے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ فتح خان نے آگے بڑھ کر وین کا سلائیڈنگ ڈور کھولا اور اشارے سے کسی کو باہر آنے کو کہا۔ میں نے دوربین وین کے دروازے والے حصے پر مرکوز کر دی تھی کہ اس سے کون اترتا ہے؟ سب سے پہلے وہ عورت اتری جسے میں نے ایمن اور مونا کے ساتھ وین کے عقبی حصے میں دیکھا تھا۔ اس نے سیاہ شال اوڑھ رکھی تھی جس پر سفید دھاگوں سے کڑھائی ہوئی تھی۔ اس نے سر گھمایا، اس کا چہرہ سامنے آیا اور مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہونے لگا۔ وہ بھاگ بھری تھی..... رحمت خان کی بیٹی۔ اس کے معصومانہ نقوش ویسے ہی تھے اور چہرے پر ویرانی نظر آرہی تھی۔ فتح خان نے اسے بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلا۔ وہ اسے اندر جانے کو کہہ رہا تھا۔

''بس مسٹر اشرف!'' اچانک ایک سرد سی شے میری گردن سے آلگی۔ ''اب حرکت مت کرنا۔''

بولنے والی بنٹی تھی اور اس کے ہاتھ میں میرا ہی پستول تھا۔

میں ساکت رہ گیا تھا لیکن دوربین آنکھوں اور وین سے نہیں ہٹائی تھی۔ ''اگر تم نے مجھے گولی مارنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو مجھے دو منٹ کی مہلت دو۔ میں اپنے ساتھیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں، دشمن ان کو پکڑ کر لے آیا ہے۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''او کے..... دیکھ لو!'' اس نے فراخ دلی سے جواب دیا۔

میری نگاہیں وین کے دروازے پر مرکوز تھیں، وین اس طرح کھڑی تھی کہ میں اس کے اندر جھانکنے سے قاصر تھا لیکن بجائے اس کے اندر سے کوئی برآمد ہوتا۔ فتح خان کے ساتھی نے وین کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ فتح خان کے ساتھ اندر چلا گیا۔ صرف ایک شخص جو ڈرائیونگ سیٹ سے اترا تھا وین کے پاس کھڑا تھا۔ جبکہ مسلح شخص بنگلے کے گیٹ پر تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ وین ان لوگوں کے ہاتھ آگئی تھی تو میرے ساتھی کہاں تھے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ ان کو وین میں چھوڑ دیا جاتا، کیا ان کو کہیں اور لے جایا گیا تھا، فتح خان کے ساتھ جس پک اَپ پر وین کے تعاقب میں گئے تھے، وہ واپس نہیں آئی تھی۔ کیا میرے ساتھیوں کو اس پر کہیں لے جایا گیا تھا لیکن نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کیوں یہ بات میرے دل کو نہیں لگی تھی۔ سفیر، مونا اور خاص طور سے ایمن اتنے کم اہم نہیں تھے کہ فتح خان ان کو اپنے پاس بلوانے کے بجائے کہیں اور بھیج دیتا۔ ایمن کو تو وہ بہرصورت اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا تھا۔ میرے اندر امید کی ایک کرن جاگی تھی۔ اس کا مطلب تھا میرے ساتھی ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگے تھے۔

"بس دو تین منٹ سے خاصے زیادہ ہو گئے ہیں۔" بنٹی نے میری گردن پر پستول کی نال سے دباؤ ڈالا۔

"کیا مجھے کلمہ پڑھنے کی اجازت ملے گی؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا اور اس کی طرف گھوما، وہ ہنسی۔

"کیوں نہیں..... جب آخری وقت آئے تو پڑھ لینا" اس نے پستول واپس میری جیکٹ میں ڈال دیا۔

"میرے..... خدا! کتنا وزنی ہے۔"

"پاگل لڑکی ہتھیاروں اور ہتھیار رکھنے والوں سے ایسے مذاق نہیں کرتے۔" میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "ممکن ہے میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس وقت یہاں تمہاری لاش پڑی ہوتی۔"

"تمہارے ساتھی کہاں ہیں، مجھے اور کوئی نظر نہیں آیا؟"

"اس حرکت کا مقصد؟" میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ "تمہیں صرف اتنا بتانا کہ تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گی۔"

"رئیلی!" میں نے طنز کیا۔ "کیا میں تمہارے ماتھے کا پتر لگا ہوں۔"

"دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر اعتبار کرنے کو دل چاہتا ہے اور ان لوگوں میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے۔ عورت کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں میل نہیں آتا ہے۔ تمہاری آنکھوں میں بھی مجھے وہی بات نظر آتی ہے۔"

"لگتا ہے مردوں کا خاصا تجربہ ہے تمہیں۔" میں نے کہا اور پھر دوربین سے فتح خان کے بنگلے کا جائزہ لیا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔" اس نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ "میں نے تمہارے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا تھا۔"

"وہ نہیں آئے، نہ جانے کہاں ہیں۔ آزاد بھی ہیں یا ان لوگوں نے ان کو کہیں اور رکھا ہے۔"

"اب تم کیا کرو گے؟"

"ظاہر ہے پہلے میں جاننے کی کوشش کروں گا کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔ اس کے بعد ان کو چھڑانے کی کوشش کروں گا۔"

جب میں فتح خان کے بنگلے کی طرف نہیں دیکھ رہا ہوتا تھا تو نیچے بیٹھ جاتا تھا۔ کیونکہ جس طرح میں ان کو دیکھ رہا تھا، اس طرح وہ بھی مجھے دیکھ سکتے تھے۔ بنٹی نے جھانکنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے نیچے کھینچ لیا۔

"بلاوجہ کی جھانکا تاکی مت کرو۔ یہ خطرناک لوگ ہیں اور ابھی بھرپور تلاش شروع کر دی جائے گی، ممکن ہے یہ اس طرف بھی آ جائیں۔"

"بے شک آ جائیں لیکن تمہیں نہیں پا سکیں گے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے ایک بار پھر دوربین سے دیکھا۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ دین کے پاس موجود شخص

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹہلتا ہوا گیٹ تک چلا گیا تھا اور چوکیدار سے گپ شپ کر رہا تھا۔ یعنی دین میں اب کوئی نہیں تھا ورنہ وہ ایسے چھوڑ کر نہ جاتا۔

''ہماری کوٹھی میں تہہ خانہ ہے۔ خفیہ تہہ خانہ..... اس کا راز صرف مجھے، ٹینا اور پاپا کو معلوم ہے۔''

''بنٹی اور ٹینا..... کیا یہ تمہارے اصل نام ہیں؟''

وہ ہنسی۔ ''بھلا دیہات میں ایسے نام کون رکھتا ہے ہماری گرینڈ ماما نے ہمارے نام اپنے فیشن کے مطابق رکھے تھے، میں نور النساہوں اور ٹینا تہذیب النساء'' وہ ہنسی کے مارے دہری ہونے لگی۔ ''ہاؤ فنی، کوئی سوچ سکتا ہے، ہم جیسی لڑکیوں کے اتنے بیک ورڈ نام ہوں گے۔''

''کیوں نہیں، میں نے خود علم دین اور اللہ رکھا کو ٹونی اور سنی بنتے دیکھا ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا اور ایک نظر چاروں طرف ڈالی۔ مجھے باہر کی طرف سے ایک سفید رنگ کی اسپورٹس کار بنگلوز کی طرف آتی نظر آئی۔ میں نے توجہ نہیں دی تھی اس وقت چونکا جب کار آ کر ان لوگوں کے بنگلے کے سامنے رکی۔

''یہ کون ہے؟'' میں نے بنٹی سے پوچھا۔ کار سے ایک نوجوان اترا تھا، لمبے بالوں والا۔

''کرم دین عرف کرموں عرف کرمین۔'' بنٹی نے اسے دیکھ کر انکشاف کیا۔

''یہ تینوں نام اس کے ہیں؟'' میں نے دوربین سے اس کا جائزہ لیا۔

''ہاں، کرم دین اصل نام ہے۔ کرموں ہم پیٹھ پیچھے کہتے ہیں اور منہ پر کرمین، ویسے یہ ٹینا کا بوائے فرینڈ ہے، اس سے ملنے آیا ہے۔''

''اچھا یہ ہے وہ نمونہ..... اگر یہ ٹینا کے بیڈ روم میں قیام کرے گا تو امید ہے، وہ تمہارے بیڈ روم میں نہیں آئے گی؟'' میرے سوال پر بنٹی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''آں..... ہاں۔'' اس نے ہچکچا کر تسلیم کیا۔

''بائی واوے، جب تمہارے پاپا اتنے ہی روشن خیال ہیں تو تم لوگوں کو ایک بوائے فرینڈ سے ملنے کے لئے اتنے پاپڑ کیوں بیلنا پڑ رہے ہیں؟''

''وہ دراصل پاپا اسے پسند نہیں کرتے ہیں۔'' بنٹی نے کرمین کی طرف دیکھا۔ وہ مین گیٹ کی بیل بجا رہا تھا۔

''کسی سیاسی وجہ سے؟'' میں نے غور کیا۔

اس بار بھی وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچائی۔ ''ہاں..... کہہ سکتے ہو۔''

میں نے فتح خان کے بنگلے کی کھڑکیوں اور دروازوں کا جائزہ لیا۔ دروازے سارے بند تھے اور بیشتر کھڑکیاں پردہ پوش تھیں البتہ ایک کھڑکی سے پردہ ہٹا ہوا تھا جس کی وجہ سے مجھے بہت کچھ جاننے کا موقع ملا۔ کھڑکی سے ایک بیڈ روم کا منظر واضح تھا۔ اچانک خالی بیڈ پر بھاگ بھری یوں گری جیسے کسی نے اسے دھکا دیا ہو پھر دھکا دینے والا سامنے آیا۔ بھاگ بھری دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رو رہی تھی، یہ بات اس کے نازک لرزتے بدن سے بھی واضح تھی۔ پچھلے چند مہینے میں وہ خاصی کمزور ہوئی تھی اور اس کا رنگ روپ کملا گیا تھا، جس چیز نے میری توجہ کھینچ لی، وہ اس کا کسی قدر ابھرا ہوا پیٹ تھا۔ وہ امید سے تھی۔ فتح خان نے اسے اپنی داشتہ بنا رکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اور اپنے قبضے کو مستحکم کرنے کے لئے اس نے نام نہاد نکاح بھی پڑھوالیا تھا جو قانونی لحاظ سے غلط تھا کہ بھاگ بھری ابھی اٹھارہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی جبکہ وہ قانونی لحاظ سے بالغ نہیں تھی۔ عورتوں کے حقوق کی نام نہاد آرگنائزیشنز اور سماجی کارکنوں کو یہ مظلوم عورتیں نظر نہیں آتیں جو طاقتوروں کے قبضے میں ہیں اور ان کے استحصال کا شکار ہیں۔ میں نے تلخی سے سوچا۔ ان کو صرف یہ فکر ہے کہ جذباتی ہو کر گھروں سے بھاگنے والے نوجوانوں کی راہ میں معاشرہ یا مذہب کوئی رکاوٹ نہ ڈالے اور کوئی مظلوم عورت یا لڑکی ان لوگوں کے ہتھے چڑھ جائے تو یہ اسے انصاف دلانے کے بجائے اسے اپنی کمائی اور تشہیر کا ذریعہ بنا لیتی ہیں اور جب ان کا مطلب نکل جاتا ہے تو پلٹ کر ان مظلوم عورتوں کو پوچھا بھی نہیں جاتا۔

فتح خان نے بھاگ بھری کے بال مٹھیوں میں جکڑ کر اسے بستر سے کھینچ کر اٹھالیا تھا اور اب اس کے کان میں منہ گھسا کر اسے نہ جانے کیا کہہ رہا تھا، اس کے انداز سے لگ رہا تھا، وہ اسے دھمکیاں دے رہا ہے۔ بھاگ بھری پوری شدت سے لرز رہی تھی، میرا دل چاہا کہ رائفل سے گولی مار کر اس ذلیل شخص کا سر اڑا دوں۔ اس جگہ سے فتح خان کے بنگلے کا فاصلہ دو سو گز تھا اور اتنے فاصلے تک یہ رائفل بہ آسانی مار کرتی تھی، مجھے اپنے نشانے پر اعتبار تھا۔ مگر میں صرف سوچ سکتا تھا جب تک میرے ساتھیوں کا پتا نہیں چل جاتا میں قادر ہونے کے باوجود فتح خان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تو طے تھا سفیر، مونا اور ایمن اس جگہ نہیں لائے گئے تھے۔ اگر وہ فتح خان کے قبضے میں تھے تو ان کو کہیں اور رکھا گیا تھا۔ فتح خان منظر سے ہٹ گیا تھا اور بھاگ بھری بستر پر بیٹھی تھی، اس کے چہرے کی ویرانی دیکھ کر میرا دل کٹنے لگا۔ مرشد کے ڈسے اس خاندان کی رہی سہی تباہی کا ذمے دار میں تھا میری مدد کرنے کے جرم میں ان مظلوم عورتوں کو سزا ملی تھی۔ بھاگ بھری کی ماں تو جان سے گزر گئی لیکن بھاگ بھری کی حالت بتا رہی تھی، وہ روز مرتی ہے اور روز جیتی ہے۔ ماں چھن گئی اور وہ خود باپ سے دور ایک بے آبرو زندگی گزار رہی تھی۔ اس لڑکی کو فتح خان کے چنگل سے نکالنا اب میری ذمے داری تھی۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' بنٹی نے مجھے چونکایا۔

''کچھ نہیں۔'' میں نے دوربین نیچے کر لی۔

''نیچے چلو، سردی بہت ہے۔''

''چلو..... لیکن میں پھر بتا دوں..... میری موجودگی کا کسی کو پتا نہ چلے۔''

''چلو..... میں خیال رکھوں گی۔'' اس نے مجھے دروازے کی طرف دھکیلا۔

ہم نیچے آئے۔ اس بار بھی کسی سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ ''تمہارا خادم خاص کہاں ہوگا؟''

''کچن میں ہمارے لئے کھانا بنا رہا ہوگا۔''

''میرے خدا! اس قدر ہر فن مولا شخص ملا ہے تمہیں۔''

''ابھی تم کھاؤ گے تو پتا چلے گا۔ بہت اچھا کھانا بناتا ہے۔ میں نے چکن کارن سوپ اور فنگر فرائی بنانے کو کہا ہے۔ بٹینا اور اس کا بوائے فرینڈ کھانا کھائیں گے، میں دوپہر میں کھانا نہیں کھاتی۔''

''بدقسمتی ہے میری، یعنی مجھے تلے ہوئے آلوؤں اور سوپ پر گزارہ کرنا پڑے گا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایسے حالات میں بھی تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟"

"ہاں! کیوں کہ یہ نئی بات نہیں ہے، آئے دن ہم پکڑے جاتے ہیں یا دشمن کو پکڑ لاتے ہیں۔ ممکن ہے کل یہ بدبخت ہمارے قبضے میں ہو۔"

بنٹی نے ایک واکی ٹاکی نما آلہ نکالا اور اس پر تاج الدین سے رابطہ کیا۔ "کب تک تیار ہوگا..... اوکے زیادہ لانا اور ہاں، اس کے بعد مجھے کافی کا تھرماس بھر کر دے جانا۔"

"یہ کی ناں تم نے کام کی بات۔" میں نے اس کے واکی ٹاکی بند کرنے کے بعد خوش ہو کر کہا۔

میں آتش دان کے پاس اپنے یخ ہو جانے والے ہاتھ سینک رہا تھا۔ وہ بھی پاس چلی آئی۔ "فکر مت کرو، شام کی چائے کے ساتھ میں سینڈوچز بنوالوں گی۔"

"یہاں کوئی ملازم نہیں ہے۔ پھر سامان کون لاتا ہے کھانے پینے کا؟ دیکھ بھال کون کرتا ہے؟"

"ایک پڑوسی بنگلے کا چوکیدار دن میں یہاں کا ایک چکر لگاتا ہے۔ اسٹاک ہونے والا سامان تو رہتا ہی ہے باقی ہم آتے ہوئے لے آتے ہیں۔"

"اگر تمہارا خادم اچانک آجائے، میں کہاں پناہ لوں..... بستر کے نیچے یا واش روم میں؟"

"الماری میں۔" وہ مسکرائی۔ "اس میں خاصی جگہ ہے۔"

میں نے رائفل ایک طرف رکھ دی تھی۔ بنٹی نے چھت پر جو حرکت کی تھی، مجھے اس کی طرف سے نوے فی صد اطمینان ہو گیا تھا لیکن دس فی صد ابھی باقی تھا اس لئے میں محتاط تھا۔ بنٹی نے اوور کوٹ اتار دیا تھا۔ وہ نسبتاً چھوٹے قد کی اور کسی قدر بھرے بھرے جسم والی لڑکی تھی۔ یہ بھاری پن موزوں مقامات پر تھا۔ اس کا قد پانچ فٹ دو انچ سے زیادہ نہیں تھا۔ نقوش کے لحاظ سے بھی وہ اپنی بہن سے بہتر تھی۔ "تمہارا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے؟"

وہ چونکی۔ "کیا معلوم کرنا چاہ رہے ہو؟"

"صرف یہ کہ تم کیا بور ہونے آئی ہو؟"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ "اچھا، میں سمجھی کہ کوئی اور بات ہے۔"

"کوئی دوسری بات ہو ہی نہیں سکتی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر یقین سے کہا۔

"اچھا!" وہ ہلکی پر تضحیک دینے والے انداز میں۔ "دیکھتے ہیں۔"

میں نے رائفل اٹھا کر الماری میں ایک ہینگر سے لٹکا دی۔ اس کے علاوہ میری اور کوئی شے میرے جسم سے جدا نہیں تھی جس سے تاج الدین کو شک ہوتا جیسے ہی اس نے دروازے پر دستک دی۔ میں خاموشی سے الماری میں چلا گیا۔ اس کا دروازہ جالی دار تھا جس سے ہوا کی آمد و رفت رہا کرتی تھی اور باہر کا منظر بھی نظر آتا تھا۔ فنگر فرائی ہاٹ پاٹ میں تھے اور سوپ شیشے کے ڈھکن والے پیالے میں تھا اس لئے دونوں چیزیں گرم تھیں۔ ساتھ میں ان کے لوازمات تھے۔ تاج الدین نے ٹرالی بستر کے سامنے روکی۔ بنٹی دونوں پاؤں سکیڑے بستر پر بیٹھی تھی۔

"کافی کتنی دیر میں لاؤں بے بی!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آدھے گھنٹے بعد لے آنا اور ہاں نمک لانا۔" بنٹی نے اس سے کہا۔

"میں جانتا ہوں بے بی، آپ استعمال شدہ مگ میں کچھ نہیں پیتی ہیں۔"

تاج الدین کے جانے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ میں دیکھ رہا تھا، اس دوران میں بنٹی نے نہ تو الماری کی طرف دیکھا تھا اور نہ ہی تاج الدین کو کوئی اشارہ کیا تھا۔ اس نے سوپ کے پیالے سے ڈھکن ہٹایا اور چمچے سے بھاپ اڑاتے سوپ کو اپنے پیالے میں ڈالنے لگی۔ "آجاؤ، ورنہ ٹھنڈا ہو کر بے مزہ ہو جائے گا۔"

میں بھوک محسوس کر رہا تھا اس لئے میں نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا جب تک بنٹی نے اپنا پیالہ ختم کیا میں سوپ کا ڈونگا خالی کر چکا تھا۔ البتہ فنگر فرائی سے مجھے خاص دلچسپی نہیں تھی اس لئے میں نے بس چکھے تھے۔

"تمہاری خوراک خاصی ہے۔" اس نے ڈونگے کا جائزہ لیا۔

"پہلے تو نہیں تھی لیکن آج کل میں بکرا بھی کھا سکتا ہوں یہ بے چارہ تو معمولی سا سوپ تھا۔"

بنٹی کی خوراک بھی کم نہیں تھی اس نے تقریباً ایک کلو آلوؤں کے فنگر فرائی دیکھتے ہی دیکھتے صاف کر دیئے تھے۔ وہ شاید فاسٹ فوڈ کی شوقین تھی اس وجہ سے اوور ویٹ تھی۔ ساتھ میں وہ ورزش یا تیراکی بھی باقاعدگی سے کرتی تھی اس لئے زائد وزن بھی دلکشی کا باعث بن گیا اس کو بھدا نہیں کیا تھا۔ جب تک ہم نے کھانا ختم کیا، تاج الدین کافی کا تھرماس اور مگ لے آیا تھا۔ مجھے الماری میں جانا پڑا۔ برتن لے جانے سے پہلے اس نے بنٹی سے پوچھا۔ "شام کی چائے کے ساتھ کچھ لینا پسند کریں گی بے بی؟"

"ہاں، پنیر، ایگ، سینڈوچز بنا لینا۔"

تاج الدین کے جانے کے بعد میں باہر نکلا۔ بنٹی واش روم چلی گئی تھی۔ میں نے اپنے لئے کافی نکالی اور آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کرنے لگا۔ بنٹی نے باہر آ کر مجھے متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن پھر میرا موڈ دیکھ کر خاموشی سے خود بھی کافی پینے لگی۔ یہ بات یقینی تھی کہ فتح خان کے آدمی مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے، یعنی روشنی میں میرا باہر نکلنا مناسب نہیں تھا۔ رات کی تاریکی مجھے پردہ فراہم کرتی۔ مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ فتح خان تک رسائی دشوار بھی تھی اور خطرناک بھی۔ پھر اس جیسے شخص کو میں قابو کر لیتا تو موجودہ پوزیشن میں اس سے کچھ اگلوانا تقریباً ناممکن تھا۔ بہتر حکمت عملی یہ ہوتی کہ میں فتح خان کے جانے کا انتظار کرتا اور اس کے بعد اس کے بنگلے پر دھاوا بول دیتا۔ اس کے کسی آدمی سے اگلوانا اتنا مشکل نہ ہوتا اور میں بھاگ بھری کو بھی نکال سکتا تھا۔ یہ فیصلہ کر کے میں اطمینان محسوس کرنے لگا۔ فتح خان جیسے شخص کے لئے کسی جگہ تک کر بیٹھنا مشکل تھا، وہ شاید صرف بھاگ بھری کی وجہ سے یہاں آیا تھا، اسے ہم لوگوں سے دور رکھنے کے لئے یہاں لایا تھا۔

"تم لیٹ جاؤ، تھک گئے ہو گے۔" بنٹی نے بستر پر ہاتھ پھیر کر کہا، اس کے انداز میں دعوت تھی۔

"شکریہ!" میں آتش دان کے سامنے ہوتنگ چیئر پر دراز ہو گیا۔ "تم نے لیٹنا ہے تو لیٹ جاؤ۔"

"میں سوچ رہی ہوں، ایک چکر نیٹا کا لگا لوں، کہیں وہ نہ چلی آئے۔"

"ضرور..... لیکن تمہاری غیر موجودگی میں تاج الدین نہ آ جائے۔"

اس نے سوچا۔ "اس کا خطرہ ہے۔ وہ کسی کام سے نہ آ جائے۔ تم محتاط رہنا میں بس ایک منٹ میں آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویسے ٹینا اور کرموں کے پاس میرے لئے وقت نہیں ہوگا۔'' وہ معنی خیز انداز میں ہنسی جس پر میں نے دل میں لاحول پڑھی۔ وہ ہمارے ملک کے بگڑے ہوئے طبقے کی نمائندہ تھیں۔ تعجب انگیز بات تھی، ان کا تعلق ایک قدامت پرست جاگیردار خاندان سے تھا۔ کسی پوش شہری فیملی سے نہیں۔ ان کی آزاد خیالی تعجب انگیز تھی لیکن یہ ایک نہایت عبرت اثر حقیقت کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ اقتدار اور دولت کے نشے میں جب کسی خاندان کے مرد بے راہ روی اختیار کرتے ہیں تو ان کی عورتیں بھی زیادہ دیر راستی پر قائم نہیں رہ پاتیں، جلد یا بدیر وہ بھی بے راہ روی پر اتر آتی ہیں اور اپنی عزت بچانے کے لئے مردوں کو یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے۔ رفتہ رفتہ بے غیرتی ان کے خون میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے کہ دنیا دکھاوے کے لئے اپنی روایات اور تہذیب پر عمل کرنے والے اندرون خانہ ایک حمام میں ننگے ہوتے ہیں۔ تاریخ دیکھیں تو ایک صاحب اقتدار اور امرا خاندان کے مردوں نے عیش و عشرت کی باقی رہ جانے والی نظیریں قائم کی ہیں تو ان کی عورتیں بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہیں، ہمیں ان کے قصے بھی ملتے ہیں۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ منٹی کو گئے ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ میں ان کے کردار پر غور کرتے ہوئے اپنے حالات کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں چونک کر کرسی سے اٹھا تھا کہ دروازہ کھلا اور منٹی اندر آئی، اس کا چہرہ تمتما رہا تھا، اس نے دروازہ اندر سے بند کیا اور مجھ سے طنزاً بولی۔ ''تم اس طرح ہوشیار تھے؟''

''تم نے بہت دیر لگا دی۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''خیریت..... بڑی سرخ ہو رہی ہو۔''

''یہ ٹینا کا بوائے فرینڈ ایک نمبر کا حرام زادہ ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ کچھ دیر کے لئے کمرے سے گئی اور لگا مجھ سے عشق بھگارنے۔''

''یعنی وہ تم دونوں کے چکر میں ہے؟''

''ہاں، خاصے عرصے سے، لیکن میں اس کے ہاتھ نہیں آئی۔ اب بھی کہہ رہا تھا کہ وہ میری خاطر آیا ہے، ٹینا سے دوستی تو صرف بہانہ ہے۔''

''قابل قدر خیالات ہیں اس کے۔ پھر تم نے کیا جواب دیا؟''

''جواب۔'' وہ ہنسی۔ ''اس کے چہرے پر ایک عدد نیل ہوگا اور وہ ٹینا کو اس کے بارے میں وضاحت دے رہا ہوگا۔''

''اس علاقے میں کہیں فون ہے؟''

''دو میل آگے پوسٹ آفس پر ملے گا۔ یہاں کوئی موبائل کام نہیں کرتا ہے صرف سیٹلائٹ فون کام کرتا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''وہ تو صحرائے گوبی اور قطب جنوبی میں بھی کام کرتا ہے لیکن ہو تو.....''

''میرے پاس ہے۔'' اس نے انکشاف کیا۔

''ہے تمہارے پاس!'' میں اچھل پڑا تھا۔ ''تم نے بتایا نہیں۔''

''تم نے پوچھا ہی نہیں۔'' اس نے سادگی سے کہا اور اپنے بیگ سے سیٹلائٹ فون نکالا۔ یہ جدید ساخت کا مختصر سا فون تھا۔ اس زمانے میں جدید جی ایس ایم موبائل فون پاکستان میں عام ہونا شروع ہوئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سٹلائٹ فون کے بارے میں تو بہت کم لوگ جانتے تھے۔ میں نے سگنل دیکھے، بنٹی نے بتایا۔

''یہاں پر بھی کام کرتا ہے لیکن کھلی فضا میں بہت بہتر کام کرتا ہے۔''

''میں اس سے کال کر سکتا ہوں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں کر سکتے ہو۔ یہ پوسٹ پیڈ (Post Paid) ٹائپ کا ہے۔ لامحدود کالز کی جا سکتی ہیں۔ بل پاپا ادا کرتے ہیں، مجھے نہیں معلوم کیسے کرواتے ہیں؟''

''تم نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے، تھینک یو ویری مچ!'' میں نے سچ مچ خلوص سے کہا۔

میرے ذہن میں ندیم کے گھر کا نمبر محفوظ تھا۔ میں نے کال ملانے سے پہلے بنٹی سے پوچھا۔ ''اس کا نمبر آ جاتا ہے سی ایل آئی پر؟''

''نہیں۔ نمبر نہیں آتا اور نہ ہی ٹریس کیا جا سکتا ہے۔''

میں نے ندیم کا نمبر ملایا، اس وقت چار بج رہے تھے۔ فون اس کی بیگم شازیہ نے اٹھایا تھا۔ عقب سے اس کے بچوں کے شور مچانے کی آواز آ رہی تھی۔ بات کرنے سے پہلے اس نے چلا کر ان کو کمرے سے دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ پھر پوچھا۔ ''ہاں، کون بول رہا ہے؟''

''بھابی، میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے اپنا نام لینے سے گریز کیا۔ ''یہ وکیل کی دُم کہاں ہے؟''

''ارے بھیا، تم.....'' وہ جلدی سے بولیں۔ ''تو اب تک دفتر سے نہیں آئے۔''

''مجھے اس کا موبائل نمبر دیں۔'' میں نے کہا اور اشارے سے بنٹی سے پین مانگا۔ اس نے پین دیا اور میں نے شازیہ کا دیا فون نمبر لکھ لیا۔ میرا موبائل سامان کے ساتھ تھا جو سیاہ وین میں تھا۔ میں نے ندیم کا موبائل نمبر ملایا، اس کی محتاط سی آواز آئی۔ ''کون ہے؟''

''تمہارا والد نا بزرگوار۔'' میں نے کہا۔

''ابے تُو! کتے کی دم!'' وہ چلایا۔ ''تجھے سو سال نلکی میں رکھنا پڑے گا، میرے ہاتھ تو آ۔''

''بکواس نہ کر..... میں بہت مہنگی کال کر رہا ہوں۔ یہ بتا کہ سفیر نے تجھ سے کوئی رابطہ کیا ہے؟''

''نہیں کیا، وہ تیرے ساتھ نہیں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں یار!'' مجھے مایوسی ہوئی تھی۔ ''وہ مجھ سے بچھڑ گئے ہیں۔ تجھے پتا ہے ایمن بھی ہمارے ساتھ تھی۔''

''ہاں پتا ہے، اس کی گمشدگی پر یہاں سنسنی پھیلی ہے۔ ہوٹل سے اس کے غائب ہونے کی کڑیاں نہ جانے کہاں کہاں ملائی جا رہی ہیں۔ مغربی میڈیا بہت اچھل رہا ہے۔''

''کسی طریقے سے وزارتِ داخلہ کو اطلاع کر دے کہ یہ ڈیوڈ شا کا کام ہے۔ وہ بھی پاکستان میں ہے۔ برٹ شا بھی اس کے قبضے میں ہے۔''

''مشکل ہے، اوپر والے مرشد علی کے آگے مجبور ہیں اور ہماری حکومت مغرب کے سامنے، اس لئے ایمن کی تلاش مخصوص سمتوں میں کی جاری ہے۔''

''یہ بتا کہ مرشد علی سے مفاہمت کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟''

''درمیان میں تو اس کا وکیل بات ہی نہیں کر رہا تھا لیکن کل اس کا فون آیا ہے، تیرے خلاف بارہ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دس مقدمات بوگس ہیں، ان کو ختم کرنے کی بات کر رہا ہے۔ تیرے خلاف دو کیس اہم ہیں، ایک تو قتل حادثہ اور دوسرا نادر علی پر قاتلانہ حملے کا کیس۔ ایف آئی آر میں تیرا نام مرکزی ملزم کے طور پر شامل کیا گیا۔ مرشد ان پر مفاہمت کرتا ہے تو تجھ پر کم سے کم پولیس کا دباؤ ہٹ جائے گا۔''

''اکرم چشتی کا کیا ہوا؟''

''معطل ہے مگر فرعونیت سے دندناتا پھرتا ہے۔ پچھلے دنوں عدالت میں اس سے سامنا ہوا تھا۔ کہنے لگا شہباز سے کہہ دینا۔ اب وہ نادر علی کے کہنے پر نہیں اپنے لئے تیری ہڈیاں توڑے گا۔''

''اسے کہہ دینا، اس کا انجام بھی اس کے باپ جیسا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے یہی کہا تھا۔'' ندیم ہنسا۔

''وسیم، شکیل اور سونی کا کچھ پتا چلا؟''

''ہاں، وہ خیریت سے ہیں۔'' ندیم نے اس بار محتاط انداز میں کہا۔ ''یہ بتاؤ کہاں ہے؟''

''یار، دشمنوں کا داؤ چل گیا۔ میں اسلام آباد کے پاس ہوں اور لاہور کی طرف جا رہا ہوں۔'' میں ـ جان بوجھ کر غلط کہا۔ امکان یہی تھا کہ ندیم کا موبائل انٹرآبزرویشن ہوگا اس لئے دشمن مس گائیڈ ہو جائے۔

''اچھا، میں تجھ سے پھر بات کروں گا۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ سفیر اور مونا کے ندیم سے رابطہ کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ دشمن کے قبضے میں تھے۔

''تمہارا ایک بار پھر شکریہ!'' میں نے فون بنٹی کی طرف بڑھایا، اس نے فون لیا اور میرے پاس آ گئی۔

''صرف زبانی شکریہ ادا کرو گے؟'' اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''ہاں اور کون سا طریقہ ہے؟'' میں انجان بنا۔

وہ اتنی نزدیک آ گئی کہ اس کی گرم سانسیں میرے چہرے سے ٹکرانے لگی تھیں۔

''اور بھی کچھ طریقے ہیں۔'' اس نے میرے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھی تھی۔ میں نے کوئی حرکت نہیں کی تھی، ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ میری سرد مہری محسوس کر کے وہ ذرا پیچھے ہو گئی۔

''تم جس طریقے سے شکریہ وصول کرنا چاہتی ہو، وہ میرے بس میں نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کبھی کسی کا اس طرح شکریہ ادا کیا ہے۔''

''کیوں؟'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''کیونکہ میرے نزدیک یہ عورت کی توہین ہے۔''

''بیک ورڈ!'' اس نے منہ بنا کر کہا اور بستر پر جا کر بیٹھ گئی۔

''چلو، یہی سہی۔'' میں واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''تاج الدین سینڈوچز کب لائے گا؟''

بنٹی نے واکی ٹاکی پر تاج الدین سے سینڈوچز اور چائے لانے کو کہا پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہیں سچ مچ عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے یا حالات کی وجہ سے.....؟''

''تمہارے پاس کرنے کے لئے کوئی اور بات نہیں ہے؟'' میں نے بے زاری سے کہا۔ ''میرے نزدیک ان سب کی خاص اہمیت نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم عورت سے بیزار ہو۔" اس نے الزام لگایا۔

"اس کے برعکس میں عورت کو پسند کرتا ہوں۔ عورت بیزار تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو تم پسند کرتی ہو اور وہ تمہاری طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں۔"

"کیا احمقانہ باتیں کر رہے ہو؟" اس نے منہ بنایا۔

"میں ثابت کر سکتا ہوں۔" میں نے سیدھا ہو کر کہا۔ "یہ بتاؤ، ایک عورت کے کتنے روپ ہوتے ہیں؟"

"بہت سارے..... ماں، بیٹی، بہن اور اس کے علاوہ بے شمار روپ ہیں۔"

"لیکن جیسی تو جب تم مجھ سے چاہ رہی ہو، وہ مرد کو ان تمام رشتوں سے کاٹ کر عورت کے صرف ایک کردار تک محدود کر دیتی ہے، میں اسے عورت سے بیزاری کہتا ہوں۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"شکر ہے، تمہاری سمجھ میں میری بات آ گئی۔ کرمن، ایسا ہی شخص ہے، اسے صرف عورت سے دلچسپی ہے بلکہ ایسے لوگوں کو ناموں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ان کے نزدیک تمام عورتیں محض جسم ہوتی ہیں۔"

اس نے سر ہلایا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ بنٹی نے مجھے اشارہ کیا اور میں پھرتی سے الماری میں داخل ہو گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا اس لئے بنٹی نے اٹھ کر کھولا۔ میری طرح اس کا بھی یہی خیال تھا کہ تاج الدین ہو گا مگر دروازہ کھولتے ہی اسے زوردار دھکا لگا اور وہ قالین پر جا گری، اس کی چیخ نے مجھے چونکایا۔ میں نے جالی سے جھانکا۔ دو نوجوان اندر آئے اور جیسے ہی بنٹی نے اٹھنے کی کوشش کی انہوں نے لپک کر اسے پکڑ لیا، وہ پستول سے مسلح تھے۔ بنٹی ہکلائی۔ "کک..... کون ہو تم؟"

"ابھی بتاتے ہیں..... بلکہ آرام سے بتائیں گے۔" ان میں سے ایک بولا جس کے بال لمبے تھے۔ "یہ بتا کوئی اور تو نہیں ہے یہاں؟"

"نن..... نہیں۔"

"اسے لے چل۔" دوسرا بولا، اس کے کان میں مندری پڑی تھی۔

"بنٹی بار بار الماری کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اگر ان لوگوں کو شک ہو جاتا تو مجھے مجبوراً مقابلہ کرنا پڑتا اور فی الحال میں ہنگامہ آرائی نہیں چاہتا تھا مگر نوجوان احمق تھے، انہوں نے نہ تو بنٹی کی حرکتوں پر غور کیا اور نہ ہی کمرے کی حالت پر۔ وہ اسے دھکیلتے ہوئے کمرے سے لے گئے۔ ان کے جانے کے کوئی تین چار منٹ بعد میں الماری سے نکلا تھا۔ یہ نہ جانے کون سی نئی آفت نازل ہوئی تھی۔ میں نے سوچا۔ اب مجھے اس سے بھی نمٹنا تھا۔ سچی بات ہے مجھے اس وقت بنٹی سے ہمدردی کے بجائے کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ میرے بکھیڑے سمٹنے کے بجائے پھیلتے جا رہے تھے۔ دو نئے مسئلے سامنے آئے تھے جبکہ پرانے مسئلے جوں کے توں تھے۔

وہ لوگ جاتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ گئے تھے۔ میں نے الماری سے اپنی رائفل بھی لے لی تھی مگر اسے شانے پر لٹکا کر میں نے پستول نکالنے پر اکتفا کیا۔ محدود جگہ پر رائفل کے مقابلے میں پستول کہیں بہتر تھا۔ گیلری خالی تھی، میں نے کوٹھی کا نقشہ ذہن میں لانے کی کوشش کی۔ یہ عقبی حصہ تھا اور وہ لوگ شاید فرنٹ والے حصے میں تھے۔ امکان یہی تھا کہ یہ ڈاکو تھے اور تمام گھر والوں کو ایک جگہ جمع کر کے آرام سے لوٹ مار کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارادہ رکھتے تھے۔ گویا میرا سامنا کسی بھی لمحے ان ڈاکو حضرات سے ہو سکتا تھا۔ میں پوری طرح محتاط تھا۔ گیلری کے خاتمے پر ایک اور چھوٹی گیلری تھی اور اس میں ایک طرف کچن اور اس سے متصل ڈائننگ ہال تھا۔ یہاں تاج الدین اس حالت میں پڑا تھا کہ اس کے سر سے خون بہہ کر جم گیا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں سختی سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ بے ہوش تھا لیکن سانس ہموار ہی تھی۔

تاج الدین یہاں تھا تو لڑکیاں اور ڈاکو کہاں تھے؟ اچانک مجھے خیال آیا۔ وہ لڑکیوں کو اغوا کر کے نہ لے گئے ہوں۔ میں باہر کی طرف آیا مگر مرکزی ہال میں داخل ہونے والا دروازہ اندر سے بند تھا۔ یعنی وہ لوگ اندر ہی تھے۔ نیچے کی منزل مجھے خالی ہی ملی تھی اس لئے میں نے اوپر کی منزل کا رخ کیا۔ بنٹی نے تو مجھے نہیں بتایا تھا لیکن میرے خیال میں ٹینا کا بیڈ روم اوپر ہی تھا۔ اس کی تصدیق سیڑھیوں سے ذرا اوپر آتے ہی ہو گئی تھی، میں نے دبی آواز میں کسی کو روتے سنا۔ آواز نسوانی تھی پھر کسی نے پنجابی میں ایک فحش سی گالی دی تھی۔ ''اتار کپڑے.....!''

آواز اسی کمرے سے آئی تھی جو سیڑھیوں کے فوراً بعد تھا۔ میں نے احتیاط سے کمرے کے کی ہول سے اندر جھانکا۔ الفاظ نے مجھے بہت کچھ سمجھا دیا تھا، رہی سہی کسر کی ہول سے نظر آنے والے سین نے پوری کر دی۔ ٹینا، بنٹی اور تینوں افراد اندر موجود تھے۔ ٹینا بستر پر بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کرمین اس کے سر پر پستول لئے کھڑا تھا اور بنٹی کو لے جانے والے اس کا لباس اتارنے کی جدوجہد کر رہے تھے اور اس میں خاصی حد تک کامیاب رہے تھے۔ میں نے گہری سانس لی، یہ ڈاکو نہیں نفس پرست درندے تھے، بنٹی شور کر رہی تھی اور ٹینا کے منہ سے بھی سسکیاں نکل رہی تھیں۔ میں نے اندر کا نقشہ اپنے ذہن میں واضح کیا۔ فوراً ایک حکمت عملی ترتیب دی اور یک دم دروازہ کھولتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ میں نے کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر کرمین کو گولی ماری وہ چکرا کر ٹینا پر ڈھیر ہو گیا اور جتنی دیر میں وہ دونوں لفنگے سنبھلتے، میں رائفل ان کی طرف سیدھی کر چکا تھا۔

''ہینڈز اَپ.....اب کسی نے حرکت کی تو اپنی موت کا خود ذمے دار ہو گا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

انہوں نے بنٹی کو چھوڑ کر ہاتھ بلند کر لئے تھے، بنٹی ہذیانی انداز میں چلائی، ٹینا کے پاس پہنچی اور اسے بستر سے کھینچ کر اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ کرمین کا خون ٹینا پر گرا تھا اور شاید گرم خون کی بو نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اپنے جسم پر گرنے والے خون کو صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر میری ساری توجہ ان دونوں پر تھی میں نے انہیں حکم دیا۔ ''اوندھے منہ لیٹ جاؤ..... ہری اَپ، دونوں ہاتھ سر پر ہوں۔''

انہوں نے اس بار بھی پھرتی سے حکم کی تعمیل کی تھی۔ میں نے کرمین کی طرف دیکھا۔ گولی اس کے شانے پر لگی تھی۔ دائیں شانے کی وجہ سے اس کا پستول والا ہاتھ بیکار ہو گیا تھا اور وہ بائیں ہاتھ سے پستول اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا پستول اٹھا لیا۔

''چپ پڑے رہو اور تم دونوں واش روم جا کر اپنا حلیہ درست کرو۔'' میں نے بنٹی اور ٹینا سے کہا۔ بنٹی نے اس کے اور اپنے کپڑے اٹھائے اور اسے سہارا دے کر واش روم میں لے گئی۔ میں نے ان دونوں سے بھی پستول لے لئے اور حفظ ماتقدم کے طور پر ان کی تلاشی بھی لی۔ پھر میں نے کمرے کا جائزہ لیا اور ایک طرف ٹرائی پوڈ پر نصب کیمرے کو دیکھ کر میں چونکا تھا۔ اس کا مقصد واضح تھا۔ یہ لوگ اپنی نفسانی تسکین کرنے کے ساتھ ان لڑکیوں کی تصویریں بھی لینا چاہتے تھے تاکہ ان کو بلیک میل کر سکیں۔ میرا دل چاہا کہ ایک ایک گولی ان تینوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گندگی سے بھرے دماغوں میں اتار دوں۔ میں نے کرمن یعنی کرم دین کو بستر سے کھینچ کر نیچے قالین پر گرایا، اس نے چیخ ماری۔ ''بس..... ابھی سے بھول گئے؟'' میں نے اس کی پسلیوں کو ٹھوکر سے نوازا۔

''کون ہو تم؟'' مندری والے نے ذرا حوصلہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نہیں جانتے کن لوگوں سے پنگا لے رہے ہو!''

''ہاں اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے تم جیسے حرام زادوں کا شجرۂ نسب جاننے کی، البتہ اپنا تعارف کراتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اچھل کر اپنا جوتا مندری والے کی پسلیوں پر رکھا میرا پورا بوجھ زیادہ وزن کے ساتھ آیا تو اس کی کئی پسلیاں خشک لکڑیوں کی طرح ٹوٹ گئیں۔ اس کے حلق سے فلک شگاف چیخ نکلی اور جب میں نے پاؤں ہٹایا تو وہ قالین پر اپنی پسلیاں دبائے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔ ''اتنا تعارف کافی ہے یا مزید تعارف کراؤں؟''

لمبے بالوں والا سخت دہشت زدہ تھا۔ اتنے میں نینا اور بنٹی بھی اپنا حلیہ درست کر کے واش روم سے باہر آ گئی تھیں۔ میں نے نینا کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا چکر ہے مس نینا.....؟''

''میں نہیں جانتی۔'' وہ دہشت زدہ لہجے میں بولی۔ ''میں اور یہ کتا اندر تھے کہ یہ بنٹی کو لے کر اندر گھس آئے۔''

''یہ بھی بتاؤ کہ ہم کیا کر رہے تھے؟'' کرم دین نے خباثت بھرے انداز میں کہا تھا۔

میں نے جوتے کی ایڑی اس کے شانے کے زخم پر رکھ کر دبائی تو اس نے ذبح ہونے والے بکرے کی سی آواز نکالی تھی۔ ''مجھے عورتوں پر ظلم کرنے والے شیطان لگتے ہیں اور میں ان کو قتل کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے جتنا میں پوچھوں بس اتنا جواب دو۔''

میں نے جوتے کی خون آلود ہو جانے والی ایڑی اس کے لباس سے صاف کی تھی، بنٹی چونکی۔ ''تاج الدین کے ہوتے ہوئے یہ اندر کیسے گھس آئے؟''

''تمہارا خادم خاص ڈائننگ ہال میں بندھا پڑا ہے۔ وہ بے ہوش ہے، اسے دیکھو اور فی الحال کوئی حرکت مت کرنا یعنی کسی سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں.....؟''

''ہاں۔'' بنٹی نے سر ہلایا اور نینا کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔

کرم دین مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس نے گولی کا زخم برداشت کر لیا تھا۔ ''ہاں تو مسٹر کرم دین! یہ کیا چکر ہے۔ جب تمہیں ویسے ہی پکی پکائی کھانے کو مل رہی تھی تو تم نے یہ حرکت کیوں کی؟'' میں نے کیمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میاں صاحب کو بلیک میل کرنے کے لئے؟''

''تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟'' اس نے میرا سوال نظر انداز کر دیا تھا۔

''بکو مت، میرا موڈ خراب ہو گیا تو تم تینوں کو ننگا کر کے باہر نکال دوں گا اور چند دن میں تمہاری تصویریں اخبارات میں چھپ رہی ہوں گی۔'' میں نے معنی خیز نظروں سے کیمرے کی طرف دیکھا۔ ''تم سوچ سکتے ہو وہ کیسی تصویریں ہوں گی؟''

پہلی بار کرم دین فکر مند نظر آیا تھا مگر اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ ''تم اس معاملے میں نہ پڑو، یہ ہماری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑائی ہے۔اس میں دخل دو گے تو.....؟"

میں نے ایک بار پھر اس کے کھلے زخم پر جوتے کی ایڑی رکھ کر دبائی اور لمبے بالوں والے سے کہا۔"تم بتاؤ، یہ کیا چکر ہے؟"

کرم دین اب اس کتے کی طرح چلا رہا تھا، جس کے کان کاٹ دیئے گئے ہوں، اس کے منہ سے نکلنے والی چیخوں نے لمبے بالوں والے کو خاصا دہشت زدہ کر دیا تھا۔اس نے جلدی سے کہا۔"میں اس بارے میں زیادہ نہیں جانتا، کرم صاحب ہم سے کام لیتا رہتا ہے۔"

"یہاں کیا کرنا تھا؟"

اس بار وہ جواب دیتے ہوئے جھجکا۔"صاحب ان لڑکیوں کے ساتھ ہماری تصویریں بناتا۔"

"تبھی تم دونوں اتنے پُرجوش تھے کہ تم دونوں نے بنگلے کی پوری طرح تلاشی لینے کی زحمت بھی نہیں کی۔"

میں نے طنز کیا تو کرم دین نے اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔بہرحال ان کا مقصد واضح تھا، کرم دین کا تعلق میاں ممتاز حسین کے مخالفوں سے تھا اور اس نے ٹینا کو اپنے جال میں پھنسا کر میاں صاحب کو بلیک میل کرنے کا بندوبست کیا تھا۔انتخابات قریب تھے۔پرانی سیاسی جماعتوں اور چہروں کا زور ٹوٹ رہا تھا۔نئے اتحاد اور نئے چہرے سامنے آ رہے تھے۔ممتاز حسین ہمیشہ آزاد حیثیت سے انتخاب لڑتا تھا اور وسطی پنجاب میں اس کا حلقہ مضبوط تھا۔پانچ، چھ صوبائی اسمبلی کی نشستیں اور دو تین قومی اسمبلی کی نشستیں ہمیشہ اس کی جیب میں رہا کرتی تھیں۔میں نے واش روم کا معائنہ کیا، اس کے مختصر سے روشن دان کا جائزہ لیا اس سے بلی کا بچہ ہی باہر نکل سکتا تھا۔وہاں سے نکلنے کا دروازے کے سوا کوئی راستہ تھا نہ ہی وہاں کوئی ایسی چیز تھی جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے۔میں نے ان کو باتھ روم میں بند کر دیا۔

"کوئی غلط حرکت کی تو سیدھی قتل کر کے لاش کے ٹکڑے کر کے بہا دوں گا۔"میں نے ان کو دھمکایا اور دروازہ باہر سے بند کر کے نیچے آیا۔"بنٹی اور ٹینا تاج الدین کو کھول کر ہوش میں لے آئی تھیں۔مجھے دیکھ کر وہ چونکا۔

"آپ، جناب....."

"انہوں نے ہمیں ان بدمعاشوں سے بچایا ہے۔"ٹینا ممنونیت سے بولی۔"یہ بروقت فرشتہ بن کر آئے تھے۔"

نہ جانے بنٹی نے اسے میرے بارے میں کیا بتایا تھا اس لئے وہ محتاط ہو گیا۔میں نے تاج الدین سے کہا۔"اگر تمہاری طبیعت ٹھیک ہے تو باہر نکل کر دیکھو، ان کے اور ساتھی نہ ہوں۔"

"میں دیکھتا ہوں جناب! پہلے بے خبری میں مار کھا گیا تھا ورنہ یہ مجھ پر آسانی سے قابو نہیں پا سکتے تھے۔"

تاج الدین کے جانے کے بعد میں نے مختصر الفاظ میں ان دونوں کو کرم دین کے عزائم سے آگاہ کیا تھا۔ٹینا کا چہرہ خفت اور خوف سے زرد پڑ گیا تھا۔"پاپا تو خودکشی کر لیتے۔"اس نے بے ساختہ کہا اور میں کہتے کہتے رہ گیا کہ پاپا کو اب بھی خودکشی کرنی چاہئے تھی۔

"اب ان کا کیا کرنا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے پاپا کو بتا دیتے ہیں۔'' بنٹی نے تجویز پیش کی۔

''اس صورت میں مجھے براہِ کرم اس معاملے سے الگ رکھو۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''بعض معاملات کی وجہ سے میں ان چکروں میں نہیں پڑ سکتا۔''

''اور مجھے تو پاپا شوٹ کر دیں گے۔'' ٹینا منمنائی۔

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' بنٹی نے اسے جھڑکا۔ ''جب پاپا نے ہم پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے تو ہمیں ان سے چھپ کر ان کے ناپسندیدہ لوگوں سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''یہ تم لوگوں کا اپنا معاملہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن بہتر یہی ہے اپنے پاپا کو خبردار کر دو۔ ممکن ہے ان لوگوں کے اور ساتھی بھی ہوں۔ وہ آ گئے تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' بنٹی نے میری تائید کی۔ ''ہمیں پاپا کو بتا دینا چاہئے۔''

''لیکن میرا ذکر ذرا کم ہو۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا اور ٹینا والے بیڈ روم میں آیا۔ وہ تینوں ابھی تک شرافت سے باتھ روم میں تھے۔ ان کا جائزہ لے کر میں واپس نیچے آیا تو تاج الدین بنگلے کے اردگرد کا معائنہ کر کے آ گیا تھا۔ اس نے اندر آنے والے تمام دروازے بند کر دیئے تھے۔ ''اردگرد کوئی نہیں ہے جناب!'' اس نے مجھے رپورٹ دی۔

''تاج الدین، میں نے ان بدمعاشوں کو فی الحال ٹینا کے بیڈ روم کے باتھ روم میں بند کیا ہے لیکن کوئی اور جگہ ہے جہاں ان کو بے فکری سے بند کیا جا سکے؟''

''بالکل ہے جناب!'' اس نے مستعدی سے کہا۔ ''عقبی حصے میں ایک خالی کمرا ہے، وہ ان کے لئے ٹھیک رہے گا۔''

میں نے تاج الدین کی مدد سے ان تینوں کو اس کمرے میں منتقل کیا۔ ٹینا اور بنٹی کمرے کی حالت سدھار رہی تھیں، خون آلود چادر ہٹا کر بیڈ پر دوسری بیڈ شیٹ بچھا دی گئی تھی۔ قالین پر سے خون کے دھبے صاف کئے جا رہے تھے، میں نے کیمرے اور ٹرائی پوڈ کو ہاتھ لگانے سے منع کیا تھا۔ اس پر کرم دین کی انگلیوں کے نشانات محفوظ تھے۔ بنٹی نے اپنے پاپا کو فون کر دیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا۔ ''پاپا اپنے آدمی بھیج رہے ہیں۔ وہ ہمیں اور ان لوگوں کو یہاں سے لے جائیں گے، تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، ابھی مجھے اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنا ہے۔''

''جیسی تمہاری مرضی! ورنہ پاپا کی مدد سے تم یہ کام زیادہ آسانی سے کر سکتے ہو۔''

میں نے جواب نہیں دیا۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی زیادہ فکر تھی۔ شام کے پانچ بجے اندھیرا پوری طرح چھا چکا تھا، میں دوربین لے کر اوپر آیا۔ فتح خان کی کوٹھی بھی برقی قمقموں سے روشن تھی۔ یعنی جنریٹر چلا لیا گیا تھا۔ سیاہ وین اور اس کے ساتھ ایک سفید کار بھی وہاں موجود تھی۔ نہ جانے یہ سفید کار کب آئی تھی اور اس میں کن لوگوں کو لایا گیا تھا۔ میں نے تشویش سے سوچا۔ گیٹ پر مسلح شخص موجود تھا اور اس نے الاؤ جلا رکھا تھا اس کے علاوہ اور کوئی اس طرف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے عمارت کی کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ بیشتر تاریک تھیں اور جن پر ذرا روشنی تھی ان پر بھی پردے پڑے ہوئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹی ٹائم!'' عقب سے بنٹی کی آواز آئی۔

''شکریہ!'' میں نے اس سے سرامک کا بنا بڑا مگ لیا جس سے خوشبودار بھاپ اٹھ رہی تھی۔

بنٹی نے فتح خان کے بنگلے کی طرف دیکھا۔ ''یہ سفید کار بعد میں آئی ہے۔''

''ہاں اور ممکن ہے میرے ساتھی اس میں لائے گئے ہوں۔''

''سنو، پاپا کے جو آدمی آئیں گے ان کی مدد سے ہم تمہارے ساتھیوں کو چھڑا سکتے ہیں۔''

''پتا نہیں وہ کب آئیں اور میری مدد کرنا پسند بھی کریں یا نہیں!'' میں نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ ''میں نے سوچا ہے اگر آج رات فتح خان باہر گیا تو میں اس کے بنگلے میں گھس جاؤں گا۔''

''تاج الدین تمہاری مدد کر سکتا ہے۔'' بنٹی نے پیشکش کی۔

میں نے انکار کیا۔ ''وہ بوڑھا آدمی ہے اور زخمی بھی ہے پھر اسے نیچے بہت سارے کام ہیں۔ یہ کام میں بہتر طور پر کر سکتا ہوں۔'' میں نے خالی مگ اسے تھما دیا۔ ''اب تم جاؤ، تم نے کچھ نہیں پہنا ہے۔''

''پہنا تو تم نے بھی کچھ نہیں ہے، میں تم کو اوور کوٹ لا دیتی ہوں۔''

''مجھے تمہارا اوور کوٹ نہیں آئے گا۔''

''اپنا نہیں..... پاپا کا اوور کوٹ ہے یہاں، وہ لا دیتی ہوں۔'' اس نے وضاحت کی اور نیچے چلی گئی۔

اوپر سردی خاصی سے زیادہ تھی۔ ہوا تیز تھی اور اس میں تلوار کی سی کاٹ تھی، میرے جسم کے کھلے حصوں پر یہ کسی تیز دھار چاقو کی طرح لگ رہی تھی۔ اچانک میرے بائیں ہاتھ میں موجود دوربین پھسلنے لگی تھی۔ میں نے گرفت قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ دوربین میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ میں نے تشویش سے اپنے ہاتھ کا جائزہ لیا جو یخ بستہ اور بے جان ہو رہا تھا، مجھے انگلیوں کو حرکت دینے میں بھی دشواری پیش آ رہی تھی۔ میں نے سیدھے ہاتھ سے اس کی مالش کی اور اسے جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ حکیم قادس کا علاج ادھورا رہ جانے سے مجھے اس ہاتھ میں کبھی کبھی بے جان سی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ سرد موسم میں اس کی گرفت کمزور پڑ جاتی تھی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے دوربین اٹھا کر گلے میں لٹکا لی۔ کچھ دیر میں بنٹی اوور کوٹ لے آئی تھی۔ یہ خاصا گرم کوٹ تھا جس کے اندر منک کا استر تھا اسے پہن کر میں نے خاصا فرق محسوس کیا تھا۔

''تمہارے لئے کھانے کو کچھ لاؤں؟'' بنٹی نے پوچھا۔

''ابھی نہیں، تقریباً نصف گھنٹے بعد اور ہاں، تھرماس میں کافی بھی لانا۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ''ان تینوں کی نگرانی ہو رہی ہے؟''

''نہیں، ان کو بند تو کر دیا ہے۔''

''یہ ضروری ہے۔ ان کے پستول کہاں ہیں؟''

''ہمارے پاس ہیں، دو تاج کے پاس ہیں اور ایک میرے پاس..... مجھے پستول چلانا آتا ہے، نینا کو پستول سے ڈر لگتا ہے۔''

''حالانکہ اسے جس چیز سے ڈرنا چاہئے، اس سے ڈر نہیں لگتا۔'' میں نے سادگی سے کہا تو بنٹی چونک گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو اشرف!'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''بائی واوے، یہ تمہارا اصل نام ہے؟''

''نہیں لیکن تم میرا اصل نام جان کر کیا کرو گی؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن تم بتا دو تو کیا حرج ہے؟''

''حرج ہے۔ تمہارا میرے بارے میں کم سے کم جاننا ہی بہتر ہے۔ تم بہت ساری آفتوں سے بچ جاؤ گی۔ ویسے تم چاہو تو مجھے مسٹر ناٹھنگ کہہ سکتی ہو، میں ناچیز بھی ہوں۔''

''نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔'' اس کی آواز میں خفگی تھی۔ سیڑھیوں کے دروازے کے عین اوپر بلب لگا تھا مگر میں نے اس کے بجائے سیڑھیوں کے اندر والے حصے میں موجود بلب جلا دیا تھا، اس کی معمولی سی روشنی باہر آ رہی تھی، یہ ہمارے لئے کافی تھی اور اس کا دور سے نظر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ کو گرم کرنے کے لئے اوور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا۔ اس کے اندر بھی منک کی پوستین کا استر تھا۔ یہ بھی بہت گرم تھی۔ اب میرے لئے نگرانی کرنا آسان ہو گیا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے میں چھت پر ٹہلتے ہوئے وقفے وقفے سے فتح خان کے بنگلے کی طرف جھانک لیا کرتا تھا۔ چھ بجے بنٹی میرے لئے سینڈوچز اور کافی لے آئی تھی۔ اس نے بھی اوور کوٹ لے لیا تھا، وہ میرے ساتھ رکنے پر آمادہ نظر آتی تھی۔ اوپر کرسیاں اور ایک میز بھی رکھی تھی۔ اس نے سامان میز پر رکھا۔ سینڈوچز ہاٹ پاٹ میں تھے۔ وہ اس میں سے نکال کر سینڈوچز مجھے دیتی رہی اور خود اس نے صرف کافی لی تھی۔ اپنے بڑھتے وزن کے بارے میں اس نے فرمایا۔

''پچھلے کچھ عرصے سے میں زیادہ ہی کھانے لگی ہوں۔ مجھے اپنا کم سے کم دس پونڈ ویٹ لوز کرنا ہے۔''

وہ جتنی دل جمعی سے فنگر فرائی کھا رہی تھی، اس صورت میں یہ کام بڑا دشوار تھا۔ میں نے اکثر ڈائٹنگ کرنے والی خواتین کو دیکھا ہے، وہ کھانا چھوڑ دیتی ہیں لیکن فاسٹ فوڈ جسے جنک فوڈ بھی کہتے ہیں، اسے نہیں چھوڑتیں اور ان کا مسئلہ جوں کا توں رہتا ہے۔ بنٹی بھی یہی کر رہی تھی۔ بہرحال یہ اس کا مسئلہ تھا، کھانا چھوڑ کر اگر وہ وزن کم کرنے کی خوش فہمی میں مبتلا تھی تو میری بلا سے۔ میں نے ہاٹ پاٹ صاف کر کے اپنے لئے کافی نکالی۔

''کچھ ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''ابھی تو کچھ نہیں ہوا۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ منحوس شخص تمہارے پیچھے کیوں پڑا ہے؟''

''بات خاصی احمقانہ ہے۔ تم یقین نہیں کرو گی۔'' میں نے کہا۔

اس کا تجسس بھڑک گیا تھا۔ ''نہیں پلیز، میں یقین کر لوں گی۔''

''تو پھر دل تھام کر سنو۔'' میں نے پیشہ ور داستان گو کے انداز میں کہا۔ ''یہ قصہ دل گداز ہے۔ اس ملک پریشان کے ایک آفت زدہ شہر کے ایک ستم رسیدہ محلے میں ایک حسین ماہ جبیں، فتنہ ساماں رہتی تھی۔ اس کی عمر اس کی اداؤں سے ذرا ہی کم تھی۔ اتفاق سے میں سرگرداں اور پریشان اس کے کوچے میں جا نکلا۔ مزید اتفاق سے میرا یہ دشمن بھی اس طرف آ نکلا اور مزید سے بھی زیادہ اتفاق سے ہم دونوں بیک وقت اس فتنہ ساماں کو بیک وقت دیکھ کر اس پر جزداں عاشق ہو گئے۔ بس تب سے آج تک ہمارے درمیان دشمنی.....''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟'' وہ جھنجلا گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے پہلے ہی کہا تھا لیکن تم نہیں مانیں۔'' میں نے موسم کی مناسبت سے سرد آہ بھری اور کافی نکالی۔

''تم بھی خاصے گہرے آدمی ہو۔''

''لیلیٰ کو مجنوں تک گہرا آدمی لگتا تھا، اپنی وفات تک لیلیٰ نہیں جان سکی تھی کہ مجنوں اس پر عاشق کیوں ہوا تھا؟''

''اوکے، نہیں بتانا چاہتے تو مت بتاؤ۔'' وہ بھنائی پھر مسکرائی۔ ''لیکن ایک بات کنفرم ہے تم اچھے آدمی ہو۔''

''شکریہ!'' میں نے فتح خان کے بنگلے کی طرف دیکھا اور چونکا۔ وہاں پورچ میں چند افراد نظر آ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے دوربین لگائی۔ یہ تین افراد تھے ان میں فتح خان اور وین کا ڈرائیور تو مانوس تھے تیسرا فرد اجنبی تھا اور شاید وہی سفید کار میں آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سفید کار میں بیٹھے اور کار بنگلے کے گیٹ سے نکل کر نیچے سڑک کی طرف روانہ ہوگئی۔ کار کے نکلتے ہی مسلح چوکیدار نے گیٹ اندر سے بند کر لیا تھا۔ وین سے برآمد ہونے والا ایک اور فرد فتح خان کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ مجھے زرین بھی نظر نہیں آیا تھا۔ شاید وہ اندر تھا یا راز گل کی طرح ہمیشہ کی نیند سو چکا تھا۔ فتح خان اور اس کے دو ساتھیوں کے جانے کے بعد نفری خاصی کم ہوئی تھی اس کا مطلب تھا کہ مجھے اندر ایک یا دو افراد سے نمٹنا پڑتا۔

میں نے دوربین سے بنگلے کی چاردیواری کا جائزہ لیا۔ یہ کوئی آٹھ فٹ اونچی دیوار تھی اس پر خاردار تاریں یا کانچ کے ٹکڑے بھی نہیں لگے تھے، اسے پھلانگنا مسئلہ نہ تھا لیکن میں سلیقے سے کام کرنا چاہتا تھا، اس لئے پہلے مسلح چوکیدار سے نمٹنا تھا تاکہ فرار کے راستے میں رکاوٹ نہ ہو اس کے بعد میں اندر جاتا۔ سفید کار کے اندر گنجائش اتنی نہیں تھی کہ اس میں بیک وقت تین افراد کو لایا جا سکتا لیکن ایک امید تھی کہ اگر میرے ساتھی فتح خان کے قبضے میں تھے تو اس عمارت میں ان کی موجودگی ممکن تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ فتح خان کہاں اور کتنی دیر کے لئے گیا تھا، ممکن ہے وہ کئی دن تک نہ آتا اور میں بھی ممکن تھا کہ چند گھنٹے بعد لوٹ آتا۔ میں نے ایک بار پھر بنگلے کے کھڑکی، دروازوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا مگر کوئی کھڑکی کھلی نہیں تھی۔ یہ جاننے کے لئے اندر کتنے افراد تھے، میرا اندر جانا ضروری تھا۔ مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے اتنا پیٹ بھر کر کیوں کھا لیا تھا، اس سے سُستی آتی ہے۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' بنی میرے پاس چلی آئی تھی۔

''میرا دشمن ابھی ابھی بنگلے سے نکلا ہے، ممکن ہے اندر میرے ساتھی ہوں۔ یہ دھاوا بولنے کا اچھا موقع ہے۔''

''لیکن تم اکیلے ہو۔ پاپا کے آدمیوں کا انتظار کر لو۔ اکیلے آدمی کے لئے یہ کام مشکل ہے۔''

''وہ تو ہے، مگر میں انتظار نہیں کر سکتا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں اسے آگاہ کیا۔

''اچھا تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

''تم.....؟'' میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم کیا کرو گی؟''

''مجھے پستول چلانا آتا ہے۔ ایک بار میں نے ایک کتے کو گولی ماری تھی۔ اس نے ہمارے نوکر کے بچے کو کاٹ لیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ہنسی آ گئی۔ ''بی بی، یہ دو پایہ ہیں..... چوپایوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ زیادہ بھیڑ سے کھیل خراب ہو جائے گا۔''

''اچھا!'' اسے مایوسی ہوئی تھی۔

''ہاں، تم ایک طرح سے مدد کر سکتی ہو۔'' مجھے خیال آیا۔ ''مجھے سب سے پہلے باہر والے کو قابو کرنا ہے، اسے دھوکے سے باہر بلانا ہوگا۔''

''اس کی تو تم فکر ہی مت کرو۔'' اس نے شوخی سے کہا۔ ایسا اُلو بناؤں گی کہ خود سر ہاتھ سے اتار کر سامنے رکھ دے گا۔''

''ہاں، بابا..... تم عورتوں کو اللہ نے یہ خصوصی صلاحیت دی ہے۔ مرد کی عقل کو گھاس چرنے کے لئے بھیج دیتی ہو۔'' میں نے تائید کی۔

''کب چلنا ہے؟''

''بس یہ سینڈوچز ذرا اپنی جگہ بنالیں۔'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''ان کی موجودگی میں بھاگ دوڑ ذرا مسئلہ ہوگی۔''

''تم نے پھر خوش خوراکی کا مظاہرہ کیا ہے۔''

حکیم قادس کے زیر علاج رہنے کے بعد میری بھوک کھل گئی تھی، اگرچہ اس کا علاج چھوٹے ہوئے خاصا عرصہ ہو چکا تھا مگر اب بھی میں اپنی نارمل خوراک سے زیادہ ہی کھا جاتا تھا، میں نے خود کو وارم اَپ کرنے کے لئے چھت پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس سے پیٹ کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا۔ چہل قدمی کے دوران میں کسی موزوں حکمت عملی پر غور کرتا رہا۔ میرے پاس ایک رائفل اور دو عدد پستول تھے۔ سائلنسر والے پستول کا صرف ایک اضافی میگزین تھا جبکہ رائفل کے دو اضافی میگزین تھے۔ دوسرے پستول کے تین میگزین تھے، یعنی اسلحہ کافی سے زیادہ تھا۔ البتہ مقابلے کی نوبت آ جاتی تو نامعلوم تعداد کے مقابلے میں، میں اکیلا ہی ہوتا اس لئے مقابلے سے گریز کرنا تھا۔ بہتر یہ ہوتا کہ میں خاموشی سے ایک ایک کر کے سب کو قابو کرتا۔ باہر والے مسلح فرد کو قابو کر کے اندر داخل ہونے کے بعد پہلا کام دوسری منزل پر واقع اس بیڈ روم تک رسائی حاصل کرنا تھا جس میں فتح خان اور بھاگ بھری نظر آئے، بھاگ بھری سے مجھے معلوم ہو سکتا تھا کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔ عام طور پر فتح خان جیسے مکار بھی ان بے بس عورتوں کے سامنے غلطی کر جاتے ہیں اور سب باتیں ان کے سامنے کرتے ہیں اس طرح ان کو نفسیاتی برتری کا احساس ہوتا ہے اور یہ اپنے خفیہ ترین راز بھی ان کے علم میں لے آتے ہیں۔ سات بجے میں نیچے آیا۔ اس وقت تک فتح خان یا اس کا کوئی ساتھی بنگلے میں واپس نہیں آیا تھا۔ بنٹی اور ٹینا، بنٹی کے کمرے میں تھیں۔ مجھے دیکھ کر بنٹی نے جلدی سے کہا۔ ''میں نے ابھی پاپا سے بات کی ہے، ان کے ملازم اسلام آباد سے آ رہے ہیں۔''

''ان کو آنے میں کم سے کم سات آٹھ گھنٹے لگیں گے اور میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو بنٹی کھڑی ہو گئی اس نے ہاتھ آگے کیا۔

''لاؤ پستول دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ہچکچاتے ہوئے پستول اسے تھما دیا۔ ''احتیاط سے استعمال کرنا۔''

''میں تیار ہوں۔'' وہ ذرا آگے بڑھی، اس نے ایک نہایت چست قسم کی پتلون پہن رکھی تھی اور اوپر چست ترسویٹر تھا۔ خاصا تو بہ شکن حلیہ تھا اس کا۔ نیلما نے ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو کہ یہ کس چکر میں پڑ رہی ہو۔ شاید میرے آنے سے پہلے ان کے درمیان اسی معاملے پر بحث ہو رہی تھی۔ میں نے بھی اس سے کہا۔ ''بنٹی! میرا خیال ہے تم اس معاملے میں نہ پڑو، بعد میں کوئی دشواری بھی ہو سکتی ہے۔''

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ بولی۔

''بنٹی! یہ ٹھیک کہہ رہا ہے.....'' نیلما نے کہنا چاہا۔

''تم چپ کرو۔'' بنٹی غصے سے بولی۔ ''اگر یہ شخص نہ ہوتا تو تمہارے اس حرامی نے ہمیں ساری دنیا کے سامنے تماشا بنانے کا بندوبست کر لیا تھا۔''

''او کے، او کے! میں یہ نہیں کہہ رہی۔'' نیلما گھبرا گئی۔ ''میں تمہیں منع نہیں کر رہی ہوں، مگر تمہیں اس قسم کے معاملات کا کیا پتا ہے؟''

''میں صرف باہر رہ کر اس کی مدد کروں گی۔ میں اندر نہیں جاؤں گی۔'' بنٹی نے اپنی بہن کو یقین دلایا تھا۔

''باہر رہ کر تم کیا کرو گی؟''

''باہر رہ کر یہ اندر موجود چوکیدار کو باہر آنے پر مجبور کرے گی۔'' میں نے اسے بتایا اور بنٹی سے پوچھا۔ ''دستانے ہوں گے۔''

''ہاں، پاپا کے رکھے ہیں، میں لا دیتی ہوں۔'' بنٹی نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔ نیلما کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''مسٹر! تم اسے منع کیوں نہیں کر رہے؟''

''اس لئے کہ مجھے واقعی اس کی مدد کی ضرورت ہے۔''

''مجھے لگ رہا ہے تم اسے مروا دو گے۔'' اس کا انداز الزام دینے والا تھا۔

''میں کوشش کروں گا کہ وہ محفوظ رہے۔''

''بنٹی دستانے لے کر آئی۔'' میں نے تاج الدین سے کہہ دیا ہے۔ ان لوگوں کی سختی سے نگرانی کرے۔'' وہ اپنی بہن سے بولی۔ ''اور براہ کرم کرموں سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے۔'' نیلما نے منہ بنایا۔ ''مجھے کیا پتا تھا وہ اتنا ذلیل شخص نکلے گا، میں اس کے منہ پر تھوکنے بھی نہ جاؤں۔''

''بس یہی کرنا۔'' بنٹی بولی اور میرے ساتھ باہر نکل آئی۔

''تمہیں نیلما سے کوئی خدشہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ خاصی احمق ہے، آئی مین..... جذباتی عورت ہے۔ کرموں اسے پھر بے وقوف بنا سکتا ہے۔''

''اس صورت میں تم نے درست کیا کہ تاج الدین کی ڈیوٹی لگا دی لیکن جس طرح تم نے تاج الدین کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کی نگرانی پر لگایا ہے، اسی طرح ٹینا اسے کہیں اور نہیں بھیج سکتی۔"

"نہیں، تاج الدین کے نزدیک میرا حکم زیادہ اہم ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

☆======☆======☆

میں نے اوور کوٹ اتار دیا اور بنٹی کے دیئے دہری تہہ والے دستانے ہاتھوں پر چڑھا لئے، جو اندر سے سوتی اور باہر سے اونی تھے لیکن ان کو پہن کر مجھے پستول پکڑنے میں کسی دشواری کا سامان نہیں کرنا پڑا تھا۔ ہم باہر آئے۔ آسمان پر بادل ہونے کی وجہ سے ہر طرف گہری تاریکی تھی لیکن دو تین بنگلوں سے آنے والی روشنیوں کی وجہ سے ماحول بالکل تاریک بھی نہیں تھا۔ فتح خان والے بنگلے کے آس پاس خاصی روشنی تھی۔ اگر مسلح چوکیدار اندر سے جھانک رہا ہوتا تو ہم اسے صاف نظر آ جاتے اس لئے میں اور بنٹی اس طرف کے بنگلوں کی دیوار تک آ گئے، اب ہمیں براہ راست دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میں اور بنٹی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے فتح خان کے بنگلے کے گیٹ تک آئے۔ میں نے بنٹی کو اشارہ کیا اور وہ گیٹ کے عین سامنے جا کر کراہنے لگی تھی۔ اس کی آواز میں ایسا لوچ اور تاثر تھا کہ میں دل ہی دل میں اس کی اداکارانہ صلاحیتوں کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اندر سے بھی فوری ردِعمل سامنے آیا تھا۔ "کون ہے؟" چوکیدار نے پوچھا۔

"اوف..... ہائے..... میرے پاؤں میں چوٹ لگی ہے، پلیز..... میری مدد کرو۔"

میں گیٹ کے پاس ستون کی آڑ میں چپک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بنٹی نے چالاکی دکھائی۔ جیسے ہی وہ باہر آیا، بنٹی مخالف سمت میں پیچھے سرک گئی۔ "کیا ہوا..... کون ہو تم؟"

"میرے پاؤں میں چوٹ لگی ہے، مجھ سے چلا نہیں جا رہا، یہ دیکھو۔" بنٹی نے پاؤں اس کے سامنے کیا۔

"کدھر ہے؟" اس نے پتلون اور جوتے کے اوپر سے نہ جانے کیا دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

"ادھر ہے۔" میں نے اس کی گدی پر رائفل کا دستہ رسید کیا تھا۔ وار اتنا کاری تھا کہ وہ چوں چراں کئے بغیر اوندھے منہ زمین پر جا گرا۔ میں نے پھرتی سے اس کی جیکٹ میں عقب سے ہاتھ ڈالا اور اسے گیٹ کے کھلے بغلی دروازے سے اندر لے گیا۔ بنٹی ہمارے پیچھے تھی۔ میں نے چوکیدار کو گیٹ کے برابر میں بنی چھوٹی سی چوکی کے اندر ڈال دیا۔ "بنٹی، اب تم جاؤ۔"

"نہیں، میں تمہارے ساتھ اندر چلوں گی۔" اس نے اصرار کیا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو، تمہارا کام یہیں تک تھا، اب واپس جاؤ اور ہاں اگر میں واپس نہ آؤں تو میں نے جس موبائل نمبر پر فون کیا تھا، اس پر اطلاع کر دینا کہ میں فتح خان کے قبضے میں ہوں۔"

"او کے!" اس نے بادل نخواستہ کہا اور گیٹ سے باہر نکل گئی۔ میں نے گیٹ کا بغلی دروازہ بند کر دیا۔ خوش قسمتی سے عمارت سے مین گیٹ واضح نظر نہیں آتا تھا۔ درمیان میں گھومتے ڈرائیوے کے ساتھ کئی بڑے درخت تھے۔ میں نے چار دیواری کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا اور دائیں طرف سے ہوتا ہوا عمارت کے پہلو میں جا نکلا۔ ایک بار عمارت کے احاطے میں آ جانے کے بعد میں دشمن کی نظر سے محفوظ تھا۔ نچلی منزل کی کھڑکیاں اس کے بغیر ہی تھیں۔ اوپری کھڑکیوں تلے ایک تین فٹ تک باہر نکلا چھجا تھا لیکن یہ تر چھا تھا اور اس پر پاؤں جمانا بہت دشوار کام تھا۔ اس لئے میں نے اسے نظر انداز کر کے عمارت کے اندر جانے کے لئے متبادل راستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش کرنا شروع کیا۔ اگلے دس منٹ میں واضح ہو گیا تھا کہ باہر کی طرف کھلنے والے تمام دروازے اندر سے بند تھے۔

اب میرے پاس دو راستے تھے یا تو میں کسی کے باہر آنے کا انتظار کرتا لیکن اس موسم میں نہ جانے کوئی باہر آنا پسند کرتا یا نہیں، میرے پاس وقت نہیں تھا اور میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ میں پائپ کے ذریعے اوپری چھجے تک جاتا۔ پائپ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ یہ سیوریج کا موٹا پائپ تھا اور میں بہ آسانی اسے گرفت کر سکتا تھا۔ مگر اوپر جانے کے لئے دستانے اتارنا لازمی تھا۔ میں نے رائفل شانے پر لٹکائی۔ دستانے اتار کر جیب میں ٹھونسے اور دونوں ہاتھوں سے یخ بستہ پائپ تھام کر اوپر چڑھنے لگ۔ جوتوں سمیت چڑھنا دشوار تھا لیکن میں جوتے نہیں اتار سکتا تھا۔ میرے پاؤں سلپ کر رہے تھے اور سارا زور ہاتھوں پر آ رہا تھا۔ خاصی دشواری کے بعد میں کسی نہ کسی طرح چھجے کے اوپر جا پہنچا۔ سانس درست کر کے اور توازن قائم کرنے کے بعد میں چھجے پر کھڑا ہوا۔ اس پر ابھرے ہوئے ڈیزائن کی وجہ سے پاؤں جمانا کسی قدر آسان ہو گیا تھا۔ میں نے راہ میں آنے والی پہلی کھڑکی چیک کی وہ اندر سے بند تھی۔ میں دوسری کھڑکی کی طرف بڑھا۔ وہ کھڑکی ابھی خاصی دور تھی جس سے میں نے بھاگ بھری کو دیکھا تھا۔ اس سے اگلی کھڑکی بھی اندر سے بند ثابت ہوئی تھی اور اس سے اگلی بھی۔ اس طرح میں خود بخود اپنی مطلوبہ کھڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شکر ہے تیز ہواؤں نے چھجے پر پڑی برف اڑا دی تھی ورنہ اس پر قدم جمانا ناممکن ہی ہوتا۔ میں ایک ہاتھ سے دیوار کا سہارا لے رہا تھا اور قدم جما کر رکھ رہا تھا۔ کوئی چودہ فٹ کی بلندی سے گر کر میں اپنی ایک آدھ ہڈی بہ آسانی تڑوا سکتا تھا۔ اب میں عمارت کے سامنے والے حصے پر تھا۔ پورچ کے اوپر یہ چھجا چوڑا ہو گیا تھا۔ اس جگہ رک کر میں نے سانس درست کی۔ میرا بایاں ہاتھ سرد پڑنے لگا لیکن اس کی قوت اور کارکردگی ابھی برقرار تھی۔ سستانے کے دوران میں نے اسے بغل میں دبا کر گرم کرنے کی کوشش کی۔

اس چھجے سے آگے کا سفر دشوار تھا کیونکہ اب برف بھی تھی اور ہوا اس طرف کی برف اڑانے میں ناکام رہی تھی اور پاؤں سلپ کر رہا تھا۔ میں دیوار کا ایک حد سے زیادہ سہارا نہیں لے سکتا تھا اس سے توازن بگڑنے لگتا جو اور بھی خطرناک تھا۔ جیسے تیسے میں نے اس کھڑکی تک رسائی حاصل کی جس میں مجھے بھاگ بھری نظر آئی تھی۔ میں نے کھڑکی کا سلائیڈنگ پٹ سرکا کر اسے کھولنے کی کوشش کی۔ یہ بھی اندر سے بند تھی۔ فتح خان اور اس کے ساتھی محتاط تھے، انہوں نے کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی، کھڑکی پر پردہ بھی تھا اس لئے میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ اندر بھاگ بھری ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا تھا۔ میں نے کھڑکی کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ اس کے ایک کونے سے پردہ کسی قدر ہٹا ہوا تھا، میں نے سرک اور جھک کر اس سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ مجھے بیڈ کا ایک حصہ دکھائی لیکن کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا مگر میں مستقل اندر دیکھتا ہی رہا۔ اچانک کوئی سامنے سے گزرا تھا۔ میں اندازہ لگانے سے قاصر رہا کہ وہ کون تھا۔ بھاگ بھری یا کوئی اور پھر مجھے بیڈ کے کونے میں پاؤں نظر آئے۔ نرم و نازک سے نسوانی پاؤں۔ وہ بھاگ بھری ہی ہو سکتی تھی۔ اس جگہ اور کوئی عورت نہیں تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ شیشہ توڑ کر میں ایک منٹ میں اندر جا سکتا تھا مگر اس کی آواز بنگلے میں موجود افراد کو خبردار کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ بھاگ بھری بھی چلا سکتی تھی۔ میں نے سوچا اور ایک فیصلہ کیا۔ میں نے کھڑکی کے شیشے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آہستہ سے دستک دی۔ اس کا فوری ردِعمل ہوا، پھیلے ہوئے پاؤں سمٹ گئے تھے۔ میں نے دوبارہ دستک دی۔ چند لمحے بعد پردہ سرکا اور شیشے کے عقب سے بھاگ بھری کا خوف زدہ چہرہ نظر آیا۔ یہ شفاف شیشہ تھا اس لئے میں بھی اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ بھاگ بھری نے مجھے کلین شیو دیکھا تھا اور اب میرے چہرے پر کئی دن کی بڑھی ہوئی شیو تھی۔ بھاگ بھری کی آنکھیں پھیل گئی تھیں، اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔ میں نے اشارے سے اندر سے کھڑکی کھولنے کو کہا۔ بھاگ بھری نے سر ہلایا اور چٹخنی گرا کر پٹ ہٹایا اور میں اندر کود گیا۔

''شہباز صاحب!'' اس نے بے تابی سے کہا۔

''ہاں بھاگ بھری۔'' میں نے دکھ سے سر ہلایا۔ ''تمہارا مجرم.....''

وہ دکھی ہو گئی۔ ''اس میں تمہارا کیا قصور، یہ تو میرے مقدر میں تھا۔ بابا کدھر ہے؟''

''وہ ہمارے پاس ہے۔'' میں نے کھڑکی اندر سے بند کر کے پردہ برابر کر دیا۔ ''میں تمہیں اور اپنے ساتھیوں کو لے جانے آیا ہوں۔''

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ ''تم مجھے نہیں لے جا سکتے۔ فتح خاں بہت طاقتور آدمی ہے۔ وہ تمہیں مجھے لے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اس وقت بھی وہ تمہاری تلاش میں نکلا ہے، تم اندر کیسے آئے؟''

''فتح خان اتنا طاقتور بھی نہیں ہے، مجھے دیکھو، اس جگہ سے فرار ہو کر دوبارہ یہاں آیا ہوں۔ بھاگ بھری میرے ساتھی کہاں ہیں؟ وہ تمہارے ساتھ وین میں تھے۔''

''ہاں..... لیکن وہ میرے ساتھ تو نہیں پکڑے گئے تھے۔ تمہارا ساتھی راستے میں ایک جگہ ان دونوں عورتوں کو لے کر اتر گیا تھا۔ اس نے ایک اور گاڑی لے لی تھی۔ وہ سرخ رنگ کی جیپ تھی۔''

میں نے سکون کا طویل ترین سانس لیا تھا جو نہ جانے کب سے میرے سینے میں اٹکا ہوا۔ سفیر نے بالکل درست کام کیا کہ پہلے لڑکیوں کو محفوظ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر مجھے ایک خیال نے مضطرب کر دیا۔ ''تم نے یہ بات فتح خان کو تو نہیں بتائی۔''

''نہیں، میں نے اسے اتنا بتایا ہے کہ وہ مجھے وین میں چھوڑ کر چلے گئے تھے، اس نے مجھے مارا بھی اور دھمکیاں بھی دیں لیکن میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔''

''میں نے دیکھا تھا۔''

''تم نے کیسے دیکھا صاحب!'' اس نے تعجب سے کہا۔

''بھاگ بھری، یہ سب میں فارغ وقت میں بتاؤں گا، ابھی یہ بتاؤ کہ اس عمارت میں کتنے آدمی ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم، مجھے نیچے جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''اچھا، اس منزل پر کون ہے تمہارے علاوہ؟''

''فتح خان کا خاص آدمی ہے ریاض خان۔ اس کا رشتے دار بھی ہے۔ میری نگرانی فتح خان کی غیر موجودگی میں وہی کرتا ہے۔ وہ سامنے والے کمرے میں ہے۔''

''کھانا کون لاتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زرین نامی آدمی لاتا ہے۔''

گویا مجھے اب ایک شخص سے نمٹنا تھا۔ سفیر، مونا اور ایمن کے آزاد ہونے کا سن کر مجھے اطمینان ہوا تھا۔ میں نے بھاگ بھری سے مزید سوالات کئے، اس کے مطابق فتح خان کو ایک بات کرنے والی مشین پر کوئی اطلاع ملی تھی جس کے بعد وہ چلا گیا۔ اس نے بھاگ بھری سے کہا تھا کہ وہ دو تین دن بعد آئے گا۔ یعنی وہ اس علاقے سے دور گیا تھا، میں ایک بار پھر تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ فتح خان کو کس کے بارے میں اطلاع ملی تھی؟ کیا اسے سفیر، مونا اور ایمن کے بارے میں معلوم ہوا تھا؟ خاص طور سے ایمن اس کے لئے بہت ضروری تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''بھاگ بھری، میرے ساتھ چلو۔''

''نہیں۔'' وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ ''میں نہیں جا سکتی۔''

''فتح خان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''میں فتح خان کی وجہ سے نہیں کہہ رہی۔'' اس نے ایک نظر اپنے ابھرے ہوئے پیٹ پر ڈالی اور پھر مجھ سے کہا۔ ''میں اب کسی کے سامنے جانے کے قابل نہیں رہی۔''

''بھاگ بھری اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''تم بالکل معصوم ہو۔ تمہارا باپ آج بھی تمہارے لئے تڑپتا ہے۔''

''لیکن بابا کو یہ تو نہیں معلوم کہ میں آبرو گنوا چکی ہوں، ایک ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہوں۔'' اس نے تلخی سے کہا تھا۔

''رحمت خان بچہ نہیں ہے، اسے اچھی طرح معلوم ہے، درندوں کی قید میں اس کی بیٹی پر کیا گزر سکتی ہے۔ اس نے خود کو ہر صورتِ حال کے لئے تیار کر لیا تھا۔ وہ تمہیں معصوم سمجھتا ہے۔''

''پھر بھی صاحب..... میں تو شرم سے مر جاؤں گی۔'' اس نے دل گرفتگی سے کہا۔

''پاگل!'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''مرنے مارنے کی بات اس وقت کرنا جب تیرے سر پر کوئی نہ ہو۔ ابھی تیرا بابا اور ہم ہیں..... تیرے مجرموں سے بدلہ ہم لیں گے۔ ان کو عبرت کا نشان بنا دیں گے۔ اگر ہم کچھ نہ کر سکے تب تم یہ بات کہہ سکتی ہو۔ تیرا بابا تیرا منتظر ہے۔''

اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ ''سچ، بابا..... آج بھی مجھ سے پیار کرتا ہے؟''

''پہلے سے بھی زیادہ، بھاگ بھری!'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''اس نے اپنے آنسو صاف کئے۔ ''تب میں چلوں گی۔''

میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''بھاگ بھری کسی ترکیب سے ریاض کو یہاں بلا سکتی ہو؟''

اس نے معصومیت سے سر ہلایا۔ ''میں اسے آواز دوں گی تو فوراً آ جائے گا۔''

''نہیں، ایسے نہیں۔ اسے غافل کرنا ہے۔ تم کہنا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے، تمہارے سر میں بہت زور سے درد ہو رہا ہے۔ وہ اندر آئے گا اور میں اسے قابو کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میں اسے آواز دوں۔''

''نہیں، پہلے مجھے پوزیشن لینے دو۔'' میں نے کہا۔ ''اسے اندر آنے پر مجبور کرنا باہر مت جانا۔ سر پکڑ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سڑک کی طرف جانا۔ اسے دروازہ کھول کر آواز دو۔"

"میں دروازے کی آڑ میں تھا۔ بھاگ بھری نے دروازہ کھولا اور آواز دی۔ "ریاض، ادھر آؤ۔"

"کیا بات ہے؟" کچھ دیر بعد ایک کھردری سی آواز نے پوچھا۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے، بہت زیادہ....." اس نے سر تھام لیا اور پیچھے ہٹی۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے اسٹرنک گئی اور اس پر بیٹھ گئی۔ وہ بلاشبہ اچھی اداکاری کر رہی تھی۔ میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ وہ دروازے تک آیا تھا لیکن اندر نہیں آیا۔

"کیا بات ہے، کیوں شور کر رہی ہو؟"

"میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے، مجھے چکر آ رہے ہیں۔" بھاگ بھری کہتے کہتے گری اور کروٹ کے بل لیٹ کر ساکت ہو گئی۔

"بھاگ بھری!" اس شخص نے آواز دی اور کمرے میں آیا ہی تھا کہ میں نے عقب سے ہاتھ ڈال کر اسے گردن سے دبوچ لیا۔ وہ تڑپا تو میں نے پستول کا دستہ اس کے سر پر زور سے مارا لیکن اتنی زور سے نہیں کہ وہ بے ہوش ہو جاتا، تاہم اس کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

"ہلنا مت۔" میں نے پاؤں سے دروازہ بند کیا۔ "آواز بھی مت نکالنا ورنہ یہ تمہاری آخری آواز ہو گی۔ پستول بے آواز ہے، تم کو بھی پتا نہیں چلے گا، کب مر گئے؟"

وہ ساکت ہو گیا تھا۔ بھاگ بھری اٹھ بیٹھی تھی اور اسے خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ریاض نے لعنت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ آوارہ عورت! اس نے....." اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے میں نے دوسری بار پستول کا دستہ اس کے سر پر مارا۔ اس بار وہ بے ہوش ہو گیا۔ میں نے اسے چھوڑا تو وہ منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ میں اسے ہوش میں رکھنا چاہتا تھا لیکن اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ میں نے اس کا بڑا سا پگڑ اتار کر اس سے پٹیاں پھاڑیں اور ان سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ بچے ہوئے کپڑے اس کے منہ میں ٹھونس کر اس کا منہ بند کیا اور بھاگ بھری سے کہا۔ "تم دیکھو، اس منزل پر کوئی اور نہ ہو۔ تم سیڑھیوں کے پاس رکنا۔ اگر کوئی اوپر آئے تو مجھے خبردار کر دینا۔"

بھاگ بھری سر ہلاتے ہوئے چلی گئی۔ مجھے اوکے کی رپورٹ دے کر وہ سیڑھیوں کی طرف چلی گئی تھی۔ میں نے ریاض کو ہوش میں لانے کے لئے بے رحمانہ طریقہ استعمال کیا۔ میں نے پستول کے دستے سے اس کے گھٹنوں پر ضربیں لگانا شروع کیں، اس نے بھاگ بھری کے لئے جو لفظ کہے تھے، اس کے بعد میرے دل میں اس کے لئے رحم کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اوباش اور بدکردار فتح خان تھا۔ لگاتار ضربیں لگیں تو اسے ہوش میں آنا پڑا۔ تکلیف کی شدت سے اس کا جسم مچل رہا تھا۔ منہ بند تھا لیکن اس کی آنکھوں سے کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔

"ریاض خان میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ میں تمہاری بوٹی بوٹی کاٹ کر اذیت دیتا۔ مجھے صرف یہ بتاؤ، فتح خان یہاں سے کیوں گیا ہے۔ اسے کون سی اطلاع ملی تھی؟"

اس نے بے تابی سے سر ہلایا۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہونے کی وجہ سے آواز نکالنا محال تھا۔ میں نے کپڑا نکالنے سے پہلے اسے خبردار کیا۔ "غیر ضروری اور اونچی آواز نہ نکلے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مج..... خدا کے لئے..... بہت درد ہو رہا ہے۔'' اس نے کراہ کر کہا۔ ''تم نے میرے گھٹنے توڑ دیے ہیں۔''

''ابھی کہاں توڑے ہیں، صرف چند ضربیں لگائی ہیں۔ ہاں، میرے سوال کا جواب نہ ملا تو صرف گھٹنے ہی نہیں، تمہاری اور بھی ہڈیاں ٹوٹیں گی۔''

''فتح خان نے..... مجھے..... بھی..... نہیں بتایا۔''

میں نے اس کا منہ ایک ہاتھ سے دبا کر دوسرے سے ہاتھ سے اس کے گھٹنے پر پستول کے دستے کی ضرب لگائی، اس کا جسم تڑپا تھا۔ جب ذرا اس کا جسم ساکت ہوا تو میں نے اس کا منہ چھوڑا۔ ''مجھے میرے سوال کا جواب چاہئے۔''

''اسے اطلاع ملی..... تھی..... تت..... تم..... اسلام آباد میں ہو۔'' اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

''اوہ!'' میں نے گہری سانس لی، یعنی میں نے ندیم سے جو بات کی تھی، وہ ان لوگوں تک پہنچ گئی۔ میں نے ایک بار پھر اطمینان محسوس کیا کہ سفیر، مونا اور ایمن کے بارے میں ان کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ ''یعنی فتح خان اسلام آباد گیا ہے۔ میرے تین ساتھیوں کی تلاش جاری ہے.....؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں ملا ہے اس جگہ سے مری تک ہمارے درجنوں آدمی ان کی تلاش کر رہے ہیں۔''

''یہاں اور کتنے آدمی ہیں؟''

''صرف ایک زرین ہے۔ وہ نیچے ہوتا ہے، اسے اوپر آنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''گڈ!'' میں نے کہا اور اس کے سر پر مزید ایک وار رسید کیا، وہ پھر بے ہوش ہو گیا تھا۔

''بھاگ بھری!'' میں نے دروازے سے جھانک کر آواز دی۔

وہ جلدی سے اندر آئی اور ریاض کو دیکھ کر رک گئی۔ ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''بے ہوش ہے..... تمہیں اپنی کوئی چیز لینی ہے تو لے لو۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔''

''میرا یہاں کچھ نہیں ہے۔'' اس نے انکار کیا۔ ''بس جلدی سے چلیں، کہیں فتح خان نہ آ جائے۔''

میں اور بھاگ بھری نیچے آئے، زرین کے بارے میں مجھے یقین تھا، وہ لاؤنج میں آتش دان کے سامنے ہوگا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ وہ آتش دان کے پاس بیٹھا اپنی زبان کا ایک گیت گنگنا رہا تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی اس لئے مجھے اسے بے ہوش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ گدی پر ایک ہی گھونسے نے اسے بے سدھ کر دیا تھا۔ اسے چیک کیا، دو تین گھنٹے سے پہلے اس کے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ باہر نکل کر میں نے گیٹ بند کیا اور ہم خراماں خراماں چلتے ہوئے بنٹی کے بنگلے تک آئے، میں نے بیل بجائی۔ ''یہ کس کا گھر ہے صاحب!'' بھاگ بھری نے آہستہ سے پوچھا۔

''میرا۔'' جواب ہمارے عقب سے آیا تھا۔ بھاگ بھری خوف سے اچھل پڑی تھی۔

''یہ..... یہ کون ہے؟''

بنٹی ایک گوشے سے نکل کر سامنے آئی تھی۔ ''تم اندر نہیں گئیں؟'' میں نے ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں رک گئی تھی، ممکن ہے تمہیں میری مدد کی ضرورت پڑے۔''

''خدا کا شکر ہے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں پڑی۔''

''یہ کون ہے؟'' بنٹی نے بھاگ بھری کو غور سے دیکھا اور خاص طور سے اس کے پیٹ کو۔ ''شی از پریگننٹ؟''

''ہاں، یہ میرے ایک ساتھی کی بیٹی ہے بہت عرصے سے فتح خان کی قید میں تھی۔''

اس نے ترحم آمیز نظروں سے بھاگ بھری کو دیکھا۔ ''بے چاری.....''

''ڈونٹ ٹاک اباؤٹ ہر!'' میں نے اسے ٹوک دیا۔ ''شی از ہرٹ!''

''او کے، اندر چلو۔'' اس نے کہا، اسی لمحے تاج الدین نے اندر سے گیٹ کھولا۔

گھر کے اندر آتش دان کے سامنے جا کر ہماری جان میں جان آئی تھی۔ بھاگ بھری سہمی ہوئی تھی اور میرے پاس رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بنٹی نے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور تاج الدین سے بولی۔ ''اسے گیسٹ روم میں لے جاؤ۔''

''یہ میرے پاس رہے گی۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''اس کے معاملے میں نہ پڑو، کچھ کھانے کو لاؤ۔''

بنٹی نے تاج الدین سے کھانا لگانے کو کہا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ ہوا کی شدت میں اضافے کے بعد سردی کی شدت بھی بڑھ گئی تھی۔ ''صاحب، میں بابا سے کب ملوں گی؟'' بھاگ بھری نے آہستہ سے پوچھا۔

''بس جیسے ہی موقع ملا، ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ تمہارے بابا اسلام آباد میں میرے آدمیوں کے ساتھ ہیں۔''

''میں..... میں ان کا سامنا کیسے کروں گی؟'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''بھاگ بھری، میں تمہیں بے گناہ اور معصوم سمجھتا ہوں۔ میری سگی بہن ہوتی تو اس کے لئے بھی میرے یہی جذبات ہوتے، وہ تو تمہارا باپ ہے وہ تمہیں کیوں بے گناہ نہیں سمجھے گا؟''

''میری ماں.....'' یک دم وہ سسک کر میرے بازو سے لگ گئی اور پھر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ اتنے عرصے سے اسے کوئی ایسا نہیں ملا تھا جس کے سامنے وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی، میں نے اسے آہستہ سے اپنے بازو سے لگا لیا، اسے تھپکتا رہا، تسلی دیتا رہا۔ بنٹی خفگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی، پھر ایک جھٹکے سے نشست گاہ سے چلی گئی۔ میں نے پروا نہیں کی۔ بھاگ بھری کو چپ کرانے کی کوشش کرتے لگا۔

''بھاگ بھری..... چپ کر جاؤ۔ اس طرح رونے سے تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

''میں مرجانا چاہتی ہوں۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''تمہارے مرجانے سے ان لوگوں کی صحت پر کیا اثر پڑے گا۔ تمہیں زندہ رہنا ہے اور ان کا حشر ہوتے دیکھنا ہے۔''

''کون ان سے میرا بدلہ لے گا؟''

''میں نے کہا ناں میری کوئی بہن ہوتی تب بھی میں اس سے یہی کہتا۔ جب میں تمہیں بہن کہہ رہا ہوں تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا تمہارے مجرموں کو ایسے ہی معاف کر دوں گا؟ ایک نہ ایک دن وہ میرے آگے مجبور ہوں گے، تب میں تم سارا حساب لوں گا۔ ابھی میں تم کو ان کی گرفت سے نکال لایا ہوں۔"

وہ سنبھل گئی اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ "گاڑی میں تمہارے ساتھی تھے صاحب.....؟"

"صاحب نہیں، بھائی بولو۔" میں نے واقعتاً بچے دل سے یہ جملہ کہا۔ پھر اس کے سوال کا جواب دیا۔ "ہاں، وہ میرے ساتھی تھے۔ کاش! وہ تمہیں صورت سے پہچانتے تو اپنے ساتھ لے جاتے۔ انہوں نے تمہیں کہاں چھوڑا تھا، وہ کس طرف گئے تھے؟"

"یہ تو نہیں پتا..... پر وہ جو مرد تھا، اس نے ایک اور گاڑی لے لی تھی۔ مجھے نہیں پتا کہاں سے..... پر دونوں لڑکیوں کو لے گیا تھا۔ میں نے فتح خان کے آدمیوں کو گاڑی کے بارے میں نہیں بتایا تھا بس اتنا کہا کہ گاڑی اور مجھے چھوڑ کر پیدل یہاں سے چلے گئے تھے۔"

"یہ تم نے اچھا بیان دیا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "اب وہ سڑک کے بجائے میرے ساتھیوں کو پہاڑوں میں تلاش کریں گے۔"

میرا ندیم سے رابطہ کرنا مفید ثابت ہوا تھا۔ فتح خان اپنے گرگوں کو لے نہ جاتا تو میں اتنی آسانی سے بھاگ بھری کو نکال نہ لاتا۔ تاج الدین کھانے کے لیے بہت کچھ لے آیا مجھے بھوک نہیں تھی مگر بھاگ بھری کو کھلانے کے لیے اس کے ساتھ کھاتا رہا۔ اسے بھی اصرار کر کے کھلاتا رہا۔ کھانے کے بعد میں نے اس سے کہا۔ "بھاگ بھری! تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔" میں اسے اپنے کمرے میں لایا۔ "یہاں سو جاؤ، بے فکر ہو کر..... ان شاء اللہ چند دن میں تم اپنے بابا کے پاس ہو گی۔"

میں واپس نشست گاہ میں آیا تو بنٹی منہ سجائے بیٹھی تھی۔ "بہت چہیتی ہے تمہاری!" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اپنے کمرے تک چھوڑ آئے اسے؟"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "ان تینوں کو اچھی طرح بند کیا ہے ناں.....؟"

"یہ تاج کا مسئلہ ہے۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تاج ان لوگوں کو اندر آنے سے تو روک نہیں سکا۔"

"تب اسے پتا نہیں تھا۔" اس نے ملازم کا دفاع کیا۔ "اب وہ ان کی صحیح طرح نگرانی کرے گا۔"

"مرضی ہے تمہاری!" میں نے جواب دیا۔ "پینے کے لئے کچھ منگواؤ۔"

"میں لاتی ہوں۔" وہ بولی اور نشست گاہ سے چلی گئی، میں نے محسوس کیا کہ بے حد نخریلی اور کاہل ہونے کے باوجود وہ میرے لئے فوراً حرکت میں آ جاتی تھی اور یہ خطرے کی گھنٹی تھی، جسے میں ہرگز اپنے گلے میں نہیں باندھ سکتا تھا۔ جب تک ضرورت تھی، میں یہاں پناہ لیتا اور حالات بہتر ہوتے ہی بھاگ بھری کے ہمراہ یہاں سے نکل جاتا۔ مجھے ایک خیال اور آیا، میں ان لوگوں کی گاڑی لے جا سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد بنٹی کافی لے آئی۔ اس نے رپورٹ دی۔ "میں کرمین اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر آئی ہوں۔ وہ بے خبر پڑے سو رہے ہیں۔ تاج الدین نے احتیاطاً ان کو خواب آور دوا دے دی ہے۔"

میں نے کافی پی۔ اس کے بعد میں نے صوفے سے کشن اٹھایا اور آتش دان کے سامنے دبیز قالین پر دراز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گیا۔ بنی نے پوچھا۔ ''تمہیں ہلینکٹ لا دوں۔''

''بنکی پوچھ کر نہیں کرتے۔'' میں نے جواب دیا تو وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ بھاگ بھری کے سامنے سے ہٹنے کے بعد اس کی خوش اخلاقی لوٹ آئی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے ہی میں سو چکا تھا۔ میں اتنی دیر سونا چاہتا تھا کہ جب تک ان دو آفت کی پرکالاؤں کے روشن خیال ڈیڈی کا دستہ خاص نہ آ جاتا اور صبح سے پہلے ان کی آمد مشکل لگ رہی تھی، بشرطیکہ وہ کوئی ہیلی کاپٹر نہ استعمال کریں۔ بنی نے کسی وقت آ کر مجھ پر کمبل ڈال دیا تھا۔ پھر اجنبی آوازوں سے ہی میری آنکھ کھلی تھی۔

''لوئے اٹھاؤ اسے۔'' کسی نے خالص استادانہ انداز میں کہا۔

''کسی نے میرا شانہ ہلایا اور پھر تاج الدین کی آواز آئی۔ ''جناب! اٹھ جائیں۔''

میں نے انگڑائی لے کر کمبل پرے کیا۔ نشست گاہ میں ایک لمبا تڑنگا اور موٹی توند والا شخص خوفناک سا حلیہ بنائے کھڑا تھا۔ بال اس کے سکھوں کی طرح دراز تھے تو داڑھی مونچھیں بھی کسی سکھ کی طرح ان بچ سی تھیں۔ توند کے حجم کو قابو میں رکھنے کے لئے اس نے شاٹ گن کے کارتوسوں والی بیلٹ کس کر باندھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک نسبتاً معیاری نمونہ تھا۔ وہ فی الحال بچہ بدمعاش تھا۔ ''کون ہو تم؟'' میں نے توند والے سے پوچھا۔

''بندے کو خادم شاہ کہتے ہیں۔'' اس نے تعارف کرایا اور تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔ ''جناب کی تعریف؟''

''میں نے تاج الدین کی طرف دیکھا۔ ''یہ کون ہے بھئی..... اور اندر کیسے آیا؟''

''ان کو سرکار نے بھیجا ہے۔'' تاج الدین نے کہا۔

''اچھا..... بنی اور ٹینا کے باپ نے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تو مجھے کیوں اٹھایا جن کے لئے آیا ہے، ان کو حوالے کرو۔''

خادم کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ ''باؤ..... تمیز سے بات کر۔''

''میں تم سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا۔'' میں نے برہمی سے کہا، مجھے سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

''آپ آئیں میرے ساتھ جناب!'' تاج الدین نے اسے اشارہ کیا۔ ''ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

تاج الدین ان لوگوں کو لے گیا۔ خادم شاہ اور اس کا معیاری نمونہ مجھے گھورتے ہوئے چلے گئے۔ ابھی میں کمبل اوڑھ کر لیٹا تھا کہ تاج الدین پھر نازل ہو گیا۔ ''جناب! بنی بی بی آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔''

بادل نخواستہ میں نے اس کے ساتھ بنی کے کمرے کا رخ کیا۔ میں نے راستے میں پوچھا۔ ''یہ لوگ ان تینوں کو لے جائیں گے؟''

''جی سرکار کا یہی حکم ہے۔'' وہ بولا۔

بنی اپنے کمرے میں خاصے نامعقول قسم کے حلیے میں تھی۔ یعنی چھوٹی سی نائٹی کے اوپر اس نے شفاف قسم کا گاؤن پہن رکھا تھا، میں نے اسے دیکھتے ہی زیر لب لاحول پڑھی۔ ''آج تم لوگوں نے مجھے سکون سے سونے نہیں دینا ہے۔''

''اس لئے تو اپنے کمرے میں بلوا لیا۔'' وہ ہنسی۔ ''تمہارے کمرے میں سرفتح خان ہیں اور باقی کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھنڈے پڑے ہیں۔ آؤ لیٹ جاؤ۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر بستر کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے اس کی پیش کش نظر انداز کر کے کہا۔ "یہ تمہارے والد بزگوار نے کن نمونوں کو بھیجا ہے؟"

"نمونے.....؟ اس کام کے لئے ایسے ہی افراد موزوں ہوتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہاں فتح خان جیسے عیار شخص کے ساتھی موجود ہیں، اب تک ان کو میری کارروائی کا پتا چل چکا ہوگا اور وہ اب ارد گرد نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔ خادم شاہ جیسے افراد تو ایک میل دوری سے بدمعاش اشتہار بنے نظر آتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر فتح خان کے گرگے لازماً چونک جائیں گے۔"

"فکر مت کرو، یہ اتنے بھی احمق نہیں ہیں۔" اپنی پیش کش بلا واسطہ مسترد کئے جانے پر اس کا منہ بن گیا تھا۔

میں نے کھڑکی کے باہر جھانکا۔ "بی بی، تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے یہ اس سے بھی زیادہ احمق ہیں ذرا آ کر ملاحظہ کرو۔" میں نے اسے دعوت دی۔ پورچ سے ذرا دور ایک ڈبل کیبن ٹویوٹا کے عقبی کھلے حصے میں دو عدد خادم شاہ اسٹائل کے بدمعاش اپنی لمبی نال والی رائفلیں تھامے یوں مستعد کھڑے تھے جیسے ایک سیکنڈ کے نوٹس پر دشمن پر ٹوٹ پڑیں گے۔ بنی نے جان بوجھ کر تقریباً میرے شانے پر لد کر باہر دیکھا۔ افسوس کہ میری سخت جیکٹ نے اس کی خود کو مجھ سے پیوست کرنے کی کوشش ناکام بنا دی۔ وہ فکر مند ہو گئی۔

"یہ تو انہوں نے بہت بڑی حماقت ہے، بھلا اس طرح آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ابھی تو کچھ نہیں ہوا ہے، لیکن میرا خیال ہے کرمین کسی نہ کسی کو بتا کر آیا ہوگا۔ تصویریں لینے کے مشن میں اسے اپنے کسی نہ کسی بزرگ کی آشیرواد حاصل ہوگی۔ دوسری پارٹی کے گرگے بھی چل پڑے ہوں گے یا پہنچنے والے ہوں گے، ممکن ہے یہی لوگ ان کو پیچھے لگا لائے ہوں۔"

اس بار بنی کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ اس نے گاؤن اتار کر پھینک دیا اور نہ ہونے کے برابر نائٹی پر ایک دبیز گرم لبادہ پہن لیا۔ اس نے اپنی الماری سے میرا دیا ہوا پستول بھی نکال کر اپنے گریبان میں رکھ لیا تھا۔ میں نے کہا۔

"بہتر ہے یہ مجھے دے دو، بہت وزنی ہے۔"

"تم فکر مت کرو اس سے بھی زیادہ وزنی چیزیں یہاں رکھ چکی ہوں۔" اس نے جائے پستول کو تھپکا۔

"لاحول والاقوۃ۔" میں نے جز بز ہو کے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" اس نے کہا اور باہر کی طرف لپکی۔ کرمین اور اس کے ساتھیوں کو جس کمرے میں بند کیا گیا تھا، کہنے کو تو وہ اسٹور روم تھا لیکن خاصا وسیع و عریض کمرا تھا اور اندر خادم شاہ نے جاتے ہی تینوں ملزمان سے تفتیش شروع کر دی تھی کیونکہ جب ہم دروازے کے پاس پہنچے تو اندر سے کسی نے ذبح کئے جانے والے بکرے کی سی آواز نکالی تھی۔ "میں مر گیا..... ہائے ربا..... ہائے ماں۔"

میں نے دروازہ دھکیلا۔ میں اور بنی پوری بے فکری سے اندر داخل ہوئے تھے اور پھر دم بخود رہ گئے۔ وہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔ خادم شاہ ایک نہایت نامناسب پوز میں فرش پر یوں پڑا تھا جیسے دار فانی سے کوچ کر چکا ہو اور اس کا معیاری نمونہ عبرت ناک حالات سے گزر رہا تھا۔ اس کا دایاں بازو کہنی سے غلط سمت میں مڑا ہوا تھا اور سامنے کے دانت غالباً کرمین کی کسی ضرب کی نذر ہو چکے تھے۔ بادی النظر میں وہاں نظر آنے والے سین کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے دار کرمین ہی تھا کیونکہ اس کے ساتھی بے سدھ پڑے تھے۔ کرمین خادم شاہ کے ساتھی کے عقب میں اس طرح کھڑا تھا کہ اس کا بازو مضروب کی گردن میں حمائل تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے جیکٹ میں ہاتھ ڈالا۔ وہ بھی گلی کے کوندے کی طرح لپکا تھا اور اس نے خادم شاہ کے ساتھی کو ایک طرف دھکیل کر اس کا پستول نکال لیا تھا، ہم نے بیک وقت پستول ایک دوسرے کی طرف تان لئے۔ ''کرم دین، پستول پھینک دو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہی مشورہ میرا ہے۔'' اس نے پلک جھپکائے بغیر جواب دیا۔

''بیکار ہے، ہم دونوں مارے جائیں گے۔''

''ممکن ہے صرف تم مارے جاؤ اس کی طرح۔'' اس نے مرے ہوئے خادم شاہ کی طرف اشارہ کیا لیکن میں نے اس سے نظر ہٹانے کی حماقت نہیں کی تھی۔

''ممکن ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''تم چاہتے کیا ہو؟''

''مجھے اور میرے ساتھیوں کو جانے دیا جائے۔''

''مشکل ہے اگر یہاں سے میں تمہیں جانے بھی دوں تو باہر تین عدد مسلح افراد اور موجود ہیں، وہ تمہیں نہیں جانے دیں گے۔''

کرمین بے حد مکاری سے مسکرایا۔ ''اگر میں بنٹی کو لے جاؤں تو کون میرا راستہ روکے گا؟''

''مشکل ہے۔'' بنٹی میرے پاس سے ہٹ کر نیم دائرے میں کرمین کے عقب میں جانے لگی۔ کرمین مشکل میں پڑ گیا تھا۔ وہ مجھ پر سے نظر اور پستول ہٹا نہیں سکتا تھا۔ اس کا ہاتھ فٹ بھر دور بھی نہیں جاتا اور میں سے شوٹ کر دیتا۔ اس کی طرف توجہ نہ دیتا تو بنٹی عقب سے آ جاتی۔ کرمین کے چہرے پر شدید کش مکش کے ثرات تھے۔

''کرم دین! میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور یہ بھی تمہیں مارنے کے لئے نہیں لے جا رہے ہیں، میں نتا ہوں تمہارا تعلق ایک معزز خاندان سے ہے۔''

''بکواس مت کرو..... روکو اسے، ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔'' اس نے ہیجانی لہجے میں کہا۔

''بنٹی رک جاؤ۔'' میں نے اضطراری لہجے میں کہا لیکن بنٹی اتنی دیر میں پستول نکال چکی تھی۔ اس نے ہاتھ رکیا۔ کرمین نے اپنے پستول کے ٹریگر پر دباؤ ڈالا، مگر بنٹی چست ثابت ہوئی تھی، کرمین نے گولی چلانے میں یہ سیکنڈ کے دسویں حصے کی تاخیر کی تھی۔ ایک دھماکے سے میں نے کرمین کے سر کو بکھرتے دیکھا تھا۔ اس کی لی میرے سر میں لگنی چاہئے تھی لیکن لگی نہیں کیونکہ پستول سے صرف کلک کی آواز آئی تھی۔ کرمین خادم شاہ کی ا پر جا گرا تھا۔

''احمق..... یہ کیا، کیا؟'' میں نے بنٹی سے کہا، وہ بھی سکتے میں کھڑی تھی۔

کرمین بلاشبہ مر چکا تھا، گولی اس کی دائیں کنپٹی میں داخل ہوئی تھی اور ماتھے کو پھاڑتی ہوئی سامنے سے لی تھی۔ بنٹی نے مجھے مروانے کا پورا بندوبست کر دیا تھا لیکن یہ قدرت کی مہربانی تھی جو میں زندہ تھا۔ میں نے کے ہاتھ سے پستول لیا تو وہ چونکی پھر تیزی سے باہر لپکی۔ میں نے خادم شاہ کا معائنہ کیا، وہ گردن ٹوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے سے جاں بحق ہوا تھا۔ البتہ اس کا معیاری نمونہ جو اصل سے خاصا کم تر تھا فی الحال زندہ تھا۔ البتہ بازو کہنی سے ٹوٹ جانے سے نیم جاں ہو رہا تھا لیکن جب شوٹنگ کے دوران اس کے بلاوجہ جاں بحق ہونے کا امکان ہو تو وہ بے ہوش بن کر لیٹ گیا کہ بے ہوش ہونا مرنے سے بہتر ہی تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ ہلایا تو اس نے پھر ذبح کئے جانے والے بکرے کی سی آواز نکالی۔ ''شکر ہے ایک تو زندہ ہے۔''

وہ اٹھ بیٹھا۔ ''کیا ہوا استاد کو؟''

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' میں نے ہمہ صفت قسم کا جواب دیا۔

''اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔ وہ اٹھ کر خادم شاہ کی طرف جھپٹا۔ اسے جھنجھوڑنے اور بیوہ ہو جانے والی بیویوں کی طرف واویلا کرنے لگا۔ میں نے اسے شانے سے پکڑ کر اٹھایا۔ ''صبر کرو..... تمہارا استاد اتنی ہی عمر لے کر آیا تھا۔ یہ بتاؤ کہ یہاں ہوا کیا تھا؟''

''پتا نہیں جی!'' اس نے بھوں بھوں کر کے روتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطلب ہے..... میں نے اسے استاد کے حکم پر ہلایا اور اس نے مجھے دیوار کی طرف اچھال دیا۔ میرا سر دیوار سے لگا تھا۔'' اس نے ملاحظے کے لئے اپنا سر میرے سامنے کیا۔ ''جب مجھے ذرا ہوش آیا تو استاد ایسے ہی پڑا تھا، میں نے لپک کر اس کے سر پر پستول کا دستہ مارنے کی کوشش کی تو.....'' اس نے اپنے بازو کی طرف دیکھا۔

''تم اس کے سر پر دستہ مارنے کے بجائے گولی مارتے تو اس سے بچ جاتے، باہر تمہارے دو ساتھی ہیں ناں.....؟''

اس نے سر ہلایا۔

''ان کو مطلع کرو۔'' اس نے اپنا بازو دوسرے ہاتھ سے تھاما اور کرمین کی طرف دیکھا۔

''اسے کس نے مارا ہے؟''

''تمہاری مالکن نے..... بنٹی نام ہے اس کا۔'' میں نے اس کا بازو دیکھا اور ابھی اس کے بارے میں کچھ کرنے کا سوچ رہا تھا کہ باہر سے برسٹ چلنے کی آواز آئی۔ آواز دھیمی تھی اور واضح طور پر کوٹھی کے باہر سے آئی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے، دشمن آ پہنچا ہے۔''

اس کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ ''کک..... کون دشمن!''

''اس کے والی وارث!'' میں نے کرمین کی طرف اشارہ کیا۔ اس اثنا میں باہر بے تحاشا فائرنگ ہونے لگی۔ میں نے استاد مرحوم کی شاٹ گن اور گولیوں والی بیلٹ اتاری۔ ''تم یہیں رکو اور کوئی اندر آنے کی کوشش کرے تو اسے شوٹ کر دینا۔''

''میرا سیدھا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں..... الٹے ہاتھ سے تم نشانہ نہیں لے سکتے مگر گولیاں تو چلا سکتے ہو!''

میں باہر آیا۔ فائرنگ کوٹھی کے سامنے والے حصے میں ہو رہی تھی۔ میں نے پہلے اپنے کمرے میں دیکھا۔ بھاگ بھری سہمی بیٹھی تھی۔ ''صاحب، یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''تم فکر مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تمہیں کوئی.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا جملہ ہونے والے شدید دھماکے کی وجہ سے ادھورا رہ گیا تھا۔ دھماکا کوٹھی کے سامنے والے حصے میں ہوا تھا کسی نے دستی بم پھینکا تھا، میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ کیا فتح خان اینڈ کمپنی نے دھماوابول دیا تھا! میں نے جلدی سے بھاگ بھری کا ہاتھ پکڑا۔ ''جلدی کرو، چلو یہاں سے۔''

اس نے اپنے جوتے پہنے۔ سویٹر وہ پہنے ہوئے تھی۔ نکلتے نکلتے اس نے اپنی شال اٹھالی۔ گیلری میں دھواں بھرا ہوا تھا اور اس دھویں سے ایک شخص نمودار ہوا۔ میں نے اسے پہچان کر گولی چلانے میں ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو اس نے ہمیں چھلنی کر دیا ہوتا۔ وہ استاد مرحوم کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ دھماکے کے بعد وہ اچھل کر پھر سے دھویں میں روپوش ہو گیا تھا۔ میں دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ یہ راستہ کوٹھی کے عقبی حصے میں جاتا تھا۔ یہ دشمن فتح خان تھا یا کوئی اور، اس وقت ہمارے لئے برابر کا خطرناک تھا اس کے ہاتھ آنے کا مطلب یقینی وفات تھی، ہمارا اس کوٹھی سے جلد از جلد نکل جانا ضروری تھا۔ ہم عقبی طرف سے نکلے۔ بھاگ بھری سہمی ہوئی تھی لیکن ہمت سے میرا ساتھ دے رہی تھی، میں نے دونوں طرف دیکھا مگر مجھے عقبی دیوار ذرا چھوٹی لگی میں نے بھاگ بھری سے کہا۔ ''اس پر چڑھ کر دوسری طرف اتر سکتی ہو۔''

اس نے پریشانی سے دیوار کو دیکھا۔ ''کوشش کروں گی بھائی!''

میں پہلے دیوار پر چڑھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اسے کھینچ لیا۔ اس عمل سے اسے خاصی تکلیف ہوئی لیکن مجبوری تھی۔ دوسری طرف دیوار سے زمین زیادہ نیچی تھی۔ اسے میں نے بڑی مشکل سے سنبھال کر اتارا تھا اور جس وقت اس کے پاؤں زمین پر لگے، مجھے کوٹھی کی جانب سے حرکت کا احساس ہوا۔ ایک مسلح شخص اندر سے برآمد ہوا تھا، مجھے دیکھتے ہی اس نے رائفل سیدھی کی اور میں سرک کر دیوار سے نیچے گر گیا۔ اگر میں سچ مچ گرا ہوتا تو اس ترچھی ڈھلان پر نہ جانے کہاں جا کر رکتا لیکن میرا دایاں ہاتھ منڈیر پر جما ہوا تھا۔ آنے والے نے لگاتار چار پانچ گولیاں چلائی تھیں۔ میں نے بھی رائفل دیوار کے اوپر کر کے دو فائر کئے تھے اور پھر اچک کر دیکھا۔ آنے والا بڑی بدحواسی کے عالم میں واپس عمارت میں گھس رہا تھا۔

''چلو۔'' میں نے بھاگ بھری کا ہاتھ پکڑا اور اسے سہارا دے کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ نیچے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کی حالت ایسی نہیں تھی، ایک جگہ خلا تھا، چار فٹ چوڑا، بھاگ بھری نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں ادھر نہیں جا سکتی بھائی۔''

''میرا کندھا دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ لو۔'' میں نے کہا، اس نے تعمیل کی۔ میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا اور ایک جست میں یہ خلا پار کر گیا۔ ہم دونوں ہی گرتے گرتے بچے تھے۔ خدا نے کرم کیا ورنہ اس کے بعد ڈھلان پر رکنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ خوش قسمتی سے اس جگہ سے برف صاف تھی ورنہ قدم جما کر کھڑے ہونا ہی محال ہو جاتا۔ ہم چلتے ہوئے دوسری کوٹھی تک آئے اس کی دیوار زیادہ اونچی تھی۔ میں کوشش کر کے چڑھ بھی جاتا تب بھی بھاگ بھری کے لئے ناممکن تھا۔ جس جگہ دونوں بنگلوں کی دیواریں مل رہی تھیں، اس جگہ ایک چھوٹا سا نکونی خلا بن رہا تھا۔ اس میں ایک آدمی آرام سے چھپ سکتا تھا۔ میں نے بھاگ بھری کو اس خلا میں بٹھا دیا۔ ''تم یہاں بیٹھو، میں نکلنے کا کوئی راستہ دیکھتا ہوں۔''

''شہباز بھائی!'' اس نے کہا۔ ''اگر میری وجہ سے تم مشکل میں ہو تو بے شک مجھے چھوڑ جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ کوئی بھائی اپنی بہن کو درندوں میں چھوڑ کر جا سکتا ہے؟ تم چپ کر کے بیٹھو جب تک میں آواز نہ دوں، یہاں سے مت نکلنا اور نہ کوئی آواز نکالنا۔''

میں نے پہلے بنٹی کے بنگلے میں جھانکا۔ اس طرف سے منظر واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے کچھ درخت تھے اور کوٹھی کا ایک حصہ بھی سامنے نظر آ رہا تھا۔ بہرحال یہ بات یقینی تھی کہ دشمن پیچھے ضرور آئے گا۔ ڈھلان پر جانا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا، اوپر سے کوئی بھی آرام سے گولی مار دیتا۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور اچھل کر برابر والے بنگلے کی دیوار پر چڑھ گیا، میں دل ہی دل میں بنٹی کا شکر گزار تھا، جس نے اپنے پاپا کے دستانے دیئے تھے۔ ان کی وجہ سے میرا بایاں ہاتھ پوری طرح کارگر تھا۔ ورنہ کھلی فضا میں یہ جلد ٹھیک کرنا کارہ ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف زمین نیچے تھی، لیکن فوراً مجھے کام کی چیز نظر آ گئی۔ یہ بانس اور لکڑی کی بنی سیڑھی تھی جو اس بنگلے کے عقبی حصے میں پڑی تھی، میں نے فوراً چھلانگ لگائی، سیڑھی اٹھا کر دیوار سے لگائی، اوپر چڑھا اور سیڑھی دوسری طرف اتار کر بھاگ بھری کو آواز دی۔ ''بھاگ بھری جلدی آؤ۔''

اب تک بنٹی کے بنگلے کی جانب سے کوئی نمودار نہیں ہوا تھا۔ فائرنگ بھی رک گئی تھی اس کا مطلب تھا کہ مزاحمت کرنے والے افراد مارے جا چکے تھے یا بیکار کر دیئے گئے تھے۔ بھاگ بھری خلا سے نکل کر سیڑھی تک آئی۔ درحقیقت اس کے لئے یہ سیڑھی چڑھنا بھی آسان نہیں تھا اسی لمحے میں نے بنٹی کے بنگلے کی دیوار سے ایک سر نمودار ہوتے دیکھا، شاٹ گن استعمال کرنے کا موقع نہیں تھا، میں نے پستول نکال کر اس طرف دو فائر کئے۔ سر غائب ہو گیا تھا، میں نے نیچے جھک کر بھاگ بھری کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''جلدی آؤ، دشمن آ گیا ہے۔''

بھاگ بھری اوپر چڑھنے لگی، جیسے ہی وہ میرے قریب آئی، میں نے اس کا بازو پکڑ لیا، اس طرح اسے آسانی ہوئی تھی، وہ اوپر آئی اور بنگلے کی طرف سے فائر ہوا بھاگ بھری کو جھٹکا لگا۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی، میں نے اسے کھینچ کر دیوار کے دوسری طرف اتار دیا۔ فائرنگ مسلسل ہو رہی تھی اور گولیاں میرے آس پاس دیوار پر لگ رہی تھیں، میں بھی نیچے کود گیا۔ بھاگ بھری زمین پر ڈھیر تھی اور اس کی رنگت سفید ہو رہی تھی۔

''بھاگ بھری..... تم ٹھیک ہو ناں.....؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا اسی لمحے میری نظر خون پر پڑی جو اس کی پشت سے بہہ کر آ رہا تھا۔

''گولی..... لگی ہے۔'' اس نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ میں نے احتیاط سے اسے پلٹا، گولی دائیں جانب بغل میں ذرا نیچے لگی تھی اور اندر تھی۔ اس طرف پھیپھڑا ہوتا ہے اور وہ متاثر ہوا ہوگا۔ بہرحال زخم جان لیوا نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی، بھاگ بھری کی جیسی حالت تھی، اس میں معمولی سا زخم بھی مسئلہ بن جاتا ہے۔

''بھاگ بھری..... زخم زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ میں ابھی تمہیں اسپتال لئے چلتا ہوں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''نہیں..... بیکار ہے..... میں مر جاؤں گی۔''

''حوصلہ رکھو۔ تم زندہ رہو گی اپنے بابا کے لئے..... ہمارے لئے۔''

مجھے دیوار کی دوسری طرف سے کچھ افراد کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ دشمن پاس آ رہا تھا۔ عقبی طرف سے عمارت کے اوپر جانے کے لئے پختہ سیڑھیاں تھیں۔ میں نے پہلے آنے والوں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیڑھیوں سے چھت کی طرف بھاگا۔ یہ فاصلہ میں نے تیزی سے طے کیا۔ اوپر منڈیر سے جھانکتے ہی مجھے دو افراد بنٹی والے بنگلے کی ڈھلان کے ساتھ آگے بڑھتے نظر آئے میں نے بلاتکلف پستول کی باقی گولیاں ان پر خرچ کر دیں۔ دونوں گرے اور ڈھلان پر لڑھکتے چلے گئے تھے۔ پتا نہیں، زندہ تھے یا مارے جا چکے تھے۔ بہرحال ہمارے پیچھے آنے کے لائق نہیں رہے تھے۔ نیچے آنے کے بجائے میں نے اوپر سے بنٹی کے بنگلے کا معائنہ کیا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی، سکوت تھا، کوئی حرکت نہیں تھی۔ میں نے گھوم کر اس بنگلے کا بھی معائنہ کیا۔ اس کے آگے والے حصے میں ایک سنگل کیبن پک اَپ کھڑی تھی۔ اس کی خستہ حالی بتا رہی تھی کہ اسے سامان ڈھونے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

مجھے خیال آیا، اس پک اَپ کی مدد سے میں یہاں سے نکل سکتا تھا اور بھاگ بھری کو کسی اسپتال تک لے جا سکتا تھا۔ میں نیچے آیا۔ بھاگ بھری دیوار سے ٹکی آہستگی سے سانس لے رہی تھی۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ اسے چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسے اٹھا بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے سے اسے سنبھال رکھا تھا۔ ہم سامنے والے حصے میں آئے۔ اس بنگلے کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے، کھڑکیاں دروازے سارے بند نظر آ رہے تھے۔ پک اَپ کا دروازہ کھلا تھا لیکن اگنیشن میں چابی نہیں تھی، میں نے بھاگ بھری کو فرنٹ سیٹ پر بٹھایا۔ پک اَپ کی موجودگی کا مطلب تھا کہ کوئی نہ کوئی اِدھر موجود تھا۔ میں نے کوٹھی کے دروازوں پر طبع آزمائی کی لیکن وہ اندر سے بند تھے۔ دستک دینے یا شور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو دشمن کو آبیل مجھے مار کہنے کے مترادف ہوتا۔ میں گھوم کر کوٹھی کے دائیں طرف آیا، اس طرف کونے میں ایک چھوٹا سا کوارٹر نظر آ رہا تھا جو کوٹھی کی عمارت سے بالکل الگ تھا۔ میں نے دبے قدموں جا کر کوارٹر کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ کھلا تھا، میں اندر داخل ہوا۔ کمرے میں ایک طرف انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے اور چارپائی پر بچھے بستر پر ایک شخص بے سدھ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ اتنی مار دھاڑ اور فائرنگ کے باوجود اس کے خراٹے لینے کی وجہ اس کے ساتھ پڑی تھی، چمیل چھبیلی، جگ مگاتی اور نازک سی دیسی ٹھرے کی بوتل۔

میں نے وقت ضائع کئے بغیر اس کی تلاشی لی۔ اس کے لباس سے پک اَپ کی چابی کے ساتھ ایک بٹوا بھی نکلا تھا جس میں خاصی بھاری رقم تھی، میں نے رقم نکال کر بٹوا اس کے اوپر ڈال دیا اور دروازہ بھیڑ کر باہر نکل آیا۔ بھاگ بھری کی حالت پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ میں آتے ہوئے ایک چادر بھی لیتا آیا، اس کی پٹیاں پھاڑیاں اور باقی چادر کی گدی بنا کر اس کے زخم پر رکھ کر اوپر سے پٹیاں باندھ دیں۔ اس کے بعد پک اَپ اسٹارٹ کرنے کا دشوار گزار مرحلہ آیا۔ بمشکل وہ اسٹارٹ ہوئی تھی، سردی سے اس کا انجن بالکل مردہ پڑا تھا۔ بہرحال ایک بار اس میں جان آئی تو یہ مرحلہ بھی سر ہوا۔ مجھے دشمنوں کی پسپائی پر حیرت تھی، ہمیں اس کوٹھی میں آئے خاصی دیر ہو چکی تھی لیکن ان کی طرف سے دو افراد مارے جانے کے بعد سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا۔ گیٹ کے پاس آ کر میں نے گیٹ کھولا اور حفظ ماتقدم کے طور پر باہر بھی جھانک لیا، کہیں کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو مگر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور پک اَپ پوری رفتار سے دوڑا دی۔ بظاہر خستہ حال ہونے کے باوجود انجن، ٹائر اور سسپنشن بہترین حالت میں تھے۔ نیچے آنے تک میں مسلسل عقبی آئینے میں دیکھتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا مگر کوئی تعاقب میں نہیں آیا تھا۔ لگتا تھا اس جنگ میں سبھی مارے گئے تھے۔ مجھے بنٹی اور ٹینا کا افسوس تھا۔ وہ کردار کی کیسی ہی سہی لیکن انہوں نے میری مدد کی تھی، امکان یہی تھا کہ وہ بھی ماری جا چکی ہوں گی۔ دستی بم جیسا مہلک ہتھیار لے کر آنے والے قتل و غارت گری کے ارادے سے آئے تھے۔

☆======☆======☆

اب مجھے فتح خان کے آدمیوں کی فکر تھی۔ وہ اس پوری ہائی وے پر ہمیں تلاش کرتے پھر رہے تھے اور ان سے ٹکراؤ کی صورت میرے لئے مقابلہ کرنا دشوار ہو جاتا، میرے ساتھ زخمی بھاگ بھری تھی جسے جلد از جلد اسپتال لے جانا ضروری تھا۔ وہ کبھی کبھی درد سے کراہ اٹھتی تھی۔ مجھے اس نازک سی لڑکی کے حوصلے پر رشک آیا یا شاید اسے تکلیف برداشت کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ ورنہ میں نے استاد مرحوم کے معیاری نمونے کو اپنا بازو تڑوانے کے بعد واویلا کرتے دیکھا تھا۔ گولی کا زخم اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

''پانی..... بھائی!'' بھاگ بھری نے کراہ کر کہا۔

پک اَپ کیبن میں پانی نام کی کوئی شے نہیں تھی مگر ذرا آگے ایک پیٹرول پمپ تھا۔ اس کے ساتھ دو تین دکانیں بھی تھیں۔ میں نے ایندھن دیکھا، ٹنکی نصف تھی لیکن میں نے اسے بھروانے کا فیصلہ کیا۔ پک اَپ رکتے ہی ایک پیٹرول بوائے بھاگا ہوا آیا۔ میں نے نیچے اترتے ہوئے اسے چابی تھمائی۔ ''ٹنکی فل کر دو۔''

ایک دکان کھلی تھی، یہ جنرل اسٹور تھا، میں نے اس سے انرجائل کا ڈبا اور منرل واٹر کی چند بوتلیں لیں جب تک ادائیگی کر کے آیا، پک اَپ کی ٹنکی فل ہو چکی تھی اور لڑکے نے اسکرین بھی صاف کر دی تھی، پیٹرول کی قیمت کے علاوہ میں نے اسے معقول ٹپ بھی دی۔ پک اَپ میں بیٹھ کر میں نے ایک بوتل میں آدھا ڈبا انرجائل ڈال کر بوتل کو ہلایا اور بھاگ بھری کو دیا۔ ''اسے تھوڑا تھوڑا کر کے پیتی رہو، اس سے توانائی ملے گی۔''

بھاگ بھری نے بے تابی سے بوتل منہ سے لگا لی تھی۔ پک اَپ میں ہیٹر بھی تھا، اس وجہ سے کیبن کا درجہ حرارت باہر کی نسبت خاصا بہتر تھا۔

ڈرائیونگ کے دوران میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس علاقے میں کوئی ایسا اسپتال کہاں تھا جس میں بھاگ بھری کو طبی امداد مل سکے۔ مری میں ایسے کئی اسپتال تھے لیکن وہاں تک جانے میں خاصا وقت لگتا اب تک مجھے راستے میں کوئی گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ موسم کے پیش نظر ٹریفک بالکل ہی بند تھا۔ ممکن ہے فتح خان کے آدمیوں نے اپنی توجہ نچلے علاقوں کی طرف مرکوز کر لی ہو، اس وجہ سے اب تک میرا کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔ مجھے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک گھنٹا ہو چکا تھا۔ بھاگ بھری اگرچہ خود کو سنبھال رہی تھی لیکن اس کی حالت گزرتے وقت کے ساتھ ابتر ہو رہی تھی۔ وہ وقفے وقفے سے پانی پی رہی تھی۔ ایک بار اس نے پہلو بدلا تو میری نظر نشست پر گئی تھی۔ وہاں خون لگا تھا۔ یعنی پٹی بھی خون سے تر ہو چکی تھی۔ ''بھاگ بھری حوصلہ کرو..... بس کچھ دیر کی بات ہے، تم اسپتال میں ہو گی۔''

''ادھر اسپتال کہاں ہے۔'' اس نے کراہ کر کہا۔ ''ایک بار فتح خان نے مجھے بتایا تھا، کوئی زخمی ہو جائے تو اسے علاج کے لئے مری لے جانا پڑتا ہے۔ سردیوں میں سب بند ہو جاتا ہے۔''

مجھے بھی یہی لگ رہا تھا اگر بھاگ بھری کو بچانا تھا تو اسے نیچے مری تک لے جانا لازمی تھا، میں نے پک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اَپ کی رفتار بڑھا دی۔ سڑک صاف تھی اور برف بھی ہٹائی جا چکی تھی۔ اس لئے مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ ایک جگہ سڑک کے بائیں جانب پتھروں سے بنی دیوار تھی۔ جن جگہوں پر سڑک کے اوپر مٹی نرم پڑ جاتی تھی تو پتھروں کی دیوار بنا دی جاتی تھی اور ان دیواروں پر لوگ اپنے اشتہار لکھ جاتے تھے۔ میں نے ایسے ہی دیوار کی طرف دیکھا تو مجھے کسی ڈاکٹر گریز کا نام نظر آیا، میں نے پک اَپ روکی اور بیک کر کے دیوار کے پاس آیا۔ اس پر ڈاکٹر گریز کے کلینک کا اشتہار تھا۔ کلینک اوپر کی طرف تھا۔ خوش خبری یہ تھی کہ سارے سال اور چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا۔ میں نے پک اَپ موڑی اور دیوار سے ذرا پہلے اوپر جانے والی سڑک پر پک اَپ چڑھا دی۔ مجھے ڈاکٹر گریز کے کلینک کی تلاش تھی۔ کوئی نصف کلو میٹر کے بعد سیدھے ہاتھ پر عین سڑک کے کنارے ایک بڑا سا بنگلا نظر آیا جس پر ڈاکٹر گریز کے نام کی تختی لگی تھی۔ میں نے نیچے اتر کر کال بیل بجائی۔ دو منٹ بعد ایک بوڑھے نوکر جیسے شخص نے دروازہ کھولا۔ ''ہاں، کہو۔''

''میرے ساتھ ایک زخمی مریضہ ہے ڈاکٹر گریز کو دکھانا ہے۔''

اس نے جھانک کر پک اَپ میں دیکھا اور گیٹ کھول دیا۔ ''گاڑی اندر لے آؤ۔ پر ایک طرف روکنا راستہ بند مت کرنا۔''

میں سر ہلاتے ہوئے پک اَپ میں جا بیٹھا۔ بھاگ بھری سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''صاحب، یہ کدھر آئے ہیں؟''

''ڈاکٹر ہے، تمہارا علاج کرے گا۔'' میں نے جواب دیا اور پک اَپ اندر لے آیا۔

اندر سے ایک دبلا پتلا اور لمبا شخص برآمد ہوا۔ اس کی عمر کم سے کم ستر برس تھی لیکن کمر بالکل سیدھی تھی اور آنکھوں میں عقابی چمک تھی۔

''کرم دین۔ کیا بات ہے؟'' اس نے ملازم نما شخص سے پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب، یہ آدمی مریضہ لایا ہے۔''

''میرا نام شہباز خان ہے۔'' میں نے اس کے قریب جا کر ہاتھ آگے کیا۔

''او کے..... دین ناؤ؟'' اس نے ہاتھ اپنی اونی پتلون کی جیبوں سے نکالنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میں نے خفیف ہو کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔ ''میرے ساتھ ایک خاتون ہے، اسے پشت میں گولی لگی ہے۔''

''اوہ!'' وہ یک دم فکرمند نظر آنے لگا تھا۔ ''کرم دین وہیل چیئر لاؤ، ہری اَپ!''

اس وقت وہ ایک پیشہ ور ڈاکٹر نظر آیا تھا جسے صرف اپنے مریض سے دلچسپی تھی، وہ حکم دے کر اندر چلا گیا۔ کرم دین (گزشتہ چوبیس گھنٹے میں یہ دوسرا کرم دین تھا) بھاگ کر وہیل چیئر لایا۔ میں نے احتیاط سے بھاگ بھری کو اتار کر اس پر بٹھایا، پک اَپ کی نشست خون سے تر تھی۔ جس رفتار سے اس کا خون بہہ رہا تھا، اس کا مری تک پہنچنا محال لگ رہا تھا۔ یہ قدرت کی طرف سے مدد تھی جو اس ویرانے میں بیٹھے بٹھائے ہمیں ڈاکٹر مل گیا تھا۔ دو منٹ کے اندر بھاگ بھری ایک معقول قسم کے آپریشن روم میں تھی اور ڈاکٹر گریز اپنے سرجری کے اوزار تیار کر رہا تھا۔ اس نے ایک نظر میں بھاگ بھری کی حالت کا اندازہ لگایا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے تھے۔ اس نے کرم دین سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بیگم صاحبہ کو بلا کر لاؤ۔'' اور مجھ سے بولا۔ ''مسٹر شہباز! آپ باہر تشریف رکھیں۔''

''ڈاکٹر، یہ ٹھیک ہو جائے گی؟''

''ان شاء اللہ، اب آپ باہر جائیں۔'' اس نے عملاً مجھے آپریشن روم سے بے دخل کر دیا کچھ دیر بعد کرم دین ڈاکٹر گلریز سے مشابہ ایک بوڑھی عورت کے ساتھ آیا۔ عورت آپریشن روم میں چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ میں ویٹنگ روم کی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اندر سے یہ بنگلا خوشگوار حد تک گرم تھا یعنی سینٹرلی ہیٹڈ تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر گلریز باہر آیا۔ ''آپ مریضہ کے کیا لگتے ہیں؟''

''بھائی سمجھ لیں۔''

''اوکے!'' اس نے بحث سے گریز کیا۔ ''کنڈیشن یہ ہے کہ بے بی ایکسپائر ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ خون کی کمی پوری کرنے کے لئے اسے پلازما دے رہے ہیں، لڑکی بچ جائے گی پر بچہ مشکل ہے۔''

''ڈاکٹر صاحب! آپ کسی بھی قیمت پر اس لڑکی کو بچائیں۔'' میں نے فوری طور پر جواب دیا۔

''اوکے..... مجھے یہی پوچھنا تھا۔ میری بیوی گائنالوجسٹ ہے، اس کی کوشش ہے کہ بچہ بھی بچ جائے۔''

میں نے یہ کہنے سے گریز کیا کہ ایسے بچے کا دنیا میں نہ آنا ہی بہتر تھا جو ایک جبر کا نتیجہ تھا۔ فتح خان نے بھاگ بھری سے جو نکاح کیا تھا، اس کا مقصد بھی بچے کو جائز قرار دینا نہیں بلکہ بھاگ بھری پر اپنا قبضہ مستحکم رکھنا تھا۔ ''جناب! آپ چائے، کافی کیا لیں گے؟'' کرم دین نے ڈاکٹر کے جانے کے بعد مجھ سے پوچھا۔

''اگر مل جائے تو کافی.....!''

''ساتھ میں کھانے کے لئے کچھ لاؤں جناب!'' اس نے میری طرف غور سے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''اگر مل جائے تو بہت شکریہ..... ورنہ مسئلہ نہیں ہے۔''

صبح سے ناشتے کے بغیر بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ کرم دین نے پوچھا تو مجھے احساس ہوا میرا پیٹ بالکل خالی تھا۔ پندرہ منٹ میں کرم دین کافی کا مگ اور مکھن لگے سلائس لے آیا تھا، میں نے شکر گزاری کے ساتھ کافی کی مدد سے ان کو حلق سے اتارا تھا۔ کرم دین وہیں رہا تھا۔ وہ غالباً ڈاکٹر گلریز کا ذاتی ملازم تھا۔ میں نے اس سے ڈاکٹر گلریز کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر گزشتہ بارہ سال سے اس علاقے میں مقیم تھا۔ ویسے وہ اسلام آباد میں پریکٹس کرتا رہا تھا اور اس نے بہت دولت کمائی تھی۔ ایک طرح سے وہ اب ریٹائرمنٹ کا وقت گزار رہا تھا۔ بیوی ڈاکٹر تھی، وہ بھی یہاں آ گئی، انہوں نے اس جگہ بنگلا بنوایا اور اس کے ساتھ ہی یہ چھوٹا سا کلینک بھی بنوا لیا تھا۔ مقامی لوگوں کے ساتھ باہر سے آنے والے افراد کا علاج بھی کرتے تھے۔ انہوں نے ایمرجنسی کے لئے دوائیں اور سامان رکھا ہوا تھا۔ ''میرے لئے تو ڈاکٹر صاحب فرشتہ ثابت ہوئے ہیں۔'' کرم دین نے کہا۔ ''میں بلندی سے گر گیا تھا، سر پر چوٹ آئی تھی، اندر سے خون رسنے لگا تھا۔ اگر ڈاکٹر صاحب میرا بروقت آپریشن نہ کرتے تو میں شہر جاتے جاتے مر جاتا۔''

''تب سے تم ڈاکٹر کے پاس ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''بہت ہمدرد اور اچھے انسان ہیں، غریب مریضوں کا علاج مفت کرتے ہیں، دوائیاں بھی اپنے پاس سے دیتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن خدمت خلق کا یہ جذبہ وہ جوانی میں اپناتے، جب وہ پریکٹس کے نام پر لوگوں کی کھال اتار رہے ہوں گے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ یہ میری سوچ تھی اور میں نے اسے خود تک محدود رکھا۔ اللہ انسان کو کسی وقت بھی نیک عمل کی توفیق دے سکتا ہے، یہ اس کی مرضی پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گلریز تقریباً ایک گھنٹے بعد اندر سے برآمد ہوا۔ اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''سوری ینگ مین! بے بی نہیں بچ سکا، بٹ گرل از اوکے ناؤ۔''

''شکر ہے، مجھے بھاگ بھری کی فکر تھی۔''

وہ چونکا۔ ''اس کا نام بھاگ بھری ہے؟''

''جی ڈاکٹر! اور یہ ایک بہت مظلوم لڑکی ہے۔ جس بے بی کے آپ ضائع ہونے کا افسوس کر رہے ہیں، وہ جائز نہیں تھا۔ جبر کا نتیجہ تھا۔'' میں نے ڈاکٹر کی انکوائری شروع ہونے سے پہلے اسے سچ بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔

ڈاکٹر نے سر ہلایا۔ ''جائز یا ناجائز، یہ ہم نہیں جانتے..... ہمارا کام کوشش کرنا ہے بہرصورت انسان کی جان بچانے کی۔ یہی ہمارا فرض ہے۔ باقی اوپر والا جانے۔''

''تھینک یو ویری مچ ڈاکٹر! بھاگ بھری کہاں ہے؟''

میری وائف اسے تیار کر رہی ہے، اسے ابھی کمرے میں شفٹ کرنا ہے، تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔ یو سی، ہم دونوں میاں بیوی بوڑھے اور کمزور ہیں۔''

کلینک بنگلے سے متصل کل چار کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک ڈاکٹر کا کمرا تھا جہاں وہ مریض دیکھتا تھا، دوسرا آپریشن روم تھا، ان کے درمیان گیلری نما ویٹنگ روم تھا اور اس کے دوسری طرف دو کمرے مریضوں کے لئے مخصوص تھے۔ جب بیگم گلریز نے بھاگ بھری کو مریضوں والا مخصوص لباس پہنا دیا تو میں نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر اسے کمرے میں منتقل کر دیا۔ اسے پلازما اور طاقت کی ادویات ڈرپ کے ذریعے دی جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر گلریز نے بتایا۔ ''خوش قسمتی سے گولی پسلیوں میں پھنس گئی تھی اور پھیپھڑا بچ گیا ورنہ اسے کسی بڑے اسپتال لے جانا پڑتا۔ اب یہ محفوظ ہے شاید چار پانچ دن میں مکمل کور کر لے۔''

''چار پانچ دن.....'' میں پریشان ہو گیا تھا۔ ''ہم اتنے دن نہیں رک سکتے۔''

''تمہیں کہاں جانا ہے؟''

''اسلام آباد!'' میں نے جواب دیا۔

''اتنی دور تک سفر اس حالت میں..... قطعی ناممکن ہے۔ کم سے کم بھی دو دن رکنا ہوگا۔ اڑتالیس گھنٹے بعد ہی اسے جانے کی اجازت مل سکتی ہے۔ اس کا خون بہت بہہ گیا ہے۔ بچہ بھی اسی وجہ سے ضائع ہوا ہے۔ ایسی حالت میں سفر کرنے سے یہ مر بھی سکتی ہے۔''

''ڈاکٹر میں آپ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے درخواست کی۔

''تم کرم دین کے سامنے بات کر سکتے ہو، اس سے میں کچھ نہیں چھپاتا۔'' وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔

اس جھکی سے مغز ماری کرنے کے بجائے میں نے مطلب کی بات کی۔ ''ڈاکٹر، بات یہ ہے، دشمن ہمارے پیچھے لگا ہے۔ اسے گولی بھی اسی نے ماری ہے اور وہ ہمیں اس جگہ بھی تلاش کر سکتا ہے۔''

ڈاکٹر گلریز کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے تھے۔ ''تم جا سکتے ہو..... لیکن اس لڑکی کے لئے نی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الحال سفر کرنا سفر آخرت کے برابر ہوگا۔"

"اسے چھوڑ کر؟" اس بار میں نے تشویش سے کہا۔

"ہاں، اسے کوئی خطرہ نہیں ہے، میں ایک ذمے دار اور باعزت ڈاکٹر ہوں۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے لیکن میری غیر موجودگی میں کوئی دشمن آ گیا تو آپ اسے کیسے بچائیں گے؟"

"میرا چوکیدار اپنے گھر گیا ہے، ابھی آ جائے گا، اس کے ہوتے کسی کی مجال نہیں ہے جو اس گھر میں قدم رکھ سکے۔"

"میرے دشمن ایک آدھ چوکیدار کے بس کی بات نہیں ہیں، وہ خود کار ہتھیاروں اور دستی بموں کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ میری اور بھاگ بھری کی قسمت اچھی تھی جو بچ کر نکل آئے۔"

"میں اور محافظ بلوالوں گا۔" اس نے جواب دی۔

"آپ فکر نہ کریں جناب! اس علاقے کا بچہ بچہ اسلحہ چلانا جانتا ہے۔" کرم دین بھی بولا۔ "ڈاکٹر صاحب پر سب جان دیتے ہیں۔"

ڈاکٹر گلریز فخر سے مسکرایا تھا۔ "میں تو کہتا ہوں تم بھی رک جاؤ۔ اگر تم کو کسی سے خطرہ ہے تو کھلے میں جانے سے گریز کرو، میرا گھر بہترین پناہ گاہ ہے۔"

"نہیں..... اس گاڑی کی وجہ سے آپ بھی مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اس لئے میں شام ہونے سے پہلے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"جیسی تمہاری مرضی..... لڑکی بالکل محفوظ رہے گی۔"

"میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں، اسے کب تک ہوش آئے گا؟"

"تقریباً چار گھنٹے میں..... ایک گھنٹا گزر چکا ہے مگر زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہے گی۔ اسے پھر پین کلر، انجکشن دینا ہوگا ورنہ تکلیف برداشت سے باہر ہو جائے گی۔"

میں نے سر ہلایا۔ "میں صرف چند منٹ لوں گا۔"

"تب تمہیں انتظار کرنا پڑے گا بلکہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے، آؤ دیکھتے ہیں آج کیا بنایا ہے، ہماری بیگم نے؟"

"وہ کوکنگ کرتی ہیں؟"

"میاں کھاتے رہ جاؤ گے۔" ڈاکٹر گلریز نے فخر سے کہا تھا۔ "ویسے تو باورچی بھی ہے لیکن دوپہر کا کھانا بیگم ہی بناتی ہیں۔"

کوٹھی اندر سے خاصی وسیع و عریض ثابت ہوئی تھی۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور کرم دین کی رہنمائی میں ڈائننگ ہال میں آیا۔ کھانا لگایا جا چکا تھا۔ آبنوس کی طویل میز کے گرد دو درجن کرسیوں کی گنجائش تھی لیکن فی الحال وہاں صرف تین کرسیاں رکھی تھیں۔ کھانے میں چکن کڑاہی تھی۔ نرم چپاتیاں اور چائنیز رائس تھے۔ کھانے سے پہلے سوپ سرو کیا گیا۔ بلاشبہ ڈاکٹر گلریز کی بیگم کے ہاتھ میں ذائقہ تھا، میں نے تعریف کی تو وہ کھل اٹھی۔

"تم اور لوناں..... یہ تو کبھی تعریف نہیں کرتے۔" اس نے شکوہ کناں نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بھئی اور کیا تعریف کروں..... میں تو خود چلتی پھرتی تعریف ہوں۔ تہتر برس کی عمر میں اتنا فٹ، چست اور صحت مند ہوں۔'' وہ چاولوں سے انصاف کرتے ہوئے بولا۔

کھانے کے دوران دونوں میاں بیوی کی نوک جھوک جاری تھی۔ دونوں صحیح معنوں میں مہذب اور وضع دار تھے۔ انہوں نے مجھ سے میرے اور بھاگ بھری کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا اور نہ ہی احسان جتایا تھا۔ کھانے کے بعد سبز قہوہ، الائچی والا سرو کیا گیا۔ نشست گاہ میں ڈاکٹر گلریز اپنی جوانی کے قصے سناتا رہا اور بیگم گلریز اس کی کھچائی کرتی رہی۔ ایسا لگ رہا تھا، دونوں میں لڑائی ہو رہی ہو لیکن اس کے پیچھے چھپی محبت صرف محسوس کی جا سکتی تھی۔ وہ ایک مثبت سوچ کے ساتھ ایک دوسرے کے سہارے عمر کا آخری دور بتا رہے تھے۔ اور اس میں بھی دوسروں کے کام آ رہے تھے۔ میں نے ڈاکٹر گلریز سے فیس کے بارے میں پوچھا۔ ''فیس کیسی..... میں نے ڈاکٹری کو بطور پیشہ بارہ برس پہلے چھوڑ دیا تھا۔ پینتیس برس تک بے حساب کمایا۔ خدا معاف کرے، کبھی امیر غریب کی پروا نہیں کی۔ جی نائن میں میرا کلینک تھا۔ صبح سے شام تک چلتا تھا۔ سونے کی کان تھا۔ کمانے کی دھن میں کبھی پروا ہی نہیں کی کہ اتنا پیسا کیا کرنا ہے۔ اب میں کسی سے ایک پیسا نہیں لیتا ہوں لیکن اتنا سکون پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ سمجھ لو، میں دوسرے طریقے سے کما رہا ہوں۔''

''او کے، تب میں آپ کا شکر گزار ہوں۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ''کیا بھاگ بھری ہوش میں آ گئی ہو گی؟''

''میرا خیال ہے..... آؤ دیکھیں۔''

بھاگ بھری جس کمرے میں تھی، وہ صاف ستھرا اور مختصر سا تھا، اس میں صرف ایک بستر اور ایک دراز تھی۔ وہ ساکت لیٹی تھی لیکن جب میں نے اسے آہستہ سے آواز دی تو اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

''شہباز..... بھائی!''

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تو اب بالکل ٹھیک ہے۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ میں نے زبان سے کچھ نہیں کہا البتہ اسے تھپکتا رہا تھا۔ ''بھاگ بھری..... میں اسلام آباد جا رہا ہوں..... تم ابھی سفر کے قابل نہیں ہو۔''

''نہیں۔'' وہ گھبرا گئی۔ ''میں تمہارے بغیر نہیں رہوں گی۔''

''بھاگ بھری، یہ اچھے لوگ ہیں، میں اطمینان کر چکا ہوں۔ یہ تمہاری پوری طرح دیکھ بھال کریں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ممکن ہے، دو دن بعد میں تمہارے بابا کو لے کر آؤں۔''

''مجھے بھی لے کر چلو۔'' اس نے رونا شروع کر دیا اور اسے سمجھانے بجھانے میں خاصا وقت لگا کہ وہ فی الحال سفر نہیں کر سکتی، جیسے ہی وہ پُرسکون ہوئی، ڈاکٹر گلریز نے اسے مارفین کا انجکشن دے دیا تھا۔

''ڈونٹ وری..... اب یہ تقریباً آٹھ گھنٹے سکون سے سوئے گی۔'' ڈاکٹر گلریز نے مجھ سے کہا۔ ''اس بارے میں تم بے فکر رہو۔ میں اور زکیہ (ڈاکٹر صاحب کی بیگم) مل کر اسے سنبھال لیں گے۔''

☆======☆======☆

میں باہر آیا تو آسمان پر ہلکے سرمئی رنگ کے بادل جمع ہو رہے تھے۔ برف باری کے آثار تھے۔ ڈاکٹر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار مجھ سے ہاتھ ملایا۔ "او کے ینگ مین! مجھے اپنے کانٹیکٹ نمبر دے دو۔"

"میرا تو کوئی نمبر نہیں ہے۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "لیکن میرا وکیل ہے ندیم بھٹی..... اس کا نمبر ہے۔ اگر کوئی مسئلہ ہو تو آپ اس سے رابطہ کر لیجئے گا۔" میں نے اسے ندیم کے نمبر دیئے اور رخصت ہو گیا۔ کرم دین نے احتیاطاً پک اَپ کو کوٹھی کے عقبی حصے میں کھڑا کر دیا تھا۔ نیچے آتے ہی میں نے ایکسلریٹر دبا دیا تھا۔ حالات، واقعات اتنی تیزی سے بدل رہے تھے کہ ابھی میں ایک واقعے کا عادی بھی نہیں ہو پاتا تھا کہ حالات بدل جاتے تھے۔ نت نئے کردار آ رہے تھے اور میں ان کو سمجھ بھی نہیں پاتا تھا کہ وہ رخصت ہو جاتے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا، میں کسی سینما اسکرین کے سامنے بیٹھا ہوں اور پردے پر تیز رفتار واقعات والی فلم چل رہی ہو۔ پہاڑی علاقوں میں شام اور وہ بھی سرما کی شام بہت تیزی سے آتی ہے۔ چار بجے تھے اور اچانک ہی اندھیرے کا احساس ہوا تھا۔ میں نے ہیڈ لائٹس آن کیں اور رفتار سست کر دی، سڑک پر بعض مقامات پر بدستور برف موجود تھی اور ایسی جگہوں پر پک اَپ کو آگے بڑھانے کے لئے ریس دینا پڑتی تھی۔ ایک جگہ دس بارہ گاڑیوں کا قافلہ پھنسا ہوا تھا۔ ان میں زیادہ کمرشل گاڑیاں تھیں، ایک دو پرائیویٹ تھیں یہ لوگ کسی وجہ سے یا برف باری دیکھنے کے لئے اس طرف آئے ہوئے تھے۔ آگے سڑک پر اوپر سے خاصی برف گری ہوئی تھی، جسے ایک بلڈوزر صاف کر رہا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ سڑک کی ڈھلان پر مکانات تھے اور ان کی طرف برف نہیں لڑھکائی جا سکتی تھی، اسے سمیٹ کر آگے کی جانب پھینکا جا رہا تھا۔ کم سے کم دو گھنٹے تک سڑک صاف ہونے کے کوئی امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ تمام گاڑی والوں نے انجن بند کر دیئے تھے۔ میں بھی بند کر کے نیچے اتر آیا۔ آگے ایک شہ زور تھی۔ اس پر اچھی لکڑی کے تختے لدے تھے، میں نے اس کے ڈرائیور سے پوچھا۔

"یار، یہ راستہ کب تک صاف ہو گا؟"

"ایک سے دو گھنٹے میں۔" اس نے جواب دیا، لہجے سے وہ پنجاب کا رہنے والا لگ رہا تھا۔ "برف اوپر سے گر رہی ہے۔ جتنی صاف کرتے ہیں، اتنی ہی اور گر جاتی ہے۔ جب تک اوپر سے گرنا بند نہیں ہو گی، راستہ صاف نہیں ہو گا۔"

میں نے آگے جا کر جائزہ لیا۔ بلڈوزر ایک بار میں خاصی برف سمیٹ کر آگے لے جاتا تھا اور اتنی دیر میں پیچھے پھر خاصی برف جمع ہو جاتی تھی۔ اوپر ڈھلان برف سے بھری ہوئی تھی اور اس سے رہ رہ کر برف سرک رہی تھی۔ درخت اور پودے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں تھی۔ مقامی انتظامیہ کا بلڈوزر اور تین چار افراد کام میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے جا کر ان میں سے سپروائزر کا پوچھا۔ ایک پستہ قامت اور دبلا سا شخص سامنے آیا اور سرکاری انداز میں بولا۔ "کہو، کیا بات ہے؟"

"میری ایک تجویز ہے، کم سے کم یہ گاڑیاں نکل جائیں گی۔"

"وہ کیسے؟" اس نے بے پروائی سے سگریٹ کا کش لیا۔

"وہ ایسے کہ بلڈوزر برف صاف کرتا آگے چلے اور باقی گاڑیاں اس کے پیچھے۔ جہاں جگہ ہو وہاں بلڈوزر ایک طرف ہو جائے اور گاڑیاں آگے نکل جائیں۔"

"اور اوپر سے سلائیڈنگ ہو گئی تو کون ذمے دار ہو گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جس طرح برف گر رہی ہے سلائیڈنگ کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''اوہ..... صاحب! ادھر مجھے جواب دینا ہوگا جب تک سڑک صاف نہیں ہوگی، کوئی گاڑی آگے نہیں جا سکتی ہے۔'' وہ بولا۔ ''ابھی ایک گھنٹا لگے گا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ بدقسمتی سے میری گاڑی سب سے پیچھے تھی، اس وجہ سے میں بلڈوزر کے پیچھے جا بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے انتظار کرنا تھا اور خطرہ تھا کہ اس دوران میں کوئی ادھر نہ آ نکلے۔ ڈھلان پر چھوٹی سی آبادی تھی۔ ایک جگہ مجھے کسی ہوٹل کے آثار نظر آئے۔ میں نے اس طرف جانے کا سوچا اور شدزور کے ڈرائیور سے کہا۔ ''بھائی روانگی کے کوئی آثار نظر آئیں تو ہارن دے دینا میں نیچے تک جا رہا ہوں۔''

''بالکل برادر! تم فکر مت کرو۔'' اس نے یقین دلایا۔

ہوٹل جھگی نما تھا۔ ایک کچی چار دیواری پر ٹین کی چھت تھی۔ اندر مسلسل آگ جلنے سے چھت پر جمع ہونے والی برف پگھل جاتی تھی۔ چھت صاف نہیں کرنی پڑتی تھی۔ میں پانی سے بچتے ہوئے چمڑے کا بھاری پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا۔ اس پردے نے اندر ماحول گرم رکھا تھا۔ ایک لمبی سی میز کے دونوں طرف کوئی درجن بھر افراد تھے اور ان میں سے نصف گاڑیوں سے اتر کر آئے تھے۔ ہوٹل کا مالک مستعدی سے چائے اور کھانے کی دیگچیوں کے درمیان گردش کر رہا تھا کیونکہ نصف افراد کھا رہے تھے اور باقی بار بار قہوہ، چائے طلب کر رہے تھے۔ میں نے بھی قہوہ مانگ لیا۔ ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا سرد کر رہا تھا۔ اس نے پٹخنے کے انداز میں قہوے کا گلاس میرے سامنے رکھا تھا۔ سردی کی وجہ سے ذائقے پر غور کرنے کی فرصت کسی کو نہیں تھی۔ میں نے جلدی جلدی چند گھونٹ لئے۔ ہوٹل کے گرم ماحول میں آ کر اندازہ ہوا کہ باہر کس غضب کی سردی تھی اور دوسرے گلاس کے دوران میں نے اندر کے ماحول کا جائزہ لیا۔ سب خود میں مگن تھے۔ دو افراد مستقل مقامی زبان میں محو گفتگو تھے۔ مزے کی بات ہے کہ بیک وقت بول رہے تھے اور سن بھی رہے تھے۔

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ ہوٹل کا مالک بار بار مجھے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار اس نے اپنے بیرے سے کان میں کچھ کہا، اس نے بے ساختہ میری طرف دیکھا تھا پھر اس نے سر ہلایا۔ میرے اندر شک سر اٹھانے لگا۔ میں جن حالات سے دوچار تھا ایسے میں کسی پر آسانی سے اعتبار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مالک کا بار بار مجھے دیکھنا بلا سبب نہیں تھا اور جب لڑکا اچانک کام کرتے کرتے پردہ اٹھا کر باہر نکلا تو میرا شک یقین میں بدلنے لگا۔ دال میں کالا تھا۔ میں بھی یک دم ہی اٹھا اور لڑکے کے پیچھے نکلا۔ وہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ تاریکی میں اس کا ہیولا سا نظر آ رہا تھا۔ میں ایک منٹ بھی دیر سے نکلتا تو وہ غائب ہو جاتا۔ میں نے اسے دبے قدموں جا لیا اور اس کا بازو پکڑا۔ ''رکو..... کدھر جا رہے ہو؟''

''چھوڑو مجھے۔'' لڑکے نے سرکشی سے بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن میری گرفت میں تڑپ کر رہ گیا تھا۔

''ہوٹل والے نے میرے بارے میں کیا کہا تھا؟'' میں نے اس کا بازو گھما کر عقب کی طرف لاتے ہوئے لاک لگایا۔

اس بار وہ تکلیف سے تڑپ گیا۔ ''چھوڑو مجھے، میں نہیں جانتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے دباؤ ذرا سا بڑھایا اور دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا ورنہ اس کی چیخ پہاڑوں میں گونج کر رہ جاتی۔

''اب تم نے ذرا بھی زور لگایا تو بازو ٹوٹنے کے ذمے دار خود ہو گے۔'' میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اسے آرم لاک لگانے کے دوران کھینچ کر ایک مکان کی آڑ میں لے گیا تھا، اس نے سر ہلایا۔

''آواز مت نکالنا، میرے پاس پستول ہے، ممکن ہے وہ تمہاری آخری آواز ہو۔''

ہم مقامی زبان میں بات کر رہے تھے جو تین چار زبانوں کا مکسچر تھی۔ میں نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا تو وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

''خان جی..... نے مجھے زرگل کے پاس..... بھیجا ہے۔''

''میرے بارے میں کیا کہا ہے اس نے؟''

''اس نے کہا..... کہ زرگل کو بتا دو..... اس کا مطلوبہ آدمی ہوٹل.....''

اسی لمحے مجھے اوپر سے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی اور میں نے بروقت لڑکے کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کوئی آ رہا تھا'' آواز نہ نکلے۔'' میں نے سرگوشی کی۔'' بلاوجہ مارے جاؤ گے، میں دس قتل کر چکا ہوں۔''

درحقیقت میرے ہاتھوں زیادہ ہی لوگ مارے جا چکے تھے لیکن سردست دس افراد کے قتل کا اعتراف بھی اس لڑکے کو دہلانے کے لئے کافی تھا۔ وہ یک دم بالکل ساکت ہو گیا۔ آنے والا ہم سے آگے نکلا میں نے محسوس کیا، وہ ہوٹل کا مالک تھا اسے میرے باہر آنے سے تشویش لاحق ہوئی تھی، لڑکے نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ اس کے ساکت ہونے سے مجھے غلط فہمی ہوئی کہ وہ خاموش رہے گا۔ اس نے اچانک تڑپ کر جھٹکا دیا اور میرا ہاتھ اس کے منہ سے ہٹ گیا۔ میرے لئے اس کی حرکت غیر متوقع تھی۔

''خان جی!'' اس نے پکارا۔ ہوٹل کا مالک اچانک پلٹا اور میں نے اس کے ہاتھ میں کسی چمک دار شے کی جھلک محسوس کی تھی۔ میں نے بروقت لڑکے کو ایک طرف دھکا دیا اور خود دوسری طرف گرا تھا۔ ایک شعلہ لپکا اور میں نے لڑکے کی چیخ سنی تھی۔ گرتے گرتے میں نے پستول نکالا اور ہوٹل کے مالک پر فائر کیا۔ یہ سارا خود کار عمل تھا، جب تک میرا جسم بائیں پہلو کے بل نرم برف سے ٹکرایا، میں پہلا فائر کر چکا تھا۔ مجھے نتیجہ دیکھنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ میں نے گرتے ہی لگاتار فائر کئے۔ اس کا جسم جھولا اور پھر نیچے گرتا چلا گیا۔ میں اٹھ کر لڑکے کی طرف دوڑا۔ وہ شانہ تھامے کراہ رہا تھا۔ گولی شانے میں لگی تھی یعنی خطرے کی بات نہیں تھی۔ میں پستول جیکٹ میں رکھتے ہوئے اوپر کی طرف بھاگا۔ لازمی بات تھی، تھوڑی دیر میں یہاں مجمع ہونے والا تھا اور میں پبلک کے ہاتھ آ جاتا تو میری خیر نہیں تھی۔

جب تک میں اوپر پہنچا، نیچے شور ہونے لگا۔ میں نے تاریکی میں پناہ لے رکھی تھی۔ ایک سنسان جگہ سے سڑک کراس کر کے میں اپنی گاڑی کی طرف آیا۔ خوش قسمتی سے پک پک کے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی۔ میں نے خاموشی سے اندر گھس کر اسے اسٹارٹ کیا اور بیک کرنے لگا۔ جو گاڑیوں والے اوپر تھے، وہ اب نیچے ہونے والے ہنگامے کی طرف متوجہ تھے اس لئے کسی نے پک اَپ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ میں بہت احتیاط سے اسے پیچھے لا رہا تھا کیونکہ تاریکی میں بالکل پتا نہیں چل رہا تھا۔ کوئی دو ڈھائی سو گز پیچھے آ کر مجھے ایک جگہ ملی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پک اَپ موڑی۔ میں نے ایک بار پھر خدا کا شکر ادا کیا کہ فرار کے لئے میرے پاس پک اَپ تھی۔ ورنہ مجھے پیدل ہی فرار ہونا پڑتا۔ سات بج رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے نصف رات سے زیادہ کا وقت ہو چکا ہو۔ میرا تھکن سے برا حال تھا اور فی الحال ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ مجھے کہیں آرام کرنے کے لئے کوئی جگہ ملے۔

قسمت کی خرابی جاری تھی، میں نے فتح خان کے گرگوں سے بچنے کے لئے جس ہوٹل میں پناہ گزین ہونے کا سوچا، اس کا مالک دشمن نکلا۔ اس نے مجھے جس طرح شوٹ کرنے کی کوشش کی تھی، اس سے صاف ظاہر تھا، وہ فتح خان کا آدمی ہے۔ زرگل بھی شاید اس کا ساتھی تھا اور ان کے آنے پر وہ دونوں مل کر مجھے قابو کرنے کی کوشش کرتے، جب اس نے دیکھا کہ میں ہوشیار ہو گیا ہوں تو اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی اور انجام کار میرے ہاتھ سے مارا گیا یا زخمی ہوا۔ بہ خدا اس میں میرے شعور کی ایک فی صد بھی کارستانی نہیں تھی۔ سب کچھ جیسے خود بخود ہوا تھا۔ کوئی تین چار کلو میٹر پیچھے جا کر مجھے اوپر جانے والا ایک راستہ نظر آیا۔ میں نے پک اَپ اس طرف موڑ دی تھی کہ ممکن ہے کہ یہ راستہ آگے جا کر دوبارہ ہائی وے پر نکلتا ہو لیکن کوئی دو سو گز اوپر گیا ہوں گا کہ سڑک ایک پتھریلی فصیل میں لگے فولاد کے بھاری بھرکم گیٹ کے سامنے جا کر ختم ہو گئی۔ پک اَپ کی آواز اور روشنی پر اندر سے فوری طور پر ردِعمل ہوا اور کسی نے ذیلی گیٹ کھول کر جھانکا۔

''کون ہے؟'' جھانکنے والے نے اونچی آواز میں کرخت لہجے میں پوچھا۔

میں نے پک اَپ بند کی۔ ''میں راستہ بھول کر اس طرف آ نکلا ہوں۔'' میں نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔

''کدھر جانا ہے؟''

''جانا تو مری کی طرف رہا ہوں لیکن اس سڑک پر آ گیا۔''

''واپس جاؤ، جس جگہ سے مڑے تھے، اس سے سیدھا چلے جاؤ۔'' مجھے مشورہ دیا گیا۔ جو میں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ اصولاً تو مجھے سردی اور تاریکی کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس سے پناہ کی درخواست کرنی چاہئے تھی لیکن حالات جس طرح پل پل بدل رہے تھے اور مجھے ہر قدم پر ایک نئے دام، ایک نئے پھندے سے واسطہ پڑ رہا تھا تو کہیں اس قلعے میں بھی کوئی نئی آفت میرے پلے نہ پڑ جائے، یہ سوچ کر میں نے واپسی میں عافیت سمجھی۔ پک اَپ گھما کر میں واپس لایا اور اللہ کا نام لے کر سیدھا روانہ ہوا۔ مجھے دور سے گاڑیوں کی وہ قطار غائب نظر آئی، اتنی دیر میں برف صاف ہو گئی تھی یا سردی زیادہ ہونے سے برف جم گئی تھی اور سلائیڈنگ رک گئی تھی۔ میں اس جگہ سے گزرا تو نیچے تاریکی نظر آئی، محض آدھے گھنٹے میں سب نمٹ گیا تھا۔ ممکن ہے وہ شخص مرا نہ ہو۔ اس کے آگے بھی سڑک صاف تھی اور پھر کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی تھی۔ میں سیدھا نکلتا چلا گیا تھا۔ رات گیارہ بجے میں مری شہر میں تھا وہاں میں نے پک اَپ میں ایندھن بھروایا جو خاتمے کے قریب تھا۔ اس کے بعد کا سفر اور آسان تھا۔ ساڑھے بارہ بجے میں اسلام آباد پہنچ چکا تھا۔ اب تک مجھے فتح خان کے گرگوں کی فکر تھی اور جب میں ان سے دور نکل آیا تو مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر کھانے لگی تھی۔ میں نے سب سے پہلے ایک رات بھر کھلے رہنے والے پی سی او سے ندیم کو کال کی۔ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ اس کا نمبر زیرِ نگرانی ہو گا مگر رابطہ تو کرنا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ سوتے سے اٹھا تھا اور میری آواز سن کر چلانے لگا۔

''ابے تُو..... منحوس آدمی..... میرے دن کے سکون اور رات کی نیند کے دشمن..... تُو زندہ ہے۔''

''نہیں، میں عالم بالا سے بول رہا ہوں، باقی افراد کا کیا حال ہے؟''

''مجھے کیا معلوم..... وہ تیرے ساتھ تھے۔''

''یعنی انہوں نے تجھ سے رابطہ نہیں کیا؟''

''نہیں۔'' ندیم نے انکار کیا۔ ''یہ بتا تُو کہاں ہے؟''

''بتایا تو ہے عالم بالا سے بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا، اسی لمحے میری نظر ایک شخص پر پڑی، وہ موبائل پر بات کرتا پی سی او کے سامنے ایک سپر اسٹور سے باہر نکل رہا تھا۔ ''اچھا، میں تجھ سے موبائل پر رابطہ کرتا ہوں۔''

''نمبر یاد ہے ناں..... میرا؟''

''ہاں، وہ تیرے بچوں کا عدد تھوڑی ہے جو میں بھول جاؤں۔''

میں نے ایک نوٹ پی سی او والے کو دیا اور باہر لپکا۔ لڑکے نے پکارا۔ ''بقیہ تو لیتے جائیں۔''

''رکھو یار! پھر آؤں گا تو دے دینا۔''

میں باہر نکل کر تیز قدموں سے اس شخص تک پہنچا جو اپنی مارگلہ کار میں بیٹھنے والا تھا۔ ''ایکسکیوزمی، سر!'' میں نے شائستگی سے کہا۔ ''مجھے آپ کا موبائل درکار ہے۔''

پستول کی جھلک دیکھ کر اس کی گھگی بندھ گئی تھی اور اس نے بات کرتے کرتے بلا چوں و چرا موبائل میرے حوالے کر دیا۔ اس نے آف ہی نہیں کیا تھا میں نے کال کاٹ کر موبائل کا معائنہ کیا۔ عام سا موبائل تھا۔

''کتنے کا لیا تھا؟''

''چار ہزار کا۔'' اس نے حسرت سے کہا۔ وہ ادھیڑ عمر اور شریف آدمی نظر آتا تھا۔ ''ابھی دو ہزار کا کارڈ لوایا ہے۔''

میں نے رقم نکال کر اس میں سے چھ ہزار روپے الگ کئے۔ ''یہ رکھو اور موبائل کی رپورٹ مت کرانا۔ نمبر بھی بند مت کرنا۔ دو دن بعد اس پر رابطہ کرنا، میں بتاؤں گا کہ موبائل کہاں سے لینا ہے۔''

وہ دم بخود رہ گیا تھا اس نے غالباً ایسا موبائل چھیننے والا خواب میں بھی نہیں دیکھا ہوگا جو نہ صرف موبائل اور بیلنس کی ادائیگی کرے بلکہ دو دن بعد موبائل واپس بھی کر دے۔

''تب تم موبائل لے کیوں رہے ہو؟''

''ضرورت ہے، اس وقت کوئی دُکان نہیں کھلی ہے، ورنہ وہاں سے لے لیتا۔''

اس کا خوف کم ہو گیا تھا۔ ''میں جانتا ہوں ایک موبائل کمپنی ہے وہاں سے موبائل بھی مل جائے گا کنکشن بھی اور بیلنس بھی، تم صرف دو دن کے لئے مجھے چھ ہزار دے رہے ہو۔''

''چلو دلوا دو۔'' میں نے کہا اور پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ میں اندر آ گیا۔ اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔

''مجھے نادر شاہ درانی کہتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بے ساختہ ہنسا تھا۔ ''شمشیر ابن شمشیر..... یہ نام تم پر بالکل سوٹ نہیں کر رہا۔''

''بس! ماں، باپ نے رکھ دیا۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''بندہ جو سب سے بڑی چیز ہاتھ سے چلاتا ہے، وہ پین ہے۔ آج تک مرغی بھی نہیں کاٹی، بینکر ہوں۔''

''بندہ بھی کچھ عرصے پہلے تک ایسے ہی شرفا میں شمار ہوتا تھا۔ نام آپ جو مناسب چاہیں دے لیں، اصل نام میں نہیں بتا سکتا۔ بلاوجہ آپ بھی مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

''جیسے آپ کی مرضی مسٹر تھنگ!'' وہ ہنسا۔

''آپ ناچیز بھی کہہ سکتے ہیں۔''

راستے میں مجھے ایک جگہ میکڈونلڈ کا بورڈ نظر آیا اور مجھے یاد آیا، میں نے آخری کھانا کوئی دس گھنٹے پہلے کھایا تھا۔ ''جناب، ذرا دیر کے لئے اس طرف کار موڑ لیں، بندہ بھوکا بھی ہے۔''

کچھ دیر بعد میں اور نادر شاہ درانی ایک میز پر بیٹھے تھے، میں برگر سے انصاف کر رہا تھا اور اس نے اپنے لئے کافی لی تھی، بل میرے منع کرنے سے پہلے اس نے ادا کر دیا تھا۔ وہاں موجود افراد نے میرے حلئے اور بڑھے ہوئے شیو کو مشکوک نظروں سے دیکھا تھا مگر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کھا پی کر ہم باہر آئے۔ ساری رات کھلی رہنے والی دکان ذرا فاصلے پر تھی، میں نے ایک استعمال شدہ سیٹ اور کنکشن لیا بیلنس ڈلوایا اس طرح مجھے ساڑھے پانچ ہزار میں سیٹ مل گیا۔

''اب کہاں جانا ہے آپ نے؟''

''جہاں تقدیر لے جائے، ویسے آپ مجھے اس جگہ اتار دیں جہاں سے لیا تھا تو بڑی مہربانی ہوگی۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''یار! اگر کوئی مسئلہ ہے تو میرے ساتھ چلو، رات گزار کر صبح چلے جانا۔''

میں نے سوچا، نادر شاہ درانی کچھ زیادہ ہی مہربان ہو رہا تھا۔ ممکن ہے وہ یہ سب خلوص سے کر رہا ہو لیکن مجھے محتاط ہی رہنا چاہئے تھا۔ ایک رات کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، میں پک اَپ میں بھی گزار سکتا تھا۔ میں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔

''جیسی آپ کی مرضی۔'' اس نے کہا۔ ''آیئے، میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔''

اس نے ڈھائی بجے کے قریب مجھے پی سی او کے قریب اتارا۔ میں اسے دکھانے کے لئے سپر اسٹور کے اندر چلا گیا۔ وہاں واش روم تھا، اس بہانے وہاں سے بھی ہو آیا۔ جب باہر آیا تو وہ جا چکا تھا۔ میں بھی تیزی سے پک اَپ میں وہاں سے نکل آیا۔ ایک رہائشی علاقے میں خالی پلاٹ میں پک اَپ روک کر میں نے ندیم کو کال کی۔ حسبِ معمول گالیوں سے آغاز کر کے وہ کام کی بات پر آیا۔ ''تم سب نے میری زندگی حرام کر دی..... اس نے رابطہ کیا تھا، تیرا یار عمار ہے..... دو منٹ بات کی تیرے بارے میں پوچھا اور رابطہ ختم کر دیا۔ وہ کنگلا بھی پی سی او سے بات کر رہا تھا۔ میں چلا تا رہ گیا، اس نے کال کاٹ دی۔ اسے بتاتے ہوئے.....''

''یار، میری طرح وہ بھی سڑک پر ہوگا۔ کال کہاں سے آئی تھی، وقت کیا تھا؟''

''جی ٹی روڈ کے ایک پی سی او سے..... راولپنڈی میں ہے۔ کال آج صبح گیارہ بجے آئی تھی بلکہ کل صبح کہہ لے اب..... تو اگلا دن ہو گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ندیم تیرا یہ نمبر محفوظ ہے ناں.....؟''

''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ان لوگوں کی پہنچ بہت زیادہ ہے۔ انتخابات قریب ہیں اور سرکاری حمایت کی وجہ سے مرشد علی کی پوزیشن مضبوط ہے۔ وہ من مانی کر رہا ہے۔'' ندیم تلخی سے بولا۔ ''مقدمات کے سلسلے میں اس نے جو وعدے کئے تھے ان سے بھی مکر گیا ہے۔''

''فی الحال مرشد علی میرا مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ فتح خان ہے۔ وہ ایمن کی وجہ سے میرے پیچھے پڑا ہے۔''

''برٹ شا کی دختر نیک اختر!'' ندیم نے تصدیق چاہی۔ ''میں نے اسے ڈسکوری پر دیکھا ہے، ایک پروگرام کر رہی تھی۔ اس کی درخواست بھی میری نظر سے گزری ہے جو اس نے وزارتِ داخلہ کو دے رکھی ہے۔''

''فتح خان اس کے لئے پاگل ہے۔ برٹ شا زندہ ہے اور اسی کی قید میں ہے۔''

''وہ کس خوشی میں؟''

''یار تُو بھول گیا ہے، ہیروں کا معاملہ ہے۔''

''لیکن تُو کہہ رہا تھا، فتح خان ڈیوڈ شا کے لئے کام کر رہا ہے اور ڈیوڈ شا..... بھلا اپنے کزن کو کیوں زندہ دیکھنا چاہے گا؟''

''فتح خان نے یہ معاملہ اس سے چھپایا ہے۔ اسے ہیرے مل جائیں تو وہ ڈیوڈ شا پر لعنت بھیج کر وسطی ایشیا کے کسی ملک چلا جائے گا اور باقی عمر وہاں عیش سے گزارے گا۔ ہیروں کی مالیت کروڑوں ڈالرز میں ہے۔''

''حکیم قادس کا پتا چلا؟''

''وہ بھی ڈیوڈ شا کی قید میں تھا ہمارے ساتھ تھا۔ پھر ڈیوڈ شا اسے اپنے ساتھ لے گیا۔''

''یہ بھی حیرت انگیز آدمی ہے۔''

''یار، یہ بات راجا عمر دراز تک پہنچانی ہے۔''

''پہنچ جائے گی، اس کا سیکرٹری بیگ یہاں ہے۔ راولپنڈی والے افراد اب اس کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ میری روز اس سے بات ہوتی ہے۔''

''اس کا نمبر دے..... میرے پاس موبائل بھی تھا، سب نیک نام کے ساتھ ضائع ہو گیا۔''

''میں نے خبر پڑھی تھی۔ بم دھماکے میں سات افراد کے مارے جانے کی خبر تھی۔''

''بم دھماکا بکواس ہے، ان کی آمرڈ کار کو ریموٹ کنٹرول بارودی سرنگ سے اڑایا گیا اسے اور کسی طرح سے تباہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔''

''اب تیرا کیا ارادہ ہے؟'' ندیم نے کہا۔ ''میں تجھے بیگ کا نمبر ایس ایم ایس کر رہا ہوں۔''

''تب اللہ حافظ..... بھابی کو سلام کہنا..... اور ان تینوں میں سے کوئی رابطہ کرے تو میرا یہ نمبر دے دینا۔''

میں نے کال ختم کی۔ میں پک اَپ کے تاریک کیبن میں نیم دراز تھا کہ کسی کو نظر نہ آؤں۔ ویسے باہر اور اس کے آس پاس تاریکی تھی۔ سردی شدید تھی لیکن جس قسم کی سردی میں دیکھ کر آ رہا تھا، اس کے مقابلے میں یہ مجھے نارمل لگ رہی تھی۔ میں دونوں نشستوں پر دراز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ندیم کی طرف سے ایس ایم ایس ملا، اس میں بیگ سے بات کرنے کے لئے دو نمبرز تھے، ایک موبائل تھا میں نے اسے ڈائل کیا۔ کچھ دیر بعد اس کی آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئی۔ "فرمایئے؟"

"میں بات کر رہا ہوں..... آپ کا سابقہ مہمان۔"

"اوہ، آپ....." اس نے پہچان لیا مگر لہجہ سپاٹ ہی رہا تھا۔ کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا تھا، وہ کوئی روبوٹ ہے۔ "فرمایئے!"

"راجا صاحب تک اطلاع پہنچا دیں۔ حکیم قادس ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہے اور وہ اب راجا صاحب کے پاس موجود کسی پتھر کی فکر میں ہے۔"

"راجا صاحب کو معلوم ہے۔ مزید کچھ.....؟"

"مجھے ایک ٹھکانا اور رقم کی ضرورت ہے۔"

"ایک ایس ایم ایس کر رہا ہوں، کسی پی سی او سے اس پر بات کیجئے گا لیکن صبح سات بجے۔"

میں نے موبائل بند کر دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ موبائل پر الارم لگا دیا تھا۔ صبح کے ساڑھے تین بج رہے تھے، یعنی میں ساڑھے تین گھنٹے کے لئے سو سکتا تھا۔ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے یہ تو اچھی خاصی نرم نشست تھی، بے شک میرے سائز سے ذرا چھوٹی تھی مگر الارم سے پہلے مجھے کسی اور آواز نے بیدار کیا۔ یہ شیشہ تھپتھپانے کی آواز تھی۔ سات بجنے میں ابھی کچھ وقت تھا، میں نے جیسے تیسے سکڑے اکڑے جسم کو سیدھا کیا۔ کوئی کھڑکی کا شیشہ بجا رہا تھا۔ میں نے شیشہ ذرا نیچے کیا۔

"کیا ہے.....؟ کون ہے؟"

"کون ہے کے بچے! تمہارا باپ ہے، نیچے اترو۔" بولنے کا لہجہ بتا رہا تھا، اس کا تعلق کسی محکمے سے ہے۔

"بس، اسی کی کسر رہ گئی تھی۔" میں نے گہری سانس لے کر سوچا اور شیشہ مزید نیچے کیا۔ "میرا باپ اپنے گاؤں میں آرام سے بیٹھا ہے، اسے راتوں کو آوارہ پھرنے کی عادت نہیں ہے۔"

"تیری تو.....!" آگے ظاہر ہے سب کچھ ہی ناقابلِ بیان تھا۔ میں نے یک دم دروازہ کھولا جو اس کے منہ پر لگا۔ اس کی بک بک بند ہو گئی۔ وہ پیچھے جا گرا تھا۔ صبح کی ہلکی سی روشنی میں، میں نے دیکھ لیا تھا، اس کے پاس اسلحہ نہیں تھا البتہ اس کے پاس سیٹی ہوتی اور وہ بجا دیتا تو مصیبت پڑ جاتی۔ میں نے بروقت اتر کر اس کے ہاتھ پر لات رسید کی وہ سیٹی نکال کر منہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس نے چلا کر گالی دی تو میں نے اگلی ٹھوکر اس کے بوتھے پر رسید کی، وہ معمولی سا سپاہی تھا، مجھ سے شرافت سے بات کرتا تو میں اسے دے دلا کر رخصت کرتا لیکن اس نے پولیس والوں کی مخصوص ذہنیت کا مظاہرہ کیا تھا، وہ منہ دبا کر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ میں نے اس کے دائیں گھٹنے اور پسلیوں پر بھی چند تسلی بخش قسم کی ضربات لگائیں تو وہ بالکل انسان کا بچہ بن کر منت سماجت پر اتر آیا تھا۔ "خدا کے لیے..... اوہ شاہ جی..... بس کر یار۔"

"خدا نہ کرے جو میں تمہارا یار ہوں۔" میں نے اسے آخری ٹھوکر رسید کی۔ "اگر میرا کہیں بھی ذکر آیا تو اس بار تمہارے گھر آ کر ماروں گا۔"

وہ زمین پر پڑا ہائے..... ہائے کر رہا تھا اور میں اطمینان سے پک اَپ میں بیٹھ کر رخصت ہو گیا۔ میری بلا سے وہ رپورٹ بھی کرتا تو پک اَپ اور میرے بارے میں کیا بتاتا۔ شہباز ملک کی طرف کسی کا دھیان نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا۔ مجھے پی سی او مارکیٹ میں ملا تھا اور خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک چائے کا کھوکھا بھی تھا۔ پی سی او والے نے رات کے چارجز دگنے کر دیئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے ایک کپ چائے لی اور پھر بیگ کا دیا ہوا نمبر ملوایا۔ کال خود اس نے ریسیو کی۔ ''کہاں ہیں آپ؟''

میں نے اسے محل وقوع سے آگاہ کیا۔ یہ سیکٹر جی الیون کا ایک علاقہ تھا۔ میں نے نزدیک ہی موجود ایک معروف گیسٹ ہاؤس کا حوالہ دیا۔ اس کے مالک سے میری اچھی جان پہچان تھی لیکن میں فی الحال کسی جانے پہچانے شخص کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔

''میں آدمی بھیج رہا ہوں۔ نیلے رنگ کی مزدا کار میں آئے گا، نمبر ہے پی ای سکس نائن ٹو ایٹ۔ اس کا نام شبیر احمد ہوگا۔''

''میں انتظار کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دے کر فون بند کر دیا۔ پی سی او کے مالک نے مجھ سے بیس روپے طلب کر کے مجھے حیران کر دیا۔ ''کس بات کے بیس روپے..... میں نے مشکل سے دو منٹ بات کی ہے، تمہارا ایک یونٹ بھی نہیں بنتا۔''

''رات کو کال ریٹ دگنا ہوتا ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''اوّل تو سورج نکلنے کے بعد رات نہیں ہوتی، دوسرے دوگنا ہوں تو بھی بیس روپے نہیں بنتے۔''

''میں نے ریٹ بتا دیئے ہیں، دو اور جاؤ..... دماغ کیوں کھاتے ہو؟''

اتنے میں ایک کانسٹیبل ٹہلتا ہوا اس طرف آنے لگا۔ میں نے کہا۔ ''چلو اس سے تصفیہ کرا لیتے ہیں۔''

''چلو، تم دس دے دو۔'' اس نے یک دم ریٹ نصف کر دیا۔

''یہ کی ناں..... تم نے بندوں والی بات۔'' میں ہنسا اور چائے والے سے پوچھا۔ ''تمہارے کتنے بنے یار!''

''پانچ روپے جی۔''

''اتنی زبردست، گرما گرم چائے کے صرف پانچ روپے، ایک کپ اور نکالو یار!''

اس نے خوش ہو کر اپنی بڑی سی کیتلی سے ایک کپ اور نکال کر مجھے دیا۔ میں نے چائے پی اور سو کا ایک نوٹ نکال کر اسے دیا۔ ''دس روپے اسے دے کر باقی تمہارے۔'' میں نے پی سی او کے مالک کی طرف اشارہ کیا تو اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ چائے والا خوش ہو گیا۔

☆======☆======☆

میں گیسٹ ہاؤس کی طرف چل پڑا۔ پک اَپ میں نے ذرا فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ میں نے اسے الوداع کہا۔ اس نے اب تک میرا اچھا ساتھ دیا۔ میں مشکل سے پانچ منٹ گیسٹ ہاؤس کے پاس رہا تھا۔ ایک نیلی کار آ کر وہاں رکی۔ میں نے نمبر دیکھا۔ اس کا نمبر وہی تھا جو مجھے سیکرٹری بیگ نے بتایا تھا۔ اس سے ایک باریش شخص اترا، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، میں نے ہاتھ ہلایا۔ وہ میرے نزدیک آیا۔

''جناب کا نام؟'' اس نے ہاتھ آگے کیا۔

''شہباز احمد۔'' میں نے مصافحہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شبیر احمد جناب۔'' اس نے مطمئن ہونے کے انداز میں کہا۔ ''چلیں جناب!''

ہم کار میں بیٹھے۔ وہ صرف دس منٹ میں آ گیا تھا، اس کا مطلب تھا کہیں نزدیک سے آیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ابھی سب سامنے آ جاتا۔ چھ سات منٹ بعد اس نے کار اسی سیکٹر کے ایک وسیع و عریض بنگلے میں گھما دی تھی۔ اس کا گیٹ پہلے سے کھلا تھا۔ کار پورچ میں رکی اور میں نے وہاں بیگ کو موجود پایا۔ اس نے گرم جوش مسکراہٹ اور بے تاثر آواز سے میرا استقبال کیا۔ ''کیسے ہیں جناب، شہباز صاحب!''

''اللہ کا شکر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ مجھے اندر لایا۔ نشست گاہ تک آتے آتے اس کے چہرے کے تاثرات تشویش انگیز ہو گئے۔ اس نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کو کہا اور خود کچھ دیر کے لئے چپ ہو کر سوچنے لگا۔

''شہباز صاحب، حالات خراب ہو رہے ہیں۔''

''میرے لئے تو خاصے عرصے سے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''اب سمجھ لیں..... پہلے سے زیادہ خراب ہیں۔ مرشد علی اور ڈیوڈ شا کا گٹھ جوڑ حالات کو مشکل بنا رہا ہے۔ راجا صاحب بھی مشکل میں پڑ گئے ہیں۔''

''راجا صاحب، جب چاہیں میری سرپرستی سے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں، راجا صاحب آپ کی وجہ سے مشکل میں نہیں ہیں۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''آپ لوگوں کی وجہ سے راجا صاحب کو مدد ملی ہے۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے؟ اور ہاں، وسیم کے بارے میں کچھ پتا چلا؟ وہ اور اس کی بہن کہاں ہیں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وسیم..... شکیل اور سونیا کا ابھی تک کچھ پتا نہیں ہے۔ درحقیقت مجھے بھی ان کی فکر ہے، ان کا مقامی یونٹ کام کر رہا ہے اور فی الحال میرے پاس ہے۔''

مجھے مایوسی ہوئی۔ میرے سارے ساتھی اور پیارے لاپتا تھے۔ آزاد تھے یا دشمن کی قید میں، میں بالکل نہیں جانتا تھا۔

بیگ نے ایک سرد آہ بھری۔ ''ان لوگوں کے یہاں نہ ہونے سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ بہرحال آپ فی الحال آرام کریں گے۔ ناشتا کچھ دیر میں تیار ہو جائے گا۔''

''میں سب سے پہلے غسل کرنا چاہوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہاں بیگ صاحب، رحمت خان کہاں ہے؟''

''بڑی والی کوٹھی میں ہے۔''

''اس کی بیٹی کو میں نے فتح خان کے قبضے سے نکال لیا ہے۔'' میں نے بیگ کو پتا بتایا۔ ''یہاں پر ڈاکٹر گلریز ہے۔ لڑکی اس کے کلینک میں زیر علاج ہے، اسے گولی لگی تھی۔''

''یہ اچھی خبر ہے، بے چارہ رحمت خان دن رات بیٹی کو یاد کر کے روتا ہے۔''

''لڑکی کو لانا آسان نہیں ہوگا۔ فتح خان کے گرگے اسے تلاش کر رہے ہیں۔ خود فتح خان میری تلاش میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسلام آباد دوڑا آیا ہے۔ یہ جگہ محفوظ ہے تو لڑکی کو بھی یہیں لانا ہوگا۔"

"نہیں لڑکی اور اس کا باپ راجا صاحب کے محل جائیں گے، اب وہ وہاں رہیں گے۔" بیگ نے مجھے آگاہ کیا۔ "راجا صاحب پہلے ہی رحمت خان کو اپنی ملازمت میں لے چکے ہیں۔"

"تب بہتر ہوگا کہ بھاگ بھری کو یہاں بلوانے کے بجائے رحمت خان جائے اور اسے لے کر راجا صاحب کے پاس جائے۔" میں نے تجویز پیش کی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "لیکن راجا صاحب محل میں نہیں ہیں بلکہ وہ لاہور میں ہیں۔"

"لاہور!" میں نے غور کیا۔ "وہ کیوں؟"

"یہ تو وہی جانیں۔" بیگ نے حسب معمول راجا عمر دراز کے بارے میں سوال کا جواب گول کر دیا تھا۔ وہ اپنے باس کا پکا راز دار تھا۔ "ممکن ہے، آپ کو بھی جانا پڑے۔"

"بیگ صاحب، جب تک مجھے میرے ساتھیوں کے بارے میں نہ پتا چل جائے میں کہیں نہیں جا سکتا۔"

"فی الحال تو آپ ناشتا کریں اور آرام کریں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "مجھے جانا ہے اگر مجھ سے رابطہ کرنا ہو تو اس بنگلے میں موجود فون سے اس موبائل نمبر پر کیجئے گا۔" اس نے کہا اور مجھے ایک نمبر دیا۔

میں نے پہلے غسل کیا۔ شیو کی، میرے بال بڑھے ہوئے تھے لیکن فی الحال بے ترتیب نہیں لگ رہے تھے۔ مجھے ایک عدد ٹراؤزر اور ہائی نیک جرسی مل گئی تھی۔ اس کے بعد میں نے ڈٹ کر ناشتا کیا۔ سونے سے پہلے ندیم سے سفیر اور سونا کے بارے میں استفسار کیا لیکن ابھی ان کا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں مایوس ہو کر سو گیا تھا۔ جی ہاں نیند تمام کیفیتوں میں آ جاتی ہے۔ میں پانچ گھنٹے بعد کوئی دو بجے جاگا تھا۔ بنگلے میں باہر وہ شخص تھا جو مجھے یہاں لایا تھا۔ اندر کے کاموں اور کچن کے لئے ایک اور ملازم تھا، اس نے میری فرمائش پر کھانا لگایا۔ کھانا کھا کر میں نے ایک بار پھر ندیم سے رابطہ کیا۔ اس بار بھی کوئی امید نظر نہیں آئی، پھر میں نے فلکسڈ لائن سے بیگ کو فون کیا۔ "میری راجا صاحب سے بات ہوئی ہے، وہ آپ کے صحیح سلامت آنے سے بے حد خوش ہیں، وہ چاہتے ہیں، آپ بھی لاہور آ جائیں۔ یہاں خطرات زیادہ ہیں۔"

"بیگ صاحب! میں کہہ چکا ہوں، جب تک میرے ساتھی....."

"راجا صاحب کے آدمی ان کی تلاش میں ہیں اور مجھے راجا صاحب کی باتوں سے لگ رہا ہے، وہ ان کے قریب ہیں اور ممکن ہے لاہور کے آس پاس ہوں۔ دیکھئے اس علاقے میں مرشد علی بے حد طاقتور ہے۔ اس کا اثر رسوخ ہے اس کے مرید ہیں، میرا نہیں خیال کہ آپ کے ساتھی اس طرف آنے یا یہاں رکنے کی کوشش کریں گے۔"

"ہاں، یہ ممکن ہے۔ بہر حال میرے ایک ساتھی نے میرے وکیل ندیم بھٹی سے رابطہ کیا تھا۔ یہ کل صبح کی بات ہے۔ رابطہ اس نے راولپنڈی سے کیا تھا۔"

بیگ کی آواز میں تشویش کے آثار نظر آئے۔ "یہ اچھی خبر نہیں ہے یا تو وہ اس جگہ سے جا چکے ہیں یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر....."

"میرے ذہن میں بھی یہی خدشات ہیں۔" میں نے اعتراف کیا۔ "اس وجہ سے میرا رکنا اور بھی ضروری ہے اگر میرے ساتھی دشمن کی قید میں جا چکے ہیں تو ان کو چھڑانا ہوگا۔"

"راولپنڈی والا یونٹ پوری طرح سرگرم ہے۔ ہم مرشد علی کے خاص ٹھکانوں کے بارے میں جان چکے ہیں۔ ان کی نگرانی کی جا رہی ہے، مجھے ہر بارہ گھنٹے بعد رپورٹ ملتی ہے لیکن ابھی تک ایسی کوئی رپورٹ نہیں آئی ہے جس سے پتا چلے کہ مرشد علی کے آدمیوں نے کسی کو پکڑا ہے۔"

"ممکن ہے پکڑے جانے کی صورت میں ان کو کسی ایسے ٹھکانے پر لے جایا جائے جس کا علم آپ کو بھی نہ ہو۔ مگر مجھے امید ہے وہ مرشد علی کی گرفت سے باہر ہوں گے۔"

"ان شاء اللہ۔" اس نے خلوص سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں، آپ راجا صاحب کے پاس چلے جائیں، ممکن ہے ان کے پاس آپ کے لئے کوئی خاص خبر ہو، وہ بہت ساری باتیں مجھے بھی نہیں بتاتے ہیں، بس انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو جلد از جلد لاہور کے لئے روانہ کر دوں۔"

"اگر میں نے لاہور جانے کا فیصلہ کیا تو میں خود جاؤں گا۔ اس صورت میں، میں آسانی سے پہنچ جاؤں گا، لاؤ لشکر کے ساتھ روانگی بعض اوقات مروا دیتی ہے۔"

بیگ سے بات کر کے میں نے اپنے اسلحے کا معائنہ کیا۔ میرے پاس ایک پستول تھا لیکن یہ چھینا ہوا تھا اور مجھے پسند نہیں تھا۔ دوسرا پستول سائلنسر والا تھا اور اس کا صرف ایک میگزین تھا۔ میں نے شبیر احمد کو بلایا۔

"مجھے اسمتھ اینڈ ولسن کا اعشاریہ اڑتیس کا پستول چاہئے اور بیکل ہو تو کیا بات ہے ورنہ چینی بھی چلے گا۔"

"اسمتھ اینڈ ولسن تو نہیں ہے۔ لانے میں کچھ وقت لگے گا۔" اس نے جواب دیا۔

"اور بریٹا؟"

"وہ میرے پاس ہے۔" اس نے کہا اور پندرہ منٹ میں مجھے سلور کلر کا بریٹا لا دیا۔ "اصلی ہے، کبھی مسئلہ نہیں کرتا۔ اس کے دو اضافی میگزین ہیں، سولہ گولیوں والے۔"

"وہ بھی لا دو اور یہ دونوں رکھو۔ اگر اعشاریہ اڑتیس مل جائے تو مجھے وہ بھی چاہئے۔"

"تین گھنٹے میں آ جائے گا۔" اس نے یقین دلایا۔ "بڑے اسلحے میں کچھ چاہئے؟"

"نہیں..... یہ کافی ہے۔" میں نے بریٹا چیک کیا اس نے مجھے دو عدد اضافی کلپ بھی لا دیئے تھے۔ سائز میں بڑا ہونے کے باوجود یہ کارکردگی کی وجہ سے تمام ہینڈ گنوں پر بھاری تھا خاص طور سے فورس والوں کا یہ پسندیدہ ہتھیار تھا جیسے ایک زمانے میں تین سو تین کی رائفل فورس کا لازمی حصہ ہوا کرتی تھی۔ چار بجے ملازم نے مجھے فون کی اطلاع دی، دوسری طرف راجا عمر دراز تھا۔

"شہباز! مجھے خوشی ہے، تم ان کا پھندا توڑ کر نکل آئے۔ جال بے حد مضبوط تھا۔ اب تم جتنی جلدی ہو لاہور چلے آؤ۔"

"راجا صاحب! آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میرے ساتھی.....؟"

"شہباز! مجھے ان کی اتنی ہی فکر ہے، جتنی تمہیں ہو سکتی ہے لیکن فی الحال تمہارا میرے پاس آنا بے حد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضروری ہے۔"

میں تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی جو راجا عمر دراز اتنا اصرار کر رہا تھا۔ "سوچو مت شہباز! فون پر لمبی بات مناسب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے راجا صاحب!" میں نے گہری سانس لی۔ "لیکن میں اپنے طور پر آؤں گا۔ وہاں میں آپ سے رابطہ کیسے کروں؟"

"یہ تمہیں بیگ بتائے گا۔" راجا عمر دراز خوش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، امید ہے میں جلد آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

"لیکن شہباز خیال رہے تمہیں اپنی بے حد حفاظت کرنی ہے، یہ ہر چیز پر مقدم ہے۔"

"جی، میں سمجھتا ہوں۔"

"بیگ کچھ دیر میں تم سے رابطہ کرے گا، تم اس سے اپنی ضرورت کی ہر شے لے سکتے ہو۔"

میرا خیال تھا کہ بیگ فون پر رابطہ کرے گا لیکن ایک گھنٹے بعد وہ خود چلا آیا تھا۔ میں کافی پی رہا تھا اور لاہور جانے کے معقول اور محفوظ طریقے پر غور کر رہا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ دشمن راستے کی نگرانی کر رہا ہو گا میری اور میرے ساتھیوں کی خاطر سو دو سو آدمی نگرانی پر لگا دینا مرشد علی کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، دوسرے مجھے حلیہ بدل کر جانا تھا۔ سوچتے سوچتے مجھے خیال آیا اور اس کے ساتھ ہی بیگ بھی چلا آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"بیگ صاحب! میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔ کسی آرمی جیپ اور آرمی آفیسر کی وردی کا بندوبست ہو سکتا ہے، وردی میجر یا کیپٹن کی ہو۔"

"کوشش کر سکتے ہیں، جناب! اصل جیپ تو نہیں ملے گی۔"

"جعلی سے بھی کام چل جائے گا۔ موٹروے کے محفوظ راستے میں دو تین گھنٹے میں لاہور پہنچ جاؤں گا۔"

"بہترین خیال ہے جناب!" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "میں ابھی جاتا ہوں۔ یہ میں آپ کے لئے کچھ رقم اور موبائل لایا ہوں، اس میں راجا صاحب کا نمبر فیڈ ہے۔ آپ ان سے رابطہ کر سکیں گے۔"

"اور اگر کسی وجہ سے مجھ سے موبائل گم ہو گیا یا خراب ہو گیا یا کسی بھی وجہ سے میں راجا صاحب سے رابطہ نہ کر سکا تو....."

"میں بتا رہا ہوں جناب! اس صورت میں آپ مال روڈ پر کیفے فاران کے مالک اسحاق احمد سے رابطہ کریں گے، بہت مشہور جگہ ہے آپ آرام سے پہنچ جائیں گے۔"

"گڈ، وردی اور جیپ کا بندوبست کب تک ہو جائے گا؟"

"میرا خیال ہے صبح تک۔ اس کے لئے مجھے ابھی سے کوشش کرنا ہو گی۔"

"بس تو آپ کوشش کریں۔" میں نے اس سے کہا، اس نے مجھے تقریباً پچاس ہزار روپے اور ایک چھوٹا سا جدید ساخت کا سیل فون دیا۔ میں نے اپنا فون چارج پر لگا دیا تھا۔ بیگ نے مجھے تاکید سے کہا تھا، نکلنے سے پہلے دونوں موبائل مکمل طور پر چارج کر لوں ورنہ راستے میں مسئلہ ہو سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کے جانے کے بعد ندیم سے رابطہ کیا۔ وہ میری آواز سنتے ہی بولا۔ ''یار، وہ سب گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہیں اور فی الحال میں بھی غائب ہو رہا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' میں چونکا۔

''سسرال جا رہا ہوں یار! سالی کی شادی ہے۔ ایک ہفتے بعد واپسی ہو گی۔''

ندیم کی سسرال کراچی میں تھی۔ ''میں بھی جا رہا ہوں۔'' میں نے اسے مختصراً اپنے لاہور جانے کا بتایا۔

''بس یار، خوش رہ، میرے تمام نمبرز آن رہیں گے۔ جیسے ہی مجھے ان کی طرف سے کوئی اطلاع ملی میں تجھے فون کروں گا مگر اتنی دیر میں تو غائب نہ ہو جانا۔''

''یہ تو تقدیر پر ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تُو بھی سسرال جا کر عیش کر۔''

شبیر احمد نے مجھے ایک عدد اسمتھ اینڈ ولسن پستول لا دیا۔ اس کے بھی چار عدد اضافی کلپ تھے اور ایک کام کی شے بریتا پر لگنے والا سائلنسر تھا۔ ''یہ لائے ہو ناں کام کی شے، ان سب کی قیمت کیا ہے؟'' میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

''سر، یہ سب راجا صاحب کا ہے، ہم سب ان کے خادم ہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''پھر بھی یہ تمہارا انعام ہے۔'' میں نے اسے پانچ ہزار دیئے۔

''شکریہ سر!'' اس نے متانت سے رقم وصول کر لی۔

رات کا کھانا کھا کر میں گزشتہ دس بارہ دن کے اخبارات دیکھتا رہا۔ سیاسی سرگرمیوں کے حوالے سے مرشد علی کا خاصا ذکر تھا البتہ میرے حوالے سے کوئی خبر نہیں تھی سوائے شمالی علاقے میں ہونے والے بم دھماکے کے جس میں نیک نام اور اس کے ساتھیوں کی جان گئی تھی۔ اخبارات دیکھنے کے بعد میں نے شبیر احمد سے رات بھر کھلے رہنے والے کسی سیلون کا پوچھا، اس نے بتایا۔ ''اس علاقے میں تو نہیں ہے آپ کو راجا بازار کی طرف جانا پڑے گا یا آب پارہ کی طرف۔''

میں نے آب پارہ کو ترجیح دی۔ شبیر احمد مجھے اسی نیلی حزدا میں لے گیا۔ وہاں ایک شاندار قسم کا سیلون تھا، میں نے بال کریو کٹ کروائے۔ مونچھیں درست کرائیں اور شیمپو کروایا۔ بارہ بجے واپس آ کر میں سو گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ صبح تک بیگ جیپ اور وردی دونوں کا بندوبست کر لے گا۔ میں نے صبح آٹھ بجے کا الارم لگایا تھا، اسے سن کر آنکھ کھلی۔ میں نے ناشتا تیار کرنے کا کہا۔ واش روم سے فارغ ہو کر باہر آیا۔ شبیر احمد بھی آ گیا تھا۔ اس نے مجھے بیگ کا پیغام دیا کہ میں بیدار ہوتے ہی اس سے رابطہ کر لوں۔ میں نے ناشتے سے پہلے اس سے بات کرنا مناسب سمجھا۔ ''جی، بیگ صاحب!''

میری آواز سن کر اس نے کہا۔ ''وردی کوٹھی میں آ چکی ہے اور جیپ عقبی طرف ایک پارک کے ساتھ کھڑی ہے۔ چابی شبیر سے مل جائے گی۔''

''شکریہ بیگ صاحب!'' میں نے فون بند کر دیا پھر مجھے خیال آیا اور میں نے پھر نمبر ملایا۔ ''بیگ صاحب میں رحمت خان کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔''

''وہ کل شام ہی دو افراد کے ہمراہ چلا گیا تھا، اب تک وہ راجا صاحب کے محل پہنچ چکے ہوں گے، میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کنفرم کر کے بتاتا ہوں۔" اس نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ میں ناشتے کی میز پر آ گیا۔ ڈٹ کر ناشتا کرنے کے بعد میں نے وردی طلب کی اور کمرے میں آ گیا۔ یہ بالکل میرے سائز کی تھی، اس کے ساتھ ایک آرمی جیکٹ بھی تھی۔ اس کی اندرونی جیبوں میں دونوں پستول آ گئے اور اضافی میگزین میں نے بیلٹ میں لگا لئے مکمل تیاری کے بعد بڑے سیاہ شیشوں کی عینک نے مجھے سترفی صد تبدیل کر دیا تھا اور غور سے دیکھے بغیر مجھے شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسی وجہ سے میں نے آرمی گیٹ اپ کا سوچا تھا کہ جرائم پیشہ افراد مجھ سے دور رہنے کی کوشش کرتے، عقبی طرف پارک کی سمت جانے کے لئے میں نے عقبی دروازہ استعمال کیا تھا۔ سورج غائب تھا اور بادل برسنے کے لئے تیار نظر آئے تھے۔ سردی بھی غضب کی تھی اس وجہ سے گلیاں سنسان نظر آ رہی تھیں۔ جیپ پارک کے پاس کھڑی تھی یہ مخصوص گہرے سبز رنگ کی دور دراز والی مختصر سی جیپ تھی۔ میں نے دائیں بائیں کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر چابی سے انجن اسٹارٹ کیا، جیپ گھما کر مین روڈ کی طرف لایا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لمحے مجھے ایک داخلی گلی سے ایک سفید کار نکل کر اپنے پیچھے آتی نظر آئی۔ میں نے رفتار تیز کی۔ کار کی رفتار بھی تیز ہوئی تھی۔ میں نے بلاوجہ جیپ کو دو تین گلیوں میں چکر دیئے کار بدستور میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ میں نے گہری سانس لی، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ میرا تعاقب شروع ہو گیا تھا اور تعاقب کرنے والے دوست نہیں ہوتے ہیں۔ میں نے جیپ کا رخ موڑے کی طرف کر دیا۔ انٹرسیکشن سے داخل ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کار بھی پیچھے تھی، میں نے سوچا اور انٹرنس کے پاس موجود موڑے پولیس کے دفتر کے پاس جیپ روکی۔

"کسی افسر کو بلاؤ" میں نے آرمی آفیسر کے مخصوص حاکمانہ لہجے میں کہا۔ اس کی مجھے خوب مشق تھی، میرے دو بھائی آرمی آفیسر تھے۔ ڈیوٹی پر موجود سپاہی نے گھبرا کر مجھے سلیوٹ کیا اور لیس سرکتا ہوا اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس کے ساتھ ایک نوجوان اے ایس آئی آیا۔

"یس سر! حکم؟" اس نے سلیوٹ کر کے کہا۔

"میجر شاہد آفاق!" میں نے کھردرے انداز میں کہا۔ "میرے عقب میں ایک سفید کار آ رہی ہے، مجھے شبہ ہے اس میں مسلح ڈاکو ہیں اور شاید کسی واردات کی نیت سے گھوم رہے ہیں۔ ان کو چیک کرو۔" میں نے عقب میں کھڑی سفید کار کی طرف اشارہ کیا اسی لمحے میں نے دیکھا، سفید کار حرکت میں آئی اور مڑ کر جانے لگی۔ اے ایس آئی اپنی بائیک کی طرف لپکا۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور مسکراتا ہوا انٹرنس پوائنٹ کی طرف جانے لگا۔ موڑے پر آتے ہی جیپ میں نے چوتھے گیئر میں ڈالی اور ایکسلیٹر دبا دیا۔ مجھے ذرا بھی خوشی نہیں تھی کہ دشمن سے میری جان چھوٹ گئی تھی۔ موڑے کے جتنے بھی انچارج تھے، وہاں پر اس کے آدمی میرے منتظر ہوتے بلکہ عین ممکن تھا مجھے موڑے پر گھیر لیا جاتا، بہرحال لاہور تو مجھے جانا تھا۔ میں نے بیگ سے رابطہ کیا۔

"دشمن میری راہ پر لگ گیا ہے۔ بنگلے سے میرا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس وقت میں موڑے پر ہوں۔ اگر میں جیپ کسی جگہ چھوڑ دوں تو اس سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟"

"نہیں، آپ جیپ بے فکری سے چھوڑ دیں، باقی میں دیکھ لوں گا۔"

میں نے رابطہ منقطع کر کے جیپ کی رفتار بڑھا لی۔ ایک سو بیس کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار پر جیپ اُڑی جا رہی تھی۔ درمیان میں ایک جگہ رک کر میں نے ٹنکی بھروائی اور پٹرول پمپ سے متصل شاپ سے کافی لی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارہ بجے میں لاہور کے پاس تھا۔ اسلام آباد کے مقابلے میں یہاں موسم نسبتاً معقول تھا۔

انٹرچینج سے ذرا پہلے میں نے جیپ کو سروس وے پر ڈال کر روک دیا اور جیپ سے اتر کر رینگ کر اس کے موڑے سے اتر گیا۔ اس طرف کھیت تھے۔ اس سے پہلے کہ موڑے پولیس جیپ کو دیکھ لیتی، میں اس سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ سردی کی وجہ سے کھیتوں کی مٹی سخت ہو رہی تھی، جا بجا گندم کے درمیانے قامت کے پودے لہلہا رہے تھے۔ ان کا خوبصورت سبز رنگ آنکھوں کو بھلا لگ رہا تھا۔ میں نے موبائل سگنل دیکھے لیکن دونوں موبائلز پر سگنل نہیں تھے اس زمانے میں موبائل فون سروس زیادہ تر شہروں اور بڑے قصبوں تک محدود تھی۔ کھیتوں سے ظاہر تھا یہ لاہور کا کوئی دیہی علاقہ تھا۔ ابھی تک کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا۔ دو جگہ کتوں نے بلاوجہ میرے منہ آنے کی کوشش کی لیکن میں ان کی بک بک پر دھیان دیئے بغیر چلتا رہا۔

خدا خدا کر کے ایک کچی سڑک کے آثار نظر آئے اور اس پر سبز چارا لے جانے والا ایک ریڑھا دکھائی دیا جسے ایک جھومتا ہوا بیل کھینچ رہا تھا۔ اس ریڑھے کا پائلٹ ایک بارہ چودہ سال کا لڑکا تھا، جس نے خاصی سردی میں بھی محض کرتہ اور دھوتی پہن رکھی تھی۔ جب میں بلکہ وہ میرے پاس پہنچا تو میں نے اسے بیل سے سخت ناراض پایا۔ وجہ ظاہر ہے بیل کی سست رفتاری تھی حالانکہ اس مخلوق کے ٹاپ گیئر اور نیوٹرل گیئر میں زیادہ فرق نہیں ہوتا ہے، بیل ٹاپ گیئر میں چل رہا تھا اور اسے اس بات کی قطعی پروا نہیں تھی کہ یہ سنگل پسلی کا پائلٹ اس کے خاندان کی زنانہ شاخوں سے بار بار الجھ رہا ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر ریڑھا روکنے کا اشارہ کیا اور لڑکے کے اشارے سے پہلے بیل خود رک گیا۔ "کہو جی!" لڑکے نے مجھ سے یا میری وردی سے متاثر ہوئے بغیر کہا۔ "مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے لیکن یہ حرام زادہ..... اس کی تو..... صبح سے ایک رفتار چل رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔" میں اچک کر ریڑھے پر اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ "جہاں جا رہے ہو، مجھے بھی لے چلو۔ ویسے مجھے لاہور جانا ہے۔"

"ادھر جامی شاہ کے ڈیرے پر جا رہا ہوں..... اس کی بھینسوں کا چارا لے کر۔" لڑکے نے بیل کی دُم مروڑ کر اکسلریٹر دیا اور اس نے بادل نخواستہ چلنا شروع کیا۔ پھر اس نے کسی قدر تجسس سے مجھے دیکھا۔ "آپ ادھر کیا کر رہے ہو جی؟"

"پیچھے شکار کھیلنے آیا تھا، گاڑی خراب ہو گئی۔"

"گڈی ایسے ہی چھوڑ دی؟"

"نہیں، میرا اردلی ہے..... وہ لے کر آئے گا۔" میں نے تازہ گھاس کے گٹھے پر دراز ہونے کی کوشش کی۔ وہ بہت نرم تھا، مجھے سیدھا ہونا پڑا۔ لڑکا بیل کو پھر دوسرے لفظوں میں مخاطب کر رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے اپنا نام ریاض عرف راجو بتایا تھا۔ جامی شاہ علاقے کا نامی گرامی شخص تھا۔ راجو نے کھل کر تو نہیں بتایا لیکن اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ جامی شاہ کوئی بدمعاش قسم کی شے تھا، میں نے پوچھا۔

"ادھر سے لاہور جانے کے لئے کوئی گاڑی کہاں سے ملے گی؟"

"جامی شاہ کے ڈیرے سے دو فرلانگ آگے سڑک ہے ادھر سے لاریاں گزرتی ہیں۔ لاہور جانے کے لئے ادھر سے گڈی ملے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے جامی شاہ کے ڈیرے سے پہلے اتار دینا۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''ویسے ڈیرے تک جانے میں کتنی دیر لگے گی؟''

اس سوال پر راجو نے ایک بار پھر بیل کو بے نقط سنائیں اور مجھے آگاہ کیا۔ ''تین چار بجے تک پہنچائے گے۔ یہ حرامی..... اوئے تیز چل..... تیری تو.....'' اس نے اپنی ہانکنے والی چھڑی سے بیل کے ساتھ نہایت نازیبا حرکت کی۔ بیل نے احتجاجی آواز نکالی لیکن رفتار بڑھانے سے گریز کیا۔ میں نے گھڑی دیکھی، ایک بج رہا تھا اور ابھی دو گھنٹے کا سفر کم سے کم باقی تھا اس بار میں رنگ لگنے کی پروا کئے بغیر گھاس پر دراز ہو گیا۔ نیچے سرد گھاس تھی اور اوپر گرم دھوپ، ریڑھے کے ہچکولے جھولوں کا کام دے رہے تھے مجھے ذرا سی دیر میں اونگھ آ گئی پھر بیل گاڑی کا پہیہ کسی گڑھے سے گزرا اور میں چونک گیا۔ دو بج رہے تھے۔ ایک گھنٹے کا پتا بھی نہیں چلا تھا، بیل اسی رفتار سے اس سیدھی کچی سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف اب درخت اور جھاڑیاں تھیں۔

''یار آیا نہیں جامی شاہ کا ڈیرا؟'' میں نے جماہی لی۔

''بس جی کچھ دور ہے۔'' راجو نے پنجابی رواج کے مطابق جواب دیا جس میں فاصلے کو ہمیشہ ذرا دور ہی بتایا جاتا ہے۔

مجھے معلوم تھا یہ ذرا دور ایک گھنٹے سے پہلے نہیں ہو گی اس لئے میں پھر دراز ہو گیا۔ جھولوں نے پھر مجھے سلا دیا۔ اس بار کسی نے درشت انداز میں مجھے جگایا۔ ''اوئے، اٹھ جا۔''

''خدا خیر کرے!'' میں نے اٹھتے ہوئے زیر لب کہا۔

دو دیسی بدمعاشوں کے نمونے بارہ بور کی رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ راجو ایک طرف کھڑا تھا اور مجھے کھڑا ہونے کا حکم دیا جا رہا تھا۔ ''کیا بات ہے، کیوں روکا ہے؟''

''اوئے سیدھا ہو جا..... کدھر جا رہا ہے؟''

''جدھر یہ بیل لے جائے..... مجھے تو لاہور جانا ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔

''جامی شاہ سے تیرا کیا تعلق ہے؟''

''جامی شاہ..... یہ کون ہے؟''

میرے انجان بننے پر سوال کرنے والا مشتعل ہو گیا تھا۔ ''جس کے پاس تُو جا رہا ہے۔''

''میں نے اس لڑکے سے صرف سڑک تک جانے کے لئے لفٹ لی تھی، میرا مطلب ہے ریڑھے پر بیٹھ گیا۔ اس سے پوچھ لو..... کیوں راجو صاحب، ٹھیک کہا ناں میں نے؟''

''جی جناب! یہ تو راستے میں ملے تھے۔''

''بکواس نہ کر، آج کل جامی شاہ اونچی ہواؤں میں اُڑ رہا ہے۔ وردی والوں سے دوستی کر رکھی ہے۔ پر ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لے چل اسے۔'' سوال کرنے والے نے اپنے ساتھی کو حکم دیا اور ظاہر ہے، اشارہ میری طرف تھا۔

''ایک منٹ..... میرا جامی شاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، میں آرمی میں میجر ہوں۔ شکار کھیلنے آیا تھا۔ گاڑی خراب ہو گئی، اب میں واپس لاہور جا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوہ سر جی..... اگر تمہارا بیان درست ہوا تو ہم چھوڑ دیں گے۔'' سوال کرنے والے نے کہا، لہجے سے وہ پڑھا لکھا لگ رہا تھا۔

''دیکھو معاملہ ختم کرو، میں بھی سب بھول جاؤں گا ورنہ بات دور تک جائے گی۔''

''بکواس نہ کر۔'' سوال کرنے والے کا ساتھی میری طرف بڑھا۔ وہ جیسے ہی میرے اور اپنے ساتھی کے درمیان میں آیا، میں نے اس کی رائفل کی نال اوپر کرتے ہوئے اس کے پیٹ میں لات ماری۔ رائفل چلی اور اس کے دھماکے کی آواز میں اس کی دھاڑ دب گئی۔ وہ اپنے ساتھی پر جا گرا جب تک وہ سنبھلتے میں نے پستول نکال لیا۔ ''خبردار..... اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔''

دونوں ساکت ہو گئے، میں نے لات مار کر دوسرے کی رائفل بھی دور پھینک دی۔ ''اب دونوں ہاتھ سروں پر رکھ کر سیدھے ہو جاؤ۔'' انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ لڑکے نے میرے کہنے پر ان کی تلاشی لی۔ سوال کرنے والے کے پاس سے ایک عدد دیسی ساختہ پستول اور بکواس کرنے والے سے خنجر برآمد ہوا تھا۔ میں نے یہ دونوں چیزیں بھی جھاڑیوں میں پھینک دیں۔''

''ہاں تو اب بتاؤ، یہ جامی شاہ کا کیا چکر ہے؟''

''تم سچ مچ جامی شاہ کو نہیں جانتے؟''

''اور کیا کہہ رہا ہوں۔'' میں نے گرج کر کہا۔ ''جامی شاہ کون ہے؟''

''ہمارا دشمن ہے۔''

''اور مجھ سے اس کا کیا تعلق ہے؟''

''وہ جی، آپ اس کے ساتھ جا رہے تھے، یہ جامی شاہ کے ڈیرے پر چارا پہنچاتا ہے۔''

''تم نے اس بیل سے جامی شاہ کا تعلق کیوں دریافت نہیں کیا؟''

سوال کرنے والا کھسیانی ہنسی ہنسا۔ ''وہ جی..... آپ مخول کر رہے ہیں۔''

''مخول تو تم نے میرے ساتھ کیا تھا، اپنی پگڑیاں اتارو۔''

ان کو معلوم تھا کہ پگڑیوں کا کیا کرنا ہے، بادل نخواستہ انہوں نے پگڑیاں اتاریں اور راجو نے ان کی مدد سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ ذرا دور ان کی جیپ کھڑی تھی۔ شاید یہ پہلے سے راجو کی تاک میں تھے۔ میں نے ان دونوں کو جیپ میں لوڈ کیا اور راجو کو ایک سو کا نوٹ دیا۔ ''تم جاؤ اور ہاں، ان کے بارے میں کسی کو مت بتانا۔''

راجو کے جانے کے بعد میں نے ان دونوں سے انٹرویو کیا۔ سوال کرنے والے کا نام سلمان تھا اور بکواس کرنے والے کا فضل۔ ان کا تعلق جامی شاہ کے پیشہ ور حریف نورے شاہ سے تھا۔ وہ جامی شاہ کے حلیفوں اور ملنے جلنے والوں کی نگرانی پر مامور تھے۔ بدقسمتی سے اس بار انہوں نے غلط آدمی کا انتخاب کر لیا تھا۔ ''نورے شاہ کہاں پایا جاتا ہے؟''

''سڑک کے دوسری جانب نورے شاہ کا علاقہ ہے۔'' سلمان نے بتایا۔

''سچ سچ بتانا، دھندا کیا ہے تم لوگوں کا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سوال کا جواب انہوں نے شرافت سے نہیں دیا تھا۔ بہرحال انہوں نے بادل نخواستہ اعتراف کیا کہ اسلحہ رسانی سے لے کر منشیات فروشی تک بے شمار دھندوں میں ملوث تھے جو تعزیرات پاکستان کے تحت جرائم میں شمار ہوتے تھے۔ ''اگر میں تمہیں اس حالت میں جامی شاہ کے ڈیرے کے پاس چھوڑ جاؤں تو.....؟''

''نہیں۔'' فضل نے لرز کر کہا۔ ''رب کے واسطے.....وہ ہمارا دشمن ہے۔''

''تم بھی اس کے دوست نہیں ہو۔'' میں نے طنز کیا۔ ''بہرحال اگر تم میری مدد کرو تو میں تمہیں چھوڑنے کے امکان پر غور کر سکتا ہوں۔''

انہوں نے مجھے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ ''مجھے لاہور جانا ہے۔''

''ہم چھوڑ آئیں گے۔'' سلمان نے تابعدارانہ انداز میں کہا۔

''تو چلو۔'' میں نے اس کے ہاتھ پاؤں کھولے۔ ''ڈرائیونگ تم کرو گے اور کسی دھوکے کے نتیجے میں اپنی ہلاکت کے ذمے دار بھی تم خود ہو گے۔''

فضل بدستور عقبی حصے میں بندھا پڑا تھا۔ سلمان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور میں اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ میں نے روانہ ہونے سے پہلے اسے پھر خبردار کیا کہ کسی غلط حرکت کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ بہتر ہے مجھے لاہور چھوڑ کر وہ واپس آ جائیں۔ سکون اور عافیت کے ساتھ۔ ''تم لوگ اس وقت جامی شاہ کے علاقے میں ہو۔ اگر اس کے آدمیوں نے روک لیا تو.....؟''

میرا سوال سن کر اس کے چہرے پر بارہ بج گئے۔ فضل نے پیچھے سے کراہ کر کہا۔ ''ہم تو مارے جائیں گے ہمارا تو اسلحہ بھی تم نے لے لیا ہے۔''

''میرے پاس پستول ہے لیکن مجھے جامی شاہ سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اگر مجھے روکا گیا تو میں تمہیں ان کے سپرد کر کے اپنی راہ لوں گا۔''

''زیادہ خوش گمانی مت کرو۔'' سلمان نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اگر پکڑے گئے تو بچو گے تم بھی نہیں۔''

''اچھا۔'' میں ہنسا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے تم دونوں نے بھی تو مجھے پکڑ لیا تھا پھر کیا ہوا؟''

سلمان بغلیں جھانکنے لگا۔ ''یہ جامی شاہ کا علاقہ ہے۔'' عقب سے فضل نے مجھے خبردار کیا۔

''اور یہ خیال تمہیں ابھی آ رہا ہے؟'' میں پھر ہنسا۔

جیپ کھیتوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ بعض جگہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ جیپ راستے سے اتر جاتی تھی۔ آگے جا کر راستہ ایک نسبتاً کشادہ کچی سڑک سے ملتا تھا۔ سلمان نے جیپ کی رفتار تیز کی کہ ٹرالے کے آنے سے پہلے کچی سڑک پر جا پہنچے کیونکہ ٹرالا اتنا چوڑا تھا کہ جیپ اسے اوورٹیک نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اس کی کوشش ناکام رہی اور چند سیکنڈ کی تاخیر سے ٹرالا آگے نکل گیا تھا۔ سلمان نے اس کے بارے میں تقریباً انہی خیالات کا اظہار کیا جن کا اظہار کچھ دیر پہلے راجو اپنے بیل کے بارے میں کر رہا تھا۔ سلمان نے ہارن دیا اور چلا کر بولا۔ ''اوئے تیز چلا، اپنی اس بے بے نوں۔''

اوّل تو ٹریکٹر والے نے شور میں سنا ہی نہیں تھا اور اگر سن بھی لیتا تو اس سے زیادہ رفتار سے ٹرالا چلانا ممکن ہی نہیں تھا۔ کچی سڑک پر اتنی گنجائش نہیں تھی کہ جیپ آگے نکل جاتی۔ میں نے محسوس کیا کہ کچھ دیر بعد ٹرالا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُست پڑنے لگا تھا۔ میں جیپ سے اترنے ہی والا تھا کہ ٹرالے کی دیواروں سے تین مسلح افراد نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں خودکار رائفلیں تھیں، ان کا انداز دیکھتے ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا اور میں اٹھتے اٹھتے سیٹ اور ڈیش بورڈ کی درمیانی جگہ میں دبک گیا اور بال بال بچا۔ وہ یوں کہ ایک گولی سر کے بالوں سے رگڑ کھاتی ہوئی گزری۔ اگر سونگھنے کا ہوش ہوتا تو یقیناً بال جلنے کی بو بھی آتی، میں بلاتکلف ایکسلریٹر اور بریک والے حصے میں سر گھسا رہا تھا۔ سلمان نے بھاگنے کی کوشش کی پھر آرام سے اپنی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں نے بمشکل گردن گھما کر اسے دیکھا، سینے میں کوئی نصف درجن سوراخوں کے ساتھ وہ مر چکا تھا۔ فضل کا نہ جانے کیا حال تھا، گولیاں مینہ کی طرح برس رہی تھیں اگر میں اس مضبوط جیپ کے فولادی بونٹ اور انجن کی آڑ میں نہ ہوتا تو اب تک میرا کام بھی تمام ہو چکا ہوتا۔

آفتیں اتنی تیزی سے آ رہی تھیں کہ ان کے بارے میں سوچنے کا وقت ہی نہیں مل رہا تھا اور فی الحال تو جان کے لالے پڑے تھے، اس سے پہلے کے فائرنگ کرنے والے آرام سے نیچے آ کر مجھے بھی آنجہانی کر دیتے، میں نے اپنا بریٹا نکالا اور ذرا آگے سرک کر دروازے والی طرف سے ہاتھ باہر کر کے اندازے سے ٹرالے کی طرف لگاتار کئی فائر کیے، اس کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ فائرنگ میں کمی آئی تھی۔ جیپ کے اوپر ونڈ شیلڈ نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ اس بار میں نے ہاتھ اوپر کر کے فائرنگ کی۔ گولیاں ٹرالے کی فولادی دیوار سے ٹکرائیں۔ ٹن ٹن کرتی آواز آئی تھی۔ میں نے پستول بھی نکال لیا تھا۔

''ہتھیار پھینک دے۔'' کسی نے چلا کر کہا۔ ''ورنہ کتے کی موت مارا جائے گا۔''

''وہ تو ویسے بھی مارا جاؤں گا۔'' میں نے جواباً چلا کر کہا۔ ''میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے، میں ان لوگوں سے لفٹ لے کر سڑک تک جا رہا تھا۔''

''ایسی بات ہے تو ہم پر فائر کیوں کیے؟''

''جان بچانے کے لئے، کیا تم لوگ خیر سگالی کے اظہار کے طور پر گولیاں برسا رہے تھے۔''

''اچھا، اب تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن اپنے ہتھیار پھینک دو۔''

مجھے خیال نہیں رہا کہ مجھے اس طرح باتوں میں لگایا جا رہا ہے۔ میں بریٹا کا میگزین بدل رہا تھا کہ سرد لوہا میرے سر سے آ لگا۔ ''بس، اب ہلنا مت!'' کسی نے لوہے سے بھی زیادہ سرد لہجے میں کہا تھا۔

''اور میں بس نہ کروں تو.....؟'' میں نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو میں تمہارا سر اُڑا دوں گا۔''

''اُڑا دو۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور جیپ سے نکل کر بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔ وہ بھی رائفل پھینک کر مجھ سے چمٹ گیا تھا۔

''شہباز صاحب!'' اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔

''وسیم! میرے دوست، تُو کہاں رہ گیا تھا؟ سونیا اور شکیل کہاں ہیں؟''

''ٹھیک ہیں..... اِدھر ہی ہیں۔''

''تمہارے زخم ٹھیک ہو گئے؟'' میں نے اس کا جسم ٹٹولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں بظاہر بھر گئے ہیں۔" وسیم بولا۔ وہ وسیم ہی تھا، مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں بار بار اسے چھو کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے مسلح ساتھی ہمارے چاروں طرف جمع تھے۔ اچانک وسیم نے چونک کر انہیں دیکھا اور حکم دینے کے انداز میں بولا۔ "سب صاف کر دو اور نکلو یہاں سے۔"

وسیم کے ساتھ کُل چار افراد تھے۔ فضل اور سلمان دونوں مارے جا چکے تھے۔ وہ جامی شاہ کے دشمن تھے اور ظاہر وسیم کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں بنتا تھا۔ جب وسیم کے ساتھی سلمان اور فضل کی لاشیں لے جا کر جھاڑیوں میں پھینک رہے تھے میں اور وسیم ایک طرف آ گئے۔ ابتدائی ردِعمل پر قابو پانے کے بعد میں نے اس سے اس چکر کے بارے میں پوچھا۔

"یہ ذرا لمبا چکر ہے شہباز صاحب..... سکون سے بیٹھ کر بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے ان دونوں بلکہ ان کے ساتھ مجھے بھی مارنے کی کوشش کی وجہ کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، یہ جامی شاہ کے دشمن ہیں۔" اس نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ "ہمیں اطلاع ملی تھی کہ یہ ہمارے علاقے میں نظر آ رہے ہیں۔ پہلے بھی یہ کئی بار جامی شاہ کے علاقے میں گھس کر کارروائیاں کر چکے ہیں، اس بار فیصلہ ہوا کہ ان کو بچ کر نہ جانے دیا جائے۔"

"یہ بے چارہ گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پستے پستے رہ گیا۔" میں نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

وسیم مسکرایا۔ اتنے عرصے میں وہ خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ چہرہ مرجھایا ہوا تھا اور رنگ بھی سانولا گیا تھا۔ وسیم کے ساتھیوں نے پھرتی سے جیپ بھی دھکیل کر ایک طرف کر دی اور ہم ٹرالے میں آ بیٹھے۔ ڈرائیور بدستور ٹریکٹر چلا رہا تھا۔ وہ لوگ سلمان اور فضل کا اسلحہ بھی لے آئے تھے۔ سفر کے دوران وسیم نے مجھ سے اِدھر اُدھر کی چند باتیں ضرور کی تھیں لیکن اس نے نہ تو میرے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا اور نہ اپنے بارے میں کچھ بتایا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ان لوگوں کے سامنے بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ میں نے اپنا موبائل نکالا۔ "اس علاقے میں موبائل سگنل نہیں ہیں۔" وسیم نے بتایا۔ "جامی شاہ کے ڈیرے سے ذرا آگے جا کر سگنل ملتے ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں، تمہیں زیادہ تعجب نہیں ہوا ہے مجھے دیکھ کر۔"

وسیم مسکرایا۔ "مجھے اطلاعات مل رہی تھیں۔ یہ بھی معلوم تھا کہ آپ لاہور آنے والے ہیں لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ ملاقات اس طرح ہو گی۔" وہ بولا۔

ٹرالا کوئی پندرہ منٹ بعد ایک کچی دیوار والے احاطے میں داخل ہوا۔ "یہ جامی شاہ کا ڈیرا ہے۔" وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ٹرالا رکتے ہی ہم اتر آئے تھے۔ آرمی آفیسر کی وردی نے ایک لمحے کے لئے احاطے میں سنسنی پھیلا دی تھی مگر جب وسیم اور دوسرے ساتھی نارمل نظر آئے تو باقی سب بھی سنبھل گئے تھے۔ وسیم مجھے لے کر اندر آیا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا۔ "وردی بدل لیں جناب!"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "کوئی اور لباس مل سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں جناب!"

وسیم مجھے اس جگہ چھوڑ کر چلا گیا۔ احاطے کے اندر سرخ اینٹوں سے بنی پختہ عمارت تھی۔ اس کے عقب میں مجھے کچی کوٹھریوں کی ایک طویل قطار نظر آئی تھی، جس کے سامنے چند گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وسیم دس منٹ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لئے ایک شلوار سوٹ لے آیا تھا۔ "میرا خیال ہے یہ آپ کو مکمل طور پر فٹ آئے گا۔ آپ چیک کر لیں۔"

وسیم کے جانے کے بعد میں نے کپڑے بدلے اور واقعی شلوار سوٹ بالکل میرے ناپ کا تھا۔ پرانا لیکن صاف ستھرا سوٹ تھا۔ اس بار وہ کچھ تاخیر سے آیا تھا۔ کمرا عام سا تھا۔ ایک چارپائی، دو کرسیاں اور ایک چھوٹی سی میز تھی۔ لاہور میں سردی قابل برداشت تھی اور دن کے وقت تو خاصا خوش گوار موسم تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ راجا عمر داد سے رابطے کی کیا صورت ہو گی اور کیا وسیم کو راجا عمر داد کے بارے میں بتا تھا۔ فی الحال وہ جس طرح پیش آ رہا تھا میں نے سوچا اس سے ذکر کرنا مناسب ہو گا یا نہیں۔

وسیم کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ جامی شاہ کے ساتھ تھا اور اس کے آدمیوں کے ہمراہ اس کے دشمنوں کے خلاف ایک خونریز کارروائی میں بھی حصہ لیا تھا لیکن وہ شاید ان پر اعتماد نہیں کر رہا تھا۔ اس وجہ سے اس نے جامی شاہ کے آدمیوں کے سامنے بات کرنے سے گریز کیا تھا اس بار وہ کسی قدر دیر سے آیا تھا۔ وہ کسی قدر پریشان لگ رہا تھا۔ "شاید صاحب! شاید ہمیں کچھ دیر میں یہاں سے جانا پڑے۔"

"آج کے واقعے کی وجہ سے؟"

"یہ وجہ بھی ہے۔ کیونکہ پولیس لازمی طور پر اس کارروائی کرے گی اور آپ کو پولیس کے سامنے نہیں آنا چاہئے۔"

"یہ جگہ لاہور سے کتنی دور ہے؟"

"لاہور میں ہی ہے لیکن شہر سے کسی قدر فاصلے پر ہے۔"

"تمہیں علم ہے راجا عمر داد لاہور میں ہے۔"

"نہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ "مجھے قطعی علم نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم اپنے راولپنڈی والے ایجنٹ سے کٹے ہوئے ہو۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "عادل کی غداری کے بعد میں فی الحال کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ مجھے پتا چلا تھا کہ راولپنڈی والے ایجنٹ میں عادل کے کچھ خیر خواہ ہیں۔"

"اوہ۔" میں مضطرب ہو گیا تھا۔ "شاید اس وجہ سے میرا اسلام آباد سے تعاقب کیا جا رہا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے، راولپنڈی والا ایجنٹ اس وقت راجا عمر داد کے سیکرٹری بیگ کے کنٹرول میں ہے اور میری لاہور روانگی کا انتظام بیگ نے کیا ہے۔"

وسیم بھی پریشان نظر آنے لگا۔ "یہ تو بہت برا ہوا ہے، اس کا مطلب ہے راجا صاحب کی لاہور میں موجودگی بھی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔"

"وسیم فوری طور پر بیگ کو خبردار کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں کہیں فون ہے؟"

"اس طرح تو نہیں ہے۔ کچھ دور ایک جگہ ہے، مگر اس سے بہتر ہے کہ موبائل سے کال کر لیں۔ بس ہمیں ایک گلی میں مڑ دور جانا ہو گا۔"

"وسیم میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

وسیم بگڑا۔ "جناب فی الحال میں نہیں جا سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی بات نہیں، تم مجھے لاہور پہنچانے کا بندوبست کرو۔"

"ہاں، یہ ہوسکتا ہے، آپ تیار ہیں۔"

وسیم مجھے لے کر باہر آیا۔ احاطے میں سے ایک چھوٹی دو نشستوں والی جیپ نکالی۔ وسیم نے جانے سے پہلے ایک شخص کو بتایا کہ ہم باہر جارہے ہیں۔ جیسے ہی جیپ احاطے سے نکلی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ "کیا بات ہے، مجھے تمہارا رویہ بدلا بدلا لگ رہا ہے۔"

وہ چونکا۔ "خدانہ کرے جو میں آپ سے رویہ بدلوں!"

"نہیں، مجھ سے نہیں..... بلکہ اوور آل..... میں تم میں تبدیلی محسوس کررہا ہوں۔"

"کیسی تبدیلی؟"

"مجھے لگ رہا ہے جیسے تم یہاں اپنی مرضی سے نہیں ہو۔"

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "شہباز صاحب، آپ کو کیسے پتا چلا؟"

وسیم، مجھے بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے لیکن میں اس چکر سے نکل سکا تو آپ کو بتاؤں گا۔ فی الحال آپ کا یہاں سے جانا لازمی ہے۔ خوش قسمتی سے جامی شاہ یہاں نہیں ہے ورنہ آپ کا جانا بھی مشکل ہوجاتا۔"

"یعنی تم جامی شاہ کے سامنے مجبور ہو، کس وجہ سے؟"

اس لمحے موبائل کی بپ سنائی دی۔ اس کے سگنل آگئے تھے۔ میں نے بیگ کا نمبر ملایا۔ اس نے فوری طور پر کال ریسیو کی تھی۔

"آپ کہاں ہیں جناب!" بیگ کی مضطرب آواز آئی۔

"میں لاہور سے ذرا فاصلے پر ہوں، بیگ صاحب!" میں نے کہا۔ "میرے ساتھ وسیم ہے، یہ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"وسیم!" بیگ کی آواز میں حیرت تھی۔ میں نے موبائل وسیم کی طرف بڑھادیا۔

"جی بیگ صاحب! میں وسیم بات کررہا ہوں..... بیگ صاحب..... آپ فوری طور پر میرے راولپنڈی یونٹ کو خود سے دور کردیں اور ان کو اپنے کسی پروگرام میں شامل نہ کریں..... جی ہاں، اس وجہ سے بات کررہا ہوں۔ آپ بھی فوری طور پر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ راجا صاحب کو بھی خبردار کردیں۔ جی، میں لاہور میں ہوں، اچھا خدا حافظ!"

"تم مجھے کہاں پہنچاؤ گے؟"

"جہاں آپ کہیں!" اس نے جواب دیا۔

"ایک جگہ ہے مال روڈ پر۔" میں نے کیفے کا پتا بتایا۔ "مجھے یہاں جانا ہے۔"

"میں نے دیکھا ہوا ہے جناب! ایک گھنٹا لگے گا۔" اس نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "وسیم تم بظاہر پوری طرح آزاد ہو، مجھے اس طرح لے کر وہاں سے نکل آئے، پھر تمہاری کیا مجبوری ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔ ''جناب! آدمی کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ہی مجبور نہیں کیا جاتا۔ بعض اوقات آدمی حالات کے بھنور میں جکڑا ہوتا ہے جو نظر نہیں آتی ہیں۔''

میرے اندر کہیں گھنٹی سی بجنے لگی۔ ''تم نے سونیا اور شکیل کے بارے میں نہیں بتایا، وہ دونوں کہاں ہیں؟''

وسیم نے گہری سانس لی۔ ''یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔''

''جامی شاہ کے قبضے میں ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''جب عادل کی غداری کا انکشاف ہوا تو میں برے حال میں تھا، میرے پاؤں میں دو گولیاں لگی ہوئی تھیں۔ اگر شکیل نہ ہوتا تو عادل مجھ پر قابو پالیتا۔ شکیل نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ ہم اسے بے ہوش کر کے نکل آئے تھے۔''

''بعد میں فتح خان نے سانپ کی طرح اسے ڈس لیا جو اسے دودھ پلاتا رہا تھا۔''

''مجھے بعد میں اطلاع ملی تھی۔ سونیا تو پاگل ہو گئی تھی۔ اس کے لئے دہرا صدمہ تھا۔ مشکل حالات میں مجھے جامی شاہ کا خیال آیا تھا۔''

''تم اس کے پاس جا کر پھنس گئے؟''

''ہاں، وہ میرا واقف کار تھا لیکن میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا کمینہ نکلے گا۔ وہ مجھے جانتا ہے اس نے سونیا اور شکیل کو یرغمال بنا لیا۔ وہ مجھ سے اپنے مخالفین کے خلاف کارروائیاں کروا رہا ہے۔''

''وسیم، تم اس کے پاس واپس نہیں جاؤ۔''

''نہیں۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''وہ سونیا اور شکیل کو مار دے گا۔''

''ہم مل کر انہیں جامی شاہ کے چنگل سے نکالیں گے۔''

''پلیز شہباز صاحب! سونیا میرے لئے اس دنیا میں سب کچھ ہے اور میں اس کے لئے ایک فی صد خطرہ بھی نہیں لے سکتا۔'' اس نے التجا آمیز انداز میں کہا۔ ''جامی شاہ نے وعدہ کیا ہے تین مہینے بعد وہ ہمیں جانے دے گا۔''

''جامی شاہ جیسے لوگ کسی وعدے کا پاس نہیں کرتے ہیں۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''میں جانتا ہوں لیکن اس کی سفاکی میں کوئی شبہ نہیں ہے۔''

جیپ اب لاہور کے مضافات میں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم ملتان روڈ کے آس پاس کہیں تھے۔ میں وسیم کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ شدت سے انکار کر رہا تھا۔ تھک ہار کر میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ، میں تم سے رابطہ کیسے کروں گا؟''

''میرا موبائل نمبر نوٹ کر لیں۔'' اس نے مجھے موبائل نمبر بتایا جو میں نے اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا۔

''وسیم تم جامی شاہ پر بھروسا کر کے غلطی کر رہے ہو۔'' میں نے ایک بار پھر کہا۔ ''میرے ساتھ چلو، ہم مل کر سونیا اور شکیل کو اس کے چنگل سے نکال لیں گے۔''

''میں اس پر بھروسا نہیں کر رہا۔ میں اس کے سامنے مجبور ہوں۔''

''وہ تم سے چاہتا کیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس نے کھل کر تو نہیں بتایا لیکن اس کے انداز سے لگ رہا ہے، وہ مجھ سے سرحد پار کوئی کام لینا چاہتا ہے، تب تک وہ مجھے یہاں چھوٹے چھوٹے معاملات میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔''

''سرحد پار.....؟ کون سی سرحد مشرقی یا مغربی؟'' میں نے غور کیا۔

''مشرقی سرحد، بھارت میں کام ہے مگر ابھی مجھے تفصیلات کا قطعی علم نہیں ہے۔''

''وسیم، تم فکر مت کرنا۔ میں اب تک بے خبر تھا لیکن اب میں پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے اس کا ہاتھ دبایا، وہ مسکرایا۔

''شہباز صاحب، ہم اتنے اہم لوگ نہیں۔''

''تم میری محبت اور خلوص کی توہین کر رہے ہو۔'' میں نے خفگی سے بات کاٹی۔ ''میں نے تمہیں، سونیا اور شکیل کو ہمیشہ سفیر اور مونا کی طرح سمجھا ہے۔''

''ارے ہاں، یہ دونوں کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں لیکن فی الحال دشمن کے قبضے میں نہیں ہیں۔'' میں نے اسے ذرا مختصر الفاظ میں گزشتہ چند مہینے کی روداد سنائی جو مجھ پر اور دوسروں پر گزری تھی۔ اس دوران میں جیپ مال روڈ میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ اس شاپنگ سینٹر کے سامنے سے گزری تھی جس سے میں نے اپنے گزشتہ دورۂ لاہور میں موبائل خریدا تھا اور مرتے مرتے بچا تھا۔

''کیفے آنے والا ہے، شہباز صاحب!''

''مجھے اس سے ذرا دور اتارنا۔'' میں نے کہا۔

''میرے ذہن میں بھی یہی آیا تھا۔'' اس نے جیپ سڑک کے کنارے کھڑی گاڑیوں کے درمیان نظر آنے والی خالی جگہ پر گھما دی۔ ''وہ کیفے اس جگہ سے کوئی ایک بلاک آگے ہے لیکن میرا خیال ہے، آپ کا اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''میں سوچ رہا ہوں بیگ سے رابطہ کروں۔'' میں نے کہا اور بیگ کا نمبر ملایا مگر بیل جاتی رہی، وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا، میں نے موبائل بند کر دیا۔ ''شاید وہ موبائل سے دور ہے۔''

''راجا صاحب کا کوئی نمبر ہے؟''

میں نے موبائل میں فیڈ نمبروں کا جائزہ لیا، ان میں ایک نمبر کے ساتھ عمر دراز کا نام تھا۔ میں نے وہ نمبر اوکے کر دیا۔ بیل ہونے لگی۔ دوسری بیل پر راجا عمر دراز نے فون ریسیو کیا۔ ''عمر دراز!''

''میں شہباز بات کر رہا ہوں۔''

''شہباز کہاں ہو تم؟'' راجا عمر دراز نے اضطرابی لہجے میں پوچھا۔

'میں لاہور میں ہوں، بیگ صاحب نے مجھے مال روڈ کے ایک کیفے کے بارے میں بتایا تھا مگر میں وہاں جانا مناسب نہیں سمجھتا۔''

''بیگ کا مجھے فون آیا تھا اس نے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ تم نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب مجھے بتائیں میں آپ تک کیسے آؤں؟''

''ایک منٹ!'' راجا عمر دراز نے مجھے ہولڈ کرایا، وہ دو منٹ بعد آیا۔ ''ہاں تم ایک پتا نوٹ کرلو..... اور کسی بھی ٹیکسی والے کے ساتھ اس پر آجاؤ۔'' اس نے مجھے لبرٹی مارکیٹ کے علاقے میں ایک فلیٹ کا پتا نوٹ کرایا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''اب ہمیں لبرٹی مارکیٹ کی طرف جانا ہے۔''

اس نے جیپ نکالی۔ ''یہ بہتر رہا ہے کہ آپ نے راجا صاحب سے بات کرلی۔''

اس نے جیپ کو آگے بڑھایا۔ ''ہمارے دشمن تیز جا رہے ہیں۔''

''دشمن ہمیشہ سے تیز ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''خاص طور سے جب سے ڈیوڈ شاان میں شامل ہوا ہے۔''

''تم نے درست کہا، اس کے آنے سے پہلے ہمارا پلا بھاری تھا لیکن اب اس نے کامیابی سے ہمیں منتشر کر دیا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''دیکھ لو، ہمارے ساتھی کہاں ہیں، ہمیں کچھ پتا نہیں ہے۔''

وسیم نے سر ہلایا اور کچھ کہنے جا رہا تھا کہ اس کے موبائل نے بیل دی۔ اس نے موبائل نکال کر دیکھا۔ ''جامی شاہ!'' وہ زیر لب بولا اور کال ریسیو کی۔ ''ہاں، شاہ صاحب! میرا دوست تھا..... اسے لاہور چھوڑ کر واپس آ رہا ہوں..... بس اتفاق سے جان پہچان والا بندہ مل گیا..... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... وہ پولیس سے خود چھپ رہا ہے۔''

اس نے موبائل بند کر کے میری طرف دیکھا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا۔ اگر ڈیرے پر جامی شاہ ہوتا تو آپ اس آسانی سے وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ اس وقت اس نے مجھے فوراً واپس آنے کو کہا ہے۔''

''تم مجھے مطلوبہ عمارت کے سامنے اتار کر چلے جانا۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ پندرہ منٹ بعد جیپ لبرٹی کے علاقے میں ایک پرانی ساخت کی عمارت کے سامنے روکی۔

''شاید یہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔'' میں اترتے ہوئے بولا۔ ''اگر نہ ہوئی تو میں تلاش کرلوں گا۔''

وسیم نے گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔''

''تم خود کو اکیلے مت سمجھنا۔ ان شاء اللہ ہم جلد ہی تمہیں، سونیا اور شکیل کو جامی شاہ کے چنگل سے نکال لیں گے۔''

''آپ کے آنے سے مجھے حوصلہ ملا ہے۔'' وہ بولا اور ایک بار پھر ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

☆======☆======☆

''میں نے عمارت کی طرف دیکھا۔ یہ پانچ منزلہ عمارت تھی جس کے نیچے برتنوں کی دکانیں تھیں۔ میں نے ایک دکاندار سے پتا کنفرم کیا، اس نے تصدیق کی۔ ''جی یہی ہے، آپ تیسرے فلور پر چلے جاؤ۔ یہ فلیٹ اویس کا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اویس کون ہے؟''

اس نے کسی قدر تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''آپ نہیں جانتے تو پتا کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''مجھے اسے ایک چیز دینی ہے..... میرے پاس صرف پتا ہے۔ میں اسے ذاتی طور پر نہیں جانتا ہوں۔''

''اچھا..... اچھا، پُراسرار سا بندہ ہے۔ کبھی دو، دو ہفتے کے لئے غائب ہو جاتا ہے اور کبھی پورا پورا مہینہ فلیٹ سے نہیں نکلتا، ویسے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آئی، نہ محلے کے لوگوں کو اس سے کوئی تکلیف ہے۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ عمارت کی سیڑھیاں عقبی سمت میں تھیں۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر تیسری منزل پر آیا۔ ہر منزل پر چار فلیٹ تھے۔ میں نے مطلوبہ فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد کسی نے پوچھا۔

''کون ہے؟''

''مجھے راجا عمر دراز نے بھیجا ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''اپنا نام بتاؤ۔'' دوسری طرف سے خشک لہجے میں کہا گیا۔

''شہباز احمد ملک۔'' میں نے جواب دیا، دروازہ کھل گیا۔

''اندر آئیں جناب!'' اس نے اضطرابی لہجے میں کہا اور میرے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ وہ تقریباً پینتالیس برس کا درمیانی جسامت کا، چہرے سے شریف اور سادہ سا نظر آنے والا شخص تھا لیکن یہ اس کا پردہ تھا، ورنہ راجا عمر دراز مجھے اس کے پاس نہ بھیجتا، میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے، تم پریشان لگ رہے ہو؟''

''پچھلے ایک گھنٹے سے فلیٹ کی نگرانی ہو رہی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا!'' میں نے گہری سانس لی۔

''میرے دشمن مجھ سے بھی پہلے پہنچ گئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ بحفاظت نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''راستہ تو ہے لیکن نظر میں آنے کا بھی امکان ہے۔'' وہ بولا۔ ''ہمیں سورج ڈوبنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''راستہ کس طرف ہے؟''

''ہم چھت کے راستے پر برابر والی عمارت میں کود سکتے ہیں، اس کے بعد دو عمارتیں عبور کر کے بڑی سڑک تک پہنچ جائیں گے۔'' اس نے بتایا، میں نے گھڑی دیکھی۔ تین بج رہے تھے اور ابھی سورج غروب ہونے میں دو گھنٹے سے زیادہ وقت تھا۔ فلیٹ میں دو ہی کمرے تھے۔ میں جس کمرے میں تھا اسے نشست گاہ کہا جا سکتا تھا اس میں ایک صوفہ سیٹ اور ایک تخت پڑا تھا۔ اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''تشریف رکھیں جناب!''

میں بیٹھ گیا۔ ''نگرانی کرنے والے کتنے ہیں؟''

''تین سے چار تو ہیں۔''

''تمہیں کیسے اندازہ ہوا نگرانی کا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ پہلی بار مسکرایا۔ ''بارہ سال خفیہ پولیس میں ملازمت کی ہے۔''

صبح ناشتے کے بعد مجھے صرف دھکے نصیب ہوئے تھے۔ کھانے میں ایک بار گولیاں کھاتے کھاتے رہ گیا تھا۔ اس وقت پیٹ میں چوہا دلیس جاری تھی، میں نے بے تکلفی سے اس سے کہا۔ ''یار، کھانے میں کچھ ہے تو لے آؤ۔''

''رات چرغہ لایا تھا، تنوری نان کے ساتھ آدھا چرغہ پڑا ہے۔''

''چلے گا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''بس گرم ہو۔''

''میں ابھی لایا جناب!'' اس نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ میرے بارے میں جان کر اس کا لہجہ تابعدارانہ ہو گیا تھا۔ غالباً راجا عمر دراز نے اسے میرے بارے میں خاص ہدایات کی تھیں۔ مجھے راجا عمر دراز سے خیال آیا، وہ لاہور میں کیا کر رہا تھا؟ پھر مجھے مونا اور سفیر کا خیال آیا، ایمن ان کے ہمراہ تھی، میں نے ندیم بھٹی کو کال کی۔

''میں بات کر رہا ہوں، ان کا کچھ پتا چلا؟'' میں نے پوچھا۔ اپنا نام لینے سے گریز کیا تھا۔

''نہیں، البتہ ایک بار کسی موبائل نمبر سے ایک کال آئی تھی مگر میں نہیں جان سکا کہ کال کرنے والا کون ہے، پس منظر میں ٹرین چلنے کا شور تھا۔''

میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ''یار، مجھے نمبر ایس ایم ایس کر دے اور تو کہاں ہے؟''

''کراچی میں، سسرال کے مزے لوٹ رہا ہوں۔''

''مزے کر یار!'' میں نے سرد آہ بھر کر کال کاٹ دی۔ چند سیکنڈ بعد ندیم نے نمبر بھیج دیا تھا۔ میں نے نمبر موبائل میں محفوظ کر کے اس پر کال کی لیکن ریکارڈڈ آواز نے بتایا کہ مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا ہے۔ میرا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اتنے میں اویس کھانا لے آیا۔ میں نے بے دلی سے اسے زہر مار کیا۔ کھانے کے ختم ہونے سے پہلے وہ کافی بنا لایا تھا۔

''معاف کیجئے گا، میں چائے پیتا نہیں ہوں اس لئے رکھتا بھی نہیں ہوں۔''

''مجھے بھی کافی پسند ہے، چائے بس پی لیتا ہوں۔''

''تب میرے ہاتھ کی کافی آپ کو ضرور پسند آئے گی۔''

میں نے سپ لیا، کافی واقعی اچھی تھی، میں نے تعریف کی تو وہ کھل اٹھا تھا۔ میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

''یہاں سے نکل کر ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''آپ کو راجا صاحب کے پاس پہنچانا ہے۔'' اس نے مبہم سے انداز میں جواب دیا۔

میں جھنجلا گیا تھا، راجا عمر دراز مجھے اس شخص کے پاس بھیجنے کے بجائے اپنا پتا بھی بتا سکتا تھا، اس طرح سسپنس پھیلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اب میں پھنس گیا تھا۔ بقول اویس کے باہر دشمن تھے اور ہمیں بالا ہی بالا ان کی نظروں میں آئے بغیر فرار ہونا تھا۔ چار بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ وسیم نے مجھے جامی شاہ کے ڈیرے پر شلوار قمیص دی تھی۔ قمیص کے نیچے میں نے ہائی نیک جرسی پہن رکھی تھی۔ دن میں تو اس کے سہارے کام چل جاتا لیکن شام جوں جوں گہری ہو رہی تھی، سردی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اویس نے اس بات کو محسوس کر لیا، اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔

''جناب! میرے پاس ایک جیکٹ ہے، آپ کے ناپ کی ہوگی، آپ کہیں تو لا دوں؟''

''ضرور!'' میں نے جواب دیا۔ ''سردی میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔''

''اس سال سردی غیر متوقع ہے۔ حالانکہ ان دنوں میں اتنی سردی نہیں ہوتی ہے۔''

اویس نے مجھے ایک سیاہ پیراشوٹ کی جیکٹ لا کر دی جس کے اندر فوم دیا گیا تھا اور یہ خاصی گرم تھی۔ میرا سارا اسلحہ اس کی اندرونی جیبوں میں سما گیا اور بیرونی جیبوں میں، میں نے موبائل رکھ لئے تھے۔ یہ زپ سے بند ہونے والی جیبیں تھیں اس لئے اندیشہ نہیں تھا کہ موبائل گر جائیں۔ پانچ بجے سے ذرا اوپر سورج غروب ہو گیا اور اویس نے تیاری شروع کر دی، اس نے المونیم کی ایک کوئی بارہ فٹ لمبی فولڈ ہو جانے والی سیڑھی نکالی۔ میں نے تشویش سے پوچھا۔ ''ہم اس کی مدد سے جائیں گے؟''

''جی جناب!'' وہ بولا۔

''اور اس پر سے پاؤں پھسل گیا تو.....؟''

''تقریباً پچاس فٹ کی گہرائی میں جا گریں گے۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

باہر نکل کر اس نے فلیٹ لاک کیا اور ہم سیڑھیوں سے اوپر آئے۔ اس عمارت سے نزدیک ترین عمارت کی چھت کوئی دس فٹ کے فاصلے پر تھی۔ میں نے نیچے جھانکا۔ مختصر سی گلی نظر آ رہی تھی، جس میں لوگوں کا رش تھا لیکن کوئی اوپر کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اویس نے سیڑھی دونوں چھتوں پر رکھی۔ یہ ہلکی سی سیڑھی تھی جسے رکھنا اٹھانا مشکل نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''جناب، آپ سیڑھی پکڑیں میں دوسری طرف جاتا ہوں۔''

چھت پر بلکہ آس پاس کی چھتوں پر بھی کوئی نہیں تھا اس لئے کسی نے اویس کا کرتب نہیں دیکھا، وہ آرام سے سیڑھی پر کھڑا ہوا اور اس کے المونیم کے قدموں پر پاؤں رکھتا دوسری طرف چلا گیا۔ لگتا تھا اسے اس کام کی خاصی مشق تھی۔ دوسری طرف جا کر اس نے سیڑھی پکڑ لی اور دبی آواز میں بولا۔ ''آ جائیں۔''

میں نے بادل ناخواستہ سیڑھی پر قدم رکھا اور پہلے ہی مرحلے میں لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ ''مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''کوشش کریں جناب!'' اس نے حوصلہ افزائی کی۔

''اور کوئی راستہ یا طریقہ نہیں ہے۔''

''ایسا ہوتا تو میں آپ کو اس طریقے یا راستے سے نہ لے جاتا۔''

''او کے، میں کوشش کرتا ہوں۔'' میں سیڑھی پر کھڑا ہو گیا اور پہلے قدمچے پر قدم رکھا پھر دوسرے پھر تیسرے اور دیکھتے ہی دیکھتے میں دوسری چھت پر تھا۔ ''میرا خیال ہے اب سیدھے راستے یعنی عمارت کی سیڑھیوں سے اتر جائے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس کا فائدہ نہیں ہے جناب! اس عمارت کا داخلی راستہ بھی اس بازار سے نکلتا ہے۔ ہمیں آخری عمارت تک جانا پڑے گا۔''

''یعنی دو بار اس پل صراط سے اور گزرنا پڑے گا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باتوں کے دوران اویس نے سیڑھی لے جا کر اس عمارت اور اس سے اگلی عمارت کی منڈیروں پر رکھ ای۔ اس بار اس نے میری جانب دیکھا کہ پہلے آپ۔ مجھے تجربہ ہو گیا تھا اس لئے میں بلا جھجک چڑھا اور سیڑھی مور کر کے دھم سے ایک ناشائستہ محفل میں کود پڑا۔ ناشائستہ یوں کہ ایک نوجوان جوڑا چھت کی تنہائی کا غلط فائدہ الھا رہا تھا۔ ہم تینوں ہی بھونچکے رہ گئے تھے پھر سب سے پہلے لڑکی بھاگی، اس کے بعد لڑکا اس دخل در معقولات ے لگے گھورتا چلا گیا۔ اویس نے اتنی آہستگی سے سیڑھی رکھی تھی جوڑے کو پتا نہیں چلا اس نے عقب سے پکارا۔

''جناب سیڑھی پکڑیں تا کہ میں آؤں۔''

چھت پر آ کر اس نے سیڑھی تیسری اور چوتھی عمارت کی منڈیروں پر رکھی۔ اس پر آنے کے بعد اس نے یڑھی ایک طرف رکھی اور میرے ساتھ سیڑھیوں کی طرف آیا۔ میں نے اسے روکا۔ ''سوال یہ ہے کہ نیچے جا کر ہم ا کریں گے؟ پیدل مارچ یا کوئی گاڑی ہے؟''

''ٹیکسی کریں گے جناب!'' اس نے بتایا۔ ''اس طرف دن رات ٹیکسی ملتی ہے۔''

سیڑھیوں سے اتر کر ہم مین روڈ پر آئے۔ عمارت کے سامنے دو ٹیکسیاں تھیں، ایک مزنگ روڈ جانے کے وا میں تھا اور دوسرا ریلوے اسٹیشن کے قرب و جوار میں جانا چاہتا تھا جہاں سے اسے دوسری سواری مل جائے۔ ال ٹاؤن جانے کے لئے دونوں میں سے کوئی تیار نہیں تھا۔ جس وقت اویس ٹیکسی والے سے مذاکرات کر رہا تھا میری نظر کوئی سو فٹ کے فاصلے پر لوگوں کو دھکیلتے اور لپکتے افراد پر پڑی۔ وہ ہماری طرف آ رہے تھے۔ میرے اندر الارم سرسرایا اور میں نے وقت ضائع کئے بغیر پہلے اویس کو ٹیکسی میں دھکیلا اور اس کے پیچھے خود بھی گھس گیا۔

''اوئے..... اوئے اتر..... تیری تو.....'' مزنگ جانے پر مصر ڈرائیور نے اشتعال سے کہا اور پھر میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ ''یہ کیا..... سرکار..... جناب عالی!''

''اگر تم نے دس سیکنڈ کے اندر ٹیکسی اسٹارٹ کر کے نہیں بھگائی تو مارے جاؤ گے، ٹیکسی میں خود لے جاؤں گا۔''

میرے لہجے اور پستول کے دیدار نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے، اس نے لرزتے ہاتھوں سے ٹیکسی اسٹارٹ کی اور ٹریفک کے ہجوم میں لے جانے کی کوشش کی مگر شام کے اس وقت ٹریفک کا دباؤ زیادہ تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا بھاگنے والے دونوں افراد اب ساٹھ ستر فٹ کے فاصلے پر تھے۔

''دشمن پیچھے آ رہا ہے۔'' میں نے اویس سے زیادہ ٹیکسی ڈرائیور کو آگاہ کیا۔ ''اور وہ ہم تک آ گئے تو مارا ماری ہو گی اور نہ جانے اس میں کون مارا جائے؟''

میرے الفاظ کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ٹیکسی والے نے اپنی اور ہماری جان پر کھیل کر ایک ٹرک کے سامنے ٹیکسی کو ٹریفک کے دریا میں ڈال دیا۔ ٹرک والے نے بھیانک پریشر ہارن بجایا جس پر ایک گدھا گاڑی کا گدھا بدک گیا تھا۔ بہرحال یہ افراتفری لمحاتی تھی اور کیونکہ کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا اس لئے سب معمول پر آ گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا مگر سب منظر ٹرک کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ میں نے اویس کو بتایا۔

''دو افراد لوگوں کو دھکیلتے ہوئے ہماری طرف آ رہے تھے۔''

''اب اس کا کیا کرنا ہے؟'' اویس نے آنکھ سے ٹیکسی والے کی طرف اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے کہیں چھوڑ دیں گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

ٹیکسی والا نہ جانے کیا سمجھا اس نے رونا گڑگڑانا شروع کر دیا۔ ''اوہ جناب! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''

''کتنے بچے ہیں؟'' میں نے نیم سنجیدہ انداز میں پوچھا۔

''جی گیارہ!'' اس نے مسمسی سی صورت بنا کر کہا۔

میں اچھل پڑا تھا۔ ''گیارہ بچے..... وہ کیسے..... ابھی تو تم تیس سے زیادہ کے نہیں ہو۔''

''جی گھر والی کچھ زیادہ ہی زرخیز ہے۔'' اس نے شرما کر کہا۔ ''ایک بار تین بچے ایک ساتھ ہوئے اور باقی بار جڑواں ہوئے۔''

''تم تو فیملی پلاننگ کے محکمے کا بھٹا بٹھا دو گے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''گیارہ بچے ہیں..... ان کا پیٹ پالنے کے لئے ٹیکسی چلاتے ہو؟''

''جی جناب! اب تو آپ مجھے نہیں ماریں گے۔''

''اوہ نہیں یار..... اتنے سارے لشکر کی بددعاؤں کا مقابلہ یہ ناتواں نہیں کر سکتا لیکن تم بھی بلاوجہ فوت ہونے کی کوشش مت کرنا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔

''آپ نے کہاں جانا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہاں جہاں دوسرا ڈرائیور لے جانا چاہتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''ریلوے اسٹیشن!'' وہ بولا۔

''ہاں۔'' میں عقب میں دیکھ رہا تھا صرف پیدل افراد ہی نہیں ہوں گے ان کے پاس لازماً ایک دو گاڑیاں بھی ہوں گی لیکن بے پناہ ہجوم میں یہ اندازہ کرنا تقریباً ناممکن تھا کہ ہمارے پیچھے آنے والی گاڑیوں میں کون تھا؟ دشمن یا عام افراد۔ میں نے سیدھے ہوتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

''کوئی ایسا راستہ پکڑو جو ذرا سنسان ہو۔''

''کیوں جی؟'' اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ ''کیا ارادہ ہے، آپ کا؟''

''ڈرو نہیں..... میں اندازہ لگانا چاہ رہا ہوں..... کوئی ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی مگر اس کی حالت اور خراب ہو گئی۔ ''تعاقب..... یعنی دشمن..... گولیاں چلیں تو میں غریب مارا جاؤں گا۔''

''یہ ایک آفاقی حقیقت ہے، زیادہ تر غریب ہی مارے جاتے ہیں۔'' میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''بہرحال ہم تمہیں مرنے سے بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔''

''اگر تم خود مرنے کی کوشش نہ کرو۔'' اویس نے پہلی بار کچھ کہا۔

ڈرائیور نے ٹیکسی ایک راستے پر ڈال دی۔ یہ سڑک اتنی مصروف نہیں تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ کچھ دیر بعد سڑک پر ایک پیلی مزدا مڑی تھی۔ یہ پک اپ ٹرک تھا جس کا سسپنشن خاصا اونچا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس میں تعاقب دشمن ہیں، میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''ٹیکسی کسی گلی میں موڑو اور گھوم پھر کر دوبارہ اسی سڑک پر آ جانا۔''

''وہ کیوں جی؟'' اس نے سوال کیا۔ جب میں نے پستول اس کی پشت سے لگایا تو وہ جلدی سے سیدھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گیا۔ اس نے ٹیکسی ایک گلی میں گھما دی۔ وہ شاید اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے ٹیکسی کو گلی میں گھمانے لگا۔ میں نے دیکھا، پک اَپ بھی ٹیکسی کے پیچھے آئی تھی۔ اب شبہ باقی نہیں رہا تھا، پک اَپ ہمارے تعاقب میں تھا۔ میں نے ٹیکسی والے سے کہا۔ ''اب واپس سڑک پر چلو۔''

اس کی ٹیکسی ایک لمبی سی گلی میں گھوم گئی جو باہر سڑک پر نکلتی تھی۔ جیسے ہی ٹیکسی گلی کے آخری سرے پر آئی تب وہ بڑا سا گڑھا نظر آیا جسے نہ جانے کس مقصد کے تحت کھودا گیا تھا اور اس کے ایک طرف معمولی سی جگہ تھی۔ ٹیکسی والے نے روک کر گڑھے کی طرف دیکھا اور ہمیں آگاہ کی۔

''آگے گڑھا ہے صاحب..... ٹیکسی نہیں گزر سکتی ہے۔''

میں نے جھانک کر دیکھا۔ مجھے لگا کہ ٹیکسی اس جگہ سے گزر سکتی تھی۔ ممکن ہے اسے دوسری طرف اس سے رگڑ کھانا پڑتی لیکن وہ گزر سکتی تھی۔ میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''ٹیکسی دیوار سے لگ کر گزر سکتی ہے۔''

''نہیں صاحب! گڑھے میں گر جائے گی۔''

اس بار میں نے پھر پستول کی زبان میں بات کی۔ ''آگے چلو..... ورنہ۔'' میں نے غرا کر کہا تو اس نے بادلِ نخواستہ ٹیکسی آگے بڑھائی۔ پھر اس نے پیشہ ورانہ مہارت کا مظاہرہ کیا اور ٹیکسی کا نہ تو پہیہ نیچے اترا اور نہ ہی اس نے دیوار سے رگڑ کھائی تھی، میں نے مڑ کر دیکھا۔ پک اَپ تیزی سے آ رہی تھی پھر اس کے ڈرائیور کو گولی نظر آ گیا تھا۔ جیسے ہی ٹیکسی سڑک کی طرف گھومی، میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''اب پوری رفتار سے چلو اور جہاں میں کہوں، وہاں رک جانا..... سمجھ گئے؟''

''جی جناب!'' اس نے کہا۔

میں نے اویس سے کہا۔ ''خوش قسمتی سے ہماری جان چھوٹ گئی ہے۔''

''ہمیں راستے میں اتر جانا چاہئے۔''

''راستے میں نہیں۔'' میں نے کہا اور ٹیکسی ڈرائیور کو حکم دیا۔ ''اس سڑک پر موڑ لو۔''

''اس طرف کچھ نہیں ہے۔''

''اس طرف چلو۔'' میں نے حکم زوردے کر دیا۔ اس میں زور پستول کی نال کا تھا جو ڈرائیور کی گردن سے لگائی تھی۔ اس نے فوری تعمیل کی۔ تقریباً ایک فرلانگ جانے کے بعد میں نے اسے ٹیکسی روکنے کو کہا، اس نے ٹیکسی روک دی۔ میں اور اویس ٹیکسی سے اتر گئے۔ میں نے ڈرائیور کی خدمت میں ایک پانچ سو کا نوٹ پیش کیا۔

''اگرچہ یہ معاوضہ کم ہے لیکن باقی کا شکریہ اور اب سیدھے چلے جانا، براہِ کرم مڑ کر مت دیکھنا۔''

''ورنہ پتھر کے بن جاؤ گے۔'' اویس نے بھی خوشگوار موڈ میں کہا۔ مگر ڈرائیور نے ٹیکسی اس طرح دوڑائی جیسے اس نے احتیاط کا سامنے بھی نہ دیکھا ہو۔ ٹیکسی کچے میں اتر گئی تھی اور ایک درخت سے ٹکراتے ٹکراتے بچی، ڈرائیور بمشکل اسے صراطِ مستقیم پر لایا تھا۔ اویس نے مجھ سے پوچھا۔ ''اب کرنا کیا ہے جناب؟''

''واپس بڑی سڑک کی طرف مارچ کرنا ہے اور وہاں سے کوئی گاڑی لینی ہوگی۔''

اس لمحے اویس کے موبائل نے بیل دی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''جی سر! ایک مسئلہ ہو گیا تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فیریت ہے۔ راستے میں ہیں۔ علاقہ..... لبرٹی سے جو سڑک ریلوے اسٹیشن کی طرف جاتی ہے، اس کے پاس ہیں۔ میں سمجھ گیا جناب! دو منٹ میں وہاں ہوں۔'' اس نے فون بند کر کے میری طرف دیکھا۔ ''ہمیں واپس جا کر ایک سیلولر کمپنی کے بورڈ کے نیچے انتظار کرنا ہے، دس منٹ میں ہمیں کوئی نہ کوئی لینے آئے گا۔''

''تم کس سے بات کر رہے تھے؟''

''عبداللہ صاحب سے..... راجا صاحب کے خاص آدمی ہیں۔ یہاں ساری دیکھ بھال وہی کرتے ہیں۔'' ہم مارچ کرتے ہوئے مین روڈ تک آئے۔ سیلولر کمپنی کا بورڈ ذرا آگے تھا۔ احتیاطاً ہم درختوں کی آڑ میں رہے۔ عین ممکن تھا پیچھا کرنے والے ابھی تک اس علاقے میں منڈلا رہے ہوں۔ بورڈ کے آس پاس خاصی گھنی جھاڑیاں تھیں، میں نے اویس سے کہا۔ ''یہ بات تو طے ہے تمہارا فلیٹ لوگوں کی نظر میں آ گیا ہے، اب تم واپس جاؤ گے۔''

''نہیں، جب تک یہ معاملہ ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا، میں کہیں اور رہوں گا۔''

''تم نے فرار کے لئے بڑا خطرناک طریقہ چنا تھا ذرا پاؤں پھسلتا اور پانچ منزل سے نیچے۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''میں خود دو مرتبہ اس طرح فرار ہو چکا ہوں۔ جان بچ گئی بس المونیم کی سیڑھی واپس نہیں ملتی، ہر بار نئی لینی پڑتی ہے۔''

ایک سیاہ کیڈلک کار لڑکھڑاتی ہوئی بورڈ کے سامنے رکی تھی، اس کا پہیہ پنکچر ہو گیا تھا، ایک شخص نے اتر کر ڈکی سے پہیہ اور جیک نکالا۔ پھرتی سے جیک لگا کر کار کو اوپر کیا۔ نٹ کھول کر پنکچر شدہ پہیہ الگ کر کے اسٹپنی لگائی اور پنکچر پہیہ اور جیک واپس ڈکی میں رکھ کر آواز دی۔ ''راجا صاحب کے جوان آ جائیں، راستہ صاف ہے۔'' وہ کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا، میں دنگ رہ گیا تھا۔ وہ ہمیں لینے آیا تھا۔ اویس نے میرا ہاتھ دبایا اور تیزی سے بڑھ کر کار کے عقبی حصے میں گھس گیا۔ ''آ جائیں جناب، اپنا آدمی ہے۔''

''تم جانتے تھے۔'' میں اس کے برابر میں آ گیا۔

''جی جناب۔ یہی تو عبداللہ صاحب ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی سر!'' عبداللہ نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ تقریباً تیس برس کا مگر صورت سے کم عمر نظر آنے والا شخص تھا۔ اس نے کریو کٹ بال بنا رکھے تھے اور پتلون، قمیص اور نائلون کی جیکٹ میں اس کا مضبوط جسم واضح طور پر نمایاں تھا۔ اس نے ہمارے بیٹھتے ہی کار دوڑا دی تھی۔ چند منٹ بعد ہم اس جگہ سے خاصی دور آ چکے تھے۔

☆======☆======☆

سابقہ تجربات کی روشنی میں مجھے ابھی تک خدشہ تھا کہ کہیں سے اچانک دشمن نمودار ہو گا اور ایک بار پھر بلی چوہے کا کھیل شروع ہو جائے گا جس میں چوہے کا کردار اکثر و بیشتر اس ناچیز کے حصے میں آتا ہے۔ مگر اس بار خیریت رہی اور ہم ماڈل ٹاؤن کے ایک وسیع و عریض بنگلے میں خیر و عافیت سے پہنچ گئے۔

''آیئے جناب!'' عبداللہ نے اترتے ہوئے مجھ سے کہا۔

میں اس کے ساتھ اندر آیا اور اویس باہر ہی رہ گیا تھا۔ دو راہ داریوں سے گزر کر ہم ایک وسیع سے کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آئے یہاں ایک آرام کرسی پر راجا عمر دراز..... تقریباً دراز تھا۔ عبداللہ نے کمرے میں جانے سے پہلے تین بار دستک دی تھی۔ مجھے دیکھ کر راجا عمر دراز کرسی سے اٹھا تھا، اس نے سلام کا جواب دے کر گرم جوشی سے مجھے سینے سے لگایا اور پھر میرے شانے پر دونوں ہاتھ رکھے۔ ''کتنے عرصے بعد تم کو دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔ کیسے ہو تم؟''

''آپ کے سامنے ہوں۔'' میں مسکرایا۔ ''آپ حسبِ معمول نظر آ رہے ہیں۔''

''پہاڑوں کے باشندوں پر وقت سست ہو جاتا ہے۔ آؤ بیٹھو۔'' اس نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیا پیو گے؟''

''کافی!'' میں نے بے تکلفی سے کہا۔ ''میں حکیم قادس کے سلسلے میں معذرت خواہ ہوں۔ میں اسے ڈیوڈ شا کے چنگل سے نہیں چھڑا سکا۔''

''یہ ایسی خاص بات نہیں ہے۔'' راجا عمر دراز نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں جانتا ہوں ڈیوڈ شا اس سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہے، لیکن وہ اس سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔''

''اس صورت میں وہ اسے مار دے گا۔''

''تم فکر مت کرو۔ حکیم بہت ذہین آدمی ہے۔ وہ اپنی جان بچا لے گا، اب تم بتاؤ تم پر کیا گزری؟''

اگلے ایک گھنٹے تک میں اسے وہ واقعات و حالات سناتا رہا جو مجھے اس کے محل سے نکلنے کے بعد پیش آئے تھے۔ میں نے اسے وسیم سے حیرت انگیز ملاقات کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ مونا، سفیر اور ایمن غائب تھے۔ راجا عمر دراز صرف برٹ شا کے زندہ ہونے کا سن کر چونکا تھا۔ ''تمہیں یقین ہے وہ برٹ شا ہی تھا؟''

''سو فی صد جناب! میں پورے دو دن اس کے ساتھ رہا۔ فتح خان نے اسے اب تک صرف اس وجہ سے زندہ رکھا ہے کہ اس سے ہیرے حاصل کر سکے۔''

''فتح خان!'' راجا عمر دراز کے لہجے میں سختی آ گئی تھی۔ ''اس نے زیادہ ہی ہاتھ پاؤں پھیلا لئے ہیں۔''

''آپ کی سوچ سے بھی زیادہ۔ ہم اس سے بچ کر جس طرح اسلام آباد پہنچے یوں سمجھ لیں کہ آگ کا دریا پار کیا ہے، وہ خود میری تلاش میں اسلام آباد آیا ہوا تھا۔ اب پتا نہیں کہاں ہے۔''

''مجھے وسیم کے لئے افسوس ہے۔'' راجا عمر دراز نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ''لیکن میں اس کے لئے کچھ کر نہیں سکتا، ہاں مونا اور سفیر کو میرے آدمی تلاش کریں گے۔''

''راجا صاحب! میں اختلاف کی معافی چاہتا ہوں لیکن وسیم، شکیل اور سونیا کو میں اپنا ساتھی شمار کرتا ہوں۔ ان کو دشمن کی قید سے نکالنا میں اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جتنا کہ مونا، سفیر اور ایمن کی تلاش کو۔''

''یہ لڑکی ایمن..... کیا یہ بھی تمہارے ساتھیوں میں شامل ہو چکی ہے۔''

''نہیں..... میں اسے ڈیوڈ شا اور فتح خان سے بچانا چاہتا تھا۔ میں اسے ان معاملات سے الگ رکھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا پھر ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ ''وسیم اور دوسروں کے بارے میں اب آپ کا کیا فیصلہ ہے؟''

''اب تم نے ان کو اپنا ساتھی قرار دے دیا ہے تو کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دراصل لاہور میں میرے پاس مخصوص افرادی قوت کی کمی ہے۔''

''اس صورت میں وسیم اور شکیل کا آزاد کرانا اور بھی ضروری ہے، ان دونوں کی صلاحیتوں سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ وسیم کی بہن سونیا بھی اپنے بھائی اور شوہر کے شانہ بہ شانہ کام کرتی رہی ہے۔''

''لیکن یہ تشویشناک بات ہے، وسیم کے گروہ میں ابھی تک غدار موجود ہیں۔''

''وسیم خود اپنی آرگنائزیشن سے کنارہ کش ہو گیا ہے۔ اس کے مشورے پر میں نے بیگ صاحب کو بھی اسلام آباد کے یونٹ سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا ہے۔''

''تم نے اچھا کیا، میں عبداللہ سے کہتا ہوں۔ تم اور عبداللہ مل کر کوئی پروگرام بناؤ۔ اگر وسیم اور اس کے ساتھیوں کو چھڑانا ہے تو یہ کام چند دن کے اندر کرنا ضروری ہے۔''

میں نے ذرا محتاط انداز میں پوچھا۔ ''راجا صاحب! آپ نے مجھے خاص بات کرنے کے لئے طلب کیا تھا۔''

''خاص بات تو ہے..... لیکن بہتر ہوگا تم ابھی اپنے ساتھیوں کی بازیابی پر ساری توجہ دو۔ مجھے کچھ اور کام نمٹانے ہیں۔'' راجا نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''پھر بھی راجا صاحب!'' میں نے اصرار کیا۔ ''کچھ تو اشارہ دیں۔''

''ملک سے باہر جانا ہے، کہاں اور کیوں یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔''

راجا کے کہتے ہی میرا خیال اس پُراسرار سی وادی کی طرف گیا (جس کے بارے میں جاننے کا اشتیاق مجھے ہی نہیں بلکہ قارئین کو بھی ہوگا) کیا اس اسرار سے پردہ اٹھنے کا وقت آ گیا تھا؟ میں سوچ میں گم ہو گیا تھا کہ راجا عمر دراز کی آواز نے متوجہ کیا وہ کہہ رہا تھا۔ ''اب تم آرام کرو۔''

راجا عمر دراز نے مجھے ایک ملازم کے ذریعے بنگلے کے مہمان خانے میں اپنے لئے مخصوص کمرے میں پہنچا دیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے دوسرے لباس کی ضرورت ہے۔''

''میرے ساتھ آیئے جناب!'' ملازم ادب سے بولا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لایا جو واقعی ڈریسنگ روم تھا۔ یہاں چاروں طرف الماریاں تھیں، ان میں ہر سائز اور ہر موسم کے بے شمار ملبوسات تھے، زنانہ اور مردانہ کپڑوں کی الگ الماریاں تھیں، میں نے ایک جینز کی پتلون اور گرم جرسی لی۔ ساتھ میں نارمل ڈریس شرٹ تھی۔ ملازم نے میرا ناپ دیکھا۔ ''آپ کہیں تو چند گھنٹے کے اندر کئی سوٹ آپ کو مل جائیں گے۔ کلر اور ڈیزائن آپ بتا دیجئے گا۔''

''اسی رنگ کی جینز اور شرٹس منگوا دو۔ ہاں جرسی ہائی نیک لینا..... کسی گہرے رنگ میں۔''

کمرے میں آ کر میں نے نہا دھو کر کپڑے بدلے۔ اس دوران میں چائے اور سینڈوچز آ گئے تھے۔ کھانا میں نے ذرا تاخیر سے لانے کو کہہ دیا تھا۔ میں نے رات آٹھ بجے وسیم کو کال کی۔ اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی۔

''جی فرمایئے!'' اس نے محتاط انداز میں کہا۔ ''شاید اس کے آس پاس کوئی تھا۔''

''وسیم میں بات کر رہا ہوں۔ میں ایک محفوظ ٹھکانے پر پہنچ گیا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چلئے، آپ نے اچھا کیا..... او کے! پھر ملیں گے۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ دی۔

وسیم کسی کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے دوسرے موبائل سے وہ نمبر ملایا جو ندیم نے مجھے دیا تھا، اس پر بیل جانے لگی۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ نمبر ممکنہ طور پر میرے ساتھیوں کا تھا۔ آخر پانچویں بیل پر کسی نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو!'' کسی نے دھیمی آواز میں کہا۔

''میں آواز نہیں شناخت کر سکا تھا۔ ''کون بات کر رہا ہے۔''

''شوبی!'' سفیر چلایا تھا۔ ''شکر ہے تیری آواز سننے کو ملی۔''

''سفیر!'' میں جواباً چلایا۔ ''تُو کہاں ہے میرے یار! مونا اور ایمن کہاں ہیں..... میں لاہور میں ہوں۔''

''شوبی!'' اس بار مونا کی آواز آئی تھی۔ ''یہ سچ مچ تم ہو؟''

''ہاں بابا، ابھی تین دن تو ہوئے ہیں، تم سے بچھڑے۔'' میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

یک لخت مونا نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا۔ ''مونا، خیر تو ہے، کیوں رو رہی ہے پاگل!''

موبائل سفیر نے لے لیا۔ ''یہ صبح سے رو رہی ہے۔ آج صبح کے اخبار میں مری کے پاس ایک حادثے میں کوئی نامعلوم شخص ہلاک ہو گیا تھا۔''

''اور تم لوگوں نے فرض کر لیا کہ وہ میں ہوں۔'' میں نے ہنسا کر کہا۔

''نہیں یار! اگر تُو تصویر دیکھتا تو ایک لمحے کے لئے خود دہل کر رہ جاتا۔ زخموں کے ساتھ وہ تجھ سے بہت زیادہ مل رہی تھی، میں خود اب تک تجھے روتا رہا ہوں۔''

''ایمن..... کہاں ہے؟ اس کا کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہے یار! وہ بھی رو رہی تھی، لے اس سے بات کر۔''

''شوبی!'' ایمن کی بھیگی بھیگی آواز آئی۔ ''تم ٹھیک ہو ناں؟''

''سو فی صد اور ابھی تک کسی حادثے میں ہلاک نہیں ہوا۔''

''خدا کے لئے!'' اس کی آواز لرز گئی تھی۔ ''مذاق میں بھی ایسا مت کہنا۔ صبح سے ہمارا جو حال ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں۔''

''او کے..... یہ بتاؤ کہ تم لوگ کہاں ہو؟''

''یہ تو سفیر بتائے گا۔'' اس نے موبائل سفیر کو دے دیا۔ اس نے کہا۔ ''ہم جی ٹی روڈ کے ساتھ جہلم سے ذرا آگے ایک گاؤں میں ہیں۔''

''جب تم لوگ اتنے قریب ہو تو لاہور کیوں نہیں آ گئے؟''

''کیونکہ ہمیں علم نہیں تھا کہ جناب لاہور میں ہیں۔ میں تو فیصل آباد جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ جہاں میرا ایک بچپن کا دوست کسی ٹیکسٹائل مل کی منیجری میں جما ہے۔''

''پھر بھی اس جگہ کیوں رکے ہو؟''

''یار، جو گاڑی چھین کر بھاگے تھے اس کی ہمت یہاں آ کر جواب دے گئی، اب اللہ دسایا کے مہمان ہیں۔ صبح اس نے ایسا ناشتا کرایا جس میں کم سے کم ایک سیر دیسی گھی شامل تھا۔ اس لئے دوپہر کا کھانا گول کرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑا۔ اس وقت سرسوں کے ساگ اور مکئی کی روٹی کے ساتھ نمکین مکھن ہمارا منتظر ہے۔"

"تم لوگوں نے کھانا نہیں کھایا؟"

"ہمت کر رہے ہیں یار!" سفیر نے بے چارگی سے کہا۔

"تم لوگ وہاں سے نکل آؤ۔" میں نے کہا۔ "رات کا وقت موزوں رہے گا۔"

"یار، گاڑی خراب ہے ابھی تک۔"

"اس پر لعنت بھیج اور کوئی پرائیویٹ کار یا ٹیکسی کر کے وہاں سے نکل آ۔"

"پرائیویٹ کار یا ٹیکسی!" سفیر نے دہرایا۔ "اوہ بھائی، اس چک نمبر نو دو گیارہ سے صرف ریڑھا یا تانگا مل سکتا ہے۔"

"مذاق مت کر۔" میں نے خفگی سے کہا۔

"نہیں یار! واقعی چک نمبر نو دو گیارہ ہے۔" اس نے یقین دلایا۔

"سفیر فوراً نکلنے کی کر۔ مجھے وسیم ملا تھا، اسے ہماری مدد کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔ "اپنے میزبان سے بات کر کے بتا کہ تیرا دادا عالم نزع میں تجھے پکار رہا ہے۔"

"دادا جان تو میری پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔"

"کوئی بات نہیں، اگر تُو نے ان کو ایک بار اور مار دیا تو وہ برا نہیں منائیں گے۔"

"اچھا، میں کوشش کرتا ہوں۔" سفیر نے کہا۔ "ہو سکتا ہے اس بہانے سرسوں کے ساگ سے جان بچ جائے۔"

"میں ایک گھنٹے بعد کال کروں گا۔ اگر تُو اس سے پہلے نکلنے لگے تو اس نمبر پر مجھے کال کر لینا..... بیلنس ہے تیرے پاس؟"

"بیلنس تو ہے مگر موبائل کا چارج آخری دموں پر ہے۔"

"اسے چارج....." میرا مشورہ ادھورا رہ گیا تھا، اس سے پہلے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ شاید موبائل کی بیٹری عارضی طور پر وفات پا گئی تھی۔ میں نے اپنے موبائل کا چارج دیکھا اور اسے آخری دموں پر پا کر چارجنگ سے لگا دیا۔ یہ جدید اور چھوٹا سیٹ تھا پھر استعمال بھی زیادہ ہوا تھا اس لئے اس کی بیٹری جلد جواب دے گئی تھی جو موبائل میں نے اسلام آباد سے لیا تھا اس کا چارج ابھی اچھا خاصا باقی تھا۔ احتیاطاً میں نے اسے بھی چارجنگ پر لگا دیا۔ مجھے معلوم تھا راجا عمر دراز سورج غروب ہوتے ہی رات کا کھانا کھا لیتا تھا اس لئے میں نے کچن فون کر کے اپنے لئے کھانا منگوایا۔ کھانے کے ساتھ ہی عبداللہ بھی آ گیا تھا۔

"معاف کیجئے گا جناب! مجھے علم نہیں تھا کہ آپ کھانا کھانے والے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، بلکہ تم بھی آ جاؤ۔"

"بسم اللہ جناب..... میں کھا چکا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تب بھی آ جاؤ۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے کھانے کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ بیٹھو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی راجا صاحب نے مجھے بتایا تھا، میں ایک ضروری کام سے باہر گیا ہوا تھا۔'' اس نے نزدیکی کرسی بیٹھتے ہوئے بتایا۔

''میرا ایک ساتھی وسیم احمد ہے، وہ جامی شاہ نامی بدمعاش کے قبضے میں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ دو اور لوگ ہیں، ان میں وسیم کی بہن بھی شامل ہے۔''

''جامی شاہ!'' عبداللہ کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔ ''جناب! یہ تو بڑا خطرناک آدمی ہے، کئی طاقتور سیاست دانوں اور اعلیٰ سرکاری حکام کی ناک کا بال ہے۔ اس کا ذاتی گروہ بھی مضبوط ہے۔''

''وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ مجھے بہرصورت اپنے ساتھیوں کو اس کے قبضے سے نکالنا ہے، اصل میں جامی شاہ نے وسیم کی بہن اور دوست کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے اور وسیم سے مخصوص نوعیت کے کام لے رہا ہے اسی وجہ سے وسیم نقل و حرکت کے سلسلے میں ایک حد تک آزاد ہے۔''

''وسیم صاحب کی بہن اور دوست کو کہاں رکھا گیا ہے؟''

''اس کا علم تو غالباً وسیم کو بھی نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کا وسیم صاحب سے رابطہ ہے؟''

''ہاں، میرے پاس اس کا موبائل نمبر ہے۔ ابھی میں نے کچھ دیر پہلے اسے کال کی تھی لیکن اس کے پاس کوئی موجود تھا اس وجہ سے وہ بات نہیں کر سکا۔''

''پھر کال کریں..... اور ان سے کہیں کہ وہ اپنی بہن اور دوست کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ کہاں ہیں، ایک بار ان کے بارے میں علم ہو جائے تو کوئی پلان بنانا آسان ہو جائے گا۔''

میں نے عجلت میں کھانا ختم کیا اور وسیم کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی اور اسی محتاط انداز میں بولا۔ ''جی فرمایئے، کرنل شہباز!''

''تم سے بات کرنی تھی۔''

''جی کہیے۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''فون پر نہیں بالمشافہ..... کیا کل مل سکتے ہو؟''

''فوری طور پر نہیں بتا سکتا..... کسی وقت کال کر کے بتا دوں گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''کال می لیٹر..... او کے۔''

''او کے۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

''اس کے پاس اب بھی کوئی ہے۔'' میں نے عبداللہ کو بتایا۔ ''ایک مسئلہ اور ہے، میرے تین ساتھی جہلم سے ذرا پیچھے جی ٹی روڈ پر کسی چک نمبر نو دو گیارہ میں موجود ہیں، ان کو صبح سے پہلے لاہور لانا ہے۔''

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، میں ابھی بندے روانہ کرتا ہوں۔ وہ چار گھنٹے کے اندر یہاں ہوں گے۔''

''میرے دوست کے موبائل کا چارج ختم ہو گیا ہے لیکن وہاں وہ کسی اللہ وسایا کے گھر میں موجود ہے۔ ممکن ہے تمہارے آدمیوں کو تلاش کرنا پڑے۔''

''کر لیں گے جناب!'' اس نے مستعدی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''روانہ کرنے سے پہلے ان سے مجھے ملوا دینا۔'' میں نے اسے ہدایت کی اور وہ کمرے سے نکل گیا۔

میں سفیر کو کال کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ دس منٹ بعد عبداللہ آیا۔ ''وہ لوگ جانے کے لئے تیار ہیں جناب!''

''کیسے لوگ ہیں؟ میرا مطلب ہے خطرے سے نمٹ سکتے ہیں ناں.....؟''

''دونوں سابق ایس ایس جی کمانڈوز ہیں اور پوری طرح مسلح ہیں۔'' عبداللہ نے راستے میں بتایا۔ پورچ میں ایک عدد پجارو کے پاس دو افراد موجود تھے۔ دونوں پینتالیس کے آس پاس، مضبوط جسامت کے اور مخصوص چال ڈھال والے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹینشن ہو گئے۔ انہوں نے تعارف کرایا۔ ''سر، میرا نام فرمان علی ہے۔'' ایک نے کہا۔

''میرا نام نام صفدر محمود ہے۔''

''میرا نام شہباز ملک ہے۔'' میں نے کہا اور انہیں تفصیل سے سفیر اور مونا کے بارے میں بتایا۔ دوسری ضروری معلومات کے بعد میں نے ان کو سفیر کا موبائل نمبر بھی دیا۔ ''تمہارے پاس موبائل ہے۔''

''بالکل ہے سر'' فرمان علی نے مستعدی سے کہا، ان دونوں نے سفیر کا نمبر نوٹ کر لیا۔ ''ہم راستے میں اس نمبر کو ٹرائی کرتے رہیں گے۔''

''او کے..... اب تم دونوں روانہ ہو جاؤ۔'' عبداللہ نے ان دونوں سے کہا۔ ''اگر وہاں پہنچ کر کوئی غیر متوقع صورتِ حال سامنے آئے تو مجھے کال کرنا۔''

دونوں جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ عبداللہ نے میری طرف دیکھا۔ ''جناب! آپ چاہیں تو آرام کریں، میں صورتِ حال کو مانیٹر کر رہا ہوں۔''

''نہیں، جب تک مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں پتا نہیں چلے گا، مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' میں نے کہا۔

باہر شدت کی سردی تھی اس لئے ہم اندر آ گئے۔ میں نے راجا عمر دراز کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''وہ سو چکے ہیں جناب! اب صبح چھ بجے سے پہلے زلزلہ بھی آ جائے تو بھی میں ان کو جگانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

''تم کب سے راجا صاحب کے ساتھ ہو؟''

''تقریباً پانچ برس سے۔ جب سے انہوں نے اسلام آباد اور لاہور میں جائیداد خریدی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''تب سے میں ان کے معاملات کا منتظم اور مفادات کا نگران ہوں۔''

ہم ایک چھوٹی نشست گاہ میں آئے۔ عبداللہ نے انٹرکام پر کافی طلب کی۔ کافی کی فرمائش میں نے کی تھی۔ کافی چند منٹ بعد ہی آ گئی تھی۔ میرے موبائل چارج ہو چکے تھے۔ میں نے سفیر کو کال کرنے کی کوشش جاری رکھی تھی۔ اچانک دوسرے موبائل پر وسیم کی کال آنے لگی، میں نے جلدی سے کال ریسیو کی۔

''شہباز صاحب، میرے پاس وقت نہیں ہے، جامی شاہ کو مجھ پر شک ہو گیا۔ اس نے مجھ پر پابندی لگا دی ہے۔ میں باہر نہیں جا سکتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کس بات پر شک ہوا ہے؟''

''آپ پر..... وہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ آپ میرے ایک واقف کار کرنل ہیں۔ وہ مجھ سے آپ کا پتا مانگ رہا ہے۔''

''تم انکار کر دو کہ تم نہیں جانتے۔''

''میں نے یہی کیا ہے۔''

''سنو وسیم! میں راجا صاحب کے پاس پہنچ گیا ہوں اور ہم تمہیں چھڑانے کا پلان بنا رہے ہیں۔ یہ بتاؤ شکیل اور سونیا کہاں ہیں؟''

''مجھے صحیح سے نہیں معلوم لیکن جی ٹی روڈ پر لاہور کی حدود سے نکلتے ہی وہ کسی جگہ ہیں، مجھے آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا گیا تھا۔''

''یہ بھی کافی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وسیم ہم تمہیں چھڑانے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یہ بتاؤ، تمہیں فون پر بات کرنے کی آزادی رہے گی۔''

''ممکن ہے رہے یا ممکن ہے نہ رہے۔''

''تمہاری نگرانی تو نہیں ہو رہی ہے؟''

''میں اس وقت کھلے علاقے میں ہوں لیکن اس جگہ سے باہر نہیں جا سکتا۔''

''جامی شاہ کے ڈیرے کے بارے میں بتاؤ۔ خاص طور سے حفاظتی انتظامات کے بارے میں۔''

''شہباز صاحب، اس جگہ کی سخت حفاظت کی جاتی ہے کیونکہ یہاں پر جامی شاہ منشیات اور اسلحے کا ذخیرہ رکھتا ہے۔'' وسیم نے بتایا۔ ''کم سے کم درجن بھر مسلح افراد ہمہ وقت یہاں پر رہتے ہیں۔''

''اگر تم وہاں سے نکلنا چاہو تو.....؟''

''ذرا مشکل ہوگا لیکن میں نکل جاؤں گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اوکے، پہلے مرحلے میں ہم سونیا اور شکیل کو تلاش کریں گے۔''

''خدا حافظ!'' وسیم نے عجلت میں کہہ کر فون بند کر دیا شاید کوئی آ رہا تھا۔

میں نے عبداللہ کو وسیم سے ہونے والی گفتگو سنائی، وہ متفکر نظر آنے لگا۔ ''جی ٹی روڈ پر لاہور سے نکلنے کے بعد بھی آبادی ہی آبادی ہے۔''

''فی الحال وسیم سے اتنا ہی پتا چلا ہے۔''

ہم کافی پیتے اور باتیں کرتے رہے۔ عبداللہ نے بتایا کہ وہ پولیس میں اپنے ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ جامی شاہ کا جی ٹی روڈ پر کوئی ٹھکانا ہے تو کہاں ہے۔ پولیس کو عام طور سے خبر ہوتی ہے مگر وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے۔''

''مک مکا کے ذریعے۔'' میں نے سر ہلایا۔

''میرا ایک واقف کار خفیہ پولیس میں ہے۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے موبائل نکالا اور باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے پھر سفیر کو کال کرنے کی کوشش شروع کی مگر حسب دستور جواب ندارد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔ عبداللہ نصف گھنٹے بعد آیا۔ اس نے کہا۔ ''میری عامر شاہ سے بات ہوگئی ہے یہ ڈی ایس پی کے رینک کا آدمی ہے۔ فی الحال اس کے علم میں ایسا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اس نے مجھے کل رات تک بتانے کو کہا ہے۔''

''اس سے تمہارے تعلقات کیسے ہیں؟''

''میرا دوست ہے، ہم مظفر آباد کے ایک کالج میں ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔ یہ پولیس میں اے ایس آئی بھرتی ہوا تھا اور آج ڈی ایس پی ہے۔ بعض کیسوں کی کامیاب انویسٹی گیشن کے بعد اس کی تیزی سے ترقی ہوئی تھی، میرا قابلِ بھروسا دوست ہے۔''

''یعنی اگر بعد میں جامی شاہ کے اس اڈے پر قتل و غارت گری ہوتی ہے تو اس کی جانب سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟''

''نہیں، میں کہوں گا تو یہ کچھ نہیں کرے گا۔'' عبداللہ نے یقین سے کہا تھا۔

فرمان اور صفدر کو روانہ ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ میں نے عبداللہ سے ان کو کال کرنے کو کہا، اس نے ایک نمبر ملایا اور رابطہ ہونے پر بولا۔ ''کہاں ہو تم دونوں؟ اوکے..... جلدی، وہاں پہنچتے ہی مجھے یا شہباز صاحب کو کال کرنا۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔'' اس نے موبائل بند کیا۔ ''وہ ابھی دس پندرہ منٹ کی مسافت پر ہیں۔''

مجھ پر سُستی طاری ہو رہی تھی۔ میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ عمارت کے اندر کا درجہ حرارت نارمل تھا۔ یعنی یہ عمارت سینٹرلی ائیر کنڈیشنڈ تھی۔ عبداللہ نے مجھے مشورہ دیا۔ ''آپ سو جائیں جناب!''

''نہیں یار! مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' میں نے صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ ''بس سُستی آ رہی ہے۔''

مگر مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ کب نیند نے مجھے دبوچ لیا تھا۔ میں شاید آدھا گھنٹا سویا ہوں گا کہ بیل نے مجھے جگا دیا۔ موبائل پر فرمان کی کال تھی۔ ''سر، میں فرمان بات کر رہا ہوں۔ ہم یہاں تک آ گئے ہیں لیکن آپ کے بندے یہاں نہیں ہیں۔''

''نہیں ہیں.....'' میرا دل ڈوب گیا تھا۔ ''کیا مطلب؟''

''ان کے میزبان اللہ دسایا نے بتایا کہ وہ ایک پرائیویٹ کار ہائر کر کے لاہور کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ اس جگہ بجلی نہیں ہے اس لئے شاید موبائل چارج نہیں ہوا۔''

''کتنی دیر ہوئی ہے ان کو نکلے؟'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا جس میں ایک بج رہا تھا۔

فرمان نے اللہ دسایا سے بات کی۔ ''سر، کوئی دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔''

''یعنی وہ لاہور پہنچنے والے ہوں گے۔'' میں نے سوچا۔ ''اس سے معلوم کرو پرائیویٹ کار کس کی تھی، کسی جاننے والے کی یا کسی اجنبی کی؟''

فرمان علی نے پھر پوچھا اور مجھے بتایا۔ ''کار گاؤں کے ایک بندے کی ہے۔''

''گڈ، جس بندے کے پاس کار ہے، اس کے پاس لازماً موبائل فون ہوگا۔ اللہ دسایا، اس کے گھر والوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے معلوم کر کے اس سے رابطہ کرو۔"

"ہم ابھی یہ کام کرتے ہیں سر!"

"جیسے ہی سفیر سے رابطہ ہو، مجھ سے بات کرانا۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

غلطی میری تھی، وہ ایک پُرسکون جگہ آرام سے بیٹھے تھے، مجھے ان کو وہاں سے اتنی عجلت میں نکلنے کا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ سفیر نے میرے مشورے پر فوری عمل کیا تھا۔ وہ کچھ دیر میں لاہور شہر پہنچ جاتا اور یہاں مجھ سے رابطہ کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے فرمان سے کہہ دیا تھا کہ وہ کار والے کا سیل نمبر تلاش کر کے اس سے رابطہ کرے۔ عبداللہ کمرے میں نہیں تھا شاید وہ باہر چلا گیا تھا۔ میں اپنے کمرے میں آیا اور سفیر کا نمبر ٹرائی کرنے لگا۔ لگژری گاڑیوں میں موبائل چارجنگ کا سسٹم ہوتا ہے اس سے موبائل دوران سفر ہی چارج کیا جا سکتا ہے مگر سفیر کے موبائل سے بدستور کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ آدمی کے پیارے اس سے بچھڑ جائیں اور پھر ان سے ملنے کے آثار نظر آ رہے ہوں۔ آدمی کو ان کا انتظار ہو اور اندر سے دھڑکا بھی لگا ہو تو ایسے وقت میں آدمی کی جو کیفیت ہوتی ہے وہی کیفیت میری تھی۔ فرمان کے فون نے میری نیند اڑا دی تھی۔ میں بے تابی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد دوبارہ فرمان کا فون آیا۔

"سر، مجھے افسوس ہے۔" اس شخص کا موبائل نمبر نہیں مل سکا، اس کے پاس موبائل نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "اب ہمارے لئے کیا حکم ہے سر؟"

"تم لوگ واپس آ جاؤ۔ ویسے بھی میرے اندازے کے مطابق وہ لاہور پہنچنے والے ہوں گے۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "لیکن تم لوگ الرٹ رہنا، ممکن ہے ان لوگوں کو کہیں سے لیتے ہوئے آنا ہو۔"

"جی سر! ہم روانہ ہو رہے ہیں۔"

فرمان سے بات کر کے میں نے پھر سفیر کا نمبر ٹرائی کیا۔ جواب غائب تھا۔ پھر میں نے وسیم کا نمبر ٹرائی کیا، اس پر بیل جا رہی تھی۔ اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ میں نے جھنجلا کر موبائل بستر پر پھینک دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس بے چینی کے عالم میں وقت کیسے گزاروں؟ عبداللہ بھی نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ میں اب تک پیش آنے والے حالات پر غور کرنے لگا۔ پہلے مرشد اور اس کا بھائی نادر میرے اور میرے ساتھیوں کے درپے ہوئے اگرچہ فتح خان سے ٹکراؤ برسوں پرانی بات تھی لیکن میں نے کبھی اسے دشمن نہیں سمجھا تھا یہ اور بات تھی کہ وہ میرے خلاف دل میں کینہ دبائے بیٹھا تھا۔ موقع ملتے ہی وہ میرے دشمنوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ پھر سب سے شاطر شخص ڈیوڈ شا آیا اور اب جامی شاہ تھا۔ دشمنوں کی تعداد اور اس تناسب سے میرے مسائل بڑھتے جا رہے تھے جبکہ میرے دوست کم تو نہیں ہوئے تھے لیکن کمزور ضرور ہوئے تھے خاص طور سے وسیم کی آرگنائزیشن الجھنے سے میرے دوست کمزور ہوئے تھے لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میں نے از خود جدوجہد کرنا اور حالات کا مقابلہ کرنا سیکھ لیا تھا اور اب میں کسی کے سہارے کا انتظار نہیں کرتا تھا۔ اپنے زور بازو پر بھروسا کرنے لگا تھا۔

مرشد علی فی الحال پس منظر میں چلا گیا تھا شاید اس لئے کہ الیکشن کا وقت قریب تھا اور ان دنوں وہ کسی غیر انسانی سرگرمی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے فتح خان کو میرے پیچھے لگا رکھا تھا اور اگر اس نے نہیں بھی لگایا تھا تب بھی فتح خان اس کا کام ہی کر رہا تھا۔ ڈیوڈ شا بھی منظر سے غائب تھا، ویسے بھی وہ عام آدمی کی طرح دشمن کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے لگنے والا شخص نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنا کام کرتے ہیں اور دشمن ان کی راہ میں آئے تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی گردن مروڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ موبائل کی میسج ٹون سنائی دی، میں نے پیغام دیکھا۔ وسیم نے لکھا تھا۔ "شہباز صاحب، مجھے اچانک کہیں لے جایا جا رہا ہے۔ کہاں؟ اس کا مجھے بھی علم نہیں ہے۔ بعد میں رابطہ کروں گا۔"

وسیم کا معاملہ گڑبڑ نظر آ رہا تھا۔ شکیل اور سونیا کا کچھ پتا نہیں تھا اور وسیم بھی کہیں جا رہا تھا۔ جہاں سے اسے مجھ سے رابطہ کرنے کا موقع معلوم نہیں ملتا بھی یا نہیں۔ میں نے بے بسی سی محسوس کی تھی، میں خود پر پڑنے والی افتاد سے نمٹ سکتا تھا لیکن اپنے دوستوں کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ سفیر، مونا اور ایمن کو اب تک لازمی طور پر لاہور آ جانا چاہئے تھا اور مجھ سے رابطہ کرنا چاہئے تھا مگر نا خیر بتا رہی تھی کچھ گڑبڑ ہے۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ "میرے ساتھی فرمان اور صفدر کو نہیں ملے۔ وہ وہاں سے گیارہ بجے چل پڑے تھے لیکن ابھی تک یہاں نہیں پہنچے۔"

"جی، میں فرمان سے رابطے میں ہوں۔ رات کا وقت ہے، جی ٹی روڈ پر معمولی سا رش ہوتا ہے۔" عبداللہ نے جواب دیا۔ "میں نے فرمان سے کہا ہے، وہ راستے میں چیک کرتا آئے، خاص طور سے کسی ایکسیڈنٹ کو۔"

"خدا نہ کرے!" میں نے دل میں کہا۔ "کوئی پولیس کا معاملہ نہ ہو۔"

"میں پولیس میں دیکھتا ہوں لیکن اس میں وقت لگے گا۔ رات کے وقت مطلوبہ افراد مشکل سے ہی ملتے ہیں۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"جتنا بھی وقت لگے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم کوشش کرو۔"

گزشتہ دن میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں جتنا پُرامید تھا، اب اتنا ہی مایوس ہو رہا تھا۔ نہ جانے ہماری راہ میں اتنی رکاوٹیں کیوں حائل ہو رہی تھیں۔ جب میں ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تو مناسب سمجھا کہ لیٹ جاؤں اور کچھ دیر سو جاؤں تاکہ اگلے روز تازہ دم ہو کر حالات کا مقابلہ کر سکوں۔ کوشش کے بعد مجھے نیند آ گئی تھی۔ صبح آٹھ بجے میری آنکھ کھلی تو رات کی بے آرامی ہلکے سے درد سر کی صورت میں موجود تھی۔ میں نے سب سے پہلے موبائل دیکھے۔ نہ تو کوئی مس کال تھی اور نہ ہی کوئی میسج۔ میں نے سفیر کا نمبر ملایا۔ ہنوز خاموشی تھی البتہ وسیم کے موبائل پر بیل جانے لگی۔ پھر کسی نے کال ریسیو کی اور کرخت لہجے میں بولا۔ "کون ہے.....؟ کس سے بات کرنی ہے؟"

میں نے کال کاٹ دی۔ موبائل اب وسیم کے پاس نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا اس کی قید سخت کر دی گئی تھی یا اسے کہیں اور بھیج دیا گیا تھا۔ میں نے اٹھ کر گرم پانی سے غسل کیا۔ اس سے سر کی گرانی میں خاصا فرق پڑا تھا۔ میں نے کافی کے ساتھ سینڈوچز منگوائے۔ ناشتے سے پہلے عبداللہ کی کال آ گئی۔ "سر..... میں ساری رات کوشش کرتا رہا مگر مجھے افسوس ہے ابھی تک ان لوگوں کا سراغ نہیں ملا۔"

"مجھے یقین ہے تم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "چکر یہ ہے کہ چکر ہماری تاک میں رہتے ہیں پھر قدرت مہربانی کرتی ہے اور ہم اس چکر سے نکل آتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان شاء اللہ، وہ صحیح سلامت یہاں آئیں گے۔'' اس نے خلوص سے کہا۔

''ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے راجا عمر دراز کے بارے میں پوچھا، وہ ابھی تک اپنے بیڈ روم سے نہیں نکلا تھا۔ سفیر اور مونا پارٹی، اللہ وسایا کے گھر سے نکل گئے تھے۔ انہوں نے ایک پرائیویٹ کار میں لاہور کی طرف سفر شروع کیا مگر لاہور نہیں پہنچے۔ سوال یہ تھا کہ وہ کہاں تھے، ان پر کیا گزری تھی اور میں کیسے جان پاتا کہ ان پر کیا گزری تھی؟ مجھے خیال آیا اور میں نے فرمان سے رابطہ کیا۔ ''تم لوگ اللہ وسایا کے گاؤں میں کوئی رابطہ چھوڑ کر آئے ہو؟''

''جی سر! میں نے اللہ وسایا سے گاڑی والے کے لڑکے کا موبائل نمبر لیا تھا۔''

''اس سے معلوم کرو، پرائیویٹ کار والا واپس گاؤں پہنچا یا نہیں؟''

''سر، میں پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں، کار والا ابھی تک وہاں نہیں پہنچا۔ میں نے دس منٹ پہلے اس سے بات کی ہے۔''

میں نے اب کے عبداللہ سے رابطہ کیا۔ ''جناب! مجھے بھی اطلاع مل گئی ہے۔'' اس نے کہا۔

''پولیس رپورٹ کا کیا بنا؟''

''وہ بھی آ گئی ہے۔ لاہور کی حدود میں پولیس کے پاس ایسا کوئی ایکسیڈنٹ یا جرم کا کیس نہیں آیا جس میں سفیر نامی کوئی شخص شامل ہو۔ ہائی وے ٹریفک پولیس کے مطابق گزشتہ رات ہائی وے پر کوئی حادثہ بھی نہیں ہوا ہے۔''

''تب یہ کہاں گئے؟''

''سر، فکر نہ کریں۔'' عبداللہ نے مجھے تسلی دی۔ ''میں نے پرائیویٹ کار کے نمبر کے حوالے سے انکوائری مانگ لی ہے۔ ممکن ہے کار کسی وجہ سے ٹریفک یا عام پولیس نے پکڑ لی ہو۔''

''مشکل ہے، معاملہ اگر پولیس کے پاس ہوتا تو اب تک سفیر مجھ سے رابطہ کر چکا ہوتا۔''

''کیا ان کے پاس کوئی قابلِ دست اندازی پولیس شے، میرا مطلب ہے اسلحہ وغیرہ تھا؟''

میرے اندر اس سوال نے خدشات سر سرا دیئے تھے۔ ''میرا خیال ہے ان کے پاس اسلحہ ہوگا جب وہ مجھ سے جدا ہوئے تھے تو ان کے پاس خاصا اسلحہ تھا۔''

''اوہ..... اب مجھے پولیس میں اس نقطۂ نظر سے بھی دیکھنا ہوگا۔''

''عبداللہ، یہ کام فوری طور پر کرو۔ تم جانتے ہو ناں ہماری پولیس کو..... سفیر کے ساتھ دو عورتیں بھی ہیں۔''

''میں ابھی چیک کرتا ہوں جناب! ممکن ہے پکڑے جانے کی صورت میں انہوں نے اپنا نام نہیں بتایا ہو، اب میں ایک مرد اور دو عورتوں کے حوالے سے انکوائری کروں گا۔''

''جامی شاہ کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟''

''ڈی ایس پی عامر نے ایک صحافی کا حوالہ دیا ہے اسے لاہور کے مافیا کے گروپس پر اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے۔ عامر نے اس کا نمبر دیا ہے۔ میں گیارہ بجے کے بعد اس سے بات کروں گا۔ بقول عامر کے وہ سو کر گیارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بجے اٹھتا ہے۔'' عبداللہ بولا۔

''کیا نام ہے اس کا؟''

''ناصر..... راجا ناصر۔ بظاہر ایک اخبار سے منسلک ہے لیکن آزادانہ کام کرتا ہے۔''

''ناصر!'' میں چونکا۔ ''اسے میں جانتا ہوں۔'' میں نے عبداللہ کو مختصراً اس کے بارے میں بتایا۔

''یہ تو اچھا ہوا تو کیوں نہ آپ بات کرلیں۔''

''بات تو کرلوں گا لیکن مجھے نہیں پتا اس پر کس حد تک اعتبار کرنا ہے؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''بہتر ہوگا آپ اپنے بی ہاف پر رابطہ کریں، میرا یار اجا صاحب کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ مناسب رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ نے مجھے ناصر کا موبائل نمبر بتایا۔

اس وقت دس بج رہے تھے۔ میں موبائل لے کر باہر نکل آیا۔ لان میں ہلکی سی حرارت سے محروم دھوپ تھی، لاہور کا موسم اچانک سرد ہوگیا تھا۔ سفیر، مونا اور ایمن کے بارے میں نئے خدشات نے مجھے پریشان کردیا تھا۔ حالات کا دھارا ہمیں بہائے لے جارہا تھا اور ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ ہاتھ مار رہا تھا۔ میں ابھی ٹہل رہا تھا کہ ایک سلور گرے کار بنگلے میں داخل ہوئی اور پورچ میں رکی، اس میں سے راجا عمر دراز کا سیکرٹری بیگ نکلا، میں اس کی طرف بڑھا۔ ''کیا حال ہیں بیگ صاحب!''

''اچھے ہیں، آپ سنائیں شہباز صاحب!'' اس نے حسبِ معمول سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ ''آپ کے ساتھیوں کا پتا چلا؟''

''نہیں، وہ نہ جانے کہاں اور کس مسئلے سے دوچار ہیں۔''

''مل جائیں گے، آپ بے فکر رہیں..... مجھے راجا صاحب نے طلب کیا ہے۔''

''راجا صاحب کہیں باہر جانے کے بارے میں کہہ رہے تھے۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

''اچھا..... مجھے نہیں معلوم۔ ممکن ہے راجا صاحب نے اسی لئے طلب کیا ہو۔'' اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔

گیارہ بجے کے قریب میں نے ناصر کا نمبر ملایا۔ اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی۔ ''راجا ناصر، میں شہباز ملک بات کررہا ہوں۔''

''شہباز عرف شوبی!'' وہ بے تکلفی سے چہکا۔ ''کیسے ہو تم؟''

''تم نے پہچان لیا مجھے؟'' مجھے حیرت ہوئی تھی۔

''اپنا پیشہ ہی یہ ہے۔ بندے پہچاننا اور پھر ان کو یاد رکھنا۔ کہو کیسے یاد کیا اس ناچیز کو؟''

''ایک کام ہے تم سے۔ کہیں مل سکتے ہو؟''

وہ ذہین آدمی تھا، تاڑ گیا۔ ''یعنی تم جس جگہ ہو وہاں مجھ سے ملنا نہیں چاہتے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو۔'' میں نے مبہم انداز میں جواب دیا۔

''اچھا، ایسا کرو شاہدرہ میں اللہ والا ہوٹل آجاؤ، میں یہیں ناشتا کرتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ماڈل ٹاؤن کے پاس کوئی جگہ نہیں ہو سکتی؟''

''نہیں، کام تم کو ہے، اس لئے تمہی آؤ گے۔''

''یار، میرے دشمن میرے قتل کے اسباب لئے پھر رہے ہیں یعنی بندوقیں، توپیں وغیرہ.....'' میں نے فریاد کی۔ ''تم کیوں مجھے اخبار کی سرخی بنانا چاہتے ہو؟''

''او کے اپکر جہاں تم ہو اس جگہ کا پتا بتاؤ۔ میں آجاتا ہوں۔'' اس نے مطالبہ کیا۔ میں نے سوچا اور اسے راجا عمر دراز کی کوٹھی کا پتا بتا دیا۔ نہ جانے کیوں میرا دل اس شخص پر اعتماد کرنے کو چاہ رہا تھا۔

''او کے، میں ایک گھنٹے میں آؤں گا۔'' اس نے پتا نوٹ کر کے کہا۔

''اگر اس وقت میں ناشتا بھی شامل ہے تو بہتر ہے اسے گول کر دو اور ناشتہ یہاں آ کر کر لو۔''

''او کے، میں پھر نصف گھنٹے میں آ رہا ہوں۔''

میں نے مہمان خانے میں آ کر کچن سے رابطہ کر کے نصف گھنٹے بعد ایک آدمی کا ناشتا بھجوانے کو کہا پھر عبداللہ کو کال کر کے اسے ناصر کے بارے میں بتایا۔ ''گیٹ پر بتا دینا۔ اسے اندر آنے دیا جائے''

''جی بہت بہتر!'' عبداللہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ غالباً اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میں نے ناصر کو راجا کی کوٹھی کا پتا دیا تھا۔ بہر حال میں کسی کا پابند نہیں تھا۔ نصف گھنٹے بعد ملازم نے ناصر کی آمد کی اطلاع دی۔ اسے مہمان خانے کی نشست گاہ میں بٹھایا تھا۔ میں وہاں پہنچا، وہ عام سے حلئے میں بے نیازانہ انداز میں صوفے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ ''شہباز صاحب، خاصے بدل گئے ہیں۔''

''اور تم ویسے ہی ہو۔''

''ہمارا کیا ہے۔ قلندر کا ایک ہی حلیہ رہتا ہے۔'' اس نے نیم وا آنکھوں کے ساتھ کہا۔ شانے تک طویل بالوں اور دو تین دن کی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ کوئی سست آدمی لگ رہا تھا جسے سوچنے میں بھی وقت لگتا ہو لیکن درحقیقت وہ انتہائی زیرک اور چالاک شخص تھا، جس نے یہ حلیہ بنا رکھا تھا، مقصد دوسروں کو دھوکے میں رکھنا تھا، میں نے پھر کچن کو ناشتے کے لئے کہا۔

''جگہ تو زبردست ہے۔'' ناصر نے چاروں طرف دیکھا۔ ''کس کا بنگلا ہے؟''

میں مسکرایا۔ ''میں نہ بھی بتاؤں تو تم جان لو گے، صحافی ہو ناں.....''

''او کے، تم نہیں بتانا چاہتے اس لئے میں کھوج بھی نہیں کروں گا، اب بتاؤ معاملہ کیا ہے؟''

''تم وسیم اور شکیل کو جانتے ہو؟''

''پہلے نہیں جانتا تھا۔'' اس نے سگریٹ کی راکھ بے تکلفی سے صوفے کے پیچھے جھاڑی۔ ''لیکن کچھ عرصے سے جاننے لگا ہوں، خاص طور سے جب وسیم کے ساتھیوں کا شیرازہ بکھرا تھا۔ موصوف کہاں ہیں؟''

''وسیم ان دنوں جامی شاہ کے قبضے میں ہے، نہ صرف وسیم بلکہ اس کا دوست شکیل اور بہن سونیا بھی جامی شاہ کے قبضے میں ہیں۔ اس نے ان کو یرغمال بنا رکھا ہے۔''

''جامی شاہ!'' اس نے چونک کر کہا۔ ''اسے تم لاہور کا گاڈ فادر کہہ سکتے ہو۔ اگر وسیم اس کے قبضے میں ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو یہ بے حد تشویشناک بات ہے۔"

"وسیم کا کہنا ہے جامی شاہ اس سے سرحد کے پار کوئی کام لینا چاہتا ہے اس لئے اس نے شکیل اور سونیا کو یرغمال بنا رکھا ہے۔"

میں نے اسے بتایا کہ کس طرح جامی شاہ کے اڈے کے پاس وسیم سے میری ملاقات ہوئی تھی اور اس کی بہن اور شکیل کو لاہور کی حدود سے باہر کسی جگہ رکھا گیا ہے۔

"لاہور کے نواح بعد؟" اس نے پُرخیال انداز میں پوچھا۔

"ہاں، کیا کوئی جگہ تمہارے ذہن میں ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "چند جرائم پیشہ افراد نے ایک جگہ زمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور وہاں جوئے اور شراب کے اڈے چلا رہے ہیں، ان میں ایک اڈا جامی شاہ کا بھی ہے۔ ممکن ہے سونیا اور شکیل کو وہاں رکھا گیا ہو۔"

"اوہ..... میں نے اسی لئے تمہیں بلایا تھا..... میرا اندازہ درست نکلا۔" میں نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ "تم ان کے سارے اڈوں سے واقف ہو۔"

"وہ ہنسا۔" اسی وجہ سے زمین کے اوپر ہوں ورنہ کب کا زیرِ زمین جا چکا ہوتا۔"

"تم اس جگہ کی نشاندہی کر سکتے ہو۔"

"بیکار ہے۔ اگر تم زور زبردستی سے اپنے ساتھیوں کو واپس حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے کم سے کم ایک بٹالین فوج درکار ہوگی۔ وہ اڈا نہیں قلعہ ہے، پولیس بھی اس طرف کا رخ کرنے سے گھبراتی ہے اور بھتا لے کر خود کو خوش نصیب سمجھتی ہے۔"

"تم اس کی فکر مت کرو۔ ممکن ہے جسے تم ایک بٹالین فوج کا کام سمجھ رہے ہو، وہ میں اکیلے ہی کر لوں۔"

"غالباً چند معرکے سر کر کے تم نے خود کو سپرمین یا اسی قسم کا کوئی کامک کردار سمجھنا شروع کر دیا ہے۔"

"نہیں، مجھے خدا کی ذات پر بھروسا ہے اور میں اپنے بل بوتے پر کام کرنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ مہربانی کر کے تم اس جگہ کی نشاندہی کرو۔"

"جیسی تمہاری مرضی!" اس نے کہا اس اثنا میں ملازم ناشتا لے آیا۔ ناصر ناشتا کرنے میں لگ گیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد اس نے ہاتھ روکا اور کافی بنائی۔ ایک کپ مجھے تھماتے ہوئے سوال کیا۔ "سوال یہ ہے کہ تم وہاں تک خود جاؤ گے؟"

"نہیں، جاسوس طیارے سے جاسوسی کرواؤں گا۔" میں نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔ "اوہ بابا، ظاہر ہے خود جاؤں گا۔"

"ناصر سوچ میں پڑ گیا تھا اس نے کہا۔" اگر خرچہ کر سکتے ہو تو ایک محفوظ طریقہ بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میرا ایک دوست فلائنگ کلب میں انسٹرکٹر ہے۔ جب کوئی کلاس نہیں ہوتی تو شوقین حضرات کو آسمان کی سیر بھی کراتا ہے۔ تم فضا سے دوربین کی مدد سے اس جگہ کا بہتر طور پر معائنہ کر سکتے ہو، میں ایسا ٹیلی لینس ڈیجیٹل کیمرا بھی مہیا کر سکتا ہوں جو اس جگہ کی بہترین تصاویر اتار سکتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یعنی فضا سے جاسوسی!'' میں نے غور کیا۔

''وہ بھی باپائلٹ طیارے سے۔'' ناصر نے کہا۔ ''اس میں آپ کے لئے خطرہ نہیں ہے۔ ورنہ اس بس کے پاس جاتے ہی دسیوں نظریں آپ کی نگرانی کرنے لگتی ہیں۔ اگر آپ پر شک ہوا تو آپ خود کو غائب سمجھیں۔''

''سوال یہ ہے فضا سے کیا دیکھیں گے؟''

''یہ تو میں نہیں کہہ سکتا، مگر دوسری صورت میں تم اس اڈے کے پاس ہی جا سکتے ہو، اندر جانے کا مطلب شیر کی کچھار میں جانا ہوگا۔''

''اوکے۔ میں ذرا اپنے ساتھی سے مشورہ کر لوں۔''

میں ناصر کو نشست گاہ میں چھوڑ کر باہر آیا۔ عبداللہ مجھے پورچ میں ملا۔ میں نے اسے ناصر کی تجویز سے آگاہ کیا۔

''اس سے بات کرنا مفید ثابت ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس کی تجویز.....''

''میں اس کی حمایت کروں گا جناب! ہمیں اوپر سے نگرانی کرنے سے اس جگہ کی لوکیشن اور اندر کے نقشے کا علم ہوگا۔ بعد میں ہم اگر اندر جاتے ہیں تو اس سے ہمیں بہت مدد ملے گی۔''

''یعنی تم اس پر راضی ہو؟''

''میرا راضی ہونا کیا جناب! فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔'' اس نے تابعدارانہ انداز میں کہا۔ ''میں تو صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔''

میں ناصر کے پاس لوٹ آیا۔ ''میرا ساتھی اس تجویز سے متفق ہے، کیا ہم آج ہی یہ کام کر سکتے ہیں؟''

''دن کی روشنی ضروری ہے۔ میں ابھی ثاقب سے بات کرتا ہوں۔ اس نے موبائل نکالا اور کال کرنے لگا۔ چند منٹ بعد اس نے فون رکھا۔ ''وہ دو بجے تک فارغ ملے گا۔''

میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''مجھے دو بجے تک ائیر فیلڈ پر پہنچنا ہے۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے جناب! لیکن بہتر ہوگا آپ حلیہ بدل لیں۔

''یہاں کوئی ایسا بندوبست ہے؟''

''میں نے ایک شخص کو بلایا ہے، وہ کچھ دیر میں آ جائے گا۔''

میں نے گھڑی دیکھی۔ ''ساڑھے بارہ بج رہے ہیں۔ اسے کتنا وقت لگے گا؟''

''یہ تو وہی شخص بتائے گا۔'' عبداللہ بولا۔ ''کیا میں آپ کے ساتھ چلوں؟''

''نہیں، تم پولیس والے معاملے پر پوری توجہ رکھو، ویسے کچھ پتا چلا؟''

''نہیں، میں نے جہاں جہاں بھی معلوم کیا ہے، وہاں گزشتہ رات میں ایک مرد اور دو خواتین کسی بھی طریقے سے تھانے میں نہیں لائے گئے۔''

میں نے فون بند کیا تو ناصر نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کس سلسلے میں تھانے میں پتا کیا جا رہا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے سفیر، مونا اور ایمن کے بارے میں بتایا، اس کی سوئی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک نمودار ہوئی۔ ''برٹ شا کی دختر نیک اختر!''

''تم جانتے ہو؟'' میں چونکا۔

''صحافی ہوں ناں..... معاملہ ہو نہ ہو..... ہر معاملے میں گھسنا ضروری ہوتا ہے اس لئے جانتا سب ہوں۔''

''یہ اچھی بات ہے۔ وہ کل رات جہلم کے قریب ایک گاؤں سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے تھے لیکن نہ تو وہ لاہور پہنچے اور نہ وہ ڈرائیور واپس گاؤں پہنچا جو اُن کو لاہور چھوڑنے آیا تھا۔''

''میں ابھی معلوم کر لیتا ہوں۔'' ناصر نے کہا اور دوبارہ موبائل کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اس اثنا میں ملازم ایک لڑکی کے ساتھ اندر آیا۔ اس نے ایک بکس اٹھا رکھا تھا۔

''سر، مجھے عبداللہ صاحب نے بھیجا ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''مجھے آپ کا میک اَپ کرنا ہے۔''

میرا خیال تھا عبداللہ نے کسی مرد کو بھیجا ہو گا مگر وہ میک اَپ کی ماہر لڑکی نکلی بہرحال مجھے کام چاہئے تھا۔

''آدھے گھنٹے میں میرا حلیہ اس قدر بدلنا ہے کہ میرے قریبی جاننے والے بھی فوری طور پر نہ پہچان سکیں۔''

اس نے غور سے میرا جائزہ لیا۔ ''سر، آپ کو بالوں کا رنگ چینج کرنا ہو گا۔ لائٹ براؤن کلر سے آپ کا نصف حلیہ بدل جائے گا۔''

''اور باقی؟''

''اس کے لئے میرا کمال دیکھیں۔'' اس نے بیگ کھولا اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے بیگ سے ایک اسپرے والی بوتل نکالی۔ میرے چہرے پر کپڑا رکھ کر اس نے بالوں پر اسپرے شروع کر دیا۔ پانچ منٹ کے اندر اس نے اسپرے مکمل کیا اور روئی سے جلد کے وہ حصے صاف کرنے لگی، جہاں اسپرے لگا تھا۔ دس منٹ بعد اس نے مجھے آئینہ دکھایا۔ میرے سیاہ بال حیرت انگیز طور پر ہلکے براؤن ہو گئے تھے۔ ''یہ رنگ ایک دو بار شیمپو سے سر دھونے سے اتر جائے گا۔'' اس نے کہا اور میرا سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر پہلے میری ہلکی بھنوؤں پر ایک لوشن لگایا اور اس پر بال چپکائے۔ ایک منٹ کے اندر اس نے یہ کام مکمل کر لیا۔ اس کے بعد اس نے میرے چہرے پر فیس پاؤڈر کی تہہ جمانی شروع کی۔ مہارت سے یہ کام کر کے اس نے ربڑ کی بنی ایک جھلی نما شے ایک اسپرے لوشن کی مدد سے میری ناک اور اس کے پاس رخسار پر جمائی۔ اس نے بیس منٹ میں سارا کام مکمل کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے مجھے آئینہ دکھایا تو میں چند لمحے کے لئے خود کو نہ پہچان سکا تھا۔ ہلکے بھورے بال، گھنی براؤن بھنویں، پھیلی ہوئی ناک اور سنہری مائل سرخ رنگ کی وجہ سے میں بالکل مختلف لگ رہا تھا۔

''تم نے کمال کر دیا مس!'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''مسز صنوبر شیخ، سر!'' اس نے تعارف کرایا۔ ''تھینک یو سر!''

''میں کیا پیش کروں اگرچہ تم نے کام انمول کیا ہے۔''

''نو سر! میری فیس عبداللہ صاحب نے پہلے ہی دے دی ہے۔'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔

''پھر بھی میری خوشی سے یہ رکھ لو۔'' میں نے اسے دو ہزار دیئے۔ یہ مال غنیمت مجھے پک اَپ والے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیب سے ملا تھا جسے میں بے دردی سے اڑا رہا تھا۔

"تھینک یو سر! اگر آپ کو پھر میری خدمات کی ضرورت ہو تو مجھے کال کر لیجئے گا۔" اس نے کہا۔ "یہ سارا آسانی سے اتر جانے والا میک اپ ہے کسی بھی چکنی جلد کے لئے مخصوص صابن کے استعمال سے یہ آسانی اتر جائے گا۔ اس کے بعد اولیو آئل سے ہلکا سا مساج آپ کے چہرے کو اصل حالت میں لے آئے گا۔"

مسز صورتیج کے جانے کے بعد میں نے ناصر کی طرف دیکھا۔ "کوئی خاص اطلاع؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، ان تینوں کے بارے میں مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ کسی تھانے میں ان کی اطلاع نہیں ہے۔ اگر وہ پولیس کی تحویل میں ہیں تو اس نے ان کی گرفتاری ظاہر نہیں کی ہے۔"

سفیر، مونا اور ایمن اگر پولیس کے پاس نہیں تھے تو پھر امکان تھا وہ دشمن کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ اب دشمن کون تھا؟ فتح خان یا مرشد علی۔ ان دونوں میں مرشد علی زیادہ خطرناک تھا۔ مگر امکان یہی تھا کہ وہ دشمن فتح خان تھا۔ وہ ایمن کے لئے پاگل ہو رہا تھا کیونکہ ایمن کے قبضے میں آنے کی صورت میں اسے وہ ہیرے مل جاتے جن کے لئے وہ گیارہ سال سے سرگرداں تھا۔ بہرحال دشمن فتح خان بھی تھا اور اگر اس کا مرشد علی سے اشتراک جاری تھا تو وہ سفیر اور مونا کو اس کے حوالے کر سکتا تھا۔ "تم کو یقین ہے، اس غیر قانونی بستی میں وہ اڈا جاپی شاکا ہے؟" میں نے ناصر سے پوچھا۔

"سونی صدا اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کر سکتے ہو کہ جاپی شاہ ہفتے میں کم سے کم ایک چکر وہاں کا ضرور لگاتا ہے۔ لاہور اور اس کی نواحی بستیوں میں پی جانے والی آدھی سے کچی شراب اسی اڈے پر تیار ہوتی ہے۔ سال میں کروڑوں کا بزنس ہوتا ہے۔"

"تو پھر چلو..... میں ابھی آیا۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے برٹا اور اسمتھ اینڈ ولسن دونوں اپنی جیکٹ میں رکھے۔ عبداللہ کو کال کر کے گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست کرنے کو کہا۔ پندرہ منٹ بعد میں اور ناصر ڈرائیور کے ساتھ ائرفیلڈ کی طرف جا رہے تھے اور یہ ڈرائیور صفدر تھا۔ وہ واپس آ گیا تھا جبکہ فرمان علی بدستور اللہ دسایا کے گاؤں میں تھا۔ وہ صبح سویرے وہاں چلا گیا تھا۔ عبداللہ نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ پرائیویٹ کار والے ڈرائیور کی تلاش کے لئے وہاں رہے اور جیسے ہی ڈرائیور یا اس کی گاڑی کا سراغ ملے اسے فوری اطلاع دے۔

"تم خوش قسمت آدمی ہو۔" ناصر نے تازہ سگریٹ سلگائی۔ وہ بلانوش تھا سگریٹ کے معاملے میں۔

"تبھی در بدر مارا مارا پھر رہا ہوں۔"

"یہ تو نقطۂ نظر کی بات ہے۔" اس نے گہرا کش لیا۔ "تم ایک رومانٹک زندگی بسر کر رہے ہو۔ کسی فلمی ہیرو کی طرح۔ تمہارے دشمن بھی زبردست ہیں اور دوست بھی۔"

"تم اپنا شمار کس میں کرتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے نیم وا آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "میں نے کبھی کسی شخص پر اتنی تیزی سے اعتماد نہیں کیا۔"

"اور میں سرے سے کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا صرف بے وقوف لوگ کہتے ہیں۔''

اس نے شیشہ نیچے کر کے ٹوٹا باہر اچھال دیا۔ ''درست کہا تم نے۔ مجھ میں بے وقوف بننے کی زبردست صلاحیت ہے۔ ورنہ اس طرح جوتیاں چٹخانے کے بجائے کسی عالی شان کوٹھی میں بیٹھا ہوتا ادھر یہ حال ہے ایک بائیک ہے دو ہفتے سے خراب کھڑی ہے، مکینک نے مزید ادھار کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے بے شک میں اس کے خلاف اخبار میں اداریہ چھپوا دوں۔ وہ میری بائیک کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔''

''دوست! ضمیر کی آواز پر کان دھرنے والے دنیا میں عام طور سے اسی طرح خوار ہوتے ہیں۔'' میں نے خلوص سے اسے تسلی دی۔ ''تم اکیلے نہیں ہو دوست!''

چند منٹ بعد کار ائرفیلڈ کی پارکنگ میں رکی تھی۔ صفدر کو کار میں چھوڑ کر ہم ائرفیلڈ کی عمارت کی طرف آئے، وہاں ایک تقریباً گنجا نوجوان اپنے شانے پر مخصوص بیگ لٹکائے کھڑا تھا جس میں کیمرے اور ان کے لوازمات رکھے جاتے ہیں۔ اس نے ناصر سے ہاتھ ملایا۔ ''ایسی بھی کیا ایمرجنسی تھی؟''

''بیٹے! آج تمہیں ایک ایسی جگہ کی تصاویر اتارنے کا اعزاز حاصل ہوگا، جہاں کوئی پریس فوٹو گرافر نہیں پھٹک سکا۔'' ناصر نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''یہ میرے دوست ملک صاحب ہیں اور ملک صاحب! یہ شیری ہے، ہمارا بہترین پریس فوٹو گرافر۔''

شیری نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد ہم عمارت میں آئے۔ اس کے دوسری طرف ہینگر اور کھلے حصوں میں کئی طیارے کھڑے تھے۔ گیٹ کے نگراں نے رفیق رضا کا حوالہ سن کر ہمیں جانے دیا۔ رفیق ایک بائی پلین کے پہیوں کی ہوا چیک کر رہا تھا۔ وہ تقریباً چالیس برس کا سانولا اور گھنی مونچھوں والا شخص تھا۔ جس نے سن گلاسز لگا رکھے تھے۔ تعارف کے بعد ناصر نے مجھ سے کہا۔ ''ملک صاحب اسے پانچ ہزار دے دیں۔''

میں نے اسے رقم دی اور اس نے طیارے کا دروازہ کھولا۔ ''کتنے افراد جائیں گے؟''

''ہم تینوں ہیں۔'' ناصر نے جواب دیا۔

اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ میں اور ناصر عقبی نشست پر آئے جبکہ شیری نے پائلٹ کے برابر والی نشست سنبھالی تھی۔ رفیق نے کنٹرول ٹاور سے بات کی اور بائی پلین کو موڑ کر رن وے پر لے آیا۔ یہ سنگل پٹی رن وے تھا۔ طیارے نے دوڑ لگائی اور زقند بھر کر ہوا میں بلند ہوا تھا۔ شروع میں تو دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا لیکن جلد ہی ہم نارمل ہو گئے۔ رفیق نے ناصر سے پوچھا۔ ''کس طرف جانا ہے؟''

''جی ٹی روڈ کی طرف۔ لاہور کی حدود جہاں شروع ہوتی ہیں۔'' ناصر نے چلا کر بتایا۔ کیبن پریشر نہ ہونے کی وجہ سے انجن کا شور کانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ بہرحال تین ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر صورت حال بہتر ہوئی تھی۔ شیری سہما ہوا تھا۔ ناصر نے اس سے کہا۔ ''اپنا کیمرا نکالو، سب سے اچھا ٹیلی لینس لگانا، تصویریں بالکل صاف آنی چاہئیں۔''

''تم بے فکر رہو۔'' شیری نے اپنا بیگ کھول کر جدید ترین ڈیجیٹل کیمرا نکالا، جس کی اسکرین الگ ہو جاتی تھی اور اس پر طاقتور ٹیلی لینس فٹ کرنے لگا۔ یہ لینس کیمرے سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔ ہم ٹھیک دو بجے روانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے تھے اور دس منٹ بعد ہم کوئی تیس میل دور جی ٹی روڈ کے اس حصے پر تھے جہاں سے ہائی وے لاہور میں داخل ہوتی تھی۔ ناصر نے نیچے دیکھا اور رفیق سے کہا۔ "یہ جو اس بھٹے کے قریب آبادی نظر آ رہی ہے، اس کے اوپر لے چلو۔"

اینٹوں کا بڑا سا بھٹا تھا جس کا مینار نمایاں تھا۔ رفیق طیارہ گھما کر اس کے ساتھ والی بستی کے اوپر لے آیا۔

"اس کے اوپر اینٹی کلاک وائز چکر لگاتے رہو۔ بلندی ذرا کم کر لو۔"

"پندرہ سو فٹ سے نیچے نہیں آ سکتا۔" رفیق نے آگاہ کیا۔

"کیا خیال ہے اتنی دوری کافی ہے؟" ناصر نے شیری سے پوچھا۔

"بالکل کافی ہے۔ یہ لینس تو ایک میل دور کھڑے آدمی کی تصویر بھی لے سکتا ہے۔"

"ملک صاحب! وہ مکان دیکھ رہے ہیں؟" ناصر نے طیارہ نیچے آنے پر ایک خاصے بڑے رقبے پر پھیلے قلعہ نما مکان کی طرف اشارہ کیا۔ "جس کے اوپر سیاہ رنگ کا جھنڈا لہرا رہا ہے؟"

میں نے بغور دیکھا۔ مکان کے چاروں طرف موٹی فصیل نما دیوار تھی۔ اوپر سے پتا نہیں چل رہا تھا مگر اس کی اونچائی بھی تقریباً خاصی تھیں دیواروں کے اندر کوٹھریوں کے دو سلسلے تھے۔ ایک مین گیٹ کے ساتھ، دوسرا صحن کے پار عقبی دیوار کے ساتھ۔ صحن میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں اور ایک طرف چھپر کے ساتھ انتھا دھواں بتا رہا تھا کہ اس کے نیچے تنور روشن ہے۔ چار پائیوں پر کئی افراد تھے۔ میں نے رفیق سے پوچھا۔

"کیا ان لوگوں کو طیارہ نظر آ رہا ہوگا؟"

"لازمی بات ہے جناب!" اس نے گویا میری عقل کا ماتم کیا۔ "جب یہ ہمیں نظر آ رہے ہیں تو طیارہ بھی ان کو نظر آ رہا ہوگا۔"

"طیارے کی آواز بھی ان تک جا رہی ہوگی؟"

"اگر نیچے مکمل خاموشی ہے تو کان لگا کر سننے پر اس کی گڑگڑاہٹ سنائی دے سکتی ہے۔"

"کوئی خاص طور سے منہ اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھتا اور اگر کسی کو طیارہ نظر بھی آ گیا تو وہ اسے خاص اہمیت نہیں دے گا۔" ناصر نے نیچے جھانکتے ہوئے کہا۔ رفیق نے طیارے کو اینٹی کلاک وائز ایک دائرے میں اڑانا شروع کر دیا تھا اور شیری نے تصویریں لینا شروع کر دیں۔ اس نے کیمرا اکھڑی پر سیٹ کر لیا تھا اور اسکرین میں دیکھ کر تصویریں لے رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"کوشش کرنا، چہرے واضح آئیں۔"

"فکر نہ کریں جناب! نیچے کوئی کتے کا پلا ہے تو وہ بھی میرے کیمرے سے نہیں بچ سکے گا۔"

رفیق طیارے کو چکر دے رہا تھا اور میں اردگرد کا علاقہ دیکھ کر ذہن نشین کر رہا تھا۔ مکان بستی کے آخری حصے میں تھا اور چند مکانوں کے بعد کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ کوئی فرلانگ بھر بعد ایک اور سڑک تھی جو لاہور کی طرف ہی جا رہی تھی۔ بستی جی ٹی روڈ سے کچھ فاصلے پر تھی۔ پونے تین بجے رفیق نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ اس نے طیارہ واپس ائرفیلڈ کی طرف موڑ دیا، تین بجے ہم اتر چکے تھے۔ میں اور شیری عمارت تک آئے۔ ناصر رفیق کے پاس رک گیا تھا۔ وہ اسے پکا کر رہا تھا کہ ان باتوں کا ذکر کسی سے نہ کرے اور لاگ بک میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف لاہور کی فضائی سیر کا ذکر کرے۔

"یہ تصویریں ہمیں کیسے ملیں گی؟"

"کس صورت میں چاہئیں، پرنٹ کروانے میں تو بہت وقت لگے گا؟"

"یو ایس بی میں دے دو۔"

"یو ایس بی!" اس نے سر کھجایا۔ "یہ تو میرے کام کی ہیں۔ ایسا کرتے ہیں ساری تصویریں سی ڈی میں ڈال کر دے دیتا ہوں..... لیکن میرے دفتر چلنا ہوگا۔"

ناصر آیا تو میں نے اسے تصویروں کے بارے میں کہا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا۔ "تم چلے جاؤ، میں شام تک تصویریں لے کر آؤں گا۔"

میں صفدر کے ساتھ واپس راجا عمر دراز کے بنگلے پر پہنچا۔ عبداللہ میرا منتظر تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "پہلے کھانے کا بندوبست کرو، بھوک لگ رہی ہے۔"

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے اسے سفر اور جاسوسی کی تفصیلات سنائیں۔ "عقبی طرف سے داخل ہونے کی گنجائش نظر آئی ہے۔ کیا تم چند چیزوں کا بندوبست کر سکتے ہو؟"

"حکم کریں جناب! میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا۔"

"کچھ عرصے پہلے راجا صاحب نے کمانڈوز کی ایک ٹیم ہائر کی تھی جو ایک بلاسٹ میں ماری گئی، ان کے پاس انسان کو بے ہوش کر دینے والی ایک گیس سی فائیو تھی۔ میں نے عملی طور پر اس کی کارکردگی دیکھی ہے۔ کیا وہ یہاں مل سکتی ہے؟ اس کے ساتھ اس گیس کے لئے مخصوص گیس ماسک بھی استعمال ہوتے ہیں۔"

"میں کوشش کرتا ہوں جناب!"

"فوری طور پر معلوم کرو اور مل جائے تو کسی بھی قیمت پر اسے حاصل کرو۔"

عبداللہ کے جانے کے بعد میں نے ناصر سے رابطہ کیا۔ "تصویریں لا رہے ہو؟"

"میں پندرہ منٹ میں آ رہا ہوں۔ وہاں کمپیوٹر ہے؟ تصویریں سی ڈی میں ہیں۔ ورنہ میں کسی کا لیپ ٹاپ بھی لے آتا ہوں؟"

"ایک منٹ!" میں نے اسے ہولڈ کرا کے دوسرے فون پر عبداللہ سے رابطہ کیا۔ "بنگلے میں کمپیوٹر ہے؟"

"بالکل ہے جناب، میں ابھی ہدایت کرتا ہوں، ملازم آپ کے کمرے میں سیٹ کر جائے گا۔"

میں نے ناصر سے کہا۔ "تم سی ڈی لے کر آ جاؤ، کمپیوٹر ہے یہاں۔"

دس منٹ بعد بنگلے کا ایک ملازم کمپیوٹر مع ٹرالی کے لے آیا۔ یہ برانڈڈ سسٹم تھا۔ جس میں جدید ترین سی پی یو کے ساتھ انیس انچ کا ایل سی ڈی مانیٹر بھی تھا۔ ملازم نے سوئچ میں پلگ لگا کر اسے آن کر دیا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔" میں نے اسے کہا۔

ناصر اس کے چند منٹ بعد آ گیا تھا۔ اس کے پاس ایک پیک سی ڈی تھی۔ "تمہارے چکروں میں دوپہر کے کھانے سے بھی گیا۔" اس نے شکوہ کیا۔

"کھانا مل جائے گا مگر معاف کرنا، میں نے پیٹ کی اتنی فکر کرنے والا صحافی پہلی بار دیکھا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیونکہ بندہ تین ٹائم کھانے اور کوئی چالیس پچاس سگریٹ کی عیاشی کرتا ہے۔ کافی مل جاتی ہے تو عیاشی ڈبل سمجھو۔''

میں نے کچن میں کافی اور کلب سینڈوچز لانے کو کہا۔ ناصر نے سی ڈی روم میں سی ڈی ڈالی۔ ''ابھی اندر آتے ہوئے میں نے ایک نمونہ دیکھا تھا، اس کا تعلق شاید شمالی علاقے سے ہے۔ اس نے شاہی خاندانوں کی سی قبا پہن رکھی تھی۔''

''وہ بیگ ہے، اس بنگلے کے مالک کا معتمدِ خاص!''

''اگر وہ بیگ ہے تو یہ راجا عمر دراز کا بنگلا ہے کیونکہ میری معلومات کے مطابق راجا عمر دراز جس کا تعلق شمالی علاقے سے ہے اس کے سیکرٹری کے نام میں بیگ آتا ہے۔''

میں نے اسے گھورا۔ ''لگتا ہے تم نے یہاں آنے سے پہلے کچھ چکر چلایا ہے!''

وہ مسکرایا اور معصومیت سے بولا۔ ''نہیں یار! سچائی ہوں، معلومات خود دوڑی چلی آتی ہیں۔''

میں نے تصویریں اوپن کیں۔ پہلی تصویر نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ طاقتور ٹیلی لینس نے مکان کو بالکل واضح کر دیا تھا۔ پندرہ سو فٹ کی بلندی سے مجھے صرف ایک دھندلا سا خاکہ نظر آ رہا تھا لیکن یہ تصویر جیسے چند فٹ کی بلندی سے لی گئی تھیں۔ شیری واقعی اپنے کام میں ماہر تھا۔ اس نے محض نصف گھنٹے میں کوئی ڈیڑھ سو تصویریں اتار لی تھیں اور یہ سب ہائی پکسل تھیں جن کو اور بھی بڑا کر کے دیکھا جا سکتا تھا۔ مکان کے خدوخال واضح تھے۔ اس کے چاروں طرف کوئی دو سے ڈھائی فٹ موٹی اور دس گیارہ فٹ اونچی دیوار تھی۔ داخلی دروازے کے دونوں طرف قطار میں کمرے تھے، ان کے بعد صحن تھا اور مخالف دیوار کی طرف کمروں کی ایک قطار اور تھی۔ میں نے مختلف تصویروں سے اندازہ لگایا۔ دونوں جانب ملا کر کل تیرہ کمرے تھے اور یہ مکان کم سے کم سات آٹھ سو گز یا سوا کنال پر بنا ہوا تھا۔

صحن میں ایک طرف چھپر تھا جو کھانا پکانے اور کھانے کے لئے مخصوص تھا تو دوسری طرف ایک قطار میں تین چار لیٹرین اور غسل خانے تھے۔ کم سے کم ان کے سائز سے یہی ظاہر تھا۔ صحن میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں، ایک پرانے ملٹری ماڈل کی بڑی والی جیپ تھی اور ایک شہ زور پک اَپ تھی۔ صحن میں پانچ چھ چارپائیاں بچھی تھیں۔ ان پر چار پانچ افراد محوِ استراحت تھے۔ کچھ تصویروں میں مختلف لوگ اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ اچانک ایک تصویر نے مجھے چونکایا۔ ایک کمرے سے ایک شخص باہر آ رہا تھا۔ اس نے نیلے رنگ کی جیکٹ پہن رکھی تھی اور سر کے بال لائٹ براؤن تھے۔ مجھے لگا وہ سفیر ہے۔ سفیر نے اسی رنگ کی جیکٹ پہنی تھی جب وہ وین لے کر گیا تھا۔ میں نے بے تابی سے دوسری تصویریں دیکھیں۔ ایک اور تصویر میں وہ مجھے ایک شخص کے ساتھ باتھ روم کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اس میں بھی اس کی صورت واضح نہیں تھی۔ البتہ اس کی سیاہ پتلون نظر آ رہی تھی اور سفیر کسی گہرے رنگ کی پتلون پہنے ہوئے تھا۔ تصویر سے لگ رہا تھا کہ اسے نگرانی میں باتھ روم لے جایا جا رہا ہے۔ میں نے ناصر کو بتایا۔ ''یہ شخص مجھے سفیر لگ رہا ہے۔''

''سفیر!'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''وہ یہاں کہاں ہیں؟''

میں نے تصویر کو ممکنہ حد تک زوم کیا۔ اس کا چہرہ کسی حد تک نظر آیا تھا لیکن یہ جھلک اتنی کافی نہیں تھی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اسے یقین سے سفیر کہہ سکتا اگر چہ اس میں سفیر کی جھلک تھی۔ میں کس طرح تصدیق کرتا! میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پھر میں نے موبائل پر فرمان سے رابطہ کیا۔ ''سر، ابھی تک کوئی پتا نہیں ہے۔'' اس نے مجھے بتایا۔

''فرمان، یہ معلوم کرو کہ کار کا ماڈل کیا ہے، رنگ اور نمبر.....؟''

''ساری تفصیلات میں نے پہلے ہی لے لی ہیں۔ سفید رنگ کی ٹویوٹا کرولا ہے۔ پچاسی ماڈل ہے نمبر لاہور کا ہے۔'' اس نے مجھے نمبر بتایا۔

میں نے فون بند کر کے تصویروں میں سے وہ تصویریں نکالیں جن میں علاقہ نمایاں تھا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور مجھے ایک بند گلی میں سفید رنگ کی کار نظر آئی۔ میں نے اسے زوم کر کے دیکھا۔ کار کے دائیں طرف بونٹ کے اوپر ڈینٹ کا نشان نمایاں تھا۔ میں نے اس کا نمبر دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ نظر نہیں آیا۔ میں نے پھر فرمان کو فون کیا۔ ''کار پر دائیں جانب بونٹ پر ڈینٹ کا نشان ہے؟''

''ایک منٹ میں پوچھ کر بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

ناصر غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''تم اس وقت کسی جاسوس کی طرح کام کر رہے ہو۔''

میں مسکرایا۔ البتہ کان دوسری طرف ہی لگا رکھے تھے۔ فرمان نے چند منٹ بعد قدرے جوش سے کہا۔

''جی ہاں، ان کا کہنا ہے کار پر ڈینٹ ہے۔ بچے نے ہتھوڑا مار دیا تھا۔''

''فرمان، تم فوراً واپس آؤ۔ لاہور کی حدود سے ذرا پہلے مشرق کی طرف جی ٹی روڈ کے ساتھ ایک بھٹا ہے، اس کے ساتھ ایک بستی ہے، تم وہاں کسی ہوٹل کے پاس رک جاؤ اور اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔''

''سر، میں ابھی روانہ ہوتا ہوں۔''

میں نے ناصر کی طرف دیکھا۔ ''یہ وہی کار ہے جس میں سفیر، مونا اور ایمن روانہ ہوئے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ جامی شاہ کے اس اڈے پر ہیں۔''

''اسے بولتے ہیں ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ تم شکیل اور سونیا نامی خاتون کی تلاش میں ہو اور تم کو اپنے ساتھی مل گئے۔'' ناصر نے مٹھی میں دبے سگریٹ کا کش لیا۔

''شکیل اور سونیا بھی میرے ہی ساتھی ہیں۔''

ناصر آلتی پالتی مار کر مہاتما بدھ کے اسٹائل میں بیٹھ گیا اور سر کھجا کر بولا۔ ''یار، میں نے تمہارے کیس کا بغور مطالعہ کیا ہے، میری سمجھ میں یہ سارا چکر نہیں آ رہا۔''

''آ جائے گا۔'' میں نے ٹالنے کی نیت سے کہا کیونکہ فی الحال میں اسے داستان غریب حمزہ سنانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ''ابھی تمہیں میرے پاس آئے، آٹھ دن کیا، آٹھ گھنٹے بھی نہیں گزرے ہیں۔''

ملازم ٹرالی میں سینڈوچز اور کافی لے کر آیا۔ ناصر نے ان پر حملہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں آٹھ گھنٹے کا نہیں، آٹھ منٹ والا آدمی ہوں..... اصولاً.....'' اس نے نصف سینڈوچ ایک بار میں حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔ ''تم سب کو اس ملک سے بھاگ جانا چاہئے تھا۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔

''لیکن تم لوگ پوری ثابت قدمی اور ڈھٹائی سے یہاں موجود ہو اور دشمن سے مار کھا رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، صرف مارتو نہیں کھا رہے، حسبِ توفیق مارا بھی ہے۔''

''ہاں، جتنا کوئی بارہ سنگھا کسی ہاتھی کو مار سکتا ہے۔'' ناصر نے سر جھٹکا۔ ''سوال پھر وہی ہے کہ تم لوگ کیوں ڈٹے ہوئے ہو؟ جان بچا کر بھاگ کیوں نہیں جاتے؟ مرشد علی، فتح خان اور جامی شاہ سب اپنی اپنی جگہ مافیا ہیں اور آدمی مافیا سے لڑ نہیں سکتا۔''

''یہ بھی درست ہے۔'' میں نے اسے بھی تسلیم کیا۔

''تب تم امریکا یا یورپ میں کیوں نہیں ہو؟'' ناصر نے کمپیوٹر ٹرالی کی سطح پر مکا مارا۔

''اسے تم دماغ کا خلل کہہ سکتے ہو۔''

''اسے عشق کہتے ہیں اور میری معلومات کے مطابق تمہیں یہ عارضہ لاحق نہیں ہوا ہے۔''

''اس بار تمہاری معلومات غلط ہیں۔''

''یعنی ہوا ہے۔'' وہ میرے قریب کھسک آیا۔ ''کب..... کس سے اور کہاں؟''

''یہ سب بتانے والا نہیں ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''یعنی صیغۂ راز میں ہے۔'' ناصر نے بھی آہ بھری تو اس کے منہ سے دھواں نکلا۔ ''مسئلہ جوں کا توں ہے۔''

''اور رہے گا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''مجھ سے گزشتہ چھ مہینے میں جو بھی ملا ہے، اس نے یہی مشورہ دیا ہے مگر اسے تقدیر کے لکھے کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہم بدستور اس سرزمین بے دستور پر زندہ ہیں۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔'' ناصر نے سگریٹ کافی کے خالی مگ میں ڈال دیا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

''اپنے ساتھیوں کو بازیاب کرانے کے لئے جو بھی بن پڑا۔'' میں نے جواب دیا۔

''یعنی کمانڈو ایکشن!'' اس نے غور کیا۔ ''قتل و غارت گری، ڈز، ڈز۔''

''ظاہر ہے، جامی شاہ جیسے لوگ شرافت سے کب کسی کی مانتے ہیں!''

''تب تو بندہ چلا کیونکہ زبان اور قلم کے سوا کوئی تیسری چیز چلانی نہیں آتی ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے بٹھا لیا۔ ''مجھے تمہاری اخلاقی مدد کی ضرورت ہے۔''

''مجھے اپنے دفتر جانا ہے اور ایڈیٹر کو منہ دکھانا ہے۔ چار دن سے اسے ایک رپورٹ کا لارا دے رکھا ہے، آج رپورٹ نہ دی تو میری جان لے لے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''ویسے بھی تم جتنی دل جمعی سے سگریٹ نوشی کرتے ہو کینسر یا اچانک ہارٹ فیل سے تمہارے مرنے کے امکانات روشن ہیں۔''

''اچھا، میں اسے کوئی نیا لارا تو دے دوں۔'' اس نے جیب سے موبائل برآمد کیا اور اخبار کے مدیر کو کال کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی دوسری جانب سے گالیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔

''اوہ بھائی! میری بھی تو سنو..... ایک چکر میں پھنس گیا ہوں۔'' ناصر نے بمشکل اپنی بات کی۔

گالیوں کی دوسری بوچھاڑ میں چکر کی بھی ایسی کم تیسی کی گئی تھی۔ بہرحال ناصر نے اس آتش فشاں مدیر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی نہ کسی طرح ٹھنڈا کر دیا تھا۔ چکر کے بارے میں اس نے شدید غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے اسے صنفِ نازک میں شامل کیا اور کل بہ نفسِ نفیس اسے لے کر مدیر کی خدمت میں حاضر ہونے کی شرط پر امان پائی تھی۔

"بہت ہی ٹھرکی آدمی ہے۔" ناصر نے موبائل جیب میں رکھا۔

"اب کل اسے چکر کہاں سے پیش کریں گے؟"

"اس کے لئے کوئی دوسرا چکر دینا ہوگا۔" اس نے سرد آہ بھری۔

میں نے عبداللہ سے رابطہ کر کے اسے صورتِ حال بتائی۔ "میرے ساتھی وہاں موجود ہیں۔ تم آجاؤ تو ہم کوئی پلان تیار کرتے ہیں۔"

"میں نے سی فائیو کا انتظام کر لیا ہے، گیس ماسک بھی ہیں لیکن اس کا توڑ نہیں مل سکا ہے۔" اس نے بتایا۔

"کوئی بات نہیں، یہ بھی کافی ہے تم کب تک آ رہے ہو؟"

"ایک گھنٹے میں جناب!" اس نے بتایا۔

"میں نے موبائل بند کیا تھا کہ سیکرٹری بیگ، راجا عمر دراز کا بلاوا لے کر آیا۔ میں ناصر کو وہیں چھوڑ کر اس کے پاس پہنچا، وہ حسبِ معمول جھولنے والی کرسی میں مزے کر رہا تھا۔ "برخوردار! کن چکروں میں ہو؟"

میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ گزشتہ اٹھارہ گھنٹے میں مجھے کیا معلوم ہوا تھا اور میرے کیا عزائم تھے، وہ غور سے سنتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"مجھے یہ کام خاصا مشکل لگ رہا ہے کیا تم محدود افرادی قوت کے ساتھ کر لو گے؟"

"جناب، مجھے اپنے ساتھیوں کو آزاد کرنا ہے چاہے اس کے لئے مجھے اکیلے ہی کیوں نہ جانا پڑے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ "میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ میرے تمام تر وسائل تمہارے لئے موجود ہیں۔"

"شکریہ راجا صاحب! خدا کے بعد اس زمین پر آپ میرا سہارا ہیں۔"

"فکر مت کرو۔" وہ مسکرایا۔ "میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں۔"

"راجا صاحب، ممکن ہوا تو میں آج رات ہی جامی شاہ کے اڈے میں گھسنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم جو بھی کرو، پوری ہوش مندی سے اور اپنا خیال رکھتے ہوئے کرنا۔" راجا عمر دراز نے گویا مجھے نصیحت کی۔ میں واپس آیا تو ناصر غائب تھا۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا۔ بہر حال میں نے اسے وقت گزاری کے لئے روکا تھا ورنہ اس سے جو کام لینا تھا، وہ تو میں نے لے لیا تھا۔ عبداللہ آدھے گھنٹے بعد آیا تھا، میں تصویریں دیکھ رہا تھا کہ شاید کوئی اور کام کی بات علم میں آئے۔ عبداللہ بھی تصویروں کے معائنے میں شامل ہو گیا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے تعریفی انداز میں سر ہلایا۔ "جس نے بھی تصویریں لی ہیں، کمال کی لی ہیں، ان سے ہمارا آدھا کام ہو گیا ہے۔"

"پیشہ ور فوٹو گرافر بلایا تھا ناصر نے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب میرا خیال اس کے بارے میں بدل گیا ہے۔'' عبداللہ کسی قدر بے تکلفی سے بولا۔ ''وہ واقعی کام کا بندہ ہے۔''

''یہ بتاؤ، اگر ہم اس جگہ حملہ کریں اور اپنے ساتھیوں کو صحیح سلامت نکال لانے کی کوشش کریں تو کس طرف سے داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہئے اور کتنے آدمی ہمارے ساتھ ہونے چاہئیں؟''

''آدمی تو مجھ سمیت صرف تین ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''دوسرے دو فرمان اور صفدر ہیں۔''

''یعنی ہم چار۔'' میں نے غور کیا۔ ''اور اندر داخل ہونے کے لئے کیا، کیا جائے؟''

عبداللہ غور سے مکان کی مکمل تصویر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے وہی کہا جو میرے ذہن میں تھا۔ ''عقبی حصہ موزوں رہے گا لیکن ان کمروں کی چھت پر کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوگا!''

''سی فائیو کا استعمال آتا ہے؟''

''نہیں جناب! میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں ہے۔''

''جب آئے گی تو میں طریقہ بتاؤں گا۔ گیس ماسک چیک کرنا ہوں گے ورنہ غیر مؤثر ہونے کی صورت میں گیس ہم پر بھی اثر کر جائے گی۔''

''میں نے صفدر کو بھیج دیا ہے، وہ نو بجے تک لے آئے گا۔'' عبداللہ بولا۔

''دوسرے اسلحے کی کیا پوزیشن ہے؟''

''لائٹ آرمز میں سب مل جائے گا۔ گرینیڈ بھی ہیں اور اسموک گرینیڈ بھی۔''

''گڈ! دونوں لے لو۔ پھنس جانے کی صورت میں راستہ صاف کرنے کے کام آئیں گے۔'' میں نے ہدایت کی۔ ''باقی اسلحہ وہی لیا جائے جسے چلانا آتا ہو۔ مجھے ایک عدد ہلکی خودکار رائفل چاہئے۔''

''اے کے چوہتر ہے۔''

''سب کے پاس خاموش پستول ہونے چاہئیں۔ فائرنگ کی نوبت آئے تو سب سے پہلے ان کو استعمال کرنا۔''

''میں سمجھ گیا جناب! کیا آج رات ہی ایکشن کرنا ہے؟''

''جلد از جلد، جتنی دیر ہوگی، نتائج اتنے ہی غیر یقینی ہو جائیں گے۔ ممکن ہے میرے ساتھیوں کو کہیں اور منتقل کر دیا جائے۔ ہمارے پاس اتنی قوت نہیں ہے کہ ہم ان کی نگرانی کر سکیں۔''

میں نے عبداللہ کو وہ کار دکھائی جس میں سفیر، مونا اور ایمن سفر کر رہے تھے۔ ''میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یہ جامی شاہ کے ہتھے کیسے چڑھے۔''

''ممکن ہے جیسے آپ کو اتفاق پیش آیا تھا اسی طرح یہ بھی اتفاق سے ان سے جا ٹکرائے؟''

''مگر ان کو پکڑا کیوں گیا؟'' میں نے اضطراب سے کہا۔ ''نہ میں اور میرے ساتھی جامی شاہ کو جانتے ہیں اور نہ وہ ہمیں جانتا ہے۔''

''ایسا نہ کہیں جناب! ممکن ہے مرشد علی نے اس سے رابطہ کیا ہو اور آپ کے بارے میں معلومات فراہم کی ہوں۔ مرشد علی جیسے لوگ ہمیشہ بدمعاشوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔"

نو بجے رات کا کھانا کھا کر میں نے کچھ دیر آرام کیا۔ صفدر سی فائیو گیس کے دو سلنڈرز اور چھ عدد گیس ماسک لایا تھا۔ عبداللہ نے اس کا استعمال سیکھ کر ماسک چیک کر لئے تھے۔ تمام ماسک اچھی حالت میں تھے۔ بارہ بجے میں نے تیاری شروع کی۔ بہترین قسم کے جوتے اور ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرنے والے دستانے عبداللہ نے مہیا کئے تھے۔ ایک خاص قسم کی آرمی جیکٹ جس میں گرینیڈز اور میگزین لگانے کے لئے جیبیں تھیں۔ بیلٹ میں دو عدد پستول رکھنے والے ہولسٹر تھے۔ اس نے مجھے اے کے چوہترا کر دی جو کلاشنکوف کی سب سے چھوٹی اور مہلک ترین قسم تھی، اس کے چار عدد فاضل میگزین بھی تھے۔ ایک بجے ہم روانہ ہوئے۔ میں اور عبداللہ عقبی نشست پر تھے۔ صفدر ڈرائیونگ کر رہا تھا جبکہ فرمان بستی کے باہر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ طاقتور پجارو جیپ تیز رفتاری سے سڑکیں ناپتی رہی، صفدر کو لاہور کا سارا ہی علاقہ ازبر تھا۔ جب اسے سڑک کے بارے میں بتایا جو غیر قانونی بستی کے عقب سے گزرتی تھی تو اس نے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں، میں آپ کو اس طرف لئے چلتا ہوں۔"

"فرمان سے کہو، وہ بھی اس طرف آ جائے۔" میں نے عبداللہ سے کہا تو وہ اسے کال کرنے لگا تھا۔ فرمان کو اس سڑک پر بلا کر اس نے مجھ سے کہا۔

"شہباز صاحب، بہتر ہوگا کہ ہم چار بجے کے بعد اپنا کام شروع کریں۔"

"کوئی بات نہیں، میرا اندازہ ہے اس جگہ پہنچتے پہنچتے تین تو بج جائیں گے۔"

"یہ شرفا کی بستی نہیں ہے۔ یہاں سارے غیر قانونی دھندے رات کو ہوتے ہیں۔ یہ صبح کے قریب جا کر سوتے ہوں گے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔ ہم جلد بازی نہیں کریں گے۔" میں نے کہا حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اُڑ کر اس مکان میں پہنچ جاؤں اور اپنے پیاروں کو آزاد کرا لوں۔ اب بھی میں جو قدم اٹھانے جا رہا تھا، جنگی حکمت عملی کے نقطۂ نظر سے یہ تقریباً خودکشی تھی، صرف چار افراد ایک ایسے قلعہ نما مکان پر ہلا بولنے جا رہے تھے، جس میں کم از کم درجن بھر ہر طرح کے اسلحے سے لیس چھٹے ہوئے بدمعاش تھے، ہمیں محض حملہ کر کے ان کو بے بس نہیں کرنا تھا بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی بحفاظت ان کے چنگل سے نکالنا تھا، میں نے عبداللہ سے کہا۔

"عبداللہ تم اور تمہارے ساتھی اب بھی فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ یہ میری لڑائی ہے، مجھے اپنے ساتھی چھڑانے ہیں تم پر اس کی ذمے داری نہیں ہے۔ اگر تم چاہو تو میرا ساتھ دینے سے انکار کر سکتے ہو۔"

"ہم انکار نہیں کر سکتے، ہماری خدمات راجا صاحب نے حاصل کی ہیں اور انہوں نے ہمیں آپ کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے۔"

"پھر بھی میں تمہیں تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں۔"

"آپ کسی بھی مرحلے پر مجھے خود سے پیچھے نہیں پائیں گے۔"

"سر! اتنے عرصے تک مفت کی روٹیاں توڑنے کے بعد مجھے ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع مل رہا ہے، میں اس سے کیسے محروم ہو سکتا ہوں؟" صفدر بولا۔

"اس میں خطرہ ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خطرہ کہاں نہیں ہے جناب اور ہم کسی سے کم نہیں ہیں۔" صفدر ہنسا۔ "آپ ہمیں دشمن سے کم نہیں پائیں گے۔"

تین بجے کے قریب ہم اس غیر قانونی بستی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ کھیتوں کے پار سڑک کے دونوں جانب گھنے درخت تھے۔ روشنی نہ ہونے کی وجہ سے ہماری گاڑیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ فرمان اپنی جیپ میں ہمارا منتظر تھا۔ صفدر نے گاڑی روک دی۔ فرمان ہمارے پاس آیا۔ عبداللہ نے اسے بریف کیا۔ وہ تربیت یافتہ آدمی تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ "میں سمجھ گیا سر! اس جگہ سے بستی کے عقبی حصے تک کچا راستہ جا رہا ہے۔ وہاں تک گاڑیاں جا سکتی ہیں۔"

"ہمیں گاڑیاں مکان سے قریب کھڑی کرنی چاہئیں۔" میں نے کہا۔

"ایک آدمی گاڑیوں کے پاس ہونا چاہئے۔" عبداللہ نے تجویز دی۔

"اس کا مطلب ہے ہم تین آدمی اندر جائیں گے۔"

"گاڑیوں کو غیر محفوظ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ورنہ ایسا نہ ہو کوئی ان پر قابض ہو جائے اور ان کو ناکارہ کر دے اور ہم پھنس جائیں۔" اس نے اصرار کیا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک آدمی گاڑیوں کے پاس رہے گا۔" میں نے تسلیم کیا۔

"یہ کام صفدر بہتر طور پر کر سکے گا۔" عبداللہ نے فیصلہ سنایا جس پر صفدر نے احتجاج کرنا چاہا مگر پھر چپ رہا۔

"فرمان، تم یہ سیڑھی اٹھاؤ گے۔" عبداللہ نے جیپ کے عقبی حصے میں رکھی سیڑھی کی طرف اشارہ کیا۔ ہم نے اپنے ماسک گلے میں لٹکا لئے تھے، سلنڈرز میں نے اور عبداللہ نے اپنی کمروں سے باندھ لئے تھے۔ ان کی نوزل پر لگا ایک بٹن دبانے سے گیس نکلنے لگتی تھی، یہ ان سلنڈروں سے خاصے بڑے تھے جو میں نے نیک نام کے پاس دیکھا تھا اور بقول نیک نام، اس مختصر سے سلنڈر میں اتنی گیس تھی کہ ایک ہزار مربع میٹر کے علاقے میں کسی بھی جاندار کو بے حس و حرکت کر سکتی تھی۔ چار بجے کے قریب فرمان ریکی کے مشن پر روانہ ہوا۔ وہ جہ حرارت پانچ درجے سینٹی گریڈ تھا۔ عبداللہ کی گاڑی میں تھرمامیٹر لگا تھا۔ عبداللہ نے فرمان کے موبائل پر رابطہ کیا۔ وہ کھیتوں کے درمیان چلتا، جس میں دو ڈھائی فٹ تک گندم کی فصل لہلہا رہی تھی، بستی میں غائب ہو گیا۔ عبداللہ موبائل کان سے لگائے سرگوشیوں میں اس سے بات کر رہا تھا۔

"ابھی مکان میں روشنیاں جل رہی ہیں۔" عبداللہ نے مجھے بتایا۔

"وہ جس قسم کی جگہ ہے وہاں اندھیرا تو ہو ہی نہیں سکتا۔" میں نے کہا۔ "اس سے کہو کہ آوازوں پر کان لگائے اور معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ اوپر چھت پر کوئی ہے یا نہیں؟"

عبداللہ نے اس سے بات کی۔ پانچ منٹ بعد فرمان نے بتایا کہ کسی قسم کی کوئی آہٹ نہیں ہے اور دائیں عقبی طرف چھت پر کوئی نظر آ رہا ہے۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ "اسے وہاں رکنے کے لئے کہو..... ہم آ رہے ہیں۔"

عبداللہ! اب تم جاؤ، میں سب سے آخر میں آؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ نے اپنا موبائل میرے حوالے کیا اور سیڑھی لے کر چلا گیا۔ میں اور صفدر درختوں کی اوٹ سے اسے جاتا دیکھ رہے تھے، میں نے صفدر سے کہا۔ "تم گاڑیوں سے دور رہ کر ان کی نگرانی کرنا۔"

"جی سر!" اس نے کہا اور دو درختوں کی طرف اشارہ کیا جن کے تنے جڑے ہوئے تھے۔ "میں وہاں سے نگرانی کروں گا۔"

"درست، اب تم وہاں چلے جاؤ۔"

"اسی لمحے موبائل سے فرمان کی ہلکی سی آواز آئی۔ "شہباز صاحب، آپ آ جائیے۔"

میں درختوں سے نکل کر بستی کی طرف بڑھا۔ ہلکی سی چاندنی تھی اور ماحول نظر آ رہا تھا۔ مجھے تیز قدموں سے بستی تک آنے میں دو منٹ لگے۔ میں نے موبائل پر آہستہ سے پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟"

"دائیں طرف کی پہلی گلی میں مڑ جائیں۔ پھر بائیں طرف دوسری گلی!"

میں دوسری گلی میں مڑا تو عبداللہ اور فرمان کے ہیولے نظر آئے، عبداللہ نے سیڑھی کھولی، میں نے دیکھا دیوار کی اونچائی تقریباً چودہ فٹ تھی۔ عبداللہ نے سیڑھی مکمل طور پر کھول لی اور اسے احتیاط کے ساتھ آواز کیے بغیر ترچھا کر کے دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ اس نے فرمان سے کہا۔ "اوپر جاؤ اور کوئی نظر آئے تو آواز کیے بغیر اسے قابو کرنے کی کوشش کرو، ناؤ بری اَپ!"

فرمان اوپر چڑھ گیا اور دیوار کے دوسری طرف جھانکا اور ہمیں اشارے سے بتایا کہ اوپر کوئی نہیں۔ ہم بھی آ جائیں، میں اوپر گیا۔ اس دوران میں فرمان چھت پر اتر کر سیڑھیوں کے سامنے پوزیشن سنبھالے ہوئے تھا، اس نے اشارے سے مجھے بتایا کہ نیچے دو افراد ہیں۔ میں جھکا جھکا کنارے تک آیا۔ صحن میں دو چادر پوش ایک انگیٹھی پر ہاتھ تاپ رہے تھے۔ وہ پہرے دار تھے۔ وہ ایسی جگہ تھے کہ اگر ہم میں سے کوئی سیڑھیاں اترتا تو فوراً اُن کی نظر میں آ جاتا۔ عبداللہ میرے پاس آ گیا اور اس نے فرمان کو گلی کی نگرانی کے لئے بھیج دیا۔ صحن میں چاروں طرف طاقتور بلب روشن تھے اور ان کی روشنی چھت تک آ رہی تھی۔ اچانک عبداللہ نے میرا ہاتھ دبا کر ایک طرف اشارہ کیا۔ اس طرف ایک تار چھت سے گزر کر نیچے صحن تک جا رہا تھا۔ یہ بجلی کا تار تھا اور ان لوگوں نے غیر قانونی طور پر کنڈا لگا رکھا تھا۔ مجھے رکنے کا اشارہ کر کے عبداللہ اس طرف گیا، اس نے اپنی پنڈلی سے بندھا خنجر نکالا اور تار کو دہرا کر کے اس کے درمیان چاقو کا پھل پھنسا کر ایک ہی جھٹکے میں تار کاٹ دیا۔ فوراً ہی نیچے تاریکی چھا گئی تھی۔

"ہوئے..... اے کی ہویا؟" ایک نے کہا۔

"لوڈشیڈنگ!" دوسرا مزاحیہ انداز میں بولا۔

"صرف ہمارے لئے..... باقیوں کو تیری بے بے بجلی دے رہی ہے۔" پہلے نے غالباً ارد گرد دیکھ کر کہا۔ دوسری جگہوں پر روشنی نظر آ رہی تھی۔

"تو جا کر اوپر دیکھ لے۔"

"بیڑا غرق آج ہی ہماری باری آئی تھی۔" دوسرا بے زاری سے بولا اور چھت کی طرف آنے لگا۔

عبداللہ نے سیڑھیوں کے پاس دیوار تلے پوزیشن سنبھال لی تھی، میں نہیں دیکھ سکا کہ وہ کیا کرنے والا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ جیسے ہی اس شخص نے چھت پر قدم رکھا، عبداللہ نے اسے عقب سے ہاتھ بڑھا کر کچھ لگایا۔ اس کے منہ سے بھنچی ہوئی آواز نکلی اور وہ دھڑام سے فرش پر گر گیا۔ آواز اور گرنے کا دھماکا سن کر نیچے والا چلایا۔

"اوئے کیا بات ہے؟"

میں نے پھرتی سے گرنے والے کی موٹی گرم چادر لے کر اوڑھ لی اور آہستہ آہستہ کراہتا ہوا نیچے جانے لگا، میں نے جسم کو جھکا لیا تھا تاکہ قد اور جسامت نمایاں نہ ہو۔ دوسرا سیڑھیوں کے پاس آیا۔

"اوئے..... منہ سے کچھ پھوٹ کیا ہوا ہے؟"

میں نے کراہتے ہوئے اس کے پاس جا کر اچانک سر سے اس کے منہ پر ٹکر ماری۔ وہ اچھل کر پیچھے گرا میں نے پستول کا دستہ اس کے سر پر رسید کیا اور وہ ساکت ہو گیا۔ اس دوران میں معمولی سی آوازیں ہوئی تھیں۔ میں نے اسے شانے پر ڈالا اور اوپر لے آیا۔ دوسرا فرش پر ساکت پڑا تھا۔ ہم نے پھرتی سے ان کی تلاشی لی۔ ان کے پاس ایک دیسی ریوالور تھا۔ دوسرا نہتا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی۔ اتنی معمولی سی گھرانی، ہم کتنی آسانی سے اندر گھس گئے تھے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی تھی۔

"اب یہ سوتے رہیں گے۔" عبداللہ نے سرگوشی میں کہا۔

"تم نے اس کے ساتھ کیا، کیا؟"

"کرنٹ لگایا ہے۔" وہ بولا۔ اس نے ایک چھوٹا سا آلہ دکھایا۔ "یہ ہائی وولٹیج جھٹکا مارتا ہے۔ آدمی کئی گھنٹے کے لیے بیکار ہو جاتا ہے لیکن مرتا نہیں ہے۔"

"یہ تو اچھی چیز ہے۔" میں نے کہا۔ "تم پہلے بتاتے تو میں بھی ایک لے لیتا۔"

ہم نیچے آئے۔ تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن سردی کا موسم ہونے کی وجہ سے اندر سونے والوں کو غالباً احساس بھی نہیں تھا۔ میں نے اشارے سے عبداللہ کو دروازے کی طرف والے کمروں کی طرف جانے کو کہا اور خود سیڑھیوں کے نیچے والے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے گیس ماسک منہ پر چڑھایا اور پہلے کمرے کے کی ہول میں گیس سلنڈر کے پائپ کی نوزل لگائی۔ بٹن دباتے ہی ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ گیس اندر جانے لگی۔ پانچ سیکنڈ بعد میں نے بٹن پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ دوسرے کمرے کے دروازے میں کی ہول نہیں تھا البتہ جھری تھی۔ میں نے اس میں نوزل داخل کر دی۔ اسے نمٹا کر تیسرے کی طرف بڑھا تھا۔ دوسری طرف عبداللہ بھی یہی کام کر رہا تھا۔ چند منٹ کے اندر ہم تمام کمروں میں گیس چھوڑ چکے تھے۔ پھر میں نے اللہ کا نام لے کر پہلا کمرا کھولنے کی کوشش کی لیکن اندر سے کنڈی لگی تھی۔ میں نے اندازے سے کنڈی والی جگہ پر سائلنسر لگے بریٹا سے فائر کیا۔ کنڈی کھل گئی۔ میں نے طاقتور ٹارچ نکال کر دروازے کو پاؤں سے کھولا، اندر لحاف تلے دو افراد بے حس و حرکت پڑے تھے۔ دونوں میرے لئے اجنبی تھے، گیس نے ان کو مفلوج کر دیا تھا۔ دوسرا کمرا کھلا تھا اور اس میں کوئی نہیں تھا۔

تیسرا کمرا اندر سے لاک تھا۔ میں نے بریٹا سے فائر کر کے اس کا لاک توڑ دیا اور بریٹا عبداللہ کو تھما کر اسے باقی کمروں کے دروازے کھولنے کو کہا۔ میں تیسرے کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں ایک مسہری پر دبیز کمبل تلے دو افراد تھے، میں نے ان کا معائنہ کیا۔ مرد اور عورت دونوں اجنبی تھے اور خاصی ابتر حالت میں تھے۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاحول پڑھتا واپس آیا۔ اس طرف کے باقی کمرے خالی تھے۔ پھر میں دروازے کے ساتھ والے کمروں کی طرف بڑھا۔ عبداللہ نے سب کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ہم دونوں باری باری تلاشی لینے لگے۔ مین گیٹ کے دائیں جانب چار کمرے تھے۔ ان میں سے دو آباد تھے اور دو پیٹیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان پیٹیوں میں نہ جانے کیا تھا۔ ''شہباز صاحب ادھر آئیں۔'' اچانک عبداللہ کی دبی دبی پُرجوش آواز آئی۔

میں باہر آیا، وہ ایک کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ٹارچ سے اندر روشنی ڈالی۔ کمرے کے وسط میں ایک خلا تھا، جس سے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ ''اس کے ساتھ والا کمرا بھی خالی ہے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''گویا اس پورے مکان میں سوائے اس تہہ خانے والے کمرے کے کہیں بھی میرا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ نہ جانے اس تہہ خانے میں بھی کوئی تھا یا نہیں۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''تم یہیں رکو۔''

میں تہہ خانے کی طرف بڑھا، نیچے کشادہ سیڑھیاں تھیں۔ میں محتاط قدموں سے نیچے تک آیا۔ جس جگہ سیڑھیاں ختم ہو رہی تھیں، وہاں فولادی سلاخوں کا دروازہ تھا جس میں موٹا سا تالا پڑا تھا۔ واپس آ کر میں نے عبداللہ سے بریٹا لیا۔ موٹے تالے کو توڑنے کے لئے دو فائر کرنا پڑے تھے۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے ٹارچ اور پستول سامنے رکھا تھا۔ گیس ماسک میرے منہ پر تھا اور مجھے پتا نہیں تھا کہ تہہ خانے میں گیس کا اثر ہے یا نہیں؟ میں نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ یہ تہہ خانے کی ایک چھوٹی سی گیلری تھی جس میں دونوں جانب کوٹھریاں تھیں۔ میں نے دائیں طرف کی پہلی کوٹھری میں روشنی ڈالی۔ فرش پر میلے کمبلوں میں دو افراد پڑے تھے، میں نے ٹارچ سے آہستہ سے سلاخیں بجائیں مگر سونے والوں کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی، وہ بدستور بے حس و حرکت تھے۔ اگلی کوٹھری میں بھی دو افراد تھے۔ ان میں سے ایک کا سر کمبل سے باہر تھا، میں نے اس پر روشنی ڈالی، بے ساختہ میرا دل اچھلا تھا، وہ مجھے شکیل لگا تھا۔ میں نے زاویہ بدل کر اس کے چہرے پر روشنی ڈالی۔ وہ شکیل ہی تھا، میں نے بمشکل اسے آواز دینے کی خواہش پر قابو پایا۔ تیسری کوٹھری میں ایک شخص تھا، باقی تہہ خانہ خالی تھا۔ یہ میرے ہی پانچ ساتھی تھے اور سب بے ہوش تھے یعنی گیس کا اثر یہاں تک آیا تھا۔ اچانک تہہ خانے میں بلب جل اٹھے۔ میں پھرتی سے باہر آیا لیکن تار فرمان نے جوڑا تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔

''نیچے تہہ خانے میں پانچ افراد ہیں، ان میں سے ایک شکیل ہے۔ وہ سب قید ہیں، ان کو نکالنے کے لئے چابیاں درکار ہیں، ہمیں چابیاں تلاش کرنا ہوں گی۔''

''فائر کر کے لاک نہ توڑ دیئے جائیں؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کوٹھریاں مختصر ہیں اور گولی بہک کر اندر کسی کو لگ جانے کا خطرہ ہے۔''

ہم نے چابیوں کی تلاش شروع کی۔ عبداللہ نے پوچھا۔ ''ان پر بھی گیس کا اثر ہے؟''

''لگ تو یہی رہا ہے۔''

چابیاں ہمیں اوپر پڑے بے ہوش افراد کے پاس سے ملی تھیں، ان کی نگرانی فرمان کر رہا تھا۔ اس کے پاس ایک وائر کٹر بھی تھا جس سے اس نے بجلی کا کٹا ہوا تار جوڑ دیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی اگر ارد گرد اس اڈے سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد تھا تو وہ تاریکی کی وجہ سے چوکنا ہو سکتا تھا۔ چابیاں لے کر میں واپس تہہ خانے میں آیا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے شکیل والی کوٹھری کھولی۔ شکیل کے ساتھ دوسرا فرد سفیر تھا اور دونوں بے ہوش تھے۔ یہ گیس آدمی کے اعصاب کو شل کر دیتی تھی۔ وہ سو رہے تھے اس لئے سوتے رہ گئے۔ میں نے ان دونوں کو جھنجھوڑا لیکن وہ ساکت رہے۔ میں نے باقی دو کوٹھریاں کھولیں، ایک میں مونا اور ایمن تھیں جبکہ دوسری میں سونیا تھی۔ میں سب سے پہلے سونیا کو اٹھا لایا اور صحن میں بچھی چارپائی پر ڈال دیا، سردی کی شدت سے بچانے کے لئے اسے کمبل اوڑھا دیا تھا۔

''عبداللہ میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے اس سے کہا۔ دوسرے پھیرے میں مونا کو لایا۔ عبداللہ شکیل کو لایا تھا۔ وہ عقل مند تھا اس نے خود لڑکیوں کی طرف جانے سے گریز کیا تھا۔ تیسری بار میں ایمن کو لے آیا۔ ''ان کو گاڑیوں تک لے جانا مسئلہ ہوگا جناب!'' عبداللہ وزنی سفیر کو لاتے ہوئے ہانپ گیا تھا۔

''ہم ان میں سے کسی گاڑی میں ان کو ڈال کر لے جائیں گے۔'' میں نے شہ زور اور ملٹری جیپ کی طرف اشارہ کیا۔

''ایسا کرنا خطرناک ہوگا جناب! ممکن ہے کچھ پہرے دار باہر بھی ہوں۔'' اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''اتنا خطرہ تو مول لینا پڑے گا ورنہ ان کو گاڑیوں تک لے جانے میں بہت وقت لگے گا اور ممکن ہے اس دوران میں کوئی آفت نازل ہو جائے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ شہ زور کیسی رہے گی، اس کے پچھلے حصے میں سب آ جائیں گے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا مگر میں کچھ سوچ رہا تھا۔ مجھے ایک فی صد بھی توقع نہیں تھی کہ میں اتنی آسانی سے اپنے ساتھیوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ کیا یہ دشمن کا بچھایا ہوا کوئی جال ہے مگر اس طرح کا جال کون بچھاتا ہے۔ ہمیں تو آتے ہی پکڑ لینا چاہئے تھا، اس کے بجائے ہم نے دشمن کے درجن بھر افراد کو قابو کر لیا تھا۔ ''شہ زور ٹھیک ہے۔'' میں نے عبداللہ کی تائید کی۔

''ہمیں فوراً نکلنا چاہئے۔'' اس نے کہا اور صفدر کو کال کرنے لگا۔ ''صفدر، ہم آ رہے ہیں، دونوں گاڑیاں تیار رکھو۔''

''میں تیار ہوں جناب!'' صفدر نے جواب دیا۔

اسی دوران میں، میں بے ہوش لڑکیوں کو شہ زور کے عقبی حصے میں ڈال رہا تھا۔ فرمان نیچے آ گیا۔ اس نے سفیر اور شکیل کو پک اَپ میں لٹایا۔ عبداللہ مین گیٹ کھولنے چلا گیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ گاڑی میں چابی لگی تھی۔ میں نے ہیڈ لائٹس آف کیں اور انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ چوتھی کوشش پر سردی سے جام انجن جھرجھری لے کر بیدار ہو گیا۔ ''جلدی سے آؤ۔'' میں نے عبداللہ سے کہا، اس نے پٹ پورے کھول دیے تھے۔ میں نے گیئر بدلا اور شہ زور کو آگے بڑھایا۔ عبداللہ دوڑ کر عقبی حصے میں سوار ہو گیا۔ باہر نکلتے ہی میں نے شہ زور کو دائیں طرف گھمایا۔ میرے ذہن میں بستی کا نقشہ تھا۔ ہمیں دائیں طرف سے عقبی کھیتوں کی طرف جانے کا راستہ مل سکتا تھا۔ بستی کے سامنے والے حصے کی طرف سے گھوم کر جانے میں بہت وقت لگتا میں نے شہ زور کو گھما کر کھیتوں کے وسط میں کچے راستے پر ڈال دیا۔ اس راستے پر اتنی بڑی گاڑی کو چلانا آسان نہیں تھا۔ دونوں طرف نرم کھیت تھے اگر گاڑی ان میں اتر جاتی تو اسے واپس کچی سڑک پر لانا محال ہو جاتا۔

جیسے تیسے کر کے ہم سڑک تک پہنچے۔ صفدر نے دونوں گاڑیوں کو اسٹارٹ حالت میں رکھا تھا۔ میں نے شہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زور روک کر سب سے پہلے مونا، ایمن اور سونیا کو دونوں گاڑیوں کے عقبی حصے میں منتقل کیا۔ ان کی سیٹ بیلٹس باندھیں کیونکہ لگانے کی گنجائش نہیں تھی۔ مونا کے ساتھ سفیر کو بٹھایا اور شکیل کو میری والی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر ڈالا گیا تھا۔ منور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، میں جیپ میں سب سے پیچھے آ گیا تھا۔ دوسری گاڑی میں عبداللہ اور فرمان تھے۔ اس میں مونا اور سفیر بھی تھے۔ میں ابھی تک حیران تھا، ہم کتنی آسانی سے ان سب کو لے کر نکل آئے۔ اس میں دشمن کی کوئی چال تھی یا محض اتفاق سے اس وقت ڈیرے پر حفاظتی انتظامات نہ ہونے کے برابر تھے پھر قدرت بھی مہربان تھی، کوئی رکاوٹ سامنے نہیں آئی اور جو آئی اس سے ہم نے بہ آسانی نمٹ لیا تھا۔ اس کے باوجود یہ معاملہ میرے حلق سے نہیں اتر رہا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس میں کوئی چکر ہے۔

میں نے عبداللہ سے موبائل پر رابطہ کیا۔ "اپنے تعاقب پر خاص نظر رکھنا۔"

"آپ بے فکر رہیں جناب! میں پہلے ہی ہوشیار ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

میں عقبی حصے میں تھا اور دور تک صاف سڑک کو دیکھ سکتا تھا۔ میری والی گاڑی پیچھے تھی، آگے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی۔ صبح کے سوا پانچ بج رہے تھے اور سردی کی شدت کی وجہ سے ہُو کا عالم تھا۔ ہمیں مشن کی پریشانی میں سردی کا خیال نہیں رہا تھا لیکن اب گاڑی میں ہیٹر جلنے کے باوجود سردی حراج پوچھ رہی تھی میں نے سونیا اور ایمن کی نبض چیک کیں۔ وہ ذرا سست مگر معمول کے مطابق تھیں۔ وہ بدستور بے ہوش تھیں۔ میری بے چینی ہر لمحے بڑھتی جا رہی تھی۔ اچانک میں نے فیصلہ کیا اور عبداللہ سے رابطہ کیا۔ "سنو، ہم راجا صاحب کے بنگلے کے بجائے کہیں اور نہیں جا سکتے؟"

"میں سمجھا نہیں جناب!"

"اس شہر میں کوئی نہ کوئی ایسی جگہ ہو گی جہاں ہم جا سکیں۔ میں بنگلے کی طرف واپس نہیں جانا چاہتا۔"

"ایک اور جگہ ہے..... راوی کے کنارے۔" عبداللہ غالباً میری بات سمجھ گیا تھا۔

"حفاظتی نقطۂ نظر سے کیسی جگہ ہے؟"

"خاصی حد تک محفوظ ہے جب کہ وہاں ہم چار مسلح افراد بھی ہوں۔"

"ہو کے، اس طرف چلو اور کسی ڈاکٹر کو کال کرو۔"

"میں ابھی سے کوشش کرتا ہوں جناب!" اس نے کہا اور موبائل نکال لیا۔ لاہور کی حدود میں داخل ہونے کے بعد گاڑیوں کا رخ ماڈل ٹاؤن کے بجائے راوی کی طرف ہو گیا تھا۔ صبح کا ہلکا سا دھندلکا نمودار ہونے لگا تھا اور سڑکوں پر اکا دکا گاڑیاں نظر آنے لگی تھیں۔ سات بجے ہم دریائے راوی سے ذرا فاصلے پر ایک سرخ اینٹوں کی چار دیواری والے چھوٹے سے بنگلے کے سامنے رکے، اس کے چاروں طرف دیواروں پر پھولوں والی گھنی کانٹے دار بیلیں چڑھی تھیں اور سوائے گیٹ کے چار دیواری کا کوئی گوشہ خالی نہیں تھا اور یہ بڑی زبردست حفاظتی باڑھ تھی۔ ہارن کی آواز سن کر ایک شخص نے مین گیٹ کی کھڑکی سے اندر جھانکا۔

"دروازہ کھولو۔" عبداللہ نے اسے گاڑی سے سر نکال کر حکم دیا۔ جس کی اس نے بڑی تیزی سے تعمیل کی تھی۔ دونوں گاڑیاں اندر آ گئیں۔ چوکیدار چابی سے عمارت کا دروازہ کھول رہا تھا۔ دریا کے پاس ہونے کی وجہ سے سردی کی شدت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ میں اندر آیا۔ چوکیدار نے ہیٹر روم بھی کھول دیئے تھے، میں نے ایک بیڈ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روم میں سب سے پہلے تینوں خواتین کو منتقل کیا۔ سفیر اور شکیل کو فرمان اور صفدر نے دوسرے بیڈ روم میں منتقل کر دیا تھا۔ یہ بنگلا دو بیڈ رومز، ایک ڈرائنگ اور کچن کے ساتھ ڈائننگ پر مشتمل تھا، اس کے چار طرف لان تھا۔

''عبداللہ کوئی ڈاکٹر آ رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی آ رہا ہے۔'' اس نے بتایا اور فرمان اور صفدر کو بیڈ رومز کے آتش دان جلانے کی ہدایت کی۔ خود عبداللہ نشست گاہ کا آتش دان جلا رہا تھا۔ ان پانچوں کی مستقل بے ہوشی سے مجھے تشویش ہو رہی تھی، کہیں گیس کی زیادہ مقدار تو ان کے پھیپھڑوں میں نہیں چلی گئی مگر ان کی نبض اور سانسوں میں ہمواری تھی۔ آتش دان جلا کر عبداللہ کچن میں چائے بنانے چلا گیا۔ میں نے کافی کی فرمائش کی تھی۔ چوکیدار گیٹ پر تھا اور عبداللہ نے اسے سختی سے چوکس رہنے کی ہدایت کی تھی۔ صفدر اور فرمان بھی باہر چلے گئے تھے۔ ''آپ کس وجہ سے فکرمند ہیں؟'' عبداللہ نے مجھے کافی کا مگ دیا تھا۔

''بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے، بس میری چھٹی حس خبردار کر رہی ہے۔''

''پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہے۔ میں ذرا راجا صاحب کو مطلع کر دوں۔''

عبداللہ نے موبائل نکالا اور کال کرنے لگا۔ میں کافی کا مگ لے کر سفیر والے بیڈ روم میں آیا۔ میں نے سفیر کی آنکھیں کھول کر دیکھیں، اس کی پتلیاں تیزی سے گردش کر رہی تھیں یعنی وہ ہوش میں آنے والا تھا۔ شکیل کا بھی یہی حال تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ گیس اتنی زود اثر ہوگی۔ بظاہر وہ دونوں ٹھیک نظر آ رہے تھے۔ یہی حال لڑکیوں کا بھی تھا، ان پر تشدد یا کسی قسم کی زبردستی کے نشانات نہیں تھے۔ میں باہر آیا تو عبداللہ بات کر چکا تھا۔ اس نے کہا۔ ''راجا صاحب نے آپ کی حفاظتی تدبیر کو سراہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے، میں کسی ایجنسی سے سکیورٹی گارڈز ہائر کر لوں۔''

''میرا خیال ہے فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔ دفاعی لحاظ سے یہ جگہ خاصی محفوظ ہے۔''

''لیکن کوئی گھیرا ڈال لے تو ہم فرار نہیں ہو سکتے۔''

''تب کی تب دیکھی جائے گی، تم چوکیدار سے کہو کہ گیٹ اندر سے لاک کر دے اور خود چھت پر جا کر چاروں طرف نظر رکھے اگر کوئی مشکوک فرد یا گاڑی نظر آئے تو ہمیں فوری طور پر خبردار کرے۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ اسی لمحے صفدر اندر آیا۔ ''یہ شخص آیا ہے خود کو ڈاکٹر مظفر کہتا ہے۔''

''اسے احتیاط سے اندر لے آؤ۔ چیک کر لینا آس پاس کوئی نہ ہو۔''

''جی جناب!'' وہ چلا گیا۔

ڈاکٹر مظفر جوان العمر آدمی تھا لیکن اپنے حلیے سے اس نے خود پر بڑھاپا طاری کر رکھا تھا۔ کھچڑی بال، بے حد موٹے فریم کی عینک اور پتلون پہن رکھی تھی۔ اس نے عبداللہ سے ہاتھ ملایا۔ ''کیا حال ہیں آپ کے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''مریض اندر ہیں۔''

''اندر ہیں۔'' وہ چونکا۔ ''کتنے مریض ہیں۔''

''پانچ۔'' میں نے آگاہ کیا۔ ''تین عورتیں اور دو مرد۔''

''سب بیمار ہو گئے، بیک وقت۔'' وہ دنگ رہ گیا تھا۔ ''کیا وائرل انفیکشن ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، ایک قسم کی اعصاب ساکت کر دینے والی گیس کے زیر اثر ہیں۔''

''گیس؟'' وہ مزید چونکا۔ ''کس قسم کی گیس ہے؟''

''آپ دیکھ لیں ڈاکٹر صاحب!'' عبداللہ نے سوال جواب کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے کہا۔

ہم پہلے لڑکیوں والے کمرے میں آئے۔ تینوں کو کمبل اوڑھا دیا تھا اور آتش دان کی وجہ سے کمرا معقول حد تک گرم ہو گیا۔ عبداللہ باہر رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ایمن کا معائنہ کیا، اس کی آنکھیں دیکھیں۔ پھر باری باری سونیا اور مونا کا معائنہ کیا۔ ''خطرے والی بات نہیں ہے، انجکشن دے رہا ہوں، دس پندرہ منٹ میں ہوش میں آ جائیں گی۔'' اس نے کہا اور اپنے بیگ سے انجکشن نکال کر تینوں کو باری باری لگائے۔ پھر میں اسے سفیر اور شکیل کے پاس لے آیا، اس نے انہیں بھی وہی انجکشن لگایا۔ میں لڑکیوں والے کمرے میں واپس آیا۔ پندرہ منٹ بعد سب سے پہلے ایمن کسمسائی۔ چند لمحے سر ہلانے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''ایمن!'' میں نے اس کے سامنے آ کر کہا۔ ''مجھے دیکھو، میں شہباز ہوں۔''

''شہباز!'' اس نے غنودہ لہجے میں کہا۔

''ہاں، میں ہوں۔ تم مجھے پہچان رہی ہو ناں؟''

''ہاں۔'' اس نے سر تھام لیا۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''تم محفوظ ہو۔'' میں نے کہا پھر مجھے خیال آیا مجھے یاد آیا کہ نیک نام نے پانی کو اس گیس کا اثر ختم کرنے کے لیے بہتر قرار دیا تھا۔ ''ایک منٹ..... میں تمہارے لئے پانی لاتا ہوں۔''

میں کچن سے جگ میں بھر کر اس کے لئے پانی لایا، دو گلاس پی کر اس کے حواس خاصی حد تک بحال ہو گئے تھے۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا ہوا تھا، اس نے اچانک اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔ ''شوبی، کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟''

''نہیں، تم سچ مچ میرے پاس ہو۔ میں تمہیں دشمن کی قید سے نکال لایا ہوں۔''

''اچھا، مجھے پتا کیوں نہیں چلا۔'' اس نے کہا اور پھر پاس لیٹی مونا اور سونیا کو دیکھ کر چونکی۔ ''ہمیں کیا ہوا تھا؟''

میں نے اسے بتایا کہ اس پر وہی گیس آزمائی گئی تھی جس کا تجربہ وہ میریٹ ہوٹل میں کر چکی تھی۔ اس بار گیس میں نے استعمال کی تھی اور اس کی وجہ سے ہم بنا کسی دشواری کے ان کو وہاں سے نکال لائے۔ اس دوران میں مونا اور سونیا بھی کسمسانے لگی تھیں۔ چند منٹ کے اندر ان کو ہوش آ گیا تھا اور پانی پینے سے ان کی طبیعتیں بحال ہو چکی تھیں، مونا مجھے دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔

''بس..... بس میری گڑیا! اب تو تمہیں عادی ہو جانا چاہئے۔'' میں نے مذاق کیا۔

''سفی کہاں ہے؟'' مونا نے آنسو صاف کئے۔

''برابر والے کمرے میں پڑا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ایک منٹ میں ابھی آیا۔''

سفیر اور شکیل بھی ہوش میں آ چکے تھے، ان کو پانی پلایا تو ان کی حالت بہتر نظر آنے لگی تھی۔ سفیر نے بھی ایمن والی بات کی۔ ''شوبی! یار، میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جناب کی عادتیں جو خراب ہو گئی ہیں۔" میں نے طنز کیا۔ "دو دن دشمن کی قید سے دور رہیں تو بے چینی ہونے لگتی ہے۔"

"تیرا مطلب ہے، ہم نے جان بوجھ کر بیل کو دعوت دی تھی۔" اس نے خفگی سے کہا۔

"تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ تم لوگ سیدھے سیدھے چک نمبر تو دو گیارہ سے نکلے اور لاہور آنے کے بجائے جامی شاہ کے پاس جا پہنچے۔"

"نہیں یار، وہ زبردستی ہمیں لے گئے تھے۔ راستے میں ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔ ڈرائیور پہیہ بدل رہا تھا کہ برابر میں ایک جیپ آ کر رکی اور اس سے بدمعاشوں نے نکل کر ہمیں گھیر لیا۔"

"کیوں..... کیا تمہارے ماتھے پر لکھا تھا کچھ۔"

"یہ تو میں بھی حیران ہوں، انہوں نے ہمیں بغیر کچھ بتائے اور کہے اسلحے کے زور پر اپنی گاڑی میں بٹھایا اور اس مکان میں لے آئے پھر ہمیں تہہ خانے میں بند کر دیا۔"

"یہ کس وقت کی بات ہے؟"

"کل رات ایک بجے کی۔"

"کسی نے تجھ سے یا کسی اور سے پوچھ گچھ نہیں کی؟"

"یہی تو حیران کن بات ہے، میں سمجھ رہا تھا کہ ہم مرشد علی یا فتح خان کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں مگر ان میں سے کسی نے ہم سے بات ہی نہیں کی۔"

"یعنی تم لوگوں کو فری فنڈ میں پکڑ لائے اور پھر اتنی آسانی سے ہمیں نکال لانے دیا۔ ضرور دال میں خاصا کچھ کالا ہے۔"

"مجھے تو اس وقت کالے اور سفید کا فرق بھی نہیں پتا۔" سفیر کراہا۔ "مجھ میں کم سے کم ایک کپ چائے ڈالو۔"

شکیل اب تک خاموش تھا، اس نے پہلی بار زبان کھولی۔ "شہباز صاحب، ہم کہاں ہیں؟"

"لاہور میں..... راجا عمر دراز کے ایک ٹھکانے پر۔"

"وسیم آپ کے ساتھ ہے۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "افسوس، وہ بدستور جامی شاہ کے قبضے میں ہے۔"

"اوہ!" شکیل کو مایوسی ہوئی تھی۔ "ہم گزشتہ ایک مہینے سے ان لوگوں کی قید میں ہیں۔ انہوں نے ہم سے کوئی برا سلوک تو نہیں کیا لیکن ان لوگوں کی بعض باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہوں نے ہمیں یرغمال بنا رکھا ہے اور وسیم سے کوئی کام لینا چاہ رہے ہیں۔"

"میری وسیم سے ملاقات ہوئی تھی، اس نے بھی یہی کہا تھا۔" میں نے اسے بتایا کہ وسیم سے میری کس طرح ملاقات ہوئی تھی۔ سفیر مونا کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھا۔ بالآخر اس نے مونا کے بارے میں پوچھ لیا۔

"مونا کہاں ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''برابر والے کمرے میں ہے۔'' میں نے کہا اور سفیر نے فوراً اس طرف کا رخ کیا تھا۔

شکیل مسکرایا۔ ''یہ مونا بی بی کو پسند کرتے ہیں۔''

''تقریباً.....'' میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ اس قید کے دوران تمہاری جامی شاہ سے ملاقات ہوئی۔''

''ہاں دو بار..... وہ صورت سے پنجابی فلموں کا ہیرو یا ولن نظر آتا ہے۔ دراصل مجھے آج تک پنجابی فلموں کے ہیرو یا ولن میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔''

''درحقیقت فرق ہے بھی نہیں۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''کیا تم نے جامی شاہ یا اس کے کسی گرگے کی باتوں سے محسوس کیا کہ جامی شاہ کا مرشد علی یار فتح خان سے کوئی تعلق ہے؟''

شکیل نے غور کیا پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں بلکہ ان لوگوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ نہ ہم سے کچھ کہتے تھے اور نہ ہی کچھ پوچھا۔ صبح شام تین وقت ہمیں کھانا مل جاتا تھا، ہر دوسرے دن نہانے دھونے اور لباس بدلنے کا موقع دیا جاتا تھا۔''

''یعنی جامی شاہ بے حد شریف دشمن ثابت ہوا۔''

''نہیں، جناب، وہ دشمن نہیں لگ رہا تھا۔ ہم سوائے رہائی کے جس شے کا چاہتے مطالبہ کر سکتے تھے۔ سونیا ایک عورت ہے اور چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے درمیان تھی لیکن کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔''

''اگر تم بہتر محسوس کر رہے ہو تو باہر آؤ ورنہ آرام کرو۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' شکیل بستر سے اتر آیا تھا۔ ''ویسے ہم کہاں ہیں؟''

''یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔'' میں نے باہر کا رخ کیا۔

دوسرے بیڈ روم میں خواتین نے سفیر کو گھیر لیا تھا اور اس کا سر کھا رہی تھیں۔ اس نے میری طرف دیکھا اور سکون کا سانس لیا۔ شوبی یار! ان کو بتا کہ تُو ہمیں کیسے وہاں سے نکال کر لایا ہے؟''

''شکیل کہاں ہے شوبی بھائی!'' سونیا بے قرار لگ رہی تھی۔

''دوسرے کمرے میں۔'' میں نے بتایا۔ اس نے اپنے بھائی کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔

''میں اس سے مل سکتی ہوں؟''

''کیوں نہیں، تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آؤ، میرے ساتھ آؤ۔''

میں سونیا کو شکیل والے کمرے میں لایا۔ ''تم ٹھیک ہو ناں!'' سونیا نے جس انداز میں پوچھا، میں اس کی بے قراری محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ شکیل محجوب نظر آنے لگا۔

''میں ٹھیک ہوں اور تم؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' سونیا بولی۔

''اگر تم جاننا چاہتے کہ میں نے کس طرح تمہیں چھڑایا ہے تو نشست گاہ میں آ جاؤ۔''

میں باہر آیا تو عبداللہ ملا۔ ''شہباز صاحب! ناشتہ تیار ہو رہا ہے۔''

''یہاں باورچی کہاں سے آ گیا؟'' میں چونکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چوکیدار بہترین کک بھی ہے۔'' عبداللہ مسکرایا۔ ''ابھی دیکھ لیجئے گا۔''

میں نے سب کو نشست گاہ میں بلا لیا اور ایک ہی بار ان سب کو اس مشن کے بارے میں بتایا جس کی کامیابی کے بارے میں خود مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ سونیا خاموشی سے سنتی رہی تھی لیکن جب وسیم کا نام آیا تو وہ چونکی تھی۔ ''بھائی کہاں ہیں؟''

''وہ بدستور جامی شاہ کے قبضے میں ہے۔''

''میں نے ایک مہینہ پہلے ان کو آخری بار دیکھا تھا۔'' سونیا دکھی نظر آنے لگی تھی۔

مونا نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو، جس طرح ہم ان لوگوں کے چنگل سے نکل آئے ہیں، ایک دن وسیم بھی آ جائے گا۔ ہم اسے چھڑائیں گے۔''

''پتا نہیں بھائی کس حال میں ہوگا۔'' سونیا اچانک رو دی تھی۔

مونا اسے خود سے لپٹا کر چپ کرانے لگی۔ پھر میں نے اشارہ کیا تو وہ اسے اندر کمرے میں لے گئی تھی۔ البتہ ایمن وہیں رہی تھی۔ میں سفیر سے پوچھنے کے لئے بے تاب تھا کہ مجھ سے بچھڑنے کے بعد ان پر کیا گزری تھی۔ سفیر نے میری بے چینی بھانپ لی تھی لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتا، چوکیدار نے آ کر اطلاع دی۔

''جناب، ناشتا تیار ہے، آپ سب ڈائننگ روم میں آ جائیں۔''

ہم سب وہاں جمع ہوئے۔ میز پر گرما گرم خستہ پراٹھوں کے ساتھ ہاف فرائی اور فل فرائی انڈے تھے۔ ان کے ساتھ مکھن اور ابلے ہوئے انڈے بھی تھے۔ عبداللہ غائب تھا۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا۔

''وہ باہر ہیں۔ وہ بعد میں ناشتا کریں گے۔''

عبداللہ پوری طرح چوکنا تھا۔ ہمارے ساتھ وہ بھی گزشتہ رات سے جاگ رہا تھا لیکن اس کی چستی اور توانائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پیٹ بھر کر ناشتا کرنے کے بعد سب پر خمار طاری ہونے لگا تھا۔ مونا نے جماہی لی۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''حالانکہ تم پورے دس گھنٹے سونے کے بعد اٹھی ہو۔''

سفیر نے اسے یاد دلایا۔

''سو کہاں رہی تھی، گیس کے زیر اثر بے ہوش تھی۔'' مونا نے منہ بنایا۔ ''اب نیند آ رہی ہے۔''

''بہتر ہے، آپ خواتین سو جائیں۔'' میں نے کہا تو تینوں ہی پھرتی سے اٹھ کر چلی گئیں۔ نشست گاہ میں، میں، سفیر، شکیل اور عبداللہ باقی رہ گئے تھے۔ چوکیدار کم کک نے ہمیں مزید چائے دی تھی۔

''اب کیا پروگرام ہے شہباز صاحب!'' عبداللہ نے پوچھا۔ ''ابھی تک تو خطرے والی کوئی بات دکھائی نہیں دی ہے، دور دور تک کوئی مشکوک فرد نہیں ہے۔ صفدر گاڑی میں آس پاس چکر بھی لگا آیا ہے۔''

''فی الحال تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔'' میں نے صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں کیا برا ہے، مزے سے تو ہیں؟''

''یعنی ابھی جانے کا ارادہ نہیں ہے؟''

''نہیں، ابھی تو نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب بہتر ہوگا، آپ سب آرام کریں۔ میں اور میرے آدمی پہرا دے رہے ہیں۔ شام کو یہ کام آپ سنبھال لیجئے گا، تب ہم کچھ آرام کریں گے۔''

''یہ بہتر رہے گا۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ سفیر اور شکیل کی آنکھوں میں بھی نیند بھر رہی تھی، سب سے پہلے شکیل اٹھا، اس نے جماہی لی۔

''او کے شہباز صاحب، میں تو سونے جا رہا ہوں۔''

سفیر اٹھنے لگا تو میں نے اسے آنکھ سے رکنے کا اشارہ کیا، شکیل کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''آؤ یار، ذرا لان کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔''

میں اور سفیر باہر آئے۔ چوکیدار اب گیٹ پر تھا۔ فرمان چھت پر تھا جب کہ صفدر سونے چلا گیا تھا۔ عبداللہ کا مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں تھا۔ سفیر بھی نیند سے مرا جا رہا تھا اس نے بھاڑ کی طرح منہ کھولا۔

''جلدی سے بتا یار..... کیا بات ہے؟''

''سفیر تجھے یہ سب عجیب سا نہیں لگ رہا ہے؟''

''کیا..... عجیب سا نہیں لگ رہا ہے۔''

''یہی کہ تم لوگوں کو اچانک پکڑا۔ اس کا مطلب ہے تم سب زیر نگرانی تھے اور پھر ہم کتنی آسانی سے تمہیں چھڑا لائے!''

''ہاں یار، بات تو قابلِ غور ہے مگر اس وقت میرا دماغ کام نہیں کر رہا۔''

''ناقص چیزوں کا یہی نقصان ہوتا ہے، ضرورت پڑنے پر کام نہیں کرتیں۔''

سفیر نے خفگی سے میری طرف دیکھا۔ ''تیرا اعلیٰ وارفع دماغ کیا کہتا ہے؟''

''یہی کہ چکر سمجھ سے باہر ہے۔ آخر یہ سب اتنی آسانی سے کیوں کر ہوا؟''

''جناب کے دماغ میں شک کے کیڑے پرورش پا رہے ہیں۔''

''جیسے حالات ہمارے ہیں، ان کیڑوں کا پرورش پانا ہی بہتر ہے۔''

''یار، خطرہ تو کہیں نہیں ہے۔''

''بے شک سامنے نہیں ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ خطرہ ہے۔''

''تب بتا، اب کیا کریں؟''

''کچھ نہیں۔ بس ہوشیار رہیں، اس وجہ سے میں نے راجا عمر دراز کے بنگلے پر جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر دشمن ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے تو وہ اس جگہ سے بھی واقف ہو جائے گا۔''

سفیر چونکا۔ ''یہی بات ہے، وہ راجا عمر دراز تک پہنچنا چاہتے ہیں۔''

''یہ صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ راجا سے براہِ راست پرخاش صرف ڈیوڈ شا کو ہے، وہ اس سے تصویر حاصل کر چکا ہے مگر اب بھی راجا کے پیچھے ہے۔''

''اس رنگ بدلنے والے پتھر کی وجہ سے؟''

''شاید..... اور شاید اس معجزاتی پتھر کے لئے بھی جس کی راکھ حکیم قادس اپنی ادویات میں استعمال کرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے مگر اس سے اوپر بھی کوئی چکر ہے اور عین ممکن ہے خود راجا بھی کسی فکر میں ہے، اس نے مجھ سے کہا ہے شاید ہمیں بیرونِ ملک جانا پڑے۔"

"ہمیں کیوں؟" سفیر نے اعتراض کیا۔

"دیکھ یار! یہاں حالات صحیح نہیں ہیں، پہلے مرشد علی اور فتح خان ہی کم نہیں تھے، اب یہ جامی شاہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ہمیں شاید باہر جانا پڑے۔"

"مونا کو بھی۔"

"میرا خیال ہے اس کا صحیح مقام تیری حویلی ہے۔"

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ نہیں مانے گی۔"

"اور تُو فوراً اس کی مان جائے گا۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "مرد بن..... تُو ابھی سے اس کے سامنے ڈھیر ہوتا جا رہا ہے۔ اسے صاف کہہ دے، بی بی گھر بیٹھو ورنہ ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

"مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے۔" سفیر نے اعتراف کیا۔ "مونا کا مسئلہ تو، تُو نے حل کر دیا۔ یہ ایمن بی بی کا کیا ہوگا؟"

"اس کا کیا ہوگا؟" میں نے حیرت سے سفیر کی طرف دیکھا۔ "بی بی اپنے گھر کو سدھاریں گی۔"

"شکیل اور سونیا؟"

"بابا سارے ہمارے مسئلے نہیں ہیں۔" میں نے زچ آ کر کہا۔

"تُو نے بتایا تھا کہ سونیا کا شوہر کچھ عرصے پہلے فتح خان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے اتنی جلدی پٹری بدل لی۔ اب شکیل میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"یہ شاید غم بھلانے کی ایک کوشش ہے۔" میں نے مدافعتی انداز میں کہا۔ "دوسرے دونوں تقریباً ایک مہینے سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ایسے میں جذبات میں تبدیلی آنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔"

"خیر، یہ کوئی برائی بھی نہیں ہے۔" سفیر بولا۔ "کوئی مرنے والے کے ساتھ نہیں مرتا لیکن خاتون کے انداز سے پختہ کاری کے بجائے نوعمری ٹپکتی ہے۔ جیسے پہلا پہلا پیار ہو۔"

"چل چھوڑ اسے۔" میں نے موضوع بدلا۔ "یہ بتا..... جب تُو بھاگا تھا اور وین تبدیل کی تو اس عورت کو وین میں کیوں چھوڑا تھا؟"

"اس کا کیا کرنا تھا۔" سفیر نے حیرانی سے کہا۔ "خوش قسمتی سے ایک گاڑی مل گئی تھی، اس کے ڈرائیور کو پہلے گن اور پھر نوٹ دکھا کر راضی کیا اور اس نے ہماری جان ہتھیلی پر رکھ کر ایسی ڈرائیونگ کی کہ شام تک ہم راولپنڈی میں تھے، اور تُو.....؟"

"مجھے رحمت خان کی بیٹی مل گئی تھی، بھاگ بھری۔" میں نے گہری سانس لی اور اسے بھاگ بھری کے بارے میں بتایا کہ وہ مجھے کس حال میں ملی تھی۔ فتح خان نے اس معصوم سی لڑکی پر کیا ستم ڈھائے تھے۔

"وہ بھاگ بھری تھی؟" سفیر دنگ رہ گیا تھا۔

"اب تو وہ رحمت خان کے ہمراہ راجا عمر دراز کے محل میں پہنچ چکی ہوگی۔ وہ فتح خان سے وہیں محفوظ رہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتی ہے۔"

میں نے اسے وسیم کے راولپنڈی والے یونٹ کے بارے میں بتایا۔"ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو میرے بارے میں دشمنوں کو مستقل آگاہ رکھتے تھے۔ان کی وجہ سے مجھے سفر ادھورا چھوڑنا پڑا تھا۔اس وجہ سے وسیم سے میری ملاقات ممکن ہوئی تھی۔درحقیقت میں تم لوگوں تک بھی اس وجہ سے پہنچا تھا۔"

سفیر غور کر رہا تھا۔"آپ نے شک کے کچھ کیڑے میرے ذہن میں بھی ڈال دیئے ہیں۔کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وسیم سے تیری ملاقات بھی ایک سازش ہو۔"

"میں نے اس پر غور کیا تھا لیکن یہ خیال جچا نہیں۔کسی کو کیا پتا تھا کہ میں موٹروے پر کہاں اتر جاؤں گا؟" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"لاہور قریب آنے کی صورت میں تُو نے اس جگہ کے آس پاس ہی نکلنا تھا،اتنا تو بچہ بھی سمجھ جاتا کہ موٹروے کے انٹرچینج کے باہر دشمن تیرے منتظر ہوں گے اور غالباً تجھے تعاقب کر کے یہی باور کرایا گیا ہوگا اور تُو ان کے جھانسے میں آ گیا۔"

سفیر کی بات کسی حد تک قائل کرنے والی تھی۔دشمن اتنی لمبی پلاننگ کا اہل تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔میرے دشمنوں میں مرشد علی اس قسم کی پلاننگ کا اہل نہیں تھا اور فتح خان کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔صرف ڈیوڈ شا ایسا شخص بچتا تھا جو اتنی شاطرانہ منصوبہ بندی کر سکتا تھا اور اس کا مقصد راجا عمر دراز یا اس کے خاص نوادرات تک پہنچنا تھا۔"یار ندیم کو اطلاع کر دی ہے کہ ہم تیرے پاس ہیں؟" سفیر نے پوچھا۔

"نہیں،ابھی تو نہیں کی ہے لیکن میں اسے میسج کر دوں گا۔"

"اوکے،تب میں چلا..... مجھے شام سے پہلے مت اٹھانا۔" سفیر نے کہا اور اندر چلا گیا۔

میں نے بنگلے کا چکر لگایا۔عبداللہ اور فرمان کے ساتھ تھا،یہ جگہ چاروں طرف نظر رکھنے کے لئے نہایت موزوں تھی۔عبداللہ نے مجھ سے کہا۔"جناب،آپ آرام کریں،تھک گئے ہیں۔"

"ہاں،میں ذرا اطمینان کر رہا تھا۔"

"آپ بے فکر رہیں جناب! شام تک دو افراد اور آ جائیں گے۔" عبداللہ نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔"پھر کوئی پرندہ یہاں پر بھی نہیں مار سکے گا۔"

میں نے نظریں جما کر اسے دیکھا۔"عبداللہ تم ہمارے دشمنوں سے درست طور پر واقف نہیں ہو۔وہ ہمیں مارنا چاہیں تو دور سے چند راکٹ مار کر اس بنگلے کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنا ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن وہ ہمیں مارنا نہیں چاہتے ہیں۔"

اس نے حیرت سے کہا۔"مارنا نہیں چاہتے تو پھر کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی تو میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ایک خیال یہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے راجا صاحب تک پہنچنا چاہتے ہیں لیکن یہ خیال بھی اتنا اچھا نہیں ہے۔راجا صاحب کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ہماری طرح چھپتے پھر رہے ہیں۔ان کا پتا چلانا کوئی مشکل نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ نے درست کہا۔" عبداللہ بولا۔ "دراصل میں اتنی گہرائی میں جا کر سوچنے والا بندہ نہیں ہوں، میں تو سیدھا سیدھا دو جمع دو والا بندہ ہوں۔"

"میرا خیال ہے راجا صاحب کو اپنی سکیورٹی بڑھا دینی چاہئے۔"

"یہ مشورہ میں تو ان کو نہیں دے سکتا۔" اس نے دبی زبان میں کہا۔

"میری ان سے بات کراؤ۔" میں نے کہا تو عبداللہ نے اپنے موبائل سے نمبر ملایا اور رابطہ ہونے پر موبائل مجھے دے دیا، دوسری طرف سیکرٹری بیگ تھا۔

"مجھے راجا صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"اگر خاص راجا صاحب سے متعلق نہیں ہے تو آپ مجھ سے بھی بات کر سکتے ہیں۔" بیگ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "راجا صاحب ایک اہم کام میں مشغول ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں راجا صاحب کی سکیورٹی بڑھا دی جائے، میں محسوس کر رہا ہوں، دشمن ان تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"اتفاق سے یہاں آنے کے بعد میں نے پہلا کام یہی کیا ہے۔" بیگ نے جواب دیا۔ "بنگلے کے اندر اور باہر چھ افراد ہیں، ہر بارہ گھنٹے بعد ان کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے۔"

"یہ آپ نے اچھا کیا..... بس مجھے یہی کہنا تھا۔" میں نے فون بند کر کے عبداللہ کی طرف بڑھا دیا۔

صبح کے گیارہ بج رہے تھے، میں نیچے آیا۔ مردانہ بیڈ روم میں سفیر اور شکیل برابر برابر پڑے خراٹے لینے کا مقابلہ کر رہے تھے، اس ماحول میں سونا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نشست گاہ میں آیا اور صوفے پر دراز ہو گیا۔ میں نے کپڑے نہیں بدلے تھے اور میرے جسم پر آرمی جیکٹ تھی، احتیاطاً میں نے اس سے بم الگ کر کے میز پر رکھ دیئے تھے۔ دونوں پستول اور ان کے میگزین بھی میز پر سجا دیئے۔ جوتے اتار کر میں تھکن آمیز سکون کے ساتھ صوفے پر دراز ہو گیا اور ذرا سی دیر میں سو چکا تھا۔ درمیان میں کسی نے مجھے کمبل اڑھا دیا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو اندھیرا ہو رہا تھا اور لڑکیوں والے بیڈ روم سے ہنسنے اور کھلکھلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور مردانہ بیڈ روم میں خاموشی تھی۔ کہا جاتا ہے جتنی دشواری عورتوں کو چپ رہنے میں آتی ہے، تقریباً اتنی ہی دشواری ملاقات کے چند منٹ بعد مردوں کو بولنے میں آتی ہے، مزید یہ کہ تاش اور شطرنج جیسے کھیل مردوں نے ایک دوسرے کو خاموش رکھنے کے لئے ایجاد کئے ہیں۔ میں خاموش لیٹا ان کی چہکاریں سنتا رہا کیونکہ میں از خود بیدار ہوا تھا اور حالات سے لگ رہا تھا درمیان میں کوئی تبدیلی بھی نہیں آئی تھی اس لئے میں بدستور لیٹا رہا حتیٰ کہ سفیر نے آ کر نشست گاہ کی روشنیاں جلائیں۔

"اٹھ جا یار! سات بج رہے ہیں۔"

میں نے انگڑائی لی۔ "میری غیر موجودگی میں سب خیریت رہی....."

"ہاں، امن و سکون رہا۔"

"یہ لڑکیوں نے منہ میں زبان کی جگہ مشین گن لگوالی ہے۔" میں نے اندر سے مستقل آتی آوازوں پر غور کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان کی زبان کسی مشین گن سے کم نہیں ہے۔'' سفیر نے تشویش سے پوچھا۔ ''یار، یہ مونا شادی کے بعد بھی اتنا ہی بولے گی؟''

''ابھی تو یہ ریہرسل کر رہی ہے جیسے بکرا عید سے پہلے چھریاں تیز کی جاتی ہیں۔''

''عبداللہ کہاں ہے؟''

''باہر گیا ہے، دو گھنٹے ہوئے۔'' سفیر نے بتایا تو میں چونک کر بیٹھ گیا۔

''اسے نہیں جانا چاہئے تھا۔''

''یار، آدمی کب تک محض ایک مفروضے پر بند ہو کر بیٹھ سکتا ہے، وہ ہمارا میزبان ہے اور اسے باہر بے شمار کام ہوتے ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''میرا تو خیال ہے ہمیں بھی راجا عمر دراز کے بنگلے کا رخ کرنا چاہئے۔''

میں اٹھ کر باہر آیا، صفدر گیٹ پر تھا۔ ''عبداللہ کہاں ہے؟''

''وہ اور لوگوں کو لینے گئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

میں نے عبداللہ کو کال کی لیکن ریکارڈڈ آواز نے بتایا کہ مطلوبہ نمبر سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے پھر صفدر سے پوچھا۔ ''اس نے بتایا تھا کہ کتنی دیر میں آجائے گا؟''

''جی جناب! ایک گھنٹے کا کہہ کر گئے تھے۔''

میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی، میں نے صفدر سے کہا۔ ''تم تینوں چوکس رہو۔ بنگلے کی تمام لائٹس روشن کر لو اور تیار ہو جاؤ، ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے۔''

میں اندر آیا، سفیر اور شکیل کو نشست گاہ میں بلایا۔ ''شاید خطرہ سر پر آن پہنچا ہے۔ عبداللہ غائب ہے، ایک گھنٹے میں واپس آنے کو کہہ کر گیا تھا۔ ابھی تک نہیں آیا ہے، اس کے موبائل سے بھی جواب نہیں آ رہا ہے۔ ہمیں پوری طرح چوکس رہنا چاہئے۔''

''ہمارے پاس اسلحہ کہاں ہے؟'' شکیل بولا۔

''وہ بھی مل جائے گا۔ ہم میں سے دو افراد کو چھت پر ہونا چاہئے اور دو کو بنگلے کے احاطے میں۔ دو افراد دو دو گھنٹے بعد دوسروں کی جگہ لیں گے۔''

''یعنی ایک آدمی چار گھنٹے ڈیوٹی دے گا اور دو گھنٹے آرام کرے گا۔''

''بالکل..... نعیم خان کو بھی فارغ کرنا ہوگا۔'' میں نے چوکیدار اور باورچی کا ذکر کیا۔ ''کھانا بنانے کا کام لڑکیاں سنبھالیں گی۔''

مگر مونا نے میری بات سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔ ''جی نہیں، جب باورچی ہے تو ہم کیوں کھانا بنائیں؟''

''بابا سمجھا کرو، سب مردوں کو پہرا دینا ہے۔''

ایمن میرے تاثرات سے بھانپ گئی تھی۔ ''شوبی کوئی مسئلہ ہے؟''

میں نے اسے عبداللہ کے بارے میں بتایا کہ وہ غائب ہے۔ اس نے مشورہ دیا۔ ''تم راجا صاحب سے اس کے بارے میں معلوم کر سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں تھا، میں نے راجا کو کال کی۔ حسبِ معمول اس کے سیکرٹری نے کال ریسیو کی۔

''عبداللہ دو گھنٹے پہلے نکلا تھا، ایک گھنٹے میں آنے کا کہہ کر، اب تک واپس نہیں آیا ہے۔ اس کے موبائل سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔''

''اوہ..... ہمیں بھی اس کا نہیں پتا ہے اور نہ وہ یہاں آیا ہے۔''

''بیگ صاحب! وہ مزید محافظ لینے گیا تھا۔''

''شہباز صاحب، آپ فی الحال چپ کر رہیں اور کسی کو بغیر شناخت بنگلے کے پاس نہ آنے دیں۔ میں راجا صاحب سے بات کرتا ہوں۔''

میری گفتگو سے لڑکیوں کو بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ سونیا نے کہا۔ ''شوبی بھائی، آپ جانتے ہیں، مجھے اسلحہ چلانا آتا ہے۔''

''وہ تو مجھے بھی آتا ہے۔'' مونا جلدی سے بولی۔

''میں تربیت یافتہ ہوں۔'' سونیا مسکرائی۔ ''مجھے پتا ہے کن حالات میں کیا کرنا چاہئے!''

''میں اسلحے کی پوزیشن دیکھتا ہوں پھر تم تینوں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔''

میں فرمان کے پاس آیا۔ اس سے اسلحے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''ہمارے پاس سات خودکار رائفلیں، دو عدد ری پیٹرز، ایک سیون ایم ایم رائفل ہے۔ اس کے علاوہ نصف درجن مختلف بور کے پستول ہیں۔''

''مجھے دو عدد پستول دے دو۔''

فرمان نے مجھے گاڑی سے دو عدد پستول اور ان کے فاضل کلپ دے دیئے۔ گاڑی میں اچھا خاصا اسلحہ موجود تھا۔ میں نے سوچا اور فرمان کو حکم دیا۔ ''اس سارے اسلحے کو بنگلے کے اندر لے آؤ۔ اسلحہ یہاں سے وقت ہنگامی ضرورت کے حاصل کرنا دشوار ہوگا۔''

''جی جناب! میں ابھی اسے اندر لاتا ہوں۔''

اسلحے میں کچھ گرینیڈ بھی تھے۔ فرمان نے نعیم خان کے ساتھ مل کر اسلحہ اندر منتقل کیا۔ شکیلہ اور سفیر چھت سے نگرانی کر رہے تھے۔ میں نے مونا اور سونیا کو دونوں پستول اور ان کا ایک ایک فاضل کلپ بھی تھما دیا۔

''تمہیں پستول لوڈ کرنا آتا ہے؟'' میں نے مونا سے پوچھا۔

''وہ کھسیا گئی۔ ''نہیں، بس چلانا آتا ہے۔''

''میں اسے سکھا دیتی ہوں۔''

ایمن یہ سب غور سے دیکھ رہی تھی، اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں کیا کروں؟''

''ہو سکے تو کھانے کو کچھ بنا لو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے اور سب کے لئے کافی بنا لو۔''

''دوپہر میں کک نے کھانا بنایا تھا کہو تو وہ لے آؤں؟''

''بریانی تھی اور کوفتے کا سالن!'' مونا نے چٹخارے لے کر آگاہ کیا۔

''پھر تو فوراً لے آؤ۔'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آؤ میرے ساتھ۔'' ایمن بولی۔ ہم کچن میں آئے، ایک چھوٹی سی میز یہاں بھی تھی۔

ایمن نے مجھے بریانی اور کوفتوں کا سالن گرم کر کے دیا اور خود کافی کا پانی چڑھا دیا۔ میں کھانے لگا۔

''شوبی، کیا ہم کہیں اور بھی جائیں گے؟''

''نہیں، فی الحال تو اسی جگہ رہنا ہے۔''

''وہ ہچکچائی۔'' تم شاید ملک سے باہر جانے کی بات کر رہے تھے، میں نے سنا تھا، تم کہاں جاؤ گے؟''

''سچی بات ہے، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا، یہ راجا عمر دراز کا پروگرام ہے۔ وہی جانتا ہے کہاں اور کب جانا ہے۔ یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ جا سکوں۔''

''کیوں؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''حالات تمہارے سامنے ہیں۔ میرے دشمن کس شد و مد سے میرے پیچھے پڑے ہیں، وہ مجھے مارنے یا اپنے قبضے میں لینے کے لئے بے چین ہیں۔ کب کیا ہو جائے، یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔''

''ایسا مت کہو، سنو شوبی! تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارے لئے برطانیہ میں عارضی ویزے کا بندوبست تو کر سکتی ہوں۔'' اس نے بے تابی سے کہا۔

''معاملہ صرف میرا نہیں، میرے ساتھیوں کا بھی ہے۔ جیسے جیسے دشمنوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، قدرت کی طرف سے مجھے دوست بھی عطا کئے جا رہے ہیں۔ یہ میری جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر لڑ رہے ہیں۔ میں ان سب کو چھوڑ کر اکیلا ملک سے چلا جاؤں، یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔''

''لیکن تم راجا کے ساتھ جانے کے لئے تو تیار ہو۔''

''ہاں، مگر اس کے ساتھ بھی میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ جب تک میرے ساتھی میرے ساتھ نہیں ہوتے۔''

میں نے کھانا کھا لیا تھا۔ کچن کے واش بیسن میں ہاتھ دھوئے۔ شکر ہے یہاں گیزر تھا ورنہ یخ بستہ پانی میں ہاتھ دھونے پڑتے۔ ایمن سب کو کافی دے کر آئی اور اپنی کافی لے کر میرے ساتھ بیٹھ گئی۔

''تمہیں یقین ہے ان سارے واقعات کے پس پشت ڈیوڈ شاہ ہے؟''

میں چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''کیونکہ میرا خود بھی یہی اندازہ ہے۔ تم نے مجھے مرشد علی کے بارے میں جو بتایا ہے، اس کے مطابق وہ ایسی پلاننگ کا اہل نظر نہیں آتا۔''

''سوال یہ ہے کہ ڈیوڈ شاہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بہت شاطر آدمی ہے۔'' ایمن بولی۔ ''مجھے بچپن سے اس سے ڈر لگتا تھا۔ کبھی کبھی وہ ہمارے گھر آتا تھا مجھے یاد ہے اس کی آنکھوں میں ایسی شیطانی چمک ہوتی تھی کہ میں اس کا سامنا کرنے سے ہر ممکن گریز کرتی تھی۔''

''اگر وہ یہ سب راجا عمر دراز تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کر رہا ہے تو کچھ زیادہ ہی کر رہا ہے۔ اس سے کم کوشش کر کے وہ راجا تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔''

''میں نے کہا ناں وہ بہت شاطر آدمی ہے، ایسی چالیں چلتا ہے جو دوسرے کی سمجھ میں بہت دیر سے آتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔اس نے اسی طرح میرے باپ کی آبائی جاگیر ہتھیالی تھی۔"

"برٹ شا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ مجھے اس کے اعصاب کی مضبوطی پر رشک آیا تھا شاید میں اس کی جگہ ہوتا تو بہت پہلے ہی فتح خان کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہوتا۔

"میرے ڈیڈی زندہ ہوں گے۔" اُس نے پُر امید لہجے میں پوچھا۔

"امید تو یہی ہے۔" میں نے مبہم انداز میں کہا۔اگر فتح خان نے اسے قید میں رکھا ہے تو وہ اپنا مقصد حاصل کرنے تک اسے زندہ ہی رکھے گا۔"

"سنو، میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کرسکتی ہوں، فتح خان کو گرفتار کر کے میرے ڈیڈی کو رہا کرایا جائیں"

"اس صورت میں تم برٹ شا کو مرواؤ گی۔اسے رہا کرانے کی ایک ہی صورت ہے۔فتح خان ہمارے ہاتھ لگ جائے اور ہم اس سے برٹ شا کو حاصل کرلیں۔سرکاری مداخلت کا اوّل تو کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا، دوسرے اگر کسی طرح پولیس برٹ شا تک رسائی حاصل کر بھی لیتی ہے تو تم سوچ سکتی ہو، فتح خان کا کیا ردِعمل ہوسکتا تھا۔"

"خدا نہ کرے۔" ایمن لرز اٹھی۔اس نے کچھ دیر بعد کہا۔"فتح خان کیسے قابو میں آئے گا؟"

"یہ بھی میں نہیں کہہ سکتا۔ساری صورتِ حال تمہارے سامنے ہے۔فی الحال تو ہماری پوزیشن دفاعی ہے۔"

"شوبی! یہ جرائم پیشہ ہیں۔ان کے ذرائع بہت وسیع ہیں اور یہ کوئی غیر قانونی قدم اٹھانے سے کبھی نہیں ہچکچاتے، تم ان کا مقابلہ کیسے کرسکتے ہو۔"

"درست ہے، لیکن میں ان کے سامنے ہتھیار بھی تو نہیں ڈال سکتا۔" میں نے رسانیت سے کہا۔"میں تمہیں بتا چکا ہوں، یہ سارا چکر کیسے شروع ہوا اور اس میں میرا قصور نہیں تھا۔"

"میں جانتی ہوں لیکن شوبی، اس چکر سے تمہیں نکلنا ہے۔" اس نے کہنا چاہا۔

"اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ میں یہ ملک چھوڑ کر چلا جاؤں لیکن میں تمہیں اپنی کنڈیشن بتا چکا ہوں، میں اکیلا ہوتا تو شاید یہی فیصلہ کرتا مگر میرے ساتھ اور لوگ بھی ہیں۔"

"تم نہیں مانو گے؟" اس نے مایوسی سے مجھے دیکھا۔

"ایمن تم مجھ سے کیوں منوانا چاہتی ہو؟" میں نے سوال کسی اور طرح کیا تھا لیکن اس نے کسی اور طرح لیا، وہ یک دم جذباتی ہوگئی۔

"کیونکہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔میں تمہیں زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں دم بخود رہ گیا تھا، پھر میں نے ہکلا کر کہا۔"وہ.....تم.....ٹھیک ہے.....ایمن!"

"تم مجھے پسند نہیں کرتے؟" اس نے آزردگی سے کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں؟"ایسی بات نہیں ہے ایمن! تم بہت اچھی لڑکی ہو۔"

"صرف اچھی.....!" وہ خوش ہوئی تھی۔

"نہیں، خوبصورت بھی ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شکریہ!'' وہ بہت ہی خوش ہوگئی۔

''مگر فی الحال میرے حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں تمہارے جذبات کی قدر کرسکوں۔''

''محبت کا بھلا حالات سے کیا تعلق؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''یہ تو کسی بھی وقت اور کسی سے بھی ہوسکتی ہے۔''

''ایسے تو ہمارے ہاں شادی بیاہ وفات ہوتی ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

سونیا سب کے کپ ٹرے میں لئے وہاں چلی آئی۔ اس نے ایمن کے منع کرنے کے باوجود برتن دھونا شروع کردیئے تھے۔ ایمن اس کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔ میں نے باہو جانے کے لئے اٹھنا چاہا کہ میرے موبائل نے بیل دی۔ میں نے اسکرین پر دیکھا ایک اجنبی نمبر آرہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو، کون ہے؟''

''شہباز صاحب!'' کسی نے مدھم سی آواز میں کہا۔

''ہاں، کون بول رہا ہے؟''

''میں..... وسیم ہوں۔''

''وسیم..... کہاں ہو تم؟''

بھائی کا نام سن کر سونیا بے قرار ہو کر میرے پاس آئی۔ ''شہباز صاحب! میں بھارتی سرحد کے آس پاس کہیں ہوں۔ میں نے ان کے ایک آدمی پر قابو پا کر اس سے اسلحہ اور موبائل چھین لیا ہے۔ وہ میرا تعاقب کر رہے ہیں۔ شاید میں گھر گیا ہوں۔'' وسیم جلدی جلدی بول رہا تھا۔

''وسیم! تم کن لوگوں کے قبضے سے بھاگے ہو، جامی شاہ کے آدمیوں سے؟''

''ہاں، وہ مجھے انڈیا لے جارہے تھے۔''

''وسیم! میں نے سونیا اور شکیل کو چھڑا لیا ہے، اب وہ میرے پاس ہیں۔''

''شکر ہے خدا کا!'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''شہباز صاحب پلیز! سونیا سے میری بات کرائیں۔ اس وقت میرے اگلے پل کا کچھ پتا نہیں ہے۔ شاید میرا آخری وقت آگیا ہے۔''

''خدا نہ کرے۔ وسیم! تم حوصلہ رکھو..... لو سونیا سے بات کرو۔'' میں نے فون سونیا کو دے دیا۔

''بھائی!'' سونیا نے سسکی لی۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

لاؤڈر آن تھا، وسیم کی آواز مجھ تک آرہی تھی۔ ''سونیا، میں چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گیا ہوں۔ پتا نہیں بچتا ہوں یا نہیں۔''

''پلیز بھائی!'' وہ رو دی۔

''سونیا غور سے سنو..... اگر میں نہ رہوں تو تم سوائے شہباز صاحب کے کسی پر بھروسا نہیں کروگی، یہ میرا حکم ہے۔ اب تم ان کی ذمے داری ہو، میری شہباز صاحب سے بات کراؤ۔''

''سونیا نے روتے ہوئے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ ''وسیم، تم بچ نکلنے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا۔

''شہباز صاحب! ایسا ہوسکتا تو میں پہلے ہی نکل جاتا۔ میں ایک چھوٹی سی جگہ پر چھپا ہوں جسے جامی شاہ کے بندوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ آپ مجھ سے وعدہ کریں، میرے بعد سونیا آپ کی ذمے داری ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔''

''سونیا اب بھی میری چھوٹی بہن ہے۔''

''نہیں شہباز صاحب! آپ وعدہ کریں۔'' وسیم نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''اوکے..... سونیا میری ذمے داری ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب میں سکون سے مرسکوں گا۔''

''وسیم!'' میں نے کہنا چاہا لیکن ایک دھماکے اور پھر ایک دردناک چیخ نے مجھے سہما دیا تھا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ ''وسیم..... کیا ہوا؟'' لیکن دوسری طرف صرف سناٹا تھا۔ سونیا نہ بلند آواز سے رونا شروع کر دیا تھا۔ اسی لمحے ایک دھماکے کے ساتھ بنگلے کی روشنیاں گل ہوگئی تھیں۔ اس بار دھماکا یہاں ہوا تھا۔

میں بے ساختہ کھڑا ہوگیا۔ خطرہ سامنے آگیا تھا۔

☆======☆======☆

موبائل بدستور میرے کان سے لگا تھا۔ دھماکے سے زمین لرز اٹھی تھی۔ میں پھر چلایا۔ ''وسیم..... تم ٹھیک تو ہو نا.....؟''

جواب میں کسی نے گندی سی گالی دی تھی اور اگلے ہی لمحے رابطہ منقطع ہوگیا تھا۔ دھماکے کے بعد سونیا خاموش ہوگئی تھی، میں نے بے ساختہ پستول نکال لیا، اسی لمحے ایمن نے ماچس کی تیلی جلائی، کچن میں ہی دودھ روشنی ہوگئی تھی۔ میں نے وہاں دیوار پر لگی ایمرجنسی لائٹ کا بٹن دبا کر اسے آن کر دیا۔

''تم لوگ اندر جاؤ۔'' میں نے ایمن سے کہا۔

''شوبی بھائی..... وسیم بھائی!'' سونیا نے دردناک لہجے میں کہا۔

''سونیا اندر جاؤ۔'' میں نے اس بار سختی سے کہا۔ میں باہر آیا۔ نشست گاہ میں آتش دان کی آگ کی روشنی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا، میں باہر جانے والا تھا کہ سفیر بدحواسی میں آیا۔ ''شوبی! کسی نے بنگلے کی عقبی دیوار پر بم مارا ہے۔''

شکیل اس کے پیچھے تھا۔ ''ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

''ہم یہاں سے کہیں نہیں جا رہے ہیں۔'' میں نے زور دے کر کہا اور سفیر سے پوچھا۔ ''دیوار کو نقصان تو نہیں ہوا ہے؟''

''پتا نہیں، اندھیرا ہوگیا تھا۔'' سفیر نے جواب دیا۔

''تم دونوں اندر رہو۔'' میں نے ان سے کہا اور خود باہر نکلا۔ ''فرمان گیٹ کی طرف تھا اور اس نے عقل مندی کی جو اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا، میں نے چلا کر صفدر اور نعیم کو آواز دی۔ صفدر کا جواب آیا۔

''ہم عقب میں ہیں سر!''

ان کے پاس ٹارچیں تھیں۔ میں فرمان کو چوکس رہنے کی تاکید کرتے ہوئے عقبی حصے کی طرف آیا، صفدر اور نعیم وہاں تھے۔ ''اس طرف کسی نے دیوار میں کریکر مارا ہے۔'' صفدر بولا۔ ''صرف دھماکا ہوا ہے دیوار کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بجلی بھی دھماکے نتیجے میں گئی ہے؟''

''نہیں، اس کی لائن دوسری طرف ہے۔ کسی نے تار کاٹ دی ہے۔''

''روشنی کے لئے اور کوئی انتظام نہیں ہے؟''

''جنریٹر ہے جناب!'' اس بار نعیم نے جواب دیا۔

''اسے فوری طور پر آن کرو۔'' میں نے کہا۔ ''صفدر، تم اوپر اور بنگلے کے باہر کی تمام روشنیاں بجھا دو، صرف بیرونی دیواروں والی روشنیاں جلتی رہیں۔ صفدر تم چھت پر جاؤ گے۔ نعیم تم جنریٹر چلا کر عقبی حصے کی طرف آؤ۔''

انہوں نے میرے احکامات سمجھ کر پھرتی سے ان پر عمل کیا۔ نعیم نے جا کر جنریٹر چلایا، اس دوران میں بنگلے کی اوپری اور بیرونی روشنیاں بجھائی جا چکی تھیں البتہ بنگلے کے اندر کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ نعیم جنریٹر چلا کر آیا تو میں بنگلے کے اندر پہنچا۔ جلدی سے بیرونی کمروں کی روشنیاں بند کر دیں۔ شکیل اور سفیر اندر ہی تھے، میں نے شکیل سے کہا۔ ''تم رائفل لے کر اوپر چلے جاؤ۔ سفیر، تم سامنے گیٹ پر فرمان کے ساتھ رہو۔''

دونوں چلے گئے۔ لڑکیاں بیڈ روم میں تھیں، سونیا وہیں رہی تھی لیکن اس کا چہرہ ذرا سی دیر میں برسوں کا بیمار نظر آنے لگا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

''انہوں نے بھائی کو مار دیا ہے۔''

''خدا سے بہتری کی امید رکھو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم ایک بہادر شخص کی بہن ہو اور بہادر لوگ کبھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔''

''نہیں، بھائی زندہ نہیں ہے۔''

''شوبی، باہر کیا ہو رہا ہے؟'' مونا بولی، وہ پریشان تھی۔

''کسی نے دھماکا کرنے والا کریکر عقبی حصے میں پھینکا ہے لیکن اس سے بنگلے کو نقصان نہیں ہوا ہے۔''

''تو کیا ہم اب نقصان ہونے کے منتظر ہیں؟ شوبی، ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''آپ سے اسی قسم کی احمقانہ بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''مارنے والے شروع میں بم بھی مار سکتے تھے۔ دھماکا ہمیں یہاں سے نکالنے کے لئے کیا گیا ہے۔''

''مونا، ٹھیک کہہ رہی ہے شوبی بھائی!'' سونیا نے بھی اس کی تائید کی۔ ''ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہئے، اس سے پہلے کہ دشمن مکمل طور پر گھیر لے۔''

''دیکھتے ہیں۔'' میں نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ''آپ سب مسلح رہیں اور روشنی کے لئے کوئی شے پاس رکھیں، جنریٹر کسی وقت بھی بند ہو سکتا ہے۔''

میں واپس نعیم کے پاس آیا۔ ''کوئی دوربین ہے؟''

''جی سر.....! لیکن رات کو کیسے دیکھیں گے؟''

''تم دوربین لے آؤ، دیکھنے کی بھی کوئی نہ کوئی ٹیبل نکال لیں گے۔'' میں نے اس سے کہا، اس نے مجھے اندر سے ایک عدد دوربین لا دی تھی۔ میں نے اوپر کا رخ کیا۔ شکیل اور صفدر کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر چپ ہو گئے۔ ''آس پاس کوئی نظر آیا ہے؟''

ان کا جواب نفی میں تھا۔ میں نے دوربین آنکھوں سے لگالی۔ بنگلے کی لوکیشن کچھ اس طرح تھی کہ اس کے عقب میں چند سو گز کے فاصلے پر دریائے راوی بہہ رہا تھا بلکہ کسی زمانے میں بہتا تھا۔ اب تو دریا کے نام پر پانی کے جوہڑ باقی رہ گئے تھے۔ دریا نے بہنا بند کیا تو یار لوگوں نے اس میں بھی قبضہ کر کے مکانات بنانے شروع کر دیئے، وسیع و عریض باڑے قائم کر لئے تھے اور یہ بھول گئے کہ کسی دن اس دریا کو جوش آیا تو سب بہا لے جائے گا۔ بنگلے کے نزدیک ترین مکان بھی کوئی سوا سو گز کے فاصلے پر تھا اور خاص بات یہ تھی کہ اس کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ بجلی کی تاریں خاصے فاصلے سے بانس کے کھمبوں کے سہارے لٹکتی آ رہی تھیں اور دشمن نے کسی جگہ سے تار کاٹ دی تھی، اب باہر جائے بغیر اس کا اندازہ لگانا بے حد دشوار تھا۔

صفدر نے دبی زبان میں کہا۔ ''سر! بہتر ہوگا، راجا صاحب کو بھی بتا دیا جائے۔''

''میں نے سوچا اور بیگ کو کال کرنے لگا۔ رابطہ ہوتے ہی میں نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ بیگ تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ ''یہ دوسری بری خبر ہے۔ ابھی چند منٹ پہلے عبداللہ کے بارے میں اطلاع آئی ہے، کسی نے اسے گولی مار کر زخمی کر دیا ہے۔ وہ اسپتال میں ہے اور خطرے سے باہر ہے۔''

''اوہ.....'' میں نے کہا۔ ''بیگ صاحب، مجھے خطرے کی بو آ رہی ہے۔ آپ راجا صاحب کی حفاظت پر توجہ دیں اور فی الحال کسی کو اس طرف مت بھیجئے گا۔''

''پولیس.....!'' بیگ نے کہنا چاہا۔

''پولیس کا نام بھی مت لیجئے گا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''فی الحال ہم یہاں محفوظ ہیں، مجھے یقین ہے کہ دشمن ہمیں یہاں سے نکالنا چاہتا ہے۔''

میں نے رابطہ کاٹ کر ان لوگوں کو بتایا۔ ''عبداللہ زخمی ہے، کسی نے اس پر فائر کیا ہے۔ اسپتال میں داخل ہے مگر جان خطرے سے باہر ہے۔''

''شہباز صاحب! میں آپ سے متفق نہیں ہوں، ہمیں فوری طور پر اس جگہ سے نکل جانا چاہئے دیر کرنے کی صورت میں دشمن پوری طرح ہمیں گھیر لے گا۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ہم چاروں طرف سے پہلے ہی گھیرے جا چکے ہیں اور جب ہم یہاں سے نکلیں گے تو وہ بہ آسانی ہمیں چھاپ لیں گے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

شکیل بے چین لگ رہا تھا۔ ''ممکن ہے، آپ کی بات درست ہو..... لیکن میری چھٹی حس کچھ کہہ رہی ہے، ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''صفدر، اس جگہ سے نکلنے کے کتنے راستے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک تو یہی راستہ ہے جو کچی سڑک تک چلا جاتا ہے اور آگے پکی سڑک سے مل جاتا ہے۔ دوسرا جنوب کی طرف جانے کی صورت میں کوئی ایک کلومیٹر آگے لاہور کی پرانی آبادی سے مل جاتا ہے، اس کچی آبادی میں زیادہ تر مزدور پیشہ اور چھوٹے کام کرنے والے لوگ رہتے ہیں۔''

''اس طرف گاڑی کی مدد سے جا سکتے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آبادی تک ضرور جاسکتے ہیں لیکن اس سے آگے چھوٹے راستوں پر گاڑیاں نہیں جاسکتیں۔''

میں باتوں کے دوران دوربین آنکھوں سے لگا کر دیکھتا رہا تھا۔ آج چاند کسی قدر بڑا تھا اور چاروں طرف اس کی ہلکی سی روشنی میں منظر خاصی حد تک واضح تھا، کم سے کم کوئی حرکت کرتا تو فوراً نظر آجاتا۔ مگر نظروں میں کوئی نہیں تھا۔ دشمن اتنا احمق نہیں تھا کہ ہماری نظروں کی حد میں آجاتا۔ وہ دور کہیں آرام سے بیٹھ کر دوربینوں کی مدد سے ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ یہاں سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا اور اس پر ان کی موجودگی لازمی تھی۔ میں نے دوربین صفدر کو دے دی۔ ''اس سے اردگرد کا جائزہ لیتے رہو اور غیر ضروری طور پر نمایاں مت ہونا..... دشمن بھی ہماری نگرانی کر رہا ہوگا۔''

اوپر غضب کی سردی تھی لیکن بھاری گرم کپڑوں میں اتنی زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ فرمان مین گیٹ پر چوکس تھا۔ میں اندر آیا، ایمن نے پھر کافی بنائی تھی۔ سونیا سب کو دینے جا رہی تھی، میں نے اپنا کپ اٹھالیا۔ ''خدا تمہیں خوش رکھے۔''

''میں کھانا اچھا بناتی ہوں۔ مجھے شوق ہے اس کا۔''

''کڑی خوبیاں بتا رہی ہے۔'' مونا نے آہستہ سے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم میں کچھ مشرقیت ہے ورنہ کھانا بنانے کا رواج مغرب میں ختم ہوتا جا رہا ہے۔ میرا مطلب ہے خواتین کے کھانا بنانے کا رواج۔'' میں نے مونا کو گھورتے ہوئے کہا۔

''وہ تو اب مشرق میں بھی نہیں رہا ہے۔'' مونا پھر بولی۔

''تمہیں دیکھ کر یہی لگتا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''بی بی، اب بھی وقت ہے کچھ بنانا سیکھ لو۔ کہتے ہیں مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔''

''مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' مونا نے منہ بنایا۔

''باہر کی کیا کنڈیشن ہے؟'' ایمن نے پوچھا۔

''بظاہر کوئی نہیں ہے لیکن دھماکا ظاہر کرتا ہے کہ دشمن آس پاس ہے اور وہ ہمیں اس جگہ سے نکال کر کسی کھلی جگہ گھیرنا چاہتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس صورت میں ہمیں تاریکی میں یہاں سے نکلنے سے گریز کرنا چاہئے۔'' ایمن بولی۔

''سونیا بی بی، البتہ بے تاب ہیں۔'' مونا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ویسے شوبی، لگتا نہیں ہے کہ خاتون کو بیوہ ہوئے زیادہ دن گزرے ہیں۔''

''کسی پر اس قسم کا تبصرہ نہیں کرنا چاہئے۔'' میں نے اسے گھورا۔

''تم نے کیا سوچا ہے؟'' ایمن نے سوال کیا۔

''فی الحال ہمیں باہر نکلنے کا سوچنا بھی نہیں چاہئے..... صبح کے وقت دیکھیں گے۔''

''میری ایک تجو ۔'' ایمن بولی۔ ''ہمیں صبح اس وقت نکلنا چاہئے جب روشنی ہو رہی ہو۔''

''میں نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔ ''لگتا ہے تم عقل استعمال کرنا جانتی ہو۔ اتفاق سے میرے ذہن میں بھی یہی خیال آرہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں عقل کا استعمال جانتی ہوں۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''اس مقام تک ایسے ہی نہیں آ گئی۔''

''اور پھر بھی عورت رہی۔'' مونا نے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

''براہِ کرم، کمنٹس مت دو۔'' ایمن نے اس سے کہا۔

''میں نے کیا، کیا ہے..... میں تو گا رہی ہوں۔'' مونا ڈھٹائی سے بولی۔

''میرے کو..... ارڈو..... آتا۔'' ایمن نے اٹک اٹک کر کہا۔ اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ مونا منہ بنا کر رہ گئی۔ سونیا واپس آ گئی تھی۔ اس نے خود کو تیزی سے سنبھال لیا تھا۔ وہ جس قسم کی زندگی گزارتی آئی تھی اس میں موت سے سامنا کبھی بھی ممکن تھا۔ وہ ذہنی طور پر بھی مضبوط تھی۔ میں نے کافی کا خالی مگ رکھا اور باہر آیا۔ سامنے والے حصے کی روشنیاں گل تھیں۔ میں مین گیٹ کی طرف آیا۔ فرمان رائفل شانے سے لٹکائے گیٹ کی کھڑکی کے باہر جھانک رہا تھا۔

''کوئی مشکوک فرد ہے؟''

''نہیں جناب، میں ایسے ہی معائنہ کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''فرمان، ذرا باہر نکل کر معائنہ کرو، آس پاس کوئی ہے؟'' میں نے کہا تو فرمان چھوٹا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس نے بنگلے کے دائیں بائیں جا کر دیکھا۔ پھر واپس آیا۔ ''کوئی نہیں ہے سر!''

سفیر بھی چلا آیا تھا، میں نے اس سے کہا۔ ''یار، میں سوچ رہا ہوں۔ گاڑی لے کر باہر کا ایک چکر لگا لوں۔''

سفیر نے گھور کر دیکھا۔ ''یہ آئیڈیل مجھے مار کا شوق کیوں چرا رہا ہے، ایک کا انجام سامنے نہیں ہے؟''

''یار، اس طرح ہم بند جگہ بیٹھے بیٹھے دشمن کے بارے میں کیسے جان سکتے ہیں؟'' میں نے کہا۔

''میں اس تجویز کے حق میں نہیں ہوں۔'' سفیر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''سر، میں چلا جاتا ہوں۔'' فرمان نے تجویز پیش کی۔

''نہیں یار، ہمارے لئے جتنی قیمتی جان اپنی ہے، اتنی ہی قیمتی جان دوسرے کی بھی ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''سر، کسی نہ کسی کو تو خطرہ مول لینا ہے۔'' فرمان نے اصرار کیا مگر میں نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ گیٹ کے ساتھ چوکیدار کے لئے چھوٹی سی کوٹھری تھی لیکن فرمان اس میں بیٹھنے کے بجائے مستقل گیٹ کے آس پاس ٹہل رہا تھا۔ میں اندر باہر کے چکر لگاتا رہا، گیارہ بجے میں اوپر آیا۔ اوپر ایک کمرا تھا جس میں چاروں طرف بڑی کھڑکیاں تھیں، غالباً اسے بنانے کا مقصد چاروں طرف کا نظارہ کرنا تھا۔ میں نے شکیل کو نیچے بھیج دیا تھا۔ صفدر نے باہر آسمان کی طرف دیکھا۔ ''سر، بادل جمع ہو رہے ہیں، ممکن ہے بارش ہو جائے۔''

''بارش!'' میں نے بھی باہر دیکھا۔ بارش کا امکان لگ رہا تھا اور یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ شاید اس طرح ہمیں فرار میں مدد مل سکے۔ باہر جھانکنے کے علاوہ ہم کھڑکیاں بند رکھتے تھے کیونکہ سردی غضب کی تھی، کھڑکی کھولتے ہی سرد ہوا فراٹے بھرتی اندر آتی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا اس پہلے دھماکے کے بعد بنگلے کے آس پاس اور کوئی سرگرمی نہیں دکھائی دی تھی۔ میں نے کئی بار اس نمبر پر ٹرائی کیا جس سے وسیم نے کال کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر میں یہ موبائل کسی اور شخص کے ہاتھ میں آیا تھا جس نے گالی دے کر اسے ضائع کر دیا تھا یا بند کر دیا تھا بہرحال اس سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ موبائل کا چارج ختم ہو رہا تھا لیکن ان کے چارجر نہیں تھے۔ وہ راجا عمر دراز کے بنگلے میں تھا۔ فرمان، نعیم اور صفدر تینوں کے پاس موبائل تھے لیکن ان کا مسئلہ بھی چارجر کا تھا صرف نعیم کے موبائل کا چارجر تھا اور بدقسمتی سے اس کا موبائل بالکل مختلف کمپنی کا تھا اور اس کے چارجر سے ہمارے موبائل چارج نہیں ہو سکتے تھے۔ دو بجے تک میرے دونوں ہی موبائل چارج ختم ہونے سے بند ہو گئے۔ صفدر اور فرمان کے موبائل پہلے ہی بند ہو چکے تھے اور اب ہمارے پاس باہر سے رابطے کے لئے صرف نعیم کا موبائل رہ گیا تھا۔ میں نے اس سے موبائل لے کر اس میں اپنی سم لگالی۔

رات کے وقت بیگ کا فون آیا۔ ''آپ نے وہاں سے نکلنے کے بارے میں کیا سوچا؟''

''ابھی تک کچھ نہیں سوچا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم صبح کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''میرا مشورہ ہے، آپ صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔''

''بارش کا امکان ہے۔ اگر بارش ہو گئی تو اس کی آڑ میں ہم بہ آسانی نکل جائیں گے۔''

''جب کوئی پلان ہو تو مجھے بتائیے گا۔''

اچانک مجھے خیال آیا۔ ''بیگ صاحب! اگر آپ سے گاڑی کہیں بھجوانے کو کہا جائے تو آپ بھیج سکتے ہیں؟''

''ہاں، بالکل۔'' اس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا کہ آپ نے گاڑی کہاں بھیجنی ہے اور گاڑی بڑی ہو تاکہ اس میں کم سے کم درجن بھر افراد آسانی سے آ جائیں۔''

''آپ فکر نہ کریں۔''

بیگ سے بات کر کے میں فرمان کے پاس آیا۔ ''یار، یہ جو کچی آبادی ہے، اس کے پار کوئی بڑی سڑک ہے؟''

''جی جناب، اور یہ کچی آبادی نہیں ہے، ریگولر آبادی ہے لیکن زیادہ تر غریب لوگ ہیں اس لئے کچی آبادی لگتی ہے۔ اس سے آگے ایک بڑی سڑک ہے جو شالامار باغ کی طرف جاتی ہے۔''

''سڑک کا اس جگہ سے کتنا فاصلہ ہے؟''

''تقریباً دو کلو میٹر ہو گا جناب البتہ جہاں سے کچی آبادی شروع ہوتی ہے، وہاں سے کوئی ایک کلو میٹر ہے۔''

''گڈ۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''فرمان تم نے میری مدد کی ہے۔''

''یہ میرا فرض ہے جناب!''

میں اندر آیا۔ شکیل اور سفیر کو اندر بلایا، میں نے ان سے کہا۔ ''ہم صبح کے قریب گاڑیوں میں نکلیں گے اور جنوب کی طرف دریا کے ساتھ ایک کچی آبادی ہے، وہاں تک جائیں گے، فرمان کا کہنا ہے اس آبادی میں سے گاڑیاں نہیں گزر سکتی ہیں اس لئے وہاں سے ہم پیدل جائیں گے اور آبادی کراس کر کے ایک بڑی سڑک تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانا ہوگا وہاں بیگ صاحب کی بھیجی گاڑی ہماری منتظر ہوگی۔''

''صبح کس وقت؟'' شکیل نے پوچھا، وہ خوش نظر آنے لگا تھا۔ ''میں پہلے کہہ رہا تھا، ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''ابھی بھی دیر نہیں ہوئی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''عام طور سے سات بجے تک اجالا ہو جاتا ہے، ہم ذرا پہلے چھ یا ساڑھے چھ بجے تک نکلیں گے۔''

''تب تک ہمیں آرام کرنا چاہئے۔'' سفیر نے جماہی لی۔

''نہیں، ہمیں پوری طرح چوکس رہنا چاہئے۔ عین ممکن ہے ہمارے نکلنے سے پہلے دشمن دھاوا بول دے۔''

تین بجے بارش شروع ہوگئی تھی۔ لڑکیاں سوگئی تھیں۔ ان کو سونے دیا۔ نعیم اور فرمان اوپر کمرے میں چلے گئے تھے جبکہ صفدر اب مین گیٹ پر تھا۔ میں، سفیر اور شکیل روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ ہم نے تمام اضافی اسلحہ دونوں گاڑیوں میں منتقل کیا۔ ایک گاڑی میں چار افراد جاتے اور دوسری میں پانچ۔ میں جس گاڑی میں ہوتا، اس میں ایمن اور مونا ہوتی جبکہ سفیر اور شکیل جس گاڑی میں ہوتے اس میں سونیا ہوتی، میرے ساتھ فرمان ہوتا، وہ عقبی حصے میں کور دینے کے لئے ہوتا اور ڈرائیونگ میں کرتا، جبکہ دوسری گاڑی میں صفدر ڈرائیونگ کرتا اور نعیم عقب میں ہوتا۔ پانچ بجے ہم کچن میں آئے۔ نعیم نے ناشتے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے انڈروں اور پنیر سے سینڈوچز بنائے، کافی اور چائے تیار کی۔ رات بھر کی تھکن اور نیند سے بند ہوتی آنکھوں کو اس ناشتے نے بہت سہارا دیا تھا۔ ساڑھے پانچ بجے ہم نے تیار ہونا شروع کر دیا۔ میرے پاس صرف آرمی جیکٹ تھی باقی سب بھاری گرم چیزوں سے لیس تھے۔ ناشتا کر کے میں باہر آیا تو ہلکی بارش جاری تھی۔ میں نے نعیم سے کہا۔ ''چھ بجے جنریٹر بند کر دینا تاکہ دشمن دیکھ نہ سکے۔''

''جنریٹر اس سے بھی پہلے بند ہو جائے گا۔'' نعیم بولا۔ ''اس میں ایندھن کم رہ گیا ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے اس طرح صحیح تاثر بنے گا ورنہ اچانک جنریٹر بند ہونے سے دیکھنے والے شبہ بھی کر سکتے ہیں۔''

لڑکیاں جاگ چکی تھیں اور انہوں نے اتنی صبح سویرے ناشتا کرنے سے انکار کر دیا تھا صرف چائے اور کافی لی تھی۔ میں نے بیگ سے رابطہ کیا۔ ''ہمیں ایک بڑی وین چاہئے۔''

''اتفاق سے وین ہی ہے۔'' بیگ بولا۔ ''اسے کہاں بھیجوں؟''

''یہ آپ کو نعیم بتائے گا۔'' میں نے نعیم کا موبائل اسے تھما دیا۔ نعیم، بیگ کو بتانے لگا کہ اسے کہاں وین بھیجنی ہے۔ مجھے اچانک خیال آیا۔ میں نے نعیم سے کہا۔ ''تم یہیں رکو گے اور پیچھے سے ہمیں کور دو گے۔''

''جیسا حکم صاحب!''

''اگر کوئی گاڑی ہمارے پیچھے آئے تو تم اسے روکنے کی کوشش کرو گے۔''

نعیم کے پاس اس کی اپنی لائسنس والی کلاشنکوف تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے سارا اسلحہ لے لیا تھا تاکہ اسے کوئی پریشانی نہ ہو۔ بعد میں جب پولیس آئے تو اسے کوئی غیر قانونی اسلحہ نہ ملے۔ چھ بجے ہم گاڑیوں میں آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ میری پجارو تھی۔ آگے والی جیپ اب سفیر ڈرائیو کر رہا تھا، لینڈ روور تھی۔ یہ دونوں گاڑیاں کچے اور ناہموار راستوں پر چلنے کے معاملے میں مثالی سمجھی جاتی ہیں۔ سفیر نے گیٹ کھلتے ہی گاڑی نکالی اور بائیں طرف مڑ گیا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ یہاں زمین ریتیلی اور ہموار تھی۔ اس پر تیز رفتاری دکھانا آسان تھا مگر بارش کے بعد پھسلن کا خطرہ تھا۔ آسمان پر بادل ہونے کی وجہ سے تاریکی تھی اور ہلکی بارش کی وجہ سے حدِ نگاہ محدود تھی اور اس وجہ سے ہمیں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس روشن کرنا پڑی تھیں۔ میری نظر عقبی آئینے پر تھی لیکن فرمان نے پہلے خبردار کیا۔

''ہمارے پیچھے کم سے کم تین گاڑیاں آ رہی ہیں۔''

''ہوشیار رہو..... اسلحہ تیار رکھو۔'' میں نے کہا۔

اسی لمحے عقب میں گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ میں نے چلا کر لڑکیوں کو جھکنے کو کہا۔ ''فرمان، ان کو روکو۔''

فرمان نے جیپ کا عقبی شیشہ اتار دیا تھا۔ اس نے سیون ایم ایم رائفل باہر نکالی اور یکے بعد دیگرے کئی گولیاں چلائیں۔ جیپ کی محدود فضا میں اس خطرناک رائفل کے دھماکے کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہے تھے۔

''ایک تو گیا۔'' فرمان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اس کی روشنیاں.....''

فرمان کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا، عقب سے آنے والا برسٹ اسے لگا اور وہ الٹ کر ایمن اور مونا کے درمیان میں گرا تھا۔ وہ چیخنے لگی تھیں پھر ایمن نے سسکی لی۔ ''میرے خدا..... یہ مر گیا ہے۔''

''تم لوگ سر نیچے رکھو۔'' میں نے جیپ کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔ فرمان کی موت کسی شاک کی طرح تھی۔ عقب سے ابھی تک فائرنگ ہو رہی تھی۔ مونا نے ہمت کی اور پستول نکال کر عقب میں جوابی فائر کیے۔ اگلی گاڑی سے بیک وقت دو رائفلیں گرج رہی تھیں۔ میں نے رفتار تیز کی اور ان سے آگے نکل گیا کیونکہ بعض اوقات میری گاڑی درمیان میں آ جانے سے میرے ساتھی فائرنگ روکنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ عقبی آئینے میں نظر آتی روشنیاں قریب آ رہی تھیں۔ یعنی ان کے پاس بھی طاقتور گاڑیاں تھیں۔ کچھ آبادی بھی نزدیک تھی اور اس کی روشنیاں جھلکنے لگی تھیں۔

اچانک عقب میں سفیر کی گاڑی کی روشنیاں گھومیں اور میں نے اسے الٹ کر قلابازیاں کھاتے دیکھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ میں نے رفتار ہلکی کی اور پھر جیپ سے اتر کر لینڈ روور کی طرف لپکا۔ مونا میرے پیچھے تھی۔ لینڈ روور الٹی چھت کے بل پڑی تھی اور اس کی عقبی نشست سے شکیل باہر آ رہا تھا۔ میں نے گھوم کر سفیر کو دیکھا، وہ سیٹ میں پھنسا تھا اور حرکت کر رہا تھا۔ میں نے اسے باہر کھینچا۔ ''جلدی جیپ کی طرف جا۔'' میں نے کہا اور دوسری طرف موجود سونیا کو نکالنے لگا، وہ بے سدھ تھی۔ شکیل نے مدد کی اور میں نے اسے بھی نکال لیا۔

''شکیل اسے لے جاؤ۔'' میں نے کہا اور قریب آتی گاڑیوں کی طرف برسٹ مارا، وہ رک گئی تھیں۔

صفدر لینڈ روور کے عقبی حصے میں پھنسا تھا اور شدید زخمی لگ رہا تھا۔ ''صفدر..... باہر آؤ۔''

''میں نہیں آ سکتا..... میرا پاؤں پھنسا ہے۔'' اس نے کرب زدہ لہجے میں کہا۔ ''آپ جائیں شہباز صاحب، دشمن پاس ہے۔''

میں نے جھک کر دیکھا، قلابازیاں کھانے سے لینڈ روور کے عقبی حصے میں دھات شق ہو گئی تھی اور اس میں صفدر کا پاؤں بری طرح پھنسا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ بے جان تھا۔ ''شہباز صاحب، آپ..... جائیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تمہیں نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"پلیز..... آپ وقت ضائع کر کے دوسروں کی جان بھی خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ آپ جائیں میں ان کو روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

شکیل فرمان کی سیون ایم ایم سے فائرنگ کر رہا تھا، ان کا اسلحہ تو نہ جانے کہاں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ صفدر ٹھیک کہہ رہا تھا، اس کا پاؤں اس بری طرح پھنسا تھا کہ اسے نکالنے کے لئے لوہے کی چادر کاٹنا پڑتی یا اس کی ٹانگ کاٹنا پڑتی۔ اس نے مجھ سے دستی بم مانگا، وہ میں نے اس کے حوالے کر دیا۔ اس کا ہاتھ دبایا اور اپنی جیپ کی طرف لپکا۔ شکیل مجھے دیکھ کر چلایا۔ "شہباز صاحب! جلدی کریں اور گاڑیاں آ رہی ہیں۔"

میں بھاگ کر جیپ میں گھسا اور اسے دھچکے سے آگے بڑھا دیا۔ سفیر میرے برابر والی نشست پر تھا۔ بے ہوش سونیا کو ایمن اور مونا نے سنبھالا ہوا تھا۔ فرمان کی لاش کو شکیل نے باہر کھینچ کر خود اس کی جگہ لے لی تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔" میں نے سفیر سے پوچھا۔

"ہاں، معمولی چوٹیں آئی ہیں، کوئی خاص چوٹ نہیں ہے۔"

"سونیا کی حالت کیسی ہے؟" میں نے ایمن سے دریافت کیا۔

"سر سے خون بہہ رہا ہے، لیکن نبض ٹھیک ہے۔"

"اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو، کچھ دیر بعد ہمیں پیدل سفر کرنا پڑے گا۔"

شکیل عقب سے ہونے والی فائرنگ کا جواب دے رہا تھا۔ اس کا نشانہ بہتر تھا۔ میں نے ایک اور گاڑی کی روشنیوں کو غائب ہوتے دیکھا اور اسی وقت جیپ کچی آبادی کی حدود میں داخل ہو گئی، اب ہم عقب سے ہونے والی فائرنگ سے محفوظ تھے۔ میں بے درپے گلیوں میں جیپ گھساتا رہا حتیٰ کہ ایک گلی آگے سے اتنی تنگ تھی کہ اس سے جیپ گزر ہی نہیں سکتی تھی۔ میں نے جیپ روک لی۔

"نیچے اتر آؤ۔ ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے دور نکل جانا ہے۔" میں نے اترتے ہوئے کہا۔

"یہ ابھی تک بے ہوش ہے۔" ایمن نے سونیا کے بارے میں بتایا۔

"اسے میں سنبھال لیتا ہوں۔" شکیل آگے آیا۔ "آپ رائفل لے لیں۔"

میں نے اس سے رائفل لے کر سفیر کو دے دی۔ ہمارے پاس یہی کل اسلحہ تھا۔ یعنی رائفل، ایک خودکار رائفل اور دو عدد پستول، جو میرے پاس تھے یا مونا اور ایمن کے پاس پستول تھے۔ سفیر نے رائفل چیک کی۔

"اس کا میگزین خالی ہے۔ میگزین کہاں ہیں؟"

"اور کوئی میگزین نہیں ہے۔" میں نے گاڑی کے عقبی حصے میں جھانکا جہاں فرمان کا خون پھیلا تھا۔ میرا دل بوجھل ہو گیا۔ کیسے جاں نثار نکلے، اتنی سی رفاقت پر جان قربان کر گئے تھے۔ شکیل نے سونیا کو اٹھا لیا۔ میں نے سفیر کو پستول دے دیا اور ہم آگے بڑھنے لگے۔ بارش میں کسی قدر تیزی آ گئی تھی لیکن یہ ہلکی سی بارش بھی کم قیامت خیز نہیں تھی کیونکہ پانی برف کی طرف ٹھنڈا تھا، ہم سب ٹھٹھر رہے تھے، سفیر نے لرزتے ہوئے پوچھا۔

"اب کہاں جانا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آبادی کے پار بڑی سڑک تک پہنچنا ہے۔"

"یہ خاص کچی آبادیوں کی طرز کی بستی تھی، چھوٹے بڑے مکان، ٹیڑھی میڑھی گلیاں جن میں سے اکثر آگے جا کر بند نکلتی تھیں۔ کئی جگہ ہمیں پلٹنا پڑا تھا۔ گلیاں ایسی تھیں کہ شیطان بھی چکرا جاتے۔ تعاقب کرنے والوں کا بھی یہی حال تھا اور ان پر نظر پڑتے ہی تیزی سے واپس آیا۔ "دشمن ہے۔" میں نے عقب میں آتے سفیر کو بھی واپس دھکیلا۔ میری جھلک دیکھتے ہی اس طرف سے فائر کھول دیا گیا تھا، میں نے اپنی رائفل نکال کر گلی میں ایک برسٹ مارا۔ وہ تین تھے اور گلی کے وسط میں تھے۔ ایک کی چیخ سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔

میں نے جھانک کر دیکھا۔ ایک کو اٹھائے دو بھاگے جا رہے تھے۔ میں چاہتا تو ایک اور برسٹ مار کر ان تینوں کو ہی اگلے جہاں بھیج سکتا تھا مگر میں نے غیر ضروری قتل و غارت گری سے گریز کیا۔ "اس طرف چلو۔" میں نے ایک نسبتاً کشادہ گلی کی طرف اشارہ کیا اور ہم اس میں گھس گئے۔ گلیوں میں بھٹکتے ہوئے ہم ستوں کا احساس بھی کھو چکے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہیں ہم واپس دریا کی سمت نہ جا نکلیں، آسمان پر گہرے سیاہ بادلوں کی وجہ سے ستوں کا تعین ممکن نہیں تھا۔

"یار، ہم مارے جائیں گے۔" سفیر نے ایک جگہ رکتے ہوئے کہا۔ "ابھی بال بال بچے ہیں۔"

دشمن نہ بھی مارے تو میں سردی سے مر جاؤں گی۔" مونا لرزتے ہوئے بولی۔

"بہتر ہے ہم کہیں پناہ لے لیں۔" شکیل بولا۔ "سونیا کی بے ہوشی ختم نہیں ہو رہی تھی۔"

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم ایک وسیع احاطے والے مکان کے سامنے کھڑے تھے۔ بلکہ یہ شاید پلاٹ تھا کیونکہ دیواریں دیوار تھی اندر کوئی عمارت نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک طرف لوہے کا گیٹ تھا۔ میں نے سفیر اور شکیل سے اتفاق کرتے ہوئے گیٹ بجایا ایک منٹ بعد جھری سے کوئی آنا نظر آیا۔

''اوئے کون ہے۔'' کسی نے گنوار سے لہجے میں کہا۔

''مصیبت زدہ ہوں جی، میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔

''بھاگ جاؤ، ہم نے ٹھیکا نہیں لے رکھا دوسروں کی بیویوں کا۔'' اس نے بے زاری سے کہا اور جانے لگا۔ میرا خون کھول اٹھا تھا، میں نے اس بار دروازہ توڑنے کے انداز میں بجایا۔ وہ بھنا کر واپس آیا اور دروازہ کھولتے ہوئے پھاڑ کھانے کے انداز میں بولا۔ ''کیا بات ہے..... جرا.....!'' رائفل کی نال اپنی طرف نگران پا کر اس کا باقی جملہ مع گالی کے منہ میں رہ گیا تھا۔ بمشکل اس نے گھگیائے لہجے میں کہا۔ ''کک..... کیا چاہتے ہو؟''

میں نے اسے پیچھے دھکیلا اور اندر گھس گیا۔ یہ وسیع کچا احاطہ تھا، جس میں سامنے کی طرف سبزیاں لگی تھیں۔ وسط میں تین عدد کچے کمرے تھے جن پر شیشوں کی چھت تھیں ایک کمرے کے آگے برآمدہ تھا جس میں باورچی خانہ بنا تھا اور وہاں ایک عورت بڑے سے کڑاہے میں دودھ ابال رہی تھی۔ کمروں کے عقب میں باڑا تھا کیونکہ مجھے ایک عدد بھینس اور ڈھیر سارے گوبر کی جھلک نظر آئی تھی۔

''او جی، میں غریب آدمی ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''ابھی پتا چل جائے گا۔'' میں نے کہا۔ عقب میں باقی سب بھی اندر گھس آئے تھے۔ سفیر نے دروازہ بند کر دیا۔ ہم سب برآمدے کی طرف بڑھے۔ عورت نے خاصا موٹا کھیس اوڑھ رکھا تھا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا اور گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ ''خبردار!'' میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ ''آواز نہ نکلے۔''

''یہ کون ہے جی!'' عورت نے غالباً اپنے شوہر سے پوچھا۔ اس پر شوہر نے بھی اسے وہی مشورہ دیا جو میں نے دیا تھا لیکن نہایت غلط لقب کے ساتھ۔

''اندر چلو۔'' میں نے مرد کو رائفل کے زور پر دھکیلا۔ ہم برآمدے کے ساتھ والے کمرے میں آئے، خلیل نے سونیا کو وہاں موجود بستر پر لٹا دیا۔ وہ کسمسا رہی تھی، شاید ہوش میں آنے والی تھی، کمرے میں انگیٹھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جل رہی تھی۔ میں نے مونا اور ایمن سے کہا۔ ''تم لوگ اسے دیکھو اور ممکن ہو تو خود کو خشک کرو، ہم دوسرے کمرے میں جا رہے ہیں۔''

''وہ جی، میرا.....'' عورت نے کہنا چاہا لیکن مرد نے اسے پھر جھڑک دیا۔

''تُو چپ کر۔'' وہ بولا تو میں نے اسے گھورا۔

''اب تم نے بلاوجہ زبان کھولی تو ہمیشہ کے لئے چپ کرا دوں گا۔''

ہم دوسرے کمرے میں آئے، یہاں گرمائش کے لئے انگیٹھی نہیں تھی لیکن باہر کی یخ ترین بارش کے مقابلے میں بے حد سکون تھا۔ ہم نے اپنے سر اور لباس جھاڑے، میں نے مرد کا جائزہ لیا۔ اس کی جسامت تقریباً ہمارے جیسی تھی۔ ''ہمیں لباس دو اور گرمائش کا بندوبست کرو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

اس نے خاموشی سے کمرے میں رکھے صندوق سے کپڑے نکالے اور ہمارے سامنے رکھ دیئے۔ بھیگے کپڑوں کی یخ اب بدن میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ پہلے میں نے اور سفیر نے کپڑے بدلے، اس دوران میں شکیل مرد کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ پھر شکیل نے کپڑے بدلے۔ خشک کپڑے پہن کر سکون ملا تھا۔ مرد نے ایک عدد انگیٹھی بھی جلائی۔ عام گھروں میں جہاں گیس نہیں ہوتی ہے اس قسم کی لوہے کی انگیٹھیاں عام ملتی ہیں۔ ان میں لکڑیوں کا کوئلہ بھر کر جلایا جاتا ہے۔ کوئلوں کو آگ لگی تو سب دھوئیں کی پروا کیئے بغیر انگیٹھی کے گرد جمع ہو گئے۔

''ہم ڈاکو نہیں ہیں۔'' میں نے مرد کو بتایا۔

اسے سخت تعجب ہوا تھا۔ ''اچھا جی آپ ڈاکو نہیں ہیں تو پھر کون ہیں؟''

''شریف آدمی!'' سفیر نے متانت سے کہا۔

اس پر اس نے ناقابلِ یقین لہجے میں کہا۔ ''شریف آدمی۔''

''کیوں کیا ہم شریف نظر نہیں آتے؟'' سفیر نے غرا کر پوچھا۔

''کیوں نہیں، کیوں نہیں جی!'' اس نے گڑبڑا کر کہا اور بندوقوں سے ہمارے اسلحے کی طرف دیکھا۔

''آپ لوگوں کو سردی لگی ہے جی..... آپ کے لئے اصلی گھی ملا دودھ لاؤں؟ ایسے میں اچھا ہوتا ہے جی!'' اس نے پیش کش کی۔

''کیوں نہیں۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''لیکن زہر وغیرہ مت ملانا..... تیز ترین زہر بھی آدمی کو مارنے میں چند منٹ لگاتا ہے، اتنی دیر میں ہم اپنی ساری گولیاں تمہیں مار چکے ہوں گے۔''

وہ ہمارے لئے تانبے کے جہازی سائز گلاسوں میں گرما گرم دودھ لے آیا۔ دودھ پر اصلی گھی تیر رہا تھا۔

''اپنی زنانی سے بول آیا ہوں، آپ کی زنانیوں کو بھی دودھ دے دے۔ ویسے وہ جو بیمار ہے، وہ آپ کی زنانی ہے؟'' اس نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''اوہ نہیں..... وہ تو میری بہن ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''وہ تو میں نے دروازہ کھلوانے کے لئے کہا تھا۔ دراصل ہم مصیبت کے مارے ہیں۔''

''دشمن ہمارے پیچھے ہیں۔'' سفیر بولا۔

''گرم دودھ نے نہ صرف ہماری کھوئی ہوئی توانائیوں کو بحال کر دیا بلکہ ہمیں اس سردی سے بھی نجات دلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی تھی جو بارش سے ہمارے جسموں میں سرایت کر گئی تھی۔ مرد کا نام نذیر تھا اور اس کی بیوی کا نام کوثر تھا۔ ان کی شادی کو کئی سال ہو چکے تھے لیکن ان کا کوئی بچہ نہیں تھا۔ نذیر سبزیوں کی فروخت کرتا تھا اور اس نے کچھ سبزیاں اپنے اس پلاٹ میں بھی لگا رکھی تھیں دو بھینسیں تھیں جن کا دودھ دوہنا، ان کو چارہ دینا اور دودھ فروخت کرنا، یہ سب کوثر کی ذمے داری تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ دونوں میاں، بیوی میں تعلقات اچھے نہیں تھے، نذیر کا رویہ بیوی کے ساتھ درشت تھا۔

''یہ جگہ تمہاری ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جی..... یہ میرے چاچا کا پلاٹ ہے، اس نے مجھے کرائے پر دیا ہوا ہے۔''

''بڑی سڑک یہاں سے کتنی دور ہے جو شالامار باغ کی طرف جاتی ہے۔'' میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

''کوئی فرلانگ دور ہو گی جی!'' اس نے کہا۔ ''کیا آپ نے جانا ہے؟''

میں نے جواب نہیں دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ بیگ نے دین بھیج دی ہو گی لیکن ہم اس تک نہیں پہنچ پائے تھے۔ میں نے نعیم کا موبائل نکالا۔ وہ آف تھا، اسے آن کرنے کی کوشش کی تو اس نے آن ہونے سے انکار کر دیا شاید اس کے اندر پانی چلا گیا تھا۔ میں نے اسے سفیر کے سپرد کیا جو ہمارے کپڑے سکھا رہا تھا۔ اس نے اسے کھول کر انگیٹھی کے پاس رکھ دیا۔ میں نے نذیر سے پوچھا۔

''تمہارے پاس موبائل ہے؟''

''نہیں جی!'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''شہباز صاحب، ہمیں اتنے سکون سے نہیں بیٹھنا چاہئے۔'' شکیل نے آہستہ سے کہا۔ ''دشمن ہمارے پیچھے ہے اور یہ جاننا اس کے لیے اتنا مشکل نہیں ہو گا کہ ہم کہاں ہیں۔ ہمیں یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہئے۔''

''اتنی جلدی بھی نہیں۔ وہ لوگ ابھی گلیوں میں ہوں گے لیکن ایک آدھ گھنٹے بعد وہ یہاں سے بھاگنے کی فکر کریں گے جب پولیس آئے گی۔''

''پولیس اطلاع پر بھی نہیں آتی ہے۔'' شکیل نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تو بغیر بتائے اسے کیا الہام ہو گا؟''

''میں نے نعیم سے کہہ دیا تھا، ہمارے جانے کے بعد کسی پڑوسی کے توسط سے پولیس کو اغوا رم کر دے اور پولیس پھر بھی نہ آئے تو بیگ کو اطلاع دے۔''

سفیر نے گھڑی دیکھی۔ ''ساڑھے سات بج رہے ہیں۔ میرا خیال ہے پولیس آ چکی ہو گی یا آنے والی ہو گی۔''

''اور اگر پولیس سے پہلے انہوں نے ہمیں تلاش کر لیا؟''

''یار، ہم بالکل نہتے نہیں ہیں، ان کو دیکھ لیں گے۔'' میں نے ذرا چڑ کر کہا پھر مجھے افسوس ہوا تھا۔ شکیل وسیم کا دست راست تھا اور ہمارے لئے اس کی خدمات وسیم سے کم نہیں تھیں۔ ''سوری یار! شاید حالات نے مجھے ٹینس کر دیا ہے۔''

''کوئی بات نہیں شہباز صاحب! آپ باس ہیں اور ہمارے لئے قابلِ احترام ہستی ہیں۔'' شکیل مسکرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن اس میدان میں میرا تجربہ آپ سے زیادہ ہے اس لئے میں نے جو محسوس کیا، وہ آپ سے کہہ دیا۔''

''تمہارا تجربہ ہم سب سے زیادہ ہے لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔ یہ اعصاب کا کھیل بھی ہے اور اس میں کمزوری دکھانے کا مطلب خود کو دشمن کے سامنے پیش کر دینا ہے۔''

''پتا نہیں شاید طویل قید نے میرے اعصاب کو کمزور کر دیا ہے۔'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''مجھ پر بھروسا کرو۔'' یں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''اللہ نے چاہا تو ہم جلد اس آفت سے نکل جائیں گے۔''

''مجھے سونیا کی زیادہ فکر ہے۔''

''یہی تو ہم بھی کہہ رہے ہیں دوست!'' سفیر معنی خیز انداز میں بولا۔ ''تمہیں سونیا کا زیادہ ہی خیال ہے۔''

''ہاں، وہ دہرے صدمے سے گزری ہے۔ شوہر نے اس سے اور اس کے بھائی سے غداری کی اور پھر مارا گیا۔ اب وسیم کا بھی پتا نہیں ہے۔''

''نہ جانے کیوں مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ وسیم اس طرح مر جائے گا۔ وہ چوہوں کی طرح گھر کر مر جانے والوں میں سے نہیں ہے۔'' میں نے گہری سانس لی۔

''مجھے بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔'' شکیل بولا۔

گزشتہ چوبیس گھنٹے میں ہمارے ساتھ بے شمار واقعات پیش آ چکے تھے۔ سکون تو خیر خاصے عرصے سے ہماری زندگیوں میں ناپید تھا مگر گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں واقعات کی رفتار کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی اور ابھی ان کا کوئی اختتام نظر نہیں آ رہا تھا۔ سفیر نے کوشش کر کے ہمارے کپڑے اتنے سکھا لئے تھے کہ ہم ان کو زیب تن کر سکتے تھے کیونکہ محض سادہ شلوار قمیص میں ہمیں سردی لگ رہی تھی۔ ہم نے اپنے نم نم کپڑے پہنے، یہ دیکھ کر میں بھنا گیا کہ میری پتلون پر جلنے کا نشان آ گیا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے سفیر سے پوچھا۔

''ذرا سا جل گیا ہے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''اسے ذرا سا کہتے ہیں اور یہ میری جیکٹ میں سوراخ بھی ہے۔''

''کوئلہ چٹخا تو انگارا اچھل کر چپک گیا۔''

کپڑے نم اور ہلکے سے سرد تھے لیکن قابلِ برداشت تھے پھر نذیر نے ہمیں ایک ایک کلاس اور گرم دودھ دیا تھا۔ انگیٹھی میں اور کوئلے ڈال دیئے تھے۔ نذیر کا خوف خاصی حد تک کم ہو گیا تھا کیونکہ ہم نے اس کی کسی شے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اور اس کے کپڑے بھی واپس کر دیئے تھے۔ میں عورتوں والے کمرے کی طرف آیا۔ سونیا ہوش میں تھی اور چارپائی پر نیم دراز تھیں انہوں نے اس کے سر کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ ''اب کیسی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

انہوں نے کوٹ کے کپڑے پہن رکھے تھے جو ذرا بھاری جسم رکھتی تھی اور یہ تینوں چھریرے جسم کی تھیں۔ ان پر کپڑے مضحکہ خیز انداز میں ڈھیلے تھے۔ میں ہنسا۔ ''یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمن جھینپے انداز میں ہنسی اور مونا ڈھٹائی سے بولی۔ ''میں نے دیکھا تھا، جناب کچھ دیر پہلے خود بھی اللہ رکھا بنے ہوئے تھے۔''

اس بار میں جھینپا۔ ''تم نے دیکھ لیا۔ بہرحال اپنے کپڑے خشک کرو جیسے ہی بارش رکے گی، ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔''

کوثر پہلے ہی یہ کام کر رہی تھی۔ میں نے اسے ہزار کا ایک نوٹ دیا۔ ''بہن، تمہارے گھر خالی ہاتھ آئے ہیں، یہی دے سکتے ہیں۔''

''بہن کہہ کر وے رہے ہو۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں..... کیونکہ بھائی بہنوں کے گھر خالی نہیں جاتے۔''

''لے لو نا.....'' مونا بولی تو کوثر نے لے لیا۔

''دیر مت کرو۔'' میں ان کو کہہ کر باہر آیا۔ بارش کے آثار ذرا دھیمے پڑے تھے مگر پانی برس رہا تھا۔ پہلے مجھے خیال آیا کہ نذیر کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے باہر بھیجوں مگر پھر میں نے ارادہ تبدیل کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس شخص پر اعتماد نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے لئے سب کے سامنے جو الفاظ ادا کئے تھے، انہوں نے اس کا سارا تاثر ہی خراب کر دیا تھا۔ ممکن ہے وہ باہر جا کر بیوی کی پروا کئے بغیر ہمارے بارے میں بک دیتا یا ہمیں تلاش کرنے والوں سے معاملہ کر لیتا۔ کمرے سے جانے سے پہلے میں نے شکیل کو اشارہ کر دیا تھا کہ اس پر خاص نظر رکھے۔ جب میں واپس آیا تو وہ شکیل اور سفیر کی خوشامد کر رہا تھا کہ اسے رفع حاجت کے لئے جانے دیا جائے۔

''میرا پیٹ ٹھیک نہیں ہے!''

''جبھی تم نے دوبارہ ہمارے ساتھ لبالب بھر کر دودھ کا گلاس پیا ہے۔'' سفیر نے طنز کیا۔

''میں کون سا دور جانے کو کہہ رہا ہوں؟ یہ ادھر پیچھے تو ہے۔'' اس نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔ ''جانے دیں جی، میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''

''جانے دو اسے۔'' میں نے کہا۔ ''کہاں ہے تمہارا لیٹرین؟''

''ادھر جی!'' اس نے کوٹھری کا عقبی دروازہ کھول کر دکھایا۔ صحن کے پار دیوار کے ساتھ چھوٹا سا لیٹرین بنا ہوا تھا۔ میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی خبردار کیا۔

''بھاگنے کی کوشش مت کرنا، گولی سے زیادہ تیز نہیں بھاگ سکتے۔''

''نہیں جی، میں نے کہاں جانا ہے؟'' وہ بولا اور صحن میں بھرے پانی میں چھپ چھپ کرتا ہوا لیٹرین کی طرف چلا گیا۔ میں رائفل بدست دروازے پر موجود تھا کیونکہ عقبی طرف کی دیوار خاصی نیچی تھی، مشکل سے چھ فٹ اونچی، آدمی جوان اور فٹ ہو تو اسے ایک ہی جست میں عبور کر سکتا تھا۔ وہ لیٹرین میں جانے سے پہلے مڑا تو میں نے اسے رائفل دکھائی تھی، وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

''مجھے یہ شخص ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''اتفاق سے میرا بھی یہی خیال ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز جب ہم یہاں سے جانے لگیں گے تو یہ گڑبڑ کر سکتا ہے۔'' شکیل بولا۔ ''بہتر ہے، ہم انہیں بند کر جائیں تاکہ جب تک یہ آزاد ہو، ہم دور جا چکے ہوں۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے، اس کی بیوی اچھی عورت ہے لیکن خود یہ شخص مکار سا نظر آتا ہے۔''

ہم باتیں کر رہے تھے اور میری نظر لیٹرین کے دروازے پر مرکوز تھی۔ اچانک مجھے احساس ہوا، اسے گئے ہوئے خاصی دیر ہو گئی ہے۔ اسے اب تک آ جانا چاہئے تھا۔ ''یہ کہاں بیٹھ گیا ہے؟''

''لیٹرین میں۔'' سفیر نے سادگی سے جواب دیا۔ ''اس نے بتایا تھا کہ اس کا پیٹ خراب ہے۔''

دس منٹ اور گزر گئے تو میری فکر تشویش میں بدل گئی تھی، مجھے خیال آیا۔ ''وہ کہیں عقب سے سوراخ کر کے تو نہیں بھاگ گیا؟'' میں نے کہا۔

''ہاں، اتنی دیر میں یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''تم دونوں رکو..... میں دیکھ کر آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور جیکٹ کے کالر اوپر کر کے سر جھکائے تیز قدموں سے لیٹرین کی طرف بڑھا۔ یہ کمروں سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں نے دروازہ بجایا۔

''نذیر کیا بات ہے، باہر آؤ۔''

جب کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے ذرا پیچھے ہو کر دروازے پر ایک عدد زوردار لات رسید کی اور وہ دھماکے سے کھلا۔ یہ دیکھ کر میرے منہ سے گندی سی گالی نکلی کہ وہ جگہ سرے سے لیٹرین ہی نہیں تھی بلکہ باہر جانے کے لئے دروازہ تھا۔ یہ جگہ اس طرح بنی تھی کہ کسی چھوٹے سے کمرے کا تاثر بن رہا تھا حتیٰ کہ چھت پر سیمنٹ کی شیٹ کی چھت بھی تھی۔ میں واپس لپکا۔ ''وہ حرام زادہ بھاگ گیا ہے۔ جلدی نکلنے کی کرو، دیر مت کرو۔'' میں نے چلا کر کہا۔

مونا باہر آئی تھی۔ ''شوبی، کیا ہوا؟''

''نذیر دھوکا دے کر بھاگ گیا ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے اس سے پہلے کہ وہ دشمنوں کو لے کر یہاں آ جائے۔ سونیا کو اٹھاؤ۔''

کوثر باہر آئی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ نذیر کیسے بھاگا جی؟''

''اس نے دھوکا دیا ہے، ابھی ہم جا رہے ہیں لیکن جلد واپس آئیں گے، اس کی دھوکے بازی کی سزا دینے کے لئے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''وہ اسی قابل ہے جی، ساری عمر مجھے دھوکا دیتا رہا ہے۔'' وہ آزردہ ہو کر بولی۔

مونا اور ایمن، سونیا کو سہارا دے کر باہر لائے، اس کی حالت خاصی حد تک بہتر ہو رہی تھی، اس نے ہمت کر کے کہا۔ ''مجھے چھوڑ دو..... میں خود چل سکتی ہوں۔''

''تم لوگ رکو..... سفیر میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ سفیر میرے پیچھے آیا۔ میں نے گیٹ سے باہر جھانکا، گلی سنسان تھی۔ ''سفیر! کوئی نہیں ہے، ان کو بلا لو۔'' میں نے کہا اور گلی میں قدم رکھا۔ میں نے رائفل سامنے کی ہوئی تھی اور یہی چیز میری بچا گئی۔ گلی کے سرے سے نذیر دو مسلح افراد کے ساتھ نمودار ہوا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنی رائفلیں سیدھی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے پہلے ہی میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمن جھینپے انداز میں ہنسی اور مونا ڈھٹائی سے بولی۔ ''میں نے دیکھا تھا، جناب کچھ دیر پہلے خود بھی اللہ رکھا بنے ہوئے تھے۔''

اس بار میں جھینپا۔ ''تم نے دیکھ لیا۔ بہرحال اپنے کپڑے خشک کرو جیسے ہی بارش رکے گی، ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔''

کوثر پہلے ہی یہ کام کر رہی تھی۔ میں نے اسے ہزار کا ایک نوٹ دیا۔ ''بہن، تمہارے گھر خالی ہاتھ آئے ہیں، یہی دے سکتے ہیں۔''

''بہن کہہ کر دے رہے ہو۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں..... کیونکہ بھائی بہنوں کے گھر خالی نہیں جاتے۔''

''لے لو نا.....'' مونا بولی تو کوثر نے لے لیا۔

''دیر مت کرو۔'' میں ان کو کہہ کر باہر آیا۔ بارش کے آثار ذرا دھیمے پڑے تھے مگر پانی برس رہا تھا۔ پہلے مجھے خیال آیا کہ نذیر کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے باہر بھیجوں مگر پھر میں نے ارادہ تبدیل کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس شخص پر اعتماد نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے لئے سب کے سامنے جو الفاظ ادا کئے تھے، انہوں نے اس کا سارا تاثر ہی خراب کر دیا تھا۔ ممکن ہے وہ باہر جا کر بیوی کی پروا کئے بغیر ہمارے بارے میں بک دیتا یا ہمیں تلاش کرنے والوں سے معاملہ کر لیتا۔ کمرے سے جانے سے پہلے میں نے شکیل کو اشارہ کر دیا تھا کہ اس پر خاص نظر رکھے۔ جب میں واپس آیا تو وہ شکیل اور سفیر کی خوشامد کر رہا تھا کہ اسے رفع حاجت کے لئے جانے دیا جائے۔

''میرا پیٹ ٹھیک نہیں ہے!''

''تبھی تم نے دوبارہ ہمارے ساتھ لبالب بھر کر دودھ کا گلاس پیا ہے۔'' سفیر نے طنز کیا۔

''میں کون سا دور جانے کو کہہ رہا ہوں؟ یہ ادھر پیچھے تو ہے۔'' اس نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔ ''جانے دیں جی، میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''

''جانے دو اسے۔'' میں نے کہا۔ ''کہاں ہے تمہارا لیٹرین؟''

''ادھر جی!'' اس نے کوٹھری کا عقبی دروازہ کھول کر دکھایا۔ صحن کے پار دیوار کے ساتھ چھوٹا سا لیٹرین بنا ہوا تھا۔ میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی خبردار کیا۔

''بھاگنے کی کوشش مت کرنا، گولی سے زیادہ تیز نہیں بھاگ سکتے۔''

''نہیں جی، میں نے کہاں جانا ہے؟'' وہ بولا اور صحن میں بھرے پانی میں چھپ چھپ کرتا ہوا لیٹرین کی طرف چلا گیا۔ میں رائفل بدست دروازے پر موجود تھا کیونکہ عقبی طرف کی دیوار خاصی نیچی تھی، مشکل سے چھ فٹ اونچی، آدمی جوان اور فٹ وہ تو اسے ایک ہی جست میں عبور کر سکتا تھا۔ وہ لیٹرین میں جانے سے پہلے مڑا تو میں نے اسے رائفل دکھائی تھی، وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

''مجھے یہ شخص ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''اتفاق سے میرا بھی یہی خیال ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز جب ہم یہاں سے جانے لگیں گے تو یہ گڑبڑ کر سکتا ہے۔'' شکیل بولا۔ ''بہتر ہے، ہم انہیں بند کر جائیں تاکہ جب تک یہ آزاد ہو، ہم دور جا چکے ہوں۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے، اس کی بیوی اچھی عورت ہے لیکن خود یہ شخص مکار سا نظر آتا ہے۔''

ہم باتیں کر رہے تھے اور میری نظر لیٹرین کے دروازے پر مرکوز تھی۔ اچانک مجھے احساس ہوا، اسے گئے ہوئے خاصی دیر ہو گئی ہے۔ اسے اب تک آ جانا چاہئے تھا۔ ''یہ کہاں بیٹھ گیا ہے؟''

''لیٹرین میں۔'' سفیر نے سادگی سے جواب دیا۔ ''اس نے بتایا تھا کہ اس کا پیٹ خراب ہے۔''

دس منٹ اور گزر گئے تو میری فکر تشویش میں بدل گئی تھی، مجھے خیال آیا۔ ''وہ کہیں عقب سے سوراخ کر کے تو نہیں بھاگ گیا؟'' میں نے کہا۔

''ہاں، اتنی دیر میں یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''تم دونوں رکو..... میں دیکھ کر آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور جیکٹ کے کالر اوپر کر کے سر جھکائے تیز قدموں سے لیٹرین کی طرف بڑھا۔ یہ کمروں سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں نے دروازہ بجایا۔

''نذیر کیا بات ہے، باہر آؤ۔''

جب کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے ذرا پیچھے ہو کر دروازے پر ایک عدد زوردار لات رسید کی اور وہ دھماکے سے کھلا۔ یہ دیکھ کر میرے منہ سے گندی سی گالی نکلی کہ وہ جگہ سرے سے لیٹرین ہی نہیں تھی بلکہ باہر جانے کے لئے دروازہ تھا۔ یہ جگہ اس طرح بنی تھی کہ کسی چھوٹے سے کمرے کا تاثر بن رہا تھا حتیٰ کہ چھت پر سیمنٹ کی شیٹ کی چھت بھی تھی۔ میں واپس لپکا۔ ''وہ حرام زادہ بھاگ گیا ہے۔ جلدی نکلنے کی کرو، دیر مت کرو۔'' میں نے چلا کر کہا۔

مونا باہر آئی تھی۔ ''شوبی، کیا ہوا؟''

''نذیر دھوکا دے کر بھاگ گیا ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے اس سے پہلے کہ وہ دشمنوں کو لے کر یہاں آ جائے۔ سونیا کو اٹھاؤ۔''

کوثر یا باہر آئی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ نذیر کیسے بھاگا جی؟''

''اس نے دھوکا دیا ہے، ابھی ہم جا رہے ہیں لیکن جلد واپس آئیں گے، اس کی دھوکے بازی کی سزا دینے کے لئے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''وہ اسی قابل ہے جی، ساری عمر مجھے دھوکا دیتا رہا ہے۔'' وہ آزردہ ہو کر بولی۔

مونا اور ایمن، سونیا کو سہارا دے کر باہر لائے، اس کی حالت خاصی حد تک بہتر ہو رہی تھی، اس نے ہمت کر کے کہا۔ ''مجھے چھوڑ دو..... میں خود چل سکتی ہوں۔''

''تم لوگ رکو..... سفیر میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ سفیر میرے پیچھے آیا۔ میں نے گیٹ سے باہر جھانکا، گلی سنسان تھی۔ ''سفیر! کوئی نہیں ہے، ان کو بلا لو۔'' میں نے کہا اور گلی میں قدم رکھا۔ میں نے رائفل سامنے کی ہوئی تھی اور یہی چیز میری بچا گئی۔ گلی کے سرے سے نذیر دو مسلح افراد کے ساتھ نمودار ہوا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنی رائفلیں سیدھی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے پہلے ہی میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائر کھول دیا۔ ان دونوں کے ساتھ نذیر بھی فائرنگ کی زد میں آیا تھا، میں نے اسے بازو تھام کر زمین پر گرتے دیکھا تھا۔ دونوں مسلح افراد مارے جا چکے تھے، ان کو کئی گولیاں لگی تھیں۔ ان کے پیچھے دو افراد اور نمودار ہوئے، ان کو دیکھتے ہی میں چھلانگ لگا کر دروازے کے اندر آیا تھا۔ میرے اندر آتے ہی کئی گولیاں آ کر چوکھٹ پر لگی تھیں۔ میں نے دروازہ بند کیا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

''سفیر..... وہ ان لوگوں کو لے آیا ہے، میرا خیال ہے وہ بھی ان کے ساتھ مارا گیا۔''

''ہمیں پیچھے کی طرف سے نکلنا ہوگا۔'' سفیر نے مڑ کر دیکھا۔

''دشمن اور بھی ہیں..... دیر کی تو یہ راستہ بھی بند ہو جائے گا۔'' میں اندر کی طرف بھاگا۔ مونا، ایمن اور سونیا فائرنگ کی آواز سن کر کمرے میں گھس گئی تھیں۔ شکیل برآمدے میں تھا۔ ''شکیل! ان تینوں کو لے کر آؤ، دیر مت کرنا۔''

میں نے بظاہر لیٹرین والا دروازہ کھولا اور اس مختصر سے خلا سے باہر جھانکا۔ ایک پتلی اور سیدھی سی گلی جہاں جا کر ختم ہو رہی تھی، وہاں کھیتوں کی سبز جھلک نظر آ رہی تھی۔ سفیر میرے پاس تھا۔ ''میں گلی کے سرے تک جا رہا ہوں، تم سب یہاں رہو اور جیسے میں اشارہ کروں، سر پر پاؤں رکھ کر دوڑے آنا۔'' میں باہر نکلا اور گلی کے سرے کی طرف بھاگا۔ کنارے سے جھانکا اس طرف کھلے کھیت تھے اور ان میں گندم لگی تھی۔ اس طرف فرار کا راستہ تھا لیکن عقب سے دشمن آ جاتا تو اس سے پناہ کی کوئی جگہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی مگر ہمارے پاس اس جگہ سے نکلنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے مڑ کر اشارہ کیا، وہ بھی بھاگتے ہوئے آئے سوائے شکیل کے، وہ کور دینے کے لئے رک گیا تھا۔ وہ سب سے آخر میں آیا اور اس نے کھلے کھیتوں کو تشویش سے دیکھا۔ ''ان میں تو ہم مارے جائیں گے۔''

''مجبوری ہے، آگے کنواں ہے تو پیچھے کھائی۔''

نذیر کے گھر کے خفیہ راستے سے ایک سر برآمد ہوا، سفیر نے اس پر فائر کیا اور سر غائب ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''دیر مت کرو، جاؤ..... میں ان کو روکتا ہوں۔''

''جی نہیں، ہم سب ساتھ جائیں گے۔'' میں نے اپنی جیکٹ کے اندر موجود دستی بم نکالا اور اس کی پن کھول کر اسے نذیر کے مکان کے اندر پھینک دیا۔ ''اب بھاگو۔''

ہم کھیتوں کے درمیان بنی کچی منڈیر پر دوڑ پڑے تھے، سب نے ایک ایک خاتون کو سنبھال لیا تھا۔ شکیل نے سونیا کو، سفیر نے مونا کو اور لازی بات ہے اس خاکسار نے ایمن کو۔ منڈیر پتلی سی تھی اور ذرا سا غلط قدم ہمیں کھیتوں میں گرا سکتا تھا اور گرایا بھی، کھیتوں کے اختتام تک سب باری باری گرے تھے۔ دھماکے کے بعد چند چیخیں بھی سنائی دی تھیں لیکن اس کے بعد کوئی پیچھے نہیں آیا تھا۔ دستی بم نے کام دکھایا تھا، میں اسے کب سے سنبھال کر رکھے ہوئے تھا۔ یہاں کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا، کچھ کچے مکانات نظر آ رہے تھے۔ بارش ہلکی ہو چکی تھی، اس لئے رکنے کے بجائے میں نے چلتے رہنے کا فیصلہ کیا۔ عقب میں بستی کے مکانات دور تک پھیلے نظر آ رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ہم بستی کے مرکز اور مین سڑک سے دور جا رہے تھے۔ شکر ہے بارش کا سلسلہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ بس! کا ذکا بوندیں گر رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب کس طرف جانا ہے۔" سفیر نے دریافت کیا۔

"جس طرف تقدیر لے جائے۔" میں نے سادہ سا جواب دیا۔

"جس طرف ہم جا رہے ہیں۔" سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔

"شوبی، میں بہت تھک گئی ہوں۔" مونا نے منمنا کر کہا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے۔" ایمن نے بھی چپ رہنا مناسب نہیں سمجھا۔

"مجھے سردی بھی لگ رہی ہے اور تھکن بھی ہو رہی ہے۔" میں نے ان دونوں کو آگاہ کیا اور سونیا سے پوچھا۔ "کیوں بی بی، تم کچھ محسوس نہیں کر رہی ہو؟"

"سر میں درد ہو رہا تھا۔" وہ مسکرائی۔ "لیکن اب بہتر ہے۔"

سفیر نے تجویز دی۔ "ہمیں کسی سے راستہ پوچھ لینا چاہئے تاکہ اس جنجال پورے سے نکل سکیں۔"

"جنجال پورہ!" میں نے ہنس کر کہا اور چاروں طرف دیکھا۔ "کس سے معلوم کریں؟"

"شہباز بھائی..... اس طرف کوئی ہے۔" سونیا نے ایک جھونپڑے کی طرف اشارہ کیا، یہ لکڑی اور کچی مٹی سے بنا تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی، ایک سہمے ہوئے دس گیارہ سال کے بچے نے باہر جھانکا۔

"کی اے؟" اس نے پوچھا۔

"بیٹا، یہاں سے بڑی سڑک تک کیسے جا سکتے ہیں.....؟ ہمیں راستہ بتاؤ۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"اس طرف سے جی!" بچہ حوصلہ پا کر باہر نکل آیا۔

"اس کے علاوہ کوئی راستہ؟"

"ہور راستہ جی!" بچہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے جو کچا راستہ اس کے جھونپڑے کے پاس سے گزر رہا تھا اس کی طرف اشارہ کیا۔ "اس تے چلے جاؤ..... اگے جا کر جے پاسے لنگ جانا۔ بڑی سڑک اگلے پاسے اے۔"

"شکریہ بیٹے!" میں نے کہا اور ہاتھوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔

کھیتوں والے حصے کی طرف امن و امان تھا اور کوئی ہمارے پیچھے آتا نظر نہیں آیا تھا حالانکہ دشمنوں کی تعداد کم نہیں تھی اور ایک دستی بم سے ڈر کر ان کا پیچھے ہٹ جانا سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے راستے میں سفیر سے کہا۔ "یار، یہ دشمن نے کچھ زیادہ ہی شرافت سے پیچھا نہیں چھوڑ دیا ہے؟"

"شک تو مجھے بھی ہو رہا ہے۔" اس نے سر کے بالوں سے پانی جھاڑا۔ "پر اب کیا، کیا جائے؟"

"ممکن ہے دشمن اس راستے پر آگے گھات لگائے بیٹھا ہو۔"

"تب ہم دریا میں اتر جاتے ہیں۔" سفیر نے بھنا کر کہا تھا۔ "اور کیا راستہ رہ جاتا ہے؟"

میں چلتے چلتے رک گیا۔ "واللہ..... کبھی کبھی آپ بھی عقل کی بات کر جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟" مونا نے مشکوک لہجے میں پوچھا جیسے اسے سفیر سے اس کی امید نہ ہو۔

"مطلب یہ کہ ہمیں دریا کے پاس چلے جانا چاہئے۔ دشمن یہاں گھات لگائے بیٹھا ہے اور ہم دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف چلے جائیں گے۔ یہ اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا۔"

"ایسی باتیں اس کے ذہن میں آ بھی نہیں سکتیں۔" مونا نے طنز کیا۔ "اس وقت دریا کی طرف جا کر کون خودکشی کرنا چاہے۔"

"ہم۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "دشمن کے ہاتھوں مرنے سے بہتر ہے دلیرانہ کوشش کی جائے آخر ہمارے اسلاف نے بھی بحرِ ظلمات میں گھوڑے ڈال دیئے تھے۔"

"اگر ہم نے دریا عبور کرنے کی کوشش کی تو خود اسلاف میں شامل ہو جائیں گے۔" مونا نے صاف انکار کر دیا۔ "میں نہیں جا سکتی۔"

"تب تم یہاں آرام سے رہو۔ چاہو تو کھیتوں کی سیر کرو۔ سنا ہے صحت کے لئے اچھی ہوتی ہے۔" میں نے طنز کیا اور باقیوں سے پوچھا۔ "اور کون دریا میں نہیں جانا چاہتا۔"

کسی نے نہیں میں جواب نہیں دیا، مونا شرمندہ نظر آنے لگی تھی۔ "مجھے تیرنا نہیں آتا، میرا مطلب ہے..... آج تک دریا میں تیراکی نہیں کی۔"

"میں تمہیں سہارا دوں گی۔" ایمن نے فراخ دلی سے کہا۔ "میں کئی بار دریائے ٹیمز میں تیراکی کر چکی ہوں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ تیراکی کرنا پڑے..... راوی عام طور سے خشک ہوتا ہے، کبھی کبھی تھوڑا بہت پانی آ جاتا ہے تو وہ گھٹنوں سے اوپر نہیں جاتا۔" میں نے تسلی دی۔

"آپ بھول رہے ہیں، ابھی بارش ہوئی ہے اور دریا میں کچھ نہ کچھ پانی ہوگا۔" سفیر نے یاد دلایا۔

"ہاں، مگر امید کی جا سکتی ہے، اتنا پانی نہیں ہوگا اور ہوا بھی تو ہم واپس آ جائیں گے۔"

مونا کراہی۔ "یعنی واپس بھی آنا پڑ سکتا ہے؟"

"بی بی، ہم پکنک منانے نہیں نکلے۔" اس بار سفیر بھنا گیا۔ "تم بات بات پر نخرے کیوں کر رہی ہو؟"

"یار، صنفِ نازک ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" میں نے مونا کی حمایت کی تو وہ خوش نظر آنے لگی۔ "لیکن مجبوری ہے، چلنا تو ہے۔ ووٹنگ کر لیتے ہیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" مونا جلدی سے بولی۔ "میں تیار ہوں۔"

"تُو بلاوجہ اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔" میں نے سفیر کو آنکھ ماری۔

"بلاوجہ تو نہیں....." سفیر نے آہستہ سے کہا جس پر مونا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ ہم بائیں طرف مڑ گئے۔ جس جگہ ہم تھے، وہاں سے دریا کا نشیبی حصہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اونچے نیچے ریت کے ٹیلے تھے۔ راوی میں اب پانی کم آتا ہے اور ریت زیادہ اڑتی ہے۔ نصف صدی پہلے ہم نے فراخ دلی سے اپنے تین مشرقی دریا بھارت کو تحفے میں دے دیئے تھے۔ اس کے صلے میں بھارت بطور شکر گزاری باقی تین دریاؤں کا پانی روکنے کا منصوبہ بنا کر اس پر عمل بھی شروع کر چکا ہے۔ تعجب سانپ کے ڈسنے پر نہیں ہے تعجب ان پر ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی سانپ کو دودھ پلا رہے ہیں کہ اس کا کام ڈسنا ہے، وہ اسی طرح سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے عجیب سا لگ رہا تھا۔ دریا کے نزدیک خنکی بہت زیادہ تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وسطی حصے سے اٹھتی دھند بتا رہی تھی کہ وہاں پانی تھا۔ بارش رک چکی تھی لیکن بادل چھائے ہوئے تھے۔ بارش کا پھر امکان تھا۔

''یار..... بیگ نے وین بھجوائی ہوگی۔'' سفیر نے کہا۔

''لازمی بات ہے۔''

''وہ بے چارہ انتظار کر رہا ہوگا۔''

''اس بے چارے کے لئے ہم اس طرف نہیں جا سکتے۔''

سفیر کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ اس وقت سب کی یہی کیفیت تھی۔ مسلسل بھاگ دوڑ، دشمن کے خوف اور سردی نے سب کے حواس سن کر دیئے تھے۔ شکیل نے میرے پاس آتے ہوئے کہا۔ ''شہباز صاحب، ہمیں کم سے کم دو کلومیٹر جانا ہوگا۔''

''تو جائیں گے۔''

''یہ عورتیں تھک جائیں گی۔''

''مجبوری ہے، ان کے لئے میں یہاں سواری مہیا نہیں کر سکتا۔'' میں نے شانے اچکائے۔

''آپ ہماری فکر نہ کریں۔'' سونیا نے اس سے کہا۔ ''ہم چل سکتے ہیں۔''

''اور کیا، ان مردوں نے ہمیں کیا سمجھ رکھا ہے؟'' مونا نے تنکھیوں سے سفیر کی طرف دیکھا۔

خواتین نے بولنا شروع کیا تو ماحول پر چھائی یاسیت چھٹنے لگی تھی۔ ایمن سب کو اپنے تجربات سنانے لگی۔ اس نے کس طرح افریقہ میں دریائی گھوڑوں کا ڈاکومنٹری بنانے کے لئے بپھرے ہوئے دریا عبور کئے تھے۔

''افریقہ میں ایک دریا ایسا بھی ہے جو سمندر میں نہیں گرتا ہے، بلکہ صحرا میں جا کر غائب ہو جاتا ہے۔''

''صحرا میں۔'' مونا نے شک سے کہا۔

''ہاں، صحرا میں۔'' ایمن زور دے کر بولی۔ ''تم افریقی صحراؤں کی وسعت کے بارے میں نہیں جانتیں یہ سمندر کی طرح بڑے رقبے پر پھیلے ہیں۔ پورا دریا جا کر ان کی ریت میں جذب ہو سکتا ہے۔''

''یہاں تو ہم نے خود دریاؤں کو ریت کا صحرا بنا دیا ہے۔'' میں نے اردگرد پھیلے ٹیلوں کی طرف اشارہ کیا۔

کچھ دیر بعد ہم نے دریا کے وسیع اور ہموار نشیب میں قدم رکھا جس کے وسط میں پانی چمک رہا تھا۔ ہم رک گئے، مونا بولی۔ ''اس پانی کو عبور کرنا ہے۔''

''ظاہر ہے، پل یہاں سے خاصا دور ہے، باہمت خاتون!'' سفیر نے طنز کیا۔

''طنز مت کرو، میں چل سکتی ہوں۔'' مونا تنک کر بولی۔

میں نے نظریں دوڑائیں اور اندازے سے ایک طرف بڑھا۔ جس طرف میرے خیال میں پانی کم تھا، دریا کے وسط میں تقریباً سوفٹ چوڑا پانی کا دھارا تھا جو سست روی سے بہہ رہا تھا۔ سفیر نے راستے میں کہیں سے لکڑی کا ایک ٹیڑھا میڑھا ڈنڈا اٹھا لیا تھا جس کی لمبائی چار فٹ تھی۔ اس نے لکڑی سے پانی کی گہرائی کا اندازہ کیا۔ ''میرے پیچھے آئیں سب۔'' اس نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

''مردانہ دینا یار!'' میں نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بعض لوگوں کو دریا میں تیرنا نہیں آتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے تیرنا آتا ہے۔" مونا نے غرا کر کہا۔

"بسم اللہ۔" سفیر نے ایک طرف ہاتھ سے آگے آنے کا اشارہ کیا۔

"ویسے بھی لیڈیز فرسٹ!" میں نے تائید کی۔

"یہ زیادتی ہے شوبی بھائی! جہاں خطرہ ہو وہاں لیڈیز فرسٹ!" سونیا نے احتجاج کیا۔

"ڈوبنے کے لئے جینڈر فرسٹ!" سفیر نے پانی میں پاؤں رکھا اور چلنے لگا۔ میں اس کے پیچھے تھا، میرے پیچھے مونا اور ایمن تھے پھر شکیل اور سب سے آخر میں سونیا تھی۔ سفیر لکڑی سے پانی کی گہرائی چیک کر کے آگے قدم رکھتا تھا۔ جوفی الحال ہمارے گھٹنوں سے ذرا اوپر تھا۔ خوش قسمتی سے پانی کم سرد تھا اور برا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک جگہ سفیر رکا، اس نے لکڑی سے ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "اس جگہ کچھ گڑبڑ ہے۔"

"پانی گہرا ہے۔"

"شاید!" اس نے پاؤں آگے بڑھایا اور غرب سے پانی میں اتر گیا۔ اگلے لمحے وہ غوطے کھا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور پیچھے آیا، میں نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔

"چل ٹُو نے بھی نہا لیا۔"

"ابھی آپ حضرات کی باری ہے۔ میرا خیال ہے اس جگہ کو تیر کر عبور کرنا پڑے گا۔"

"میں نے کہا تھا نا....." مونا رو دینے والے لہجے میں بولی۔ "میں نہیں تیر سکتی۔"

"تمہیں، ہم سہارا دیں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"بڑے شوق سے۔" سفیر نے سردی سے بجتے دانتوں کی نمائش کی۔

"شہباز صاحب! میرا خیال ہے وہ لوگ پیچھے آ رہے ہیں۔" شکیل نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ "میں نے چند لوگوں کو ٹیلوں کے درمیان دیکھا ہے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا، اسی لمحے ایک ٹیلے پر سے ایک شخص نے نمودار ہو کر ہم پر فائرنگ کی، گولیاں ہم سے دور پانی میں لگی تھیں۔ میں نے سفیر کو دھکا دیا۔ "چلو..... مونا، ایمن..... ہری اَپ!"

مونا اس بار بلا جھجک پانی میں کود گئی تھی۔ سفیر نے اسے سنبھال لیا اور دوسری طرف لے جانے لگا۔ ایمن خود اچھی تیراک تھی جبکہ سونیا کو شکیل نے سنبھال لیا تھا۔ میں نے رائفل ٹیلوں کی طرف کی اور جیسے ہی وہ شخص دوبارہ نظر آیا، اس پر لگاتار تین چار گولیاں چلائیں، وہ غائب ہو گیا تھا۔

"شوبی! تم بھی آؤ۔" سفیر چلایا۔

"تم لوگ جلد از جلد دوسری طرف پہنچو۔" میں نے جواباً چلا کر کہا۔ مجھے خطرہ تھا کہ دریا عبور کرنے کے دوران میں وہ لوگ قریب آ گئے تو ہم سب کو آسانی سے شوٹ کر دیں گے۔ اس لئے میں رکا ہوا تھا۔ دو تین بار انہوں نے ٹیلوں سے نکلنے کی کوشش کی لیکن میں نے ان کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ ہم سے کوئی تین سو گز کے فاصلے پر تھے۔ میں مڑ مڑ کر اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ سفیر اور مونا دوسرے کنارے تقریباً پہنچ گئے تھے۔ جبکہ ایمن اور سونیا شکیل کے ہمراہ ابھی پیچھے تھے۔ اس بار ٹیلوں کی جانب سے جو برسٹ چلا تھا وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر پانی میں لگا تھا۔ اب یہاں کھڑے ہونا حماقت تھی، میں نے رائفل شانے پر لٹکائی اور پلٹ کر پانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چھلانگ لگا دی۔ میں ہاتھ پیروں کی پوری قوت سے تیرتے ہوئے آگے جانے لگا۔ عقب سے فائرنگ میں شدت آ گئی تھی۔ کئی ہتھیار بیک وقت گرج رہے تھے اور گولیاں آس پاس پانی میں گر رہی تھیں۔ سفیر اور مونا پانی سے نکل کر قریبی ٹیلے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ایمن بھی پانی سے نکلنے والی تھی۔ شکیل اور سونیا اس کے پیچھے تھے اور میں خاصا پیچھے تھا۔ میں نے چلا کر ان کو جلدی سے نکلنے کو کہا۔ اب گولیاں مجھ سے بھی آگے گر رہی تھیں۔ ایمن بھی گہرے پانی سے نکل کر اتھلے پانی میں بھاگنے لگی تھی۔ سونیا اور شکیل بھی پیروں کے بل آگے بڑھ رہے تھے۔

اچانک مجھے جھٹکا لگا تھا۔ میں ذرا گڑبڑایا تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ مجھے جھٹکا کیوں لگا ہے کہ میری نظر سرخ ہوتے پانی پر گئی۔ میرا بایاں بازو درست طریقے سے کام نہیں کر رہا تھا۔ مجھے گولی لگی تھی۔ میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ گولی کہاں لگی تھی۔ کیونکہ کوئی درد نہیں ہو رہا تھا اور میرا ذہن بھی میرے قابو میں تھا۔ اگر کسی نازک جگہ گولی لگتی ہے تو اس سے آدمی کے حواس لازمی متاثر ہوتے ہیں۔ میں ایک ہاتھ سے تیرنے کی کوشش کر رہا تھا اور رائفل کے بوجھ کے ساتھ یہ آسان کام نہیں تھا۔ میری رفتار صفر سے کچھ ہی بہتر تھی۔ خون خاصی تیز رفتاری سے بہہ رہا تھا لیکن میں نے اپنے کسی ساتھی کو آواز نہیں دی تھی، میں ان کو اس خطرے میں واپس بلانا نہیں چاہتا تھا جس سے وہ تقریباً نکل چکے تھے۔ ایمن نے بھاگتے بھاگتے مڑ کر دیکھا۔ میں نہیں جانتا کیوں دیکھا لیکن اس نے دیکھ لیا کہ میرے جسم سے خون نکل کر پانی کو رنگین کر رہا تھا، اس نے چیخ ماری۔ ''شوبی!'' اور پانی میں واپس کود گئی۔

''ایمن! مت آؤ..... آگے جاؤ۔'' میں چلایا۔ اور خود آگے جانے کی کوشش تیز کر دی۔ اب میرے بازو پر شانے سے ذرا نیچے اٹھتی ٹیسیں صاف محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے دایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر ٹٹولا۔ گولی کا سوراخ تھا۔ ایمن کو یوں واپس آتے دیکھ کر شکیل اور سونیا حیران ہوئے تھے، وہ گہرے پانی سے تقریباً نکل چکے تھے اور میں ان سے کوئی بارہ پندرہ گز پیچھے تھا۔ شکیل بولا۔ ''مس ایمن! یہ کیا.....؟''

''شوبی کو گولی لگی ہے۔'' ایمن چلائی اور شکیل کے پاس سے گزر کر میری طرف آنے لگی۔ گولی کا لفظ سن کر شکیل بھی پلٹ پڑا تھا۔ سفیر اور مونا نے سن لیا تھا اور وہ بھی بھاگے آ رہے تھے، میں چلایا۔

''یہ کیا حماقت ہے..... واپس جاؤ۔''

مگر کوئی واپس جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ سب سے پہلے ایمن مجھ تک پہنچی، میرا خیال تھا وہ مجھے لے جانے کی کوشش کرے گی مگر اس کے بجائے وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ ''اوہ..... شوبی! کہاں گولی لگی ہے؟''

''پیچھے شانے میں۔'' میں نے کراہ کر کہا۔ اس حالت میں بھی میں ایمن کی اس حرکت پر جھینپ گیا تھا۔

''جلدی سے نکلو، موت کے ہرکارے آ رہے ہیں۔''

اس اثنا میں شکیل بھی آ گیا تھا، اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر میرا بایاں بازو پکڑا اور مجھے آگے کی طرف کھینچنے لگا۔ ایمن بھی سہارا دے رہی تھی، شکر ہے سفیر نے پانی میں آنے کے بجائے سونیا کو نکالنے اور اسے مونا کے ہمراہ ٹیلے کے عقب میں پہنچانے کا کام کیا۔ اس کے بعد وہ عقب سے آتے دشمن پر پستول سے فائر کرنے لگا۔ اگرچہ وہ پستول کی رینج سے باہر تھے۔ پھر بھی اس کا اثر ہوا اور عقب سے فائرنگ کی شدت میں کمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئی تھی۔ دو افراد کی کوشش سے میں جلدی گہرے پانی سے نکل گیا۔ شکیل نے مجھے بغل میں ہاتھ ڈال کر سہارا دے دیا تھا اور ایمن بازو سے پکڑ کر کھینچ رہی تھی۔ ''یہاں سے جلدی نکلو، ہم فائرنگ کی زد میں ہیں۔'' میں نے بڑھتے درد پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

اتھلے پانی میں آنے کے بعد کام آسان ہو گیا تھا۔ ہم تقریباً دوڑتے ہوئے ٹیلے کے عقب میں جا پہنچے تھے، میں نے رائفل شکیل کو دی۔ ''ان لوگوں کو روکو۔''

ایمن میرے زخم کا معائنہ کر رہی تھی۔ ''گولی اندر ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تم بازو ہلا سکتے ہو۔''

''تکلیف کے ساتھ۔'' میں نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے ہڈی محفوظ ہے۔'' وہ بولی۔ ''خون بہہ رہا ہے۔ اسے روکنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔''

مونا نے اپنا دوپٹا نصف پھاڑ کر ایمن کو دیا، اس نے اسے گولے کی صورت میں زخم پر رکھا اور اوپر سے اپنا مفلر باندھ دیا۔ مفلر لمبا تھا اسے آگے سے میری کلائی پر باندھ دیا اور بازو کو ایل کی صورت میں لٹکا دیا تھا کہ مل کر مجھے تکلیف نہ دے۔ میں بے چین تھا۔ ''یہاں سے نکلو ورنہ دشمن اس جگہ تک آ گیا تو ہم پھر گھر جائیں گے۔'' میں نے سفیر سے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

''کچھ دیر آرام کر لو۔'' ایمن نے التجا کی۔

''یہاں سے چلنے کی کرو۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''شکیل آ جاؤ۔''

شکیل واپس آ گیا۔ میں نے رائفل اس کے پاس رہنے دی تھی۔ وہ اسے دونوں ہاتھوں سے بہتر طور پر استعمال کر سکتا تھا۔ ہم ریت کے ٹیلوں کے درمیان سے گزر کر بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ عقب سے فائرنگ کی آوازیں رک گئی تھیں کیونکہ ہم دشمن کی نظروں سے اوجھل تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''تیز چلو، اس موقع کا فائدہ اٹھا کر ہمیں ان سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہئے۔''

''تم زخمی ہو، ہم تیز نہیں چل سکتے۔'' مونا نے انکار کر دیا۔

''بابا تم لوگ جذباتی ہو رہے ہو۔''

''ہم جذباتی سہی، آپ اپنا منہ بند رکھیں۔'' سفیر نے کہا۔

''جو حکم سرکار کا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

خون بہنا رک گیا تھا، موسم کے سرد ہونے اور سرد پانی سے بھی اس پر اثر پڑا تھا۔ حیرت انگیز طور پر میں اتنی تکلیف محسوس نہیں کر رہا تھا جتنی کہ مجھے کرنی چاہئے تھی ایمن مستقل میرے ساتھ تھی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اور بار بار تکلیف کے بارے میں پوچھ رہی تھی اور میں اسے یقین دلا رہا تھا کہ میں ٹھیک ہوں، درحقیقت مجھے چکر آ رہے تھے، یہ شاید خون کی کمی کا نتیجہ تھا۔ خدا خدا کر کے ریت کے ٹیلوں کے درمیان سے نکل کر ہم نے ساحل پر قدم رکھا۔ کنارے پر گھنی گھاس اور جھاڑیاں تھیں۔ مجھے اپنی کمر پر سرسراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ شاید دوپٹے کا گولا خون سے تر ہو گیا تھا اور اب خون اس سے باہر رس رہا تھا۔

''اس طرف کچھ مکانات نظر آ رہے ہیں۔'' سفیر نے اشارے سے کہا، وہ سب سے آگے تھا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں اس طرف جانا چاہئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہیں پناہ لینا ضروری ہے۔ شوبی کا زخم دیکھنا ہوگا۔" ایمن نے بے چینی سے کہا۔ سفیر نے جس طرف اشارہ کیا تھا، اس طرف چند مکانات تھے۔ یہ بھی تفریحی بنگلے تھے۔ سب سے آگے والے بنگلے کے گرد نیچی سی چار دیواری تھی، مین گیٹ بند تھا اور اس پر تالا لگا تھا۔ ظاہر ہے مکان میں کوئی نہیں تھا۔ سفیر گیٹ پھلانگ کر اندر گیا۔ ایک منٹ بعد واپس آ کر اس نے اطلاع دی۔ "اندر والا حصہ بھی لاک ہے، کوئی نہیں ہے۔ آ جاؤ۔"

"ٹریس پاسنگ!" ایمن نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے۔" سونا بولی۔ "فی الحال ہم مالک کو تلاش کر کے اس سے اجازت نہیں لے سکتے۔"

☆═══☆═══☆

شکیل نے مجھے باہر سے سہارا دیا اور سفیر نے اندر ریسیو کیا۔ درد کی شدت اب بڑھ رہی تھی اور ضبط کے باوجود میری کراہ نکل جاتی تھی۔ باقی سب بھی اندر آئے۔ سفیر پھر تھی سمت میں غائب ہو گیا۔ یہ مختصر سا بنگلا تھا اور اس کے سامنے والے حصے میں مختصر سا برآمدہ تھا اور آر سی سی کی ترچھی چھت تھی جسے کیپریل کاڈیزائن دے کر اس پر سرخ رنگ کیا گیا تھا۔ عمارت کے چاروں طرف سرسبز لان تھا اور اس کی تراش خراش سے ظاہر تھا کہ یہ جگہ مستقل خالی نہیں رہتی ہے، کوئی نہ کوئی اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ ہم برآمدے میں سفیر کی آمد کے منتظر تھے کہ وہ غیر متوقع طور پر دروازہ کھول کر باہر آیا۔ "آپ اندر کیسے..... پیچھے؟" شکیل نے حیرت سے کہا۔

"پیچھے کچن کا دروازہ ہے، دو دھکوں میں اس کا لاک ٹوٹ گیا۔ آیئے غریب خانے میں۔" سفیر نے دروازہ وا کیا۔ دروازہ ایک نشست گاہ میں کھل رہا تھا۔ اس کے سیدھے ہاتھ پر ایک بیڈ روم تھا اور اس کے برابر میں دوسرا بیڈ روم تھا، کچن اور اس کے ساتھ مختصر سا ڈائننگ تھا جس میں پانچ کرسیوں والی گول میز تھی۔ میں اندر جاتے ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ کانچ میں بجلی تھی اور سب سے بڑی بات تھی کہ وہاں ایک عدد فین ہیٹر رکھا تھا جو بجلی سے چلتا تھا۔ سونا نے اسے آن کر کے میرے پاس رکھ دیا۔

"شوبی! جیکٹ اتارنی ہے۔" ایمن نے میرا بازو ہلایا۔

"آں..... ہاں۔" میں ذہن پر سوار ہوتی غنودگی سے چونکا۔ "پلیز دیکھو، یہاں چائے کافی مل سکتی ہے۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" سونیا کچن کی طرف چلی گئی۔ سونا اور ایمن میری جیکٹ اتارنے لگیں جبکہ سفیر اور شکیل کمروں کا معائنہ کرنے لگے۔ جیکٹ اتارتے ہوئے اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی لیکن جب انہوں نے قمیص اتاری اور زخم پر جم جانے والے خون کے پپڑے اکھڑے تو نہ چاہتے ہوئے بھی میں چیخ اٹھا تھا۔ ایمن نے زخم کا معائنہ کیا۔ "گولی اندر ہے، نکالنی پڑے گی۔ دیر کی تو اس کا زہر پھیل جائے گا۔"

"کون نکالے گا، ہم میں سے کسی کو یہ کام نہیں آتا۔"

"میں کوشش کرتی ہوں..... میں نرسنگ کا کورس کر چکی ہوں۔" ایمن نے کہا۔ "مجھے ایک نوک والی چھری اور گرم پانی کی ضرورت ہوگی۔"

سفیر ایک کمرے سے نکلا، اس کے ہاتھ میں ڈیٹول کی شیشی اور ایک میڈیکیٹڈ بکس تھا جس میں دوائیاں ہوتی ہیں۔ "یہ ملا ہے اس کمرے کے باتھ روم سے۔ کیا زبردست باتھ روم ہے، گیزر لگا ہے اور گرم پانی آ رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ میں تو نہانے جا رہا ہوں۔"

"یہ ہمارا گھر نہیں ہے..... گیزر چلنے سے ظاہر ہے کوئی نہ کوئی یہاں رہتا ہے اور کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "سب ہوشیار رہیں، کوئی نہ کوئی باہر نظر رکھے۔"

"دشمن بھی اس طرف آ سکتا ہے۔" مونا بولی۔

"میں باہر دیکھتا ہوں۔" شکیل نے اپنی خدمات پیش کیں اور رائفل لے کر باہر نکل گیا۔

"تم اوندھے لیٹ جاؤ۔" ایمن نے فرمائش کی۔ مونا دواؤں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"یہاں تو سب ہے..... اوہ نیس کیف ہے..... کریم اور چائے بھی۔" سونیا نے اطلاع دی۔

"پلیز، پہلے گرم پانی دو اور کوئی نوک والی چھری بھی لانا۔"

"خدا خیر کرے۔" میں نے دل کر دل میں سوچا۔ گولی لگنا مجھے اتنا تکلیف دہ نہیں لگا تھا لیکن چھری کی نوک کے خیال سے جان جانے لگی تھی۔ مونا نے اطلاع دی۔

"باکس میں ایم پنسلین کے کیپسول ہیں اور پین کلرز بھی ہیں۔ ایک محلول ہے اس پر جراثیم کش لکھا ہے۔"

"یعنی ضرورت کی تمام چیزیں ہیں۔" ایمن خوش ہو کر بولی۔

"مع ایک مریض کے۔" میں نے کراہ کر کہا۔ "جس پر یہ ساری چیزیں آزمائی جائیں گی۔"

"شوبی! تمہاری ابھی سے جان نکل رہی ہے۔" مونا نے ملامت سے کہا۔ "مرد بنو۔"

"اور کتنا بنوں..... گولی تک کھائی ہے، اب اسے تم اناڑی خواتین کے ہاتھوں نکلوانے جا رہا ہوں۔ خدا خیر کرے گولی سے پہلے جان نہ نکل جائے۔"

"خدا نہ کرے۔" مونا بے ساختہ بولی۔ "ویسے بھی آپریشن ان بی بی نے کرنا ہے اور مجھے یقین ہے، تمہاری جان نہیں نکلنے دیں گی۔"

ایمن مسکرانے لگی تھی۔ آج اس نے جس طرح میرے لئے بے قراری دکھائی تھی، برستی گولیوں میں بلا جھجک پلٹ آئی تھی۔ اس نے سب پر واضح کر دیا تھا کہ میں اس کے لئے کیا حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے دل میں چھپے جذبات سب پر عیاں کر دیئے تھے۔ اس نے نرمی سے صاف روئی سے میرے زخم کے اور گرد پھیلا خون صاف کیا۔ اس کے بعد زخم کو صاف کرنے لگی۔ سونیا پانی گرم کر کے لے آئی۔ اس نے ایک نوک دار چھری بھی اسٹرلائز کر کے لا دی تھی۔

"میرا خیال ہے، ہڈی بچ گئی ہے اور زخم بھی زیادہ گہرا نہیں ہے۔"

"شاید گولی فاصلے سے چلائی گئی تھی اس لئے بچت ہو گئی۔" میں نے کہا۔

"سفیر پٹیاں اور روئی لے آیا تھا۔" "میرا خیال ہے ضرورت کی تمام چیزیں ہیں۔"

"سفیر، میری مدد کرو، جب میں گولی نکالنے لگوں تو شوبی کو پکڑ کر رکھنا، یہ ہلے گا۔" ایمن نے درخواست کی۔

"میں نہیں ہلوں گا۔" میں نے گھبرا کر کہا۔ "کیا میں بکرا ہوں جو اس طرح پکڑ کر میری قربانی کی جا رہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بچو! اب تو مل نہیں سکتا۔" سفیر نے میری کمر پکڑ کر کہا۔ "امکان ہے تیرا نکاح بھی اسی طرح ہوگا بالجبر۔"

"اور مزید امکان ہے اس بار بھی درخواست خاتون کی طرف سے آئے گی۔" سونا نے اضافہ کیا۔

"تم دونوں ذرا مجھے ٹھیک ہو جانے دو۔" میں نے دانت پیسے۔ ایمن نے احتیاطاً چھری کی نوک کو جراثیم دوا سے صاف کیا اور اپنے ہاتھ بھی دھو کر روئی پر جراثیم کش دوا لگا کر صاف کر لئے تھے۔ پھر اس نے روئی پر گرم پانی لے کر میرا زخم صاف کرنا شروع کیا۔ پانی میں ڈیٹول بھی تھا جس نے زخم میں آگ لگا دی تھی۔ میں نے ہونٹ بھینچ لئے۔ سفیر نے کپڑے کی گولی بنا کر میرے منہ میں دے دی تاکہ میری زبان دانت تلے نہ آ جائے۔ میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا اس کے باوجود جب چھری کی نوک زخم میں داخل ہوئی تو میں اچھل ہی پڑا تھا۔ اگر سفیر نے مجھے سختی سے نہ دبا رکھا ہوتا تو چھری گوشت میں اتر جاتی۔ میری ناک سے ایک دہاڑتی آواز نکلی تھی، کیونکہ منہ بند تھا۔

"مضبوطی سے پکڑو۔" ایمن چلائی۔

"خاتون، میں اس سے زیادہ مضبوطی سے نہیں پکڑ سکتا۔" سفیر نے ہانپتے ہوئے خفگی سے کہا۔ "اس سے زیادہ مضبوطی سے صرف کوئی آمر ہی اپنی کرسی کو پکڑ سکتا ہے۔"

ایمن نے اس کی بک بک پر توجہ دیئے بغیر اپنا کام جاری رکھا۔ اس نے چھری کی نوک مزید زخم میں اتار دی۔ اس بار میں نے ہلنے سے گریز کیا اور اپنی ساری توجہ اس پر لگا دی کہ مجھے ساکت رہنا ہے۔ البتہ ناک سے بے ساختہ دھاڑوں کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ "مل گئی۔" ایمن نے کہا اور چھری کی نوک سے کرید کر گولی کو باہر نکالنے لگی۔ بالآخر اس نے گولی نکال دی اور میرے جلتے اور تڑپتے زخم میں جیسے ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔ میں نے سکون کا طویل سانس لیا اور تب مجھے احساس ہوا، اس موسم میں میری ناک سے پسینے کے قطرے ٹپک کر قالین پر گر رہے تھے۔ میں نے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور سفیر میری کمر سے ہٹ گیا تھا۔

"آپریشن مبارک ہو ڈاکٹر صاحب!" سفیر نے اس سے کہا۔

"شکریہ!" ایمن خوش ہو گئی تھی۔ اس نے روئی سے زخم اور اس کے اردگرد کا خون صاف کیا اور مزید خون روکنے کے لئے جراثیم کش دوا لگانے لگی۔ تکلیف اس بار بھی ہوئی تھی لیکن پہلے سے بہت کم، خون رکا تو ایمن نے اس پر مرہم لگا کر اور اس سے پہلے سکاڈرن پاؤڈر چھڑک کر اوپر سے چکتی پٹی رکھ کر اسے ٹیپ کی مدد سے بند کر دیا تھا۔ سونا نے قالین اور اردگرد کی صفائی کی۔ خراب ہو جانے والی روئی اور پٹیاں پھینکیں۔ ایمن منہ ہاتھ دھونے چلی گئی تھی، واپس آ کر اس نے مجھے دو عدد اینٹی بائیوٹک کیپسول اور ایک عدد پین کلر کیپسول دودھ کی مدد سے کھلایا۔ یہ دودھ بھی بے چارے میزبان کے فریج سے برآمد ہوا تھا۔ میری منت سماجت کے باوجود مجھے کافی دینے سے انکار کر دیا گیا۔ کیونکہ ان لوگوں کی رائے میں یہ میرے لئے مضر تھی۔

"تم سو جاؤ، جب اٹھو گے تو ہم تمہیں کافی دے دیں گے۔" ایمن نے مجھے تسلی دی۔

"اور درمیان میں دشمن آ گئے تو۔" میں نے بھنا کر کہا۔

بہرحال میں خود بھی شدید قسم کی کمزوری محسوس کر رہا تھا اور میرا سر چکرانے لگا اور کچھ دیر بعد میں بے خبر سو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکا تھا۔ بیٹھ کر کے اثر سے تکلیف کم ہوئی تھی اس وجہ سے بھی خوب گہری نیند آئی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو نشست گاہ میں ہلکی روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور میرے سونے میں تکلیف جیرت انگیز طور پر کم تھی۔ میں نے اس کا معائنہ کیا۔ مجھ پر ایک دبیز کمبل پڑا تھا اور نزدیک ہی ہیٹر آن تھا اس وجہ سے کمرا خوش گوار حد تک گرم لگ رہا تھا۔

ایک بیڈ روم سے ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔ "کوئی ہے؟" میں نے آواز دی۔ ایمن تڑپ کر باہر آئی تھی۔

"شوبی، کیسے ہو تم؟"

"بہتر ہوں ــــ روشنی تو کرو۔"

"رات ہو گئی ہے۔ ہم نے خود روشنی کم رکھی ہے۔ کوئی دیکھ کر اس طرف نہ آئے۔"

"تو مجھے بھوک لگی ہے۔"

"ایک منٹ، میں تمہارے لئے چکن کارن سوپ لاتی ہوں۔" اس نے کہا اور کچن کی طرف گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں چکن کارن سوپ کا بھاپ اڑاتا پیالہ تھا۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے یعنی میں کل چھ گھنٹے سویا تھا اس کے باوجود میں خود کو پُرسکون اور تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ غلبۂ بھوک جتاتی لگ رہی تھی ویسی ہی بھوک جیسی مجھے حکیم ناصر کے علاج کے دوران میں لگتی تھی۔ میں نے تکیے کے سہارے نیم دراز ہو کر سوپ پیا اور ایمن سے کہا۔ "تھوڑا سا اور لے آؤ۔"

کہنی تیسرے پیالے پر جا کر مجھے قرار آیا تھا اور میں نے اسے تجسس سے پیا تھا۔ ایمن حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا اس حالت میں بھی تم اتنا کھا سکتے ہو۔"

"اسی حالت میں تو مجھے ایسی بھوک لگتی ہے۔ صحت میں نارمل کھانے والا بندہ ہوں۔ یہ بتاؤ اب چائے کافی مل سکتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔" وہ بولی۔ "لیکن پہلے دوا کھانی ہو گی۔"

"اسٹی بائیوٹک دے دو۔ پین کلر کی ضرورت نہیں ہے۔ تکلیف اب اتنی نہیں ہو رہی ہے۔"

"شوبی! تم مجھے حیران کر رہے ہو۔ کوئی کار فرم کم سے کم چھ گھنٹے شدید تکلیف دیتا ہے۔"

"لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھے اتنی تکلیف نہیں ہے۔"

"تو کہتے تم یہ کیپسول کھاؤ۔ تب تک میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔" وہ بولی۔ اس نے دو کیپسول اپنی گلاب ہتھیلی پر رکھ کر میری طرف بڑھائے اور ساتھ ہی پانی دیا۔ اس کے انداز میں اتنی توجہ اور خدمت گزاری تھی کہ کوئی پتھر بھی ہوتا تو محسوس کر لیتا۔ میں تو پھر بھی انسان تھا۔ وہ کچھ دیر بعد کافی لے آئی۔ قالین پر چھوٹی سی ٹرے میں دو مگ رکھے۔ اسے معلوم تھا میں بغیر کریم کے اور ہلکی چینی والی کافی پسند کرتا ہوں۔ وہ میرے اتنے نزدیک بیٹھ گئی کہ میں کافی کے ساتھ اس کی مہک بھی محسوس کر سکتا تھا۔ اس کے پاس سے ایک عجیب سوندھی سی خوشبو آ رہی تھی۔

"کیا تم نہائی ہو؟"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ حیران ہوئی۔

"تمہارے بالوں کی نمی سے۔" میں نے جھوٹ بولا۔ ہم خاموشی سے کافی پینے لگے۔ میں نے مگ خالی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے ٹرے میں رکھا۔

"شکریہ!" میں نے عام سے انداز میں کہا لیکن اس نے جان لیا یہ عام شکریہ نہیں تھا۔

"مجھے شکریے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر کس چیز کی ضرورت ہے؟"

"تم جانتے ہو۔" اس نے آہستہ سے کہا اور ٹرے اٹھا کر چلی گئی۔ میں ساکت رہ گیا بالآخر وہ کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ وہ اسے دنوں سے میرے ساتھ تھی۔ ہرٹ سے میرے ساتھ جانا بلاشبہ اس کی مجبوری تھی لیکن اب مجھے شک ہو رہا تھا وہ اس وقت مجبور نہیں تھی پھر درمیان میں کتنے مواقع ایسے آئے جب وہ ہمیں خدا حافظ کہہ کر اپنی راہ لے سکتی تھی لیکن وہ ہمارے ساتھ رہی۔ سختیاں برداشت کرتی رہی ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ بد رہی ہو یہ کہ مجھ سے بچھڑنے کے بعد بھی اس نے میرے ساتھیوں سے الگ ہونا گوارا نہ کیا ہو۔ اس کے لئے اسلام آباد کے ہوائی مستقر تک کا رخ کرنا کیا مشکل تھا اور اب اس نے واضح کر دیا تھا کہ وہ کیوں میرے ساتھ تھی۔ دوسرے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ سفیر اور خلیل نہ جانے کہاں تھے۔ احاطے میں پیرونی دروازہ کھلا اور سفیر اللہ آیا اور سید حامد حسین کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ "غضب کی سردی ہے بابر اب حالت کیسی ہے تیری؟" اس نے ایک ہی سانس میں دریافت کیا۔

"ٹھیک ہے۔ خلیل کہاں ہے؟"

"اب اس کی باری ہے۔ میں چار گھنٹے سے باہر پہرا دے رہا تھا۔"

"خطرے کے آثار کیسے ہیں؟"

"فی الحال تو کوئی خطرناک قریب نظر نہیں آ رہا ہے اور یہی بات مجھے شک میں مبتلا کر رہی ہے۔"

"ہمیں دشمن پیغلے کی طرح گھیرے بیٹھے ہیں۔ ہم باہر نکلیں اور وہ ہمیں مار ڈالیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"لیکن اس اعتماد حکمت عملی کی وجہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اس وجہ سے تو اعتماد گھٹ رہا ہے۔ دشمن اتنی بھی احمق نہیں ہے وہ سوچ سمجھ کر کام کر رہے ہیں۔"

"ممکن ہے ہمیں کسی خاص مدد کا انتظار ہو۔"

"شاید۔۔۔ فی الحال تو آرام کرنا چاہیے۔ بھاگ دوڑ کر پولیس مل چکی ہیں۔" سفیر کہہ کر دوسرے بیڈ روم میں چلا گیا اور چند لمحے بعد خلیل باہر آ گیا۔ "اب طبیعت کیسی ہے شہباز صاحب؟"

"ٹھیک ہے۔"

خلیل نے کچن سے ایک کافی کی فرمائش کی اور باہر چلا گیا۔ کچن نے اس کے لئے بھی کافی بنائی تھی۔ میرے لئے ایک مگ بھر لے کر آئی۔ "سوہنا اور سوہنا کہاں ہیں؟"

"بے خبر سو رہی ہیں۔"

"اور تم نہیں سوئیں؟"

"مجھے تمہاری فکر تھی۔ میں سو جاتی تو تمہیں کون دیکھتا۔ مجھے ڈر تھا بے خبری میں تم کمرے سے کر اپنے زخم کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نقصان نہ پہنچادو۔"

"اب میں جاگ رہا ہوں تم جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں....." اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں تم اپنی صورت دیکھو..... تمہاری آنکھیں سوج رہی ہیں، پلیز تم جا کر سو جاؤ۔ یہ میری درخواست ہے۔"

"او کے، لیکن وعدہ کرو تم بھی آرام کرو گے، اس حالت میں کوئی ایڈونچر تمہارے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے تمہارا زخم بہتر ہو رہا ہے، اس وجہ سے اتنی تکلیف نہیں ہے۔ میں بارہ گھنٹے بعد پٹی بدل کر دیکھوں گی۔"

"او کے، میں حلفیہ بیان دیتا ہوں، کسی قسم کی مہم جوئی سے گریز کروں گا اور شریف بچوں کی طرح آرام سے بیٹھوں گا، لیکن نیند آنا محال ہے۔"

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے جگا دینا۔" اس نے جاتے ہوئے کہا۔

"فی الحال تو کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

میری جیکٹ اور شرٹ خون سے تر ہو گئی تھی اس لئے ایمن نے مجھے سفیر کی جیکٹ پہنا دی تھی۔ اس وقت وہی میرے جسم پر تھی۔ میرے کپڑے آلود بھیگے جوتے اور موزے بھی اتار دیئے تھے۔ میں نے سفید والے کمرے میں جھانکا۔ یہ بیڈ روم تھا جس میں جہازی سائز ڈبل بیڈ تھا۔ ایک طرف الماری تھی۔ میں نے الماری کھولی اور نائٹ بلب کی روشنی میں اندر لٹکے کپڑوں کا جائزہ لیا۔ یہ کسی مرد کی الماری تھی، اندر سوٹس اور کئی طرح کے ملبوسات تھے۔ میں نے ایک سیاہ موٹا ٹراؤزر نکالا، ساتھ میں بڑے سائز کا سویٹر لے لیا۔ شرٹ اتارنے چڑھانے میں مسئلہ ہوتا، مرد کا قد کم سے کم بھی چھ فٹ دو انچ ہو گا کیونکہ ٹراؤزر میرے سائز سے خاصا بڑا تھا۔ باتھ روم میں آ کر میں نے پہلے گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا، میری پتلون کا حشر ہو رہا تھا، میں نے اسے اتار کر اپنے پاؤں بھی دھوئے جن سے دریا کی ریت چپکی تھی۔ سفیر کی جیکٹ بھی کم گندی نہیں تھی۔ اسے اتار کر میں نے سویٹر پہن لیا تھا۔ میں باہر آیا۔ سفیر خراٹے لے رہا تھا۔ اس کا کھلا منہ اور چہرے پر سکون دیکھ کر مجھے ہنسی آئی تھی۔ ہم گولیوں کی برسات سے گزر کر آئے تھے، ابھی بھی دشمن شاید ہماری کمین گاہ سے واقف بھی تھا اس کے باوجود میرے ساتھی کتنے آرام سے سو رہے تھے۔ ان کے لئے اب خطرات اتنے خطرناک نہیں رہے تھے۔ اسلحہ نشست گاہ میں ریک پر سجا تھا۔ میں نے ایک پستول اٹھا لیا۔ دروازے کو آہستہ سے کھولا اور باہر آ گیا۔

"شکیل!" میں نے آہستہ سے آواز دی مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ میں گھوم کر سائیڈ کی طرف آیا۔ یہ مکان کی بائیں سمت تھی۔ میرا خیال تھا کہ شکیل اس طرف ہو گا لیکن وہ نہیں تھا۔ میں گھوم کر عقب میں آیا اور پھر مکان کے دائیں طرف آیا شکیل اس طرف بھی نہیں تھا۔ یک دم میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ شکیل اس طرح خود سے کہیں نہیں جا سکتا تھا خاص طور سے اس صورت میں جبکہ باہر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے گیٹ کے اوپر سے جھانکا۔ میں باہر نہیں جا سکتا تھا۔ شانے کے زخم کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اندر جا کر سفیر کو اٹھا دوں لیکن اسی لمحے دروازے کے پاس آہٹ ہوئی۔ میں بدک کر پیچھے ہٹا۔ ایک سایہ گیٹ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوپر سے نمودار ہوا اور میں نے گہری سانس لے کر پستول نیچے کر لیا۔ وہ شکیل تھا، وہ بھی مجھے دیکھ کر چونکا۔

"شہباز صاحب! آپ کیوں باہر آئے؟"

"بس ایسے ہی، میں بہتر محسوس کر رہا تھا لیکن تم کہاں تھے؟"

"پچھلی طرف سے مجھے کچھ آوازیں سی آئی تھیں جیسے کوئی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا ہے، میں اس طرف چیک کرنے گیا تھا۔"

"کون تھا؟"

"دو بلیاں تھیں، کھانے کی کسی شے کے پیچھے لڑ رہی تھیں۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔ "آیئے اندر چلیں..... میری کافی تیار ہے کیا؟"

"شاید تھرماس میں ہوگی۔"

ہم اندر آئے، شکیل نے تھرماس سے اپنے لئے کافی نکالی۔ "کیا تمہیں یقین ہے ہمارے اردگرد دشمن کا کوئی آدمی نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تک تو کوئی مشکوک شخص نظر نہیں آیا۔" شکیل بولا، اس نے چند گھونٹ لے کر کافی ختم کی۔ "آپ آرام کریں۔ میں باہر جا رہا ہوں۔"

میں ذرا سی حرکت سے تھکن محسوس کرنے لگا تھا اس لئے پھر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد آنکھ لگ گئی۔ نیچے دبیز قالین تھا اوپر، گرم کمبل، پاس ہیٹر فین چل رہا تھا اس لئے مسئلہ کوئی نہیں تھا۔ میری آنکھ کھلی تو ابھی تاریکی تھی۔ سب ہی سو رہے تھے اور شاید سفیر اب باہر تھا۔ میرے شانے کی تکلیف اور بھی کم ہو گئی تھی۔ وقت گزاری کے لئے میں نے صاحب خانہ کے بارے میں تحقیق کا سوچا۔ مردانہ بیڈ روم میں مجھے الماری کی دراز سے ایک البم ملی۔ میرا خیال تھا کہ یہ گھریلو البم ہوگی لیکن جب میں نے اسے کھولا تو خاصے سرد موسم میں بھی مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ یہ نیوڈز تھیں اور اس مکان میں لی گئی تھیں۔ میں نے عجلت میں البم پلٹ کر دیکھا، کوئی نصف درجن لڑکیوں کی دو درجن سے زیادہ تصاویر تھیں اور تصویریں اتارنے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ یہ کام ان کی رضامندی سے ہوا ہے۔ باقاعدہ پوز دیئے گئے تھے۔ میں نے البم واپس اپنی جگہ رکھ دی۔ ایک جگہ زمین کے ملکیتی کاغذات تھے جو کسی راؤ پرویز کے نام پر تھے۔ یہ شاید اس مکان کا مالک تھا۔ بیڈ پر شکیل سو رہا تھا اور سفیر یقیناً باہر تھا۔ میں باہر آیا، موسم ایک بار پھر ابر آلود تھا۔ بارش کے پورے امکانات نظر آ رہے تھے۔ سفیر عقبی سمت میں تھا۔

"تو اٹھ گیا..... شانہ کیسا ہے؟"

"معمولی سا درد رہ گیا ہے۔" میں نے بازو ہلا کر اپنی حالت کا عملی مظاہرہ کیا۔ "تو کب اٹھا؟"

"چار گھنٹے ہونے والے ہیں۔"

"روشنی ہو رہی ہے، بہتر ہے اندر آ جا۔ اب کوئی باہر سے دیکھے گا تو تجھے دیکھ کر مشکوک ہو سکتا ہے۔"

ہم اندر آئے۔ "تیرا کیا خیال ہے، یہ مرشد علی کے گرگے ہیں؟"

"ممکن ہے آدمی مرشد علی کے ہوں، لیکن ان کے پیچھے کام کرنے والا ذہن مجھے ڈیوڈ شا کا لگ رہا ہے، وہی اس قسم کی چالیں چل سکتا ہے۔ دوسرے اگر یہ آدمی مرشد علی کے ہیں تو وہ ہمیں پکڑنے یا مارنے کی پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کرتے۔ جب تک کوئی ایسی قوت نہ ہو جو مرشد کو جانے سے باہر ہونے سے روکے۔"

"اور وہ شخص ڈیوڈ شاہ ہے۔ لیکن ہمیں اس طرح بھگانے میں اس کا کیا مفاد ہو سکتا ہے؟"

"فی الحال یہ تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔۔۔ وہ کوئی گہری چال چل رہا ہے۔ ابھی مجھے خیال آیا کہ جب ہم دریا عبور کر رہے تھے تو تعاقب کرنے والوں نے ہمیں جان بوجھ کر نشانہ بنانے سے گریز کیا تھا۔ ورنہ ہم بالکل کھلے میں تھے اور ہمیں نشانہ بنانا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔"

"تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہی بات ہے۔ تجھے بھی شاید اتفاق سے گولی لگ گئی تھی۔"

"شاید!" میں نے صوفے سے سر ٹکایا۔

"آہ۔۔۔ کیا دن تھے۔" سفیر نے سرد آہ بھری۔ "اس وقت ہم تیرے دفتر میں یا میرے گھر پر آتش دان کے سامنے بیٹھے مونگ پھلی اور چلغوزے کھا رہے ہوتے۔۔۔ کافی پی رہے ہوتے تھے۔"

"یار، وہ وقت پھر آئے گا۔ زیادہ اچھے طریقے سے آئے گا۔ میں صبح سویرے تیرے اور مونا کے گھر نازل ہوں گا اور چلا چلا کر تجھے اٹھاؤں گا۔ مونا ہمارے لئے ناشتا بنائے گی اور پھر کہیں گا تم دونوں فٹافٹ تیار ہو جاؤ، ہمیں مری جانا ہے۔"

"اور اس کے بعد تمہاری آنکھ کھل جائے گی۔" مونا کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔

"خواب دیکھنے میں کیا حرج ہے۔" میں نے مونا کی طرف دیکھا۔ "سفیر کہہ رہا تھا۔ "اور اگر تم چاہو تو اس خواب کا ایک حصہ تو اب بھی پورا ہو سکتا ہے۔"

"پلیز شوبی!" مونا کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

"اوہ مایا! تم نہ جانے کیا سمجھ رہی ہو۔ میں تو ناشتے کی بات کر رہا تھا۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"جی نہیں، میں نے کوئی ناشتا نہیں بنایا۔"

"میں بنا رہی ہوں۔" سونیا اندر سے انگلیں ہلاتی ہوئی نکلی اور کچن کی طرف چلی گئی۔

"ایمن کہاں ہے؟" میں نے پوچھا تو مونا معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"بی بی سو رہی ہیں۔ سنا ہے رات گئے تک تیمارداری میں مصروف رہی تھیں۔"

"اس نے اپنے ہاتھوں سے ابو رات کو دوا کافی بنا کر دی تھی۔" میں نے ڈھٹائی سے کہا۔

مونا بھی کچن کی طرف چلی گئی۔ سفیر نے آہستہ سے کہا۔ "تو نے اس لڑکی کے انداز میں تبدیلی محسوس نہیں کی؟"

"ہاں، تجھ سے کچھ فرینڈ بننے لگی ہے۔"

"میں ایمن کی بات کر رہا ہوں مونا کی نہیں۔" سفیر جھلا گیا۔

"وہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ ہاں، کچھ تبدیل تو ہوا ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔

"کچھ نہیں، بہت کچھ۔۔۔ اب تو وہ تجھ پر اپنا حق جتانے لگی ہے۔"

"یار، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"بیٹے، کب تک بچ کے رہو گے، جس کے پیچھے پڑ جائیں اسے اپنا بنا کر ہی لیتی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ناشتا بننے والا ہے، اچھے بچوں کی طرح منہ ہاتھ دھولیں۔'' سونیا نے کچن سے اعلان کیا۔

''سفیر اٹھ کر بھاگا اور میں کچن میں آ گیا۔'' آپ بھی منہ ہاتھ دھولیں۔'' سونیا نے مجھ سے کہا۔

''واش روم میں سفیر ہے۔''

''آپ ہمارے کمرے والے واش روم میں چلے جائیں۔ وہاں صرف ایمن ہی ہے۔'' مونا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

میں آہستہ سے دروازہ کھول کر کمرے میں آیا، ایمن کروٹ لے کر دوسری طرف منہ کئے سو رہی تھی۔ میں دبے قدموں واش روم میں چلا گیا۔ فارغ ہو کر تولیہ سے منہ صاف کرتا ہوا باہر آیا اور پھر ساکت رہ گیا۔ ایمن بستر پر سیدھی لیٹی تھی، زلفیں چہرے پر بکھر گئی تھیں۔ گداز لب ابھرے ہوئے تھے۔ دھیرے سے ابھرتا، ڈوبتا بدن کسی کو بھی ڈبونے کے لئے کافی تھا۔ میں کچھ دیر کے لئے سحر زدہ رہ گیا تھا۔ پھر میں چونکا۔

''لاحول ولا.....'' میں دروازے کی طرف بڑھا۔

''شوبی!'' عقب سے ایمن کی آواز آئی، میں رک گیا۔ وہ جاگ گئی تھی یا جاگ رہی تھی۔

''ایسے کیوں جا رہے ہو؟''

میں گہری سانس لے کر پلٹ آیا۔ ''تم سو رہی تھیں، میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''اب تو میں جاگ گئی ہوں۔'' اس نے اٹھ کر بال جوڑے کی صورت میں باندھے۔ اس کی گردن پر ہلکا سا سنہری رواں تھا۔ میں نے ایک بار پھر دل میں اس کے بے پناہ حسن کا اعتراف کیا۔ وہ میری نظریں دیکھ کر مسکرائی تھی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس خراج تحسین پر شکریہ کہا۔ ''طبیعت کیسی ہے؟''

''حیرت انگیز طور پر بہت کم ہے۔''

''چلو، پہلے کچھ کھالو..... پھر میں تمہاری پٹی بدلتی ہوں۔'' وہ بستر سے اتر آئی۔

میں باہر آیا تو مونا پھر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی تھی۔ ''بی بی، تمہاری بتیسی بار بار باہر کیوں آ رہی ہے؟'' میں نے ملائمت سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، ایمن اٹھ گئی۔'' اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''دیکھو مونا..... یہ معاملہ صرف مذاق کی حد تک ہے۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''شوبی، یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔''

''شوبی بھائی! ایمن اتنی اچھی اور پیاری ہے۔ اس میں گوریوں والا نخرہ ذرا بھی نہیں ہے۔'' سونیا بولی۔

''تو بابا..... میں کیا کروں.....؟'' میں جھنجلا گیا۔ ''میں اپنے چکروں سے نہیں نکل پا رہا اور تم لوگ.....''

''ہم نہیں..... وہ بی بی!'' مونا نے کمرے سے آتی ایمن کی طرف اشارہ کیا۔

''میرا ذکر ہو رہا ہے۔'' ایمن کرسی پر بیٹھ گئی۔

''آپ کا ذکر ہی ہوتا رہتا ہے۔'' مونا پھر معنی خیز انداز میں بولی۔

''مونا کی بچی!'' میں نے دانت پیسے تو اس نے جلدی سے کان پکڑ لئے تھے۔

سونیا امور خانہ داری میں بھی طاق تھی۔ خوب صورت اور دلکش تھی، مجھے عادل کی قسمت پر افسوس ہوا، اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے لالچ میں آکر سونیا جیسی بیوی سے بے وفائی کی تھی۔ وسیم جیسے شخص سے غداری کی تھی۔ انجام کار مارا گیا۔ سونیا کے اعصاب بھی مضبوط تھے، شوہر کے بعد بھائی کی جدائی پر بھی اس نے خود کو جلد سنبھال لیا تھا۔ اس لئے ناشتے میں پراٹھے بنائے تھے۔ آملیٹ تھا۔ کارن فلیکس دودھ میں، شہد، مکھن اور ابلے ہوئے انڈے۔ میں نے سب کے ساتھ انصاف کیا اور میری خوش خوراکی نے سب کو حیران کر دیا تھا۔

''شوبی! خیریت ہے نا؟'' مونا نے تشویش سے پوچھا۔

میں جھینپ گیا۔ ''پتا نہیں کیا بات ہے، لگ رہا ہے پیٹ میں جن بیٹھ گیا ہے۔''

ناشتے کے بعد ایمن وہیں کچن میں مرہم پٹی کا سامان لے آئی تھیں میں نے سویٹر اتارا۔ ایمن نے پانی گرم کر لیا تھا۔ اس میں ڈیٹول ملایا۔ پھر اس نے ٹیپ ہٹا کر پٹی اتاری۔ ''ونڈرفل!'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''شوبی، تمہارا زخم تو خشک ہو گیا ہے۔''

وہ سب بھی آکر معائنہ کرنے لگے۔ شکیل بولا۔ ''میں نے کبھی گولی کا زخم اتنی جلدی بھرتے نہیں دیکھا۔ یہ تو تقریباً بھر چکا ہے۔''

ایمن نے اچھی طرح معائنہ کیا۔ روئی میں پانی لگا کر صاف کیا۔ ''زخم واقعی خشک ہے۔ بلکہ باہر تک بھر بھی گیا ہے، بس ہلکا سا گڑھا باقی ہے۔''

''اس کی وجہ ہے.....'' میں نے کہا اور ایمن کو حکیم قادس کی ان دواؤں کے بارے میں بتایا جو زخموں کو حیرت انگیز طور پر بہت تیزی سے بھر دیتی ہیں۔ ''شاید یہ ان دواؤں کا اثر ہے جو میرا زخم اتنی تیزی سے بھر گیا۔''

''اب میں کبھی ڈیوڈ شا حکیم قادس کے پیچھے کیوں پڑا ہے؟'' ایمن نے گہری سانس لی۔ ''یہ دوائیں تو مغرب میں تہلکہ مچا سکتی ہیں۔''

''یہی تو ڈیوڈ شا بھی سوچتا ہے۔'' مونا طنزیہ انداز میں بولی۔

''مجھے اس سے مت ملاؤ۔'' ایمن نے احتجاج کیا۔ ''وہ ان دواؤں سے نفع کمانے کا سوچ رہا ہے اور میں نے دکھی انسانوں کے لئے سوچا ہے۔''

''ایمن، تم دکھی لوگوں کے حوالے سے سوچو یا ڈیوڈ شا نفع کمانے کے حوالے سے، حقیقت یہ ہے تم دونوں ہی مغرب کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سامنے بے بس ہو۔ ان کو یہ دوائیں مفت میں ملیں یا کروڑوں ڈالرز کے عوض، انہوں نے ان دواؤں کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا ہوگا۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔'' ایمن کسی قدر شرمندہ نظر آنے لگی تھی۔

''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے، تمہاری نیت درست ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی اور فرمائش کی۔ ''مجھے میرا زخم دکھاؤ، میں اس کی حالت دیکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ مجھے بیڈ روم میں لائی۔ وہاں ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ اس نے ایک چھوٹا آئینہ نکالا اور اس کی مدد سے مجھے میرا زخم دکھایا۔ واقعی وہ حیرت انگیز طور پر مندمل لگ رہا تھا اور اس کی وجہ وہی دوائیں تھیں جو حکیم قادس مجھے کھلا چکا تھا۔ اب کیونکہ میں ہاتھ آسانی سے ہلا جلا سکتا تھا اس لئے میں نے مردانہ بیڈ روم کی الماری سے ایک شرٹ بھی نکالی اور موقع پا کر سفیر اور شکیل کو اس البم کے بارے میں بتایا جس میں نیوڈ تصویریں تھیں۔ سفیر نے البم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکال کر دیکھی۔

"اس مکان کا مالک کوئی گندی ذہنیت کا شخص ہے۔"

"ہمیں کیا؟" میں نے کہا۔

"ہمیں کیوں نہیں۔" سفیر کو غصہ آیا ہوا تھا۔ "میں اس شخص کو سزا دے کر جاؤں گا۔"

"کیا کرو گے؟"

"جب جائیں گے تو دیکھ لینا۔"

ناشتے کے بعد لڑکیوں نے نشست گاہ میں محفل جمالی تھی۔ سفیر ان میں شامل ہو گیا اور میں شکیل کے ساتھ باہر نکل آیا۔ میں اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے موقع ملتے ہی اس سے پوچھا۔ "شکیل! تم نے اپنے بارے میں سوچا۔ اب تم کیا کرو گے، کہاں جاؤ گے؟"

وہ چونکا۔ "اچھا ہوا آپ نے بات کر لی۔ شہباز صاحب، میں اکیلا ہوتا تو کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا مگر سونیا۔۔۔"

"کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

"میں ہی نہیں، وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے۔" شکیل نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں، جیسے اس کی عدت پوری ہو گی، ہم شادی کر لیں گے۔"

"میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" میں نے کہا۔ "بہتر ہو گا، ان خیال سے نکلتے ہی تم اور سونیا ہم سے الگ ہو جاؤ۔" میں نے کہا۔ "اگر سونیا کا مسئلہ ہے تو وہ عدت تک ندیم کے گھر میں رہ سکتی ہے۔"

"نہیں، میں اسے اپنی حویلی لے جاؤں گا۔ ملتان میں میری خاندانی حویلی ہے، وہاں میرے بھائی اور ماں ہیں۔ سونیا ان کے پاس رہے گی۔"

اگرچہ ندیم نے آخری گفتگو میں مجھے سونیا کو اپنی حفاظت میں لینے کو کہا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک خودنگار، باشعور اور تجربہ کار عورت تھی۔ اپنی زندگی کے بارے میں وہ خود بہتر طور پر فیصلہ کر سکتی تھی۔ وہ شکیل کو پسند کرنے لگی تھی، بہتر ہے میں اعتراض کرنے والا کون تھا۔ دوسرے میں خود بد قماش اور کسی کا احسان بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ میں بھی اب چاہ رہا تھا کہ سونیا اور شکیل اس معاملے سے دور رہیں تاکہ ہمارے دشمن ان کے لئے خطرہ نہ بنیں۔ میں اور شکیل بات کر رہے تھے۔ اچانک گیٹ کے باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ ہم دونوں جلدی سے دیوار کی آڑ میں ہو گئے۔ کسی نے بیرونی گیٹ کا تالا کھولا۔ گیٹ کے پٹ کھلے اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر اندر آئی۔ یہ ایک ہائی روف جیسی گاڑی تھی، گاڑی ہم سے چند قدم کے فاصلے پر رکی تھی۔ اگر گاڑی لیفٹ ہینڈ ڈرائیو ہوتی تو ڈرائیونگ سیٹ پر ہمیں دیکھ لیتا۔ وہ گاڑی کا انجن بند کر کے اترا۔ پتہ روش پر اس کے قدموں کی آواز بنتا رہی تھی۔ وہ مکان کے داخلی دروازے کی طرف جا رہا ہے۔ میں نے کونے سے جھانکا۔ وہ چابی سے تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تالا تو اس صورت میں کھلتا جب وہ لاک ہوتا۔ دو تین بار کوشش کے بعد اس نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھل گیا۔ پھر میں نے اس کی دہاڑ کی آواز سنی۔ "کون ہو تم لوگ، یہاں کیسے گھسے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ میں نے بتدریج اس کی کمر سے لگا دیا۔ "حرکت کرو سیدھے چلو۔"

وہ چاروں تاش کھیل رہے تھے اور اس میں اتنے مگن تھے کہ انہوں نے پہلے میں دستک دینے والی کار کی آواز تک نہیں سنی تھی۔ موٹا نے سکون کا سانس لیا۔ "شکر ہے ہیلتھ ساسے چیک کھیلنے کی آخری سرحد میں ہے۔"

"کک..... کون ہو تم؟"

"اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے ہم نے بوقت ضرورت تمہارے مکان میں داخلہ لیا ہے۔"

"اوہ تو یہ بدنصیب ہے۔" سفیر غرایا۔

موٹا ہنسا۔ "کیوں..... تم نے ملاقات سے پہلے اس کی کون سی خیانت دیکھ لی۔"

"کچھ نہیں۔" سفیر گڑبڑا گیا تھا ظاہر ہے خواتین کو ہم نے نیوز ادارے کے بارے میں بتایا نہیں تھا اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔" موٹا سفاک لہجے میں بولا۔

"کچھ بھی تو نہیں۔" سفیر نے مستقل سے انکار کر دیا۔

میں نے آنے والے کو مکمل کور ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ خواتین اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور میں نے اس سے انٹرویو کا آغاز کیا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"سراج..... سراج حشمت۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ وہ تقریباً پینتیس برس کا مضبوط اور متوسط جسامت کا شخص تھا۔

"تو مسٹر حشمت..... کیا یہ تمہاری مستقل رہائش گاہ ہے؟"

"ہاں..... میں کبھی کبھی بزنس کے سلسلے میں باہر جاتا ہوں۔"

"بزنس کیا ہے تمہارا؟" میں نے سوال کیا۔

"لڑکیاں۔" سفیر نے جواب دیا۔

اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ گویا سفیر کا اندازہ درست تھا۔ "کیا بکواس کرتے ہو لڑکیاں؟"

"یہ غلط ہے۔" اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

"تمہارے بیڈ روم کی الماری میں ایک البم ہے۔ اس میں سینکڑوں تصویریں ہیں۔ ان میں سے بیشتر تصویریں اس مکان میں لی گئی ہیں۔"

"وہ البم میری نہیں ہے۔ وہ اصل میں ایک ملازم کا کام کرتا ہے۔"

"وہ تم کیا کرتے ہو؟"

"میں بتا تا ہوں..... یہ لڑکیوں کے گاہک تلاش کرتا ہے تبھی اس کے پاس البم ہے..... اس کا بریف کیس دیکھو شاید اس میں بھی کچھ ہو۔"

اس نے حماقت کی تھی ہم نے بریف کیس تلاش کیا اور پھر کھول دیا۔ سفیر کا اندازہ بھی درست نکلا تھا۔ اس میں بھی بے شمار تصاویر البم تھیں۔ میں نے مشتعل ہو کر اس کے سر پر ہلکا سا ہتھوڑا چکرا گیا تھا۔

"آرام سے بولو۔ اس سے بھی بات کرتی ہے مار دیا تو معلومات کون دے گا۔" سفیر بولا۔ نہ اور میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے ہاتھ جوڑ کر رونا گڑگڑانا شروع کر دیا کہ اسے نہ مارا جائے۔

"کوئی نہیں مارے گا۔ ٹھیک ہے تم سب ٹھیک ٹھاک ہو۔ دوسری صورت میں ہم تمہاری تلاش مزید کے لئے یہاں چھوڑ جائیں گے۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"یہ لڑکیاں کہاں ہیں۔ جن کی تصاویر ہیں تمہارے پاس؟"

"کچے گھروں میں۔ جب میں گاہک سے معاملات طے کر لیتا ہوں تو یہ مقررہ وقت کے لئے اس کے پاس چلی جاتی ہیں۔"

"تم نے کہا اصل مکان یا ایک اور شخص کا ہے۔ وہ شخص کون ہے؟"

"جاوید شاہ۔ لاہور کا بہت بڑا بدمعاش ہے۔"

"جاوید شاہ۔" میں نے چونک کر تعجب سے کہا۔ "پہلی بار اس کا نام سن رہا ہوں۔ یہ کون ہے؟"

"آپ جاوید شاہ کو نہیں جانتے؟" اس نے بدستور تعجب سے کہا۔

"میں تمہارے باپ کو بھی نہیں جانتا۔ اور شاید تم خود بھی نہیں جانتے ہو۔ یہ کام نہیں کرتے۔"

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ "لڑکیاں کہاں ہیں؟ میں جاننا چاہتا ہوں اس وقت سے پہلے کہ آپ لوگ نہیں چھوڑ جائیں۔ یہ گھر والی لڑکیاں نہیں ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔" اس نے ہٹ دھرمی سے جواب دیا۔ "میرا کام صرف گاہکوں سے مل کر ان کو ایڈریس دکھانا اور آرڈر دیا جانے کے مطابق بندے شناختی کارڈ تک کھینچنا ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا شناختی کارڈ لڑکیاں کہاں رکھتا ہے یا کہاں سے لاتا ہے۔"

"سمجھا کرو یار! یہ سب چیزیں ضروری ہیں مگر ان کا رسک بڑھانے کے لئے یہ ذلیل لوگ انہیں شریف گھرانوں کی بچیوں کی تصاویر ظاہر کرتے ہیں۔" سفیر نے کہا۔ "اسے سچ مچ معلوم نہیں ہوگا کہ شناختی کارڈ اور لڑکیاں کہاں رکھتا ہے۔"

"سر میرا قصور نہیں ہے۔" سراج کی حالت بہتر کرنے کے لئے خراب ہوتی جا رہی تھی۔

"تمہارا قصور نہیں۔" میں نے بھی تسلی دینے کے انداز میں کہا اور اچانک اس کے سر پر ٹوکل کا دستہ رسید کیا۔ "یہ تمہارا گناہ ہے۔"

وہ پہلے ہی ٹکے کی ضرب سے چکرایا ہوا تھا۔ اس ضرب نے اسے نڈھال کر دیا۔ "اب اس کا کیا کرنا ہے؟" میں نے ٹوکل اور سفیر سے پوچھا۔

"کرنا کیا ہے۔ یہیں چھوڑ جائیں گے۔"

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "پہلے میرا ارادہ تھا جاتے ہوئے اس مکان کو آگ لگا جائیں گے لیکن اب میرا ارادہ ہے آگ لگا کر اسے بھی اندر داخل کر جانا ہے۔"

"نہیں یار! ہم اتنی سنگدلی نہیں کر سکتے۔" میں بولا۔

"انسانیت انسانوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ یہ شخص انسان ہے جو نہ جانے کتنی شریف اور بے گناہ لڑکیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو بے حیائی کی دلدل میں دھکیل چکا ہے جہاں نہ وہ جیتی ہیں اور نہ مرتی ہیں۔" سفیر کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"یہ تو ہے ..... پر یار! پھر بھی میرا دل نہیں مان رہا ..... کسی انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کو ختم کر دے۔"

"یہ انسان کہاں ہیں؟"

"تب بہتر ہے ٹو اسے گولی مار دے۔" میں نے پستول سفیر کی طرف بڑھا دیا۔

سفیر نے پستول لیا تو اس کے چہرے پر بشاشت نظر آنی لگی اور اس کا غصہ ٹھنڈا پڑنے لگا۔ کچھ دیر بعد مجھے واپس کر دیا۔ "ٹو ٹھیک کہہ رہا ہے یار! ہم کسی کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتے۔"

"اس سے ہم بعد میں نمٹ سکتے ہیں، سب سے پہلے ہمیں اپنے دشمنوں سے نمٹنا ہے۔"

"ٹو بھول رہا ہے۔ یہ شخص جامی شاہ کے لئے کام کرتا ہے، اس لحاظ سے ہمارا دشمن ہے۔"

"میری تجویز ہے جناب! ہم اسے ساتھ لے چلتے ہیں ..... اس سے اور بھی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔" شکیل نے تجویز پیش کی جو مجھے اچھی لگی۔ کسی بھی جنگ، لڑائی یا کشمکش کا بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ اپنے حریف کے بارے میں جتنا بہتر جانتے ہوں گے، اس پر اتنی آسانی سے حاوی ہو سکتے ہیں۔"

"مسئلہ یہاں سے نکلنے کا ہے۔" سفیر بولا۔ "کم سے کم مجھے یقین ہے دشمن جانتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں۔"

"اس کے باوجود ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے ..... ہمیں اس جگہ سے نکلنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

شکیل نے باہر جانے کے لئے دروازہ کھولا تو باہر تیز بارش کا منظر دکھائی دیا تھا۔ بارش غیر محسوس طور پر بہت تیز ہو گئی تھی اور ماحول دھواں دھار ہو رہا تھا۔ میں نے باہر جھانکا، چند گز میں فٹ کے فاصلے پر بھی منظر دھندلا گیا تھا۔ میں نے واپس آ کر سفیر سے کہا۔ "یہ موسم بہترین ہے، ہم اس سے نکل سکتے ہیں۔"

"مگر کوئی مسئلہ ہوا تو پھنس جائیں گے۔"

"پھنسے ہوئے تو اب بھی ہیں۔"

"کسے بے ہوشی کی حالت میں لے جانا مسئلہ ہوگا۔"

"ٹو اسے ہوش میں لا، جب تک میں خواتین کو تیار کرتا ہوں۔" میں نے کہتے ہوئے خواتین کے کمرے میں جھانکا۔ "لیڈیز اینڈ لیڈیز، چلنے کی تیاری کریں، ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہے۔"

"خدا خیر کرے، اب کیا ہوا ہے؟" مونا ڈر کر بولی۔

"نکلنے کا موقع ہے۔" میں نے بتایا۔ "باہر بارش ہو رہی ہے اور موسم بالکل بھی سہانا نہیں ہے بلکہ دھواں دھار ہے۔"

دس منٹ کے اندر ہم نے روانگی کا انتظام کر لیا۔ ایمن نے میرے لئے دوائیاں اور مرہم پٹی کا سامان بھی نکال لیا تھا، میں نے ٹوکا تو وہ بولی۔ "پتا نہیں، اب کہاں جانا پڑے ..... اس لئے میں نے یہ چیزیں رکھ لی ہیں۔"

باہر روف ویگن میں دو سیٹیں آگے تھیں، دو درمیان میں اور تین سب سے پیچھے ..... لڑکیاں پیچھے والے حصے میں چلی گئیں۔ شکیل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ میں درمیانی نشست پر آیا اور اس سے برابر والی نشست پر بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوش سراج کو ڈال دیا گیا تھا۔ ہائی روف میں اندر کی طرف پردے لگے تھے جن کو کھینچ دیا گیا تھا۔ شکیل نے ہائی روف اسٹارٹ کی۔ سفیر نے بھاگ کر دروازہ کھولا اور واپس گاڑی میں گھس گیا۔ راستہ ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم تھا۔ بس اتنا جانتے تھے کہ راوی کے ساتھ ساتھ چلتے رہے تو کہیں نہ کہیں سے دریا عبور کرنے کے لئے پل مل جائے گا۔ ذرا آگے نکلے تو ایک پختہ سڑک مل گئی۔ ہائی روف کا وائپر پوری رفتار سے چل رہا تھا لیکن ونڈ اسکرین ایک سیکنڈ میں دھندلا جاتی تھی۔ شکیل نے صرف اپنے سامنے والا وائپر چلایا تھا۔ دھندلاہٹ کی وجہ سے اس نے رفتار کم رکھی تھی۔ میں پردے سے باہر جھانک رہا تھا اور جہاں تک نظر جاتی تھی یعنی کوئی بیس پچیس فٹ، وہاں تک کوئی دشمن نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' مونا نے سوال کیا۔

''جہاں خدا لے جائے۔'' سفیر نے روایتی جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے ہمیں ابھی بھٹکنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔'' مونا ہنسی۔

سفیر کے پاس رائفل تھی، میرے اور شکیل کے پاس پستول تھے جبکہ ایک اضافی پستول سونیا کے پاس تھا۔ ہم کسی بھی ناگہانی سے نمٹنے کے لئے تیار تھے۔ یہ سڑک سنسان اور تاحدِ نگاہ یعنی وہی بیس پچیس فٹ تک ویران نظر آ رہی تھی۔ سونیا پیچھے دیکھ رہی تھی۔ ''میرا خیال ہے، پیچھے کوئی گاڑی آ رہی ہے۔''

میں نے مڑ کر دیکھا مگر بارش کی چادر کے عقب میں مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ بہرحال عقب میں کوئی تھا یا نہیں، اس سے فرق نہیں پڑتا تھا ہم جتنے چوکس ہو سکتے تھے اس سے کچھ زیادہ ہی تھے۔

''شکیل رفتار بڑھاؤ۔'' میں نے کہا۔

''جناب! اس بارش میں یہ خطرناک ہوگا۔'' وہ ہچکچایا۔

''رفتار تیز کرو لیکن ایک منٹ کے لئے اور اس کے بعد یک دم رفتار کم کر دینا لیکن بہت کم مت کرنا۔ بس اتنی کر لینا۔''

شکیل نے میری ہدایت پر عمل کیا، اس نے چند سیکنڈ کے لئے رفتار بڑھائی تھی اور پھر یک دم کم کر کے اسے نارمل پر لے آیا تھا۔ میں عقب میں دیکھ رہا تھا، رفتار کم ہوتے ہی ایک سیاہ کار منظر میں آئی تھی، اس کا ڈرائیور اپنی بڑھی رفتار پر جلدی قابو نہیں پا سکا تھا۔ اس لئے ہماری ہائی روف کے خاصے نزدیک آ گیا تھا، اس کے بعد اس نے بوکھلا کر بریک لگا دی تھی۔ ''ہوشیار..... ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔'' میں نے اعلان کیا۔

سفیر بھنا گیا تھا۔ ''اب اس سے زیادہ اور کیا ہوشیار ہوں۔''

شکیل نے رفتار تیز کر دی تھیں میں نے لڑکیوں سے کہا۔ ''آپ سر جھکا لیں، ممکن ہے وہ فائر کریں۔''

یہ سنتے ہی وہ تینوں سرنگوں ہو گئی تھیں۔ شکیل کے رفتار بڑھاتے ہی سیاہ کار تیزی سے نزدیک آنے لگی تھی۔ ہائی روف کی چھت پر سن روف تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''مجھے رائفل دو۔''

''تو کیا کرنے جا رہا ہے؟''

''بس دیکھتا رہ۔'' میں نے رائفل لے کر سن روف کھسکایا۔ یخ بستہ پانی کی بوچھاڑ اندر آئی تھی اس کی پروا کئے بغیر میں نے کھڑے ہو کر رائفل چھت سے ٹکائی۔ سیاہ کار کوئی تیس فٹ کے فاصلے پر تھی۔ سڑک ناہموار تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور رفتار بڑھانے سے ہائی روف اچھل رہی تھی۔ ویسے بھی یہ ذرا ڈس بیلنس قسم کی سواری ہوتی ہے۔ میں نے ذرا آگے جھک کر رائفل کو سیاہ کار کے پہیوں کی طرف مرکوز کیا بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ مرکوز کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہلکا برسٹ مارا لیکن نشانہ خطا گیا اور سیاہ کار کی رفتار پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ میرے لئے بہت آسان تھا میں ونڈ اسکرین پر فائر کرتا، اندر موجود افراد کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر میں انسان کی جان لینے سے حتی الامکان بچنا چاہتا تھا۔ دوسرے برسٹ نے کام دکھایا، کار کا ایک پہیہ برسٹ ہو گیا اور وہ لڑکھڑانے لگی تھی۔ میں اندر آیا اور سن روف بند کر دیا۔ ''اب نکل چلو۔''

''یہ واحد کار نہیں ہوگی۔'' سفیر نے خبردار کیا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کوئی اور راستے میں آیا تو دیکھ لیں گے۔''

شکیل نے رفتار اور تیز کر دی تھی اور تیز بارش میں ہائی روف پچاس کی رفتار سے جا رہی تھی، یہ خطرناک رفتار تھی۔ اب سڑک کے دائیں بائیں آبادی نظر آنے لگی تھی۔ دائیں طرف موڑ مڑ کر ہم ایک دوہری سڑک پر آئے اور میں نے محسوس کیا، ایک گاڑی ہمارے پیچھے آنے لگی۔ ''میرا خیال ہے، میں نے جان لیا ہے، یہ سڑک راوی کے پار جاتی ہے۔'' شکیل نے کہا۔ ''آگے ویرانہ آئے گا اور اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے دوسری طرف جانے کا۔''

''تمہارا مطلب ہے ہمیں ویرانے میں گھیرنے کی کوشش کی جائے گی؟'' میں نے کہا۔

''امکان تو یہی ہے۔''

عقب سے آنے والی گاڑی اب نزدیک آ رہی تھی۔ اگر یہ کوئی عام گاڑی تھی اور اس میں سوار افراد کا ہمارے دشمنوں سے کوئی تعلق نہیں تھا تو وہ اس رفتار سے کیوں آ رہے تھے، جس رفتار سے ہم جا رہے تھے۔ میرے اندر شک پختہ ہونے لگا۔ میں اس کے ساتھ بھی سیاہ کار والا سلوک کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک عقب سے شعلے چمکنے لگے۔

''فائرنگ..... جھک جاؤ۔'' میں چلایا۔ چند گولیاں ٹن کی آواز کے ساتھ ہائی روف کی باڈی میں لگی تھیں۔ شکیل ہائی روف کو لہرانے لگا۔ میں سن روف جو کھولنے کے لئے اٹھا تھا کہ عقبی شیشہ بکھر گیا۔ کوئی گولی اس پر بھی لگی تھی۔ اس بار دشمن نے پہل کر دی تھی۔ جیسے ہی ان کی طرف سے فائرنگ ذرا تھمی میں نے جھپٹ کر سن روف کھولا اور اوپر ہوتے ہوئے عقبی گاڑی کا نشانہ لے کر رائفل کا بچا کھچا میگزین خالی کر دیا۔ گولیاں کہاں گئیں اور کیسے لگیں یہ تو نہیں پتا چلا البتہ یہ جیپ طرز کی گاڑی بدستور ہمارے پیچھے لگی رہی تھی۔

''سفیر! دوسرا میگزین دے۔'' میں نے چلا کر کہا۔ سفیر نے مجھے میگزین دیا اور ہائی روف کی کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے گاڑی پر فائر کرنے لگا، اس کے پاس پستول تھا جو اتنا کارگر تو نہیں ہوتا لیکن کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا۔ میگزین تبدیل کر کے میں پھر سن روف سے نکلا۔ اس دوران میں عقبی گاڑی سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ وہ ذرا پیچھے چلی گئی تھی اور بارش میں بس ایک ہیولے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس ہیولے کا نشانہ لے کر وقفے وقفے سے برسٹ مارنا شروع کئے۔ ظاہر ہے اب میں صرف ٹائروں کا نشانہ نہیں لے رہا تھا۔ اب اگر گاڑی میں سوار افراد مارے جاتے تو مجھے پروا نہیں تھی۔ آخر وہ بھی تو ہم پر بے دریغ فائر کر رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک میں نے ہیولے کو لہراتے اور لڑکھڑاتے دیکھا اور پھر وہ سڑک سے اتر کر الٹ گئی۔ "وہ مارا!" میں نے دل میں کہا تھا اور اسی لمحے ہائی روف نے بھی لڑکھڑانا شروع کر دیا۔ شکیل چلایا۔ "ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔"

چند لمحے بعد ہائی روف بھی رک گئی تھی۔ شکیل نے مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے گاڑی کو الٹنے سے بچا لیا تھا۔ میں تیزی سے نیچے اترنے لگا تھا کہ میری نظر سراج پر پڑی۔ وہ اپنی نشست سے بندھا تھا اور بے ہوشی کے عالم میں جھول رہا تھا۔ میری نظر خون کے ان قطروں پر پڑی تھی جو اس کے سامنے لباس پر گر رہے تھے، اس کی ناک سے خون نکل رہا تھا۔ کسی گولی نے اس کی بائیں کنپٹی میں سوراخ کر دیا تھا اور وہ بے ہوشی کے عالم میں اس دار فانی سے رخصت ہو گیا تھا۔ "سراج مارا گیا ہے۔" میں نے اترتے ہوئے بتایا۔

بڑی گاڑی ہائی روف سے کوئی سو فٹ پیچھے رکی میں الٹی پڑی تھی اور میں نے محسوس کیا، اس میں سے کچھ افراد نکل رہے تھے۔ میں نے دھماکے کے لئے ان کی طرف فائر کیا تھا۔ وہ بھڑک کر جیپ کے پیچھے بھاگے اور پھر ان کی طرف سے بھی فائرنگ ہونے لگی۔ لڑکیاں، سفیر اور شکیل بھی افراتفری میں نیچے اتر آئے اور ہائی روف کی آڑ لے لی۔ دشمنوں کے پاس بھاری ہتھیار تھے۔ جب انہوں نے ایک ساتھ فائرنگ کی تو گولیوں کا مینہ برسنے لگا۔ ہم سب ہائی روف کے عقب میں دبکنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"ان کے پاس زیادہ اسلحہ ہے۔" سفیر بولا۔

"فکر مت کرو، جب تک ہمارے پاس ایک بھی گولی ہے، یہ پاس نہیں آ سکتے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"رائفل کا ڈیرھ میگزین ہے۔ تین عدد پستول اور ان کے دو دو میگزین ہیں..... یہ اسلحہ کب تک چلے گا؟" سفیر نے پوچھا۔

"احتیاط سے چلانا ہے۔" میں نے رائفل سنگل لوڈ پر کر کے ہائی روف کی آڑ سے دو تین فائر کئے۔ جواب میں دوسری طرف سے جیسے گولیوں کی بارش ہوئی تھی۔ ہائی روف کا دوسری طرف کا حصہ چھلنی ہو گیا تھا اور اس کے سارے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ مونا، ایمن اور سونیا ایک دوسرے سے چپٹی ہوئی وسط میں تھیں، ان کے ایک طرف میں اور سفیر تھے اور دوسری طرف شکیل تھا۔ وہ بھی وقفے وقفے سے فائر کر رہا تھا۔ ہمارے پاس اسلحہ محدود تھا اگر ہم اسی رفتار سے ان کو جواب دیتے رہتے تو جلد ہمارا اسلحہ خالی ہو جاتا اور وہ ہمیں آرام سے پکڑ لیتے۔ "شکیل احتیاط سے فائرنگ کرو۔"

"میں فائرنگ نہ کروں تو وہ اس طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"پھر بھی، اب صرف ضرورت کے تحت فائرنگ کرنا ورنہ ہمارے میگزین خالی ہو جائیں گے۔"

"شوبی، کچھ کرو یار!" سفیر فکر مند تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ یہ پورا علاقہ ویران اور سنسان تھا۔ ذرا آگے چند چھوٹی موٹی جھاڑیاں تھیں مگر وہ ہمیں پناہ نہیں دے سکتی تھیں۔ حالات خراب نظر آ رہے تھے۔ یہ بات طے تھی کہ ہم نے کسی بھی صورت میں خود کو اُن کے حوالے نہیں کرنا تھا۔ اس بات کا بہت زیادہ امکان تھا کہ وہ مرشد علی یا جامی شاہ کے آدمی تھے اور ہمارے ساتھ لڑکیاں تھیں۔ ان کا ان لوگوں کے قبضے میں جانا ناقابلِ برداشت تھا۔ میں نے سوچا کہ ہمیں پیچھے جانا چاہئے اور اس کے لئے ایک شخص کو رک کر ان لوگوں کو روکنا چاہئے تھا۔

"میں روکتا ہوں ان لوگوں کو۔" میں نے کہا۔ "تم لوگ پیچھے جاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں۔'' ایمن بے قراری سے بولی۔ ''تم بھی چلو۔''

''ان کو روکنے کے لئے کسی کا یہاں ہونا ضروری ہے۔'' میں نے اسے سمجھانا چاہا مگر اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

''اگر تم رکو گے تو میں بھی رکوں گی۔''

''اوہ بابا! یہ وقت بحث کا.....''

اچانک عقب سے کسی گاڑی کے تیز بریک لگانے کی آواز آئی، میں جملہ ادھورا چھوڑ کر تیزی سے گھوما تھا۔ میرا خیال تھا دشمن عقب سے بھی آ گیا تھا۔ میں نے رائفل بلند کی تھی کہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ناصر چلایا۔

''اوہ بھائی! یہ میں ہوں، دیکھ کر فائرنگ کرنا۔''

ناصر ایک پرانے ماڈل کی اسٹیشن ویگن میں تھا۔ ''جلدی آؤ!'' اس نے سلائیڈنگ ڈور کھول دیا تھا۔ میں نے ایمن کو اس طرف دھکیلا۔ ''جاؤ..... اندر جاؤ۔''

''ایمن، مونا اور سونیا پہلے اندر گھس گئیں۔ پھر میں اور سفیر گئے۔ آخر میں شکیل کچھ گولیاں چلا کر اندر آ گیا۔ میں ناصر کے برابر میں بیٹھا تھا۔ اس نے گیئر بدلا اور پوری طرح اسٹیئرنگ کاٹا۔ وین مڑی اور تیزی سے آگے بھاگی۔ عقب سے فائرنگ کا شور گونجا تو ہم سب بے ساختہ جھک گئے تھے مگر خیریت رہی نہ تو وین کا کوئی ٹائر برسٹ ہوا اور نہ ہی کوئی شیشہ بکھرا۔ ناصر نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''سر نیچے رکھنا۔''

کوئی ایک منٹ تک فائرنگ کی آوازیں آتی رہیں پھر ناصر نے ان لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ میں نے سر اوپر کرتے ہوئے سکون کا سانس لیا تھا۔

''تم کہاں سے آن ٹپکے عین موقع پر۔''

''ابھی بتانے کا موقع نہیں۔'' ناصر نے اسٹیشن ویگن کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ممکن ہے کوئی ہمارے پیچھے آ رہا ہو۔''

''اور کوئی نہیں ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''ہاں، آگے کوئی اور انتظار کر رہا ہو تو الگ بات ہے۔''

اسٹیشن ویگن اپنے طاقتور انجن اور چوڑے ریڈیل ٹائروں کی وجہ سے بہترین روڈ گرپ کر رہی تھی ورنہ اس رفتار پر عام گاڑیاں پھسلنے لگتی ہیں۔ کوئی پندرہ منٹ بعد اس نے ویگن لاہور کی کسی پرانی آبادی میں ایک عمارت کے سامنے روک دی۔ عمارت مین روڈ پر تھی ورنہ اندر کی گلیاں آغاز سے اتنی تنگ تھیں کہ ان میں مختصر ترین کار بھی نہیں جا سکتی تھی۔ ناصر خود نہیں اترا تھا، اس نے ہم سے کہا۔ ''آپ اتر کر دوسری منزل پر چلے جائیں۔ یہ چار نمبر فلیٹ کی چابی ہے۔'' اس نے چابی مجھے تھمائی۔ ''چار نمبر دائیں طرف والا ہے۔ غلطی سے بائیں طرف کا دروازہ مت بجا دینا۔''

''اس طرف کیا ہے؟'' میں نے اترتے ہوئے پوچھا۔

''ایک بے حد خطرناک بڑھیا!'' ناصر نے جواب دیا اور ویگن آگے بڑھا دی۔

ہم سب بارش سے بچتے ہوئے جلدی سے عمارت میں گھس گئے، سامنے سیڑھیاں تھیں۔ ہم دوسری منزل پر آئے اور سب بے حد احتیاط سے دائیں دروازے کی طرف آ گئے لیکن جیسے ہی میں نے تالے میں چابی ڈالی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بائیں طرف کا دروازہ کھلا اور ایک بے حد خرانٹ نظر آنیوالی بڑی بی نے سر باہر نکالا اور ہمیں بے حد مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''کون ہو تم اور اس مردوئے صحافی کے فلیٹ کے سامنے کیوں کھڑے ہو؟''

''ہم اس کے مہمان ہیں۔'' میں نے دروازہ کھولا۔

''مہمان ہو..... یا چور..... وہ گھر پر نہیں ہے اور تم گھسے جا رہے ہو۔''

''وہ بی بی سی آف محلہ قسم کی کوئی چیز تھی اور میں جانتا تھا اس نے بجنا شروع کیا تو ساری بلڈنگ کو جمع کر کے دم لے گی۔ گربہ کشتن روز اوّل کے مصداق میں نے پستول نکال کر لہرایا۔ ''ہم چور نہیں، پیشہ ور قاتل ہیں اور اس صحافی کی دُم سے ذرا حساب کتاب کرنے آئے ہیں۔ کسی نے درمیان میں بلاوجہ کی مداخلت کی تو اپنی فوتگی کا خود ذمے دار ہوگا۔''

بڑی بی فوراً سے پیشتر غائب ہو گئی تھی، ہم ناصر کے فلیٹ میں آئے۔ یہ ایسا ہی فلیٹ تھا جیسا کہ ایک چھڑے چھانٹ صحافی کا ہونا چاہئے۔ ایک ایک شے زبانِ حال سے کہہ رہی تھی کہ میرے مالک کا سلیقے اور قرینے سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ سفیر بڑی بی سے متعلق فکر مند تھا۔ ''یار، وہ پولیس کو نہ اطلاع کر دے۔''

''فکر نہ کر یار! ایسے لوگ دوسروں کو تنگ کرتے ہیں خود تنگ ہونے والا کام نہیں کرتے ہیں۔''

''ہم کہاں بیٹھیں۔'' ایمن نے منمنا کر کہا۔

''جہاں دل چاہے..... اسے اپنا ہی فلیٹ سمجھیں۔'' سفیر فراخ دلی سے بولا۔

''معاف کرنا، کوئی عورت چاہے وہ کتنی ہی پھوہڑ کیوں نہ ہو اس کا گھر اتنا گندا نہیں ہو سکتا۔'' مونا بولی۔

''آپ خواتین تنقید کرنے کے بجائے کوئی ڈھنگ کا کام کریں۔'' سفیر نے مشورہ دیا۔

''مثلاً اس کیاڑ خانے میں کچن اور اس میں چائے کافی کے لوازمات کی تلاش!'' میں نے تجویز پیش کی۔

''سوری! جب کمروں کا یہ حال ہے تو کچن کا سوچ کر ہی مجھے الٹی آ رہی ہے۔'' مونا نے صاف انکار کر دیا۔ سونیا کچھ چپ اور نڈھال سی تھی۔ ایمن نے بستر پر پھیلے کپڑے ایک طرف کئے اور بیٹھنے کی جگہ بنا لی۔ میں اور سفیر بے تکلفی سے گرد آلود قالین پر دراز ہو گئے۔ میرے شانے کا زخم ہلکا سا دکھ رہا تھا۔ بھاگ دوڑ میں اور خاص طور سے رائفل چلاتے ہوئے اس پر زور پڑا تھا۔ ایمن نے مجھے دوائیاں دیں۔ پانی کے لئے اسے کچن جانا ہی پڑا تھا۔ واپس آ کر اس نے اطلاع دی۔ ''کچن تو صاف ستھرا ہے لیکن مجھے چائے کافی کا سامان نظر نہیں آیا۔''

''کوئی بات نہیں۔ ناصر آئے گا تو اس سے پوچھ لیں گے۔''

''یہ گیا کہاں ہے اور کیا تجھے اس پر اعتبار ہے؟'' سفیر بولا۔

میں نے ان کو راجا ناصر کے بارے میں بتایا۔ ''میں تو سے فی صد یقین سے اس پر اعتماد کرتا ہوں۔''

''یعنی دس فی صد شک ہے۔'' مونا ہنسی۔

''دس فی صد شک نہیں لاابالی پن ہے جیسے یہ راجا عمر دراز کی کوٹھی سے بھاگ گیا تھا لیکن دیکھ لو، جب اس کی ضرورت پڑی تو کیسے جن کی طرح نمودار ہوا۔''

''اسے کیا الہام تھا کہ ہم اس راستے سے آنے والے ہیں۔'' مونا کے لہجے میں شک تھا۔

''یہ بھی وہی بتائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہیں نہ ہو وہ دشمنوں کو لے....." مونا کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا اور ناصر اندر آیا۔

"میرے بارے میں بات ہو رہی تھی۔" وہ ہم سب کو خاموش دیکھ کر تاڑ گیا تھا۔

"ہاں، یہ بتاؤ کہ تم وہاں کیسے پہنچے؟"

"یار، میرے بھی ذرائع ہیں۔" ناصر نے ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ اسے ایک طرف رکھ کر وہ ہمارے پاس بیٹھ گیا۔

"بدقسمتی سے میں جامی شاہ کے اڈے تک بروقت نہیں پہنچ سکا تھا۔ موٹر سائیکل راستے میں مسئلہ کر گئی تھی اور جب میں وہاں پہنچا تو تم لوگ جا چکے تھے اور جب تم راجا عمر دراز کی کوٹھی تک نہیں پہنچے تو میں نے پولیس میں اپنی سورس استعمال کی۔ راوی کے ساتھ کچی آبادی میں فائرنگ اور دھماکوں کی اطلاع سے میں جان گیا تھا کہ تم کہاں ہو؟ میں نے اس دیگن کا بندوبست کیا اور اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے تم لوگوں کو لازماً گزرنا تھا اگر ماڈل ٹاؤن کی طرف جانا تھا۔ بارش کی وجہ سے مجھے پریشانی ہوئی تھی مگر فائرنگ کی آواز نے مجھے بتا دیا کہ تم کہاں ہو؟

"اگر تم ایک آدھ منٹ اور دیر کرتے تو ہم وہاں سے نکل جاتے۔" میں نے اسے بتایا۔

ناصر نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس طرف چاروں سمتوں میں کھلا علاقہ ہے۔ تم لوگوں کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

"اس بحث کو چھوڑو۔ یہ بتاؤ، کوئی چائے کافی ہے؟"

"میں دیگن چھوڑنے اور اس کا سامان لینے گیا تھا۔"

ناصر نے تھیلا دکھایا۔ "میں گھر کا ایک ہی کام سلیقے سے کر سکتا ہوں اور وہ ہے کافی بنانا۔"

"سوال یہ ہے کہ تم ہمیں یہاں کیوں لائے ہو؟" میں اس کے ساتھ کچن تک آیا۔

"تو پھر کہاں لے جاتا؟"

"راجا عمر دراز کے پاس۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اول تو مجھے یقین نہیں تھا کہ ہم وہاں تک پہنچیں گے۔ جامی شاہ کو معمولی سا بدمعاش مت سمجھو، دوسرے دیگن میں مسئلہ تھا۔ اس کا انجن سیز ہونے کا خطرہ تھا اور پھر دشمنوں نے لازمی طور پر اسے دیکھ لیا اور اس کی اطلاع آگے پہنچا دی ہوگی۔"

"اور اگر کوئی پیچھا کر رہا ہوتا تو؟"

"تب بھی اس یتیم خانے تک نہیں آ سکے گا۔" ناصر نے آرام سے کہا۔

"یہ تمہاری پڑوسن کیا چیز ہے بلاوجہ ہمارے گلے پڑ گئی تھی۔ بمشکل جان چھوڑی جب میں نے بتایا کہ ہم پیشہ ور قاتل ہیں اور تمہیں قتل کرنے آئے ہیں۔"

ناصر ہنسا۔ "تبھی بڑھیا مجھے اندر آنے سے اشاروں میں روک رہی تھی۔"

"میرا خیال ہے وہ اپنی تمام حسیں تیرے فلیٹ کی طرف لگا کر بیٹھی ہوگی۔"

ناصر نے کافی کی تیاری شروع کی۔ "اسے مارو گولی، یہ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا گزری اور یہ پارٹی کہاں سے ملی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جامی شاہ کے ڈیرے سے۔" میں نے کہا اور اسے مختصر الفاظ میں گزشتہ دو دن کے واقعات سنائے۔ فرمان اور صفدر کے مارے جانے کا سن کر اسے افسوس ہوا تھا۔

"آج کل ایسے جاں نثار کہاں ملتے ہیں۔ عبداللہ بھی اسپتال میں..... قسمت تھی جو جان بچ گئی۔"

"تم ہمارے کیس پر گہری نظر رکھے ہوئے ہو، تمہارا کیا خیال ہے جامی شاہ کو ہمارے خلاف کس نے ہائر کیا ہے؟"

"مرشد علی اگرچہ اونچی پارٹی ہے لیکن جہاں تک دولت، طاقت اور سیاسی اثر و رسوخ کا تعلق ہے جامی شاہ مرشد علی سے کم نہیں ہے۔ مجھے شبہ ہے یہ کام ڈیوڈ شا کا ہے۔ ان دنوں وہ بھی لاہور میں ہے۔ برطانیہ کے کونسلر کا ذاتی مہمان بنا ہوا ہے۔"

"لو!" میں حیران ہوا تھا۔ "اس کا مطلب ہے وہ ہمارے پیچھے ہے؟"

"اگر راجا عمر دراز کے پیچھے کہا جائے تو درست ہوگا۔" ناصر نے کافی مگوں میں ڈالی اور ٹرے اٹھا کر کمرے میں آ گیا۔ اس نے ٹرے وسط میں رکھی۔ "چینی اور کریم کے معاملے میں سب اپنی مدد کریں۔"

کافی نوشی کے دوران میں نے ناصر کو سراج حشمت، اس کے کاروبار اور جامی شاہ سے اس کے تعلق کے بارے میں بتایا۔ شاہ نواز کا نام سن کر اس نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، ادھر قصور روڈ پر اس کا بہت بڑا فارم ہاؤس ہے، لڑکیوں اور بھارت سے اسمگل کی جانے والی شراب کا دھندہ کرتا ہے۔"

"میرا خیال ہے سراج نامی یہ شخص شاہ نواز کا ایجنٹ ہے۔"

"ممکن ہے۔ تم نے جس مکان میں پناہ لی تھی، وہ سراج کا ہو؟"

میں چونکا۔ "مجھے ابھی خیال آ رہا ہے، سراج نے بھی کہا کہ مکان اس کا ہے لیکن تم یہ لباس دیکھ رہے ہو، میرے جسم پر، میں نے اس کی الماری سے حاصل کیا تھا اور سراج عام جسامت کا شخص ہے۔"

"اس کا مطلب ہے اس نے جھوٹ بولا تھا۔" ناصر نے غور کیا۔ "مکان نمبر کیا ہے؟"

"مجھے یاد ہے۔" شکیل بولا۔ "اس کے مین گیٹ پر لکھا تھا، اس نے پتا بتایا جو ناصر نے نوٹ کیا اور کسی کو کال کرنے لگا۔ اس نے بات کر کے یہ پتا نوٹ کروایا اور مکان کے مالک کا نام بتانے کو کہا۔ ناصر کے فلیٹ میں ایک پرانا طرز کا کوائلوں والا الیکٹرک ہیٹر تھا۔ ایکن نے وہ لگا لیا تھا اور اب سب باری باری اس پر ہاتھ سینک رہے تھے۔ سفیر کچھ زیادہ ہی قریب چلا گیا تھا۔ اچانک وہ اچھلا اور پیچھے آیا۔

"یہ تو کرنٹ مارتا ہے۔"

ناصر نے دانت نکالے۔ "میں بتانا بھول گیا تھا۔"

سفیر نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ "مسٹر ناصر! یہ بتاؤ کہ تمہیں ہم سے کیا ہمدردی ہے جو اس طرح ہمارے لئے خود کو خطرے میں ڈال رہے ہو؟"

"کوئی نہیں..... برائے معاملات میں ٹانگ اڑانا اور تڑوانا اس درویش کی ہابی ہے۔"

"اس بار معاملہ ٹانگ ٹوٹنے تک محدود نہیں رہے گا۔" میں نے ملامتی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''گردن ہی سہی!'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''لیکن اگر تم شک کر رہے ہو تو یہ بھی بتاؤ کہ میں یوں یہ سب کر رہا ہوں۔''

''سکہ رائج الوقت کے لئے، تم ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہو۔'' سفیر سپاٹ لہجے میں بولا۔

''اس کی میں نے کبھی پروا نہیں کی، دوسرے مجھے اس صورت میں مسکراتے کے ساتھ واپس آنا چاہئے تھا۔''

''اس میں اس کی کوئی چال ہو سکتی ہے جو تمہارے پیچھے ہے۔ تم کہہ چکے ہو یہ ڈیوڈ شا کا کھیل ہے۔''

''میں نے جو بھی کیا ہے خلوص نیت سے کیا ہے اور اب تک میری ذات سے تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔'' ناصر کسی قدر خفا لہجے میں بولا۔ ''تم لوگوں تک پہنچنے میں شہباز کی مدد میں نے کی تھی۔''

''یہ بھی چال ہو سکتی ہے خاص طور سے اس صورت میں جبکہ شہباز اتنی حفاظت والی جگہ سے ہم کو آرام سے اور بغیر کسی نقصان کے نکال لایا۔''

''بس بھی کرو۔'' سونیا نے مداخلت کی تھی۔ ''تم بلاوجہ ایک شخص کے پیچھے پڑے ہو۔ عادل نے اس کے بارے میں انکوائری کروائی ہے، یہ شخص صاف ہے۔''

سفیر نے بے ساختہ کہا۔ ''کیا عادل کی کسی بات پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟''

''سفیر بس کرو یار!'' میں نے سونیا کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ ''کیا ہو گیا ہے تجھے؟''

''سفیر نے سر جھٹکا۔ ''پتا نہیں یار، لیکن یہ سب مجھے ہضم نہیں ہو رہا ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو ہم ابھی چلتے ہیں، آئندہ راجا ناصر یا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، نہ کسی سے مدد مانگیں گے اور اپنی جنگ خود لڑیں گے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا یار!'' وہ شرمندہ نظر آنے لگا۔ ''شاید حالات نے مجھے شکی کر دیا ہے۔''

ناصر نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''یہ درست کہہ رہا ہے۔ شہباز ملک! سب تمہاری طرح مضبوط اعصاب کے نہیں ہوتے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''شاید ایسا نہیں ہے ورنہ میں سفیر کی بات پر یوں جذباتی نہ ہوتا۔''

کمرے میں ناگواری خاموشی چھا گئی تھی۔ اچانک ناصر نے قہقہہ مارا اور پھر سفیر کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''تُو بڑا ہی شکی ہے، آخر ہے نا بیوروکریٹ!''

''ٹیکنوکریٹ!'' سفیر نے تصحیح کی۔ ''اور بیٹے تُو کون سا کم ہے۔ شک کرنا تو سمانی کی گھٹی میں ہوتا ہے۔''

''دریں چہ شک!'' ناصر بولا۔

''ویگن کس کی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''ادھر ذرا آگے ایک پراپرٹی ایجنٹ ہے۔ اس کا اشتہار مفت میں اخبارات میں لگوا دیتا ہوں۔ بدلے میں کبھی کبھی وہ اپنی یہ کھٹارا وین مجھے استعمال کے لئے دے دیتا ہے۔''

''آج اس ویگن نے ہمیں وہاں سے نکال لیا۔'' میں نے کہا۔ ''مبارک گاڑی ہے۔''

ناصر ہنسا۔ ''ادھر ایک پیر گڈی شاہ ہے۔ پہلے مکینک تھا پھر تارک دنیا ہو گیا۔ مطلب چرس اتنی زیادہ پینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا کہ رعشے کے سبب ایک نٹ بھی درست طریقے سے نہیں لگا سکتا تھا لہٰذا اس نے گیراج کی جگہ یہ دھندا شروع کر دیا۔ نام کچھ اور ہے لیکن گڈی پیر یا پیر گڈی شاہ کے نام سے معروف ہے۔ خاص طور سے ٹرانسپورٹ کا کام کرنے والوں میں اس کے کئی مرید ہیں جو اس سے تعویذ لے کر گاڑیوں پر لٹکاتے ہیں۔"

"تاکہ گاڑی حادثات اور آفات بشمول پولیس والوں کے محفوظ رہے۔" سفیر نے لقمہ دیا۔

"اگر دشمن نے نمبر نوٹ کر لیا ہو تو.....؟"

"اوّل تو اتنی بارش میں نمبر نوٹ کرنا ممکن نہیں تھا اور اگر کر بھی لیتا تو بیکار تھا۔ کیونکہ روانگی سے پہلے میں نے جعلی نمبر پلیٹیں لگائی تھیں، ایک کباڑی سے دس روپے میں لی تھیں، بعض اوقات کسی خفیہ مشن پر جانا پڑتا ہے تو بہت کام آتی ہیں۔"

میں نے محسوس کیا، شکیل کچھ بے چین تھا۔ اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ پاتے ہی ذرا جھک کر سرگوشی میں کہا۔ "شہباز صاحب، یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر دشمن نے دھاوا بولا تو ہم چوہوں کی طرح پھنس جائیں گے۔"

ناصر نے سن لیا تھا، وہ بولا۔ "یار، تم نے ابھی پورے فلیٹ کا معائنہ نہیں کیا، آؤ دکھاتا ہوں۔"

وہ ہمیں عقبی حصے میں ایک کھڑکی تک لایا۔ اس نے کھڑکی کھولی تو سامنے ایک مکان کی چھت تھی اور بیچ میں دو فٹ کا خلا تھا۔ بس ایک قدم رکھا اور دوسرے کی چھت پر ہوتے، اس جگہ سے فرار میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ آگے گلیوں میں نکل جاؤ تو ایک بٹالین فوج بھی تلاش نہیں کر سکتی..... نازک موقع پر میں خود دو دفعہ اس جگہ سے فرار ہوا ہوں۔"

"اس مکان میں کون رہتا ہے؟"

"کوئی نہیں۔ یہ ایک ہاسٹل ہے، الگ الگ کمرے لوگوں کو کرائے پر دیئے ہوئے ہیں۔" ناصر نے کھڑکی بند کر دی۔

میں واپس آیا تو میں نے سونیا کو نڈھال سا بستر کر کے سرہانے ٹیک لگائے دیکھا۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

"پتا نہیں شوبی بھائی! سر میں درد ہے اور ماتھا گرم محسوس ہو رہا ہے۔"

میں نے اس کا ماتھا دیکھا۔ وہ واقعی خاصا گرم ہو رہا تھا اور اس کی نبض بھی تیز چل رہی تھی۔ کئی بار بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اس پر سردی کا اثر ہوا تھا۔ ناصر نے کہا۔ "میرے پاس اسپرین ہے۔" اس نے پتا لا کر دیا۔ میں نے سونیا کو چار عدد گولیاں کھلا دیں اور اسے کمبل اوڑھا دیا۔ شکیل پریشان تھا اس نے ناصر سے کہا۔

"ادھر کوئی ڈاکٹر ملے گا؟"

"ہاں ادھر پاس ہی ہوتا ہے، کہو تو میں اسے لے آؤں؟"

"بالکل، لیکن وہ برات کی خبر تو نشر نہیں کر دے گا۔"

"اس کے سامنے آنے کے لئے ایک شخص کافی ہے بلکہ ضروری ہے ورنہ اس نے میرے فلیٹ میں کسی خاتون کو اکیلا پایا تو میں کل تک اس علاقے میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہوں گا۔"

"شکیل سامنے آئے گا، تم ان دونوں کو میاں بیوی بتانا جو دوسرے شہر سے آئے گا اور بارش کی وجہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاتون بیمار پڑ گئی۔"

"او کے، میں ابھی لایا۔ تم سب اندر والے کمرے میں چلے جانا، جب میں دستک دوں۔"

سونیا کا چہرہ ذرا سی دیر میں اچھا خاصا سرخ ہو گیا تھا۔ مجھے آثار اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ شاید اس پر نمونیہ کا حملہ ہوا تھا۔ ناصر پندرہ منٹ بعد لوٹا تھا۔ دستک سنتے ہی ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ نشست گاہ تھی اور اس میں سوائے ایک بدرنگ قالین کے کچھ نہیں تھا۔ میرے کان دوسرے کمرے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے کھرکھراتی آواز میں بات کر رہا تھا۔ "مریض کون ہے، تم.....؟" غالباً اس نے شکیل سے پوچھا۔

"نہیں..... یہ میری بیوی ہے۔" ڈاکٹر باتوں سے جھکی لگ رہا تھا۔

"یار، تم مریضہ کو دیکھو۔" ناصر نے کہا۔

ڈاکٹر نے سونیا کا معائنہ کیا اور کوئی پانچ منٹ بعد اس نے کہا۔ "نمونیہ کا حملہ ہے لیکن خطرے کی بات نہیں ہے۔ میں دوا دے دیتا ہوں۔ باقاعدگی سے کھائے اور آرام کرے گی تو جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔ ارے یہ کیا..... اس نے گیلے کپڑے پہنے ہیں..... تم اسے مارنا چاہتے ہو؟"

"کپڑے بارش میں بھیگے ہیں۔" شکیل بولا۔

"تو بدلو بابا! اسے دودھ گرم کر کے دو۔ چوزے کی یخنی پلاؤ، ثقیل غذا مت دینا۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد ہم اس کمرے میں آئے۔ ایمن نے صورتِ حال پوچھی اس نے ناصر سے کہا۔

"تمہارے پاس خشک کپڑے ہیں؟"

"چھوڑو....." مونا بولی۔ "اسے دوسرے کمرے میں لے جاتے ہیں، ہم دیکھ لیں گے۔"

ایمن سمجھ گئی۔ اس نے ناصر سے استری کا پوچھا، ناصر نے اسے استری لا دی اور وہ سونیا کو دوسرے کمرے میں لے گئیں۔ غالباً وہ اس کا لباس اتار کر اسے کمبل اوڑھا دیتیں اور پھر اس کے کپڑے استری سے سکھا لیتیں۔ ناصر اس کے لئے دودھ لینے چلا گیا۔ دکان نیچے تھی، اس نے دودھ گرم کر کے مونا کو دیا۔

"شہباز صاحب، سونیا کو علاج اور آرام کی ضرورت ہے۔" شکیل بولا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ناصر نے اس کی تائید کی۔ "اسے راجا کے بنگلے پر لے جانا ہو گا۔"

"اپنا موبائل دینا۔" میں نے راجا ناصر سے کہا، اس نے موبائل دیا۔ میں نے بیگ کا نمبر ملایا۔

"شہباز صاحب، کہاں ہیں آپ؟" اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ "راجا صاحب آپ کے لئے پریشان ہیں۔"

"بیگ صاحب، ہم بڑے مشکل مراحل سے گزر کر ایک محفوظ مقام پر پہنچے ہیں۔ میرے ساتھ وسیم کی بہن ہے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ یہاں گاڑی بھیج سکتے ہیں۔"

"میرے آدمی وین سمیت ابھی اس کچی آبادی کے پاس ہیں، آپ پتا سمجھائیں، میں ان کو بھیجتا ہوں۔"

"پتا آپ کو ناصر سمجھائے گا، ہم اس کے پاس ہیں۔"

"یہ کون ہے؟"

"میں آ کر بتاؤں گا، اس سے بات کریں۔" میں نے فون ناصر کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے بیگ کو اپنا پتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھایا۔

''اس کے آدمی آرہے ہیں۔'' ناصر نے فون کر کے مجھے بتایا۔ ''وہ پندرہ منٹ میں اس جگہ آجائیں گے۔ ان کو لانے کے لئے مجھے جانا ہوگا۔''

میں نے لڑکیوں کے کمرے کا دروازہ بجایا۔ اندر سے مونا نے کہا۔ ''کیا بات ہے؟''

''مونا..... سونیا کو تیار کرو، ہم ہیں پچیس منٹ میں یہاں سے نکل رہے ہیں۔''

''اب کیا مصیبت آگئی۔''

''بیگ کے آدمی لینے آرہے ہیں۔ سونیا کو پراپر علاج کی ضرورت ہے اور وہاں زیادہ بہتر علاج ہو سکے گا۔'' میں نے کہا۔ ''بس اب دیر مت کرنا۔''

ناصر دس منٹ بعد نیچے چلا گیا تھا۔ اس وقت شام کے چار بج رہے تھے اور باہر اندھیرا ہونے لگا تھا۔ بارش رک گئی اور اس کے بعد چلنے والی فراٹے دار ہوا سے سردی کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہمارے کپڑے خاصی حد تک سوکھ گئے تھے۔ اس کے باوجود ان میں ہلکی سی نمی بھی جسم کو کاٹ رہی تھی۔ بلکہ سفیر نے اپنی جیکٹ اتار کر سکھائی تھی اور اس کے بعد چھینکنا شروع کر دیا تھا۔ دس منٹ بعد ناصر لوٹ آیا۔ ''وہ نیچے آ گئے ہیں۔ میں نے تصدیق کر لی ہے، وہ بیگ کے آدمی ہیں۔''

میں نے پھر لڑکیوں کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ ''آجاؤ بھئی، نیچے گاڑی آگئی ہے۔''

''بس پانچ منٹ اور.....'' اندر سے مونا چلائی۔

''اب پانچ منٹ کس خوشی میں؟'' میں بھنا گیا تھا۔ ''اتنی دیر میں تو چار جوڑے استری سے خشک کئے جا سکتے ہیں۔''

''سمجھا کریار!'' سفیر نے چھینک کر مار کر کہا۔ ''وہ اتنے ہی جوڑے سکھا رہی ہیں۔''

''یعنی سونیا کے ساتھ اپنے بھی۔''

''اور کیا، کچھ دیر انتظار کر لے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ خواتین کو مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ اندر سے برآمد ہوئیں۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ انہوں نے سکون سے تیاری کی ہے۔ سونیا کی طبیعت انجکشن لینے گرم دودھ پینے کے بعد سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ پہلے میں اور سفیر نیچے آئے۔ سیاہ رنگ کی وین بلڈنگ کے عین سامنے رکی تھی۔ اس کا وسطی سلائیڈنگ ڈور کھلا تھا۔ سونیا کو ایمن اور مونا سہارا دے کر نیچے لائیں۔ ان کو درمیانی سیٹوں پر جگہ ملی۔ میں شکیل اور سفیر پچھلے حصے میں آئے۔ یہ سارا حصہ مکمل طور پر بند تھا اور اس میں باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ جبکہ اگلے حصے میں دو افراد تھے۔ ایک ڈرائیور اور دوسرا اس کا ساتھی، دونوں مسلح تھے۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔

''اس ڈبے میں بند ہونے کے بعد ہمیں باہر کے حالات کا کیسے پتا چلے گا؟''۔

''آپ فکر نہ کریں، ہم آپ کو بحفاظت پہنچا دیں گے۔'' اس نے کہا۔

ہمارے بیٹھتے ہی وین روانہ ہو گئی تھی۔ ناصر باہر رہ گیا تھا۔ میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا مگر اس نے ہاتھ ہلایا اور اپنے فلیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ بڑا عجیب سا کردار تھا۔ جب موت ہمارے آس پاس منڈلا رہی تھی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ جان پر کھیل کر وہاں آیا اور اس نے ہمیں نکال لیا اور اب اتنی بے پروائی سے ہمیں رخصت کر دیا تھا، شکریے کا موقع تک نہیں دیا۔ ''اچھا آدمی ہے یہ شخص!'' سفیر نے میرے خیالات کو زبان دی۔

''اور کام کا بھی۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''خدا کا یہ احسان ہے، جب ہم کسی مشکل میں ہوتے ہیں، وہ کسی نہ کسی کو ہماری مدد کے لئے بھیج دیتا ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ سونیا اپنی نشست پر سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ مونا اس کے برابر والی نشست پر تھی اور ایمن اس سے آگے۔ اس نے مڑ کہا۔ ''تم لوگ ناصر کے بارے میں بات کر رہے ہو نا؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ اچھا اور مخلص آدمی ہے۔ وہ آئندہ بھی تمہارے کام آئے گا۔''

''امید ہے ہمارا اچھا ساتھی ثابت ہوگا۔'' میں نے کہا۔

وین بارش زدہ سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کہاں سے گزر رہے تھے کیونکہ وین کا یہ حصہ چاروں طرف سے بند تھا۔ البتہ یہ حصہ ائر کنڈیشنڈ تھا اور اس وقت ہیٹر آن تھا اس لئے اندر خوشگوار حدت تھی۔ کوئی نصف گھنٹے بعد وین چند لمحے کے لئے رکی اور پھر کچھ دور چلنے کے بعد رک گئی۔ شاید ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے۔ مگر وین کا دروازہ نہیں کھلا تھا۔ کچھ دیر بعد وین دوبارہ اسٹارٹ ہوئی اور تھوڑا سا چل کر رک گئی۔ اس بار دروازہ کھلا اور ڈرائیور کی صورت نظر آئی۔ ''آیئے سر! اندر تشریف لے چلیں۔'' اس نے ادب سے کہا۔

وین ایک کور ڈ پورچ میں کھڑی تھی۔ ڈرائیور اور مسلح محافظ کے ساتھ ایک طویل قامت اور دبلا سا شخص شلوار قمیص اور بغیر آستین کے سویٹر میں تھا۔ اس نے آگے آ کر کہا۔ ''آپ میں سے شہباز صاحب کون ہیں؟''

''میں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''خوش آمدید سر! یہاں میں آپ کا خادم ہوں، میرا نام رشید ہے۔''

''ٹھیک ہے تو بھائی رشید! یہ کون سی جگہ ہے؟''

''یہ جی ایک کوٹھی ہے..... لیکن آپ کے لئے انیکسی کھولی ہے۔''

یہ تو واضح تھا کہ بیگ نے ہمارا بندوبست یہاں کیا تھا۔ یعنی ہم راجا عمر دراز کے پاس نہیں تھے۔ وین کے ڈرائیور نے مجھ سے کہا۔ ''ہمیں اجازت ہے سر!''

''کیوں نہیں اور تمہارا بہت شکریہ!''

''تابعدار خادم ہیں جی آپ کے!'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وین میں بیٹھ کر اپنے ساتھی سمیت رخصت ہو گیا۔ رشید ہمیں کوٹھی کے دائیں جانب بنی وسیع و عریض انیکسی میں لایا۔ اس نے ہمیں بیڈ روم دکھائے، کل چار بیڈ روم تھے۔ مونا اور سونیا نے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا اسی طرح میں اور سفیر بھی ایک کمرے میں مان گئے، شکیل اور ایمن نے الگ الگ کمروں میں رکنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہاں ایک بڑا ڈرائنگ روم اور ایک ڈائننگ روم تھا۔ میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے رشید سے کہا۔

''یار، بھوک اور تھکن سے برا حال ہے۔ کھانے کو کچھ مل سکتا ہے؟''

''سر، باقاعدہ کھانے کے لئے تو ڈیڑھ دو گھنٹا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ کہیں تو میں رخسانہ سے اسنیکس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنوا دیتا ہوں۔"

"یہ رخسانہ کون ہے؟" سفیر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میری بیوی سر! کھانا بنانا اسی کی ذمے داری ہے۔" رشید نے متانت سے کہا تو سفیر خفیف ہو گیا تھا۔

"ایک کام اور کرنا ہے یار! یہ موبائل ہیں، ان کو چیک کروانا ہے، پانی میں بھیگ گئے ہیں۔" میں نے اسے اپنے موبائل دیئے، اس نے معائنہ کیا۔

"سر، یہ پہلے سے بند تھے یا بھیگنے کے بعد بند ہوئے؟"

"ان کی بیٹری ختم ہو گئی تھی، پہلے سے بند تھے۔"

"تب تو کوئی مسئلہ نہیں ہے سر! ان کے چارجر کہاں ہیں؟"

"وہ بھی نہیں ہیں، تم دوسرے لے آؤ۔"

"لے آؤں گا سر! تین گھنٹے بعد یہ آپ کو اوکے ملیں گے۔" اس نے دونوں موبائلوں سے چپ کارڈ یعنی سم نکال کر مجھے دے دیں۔ "میں ابھی پندرہ منٹ میں اسنیکس بھجواتا ہوں سر!" وہ جاتے جاتے رکا۔ "سر، آپ لوگوں کو کپڑے اور جوتوں کی ضرورت بھی ہے؟"

"بالکل ہے۔" میں نے کہا۔

"ایک پرچے پر ناپ لکھ کر دے دیں، میں بندوبست کرتا ہوں۔"

"یہ انسان ہے یا چراغ الہ دین کا جن!" سفیر نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

"ہمیں کام سے مطلب ہونا چاہئے۔" میں نے اپنے بدرنگ ہو جانے والے جوتے اتار دیئے۔

"راجا نے ہمیں یہاں کیوں بھیجا؟" سفیر نے سوال نمبر دو کیا۔

"وہ عقل مند شخص ہے۔ اس نے بجا طور پر سوچا کہ دشمن ہمارے ذریعے اس تک پہنچنا چاہتا ہے اس لئے اس نے اس جگہ کا انتخاب کیا ہے اور یہ کوٹھی بھی بظاہر بند پڑی ہے۔"

سفیر ایک طرف رکھے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ "خدا کرے، اب کم سے کم دو تین دن کچھ غیر متوقع نہ ہو اور ہمیں بھاگنا نہ پڑے۔"

"تقدیر پر کسی کا زور نہیں ہے، جب تک ہمارا دانہ پانی اس جگہ ہے، کوئی ہمیں یہاں سے ہلا نہیں سکتا۔"

چند منٹ بعد ایک نوعمر سی لڑکی ٹرالی لے کر اندر آئی۔ اس نے ہمارے لئے چائے اور اسنیکس نکال کر میز پر رکھے۔ ٹرالی میں خاصا سامان تھا۔ اس کا مطلب تھا وہ سب کے لئے لائی تھی، لڑکی کمسن اور حسین تھی لیکن اس کے حسن میں بھی بچگانہ سی معصومیت تھی۔ اس نے سامان رکھ کر پوچھا۔ "آپ کھانا کب کھائیں گے صاحب!"

"آٹھ بجے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم رشید کی بیٹی ہو؟"

رشید تقریباً چالیس بیالیس برس کا شخص تھا اور اس کی چودہ پندرہ سال کی بیٹی بالکل ہو سکتی تھی، میرے سوال پر اس نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر بعد بولی۔ "جی، میں اس کی بیوی ہوں، میرا نام رخسانہ ہے۔"

وہ ہم دونوں کو دم بخود چھوڑ کر کمرے سے چلی گئی تھی۔ "یار سفیر، اتنی سی بچی خود سے تین گنا بڑے شخص....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہمارے ہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔" سفیر نے گہری سانس لی۔ "خود میں نے دیکھا ہے، ایک بارہ سالہ لڑکی جو دنی میں آئی تھی، اس کی شادی ایک چھیاسٹھ برس کے بوڑھے سے کی گئی اور اس نے اس بات کی پروا کئے بغیر کہ لڑکی ابھی نابالغ ہے، اسے اپنی بیوی بنالیا تھا۔ ہمارے ہاں یہ ظلم بہت ہے یار۔"

میں نے سنبھل کر چیزوں کا جائزہ لیا۔ سینڈوچز اور سموسے تھے۔ ساتھ میں ٹماٹو کیچپ اور چٹنیاں بھی تھیں۔ "شروع کریار! دل چھوٹا مت کر، ممکن ہے رشید اس کے لئے اچھا شوہر ہو۔" میں نے کہا۔

کھانے کے دوران ہی رشید خود کاغذ پین لے کر آ گیا تھا۔ اس نے ہمارے سائز معلوم کئے اور چلا گیا۔

میں بہت تھک گیا تھا اس لئے بستر پر لیٹ کر سو گیا۔ سفیر کمرے سے نکل گیا تھا۔ آٹھ بجے مجھے ایمن نے اٹھایا۔

"شوبی! اٹھو، کھانا تیار ہے، لگنے والا ہے۔"

میں اٹھ گیا۔ "باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"ڈائننگ روم کی طرف جا چکے ہیں۔ بھوک سے سب کا ہی برا حال ہے۔"

"میں ابھی آیا۔" میں نے باتھ روم کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

"کھانے کی میز اچھی خاصی سجی تھی۔ اس پر تین چار ڈشز تھیں اور یہ سب کھانا اسی نازک اور کمسن لڑکی نے بنایا تھا۔ سرو بھی وہی کر رہی تھی۔ کھانا لذیذ تھا، سب نے سیر ہو کر کھایا اور اس کی تعریف کی، وہ خوش ہو گئی۔

"سچ، اچھا بنا ہے یا آپ ایسے ہی میری تعریف کر رہے ہیں؟"

"نہیں، تم نے سب بہت اچھا بنایا ہے۔" مونا نے اسے یقین دلایا۔

"اچھا، یہ بتاؤ کہ تم چائے زیادہ اچھی بناتی ہو یا کافی؟" سفیر نے پوچھا۔

"دونوں صاحب! جو آپ کہیں۔"

سونیا کو اس کا پرہیزی کھانا دیا جا چکا تھا اور وہ دوائیں لے کر سو رہی تھی۔ ہم اپنے کمرے میں آئے، کیونکہ وہاں آتش دان میں ہیٹر آن تھے، سب ہی تھکے ہوئے تھے، میں نے سوچا تھا اس لئے مجھے تو اتنی نیند نہیں آ رہی تھی لیکن جب رخسانہ کافی لے کر آئی تو سفیر خراٹے لے رہا تھا۔ "کوئی بات نہیں، اس کی جگہ میں پی لوں گا۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "رشید کہاں ہے؟"

"جی وہ باہر گئے ہیں۔"

اس وقت نو بج رہے تھے۔ میں نے فون کے بارے میں پوچھا، اس نے بتایا۔ "جی وہ باہر رکھا ہے، آپ نے فون کرنا ہے تو یہاں لے آئیں، ادھر بھی لگ سکتا ہے۔"

میں فون لے آیا۔ میں نے بیگ کو کال کی لیکن اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ میں نے فون رکھ دیا، کافی پیتے ہوئے میں نے گزشتہ ایک ہفتے کے دوران پیش آنے والے واقعات پر غور کیا۔ مجھے اس دوران میں سکون سے بیٹھ کر غور کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس دوران میں ہم پر بے شمار آفتیں آئی تھیں، جب تک ہم شمالی علاقے میں تھے، جو بھی واقعات پیش آئے، وہ سمجھ میں آنے والے تھے لیکن جب میں اسلام آباد آیا اور بیگ سے ملا تب سے ایسے واقعات پیش آنے لگے جو مجھے الجھن میں ڈالنے لگے تھے۔ اسلام آباد سے میرا تعاقب کیا جاتا ہے، اس کے بعد دشمن لاہور میں مجھے منتظر ملتے ہیں۔ وسیم ملتا ہے جو جامی شاہ کی قید میں ہے اور مجھے بہ آسانی لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک پہنچا دیتا ہے۔ وہاں سے میں راجا صاحب تک تو چلا آتا ہوں اس کے بعد مجھے سونیا اور نکیل کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ وہ کہاں ہو سکتے ہیں پھر معلوم ہوتا ہے سونیا، سفیر اور ایمن بھی وہاں ہیں۔ میں تین افراد کے ساتھ جاتا ہوں اور آرام سے ان سب کو آزاد کرا لیتا ہوں، اس کے بعد دشمن مستقل ہمارا پیچھا کرتا ہے۔ وہ بار بار ہمیں تنگ کرتا ہے لیکن ہم ہر بار اس سے بچ کر نکل گئے، ہم پر بے پناہ فائرنگ کی گئی لیکن یہ فائرنگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ ایسا صرف سلطان راہی مرحوم کی فلموں میں ہوتا تھا۔ ویسے تو تمام ہی فلمی ہیروز کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے لیکن سلطان راہی کے ساتھ ویسا ہوتا تھا جیسا ہمارے ساتھ ہو رہا تھا اس لیے میں نے اس کا حوالہ دیا۔

یہ سب کچھ میں نہ آنے والا تھا۔ عام زندگی میں اتنے اتفاقات پیش نہیں آتے، اتنے اتفاقات تو کسی فلم میں پیش آ سکتے تھے۔ یہ بات سامنے آنے کے بعد کہ ڈیوڈ شالا ہور میں تھا، میرے ذہن میں شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ وہ کسی خاص مقصد کے تحت ہمیں دوڑا رہا تھا۔ وہ ہمیں کسی خاص جگہ پہنچانا چاہتا تھا۔ اور وہ جگہ شاید راجا عمر دراز کا مقام تھا، اس کا مطلب تھا ڈیوڈ شا اس کے بارے میں خاص عزائم رکھتا تھا اور اس تک جانے کے لئے وہ اتنا بے تاب تھا کہ اس نے اتنا پیچیدہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ مگر اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی، ہمیں ویسے بھی راجا عمر دراز تک ہی جانا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو میں چونکا تھا۔ "آ جاؤ" میں نے بلند آواز سے کہا۔ "رشید اندر آیا، اس نے ایک بڑا سا شاپر اٹھا رکھا تھا۔ "سر یہ آپ کے اور سفیر صاحب کے لئے کچھ کپڑے ہیں ان میں سونے کا لباس بھی ہے اور یہ رہے آپ کے موبائل، دونوں کام کر رہے ہیں، ان کے چارجر بھی لے آیا ہوں۔"

میں نے موبائل اور چارجر ایک طرف رکھے اور شاپر اٹھایا۔ اندر سے دو پیکٹ نکلے۔ رشید نے ایک پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "اس میں آپ کے کپڑے ہیں۔ سر، آپ لوگوں نے کھانا صحیح سے کھایا۔ کوئی کمی تو نہیں رہی؟"

"نہیں ہر خسانہ نے سب بہت اچھے طریقے سے کیا۔" میں نے کہا۔ "خاص طور سے کھانا بہت اچھا تھا۔"

وہ خوش ہو گیا۔ "جی سر ہر خسانہ کھانا بہت لذیذ بناتی ہے۔"

میں نے پیکٹ کھولا، اندر دو جوڑے تھے۔ دو ہائی نیک کی گرم جرسیاں اور ایک نائٹ سوٹ تھا۔ ایک الگ پیک میں ایک جوڑی جوتا اور ایک چپل کی جوڑی تھی۔ "شکریہ رشید!"

"میں خادم ہوں سر۔ آپ دیکھ لیجئے گا اگر کوئی چیز ناپ کی نہیں ہے یا آپ کو پسند نہیں آئی تو دوسری آ جائے گی۔"

"ٹھیک ہے رشید، اب تم جا کر آرام کرو۔"

"میں رات کو یہاں رہوں گا سر! مجھے بلانے کے لئے یہ بٹن دبا دیجئے گا۔" اس نے دیوار پر لگے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔ رشید کے جانے کے بعد میں نے کپڑے بدلنے کا سوچا۔ میرا دل نہانے کو چاہ رہا تھا لیکن میں اپنے زخم کی حالت سے ناواقف تھا۔ میں نے ایمن کے کمرے کا دروازہ ہلکے سے بجایا۔ فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔ ایمن سامنے سر پر تولیا باندھے کھڑی تھی اس نے پہلے ہی نہا لیا تھا۔ نہانے کے بعد اس نے نیا ٹراؤزر اور پوری آستین والی اونی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جو ڈھیلی ہونے کے باوجود اس پر پھنس رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لگتا ہے تمہارے لئے بھی نئے کپڑے آ گئے۔'' میں اندر آیا۔

''ہاں، رخسانہ ہمارے کپڑے لائی تھی۔'' وہ بولی۔ ''میں نے نہا کر جلدی سے کپڑے بدل لئے۔ مجھے پرانے کپڑوں میں الجھن ہو رہی تھی۔''

''یہی حال میرا ہے، میں نہانا چاہ رہا ہوں، لیکن زخم کا خیال ہے۔''

''ایک منٹ دیکھ لیتی ہوں، شرٹ اتارو اپنی!''

میں نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ شرٹ اتار دی۔ اس نے عقب سے زخم دیکھا۔ ''ہاں، خشک ہے۔ میرا خیال ہے ذرا احتیاط کے ساتھ نہا سکتے ہو۔ جب نہا لینا تو میں آ کر اس کی صفائی کر کے دوا لگا دوں گی۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''

میں آ کر نہایا۔ کتنے دن بعد اس طرح نہانا نصیب ہوا تھا۔ بھاگ دوڑ میں حشر ہو گیا تھا۔ نہا کر ایسا سکون ملا جو محسوس کیا جا سکتا تھا بیان نہیں۔ میں بال خشک کر رہا تھا کہ ایمن آئی، اس نے روئی سے زخم صاف کیا، اس پر پاؤڈر چھڑک کر اوپر پٹی چپکا دی تھی۔ ''میں نے رخسانہ سے چائے کا کہا ہے۔ وہ نشست گاہ میں لائے گی۔''

''یہ تم نے اچھا کام کیا۔'' میں خوش ہو گیا تھا۔

ہم نشست گاہ میں آئے، سوائے ہم دونوں کے سب ہی سو چکے تھے۔ رخسانہ چائے لے آئی تھی۔ ایمن نے اس سے ٹرے لے لی۔ ''اب تم سو جاؤ، ہم بنا لیں گے۔'' میں نے اس سے کہا۔

''نہیں صاحب! میں برتن لے جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

ایمن نے چائے بنائی۔ ''مجھے یقین نہیں آتا، اتنی کمسن لڑکی، اس کا شوہر اس سے تین گنا بڑا تو ہے۔''

''پتا نہیں کیا مجبوری تھی؟'' میں نے گہری سانس لی۔ ''بظاہر تو ہم سامنے کی چیز دیکھتے ہیں، اندر کی کہانی کیا ہے ہم اس سے بے خبر ہیں۔''

''کچھ دیر خاموشی رہی تھی پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ''ایمن، اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں سوچ رہی ہوں، واپس جاؤں۔ یہاں جو حالات میں نے دیکھے ہیں، اس سے مجھے امید نہیں ہے کہ حکومت ڈیڈی کو بازیاب کرا سکتی ہے۔ میں جا کر جاب دیکھوں گی۔''

''لیکن ڈیوڈ شابر طانوی کونسلیٹ میں مقیم ہے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کونسلیٹ سے سیکورٹی مانگ لوں گی۔ ایک دو دن میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' اس نے وضاحت کی۔

''یہ بہتر رہے گا۔'' میں نے تائید کی۔

''شوبی! تم بھی یہاں سے نکل جاؤ۔''

''شاید یہی کام کروں۔''

''تم میرے پاس برطانیہ آ جاؤ۔'' اس نے کہا۔

''قانونی طور پر میرے لئے ملک سے نکلنا مشکل ہے۔ میرا اندازہ ہے مجھے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' میں نے چائے کا کپ ٹرے میں رکھ دیا۔ ''مگر ایمن! اب تمہارا نکلنا ضروری ہو گیا ہے۔ میں نہیں

.Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتا کہ میری اس جنگ میں تم کو کوئی نقصان ہو۔"

"کیوں؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ "یہ میری جنگ بھی تو ہے۔ میرا باپ فتح خان کی قید میں ہے۔ ڈیوڈ شا میرے در پے ہے۔"

"ہاں، مگر تمہیں یہاں سے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جہاں تک برٹ شا کی تلاش کا کام ہے تو میں نے راجا عمر دراز سے کہہ دیا تھا، وہ اس کا علاقہ ہے اور وہ زیادہ بہتر طور پر برٹ شا کو تلاش کر سکتا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے راجا میرے ڈیڈی کو نقصان نہیں پہنچائے گا؟"

"راجا مستقم مزاج شخص نہیں ہے۔ اس نے خود پر قاتلانہ حملہ کرنے والے شخص کو اپنا ملازم رکھ لیا ہے۔ مجھے امید ہے اسے اور اس کی بیٹی کو فتح خان سے تحفظ بھی دے رہا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ برٹ شا کے لئے خلوص سے کوشش کرے گا۔"

"میں کل کو نسلیٹ چلی جاؤں گی۔" ایمن نے سر جھکا کر کہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ یہ کام بحفاظت ہو جائے۔"

"نہیں، تم نہیں نکلو گے، میں خود چلی جاؤں گی۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تمہیں ایسے جانے نہیں دوں گا۔ اگر دشمن باہر گھات میں ہوا تو وہ تمہیں لے جانے کی کوشش کرے گا۔ میں خود تمہیں چھوڑنے جاؤں گا۔"

"اتنی اہمیت ہے میری۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"میں کھڑا ہو گیا۔ "اب سو جاؤ۔ تم بھی تھک گئی ہو۔"

وہ یک دم کھڑے ہوتے ہوئے میرے سینے سے لگ گئی۔ "شوبی! تم مجھے یاد کرو گے؟"

"ایمن، تم بھلانے والی ہستی نہیں ہو۔" میں نے نرمی سے اسے خود سے جدا کیا، اس نے پھر لگنے کی کوشش کی تو میں نے روک دیا۔ "رخسانہ یا رشید آ سکتے ہیں اور تم اچھی طرح جانتی ہو، ہمارے معاشرے میں یہ سب بات سمجھی جاتی ہے۔"

"ہاں۔" وہ بجھ گئی تھی۔ "شوبی، مجھے لگتا ہے تم مجھے پسند نہیں کرتے؟"

"میں تم کو پسند کرتا ہوں لیکن ہمارے ہاں پسند کے اظہار کے طور طریقے مختلف ہیں۔ تم اسے ثقافتوں کا بھی کہہ سکتی ہو۔"

"شوبی..... میں پھر آؤں گی۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔ ممکن ہے آئندہ تم آؤ تو حالات میرے لئے بہتر ہو چکے ہوں۔"

"پھر تم اپنا گھر بساؤ گے؟" اس کا لہجہ پُر امید تھا۔

"میں نے اس بارے میں سوچا نہیں ہے، جب وقت آئے گا۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "تب دیکھوں گا۔"

"شوبی..... کیا میں....." وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا ایمن!" میں نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کچھ..... کچھ نہیں..... گڈ نائٹ!'' وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی اور میں ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ کیا وہ میری نئی زندگی میں شامل ہو گی یا نہیں؟ میں نے اندر جا کر جیکٹ پہنی اور باہر نکلا۔ انیکسی اور اصل کوٹھی کے درمیان میں ایک لان اور کار پارکنگ کا حصہ تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کوٹھی کی حفاظت کے لئے کیا انتظامات تھے۔ اس کے چاروں طرف اونچی دیوار تھی جس پر خاردار تار تھی۔ میں مین گیٹ کی طرف آیا۔ گیٹ کے ساتھ ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی اور اس میں چوکیدار چارپائی پر کمبل میں لپٹا خراٹے لے رہا تھا۔ تو یہ سکیورٹی ہے۔ میں نے سوچا۔ اس طرح تو کوئی بھی آرام سے اندر گھس آتا۔ میں واپس انیکسی میں آیا، بٹن دبا کر رشید کو بلایا۔ وہ ایک منٹ کے اندر آ گیا تھا۔ ''رشید، یہاں سکیورٹی سرے سے نہیں ہے۔'' میں نے بلا تمہید کہا۔ ''اگر کوئی دشمن گھس آیا تو.....؟''

''آپ بے فکر رہیں۔ یہ صرف کیموفلاج ہے، آیئے میرے ساتھ، میں آپ کو دکھاتا ہوں۔''

وہ مجھے انیکسی سے متصل ایک کمرے میں لایا جہاں جدید قسم کے مانیٹرز لگے تھے اور ان پر کوٹھی کے مختلف مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ رشید نے بتایا۔ ''پوری کوٹھی میں پندرہ کیمرے لگے ہیں جو کسی بھی آنے والے پر نظر رکھنے کے لئے کافی ہیں۔''

''صرف نظر رکھنا کافی نہیں ہے، ان کو روکنا بھی ضروری ہے۔''

''اس کے بھی انتظامات ہیں۔ میں اور گارڈ دو افراد کافی ہیں، ہم درجن بھر مسلح افراد پر بھاری ہوں گے۔''

''گارڈ پڑا سو رہا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

وہ مسکرایا۔ ''یہ بھی کیموفلاج ہے سر! کمبل کے نیچے کوئی نہیں ہے۔ گارڈ کوٹھی کے اندر ہے اور وہ اس جگہ سے سب کنٹرول کرتا ہے، ہاں گیٹ کھولنا بند کرنا ہو تو وہ باہر آتا ہے۔''

رشید نے حفاظتی انتظامات کی نوعیت نہیں بتائی تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرا ابتدائی تاثر غلط تھا۔ کوٹھی کی حفاظت کا معقول بندوبست تھا۔ میں نے رشید سے کہا۔ ''مس ایمن کو کل کسی وقت برطانیہ کے کونسل خانے تک چھوڑنا ہے۔''

''یہ کام بھی ہو جائے گا سر! لیکن روانگی سے ایک گھنٹا پہلے اطلاع کرنا ضروری ہے۔''

میں اپنے کمرے میں آیا۔ میرے ایک موبائل پر کال آ رہی تھی اور کال بیگ کی تھی۔ ''شہباز صاحب!'' بیگ نے رسمی گفتگو کے بعد کہا۔ ''اب اس جگہ سے کہیں کال مت کیجئے گا یعنی لینڈ لائن سے، صرف موبائل استعمال کریں ورنہ ہم مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔ یہ بتائیں راجا صاحب کہاں ہیں، کیا ان سے ملاقات ممکن ہے۔''

''یہ تو ان پر منحصر ہے۔'' بیگ نے حسب معمول واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ ''کوئی خاص بات؟''

''نہیں..... خاص بات تو نہیں ہے..... ان کو اطلاع کر دیں کہ ڈیوڈ شالا ہور کے برطانوی کونسل خانے میں موجود ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' بیگ نے اطمینان سے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس یہی بتانا تھا۔'' میں نے کہا اور فون بند کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ طویل عرصے بعد میں بھرپور طریقے سے سویا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو صبح کے نو بج رہے تھے۔ سفیر اٹھ کر جا چکا تھا۔ میں انگڑائی لیتا ہوا بستر سے نکلا۔ کھڑکی سے پردہ ہٹایا تو کمرا بھرپور اور تیز دھوپ سے بھر گیا تھا۔ کئی دن کے بعد دھوپ نکلی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر اور برش کر کے میں باہر آیا۔ پہلے مونا اور سونیا کے کمرے میں جھانکا۔ سونیا بستر پر دراز ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ ''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بہت بہتر ہے شوبی بھائی!'' وہ مسکرائی۔ ''آپ نے ناشتا کیا؟''

''نہیں، کرنے جا رہا ہوں اور تم نے؟''

''میں نے تو ناشتا کر کے دوائی بھی لے لی ہے۔''

مونا نہیں تھی، اس لئے میں نے موقع سمجھا کہ سونیا سے بات کر لی جائے۔ ''سونیا! میری شکیل سے بات ہوئی تھی، تم دونوں کے درمیان جو کمٹ منٹ ہوئی ہے اس کے بارے میں۔''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ''جی شوبی بھائی!''

''شکیل کا کہنا ہے، وہ تمہیں اپنی حویلی لے جائے گا۔ عدت تک تم وہاں رہو گی۔''

''جی!'' اس نے پھر کہا۔

''تمہارے خیال میں یہ مناسب رہے گا؟''

''جی شوبی بھائی!'' اس بار اس نے سنبھل کر کہا۔ ''میں نے شکیل کی تجویز مان لی ہے۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے، کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟''

''نہیں..... اگرچہ وسیم نے مجھے تمہارا سرپرست بنایا ہے، لیکن میرا خیال ہے تم اپنے بارے میں زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتی ہو۔ جیسا کہ تم نے کہا ہے اور میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش رہو۔ آج ایمن جا رہی ہے، اب تمہیں اور شکیل کو بھی جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہئے۔''

''شوبی بھائی! ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔'' اس نے جذباتی ہو کر کہا۔

''تم جہاں بھی ہو گے میرے ساتھ ہی ہو گے۔'' میں نے اس کا سر تھپکا۔ ''فی الحال میرے ساتھ جتنے کم افراد ہوں گے، میں اپنے دشمنوں سے اتنے ہی سکون سے نبرد آزما ہو سکوں گا۔''

میں باہر آیا، سفیر اور شکیل نشست گاہ میں تھے جبکہ ایمن اور مونا کچن میں رخسانہ کے ساتھ تھیں اور تینوں چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر چپ ہو گئیں۔ ایمن تیزی سے میرے پاس آئی۔ ''اٹھ گئے تم، ناشتا لگوا دوں؟''

''ہاں، تم نے کر لیا؟''

''نہیں، میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' ایمن کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

رخسانہ آ کر ناشتا لگانے لگی۔ میں اور ایمن ناشتے کے بعد باہر نکل آئے۔ ایمن ذرا اداس تھی۔ شاید جانے کے خیال سے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی، نہ جانے کیوں میرا دل نہیں چاہ رہا ہے، جانے کے خیال سے مجھے کچھ ہو رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایمن، تمہارا جانا ضروری ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم پھر ملیں گے۔''

''اور..... نہ ملے تو.....؟'' اس کی آواز لرزنے لگی تھی۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''ایمن، اگر تم تقدیر پر ایمان رکھتی ہو تو یہ بھی جانتی ہو گی، ہم اس کے سامنے بے بس کھلونے ہیں۔''

''نہیں..... میں واپس آؤں گی شوبی! میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔''

''مجھے بھی یقین ہے تم واپس آؤ گی۔''

''تم مجھے یاد کرو گے؟''

''یاد تو اسے کیا جاتا ہے جسے آدمی بھول جاتا ہے۔ ایمن، میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔''

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اس روز میں نے جانا، لمس کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے، اس کا لمس پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ وہ مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتی، میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور میرا لمس جواب دینے سے ہچکچا رہا تھا۔ یہ اس نے بھی محسوس کر لیا تھا، اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ''شوبی..... رشید سے کہو، مجھے برطانوی کونسلیٹ پہنچانے کا بندوبست کرے۔''

رشید ہمیں اپنے کنٹرول روم میں ملا تھا۔ وہ اس وقت بھی مانیٹرز کے سامنے تھا، نہ جانے سوتا کب تھا۔ میری بات سن کر اس نے سر ہلایا۔ 'ایک گھنٹے میں گاڑی آ جائے گی سر!'

ایمن دوسروں سے ملنے چلی گئی۔ میں نے بیگ کو کال کی۔ ''ایمن برطانوی کونسلیٹ جانے والی ہے۔ رشید اسے لے جانے کا بندوبست کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں، وہ اس جگہ سے ناواقف رہے اور نہ ہی کسی فرد کی نشاندہی کر سکے۔''

''آپ بے فکر رہیں شہباز صاحب! ایسا ہی ہو گا۔'' بیگ نے کہا۔

''شکریہ بیگ صاحب!'' میں نے موبائل بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ مجھے ایمن پر پورا بھروسا تھا لیکن وہ ایک کمزور سی لڑکی تھی، اس پر دباؤ ڈالا جاتا تو عین ممکن ہے وہ ہماری نشاندہی کر دیتی۔ یہ خطرہ ڈیوڈ شاچیسے مکار کی موجودگی میں اور بھی بڑھ جاتا۔ اس لئے میں کوئی چانس لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس موسم میں کھلے لان پر نکھری دھوپ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ میں اس سے لطف لیتے ہوئے ٹہلتا رہا۔ ایک گھنٹے بعد وہی سیاہ وین پورچ میں داخل ہوئی جو ہمیں یہاں تک لائی تھی۔ رشید نے جا کر ایمن کو مطلع کیا، وہ خود اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔ میرا خیال تھا اسے بیگ کی جانب سے ہدایات مل چکی تھیں، سب ایمن کو رخصت کرنے باہر تک آئے تھے، مونا اور سونیا نے اسے گلے سے لگایا تھا۔ باقی سب سے اس نے ہاتھ ملایا۔ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔ ''آئی لو یو!''

میں صرف مسکرا دیا تھا۔ وہ وین کے عقبی حصے میں سوار ہوئی، اس کا دروازہ بند ہوا اور وین چل پڑی۔ ہم سب کسی قدر بوجھل دل کے ساتھ اندر آ گئے۔ ''اچھا ہوا ایمن چلی گئی۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''سچ مچ!'' مونا نے شوخی سے کہا۔

''بہت بولنے لگی ہو تم۔'' میں مسکرایا۔ ''سونیا اور شکیل مانسہرہ جا رہے ہیں۔ وہاں شکیل کی آبائی حویلی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سونیا وہاں رہے گی، میں سوچ رہا ہوں تم کو بھی کسی حویلی بھیج دوں..... ہمیشہ کے لئے۔"

کلیل موجود تھا، وہ بولا۔ "شہباز صاحب، یہی بات ہے، آپ کا ساتھ چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں جانتا ہوں، تم میرے مخلص ساتھی ہو، لیکن اب میں خود چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے ذرا دور رہو تاکہ دشمن کی توجہ تمہاری طرف نہ جائے۔"

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ تیری غلط فہمی ہے۔ تُو بھول رہا ہے دشمن نے مجھے اور مونا کو تمہاری حویلی کے پاس سے اغوا کیا تھا۔ ہم تجھ سے دور جا کر بھی محفوظ نہیں ہیں تو کیوں نہ تیرے ساتھ رہیں؟"

"نہیں یار، عورتوں کی موجودگی مسئلہ ہوگی..... ان کا معاملہ نازک ہے اور ان کا دور رہنا ضروری ہے۔ اکثر اوقات ہم ان کی وجہ سے مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"یہ کیا ان کی اور ان کی نگار کی ہے؟" مونا خفگی سے بولی۔ "صاف صاف میرا نام لو نا..... میں تمہارے لئے مسئلہ بن جاتی ہوں۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "آپ شروع سے پرابلم چائلڈ رہی ہیں۔"

"مونا احتجاجاً واک آؤٹ کر گئی۔ سفیر نے سکون کا سانس لیا۔ "یہ کل سے میرا دماغ کھا رہی ہے کہ اس نے حویلی نہیں جانا ہے۔"

رشید ایمن کو چھوڑ کر واپس آیا تو میں نے اسے بلا لیا۔ "کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟"

"نہیں..... میں نے انہیں کوئنسلیٹ سے کچھ فاصلے پر اتار دیا تھا اور وہ میرے سامنے اندر گئی تھیں۔ راجا صاحب آپ کو طلب فرما رہے ہیں۔"

"اپنی کوٹھی میں.....؟"

"نہیں راجا صاحب یہیں ہیں۔"

"راجا صاحب!" میں ذرا حیران ہوا تھا۔ "وہ کب آئے؟"

"یہ تو آپ کو وہی بتائیں گے۔"

میں رشید کے ساتھ عقبی حصے سے کوٹھی کے اندر آیا۔ راجا عمر دراز ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ اس نے شیروانی پہن رکھی تھی اور حسب معمول تر و تازہ نظر آ رہا تھا۔ سلام و دعا کے بعد میں نے کہا۔ "راجا صاحب، آپ اچانک ہی آئے۔"

"اس نے سر ہلایا۔ "احتیاط کا تقاضا ہے۔ میری اطلاعات کے مطابق ڈیوڈ شا مجھے مروا دینا چاہتا ہے۔"

"اس کی وجہ راجا صاحب؟"

"کیونکہ میں نے اسے اس کے عزائم میں ناکام بنانے کے عملی اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ اس وجہ سے میں نے تصویر کے چھن جانے کو بھی اہمیت نہیں دی۔"

"ڈیوڈ شا کے عزائم کیا ہیں؟"

"یہ ذرا لمبی کہانی ہے۔"

"میں مسکرایا۔ "جس کا ایک حصہ آپ مجھے سنا چکے ہیں جبکہ دوسرا حصہ ابھی باقی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جلد تم وہ بھی سنو گے اور مجھے امید ہے، اس کے بعد تم اس سارے معاملے کو پہلے سے زیادہ گہرائی سے سمجھ سکو گے۔''

شکیل ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔ وہ اچانک ہی آ گیا تھا۔ بیگ نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

''مسٹر شکیل! ابھی تم کو طلب نہیں کیا گیا ہے۔''

میں نے شکیل کی طرف دیکھا، مجھے اس کی آنکھیں خالی خالی سی لگ رہی تھیں۔ اس نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھا اور اچانک ہی اس کا ہاتھ بلند ہوا جس میں میرا پستول تھا۔ خطرے کا احساس مجھے ذرا تاخیر سے ہوا تھا۔ شکیل نے لگاتار چار فائر کئے اور تمام گولیاں راجا عمر دراز کے سینے میں اتر گئی تھیں۔ وہ صوفے سے ذرا سا اٹھا تھا لیکن گولیاں لگتے ہی واپس صوفے پر جا گرا تھا۔

''شکیل..... یہ کیا، کیا؟'' میں بے ساختہ چلایا تھا۔

شکیل کے پاس سائلنسر لگا بریٹا تھا اس لئے آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پھر دھما کا ہوا اور میں نے شکیل کو پیٹ تھام کر پیچھے گرتے دیکھا۔ پستول بیگ کے ہاتھ میں تھا جس سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ مجھے لگا جیسے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سکتے کے عالم میں شکیل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے پیٹ سے ابلنے والے خون کو روکنے کے لئے ہاتھ سے دبا رہا تھا۔ اس کے سیدھے ہاتھ میں بدستور پستول تھا۔ بیگ نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ اسی لمحے راجا عمر دراز صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اندر کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''اسے دیکھو اور فوراً ایمبولینس کو کال کرو۔''

''میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''راجا صاحب، آپ.....!''

''میں ٹھیک ہوں، اندر بلٹ پروف ہے۔ اسے دیکھو، اسے مرنا نہیں چاہئے۔'' راجا عمر دراز نے کہا اور اندر غائب ہو گیا۔ میں شکیل کی طرف لپکا۔ میں نے اس کا زخم دیکھا۔ گولی اس طرح اندر گئی تھی کہ اس نے آنتوں اور شاید جگر کو بھی شدید نقصان پہنچایا تھا۔ ذرا سی دیر میں شکیل کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

''تم نے یہ کیا، کیا.....؟'' میری آواز بھرا آئی تھی۔

''پتا.....نہیں.....شہ.....باز صاحب!'' شکیل تکلیف سے بول رہا تھا۔ ''راجا صاحب.....کا نام سنتے ہی میرے اندر.....ایک دھند سی چھا.....گئی تھی.....اور میں نے.....مجھے پتا نہیں کیا ہوا.....''

''تم چپ رہو۔'' میں نے اس کا سر گود میں لے لیا۔ بیگ شاید ایمبولینس کے لئے کال کرنے گیا تھا۔

شکیل کراہا۔ ''شہباز صاحب.....پانی.....مجھے پیاس لگ رہی ہے۔''

میں نے وہیں جگ میں موجود پانی نکال کر گلاس سے اسے پلایا۔ میں نے میز پوش کا کپڑا لے کر اس کی گدی سی بنا کر زخم پر رکھ دی تا کہ خون بہنے کی رفتار کم ہو۔ ذرا سی دیر میں شکیل کے آس پاس کا قالین خون سے تر ہو گیا تھا۔ اس اثنا میں بیگ افراتفری میں آیا، اس کے ساتھ رشید تھا۔

''اسے گاڑی تک لے چلیں جناب! رشید اسے اسپتال لے جائے گا۔''

میں نے رشید کی مدد سے شکیل کو اٹھایا جس پر اب غشی طاری ہو رہی تھی۔ ہم نے اسے باہر موجود ایک کار کی عقبی نشست پر ڈالا، اسے سنبھالنے کے لئے کوٹھی کا چوکیدار اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ میں نے بھی جانا چاہا مگر بیگ نے روک دیا۔ ''نہیں جناب! یہ مناسب نہیں ہوگا۔''

''اسے کسی اچھے نجی اسپتال لے جانا۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔ ''سرکاری اسپتال مت جانا۔''

''آپ فکر نہ کریں، ایک بلاک دور ایک اسپتال ہے، ہم وہاں لے جا رہے ہیں۔'' رشید نے مجھ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔

بیگ نے کار کے جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ ہم اندر آئے۔ ابھی تک مونا، سفیر اور سونیا کو اس سانحے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ خود مجھے لگ رہا تھا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں، کوئی بھیانک خواب۔ اگر میرے ہاتھوں پر شکیل کا خون نہ لگا ہوتا تو میں اسے خواب ہی سمجھتا۔ اندر آ کر میں نے ایک واش روم میں اپنے ہاتھ دھوئے۔ ڈرائنگ روم میں رخسانہ قالین سے خون صاف کر رہی تھی۔ راجا صاحب ایک اور کمرے میں تھے۔ انہوں نے لباس بدل لیا تھا۔ میری توقع کے خلاف وہ پُرسکون تھے۔ جب کہ میرا فکروں سے برا حال تھا۔ اگرچہ میرے لئے صورتِ حال کا بدل جانا اور چونکا دینے والے حالات نئے نہیں رہے تھے لیکن ابھی جو میرے سامنے ہوا تھا اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شکیل ایسی کوئی حرکت کر گزرے گا۔ اس نے واضح طور پر راجا عمر دراز کو نشانہ بنایا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اسے راجا صاحب سے اچانک کیا دشمنی ہو گئی تھی؟ جب میں نے شکیل سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا اسے خود نہیں معلوم۔ مجھے لگا وہ سچ کہہ رہا تھا، اس کے لہجے میں معصومیت تھی۔ یہی بات میں نے راجا صاحب سے کہی۔ ''شکیل نہیں جانتا، اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا کہنا ہے اس کوٹھی میں آپ کی موجودگی کا علم ہوتے ہی جیسے اسے اندر سے کسی نے اکسایا تھا اور وہ یہ کام کر گزرا تھا۔''

راجا عمر دراز نے گہری سانس لی۔ ''مجھے ایسی ہی کسی حرکت کی توقع تھی۔''

میں چونکا۔ ''وہ کیسے راجا صاحب؟''

''تمہارا کیا خیال ہے گزشتہ تین چار دن سے کھیلا جانے والا کھیل کس لئے تھا۔ دشمن تمہیں دوڑا رہا تھا تاکہ میرے پاس پہنچا دے۔''

''یعنی شکیل ان کا آلۂ کار بن گیا تھا؟''

''نہیں، میں نے اس شخص کو قریب سے دیکھا ہے، کوئی ترغیب یا لالچ اسے نہیں توڑ سکتی ہے۔ اسے کسی اور طریقے سے قابو کیا گیا ہے۔ ڈیوڈ شا کا نام سنتے ہی میں محتاط ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے تمہیں اپنے پاس بلانے سے گریز کیا تھا۔ اس شخص کے بارے میں میرے علم میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ صرف شیطانی دماغ ہی نہیں رکھتا بلکہ کچھ شیطانی علوم اور ذرائع میں بھی دسترس رکھتا ہے۔''

میں چونکا۔ ''کیا شکیل کو کچھن کے کسی مرحلے سے گزار کر تیار کیا گیا تھا؟''

''یہ ممکن ہے اس کے اعصاب کو کسی ترکیب سے کمزور کر کے اسے لاشعوری طور پر حکم دیا گیا کہ وہ موقع ملتے ہی مجھے مار ڈالے۔''

''میں نے ڈیوڈ شا کے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔''

''اس شعبے میں اب بہت زیادہ ترقی ہو چکی ہے کیونکہ مجھے سربیت اور دماغی بھول بھلیوں سے دلچسپی ہے اور اس بارے میں، میں نے بہت پڑھا ہے۔ دنیا کی تمام خفیہ ایجنسیاں اپنے مقاصد کے لئے ان طریقوں کو استعمال کرتی ہیں۔ شاہ فیصل شہید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے قتل میں سب سے پہلے یہ طریقہ استعمال کیا گیا ہے اور قاتل نے لاشعوری طور پر دیئے جانے والے احکامات پر عمل کیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب آپ جانتے تھے تو اس طرح بے پروائی سے سامنے کیوں آئے؟''

''وہ مسکرایا۔'' اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو میں اپنے خیال کی تصدیق کرنا چاہتا تھا، دوسرے مجھے اس بات پر پختہ اعتقاد ہے کہ جو رات قبر میں آنی ہے، وہ قبر میں ہی گزرے گی۔ بہر حال میں نے حفاظتی تدبیر بھی کر لی تھی، اس وجہ سے جان بچ گئی۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، اس کے علاوہ اور کوئی وجہ بھی ہے، وہ آپ نے ابھی بتائی نہیں ہے۔''

راجا عمر دراز ہنسا۔ ''تم چالاک آدمی ہو۔ ہاں، ایک وجہ یہ تھی کہ میں تم سے ملاقات کر کے تمہیں ایک تجویز دینا چاہتا تھا۔ میں چاہتا ہوں، تم میرے ساتھ بھارت چلو۔''

''بھارت!'' میں چونکا۔ ''کیا آپ پھر اس طرف جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں، میرا مطلب ہے اس پُراسرار وادی کی طرف؟''

''نہیں، وہ منزل ابھی دور ہے۔ فی الحال تو میں ڈیوڈ شا کو اس سفر سے باز رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ اس کی تیاری کر رہا ہے، اس کے ذہن پر وادی کو دریافت کر کے دنیا کے سامنے لانے کا جنون سوار ہے۔''

''میں اس معاملے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟''

''ایک تو یہ تمہارے دشمنوں سے بھی متعلق ہے۔ دوسرے تم فی الحال ملک سے باہر زیادہ محفوظ ہو گے، میں چاہتا ہوں کہ تم اور تمہارے ساتھی ملک سے باہر چلیں۔''

''شاید میرے ساتھی تیار نہ ہوں۔'' میں نے ہچکچا کر کہا۔

''تم اور تمہارے ساتھی احمق ہیں۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''یہاں رہ کر کیا تیر مار رہے ہو۔ بس بلی چوہے کا کھیل جاری ہے۔ تم لوگ منظر عام سے ہٹ جاؤ گے تو تمہارے وکیل اور ہمدردوں کے لئے تمہارے لئے کام کرنا آسان ہو جائے گا۔''

دیکھا جائے تو راجا عمر دراز درست کہہ رہا تھا۔ ہم نے سوائے پھنسنے اور نکل بھاگنے کے اب تک کوئی خاص کام انجام نہیں دیا تھا لیکن میرے اندر بھی جوانی کی مخصوص ضد تھی جو بزرگوں کی بات ماننے میں ہمیشہ ورنہ اکثر و بیشتر روڑے اٹکاتی تھی۔ میں نے ذرا سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں سوچ کر جواب دوں گا۔''

''ابھی تم نے میری پوری بات سنی کہاں ہے۔ میں چاہتا ہوں سفیر اور مونا دیبی چلے جائیں وہاں میری جائیداد ہے۔ وہ وہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔ اگر سفیر کوئی مصروفیت چاہتا ہے تو اسے وہاں ملازمت بھی مل سکتی ہے اور تم میرے ساتھ چلو۔''

''سونیا اور شکیل.....'' میں کہتے کہتے رک گیا۔ مجھے شکیل کی حالت یاد آئی۔ وسیم کے بعد وہ دوسرا مخلص دوست تھا جو مجھ سے بچھڑنے جا رہا تھا۔ کم سے کم اس کی حالت سے مجھے یہی لگا تھا۔ میں نے راجا عمر دراز سے کہا۔ ''کیا شکیل کی حالت کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے؟''

راجا عمر دراز نے بیگ کو طلب کیا اور اس سے شکیل کی حالت کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''شکیل ابھی آپریشن روم میں ہے، گولی نکال لی گئی ہے، اندرونی نقصان کی تلافی کی جا رہی ہے، حالت کے بارے میں ڈاکٹرز آپریشن کے بعد ہی کچھ بتا سکیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکیل کے زندہ ہونے کا سن کر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ میں نے بیگ سے پوچھا۔ ''میرے ساتھیوں کو تو شکیل کے بارے میں نہیں بتایا ہے۔''

بیگ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، میں نے سونیا پر نگرانی رکھی ہے لیکن اس کے اندر راجا صاحب کی آمد کی اطلاع پا کر کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔''

''فی الحال ان لوگوں کو لاعلم رکھنا ضروری ہے۔ شکیل کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ اسے کسی ضروری کام سے باہر بھیجا گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''فائرنگ کی آواز باہر نہیں گئی ہوگی۔''

''نہیں، کوٹھی سینٹرلی ائرکنڈیشنڈ اور ساؤنڈ پروف ہے۔'' بیگ نے مجھے آگاہ کیا۔

''رخسانہ اس معاملے میں قابلِ اعتماد ہے۔''

''ہاں، وہ رشید کی بیوی ہے اور اس نے اس کی باقاعدہ تربیت کی ہے، اس وقت کوٹھی کی حفاظت کی نگرانی وہ خود کر رہی ہے اور اسے علم ہے کس قسم کی ہنگامی صورتِ حال میں کیا کرنا ہے۔''

''وہ بچی.....''

''برخوردار۔'' راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''مرد ایک عمر تک بچہ رہتا ہے بلکہ بڑھاپے میں جا کر دوبارہ بچہ بن جاتا ہے مگر عورت کو کبھی اس زمرے میں شامل مت کرنا۔ وہ شادی ہوتے ہی بچی سے عورت بن جاتی ہے چاہے اس کی تیرہ چودہ سال کی عمر میں شادی کر دی جائے۔''

میں بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے بیگ سے کہا۔ ''مجھے شکیل کی حالت سے باخبر رکھئے گا۔ اگر وہ ہوش میں آ جائے تو میں اس سے ملنا چاہوں گا۔''

''یہ بعد کی بات ہے، فی الحال تو اس کا آپریشن جاری ہے۔''

''راجا صاحب، کیا آپ یہاں رکیں گے؟'' میں نے راجا عمر دراز سے پوچھا۔

''نہیں، میں یہاں سے ابھی چلا جاؤں گا۔ کل تک تم تینوں میرے پاس پہنچا دیئے جاؤ گے۔''

''اور سونیا..... وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔''

''ابھی اس کا یہاں رہنا مناسب ہے..... وہ بھی ایک مہینے تک شکیل کے ساتھ ڈیوڈ شا کی قید میں رہی ہے، ممکن ہے اس پر بھی کوئی حربہ آزمایا گیا ہو۔'' راجا عمر دراز نے قطعی لہجے میں کہا تھا۔

☆======☆======☆

میں مہمان خانے میں واپس آیا۔ سفیر اور مونا حسبِ معمول آپس میں جھگڑ رہے تھے اور جھگڑے کی وجہ نہایت پرانی اور احمقانہ تھی۔ کبھی مونا نے خوفناک قسم کی بریانی بنائی تھی اور سفیر کا بھوک سے برا حال تھا لہٰذا اس نے بریانی کھا لی تھی مگر اس کا ذائقہ نہیں بھولا تھا۔ اس نے مونا کو طعنہ دیا تھا۔ ''اس لڑکی کے ہاتھ میں کیا ذائقہ ہے۔''

''وہ لڑکی نہیں عورت ہے۔'' مونا نے اعتراض کیا۔

''لڑکی اور عورت میں کیا فرق ہے؟'' سفیر نے سوال کیا۔

''لڑکی غیر شادی شدہ ہوتی ہے اور عورت شادی شدہ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب اللہ جلد تمہیں بھی عورت بنائے۔'' سفیر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''بدتمیز!'' مونا جھینپ گئی تھی۔ ''بغیر دیکھے اور سوچے تمہاری زبان چل جاتی ہے۔''

''یعنی میں یہاں نہ ہوتا تو خاتون کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔'' میں صوفے پر گر کر بولا۔

''شوبی بھائی!'' مونا نے احتجاج کیا اور واک آؤٹ کر گئی۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔

مونا کے سامنے میں نے شگفتہ چہرہ بنا رکھا تھا اور اس نے توجہ بھی نہیں دی تھی لیکن سفیر مجھے اچھی طرح جانتا تھا وہ تاڑ گیا۔ ''خیریت تو ہے، کچھ پریشان لگ رہا ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''باہر چل۔''

میں اور سفیر باہر لان میں آئے جہاں اب شام قریب تھی اور دھوپ تیزی سے ڈھل رہی تھی۔ میں نے سفیر کو کوٹھی میں پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا تو پہلے وہ بھونچکا رہ گیا تھا پھر اس نے کہا۔ ''تو مذاق کر رہا ہے۔''

''یہ سچ ہے، آخری اطلاعات تک شکیل آپریشن روم میں تھا اور اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔''

''اندر اتنا کچھ ہو گیا اور ہمیں پتا بھی نہیں چلا؟''

''کوٹھی ساؤنڈ پروف ہے، اس وجہ سے فائرنگ کی آواز باہر نہیں آئی۔ سوچ یار! اگر راجا عمر دراز نے حفظ ماتقدم کے طور پر بلٹ پروف نہ پہن رکھا ہوتا تو اس وقت کیا ہو گیا ہوتا۔''

''تجھے راجا کی بات پر یقین ہے، شکیل کو کسی نے تنویمی عمل کر کے حکم دیا کہ وہ راجا عمر دراز کو قتل کر دے اور اس نے ایسا کر دیا۔''

''بظاہر تو یہی لگ رہا ہے، شکیل کے انداز سے بھی ظاہر تھا، اسے اپنے عمل پر حیرت تھی اور اس نے یہ سب ایک خودکار عمل سے کیا تھا۔ اس میں اس کے شعوری ارادے کو دخل نہیں تھا۔''

''یار، سونیا کو یہ بات.....''

''سونیا..... مونا یا کسی بھی تیسرے فرد تک یہ بات نہیں جانی چاہئے۔'' میں نے قطعی لہجے میں کہا۔

''تب شکیل کی گمشدگی کے بارے میں کیا جواز پیش کیا جائے؟''

''یہی کہ راجا عمر دراز نے اسے کسی کام سے باہر بھیجا ہے۔''

''اور یہ بہانہ کب تک چلے گا؟'' سفیر کے انداز میں طنز آ گیا تھا۔

''جب تک شکیل کی کنڈیشن واضح نہیں ہو جاتی۔''

''یار، ٹو نے ایمن کے بارے میں معلوم کیا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گئی۔''

میں نے سفیر کو ایمن کے بخیریت کونسلیٹ پہنچ جانے کے بارے میں بتایا۔ سفیر اندر چلا گیا اگر وہ زیادہ دیر باہر میرے ساتھ رہتا تو مونا بھانپ جاتی کہ کوئی چکر ہے اور وہ سفیر کے پیچھے پڑ جاتی۔ میں پھر کوٹھی کے عقبی دروازے کی طرف بڑھا جس سے میں پہلے بھی کوٹھی کے اندر گیا تھا مگر جب میں نے اس کو کھولنے کی کوشش کی تو وہ بند نکلا۔ اسی لمحے مجھے رخسانہ کی آواز سنائی دی۔ ''جی صاحب!''

''یہ دروازہ کیوں بند ہے؟'' میں نے سوال کیا، مجھے بیگ کی بات یاد آئی۔ کنٹرول روم میں رخسانہ تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اندر اب کوئی نہیں ہے اس لئے بند ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اندر موجود افراد کہاں گئے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

میں واپس پلٹ آیا اور سفیر کو راجا اور بیگ کی روانگی کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا۔ ''تُو رشید سے رابطہ کر، وہ شکیل کے پاس ہے۔''

''اس کا نمبر میرے پاس نہیں ہے۔''

''یار عقل استعمال کر، اس کی بیوی سے لے۔'' سفیر جھنجلا گیا تھا۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ رخسانہ کس کنٹرول روم میں تھی اس لئے میں پھر کوٹھی کے عقبی دروازے کے پاس آیا۔ رخسانہ یقیناً کسی پوشیدہ کیمرے کی مدد سے اس دروازے پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ ''رخسانہ، مجھے رشید کا موبائل نمبر چاہئے۔'' میں نے بلا تمہید کہا۔

اس نے مجھے نمبر بتایا، میرا موبائل اندر تھا۔ میں نے جا کر لیا اور دوبارہ لان میں آ کر رابطہ کرنے لگا۔ یہاں یہ خدشہ نہیں تھا کہ مونا یا سونیا میں سے کوئی میری بات سن لے گا۔ رشید نے فوراً جواب دیا تھا۔

''جی سر!''

''شکیل کی حالت کیسی ہے؟''

''انہیں آپریشن روم سے آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹروں نے اڑتالیس گھنٹے اہم قرار دیے ہیں۔ اب آپ کال مت کیجئے گا، میں پولیس کے معاملات نمٹانے جا رہا ہوں۔''

میں نے سفیر کو شکیل کی حالت کے بارے میں بتایا۔ ''یار پولیس کا اس معاملے میں ملوث ہونا خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''پر مجبوری ہے۔ میرا خیال ہے ان لوگوں نے شکیل کی شناخت ظاہر نہیں کی ہوگی اس طرح بچت ہو سکتی ہے۔''

''راجا کس لئے آیا تھا یہاں؟''

''راجا ایک تجویز لے کر آیا تھا اور مجھے اس کی تجویز بہتر لگی تھی، میں چاہتا ہوں تُو اس پر ٹھنڈے دماغ سے غور کر۔''

''''کیا تجویز ہے؟'' اس نے مجھے غور سے دیکھا۔

''راجا مجھے اپنے ساتھ انڈیا لے جانا چاہتا ہے۔''

''صرف تجھے..... میں اور مونا؟''

''تیرے اور مونا کے لئے اس کا خیال ہے کہ تم دونوں دبئی میں محفوظ رہو گے۔ وہاں بھی راجا کی پراپرٹی ہے، اس کا کہنا ہے اگر تُو چاہے تو وہاں ملازمت بھی مل سکتی ہے۔''

''مجھے اس کی ملازمت کی ضرورت نہیں ہے.....'' سفیر نے خفگی سے کہنا چاہا تو میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یار، تُو خواہ مخواہ گرم ہو رہا ہے، ذرا غور کر اپنے ملک میں ہم کہاں محفوظ ہیں۔ معاملات کو بہتا سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں یہ اتنے ہی الجھتے جا رہے ہیں۔ ہمارا فی الحال منظر عام سے ہٹ جانا لازمی ہے۔"

"تب تجھے کیوں اٹھا لے جا رہا ہے، تو بھی دبئی چل۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "شاید میرا دبئی جانا ممکن نہیں ہے۔ میں ملزم ہوں اور عدالتوں میں میرے خلاف مقدمات چل رہے ہیں۔ غیر قانونی ذرائع سے دبئی جانا خطرناک ہو سکتا ہے جبکہ بھارت میں اتنا خطرہ نہیں ہے۔ دوسرے راجا مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے ڈیوڈ شا اس پُراسرار ہمالیائی وادی کی طرف جانے کی فکر میں ہے اور وہ اسے روکنا چاہتا ہے۔"

"روکنا چاہتا ہے یا خود اس طرف جانے کی فکر میں ہے۔" سفیر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میرے دل میں بھی کئی بار یہ خیال آیا لیکن مجھے پتا نہیں۔ اگر راجا عمر دراز اس طرف جانا چاہتا تھا اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی، وہ بہت پہلے وہاں جا سکتا تھا۔"

"ہم تیرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔" سفیر بولا۔

"احمقانہ بات نہ کر۔ میں نے کب کہا ہے تُو میرا ساتھ چھوڑ دے۔ تجھے اور مونا کو کچھ عرصے کے لئے دبئی میں رہنا ہوگا اس کے بعد....."

"ہم تیرے ساتھ بھارت کیوں نہیں چل سکتے؟"

"میرا خیال ہے میں غیر قانونی طور پر سرحد پار جاؤں گا۔ باقاعدہ پاسپورٹ اور ویزے کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔"

سفیر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ "مونا نہیں مانے گی۔"

"تب دوسری تجویز یہ ہے کہ تُو اسے حویلی چھوڑ آ۔"

"وہ حویلی کا نام سن کر بدکنے لگی ہے۔"

"سفیر، تب کیا کریں، یونہی اور در بدر پھرتے رہیں اور دشمن شکاری کتوں کی طرح ہمارا پیچھا کرتا رہے، تُو سوچ، کسی دن ہم مرشد علی کے ہتھے چڑھ گئے تو وہ ہمارا کیا حشر نہیں کرے گا۔ مجھے سب سے زیادہ فکر مونا کی رہتی ہے۔ ہم مردوں کی وہ جان ہی لے سکتے ہیں لیکن ایک عورت مرنے سے پہلے بار بار مر سکتی ہے، تم اس پر بھی سوچو۔ جب ہم فتح خان کی قید میں تھے اور وہ گورے بدمعاش مونا کو لے گئے تھے تو ہمارے اوپر کیا گزری تھی۔ میں اس تصور سے کانپ جاتا ہوں۔"

"تُو ٹھیک کہہ رہا ہے یار!" سفیر پشیمان نظر آنے لگا تھا۔

"بس تو میں راجا سے کہہ دیتا ہوں، تم دونوں کے دبئی جانے کا بندوبست کرے۔ مونا سے یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب روانگی کا وقت آئے گا تو اسے خود پتا چل جائے گا۔"

"اور سونیا؟"

"وہ یہیں رہے گی۔ راجا نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ ہم اسے یہیں چھوڑ کر راجا کے پاس جائیں گے فی الحال راجا اس پر بھی اعتماد کرنے کو تیار نہیں ہے، اس کا کہنا ہے سونیا بھی شکیل کے ساتھ قید رہی ہے، ممکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس پر بھی کوئی حربہ آزمایا گیا ہو۔"

ہم اندر آئے تو سونیا نے پہلی بار شکیل کے بارے میں پوچھا، میں نے اسے بتایا کہ راجا نے اسے کسی کام سے بھیجا ہے۔ سونیا بے چین ہوگئی تھی۔ "کس کام سے؟ اس نے جانے سے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"بی بی، ضروری نہیں ہے کہ آدمی ذرا دیر کے لئے کہیں جا رہا ہو تو بتا کر جائے اور بتانے کے لئے میں ہو ہوں۔"

"سوری شوبی بھائی!" وہ جھینپ گئی تھی۔ "بس دل گھبرا گیا تھا۔"

میں نے دل ہی دل میں اس لڑکی سے ہمدردی محسوس کی تھی، اس کا شوہر اس کے اعتماد کو دھوکا دے کر مارا جا چکا تھا اور اب اس نے جس شخص سے اپنی زندگی کی تقدیر وابستہ کر لی تھی، وہ زندگی اور موت کی کش مکش میں تھا۔ بھائی پر وہ پہلے ہی صبر کر چکی تھی لیکن میں نے اپنے تاثرات سے ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔

رشید شام کے چھ بجے آیا تھا۔ وہ تھکا ہوا اور عجلت میں تھا۔ اس نے مجھے پورچ میں ہی رپورٹ دی۔ "شکیل صاحب، ابھی آئی سی یو میں ہیں۔ میں نے ان کو نامعلوم راہ گیر ظاہر کیا ہے، کوئی نامعلوم شخص گولی مار گیا ہے اور میں نے ازراہ ہمدردی اسے اسپتال تک پہنچا دیا ہے۔"

"گڈ، اب ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

"انہوں نے اڑتالیس گھنٹے اہم قرار دیئے ہیں، آنتوں اور جگر کے ایک حصے کو نقصان ہوا ہے اگر حالت بہتر بھی ہوگئی تب بھی کم سے کم ایک مہینہ اسپتال میں رہنا ہوگا۔"

مجھے ناصر کا خیال آیا اور میں نے اس کو کال کی۔ اسے مختصر الفاظ میں شکیل والا واقعہ سنایا اور اس سے کہا۔

"ایمن برنش ایمبیسی میں ہے، معلوم کرو وہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"میں معلوم کرتا ہوں..... شکیل کا سن کر افسوس ہوا۔"

"تم نے شاہ نواز کے بارے میں معلوم کیا؟"

"اس کے بارے میں معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ آج کے دن وہ اپنی کس گرل فرینڈ کے پاس پایا جاتا ہے۔" ناصر ہنسا۔

"او کے، ایمن کے بارے میں معلوم کر کے مجھے اس نمبر پر کال کرنا۔"

رات کا کھانا سب نے بوجھل دل کے ساتھ کھایا تھا۔ میں اور سفیر تو حالات سے واقف تھے لیکن میں نے نوٹ کیا، مونا اور سونیا بھی بے دلی سے کھا رہی تھیں، رخسانہ پریشان ہوگئی تھی۔

"کیا کھانا اچھا نہیں بنا ہے صاحب جی!" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"نہیں، کھانا تو اچھا ہے لیکن پتا نہیں بھوک نہیں ہے۔"

"سب کو نہیں ہے کسی نے بھی ٹھیک سے نہیں کھایا۔"

"تم فکر مت کرو۔ کھانا مزے دار ہے۔" مونا نے اسے تسلی دی۔

"سونیا کئی دن بعد نارمل کھانا کھا رہی تھی۔ اس نے بھی کھانے کی تعریف کی تھی مگر وہ اب پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس نے کھانے کے بعد مجھ سے کہا۔ "ابھی تک شکیل نہیں آیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ممکن ہے کام لمبا ہو گیا ہو۔"

"لیکن اسے اطلاع تو کرنی چاہئے۔"

"سونیا! ہمارے کام میں عام طور سے اس قسم کی فارمیلیٹیز نہیں ہوتیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "تم بھی کوئی عام گھریلو خاتون نہیں ہو جو اس طرح سے پریشان ہو رہی ہو۔"

"میں اندر سے کمزور ہو گئی ہوں۔ عادل اور پھر وسیم بھائی کے بعد مجھ میں مزید کوئی جھٹکا برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی ہے۔"

"میرا دل اندر سے بوجھل ہونے لگا تھا مگر میں نے اسے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم کچھ زیادہ ہی قنوطی ہونے لگی ہو۔ ابھی بیماری سے اٹھی ہو اور اس حالت میں کیفیت کچھ ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ ایسا کرو دودھ کے ساتھ دوا لو اور سو جاؤ۔"

"جی اچھا!" وہ بولی پھر اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔ "آپ شکیل کے بارے میں نہیں معلوم کر سکتے؟"

"اس کے پاس موبائل نہیں ہے البتہ میں بیگ صاحب سے معلوم کر لوں گا۔ تم جا کر سو جاؤ، میرا خیال ہے اب شکیل صبح ہی آئے گا۔ باہر سردی شدید ہے، ممکن ہے وہ کہیں اور رک گیا ہو۔"

سونیا بادلِ ناخواستہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں اور سفیر اپنے کمرے میں آئے۔ مونا بھی چلی آئی تھی اس لئے ہم شکیل کے بجائے دوسرے موضوعات پر بات کرنے لگے۔ سفیر نے مونا سے دبئی کے بارے میں پوچھا۔ "دبئی کیسا لگتا ہے؟"

"فضول بکواس!" اس نے منہ بنایا۔

"احمق ایک دنیا دیوانی ہے۔"

"مصنوعی خوبصورتی کی۔ صحرا میں عمارتوں کا جنگل بنا دیا ہے۔" مونا نے طنز کیا۔ "اس میں کیا خاص بات ہے؟"

"یہ دبئی کا ذکر کہاں سے آ گیا؟" میں نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔ سفیر احمق کے پیٹ میں کوئی بات نہیں ٹکتی تھی، خاص طور سے مونا کے سامنے۔

"بس ایسے ہی آ گیا۔" سفیر کھسیا گیا۔

مونا نے مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھا۔ "کیا بات ہے، تم دونوں کے درمیان کوئی چکر ہے؟"

"نہیں تو۔" میں نے معصومیت سے کہا۔ "اتفاق سے ہم دونوں مرد ہیں۔"

مونا جھینپ گئی، جلدی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "کافی کون پیئے گا؟ میں بنانے جا رہی ہوں۔"

"مجھے تو نیند آ رہی ہے۔" میں نے جماہی لی۔

"میں پیوں گا۔" سفیر بولا۔

"تب آپ بھی تشریف لے جائیں۔" میں نے کہا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

ان دونوں کے جاتے ہی میں نے موبائل نکال کر رشید کو کال کی۔ "شکیل کی حالت کے بارے میں پتا چلا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی سر! میں نے ابھی کال کیا تھا۔ اسپتال کے آئی سی یو میں..... انہیں ہوش آ گیا ہے مگر اڑتالیس گھنٹے کا وقت برقرار ہے۔ تکلیف سے بچانے کے لئے ڈاکٹر نے ان کو مسکن دوائیں دی ہیں۔"

"رشید اس کی مستقل خبر رکھو اور جیسے ہی اس کی حالت میں کوئی مثبت یا مثبت تبدیلی ہو وقت کا خیال کئے بغیر مجھے اطلاع کرنا۔"

"میں خیال رکھوں گا سر!" اس نے کہا

"میں نے کال کاٹ دی تھی، اسی لمحے ناصر کی کال آئی۔ "ہیلو، کیا کسی سے بات کر رہے تھے؟"

"شکیل کی طبیعت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹروں نے اڑتالیس گھنٹے دیے ہیں۔"

"میں نے بھی معلوم کیا تھا، اتفاق سے اس اسپتال میں ایک جاننے والا ڈاکٹر ہے، اس نے امید ظاہر نہیں کی ہے۔ شکیل کی آنتیں شدید متاثر ہیں اگر بچتا ہے تب بھی اسے آنتوں کی سرجری کے مراحل سے گزرنا پڑے گا۔"

"ایمن کا کیا ہوا؟" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔ "اس کے بارے میں کوئی خبر ہے؟"

"فی الحال وہ کونسلیٹ کی عمارت میں ہے۔" اس کی طرف سے کل دبئی جانے والی کسی پرواز میں سیٹ کی کوشش کی گئی تھی البتہ یہ نہیں معلوم کہ سیٹ ملی ہے یا نہیں؟"

"اس کا مطلب ہے اس کا پاسپورٹ اور دوسرے مسائل حل ہو گئے۔"

"تم ابھی کہاں ہو؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارے سامنے ایک بند وین میں آئے تھے اور اسی حالت میں ایک کوٹھی میں اترے، مجھے تو ملانے کا بھی نہیں پتا۔"

"راجا عمر دراز واقعی ذہین آدمی ہے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دشمن بلاسبب اتنی مہربانی نہیں کر رہا تھا۔"

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ شکیل ایسی حرکت کرے گا۔"

"میرا خیال ہے اب تم لوگوں کو ملک سے چلے جانا چاہئے ورنہ دشمن ہر بار مہربان نہیں رہے گا۔ جامی شاہ بھی اس وقت پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ اس کے کم سے کم چھ آدمی مارے گئے ہیں۔"

"یعنی وہ بھی ہمارے خلاف حرکت میں آ گیا ہے؟"

"مکمل طور پر تو نہیں..... لیکن اس کے کچھ نہ کچھ بندے تم لوگوں کی تلاش میں ہیں۔"

ناصر سے کچھ دیر بات کر کے میں نے فون بند کر دیا۔ میں نے آج سوائے ٹہلنے اور ادھر سے اُدھر جانے کے اور کچھ نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود ذہنی تھکن طاری ہو رہی تھی۔ شاید صبح ہونے والے واقعے نے مجھے اندر سے مایوس کر دیا تھا۔ میں بستر پر دراز ہو گیا اور کچھ دیر میں سو گیا تھا۔ اگلے روز صبح سویرے آنکھ کھلی تھی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور سفیر برابر میں کمبل میں لپٹا سو رہا تھا۔ میں نے پہلے رشید سے رابطہ کر کے شکیل کے بارے میں پوچھا۔ صبح پانچ بجے تک اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں باہر آیا، میں نے ایک اونی اپر لے لیا تھا۔ اس کے باوجود باہر آتے ہی سردی نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میں نے خود کو گرم کرنے کے لئے لان میں جاگنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شروع کر دی۔ ایک بار میں چکر لگاتے ہوئے گیٹ کی طرف آیا۔ چوکیدار اپنی کوٹھری میں چائے بنا رہا تھا اس نے مجھے بھی پیش کش کی۔

''تیار کر کے رکھو۔ میں ایک چکر اور لگا کر آتا ہوں۔''

میں گھوم کر آیا تو چائے تیار تھی۔ چوکیدار سیم تن خان نے مجھے بھی ایک کپ دیا۔ یہ بغیر دودھ کی ہلکے سے لیموں والی چائے تھی جس نے صبح سویرے مزہ دیا تھا۔ اس دوران میں، میں نے سیم تن خان سے گپ شپ کی۔ وہ چوبیس گھنٹے کا چوکیدار تھا۔ رات کو وہ چھ گھنٹے کے لئے سوتا تھا، اس کے بعد مستقل پہرے پر رہتا تھا لیکن یہ معمول اس وقت کے لئے ہوتا تھا جب کوٹھی میں خاص مہمان آتے تھے۔ ورنہ عام حالات میں سیم تن خان رات بھر لمبی تان کر سوتا تھا۔ میں نے چائے پی کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ پندرہ منٹ تک مزید ایکسرسائز کی۔ کچھ عرصے سے حالات کی وجہ سے میں اس طرف سے بالکل غافل رہا تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ میرا جسم کچھ بھاری اور سست ہو گیا تھا۔

اندر آ کر میں نے گرم پانی سے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کئے۔ باقی سب سو رہے تھے اس لئے میں نے کیلے میں ہلکا پھلکا ناشتہ کیا۔ میں نے سوچا کہ اپنی خوراک پر بھی قابو پاؤں گا۔ اس لئے ناشتے میں سیریل دودھ کے ساتھ ایک عدد ہاف بوائل انڈا لیا۔ آخر میں سگترے کا جوس لیا۔ نو بجے ناصر کا فون آیا۔ اس نے بتایا کہ ایمن آج گیارہ بجے والی فلائٹ سے دبئی جا رہی ہے۔ امکان یہ تھا کہ وہاں سے اسے لندن کے لئے فلائٹ مل جائے گی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ کم سے کم ایک مسئلہ تو حل ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے راجا عمر دراز یعنی اس کے سیکرٹری بیگ سے رابطہ کیا۔ ''سفیر اور مونا دبئی جانے پر راضی ہو گئے ہیں۔'' میں نے آدھا جھوٹ بولا۔ ''ان کے لئے جلد از جلد روانگی کا بندوبست کیا جائے۔''

''ان کے پاسپورٹ ہیں یا بنوانے پڑیں گے؟'' بیگ نے پوچھا۔

''بنوانے پڑیں گے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''ٹھیک ہے، میں انتظامات شروع کرتا ہوں۔'' بیگ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

سفیر جاگ گیا تھا، میں نے اسے اب تک کے مختصر احوال سے آگاہ کیا۔ ''تم دونوں کے پاسپورٹ بنیں گے، ممکن ہے آج ہی بیگ کی طرف سے درخواست کی کارروائی مکمل ہو جائے۔''

''یعنی تصویریں اور سائن!'' سفیر نے فکرمندی سے کہا۔ ''یہ تو قبل از وقت فساد والی بات ہو گی۔''

''یار، ذرا عقل سے کام لے۔ اسے بتانے کی کیا ضرورت ہے کہ تم دونوں دبئی جا رہے ہو، کہہ دینا کہ حفظ الاقدم کے طور پر بنوا رہے ہو۔''

''اور ویزا..... اس کے فارم پر بھی سائن کرنے ہوں گے؟''

''وہ بعد کی بات ہو گی۔'' میں نے کہا۔

کچھ دیر بعد ہی رشید نے آ کر بتایا کہ ایک فوٹو گرافر آیا ہے جو ہماری تصویریں لے گا۔ فوٹو گرافر نے ہم چاروں کی تصویریں لی تھیں۔ جیسے ہی ہم مہمان خانے میں واپس آئے، مونا نے سوال کیا۔

''تصویریں کس خوشی میں لی گئی ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پاسپورٹس کے لئے۔'' میں نے جواب دیا۔

''لیکن ہمارے شناختی کارڈز تو سفیر کی حویلی میں ہیں۔'' مونا نے یاد دلایا۔

''شناختی کارڈ تو ہم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔'' میں نے غور کیا۔ ''لیکن اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا فی الحال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''شہباز بھائی!'' سونیا نے جھجک کر کہا۔ ''شکیل کے بارے میں معلوم کیا؟''

''میں نے جلدی سے کہا۔ ''تمہیں بتانا بھول گیا تھا، وہ راجا صاحب کے ایک کام سے راولپنڈی گیا ہے، کل دوپہر یا شام تک آجائے گا۔''

سونیا کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی۔ ''آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟''

''میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔'' میں نے دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

دوپہر تک آسمان پر پھر سے بادل جمع ہونے لگے تھے، صبح شدید قسم کی دھند تھی۔ دوپہر تک یہ کسی قدر کم ہوئی تھی لیکن اس کے بعد بادل آگئے تھے۔ میں نے رشید سے کوئی درجن بھر انگریزی اور اردو کے اخبارات منگوا لئے تھے۔ میں اور سفیر اخبارات دیکھنے لگے جبکہ مونا اور سونیا لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔ میں ایک خبر دیکھ رہا تھا جو گزشتہ چند دن میں لاہور میں ہونے والے ہنگاموں کے بارے میں تھی۔ خبر میں ظاہر کیا گیا کہ یہ مار کٹائی لاہور کے جرائم پیشہ گروہوں کی آپس کی لڑائی کا نتیجہ تھی۔ جامی شاہ کا نام لئے بغیر اس کا ذکر تھا کہ اسے موجودہ حکومت کے بعض وزیروں کی درپردہ حمایت حاصل تھی اور اس وجہ سے پولیس اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے گریز کرتی تھی۔ ایک خبر شکیل کے بارے میں تھی کہ ایک نامعلوم شخص کو نامعلوم افراد نے گولی مار کر شدید زخمی کر دیا تھا۔ وہ ایک نجی اسپتال میں زیر علاج ہے مگر اسپتال کا نام نہیں دیا گیا تھا۔ میں ابھی خبر پڑھ رہا تھا کہ مونا اندر آئی۔ ''جلدی کرو، ٹی وی پر ایمن کا انٹرویو آرہا ہے۔''

میں اور سفیر لاؤنج کی طرف لپکے تھے۔ دبئی ائرپورٹ پر بی بی سی کا نمائندہ ایمن سے سوالات کر رہا تھا اور اس کی طویل گمشدگی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے سوالوں میں سیاسی رنگ جھلک رہا تھا۔

''کیا تمہیں کسی اسلامک ملی ٹنٹ گروپ نے اغوا کیا تھا؟''

''نہیں، میں اپنے دوستوں کے ساتھ تھی۔''

''تمہارے دوستوں کا تعلق اسلامک ملی ٹنٹس سے ہے؟''

''نہیں۔'' ایمن نے منہ بنایا۔ ''مجھے بعض افراد سے خطرہ تھا اس لئے میں روپوش ہوگئی، شکریہ!''

ایمن شانے پر چھوٹا سا بیگ ٹانگے اور ایک بیگ ہاتھ میں لئے آگے جانے لگی تھی کہ بی بی سی کا نمائندہ پھر اس کے پیچھے لپکا۔ ''کیا یہ خطرہ اسلامی جہادی گروپوں کی طرف سے تھا؟''

ایمن رک گئی۔ اس نے خلاف توقع جھنجلائے بغیر مسکرا کر کہا۔ ''گزشتہ دنوں شہزادہ ولیم کے گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی، کیا اس بارے میں کسی نے تحقیق کی کہ اس میں کوئی اسلامی ملی ٹنٹ گروپ تو ملوث نہیں ہے۔'' نمائندہ کھسیا گیا تھا۔ اس نے مزید سوال کرنے کی کوشش کی تو ایمن نو کمنٹس کہہ کر آگے چلی گئی تھی۔

''یعنی وہ خیر خیریت سے دبئی پہنچ گئی ہے۔'' مونا نے کہا۔ ''اور شاید تم بھی دبئی جانے کا سوچ رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے مجھے اور سفیر کو دیکھا۔ ''لیکن میں بتا دوں میں کسی صورت ملک سے باہر نہیں جاؤں گی۔''

''مالک ہیں آپ اپنی مرضی کی۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد سفیر کمرے میں آیا۔ ''یار، تُو نے زیادہ ہی سخت لہجے میں بات کی۔''

''نہیں تو کیا اسے ہار پہناتا؟'' میں بھنا گیا۔ ''تُو نے یہی باتیں کر کے اسے سر چڑھا لیا ہے۔''

''پھر بھی یار، نرمی سے بات کر سکتا تھا۔''

ذرا دیر بعد میرا غصہ ٹھنڈا ہوا تو میں نے تسلیم کیا۔ ''بے شک میں نے ذرا سخت لہجے میں بات کی تھی۔''

''اب جا کر معافی مانگ لیں۔''

''معافی!'' میں نے غور کیا۔ ''یار، اس سے وہ مجروح نہیں ہوگی..... ہماری مردانہ انا!''

''نہیں ہوگی، مستقبل میں تجھے اس کی ضرورت پڑے گی۔ بہتر ہے ابھی سے کوشش کر لے۔'' سفیر نے خلوص سے کہا۔

میں لاؤنج میں آیا جہاں مونا رومال سے آنکھیں صاف کر رہی تھی اور سونیا اسے گلے سے لگا کر پیار کر رہی تھی۔ میں نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ ''بندہ معافی کا خواست گار ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' مونا بھیگے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میری حیثیت ہی کیا ہے؟''

''ارے بابا! تمہاری ہی تو ساری حیثیت ہے، تمہارے لئے تو یہ ساری تگ و دو کر رہے ہیں۔'' میں اس کے پاس قالین پر بیٹھ گیا۔ ''مونا، تم میرے لئے کیا حیثیت رکھتی ہو، تم اچھی طرح جانتی ہو، کسی طرف سے تمہیں ذرا سا خطرہ لاحق ہو، مجھے برداشت نہیں ہے اور مرشد علی ہمارے لئے ایک بہت بڑی دھمکی ہے۔ ابھی تک خدا نے ہماری مدد کی ہے، ہم ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہے ہیں لیکن تمہیں ان کی طرف سے خاص خطرات لاحق ہیں۔ نادر علی خود تو کسی قابل نہیں رہا ہے اس کی جگہ مرشد علی نے سنبھال لی ہے۔ وہ بہر صورت تمہیں اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا ہے اور یہ ہماری زندگیوں میں ممکن نہیں ہے۔''

''تو اس لئے تم صرف مجھے دبئی بھیجنا چاہ رہے ہو؟''

''صرف تمہیں نہیں، ہم سب بھی چلیں گے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔ ''میں، سفیر اور سونیا بھی۔''

سونیا چونکی۔ ''میں..... میں کیوں..... میں تو شکیل کے ساتھ اس کے گھر.....''

''سوری، غلطی سے منہ سے نکل گیا۔'' میں نے دل ہی دل میں خود کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا۔

سونیا چپ ہو گئی مگر اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ مونا کو تسلی دے کر اور چپ کرا کے میں باہر آیا۔ پھر رشید سے رابطہ کیا۔ ''شکیل کی حالت کیسی ہے اب؟''

''کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے مگر وہ ہوش میں ہیں، میں ان کے پاس ہوں، یہ آپ سے بات کریں گے۔'' اس نے کہا اور موبائل شکیل کے کان سے لگا دیا۔ اس کی دھیمی لیکن مضبوط آواز آئی تھی۔

''شہباز صاحب!''

''شکیل!'' میں نے خود پر ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''کیسے ہو میرے دوست!''

''شہباز صاحب، میں نے ہمیشہ خود کو آپ کا خادم سمجھا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، تم میرے دوست ہو، جیسے سفیر ہے، جیسے وسیم تھا۔''

''میں شکر گزار ہوں لیکن اس وقت آپ سے ایک التجا ہے، میں آج رات آپ سے اور سونیا سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''شکیل، چند دن میں تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ گھر.....''

''پلیز شہباز صاحب!'' اس نے التجا کی۔ ''مجھے ایسا نہیں لگ رہا ہے۔ میرے پاس وقت کم ہے، آپ وعدہ کریں سونیا کو لے کر آئیں گے۔ مجھے آپ دونوں سے ضروری بات کرنی ہے۔''

میرا دل اندر سے جکڑنے لگا تھا۔ شکیل کے لہجے میں مستقبل جان والی اور موت کی آہٹ بھانپ لینے بے چینی تھی۔ ''او کے..... میں آؤں گا۔'' میں نے اقرار کیا۔

''میں انتظار کروں گا۔'' اس نے کہا اور فون رشید کو واپس کر دیا۔

''شکیل صاحب کو ڈاکٹرز نے زیادہ بولنے سے منع کیا ہے۔'' رشید کی آواز آئی۔ ''میں آ رہا ہوں۔''

میں اندر آیا تو سونیا پریشان سے انداز سے لاؤنج میں ٹہل رہی تھی۔ ''کیا بات ہے سونیا؟''

''دل گھبرا رہا ہے شہباز بھائی!''

''سونیا، تم ایک بہادر بھائی کی بہادر بہن ہو۔ ذرا ذرا سی باتوں پر گھبراؤ گی تو گزارہ کیسے ہوگا؟''

''راجا صاحب نے شکیل کو کہاں بھیج دیا ہے۔ وہ اب ان کا ملازم نہیں ہے۔'' سونیا کے لہجے میں ذرا تیزی آ گئی تھی۔

''سونیا، راجا صاحب ہمارے محسن ہیں، ان کے دو آدمیوں نے جانیں دے کر ہمیں محفوظ رکھا ہے، ان کی مدد سے میں تمہیں، شکیل اور ان دونوں کو قید سے نکالنے میں کامیاب ہوا تھا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''میں جانتی ہوں..... لیکن.....'' آگے اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''سونیا، مجھ پر اعتماد رکھو اور خدا سے دعا کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ممکن ہے آج رات تک شکیل سے ہماری ملاقات ہو جائے۔''

''سچ؟'' اس کا چہرہ جگمگا اٹھا تھا۔ ''شکیل رات کو آ جائے گا؟''

''امکان یہی ہے۔''

''یار، کب تک اس سے چھپائے گا۔'' سونیا کے لاؤنج سے جانے کے بعد سفیر نے کہا۔

''آج رات سچ مچ شکیل سے ملاقات کرنی ہے۔'' میں نے اسے مختصراً شکیل سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

''یار، اس میں خطرہ ہے۔ تُو جانتا ہے چاروں طرف دشمن شکاری کتوں کی طرح ہمیں سونگھتے پھر رہے ہیں۔'' سفیر فکرمندی سے بولا۔

''بعض اوقات خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ میں ایک ایسے شخص کی خواہش رد نہیں کر سکتا جس کے بارے میں یہ بھی نہ پتا ہو کہ وہ کل تک زندہ رہے گا یا نہیں۔''

''تُو کیسے جائے گا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں رشید سے کہتا ہوں..... بندوبین منگوالے، وہ اچھی چیز ہے۔''

''وہ وین کئی بار استعمال ہو چکی ہے اور ممکن ہے دشمن کی نظر میں آ گئی ہو۔ اسے استعمال کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔'' سفیر نے پُرفکر لہجے میں کہا، اس کی بات نے مجھے بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم اپنا حلیہ بدل لیتے ہیں۔''

''سردی شدت کی تھی، میں نے رشید کو طلب کیا۔'' مجھے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے ہڈ والے اپر چاہئیں۔''

''میں ابھی منگواتا ہوں جناب!''

''میرا خیال ہے ہم بارہ بجے کے بعد نکلیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس وقت سڑکیں سنسان ہو چکی ہوں گی۔ اگر کسی نے تعاقب کیا تو فوراً نظر میں آ جائے گا۔''

''کیا میں بھی چلوں؟''

''نہیں..... تم اور مونا رکو۔'' میں نے کہا پھر مجھے ایک خیال آیا۔ ''سفیر کسی طرح اپنی حویلی سے اپنے اور مونا کے شناختی کارڈ منگوالو۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

''اس معاملے میں بیگ سے بات کرو۔ ممکن ہے ان کے آدمی راولپنڈی میں ہوں۔''

رات کا کھانا بھی خاموشی اور بے دلی سے کھایا گیا۔ اس کے بعد ہم کافی پینے کے لئے لاؤنج میں آئے، کافی کے بعد میں نے سونیا کو شکیل کے بارے میں بتانے کا آغاز کیا۔ ''سونیا ابھی رات بارہ بجے کے بعد میں اور تم شکیل سے ملنے جائیں گے۔'' میں نے کہا تو سونیا چونکی۔

''شکیل کہاں ہے؟'' اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''سونیا، تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''شکیل اس وقت اسپتال میں ہے۔''

''اسپتال میں۔'' سونیا نے چیخ ماری۔ ''کیوں..... کس لئے؟''

''اسے گولی لگی ہے۔'' میں نے کہا پھر اسے آہستہ آہستہ گزشتہ روز پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا۔ شکیل کے زخمی ہونے اور اسپتال کے آئی سی یو میں ہونے کا سن کر سونیا نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا تھا۔ مونا بھی حیران تھی۔

''شوبی! تم نے مجھے بھی نہیں بتایا؟''

''میں اب بھی نہیں بتاتا اگر شکیل مجھ سے اور سونیا سے ملنے پر اصرار نہ کرتا۔'' میں نے کہا۔

''اسے کس نے گولی ماری ہے؟'' سونیا غصے سے بولی۔

''سونیا غلطی اس کی ہے، وہ اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھا۔ اس نے خود مجھ سے کہا ہے کہ اسے نہیں معلوم اس نے راجا پر کیوں حملہ کیا ہے۔ مجبوراً راجا کے محافظ نے اس پر فائر کیا تھا۔ اگر راجا عمر دراز نے بلٹ پروف جیکٹ نہ پہن رکھی ہوتی تو وہ مارا جاتا۔''

''میں نہیں مانتی..... یہ شکیل پر الزام ہے۔'' اس نے شدومد سے نفی میں سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ الزام نہیں ہے۔ میں نے خود شکیل کو راجا پر فائر کرتے دیکھا ہے۔''

''آپ بھی ان کے ساتھ ہیں۔'' اس نے بدتمیزی سے کہا۔ ''آپ راجا کے ساتھ مل کر شکیل کو مارنے والوں میں شامل ہیں۔''

''بکواس بند کرو۔'' بے ساختہ میرا ہاتھ گھوما تھا۔ سونیا صوفے پر جا گری تھی۔

''شوبی! یہ پاگل ہو رہی ہے۔'' مونا نے ملامت سے کہا۔

''یہ مجھ پر الزام لگا رہی ہے۔ اس کا واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

سفیر مجھے کھینچ کر وہاں سے لے گیا۔ ہم اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔ ''یار! تیری قوت برداشت کیا ہو گئی ہے، تُو اس طرح ری ایکٹ کر جاتا ہے؟''

''شاید..... میرے اعصاب بھی کمزور ہو گئے ہیں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''میں انسان ہوں، اعصاب میرے بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ حالات مجھ پر اثر انداز ہوئے ہیں۔''

سفیر سوچ رہا تھا۔ ''تُو نے اس کا لہجہ دیکھا۔ راجا کے لئے اس کے لہجے میں کتنی نفرت آ گئی تھی۔ مجھے لگ رہا ہے شاید اسے بھی سیچوشن کے کسی عمل سے گزارہ گیا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے غور کیا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور سونیا اندر آئی، اس کے پیچھے مونا تھی۔ سونیا کا سر جھکا ہوا تھا اور چہرے پر ندامت تھی۔ ''سوری شہباز بھائی! میں نے آپ سے بدتمیزی کی، شکیل کے بارے میں سن کر میں اپنے ہوش کھو بیٹھی تھی۔''

''اِدھر آ کر بیٹھو۔'' میں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چپ کر کے بیٹھ گئی۔ ''شکیل کے زخمی ہونے کا مجھے بھی افسوس ہے مگر جو ہوا اس میں کسی کا قصور نہیں تھا۔''

''وہ اسے زخمی کیے بغیر بھی پکڑ سکتے تھے۔''

''اتنا وقت نہیں تھا اور عین ممکن ہے شکیل نے جس تنویمی عمل کے تحت یہ کام کیا ہو اس میں آخری ہدایت خودکشی کی ہو۔ راجا کے محافظ کے گولی چلانے سے اسے موقع نہیں ملا۔''

''اب بھی تو وہ اسپتال میں ہے۔'' سونیا دکھی لہجے میں بولی۔

''ہاں اور مجھے امید ہے وہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ہم رات بارہ بجے کے بعد چلیں گے۔''

''آپ نے مجھے معاف کر دیا نا؟''

''بابا معافی کس بات کی..... میں نے اسی وقت جھانپڑ رسید کر دیا تھا۔''

''شوبی! تم نے زیادتی کی ہے۔'' مونا پیچھے سے بولی۔

''واقعی؟'' میں نے دانت پیسے۔ ''آپ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا چاہئے تھا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔'' مونا جلدی سے بولی تو سفیر ہنس پڑا تھا۔

''شوبی سے کیسی جان جاتی ہے اور ایک میں ہوں بے چارہ!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مستقبل کا بے چارہ!'' میں نے لقمہ دیا۔

''عرف شوہر۔''

''عرف گدھا۔''

''آپ دونوں کی زبان بے لگام ہو چکی ہے۔'' مونا خفگی سے بولی۔

''اچانک میری نظر سونیا پر گئی۔ ہمارے ہنسی مذاق سے بے نیاز وہ دکھ کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ مونا اور سفیر کو بھی احساس ہو گیا تھا، وہ چپ کر گئے۔ میں نے سونیا سے کہا۔ ''فکر مت کرو۔ خدا نے چاہا تو شکیل ٹھیک ہو کر گھر آجائے گا۔''

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟''

''گولی جگر سے بھی گزری ہے۔'' میں نے محتاط الفاظ میں کہا۔ ''اس وجہ سے ذرا مسئلہ ہے۔ ڈاکٹروں نے امید ظاہر کی ہے وہ جلدی کور کر لے گا۔''

سونیا نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا ہے، آپ شکیل کے بارے میں درست نہیں کہہ رہے ہیں۔ اگر اس کی حالت خراب ہے تو پلیز، مجھ سے مت چھپائیں۔''

''ڈاکٹروں نے اڑتالیس گھنٹے دیئے ہیں جس میں سے تیس گھنٹے کا وقت گزر چکا ہے۔''

''شکیل ہوش میں ہے؟''

''ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے میری اس سے بات ہوئی تھی۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''اس نے خاص طور سے مجھے اور تمہیں ملنے کے لئے بلایا ہے۔''

رشید اندر آیا تھا۔ اس نے ایک شاپر ہمارے حوالے کیا جو خاصا بڑا اور وزنی تھا۔ ''اس میں آپ کے لئے اپرز ہیں اور میں کچھ سویٹرز بھی لایا ہوں۔''

''میں نے شاپر کھولا۔ میرے لئے وہ بیگی اپر لایا تھا جس پر ہڈ تھا، اسے پہن کر آدمی دوسروں کی نظروں سے چھپ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ گرم اور بھاری سویٹرز تھے۔

''رشید ہمیں بارہ بجے کے بعد جانا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''گاڑی تیار ہے جناب!'' وہ بولا۔

''کتنی دور جانا ہوگا؟''

''ایک بلاک کا فاصلہ ہے۔'' رشید نے بتایا۔ ''پانچ منٹ لگیں گے۔''

گیارہ بجے میں نے اور سونیا نے تیاری شروع کر دی تھی۔ میں نے نیچے شرٹ پہنی تھی، جس کے تلے پستول کے میگزین آ گئے تھے جب کہ دونوں پستول میں نے اپر کی اندرونی جیبوں میں رکھ لئے تھے۔ سونیا کے پاس بھی پستول تھا کیونکہ یہ بیگی اپر تھے اس لئے پستول نمایاں نہیں تھے۔ بارہ بجے رشید آ گیا۔

''آیئے جناب!'' اس نے کہا۔ ''وقت کم ہے، ہمیں ڈاکٹرز نے صرف نصف گھنٹے کی اجازت دی ہے۔''

پورچ میں ایک عدد ملیو کیب کھڑی تھی۔ ''ٹیکسی پر لوگ زیادہ توجہ نہیں دیتے۔'' رشید نے کہا، اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی جبکہ میں اور سونیا عقبی نشست پر آ گئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کسی ناگہانی سے نمٹنے کا کوئی بندوبست ہے؟"

میرے سوال پر رشید نے برابر والی سیٹ کو تھپتھپایا۔ "اس کے نیچے آپ کو بہت کچھ مل جائے گا۔"

اس نے گیٹ کے پاس پہنچ کر ہارن دیا۔ چوکیدار سیم تن خان نے گیٹ کھولا۔ رشید نے اس سے آہستہ سے کہا۔ "پوری طرح ہوشیار رہنا۔"

"آپ بے فکر رہو۔" اس نے کہا۔

ٹیکسی باہر نکل کر ایک طرف روانہ ہوگئی۔ ٹیکسی کے اندر تاریکی تھی۔ رشید نے رفتار مناسب رکھی تھی اور جان بوجھ کر روشن سڑکوں سے گزر رہا تھا تاکہ عقب میں کوئی آرہا ہو تو نظر آجائے لیکن کوئی دوسری گاڑی نظر نہیں آئی تھی اس لئے رشید نے مطمئن ہو کر اسپتال کا رخ کیا۔ اسپتال واقعی کچھ فاصلے پر تھا۔ اس کی عمارت پرانی لیکن جدید قسم کی تھی۔ رشید نے آئی سی یو کے سامنے ٹیکسی روکی تھی۔ "جناب! آپ اندر جائیں۔ میں ٹیکسی پارک کر کے آتا ہوں۔"

میں اور سونیا آئی سی یو میں آئے۔ میں نے کاؤنٹر پر موجود شخص سے شکیل کا پوچھا۔ اس نے کہا۔ "سوری، ان سے ڈاکٹر کی مرضی کے بغیر کوئی نہیں مل سکتا۔"

"ڈاکٹر کہاں ملے گا؟" میں نے بحث کئے بغیر سوال کیا۔

"سامنے چلے جائیں دائیں طرف کا پہلا کمرا ڈاکٹر کا ہے۔" اس نے اپنے سامنے رکھے کمپیوٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے دروازہ کھول کر اندر دیکھا اور جلدی سے بند کر دیا۔ اندر ڈاکٹر تھا مگر ایک نرس کے ساتھ۔ چند لمحے بعد نرس نکلی اور نظریں جھکائے ایک طرف چلی گئی اور اس بار میں دروازہ کھول کر اندر گیا۔

"جی فرمایئے۔" ڈاکٹر نے زبردستی مسکرا کر کہا شاید سونیا کی وجہ سے اس نے کچھ کہنے سے گریز کیا۔

"ڈاکٹر! ہمیں شکیل نامی مریض سے ملنا ہے۔"

اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کی حالت فی الحال ایسی نہیں ہے کہ اس سے کوئی مل سکے۔"

"ڈاکٹر صاحب! ہم اس کی درخواست پر آئے ہیں۔ میں اس کا بھائی ہوں اور یہ اس کی منگیتر ہے، اس سے ملنا ہمارا حق ہے۔"

"اوہ!" اس نے ہونٹ سکیڑے۔ "واقعی، یہ آپ کا حق بنتا ہے لیکن آپ زیادہ دیر نہیں رک سکیں گے۔"

"ڈاکٹر وہ بچ جائیں گے؟" سونیا نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"ابھی کچھ کہنا مشکل ہے، لیور اور آنتوں کا نقصان بعض اوقات جلدی ری کور ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یہ خاصی تاخیر سے ری کور ہوتا ہے۔"

"ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "کیا آپ اجازت دیتے ہیں۔"

"وائے ناٹ!" اس نے سونیا کی طرف دیکھا، اس مختصر سی گفتگو میں وہ کئی بار سونیا کی طرف دیکھ چکا تھا۔ وہ ٹھرکی آدمی تھا اور یہ بات میں کچھ دیر پہلے ملاحظہ کر چکا تھا۔ سونیا نے ہڈ سر سے اتار دیا تھا اور اس کا معصوم اور دلکش چہرہ نمایاں تھا۔ "آیئے میرے ساتھ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکیل آئی سی یو کے ایک الگ کمرے میں تھا۔ شکیل کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر زردی نمایاں تھی۔ سونیا اسے دیکھتے ہی تڑپ کر آگے بڑھی، اس نے آواز دی۔ ''شکیل! آنکھیں کھولو..... میں آئی ہوں۔''

شکیل نے آنکھیں کھولیں۔ ''سونیا۔'' اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔ ''تم..... شہباز صاحب..... کہاں ہیں؟''

''میں یہاں ہوں۔'' میں نے اس کے قریب آ کر کہا۔ ''تم کیسے ہو؟ تمہیں تکلیف تو نہیں ہے۔''

''نہیں۔'' شکیل نے آہستہ سے کہا۔ ''میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''خدا کے لئے۔'' سونیا تڑپ کر بولی۔ ''ایسا مت کہو۔''

''سونیا! جذباتی مت ہو۔ ممکن ہے میں بچ جاؤں لیکن مجھ سے وعدہ کرو اگر میں نہ بچ سکا تو تم شہباز صاحب کے پاس رہو گی۔''

''نہیں پلیز!'' سونیا سسکیاں لینے لگی۔

''سونیا..... وعدہ کرو۔''

''شکیل، تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔'' میں نے جھک کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''ممکن ہے..... لیکن شہباز صاحب! میرا ضمیر مجھے مار دے گا۔ میں نے اس شخص کو مارنے کی کوشش کی جس کی حفاظت کا میں نے ذمہ لیا تھا۔''

''شکیل، تم اس وقت اپنے ہوش میں نہیں تھے۔''

''مجھے، یاد آ رہا ہے، وہ مجھے انجکشن دیتے تھے۔ پھر مجھے راجا صاحب کی بہت بڑی سی تصویر دکھائی جاتی تھی اور اتنی تیز آواز میں کوئی کچھ کہتا تھا..... میرا دماغ ماؤف ہو جاتا تھا۔ کبھی وہ آواز انتہائی دھیمی ہو جاتی تھی جیسے سرگوشی..... ہر بار بار ایک ہی بات کہتی تھی۔ ''اسے مار ڈالو، اسے مار ڈالو۔''

''راجا صاحب بھی یہی کہہ رہے ہیں، وہ تمہیں قصوروار نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا ہے تمہارا ہر ممکن علاج کیا جائے۔''

''میں ان کا مشکور ہوں۔'' شکیل آہستہ سے بولا۔ ''اس ذرا سی گفتگو سے اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔

''شہباز صاحب! آپ سے میری التجا ہے، سونیا کا خیال رکھئے گا، اسے بے سہارا نہیں چھوڑیئے گا۔''

''شکیل! تم یہ بات.....''

''نہیں، وعدہ کریں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر ضدی لہجے میں کہا۔

''اچھا وعدہ کرتا ہوں۔''

''شکریہ شہباز صاحب! آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو وعدہ کرتے ہیں تو نبھاتے بھی ہیں۔''

''شکیل، میں ایک کمزور انسان ہوں۔ اپنی سی پوری کوشش کرتا ہوں۔ باقی اللہ کا احسان ہے جو وہ میری لاج رکھ لیتا ہے۔''

اس اثنا میں ڈاکٹر اندر آیا۔ ''بس، اس سے زیادہ گفتگو ان کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔''

''ڈاکٹر چند منٹ اور دے دیں۔'' شکیل نے نحیف لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ضرور لیں..... لیکن اس صورت میں کوئی نقصان ہوا تو لوگ ہمیں ہی الزام دیں گے۔'' ڈاکٹر نے ناگواری سے کہا اور باہر چلا گیا۔

''سونیا! تم شکیل کے پاس رکو۔ میں رشید کو دیکھ کر آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور باہر نکلا، میرا خیال تھا کہ رشید ویٹنگ روم میں ہوگا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ میں نے ہڈ سر پر کیا اور آئی سی یو سے باہر آیا۔ پارکنگ ذرا فاصلے پر تھی اور مجھے وہاں بلیو کیب نظر آئی تھی مگر رشید اس کے اندر یا باہر کہیں نہیں تھا۔ میں واپس کاؤنٹر والے کے پاس آیا۔ ''میرا ایک ساتھی بھی تھا، جس نے شکیل کو یہاں ایمرجنسی میں داخل کرایا تھا۔ کیا وہ اندر آیا تھا؟''

''میں نہیں جانتا..... لیکن آپ کے بعد کوئی اندر نہیں آیا۔''

میرے اندر وسوسے جنم لینے لگے۔ رشید کہاں جا سکتا تھا؟ میں نے موبائل نکال کر اسے کال کی۔ بیل جا رہی تھی لیکن وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اس بار خطرے کی گھنٹی زور شور سے بجی تھی۔ میں نے اندر جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول پر گرفت مضبوط کر لیا اور باہر آیا۔ یہ سارا حصہ سنسان تھا۔ میں بلیو کیب کی طرف بڑھا۔ اندر جھانکا چابی اگنیشن میں لگی تھی۔ دروازہ بھی کھلا تھا۔ میں نے چابی اگنیشن سے نکالی اور دروازہ لاک کر دیا۔ اب مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ رشید کے ساتھ کچھ ہوا تھا، اگر وہ کہیں گیا بھی تھا تو اپنی مرضی سے نہیں گیا تھا۔ بلیو کیب کے برابر میں اسپتال کی دو عدد ایمبولینس کھڑی تھیں اور وہ بھی خالی تھیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ میں تیزی سے اندر آیا اور جب شکیل والے کمرے کے سامنے پہنچا تو ایک ڈاکٹر اور دو عدد نرسیں اس پر جھکے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر اسے کوئی انجکشن لگا رہا تھا۔ سونا ایک طرف منہ پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی۔ میں اندر آیا۔ ''ڈاکٹر کیا ہوا..... شکیل ٹھیک ہے؟''

''پلیز، آپ باہر جائیں..... ہمیں ڈسٹرب نہ کریں۔'' اس نے رکھائی سے کہا۔ ''ایمرجنسی ہے۔''

میں سونیا کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے آیا۔ وہ رو رہی تھی۔ ''سونیا حوصلہ رکھو۔ ہمیں یہاں سے جانا ہے۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے کہا۔

''رشید غائب ہے اور مجھے شبہ ہے دشمن اسپتال تک آ گئے ہیں ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

''شہباز بھائی! شکیل..... وہ مر رہا ہے۔'' سونیا نے میری بات سنی ہی نہیں تھی۔

میں نے شیشے کی دیوار سے اندر دیکھا اور مجھے جھٹکا سا لگا۔ کارڈیوگراف کی لکیر سیدھی ہو گئی تھی اور ڈاکٹر شکیل کا سینہ دبا دبا کر اس کا رکا دل چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند لمحے کے لئے میں سکتے میں رہ گیا تھا۔ سونیا نے بھی دیکھ لیا تھا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ میں نے آہستہ سے انا للہ پڑھی اور سونیا کو نزدیکی بینچ پر بٹھا دیا۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''شکیل مر گیا..... شہباز بھائی! شکیل مر گیا۔''

مجھے بھی شکیل کے مرنے کا بے حد دکھ تھا۔ وہ ہمارے برے وقتوں میں کام آنے والا چند افراد میں سے تھا۔ وسیم اور اس کا دست راست شکیل دونوں اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ اگرچہ حامی و ناصر تو اللہ کی ذات ہے لیکن سچی بات تھی ان دونوں کے بغیر میں خود کو کمزور اور دفاعی پوزیشن میں محسوس کرنے لگا تھا۔ اتنے میں ڈاکٹر بھی اپنی کوشش ترک کر کے باہر آیا۔ ''مجھے افسوس ہے۔ ہی از گون۔''

''خدا کی یہی مرضی تھی۔'' میں نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ڈیڈ باڈی تیار کر دیں۔ ہم صبح لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں گے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "آپ دیدار کر لیں۔"

میں سونیا کو سہارا دے کر اندر لے گیا۔ شکیل کے بے جان چہرے پر سکون تھا۔ میرا دل اندر سے کٹنے لگا تھا اور کوشش کے باوجود میں اپنے آنسو نہ روک سکا تھا۔ سونیا کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ بمشکل میں اسے باہر لایا تھا، ایک نرس نے اسے پانی دیا۔ پانی پی کر اس کی حالت کسی قدر سنبھل گئی تھی۔ اس دوران میں، میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں ڈاکٹر کے پاس آیا جو شکیل کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ لکھ رہا تھا۔ "ڈاکٹر، اسپتال سے باہر دشمن ہمارے منتظر ہیں۔" میں نے بلا تمہید کہا۔ "ہمارے ساتھ آنے والا محافظ غائب ہے۔"

"کیا..... کیا کہہ رہے ہیں؟"

"یہاں سے باہر جانے کا کوئی راستہ اور ہے؟"

"ہاں..... پیچھے کی طرف بھی ایک گیٹ ہے لیکن دشمن کون ہے؟"

"دشمن صرف دشمن ہوتا ہے۔" میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "جب وہ گولیاں چلاتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ اس کا دشمن مر رہا ہے یا عام لوگ۔"

ڈاکٹر کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ "آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں۔"

سامنے کی طرف سے نہیں جا سکتے ہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "مجھے یقین ہے اس طرف دشمن گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔ آپ کا کوئی آدمی جا کر ہماری ایمبولینس عقبی دروازے پر لے آئے تو ہم وہاں سے نکل جائیں گے۔"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "میں ابھی قادر سے کہتا ہوں وہ ایمبولینس پیچھے کی طرف لے آئے گا۔"

گولیاں چلنے کا سن کر اس کی جان نکلی جا رہی تھی اور وہ جلد از جلد ہمیں وہاں سے رخصت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ایمبولینس کی چابی اسے دی اور وہ باہر کی طرف لپکا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے چابی کاؤنٹر پر موجود شخص کو دی اور وہ باہر چلا گیا۔ ڈاکٹر واپس آیا۔ "آئیں میرے ساتھ..... میں آپ کو پیچھے والے گیٹ تک لئے چلتا ہوں۔"

"سونیا چلو۔" میں نے سونیا سے کہا۔ وہ اب دھیمی آواز میں رو رہی تھی۔

"شہباز بھائی، شکیل....."

میں نے گہری سانس لی اور نرمی سے بولا۔ "اسے صبح لے جائیں گے۔ اس وقت دشمن اسپتال کے باہر ہے۔ ہمیں عقبی طرف سے نکلنا ہے۔"

مجبوری کے عالم میں سونیا میرے ساتھ چل پڑی تھی۔ وہ بار بار مڑ کر شکیل کے کمرے کی طرف دیکھتی رہی تھی کہ ہم ایک راہ داری میں داخل ہو گئے۔ یہ شاید اسپتال کا سروس ایریا تھا۔ ہم راہ داری سے گزر کر اختتامی دروازے کے پاس پہنچے تھے کہ دروازہ اچانک کھلا، خطرے کے احساس کے ساتھ میرا ہاتھ خودکار انداز میں ریوالور میں آیا۔ میں نے پستول نکال لیا تھا لیکن پھر میں رک گیا۔ سامنے دروازے پر ناصر کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر نہ جانے کیا سمجھا، وہ زمین پر گر گیا اور چلانے لگا۔ ''خدا کے لئے مجھے مت مارنا۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''یہ کیا چکر ہے یار!'' ناصر نے مجھ سے پوچھا۔

''دشمن باہر موجود ہے، شکیل کا انتقال ہو گیا ہے۔''

''اناللہ.....'' ناصر نے زیر لب کہا۔ ''جلدی کرو، اب نکلو یہاں سے۔''

''تو.....'' میں نے کہنا چاہا اور ابھی میرا جملہ منہ میں تھا کہ دھماکے کی آواز نے زمین کو لرزا دیا۔ ڈاکٹر اب بلند آواز میں اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ سونیا ہکلائی۔

''یہ..... کیا ہوا ہے؟''

ڈاکٹر اپنی متوقع وفات کا سوچ کر ہی بھوں بھوں کر کے رونے لگا تھا۔ ناصر نے اسے خبردار کیا۔ ''اللہ نے یاد کر لیا تو پچھتاؤ گے۔''

شاید وہ اس کے بار بار اللہ اللہ کہنے پر بول رہا تھا۔ ''ناصر کوئی گاڑی ہے؟''

''بندہ تو ادھار کی بائیک پر آتا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں شکیل کو دیکھنے آیا تھا مجھے کیا معلوم تھا تم مل جاؤ گے۔''

میں نے گریبان سے پکڑ کر ڈاکٹر کو کھڑا کیا۔ ''تمہاری گاڑی کی چابی کہاں ہے، فوراً نکالو۔''

اس نے لرزتے ہاتھوں سے چابی مجھے دی۔ ''نئی کار ہے۔'' وہ مرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''واپس مل جائے گی۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''کس ماڈل کی ہے اور کہاں ہے؟''

''پیچھے کھڑی ہے نسان..... بلیک کلر کی۔''

''شکریہ، اب جا کر اندر بیٹھ جاؤ اور دروازے بند کر لینا۔ جب تک پولیس نہ آئے، دروازے مت کھولنا اور ہاں لاش کو بغیر شناخت کے کسی کے حوالے مت کر دینا۔ ورنہ اس کی جگہ تمہاری لاش لے جاؤں گا۔''

ڈاکٹر اندر کی طرف بھاگا۔ میں نے دروازے سے باہر جھانکا اس طرف مختصر سی گلی تھی جس میں اسپتال کے اسٹاف کی کاریں کھڑی تھیں۔ ان میں بلیک نسان بھی تھی۔ ''ناصر ٹو نکل جا۔ ہم تیرے پیچھے آ رہے ہیں۔''

''مردامت دینا، یہ دھماکا کیسا تھا؟''

''میرا خیال ہے دشمن نے ٹیکسی اڑا دی ہے، بم مارا ہے۔''

ناصر جل تو جلال تو کا ورد کرتا باہر نکلا۔ اس کی بائیک گیٹ کے پاس کھڑی تھی لیکن چوکیدار غائب تھا میں نے سونیا کا ہاتھ تھاما اور بلیک نسان کی طرف دوڑ لگائی۔ میں نے پستول نکال لیا تھا اور اطراف سے چوکنا تھا۔ کسی طرف سے نہ تو کوئی فائر ہوا اور نہ ہی کوئی شخص دکھائی دیا۔ ناصر نے گیٹ کھول دیا تھا اور بائیک اسٹارٹ کر کے باہر نکل گیا تھا۔ ہم کار میں آئے، کار اسٹارٹ کی اور میں تیزی سے اسے گیٹ سے نکال لے جانے لگا اسی لمحے عقب سے فائر ہوئے تھے۔ ''سونیا، سر نیچے کر لو۔'' میں نے چلا کر کہا۔

لیکن سونیا نے سر جھکانے کے بجائے پستول نکالتے ہوئے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا اور عقب میں آنے والے تین افراد پر فائر کئے۔ وہ مسلسل کار پر فائرنگ کر رہے تھے، میں نے عقبی آئینے میں ایک کو گرتے دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلٹ کر بھاگے۔ "شاندار..... سونیا تم نے کمال کر دیا۔"

"میں بہترین نشانے باز ہوں۔" وہ پہلی بار نارمل انداز میں بولی۔

گیٹ سے باہر آنے پر مجھے عاصر سوگڑ آگے سڑک کے موڑ پر موٹر سائیکل سمیت نظر آیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ میں نے ایکسلریٹر دبا دیا اور رفتار کم کیے بغیر موڑ کاٹا۔ عاصر خاصا آگے جا چکا تھا۔ سونیا عقب میں دیکھ رہی تھی، اس نے کہا۔ "شہباز بھائی! کوئی کار پیچھے آ رہی ہے۔"

"سونیا پیچھے جاؤ، اس کا تعلق شیشہ توڑنے والے کار کو ہٹانے کی کوشش کرو۔ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔" میں نے کہا اور اپنا پستول بھی اس کے حوالے کر دیا۔ سونیا کو میں نے برتا دیا، اس کی ہار زیادہ ہوتی ہے جبکہ اپنے پاس میں نے اعشاریہ اڑتیس رکھا تھا۔ سونیا عقبی نشست پر گئی۔ اس نے دو فائر کر کے پہلے عقبی ونڈ سکرین کو شکست کیا اور پھر لیٹ کر لات ماری تو شیشہ بکھر کر سڑک پر جا گرا۔ اس نے سیدھا ہوتے ہی پیچھے آنے والی کار کو نشانہ بنایا۔ لگاتار چھ فائر کیے تو عقبی کار تیزی سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

"گولیاں احتیاط سے استعمال کرو اس کا ایک ہی میگزین ہے۔" میں نے کہا اور آخری میگزین بھی اسے دے دیا۔ کار دور ہوئی تھی لیکن اس نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اچانک اس کی طرف سے رائفل سے برسٹ مارا گیا، گولیاں کار کی ڈکی پر لگی تھیں۔ میں نے فٹن دبایا تو آٹو بیک ڈکی کا ڈھکن خود بخود اوپر اٹھ گیا تھا۔ اس سے کسی قدر تحفظ ہو گیا تھا۔ سونیا نے سانپ سے پوچھا تھا۔ "شہباز بھائی وہ تیزی سے قریب آ رہے ہیں۔"

"سونیا، میں اچانک بریک لگاؤں گا، کار رکتے ہی تم اس گاڑی کے ٹائروں کو نشانہ بنانا۔ تمہارے پاس صرف تین میگزین ہوں گے اس کے بعد میں کار آگے بڑھاؤں گا۔"

"میں سمجھ گئی۔" سونیا بولی۔ میں نے ڈکی بند کی اور اچانک بریک لگا دیے۔ اس کار کا بریک آپ بھی شاندار تھا اور بریکس بھی بہترین تھے۔ ویسے ہی میں نے بریکس دبائے، کار چند لمحوں کے اندر منجمد ہو گئی۔ فضا میں گولیوں کے شور سے گونج اٹھی تھی۔ دشمنوں کو میری جانب سے ایسے کسی اقدام کی توقع نہیں تھی۔ ان کے ڈرائیور نے بدحواسی میں بریک لگائے، کار لہرائی اور کچھ فاصلے پر رک گئی۔ اس کے ساکت ہوتے ہی سونیا نے اگلے ٹائر پر لگاتار فائر کیے، پانچویں یا چھٹے فائر پر میں نے دائیں فرنٹ وہیل کو برسٹ ہوتے دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میں نے ایکسلریٹر دبا دیا۔ کار نے جست لگائی۔ چند سیکنڈ میں رفتار صفر سے پچاس پر لگ گئی تھی۔ عقب سے برسٹ چلا تو میں نے سر جھکاتے ہوئے رفتار اور بھی بڑھا دی تھی۔ سونیا پہلے ہی نشستوں کے درمیان میں دبکی ہوئی تھی۔

خطرے کی حد سے نکلتے ہی میں نے سر اٹھایا۔ "شاندار سونیا تم نے کمال کر دیا۔"

"شکریہ شہباز بھائی۔" وہ خفیف تھی۔ وہ بلاشبہ سفید داڑھی والے کی لڑکی تھی وہ نہ تکمیل کے علم نے اسے بے حال کر دیا تھا اور اس نے خطرے کے موقع پر نہ صرف خود کو تیزی سے سنبھال لیا تھا بلکہ وار اٹھا قب کرنے والے دشمن کو بھی ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ اسلحے کا جائزہ لے رہی تھی، اس کے پاس ایک اعشاریہ تیس کا پستول تھا اور اس میں ایک ہی میگزین تھا۔ برچا کا دوسرا میگزین تھا۔ دونوں میگزین میں کچھ کچھ گولیاں تھیں۔ وہ انہیں ایک ہی میگزین میں منتقل کرنے لگی۔ میری نظر عقبی آئینے میں تھی مگر دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ سامنے سے عاصر غائب تھا، ابھی میں نے اس کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ اس کی کال آ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہاں ہو تم؟"

"اسی سڑک پر — اور تم؟"

"میں تو ٹارگٹ شروع ہوتے ہی دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ میں بھی آ رہا ہوں۔ ذرا آگے طیبہ کلینک کا روشن بورڈ نظر آئے، اس کے پاس رکنا۔"

"اوکے۔" میں نے موبائل بند کر دیا۔

"یہ آدمی ہے یا جن؟" سونیا نے کہا۔ "جب ہم مشکل میں ہوتے ہیں، یہ نمودار ہوتا ہے۔"

"سبحانی ہے تم آدمی بھی کہہ سکتی ہو اور جن بھی۔" میں نے سفیر کے پاس موجود اپنے دوسرے موبائل کا نمبر ملایا۔ وہ منتظر تھا۔

"کہاں ہے تو ہم پریشان ہیں۔"

"تو کال کر لیتے۔" میں نے کہا۔ "تیرے پاس بھی تو موبائل ہے۔"

"ہاں، پر تیرا تو نمبر ہی نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"میں نے اسے اس نئے فساد اور شکیل کی وفات کا بتایا، وہ بھی دکھی ہو گیا تھا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"بس یار موت ایسی ہی اچانک شے ہے، آدمی سے کب کہاں مل جائے۔ تیرے موبائل میں بیگ کا نمبر ہے، اسے کال کر کے شکیل کے بارے میں بتا دے تاکہ وہ اس کے آخری سفر کا انتظام کرے۔"

کال ختم کر کے میں نے سونیا کی طرف دیکھا۔ وہ دبی دبی آواز میں رو رہی تھی۔ "سونیا، شکیل کی حالت ٹھیک لگ رہی تھی پھر اچانک کیا ہوا؟"

"پتا نہیں شہباز بھائی! سونیا نے آنسو صاف کیے۔ "بات کرتے کرتے وہ اچانک بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے ڈاکٹر کو بلایا تھا، اس دوران میں آپ آ گئے تھے۔"

"شکیل کا وجدان درست تھا اسے اپنی موت کا پیشگی احساس ہو گیا تھا۔"

سونیا نے سر ہلایا۔ "میں نے اسے بتایا تھا کہ راجا صاحب بچ گئے، اسے پہلے سے پتا تھا، اس نے مجھ سے کہا تھا کہ راجا صاحب سے اس کی طرف سے معافی مانگ لوں۔"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا، راجا صاحب واقعی اسے بے قصور سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ واقعہ ہونے کے فوراً بعد اسے اسپتال لے جانے اور اس کی جان بچانے کا حکم دیا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے، میں نے آپ سے بدتمیزی کی اور راجا صاحب کے بارے میں غلط گمان کیا۔" سونیا بولی۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔"

اس لمحے مجھے طیبہ کلینک کا بورڈ نظر آ گیا اور میں نے کار اس کے پاس روک دی۔ سونیا چونکی۔ "یہاں کیوں رکے ہیں شہباز بھائی؟"

"ناصر یہاں آئے گا۔ ہمیں اس کے ساتھ جانا ہے کیونکہ مجھے خدشہ ہے دشمن ہماری پناہ گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہتے ہوئے موبائل پر بیگ کا نمبر ملایا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ میں نے اسے مختصراً صورت حال بتائی اور کہا۔ "آپ فوری طور پر سفیر اور سونا کو وہاں سے نکال لیں۔ اس سے پہلے کہ دشمن وہاں دھاوا بول دے۔"

"میرا خیال ہے ابھی ان کو وہیں رکنا چاہیے۔ کوٹھی محفوظ ہے اور وہاں داخل ہونے والا مارا جائے گا۔"

"وہاں صرف تین افراد ہیں۔ رشید کا بھی پتا نہیں ہے۔"

"میں ابھی دو آدمی اور وہاں بھیجتا ہوں۔ رشید کا بھی پتا چل جائے گا۔" بیگ نے مجھے تسلی دی۔

"میں ناصر کے ساتھ جا رہا ہوں۔ کوٹھی کی طرف واپس آنا مجھے خطرے سے خالی نہیں لگ رہا ہے۔ سونیا میرے ساتھ ہے۔ نکیل کے بارے میں آپ کو پتا چل گیا ہوگا۔"

"ہاں، ابھی مجھے سفیر کی کال آئی تھی۔ میں نے اس کے بھائیوں کو اطلاع کر دی ہے، وہ کل صبح تک آ کر اس کی ڈیڈ باڈی لے جائیں گے۔"

میں نے سکون کا سانس لیا۔ "یہ اچھا ہوا اسے اپنے پیاروں کے ہاتھوں اپنی زمین کی مٹی نصیب ہو۔"

میں نے کال ختم کی، اس لمحے ناصر کی بائیک آ کر میرے برابر میں رکی۔ اس نے شیشہ ہٹایا اور پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے کار اس کے تعاقب میں دوڑا دی۔ جب تک میں کال کرتا رہا سونیا خاموش رہی تھی، ڈرائیو کرتے ہوئے میں نے سفیر کا نمبر ملایا۔ "یار، تُو اور سونا ہوشیار رہنا بلکہ ایسا کر، کوٹھی کے اندر چلا جا۔ محفوظ جگہ ہے۔ تم لوگوں کے پاس اسلحہ ہے؟"

"ہاں، ابھی چوکیدار نے ایک شاٹ گن لا کر دی ہے۔ میں بھی کوٹھی میں جانے کا سوچ رہا تھا۔"

"میں نے بیگ سے بات کی ہے، وہ دو آدمی اور بھیج رہا ہے۔"

"اور تُو ــــ؟"

"میں ناصر کے ساتھ جا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"سونیا ٹھیک ہے نا؟"

"بہادر بھائی کی بہن ہے، اس نے نہ صرف خود کو سنبھالا ہے بلکہ ابھی تعاقب کرنے والے دشمنوں کا بھی دھڑن تختہ اسی نے کیا ہے۔" میں نے فخر سے بتایا۔

"اسے میری طرف سے شاباش دینا۔"

"بس تُو حفاظت۔" میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔

☆═══☆═══☆

ناصر اب ایک متوسط طبقے کی آبادی میں بائیک گھما رہا تھا۔ یہاں چھوٹے لیکن خوبصورت اور طریقے سلیقے سے بنے مکانات تھے جن کے آگے پھولدار اور دوسرے پودے اور درختوں پر مشتمل کیاریاں تھیں۔ اس وقت دھند اترنے لگی تھی۔ گزشتہ رات کی ہلکی بارش کے بعد دھند میں کمی ہوئی تھی لیکن یہ پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ رات گہری ہوئی تو دھند بھی اترنے لگی تھی، ذرا سی دیر میں گھروں کے باہر اور کھمبوں پر جلنے والی روشنیاں مدھم نظر آنے لگی تھیں۔ میں نے کار بائیک کے نزدیک کر لی۔ مجھے خوف تھا کہ وہ میری بے خبری میں کسی اور گلی میں نہ مڑ جائے۔ آخرکار ناصر نے بائیک ایک چھوٹے سے خوبصورت کاٹیج نما مکان کے سامنے روکی۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرد مختصر سا باغ تھا اور سامنے لکڑی کی باڑھ سے بنا گیٹ تھا۔ ناصر نے گیٹ کی زنجیر سے لٹکا لاک کھولا اور بائیک اندر لے گیا پھر چند لمحے بعد واپس آیا۔

"کار مجھے دو اور یہ چابی لے کر اندر جاؤ۔ میں کار کہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

"ضرور!" میں نے اترتے ہوئے کہا۔ "کل صبح اس کے مالک کو اسپتال فون کر کے بتا دینا کہ کار کہاں کھڑی ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔" وہ بولا اور کار لے کر چلا گیا۔ ہم اندر آئے۔ ایک چابی سے کاٹیج کا دروازہ کھولا۔ اندر آ کر روشنی کی اور جلدی سے پردے برابر کر دیئے۔ یہ مختصر سا کاٹیج تھا، ایک بیڈ روم، ایک نشست گاہ اور ایک طرف ساتھ ساتھ باتھ روم اور کچن تھے۔ فرنیچر سادہ سا تھا البتہ فرش پر اچھا اور قیمتی قالین بچھا تھا۔ ایک طرف دیوار میں ہیٹر نصب تھا۔ میں نے سب سے پہلے اسے آن کیا۔ ذرا گرمی ہوئی تو جان میں جان آئی تھی۔ سونیا نے بیڈ روم میں جھانکا۔

"سونیا، ایسا کرو... تم سو جاؤ۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

میں نے بیڈ روم اور اس کے ساتھ باتھ روم کا معائنہ کیا۔ مجھے باتھ روم کی کیبنٹ میں دوائیاں رکھی نظر آ گئیں۔ حسب توقع ان میں نیند کی دوا تھی۔ میں نے اس کی دو گولیاں سونیا کو دیں۔ "یہ کھا لو... اور لیٹ جاؤ۔"

اس نے سعادت مندی سے بات مانی اور دوا کھا کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ بیڈ روم بھی صاف ستھرا اور سادہ سے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ ایک آئرن راڈ کا ڈبل بیڈ، ایک طرف دیوار گیر تین پٹ کی الماری اور ایک سادہ ڈریسنگ ٹیبل مع کرسی کے تھی۔ قالین یہاں بھی اچھا تھا۔ میں کمرے کا ہیٹر جلا کر واپس آیا تو ناصر نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تھی۔ میں نے پوچھ کر دروازہ کھول دیا۔ ناصر اندر آیا اور سیدھا ہیٹر کے پاس گیا۔

"آج غضب کی سردی ہے۔"

"اور تم بائیک پر تھے۔" میں صوفے پر دراز ہو گیا۔

"اس وجہ سے مرتے مرتے بچا۔ مجھے کیا معلوم تھا دشمن وہاں مع تمہارے موجود ہیں۔"

"یہ جگہ محفوظ ہے۔"

"یہ تو تم بتاؤ، کسی نے پیچھا تو نہیں کیا؟"

"میں نے جہاں تک دیکھا کوئی نہیں تھا لیکن دشمن بہت زیادہ چالاک اور وسائل رکھتا ہے، آخر ہم نے بھی تو قضا سے دشمن کا جائزہ لیا تھا۔"

"ہاں، یہ تو ہے۔" ناصر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"یہ جگہ کس کی ہے؟"

"میرا ایک دشمن ہے، خاندانی دشمن۔" ناصر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"خاندانی دشمن!" میں حیران رہ گیا۔ "اور تم ہمیں اس کے مکان میں لے آئے ہو؟"

"ہاں یار! ادھر دشمن نہیں ہے۔ دشمن گاؤں میں ہے۔" وہ بولا۔ "گاؤں سے نکل کر ہم دوست ہوتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ں۔ ہم نے ایک ساتھ کالج میں تعلیم حاصل کی، میں صحافت میں آ گیا اور وہ بزنس میں۔ آج کل جی ٹی روڈ پر دیوں کے پرزے بنانے کا کارخانہ چلا رہا ہے اور گلبرگ میں رہائش اختیار کر لی ہے۔ یہ اس کی پرانی رہائش ہے۔ کبھی اپنی دو بیویوں سے بچتا ہوا تو ادھر بھاگ آتا ہے۔"

"ماشاء اللہ اچھی ترقی کی ہے اس نے۔" میں نے سر ہلایا۔ "یہ تمہارے کچھ پینے کے لئے ہے؟"

"نہیں یار! اتنی بھی ترقی نہیں کی ہے۔" ناصر بولا۔ "ابھی تک چائے، کافی اور ٹھنڈا پانی پیتا ہے۔"

"میں بھی وہی پوچھ رہا ہوں، تم کیا سمجھے میں کچھ اور پینے والا آدمی لگتا ہوں؟"

"ہاں، چائے مل جائے گی۔ ویسے اصل کافی ہے نہیں، میں نے صبح ہی ختم کی ہے۔"

"چائے بھی چلے گی۔" میں نے کہا۔

ہم کچن میں آ گئے۔ ناصر نے چائے کا پانی رکھا۔ "میں دو دن سے یہاں ہوں۔ میرے فلیٹ پر کچھ سراغ رساں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ مجھے لے جاتے میں خود وہاں سے بھاگ نکلا۔"

"وہ کون ہو سکتے ہیں؟"

"ممکن ہے جامی شاہ کے آدمی ہوں۔"

"اچھا، اسپتال میں جو موٹا کا ہوا تھا اس کے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے، اب تک وہاں پولیس آ گئی ہو گی۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔" ناصر نے کہا اور موبائل پر کسی سے رابطہ کیا۔

چائے کا چارج میں نے سنبھال لیا۔ پانی کھولنے پر اس میں پتی ملائی۔ یہ بہت اچھی قسم کی پتی تھی۔ تیز اور کڑک مہک اٹھی تھی۔ چائے مگوں میں انڈیل کر اپنے لئے صرف چینی ملائی۔ ناصر نے اشارے سے چینی سے بھی انکار کر دیا۔ ہم اپنے اپنے مگ لے کر نشست گاہ میں آ گئے۔ ناصر کسی خواجہ صاحب سے محو گفتگو تھا۔ "بالآخر اس نے موبائل رکھ لیا۔

"ابھی پولیس وہاں نہیں پہنچی ہے لیکن اطلاع ملی ہے۔"

"یعنی صبح تک پتا چلے گا؟"

"امکان تو یہی ہے۔" ناصر نے کہا۔

میں نے ایک بار پھر سنیئر اور موٹا کی خیریت دریافت کی۔ بیگ نے وہ وعدہ محافظ اور جمیع رہیے تھے۔ میں کی قدر اطمینان محسوس کرنے لگا تھا۔ ناصر چائے پی کر ایک سوفے پر دراز ہو گیا اور خراٹے لینے لگا تھا۔ میں نے انیا کو دیکھا، وہ سو گئی تھی اور اس کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں نمایاں تھیں۔ اس کا کمبل درست کر کے میں بلکیہ لے کر آیا اور ہیٹر کے سامنے قالین پر دراز ہو گیا۔ ذرا دیر میں مجھے بھی نیند آ گئی تھی۔

صبح مجھے ناصر نے جگایا تھا۔ "اٹھو جاوید، میں ناشتا لینے جا رہا ہوں۔ سونیا کو بھی اٹھا دینا۔"

میں نے انگڑائی لی۔ "کوئی خیر خبر آئی ہے؟"

"نہیں، میں آ کر بات کروں گا۔ اس وقت سب پڑے سو رہے ہوں گے۔" ناصر بولا اور باہر نکل گیا۔ میں نے بمشکل اپنا اکڑا ہوا جسم کھولا۔ ہیٹر کے سامنے ہونے اور سر سے پاؤں تک گرم کپڑوں میں ہونے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باوجود سردی کے جسم عرق کر دیا تھا۔ میں باتھ روم میں آیا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے چائے تیار کی تھی سونیا کو جگایا۔ اس کے دہن پر خواب آور دوا کا اثر تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھونے اور باہر آ کر مجھ سے پہلا سوال شکیل کے بارے میں کیا، میں نے اسے بتایا۔

"اس کے بھائیوں کو اطلاع کر دی ہے۔ اب تک وہ لاہور آ چکے ہوں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "شکیل کو اس کے ورثاء دفن کریں گے۔"

سونیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے لیکن اس نے ان کو باہر نہیں آنے دیا تھا۔ "شہباز بھائی! یہ تمہیں میری قسمت میں کیا ہے؟ ہم دونوں بہن بھائی نے بچپن سے بہت تکلیفیں دیکھی ہیں۔ ماں، باپ ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔ مکان پر سگے چچا نے قبضہ کر لیا۔ ہمیں اس وقت تک برداشت کیا جب تک مکان اپنے نام نہیں کرا لیا۔ اس کے بعد ہمیں دھکے دے کر نکال دیا۔ آپ یقین کریں گے، اس وقت میں صرف نویں کی تھی اور وسیم بھائی سولہ برس کے۔ ہم نے چند سال کیسے گزارے؟ یہ خدا جانتا ہے یا ہم..... پھر وسیم بھائی نے محنت کی۔ خود بھی پڑھا اور مجھے بھی پڑھایا۔ انہوں نے میٹرک کر کے ایک دفتر میں چپڑاسی کی ملازمت کی تھی اور شام کو ایک کالج میں جاتے تھے۔ انہوں نے اسی طرح پڑھ کر بی اے کیا۔ پھر بندرگاہ پر رات کو کام کرنے والی ایک کمپنی میں ملازم ہو گئے اور صبح یونیورسٹی میں داخلہ لے کر ایم اے کا امتحان مکمل کیا۔

"وسیم نے ماسٹر کیا تھا؟" میں حیران رہ گیا۔

"ہاں اور پھر اسی کمپنی میں اکاؤنٹینٹ لگ گئے تھے۔"

"تب اس کی زندگی کیسے بدلی ــــ میرا مطلب ہے وہ اس راہ پر کیسے آیا؟"

"اس کی وجہ میں ہوں۔" سونیا نے گہری سانس لی۔ "وسیم بھائی جس کمپنی میں جاب کرتے تھے، انہوں نے مجھے بھی وہیں جاب دلا دی۔ وہ میری جاب کے حق میں نہیں تھے لیکن میں نے ضد کی تو مان گئے۔ اس کے بعد رواجی سی کہانی ہے۔ کمپنی کے مالک کا اوباش لڑکا تفریح کے نام پر دفتر آتا تھا اور سارا دن لڑکیوں سے فون پر باتیں کرتا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو....." سونیا بتاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

"میں ایسے امیر زادوں کی ذہنیت سمجھتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "خود میری زندگی میں تبدیلی بھی ایک ایسے ہی اوباش شخص کی وجہ سے آئی ہے۔"

"اس نے پہلے مجھے رام کرنے کی کوشش کی لیکن جب میں نے اس کی پیشکش اس کے منہ پر ماری تو وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ اس نے بھائی کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ باس کا بیٹا تھا اس لئے بھائی اسے سخت جواب تو نہیں دے سکتے تھے لیکن وہ حیران ضرور تھے کہ خواہ مخواہ ان کو کیوں تنگ کر رہا ہے۔ ایک روز وہ اس کے کمرے میں طلب کئے گئے۔ لونڈے نے ان پر بے پروائی اور کام سے غیر ذمے داری کے الزام لگائے۔ اس پر بھائی کو اشتعال آ گیا۔ ان کی تلخ کلامی ہوئی۔ اس پر لونڈے نے میرے بارے میں بے ہودہ گوئی کی تو وسیم بھائی نے بے قابو ہو کر اس کے سینے میں پیپر ناٹف اتار دیا۔ جب ان کو احساس ہوا کہ انہوں نے کیا کر دیا ہے تو وہ مجھے لے کر دفتر سے بھاگ نکلے اور پھر ہم کراچی سے بھی نکل گئے۔ ہم لاہور آ گئے۔ بھائی اشتہاری ملزم ہو گئے تھے اس لئے ہم چھپے ہوئے تھے۔ جب فائرنگ جمع پر فی فتم ہونے لگی تو وسیم بھائی نے پہلی بار مجبور ہو کر جرم کا راستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اختیار کیا۔ وہ ذہین اور پڑھے لکھے تھے اس لئے انہوں نے عام جرائم پیشہ افراد سے ہٹ کر راہ اپنائی۔ دو برس کے اندر انہوں نے اپنا الگ گروپ منظم کر لیا تھا۔ اس میں تمام پڑھے لکھے اور ایسے نوجوانوں کو شامل کیا جو ضرورت مند تھے۔ وسیم بھائی نے اپنی خدمات ایسے لوگوں کو دینا شروع کیں جنہیں دوسروں سے خطرہ تھا یا ایسے شریف لوگ جن کے پیچھے بدمعاش لگ جاتے تھے۔ ایسے بزنس مین جو بھتہ خوروں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ جن لوگوں کی زمینوں پر دوسرے قابض ہو جاتے تھے اور وہ قانونی طریقے سے اپنی زمین یا دوسری ملکیت واپس نہیں لے پاتے تھے۔ وسیم بھائی ان کے کام آتے تھے۔

"یہ کتنے عرصے پرانی بات ہے؟"

"پانچ سال پہلے کی۔" سونیا نے جواب دیا۔ "اس وقت میں گریجویشن کر چکی تھی۔ پھر جب وسیم بھائی اس لائن میں آئے تو انہوں نے مجھے بھی بہترین تربیت دی۔"

"عادل کب تم لوگوں میں شامل ہوا تھا؟"

"وہ شروع سے وسیم بھائی کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد کنکشن آیا تھا۔ لاہور کے بعد وسیم بھائی نے راولپنڈی کا گروپ بنایا۔ جب زیادہ کام ملنے لگا تو وسیم بھائی خود راولپنڈی، اسلام آباد چلے گئے اور لاہور کا گروپ عادل کے حوالے کر دیا۔"

"تمہاری اس سے پسند کی شادی ہوئی تھی؟"

اس سوال پر وہ سرخ ہو گئی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ "ہاں، اس وقت مجھے یا وسیم بھائی کو اندازہ نہیں تھا کہ عادل کس فطرت کا شخص ہے۔ اس کی بے وفائی اور غداری نے مجھے توڑ دیا تھا۔ میں شاید پاگل ہو جاتی یا شاید مر جاتی لیکن کنکشل نے میرا ساتھ دیا اور اب وہ۔۔۔۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ "پتا۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ میری قسمت میں کیا ہے؟"

"سونیا۔۔۔۔ انسان کی زندگی میں ویسے دور آتے ہیں۔" میں نے موسم کی مناسبت سے ٹھنڈا سانس لیا۔ "صرف تم ہی نہیں، ہم سب ایسے دور سے گزرے ہیں، جب ہم سے ہمارے پیارے چھن گئے۔"

"لیکن مجھ سے تو میرا سب کچھ ہی چھن گیا ہے۔"

"نہیں۔۔۔۔ یہ تم یونہی محسوس کر رہی ہو، ٹھیک ہے جو بچھڑ گیا اس کی کمی پوری نہیں ہوتی ہے لیکن آنے والے دنوں میں نئے انسان ملتے ہیں اور نئے رشتے بنتے ہیں، اب ہم ہیں۔۔۔۔"

"ہاں، آپ ہیں۔" اس نے آنسو صاف کئے۔ "یہی بات تو مجھے جینے کا حوصلہ دیتی ہے ورنہ میں خودکشی کر لیتی۔"

"ایسی بات سوچنا بھی مت۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "ٹھیک ہے وسیم نہیں رہا، کنکشل بھی نہیں رہا لیکن ہم ہیں۔ میں، سفیر اور مونا اور ابھی ہمارے اور بھی ساتھی ہیں۔ تم خود کو ان کے درمیان ایسا محسوس کرو گی جیسے ہم ایک خاندان ہیں اور تم اس کا ایک حصہ ہو۔"

"آپ نے ناصر کا نام نہیں لیا؟"

"وہ ایک سمجھتا ہے، اس کا اپنا ایک دائرہ ہے۔ بے شک وہ ہماری مدد کر رہا ہے لیکن وہ ہمارا مستقل ساتھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود آپ اس پر پوری طرح اعتماد کرتے ہیں۔"

"ہاں، اس نے خود کو اعتماد کے قابل ثابت کیا ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "ممکن ہے وہ ہم سے اسٹوری کے چکر میں ہو لیکن ایک بات طے ہے وہ کبھی ہمیں دھوکا نہیں دے گا۔"

"وہ کہاں گیا ہے؟" سونیا نے پوچھا۔

"ناشتا لینے۔" ناصر دروازے سے اندر آتے ہوئے بولا۔ اس نے دو عدد شاپر اٹھا رکھے تھے۔ "گرما گرم حلوہ پوری اور چھولے ہیں۔"

سونیا نے سامان لے کر کچن کا رخ کیا۔ میں نے ناصر سے پوچھا۔ "یہ کون سا علاقہ ہے؟"

"ماڈل ٹاؤن کے قریب ایک آبادی ہے۔" وہ بولا۔ "ذرا اونچے درجے کے متوسط طبقے کے لوگ رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ سب اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔"

"یعنی جرائم پیشہ افراد کے لئے مثالی جگہ ہے۔"

"نہیں، وہ اپنے حلیے اور انداز سے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ وہ ان آبادیوں میں نہیں کھپ سکتے۔ یہاں کے لوگوں کی پالیسی دراصل دخل اندازی سے گریز ہے ورنہ خبر سب کی رکھتے ہیں اور کوئی معمول سے ہٹ کر بات ہو تو نوٹس بھی لیتے ہیں۔ یعنی ایسی بات جس سے علاقے کا ماحول خطرے میں پڑ جائے۔"

"ناشتا!" سونیا نے ہمارے سامنے ناشتا لا کر رکھا اور خود دوبارہ کچن میں چلی گئی۔

"سونیا! تم بھی ناشتا کرو۔" میں نے اسے پکارا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے شہباز بھائی! میں چائے پی لوں گی۔" اس نے کچن سے جواب دیا۔

"تو پھر ہمیں بھی بھوک نہیں ہے۔" میں نے بلند آواز سے کہا۔ "یہ ناشتا لے جاؤ۔"

"شہباز بھائی! مجھے واقعی بھوک نہیں ہے۔" وہ ڈائننگ روم میں آئی۔

"تب میں بھی نہیں کھاؤں گا۔" میں نے ٹرے پیچھے کر دی۔

"آپ ضد کر رہے ہیں۔"

"ضد ہی سہی!"

"اچھا!" وہ جھجکتی آ کر بیٹھ گئی اور ناصر نے سکون کا سانس لیا۔

"شکر ہے ورنہ شہباز نہیں کھاتا تو شرما شرمی میں میں بھی بھوکا رہ جاتا اور میرا بھوک سے برا حال ہے۔"

سونیا چند نوالے لے کر چائے کے بہانے اٹھ گئی، اس بار میں نے اسے نہیں روکا۔ متعدد تو اس کا سوگ ختم کرنا تھا۔ اس نے چند لقمے لے لئے تھے لیکن یہ زندگی کے معمولات کی طرف اس کی واپسی کی علامت تھے۔ میں نے اور ناصر نے ناشتا کیا۔ زندگی کتنی عجیب ہو گئی تھی۔ مجھے یاد تھا جب میں دس بارہ سال کا تھا تو اپنے گاؤں کی ایک جگت ماسی کے مرنے پر میں نے مارے دکھ کے دو دن کچھ نہیں کھایا تھا حالانکہ ہماری اس سے کوئی رشتہ داری بھی نہیں تھی اور کل رات میرا ایک اور ساتھی مجھ سے بچھڑا تھا اور میں ڈٹ کر ناشتا کر رہا تھا۔ شاید حالات نے مجھے انجماد سے بدل دیا تھا، خوشی کے معاملے میں ایک پتھریلا خول عطا کر دیا تھا، جو میرے اندر کے نازک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احساسات کو ان سے بچانا تھا۔ یہ فطری اصول بھی ہے، جسم کے جس حصے پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے وہ زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ میرے اعصاب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ شاک کے بعد میں جلد نارمل ہو جاتا تھا۔ سونیا چائے لے آئی تھیں ناصر کیک پیس بھی لایا تھا۔ سونیا چائے کے ساتھ لے آئی تھی۔ اس نے بھی چند پیس لئے تھے۔ "شہباز بھائی، کیا ہم واپس جائیں گے۔"

"نہیں۔ فی الحال کوٹھی کا رخ کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے دشمن گھات میں ہو۔ ہم اس جگہ محفوظ ہیں۔"

"میں جا کر شکیل کے بارے میں معلوم کرتا ہوں۔" ناصر نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ "ممکن ہے اس کے بھائیوں کو کوئی مسئلہ ہو۔"

"یہ اچھا رہے گا اگر چیک نے سب کر لیا ہو گا لیکن ممکن ہے کوئی مسئلہ ہو۔" میں نے اس کی تائید کی۔ شکیل کا نام سن کر سونیا کے چہرے پر دکھ کے آثار نظر آئے تھے مگر اس نے کوئی اور ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ ناصر چائے ختم کر کے چلا گیا اور سونیا برتن لے جا کر کچن میں دھونے لگی۔ میں اسلحے کا جائزہ لینے لگا۔ میرے پاس اعشاریہ ۳۸ کا پستول اور اس کے دو بھرے میگزین تھے۔ برٹا میں صرف ایک میگزین تھا اور اس میں بھی چار گولیاں تھیں۔ سونیا کے پاس پستول کا صرف ایک میگزین تھا۔ دیکھا جائے تو یہ خاص اسلحہ نہیں تھا مگر ہم نہتے بھی نہیں تھے، اگر کسی سے ٹاکرا ہو جاتا تو اسے آسانی سے کامیاب نہ ہونے دیتے۔ ناصر نے باہر نکلنے سے منع کیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ اہل محلہ اسے جانتے تھے۔ وہ اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ اس مکان کے اردگرد کے مکانات سے کم سے کم باغ صاف نظر آتا تھا اگر میں اور سونیا باہر نکلتے تو دوسروں کی نظر میں آ سکتے تھے، ناصر نے ہمیں کھڑکی یا دروازے پر بھی آنے سے منع کیا تھا۔ سونیا برتن دھو کر اور کچن صاف کر کے نشست گاہ میں آ گئی۔

"شہباز بھائی اراجا صاحب آپ کو بھارت لے جانا چاہ رہے ہیں۔"

"ہاں۔" میں نے اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر کہا۔ "اور میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔"

"سچ شہباز بھائی!" وہ خوش ہو گئی تھی۔

میں نے سر ہلایا۔ "اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک اب تم میری ذمے داری ہو۔ میں نے وسیم سے عہد کیا تھا اور جب تم نے اور شکیل نے اپنے بارے میں ایک فیصلہ کیا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اب شکیل نہیں رہا ہے تو تم میری بہن کے طور پر میرے ساتھ رہو گی۔ دوسرے سونیا تم نے کل رات ثابت کر دیا کہ تم میں ایک بہترین ساتھی بننے کی خوبی ہے، مشکل حالات میں اور صدمے کی کیفیت میں تم نے جس طرح تعاقب کرنے والوں کو روکا اور ان کو ناکارہ کر دیا یہ کام ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ واضح رہے کہ میں سفیر سے بھی ایسی توقع نہیں کرتا۔ میں شدت سے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جو اس قسم کے مشکل حالات میں میرا ساتھ دے۔ سونیا تم میں اس کی صلاحیت ہے۔"

"شکریہ شہباز بھائی!" سونیا بولی۔ "میں کبھی آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔"

"لیکن میں ایک بات واضح کر دوں۔ میں ہر عورت کا مقام ایک گھر میں دیکھتا ہوں جیسے ہی مجھے تمہارے لئے کوئی مناسب گھر نظر آیا اور تم راضی ہو گئیں تو میں اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہونے میں ایک لمحے کی تاخیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ میں اپنی جنگ میں تمہیں استعمال کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتی شہباز بھائی!"

"سونیا، ممکن ہے تمہارے ذہن میں یہ بات آئے کہ میں سونا اور سفیر کو خود سے دور کر رہا ہوں تاکہ وہ میری ذات سے لاحق خطرات سے دور رہیں اور تم کو میں ساتھ لے جانے کو تیار ہوں۔ سونیا، اگر تم سکون سے رہنا چاہتی ہو تو میں اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ میں تم کو کسی محفوظ جگہ پہنچا سکتا ہوں۔"

"نہیں، مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں شہباز بھائی! جب میں سب کے ساتھ تھی اور ہم ایک کوٹھی میں محفوظ تھے تب بھی مجھے تحفظ کا وہ احساس نہیں ہوتا تھا جو کل رات گولیوں کی بارش میں آپ کے ساتھ تھا۔ میں نے وسیم بھائی کا دکھ اتنا محسوس نہیں کیا تھا، مجھے لگتا ہے جیسے قدرت نے آپ کی صورت میں وسیم بھائی کو مجھے واپس کر دیا ہے۔" سونیا جذباتی ہونے لگی تھی۔ "کبھی ایسا مت سوچیے گا، میں ہمیشہ آپ پر انحصار کرتی رہوں گی، آپ مجھے کسی گڑھے میں کودنے کو کہیں گے تو میں اس میں بھی کود جاؤں گی۔"

"خدا نہ کرے۔ بھائی بہنوں کو گڑھوں اور آگ میں کودنے سے بچاتے ہیں ان کو اس میں کودنے کا نہیں کہتے۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "خدا مجھے اس ذمے داری کو نبھانے کی توفیق دے۔"

وہ اپنے آنسو چھپاتی اٹھ کر چلی گئی۔ میں نے سفیر اور بیگ کو فون کیا۔ دونوں طرف خیریت تھی، وہ ابھی خبریں تھیں۔ رشید بے ہوش حالت میں صبح کے وقت اسپتال کے پاس سے مل گیا تھا اور عبداللہ صحت یاب ہو کر آ گیا تھا۔ کوٹھی کا چارج اب اس نے سنبھال لیا تھا۔ سونیا نے آ کر مجھ سے دوپہر کے کھانے کا پوچھا۔

"کچھ بھی بنا لو۔"

"یہاں سب ہے۔" وہ بولی۔ "ناصر وہل روٹی اور انڈے بھی لے آیا تھا۔ فریج میں پنیر رکھا تھا۔ میں پنیر ایگ سینڈوچز بنا لیتی ہوں۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔"

"نشست گاہ میں خاصی جگہ تھی اس لئے میں وسطی میز ہٹا کر ایکسرسائز کرنے لگا۔ سونیا کچن سے آئی تو ہنسنے لگی۔ "باڈی گارڈ! شہباز بھائی میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ آپ ایسی ایکسرسائز بھی کرتے ہیں۔"

"حالانکہ جب میں تمہارے گھر آیا تھا تو لڑکوں کے ساتھ مل کر باقاعدگی سے ایکسرسائز کرتا تھا۔"

"وہ تو اور بات تھی ـــ یہاں آپ کو مشکل نہیں ہو رہی ہے؟"

"کسی قدر۔" میں نے اعتراف کیا۔

"آپ نے سیلف ڈیفنس کی تربیت لی ہے؟"

"حالات خود تربیت کر دیتے ہیں۔"

"نہیں بھائی ـــ سیلف ڈیفنس ضروری ہے، آدمی بعض اوقات گھبرا جاتا ہے اور ہتھیار بھی نہیں ہوتا اس وقت یہ تربیت کام آتی ہے۔"

"تم نے تربیت حاصل کی ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "میں نے کنگ فو کی تربیت حاصل کی ہے۔ میں براؤن بیلٹ ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واقعی!" میں نے حیرت سے کہا۔ "دیکھنے میں تو نہیں لگتا۔"

وہ مسکرائی۔ "اس فن کی یہی تو خوبی ہے۔ نازک اور عام سے نظر آنے والے افراد اس میں مہارت حاصل کر کے پانچ چھ افراد سے بہ آسانی نمٹ سکتے ہیں لیکن یہ جوڈو اور کراٹے سے مختلف فن ہے۔ اس میں دو بدو مقابلے کا تصور نہیں ہے۔ اس کا ہر وار مہلک اور حریف کو نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے۔"

"خوب ــــ اگر مجھے کبھی موقع ملا اور ذرا سا سکون ہوا تو میں اسے سیکھنے کی کوشش کروں گا۔"

ایکسرسائز مکمل کر کے میں نے واش روم میں جا کر غسل کیا اور باہر آ کر سونیا کے بنائے سینڈوچز کھائے۔ میں نے سونے سے پہلے سفیر سے بات کی تھی اور پھر لیٹ گیا۔ رات مجھے بھرپور نیند لینے کا موقع نہیں ملا تھا اور اس وقت مجھے آرام کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں لیٹ کر سو گیا۔ پھر میری آنکھ کھلی تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ میں منہ دھو کر باہر آیا۔ کچن سے ناصر کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔

"مس سونیا ــــ تمہارے ہاتھ میں ذائقہ ہے۔"

"شکریہ!" سونیا بولی۔

"کیا ایک کپ چائے اور مل سکتی ہے؟"

"ہاں، تم جا کر بیٹھو۔" سونیا نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔ "میں ابھی لاتی ہوں۔"

ناصر باہر آیا۔ "کیا احوال ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کلیل کی ایڈوانس ٹیم اس کے بھائی لے گئے تھے۔ باقی کل رات کی ہنگامہ آرائی کی خبریں اخبارات میں ہیں۔ تم دیکھ لو۔"

ناصر بہت سارے اخبارات لایا تھا۔ میں دیکھنے لگا۔ بلیک کیب میں بم لگایا گیا تھا۔ اسپتال کے ریسپشنسٹ نے اس کی چابی لگا کر اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی تھی اور بم بلاسٹ ہو گیا۔ اسپتال کا ملازم مارا گیا۔ اس کے بعد اسپتال کے عقبی حصے میں شدید فائرنگ ہوئی تھی اور ایک جگہ خون ملا تھا لیکن کوئی لاش یا زخمی نہیں ملا تھا۔ حوثی کلیل سے ملنے کے لئے آنے والے دو افراد کے بارے میں انتظامیہ کو قطعی علم نہیں ہے اور نہ ہی کلیل کے بھائی جو لاش لینے آئے تھے وہ ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ دوسری خبر فائرنگ اور ایک گاڑی کے حادثے کے بارے میں تھی۔ کار الٹ گئی تھی اور اس کے اندر بھی خون تھا لیکن نہ تو کوئی زخمی ملا اور نہ ہی لاش۔ پولیس کے مطابق کار چوری کی تھی اور اس کی چوری کی رپورٹ پرسوں رات شاہدرہ کے ایک تھانے میں لکھوائی گئی تھی۔

"دشمنوں کا نقصان ہوا ہے۔" میں نے اخبار میز پر ڈال دیا۔

"میری اطلاع کے مطابق جامی شاہ کے آدمیوں پر گزشتہ رات خاصی اُبل رہی تھی اور گاڑیوں کی آمد و رفت مسلسل جاری رہی تھی۔" ناصر نے بتایا۔

"یعنی وہ جامی شاہ کے آدمی تھے۔"

"امکان یہی ہے۔" ناصر بولا۔ "میرا ایک جونیئر رپورٹر ہے اسد چوہدری ــــ بڑا ہونہار اور ذہین بچہ ہے۔"

"یعنی تمہارے اشارے پر یا خوف و خطر ــــ خطرے میں کود جاتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہی سمجھو۔" ناصر نے رائے ٹالی۔ "میں نے اسے شاہ نواز کے پیچھے لگا دیا ہے۔ ایک خبر یہ بھی ہے کہ شاہ نواز کو تسخیر کے بعض بااثر افراد کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہے اور وہ جاہی شاہ سے الگ ہونے کی فکر کر رہا ہے۔"

"جاہی شاہ اسے اجازت دے گا؟"

"آسانی سے نہیں دے گا کیونکہ لڑکیاں جاہی شاہ کے لئے کمائی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ شنید ہے اس نے شوقین افراد کے لئے بیرون ملک سے لڑکیاں منگوائی ہیں۔ یہ باقاعدہ معاہدے کے تحت آتی ہیں اور معاہدہ مکمل ہونے پر اپنی کمائی کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہیں۔"

"غیر ملکی۔۔۔ کہاں سے آتی ہیں؟"

"ان میں سے زیادہ تر بھارتی ہوتی ہیں۔ وہ فلم ڈائس اداکارائیں جو چھوٹے بجٹ کی فلموں یا ڈراموں میں کام کر چکی ہوتی ہیں۔ ماڈل گرلز اور کسی بھی طریقے سے کمانے کی آرزو مند حسین لڑکیاں شامل ہوتی ہیں۔ نوخیز بنگالی لڑکیاں، افغان دوشیزائیں جن کے مرد مارے جا چکے ہوتے ہیں اور خاندان کی ذمے داری ان پر آ جاتی ہے۔ پھر مشرق بعید سے لڑکیاں آتی ہیں اور سب سے مہنگی امریکا اور یورپ سے آنے والی گوریاں ہوتی ہیں، ان کی ایک رات کے بیس پچیس لاکھ روپے تک وصول کئے جاتے ہیں۔"

"پچیس لاکھ!" میں دم بخود رہ گیا تھا۔ "ویسے تو عورت کی عصمت انمول اور خود اس کے لئے قیمتی ترین متاع ہوتی ہے لیکن جو خود بکنے کو تیار ہو جائیں ان کی قیمت اتنی بھی لگ سکتی ہے، میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کیونکہ خود میرے نزدیک ایسی عورتوں کی قیمت کچھ نہیں ہے مگر ہوس سے بالوں لے افراد ان کے لئے اتنی بڑی رقم دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جس کا تصور تو کیا ایک متوسط طبقے کا پاکستانی بھی بس سوچ سکتا ہے، اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

ناصر ہنسا۔ "یہ تو کسی دنیا میں رہتا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے روشن خیالی کے نام پر اس ملک میں وہ واہیاتی پھیلائی جا رہی ہے کہ عام آدمی اس کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"یار سیاست نہیں۔۔۔ مجھے اس لفظ سے الرجی ہے۔"

"یہی وجہ ہے ہماری بربادی کی۔" ناصر طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "اس ملک کے لوگوں نے خود کو سیاست سے الگ کر کے سیاسی رکھوالوں کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ ان کو جہاں چاہیں چرائیں اور جس قیمت پر چاہیں بیچ دیں۔"

"یہ تو ٹھیک کہہ رہا ہے مگر فی الحال میرے حالات مجھے اس طرف جانے کی اجازت نہیں دیتے۔" میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "قصہ مختصر کہ شاہ نواز سے ہمیں کیا لینا دینا ہے۔"

"تمہارا اس سے تعلق ذرا دور کا ہے۔ وہ جاہی شاہ سے متعلق ہے اور جاہی شاہ تمہارے دشمنوں سے مل چکا ہے۔ اس لحاظ سے وہ بھی تمہارا دشمن ہوا اور ممکن ہے کچھ دن بعد اس سے واسطہ پڑ جائے۔"

"دیکھیں گے۔ اچھا یہ ڈشا کی کوئی خبر۔۔۔ کیا وہ ابھی تک کولمبیا میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں بتانا بھول ہی گیا۔ وہ ایک ہفتے کے ٹیکنیکل کی کوشش میں ہے اور ٹیکنیکل راشد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فاروقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مرشد علی کے مریدوں میں سے ہے۔"

"راشد فاروقی کہاں رہتا ہے؟"

"ادھر ریلوے کالونی کے پاس اونچے درجے کے سرکاری افسران کی سرکاری رہائش گاہیں ہیں۔ راشد فاروقی کی کوٹھی بھی ان میں سے ایک ہے۔"

"ڈیوڈ شاہ مرشد علی کے ایک مرید کے پاس مقیم ہے، اس کا مطلب ہے اس کا مرشد علی سے گٹھ جوڑ جاری ہے۔"

"ظاہر ہے اور مجھے شبہ ہے فتح خان بھی لاہور میں ہوگا۔ وہ ایمن کے پیچھے دیوانہ ہے۔"

"اسے ہیرے چاہئیں۔"

"کیا ڈیوڈ شا برٹ شا کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ زندہ ہے؟"

"نہیں، فتح خان اسے یہ بات بتانے کی حماقت نہیں کر سکتا اور نہ ہی ڈیوڈ شا کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے ورنہ وہ برٹ شا کو مروا دے گا۔ اس کے ہوتے ہوئے ڈیوڈ شا اس کی جاگیر کس طرح اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ برٹ شا کی زندگی تو اس کی موت ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" ناصر نے سر ہلایا۔ "یہ سارے معاملات بہت پیچیدہ اور آپس میں گتھے ہوئے ہیں۔"

"دراصل مرشد علی درمیان کی کڑی ہے۔ وہ میرا دشمن ہے اور سب اس سے ملے ہوئے ہیں ورنہ ڈیوڈ شا اور فتح خان سے میری براہ راست دشمنی نہیں ہے۔"

"یہ درست ہے مگر تم انہیں مرشد علی سے کم مت سمجھو۔ مرشد علی اس قسم کا آدمی ہے جو سامنے موجود دشمن پر پوری قوت سے وار کر سکتا ہے، نظر آ جائے تو اس کا شکاری کتے کی طرح پیچھا کر سکتا ہے لیکن وہ اس قسم کی سازشیں نہیں کر سکتا جو لاہور آنے کے بعد سے تمہارا پیچھا کر رہی ہیں۔"

"مجھے بھی ڈیوڈ شا پر شک ہے۔" میں نے سر ہلایا۔

اسی لمحے سونیا چائے لے کر آئی۔ اس نے کپ ناصر کے سامنے رکھا اور مجھ سے بولی۔ "شہباز بھائی، میں نے چکن سوپ بنایا ہے، آپ کھیں تو لے آؤں؟"

"ضرور۔" میں نے کہا اور سونیا کے جانے کے بعد ناصر سے کہا۔ "ابھی تم کچن میں سونیا سے کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں تو صرف خاتون کا غم بٹانے کی کوشش کر رہا تھا اس نے غلط سمجھا۔" ناصر کھسیا کر بولا۔

"غلط فہمی رہنا۔ وہ کنگ فو جانتی ہے اور تم ڈیڑھ پسلی کے آدمی ہو۔" میں نے سمجھایا۔

"اچھا کیا، تم نے بتا دیا۔" ناصر جلدی سے بولا۔

"سونیا سوپ لے آئی۔" "کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

"تمہارے بارے میں بتا رہا تھا کہ اچھا کھانا پینے کے ساتھ تمہیں بڑی پسلی توڑنا اور سر میں سوراخ کرنا بھی آتا ہے۔" میں نے سوپ کے پیالے میں سامنا ملاتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمی ان کو بتا دینا ضروری ہے۔" سونیا سنجیدگی سے بولی۔

مجھے اندازہ ہوا کہ ان دونوں میں کوئی کھچڑ پک ہوئی تھی لیکن مجھے ناصر سے بدتمیزی کی امید نہیں تھی۔ سوپ کے بعد میں نے چائے کی فرمائش کی اور ناصر سے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ گھر محفوظ ہے اگر دشمن اس جگہ سے واقف ہوتا تو اب تک دھاوا بول دیتا۔"

"میں نے بھی آتے جاتے اچھی طرح دیکھا تھا، مجھے کسی پر نگرانی کا شبہ نہیں ہوا۔ نہ ہی کسی نے میرا تعاقب کیا تھا۔" ناصر نے بتایا۔ "ابھی میں رات کو چلا جاؤں گا۔ میں اور سامان لے آیا ہوں۔ تم دو تین دن بھی گزارہ کر سکتے ہو۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔"

"مجھے اپنے پستول کے لئے گولیاں درکار ہیں۔" میں نے کہا تو ناصر نے سر ہلایا۔

"یار یہ کسی اسلحے والا کام کیا نہیں ہے البتہ جانتا ہوں کچھ لوگوں کو۔ ایسا کرو، مجھے گولی کا نمونہ اور کچھ رقم دو۔ بندہ صرف حلال پر گزارہ کرتا ہے اس لئے اکثر خالی جیب ہوتی ہے۔" اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

"کوئی بات نہیں یار! ہمارے درمیان کوئی تکلف نہیں ہے۔" میں نے اسے پانچ ہزار روپے اور تینوں طرح کے پستولوں کی ایک ایک گولی دی۔ "اگر مل جائیں تو ہر طرح کی کم سے کم پچاس گولیاں لینا۔"

"میں لے آؤں گا۔ اچھا رات کے وقت کھڑکیوں کے پردے برابر کر لینا تاکہ روشنی باہر نہ جائے اور اگر کسی وجہ سے باہر جانا پڑ جائے تو یہ دروازہ اندر سے لاک کر کے بند کر دینا۔ باہر والا گیٹ میں بند کر جاؤں گا۔ اسے بھلا تکنا پڑے گا۔"

"تمی طرف سے فرار کا کوئی راستہ ہے۔" میں نے پوچھا۔ "اگر سامنے سے دشمن حملہ کرے تو ہمیں فرار کا راستہ تو ملے۔"

"تمی سمت میں ایک خوبصورت باغ ہے۔ اس نے اپنے مکان کے عقبی حصے میں بڑا سا باغ بنا رکھا ہے جس میں پھل دار درخت ہیں۔ بڈھا ان کی رکھوالی کے لئے سارا دن وہاں ٹہلتا رہتا ہے۔"

"دن میں۔۔۔ یعنی رات کو ہم یہ راستہ استعمال کر سکتے ہیں؟" میں نے غور کیا۔

"میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" ناصر نے جلدی سے کہا۔ "رات میں بڈھے سے زیادہ خونخوار کتا ہوتا ہے۔"

میں نے فوری طور پر اس راستے کو استعمال نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ "دائیں بائیں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بائیں طرف ایک فیملی ہے۔ میاں بیوی اور تین چار چھوٹے بچے ہیں۔ دائیں طرف ایک چھوٹی فیملی ہے۔ دو میاں بیوی اور ایک لڑکی۔ تم بلا خوف ان کی طرف سے فرار ہو سکتے ہو۔"

ناصر کے جانے کے بعد میں نے احمد کی روشنیاں بجھا کر دائیں بائیں کے مکانات کا جائزہ لیا۔ خوش قسمتی سے دونوں طرف کے مکانات ایک احاطے میں تھے۔ یعنی ہمیں احمد جانے کے لئے صرف چھ فٹ کی دیوار ہی عبور کرنا تھی۔ لاؤنج میں ٹی وی تھا اور اس میں کیبل بھی تھی، میں وقت گزاری کے لئے ٹی وی دیکھنے لگا تھا۔ سونیا نے چند رسالے تلاش کر لئے تھے ان سے دل بہلا رہی تھی۔ میں نے سفیر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بن موبائل کا چارج ختم ہونے والا تھا اس لئے رابطہ بھی نہیں ہو سکتا۔

ٹی وی پر بھی مجھے دلچسپی والی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے اس امید پر نیشنل جیوگرافک اور ڈسکوری چینل بھی لگا کر دیکھے کہ شاید وہاں سے ایمن کا کوئی پروگرام آ رہا ہو مگر یہ امید بھی بر نہ آئی، پھر میں اخبار دیکھنے لگا۔ رات کا کھانا ہم نے تو بچے کھایا تھا۔ مجھے کافی دے کر سونیا سونے کے لئے چلی گئی تھی۔ اس نے میرے لئے کمبل بھی کمرے میں سے برآمد کر لیا۔ آج رات میں سکون سے سو سکتا تھا۔ کافی کے بعد میں نے بقیہ اخبار بھی دیکھے۔ پھر ایک اخبار کی چھوٹی سی خبر نے میری توجہ کھینچ لی۔ خبر کے مطابق تھوڑا کے ایک زمیندار اپنے گھر میں مردہ پایا گیا۔ پولیس نے اس کے ساتھ سو جوار ایک لڑکی کو گرفتار کر لیا جو اردو یا پنجابی نہیں جانتی تھی۔ تفتیش پر پتا چلا کہ وہ صرف بنگالی زبان بول سکتی تھی۔ اگلے روز لڑکی پُراسرار طور پر تھانے سے غائب ہو گئی اور پولیس نے ایسی کسی لڑکی کے وجود سے انکار کر دیا تھا جبکہ زمیندار کے لواحقین کا کہنا تھا کہ انہوں نے خود لڑکی کو پولیس کے حوالے کیا تھا البتہ وہ یہ بتانے کے لئے تیار نہیں تھے کہ لڑکی کہاں سے اور کیوں آئی تھی؟ مجھے ناصر کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ جامی شاہ کا گروہ غیر ممالک سے لڑکیاں لا کر مقامی اوباش امراء کو سپلائی کرتا ہے۔ ان میں بنگالی اور انڈین لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ اخبار کے رپورٹر کے مطابق یہ امر نہایت پُراسرار تھا کہ پولیس ایسی کسی لڑکی کے وجود سے انکار کر رہی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ وہ لڑکی پیشہ ور تھی اور کسی بااثر گروہ سے تعلق رکھتی تھی تبھی پولیس نے قتل کا معاملہ ہونے کے باوجود اسے صفائی سے اس مرحلے سے نکال دیا تھا۔

رات بارہ بجے تک میں بور ہوتا رہا کیونکہ نیند نہیں آ رہی تھی۔ مجھے رہ رہ کر سفیر اور مونا کا خیال آ رہا تھا۔ کاش میں ان کے پاس ہوتا یا وہ میرے پاس ہوتے۔ بارہ بجے میں نے لائٹس آف کر دیں اور سونے سے پہلے کھڑکی سے باہر کا جائزہ لیا۔ مکان کے احاطے میں تاریکی تھی۔ ظاہر ہے خالی مکان میں روشنی کون کرتا ہے۔ اچانک مجھے برابر والے مکان کے احاطے میں روشنی لہراتی نظر آئی۔ میں پردہ برابر کرتے کرتے رک گیا۔ اس مکان کے احاطے میں بھی تاریکی تھی۔ اس وقت کون ٹارچ لے کر گھوم رہا ہے۔ روشنی ہماری دیوار کے پاس آئی تھی۔ مجھے یاد آیا۔ ناصر نے بتایا تھا کہ اس مکان میں ایک بزرگ فیملی رہتی ہے۔ وہ میاں بیوی اور ایک ان کی بچی۔

رات کے اس پہر اور سردی کے عالم میں کوئی اس مکان کے لان میں کیا کر رہا تھا؟ آیا مالک مکان تھا یا کوئی چور۔ ایک تیسرا خیال مجھے اپنے دشمنوں کا آیا۔ مگر ان کو اس احاطے میں گھسنے کے بجائے ہمارے مکان میں گھسنا چاہئے تھا۔ بہرحال میں نے اپنی تشفی کے لئے باہر جانے کا سوچا۔ ایک بھاری ٹارچ مجھے نشست گاہ میں ٹی وی ٹرالی کی دراز میں مل گئی تھی۔ میں نے احتیاطاً اپنی لائسنس کا پستول لیا اور دروازہ کھول کر باہر آیا۔ تاریکی میرا پردہ رکھ رہی تھی۔ دبے قدموں احاطے کی دیوار تک آیا۔ لان میں ایک طرف چھوٹی میز کے گرد چار پلاسٹک کی کرسیاں رکھی تھیں۔ میں نے ایک کرسی اٹھا کر دیوار کے ساتھ رکھی اور اس پر چڑھ کر برابر والے احاطے میں جھانکا۔ مکان کے باہر کوئی روشنی نہیں جل رہی تھی البتہ اندر چند کمروں میں ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہی باہر کے احاطے کو کسی قدر روشن کر رہی تھی۔

جہاں تک نظر جاتی تھی احاطہ خالی ہی تھا۔ روشنی مجھے واضح طور پر نظر آئی تھی، اسے میں اپنا وہم ہرگز نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہہ سکتا تھا۔ ممکن ہے گھر والوں میں سے کوئی کسی ضرورت کے تحت باہر آیا ہو اور اس نے روشنی کی وجہ سے سوچا اور نیچے اترنے لگا تھا کہ ایک سہمی ہوئی نسوانی آواز نے کہا۔ "یہ آواز کیسی آئی تھی۔ برابر والے مکان میں کوئی نہیں رہتا ہے۔" آواز دیوار کے بالکل برابر سے آئی تھی جس کے ساتھ میں کرسی پر کھڑا تھا۔

"ایسے ہی ہوگی۔ ہوا سے کوئی چیز ہلی ہوگی۔" ایک مردانہ آواز نے جواب دیا۔

"نہیں ثاقب۔۔۔ کوئی ہے ممکن ہے کوئی چور ہو۔ اب تم جاؤ۔۔۔ ایسا نہ ہو امی ابو کی آنکھ کھل جائے۔"

"یار کیوں بور کرتی ہو۔ کوئی نہیں آئے گا۔" لڑکے نے بے پروائی سے جواب دیا۔

تو یہ بات تھی۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ دیوار کے اس طرف وہی ڈراما کھیلا جا رہا تھا جو ہمارے معاشرے میں اب ایک عام سی بات بنتی جا رہی ہے۔ لڑکا رات کی تاریکی میں چھپ کر لڑکی سے ملنے آیا تھا۔ ماں باپ تالے لگا کر اور دیواریں کھڑی کر کے سو رہے تھے، یہ بھول کر کہ ایک نقب زن ان کے گھر میں بھی ہے جس کی مدد کے بغیر اس گھر میں باہر سے کوئی نقب نہیں لگا سکتا۔ "پلیز ثاقب، آج تم چلے جاؤ، پھر آنا۔"

"آج میں جانے کے لئے نہیں آیا ہوں۔" لڑکے نے بظاہر عاشقانہ انداز میں کہا لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس کا لہجہ عجیب سا لگا تھا۔ "دیکھو، میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں؟"

"کیا۔۔۔ دکھاؤ۔۔۔ مجھے۔۔۔" لڑکی کی اشتیاق بھری آواز اچانک گھٹ گئی تھی۔ میں نے کچھ ایسی آوازیں سنیں جیسے لڑکی کا گلا دبایا جا رہا ہو۔ میں نے دیوار سے جھانکا۔ لڑکا ایک ہاتھ لڑکی کے منہ پر رکھے ہوئے تھا اور ہاتھ میں سفید رنگ کا رومال تھا۔ جب تک میں نے دیکھا لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔ معاملہ یک دم سنگین سے نکل کر بھرمانہ حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ ابھی میں لڑکے کے عزائم سے ناواقف تھا۔ اس نے بے ہوش لڑکی کو نیچے لٹایا اور خود گیٹ کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں لپک کر دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف کود گیا۔ اندھیرے میں لڑکی واضح نظر نہیں آ رہی تھی مگر میرا اندازہ تھا، وہ بیس برس کی نوجوان لڑکی تھی۔ اس کی رنگت سفید تھی جو اندھیرے میں نمایاں تھی۔ میں اس کے نزدیک ہی ایک درخت کے عقب میں ہو گیا۔ ثاقب چند لمحے بعد لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔ ثاقب نے اس سے کہا۔ "اسے لے جا کر گاڑی میں ڈال، میں اندر سے مال لے کر آتا ہوں۔"

"جلدی کر کوئی آ گیا تو۔۔۔" دوسرے نے ڈرے سہمے لہجے میں کہا۔

"بک بک نہ کر۔۔۔ کام کر۔" ثاقب نے اسے جھڑک دیا۔ "مفت میں مرے گرنا چاہتا ہے، کچھ کام بھی تو کر۔"

ثاقب اندر کی طرف بڑھ گیا اور آنے والا لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اسے اٹھانے کے بجائے اس کے پاس بیٹھ کر لڑکی کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور ابھی وہ آواز کی طرف مائل ہوا تھا کہ میں نے عقب سے پستول کا دستہ اس کی کنپٹی پر رسید کیا۔ وہ بغیر آواز نکالے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے بار کر اس کا معائنہ کیا۔ وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا، اس کے بعد میں نے مکان کے اس حصے کی طرف دیکھا جہاں ثاقب غائب ہوا تھا۔ وہ مکان کے جغرافیہ سے اچھی طرح واقف تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مال کہاں رکھا ہے فائنا یہ ساری خبریں اس نامعاقبت اندیش لڑکی نے دی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازہ کھلا تھا میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ثاقب دس منٹ بعد اندر سے برآمد ہوا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو چند منٹ پہلے اس کے ساتھی کے ساتھ کر چکا تھا۔ اس نے ہلکی سی آواز نکالی اور ڈھیر ہو گیا۔ یہ آواز اتنی نہیں تھی کہ کسی کو متوجہ کر سکتی۔ اس نے ہاتھ میں ایک بیگ لے رکھا تھا اور مال شاید اسی میں تھا۔ میں نے بیگ لیا اور اندر قدم رکھا۔ یہ بیڈ روم تھا۔ ٹائٹ بلب روشن تھا اور ڈریسنگ ٹیبل کی نسوانی آرائش سے ظاہر تھا کہ یہ لڑکی کا ہی کمرا تھا۔ ایک طرف بیٹر روشن تھا۔ میں واپس آیا لڑکی کو اٹھایا اور لا کر کمرے میں بستر پر لٹا دیا۔ اس کی نبض و ریاست ٹھیک تھی۔ وہ سات آٹھ گھنٹے بعد ہوش میں آ جاتی۔ میں نے ایک کاغذ اور قلم تلاش کیا اور اس پر لکھا۔ "نادان لڑکی! آج خدا نے اپنی مہربانی سے تمہیں بچا لیا۔ لیکن کوئی شخص خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے تو خدا بھی اپنی مہربانی ہٹا لیتا ہے، فقط ایک خیر خواہ"

پرچہ میں نے بیگ کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے لاک بند کر کے کھینچ لیا۔ اب اسے باہر سے کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔ میں ثاقب کو لے کر دیوار کے پاس آیا۔ پہلے اسے دیوار پر اس طرح ڈالا کہ اس کا سر اور ہاتھ دوسری طرف تھے اور پاؤں اس طرف۔ یہی سلوک میں نے دوسرے کے ساتھ کیا، اس کے بعد خود دوسری طرف کود گیا۔ ان کو بے دردی سے کھینچ کر دیوار سے اتار کر نیچے ڈالا اور آخر میں باری باری دونوں کو کاندھے پر لاد لیا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد میں نے اگلی کارروائی شروع کی۔ واش روم کی دواؤں والی کیبنٹ میں مضبوط میڈیکیٹیپ رکھا تھا۔ اس کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے۔ میں نے اس کی مدد سے دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ آخر میں منہ اور آنکھیں بھی ٹیپ سے بند کر دیں۔ اس کے بعد میں آرام سے کمبل میں لپٹ کر سو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا یہ دونوں بے بس رہیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ صبح مجھے سونیا نے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ اس نے مکمل مندی کی کہ کوئی آواز نہیں نکالی تھی ورنہ قالین پر کلبلاتے وہ دونوں سن سکتے تھے۔ اس نے اشارے سے ان کے بارے میں پوچھا اور میں نے اشارے سے کہا کہ میں بتاتا ہوں۔ میں اسے بیڈ روم میں لایا اور اندر سے دروازہ بند کر کے اسے گزشتہ رات کی کارروائی کے بارے میں بتایا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ "میں ان کو اپنی صورت نہیں دکھانا چاہتا اور تمہارے وجود سے تو بے خبر رہیں تو بہتر ہے۔"

"لیکن ان کا کریں گے کیا؟"

"ابھی سوچا نہیں ہے۔ ویسے تفریح بری نہیں ہے۔ کل سے میں بور ہو رہا تھا۔" میں بولا۔ "آپ ناشتا دو۔"

"ان کے لئے بھی بناؤں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو بعد میں بنا دینا اور ہاں کام کے دوران خود کچھ مت بولنا۔"

"میں سمجھ گئی شیبا نہ بھائی!"

میں نشست گاہ میں واپس آیا۔ ثاقب کا ساتھی اپنے ہاتھ کا ٹیپ میز کے شیشے سے رگڑ کر کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے زبردست تھپڑ رسید کیا اور وہ قالین پر جا گرا۔ "میری آواز سن رہے ہو؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "شکر کرو، کل رات ہی تمہیں ذبح کر کے کسی گندے نالے میں نہیں پھینک دیا۔ ممکن ہے آج رات تمہارا یہی انجام ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثاقب اور اس کا ساتھی لڑ رہے تھے۔ انہوں نے ہوش میں آنے کے بعد خود کو جس حالت میں پایا تھا، وہی ان کا خون خشک کرنے کے لئے کافی تھی۔ اوپر سے بربری دھمکی نے ان کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ وہ یقین پر بے قراری سے بچتے ہوئے ناک سے آوازیں نکال رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "شاید تم لوگ رحم کی درخواست کر رہے ہو یا مجھے گالیاں دے رہے ہو۔ بہرحال مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی تمہارا انجام بدلے گا۔"

میں کچھ دیر ان کو اسی طرح ڈراتا، دھمکاتا رہا تھا۔ اس اثنا میں ناصر آ گیا۔ اس نے حسب معمول ایک بڑا سا تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر چونکا۔ "یہ کون ہیں؟"

"وہ پاپی ہیں، ان کا اوپر فیصلہ کرنا ہے آج رات۔"

"کہاں سے ملے؟"

"میں اور شیرا ایک گھر میں داخل ہوئے تو یہ ایک لڑکی کو اغوا کرنے لے جا رہے تھے۔ مال کے ساتھ ان کو بھی لے آئے۔"

"اور لڑکی؟"

"محفوظ ہے، ہم شریف لوگ ہیں۔ اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔"

"تب ان کو لانے کی کیا ضرورت تھی، سروں میں ایک ایک گولی اتارتے اور راستے میں پھینک دیتے۔"

"یہ کام تو آج رات بھی کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "دراصل خاصے دنوں سے کوئی تفریح نہیں ہو رہی ہے اس لئے ان کو لے آیا۔"

سونیا نے آ کر اشارے سے ناشتے کی تیاری کی اطلاع دی۔ دوسرے فرد کی آواز سن کر وہ بالکل ساکت ہو گئے تھے، میں نے ناصر سے کہا۔ "ان کا خیال رکھنا۔ یہ سیانا ٹیپ کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب اس نے پھر ایسی حرکت کی تو اسے کتے کے آگے ڈال دینا۔"

ہم نے بیڈ روم میں ناشتا کیا۔ سونیا دونوں اسیروں کا معائنہ کر رہی تھی۔ ناشتے کے بعد ہم نے اپنی تفتیش کا آغاز کیا۔ میں نے منہ کھولنے سے پہلے ثاقب کو اپنے پستول کا لمس اچھی طرح جتا دیا تھا۔ "اول تو یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے مگر اوپر استاد آرام کر رہا ہے اس لئے فالتو آواز نکالنے اور اونچا بولنے سے گریز کرنا۔"

منہ سے ٹیپ اترتے ہی ثاقب نے فریادیں شروع کر دیں۔ "ہم بے قصور ہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، ڈاکو بھائی!"

میں نے اسے تھپڑ رسید کیا۔ "مجھے لڑکی کو اٹھاتے دیکھ کر ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے اور تم نے ہمیں ڈاکو بھی قرار دے دیا۔"

"مجھے معاف کر دو۔" وہ گھگیایا۔

"کر دیں گے۔" ناصر نے فراخ دلی سے کہا۔ "اگر تم کچھ سوالوں کے جواب دے دو۔"

"تمہیں ان لڑکی کو کیوں اغوا کرنا تھا؟"

"میں اسے اغوا نہیں کر رہا تھا، وہ خود میرے ساتھ جانے کو تیار تھی۔"

"پھر اسے بے ہوش کیوں کیا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناصر کے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اسے خاموش دیکھ کر میں نے مسرت سے کہا۔ "اب مزہ آئے گا۔ یار! ذرا لائٹر نکالنا۔ اس کی ایک ٹکلی جلاؤں گا۔"

"وہ شرافت سے نہیں مان رہی تھی۔" ثاقب نے جلدی سے کہا۔ "اس لئے اسے بے ہوش کیا تھا۔"

"اب آئے نہ راہ پر۔" میں نے ناصر سے لائٹر لے کر اسے جلایا اور شعلہ یک دم اس کے کان سے لگا دیا۔ وہ بلبلا گیا تھا۔ اس نے جھٹکے سے سر موڑ لیا تھا۔

"سوال نمبر دو..... انوا کے بعد لڑکی کا کیا کرتے؟"

اس نے کراہ کر کہا۔ "میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"

اس بار میں نے دوسری کو سے لائٹر لگا دیا۔ اس نے بھیانی دردناک چیخ ماری۔ "مجھے مجبور مت کرو کہ میں لائٹر ایک منٹ کے لئے تمہارے کان سے لگا دوں۔"

اس نے اقرار کر لیا۔ "ہمارا ارادہ اس کی آبرو سے کھیلنے کا تھا۔"

میرا دل چاہا کہ اس بے غیرت کے سر میں گولی اتار دوں مگر میں نے ضبط سے کام لیا۔ میں ان کا پورا پلان سننا چاہتا تھا۔ "اس کے بعد لڑکی کا کیا کرتے؟"

"اس کے بعد میں اسے اپنے ساتھی کے حوالے کر دیتا۔"

"کون سے ساتھی کے؟"

"یہ جو میرے ساتھ ہے۔"

اس پر دوسرے نے زور شور سے نفی میں سر ہلایا۔ میں نے ٹیپ واپس ثاقب کے منہ پر چپکا دیا تھا۔ "اگر اس میں سے کوئی بات غلط ہوئی تو اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار رہنا۔"

ناصر نے دوسرے کے منہ سے ٹیپ اتارا۔ "یہ بکواس کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ لڑکی کو یہ خود آگے بیچ دے گا۔ حرامی میرا نام لیتا ہے، تیری ماں۔۔۔"

"بک بک مت کرو۔ اگر تم نے لڑکی کو قبضے میں نہیں لینا تھا تو اس معاملے میں پڑے کیوں؟" میں نے اسے ڈانٹا۔

"یہ مجھے گاڑی کی وجہ سے لایا تھا۔ میرے پاپا کو پتا چلا تو وہ مجھے جان سے مار دیں گے۔" وہ رونے والے لہجے میں بولا۔

"تمہارا باپ کون ہے؟"

"جی محکمہ زراعت میں سیکرٹری ہیں۔ راشد فاروقی۔"

میں اور ناصر چونک اٹھے تھے۔ "وہ تمہارا باپ ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "اور تم یہ حرکتیں کرتے ہو؟"

"ایسے لوگوں کی اولادیں آج کل جرائم کر رہی ہیں کیونکہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ان کے باپ ان کے آگے ڈھال بن جاتے ہیں۔" ناصر تلخی سے بولا۔

"ثاقب سے تمہاری دوستی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں، یہ خود مجھ سے ملا تھا۔" وہ جلدی سے بولا لیکن جب میں نے اس کی کان کی لو سے لائٹر لگایا تو اس نے تسلیم کرلیا کہ وہ اور ثاقب پرانے دوست تھے اس کا نام فیروز تھا۔ البتہ اس نے یہ تسلیم کرنے میں خاصی تاخیر کی کہ وہ اس سے پہلے بھی کئی اور لڑکیوں کے ساتھ یہ کھیل کھیل چکے تھے۔ "ان لڑکیوں کا کیا ہوا؟"

"میں نہیں جانتا۔ میں صرف گاڑی اور جگہ مہیا کرتا تھا۔ اس کے بعد یہ ان کو کہاں لے جاتا تھا، مجھے نہیں معلوم۔ اس سے پوچھو۔"

میں نے اس بار اس کے سر کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر اٹھایا اور جلتا لائٹر اس کی گدی کے نیچے رکھ دیا۔ یہ کام کرنے سے پہلے میں نے اس کے منہ پر ٹیپ لگا دیا تھا ورنہ اس کی چیخ باہر سڑک تک جاتی۔ اس نے ناک کے ذریعے خاصا واویلا مچایا تھا۔ حالانکہ میں نے صرف چند سیکنڈ کے لئے لائٹر اس کی گردن سے لگا رکھا تھا۔ اس کے گرد ناک صوتی تاثرات سن کر ثاقب وحشت زدہ نظر آنے لگا تھا، میں نے ٹیپ اتارنے سے پہلے کہا کہ وہ اپنی آواز دھیمی رکھے کہیں ہمیشہ کے لئے بند نہ کرنی پڑے۔ اس کے باوجود ٹیپ اتارتے ہی اس نے مجھوں مجھوں کر کے رونا شروع کر دیا۔ مجھے جلدی سے دوبارہ ٹیپ لگانی پڑی۔ اس کے بعد میں نے ثاقب کے منہ سے ٹیپ اتاری۔ "تم نے سن لیا ہوگا، فیروز نے کیا کہا ہے۔ اب تمہاری عافیت اسی میں ہے جو پوچھوں، مجھے سچ بتاؤ، ورنہ میں تمہارا یہ خوبصورت چہرہ جلا دوں گا۔ تم سوچ سکتے ہو میں نے صرف تمہاری ناک جلا دی تو تم کیسے نظر آؤ گے؟"

"تت ۔۔۔ تم ۔۔۔ جو پوچھو گے، میں بتاؤں گا۔" وہ بری طرح وحشت زدہ نظر آ رہا تھا۔

"تم لڑکی کو کہاں لے جاتے، غلط بیانی مت کرنا۔"

"وہ ایک شخص ہے ۔۔۔ شاہ نواز، اس کا آدمی بھولا مجھ سے اچھے داموں ایسی لڑکیاں خرید لیتا ہے۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے ناصر کی طرف دیکھا۔ لڑکیاں آپس میں ملتی نظر آ رہی تھیں۔ "اب تک کتنی لڑکیاں بھولے کے حوالے کر چکے ہو؟"

"یہ دوسری ہے۔" اس نے ہچک کر کہا۔

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے لائٹر اس کے کان کے نیچے رکھ دیا۔ میرے شکنجے میں وہ ہل جل نہیں سکتا تھا اور نہ سر چھڑا سکتا تھا۔ میں نے تقریباً دس سیکنڈ تک اس کے کان کو شعلہ دکھایا اور اتنی سی دیر میں اس پر آنسو نمودار ہو گئے تھے۔ میں نے مزید بات کئے بغیر اس کے منہ پر ٹیپ لگا دیا اور فیروز کے منہ سے ٹیپ اتاری، وہ رونے کا کسی قدر عادی ہو گیا تھا۔

"غلط بیانی پر ثاقب اپنے ایک کان سے محروم ہو چکا ہے۔" اسے وحشت زدہ کرنے کے لئے میں نے مبالغہ آرائی کی۔ "اب تم نے جھوٹ بولا تو ۔۔۔"

"خدا کے لئے مجھے اور مت جلانا۔ میں سچ بولوں گا، میں مر جاؤں گا۔" نازو نعم سے پلے لڑکے نے رونے ہوئے کہا۔

"کتنی لڑکیاں بیچ چکے ہو تم دونوں؟"

"تین عدد اور ثاقب دو لڑکیاں ان کے علاوہ بھی کہیں سے لایا تھا۔" وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ "اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے میں اس نے مجھے کچھ نہیں دیا تھا۔"

میں حیران ہوا تھا۔ میں تو اسے لفنگ پرست سمجھ رہا تھا، وہ جسموں کا تاجر نکلا تھا۔ اس کا باپ ایک ایسے پیشے پر تھا جسے دولت کی بہتی گنگا کہا جا سکتا تھا اور روپیہ کمانے کے لئے لڑکیاں بیچنے کے عمل میں شامل تھا۔ میرا دل چاہا کہ ان دونوں شیطانوں کی گردنیں دبا دوں مگر میں نے خود پر قابو رکھا۔ فیروز کے منہ پر تھپڑ مار کے میں ناصر کے ساتھ بیڈ روم میں آیا۔ "یار، یہ تو خدا نے غیبی مدد کی ہے۔" ناصر پُرجوش تھا۔ "خاص طور سے راشد فاروقی کا بندہ ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں۔"

"یہ بھی کم اہم نہیں ہے۔" میں نے حاتم کی طرف اشارہ کیا۔ "شاہ نواز سے اس کا تعلق ہے اور اس کاروبار کا اصل آدمی وہی ہے۔"

"اس خبر کی مزید تصدیق ہو گئی ہے کہ شاہ نواز جامی شاہ سے الگ ہو رہا ہے۔ تم نے کل کے اخبار میں خبر دیکھی ہو گی جس زمیندار کے قتل کی خبر تھی تھی، یہ جامی شاہ کی کارروائی تھی، اس طرح وہ شاہ نواز کو خبردار کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے الگ ہونے کا مت سوچے۔"

"اور شاہ نواز فیصلہ کر چکا ہے۔"

"اطلاع تو یہی ہے۔"

"اگر شاہ نواز الگ ہو جاتا ہے تو جامی شاہ پر اس کا کیا اثر ہو گا؟"

"بہت برا..... کیونکہ اس کا بیشتر اثر و رسوخ ان پیشہ ور مجرموں کی وجہ سے ہے۔ اعلیٰ سرکاری افسران اور سیاست دان اس رشوت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ قصور روڈ کے عشرت کدے میں ان افسران کا آنا جانا عام بات ہے۔ یہ سب جامی شاہ سے کٹ کر شاہ نواز سے جا ملیں گے۔ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ختم ہو جائے گا اور امکان ہے اس کے خاصے آدمی بھی ٹوٹ کر شاہ نواز سے جا ملیں گے۔"

"بھولے کے بارے میں جانتے ہو؟"

ناصر نے سر ہلایا۔ "ہم نے جی ٹی روڈ کے جس اڈے کا تفصیلی معائنہ کیا تھا وہ بھولے ہی کے زیر نگرانی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے شاہ نواز یہاں لاہور میں بھی ہاتھ پاؤں جما سکتا ہے۔"

"سننے میں آ رہا ہے کہ جامی شاہ کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کے قریب ہے۔ اور تاج اب شاہ نواز کے سر کے اوپر دکھا جائے گا۔"

"ڈیوڈ شاہ، راشد کے گھر میں موجود ہے، اس کا لڑکا شاہ نواز کو لڑکیاں سپلائی کرنے کے چکر میں ملوث ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ڈیوڈ شاہ اور اس کی وجہ سے مرشد علی بھی شاہ نواز کی طرف ہو چکے ہیں۔"

"یہ درست ہے۔" ناصر نے سر ہلایا۔

"یار، میرے ذہن میں ابھی ایک خیال آ رہا ہے، دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ کیوں نہ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔"

"تو جامی شاہ کے ساتھ ملنے کا سوچ رہا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لاحول ولاقوۃ! اس جیسے شخص سے ملنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ البتہ اس سے بات کر کے اس کی پشت تھپکی جا سکتی ہے۔"

"ہم اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔" ناصر نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کے مقابلے پر آنے کے لئے مجھے کچھ کرنا ہوگا۔"

"مثلاً کیا کرو گے؟" ناصر کا لہجہ کسی قدر تمسخرانہ ہو گیا تھا۔

"یہ میں نے سوچا نہیں ہے۔ ان دونوں لڑکوں کی صورت میں ہمیں بہترین ہتھیار ملے ہیں اگر سلیقے سے ان کا استعمال کیا جائے تو جامی شاہ اور شاہ نواز دونوں کا دھڑن تختہ ہو سکتا ہے۔"

"یہ معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"بس یار، تم اپنی ننھی سی عقل پر زیادہ زور نہ دو اور تم یہ بات کیوں بھول جاتا ہے کہ مجھے جامی شاہ سے دہرا کا اور ڈبل ڈیوڈ شاہ سے تکفیل کا بدلہ لینا ہے۔"

ناصر سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "معاف کرنا یار، اس وقت تم اپنے قد سے خاصی بڑی باتیں کر رہے ہو۔"

"یار، باتیں کرنے میں کیا حرج ہے۔" میں نے باہر کا رخ کیا اور ثاقب کو گردن سے کھینچ کر گھسیٹتا ہوا بیڈ روم میں لے آیا۔ "اس کی نگرانی کرنا۔" میں نے ناصر سے کہا۔

دراصل میں فیروز سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے پاس آ کر میں نے آہستہ سے کہا۔ "فیروز، میرا خیال ہے تم اس معاملے میں اتنے قصوروار نہیں ہو اس لئے میں تمہیں چھوڑنے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔"

اس نے زور شور سے سر ہلایا۔ میں نے ٹیپ اتار دی۔ "میں واقعی بے قصور ہوں۔ مجھے ثاقب نے بہکایا تھا۔ آپ مجھے چھوڑ دیں میں پھر کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ میں خدا رسولؐ کی قسم کھاتا ہوں۔"

"وہ بیس بائیس سال کا لڑکا مجھے احمق بنانے کی کوشش کر رہا تھا اور فی الحال میں نے احمق بننے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔" ٹھیک ہے، مجھے تمہاری قسم کا اعتبار ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ڈیڈی بھی شاہ نواز سے واقف ہیں۔ مجھے اس بارے میں کچھ اندازہ ہے۔"

"ہاں۔۔۔" وہ جھجکا۔ "دراصل۔۔۔ وہ ڈیڈی کے پاس اپنے کام سے آیا تھا۔"

"اور تمہارے ڈیڈی کی کوٹھی میں ان دنوں ایک گورا بھی ٹھہرا ہوا ہے؟"

"آپ کو کیسے پتا چلا؟" وہ حیران ہوا تھا۔ "میرے ڈیڈی نے یہ بات سب سے چھپائی ہے۔ گیسٹ ہاؤس والے حصے کی طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"میرے سوال کا جواب دو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"ہاں، ایک گورا ہے اس کے ساتھ دو گورے محافظ بھی ہیں لیکن میں اس کا نام نہیں جانتا۔ ڈیڈی نے پوچھنے کے باوجود نہیں بتایا تھا۔"

"خود۔۔۔ اور وہ کتنے دن سے ہے؟"

"دو دن سے۔" فیروز نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس امر پر غور کیا کہ ڈیوڈ شا کو سلیمہ کی محفوظ عمارت چھوڑ کر اس جگہ کیوں آنا تھا اور اس کے ساتھ صرف دو محافظ تھے، کیا یہ بھی اس کی کوئی چال تھی؟

"فیروز..... تمہارے ڈیڈی کے اس گورے سے تعلقات کیسے ہیں، دوستانہ یا مؤدبانہ؟"

"وہ دوسرے والے..... میں نے کبھی ڈیڈی کو کسی شخص کے آگے اس طرح جھکتے نہیں دیکھا، وہ تو وزیروں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔"

اس کلاس اور حیثیت کے لوگ گوروں کو آسمانی مخلوق سمجھتے ہیں۔ مغرب سے کوئی کتے کا پلا بھی آجائے تو یہ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں لیکن ایوب شا جیسے لوگ ہر جگہ حاکم ہوتے ہیں اور ان سے کم کسی شے پر راضی نہیں ہوتے۔ راجا عمر دراز نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ہمالیہ کی پُراسرار وادیوں کی طرف جانے کا منصوبہ بنا رہا تھا اور اس مقصد کے لئے ہی وہ یہاں آیا تھا لیکن لاہور میں اس کی موجودگی کا کیا مقصد تھا، میں فی الحال سمجھنے سے قاصر تھا۔ مجھے حکیم قادس کا خیال آیا جو اس کے قبضے میں تھا۔

"کیا اس گورے کے ساتھ کوئی ایسا پاکستانی تھا جس نے شمالی علاقے کے لوگوں کا سا لباس پہن رکھا ہو؟"

اس بار وہ زیادہ شدت سے چونکا تھا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا..... اسے تو اس گورے نے بھی چھپایا تھا لیکن میں نے دیکھ لیا تھا۔"

"کیسے؟" میں نے سوال کیا۔

وہ جواب دیتے ہوئے جھجکا مگر جب میں نے اس کی دُکھتی رگ کو اور سہلایا تو اس نے راز اگل دیا۔ اس نے گیسٹ ہاؤس کے کمروں میں خفیہ کیمرے لگا رکھے تھے جنہیں وہ اپنے پی سی کی مدد سے آپریٹ کرتا تھا۔ میں نے مقصد نہیں پوچھا۔ وہ گیسٹ ہاؤس میں ہونے والی عیاشیوں کا براہِ راست مشاہدہ کر کے لطف اندوز ہوتا تھا۔ بہرحال وہ چھپا رستم تھا اور آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ "تم نے کیمروں کے ساتھ مائیک بھی لگا رکھے ہوں گے؟"

"ہاں۔" اس نے بادلِ ناخواستہ اقرار کیا۔

"اس کا مطلب ہے تم جانتے ہو..... وہ گورا تمہارے ڈیڈی کے پاس کیوں آیا ہے؟"

فیروز نے سر ہلایا۔ "ہاں..... وہ چاہتا ہے کہ لاہور کے پاس ایک ایگری کلچر لیب اس کے حوالے کر دی جائے جہاں بعض جدید ترین سہولیات میسر ہیں۔"

"لیب میں اس کا کیا کام ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو اس نے ڈیڈی کو بھی نہیں بتایا تھا۔" وہ بولتے ہوئے کراہا۔ "خدا کے لئے مجھے کوئی مرہم لگا دو، میں تکلیف سے مرا جا رہا ہوں۔"

اگر وہ نادان لڑکی ان کے ساتھ نکل جاتی تو آج یہ درندے اس کی آبرو کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے خدا رسولؐ کے واسطوں پر کان نہیں دھر رہے ہوتے۔ اس لئے میں نے بھی اس کی فریاد نظر انداز کی۔ "یہ بتاؤ کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ تمہارے باپ کی کوٹھی میں داخل ہو اور اسے خبر نہ ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اندر جانے والے ہر فرد اور گاڑی کی تلاشی لی جاتی ہے اور آنے جانے کا ایک ہی راستہ ہے جس پر پولیس والے نہیں بلکہ ڈیڈی کے ذاتی گارڈز کھڑے ہوتے ہیں اور وہ کسی سے رعایت نہیں کرتے۔"

"اس کا مطلب ہوا تمہارے باپ کے دشمن ہیں اور وہ ان سے ڈرتا ہے؟"

"ہاں، ڈیڈی پر ایک بار قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے تب سے ڈیڈی محتاط رہنے لگے ہیں۔"

"میں غور کرتا جا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ناصر کو ان نئی معلومات سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ میں بیڈ روم میں آیا اور ٹاقب کو گردن سے پکڑ کر واپس نشست گاہ میں چھوڑ آیا۔ پھر میں نے ناصر اور سونیا کو فیروز سے حاصل ہونے والی معلومات سے آگاہ کیا۔ ناصر پُرجوش نظر آنے لگا۔

"یہ ہوئی ہے نا کام کی بات۔"

سونیا غور سے سن رہی تھی۔ "شہباز بھائی، کیا آپ نے راشد فاروقی کی کوٹھی میں گھسنے کے بارے میں سوچا ہے؟"

"ہاں، میں اس پر بھی غور کر رہا ہوں۔"

"میں اس کی مخالفت کروں گی۔ اوّل تو وہ ہائی سیکیورٹی ایریا ہے دوسرے راشد نے خود بھی سیکیورٹی سخت رکھی ہوگی۔" سونیا نے مکمل کر کہا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟" میں نے غور سے اسے دیکھا۔

"ہاں، وسیم بھائی کہتے تھے اگر شکار یا دشمن طاقتور ہو تو اسے وہاں گھیر کر جہاں وہ جانا چاہتا ہے۔ اسے کبھی اس کے محفوظ مقام پر گھیرنے کی کوشش مت کرو۔"

میں چونکا اور پھر جوش سے کہا۔ "درست کہا تم نے۔۔۔ واقعی ہمیں ڈیوڈ شا کو وہاں گھیرنا چاہئے جہاں وہ جانے کے لئے بے تاب ہے، میں فیروز سے لیب کے بارے میں پوچھتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ لیب قصور روڈ پر ہے تو میں اس جگہ سے واقف ہوں۔" ناصر نے کہا۔

"تم اس سے تصدیق کر لو۔"

میں نے فیروز سے پوچھا۔ اس نے تصدیق کی تو کورونری تجربہ گاہ قصور روڈ پر ہی تھی۔ میں نے ناصر کو شاباش دیتے ہوئے بولا۔ "اس جگہ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ سابقہ دورِ حکومت میں یہاں ایک جدید قسم کی لیب قائم کی گئی تھی مگر حکومت بدلتے ہی نئے آنے والوں نے وہاں کام کرنے والے سائنس دانوں کو فارغ کر کے ڈائریکٹر زنگا دیئے لہٰذا اب وہاں کوئی کام نہیں ہو رہا۔ کمروں کی مشینری بیکار پڑی ہے۔"

"میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اس جگہ کسی قسم کا کوئی تجربہ کرنا چاہتا ہے۔ تبھی اس نے راشد فاروقی کو پکڑا ہے۔ اگر وہ مرشد علی کے زیرِ اثر ہے تو وہ اسے کسی صورت انکار نہیں کر سکتا۔"

"یہ بہت عیار اور مفاد پرست قسم کا بیوروکریٹ ہے اور خاصی دولت اس نے گزشتہ چند سالوں میں بے حساب کمائی ہے۔"

"تبھی ایسے بچے پیدا کئے ہیں جو نسلی طور پر تو کبھی ذہنی طور پر حرام زادے ہیں۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر جھینپ کر سونیا کی طرف دیکھا۔ "سوری ــــ میرے بے اختیار نکل گیا۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ بولی۔ "جب وسیم بھائی کو کسی پر غصہ آتا تھا تو وہ بھی ایسے ہی گالیاں دیتے تھے۔"

"سوال یہ ہے کہ ہم لیب میں ان کو کیسے گھیریں گے؟" میں نے کہا۔

"اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ ان دونوں کا کیا کرنا ہے؟" ناصر نے جوابی سوال کیا۔

"ہاں، ہم انہیں زیادہ دیر تک اپنے پاس نہیں رکھ سکتے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ناصر یہ دونوں کسی کار یا گاڑی میں آئے تھے۔"

"ہمارے گھر کے سامنے ایک پرانی کھڑی ہے۔ سیاہ رنگ اور سیاہ شیشوں والی۔"

"میرا خیال ہے، وہی کار ہے۔"

"تب اس میں ڈال کر کہیں چھوڑ آئیں گے۔"

"میرے پاس ایک تجویز ہے۔" سونیا نے مداخلت کی۔

"کہو، مجھے اندازہ نہیں تھا تم اس معاملے میں اتنی دلچسپی رکھتی ہو۔"

"نکلیل کے آنے اور عادل سے شادی تک میں ہی وسیم بھائی کے بعد نمبر دو تھی اور ان کی غیر موجودگی میں سارے فیصلے مجھے ہی کرنا ہوتے تھے۔" وہ کہتے ہوئے دکھی ہو گئی پھر جلدی سے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔ "میں سوچ رہی تھی اگر ان دونوں کو جامی شاہ کے حوالے کر دیا جائے۔"

میں ایک بار پھر اچھل پڑا تھا۔ "سونیا ــــ شاندار! تم نے کمال کر دیا۔"

ناصر نے بھی اعتراف کیا۔ "میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ خاتون کے سر میں اتنی ذہانت ہو گی۔"

سونیا نے منہ پھلایا۔ "تم مردوں کی اس قسم میں سے ہو جو خواتین کو بے دماغ سمجھتے ہیں۔"

میں نے مداخلت کی اور ناصر سے کہا۔ "آپ روحیٹ کے لئے چپ رہیں۔" پھر سونیا کی طرف دیکھا۔ "تم جانتی ہو کہ جامی شاہ ہی اصل میں وسیم کا قاتل ہے۔"

"ہاں ــــ لیکن فی الحال وسیم جامی شاہ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ آنے والا وقت اسے بھی نہ کبھی ہمارے یا کسی کے سامنے مجبور کرے گا اور وہی ذمہ دار انتظام ہو گا۔"

سونیا کی اس بات سے مجھے اندازہ ہوا کہ اندر سے وہ کتنی مضبوط تھی۔ اس نے جامی شاہ کے معاملے میں جذباتی ہونے کے بجائے دماغ سے فیصلہ کیا اور مجھے بھی ایک راہ سجھائی تھی۔ میں نے ناصر سے کہا۔ "میں جامی شاہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے اس کے تمام لائن نمبر میرے علم میں ہیں، کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔"

ناصر نے مجھے نمبر اور اپنا موبائل دیا۔ میرے موبائل کی بیٹری ختم ہو چکی تھی اس لئے میں نے اپنا سم ناصر کے موبائل میں ڈال کر مطلوبہ نمبروں پر کوشش شروع کی۔ تیسرے نمبر پر رابطہ ہوا اور نمبر بند پڑے تھے۔

"میں جامی شاہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"لوئے کون ہے توں؟" دوسری طرف سے کسی نے بدمعاشوں والے انداز میں کہا۔

"تمہارا باپ!" میں نے بھی اسی کے انداز میں ترا کر کہا۔ "جامی شاہ کہاں ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"استاد تو ادھر نہیں ہے۔" میرے انداز سے دوستاد ہو گیا۔

"اس سے کہو کہیں بھی ہو، مجھ سے بات کرے۔ جتنی دیر کرے گا اتنا ہی نقصان ہو گا۔ اسے کہو یہ معاملہ شاہ نواز سے متعلق ہے اور مجھ سے اس نمبر پر ہی بات کرے۔"

"ادھر نمبر نہیں آیا — عام سیٹ ہے جی۔" وہ بولا۔

میں نے اسے نمبر نوٹ کرا کے فون بند کر دیا۔ "میرا خیال ہے شاہ نواز کا نام سن کر وہ جلدی کال کرے گا۔"

"ممکن ہے۔" ناصر نے شانے ہلائے۔ "ان کو حوالے کرنے کی کیا صورت ہو گی؟"

"بے ہوش کر کے ان کی کار میں ڈالیں گے۔ تو نے جا کر جامی شاہ کے کسی آدمی کے پاس چھوڑنا اور اسے اطلاع کر دینا وہ راستے میں گرے گرے بھیج کر اٹھوا لے گا۔"

"اور اس کے گرنے سے پہلے کوئی مسئلہ ہو گیا۔ یہ بھی ملزم آزاد ہو گئے؟"

"تب ان کی قسمت!" میں نے کہا۔ "لیکن ہم نے کوئی پھنسنے والا کام نہیں کرنا ہے۔ چھوڑ کر آتے وقت کار سے اپنی انگلیوں کے نشان صاف کر دینا۔"

"اتنی عقل میرے پاس بھی ہے۔" ناصر نے خفگی سے کہا۔

"رنگیلے!" میں ہنسا، اسی لمحے موبائل کی گھنٹی بجی، میں نے دیکھا ایک موبائل نمبر تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو!"

"میں جامی شاہ بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کسی نے بھاری آواز میں کہا۔ "تم مجھ سے کیوں بات کرنا چاہتے ہو، تم نے شاہ نواز کا حوالہ دیا تھا۔"

"مجھے نہیں معلوم تم جامی شاہ ہو یا نہیں..... لیکن میں شہباز ملک بات کر رہا ہوں۔"

"وہ ایک لمحے کے لئے چپ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے شک زدہ لہجے میں کہا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں اور میں نے تمہیں دھمکی دینے کے لئے فون نہیں کیا ہے، دیم کے خون کا حساب میں بعد میں لوں گا۔ فی الحال میں تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں۔"

"کیا تحفہ؟"

"تم واشد فاروقی کے بارے میں جانتے ہو؟"

"ہاں۔" اس نے محتاط انداز میں کہا۔

"وہ تمہارے باغی میرے شاہ نواز کو سپورٹ کر رہا ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس بار اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"میرے پاس دو لڑکے ہیں، ان میں ایک واشد فاروقی کا لڑکا ہے اور دوسرا اس کا دوست ہے۔ دونوں لڑکیوں کو ورغلا کر اٹھوا کر تے ہیں اور شاہ نواز کو بیچ دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تمہارے ساتھ دھندا کرتے تھے اور اب شاہ نواز سے بزنس کر رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں ان کا کیا کروں گا؟" اس نے بے نیازی دکھانے کی کوشش کی تھی۔

"شاید میں نے غلط اندازہ لگایا تھا۔۔۔ خدا حافظ!" میں نے رکھائی سے کہا۔

"ایک منٹ رکو۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آخر تم انہیں میرے حوالے کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"جامی شاہ، تم میرے دشمن ہو بلکہ یہ کہنا چاہئے تم نے بلاوجہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی حالانکہ میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ میری دشمنی ہر شدت سے ہے اور اس کے باپ ڈیوڈ شاہ سے ہے۔ ابھی تمہاری حیثیت دھوبی کے کتے کی سی ہو رہی ہے۔ شاہ نواز کے الگ ہوتے ہی تمہاری طاقت کا بھرم کھلنے والا ہے۔ اس لئے مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بھڑک کر کہا۔

میں نے استہزائیہ قہقہہ لگایا۔ "جامی شاہ، اگر تم نے مجھے فون بند کرنے سے کیوں روکا تھا؟"

"تم جامی شاہ کو جانتے نہیں ہو۔ شاہ نواز میرے لئے پالتو سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔"

"اب تم لاف گزاف پر اتر آئے ہو۔ کیا میں سمجھوں کہ تمہیں ان دو لڑکوں کی ضرورت نہیں ہے؟"

"نہیں۔۔۔ لیکن میں اب بھی سمجھتے ہے۔۔۔!"

"جامی شاہ، مجھے ہاں یا نہیں میں جواب دو۔"

"تم کس طرح ان لڑکوں کو میرے حوالے کرو گے؟"

"تم اس نمبر پر رہنا میں اطلاع کر دوں گا۔ لڑکے کسی جگہ سے ہوش میں آئیں گے، وہاں سے ان کو اٹھانا تمہاری ذمے داری ہوگی۔"

"کیا تم ان کو میرے پاس نہیں لاؤ گے؟"

"جامی شاہ، مجھے تم سے اتنے بچگانہ سوال کی امید نہیں تھی۔" میں نے اکتا کر کہا اور فون بند کر دیا۔

"ان کو بے ہوش کیسے کیا جائے گا؟" سونیا نے سوال کیا۔

"تم سنگ فو کا کوئی داؤ آزماؤ۔" ناصر معصومیت سے بولا۔

"سونیا دانت پیس کر کچھ کہنے جا رہی تھی کہ میں نے مداخلت کی۔ "باوجود مدت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کو کھانے میں خواب آور دوا دی جا سکتی ہے۔"

"میں سوپ بنا سکتی ہوں۔" سونیا نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"دوا ایسی ہی کسی شے میں دی جا سکتی ہے۔"

یہ مرحلہ بھی ایک گھنٹے میں انجام پا گیا۔ وہ گزشتہ رات سے بھوکے تھے اس لئے میرے اور ناصر کے ہاتھ سے پیالی سے سوپ پی گئے اور اس کے چند منٹ بعد وہ سو چکے تھے۔ میں نے ناصر سے کہا۔

"کار اندر لے آؤ۔"

"چابیاں۔" اس نے ہاتھ آگے کیا۔

میں نے دونوں کی تلاشی لی لیکن چابی کسی کے پاس نہیں تھی۔ "چابیاں تو نہیں ہیں۔"

"اور مجھے کسی اور طریقے سے کار اسٹارٹ کرنی نہیں آتی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یار، جا کر دیکھ شاید چابی کار میں لگی ہو۔ یہ لڑکی کو اٹھانے آئے تھے، لازمی بات ہے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے اور چابی اگنیشن میں ہوگی تاکہ فوری طور پر نکل سکیں۔"

ناصر کچھ دیر بعد آیا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ چابی اندر لگی تھی، دور تو کسی اچکے کی نظر نہیں پڑی ورنہ اب تک کار لے جا چکا ہوتا۔"

"ایسا کرو ابھی کار اندر لے آؤ۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "دن کی روشنی میں نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔ جب سورج غروب ہو جائے تب جائیں گے۔"

"خطرہ کیسا؟" سونیا بولی۔

"اس کے باپ نے اب تک اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی ہو گی۔" میں نے فیروز کی طرف اشارہ کیا۔ "اور معاملہ ایک اعلیٰ سرکاری افسر کا ہے اس لئے پولیس سرگرمی سے تلاش میں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے، میں تاریکی ہونے پر روانہ ہوں گا۔" ناصر نے سر ہلایا پھر سونیا کی طرف دیکھا۔ "اگر تم میرے ساتھ چلو تو آسانی رہے گی۔"

"کیسی آسانی؟"

"ایک تو خاتون کی موجودگی میں آدمی پر شک کم ہوتا ہے دوسرے اگر برا وقت آیا تو تم میری مدد کر سکو گی۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے ناصر سے اتفاق کیا۔ "سونیا تم اس کے ساتھ جانا اور میں پیچھے ناصر کی بائیک پر ہوں گا۔"

ناصر کچھ سوچ رہا تھا۔ "یار، تجھے جامی شاہ کو اپنا نام بتانے کی ضرورت تھی؟"

"میں ذرا رعب ڈالنا چاہ رہا تھا۔"

"وہ خطرناک آدمی ہے، اس وقت ذرا پھنسا ہوا تھا ورنہ اتنی شرافت سے بات نہ کرتا۔"

"ایسے کتوں کے ساتھ ایسے ہی بات کرنا چاہئے، یہ سوچے بغیر کہ وہ آپ پر غراتے ہیں یا دم ہلاتے ہیں۔ تم اس کی فکر مت کرو۔"

"جیسا حکم باس!"

"شہباز بھائی! برابر والے مکان سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا۔"

"کیسا رد عمل!" ناصر نے اسے گھورا۔ "کیا اس لڑکی کے بوڑھے ماں باپ چلا چلا کر اعلان کرتے کہ وہ رات لیٹتے لیٹتے بچے ہیں؟"

"مجھے یقین ہے لڑکی نے یہ معاملہ ماں باپ تک پہنچنے ہی نہیں دیا ہو گا۔" میں نے کہا۔ "اگر کسی وجہ سے ماں باپ پر خود یہ راز نہ کھل گیا ہو۔"

ناصر کار لانے چلا گیا۔ جب میں نے فیروز اور قاتب کی جیبوں کی تلاشی لی تھی تو اندر سے دوسری کچھ اشیاء کے ساتھ فیروز کے پاس سے ایک عدد موبائل سیٹ بھی ملا تھا۔ یہ جدید ترین قسم کا کلر اسکرین اور کیمرے والا موبائل فون تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس کے پاس موبائل تھا اور اس کے باپ نے اب تک اسے کال کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی زحمت نہیں کی تھی جبکہ موبائل آن بھی تھا۔ میں نے ناموں کی لسٹ اور نمبر دیکھے۔ فی الحال ان میں کوئی کام کا نمبر نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے موبائل آف کر دیا۔ ناصر کار اندر لے آیا تھا۔ وہ اندر آیا اور ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ ''باہر غضب کی سردی ہے۔'' اور سونیا کو آواز دی۔ ''کس سونیا چائے بنا کافی مل سکتی ہے۔''

''کیوں نہیں۔'' وہ بیڈ روم سے بولی۔ ''بنا لو گے تو مل سکتی ہے۔''

ناصر سرد آہ بھر کر کچن کی طرف چلا گیا۔ وہ دونوں ننگے قالین پر پڑے تھے۔ دوا کے اثر سے وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ ناصر کے موبائل سے میں نے سفیر سے رابطہ کیا۔ میری آواز سنتے ہی وہ چلایا۔ ''شوبی..... کہاں مر گیا ہے، کل سے کوشش کر رہا ہوں۔''

''بیٹری ختم ہو گئی تھی۔ یہ ناصر کا موبائل ہے۔'' میں نے اسے اطلاع دی۔ ''تو کیسا ہے، مونا کہاں ہے؟''

''میں یہاں ہوں۔ شوبی تم اور سونیا بہت یاد آ رہے ہو۔'' مونا نے موبائل لے لیا تھا۔

سونیا نے آواز سن لی تھی۔ وہ بھاگی ہوئی آئی۔ اس نے مونا سے بات کی اور پھر دونوں زور شور سے رونے لگیں۔ میں نے اور سفیر نے بمشکل دونوں کو چپ کرایا تھا۔ پھر میں نے سفیر سے پوچھا۔ ''تم دونوں کے پاسپورٹس کا کیا ہوا، بنے یا نہیں؟''

''بن کر آ گئے ہیں۔ دبئی کے ویزے کے لئے گئے ہیں۔ امید ہے کل تک ویزا بھی ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہمیں فوری طور پر دبئی روانہ ہونا ہے۔''

مونا نے پھر موبائل چھین لیا۔ ''شوبی، ہم تمہارے بغیر نہیں جائیں گے۔''

''گڑیا! میں نہیں جا سکتا اور تم دونوں یہاں سے نکل جاؤ گے تو میرے لئے آسانی ہو گی پھر خدا کبھی نہ کبھی وہ وقت لائے گا جب میں اور سونیا تمہارے پاس آئیں گے۔''

''اچھا سونیا تو ہمارے ساتھ جا سکتی ہے؟''

''نہیں، میں اکیلا رہ جاؤں گا پھر سونیا نہ صرف اپنی بلکہ میری حفاظت بھی کر سکتی ہے۔ ویسے بھی وسیم نے اس کی ذمے داری مجھے دی تھی۔ اگر یہ مسئلہ نہ ہوتا تب بھی میں سونیا کو اپنے ساتھ ہی رکھتا۔''

''چل یار..... بعض اوقات آدمی کو ایسے فیصلے کرنا پڑتے ہیں۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''اب ہم راجا کے پاس ہیں۔ آج ناشتا ہم نے اسی کے ساتھ کیا تھا۔''

''شوبی، تم دونوں بھی یہاں آ جاؤ۔ ہم تم سے ملے بغیر نہیں جائیں گے۔'' مونا موبائل کے پاس آ کر زور سے بولی۔ ''سن لیا تم نے؟''

''میں کوشش کروں گا، فی الحال ایک چکر میں الجھا ہوا ہوں۔''

''چکر بھی کوئی خطرہ؟''

''میرے لئے نہیں ہے، بلکہ اب میں نے سوچ لیا ہے جارحیت ہی بہترین دفاع ہے۔''

''شوبی تُو کیا کر رہا ہے؟'' سفیر پریشان ہو گیا تھا۔

''ابھی نہیں، آ کر بتاؤں گا۔'' میں نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر خون بند کر دیا۔ اس کا چارج بھی ختم ہونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والا تھا۔ ناصر کافی بنا کر لایا۔ اس کے پاس چارجر تھا اس نے موبائل چارج پر لگا دیا۔ میں نے اپنے موبائل کے چارجر کے بارے میں پوچھا۔ "یہ مل سکتا ہے۔"

"ہاں، اب تو گلی گلی میں موبائل شاپیں کھلنے لگی ہیں، وہاں مل جائے گا۔"

چار بجے سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا اور ساڑھے چار بجے تقریباً غروب ہونے والا تھا۔ ناصر نے کہا۔ "ذرا اچھی طرح اندھیرا ہونے دو پھر ان دونوں کو ٹھکانے میں ٹھکانے کرتے ہیں۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" میں نے اسلحے کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے گولیاں لانے کو کہا تھا۔"

ناصر نے سر پر ہاتھ مارا۔ "وہ تو میں بھول گیا۔"

"گولیاں لانا؟"

"نہیں وہ تو میں لے آیا ہوں، بتانا بھول گیا تھا۔"

ناصر شاپر لے کر آیا جس میں ایک ڈبے میں گولیوں کے تین عدد پیکٹ تھے۔ اس نے پیکٹ نکالے۔ "ہر ایک میں ساٹھ ساٹھ گولیاں ہیں۔ میں بیچ کر کے لایا ہوں۔ نمبر ون مال ہیں۔ اس وجہ سے ذرا مہنگے بھی پڑے ہیں۔ ایک گولی پندرہ روپے کی ہے۔" اس نے حساب بتایا۔ "تینوں پیکٹ ستائیس سو روپے کے پڑ رہے تھے مگر مجھے ڈھائی ہزار کے ملے ہیں۔"

"گڈ!" میں نے مدینا والا پیکٹ کھولا اور دونوں میگزینز میں گولیاں ڈالنے لگا۔ اس کے بعد اعشاریہ تین کے پستول کا میگزین فل کیا۔ ناصر نے بقیہ رقم مجھے دینا چاہی۔

"اپنے پاس رکھو۔ نہ جانے کب کہاں کیا ضرورت پیش آ جائے۔ میرے پاس رقم ہے، ان دونوں کے پرسوں سے بھی خاصی رقم ملی ہے۔"

ناصر نے دانت نکالے۔ "یعنی مال غنیمت!"

"اپنا گزارہ ایسے ہی چل رہا ہے آج کل۔"

تینوں پستول مکمل طور پر تیار کر کے میں نے سونیا کا پستول اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اس دوران ناصر اپنے موبائل فون کے ساتھ مصروف رہا تھا۔ چھ بجے ہم نکلنے کے لئے تیار تھے۔ باہر مکمل طور پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ میں نے ناصر سے پوچھا۔ "انہیں کہاں چھوڑنا ہے؟"

"میں سوچ رہا ہوں کسی معروف جگہ چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ وہاں چیک ہو سکتے ہیں۔ ان کو ملتان روڈ کی کسی غیر آباد جگہ چھوڑ دیتے ہیں پھر جامی شاہ کو اطلاع کر دیں گے۔"

"دیکھ لو..... کوئی اور مسئلہ نہ ہو جائے۔ مثلاً پولیس کا؟"

"فکر مت کرو۔ اگر پولیس نے کہیں روکا بھی تو اپنا پولیس کارڈ کس لئے ہے۔"

"ان دونوں کو نظروں سے بھی بچانا ہوگا۔"

"ان پر چادر ڈال دیں گے اور اوپر گتے کے کچھ خالی ڈبے ڈال دیں گے۔ ڈبے میں ابھی گلی کے کونے والی دکان سے لے آتا ہوں۔"

ناصر ڈبے لینے گیا اور میں نے تیاری شروع کر دی۔ اپنے اور بیروں میں جرابیں ڈالے۔ سونیا بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھے کھانے بناتی تھی اور کام بھی شوق سے کرتی تھی لیکن اکثر خواتین کی طرح اسے بھی باہر کا کھانا اچھا لگتا تھا۔

"شہباز بھائی، آج باہر سے کھانا نہیں لا سکتے؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیوں نہیں، جیسا تم کہو۔ کہو تو حرنگ چوک چلیں۔"

"نہیں، بس ہم باہر سے لا کر کھالیں گے۔"

"نہیں، آج ہم باہر ڈنر کریں گے۔"

سونیا میرے فیصلے سے پریشان ہو گئی تھی۔ "شہباز بھائی، اس میں خطرہ ہے، دشمن ہمیں تلاش کر رہا ہے۔"

"اسے کرنے دو۔ آج ہم بدپرہیزی ضرور کریں گے۔"

اگرچہ میں سونیا کو تنگ کر رہا تھا لیکن میرے ذہن میں خیال ضرور آیا تھا کہ ہم کب تک چھپتے رہیں گے۔ دشمن کہیں نہ کہیں سے ہمیں تلاش کر ہی لیتا تھا۔ تقدیر کا لکھا بہر صورت پورا ہو کر ہی رہتا ہے اس لئے چھپنا بیکار تھا۔ اس قسم کے خیالات میرے ذہن میں آ رہے تھے اور میں نے ان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ کچھ دیر میں ناصر گتے کے چار پانچ خالی ڈبے لے آیا تھا۔ "چل یار، ان کو کار میں منتقل کریں۔" ناصر نے کہا۔

پہلے ہم نے ثاقب کو کار کے پچھلے حصے میں منتقل کیا۔ اسے دونوں نشستوں کے درمیانی خلا میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد فیروز کو نشست پر لٹایا، ایک بڑا سا کمبل ان پر ڈال کر اوپر سے گتے کے خالی ڈبے بھر دیئے تھے۔ پورچ میں تاریکی تھی اس لئے ارد گرد سے کوئی دیکھ بھی رہا تھا تو اسے واضح طور پر کچھ نظر نہیں آ رہا ہوگا۔ ابھی ان دونوں کے کم سے کم چار گھنٹے تک ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا اور اس دوران میں وہ ہوش میں آ بھی جاتے تو بے بس تھے کیونکہ ان کے ہاتھ پیروں کے ساتھ منہ اور آنکھیں بھی بند تھیں، وہ از خود کار سے نہیں نکل سکتے تھے۔ سونیا بھی تیار تھی، ہم نے اپنے ہڈ سروں پر کر لئے تھے تاکہ چہرے آسانی سے نہ پہچانے جا سکیں۔

ناصر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ "کیا بات ہے برخوردار، تمہارے دانت نکلے پڑ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔" وہ جھینپ گیا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ ناصر سونیا کی طرف متوجہ تھا اور وہ اس کی طرف سے بے پروا تھی۔ ناصر کوئی آوارہ مزاج شخص نہیں تھا۔ وہ ایک باشعور اور سنجیدہ شخص تھا جو ہر لڑکی کے پیچھے نہیں جا سکتا تھا۔ ہم باہر آ گئے، ناصر کی بائیک سامنے کھڑی تھی۔ اس نے چابی میرے حوالے کی۔ "ہیلمٹ نہیں ہے میرے پاس۔"

"کوئی بات نہیں۔۔۔ اور میرے پاس بھی لائسنس نہیں ہے پکڑا گیا تو۔۔۔"

"پچاس، سو روپے تھما دینا۔ کاغذات تک تو بات مت آنے دینا۔" بائیک میں نے ایک ضعیف سے لی تھی اس نے مجھے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ اس نے نقد کے بجائے یہ بغیر کاغذات کی بائیک دے دی۔ ابھی تک پریس کارڈ کے سہارے چلا رہا ہوں۔"

"انجن بھی ہے یا اس کے بھی بغیر ہی چلا رہے ہو؟" میں ہنسا گیا تھا۔ "اگر پکڑا گیا تو مجھ پر چھ سات الزامات تو آرام سے لگ سکتے ہیں۔"

"فکر نہ کر، میں آگے گاڑی میں ہوں۔"

"مجھے سخت شبہ ہے کہ تمہاری توجہ ایک بار بھی میری طرف جائے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سونیا کار میں آ کے بیٹھی تھی اور ناصر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ سونیا نے اعتراض کیا۔ "تمہاری بائیک ہے اس پر آؤ۔ کار شہباز بھائی ڈرائیو کریں گے۔"

"زندگی میں پہلی بار ایک اچھی کار ڈرائیو کرنے کا موقع مل رہا ہے تو آپ کو اعتراض ہو رہا ہے۔" ناصر نے سرد آہ بھری۔

"سونیا میں خود بائیک پر چلوں۔" میں نے کہا۔ "اگر کار پہچان لی گئی اور تم لوگ پیچھے تو میں مدد کر سکوں گا۔"

عمارت والے مکان میں روشنیاں جل رہی تھیں۔ میں نے سوچا، اگر اس گھر سے لڑکی کل جاتی تو آج ان کے ہاں تاریکی ہوتی، ماتم ہو رہا ہوتا۔ میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور کار کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ اندھیرا ہونے ہی دھند چھانے لگی تھی۔ اصل میں یہ اس ٹھنڈی جو دھند کی صورت میں گر رہی تھی۔ یہ سردی بھی بلا کی تھی اور بائیک پر زیادہ ہی لگ رہی تھی۔ ناصر کار مناسب رفتار سے چلا رہا تھا اور میں اس سے دس بارہ گز پیچھے تھا۔ سردی کی وجہ سے سر شام ہی ٹریفک کم ہو گیا تھا اور سڑکیں تقریباً سنسان تھیں۔ صرف بعض مقامات پر تھوڑا بہت رش تھا۔ دھند کی وجہ سے لوگ تفریح کے لئے بھی باہر نہیں نکلے تھے۔ ناصر مختلف سڑکوں سے گزرتا ہوا ملتان روڈ کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک میری جیب میں رکھے موبائل نے رنگ دی۔ یہ ناصر کا موبائل تھا لیکن سم میری لگی تھی اس لئے کال بھی مجھے آ رہی تھی۔ میں نے چلتی بائیک پر موبائل نکال کر نمبر دیکھا۔ یہ وہی نمبر تھا جس پر میں نے جامی شاہ سے رابطہ کیا تھا لیکن میں نے کال ریسیو کرنے کے بجائے کاٹ دی اور موبائل آف کر دیا تاکہ وہ پھر کال نہ کرے۔ مجھے روڈیز اکبر یاد تھی جس کی مدد سے رفیع خان نے کچھ عرصے پہلے لاہور میں میرا پتا چلا لیا تھا۔ اس لئے میں موبائل کے رابطے کے سلسلے میں فی الحال خاموش رہنا چاہتا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم ملتان روڈ کے ساتھ ایک نئی آباد ہونے والی اسکیم میں داخل ہوئے اور شروع میں ایک خالی پلاٹ میں ناصر نے کار روک دی۔

"اب جامی شاہ کو اطلاع کر دو۔" اس نے مجھے کہا۔

"سوال یہ ہے برخوردار کہ ہماری واپسی کیسے ہو گی۔ بائیک پر ہم تین ہیں۔"

"کاش مس سونیا کی جگہ کوئی سونا خان ہوتا تو ہم آرام سے چلے جاتے۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"میں نے چند کلو میٹر پیچھے ایک ریسٹوران دیکھا ہے۔ سونیا کو وہاں چھوڑ کر آتا ہوں اور تمہیں لے جاتا ہوں۔"

"تب تک میں کیا کروں؟"

"ان کی نگرانی۔" میں نے کار کی طرف اشارہ کیا۔ "ایسا نہ ہو کہ کوئی کار کے چکر میں ان کو لے جائے۔"

"او کے۔۔۔ لیکن تم فوراً آنا۔"

میں نے جانے سے پہلے اسے سونیا والا پستول دے دیا۔ "یہ رکھو، کام آئے گا۔"

"مگر خیال سے۔۔۔ کہیں خود کو گولی نہ مار لینا۔" سونیا نے طنزیہ انداز میں کہا اور میرے پیچھے بائیک پر بیٹھ گئی۔

ریسٹوران چھوٹا لیکن مناسب قسم کا تھا اور اوپر فیملی کیبن تھے۔ میں اور سونیا ایسے ہی ایک کیبن میں آ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ہیلو ڈیئر سے کہا۔ "بیگم صاحب کا خیال رکھنا میں ابھی آیا۔"

سونیا بے فکری سے آزار دے رہی تھی۔ میں نے چلتے ہوئے اسے چھیڑنے کے لئے باہر ڈنر کی بات کی تھی، مجھے کیا معلوم تھا کہ بات بگڑ ہو جائے گی۔ ناصر کو لینے کے لئے جاتے ہوئے میں نے بائیک روڑائی اور پانچ منٹ میں وہاں جا پہنچا تھا لیکن ناصر وہاں نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ "ناصر!" مگر کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اگلی بار میں نے چلا کر کہا۔ "ناصر کہاں مر گئے ہو؟"

"اندر ہوں یار!" اس نے کار کے اندر سے جھانکا۔ "اتنی سردی میں کیا باہر ہی مٹھر تا رہتا۔"

"اب آ جاؤ۔ جلدی کرو سونیا انتظار کر رہی ہے۔"

"چابی کا کیا کروں؟" اس نے پوچھا۔

"اسے مقبی بمپر کے نیچے رکھ دے۔ کار کو سینٹرلی لاک کر دینا۔"

"او کے باس!" اس نے کار سینٹرلی لاک کر کے چابی نائین مقبی بمپر کے نیچے رکھ دی۔

میں اور ناصر وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ رک کر میں نے موبائل آن کیا اور جامی شاہ کا نمبر ملایا، وہ جیسے موبائل ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا، جیسے ہی بیل گئی اس نے کال ریسیو کر لی۔

"جامی شاہ۔۔۔ تمہارے لڑکے۔۔۔ اس وقت ملتان روڈ پر ایک جگہ ہیں۔"

"کہاں ہیں؟" اس نے بے تابی دباتے ہوئے پوچھا، ناصر پتا مجھے پہلے ہی سمجھا چکا تھا، میں نے دہرا دیا۔

"سیاہ رنگ کی ہنڈا ئی کار ہے اور چابی مقبی بمپر کے اندر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پر بندے ادھر نہ ملے تو؟"

"تب تم بھی چین سے سونا۔" میں نے جواب دیا اور موبائل فون آف کر دیا۔ "چل یار! سونیا اکیلی انتظار کر رہی ہو گی۔" میں نے کہا، بائیک اب ناصر ہی چلا رہا تھا۔

"اس کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ اس سے ریسٹوران والوں کو خطرہ ہو گا۔" ناصر ہنسی سے بولا۔

"کیا بات ہے، تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"جھگڑا تو اس وقت ہو جب وہ سیدھے منہ بات کرے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم اس سے بات کرنا کیوں چاہتے ہو؟"

"یار، میں اسے دکھ کی کیفیت سے نکال کر زندگی کی طرف لانا چاہتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے اس نے خاصی حد تک خود کو سنبھال لیا ہے۔"

"میں تو تمہاری غلط فہمی ہے۔ اس نے خود کو سنبھالا نہیں ہے، تمہیں مطمئن کرنے کے لئے خود پر ایک خول چڑھا لیا ہے۔ اس کے اندر وہ اپنی ذات میں سلگ رہی ہے۔"

"میرا خیال ہے اب تم مبالغہ آرائی کر رہے ہو۔"

"نہیں، تو معاملے کی سنگینی کو نظر انداز کر رہا ہے۔ کچھ عرصے پہلے جس لڑکی کا شوہر اسے دھوکا دے اور پھر مارا جائے۔ وہ ایک دوسرے شخص میں پناہ تلاش کرے اور پھر اسے چاہنے لگے، وہ شخص بھی مارا جائے تو کیا کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکی اتنی تیزی سے نارمل ہو سکتی ہے، اتنی جلدی سوفیا ہوئی ہے؟"

اس کی بات نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ "واقعی، ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔"

"سوفیا اندر سے اتنی ہی جذباتی ہے جتنی کہ کوئی عام لڑکی ہو سکتی ہے۔ وہ اپنا غبار وہ دھو کر نہیں نکال رہی ہے، اس کے آنسو اندر ہی اندر جمع ہو رہے ہیں اور کسی وقت بھی یہ جذبات کا بم پھٹ سکتا ہے، اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو سکتا ہے اور وہ خودکشی بھی کر سکتی ہے۔"

"یار، تم نے تو مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"میں اسے اس خول سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں جان کر اسے چھیڑتا ہوں اور اس کی نظر میں برا بھی بنتا ہوں۔ وہ مجھے عاشق مزاج سمجھنے لگی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم یہ سب کیوں اور کس لئے کر رہے ہو؟"

ناصر نے بائیک ریستوران کے سامنے روک دی تھی اور نیچے اتر کر بولا۔ "کیونکہ میں اسے پسند کرنے لگا ہوں۔"

"واٹ؟" میں حیران ہوا تھا۔

"ہاں، جتنا مجنوں نے لیلیٰ کو پسند کیا تھا یا فرہاد نے شیریں کو۔"

"لہٰذا تم نے ان کی صف میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے؟"

"دوست، ایسے فیصلے آدمی سوچ سمجھ کر تو نہیں کرتا، کہا جاتا ہے، محبت اور موت ہمیشہ ناگہانی طور پر ہوتی ہیں۔ بالکل اچانک اور آدمی کے پاس بچنے کی کوئی راہ نہیں ہوتی۔"

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" میں نے اس کی تائید کی۔ مجھے بے ساختہ دو سیاہ آنکھیں یاد آ گئیں جن کے بارے میں میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور نہ جانے کب میں ان کے سحر میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"اوہ بھائی! اس سردی کے عالم میں کہاں کھو گئے؟" ناصر نے میرا بازو ہلایا۔ "اندر نہیں چلنا ہے کیا؟"

ہم اندر آئے تو سوفیا سوپ سے انصاف کر رہی تھی۔ اس نے سوپ تین افراد کے لئے منگوایا تھا۔ "میں نے چکن فرائیڈ رائس اور چاؤ مین کا آرڈر دیا ہے۔" اس نے بتایا۔ "چند منٹ میں آنے والا ہوگا۔"

میں نے غور سے سوفیا کو دیکھا۔ اپنے چہرے اور لہجے سے وہ نارمل لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی، غم سے کم مجھے تو وہ کہیں سے غمزدہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اچانک کہا۔ "ایسے کیا دیکھ رہے ہیں شہباز بھائی؟"

"کچھ نہیں..... میں سوچ رہا ہوں، تم کتنے مضبوط اعصاب رکھتی ہو۔"

میرے الفاظ پر ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ "چھوڑیے شہباز بھائی! میں سب بھول چکی ہوں۔"

"سچ؟" میں نے سوال کیا۔

"سچ!" وہ بولی اور ناصر سے کہا۔ "میرا پستول واپس کرو۔"

"لے لو۔ مجھے ویسے بھی دھماکے دار چیزوں سے خوف آتا ہے۔" ناصر بولا اور اس نے میز کے نیچے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیشتر سونیا کی طرف بڑھا دیا تھا جسے اس نے پرس میں رکھ لیا۔

"سوپ مزے کا ہے۔" میں نے پیالے میں چمچہ سوپ ڈالا۔

خاصا بڑا پیالہ تھا اور سونیا نے اس میں سے تھوڑا سا سوپ لیا تھا جسے وہ چمچ سے سست روی سے پی رہی تھی۔ میں نے ناصر کے ساتھ مل کر دیکھتے ہی دیکھتے پیالہ خالی کر دیا تھا۔ ناصر نے بلند آواز سے ڈکار لے کر خدا کا شکر ادا کیا۔

"اب میں ڈنر کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔" اس نے اعلان کیا۔

"اب بھی کھانے کی گنجائش ہے؟" سونیا حیرت سے بولی۔ "میرا تو سوپ سے پیٹ بھر گیا ہے۔"

ویٹر نے کھانا لانا شروع کر دیا تھا۔ چکن فرائیڈ رائس کے ساتھ سبز بوٹی، سلاد، کولڈ ڈرنکس اور لذیذ عمدہ نان تھے۔ انہوں نے کھانا سجایا اور چلے گئے۔ میں نے دوپہر میں کچھ خاص نہیں کھایا تھا اس لئے بھی بات تھی مجھے بھوک لگ رہی تھی یا ناصر کا حال مجھ سے بھی زیادہ خراب تھا۔ لہٰذا ہم کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ سونیا نے چکن فرائیڈ رائس تھوڑے سے نکالے اور بے دلی سے ٹونگنے کے انداز میں کھانے لگی تھی، میں نے اسے ٹوکا۔

"سونیا! سچ سچ کھاؤ۔"

"شہباز بھائی! مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بوٹی لو۔" میں نے سبز بوٹی کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ "اسے کھاؤ گی تو خود بھوک لگے گی۔"

اس نے ایک بوٹی اٹھا کر اپنی پلیٹ میں ڈال لی تھی مگر کھائی نہیں۔ بس چاول ٹونگتی رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی الجھن ہو۔ اس نے پانی پیا اور اچانک پرس سنبھالتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ "میں ذرا واش روم سے آتی ہوں۔"

میں نے سر ہلایا۔ "ذرا چہرہ فریش لائیاں رکھنا۔ ممکن ہے کوئی واقف کار نکل آئے۔"

"میں سمجھتی ہوں شہباز بھائی!" اس نے کہا پھر ذرا عجیب سے لہجے میں بولی۔ "آپ بے فکر رہیں۔ میں آپ کے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں بنوں گی۔"

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم نے میرا ساتھ دیا ہے، پریشان تو ایک بار بھی نہیں کیا ہے۔ اب ایسا مت کہنا۔"

"جی اچھا۔ آئندہ ایسا نہیں کہوں گی۔" اس نے معذرت خواہی سے کہا اور باہر چلی گئی۔ یہ کیبن اس طرح سے بنے تھے کہ کاریڈور سے آگے پیچھے دیواریں تھیں۔ ایک طرف شیشے کی دیوار تھی جس سے باہر کا منظر نظر آ رہا تھا اور چوتھی طرف پردہ تھا جسے کھینچ کر برابر کیا جا سکتا تھا یا کھولا جا سکتا تھا۔ ہم نے احتیاطاً پردہ پوری طرح پھیلا لیا تھا۔ کھانا ابتدائی مراحل میں تھا۔ آخر میں کریم بی کا آئٹم تھا لیکن وہ اس وقت سرو کیا جاتا جب ہم اشارہ کرتے۔ ناصر نے آخری سبز بوٹی بھی معدے میں منتقل کرنے کے بعد ایک ڈکار اور لی۔

"کھانا مزے کا تھا۔"

"مجھے تمہاری خوش خوراکی پر رشک آیا۔ وہ بھی اس جسامت کے ساتھ۔"

"یہ خاندانی کاشتی ہے۔" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "اللہ بخشے ابا میاں لکھنوی شاعروں سے زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نازک تھے اور اماں بھی دھان پان سی تھیں۔"

"مگر کھانے کے لحاظ سے تم کسی پہلوان خاندان کی باقیات میں سے لگتے ہو۔"

"یار، یہ سوئیا کہاں رہ گئی ہے۔" ناصر نے نشے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ذرا تشویش سے کہا۔

"ہاں وہ سے گئے ہوئے دس منٹ ہونے کو آئے ہیں۔"

"وہ اپنا پرس ساتھ لے گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں، اس میں کیا خاص بات ہے، خواتین پرس ساتھ رکھنا پسند کرتی ہیں۔"

"تم بھول رہے ہو اس کے پرس میں پستول بھی تھا۔" ناصر بولا۔ "یار مجھے تو فکر ہو رہی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے وہ پستول سے....." میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اس نے سر ہلایا۔" تم نے اس کی حالت دیکھی تھی، وہ بہت الجھی ہوئی تھی، جب تک وہ ہمارے ساتھ رہی، اسے سوچنے کا موقع نہیں ملا لیکن یہاں اکیلے میں اسے تقریباً نصف گھنٹے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ اس کے اندر کوئی بڑی تبدیلی آئی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ "میں جا کر دیکھتا ہوں، تم یہیں رکو۔"

"ظاہر ہے، میں نے کہاں جانا ہے؟"

میں نے ہیڈ ویٹر سے واش رومز کے بارے میں پوچھا۔ عام طور سے مردانہ اور زنانہ ایک جگہ ہوتے ہیں۔ اس ریستوران میں بھی ایسا ہی کوئی سسٹم تھا۔ ایک چھوٹی سی دیوار میں برابر برابر دو دروازے تھے، ایک پر لیڈیز لکھا تھا اور دوسرے پر جینٹس۔ میں ہچکچایا۔ اگر میں لیڈیز واش روم میں چلا جاتا اور وہاں سوئیا کے ساتھ کوئی اور عورت بھی ہوتی تو معاملہ خراب ہو جاتا۔ دوسری طرف مجھے سوئیا کا بھی خیال تھا، اسے اب تک باہر آ جانا چاہئے تھا۔ اسی لمحے مجھے ایک نزدیکی کیبن کے پردے کے پیچھے سے ایک جانی پہچانی آواز آئی۔ "تم جا کر بیٹھو ہم ابھی پیشاب کر کے آتا ہے۔"

اگلے ہی لمحے وہ شخص میرے پیچھے سے گزر کر مردانہ واش روم کے دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے اوپر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر شاید اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا۔ وہ میری طرف مڑا تھا کہ میں نے برق رفتاری سے پستول نکال کر اس کے بیٹنے پر رکھ دیا اور اسے نال کے زور پر اندر دھکیل دیا۔ اس نے مزاحمت کرنے یا آواز نکالنے کی کوشش نہیں کی، اسے معلوم تھا ایسی کسی کوشش کا نتیجہ وفات کی صورت میں برآمد ہوگا۔ "شہباز خان اتم.....؟" وہ مسکرایا۔

"شہباز ملک!" میں نے ہمیشہ کی طرح تصحیح کی اور اچانک پستول کا دستہ اس کے سر پر مارا۔ وہ کراہ کر جھکا تھا دوسری بار میں نے اس کی گدی پر ضرب لگائی اور وہ سنک کے بل فرش پر گر کر ساکت ہو گیا۔

"فتح خان اتم کیوں بار بار میرے راستے میں آ جاتے ہو۔" میں نے کہا اور جھک کر اسے چیک کیا۔ وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔ اسی لمحے ایک ہاتھ روم کا دروازہ کھلا اور ایک شخص باہر آیا۔

"واپس جاؤ اور دس منٹ تک باہر مت آنا۔" میں نے پستول لہرا کر حکم دیا اور اس نے سعادت مندی سے تعمیل کی اور اندر جا کر دروازہ پھر سے بند کر لیا۔ میں پھرتی سے باہر نکلا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا، اس بار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بلا جھجک لیڈیز واش روم میں گھس گیا۔ اتفاق سے اسی لمحے ایک عورت باہر آ رہی تھی، اس نے دم بخود سی نظروں سے مجھے دیکھا اور تیزی سے گزر کر باہر چلی گئی تھی۔ میں اندر آیا۔ ایک طرف سونیا دیوار کی طرف منہ کیے کھڑی تھی۔

"سونیا! ہری اپ۔۔۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔" میں نے کہا۔

لیکن سونیا نے کوئی حرکت نہیں کی۔ وہ بدستور دیوار کی طرف منہ کیے کھڑی رہی تھی۔ پھر اس کا ہاتھ رفتہ رفتہ بلند ہوا۔ اس میں پستول تھا جس کی نال اس کے سر کی طرف اٹھ رہی تھی، میں چلا اٹھا۔ "سونیا! یہ کیا کر رہی ہو؟" میں اس کی طرف جھپٹا لیکن اس سے پہلے کہ میں اس تک پہنچتا، پستول کی نال سر سے لگی، اس نے زور کا دبایا اور ایک دھماکا ہوا تھا۔

"نہیں، دھماکا نہیں ہوا تھا بلکہ مجھے ایسا لگا تھا کہ دھماکا ہوا ہے۔ پستول سے صرف کلک کی آواز آئی تھی۔ اگلے ہی لمحے میں نے پستول سونیا سے چھین لیا۔ "سونیا پاگل، یہ کیا کر رہی ہے۔"

دوسری طرف مزمی تو اس کے چہرے پر ناقابل بیان ویرانی نظر آ رہی تھی۔ "شہباز بھائی! مجھے مر جانے دیں۔ اس دنیا میں اب میرے لئے کچھ باقی نہیں رہا ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اسے کیسے تسلی دوں۔ اوپر سے فتح خان سے سامنا کسی بہت بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہو سکتا تھا۔ نہ جانے وہ اتفاقاً آیا تھا یا میرا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔ دوسری صورت میں اس کے گرگوں کا باہر موجود ہونا بعید از امکان نہیں تھا۔ میں ایک لفظ کہے بغیر سونیا کو کھینچتا ہوا باہر لایا۔ میں نے باہر نکلنے سے پہلے کہا۔ "اپنا انداز نارمل کر لو اور چہرہ چھپا لو، ہم خطرے میں ہیں۔"

☆=======☆=======☆

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
چوتھے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ ایکشن تھرلنگ سسپنس آمیز سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل وفہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر وشر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار ورموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل وغارت گری، تباہی وبربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail: alimian_publications@yahoo.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

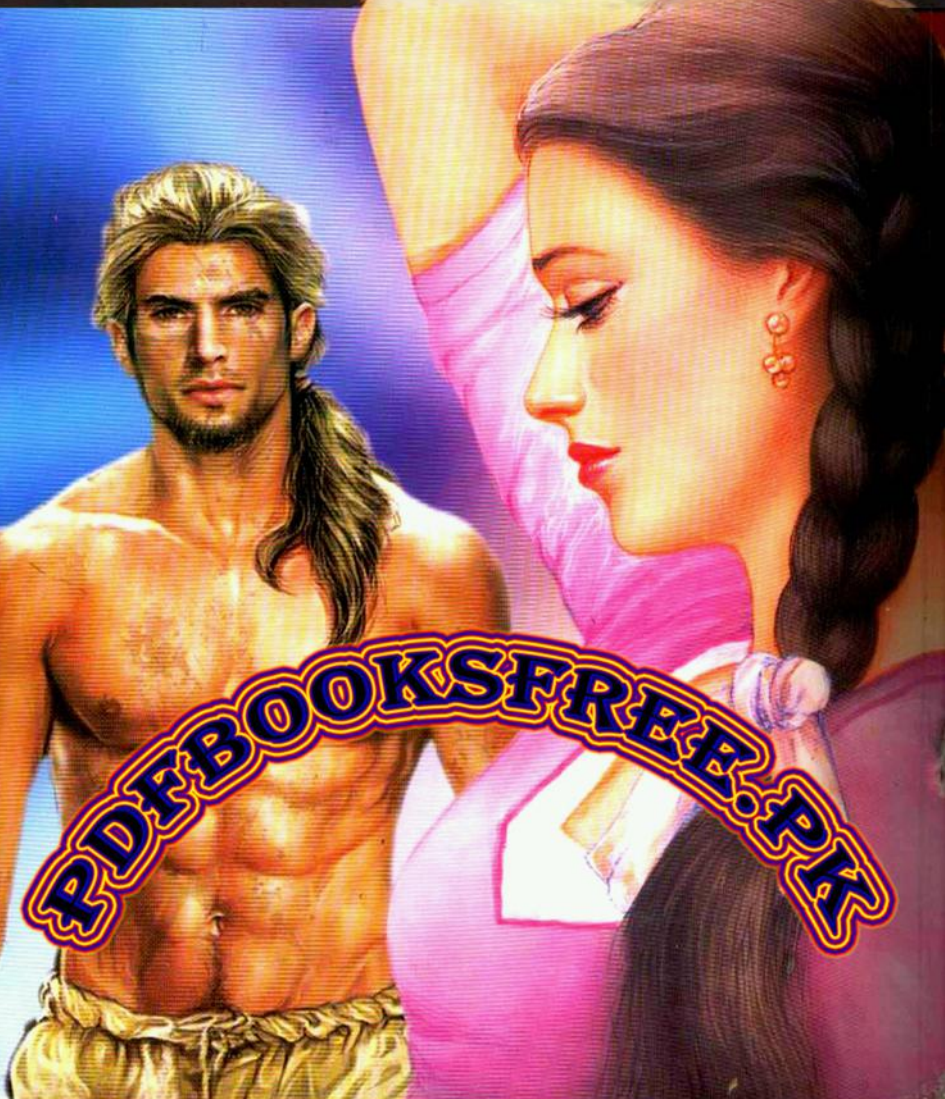
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

4



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

چوتھا حصہ

کاشف زبیر

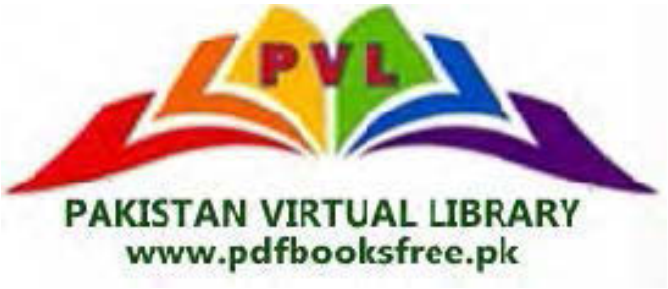
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیبن میں ناصر فکر مند سا موجود تھا۔ سونیا کو صحیح سلامت دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ میں نے بیڈ پیرے کو نکل لانے کا اشارہ کیا اور ناصر سے کہا۔ "ناصر! ابھی میرا فتح خان سے ٹکراؤ ہوا ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہے۔"

"فتح خان" ناصر بھونچکا رہ گیا تھا۔ "وہ یہاں کہاں سے آ گیا اور اب کہاں ہے؟"

"پتا نہیں، یہ کہاں سے آ گیا؟ فی الحال واش روم میں بے ہوش پڑا ہے۔"

"تم دونوں یہاں سے جاؤ۔" ناصر نے سوچ کر کہا۔ "میں رکتا ہوں۔ یہاں کے معاملات دیکھ لوں گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے کہا۔

اس دوران میں سونیا پائلٹ خاموشی سے اپنی نشست پر بیٹھی رہی تھی اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے ارد گرد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ "سونیا چلو، ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔"

"اسے کیا ہوا ہے؟" ناصر نے غور سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے ناصر کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ "اس کے پستول کی گولیاں کہاں ہیں؟"

ناصر نے سمجھ لیا تھا، اس نے خاموشی سے جیب سے گولیاں اور ان کا پیک نکال کر مجھے دے دیا۔ وہ ایک بار پھر فکر مند نظر آنے لگا تھا۔ اس نے جان لیا تھا کہ سونیا کی طرف سے کوئی غلط حرکت ہوئی ہے تبھی مجھے سونیا کے پستول کے خالی ہونے کا علم ہوا تھا۔

"تم کہاں جاؤ گے، راستوں کا پتا نہیں ہے۔"

"میں نکل جاؤں گا۔ سفیر اور ہونا کہیں اوجھل ہو گئے ہیں۔ بیگ سے رابطہ کر کے میں بھی وہیں چلا جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارا سیٹلائٹ فون میرے پاس ہے۔ تم یہ میرا موبائل رکھ لو۔ اس میں اپنی سم لگا لینا۔"

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ، میں بعد میں رابطہ کروں گا۔"

"رابطہ کر لینا، پہلے کی طرح غائب مت ہو جانا۔"

ناصر نے ایک نظر سونیا کو دیکھا۔ "اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

میں نے اپنا بازو دوست کر لیا تھا۔ سونیا کے سر پر بھی اس کے اپر کا بازو تھا۔ "سونیا چلو میرے ساتھ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی شہباز بھائی!'' وہ آہستہ سے بولی۔

میں اور سونیا باہر آئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ فتح خان کس کے ساتھ آیا تھا لیکن مجھے ہال یا ریستوران کے نچلے حصے میں کوئی مشتبہ شخص نظر نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب تھا، فتح خان اتفاقاً آیا تھا۔ مجھے ناصر کی فکر تھی۔ فتح خان دریافت ہونے کے بعد ایک ہنگامہ مچ جاتا اور ناصر پھنس جاتا۔ ''سونیا! ابھی ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ میں تم سے بعد میں پوچھوں گا۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں صرف اتنا بتا دوں، مجھے تمہاری اس حرکت سے شدید صدمہ ہوا ہے۔''

''میں سوری کرتی ہوں۔''

میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور وہ پیچھے بیٹھ گئی۔ میں نے کوئی دو کلومیٹر کے بعد ایک اور کیفے دیکھ کر بائیک روک دی۔ ہم اندر آئے۔ یہاں فیملی کیبن تو نہیں تھے البتہ دور کے گوشوں میں چھوٹی میزیں تھیں۔ ہم ایسی ہی ایک میز پر آ گئے۔ میں نے سب سے پہلے بیگ کو کال کی۔ ''شہباز صاحب کیسے ہیں؟''

''فائن..... بیگ صاحب! ہم اس وقت ایک کیفے میں بیٹھے ہیں۔ آپ ہمیں لانے کے لئے کسی کو بھیجیں۔''

بیگ نے مجھ سے پتا لے کر کہا۔ ''میرا آدمی آدھے گھنٹے میں آ جائے گا۔''

''آپ لوگ ہوشیار ہو جائیں، فتح خان لاہور میں ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے میرا اس سے ٹکراؤ ہوا ہے۔''

''اوہ، کس جگہ؟''

میں نے اسے جگہ کے بارے میں بتایا۔ ''وہ اب بھی وہاں بے ہوش پڑا ہوگا۔ ممکن ہے پولیس بھی آ چکی ہو۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' بیگ نے فون بند کر دیا۔

اب میں سونیا کی طرف متوجہ ہوا جو بدستور ساکت اور پہلے والے موڈ میں تھی۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''سونیا! میں تم سے نہیں پوچھوں گا کہ تم نے ایسا کرنے کی کوشش کیوں کی۔ میں جانتا ہوں، یہ ہمارا قصور ہے۔ ہم تمہارے اندر کی کیفیت کو نہ سمجھ سکے اور تمہیں یقین نہ دلا سکے کہ وسیم اور شکیل کے بعد اب ہم تمہارے ہیں۔''

''ایسی بات نہیں ہے شہباز بھائی!'' وہ بولی۔

''ایسی ہی بات ہے، میں نے خود تمہارے نارمل ردِعمل کو تمہارے اعصاب کی مضبوطی سمجھا اور یہ بھول گیا کہ کوئی عورت اپنے پیاروں کے بچھڑنے پر نارمل نہیں رہ سکتی، چاہے وہ کتنے ہی مضبوط اعصاب کی کیوں نہ ہو۔ میں شرمندہ ہوں تم سے۔''

''ایسی بات نہ کریں۔'' پہلی بار سونیا کے انداز میں تبدیلی آئی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ''آپ سب تو بہت اچھے ہیں، نہ جانے کیوں میں بہت زیادہ تنہائی محسوس کرنے لگی تھی۔ میں باہر سے خود کو جتنا سنبھالنے کی کوشش کرتی، اندر سے اتنا ہی بکھرتی جاتی تھی۔ میرے اندر کا خلا بہت بڑا ہو گیا تھا۔ میں اس دنیا میں بہت اکیلی تھی۔ شہباز بھائی میں اس تنہائی سے ڈر گئی تھی۔''

''اس لئے تم نے یہ کام کرنے کی کوشش کی؟'' میں نے دانستہ خودکشی کے لفظ سے گریز کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا اور پھر چونک کر پوچھا۔ ''پستول میں سے گولیاں کس نے نکالی تھیں؟''

''یہ ناصر کا کارنامہ ہے۔ درحقیقت اس نے تمہاری اندرونی کیفیت کو محسوس کیا تھا اور اس نے مجھ سے کہا بھی تھا لیکن میں نے ماننے سے انکار کر دیا۔''

''ناصر نے.....'' وہ حیرت سے بولی۔

میں نے سر ہلایا اور آہستہ سے بولا۔ ''اسے تمہاری بہت فکر ہے۔''

''اسے میری فکر کیوں ہے؟'' سونیا کا لہجہ تیز ہوا تھا۔

''یہ میں نہیں جانتا لیکن اس کا تجزیہ درست تھا۔ تمہارے پستول سے اس نے گولیاں بھی اسی وجہ سے نکال لی تھیں کہ اسے تمہاری طرف سے ایسی کسی حرکت کی توقع تھی۔''

''وہ.....'' سونیا نے دانت پیس کر کچھ کہنا چاہا کہ ویٹر آنے کی وجہ سے اسے چپ ہونا پڑا تھا۔

''دو کافی لے آؤ۔'' میں نے اس سے کہا۔ ویٹر کے جانے کے بعد سونیا کی طرف دیکھا۔ ''ممکن ہے تمہیں کسی وجہ سے اس پر غصہ آتا ہو لیکن وہ پُرخلوص شخص ہے، ہمارے لئے بے غرضی سے کام کر رہا ہے۔ اپنا کام چھوڑ کر ہمارے لئے خطروں میں کودتا پھر رہا ہے حالانکہ وہ مار دھاڑ والا شخص نہیں ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' سونیا قائل ہوئی تھی۔

''میں اس کا شکر گزار ہوں۔ اس نے بروقت تمہارے بارے میں نشاندہی کی۔ سونیا، وعدہ کرو، اب تم دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔''

''شہباز بھائی، میں نے جان بوجھ کر نہیں کی تھی۔''

''میں سمجھ رہا ہوں..... لیکن جب تم نے یہ فیصلہ کیا تو تم نے دوسرے پہلوؤں پر غور کیا تھا؟''

''کن پہلوؤں پر؟''

''تم مجھے وسیم کی جگہ سمجھتی ہو۔ اگر وسیم ہوتا تو کیا تم تب بھی خودکشی کی کوشش کرتیں؟''

اس سوال پر وہ بے حد شرمندہ نظر آنے لگی تھی۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''دوسرے خودکشی ہمیشہ بزدل لوگ کرتے ہیں اور میرا خیال ہے تم ہرگز بھی بزدل نہیں ہو۔''

''جی بھائی، پتا نہیں، میں نے ایسا کیوں کیا؟''

''اس کی وجہ بزدلی نہیں، تمہاری اندر کی کیفیت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے معاشرے میں..... دنیا کے تمام ہی معاشروں اور مذاہب میں لوگوں کے مرنے کے بعد رسومات ہوتی ہیں، لواحقین ان کا سوگ اپنے اپنے انداز میں مناتے ہیں۔ اس سے ان کے اندر کی فرسٹریشن دور ہو جاتی ہے، تم نے اور ہم نے اپنے پیاروں کا ایسا سوگ نہیں منایا شاید اس لئے تمہارے اندر دکھ کا خلا بھر نہیں سکا۔ ہم کل سب مل کر مرحومین کے لئے دعا کریں گے۔ ان کے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھیں گے۔''

''سچ بھائی!'' سونیا خوش ہو گئی تھی۔ ''مجھے اکثر خیال آتا تھا ہم نے وسیم بھائی کے لئے کچھ نہیں کیا۔ خلیل کے لئے پھر بھی اس کے گھر والوں نے بہت کچھ کر لیا ہوگا۔''

''سونیا، یہ سب میرے ذہن میں بھی تھا لیکن ہمیں سکون سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب ان شاء اللہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کل ہم ایک جگہ ہوں گے تو یہ کام کریں گے۔"

ویٹر کافی لے آیا تھا۔ سونیا نے کافی بنائی۔ "سونیا، اب تم ہمارے وجود کا ایک حصہ ہو، جیسے ہم اپنے معاملے طے کرتے ہیں اور فیصلے کرتے ہیں، ایسا تم بھی کرو۔ تمہارا فیصلہ ہمیں قبول ہوگا۔ جیسے تم ہمارے فیصلے قبول کرتی ہو۔ تم ہر معاملے میں دخل دے سکتی ہو۔"

"شکریہ بھائی!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے، میں نے بھی آپ کے رویے کو نہیں سمجھا۔ اب آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"شکوے شکایت اپنوں میں ہی ہوتے ہیں۔"

کافی ختم کر کے میں نے بل منگوایا۔ میرا خیال تھا بیگ کا آدمی آنے والا ہوگا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ چند لمحے بعد عبداللہ اندر آیا تھا۔ اس نے ایک نظر ہال میں دوڑائی اور سیدھا ہماری طرف آیا تھا۔

"کیسے ہیں سر؟"

"یہ سوال تو ہمیں کرنا چاہئے۔" میں ہنسا۔

"فائن سر..... چلیں؟" اس نے پوچھا۔

ہم اٹھ کر نیچے آئے۔ بائیک میں نے کینے کے سامنے چھوڑ دی تھی۔ عبداللہ ایک سیاہ ویگن میں آیا تھا، اس کے سامنے والے حصے میں دو افراد بیٹھے تھے۔ ہم پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ایک شخص عقبی حصے میں بھی تھا گویا عبداللہ تین محافظوں کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "پہلے ہم اس ریستوران جائیں گے جہاں آپ نے فتح خان کو چھوڑا تھا۔"

"اس صورت میں بہتر ہوگا تمہارا آدمی اس بائیک کو بھی ساتھ لے کر چلے۔" میں نے بائیک کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ہماری نہیں ہے اور اس کا مالک بھی ریستوران میں ہوگا۔"

عبداللہ نے عقبی حصے میں بیٹھے شخص کو بائیک پر آنے کے لئے کہا۔ وہ اتر گیا۔ "جناب، اس شخص سے رابطے کا کوئی ذریعہ ہے؟" عبداللہ نے مجھ سے پوچھا۔

"اس کے پاس موبائل ہے لیکن چارج نہیں ہے۔" میں نے بتایا۔ "ویسے بھی وہ جگہ چند منٹ کی ڈرائیو پر ہے۔"

ہم روانہ ہوئے اور کچھ دیر میں ہم اس ریستوران کے سامنے تھے۔ عبداللہ نے سر پر اونی ٹوپی لے رکھی تھی اور گلے میں مفلر اس طرح لیا تھا کہ نصف چہرہ چھپ گیا تھا۔ وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اندر گیا تھا۔ میں نے اسے ناصر کا بتایا تھا اور وہ اس سے مل چکا تھا۔ دس منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔ "اندر نہ تو فتح خان ہے اس کا ایک ساتھی اسے لے کر جا چکا ہے اور نہ ہی ناصر ہے۔"

"ممکن ہے ناصر اس کے پیچھے گیا ہو۔" میں نے کہا اور اس کے نمبر پر رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر جواب نہیں ملا۔ ہم واپسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ناصر کی بائیک بھی لے لی تھی۔ ناصر مجھ سے خود رابطہ کر سکتا تھا۔ ہم پون گھنٹے بعد ایک تین منزلہ عمارت کے احاطے میں داخل ہوئے تھے۔ یہ عمارت نہر کے ساتھ تھی۔ احاطے میں چند گاڑیاں تھیں۔ دین ان کے ساتھ رک گئی۔ عمارت پرانے انداز کی جھروکوں والی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجا صاحب بھی یہاں پر ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''جی سر، وہ بھی یہیں ہیں۔''

راجا ہمارا منتظر تھا۔ عبداللہ مجھے اور سونیا کو سیدھا اس کے پاس لے گیا تھا۔ ''کیا حال ہیں برخوردار!'' میرے اور سونیا کے سلام کا جواب دے کر اس نے پوچھا۔ ''ہنگامے تمہارے آس پاس رہتے ہیں۔''

''جی یہ ہنگاموں کی کرم نوازی ہے۔'' میں نے انکساری سے کہا۔

''بیٹی، تم کچھ تھکی ہوئی لگ رہی ہو جا کر آرام کرو۔'' راجا عمر دراز نے سونیا سے نرم لہجے میں کہا۔

''جی۔'' سونیا کہہ کر کھڑی ہوگئی۔ ''اور ایک ملازم کے ساتھ باہر چلی گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ راجا اسے یہاں سے ٹالنا چاہ رہا ہے۔ اس کے جاتے ہی راجا میری طرف متوجہ ہوا۔ ''برخوردار! فتح خان کا یہاں آنا اچھی بات نہیں ہے۔''

''فتح خان، میرا تعاقب کرتا آیا ہے۔''

''یہ بھی ہے لیکن اصل میں اسے ڈیوڈ شا نے بلایا ہوگا۔ وہ بہرصورت میرا خاتمہ چاہتا ہے۔ پچھلی ناکام کوشش کے بعد وہ فتح خان کو بلانے پر مجبور ہوا ہوگا۔''

''آپ کا کیا ارادہ ہے۔ راجا صاحب!'' میں نے اسے کریدا۔

''پہلے میں آرام سے جانا چاہتا تھا لیکن اب معاملات کو تیزی سے نمٹانا ہوگا، ہمیں.....''

راجا صاحب کی بات موبائل کی بیل کی وجہ سے ادھوری رہ گئی تھی۔ میں نے کال ریسیو کی۔ ''میں ناصر بات کر رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''میں ایک نجی اسپتال کے پاس ہوں، فتح خان کو اس کا ساتھی یہاں لایا ہے۔''

''اوہ..... اسپتال کہاں ہے؟''

''ملتان روڈ پر ہی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''ایک منٹ!'' میں نے اسے ہولڈ کرا کے راجا عمر دراز سے کہا۔ ''فتح خان کا سراغ مل گیا ہے۔ ناصر نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ وہ اس وقت اسپتال میں ہے۔''

''کہاں پر؟'' بیگ تیزی سے پاس آیا، میں نے موبائل اسے دے دیا۔ اس نے ناصر سے پتا سمجھا اور موبائل مجھے واپس کرتے ہوئے تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ راجا عمر دراز کے پاس ایک اسٹائلش جدید قسم کی انگیٹھی میں لکڑی کا کوئلہ سلگ رہا تھا۔ اسے کسی اچھی لکڑی سے بنایا گیا تھا کیونکہ اس میں سے دھوئیں کے بجائے خوشبو اٹھ رہی تھی۔

''یہ شخص ہاتھ آ گیا تو میں سمجھوں گا، میں نے بازی جیت لی ہے۔'' راجا عمر دراز نے کسی قدر جوش سے کہا۔

''آپ کچھ کہہ رہے تھے؟'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں، کل شام سفیر اور مونا دبئی جا رہے ہیں اور کل رات کو تم بھارتی سرحد کی طرف روانہ ہو جاؤ گے، صبح سے پہلے تم بھارت میں ہو گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اتنی جلدی؟"

"اب مناسب یہی ہے، ہم جتنی دیر لاہور میں قیام کریں گے، خطرات بڑھتے جائیں گے۔"

"راجا صاحب، بھارت ہی کیوں؟"

"اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اوّل تو ہمیں بھارت میں جانا ہے، ڈیوڈ شا بھی جلد یا بدیر وہاں کا رخ کرے گا۔ دوسرے تم صرف بھارت جا سکتے ہو۔ کسی اور ملک میں جانے کے لئے جعلی پاسپورٹ بنوانا پڑے گا اور آج کل اس کے پکڑے جانے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔"

"اس کا تعلق پُراسرار وادی سے ہے۔"

"بالکل..... کیا تم وہ کہانی بھول گئے ہو جو میں نے تمہیں سنائی تھی؟"

"راجا صاحب، وہ ایک ادھوری کہانی تھی۔"

"اسے میں کل صبح مکمل کروں گا۔ تب تم جان جاؤ گے کہ میرا بھارت جانے کا مقصد کیا ہے؟"

مجھے حکیم قادس کا خیال آیا۔ میں نے راجا کو اس کے بارے میں بتایا۔ "یہ اسے چھڑانے کا اچھا موقع ہے۔"

"تم اس کی فکر مت کرو۔" راجا نے خلاف توقع خشک لہجے میں کہا۔ "شاید تم بھی تھک گئے ہو آرام کرو۔"

میرا خیال تھا راجا عمر دراز حکیم قادس کے بارے میں جان کر بے تاب ہو جائے گا مگر اس کا ردِعمل بالکل الٹ تھا جیسے اسے حکیم قادس کی قطعی پروا نہ ہو۔ میں ایک خادم کے ہمراہ دوسری منزل پر آیا جہاں چار عدد کمرے ہمارے لئے مخصوص تھے اور سب سفیر کے کمرے میں جمع تھے۔ سونا اور سونیا رونے دھونے سے فارغ ہو کر خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

"شکر ہے تیری صورت بھی نظر آئی ورنہ تُو تو ایسے غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

"اب تُو غائب ہونے والا ہے بھوتنی کے..... مع اس چڑیل کے۔ ابھی مجھے راجا عمر دراز نے اطلاع دی ہے، تم دونوں کی دبئی جانے کے لئے نشستیں بک ہیں اور امکان ہے ہم بھی کل بھارت میں ہوں گے۔ رات بارہ بجے سے پہلے۔" میں نے اطلاع دی۔

"شوبی..... یہ راجا تمہیں بھارت کیوں لے جا رہا ہے؟" سونا نے سوال کیا۔

میں نے منہ پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا۔ "راجا صاحب کا خیال ہے یہاں میرے لئے خطرات بڑھ رہے ہیں اس لئے مجھے کچھ عرصے کے لئے بھارت چلے جانا چاہئے۔"

"خطرہ تو بھارت میں بھی ہے اگر پکڑے گئے تو۔" سفیر نے کہا۔ "ویسے بھی بھارتی حکام پاکستانی قیدیوں کو جیل میں ڈال کر بھول جانے کے عادی ہوتے ہیں۔"

"نہیں، راجا بھیج رہا ہے تو اس نے کوئی نہ کوئی راستہ نکالا ہوگا۔" سونیا بولی۔ "شہباز بھائی، میں آپ کے ساتھ جاؤں گی نا؟"

"بالکل! تمہارے بغیر میں کہیں نہیں جا سکتا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ سب چھوڑ..... یہ بتا کہ تجھ پر کیا گزری..... اور تُو نے کتنے کارنامے انجام دیئے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بالکل تفصیل سے..... میں کافی کا کہتی ہوں۔" مونا بولی، اس نے انٹر کام پر کافی کا آرڈر دیا۔ میں نے ان کو گزشتہ دو دن کی روداد سنائی۔ اس دوران میں کافی آئی۔ ہم نے کافی پی۔ اس کے باوجود ایک گھنٹے بعد مجھے جماہیاں آنے لگی تھیں۔ مونا اور سفیر کے سوالات نے داستان کو طویل کر دیا تھا خاص طور سے وہ اس لڑکی کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھے، جس نے گھر سے فرار کی کوشش کی تھی۔

"مجھے کیا پتا؟" میں نے خفگی سے کہا۔ "میں دوبارہ اس کی طرف نہیں گیا تھا۔"

"ناصر سے پوچھنا یار!"

"اس کے پاس بھی اتنا فارغ وقت نہیں ہے۔" میں نے اس امید میں ناصر کا نمبر ملایا کہ شاید اس نے موبائل چارج کر لیا ہو اور خوش قسمتی سے کال مل گئی۔ مگر بیل جاتی رہی، اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ مجھے فتح خان کے بارے میں سخت تجسس ہو رہا تھا۔ میں نے بیگ سے رابطہ کیا۔ "بیگ صاحب، فتح خان ہاتھ آیا؟"

بیگ کے پاس مایوس کن اطلاع تھی۔ "نہیں اسپتال میں نہ ناصر ہے اور نہ ہی فتح خان ہے۔"

"ناصر نے ایک پی سی او سے کال کی تھی۔ ابھی رات کے بارہ بجے ہیں۔ اتنی سردی میں دکانیں اور پی سی اوز بھی جلدی بند ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے اسے کال کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ملا ہو یا وہ ایک بار پھر فتح خان کے تعاقب میں ہو۔ اس وجہ سے کال ریسیو نہیں کر پا رہا ہو۔ عبداللہ سے بولیں، اسی علاقے میں آس پاس رہے۔ اسے ناصر کا نمبر دے دیں۔ اس کے موبائل پر بیل جا رہی ہے لیکن وہ ریسیو نہیں کر رہا ہے۔ عبداللہ کوشش کرتا رہے۔"

"میرے پاس ناصر کا ایک نمبر ہے۔" بیگ نے نمبر بتایا۔

"یہی ہے۔" عبداللہ اسی پر کوشش کرے اور اسے ناصر مل جائے تو اسے یہاں لے آئے۔"

"کیا یہ غیر محفوظ اقدام نہیں ہوگا؟" اس نے پوچھا۔

"ناصر کو آپ سفیر کی طرح سمجھیں۔ وہ مکمل طور پر بااعتماد شخص ہے۔ صحافی ہے اور ہمارے دشمنوں سے بڑی اچھی طرح واقف ہے۔ یہ میں اپنی ذمے داری پر کہہ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں عبداللہ سے کہہ دیتا ہوں۔ وہ اسے یہاں لے آئے گا۔"

سونیا غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "کیا بات ہے شہباز بھائی، آپ اس پر زیادہ ہی اعتماد نہیں کر رہے ہیں؟"

"اس نے خود کو اس اعتماد کا اہل ثابت کیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "سونیا، وہ پُرخلوص آدمی ہے۔"

میرے الفاظ پر سونیا نے چونک کر مجھے دیکھا تھا پھر سر جھکا لیا۔ مونا نے میری طرف دیکھا۔ "شوبی، کل ہم وسیم بھائی اور نگیل کے لئے فاتحہ اور ایصال ثواب کریں گے، صبح ناشتے کے بعد۔"

"کیوں نہیں۔" میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ "اب نیند آ رہی ہے، میں سوؤں گا۔"

میں اپنے کمرے میں آیا۔ سفیر آتے ہوئے میرے کپڑے اور دوسری چیزیں ایک بیگ میں ڈال کر لے آیا تھا۔ میں نے رات کا لباس پہنا۔ منہ ہاتھ دھو کر دانت صاف کئے اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ موبائل میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے پاس رکھ لیا تھا، اس کا چارج خاصا کم ہو گیا تھا اس لئے اسے چارجر پر لگا دیا۔ تھکن کے باوجود مجھے جلدی نیند نہیں آئی تھی۔ ایک طرف میں اپنے دشمنوں سے نمٹنے کے لئے اقدامات کر رہا تھا، دوسری طرف راجا عمر دراز مجھے اپنے ساتھ بھارت لے جانے پر مُصر تھا۔ اس نے ڈیوڈ شا اور حکیم قادس کو بھی نظر انداز کر دیا تھا جن کے بارے میں پتا تھا کہ وہ کہاں ہیں اور دوسری طرف وہ فتح خان کے پیچھے اپنی فوج دوڑا رہا تھا۔ اکثر اوقات راجا عمر دراز کے اقدامات میری سمجھ میں نہیں آتے تھے یعنی وہ مجھے پوری بات نہیں بتاتا تھا اور نہ ہی اس نے کبھی اپنی پالیسی واضح کرنے کی کوشش کی کہ وہ آخر ان لوگوں سے نمٹنے کے لئے کیا کرنا چاہتا ہے؟

صبح نو بجے مجھے دروازے پر دستک نے بیدار کیا۔ ''یس!'' میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

بیگ اندر آیا۔ ''آپ کو راجا صاحب نے یاد کیا ہے۔''

''میں نصف گھنٹے میں آتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ واش روم میں ایک تیز شاور لے کر میں نے کپڑے بدلے اور باہر آیا۔ راجا عمر دراز چھت پر دھوپ میں کرسی پر دراز میرا منتظر تھا۔ ''آؤ شہباز! میں نے ناشتے کے لئے کہہ دیا ہے۔ تم ناشتا کر لو، پھر بات کرتے ہیں۔''

''راجا صاحب، فتح خان کا پتا چلا؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ ایک بار پھر ہاتھ سے نکل گیا ہے البتہ ناصر زخمی حالت میں مل گیا تھا، اسے یہاں لے آئے تھے۔''

''زیادہ زخمی تھا؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''نہیں، اس صورت میں اسپتال لے جاتے۔ معمولی زخم تھے، اب ٹھیک ہے۔ سو رہا ہے۔''

''شکر ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیا۔ ''راجا صاحب معذرت کے ساتھ۔ آپ کی گزشتہ رات کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ آپ فتح خان کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ڈیوڈ شا اور اس کے قبضے میں موجود حکیم قادس کو آپ نے نظر انداز کر دیا ہے جبکہ آپ جانتے ہیں وہ کہاں ہے؟''

''اس کی بعض وجوہات ہیں۔'' راجا عمر دراز نے مبہم انداز میں کہا۔ ''چند دن پہلے میری فون پر حکیم قادس سے بات ہوئی تھی اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ فی الحال اسے آزاد نہیں کرانا۔''

میں نے غور کیا۔ ''کیا وہ آپ کے لئے جاسوسی کرے گا؟''

''نہیں، اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہے۔ دوسرے وہ قید میں ہے۔ اس سے بات ڈیوڈ شا نے کرائی تھی۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔

''اس کے باوجود اسے ڈیوڈ شا کی تحویل میں رکھنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں اور اس کی کیا وجہ ہے، یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا۔''

اس اثنا میں ناشتا آ گیا۔ سفیر، مونا اور سونیا ابھی تک سو رہے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر راجا عمر دراز کے ساتھ چائے نوش کرتے ہوئے میں نے آج رات ہونے والے سفر پر بات کی۔ ''تمام معاملات طے پا گئے ہیں۔ تم ایک سکھ کے گیٹ اَپ میں سرحد پار جاؤ گے۔ تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ تم سات آٹھ بجے نکلو گے اور نصف رات کے قریب سرحد پار کر جاؤ گے۔ صبح روشنی سے پہلے تم سڑک کے راستے جالندھر تک جاؤ گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں سے تمہارے لئے آسام جانے کا بندوبست ہوگا۔"

"آسام!" میں چونکا۔

وہ مسکرایا۔ "ہاں آسام، جہاں میں نے پُراسرار وادی کی طرف سفر کا آغاز کیا تھا۔"

"اور آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کا اس طرف جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟"

"بالکل۔ بلکہ میں ڈیوڈ شا کو روکنے کے لئے جا رہا ہوں۔ اس کی کہانی بھی لمبی ہے، یہ بات تمہیں وہیں جا کر پتا چلے گی۔"

میں نے سر ہلایا۔ "آپ نے کہا تھا اپنے سفر کا بقیہ حصہ آج سنائیں گے۔"

"ہاں ارادہ تو یہی تھا لیکن فی الحال ایک مسئلہ سامنے آیا ہے اور میں اس میں الجھا ہوں۔ یعنی فتح خان، عبداللہ نے اس کا تعاقب کیا تھا لیکن وہ سنت نگر نامی کسی آبادی میں اس کا سراغ کھو بیٹھا تھا۔ وہ اب اسے تلاش کر رہا ہے، کچھ تمہارے دوست ناصر کا مسئلہ بھی تھا اسے طبی امداد دینا تھی۔"

میں نے راجا عمر دراز کو جامی شاہ، شاہ نواز، ڈیوڈ شا اور راشد فاروقی کے آپس میں تعلقات کے بارے میں بتایا تھا۔ "فی الحال جامی شاہ ہمارا دشمن نہیں رہا ہے، میں نے راشد کے لڑکے اور شاہ نواز کے گرگے کو اس کے حوالے کر کے ایک طرح سے اپنا زیر بار کر لیا ہے۔"

"یہ اتنے ہی احسان شناس ہوتے ہیں جتنا سانپ ہو سکتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے جامی شاہ کے آدمی ابھی ہماری راہ میں نہیں ہیں جبکہ شاہ نواز بھی اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں لگا ہے۔ ہمیں اصل خطرہ فتح خان اور ڈیوڈ شا سے ہے۔"

"امید ہے آج یہ زہریلا سانپ بھی قابو میں آ جائے گا۔"

"ایک بار پھر معذرت کے ساتھ۔ مجھے یہ کام بے حد مشکل لگ رہا ہے۔ فتح خان کو جہاں تک میں نے دیکھا ہے، وہ بے حد شاطر اور قسمت کا دھنی انسان ہے۔ کل رات میں نے اسے بے ہوش کر دیا تھا لیکن ایسی جگہ جہاں سے میں اسے لے جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کتنی ہی بار وہ میرے قبضے میں آنے کے بعد نکل گیا۔"

"میرے آدمی اسے سرگرمی سے تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ ہمیشہ مجھ سے نہیں بچے گا۔ کبھی نہ کبھی میرے قابو میں آئے گا۔"

"فرض کر لیں وہ آپ کے قابو میں آ جاتا ہے تو آپ اسے کیا سزا دیں گے۔"

"میں نہیں، میرے علاقے کا جرگہ اسے سزا دے گا۔ اس کے تمام جرائم مع ثبوت جرگے کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ جرگہ اس کے جرائم دیکھ کر اسے سزا دے گا۔"

چائے نوشی کے بعد راجا عمر دراز رخصت ہو گیا۔ میں نیچے آیا۔ ایک ملازم نے ناصر کے کمرے تک میری رہنمائی کی۔ وہ جاگ رہا تھا اور سر کی پٹی پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اپنے لمبے بالوں اور ہلکی داڑھی کے ساتھ وہ ستر کی دہائی کا کوئی ہپی لگ رہا تھا۔ دائیں آنکھ کے نیچے سے گال سوجا ہوا تھا۔ "یہ حال کس نے کیا؟"

"تمہارے فتح خان نے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "میں ان کی گاڑی کی ڈکی میں تھا اور بدقسمتی سے عین موقعے پر موبائل بول اٹھا۔ عبداللہ کی کال تھی، میں نے آدھی بیل پر ریسیو کر لی تھی مگر بدبخت فتح خان نے سن لی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور کار روک کر مجھے ڈکی سے برآمد کرلیا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ جناب کو نظر آرہا ہے۔"

"ہاں، اور بچت کیسے ہوئی؟"

"میں نے کال کافی نہیں تھی اور بلند آواز سے واویلا کرتے ہوئے عبداللہ کو محل وقوع سے آگاہ کر دیا۔ خوش قسمتی سے وہ پاس ہی تھا، دو منٹ میں آ گیا۔ تیسرا منٹ ہوتا تو میں مارا جاتا۔ وہ بھاگے اور عبداللہ ان کے پیچھے گیا تھا۔ اس طرح جان بچ گئی۔ ظالم نے سر پر پستول کی نال ماری تھی شکر ہے گولی نہیں ماری۔"

"اب کیسا ہے؟"

"سر سے زیادہ پیٹ میں درد ہو رہا ہے، مارے بھوک کے۔"

میں اسے اوپر اپنے کمرے میں لایا۔ باقی سب بھی جاگ گئے تھے۔ میں نے ناشتے کا کہہ دیا۔ سفیر نے ناصر کا حال چال دریافت کیا۔ سونیا چپ رہی تھی۔ البتہ وہ دزدیدہ نظروں سے ناصر کو دیکھ رہی تھی۔ ناشتا آیا، ان سب نے مل کر ناشتا کیا، اس دوران میں، مَیں نے ناصر کو راجا عمر دراز کے پلان سے آگاہ کیا۔ اس نے انڈے پراٹھے پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "آج کل سرحد پر سختی ہے۔ مطلب یہ کہ غیر قانونی کام کرنے والوں کے سوا کسی کو آنے جانے کی اجازت نہیں، دراصل جب سے دونوں طرف کے بھولے جاسوس غلطی سے سرحد پار کر کے جانے لگے ہیں، دونوں طرف سے سختی ہوگئی ہے۔"

"راجا نے کوئی بندوبست کیا ہے۔ مجھ پر سکھ کا گیٹ اَپ کیا جائے گا۔"

مونا نے ناشتا چھوڑا اور ہنسنا شروع کر دیا۔ "اللہ، شوبی تم سکھ بن کر کیسے لگو گے؟"

"سکھ بن کر نہیں، اس کے گیٹ اَپ میں۔" میں نے تصحیح کی۔ "ویسے امید ہے ہینڈسم ہی لگوں گا۔"

"اب نہ جانے کب ہم ایک دوسرے سے ملیں۔" مونا افسردہ ہوگئی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ رو کر ماحول افسردہ کرتی، میں نے اسے ڈانٹا۔ "خبردار جو آنسو بہائے۔ کیا ہم ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہیں؟"

"میرا تو ابھی سے دل بیٹھا جا رہا ہے۔" مونا بولی۔

"فکر مت کرو، دبئی جا کر دل خود بخود کھڑا ہو جائے گا۔" سفیر نے اسے تسلی دی۔ "سنا ہے دبئی دنیا کا سب سے خوبصورت شہر بن گیا ہے۔"

مونا اور سفیر اس وین میں جا رہے تھے جو گزشتہ رات ہمیں لائی تھی۔ جانے سے پہلے سفیر میرے سینے سے لگا تو میرا دل چاہا اسے یونہی دبوچے رکھوں۔ میرا یار، جس سے میں نے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی تھی جو میرا دایاں بازو تھا۔ اس سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، پھر مونا مجھ سے چمٹ کر اس طرح روئی کہ میری آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں۔ میں اسے چپ کراتا رہا۔

"شوبی! ہم جلد آ جائیں گے۔" اس نے کہا۔ "پھر ہم ایک جگہ رہیں گے۔"

"ان شاء اللہ!" میں نے اس کے آنسو صاف کئے۔ "سفیر اس کا خیال رکھنا۔"

"کہنے کی ضرورت ہے۔" اس نے دانت نکالے۔ "یہ تو تم اس سے کہو، مجھے خیال رکھنے کا موقع دے۔"

مونا جھینپ گئی تھی پھر اس نے خونخوار نظروں سے سفیر کی طرف دیکھا۔ "تم چلو تو دبئی!"

ان کے جانے کے بعد میں اور سونیا اندر آئے تو ہمارے دل بوجھل اور اداس تھے۔ بیگ کا فون آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز صاحب، میں نے راجا صاحب سے کہہ دیا ہے۔ دو افراد ہونے سے اب روانگی کل یا پرسوں ہوگی۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔''

''اچھی بات نہیں ہے۔ مرشد علی خود یہاں آ گیا ہے۔ شاید اسے فتح خان نے اطلاع دی ہے اور وہ سرکاری حکام پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ آپ کو گرفتار کیا جائے۔ گزشتہ چند روز میں ہونے والی قتل و غارت اور ہنگامہ آرائی کا ملبہ بھی آپ پر ڈالنے کی تیاری کی جا رہی ہے۔''

''مرشد علی کب آیا؟''

''گزشتہ رات یا شاید صبح کے وقت آیا ہے اور پرل کانٹی نینٹل میں ٹھہرا ہے۔ وہیں سرکاری حکام سے مل رہا ہے۔''

''یہ تشویش ناک خبر تھی۔ مرشد علی کی آمد سے میرے دشمنوں کی تکون مکمل ہو گئی تھی۔ اس کی آمد سے پولیس میرے خلاف متحرک ہو سکتی تھی کیونکہ مرشد علی سیاست دان تھا اور صوبائی حکومت پر اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس سے میری نقل و حرکت محدود ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود مجھے خوشی تھی کہ مجھے ابھی یہاں کچھ دن رکنے کا موقع ملے گا۔ میں سوچنے لگا، اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں جب دشمن میرے لئے کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں تھا تو میں بھی ان کی ٹانگ کھینچ سکتا تھا۔ سفیر نے روانگی سے پہلے مجھے ائیر پورٹ سے کال کی تھی۔ ''یار میرا جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔''

''بکواس نہ کر۔ تو ایسی باتیں کرے گا تو مونا تو بالکل ہمت ہار دے گی۔ خود کو مضبوط کر یار! اسے بھی حوصلہ دے۔ تم دونوں کو اور ہمیں اس آزمائش سے گزرنا ہی ہوگا۔''

''آزمائش تو تیرے لئے ہے۔ ہم سکون سے جا کر بیٹھ جائیں گے۔''

''تم دونوں میرے لئے دعا کرو گے۔''

''شوبی، ہم عملی طور پر کچھ کرنا چاہتے ہیں۔''

''وہ بھی کرو گے لیکن ابھی نہیں، ابھی تم دونوں کا جانا ہی بہتر ہے۔''

مونا نے بات کی اور روتی رہی۔ آخر ان کی فلائٹ کا وقت قریب آیا تو انہوں نے رابطہ ختم کیا۔ میں اپنے کمرے میں تھا اور سونیا اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ایک خادم نے بتایا کہ راجا اور بیگ عمارت میں نہیں وہ کہیں باہر گئے تھے۔ میں نے جامی شاہ کے نمبر پر رابطہ کیا۔

''کیا حال ہیں جامی شاہ، لڑکے مل گئے؟''

''ہاں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''بولو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''کچھ نہیں۔'' میں ہنسا۔ ''ہاں ایک خبر ہے۔ شاہ نواز کا سب سے بڑا حمایتی مرشد علی بذات خود اسے سپورٹ کرنے کے لئے یہاں آ گیا ہے اور پی سی میں رکا ہے۔''

''میں جانتا ہوں، لیکن یہ غلط ہے۔ وہ شاہ نواز کی مدد کے لئے نہیں تمہارے لئے آیا ہے۔''

بھولے بادشاہ! میرے لئے اسے خود آنے کی کیا ضرورت تھی، میں تو اندھا تیر ہوں اور اندھے تیر سے سب دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ جب مرشد علی کے لے پالک کتے پوری سرگرمی سے میرا تعاقب کر رہے ہیں تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور کار روک کر مجھے ڈکی سے برآمد کرلیا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ جناب کو نظر آرہا ہے۔"

"ہاں، اور بچت کیسے ہوئی؟"

"میں نے کال کاٹی نہیں تھی اور بلند آواز سے واویلا کرتے ہوئے عبداللہ کو مکمل وقوع سے آگاہ کر دیا۔ خوش قسمتی سے وہ پاس ہی تھا، دو منٹ میں آ گیا۔ تیسرا منٹ ہوتا تو میں مارا جاتا۔ وہ بھاگے اور عبداللہ ان کے پیچھے گیا تھا۔ اس طرح جان بچ گئی۔ ظالم نے سر پر پستول کی نال ماری تھی شکر ہے گولی نہیں ماری۔"

"اب کیسا ہے؟"

"سر سے زیادہ پیٹ میں درد ہو رہا ہے، مارے بھوک کے۔"

میں اسے اوپر اپنے کمرے میں لایا۔ باقی سب بھی جاگ گئے تھے۔ میں نے ناشتے کا کہہ دیا۔ سفیر نے ناصر کا حال چال دریافت کیا۔ سونیا چپ رہی تھی۔ البتہ وہ دزدیدہ نظروں سے ناصر کو دیکھ رہی تھی۔ ناشتا آیا، ان سب نے مل کر ناشتا کیا، اس دوران میں، میں نے ناصر کو راجا عمرو راز کے پلان سے آگاہ کیا۔ اس نے انڈے پراٹھے پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "آج کل سرحد پر سختی ہے۔ مطلب یہ کہ غیر قانونی کام کرنے والوں کے سوا کسی کو آنے جانے کی اجازت نہیں، دراصل جب سے دونوں طرف کے بھولے جاسوس غلطی سے سرحد پار کر کے جانے لگے ہیں، دونوں طرف سے سختی ہو گئی ہے۔"

"راجا نے کوئی بندوبست کیا ہے۔ مجھ پر سکھ کا گیٹ اَپ کیا جائے گا۔"

مونا نے ناشتا چھوڑا اور ہنسنا شروع کر دیا۔ "اللہ، شوبی تم سکھ بن کر کیسے لگو گے؟"

"سکھ بن کر نہیں، اس کے گیٹ اَپ میں۔" میں نے تصحیح کی۔ "ویسے امید ہے ہینڈسم ہی لگوں گا۔"

"اب نہ جانے کب ہم ایک دوسرے سے ملیں۔" مونا افسردہ ہو گئی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ رو کر ماحول افسردہ کرتی، میں نے اسے ڈانٹا۔ "خبردار جو آنسو بہائے۔ کیا ہم ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہیں؟"

"میرا تو ابھی سے دل بیٹھا جا رہا ہے۔" مونا بولی۔

"فکر مت کرو، دبئی جا کر دل خود بخود ٹھکانے آ جائے گا۔" سفیر نے اسے تسلی دی۔ "سنا ہے دبئی دنیا کا سب سے خوبصورت شہر بن گیا ہے۔"

مونا اور سفیر اس وین میں جا رہے تھے جو گزشتہ رات ہمیں لائی تھی۔ جانے سے پہلے سفیر میرے سینے سے لگا تو میرا دل چاہا اسے یونہی دبوچے رکھوں۔ میرا یار، جس سے میں نے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی تھی جو میرا دایاں بازو تھا۔ اس سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، پھر مونا مجھ سے چمٹ کر اس طرح روئی کہ میری آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔ میں اسے چپ کراتا رہا۔

"شوبی! ہم جلد آ جائیں گے۔" اس نے کہا۔ "پھر ہم ایک جگہ رہیں گے۔"

"ان شاء اللہ!" میں نے اس کے آنسو صاف کئے۔ "سفیر اس کا خیال رکھنا۔"

"کہنے کی ضرورت ہے۔" اس نے دانت نکالے۔ "یہ تو تم اس سے کہو، مجھے خیال رکھنے کا موقع دے۔"

مونا جھینپ گئی تھی پھر اس نے خونخوار نظروں سے سفیر کی طرف دیکھا۔ "تم چلو تو دبئی!"

ان کے جانے کے بعد میں اور سونیا اندر آئے تو ہمارے دل بوجھل اور اداس تھے۔ بیگ کا فون آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز صاحب، میں نے راجا صاحب سے کہہ دیا ہے۔ دو افراد ہونے سے اب روانگی کل یا پرسوں ہوگی۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔''

''اچھی بات نہیں ہے۔ مرشد علی خود یہاں آ گیا ہے۔ شاید اسے فتح خان نے اطلاع دی ہے اور وہ سرکاری حکام پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ آپ کو گرفتار کیا جائے۔ گزشتہ چند روز میں ہونے والی قتل و غارت اور ہنگامہ آرائی کا ملبہ بھی آپ پر ڈالنے کی تیاری کی جا رہی ہے۔''

''مرشد علی کب آیا؟''

''گزشتہ رات یا شاید صبح کے وقت آیا ہے اور پرل کانٹی نینٹل میں ٹھہرا ہے۔ وہیں سرکاری حکام سے مل رہا ہے۔''

''یہ تشویش ناک خبر تھی۔ مرشد علی کی آمد سے میرے دشمنوں کی تکون مکمل ہو گئی تھی۔ اس کی آمد سے پولیس میرے خلاف متحرک ہو سکتی تھی کیونکہ مرشد علی سیاست دان تھا اور صوبائی حکومت پر اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس سے میری نقل و حرکت محدود ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود مجھے خوشی تھی کہ مجھے ابھی یہاں کچھ دن رکنے کا موقع ملے گا۔ میں سوچنے لگا، اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں جب دشمن میرے لئے کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں تھا تو میں بھی ان کی ٹانگ کھینچ سکتا تھا۔ سفیر نے روانگی سے پہلے مجھے ائیر پورٹ سے کال کی تھی۔ ''یار میرا جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔''

''بکواس نہ کر۔ تو ایسی باتیں کرے گا تو مونا تو بالکل ہمت ہار دے گی۔ خود کو مضبوط کر یار! اسے بھی حوصلہ دے۔ تم دونوں کو اور ہمیں اس آزمائش سے گزرنا ہی ہوگا۔''

''آزمائش تو تیرے لئے ہے۔ ہم سکون سے جا کر بیٹھ جائیں گے۔''

''تم دونوں میرے لئے دعا کرو گے۔''

''شوبی، ہم عملی طور پر کچھ کرنا چاہتے ہیں۔''

''وہ بھی کرو گے لیکن ابھی نہیں، ابھی تم دونوں کا جانا ہی بہتر ہے۔''

مونا نے بات کی اور روتی رہی۔ آخر ان کی فلائٹ کا وقت قریب آیا تو انہوں نے رابطہ ختم کیا۔ میں اپنے کمرے میں تھا اور سونیا اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ایک خادم نے بتایا کہ راجا اور بیگ عمارت میں نہیں وہ کہیں باہر گئے تھے۔ میں نے جامی شاہ کے نمبر پر رابطہ کیا۔

''کیا حال ہیں جامی شاہ، لڑکے مل گئے؟''

''ہاں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''بولو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''کچھ نہیں۔'' میں ہنسا۔ ''ہاں ایک خبر ہے۔ شاہ نواز کا سب سے بڑا حمایتی مرشد علی بذات خود اسے سپورٹ کرنے کے لئے یہاں آ گیا ہے اور پی سی میں رکا ہے۔''

''میں جانتا ہوں، لیکن یہ غلط ہے۔ وہ شاہ نواز کی مدد کے لئے نہیں تمہارے لئے آیا ہے۔''

بھولے بادشاہ! میرے لئے اسے خود آنے کی کیا ضرورت تھی، میں تو اندھا تیر ہوں اور اندھے تیر سے سب دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ جب مرشد علی کے لے پالک کتے پوری سرگرمی سے میرا تعاقب کر رہے ہیں تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے آنے کی کیا ضرورت تھی، ویسے بھی میرے پیچھے تمہارے کتنے آدمی مارے گئے ہیں؟''

''شہباز!'' وہ غرایا۔ ''تمہیں ان سب کا حساب دینا ہوگا۔''

''اوکے، لیکن اس کے لئے خود آنا۔ ان بے چاروں کو کیوں مرواتے ہو۔ جیسے مرشد علی تم جیسے لوگوں کو آگے کر دیتا ہے۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اس کے بعد ناصر سے رابطہ کیا۔

''ہم ایئر پورٹ سے نکل رہے ہیں، طیارہ پرواز کر گیا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''ابھی تصویر کے سلسلے میں جا رہے ہیں۔''

''ناصر، میرے لئے ایک سادہ نیا موبائل لے کر بھیج دینا۔ جس کی بیٹری زیادہ چلتی ہو۔ تمہارے موبائل کی بیٹری مری ہوئی ہے۔ بار بار چارج کرنا پڑتا ہے۔''

''اوکے، اگر میں نہ آسکا تو عبداللہ کے ہاتھ بھیج دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''ممکن ہے آج مجھے کام ہو۔''

''ناصر، مرشد علی کے بارے میں جاننے کی کوشش کرو۔ تم صحافی ہو اس کور میں اُس کے پاس جا سکتے ہو۔''

''میں کوشش کروں گا۔ ویسے ابھی میرے موبائل پر اطلاع آئی ہے۔ جامی شاہ کے جی ٹی روڈ والے اڈے کی طرف سے فائرنگ کی زبردست آوازیں آرہی ہیں اور پولیس اس طرف جانے سے گریز کر رہی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے جامی شاہ اور شاہ نواز کے گروپوں میں ٹھن گئی ہے۔''

''امکان یہی ہے۔''

ناصر سے بات کر کے میں نے موجودہ صورتِ حال پر غور کیا۔ ڈیوڈ شا ایک زرعی تجربہ گاہ کے چکر میں تھا اور وہ وہاں شاید حکیم قادس کی دواؤں کو چیک کرانا چاہتا تھا اس کے بعد بقول راجا عمر دراز کے وہ بھارت کا رخ کرتا۔ فتح خان اس کے لئے کام کر رہا تھا۔ اسے بلانے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس کے ساتھ الجھایا جائے اور اس کی آڑ میں ڈیوڈ شا سکون سے اپنا مقصد حاصل کر لے۔ دوسری طرف مرشد علی تھا، مجھے کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ میرے لئے دوڑا آیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا تھا تاکہ ہم سے من مانی شرائط منوا کر اپنے انتقام کی تسکین کر سکے۔ ان میں ڈیوڈ شا زیادہ خطرناک تھا۔ اس نے کتنی ذہانت سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو استعمال کیا۔ وہ تو خدا کو راجا عمر دراز کی زندگی منظور تھی اس لئے بچت ہوگئی۔

البتہ ڈیوڈ شا کی طرف سے ایک اطمینان تھا۔ وہ محض کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا اور ذاتی انتقام کے چکر میں نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنا مقصد حاصل کر کے یہاں سے چلا جاتا، اس کے مقابلے میں مرشد علی کو یہیں رہنا تھا اور اس کے اندر وہ وحشی اَنا پوری طرح توانا تھی جو جاگیرداری نظام کا خاصہ ہوتی ہے۔ وہ کبھی مجھ سے سمجھوتا نہیں کرتا اور جب اسے موقع ملتا وہ مجھے مار کر اپنے انتقام کی تسکین کر لیتا۔ میری وجہ سے اس کا بھائی معذور ہو کر بستر پر بے بس پڑا تھا۔ آخری اطلاعات کے مطابق دبئی اور لندن میں بھی اس کا علاج ناکام رہا تھا اور وہ واپس لوٹ آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ موبائل فون کی بیل بجی۔ کوئی انجانا نمبر تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔

''شہباز ملک!'' کسی نے قدرے بھاری اور بارعب آواز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں۔'' میں نے الجھن کے ساتھ کہا۔

''میں مرشد بات کر رہا ہوں۔''

مجھے جھٹکا سا لگا تھا۔ میں جس شیطان کے بارے میں سوچ رہا تھا، اس کا اچانک فون آ جائے گا میں نے سوچا بھی نہیں تھا لیکن میں نے جلد خود پر قابو پا لیا اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''کہو مرشد..... تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے اس کے بعد میں کال کاٹ دوں گا۔''

''فکر مت کرو، میں تمہاری جگہ کا سراغ.....''

''کام کی بات کرو۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''شہباز، میں تم سے سمجھوتا کرنا چاہتا ہوں۔''

''حیرت ہے، تم جیسا شخص سمجھوتے کی بات کر رہا ہے۔ مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے انتقام نہیں لو گے؟'' میں نے طنز کیا۔ ''ویسے یہ تمہاری سرشت نہیں ہے۔''

''مجبوری ہے، اس جھگڑے کی وجہ سے میری سیاسی ساکھ کو نقصان ہوا ہے۔ مخالف پارٹی اسے اچھال رہی ہے۔'' اس نے وجہ بیان کی۔

''اس لئے تم مجھ سے صلح چاہتے ہو۔ تم میرے لئے کیا کرو گے؟''

''میں سارے مقدمات واپس لے لوں گا اور تمہارے تمام نقصان کی تلافی کر دوں گا۔''

''اور اس کے بعد ایک دن نامعلوم قاتل خاموشی سے ہمیں قتل کر جائیں گے۔''

''نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ میں ضمانت دیتا ہوں۔ اس صلح کو مستقل کرنے کے لئے میرے پاس ایک تجویز ہے اگر تم مانو تو؟''

''تمہاری تجویز میں بعد میں سنوں گا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر موبائل آف کر دیا۔ ایک منٹ پورا ہو گیا تھا۔ مرشد علی سے یہ سوال کرنا بے کار تھا کہ اس نے میرا نمبر کہاں سے تلاش کیا۔ کہیں نہ کہیں سے بات لیک ہوئی تھی۔ عمارت میں لینڈ لائن فون اور ایک وائرلیس فون بھی تھا، میں نے وائرلیس فون سے عبداللہ سے رابطہ کیا۔ ''مرشد علی نے میرا یہ موبائل نمبر تلاش کر لیا ہے۔ اب مجھے اس پر کال مت کرنا بلکہ میرے لئے ایک کنکشن اور لیتے آنا۔''

''جی اچھا!'' اس نے کہا۔

میں نے ناصر اور بیگ کو بھی اطلاع کر دی۔ میں فون کر کے واپس آیا تو سونیا کمرے میں تھی۔ ''شہباز بھائی، ہم کب جائیں گے؟''

''فی الحال نہیں، تمہارے لئے پلان تبدیل ہوگا، اب دو تین دن لگیں گے۔''

''سفیر اور مونا کی فلائٹ چلی گئی؟''

''ہاں، اسے تو ایک گھنٹا ہونے والا ہے۔ دو گھنٹے میں وہ دبئی پہنچ جائیں گے۔''

''بھائی، میں آپ کو کنگ فو کے کچھ داؤ سکھاؤں؟'' اس نے پیش کش کی۔ میں خود بور ہو رہا تھا، حد سے زیادہ بھاگ دوڑ کے بعد جب کچھ دیر کے لئے کہیں سستانے کا موقع ملتا تھا تو کچھ دیر بعد ہی بوریت شروع ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتی تھی میں نے آمادگی ظاہر کی۔ تیسری منزل پر ایک وسیع ہال تھا جس کے فرش پر دبیز قالین تھا۔ یہ جگہ غا
سونے کے لئے مخصوص تھی۔ میں اور سونیا لباس بدل کر اوپر آئے۔ اس نے مجھے عملی جدوجہد کے لئے چند دا
سکھائے یعنی مجھے کسی سخت جان حریف سے واسطہ پڑ جائے تو میں اسے کس طرح بے بس اور ناکارہ کر سکتا تھا۔
مجھے حیرت ہوئی، ان میں سے ہر داؤ مہلک تھا۔ سونیا مجھے تفصیل سے بتاتی بھی رہی تھی۔ کنگ فو کے داؤ توازن
اور جارحیت کے اصول پر ہوتے ہیں، ان میں سے ایک اصول بھی ترک کیا جائے تو داؤ بے کار ہو جاتا ہے۔
جوڈو کراٹے میں مخالف کی جسمانی طاقت اور حرکت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے لیکن کنگ فو میں زیادہ تر اپنی توانائی
اور مخالف کے حملے کے جواب میں مؤثر حملے سے اسے زیر کیا جاتا ہے۔

''آپ کسی بھی داؤ میں طاقت یا رفتار کم کر کے اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔'' سونیا نے کہا۔ ''کراٹے
اور جوڈو کا فن ایسا ہے جیسے آپ ایک تالاب میں تیرتے درخت کے تنوں پر پاؤں رکھتے ہوئے دوسری طرف جا
رہے ہیں لیکن کنگ فو میں آپ تالاب کو مگرمچھوں پر پاؤں رکھ کر کراس کر رہے ہیں۔ اس میں ناکامی کا مطلب
موت بھی ہو سکتا ہے۔''

''یعنی اس میں کوئی ریگولیٹر نہیں ہے۔ داؤ اپنے پورے اسکیل کے مطابق کرنا ہوگا۔''

''ریگولیٹر بھی ہوتا ہے لیکن وہ ماسٹرز کے لئے ہے۔ اس کے لئے بے پناہ مہارت اور چابک دستی چاہئے
ہم جیسے لوگ اسے استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔''

ایک گھنٹے کی ان مشقوں نے مجھے پسینے پسینے کر دیا تھا۔ یہ بے حد سخت اور مشکل کام تھا۔ حالانکہ اوپر کے
حصے میں سردی خاصی زیادہ تھی۔ ہم نیچے آئے۔ میں نے سونیا سے مقابلہ نہیں کیا تھا کیونکہ اس کھیل میں دوستانہ
مقابلے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ غسل کر کے میں نے لباس بدلا۔ تو بجے ہم نے ڈائننگ ہال میں کھانا کھایا۔ عبداللہ آ
گیا تھا۔ کھانے کے بعد میں اس سے ملا۔ اس نے ایک عدد موبائل دیا۔ یہ نوکیا کا گیارہ سو ماڈل تھا۔ عبداللہ نے
بتایا۔ ''اس کا اسٹینڈ بائی ٹائم آٹھ دن ہے اور چار گھنٹے سے زیادہ بات کی جا سکتی ہے اور یہ رہیں آپ کے لئے چا
عدد سمز!'' اس نے موبائل اور سمز مجھے دیں۔ ان کے ساتھ پانچ سو والے چھ عدد کارڈز بھی تھے۔

''اب آپ کو فوری طور پر سمز بدلنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔''

میں نے پہلے موبائل آن کر کے اپنے اہم نمبر نئے موبائل اور نئی سم میں فیڈ کئے۔ اس کے بعد پرانی سم
نکال کر رکھ لی۔ عبداللہ نے ایک چھوٹا سا موبائل اور نکالا۔ ''یہ سونیا بی بی کے لئے ہے۔ یہ بھی ناصر صاحب نے
بھیجا ہے۔''

''تصویروں والے معاملے کا کیا ہوا؟'' میں نے یہ موبائل بھی لے لیا۔

''ہم نے پرنٹر سے دو سو سے زیادہ پرنٹ نکلوا لئے تھے۔ ناصر اب اسے کالا باؤ کو دینے گیا ہے۔''

''یہ کالا باؤ کون ہے؟''

''جیب کتروں اور چوروں کا بادشاہ ہے۔ میں نے دیکھا نہیں لیکن سنا ہے۔''

''ناصر کے پاس میرے نمبرز ہیں۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''اس نے سارے نمبر اپنے موبائل میں فیڈ کر لئے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مرشد علی نے میرے نمبر کا پتا کیسے چلایا ہوگا۔"

"اب یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ موبائل کمپنیوں کے پاس ایسی ڈیوائسز آ گئی ہیں جو آواز سے آدمی کو پہچان جاتی ہیں۔ کسی نمبر پر شک ہو تو اس پر یہ ڈیوائسز لگا دی جاتی ہیں اور اگر مطلوبہ آدمی بات کرتا ہے تو اس کی آواز شناخت کر لیتی ہیں۔"

"یعنی اب موبائل فون خطرناک ہو گیا ہے۔"

"سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ آپ کو پتا ہی نہیں چلتا ہے کہ آپ پکڑے جا چکے ہیں۔"

"اس کا حل بھی ہے کہ سم بدل بدل کر استعمال کرتے رہیں۔"

"بالکل اور ایک سم دو تین بار سے زیادہ استعمال نہ کی جائے۔"

"عبداللہ، قصور روڈ پر ایک ذرعی تجربہ گاہ ہے۔ اس کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔"

"کیا جناب! حکم کریں۔"

"وہاں پر کتنے افراد ہیں اور حفاظتی انتظامات کیا ہیں؟"

"میں کل تک معلوم کر لوں گا۔" وہ مستعدی سے بولا۔

"دوسرے مجھے شاہ نواز نامی شخص کے بارے میں مکمل معلومات درکار ہیں۔"

"جامی شاہ کا سابق دست راست!" عبداللہ بولا۔ "میں کوشش کروں گا۔"

شاید اسے اس معاملے میں بیگ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی یا پھر جانے یہ بات صرف مجھ سے کہی تھی کہ اسے فی الحال ڈیوڈ شا اور حکیم قادس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ممکن ہے اس میں راجا کا کوئی پلان ہو اور میرے مداخلت کرنے سے معاملہ خراب ہو۔ اس لئے عبداللہ سے کہنے کے باوجود میں نے فیصلہ کیا تھا اس معاملے میں کوئی عملی کارروائی نہیں کرنی ہے۔ البتہ مرشد علی کو جھٹکا دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ رات بارہ بجے کے قریب ناصر کا فون آیا۔ "مرشد علی! پی سی کے کمرا نمبر چار سو چودہ میں مقیم ہے۔ اس کے آس پاس کے دو کمرے بھی اس کے محافظوں کے پاس ہیں۔"

"معلومات کیسے ملیں؟"

"پی سی میں بھی تعلقات ہیں، وہی کام آتے ہیں لیکن سکیورٹی بہت سخت ہے، اسلحہ لے کر اندر جانا ناممکن ہے۔ بہرحال اسے چھوڑیں، میں نے آج ایک عجیب سی شے دیکھی ہے۔ میں نے جس امپورٹر سے یہ موبائل لئے ہیں اس کے پاس موبائلز سے متعلق اور بھی آلات ہیں، اس نے مجھے ایک آلہ دکھایا تھا۔ اس کا کہنا ہے اس موبائل نما آلے سے کسی بھی موبائل پر کال کرو تو یہ اس کی فریکوئنسی نوٹ کر لیتا ہے پھر اس موبائل سے کال کی جائے یا اس پر کال آئے تو یہ کال ریسیو کر لیتا ہے اور آپ سب سن سکتے ہیں۔"

"حیرت انگیز!" میں نے کہا۔ "تمہیں کیسے دکھا دیا۔"

"یہاں بھی تعلقات ہیں۔ میں نے قیمت پوچھی تو کہنے لگا کسی اور کے لئے تین لاکھ سے کم نہیں ہو گی لیکن مجھے اڑھائی لاکھ میں دے گا۔"

"آل درست ہے یا وہ محض دھوکہ کر رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں یار، اس نے عملی طور پر مظاہرہ کر کے دکھایا تھا، ایک وقت میں یہ بارہ مختلف موبائلز فریکوئنسی اپنی میموری میں رکھ سکتا ہے۔''

''تو اسے بک کرالو، میں ندیم سے کہتا ہوں۔ میں نے اپنا سارا بینک بیلنس اس کے پاس ٹرانسفر کر دیا تھا۔ کل یا پرسوں تک رقم مل جائے گی۔''

''میں ابھی بول دیتا ہوں۔ آلہ تو وہ کل ہی مجھے دے دے گا۔ رقم اسے بے شک بعد میں بھی دے دی جائے۔ اچھا یہ بتاؤ، سونیا کو موبائل دے دیا ہے؟''

''ہاں، لیکن یہ نہیں بتایا ہے کہ تُو نے دیا ہے ورنہ وہ لینے سے انکار کر دیتی۔''

ناصر چپ ہو گیا تھا۔ ''اچھا یار۔ اب صبح ملیں گے۔''

''ناصر، تُو اس سے جتنی جلدی ممکن ہو وہ آلہ لے لے۔''

''میں صبح اس کا دفتر کھلتے ہی اس کے پاس چلا جاؤں گا۔''

میں اوپر آیا تو سونیا جاگ رہی تھی۔ میں نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ ''آ جاؤ۔'' وہ اندر سے بولی۔

میں اندر آ گیا۔ ''کیا بات ہے نیند نہیں آ رہی۔''

''آپ بھی تو نہیں سوئے۔''

''میں کچھ چکروں میں پھنسا تھا۔'' میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ابھی ایک کام اور کرنا ہے اس کے بعد جا کر سوؤں گا۔'' میں ندیم کو کال ملانے لگا۔ مگر بیل جاتی رہی اس نے ریسیو نہیں کیا۔

''شاید ندیم موبائل کی بیل آف کر کے سو رہا ہے۔'' میں نے کوشش ترک کر دی۔

''ندیم بھائی! میں نے وسیم بھائی اور شکیل سے ان کا بہت تذکرہ سنا ہے۔ وہ ہنس مکھ آدمی ہیں۔''

''جب خود موڈ میں ہو ورنہ موڈ خراب ہو تو ظالم قسم کا ابا جان بن جاتا ہے۔ میں، مونا اور سفیر اس سے بے تکلف بھی ہیں اور ڈرتے بھی ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ہمیشہ ساتھ نبھانے والا دوست ہے آپ کو گالیاں دے گا مگر کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا۔''

''آپ مجھے ڈرا رہے ہیں۔ ابھی کیوں ان کو کال کر رہے ہیں؟''

''مجھے رقم کی ضرورت تھی اور میرا سارا بینک بیلنس اس کے پاس ہے۔ اس نے عقل مندی کی کہ میرے اکاؤنٹس کی بیشتر رقم اپنے اکاؤنٹ میں ڈال لی تھی۔ بعد میں میرے اکاؤنٹ سیل کر دیئے گئے تھے۔''

''آپ کو کتنی رقم چاہئے؟''

''تین لاکھ!'' میں نے کہا۔ ''اگرچہ راجا اور اس کے آدمی میری تمام ضرورتیں پوری کر رہے ہیں لیکن اتنی بڑی رقم ان سے مانگتے ہوئے مجھے شرم آ رہی ہے۔''

''مجھ سے لیتے ہوئے تو شرم نہیں آئے گی نا؟''

''تم سے..... تمہارے پاس کہاں سے آئی رقم؟''

سونیا مسکرائی۔ ''آپ کو معلوم نہیں ہے۔ میں بہت دولت مند ہوں۔ وسیم بھائی کا تمام اثاثہ میرے اور ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مشترکہ اکاؤنٹس میں ہے۔ انہوں نے درجن سے بھی زیادہ اکاؤنٹس کھول رکھے تھے اور ان سب کی سائن شدہ چیک بکس میرے پاس ہیں۔ تین عدد لاکرز میں ڈالرز اور دوسری غیر ملکی کرنسیاں محفوظ ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔"

"یعنی تم لوگوں نے جو چند سالوں میں کمایا، وہ سب اسی طرح محفوظ ہے؟"

"جی شہباز بھائی، ہمارا اصول تھا جگہیں خریدنے میں پیسا ضائع نہیں کرتے۔ کسی کے توسط سے جگہ کرائے پر لے لیا کرتے تھے۔ اسلحہ اور گاڑیاں ہماری اپنی ہوتی تھیں۔ اس وقت بھی شہر میں دو ٹھکانے ہیں جو محفوظ ہیں۔ ان کا عادل کو بھی نہیں پتا تھا صرف میں اور وسیم بھائی ان کے بارے میں جانتے تھے۔ ایک کشمی چوک کے پاس فلیٹ ہے۔ دوسری قصور روڈ پر ایک کوٹھی ہے۔ ان کا سال بھر کا پیشگی کرایہ دیا جا چکا ہے۔ قصور روڈ والی کوٹھی پر ایک چوکیدار اور ایک عدد جیپ بھی موجود ہے۔"

میں حیران رہ گیا تھا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنی صاحب دولت اور جائیداد ہو لیکن بظاہر تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"ہاں، بظاہر کچھ نہیں ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "سب کچھ قصور روڈ والی کوٹھی میں ہے۔ وہاں نقد رقم بھی ہے۔ میرا خیال ہے دس لاکھ سے اوپر کیش ہوگا۔"

"چوکیدار کی نیت خراب ہو جائے تو؟"

"اسے معلوم ہی نہیں ہے۔ ساری کوٹھی کی چابیاں اس کے پاس ہیں۔ اسے آنے والے دو سال کی تنخواہ مع انکریمنٹ کے دی جا چکی ہے۔ وہ ہر مہینے چیک جا کر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیتا ہے۔ اسے بتا دیا ہے جب تک اس کی تنخواہ جاری ہے اس نے ڈیوٹی انجام دینی ہے، اس کے بعد وہ بے شک کہیں چلا جائے، دوسری صورت میں اسے ملک کے کسی بھی کونے سے ڈھونڈ کر سزا دی جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے وہ اپنی ڈیوٹی پر ہوگا۔"

"بالکل۔!" وہ یقین سے بولی۔ "کل صبح ہم چلیں گے۔ آپ کو جتنی رقم کی ضرورت ہوگی، لے لیجئے گا۔"

"ارے نہیں سونی! میں ندیم سے منگوا لوں گا۔"

"اب آپ مجھ سے غیریت برت رہے ہیں۔ جب میں آپ لوگوں کا ایک فرد بن چکی ہوں، تو کیا میری دولت آپ کے لئے نہیں ہے۔ کیا میں آپ کی کسی شے پر حق جتاؤں گی تو آپ مجھے انکار کر دیں گے۔"

"نہیں۔" میں نے لاجواب ہوتے ہوئے کہا۔

"تب پھر مجھے کیوں منع کر رہے ہیں؟ بس میں نے کہہ دیا، ہم کل چلیں گے۔ آپ خود کو وسیم بھائی کی جگہ کہتے ہیں، ان کو رقم کی ضرورت ہوتی تو کہاں جاتے؟"

"بس..... بابا! تم نے تو مجھے شرمندگی میں شرابور کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم کل صبح چلیں گے۔"

"شہباز بھائی! کیا ہم ان لوگوں سے الگ نہیں رہ سکتے۔ اس قسم کے باادب، باملاحظہ ماحول میں میرا دم گھٹتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حیرت ہے، تم ایسے ہی ماحول میں رہتی تھیں؟''

''نہیں، وہاں سب ایک دوسرے سے بے تکلف اور ہنسنے بولنے والے لوگ تھے۔ یہاں تو کسی کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں آتی۔''

''لیکن ہم یہاں محفوظ ہیں، تم جانتی ہو میرے سارے دشمن جمع ہو چکے ہیں، پولیس بھی میری تلاش میں ہے، ایسے میں ان مخلص لوگوں کا دم غنیمت ہے۔''

''اسی وجہ سے میں برداشت کر رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

کچھ دیر سونیا سے بات کر کے اور اسے تسلی دے کر میں اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلا آیا۔ ٹیبل کلاک میں، میں نے صبح سات بجے کا الارم لگایا اور سو گیا۔ الارم نے مجھے سات بجے بیدار کر دیا تھا۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ سونیا کو جگایا اور کچن میں ناشتے کا آرڈر دیا، اس کے بعد میں نے کپڑے بدلے پھر عبداللہ کو کال کی۔ ''یار، قصور روڈ کی طرف جانا ہے۔''

''خیریت جناب؟'' وہ بولا۔

''ہاں، سونیا کی ایک کوٹھی ہے، وہاں سے کچھ سامان لینا ہے۔''

''واپس بھی آنا ہے؟''

''فی الحال اس کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے ایک گاڑی چاہئے۔''

''میں حاضر ہو جاؤں گا جناب! کب تک چلنا ہے؟''

''ایک گھنٹے بعد۔'' میں نے جواب دیا تھا۔

ناشتا میں نے اپنے کمرے میں منگوایا تھا۔ سونیا تیار ہو کر وہیں آ گئی۔ ہم نے ناشتا کیا۔ ناشتا کر کے ہم نیچے آئے۔ راجا عمر دراز اپنے کمرے میں تھا اور بیگ غائب تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ وہ بہت شکی مزاج شخص تھا۔ سوالات کر کر کے ناطقہ بند کر دیتا۔ عبداللہ بھی آ گیا۔ ''میں تیار ہوں جناب!''

''چلو پھر.....'' میں نے کہا۔ احاطے میں منشو شی لانسر کھڑی تھی۔ عبداللہ نے اس کا انتخاب کیا تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آیا، میں نے اس کے برابر والی سیٹ سنبھالی اور سونیا پیچھے چلی گئی۔ عمارت سے باہر آتے ہی میں نے ناصر کو کال کی۔ اس نے پانچویں بیل پر فون پر ریسیو کیا اور جھنجلائی آواز میں بولا۔ ''یار، ابھی صبح چار بجے سویا تھا۔''

''اٹھ جاؤ صحافی کے گھوڑے! ہم تمہیں لینے آ رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''صحافت کا گھوڑا!'' اس نے تصحیح کی۔ ''اس وقت میں روزنامہ جنگ و جدل کے دفتر میں ایک سیٹے پرانے شماروں پر محو استراحت ہوں۔''

''چپا عبداللہ کو سمجھا دو اور دوبارہ سونا مت۔'' میں نے موبائل عبداللہ کی طرف بڑھایا، اس نے ناصر سے پتہ سمجھ کر موبائل میرے حوالے کر دیا۔ ''بس تیار ہو جاؤ۔'' میں نے کہہ کر کال بند کر دی۔

''وہ جگہ ذرا دور ہے سر!'' عبداللہ بولا۔ ''تقریباً پون گھنٹا لگے گا، دھند بھی ہے۔''

سردیوں میں جب تک اوپری پنجاب میں بارش نہ ہو، دھند چھائی رہتی ہے اور بعض اوقات تو یہ دھند اتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شدید ہو جاتی ہے کہ دن میں لوگ روشنیاں جلا کر کام کرتے ہیں اور گاڑیاں ہیڈ لائٹس جلائے بغیر سفر نہیں کر سکتیں۔ ان دنوں بھی دھند تھی لیکن زیادہ شدید نہیں تھی۔ پندرہ بیس فٹ تک کا منظر واضح تھا، اس کے بعد کا منظر دھندلانا شروع ہو جاتا تھا۔ گاڑی جیسی بڑی شے کا ہیولا چالیس پچاس فٹ کی دوری سے نظر آ رہا تھا اس لئے حادثے کا امکان کم تھا پھر بھی رفتار ایک حد میں رکھنا لازمی تھا۔ عبداللہ کے اندازے کے مطابق ہم پون گھنٹے میں جنگ و جدل کے دفتر پہنچے تھے۔ دفتر سے بھی جنگ و جدل کے آثار نمایاں تھے، جس عمارت کی دوسری منزل پر اخبار کا دفتر تھا، وہ کسی جنگ کی باقیات میں سے لگ رہی تھی۔ ناصر بطخوں میں ہاتھ دیئے ہمارا منتظر تھا اور میری صورت دیکھتے ہی عقبی دروازہ کھول کر اندھا دھند اندر گھس گیا اور پھر اس کی گڑبڑائی ہوئی آواز آئی۔ ''تم..... سوری، میں نے دیکھا نہیں۔''

سونیا نے اسے غصے سے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ مزید بے عزتی کے خوف سے ناصر بھی دم سادھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے چند منٹ بعد مجھ سے کہا۔ ''آنی صبح سویرے عنایت کی وجہ؟''

''آج ہم شاہی موڈ میں ہیں، تمہیں ڈھائی لاکھ روپے کا دیدار کرانا چاہتے ہیں۔'' میں نے مغلِ اعظم اسٹائل میں کہا۔ وہ سمجھ گیا۔

''بندوبست کر لیا..... یعنی تم کیش اٹھانا چاہتے ہو؟''

''ہاں تم عبداللہ کے ساتھ جاؤ گے اور وہ ڈیوائس لے کر فوراً واپس آنا۔''

''میری بائیک وہیں کھڑی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''تب بائیک لے کر آ جانا۔''

کوٹھی زیادہ دور نہیں تھی۔ راوی کراس کر کے ہم تصور جانے والی سڑک پر آئے تو دائیں جانب باغ کے ساتھ ایک چھوٹی سی کوٹھی نظر آئی۔ اس قسم کی کوٹھیاں اس علاقے میں جا بجا نظر آ رہی تھیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک تھی۔ عبداللہ نے سونیا کے اشارے پر کار اس طرف موڑ دی۔ تیس گز کا فاصلہ لیکن ہموار راستہ تھا اس کے بعد کوٹھی تھی جس کے چار طرف سفیدے کے بلند و بالا درخت تھے۔ ہارن کے جواب میں ایک معمر چہرے نے بقیہ دروازے سے جھانکا۔ سونیا اتر کر اس کی طرف بڑھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی باہر نکل آیا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ سونیا کے قدموں میں بچھ جائے گا۔ میں اور باقی بھی نیچے اتر آئے۔

''بی بی، آپ..... صاحب کہاں ہیں۔ عادل صاحب کیسے ہیں؟''

''میں بعد میں بتاؤں گی سعادت خان!'' سونیا بولی۔ ''دروازہ کھولو۔''

سعادت خان تقریباً پچاس برس کا پٹھان تھا۔ سر کے بال کھچڑی ہو رہے تھے لیکن جسمانی طور پر تنومند تھا۔ اس نے سر پر ہاتھ مارا ''معاف کرنا بی بی! ہم بوڑھا ہو گیا ہے۔''

اس نے جلدی سے اندر جا کر گیٹ کھولا۔ عبداللہ گاڑی اندر لے گیا تھا۔ طویل ڈرائیو وے کے ساتھ خوب صورت لان تھا۔ سردی کی شدت سے پودے، پھولوں سے محروم اور مرجھائے ہوئے تھے لیکن صاف لگ رہا تھا، بہار میں یہ باغ قابلِ دید ہوتا ہوگا۔ کوٹھی کی چابیاں سعادت خان کے پاس تھیں، اس نے آ کر دروازہ کھولا۔ ہم اندر آئے۔ سونیا نے سعادت خان سے کہا۔ ''نشست گاہ کا آتش دان جلاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ، میں اور ناصر نشست گاہ میں آ گئے تھے جبکہ سونیا اندر چلی گئی تھی۔ سعادت خان نے آتش دان میں لکڑی کا کوئلہ بھرا ہوا تھا اس نے بوتل سے مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ لکڑی کا کوئلہ دھواں کم دیتا ہے اور جلدی آگ پکڑ لیتا ہے۔ یہ کام کر کے سعادت خان نے ہم سے پوچھا۔ ''صاحب! چائے، کافی، گرین ٹی..... کیا بنائے؟''

''سب بنا لاؤ۔'' ناصر ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ ''اور کھانے کو کچھ ہو تو وہ بھی لے آؤ۔''

''صاحب! اس میں تھوڑا ٹائم لگے گا۔ بی بی لوگ عرصے سے ادھر نہیں آیا اس لئے باورچی خانہ خالی ہے۔ میں ابھی سامان لاتا ہے۔''

''ایسا کرو، چائے بنا لو۔'' میں نے اسے کہا اور وہ چلا گیا۔

''سونیا کہاں ہے؟'' ناصر نے پوچھا۔

''اندر کہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا

یہ دو منزلہ کوٹھی تھی اور سونیا کے مطابق یہ بھی کرائے پر لی تھی۔ چند منٹ بعد سونیا آئی اور ایک لفافہ میرے حوالے کیا۔ ''اس میں تین لاکھ روپے ہیں شہباز بھائی!''

''شکریہ سونیا۔'' میں نے کہا اور لفافے کو ناصر کے حوالے کر دیا۔ ''اب روانہ ہو جاؤ چائے پی کر۔''

''اور ناشتا۔'' اس نے فریادی لہجے میں کہا۔

''راستے میں کر لینا۔'' سونیا بولی۔ ''بلکہ واپسی میں دوپہر کے لئے بھی کچھ لیتے آنا۔''

ناصر چونکا۔ ''کیا تم لوگوں کا رکنے کا پروگرام ہے؟''

''لمبا نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ممکن ہے شام تک چلے جائیں۔''

چائے آئی۔ عبداللہ اور ناصر چائے پی کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سونیا نے مجھے کوٹھی دکھائی، سعادت خان واپس گیٹ کی طرف چلا گیا تھا۔ کوٹھی کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ فرض شناسی سے کوٹھی کی دیکھ بھال کرتا رہا تھا۔ پھر سونیا مجھے ایک کمرے میں لائی۔ یہ وسیم کا بیڈ روم تھا۔ سونیا نے الماری کھولی اور اس کے اندر ہاتھ ڈال کر نہ جانے کیا دبایا۔ الماری کے عقب سے ایک خانہ سرک گیا تھا جو اس کے پیچھے تھا جس میں تختے لگا کر اسے بھی الماری کی سی صورت دے دی گئی تھی۔ ایک خانے میں کرنسی نوٹوں کی خاصی گڈیاں تھیں۔ نچلے حصے میں ایک چرمی بیگ تھا۔ سونیا نے چرمی بیگ نکال کر خانہ اور پھر الماری بند کر دی۔ اس نے میز پر رکھ کر بیگ کھولا۔ اندر سے درجن بھر سے زیادہ چیک بکس، دو عدد اے ٹی ایم کارڈز، دو عدد کریڈٹ کارڈز نکلے، یہ گولڈن کارڈز تھے جن سے لامحدود خریداری کی جا سکتی تھی۔ تین عدد لاکرز کی چابیاں اور دو گڈیوں میں ڈالرز اور پاؤنڈز تھے۔ سونیا نے چابیاں دکھائیں۔ ''یہ تینوں لاکرز، ایک ہی بنک میں ہیں۔ مجھے صحیح سے نہیں معلوم کہ وسیم بھائی نے یہاں کیا کیا رکھا تھا لیکن میرے پاس ان کا اجازت نامہ ہے، میں لاکرز کھول سکتی ہوں۔''

''فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''شہباز بھائی! ہم سرحد پار جا رہے ہیں اس لئے ہمیں یہ کرنسی رکھنی چاہئے۔'' اس نے ڈالرز اور پاؤنڈز کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سو سو کے نوٹوں والی گڈیاں تھیں دونوں گڈیوں میں دس ہزار ڈالرز اور اتنے ہی پاؤنڈز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے، میں نے سر ہلایا۔ ''رکھ لو، شاید ضرورت پڑ جائے۔''

سچی بات ہے، مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ٹھیک ہے، سونیا میری ذمے داری تھی لیکن اس کی دولت سے فائدہ اٹھانا مجھے مناسب نہیں لگا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اس کوٹھی کا معاہدہ کہاں ہے؟''

وہ الماری سے ایک فائل لائی۔ اس کے مطابق کوٹھی دو سال کے لئے کرائے پر لی گئی تھی اور یہ مدت ختم ہونے میں ابھی دو مہینے باقی تھے۔ میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''معاہدے کو ری نیو کرا لو۔ کم سے کم ایک سال کے لئے، اس طرح ہمارے پاس ایک پناہ گاہ تو ہوگی۔''

''میں ابھی ایجنٹ کو کال کرتی ہوں۔''

''دوسرے چوکیدار کی تنخواہ کا معلوم کر کے اسے بھی سال بھر کے لئے چیک دے دو۔''

سونیا دونوں کاموں میں لگ گئی۔ اس سے پہلے اسٹیٹ ایجنٹ کو کال کی جس کے توسط سے کرائے پر لی گئی تھی۔ مالک مکان گزشتہ دس سال سے یو کے میں تھے اور یہ کوٹھی صرف تفریح کے لئے تھی اس لئے اپنی غیر موجودگی میں اسے مستقل کرائے پر دے دیا تھا۔ اس کے بعد سونیا مذکورہ بینکوں کو کال کرنے لگی جہاں اس کے اکاؤنٹس تھے اور سارے لاکھوں کے اکاؤنٹس تھے اس لئے این آئی سی نمبر بتانے پر اسے فون پر اس کا بیلنس بتا دیا گیا تھا۔ وہ ایک رف کاغذ پر لکھتی رہی تھی، اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ٹوٹل کیا تو یہ رقم کروڑوں کے فگرز میں تھی۔ سونیا نے ایک اکاؤنٹ منتخب کیا اور اس کے بارہ عدد چیک کاٹ کر ان پر رقم اور تاریخ کے ساتھ اپنے سائن کر دیئے تھے۔

''میں نے سعادت خان کی تنخواہ میں ہزار روپے کا اضافہ کر دیا ہے۔'' وہ بولی پھر اس نے ایک چیک اور کاٹا۔ یہ پچیس ہزار کا تھا۔ ''اس رقم سے وہ کوٹھی کے اخراجات پورے کرتا ہے جیسے بلوں کی ادائیگی اور چھوٹے موٹے اخراجات۔''

سونیا اسے چیک اور ہدایات دینے چلی گئی تھی۔ میں کوٹھی کے عقبی باغ میں نکل آیا جہاں سنگترے اور لیچی کے درخت تھے، بیشتر سنگترے اتارے جا چکے تھے۔ چند ایک باقی تھے جو ابھی پوری طرح پکے نہیں تھے۔ اس جگہ وسعت اور سکون کا احساس تھا۔ کچھ دیر چہل قدمی کے بعد میں اندر آیا۔ سونیا سعادت خان کو چیک دے کر آ چکی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''آیئے، میں آپ کو ایک چیز اور دکھاتی ہوں۔'' وہ مجھے اسٹور روم نما ایک کمرے میں لائی جہاں فالتو اشیاء رکھی تھیں، ایک پیٹی سرکا کر اس کے نیچے رکھے تختے کو اٹھانے سے ایک خفیہ خانہ ظاہر ہوا، اس میں لکڑی کی طویل پیٹی تھی۔ یہ تین بائی ڈیڑھ فٹ کی تھی۔ سونیا نے جھک کر اس کا ایک طرف کا کنڈا پکڑا۔

''شہباز بھائی، اسے میرے ساتھ اٹھایئے۔ وزنی ہے۔'' اس نے کہا۔

''تم ایک طرف ہو جاؤ۔'' میں نے کہا اور جھک کر دونوں طرف کے کنڈے پکڑ کر بکس کھینچا۔ یہ واقعی خاصا وزنی تھا۔ جیسے تیسے میں نے اسے نکالا اور ہانپتے ہوئے بولا۔ ''کیا اس میں لوہا بھرا ہوا ہے؟''

''ایسا ہی سمجھئے۔'' وہ بولی۔ اس نے ایک مختصر سی چابی سے پیٹی کا لاک کھولا اور اس کا ڈھکن اٹھایا۔ اندر ہر قسم کا آتشیں اسلحہ بھرا ہوا تھا۔ دو عدد ایم سولہ رائفلیں، ایک شاٹ گن تھی، ایک ٹرپل ٹو رائفل اور ایک بارہ بور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رائفل تھی۔ اس کے علاوہ مختصر سی یوزی مشین گن، ماؤزر پستول اور دو عدد اعشاریہ بیالیس کے پستول اور ان کا ڈھیر سارا ایمونیشن تھا۔

"یہ تو پورا اسلحہ خانہ ہے۔" میں نے کہا۔

"اس کی مدد سے ہم پوری فوج کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

"لیکن فی الحال اس کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے بکس بند کر دیا اور اسے خانے کے اندر ڈال دیا۔ "سونیا، میرا خیال ہے ہمیں شام تک واپس چلے جانا چاہئے۔"

"کیوں شہباز بھائی!"

"کیونکہ یہ ایک پناہ گاہ ہے اگر ہم نے بلاوجہ یہاں قیام کیا تو ممکن ہے یہ دشمن کی نظر میں آ جائے اس لئے اسے صرف ہنگامی ضرورت کے لئے محدود رکھو۔ ابھی ہمارے پاس ایک محفوظ ٹھکانہ ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی بھائی!" اس نے بے دلی سے کہا۔

"لگتا ہے تم یہاں رہنا چاہتی ہو۔" میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں شہباز بھائی، ایک سال پہلے میں اور وسیم بھائی یہاں ایک مہینہ رکے تھے۔ ہمارے ساتھ عادل بھی تھا اور ہم نے بہت انجوائے کیا تھا۔"

"او کے، اس صورت میں ہم ایک دن یہاں رک جاتے ہیں، تمہاری خوشی کے لئے۔ صبح سویرے نکل جائیں گے۔" میں نے اس کو خوش کرنے کے لئے کہا، وہ کھل اٹھی تھی۔

"تھینک یو شہباز بھائی!"

"اور اس کے بدلے مجھے کیا ملے گا؟"

"جو آپ بولیں۔"

"ایک زبردست سا ڈنر!"

"میں ابھی سعادت کو بھیج کر بکرے کی ران منگواتی ہوں، آج آپ کو اسٹیم روسٹ کھلاؤں گی۔" اس نے کہا اور باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی، میں سمجھا کہ سونیا ہو گی لیکن آنے والا ناصر تھا۔ اس نے ایک پورٹیبل ٹیپ ریکارڈر کے سائز کا آلہ ایک شاپر میں اٹھا رکھا تھا۔

"تم جلدی آ گئے۔"

"ہاں، میں نے سوچا جب میری نیند خراب ہوئی ہے تو اسے کیوں سوتے دوں۔ ڈھائی لاکھ کے لئے وہ بستر سے دوڑا آیا تھا۔ میں نے دکان کھلوا کر اس سے آلہ لیا۔ اسے موبائل چیکر کہتے ہیں۔" ناصر نے تھیلے سے گتے کا ڈبا نکالا۔ اس پر سیلوفین لپٹا تھا۔ اسے کھول کر ناصر نے اندر سے اصل آلہ نکالا جو آج کل کے ذرا جدید اور بڑی اسکرین والے موبائل ٹیپ کے برابر تھا۔ اسے بہ آسانی جیب میں رکھا جا سکتا تھا۔ میں نے اٹھا کر اس کا معائنہ کیا، اس میں کلر ایل سی ڈی اسکرین تھی اور نارمل موبائل کے مقابلے میں زیادہ بٹن تھے۔ ناصر مجھے استعمال کا طریقہ سکھانے لگا۔ اس کے ساتھ ایک بک بھی تھی۔

"چھوڑ یار، میں دیکھ لوں گا۔" میں نے ناصر سے کہا۔ "اس کا چارجر کہاں ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناصر نے چارجر بھی نکال کر دیا۔ ''اسے دو دن بعد چارج کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔''

میں نے اسکرین پر دیکھا۔ ''ابھی یہ فل چارج ہے۔''

''ہاں، احتیاط سے استعمال کرنا ہوگا۔ ذرا نازک مشین ہے۔ گرنے اور جھٹکوں سے بچانا ہوگا۔ دکان والے نے کہا ہے، اسے کسی ساکت جگہ رکھ دیں اور صرف ضرورت کے وقت اٹھائیں۔''

''یہاں سگنل نہیں ہیں۔ کیا اس میں سم ڈالنی پڑتی ہے؟''

''بالکل ورنہ کال کیسے کرو گے؟'' ناصر بولا۔ ''میں نے ایک کنکشن لے کر اس میں سم لگا دی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے سگنل کے لئے ہمیں شہر کی طرف جانا پڑے گا۔''

''ہاں، میں لنچ لے آیا ہوں، فرائی مچھلی اور نان ہیں۔''

''رات کے لئے سونیا اسٹیم بروسٹ بنا رہی ہے۔''

''دیکھتے ہیں خاتون کے ہاتھ میں کتنا ذائقہ ہے؟'' وہ خوش ہو گیا۔

ہم باہر آئے، نشست گاہ میں آتش دان کی وجہ سے ذرا سکون تھا، ہم نے وہیں کھانا کھایا۔ پھر سونیا نے کافی کے بجائے چائے بنا کر دی۔ اس کا کہنا تھا، کھانے کے بعد کافی صحت کے لئے مضر ہوتی ہے۔ بعد میں اس نے تسلیم کیا کہ اس کا دل چائے پینے کو چاہ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''سونی مجھے جیپ کی چابی دو۔ رنگ لنڈیشن میں ہے نا؟''

''جی بھائی، سعادت خان اس کی دیکھ بھال بھی کرتا رہتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''میں اور ناصر ذرا دور تک جائیں گے، تم نے چلنا ہے تو چلو۔''

''نہیں، مجھے رات کے ڈنر کی تیاری کرنی ہے۔'' سونیا بولی اور اندر سے مجھے چابی لا کر دی۔

جیپ فورڈ کمپنی کی تھی اور ملٹری ماڈل کا سویلین روپ تھا۔ مضبوط اور طاقتور۔ اس کے اندر آٹومیٹک سسٹم تھا اور انجن بہترین حالت میں تھا۔ سعادت خان واقعی اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا تھا۔ پہلے ہی سلف میں جیپ اسٹارٹ ہو گئی۔ ناصر بولا۔ ''میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ سونیا اتنی دولت مند ہو گی۔''

''وسیم نے پیسا بہت کمایا..... مگر اسے اپنے ہی دھوکا دے گئے۔ اس نے جس پر بھروسا کیا، اسی نے اس کی جڑ کاٹی۔'' میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

سعادت خان باہر گیا ہوا تھا اس لئے سونیا نے خود آ کر گیٹ کھولا اور بند کیا۔ مجھے اس کے اکیلے ہونے کی فکر ہوئی تو اس نے کہا۔ ''میں کمزور نہیں ہوں، اب میرے ساتھ آپ کی طاقت ہے اور سعادت خان بھی کچھ دیر میں آ جائے گا۔''

''پھر بھی خیال رکھنا۔ اپنا پستول اپنے پاس رکھ لو اور کوٹھی کے دروازے کھڑکیاں اندر سے بند رکھنا۔''

''وہ ہنسی۔'' آپ تو بالکل وسیم بھائی کی طرح ہدایت دے رہے ہیں۔''

''سارے بھائی بہنوں کے لئے ایسے ہی فکرمند رہتے ہیں۔''

دن میں دھند غائب ہو گئی تھی، ہم واپس لاہور کی طرف آئے، ایک ڈیڑھ کلومیٹر کے بعد ناصر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سگنل آ گئے ہیں، جیپ روک لو۔''

میں نے سڑک سے اتار کر ذرا دور درختوں تلے جیپ روک لی۔ میرے اور ناصر کے پاس مختلف کمپنیو کی سمز تھیں اور دونوں میں سگنل آ گئے تھے۔ میں نے موبائل چیکر نکالا۔ اس میں سگنل تھے۔ میرے پاس مرشد کا وہ نمبر محفوظ تھا جس سے اس نے مجھے کال کی تھی۔ میں نے موبائل چیکر سے نمبر ملایا۔ چند بیل کے بعد مرشد کی آواز آئی۔ ''کون ہے۔''

''شہباز بات کر رہا ہوں، تم کس شرط پر میرے ساتھ صلح چاہتے ہو؟''

''شہباز، یہ بات آمنے سامنے بیٹھ کر کرنے کی ہے۔'' وہ مکارانہ لہجے میں بولا۔

''اسے بھول جاؤ، جلدی بولو، میرے پاس وقت کم ہے۔''

''نادر علی لندن سے واپس آ گیا ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے جواب دے دیا ہے۔ اب وہ ساری عمر بستر وہیل چیئر پر رہے گا۔''

''اسے قدرت کی طرف سے سزا ملی ہے کوئی دوسرا اس معاملے میں کیا کر سکتا ہے۔ اس نے میرے ساتھ اور میرے ساتھیوں کے ساتھ جو کرنے کی کوشش کی اس کے بعد مجھے اس کے بارے میں کوئی افسوس بھی نہیں ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا، اسے اس کے کیے کی سزا ملی ہے۔'' مرشد علی نے تسلیم کر کے مجھے حیران کر دیا۔

''پر اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''شہباز تم صلح اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ عام زندگی کی طرف واپسی چاہتے ہو اور میں بھی اس جھگڑ سے جان چھڑانا چاہتا ہوں لیکن مجھ پر خاندان کے لوگوں کا دباؤ ہے۔ وہ بہر صورت انتقام لینا چاہتے ہیں۔''

''اور تم ان کے آگے مجبور ہو؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ ''پھر صلح کی بات کیوں کر رہے ہو؟''

''شہباز، میں دل سے صلح چاہتا ہوں اور میں نے اسے پائیدار بنانے کے لئے ایک تجویز سوچی ہے؛ دونوں.....''

''مختصر بات کرو، میں ایک منٹ بعد کال کاٹ دوں گا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔

''تمہاری ساتھی لڑکی، کیا نام ہے اس کا؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کہا۔ ''ہاں مونا، میں چاہتا ہوں نا در سے اس کی شادی.....''

''مرشد!'' میں نے دہاڑ کر کہا تھا۔ ''آئندہ تُو نے مونا کا نام لیا تو.....'' میں نے غصے سے کال کاٹ دی۔ اس کی بات سمجھ کر میرا دماغ اُڑ گیا تھا۔ میرے چلانے سے ناصر گھبرا گیا تھا۔

''کیا ہوا..... اس نے کیا کہا؟''

جواب میں، مَیں نے مرشد اور اس کے سارے خاندان کو ایک سے ایک گالیاں دی تھیں جو عام حالات میں کبھی میری زبان پر نہیں آ سکتی تھیں۔ ''کتے کا بچہ! مونا کا نام لے رہا تھا۔''

''چھوڑ یار! یہ ایسے ہی غلیظ فطرت لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے منہ مت لگ اور نہ ہی ان کی باتوں پر توجہ د سمجھ لے کتا بھونک رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ناصر کو مرشد علی کی تجویز کے بارے میں بتایا۔ ''وہ ذلیل شخص اس طرح انتقام لینے کی سوچ رہا ہے۔ اوّل تو یہ ناممکن ہے، اتنا ہی ناممکن، جتنا سورج کا مغرب سے نکلنا اور اگر سوچا بھی جائے تو مونا کے ساتھ وہاں کیا سلوک ہو سکتا ہے۔''

''میں ان لوگوں کی ذہنیت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔'' ناصر بولا۔ ''عورت ان کے لئے رشتے سے قطع نظر محض ایک کھلونا ہے۔''

''میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس نے مونا کا.....''

''یار، تُو بے کار کی بات کر رہا ہے، کام کر۔'' ناصر نے مجھے یاد دلایا تو نے میں نے اپنے اشتعال پر قابو پایا، جب میرا دماغ کسی قدر ٹھنڈا ہوا تو میں نے موبائل چیکر پر اس نمبر کو فریکوئنسی میں شامل کر لیا۔ سارا پروسیس مکمل ہونے کے بعد اسکرین پر او کے کا اشارہ آیا۔ اب مرشد علی کے موبائل کی فریکوئنسی اس چیکر میں آ چکی تھی، جب بھی اس نمبر پر کوئی کال آتی یا اس سے کہیں کال کی جاتی تو یہ خود بخود اسے کیچ کر کے خبردار کرتا اور ہم اس پر ہونے والی گفتگو سن سکتے تھے۔ کتاب میں گفتگو سننے اور اسے ریکارڈ کرنے کا طریقہ بھی درج تھا۔

''یار، یہ تو بہت کام کی شے ہے۔''

ناصر نے سر ہلایا۔ ''نائن الیون کے بعد نیٹ ورک اسپائی کے شعبے میں بے انتہا ترقی ہوئی ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد ملک نے اپنے مخالفوں سے نمٹنے کے لئے اس شعبے میں ایسی اختراعات کی ہیں جن کے بارے میں عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ انٹرنیٹ، ای میلز اور موبائل سروس کی نگرانی کے لئے ایسی ڈیوائسز وجود میں آ چکی ہیں جو الفاظ پکڑتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر لفظ مسلمان کو مارک کر دیا جائے تو دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی ای میلز میں لفظ مسلمان آئے گا یا موبائل پر یہ لفظ بولا جائے گا ویسے ہی ان کو پتا چل جائے گا۔ ایسے پھندے ساری دنیا میں پھیلا دیئے گئے۔ یہ ایجاد بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ میرے الیکٹرانکس ڈیلر دوست نے اسے جاپان سے منگوایا ہے۔''

''بے شک یہ ذرا مہنگی چیز ہے مگر اس سے جو کام لیا جا سکتا ہے، اس لحاظ سے یہ کوئی قیمت نہیں ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا۔'' ناصر نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔

اچانک موبائل چیکر نے خبردار کرنے والی آواز نکالی۔ اسکرین پر مرشد علی کا نمبر آ رہا تھا لیکن یہ اس کی کال نہیں تھی، کیونکہ اس آلے سے کی جانے والی کال کا کہیں نمبر نہیں آتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی کال آ سکتی ہے، اس سے صرف کال کی جا سکتی ہے یا دوسروں کی کال سنی جا سکتی ہے۔ مرشد علی کسی کو کال کر رہا تھا یا اسے کوئی کال کر رہا تھا۔ میں نے ایک بٹن دبایا تو مرشد علی کی آواز آنے لگی، میں نے فوراً ریکارڈ کا بٹن بھی دبا دیا تھا۔

''آج رات میں تمہارے پرستان میں آؤں گا۔'' مرشد علی نے کسی سے کہا۔

''سر آنکھوں پر پیر و مرشد!'' کوئی خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ ''میں تو کب سے تڑپ رہا تھا، کبھی تو آپ میرے غریب خانے کو عزت بخشیں۔''

''سنا ہے تُو نے دنیا جہاں کے منتخب ہیرے رکھے ہوئے ہیں؟''

''یہ تو ان کی اور میری خوش نصیبی ہوگی کہ پیر و مرشد کی نظرِ کرم ان پر پڑ جائے۔ پر آپ کیوں زحمت کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے ہیں۔ میں ایم بھگوان سے آپ جو چیز انتخب کریں گے وہ سرکار کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔"

دوسرے شخص نے چرب زبانی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ مرشد علی اس کے پاس آئے مگر مرشد علی نے اس کے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ "تو نے جو بات اصلی جنتی جاگتی تصویروں میں ہے، وہ بات ایم کی بے جان تصویروں میں کہاں ہوگی۔ ہم چشم خود ان کو ملاحظہ کر کے منتخب کرنا چاہتے ہیں۔"

"جیسی سرکار کی مرضی!" تو نے والے شخص نے بدترین خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ اس کا نام یقیناً تو نے تھا۔

"ابھی تیرے پاس کتنی لڑکیاں ہیں؟" مرشد علی کے لہجے سے یک دم تل اور ہوس ٹپک رہی تھی۔

"سو سے زیادہ ہیں سرکار!"

"بس تو ان سب کو ہماری آمد سے پہلے جمع کر لے۔"

"سب کو۔" تو نے پریشان ہو گیا۔ "سرکار کوئی تیس لڑکیاں دو دن کے گاہکوں کے پاس ہیں۔ ان کو بلوانا بھی چاہوں تو اتنی جلدی یہ کام ممکن نہیں ہے۔"

"اچھا۔ کل تک بلوا لے۔ میں دو دن رکوں گا۔" مرشد علی نے اس کا یہ حربہ بھی ناکام بنا دیا۔

"سرکار، اس طرح تو کاروبار....."

"تو نے!" یک دم مرشد نے جلالی لہجہ بنا کر کہا۔ "تیری نیت ابھی سے بدلی بدلی لگ رہی ہے۔ یاد رکھ یہاں شاہ ابھی موجود ہے اور میرے ایک اشارے پر دم بھر میں تیرے پاس دوڑا چلا آئے گا۔"

تو نے کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ یقیناً جانی شاہ کا باقی شاہ تو نہ تھا لیکن مرشد علی اسے تحقیر آمیز انداز میں صرف تو نے کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ وہ فوری طور پر مرشد علی کی خوشامد آمد پر اتر آیا تھا اور اسے یقین دلانے لگا تھا کہ اس کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہوگی۔ وہ کسی نہ کسی طرح مرشد علی کو شفا کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ کمال ختم ہونے کے بعد میں نے شاہ تو نہ کا نمبر بھی سویلائٹ چینل کی فریکوئنسی میں شامل کر لیا تھا۔

"یار، واقعی کمال کا آدمی ہے۔" میں نے مسرت سے کہا۔

"مرشد اور شاہ تو نہ اب تیرے پارٹنر ہیں۔" ناصر نے غور کیا۔ "مجھے لگ رہا ہے۔ مرشد علی کی نیت اس بے حساب کمائی والے بزنس پر خراب ہو رہی ہے اور وہ شاہ تو نہ کو ختم کر کے اپنا ایک کاروبار بنانا چاہتا ہے۔"

"شاید۔" میں نے کہا اور اس یار جانی شاہ کو کمال کرنے لگا۔ وہ جلد لائن پر تھا۔

"میں شبیر بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تم نے ان دونوں لڑکوں کا کیا کیا؟"

"کل کے اخبارات میں دیکھ لینا۔" اس نے بے پروائی سے کہا تو میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"تم نے ان کو مار دیا؟" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"کام کی بات کرو ورنہ میں فون بند کر رہا ہوں۔"

"کل شام تمہارے جی ٹی روڈ والے ڈیرے پر کیا ہوا تھا؟ سنا ہے شاہ تو نہ کے آدمیوں نے وہاں قبضہ کر لیا ہے۔ تمہارے تین اہم ترین ساتھی مارے گئے ہیں۔" یہ خبر مجھے ناصر نے دی تھی۔

"جلد شاہ تو نہ اس کا خمیازہ بھگتے گا۔" اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"جانی شاہ، میں نے پہلے بھی کہا تھا، بات جانے کیوں مجھے تم سے بھروسی سی ہو رہی ہے، تمہارے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک کام کی اطلاع اور ہے تمہارا سابقہ سرپرست مرشد علی اب شاہ نواز کی سرپرستی کر رہا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ مرشد علی آج رات اس پر ستان کا دورہ کرے گا جو کبھی تمہارا ہوا کرتا تھا اور اب اس پر شاہ نواز کا قبضہ ہے۔"

"یہ میں واقعی نہیں جانتا۔" اس نے اعتراف کیا۔

"دوسرے مرشد علی کی اپنی نیت بھی درست نہیں ہے اور وہ شاہ نواز کے توسط سے اس سارے بزنس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔"

"میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔" جامی شاہ غرایا۔ "ویسے یہ بتاؤ، تمہیں مجھ سے کیا ہمدردی ہو رہی ہے جو تم مجھے میرے دشمنوں کے بارے میں اطلاعات دے رہے ہو؟"

"مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ تم سب میرے دشمن ہو۔ بس تم اس وقت کمزور ہو اس لئے میری توجہ کے مستحق ہو۔"

"اس بہانے تم ہمیں آپس میں لڑا رہے ہو؟" اس نے شک سے پوچھا۔

"تم کچھ بھی سوچنے کے لئے آزاد ہو۔" میں نے بات ختم کر دی۔

ناصر غور سے سن رہا تھا اس نے کہا۔ "یہ جو تم بکواس کر رہے ہو اس کا فائدہ؟"

"یہی فائدہ کیا کم ہے کہ میرے دشمن آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کا بھی نقصان ہو، میرا ہی فائدہ ہے۔" میں نے موبائل جیکٹ کی اس کے کیس میں رکھ دیا۔

"یار، مجھے یاد پڑ رہا ہے شاہ نواز کا پرستان یعنی کامل گرلز ہوسٹل اسی سڑک پر کہیں ہے۔" ناصر بولا۔

"تم نے کیا تھا مجھے اس کا کامل وقوع بتا ہے۔"

"میں نے اپنے ایک صحافی واقف کار سے سنا تھا۔ وہ اس جگہ کی سیر کر چکا ہے۔" ناصر نے بائیں آنکھ دبائی۔ "میں اس سے معلوم کرتا ہوں۔"

اس نے اپنے موبائل پر صحافی واقف کار سے رابطہ کیا اور اسی لمحے موبائل جیکٹ سے وائبریٹنگ ٹون سنائی دی۔ میں نے کیس سے نکال کر جلدی سے جیب سے نیچے اتر کیا۔ اس پار شاہ نواز کا نمبر تھا۔ میں نے بٹن دبایا۔ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "شاہ جی — زرینہ — کر رہی ہے۔" اس نے ناقابل بیان لفظ استعمال کیا تھا۔

"کس کے پاس ہے؟" شاہ نواز نے پوچھا۔

"فضل الٰہی کے پاس ہے۔ کل اس نے اسے کاٹ بھی کھایا۔"

"مگر کیا مسئلہ ہے۔ اسے کسی عورت پسند ہے جو آسانی سے قابو میں نہ آئے۔"

اس پر اس شخص نے نہایت شرمناک الفاظ میں بتایا کہ زرینہ فضل الٰہی نامی شخص کی کسی خواہش کو پورا کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ شاہ نواز بولا۔ "اسے کہو، ہنٹر استعمال کرے مگر اسے زیادہ گہرے زخم نہ آئیں اور سنو، ادھر ادھر سے بندے بھیج کر اسے گھر لے آؤ۔ وہ حرامی مرشد آ رہا ہے اسٹاک کا معائنہ کرنے، پر خیال رہے بالکل گڑبڑ نہ ہو اور سکھا پڑھا کر لانا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی شاہ جی! تسی بے فکر رہو۔''

شاہ نواز نے کال ختم کی تھی کہ مرشد علی کسی کو کال کرنے لگا۔ اس کے اولین جملے سے واضح ہو گیا کہ اس نے نادر علی کو کال کی تھی۔ ''کیا حال ہیں تیرے؟''

''بھائی جی! بستر پر پڑا ہوں۔'' اس کی تلخ سی آواز آئی۔ ''وہ سب عیش کر رہے ہیں۔'' نادر نے گالی دی۔

''آپ بھی کچھ نہیں کر رہے۔ ایک بار وہ قابو آیا تو اسے تصویر کے پیچھے چھوڑ دیا۔''

''وہ تمہاری حماقت تھی۔ بہر حال وہ بھی عیش نہیں کر رہے۔ میرے آدمیوں سے بھاگتے چھپتے پھر رہے ہیں۔ میں نے ان پر سکون حرام کر دیا ہے۔''

''بھائی جی! میں ان کے سر چاہتا ہوں۔ اس لڑکی کو چاہتا ہوں۔ آپ نے تجویز رکھی اس کے سامنے۔''

''ہاں، پر اس نے انکار کر دیا۔''

''مجھے پہلے ہی پتا تھا یہ سیدھی طرح ماننے والے لوگ نہیں ہیں۔ آپ ان کے خلاف پوری طاقت استعمال کریں، مجھے ہر صورت میں وہ لڑکی چاہئے۔''

''صبر کر نادر، ہر خواہش اتنی جلدی پوری نہ ہوتی، اگر تو اس وقت جلد بازی نہ کرتا تو یہ آج کیفر کردار کو پہنچ چکے ہوتے اور تیرا انتقام پورا ہو جاتا۔''

''میں کچھ نہیں جانتا بھائی جی! اگر میرا انتقام پورا نہ ہوا تو میں خودکشی کر لوں گا۔''

''ان شاء اللہ!'' میں نے دل میں کہا لیکن مرشد علی گھبرا گیا تھا۔ ''اوئے پاگل! پریشان کیوں ہوتا ہے۔ تیرا دل بہلانے کے لئے ایسی چیزیں لاؤں گا کہ تو اسے بھول جائے گا۔''

''کبھی نہیں بھائی جی! اور اب ان چیزوں سے میرا دل نہیں بہلتا، مجھے کچھ اور چاہئے۔''

''تھوڑا صبر کر۔''

''کیوں صبر کروں۔ آخر ہم میں اور عام آدمی میں یہی تو فرق ہے، میں جو چاہوں کر سکتا ہوں تو کیوں نہ کروں؟'' مفلوج ہونے کے باوجود اپنی حیثیت اور اختیارات کا تکبر اس کے لہجے میں بول رہا تھا۔

''پر آدمی تو ہیں اس لئے کہیں نہ کہیں مجبور ہو جاتے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لئے مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔''

''کیا کرو گے تم؟''

''شہباز اور سفیر ہمارے ہاتھ نہیں آئے، پر ان کے گھر والے تو ہیں۔''

''نادر!'' مرشد علی کا لہجہ سخت تھا۔ ''تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ شہباز کے دو بھائی آرمی آفیسرز ہیں اور سفیر بھی کسی معمولی خاندان کا نہیں ہے۔ ہمارے لئے اس وقت سیاسی حالات اچھے نہیں ہیں۔ چند مہینے میں سٹی گورنمنٹ کے الیکشن ہونے والے ہیں۔ ابھی ہم کوئی مسئلہ برداشت نہیں کر سکتے۔''

''آپ کو سیاست کی پڑی ہے اور میں اندر ہی اندر کڑھتا ہوں۔ میرے اندر ایک آگ جل رہی ہے۔''

''نادر، خدا کے لئے..... تم اس وقت بستر تک محدود ہو، تمہیں اندازہ نہیں ہے میری مشکلات کس قدر بڑھ گئی ہیں۔ خیر، جب تم عملی طور پر کام کرتے تھے تب بھی میرے لئے سوائے مشکلات میں اضافے کے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہاں گیا۔"

نادر علی نے فون بند کر دیا۔ یہ آلہ میرے لئے نعمت غیر متوقع ثابت ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے بیش بہا معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔ میرا اندازہ تھا مرشد علی پھر نادر علی سے رابطہ کرے گا اور یہ اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس نے نادر سے نہیں بلکہ کسی سکندر بخش سے رابطہ کیا تھا۔

"سکندر بخش! ہم بول رہے ہیں۔" اس بار مرشد علی نے مخصوص لہجہ اختیار کیا تھا۔

"سرکار شاہ صاحب! حکم سرکار..... حکم!" سکندر مریدانہ لہجے میں بولا۔

"نادر پاگل ہو رہا ہے۔ اس کی طرف سے آنے والے کسی حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"سمجھ گیا سرکار شاہ صاحب!"

"خاک سمجھے ہو..... اسے انکار نہیں کرنا ہے لیکن وہ کوئی خاص حکم دے تو اس پر عمل بھی نہیں کرنا ہے، اسے ٹالتے رہنا ہے۔"

"اب بالکل سمجھ گیا سرکار شاہ صاحب!"

"اسے شراب اور لڑکیاں بھیج دو۔" مرشد علی نے بے غیرتی سے کہا لیکن نہیں، یہ تو میرے لئے بے غیرتی کی اصطلاح تھی ورنہ مرشد کے لئے یہ معمول کی بات تھی۔ حکم دے کر مرشد نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس دوران میں ناصر کچھ بات کر کے گاڑی سے نکل آیا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا برخوردار! کچھ معلوم ہوا؟"

اس نے سر ہلایا۔ "اس سڑک پر ساتویں میل پر دائیں جانب سرخ حویلی کی دو منزلہ عمارت ہے۔ وہی ہاؤس آف ڈانس ہے۔ اسے پری محل بھی کہتے ہیں۔"

"پری محل۔" میں ہنسا۔ "کیا مناسب نام رکھا ہے۔"

"اوہ بھائی، واپس نہیں چلنا۔ کچھ دیر میں اندھیرا ہو جائے گا اور اس کے بعد سردی کا مت پوچھنا۔"

"یار، واپس تو جانا ہے لیکن وہاں پر موبائل سگنل نہیں آ رہے ہیں اس لئے یہاں رکنا بھی ضروری ہے۔ ابھی مرشد اور دوسرے افراد سے خاصی معلومات ملی ہیں۔" میں نے اسے مرشد، نادر اور شاہ نواز کی اپنے گرگے سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ اگرچہ یہ آلہ ناصر ہی لایا تھا اور وہ اس سے واقف تھا اس کے باوجود وہ حیران ہوا تھا۔

"یار، کمال کی چیز ہے۔"

"مرشد علی اس طرف آ رہا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "پری محل کی طرف۔ کیا خیال ہے، پری محل کا ایک راؤنڈ لگا لیا جائے؟ سونیا کی کوٹھی سے چند کلومیٹر آگے ہوگا۔"

ناصر نے میری تجویز سے اتفاق کیا۔ "یار، تم سم تبدیل کر لو۔ اس علاقے میں ایک ہی موبائل کمپنی کی سروس کام کرتی ہے۔"

"میرے پاس اسی کی سم ہے۔" میں نے بتایا۔ "عبداللہ نے تمہاری بھیجی سمز مجھے دی تھیں۔" میں نے ان میں سے سمز نکالیں اور اپنے موبائل پر سم بدلی۔ ہم روانہ ہوئے۔ میں موبائل اسکرین پر سگنل دیکھ رہا تھا۔ واقعی سونیا کی کوٹھی تک سگنل موجود تھے۔ اس بار جیپ ناصر ڈرائیو کر رہا تھا اور میں اس سم میں اہم نمبر محفوظ کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چار بج رہے تھے اور شام ہو چکی تھی۔ میں نے ناصر سے کہا۔

''ذرا کوٹھی پر رکنا۔ ایک عدد کافی پی کر سونیا کو اطلاع دے کر چلتے ہیں، وہ پریشان نہ ہو۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' ناصر نے جیپ کوٹھی کی طرف جاتے کچے راستے پر گھما دی تھی۔ ناصر سے میرا تعلق کچھ ہی عرصے کا تھا لیکن مجھے لگتا تھا ہم برسوں سے ساتھ رہتے آئے ہیں۔ سفیر جیسی بات تو نہیں تھی مگر وہ اس جگہ میرا ہمدم، ہمراز بن گیا تھا اور سب سے بڑی بات تھی، وہ کسی طرح بھی مجبور نہیں تھا کہ میرا ساتھ دیتا اور اس خطرناک لوگوں کا سامنا کرتا۔ اس کے باوجود اس نے کسی مرحلے پر کمزوری یا پیٹھ نہیں دکھائی تھی، ایک بار ہم یقینی موت کے منہ سے نکال لایا تھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟'' ناصر نے ہارن بجایا تو میں چونکا تھا۔

''کچھ نہیں یار!'' میں نیچے اترا۔ ہارن کی آواز پر سونیا بھی باہر آ گئی تھی۔ اس نے کپڑے بدل لئے تھے اور شلوار سوٹ کے ساتھ گلابی رنگ کا سوئٹر پہن رکھا تھا۔

''سونیا ہم کچھ دیر کے لئے آگے جا رہے ہیں، اگر دیر ہو تو پریشان مت ہونا۔''

''کہاں جا رہے ہیں شہباز بھائی؟''

میں نے اسے پری محل اور وہاں مرشد علی کی آمد کے بارے میں بتایا۔ مجھے خفت ہوئی تھی اس لئے ناصر نے وہاں ہونے والے دھندوں کے بارے میں اشارتاً بتایا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ ''یہ سارا کھلا علاقہ ہے آپ کی نظر میں آ سکتے ہیں۔''

''ہم دور سے نگرانی کریں گے اور خاص طور سے پری محل کے پاس بھی نہیں جائیں گے۔'' ناصر حلفیہ بیان دینے کے انداز میں کہا۔

''میری بلا سے تم کہیں بھی جاؤ۔ میں شہباز بھائی کے لئے فکرمند ہوں۔'' سونیا بولی۔

''یعنی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے؟'' ناصر نے افسردگی سے کہا اور واپس جا کر جیپ میں بیٹھ گیا۔

''سونیا! تمہیں اس طرح نہیں کہنا چاہئے۔''

''سوری بھائی!'' سونیا پشیمان ہو گئی تھی۔ ''نہ جانے کیوں مجھے اس پر غصہ آ جاتا ہے اور میں ضبط کے باوجود بول جاتی ہوں۔''

''ممکن ہے وہ تمہیں اچھا نہیں لگتا ہو لیکن وہ مخلص شخص ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں، میں نے کبھی اس پر شک نہیں کیا ہے۔''

''اس وقت تم نے اس کے ساتھ بہت ہی زیادتی کر دی ہے۔''

''میں اس سے سوری کہہ لیتی ہوں۔'' سونیا جیپ کی طرف بڑھی اور میں اندر آ گیا۔ میں نے کچن میں کافی کا پانی رکھا، جب تک پانی کھولتا سونیا غصے سے اندر آئی تھی۔ اس نے چند برتن پٹخے۔

''خیریت، کیا اس نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے؟''

''جی نہیں۔ وہ موبائل پر کسی لڑکی سے بات کر رہا تھا، اس نے میری بات سنی ہی نہیں۔''

''موبائل پر۔'' میں ہنسا۔ ''اس کے موبائل پر یہاں سگنل ہی نہیں آتے۔''

''دیکھا۔'' سونیا اچھل پڑی۔ ''وہ کس طرح بدلہ لے رہا ہے، چھچھورا شخص!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا غصہ تھوک دو۔تم نے زیادتی کی،اس نے بدلہ لے لیا،بات برابر ہوگئی۔''

''جی نہیں،میں اسے معاف نہیں کروں گی۔''اس نے تلملا کر کہا۔

''اوکے،کافی پیو گی؟''

اس نے انکار کیا تو میں نے اپنے اور ناصر کے لئے کافی نکالی۔وہ جیپ میں بیٹھا اپنی دراز زلفوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔میں نے اسے مگ تھمایا۔''باز آجاؤ.....کیوں اپنی ہڈیوں کی سکائی کرانا چاہتے ہو۔''

''ہم بھی صحافی ہیں۔دیکھ کر چوٹ لگاتے ہیں۔''اس نے سگریٹ کا کش لیا۔

''ناصر،مجھے سونیا سے ڈر لگتا ہے۔وہ ایک بار اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کر چکی ہے۔''

''میں اسے زندگی کی طرف لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔مجھ پر اعتبار کرو!میں کھیل نہیں رہا ہوں۔''

''میں جانتا ہوں ورنہ خود تجھے اب تک سیدھا کر چکا ہوتا۔''

کافی پی کر مگ دینے ناصر گیا تھا اور واپسی پر خوش خوش آیا۔''صلح ہوگئی ہے۔رات کے کھانے کی دعوت بھی ملی ہے۔''

''اتنی جلدی!''میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''بس یار،اپنی بات ہے۔''اس نے جیکٹ کے کالر کھڑے کئے،اس میں فخر سے زیادہ سردی کا دخل تھا۔

مجھے ایک خیال آیا۔میں نے ناصر سے رکنے کو کہا اور اندر گیا۔''سونیا!کوئی دوربین ہے؟''

''بالکل ہے بھائی!''اس نے ایپرن سے ہاتھ صاف کئے اور میرے ساتھ اپنے بیڈروم میں آئی۔اس نے الماری سے ایک چھوٹا سا باکس نکالا اور اس میں سے چوگور ساخت کی جدید ترین دوربین نکالی۔''اس میں نائٹ وژن بھی ہے اور بارہ سو میٹر کے فاصلے پر کھڑے انسان کو واضح دیکھا جا سکتا ہے۔جدید ترین نائٹ امیجر ہے۔''

وہ مجھے دوربین کا استعمال سکھانے لگی۔جدید ہونے کے باوجود اس کا سسٹم بے حد سادہ تھا۔میں آسانی سے سمجھ گیا۔

☆======☆======☆

دوربین کو اس کے کیس میں رکھ کر باہر آیا۔ناصر ڈرائیونگ کر رہا تھا جبکہ میں نے موبائل چیکر میں وہ سم لگائی جو اس علاقے میں کام کر رہی تھی اور اس سے بلاوجہ جامی شاہ،مرشد علی اور شاہ نواز کے موبائل پر کالز کیں تاکہ ان کی فریکوئنسیاں چیکر میں آجائیں،مجھے خدشہ تھا کہ سم بدلنے سے کہیں فریکوئنسیاں نہ کھو جائیں۔اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔فوراً ہی شاہ نواز کی کال آئی۔وہ کسی منور نامی شخص سے بات کر رہا تھا اور اس سے بیس لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہا تھا۔منور ٹال مٹول کر رہا تھا۔''شاہ نواز!ابھی میرے پاس گنجائش نہیں ہے،میں چند مہینے بعد دوں گا۔''

''یہ میں ایک سال سے سن رہا ہوں اور مجھے بے خبر مت سمجھنا۔ابھی تم نے اس فلمی اداکارہ کو تیس لاکھ کی کوٹھی لے کر دی ہے۔''

منور کو سانپ سونگھ گیا تھا۔اس نے خاصی دیر کے بعد کہا۔''تمہیں کس نے بتایا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہ نواز نے قہقہہ لگایا تھا۔ ''میرا نام شاہ نواز ہے۔ کل میرے بندے آئیں گے۔ بیس لاکھ کا بندوبست کر کے رکھنا اور شکر کرو، میں نے ایک سال کا سود نہیں مانگا۔''

میں نے منور نامی آدمی کا نمبر بھی محفوظ کر لیا اور اسے کال کر کے بات کئے بغیر لائن کاٹ دی۔ اس کی موبائل فریکوئنسی بھی میرے پاس آ گئی تھی۔ اس میں ایک درجن فریکوئنسیاں محفوظ کرنے اور ان کو چیک کرنے کی گنجائش تھی۔ ہم دس منٹ میں مطلوبہ حویلی کے پاس تھے۔ یہ سڑک سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھی اور خاصے بڑے رقبے پر پھیلی تھی، اس کے اردگرد ناحدِ نگاہ کھیت تھے۔ البتہ دوسری طرف جھاڑ جھنکاڑ پر مشتمل جنگل تھا جسے پنجابی میں جھنگر بھی کہتے ہیں۔ ناصر نے جیپ روکی نہیں اس کے بجائے اس نے خاصے آگے جا کر جیپ کچے میں اتار لی اور جھنگر کی طرف لانے لگا۔ اس نے ایک جگہ چند درختوں کے درمیان جیپ اس طرح روکی کہ اس کا سڑک سے نظر آنا ناممکن تھا۔ ''جاسوسی کے لئے اچھی جگہ ہے، ہم کسی کو نظر نہیں آئیں گے۔''

''یہاں سے حویلی بھی نظر نہیں آ رہی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''یہ درخت کس لئے ہے۔'' ناصر نے جیپ کے نزدیک موجود پیپل کے کوئی تیس چالیس فٹ اونچے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ ''جناب، دوربین لے کر اوپر چڑھ جائیں، میں نیچے پہرہ دیتا ہوں۔''

''مجھے درختوں پر چڑھنے کا تجربہ نہیں ہے۔''

''بندے کو سوائے سیڑھیوں کے اور کسی شے پر چڑھنے کا تجربہ نہیں ہے۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

مجبوراً مجھے ہی چڑھنا پڑا تھا۔ سپاٹ تلے والے جوتوں کی وجہ سے یہ کام خاصا مشکل ثابت ہوا لیکن میں کسی نہ کسی طرح تیس فٹ کی اونچائی پر جا پہنچا جہاں سے مجھے پری محل صاف نظر آ رہا تھا۔ دوربین میں نے جیکٹ کے اندر ڈال لی تھی۔ ایک عدد دو شاخے پر خود کو اچھی طرح جما کر میں نے دوربین نکالی اور اسے نارمل موڈ پر رکھتے ہوئے لینس درست کرنے لگا۔ دوربین میں ایک رینج فائینڈر بھی لگا تھا جو مطلوبہ منظر سے فاصلہ بتاتا تھا۔ اسکرین پر چار سو سینتیس کے ہندسے آ رہے تھے یعنی پری محل اس جگہ سے کوئی چار سو سینتیس میٹرز کے فاصلے پر تھا۔ لینس درست ہوتے ہی محل یوں دکھائی دینے لگا جیسے چند فٹ کے فاصلے پر ہو۔ یہ خاصی وسیع و عریض عمارت تھی۔ اس کی تین منزلیں تھیں۔ جبکہ بظاہر دو منزلہ لگتی تھی۔ اس بلندی سے عمارت واضح نظر آ رہی تھی، اس کے سامنے پختہ کار پارکنگ میں نصف درجن گاڑیاں کھڑی تھیں۔ احاطے میں تین چار مسلح افراد بھی ٹہلتے نظر آ رہے تھے۔ اچانک میری توجہ حویلی کے مین گیٹ پر رکنے والی ایک اسٹیشن ویگن کی طرف گئی۔ یہ خاصا پرانا ماڈل ہے لیکن اب بھی سڑکوں پر نظر آتا ہے۔ بڑی فیملی کے لئے خاصی موزوں گاڑی ہے۔

مجھے خیال آیا کہ شاید ویگن میں مرشد علی آیا ہے لیکن میں نے یہ خیال مسترد کر دیا، اس جیسا شخص اس گاڑی میں سفر نہیں کر سکتا تھا۔ ویگن اندر گئی اور پارکنگ کے لئے مخصوص جگہ رکی۔ اس کا سرکنے والا دروازہ کھلا تو اندر سے خاصی تعداد میں عورتیں اور لڑکیاں اتریں جنہوں نے زرق برق لباس پہن رکھے تھے۔ میں نے گننے کی ناکام کوشش کی اور وہ اتنی دیر میں اندر چلی گئی تھیں۔ ان کی تعداد دس سے کم نہیں تھی۔ ان کو دیکھ کر مجھے شاہ نواز کی گفتگو کا خیال آیا جو اس نے اپنے کسی گرگے سے کی تھی۔ اس نے ہنگامی طور پر کرائے کی لڑکیاں لانے کو کہا تھا تاکہ مرشد علی کو حاضری پوری دکھا سکے۔ اس کا مطلب تھا مرشد علی ابھی تک نہیں آیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوہ بھائی، میں بور ہو رہا ہوں۔'' نیچے سے ناصر نے فریاد کی۔

''میں کیا کر سکتا ہوں۔ نیچے والی جگہ تم نے خود منتخب کی تھی۔'' میں نے دوربین لگائے لگائے کہا۔

''پریاں نظر آ رہی ہیں؟''

''اس موسم میں..... سارے کھڑکیاں دروازے بند ہیں۔'' میں نے مطلع کیا۔

''تب تم کیا دیکھ رہے ہو؟''

''میں مرشد علی کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''انتظار کرنے کے بجائے اس سے کال کر کے کیوں معلوم نہیں کر لیتے؟''

ظاہر ہے ناصر نے محض مذاق میں کہا تھا لیکن اس سے مجھے ایک نیا خیال سوجھا۔ میں نے مرشد علی کو ایک دوسرے موبائل سے کال کی۔ یہ ناصر کا موبائل تھا۔ ''ہیلو!'' مرشد علی نے اپنے مخصوص رعونت بھرے انداز میں کہا۔ ''کون ہے؟''

''مرشد، کیا حال ہیں تمہارے؟''

''شہباز!'' وہ چونکا۔ ''اب کیا بات ہے۔ کیا تم نے میری پیشکش کے بارے.....''

''میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں نے کسی اور مقصد سے فون کیا تھا۔''

''مرشد کی کسی شے پر لعنت بھیجنے والا ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اور کسی نے ایسی گستاخی کی تو زیادہ دیر زندہ.....''

''مرشد علی، تم یہ باتیں اسے بتانا جو نہیں جانتا ہو اور تمہارے اس پیری مریدی کے چمکتے ڈھونگ سے متاثر ہو، میں تمہیں تمہارے کپڑوں بلکہ اس سے بھی اندر سے جانتا ہوں۔ مجھے پتا ہے تمہارے گورے جسم میں کتنی کالک بھری ہے۔ اس لئے صرف کام کی بات کرو۔''

''کیسی کام کی بات؟''

''مبارک ہو۔ بالآخر تم نے اس دھندے میں بھی قدم رکھ دیا جو میرے خیال سے تمہارا خاندانی پیشہ ہونا چاہئے۔''

''کیا..... کس دھندے کی بات کر رہے ہو؟'' اس کے انداز میں پریشانی آ گئی تھی۔

''دلالی کا، عورتوں کی دلالی کا..... مجھے یہ بھی معلوم ہے تم نے جامی شاہ کے آدمی کو توڑ لیا ہے۔ شاہ نواز ہے اس کا نام اور آج کل دونوں کے درمیان خونریز تصادم کی تیاری کی جا رہی ہے۔''

''اور کیا جانتے ہو تم؟'' مرشد علی کا لہجہ سپاٹ ہو گیا تھا جب کہ مجھے یقین ہے اندر سے وہ دہل گیا ہو گا؟

''وہ بھی جو تم نہیں جانتے۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''میں کیا نہیں جانتا؟''

''یہی کہ شاہ نواز تمہیں ڈبل کراس کر رہا ہے۔ وہ کسی صورت یہ دھندا تمہارے حوالے نہیں کرے گا۔ اس کی اصل کال گرلز گاہکوں کے پاس ہیں اور اس نے ان کی جگہ دو نمبر عورتیں منگوالی ہیں، غالباً تمہارے سامنے نفری پوری کر کے دکھانے کے لئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار وہ اپنے لہجے کی پریشانی نہیں چھپا سکا تھا۔ ''تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟''

''بے کار کا سوال ہے۔'' میں ہنسا۔

''اچھا یہ بتا دو کہ تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟''

''اس پر بھی خود غور کرو۔''

''اگر یہ بات درست ہے تو شاہ نواز کی لاش میرے کتے کھائیں گے۔''

''اسے تر نوالہ مت سمجھو۔ اس صوبے کے بیشتر سرکاری حکام اور سیاست دان اس کے گاہک ہیں، ان میں سے جانے کتنے اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہے ہوں گے۔ اس کی طاقت کم نہیں ہے۔ وہ جامی شاہ جیسے شخص سے ٹکرا رہا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''جامی شاہ!'' مرشد علی حقارت سے بولا۔ ''وہ گھٹیا بدمعاش!''

''جس کی خدمات تم جیسے بڑے بدمعاش حاصل کرتے ہیں۔'' میں نے قہقہہ لگایا۔ ''مرشد علی اس میں اور تم میں صرف چھوٹے بڑے کا فرق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بدمعاش بڑے ہو اور گھٹیا بھی۔''

''بکواس بند کرو۔'' وہ حلق پھاڑ کر چلایا اور کال کاٹ دی۔

ناصر کسی نہ کسی طرح ایک نچلی شاخ پر آ گیا تھا۔ ''تم کس سے چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''مرشد علی سے۔'' میں ہنسا۔ ''ابھی اور تماشا دکھاتا ہوں۔''

اس بار میں نے شاہ نواز کا نمبر ملایا۔ ''شاہ نواز، میں شہباز ملک بول رہا ہوں۔''

''تم!'' وہ چلایا اور گالیاں دینے لگا۔ ''فیروز اور ثاقب کی لاشیں ملی ہیں۔ جامی شاہ نے بتایا ہے انہیں تم نے اس کے حوالے کیا تھا۔''

''ہاں، یہ درست ہے۔ اس میں کتے کی طرح چلانے کی کیا بات ہے؟''

''فیروز ایک اعلیٰ سرکاری افسر کا بیٹا ہے۔ کل تک پولیس تمہارے اور جامی شاہ کے خلاف حرکت میں آ جائے گی۔''

''آج سے کیوں نہیں۔'' میں ہنسا۔ ''اور لگتا ہے تمہارے اس باپ نے تمہیں صحیح طریقے سے لتاڑا ہے۔ میرا اشارہ راشد فاروقی کی طرف ہے۔ بہرحال میں نے تمہیں تمہارے ایک اور باپ کے بارے میں اطلاع دینے کے لئے فون کیا ہے۔ وہ تمہارا نیا نویلا باپ مرشد علی ہے۔''

''بکو مت۔'' وہ غرایا۔

میں نے اس کی غراہٹ پر توجہ دیئے بغیر بات جاری رکھی۔ ''مرشد علی کو تم پر شک ہو گیا ہے۔ بلکہ شک کیا یقین ہو گیا ہے، تم اسے ڈبل کراس کر رہے ہو اور وہ اب جامی شاہ سے بات کر رہا ہے۔''

''بکواس کرتے ہو تم۔'' وہ پھر غرایا لیکن اس بار اس کے لہجے میں تفکر تھا۔

''اس کا مطلب سمجھ رہے ہو نا، تمہاری چھٹی، راشد فاروقی بھی مرشد علی کا آدمی ہے۔''

''آخر تم یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟'' اس بار وہ انسانوں کے لہجے میں بولا۔

''اسے بھول جاؤ، میں نے جو بتایا ہے اس کی تصدیق کر لو۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناصر نے پھر کہا۔ ''یہ تم کیا کر رہے ہو؟''

''دیکھتے رہو۔'' میں نے کہا اور اس بار جامی شاہ کا نمبر ملایا۔ وہ نمبر بند تھا، میں نے پھر اس لینڈ لائن کا نمبر ملایا جو مجھے ناصر نے فراہم کیا تھا۔ ''مجھے جامی شاہ سے بات کرنی ہے، فوراً۔''

''تم کون ہو؟''

''شہباز..... اس سے کہو فوراً لائن پر آئے ورنہ اس کا بہت زیادہ نقصان ہوگا۔''

ایک طویل خاموشی کے بعد مجھے ایک موبائل نمبر دیا گیا۔ ''اس پر رابطہ کرو۔''

میں نے نمبر ملایا۔ ''جامی شاہ تم کہاں ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''کیا بات ہے، تم بار بار کیوں مجھے تنگ کر رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں بے زاری تھی۔

''حالانکہ میں تمہارے کام آیا، تم نے ان دونوں لڑکوں کو مار دیا۔ کیا یہ کھلی جنگ کا چیلنج نہیں ہے۔''

''اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔ میں اپنے معاملات خود طے کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے جامی شاہ! تمہارے لئے میرے پاس ایک اور اطلاع ہے۔ آج رات مرشد علی اور شاہ نواز پری محل میں مل رہے ہیں۔ مرشد علی اس کاروبار کو اپنے قبضے میں لینا چاہتا ہے۔''

''اطلاع کا شکریہ اور کچھ؟''

''صرف اتنا کہ کل جب مرشد علی یہاں سے جائے گا تو تمہاری حیثیت ایک مردہ آدمی کی سی ہوگی۔''

''میں نے موبائل بند کر کے جیکٹ میں رکھا تو ناصر بولا۔ ''تم واقعی بی جمالو کا کردار ادا کر رہے ہو۔''

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔'' میں نے اپنے پرس سے فیروز کی سم نکالی۔ یہ اس کی جیب سے نکلی تھی، اسے ناصر کے موبائل میں لگا کر آن کیا اور فیروز کے باپ راشد کا نمبر نکالا۔ موبائل چیکر پر یہ نمبر ملایا۔ چند بار گھنٹی بجنے کے بعد اس نے کال ریسیو کی۔

''یس!'' اس کی آواز نزلہ زدہ تھی یا بھرائی ہوئی تھی، میں کہہ نہیں سکتا۔

''مسٹر فاروقی، مجھے افسوس ہے۔''

''ہاں..... لیکن تم کون ہو؟'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔

''اپنا ہمدرد سمجھو لو مگر افسوس کہ میں اپنا نام پتا نہیں بتا سکتا۔''

''پھر کس لئے کال کی ہے؟''

''میں چاہتا ہوں تمہارے بیٹے کا قاتل گرفتار ہو جائے اور میں جانتا ہوں وہ کہاں ملے گا۔''

''کہاں ملے گا؟'' وہ یک لخت اپنی افسری بھول کر جذباتی ہو گیا۔ ''میں اس حرام زادے کا لہو پی جاؤں گا، اس کے سارے خاندان کو نیست و نابود کر دوں گا۔''

''مسٹر فاروقی، تم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ ایک طاقتور غنڈا ہے۔ اس کی گردن تمہارے ہاتھوں کی پہنچ میں ہونے کے باوجود موٹی اور مضبوط ہے۔''

''میں..... میں اسے.....'' غصے کی شدت سے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

''آہستہ، مجھے ڈر ہے تمہیں ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے۔'' میں نے چہکار کر کہا۔ ''جامی شاہ معمولی شخص نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔''

''وہ کتا.....'' راشد فاروقی بولا اور اس نے جامی شاہ کو فحش ترین گالیاں دیں۔ ایسی گالیاں جن کا تصور ایکس گریڈ کے افسر کے منہ سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ''میں اس کے پورے خاندان کو بیچ چوراہے پر کتے کی موت ماروں گا۔''

''مسٹر فاروقی، تم غصے میں ہو اور یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

''میں اسے جہنم رسید کرنا چاہتا ہوں اور جہنم میں جائیں تمہارے طریقے۔ اس کی گولیوں سے چھلنی لاش دیکھ کر مجھے سکون ملے گا۔ فیروز میرا ایک ہی لڑکا تھا۔'' اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔

''میں تمہیں آج رات کسی وقت بتا سکوں گا کہ جامی شاہ کہاں ہے؟'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

تاریکی چھا رہی تھی اور جہاں ناصر تھا، وہاں اچھا خاصا اندھیرا ہو گیا تھا اس لئے میں اس کے تاثرات تو نہیں دیکھ سکا تھا لیکن آواز سے وہ حیران لگا تھا۔ ''شہباز، تمہارے سر میں دماغ یا.....''

''اسے چھوڑو، یہ بتاؤ کام کیسا کیا ہے؟''

''میں تو چکرا گیا ہوں۔ تم نے سازش کرنے میں اسٹار پلس کے ڈراموں کی ساس بہوؤں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ کچھ ایسا جال بُن دیا ہے کہ یہ سب اس میں کچھ نہ کچھ پھنسیں گے۔''

''سوائے مرشد علی کے۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے اور اگر اس نے شاہ نواز سے کھل کر بات کر لی تو بھانڈا پھوٹ جائے گا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، جامی شاہ اس کے خلاف کچھ کرنے کی ہمت رکھتا ہے؟''

''مرشد علی اس کے مقابلے میں بہت بڑا بدمعاش ہے۔ ایسا بدمعاش جس نے خود پر نیکی اور روحانیت کا لبادہ چڑھا رکھا ہے۔ کوئی اسے بدمعاش کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن جامی شاہ کی اس وقت جان پر بنی ہے، اس کا برسوں کا اقتدار خطرے میں ہے۔ اسے بچانے کے لئے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں جب بلی پر بن آتی ہے تو وہ کتے پر حملہ کرنے سے نہیں گریز کرتی۔''

''اس کا مطلب ہے تم مرشد علی کو کتا قرار دے رہے ہو۔''

''نہیں، انسان چاہے دشمن ہی کیوں نہ ہو، اسے جانور سے نہیں ملایا جا سکتا۔ میں نے صرف مثال دی تھی۔ میرے کہنے کا مطلب ہے جامی شاہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔''

''وہ تو جب کرے گا تب کرے گا، ابھی ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''جو کرنا تھا کر چکے ہیں، اب جھک مار رہے ہیں۔'' میں ہنسا اور اس کے پاس سے گزرتا نیچے اتر گیا تھا۔

''مجھے بھی اتارو۔'' ناصر چلایا۔

''خود آ جاؤ۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ورنہ چھلانگ لگا دو، میں کیچ کر لوں گا۔''

ناصر بھنا تا ہوا نیچے آیا۔ ''اور اگر ڈراپ ہو گیا تو؟''

''یہ تو ہے، ہم پاکستانی اتنے کیچ پکڑتے نہیں ہیں، جتنے چھوڑ دیتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آہ، تم نے کیا یاد دلا دیا۔ شاہدرہ کے کھلے میدان ہوتے تھے، مئی جون کی چلچلاتی دھوپ ہوتی تھی اور ہم ہوتے تھے۔ خاص طور سے سنڈے کے دن دیوانہ وار کرکٹ ہوتی تھی۔ کوئی لڑکا صرف اس صورت میں میدان سے جاتا تھا جب اس کے گھر سے کوئی بری خبر آتی تھی یا اس کا باپ آ جاتا تھا۔''

''مجھے کرکٹ صرف دیکھنے کی حد تک پسند ہے، خاص طور سے جب پاکستان، انڈیا کا میچ ہو تو میں اور سارا دفتر کام روک کر ٹی وی کے آگے بیٹھ جاتے تھے۔ میں تھا، منیجر طاہر تھا، ایک لڑکی نبیلہ تھی جس میں طاہر دلچسپی لیتا تھا لیکن وہ خود دفتر کے دوسرے لڑکے سلیم میں دلچسپی رکھتی تھی، چوکیدار خان تھا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''کیا دور تھا اور اب..... پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔''

''چلنے کی کرو۔ ورنہ پوچھنے والی صحیح سے پوچھے گی۔''

ناصر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور خاصی آگے جا کر گاڑی سڑک پر چڑھائی۔ دس منٹ بعد ہم واپس کوٹھی میں آ چکے تھے۔ یہاں بجلی تھی۔ پانی بورنگ سے نکالا جاتا تھا اور گیس کے لئے سلنڈر استعمال کیا جاتا تھا گویا تمام جدید شہری سہولیات تھیں۔ سعادت خان گیٹ کے پاس اپنے مختصر سے کمرے میں انگیٹھی جلائے بیٹھا تھا۔ کھلا علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں سردی کی شدت زیادہ ہی محسوس کی جا رہی تھی۔ سونیا کچن میں تھی اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ ''آپ نے دیر کر دی، مجھے فکر ہونے لگی تھی۔''

''ہاں دیر تو ہوئی ہے لیکن آج کام بھی زبردست ہوا ہے۔''

''اچھا کیا کام ہوا ہے؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''یہ میں کھانے کے بعد بتاؤں گا۔'' میں نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، دس منٹ میں کھانا میز پر ہوگا۔''

میں منہ ہاتھ دھو کر آیا تو ناصر کچن میں سونیا کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ سونیا سلاد کاٹ رہی تھی۔ ہم نے کھانا کچن میں کھانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں بھی ایک چھوٹی سی میز تھی۔ سونیا نے دو عدد مسلم رانیں روسٹ کی تھیں۔ جب ان کو مائیکرو ویو سے نکالا تو ان سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ ساتھ میں سلاد، ٹماٹر، پیاز اور کھیرے کے کٹے ٹکڑے تھے۔ یہ مغربی انداز کا ڈنر تھا۔ رانیں ایک ٹرے میں سجا کر رکھی تھیں۔ ہم چھریوں سے ٹکڑے کاٹ کر اپنی پلیٹوں میں رکھتے اور چھری کانٹے سے ان کو کھانے لگے۔ سونیا نے واقعی لاجواب روسٹ بنایا تھا۔ ناصر نے کھاتے ہوئے کہا۔ ''مزہ آ گیا خاتون!''

''روسٹ بہترین ہے۔'' میں نے تائید کی۔

''سچ!'' سونیا خوش ہو گئی تھی۔ ''سچ سچ اچھا ہے یا آپ دونوں دل رکھنے کے لئے میری تعریف کر رہے ہیں؟''

''میں پیٹ کے معاملے میں کبھی جھوٹی تعریف نہیں کرتا۔'' ناصر نے جواب دیا۔

''اور میری تعریف کی سچائی کا اندازہ تم آخر میں خالی ڈش سے کر سکتی ہو۔''

واقعی، آخر میں صرف ران کی ہڈیاں باقی بچی تھیں۔ کھانا کھا کر میں کمرے میں آیا۔ منہ ہاتھ دھو کر میں نے کپڑے بدلنے کا سوچا تب مجھے خیال آیا۔ یہاں میرا کوئی لباس نہیں تھا۔ میں نے سونیا سے کہا، وہ بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ وسیم بھائی کے کپڑے پہن لیں۔ ان کا اور آپ کا ناپ تقریباً ایک ہے۔''

میں نے الماری دیکھی، اس میں وسیم کے بے شمار سوٹ تھے۔ شلوار قمیص، پینٹ شرٹس، مکمل سفاری سوٹ اور اسپورٹس سوٹ، وغیرہ وغیرہ۔ ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ وسیم کا لباس کے معاملے ذوق اعلیٰ تھا۔ کپڑے دیکھ کر اس کا خیال آیا تو میں سرد آہ بھر کر رہ گیا۔ آدمی دنیا سے گزر جاتا ہے لیکن اس کی چیزیں یہیں رہ جاتی ہیں۔ میں نے موسم اور مہم کی مناسبت سے ایک سیاہ اونی ٹراؤزر اور نیوی بلیو جرسی لی تھی، اوپر پہننے کے لئے میری سیاہ چرمی جیکٹ تھی۔ الماری کے نچلے حصے میں جوتوں کی مکمل رینج تھی۔ میں نے ایک کریپ سول والا جاگر منتخب کیا۔ جو کسی قدر کھلا تھا لیکن موٹا سوتی موزہ لینے کے بعد جو گر میرے پیروں میں فٹ ہو گیا تھا۔ الماری سے باریک سوتی اور ریشم کے دستانے بھی ملے تھے۔ میں نے سوتی دستانے لے لئے اس سے میرے بائیں کمزور ہاتھ کو سپورٹ بھی ملتی۔ میں تیار ہو کر باہر آیا تو سونیا اور ناصر چونکے تھے۔ ناصر نے کہا۔ ''کہاں کی تیاری ہے؟''

''پری محل کی۔'' میں نے دستانے اتار کر جیب میں رکھ لئے۔

''پری محل!'' سونیا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں نے سونیا کو تفصیل سے بتایا، اس دوران میں اس نے برتن دھوئے، چائے بنائی اور ہم نے پی لی۔ آخر میں اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔''

''میں حملہ کرنے نہیں جا رہا، میں صرف جائزہ لوں گا۔''

''شہباز بھائی! آپ اکیلے ہیں، کسی مصیبت میں پھنس گئے تو.....''

''مصیبت گھر بیٹھے بھی آ جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور مجھے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے باہر نکلنا ہے۔''

''یار عبداللہ اور اس کے آدمیوں کو نہ بلوا لیں؟'' ناصر نے تجویز پیش کی۔

''میں راجا یا اس کے کسی آدمی کو اس میں شامل نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا خیال ہے مجھے مقامی معاملات میں پڑنے کے بجائے سرحد پار چلے جانا چاہئے۔''

''درست کہا ہے اس نے۔'' ناصر بولا۔ ''تم بلاوجہ اس معاملے میں الجھ رہے ہو۔''

''بلاوجہ!'' میں نے برہمی سے کہا۔ ''وہ سب میرے خون کے پیاسے ہیں، موقع ملے تو ایک منٹ نہ پہلے مجھے اور میرے ساتھیوں کو مار دیں۔ میں ان کے خلاف کچھ نہ کروں تو حماقت ہو گی۔ میں اپنے دشمنوں کو کھلی چھوٹ کیوں دوں؟''

''خفا مت ہو بھائی! سوال یہ ہے کہ عملی طور پر تم کیا کر سکو گے۔''

''اس عمارت پر حملہ یا اس میں گھسنا بہت مشکل ہے۔'' سونیا بولی۔

''میرا اس میں گھسنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے۔ عمارت کے چاروں طرف دس فٹ اونچی چار دیواری ہے اور اس پر خاردار تار ہے۔ ممکن ہے اس میں کرنٹ بھی دوڑ رہا ہو۔''

''پھر تو کس لئے جا رہا ہے؟''

''یار! ابھی شام کو ہم کس لئے گئے تھے۔ ہمیں کتنی بیش قیمت معلومات ملی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ تو گھر بیٹھے بھی مل سکتی تھیں۔''

''تم لوگ نہیں سمجھو گے۔ ممکن ہے کوئی ایسی بات پتا چلے جو میرے لئے کارآمد اور میرے دشمنوں کے لئے نقصان دہ ہو۔'' میں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اوکے، پھر ہم بھی چلیں گے۔'' سونیا بولی۔

''ہم!'' ناصر نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''سونیا بی بی! اس سردی کے عالم میں میرا باہر جانے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''تم مت جاؤ، لیکن میں شہباز بھائی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔'' سونیا تنک کر بولی۔

''نہیں، تم دونوں میں سے کوئی میرے ساتھ نہیں جائے گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ناصر تم مجھے پری محل سے کچھ فاصلے پر اتار کر واپس آؤ گے اور میری کال کا انتظار کرو گے۔''

''میرا موبائل تمہارے پاس ہے۔'' اس نے یاد دلایا۔

میں نے اس کا موبائل اسے دیا اور اپنے پاس موبائل چیکر رکھا تھا۔ کیونکہ اس پر کال نہیں آتی تھی اس لئے بل بھنے کا مسئلہ بھی نہیں تھا۔ ''اگر ہمیں کسی وجہ سے تم سے رابطہ کرنا پڑا تو.....؟'' ناصر بولا۔

''مجبوری ہے اس کمپنی کی کی دو ہی سمز ہیں، ایک تمہارے پاس ہے دوسری میرے پاس ہے۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''تم فکر مت کرو، میں کال کرتا رہوں گا۔''

ہم باہر آئے تو سعادت خان اتنی رات گئے ہمارے باہر جانے پر کچھ حیران نظر آیا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ چپ چاپ گیٹ کھول دیا۔ میں نے اسلحہ خانہ سے ایک عدد سیون ایم ایم رائفل نکال لی تھی۔ مار اور نشانے کی درستگی کے لحاظ سے یہ بے مثال رائفل تھی اور تقریباً ہزار گز تک مار کرتی ہے۔ دو عدد پستول میرے پاس تھے۔ ''میں بھی تمہارے پاس رکوں گا۔'' ناصر نے کہا۔

''نہیں، تمہیں صرف زبان اور قلم چلانا آتا ہے۔ اس لئے تمہارا ساتھ ہونا بے کار ہے۔ اکیلے میں خود کو زیادہ بہتر طریقے سے چھپا سکوں گا۔''

بادل ناخواستہ اس نے سر ہلایا۔ ''اگر تم نے ایک گھنٹے تک کال نہیں کی تو میں چلا آؤں گا۔''

''جیسے ہی پری محل کی روشنیاں نمودار ہوئیں میں نے ناصر سے جیپ روکنے کو کہا اور نیچے اتر کر بولا۔ ''اب تم آرام سے جاؤ اور خبردار، بغیر بلائے مت آنا۔ سونیا کو بھی سمجھا دینا اور اگر میں نہ آؤں تو سونیا کو لے کر فوری طور پر واپس راجا عمر دراز کے پاس چلے جانا۔''

''تمہارے ارادے مشکوک لگ رہے ہیں۔'' ناصر نے کہا۔

''میرے ارادے نیک ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''لیکن آگے تقدیر نے کیا لکھا ہے۔ بہرحال میں بیل کو قطعی آفر نہیں کروں گا۔''

ناصر واپس چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا اس نے میری بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں درختوں اور نیچی جھاڑیوں کے اس جھنڈ کی طرف جانے لگا، جہاں شام کے وقت میں نے ایک درخت سے پری محل کا نظارہ کیا تھا۔ میری پشت پر ایک بیگ بندھا تھا جس میں دوربین، اسلحے کے اضافی میگزین اور بعض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضروری اشیاء تھیں۔ ان میں دو عدد ٹارچیں بھی تھیں۔ میں نے ایک ٹارچ نکال کر اسے محدود روشنی والے موڈ پر کیا اور اس کی مدد سے راستہ تلاش کرنے لگا۔ آج رات دھند نہیں تھی لیکن کہر اگر رہا تھا اور اس کی وجہ سے دور کے منظر ذرا دھندلا رہے تھے۔ اگر کوئی پری محل سے اس طرف دیکھ رہا تھا تو مجھے امید تھی کہ اسے ٹارچ کی محدود روشنی نظر نہیں آئے گی۔ سردی کی شدت میں شام کے مقابلے میں اضافہ ہوا تھا لیکن میں سر سے پاؤں تک گرم چیزوں میں ملفوف تھا۔ سر پر میں نے سیاہ رنگ کی اونی ٹوپی پہن رکھی تھی جسے وقت پڑنے پر کھینچ کر نقاب کی طرح چہرے پر کیا جا سکتا تھا۔ اس میں آنکھوں کی جگہ سوراخ تھے۔ ابھی تک موبائل چیکر نے کوئی اور کال نہیں پکڑی تھی حالانکہ شام سے اب تک پانچ گھنٹے گزر چکے تھے۔ میں نے اسے چیک کیا، وہ درست طور پر کام کر رہا تھا۔ مزید اطمینان کے لئے میں نے ناصر کو ایک کال بھی کر لی۔

''میں واپس آ گیا ہوں۔''

''اور میں اس درخت کے پاس ہوں جہاں شام ہم چڑھے تھے۔ اب بھی اسی پر آشیانہ ہوگا۔'' میں نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر کال کاٹ دی۔ دن کی روشنی کے مقابلے میں رات کے وقت درخت پر چڑھنا دشوار بھی تھا اور پُرخطر بھی۔ نہ جانے کس شاخ پر سانپ یا اسی قبیل کا کوئی کیڑا بیٹھا ہوا اور موقع پاتے ہی مجھے ڈس لے۔ مگر اوپر تو جانا تھا۔ اس پورے جھنڈ میں یہی درخت سب سے اونچا اور مضبوط لکڑی کا تھا۔ میں شام کے وقت بھی آرام سے اس کی شاخوں پر براجمان رہا تھا۔ جیسے جیسے میں اوپر دو شاخے تک پہنچا اور اس دوران میں کسی سانپ نے مجھے نہیں کاٹا سوائے چند چیونٹیوں کے۔ جن پر غلطی سے میرا ہاتھ پڑ گیا تھا۔ اوپر میں نے ٹارچ سے اچھی طرح معائنہ کیا۔ میرا مسکن محفوظ تھا البتہ چند پرندوں نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ میں نے ان کے خواب شیریں میں خلل ڈالا تھا۔ بہرحال جب میں نے ٹارچ بجھائی تو وہ بھی اپنے بیڈ روم میں لوٹ گئے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان میں کوئی کوا نہیں تھا ورنہ اس نے ابھی اپنی برادری کو جمع کر لینا تھا۔

بیگ سے دوربین نکالی، رائفل اور بیگ دونوں ایک شاخ سے لٹکا دیئے تھے۔ فاصلے سے پری محل رات کی تاریکی میں یوں لگ رہا تھا جیسے روشنیوں کا محل ہو۔ میں نے دوربین سے معائنہ کیا۔ سخت سردی کے باوجود احاطے میں مجھے نصف درجن کے قریب مسلح افراد سامنے اور عمارت کے دائیں بائیں ٹہلتے نظر آئے تھے۔ پارکنگ کے لئے مخصوص جگہ پر اب چودہ پندرہ گاڑیاں کھڑی تھیں اور ان میں ایک مرسیڈیز تھی جبکہ اس کے دائیں بائیں دو عدد ڈبل کیبن ٹویوٹا ہائی اکس کھڑی تھیں۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ کیا مرشد علی آ گیا تھا؟ اس کی تصدیق میں موبائل کی مدد سے کر سکتا تھا لیکن میں نے مرشد علی کے بجائے شاہ نواز کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی۔

''کون ہے؟''

''تمہارا ہمدرد!''

''شہباز!'' وہ بولا۔ ''تم نے مجھے بے وقوف بنایا۔''

''تمہیں بچانے کی کوشش کی تھی لیکن اب تو مرشد علی تمہارے پاس ہے اور شاید اس نے تمہیں مطمئن کر دیا ہے۔''

''اس نے مجھے حقیقت بتا دی ہے۔ اس کا کاروبار پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ صرف میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"پارٹنر؟" میں طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "مرشد جیسے لوگ پارٹنر شپ کے قائل نہیں ہوتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کے بعد تم نوکر بھی نہیں رہو گے مارے جاؤ گے یا غائب کر دیئے جاؤ گے۔"

"بکتے ہو۔" وہ بولا۔ اسی لمحے اس کے نزدیک سے کسی مخمور عورت کی ہنسی کی آواز آئی اور اس نے نشے میں لڑکھڑاتی آواز میں شاہ نواز سے ایک ایسی فرمائش کی کہ جسے سن کر مجھے اس سردی کے موسم میں اور کھلی فضا میں بھی پسینہ آ گیا تھا۔

"دفع ہو....." جواب میں شاہ نواز نے اسے اتنی ہی فحش گالی دی تھی پھر مجھ سے بولا۔ "شہباز، تم بلاوجہ مرشد علی سے لڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں تمہیں اس سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے نقصان مرشد علی نے پہنچایا ہے یا جامی شاہ نے۔"

"اب مجھے فون مت کرنا۔" وہ بولا۔ "ویسے تم کون سا نمبر استعمال کرتے ہو، جو اسکرین پر نہیں آتا؟"

میں آہستہ سے ہنسا اور رابطہ کاٹ دیا۔ میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے جامی شاہ کا نمبر ملایا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ "جامی شاہ، میں شہباز بات کر رہا ہوں۔"

"بولو۔" اس نے مختصراً کہا۔

"مرشد علی اور شاہ نواز اس وقت پری محل میں ہیں۔ کل کے دن کو تم اپنے اقتدار کا آخری دن بھی سمجھ سکتے ہو۔"

"وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔" جامی شاہ سلطان راہی مرحوم کے اسٹائل میں دہاڑا۔

"اچھا!" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "غالباً تم عملی طور پر کچھ کرنے کے بجائے اس طرح دھاڑ کر بچ جاؤ گے مگر مٹی کے شیر، شکاری ایک ہی گولی میں تمہیں ٹھنڈا کر دیں گے۔ اس لئے دہاڑنے سے کام نہیں چلے گا عملی طور پر کچھ کرو۔" میں نے کہتے ہوئے کال کاٹ دی۔

چند لمحے بعد موبائل پر دارنگ ٹون سنائی دی اور جامی شاہ کا نمبر آنے لگا۔ میں نے گفتگو سننے والا بٹن دبایا۔ "اوئے سب کو بلا لے۔" جامی شاہ مخصوص انداز میں کہہ رہا تھا۔ "سب کو فل لوڈڈ ہونا چاہئے۔ راکٹ اور دستی بم بھی رکھ لینا۔"

"استاد، خیریت ہے؟"

"اوئے ماں کے....." جامی شاہ اس وقت پنجابی فلمی موڈ میں تھا اور اتنی اونچی آواز میں بول رہا تھا کہ اس کی آواز بغیر موبائل کے بھی اس کے گرگے تک جا رہی تھی۔ میں نے بغلیں بجائیں۔ بظاہر لگ رہا تھا کہ جامی شاہ نے مرشد علی اور شاہ نواز کی ایسی کم تیسی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اگلے دس منٹ میں اس نے مزید دو افراد کو کال کی اور ان کو لاؤ لشکر کے ساتھ آنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد میں دوربین سے پری محل کا جائزہ لینے لگا۔ خاص طور سے میں حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے میں حویلی کا اس طرف والا سارا حصہ اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ تقریباً تمام ہی کھڑکیاں بند تھیں اور ان پر دبیز پردے تھے۔ ظاہر ہے وہاں جس قسم کی سرگرمیاں ہوتی ہیں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے ایسے دیزی ہی پردے مناسب تھے۔عمارت کے سامنے والے حصے میں مرکزی داخلی دروازے کے ساتھ دائیں اور بائیں دو عدد دروازے تھے۔ چار دیواری پر خاردار تار تھی۔مرکزی گیٹ پر دو گارڈز تھے اور اندر احاطے میں چار گارڈز تھے جبکہ دو گارڈز عمارت کی چھت پر تھے۔ میرا خیال تھا کہ کم سے کم ایک اور گارڈ ضرور ہوگا۔یعنی کل ملا کر نو افراد باہر تھے اور اتنے ہی بلکہ اس سے زیادہ مسلح افراد کی اندر موجودگی عین ممکن تھی۔یعنی بیس سے لے کر پچیس مسلح افراد کی موجودگی عین ممکن تھی۔اس کے علاوہ ہر قسم کے اسلحے کی موجودگی بھی ممکن تھی جسے ایک آدمی چلا سکے۔

اگر جامی شاہ کا ارادہ اس طرف آنے کا تھا تو اسے اب تک اپنے لاؤلشکر کے ساتھ کوچ کر لینا چاہئے تھا۔ میں نے اس کا نمبر ملایا جو مصروف تھا۔اس کے بعد میں پندرہ منٹ کوشش کرتا رہا۔اس دوران میں، میں نے ایک بار ناصر کو کال کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دی۔آخر پندرہ منٹ بعد مجھے جامی شاہ سے بات کرنے کا موقع ملا۔''اب کیا ہے؟'' اس نے غرا کر کہا۔

''جامی شاہ، اگر تم نے پری محل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اپنے آدمیوں کو تیار کر لو۔اندر کم سے کم تیس مسلح افراد موجود ہیں۔ان میں سے دس باہر ہیں۔''

''اطلاع کا شکریہ، ویسے تم سے کس نے کہا کہ میں پری محل جانا چاہ رہا ہوں؟''

''بس، مجھے خیال آیا تھا۔'' میں نے کہا۔''جامی شاہ! میرا مشورہ ہے جو کام کرنا مکمل طور پر کرنا، آدھا ادھورا کام خود تمہارے گلے پڑ جائے گا۔''

''مشورے کا بھی شکریہ!'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا تھا اور رابطہ ختم کر دیا۔میں مسکرایا، جامی شاہ سے گفتگو کے دوران گاڑی کے انجن کی آواز مسلسل آ رہی تھی یعنی وہ سفر میں تھا۔میں نے وقت گزاری کے لئے ایک چیونگم منہ میں ڈالی۔سردی نے منہ سن کر دیا تھا۔میں اس کی ورزش کرنا چاہتا تھا ساتھ ہی پری محل کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔جیسے جیسے رات گزر رہی تھی، اندر جلنے والی روشنیوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔میں نے مرشد علی سے رابطہ کیا۔اس بار وہ اسکرین پر نمبر نہ دیکھ کر سمجھ گیا تھا۔

''کیا بات ہے، اس وقت کیوں کال کی ہے؟'' اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ مخمور ہے۔

''مرشد علی میں نے تمہاری تجویز پر غور کیا تھا اور اس پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ سفیر اور مونا شادی کر کے اس ملک سے جا چکے ہیں۔'' میں نے صاف جھوٹ بولا۔

''وہ کہیں بھی چلے جائیں میری پہنچ سے دور نہیں جا سکتے۔'' اس نے سکون سے کہا۔

''بہر حال، اب صلح اور جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی اور تجویز ہے تو وہ پیش کرو۔''

''شہباز ملک، مجھے تم سے صلح کرنے یا فساد کو ختم کرنے کی کوئی مجبوری نہیں ہے، یہ تو میری مہربانی تھی جو میں نے ایک تجویز پیش کی۔اگر تم اسی طرح در بدر مارے مارے پھرنا چاہتے ہو تو مجھے تو پروا نہیں ہے، کبھی نہ کبھی تم میرے ہاتھ آؤ گے اور اس وقت پچھتاؤ گے۔''

''مرشد علی میں پہلے بھی کئی بار تمہارے ہاتھ آ چکا ہوں تب تم نے میرا کیا بگاڑا تھا۔بات یہ ہے کہ قدرت کے آگے تم بھی اتنے ہی بے بس ہو جتنا کہ میں۔اور میں بھی صرف اپنی شرافت سے مجبور ہوں ورنہ میں تمہاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا، اگر آؤں تو جلد تمہیں سوائے قبر کے کہیں پناہ نہ ملے۔ اسے بھی مہربانی سمجھنا۔"

وہ زور سے ہنسا تھا۔ "بہت لاف گزاف کر رہے ہو تم..... بہرحال وقت آنے پر پتا چل جائے گا۔"

بلندی سے شہر کی جانب سے تیز روشنیاں حرکت کرتی محسوس ہوئی تھیں۔ "مرشد علی میرا خیال ہے وہ ا قریب آ گیا ہے۔"

میں نے موبائل آف کر دیا اور دوربین سنبھال لی۔ فوکس کرنے پر مجھے کم سے کم نصف درجن بڑی گاڑیوں کا ایک قافلہ نظر آیا تھا جو بڑی تیز رفتاری سے اس طرف آ رہا تھا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ایک منٹ کے اندر وہ بالکل پاس آ چکا تھا۔ پری محل کی طرف جانے والے راستے پر گھوم کر گاڑیاں یکے بعد دیگرے اس طرف بڑھیں۔ سب سے آگے والی گاڑی گیٹ سے کوئی بیس پچیس گز کے فاصلے پر رکی۔ خطرہ محسوس کر کے گارڈز نے رائفلیں تان لی تھیں۔ اسی لمحے گاڑی کا سن روف کھلا اور اس میں سے ایک شخص راکٹ لانچر لہراتا نمودار ہوا۔ راکٹ لانچر دیکھتے ہی گارڈز دہشت زدہ ہو کر بھاگے مگر ان کو گیٹ میں گھسنے کا موقع نہیں ملا راکٹ آ کر گیٹ سے ٹکرایا اور گیٹ کے ساتھ دونوں گارڈز کے پرخچے بھی اُڑ گئے تھے۔ دھماکا اتنا شدید تھا کہ میں ارتعاش پر ہل گیا تھا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آنے والے اتنے جارحانہ انداز میں آئیں گے۔ گیٹ کے تباہ ہوتے ہی راکٹ لانچر والی گاڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی، اس کے پیچھے یکے بعد دیگرے باقی پانچ گاڑیاں بھی اندر گئیں اور وہ جاتے ہی ان سے شدید فائرنگ شروع ہو گئی تھی، ایسا لگ رہا تھا وہ پری محل میں موجود کسی بھی فرد کو زندہ نہ چھوڑنے کا تہیہ کر کے آئے تھے۔ اندر موجود محافظوں نے بھاگنے اور واجبی سے مقابلے کی کوشش کی مگر وہ دونوں میں ناکام رہے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے سامنے والے حصے میں موجود چاروں محافظ بھی مارے گئے۔ مسلسل اور شدید فائرنگ کا اصل نشانہ عمارت کی کھڑکیاں اور دروازے تھے۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں وہ چھلنی ہو کر رہ گئے تھے۔ پٹوں میں سوراخ ہی سوراخ ہو گئے تھے۔ دیواریں داغ داغ تھیں اور کھڑکیوں کے شیشے کرچی کرچی ہو گئے تھے۔ اندر موجود افراد کا جانے کا کیا حشر ہوا تھا۔

اور عین اسی لمحے جب چھ گاڑیوں میں سوار تقریباً پینتیس سے چالیس افراد اندر جانے کے لئے پیش قدمی کر رہے تھے، مجھے عمارت کی چھت پر نقل و حرکت کا احساس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یک لخت عمارت کی تمام بتیاں بجھ گئیں اور احاطے کی دیواروں پر نصب تیز روشنیاں جل اٹھیں حالانکہ اس سے پہلے صرف معمولی بتیاں جل رہی تھیں لیکن یہ اسپاٹ لائٹس کی طرح تیز اور چکاچوند کرنے والی روشنیاں پھینک رہی تھیں۔ حملہ آور پہنچ چکے تھے۔ اس سے پہلے وہ کوئی حرکت کرتے، چھت پر موجود افراد نے نیچے کچھ ڈبے نما چیزیں اچھالنا شروع کر دیں۔ وہ احاطے میں ہر طرف ان کو پھینک رہے تھے۔ میں نے ایک گرنے والی شے پر دوربین فوکس کی، اس سے ہلکی سی سنسناتی دھواں نما کوئی شے خارج ہو رہی تھی مگر یہ دھواں پھیل نہیں رہا تھا بلکہ فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔ میں نے اس ڈبے کے قریب ایک بھاری بھرکم لمبے بالوں اور گھنی داڑھی والے شخص کو ناک دبا کر پیچھے ہٹتے دیکھا تھا۔ ڈبے سے کوئی گیس خارج ہو رہی تھی۔

اس لمحے جب دو درجن سے زیادہ گیس والے گرینیڈ احاطے میں گر کر فضا کو آلودہ کر رہے تھے اور اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے والے سانس لینے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے، عمارت کی اوپری منزل کی کھڑکیوں سے مشین گنوں کی نالیں برآمد ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آنے والوں پر موت برسنے لگی تھی۔ جوابی فائرنگ بھی اتنی ہی شدید تھی جتنی کہ حملہ آوروں نے کی تھی مگر ان کا نشانہ کل چھ سات افراد بنے تھے اور اب آنے والے تین درجن سے زیادہ افراد برستی گولیوں میں پناہ لینے کے لئے گاڑیوں میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر ایل ایم جی کے مقابلے میں یہ گاڑیاں بھی ان کو پناہ دینے سے قاصر تھیں۔ جو گولی ٹھوس کنکریٹ کی ایک فٹ موٹی دیوار میں سوراخ کر کے گزر جاتی ہے، اس کے لئے چند ملی میٹر موٹی فولاد کی چادر کیا حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا گولیاں چھتوں اور باڈی میں سوراخ کرتی گاڑی کے اندر موجود لوگوں کو بھی چھلنی کر رہی تھیں۔ مجھے ان کی چیخیں تو نہیں سنائی دے رہی تھیں لیکن میں نے کئی افراد کو گولیاں کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ آنے والوں پر چھ ایل ایم جی موت برسا رہی تھیں۔

میرے خیالوں میں بھی نہیں تھا کہ اتنے جارحانہ حملے کا اتنا ہی جارحانہ جواب ملے گا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پری محل کے لوگ اس حملے کے لئے مکمل طور پر تیار تھے۔ انہوں نے ابتدائی حملے کو برداشت کر کے جوابی کارروائی شروع کر دی تھی۔ وہ سب کے سب اندر آ گئے تھے اور جوابی حملے کی زد میں تھے۔ چند ایک نے جواب دینے کی کوشش کی مگر گیس نے انہیں بے بس کر دیا تھا۔ وہاں چند افراد ایسے بھی زمین پر پڑے تھے جن کو بظاہر گولی نہیں لگی تھی مگر وہ گرے ہوئے تھے یہ شاید اس گیس کا اثر تھا۔ بھاری مشین گنوں کی بے پناہ فائرنگ کے مقابلے میں کہیں جائے پناہ نہ تھی، اس کے باوجود کچھ افراد پسپا ہو کر بھاگے تھے۔ مگر ان کو گیٹ سے باہر نکلنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ عقب سے مشین گن سے باڑھ ماری گئی اور وہ باہر نکلنے سے پہلے ہی ڈھیر ہو گئے تھے۔

ایک منٹ سے بھی کم عرصے میں احاطے میں گھسنے والے حملہ آور مارے جا چکے تھے یا شدید زخمی تھے یا گیس کے زیر اثر کسی قابل نہیں رہے تھے۔ میں دم بخود یہ سب دیکھ رہا تھا۔ یہ سب کیا تھا۔ پری محل والوں نے اتنا بھرپور دفاع کیسے تیار کیا تھا۔ کیا ان کو پہلے سے علم تھا کہ ان پر حملہ ہونے والا ہے تبھی انہوں نے اتنی سرعت سے خود کو منظم کیا اور آنے والوں کی ایسی کم تیسی کر دی تھی مگر ان کے علم میں یہ سب کیسے آیا۔ یہ تو میرا کام تھا۔ میرے اکسانے پر ابھی دو گھنٹے پہلے جامی شاہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے پری محل کا رخ کیا تھا۔ آخر فراز کو کیسے علم ہوا؟

اس سوال کا جواب ڈرا دینے والا تھا۔ ان لوگوں کو میرے توسط سے علم ہوا تھا جب مجھے ان کے بارے میں سب پتا ہو سکتا تھا تو وہ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر وسائل رکھتے تھے۔ میں ایک معمولی سے موبائل نما آلے کی مدد سے ان سے کھیل سکتا تو جوابی بازی کے لئے ان کے پاس کہیں بہتر آلات کی موجودگی عین ممکن تھی۔ میں خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ میں ان کو بے وقوف بنا رہا ہوں اور درحقیقت میں خود بے وقوف بن رہا تھا۔ انہوں نے مجھے استعمال کیا اور اپنے سب سے بڑے کانٹے جامی شاہ سے مع اس کے ساتھیوں کے ایک بار میں ہی نجات حاصل کر لیا اور میں نہایت کامیابی سے استعمال ہوا۔

میں نے اپنا سر جھٹکا۔ ضروری نہیں تھا، یہ سب ایسے ہی ہوا ہو۔ میں نے سوچا، حملے کی ناکامی کے اور اسباب ہو سکتے تھے۔ جاسوسی کے کھیل میں برقی آلات کی شمولیت اگرچہ بہت زیادہ ہو گئی تھی مگر اب بھی میدان میں انسان کی اہمیت برقرار تھی۔ جامی شاہ کی صفوں میں شاہ نواز اور مرشد علی کے جاسوسوں کی موجودگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی قرین قیاس تھی۔ ادھر جامی شاہ نے روانگی کا بگل بجایا اور ادھر جاسوس نے اپنے آقاؤں کے کان میں پھونک دیا کہ دشمن کا رخ کس طرف ہے اور شاہ نواز نے جامی شاہ کی آمد سے پہلے اس کے استقبال کی تیاری مکمل کر لی۔ نتیجہ میرے سامنے تھا۔

مگر اس دلیل نے مجھے خود اندر سے قائل نہیں کیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اچانک موبائل چیکر نے وارننگ ٹون دی۔ میں نے دیکھا، مرشد علی کا نمبر آ رہا تھا۔ میں نے بٹن دبایا اور مرشد علی کی آواز آئی۔ ''آپ نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی ہوا جناب عالی!''

دوسری آواز نے مجھے چونکا دیا تھا۔ وہ ڈیوڈ شا تھا جو خاصے صاف ستھرے لہجے میں اردو بول رہا تھا۔ ''گڈ! تم لوگوں نے گیم پلان پر اچھی طرح عمل کیا..... لیکن کامیابی اصل میں شہباز کی وجہ سے ملی ہے۔ شہباز ملک، میری آواز سن رہے ہو نا!''

میرے وجود میں سنسنی کی یخ بستہ لہر دوڑ گئی تھی۔ میرے بدترین خدشات درست ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ ان لوگوں نے سچ مچ مجھے استعمال کیا تھا۔ ڈیوڈ شا کہہ رہا تھا۔ ''شہباز! تم ذہین شخص ہو لیکن اتنے بھی نہیں۔ میں تم سے زیادہ ذہین ہوں اس لئے میں کامیاب رہا۔ تم نے سوچا نہیں، جو کام تم کر رہے ہو، میں تم سے بہتر طور پر کر سکتا ہوں۔''

☆======☆======☆

اچانک خطرے کے احساس نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔ میں نے موبائل چیکر جیب میں رکھا۔ بیگ اپنی پشت پر لادا اور رائفل شانے پر ٹانگ کر تیزی سے درخت سے نیچے اترنے لگا۔ ڈیوڈ شا کی بک بک جاری تھی۔ ''اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں نے یہ سب کیسے کیا۔ میں جانتا ہوں کہ اب تم کہاں ہو؟''

نیچے اترتے ہی میں سڑک کے متوازی چلنے لگا۔ فی الحال سڑک کی طرف جانا خطرناک ہو سکتا تھا۔ ڈیوڈ شا کے آخری الفاظ سنتے ہی میں نے موبائل چیکر آف کر دیا۔ یہ آلہ جس سے میں دشمن کی جاسوسی کر رہا تھا، اب وہی دشمن کو میرا پتا بتا رہا تھا۔ پھر میں جھاڑیوں کے درمیان بے تحاشا بھاگنے لگا تھا۔ ساتھ ساتھ میں خود کو سنا رہا تھا، کتنے آرام سے دشمن کے جال میں آن پھنسا تھا اور اس پر طرہ کہ خود کو تیس مار خان سمجھ رہا تھا۔ چاروں طرف بظاہر ویرانا اور ویرانی تھی لیکن اس ویرانی میں کہیں نہ کہیں کوئی چھپا تھا اور میری گھات میں تھا۔ اس کا پتا مجھے اس وقت چلا جب ایک درخت کے نیچے سے گزرتے ہوئے کوئی شے سنسناتی ہوئی آئی اور میرے گرد لپٹ گئی تھی۔ دشمن نے مصنوعی جال کے بعد سچ مچ کا جال استعمال کیا تھا اور اس نے مجھے جکڑ لیا تھا۔ میں تیز رفتاری میں تھا۔ سنبھل بھی نہیں سکا اور زمین پر گر کر کئی بار لڑھکا۔ اس دوران میں نے بے ساختہ جال سے نجات کی کوشش کی لیکن رہائی کے لئے جتنے ہاتھ پاؤں مارے، جال میں اتنا ہی الجھتا چلا گیا۔ یہ باریک ناکون کی ڈوریوں کا بنا جال تھا اور اس نے کچے دھاگوں کی طرح مجھے جکڑ لیا تھا۔ جال پھینکنے والا آس پاس تھا۔ اس نے اپنا کام مہارت سے کر لیا تھا لیکن ابھی میری گرفتاری کا مرحلہ باقی تھا۔ اس کے لئے اس کا سامنے آنا ضروری تھا۔ جال میں رائفل کا استعمال ناممکن نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں اسے کس پر استعمال کرتا۔ جال پھینکنے والا بہت چالاک تھا اس نے سامنے آنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس کے بجائے اس نے ایک گول اور لمبی سی شے پھینکی جو میرے پاس آ کر گری۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے سنسناتی آواز آ رہی تھی اور میں نے چند لمحے بعد ایک عجیب سی بو محسوس کی۔ میں نے بے ساختہ چلا کر گالی دی تھی اور اس شے سے دور جانے کی کوشش کی جو یقیناً گیس گرینیڈ تھا اور اس سے وہی مہلک گیس نکل رہی تھی جس نے ذرا دیر پہلے جامی شاہ کے آدمیوں کو بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ جال کے ڈھیر میں میری گیس گرینیڈ سے دور جانے کی کوشش ناکام رہی تھی اور میں چند فٹ بھی نہیں سرک سکا تھا۔ گیس بے حد سرعت سے پھیلی تھی اور اتنی ہی تیزی سے اس نے میرے حواس پر قبضہ کر لیا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں سُست ہوئے تھے اور ذہن میں خیالات گڈمڈ ہونے لگے تھے۔

اس لمحے میں نے محسوس کیا کوئی میرے پاس آ رہا تھا۔ میں نے بمشکل سر اٹھایا۔ یہ دو افراد تھے۔ میں نے پستول ان کی طرف سیدھا کرنا چاہا لیکن میرے حواس جواب دے گئے اور یک لخت ہی بلیک آؤٹ ہو گیا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر یہ بلیک آؤٹ جاری رہا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میرا دل بری طرح متلا رہا تھا اور مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ آنکھیں کھول کر دیکھوں۔ میرے چاروں طرف مکمل خاموشی تھی۔ رفتہ رفتہ میرے حواس قابو میں آنے لگے تھے۔ متلی والی کیفیت کسی قدر کم ہوئی تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ چھت سفید اور ڈیزائن والی تھی، اس پر ایک جدید ساخت کا پنکھا لٹک رہا تھا۔ میں نے سر گھما کر دیکھا۔ میں ایک کمرے میں تھا اور بستر پر پڑا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ میں دشمن کی قید میں تھا۔ بائیں طرف سر گھماتے ہی مجھے تپائی اور اس پر رکھا پانی کا جگ نظر آیا تھا، میں جیسے پھر سے جی اٹھا تھا۔ میں نے تیزی سے اٹھ کر جگ اٹھایا اور بنا سوچے کہ اس میں زہر بھی ہو سکتا تھا، اسے لبوں سے لگا لیا پھر نصف جگ میرے معدے میں منتقل ہوا تو مجھے ذرا سکون ملا تھا۔ جگ رکھ کر میں نے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ''شہباز ملک! آج تم گدھوں کی طرح پھنسے ہو۔'' میں نے خود سے کہا۔

''درست کہا تم نے۔'' کمرے میں ڈیوڈ شا کی آواز گونجی تو میں اچھل پڑا تھا۔ میں نے متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ پھر مجھے خیال آیا، آواز کسی پوشیدہ اسپیکر سے آ رہی تھی۔ ''کیسے ہو تم؟''

''حیران ہوں کہ اب تک زندہ کیوں ہوں؟'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

''تم جانتے ہو، میں بلاوجہ کسی کو چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو، مار ڈالنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''سوال یہ ہے کہ وہ وجہ کیا ہے جس کے لئے تم نے مجھے اب تک زندہ رکھا ہے۔''

''وجہ بھی جلد تمہارے علم میں آ جائے گی۔'' اس نے کہا۔ ''تمہیں تعجب نہیں کہ میں نے تمہیں کتنی آسانی سے پکڑ لیا۔''

میں نے بے زاری سے جواب دیا۔ ''جو بات مجھ سے کم عقل شخص کے ذہن میں آ سکتی ہے تو وہ تمہارے جیسے عالی مرتبت کے ذہن میں کیوں نہیں آ سکتی؟''

''کون سی بات؟''

''کمیونی کیشن پکڑنے والی ڈیوائس کی۔ سیدھی سی بات ہے تم نے مرشد علی کا اثر رسوخ استعمال کیا اور موبائل کمپنی کی مدد سے مجھے تلاش کر لیا۔ میں جس طرح جامی شاہ کو حویلی کی لائیو کوریج دے رہا تھا، اس سے یہ معلوم کرنا بھی دشوار نہیں تھا کہ میں کہاں پایا جاتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''صرف یہی نہیں..... تمہاری مدد سے ایک بڑے مخالف سے چھٹکارا پالیا۔''

''جامی شاہ مارا گیا؟'' میں نے قلق سے کہا۔

''ایسے احمق کو مارا ہی جانا چاہئے جو اپنے دشمن کی فراہم کی ہوئی معلومات پر دوڑا آیا۔'' ڈیوڈ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''مرشد علی اور شاہ نواز کا اب کوئی مخالف نہیں ہے۔''

''مبارک ہو!'' میں نے کہا۔ ''شکر ہے تم نے مجھے یا راجا عمر دراز کو ان لوگوں کی صف میں شامل نہیں کیا۔''

''راجا اور تم ان لوگوں سے مختلف ہو۔ مجھے اعتراف ہے، میں نے راجا عمر دراز جیسے شریف لوگ کم دیکھے ہیں۔ وہ قابلِ احترام حریف ہے۔''

''تبھی تم نے اسے مروانے کی کوشش کی؟''

ڈیوڈ شانہ۔ ''قابل احترام ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اسے معاف کردوں، وہ میرے مقاصد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔''

''ڈیوڈ شاہ، تم ایک احمقانہ مہم جوئی میں مبتلا ہو۔ مجھے یقین ہے، آخر میں تمہارے ہاتھ سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں آئے گا۔''

''یہ تمہارا خیال ہے۔ میرا خیال اس سے مختلف ہے۔''

''خیر چھوڑو، یہ بتاؤ کہ اب میرا کیا کرنا ہے، اچار ڈالنا ہے یا مجھے سالم مرشد علی کے کتوں کے سامنے ڈالنا ہے؟''

''تم مرشد علی نہیں بلکہ میری تحویل میں ہو اور میں بتا چکا ہوں، میں بلاوجہ کی قتل و غارت گری کے خلاف ہوں۔ ابھی تمہارے بارے میں فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ جب بھی ہوا تمہیں پتا چل جائے گا۔''

ڈیوڈ شاہ سے گفتگو کے دوران اسپیکر کی مخصوص سرسراہٹ سنائی دے رہی تھیں اس کے جملے کے ساتھ ہی یہ سرسراہٹ بھی ختم ہوگئی۔ میں نے اسے آوازیں دیں لیکن اس کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا، اس کے ایک طرف کھڑکی تھی، میں نے پردہ سرکا کر دیکھا، لوہے کی جالیوں کے عقب میں مجھے حویلی کا احاطہ نظر آیا۔ یہ شاید پچھلا حصہ تھا اور میں گراؤنڈ فلور کے کسی کمرے میں تھا۔ کھڑکی سے مخالف سمت میں ایک دروازہ تھا اور ایک دروازہ دائیں طرف تھا۔ میں نے پہلے بغلی دروازے کو چیک کیا جو باتھ روم ثابت ہوا تھا، اندر ایک بیسن اور فلش کے کچھ نہیں تھا۔ سامنے والا دروازہ باہر سے بند تھا۔ کمرے میں بستر کے ساتھ تپائی تھی جس پر جگ رکھا تھا۔ سامنے ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ وقت گزاری کے لئے میں نے اس کی درازیں کھول کر دیکھنا شروع کیں اور لاحول پڑھ کر ان سب کو بند کردیا۔ اندر عیش و عشرت سے متعلق سامان بھرا ہوا تھا۔ یہ کمرا بھی اسی مقصد کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ میرے جسم پر اب سوائے پتلون، جرسی اور جوتوں کے کچھ نہیں تھا۔ میرا بیگ اور جیکٹ مع ہتھیاروں کے غائب تھی۔ کمرا ہیٹنگ سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے سرد تھا لیکن یہ سردی ناقابلِ برداشت نہیں تھی۔ میرے ہاتھ یا کمرے میں کہیں گھڑی نہیں تھی۔ البتہ کھڑکی کے باہر دھوپ سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ صبح کے دس گیارہ بج رہے ہیں۔ میں نے دروازہ پیٹا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ارے کوئی ہے، دروازہ کھولو۔ میں بھوک سے مر رہا ہوں۔''

اس بار بھی کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ باہر مکمل سکوت تھا لیکن یہ سکوت اتنا مکمل تھا کہ مجھے مصنوعی لگ رہا تھا۔ میں نے جگ کا باقی پانی بھی پی لیا کیونکہ اس میں زہر بھی تھا تو اب تک مجھ پر اس کا اثر ہو جانا چاہئے تھا۔ میں ناصر اور سونیا کے بارے میں سوچ رہا تھا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں ان کو نہیں لایا ورنہ وہ بھی گرفتار ہو جاتے۔ مگر مجھے اب بھی فکر تھی، میں نے موبائل کا سونیا کی کوٹھی میں بھی بے دریغ استعمال کیا تھا اور وہ لوکیشن بھی ان کے علم میں آ جاتی تو وہ وہاں بھی دھاوا بول دیتے۔ ممکن ہے ڈیوڈ شانے کوٹھی دیکھ لی ہو لیکن سونیا اور ناصر ان کے لئے غیر اہم ہوں۔

میں سوچوں اور اندیشوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ میں چونکا، دروازہ پوری طرح کھلا اور ایک لڑکی نظر آئی جس نے ناشتے کی ٹرالی سنبھال رکھی تھی۔ وہ اندر آئی اور عقب میں دروازہ بند کر دیا، وہ بیس بائیس سال کی تھی۔ سبک نقوش اور شانوں پر لہراتے ریشمی بالوں کے ساتھ وہ کالج گرل لگ رہی تھی مگر پری محل میں ایسی حسین لڑکی کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا تھا۔ بہر حال اس وقت وہ میرے لئے ناشتا لائی تھی۔

''سر! ناشتا!'' اس نے ترنم آمیز لہجے میں کہا۔

''شکریہ! میں واش روم سے ہو آؤں۔'' میں نے کہا۔

چند منٹ بعد میں باہر آیا تو وہ بدستور موجود تھی۔ اس نے نیلی اسکن فٹ جینز اور اوپر اسی طرح تنگ سی شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ مناسب جسامت رکھتی تھی۔ اس نے میرے لئے توس پر جام لگایا۔ چند اور توس مکھن لگے ہوئے تھے۔ ایک گلاس دودھ اور آخر میں چائے تھی، جسے گرم رکھنے کی خاطر تھرماس میں رکھا گیا تھا۔ ناشتا کر کے میں نے چائے لی۔ اس دوران میں وہ خاموشی سے قالین پر بیٹھی رہی تھی، کمرے میں بیٹھنے کے لئے اور کوئی جگہ ہی نہیں تھی۔ ''باہر کا کیا حال ہے؟ لاشیں اور گاڑیوں کا ملبا کیا، کیا؟''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''لاشیں اور ملبا؟''

''کل رات یہاں چالیس پینتالیس افراد ہلاک ہوئے، ایک راکٹ داغا گیا اور سیکڑوں کے حساب سے گولیاں چلائی گئی تھیں، تمہیں کچھ نہیں پتا؟''

''نہیں، ہم سب عورتیں اور لڑکیاں کل شام سے تہہ خانے میں تھے، ہمیں نہیں معلوم باہر کیا ہوا ہے۔ ہمیں آج صبح نکالا گیا ہے۔''

''مرشد علی نامی شخص کل یہاں آیا تھا۔''

''مجھے نہیں معلوم، میں اپنے حصے میں رہتی ہوں اور مجھے بلا اجازت اس سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''لہجے سے تم پڑھی لکھی لگتی ہو؟''

''میں نے گورنمنٹ کالج فار ویمن سے گریجویشن کیا ہے۔''

''اور اب یہاں ہو۔'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''یہاں سے کیا مطلب..... اگر یہاں نہیں ہوں تو پھر کہاں جاؤں؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا تعلق کسی شریف گھرانے سے نہیں ہے؟''

''وہ ہنسی۔''اوہ اچھا جی! اب کبھی آپ مجھ سے کوئی اسٹوری سننا چاہتے ہیں۔ شریف گھرانے کی حسین لڑکی جسے حالات نے کوٹھے تک پہنچا دیا۔''

میں نے احمقوں کی طرح پوچھا۔''پھر حقیقت کیا ہے؟''

''میں طوائف بنت طوائف بنت طوائف ہوں۔'' وہ بے تکلفی سے بولی۔''ہماری سات نسلوں میں کسی باپ کا نام نہیں آتا، میری ماں نے بچپن سے مجھے ہاسٹل میں ڈال دیا تھا تاکہ میں اس مخصوص ماحول سے دور پرورش پاؤں اور مختلف نظر آؤں۔ اس لئے میں اب زیادہ کامیاب ہوں۔''

''تب تم شاہ نواز کے پاس کیا کر رہی ہو؟''

''میں کنٹریکٹ پر ہوں۔'' وہ بولی۔

''تمہارا حصہ کیا ہوتا ہے؟'' میں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''نصف اور جو تحفے ملتے ہیں، وہ سارے میرے ہوتے ہیں۔''

''یہ کام کس مد میں کر رہی ہو؟'' میں نے ناشتے کی ٹرالی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ..... یہ تو یہاں کی سب عورتیں کرتی ہیں۔ ہم صرف تفریح کا سامان مہیا نہیں کرتے بلکہ اس محل کے سارے کام ہمارے سپرد ہیں۔ ہمارے گروپ ہیں جو مختلف کام کرتے ہیں۔ کھانا بنانے سے لے کر صفائی ستھرائی اور کپڑے دھونے تک۔ مہینے میں ایک ہفتے ہم کو چھٹی ملتی ہے اور اس دوران میں ہم ورزش کرتے ہیں اور ہمارا طبی معائنہ ہوتا ہے۔''

میں حیران تھا۔''یعنی تم لوگ اس کاروبار کو سائنسی انداز میں چلا رہے ہو؟''

''ہاں، اسی وجہ سے ہم کامیاب ہیں۔''

''اچھا، جب تم کسی گاہک کے ساتھ جاتی ہو تو تمہاری روٹین میں فرق نہیں آتا؟''

وہ ہنسی۔''سب سے پہلے کاروبار ہے اس کے لئے ہر چیز چھوڑی جا سکتی ہے۔ یہ سب تو فارغ اوقات میں ہوتا ہے۔ ہم یہاں کمانے کے لئے آئے ہیں۔''

''یعنی آج کل تم فارغ ہو؟''

''نہیں، مجھے تو پورے مہینے میں بمشکل دو تین دن چھٹی ملتی ہے لیکن ابھی دو دن سے تمام کام بند ہے۔''

یعنی جب سے یہ چکر چل رہا ہے، میں نے دل میں سوچا اور اس سے کہا۔''تم جانتی ہو اس جگہ کا مالک کون ہے؟''

''شاہ نواز صاحب۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا، اس کا مطلب تھا، وہ جامی شاہ سے واقف نہیں تھی، ان عورتوں کو گزشتہ رات ہونے والی ہنگامہ آرائی کی خبر بھی نہیں تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔''جناب، کیا کل واقعی یہاں کوئی ہنگامہ ہوا ہے؟''

اس سے پہلے میں کوئی جواب دیتا، کمرے میں کسی کی کرخت آواز گونجی۔''نیلو، فضول بکواس نہ کر، اپنا کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر اور یہاں سے جا۔''

نیلو کا رنگ اُڑ گیا تھا، اسے خیال نہیں رہا تھا کہ یہاں کی آوازیں کہیں سنی جا رہی ہوں گی۔ اس کے بعد اسے چپ لگ گئی تھیں میری باتوں کے جواب میں وہ ہوں ہاں کرتی رہی تھی۔ جیسے ہی میں نے چائے پی، اس نے فٹافٹ ٹرالی سنبھالی اور یہ جا وہ جا۔ میں نے اس نادیدہ شخص سے کہا۔ ''یار، بڑے ہی گھٹیا آدمی ہو، دو منٹ کے لئے میری تفریح برداشت نہیں ہوئی۔''

''بکو مت۔ ابھی ہم ذرا مصروف ہیں، ورنہ تمہیں اچھی طرح تفریح کراتے۔''

''لاشیں سمیٹنے میں مصروف ہو، یہ بتاؤ کتنے آدمی مارے گئے؟''

''تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس شکر کرو کہ تم ان میں شامل نہیں ہے۔''

''لاشوں کا کیا، کیا ہے؟ پولیس کے سپرد کر دیں یا خود دفنا دیں۔ اتنی فائرنگ کے بعد پولیس کا متوجہ ہونا لازمی ہے۔''

''پولیس ہماری مرضی کے بغیر یہاں کا رخ نہیں کر سکتی۔'' اس نے غرور سے کہا۔ ''وہ ہمارے در کا کتا ہے۔''

''خوش فہمی ہے تمہاری۔ پولیس ایسا درندہ ہے جس کے سامنے جب تک کھانا ڈالتے رہو گے، وہ چپ رہے گا اور جہاں تم نے کھانا بند کیا تو پولیس مقابلے میں کتے کی طرح مارے جاؤ گے۔ آئے دن کے پولیس مقابلے اس کے گواہ ہیں اور تم نے کہا پولیس تمہاری مرضی کے بغیر اس طرف کا رخ نہیں کرے گی، اس کا مطلب ہے تم لوگوں نے بالا ہی بالا سب نمٹا دیا۔ لاشیں غالباً کسی ویران مقام پر دفنائی جا چکی ہوں گی اور گاڑیوں کے نمبر زوالے پرزے نکال کر باقی ملبہ کسی کباڑیے کے گودام میں پہنچا دیا گیا ہوگا جو ایک دو دن میں پرزے پرزے ہو کر ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائے گا۔ تمام نشانات اور خون کے دھبے، گولیوں کے خول اور در و دیوار سے ان کے نشانات مٹا دیئے جائیں گے۔''

میری طویل اور مدلل تقریر نے اسے چڑا دیا تھا۔ ''اوئے چپ کر جا۔ میرے بھیجہ نہ چاٹ۔''

اس نے اسپیکر بند کیا تو میں سمجھ گیا کہ اب وہ میری کسی بات کا جواب نہیں دے گا۔ البتہ اس کے کان ضرور میری طرف لگے ہوں گے۔ میں ہنسا تھا۔ ناشتے کے بعد میں ذرا تھکن محسوس کر رہا تھا اس لئے بستر پر دراز ہو گیا اور نہ جانے کب سو گیا۔ چائے اور دودھ میں یقیناً کوئی خواب آور دوا تھی ورنہ میرے اس طرح بے وقت سونے کی کوئی تک نہیں بنتی تھیں دوسری بار جب میری آنکھ کھلی تو میں اسی کمرے میں تھا۔ ایک ٹیوب لائٹ روشن تھی اور کھڑکی کے پردوں کے باہر روشنی محسوس نہیں ہو رہی تھی، میں نے انگڑائی لی اور اٹھ کر پردہ ہٹایا۔ سورج غروب ہو چکا تھا مگر احاطے میں جا بجا تیز روشنی والے بلب روشن تھے۔ میرا خیال تھا، میں آٹھ نو گھنٹے سوتا رہا تھا اور میرے پیٹ میں ایک بار پھر چوہا ریس جاری تھی۔ ''ارے..... کوئی ہے، میری فریاد سنو۔''

''کیا بات ہے شہباز ملک!'' فوراً ہی مرشد علی کی تمسخرانہ آواز آئی تھی۔

''پیر صاحب!'' میں نے بھی طنزیہ آواز میں کہا۔ ''آپ کو دلال بننے پر مبارک ہو۔''

''بکواس مت کرو۔'' وہ مشتعل ہو گیا تھا۔ ''اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ میرے ایک اشارے پر یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے منہ سے کھینچ لی جائے گی۔''

''خوب، تم اتنے خودمختار کب سے ہو گئے۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''زبان تو ایک طرف رہی، تم اپنے آقا سے اجازت لئے بغیر میرا ایک بال بھی نہیں توڑ سکتے۔''

''تم نے دیکھا، میں نے تمہاری سازش کس طرح ناکام بنائی۔'' وہ سنبھل کر بولا۔

میں نے زوردار قہقہہ رسید کیا۔ ''مرشد علی تم اتنے ذہین کب سے ہو گئے۔ مجھے پتا ہے یہ ساری ڈیوڈ شا کی پلاننگ تھی اور تم اس کے مہرے تھے۔ جہاں تک سازش کا تعلق ہے تو وہ میں نے کی تھی اور میں ناکام نہیں رہا، جامی شاہ اور اس کے ساتھی جہنم رسید ہوئے تو یہ بھی میری کامیابی ہے۔ اس کی جگہ شاہ نواز یا تمہارا دھڑن تختہ ہوتا تب بھی میری ہی کامیابی تھی۔''

''جلد تمہارے بقیہ ساتھی بھی یہاں ہوں گے۔''

''یہ تمہاری ایک اور غلط فہمی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''میرے ساتھی تمہاری پہنچ سے دور جا چکے ہیں ورنہ میں اکیلا کیوں ہوتا؟''

''دبئی بھیج کر تم سمجھتے ہو کہ وہ میری پہنچ سے باہر ہیں؟'' مرشد علی زہریلے لہجے میں بولا تھا۔

ایک لمحے کو میرا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ مرشد علی نے یہ بات جان لی تھی کہ مونا اور سفیر دبئی گئے تھے۔

''کیوں سانپ سونگھ گیا۔'' مرشد بولا۔

میں نے خود کو سنبھال لیا۔ ''یہ معلوم کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ ایک عام آدمی بھی فلائٹ سیلس چیک کر سکتا ہے اور تم یہ نہ سمجھنا کہ میں نے ان کو صرف دبئی روانہ کیا ہے، وہاں بھی وہ محفوظ ہاتھوں میں ہیں ان کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔''

''تم راجا عمر دراز پر زیادہ ہی اکڑ رہے ہو۔''

''یہ غلط ہے۔ ہمیں اصل بھروسا خدا کی ذات پر ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''متعدد بار ایسا ہوا کہ ہم نے بے سروسامانی کی حالت میں تمہارے گرگوں کو شکست دی ہے۔ البتہ تم چوہے ہو، اپنے احمق مریدوں کے حصار میں رہتے ہو، کبھی اس سے باہر آ کر دیکھو۔''

''میں تم جیسے حقیر آدمی کے لئے خود آؤں؟'' اس نے اپنی انا کو قائم رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں تم بزدل ہو۔ چلو جسمانی طور پر نہ سہی، تم اتنے بڑے پیر بنتے ہو، مجھ پر اپنی روحانی قوتیں آزماؤ۔ مجھے نیست و نابود کر دو۔''

''وہ بھی کر دیں گے۔'' اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

''مرشد علی یہ سب کارنامہ ڈیوڈ شا کا ہے۔ اس نے مجھے پکڑا ہے، تم میرے کسی ساتھی کو بھی نہیں پکڑ سکتے۔''

میرا مقصد مرشد علی کو اشتعال دلا کر اس سے معلوم کرنا تھا کہ سونیا یا ناصر میں سے تو کوئی ان کے قبضے میں نہیں ہے۔ میں کامیاب رہا تھا۔ اس نے تیز آواز میں کہا۔ ''فکر مت کرو، وہ بھی جلد ہمارے قابو میں ہوں گے۔ تجھے اور تیرے یار کو میں اپنے کتوں کے آگے ڈالوں گا اور وہ لڑکی.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد مرشد علی نے اپنے اندر کی غلاظت اگلنا شروع کر دی تھی۔ میں بے بس تھا اس کا منہ بھی نہیں توڑ سکتا تھا اس لئے خون کے گھونٹ پیتا رہا۔ میں نے صرف اتنا کہا۔ ''عورتوں کے بارے میں تمہارے خیالات سے لگتا ہے تمہارے خون میں کہیں نہ کہیں کھوٹ ہے اور تمہارے یہ الفاظ مجھ پر ادھار ہیں مرشد علی، میں کبھی نہ کبھی ان کو ضرور لوٹاؤں گا۔''

اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کر لی اور وہ بھی کچھ دیر تک بھونکنے کے بعد چپ کر گیا تھا۔ تقریباً ایک یا ڈیڑھ گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور ایک نوعمر لڑکا اندر آیا۔ اس کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ دبلی جسامت اور چھوٹے قد کی وجہ سے اپنی عمر سے اور بھی کم نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''چلیں جی، آپ کو بلایا ہے۔''

میں توقع کر رہا تھا کہ اس بار بھی کوئی لڑکی آئے گی لیکن اس لڑکے کو دیکھ کر میں چونکا تھا۔ یہ لوگ اطمینان سے ان دونوں کو میرے پاس بھیج رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا وہ بے خوف تھے۔ اگر میں لڑکی یا اس لڑکے کو قابو میں کر بھی لیتا تب بھی میں اس جگہ سے فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ لڑکے نے عام سا لباس پہن رکھا تھا اور پیروں میں اسنیج کی چپل تھی۔ میں کھڑا ہو گیا اور اچانک لڑکے کا بازو پکڑ لیا۔

''اگر میں تمہارے ساتھ جانے کے بجائے تمہارا گلا دبا کر قتل کر دوں؟''

وہ ڈر گیا تھا۔ ''کیوں جی، میں نے کیا، کیا ہے؟''

''تم میرے دشمن کے ساتھ ہو۔''

''نہیں جی، میں تو معمولی سا ملازم ہوں۔ بھلے آپ مجھے مار دیں۔''

میں مسکرایا اور اس کا شانہ تھپکا۔ ''او نہیں یار، میں بھلا تجھے کیوں مارنے لگا۔ چل کہاں لے جانا ہے۔''

لڑکا مجھے لئے کمرے سے نکلا۔ یہ کمرا ایک راہ داری میں تھا اور دروازے کے باہر خاصی مضبوط قسم کی کنڈی لگی تھی۔ دروازے کو اس سے بند کیا جاتا تھا۔ راہ داری میں ایسے تین دروازے اور تھے یعنی کل چار کمرے تھے اس جگہ اور سب کے باہر ایسی ہی مضبوط کنڈی لگی تھی۔ شاید اس جگہ کو قید خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ آخر یہاں ایسی لڑکیاں بھی تو آتی ہوں گی جو خود کو بازار کی جنس بنانے پر آمادہ نہ ہوں یا جن کا ضمیر بیدار ہو گیا ہو اور وہ اس گند میں مزید اترنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ راہداری کے ایک طرف سپاٹ سی دیوار تھی تو دوسری طرف لوہے کی مضبوط جیل کی سلاخوں جیسا دروازہ تھا۔ اس کے باہر ایک مسلح شخص موجود تھا۔ جیسے ہی میں دروازے کے پاس آیا، مسلح شخص نے سلاخوں کے درمیان سے ایک جوڑا ہتھکڑیوں کا لڑکے کی طرف پھینک دیا۔

''یہ اس کے ہاتھ میں ڈال دے۔''

لڑکے نے ہتھکڑیاں اٹھا کر سہمی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے مسکرا کر دونوں ہاتھ اس کے سامنے کر دیئے اور اس نے میری دونوں کلائیوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ یہ اہتمام ظاہر کر رہا تھا کہ مجھے کسی بڑی شخصیت کے حضور پیش کیا جا رہا تھا۔ چند لمحے بعد میں ایک عالی شان قسم کے بیڈ روم میں داخل ہوا تو وہاں ڈیوڈ شا ایک زرنگار گاؤن میں ملبوس شمپین کا جام تھامے آتش دان کے سامنے ایک ہیٹنگ چیئر پر تشریف فرما تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آؤ شہباز بیٹھو۔'' اس نے سامنے رکھی سادہ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

مسلح شخص میرے ساتھ آیا تھا، میں کرسی پر بیٹھا تو ڈیوڈ شا نے اسے کمرے سے جانے کا اشارہ کیا اور گاؤن کی جیب سے ایک عدد پستول نکال کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ مسلح شخص باہر چلا گیا۔ ڈیوڈ شا کسی قدر صحت مند لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی ایکس رے نما آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس کی نیلی ناک سرخ ہو رہی تھی۔ ''کیسے ہو تم؟'' اس نے کہا۔

''تمہارے سامنے ہوں۔''

''ایمن یاد آتی ہے؟'' اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''وہ مجھے کیوں یاد آنے لگی؟'' میں نے الٹا سوال کیا۔

''تم اسے پسند نہیں کرتے ہو؟''

''ڈیوڈ شا، تمہاری عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔''

''عقل پر ماتم؟'' اس نے نہ سمجھنے کے انداز میں کہا۔

''اردو کا ایک محاورہ ہے، ہمارے ہاں ماتم فوت شدہ چیز پر کیا جاتا ہے۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں دشمنوں سے چھپتا پھر رہا ہوں اور کیا میں کسی سے عشق لڑاؤں گا؟''

وہ مسکرایا۔ ''عشق کہیں بھی ہو سکتا ہے، کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ کیا تمہیں واقعی ایمن یاد نہیں آتی؟''

''میرا خیال ہے تم نے مجھے ایمن یا عشق و عاشقی کے موضوع پر بحث کرنے کے لئے نہیں بلایا ہے؟''

''درست ہے لیکن اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے ذرا دوسرے موضوعات پر بات کر لی جائے تو کیا حرج ہے۔''

میں نے اسے دیکھا۔ ''تم شروع سے میری باتیں سن رہے تھے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میرا خیال ہے تم نے شروع میں مجھے چیک نہیں کیا تھا۔ شاید مرشد علی نے میری کالر کے بارے میں تمہیں کل کسی وقت بتایا تھا۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔'' اس نے ستائشی لہجے میں کہا۔ ''تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟''

''کچھ واقعات سے۔'' میں نے گول مول سے انداز میں کہا۔

''شہباز ملک میں تمہاری قدر کرتا ہوں، کاش تم میرے ساتھ ہو جاؤ۔''

''اس کا فائدہ..... میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں؟''

''اسے چھوڑو..... تم صرف میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاؤ تو میں تمہیں اس مقام پر پہنچا سکتا ہوں جس کا تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔''

''میں نے کبھی اس مقام تک جانے کے بارے میں نہیں سوچا، جہاں تک جانے کے بارے میں کبھی سوچا نہ ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے میرے الفاظ پر غور کیا۔ ''یعنی تم انکار کر رہے ہو؟''

''ڈیوڈ شا، تم ذہین آدمی ہو لیکن انسانوں کے بارے میں تمہاری ذہانت محدود ہے۔ تم میں شاید انسانوں کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ میرے لئے ایک انسان کی اہمیت ہر چیز سے بڑھ کر ہے اور تمہارے لئے انسان کی اہمیت سب سے آخر میں آتی ہے۔''

''ہاں، کیونکہ میں احمقانہ جذباتیت سے نجات حاصل کر چکا ہوں۔''

''ہمارے ہاں اسے انسانیت کہتے ہیں اور اس کے برخلاف کسی بھی نظریے کو حیوانیت ہی کہا جا سکتا ہے، ایک جانور کو بھی سب سے زیادہ فکر اپنے مفاد کی ہوتی ہے۔''

اس کے چہرے پر ناگواری نمودار ہوئی۔ ''میں نے تمہیں یہاں بحث کرنے کے لئے نہیں بلایا ہے۔''

میں ہنسا۔ ''ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے اِدھر اُدھر کے موضوعات پر بات کر لی جائے۔''

''تم سے بحث فضول ہے۔'' اس نے کہا اور اپنی جیب سے ایک موبائل نما آلہ نکال کر اس کا بٹن دبایا۔ ''جارج سیمپل لینے کے لئے آ جاؤ۔''

''سیمپل.....؟ کیا میرے ہاتھ سے متعلق!''

اس نے سر ہلایا۔ ''تمہارے نزدیک شاید اس چیز کی اہمیت نہ ہو لیکن درحقیقت یہ طبی دنیا کا معجزہ ہے، یہ درست ہے کہ بعض لوگوں کے ایسے کینسر زدہ جسمانی حصے درست ہوئے جن کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا لیکن ان کی بحالی میں کسی دوا یا علاج کا عمل دخل نہیں تھا بلکہ یہ بہتری خود بخود آئی تھی جبکہ تمہارا ہاتھ ایک باقاعدہ پراسیس علاج کے ذریعے ٹھیک ہوا ہے۔''

''حکیم قادس تمہارے پاس ہے۔''

''ہاں، وہ ایک جینئس آدمی ہے۔ اس طریقہ علاج سے ہٹ کر بھی اس کے پاس حیرت انگیز چیزیں ہیں۔ مجھے تیس برس سے دمے کا مرض تھا اس نے صرف چار ہفتے میرا علاج کیا اور اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ جدید ترین ٹیسٹوں سے واضح ہے کہ اب مجھ میں اس مرض کا نام و نشان نہیں رہا ہے ورنہ پہلے سرما میرے لئے عذاب بن جاتا تھا اور اونچے مقامات پر جانے سے میری حالت خراب ہو جاتی تھی اور ابھی چند ہفتے پہلے میں اسکردو سے واپس آیا ہوں۔''

اسی اثنا میں ایک سفید فام شخص ایک دیسی کے ساتھ اندر آیا۔ سفید فام یقیناً جارج تھا اور یہ ان گوروں میں سے نہیں تھا جن کو میں نے پہلے ڈیوڈ شا کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس نے لیب کوٹ پہن رکھا تھا جبکہ اس کا ساتھی ایک ٹرالی کھینچ کر لا رہا تھا جس پر مختلف آلات سجے ہوئے تھے۔ اس نے ڈیوڈ شا سے اجازت لی اور اپنا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے اس نے میرا درجہ حرارت چیک کیا، بلڈ پریشر لیا، نبض کی رفتار چیک کی۔ اس کے بعد ایک آلے سے میری آنکھوں کی پتلیوں کا جائزہ لیا۔ آخر میں اس نے میرا بایاں ہاتھ تھام لیا۔

''ڈیوڈ شا، اگر میں سیمپل دینے سے انکار کر دوں تو..... مجھے اس کا حق حاصل ہے۔''

''تم انکار نہیں کر سکتے۔'' اس نے جواب دیا۔ جارج اور اس کے مددگار کے اندر آتے ہی اس نے پستول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ میں لے لیا تھا اور پوری طرح چوکنا تھا۔

''جیل کے قیدی کو بھی حق.....''

''بکواس مت کرو۔'' وہ غرایا۔''اب کوئی حرکت مت کرنا، جارج سیمپل لو۔''

جارج نے ایک لمبی اور باریک نوک والی سوئی کی سرنج اٹھائی۔ اس سے پہلے اس نے روئی پر دوا لگا کر مدی ہتھیلی کی پشت صاف کی اور پھر مضبوطی سے ہاتھ کو کرسی کی ہتھی پر دباتے ہوئے سرنج کی سوئی گوشت میں اتار دی۔ مجھے معمولی سی تکلیف ہوئی تھی پھر اس نے سرنج کی سوئی باہر نکال لی جسے اس نے فوراً ائرٹائٹ قسم کے ڈبے میں رکھ کر اسے بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے مددگار سمیت رخصت ہو گیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے ایڈیشا کی طرف دیکھا۔''اس سیمپل کا کیا، کیا جائے گا؟''

''اس کا ایک مخصوص مشین میں تجزیہ کیا جائے گا۔ پچھلے تجربات سے واضح تھا کہ تمہارے ہاتھ کے خلیات کے درمیان میں ایک غیر فطری مادہ موجود ہے اور شاید اسی مادے نے تمہارے ناکارہ ہاتھ کو بچا لیا تھا۔''

''اب تم اس سیمپل کا تجزیہ کراؤ گے لیکن سوال یہ ہے کہ تم اس سے کیا حاصل کر سکو گے۔''

''یہ بعد کی بات ہے، ممکن ہے مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ آج کے جدید اور سائنٹیفک دور میں بھی سائنسی تجربہ کا ستر فی صد حصہ بے کار جاتا ہے۔'' وہ دوبارہ پُرسکون ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اس نے پستول گود میں رکھ لیا تھا۔

''حکیم قاؤس کہاں ہے، تم اسے میرا ہاتھ دکھا سکتے تھے۔ وہ ان سارے ماہرین سے بہتر طور پر بتا سکتا تھا۔''

''میں تمہاری بات سے متفق ہوں مگر وہ یہاں نہیں ہے۔ دو دن کے لئے کہیں گیا ہے، پرسوں واپس آ جائے گا تو اسے بھی تمہارا ہاتھ دکھا دیں گے۔''

''فتح خان کہاں ہے؟''

''اسی جگہ ہے کل کا دفاعی پلان اسی نے بنایا تھا اور کمانڈ بھی وہی کر رہا تھا۔''

''میرا بھی یہی اندازہ تھا کہ اس قسم کا پلان سرشد علی یا شاہ نواز جیسے لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ میرا خیال فتح خان کے بجائے تمہاری طرف گیا تھا۔''

''میرا اس میں صرف اتنا حصہ تھا کہ میں نے گیس کے بم استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا، اس پر عمل درآمد اور باقی کام فتح خان نے کرایا تھا۔''

''ڈیوڈ شا ایک سوال ہے، اگر تم اس کا جواب دو۔''

''پوچھو۔'' اس نے خالی ہو جانے والا جام برابر میں تپائی پر رکھ دیا۔

''تمہارا بھائی اور کزن برٹ شا گیارہ سال پہلے شمالی علاقے میں لاپتا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد فرض کر لیا گیا کہ وہ مر چکا ہے۔ تم اس کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟''

''یہی کہ وہ مر چکا ہے۔'' اس نے بلا تامل کہا۔

''اور فرض کر لو..... وہ زندہ ہو تو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس صورت میں بھی اسے مرنا پڑے گا۔'' ڈیوڈ شا کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ ''ویسے تم نے اس کا ذکر کیوں کیا مسٹر شہباز ملک!''

''ایسے ہی، تم نے بیٹی کا ذکر کیا تھا، میں نے سوچا باپ کا ذکر کر دوں۔'' میں مسکرایا۔

''برٹ شا اصل میں تصویر کے لئے آیا تھا لیکن اس نے ایک کام اور بھی اپنے ذمے لے لیا تھا۔''

''ہیروں کی خریداری اور ان کی سوئٹزرلینڈ تک ترسیل۔''

''ہاں، مگر یہ سودا نہیں ہو سکا تھا۔''

''میں جانتا ہوں، برٹ شا نے ہیرے چھپا دیئے تھے اور اس کے بعد خود لاپتا ہو گیا تھا۔''

''تمہیں وہ جگہ یاد ہے۔''

''اچھی طرح، لیکن اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ میں ہیروں کے جائے دفن سے واقف ہوں تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔''

''اتنی سمجھ ہے؟'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''ہیرے تمہارے پاس ہوتے تو تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔''

''تب تم نے اس وادی کے بارے میں کیوں پوچھا؟''

''وہ سودا برٹ شا کے ذمے تھا، ہیروں کی ادائیگی ہو چکی تھی لیکن ہیرے پارٹی تک نہیں پہنچے۔ برٹ شا غائب ہو گیا تھا۔ اس کی جاگیر اور خطاب کا وارث ہونے کے ناتے پارٹی نے مجھ سے کہا کہ میں ہیرے لا کر دوں۔''

''ظاہر ہے جب تم زبردستی اس کے جانشین بن گئے تھے تو اس کے ذمے جو بھی معاملات تھے، وہ بھی پورے کرنا تمہاری ذمے داری بنتی ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''پارٹی نے مجھ پر ذمے داری ڈالی ہے لیکن جزوی طور پر۔ بہرحال یہ ایک غیر قانونی سودا تھا اور سوئس قانون اس کی اس وقت تک توثیق نہیں کر سکتا ہے جب تک ہیرے اس کی سرزمین پر نہیں آ جاتے مگر ان معاملات میں آدمی مکمل طور پر انکار بھی نہیں کر سکتا ہے۔''

''جبکہ پارٹی بین الاقوامی ہو۔ یہ یہودی تو نہیں ہیں؟''

''ہاں، تم نے کیسے جانا؟''

''کیونکہ یہی قوم صحیح طریقے سے تم لوگوں کی رگیں دبا سکتی ہے۔'' میں ہنسا۔ ''بہرحال اس ساری گفتگو کا اصل مقصد بھی بتا دو۔''

''مجھے ہیروں کی تلاش کے سلسلے میں تمہاری مدد درکار ہے۔''

''میں کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے قطعی اندازہ نہیں ہے کہ برٹ شا نے ہیرے کہاں چھپائے تھے۔''

''ہم منطقی طریقہ استعمال کریں گے۔ مثلاً وادی کو دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ ہیرے کہاں چھپائے جا سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ تو برٹ شا کو بھی ہو گا کہ ہیرے لامحدود وقت کے لئے زمین میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنائے جا سکتے ہیں اس لئے اس نے کوئی ایسی جگہ منتخب کی ہوگی جسے برسوں بعد بھی کسی کی جانب سے چھیڑنے کا احتمال نہ ہو، پھر کچھ جدید آلات ہیں، ہم ان کی مدد بھی لیں گے۔"

"تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے تم نے ہیروں کی تلاش کے سلسلے میں مجھے قائل کر لیا ہے۔" میں نے طنزیہ سا نظر کیا۔

"شہباز ملک اگر تم مان جاؤ تو تمہارے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔" اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"مثلاً؟" میں نے لہجہ سپاٹ کر لیا تھا۔

"مرشد علی سے تمہارے سارے معاملات سیٹل ہو سکتے ہیں۔ وہ آئندہ کبھی تمہیں یا تمہارے ساتھیوں کو ٹچ نہیں کرے گا۔"

"اس کی گارنٹی کون دے گا..... تم؟"

"ہاں، میں دوں گا۔"

"اور تم انتقال کر گئے تب؟"

"شہباز ملک! میری گارنٹی میرے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی۔" اس نے غرور سے کہا۔

"تم مجھے مرشد علی پر اعتماد کرنے کو کہہ رہے ہو، سوال یہ ہے کہ تم پر کیوں کر اعتماد کروں؟ جبکہ میں چھوٹے موٹے معاملات میں تمہاری وعدہ خلافیاں دیکھ چکا ہوں۔ وہ لڑکی یاد ہے، جسے فتح خان چیرا لے آیا تھا اور تم نے ماہا عمر دراز سے اس بارے میں ایک وعدہ کیا تھا۔"

میں نے اسے آئینہ دکھایا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی جھنجلاہٹ دباتے ہوئے کہا۔ "وہ اور بات تھی۔"

"کام نکل جانے کے بعد تم اس بات کو بھی اور قرار دے سکتے ہو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"شہباز..... تم اَن پریکٹیکل ہو رہے ہو۔" اس نے اس بار سکون سے کہا۔ "اپنی پوزیشن تو سمجھو، اس کے بعد میری آفر پر غور کرنا۔"

"مسٹر شا! مجھے اب سوچنے کے لئے زیادہ وقت نہیں لگتا۔ مجھے بروقت فیصلہ کرنا آ گیا ہے، اب یہ تم پر ہے تم مجھے کس طرح مطمئن کرتے ہو۔ اس کے بعد ہی میں ہاں یا نہ میں جواب دے سکتا ہوں۔"

"تم نہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔"

"میں نہ کرنا بھی نہیں چاہتا۔ ان ہیروں کی میری نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے اور ان کے بدلے مجھے میری نارمل زندگی واپس مل جاتی ہے تو میں دل و جان سے تیار ہوں مگر میں تم پر یا مرشد علی پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"تو پھر گاڑی کیسے آگے بڑھے گی؟"

"یہ سوچنا تمہارا کام ہے۔" میں نے کہا۔

وہ فکرمند نظر آنے لگا تھا۔ مجھ پر آہستہ آہستہ واضح ہو رہا تھا کہ میری کیا افادیت ہے۔ اب یہ ہیروں والا معاملہ تھا۔ ڈیوڈ شا بظاہر اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کی بات کر رہا تھا لیکن مجھے ایک فی صد بھی یقین نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ وہ ہیرے اس پارٹی کے حوالے کر دے گا۔ سوچتے سوچتے اچانک ڈیوڈ شا نے اپنے موبائل نما آلے پر کہا۔

"اسے لے جاؤ۔"

"یعنی اب تم غور کرو گے؟" میں نے کہا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا مسلح شخص نوعمر لڑکے کے ساتھ اندر آیا اور میں ان دونوں کے ہمراہ اپنے زندان کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں جس حصے سے گزر کر ڈیوڈ شا کے کمرے تک آیا تھا، وہ شاید عورتوں کے لئے مخصوص تھا کیونکہ کمروں سے ان کے ہنسنے اور آپس میں باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چند ایک کمروں کے دروازے کھلے تھے۔ ایک کمرے میں مجھے دو بنگالنیں نظر آئیں جو بنگالی میں بات کر رہی تھیں۔ ایک اور کمرے میں ایک گوری بے تکلفی سے نائٹی پہنے بستر پر اوندھے منہ لیٹی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ کمروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں، بعض جگہ جھلکیاں عبرت ناک تھیں تو بعض مقامات پر ہوش ربا تھیں۔ ایک گیلری سے گزرتے ہوئے میں آخری دروازے کے پاس پہنچا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور ایک عورت باہر آئی۔ میرے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ میں دنگ رہ گیا تھا۔ چند فٹ کے فاصلے سے کسی ابہام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ سوفی صد زہرہ تھی۔ زہرہ جو اللہ رکھا پہلوان کی بیوہ تھی اور جسے میں نے اسٹیشن ماسٹر خادم حسین کے پاس چھوڑا تھا اور خادم حسین مارا گیا تھا، وہی زہرہ پری محل میں موجود تھی۔

☆======☆======☆

وہ زہرہ ہی تھی، وہ زہرہ جسے میں خادم حسین کے سپرد کر کے آیا تھا اور پھر اخبار میں، میں نے خادم حسین کے مارے جانے کی خبر پڑھی تھی۔ مجھے ایک فیصد بھی شبہ نہیں تھا کہ یہ کام ان لوگوں کا ہے جو میرے اور زہرہ کے پیچھے شکاری کتوں کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ وہ ہمارے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن تک آئے اور اس کے بعد یہ پتا چلانا مشکل نہیں تھا کہ ہم کس کے پاس مہمان ہوئے تھے۔ زہرہ نے تو مستقل اس گھر میں بسنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر اس کی اور خادم حسین کی آرزوؤں کے غنچے بن کھلے مرجھا گئے تھے۔ جب میں نے اخبار میں خادم حسین کے قتل کی خبر پڑھی اور اس میں زہرہ کا کسی حوالے سے کوئی ذکر نہیں پایا تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا کہ وہ بچ گئی۔ وہ ماری جاتی یا خادم حسین کو قتل کرنے والے اسے لے جاتے تو دونوں صورتوں میں خبر ضرور بنتی مگر زہرہ کو اس جگہ دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ میرا خیال اور سکون غلط تھا۔ زہرہ شکاریوں کے ہاتھ لگ گئی۔ رانا خاندان نہ سہی، شاہ نواز ان سے زیادہ خطرناک تھا۔ زہرہ یہاں کیا کر رہی تھی اس کا اندازہ مجھے اس کے حلیے سے ہو گیا تھا۔ اس نے بے حد باریک نائٹی پہن رکھی تھی جس کے نیچے کچھ نہیں تھا اور اس کے تمام جسمانی خطوط و پیچ و خم نمایاں تھے۔ مجھے لانے والے گارڈ نے گزرتے ہوئے زہرہ کو اتنی محویت سے دیکھا کہ اگر میں ایک ہاتھ سے اس کی رائفل چھین کر دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن توڑ کر اسے جہنم رسید کر دیتا تو مرنے تک اسے قطعی علم نہ ہوتا، حالانکہ وہ جس جگہ رہتا تھا وہاں اس قسم کے نظارے عام سی بات تھی۔

زہرہ ان عام عورتوں اور لڑکیوں سے مختلف تھی جو یہاں موجود تھیں۔ اس کے چہرے پر پردہ نحوست نہیں تھی جو اس پیشے میں چہروں پر رچ بس جاتی تھی اس کے بجائے اس کے دلکش نقوش میں ایک غم ناک نرمی تھی۔ وہ نشے میں تھی اور اس کی بوجھل آنکھیں مزید کشش انگیز نظر آنے لگی تھیں۔ اس نے مجھے اور میرے ساتھ گزرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں نگرانوں کو سرسری نظروں سے دیکھا تھا۔ میرا حلیہ خاصی حد تک بدل گیا تھا۔ لمبے بال جو گدی سے نیچے آ رہے تھے اور گھنی داڑھی تھی، مجھے نہیں معلوم کہ اس نے مجھے پہچانا تھا یا نہیں۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی نصف خالی بوتل اور کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے مجھے جہازی سائز کے بستر پر ایک عظیم الشان توند والا دھوتی پوش شخص محو خواب نظر آیا تھا۔ اگرچہ توند کے عقب میں اس کا چہرہ غائب تھا مگر اس کے ریلوے انجن کی سیٹی جیسے خراٹے حال سنائی دیئے۔ زہرہ نے دروازہ بند کیا اور خمار آلود چال کے ساتھ مخالف سمت میں جانے لگی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو میرے نگرانوں نے اسے محض مردانہ دلچسپی سمجھا ہوگا۔ چلتے چلتے زہرہ نے بوتل سے منہ لگا کر گھونٹ لیا تھا جہاں تک مجھے معلوم تھا۔ جب تک وہ پہلوان اللہ رکھا کی بیوی رہی تب بھی عملاً طوائف ہونے کے باوجود اس نے کبھی شراب نہیں پی تھی۔ میں اپنے قید خانے جانے والے راستے کی طرف مڑا تو زہرہ نظروں سے اوجھل ہوئی تو مجھ سے زیادہ قلق ان دونوں کو ہوا تھا۔ چھوٹے نے بلبلا کر کہا۔ ''ہائے..... ہائے..... کی نا رائے۔''

''تیری ماں دے برابر اے۔'' نگران نے اسے یاد دلایا۔

''پر ماں تے نئیں اے۔'' چھوٹو نے ڈھٹائی سے کہا۔

''بکواس نہ کر اسے بند کر۔'' نگران نے چھوٹے کو جھڑکا تھا۔

زہرہ سے اچانک ملاقات ایک جھٹکا تھی جس نے ذرا دیر کے لئے مجھے ذہنی طور پر منتشر کر دیا تھا مگر اپنے عقوبت خانے میں آنے کے بعد ذرا دیر کے لئے میں نے اسے ذہن سے جھٹک دیا۔ میں اپنے حالات پر غور کرنا چاہتا تھا۔ جو کہانی ایک معمولی سے واقعے سے شروع ہوئی۔ نادر علی اور اس کا بھائی مرشد علی اس سارے فساد کی جڑ تھے مگر مسائل پھیلا رہے تھے۔ نت نئے نام سامنے آتے رہے تھے۔ فتح خان، ڈیوڈ شا اور اب شاہ نواز۔ اگرچہ وہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑی تھے لیکن سب انفرادی طور پر میرے لئے ایک سے بڑھ کر ایک خطرناک تھے۔ اس سارے حویلی میں ہونے والے کاروبار پر اب مرشد علی کا قبضہ تھا۔ اس نے اور شاہ نواز نے مل کر جامی شاہ کو راستے سے ہٹا دیا تھا۔ میں مرشد علی کے قبضے میں ہوتا تو وہ بلا تکلف مجھے ادھیڑ کر رکھ دیتا میں اس کے لئے ایسا دشمن تھا جسے وہ اپنے ہاتھ سے عذاب ناک موت دینا پسند کرتا۔ میں اس کے بھائی کی معذوری کا ذمے دار تھا اگرچہ یہ سچ نہیں تھا مگر مرشد علی اس پر پورا یقین رکھتا تھا۔

اس کی وجہ مجبوری ڈیوڈ شا تھا، اس کا آقا، وہ مجھے زندہ رکھنا چاہتا تھا کیونکہ ایک تو اسے مجھ پر آزمائے جانے والے طریقہ علاج سے دلچسپی تھی، دوسرے وہ ان ہیروں کے چکر میں تھا جو برٹ شا نے ایک دور دراز جگہ میں چھپا دیئے تھے۔ برٹ شا فتح خان کی قید میں تھا لیکن ڈیوڈ شا اس سے ناواقف تھا اور میرا اسے بتانے کا ارادہ بھی نہیں تھا جب تک میری جان پر نہ بن آئے۔ میں ڈیوڈ شا کو صاف انکار کر کے نہیں آیا تھا لیکن میں نے ہار مار دسا کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ مجھے سونیا اور ناصر کا خیال بھی تھا۔ اب تک ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ناصر نے حالات سمجھتے ہوئے سونیا کو اس جگہ سے ہٹا لیا تھا ورنہ جن جدید سہولیات کی مدد سے ان لوگوں نے میرا سراغ لگایا تھا اور ٹھیک اس درخت تک آ پہنچے تھے جس پر میرا آشیانہ تھا، وہ بابا کی کوٹھی تک کیوں نہیں جا سکتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ میں نے اپنے خاص موبائل کا استعمال زیادہ تر کوٹھی سے باہر کیا تھا اس وجہ سے وہ لوگ کوٹھی تک رسائی حاصل نہیں کر سکے تھے۔ بہرحال وجہ کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی تھی، سونیا اور ناصر محفوظ تھے۔

وسیم اور نگیل اب باقی نہیں رہے تھے۔ راجا عمر دراز اور اس کے آدمی میرے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہوں گے مگر مجھے ان سے امید نہیں تھی۔ ان میں نہ تو وسیم اور نگیل جیسی صلاحیتیں تھیں اور نہ ہی ان کے پاس وسائل تھے بلکہ وہ ڈیوڈ شا سے چھپتے پھر رہے تھے حالانکہ وہ غیر ملکی تھا اس کے باوجود مرشد علی اور فتح خان جیسے لوگ اس کے سامنے پالتو کتے کی طرح دُم ہلانے پر مجبور تھے۔ مجھے مرشد علی کا خیال آیا کہ میری گرفتاری پر اس کا کیا ردعمل ہوگا۔ میں نے اس کی پیشکش اس کے منہ پر ماری تھی جو مونا کے حوالے سے تھی۔ ابھی میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ قید خانے کا دروازہ کھلا اور مجھے مرشد علی کی صورت دکھائی دی۔ شیطان کا نام لیا اور وہ حاضر ہو گیا مرشد علی اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ دو عدد مسلح گرگے بھی تھے جنہوں نے مختصر نال والی مشین گنیں اٹھا رکھی تھیں۔

''خوش آمدید پیر صاحب۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''افسوس کہ یہاں آپ کے شایانِ شان بیٹھنے کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''تم اس کی فکر مت کرو۔'' اس نے کہا اور چٹکی بجائی عقب سے ایک شخص شاہانہ انداز کی زرنگار کرسی اور مرشد علی کے عقب میں رکھ دی۔ مرشد علی نے شہنشاہ اکبر کے آسن میں اپنی ریشمی قبا سمیٹتے ہوئے کرسی تشریف رکھی۔ حسبِ معمول اس نے اپنی آنکھوں میں اچھا خاصا سرمہ لگا رکھا تھا۔ میں اس کے سامنے فرش پر تو بیٹھنا چاہتا تھا اس لئے دیوار سے پشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔ ''تشریف آوری کی وجہ جان سکتا ہوں؟''

''شہباز میں تم سے دشمنی نہیں چاہتا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''مرشد علی، اس بلاوجہ کی دشمنی کا آغاز تمہاری طرف سے ہوا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''تمہارے بھائی نے اپنے طور پر ایک واقعے کو بنیاد بنا کر ہمارے خلاف کینہ پال لیا۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے کیا، اس نے میرے اس ہاتھ کو جسم سے جدا ہی کر دیا تھا۔ وہ تو خدا کو اس کی بہت منظور تھی۔''

''وہ ایک جذباتی نوجوان ہے۔'' مرشد علی سوچ میں گم انداز میں بولا۔ ''اسے بہرحال اپنے کئے کی مل گئی۔''

''وہ اسے بھی میرے کھاتے میں ڈالتا ہے حالانکہ اس نے احمقانہ انداز میں تین مسلح افراد کے ساتھ پستول نکالنے کی کوشش کی تھی۔ یہ نتیجہ تو لازمی تھا اس کی قسمت کہ وہ مارے جانے سے بچ گیا۔''

ایک لمحے کے لئے مرشد علی کی آنکھوں میں شعلہ سا لپکا تھا مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا۔ ''شہباز میں یہاں پرانی باتیں دہرانے نہیں آیا ہوں۔''

''اگر تم وہ پیشکش دوبارہ لے کر آئے ہو تو میرا جواب وہی ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ تمہارے یا ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہوں۔''

''وہ پیشکش بھی برقرار ہے۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن اس وقت میں کسی اور مقصد سے آیا ہوں۔''

''کہو۔'' میں نے کہا۔

''تم دونوں جاؤ۔'' مرشد علی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ وہ بے چون و چرا کئے چلے گئے اور قید خانہ دروازہ بند ہو گیا۔ وہاں بس میں اور مرشد علی رہ گئے تھے۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے مجھ پر اعتماد کر لیا، اگر میں تمہاری گردن مروڑ دوں؟"

مرشد علی مسکرایا۔ "مجھے امید ہے تم کوئی ایسی حماقت نہیں کرو گے جس کے بعد تم چند منٹ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکو۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ "تم درست کہہ رہے ہو، بہر حال کہو کیا کہنا ہے۔"

"شہباز، مجھے معلوم ہے سفیر اور مونا اس ملک سے جا چکے ہیں اور اب صرف تم باقی ہو، میں اس معاملے کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

"فی سبیل اللہ؟" میں نے طنز کیا۔ "تمہارے دل میں رحم آ گیا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ اگر میں ہاں کہوں تو یہ جھوٹ ہوگا۔ دراصل اس معاملے کا میری سیاسی ساکھ پر برا اثر پڑ رہا ہے۔"

"میں ہنسا۔ "تم سمجھتے ہو لوگ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ کالج کی طالبہ کی مرشد ہاؤس سے برآمدگی ابھی تک اخبارات کا موضوع ہے۔"

"تم بات تو سنو۔" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ضرور سناؤ لیکن مہربانی کر کے پھر کوئی ایسی تجویز پیش مت کرنا کہ میں عقل و ہوش گنوا کر تمہیں قتل کر دوں، بعد میں میرا بے شک کچھ بھی ہو۔"

"میری تجویز بہت سادہ سی ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "سفیر اور مونا جا چکے ہیں، میں تمہارے اب تک ہونے والے تمام مالی نقصان کی تلافی کر دیتا ہوں۔ بیس تیس، پچاس لاکھ روپے جتنے تم کہو۔"

"اور اس کے بدلے مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے تمہیں ڈیوڈ شانے بلایا تھا۔"

"ہاں، تم اس بارے میں جاننا چاہتے ہو۔" میں مسکرایا۔ "ویسے یہ سن کر تمہیں تعجب ہوگا وہ بھی مجھے کچھ اسی قسم کی پیشکش کر رہا تھا۔"

"کیوں؟" مرشد علی کا لہجہ مضطرب تھا۔

"یہ تم اس سے معلوم کر لو۔"

مرشد علی نے گہرا سانس لیا۔ "شہباز ملک میں صاف بات کروں گا۔ مجھے وہ ہیرے درکار ہیں اس کے بدلے میں تمہیں معاف کرنے اور تم پر قائم سارے مقدمات ختم کرانے کے لئے تیار ہوں۔ تم اپنے ساتھیوں سمیت باہر جا سکتے ہو۔"

"جب تم دل سے دشمنی بھلانے کو تیار ہو تو ہم یہاں بھی رہ سکتے ہیں۔"

"نہیں، دشمنی میں ختم کر رہا ہوں نادر نہیں۔ وہ پاگل ہو رہا ہے۔ اب تک میں نے اسے قابو میں رکھا ہے۔"

"بعد میں اس نے بے قابو ہو کر میرے یا سفیر کے گھر والوں کو نقصان پہنچایا تو....."

"ایسا نہیں ہوگا، اگر تم میری بات مان جاتے ہو تو میں نادر علی کو قائل کر سکتا ہوں کہ تم تینوں میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمیوں سے مقابلے میں مارے گئے ہو۔"

"اس نے لاشیں دیکھنا چاہیں تو۔"

"تو میں دکھادوں گا۔" وہ عیاری سے مسکرایا۔ "لاشیں مسخ بھی ہو جاتی ہیں۔"

"گویا تم نے سب سوچ لیا ہے، فرض کرو میں مان جاتا ہوں اور تمہیں اس وادی تک لے جاتا ہوں جہاں پر ہیرے ہیں پھر کیا ہوگا!"

"صرف جگہ نہیں، مجھے ہیرے چاہئیں۔"

"وہ تو تمہارے باپ ڈیوڈ شا اور اس کے دست ناراست فتح خان کو بھی چاہئیں۔" میں نے دل میں کہا اور بولا۔ "ہیروں کا علم مجھے ہوتا تو میں صبح سے شام تک اس ٹریول اینڈ ٹورسٹ ایجنسی میں سر کھپاتا۔ آرام سے یورپ امریکا یا آسٹریلیا میں بیٹھا ہوتا۔"

"تم ہیروں تک میری رہنمائی کرو گے اور جب مجھے ہیرے مل جائیں گے تو....."

"تم مجھے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر اپنے بھائی کے سامنے پھینک دو گے کہ وہ مجھے مسل دے۔ تمہیں ہیرے مل جائیں گے اور تمہارے بھائی کے جذبہ انتقام کی تسکین بھی ہو جائے گی۔"

اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا جیسے میں نے اس کے دل کی بات پکڑ لی ہو، پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہیں ہوگا میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم اپنے وعدے پر عمل کرو گے؟" میں نے مزید طنز سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "اپنی زبان کی بات مت کرنا اس پر میں اتنا ہی اعتماد کر سکتا ہوں جتنا کہ زہریلے سانپ پر۔ میں نے یہی بات ڈیوڈ شا سے بھی کی تھی۔"

"اسے بھول جاؤ۔ وہ کل یہاں سے چلا جائے گا۔" مرشد علی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اور اس کے بعد میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں گا۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"مجھ پر اعتبار کرو، تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" وہ بولا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ کو لبادے میں ہلکی سی حرکت دی اور فوراً ہی دروازہ کھلا اور اس کے محافظ اندر آ گئے۔ اس نے اپنے لباس میں کوئی سگنل دینے والا آلہ نگار کھا تھا۔ اس نے محض بٹن دبایا اور اس کے محافظین سگنل ملتے ہی اندر آ گئے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اتنے آرام سے میرے ساتھ اکیلا رہ گیا تھا عین ممکن تھا اس کے لباس میں کوئی پستول بھی ہوتا اور وہ میری طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہی اسے نکال لیتا۔

"میں تم سے پھر ملوں گا۔" وہ کھڑا ہو گیا اس کا کرسی بردار اندر آیا اور کرسی اٹھا کر لے گیا۔ مرشد علی بھی جانے کے لئے مڑا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا۔

"مرشد علی، یہ زیادتی ہے۔"

"کیسی زیادتی؟" وہ مڑا۔

"میں پریوں کے محل میں ہوں اور ابھی تک کسی پری سے محروم ہوں۔"

"مرشد علی نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ تم اس قسم کے آدمی ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں کیا میں آدمی نہیں ہوں یا مرد نہیں ہوں؟ میرے اندر بھی جذبات ہیں۔'' میں نے سادگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ آج رات کوئی لڑکی بھیج دی جائے گی۔'' وہ پھر جانے کے لئے مڑا۔

''اس معاملے میں، میں ذرا انتخاب پسند ہوں۔ اپنی پسند کا انتخاب خود کروں گا۔''

مرشد علی ہنسا۔ ''بڑے نخرے ہیں تمہارے۔ چلو ایسا ہی سہی۔''

''مرشد علی کمرے سے نکل گیا۔ میں نے زہرہ سے ملاقات کے لئے یہ چکر چلایا تھا اور میں یہ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ وہ عیاشی کے اس اڈے تک کیسے آئی۔ مرشد علی نے میری بات مان کر مجھے موقع دیا تھا کہ میں زہرہ سے مل سکوں۔ عین ممکن ہے مرشد علی زہرہ کے بارے میں سرے سے جانتا ہی نہ ہو۔ اسے صرف اتنا معلوم ہو کہ میں پہلوان اللہ رکھا کے ڈیرے سے اس کی بیوی سمیت فرار ہو گیا تھا۔ اس کا نام زہرہ تھا، یہ غیر اہم بات تھی۔ زہرہ شاید رانا خاندان کے توسط سے یہاں تک آئی تھی۔ جب تک ان کا دل نہیں بھرا اسے اپنے پاس رکھا اور پھر بوڑھی ہو جانے والی گائے کی طرح قصائیوں کے حوالے کر دیا۔ اگرچہ زہرہ کے لئے لفظ بوڑھی گائے کسی طور مناسب نہیں تھا۔ یہ تو واضح تھا وہ پچھلے کچھ عرصے میں بے پناہ جسمانی استحصال کا شکار رہی تھی۔ اس کے باوجود اس کے حسن و شباب کی تازگی اور دلکشی و رعنائی میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اسے دیکھا تھا، وہ پہلے کے مقابلے میں جسمانی طور پر زیادہ فٹ نظر آ رہی تھی۔ یہاں پر عورتوں کو فٹ رکھنے کے تمام انتظامات تھے کیونکہ ان کا حسن اور خاص طور سے جسمانی حسن ہی ان لوگوں کا اثاثہ تھا۔ وہ اس اثاثے کو برقرار رکھنے بلکہ پہلے سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ اس میں کمی ان کو کسی طور بھی گوارا نہیں تھی۔ اس کے لئے ان کی صحت کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر اور فزیوتھراپسٹ تھے، ایکسرسائز کے تمام لوازمات تھے۔ تہہ خانے میں سوئمنگ پول تھا، عورتوں کی خوراک کے معاملے میں وہ لوگ محتاط تھے۔ ان کو سادہ اور غذائیت سے بھرپور خوراک دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر زان کا باقاعدگی سے معائنہ کرتے تھے اور ان کے ماہانہ ٹیسٹ لئے جاتے تھے کہ ان کو کوئی خطرناک یا متعدی بیماری تو نہیں ہے۔ یہ سب مجھے بعد میں معلوم ہوا تھا۔

میرے پاس گھڑی یا کوئی اور شے نہیں تھی جو میں اس قید خانے میں وقت کا اندازہ لگا سکتا۔ اس میں بس ایک دروازہ اور اس کے اوپر ایک چھوٹا سا روشندان تھا۔ یہ روشن دان بھی ایک گیلری میں کھلتا تھا، اس لئے دن رات کا پتا نہیں چلتا تھا۔ فرش پر سادہ قالین تھا اور اس پر موٹا سا اسپرنگ میٹرس تھا۔ اس پر چادر، تکیہ اور ایک عدد کمبل تھا۔ حوائج ضروریہ کے لئے مجھے باہر لے جایا گیا تھا۔ جبکہ دن میں دو بار مجھے دروازے کے نیچے ایک درز سے کھانے کی ٹرے اور پانی کی پلاسٹک بوتل دی گئی تھی۔ کھانے میں ایک بار بریانی تھی اور ایک بار نان کے ساتھ سیخ کباب تھے۔ کھانا دونوں بار ٹھنڈا اور تکلف سے عاری تھا۔ اس لئے میں نے بس پیٹ بھرنے اور توانائی برقرار رکھنے کے لئے کھا لیا تھا۔ پانی کی بوتل اس ہدایت کے ساتھ دی گئی تھی کہ اسے احتیاط سے استعمال کروں کیونکہ مجھے صرف صبح اور رات باتھ روم کے لئے لے جایا جائے گا۔ شاید شام کے وقت مجھے چائے دی گئی تھی کیونکہ اس کے دو گھنٹے بعد کھانا آ گیا تھا۔ وقت گزارے کے لئے اور پریشان کن سوچوں سے بچنے کے لئے میں ایکسرسائز کرتا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات کے کھانے کے کوئی دو گھنٹے بعد جب میں باتھ روم کے دورے سے واپس آیا تھا ایک کرخت صورت اور گھٹے ہوئے مردانہ جسم کی حامل عورت اندر آئی، اس کی صورت میں وہ تمام خباثت اور مکروہ پن موجود تھا جو ایک نچی ہوئی ناگہ کی صورت میں پایا جاتا ہے مگر اپنے انداز سے وہ ناگہ کم اور جیلر زیادہ لگ رہی تھی۔ اس نے اندر آ کر خالص تھانیداروں کے انداز میں میرا معائنہ کیا اور استہزائیہ انداز میں بولی۔

''مردتو لگتا ہے پر تجھے قید میں کیا سوجھی عورت کی؟''

''سوچا مرنے سے پہلے اس شجر ممنوعہ کو بھی چکھ لوں۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''ڈھاڈا بندہ ہے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ اس کے لہجے میں پوٹھوہار کی جھلک تھی۔ اس کی بغل میں ایک سیاہ چپٹا سا بکس دبا تھا، میرا خیال تھا وہ البم ہوگی۔ ''کون سی لڑکی چاہئے؟''

''یہ میں دیکھے بغیر کیسے بتا سکتا ہوں۔''

اس نے بغل سے بکس نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ''یہ لیپ ٹاپ ہے۔ اسے استعمال کرنا آتا ہے تجھے؟'' میں حیران رہ گیا، وہ ذرا واقعی بے حد مختصر سا لیپ ٹاپ کمپیوٹر تھا جسے آج کل نوٹ بک کہا جانے لگا ہے۔ میں نے اس کا ہک دبا کر اسے کھولا، ایک طرف اسکرین تھی اور دوسری طرف کی بورڈ اور ماؤس تھا۔ ''ساری لڑکیوں کی اس میں تصویریں ہیں۔'' وہ بولی۔ ''کپڑوں والی بھی اور بغیر کپڑوں کے بھی، آرام سے دیکھ، میں آدھے گھنٹے بعد آؤں گی۔''

اس کے جانے کے بعد میں نے کمپیوٹر آن کیا۔ یہ لوگ اپنے اس مکروہ دھندے میں جدید ترین آلات سے کام لے رہے تھے۔ ایک البم میں کتنی تصویریں آ سکتی ہیں۔ سو ڈیڑھ سو، جبکہ اس نوٹ بک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں تصاویر آ سکتی ہیں۔ دنڈو آن ہونے میں چند سیکنڈ لگے تھے۔ سامنے ڈیسک ٹاپ پر ایک فولڈ بنا تھا جس پر فوٹوز لکھا تھا۔ میں نے اسے کھولا، اس میں تقریباً سات آٹھ سو تصاویر تھیں، میں نے پہلی تصویر کھولی۔ یہ ایک کمسن تھائی لڑکی کی تصویر یا وہ کمسن لگ رہی تھی۔ پہلی لباس والی تصویر کے بعد اس کا لباس کم ہوتے ہوتے آخری تصویر میں بالکل ہی غائب ہو گیا تھا۔ تصویریں ایک سافٹ ویئر کے ذریعے کھل رہی تھیں۔ میں نے تصویریں خود بخود بدلنے والا بٹن دبا دیا جو چند سیکنڈ بعد تصویر تبدیل کر دیا کرتا تھا۔

پہلی تیس پینتیس لڑکیاں غیر ملکی تھیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ زہرہ کی تصویریں اس انبار میں کہاں تھیں۔ کیونکہ تصویروں پر صرف نمبر دیئے ہوئے تھے، کوئی نام نہیں تھا پھر مقامی لڑکیاں شروع ہوئیں۔ یہ تصویریں دیکھنا صبر آزما مرحلہ تھا۔ میں نیکی اور پارسائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایک انسان ہوں مگر یہ تصویریں دیکھ کر میرے جذبات میں ابال آنے کے بجائے مجھے گھن کا احساس ہو رہا تھا اور میں بہ مجبوری و کراہت یہ سب دیکھ رہا تھا۔ جسے انسانیت کی لاش کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ جلد از جلد زہرہ کی تصویر آئے اور یہ عذاب ختم ہو۔ خدا خدا کر کے اس کی پہلی تصویر آئی جس میں اس نے سلیقے سے کرتہ پاجامہ اور چنری کا دوپٹا لے رکھا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگلی تصاویر کیسی ہوں گی اس لئے میں نے اس اولین تصویر پر تصویروں کے سائیکل سسٹم کو روک دیا۔

اب مجھے اس ناگہانی جیلر عورت کا انتظار تھا، ایسا لگ رہا تھا یہاں وہ عورتوں کی انچارج تھی۔ چند منٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد وہ آ گئی۔ ''دیکھ لی کڑی؟''

میں نے لیپ ٹاپ اس کی طرف گھما دیا۔ ''مجھے یہ پسند آئی ہے۔''

اس نے غور سے دیکھا۔ ''یہ بک ہے۔ دو دن سے ساہیوال سے ایک چودھری صاحب آئے ہیں۔ آج رات بھی یہ ان کے پاس رہے گی۔''

''مجھے تو یہی پسند آئی ہے، جب فارغ ہو تو میرے پاس بھیج دینا۔''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی اور اس کے پان زدہ دانت نمایاں نظر آنے لگے تھے۔ ''لگتا ہے تجھے زیادہ ہی پسند آ گئی ہے یہ۔''

''تم جیسا سمجھ لو، اسے لاسکتی ہو تو ٹھیک ہے۔''

''لانا تو پڑے گا پیر بادشاہ کا جو حکم ہے۔'' وہ خود سے بات کرنے کے انداز میں بولی اور نوٹ بک لے کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے نوٹ بک لانے سے مجھے کوئی اور فائدہ ہوا ہو یا نہ ہو، وقت کا پتا چل گیا تھا رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ تو زہرہ کسی چودھری صاحب کے پاس تھی۔ مجھے وہ عظیم الجثہ توند والا دھوتی پوش یاد آیا جو خوفناک آواز میں خراٹے لے رہا تھا۔ غالباً وہی ساہیوال کے چودھری صاحب تھے۔ مجھے افسوس ہوا، زہرہ پہلوان کے علاج کے لئے اس بدبودار دلدل میں اتری تھی اور اترتے ہوئے یہ بھول گئی تھی کہ دلدل میں ایک بار جا کر اس سے باہر نکلنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ ساتھ ہی مجھے خوشی بھی ہوئی کہ بے شک اس جگہ ہی سہی وہ زندہ تو تھی ورنہ خادم حسین کے قتل کی خبر پڑھ کر مجھے اس کے بارے میں کوئی اچھی امید نہیں رہی تھی۔

میں بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ زہرہ سے کل سے پہلے ملاقات ممکن نہیں تھی۔ مجھے اتنا اطمینان تھا کہ وہ مجھے اچانک نہیں ماریں گے۔ ڈیوڈ شا کے لئے میں پہلے بھی اہم تھا لیکن ہیروں کی وجہ سے اب مرشد علی بھی مجبور تھا کہ مجھے زندہ رکھے۔ یہ ہیرے ایک ایسی ہڈی بن گئے کہ کئی کتوں کی رال ان پر ٹپک رہی تھی۔ میں نے برسوں پہلے اس وادی سے زندہ سلامت نکل آنے کے بعد کبھی ان ہیروں کے بارے میں نہیں سوچا تھا جو آج میری سلامتی کے ضامن بن رہے تھے۔ گزشتہ کئی مہینے سے بے سکون اور پُرخوف زندگی گزارنے کے بعد آج میں دشمن کی قید میں ہونے کے باوجود کس قدر مطمئن تھا۔ میرے پیارے اس کی پہنچ سے دور تھے اور میں اس کے قبضے میں ہونے کے باوجود ابھی تک زندہ سلامت تھا۔ اس قادر مطلق نے چند بے جان پتھروں کو میرے لئے وجہ سلامتی بنا دیا جن میں اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے کوئلے سے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کوئلے جیسی بے وقعت شے جب زیر زمین اونچے درجۂ حرارت پر بے پناہ دباؤ برداشت کرتی ہے تو یہ ہیرے میں بدل جاتی ہے۔ زمین پر کوئلہ بے شمار اور بے حساب ہے لیکن اس میں سے ہیرا بننا کسی کسی کے مقدر میں ہوتا ہے۔ مجھے صبح آٹھ بجے اٹھایا گیا تھا اور منہ ہاتھ دھونے یا باتھ روم جانے کی اجازت دیئے بغیر لے جا کر ڈیوڈ شا کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ اس نے بہترین قسم کا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا اور بظاہر کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

''شہباز..... میں چند دن کے لئے جا رہا ہوں۔ اس دوران میں تم اچھی طرح سوچ لو۔ مجھے ہر قیمت پر وہ ہیرے درکار ہیں۔''

''میں بتا چکا ہوں مجھے ٹھوس ضمانت چاہئے۔ اس کے بعد میں ہیروں تک تمہاری رہنمائی کروں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس پر آ کے بات کریں گے۔'' ڈیوڈ شا نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہیں یہ کہنے کے لئے بلایا ہے کہ ہیروں کا ذکر کسی اور سے نہیں کرنا ہے۔''

میں مسکرایا۔ ''مثلاً کس سے؟''

''کسی سے بھی نہیں۔''

میں اس بار ہنسا۔ ''ڈیوڈ شا، تم مرشد علی کے آقا ہو لیکن لگتا ہے تم اس پر مکمل طور پر اعتماد نہیں کرتے ہو۔ ایسے ہائی دی دے، تمہارے جانے کے بعد میں اس کے رحم و کرم پر ہوں گا اگر اس نے مجھ سے بہ زور کچھ منوانا چاہا تو میں اتنا ہی بے بس ہوں گا جتنا کہ تمہارے سامنے ہوں۔''

''تم بے فکر رہو، ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میری واپسی تک تم اسی جگہ اور صحیح سلامت رہو گے۔''

''تم اپنے بارے میں نہیں کہہ سکتے کہ زندہ سلامت یہاں واپس آؤ گے میرے بارے میں ایسا خدائی دعویٰ کیسے کر سکتے ہو؟''

''پلیز لیکچر مت شروع کر دیا کرو۔ میں نے عام معنوں میں کہا ہے۔'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''یہ بتاؤ، راجا عمر دراز انڈیا کیوں جا رہا ہے؟''

اس نے اچانک سوال کر کے مجھے گڑبڑانا چاہا تھا مگر میں پُرسکون رہا۔ ''یہ بات تم اس سے پوچھو۔ میں اس بارے میں قطعی بے خبر ہوں۔''

اس نے غور سے دیکھا۔ ''میرا خیال ہے تم اس بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے ہو۔''

''تم میری بات پر یقین نہیں کرنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔'' میں نے شانے اچکائے۔

ڈیوڈ شا میرے نزدیک آیا اور اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''شہباز، مرشد علی کی رسائی دبئی تک نہیں ہے لیکن میری ہے۔''

میرے اندر سرد سی لہر دوڑ گئی تھی۔ ''ڈیوڈ شا تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''ہیروں کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔'' اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''بس یہ بات یاد رکھنا کہ سفیر اور مونا میری دسترس سے باہر نہیں ہیں۔''

''تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' میں نے کہا لیکن اپنے لہجے کا کھوکھلا پن خود مجھ پر واضح تھا۔

وہ ہنسا اور اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے چند تصویریں نکال کر میری طرف بڑھائیں۔ یہ ایک اپارٹمنٹ کا منظر تھا اس کی بالکونی اور کھڑکیوں میں مونا اور سفیر نظر آ رہے تھے۔ یہ چار تصویریں تھیں۔ ''یہ تصویریں ٹیلی لینس کیمرے کی مدد سے اتاری گئی ہیں۔ کیا یہ لینس کسی رائفل پر نہیں ہو سکتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی مارا جائے تو تمہارا کیا نقصان ہوگا اس کا حساب کتاب بھی کر لینا۔'' وہ یک دم پلٹا اور کمرے سے نکل گیا۔

میں تصویریں دیکھ رہا تھا۔ میرے ساتھ آنے والے دونوں نگرانوں میں سے ایک نے اچانک مجھ سے تصویریں چھین کر آتش دان میں ڈال دیں۔ ''یہ کیا کیا؟'' میں مشتعل ہو کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ ''حرامزادے۔''

''خبردار.....'' دوسرے نگران نے رائفل میری طرف کر لی تھی۔

میں نے رک کر اپنے اشتعال کو قابو میں کیا۔ ان سے الجھنے کا فائدہ نہیں، نقصان تھا۔ وہ مجھے گولی مار سکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور رائفل کے بٹ سے میرا سر پھاڑ سکتے تھے۔ تصویروں کے بارے میں ڈیوڈ شانے پہلے ہی ان کو سمجھا دیا ہو گا کہ اس کے جانے کے بعد کیا کرنا ہے۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''میں نے ناشتا نہیں کیا ہے اور نہار منہ قتل کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اس لئے مجھے لے چلو۔''

قید خانے میں جانے سے پہلے انہوں نے مجھے باتھ روم جانے کی اجازت دی۔ ناشتا کمرے میں میرا منتظر تھا۔ میں ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ نانکہ نما جیلر عورت آ گئی۔ ''چلو ملک صاحب۔''

''کہاں.....اور کیوں؟''

''کل خود ہی تو لڑکی کی فرمائش کی تھی اور اب پوچھ رہے ہو کیوں؟''

''مجھے اس کے پاس جانا ہو گا؟''

''تو کیا وہ اس کباڑ خانے میں آئے گی۔''

''چلو اور اپنا نام تو بتا دو۔''

''شمشاد۔'' اس نے جواب دیا۔ نام بھی مردانہ تھا۔ ''ایک بات کا خیال رکھنا۔ فرار کا خیال بھی مت لانا، دو تین دروازوں سے آگے نہیں جا سکو گے اور باہر چار عدد خطرناک کتے ہیں، تمہیں روکیں گے نہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔''

''میں ڈر گیا۔'' میں نے اداکاری کی۔ ''ویسے میرا ارادہ فوت ہونے کا ہرگز نہیں ہے۔''

''بندہ بعض اوقات ارادہ نہ ہوتے ہوئے بھی فوت ہونے والی حرکت کر جاتا ہے۔''

''اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو اپنے حفاظتی انتظامات پر تو ہو گا۔''

''تمہیں اس کے بارے میں ہی خبردار کر رہی ہوں۔ چنگے گبرو جوان ہو، کسی بے وقوفی میں مارے گئے تو مجھے بہت افسوس ہو گا۔''

''تشویش کا شکریہ۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔ ''وہ لڑکی کہاں ہے؟''

''بس ہم آ گئے۔'' شمشاد نے ایک دروازے کے سامنے رکتے ہوئے کہا۔ ''مگر تمہیں یہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ ایک نگران باہر رہے گا۔''

یہ وہی شخص تھا جو میرے قید خانے کے باہر موجود تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ زہرہ ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ یہ ڈسکوری چینل تھا جس پر شیروں کے متعلق ایک ڈاکومنٹری فلم دکھائی جا رہی تھی۔ ''کون ہے؟'' اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے دروازے کے پاس کھڑا رہا تھا۔ آخر اس نے سر گھما کر دیکھا اور مجھے دیکھ کر چونکی۔ ''تم.....؟''

میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ سمجھ گئی تھی۔ اس نے سنبھل کر بات بدل دی۔ ''تم.....کون ہو؟''

میں آگے بڑھا۔ ''اس جگہ آنے والے لوگ کون ہوتے ہیں؟''

''تو تم بھی گاہک ہو۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔ ''آج میری چھٹی کا دن ہے۔''

''میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے، کیا تم انکار کر رہی ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، اوور ٹائم بھی ہوتا ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''ہمیں یہاں انکار کرنے کے لئے نہیں رکھا گیا ہے۔''

''گڈ۔'' میں اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم نے میرا ہی انتخاب کیوں کیا؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''آدمی کسی کے بارے میں یقین سے کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ اسے کیوں اچھا لگ رہی یا رہا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے مگر تمہارا آنے کا وقت عجیب سا نہیں ہے۔ ہمارے گاہک عام طور سے شام کو یا رات کو آتے ہیں۔''

''اس بارے میں، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ لانے والے مجھے اس وقت لائے ہیں۔''

''لانے والے۔'' وہ چونکی۔

''میں قیدی ہوں یہاں، ممکن ہے کل تک مجھے گولی مار کر اس حویلی میں کہیں دفن کر دیا جائے، ممکن ہے یہ کام آج رات کر دیا جائے۔ اس وجہ سے مجھے صبح کے وقت یہاں لایا گیا ہے۔ ویسے تمہارا انتخاب میں نے کل رات کیا تھا اور مجھے بتایا گیا تھا کہ تم کسی چودھری کے لئے ریزرو ہو۔''

''وہ.....'' زہرہ مسکرائی۔ ''بے چارہ بہت شریف اور سیدھا آدمی تھا۔ ایسے لوگ ہمیں کم ہی ملتے ہیں۔ اس نے مجھے انسان سمجھا تھا۔''

''حیرت ہے، یہ پیشہ اختیار کرنے کے بعد بھی تم لوگوں سے انسانیت کی توقع رکھتی ہو۔''

''ہاں کیونکہ میں بھی انسان ہوں۔''

''بی بی، تم ایک بے حد مہنگی شے ہو۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''جب تم لوگوں سے منہ مانگی قیمت وصول کرتی ہو تو کیا تم ان کی خواہشات پوری کرنے سے انکار کر سکتی ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''پھر ان سے انسانیت کی توقع کیوں کرتی ہو؟''

''کیا تم مجھے درس دینے آئے ہو؟''

میں ہنسا۔ ''تم صبح سے دوسری فرد ہو جس نے میرے لیکچر سے بے زاری کا اظہار کیا ہے۔'' میں نے کہا اور ہاتھ کے اشارے سے اس کے کچھ لکھنے کو مانگا۔ وہ سمجھ گئی۔

''ہاں اس جگہ لیکچر کا کیا کام ہے۔ اپنا کام کرو اور جاؤ۔'' اس نے اٹھ کر ایک دراز سے کاغذ کا پیڈ اور پین نکال کر دیا۔ میں نے اس سے پین اور کاغذ لیا۔

''زہرہ تم یہاں کیسے آئیں؟'' میں نے لکھا اور منہ سے بولا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''یہ لمبی کہانی ہے۔'' اس نے لکھا اور بولی۔ ''نام میں کیا رکھا ہے میں بس ایک عورت ہوں۔''

''لمبی نہ سہی تم مختصر بتا سکتی ہو۔'' میں نے لکھا اور کہا۔ ''پھر بھی کوئی نام تو ہوگا۔''

''میں رانا کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ تم سوچ سکتے ہو میرا کیا حشر ہوا ہوگا۔ بس یوں سمجھ لو کہ مجھے مرنے نہیں دیا تھا ورنہ کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔'' اس نے لکھا اور بولی۔ ''میرے ماں باپ نے زہرہ نگار رکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب یہاں سب روپ کہتے ہیں۔"

"مجھے تو اندیشہ تھا، تمہیں بھی خادم حسین کے ساتھ مار دیا گیا ہوگا۔" میں نے لکھا اور کہا۔ "روپ واقعی تم پر جچتا ہے۔"

"وہ بے چارہ میری خاطر جان سے گیا اس نے ان لوگوں کو بتانے سے انکار کر دیا تھا کہ میں کہاں ہوں اور ان لوگوں نے اسے مار دیا۔ اس کی قربانی رائیگاں گئی تھی۔ انہوں نے فوراً مجھے تلاش کر لیا تھا۔ میں جن کے گھر میں تھی ان کو دھمکی دی تھی کہ میرے یا ان کے بارے میں پولیس کو بتایا تو وہ پھر آ جائیں گے اور پورے خاندان کو ختم کر جائیں گے۔"

"وہ غریب لوگ تھے ڈر گئے، تبھی تمہارے بارے میں اخبار میں کچھ نہیں آیا تھا۔ خادم حسین کے بارے میں میں نے اخبار میں پڑھ لیا تھا۔"

اس بار زہرہ نے زبان سے کہا۔ "میں چینج کر لوں، تمہیں کیسا لباس پسند ہے یا پسند نہیں ہے؟"

"اسی میں اچھی لگ رہی ہو۔" میں نے جواب دیا اور اسے ٹی وی کی آواز تیز کرنے کو کہا۔ "یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے کوئی راگ رنگ والا چینل لگاؤ۔"

اس نے وی چینل لگا دیا اور آواز تیز کر دی۔ "میرے ہوتے ہوئے اس راگ رنگ کی کیا ضرورت ہے؟"

میں نے لکھا۔ "کیا یہاں مائیک لگے ہیں۔"

"مجھے پکا نہیں پتا ہے لیکن شبہ ہے ان کمروں میں ہونے والی باتیں کہیں سنی جاتی ہیں۔"

مجھے فوراً ہی ایک اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔ "یہاں کیمرے تو نہیں ہیں؟"

"میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

میں نے گہری سانس لی۔ "اگر کیمرے تھے تو ان لوگوں نے دیکھ لیا ہوگا کہ ہم لکھ کر بات کر رہے ہیں، اس لئے جو ہوتا ہے وہ تو ہوگا۔"

"ان لوگوں نے تمہیں کیوں پکڑا ہے؟"

"یہ بھی لمبی داستان ہے۔ اسے مختصر یوں سمجھو کہ یہ وہی دشمن ہیں۔ رانا فیملی ان کی ایجنٹ تھی اور انہوں نے مجھے رانا کے حوالے کیا تھا جس نے مجھے پہلوان کے پاس رکھوا دیا تھا۔"

زہرہ چونکی تھی۔ "سچ مچ۔" اس نے لکھا تو میں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس نے اچانک پوچھا۔ "تمہیں رقص کرنا آتا ہے؟"

"معمولی سا۔" میں نے اس کا اشارہ دیکھ کر اقرار کیا۔

"آؤ میں تمہیں سکھاتی ہوں۔" اس نے ٹی وی بند کر کے سی ڈی پلیئر پر ایک سی ڈی لگائی اور اسپیکر کا والیوم ذرا اونچا کر دیا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ اپنی بانہیں میرے گلے کے گرد حائل کر دیں اور میرے کان میں سرگوشی کی۔ "معاف کرنا، بات کرنے کو یہی ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے۔"

اس نے ریشمی گاؤن پہن رکھا تھا جو اس کے ریشمی وجود پر سرسرا رہا تھا۔ اس کا قد مجھ سے تین چار انچ کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اسے منہ میرے کان تک لانے کے لئے مجھ سے لگ کر اچکنا پڑتا تھا اور یہ خاصا صبر آزما مرحلہ ہوتا تھا۔

''کیا ہم شرافت سے بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے؟'' میں نے اس کے کان میں جوابی سرگوشی کی۔

''اگر تمہاری کیمرے والی بات درست ہوئی تو ہم مشکوک ہو جائیں گے۔'' وہ بولی اور شرارت سے مسکرا دی۔ ''میں اتنی بری تو نہیں ہوں۔''

''ہاں..... مگر وہ..... میں..... خیر ایسے بھی ٹھیک ہے۔'' میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''پہلے تم اپنی رُوداد سناؤ۔''

''کیا سناؤں۔ اپنی بے آبروئی کی داستان۔'' اس نے تلخی سے کہا۔ ''رانا خاندان کے کتے سارا دن مجھے برہنہ گاؤں میں گھماتے تھے اور رات کو یہی کتے مجھے بھنبھوڑتے تھے۔ تین دن تک میرے ساتھ یہی تماشا ہوا تھا پھر اس کی بھنک کسی اخبار کو مل گئی۔ اس کے بندے آئے تو مجھے فوراً وہاں سے غائب کر دیا گیا۔ رانا خاندان نے مجھے شکر گڑھ میں اپنے ڈیرے پر پہنچا دیا۔ یقین کرو ایک دن اور یہ رسوا کن تماشا جاری رہتا تو میں زندہ نہ رہتی مر جاتی۔''

''شکر گڑھ سے تم یہاں کیسے آئیں؟''

''شاہ نواز کچھ انڈین لڑکیوں کا سودا کر کے ان کو لا رہا تھا۔ راستے میں وہ رانا خاندان کے ڈیرے پر رکا تھا اور وہاں اس نے مجھے دیکھا تھا اور رانا خاندان سے میرا سودا بھی کر لیا۔''

''اس نے تمہیں خرید لیا؟''

''ہاں اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ بردہ فروشی کا یہ کاروبار آج بھی چھپ کر مگر زوروں سے جاری ہے۔ شاہ نواز نے میرے بدلے ان کو پانچ لاکھ روپے دیئے۔ جبکہ وہ ان تین انڈین لڑکیوں کو چار لاکھ میں خرید کر لا رہا تھا۔''

''وہ تمہارا پاسنگ بھی نہیں ہوں گی۔''

''تعریف کا شکریہ مگر یہ حسن میرے لئے وبال بن گیا ہے۔ میرا بس چلے تو اسے برباد کر دوں۔''

''قصور حسن کا نہیں ہے، لوگوں کی ذہنیت کا ہے۔''

''تم نے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔''

''یہ میرے دشمن ہیں۔ شاہ نواز کا آقا مرشد علی میرے خون کا پیاسا ہے۔''

''مرشد علی..... یہ جگہ اب اس کی ہے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ہاں اب مرشد علی جامی شاہ کی جگہ لے چکا ہے۔''

''تب اس نے تمہیں زندہ کیوں چھوڑا ہے؟''

''مرشد علی کا بھی ایک آقا ہے اور وہ اپنے مفادات کے لئے میری زندگی کا خواہاں ہے اصل بات یہ ہے کہ ابھی خدا کو میری زندگی منظور ہے۔''

''تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ یہاں بہت سخت پہرا ہوتا ہے۔ حویلی کے باہر باغ میں ہر وقت رکھوالی کے کتے ہوتے ہیں۔ یہ کسی کو اندر آنے یا باہر جانے نہیں دیتے حد یہ کہ کتے شاہ نواز کو بھی نہیں پہچانتے۔ صرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کے رکھوالے ہی ان کو قابو کر سکتے ہیں۔ چار دیواری اور باہر گیٹ پر چار پہریدار ہوتے ہیں۔''

''یہ سب مجھے معلوم ہے۔ بلکہ مجھے یہ بھی معلوم ہے دو دن پہلے یعنی پرسوں رات جامی شاہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حویلی پر حملہ کیا تھا مگر اس حملے میں وہ خود مارا گیا۔ چالیس سے زیادہ لاشیں گری تھیں۔''

''پرسوں رات کو ہم سب کو تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا تھا۔''

''یہ کام تم لوگوں کو بے خبر رکھنے کے لئے کیا گیا ہوگا۔ اب تک مار ماری کے سارے آثار مٹا دیئے گئے ہوں گے اور ٹوٹے گیٹ کی مرمت بھی کی جا چکی ہوگی۔''

''گیٹ ٹوٹ گیا تھا۔''

''غائب ہو گیا تھا اس پر راکٹ مارا گیا تھا۔ حملہ اتنے زور و شور سے ہوا تھا کہ مجھے امید تھی شاہ نواز اور مرشد علی آج بچ نہیں پائیں گے مگر جیسے ہی وہ اندر آئے بازی الٹ گئی۔ شاہ نواز کے آدمیوں نے پہلے گیس کے بم مارے اور پھر ان پر مشین گنوں سے فائرنگ کی گئی۔ ان میں شاید ہی کوئی بچا ہو۔''

''شہباز جب ان لوگوں نے ہمیں تہہ خانے میں پہنچایا تھا تو وہاں میں نے ایک عجیب چیز دیکھی تھی، تہہ خانے کے نیچے ایک تہہ خانہ اور ہے۔''

میں چونکا۔ ''تم نے کیسے دیکھ لیا۔''

''سوئمنگ پول کے ایک طرف کچھ کمرے ہیں یہاں مساج اور دوسری تھراپیاں کی جاتی ہیں۔ وہاں ہمارے جانے پر پابندی نہیں ہے۔ میں تھکی ہوئی تھی اس لئے ایک کمرے کی طرف چلی گئی اور وہاں مساج والی بیڈ پر لیٹ گئی۔ اسی لمحے باہر سے شور ہوا۔ کوئی کرخت لہجے میں عورتوں کو ان کمروں سے دور جانے کو کہہ رہا تھا پھر ان لوگوں نے گندی گالیاں دینا شروع کر دیں۔ میں ڈر گئی تھی، جلدی سے میز کے نیچے گھس گئی، چاروں طرف چادریں لٹک رہی تھیں، فوراً ہی دو آدمی اندر آ گئے انہوں نے اندر سے دروازہ بند کیا پھر ایک نے سوئچ بورڈ کے بٹنوں کو دبایا۔''

''تم دیکھ رہی تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں خوف پر تجسس غالب آ گیا تھا۔ میں لٹکتی چادر اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی اس شخص نے بٹن دبائے ایک طرف دیوار میں خلا نمودار ہوا تھا۔ مجھے سیڑھیاں نیچے جاتی دکھائی دیں۔ وہ دونوں ان سے نیچے اتر گئے، میں کچھ دیر تو دیکھ رہی تھی۔''

''پھر تم نے نیچے جانے کا فیصلہ کیا؟'' میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاں میرے پیٹ میں سخت مروڑ اٹھ رہی تھی۔ اصولاً تو مجھے فوراً وہاں سے نکل جانا چاہیے تھا لیکن اس کے بجائے میں نے سیڑھیوں کا رخ کیا۔ سیڑھیوں کے دونوں جانب دیوار تھی اور نیچے جہاں یہ ختم ہو رہی تھیں خلا دکھائی دے رہا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے سیڑھیاں اترنے لگی۔ سیڑھیاں کم سے کم بیس فٹ تک نیچے گئی تھیں۔ میں نے آخری سیڑھی پر قدم رکھا تو مجھے دروازے کے دوسری جانب ایک بڑا سا ہال دکھائی دیا تھا۔ کم سے کم بھی سو فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا اور اس میں لکڑی کی پیٹیاں رکھی تھیں۔ یہ پیٹیاں زمین سے کوئی دس بارہ فٹ تک اونچی تھیں۔ درمیان میں راستے تھے، مجھے ان دونوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ''ارے مشین گن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنبھال، اس کا باکس اِدھر دے۔ یہ ڈبا بھی اٹھا۔ احتیاط سے، اس میں گیس کے بم ہیں، گر گیا تو دو منٹ میں اوا لمبے پڑے ہوں گے۔"

"ان پیٹیوں میں اسلحہ تھا؟" میں نے غور کیا۔

"ایسا ہی لگ رہا تھا۔" وہ بولی۔ "جیسے ہی وہ سیڑھیوں کی طرف آنے لگے میں اوپر لپکی اور جلدی سے میز کے نیچے گھس گئی، میں بال بال بچی تھی۔ کیونکہ جیسے ہی میں کمرے میں آئی وہ نیچے سیڑھیوں پر نمودار ہوئے تھے خوش قسمتی سے ان کی ساری توجہ اٹھائے ہوئے سامان پر تھی ورنہ وہ میری ایک جھلک تو دیکھ ہی لیتے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ میز تلے لیٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے مشین گنیں، ایمونیشن بکس اور بموں والے بکس میز رکھے اور نیچے مزید سامان لینے چلے گئے تھے۔"

"تم نے میز کے نیچے سے نکل کر سامان کا معائنہ کیا ہوگا۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "ہاں ان کے جاتے ہی میں میز کے نیچے سے نکل آئی تھی۔ میز پر دو عدد ایل ایم جی اور ان کے ایمونیشن باکس رکھے تھے۔ ایک باکس الگ سے تھا جس میں گیس کے بم تھے۔"

"تمہیں اسلحے کی پہچان ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "میں پہلوان اللہ رکھا کی بیوی تھی، اس کے ڈیرے پر ہر قسم کا اسلحہ آتا تھا۔ مجھے پستول اور رائفل بھی چلانی آتی ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، یہ لوگ اسلحے کی تجارت بھی کرتے ہیں؟"

"اتنا اسلحہ ذاتی استعمال کے لئے کون رکھتا ہے؟" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"کوئی بھی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسلحہ آتا کہاں سے ہے اور کہاں جاتا ہے۔"

"جہاں بنتا ہے وہاں سے آتا ہے اور جہاں اس کی مانگ ہے وہاں جاتا ہے۔" اس نے سادگی سے کہا۔

میں نے غور کیا اس جگہ سے بھارتی سرحد بیس بائیس میل کے فاصلے پر تھی ممکن ہے یہ اسلحہ بھارت سے اسمگل ہو کر آتا تھا اور ملک میں سرگرم تخریبی تنظیموں اور دہشت گردوں کو مہیا کیا جاتا تھا جو اپنی سرگرمیوں سے اس ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔ گویا شاہ نواز اور جامی شاہ محض عورتوں کے دلال نہیں تھے بلکہ اسلحے سے وطن فروشی میں بھی ملوث تھے۔ یہ انکشاف ضرور تھا مگر غیر متوقع نہیں، ذاتی مفاد کے لئے یہ ہر کام کر سکتے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "زہرہ..... تم نے کبھی یہاں سے نکلنے کے بارے میں نہیں سوچا؟"

اس نے مجھے دیکھا۔ "اس طرح سے نہیں جس طرح سے تم سوچ رہے ہو۔ میں نے مرنے کے بارے میں سوچا تھا یہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے کوئی نہ کوئی عورت خودکشی کر لیتی ہے۔"

"اس کی لاش کا کیا کرتے ہیں یہ لوگ؟"

وہ تلخ انداز میں مسکرائی۔ "کیا کر سکتے ہیں۔ اسے خاموشی سے حویلی کے کسی گوشے میں دفنا دیا جاتا ہے۔ میرے آنے کے بعد سے تین عورتیں خودکشی کر چکی ہیں اور ایک کو ایک گاہک نے مار دیا تھا۔ ان سب کو حویلی میں دفنا دیا گیا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیسے گاہک نے مارا تھا اس گاہک کا کیا ہوا؟''

''اس سے بھاری ہرجانہ لے لیا گیا۔ وہ اونچی پارٹی تھی، اس کے خلاف کارروائی نہیں کی جا سکتی تھی اور ویسے بھی اس کا جرم اتنا سنگین نہیں تھا۔ ایک طوائف کو ہی قتل کیا تھا کوئی انسان نہیں مارا تھا۔''

زہرہ شروع میں جتنی کول مائنڈ رہی تھی، آہستہ آہستہ اتنی ہی جذباتی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جبر کے ساتھ یہاں رہ رہی تھی۔ اس کے اندر جذبات تھے مگر وہ کس کے سامنے یہ جذبات ظاہر کرتی۔ ان گاہکوں کے سامنے جنہیں صرف اس کے حسن و شباب سے دلچسپی تھی اور وہ ان کی رام کہانی سننے نہیں آتے اور دوسرے ان کے نگران جن کے سینے میں دل کی جگہ تجوریاں تھیں اور وہ ان عورتوں کو اپنی تجوریاں بھرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ ان کے دکھ اور درد کو کہاں سے سمجھتے۔ زہرہ کو طویل عرصے بعد میری صورت میں ایک ہمدرد ملا تھا اس لئے وہ میرے سامنے جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے میرے شانے پر سر رکھ لیا تھا۔ اچانک مجھے نمی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے اس کا سر اوپر کیا وہ رو رہی تھی۔ ''کاش کہ مجھے موت آ جائے۔ اب اس دنیا میں میرے لئے کیا رکھا ہے۔''

''یہ تم سوچ رہی ہو، اس خالق نے تمہارے لئے کیا سوچا ہے یہ تمہیں نہیں معلوم اور بائی دی وے جب تم موت کی خواہاں ہو اور خودکشی پر بھی غور کر چکی ہو۔ تمہیں خیال نہیں آیا کہ حویلی کے نیچے اسلحے کا جو ذخیرہ ہے اسے ا ادو۔''

''خیال آیا تھا مگر میں اتنی جانوں کا بار خود پر لے کر نہیں مرنا چاہتی تھی۔ یہاں تیس چالیس انسان نما درندے ہیں تو سو سے زیادہ وہ مظلوم اور بے بس عورتیں بھی ہیں جو پہلے ہی ظلم کا شکار ہیں، میں ان کو کیسے مار سکتی۔''

''تم نے تہہ خانہ کھولنے کا طریقہ دیکھا تھا؟''

''کسی حد تک۔ انہوں نے تین بٹن دبائے تھے۔ آخر کے دو بٹن مجھے یاد ہیں۔ پہلے بٹن کے بارے میں، میں یقین سے نہیں کہہ سکتی ہوں مگر ہم معلوم کر سکتے ہیں۔''

''زہرہ..... اگر تم راضی ہو تو ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔''

''کیسے؟'' اس نے کہا۔

اس گفتگو کے دوران ہم نے کچھ زیادہ ہی رقص کر لیا تھا اور نصف گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا، میں نے ریکارڈ تبدیل کیا اور ایک پاپ میوزک کی سی ڈی لگا دی جس میں ایک گلوکار ساعت شکن آلات موسیقی کی مدد سے کسی نفسیاتی موضوع پر رونے کے انداز میں گا رہا تھا۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا اور زہرہ انداز محبوبی کے ساتھ اس کی چوڑی ہتھی پر آ بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ وہ میری طرف جھکی تو میں نے گھبرا کر پوچھا۔ ''خیریت تو ہے؟''

''وہ ہنسی۔ ''دل سچ مچ بے ایمان ہو رہا ہے۔''

''مہربانی کر کے اسے قابو میں رکھو۔ تم جانتی ہو، میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں، تم پہلے بھی بہت دیر تک میرے ساتھ رہ چکی ہو۔ پھر میری جان پر بنی ہے۔ میں ایسے دشمنوں کی قید میں ہوں جو مجبور نہ ہوں تو مجھے ہر ممکن اذیت دے کر مارنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کریں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ ضروری ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''اتنا بھی ضروری نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم ذرا سیدھی ہو کر بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔''

وہ بادلِ ناخواستہ سیدھی ہوئی اور کسی قدر خفگی سے کہا۔ ''بولو۔''

''تم اس تہہ خانے تک مجھے لے جا سکتی ہو؟''

''یہ ناممکن ہے۔'' اس نے کہا۔ ''صبح چھ سے شام سات بجے تک وہاں عورتیں ہوتی ہیں اور ان کا مساج، تھراپی اور نگرانی کرنے والی عورتیں ہوتی ہیں۔ سات بجے کے بعد تہہ خانہ بند کر دیا جاتا ہے اور وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔''

''وہاں کتنے پہریدار ہوتے ہیں؟''

''عام طور سے ایک ہی ہوتا ہے، اس کا نام قیصر ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں اسے۔'' وہ ہنسی۔

''اس جان پہچان کی وجہ؟''

''عاشق ہے مجھ پر۔'' وہ بے باکی سے ہنسی۔ ''مگر یہاں کا قانون ہے حویلی سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد چاہے وہ شاہ نواز ہی کیوں نہ ہو، کسی عورت کے پاس نہیں جا سکتا۔ یہی اصول عورتوں کے لئے ہے۔ اگر کوئی مرد یا عورت اس قانون کی خلاف ورزی کرے تو اس کو عبرتناک سزا دی جاتی ہے۔''

''تمہارے سامنے کسی کو سزا ہوئی؟''

وہ لرز گئی تھی۔ ''ہاں سزا سب کے سامنے دی جاتی ہے تاکہ پھر کوئی ایسی جرأت نہ کرے۔ اس پر کتے چھوڑ دیے جاتے ہیں جو اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ وہ کوئی افغانی لڑکی تھی، ضدی اور اکھڑ۔ پہلے بھی اسے کئی بار سزا ہو چکی تھیں اس نے ایک ملازم کو پھنسا لیا۔ بلا کی خوبصورت تھیں اس لئے وہ بے چارہ انجام جانتے ہوئے بھی جھانسے میں آ گیا۔ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور اگلے دن تمام عورتوں اور مردوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ان پر کتے چھوڑ دیے گئے۔ کتوں نے چند منٹ میں ان کو چیر پھاڑ کر مار ڈالا۔''

''اس کے باوجود قیصر تم میں دلچسپی لے رہا ہے۔''

''میں ایک اشارہ کر دوں تو کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے۔''

میں سوچنے لگا تھا۔ دن میں یہ کام ممکن نہیں تھا، اوّل تو وہاں مردوں کو جانے کی اجازت نہیں تھی، صرف عورتیں جاتی تھیں، دوسرے مردوں کو جانے کی اجازت ہوتی تب بھی میں نہیں جا سکتا تھا۔ میں تو اس کمرے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ یہاں پر بھی پہرا تھا مگر ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے اور میں اس بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ ''تم لوگوں کو رات کو اپنے کمروں سے نکلنے کی اجازت ہوتی ہے۔''

''ہم رات کو اوپر نیچے کی منزلوں میں کہیں بھی جا سکتے ہیں مگر تہہ خانے میں اور عمارت سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔''

''تہہ خانے میں جانے والا راستہ کہاں ہے؟''

''اس جگہ سے کچھ ہی دور ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن تم جانے کا سوچ رہے ہو تو بتا دوں، قیصر خطرناک آدمی ہے، وہ خالی ہاتھ سے بھی دوسروں کو قابو کر لیتا ہے لیکن اس کے پاس ہتھیار بھی ہوتے ہیں، تم اکیلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو ہٹائے بغیر تہہ خانے میں نہیں جا سکتے۔"

"اسے میں نہیں، تم راستے سے ہٹاؤ گی۔"

"میں کیسے.....؟" وہ بولی۔ "اوہ اچھا، وہ مجھ پر فریفتہ ہے لیکن ڈیوٹی کے وقت اسے سوائے موت کے اور کوئی وہاں سے نہیں ہٹا سکتا ہے۔"

"عورت فرشتہ اجل سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ فرشتہ اجل تو جگہ اور وقت کا محتاج ہے لیکن عورت مرد کو جہاں لے جا سکتی ہے جہاں اس کی موت منتظر ہو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

زہرہ نے خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ "تمہارا مطلب ہے میں اسے غافل کر دوں اور تم اسے مار ڈالو گے۔"

"ضروری نہیں ہے مگر راستے سے ہٹانے کے لئے اسے ناکارہ بنانا لازمی ہے۔ تبھی ہم تہہ خانے میں جا سکیں گے۔"

"وہاں جا کر کیا کرنا ہوگا؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ بس یہ سوچ لو، آج رات ہم نے تہہ خانے میں داخل ہونا ہے۔"

"صرف سوچنے سے کیا ہوگا ہے، مجھے تو یہ کام ناممکن لگ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو تم اپنے ساتھ مجھے بھی مروا دو۔" وہ خوفزدہ لگ رہی تھی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے بات بدل دی۔

"کھانا ابھی ایک گھنٹے بعد آئے گا بلکہ مجھے جا کر لانا پڑے گا۔"

"تمہیں کیوں؟"

"دوسری عورتیں جا کر ڈائننگ ہال میں کھاتی ہیں اور جن کے ساتھ گاہک ہوں وہ اپنا اور ان کا کھانا کمرے میں لا کر کھاتی ہیں۔"

"یعنی دلجمعی کے ساتھ ملازماؤں والے کام بھی تم عورتوں کو کرنا پڑتے ہیں۔"

اس نے سر ہلایا۔ "صفائی ستھرائی سے لے کر کھانا بنانے اور دوسرے سارے کام ہمیں ہی کرنا پڑتے ہیں اس طرح انہوں نے زیادہ ملازم رکھنے سے بھی نجات حاصل کر لی ہے۔"

"حویلی میں صرف انتہائی ضرورت کے لوگ ہیں۔ زیادہ تر تو محافظ ہوں گے اور یہ سب اعتماد کے لوگ ہوں گے۔ اصل مسئلہ دولت کا نہیں ہے وہ تو ان کے پاس بے حساب آ رہی ہے، ایک ایک عورت ان کو اتنا کما کر دے رہی ہے کہ یہ اس کے لئے نصف درجن ملازمین بھی رکھیں تو ان کو فرق نہ پڑے مگر یہ ان عورتوں سے اس لئے کام کراتے ہیں کہ ایک تو وہ جسمانی طور پر فٹ رہیں دوسرے ان کو سوچنے کا موقع نہ ملے اور تھوڑا بہت ان کے اندر جو غبار جمع ہوتا ہے وہ اس طرح ریلیز ہو جاتا ہے کہ کام کر کے ان کے اندر کی عورت کو تسکین ملتی ہوگی اور وہ خود کو محض دوسروں کی خواہشات پوری کرنے والی مشین نہیں سمجھتی ہوں گی۔"

زہرہ نے حیران ہو کر مجھے دیکھا۔ "تم نے بالکل ٹھیک تجزیہ کیا ہے۔ جب یہاں رہنے والی عورتیں گروپ کی صورت میں کام کرتی ہیں تو بے حد خوش رہتی ہیں۔ آپس میں بات چیت اور ہنسی مذاق کرتی ہیں اور جب کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاہک کے پاس جاتی ہیں تو بدل جاتی ہیں، مصنوعی ناز و ادا اور نخروں کا ایک خول خود چڑھا لیتی ہیں۔ ان کا اصل روپ اس وقت سامنے آتا ہے جب یہ صفائیاں کرتی ہیں، کھانا بناتی ہیں، اپنے کپڑے دھوتی ہیں اور دوسرے کام کرتی ہیں۔''

''اس کی وجہ وہی ہے اس گندے کام میں ملوث ہونے کا احساس ان کے ذہن پر بوجھ بن جاتا ہے۔ یہ بوجھ کم نہ ہو تو اس کے بوجھ تلے دب کر وہ مر بھی سکتی ہیں۔ پاگل بھی ہو سکتی ہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''یہ لوگ بڑی چالاکی سے یہ سارا سیٹ اَپ چلا رہے ہیں۔''

''شاید۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔ ''یہ جتنے چالاک ہیں اتنے ہی سفاک بھی ہیں۔ ان کی ایک عورت ایک گاہک کے پاس سے فرار ہو گئی شاید اس نے ترس کھا کر خود بھگا دیا۔ عورت کراچی چلی گئی تھی۔ ان کے گرگے اس کا سراغ لگاتے ہوئے وہاں تک جا پہنچے اور اسے لے آئے۔''

''اسے کیا سزا ملی تھی۔''

''کچھ نہیں..... بس تین دن تک صحن میں بھوکا پیاسا باندھ کر رکھا تھا۔ اس کے کپڑے اتار دیئے تھے اور سر پر استرا پھیر دیا تھا۔''

''تم کہہ رہی ہو یہ کچھ سزا نہیں ہے۔''

''ہاں سزا تو اسے بھگانے والے کو ملی تھی، ایک روز اس کی کوٹھی میں ڈاکو گھس آئے اور اسے قتل کر گئے پولیس کو ڈاکوؤں کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔''

''ان کو زبان بندی کی قیمت دے دی گئی ہو گی۔''

''یہیں نہیں یہ لوگ اس شخص کی پندرہ سالہ بیٹی کو اٹھا لائے جب وہ آئی تو سنا ہے بالغ بھی نہیں ہوئی تھی اور اب اس سے یہاں کی عورتیں بھی شرماتی ہیں، اتنی پکی اور بے حیا ہو گئی ہے۔''

''پھر اس عورت کا کیا ہوا؟''

''ہونا کیا تھا سزا پوری ہوئی تو اسے پھر سے دھندے پر لگا دیا گیا تھا۔ وہ اسے نہیں مار سکتے تھے۔ وہ ان کا اثاثہ ہے، ہم ان کے لئے دولت کمانے والی مشینیں ہیں۔''

''اعلیٰ حکام کو اس مکروہ دھندے کا علم ہے؟''

''علم۔'' زہرہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔ ''وہ برابر کے شریک ہیں۔ میں نے اس شہر کے ان لوگوں کے ساتھ راتیں گزاری ہیں جو قانون اور عوام کے رکھوالے کہلاتے ہیں جن کا کام عوام کو انصاف مہیا کرنا اور ان کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنا ہے۔''

''شاید اسی وجہ سے یہ مکروہ دھندے اتنی تیزی سے پنپ رہے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری ''اس ملک کے حکام بدنیت ہیں اور جب حاکم کی نیت درست نہ ہو تو عوام کا اللہ ہی حافظ ہوتا ہے۔''

''شہباز، میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن جب میں سوچتی ہوں یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں گی تو میرے اندر کی یہ خواہش دم توڑ جاتی ہے۔''

''خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں مگر میرے لئے تنگ ہوگئی ہے۔''

''تم میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تم پڑھی لکھی ہو، خود کام کر کے اپنا پیٹ پال سکتی ہو، اگر تم کو یہاں خطرہ ہے تو میں تمہیں بیرونِ ملک بھی بھیج سکتا ہوں۔''

''مجھے بیرونِ ملک جا کر کیا کرنا ہے۔ میں ان کے چنگل سے نکل جاؤں یہی بہت ہے۔''

''میں نے سنا ہے یہ عورتوں سے باقاعدہ معاہدے کرتے ہیں۔ تم کس معاہدے کے تحت رہ رہی ہو۔''

وہ تلخ انداز میں بولی۔ ''مجھ سے معاہدہ نہیں ہے میں ان کی زرخرید ہوں۔ پہلے ان کی لگائی رقم مع سود وصول ہو جائے اس کے بعد یہ مجھ سے معاہدہ کریں گے۔''

''اور رقم کب پوری ہوگی؟''

''کبھی نہیں، میری معلومات کے مطابق یہ جن عورتوں کو خریدتے ہیں وہ ساری عمر ان کی غلام رہتی ہیں۔ ان کو کبھی آزادی نہیں ملتی۔ یہاں بیس کے قریب ایسی عورتیں اور لڑکیاں ہیں جن کو انہوں نے خریدا ہے، ان میں بعض سات آٹھ سال سے ان کے پاس ہیں۔''

''یعنی سیدھے طریقے سے تمہاری رہائی کا کوئی امکان نہیں ہے؟''

''میں نے تو اس کی آس بھی چھوڑ دی ہے۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

اسی وقت ہلکے سے بزر کی آواز آئی جو دور کہیں بج رہا تھا۔ وہ کھڑی ہوگئی۔ اس نے سی ڈی پلیئر آف کر دیا۔ ''کھانے کا وقت ہوگیا ہے ملک صاحب۔ آپ کھانے میں کیا پسند کریں گے؟''

''کچھ بھی لے آؤ، بس ڈھنگ سے پکا ہو۔''

زہرہ نے لباس تبدیل کیا۔ اس نے سادہ سا شلوار سوٹ پہن لیا تھا جو اس پر سج رہا تھا۔ وہ بلاشبہ ان چند حسین ترین عورتوں میں سے تھی جن سے میں اب تک ملا تھا۔ اس پر ہر لباس سجتا تھا اور وہ خود اس قابل تھی کہ کسی محل نہ سہی کسی کوٹھی میں رانی ہوتی، کوئی شہزادہ اس کا شریکِ سفر ہوتا مگر اس کی قسمت کہ پہلے اسے پہلوان اللہ رکھا سے محبت ہوئی اور اس سے شادی کر لی، حالانکہ وہ شادی کے قابل نہیں تھا۔ اس میں غیرت بھی نہیں تھی ورنہ وہ زہرہ سے جسم فروشی کرانے کے بجائے خود چوری ڈاکے سے اپنے علاج کے لئے رقم جمع کر لیتا۔ پھر پہلوان کے مارے جانے کے بعد جب وہ میرے ساتھ بھاگی تو اسے راستے میں خادم حسین ملا جو شہزادہ نہ سہی پہلوان کے مقابلے میں بہت معقول قسم کا پڑھا لکھا انسان تھا۔ اس نے زہرہ کے ہوش ربا حسن کے آگے یوں ہتھیار ڈالے کہ زہرہ کا ماضی تک فراموش کرنے کو تیار ہوگیا تھا مگر بدقسمتی سے اس کے دشمن اسے بھولنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ تعاقب کرتے ہوئے خادم حسین کے گھر تک آ گئے تھے اور انہوں نے خادم حسین کی جان لے لی۔ زہرہ جس دلدل سے نکلی تھی اس سے بھی زیادہ گہری اور گندی دلدل میں جا گری تھی۔

''کہاں کھو گئے ہو ملک صاحب؟'' زہرہ نے شوخی سے کہا تو میں چونکا تھا اور یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ کھانے کی ٹرالی لے بھی آئی تھی اور مجھے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ ''اتنی خود فراموشی اچھی نہیں ہوتی ہے۔'' اس نے دہی بڑے اور چکن کڑاہی کی ڈشیں میز پر سجاتے ہوئے کہا۔

''خود فراموشی کتنی بھی ہو اچھی نہیں ہوتی ہے۔'' میں نے پلیٹ میں کھانا نکالنا شروع کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کھانا ہم نے خاموشی سے کھایا تھا۔ کھانے کے بعد وہ برتن رکھنے گئی تو چائے لے کر آ گئی۔ یہ اعلیٰ درجے کی مہکتی چائے تھی جس کے تمام لوازمات ٹرالی میں الگ الگ تھے۔ اس نے چائے بنا کر دی۔ میں نے چائے پی کر جماہی لی۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''سو جائیں ملک صاحب۔'' زہرہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ابھی تو پوری رات پڑی ہوئی ہے۔''

میں نے اسے گھورا تو وہ ہنسی تھی۔ ''مجھے اوڑھنے کے لئے کچھ دو۔''

زہرہ الماری سے کمبل لے آئی۔ باہر شدت کی سردی کے مقابلے میں اندر کی فضا مقابلتاً بہتر تھی۔ اس لئے گزارا ہو رہا تھا مگر لیٹتے ہوئے کچھ اوڑھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ ذرا دیر بعد میں سو گیا تھا۔ میرا ارادہ کرنے کا تھا اس کے لئے رات کی تاریکی لازمی تھی اور اس وقت تک میں سوتا رہتا تو نگرانی کرنے والوں کو شک نہ ہوتا ورنہ میرا یہاں آنے کا مقصد ان پر واضح تھا۔ مجھے شک پہلے بھی تھا کہ اس عشرت کدے کے ہر کمرے میں سننے اور دیکھنے والے آلات ہوں گے جو سب کچھ ریکارڈ کرتے ہوں گے۔ اگرچہ یہاں آنے والے تمام ہی لوگ توپ قسم کے تھے، سیاستدان، صنعتکار، جاگیردار اور اعلیٰ سرکاری افسران۔ ان کو بلیک میل کرنے کا مطلب اا خاتمہ کرانا تھا مگر کبھی کبھی بلیک میلنگ کا موقع بھی آ سکتا تھا جب کوئی توپ شخص بلاوجہ اپنی توپوں کا رخ ان کی طرف موڑ دے اور نقصان پہنچانے پر تل جائے اس وقت یہ ترپ کا پتا نکال کر اس کے سامنے رکھ دیتے ہوا گے کہ سرکار اب کیا خیال ہے۔ پاؤں تلے دب کر تو چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔

کیمرے اور مائیک لگانے کا اصل مقصد عورتوں اور لڑکیوں کے عزائم سے باخبر رہنا تھا تاکہ ان میں سے کوئی باغیانہ روش اختیار کرے تو بروقت اس کا تدارک کیا جائے مگر مجھے لگ رہا تھا اس کمرے کی حد تک کیمرے نہیں ہیں اور کیمرے استعمال کرنا یوں بھی خطرناک تھا کہ بھانڈا پھوٹ جاتا تو یہاں آنے والے ان کے خلاف مشترکہ محاذ بنا لیتے اور زمین پر ان کو کہیں پناہ نہ ملتی۔ محض مائیک سے بھی کام چل جاتا۔ اگر کیمرا ہوتا تو اب تک کوئی نہ کوئی آ چکا ہوتا مجھ سے اور زہرہ سے اس تحریر کے بارے میں پوچھنے کے لئے جو ہم خاموشی سے لکھ رہے تھے۔ مگر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ خاموشی سے انتظار کیا جا رہا ہو کہ میں چاہتا کیا ہوں اور جب میں حرکت میں آؤں تو وہ مجھے بآسانی گرفتار کر کے میری کوشش کو ناکام بنا دیں گے۔ بہرحال امید پر دنیا قائم تھی۔ ممکن ہے کیمرے ہوں اور انہوں نے کچھ نہیں دیکھا ہو البتہ حیران ہوں گے کہ میں اپنی پسند کی عورت کے پاس صرف میوزک سن گیا تھا اور ایسی کوئی حرکت نہیں کی جو متوقع لیکن یہاں عام تھی۔ ممکن ہے نگرانی کرنے والے میرے بارے زیادہ نہ جانتے ہوں اس لئے مجھ پر خصوصی کان رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔ میں سو کر اٹھا تو شام ہو چکی بلکہ شام کے سات بج رہے تھے اور اندھیرا ہوئے بھی خاصی دیر ہو چکی تھی۔ زہرہ حسب معمول ٹی وی دیکھ رہی اور اس نے حسب معمول نیشنل جیوگرافک لگا رکھا تھا۔

''لگتا ہے تمہیں اس قسم کے چینل اچھے لگتے ہیں؟'' میں نے کمبل اتارتے ہوئے کہا۔

''ہاں ان کو دیکھ کر آزادی کا احساس ہوتا ہے۔''

''غالباً تم ان جانوروں کی بات کر رہی ہو۔ ان بے چاروں کی آزادی کہاں باقی رہی ہے ان کے جسم سے ریڈیو کالر لگا دیئے گئے ہیں، ان کے بلوں تک میں کیمرے لگے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں یہ تو ہے پھر بھی مجھے کھلے مناظر والے یہ چینل اچھے لگتے ہیں۔''

''میں واش روم میں آ گیا۔ یہ خاصا پرتعیش قسم کا باتھ روم تھا۔ پہلے میں نے منہ ہاتھ دھونے کے بارے میں سوچا لیکن پھر فیصلہ بدل کر نہانے لگا۔ گرم پانی شاور سے جسم پر گرا تو ساری کسلمندی دور ہونے لگی تھی۔ زہرہ نے یہ اچھا کام کیا کہ جب تک میں نہا کر آیا اس نے چائے منگوالی تھی یا خود لے آئی تھی۔

''گڈ! اس وقت اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔''

''مجھے پتا تھا کہ تم نہا کر آؤ گے تو چائے کافی طلب کرو گے۔''

''آہ..... کیا نام لیا ہے ظالم..... مجھے لگ رہا ہے میں نے نہ جانے کب سے کافی نہیں پی ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی، کافی بھی مل سکتی ہے۔ حویلی کا باورچی ایسی کافی بناتا ہے کہ تم نے کہیں ایسی کافی نہیں پی ہوگی۔''

''باورچی..... تم نے تو کہا تھا کہ کھانا بنانے کا کام عورتیں کرتی ہیں۔'' میں چونکا۔

''وہ تو کرتی ہیں مگر ان کا نگران باورچی ہے وہ فیصلہ کرتا ہے، کیا پکنا ہے اور کیسے پکنا ہے پھر وہ سب میں کام بانٹ دیتا ہے اور خود صرف نگرانی کرتا ہے البتہ چائے کافی جیسی چیزیں وہ خود بناتا ہے، میں رات کے کھانے کے بعد تمہارے لئے کافی بنوا دوں گی۔''

جب مجھے یہاں لایا گیا تھا تو میرے سامان کے ساتھ میرے جسم سے بھاری جیکٹ بھی اتار لی گئی تھی۔ اب میں سیاہ پتلون، بنیان اور اس کے اوپر ہائی نیک پوری آستین کی گرم جرسی میں تھا۔ اس عمارت کے اندر یہ لباس کافی تھا مگر کھلی فضا میں جانے کے لئے کوئی جیکٹ یا سوئٹر لازم تھا۔ بہرحال باہر جانے کا مرحلہ ابھی دور تھا اور اگر میں کسی طرح یہاں سے نکل بھی جاتا تو سردی سے مرتا نہیں۔

''تم چھٹی پر ہو؟'' میں نے چائے نوش کرتے ہوئے زہرہ سے پوچھا۔

''گاہک آ جائے تو ہمیں اس کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ جو فارغ ہوتی ہیں وہ آ جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے پھر عورت پر بھی منحصر ہوتا ہے کہ اس کی کتنی مانگ ہے۔ ہفتے میں ایک دن تو لازمی چھٹی دی جاتی ہے۔''

''اور جو باہر جاتی ہیں ہفتے سے زیادہ کی بکنگ پر؟''

''یہ ان پر ہوتا ہے کہ وہ آرام کرنے کا موقع نکال لیں۔ بہرحال بزنس سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے لئے اصول و قواعد سب تبدیل کئے جا سکتے ہیں۔''

''شاہ نواز خود کہاں ہوتا ہے؟''

''میں اس بارے میں نہیں جانتی۔ وہ ہفتے میں ایک دو بار تو نظر آتا ہے۔ یہاں کی نگران اور سب کی باس شمشاد ہے۔''

''مسلح افراد کی بھی باس ہے۔''

''سب کی..... یہاں موجود ہر فرد اس کے حکم کا پابند ہے۔''

شمشاد مجھے بھی خطرناک عورت لگی تھی بلکہ اس میں نسوانیت نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ وہ صورت سے ہی سرد اور سفاک عورت لگتی تھی جو کامل بے حسی سے کسی کو قتل کر سکتی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''بزنس کے معاملات کون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھتا ہے؟''

''کیا مطلب؟'' وہ سمجھی نہیں تھی۔

''مطلب یہ کہ عورتوں کے لئے کون طے کرتا ہے کہ کس نے کہاں جانا ہے اور ان کے بدلے رقم کون وصول کرتا ہے۔''

''یہ سارے کام شاہ نواز خود کرتا ہے۔ حویلی میں آنے والے بھی جو ادائیگی کرتے ہیں وہ چوبیس گھنٹے کے اندر شاہ نواز کو دے دی جاتی ہے۔''

''یہ باتیں سب جانتے ہیں؟''

زہرہ مسکرائی۔ ''سب جانتے ہیں مگر میری طرح بتاتا کوئی نہیں ہے۔''

''تمہیں خوف نہیں ہے اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا تو؟''

''کیسے پتا چلے گا کوئی الہام تو ہونے سے رہا اور تمہیں بتا بھی دیا ہے تو اس سے کسی کو کیا نقصان ہے۔''

''میں دشمن ہوں ان کا۔'' میں نے کہا۔ ''ان کے لئے خطرہ بن سکتا ہوں۔''

''زندہ رہو گے تو خطرہ بنو گے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ یہ کسی کے دشمن بن جائیں اور وہ زیادہ دن زندہ رہے۔'' وہ مسکرادی۔

''زندگی اور موت کا علم صرف خدا کو ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ابھی تک تو دشمنوں کی خواہش کے برخلاف زندہ ہوں اور ان کے سینے پر مونگ دل رہا ہوں۔''

''کسی وجہ سے چھوٹ دے رکھی ہوگی۔'' زہرہ بولی۔

''چھوڑو اس چکر کو۔ اپنی نازک سی عقل اس معاملے میں مت کھپاؤ، کھانے کے بارے میں کیا خیال ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' میں نے پیٹ سہلایا۔

''بس کچھ دیر میں بیل بجنے والی ہے۔'' زہرہ نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

میں نے اسے اشارے سے سی ڈی پلیئر آن کرنے کو کہا۔ اس نے ایک سی ڈی لگا کر آواز ذرا تیز کر دی اور میرے پاس آ گئی۔ ''کوئی خاص بات؟'' اس نے پوچھا۔

''ایک روپیہ ہوگا تمہارے پاس، سکے والا؟''

''روپیہ..... سکے والا؟'' وہ دنگ رہ گئی تھی۔ ''اس کا کیا کرنا ہے؟''

''جب کروں گا تو دیکھ لینا۔ فی الحال دے دو۔''

''میرے پاس نہیں ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔

''میں نے کمرے کا معائنہ کیا، فرنیچر اور چیزوں کا جائزہ لیا بالآخر مجھے زہرہ کی جوتی پر لگا گول دھاتی بٹن نظر آیا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا، یہ سائز میں ایک روپے کے سکے جتنا اور اس کے مقابلے میں کسی قدر موٹا تھا۔ میں نے اسے اٹھایا یا چھیڑا نہیں تھا۔ فی الحال میں کوئی چونکا دینے والی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس اثنا میں کھانے کا بیرر بجا تھا اور زہرہ نے پوچھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا کہ میں اس کی جوتی میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا تھا۔ وہ کھانا لینے چلی گئی۔ کھانا اس بار بھی پُرتکلف تھا مگر میں نے بے توجہی سے کھایا۔ میرا ذہن اس سے زیادہ ضروری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وچوں میں گم تھا۔ زہرہ نے مجھے ٹوکا۔ ''ملک صاحب..... کھانا تو ٹھیک سے کھاؤ۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔

''ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''میں رات کو بھوک سے کم ہی کھاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم کافی بنوانے کے بارے میں کہہ رہی تھیں۔''

''اس کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔'' اس نے کہا۔

''تم کھانا کھاؤ۔'' میں نے کہا اور واش روم میں آ گیا۔ میں نے وہاں لگے بلب کا معائنہ کیا۔ واش روم میں ایک ہی بلب تھا اور اس سے مجھے تھوڑی سی دشواری ہو سکتی تھی۔ میں نے واش روم سے آ کر کمرے کے باہر والا دروازہ کھولا اور وہاں موجود مسلح نگران میری صورت دیکھتے ہی مستعد ہو گیا تھا۔

''کیا ہے؟'' اس نے غرا کر کہا۔

''کچھ نہیں آج صبح سے تمہاری منحوس صورت نہیں دیکھی تھی۔'' میں نے مسکرا کر کہا اور دروازہ بند کر لیا۔ اس سے ایک گالی سنائی دی تھی۔

''کیوں اس کے منہ لگ رہے ہو ملک صاحب۔'' زہرہ بولی۔

میں نے سی ڈی پلیئر آن کیا لیکن سی ڈی غزلوں والی لگائی تھی اور زہرہ کے پاس آ کر پوچھا۔ ''تمہارے پاس کوئی ٹارچ ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ایک چھوٹی ٹارچ ہے، گرمیوں میں لائٹ زیادہ جاتی ہے اور جنریٹر اسٹارٹ ہونے میں اور وقت لگتا ہے۔''

''مجھے دو۔'' میں نے مطالبہ کیا۔ اس نے اٹھ کر الماری سے ایک چھوٹی لیکن طاقتور ٹارچ نکال کر مجھے تھما دی۔ میں نے اسے جلا کر دیکھا۔ اس میں سیل تقریباً نئے تھے۔ زہرہ کے پاس اضافی سیل تھے، میں نے وہ بھی لے لئے۔

''تمہارا ارادہ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے سی ڈی پلیئر آف کیا۔ ''اب کافی لے آؤ۔''

زہرہ نے کھانے کے برتن سمیٹے۔ ''ابھی لاتی ہوں۔''

زہرہ کے جاتے ہی میں نے باتھ روم کا رخ کیا۔ میں نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تاکہ اندر کسی قدر روشنی آتی رہے۔ میں نے سوئچ بند کر کے باتھ روم کا بلب بجھا دیا پھر اسے رومال کی مدد سے پکڑ کر اتار لیا۔ ہولڈر میں زہرہ کی جوتی سے اتارا گول دھاتی سکے نما بٹن رکھ کر اوپر سے بلب لگا دیا اور باتھ روم کا دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔ کچن میں نے زہرہ کی بے خبری میں اتارا تھا تاکہ وہ بلاوجہ کے سوالات نہ کرے۔ وہ دس منٹ بعد ٹرے میں کافی کے مگ لے آئی۔ میں نے کرسی ایسی جگہ رکھ لی تھی کہ جب وہ دروازہ کھولے تو مجھے باہر کھڑا گارڈ نظر آئے۔ وہ دروازے کے بائیں طرف کھڑا تھا۔ ''کافی اچھی ہے۔'' میں نے سپ لے کر کہا۔

''ملک صاحب آپ کہیں تو رات کے لئے کچھ خصوصی چیزیں منگوا لوں؟'' زہرہ نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں رہنے دو۔ میں ان کا گاہک تھوڑی ہوں اوانگی کہاں سے کروں گا۔"

"اوانگی کی فکر نہ کرو۔ وہ میرے کھاتے سے ہو جائے گی۔" وہ اٹھلا کر بولی۔ ہم کچھ دیر تک آنے والی رات کے بارے میں اس طرح باتیں کرتے رہے تھے تاکہ سننے والے اس مغالطے میں رہیں کہ ہمارا کوئی اور ارادہ نہیں ہے۔ کافی کے بعد میرے اشارے پر زہرہ نے ایک بار پھر ی ڈی پلیئر چلا دیا تھا اور ہم پاس پاس آ کر محو گفتگو ہو گئے تھے۔ میں نے اسے باتھ روم کے بلب کے ساتھ کی جانے والی کارروائی سے آگاہ کیا۔

"اس کا مقصد؟"

"جیسے ہی سوئچ دبائیں گے نیوٹرل اور فیز آپس میں شارٹ ہو جائیں گے اور فیوز اُڑ جائے گا۔ پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب جائے گی۔"

"ممکن ہے ہر جگہ بجلی نہ جائے صرف ہمارے حصے میں جائے۔"

"اس صورت میں بھی کام ہو جائے گا۔ مجھے بجلی بند ہوتے ہی سب سے پہلے باہر کھڑے شخص کو قابو کر کے اس سے رائفل حاصل کرنی ہو گی۔ ممکن ہے اس کے پاس پستول بھی ہو۔"

"ہوتا ہے..... میں نے دیکھا ہے۔"

"دوسرے مرحلے میں ہمیں تہہ خانے کا رخ کرنا ہے اگر اس طرف بھی لائٹ نہیں ہوئی تو میں قیصر کو ناک آؤٹ کر دوں گا۔ دوسری صورت میں تمہیں اس کو قابو کرنا ہو گا۔"

"میں کر لوں گی۔" زہرہ بولی۔ "مگر سوال یہ ہے کہ ہمیں باہر جانے کے بجائے تہہ خانے میں گھسنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضرورت ہے۔ ایک بات بتاؤ تم نے کہا تھا کہ تم نے خفیہ تہہ خانے میں لکڑی کی بڑی سائز کی پیٹیاں دیکھی تھیں، تم ان کا حجم بتا سکتی ہو۔"

اس نے سوچا۔ "وہ چار فٹ لمبی چوڑی اور دو فٹ اونچی تھیں۔"

"اب غور کرو۔ جن تنگ سیڑھیوں سے اتر کر تم نیچے گئی تھیں کیا ان سے یہ پیٹیاں تہہ خانے میں جا سکتی تھیں؟" میں نے پھر پوچھا۔

اس نے غور کیا اور حیرت زدہ نظر آنے لگی۔ "تم نے ٹھیک کہا ہے اس تنگ سے راستے سے پیٹیاں لانا لے جانا بے حد مشکل کام ہے۔"

"اسے ناممکن سمجھو۔ اس سائز کی پیٹیوں میں اگر اسلحہ اور گولہ بارود ہوا تو ان کا وزن کئی من ہو جائے گا اور چند افراد کے لئے بھی اسے اٹھانا ناممکن ہو گا۔"

"سیڑھیوں پر دو افراد بھی آمنے سامنے نہیں جا سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "لیکن پھر یہ پیٹیاں تہہ خانے میں آئیں کہاں سے؟"

"یہی جاننے کے لئے تو ہم تہہ خانے کا رخ کریں گے۔ میرا خیال ہے وہاں آمد و رفت کے لئے کوئی خفیہ راستہ ہے اور وہ راستہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں سے گاڑیاں بھی گزر سکتی ہوں گی۔"

زہرہ مجھے گھورنے لگی تھی۔ "تمہارے ذہن میں یہ سب آیا کیسے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس آ گیا۔ اب غور سے سنو، جیسے ہی بجلی جائے گی میں مسلح شخص کو اندر کھینچ لوں گا۔ تمہیں اس پر ٹارچ سے روشنی کرنا ہوگی اور جیسے ہی اسے اندر کھینچوں دروازہ بند کر دینا ہوگا۔''

وہ فکرمند نظر آنے لگی۔ ''اس کے بعد؟''

''میں اس کی جیکٹ اور کیپ پہن لوں گا۔ پتلونیں دونوں کی سیاہ ہیں اس لئے کام چل جائے گا۔ حلیہ وخال چھپانے کے لئے میں کیپ آگے کر لوں گا۔ اسے باندھ کر بے بس کر کے یہاں ڈال دیں گے اور تم تہہ خانے تک میری رہنمائی کرو گی۔''

''میں سمجھ گئی۔''

''وہاں روشنی نہ ہونے کی صورت میں تم قیصر کے پاس جاؤ گی اور اسے غافل کرو گی۔ میں پیچھے سے اسے ناک آؤٹ کر دوں گا۔ روشنی ہونے کی صورت میں تم اسے وہاں لاؤ گی جہاں میں چھپا ہوں گا اور میں اسے دبوچ لوں گا۔''

''وہاں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے صرف کمرے ہیں جن میں لڑکیاں اور ان کے گاہک ہوتے ہیں۔''

''چلو یہ موقع پر دیکھ لیں گے۔'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔ ''یہاں لوگ کب سو جاتے ہیں؟''

''نیند.....'' وہ ہنسی۔ ''یہ رات کو جاگنے والی دنیا ہے۔ ویسے بارہ بجے کے بعد سب اندرونِ خانہ اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ کوئی باہر نہیں آتا اور جو لڑکیاں فارغ ہوتی ہیں وہ بھی بارہ بجے تک سونے کے لئے چلی جاتی ہیں۔''

''پہرے پر کتنے افراد ہوتے ہیں؟''

''تین نچلی منزل پر اور تین اوپری منزل پر۔ قیصر ان کے علاوہ ہے اس کا کام صرف تہہ خانے پر پہرا دینا ہے۔''

''تمہاری بات سے لگ رہا ہے کہ قیصر کوئی خطرناک قسم کا شخص ہے تبھی اسے اتنی اہم جگہ کی پہرے داری سونپی گئی ہے۔''

''وہ سچ مچ سفاک اور بے رحم شخص ہے دوسرے اس سے خوف کھاتے ہیں۔ شمشاد تک اس سے دب کر رہتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے اس کی حیثیت عام پہرے دار کے مقابلے میں زیادہ ہے ورنہ شمشاد اس سے دب کر نہیں رہ سکتی ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے جب وہ پہرے پر آتا ہے تو شمشاد بھی اس کی مرضی کے بغیر نیچے نہیں جا سکتی ہے۔'' میں سوچنے لگا۔ تہہ خانے سے باہر جانے کا کوئی خفیہ راستہ یقیناً تھا جس کے ذریعے اسلحہ یا وہاں جو بھی رکھا جاتا تھا، آتا جاتا تھا۔ یہ راستہ یقیناً ایسا نہیں تھا کہ ہر کوئی اسے آسانی سے تلاش کر سکے۔ عین ممکن تھا میں اور زہرہ اسے تلاش کرنے میں ناکام رہتے۔ اس صورت میں کوئی اندر کا آدمی ہی ہماری مدد کر سکتا تھا ورنہ تہہ خانہ ہمارے لئے چوہے دان ثابت ہوتا اور وہ آدمی قیصر ہو سکتا تھا۔ وہ اہم حیثیت کا حامل تھا تو اسے لازماً خفیہ راستے کا بھی پتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونا چاہئے تھا۔

ابھی میرے پاس وقت تھا اور میں اس پلان پر غور کر سکتا تھا۔ مجھے ہر پہلو سے سوچ سمجھ کر کام کرنا تھا۔ میں ناکامی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میری ناکام کوشش شاید مجھے اتنا نقصان نہ پہنچاتی کیونکہ مجھے زندہ رکھنا ڈیوڈ شا اور مرشد علی دونوں کی مجبوری تھی۔ دونوں کی رال کروڑوں ڈالرز مالیت کے ان ہیروں پر ٹپک رہی تھی جو ایک وادی میں کہیں دفن تھے اور ان دونوں کا خیال تھا کہ میں ان کی وہاں تک رہنمائی کر سکتا تھا حالانکہ میرے فرشتوں کو بھی پتا نہیں تھا کہ برٹ شا نے اس وسیع و عریض وادی میں ہیرے کہاں چھپائے تھے۔ اس جگہ ہیرے تلاش کرنا بحرالکاہل میں ایک خاص مچھلی تلاش کرنے کے مترادف تھا جو کہیں بھی پائی جا سکتی تھی مگر ان ہیروں کی دھن سے قید میں ہونے کے باوجود میری پوزیشن بہتر ہو سکتی تھی۔

خطرہ زہرہ کو تھا، پکڑے جانے اور فرار میں ناکامی کے بعد سارا نزلہ اس پر گرتا اور اسے عبرتناک انداز میں سزائے موت دے دی جاتی۔ جب یہ لوگ محض کسی پیریدار سے عشق لڑانے پر دونوں کو کتوں سے زندہ نچا سکتے تھے تو میرا ساتھ دے کر زہرہ کہیں سنگین جرم کی مرتکب ہو رہی تھی اسے تو وہ جو سزا دیتے وہ ان کے نزدیک کم ہوتی اس لئے میں ناکامی کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ میں ٹہلتے ہوئے غور کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور شمشاد اندر آ گئی۔ ''کیا حال ہیں ملک صاحب؟'' اس نے مخصوص طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ادھر کا قیام لمبا ہی ہو گیا ہے لگتا ہے لڑکی زیادہ ہی پسند آ گئی ہے۔''

اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ میں نے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ میرا وقت ختم ہو سکتا تھا اور مجھے اس کمرے سے پھر اس قید خانے میں پہنچایا جا سکتا تھا اور لگ رہا تھا شمشاد اسی ارادے سے آئی تھی۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

''تم نے کیا ہیرے رکھے ہیں دل ہی نہیں بھرتا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم نے بھی چن کر لی ہے عورت۔ میں بتانے آئی تھی دو بجے تم کو دوبارہ تمہارے قید خانے میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس وقت تک جتنا عیش کرنا ہے کر لو۔''

میں نے سکون کا سانس لیا اور احتجاج کیا۔ ''صبح تک تو وقت دو۔''

''اوہ نہیں ملک صاحب۔ اس نے دس بجے جانا ہے۔'' اس نے رکھائی سے کہا۔ ''اس کی بکنگ آئی ہے اور سن، تو بھی سو جانا تاکہ صبح تازہ دم ہو۔'' اس نے آخری جملہ زہرہ سے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

''شکر ہے۔'' میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا یہ حرافہ مجھے تم سے دور لے جائے گی۔''

''ابھی بھی دو بجے تک کی مہلت ہے۔'' زہرہ نے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

''اتنا وقت کافی ہے۔'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا جس میں ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ میرے اشارے پر زہرہ نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ میں نے وہی رف پیڈ استعمال کیا اور اس پر لکھا۔ ''کوئی ایسا لباس پہن لو جو بھاگ دوڑ میں کام آئے اور موسم سے بچائے۔ جوتے بھی ایسے ہی لینا۔''

زہرہ نے سر ہلاتے ہوئے الماری کھولی۔ اس میں سے اس نے موٹی ویلویٹ کا سادہ سوٹ نکالا۔ اس میں شلوار کی جگہ ٹراؤزر تھا اور قمیص بھی چھوٹی سی تھی۔ اس میں وہ آسانی سے حرکت کر سکتی تھی۔ ساتھ ہی اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوئٹر نکالا۔ الماری کے نچلے حصے سے اس نے سیاہ جوتے نکالے، ان کی ایڑی اگرچہ اونچی تھی مگر صرف دو انچ اور یہ خواتین کے لحاظ سے نہ ہونے کے برابر تھی اگر میں اتنی اونچی ایڑی کا جوتا پہن کر دوڑ لگاؤں تو امکان یہی تھا کہ چند قدم بعد میرا ٹخنہ اتر جائے گا۔ ''تمہارے پاس کوئی قیمتی شے یا رقم ہے تو وہ بھی رکھ لو۔'' میں نے لکھ کر اسے دکھایا۔ اس نے سر ہلا کر الماری کے ایک لاک والے خانے سے زیورات اور خاصی تعداد میں نقد رقم نکال کر ایک سیاہ رنگ کے چھوٹے سے بیگ میں ڈالی۔ یہ زیورات اور رقم یقیناً اس کے ساتھ وقت گزارنے والوں نے اسے تحفے میں دیئے تھے۔ حیرت اس پر تھی کہ ان لوگوں نے یہ سب زہرہ سے چھینا نہیں تھا۔ ممکن ہے یہ ان کا اصول ہو گا کہ لڑکی کو جو تحفے میں ملے وہ اس کا ہو گا اور بظاہر یہ لوگ اصولوں کے پابند نظر آتے تھے کم سے کم چھوٹے موٹے بے ضرر معاملات کی حد تک۔

بارہ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ زہرہ نے چینج کر لیا تھا کیونکہ باتھ روم کی روشنی نہیں جلائی جا سکتی تھی اس لئے اس نے کمرے میں لباس تبدیل کیا۔ میں نے رخ بدل لیا تھا حالانکہ اس سے پہلے کئی بار اسے بے لباس دیکھ چکا تھا مگر وہ مجبوری تھی، میں جان بوجھ کر یہ گناہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے گھوم کر خود کو دکھایا۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟''

''پرفیکٹ۔'' میں نے جواب دیا، اگر کوئی ہماری باتیں سن رہا تھا تو وہ یہی سمجھا ہو گا کہ زہرہ نے موقع کی مناسبت سے کوئی سنسنی خیز لباس پہنا ہو گا۔ میں نے ٹارچ اسے تھمائی اور اسے اشاروں سے سمجھایا کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ جب اس نے سر ہلا کر مجھے بتایا کہ وہ سمجھ گئی ہے تو میں نے باتھ روم کے بلب کا سوچ دبایا اور اگلے ہی لمحے لائٹ غائب ہو گئی۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ لائٹ کہاں کہاں کی گئی تھی۔

''یہ کیا ہوا؟'' زہرہ نے بلند آواز سے کہا اور دروازہ کھول کر باہر کھڑے پہریدار سے پوچھا۔ ''یہ لائٹ کیوں بند ہوئی ہے؟''

''مجھے کیا معلوم، اندر جا۔'' اس نے غرا کر کہا۔

''مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔'' زہرہ بولی۔ وہ اچھی اداکاری کر رہی تھی۔

''وہ تیرا خصم ہے نا اندر۔'' پہریدار بولا۔ میں اس اثنا میں زہرہ کے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اشارہ دیا۔ اس نے ایک طرف ہوتے ہوئے ٹارچ پہریدار کے منہ پر روشن کی۔ اس سے بات کرتے ہوئے زہرہ کو اندازہ تھا کہ اس کا منہ کس طرف ہے۔ ٹارچ کی تیز روشنی نے اسے عارضی طور پر اندھا کر دیا تھا۔ جبکہ وہ مجھے واضح نظر آ رہا تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا رائفل والا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر کھینچا۔ اس نے چلانے کے لئے منہ کھولا تھا کہ دائیں ہاتھ سے ایک بھرپور گھونسا اس کے منہ پر رسید کیا۔ آواز کے ساتھ اس کا منہ بھی بند ہو گیا تھا۔ جب وہ آگے آیا تو میں نے اس کی ٹانگوں کے درمیان گھٹنا رسید کیا۔ چونکہ وہ آگے آ رہا تھا اس لئے گھٹنا دوگنی رفتار سے اس کی ٹانگوں کے درمیان گھس گیا تھا اس نے ماہی بے آب کی طرح منہ کھولا تھا جسے میں نے پھر گھونسا مار کر بند کر دیا۔ رہی سہی کسر زہرہ نے اس کے سر پر اسٹیل سے بنی ٹارچ مار کر پوری کر دی۔ وہ اوندھے منہ فرش پر گرا، قالین کی وجہ سے آواز نہیں آئی تھی۔ زہرہ نے پھرتی سے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے پہریدار کی رائفل لی، وہ مکمل طور پر بے ہوش نہیں تھا اور برائے نام مزاحمت کر رہا تھا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناک کر کپٹی پر آخری گھونسا مارا جو اس کے لئے کافی ثابت ہوا اور وہ مکمل طور پر ہوش سے بیگانہ ہو گیا۔

اس کی جیکٹ سے ایک عدد پستول اور رائفل کا ایک اضافی میگزین نکلا تھا۔ اس کی پنڈلی سے خنجر بندھا تھا۔ یہ خاص آرمی نائف تھی۔ ایک طرف سے دھار دار اور دوسری طرف سے دندانے دار تھا۔ اس کی نوک بھی بڑی تھی میں نے اسے نیام سمیت پنڈلی سے باندھ لیا۔ اس کے فٹ بھر لمبے پھل کی وجہ سے اسے جیب میں رکھا ہی نہیں تھا جا سکتا تھا۔ زہرہ کو پستول چلانا آتا تھا مگر فی الحال اسے قیصر سے نمٹنا تھا اس لئے میں نے اسے پستول نہیں دیا۔ باہر تاریکی تھی اور عورتوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان میں کچھ مرد بھی بڑبڑا رہے تھے مگر ان کی آوازیں نمایاں نہیں تھیں۔ میں نے پہریدار کی جیکٹ پہن لی جو تقریباً میرے ناپ کی تھی۔ بس ذرا شانوں سے تنگ تھی۔

میں اور زہرہ بالکل خاموش تھے۔ میں نے اسے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ بات نہیں کرنی ہے۔ ممکن ہے لائٹ جانے کے باوجود مائیک کام کر رہے ہوں اور ہماری آوازیں سن لی جائیں۔ زہرہ نے دروازہ کھولا ہم باہر آئے، ہر طرف تاریکی تھی۔ زہرہ نے ٹارچ روشن رکھی۔ میں نے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ پہریدار کے بارے میں مجھے یقین تھا وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ زہرہ رہنمائی کر رہی تھی۔ ایک طرف سے کسی مرد کے چلانے کی آواز آئی۔

"ارے، یہ کیا ہوا ہے۔ کوئی فیز کام نہیں کر رہا ہے۔"

اس بات سے مجھے امید بندھی تھی کہ شاید پوری عمارت یا کم سے کم اس فلور کی لائٹ جا چکی تھی۔ اگر یہ درست تھا تو خاصی حیران کن بات تھی کہ اتنی بڑی عمارت یا اس کی ایک منزل کو ایک ہی سرکٹ بریکر کے ذریعے بجلی دی جا رہی تھی۔ اس کا فیوز اڑ جاتا یا سرکٹ بریک ہو جاتا تو پوری عمارت تاریکی میں ڈوب جاتی اور اس خامی نے میرا منصوبہ کامیاب کر دیا تھا۔ اس وقت ہر طرف تاریکی تھی اور کہیں بھی روشنی نہیں تھی۔ روشنی ہماری دشمن ہوتی۔ مجھے اطمینان تھا اگر انہوں نے فیوز دوبارہ لگا دیا تو وہ بھی اڑ جائے گا کیونکہ جب تک بلب تلے دبا دھاتی بٹن نہیں نکالا جائے گا فیوز اسی طرح اڑتا رہے گا۔ میں نے زہرہ کو ایک جگہ روک لیا۔ ذرا آگے ٹارچ کی روشنی لہرا رہی تھی اور اسی طرف آ رہی تھی۔ "زہرہ کوئی چھپنے کی جگہ بتاؤ" میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ادھر کمرے میں آؤ۔" اس نے کہا اور ایک نزدیکی دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھل گیا اور ہم اندر گھس گئے۔ اندر تاریکی تھی پھر کسی نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ "کک..... کون ہے؟" آواز سے وہ لڑکی لگ رہی تھی۔ زہرا نے میرا ہاتھ دبایا اور آہستہ سے بولی۔ "فوزی، یہ میں ہوں، زہرہ..... باہر تھی تو اچانک لائٹ چلی گئی۔ اس لئے یہاں آ گئی۔"

"لائٹ کیوں گئی ہے زہرہ باجی؟" ایک دوسری نسوانی آواز نے کہا تو گویا کمرے میں دو لڑکیاں تھیں، باہر شور جاری تھا۔ کوئی چلا رہا تھا۔ "ارے یہ حرامی بورڈ تو شعلے چھوڑ رہا ہے۔"

میں سمجھ گیا انہوں نے پھر فیوز لگایا تھا جو لگاتے ہی اڑ گیا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے کہ کسی نے میرا ہاتھ پکڑا، میں سمجھا کہ زہرہ ہو گی مگر وہ تو کوئی اور تھی ان دونوں لڑکیوں میں سے کوئی تھی۔ فوزی یا دوسری۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون.....کون ہے۔'' اس نے چلانے کی کوشش کی تھی کہ میں نے اسے دبوچ لیا۔

''زہرہ نے فوراً ٹارچ جلائی۔ ''فوزی۔'' وہ بولی اور دوسری لڑکی کی طرف بھاگی۔ ''خبردار آواز نہ نکلے۔'' اس نے دوسری لڑکی سے کہا۔

''یہ کون ہے؟'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''یہ بہت خطرناک آدمی ہے اس کی بات نہ مانی تو یہ سب کی گردنیں کاٹ دے گا۔'' زہرہ نے اسے مزید خوف زدہ کیا۔ اس نے مجھ پر اور فوزی پر ٹارچ ڈالی۔ میں نے پستول نکال لیا تھا ان لڑکیوں کے لئے نہیں بلکہ ان کے لئے جو ان کا واویلا سن کر آتے مگر خیریت رہی، پستول کے نظارے اور زہرہ کے سمجھانے پر انہوں نے اپنی زبانیں بند رکھنے میں عافیت سمجھی تھی۔ بستر پر بیٹھی لڑکی نے نائٹی پہن رکھی تھی اور اس کی عمر بیس سال سے کم تھی، دبلی پتلی اور گوری چٹی لڑکی تھی، جو میری گرفت میں دبی تھی جسمانی طور پر وہ بھی ایسی ہی تھی۔

''میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں لیکن کوئی آواز نکالنے کی کوشش مت کرنا۔ اس سے پہلے کوئی تمہاری مدد کو آئے میں تمہارا گلا کاٹ چکا ہوں گا۔''

اس نے سر ہلایا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ لپک کر بستر پر بیٹھی دوسری لڑکی کے پاس چلی گئی اور اس سے چمٹ کر بیٹھ گئی۔ زہرہ میرے پاس آئی۔ ''سنو اگر انہوں نے کسی طرح لائٹ بحال کر لی تو ہمارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔'' میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

''میں قیصر کو یہاں تک لاتی ہوں۔ باہر اس وقت لوگ ہیں۔ ذرا سا ہنگامہ ہوا تو سب آ جائیں گے۔''

''وہ یہاں آ جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''اگر میں بلاؤں گی تو ضرور آئے گا۔ اسے قابو کرنا تمہارا کام ہوگا۔''

''اس کی تم فکر مت کرو۔ اسے لے آؤ۔''

زہرہ سر ہلا کر باہر جانے لگی تو ان لڑکیوں نے گھگیائی آواز نکالی۔ ''ہمیں چھوڑ کر مت جاؤ۔'' فوزی نے کہا۔ زہرہ رکی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

''فکر مت کرو میں ابھی آتی ہوں۔''

''تم دونوں چپ کر کے بیٹھو گی۔'' میں نے لہجے کو سفاک بنا کر کہا۔ ''کوئی غیر ضروری آواز نکالی تو آواز ہمیشہ کے لیے بند کر دوں گا۔'' میں نے زہرہ کی طرف دیکھا۔ ''جاؤ اور اسے لے آؤ۔''

اس نے سر ہلایا اور کمرے سے نکل گئی۔ ٹارچ زہرہ کے پاس تھی لیکن اس دوران میں فوزی کی ساتھی لڑکی نے اپنی ٹارچ جلائی تھی اور اس کی روشنی میں وہ صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ فوزی نے ہمت کر کے پوچھا۔

''تم کون ہو؟''

''ان لوگوں کا دشمن.....'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھے یہاں سے نکلنا ہے اور کسی نے میرے راستے میں آنے کی کوشش کی تو میں اسے مار دوں گا۔''

''ہم.....ہم کچھ نہیں کریں گے۔'' فوزی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب ہم یہاں سے نکل جائیں تب بھی خاموش رہنا۔'' میں نے کہا۔ ''اب بالکل چپ ہو جاؤ ذرا آواز نہ نکلے۔''

میں اپنی ساری توجہ باہر کی طرف رکھنا چاہتا تھا۔ زہرہ قیصر کو لانے گئی تھی اور اگر وہ کامیاب ہو جاتی تو ہمیں اس پر قابو رکھنے کے لیے پوری طرح مستعد رہنا تھا۔ میں نے ایک بار پھر لڑکیوں کو دھمکایا کہ وہ آواز نہ نکالیں مگر پھر مجھے خیال آیا کہ زہرہ قیصر کو اس کمرے میں لائے گی تو وہ ان لڑکیوں کو دیکھ کر چونکے گا۔ میں نے کمرے کے ساتھ واش روم میں جھانکا۔ وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے لڑکیوں کو حکم دیا۔ ''اندر جاؤ اور بالکل خاموش رہنا چاہے کمرے میں کچھ بھی ہو جائے۔ آواز نہ نکلے۔''

وہ اتنی دہشت زدہ تھیں کہ انہوں نے حکم کی فوری تعمیل کی اور واش روم میں چلی گئیں۔ میں نے ٹارچ ان کے پاس رہنے دی۔ کمرے میں تاریکی چھا گئی تھی اور یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ قیصر کو میں نظر نہیں آتا۔ زہرہ کو گئے ہوئے پانچ منٹ ہونے کو آئے تھے۔ اب مجھے خدشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں قیصر نے خطرہ بھانپ کر اسے نہیں روک لیا تھا۔ دس منٹ بعد میں خود باہر جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا کہ مجھے باہر سے زہرہ کی مخصوص ہلم سنائی دی۔ یہ ہنسی یقیناً مجھے خبردار کرنے کے لیے تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''اتنی بے تابی کیا ہے اندر تو چلو۔''

قیصر یقیناً اس کے حسن کے جال میں پھنس گیا تھا اور اس کی عقل گھاس چرنے جا چکی تھی ورنہ وہ سوچ سکتا تھا کہ جب عمارت کی لائٹ چلی گئی تھی تو عین اسی وقت زہرہ کیوں اس کے پاس آئی اور اسے چلنے پر اکسا رہا تھی۔ زہرہ کا کہنا درست تھا وہ اس پر ٹھیک سے لٹو تھا۔ جیسے ہی دروازے کا لٹو گھوما میں مستعد ہو گیا تھا۔ زہرہ پہلے آئی اور اس نے جان بوجھ کر ٹارچ کا رخ دوسری طرف رکھا تھا۔ قیصر نے اندر قدم رکھا اور پھر شاید اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا میں نے اس کے سر پر وار کیا تھا مگر وہ اس کے سر پر نہیں لگا تھا۔

میں نے قیصر کے سر پر وار کیا مگر ایک سیکنڈ کے اندر وہ مستعد ہو گیا تھا۔ میں نے پستول کا دستہ اس کے سر پر مارنا چاہا تھا لیکن اس کے حرکت میں آنے کی وجہ سے وہ اس کے شانے پر لگا، اس کا یہ ہاتھ بے کار ہو گیا تھا اس نے فوراً عقب سے مجھے لات ماری جو بچاتے ہوئے بھی میرے بائیں گھٹنے پر لگی۔ ایک لمحے کو درد کی شدت نے مجھے تڑپا دیا تھا اور میں گرنے لگا تھا۔ گرتے گرتے بھی میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی اور وہ منہ کے بل گرا تھا۔ ہڑبونگ میں ٹارچ زہرہ کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ گرتے ہوئے میں نے پستول پر گرفت مضبوط رکھی تھی اس نے پاؤں چلایا تو اس کا پاؤں میری گرفت سے آزاد ہو گیا تھا۔ اس کے پاس رائفل تھی اور لازمی طور پستول بھی تھا۔ زہرہ کے ہاتھ سے گرنے والی ٹارچ لڑھک کر بیڈ کے پاس چلی گئی تھی۔ اس کی روشنی کے انعکاس سے کمرا کسی قدر روشن تھا۔ قیصر زمین سے اٹھ رہا تھا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر میں نے زمین سے جست لگائی اور اسے لیتا ہوا نیچے جا گرا۔ اس نے تڑپ کر مجھے اچھالنے کی کوشش کی مگر میں اس سے چمٹا رہا۔ اس کے ہاتھ میرا نظروں سے اوجھل تھے اور یہ خطرناک بات تھی۔ وہ پستول نکال کر اچانک مجھے شوٹ کر سکتا تھا اور میں کسی صورت اسے اس کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے دوبارہ اس کے سر پر پستول سے وار کیا مگر وہ کمزور تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے ساکت ہوا تھا دوسرے لمحے اس نے مجھے اچھال دیا۔ میں بستر پر جا گرا اور لڑھک کر اس کے برابر سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوار کے ساتھ گرا۔ اس نے فوری جوابی حملہ کیا۔ وہ اڑتا ہوا آیا تھا اس جگہ مدافعت کا موقع نہیں تھا اس لئے میں بستر کے نیچے گھس گیا۔ وہ خالی جگہ آ کر گرا اور میں نے نیچے سے تاک کر لات چلائی جو اس کے سر پر لگی اور اس کا سر دیوار سے لگا۔ وہ کراہا مگر دوسرے وار نے اسے ساکت کر دیا تھا۔ میں اس طرف سے نہیں نکل سکتا تھا، بستر کے دوسری طرف سے نکلا۔ زہرہ نے ٹارچ اٹھائی تھی۔ میں نے بے تابی سے پوچھا۔

''تم ٹھیک ہو نا؟''

''ہاں لڑائی شروع ہوتے ہی میں ایک طرف ہو گئی تھی۔'' اس نے بتایا۔

''میں نے بے ہوش قیصر کا معائنہ کیا۔ وہ کسی قدر لمبا اور ٹھوس جسامت کا شخص تھا۔ وہ لڑائی میں ماہر لگتا تھا ذرا سی چوک ہوتے ہی وہ مجھ پر حاوی ہو جاتا۔ سر پر لگنے والی ضربوں کی وجہ سے وہ بے ہوش تھا مگر کب اسے ہوش آ جائے یہ کہنا مشکل تھا۔ میں نے لڑکیوں کے دوپٹوں سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور منہ میں بھی ایک کپڑا ٹھونس دیا۔ زہرہ یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ''بس اب چلو۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں اسے لے کر جانا ہے۔ یہی تہہ خانے سے باہر جانے کا راستہ بتائے گا۔''

''اور ان دونوں کو؟'' اس نے لڑکیوں کے بارے میں پوچھا۔

''ان کو چھوڑ جاتے ہیں مگر یہ شور کریں گی۔'' میں نے کہتے ہوئے سوچا۔ 'ان کو بھی لے چلو۔ سمجھا دینا آواز نہ نکلے۔''

''ان کو لے جانا بے وقوفی ہو گی۔''

''اور چھوڑ کر جانا اس سے بھی بڑی بے وقوفی ہو گی۔ ان کو تیار کرو اور یہ پستول رکھو، دھمکاتی رہنا بھاگنے کی کوشش کریں تو بے دریغ گولی مار دینا۔''

زہرہ نے ان دونوں کو نکالا اور ان کو بتایا کہ ہم تہہ خانے جا رہے ہیں۔ وہ آواز نکالنے یا کسی کو مدد کے لئے بلانے کی کوشش نہ کریں۔ نائی والی لڑکی نے افراتفری میں ارد گرد پھیلے اپنے کپڑے تلاش کر کے پہنے۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ عام زندگی میں ان کی اخلاقی حالت کتنی پتلی تھی۔ میں نے قیصر کی رائفل ایک طرف ڈال دی تھی اور اس کا پستول زہرہ کے حوالے کر دیا تھا۔ ہم کمرے سے نکلے تو فوزی سب سے آگے تھی، اس کے بعد زہرہ، ہمارے درمیان میں شہلا تھی اس کا نام مجھے بعد میں پتا چلا تھا۔ ہم بغیر کسی دقت کے تہہ خانے کے دروازے تک پہنچے اور اندر داخل ہو گئے تھے۔ حیرت انگیز طور پر تہہ خانے میں روشنی تھی یعنی اس کا بجلی کا سسٹم الگ تھا۔ میں نے اندر آتے ہی دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔ اب کوئی اتنی آسانی سے اندر نہیں آ سکتا تھا۔

ہم نیچے آئے، پول والے حصے کی طرف سے بھاپ سی اٹھ رہی تھی اور تہہ خانے میں خاصی سردی تھی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے زہرہ کی طرف دیکھا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی ایک دروازے کی طرف بڑھی۔ ہم طے کر کے آئے تھے کہ آواز نہیں نکالنی ہے۔ ممکن ہے تہہ خانہ نگرانی میں ہو۔ زہرہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور اشارے سے مجھے بلایا۔ میں نے دونوں لڑکیوں کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ بادل ناخواستہ قدموں سے آگے بڑھیں، میں ان کے پیچھے تھا، کمرے میں داخل ہو کر میں نے قیصر کو میز پر ڈال دیا۔ زہرہ سوئچ بورڈ کے پاس کھڑی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''تم نے کوئی بٹن تو نہیں دبایا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے کوئی بٹن نہیں دبایا ہے۔''

''ابھی دبانا بھی مت۔'' میں نے کہا اور سوئچ بورڈ کا جائزہ لیا۔ اس پر کل پانچ بٹن تھے۔ زہرہ نے اس شخص کو تہہ خانے کا دروازہ کھولنے کے لئے بٹن دباتے دیکھا تھا۔ اسے یاد تھا آخری دو بٹن بائیں کے تھے لیکن پہلا بٹن کون سا تھا وہ اس بارے میں کنفیوژ تھی۔ تجربہ کیا جا سکتا تھا مگر خدشہ یہ تھا کہ غلط بٹن دبانے کی صورت میں کہیں کوئی الارم نہ بجنے لگے۔

''تمہیں یقین ہے تم نے تین بٹن دبانے کی آواز سنی تھی؟'' میں نے زہرہ سے پوچھا۔

''صرف آواز نہیں سنی تھی، دیکھا بھی تھا۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور پہلا بٹن اور پھر چوتھا اور پانچواں بٹن دبایا مگر کچھ نہیں ہوا۔ کوئی خفیہ راستہ نمودار نہیں ہوا یعنی میں نے غلط بٹن دبایا تھا۔ میں نے وقت ضائع کئے بغیر دوسرا بٹن اور پھر آخر کے دونوں بٹن دبائے۔ اس بار بھی کوئی راستہ نمودار نہیں ہوا تھا۔ اب آخری راستہ تھا۔ میں نے لگاتار آخری تینوں بٹن دبائے اور پُر امید نظروں سے اس دیوار کی طرف دیکھا جس میں بقول زہرہ کے دروازہ نمودار ہوا تھا مگر یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔

''راستہ نمودار نہیں ہوا، کیوں؟'' زہرہ نے اضطراری لہجے میں کہا۔

''اس کی وجوہات ہو سکتی ہیں۔'' میں نے سکون سے کہا۔ ''ایک میکنزم کام نہیں کر رہا ہے، دوسرے ہم غلط بٹن دبا رہے ہیں۔''

''اب کیا ہوگا؟''

''جو تقدیر میں لکھا ہے۔'' میں نے حقیقت پسندی سے کام لیا۔ ''ان بے چاریوں کو بلاوجہ لے آئے۔ ان کو اوپر ہی چھوڑ آتے۔'' میں نے افسوس سے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

''ہمیں جانے دو۔'' فوزی گڑگڑائی تھی۔ ''ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''اب تم اوپر گئیں تو وہ تمہیں ہمارا ساتھی سمجھیں گے اور تم جانتی ہو یہ غداروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔'' زہرہ نے ان سے کہا۔

''ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔'' شہلا چلائی۔ ''تم ہمیں زبردستی لائے ہو۔''

''یہ بات وہ نہیں مانیں گے۔'' میں نے ان کو سمجھایا۔ ''فی الحال تم دونوں خاموش ہو کے بیٹھو۔'' میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ تہہ خانے کا ہال خالی نظر آ رہا تھا مگر زیادہ دیر نہیں گزرتی جب اوپر والے ہمارے فرار سے واقف ہو جاتے اور وہ نیچے کا رخ کرتے۔ اگر ہم خفیہ تہہ خانے کا راستہ نہ تلاش کر پاتے تو چوہوں کی طرح پکڑے جاتے۔ فوزی اور شہلا ایک طرف خاموش کھڑی تھیں جبکہ زہرہ بے تابی سے دیوار ٹٹول رہی تھی جیسے انگلیوں سے راستہ کھول لے گی۔

''بے کار ہے راستہ اس طرح نہیں ملے گا۔'' میں نے اس سے کہا اور بے ہوش قیصر کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بتائے گا۔''

''یہ تو بے ہوش ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابھی ہوش میں لے آتے ہیں۔'' میں نے ایک طرف رکھی پانی کی بوتل اٹھا کر قیصر کے سر پر الٹ دی۔ موسم کی مناسبت سے پانی یخ ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پڑا تو اچھا ردِعمل ہوا۔ ایک منٹ میں وہ ہوش میں آنے لگا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ ''شاباش جاگ جاؤ ورنہ ہمیشہ کی نیند سو جاؤ گے۔''

ایک منٹ بعد وہ پوری طرح ہوش میں تھا اور مجھے گھور رہا تھا پھر اس نے مجھے مطلع کیا۔ ''تم نے اچھا نہیں کیا ہے شہباز..... اپنے حق میں.....''

''میں عام طور سے اپنے حق میں اچھا نہیں کرتا ہوں لیکن تمہیں میں نصیحتیں سننے کے لئے ہوش میں نہیں لایا ہوں۔''

''پھر کیا چاہتے ہو تم؟''

''اس کمرے کو غور سے دیکھو۔ تم اس وقت تہہ خانے میں ہو اور مجھے خفیہ تہہ خانے میں جانے والا راستہ کھول کر دو گے۔''

''خفیہ تہہ خانہ۔'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''میں سمجھا نہیں۔''

''تم اتنے معصوم نہیں ہو جتنا خود کو ظاہر کر رہے ہو۔ تم پر پہرا کس چیز پر دیتے تھے۔ شام کے بعد اس جگہ آنے پر پابندی کیوں ہے؟''

''پتا نہیں، تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔ ''مجھے کھول دو ورنہ تمہارا انجام دردناک ہو گا۔ بات ابھی مجھ تک ہے، شمشاد یا شاہ نواز تک پہنچی تو.....''

''تمہیں کتوں کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''تم اس کی کیا وضاحت پیش کرو گے زہرہ کے ساتھ اس کمرے میں کیوں گئے تھے۔''

اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔ ''میں بتاؤں گا یہ مجھے دھوکے سے لے گئی تھی۔ کمرے میں پڑی لاش دکھانے۔''

''پھر وہ لاش کہاں گئی؟''

جواب دینے کے بجائے اس نے شرر بار نظروں سے زہرہ کی طرف دیکھا اور پھر لڑکیوں کو گھورا۔ ''یہ بھی تمہارے ساتھ ہیں؟''

''ان کو مجبوراً لانا پڑا ورنہ یہ چیخ چلا کر سب کو جمع کر لیتیں۔ زہرہ تمہیں ان کے کمرے میں لائی تھی۔''

''کتیا.....'' اس نے دانت پیس کر کہنا چاہا کہ میں نے بے رحمی سے پستول کا دستہ اس کے منہ پر مارا۔ اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے اور ہونٹ پھٹ گئے تھے، اس نے بے ساختہ چیخ ماری تھی۔

''اب کوئی اور غلط لفظ منہ سے نکالا تو دو دانتوں سے اور محروم ہو جاؤ گے۔ سولہویں دفعہ میں تمہارے منہ میں دانت نام کی کوئی شے نہیں ہو گی۔ ممکن ہے منہ بھی نہ باقی رہے۔''

اس نے خون کی کلی کی۔ اس چوٹ نے اسے مشتعل کر دیا تھا مگر اس نے مزید بکواس کرنے سے گریز کیا۔ غالباً وہ دل ہی دل میں ہم سے بدلہ لینے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ ''مجھے بہرصورت تہہ خانے میں جانے والا راستہ درکار ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے تکلیف دہ لیکن سرکش لہجے میں کہا۔ ''جس کو معلوم ہے اس سے معلوم کرلو۔''

''تم اس طرح نہیں مانو گے۔'' میں نے اسے کھینچ کر اوندھے منہ لٹایا۔ وہاں پر ایک طرف استری رکھی تھی۔ اسے پلگ کر کے میں نے قیصر کی کمر پر رکھ دیا۔ وہ تڑپا تھا۔ میں نے استری کو زیرو پر رکھا تھا اور ابھی یہ گرم نہیں تھی۔ فوزی اور شہلا ایک دوسرے سے لپٹی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

''ابھی میں استری گرم کروں گا۔ پہلے یہ تمہاری کھال جلائے گی، اس کے اندر چربی کی تہہ پگھلائے گی اور آخر میں تمہارے گوشت اور ہڈیوں کو جلائے گی۔''

''تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

''ابھی پتا چل جاتا ہے۔'' میں نے کہا اور زہرہ کو اشارہ کیا کہ وہ باہر نظر رکھے ایسا نہ ہو اوپر سے اچانک کوئی آجائے۔ میں نے استری کا تھرموا سٹیٹ گھمایا۔ یہ ہلکی اور فوری گرم ہو جانے والی استری تھی۔ چند سیکنڈ بعد وہ کلبلانے لگا اور پھر یک دم حلق پھاڑ کر چلایا۔ ''حرامزادے۔''

''میں نے درجہ حرارت اور بڑھایا۔'' ابھی کھال پر آبلہ بھی نہیں آیا ہے اور تم شور کر رہے ہو۔ بعد میں تم بتاؤ گے تو اپنے نقصان کی تلافی بھی نہیں کر سکو گے۔''

میں نے استری ہٹائی تھی تو اسے ذرا سکون ملا تھا۔ ''دیکھو، مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے رک رک کر کہا۔ ''میں صرف پہریدار ہوں..... نیچے کا۔'' اس نے جملہ چھوڑ کر چیخ ماری تھی کیونکہ میں نے استری اس کے دائیں کولہے پر رکھ دی تھی۔ اسے دباتے ہوئے کہا۔

''مجھے بے وقوف مت بناؤ۔ میں پہلے ہی خاصا بے وقوف ہوں۔ تم اپنے پورے جسم کی استری کروانا چاہتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

استری کی گرمائش نے اس کی کھال جلانا شروع کر دی تھی اور گوشت جلنے کی بو آرہی تھی اگرچہ اس میں اور تکے بھننے کی خوشبو میں خاص فرق نہیں تھا مگر انسانی گوشت جلنے کی بو سے ہمیشہ کراہت آتی ہے اور تکوں کی بو سے منہ میں پانی آجاتا ہے۔ قیصر اب ذبح کئے ہوئے بکرے کی طرح چلا رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر استری ہٹالی۔

''اب بھی وقت ہے بتا دو ورنہ میں تمہارے دونوں کان جلا دوں گا یا کوئی ایسا عضو جلا دوں گا کہ تم بظاہر مرد دکھائی دو گے مگر مرد نہیں رہو گے۔''

''نہیں، خدا کے لئے نہیں۔'' اس نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔ ''بتاتا ہوں، ابھی بتاتا ہوں۔ پپ..... پانی دو۔''

''پہلے راستہ بتاؤ پھر پانی بھی مل جائے گا۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔ ''تم نے مجھے سبق نہیں سنانا ہے طریقہ بتاؤ جس سے دروازہ کھل جائے۔''

کمرے میں دو عدد منرل واٹر کی پانچ لیٹر والی بوتلیں پڑی تھیں۔ ''نہیں، پہلے پانی، خدا کے لئے.....''

میں نے فوزی کو اشارہ کیا کہ وہ پانی لے کر آئے۔ اس نے گلاس میں پانی نکالا۔ قیصر نے سر اٹھایا اور فوزی نے گلاس اس کے منہ سے لگا دیا۔ اسی لمحے زہرہ نے کہا۔ ''کچھ لوگ نیچے آئے ہیں وہ ستونوں کے پیچھے چھپ رہے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے جھانک کر دیکھا۔ سیڑھیوں کے پاس ستونوں کے عقب میں کم سے کم تین افراد کی موجودگی محسوس کی جا سکتی تھی۔ مختلف زاویوں سے لگے بلبوں کی روشنی میں فرش پر سائے بن رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا اور ایک ستون کا نشانہ لے کر فائر کیا۔ تہہ خانے میں پستول کے فائر کی آواز بم کے دھماکے کی طرح گونجی تھی۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' زہرہ گھبرا کر بولی۔

''ان کو بتا رہا ہوں کہ ہم نہتے نہیں ہیں۔'' میں نے اسے پستول تھمایا۔ دروازے سے ایک طرف رہو اگر انہوں نے فائر کیا تو.....''

میرا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ باہر سے کسی نے فائر کیا اور گولی دروازے سے لگی تھی۔ یہ ٹھوس پائن کا بنا دروازہ تھا اس لئے پار نہیں ہو سکی تھی۔ زہرہ جلدی سے اوٹ میں ہو گئی تھی۔ باہر سے کوئی چلایا۔ ''شہباز ہتھیار پھینک دو ورنہ کتے کی موت مارے جاؤ گے۔''

میں قیصر کی طرف پلٹا تو وہ مسکرا رہا تھا اور اس کی مسکراہٹ اشتعال انگیز تھی۔ ''تہہ خانے کا راستہ بتاؤ'' اس نے کہا۔

''ان سے پوچھنا جو باہر آئے ہیں۔'' وہ زور سے بولا۔

میں نے اس کے منہ پر پھر پستول مارا۔ اس کا منہ دوسری طرف ہو گیا اور وہ ساکت ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی جیبیں چیک کی۔ اس میں بیالیس گولیوں کا ایک میگزین تھا اور دوسرا میگزین میری جیب میں تھا۔ دو عدد پستول تھے۔ اسلحے کے لحاظ سے صورت حال مایوس کن نہیں تھی تو حوصلہ افزا بھی نہیں تھی۔ ایک رائفل اور دو پستولوں کے ساتھ ہم ان درجنوں مسلح افراد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جو باہر بہتر پوزیشن میں تھے اور ہماری عافیت اسی میں تھی کہ تہہ خانے تک جانے کا راستہ کھل جائے۔ باہر سے بار بار مجھے وارننگ دی جا رہی تھی۔ زہرہ اور لڑکیاں ایک طرف ہو گئی تھیں۔ میں نے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ وہ لوگ قریبی ستونوں تک آ گئے تھے۔ آخری ستون دروازے سے محض دس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ یہاں سے وہ ہمارے خلاف کارروائی کر سکتے تھے۔

میرا ذہن تیزی سے امکانی صورت حال پر غور کر رہا تھا۔ وہ مجھے مارنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس معاملے میں ان پر مرشد علی کا دباؤ تھا مگر ہمیں زندہ گرفتار کر لینا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ قریب سے فائرنگ کر کے وہ دروازے کو گرا سکتے تھے یا اس میں سوراخ کر سکتے تھے اور اس کے بعد وہ گیس والے بم اندر پھینک کر ہمیں بے بس کر دیتے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ میں خودکشی کا فیصلہ کر کے ان پر چڑھ دوڑوں اور وہ میرے ہاتھوں مارے جائیں۔ نہیں جب ان کی جان پر بنے گی تو وہ بلاتکلف مجھے مار دیں گے۔ میں نے پھر پستول سے فائر کیا اگرچہ ان کو روکنے کے لئے بے سود تھا بلکہ اس سے میری بے بسی اور بھی واضح تھی کہ میرے پاس اسلحے کی قلت ہے۔ زہرہ سوئچ بورڈ کے پاس کھڑی بار بار بٹن دبا رہی تھی کہ شاید تہہ خانے کا دروازہ کھل جائے مگر ابھی تک ایسے آثار نہیں آئے تھے۔ دروازے کے میکنزم کو کہیں اور سے جام کر دیا گیا تھا ورنہ کوئی نہ کوئی کامی نیشن تو کام کرتا۔ کوئی کام نہیں کر رہا۔'' زہرہ نے پریشانی سے کہا۔ ''ہم پکڑے جائیں گے۔''

''اتنی آسانی سے نہیں۔'' میں نے کہا اور دروازے کی اوٹ سے پہلی بار ان لوگوں سے کہا۔ ''شمشاد، شاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوازتم میں سے کوئی میری بات سن رہا ہے۔''

''میں موجود ہوں۔'' شمشاد کی آواز آئی۔

''اپنے آدمیوں کو پیچھے ہٹالو ورنہ میں قیصر اور ان دونوں لڑکیوں کو مار ڈالوں گا۔''

''ایسا کر کے تم ہمارا کام ہی کرو گے ان کے لئے سزا کا فیصلہ ہو چکا ہے۔'' شمشاد نے سکون سے کہا۔ ''ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے اگر تم ہتھیار ڈال دو اور تم مرنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' لڑکیوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ انہوں نے رونا چلانا شروع کر دیا کہ وہ بے گناہ ہیں اور میں ان کو زبردستی لے کر آیا تھا۔ ''خاموش۔'' میں نے دہاڑ کر کہا۔ ''بکواس کرتے ہیں یہ، تم ان کی کمائی کی مشینیں ہو، اپنی کمائی کے ذریعے کو کوئی ختم کرتا ہے۔''

''تم ان کو نہیں جانتے۔'' فوزی نے روتے ہوئے کہا۔ ''یہ بہت سفاک لوگ ہیں۔''

زہرہ نے ان کی تائید کی۔ ''وہ سب کو مار دیں گے کیونکہ ہم تہہ خانے کے راز سے واقف ہو گئے ہیں۔''

''اس طرح تو میں بھی جان گیا ہوں، مجھے کیوں چھوڑیں گے؟''

''تمہاری بات دوسری ہے اوّل تو تم ان کی قید میں ہو۔ یہ تمہیں رہا نہیں کریں گے، دوسرے تم حرم سے تعلق نہیں رکھتے ہو، اس لئے تہہ خانے کا راز جاننا تمہارے لئے بے کار ہے۔''

زہرہ کا تجزیہ اس حد تک درست تھا کہ وہ مجھے رہا ہی نہیں کرتے اس لئے تہہ خانے کا راز بھی راز ہی رہا مگر یہ ناممکن تھا کہ ان کی اس کی پروا نہ ہو۔ اگر میں اس راز کے ساتھ فرار ہو جاتا تو یہ پہلی فرصت میں تہہ خانے سے تمام ممنوعہ اشیاء ہٹا کر اسے خالی کر دیتے۔ میں سوچ میں گم تھا کہ اچانک زہرہ چلائی۔

''شہباز بچو۔''

خود مجھے بھی آنکھوں کے گوشے سے حرکت کا احساس ہوا تھا اور میں نے بروقت سر نیچے کیا ورنہ اعزا میرے سر پر لگتی۔ نہ جانے کیسے قیصر نے اپنے ہاتھ کھول لئے تھے اور چالاکی سے کام لیتے ہوئے بے سدھ ہا تھا۔ جب اس نے مجھے غافل پایا تو پہلے اسٹری اٹھا کر ماری اور پھر خود مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ رائفل میرے ہا میں تھی مگر مجھے استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں اس طرح گرا کہ وہ میرے اوپر تھا اور رائفل ہم دونوں کے درمیان میں تھی۔ وہ اپنے زخموں کو بھول کر بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔

''زہرہ دروازے کا خیال رکھو۔'' میں نے چلا کر کہا۔ قیصر مجھ سے رائفل چھیننے کی کوشش کر رہا تھا ساتھ ہی میرے سر کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے خاصی جدوجہد کے بعد اسے اچھال کر دور پھینکا بدقسمتی سے وہ سیدھا زہرہ کے پاس جا کر گرا۔ جب تک میں نے اٹھ کر رائفل اس کی طرف سیدھی کی اس ناقابلِ بیان پھرتی سے زہرہ کو جکڑ کر اس کا پستول چھین لیا تھا اور اس کے سر پر رکھ دیا۔

''بس اب حرکت کی تو میں اسے مار دوں گا۔'' اس نے پھنکار کر کہا۔

''اپنے بارے میں تم باہر والوں کا فیصلہ سن چکے ہو۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''اس لئے ہمارا ساتھ دو میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔''

''بکو مت، میں غدار نہیں ہوں۔ وہ مجھے ماریں یا بخش دیں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔'' اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہتے ہوئے اچانک زہرہ کو میری جانب دھکا دیا۔ اس کے حرکت میں آتے ہی میں بھانپ گیا تھا۔ میں فرش پر گرا اور زہرہ میرے پیروں سے الجھ کر گری۔ اس سے پہلے قیصر مجھے گولی مارتا، میں نے برسٹ مارا۔ وہ چلایا۔ اس کے ہاتھ سے پستول گر گیا تھا اور وہ خود دروازے کے باہر جا گرا۔ میں نے پھرتی سے رول کر کے دروازے کو لات ماری اور دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے اٹھ کر اسے بولٹ کر دیا۔ قیصر بچ نکلا تھا۔ اس کے بازو میں گولی لگی تھی۔ میں ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو وہ مجھ پر گولی چلا دیتا۔

''شہباز.....'' زہرہ خوشی سے چلائی۔ ''دیکھو دروازہ۔''

میں نے پلٹ کر دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ تہہ خانے میں جانے والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ''یہ کیسے ہوا؟''

''پتا نہیں۔'' زہرہ نے سوئچ بورڈ کی طرف دیکھا۔ وہ گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا اور شاید کسی گولی نے اندر سرکٹ کو بریک کر دیا تھا اور اس وجہ سے دروازہ کھل گیا تھا۔ یہ تائید ایزدی تھی۔ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوا آگے آیا، سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں، میں نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

''تم دونوں ہمارے ساتھ آؤ گی؟''

''میں چلوں گی۔'' شہلا نے جرأت کی۔ ''ورنہ یہ ہمیں مار دیں گے۔''

''بادل ناخواستہ فوزی نے بھی سر ہلایا۔ ''میں بھی چلوں گی۔''

اسی لمحے دروازے پر کسی نے فائر کیا۔ شاید وہ فائر کر کے بولٹ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے میز دھکیل کر دروازے کے سامنے کر دی۔ ''چلو..... جلدی کرو۔''

''پہلے زہرہ گئی اس کے پیچھے فوزی اور شہلا تھیں اور آخر میں، مَیں اترا تھا۔ یہ تنگ سیڑھیاں تھیں، مجھے نیچے ایسا کوئی بٹن نظر نہیں آ رہا تھا جسے دبا کر دروازہ بند کیا جاتا۔ مگر جب سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں آیا تو ایک سرخ بٹن نظر آیا تھا۔ میں نے اسے دبایا تو اوپر کا دروازہ بند ہو گیا۔ دوبارہ دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ اسی لمحے اوپر سے برسٹ چلا اور میں نے دروازہ ٹوٹنے کی آواز سنی تھی۔ میں نے دوبارہ بٹن دبایا اور دروازہ بند ہونے لگا۔ میں نے رائفل سیدھی کی۔ ایک شخص دروازے پر نمودار ہوا۔ میں نے بنا تذبذب کے اس پر فائر کر دیا اور وہ پیچھے جا گرا۔ گولیاں اس کے سینے اور پیٹ پر لگی تھیں، کچھ گولیاں اس کے عقب سے چلیں مگر ان کا نشانہ کوئی نہیں تھا۔ اسی لمحے دروازہ بند ہو گیا۔ فوزی اور شہلا ایک طرف سہمی کھڑی تھیں اور زہرہ پیٹیوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ ''ان سب میں اسلحہ ہے۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''ابھی دیکھ لیتے ہیں۔'' میں نے پنڈلی سے بندھا خنجر لیا اور ایک طرف رکھی پیٹیوں پر چڑھ گیا۔ رائفل میں نے زہرہ کو دے دی تھی۔ پیٹی پر چاروں طرف سے فولادی پتری لگا کر اسے بند کیا گیا تھا۔ میں نے خنجر سے پتری کاٹ دی پھر ایک طرف تختے تلے خنجر پھنسا کر زور لگایا تو کیلوں نے چرچراہٹ کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ذرا سی محنت کر کے میں دو تختے الگ کرنے میں کامیاب رہا۔ اندر موٹی گھاس بطور پیکنگ رکھی گئی تھی۔ میں نے ہاتھ مار کر اسے ہٹایا تو نیچے سے سیلوفین میں لپٹی ایک رائفل ہاتھ میں آ گئی۔ یہ کسی حد تک جی تھری سے ملتی جلتی تھی جو ہمارے ملک میں آرمی کے جوانوں کو دی جاتی ہے۔ یہ شاید جی ٹو رائفل تھی جو بھارت میں تیار ہوتی ہے۔ اس کی اصل دوسری جنگ عظیم میں جرمنی میں تیار ہوئی تھی اور وہ جی ون رائفل کہلاتی تھی۔ کلاشنکوف اور ایم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سولہ رائفلوں کے ساتھ اس کا شمار دنیا کی بہترین اسالٹ رائفلوں میں ہوتا ہے۔ میرے اندر وسوسے اور خدشات سر سرانے لگے تھے۔ یہ فوجی نوعیت کا اسلحہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں بھیجا جا رہا تھا۔ پیٹی میں صرف رائفلیں تھیں، اس کے میگزین نہیں تھے۔ میں نے دوسری پیٹی کھولی اس میں بھی رائفلیں تھیں۔ اس قطار کی تمام پیٹیوں میں شاید یہی ہلاکت خیز اسلحہ بھرا ہوا تھا۔ پچاس بائی پچاس کے اس تہہ خانے میں سیکڑوں کے حساب سے پیٹیاں تھیں۔

''باہر جانے والا راستہ کس طرف ہو سکتا ہے؟'' میں نے زہرہ سے پوچھا۔

''باہر جانے والا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔'' اچانک ہی کسی کی آواز آئی۔ ''شہباز ابھی تک تمہارے ساتھ نرمی کی گئی ہے۔ اس کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔''

''تم شاید شاہ نواز ہو۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے تم سے کبھی کوئی نرمی نہیں مانگی۔ میں دلالوں سے کچھ مانگنے کا قائل نہیں ہوں۔'' جواب میں اس نے گالیاں دینا شروع کر دی تھیں۔ میں ہنسا۔ ''اب تم آئے ہو نا اپنی اوقات پر۔''

''شہباز میں آخری بار کہہ رہا ہوں باہر آ جاؤ۔''

''ورنہ تم اپنے کمانڈوز بھیج دو۔ اس جگہ ایک گولی چلنے کا مطلب سمجھتے ہو۔ تمہارا اڈا سرے سے غائب ہو جائے گا اور اس جگہ صرف ایک گڑھا رہ جائے گا۔''

میری اس بات پر اسے سانپ سونگھ گیا تھا، خاصی دیر بعد اس نے مصالحانہ انداز میں کہا۔ ''سنو تم اگر چاہو تو تمہیں بحفاظت نکلنے کا راستہ دیا جا سکتا ہے۔''

''وہ کیسے.....؟ کیا تم اپنے تمام آدمیوں کو نہتا کر دو گے اور ان کا اسلحہ لے لو گے یا خود یہاں آؤ گے کہ میں تمہیں یرغمال بنا کر نکل جاؤں۔''

''اتنا احمق نہیں ہوں میں۔''

''اور میں نظر آتا ہوں۔'' میں نے طنز کیا۔ ''تمہاری بات پر بھروسا کرنے کے لئے باہر آ جاؤں، اتنا احمق میں بھی نہیں ہوں۔''

اس تہہ خانے میں لگے اسپیکر ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ منسلک مائیکروفون بھی بہت طاقتور تھے۔ میں اس بات کے دوران تہہ خانے کی دیواروں کے ساتھ گھوم رہا تھا، مجھے دروازے کی تلاش تھی اور وہ مجھے تیسری دیوار پر مل گیا جو مشرق کی طرف تھی۔ ایک بڑا سا ہینڈل لگا تھا اور خاص بات یہ تھی کہ وہ فولادی پٹ جو اس راستے پر لگائے گئے تھے ان پر ایک عدد تالا لگا تھا۔ تہہ خانے میں اترتے وقت مجھے خیال آیا تھا کہ اگر اس سے باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ تھا تو شاہ نواز کے گرگے اس سے اندر آ سکتے تھے۔ اب سمجھ میں آیا کہ وہ کیوں نہیں آ سکے تھے۔ یہ ممکن تھا کہ وہ ان فولادی پٹوں کے پیچھے ہوں مگر اندر آنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی اندر سے یہ تالا کھولے۔ حفاظتی نقطۂ نظر سے یہ بے حد ضروری تھا کہ بغیر اجازت کے کوئی باہر سے اس تہہ خانے تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔

''شہباز تم کب تک یہاں رہو گے؟'' شاہ نواز نے خاصی دیر بعد کہا۔ ''تمہیں کبھی نہ کبھی تو اس جگہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا ہوگا۔"

"احمق آدمی..... تمہیں کس نے اس جگہ کا سربراہ بنایا ہے۔ میرا خیال ہے یہ سارا سیٹ اَپ مرحوم جامی شاہ کا ہوگا ورنہ تم صرف دلالی کے لئے موزوں ہو۔" میں نے ایک اور پیٹی پر چڑھتے ہوئے کہا۔ "میں محصور ہونے کے لئے اس تہہ خانے میں نہیں آیا ہوں۔ مجھے معلوم تھا یہاں کیا ہے اور میں ذرا بندوبست کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تم خود مجھے بحفاظت یہاں سے نکالو گے۔"

"کیسا انتظام؟" اس نے تشویش سے کہا۔

میں نے پیٹی کھولی۔ اس کے اندر بارودی سرنگیں تھیں اور یہ خاصی بڑی سرنگیں تھیں جو گاڑیوں اور بڑے ٹائر کے ٹرکوں تک کو تباہ کر سکتی تھیں۔ اسے کھلا چھوڑ کر میں برابر والے پیٹیوں کے انبار پر چڑھ گیا۔ اس میں ایل ایم جی اور ان کے ایمونیشن باکس تھے۔ میں نے ایک گن نکالی اور ایک عدد ایمونیشن باکس بھی نکالا۔ خالی ہاتھوں سے اسے صرف ہالی وڈ کی فلموں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت میں یہ ٹرائی اسٹینڈ پر رکھ کر چلائی جاتی ہے ورنہ اس کا دھکا بہت خطرناک ہوتا ہے۔ طاقتور آدمی بھی بمشکل برداشت کر سکتا ہے۔ مجھے زیادہ خطرہ سیڑھیوں والے راستے کی جانب سے تھا۔ میں نے ایل ایم جی کا ٹرائی پوڈ ایک پیٹی پر رکھا جو سیڑھیوں کے عین سامنے تھی۔ اس سے ایمونیشن بکس منسلک کیا جس میں شاید کئی سو گولیاں تھیں۔ کام مکمل کر کے میں نے تجربے کے طور پر سیڑھیوں پر ایک ہلکا سا برسٹ مارا۔ تہہ خانے کی محدود فضا میں ایسا شور گونجا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" شاہ نواز چلایا۔

"فکر مت کرو، یہ ٹیسٹ فائر تھا لیکن اگر کسی نے سیڑھیوں والے راستے سے نیچے آنے کی کوشش کی تو تم سمجھ سکتے ہو۔ یہ گن اس کا کیا حشر کرے گی۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ بارود کے ڈھیر پر بیٹھ کر گولیاں چلا رہے ہو۔" شاہ نواز کے لہجے میں سچ مچ کا خوف تھا۔

"ابھی تو میں بہت کچھ کروں گا۔" میں نے کہا۔ "شاہ نواز اتنا یاد رکھنا، میں زندہ تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گا، ایسا موقع آیا تو میں یہ سب اڑا دوں گا۔"

"نہیں..... خدا کے لئے..... یہ کروڑوں کا اسلحہ ہے۔"

"خدا کے لئے..... کیا تم یہ اسلحہ خدا کے لئے لائے ہو۔ یہ سب جنگی نوعیت کا اسلحہ ہے جو تخریب کاروں اور اس ملک میں انارکی پھیلانے والوں کو مہیا کیا جا رہا ہے۔ تم عورتوں کے ہی نہیں، اس زمین کے بھی دلال ہو۔"

اس سے باتوں کے دوران، میں پیٹیاں کھول کر دیکھ رہا تھا، ان میں راکٹ لانچر اور راکٹ تھے۔ پستول، مشین گنیں، دستی بم، ٹائم بم، ریموٹ کنٹرول بم، فاسفورس بم جو آگ لگا دیتے ہیں، دور مار رائفلیں اور ان سب کا بے تحاشا ایمونیشن تھا۔ میں نے جی تھری رائفل کے بجائے دو عدد مشین گنیں اور ان کے میگزین نکال لئے۔ اعشاریہ پینتالیس کے دو عدد پستول لے لئے۔ یہ سب ایک نمبر اسلحہ تھا۔ بموں کو چھیڑنا میں نے مناسب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ سمجھا کیونکہ مجھے ان کا استعمال نہیں آتا تھا اور ایسی کوشش کا مطلب خودکشی بھی ہو سکتا تھا البتہ میں نے ان کے باکس کھلے رہنے دیئے تھے۔ رائفل اور پستول میں نے ایک پیٹی میں ڈال دیئے تھے۔ ایک نیا پستول زہرہ کو دے کر اسے استعمال کرنے کا طریقہ سمجھایا اور اسے سیڑھیوں کے پاس کھڑا کر دیا۔ فوزی اور شہلا ایک طرف بیٹھ گئی تھیں۔ اب میں نے اصل کام شروع کیا۔ پیٹیوں سے بارودی سرنگیں نکال کر پورے تہہ خانے میں جا بجا پھیلانی شروع کر دیں۔ ہر بارودی سرنگ کا وزن چار کلو تھا اور اس کا دھماکا خیز مادہ کسی بڑی گاڑی کے پُرزے کرنے کے لئے کافی تھا۔ میں نے ایسی چالیس بارودی سرنگیں پورے تہہ خانے میں رکھ دیں۔ اس کے بعد دستی بم پھیلائے اور آخر میں فاسفورس بم لگا دیئے۔ زہرہ نے کئی بار مجھ سے پوچھنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کو کہا۔ سب سے آخر میں، میں نے ایک عدد ریموٹ کنٹرول بم کا ریموٹ نکالا۔ اس میں سیل نہیں تھے مگر دھمکانے کے لئے یہ برا نہیں تھا۔

ریموٹ کنٹرول بم بلکہ سوائے دستی بم اور فاسفورس بم کے تمام دھماکا خیز اشیاء کے اجزاء الگ کئے تاکہ غلطی سے بھی دھماکا نہ ہو۔ حد یہ کہ بارودی سرنگوں کی وہ پلیٹ بھی نہیں تھی جس پر دباؤ پڑنے سے سرنگ دھماکے سے پھٹ جاتی ہے۔ دستی بم میں ایک چابی لگی ہوتی ہے اور دوسری پن ہوتی ہے۔ جب تک چابی نکال کر پن کو نہ چھوڑا جائے بم نہیں پھٹتا۔ یہی کچھ فاسفورس بم میں ہوتا ہے۔ ریموٹ پر سات بٹن تھے یعنی اس سے سات بموں کو یکے بعد دیگرے اڑایا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس کے بعد میں نے شاہ نواز کو پکارا۔

''میں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ اب ہم سب بارود کے ایک ایسے ڈھیر پر بیٹھے ہیں جسے صرف ایک بٹن سے اڑایا جا سکتا ہے۔''

''تم بکواس کر رہے ہو۔''

''حالانکہ میں جہاں موجود ہوں تمہیں میری بات کا فوراً یقین کر لینا چاہئے۔ میں نے وسط میں رکھی ایک پیٹی سے سات عدد ریموٹ کنٹرول بم نکال کر تہہ خانے میں ایسی جگہوں پر چھپا دیئے ہیں جہاں ان کو دیکھنے سے پہلے تلاش کرنا ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ پورے تہہ خانے میں بارودی سرنگیں، دستی بم اور فاسفورس بم بکھرے ہیں تم خود سوچ سکتے ہو ایک چنگاری اس جگہ کا کیا حال کرے گی۔''

''تم مرنا چاہتے ہو؟''

''میں جینا چاہتا ہوں لیکن کسی نے میرا یہ حق چھیننے کی کوشش کی تو اسے بھی میرے ساتھ مرنا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' شاہ نواز نے خاصی دیر بعد اور خاصی بے بسی سے کہا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''سب سے پہلے تو خفیہ راستے کے سامنے سے اپنے سارے کتے ہٹا لو۔ میں یہ راستہ کھولنے جا رہا ہوں، مجھے ایک آدمی بھی نظر نہیں آنا چاہئے۔''

''مجھے کچھ دیر کی مہلت دو۔'' شاہ نواز نے عجلت میں کہا۔ ''میں معلوم کرتا ہوں، میرے آدمی وہاں ہیں یا نہیں۔''

میں مسکرایا۔ ''اس کا مطلب تھا شاہ نواز نے اپنے آدمی پہلے ہی وہاں تعینات کر دیئے تھے۔ دس منٹ بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

س نے پُر اعتماد انداز میں کہا۔ ''تہ خانے سے باہر جانے والے راستے پر اب میرا کوئی آدمی نہیں ہے۔''

''وہ سب باہر گھیرا ڈالے میرے باہر آنے کے منتظر ہیں۔''

''نہیں، میں نے سب کو ہٹا لیا ہے۔''

''تو اب تم ایک عدد گاڑی اس جگہ پہنچا دو جس طرف سرنگ نکلتی ہے۔ ایندھن پوری طرح بھرا ہو اور کوئی گڑبڑ نہ ہو۔''

''مجھے دس منٹ اور دو۔'' شاہ نواز کے لہجے میں اطمینان آ گیا تھا۔

زہرہ نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کچھ کہنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ میں نے پھر شاہ نواز سے کہا۔ ''بہتر ہو گا تم اوپر سے حویلی خالی کرا لو، ممکن ہے کسی حادثے یا تمہاری طرف سے کسی دغابازی کی صورت میں مجھے یہ سب اڑانا پڑے۔''

''فکر مت کرو، تمہارے ساتھ کوئی دغا نہیں ہو گا۔''

''یہ تو اس وقت پتا چلے گا جب ہم باہر نکلیں گے۔'' میں نے کہا اور ذرا مجبور لہجے میں کہا۔ ''مگر نکلنا تو ہے۔ بس اتنا یاد رکھنا ہم زندہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔''

زہرہ نے ایک بار پھر کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد میں نے رومال سے پکڑ کر ایک طرف دیوار میں لگا بلب اتارا اور اس کے ہولڈر میں لگانے والے سرے پر لوہے کی پتری لپیٹی۔ زہرہ نے مجھ سے اشارے میں پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو اور میں نے اسے اشارے سے ہی سمجھایا کہ وہ دیکھتی رہے۔ میں نے بلب ہولڈر کے پاس رکھ دیا اس کے بعد زہرہ کو ایک طرف بلایا اور زمین پر پڑی گرد پر انگلی سے لکھ کر سمجھانے لگا۔ اس نے سر ہلایا کہ وہ میری بات سمجھ گئی ہے۔ اسی لمحے اسپیکر کھڑکھڑائے۔

''شہباز، ایک لینڈ کروزر آ گئی ہے۔ تم اس میں جہاں چاہو جا سکتے ہو، تمہارا راستہ نہیں روکا جائے گا۔'' اس نے کہا۔

''مثلاً جہنم۔'' میں نے دل میں سوچا۔ اس کے ساتھ ہی میں حرکت میں آیا۔ زہرہ سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے ٹارچ روشن کر لی تھی۔ میں نے اسے اشارہ کیا تو اس نے سیڑھیوں کے اوپر والے دروازے کو کھولنے والا بٹن دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے بلب اٹھا کر ہولڈر میں لگایا۔ شعلہ سا لپکا اور لائٹ چلی گئی۔ بلب ہولڈر میں نہیں سما سکتا تھا اس لئے میں نے کوشش کر کے اسے ٹھونس دیا۔ زور لگانے سے اس کا شیشہ ٹوٹا اور شاید میرے ہاتھ پر بھی لگا تھا مگر میں پروا کئے بغیر بھاگا۔ زہرہ اور دونوں لڑکیاں سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھیں۔ اوپر سے دو افراد کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں، بول کیا رہے تھے چلا چلا کر ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ میں جھکا جھکا اوپر تک آیا۔ جیسے ہی میں دروازے کے قریب پہنچا۔ ان میں سے ایک نے ایمرجنسی لائٹ جلا دی۔ ہم نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ میرے ہاتھ میں مشین گن تیار تھی اور وہ اپنے ہتھیاروں سے ذرا دور تھے۔ میں نے برسٹ مارا اور وہ تینوں کرب ناک آوازوں کے ساتھ زمین بوس ہو گئے تھے۔ لائٹ اوپر بھی نہیں تھی اور مجھے امید تھی کہ مائیک بھی بے کار ہو گئے ہوں گے۔ یہاں صرف یہ تین افراد ہی تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زہرہ ان کو لے کر اوپر آؤ۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ایک اضافی مشین گن میرے شانے سے لٹک رہی تھی۔ ان کے چار عدد فاضل میگزین تھے۔ میری جیکٹ کی جیبوں میں تین عدد دستی بم اور دو عدد فاسفورس بم تھے اور ان کی مدد سے مجھے راستہ صاف کرنا تھا۔ زہرہ سے میں نے گرد پر لکھ کر پوچھا تھا کہ وہ حویلی میں شاہ نواز کی جائے وقوعہ کے بارے میں جانتی ہے تو اس نے اثبات میں جواب دیا تھا۔ ہم بھاگتے ہوئے دوسری سیڑھیوں سے اوپر آئے۔ میں نے مارے جانے والے فرد کے پاس سے ایمرجنسی لائٹ اٹھالی تھی۔ زہرہ آگے تھی اور لڑکیاں میرے پیچھے تھیں۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے ان سے کہا۔ ''تم اپنے کمرے میں چلی جانا۔''

''ہمیں چھوڑ کر مت جاؤ ورنہ یہ ہمیں مار ڈالیں گے۔'' شہلا گڑگڑائی تھی۔

''ہمارے ساتھ مارے جانے کے زیادہ امکان ہیں۔'' میں نے ان کو سمجھانا چاہا۔

''نہیں ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔'' فوزی نے بھی کہا۔ وہ دونوں میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ ان کو زبردستی الگ کرنے سے خطرہ تھا کہ وہ شور مچا کر سب کو قبل از وقت خبردار کر دیں گی۔

بادل ناخواستہ میں نے ان کی بات مان لی۔ ''اوکے مگر تم دونوں ذرا پیچھے رہنا، کوئی آواز مت نکالنا اور ہم سے بچھڑ جاؤ تو اپنی جان بچانے کی خود کوشش کرنا۔''

''ہمیں منظور ہے۔'' دونوں نے بیک وقت کہا۔

جیسا کہ مجھے توقع تھی اوپری منزل پر روشنی آ گئی تھی۔ ان لوگوں نے بجلی کسی نہ کسی طرح بحال کر لی تھی۔ زہرہ آگے تھی، وہ دائیں طرف کی ایک راہ داری میں مڑی۔ میں کسی بھی لمحے تصادم کے لئے پوری طرح تیار تھا مگر ایسا لگ رہا تھا کہ اندر کے سارے محافظ ہمیں روکنے کے لئے باہر بھیج دیئے گئے تھے اور وہ تہہ خانے سے باہر آنے والے راستے پر مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ کئی راہ داریاں مڑنے کے بعد زہرہ نے ایک جگہ جھانکا اور اشارے سے مجھے بھی دیکھنے کو کہا۔ میں نے جھانک کر دیکھا راہ داری کے سرے پر ایک دروازے کے سامنے ایک مسلح شخص شانے سے رائفل ٹانگے کھڑا تھا حالانکہ ان حالات میں رائفل اس کے ہاتھ میں ہونی چاہئے تھی۔ وہ مشکل سے پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ وقت کم تھا اگر میں براہ راست اس پر فائر کرتا تو شاہ نواز ہوشیار ہو جاتا جبکہ میں اس پر قابو پانا چاہتا تھا۔ یہ خیال مجھے تہہ خانے میں اس کی آواز سن کر آیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس راستے سے نکلنا بہت بڑی حماقت ہوگی، تہہ خانے میں ان کو اسلحے کا ذخیرہ اڑانے کی دھمکی دے کر میں ان سے جو چاہتا منوا سکتا تھا مگر ایک بار کھلی فضا میں آنے کے بعد میں ان کے رحم و کرم پر ہوتا۔ وہ دور سے مجھے مار ڈالتے، گاڑی سمیت اڑا دیتے۔ شاہ نواز تہہ خانے کے اس راز کے ساتھ کسی صورت مجھے زندہ نکل جانے کی اجازت نہ دیتا، چاہے اسے مرشد علی یا ڈیوڈ شا کی جانب سے مجھے زندہ رکھنے کی کتنی ہی سخت تاکید کیوں نہ ہوتی۔

میں نے محسوس کیا کہ شاہ نواز اتنا ذہین شخص نہیں تھا۔ جب میں نے اس سے خفیہ راستہ صاف کرنے اور وہاں گاڑی لانے کو کہا تو اس کے ذہن نے تسلیم کر لیا کہ میں فرار ہونا چاہتا ہوں۔ اس کی جگہ فتح خان یا مرشد ہوتا تو کبھی اس بات کو تسلیم نہ کرتا کہ میں ایسی کوئی احمقانہ حرکت کروں گا۔ شاہ نواز نے اپنی بیشتر انفرادی قوت بھیج دی تھی اور مجھے موقع مل گیا تھا کہ اس تک رسائی حاصل کر سکوں، ایک بار میں اس کو یرغمال بنا لیتا تو اس سے نکلنا آسان ہو جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پہرے پر موجود شخص کے بارے میں سوچا اور اچانک مشین گن سامنے رکھتے ہوئے میں گھوم کر راہ داری میں آیا۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ بے ساختہ رائفل کی طرف بڑھے۔ میں نے مشین گن کو یوں جنبش دی جیسے برسٹ مارنے والا ہوں۔ اس کے ہاتھ رک گئے۔ میں نے سر کے اشارے سے اسے رائفل نیچے ڈالنے کو کہا۔ اس نے سعادت مندی سے حکم کی تعمیل کی اور دوسرے اشارے پر ہاتھ سامنے پھیلا کر اوندھے لیٹ گیا۔ میں نے اس کے پاس آ کر اچانک مشین کا دستہ اس کی گدی پر دے مارا اور وہ بے سدھ ہو گیا۔ زہرہ دیکھ رہی تھی وہ لپک کر آئی اور اس کے ساتھ دونوں لڑکیاں بھی تھیں۔ میں نے خفگی سے اس ہجوم کو دیکھا جو میرے ساتھ ساتھ تھا اور میری خوش قسمتی کہ میں اب تک ان کی وجہ سے کسی کی نظر میں نہیں آیا تھا۔

"شاہ نواز اس کمرے میں ہے؟" میں نے زہرہ کے کان میں کہا۔

"میں نے اسے یہاں دیکھا ہے۔" اس نے جوابی سرگوشی کی۔

میں دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ دروازہ کھلا اور مجھے شمشاد کی صورت نظر آئی۔ اس کا منہ کھلا تھا کہ میں نے مشین گن کا رخ اس کی طرف کر کے ہلکا سا برسٹ مارا تو وہ نیچے گری تھی۔ گولیاں اس کے پیروں میں لگی تھیں۔ وہ نیچے گری اور میں اسے پھلانگ کر اندر آیا۔ دوسرا برسٹ میں نے شاہ نواز کے پاس مارا تھا۔ وہ برابر میں رکھی میز سے پستول اٹھانے جا رہا تھا کہ وہ منجمد ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر لات ماری اور میز الٹ دی۔

"اپنے ہاتھ اوپر رکھو سر پر..... جلدی..... ورنہ اب تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اچانک عقب سے فائر کی آواز آئی۔ میں نے احتیاط سے دیکھا شمشاد زمین پر ساکت پڑی تھی اور اس کے سر میں سوراخ سے بھیجا صاف نظر آ رہا تھا۔ زہرہ اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں موجود پستول سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ "اس نے تمہیں شوٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"تم نے پہل کر دی۔" میں مسکرایا۔ "ان سے ملو، اپنے شاہ نواز صاحب۔"

"ان سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔" زہرہ نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔

"شاہ نواز شاید تم مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہو رہے ہو، تمہارے خیال میں مجھے تہہ خانے کے خفیہ راستے سے باہر ہونا چاہئے تھا اور تم نے اپنے بیشتر مسلح ساتھیوں کو وہاں بھیج دیا ہے۔"

"میں....." اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ "ابھی بھی حویلی میں بے شمار لوگ ہیں۔ تم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔"

میں نے گھوم کر اس کے عقب میں آنے کے بعد اس کے سر پر مشین گن کی نال رکھ دی۔ "اگر تمہاری جان پر بنی ہو تب بھی میرا راستہ روکا جائے گا۔"

"وہ تمہیں اتنی آسانی سے نہیں جانے دیں گے۔"

"تو مشکل سے ہی سہی۔ میں جاؤں گا ضرور اور یاد رکھنا کوئی مشکل آئی بھی تو سب سے پہلے تم پر آئے گی اس لئے کوشش کرنا مشکل نہ آنے پائے۔ اب اٹھ جاؤ۔"

"بات سمجھنے کی کوشش کرو اگر تم نے مجھے یرغمال بنا کر نکلنے کی کوشش کی تو میرے ساتھی تمہارے ساتھ مجھے بھی اڑا دیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اتنے ناخلف ساتھی ہیں۔جن کے نزدیک اپنے باس کی زندگی اور موت کی اہمیت نہ ہو۔''

''اہمیت کاروبار کی ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔''جامی شاہ رکاوٹ بن رہا تھا، اس لئے اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔مجھ سے خطرہ ہوگا تو وہ مجھے بھی مار دیں گے، سربراہ کسی اور کو بنالیں گے۔''

''اب بکواس کرنے کے بجائے کھڑے ہو جاؤ۔'' میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا۔

''ایک منٹ۔'' زہرہ نے پہلی بار مداخلت کی۔''یہ درست کہہ رہا ہے۔اس حویلی میں پایا جانے والا ہر فرد بھیڑیا ہے۔ان میں سے کوئی زخمی ہو جائے تو باقی مل کر اس کی تکا بوٹی کر دیتے ہیں اگر ہم نے اسے یرغمال بنا کر جانے کی کوشش کی تو وہ ہمیں نہیں جانے دیں گے۔''

''پھر کیسے نکلیں؟''

''اس طرح کہ دوسروں کو اس کی خبر نہ ہو۔''

''ایسا کیسے ممکن ہے؟'' میں نے زہرہ کو دیکھا۔

''اسے یہ ممکن بنائے گا۔'' زہرہ نے شاہ نواز کی طرف اشارہ کیا۔''اگر اس نے اپنی جان بچانی ہے تو۔''

''میں تمہیں عام حالات میں نکال سکتا تھا مگر ان حالات میں نہیں۔اس وقت میں باہر جاؤں گا تو میری کار کی بھی تلاشی لی جائے گی۔''

میں نے محسوس کیا کہ اس کی بات میں کچھ نہ کچھ صداقت ہے۔یہ جگہ شاہ نواز کا کنٹرول روم تھی۔یہاں بیٹھ کر وہ پوری حویلی پر کیمروں اور مائیکس کی مدد سے نظر اور علم رکھتا تھا۔وہاں درجن بھر مانیٹر تھے جو ایک ڈیوائس سے منسلک تھے۔کیمروں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔میں نے ریموٹ اٹھایا اور زہرہ سے کہا۔''اس پر نظر رکھنا۔''

اس سے پہلے میں نے یہ کام کیا کہ بے ہوش پہریدار کو بھی اندر کھینچ لایا اور دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔شمشاد کی لاش بھی ایک طرف کر دی تھی۔فوزی اور شہلا نے اب خود کو سنبھال لیا تھا اور پہلے جیسی خوفزدہ نہیں لگ رہی تھیں۔میں نے ریموٹ سے حویلی کا معائنہ کیا۔لان میں طاقتور روشنیاں جل رہی تھیں، مختلف مناظر میں چار عدد خطرناک کتے مٹرگشت کرتے نظر آ رہے تھے۔مین گیٹ پر تین عدد مسلح پہریدار تھے۔ایک شخص اس جگہ تھا جہاں گاڑیاں پارک تھیں اس کے علاوہ مجھے عمارت سے باہر کہیں بھی کوئی شخص نظر نہیں آیا۔میں نے سر گھما کر شاہ نواز کو دیکھا۔''وہ لوگ کہاں ہیں جو میرا راستہ روکیں گے۔''

''جب تم یہاں سے جانے کی کوشش کرو گے تو تم کو خود پتا چل جائے گا۔''

''میں تم سے کیوں نہ پوچھوں؟'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

زہرہ گھوم کر اس کے عقب میں آ گئی اور پستول کی نال اس کے سر پر رکھ دی۔''شاہ نواز جلدی سوچو..... ورنہ تم کو زندہ رکھنا بے کار ہے۔''

''راستہ روکنے والوں کے لئے میرے پاس ایک ترپ کا پتا ہے۔'' میں نے شاہ نواز کو بموں کا ریموٹ دکھایا۔''اس کے ہوتے ہوئے کوئی راستہ روکنے کی جرأت نہیں کرے گا۔''

''اس کی رینج ایک کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔'' شاہ نواز نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔''اس کے بعد تم ان سے نہیں بچ سکتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن یہاں سے نکل تو سکتے ہیں۔''

''مرضی تمہاری۔'' شاہ نواز نے مرے ہوئے انداز میں کہا اور کھڑا ہو گیا۔

''اسی لمحے میں نے مانیٹرز پر کوئی ہنگامہ محسوس کیا۔ میں نے دیکھا۔ حویلی کے داخلی گیٹ پر گارڈز باہر کسی پر فائرنگ کر رہے تھے۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' میں نے شاہ نواز سے کہا۔

اس نے جلدی سے میز پر رکھی ڈیوائس کے چند بٹن دبائے اور گیٹ پر لگے کیمرے کا منظر آنے لگا۔ گیٹ کے عین سامنے دو عدد جیپیں کھڑی تھیں اور ان کے عقب سے گیٹ پر فائرنگ کی جا رہی تھی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے شاہ نواز کو دیکھا۔ ''یہ کون ہیں؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھری۔ ''شاید جامی شاہ پھر آ گیا ہے۔''

میں چونکا۔ ''جامی شاہ، وہ بچ گیا تھا؟''

''امکان ہے اس کی لاش نہیں ملی تھی۔'' اس نے بتایا۔ اسی لمحے میز پر رکھے ایک واکی ٹاکی نے بپ دی۔ شاہ نواز نے اجازت طلب انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''اگر میں نے کال ریسیو نہ کی تو وہ شک میں پڑ جائیں گے۔''

''ریسیو کرو مگر کوئی غلط بات مت کرنا۔ وہ تمہاری آخری بات بھی ہو سکتی ہے۔''

اس نے واکی ٹاکی اٹھایا۔ ''ہاں کیا بات ہے؟''

''شاہ جی۔'' کوئی عقب سے آتی فائرنگ کی آوازوں میں چلایا۔ ''کچھ لوگ خفیہ دروازے میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے سرنگ میں پناہ لے لی ہے باہر انہوں نے گھیرا ڈال دیا ہے۔''

''کتے کے بچو، تم لوگ سو رہے تھے، کون ہیں یہ؟''

''پتا نہیں شاہ..... پر ان کا حملہ اتنا اچانک تھا کہ ہمارے چھ ساتھی مارے گئے، میرے ساتھ صرف دو بندے اور ہیں۔''

ان کو سرنگ میں آنے سے روکو بلکہ اندر چلے جاؤ۔''

''شاہ جی اندر والا راستہ اندر سے بند ہے۔'' وہ شخص چلایا۔ فائرنگ کی آواز قریب آ رہی تھی اور اس کی شدت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا، کسی نے بھیانک چیخ ماری۔ واکی ٹاکی پر بات کرنے والا اب اپنے دفاع میں لگ گیا تھا۔ شاہ نواز کچھ دیر چلا چلا کر اسے آوازیں دیتا رہا پھر اس نے واکی ٹاکی سیٹ دیوار پر دے مارا۔ گیٹ پر آنے والے حملہ آور بھی حاوی لگ رہے تھے اور گارڈز اب مدافعت پر اتر آئے تھے۔

''شاہ نواز اگر یہ جامی شاہ کے آدمی ہیں تو میرے اتنے ہی دشمن ہیں، ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔ تمہاری نظر میں ایسا کوئی راستہ ہے۔''

''ہے تو۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''میں تمہیں اس راستے سے لے جاؤں گا لیکن تم بھی وعدہ کرو کہ مجھے پھر چھوڑ دو گے۔''

''میرے وعدے کی کوئی اہمیت ہے تمہارے نزدیک؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے تمہارے بارے میں سنا ہے۔ تم شریف ماں باپ کی اولاد ہو اگر تم ان کی قسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھا کر یقین دلا دُ تو میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے میں وعدہ کرتا ہوں اب جلدی کرو، ایسا نہ ہو کہ تم ہمیں یہاں سے نکالنے کی پوزیشن ا رہو۔"

"تم دونوں آؤ میرے ساتھ۔"

"یہ لڑکیاں۔"

"ان کو چھوڑ دو، آنے والوں سے ان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"تم اندر جاؤ۔" میں نے فوزی اور شہلا سے کہا تو وہ ہچکچاتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے جا شاہ نواز نے ایک طرف موجود الماری کا پٹ کھولا اور میں یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا کہ اندر سیڑھیاں نیچے جا رہا یعنی یہ خفیہ راستہ تھا۔ میں نے شاہ نواز کا کالر پکڑا۔ "یہ راستہ کہاں جاتا ہے؟"

"نیچے ایک گیراج میں نکلتا ہے۔ وہاں ایک عدد بکتر بند جیسی جیپ کھڑی ہے۔ اس میں ہم آسانی سے نکل سکتے ہیں۔"

"گاڑی بلٹ پروف ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک حد تک۔" اس نے تصدیق کی۔

"شاہ نواز یاد رکھنا میں تمہارے پیچھے ہوں، کسی قسم کی چالاکی دکھانے کا مطلب وفات پانا بھی ہے۔ زندہ رہو گے تو بہت کچھ دوبارہ حاصل کر لو گے، مجھے دعدہ بھلانے پر مجبور مت کرنا۔"

اس نے سر ہلایا۔ "ابھی تو میں خود یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

میں نے دیکھا حملہ آوروں نے گیٹ کے محافظوں پر قابو پا لیا تھا۔ ان میں سے دو تو مر چکے تھے زخمی تھے۔ تیسرے کو آنے والوں نے پکڑ لیا تھا۔ یہ کل چار افراد تھے۔ میں نے شاہ نواز سے کہا۔ "ان م کسی کو پہچانتے ہو؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ سب میرے لئے اجنبی ہیں۔"

ان میں سے ایک نے اچانک پکڑے جانے والے گارڈ کے سر پر پستول رکھ کر چلا دیا اور وہ مر دیکھ کر شاہ نواز کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ اس نے التجا آمیز انداز میں کہا۔ "اب یہاں سے نکل جاؤ ان کو اد میں بھی چند منٹ لگیں گے۔"

میں نے کیمروں اور مائیکس کو کنٹرول کرنے والی ڈیوائس پر ایک ہلکا سا برسٹ مارا، اس سے ٹھ اور مانیٹر زتاریک ہو گئے۔ "زہرہ پہلے تم نیچے جاؤ گی۔" میں نے کہا پھر شاہ نواز سے بولا۔ "نیچے کوئی ٹر اب بھی وقت ہے بتا دو۔"

"نیچے کوئی ٹریپ نہیں ہے۔ جلدی کرو۔"

"زہرہ نیچے اتر گئی۔ چند لمحے بعد اس کی آواز آئی۔ "آ جاؤ، یہاں کچھ نہیں ہے۔"

میں نے شاہ نواز کو اندر دھکیلا اور اس کے پیچھے خود آیا۔ الماری کے پٹ میں نے اندر سے بند کر زینہ بے حد تنگ تھا اور میں جیکٹ میں ٹھنسے سامان کے ساتھ دیوار سے رگڑ کھاتا نیچے تک پہنچا تھا۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سا گیراج تھا جس میں بکتر بند سائز کی ایک لوکل میڈ جیپ کھڑی تھی۔ اس کی باڈی مضبوط فولادی شیٹ سے تیار کی گئی تھی اور اس کے آگے ہلڈوز جیسے بلیڈز لگے تھے۔ شیشے زردی مائل تھے جو ان کے بلٹ پروف ہونے کی علامت تھی۔ اس میں آگے پیچھے نشستیں تھیں اور عقب میں سامان رکھنے کا خانہ تھا جس میں ترپال تلے کچھ رکھا تھا۔ شاہ نواز نے سامنے سے گیراج کا دروازہ اَن بولٹ کر دیا مگر اسے کھولا نہیں تھا۔

''ڈرائیونگ کون کرے گا؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

''ظاہر ہے تم۔'' میں نے جواب دیا۔

''زہرہ گاڑی کا معائنہ کر رہی تھی۔ ''یہ چل سکتی ہے؟'' اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''کیوں نہیں۔'' شاہ نواز نے اس کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور بیٹھنے جا رہا تھا کہ میں نے بروقت روکا۔

''اتنی جلدی کیا ہے نور چشم۔ ہمیں تو سوار ہونے دو۔''

غالباً اس کے ذہن میں خیال تھا کہ وہ اندر گھستے ہی دروازہ بند کر لے گا اور ہم احمق باہر رہ جائیں گے۔ بلٹ پروف گاڑی میں وہ بالکل محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد وہ ہمیں آنے والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر فرار ہو جائے گا۔ پکڑے جانے پر اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار آئے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا اس کا ارادہ دھوکے کا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تو بیٹھو، میں نے منع کیا ہے۔''

یہ کہتے ہی اس نے اچانک عقب کی طرف لات چلائی جو میرے گھٹنے پر لگی۔ اس پر قبصر سے معرکہ آرائی کے دوران پہلے بھی چوٹ لگ چکی تھی اور اس کا درد ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ میں لڑکھڑا کر گرا تو اس نے پھرتی سے اندر گھس کر دروازہ بند کرنے کی کوشش کی۔ میں نے پھرتی سے کام نہ لیا ہوتا تو اس نے دروازہ بند کر لیا ہوتا۔ میں نے مشین گن کی نال اڑا دی۔ وہ دروازہ بند کرنے کے لئے پورا زور لگا رہا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ نال نکلنے نہ پائے۔ ایک بار وہ دروازہ بند کر لیتا تو ہم پیچھے رہ جاتے۔ میں فائر کر کے گاڑی کے ٹائر بھی نہیں پھاڑ سکتا تھا جو خاص قسم کے ٹیوب لیس ٹائر تھے یعنی بالکل ٹھوس، ان میں گولی گھس کر ٹائر کا ایک حصہ ہی بن جاتی۔ اس قسم کے ٹائر میدانِ جنگ میں جانے والی گاڑیوں میں ہوتے ہیں وہاں عام ٹیوب والے ٹائر کام نہیں آتے اور نہ ہی میدانِ جنگ میں کسی کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ بیٹھ کر ٹائر بدلتا رہے۔ بات کہیں اور نکل گئی۔ شاہ نواز نے دھوکا دیا تھا مگر اس میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ زہرہ بھاگ کر گئی اور اس نے بھی اپنا پستول پھنسا دیا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھینچا تو شاہ نواز بھی کھنچا چلا آیا تھا۔ میں نے بروقت گھٹنا اس کے منہ کے سامنے کیا اور پھر بالوں سے پکڑ کر اس کا سر اوپر کیا جو لہولہان ہو رہا تھا۔

''افسوس شاہ نواز تم نے خود زندہ اور آزاد رہنے کا موقع گنوا دیا اب میں اپنے کسی وعدے کا پابند نہیں ہوں۔''

''خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔'' وہ ہذیانک کے ساتھ مضحکہ خیز آواز میں بولا۔

''تاکہ تم مجھے پھر دھوکا دینے کی کوشش کرو۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کیا خیال ہے اگر میں تمہیں اس جگہ پھینک جاؤں اور خود یہ گاڑی لے جاؤں تو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ چلایا۔ ''خدا کے لئے، یہ جامی شاہ کے آدمی ہوئے تو وہ میرے ٹکڑے کر کے بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔''

''یہی تو میں چاہتا ہوں۔'' میں ہنسا اور اسے زور سے دھکا دیا۔ اندر گاڑی میں داخل ہو کر میں نے برابر والی نشست کا دروازہ کھولا، زہرہ اندر آ گئی۔ شاہ نواز گرتے ہی اٹھا اور پھر میری طرف آیا۔ میں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ ''خدا حافظ۔''

''خدا کے لئے۔'' وہ چلایا۔ ''شہباز ایک بار مجھے معاف کر دو۔''

''تمہارے منہ سے یہ لفظ اچھا نہیں لگتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بہرحال وہ انسانوں کا بھی خدا ہے اور شیطانوں کا بھی۔ اس سے معافی مانگو، مجھ سے نہیں۔''

''تم اس طرح نہیں جا سکتے۔''

گاڑی میں آواز کی آمد و رفت کے راستے تھے اس لئے دروازے اور کھڑکیاں بند ہونے کے باوجود مجھے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ''کیا مطلب اس طرح نہیں جا سکتے؟''

''تم اس جیپ کو لے کر مین گیٹ کی طرف نہیں جا سکتے کیونکہ اس طرف جانے کا راستہ ہی نہیں ہے۔ اس طرف اونچے پشتے ہیں جن کو یہ جیپ عبور نہیں کر سکتی ہے۔'' وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔

میں انجن اسٹارٹ کرنے جا رہا تھا، چابی اگنیشن میں لگی تھی، میں رک گیا۔ ''پھر کیا جیپ لان میں چلانے کے لئے رکھی ہے۔'' میں نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں، جیپ ایک دیوار سے گزر سکتی ہے۔ اس طرف دیوار میں صرف نمائشی کھوکھلی اینٹیں لگی ہیں۔ یہ ایک ٹکر میں اسے گرا دے گی۔'' اس نے جیپ کی طرف اشارہ کیا۔ ''باقی ہر دو دو فٹ پر موٹی ٹھوس کنکریٹ کی دیوار ہے جسے بلڈوزر بھی نہیں توڑ سکتا ہے اور صرف مجھے معلوم ہے وہ نمائشی دیوار کہاں ہے۔''

''دوسرے لفظوں میں تم مطالبہ کر رہے ہو کہ تمہیں بھی لے جایا جائے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میری مدد کے بغیر تم نہیں نکل سکتے۔''

''ممکن ہے، نکل جاؤں۔''

''تو نکل کر دکھاؤ۔'' اس کے لہجے میں چیلنج تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ ''یہ رہا دروازہ، اسے توڑ کر نکلو گے تو عقبی باغ میں ہو گے۔ جاؤ قسمت نے ساتھ دیا تو شاید تم کھوکھلی دیوار بھی تلاش کر لو مگر اب دیر مت کرو وہ لوگ کسی بھی لمحے یہاں آ جائیں گے۔ اس کے بعد تم بھی نہیں نکل سکو گے۔''

میں سوچ میں پڑ گیا تھا اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہا ہے۔ اس کی مدد کے بغیر میں نہیں نکل سکتا تھا۔ زہرہ نے میری طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ ''اسے لے چلو، ممکن ہے یہ سچ کہہ رہا ہو اور اس نے جھوٹ کہا بھی ہو گا تو ہم اس سے نمٹ لیں گے۔''

''او کے۔'' میں نے دروازہ کھولا اور نیچے آ گیا۔ ''میں اور زہرہ پیچھے ہوں گے اور تم نے ذرا بھی بدعہدی کی تو تمہیں مار کر پھینک دیں گے۔''

''ایسے نہیں، پہلے تم وعدہ کرو، میری اس خطا کو معاف کر دو گے۔ باہر نکل کر مجھے قتل نہیں کرو گے۔ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کا موقع دو گے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں اگر تم نے ہمیں حویلی سے نکال دیا تو میں تمہیں زندہ سلامت جانے دوں گا۔'' میں نے اس سے وعدہ کیا۔ ''اب چلو دیر مت کرو۔''

اسی لمحے سیڑھیوں کے اوپر سے لوگوں کے بولنے اور توڑ پھوڑ کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں اور زہرہ بھاگتی سے عقبی نشست پر آ گئے تھے اور شاہ نواز نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ اسی لمحے میں نے سیڑھیوں سے ایک مسلح فرد کو نمودار ہوتے دیکھا۔ اس نے جیپ پر برسٹ مارا تھا۔ گولیاں جیپ کی باڈی اور شیشے سے ٹکرا کر چٹ تگئیں۔ شاہ نواز نے ایکسلیریٹر دبایا اور جیپ نے جست لگائی۔ سامنے دروازہ اس کے سامنے گتے کا ثابت ہوا۔ ٹکر لگتے ہی دو حصوں میں پھٹ گیا۔ سامنے سیاہ آسمان اور روشن باغ تھا۔ جیپ ایک نرم اور مرجھائی گھاس والے لان پر دوڑ رہی تھی۔ اس نے پہلے دو گلاب کی کیاریوں کا حشر نشر کیا اور اس کے بعد لیموں کے چند پودوں کو روندتی ہوئی گزر گئی۔ عقب سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی اور میں نے احتیاطاً سر نیچے کر لیا تھا۔ بلٹ پروف بھی ایک حد تک ساتھ دیتا ہے اگر اس پر مسلسل گولیاں پڑیں تو یہ ٹوٹ جاتا ہے چاہے دھات کا ہو یا شیشے کا۔

اب دائیں طرف سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ شاہ نواز نے جیپ گھمائی اور اس کا رخ ایک بار پھر حویلی کی عمارت کی طرف کر دیا تھا۔ ''اس طرف کیوں جا رہے ہو؟'' میں نے کہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حویلی کے پاس آ کر جیپ ایک بار پھر موڑی اور اس بار اس کا رخ عقبی دیوار کی طرف تھا۔ اس نے تیز ایکسلیریٹر دیا اور اور انجن گرجا۔ دھچکے سے ہم پیچھے گئے تھے۔ پہلے دیوار کے پاس جا کر شاہ نواز نے اس جگہ کا تعین کیا تھا اور پھر واپس آ کر جیپ دیوار کی طرف دوڑا دی تھی۔ اسی لمحے مجھے زمین ہلتی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ میری نظروں کے سامنے عمارت کا مشرقی حصہ پھٹ کر بکھر گیا اور اس سے شعلے اور ملبہ نکل رہا تھا۔

''شاہ نواز جلدی کرو۔ اسلحہ خانے میں بلاسٹ ہوا ہے۔'' میں چلایا۔

''نہیں۔'' شاہ نواز نے کہا تھا۔ اس دوران میں دیوار قریب آ گئی تھی۔ زہرہ اور میں نے دونوں ہاتھ اگلی نشستوں پر جما دیئے تھے۔ اس کے باوجود تصادم کی شدت نے ہمیں اچھال کر چھت پر دے مارا۔ میں نے اینٹیں بکھرنے اور ملبہ جیپ پر گرنے کی سمع خراش آوازیں سنیں مگر جیپ رکی نہیں، اس تصادم کو سہتی ہوئی دیوار سے گزر گئی۔ زمین اب بھی حرکت میں تھی، اسی لمحے دھماکے کی شاک ویو جیپ سے ٹکرائی اور اس نے جیپ کو مزید آگے دھکیلا تھا۔ شاہ نواز جیپ کو اس کچے راستے سے اترنے اور الٹنے سے بچانے کے لئے دیوانہ وار جدوجہد کر رہا تھا، مجھے سر پر کسی شے کے بہنے کا احساس ہوا۔ یہ شاید خون تھا۔ میں نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا اور اب حویلی کا بیشتر حصہ غائب ہو چکا تھا۔ اس جگہ سے شعلے اور ملبہ نکل کر آسمان کی طرف جا رہا تھا۔ پے در پے دھماکے اتنے تسلسل سے ہو رہے تھے کہ انہوں نے ایک مستقل اور قیامت خیز گڑگڑاہٹ کا روپ دھار لیا تھا۔

''شاہ نواز نے زبردست جدوجہد کے بعد جیپ کو صراط مستقیم پر رکھا تھا۔ یہ کچا راستہ ہائی وے سے مخالف سمت میں جا رہا تھا۔ کوئی ایک فرلانگ کے بعد اس نے جیپ روکی اور اسٹیئرنگ پر سر ڈال دیا۔ عقب میں آسمان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حویلی کے ملبے سے اٹھنے والے بلند و بالا شعلوں سے روشن تھا۔ میں اس تباہی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں نے تہہ خانے میں بہت ساری چیزیں کھول کر پھیلا دی تھیں۔ ان میں دستی بموں سے لے کر بارودی سرنگیں تک شامل تھیں مگر ان میں سے کسی سے بھی از خود دھماکا ممکن نہیں تھا پھر یہ کس کی غلطی تھی۔ خاص طور سے ان لوگوں میں سے کسی کی جو خفیہ راستے سے لڑھک کر اندر داخل ہوئے تھے۔ کوئی بھٹکی ہوئی گولی کسی بارودی سرنگ یا دستی بم سے جا لگی تھی۔ اس کے دھماکے سے ایک چین ری ایکشن شروع ہوا تھا جس نے بالآخر پورے بارودی ذخیرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کوئی فرلانگ بھر کی دوری سے دھماکوں کی شدت سے زمین لرز رہی تھی اور ملبے کے ٹکڑے اُڑ کر یہاں تک آ رہے تھے۔ ''جیپ آگے کرو'' میں نے شاہ نواز سے کہا۔

''یہ کیا تھا۔'' وہ گالی دینے کے انداز میں بولا۔ ''تم نے جھوٹ بولا تھا۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو اگر میں ایسا کوئی کام کرتا تو کیا اتنے سکون سے اندر بیٹھا رہتا۔ ذرا غور کرو ہم نکلنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی کرتے تو کبھی نکلنے کی نوبت نہ آتی۔''

''تمہیں اس کے سامنے وضاحت پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' زہرہ نے مجھے گھورا اور پریشان ہو گئی۔ ''تمہارے سر سے خون بہہ رہا تھا۔''

''کوئی خاص نہیں ہے۔'' میں نے رومال سے سر صاف کیا۔ ''معمولی سی خراش ہے۔''

خود زہرہ کے منہ سے خون جھلک رہا تھا۔ اس کا چہرہ شاید سامنے سیٹ سے ٹکرایا تھا۔ میں نے اسے رومال دیا کہ وہ منہ صاف کر لے۔ شاہ نواز بظاہر ٹھیک نظر آ رہا تھا۔ اس نے جیپ آگے بڑھا دی تھی۔ حویلی کی تباہی نے اسے گم صم کر دیا تھا۔ اس کا تو سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اس کا کاروبار، وہ لڑکیاں، مجھے فوزی اور شہلا کا خیال آیا ان کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سو بے گناہ لڑکیاں اگرچہ ان میں سے بعض پیشہ ور تھیں مگر اکثر مجبوریوں کی بنا پر بک کر آئی تھیں۔ شاہ نواز نے دوسرے فرلانگ کے بعد گاڑی پھر روک لی۔ اتنے فاصلے پر ہم محفوظ تھے۔ ہم جیپ سے اتر آئے۔

''یہ کیسے ہوا؟'' شاہ نواز نے صدمے سے کہا۔

''میرا خیال ہے حملہ آوروں کی غلطی سے کوئی بارودی ذخیرہ پھٹ گیا ہے۔''

''تم بھی تو ریموٹ کنٹرول بم لگا کر آئے تھے۔'' اس نے زہریلے انداز میں کہا۔ ''تمہیں پتا ہے حویلی میں سوائے صرف لڑکیاں تھیں اور تمہیں کے قریب دوسرے لوگ تھے۔''

''مجھے مجرم ثابت کرنے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے برہمی سے کہا اور ریموٹ اس کے سامنے پھینک دیا۔ ''اسے کھول کر دیکھ لو۔''

اس نے سیل والا خانہ کھولا اس میں سیل نہیں تھے۔ زہرہ میرے برابر میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ ''اصل مجرم یہ خود ہے۔ اس سے پوچھو، اتنے انسانوں کو بارود پر اس نے بٹھایا ہے یا تم نے۔ کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ کسی دن غلطی سے بھی یہ بارود اُڑ گیا تو اوپر بسنے والی زندہ لاشیں سچ مچ کی لاشوں میں بدل جائیں گی۔ میں اسے مار ڈالوں گی۔'' زہرہ نے جذبات سے بے قابو ہو کر کہا۔

''سنا تم نے یہ تمہیں مجرم سمجھ رہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے جو کیا تھا وہ صرف اپنی جان بچانے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یا تھا اور تم۔" میں نے اچانک اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ "بے غیرت شخص مجھے سو افراد کا قاتل قرار دے رہے ہے کی یہ کیمپ تم نے کس کی فاتحہ کے لئے رکھی تھی۔"

"میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔" اس نے کمزور لہجے میں کہا۔ "مرشد علی۔"

"کومت، اسے تمہارے ساتھ شامل ہوئے ابھی چند مہینے ہوئے ہیں اور یہ کاروبار برسوں پرانا ہے۔ تم والی شاہ کے دست راست تھے اور اس مکروہ کاروبار میں برابر کے شریک تھے۔ یہ میں تم سے بعد میں پوچھوں گا یا تھا کہاں سے آتا تھا اور کہاں جاتا تھا؟"

شاہ نواز کی رنگت مدھم ہو گئی تھی۔ وہ سرخی مائل رنگت کا تقریباً چالیس برس کا طویل قامت شخص تھا۔ اس یکھا نے پیشے سے لاعلم شخص کو وہ خاصا معزز نظر آتا۔ اگر زہرہ اتفاق سے اس تہہ خانے کو نہ دیکھ لیتی تو ہم آج ی ہوتے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ اتنے خطرناک کاروبار میں ملوث ہیں۔ خطرات کے ا دنیا بھر میں اسلحے کی اسمگلنگ سب سے مشکل کام ہے کیونکہ ہر ملک اسلحے کی آمد کے بارے میں حساس ہا اور اس کی اسمگلنگ کے سدباب کی پوری کوشش کرتا ہے۔ یہ جگہ بھارتی سرحد سے زیادہ دور نہیں تھی اور ا پڑھنے والا ایک معمولی ذہانت کا حامل شخص بھی جانتا تھا کہ بھارتی ناگ ہمیں تیسری بار ڈسنے کی تیاری کر رہا ا۔ اس سے پہلے کشمیر اور مشرقی پاکستان میں اس کا زہر کام کر چکا تھا اور اب یہی زہر ملک کے بعض سرحدی اور ا مغربی حصوں میں پھیلایا جا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ ہماری اندرونی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے اور اب بھی ا موقع مل رہا ہے تو وہ ہرگز نہیں چوکے گا۔ بدقسمتی سے ایسے غداروں کی کوئی کمی نہیں ہے جن کے نزدیک دین و ا اور ملک و قوم سے زیادہ اہمیت اپنے قبائلی رواجوں کی ہے جہاں وہ خدا سے زیادہ اپنے خود ساختہ خداؤں ا تے تھے۔ وہ اس انسانیت سوز غلامی سے آزاد نہیں ہونا چاہتے تھے جس میں ان کی جان، مال اور آبرو ا ایک شخص کے قبضے میں ہوتی ہے۔

"کیا سوچنے لگے؟" زہرہ نے مجھے چونکایا۔

"کچھ نہیں، کاش یہ اسلحہ تباہ نہ ہوتا اور اس ملک کے سوئے محافظ آ کر دیکھتے کہ ان کی ناک تلے کیا ہو رہا ا۔"

زہرہ ہنسی۔ "تم سچ مچ معصوم انسان ہو۔ یہ ان کی غفلت میں نہیں، ان کی ملی بھگت سے ہو رہا ہے۔ ملک ی کسی کو پروا نہیں ہے سب اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔ اچھا ہوا یہ اسلحہ تباہ ہو گیا ورنہ یہ اپنی منزل پر پہنچ جاتا، کون ا کتنے بے گناہوں کی موت کا سبب بنتا۔"

"یہ درست کہہ رہی ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں اسلحہ ان کی مرضی کے بغیر کیسے آ سکتا ہے جو اس کو روکنے پر ا ہیں۔ سرحد سے لے کر یہاں تک سب سے معاملہ سیٹ ہے۔ سب کو حصہ ملتا ہے اور اسلحہ آرام سے آتا ا۔" شاہ نواز نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اب نکلو یہاں سے۔ اتنے دھماکے ہوئے ہیں پولیس آنے والی ہو گی۔" میں نے کہا۔

اسی لمحے حویلی کی دوسری جانب سے ایک گاڑی نمودار ہوئی اور ہماری طرف آنے لگی تھی۔ میں اور زہرہ ا کی طرف لپکے، شاہ نواز پہلے ہی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ "اب چلو دیر مت کرو۔" شاہ نواز نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیپ آگے بڑھا دی۔ ''اس راستے پر کوئی گاڑی ہمارا تعاقب نہیں کر سکتی ہے اس پر خاص طور سے ایسے کا بچھائے گئے ہیں جو دوسری گاڑی کا ٹائر برسٹ کر دیں گے۔ اس کا ٹائر برسٹ نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے دیکھا تھا۔''

''وہ گاڑی رک گئی۔'' زہرہ عقب میں دیکھتے ہوئے بولی۔ واقعی گاڑی رک گئی تھی۔

''اس کے ٹائر برسٹ ہو گئے ہوں گے۔'' شاہ نواز نے کہا۔ اسی لمحے جیپ کی رفتار کم ہونے لگی۔

''پتا نہیں۔'' اس نے انجن کو ریس دیتے ہوئے کہا مگر انجن کی رفتار مستقل گھٹتی جا رہی تھی۔ انجن آخری ہچکی لی اور جیپ رک گئی۔ شاہ نواز نے پہلی بار غور سے فیول گیج کی طرف دیکھا۔ ''ٹنکی خالی ہے مگر یہ ہو سکتا ہے۔ میں ہمیشہ اس کی ٹنکی فل رکھتا ہوں۔''

''ممکن ہے فیول گیج خراب ہو۔'' میں نے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ سوئی آخری سرے پر تھی۔

''نہیں جب میں نے جیپ اسٹارٹ کی تھی تو گیج ٹنکی کو فل کر کے دکھا رہا تھا۔'' اس نے نفی میں سر ہلا

''فیول لائن تو لیک نہیں کر گئی ہے۔ اتر کر دیکھو۔''

بادل ناخواستہ وہ نیچے اترا۔ میں اس پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا عین ممکن تھا اس کی کوئی چالاکی ہو گی۔ ٹنکی ہو اور گیج اسے خالی دکھا رہا ہو۔ میں اس پر بھروسا کر کے اتروں اور وہ جیپ لے کر اڑن چھو ہو جائے۔ اترتے ہی پورے چاند کی روشنی میں مجھے جیپ کے پیچھے وہ سیاہ لکیر دور تک جاتی نظر آئی جو یقیناً فیول لائن رسنے والے ایندھن سے بنی تھی۔ میں نے جھک کر انگلی سے لکیر کو چھو کر سونگھا اس سے ڈیزل کی بو آ رہی تھی۔

''جیپ کسی پتھر سے چھو گئی اور فیول لائن میں سوراخ ہو گیا۔'' شاہ نواز نے کہا۔ ''ایک کین اور فیول لیک ہوتا رہا تو ہم ایک کلومیٹر بھی نہیں جا سکیں گے۔''

روشنی کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا ورنہ میں شاہ نواز کو جیپ کے نیچے گھسا دیتا۔ زہرہ پاس آئی۔ ''اب ایسا نہ ہو وہ پیچھے سے آ جائیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' شاہ نواز نے تائید کی۔

''سڑک اس جگہ سے کتنی دور ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ راستہ آگے جا کر ہائی وے سے مل جاتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''دو تین کلومیٹر پیدل چلنا پڑے گا۔''

''تو چلو۔'' میں نے اسے آگے دھکیلا۔ ''اب رکو مت۔''

ہم نے پیدل مارچ شروع کیا۔ سردی غضب کی تھی لیکن حالات کی گرمی نے اب تک اسے محسوس کرنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ اب پیدل چلنا شروع کیا تھا تو سردی نے بھی مزاج پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ زہرہ نے بغلوں میں ہاتھ دے دیئے تھے۔ وہ میرے ساتھ چل رہی تھی جبکہ شاہ نواز کو سامنے رکھا تھا عقب میں دھماکوں کی آوازیں تقریباً رک گئی تھیں۔ البتہ شعلے پہلے سے زیادہ بلند تھے۔ تباہی کی وسعت سے اندازہ ہوا کہ حملہ آوروں میں سے شاید وہی بچے تھے جو ہمارے پیچھے آئے تھے۔ مارے جانے والے اکثر افراد قافلہ انسانیت کے مجرم تھے۔ مجھے افسوس ان عورتوں اور لڑکیوں کا تھا جو پہلے ہی اس جگہ جہنم کی زندگی گزار رہی تھیں

''شاہ نواز حویلی میں کتنی عورتیں اور لڑکیاں تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سوسے کچھ اوپر صحیح حساب مجھے یاد نہیں ہے۔"

"اس کا حساب کون رکھتا تھا؟"

"اس کا حساب شمشاد رکھتی تھی۔"

"اور آمدنی کا حساب؟"

"وہ میرے پاس ہوتا تھا۔" اس نے کسی قدر گھبرا کر جواب دیا۔

"اس گندے کام سے اب تک تم نے کروڑوں کمائے ہوں گے یا شاید اربوں کما لئے ہوں۔ اب میں تمہیں ایک گولی ماروں تو یہ سب کہاں جائے گا۔"

"تم — تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔"

"ہاں میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ اس لئے میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا اور تم کو جانے دوں گا۔"

"مگر میں نے وعدہ نہیں کیا تھا۔" زہرہ نے پستول سے اشارہ کیا۔ "شاہنواز میں تم کو نہیں جانے دوں گی۔"

"تم — تم کون ہوتی ہو؟" اس نے حقارت سے کہا۔

"میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن یہ تمہارا باپ ہے۔" زہرہ نے پستول لہرایا۔ "زیادہ بک بک کی تو ابھی کتے کی موت مار دوں گی۔"

"یہ وعدہ خلافی ہے۔" شاہنواز نے فریاد کی۔

میں نے معذرت کی۔ "سوری میں نے صرف اپنی حد تک وعدہ کیا تھا۔ زہرہ کی طرف سے نہیں۔"

"ویسے بھی تمہاری طرف میرے اور مجھ جیسی عورتوں کے کئی حساب نکلتے ہیں۔" زہرہ بولی۔ "اور وہ میں لوں گی، ابھی آگے چلو۔"

شاہنواز نے آتش فشاں نظروں سے اسے دیکھا۔ کل تک جو عورت اس کے لئے ایک مشین سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی جسے وہ کمانے کے لئے استعمال کرتا تھا اور وہ خراب ہو جاتی تو اسے پھینک کر دوسری مشین لے آتا۔ آج وہ عورت ملک الموت کی طرح اس کے سر پر سوار تھی اور اس کی انگلی کی ایک جنبش شاہنواز کو جہنم کے سفر پر روانہ کر سکتی تھی۔

"رک مت۔" میں نے اچانک اسے لات ماری۔ "یہ کس طرح سے دیکھ رہا ہے۔"

شاہنواز زمین پر جا گرا پھر جلدی سے کھڑا ہو گیا اور پٹے ہوئے کتے کی طرح دم دبا کر چلنے لگا۔

"اب ہم کہاں جائیں گے؟" زہرہ فکر مند تھی۔

"جہاں تقدیر لے جائے۔" میں نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ "ویسے میرے ذہن میں سونیا کے گھر جانے کا خیال تھا۔ مجھے یقین تھا وہ اور ناصر محفوظ تھے اور سونیا کا گھر بھی ان کی نظروں سے محفوظ تھا۔ میری خوش قسمتی کہ ڈیوڈ شاہ، فتح خان اور مرشد علی تینوں میں سے کوئی یہاں نہیں تھا اور میرا واسطہ شاہنواز جیسے بدمعاش سے تھا جو صرف بدمعاشی دکھا سکتا تھا اور جب اسے بحران کا سامنا کرنا پڑا تو اس کی عقل جواب دے گئی۔

"وہ پیچھے سے آ سکتے ہیں۔" زہرہ نے کہا۔ وہ بار بار مڑ کر دیکھ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اتنی آسانی سے نہیں آسکتے اور آ بھی گئے تو دائیں بائیں چھپنے کے لئے بہت جگہ ہے۔" میں نے سڑک کے اردگرد پھیلے جنگلات کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ دیکھو..... شاید کوئی گاؤں ہے۔" زہرہ نے فاصلے پر دکھائی دینے والی روشنیوں کی نشاندہی کی۔

"ہمیں کسی آبادی میں نہیں جانا ہے۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

"پھر کہاں جانا ہے؟"

"سب سے پہلے ہمیں بڑی سڑک تک جانا ہے۔ اس کے بعد دیکھیں گے کہ کہاں جانا ہے۔"

تم اس علاقے سے نہیں نکل سکتے۔" شاہ نواز نے اچانک کہا۔

"وہ کیوں؟"

"اس سڑک کی ناکا بندی کی جا چکی ہوگی۔" اس نے کہا۔ "جن لوگوں نے حویلی پر حملہ کیا ہے ان کو پتا چل گیا ہوگا۔ وہ میری تلاش میں ہوں گے۔"

"تمہاری وجہ سے ہم بلاوجہ مارے جائیں گے۔"

"نہیں، وہ تمہاری تلاش میں بھی ہوں گے مگر میرے خون کے پیاسے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے وہ جامی شاہ کے آدمی ہیں مگر سوال یہ ہے جب جامی شاہ اس دن بمشکل اپنی جان بچا کر فرار ہوا تھا تو اتنی جلدی وہ دوبارہ طاقت حاصل کر کے حویلی پر دوبارہ حملہ آور کیسے ہوا؟"

جامی شاہ کے حامی ابھی بھی بہت ہیں۔ خاص طور سے گوجرانوالہ کا چوہدری گروپ اس کا حامی ہے۔ ان کی مرشد علی سے سیاسی مخاصمت ہے اس وجہ سے بھی وہ جامی شاہ کی حمایت میں سرگرم ہیں، مجھے کل اطلاع ملی تھی۔"

"لیکن تم نے اسے اہمیت نہیں دی۔"

اس نے سر ہلایا۔ "تمہاری طرح میں بھی اس تذبذب میں تھا کہ زخم خوردہ جامی شاہ اتنی جلدی پلٹ آئے گا۔ بدقسمتی سے اس وقت تم نے تہہ خانے پر قبضہ کر لیا تھا۔

"یہ کسی بھی حملہ آور کے لئے کامیاب ترین اسٹرٹیجی ہوتی ہے اس وقت حملہ کرو جب اس کی توقع نہ ہو۔ جامی شاہ نے بھی ایسا ہی کیا۔"

"اگر تم نے مسئلہ نہ کیا ہوتا تو اس کا یہ حملہ بھی ناکام رہتا۔"

"آدمی کی جب شامت آتی ہے تو ایسے ہی آتی ہے، تمہیں پتا ہے مجھے اس تہہ خانے کا کیسے پتا چلا....." زہرہ سے پتا چلا اور اس نے اتفاق سے تمہارے آدمیوں کو وہاں سے اسلحہ نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"شاید میری تقدیر ہی خراب ہے، لالچ میں آکر میں نے جامی شاہ کے خلاف بغاوت کی اور مجھے اکسانے والے غائب ہیں۔"

"حالانکہ مرشد علی چاہتا تو تم کو درجنوں مسلح افراد دے سکتا تھا، اس کے پاس ایسے مریدوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو اس کے ایک اشارے پر کسی کی جان لے سکتے ہیں اور اپنی جان دے سکتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ صرف آمدنی میں حصہ لینے آیا تھا۔ وہ بھی باس کا حصہ۔'' شاہ نواز کا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔

''افسوس، تم یہاں بھی ماتحت رہے جیسے جامی شاہ کے تھے اور حویلی کی تباہی اور لڑکیوں کے مرنے کے بعد مرشد علی کو تم سے کوئی دلچسپی نہیں رہے گی۔ اس کی بلا سے تم بھاڑ میں جاؤ بلکہ عین ممکن ہے وہ جامی شاہ کو دوبارہ طاقت حاصل کرتے دیکھ کر اس سے ہاتھ ملا لے۔''

''نہیں..... میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔''

''تم کیا کر سکو گے۔ تم ایک معمولی سا مہرہ ہو۔ دونوں طرف سے تمہارے وفادار مارے جا چکے ہیں اور تم خود کہہ چکے ہو، وہ تمہارے نہیں، کاروبار کے وفادار تھے۔''

شاہ نواز کا جھکا ہوا سر کہہ رہا تھا کہ وہ شکست مان چکا ہے۔ بس بڑھکیں مار رہا ہے۔ ہم بڑی سڑک تک پہنچ چکے تھے۔ اچانک زہرہ نے شاہ نواز کو رک جانے کو کہا۔ ''بس تمہارا سفر یہیں تک تھا شاہ نواز۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونک کر مڑا۔

''ابھی میں نے کیا کہا تھا۔ تمہارا فیصلہ میں کروں گی۔''

''نہیں، تم مجھے نہیں مار سکتیں۔''

''زہرہ میرا خیال ہے یہ زندہ حالت میں کارآمد ثابت ہوگا۔'' میں نے مداخلت کی۔

''اس کے برعکس، یہ تمہارے اور میرے لئے خطرہ ہے۔ اسے ذرا سا موقع ملا تو یہ ہمیں مارنے میں دریغ نہیں کرے گا۔''

''زہرہ اسے ایک موقع دو۔''

''شہباز میں نے تمہاری مدد کی اور تمہارا ساتھ دیا۔ تم سے کچھ مانگا نہیں۔ اب میں اسے مانگ رہی ہوں۔'' میں نے محسوس کیا کہ زہرہ کسی صورت اسے معاف نہیں کرے گی۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے اگر تم اسے مارنا.....''

میرا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ اچانک فائر ہوا اور زہرہ الٹ کر پیچھے جا گری۔ فائر عقب سے ہوا تھا اور میرے عقب میں شاہ نواز تھا۔ خطرے کا احساس مجھے تیزی سے حرکت میں لایا تھا۔ میں گھومتے ہوئے زمین پر گرا اور دوسری گولی میرے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزری تھی۔ نہ جانے کہاں سے شاہ نواز نے یہ پستول برآمد کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ تیسری بار گولی چلاتا میں نے مشین گن کا پورا راؤنڈ اس پر خالی کر دیا تھا۔ سینے اور پیٹ میں بے شمار خون اگلتے سوراخوں کے ساتھ وہ زمین پر جا گرا تھا۔ میں زہرہ کی طرف لپکا۔ وہ زمین پر ساکت پڑی تھی اور اس کے بائیں شانے پر دل سے ذرا اوپر سوراخ سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ مر چکی تھی یا مرنے والی تھی۔ میں اس کے پاس بیٹھا ہی تھا کہ سامنے سے ایک تیز روشنی نمودار ہوئی یہ کوئی بھاری بائیک تھی۔ وہ میرے سامنے آ کر رکی۔ روشنی کی وجہ سے مجھے بائیک کا سوار نظر نہیں آ رہا تھا۔

''واہ..... واہ..... اپنے شہباز صاحب۔'' ایک آواز نے کہا تو میں بے ساختہ اچھل پڑا اور میں نے مشین گن اٹھانی چاہی۔ آواز نے دوبارہ کہا۔ ''نا جی نا..... حرکت مت کرنا..... تم میرے نشانے پر ہو۔'' آواز بلاشبہ فتح خان کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان کی آواز سنتے ہی میں ساکت ہو گیا تھا۔ مجھے اس کی بات پر ذرا بھی شبہ نہیں تھا۔ فتح خان وہ شخص تھا جو خوابوں میں بھی اسلحہ لے کر گھومتا تھا اور قتل و غارت گری کے لئے ایسے تیار رہتا تھا جیسے دعوتِ ولیمہ میں جانے والے کھانا کھانے کو تیار ہوتے ہیں۔ وہ نہ جانے کہاں سے آن ٹپکا تھا اور میں آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گیا تھا۔ میں نے مشین گن زمین پر رکھ دی تھی اور بولا۔ ''فتح خان! نہ جانے ہماری تقدیر میں کیا چیز میل کھاتی ہے جو بار بار ہم ایک دوسرے کے سامنے آجاتے ہیں۔''

''شاید ہمارے ہاتھ تمہارا موت!'' اس نے ارشاد فرمایا۔

''معاملہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' اس نے تسلیم کیا۔ ''اب تم دونوں ہاتھ اوپر کر لو اور کتے کی دم کے مالک سیدھے ہو جاؤ۔''

''کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔'' میں نے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے اسے مطلع کیا۔

''میں سیدھی کر سکتا ہے کاٹ کر۔'' اس نے بائیک اسٹینڈ پر کھڑی کر دی۔ وہ حویلی کی طرف سے آ رہا تھا اور سونی صدا امکان تھا اسے صورتِ حال کا علم ہو چکا ہو۔ فوراً ہی اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ ''یہ بتاؤ، تم نے اُدھر حویلی میں کیا حرامی پن کیا ہے؟''

''کچھ نہیں۔ وہ سب جامی شاہ کے آدمیوں کی کارروائی تھی، میں موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلا تھا مگر قسمت کی خرابی دیکھو، تمہارے ہتھے چڑھ گیا ہوں۔''

فتح خان ذرا آگے آیا۔ ''تمہارا مطلب ہے حویلی کو تم نے تباہ نہیں کیا؟''

''نہیں..... وہاں پر جامی شاہ کے آدمی حملہ آور ہوئے تھے۔ انہوں نے نہ جانے کیا کیا کہ دھماکے ہوئے اور پوری حویلی تباہ ہو گئی۔''

''تمہارا مطلب ہے، تم کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم کہ حویلی کیسے تباہ ہوا؟'' اس نے شک سے کہا۔

''فتح خان، اپنی عقل استعمال کرو۔ میں شاہ نواز کی قید میں تھا اور میرے پاس ایسی کیا شے تھی جس سے میں حویلی تباہ کر سکتا؟ افسوس کہ شاہ نواز میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔''

''تم نے اسے قتل کر دیا؟'' وہ چونکا۔

''یہ دیکھو اس کی لاش!'' میں ذرا سا ہٹا۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' فتح خان کے لہجے میں جھنجلاہٹ آ گئی۔ ''ادھر حویلی میں سب تباہ ہو گیا۔''

میں نے جان بوجھ کر فتح خان کو اسلحے کے ذخیرے کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اگر اسے پتا چل جاتا کہ میں ان کی دلی دشمن سرگرمیوں سے باخبر ہو گیا ہوں تو وہ فوری طور پر میرا پتا صاف کر سکتا تھا۔ ''تم یقین سے کہہ رہے ہو کہ تمہیں حویلی کی تباہی کی وجہ نہیں معلوم؟''

''اب میں تمہاری قسم کھاؤں تو تم یقین کرو گے۔'' میں نے جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا، ویسے فتح خان کے لہجے سے میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

''تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟''

''کس بارے میں؟'' میں نے معصومیت سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"حویلی کیسے تباہ ہوئی؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"شاید کوئی بم پھٹا تھا۔"

"اتنا بڑا بم ہو سکتا ہے جو حویلی کو اس طرح ملبے کا ڈھیر کر دے؟"

"وہ امریکیوں نے تورا بورا میں ڈیزی کٹر بم گرائے تھے۔"

"بکو مت..... تم اتنے بے خبر نہیں ہو جتنا بن رہے ہو۔"

"اب مجھے بموں کے بارے میں اتنی معلومات نہیں ہیں..... تمہارا تو پیشہ یہی ہے۔"

"شہباز خان!" فتح خان کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ "مجھے بے وقوف مت بناؤ۔ سچ بتاؤ تم حویلی سے کیسے نکلے؟"

"شاہ نواز کو یرغمال بنا کر۔ یہاں آ کر اس نے اچانک نہ جانے کہاں سے پستول نکال کر زہرہ کو گولی مار دی اور اس سے پہلے کہ وہ مجھے مارتا، میں نے اسے جہنم رسید کر دیا۔ تم جانتے ہو میں پیشہ ور مجرم نہیں ہوں صرف اپنے دفاع میں مجبوراً کسی کو مارتا ہوں۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم اتنا بھی شریف نہیں ہے جتنا خود کو بنا کر پیش کرتا ہے۔"

"فتح خان، تم مجھ پر کس چیز کا شبہ کر رہے ہو؟"

"تم اچھی طرح جانتا ہے۔" اس نے کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا، اب یہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ چھوڑ دو گے، مار دو گے یا اس بائیک پر جنگی قیدی بنا کر لے جاؤ گے؟"

"میں تیرے کو لے جانا، پر افسوس، مجھے شبہ ہے تُو وہ بات جان گیا ہے جو تجھے نہیں جاننی چاہئے تھی۔ ہمارا تمہارا دشمنی بہت دن چلا۔ پر اب اس کے خاتمے کا وقت آ گیا ہے، تمہارے خاتمے کے ساتھ۔"

فتح خان کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی اور موٹے بیرل والی گن تھی، اسے میں نے فلموں میں دیکھا تھا، یہ مشین گن کی طرح برسٹ مارتی تھی اور لمحوں میں درجن بھر بندے لٹا دیتی تھی۔ عملی طور پر پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا، میں نے ہاتھ اوپر کیا۔ "ایک منٹ، تمہارے خیال میں، میں کس بات سے واقف ہو گیا ہوں؟"

"حویلی کے نیچے موجود اسلحے سے۔" اس نے بتا دیا کیونکہ اپنے طور پر وہ مجھے مارنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"اس اسلحے سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"پاگل کے بچے! اس حویلی میں موجود ہر چیز سے میرا تعلق تھا۔ یہ گدھا چند دن اور کام کرتا اس کے بعد سب مجھے سنبھالنا تھا۔ تم نے سب تباہ کر دیا۔"

"یعنی شاہ نواز کی چھٹی کا فیصلہ ہو گیا تھا؟"

"تم نے اسے مار کر اچھا کیا..... پر حویلی کو تباہ کر کے برا کیا۔ میں تجھے مارے گا، پر ایک گولی سے تم کو زیادہ تکلیف نہیں ہو گی۔"

"فتح خان!" میں بوکھلا گیا تھا۔ "تم سنجیدہ ہو؟"

"ہم نے کبھی مسخری نہیں کیا۔" اس نے کہا اور گن والا ہاتھ اوپر کیا، میں نے بچنے کے لئے غوطہ مارا، فائر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا اور گولی نہ جانے کہاں گئی البتہ فتح خان کے چلانے کی آواز آئی تھی۔ میں نے زمین سے سر اٹھا کر دیکھا، وہ اپنے ہاتھ سے فوارے کی طرح اپنے خون کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے گن اُڑ کر نہ جانے کہاں چلی گئی تھی پھر اس نے بائیں ہاتھ کو اپنی جیکٹ میں ڈالا تو میں حرکت میں آ گیا۔ میں نے زمین سے اٹھتے ہوئے جست لگائی اور بروقت اس کے بائیں ہاتھ کو پکڑنے میں کامیاب رہا ورنہ وہ مجھے اس ہاتھ سے بھی شوٹ کر سکتا تھا۔ میں اسے لئے زمین پر گرا۔ اس کا سر پختہ سڑک سے ٹکرایا اور وہ بے سدھ ہو گیا۔ مزید اطمینان کے لئے میں نے اس کا سر ایک بار پھر سڑک سے مارا اور اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ اس کے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی میں گولی کا سوراخ تھا۔ کیا اس نے خود کو گولی ماری تھی، میں نے اس کی تلاشی لیتے ہوئے سوچا، اس کے پاس بس یہی ایک پستول تھا۔

''شہباز!'' مجھے زہرہ کی نحیف سی آواز آئی تو میں لپک کر اس کے پاس آیا۔

''تم زندہ ہو۔'' میں نے اس کا سر اٹھایا۔ پستول اس کے ہاتھ میں تھا جس سے اس نے بروقت فتح خان پر گولی چلائی تھی۔ شاہ نواز کے فائر نے اس کی جان نہیں لی تھی، وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور بظاہر لگ رہا تھا وہ زندہ نہیں ہے۔ مجھے بھی موقع نہیں ملا تھا کہ اس کی نبض وغیرہ دیکھتا۔ جب فتح خان نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تو زہرہ نے ہمت کر کے اسے ناکام بنا دیا۔

''میرا..... تمہارا ساتھ..... بس یہیں تک تھا۔'' وہ بہت آہستہ بول رہی تھی۔

''زہرہ میں تمہیں اسپتال لے جاؤں گا۔''

''نہیں، اب وقت نہیں ہے۔ تم نے پہلے بھی میرے لئے بہت کیا ہے۔''

''تم نے آج فتح خان سے بچا کر سارے بدلے چکا دیئے ہیں۔''

''اللہ مجھے معاف کر دے گا، میں بہت بری عورت ہوں۔'' اس کی آواز کراہنے کے انداز میں بلند ہوئی۔

''ضرور معاف کر دے گا۔ جو اس سے معافی مانگتا ہے، وہ اسے ضرور معاف کر دیتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''شہباز، تم اور دوسرے میرے لئے دعا کرنا۔ اللہ رکھا کے لئے دعا کرنا۔ خدا ہمیں معاف کرے اور ہمیں ایک ساتھ رکھے۔''

میرے گلے میں جیسے کچھ پھنسنے لگا تھا۔ ''زہرہ! ہم ایسا کریں گے، ضرور کریں گے۔ میں کبھی تمہیں فراموش نہیں کروں گا۔''

''خدا حافظ!'' اس نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں، ایک ہچکی کے ساتھ حسن و دلکشی کا مجسمہ مٹی کے ڈھیر میں بدل گیا جیسے جلد مٹی میں مل جاتا تھا۔ میں نے اس کا سر نیچے رکھا اور اپنی آنکھیں صاف کیں۔ اب وہاں دو لاشوں اور ایک بے ہوش شخص کے ساتھ میں واحد زندہ فرد تھا۔ میں نے اس جگہ دیکھا جہاں فتح خان پڑا تھا تو مجھے دھچکا لگا۔ وہ جگہ خالی تھی۔ مکار فتح خان نہ جانے کب اس جگہ سے خاموشی سے کھسک گیا تھا جب میں زہرہ کی طرف متوجہ تھا۔ وہ سڑک کے دونوں طرف جا سکتا تھا۔ دونوں طرف گھنے درخت اور جھاڑیاں تھیں، میری خوش قسمتی کہ میں نے اس کا پستول لے لیا تھا ورنہ وہ اطمینان سے عقب سے مجھے گولی مار سکتا تھا۔ یک لخت مجھے خطر ے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احساس ہوا۔ فتح خان ہوش میں اور میرے آس پاس تھا۔ میں نے مشین گن اٹھالی اور اس میں نیا میگزین لگایا۔ دوسری مشین گن میں نے جیپ میں چھوڑ دی تھی اور اس کا بھی میگزین لے لیا تھا۔

میں نے زہرہ کے ہاتھ سے بھی پستول لے لیا۔ اب میرے پاس دو پستول تھے۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے کہ لاہور والی سمت سے روشنیاں نمودار ہوئیں۔ یہ کئی گاڑیاں تھیں اور خاص بات یہ تھی کہ ان کے اوپر پولیس لائٹس فلیش کر رہی تھیں۔ میں یک دم بھاگا اور بائیک پر جا بیٹھا، خوش قسمتی سے چابی فتح خان نے بائیک میں لگی چھوڑ دی تھی، میں نے کک مار کر بائیک اسٹارٹ کی اور ہیڈ لائٹس بجھاتے ہوئے اسے دوڑا دیا۔ مجھے یقین نہیں تھا عقبی بریک لائٹ پولیس پارٹی کی نظر میں آئی تھی یا نہیں مگر اچانک ہی سائرن سنائی دینے لگے۔ ان ہوشیار، خبردار قسم کے سائرنوں کی تک آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی ہے، جس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا ہے کہ ہم آ رہے ہیں، بھاگ جاؤ۔ ترقی یافتہ ممالک میں سائرن وہاں بجایا جاتا ہے جہاں مجرموں کے فرار کی راہ نہ ہو اور ان کو بدحواس کر کے سامنے لانا ہو۔ ورنہ جہاں پولیس نے مجرموں کو بے خبر رکھنا ہو وہاں بغیر سائرن کے خاموشی سے پہنچ جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں پولیس کے پاس ناکا بندی کے وسائل نہیں ہیں اس لئے یہاں سائرن بجا کر آنا بے تکی حرکت ہے۔

میں نے بائیک کو ایکسلریٹر دیا اور ایک منٹ میں پولیس موبائلز خاصی پیچھے رہ گئی تھیں مگر مصیبتوں سے ابھی چھٹکارا نہیں ملا تھا۔ میں حویلی کے نزدیک پہنچا جس کے ملبے سے اب بھی شعلے اٹھ رہے تھے اگرچہ ان کی شدت میں خاصی کمی آئی تھی مگر حویلی کے عین سامنے دو بڑی لینڈ کروزر ٹائپ گاڑیوں نے راستہ بند کر رکھا تھا۔ یہ یقیناً وہی بدمعاش تھے جنہوں نے حویلی پر حملہ کیا تھا۔ میں نے ان گاڑیوں کو گیٹ پر حملہ کرنے والوں کے پاس دیکھا تھا، ان کے پاس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے کوئی ڈیڑھ سو گز کی دوری سے اچانک بائیک سڑک سے اتار لی۔ فوراً ہی ان گاڑیوں کی طرف سے کسی نے فائرنگ کی اور گولیاں سنسناتی ہوئی میرے آس پاس سے گزری تھیں۔ جھاڑیوں میں گھسنے سے پہلے میں نے دیکھا تھا کہ ایک گاڑی گھوم کر میری طرف آ رہی تھی۔

چاند غروب ہو چکا تھا اس لئے صبح قریب ہونے کے باوجود اندھیرا ہو گیا تھا اور اس جنگل میں تاریکی میں بائیک دوڑانے کا مطلب تھا کہ میں جلد کسی گڑھے میں تشریف فرما ہوں گا یا کسی درخت سے شرف ملاقات حاصل ہو گی۔ دونوں صورتوں میں بچ جانے کے بعد دشمن اٹھانے آتے۔ پولیس بھی دشمن تھی اور کئی مقدمات میں، میں ان کو مطلوب تھا اس لئے میں نے بادلِ ناخواستہ بائیک کی ہیڈ لائٹس روشن کر لیں۔ اس سے پیچھے آنے والوں کو خود میرا سراغ مل جاتا مگر مجبوری تھی۔ میں جان بوجھ کر تنگ راستوں سے گزر رہا تھا تاکہ یہ گاڑی میرے پیچھے نہ آ سکے مگر وہ بڑی ہوشیاری سے مجھے نظروں میں رکھتے ہوئے تعاقب کر رہے تھے اور فاصلہ برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اچانک بائیک ایک نالے میں اتر گئی۔ وہ تیزی سے نیچے گئی اور جب دوسری دیوار پر چڑھنے لگی تو میں خود کود کر ایک طرف ہو گیا ورنہ یہ بھاری بھرکم بائیک الٹ کر مجھ پر آتی اور میرا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔ حسبِ توقع بائیک پلٹ کر آئی اور میں بال بال بچا۔ یہ کوئی پندرہ فٹ چوڑا اور کوئی آٹھ فٹ گہرا نالا تھا جو اس وقت بالکل خشک پڑا تھا، صاف ظاہر تھا یہ برساتی نالا تھا اور بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے خشک تھا۔ اس حادثے میں دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھی باتیں ہوئی تھیں، ایک تو میں محظوظ رہا تھا دوسرے بائیک کا انجن چل رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر بائیک اٹھائی۔ اس اثناء میں اوپر سے لوگوں کے چلانے کی آوازیں آئیں۔ "لوئے — گاے — ادھر دیکھ حرامی نس جائے گا۔"

میں نے بائیک پر بیٹھ کر کہا۔ "اب تمہارا باپ بھی مجھے نہیں پکڑ سکتا۔" اور نالے میں گاڑی دوڑا دی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ نالا کہاں جا رہا ہے اور کس سے جا کر مل جائے گا۔ ممکن ہے میں نالے سے گزر کر کسی ندی میں غوطہ زن ہوں یا کسی نہر میں جا گروں۔ اس علاقے میں واحد دریا راوی تھا جسے میں پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ فی الحال دشمن پیچھے تھے اس لئے میں سستی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ لوگوں کا شور کچھ دیر سنائی دیا تھا، اِکا دُکا فائر بھی ہوئے تھے لیکن یہ سب غم و غصے سے کئے گئے فائر تھے۔ میں ان کی زد سے باہر تھا۔ نالا بالکل خشک بھی نہیں تھا بلکہ اس میں نشیبی مقامات پر پانی جمع تھا۔ جب بائیک پانی سے گزرتی تھی تو چھینٹے چاروں طرف پھیل جاتے تھے۔ ایک جگہ گڑھا زیادہ ہی گہرا تھا اور بائیک اس میں جا کر اچھلی تھی، میں نے بمشکل اسے قابو کیا تھا۔ چار سو سی انجن کے ساتھ یہ طاقتور اور منہ زور سواری تھی۔ ذرا سا ایکسلریٹر دیتے ہی بدکے ہوئے گھوڑے کی طرح بھاگتی تھی۔ تقریباً بیس منٹ بعد میں نے بائیک روکی۔ اس کا انجن بند کیا اور اسے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا اور خود پودوں اور جڑوں کے سہارے نالے سے باہر آیا۔ اس جگہ نالا زیادہ چوڑا اور زیادہ گہرا ہو رہا تھا۔

میں چند منٹ تک سن گن لیتا رہا۔ یہ گھنا جنگل تھا اور فی الحال یہاں مکمل خاموشی تھی۔ مجھے وقت کا پتا نہیں تھا بس میرا اندازہ تھا کہ صبح کے پانچ بج رہے ہیں۔ اس جنگل میں کسی بڑی گاڑی کا آنا ممکن نہیں تھا لیکن ہو سکتا تھا کہ دشمن پیدل میرے پیچھے آ رہے ہوں۔ نالے نے مجھے فرار کا اچھا راستہ فراہم کیا تھا مگر ساتھ ہی اس نے مجھے ایک طرح سے اپنا قیدی بنا لیا تھا، میں بائیک سمیت اس سے نہیں نکل سکتا تھا، ہاں پیدل میں جس طرف چاہے فرار ہو سکتا تھا۔ میں دوبارہ نالے میں اترا۔ بائیک اسٹارٹ کی اور آگے کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں سے میں اس نالے سے نکل سکوں۔ مگر کئی کلومیٹر آگے آنے کے بعد مجھے ایسی کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔

☆═══☆═══☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سوچا کہ بائیک چھوڑ دوں اور پیدل نکل جاؤں مگر میں اتنی جلدی بائیک سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اگر دشمن سے اچانک سامنا ہو جاتا تو پیدل بھاگنے کے مقابلے میں بائیک پر فرار میں آسانی رہتی۔ یہی سوچ کر میں اسے چلاتا رہا۔ حتیٰ کہ میں اپنے اندازے کے مطابق اس جگہ سے کوئی بیس بائیس کلومیٹر دور نکل آیا تھا جہاں سے میں نے بائیک نالے میں داخل کی تھی۔ اب میں ساری رات تو نالے میں سفر نہیں کر سکتا تھا۔ صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے اور میں بائیک روک کر نالے سے نکل آیا۔ اب گھنے جنگل کے بجائے جھاڑیوں سے گھرا ناہموار علاقہ تھا۔ یہاں زیادہ تر کیکر اور فراش کے جھاڑی نما درخت تھے۔ سامنے مشرق تھا جس طرف سے روشنی ہو رہی تھی اور مغرب میں مغرب جہاں سے میں آیا تھا۔ آگے جانے کا مطلب بھارتی بارڈر سیکیورٹی فورس یا رینجرز کے ہاتھ لگ جانا تھا اور واپسی کے راستے پر پولیس اور دشمن موجود تھے اس لئے میں نے شمال کا رخ کیا۔ مشین گن میں نے شانے سے لٹکائی تھی لیکن کسی ناگہانی کا مقابلہ کرنے کے لئے پستول ہاتھ میں رکھا تھا۔

میں دس منٹ چلا ہوں گا کہ مجھے ایک جھنڈ سے جس میں شیشم کے چند درخت آپس میں سر جوڑے کھڑے تھے، دو افراد کے بات کرنے کی آواز آئی۔ "میں دسوائے تیلے تے دیا ہے کے نہیں۔"

"اس واری لبا بال تھا آیا جے۔"

دونوں افراد پنجابی ہی بول رہے تھے اور کسی واردات کا ذکر کر رہے تھے جس میں ان کو کافی مال و دولت ملی تھی۔ مجھے ان کی باتوں میں کوئی بات عجیب ہی لگی تھی۔ اس وقت میں سمجھ نہیں سکا تھا۔ یہ قصبہ ویران علاقہ تھا اور دور دور تک ایسے آثار نہیں تھے کہ یہاں سے کوئی بندہ بشر گزرتا ہو۔ جرائم پیشہ افراد ایسے ہی ویرانوں میں اپنے ٹھکانے بناتے ہیں جہاں وہ قانون کی پکڑ سے دور رہ سکیں۔ ابھی اتنی روشنی نہیں ہوئی تھی کہ میں ان دونوں کو دیکھ سکتا۔ ان کی آوازوں سے لگ رہا تھا کہ وہ بولنے کے ساتھ کھانے پینے میں بھی مصروف تھے۔ ابھی میں ان کو اچانک ہینڈز اپ کرانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں ان سے علاقے کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ وہ مجھے لاہور واپسی کا محفوظ راستہ بتا سکتے تھے۔ اچانک مجھے اپنے عقب میں آہٹ محسوس ہوئی تھی لیکن اس سے پہلے کہ میں پلٹ کر دیکھتا، کوئی ٹھوس شے میرے سر سے ٹکرائی اور میں نے کسی کو کہتے سنا۔

"سوار واپتر!"

میں نے مڑنا چاہا لیکن میرے پاؤں یک دم جواب دے گئے اور میں چکرا کر گر پڑا۔ میں نے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

داڑھی والے کو سامنے دیکھا جس نے پگڑی باندھ رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں لکڑی کا موٹا سا لٹھ تھا۔ اس نے دوسری بار مجھے گالی دی اور دوسری بار بھی لٹھ گھما کر سر پر مارا، اس بار میں نے بے ہوش ہو جانے میں عافیت سمجھی شاید وہ ان دونوں کا ساتھی تھا اور کسی ضروری یا غیر ضروری کام سے آس پاس گیا تھا۔ میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ یہاں ان دونوں کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ مجھے ہوش آیا تو دن خاصا چڑھ چکا تھا۔ درختوں سے سورج کی روشنی چھن کر آ رہی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں سخت رسی سے کس کر بندھے ہوئے تھے اور اس رسی کا ایک سرا درخت سے بھی بندھا تھا کہ میں لڑھک کر فرار نہ ہو جاؤں۔ میرے جسم سے سوائے کپڑوں اور جوتوں کے سب الگ کیا جا چکا تھا۔ یعنی تمام اسلحہ لیا جا چکا تھا اور میں قطعی بے بس ہونے کے ساتھ نہتا بھی تھا۔ میرے سر میں درد تھا مگر ناقابل برداشت نہیں تھا اور نہ ہی اب مجھے چکر آ رہے تھے۔ میں نے سر گھما کر ممکنہ حد تک دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں شیشم کے اسی جھنڈ میں بندھا پڑا تھا جہاں دو افراد محو گفتگو اور طعام تھے، اس کا ثبوت زمین پر پڑے روٹی کے ٹکڑے اور ایک عدد اچار کے آم کی گٹھلی تھی۔ زمین صاف ستھری اور کیڑے مکوڑوں سے پاک تھی ورنہ اب تک نہ جانے میرا کیا حشر ہو چکا ہوتا۔

"ارے کوئی ہے؟" میں نے کسی قدر دبی آواز میں پکارا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ اگلی بار میں نے ذرا بلند آواز سے پکارا، اس کے بعد آواز کا لیول بلند اور پکارے جانے والے الفاظ میں غیر شریفانہ الفاظ کا تناسب بڑھتا گیا مگر وہاں سب کے جواب میں ایک خاموشی تھی۔ نہ جانے وہ مجھے باندھ کر کہاں دفع ہو گئے تھے اور کیوں دفع ہو گئے تھے؟ مقصد مجھے قتل کرنا تھا تو یہ کام میری بے ہوشی میں بہ آسانی کیا جا سکتا تھا۔ اس طرح باندھ کر جانے کا ایک ہی مطلب تھا وہ واپس آنے کے لئے گئے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ میں ان کی عدم موجودگی میں فرار ہو جاؤں۔ تن بہ تقدیر میں چپ ہو کر ان کا انتظار کرنے لگا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ میں نے درمیان میں ایک بار ہاتھ کھولنے کی کوشش کی مگر مجھے جلد اندازہ ہو گیا کہ اس طرح میں سوائے خود کو تکلیف دینے کے اور کچھ نہیں کر سکوں گا۔ یہ کسی گھاس کے ریشوں سے بنی ہوئی نہایت سخت رسی تھی جس کے بل میری کلائیوں اور ٹخنوں میں گڑے جا رہے تھے۔ کم بختوں نے نہایت پیشہ ورانہ انداز میں باندھا تھا۔ میرے ہاتھ پشت پر بندھے تھے اس لئے میں پیر کھولنے کی کوشش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ہوش میں آئے ایک گھنٹا ہونے کو آیا تھا اور مجموعی طور پر مجھے اس جگہ پڑے چار گھنٹے سے اوپر ہونے کو آئے تھے۔

میرے اندر تشویش سر اٹھانے لگی تھی۔ ممکن ہے انہوں نے خود قتل کرنے کے بجائے مجھے مارنے کا یہ بھیانک طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ مجھے اس طرح باندھ کر ڈال گئے تھے کہ میں کسی طرح خود کو آزاد نہ کرا سکوں اور اسی جگہ بھوکا پیاسا مر جاؤں۔ یہ خیال آنے پر میں ایک بار پھر طیش پھاڑ کر چلایا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ آس پاس کوئی بندہ بشر ہو تو اس کے کانوں تک میری فریاد پہنچ جائے۔ اس کے لئے کچھ کہنا لازمی نہیں تھا بس چیخ و پکار کافی تھی۔ میرا ذاتی تجربہ تھا، الفاظ کے مقابلے میں چیخنے کی آواز زیادہ دور تک سنائی دیتی ہے اور انسان کو زیادہ متوجہ کرتی ہے بشرطیکہ وہ سماعت رکھتا ہو۔ مگر دس منٹ میں میرا گلا خشک ہو گیا اور سانس اکھڑ گیا تھا۔ اس لئے میں ذرا چپ ہو کر آرام کرنے لگا۔ میں نے گزشتہ دس بارہ گھنٹے سے پانی نہیں پیا تھا۔ خوش قسمتی سے موسم خنک تھا ورنہ گرمی کا موسم ہوتا تو اب تک میرے گلے میں کانٹے پڑ چکے ہوتے۔ دس پندرہ منٹ آرام کے بعد میں نے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور آوازیں دینا شروع کی تھیں کہ کوئی کرخت آواز میں بولا۔

''چپ کر حرام جادے..... نیند کھراب کردی ہے۔''

میں چونکا، وہ خبیث پاس ہی سو رہا تھا اور میری چیخ پکار اس کے سر پر سے گزر رہی تھی۔ اس کے الفاظ سن کر مجھے پھر عجیب سا لگا تھا، کوئی بات تھی مگر فی الحال میرے ذہن میں نہیں آرہی تھی۔ میں نے زور سے کہا۔

''مجھے اتنی دیر سے یہاں بھوکا پیاسا باندھ رکھا ہے..... میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو۔ میری اور تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''تینوں پھر بے ہوش کرنا پے سی۔'' وہ بھنایا ہوا نمودار ہوا، اس کے ہاتھ میں وہی لٹھ تھا جو وہ دو بار پہلے بھی میرے سر پر مار چکا تھا۔ میں اسے دیکھ کر چونکا تھا۔ اب میں سمجھا کہ اس کا لہجہ مجھے کیوں عجیب لگ رہا تھا، وہ سکھ تھا۔ سکھوں والی مخصوص پگڑی اور بے تحاشا بڑھے ہوئے بال تھے۔ اس کے بائیں رخسار پر کسی تیز دھار آلے سے زخم کا نشان تھا۔

''تم سکھ ہو؟''

''ہور کی نظر آندا؟'' اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

جہاں تک مجھے معلوم تھا اس علاقے میں کوئی سکھ نہیں تھا۔ شاید یہ سرحد پار کر کے آئے تھے اور جرائم پیشہ تھے۔ ''تم پاکستانی علاقے میں کیا کر رہے ہو؟''

''پاکستانی!'' وہ چونکا۔ ''اوئے توں پاکستانی اے؟''

''ظاہر ہے، پاکستان میں پاکستانی ہوں گے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

وہ بڑے جارحانہ انداز میں آیا تھا اور پوری سنجیدگی سے میرے سر پر دوبارہ بلکہ سہ بارہ لٹھ رسید کرنا چاہتا تھا مگر میری بات سن کر وہ رک گیا تھا۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا جیسے میری دماغی حالت پر شبہ ہو۔ ''توں سنجیدہ اے؟''

''اس حالت میں اس سے زیادہ سنجیدہ اور کیا ہو سکتا ہوں؟''

''اوہ میاں، توں بھارت میں ایں۔''

''بھارت میں!'' میں بھونچکا رہ گیا تھا۔

''اس نے سر ہلایا۔ ''اے امرتسر دا ضلع اے..... پرتوں کتھے آ گیا؟''

''میرے پیچھے دشمن لگے تھے، ایک نالے میں بائیک چلاتا رہا تھا، مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کب سرحد پار کر لی، میں تو سمجھ رہا تھا کہ پاکستان میں ہوں۔''

''دشمن کون؟'' اس نے سوال کیا۔

''دشمن تو بس دشمن ہوتا ہے، وہ میری جان کے دشمن ہیں۔ میں ان سے بچ کر بھاگ رہا تھا۔''

''توں وی کم نئیں اے۔'' اس نے مجھے گھورا۔ ''تیرے کول تے بہت ہتھیار ملیا اے۔''

وہ تقریباً تیس برس کا دبلا اور لمبا شخص تھا۔ چہرے کے درشت تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے اس لائن میں آئے عرصہ گزر گیا ہے۔ ''اسلحہ میں نے اپنے دشمنوں سے چھینا ہے ورنہ میرے پاس کچھ نہیں تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جس کولوں چھینا سی.....اس دا کی کیتا؟''

''اسے پتھر مار کر بے ہوش کر دیا تھا۔'' میں نے کہا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ خود کو ذرا مظلوم اور کم خطرناک آدمی ظاہر کروں۔ ''تم لوگ ڈاکو ہو؟''

''آہو.....میں دلیر سنگھ دا بندہ آں۔'' اس نے فخر سے کہا۔

''وہ تمہارے ساتھی تھے جو یہاں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے؟''

اس نے پھر سر ہلایا۔ ''دونوں کم سے گئے نیں۔''

اس نے کام کی نوعیت نہیں بتائی تھی۔ وہ ڈاکو تھے اور ان سے کسی شریفانہ کام کی توقع محال تھی۔ وہ میرے نزدیک ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔ ''پانی مل جائے گا؟''

اس نے سوچا اور اٹھ کر چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ اسٹیل کے کٹورے میں پانی لایا اور میرا سر اونچا کر کے پیالہ میرے منہ سے لگا دیا۔ میں پیاس نہ ہونے کے باوجود سارا پانی پی گیا تھا۔ اب پانی مل رہا تھا پھر نہ جانے کب ملے۔ ''اوہ میاں! توں کیسا مسلا اے۔ میں تے سنیا سی مسلے کسی دے ہتھ نال کھاتے پیتے نئیں۔''

''یہ غلط ہے۔ مسلمانوں میں چھوت چھات کا چکر نہیں ہے۔ ہاں پاکی ناپاکی اور حرام حلال کا چکر ہے پر کوئی انسان ہمارے لئے کمتر نہیں ہوتا۔'' میں نے وضاحت کی۔

وہ.....کٹورا واپس لے گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ ان لوگوں کی باقاعدہ پناہ گاہ تھی اور انہوں نے اس جگہ قیام کے انتظامات کر رکھے تھے۔ اب کے وہ آیا تو میں نے اس سے ہاتھ کھولنے کی درخواست کی مگر اس نے انکار کر دیا۔ ''مینوں حکم نئیں اے.....''

''دلیر سنگھ کون ہے؟''

''توں نہیں جانداں.....وڈا گھبرو جوان اے۔'' اس نے کہا، اس کے بعد اس نے مجھے دلیر سنگھ کے پس منظر کے بارے میں تفصیلی آگاہ کیا تھا۔ دلیر سنگھ کا باپ گولڈن ٹیمپل میں بھارتی فوج کے آپریشن کے دوران مارا گیا تھا۔ اس وقت دلیر سنگھ صرف بارہ سال کا تھا۔ آپریشن کے بعد سکھوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو دلیر کو پولیس اس کی ماں اور دو جوان بہنوں سمیت لے گئی۔ اس کی نظروں کے سامنے پولیس کے بہادر جوانوں نے اس کی ماں اور بہنوں کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا۔ ایک بہن ذرا خوبصورت تھی جسے وہ درندے مسلسل زیادتی کا نشانہ بناتے رہے حتیٰ کہ بارہ گھنٹے بعد وہ مر گئی تو اس کی لاش بھی غائب کر دی۔ چار مہینے تک عذاب جھیلنے کے بعد وہ رہا ہوئے تو پتا چلا ان کے گھر پر گاؤں کے ہندو قابض ہو گئے تھے۔ ان کی زمین پر کھڑی فصل کو آگ لگا دی گئی تھی۔ اس سانحے سے پہلے دلیر سنگھ کا خاندان اچھا خاصا کھاتا پیتا تھا۔ اب غربت و افلاس کا شکار ہو گیا تھا۔

وہ گاؤں کے باہر جھونپڑی بنا کر رہنے لگے اور اس کی ماں، بہن محنت مزدوری کر کے پیٹ بھرنے لگیں۔ وہ ایک زمیندار کی زمین پر کام کرتی تھیں۔ ایک روز دلیر کی دوسری بہن غائب ہو گئی۔ اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ ماں پہلے ہی شوہر اور ایک بیٹی کا صدمہ اٹھا چکی تھی۔ دوسری بیٹی بھی غائب ہوئی تو اس کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا۔ وہ پاگل ہو کر گلیوں میں ماری ماری پھرنے لگی تھیں دلیر یہ سب دیکھ رہا تھا اور نفرت کا زہر اپنے اندر جمع کر رہا تھا۔ ماں کے پاگل ہونے کے بعد وہ گاؤں سے بھاگ نکلا اور امرتسر آ گیا۔ یہاں وہ جیب کتروں کے ایک گروہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ لگ گیا۔ دو سال ان کے ساتھ رہا پھر اپنے استاد کو قتل کر کے فرار ہو گیا۔ استاد ایک مجبور لڑکی کی عزت برباد کرنے کے درپے تھا۔ دلیر کو یہ گوارا نہیں تھا قتل کر کے بھاگا تو پولیس پیچھے لگ گئی۔ اس کے پاس مسلح سکھ حریت پسندوں کے پاس پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ ان دنوں پورا بھارتی پنجاب آگ میں جل رہا تھا اور سکھوں کے جذبات بھرے ہوئے تھے۔ آئے دن بموں کے دھماکے اور قتل و غارت گری کے واقعات ہو رہے تھے۔

امرت سنگھ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھا۔ اس نے جرنیل سنگھ کے مشن کو جاری رکھا۔ وہ حکومت کے خلاف کچھ کرنے سے قاصر تھا اس لئے اس کا نشانہ پنجاب میں آباد ہندو اور وہ سکھ بنتے تھے جو بھارت کے حامی تھے۔ دلیر سنگھ نے پورے جوش و خروش سے اس کا ساتھ دیا۔ خاص طور سے وہ پولیس والوں کا سخت دشمن تھا اور پہلے ہی سال اس نے چار پولیس والے قتل کر کے پورے علاقے میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ امرت سنگھ نے اسے روکنے کی کوشش کی تو وہ بے قابو ہو گیا۔ چار سال بعد اس نے اپنا الگ گروہ بنا کر لوٹ مار اور قتل و غارت گری کی وارداتیں شروع کر دیں۔ پولیس اس کے پیچھے تھی مگر اس نے بھاگنے کے بجائے اتنی بے جگری سے پولیس کا شکار کیا کہ پولیس بھی اس کے نام سے خائف رہنے لگی تھی اور جس راہ سے دلیر سنگھ گزرتا تھا پولیس اس پر قدم رکھتے ہوئے بھی گھبراتی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دلیر سنگھ کا جوش بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے چن چن کر ان پولیس والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جنہوں نے اس کی ماں اور بہنوں سے زیادتی کی تھی۔ پھر حریت پسندی کی تحریک بھی سست پڑ گئی۔ بھارتی حکومت نے چالاکی سے سکھوں کے جذبات کا رخ کھانے، کمانے اور گانے بجانے کی طرف موڑ دیا تھا۔ جب دلیر سنگھ کے ساتھیوں اور ہم عصروں میں سب ٹھنڈے پڑ گئے تو مجبوراً اسے بھی راستہ بدلنا پڑا تھا۔ اس کے بعد وہ محض ایک ڈاکو رہ گیا۔ اس نے اپنی سرگرمیاں محتاط طور پر محدود کر لی تھیں اور قتل و غارت گری سے گریز کرنے لگا تھا۔ اس نے زیادہ زور زمینداروں کو لوٹنے اور ان سے بھتہ وصول کرنے میں لگا دیا تھا۔ یوں ڈاکے مارے بغیر ہی اسے بہت کچھ ملنے لگا تھا مگر اپنی دہشت قائم رکھنے کے لئے وہ سال میں دو تین بار لوٹ مار کی کارروائیاں ضرور کرتا تھا۔

اس نے اپنی گم شدہ بہن کو تلاش کر لیا تھا اور ماں کو اس کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر لے آیا تھا۔ اس کا ڈیرا اس کی بہن ہی سنبھالتی تھی۔ دلیر سنگھ خود ڈیرے سے کم نکلتا تھا، اس کے آدمی سارا کام سنبھالتے تھے۔ اس نے پولیس اور اعلیٰ سرکاری افسران کو خوش رکھنے کا ہنر سیکھ لیا تھا اس لئے اب کوئی پولیس پارٹی اس کے ڈیرے کا رخ نہیں کرتی تھی اور کسی فرض شناس افسر کے ذہن میں ایسا کوئی کیڑا کلبلائے تو وہ پہلے افسر کو کنارے لگانے کی کوشش کرتا تھا مگر چھاپہ ناگزیر ہو جائے تو اپنا سب سامان سمیٹ کر ماں اور بہن کے ساتھ روپوش ہو جاتا تھا اور جب تک حالات معمول پر نہیں آتے تھے، وہ انڈر گراؤنڈ ہی رہتا تھا۔

"آج کل دلیر سنگھ کہاں ہے؟" ساری داستان سننے کے بعد میں نے پوچھا۔

"توں کیوں پچھدا اے!" اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

"ایسے ہی اس دلیر شخص کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دلیر ہر ایک نال نہیں ملدا اے، ہور اس دے ڈیرے توں ہر کسی نوں جان دی اجاجت وی نئیں اے۔''

''اب میرے ساتھ کیا ہوگا؟'' میں نے ذرا اوپر ہو کر درخت سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا۔

''جلد ملوم ہو جاوے گا۔'' وہ مسکرایا اور اس کی مسکراہٹ خاصی خوفناک تھی۔

میں نے پاؤں موڑا تو مجھے لگا پنڈلی پر کچھ چبھ رہا ہے۔ اچانک مجھے یاد آیا۔ میرے پاؤں سے ایک عدد خنجر بندھا تھا جس کا ان لوگوں کو پتا نہیں تھا اس لئے خنجر محفوظ رہا۔ مگر سوال یہ تھا، عقب میں بندھے ہاتھوں کے ساتھ میں اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا تھا؟

''توں سچ مچ..... پاکستانی اے؟''

''مجھے جھوٹ بول کے کیا ملے گا؟''

اسی لمحے درختوں کے باہر سے آہٹ سنائی دی پھر کسی نے پکارا۔ ''اوئے منگل سنگھ کتھوں مر گیا ایں۔''

''پردھنا کیو جاوے..... مرتے نئیں گیا۔''

''جا جی..... جیوندا اے۔''

پھر دو افراد اندر آئے۔ ان میں ایک پورا سکھ تھا یعنی تمام پیدائشی بالوں سمیت اور دوسرا مونا سکھ تھا۔ اس نے داڑھی تراش کر ہلکی کر لی تھی۔ سنا تھا مونے سکھ سوائے سر کے بالوں کے جسم کے دوسرے حصوں کے بال تراشتے تھے یا صاف کرا دیتے تھے گویا مونے سکھ ذرا صاف ستھرے قسم کے سکھ ہوتے ہیں۔ دوسرا اصلی تے وڈا سکھ تھا۔ دلیر سنگھ مہدی کا چچا۔ اس کی طرح گول مٹول اور احمق نظر آنے والا۔ آواز دینے والا مونا سکھ تھا، اس نے جوتے سے میرے پاؤں پر ٹھوکر ماری۔ ''بدمعاشی تے نئیں کیتی؟''

''نا جی۔ بندے دا پتر بن کے ریا سی۔ میں آپ بنایا سی۔'' منگل سنگھ ہنسا۔ اس نے میرے بندھے ہاتھ پیر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''بھائیا جی، اس کا کی کرنا اے؟'' دوسرے نے کہا۔ آواز اور چہرے کے تاثرات سے وہ ذرا احمق لگتا تھا۔

''اے پاکستانی اے۔'' منگل سنگھ نے انکشاف کیا۔

''پاکستانی!'' مونا سکھ چونکا۔ ''تینوں کیویں پتا چلیا؟''

''اے آپ آکھیا سی۔''

''میں پاکستانی ہوں۔ میرے پیچھے دشمن لگے تھے۔ غلطی سے سرحد عبور کر کے اِدھر آ گیا۔ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے، مجھے جانے دو۔''

''مونا سکھ مسکرایا۔ ''اب توئیں جا سکدا اے۔ تینوں بی ایس ایف نے نئیں روکیا سی؟''

''مجھے تو اس طرف کوئی بارڈر سکیورٹی فورس نظر نہیں آئی۔''

''اِدھر سخت پہرا ہے۔'' اس بار مونے سکھ نے صاف اردو یا ہندی میں کہا۔

''پھر میری قسمت کہ مجھے کوئی نہیں ملا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یا تُو کوئی سرکاری جاسوس ہے۔" مونے نے سکھ نے دوسرے زاویے سے غور کیا۔ "ہمارے پیچھے آیا ہے۔"

"اوہ نہیں بھائی، میں سو فی صد پاکستانی ہوں۔ اُدھر سرحد کے پاس کل رات بڑے ہنگامے ہوئے ہیں۔ ایک حویلی میں زبردست دھماکے ہوئے ہیں جس سے حویلی مکمل طور پر تباہ ہوگئی ہے، سو سے زیادہ افراد مارے جا چکے ہیں۔"

مونا سکھ چونکا۔ "اچھا سرحد پر اس وجہ سے اتنی سختی ہے۔"

میں نے غور کیا۔ "کیا تم لوگ بھی سرحد پار آتے جاتے ہو؟"

"تُو کیوں پوچھ رہا ہے؟" مونا سکھ بھڑکا تھا۔

"ابھی تم نے سرحد کا حوالہ دیا تو پوچھ لیا۔ ویسے یہ جگہ سرحد سے کتنی دور ہے؟"

"چار میل ہے۔" اس نے کہا۔

"بھائیا جلدی کریں۔" بھالو نے کہا، وہ حلئے اور جسامت سے بھالو لگتا تھا۔ "مینوں بھک لگی ہے۔"

مونا سکھ اسے اور منگل سنگھ کو لے کر دوسری طرف چلا گیا۔ پھر پانچ منٹ بعد آیا اور نیام سے کرپان نکالی۔ مجھے لگا کہ میرا وقت پورا ہو گیا ہے مگر اس نے ایک جھٹکے سے میرے پیروں کی رسی کاٹ دی "چل، پر خیال رکھنا، بھاگنے کی کوشش کی تو کتے کی موت مارو دوں گا۔"

میں نے پیروں کو جنبش دے کر دورانِ خون بحال کیا اور کسی قدر دقت کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ کب سے رکا دورانِ خون بحال ہوا تھا تو مجھے پہلے شدید تکلیف کا احساس ہوا تھا مگر ذرا سا چلنے پھرنے کے بعد پاؤں معمول پر آ گئے تھے۔ "ایک مہربانی اور کرو۔ میرے ہاتھ کھول دو۔"

"نہیں ایسے ہی چل۔" مونے سکھ نے انکار کر دیا۔

وہ مجھے رہا کرنے کے موڈ میں نہیں تھے اور اچھی بات یہ تھی کہ انہیں میرے جاسوس ہونے کا یقین بھی نہیں آیا تھا ورنہ وہ مجھے مار کر میری لاش چیل کوؤں اور گیدڑوں کا نوالہ بننے کے لئے چھوڑ جاتے۔ فی الحال وہ مجھے اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے دیکھا، ان لوگوں کے ساتھ دو عدد خچر تھے جن پر آٹھ عدد کریٹ لدے ہوئے تھے۔ ہر خچر پر دونوں جانب دو دو کریٹ لٹک رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ان کریٹس میں شراب کی بوتلیں تھیں، یہ لوگ سرحد پار شراب لے جاتے تھے۔ جو بوتل بھارت میں سو روپے میں بکتی تھی اس کے پاکستان میں ہزار روپے تک مل جاتے تھے۔ اس لئے پوری سرحد پر شراب کی اسمگلنگ نفع بخش پیشہ تھا۔ کریٹس کے علاوہ دونوں خچروں پر ایک ایک تھیلا بھی تھا، ان میں سے کسی میں مجھ سے حاصل کیا گیا اسلحہ بھی تھا۔

مونا سکھ دونوں خچروں کو لے کر سب سے آگے تھا۔ اس کے بعد میں تھا۔ میرے پیچھے بھالو اور سب سے آخر میں منگل سنگھ تھا۔ مجھے بس منگل سنگھ کا نام معلوم تھا۔ باقی دو کے نام معلوم نہیں تھے اسی طرح وہ میرے نام سے ناواقف تھے۔ اچانک ایک خیال میرے اندر آیا۔ یہ لوگ اسمگلر اور جرائم پیشہ تھے اسی طرح شاہ نواز اور اس کا آدمی بھی اسمگلر ثابت ہوئے تھے۔ وہ بھارت سے لڑکیاں منگوانے کے ساتھ اسلحہ بھی حاصل کرتے تھے عین ممکن تھا ان کا ان سکھوں سے کاروباری تعلق ہو۔ اس صورت میں وہ میرے بھی دشمن ہو جاتے کیونکہ میں نے ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کاروباری دوستوں کا نقصان کیا تھا۔ میں نے فوری فیصلہ کیا کہ میں نہ صرف اپنا نام بدل لوں گا بلکہ شاہ نواز کی حویلی میں ہونے والے واقعات سے بھی خود کو الگ رکھوں گا۔ مونا سکھ یا کوئی اور اپنے ٹھکانے پر لے جانے کے بعد یقیناً مجھ سے تفصیلی پوچھ گچھ کرتے اس لئے میں نے ابھی سے ایک کہانی تیار کرنا شروع کر دی تھی۔

وہ لوگ بے حد دشوار گزار اور ایسی ناہموار جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے جس میں کوئی عام آدمی گھسنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن یہ اس راستے سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کو پتا تھا کہ ان جھاڑیوں کے درمیان کہاں راستہ تھا جس سے وہ بغیر کانٹوں سے الجھے گزر سکتے تھے۔ عین ممکن ہے ان جھاڑیوں کے درمیان انہوں نے یہ راستہ خود بنایا ہو اور اس سے گزرتے ہوئے اس کی کتر بیونت کرتے رہتے ہوں۔ میرا یہ اندازہ درست نکلا جب میں نے مونے سکھ کو اپنی کرپان سے ایک جگہ جھاڑیوں پر وار کرتے دیکھا۔ یہاں پر جھاڑیاں ذرا آگے تک بڑھ آئی تھیں۔ دوسری ہوشیاری انہوں نے یہ کی تھی کہ راستہ سیدھا نہیں رکھا تھا بلکہ یہ راستہ دشوار رقبے پر پھیلی ان جھاڑیوں کے درمیان بھول بھلیوں کی طرح گزر رہا تھا۔ بی ایس ایف کے اہلکار ان جھاڑیوں میں گھسنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے اور یہ لوگ نہایت اطمینان سے اپنا دھندا جاری رکھے ہوئے تھے۔ بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ میرے لئے چلنا ذرا دشوار تھا لیکن ناممکن نہیں تھا۔ کانٹوں سے بچنا اصل مرحلہ تھا۔

☆═══☆═══☆

کئی جگہوں پر کانٹوں نے مجھے الجھایا اور کپڑوں کا نذرانہ دے کر بچ نکلا۔ پانی پی لینے کے بعد مجھے اب پیاس تنگ نہیں کر رہی تھی، میرا پیٹ خالی تھا مگر حالات نے مجھے بھوک پر صبر کرنا سکھا دیا تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم ان جھاڑیوں سے نکل آئے تھے۔ اب کھیت اور کیچو کے باغات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اکا دکا افراد نظر آئے لیکن کسی نے ہم پر توجہ نہیں دی تھی۔ ان لوگوں کے پاس پانی تھا، وہ انہوں نے خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا۔ مسلسل چلنے اور بھاری کرم جیکٹ کی وجہ سے مجھے کسی قدر گرمی لگنے لگی تھی۔ دوپہر کا ڈھلتا سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ بھالو نے اپنی جیب میں ایک چپٹی بوتل چھپا رکھی تھی جس سے وہ وقفے وقفے سے شراب کی چسکیاں لے رہا تھا۔ مجھ سمیت سب تھکن کا شکار تھے مگر مونا سکھ رکنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کے دو مفروضے ہو سکتے تھے یا تو سفر طویل تھا اور وہ رک کر وقت ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرے منزل اتنی نزدیک تھی کہ اس وقت آرام کے لئے رکنا بے کار تھا۔ دوسرا مفروضہ درست نکلا تھا۔ جھاڑیوں سے نکلنے کے کوئی نصف گھنٹے بعد ہم ایک بڑے احاطے میں داخل ہوئے جس میں ایک دیوار کے ساتھ قطار میں پانچ چھ کمرے تھے۔ احاطے میں ایک طرف بھینسیں کھڑی تھیں اور جا بجا نیم اور سفیدے کے درخت لگے تھے۔ احاطے کے دروازے پر ایک سکھ خونخوار رائفل لئے کھڑا تھا اور اندر بھی تین چار اسلحہ بردار گھوم رہے تھے۔ مونے سکھ نے مجھے ان کے سپرد کیا۔

"اس دے ہتھ کھول کر اندر بند کر دے۔" اس نے حکم دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی کوئی خصوصی اہمیت تھی۔ اس کے کہنے پر دو افراد مجھ پر جھپٹے۔ ایک نے میرے ہاتھ سے رسی کھولی اور دوسرے نے مجھے کمرے کی طرف دھکیلا اور ایک کمرے میں دھکا دے کر مضبوط کواڑ باہر سے بند کر دیا۔ اس کمرے میں بس بجلی کا بلب تھا اور کمرا بھی مختصر سا تھا۔ اس میں سوائے ایک چارپائی کے اور کچھ نہیں تھا۔ مجھے بند کرنے سے پہلے انہوں نے میری تلاشی لینے کی زحمت نہیں کی تھی اور اپنے علم پر فرض کر لیا تھا کہ لانے والوں نے میری تلاشی لے لی ہوگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خنجر میرے پاس محفوظ تھا مگر فی الحال میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا حتیٰ کہ دیوار میں سوراخ کر کے فرار بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ دن کا وقت تھا، میں فوراً پکڑا جاتا، یہی کام میں رات کو آرام سے کر سکتا تھا۔ یہ فیصلہ کر کے میں چارپائی پر گرا اور چند منٹ کے اندر سو گیا تھا۔

پھر کسی نے مجھے ہاتھ مار کر جگایا۔ "اٹھ لوئے، کھوتے دے کھر..... کیویں ستا پیا ایں۔"

یہ منگل سنگھ تھا۔ باہر اندھیرا ہو چکا تھا اور وہ میرے لئے کھانا لایا تھا۔ چنگیری میں باجرے کی موٹی سی روٹی کے اوپر ساگ اور مکھن کا ڈلا رکھا تھا۔ "کھانا کھا لے۔"

"ہاتھ دھونے کے لئے پانی مل سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بڑے نخرے نیں تیرے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور باہر چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ چند منٹ بعد وہ ایک لوٹے میں پانی لایا اور میں نے کمرے کے کچے فرش پر ہی ہاتھ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر منہ بھی دھو لیا تھا۔ گزشتہ بیس گھنٹے بعد یہ پہلا کھانا تھا جو مجھے مل رہا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے مجھے زندہ رکھا اور اپنی نعمتوں سے نوازا۔ کھانا بے حد سادہ مگر اتنا ہی لذیذ بھی تھا۔ روٹی بے حد موٹی تھی اور میرے لئے کافی ثابت ہوئی تھی۔ باہر اندھیرا تھا اور سرد ہوا فراٹے سے چل رہی تھی، اب تک ان لوگوں کا رویہ شریفانہ تھا۔ انہوں نے تفتیش کے نام پر مجھے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا تھا۔ پینے کو پانی اور کھانے کو کھانا دیا تھا۔ لیٹنے کے لئے چارپائی تھی اور جب منگل سنگھ چنگیری لینے آیا تو اس نے مجھے ایک عدد کمبل بھی لا دیا تھا۔

منگل سنگھ میرے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے؟"

"میتوں نئیں پتا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور چلا گیا۔ کمرے میں روشنی کا کوئی بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے کمبل اوڑھ لیا۔ سردی کی شدت میں یک لخت خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد میں نے باہر کی سن گن لی۔ تیز ہوا کی سائیں سائیں اور پیڑوں کے جھومنے کی آوازوں کے علاوہ مکمل سناٹا طاری تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ سب سو گئے تھے اور کوئی جاگ بھی رہا تھا تو کسی گرم بستر میں دبا ہوا تھا۔ پھر بھی میں نے اندازاً نصف گھنٹے اور انتظار کیا اور اس کے بعد بستر سے اتر کر دیوار کو ٹٹولا۔ اس کی جڑ زیادہ موٹی تھی۔ کچی مٹی سے اٹھائی جانے والی دیواروں کا اصول بھی یہی تھا۔ نیچے سے اوپر کی طرف تعمیر پتلی ہوتی جاتی تھی۔ میں نے دیوار کو دو فٹ اوپر سے کھودنا شروع کیا۔ مٹی خشک اور سردی کی وجہ سے سخت ہو رہی تھی مگر خنجر کی نوک اور مضبوطی کام دکھا رہی تھی۔ میں خنجر مارتا تھا تو مٹی جھڑ جاتی تھی اس کے باوجود میں احتیاط سے کام کر رہا تھا کہ آواز نہ ہو۔ اگر آواز سن کر کوئی آ جاتا تو میں رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا۔

دیوار کھودتے ہوئے مجھے زہرہ اور اللہ رکھا کا ڈیرا یاد آیا، جب میں نے ایک رات فرار کے لئے ایسے ہی دیوار کھودی تھی اور پولیس کے آنے سے پہلے زہرہ کو لے کر فرار ہو گیا تھا۔ ہم کیسے کیسے مراحل سے گزر کر خادم حسین تک پہنچے تھے اور میں نے زہرہ کو اپنے طور پر ایک مضبوط پناہ گاہ میں چھوڑا تھا یہ اور بات تھی کہ دشمن نے یہ پناہ گاہ اگلے ہی روز مسمار کر دی تھی اور زہرہ کو لے گئے تھے۔ کتنے عذاب جھیل کر وہ شاہ نواز کے ہاتھ آئی جس نے اسے پیشہ ور کال گرل بنا دیا۔ اسے یاد کر کے میرا دل بوجھل ہو گیا تھا اور میرے ہاتھ ذرا دیر کے لئے رک گئے تھے۔ ایک اچھا کام یہ ہوا کہ بدی کا وہ اڈا ختم ہو گیا جس نے نہ جانے کتنی معصوم لڑکیوں کو طوائف بنا دیا تھا۔ اسلحے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا وہ بہت بڑا ذخیرہ تباہ ہو گیا تھا جو قائم رہتا تو نہ جانے کتنے بے گناہوں کا لہو پی جاتا۔ زہرہ کا خیال آیا تو بے ساختہ ہاتھ اس کی مغفرت کی دعا کے لیے اٹھ گئے اس کا یہ قرض مجھ پر باقی تھا۔ اچانک باہر آہٹ سن کر میں چونکا اور تیزی سے چارپائی پر لیٹ کر کمبل تان لیا۔ اسی لمحے کواڑ ایک مخصوص آواز کے ساتھ کھلے تھے۔ کوئی اندر آیا تھا، میرا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ کمبل کے گوشے سے میں نے دیکھا۔ تاریکی بدستور قائم تھی، آنے والا کوئی روشنی ساتھ نہیں لایا تھا۔ اندر اندھیرا تھا اور اس بات کا امکان کم تھا کہ آنے والے کو کھودی جانے والی دیوار اور زمین پر پڑی مٹی نظر آ جائے۔ آنے والے نے میرا پاؤں پکڑ کر ہلایا۔

''کک..... کون ہے؟'' میں نے خوف زدہ اور غنودہ لہجے میں کہا۔

''میں آں..... منگل سنگھ..... تُو سوجا۔''

''تو جگایا کیوں ہے؟'' میں نے کہا اور کروٹ لے لی۔ ویسے میں خنجر بکف اس کے لئے بالکل تیار تھا کہ وہ دیوار میں کی جانے والی کارروائی دیکھے تو اس کے شور مچانے سے پہلے میں اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دوں۔ اس کے پاس اسلحے کی موجودگی عین ممکن تھی مگر پکڑے جانے پر مجھے یہ رسک تو لینا ہی تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑا رہا، پھر جب اس نے باہر جا کر دروازہ بند کیا تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ تقریباً دس منٹ تک ساکت لیٹے اور کان دروازے سے باہر کی آہٹوں پر رکھنے کے بعد میں دوبارہ اٹھا۔ منگل سنگھ جا چکا تھا۔ میں نے دیوار پر کام دوبارہ شروع کیا۔ میرا خیال تھا کہ دیوار دو فٹ کے لگ بھگ موٹی ہو گی، ڈیڑھ فٹ سے کم ہونا ناممکن تھا۔ میں نے چھ انچ تک تقریباً دو فٹ قطر کا سوراخ کر لیا تھا۔ اب میں خنجر احتیاط سے چلا رہا تھا کیونکہ اندر پتھر آنے لگے تھے اور پتھر سے لوہا ٹکراتا تو خاصی بلند آواز پیدا ہو سکتی تھی اس لئے میں خنجر چلانے سے پہلے ہاتھ پھیر کر اطمینان کر لیتا تھا۔

رفتہ رفتہ سوراخ گہرا ہونے لگا۔ سردی کے باوجود مسلسل محنت سے بلکہ جان توڑ محنت سے میں پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ مٹی اُڑ رہی تھی اور میرے ناک منہ سے گزر کر گلے کو خشک کر رہی تھی اور مجھے اب پیاس لگنے لگی تھی۔ تھکن کے باوجود میں نے ہاتھ نہیں روکا، میں منگل سنگھ کے دوبارہ آنے سے پہلے سوراخ کر کے یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا، قسمت بار بار ساتھ نہیں دیتی ہے۔ تقریباً ڈیڑھ فٹ کی کھدائی کے بعد بھی مٹی موجود پا کر مجھے ذرا مایوسی ہوئی، میرا خیال تھا اب سوراخ آر پار نکل جائے گا۔ اب میری توجہ پہلے سوراخ مکمل کرنے پر تھی اس کے بعد اسے اتنا چوڑا کیا جا سکتا تھا کہ میں اس میں سے نکل جاتا۔ بالآخر دو منٹ کے بعد دیوار میں سوراخ نمودار ہوا اور اس سے گزر آنے والی سرد ہوا کا جھونکا اپنے چہرے پر محسوس کر کے مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی تھی۔ اب میں نے زیادہ تندہی سے سوراخ چوڑا کرنا شروع کر دیا، میں اسے گول کرنے کے بجائے اوول صورت میں چوڑا کر رہا تھا۔ مجھے نکلنے میں آسانی رہتی اور وقت بھی ضائع نہیں ہوتا۔ بالآخر میں نے اتنا بڑا سوراخ کر لیا جس سے میں نکل سکوں تو میں نے کواڑوں کے قریب جا کر باہر کی سن گن لی۔ وہاں بدستور سناٹا تھا۔ میں سوراخ سے باہر آیا۔ اگرچہ اندازے کی غلطی کی وجہ سے مجھے خاصی جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ میری جیکٹ شانے سے ادھڑ گئی تھی۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح میں نے باہر قدم رکھ دیا۔ یہاں زمین نشیب میں تھی اور گر کر میں نے دو قلابازیاں کھائی تھیں اور ایک جوہڑ میں جانے سے بال بال بچا تھا۔ یہ پانی کا نہیں بلکہ بھینسوں کی بہہ کر آنے والی غلاظت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنم لینے والا جوہڑ تھا۔ اس سے اٹھنے والی بدبو سے دماغ خراب ہو رہا تھا۔ جو کھیتوں کی منڈیر کے ساتھ ساتھ تھا جس میں گندم کی فصل سر اٹھا رہی تھی۔ پودے ڈیڑھ فٹ تک بڑھ چکے تھے۔ چاند پندرھویں کا تھا اور تقریباً پورے چاند جتنا لگ رہا تھا۔ چاروں طرف روشنی تھی۔ ڈیرے کے احاطے میں گھنے درخت ہونے کی وجہ سے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

شمال کی جانب سے فراٹے کی سرد ہوا چل رہی تھی۔ میں نے خنجر کو نیام سمیت اپنی جیکٹ میں رکھ لیا۔ پنڈلی سے بوقت ضرورت اسے نکالنے میں ذرا وقت لگتا۔ میں فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں کو پتا چلنے تک میں جتنا دور نکل جاتا اتنا ہی اچھا تھا۔ میں نے سامنے کی طرف سے جانے سے گریز کیا تھا، مجھے اندازہ تھا، میرے فرار سے آگاہ ہوتے ہی وہ مجھے ڈیرے کے سامنے والے حصے میں تلاش کریں گے اور میں اس سے مخالف سمت میں جا رہا تھا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے بعد مجھے زمین کو پانی دینے والا چھوٹا سا نالا نظر آیا جسے پنجاب میں کھال بھی کہتے ہیں۔ اس میں شفاف پانی بہہ رہا تھا، میں نے اسے چلو میں لے کر چکھا۔ یہ صاف پانی تھا اور بے حد یخ تھا۔ میں نے پانی پینے کے بعد اس سے منہ ہاتھ دھوئے اور کپڑوں اور بالوں پر لگ جانے والی مٹی صاف کی۔ خنجر بھی دھویا۔ دور تک کھیت پھیلے ہونے کی وجہ سے چھپنے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی اور اس طرف کوئی آ نکلتا تو میرے لئے گندم کے پودوں کے درمیان لیٹ جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

مگر فی الحال کوئی پیچھے نہیں آیا تھا۔ شروع میں، میں بھاگنے کے انداز میں چلتا رہا اور بیس منٹ میں تقریباً دو میل دور نکل آیا تھا۔ اس کے بعد میں نے رفتار ذرا کم کر دی۔ اگرچہ دو میل کا فاصلہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ گھوڑے استعمال کرتے تو چند منٹ میں مجھے آ لیتے مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ میرے فرار کی سمت کا صحیح ادراک کرتے اور پھر میرا پیچھا کرتے جبکہ میں نے شمال کا رخ کیا تھا اور ذرا آگے جا کر میں نے مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا تھا، چاند میری رہنمائی کر رہا تھا۔ اپنے حساب سے میں پاکستان اور بھارت کی سرحد سے کوئی چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ اگر میں چلتا رہتا اور درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ پیش آتی تو میں صبح سے پہلے سرحد عبور کر سکتا تھا۔

اب کھیت کم ہو گئے تھے اور خالی میدان یا جھاڑ جھنکار والے حصے زیادہ ہو گئے تھے۔ مجھے چلتے ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ میں سرحد سے دو تین میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا لیکن یہ اندازہ غلط بھی ہو سکتا تھا۔ پاک انڈیا سرحد کوئی سرا سر مستقیم نہیں تھی۔ اکثر مقامات پر یہ لہراتی اور بل کھاتی جاتی تھی اور کبھی کبھی ایک دوسرے کی سرزمین میں اندر تک گھس آتی تھی۔ جیسے سمندر کا پانی خلیج بنا کر زمین میں گھس آتا ہے۔ اب مجھے کسی قدر اطمینان تھا، اتفاق کی بات الگ تھی مگر منگل سنگھ اور اس کے ساتھی اب مجھے نہیں پکڑ سکتے تھے۔

چلتے چلتے اچانک کوئی شے میرے پیروں تلے آئی۔ یہ کوئی نرم سی گول شے تھی۔ اگلے لمحے میری پنڈلی میں جیسے انگارے بھر گئے تھے۔ میں نے جھک کر دیکھا اور میرا خون خشک ہو گیا۔ ایک کوبرا سانپ میری پنڈلی میں پھن گاڑھے ہوئے تھا۔ عام طور سے سانپ ڈس کر الگ ہو جاتا ہے مگر اس کے جسم کا ایک حصہ میرے جوتے تلے تھا اور ردعمل میں اس نے بلبلا کر مجھے ڈس لیا تھا بلکہ اس کے دانت میرے جسم سے الگ ہوئے ہی نہیں تھے اور اس کا زہر مسلسل میرے جسم میں داخل ہو رہا تھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر خنجر نکالا اور کوبرا کا سر اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تن سے جدا کر دیا۔ اس کا سر الگ ہونے کے باوجود میری پنڈلی سے چپکا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ سے کھینچ کر اسے دور پھینک دیا۔ سانپ کا طویل جسم اذیت سے بل کھا رہا تھا، اس کی جان رفتہ رفتہ ہی نکلتی۔

میں نے محسوس کیا کہ پنڈلی میں بھرنے والی آگ رفتہ رفتہ اوپر کی طرف بڑھ رہی ہے۔ میں نے پائنچہ اوپر کیا اور جہاں سانپ نے ڈسا تھا، اس جگہ خنجر کی نوک داخل کر دی۔ کوبرا کا زہر ہلاکت خیز ہوتا ہے اور یہ بیس سے تیس منٹ میں ایک جوان اور طاقتور آدمی کی جان لینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس کوبرا نے تو زیادہ ہی زہر میرے جسم میں داخل کر دیا تھا۔ خنجر کی نوک زخم میں داخل ہوتے ہی خون بہنے لگا تھا۔ جیکٹ کے کالر میں کھینچ کر بند کرنے والی ڈوری لگی تھی۔ میں نے وہ ڈوری نکالی اور اسے کس کر گھٹنے سے ذرا نیچے باندھ لیا تاکہ خون کا بہاؤ سُست ہو جائے۔ میں حیران تھا اس ویران علاقے میں کہاں طبّی امداد تلاش کروں گا جبکہ یہاں دور دور تک بندہ نہ بندے کی ذات نظر آ رہی تھی۔ خون سیاہی مائل تھا اور دس پندرہ منٹ تک بہتا رہا۔ جب خون دھارا کا تو میں کھڑا ہو گیا۔ مجھے کسی آبادی تک پہنچنا تھا جہاں مجھے طبّی امداد مل سکے۔ میں چند قدم چلا ہوں گا کہ میرا سر چکرانے لگا۔ منظر دھندلانے اور لہرانے لگا اور پھر میں زمین پر گر گیا۔ آخری یادداشت کسی کتے کے بھونکنے کی آواز تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کتا بھونکتا اور دوڑتا میری طرف آ رہا ہے۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ شاید بے ہوشی کی صورت میں موت مجھ پر غالب آ گئی تھی۔

سانپ کا زہر انسان پر دو طرح سے اثر کرتا ہے۔ ایک دماغ کے دفاعی حصار کو شکست دے کر دماغ کے اس حصے تک رسائی حاصل کرتا ہے جو دل اور سانس کے فعل کو قابو کرتا ہے۔ زہر آہستہ آہستہ دماغ کے اس حصے کو کام کرنے سے روک دیتا ہے اور نتیجے میں شکار دل اور سانس کے رک جانے سے موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس میں آدمی کو نیند آتی ہے اور ایک بار وہ سو جائے تو عام طور پر اسے ہمیشہ کی نیند سمجھا جاتا ہے۔ دوسری قسم کا زہر خون میں شامل سرخ اور زرد ذرات کو فنا کر دیتا ہے۔ خون پانی کی طرح ہو جاتا ہے، جمنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے، اندرونی اور بیرونی جریانِ خون شروع ہو جاتا ہے اور شکار خون بہنے کی زیادتی سے مر جاتا ہے مگر یہ کم خطرناک زہر ہے۔ اس میں بھی شکار کو نیند آتی ہے۔ مجھے کوبرا نے نے کاٹا تھا اس میں اوّل قسم کا خطرناک ترین زہر پایا جاتا ہے۔ اس وقت جب میرے حواس جواب دے رہے تھے، میں نے سوچ لیا تھا کہ اس دنیا میں میری یہ آخری چند سانسیں ہیں اور اس کے بعد مجھے ہوش میں آنا نصیب نہیں ہوگا اس لئے الوداع اے دنیائے فتنہ و فساد۔

☆======☆======☆

مجھے ہوش تو خاصی دیر بعد آیا لیکن غشی کی کیفیت میں، مَیں ایک مرد کی آوازیں سنتا رہا تھا۔

''کوبرا..... خطرناک زہر..... بھگوان نے بچایا..... حیرت انگیز!''

کبھی کبھی ایک نسوانی اور مدھم سی آواز بھی آتی تھی جس کے الفاظ میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ پھر مجھے ہوش آ گیا، مکمل احساس اور سمجھ کے ساتھ۔ میں ایک کھاٹ نما بستر پر پڑا تھا اور میرے جسم پر صرف میری پتلون تھی۔ جوتے، جیکٹ اور قمیص اتار لی تھی۔ عجیب بات تھی، اس کے باوجود مجھے سردی نہیں لگ رہی تھی۔ بس جسم پر ایک خوشگوار سی خنکی کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ کوئی جھونپڑی تھی اور کسی سپیرے کی لگ رہی تھی۔ جا بجا سانپوں والی پٹاریاں پڑی تھیں۔ سانپوں کے ڈھانچے لٹک رہے تھے اور ایک طرف شاید نیولے کا ڈھانچا تھا۔ کھاٹ آرام دہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی مگر اس سے بُو سی اٹھ رہی تھی۔ جھونپڑی کچی مٹی کی تھی اور اوپر لکڑی کی چھت تھی۔ دروازے کی جگہ پردہ لٹک رہا تھا اور اس سے آتی روشنی بتا رہی تھی کہ باہر دن ہے۔

میں سوچ رہا تھا کہ میں بچ کیسے گیا؟ کیا اس سپیرے نے میرا علاج کیا تھا اور میرے جسم سے زہر کا اثر ختم کر دیا تھا۔ کیا خوب اتفاق تھا، سانپ نے مجھے جہاں کاٹا وہاں پر سپیرے کی جھونپڑی تھی۔ میں کچھ بے حس سا ہو رہا تھا۔ مطلب یہ کہ سردی کے ساتھ بھوک اور پیاس بھی نہیں لگ رہی تھی، کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے پیٹ بھر کر طعام کیا ہو۔ ذہن پر بھی ہلکی سی بے حسی طاری تھی۔ یعنی میں سوچ رہا تھا مگر مجھے کسی شے یا بات پر تعجب نہیں ہو رہا تھا۔ ذہن کی طرح جسم بھی پُرسکون تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو میرے جسم نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ میرے اندر خوف کی لہر سی دوڑ گئی تھی، کیا میں مفلوج ہو گیا تھا؟ اگلی بار میں نے خود اٹھنے کے بجائے اپنا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی، میرا ہاتھ ایک ہی جگہ لرزتا رہا لیکن اٹھا نہیں۔ حد یہ کہ میں نے سر گھمانے کی کوشش کی تو اس میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میرا جسم مکمل طور پر مفلوج تھا۔ سانپ کے زہر سے آدمی مر جاتا ہے لیکن یہ میں نے آج تک نہیں سنا تھا کہ آدمی مفلوج ہو جاتا ہے۔

''خدایا، یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے سوچا پھر بولنے کی کوشش کی ''کوئی ہے؟''

میرا خیال تھا، باقی جسم کی طرح شاید میری آواز بھی مفلوج ہو اور خاصا زور لگانے پر میں سرگوشی کر سکوں گا۔ اسی وجہ سے میں نے سارا زور لگا دیا تھا اس لئے خاصی بلند آواز نکلی تو میں خود بھی چونک گیا تھا۔ چند لمحے بعد اس کا ردِعمل بھی نکلا تھا۔ ایک سیاہ فام لڑکی اندر آئی۔ اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی اور اپنے سیاہ اور بے حد لمبے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے جو آگے پیچھے اس کی ستر پوشی کر رہے تھے کیونکہ اس نے بلاؤز نام کی کوئی شے نہیں پہن رکھی تھی۔ میں نے بنگال کے بارے میں سنا تھا کہ وہاں بعض علاقوں میں عورتیں بلاؤز نہیں پہنتی ہیں مگر یہ مشرقی پنجاب تھا۔ یہاں نہ تو اس کا رواج تھا، نہ غربت تھی اور نہ کپڑے کی کمی۔

''تُو ہوش میں آ گیا رے!'' لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ ''ابھی آرام کر باپو جڑی بوٹیاں لینے گیا ہے۔''

''سنو، تم کون ہو؟''

''میں..... میں اوشا ہوں۔ میرا باپو سپیرا ہے۔''

''میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ میں حرکت کیوں نہیں کر سکتا؟''

''تجھے باپو کے سب سے ششیک ناگ نے کاٹا تھا۔ تیرا نصیب..... باپو نے تجھے مرنے سے پہلے دیکھ لیا۔ موتی نے بتا دیا تھا۔ باپو تجھے لے آیا اور تیرا علاج کیا۔ تُو نے باپو کا سب سے قیمتی ناگ مار دیا تھا۔ باپو نے تجھے بچانے کے لئے دوائی دی ہے اس کی وجہ سے تُو ابھی ہل نہیں سکتا ہے..... پر تُو ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کب تک؟'' میں نے کہا۔ ''اور مجھے اس طرح کیوں ڈال رکھا ہے؟''

لڑکی میرے پاس آئی۔ ''تجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔

''باپو کی دواؤں سے تیرے اندر گرمی بھر گئی ہے۔'' وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ اس کے بدن سے ایک انوکھی اور تیز مہک آ رہی تھی۔ جیسے وہ کوئی لڑکی نہ ہو، سیاہ ناگن ہو۔ اس کی عمر شاید سترہ اٹھارہ برس کی تھی مگر اس کا بدن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی بھرپور جوان عورت کا سا تھا۔ ساڑھی تلے سرکش شباب جوانی جھلک دکھانے کے لئے بے چین تھا، پتلی سی کمر کے نیچے جیسے ساڑھی تلے گاگر رکھے تھے۔ اس کے بازو شانے تک عریاں تھے۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور اپنی گرم گداز ہتھیلیوں سے میرے سینے پر دائروں میں مالش کرنے لگی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تُو کتنا سندر ہے رے!''

مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن دل پر جبر کر کے کہا۔ ''لیکن میری سندرتا کس کام کی، میں تو مفلوج پڑا ہوں۔''

''تُو ٹھیک ہو جائے گا رے!'' وہ بولی اور آہستہ سے میرے چہرے پر جھک آئی۔ میں اتنا بے بس تھا کہ چہرہ بھی نہیں ہٹا سکتا تھا۔ اس لئے وہ من مانی کرتی رہی۔ پھر پیچھے ہٹی اور شریر لہجے میں بولی۔ ''تُو تو اس طرح شرما رہا ہے جیسے لڑکی ہے رے!''

''اُلو کی پٹھی!'' میں نے دل میں کہا اور طنز کیا۔ ''اور تیرے انداز میں کیا مردانگی پائی جاتی ہے۔''

''یہ جیون چار دن کا ہے، آدمی اپنی مرضی نہ کرے تو اس کا فائدہ!'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''تُو فکر مت کر، میں سارے ہی مردانہ کام نہیں کروں گی، کچھ تیرے لئے بھی چھوڑ دوں گی۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ وہ کمسن تھی مگر اس کا انداز پختہ کار عورتوں سے بھی بڑھ کر تھا۔ ممکن ہے اسے عملی تجربہ بھی ہو۔ اس کے انداز سے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔

''تجھے پیاس لگ رہی ہے رے؟'' اس نے حسب معمول جملے کے آخر میں رے فٹ کیا۔

''نہیں۔'' میں نے جلدی سے انکار کر دیا۔ مجھے پیاس نہیں تھی مگر انکار کی وجہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر اخراج کا مسئلہ ہو گیا تو میں اس مفلوج حالت میں کیا کر سکوں گا؟ کیا بستر کو ہی باتھ روم کے طور پر استعمال کروں گا؟ میں نے لڑکی سے سوال کیا۔ ''کیا تم ہندو ہو؟''

''ہاں اور تُو مسلمان ہے۔'' اس کے انداز میں شرارت آ گئی تھی۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا اور پھر پچھتایا۔ وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

''باپو تیرا علاج کر رہا تھا تب میں نے تجھے دیکھا تھا۔''

''میرے کپڑے اتار دیئے تھے تیرے باپو نے؟''

''ہاں، تجھ پر لیپ کرنا تھا، زہر کا اثر ختم کرنے کے لئے۔''

اس کی بات پر مجھے پھر زہر یاد آئی۔ اسے بھی سانپ نے ڈس لیا تھا اور ایک ہندو سادھو نے لیپ کر کے اور چھپکلی نما جونکیں لگا کر اس کا علاج کیا تھا۔ شاید اس سپیرے نے بھی ایسا ہی کوئی لیپ کیا تھا۔

''دو دن تیرا لیپ کیا تھا پھر کل تجھے جڑی بوٹیوں والے جل سے اشنان کرایا تھا۔''

''تین دن..... میں تین دن سے بے ہوش ہوں؟''

''آج رات تجھے پورے چار دن ہو جائیں گے۔'' اوشا نے انگلیوں پر حساب لگایا۔

''اور میں نے اتنے دن سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔''

''نہیں، باپو تجھے کچھ پلاتا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تیرا باپو سپیرا ہے..... سانپ بیچتا ہے؟''

''وش بھی اور جڑی بوٹیاں بھی۔ باپو کئی وش ملا کر ایسا وش تیار کرتا ہے کہ کسی کو بھی سوئی میں لگا کر چبھو دو، وہ ایک منٹ میں مر جاتا ہے۔''

''گویا تمہارا باپو قاتلوں کو ہتھیار بھی بیچتا ہے۔''

''سب بیچتے ہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''اگر تجھے کوئی کام نہ ہو تو میں جاؤں۔ باپو آنے والا ہوگا اور آتے ہی بھوجن مانگے گا۔''

وہ پلٹی اور بل کھا کر باہر چلی گئی۔ بالکل ناگن لگتی تھی۔ میں نے اس کے جانے کے بعد ایک بار پھر خود سے حرکت کرنے کی کوشش کی مگر صرف اتنی کامیابی ہوئی کہ میں ذرا سا سر ہلانے میں کامیاب ہوا تھا۔ شہ جانے اس خبیث سپیرے نے مجھ پر کون سی دوائیں آزمائی تھیں جن کے اثر سے میرا پورا جسم مفلوج ہو گیا تھا اور خدا جانے وہ میرا علاج کر رہا تھا کہ مجھ پر کوئی تجربہ کر رہا تھا۔ ابھی ادشا نے اعتراف کیا تھا کہ وہ قاتلوں کو زہر فروخت کرتا تھا، ایسے شخص سے یہ توقع محال تھی کہ وہ محض انسانی ہمدردی کے تحت کسی کی جان بچانے کی کوشش کرے گا۔ اگر وہ مجھ پر کوئی تجربہ کر رہا تھا تو اس سے مجھے فائدے کے ساتھ نقصان بھی ہو سکتا تھا۔

جھونپڑی کے باہر شاید برآمدہ تھا۔ جس میں باورچی خانہ تھا جس میں کھانا بن رہا تھا۔ مجھے ایک خیال اور ستانے لگا۔ ساری عمر کبھی غلطی سے بھی حرام نہیں کھایا تھا، نہ غذا میں اور نہ ہی دوسرے معنوں میں۔ اس سپیرے کی اولاد نے نہ جانے تین دنوں میں مجھے کیا کیا کھلا دیا تھا۔ اس میں کتنا حلال تھا اور کتنا حرام تھا۔ ہندو کے گھر کا کھانا تو ویسے ہی مشکوک تھا۔ اوپر سے وہ سپیرا بھی تھا۔ اچانک باہر سے کسی نے بھاری آواز میں کچھ کہا۔ ساتھ ہی کتا بھی بھونکا تھا پھر پردہ ہٹا اور ایک طویل قامت اور بانس کی طرح دبلا پتلا شخص اندر آیا۔ اس سردی کے عالم میں اس نے دھوتی پر ایک واسکٹ پہن رکھی تھی۔ وہ ادشا سے زیادہ سیاہ فام تھا لیکن اصل بات یہ تھی کہ وہ بے حد کریہہ المنظر تھا۔ ''کیا حال ہیں مہاراج!'' اس نے بھاری آواز میں کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس نے طنز بھی کیا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں تم نے مجھے سانپ کے زہر سے بچایا۔'' میں نے مصلحتاً نرم لہجے میں کہا۔ میں صورت سے خبیث نظر آنے والے اس شخص کو بھڑکانا نہیں چاہتا تھا، خاص طور سے اس حالت میں جبکہ میں مفلوج پڑا تھا۔

''کرپا ہے مہاراج کی۔'' وہ میری طرف جھکا۔ اس کے پاس سے تیز اور ناگوار بُو آ رہی تھی۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''میں ہل نہیں سکتا۔''

''ابھی تجھ پر دواؤں کا اثر ہے مہاراج!'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ناگ دیوتا نے جتنا وش تیرے شریر میں اتارا تھا، وہ چار آدمیوں کو مارنے کے لئے کافی تھا۔''

''پھر میں کیسے بچا؟''

''سچی بتاؤں..... یہ بھگوان کی لیلا ہے، وہ جسے چاہے امر کر دے۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے بس کوشش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ بچ سکے گا۔"

"یعنی ابھی میرا وقت نہیں آیا۔" میں نے سوچا، مجھے سکون ملا تھا یہ جان کر کہ میری جان بچانے کا سہرا اس کے سر نہیں جاتا تھا۔ اس نے صرف کوشش کی تھی۔ "میرا جسم کب تک ٹھیک ہوگا؟"

"کچھ سے لگے گا مہاراج!" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تم نے مجھے تین دن تک کیا کھلایا ہے؟"

"کچھ جڑی بوٹیاں اور سانپ کا ماس۔ یہ جروری تھا۔ تیرا جسم وش برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے لئے سانپ کا ماس کھلانا جروری تھا۔ تجھے سردی نہیں لگ رہی ہے۔"

"سانپ کا گوشت!" مجھے اپنا معدہ حلق کی طرف آتا محسوس ہوا تھا۔ "اور کیا تھا؟"

"وش کا توڑ کرنے والی چند جڑی بوٹیاں تھیں۔ یہ خود وش ہوتی ہیں اور جسم کو کچھ دیر کے لئے بے کار کر دیتی ہیں۔"

"کیا زہر کا اثر میرے جسم سے ختم ہو گیا ہے؟"

"اس حد تک کہ تم ہوش میں آ گئے ہو مہاراج! پر پورا اثر ختم ہونے میں سے لگے گا۔"

"اس نے دوبارہ وقت کا ذکر کیا تھا اور دونوں بار اس نے بہت مبہم سا انداز اختیار کیا تھا۔ مجھے شک ہونے لگا، وہ یا تو مجھ پر کوئی تجربہ کر رہا تھا یا پھر اس نے کسی مقصد کے تحت مجھے جان بوجھ کر مفلوج رکھا ہوا تھا۔ میں کھل کر اپنے شکوک کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں فی الحال ظاہر کر رہا تھا کہ میں اس پر اعتماد کر رہا ہوں۔ اس سے مجھے اس کے عزائم کا اندازہ لگانے میں آسانی رہتی۔ "تمہیں بھوک لگ رہی ہے مہاراج؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے بھوک نہیں لگ رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پر کچھ نہ کچھ بھوجن تو کرنا ہوگا۔" اس نے کہا۔ "میں ابھی لاتا ہوں۔"

وہ یقیناً مجھے وہ جڑی بوٹیاں کھلانا چاہ رہا تھا جن کے اثر سے میں مفلوج پڑا تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھے زبردستی کھلا سکتا تھا۔ چند منٹ بعد وہ ایک برتن میں سبز رنگ کا محلول لے آیا۔ ساتھ میں لکڑی کا چمچ بھی تھا۔ میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "میں نے کہا نا مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"مہاراج! یہ دوا ہے.... نہیں کھاؤ گے تو وش پھیلنا شروع ہو جائے گا اور پھر شاید میں کچھ نہ کر سکوں۔" اس نے اطمینان سے کہا اور میرے پاس بیٹھ گیا۔ "ڈرو مت، اس میں کوئی شے تیرے لئے کھترناک نہیں ہے۔"

میں زیادہ انکار کر کے اسے کھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔ مجبوراً میں نے اس کے گندے ہاتھوں سے وہ سوپ حلق سے اتارنا گوارا کر لیا۔ اس کا ذائقہ ہلکا سا نمکین اور کسیلا تھا اور اس سے ایسی بو آ رہی تھی جیسے سبز پتوں کو ملنے پر آتی ہے۔ میں نے بمشکل نصف پیالہ پیا اور پھر انکار کر دیا۔ اس نے شاید اتنے کو ہی غنیمت سمجھا تھا۔ "اب تجھے میٹھی نیند آ جائے گی۔"

"لیچے سے تم لوگ اس علاقے کے رہنے والے نہیں لگتے؟" میں نے کہا۔

"ہاں، ہم یوپی سے آئے ہیں۔ ادھر مجھے وہ جڑی بوٹیاں مل گئی ہیں جن کی مجھے برسوں سے تلاش تھی۔ میں اور اوشا چار برس سے یہاں ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ جگہ سرحد سے کتنی دور ہے؟''

''سرحد!'' وہ کسی قدر حیران ہوا تھا۔ ''وہ تو یہاں سے بہت دور ہے، بارہ تیرہ میل دور۔''

میں چپ رہا۔ یہ سوپ پینے کے بعد مجھے اپنے اندر پیٹ میں ایک عجیب سی ناگوار اینٹھن محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے تجسس سے پوچھا۔ ''مہاراج! تُو سرحد کا کیوں پوچھ رہا ہے، کیا تو اُدھر جانا چاہتا ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے انکار کیا۔ ''میں یہاں ایک سکھ دوست کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا۔ اس سے بچھڑ گیا، میرا سارا سامان بھی اس کے پاس ہے۔''

''کس چیز کا شکار؟'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''تیتروں کا۔'' میں نے جواب دیا کیونکہ اس کا شکار پورے پنجاب میں ملتا تھا۔ لازمی بات تھی کہ اس علاقے میں بھی تیتر ملتے ہوں گے۔ اس نے سر ہلایا۔

''ہاں، ادھر پورب میں تیتر ملتے ہیں مگر جھاڑیوں کی وجہ سے شکار مشکل ہوتا ہے۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''سندھو۔'' اس نے مختصراً کہا اور پیالہ لے کر چلا گیا۔ میرے پیٹ میں اینٹھن بڑھنے لگی تھی۔ مجھے خدشہ ہوا کہ یہ اینٹھن کسی اور شے میں نہ بدل جائے۔ یہاں تو دوسرا لباس ملنے کی امید بھی نہیں تھی۔ خود جھونپڑی کے مکینوں کے پاس لباس کی سخت کمی تھی۔ اب میرا سر چکرانے لگا تھا۔ دوا میں کوئی خواب آور جزو بھی تھا۔ سونے سے پہلے بھی مجھے اتنا یاد تھا کہ اوشا اندر آئی تھی اور چٹائی بچھا کر اس پر دراز ہو گئی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو ابھی اندھیرا تھا۔ جھونپڑی میں دیا جل رہا تھا۔ میرے سامنے چٹائی پر اوشا بے حجابانہ انداز میں چاروں شانے چت لیٹی تھی اور اس کی ساڑھی کا پلو اتر گیا تھا۔ میں نے بے ساختہ لاحول پڑھی اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس نظارے سے نظریں چرانے کے لئے سر بھی نہیں گھما سکتا تھا۔ میری کھاٹ کا سرہانہ ذرا اونچا تھا اس لئے مجھے سامنے کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ سندھو کہاں تھا؟ کیا وہ بھی اسی جگہ تھا اور بیٹی اس کے سامنے اس طرح سو رہی تھی مگر کان لگا کر سننے پر مجھے صرف اوشا کی نرم سانسوں کی آواز آئی تھی۔ اس کے علاوہ اندر مکمل خاموشی تھی۔ مجھے وقت کا اندازہ نہیں تھا۔ شاید یہ رات کا ابتدائی پہر تھا۔ سندھو شاید باہر سو رہا تھا۔ اوشا کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی اور یہی حال سندھو کا تھا۔ لگتا تھا یہ دونوں باپ بیٹی شاید سانپ کا گوشت کھاتے تھے۔

اچانک اوشا سوتے سوتے کراہی۔ اس نے کروٹ لی۔ وہ اس طرح ہل رہی تھی جیسے آدمی نیند میں حرکت کرتا ہے۔ اس کی چمکیلی پشت میری طرف تھی اور لمبے بال ناگوں کی طرح چٹائی پر پھیلے ہوئے تھے۔ حرکت کرتے کرتے وہ اٹھ بیٹھی۔ اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا تو میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ میں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں گہری نیند بلکہ غشی میں ہوں۔ وہ اٹھی کیونکہ کپڑوں کی سرسراہٹ ہوئی تھی۔ میں نے ہلکی سی آنکھ کھولی۔ اوشا نیم وا آنکھوں کے ساتھ ساکت کھڑی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے چاکلیٹ سے مجسمہ تراش دیا ہو۔ ساڑھی کا پلو نیچے لٹک رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ گھومنا شروع کر دیا۔ اس نے نہ جانے کیا کیا کہ ساڑھی کے بل کھلنے لگے۔ ذرا سی دیر میں ساری ساڑھی اس کے قدموں میں ڈھیر تھی۔ نیچے اس نے سکرٹ نما کوئی شے پہن رکھی تھی جس میں اس کی سیاہ سڈول ٹانگیں نمایاں تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے نشیلے انداز میں مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ اس کے بے حد سفید اور خوبصورت دانت جھلکنے لگے۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی دلکشی کا اعتراف کیا۔ وہ سیاہ تھی مگر یہ سیاہی بھی اس کے حسن کو چھپانے میں ناکام رہی تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ سیاہی بھی اس کی کشش میں اضافہ کر رہی تھی۔ اس کے دیکھنے کے انداز سے مجھے خطرے کا احساس ہونے لگا، وہ کسی نشے کے زیر اثر تھی۔ آہستہ سے وہ ڈولتے اور لچکتے ہوئے میری طرف آئی۔ وہ کھاٹ کے کنارے بیٹھی پھر آہستہ سے میرے اوپر آئی اور جیسے چھا گئی۔ میں نے دل ہی دل میں خدا سے پناہ چاہی کہ اس کے ارادے بے حد خطرناک تھے، وہ جس طرح مچل رہی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ناگن اپنے ناگ کے لئے مچل رہی ہو۔ اس کے گرم گداز بدن کا لمس میرے لئے کسی پل صراط سے کم نہیں تھا۔

یہ درست ہے کہ میں شریف ماں، باپ کی اولاد تھا اور میری ماں نے مجھے بارہ سال کی عمر سے سمجھانا شروع کر دیا تھا کہ ہر عورت قابلِ احترام ہوتی ہے۔ چاہے اس سے کوئی بھی رشتہ ہو یا رشتہ نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے آج تک اس بات پر سختی سے عمل کیا تھا۔ جب میری زندگی کا رخ بدلا اور دن رات یوں بسر ہونے لگے کہ سابقہ زندگی خواب و خیال بن کر رہ گئی۔ اس نئی زندگی میں بے شمار عورتیں آئیں اور ان میں ہر طرح کی عورتیں تھیں مگر میرے قدم کبھی نہیں بہکے تھے۔ میں نے زہرہ کے بارے میں بھی کبھی اس انداز میں نہیں سوچا۔ وہ اندر سے بری عورت نہیں تھی۔ جو عورتیں سچ مچ بری تھیں ان کو بھی میں نے نظر انداز کیا تھا۔ لیکن بہر حال میں مرد تھا اور پہلے کبھی ایسی صورتِ حال پیش نہیں آئی تھی۔ میرا کچھ نہ کچھ متاثر ہونا فطری بات تھی۔ میں ذہنی طور پر کتنی ہی مزاحمت کرتا، میرا جسم ردِعمل دکھاتا اور وہ دکھا رہا تھا۔ جب معاملہ حد سے گزرنے لگا تو میں جیسے چونک کر بیدار ہو گیا۔ ''اوشا..... یہ کیا کر رہی ہو، ہوش میں آؤ۔''

میری آواز سن کر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور مسکرائی۔ ''تم..... اٹھ گئے ہو؟''

''اوشا..... مجھ سے دور رہو۔''

''میں پیاسی ہوں..... میری پیاس..... بجھا دو رے۔''

''اوشا!'' میں نے اس بار سخت لہجے میں کہا۔ ''ہوش میں آؤ..... ورنہ.....''

''ورنہ..... تو کیا کرے گا رے!'' وہ نشیلے لہجے میں بولی اور میرا منہ بند کر دیا۔ میں بے بس تھا، اسے دھکیل بھی نہیں سکتا تھا۔ شاید یہ باپ بیٹی مل کر چکر چلاتے تھے۔ سندھوا اپنی دواؤں سے مردوں کو مفلوج کر دیتا تھا اور اوشا ان سے کھیل کر اپنے سفلی جذبات کی تسکین کرتی تھی۔ شاید وہ نفسیاتی مریض تھی، اس کھیل کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کا باپ اس کے سامنے مجبور تھا۔ وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس کو مرد کھلونے مہیا کرتا تھا۔ میرا دم گھٹنے لگا تھا اور میرے پھیپھڑوں نے سانس کے لئے مچلنا شروع کر دیا تھا۔ اچانک میں تڑپا اور وہ مجھ سے الگ ہو گئی تھی۔

''سندھوا!'' میں آزاد ہوتے ہی چلایا۔ ''اسے روکو..... سندھوا!''

اوشا میرے چلانے سے چونکی۔ اس نے ناگواری سے مجھے دیکھا، اسی لمحے باہر آہٹ ہوئی۔ ''اوشا، کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں بابو!'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''تم ادھر مت آنا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سندھو اسے روکو..... یہ حرافہ" لوشا نے پھر میرا منہ بند کر دیا تھا۔

"لوشا، میں اندر آ رہا ہوں۔" سندھو کی آواز آئی۔

لوشا مجھ سے الگ ہوئی۔ اس نے خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھا اور بادل ناخواستہ کھاٹ سے اتر کر اپنی ساڑھی باندھنے لگی۔ اس نے الٹی سیدھی ساڑھی باندھی اور تلملاتی ہوئی باہر چلی گئی۔ اس کے چند لمحے بعد سندھو اندر آیا۔ اس نے ناگواری سے مجھے دیکھا۔ "تمہیں اتنا شور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم اور تمہاری بیٹی!" میں غصے سے پھٹ پڑا تھا۔ میں نے اسے بے نقط سنائیں۔ "کاش کہ میں مفلوج نہ ہوتا تو اس کی گردن مروڑ دیتا۔"

"دھیرج، مہاراج دھیرج!" اس نے بے غیرتی سے کہا۔ "ابھی کیا ہے۔"

میں خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے ان لوگوں کے چنگل سے نکلنا تھا تو اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنا ہوگا۔ سندھو میرے اردگرد نہ جانے کیا کرتا پھر رہا تھا۔ پھر وہ ایک چھوٹا سا پیالہ لے کر آیا۔ پیالہ اس نے کھاٹ پر رکھا اور میرا سیدھا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک تیز دھار چاقو تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" میں نے تشویش سے کہا۔

"تیرے غصے کی وجہ سے خون میں وش بڑھ سکتا ہے۔ اس کا اثر کم کرنے کے لئے کچھ خون نکالنا ہوگا۔"

اس نے چاقو سے میرے انگوٹھے میں ہلکا سا کٹ لگایا اور خون کے لئے اسے پیالے پر جھکا دیا۔ میں نہیں دیکھ سکا تھا کہ کٹ کتنا بڑا تھا اور خون کس رفتار سے بہہ رہا تھا۔ اس کی دوسری باتوں کی طرح مجھے اس کی یہ بات بھی بکواس لگ رہی تھی۔ میرا شک پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ یہ باپ بیٹی مل کر مجھ پر کوئی تجربہ کر رہے تھے۔ ممکن ہے تجربہ صرف سندھو کر رہا ہو اور لوشا اس کا ساتھ دے رہی ہو۔ چند منٹ بعد اس نے میرا ہاتھ اوپر کیا اور میرے انگوٹھے پر راکھ نما کوئی شے چھڑک دی تھی۔ اس کے اثر سے خون رک گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"تم اس خون کا کیا کرو گے؟"

"باہر پھینک دوں گا۔" اس نے کہا اور پیالہ لے کر باہر چلا گیا۔ اس نے جتنی احتیاط سے پیالہ اٹھا رکھا تھا، ایسا لگ رہا تھا، وہ اس میں موجود خون کو چھلکنے سے بچا رہا ہو یعنی اس نے میرے خون سے پورا پیالہ بھر لیا تھا، اس کے جاتے ہی لوشا اندر آئی۔ اس نے پردہ برابر کیا۔

"بڑا نیچ ہے تُو۔" وہ میرے پاس آئی۔ اس نے باہر جا کر ساڑھی کو درست طریقے سے باندھ لیا تھا۔

"لوشا، تم لوگ میرے ساتھ کیا کھیل، کھیل رہے ہو؟"

"کیسا کھیل رے؟" اس نے معصومیت سے کہا۔ پھر جذباتی لہجے میں بولی۔ "میں تو تجھ سے کھیلنا چاہتی تھی رے، پر تُو نے باپو کو آواز دے دی۔"

"وہ میرا خون نکال کر لے گیا ہے۔"

"نکالا ہوگا۔" اس نے بے پروائی سے کہا اور ذرا جھک کر بولی۔ "اگلی بار میں تیرا منہ بند کر دوں گی۔"

"لوشا..... سندھو جانتا ہے تو اندر کیا کر رہی تھی؟"

وہ مسکرائی۔ "نہ جانتا تو اندر نہ آ جاتا..... پر جب تک میں باہر نہیں گئی، باپو اندر نہیں آیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے شرم اور غیرت کا احساس دلانا بے کار تھا۔ وہ دونوں ان احساسات سے عاری تھے۔ جانوروں کی طرح جو صرف اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ اچانک میرے اندر کا چالاک انسان بیدار ہو گیا۔ میں نے اوشا کو دیکھا۔ ''تُو اتنی سندر ہے..... پھر تجھے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کوئی بھی مرد تیرے ایک اشارے پر کھنچا چلا آ سکتا ہے۔''

''پر تُو نے باپو کو بلا لیا رے۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو۔ میری جو حالت ہے اس نے مجھے غصہ ور کر دیا ہے اور کیا تیرا دل نہیں چاہتا کہ تجھے مکمل مرد ملے۔'' اس بار میں نے بے شرمی سے کام لیا تھا۔

وہ پھر خطرناک انداز میں میرے پاس آ گئی۔ ''من کیوں نہیں کرتا ہے رے..... پر مردوں کو میرا کالا تن اچھا نہیں لگتا۔''

''وہ کون ہیں، جو صرف رنگ دیکھتے ہیں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''تیرے پاس کیا نہیں ہے جو دنیا کی کسی دوسری عورت کے پاس ہو سکتا ہے؟''

''تُو سچ کہہ رہا ہے رے!'' وہ خوش ہو گئی تھی۔ عورت کے معاملے میں خوشامد کا تیر کبھی خالی نہیں جاتا۔

''ہاں، کیا تُو آئینہ نہیں دیکھتی، یہ نقوش، یہ بال اور یہ جسم، یہ تو کسی بھی مرد کا خواب ہو سکتے ہیں اور جہاں تک رنگ کا تعلق ہے، تو سچی بات ہے اگر تُو گوری ہوتی تو اتنی خوبصورت نہ لگتی جتنی کہ اب لگتی ہے۔''

وہ خوش ہو کر میرے پاس آ گئی اور اپنی مہربانیاں نچھاور کرنے لگی۔ کم سے کم اس کا یہی خیال تھا، میں دل پر جبر کر کے برداشت کرتا رہا۔ شاید قارئین کو یہ بات عجیب سی لگے کہ میں ایک حسین لڑکی کو جبر سے برداشت کر رہا تھا لیکن یہ حقیقت ہے، ان باپ بیٹی کا یہ روپ دیکھنے کے بعد مجھے اوشا سے گھن آنے لگی تھی جیسے کسی کو پتا چل جائے کہ سونے کے اس برتن میں کبھی رفع حاجت کی گئی تھی تو وہ صاف ستھرا ہونے کے باوجود اس میں کھانا کھانے کو تیار نہیں ہوگا۔ ''اوشا، کاش میں مفلوج نہ ہوتا۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''تُو ٹھیک ہو جائے گا رے۔''

''کب؟'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''اب مجھ میں انتظار کی تاب نہیں ہے۔''

وہ مسکرائی۔ ''فکر نہ کر، جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ باپو کا کچھ کام ہے، وہ ہو جائے۔'' وہ روانی میں کہہ گئی تھی۔ چالاک بنتی تھی اور عورت بننے کی کوشش کرتی تھی لیکن تھی تو سترہ برس کی نادان لڑکی۔ وہ نادانی میں تصدیق کر گئی تھی کہ اس کا باپ مجھے اپنے کسی تجربے کا نشانہ بنا رہا تھا۔

''میں تجھے بانہوں میں لینا چاہتا ہوں۔'' میں نے حسرت سے کہا۔

وہ میرے اوپر لیٹ گئی۔ ''لے آ گئی، میں تیری بانہوں میں۔''

''ایسے نہیں۔'' میں نے کہا اور ایک بار پھر خود پر جبر کر کے کھلے الفاظ میں بتایا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں اس نادان لڑکی کے جذبات کو پوری طرح استعمال کرنا چاہتا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق وہ میرے الفاظ کی گرمی سے پگھلنے لگی۔ بے تاب موجوں کی طرح میرے سینے کے ساحل سے ٹکرانے لگی تھی۔

''آرام سے میری جان!'' میں نے اب اسے پُرسکون کرنا شروع کیا۔ ''یہ بتا کہ تُو اس ویرانے میں پڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی جوانی کیوں ضائع کر رہی ہے؟"

"اِدھر میرا باپو جو ہے۔"

"باپو اتنا کماتا ہے، تجھے کسی آبادی میں لے جا کر رکھ سکتا ہے، پھر اس ویرانے میں کیوں پڑا ہے؟ کیا اسے تجھ سے پیار نہیں ہے؟"

"باپو مجھ سے پیار کرتا ہے۔" اس نے دفاعی انداز میں کہا۔

"اگر وہ تجھ سے پیار کرتا تو تجھے اتنے برے حال میں اس ویرانے میں نہ رکھتا۔ تجھے اچھا گھر دیتا، اچھا لباس اور اچھی خوراک دیتا۔ یہاں اس جنگل میں تم کیا کھا رہی ہو، سبزیاں اور سانپ کا گوشت، یہ معمولی سا کپڑا پہن رہی ہو۔ تم تو اس قابل ہو کہ اچھا کھاؤ اور سب سے اچھا لباس پہنو۔"

میں نے اس کے ذہن میں باپ کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا تھا اور مجھے امید تھی، جلد یہ بیج تناور درخت بن جائے گا۔ میں نے اسے اکسانے کا سلسلہ جاری رکھا اور سرد آہ بھر کر بولا۔ "اوشا، تیرا یہ روپ اور تیری یہ جوانی یہیں جنگل میں مٹی میں مل جائے گی۔ ذرا دیکھ تیرے ہاتھ اور پیروں کی نرمی خراب ہو رہی ہے۔ ابھی تو تیری جوانی کی عمر ہے، چند سال بعد یہ جنگل تجھے کھانا شروع کر دے گا۔"

اس نے بے ساختہ اپنے ہاتھ پاؤں چیک کئے اور پھر درشتی سے بولی۔ "بک بک نہ کر۔ کچھ نہیں ہوا ہے مجھے اور نہ ہوگا۔" وہ اپنی جگہ جا کر لیٹ گئی۔

"جیسے تیرے باپو کو کچھ نہیں ہوا ہے۔" میں نے طنزاً ہنس کر کہا۔

اس نے کروٹ لی اور کچھ دیر میں سو گئی۔ اس کے مدھم خراٹے سنائی دینے لگے تھے۔ میں غور کرنے لگا۔ اس بار میں عجیب طریقے سے پھنسا تھا۔ ایسے تو کبھی مجھے مرشد علی، ڈیوڈ شا اور فتح خان نے بھی گرفتار نہیں کیا تھا جیسا کہ اس جاہل سپیرے نے کیا تھا۔ میں ہاتھ پاؤں آزاد ہوتے ہوئے بھی ان کا قیدی تھا اور اپنی مرضی سے اپنی ایک انگلی بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس خبیث شخص نے مجھے علاج کے نام پر نہ جانے کیا چیزیں کھلائی تھیں جن سے میرا جسم مفلوج ہو گیا تھا۔ اوشا بے خیالی میں اعتراف کر گئی تھی کہ ابھی سندھو کے کام کی تکمیل میں دو تین دن باقی تھے۔ اس کے بعد ہی میرا فالج ختم ہو سکتا تھا۔ وہ کام کیا تھا، خاصی مغز ماری کے بعد بھی میں سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔

میں نے بہتر سمجھا کہ سندھو کا مقصد جاننے کے بجائے اس پر توجہ مرکوز کروں کہ میں ان سے کیسے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا۔ ایک بات تو طے تھی، سندھو مجھے جو سبز سوپ پلا رہا تھا وہی میری اس حالت کا ذمے دار تھا۔ لہٰذا میں نے اب وہ سوپ کسی صورت نہیں پینا تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ میں قطعی بے بس تھا۔ اگر میں انکار کرتا تو وہ سوپ زبردستی بھی پلا سکتا تھا اس لئے مجھے کوئی ایسا ڈراما کرنا تھا کہ وہ مجھے سوپ پلانے سے باز رہے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے دن میں کتنی بار سوپ پلایا جاتا تھا۔ اگر اس نے صبح بھی مجھے پلانے کی کوشش کی تو میں کیا کروں گا۔ غور و فکر کرتے کرتے نہ جانے کب مجھے نیند آ گئی۔ اب کے میری آنکھ کھلی تو باہر اجالا پھیلا ہوا تھا اور اوشا غائب تھی۔ باہر برتنوں کے کھٹکنے کی آواز بتا رہی تھی کہ کھانا بننے کا عمل جاری تھا۔ میرے لئے جو سوپ آیا تھا وہ پکا ہوا نہیں بلکہ کوٹھڑی میں پیس کر تیار کیا گیا تھا۔ مجھے یاد آیا جب سندھو سوپ لے کر آیا تھا تو اس سے پہلے باہر کوٹھڑی میں گھوٹنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلانے کی آواز آ رہی تھی اور فی الحال ایسی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اوشا نے اندر جھانکا اور میری کھلی آنکھیں دیکھ کر جیسے اڑتی ہوئی آئی تھی۔ اس کی بے تابی کا انداز اتنا خوف ناک تھا کہ میں بوکھلا گیا اور مجھے گزشتہ رات کا تجربہ یاد آنے لگا۔ "یہ کیا کر رہی ہو، ابھی سندھو آ جائے گا۔"

"باپو صبح سویرے چلا جاتا ہے، اب وہ دوپہر کو آئے گا۔" اس نے ہانپتی سانسوں کے ساتھ کہا۔ "تُو نے مجھ پر جادو کر دیا ہے رے۔"

"بدبختی ہے میری۔" میں نے دل میں کہا اور اس سے پوچھا۔ "کیا مجھے جڑی بوٹیوں والا سوپ نہیں ملے گا؟"

"سوپ!" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ جو تیرا باپو مجھے کل شام پلا رہا تھا۔"

"اچھا ..... وہ شام کو ملے گا۔" اس نے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ پھر اپنا کام شروع کرتی، میں نے جلدی سے پوچھا۔ "بس مجھے پورے دن رات میں صرف یہی کھانے اور پینے کو دیا جاتا ہے؟"

"تُو میرے باپو کو نہیں جانتا۔" اس کے لہجے میں فخر تھا۔ "وہ جڑی بوٹیوں کا ماہر ہے۔ تجھے جو چیز بنا کر کھلاتا ہے، اس سے تجھے پورے دن اور رات بھوک پیاس نہیں لگتی۔ سچی بتا، تجھے لگتی ہے؟"

"نہیں۔" میں نے اعتراف کیا اور پھر جھجکتے ہوئے اس سے رفع حاجت کے بارے میں پوچھا۔

"جب تک تو باپو کا یہ کھانا کھائے گا، تجھے اس کا چکر بھی نہیں ہوگا۔" اس نے اطمینان سے کہا لیکن مجھے تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ فطری کام میں رکاوٹ کسی طور درست کام نہیں ہے اور میں نے چار دن سے رفع حاجت نہیں کی تھی۔ اس بدبخت سندھو کا مقصد پورا ہو جاتا مگر میرے گردوں اور آنتوں پر اس کے کیا اثرات پڑتے، یہ کہنا دشوار تھا۔

"مم ..... میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔" میں نے اچانک کہا۔ شاید اسے خود سے دور رکھنے کے لئے مجھے یہی بہانہ سوجھا تھا مگر اس سے مجھے بعد میں ایک آئیڈیا آیا۔ وہ گھبرا کر مجھ سے دور ہوئی۔

"کیا زیادہ درد ہو رہا ہے؟"

"پتا نہیں، پیٹ میں اچانک ٹیس سی اٹھی ہے اور بڑھ رہی ہے۔" میں نے دردناک لہجے میں کہا اور کوشش کی کہ چہرے کے تاثرات لہجے سے ہم آہنگ نظر آئیں۔

"باپو بھی نہیں ہے۔" اس نے پریشانی سے کہا۔ "تجھے پانی لا کر دوں؟"

"ہاں، پانی پلا!" میں نے کراہنا شروع کر دیا۔ پانی سے مجھے خیال آیا۔ جڑی بوٹیوں والے سوپ میں کوئی ایسی شے شامل تھی جس نے میری پیاس ختم کر دی تھی ورنہ یہ تو ممکن تھا کہ انسان بھوک نہ محسوس کرے مگر پیاس تو لازمی لگتی تھی۔ جسم کو پانی پوری مقدار میں درکار ہوتا ہے اور جسم کے کل پانی میں صرف دس فی صد کی کمی ہو جائے تو انسان کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اوشا بڑے سے مٹی کے کٹورے میں پانی لائی۔ "باپو نے تجھے پانی دینے سے منع کیا ہے، پر ....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے پیٹ میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' میں نے دل میں باپو کو ایک نا قابلِ بیان لقب سے نواز کر کہا۔ ''باپو کو مت بتانا کہ مجھے پانی دیا تھا۔''

میں نے غٹاغٹ پانی پیا اور فی الحال اخراج کے مسئلے کو بھی ذہن سے نکال دیا۔ پتلون میری جان سے ہلکا نہیں تھی۔ اس کے بعد میں آنکھیں بند کر کراہتا رہا پھر میں نے ظاہر کیا کہ مجھے ذرا سکون مل رہا ہے۔ ''اب درد کم ہے پر نیند آ رہی ہے۔''

''تم سو جاؤ!'' اس نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو مجھے ذرا تعجب ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر جانے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ اس کے انداز میں شروع میں کچھ ایسی ہی بے تابی تھی مگر میرے درد نے اس کے گرم جذبات کو دیکھتے ہی دیکھتے سرد کر دیا تھا اور وہ میرے لئے کسی محبت کرنے والی عورت کی طرح پریشان ہو رہی تھی۔ میں نے اطمینان کا سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ میرے پاس بیٹھی رہی تھی، کبھی میرے ماتھے پر ہاتھ پھیرتی تھی اور کبھی پیٹ سہلاتی تھی۔ میں چاہتا تھا وہ چلی جائے تا کہ میں سکون سے اپنا جسمانی تجزیہ کر سکوں لیکن یہ بات میں اس سے کہنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ میری طرف مائل ہو رہی تھی اور اپنے باپ کے حکم کی کھلی خلاف ورزی کر رہی تھی۔ میں اسے خود برگشتہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آخر میں نے گہری نیند میں ہونے کا تاثر دیا تو وہ اٹھ کر چلی گئی۔ میں نے اپنی جسمانی حالت پر غور کرنا شروع کیا۔ پیٹ بھر کر پانی پینے کے بعد میرے پیٹ کے نچلے حصے میں کچھ اینٹھن ہو رہی تھی لیکن اسے ناگوار نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہ اینٹھن غالباً اس لئے تھی کہ کئی دن بعد میرے معدے میں پانی گیا تھا۔ میں نے ہاتھ اور پاؤں ہلانے کی کوشش کی۔ ذہن کو جسم پر مرکوز کیا اور بار بار ذہن میں دہراتا رہا۔ ''میں اپنے جسم کو ہلا سکتا ہوں، مجھے اپنے جسم پر قابو ہے۔''

یہ ذہنی مشق خاصی دیر جاری رہی حتیٰ کہ میں تھک گیا۔ اگرچہ میرے جسم کے کسی حصے نے حرکت نہیں کی تھی لیکن میں مایوس نہیں تھا۔ ذرا دیر سستانے کے بعد میں نے پھر سے یہ مشق شروع کر دی۔ تیسری بار میں نے اپنے سیدھے ہاتھ نے ذرا سی حرکت کی۔ میرا دل بے ساختہ دھڑکا۔ یہ سچ مچ کی حرکت تھی یا میرے ذہن نے ایسا خیالی طور پر محسوس کیا تھا۔ میں نے پھر کوشش کی۔ اس بار ہاتھ نے واضح طور پر حرکت کی، اس کی حرکت میں نے اپنے پاؤں پر محسوس کی تھی۔ یک دم ہی میرا حوصلہ جیسے دوگنا ہو گیا تھا۔ میں نے حرکت کو بڑھانے کی کوشش جاری رکھی۔ حتیٰ کہ میں اس ہاتھ سے گرفت کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ میں اپنی پتلون کو پکڑ سکتا تھا۔ شاید یہ پانی کی وجہ سے تھا جو میں ٹھیک ہو رہا تھا۔ اس کے بعد میں نے پیروں کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کوشش میں کتنی دیر گزر گئی۔ اچانک باہر سے سندھو کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ اوشا سے میرے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اوشا نے اسے بتایا۔ ''اس کے پیٹ میں درد ہو رہا تھا، پر اب آرام سے سو رہا ہے۔''

''درد!'' سندھو کے لہجے میں تشویش تھی۔ ''کیسا درد؟''

''پتا نہیں باپو! بس اچانک ہوا۔ چہرے سے لگ رہا تھا کہ بہت ہو رہا ہے۔''

''تو نے اسے پانی تو نہیں دیا تھا؟''

''نہیں باپو! پر اس نے مانگا بھی نہیں، اسے پیاس نہیں لگ رہی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پانی دینا بھی مت ورنہ سب ختم ہو جائے گا۔'' وہ بولا اور اندر آیا، اس نے پردہ ہٹایا اور میں نے جلد سے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے آتے ہی میرا پیٹ ٹٹولا۔ میں نے عضلات سخت کر لئے تھے۔ پھر وہ باہر چلا گیا ''تو نے اسے پانی تو نہیں دیا اوشا، سچ بتا۔''

''نہیں باپو! تیری سوگند!'' وہ صاف مکر گئی۔

''مجھے لگ رہا ہے اس نے پانی پیا ہے۔ میری ساری تپسیا بھنگ ہو جائے گی۔''

''باپو..... وہ بے چارہ تو اپنی انگلی نہیں ہلا سکتا۔'' اوشا کی شوخ آواز آئی۔ پانی کیسے پیئے گا۔ ادھر سے کو جانور تو آ کر دینے سے رہا۔''

''اچھا، میں کھانا کھا کر پھر جاؤں گا۔ آج پوری بوٹیاں نہیں ملی ہیں۔ بس دو دن کی بات ہے اور پھر م کام سنبھل جائے گا۔''

سندھو ایک گھنٹے بعد چلا گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی اوشا تیزی سے اندر آئی۔ میں تیار تھا۔ میں نے کر ناک صورت بنائی اور اسے دیکھتے ہی کہا۔ ''پھر سے درد ہو رہا ہے۔''

''میں کیا کروں تیرے لئے رے!'' اس نے پریشان ہو کر مجھے دیکھا۔

''پانی..... پانی پلا دے۔''

''ابھی تو اتنا پانی پلایا تھا۔'' اس نے مزاحمت کی شاید اسے باپ کے حکم کا خیال آ رہا تھا۔

میں نے کراہ کر کہا۔ ''میں مر جاؤں گا۔ ایسا لگ رہا ہے میرے پیٹ میں کوئی چیز ہے جو اندر سے کھ رہی ہے، خدا کے لئے پانی دو۔''

اوشا تیار نہیں تھی مگر میری اداکاری دیکھ کر قائل ہو گئی۔ اس نے پھر مجھے مٹی کے کٹورے میں پانی بھر پلایا۔ جب اس نے پہلی بار پانی پلایا تھا تو مجھے ہلکی سی سردی لگنے لگی تھی۔ دوسری بار پانی پینے پر سردی لگنے احساس بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے ناف پر دباؤ محسوس ہونے لگا۔ انگریزی میں اسے کال آف نیچر ہم فطرت کی پکار کہتے ہیں۔ میں نے جھجکتے ہوئے اوشا سے کہہ دیا کہ میں کیا محسوس کر رہا تھا، وہ بھی جھینپ گئی ا اس نے کہا۔ ''ذرا رک، میں کچھ کرتی ہوں۔''

وہ باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک برتن تھا۔ اس کے بعد کا مرحلہ ہم دونوں کے لا خاصا دشوار ثابت ہوا تھا۔ بہرحال جیسے تیسے اس مرحلے سے بھی گزر گئے۔ اس کے جانے کے بعد میں نے خاص سکون محسوس کیا تھا۔ پیٹ پر دباؤ کم ہوا تھا اور میں نے پھر سے جسم کو حرکت دینے کی سعی شروع کر دی۔ میں نے محسوس کیا کہ پانی پینے اور پھر اسے خارج کرنے کے بعد سے میری بے حسی کم ہوئی تھی اور اس وقت میری ٹانگ کی انتہا نہ رہی جب میں نے اپنا پاؤں ہلانے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ میرا جوش اور حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ اگلے گھنٹے تک میں یہی کام کرتا رہا۔ جب اوشا آتی تو سوتا بن جاتا یا کراہنا شروع کر دیتا تھا۔ اسے مجبور کر کے میں نے ایک بار پھر پانی پیا۔ البتہ مقدار کم رکھی تھی کہ اخراج کا مسئلہ نہ ہو۔ سندھو آنے والا تھا اور میں کسی صورت اسے چاہتا تھا کہ اسے اصل بات کا پتا چلے۔ دوسرا فیصلہ میں نے یہ کیا کہ کسی صورت اس کا بنایا ہوا سوپ حلق سے اتاروں گا۔ سندھو شام کے قریب آیا تھا۔ اس وقت تک مجھے اچھی خاصی سردی لگنے لگی تھی اور مجھے لگ رہا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ یہ سردی کا اثر تھا۔ سندھو نے اندر آ کر چراغ جلایا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے کراہنا شروع کر دیا۔ ''میرے پیٹ میں تکلیف ہو رہی ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''تو ابھی بوٹیوں والا بھوجن کرے گا تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا مہاراج!'' اس نے عیاری سے کہا۔

''نہیں، میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔'' میں نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

''اس سے تیرے پیٹ کا درد ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ابھی تیار کر کے لاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور باہر چلا گیا۔ اب میں نے بلند آواز سے کراہنا شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ہی میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے ہاتھ پیروں میں جان آ رہی ہے۔ گزشتہ شام کھائی بوٹیوں کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ اگر میں کسی طرح سے اس خبیث کو روک دیتا تو شاید صبح تک میرے جسم میں اتنی جان آ جاتی کہ میں خالی ہاتھوں بھی اس سے نمٹ سکتا تھا۔ باہر کونڈی اور گھونٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے کوشش کر کے بائیں ہاتھ کو بھی حرکت دینا شروع کر دی تھی۔ جیسے ہی گھٹنے کی آواز بند ہوئی، میں نے اس طرح چلانا شروع کر دیا ہے جیسے کوئی مجھے کند چھری سے ذبح کر رہا ہو۔ سندھو اور اوشا لپک کر اندر آئے۔ ''تجھے کیا ہوا ہے رے!'' اوشا نے بے قراری سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''میں مر رہا ہوں..... میرے پیٹ میں کچھ ہو گیا ہے۔''

میری اداکاری اتنی مکمل ضرور تھی کہ اوشا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، مگر اس کا باپ ایک نمبر کا گھاگ اور مکار تھا۔ اس نے میری نبض دیکھی پھر پیٹ پر کان لگا کر سنا۔ ''یہ ٹھیک ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔''

میں نے اس طرح ہچکی لی جیسے یہ میری آخری ہچکی ہو۔ اوشا نے برہم ہو کر باپ سے کہا۔ ''اسے اتنی تکلیف ہو رہی ہے اور تو کہہ رہا ہے یہ ٹھیک ہے۔''

''اس کی نبض اور پیٹ ٹھیک ہے۔'' سندھو نے پریشانی سے کہا۔

''تو کیا یہ ناٹک کر رہا ہے؟ اسے کیا ضرورت ہے ایسا کرنے کی؟''

''تو نہیں سمجھے گی جا کر پیالہ بنا کر لا۔'' سندھو نے جھنجلا کر کہا۔ ''ابھی پیئے گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میں نہیں پیوں گا۔'' میں نے نیم بے ہوشی کے سے انداز میں کہا۔ ''میں مر جاؤں گا۔''

''باپو یہ.....'' اوشا نے کہنا شروع کیا۔

''دفع ہو جا حرامجادی!'' سندھو چلایا۔ ''جو کہا ہے وہ کر۔''

اوشا کچھ دیر اسے گھورتی رہی تھی پھر ایک جھٹکے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی سندھو نے مجھ پر جھک کر آہستہ سے کہا۔ ''مہاراج! ناٹک مت کرو، تمہیں کچھ نہیں ہوا ہے۔''

''میں مر..... رہا ہوں۔'' میں نے ڈوبتے لہجے میں کہا اور دانستہ سختی سے دانت بھینچتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

''اوئے..... مہاراج! ہوش کر کیا ہوا ہے تجھے..... ارے جندہ بھی ہے یا مر گیا؟''

اوشا پیالہ لے کر اندر آ رہی تھی، اس نے باپ کی بات سنی تو چیخ ماری۔ ''ارے مر گیا.....'' اس کے ہاتھ سے پیالہ گر گیا۔

''حرامجادی!'' سندھو دہاڑا۔ ''یہ کیا، کیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باپو..... یہ مر گیا ہے؟" اوشا لرزتی آواز میں بولی۔

"نہیں مرا ہے تیرا خصم۔ تُو نے پیالہ برباد کر دیا۔ اتنی مشکل سے بُوٹیاں ملی تھیں۔" اس نے اوشا کو تھپڑ مارا۔ اوشا نیچے گری تھی مگر اس نے تھپڑ کا ذرا بھی اثر نہیں لیا، اس کے بجائے خوش ہو کر بولی۔

"جیتا ہے..... ہے بھگوان!" اس نے تشکر آمیز انداز میں کہا۔ "میں تو ڈر گئی تھی۔"

"جندہ ہے..... حرامجادہ!" سندھو نے اوشا کو دوسرا تھپڑ رسید کیا اور پاؤں پٹختا جھونپڑی سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اوشا لپک کر میرے پاس آئی تھی۔

"تُو ٹھیک ہے رے؟"

میں نے آنکھیں کھولنے سے گریز کیا۔ باپ سے بمشکل جان چھوٹی تھی۔ اب میں اسے سر پر سوار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ دیر اپنی بے قراریوں کا اظہار کرتی رہی تھی، پھر باپ سے لڑنے چلی گئی کیونکہ چند لمحے بعد دونوں کی اونچی آواز سے بولنے کی آوازیں آئی تھیں پھر اوشا رونے لگی شاید اس بار سندھو نے اسے زیادہ ہی مارا تھا۔ وہ اندر آیا اور میرے پاس آ کر کسی ناگ کی طرح پھنکارا۔ "کر لے مکاری..... پر یہ جیادہ دیر نہیں چلے گی۔"

اسے شبہ تھا کہ میں مکر کر رہا ہوں کیونکہ میری نبض درست تھی اور پیٹ بھی ٹھیک تھا۔ وہ پرانا پاپی تھا۔ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ وہ دو باتوں سے مجبور ہو گیا تھا، ایک تو اپنی اکلوتی بیٹی کے ہاتھوں اور دوسرے پیالے کے ضائع ہونے کی وجہ سے۔ اب اس کے پاس اتنی بوٹیاں نہیں تھیں کہ پھر سے میرے لئے ہرا سوپ تیار کر سکتا مگر مجھے خدشہ تھا کہ وہ کوئی اور بھی چکر چلا سکتا تھا، مجھے مفلوج رکھنے کے لئے وہ کوئی اور حربہ استعمال کر سکتا تھا۔ میرا یہ اندیشہ بعد میں درست ثابت ہوا۔ فی الحال میں بالکل ساکت تھا کیونکہ مجھے اندیشہ تھا، سندھو چھپ کر میری نگرانی نہ کر رہا ہو تاکہ مجھے حرکت کرتے دیکھ کر رنگے ہاتھوں پکڑ لے۔

رات ہوتے ہی سردی کی شدت میں اچانک اضافہ ہوا تھا اور میں خاصی ٹھنڈک محسوس کر رہا تھا اور اصل میں جڑی بوٹیوں کی طاری کی ہوئی بے حسی ختم ہو رہی تھی ورنہ سردی تو پہلے بھی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اوشا نے غلط کہا تھا کہ مجھے سانپ کا گوشت کھلایا گیا تھا جس کے اثر سے میں سردی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اطمینان محسوس کیا تھا ورنہ جب سے سانپ کا گوشت کھانے کا سنا تھا، اندر سے عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ میں سردی برداشت کرتے ہوئے خود کو کانپنے سے روک رہا تھا ورنہ یہ کپکپی بھی ہانڈا پھوڑ سکتی تھی۔ اوشا حسب معمول سونے کے لئے اندر آئی۔ اب میں نے دانت وغیرہ ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے اور ہلکے ہلکے منہ اور آنکھیں ہلا رہا تھا۔ جیسے ہوش میں آنے والا ہوں۔ اوشا قریب آئی اور آہستہ سے پکارا۔ "اے..... تُو ہوش میں ہے؟"

میں نے اب تک ان باپ بیٹی کو اپنا نام نہیں بتایا تھا اور نہ ہی انہوں نے پوچھا تھا۔ دونوں باپ بیٹی مجھے اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔ ان کو میرے نام سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں نے اوشا کی آواز پر ہولے ہولے کراہنا شروع کر دیا اور پھر نیم غشی کے عالم میں بولا۔ "پانی..... پانی!"

"پانی!" اوشا کا دم خشک ہو گیا تھا۔ "باہر باپو ہے رے!"

"پانی..... پانی!" میں نے سبق کو دہرایا۔

"تو مروائے گا رے! ابھی باپو نے اتنا مارا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری بلا سے باپو اسے پرلوک روانہ کر دیتا۔ مجھے اپنا مطلب نکالنا تھا لہٰذا میں نے ہوش میں آئے بغیر نہایت دردناک طریقے سے کراہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ کالی حسینہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میرے لئے پانی لانے کے لئے چلی گئی۔ اس کا احساس مجھے اس کے جانے کے بعد ہوا، میں نے جلد بازی کی تھی۔ سندھو جاگ رہا تھا، اس جیسے شاطر آدمی کو دھوکا دینا مشکل تھا خاص طور سے جب دھوکا خود اس کی بیٹی دے رہی ہو۔ یہی کام میں اسے اس وقت کہتا جب سندھو سو چکا ہوتا تو مسئلہ نہیں بنتا۔ وہ پندرہ بیس منٹ بعد کٹورے سمیت نمودار ہوئی تھی۔ ابھی اس نے کٹورہ میرے لبوں سے لگایا تھا کہ غصے سے پھنکارتا سندھو اندر آیا۔ اس نے ایک ہاتھ کٹورے پر مارا، اس کا سارا پانی مجھ پر اور کھاٹ پر پھیل گیا اور کٹورا اُڑ کر دیوار سے جا لگا۔ دوسرا ہاتھ اس نے اوشا کو مارا۔ ''حرامجادی! مجھے پہلے ہی شک تھا تُو اسے پانی دے رہی ہے۔''

''باپو..... بس ابھی دیا ہے۔'' اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ ''تیری سوگند!''

''چپ..... حرام جادی!'' اس نے اوشا کو اپنا سوکھا اور سخت ہاتھ اتنی پھرتی سے مارا کہ وہ بچنے میں ناکام رہی۔ پھر وہ باہر گیا تھا، میں نے اوشا سے کہا۔

''بھاگ جا..... ورنہ ابھی تیری شامت آئے گی۔''

''بھاگ کر کہاں جاؤں گی؟'' اس نے افسردگی سے کہا۔

''کہیں بھی جا، جا کر جھاڑیوں، درختوں میں چھپ جا۔''

''مجھے ڈر لگے ہے۔'' اس نے انکار کیا اور میری کوشش کے باوجود اس پر قائم رہی۔ سندھو کو ایک چھڑی کے ساتھ اندر آتے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس کی خیر نہیں تھی۔

''سندھو! اس کا قصور نہیں ہے، میں نے مجبور کیا تھا اسے۔''

''تُو چپ کر!'' اس نے شرر بار لہجے میں کہا اور گھما کر اوشا کو چھڑی ماری۔ وہ چیخ مار کر زمین پر گری اور گول مول ہو کر چہرہ اور بازو چھپا لئے۔ سندھو نے چھڑی اس کی پشت پر برسانی شروع کر دی۔ ہر وار پر وہ کرب سے بل کھاتی تھی۔ اس کی چیخ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ میں برداشت نہیں کر سکا اور میں نے چلا کر کہا۔

''سندھو، یہ تیری بیٹی ہے۔''

''پر تجھے زیادہ دکھ لگ رہا ہے۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا اور پھر سے اوشا پر وار کرنے لگا۔

عقب سے اوشا کی پشت برہنہ تھی، اس پر چھڑی کے وار سے نشان بن گئے تھے۔ سندھو نے اسے اتنی بار مارا کہ پوری پشت پر لکیروں کا جال بن گیا تھا۔ میں چیخ رہا تھا، اسے گالیاں اور دھمکیاں دے رہا تھا۔ مگر وہ رکا نہیں، اس کا ہاتھ اس وقت رکا جب اوشا بے سدھ ہو گئی اور اس کا جسم زمین پر بکھر گیا۔

''تم نے مار دیا اسے!'' میں نے کہا، اسی لمحے میرے اندر تحریک سی ہوئی اور میں اٹھ بیٹھا تھا۔ سندھو بری طرح چونکا، پھر تیزی سے لپک کر اس نے مجھے دھکا دے کر لٹا دیا۔ میں حوصلہ کر کے اٹھ بیٹھا تھا لیکن مجھ میں اتنی طاقت نہیں تھی اس لئے میں بہ آسانی دوبارہ کھاٹ پر دراز ہو گیا۔

''یہ سارا اس کا قصور ہے۔ اس نے تجھے پانی دیا تھا تب ہی تُو حرکت کر رہا ہے۔''

''خبیث..... کتے..... تُو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو گا۔'' میں نے مزاحمت کی۔ میں نے محسوس کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ غصہ کرنے سے میرے اندر طاقت آ رہی تھی۔ یہ بات غالباً وہ بھی سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے کہیں سے ایک عدد رسی برآمد کی اور مجھے کھاٹ کے ساتھ باندھنے لگا۔ میں مزاحمت کے قابل نہیں تھا اس لئے بے بسی سے بندھتا رہا، میری ذرا سی حماقت نے صورتِ حال کو مکمل طور پر میرے خلاف کر دیا تھا۔ سندھو جان گیا تھا کہ میں اس کی چال سے واقف ہو گیا ہوں۔

''من تو کرتا ہے تجھے شیش ناگ سے ڈسوا دوں۔'' اس نے دانت پیسے اور ایک پٹاری اٹھا کر دکھائی۔ حرکت سے اس میں موجود سانپ نے پھنکار ماری تھی۔ ''پر ابھی نہیں، ابھی مجھے تیرا اور خون چاہئے۔''

میرا خون خشک ہو گیا تھا۔ ''میرا خون..... وہ کیوں؟''

''میں اس سے دوا بناؤں گا۔ سارے سانپوں کے زہر کا توڑ۔ اسے لوگ منہ مانگے دام پر خریدتے ہیں، ایک ایک رتی کا ہزار روپیا دیتے ہیں۔''

''اس کے لئے تم میرا خون نکال رہے ہو؟'' میں چلایا۔ ''حرام زادے!''

''توڑ تیرے خون سے بنتا ہے۔ رک جا، میں تجھے دکھاتا ہوں۔ کل تیرا پیالہ بھر خون لیا تھا اس سے تین چار رتی نکلا ہے۔'' وہ جھونپڑی کے ایک گوشے کی طرف بڑھا۔ میں جانتا تھا کہ سانپ کے زہر کا تریاق اصل میں خون سے بنتا ہے۔ سانپ کا زہر ہلکا کر کے گھوڑے کو انجیکٹ کرتے ہیں۔ گھوڑے میں زہر برداشت کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔ چند مہینے بعد گھوڑے کا خون نکال کر اسے مخصوص طریقے سے جمایا جاتا ہے جس سے ایک زرد رنگ کا مادہ نکلتا ہے اور یہی تریاق ہوتا ہے۔ ممکن ہے اب تریاق لیبارٹریز میں جدید طریقے سے بنائے جا رہے ہوں۔ یہ غبیث سپیرا گھوڑے کی جگہ مجھے استعمال کر رہا تھا۔ میرے خون سے بننے والا تریاق بقول اس کے ہر سانپ کے کاٹے کا توڑ ہو گا۔ وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی جس میں زردی مائل سیال تیر رہا تھا۔

''یہ چار پانچ ہزار کا ہے۔ امیر زمیندار شوق سے لیتے ہیں۔ ان کو یا ان کے کسی رشتے دار کو سانپ کاٹے تو یہ توڑ اس کی جان بچا لیتا ہے۔''

''ابھی تم میرے جسم سے اور خون لو گے؟'' میں نے پوچھا۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ ''مجھ سے پہلے بھی تم نے اور لوگوں سے یہ سلوک کیا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''دو بندے میں لایا تھا۔ ان کو سانپ سے ڈسوایا مگر وہ تین چار بار ہی خون دے سکے تھے، تُو جاندار ہے، زیادہ بار خون دے سکے گا۔

''ان دونوں کا کیا ہوا؟''

''تیرا کیا خیال ہے؟'' وہ مسکرایا۔

''تم نے ان کا خون نچوڑ کر ان کو مار دیا؟''

وہ کائیاں آدمی تھا صرف مسکراتا رہا۔ اس نے زبان سے اقرار نہیں کیا البتہ یہ واضح تھا، وہ اس وقت تک میرے جسم سے خون نکالنے کا سلسلہ جاری رکھے گا جب تک جسم سے میری جان نہیں نکل جاتی۔ پہلے وہ مجھے دوا کی مدد سے مفلوج رکھے ہوئے تھا اور اب جبکہ اس کا بھید کھل گیا تھا تو اس نے رسی کی مدد سے مجھے باندھ دیا تھا۔

''اس کے ساتھ کیا کرو گے؟'' میں نے آنکھوں سے اوشا کی طرف اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کی فکر مت کر، یہ مرے گی نہیں۔ ابھی مرہم لگا دوں گا تو صبح تک ٹھیک ہو جائے گی۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ اس نے تریاق والی شیشی واپس رکھ دی تھی اور ایک جھولے سے اس نے شیشے کا مرتبان نکالا جس میں کوئی سیاہ چمک دار شے بھری ہوئی تھی۔ اس نے اوشا کو چٹائی پر اوندھے منہ لٹا دیا اور مرتبان سے یہ سیاہ شے نکال کر اس کی پشت پر ملنے لگا۔ پھر اس نے مرتبان واپس جھولے میں رکھا اور باہر چلا گیا۔ اوشا کی پشت کو اس نے یونہی کھلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہت سفاک اور بے رحم قسم کا شخص تھا۔ اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ اس نے جن دو افراد کے جسموں سے خون نکالا تھا ان کو مار کر اس جنگل میں ہی کہیں دفنا دیا ہوگا۔ میں ہاتھ پیروں کو معمولی طور پر ہلا سکتا تھا مگر اس نے رسی سے باندھ کر میری یہ محدود حرکت بھی روک دی تھی۔ اگر میں مکمل طور پر فٹ ہوتا تو تب بھی اس رسی کو نہیں کھول سکتا تھا، توڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پتا نہیں وہ اوشا کے ساتھ کیا کرے گا؟ میرے جسم پر اور کھاٹ پر پانی گرا تھا۔ شروع میں تو مجھے اتنا محسوس نہیں ہوا تھا، میں غصے میں تھا اور ذہنی طور پر مصروف تھا مگر اب سردی اس پانی کی وجہ سے مزاج پوچھ رہی تھی، دوا کا اثر زائل ہونے کی وجہ سے سردی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے باقاعدہ لرزنا شروع کر دیا۔ میں نے چلا کر سندھو کو آواز دی۔

''سندھو! مجھے میرے کپڑے دو، مجھے سردی لگ رہی ہے۔''

وہ اندر آیا۔ ''کچھ سزا تجھے بھی تو ملنا چاہئے، ایسے ہی پڑا رہ۔''

''مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔ صبح تک میں بیمار ہو جاؤں گا اور شاید تم پھر میرے خون سے تریاق حاصل نہ کر سکو۔''

اس کے مکروہ چہرے پر تشویش پھیل گئی تھی۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا، پھر اس نے میری جیکٹ لا کر مجھ پر ڈال دی اور اس کے بعد لوہے کی بنی ایک انگیٹھی لے کر آیا، اس میں لکڑی کا کوئلہ بھرا اور اسے آگ دکھا دی، کوئلے اچھی طرح خشک تھے اور مٹی کا تیل ڈالنے سے فوراً اچھی طرح جل اٹھے تھے، ان سے معمولی سا دھواں اٹھا تھا۔ اس نے انگیٹھی کھاٹ کے بالکل پاس رکھ دی۔

''لگتا ہے تمہیں اپنی اولاد سے زیادہ پیسے سے پیار ہے۔'' میں نے طنز کیا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اپنی لڑکی کو تم نے ایسے ہی ڈال رکھا ہے اور مجھے کیونکہ خون حاصل کرنے کے لئے زندہ رکھنا چاہتے ہو جس سے تم پیسے کماؤ گے اس لئے میرا اتنا خیال رکھ رہے ہو؟''

''اسے کچھ نہیں ہوگا۔ ہم بہت سخت جان ہوتے ہیں، پڑ تو صبح تک بیمار ہو جائے گا۔''

جیکٹ اوڑھنے اور نزدیک انگیٹھی جلنے سے مجھے سکون ملا تھا اور گیلے بستر کی تکلیف کم ہو گئی تھی۔ کم سے کم میں لرز نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔ ساری رات میں پُرسکون نیند سوتا رہا تھا، یہ تعجب کی بات تھی، حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، مجھے نیند ہمیشہ پُرسکون آتی تھی۔ میری آنکھ صبح سویرے کھلی تھی، ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور انگیٹھی کے انگارے سرد پڑ گئے تھے مگر میرا جسم گرم تھا۔ اوشا ایسے ہی اوندھے منہ پڑی تھی۔ میں نے کھاٹ کی رسیوں تلے حرکت کرنے کی کوشش کی مگر سندھو نے مجھے بہت کس کر باندھا تھا۔ میں زیادہ سے زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی انگلیوں کو جنبش دے سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے جسم کی بے حسی خاصی حد تک کم ہوگئی تھی۔ اگر کوئی رسی کھول دیتا تو میں حرکت کر سکتا تھا اور شاید چل پھر بھی سکتا تھا۔ مگر مجھے آزاد کون کرتا۔ میں نے اوشا کی طرف دیکھا۔ اب تک اس کی بے ہوشی ختم ہو جانا چاہئے تھی۔

''اوشا!'' میں نے اسے دبی آواز میں پکارا۔ میری کوشش تھی کہ آواز باہر نہ جانے پائے ورنہ اوشا کے بجائے اس کا باپ آ جاتا۔ میری آواز پر اس نے جسم میں حرکت نہیں ہوئی مگر میں نے ہمت نہیں ہاری، آواز بلند کرنے کے بجائے میں اتنی ہی آواز میں پکارتا رہا۔ مجھے یقین تھا وہ ردِعمل ظاہر کرے گی، اس کا خواب زدہ ذہن میری آوازیں سن رہا تھا اور وہ رفتہ رفتہ اوشا کو ہوش میں لے آتا۔ چند منٹ بعد اس کے جسم میں پہلی حرکت ہوئی۔ اس نے سر ہلایا۔ اب میں زیادہ تواتر سے اسے آوازیں دے رہا تھا۔ آخر اس نے آنکھیں کھولیں اور کراہی۔ ''اوشا اٹھو..... اس سے پہلے کہ سندھو آ جائے۔ وہ مجھے اور تمہیں مار دے گا۔''

اوشا نے اس بار پوری آنکھیں کھول دیں۔ ''مجھے کیا ہوا ہے، رے۔''

''تمہیں سندھو نے مارا تھا، پھر اس نے تمہیں یونہی چھوڑ دیا۔ اوشا وہ مجھے اور تمہیں مار دے گا۔ تم مجھے کھول دو، ہم یہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔''

''کک..... کیسے؟'' اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

''تم مجھے کھول دو۔ میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔'' میں نے اسے ترغیب دی۔ ''شاباش اٹھو، اوشا! یہ وقت نکل گیا تو پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔''

وہ اٹھی اور ڈولتی، ڈگمگاتی میری طرف آنے لگی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ کتنی ہی مضبوط سہی، تھی تو نازک سی لڑکی۔ سندھو نے گزشتہ رات اس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کی جگہ کوئی عام لڑکی ہوتی تو اب تک بے ہوش پڑی ہوتی۔ وہ کھاٹ پر میرے برابر میں بیٹھ کر گہرے سانس لینے لگی۔

''باپو نے مجھے کیوں مارا تھا رے؟'' اس نے پوچھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے رات کے واقعات یاد نہیں تھے۔

''تو نے مجھے پانی پلانا چاہا، تیرے باپو نے منع کیا تھا، اس نے دیکھ لیا۔ تجھے مارا اور میں نے تجھے بچانا چاہا تو مجھے باندھ دیا۔''

''ہاں۔'' اسے یاد آ گیا۔ ''باپو نے مجھے چھڑی سے مارا تھا، باپو کہاں ہے؟''

''باہر ہے۔ صبح ہونے والی ہے، مجھے جلدی کھول دے، ورنہ وہ آ جائے گا۔''

اسی لمحے باہر آہٹ ہوئی۔ میں نے اضطراب سے کہا۔ ''اوشا، جا کر واپس لیٹ جا۔ بے ہوش بن جا۔ وہ آنے والا ہے۔''

اوشا جلدی سے اٹھی اور جا کر چٹائی پر لیٹ گئی۔ اس کے فوراً بعد سندھو اندر آیا۔ میں بھی آنکھیں بند کر کے سوتا بن گیا تھا۔ اس نے مشکوک نظروں سے مجھے اور اوشا کو دیکھا۔ اوشا کو پاؤں سے ہلکی سی ٹھوکر ماری اور میری بندشوں کا معائنہ کیا کہ میں ٹھیک سے بندھا ہوں پھر اس نے اوشا کی پشت کے زخموں کو دیکھا۔ حیرت انگیز طور پر وہ چند گھنٹوں میں مندمل نظر آنے لگے تھے۔ اس کا مرہم جادو اثر ثابت ہوا تھا۔ حکیم قادس کے مرہم کی طرح۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے دوبارہ مرتبان نکال کر اوشا کی پشت پر دوا سرہم لگایا اور باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اوشا اٹھ بیٹھی۔

''ابھی رک جا، باپو جنگل میں جائے گا پھر میں تجھے کھول دوں گی۔'' اس نے کہا لیکن مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ باپو اسے آزاد چھوڑ کر جنگل میں چلا جائے گا۔ اسے معلوم تھا کہ اوشا پہلی فرصت میں مجھے آزاد کرا دے گی۔ وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتا تھا، اوّل تو وہ کہیں جاتا نہیں اور اگر جاتا تو ایسا بندوبست کر کے جاتا کہ اوشا مجھے آزاد نہ کرا سکے۔

''اوشا، تیری تکلیف کیسی ہے؟''

''تھوڑی سی ہے رے۔'' اس نے کہا۔ ''پر سر میں دھواں سا بھر رہا ہے۔''

''تُو آرام کر۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''ابھی تیرا باپو کہیں نہیں جائے گا۔''

''تجھے کیسے پتا؟''

''بس پتا ہے، اب لیٹ جا، آرام کر..... اگر ہمیں یہاں سے بھاگنے کا موقع ملا تو جسم میں جان ہونی چاہئے ورنہ کس طرح بھاگیں گے۔''

''اچھا!'' اس بار وہ بحث کئے بغیر لیٹ گئی۔

باہر سندھو کھڑپڑ کر رہا تھا۔ شاید ناشتا بنا رہا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد گھوٹنے کی آواز آنے لگی تو میرا دم خشک ہو گیا تھا۔ وہ پھر میرے لئے بوٹیوں کا مہلک سوپ تیار کر رہا تھا۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ میں اوشا سے اپنے ہاتھ پاؤں کھلوا لوں ورنہ سندھو زبردستی بھی سوپ میرے حلق میں اتار سکتا تھا۔ میں نے اوشا کو آواز دی۔

''اوشا، اِدھر آؤ۔''

''کیا ہے رے؟'' اس نے نقاہت سے کہا۔ ''مجھ سے نہیں اٹھا جا رہا ہے۔''

''اوشا، تیرا باپ مجھے زہر دینے کے لئے تیار کر رہا ہے، اس سے پہلے وہ آئے، مجھے کھول دے۔''

''تجھے..... وش!'' اس نے حیرت سے کہا۔

''یہ جو میرے لئے دوا بناتا ہے، یہ زہر ہی تو ہے۔ اس کے اثر سے میں مفلوج ہو جاتا ہوں۔''

اوشا نے سر ہلایا اور کوشش کر کے اٹھی۔ اس نے میرے پاس آ کر اپنی کمزور انگلیوں سے رسی کی گرہیں کھولنے کی کوشش کی مگر یہ بے حد مضبوطی سے بندھی تھیں، اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''مجھ سے نہیں کھل رہی۔''

''کوئی چاقو ہے، اس سے کاٹ دے۔ جلدی کر، سندھو آ گیا تو سب ختم ہو جائے گا۔''

سندھو شاید کھلی جگہ گھوٹنا چلا رہا تھا اور دور تھا اس لئے ہم بے خوف و خطر باتیں کر رہے تھے۔ یہ خدشہ نہیں تھا کہ آواز اس تک چلی جائے گی۔ بس یہ خدشہ تھا کہ وہ خود نہ آ جائے۔ اوشا نے سر ہلایا اور کوئی تیز دھار شے تلاش کرنے لگی مگر شاید جھونپڑی میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔

''چھری ہے..... پر باہر ہے۔'' اس نے مجھے آگاہ کیا۔

''میرے کپڑوں میں ایک بڑا سا چاقو تھا وہ کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم..... باپو نے کہیں رکھا ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باہر دیکھ اگر سندھو اس طرف نہیں دیکھ رہا تو جا کر چپکے سے چاقو لے آ۔"

اس وقت اوشا میری ہر بات پر عمل کر رہی تھی یعنی اس نے خود کو میری مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ سندھو کے متعلق اس کے دل میں شاید نفرت بھر چکی تھی۔ اس نے پردہ ہٹا کر باہر جھانکا، پھر بولی۔ "باپو کا منہ جھونپڑی کی طرف ہے۔ میں باہر نکلی تو وہ فوراً دیکھ لے گا۔"

میں نے مایوسی سے چاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف تھیلے لٹکے تھے یا جا بجا پٹاریاں تھیں۔ اچانک میری نظر ایک طرف رکھی ماچس پر گئی۔ "اوشا، اس سے رسی جلا دے۔" میں نے ماچس کی طرف اشارہ کیا۔

"تجھے آگ نہ لگ جائے۔" اس کے انداز میں تشویش تھی۔

"احتیاط سے کام کرنا۔" میں نے اسے حوصلہ دیا۔ سچی بات ہے یہ خدشہ میرے ذہن میں بھی تھا، میں اندر سے بندھا تھا اور اس میں آگ لگ جاتی تو میں بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ جب تک رسی جلتی میں خود بھی جل بھن جاتا۔ مگر آزاد ہونے کے لئے میں ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ اوشا ماچس لے آئی پر وہ بھی ڈر رہی تھی، میں نے اسے سمجھایا۔ "ڈر و مت، یہ دیکھو، بستر اور رسی کے درمیان میں خلا ہے۔ اگر آگ لگ بھی جاتی ہے تو تم میری جیکٹ سے مار کر آگ بجھا دینا۔ ڈرنا مت۔"

اس نے سر ہلایا۔ "مجھے ڈر ہے کہیں یہ بستر تیری چتا نہ بن جائے۔"

اندر سے ڈر جانے کے باوجود میں مسکراتا رہا۔ "کچھ نہیں ہوتا، بس تم گھبرانا مت۔"

اوشا نے کھاٹ پر بیٹھ کر پہلی ماچس کی تیلی جلا دی۔ "جب تیری انگلیاں جلنے لگیں تو تیلی پھینک دینا۔ اس کے بعد دوسری جلا لینا۔"

اس نے بہتر تجویز دی۔ "میں دیا کیوں نہ جلا لوں؟"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

اس نے پہلے ماچس سے دیا جلایا۔ اس کا تیل ختم ہو گیا تھا، کپی سے اس میں سرسوں کا تیل ڈالا۔ سرسوں کے تیل سے آگ لگنے کا خطرہ بھی نہیں ہوتا ہے جیسا کہ مٹی کے تیل سے ہوتا ہے، اس نے احتیاط سے رسی جلانا شروع کی، یہ سخت گھاس سے بنی رسی تھی۔ بالکل خشک تھی اس لئے ذرا سی دیر میں اس نے آگ پکڑ لی اور جلتے ہی اس کے بل بلند آواز سے ٹوٹے۔ میں ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ کیا یہ آواز سندھو تک گئی تھی۔ مگر گھوڑا چلنے کی آواز بدستور آ رہی تھی۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور اوشا سے کہا۔ "باقی بل بھی جلا دو۔"

اس نے دیے سے دو بل اور جلائے اور ان کے ٹوٹتے ہی رسی ڈھیلی ہو گئی تھی۔ اوشا نے دیا رکھ کر جلدی سے رسی میں لگنے والی آگ کو بجھایا۔

"اسے کھول دے۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔

اسی لمحے گھوڑا کوٹنے کی آواز رک گئی۔ اوشا گھبرا گئی۔ "باپو آ رہا ہے۔"

"یہ جیکٹ پھیلا دے۔ رسی کے ٹوٹے بل چھپا دے۔" میں نے اسے ہدایت کی۔ "اور فوراً اپنی جگہ لیٹ جا۔"

اوشا نے ایسا ہی کیا، اس نے جیکٹ یوں پھیلائی کہ رسی کے جل جانے والے بل اس کے نیچے چھپ گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جا کر اپنی جگہ لیٹ گئی تھی۔ میں نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔ سندھو کچھ دیر بعد اندر آیا تھا۔

''مردار، اب تک پڑی ہے، اٹھ اوشا!'' اس نے پاؤں سے اوشا کو ہلایا۔

''باپو! نہیں اٹھا جا رہا ہے۔'' اس نے نقاہت سے کہا۔ ''تُو نے بے دردی سے مارا تھا۔''

''معمولی سی مار تھی تجھے سجا بھی تو دینی تھی۔ اب ٹھیک ہے میں نے دوا لگا دی تھی۔ دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ اٹھ اور اس کو بھی اٹھا۔ اسے دوا دینی ہے۔''

''اچھا باپو۔'' اوشا نے کہا اور سندھو پھر باہر چلا گیا۔

اوشا لپک کر میرے پاس آئی، اس نے جلدی جلدی رسی کے بل کھولنے شروع کر دیئے۔ وقت نہیں تھا۔ سندھو کسی وقت بھی آ سکتا تھا اور وہ میرے آزاد ہونے سے پہلے آ جاتا تو ہماری ساری جدوجہد رائیگاں جاتی۔ اس بدبخت نے رسی کو دس بارہ بل دیئے تھے اور اوشا کمزوری کی وجہ سے ان کو جلدی جلدی نہیں اتار پا رہی تھی۔ جیسے ہی میرے ہاتھ آزاد ہوئے، میں اس کی مدد کرنے لگا۔ ''اوشا!'' اچانک باہر سے سندھو کی آواز آئی۔ ''اٹھا دیا اسے؟''

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا اور یہی کچھ کیفیت اوشا کی بھی ہوئی تھی مگر اس نے حاضر دماغی سے کام لیا اور اچانک جذبات میں ڈوبی آواز میں بولی۔ ''باپو! ابھی اِدھر مت آنا، میں بلا لوں گی۔''

اس نے بے شرمی سے کام لیا تھا لیکن وہ ایسا نہ کرتی تو ہم پکڑے جاتے۔ سندھو بے غیرتی سے ہنسا۔ ''اچھا..... اچھا..... پر جیادہ دیر مت کرنا۔''

''اوشا، جلدی کر۔'' میں نے سرگوشی کی اور اپنے پیروں سے رسی کے بل ہٹانے لگا۔ وہ رسی سمیٹ رہی تھی تاکہ الجھ کر پھنس نہ جائے اور میں ایک دو بلوں کا اسیر ہو جاؤں۔ آزاد ہوتے ہی میں نے جلدی سے کھڑا ہونے کی کوشش کی اور اگر کھاٹ کا سہارا نہ لیتا تو گر ہی جاتا۔ چار دن سے زیادہ مسلسل پڑے رہنے اور پھر بندھے رہنے کے بعد میرا جسم سن ہو رہا تھا۔ اوشا میری حالت سے بھانپ گئی، اس نے مجھے سہارا دیا۔

''کیا ہوا تجھے؟''

''اوشا، میرا جسم سن ہو رہا ہے۔'' میں نے اسے بتایا تو وہ جلدی جلدی میرے جسم کی مالش کرنے لگی۔ پھر اس نے عجیب حرکت کی، اپنی ساڑھی کا پلو نیچے گرا دیا اور والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ مگر اس بار اس کے انداز میں نفسانیت کے بجائے محبت تھی۔ اس کے لمس، اس کی اداؤں اور اس کی گرم جوشی نے وہ کام کر دکھایا جو کوئی بھی دوا نہیں کر سکتی تھی۔ دو منٹ کے اندر میں اپنے جسم پر قابو پا چکا تھا۔ میں نے اسے نرمی سے الگ کیا۔ ''اوشا، بس کر۔ تیرا اتنا ہی احسان کافی ہے۔''

میں نے پہلے ہی ایک کونے میں رکھا ڈنڈا دیکھ لیا تھا۔ میں نے اسے اٹھایا، یہ گول اور ایک طرف سے کسی قدر بھاری ڈنڈا تھا۔ میں نے اسے تولا۔ اس کا ایک ہی وار کسی آدمی کا سر توڑنے کے لئے کافی تھا۔ ''اوشا! جب میں اشارہ کروں تو اپنے باپو کو آواز دینا۔''

''تو کیا کرے گا رے؟'' وہ پریشان ہو گئی تھی، غالباً اسے اپنے باپ کی فکر ہو گئی تھی کہ میں اس ڈنڈے کی مدد سے اس سے کیا سلوک کروں گا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فکر مت کر۔ سندھو کو بے ہوش کرنا ہے تاکہ وہ ہمیں فرار سے نہ روک سکے۔''

''پر ڈنڈا اسے زور سے لگ گیا تو؟''

''وہ مرے گا نہیں۔'' میں نے جھنا کر کہا۔ ''پر تُو اس طرح بحث کرتی رہی تو وہ آ کر ہم دونوں کو ضرور مار دے گا۔''

میرے الفاظ ابھی منہ میں تھے کہ سندھو اندر آ گیا۔ غالباً اسے شک ہو گیا تھا۔ ہم کتنا ہی آواز دبا کر بولتے، جھونپڑی کے باہر کچھ نہ کچھ سنائی دیتا اور یہ کچھ سندھو نے سن لیا تھا۔ وہ آگ بگولا ہو کر اندر آیا اور مجھے آزاد دیکھ کر دانت پیس کر بولا۔ ''مجھے پہلے ہی شک تھا، اس حرام جادی نے تجھے کھول دیا ہو گا۔''

اسے دیکھتے ہی میں نے ڈنڈا اپنے جسم کی آڑ میں کر لیا تھا۔ اوشا نے جلدی سے ساڑھی کا پلو اوپری جسم پر ڈالا۔ مگر اس کے باپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ وہ ایک اجنبی کے ساتھ نیم عریاں حالت میں اتنے نزدیک کیوں کھڑی تھی۔ اعتراض اسے اس پر تھا کہ اوشا نے مجھے آزاد کیوں کیا تھا۔ ''باپو، اسے کچھ مت کہنا۔''

''چپ کر.....'' اس بار سندھو نے اسے وہ گالی دی جو کوئی باپ اپنی بیٹی کو نہیں دے سکتا۔ وہ میری طرف لپکا۔ ''پہلے میں اسے دیکھ لوں..... پھر تجھ سے.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ اس کے نزدیک آتے ہی میں نے ڈنڈا گھما کر اس کے سر پر رسید کیا تھا۔ کچھ ناتوانی تھی اور کچھ میں نے ہاتھ ہلکا رکھا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ایک غیر ملک میں مجھ پر قتل کا الزام آئے۔ بہر حال ضرب اتنی کاری تھی کہ سندھو چکرا کر نیچے گر پڑا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی کہ میں نے دوسری ضرب لگا دی اور اس بار وہ ناک آؤٹ ہو گیا تھا۔ ''باپو!'' اوشا بے ساختہ چیخی اور اس پر جھک گئی پھر اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ ''تُو نے مار دیا اسے؟''

''اتنا غیرت مند نہیں ہے یہ۔'' میں نے کہا اور جھک کر سندھو کی نبض دیکھی جو کسی قدر سست روی مگر باقاعدگی سے چل رہی تھی۔ ''فکر مت کر، بے ہوش ہے، ایک دو گھنٹے میں ہوش میں آ جائے گا۔''

اس نے سندھو کو چٹائی پر لٹا دیا۔ میں اپنی چیزیں تلاش کر رہا تھا۔ میری قمیص دھل کر باہر لٹکی تھی۔ جھونپڑی کے گرد بانسوں سے بنی چار دیواری تھی تاکہ جانور اندر نہ آ سکیں۔ ایک طرف ڈرم میں پانی رکھا تھا۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ پاس ایک رسی پر میری دھلی ہوئی قمیص پڑی تھی۔ میری جیکٹ صاف تھی لیکن پتلون بہت میلی ہو رہی تھی۔ میں نے اندر آ کر سندھو کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟'' اوشا نے احتجاج کیا۔

''وہی جو یہ ہمارے ساتھ کر رہا تھا۔ ہوش میں آ کر یہ میرے ساتھ یہی سلوک کر سکتا ہے جو میں نے اس کے ساتھ کیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''نہانے اور کپڑے دھونے کے لئے صابن مل سکتا ہے؟''

اس نے مجھے گھورا۔ ''ابھی تو تم مجھے بھاگ چلنے کے لئے کہہ رہے تھے اور اب نہانے کی فکر کر رہے ہو؟''

''ہاں، یہ قابو میں ہے۔'' میں نے مسکرا کر سندھو کی طرف اشارہ کیا۔

اوشا نے مجھے دونوں طرح کے صابن اور ایک کسی قدر صاف دھوتی دی۔ میں نے اسے پہنا اور پہلے اپنی پتلون دھو کر خشک ہونے کے لئے دھوپ میں ڈالی اور اس کے بعد دل کڑا کر کے سرد پانی سے نہا لیا۔ دھوپ کی وجہ سے مجھے کسی قدر آرام ملا تھا۔ اوشا اب مجھے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ نہانے کے بعد آڑ میں ہو کر میں نے دھوتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوبارہ باندھ لی۔ ابھی مجھے سردی لگ رہی تھی۔ مگر گزارہ تھا اوپر قمیص اور جیکٹ پہن لی۔ ''تو کیوں دانت نکال رہی ہے؟'' میں نے اوشا کی طرف دیکھا۔

''عجیب سے لگ رہے ہو؟'' وہ ہنسی۔

''کھانے کو کچھ ہے۔ میں بھوک سے مرنے والا ہوں۔''

''باجرے کی روٹی بنا دیتی ہوں، ساتھ میں اچار ہے۔''

''چلے گا۔'' میرے منہ میں پانی آ گیا تھا۔ ''پر دس منٹ میں کھانا نہ ملا تو میری وفات کی ذمے داری تم پر ہوگی۔''

اس نے جلدی سے چولہے میں لکڑیاں سلگائیں اور توا رکھ کر روٹی ڈالنے لگی۔ اگرچہ ایک ہندو کے گھر سے اوپر وہ بھی اتنے غلیظ قسم کے، کچھ کھاتے ہوئے طبیعت گھبرا رہی تھی مگر پیٹ بھرنے کی مجبوری تھی۔ شکر ہے باجرے کی روٹی اور اچار میں کچھ حرام شامل ہونے کا خدشہ نہیں تھا۔ جیسے ہی اس نے روٹی توے سے اتاری، میں نے کھانا شروع کر دی، وہ آرام سے کھانے کی تلقین کرتی رہی جسے میں نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا۔ ایک روٹی کیسے ختم ہوئی، مجھے پتا ہی نہیں چلا تھا حالانکہ یہ اچھی خاصی بڑی روٹی تھی۔ پھر میں نے دوسری روٹی بھی اسی طرح ختم کر دیا اور تیسری روٹی پر جا کر مجھے قرار آیا تھا۔ اچار مقامی سبزیوں کا تھا اور لذیذ تھا لیکن میں نے اوشا کی جانب سے مکھن کی پیشکش مسترد کر دی۔ نہ جانے اس میں کس جانور کے دودھ کا مکھن ہو؟

''بس!'' میں نے ایک سانس میں کٹورے کا پانی ختم کر کے کہا۔ ''اب یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔''

اس کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے چند کپڑے اور ضروری سامان ایک پوٹلی میں باندھا۔ میری پتلون دھوپ میں صحیح سے خشک نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ایک پتیلی میں چولہے کے انگارے بھر کر اس سے استری کر کے پتلون کو تقریباً خشک کر لیا۔ پتلون کے ساتھ میں نے موزے بھی دھو لئے تھے۔ ان کو بھی خشک کیا۔ پھر میں نے پتلون اور جوتے پہنے، میرا خنجر سندھو کی ایک پوٹلی سے برآمد ہوا تھا۔ کھانے پینے کے بعد میرے اندر توانائی آ گئی تھی اور میں اب چوبیس گھنٹے بغیر کھائے پیئے گزارہ کر سکتا تھا۔ اوشا نے سگھڑ بی بیوں کی طرح چار روٹیاں اور ڈال لی تھیں اور ان کو اچار کے مرتبان کے ساتھ ایک کپڑے میں لپیٹ لیا تھا۔ اس نے ساڑھی اچھی طرح باندھ لی تھی مگر بلاؤز نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پشت کھلی تھی۔ سامنے سے اس نے پلو لے لیا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ یہ اس علاقے کا رواج نہیں تھا، وہ تماشا بن جاتی۔ ''تیرے پاس بلاؤز نہیں ہے؟''

''وہ کیا ہوتا ہے رے!'' اس نے سادگی سے پوچھا۔ میں نے اسے الفاظ اور اشاروں سے سمجھایا کہ بلاؤز کیا ہوتا ہے۔ اس نے انکار کیا۔ ''وہ تو نہیں ہے میرے پاس۔''

سندھو اور اوشا زبان کے لحاظ سے پوربی لگتے تھے اور وہاں بھی بلاؤز کا رواج تھا۔ شاید سندھو نے زحمت سے بچنے کے لئے اسے بلاؤز کے بارے میں بتایا ہی نہیں تھا۔ تاکہ ایک ساڑھی سے کام چل جائے۔ ہم روانہ ہونے کے لئے بالکل تیار تھے۔ اوشا نے التجا آمیز انداز میں کہا۔ ''میں ایک بار بابو کو دیکھ لوں۔''

''اچھا یاد دلایا، اس کے ہاتھ پاؤں کھولنے ہیں ورنہ وہ اس ویرانے میں بندھا بندھا مر جائے گا۔'' میں نے کہا اور ہم اندر آئے۔ میں نے خنجر سے اس کے ہاتھ پیروں کی رسیاں کاٹ دیں۔ اوشا اس کے بے ہوش جسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے لپٹ کر رونے لگی جیسے بیٹیاں گھر سے رخصت ہوتے وقت باپ سے لپٹ کر روتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں اسے لے جا کر حماقت تو نہیں کر رہا ہوں، یہ تو ڈھول گلے میں باندھنے والی بات ہوگی، میں اسے کہاں لے جاؤں گا اور کہاں رکھوں گا؟ بہتر تو یہی تھا کہ میں اسے اس کے باپ کے پاس چھوڑ جاؤں مگر میں سندھو کی سفاکی دیکھ چکا تھا، اس سے بعید نہیں تھا کہ اوشا کو مار ڈالے۔ اب سندھو نے ہلکا ہلکا ہلنا شروع کر دیا تھا اور اس کی آنکھیں بھی پھڑک رہی تھیں۔ ''یہ ہوش میں آنے والا ہے، اب چل'' میں نے اوشا کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

اس نے حسرت سے اپنے باپ کو دیکھا اور اس روز مجھے یقین آ گیا۔ باپ کیسا ہی کیوں نہ ہو بیٹیوں کے لئے باپ ہی ہوتا ہے۔ ہم جھونپڑے سے نکلنے والے تھے کہ مجھے باہر کسی مشین کی گھر گھر سنائی دی، میں نے غور کیا۔ ''اوشا کوئی گاڑی اس طرف آ رہی ہے۔ کیا سندھو سے ملنے کوئی آتا ہے؟''

''گاڑی میں تو بس ایک بندہ آدے ہے۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''مجھے اس کا نام نہیں معلوم۔''

''وہ جو کوئی بھی ہو، اسے باہر جا کر بتا دو کہ باپو جنگل میں گیا ہے، رات تک آئے گا۔''

''باپو نے کبھی مجھے اس کے سامنے جانے نہیں دیا۔ وہ میرے بارے میں نہیں جانتا۔''

''یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ بس اسے کسی طرح ٹال دو۔ وہ اندر آ گیا اور تیرے باپ کو دیکھ لیا تو سوچ، ہم یہاں سے جا سکیں گے؟''

''میں..... جاتی ہوں۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''گاڑی کی آواز بالکل قریب آ گئی تھی، پھر وہ رک گئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی فور وہیل ڈرائیو جیپ تھی، اس قسم کے علاقے میں ایسی ہی گاڑیاں موزوں رہتی تھیں۔

☆======☆======☆

میں نے سندھو کی طرف دیکھا، وہ ساکت پڑا تھا اور بظاہر اس کے جلد ہوش میں آنے کے امکانات نہیں تھے۔ اوشا بانسوں کی دیوار میں بنے دروازے تک گئی، اسی لمحے باہر سے کسی نے زور سے پکارا۔

''سندھو..... اے..... سندھو، کہاں مر گیا ہے۔ مالک آئے ہیں۔''

اوشا نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ میں نے اسے اشارے سے باہر جانے کو کہا۔ باہر جو بھی آیا تھا، وہ اصل میں سندھو کا گاہک تھا اور اس سے کوئی دوا، کوئی تریاق، کوئی زہر لینے آیا تھا۔ اوشا نے بادلِ ناخواستہ دروازہ کھولا اور باہر چلی گئی۔ ''کیا ہے..... کون ہے رے تُو؟''

''اے چھوری..... تُو کون ہے؟'' ایک اور آواز آئی اور میں نے فوراً محسوس کر لیا بولنے والے کی رال اوشا پر ٹپک گئی تھی۔

''سندھو میرا باپو ہے۔ وہ جنگل میں گیا ہے، شام تک آئے گا۔''

''کوئی بات نہیں، باپو نہیں ہے تو کیا..... تُو تو ہے۔ جب تک سندھو آتا ہے تیرے ساتھ سے بتا لیں گے۔''

''اوشا نے غالباً بھاگنے کی کوشش کی اور اسے کسی نے پکڑ لیا۔ کیونکہ وہ چلائی تھی۔ ''چھوڑ مجھے حرام جادے۔''

''گالی دیتی ہے۔'' بولنے والے نے اسے تھپڑ مارا تھا۔ ''تیری زبان کاٹ لوں گا۔ مجھے نہیں جانتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے..... راج کنور ہے میرا نام۔"

"چھوڑ مجھے۔" اوشا پھر چلائی۔

"مالک..... یہ تو ہری ہے۔" باہر سے پہلے بولنے والے شخص نے کہا، وہ راج کنور کا ملازم لگ رہا تھا۔

میں نے خنجر نکالا اور جھونپڑی سے باہر جانے لگا تھا کہ عقب سے آہٹ ہوئی۔ میں نے گھوم کر دیکھنا چاہا تو کوئی سخت سی شے میرے سر سے ٹکرائی۔ سر ترچھا ہونے کی وجہ سے وار برابر راست گدی پر نہیں پڑا تھا ورنہ میں فوراً ہی بے ہوش ہو جاتا پھر بھی مجھے چکر آ گیا تھا۔ میں نیچے گرا تو میں نے سندھو کو گالی دیتے سنا۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے اس کے ہاتھوں میں وہی ڈنڈا دیکھا جس سے میں نے اس کا سر بجایا اور اس نے دو گھنٹے کے اندر ہی اندھیرے سر پر رسید کر کے بدلہ چکا دیا تھا۔ باہر سے اوشا کے چلانے کی آواز آئی تو وہ مجھے بھول کر باہر کی طرف لپکا۔

"مالک..... اسے چھوڑ دے۔ یہ میری بیٹی ہے۔" میں نے چکراتے ذہن سے سندھو کی آواز سنی۔

"اچھا تو نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔ ہم سے چھپا رہا تھا۔" اوباش آواز والے راج کنور نے کہا۔

"نہیں مالک! یہ میری بہن کے پاس تھی اسے ابھی لایا ہوں۔"

"چل اچھا ہے، اسے بھی لے چلتے ہیں۔ تجھے بڑے کنور نے بلایا ہے۔"

"بڑے کنور نے..... وہ کیوں؟" سندھو بولا۔

"مالک سے سوال کرتا ہے؟" نوکر نے سندھو کو جھاڑا۔ "چل اپنا سامان لے آ..... جا۔"

"باپو، میں نہیں جاؤں گی۔" اوشا روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ میں اپنے ذہن سے لڑ رہا تھا۔ وار ترچھا ہونے کے باوجود نازک جگہ لگا تھا۔ اس لئے میرا ذہن بے قابو ہو رہا تھا۔ کنور راج یا راج کنور وہ جو کوئی بھی تھا، وہ ان کو لے جانے آیا تھا اور ممکن تھا کہ مجھے بھی لے جاتا۔ جبکہ میں فی الحال کسی اور کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا، مگر میرے چاہنے سے کیا ہوتا تھا، جو میری تقدیر میں لکھا تھا وہ تو میرے ساتھ ہونا تھا۔ باہر سندھو ان کو بتا رہا تھا کہ اس نے بڑے کنور کے لئے ایک بندہ حاصل کیا ہے اور اس کے خون سے کنور صاحب کے علاج کے لئے دوا تیار کر رہا ہے۔

"کہاں ہے وہ منش؟"

"اندر پڑا ہے۔ بھاگ رہا تھا، میں نے ڈنڈا مار دیا۔"

"باپو، تُو نے اسے ڈنڈا مار دیا؟" اوشا چلائی۔

"چپ حرام جادی! اس کو بھول جا۔"

"سندھو، یہ کیا چکر ہے؟" راج کنور نے کہا۔

"کچھ نہیں مالک! کچھ نہیں۔"

مگر راج کنور اور اس کا ملازم اندر آئے۔ انہوں نے وہ گٹھری دیکھ لی جو اوشا نے فرار کے لئے بنائی تھی، کھانے کی پوٹلی بھی۔ راج کنور نے کہا۔ "تیری چھوکری اس کے ساتھ فرار ہو رہی تھی۔ اس نے میرے پاؤں پر ٹھوکر ماری۔ میں بے ہوش بن گیا تھا۔ درحقیقت میری جان نکل گئی تھی اور فی الحال میں کچھ کرنے کے قابل نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ کب میری طبیعت بہتر ہو اور میں ان سے نمٹ سکوں۔ جیپ ایک اچھی خبر تھی، اگر میں ان سے جیپ حاصل کر لیتا تو تیزی سے سرحد کے پاس جا سکتا تھا، اس کے بعد سرحد عبور کرنا الگ مرحلہ تھا۔

''اسے بھی ڈالو جیپ میں۔ ویسے یہ ہے کون؟''

''پتا نہیں مالک! اس کے پاس سے بس ایک چھرا ملا تھا۔''

''کوئی کاغذ یا شناخت کی کوئی شے؟''

''کچھ نہیں سرکار۔ بالکل بے نام و نشان آدمی ہے۔ اس لئے تو.....''

''اب سب محل میں ہوگا۔ چلو نائیک اسے اٹھا کر جیپ میں ڈالو۔''

''مالک، یہ خطرناک آدمی ہے۔ اسے باندھ کر لے جانا ہی ٹھیک ہوگا۔'' سندھو نے ایک بار پھر مجھے مروانے کا بندوبست کر لیا۔ راج کنور نے حیرت سے کہا۔

''جب خطرناک آدمی ہے تو تُو نے کیسے اسے قابو کیا؟''

''بڑی بوٹیوں سے مالک! میں نے اسے مفلوج بنا دیا تھا۔''

''پھر یہ آزاد کیسے ہوا؟''

''مکاری کی مالک! میری دوا کھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے اسے رسیوں سے باندھا لیکن اس نے کسی طرح خود کو کھول لیا۔ اس لئے تو کہہ رہا ہوں، باندھ دو مالک! ایسا آدمی پھر نہیں ملے گا، اس میں عجیب شکتی ہے۔ یہ شاہ کو برا کاز ہر بھی برداشت کر گیا تھا۔''

''ٹھیک ہے نائیک، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دے۔'' راج کنور نے اپنے ملازم کو حکم دیا۔ وہ جا کر رسی لے آیا اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ میں مزاحمت نہیں کر سکا تھا اس کے بعد اس نے مجھے اٹھانا چاہا مگر ناکام رہا۔ پھر اس نے سندھو کے ساتھ مل کر مجھے جیپ میں منتقل کیا۔ یہ ڈبل کیبن جیپ تھی جس کے عقبی حصے میں بھی خاصی گنجائش تھی۔ یہاں ٹائر رکھے تھے۔ میں ان پر آڑا ترچھا ڈال دیا گیا تھا۔ اوشا دبی دبی زبان میں باپ سے کہہ رہی تھی کہ وہ نہیں جائے گی۔

''سندھو! تیری چھوکری میں بڑے نخرے ہیں۔'' راج کنور نے کہا۔ ''لگتا ہے اس کے کس بل نکالنے پڑیں گے۔''

''معافی دو مالک! ابھی بالک ہے۔''

''اچھا!'' راج کنور کا مزید لہجہ غلیظ ہو گیا تھا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے اسے دیکھا ہے، اس میں بالک والی کوئی بات نظر نہیں آئی۔''

سندھو اور اوشا کو عقبی حصے میں جگہ ملی تھی۔ سندھو کو اوشا سے زیادہ اپنے سانپوں اور ان جڑی بوٹیوں کی فکر کھائے جا رہی تھی جو وہ جھونپڑی میں چھوڑے جا رہا تھا۔ اس نے دبی زبان میں راج کنور سے کہا۔ ''مالک، ان کا کیا ہوگا؟''

''مرتا کیوں ہے، بڑے کنور سے مل کر آ جانا۔ ان کو تیری دوا سے فائدہ ہوا تھا پر اب پہلے جیسا فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب ہوگا۔" سندھو نے یقین سے کہا۔ "میں نے اس آدمی کے خون سے تیار کیا توڑ بھی لے لیا ہے۔ اس سے بڑے کنور ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"سوچ لے، ایسا نہ ہوا تو بڑے کنور غصے والے ہیں۔ تجھے سزا بھی ہو سکتی ہے۔"

"مالک ہیں۔ چاہے بخش دیں، چاہے سجا دیویں۔"

ڈرائیونگ نائیک نے سنبھالی تھی اور راج کنور اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ اس کی باتوں اور لہجے کی نخوت سے لگ رہا تھا وہ اونچی ذات کے دولت مند لوگ تھے۔ ممکن ہے جاگیردار ہوں اور رعایا پر خدا بن کر حکومت کرتے ہوں۔ جیپ روانہ ہوئی تو ناہموار راستوں پر عقبی حصہ زیادہ ہی اچھل رہا تھا۔ اس طرف دو ٹائر تھے اور ایک بڑا سا بکس رکھا تھا، یہ ایسا بکس تھا جس میں کھانے پینے کا سامان رکھا جاتا ہے۔ انجن کے شور میں مجھے کچھ خاص سنائی نہیں دے رہا تھا اور جیپ کے اچھلنے کودنے سے میں چیزوں سے ٹکرا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ جیپ اگر ایک دو گھنٹا چلتی رہے گی تو میرا توفیک بن جائے گا۔

لیکن اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ میں جس چکر سے بچ کر سندھو کے پاس سے فرار ہو رہا تھا راج کنور مجھے اسی مقصد کے لئے لے جا رہا تھا یعنی میرا خون نچوڑ کر دوا بنانے کے کام میں لانا اور نہ جانے ان کے چنگل سے میں نکل بھی سکوں گا یا نہیں۔ میرے حواس کسی قدر میرے قابو میں آ گئے تھے لیکن اب ان کا فائدہ نہیں تھا۔ نائیک نے میرے ہاتھ پاؤں سختی سے باندھے تھے اور میں حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ میں پچھتایا کہ کاش میں پہلے ہی نکل جاتا۔ میں نے نہانے دھونے اور کھانے پینے میں اتنا وقت گنوا دیا اور یہ بھول گیا کہ انہونیاں اور کرامات میرے تعاقب میں رہتے ہیں۔ اب کاش کہہ کر پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، میری تو زندگی اس چکر میں کاش لے آئی تھی، کاش میں اس روز سفیر اور مونا کے ساتھ مری نہ جاتا یا کاش وہاں سے جلدی نکل جاتا اور مال روڈ پر نہ رکنا پڑتا جہاں نادر علی سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔

خلاف توقع جیپ نصف گھنٹے بعد ہی کسی ہموار سڑک پر آ گئی اور برق رفتاری سے دوڑنے لگی۔ سورج سر پر آنے کے بعد ڈھل رہا تھا اور میرا اندازہ تھا، یہ لوگ ہمیں چالیس پچاس میل تک دور لے جائیں گے مگر جیپ جس رفتاری سے ایک گھنٹے سے بھی زیادہ چلتی رہی تھی اور اس دوران میں کم سے کم ساٹھ ستر میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ سورج کے رخ سے میں نے اندازہ لگایا کہ جیپ شمال کی طرف جا رہی تھی۔ مشرقی پنجاب کا شمالی حصہ کشمیر اور ہماچل پردیش کے پہاڑوں سے لگتا ہے۔ مجھے جیپ کے عقبی شیشے کے باہر پہاڑوں کی جھلک نظر آنا شروع ہو گئی تھی۔ سڑک بھی بل کھانے لگی تھی جیسا کہ پہاڑی راستوں میں ناگزیر ہوتا ہے۔ سندھو اور اوشا قطعی خاموش تھے۔ راج کنور اور نائیک کبھی کبھی آپس میں بات کرنے لگتے تھے۔ ایک جگہ رک کر انہوں نے ایندھن بھروایا تھا، جیپ ایک جگہ رک گئی۔ نائک نے نیچے اتر کر عقبی دروازہ کھولا اور مجھے ایک طرف دھکیل کر باکس باہر نکالا، میں نے دیکھا یہ کوئی سرسبز سا میدان تھا جس میں دو گائیں اور بھیڑیں چر رہی تھیں۔ لگتا تھا راج کنور کے لنچ کا وقت ہو گیا تھا۔ نائیک نے باسکٹ باہر رکھتے ہوئے اسے اطلاع دی۔

"اسے ہوش آ گیا ہے۔"

"کھانے کے بعد اسے باہر لانا۔" راج کنور نے اسے حکم دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائیک اپنے مالک کے لئے دسترخوان سجانے لگا۔ اوشا اور سندھو بھی باہر آ گئے تھے۔ صرف میں اندر بندھا پڑا تھا۔ نائیک کو میں نے پہلی بار قریب سے دیکھا تھا۔ وہ گٹھے ہوئے جسم کا اور گنجے سر والا چہرے سے ہی خطرناک نظر آنے والا شخص تھا۔ بدمعاشی کے اشتہار کے طور پر اس نے بڑی بڑی مونچھیں پال رکھی تھیں۔ اپنے تنومند جسم کی نمائش کے لئے اس نے اس موسم میں بھی دھوتی کے اوپر باریک کرتہ پہن رکھا تھا۔ جب اس نے مجھے باندھا تھا تو میں بے ہوش بنا ہوا تھا۔ نائیک کے نقوش شمالی انڈیا والوں کے سے تھے، کسی قدر چپٹی ناک، باریک آنکھیں اور صاف رنگت۔ ابھی میں نے راج کنور کو نہیں دیکھا تھا۔ نصف گھنٹے بعد نائیک پھر آیا۔ اس نے عقبی دروازہ کھولا اور میرے پیروں سے بندھی رسی کھول دی۔

''نیچے اترا!'' اس نے درشت لہجے میں کہا۔ وہ اپنے مالک کے اشارے پر بھونکنے، غرانے اور کاٹنے والا کتا تھا۔ میں نیچے اتر آیا۔ اس نے جان بوجھ کر مجھے دھکا دیا۔ مگر میں اپنے قدم مضبوطی سے جما چکا تھا اس لئے لڑھکا بھی نہیں، میں نے آہستہ سے کہا۔ ''زبان سے بولو۔''

''تو.....'' وہ مشتعل ہوا تھا۔

''نائیک اسے لے آ۔'' کنور نے پکارا۔ میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ سبز گھاس پر بچھے دسترخوان پر بیٹھا تھا، اس کے سامنے خالص ہندوانی انداز کا کھانا سجا تھا۔ پوریاں، بھاجی، حلوہ، چٹنیاں، دال اور چاول۔ یہ سب تھالیوں میں رکھا تھا۔ وہ کھا چکا تھا۔ اوشا اور سندھو ذرا فاصلے پر بیٹھے تھے اور سندھو للچائی نظروں سے کھانے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مالک کی آواز سن کر نائیک غرانے والے کتے سے فوراً دم ہلانے والا کتا بن گیا۔ میں خود آگے بڑھا۔ راج کنور تقریباً چالیس برس کا گوری چٹی رنگت کا مالک تھا۔ دبلا مگر مضبوط جسم اور تیکھی آنکھیں تھیں۔ اس نے شانوں تک دراز بال رکھے تھے، ہونٹوں کے اوپر باریک مونچھیں تھیں، مجموعی طور پر وہ خوش شکل شخص تھا مگر چہرے کے تاثرات سے عیار نظر آتا تھا۔

''مہاشے جی! کون ہو تم؟'' اس نے پوچھا۔ سندھو نے اسے بتا دیا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔''

''میرا نام رضوان حسن ہے۔'' میں نے سوچ کر غلط بیانی سے کام لیا۔ ''دہلی کا رہنے والا ہوں اس علاقے میں شکار کھیلنے آیا تھا کہ سانپ نے ڈس لیا اور پھر اس اژدہے کے ہاتھ لگ گیا۔'' میں نے سندھو کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میرے جسم سے خون نکال رہا تھا۔''

''مہاشے جی ذرا سا خون نکلنے سے تم مر نہیں جاؤ گے اور یہ بھی دیکھو کہ اس سے کتنے لوگوں کا بھلا ہوتا ہے۔'' راج کنور نے چالاکی سے کہا۔

''ایسا ہے تو تم کیوں نہیں خون دے دیتے..... یہ سپیرے کی اولاد ہے تو تمہارے پاس۔''

''جبان سنبھال کر بات کر!'' نائیک غرایا۔

''کتا اچھا پالا ہے تم نے۔'' میں نے آرام سے کہا۔ ''صرف بندھے ہاتھ والوں پر غراتا ہے، مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔''

''تیری تو.....'' نائیک بے قابو ہو کر میری طرف لپکا تھا کہ کنور کے اشارے پر رک گیا۔

''سورما ہے تو۔'' کنور نے میری طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، سورما تو یہ ہے۔'' میں نے ہنس کر نائیک کی طرف دیکھا۔ ''شاید تم نے کبھی آزمایا نہیں۔''

راج کنور کی آنکھوں میں ایک لمحے کو نفرت چمکی تھی پھر وہ نارمل ہو گیا۔ ''مہاشے جی..... تمہارے پاس کوئی شناختی شے نہیں ہے۔''

''یہ اس سے پوچھو..... اس نے میرا پرس نکال لیا ہوگا۔'' میں نے سندھو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس میں ساڑھے سات ہزار روپے بھی تھے۔''

''بکتا ہے یہ۔'' سندھو چلایا۔ ''مجھے اس کے پاس سے کچھ نہیں ملا تھا۔''

''اب تو تم یہی کہو گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''رقم کی مجھے اتنی پروا نہیں ہے لیکن مہربانی کر کے میرے کاغذات اور پرس دے دو۔''

''سندھو!'' راج کنور نے اس کی طرف دیکھا۔

''مالک! یہ جھوٹا ہے، آپ خود دیکھ لو، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔''

''یہ درست کہہ رہا ہے، جب میں اسے قابو کر کے اس کے جھونپڑے سے فرار ہونے والا تھا تو میں نے اس کی تلاشی لی تھی، اس کے پاس سے پرس نہیں ملا تھا۔ شاید اس نے کہیں چھپا دیا ہے۔'' میں نے اس کی حمایت کی۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جنگل میں کہیں گر گیا ہو یا کوئی شرارت میں لے گیا ہو۔'' سندھو نے اپنے دفاع میں دلیل دی۔

''ممکن ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''تم اپنے کتے کو وہاں چھوڑ آئے ہو، وہ بھوکا نہ مر جائے۔'' میں بولا۔

''اس کی پروا مت کرو، وہ خود شکار کر کے کھاتا ہے۔'' سندھو بولا۔ ''ہماری واپسی تک وہ جھونپڑے کی رکھوالی کرے گا۔''

''اور اگر تم واپس نہ گئے تو؟'' میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''کیوں نہیں جائیں گے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''مہاشے جی! تم اس کی نہیں، اپنی فکر کرو۔'' کنور نے سرد لہجے میں کہا۔

''راج کنور! میرا نام رضوان ہے، بہتر ہوگا کہ تم مجھے اس نام سے پکارو اور تمہارا ارادہ کیا ہے، کسی کو اس طرح قید کرنا سنگین جرم ہے۔''

''تم اس کی بھی فکر مت کرو۔ تمہارا معاملہ بھیا سے ہے اس لئے تمہارے بارے میں وہی فیصلہ کریں گے۔'' اس نے کہا اور نائیک کو آواز دی۔ ''یہ تم لوگ کھا لو۔ اسے بھی دے دو۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''شکریہ، مجھے بھوک نہیں ہے۔''

راج کنور معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''تیری مرضی! ویسے جب آدمی کو بھوک نوچتی ہے تو وہ کتوں کا بچا کھچا کھانے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔''

''ممکن ہے ان لوگوں کو تجربہ ہو۔'' میں نے نائیک اور سندھو کی طرف دیکھا جو بچے کھچے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ''مجھے کبھی اس کا اتفاق نہیں ہوا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راج کنور کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ ''بہت زبان چلتی ہے تیری۔''

''میں نے کیا کہا؟'' میں نے معصومیت سے کہا۔

راج کنور میرے پاس آیا، اس کا قد مجھ سے ذرا کم تھا اس لئے اسے میری آنکھوں میں دیکھنے کے لئے اچکنا پڑا تھا۔ ''میرے سامنے سر اٹھانے والا کبھی سکھی نہیں رہتا۔'' اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔

''کنور صاحب! آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے اس لئے بہتر ہے مجھ سے الجھنے سے گریز کریں اور مجھے جانے دیں۔ ممکن ہے کل آپ پچھتائیں کہ مجھے ساتھ کیوں لائے؟'' میں نے بھی اسی کے لہجے میں کہا۔

''بس کچھ دیر باقی ہے۔ جب ہم حویلی پہنچیں گے تو دیکھیں گے کون پچھتاتا ہے۔''

راج کنور نے چیخ کر پیک اَپ کرنے اور روانہ ہونے کا حکم دیا۔ پیٹ پوجا ادھوری رہ جانے پر نائیک اور سندھو نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا۔ نائیک نے پھرتی سے سارے برتن باکس میں پیک کئے اور راج کنور کے لئے ایک وہسکی کی بوتل نکال کر اسے ایک گلاس بنا کر دیا۔ پھر اس نے باکس رکھا۔ میرے پاؤں باندھ کر مجھے عقبی حصے میں دھکیل دیا اور خانہ بند کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''تیرے کس بل نہ نکالے تو نائیک نام نہیں۔''

''ہاں، پھر کھل نائیک رکھ لینا۔'' میں نے بھی آہستہ سے کہا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر چلا گیا۔

اوشا کے چہرے سے تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ شاید مرہم کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ اس نے سندھو سے کہا تو اس نے اوشا کو جھڑک دیا۔ ''خاموش بیٹھ، ذرا سی تکلیف سے تُو مر نہیں جائے گی۔''

''کیا تکلیف ہے اسے؟'' راج کنور نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ''عورتوں والی؟''

''نہیں مالک! اس کی کمر پر چوٹ لگی تھی، اس میں تکلیف ہو رہی ہے۔'' سندھو خوشامدانہ انداز میں بولا۔

''اچھا، حویلی چل کر اسے بھی دیکھیں گے۔''

جیپ روانہ ہوئی، میرے خیال میں ہم سندھو کے ڈیرے سے کوئی سو میل دور آ چکے تھے۔ پنجاب کراس کر لیا تھا اور شاید ہماچل پردیش میں تھے۔ پہاڑ اب بلند ہوتے جا رہے تھے اور دور اُن میں برف کی سفیدی نظر آ رہی تھی۔ سردی بڑھ گئی تھی اور نائیک نے ایک صدری پہن لی تھی۔

''باپو، مجھے سردی لگ رہی ہے۔'' اوشا نے آہستہ سے کہا۔

سندھو نے اسے اپنے جھولے سے ایک سیاہ گولی دی۔ ''اسے کھا لے۔''

''یہ کیا ہے؟'' راج کنور نے پوچھا۔

''مالک..... سانپ کی ہڈیوں سے بنی ایک دوا ہے، اسے کھانے سے سردی نہیں لگتی۔''

''تیرے پاس عجیب عجیب اور دلکش چیزیں ہیں۔'' اس نے کہا۔ میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا دلکش چیز سے اس کی کیا مراد تھی؟ اس بار ایک گھنٹے کے سفر کے بعد جیپ ایک وادی میں داخل ہوئی جس کے وسط میں ایک سرخ رنگ کی عالی شان محل نما عمارت تھی۔ دور دائیں طرف پہاڑ کی ڈھلان پر ایک گاؤں بھی نظر آ رہا تھا۔ وادی کے عقب میں جنگلات سے بھرے اونچے پہاڑ تھے اور فضا میں زعفران کی خوشبو تھی شاید اس وادی میں زعفران کاشت ہوتی تھی اور یہی کنور خاندان کی دولت کا راز تھا ورنہ اس وادی میں کوئی اور نقد آور فصل مشکل سے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشت ہو سکتی تھی۔ بعد میں میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ زعفران ہی کنور خاندان کی دولت مندی کا سبب تھا۔

جیپ ذرا نشیب میں گئی اور پھر بلندی پر حویلی کی طرف گئی۔ حویلی ایک نسبتاً اونچے ٹیلے پر تھی اور کم سے کم تین ایکڑ رقبے پر پھیلی تھی۔ وسط کی اصل عمارت کے گرد چاروں طرف بڑے رقبے پر باغ تھا اور اس کے گرد سرخ پتھروں سے بنی اونچی چاردیواری تھی جس پر ہر بیس فٹ کے بعد چوبرجیاں بنی تھیں۔ انداز کسی قلعے کی فصیل کا سا تھا۔ جیپ بڑے پھاٹک کے سامنے چند لمحے کے لئے رکی اور پھاٹک کھلتے ہی اندر چلی گئی۔ میں نے دیکھا پھاٹک پر تین مسلح پہرے دار تھے اور ان سب کے پاس جدید ترین سب مشین گنیں تھیں۔ اندر باغ میں ایک راستہ گھومتا ہوا عمارت کے کورڈ پورچ تک گیا تھا۔ جیپ وہاں رکی تو کنور نے نیچے اترتے ہی استقبال کے لئے آنے والے ایک شخص سے کہا۔ "منشی دل جی! اسے قید خانے میں ڈال دیجئے اور ان دونوں کو نوکروں کے ساتھ ٹھہرائیے۔" اس نے بالترتیب میری طرف اور پھر اوشا اور سندھو کی طرف اشارہ کیا۔

"جو حکم مالک!" منشی نے کہا۔ اس نے بڑی شاندار قسم کی مونچھیں پال رکھی تھیں۔ ملیشیا کے شلوار سوٹ میں وہ سرحد کا کوئی خان لگ رہا تھا مگر وہ اس حویلی کا منشی تھا۔ کنور بے نیازی سے اندر چلا گیا۔ منشی کے اشارے پر مجھے دو افراد نے اتارا، میرے پاؤں کھول دیئے گئے تھے تاکہ خود سے چل سکوں بالبتہ ہاتھ انہوں نے قید خانے میں جا کر کھولے۔ یہ قید خانہ حویلی کے دائیں طرف ایک مختصر سی چاردیواری میں تھا۔ اس میں نوکروں کے لئے مکانات بنے تھے۔ مجھے لانے والوں کا رویہ معقول تھا اس لئے میں نے ان سے پانی مانگا۔

"مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ "لگتا ہے تُو پہلی بار آیا ہے اِدھر؟" ایک بولا۔

"ہاں، کیا یہاں پہلی بار آنا کوئی خاص بات ہوتی ہے۔"

"یہاں جو آتا ہے اسے دو دن کھانا پانی نہیں ملتا، سمجھ لے یہ اس قید گھر کی پہلی سجا ہے۔"

میں حیران ہوا تھا۔ "ایسا تو میں نے کہیں نہیں سنا۔"

وہ مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر کے چلے گئے تھے۔ انہوں نے جانے سے پہلے میرے ہاتھ بھی کھول دیئے تھے۔ کنور خاندان کے قید خانے کا یہ انوکھا اصول تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بہت غلط قسم کے لوگوں میں پھنس گیا ہوں۔ یہ انسانیت سے قطعی عاری تھے، اس کا ایک نمونہ یعنی راج کنور کافی تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھ آنے سے لگ رہا تھا کہ میری کم بختی کا ایک دور اور شروع ہونے والا ہے لیکن ساتھ ہی مجھے اندر سے اطمینان تھا، اگر خدا کی طرف سے میرا وقت پورا نہیں ہوا تو میں اس آزمائش میں بھی پورا اتروں گا۔ میں نے کوٹھڑی کا جائزہ لیا۔ یہ سات بائی نو کی پتھریلی کوٹھڑی تھی جس میں ایک طرف سلاخوں والا دروازہ تھا اور دوسری طرف زمین سے نو فٹ کی بلندی پر روشن دان تھا جس میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ ایک طرف زمین پر گھاس بچھی تھی، یہی گھاس بستر تھا۔ کمبل اور تکیے کی عدم دستیابی سے واضح تھا کہ مجھے ان کے بغیر ہی گزارہ کرنا تھا۔ سردی قابلِ برداشت تھی۔ روشن دان جنوب کی سمت تھا اگر یہ شمال کی طرف ہوتا تو یخ بستہ ہوا مجھے جما ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی۔ میں گھاس پر دراز ہو گیا۔ "لے بیٹا شہباز! اب دو دن عیش کر، کھانے اور پانی کے بغیر۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب گیدڑ کی شامت آتی ہے جنگل سے اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ جہاں اس کے شریکے یعنی کتے پہلے ہی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ظاہر ہے ان کا سلوک گیدڑ سے کچھ اچھا نہیں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے شامت ثابت کرنے کے لئے گیدڑ کو گھسیٹا جاتا ہے۔ بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ میری شامت آئی تو میں نے بھی شاہ نواز کی حویلی کا رخ کیا تھا اور اس کے بعد مجھے واپس راجا عمر دراز کے پاس جانا نصیب نہیں ہوا تھا لیکن میں اسے تقدیر کی خرابی قرار نہیں دوں گا کیونکہ اس وجہ سے مجھے حویلی تباہ کرنے کا موقع ملا۔ بے شک یہ کام میں نے نہیں کیا تھا مگر اسباب میں نے کر دیئے تھے۔ فاشی اور اسلحے کا ایک بہت بڑا اڈا تباہ ہوا۔ عورتوں کا مجھے افسوس تھا اور ساری عمر رہے گا مگر مارے جانے والے مردوں میں تمام اس قابل تھے کہ ان کو بارود پر بٹھا کر آگ دکھا دی جاتی۔

گھاس حیرت انگیز طور پر نرم اور گرم تھی، میں سو گیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو رات کا وقت تھا۔ کوٹھڑی کے سامنے راہ داری میں بلب جل رہا تھا۔ اس جگہ پر چھ کوٹھڑیاں تھیں، تین راہ داری کے بائیں جانب اور تین دائیں جانب۔ مجھے دائیں طرف کی پہلی کوٹھڑی میں ڈالا گیا تھا جبکہ میرے سامنے والی کوٹھڑی خالی تھی، باقی چار کے بارے میں، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ خالی ہیں یا ان میں کنور خاندان کا کوئی معتوب موجود ہے۔ یہ تو طے تھا کہ یہ قید خانہ کنور خاندان کے ذاتی مجرموں اور دشمنوں کے لئے تھا ورنہ میری معلومات کے مطابق بھارت کا کوئی علاقہ ملک کے قانون کی عمل داری سے باہر نہیں تھا۔

میں نے سونے کی کوشش کی مگر مجھے نیند نہیں آئی۔ پھر مجھے مونا اور سفیر کا خیال آیا۔ وہ دبئی میں ہوں گے۔ کسی جدید قسم کے تمام سہولیات اور آسائشوں سے مزین اپارٹمنٹ میں ہوں گے مگر اداس ہوں گے۔ ان کو میری یاد آتی ہوگی۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ میرے پاس آ جائیں مگر میں کہاں تھا، یہ خود میرے فرشتوں کو نہیں معلوم تھا مونا اور سفیر کیسے آتے۔ سونیا اور ناصر میرے لئے بے قرار ہوں گے، حویلی کی تباہی کے بعد میرا حال جاننے کے لئے مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ راجا عمر دراز کے آدمی بھی میری زندگی یا موت کا پتا چلانے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔

لیکن صرف میرے دشمنوں کو معلوم تھا کہ میں بچ گیا ہوں۔ حویلی کی تباہی کی رات فتح خان جیسے صرف یہ جاننے کے لئے وہاں نمودار ہوا تھا۔ زہرہ نے مرنے سے پہلے اس پر گولی چلا کر مجھے بچا لیا تھا۔ فتح خان کے ہاتھ میں سوراخ ہوا تھا، یہ معمولی سا زخم تھا جو چند دن میں ٹھیک ہو جاتا اور پھر وہ میری غفلت کا فائدہ اٹھا کر فرار ہو گیا۔ اگرچہ میرے دشمن مرشد علی اور ڈیوڈ شا جان گئے ہوں گے کہ میں زندہ ہوں مگر یہ تو انہوں نے بھی نہیں سوچا ہوگا کہ میں غلطی سے سرحد عبور کر کے انڈیا کی حدود میں چلا گیا تھا۔ وہ اب تک مجھے پاکستان کی حدود میں تلاش کر رہے ہوں گے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ راجا عمر دراز مجھے انڈیا بلانا چاہ رہا تھا اور قدرت نے خود مجھے وہاں پہنچا دیا تھا مگر اپنے طے کئے ہوئے راستے سے۔ جب میں نے حویلی کا رخ کیا تھا تو چند دن بعد ہماری روانگی تھی۔ کیا راجا عمر دراز بھی یہاں آ چکا ہے؟ میں نے سوچا۔ اس نے آسام جانا تھا اور میں شمالی مغربی انڈیا میں تھا۔ آسام یہاں سے کم سے کم دو ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔ ممکن ہے تقدیر مجھے یہاں بھی راجا عمر دراز سے ملا دے۔

میری داستان کا ایک اور متحرک کردار ایمن تھی، کئی حوالوں سے وہ اس داستان میں شامل ہوئی تھی، پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب وہ نوعمری میں اپنے باپ کے ہمراہ آئی تھی اور برٹ شا نے عمر دراز کے محل سے تصویر چوری کرائی تھی اور اس کا الزام اس خاکسار کے سر آیا تھا۔ ایک لمبی جدوجہد کے بعد میں خود کو اس چکر سے نکال سکا تھا۔ میں نے ایمن کو بچایا تھا اور یہی بات ہمارے آئندہ کے تعلق کا سبب بن گئی۔ اس نے مجھ سے رابطہ کیا۔ برٹ شا غائب تھا۔ سب نے یہی سوچ لیا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ لیکن وہ فتح خان کی قید میں زندہ تھا بلکہ اب بھی ہے۔ پھر مرشد علی اور ڈیوڈ شا کا تعلق ہو گیا۔ ڈیوڈ شا جو برٹ شا کے خطاب اور جاگیر پر قابض ہو گیا تھا۔ ایمن اس کی دشمن تھی اور ڈیوڈ شا میرا دشمن تھا اس لئے ایمن خود بخود میرے کیمپ میں آ گئی لیکن میری طرف آنے کی صرف یہ وجہ نہیں تھی۔ نوعمری کی ملاقات میں اس کے اندر ایک پسندیدگی کی چنگاری باقی رہ گئی تھی اور جب ہم دوبارہ ملے تو یہ چنگاری بھڑک کر شعلہ بن گئی۔ اس نے کھل کر اپنی محبت کا اعتراف کر لیا۔

جہاں تک میرا تعلق تھا، میں اسے پسند ضرور کرتا تھا اور شاید ایک حد تک اس سے محبت بھی کرتا تھا لیکن یہ محبت ایسی نہیں تھی کہ میں اس کے حصول کا سوچتا۔ وہ محبت میں نے ایک بار ہی کی تھی۔ جب میں نے کسی کی چاہ کی تھی اور تقدیر نے اسے کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ اب اسے چاہنا تو ایک طرف رہا، اس کے بارے میں سوچنا بھی میرے لئے گناہ سے کم نہیں تھا۔ سویرا کا خیال آیا تو باقی گھر والوں کی یاد بھی آئی تھی۔ بابا، ماں جی، بھائی اور آپا۔ سب مجھے یاد کرتے ہوں گے، ماں جی کے بارے میں تو میں جانتا تھا، ان کی کوئی شام آنسوؤں سے خالی نہیں جاتی ہو گی۔ بابا اوپر سے پتھر تھے اور اندر سے نرم۔ وہ سب کے سامنے میرا ذکر بھی نہیں کرتے ہوں گے لیکن اندر سے مجھے ضرور یاد کرتے ہوں گے۔

میں نے شکر ادا کیا تھا کہ شاہد بھائی کو میرے اور سویرا کے تعلق کا علم نہیں ہوا ورنہ ان کے لئے تو ساری عمر کی خوشی برباد ہو جاتی۔ مجھے یاد ہے، بچپن سے وہ میرے لئے اپنی پسندیدہ چیز کی قربانی دے دیا کرتے تھے۔ مجھے ان کی جو چیز پسند آتی تھی، میں آرام سے اس پر قبضہ کر لیا کرتا تھا اور وہ خوشی سے دستبردار ہو جاتے تھے۔ جو چیز ان کے لئے ضروری ہوتی تھی، میرے ذرا سے رونے دھونے پر وہ بھی میری نذر کر دیا کرتے تھے۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے دعا مانگی کہ اللہ میرے بھائی اور سویرا کو خوش رکھے اور ان کو ڈھیر ساری خوشیاں دے۔

اچانک کسی نے دروازہ کھولا تو میں چونکا۔ یہ وہی کل والے دو ملازم تھے۔ یہ غالباً اس قید خانے کے نگران اور جیلر تھے۔ دونوں کے پاس دیسی ساخت کی شاٹ گنیں تھیں۔ ایک اندر آیا، اس نے کہا۔ ''ہاتھ آگے کر۔'' میں نے خاموشی سے حکم کی تعمیل کی تو اس نے ایک ہتھکڑی مجھے پہنا دی۔

''بڑے کنور کے سامنے جانا ہے۔'' اس نے گویا مجھے خبردار کیا۔ ''تمیز سے رہنا اور جب کچھ پوچھا جائے تو بولنا ورنہ چپ رہنا۔''

وہ مجھے لے کر باہر آئے۔ صبح سویرے کا وقت تھا اور سردی کی شدت سے ماحول دھواں دھار ہو رہا تھا۔ میں لرز اٹھا تھا، انہوں نے فرغل پہنے ہوئے تھے، میری جیکٹ یہاں کی سردی کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ خدا خدا کر کے ہم محل کی عمارت میں آئے تو میری جان میں جان آئی تھی۔ مختلف راہداریوں سے گزرتے ایک وسیع و عریض کمرے میں پہنچے۔ اس میں ایک طرف آتش دان تھا اور اس میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس کے سامنے کرسی پر ایک جبہ پوش بیٹھا اور اس کا سر بھی سرپوش کے اندر تھا، اس کے عقب میں ایک کھڑکی کھلی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس سے سرد ہوا اندر آ رہی تھی، مجھے عمر دراز کا انداز فکر یاد آیا جب اسے کسی بات یا مسئلے پر غور کرنا ہوتا تو وہ اسی طرح گرم سرد ماحول میں بیٹھ کر سوچتا تھا۔ ''مالک! بندہ پیش ہے۔'' منشی دل جی نے کہا۔

سرپوش والے نے سر ہلایا۔ اس کا پورا جسم اس جبے میں اس طرح چھپا تھا کہ میں اس کی ذرا سی جھلک دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس نے ہاتھ سے ہلکے سے اشارہ کیا تو منشی نے میرے ساتھ آنے والوں کو حکم دیا۔ ''تم دونوں باہر رکو۔ جب بلایا جائے تو آنا۔''

دونوں ذرا جھکے اور الٹے قدموں باہر نکل گئے۔ بڑا شاہانہ انداز تھا اس جگہ کا۔ ممکن ہے یہ خاندان انگریزوں کے زمانے سے راجا وغیرہ ہو۔ بھارت نے آزادی کے بعد جاگیریں، ریاستیں اور راجدھانیاں ختم کر دی تھیں لیکن بعض خاندان عملاً اب بھی اپنے علاقوں میں حکمران تھے اور ان کا قانون چلتا تھا کنور خاندان بھی ان میں سے ایک لگتا تھا۔ بڑے کنور نے سر ہلایا تو منشی جلدی سے جھک گیا۔ میں نے سرسراتی سی آواز سنی، الفاظ مجھ میں نہیں آئے، منشی نے کھڑے ہو کر کہا۔ ''کنور جی پوچھ رہے ہیں، تم کیا کرتے ہو؟''

''میرا بزنس ہے، سپلائی کا۔'' میں نے سوچ سمجھ کر کہا۔ ''دفتروں میں ضرورت کا سامان سپلائی کرتا ہوں، ویسے میرا تعلق الٰہ آباد کے ایک زمیندار گھرانے سے ہے۔''

بڑے کنور نے پھر کچھ کہا۔ منشی اس کے سر ہلاتے ہی سرپوش سے لگ گیا تھا۔ ''کنور جی کہہ رہے ہیں، اپنا پتا اور فون نمبر بتاؤ۔ اپنے آبائی علاقے کا پتا بھی دو۔''

''کنور صاحب! اوّل تو میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں آپ کو جانتا نہیں ہوں اور نہ ہی میں نے آپ کا کوئی نقصان کیا ہے۔ مجھے سندھو نے پکڑ لیا تھا اور دھوکے سے میرے خون سے کوئی دوا بناتا رہا تھا۔ اس لئے مہربانی کر کے مجھے جانے دیں۔''

''بکومت!'' منشی نے غصے سے کہا۔ ''کنور جی کے سوال کا جواب دو۔''

''سوری، میں جواب نہیں دوں گا۔ اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو مجھے پولیس کے حوالے کر دیا جائے ورنہ جانے دیا جائے۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

سرپوش نے پھر کچھ کہا اور منشی نے اس کی ترجمانی کی۔ ''کنور جی کہتے ہیں تم ہم سے تعاون کرو تو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تمہیں انعام دیا جائے گا اور جانے کی اجازت بھی دے دی جائے گی۔''

''کیسا تعاون؟''

''یہ تمہیں بعد میں بتایا جائے گا۔''

''ایک انعام تو آتے ہی ملا ہے۔ کل سے کھانا نہ ایک طرف رہا، پینے کو پانی بھی نہیں ملا ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''تم فکر مت کرو، اس کی تلافی کر دی جائے گی۔'' منشی دل جی نے کہا۔

مجھے بڑے کنور کے بارے میں تجسس ہو رہا تھا آخر اس نے خود کو سرتاپا کیوں چھپا رکھا تھا کہ اس کا ایک ناخن تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیا وہ کسی خاص مرض میں مبتلا تھا یا نفسیاتی مریض تھا؟ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ وہ بیمار ہے اور اس کے علاج کے لئے ساری دنیا کے علاجوں کے بعد اس خبیث سپیرے سے رجوع کیا گیا تھا جو کالی ماتا کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح انسانوں کی بلی لے کر دوائیں تیار کرتا تھا۔ اس نے راج کنور سے کہا تھا کہ وہ میرے خون سے بڑے کنور کے لئے دوائیں تیار کر رہا ہے۔ ممکن ہے اس کی بات سچ ہو لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ وہ محض مجھے قبضے میں رکھنے کے لئے کنور کو استعمال کر رہا تھا۔

بڑے کنور نے بہ شرط تعاون مجھے رہا کرنے کی خوشخبری سنائی تھی۔ میں نے غور کیا کہ یہ تعاون کیا ہو سکتا تھا۔ کیا وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے علاج کے لئے اپنے خون کی قربانی دیتا رہوں۔ بڑے کنور نے منشی دل جی کے توسط سے مجھ سے اور بھی کئی سوال کئے اس کے بعد منشی نے جیل کے نگران کو بلا کر میری ہتھکڑی کھلوائی اور مجھے بذات خود محل کے ایک حصے میں لایا۔ بظاہر یہ مہمان خانہ تھا، کمرے فرنیچر اور آرائش اشیاء سے مزین تھے مگر وہاں جا بجا مسلح پہرے داروں کی موجودگی سے میں کھٹکا تھا یا شاید ذرا معزز قسم کا قید خانہ تھا کیونکہ اب بڑے کنور کو میری ضرورت تھی اس لئے مجھے یہاں منتقل کر دیا گیا تھا۔ منشی نے مجھے اس معزز جیل خانے کے جیلر کے سپرد کیا۔ یہ بھی شریف اور نرم دل نظر آنے والا شخص تھا مگر اسے دیکھنے کے بعد بھی مجھے شبہ نہیں ہوا کہ یہ جیل خانہ نہیں ہے۔

"یہ بڑے کنور کے مہمان ہیں۔" منشی نے کہا۔ "ان کے آرام اور آسائش کا پورا خیال رکھنا ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں منشی جی!" اس نے کسی قدر معنی خیز انداز میں کہا۔

منشی مجھے اس کے سپرد کر کے چلا گیا۔ "آیئے جناب!" اس نے نستعلیق لہجے میں کہا اور مجھے ایک کمرے تک لایا۔ "آپ کا قیام یہاں رہے گا۔"

"شکریہ، لہجے سے آپ دلی کے رہنے والے لگتے ہیں۔" میں نے اندازے سے کہا۔

"جی جناب! یہ کبھی باسی تھا اسی اجڑے دیار کا۔"

"آپ مسلمان ہیں؟"

"بہت سارے ہندو بھی آپ کو دلی کی ڈھلی ہوئی زبان بولتے نظر آئیں گے۔" وہ ہنسا۔ "بندے کو پریم ناتھ کہتے ہیں۔ والد صاحب شاعری کرتے تھے اور کچھ نہیں کرتے تھے اس لئے خاصی کم عمری میں غم روزگار میں مبتلا ہونا پڑا۔"

"میں مسلمان ہوں رضوان احمد نام..... یہ اطلاع اس لئے کہ کھانے میں میری مسلمانیت کا خیال رکھئے گا۔"

"آپ بے فکر رہیں۔" وہ ہنسا اور جانے لگا۔ پھر دروازے پر پہنچ کر رکا۔ "ایک بات کا خیال رکھئے گا۔ یہاں رہنا ضرورت اور پنا اجازت نقل و حرکت منع ہے۔"

"یعنی میں اس کمرے سے باہر نہیں جا سکتا؟"

"نہیں کمرے سے باہر جا سکتے ہیں لیکن مہمان خانے سے نہیں۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

کمرا مہمان خانہ ہوتے ہوئے بھی شاہانہ انداز کا تھا۔ شاندار ڈبل بیڈ، بڑی سی ڈریسنگ ٹیبل، دیوار گیر الماری اور فرش پر بچھا دبیز قالین، کھڑکی کے پردے قالین کے ہم رنگ تھے۔ وسط میں چھت کے ساتھ فانوس لٹک رہا تھا اور دیواروں پر شیشے کے گولے تھے جن کے اندر دودھیا بلب روشن تھے۔ جب ایک قیدی کے لئے یہ کمرا تھا تو کنور خاندان کی رہائش گاہوں کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔ ایک طرف شیشے کی میز پر جگ و گلاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا تھا۔ میں نے اس سے پانی پیا۔ کل صبح کی کھائی باجرے کی روٹی کب کی ہضم ہو چکی تھی اور پیٹ میں گیس مقتوں میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ میں نے کمرے کے ساتھ غسل خانے کا معائنہ کیا۔ یہ بھی خاصا پر تعیش قسم کا تھا۔ میں نے اس میں موجود سہولتوں سے استفادہ کرنے میں کل سے کام نہیں لیا تھا۔ باتھ ٹب میں گرم پانی بھر کر اور اس میں جھاگ بنانے والے لیکوڈ کے ساتھ یوڈی کلون بھی ڈالا، گرم پانی نے جیسے میرے اندر سے ساری کوفت مایوسی، تھکن اور درد کو نچوڑ لیا تھا۔ میں بالکل تازہ دم ہو گیا تھا۔ نہا دھو کر میں باہر آیا تو پریم ناتھ موجود تھا۔ اس نے بنا اجازت اندر آنے پر معذرت کی۔

"ناشتا تیار ہے، بس آپ کے آنے کی دیر ہے۔"

"پریم جی! مجھے دوسرا لباس اور ایک عدد بار بر چاہئے۔"

"آپ ناشتا کر لیں۔ دونوں چیزیں آ جائیں گی۔"

ناشتا پُر تکلف تھا۔ بکرے کے بھنے ہوئے گردے، کلیجی اور تلے ہوئے انڈوں کے ساتھ دیسی گھی میں بنے پراٹھے، مکھن اور دودھ کے ساتھ سنگترے کا جوس تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ قربانی کے جانور کو کھلایا پلایا جا رہا ہے۔ کنور خاندان کی مہربانیوں پر مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ وہ کس لیے یہ سب کر رہے تھے، مگر میں نے ہر چیز سے انصاف کیا اور ڈٹ کر کھایا۔ بھرپور ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے حجامت بنوائی۔ شیو کے ساتھ ہی سر کے بال بھی چھوٹے کرائے جو خاصے بڑھ گئے تھے۔ میرے کمرے میں پریم ناتھ چند جوڑوں کے ساتھ میرا منتظر تھا۔ یہ اونی کرتے اور پاجامے تھے جن کے ساتھ روئی کی صدریاں تھیں۔ میں نے اس میں سے ایک سائز لیا۔

"میرا خیال ہے یہ مجھے آ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"بہتر، میں ایسا ہی ایک کرتہ، پاجامہ اور بھیج دیتا ہوں یا آپ کوئی اور لباس پہننا پسند فرمائیں گے؟"

"اگر مل سکے تو گرم فراوزر اور اونی جرسی، یہاں سردی زیادہ ہے۔"

"جی جناب، چند دن پہلے ہلکی سی برف باری بھی ہوئی تھی۔ یہ جگہ سطح سمندر سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔"

"کیا یہ جگہ ہماچل پردیش میں ہے؟"

"جی جناب! راج پور نام ہے۔ راج کنور موجودہ راج کنور صاحب کے پردادا تھے، انگریزوں نے ان کو یہ جاگیر دی تھی۔"

"یہ حویلی اب بھی ان کی ملکیت ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لیں جناب، یہاں بسنے والا ہر شخص بڑے کنور صاحب کی رعایا میں شامل ہے۔"

"ایک گھنٹے بعد مجھے بھجوا کافی دیجئے گا۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے ایک بار پھر غسل خانے کا رخ کیا۔ سر دھو کر لباس تبدیل کیا۔ براق سفید رنگ کا یہ لباس میرے ناپ کے عین مطابق تھا اور بالکل نیا تھا۔ پیٹ بھر کر کھانے کا خمار رفتہ رفتہ مجھ پر حاوی ہو رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی "آ جاؤ" میں نے بلند آواز سے پکارا۔

ایک تیکھی نقوش والی نوجوان لڑکی اندر آئی۔ اس نے ٹرے میں کافی کے لوازمات اٹھا رکھے تھے۔ "نمستے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرکار۔"

میں نے سر کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیا۔ "کافی بنا دو۔"

اس نے سلیقے سے کافی بنائی۔ چینی اور کریم کا پوچھا۔ میں نے کریم سے منع کر دیا۔ "صرف چینی ڈال دو ایک چمچ، تم ملازمہ ہو؟"

"جی سرکار سونا نام ہے ہمارا۔"

میں نے اس کے نام پر تبصرے سے گریز کیا۔ ممکن ہے اسے میرا نام عجیب لگتا۔ سرخی مائل سفید رنگ کی یہ لڑکی دلکش اور معصومانہ نقوش رکھتی تھی۔ ساڑھی اس کے کسی قدر بھرے جسم پر سج رہی تھی۔

"اچھا نام ہے، سونا! اس کے کیا معنی ہوئے؟"

"پتا نہیں صاحب! ماتا پتا نے رکھا تھا نام۔"

"اچھا سونا! یہ بتاؤ محل میں ایک سپیرا اور اس کی بیٹی آئے تھے، تم کو ان کے بارے میں پتا ہے؟"

"نہیں صاحب، ہم تو بس اس جگہ ہوتے ہیں۔" اس نے معصومیت سے کہا اور کافی تیار کر کے مگ مجھے تھما دیا۔ "اگر ہماری ضرورت ہو تو یہ بٹن دبا دیجئے گا۔" اس نے دیوار پر لگے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا اور باہر چلی گئی۔

میں آرام دہ کرسی پر نیم دراز کافی کے سپ لینے لگا۔ بڑے کنور کا رویہ میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ میرے حالات اتنی جلدی پلٹا کھائے تھے کہ مجھے یہ سب عجیب اور مصنوعی سا لگا تھا، کہاں تو میں بارہ گھنٹے سے قید خانے میں بھوکا پیاسا پڑا تھا اور اچانک ہی مجھے شاہی مہمان کا درجہ دے دیا گیا۔ جیسے شہزادے کو اچانک جادوگر کی قید سے رہائی دے کر شاہی محل میں پہنچا دیا گیا ہو مگر یہ محل بھی ایک دھوکا تھا۔ وقت بدلتا تو شہزادے کو پتا چلتا کہ وہ جادوگر کی قید میں ہی ہے صرف قید خانہ بدلا ہے۔ بہرحال کسی نئی ابتلا سے پہلے یہ مہلت بھی غنیمت تھی، میں جسمانی اور ذہنی طور پر خود کو تیار کر سکتا تھا۔ اس کے بعد بڑے کنور اپنے اصل روپ میں سامنے آتے بھی تو مجھے حیرت نہ ہوتی۔ کافی لذیذ تھی اس سے نیس کیف کی مخصوص خوشبو تو نہیں آ رہی تھی مگر اس کی مہک نیس کیف سے اچھی ہی تھی۔ کنور صاحب اپنے لئے کوئی خصوصی بلینڈ ہی منگواتے ہوں گے۔ نیس کیف تو عام آدمی بھی پیتا ہے اور جو چیز عام آدمی کی رسائی میں ہو وہ ان بڑے لوگوں کے ناک تلے کہاں آتی تھی۔ میں نے جلد مگ خالی کر دیا۔ ناشتا، غسل، حجامت، نیا لباس اور پھر کافی ان سب نے میری روح کو سرشار کر دیا تھا۔

سوچتے سوچتے میں نے محسوس کیا کہ میرا سر ہلکا سا بھاری ہو رہا ہے۔ میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور اٹھنا چاہا تو کمرا میری نظروں کے سامنے گھوم گیا تھا۔ یہ کیا ہو رہا تھا۔ میں گرتے گرتے بچا تھا، بڑی مشکل سے میں کھڑا ہوا اور ڈگمگاتے قدموں سے دیوار پر لگے بٹن کی طرف بڑھا۔ مجھے کافی میں کچھ دیا گیا تھا۔ کوئی زہر یا کوئی سریع الاثر دوا۔ مجھے بٹن تک پہنچنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ میں دھڑام سے منہ کے بل قالین پر گرا تھا۔ اگر یہ دبیز قالین نہ ہوتا تو مرے دانت ٹوٹ جاتے یا ناک جاپانی ہو جاتی۔ چکراتے ذہن کے ساتھ میں نے دروازہ کھلتے دیکھا اور نائیک اندر آیا تھا۔ اس نے نزدیک آ کر جھک کر مجھے دیکھا اور تمسخر اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کیا حال ہیں مہاشے جی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے ساتھ ہی مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

مجھے ہوش آیا تو میں کسی بندی جگہ پر ایک چٹائی پر لیٹا تھا، میرے جسم پر صرف پتلون اور شرٹ تھی مگر یہا سردی خاص نہیں تھی اور کمرے میں کوئی حرارت والی شے بھی نہیں تھی۔ چاروں طرف سے بند اس کمرے م صرف ایک دروازہ تھا، اس کے اوپر گول دائرے میں جالیاں لگی تھیں، ان سے تازہ ہوا کی آمد و رفت جاری ر تھی کیونکہ کمرے میں گھٹن ذرا بھی نہیں تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کسی تہہ خانے میں تھا۔ اس موسم میں صرا زیر زمین تہہ خانے ہی گرم ہوتے ہیں۔ دوا کا اثر ختم ہو گیا تھا اور میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ میں یاد کر لگا جب سونتا مجھے کافی دے کر گئی اور دوا کا اثر ہونے لگا تھا تو نائیک اندر آیا تھا۔ آخر اس کا مقصد کیا تھا۔ میں کا طور پر ان لوگوں کے قبضے میں تھا، اگر انہوں نے میرے خلاف کچھ کرنا تھا تو اس کے لئے انہیں یہ کام کرنے ا ضرورت نہیں تھی، تو کیا نائیک نے اپنے آقاؤں سے چھپ کر یہ حرکت کی تھی؟ راج کنور یا بڑے کنور کو یہ س کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

میں نے سر جھٹکا۔ ''جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

اسی لمحے دروازہ کھلا، پہلے راج کنور اور پھر نائیک اندر آئے۔ نائیک نے حسب معمول جسم کی نما کرنے والا باریک کرتہ پہن رکھا تھا، اس کمرے میں اسے صدری کی ضرورت نہیں تھی، میں کھڑا ہو گیا تھا۔

''راج کنور! اس حرکت کا مقصد؟''

وہ مسکرایا۔ ''تم نے راستے میں بہت بکواس کی تھی، اس کا حساب لینا ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''میں نے تو کچھ نہیں کہا تھا تمہیں؟''

''تو نے سورما بننے کی کوشش تو کی تھی۔'' نائیک کڑوے لہجے میں بولا۔ ''بہت اکڑ ہے تجھ میں، آج س نکل جائے گی۔''

''اوہ اچھا!'' میں نے گہری سانس لی۔ راج کنور اور اس کا چچیرا خاص نائیک دونوں ایک جیسے کینے جوان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا یہ اس کے دشمن ہو جاتے تھے۔ ''راج کنور! اس کے لئے دھوکے سے بے ہوش کرنے کی کیا ضرورت تھی، تم مجھے براہ راست بھی یہاں لا سکتے تھے۔''

وہ مسکرایا۔ ''بس ایک وجہ تھی۔''

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''مجھے نائیک سے مقابلہ کرنا ہوگا۔''

میں نے نائیک کی طرف دیکھا، اس نے اپنا کرتہ اتار دیا تھا۔ ''میں اس سے مقابلہ کیوں کروں اور اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''اگر تو نے نائیک کو ہرا دیا تو تجھے جانے کی اجازت ہوگی۔'' راج کنور بولا۔ میں نے دیکھا، اس کرتے کی جیب ذرا لٹکی ہوئی تھی یعنی اس میں کوئی ہتھیار تھا۔

''سچ مچ!'' میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔ ''تم اتنے ہی بااختیار ہو تو مجھے اس طرح یہاں لا کیا ضرورت تھی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تیری جبان بند کرنا پڑے گی۔'' نائیک دانت پیستا میری طرف آیا، اس کے گھٹے ہوئے طاقتور جسم سے لگتا تھا کہ وہ باقاعدگی سے کسرت کرتا ہے۔ میں اس کے لڑنے کے انداز سے ناواقف تھا، ممکن ہے وہ کراٹے اور جوڈو کا استعمال کرتا ہو یا دیسی کشتی کے داؤں پیچ لگاتا ہو مگر اس نے ویسٹرن فلموں کے انداز میں مجھے مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔ میں نے بچنا چاہا اور عام حالات میں، میں بچ بھی جاتا مگر اس وقت میری حرکت کسی قدر سُستی سے ہوئی تھی۔ میں نے جتنی تیزی سے سر بچانا چاہا تھا، وہ ممکن نہیں ہو سکا اور شاید یہ دوا کا اثر تھا۔ مکا میرے دائیں رخسار کو چھوتا گیا اور میں چٹائی پر جا گرا۔ راج کنور مسکرایا تھا۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''مجھے کوئی دوا دی گئی ہے۔ میں پوری طرح چوکس نہیں ہوں۔''

''بہانے مت کرو۔'' نائیک نے مجھے گریبان سے پکڑ کر کھینچا اور میں خود کھنچا چلا آیا لیکن جب میں نے اسے جوابی گھونسا مارنے کی کوشش کی تو مجھے پتا چلا کہ میرا ہاتھ بھی اتنا ہی سُست ہو رہا تھا جتنا کہ میرا باقی جسم۔ نائیک نے بہ آسانی خود کو بچایا اور مجھے دوسرا گھونسا رسید کیا، میں پھر چٹائی پر جا گرا۔ اس بار مجھے منہ میں خون کا ذائقہ محسوس ہوا تھا۔ راج کنور کی سازش میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ مجھے اس طرح بے بس کر کے اور پٹوا کر اپنی اَنا کی تسکین کرنا چاہتا تھا۔ میں اٹھا تو نائیک دوبارہ میری طرف جھپٹا تھا، وہ خود بھی مجھے پیٹنے کے لئے بے تاب نظر آتا تھا۔ میں نے بظاہر تو اسے گھونسا مارنے کی کوشش کی مگر ساتھ ہی میرا گھٹنا اٹھا اور نائیک کی رانوں کے درمیان میں لگا۔ بے شک میری رفتار سُست تھی مگر اس کا ازالہ اس کی رفتار نے کر دیا۔ میرا گھٹنا خاصی قوت سے اس کے جسم کے نازک ترین مقام پر لگا تھا۔ نائیک کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی تھی اور وہ پیچھے جا گرا۔ میں نے راج کنور کی طرف دیکھا۔

''کیسا بودا ہے تمہارا آدمی، ایک وار نہیں سہہ سکا؟''

راج کنور کا چہرہ غصے سے سیاہ ہو گیا تھا۔ اس نے نائیک کی ماں بہن کو یاد کرتے ہوئے اسے حرام خوری کا طعنہ دیا۔ میں پھر ہنسا۔ ''اس کا قصور نہیں ہے، یہ شاید آج تک تمہارے کسانوں کی پٹائی لگاتا رہا تھا۔''

نائیک بمشکل اٹھا اور ایک بار پھر حملہ آور ہوا لیکن اس حملے میں زیادہ زور ان گالیوں پر تھا جو اس کے منہ سے نکل رہی تھیں۔ میں نے اس کے نزدیک آنے کا انتظار کیا اور یک دم زمین پر گرتے ہوئے سلپ لگائی۔ وہ مجھ سے ٹکرا کر منہ کے بل گرا تھا اور سخت فرش نے اس کے ناک منہ کو برابر کر دیا تھا۔ وہ ذرا سا اٹھا تو اس کے چہرے پر خون تھا۔ میں اس حالت میں بھی اس پر بھاری پڑ رہا تھا۔ میں ہنسا۔ ''کیا تمہارا یہ کھل نائیک!''

نائیک نے چیخ کر مجھے گالی دی۔ جواب میں، میں نے قدرے سُستی سے سہی لیکن اس کی پسلیوں پر دو تسلی بخش قسم کی ٹھوکریں رسید کیں۔ وہ صرف نمائش کی چیز تھا جس سے راج کنور دوسروں کو ڈرانے دھمکانے کا کام لیا کرتا تھا۔ اسے لڑنا نہیں آتا تھا، سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کے اندر مقابلے کی ہمت نہیں تھی۔ مجھے کافی میں سُست کرنے والی دوا دینے کے باوجود وہ مجھ پر قابو نہیں پا سکا تھا اور دو ضربوں نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ میں نے اسے ایک ٹھوکر اور ماری، اسی لمحے مجھے آنکھوں کے گوشوں سے کوئی شے اپنی طرف آنے کا احساس ہوا، وہ شے میرے سر سے ٹکرائی اور اگلے ہی لمحے میں پھر بے ہوش ہو چکا تھا۔

پہلی بار ہوش میں آنے کے بعد طبیعت جتنی اچھی تھی، دوسری بار اتنی ہی تکلیف ہو رہی تھی۔ سر کے اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درد کا ایک سمندر شور مچا رہا تھا اور جب اس کی منہ زور لہریں سر کی دیواروں سے ٹکراتی تھیں تو اذیت سر سے شروع ہو کر سینے تک جاتی تھی، اس سے نیچے معدے میں متلی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولنے سے گریز کیا۔ نہ جانے راج کنور نے کس چیز سے وار کیا تھا۔ مجھے اپنی ساری کھوپڑی پلپلی سی لگ رہی تھی۔ شاید اس کے اندر میرا مغز ڈول رہا تھا۔ مجھے سر کو چھوتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں میری انگلیاں سر میں نہ گھس جائیں۔

خاصی دیر بعد جا کر سر کی تکلیف کسی قدر کم ہوئی تو مجھے شدت سے غصہ آنے لگا۔ یہ غصہ حالات پر تھا جنہوں نے مجھے کھلونا بنا لیا تھا اور جیسے چاہے مجھ سے کھیل رہا تھا۔ غضب خدا کا، پچھلے چند گھنٹوں میں دو بار بے ہوش کیا جا چکا تھا۔ جب غصہ بھی ذرا کم ہوا تو میں نے ڈرتے ڈرتے اپنے سر کو چھوا۔ میرا خیال تھا کہ کھوپڑی گل وگلزار ہو رہی ہوگی مگر اسے بے داغ اور بے خراش پا کر میں دنگ رہ گیا تھا۔ میں نے اچھی طرح ٹٹولا، کسی چوٹ یا گومڑ کا نام ونشان نہیں تھا۔ میں نے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ مہمان خانے کا وہی کمرا تھا جو مجھے دیا گیا تھا۔ میں بستر پر لیٹا تھا۔ برابر میں تپائی پر پانی کا جگ، گلاس اور دو عدد سفید رنگ کی گولیاں تھیں جو بظاہر اسپرین کی لگ رہی تھیں مگر میں نے ان کو نظر انداز کر کے جگ سے پانی پیا اور تقریباً سارا ہی جگ پی گیا تھا۔ پانی پی کر میری حالت میں خاصی بہتری آئی تھی۔

کھڑکی کے باہر تاریکی تھی۔ یعنی رات ہو چکی تھی اور میں نے نہ جانے کتنا وقت بے ہوشی میں گزار دیا تھا۔ میرا خالی پیٹ بتا رہا تھا، مجھے آخری بار کھانا کھائے ہوئے خاصی دیر ہو چکی ہے۔ کمرے میں کوئی گھڑی نہیں تھی۔ میں نے ملازم کو بلانے والی گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھا۔ چند لمحے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور اس کے چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور وہی تیکھے نقوش والی حسین لڑکی اندر آئی جس نے کافی میں مجھے کوئی نشے والی دوا دی تھی۔ ممکن ہے وہ ساتی ہوتی تو لوگ اس کے ہاتھ سے زہر بھی خوشی سے پی لیتے، اس کے معصوم چہرے پر ذرا بھی پریشانی یا شرمندگی نہیں تھی حالانکہ کافی اس نے ہی لا کر دی تھی۔

''میں نے کافی تم سے منگوائی تھی؟'' میں نے ڈانٹ کر پوچھا۔

''جی سرکار'' اس نے ترنم سے کہا۔

''بنائی کس نے تھی، تم نے؟''

''نہ جی! وہ کیا ہے..... رام لال، اس نے بنائی تھی۔'' اس نے سہم کر کہا۔ ''کیا اچھی نہیں سرکار؟''

گویا کافی میں دوا رام لال نے ڈالی تھی، اس لڑکی کو کچھ کہنا بے کار تھا میں نے اس سے کام کی بات کی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

''میں کھانے کو کچھ لاتی ہوں سرکار۔''

''میرے فوت ہونے سے پہلے لے آنا۔''

وہ سمجھی نہیں۔ ''کیا سرکار؟''

''کھانے کو لاؤ بی بی!''

وہ میرے بے تکلفی پر شوخ لہجے میں ہنسی اور چلی گئی۔ میں بستر پر دراز ہو کر اس چکر پر غور کرنے لگا۔ راج کنور نے مجھے اس طرح کیوں بلایا تھا۔ اسے کس کا خوف تھا میرے معاملے میں؟ ظاہر ہے بڑے کنور کا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑے کنور کو مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی جس کی وجہ سے راج کنور کو یہ کام چھپ کر کرنا پڑا تھا۔ اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ سونا کچھ دیر بعد میرے لئے ٹرالی میں رکھ کر کھانا لائی۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھایا۔ میں نے اس دوران میں سونا سے انٹرویو کیا۔ ''کل جب تُو کافی لے کر آئی تھی تو اس کے بعد دوبارہ نہیں آئی؟''

''ہماری چھٹی ہو گئی تھی سرکار۔''

''تُو آج آئی تو اب سے پہلے میرے کمرے میں نہیں آئی؟''

''کیسے آتی جی! ادھر آپ نے تختی لگا رکھی تھی۔''

''کیسی تختی؟'' اس نے مجھے دروازے کے باہر سے لٹکنے والی تختی لا کر دکھائی جس پر ڈونٹ ڈسٹرب لکھا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''اس کا مطلب سمجھتی ہو؟''

''نہ جی! پر اتنا پتا ہے جب یہ تختی لگی ہو تو کمرے میں نہیں جانا۔''

یعنی ان لوگوں نے پکا بندوبست کر لیا تھا۔ کسی کو پتا نہیں چلا کہ میں کمرے سے باہر ایک تہہ خانے میں تھا جہاں راج کنور نے اپنے گرگے نائیک کے ذریعے میری مرمت کلوا کر اپنی اَنا کی تسکین کا سامان کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کو میری طرف سے خطرہ تھا اس لئے کافی میں مجھے جسمانی حرکات سُست کرنے والی دوا دی تھی یا وہ بے ہوش کرنے والی دوا کے مابعد اثرات تھے اس کے باوجود نائیک مجھ پر حاوی نہ ہو سکا تھا اور زیر ناف ضرب کھانے کے بعد اس نے اپنی ناک بھی تڑوالی تھی۔ اس کے بعد راج کنور نے مجھے ناک آؤٹ کر دیا تھا۔ یہ سب مجھے بھگتا نہ سا لگا تھا۔ بہر حال راج کنور ایک فیوڈل لارڈ تھا اور اپنی اَنا کی تسکین کے لئے اس سے کسی بھی حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔

ایک ناکام کوشش کے بعد وہ دوسری حرکت کر سکتا تھا یا اس نے میرا سر بجانے کو کافی سمجھا تھا، اس نے میرے سر پر کوئی ایسی چیز ماری تھی جو نرم اور وزنی تھی، یہ کام چمڑہ چڑھے سیسے کے ٹکڑے سے لیا جا سکتا تھا یا تھیلی میں ریت بھر کر بھی لیا جا سکتا ہے، اسے رسی سے باندھ کر اور گھما کر کسی کے سر پر مارا جائے تو اس کا مغز ہل جاتا ہے۔ بظاہر کوئی چوٹ نہیں آئی ہے مگر ضرب کی شدت سے موت بھی واقع ہو سکتی ہے ورنہ ہوش تو غائب ہو جاتے ہیں جیسے میرے ہو گئے تھے۔ سونا برتن لے کر چلی گئی۔ وہ نصف گھنٹے بعد آئی تھی۔ ''سرکار، آپ کو بڑے کنور نے بلایا ہے۔''

''بڑے کنور نے..... کہاں؟''

''ابھی چلو گے تو دیکھ لینا۔ دیر مت کرو، وہ خفا ہوں گے۔''

بڑا کنور اپنے مخصوص کمرے میں موجود تھا۔ یعنی آتش دان کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا اور شمال کی طرف کھلی کھڑکی سے یخ بستہ ہوا آ رہی تھی۔ بڑا کنور مخصوص چغے میں تھا اور خاص بات یہ تھی کہ اس کے سامنے ایک عدد کرسی رکھی تھی۔ میں اندر آیا اور سونا نے اسے میری آمد کی اطلاع دی تو اس نے سر ہلایا اور بولا۔ ''شہباز ملک، سامنے بیٹھ جاؤ۔''

''تم..... مجھے جانتے ہو؟'' میں چونکا اور کرسی پر بیٹھنا بھول گیا تھا۔

اس نے سر ہلکہ ہڈ ہلایا اور اپنی دھیمی کھرکھراتی آواز میں بولا۔ ''دو دن اس کام میں لگے مگر مجھے تمہارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں سب پتا چل گیا۔"

"مثلاً؟" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے میری جیکٹ صاف ستھری حالت میں مل گئی تھی اس لئے خاص سردی نہیں لگ رہی تھی۔

"کہاں سے شروع کروں؟ تمہارے باپ ملک صاحب سے..... یا اس پیاری سی لڑکی سے جو اب تمہاری بھابی ہے؟ مونا اور سفیر کے بارے میں بتاؤں یا مرشد علی اور ڈیوڈ شا کے بارے میں؟ حرفِ آخر میں لال حویلی کا ذکر کروں یا راجا عمر دراز کا؟ وہ اب بھارت میں ہے۔"

"بس..... بس، میں نے مان لیا۔ تم میرے بارے میں سب جان گئے ہو مگر اس کا مقصد.....؟"

"میں خود سے متعلق ہر آدمی کے بارے میں اپنی معلومات مکمل رکھنے کا عادی ہوں، یہ سوچے بغیر کہ اس سے مجھے فائدہ ہوگا یا نہیں؟" اس نے کہا۔ "شہباز ملک، میرا مشغلہ انسانوں اور ان کے رویے پڑھنا ہے اور میں ہر بار کچھ نہ کچھ نیا جان لیتا ہوں۔"

"کیونکہ ہر انسان ایک نیا انسان ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "مگر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"سندھو کا کہنا ہے، تمہیں شاہ کو برانے ڈسا تھا اور تم بچ نکلے اس لئے تمہارا خون کچھ ایسے اثرات رکھتا ہے جس سے بعض بیماریوں کا علاج کیا جا سکتا ہے۔"

"لہٰذا اب تم میرا خون نچوڑو گے۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں، تمہارے جسم سے ہر ہفتے ایک لیٹر خون لیا جائے گا۔ نارمل حالت میں آدمی کے جسم کی یہ کمی ایک ہفتے میں پوری ہو جاتی ہے لیکن ہر ہفتے خون لیا جائے تو اس سے بعض خطرات ہوتے ہیں مگر ان کا بھی ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ طاقتور خون بنانے والی دواؤں اور ڈرپ سے۔"

"یعنی تم ہر ہفتے میرا ایک لیٹر خون نکالو گے، اس سے دوا بنے گی تو تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟"

اس نے آہستہ سے چغے کا ہڈ الٹ دیا۔ وہ پھسل کر اس کے شانوں تک آ گیا۔ میں لرز گیا تھا، میرے سامنے ایک کریہہ المنظر شخص بیٹھا تھا جس کے چہرے اور گردن کے نظر آنے والے حصوں پر عجیب سے داغ تھے جیسے کسی سانپ کی کھال پر قدرت نقش بناتی ہے۔ اس نے چغے کی آستینیں بھی الٹ دیں۔ اس کے پنجوں اور کلائیوں پر بھی ایسے ہی نشان تھے۔ "مجھے سترہ برس کی عمر میں ایک سانپ نے ڈس لیا تھا۔ کوشش کر کے میری جان بچا لی گئی تھی لیکن اس کے بعد سے یہ دھبے میرے پورے جسم پر پھیل گئے، اس کے اثر سے میرے جسم کے سارے بال جھڑ گئے اور میں روشنی برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا۔"

اس نے چوغہ درست کر لیا۔ سترہ برس کی عمر سے وہ اس طرح کپڑے کے قید خانے میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کی عمر چالیس برس بھی ہو سکتی تھی اور پچاس برس بھی۔ اس نے ایک طویل عرصہ اسی طرح گزارا تھا۔

"کیا تم نے اس کا علاج نہیں کرایا؟"

"دنیا میں جہاں بھی کوئی طریقہ علاج رائج ہے میں وہاں گیا مگر....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" میں نے اس کی بات مکمل کی۔ "پھر تمہیں سندھو کے طریقہ علاج پر کیوں یقین ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس سے مجھے فائدہ ہوا ہے۔ وہ دو سال سے میرا علاج کر رہا ہے اور میری حالت خاصی بہتر ہوئی ہے اس سے پہلے میری کھال گلنے لگی تھی۔''

''سندھو ایک دھوکے باز آدمی ہے۔ مجھ سے پہلے وہ دو افراد کو اسی طرح خون نچوڑ کر مار چکا ہے۔''

''سندھو مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔'' اس نے جواب دیا۔ دو افراد کے مارے جانے کی بات اس نے نظر انداز کر دی تھی۔ ''اور بے فکر رہو۔ یہاں وہ اپنے طریقے سے کام نہیں کرے گا۔ خون ڈاکٹر کی نگرانی میں نکالا جائے گا اور کسی بھی خطرے کی صورت میں خون لینے کا عمل روک دیا جائے گا۔''

''اتنی مہربانی کیوں؟'' میں نے کسی قدر طنز سے کہا۔ ''میں تمہارے قبضے میں ہوں، چاہو تو میرے جسم کا سارا خون ایک ساتھ نکال لو۔''

''مجھے صحت چاہئے لیکن اس کے لئے میں کسی کی جان نہیں لینا چاہتا۔''

''سندھو نے تمہارے لئے دوائی بنانے کے لئے دو انسانوں کی جان لی تھی۔''

''میں بے خبر تھا، اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''اوکے، میں نے مان لیا، تم ایک رحم دل اور اچھے انسان ہو۔ اب یہ بتاؤ، مجھے اس کے بدلے کیا ملے گا؟''

''جو تم چاہو۔ تم غیر قانونی طور پر بھارت میں آئے ہو اور تم جانتے ہو کہ تم پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو تمہارا کیا ہوگا؟''

''تشدد سے جیل میں انتقال۔''

''میں تمہیں بحفاظت واپس پاکستان پہنچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ نقد انعام جو تم مانگو، لیکن مجھے امید ہے تم کوئی نامعقول مطالبہ نہیں کرو گے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''تمہاری باتوں سے لگتا ہے تم نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے۔''

''میں اسکول کالج، یونیورسٹی نہیں گیا مگر میرے پاس ان سب لوگوں سے زیادہ علم ہے جو عمر کے بیس پچیس سال ان اداروں میں گزار دیتے ہیں۔ تم مجھ سے فلکیات سے لے کر زعفران کی کاشت تک کسی بھی موضوع پر بات کر سکتے۔ میں نو زبانیں جانتا ہوں۔ ان میں بین الاقوامی زبانیں بھی شامل ہیں۔''

''تمہاری اردو بھی بہت اچھی ہے۔''

''شکریہ اس کا مطلب ہے تم نے سمجھوتا کر لیا ہے۔''

''مجبوری ہے، اگر میں انکار کروں گا تو تم زبردستی پر اتر آؤ گے اور میں تمہارے قبضے میں ہوں۔'' میں نے شانے اچکائے۔

''مجبوری تو ہے۔ مجھے ہر قیمت پر صحت چاہئے مگر تم بے فکر رہو، تمہیں نقصان نہیں ہوگا۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ تم کسی کی جان بچانے کے لئے خون کا عطیہ دے رہے ہو اور یہ غلط بھی نہیں ہے۔''

''میں نے مان لیا، مجھے تمہاری طرف سے خطرہ نہیں ہے لیکن تمہارا بھائی راج کنور!''

وہ چونکا۔ ''راج نے تم سے کچھ کہا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے مختصر الفاظ میں بتایا کہ میرے ساتھ کل کیا ہوا تھا۔ ''اگر میرے سر پر گومڑ ہوتا تو ابھی ٹھیک مل جاتا، خیر تم ٹائیک کی صورت ملاحظہ کر سکتے ہو۔ میں نے اس کی ناک توڑ دی تھی۔ ممکن ہے وہ اپنے سامنے کے دانتوں سے بھی محروم ہو گیا ہو؟''

''یہ راج نے اچھا نہیں کیا۔ بہر حال تم فکر مت کرو، اب ایسا نہیں ہو گا۔''

''میں اپنی حفاظت کر سکتا ہوں، میں نے سوچا تمہارے علم میں لے آؤں۔''

''میں راج کو سمجھا دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ ڈیوڈ شاہ اور راجا عمر دراز میں کتنا تنازعہ ہے؟''

''تم نے تو کہا تھا کہ تم سب جانتے ہو؟''

''ہاں، مگر تفصیلات کے ساتھ نہیں۔ دو دن میں اتنا معلوم کر لینا بھی میرا ہی کام ہے۔ چند دن اور ملتے تو میں یہ بھی معلوم کر لیتا۔''

میں نے غور کیا اور بولنا شروع کیا۔ ''ان دونوں کے درمیان تنازعہ کچھ خاندانی نوعیت کا ہے۔ عمر دراز اور ڈیوڈ شا کا چچا ولیم شا ایک ساتھ کسی ہمالیہ کی مہم پر گئے تھے اور وہاں سے ان کے ہاتھ کچھ نوادرات لگے تھے۔ سارا تنازع ان نوادرات کی ملکیت کا ہے۔''

''میں نے سنا ہے کہ ان نوادرات سے کچھ اور کہانیاں بھی منسلک ہیں۔ جیسے ایک پُراسرار وادی کی کہانی جو ہمالیہ کے وسط میں پائی جاتی ہے۔''

''میں نے بھی سنا ہے لیکن میں ان سے کلی طور پر واقف نہیں ہوں۔'' میں نے بادلِ ناخواستہ کہا۔ اب مجھے ذرا تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ بڑا کنور اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہا تھا اور کچھ زیادہ ہی باخبر بھی تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ چغے کے سرپوش کی اوٹ سے وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ درست ہے کہ عمر دراز کے پاس ایک ایسا پتھر ہے جو سیاہ ہے مگر اسے روشنی میں رکھو تو وہ سفید اور چمکدار ہو جاتا ہے؟''

''درست ہے۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''راجا کا ایک حکیم ہے جو امراض اور چوٹوں کا حیرت انگیز علاج کرتا ہے؟''

''یہ بھی درست ہے۔'' میں نے بادلِ ناخواستہ جواب دیا۔ ''اس نے میرے ہاتھ کا علاج کیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے کاٹنے کی تیاری بھی کر لی تھی۔'' میں نے بایاں ہاتھ آگے کیا۔

''یہ بالکل ٹھیک ہے؟''

''نہیں، کبھی کبھی سردی میں اس کی گرفت کمزور پڑ جاتی ہے۔''

''علاج مکمل ہوا تھا؟''

''نہیں، بدقسمتی سے عین آخری دنوں میں علاج ادھورا رہ گیا تھا۔''

''عمر دراز کا یہ آدمی کہاں ہے؟''

''جب تم نے اس کے بارے میں اتنی معلومات حاصل کی ہیں تو تم کو یہ بھی پتا ہو گا کہ وہ کہاں ہے؟''

اس نے سرپوش ہلایا۔ ''ہاں معلوم ہے لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہے۔'' میں نے بتا دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا تھا۔

''ڈیوڈ شا کے قبضے میں..... کیوں؟''

''ڈیوڈ شا اس سے ان دواؤں کے فارمولے چاہتا ہے جو حیرت انگیز طور پر ناقابلِ علاج چوٹوں کو بھی ٹھیک کر دیتی ہیں۔''

''ڈیوڈ شا برطانیہ کا ایک لارڈ ہے۔'' بڑے کنور نے پُر خیال انداز میں کہا۔

''ساتھ ہی بہت خطرناک اور سفاک آدمی ہے۔''

''اس حیثیت کے آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔'' اس نے کہا اور اچانک بولا۔ ''منشی دل جی!''

فوراً ہی دروازہ کھلا اور منشی دل جی اندر آیا۔ ''شاید بڑے کنور کے پاس مواصلاتی رابطے کی کوئی شے تھی جو اس کے سرپوش کے اندر پوشیدہ تھی۔ ''حکم بڑے کنور سرکار!''

''اب یہ ہمارا خاص مہمان ہے۔'' بڑے کنور نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اس کی خاص حفاظت کرنی ہے، کسی کو اس تک رسائی نہ ہو۔

''سمجھ گیا سرکار!''

''اس کے کھانے پینے کی ساری ذمے داری تمہاری ہے۔''

''جی سرکار!''

''بڑے کنور، کیا مجھے باہر جانے اور کسی سے رابطہ کرنے کی اجازت ہوگی؟'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... اس چار دیواری کے اندر تم کسی محافظ کے ساتھ گھوم سکتے ہو۔ باہر جانے اور کسی سے رابطہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تمہارے اپنے مفاد میں ہے۔''

بڑا کنور مجھے شاید بچہ سمجھ کر بہلا رہا تھا۔ یہ میرے نہیں اس کے مفاد میں تھا۔ وہ میرا لہو نچوڑنے کی فکر میں تھا اور یہ کام مجھے بہلا پھسلا کر اور شریف بن کر کرنا چاہتا تھا۔ جو کام سندھو نے زور زبردستی سے کیا تھا وہی کام وہ مہذبانہ انداز میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ منشی دل جی مجھے لے کر باہر آیا مگر محل سے باہر لے جانے کے بجائے وہ اس کے وسط میں ایک کمرے میں لے آیا۔ کمرا بے حد آراستہ و پیراستہ تھا مگر اس کی ساخت سے ظاہر تھا کہ وہ قید خانہ ہے۔ اس میں داخلے کا صرف ایک دروازہ تھا اور ایک دروازہ باتھ روم کا تھا۔ نہ کوئی کھڑکی تھی، نہ کوئی روشن دان۔ ''یہ آپ کا کمرا ہے سرکار!'' اس بار منشی دل جی کے انداز میں احترام تھا۔ یہ بھی منافقت تھی۔

''میں بڑے کنور کا شکر گزار ہوں۔'' میں نے جوابی منافقت کا مظاہرہ کیا۔ ''وہ دیالو آدمی ہیں۔''

''آپ کمرا دیکھ لیں، پھر کسی شے کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔''

''فی الحال تو نہیں، ویسے میں اب میں آرام کروں گا۔''

وہ چلا گیا۔ کمرے میں آرام و سکون کا ہر سامان تھا مگر اس میں میرا دم گھٹ رہا تھا۔ میں نے دروازہ آزمایا حسبِ توقع وہ باہر سے بند تھا، اندر اس کے کوئی کنڈی یا تالا نہیں تھا صرف ایک ہینڈل تھا جس سے پکڑ کر اسے کھولا جاتا تھا۔ میں نے جوتے اور جیکٹ اتاری اور بستر پر دراز ہو گیا۔ ابھی میں سونے کے بارے میں سوچ رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''آ جاؤ۔''

دروازہ کھلا اور منشی دل جی کے ساتھ سندھو اندر آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک عدد پیالہ تھا۔ میں اٹھ بیٹھا۔

''تم..... خبیث آدمی، پھر میرے لئے زہر تیار کر کے لائے ہو۔''

''نہیں شہباز صاحب!'' منشی دل جی نے کہا۔ ''یہ دوا ہے جو خون بناتی ہے۔''

''میں اس شخص پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔'' میں نے سندھو کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ پہلے بھی مجھے دوا کے نام پر مفلوج کرنے والا زہر دیتا رہا ہے۔''

''یہ ہمارے قابو میں ہے۔ اس نے ذرا بھی غلط حرکت کی تو اس کی خیر نہیں ہوگی۔ آپ بے خطر یہ دوا پی لیں کیونکہ یہ دوا بڑے کنور سرکار کے لئے بنتی ہے۔''

''اور میں پینے سے انکار کر دوں تو؟''

''تو ہم سمجھیں گے کہ آپ تعاون سے انکار کر رہے ہیں۔'' منشی کا لہجہ دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔ ''دوا آپ نہ بھی لیں تب بھی اپنا کام تو کرنا ہے۔''

اس کا مطلب تھا کہ میں بے شک ٹانک نہ پیوں، میرا خون تو نکالا جائے گا۔ مجبوراً میں نے سر ہلایا۔

''لاؤ، یہ مجھے دو۔''

سندھو نے ڈرتے ڈرتے پیالہ مجھے دے دیا۔ یہ چاندی سے بنا خوبصورت پیالہ تھا اور ساتھ ہی چاندی کا چمچ بھی تھا۔ سبزی مائل سوپ سے خوشبو سی اٹھ رہی تھی۔ مجھے یاد تھا سندھو مجھے زبردستی جو سوپ پلاتا تھا اس سے بو آتی تھی۔ شاید یہ یخ طاقت کی دوا تھی جو خون بناتی تھی۔ ہر ہفتے میرے جسم سے ایک لیٹر خون نکالنے کے لئے ضروری تھا کہ مجھے طاقتور اور خون بنانے والی غذائیں اور دوائیں دی جائیں۔ میں نے چمچ ایک طرف رکھا اور پیالہ منہ سے لگا کر خالی کر دیا۔ اس کا ذائقہ بھی فرحت بخش تھا۔

سندھو نے پیالہ لیا۔ ''یہ دو دن میں تین بار پینا ہوگی۔''

منشی جی نے مجھے تسلی دی۔ ''شہباز صاحب آپ فکر نہ کریں، آپ کا پورا خیال رکھا جائے گا۔''

میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ میرا اتنا ہی خیال رکھا جاتا جتنا کہ قربانی کے جانور کا رکھا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد میں لیٹ گیا اور سو گیا۔ رات بھر مجھے گہری اور بے خواب نیند آئی۔ شاید سوپ میں کوئی خواب آور جز و بھی شامل تھا۔ صبح میری آنکھ کھلی تو ذہن ہلکا پھلکا ہو رہا تھا اور طبیعت میں تازگی سی تھی۔ میں نے اٹھ کر غسل کیا اور باہر آ کر ملازم کو بلانے والا بٹن دبایا۔ خلاف توقع پاس سے آواز آئی۔ ''حکم سرکار!''

''مجھے ناشتا چاہئے۔'' میں نے کہا۔ ''فوراً اور گرما گرم۔''

پندرہ منٹ کے بعد دروازے پر دستک دے کر سونتا جیسی ایک لڑکی اندر آئی۔ صورت شکل کے لحاظ سے وہ اس قابل بھی تھی کہ کسی محل پر راج کرتی لیکن یہاں وہ نوکرانی تھی، یہ بھی عیاش امراء کے چونچلے ہوتے ہیں۔ نوکرانیاں بھی چھانٹ کر رکھتے ہیں۔ لڑکی ناشتے کی ٹرالی لائی تھی اور اس نے برتن میز پر سجانا شروع کر دیئے۔ ناشتے میں تلے اور ابلے ہوئے انڈے تھے۔ دیسی گھی میں بنے پراٹھے اور حلوہ تھا۔ سنگترے کا جوس، دودھ اور شہد بھی تھا۔ مکھن اور لسی الگ سے تھی۔ مجھے زبردست بھوک لگ رہی تھی اس لئے میں نے سب کے ساتھ بھرپور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انصاف کیا اور ناشتے کے بعد کافی طلب کی۔

''اس کی اجازت نہیں ہے سرکار!'' لڑکی نے معصومیت سے کہا۔

''کیا!'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''اتنے اچھے ناشتے کے بعد چائے، کافی نہ ملے تو ناشتے کا فائدہ؟''

''منشی جی نے منع کیا ہے۔''

''منشی کہاں ہے اس سے میری بات کراؤ۔''

''منشی جی۔'' وہ سہم گئی۔ ''ہماری ایسی جرأت!''

''اچھا بابا اسے میرا پیغام دو۔'' میں نے تنگ آ کر کہا۔ مگر اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ کچھ دیر بعد منشی دل جی سندھو کے ہمراہ نازل ہو گیا۔ سندھو کے ہاتھ میں پیالہ تھا۔ میں نے منشی سے کہا۔ ''تم نے چائے، کافی پر کیوں پابندی لگائی۔

''جب تک یہ دوا پی رہے ہیں۔ نشے والی کوئی شے استعمال نہیں کرنی ہے۔''

''بھاڑ میں گئی دوا۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''تم لوگ مجھ پر پابندیاں لگائے جا رہے ہو۔''

''مجبوری ہے سرکار! اس دوا کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے، یہ بتائیں آپ خود میں چستی محسوس نہیں کر رہے؟''

''مجھے چستی کی ضرورت نہیں ہے۔''

''سرکار، مجھے مجبور مت کریں۔'' منشی دل جی نے مغموم سے لہجے میں کہا۔

''کیا کرو گے تم؟''

''آپ نے دوا لینے سے انکار کیا تو آپ اس کمرے میں بند رہیں گے۔ سندھو کا کہنا ہے کہ اسے صرف چھ بار خون چاہئے۔ چھ ہفتے بعد آپ کو آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ بڑے کنور کا وعدہ ہے۔ اگر آپ انکار کریں گے تو اپنی قید میں خود اضافہ کریں گے۔''

اس کی بات قابلِ غور تھی۔ اس بات کا موہوم سا امکان تھا کہ یہ کام مکمل ہونے کے بعد مجھے جانے دیں اور میں انکار کر کے اپنی قید میں اضافہ ہی کرتا۔ فی الحال یہاں سے فرار ہونے کا امکان بھی نہیں تھا۔ اگر مجھے فرار ہونا تھا تب بھی ضروری تھا کہ میں اپنا رویہ دوستانہ رکھوں تاکہ مجھے باہر گھومنے کی آزادی مل سکے۔ میں نے سر ہلایا۔ ''معاف کرنا، مجھے غصہ آ گیا تھا لاؤ، پیالہ دو۔''

سندھو نے مجھے پیالہ دیا جسے میں نے ایک سانس میں خالی کر دیا۔ ''منشی دل جی، میں باہر کھلی ہوا میں جانا چاہتا ہوں۔''

''کچھ دیر میں ایک محافظ آ کر آپ کو لے جائے گا۔''

''مجھے کسی محافظ کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ بھول رہے ہیں سرکار! بڑے کنور نے آپ کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔'' وہ چالاکی سے بولا اور سندھو کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ ان کا انداز مہذبانہ تھا لیکن مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا۔ اگر میں نے تعاون سے انکار کیا تو یہ مہذب چولا اتار کر اپنی اصل صورت میں سامنے آ جائیں گے۔ دس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے آنے کی اجازت دی تو ایک نیپالی گورکھا اندر آیا۔ اس نے محافظوں والی وردی پہن رکھی تھی لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے پاس بظاہر کوئی ہتھیار نظر نہیں آ رہا تھا، ہاں اس نے لباس میں چھپا رکھا ہو تو الگ بات تھی۔ اس نے اٹینشن کھڑے ہو کر گلابی اردو میں کہا۔ ''صاب! چلنے کو تیار ہے۔''

''چلو!'' میں نے جوتے اور جیکٹ پہن لی۔

وہ مجھے لے کر مختلف راہ داریوں سے گزرتا ایک کھلے صحن میں نکلا، اس کا فرش اور چاردیواری سنگ مرمر کی تھی۔ اس میں جا بجا فوارے اور پھولدار پودوں کے تختے لگے تھے۔ یہ انوکھے پودے تھے جو اتنے شدید سرما میں بھی ہرے بھرے تھے اور ان پر پھول آ رہے تھے۔ صحن عبور کر کے ہم پندرہ کے قریب سیڑھیاں اتر کر ایک کھلے اور وسیع باغ میں آئے، زمین پر مرجھائی خشک گھاس تھی اور پودے اور درخت پتوں سے محروم تھے، اس باغ پر خزاں آئی ہوئی تھی۔ اس کے ایک طرف اونچی سی دیوار تھی جو اس محل کی دیوار تک جا رہی تھی۔ اس کا مقصد باغ کے اس حصے کو جدا رکھنا تھا۔ ''اس دیوار کے پیچھے کیا ہے؟''

''یہ حصہ کنور خاندان کے لئے مخصوص ہے وہاں کنور خاندان اور ان کی خاص ملازماؤں کے سوا کوئی نہیں جا سکتا۔''

''یعنی کسی غیر مرد کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہاں کنور خاندان کی عورتیں ہوتی ہیں؟''

''جی جناب!'' اس نے سر ہلایا۔

میں نے چہل قدمی شروع کر دی، وہ میرے ساتھ ساتھ تھا۔ ''بڑے کنور اور راج کنور بس دو بھائی ہیں۔''

''نہیں ایک چھوٹے بھی ہیں، شیام کنور، وہ دلی میں پڑھتے ہیں۔''

''اور بہنیں؟''

''دو ہیں۔'' اس نے چھوٹا سا جواب دیا۔

''شادی شدہ یا غیر شادی شدہ؟''

''صاب، آپ کیسا سوال کرتا..... ابھی میرے کو جواب کا اجاجت نہیں ہے۔''

''تم نے پھر بھی بہت کچھ بتا دیا۔''

''صاحب، سمجھو..... ہم کو کنور صاحب کا عورتوں کا بات نہیں کرنا۔''

مجھے سونتا اور اس دوسری ملازمہ کا لباس یاد آ گیا۔ اپنی تسکین کے لئے انہوں نے اس سردی میں بھی ملازماؤں کو اتنا مختصر سا لباس دے رکھا تھا اور اپنی عورتوں کا ذکر بھی گوارا نہیں تھا۔ وہی مخصوص جاگیردارانہ ذہنیت۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جب کسی خاندان کی عورتوں میں بے حیائی آتی ہے تو یہ پہلے اس خاندان کے مردوں میں آتی ہے۔ جس خاندان کے مرد بے حیا ہو جائیں، اس خاندان کی عورتیں حیا والی ہو ہی نہیں سکتیں۔ جس حصے میں میں ٹہل رہا تھا یہ بھی خاصا بڑا تھا۔ پورے فٹ بال کے گراؤنڈ جتنا بڑا تھا۔

''اس جگہ کی اتنی حفاظت کی جاتی ہے، کیا کنوروں کا کسی سے جھگڑا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جی سرکار! اُدھر قبائلی ہیں۔'' اس نے کہا اور پھر یوں پریشان نظر آنے لگا جیسے اسے یہ بات منہ سے نہیں نکالنی چاہئے تھی۔

''کیا جھگڑا ہے ان سے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے نہیں معلوم سرکار۔'' اس نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔

''دیکھو، اگر تم مجھے نہیں بتاؤ گے تو میں منشی سے پوچھ لوں گا اور اس نے دریافت کیا کہ مجھے کیسے علم ہوا تو میں تمہارا نام لے دوں گا۔''

اس بلیک میلنگ پر اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ ''سرکار، میرے کو مافی دیو۔''

''اس کا مطلب ہے مجھے منشی سے ہی پوچھنا پڑے گا۔'' میں نے سر ہلایا۔

اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ ''سرکار، میرا نام نہ آئے۔''

''نہیں آئے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''کنور لوگ بہت ظالم ہے۔'' اس نے فریاد کی۔

''میں نے کہا نا، ان کو پتا نہیں چلے گا۔'' میں نے جھنا کر کہا تھا۔

اس نے شمال کی طرف اشارہ کیا۔ ''ادھر کنور صاحب کے دادا کا زمین تھا، ریاست کا۔''

''ٹھیک ہے، پھر..... کیا ہوا؟''

''بھارت سرکار ریاست ختم کیا تو قبائلی لوگ نے زمین پر قبضہ کر لیا۔ اِدھر کنور چاہتا ہے کہ زمین اس کو مل جائے۔ اُدھر پہاڑ سے قیمتی پتھر ملتا ہے۔ پھر جنگل بھی ہے۔ اس کا کٹائی کنور اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، ان کے پاس ٹھیکہ ہے۔''

''ٹھیکہ کس کے پاس ہے۔''

''کنور صاحب کے پاس.....''

''کون سا کنور؟''

''راج کنور اور کون کا کنور!'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''اس نے قبائلیوں کی جگہ اپنا مزدور رکھا، ان کو کام نہیں دیا۔ ان کو جنگل میں آنے اور جانور چرانے کا اجاجت بھی نہیں ہے۔''

''قبائلیوں میں اتنی ہمت ہے کہ ان لوگوں کا مقابلہ کر سکیں؟''

''وہ بہت زیادہ ہوتا..... خونخوار اور قاتل ٹائپ کا لوگ ہے۔ دس سے اوپر مزدور مار دیا۔ سارا مزدور کام چھوڑ کر بھاگ گیا۔''

''پھر کام کیسے چل رہا ہے؟''

''کنور صاحب اِدھر سے لوگ لے گیا، ان کو اُدھر بسایا۔ ان سے کام لیتا۔ اِدھر کا لوگ اس کا غلام ہے۔''

''قبائلی بھی مارے گئے ہیں اس لڑائی میں؟''

''بہت، ایک رات کنور صاحب نے اپنے آدمیوں کے ساتھ ان کا بستی پر حملہ کیا۔ فائر کر کے لوگوں کو مارا۔ بستی کو آگ لگایا، ان کا عورتوں کو اٹھا لیا۔''

''تم بھی شامل تھے اس لشکر میں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہم بھی کنور صاحب کا غلام۔''

''تمہارا نام کیا ہے دوست؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ترگیوری.....'' صاحب! اس نے بتایا۔

ترگیوری نے جو معلومات فراہم کی تھیں اس کے مطابق سابق والیان ریاست کی اولاد اب بھی ریاست کے لوگوں کو اپنا غلام سمجھتی تھی اور وہ ان کو آزادی دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ نہ معاش کی، نہ جسم کی اور نہ ذہن کی۔ وہ ان کی جان، مال اور آبرو پر اپنا حق اپنے آباؤ اجداد کی طرح مسلم سمجھتے تھے۔ ''کیا یہ قبائلی اتنے طاقتور ہیں کہ اس قلعے نما محل پر حملہ کر سکیں؟''

''دو مہینے پہلے انہوں نے حملہ کیا بھی تھا۔ وہ سو ڈیڑھ سو افراد تھے جو رات کی تاریکی میں چپکے سے آئے تھے۔ وہ بستی پر ہونے والے حملے کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ وہ محل کے اندر گھس آئے۔ ان کے پاس پرانی بندوقیں اور تیر کمان تھے جبکہ محل کے محافظوں کے پاس جدید اسلحہ تھا۔ سخت خون خرابہ ہوا اور دونوں طرف سے لوگ مارے گئے۔ قبائلی زیادہ مرے تھے۔ ایک دو ہی جان بچا کر بھاگے تھے۔ باقی مارے گئے یا پکڑے گئے۔''

''پکڑے جانے والوں کا کیا ہوا؟''

''ان کو سب کے سامنے پھانسی دے کر کسی خفیہ جگہ دفنا دیا گیا۔''

''ڈیڑھ سو افراد مارے گئے۔'' میں دم بخود رہ گیا تھا۔ ''کہیں شور نہیں ہوا؟''

''پچاس ساٹھ محل کے محافظ بھی مارے گئے تھے۔ قبائلیوں نے بہت شور کیا مگر ریاست کی حکومت پر کنور صاحب کا اثر ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔''

''قبائلی انتقام کی فکر میں ہوں گے وہ پھر حملہ کر سکتے ہیں۔''

''اس وجہ سے کنور صاحب نے یہ سب کیا ہے۔ اندر باہر سو سے زیادہ مسلح بندے ہیں۔''

''کنور لوگ اس محل سے باہر نہیں جاتے۔''

''جاتے ہیں پر گارڈز کے ساتھ۔''

''قبائلیوں کے علاقے میں جن کو بسایا تھا، ان کا کیا ہوا؟''

''کچھ ہیں۔ وہ اُدھر ہی ہیں۔ قبائلی جانتے ہیں کہ وہ بھی مجبور ہیں۔''

گویا ان قبائلیوں میں اتنی عقل اور انسانیت تھی کہ انہوں نے اپنی طرح کے مجبور انسانوں پر غصہ اتارنے کے بجائے فتنے کے مرکز پر حملہ کیا تھا۔ بے شک ان کے ڈیڑھ سو کے قریب آدمی مارے گئے تھے مگر مجھے یقین ہے وہ پھر حملہ کریں گے۔ معاف کرنا قبائلیوں کا مزاج نہیں ہوتا، چاہے ان کا تعلق کسی بھی ملک اور مذہب سے ہو۔ وہ بار بار حملہ کریں گے، جب تک خود ختم نہیں ہو جاتے یا کنور خاندان کو ختم نہیں کر دیتے۔ بے شک ان کو حکومت کی مدد اور حمایت حاصل تھی مگر عوام کی طاقت کا مقابلہ حکومت نہیں کر سکتی تو اس کے سامنے کنور خاندان کیا چیز تھی۔ ''تمہارے خیال میں یہ سب بڑے کنور کی مرضی سے ہو رہا ہے؟''

''پتا نہیں، پر سارے کام راج کنور صاحب کرتے ہیں۔'' ترگیوری نے بتایا۔

''پولیس نے کبھی مداخلت کی؟''

''ایک بار پولیس کے بہت سارے لوگ قبائلیوں کی بستیوں میں گئے تھے لیکن وہ اطلاع پر اوپر پہاڑوں پر بھاگ گئے تھے، پولیس کے ہاتھ بس وہی لگے جو بھاگ نہیں سکے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان کے ساتھ پولیس نے کیا، کیا؟''

''مار پیٹ کر چھوڑ دیا۔ کنور صاحب نے بہت دھمکیاں دی تھیں، دو خالی بستیوں کو آگ بھی لگا دی تھی۔''

وہ شروع میں مجھے بتاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا مگر جب اس نے بولنا شروع کیا تو اس کے لہجے میں ایک جوش سا آ گیا۔ الفاظ سے نہیں پر لہجے سے وہ مجھے کنور خاندان کا مخالف اور قبائلیوں کا حامی لگا تھا۔ میں یہ بات اس سے براہ راست پوچھتا تو وہ گھبرا جاتا اور انکار کر دیتا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''ترگیوری تمہارا تعلق کہاں سے ہے میرا خیال ہے'' تم نیپالی یعنی گورکھے نہیں ہو؟''

''نہیں، میرا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ میرا خاندان تین نسلوں سے یہیں آباد ہے۔''

''تمہارا تعلق قبائل سے ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''پچاس سال پہلے ہم ادھر آ گئے تھے۔''

''تم لوگوں کا رابطہ نہیں ہے اب؟''

''دوریوں سے خون اور نسل کے رشتے نہیں مٹتے۔''

''ترگیوری، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں کیونکہ میں ان لوگوں کا قیدی ہوں۔ اس لئے مجھ پر اعتماد کرو، مجھ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

''جی صاحب! آپ ابھی کتنی دیر باہر رہو گے؟'' اس نے موضوع بدل دیا۔

''کیا تمہیں میرے بارے میں خاص ہدایت ہے؟''

''جی صاحب! آپ ایک گھنٹے سے زیادہ باہر نہیں رہ سکتے۔'' اس نے گھڑی دیکھی۔ ''ابھی پانچ منٹ باقی ہیں۔''

''ترگیوری، فرض کرو، قبائلی اس جگہ پھر حملہ کرتے ہیں تو تمہاری ہمدردیاں کس کے ساتھ ہوں گی؟'' میں نے اچانک پوچھا تو اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ پھر اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''صاحب! میں کنور صاحب کے ساتھ ہوں۔''

اس نے بلا واسطہ بتا دیا تھا کہ اس کی ہمدردیاں بے شک قبائلیوں کے ساتھ ہوں گی مگر اس جنگ میں وہ کنور کے شانہ بشانہ ہوگا۔ میں چلتے چلتے رکا۔ ''ترگیوری، اس محل میں قبائل سے تعلق رکھنے والے اور افراد بھی ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''عورتیں ساری قبائل کی ہیں۔''

اب میں سمجھا تھا۔ سونتا اور دوسری لڑکی کے نقوش مجھے ایک جیسے کیوں لگے تھے۔ ترگیوری کے نقوش بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ ''یہ عورتیں صرف کام کرتی ہیں یا ان سے.....؟''

''یہ صاحب لوگوں کے بستر بھی سجاتی ہیں۔'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ ''ان کو مہمانوں کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے کتوں کے آگے ہڈی ڈالتے ہیں۔''

''یہ ہر اس جگہ ہے جہاں انسان انسانوں کے آقا بن کر بیٹھے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ مجھے یہ جان کر دھچکا لگا تھا کہ سونتا اور اس جیسی معصوم لڑکیاں ان ہوس زدہ لوگوں کی ناپاک خواہشات پوری کرتی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگرچہ اس سے ان پر حرف نہیں آتا تھا مگر ان کی معصومیت سے ابھرنے والا تاثر ضرور متاثر ہوا تھا۔

''یہ لڑکیاں محل میں کیسے آئی ہیں؟''

''اغوا کر کے۔ بردہ فروش کمسن لڑکیوں کو اغوا کر کے لاتے ہیں۔ پھر کنور اور ان جیسے دوسرے عیاش لوگوں کو فروخت کرتے ہیں۔''

آج کے دور میں بھی بردہ فروشی کا کاروبار پورے زور شور سے جاری تھا۔ غربت زدہ علاقے پیداواری مراکز تھے تو امراء ان کے خریدار تھے۔ انسانی غلامی جاری تھی۔ نام نہاد امن پسند ممالک جو دن رات انسانی حقوق کی بات کرتے نہیں تھکتے جو دہشت گردوں کو ختم کرنے کے لئے ملکوں اور معاشروں کو پامال کرنے سے نہیں چوکتے تھے مگر ان مظلوموں پر ان کی نظر نہیں جاتی تھی جو انٹرنیٹ اور آزادی کے اس دور میں غلام تھے اور ان کی تعداد لاکھوں کروڑوں میں تھی۔ یہ غلام ساری دنیا میں تھے۔ ان کے آقا ان کے جان و مال اور جسم پر پورا تصرف رکھتے تھے۔

ترگیوری مجھے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا اور دروازہ حسب سابق باہر سے لاک کر دیا گیا تھا۔ مجھے دن میں تین بار کھانا دیا جاتا تھا، ساتھ ہی مجھے سوپ پینا پڑتا تھا۔ دن میں ایک بار ایک گھنٹے کے لئے مجھے کھلی فضا میں وقت گزارنے کا موقع ملتا تھا۔ ہر بار میرے ساتھ مختلف محافظ نگراں ہوتا تھا۔ کمرے میں، میں بیشتر وقت ایکسرسائز کر کے گزارتا تھا۔ کمرے میں ٹی وی اور انگریزی کے اخبارات اور رسائل بھی مہیا کر دیئے گئے تھے۔ فرصت کے اوقات میں ان سے دل بہلاتا تھا۔ اس دوران میں رفتہ رفتہ مجھے اس سفید محل کے بارے میں معلومات بھی ملتی رہی تھیں۔ یہ تقریباً پچاس ہیکٹر پر پھیلا ہوا عمارتوں کا کمپلیکس تھا۔ اسے آپ نصف مربع کلومیٹر سمجھ سکتے ہیں۔ اس میں سب سے نمایاں تو محل کی سفید عمارت تھی جو وسط میں تھی اس کے علاوہ مختلف مقاصد کے لئے مختلف عمارتیں اس کے چاروں طرف تھیں۔ ایک طرف ملازموں کے لئے مخصوص کمپاؤنڈ تھا اور اس کے اندر جیل بھی تھی۔ اس کمپاؤنڈ کے اندر آنا جانا آسان نہیں تھا۔ اس میں ایک باقاعدہ گیٹ تھا جس پر پہرے دار موجود ہوتے تھے۔ پانچویں دن صبح ناشتے کے بعد مجھے سوپ پلانے کے بعد تیار ہونے کو کہا۔ منشی دل جی مجھے لینے آیا تھا۔

''کہاں جانا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''آج آپ کا خون کا نمونہ لیا جائے گا اس کا ٹیسٹ ہوگا۔''

''اس کے بعد۔''

''اس کے بعد آپ کا خون لیا جائے گا۔''

''آج ہی؟''

''نہیں، رپورٹ کل تک آئے گی۔'' منشی دل جی نے کہا۔

اس کے ساتھ میں سفید محل کے سامنے کی طرف ایک مختصر سی عمارت میں آیا۔ اندر داخل ہوتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ چھوٹے پیمانے پر اسپتال تھا وہاں ڈاکٹر تھا اور دو عدد نرسیں بھی۔ ایک طرف کمرے تھے جہاں مریضوں کو رکھا جا سکتا تھا۔ ایک اور کمرا آپریشن کے لئے تھا، مجھے وہیں لایا گیا۔ ڈاکٹر کو سب پتا تھا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کاؤچ پر لٹایا۔ پہلے اس نے میرا درجۂ حرارت اور بلڈ پریشر لیا۔ اس کے بعد اس نے ایک لمبی سی سرنج میرا خون نکالا اور سرنج والی جگہ پر روئی رگڑ کر صاف کیا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔

''کام ہو گیا ہے؟''

''نہیں، ابھی ایک سیمپل اور لینا ہے۔'' اس سوکھے سیاہ رُو ڈاکٹر نے سپاٹ سے لہجے میں بتایا۔

''کس قسم کا سیمپل!''

''ابھی پتا چل جاتا ہے۔ اِدھر کرسی پر آؤ۔''

اس نے جس کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا وہ کچھ الیکٹرک چیئر جیسی لگ رہی تھی جس پر سزائے موت کے قیدیوں کو بٹھا کر زندہ روسٹ کیا جاتا ہے۔ ''اس پر کیوں؟''

''سوال مت کرو۔'' اس نے کسی قدر درشت لہجے میں کہا۔

''جب مجھے پتا نہیں چلے گا کہ تم کس قسم کا سیمپل لینا چاہ رہے ہو.....؟''

''ارے بابا..... ایک سیمپل لیں گا، معمولی سا، اس میں اتنا شور کائے کو کرتا ہے؟'' اس نے بمبئی والوں کی مخصوص زبان میں کہا۔ ''یہ جو تیرا ہاتھ ہے اس سے ایک سیمپل لینا ہے۔'' اس نے میرے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

مجھے یاد آیا، ڈیوڈ شا کے قصے میں ایک بار ڈاکٹر نے میرے ہاتھ سے سیمپل لیا تھا اور اس نے بھی مجھے کرسی سے جکڑ دیا تھا کیونکہ سوئی گوشت یا ہڈی میں اتاری تھی جس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ ہاتھ کو جکڑنے کا مقصد سرنج داخل کرنے کے دوران ہاتھ کو ہلنے سے بچانا تھا۔

''ابھی تیرا ہاتھ نہیں ہلیں گا..... اور تیرے کو تکلیف نہیں ہوئیں گی۔'' میں کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے ہمارے کے تسمے سے میرا ہاتھ جکڑ دیا۔ اس کے بعد باریک ترین سوئی کی لمبی سی سرنج میرے ہاتھ کی پشت میں داخل کر دی۔ اس سے پہلے اس نے سن کرنے والی دوا لگائی تھی، اس کے باوجود میں مارے تکلیف کے اچھل پڑا تھا۔ اگر ہاتھ نہ جکڑا ہوتا تو وہ ہل جاتا اور شاید سوئی اندر ہی ٹوٹ جاتی، اس نے سرنج کھینچی تو اندر سے کچھ مواد آ گیا۔ اس کے بعد اس نے احتیاط سے سوئی باہر نکال لی اور مزید سن کرنے والی دوا لگائی۔ سوئی نکالتے ہی مجھے کافی سکون ملا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ بھی کھول دیا۔ ''اب تم جا سکتا ہے۔''

میں آپریشن روم سے نکلا تو منشی دل جی میرا منتظر تھا۔ اس نے مجھے واپس میرے کمرے میں چھوڑا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''بڑے کنور سے ملاقات ہو سکتی ہے؟''

''یہ تو ان کی مرضی پر ہے، لیکن میں آپ کی درخواست پہنچا دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو مجھے حکم دیجئے گا۔''

''فی الحال تو نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ہاں، مجھے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ مل سکتا ہے؟''

اس نے سوچا۔ ''میں کنور صاحب سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔''

میرا خیال تھا کہ مجھے شاید ہی اجازت ملے کیونکہ انٹرنیٹ کے ذریعے میں کسی سے بھی بات کر سکتا تھا یا کوئی پیغام دے سکتا تھا۔ یہ بات یہ لوگ بھی سمجھتے تھے۔ اس لئے مشکل تھا کہ مجھے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی ہوا بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیں۔ اس دن مجھے جواب نہیں ملا، اگلے روز جب وہ مجھے دوبارہ اسپتال لے جانے آیا تو میں نے اس سے پوچھا، اس نے سر ہلایا۔ ''میں کنور صاحب سے پوچھنا بھول گیا۔''

''منشی جی! اگر نہیں ہے تو صاف منع کر دو۔ بہانے کیوں بناتے ہو؟''

وہ مسکرایا۔ ''آپ سمجھدار آدمی ہیں۔''

ڈاکٹر کے ساتھ دو نرسیں تھیں، اسی کی طرح سیاہ رُو اور منحوس صورت۔ نہ جانے کیوں وہ مجھے ڈاکٹر سے زیادہ قصائی لگتا تھا۔ ایسا شخص جس نے اس پیشے کی حرمت بیچ دی ہو۔ اس نے مجھے آپریشن روم میں میز پر لٹا کر میرے بازو سے سرنج لگائی اور پھر اسے ایک ائرٹائٹ تھیلی سے لگا دیا۔ فوراً ہی میرا سرخ اور صحت مند خون اس میں بھرنے لگا۔ ''کل کے ٹیسٹ کی رپورٹ کیا ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''کلیئر ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''کیا کلیئر ہے؟''

''نو انفیکشن اینڈ نو ڈیسیز!'' اس نے خون آنے کی رفتار کم کی۔

میں تھیلی کو بھرتے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک لیٹر سے زیادہ خون رکھ سکتی تھی اور پندرہ منٹ کے اندر بھرے جا رہی تھی۔ میں نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ''اس میں کتنا خون آ سکتا ہے؟''

''بارہ سو لی میٹر!''

''اور یہ بھرنے والی ہے۔'' میں نے کہا۔

''یس۔'' وہ بولا اور خون روک دیا۔ اس کے بعد اس نے احتیاط سے تھیلی الگ کر کے اسے نزدیک رکھے فریج میں رکھا دیا۔ اس نے دوسری تھیلی نکال کر کینولا سے لگانی چاہی تو میں نے اسے روک دیا۔

''یہ کس خوشی میں.....؟ میں نے بس ایک لیٹر خون دینا تھا۔ تم نے اس سے زیادہ ہی لے لیا ہے۔''

اس نے تھیلی واپس رکھ دی۔ ''اپن کو کیا معلوم؟''

''تم کو نہیں معلوم کہ ایک آدمی کے جسم میں ساڑھے چار لیٹر خون ہوتا ہے اور ایک وقت میں آدمی اس سے زیادہ خون نہیں دے سکتا۔'' میں نے طنز کیا۔ ''کیا تم میرا سارا خون نکال لینا چاہتے تھے؟''

نرس نے مجھے ایک ڈرپ لگائی اور اس میں ایک انجکشن شامل کیا۔ اس کے بعد پینے کے لئے گلوکوز سنگترے کا جوس دیا تھا تاکہ میں خون نکالے جانے سے کمزوری نہ محسوس کرنے لگوں۔ ڈرپ سے خون کی کمی ہونے والی کمزوری پوری ہو گئی تھی۔ طاقت کے انجکشن، جوس اور گلوکوز نے مجھے چاق و چوبند کر دیا تھا۔ جسم کے پاس خون کے اجزاء ذخیرہ رکھتا ہے، کسی حادثے کی صورت میں خون ضائع ہو یا کسی کو عطیہ کیا جائے، جگر کی یہ آسانی پوری ہو جاتی ہے بشرطیکہ کمی ایک حد سے اوپر نہ ہو۔ منشی دل جی مجھے واپس لانے لگا مگر میں نے کمرے میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔

''میں کھلی فضا میں کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔''

''مرضی آپ کی!'' منشی دل جی نے راستہ بدل دیا۔ وہ مجھے باغ میں لے آیا۔ اس روز موسم قدرے گرم تھا اور دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ ''آپ اس جگہ سے باہر مت جایئے گا، میں ابھی کسی کو بھیجتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ خود کیوں نہیں میرے ساتھ آجاتے؟''

وہ مسکرایا۔''میں بڑے کنور کا ذاتی سیکرٹری ہوں۔ وہ مجھے جو کام کہتے ہیں، وہی کرنے جاتا ہوں، اس کے علاوہ میرا ہمہ وقت ان کے پاس رہنا لازمی ہے۔''

''راج کنور نظر نہیں آرہا؟'' میں نے سرسری سے انداز میں کہا۔

''چھوٹے کنور کی اپنی مصروفیات ہیں، ضروری نہیں ہے وہ آپ کو نظر آئیں۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا اور چلا گیا۔ اس نے جتا دیا تھا کہ میں ایک قیدی ہوں اور میری ایک حد ہے۔ چند منٹ بعد ایک نگران وہاں آن موجود ہوا۔ مجھے ترگیوری سے دوبارہ بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ خون دینے کے بعد میرے شب و روز پھر اسی طرح گزرنے لگے۔ تین وقت غذائیت سے بھرپور کھانا پھر خون بنانے والی دوا پینا، ورزش کرنا، اخبارات اور ٹی وی سے دل بہلانا اور سو جانا۔

ایک ہفتے بعد میں ایک بار پھر خون دے رہا تھا۔ سوکھے سے ڈاکٹر نے تھیلی بھر کر میرا خون نکالا اور مجھے آرام اور دوسری طاقت کی چیزیں دی گئیں، اس کے باوجود میں اٹھا تو میں کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک بار خون دینے والے کو کم سے کم دو مہینے تک خون نہیں دینا چاہئے اور یہاں ایک ہفتے بعد ہی میرے جسم سے پھر اتنا ہی خون نکال لیا گیا تھا۔ اگر اس طرح میرا ہر ہفتے خون نکالا جاتا رہا تو چند ہفتے بعد میں حرکت کرنے کے قابل بھی نہ رہتا۔ کمزوری اور نقاہت کا احساس ایک دن رہا تھا پھر میں معمول پر آگیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ نکالے جانے والے خون کا یہ کیا کر رہے تھے؟ اس سے اگلے روز میں باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ میں نے کنور فیملی کے لئے مخصوص حصے کی دیوار سے ایک لڑکی کو جھانکتے دیکھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرائی۔''ہیلو! آپ کون ہیں؟'' اس نے معصومانہ بلکہ بچگانہ انداز میں کہا۔

''میں شہباز ملک ہوں اور تم؟''

''میں آشا ہوں۔''

''آشا بی بی، تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''میں آشا ہوں اور دیوار سے تمہیں دیکھ رہی ہوں۔''

اس کے چہرے کے نقوش اور لہجے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کنور خاندان سے ہی ہے۔ میں نے تکا لگایا۔''تم راج کنور کی بہن ہو نا؟''

میں نے جو تکا مارا وہ نشانے پر لگا۔ اس نے کسی قدر تعجب سے کہا۔''آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''تمہاری صورت بہت ملتی ہے راج کنور سے۔''

''تم کون ہو؟ میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' اس نے میرا معائنہ کیا۔ وہ کبھی آپ کر کے بات کرتی اور کبھی تم کر کے۔

''میں بڑے کنور کا دوست ہوں۔''

''ارجن بھیا کا!'' اس نے تعجب سے کہا۔''لیکن ان کا تو کوئی دوست نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی نہیں آتا، وہ اکیلے رہتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ ان کا مقدر ہے۔'' میں نے دل میں کہا اور بولا۔ ''میں ابھی ان کا دوست بنا ہوں۔''

''اچھا!'' وہ مطمئن ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ذہنی طور پر اپنی عمر سے پیچھے تھی۔

''تم پڑھتی وہ؟''

''ہاں، مجھے شیلا پڑھاتی ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔

''تم اسکول نہیں جاتیں؟''

''مجھے تو شوق ہے پر مجھے جانے نہیں دیتے۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

''کون نہیں جانے دیتے؟''

''راج بھیا!'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ کہتے ہیں میں گھر پر پڑھوں۔''

''تو تم گھر پر پڑھتی ہو؟''

''ہاں، مس شیلا مجھے سب پڑھاتی ہیں۔ وہ بہت اچھی ہیں، میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔''

میرا خیال تھا کہ آشا کی کند ذہنی کی وجہ سے اسے اسکول میں داخل نہیں کرایا گیا، ایک تو وہ دوسرے بچوں کے مذاق کا نشانہ بنتی لیکن اصل مسئلہ کنور خاندان کی ناک کا تھا کہ اس کے اوپر ضرب نہ آئے حالانکہ ایسے بچے اسکول میں بہتر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور عقل نہ سہی ان میں اعتماد ضرور آجاتا ہے۔

''تم پڑھنے کے علاوہ اور کیا کرتی ہو؟''

''میں ٹینس کھیلتی ہوں۔ سوئمنگ کرتی ہوں۔''

''تم یہاں سے باہر جاتی ہو؟''

اس نے منہ بنایا۔ ''بہت کم مجھے کوئی اکیلے جانے نہیں دیتا۔''

''تم دیوار کے اس طرف نہیں آسکتیں؟''

''راج بھیا کہتے ہیں یہ حصہ دوسرے لوگوں کے لئے ہے۔''

''مجھ سے پھر ملوگی۔'' میں نے اس بیزار نگران کو دیکھا جو مجھ سے دور سیڑھیوں کے پاس کھڑا تھا۔ اسے مجھ پر نظر رکھنے کی ہدایت ہوگی۔ اگر اسے منع کیا جاتا کہ وہ مجھے کسی اور سے بات نہ کرنے دے تو وہ مجھے روک دیتا۔

''آپ کہاں رہتے ہیں؟''

''محل کے اندر ہی۔'' میں نے جواب دیا۔

''محل کے اندر۔'' وہ ذرا سوچ میں پڑی پھر اس نے سر ہلایا۔ ''میں معلوم کرلوں گی۔''

آشا کی عمر شاید بیس کے آس پاس تھی۔ بے حد حسین چہرہ، دودھیا روشن رنگت، شربتی آنکھیں، ستواں چھوٹی سی ناک اور نسبتاً گداز لب۔ مگر سب سے بڑھ کر معصومیت تھی جو اسے قابلِ دید بناتی تھی۔ اتنا معصوم چہرہ میری نظر سے کم ہی گزرا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ جلد مجھ سے ملنے کی کوشش کرے گی اور اس سے ملنے کا سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ میں محل اور اس کے مکینوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا تھا اگرچہ بڑے کنور کا وعدہ تھا کہ اس کا کام ہو جانے کے بعد وہ میری مدد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرے گا اور مجھے واپس پاکستان پہنچا دے گا مگر میں اس کے وعدے پر تکیہ کر کے بیٹھ جاتا تو یہ میری حماقت ہوتی۔ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ مجھے پاکستان کے بجائے عدم آباد پہنچا دیا جائے۔ مجھے یہاں سے نکلنا تھا اور اس سے پہلے کوئی راستہ معلوم کرنا تھا جس سے میں بحفاظت نکل سکتا۔ اب تک مجھے ایسا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آیا تھا دوسرے لفظوں میں ملا نہیں تھا مگر آشا سے گفتگو کے بعد مجھے امید بندھی تھی، میں نے اس پر اپنے قیدخانے کا مکمل وقوع واضح کرنے کی کوشش کی تھی نہ جانے وہ سمجھی یا نہیں۔ مگر وہ آئی نہیں، اس کے بجائے خون دینے والا دن آ گیا۔ میں اب تک ہلکی سی کمزوری محسوس کر رہا تھا مگر میں خون دینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

اس بار خون نکالے جانے کے دوران میرا سر چکرانے لگا تھا۔ میں نے سخت کوشش کی بے ہوش نہ ہونے پاؤں۔ مجھے یہ خدشہ بھی تھا کہ میں بے ہوش ہو گیا تو یہ خبیث صورت قصائی نما ڈاکٹر میرے جسم سے زیادہ یا سارا ہی خون نہ نکال لے۔ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔ جب مجھے طاقت کے انجکشن کے ساتھ ڈرپ دی گئی تو میری حالت سدھرنے لگی تھی۔ اس کے بعد میں نے یکے بعد دیگرے سنگترے کے دس اور گلوکوز کے کئی عدد گلاس پیئے تب کہیں جا کر میرے حواس بحال ہوئے تھے۔ اس کے باوجود جب میں واپس جا رہا تھا تو میرے پاؤں لرز رہے تھے۔ منشی دل جی میری حالت سے بے پروا نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ یہ خیال کئے بغیر بے دردی سے میرا خون نکال رہے تھے کہ میں مر بھی سکتا تھا۔

یہ پورا دن میں بستر پر ہی لیٹا رہا تھا۔ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا۔ اتنی شرافت سے ان لوگوں کے ساتھ چلا آیا تھا اور اب تک ان کے ساتھ تعاون کر رہا تھا حالانکہ مجھے راستے میں فرار ہو جانا چاہئے تھا۔ اب تک کے تجربات سے ثابت تھا کہ قدرت نے میرے لئے کوئی آفت چھوٹی نہیں رکھی تھی۔ مجھے اس لنکا میں جو بھی ملا تھا وہ باون گز کا ہی تھا۔ محل میں آنے کے بعد میں پھنس گیا تھا اور اپنی مرضی سے واپس نہیں جا سکتا تھا، مناسب موقع کے انتظار میں، میں نے یہ مہلت بھی گزار دی تھی اور اب میری جو حالت ہو رہی تھی، اس میں فرار کا خیال بھی محال لگ رہا تھا۔ اس دن میں صرف کھانا کھانے کے لئے اٹھا تھا۔ ورنہ مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ رات کسی وقت آہٹ سے میری آنکھ کھلی۔ میں رات کا کھانا کھاتے ہی سو گیا تھا۔ اسے نیند کے بجائے کمزوری کی غشی کہنا مناسب ہو گا۔ میں نے آنکھیں کھولیں اور آشا کو سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ نہ جانے کیسے اندر آئی تھی کیونکہ دروازہ باہر سے لاک ہوتا تھا۔ میں نے بولنے کے لئے لب کھولے تھے کہ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اس نے میکسی نما ڈھیلا سا نائٹ ڈریس پہن رکھا تھا جس نے اس کے جسمانی خدوخال چھپا لئے تھے اس کے باوجود احساس ہوتا تھا کہ وہ متناسب جسامت رکھتی ہے۔

''شہباز جی! آپ کو کیا ہوا ہے؟'' اس نے نزدیک آ کر سرگوشی میں کہا۔ ''میں نے صبح آپ کو کلینک سے آتے دیکھا تھا، آپ بہت کمزور لگ رہے تھے۔ آپ بیمار ہیں کیا؟''

میں نے اسے دیکھا، اس بے چاری کو علم ہی نہیں تھا کہ اس کا ڈریکولا صفت بھائی میرا خون پی رہا تھا۔ یہ محاورہ نہیں حقیقت تھی لیکن اسے یہ بتانا بے کار تھا۔ ''ہاں، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

اس نے ہمدردی سے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ ''شہباز جی، آپ کو کیا بیماری ہے؟''

''بیماری تو کوئی نہیں ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''بس ارجن بھیا مجھے جانے کی اجازت نہیں دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے ہیں۔ اس جگہ پڑے پڑے بیمار ہو گیا ہوں۔''

اس نے میری تائید کی۔ ''میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے شہباز جی! کبھی کبھی میں بھی بیمار ہو جاتی ہوں روتی ہوں اور چیخیں مارتی ہوں پھر ڈاکٹر رشی آ کر مجھے انجکشن لگاتا ہے تو میں سو جاتی ہوں۔''

وہ بے چاری گھٹن کو ہسٹریا کی صورت میں نکالتی تھی۔ ڈاکٹر کا نام رشی تھا، میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''! لگ رہا ہے رشی مجھے کوئی غلط دوا دے رہا ہے جس کی وجہ سے میں کمزور ہوا ہوں۔''

''رشی ارجن بھیا کے کہنے پر ایسا کر رہا ہے تاکہ تم یہاں سے جا نہ سکو۔'' اس نے اپنی ذہنی سطح کے مطا ایک نتیجہ نکالا، ڈاکٹر رشی کی حرکت کا۔

''یہی بات ہے۔'' میں نے زور دے کر تائید کی۔

''لیکن بھیا، ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ الجھ گئی تھی۔

''وہ مجھے بہت پسند کرتے ہیں اس لئے مجھے جانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے پر، تمہیں اس طرح روکنا تو اچھا نہیں ہے۔''

''پتا نہیں، کلینک لے جا کر وہ میرے ساتھ کیا کرتے ہیں، میں بے ہوش ہو جاتا ہوں۔''

''میں بھیا سے بات کرتی ہوں۔'' اس نے ہمدردی سے کہا۔

''بالکل نہیں۔'' میں جلدی سے بولا۔ ''وہ مجھ سے ناراض ہوں گے اور میں ان کی ناراضی برداشت نہ کر سکتا۔''

''پھر میں کیا کروں تمہارے لئے؟''

''تم مجھے یہاں سے باہر نکال سکتی ہو؟'' میں نے آہستہ سے کہا، ویسے مجھے شرم آئی تھی، میں ایک ہ ہو جانے والی بچی کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہا تھا۔

''میں..... نہیں تو..... مجھے خود باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تب میں شاید ہمیشہ کے لئے یہاں رہوں..... میری بہن میرا انتظار کرتی رہ جائے گی۔'' میں نے بھرے لہجے میں کہا۔

''بہن!'' وہ چونکی۔ ''تمہاری بہن بھی ہے؟''

''ہاں، اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ کیا لوگوں کی بہن نہیں ہوتی ہے، میری بھی ایک بہن ہے، ا میرے سوا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ میرے لئے کتنا رو رہی ہو گی، اسے تو معلوم بھی نہیں ہے کہ یہاں ہوں، کاش کہ میں اسے اطلاع دے سکتا۔''

''تمہاری بہن کہاں ہے، میں اسے بتا دوں گی۔''

''وہ پاکستان میں ہے۔'' میں نے کہا۔

''پاکستان.....'' وہ چونکی۔ ''تم پاکستان سے آئے ہو؟''

''بڑی مشکل سے آیا ہوں۔ ارجن مجھے اسی وجہ سے جانے نہیں دے رہا ہے کہ میں پھر نہیں آ سکوں گا

''پر بھیا تو کبھی محل سے باہر نہیں گئے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان سے میری قلمی دوستی ہوئی تھی۔ میرا مطلب ہے وہ جو خطوں کے ذریعے دوستی ہوتی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے، میری دوست ہے رانی..... دلی میں رہتی ہے، اس سے میری دوستی ہے، وہ مجھے خط لکھتی ہے اور میں اسے خط لکھتی ہوں۔''

''بس تمہارے بھیا سے میری ایسی ہی دوستی ہے۔''

''مجھے اپنی بہن کا نمبر بتاؤ، میں اسے کال کر دوں گی۔''

''میری بہن کے پاس فون نہیں ہے۔ میرا ایک دوست ہے اسے تم میرے بارے میں بتانا، وہ میری بہن کو بتا دے گا۔'' میں نے اسے ندیم بھٹی کے گھر کا نمبر بتایا کاش کہ مجھے ناصر کا نمبر یاد ہوتا تو وہ بتاتا۔ میں نے ندیم کو اچھی طرح سمجھایا کہ اسے کیا کہنا ہے۔ ندیم کا رابطہ ناصر سے ہوگا اور ناصر راجا عمر دراز کو باخبر کر سکتا تھا۔ وہ میرے لئے کچھ نہ کچھ کرتا۔ ''تمہیں سب یاد ہو گیا نا؟'' میں نے پوچھا۔

''کیوں نہیں؟'' اس نے کہا اور سبق فر فر سبق کی طرح دہرا دیا۔

''شاباش!'' میں نے گہرا سانس لیا۔ ''آشا، تم ذہین لڑکی ہو۔ تم نے سب یاد کر لیا ہے لیکن خیال رکھنا کہ کسی کے سامنے بات مت کرنا۔ سب سے چھپ کر بات کرنا اور کسی ایسے فون سے کرنا جو ڈائریکٹ ڈائل کرتا ہو۔ موبائل ہے تمہارے پاس؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہے، پر یہاں کام نہیں کرتا۔''

مجھے ذرا مایوسی ہوئی تھی، اگر موبائل کام کرتا تو میں اس لڑکی سے موبائل لے کر خود رابطہ کر سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے، اب تم جاؤ۔ کسی نے تمہیں آتے تو نہیں دیکھا؟''

''نہیں، میں چھپ کر آئی ہوں۔'' اس نے جواب دیا، وہ جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور گہری نیند کے انداز میں ذرا سا منہ کھول لیا تھا۔

''آشا! تم..... یہاں؟'' مجھے راج کنور کی آواز آئی۔

''بھیا! میں ایسے ہی ادھر آ گئی، مجھے کیا پتا..... یہ آدمی ادھر ہے۔''

''احمق! ادھر نہیں آنا تھا، چل جا اور خبردار جو پھر ادھر آئی۔''

''جی بھیا!'' آشا نے سہمے انداز میں کہا اور کمرے سے نکل بھاگی۔ مجھے راج کنور کے یہاں آنے سے خوشی ہو رہی تھی۔ بڑے کنور یعنی ارجن نے اس سے بچانے کے لئے مجھے محل کے اس کمرے میں رکھا تھا اور تسلی دی تھی کہ میری پوری حفاظت کی جائے گی مگر لگ رہا تھا دوسرے معاملات کی طرح اس نے اس معاملے میں بھی جھوٹ بولا تھا۔ راج کنور اس کا بھائی تھا اور سارے انتظامات عملاً اسی کے ہاتھ میں تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اسے مجھ سے دور رکھا جاتا۔ جیسے ہی آشا گئی وہ دروازہ بند کر کے میرے پاس آیا، اس نے میرے بازو پر کوئی چیز ماری۔

''اٹھ جا..... نوٹنکی!''

میں نے آنکھ کھولی، اس کے ہاتھ میں بید کی چھوٹی سی چھڑی تھی جو عام طور سے صاحبِ اختیار لوگ اپنی علامت کے طور پر رکھتے ہیں، اس نے اسی سے وار کیا تھا۔ ''گویا تم نے سب سن لیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے تجھے کھلا چھوڑ دیا جائے۔'' اس نے حقارت سے کہا۔ ''آشا کی وجہ سے ہم کچھ کہا نہیں۔ وہ ہے بے وقوف لڑکی!''

''بے وقوف نہیں، معصوم۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''مجھے حیرت ہے، وہ اس جگہ کیسے۔ شاید کنول کے پھول کی طرح جو ہمیشہ گندی جگہ اگتا ہے۔''

راج کنور نے اس بار قوت سے وار کیا تھا لیکن میں کروٹ لے کر بچا گیا۔ غصے سے اس کے نتھنے پھول گئے تھے۔ ''تیرا انجام قریب ہے۔'' اس نے پھنکار کر کہا۔

''تمہارے بڑے بھیا نے وعدہ کیا ہے کہ مجھے آزاد کر دیا جائے گا۔''

''تجھے آزادی ضرور ملے گی، پر زندگی سے۔''

''مجھے یہی امید تھی۔'' میں نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔ مجھے پہلے ہی اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا کہ کمرے میں ہونے والی گفتگو کہیں سنی جا رہی ہوگی۔

''بس تیری زندگی کے چند دن اور ہیں، مرے کرلے۔'' اس نے مجھ سے ذرا فاصلے سے کہا تھا۔

''گویا میری قسمت کا فیصلہ تم لوگوں نے اپنے طور پر کر لیا ہے؟''

''ہاں اور تیرے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔''

''راج کنور، تم سے پہلے بھی کئی افراد نے ایسے ہی دعوے کئے اور وہ تم سے کہیں زیادہ طاقتور اور اختیار والے لوگ تھے مگر آج وہ زیر زمین ہیں اور میں زندہ ہوں۔ ممکن ہے مجھ سے پہلے تمہاری موت آ جائے، ہم بھی تم کو لے جائے، جیسا کہ تم سے پہلے تمہارے بڑوں کو لے گیا ہے۔''

''یہ سب باتیں تیری موت کو نہیں ٹال سکتیں۔'' اس نے نفرت سے کہا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں، تجھے بہت ذلت سے ماروں گا۔''

''بائی داوے اتنی نفرت کی وجہ؟''

''میرا نام راج کنور ہے اور تُو نے میرے سامنے آنکھ اٹھا کر بات کی تھی۔''

''میں نے تمہاری بے عزتی نہیں کی تھی۔''

''تُو مسلمان ہے، پاکستانی ہے، یہ بھی کافی ہے۔''

''تو یہ بات ہے۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''تم اندر سے کٹر ہندو ہو۔ بال ٹھاکرے اور ایسے والے لوگوں کے پیروکار ہو۔''

''ایسا ہی سمجھ لے۔ جب میں کسی مسلمان کو دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔''

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''اس اکیسویں صدی میں بھی تمہاری یہ سوچ ہے۔ یہ نفرت تم لوگوں کو ڈوبے گی۔ منفی سوچوں کے ساتھ کوئی قوم عروج حاصل نہیں کر سکتی۔''

''جب ہم مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے تو ہم ایک قوم بن کر بھارت ماتا کو دنیا کا سب سے طاقتور بنا دیں گے۔'' اس نے بڑ ہانکی۔

''اگر تم نے ہسٹری پڑھی ہو تو تمہیں معلوم ہوگا، یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے ہندوستان کو ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک بنایا تھا۔ اسے متحد کیا تھا، ورنہ مسلمانوں سے پہلے تو راجواڑے تھے۔ محمود غزنوی کا مقابلہ کرنے کے لئے پچاس سے زیادہ راجے مہاراجے اپنی فوجیں لائے تھے۔ اگر مسلمانوں کو ہندوستان سے خارج کر دیا جائے تو وہی پچاس سے زیادہ ریاستوں یا ملکوں والا ہندوستان بچے گا۔"

"اب وقت بدل گیا ہے۔" اس نے کمزور سے لہجے میں کہا، میرے مدلل انداز نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

"وقت بدل گیا ہے لیکن کیا تم لوگوں کی ذہنیت بدلی ہے، ذات پات کا نظام بدلا ہے؟ بھارت میں ساٹھ کروڑ اچھوت ہیں جن کو تم نے مسلم دشمنی کے نام پر دبا رکھا ہے۔ جب مسلمان نہیں رہیں گے تو تم ان کو کس بہانے سے دباؤ گے۔ ان کے لئے وقت بدل چکا ہے۔ اگر انہوں نے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں سے آزادی کا فیصلہ کر لیا تو تم ان کو کیسے روکو گے، سکھ الگ ہیں۔"

"تم بکواس کر رہے ہو، اپنی جان بچانا چاہتے ہو۔"

"میں ہنسا۔" راج کنور، مجھے تم پر اور تم جیسی ذہنیت رکھنے والے لوگوں پر ترس آتا ہے۔ وقت واقعی بدل گیا ہے مگر تم نہیں بدلے۔"

"بھونک مت کتے!" اس نے چیخ کر کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ میں نے عقب سے ایک قہقہہ لگایا تھا۔

یہ حقیقت تھی بھارت میں انتہا پسند ہندو جماعتوں نے اس ملک کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ ملک کی تقریباً بیس فی صد آبادی کو عضو معطل بنا کر ترقی کے خواب دیکھنا اور چین جیسی طاقت کا مقابلہ کرنے کی سوچنا حماقت نہیں تو اور کیا تھی، یہ درست ہے کہ فی الحال بھارت ترقی کر رہا ہے اور ترقی کے تمام انڈیکس اوپر کی طرف جا رہے ہیں مگر یہ ساری ترقی ملک کے ایک محدود طبقے کے حصے میں آ رہی ہے جسے بھارتی مڈل کلاس کا نام دیا گیا ہے۔ تیس بتیس کروڑ افراد ہیں جو اوپر کے سارے فوائد سمیٹ رہے ہیں۔ تعلیم، ملازمتوں اور صنعت و تجارت میں یہی چھائے ہیں۔ شائن انڈیا کے نعرے کی چمک یہی کلاس ہے اور اس چمک دمک کے پیچھے وہ بے پناہ غریب کسی کو نظر نہیں آ رہے ہیں جن کی تعداد ایک ارب ہونے کو ہے۔ جس ملک میں ایک ارب آبادی کا گزارہ روزانہ ایک ڈالر سے بھی کم رقم سے ہوتا ہو اس کے مستقبل کو روشن کہا جا سکتا ہے؟ اس ایک ارب کی آبادی میں سارے ہی مسلمان، اچھوت اور ذیلی ذاتیں ہیں۔ جو بدترین قسم کی زندگی جی رہے ہیں۔

پاکستان میں صورت حال اتنی خراب نہیں ہے مگر بظاہر بدترین نظر آتی ہے اس کی وجہ پالیسیوں میں تسلسل کی کمی اور ملکی مفاد سے زیادہ ذاتی مفاد کو ترجیح دینا ہے۔ عالمی منظر نامے میں اس ملک کے کھٹکتے وجود پر نظر رکھنے والی طاقتیں، آئے دن اسے ختم کرنے (خدانخواستہ) کے نت نئے منصوبوں اور پیشین گوئیوں کا اعلان کرتی ہیں اور مفاد کی خاطر کیے غدار حالات کو ان کی مرضی کے مطابق خراب کر رہے ہیں اور خراب تر کر کے پیش کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس بھارتی سیاست دان اور اسٹیبلشمنٹ اپنی بدصورتی چھپانے کیلئے شائن انڈیا کا نعرہ لگا کر دنیا کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔

اس رات مجھے معمولی قسم کا لیکن قوت بخش کھانا دیا گیا تھا۔ ان کا بس چلتا تو مجھے یہ بھی نہ دیتے مگر ان کو میرے خون کی ضرورت تھی اور خون بنانے کے لئے ضروری تھا کہ میرے کھانے پینے کا خیال رکھا جائے۔ سندھو اب خود سوپ نہیں لاتا تھا۔ کسی کے ہاتھ بھجوا دیا کرتا تھا۔ مجھے اوشا کے بارے میں نہیں پتا تھا کہ وہ کہاں تھی؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غلط بھی تھی یا کسی ہوس پیشہ کے بستر کی زینت بن چکی تھی۔ رات کا کھانا کھا کر میں بے خبر سویا تو میری آنکھ اگلی صبح خاصی تاخیر سے کھلی تھی۔ مجھے شبہ ہوا کہ کھانے میں کوئی خواب آور دوا بھی شامل تھی جس کی وجہ سے میں بے خبر سویا تھا۔ اس کی تصدیق یوں ہوئی کہ میں نے ناشتا کیا اور سوپ پیا اس کے چند منٹ بعد مجھے پھر نیند آنے لگی اور میں سو گیا۔

اگلے تین دن تک یہی ڈراما چلتا رہا، میں کھانا کھا کر سو جاتا تھا اور اس وقت آنکھ کھلتی تھی جب بھوک شدت اختیار کر جاتی تھی، اس لئے جب کھانا آتا تو میں ہاتھ روک نہیں پاتا تھا اور اس کا فائدہ بھی نہیں تھا۔ منشی دل جی پستول سمیت میرے سر پر سوار ہوتا تھا اور ظاہر ہے میں انکار کرتا تو مجھے جبراً کھلایا جاتا۔ پانچویں دن میں رات کے وقت بیدار ہوا تھا۔ میں جاگتا تھا اور ان لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی اور وہ نیا کھانا لے کر حاضر ہو جاتے تھے۔ نہ جانے کیمرا تھا یا میری آہٹوں پر کسی کے کان لگے تھے؟ اس لئے بیدار ہونے کے باوجود میں ساکت لیٹا رہا۔ رفتہ رفتہ میرے حواس مکمل طور پر قابو میں آ گئے تھے اور میرے ذہن نے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح بے ہوش رکھنے کی دو وجوہات ہو سکتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں کسی گڑبڑ کے قابل نہ رہوں دوسرے میں جاگ کر اپنی توانائی نہ خرچ کروں اور جو کھاؤں پیوں اس سے صرف میری صحت بنے۔ اگلے روز میرا پھر خون نکالا جانا تھا اور میری جو کیفیت ہو رہی تھی اس کے بعد میں زندہ بچ بھی جاتا تو زندہ لاش سے زیادہ نہ ہوتا۔ اس سے اگلی بار یہ لوگ یقینی طور پر میرا سارا خون نکال کر مجھے مار ڈالتے۔ مجھے زندہ رہنے کے لئے جو کرنا تھا وہ ابھی کرنا تھا۔ ورنہ مجھے مہلت نہیں ملتی۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ اب کھانا نہیں کھانا ہے اور اس کے لئے آسان سی ترکیب تھی میں سوتا بنا رہتا۔ سوتے میں یہ کھانا میرے منہ میں ڈالنے سے تو رہے۔ غالباً مجھے سوئے ہوئے پہلے ہی خاصی دیر ہو چکی تھی اور ان لوگوں کے خیال میں مجھے اب تک ہوش میں آ جانا چاہئے تھا۔ دروازہ کھلا تو میں نے آنکھیں بند کر لیں اور بالکل ساکت ہو گیا۔ اندر آنے والا منشی تھا۔ اس نے مجھے آواز دی۔

''اے..... اٹھ جا، بہت سو لیا۔'' ظاہر ہے میں نہیں اٹھا تو اس نے مجھے جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ میں بے جان سے انداز میں ہلتا رہا۔ پھر میں نے راج کنور کی آواز سنی۔

''اسے کھانے میں نیند والی گولی زیادہ تو نہیں دے دی تھی؟''

''نہیں سرکار! میں نے خود دوا شامل کی تھی۔''

''پھر اب تک اسے ہوش کیوں نہیں آیا؟''

''نہ آئے..... صبح ویسے بھی اس نے.....''

منشی دل جی کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے راج کنور نے اس سے کہا۔ ''نہیں، اسے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔''

''مارے گئے۔'' میں نے دل میں کہا۔ ڈاکٹر ایک منٹ میں میری اداکاری بھانپ جاتا۔ منشی دل جی نے مزاحمت کی لیکن پھر راج کنور کے حکم پر روانہ ہو گیا۔ راج کنور وہیں رہا تھا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے آنکھوں کے خفیف سے گوشوں سے دیکھا، اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور یہ دیکھ کر میرے جذبوں پر اوس پڑ گئی تھی ورنہ میں اسے قابو کرنے کی سوچ رہا تھا۔ پستول کی موجودگی میں یہ کام ممکن نہیں تھا۔ جب تک میں بستر سے اٹھ کر اس تک پہنچتا، وہ مجھے کئی بار شوٹ کر سکتا تھا۔ منشی دل جی تقریباً پندرہ منٹ بعد آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سرکار، وہ حرام زادہ نشے میں دھت پڑا ہے۔''

''لعنت ہو۔'' راج کنور غرایا۔

''سرکار، پانچ بج چکے ہیں، چار گھنٹے بعد اسے لے جانا ہے۔''

''اس کی آواز پر کان رکھنا۔'' راج کنور نے کمرے سے نکلتے ہوئے منشی کو ہدایت کی۔

دروازہ بند ہوتے ہی میں نے سکون کا سانس لیا۔ تو یہ مائیک کے ذریعے میرے حرکت کرنے، چلنے پھرنے اور باتھ روم جانے کی آوازوں سے جان جاتے تھے کہ میں ہوش میں آ گیا ہوں۔ اب میں نے بے آواز حرکت شروع کر دی۔ میں دنوں سے بند پڑے جسم اور اس کے جوڑوں کو وارم اَپ کر رہا تھا۔ یہ کام زیادہ مشکل نہیں تھا۔ میرا پیٹ خالی تھا اور تیز حرکت کرنے کے لحاظ سے یہ اچھی بات تھی۔ میں بے آواز اٹھا اور باتھ روم سے بھی ہو آیا۔ کمرے میں پانی نام کی کوئی شے نہیں تھی اس لئے میں نے واش روم کے نلکے سے منہ لگا کر پانی پی لیا۔ کمرے میں آ کر بے آواز طریقے سے پنجوں کے بل اچھلنے لگا۔ پندرہ منٹ میں میرے جسم کے تمام رگ پٹھے درست طور پر کام کرنے لگے تھے۔ اگرچہ میں کمزوری محسوس کر رہا تھا مگر یہ اتنی نہیں تھی کہ مجھے چکر آنے لگتے۔

ایک گھنٹے بعد میں نے بستر پر لیٹ کر ذرا آرام کیا۔ بھوک اب بڑھ گئی تھی اور میں نے اس پر سے توجہ ہٹا لی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد میں نے پھر چہل پہرت کی تھی اور اس کے بعد بستر پر لیٹ گیا۔ وہ لوگ کسی وقت بھی مجھے لینے کے لئے آ سکتے تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ دروازہ کھلا تو میں آنکھیں کھولے چت پڑا ہوا تھا۔ راج کنور اور منشی کے ساتھ ایک مسلح شخص بھی اندر آیا تھا۔ اس نے گارڈ والی مخصوص وردی پہن رکھی تھی۔ ''اٹھ گئے مہاشے جی!'' راج کنور نے مخصوص طنزیہ انداز میں کہا۔

''ہاں، لیکن مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا ہے۔'' میں نے بے بسی سے جواب دیا اور ہانپنے لگا۔ ''تم لوگوں نے میرے ساتھ کیا، کیا ہے؟''

''ابھی تو نہیں کیا، ابھی کرنا ہے۔'' راج کنور بولا۔ ''ناٹک بند کر، کھڑا ہو جا۔''

میں نے لرزتے ہاتھوں سے اپنے جسم کو اوپر کرنا چاہا مگر دوبارہ گر گیا۔ ''مجھ ..... سے نہیں..... اٹھا جاتا۔''

''تیرے ناٹک تجھے نہیں بچا سکتے، اٹھ جا۔''

''ہم ابھی اس کا ناٹک ختم کرتے ہیں سرکار!'' منشی بولا اور میری طرف آیا، اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور میں اس پر اوندھا گیا۔ وہ گرتے گرتے بچا تھا۔

''میرا خیال ہے، اسے کھاٹ پر لے جانا پڑے گا۔'' اس نے راج کنور سے کہا۔

''کلینک سے وہیل چیئر منگوا لو۔'' راج کنور نے حکم دیا۔ میں دوبارہ بستر پر لیٹ گیا تھا، میں خود کو کمزور اور ناتواں ظاہر کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد وہیل چیئر آ گئی تھی اور مجھے لے کر وہ تینوں کلینک کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ہم باہر آئے تو مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی، آسمان پر ابھی تک تاریکی تھی یعنی وقت کے بارے میں میرا اندازہ غلط تھا۔ ابھی سورج نکلنے میں بھی وقت تھا۔ اس سے پہلے مجھے اتنی صبح کلینک کبھی لے جایا نہیں گیا تھا۔ ان لوگوں کے عزائم سے لگ رہا تھا کہ مجھے آخری بار لے جایا جا رہا ہے اور وہاں سے میری لاش ہی لے جائی جاتی یا وہ بھی نہ جاتی، ممکن ہے میرے ٹکڑے کر کے اندرون خانہ غائب کر دیئے جاتے۔ کلینک کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عمارت بھی خاموشی میں ڈوبی تھی اور باہر ایک ہی لائٹ روشن تھی۔ اندر ڈاکٹر رشی اپنی دونوں نرسوں کے ساتھ میرا منتظر تھا۔ میں بے جان سا وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''اسے کیا ہوا؟''

''ناٹک کرتا ہے۔'' راج کنور نے منہ بنایا اور اس پر گرجنا برسنا شروع کر دیا۔ ''حرام زادے! پچاس ہزار تجھے نشہ کر کے پڑے رہنے کے دیتے ہیں۔''

''شما چاہتا ہوں سرکار!'' ڈاکٹر رشی نے مکاری سے کہا۔ وہ راج کنور کے غصے اور گالیوں سے ذرا بھی خائف نہیں تھا۔

''اسے ابھی میرے سامنے لے چلو۔ اس کا سارا خون نکال لو۔ میں اسے اپنے سامنے مرتے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''ایسا ہی ہوگا سرکار!'' ڈاکٹر رشی نے کہا اور ایک نرس سے بولا۔ ''اسے اندر لے چلو۔''

وہ وہیل چیئر کو دھکیل کر مجھے آپریشن روم تک لائی اور مجھے سہارا دے کر ٹیبل پر لٹانے لگی۔ برابر والی ایک میز پر آپریشن کے لئے مخصوص بے شمار اوزار موجود دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ ان میں نازک سے چیر لگانے والے آلات سے لے کر بھاری ہڈیاں کاٹنے والے اوزار تک سب شامل تھے۔ مسلح گارڈ میرے ساتھ آیا تھا۔ میری حالت دیکھنے کے باوجود وہ مجھ پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ مسلح گارڈ میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھا اور میں اس کی موجودگی میں کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ وقت میرے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ ایک بار میں میرے جسم سے خون نکالنے کا عمل شروع کر دیتے تو اس کے بعد میں بے دست و پا ہو کر رہ جاتا۔ چند منٹ بعد کنور کے ساتھ ڈاکٹر اندر آیا، اس نے گارڈ سے کہا۔

''اس کے سر پر کھڑے ہو جاؤ اور یہ حرکت بھی کرے تو اس کے سر پر رائفل کا دستہ مارنا۔''

ڈاکٹر رشی نے میرے بازو سے کینولا لگایا۔ یہ ایک چھوٹا سا سوئی والا آلہ ہوتا ہے جسے ایک بار نس میں داخل کر کے اسے فکس کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مدد سے خون لیا جا سکتا ہے اور جسم میں ڈرپ یا کوئی اور شے داخل بھی کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر جن مریضوں کو بار بار انجکشن یا ڈرپ لگتی ہے ان کو کینولا لگا دیا جاتا ہے۔ اس طرح بار بار نس ابھار کر انجکشن لگانے کی زحمت سے بھی نجات مل جاتی ہے اور مریض کو بھی ایک ہی بار تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ ''یہ اوزار کس لئے رکھے ہیں؟'' میں نے میز پر سجے اوزاروں کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرے پوسٹ مارٹم کے لئے..... یا دل گردے نکالنے کے لئے؟''

ڈاکٹر رشی کا چہرہ جس طرح بدلا تھا اس سے مجھے اپنی بات کا یقین ہو گیا، میں نے تو ایسے ہی اسے چھیڑنے کے لئے کہا تھا۔ اس نے چور نظروں سے راج کنور کی طرف دیکھا۔ وہ دانت پیس رہا تھا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔''

ڈاکٹر تھیلی میز کے ساتھ لگا رہا تھا۔ جسم سے خون لینے کے لئے تھیلی کو نیچے رکھا جاتا ہے جبکہ جسم میں خون یا ڈرپس داخل کرنے کے لئے تھیلی کو اوپر رکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے اسے کینولا سے منسلک کیا اور خون بے حد تیزی سے گیا تھا۔ آج اس نے خون کی رفتار کم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ اس رفتار سے تو دس پندرہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منٹ میں یہ میرا سارا ہی خون نکال لیتے۔ گارڈ میرے سر پر مستعد کھڑا تھا۔ میں ذرا سی حرکت کرتا، وہ میرا سر پھاڑ دیتا۔

راج کنور مسکرا رہا تھا۔ ''کیسا لگ رہا ہے مہاشے جی! ابھی تو تھوڑا ہی لہو نکالا ہے۔''

''لگنا کیا ہے، اگر میرا آخری وقت آ گیا ہے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تقدیر پر تو تم بھی یقین رکھتے ہو گے؟''

''ہاں، اور آج تیری قسمت کا فیصلہ ہے۔'' اس کی نظریں خون کی تھیلی پر مرکوز تھیں جو نصف بھر چکی تھی اور میرا سر چکرانے لگا تھا۔ ایک تھیلی کے بعد میری حالت خراب ہو جاتی اور میں ویسے ہی کچھ کرنے کے قابل نہ رہتا مگر میں کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ زندگی میں شاید پہلا موقع تھا کہ میں اتنی بری طرح پھنسا تھا اور کچھ کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ میں سخت بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تھیلی مکمل طور پر بھر گئی تھی اور میرا سر اتنی شدت سے چکرانے لگا تھا کہ پورا کمرا گھوم رہا تھا۔ ڈاکٹر رشی نے تھیلی نکالی تو نہ جانے میں نے کہاں سے اتنی ہمت کر لی کہ اچانک ہاتھ مارا اور اس کے ہاتھ سے تھیلی اُڑ کر دور جا گری اور پھٹ گئی۔

''حرام زادے!'' راج کنور چلایا، نہ جانے اس نے یہ خطاب کسے دیا تھا، میں نہیں جان سکا کیونکہ فوراً ہی میرے سر پر ضرب لگی۔ پھلجھڑیاں سی چھوٹیں اور میں نے پٹاخے چلنے اور راج کنور کے چلانے کی آواز بھی سنی تھی، اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چراغوں کی روشنی واپس آنے کے بعد بھی ٹمٹماتی رہی تھی۔ میرا سر ہل رہا تھا۔ سر کے اندر مغز ہل رہا تھا بلکہ میرا پورا جسم ہل رہا تھا۔ میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا لیکن اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ میں مرا نہیں ہوں، ابھی زندہ ہوں، میرے اردگرد اجنبی اور نامانوس سی زبان بولی جا رہی تھی۔ میں سردی بھی محسوس کر رہا تھا۔ ایک بار میں نے آنکھیں بھی کھولی تھیں مگر سر اتنے زور سے چکرایا کہ میں آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میں سب کچھ بھول کر اپنا ذہن قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں اپنی اس کوشش میں اتنا کامیاب ضرور رہا تھا کہ میں نے اپنے ہلنے کی وجہ جان لی تھی۔ میں کسی اسٹریچر نما شے پر تھا جسے کچھ افراد نے اٹھا رکھا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں آزاد تھے مگر میں ان کو حرکت نہیں دے پا رہا تھا۔

تھکن اور کمزوری ایسی تھی کہ سوچتے ہوئے بھی کچھ ہو رہا تھا۔ دل جیسے ڈوب اور ابھر رہا تھا۔ ذرا دیر بعد کوشش کے باوجود میں اپنا ذہن قابو میں نہ رکھ سکا تھا۔ میں پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم میں کتنی دیر بے ہوش رہا تھا لیکن اگلی بار مجھے ہوش آیا تو میں کسی نرم اور گرم شے پر لیٹا تھا۔ نزدیک ہی آگ جل رہی تھی اور یہ جگہ خوشگوار حد تک گرم تھی۔ مگر وہاں صرف ان انگاروں کی روشنی تھی۔ میرا سر اب نہیں چکرا رہا تھا مگر کمزوری قائم تھی۔ میں ساکت لیٹا جائزہ لیتا رہا۔ یہ تو طے تھا کہ میں کنور کے محل میں نہیں تھا۔ یہ جگہ کسی غار کا حصہ لگتی تھی۔ کھردری چٹانی دیواریں اور ترچھی چھت کسی غار کی ہی ہو سکتی تھی۔

آس پاس لوگ تھے، ان کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن زبان میرے لئے نامانوس تھی۔ یہ کچھ عجیب سی زبان تھی۔ جس میں اگڑ بگڑ اور ٹگڑ کے الفاظ زیادہ تھے۔ کچھ دیر بعد میں نے اٹھنے کی کوشش کی اور اٹھ بیٹھا۔ سر پر ہاتھ رکھا تو کوئی چپ چپی سی شے میرے ہاتھ پر لگی تھی لیکن یہ خون نہیں تھا بلکہ کوئی اور چیز تھی۔ شاید میرے زخم پر لگائی گئی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں آزاد تھے۔ کوئی پہرے دار سر پر مسلط نہیں تھا۔ ایک طرف دروازہ تھا جس پر کھال کا پردہ لٹک رہا تھا یعنی میں جن لوگوں کے پاس تھا، وہ دشمن نہیں تھے ورنہ مجھے اس طرح آزاد نہ چھوڑتے۔ میرے پاس ہی مٹی کے پیالے میں پانی رکھا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر چکھا۔ پانی صاف تھا، اس سے کوری مٹی جیسی اور نباتات کی مہک آ رہی تھی۔ میں نے ایک ہی سانس میں پیالہ خالی کر دیا۔ یہ میری غلطی تھی، خالی پیٹ اتنا پانی پیتے ہی مجھے متلی سی محسوس ہوئی اور پیا جانے والا سارا پانی نکل گیا۔ میں نے قے بستر کے ساتھ کی تھی، اس سے کپڑے اور بستر بھیگنے سے محفوظ رہا تھا۔ شاید باہر میرے قے کرنے کی آواز پہنچی تھی، کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پردہ اٹھا کر اندر آیا۔

''صاب! تم ٹھیک ہے نا؟'' میں نے سونا کی آواز سنی تو میں اچھل پڑا تھا۔

''تُو.....! میں کہاں ہوں؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں پتا صاب!'' اس نے سادگی سے کہا۔ ''پر یہ اپنے لوگ ہیں۔''

''سونا، یہاں کھانے کو ملے گا؟ میں بھوک سے مرنے والا ہوں۔'' میں نے کراہ کر کہا۔

''میں دیکھتی ہوں صاب!'' اس نے کہا اور چلی گئی۔ اس کی واپسی دس پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس نے ایک دھاتی ڈونگا اٹھا رکھا تھا جس میں لکڑی کا چمچ تھا اور ڈونگے میں لئی نما ایک شے تھی۔ سونا اپنے ساتھ ایک مشعل بھی لائی تھی جو اس نے دیوار سے لگا دی۔ اس سے روشنی کی صورتِ حال بہتر ہوئی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے دہل کر کہا۔

''پتا نہیں صاب جی! میں نے کھانے کو مانگا تو یہ دے دیا۔''

مجبوری تھی بھوک سے میں ویسے ہی قریب المرگ تھا اور پھر یہ شے شاید آٹے سے بنی تھی میں نے لئی نما شے چمچ سے حلق میں اتارنا شروع کی۔ ''سونا! یہ لوگ کون ہیں؟ ہمیں محل سے کیسے نکال لائے؟''

''انہوں نے محل پر حملہ کیا تھا۔ مجھے اور قبیلے سے تعلق رکھنے والے دوسرے مردوں اور عورتوں کو وہاں سے نکال لیا۔ مجھے نہیں معلوم وہ اندر کیسے آئے؟ بہت فائرنگ ہوئی، دس سے زیادہ لاشیں صرف ہمارے مکان کے سامنے پڑی تھیں۔''

''کنور خاندان کا کیا ہوا؟''

''مجھے نہیں معلوم صاب!'' اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

''یہ جگہ کہاں ہے؟''

''ہمیں بارہ گھنٹے تک چلا کر اس جگہ لایا گیا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''کوئی اونچا سا پہاڑ ہے۔ اس طرف آنے کے لئے دریا پر لکڑی کا پل ہے۔ انہوں نے پل کھول دیا ہے۔''

''تمہارے اور میرے علاوہ اور کتنے لوگ لائے ہیں یہ محل سے۔''

''بہت سارے ہیں۔ میں دیکھ نہیں سکی۔ ہمیں اس جگہ رکھا گیا ہے، ہمیں ابھی باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

میں نے بدمزہ لئی کا ڈونگا صاف کر دیا اور میری جان میں جان آئی تھی۔ ''کوئی آدمی جس سے بات کی جا سکے؟''

''ابھی تک تو کوئی نہیں ہے۔ باہر جانے والے راستے پر مسلح قبائلی ہیں، وہ نہ بات سنتے ہیں اور نہ باہر جانے کی اجازت دیتے ہیں۔''

''یہ کون سے قبائل ہیں، ان کا کوئی نام تو ہوگا؟''

''یہ تری دیو قبائل کہلاتے ہیں۔ مچھلی ذات کے ہیں۔''

''تمہیں ان کی زبان نہیں آتی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اور دوسری لڑکیاں بچپن سے ادھر سے لائی گئی تھیں، ہم اپنی زبان بھول گئے ہیں۔''

لئی بدھ مت سہی مگر اس میں غذائیت تھی اور یہ زود ہضم بھی تھی، میں نے فوری طور پر توانائی محسوس کی تھی۔

''ہمارے ساتھ کوئی مرد ہے؟'' میں نے سوچ کر کہا۔

''کئی ہیں۔''

''ان میں ترگیوری ہے؟''

''میں معلوم کر کے بتاتی ہوں صاحب!'' اس نے کہا اور ڈونگا لے کر باہر چلی گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ترگیوری اندر آیا تھا، وہ مجھ سے گرم جوشی سے ملا۔ ''صاحب، کیسا ہے تم؟''

''اب ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''آؤ بیٹھو۔ مجھے بتاؤ وہاں کیا ہوا تھا؟''

''اُدھر بہت ہنگامہ رہا۔'' اس نے میرے پاس بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ترگیوری! قبائلی اندر کیسے گھسے؟ کنوروں نے حفاظت کے لئے اتنے سخت انتظامات کئے تھے۔ ایک لشکر جرار بھی اندر نہیں گھس سکتا تھا۔''

''ہم کو نہیں معلوم۔ پر یہ لوگ اچانک محل میں نمودار ہوئے اور آتے ہی مار دھاڑ شروع کر دی۔ ان میں سے بہت سارے قبائلی ملازموں والے حصے میں گھس آئے اور جتنے قبائل سے تعلق رکھنے والے ملازم تھے، ان کو لے گئے۔''

''اور دوسرے افراد کو؟''

''ان کو وہیں چھوڑ دیا۔ گارڈز مارے گئے تھے۔''

''کنور خاندان کا پتا چلا۔ خاص طور سے راج کنور اور بڑے کنور کا؟''

''کچھ پتا نہیں صاحب! میں اپنے کمرے میں تھا اور عام لباس میں تھا اس لئے بچ گیا ورنہ مارا جاتا۔ ہم سب کو ایک بڑے سے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ آدھے گھنٹے تک فائرنگ اور لوگوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آتی رہی تھیں۔''

مجھے معصوم آشا کا خیال آیا۔ قبائلی جوشِ انتقام میں بھرے محل میں داخل ہوئے تھے اور یہ مشکل ہی تھا کہ انہوں نے کنور خاندان کے کسی شخص کو معاف کیا ہو چاہے وہ عورت ہو یا بچہ۔ ''تم لوگ کس طرف سے نکلے۔''

''پتا نہیں، یہ ہمیں لے کر ایک سرنگ میں گھس گئے تھے اور پھر ہم محل سے دور نکلے تھے۔ کھلی فضا میں آنے کے بعد میں نے دیکھا تھا کہ محل اور مختلف عمارتوں میں کئی جگہ آگ لگی تھی۔''

''مجھے کون لایا تھا؟''

''تم کو سرنگ میں جانے سے کچھ پہلے دیکھا تھا۔ چار قبائلی تمہارا کھاٹ اٹھائے ہوئے تھے۔''

میں ڈاکٹر رشی اور منشی دل جی کا انجام جاننے کے لئے بے چین تھا۔ پھر مجھے خیال آیا۔ ''یہ بتاؤ جس سرنگ سے تم لوگ گزرے تھے، وہ کیسی تھی؟''

''ہم سمجھا نہیں صاحب!''

''میرا مطلب ہے تازہ کھودی گئی سرنگ تھی یا پہلے سے بنی تھی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پہلے سے بنی صاف ستھری سرنگ تھی صاحب۔''

اس کا مطلب تھا، یہ محل کی خفیہ سرنگ تھی۔ والیانِ ریاست بغاوت یا دشمن کے حملے کی صورت میں فرار کے لئے اس قسم کی سرنگیں تیار رکھتے تھے۔ اگر قبائلی اس کے ذریعے اندر آئے تھے تو حملہ صاف مخبری کا نتیجہ تھا۔ قبائلی اندر کے کسی آدمی یا گروہ کی مدد سے گھسے تھے۔ ان کو تمام جگہوں کا علم تھا اور وہ حفاظتی انتظامات سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے اندر گھس کر قتل و غارت گری مچائی اور محل میں موجود قبائل سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کو نکال کر لے گئے تھے۔ البتہ یہ معما تھا کہ وہ مجھے کس خوشی میں لائے تھے جبکہ میں کسی صورت قبائلی نہیں لگ رہا تھا۔ ''ترگیوری، جب یہ تمہیں آزاد کرا کے لائے ہیں تو خود کیوں قید میں ڈال دیا ہے؟''

''ہم ان کے ہم نسل ہیں مگر محل میں رہے ہیں، ہم میں سے بہت سارے محل والوں کے وفادار تھے یا ان کے داماد بھی ہیں اس لئے یہ ہم پر جلد بھروسا نہیں کریں گے۔''

ترگیوری کی بات معقول تھی۔ ''تم نے یہ جگہ دیکھی ہوگی، محل سے کتنی دور ہے؟''

''بہت دور ہے۔ ہم سارا دن سفر کرتے رہے اور رات کے پچھلے سے یہاں پہنچے۔ چودہ گھنٹے سفر کیا ہے۔''

پہاڑی علاقوں میں ایک میل میدانی علاقوں کے تین میل کے برابر ہوتا ہے۔ اگر سارا سفر پیدل کیا گیا تھا تو یہ جگہ محل سے پندرہ سولہ میل سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اتنی بڑی واردات کے بعد پولیس کا حرکت میں آنا لازمی تھا اور وہ قبائلیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہاں تک آ جاتے اور اس میں اب زیادہ وقت نہیں تھا۔ کنور خاندان کے ریاستی حکام سے بہترین تعلقات تھے اور ان پر حملے نے حکام کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ میں نے بے چینی سے کہا۔ ''ان لوگوں کو احساس نہیں ہے انہوں نے کتنا خطرناک کام کیا ہے اور اس کے بعد محل سے پندرہ بیس میل کے فاصلے پر بیٹھے ہیں، پولیس کسی بھی وقت یہاں آ سکتی ہے۔''

''پولیس یہاں نہیں آ سکتی۔ ہم خود اتنی مشکل سے آئے ہیں۔''

''احمق، پولیس کے پاس وسائل ہیں انہوں نے ہیلی کاپٹر استعمال کئے تو دس منٹ میں یہاں آ جائیں گے۔ انہوں نے اوپر سے گولیاں برسائیں تو ان لوگوں کو بھاگنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔''

''صاحب، تم فکر مت کرو۔ انہوں نے اپنی حفاظت کا سوچ لیا ہوگا۔ یہ قبائلی ہیں پر کم عقل نہیں ہیں۔'' ترگیوری نے مجھے تسلی دی۔ مگر میری تشفی نہیں ہوئی تھی۔ ''تم نے دیکھا صاحب، انہوں نے کیسی ہوشیاری سے حملہ کیا تھا۔''

''اندر سے کسی نے ان کی مدد کی تھی۔ ترگیوری سچ سچ بتاؤ، تم قبائلیوں کے ساتھ نہیں ہو؟''

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا صاحب، ہمارا دل ان کے ساتھ ہے۔''

''اور اب تم خود ان کے ساتھ ہو۔'' میں مسکرایا۔ ''تم جانتے ہو کنور مجھے قید میں رکھ کر میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے تھے؟''

''آپ کا خون نکالتا تھا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''اس سے دوا بناتا۔ اس حرامی سندھو کو ہم جانتا، وہ کتے کی موت مرا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سندھو مارا گیا؟'' میں چونکا۔'' کیسے اور اس کا ایک لڑکی بھی تھی.....اوشا!''

''وہ بلاوجہ بھاگا تھا، اسے پیچھے سے گولی ماراگیا۔لڑکی کے بارے میں ہم نہیں جانتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔'' صاحب، اب ہم کو اجازت دو۔ ہم بہت تھک گیا ہے، اب سوئے گا۔''

ترگیوری کے جانے کے بعد میں خود بھی لیٹ گیا۔ پیٹ بھرنے کے بعد میں تھکن محسوس کر رہا تھا۔ مگر سونے سے پہلے میں نے پردہ ہٹا کر باہر دیکھا۔ یہ کسی گپھا نما غار کا ایک حصہ تھا جس میں قبائلیوں نے رہائش کر کے رہنے کے قابل کمرے بنا لئے تھے۔ بظاہر یہ سلسلہ خاصا بڑا تھا۔ اندر جا بجا چربی سے جلنے والی مشعلیں روشن تھیں جن کی بُو ناگوار تھی مگر اس سے کیڑے مکوڑے اور مچھر بھی بھاگ جاتے تھے۔ باہر سے آنے والی آوازیں معدوم ہوگئی تھیں یعنی وہاں موجود سب ہی افراد سو چکے تھے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ میں بھی سو جاؤں۔ باوجود اس کے کہ مجھے پولیس ریڈ کا خطرہ تھا مگر میں کیا کر سکتا تھا؟ میں خود قبائلیوں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ نہ جانے مجھے کیوں لائے تھے؟ مگر ایک طرح سے دیکھا جائے تو وہ میرے محسن بھی تھے۔ اگر وہ مجھے لانے کی زحمت نہ کرتے تو یہ ممکن تھا میرا سارا خون نکال لیا جاتا اور نتیجہ میری وفات کی صورت میں برآمد ہوتا۔ دوسرے یہ کہ میں پولیس کے ہاتھ آجاتا اور ہندوستان کی پولیس پاکستانیوں کے حق میں کتنی سفاک ہے یہ ہم سب آئے دن ٹی وی چینلز اور اخبارات میں دیکھتے ہیں۔

میری دوبارہ آنکھ کھلی تو میرا دم گھٹ رہا تھا۔ اندر مشعل جلنے سے دھواں بھر گیا تھا اور ہوا میں آکسیجن کا تناسب کم ہوگیا تھا۔ میں اٹھا اور پردہ ہٹا کر باہر آیا۔ گپھا کے اندر مستقل تاریکی چھائی رہتی تھی اور باہر کے وقت کا پتا نہیں چلتا تھا۔ لوگ ابھی تک پڑے سو رہے تھے۔ میں نے ایک طرف دیوار سے لگی مشعل اتاری اور اس تاریک راستے کی طرف بڑھا جو مجھے ایک کونے میں نظر آیا تھا۔ مگر یہ بھی ایک کمرہ ثابت ہوا تھا۔ پردہ ہٹا لے پر اندر درمیانی عمر کا مرد اور ایک نوجوان لڑکی خاصی ناگفتہ بہ حالت میں سوتے نظر آئے۔ میں لاحول پڑھ کر واپس آگیا۔

دو تین بار غلط جگہوں میں گھسنے کے بعد مجھے گپھا کے باہر جانے کا راستہ مل گیا تھا، یہ ایک طویل سرنگ تھی جس کے دائیں بائیں اور بھی وسیع گپھائیں تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا ان لوگوں نے پہاڑ کے اندر پورا شہر بسا لیا تھا۔ سرنگ کے دہانے کے قریب مجھے سرد اور تازہ ہوا کے ساتھ روشنی بھی ملی تھی۔ صبح ہو چکی تھی۔ دہانے پر دو عدد مسلح قبائلی کھڑے تھے۔ یہ کسی قدر سانولے رنگ کے لمبے تڑنگے اور تیکھے نقوش کے حامل افراد تھے۔ تیکھی اتنے جسیم نہیں ہوتے جتنے کہ یہ تھے۔ بیشتر افراد نے کھال سے بنا لباس پہن رکھا تھا، اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ گوشت کھاتے تھے اور ان کی جسمانی تنومندی کا راز بھی یہی تھا۔ پہرے داروں نے مجھے روک لیا۔ انہوں نے زبان سے اور اشارے سے بتایا کہ مجھے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کا انداز حاکمانہ تھا مگر درشت نہیں تھا۔ میں نے بھی اشارے سے سمجھایا کہ اندر میرا دم گھٹ رہا ہے اس لئے میں باہر آیا ہوں۔ اگر مجھے باہر جانے کی اجازت نہیں دے رہے تو دہانے پر بیٹھنے دیں۔ اس پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا تھا، میں وہیں بیٹھ گیا۔

دہانے سے مجھے جو نظر آرہا تھا، یہ خاصا اونچا پہاڑی سلسلہ تھا اور ڈھلانیں تقریباً عمودی تھیں۔ گھنے جنگل کے ساتھ نیچے کوئی دریا بہہ رہا تھا اس کا شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا۔ شاید اس دریا پر پل تھا جسے توڑ کر یہ بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چارے سمجھ رہے تھے کہ اب پولیس ان تک نہیں آسکتی حالانکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا، پولیس کے خیال نے مجھے مضطرب کر دیا تھا اور میں نے پہرے داروں کو زبان اور اشاروں سے کہنا شروع کیا کہ مجھے ان کے کسی لیڈر سے ملنا ہے۔ پانچ دس منٹ کی محنت کے بعد نہ جانے ان کی سمجھ میں کیا آیا، ایک پہرے دار نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور مجھے بازو سے پکڑ کر غار کے اندر لے جانے لگا، مجھے مایوسی ہوئی۔ وہ میری بات نہیں سمجھا تھا اور مجھے ممرے حصے میں واپس لے جا رہا تھا۔

مگر اس کا رخ گھپا کے ایک اور حصے کی طرف تھا۔ اس جگہ بھی خاصے غار تھے مگر ان میں سارے ہی مرد تھے جو پڑے بے خبر سو رہے تھے۔ اس جگہ ہتھیار بھی تھے۔ ان میں جدید خودکار ہتھیار کم تھے، زیادہ تر پرانی ساخت کی رائفلیں تھیں جن کو ایک فائر کے بعد لوڈ کرنا پڑتا تھا۔ وہ مجھے ایک غار میں لے گیا، اندر ایک نوجوان اور دلکش مرد بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ایک عدد رائفل تھی اور تعجب انگیز بات کہ اس کے ہاتھ میں ایک موٹا سا انگریزی ناول تھا جو وہ لیمپ کی روشنی میں پڑھ رہا تھا۔ میرے ساتھ آنے والے پہرے دار نے اپنی زبان میں اس سے کچھ کہا۔ نوجوان نے میری طرف دیکھا۔ ''تم انگریزی سمجھتے ہو؟'' اس نے انگریزی میں کہا۔

میں نے سر ہلایا۔ ''ہاں۔''

''گڈ، میرا نام کمار ہے، کمار رانا!''

''شہباز ملک!'' میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس نے تھام لیا۔ ہینڈ شیک کے بعد اس نے پہرے دار سے کچھ کہا اور وہ سر جھکا کر چلا گیا۔

''بیٹھو۔'' اس نے سامنے اشارہ کیا، وہ خود چٹائی پر بیٹھا تھا۔

''شکر ہے کوئی شخص تو ایسا ملا جو میری زبان سمجھتا ہو۔''

''تمہیں ہمارا شکر گزار ہونا چاہئے۔ ہم بروقت پہنچے جب وہ شیطان ڈاکٹر تمہارے جسم سے خون نکالنے والا تھا۔''

''اس نے ایک تھیلی خون لے لیا تھا۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''میں نے مزاحمت کی اور خون ضائع کر دیا اس کی پاداش میں مجھے سر پر ضرب کھانی پڑی۔''

''وہ بہت خبیث آدمی ہے۔ میں خاص طور سے اسے قتل کرنے گیا تھا۔''

''وہ تو محض ایک ملازم ہے، کنور خاندان کا۔''

''وہ محض ملازم نہیں ہے، ان کا بزنس پارٹنر بھی ہے۔''

''کس بزنس میں پارٹنر؟''

''انسانی جسم کے اجزاء کا بزنس!'' اس نے انکشاف کیا۔ ''یہ خبیث ڈاکٹر ہم قبائلیوں کے جوان لوگوں کے جسم سے دل، گردے، جگر اور آنکھیں نکال لیتا ہے۔ یہ سارے اعضا بیرونِ ملک مہنگے داموں بیچے جاتے تھے۔''

میں سن رہ گیا، مجھے وہ منظر یاد آیا جب مجھے آپریشن روم میں لے جایا گیا تھا۔ وہاں میز پر سرجری کے اوزار سجے تھے۔ یقیناً جب میرے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا جاتا تو میرے کارآمد اعضا بھی نکالے جاتے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیش قیمت پر خریداروں کو بیچے جاتے۔ میں نے سنبھل کر پوچھا۔ ''تم لوگوں کے اعضا کیوں نکالے جاتے تھے؟''

''ہم نے کنور خاندان کی غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے وہ ہمارے دشمن ہو گئے، پولیس اور کنور کے آدمیوں نے حملہ کر کے ہمیں ہماری بستیاں چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ہماری فصلیں اجاڑ دیں۔ جنگل اور چراگاہوں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر ستم کہ ہمارے لوگوں کو اغوا کیا جانے لگا۔ ان کو مار کر ان کے جسم سے اعضا نکال لئے جاتے ہیں اور لاشیں غائب کر دی جاتی ہیں۔'' اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''وہ تمہارے ہاتھ لگا؟''

اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے سر ہلایا۔ ''نہیں، وہ چھپ گیا تھا۔ کلینک میں تم تھے اور ایک لڑکی تھی باقی سب فائرنگ کی آواز سن کر بھاگ گئے تھے۔ وہاں تم بے ہوش پڑے تھے۔ سرجری کے اوزار دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ وہ تمہارے اعضا نکالنے کی تیاری کر رہے ہیں اور اس سے پہلے تمہارا خون نکال رہے تھے۔ وقت نہیں تھا اس لئے میں تم کو لے کر وہاں سے نکل گیا۔''

''مجھ پر یہ مہربانی کیوں؟''

''تم بھی ہماری طرح مظلوم ہو۔ مجھے معلوم تھا ہمارے جاتے ہی وہ ابلیس پھر آ کر تمہیں مار ڈالے گا۔ تمہاری حالت خاصی خراب تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ تم زیادہ دیر زندہ نہیں رہو گے۔ راستے میں بھی تم اکھڑے اکھڑے سانس لے رہے تھے۔ بہرحال یہاں لانے تک تم زندہ رہے اور تم نے اتنی تیزی سے ری کور کیا کہ میں حیران ہی رہ گیا تھا۔ اب تم بالکل ٹھیک لگ رہے ہو۔''

''میں خاصا سخت جان ہوں۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگے؟''

میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنا وہی تعارف کراؤں گا یعنی دلی کا رہنے والا ہوں۔ کیونکہ یہ مچلی ذات کے ہندو تھے اس لئے ان سے مجھے تعصب کی امید نہیں تھی اسی وجہ سے میں نے اپنا اصل نام بتا دیا تھا۔ بس یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ میں پاکستانی ہوں۔ میں نے اسے یہی کہانی سنائی کہ میں دلی کا رہنے والا ہوں۔ دوستوں کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا مگر راستہ بھٹک گیا تھا اور سندھو کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ سپیرا تھا، اس کے ایک خطرناک سانپ نے مجھے ڈس لیا تھا اور علاج سے میں بچ گیا لیکن میرے خون میں کچھ ایسی خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں جن سے بعض امراض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس وجہ سے میرا خون نکال رہے تھے۔''

''یہ انسانیت سے عاری درندے ہیں۔'' کمار نے گہری سانس لی۔ ''لیکن ان کے حساب کا وقت آ گیا ہے۔''

''کنور برادران تمہارے ہاتھ لگے یا نہیں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، وہ بھی بھاگ گئے تھے۔''

''اس کا مطلب ہے انہوں نے اپنی حفاظت کا کوئی متبادل بندوبست کر رکھا تھا۔ ورنہ راج کنور تو میرے ساتھ تھا اور بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' اس نے ایک طرف رکھی کیتلی سے چائے دو پیالیوں میں ڈالی، ایک اپنے سامنے رکھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور دوسری میرے سامنے رکھ دی۔ ''وہ بہت بزدل لوگ ہیں اور بزدل لوگ ہمیشہ اپنے تحفظ کے بارے میں سوچتے ہیں۔ میرے پاس وقت نہیں تھا ورنہ اس پورے محل کو آگ لگا دیتا۔ وہ جہاں بھی ہوتے جل کر مر جاتے۔''

''تم کو پولیس کا خطرہ تھا؟''

''پولیس کا بھی..... اور وادی میں آباد اُن کے وفاداروں کا بھی۔''

''محل کی سکیورٹی بہت سخت تھی، تم اندر کیسے آئے؟''

وہ مسکرایا۔ ''یہاں بھگوان نے مدد کی، ہمیں اندر چند ہمدرد مل گئے، ان کی مدد سے ہم نے حملہ کیا اور اپنے آدمیوں کو وہاں سے نکال لائے۔''

''اپنے آدمی! تمہارا مطلب ہے وہ قبائلی جو کسی بھی حیثیت سے محل میں رہ رہے تھے۔ بس یہی مقصد تھا تمہارا؟''

''اصل میں تو ہم راج کنور، ارجن کنور اور ان کے گرگوں کا خاتمہ کرنے گئے تھے مگر وہ سب غائب ہو چکے تھے۔''

''اندر کا آدمی کون تھا؟'' میں نے سوچ کر پوچھا۔

''یہ میں نہیں بتا سکتا۔''

''مسٹر کمار! مجھے لگ رہا ہے تم لوگوں کو ڈبل کراس کیا گیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ چونکا۔

''کیا مطلب؟''

''تم نے اتنی آسانی سے حملہ کیا۔ وہاں قتل و غارت گری کی، لیکن مارے کون گئے؟ مجھے یقین ہے ان میں کنور خاندان کا ایک فرد بھی نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کا کوئی خاص آدمی ہوگا، وہ سب نکل گئے ہوں گے، کیسے.....؟ کیا ان کو پہلے سے الہام تھا؟''

''شاید!'' اس نے غور کر کے کہا۔ ''لیکن میں نے اس آدمی پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا تھا۔ ہم نے ایک دن پہلے حملہ کر دیا تھا۔''

''اوہ، اسی وجہ سے وہ اتنے سکون سے میرا خون نچوڑنے کی تیاری کر رہے تھے ورنہ ان کو حملے کا علم ہوتا تو کام ایک دن پہلے کر لیا جاتا مگر میری بات لکھ کر رکھ لو۔ راج کنور اور اس کے بھائی کو اگلے روز ہونے والے حملے کا علم تھا۔''

اس نے الجھی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم احمقانہ باتیں کر رہے ہو۔ ان کو بھلا کیا فائدہ ہوا، ان کے اتنے آدمی مر گئے، محل کو نقصان ہوا۔''

''سب نقصان پورا ہو جائے گا۔ کرائے کے مرنے والے اور مل جائیں گے۔ محل کا نقصان انشورنس والے پورا کریں گے۔ اصل فائدہ وہ اب اٹھائیں گے۔''

''اور وہ فائدہ کیا ہے؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم لوگوں کے خلاف ریاستی آپریشن ہوگا، تم لوگ دہشت گرد قرار پاؤ گے اور ممکن ہے ریاست کی حکومت پیراملٹری حکام سے بھی مدد طلب کر لے۔ تم ان کا مقابلہ کر سکو گے؟..... وہ سب کو مار دیں گے اور بال بچنے والوں کو گرفتار کر کے لے جائیں گے۔''

کمار کے چہرے پر فکر کے آثار نمودار ہوئے۔ ''یہ امکان ہے۔''

''ممکن ہے امکان ہی ہو مگر کمار جی! مجھے اس حملے کی اور کوئی تک سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آئیڈیا بھی اندر کے آدمی نے دیا ہوگا ورنہ تمہارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہوگا۔''

''ہاں، ایسا ہی ہے۔''

''اس سے اندازہ لگا لو۔'' میں نے کہا۔

اس نے فکر سے مجھے دیکھا۔ ''تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

''میں نے تمہیں خبردار کر دیا ہے۔ اگر تمہارا یہ ٹھکانا سب کے علم میں ہے تو پولیس کو یہاں آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ خاص طور سے تمہارے اس مخبر کے علم میں ہو تو۔''

''میرے آدمی آگے تک ہیں اگر پولیس آئی تو مجھے اطلاع مل جائے گی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، پولیس پیدل آئے گی۔ وہ ہیلی کاپٹرز پر آ سکتے ہیں، ان کو اسلحے سمیت کسی پہاڑ کی چوٹی پر اتارا جا سکتا ہے، تم نیچے دیکھتے رہ جاؤ گے اور وہ اوپر سے نازل ہو جائیں گے۔''

''میں اپنے آدمی اس طرف بھی لگاتا ہوں۔''

''یہ بتاؤ، اگر باہر پولیس گھیرا ڈال دے تو نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے؟''

''راستہ تو ہے..... پر.....''

''اس شخص کے علم میں ہے جس نے محل میں گھسنے میں تمہاری مدد کی تھی؟''

''نہیں، اسے میں نے اتنا نہیں بتایا تھا بلکہ میرے علاوہ چند ہی افراد کو اس راستے کا علم ہے۔''

''کمار! اس جگہ کے علاوہ تمہارا کوئی ٹھکانا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس صورت میں مجھے اوپر پہاڑوں پر اپنے آبائی قبیلے کی طرف جانا ہوگا پھر وہیں مل سکتی ہے۔''

''کتنے لوگ ہیں تمہارے ساتھ..... ان کی تعداد کیا ہے؟''

''ویسے تو ساری بستیوں کے ملا کر دس ہزار سے زیادہ ہیں لیکن میرے ساتھ پندرہ سو ساتھی ہیں۔ ان میں ہزار لڑنے والے مرد ہیں، اس جگہ چھ سو ساتھی ہیں۔''

''تمہاری کیا حیثیت ہے ان میں؟''

''میرا باپ اس قبیلے کے دس ہزار افراد کا سردار تھا۔ وہ پچھلے حملے میں مارا گیا، اس کے ساتھ میرے بڑے بھائی تھے، وہ بھی واپس نہیں آئے۔ تب قبیلے کے بزرگوں نے مجھے سردار بنا لیا۔''

''اسلحہ کتنا ہے تمہارے پاس؟''

''کچھ خودکار رائفلیں ہیں۔ زیادہ تر پرانی ساخت کی رائفلیں ہیں۔ ہمارا اصل ہتھیار تیر کمان ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملے بتایا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ سادہ طبیعت کا آدمی تھا جو ہر ایک پر جلدی اعتبار کر لیتا تھا۔ ابھی اسے تجربہ نہیں تھا اس کی جگہ اس کا باپ ہوتا تو وہ مجھے یہ سب نہیں بتاتا۔

''تم کون ہو شہباز ملک!'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے، تمہیں ان سب حالات کا خوب تجربہ ہے؟''

''ہاں، پچھلے کچھ عرصے سے گزر رہی ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''دوست ایک مشورہ ہے۔ ابھی عورتوں اور بچوں کو یہاں سے روانہ کر دو صرف وہی لوگ رکھو جن کو لڑنے اور ضرورت پڑنے پر فرار کا تجربہ ہو۔''

''ہم قبائلی میدانِ جنگ سے بھاگنا بزدلی سمجھتے ہیں۔''

''دشمن تعداد میں زیادہ اور خطرناک اسلحے سے لیس ہو تو اسے مصلحت کہتے ہیں۔ بہادری کے نام پر اپنے آدمی کٹوا دینا حماقت کہلاتی ہے۔''

وہ پڑھا لکھا آدمی تھا اس لئے میری بات برداشت کر لی۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''تم نے جن خدشات کا اظہار کیا ہے ان پر تمہیں کتنا یقین ہے؟''

''سو فی صد تو نہیں ہے لیکن یوں سمجھ لو کہ خاصی حد تک یقین ہے۔ جو لوگ خطرات میں گھرے رہتے ہیں، ان کو اپنی چھٹی حس سے کام لینا پڑتا ہے اور اس پر یقین بھی رکھنا ہوتا ہے۔''

''تم اسی جگہ رہو۔'' کمار نے مجھ سے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ صبح ہو چکی تھی اور میرا خالی پیٹ گڑگڑا رہا تھا۔ کمار کی واپسی نصف گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ اس نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اپنے آدمیوں کو گشت پر کر دیا ہے۔ خاص طور سے اوپر کی جانب سے۔''

''اور خفیہ راستے کے بارے میں کیا، کیا؟''

''کچھ نہیں۔ اس کا پتا جن لوگوں کو ہے ان کی زبان سے کچھ نکل نہیں سکتا۔''

میں غور کر رہا تھا۔ ''کمار، جن لوگوں نے پہلے محل پر حملہ کیا تھا، ان میں کوئی ایسا فرد تھا جو خفیہ راستے سے واقف ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میرے باپ اور دو بھائیوں سمیت دس افراد تھے۔''

''فرض کرو، ان میں سے کوئی زندہ پکڑا گیا ہو؟''

''نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے جو تجربہ حاصل کیا ہے، انسان پر بعض اوقات ایسا وقت بھی آتا ہے جب وہ مرنا چاہتا ہے، مگر اسے موت بھی نہیں آتی۔''

''یعنی ان لوگوں پر اس راستے کا راز کھل گیا ہے۔'' اس نے فکرمندی سے کہا۔

''اس کا امکان ہے۔'' میں بولا اور پھر اسی موضوع پر بات چلتی رہی جب کہ میں سوچ رہا تھا کہ صبح ہو گئی تھی مگر اب تک ناشتے کا کچھ پتا نہیں تھا۔ کمار بھی اس بارے میں خاموش تھا میں نے تنگ آ کر کہا۔ ''میاں کمار! تمہارے ہاں مہمانوں کی خاطر تواضع کا کوئی رواج ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''معاف کرنا، میں بتانا بھول گیا ناشتا آنے والا ہے۔'' وہ شرمندہ ہو گیا۔

''محل سے تم لوگ کتنے افراد چھڑا کر لائے ہو؟''

''تم سمیت پچاس افراد۔ ان میں دو ہی ایسے ہیں جن کا ہمارے قبیلے سے تعلق نہیں ہے۔''

''ایک تو میں ہو گیا، دوسرا کون ہے؟''

''ایک لڑکی..... ہمیں تمہارے پاس سے ملی تھی۔''

''موٹی سی اور کالی سی..... نرس ہو گی۔''

''نہیں، وہ تو بہت پیاری سی لڑکی ہے۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔

''پیاری سی لڑکی، کلینک میں تو ایسی کوئی شے نہیں پائی جاتی تھی۔'' میں نے سوچا۔ ''تم اسے دکھا سکتے ہو مجھے؟''

''ناشتا کر لو۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے اسے دوسری عورتوں کے ساتھ تیار ہونے کو کہا ہے۔ وہ کچھ دیر میں روانہ ہو جائیں گی۔''

''یہ تم نے اچھا کام کیا ہے۔ کیا تم قبائل سے مدد لے سکتے ہو؟''

''میں ان لوگوں کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اگر وہ صرف مدد ہی کر دیں جیسے راستے خراب کر دیں یا راستے میں آنے والے پلوں کو تباہ کر دیں۔''

''ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔''

''اور یہ بھول جاؤ کہ آپریشن صرف تمہارے خلاف ہو گا۔ کنور خاندان نے شاید تمام قبائل کو نیست و نابود کرنے اور علاقہ بدر کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ ان کی جگہ دوسروں کو آباد کریں گے جو ان کے حکم کی سرتابی نہ کر سکیں اور علاقے کے وسائل پر اپنا حق نہ جما سکیں۔''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔'' اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''دس ہزار افراد کو بے دخل کرنا۔''

''اگر انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو یہ کام بہت آسان ہو گا۔ وہ صرف سوئٹزرلینڈ لائیں گے اور تم سب کو اس میں بھر کر دور دراز مقامات پر چھوڑ آئیں گے۔ وہ تم کو اس طرح منتشر کر دیں گے کہ تم آپس میں مل بھی نہ سکو۔''

''تم تو ایسا کہہ رہے ہو جیسے یہ سب طے ہے۔'' وہ ہنسا تھا، خوف زدہ اور آسیبی سی ہنسی۔

''نہیں، ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو لیکن ہنگامی حالات میں آدمی کو ہر چیز کے لئے تیار رہنا چاہئے۔''

ایک آدمی ناشتا لے کر آیا۔ کسی چیز کی کھیر تھی جو میٹھی تھی۔ مکئی کی روٹی اور مکھن تھا۔ اس کے بعد چائے۔ یہ قہوہ نہیں چائے ہی تھی اور شاید ان پہاڑوں پر اُگتی ہو گی کیونکہ کھانے میں کوئی چیز باہر کی نہیں تھی۔ کھانے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ میں تمہیں لڑکی دکھا دوں۔ اگر وہ بے قصور آ گئی ہے تو مجھے افسوس ہے۔''

وہ مجھے لے کر اس گپھا میں آیا جس میں مَیں نے رات گزاری تھی۔ یہ شاید سب سے اندر کا حصہ تھا۔ اس لئے یہاں مستقل رات رہتی تھی۔ ایک غار میں صرف عورتیں تھیں، یہ زیادہ تر محل میں کام کرنے والی عورتیں اور لڑکیاں تھیں۔ ان میں ایک لڑکی نے پتلون اور قمیص پہن رکھی تھی، اس نے اوپر بھاری سوئٹر لیا ہوا تھا۔ کمار نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورتوں سے اسے باہر لانے کو کہا۔ لڑکی نے منہ چھپا رکھا تھا۔ کمار کے اشارے پر اسے زبردستی باہر لایا گیا، جب اس کے چہرے سے چھوٹا سا کپڑا ہٹایا گیا تو میں دنگ رہ گیا۔ وہ آشا تھی، راج کنور اور بڑے کنور کی بہن۔

''تم اسے جانتے ہو؟'' کمار نے میرے تاثرات دیکھ کر کہا۔

''ہاں، شاید یہ محل میں کوئی کام کرتی ہے۔'' میں سنبھل کر بولا۔ ''میں نے دو تین بار اسے دیکھا تھا۔''

''مجھے شبہ ہو رہا ہے یہ کنور خاندان سے تعلق نہ رکھتی ہو۔''

''تم نے ان عورتوں سے معلوم نہیں کیا؟'' میں نے محل سے لائی جانے والی خادماؤں کی طرف اشارہ کیا۔

''معلوم کیا تھا۔ یہ اس کے بارے میں لاعلمی ظاہر کر رہی ہیں۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ یعنی خادماؤں کو بھی اس سے ہمدردی تھی ورنہ اب تک اس کا پول کھل چکا ہوتا۔ ''کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں۔ ممکن ہے یہ اپنے بارے میں بتا دے۔''

''مجھے ہندی نہیں آتی ورنہ میں خود پوچھ لیتا۔'' اس نے سر ہلایا۔

یہ ایک اور اچھی بات تھی، میں آشا کے قریب آیا۔ ''تم نے مجھے پہچانا؟''

''تم شہباز ہو؟'' اس نے سر ہلایا۔

''ان کو نہیں پتا کہ تم کس خاندان سے ہو۔ ان خادماؤں نے بھی تمہارے بارے میں نہیں بتایا ہے۔ میں نے اس سے کہا ہے تم وہاں کام کرتی ہو۔''

''اگر اسے میرے بارے میں پتا چل گیا تو.....؟'' وہ ڈر گئی تھی۔

''کچھ کہا نہیں جا سکتا، ویسے تو یہ اچھے لوگ ہیں، شریف اور کسی کو تکلیف نہ دینے والے لیکن تمہارے خاندان نے ان کا بہت نقصان کیا ہے، اگر ان کو تمہارے بارے میں پتا چل جائے تو نہ جانے ان کا کیا ردِعمل ہو۔ اس لئے ان کا بے خبر رہنا ضروری ہے۔''

''تم اس سے کیا کہہ رہے ہو؟'' کمار نے پوچھا، اس کے لہجے میں ہلکا سا شک تھا۔

''اُسے ہندی صحیح طرح نہیں آتی، اس لئے اس سے ہر بات کی وضاحت سے کر رہا ہوں۔ اس کا کہنا ہے یہ آرائش کرنے کی ماہر ہے اور اسی لئے محل میں آئی تھی۔''

''یعنی اس کا کنور خاندان سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے اس سے کہا اور اردو میں آشا سے کہا۔ ''میں نے اسے بتایا ہے تم آرائش کی ماہر ہو اور اس کام سے محل میں آئی تھیں، اس سے زیادہ کچھ مت بتانا۔''

''اور اپنا نام کیا بتاؤں؟''

''جو اصل نام ہے ورنہ گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ تم کم سے کم بولنا، ٹھیک ہے؟''

''یہ ہمیں کہاں بھیج رہا ہے؟''

''اس جگہ پولیس کے چھاپے کا خطرہ ہے اس لئے تم سب عورتوں کو پیچھے پہاڑوں پر بھیجا جا رہا ہے۔''

''شہباز، مجھے ان سے بچا لو۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہہ رہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہارے بھائیوں نے میری جان لینے کی کوشش کی تھی وہ میرے دشمن ہوئے اور یہ ان کے دشمن ہیں اس لئے ہم سب آپس میں دوست ہوئے اور تم فکر مت کرو، میں تم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ ویسے مجھے امید نہیں ہے یہ عورتوں سے بدلہ لیں گے؟"

"پھر بھی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، مجھے اپنے ساتھ رکھو۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ اسے ساتھ رکھنے کا مطلب تھا کہ وہ میری ذمے داری بن جاتی اس لئے میں نے انکار کر دیا۔ "تم وہاں زیادہ محفوظ رہو گی، یہ خادمائیں تمہاری حفاظت کریں گی، یہاں پر مل سے لائے جانے والے مرد بھی ہیں، ممکن ہے وہ تمہارے بارے میں بتا دیں۔"

میری دلیل نے اسے قائل کر لیا۔ "ٹھیک ہے، پھر تم میرے ساتھ رہو۔"

"یہ میری نہیں، اس کی مرضی ہے۔" میں نے کمار کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ان قبائلیوں کا سردار ہے، اس کا باپ مل پر ہونے والے پہلے حملے میں مارا گیا تھا۔ اس کے دو بھائی بھی مارے گئے تھے۔"

آشا ڈر گئی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے کمار کی طرف دیکھا۔ "پھر اسے میرے بارے میں مت بتانا ورنہ یہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"یہ میرے بارے میں کیا کہہ رہی ہے؟" کمار نے اندازہ لگا لیا تھا۔

"یہ تم سے ڈر رہی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "اسے خوف ہے کہ مل سے تعلق کی وجہ سے تم اسے مار نہ دو یا کوئی سزا دو گے۔"

"اسے کہو، مجھ سے مت ڈرے، ہم عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے کے قائل نہیں ہیں۔" اس نے آشا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا اسے انگریزی آتی ہے؟"

"یہ پوچھ رہا ہے تمہیں انگریزی آتی ہے۔ اگر آتی بھی ہے تو نہیں میں سر ہلاؤ۔"

"آتی ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یعنی تم ہماری ساری باتیں سمجھ رہی ہو؟" میں نے کہا اور کمار سے بولا۔ "اسے انگریزی بہت معمولی سی آتی ہے۔ مشکل سے سمجھ لیتی ہے، بول نہیں سکتی۔"

"اسے کہو تیار ہو جائے۔ کچھ دیر میں ان لوگوں نے روانہ ہونا ہے۔ بہت لمبا سفر ہے۔ شام سے پہلے ان کو اس جگہ پہنچنا ہو گا ورنہ کھلے میں رات بسر نہیں کر سکتے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، وہ جگہ پولیس اور ریپبلسٹری کی پہنچ سے دور ہے؟"

"بہت دور ہے۔ وہ ایک بڑی وادی ہے، جس میں داخلے کا ایک ہی راستہ ہے۔" اس نے بتایا۔ "اگر تمہیں موقع ملا تو تم دیکھ لو گے۔"

"خدا نہ کرے۔" میں نے دل میں کہا۔ میں پہلے ہی خاصا دور آ چکا تھا اور اب میں مزید دور نہیں جانا چاہتا تھا۔ عورتیں بچے اور معمر افراد جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ جن کے پاس سامان تھا وہ اسے باندھ رہے تھے۔ آشا کو یہاں دیکھ کر میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ اگر مل پر حملہ کنوروں کی سازش تھی تو اب تک جوابی حملہ نہ ہونے کی واحد وجہ آشا تھی جو غلطی سے قبائلیوں کے ہاتھ آ گئی تھی۔ کمار چلا گیا تھا، اس نے مجھ سے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلنے کو نہیں کہا تھا اس لئے میں وہیں رک گیا۔ موقع پاتے ہی میں آشا کو ایک طرف لے گیا تھا۔ ''تم کلینک کیوں آئی تھی؟''

''میں تمہیں دیکھنے آئی تھی۔ ابھی میں کلینک کے پاس پہنچی تھی کہ فائرنگ ہونے لگی، میں ایک درخت کے نیچے چھپ گئی تھی۔ میرے سامنے راج بھیا، منشی جی اور ڈاکٹرنسوں کے ساتھ اندر سے نکلے اور محل کی طرف چلے گئے تھے۔ میں کلینک میں آگئی اور انہوں نے مجھے آکر پکڑ لیا۔ تم اندر بے ہوش پڑے تھے۔''

''محل میں اس ہنگامے سے پہلے کوئی سرگرمی ہوئی تھی؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''تمام عورتوں اور بچوں کو ایک خاص تہہ خانے میں پہنچایا گیا تھا، میں چھپ گئی تھی۔ میں تمہارے پاس آنا چاہتی تھی۔''

''تم نے دیکھ لیا تھا مجھے کلینک لے جایا جا رہا ہے؟''

''ہاں، میں جانتی تھی۔ میں نے راج بھیا کو کہتے سنا تھا۔'' اس نے بتایا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''آشا تم نے خود کو بہت بڑی مشکل میں پھنسا لیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے تم اس مشکل سے نکلنے کا راستہ بن جاؤ۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب بھی سمجھ میں آجائے گا۔ تم خود کوشش کرنا کہ راستے میں اور منزل پر پہنچنے کے بعد خود کو ذرا چھپا کر رکھنا۔ ان عورتوں میں رہنا اور کوشش کرنا تمہیں ان کے جیسا لباس مل جائے۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔'' اس نے یقین دلایا۔

کمار کچھ دیر میں واپس آیا، اس کے ساتھ ایک درجن مسلح افراد تھے۔ وہ ان سے اپنی زبان میں بات کرنے لگا۔ شاید وہ ان کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ بھیج رہا تھا کیونکہ وہ بار بار عورتوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ آخر میں اس نے مجھ سے کہا۔ ''ان عورتوں کو کہہ دو، ان مردوں کے ساتھ جائیں اور ان کی بات مانیں۔ کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے سزا ملے گی۔ بات نہ ماننے والی کو بھی سزا ملے گی۔''

میں نے یہی بات اردو میں ان سے کہہ دی۔ یہ ساری ہی محل سے تعلق رکھنے والی عورتیں تھیں اور ان میں سے شاید ہی کسی کو قبائلی زبان آتی تھی۔ وہ سب اردو بولتی تھیں جسے یہاں ہندی کہا جاتا ہے۔ میں نے وادی میں آباد دوسرے افراد کی زبان سنی تھی، وہ بھی کوئی مقامی زبان بولتے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ محل کی خادماؤں اور دوسرے ملازموں کو جن کا تعلق قبائل سے تھا، خاص طور سے اردو یا ہندی سکھائی گئی تھی، شاید کوئی خاص مقصد تھا۔

عورتیں اور بچے ان مسلح افراد کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے۔ وہ سامنے والے راستے سے نکلے تھے یعنی کمار نے ان کے لئے خفیہ راستہ استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ راستہ صرف ہنگامی حالات کے لئے مخصوص تھا۔ میں باہر نکلا اور غار کی مختلف گپھاؤں میں گھومنے لگا۔ بعض میں قبائلیوں کی عورتیں بھی تھیں مگر میں نے اندازہ لگایا کہ ان کو صرف مخصوص وجہ سے رکھا گیا ہے۔ کھانا بنانا اور دوسرے امور جو عورتیں بہتر طور پر نمٹا سکتی تھیں ورنہ ان قبائلیوں کے گھرانے اس جگہ نہیں تھے، یہاں نہ بچے تھے اور نہ بوڑھے جو ایک خاندان کا لازمی جزو ہوتے ہیں۔ یہاں صرف جوان مرد تھے جو جنگجو بھی تھے۔ میرا خیال تھا تمام قبیلے میں یہی لڑنے والے مرد تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب مجھ پر سے کسی بھی جگہ جانے کی پابندی ختم کر دی گئی تھی۔ میں باہر آیا، اس پہاڑ پر غار کے دہانے سے ذرا ہی فاصلے پر ایک پل تھا جو ایک گہرے پہاڑی دریا پر قائم تھا اور اس پر قائم لکڑی کا پل توڑ دیا گیا تھا مگر اس طرح کہ بوقت ضرورت اس کی مرمت کر کے اسے قابلِ استعمال بنایا جا سکتا تھا۔ پل کے ساتھ ایک جگہ چند بوتلیں رکھی تھیں اور چند مشعلیں روشن تھیں۔ میں نے قریب جا کر دیکھا۔ بوتلوں میں مٹی کا تیل تھا۔ یعنی بوقت ضرورت پل کو مکمل طور پر تباہ کرنے کے لئے یہ بندوبست کیا گیا تھا تاکہ دشمن کسی طرح یہاں تک آ بھی جائے تو پل مرمت کر کے بھی استعمال نہ کر سکے۔

اس جگہ سردی شدید تھی اور مجھے ذرا بلندی پر برف بھی نظر آ رہی تھی۔ دن میں جب تک دھوپ ہوتی تھی تو کچھ گزارہ ہو جاتا تھا لیکن رات کو کھلی فضا میں زیادہ دیر رکنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ مجھے ان عورتوں کا خیال آیا جو اس سے بھی زیادہ کسی بلندی کی طرف گئی تھیں۔ اگر ان کو راستے میں رات ہو جاتی تو ان کو خاصی مشکل ہو جاتی۔ میں واپس اندر آیا۔ کمار اپنے مخصوص حجرے میں تھا۔ اسے حجرہ کہنا مناسب ہوگا۔ یہ کمرا پتھر کا بنا ہوا تھا۔ میں اجازت لے کر اندر آیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''کمار، میرے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''کس قسم کا فیصلہ؟'' وہ انجان بنا۔

''یہی کہ مجھے جانے کی اجازت دے دی جائے، میرا اس معاملے سے بس اتنا ہی تعلق تھا۔''

''سوچا تو میں نے بھی یہی تھا۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن.....؟''

''لیکن کیا؟''

وہ مسکرایا۔ ''تم نے خود کو ایک اہل مشیر ثابت کیا ہے۔ ہنگامی حالات میں تمہارا ذہن حیرت انگیز کام کرتا ہے۔''

''یعنی کام کر کے مارا گیا۔'' میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''شہزادہ عالم مجھے جانے دو۔ مجھے اور بھی بہت سارے کام ہیں۔ میرے گھر والے میری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔''

''مجھے..... ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''جتنی مدد کرنی تھی میں کر چکا ہوں۔''

''ابھی تمہاری مزید مدد کی ضرورت ہے اور تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ میرے آدمیوں نے اوپر کی طرف پہاڑوں میں ہیلی کاپٹر کی پروازیں دیکھی ہیں۔''

''یعنی وہ آ رہے ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ایسے میں تمہارا کہیں جانا ٹھیک نہیں ہے، تم اس علاقے سے ناواقف ہو آسانی سے بھٹک جاؤ گے۔''

''اور یہاں رہا تو پولیس مقابلے میں مارا جاؤں گا۔''

''یہاں تک آنا اتنا آسان نہیں ہے۔''

''یہاں کون کم بخت آئے گا، اگر انہوں نے دور سے گولہ باری شروع کر دی تو.....؟''

''میرا خیال ہے ان پہاڑوں پر گولہ باری بے سود ہوگی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، پیراٹھری آ گئی اور انہوں نے گن شپ استعمال کیے تو تمہیں پریشانی ہوگی۔''

''تمہارا کیا مشورہ ہے۔''

''تمہارے لئے مشورہ ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ اور میرے بارے میں مشورہ ہے، مجھے جانے دو۔ میں اپنے رسک پر یہاں سے نکل جاؤں گا۔''

''فی الحال تم نہیں جا سکتے اس لئے اب دوبارہ مت کہنا۔'' یک لخت اس کے لہجے میں رکھائی آ گئی تھی۔ ''ہم بھی یہاں سے نہیں جا سکتے۔ اس جگہ ہمارا اسلحہ اور دوسری اہم چیزیں ہیں۔ ان کو ہم کہیں اور منتقل نہیں کر سکتے۔''

میں مشورے دے کر پھنس گیا تھا، مجھے اپنی بے مہار زبان پر غصہ آ رہا تھا جو جابے جا چل کر مجھے چکر میں ڈال دیتی تھی۔ ''اور کرو ہمدردی ملک صاحب!'' میں نے خود سے کہا۔ ''اب بھگتو۔'' وہ غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''غالباً تم میری مدد کر کے پچھتا رہے ہو؟''

''ظاہر ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اردو میں ایک محاورہ ہے، نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ آج کل نیکی کرنے والے کو دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔''

''نیکی کر اور دریا میں ڈال۔'' اس نے محاورے کے انگریزی ترجمے پر تعجب کیا۔

میں نے اسے محاورے کا مفہوم سمجھایا۔ ''مطلب کسی کے ساتھ نیکی کرو اور اسے بھول جاؤ۔ اس کا صلہ مت چاہو..... لیکن آج کل دوسرے نہیں بھولتے۔''

وہ زور سے ہنسا۔ ''دریا بھی ساتھ ہے۔''

''کمار، اگر میں جانا چاہوں تو تم کیا کرو گے؟ مجھے زبردستی روکو گے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا مگر تم جاؤ گے کیسے؟ دریا کا پل توڑ دیا ہے، یہی نہیں آگے کے جتنے دریا تھے، سب کے پل توڑ دیئے گئے ہیں۔ اوّل تو دریا قابلِ عبور نہیں ہیں اور اس موسم میں ان کو تیر کر عبور کرنا بھی ناممکن ہے۔''

میں واقعی پھنس گیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا۔ آگے پولیس کی چیکنگ کتنی سخت ہوگی اور میں وہاں سے آسانی سے نہ نکل سکوں گا۔ کنور خاندان کے کتے بھی ہوں گے اور دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ آنے کا مطلب ایک ہی ہوتا یعنی میری وفات۔ اس صورت میں بہتر یہی تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہتا اور جب حالات مناسب ہوتے تو واپسی کی کوشش کرتا۔ کمار غور سے مجھے دیکھ رہا تھا اس نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ''شہباز، تم فکر مت کرو۔ تم میرے مہمان ہو اور ہم قبائلی اپنے مہمان کی جان دے کر بھی حفاظت کرتے ہیں۔''

''او کے، شہزادہ عالم!'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''میں تمہاری بات ماننے پر مجبور ہوں۔''

''یہ تم مجھے کیا کہہ رہے ہو؟ شہزادہ عالم!'' اس نے دریافت کیا۔

''پرنس، بلکہ پرنس آف ویلز۔''

''اچھا!'' وہ خوش ہو گیا۔ ''تب تم کہہ سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوپہر کے کھانے میں مکئی کی روٹی اور مکھن تھا ساتھ میں ابلے انڈے تھے جو مرغی کے لگ رہے تھے۔ اس پُرتکلف لنچ کے بعد میں نے دریا کا منرل واٹر پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ ابھی تک میں خالی ہاتھ تھا، میں نے کمار سے کہا۔ "مجھے کوئی ہتھیار مل سکتا ہے؟"

"کیسا ہتھیار چاہئے؟"

"کوئی پستول یا ریوالور مل جائے گا۔"

"تمہیں ہتھیار چلانے آتے ہیں؟" اس نے غور کیا۔ "اس کا مطلب ہے تم لڑنے میں ہماری مدد کر سکتے ہو۔"

"میں پستول یا ریوالور بہتر طور پر استعمال کر سکتا ہوں۔ خودکار ہتھیار میں نزدیک سے استعمال کر سکتا ہوں۔ رائفل سے میرا نشانہ درمیانہ سا ہے، نہ اچھا نہ برا۔"

اس نے مجھے ایک پستول منگوا دیا۔ یہ اعشاریہ چالیس کالبی نال والا روسی پستول تھا اس کی مار خاصی تھی۔ بھاری بھرکم ہونے کے ساتھ یہ استعمال میں بھی ذرا مشکل تھا لیکن اس کی ہلاکت خیزی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ شام کے قریب میں اور کمار باہر نکلے اور دس بارہ گز اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئے۔ مغرب میں سورج تیزی سے روپوشی اختیار کرنے جا رہا تھا۔ "آج کا دن بھی نکل گیا۔" میں نے کہا۔

کمار نے سر ہلایا۔ "اب وہ کل حملہ کریں گے۔"

"میری ایک بات مانو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس جگہ مقابلہ کر کے تم اپنے ساتھیوں کو مروا دو گے۔ بہتر ہے یہاں سے نکل جاؤ۔"

"نکل جاؤں، کہاں.....؟"

"یہ تم خود سوچو۔ مگر تمہارے لئے کیا چیز قیمتی ہے، تمہارے ساتھی یا یہ جگہ؟ ایک بات کو یقینی سمجھو کہ انہوں نے حملہ کیا تو اس جگہ کو تباہ کئے بغیر اور تمہیں مارے بغیر نہیں جائیں گے۔ ان کے وسائل اور قوت کا تم مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔ بس اتنا کر سکتے ہو کہ جان بچاؤ۔ اس وجہ سے میں کہہ رہا ہوں اپنی قوت منتشر کر دو۔ یہ سب تین چار کر کے چھپ جائیں، پہاڑی ٹھکانوں پر چلے جائیں۔"

اس نے سوچا اور نفی میں سر ہلایا۔ "یہ بزدلی ہوگی۔ میرا ایک ایک جوان کم سے کم دو دشمنوں کو مار کر مرے گا۔"

"سرکار کے پاس مرنے کے لئے پولیس والوں اور پیرا ملٹری کی کوئی کمی نہیں۔ کشمیری جنگ میں وہ اپنے تیس چالیس ہزار جوان مروا چکی ہے۔ ایک مرتا ہے تو اس کی جگہ بھرتی کے لئے دس آ جاتے ہیں لیکن تمہارے پاس یہی گنے چنے چند لوگ ہیں، یہ مر گئے تو تمہارے پاس کیا بچے گا۔ کنور خاندان بچ جانے والے قبائل کو اپنا غلام بنا لے گا۔"

"ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہمارا بچہ بچہ کٹ مرے گا۔" اس نے جوش سے کہا۔

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ "یہی تو وہ چاہتے ہیں اس علاقے کو تم سے خالی کرا لیں۔ کسی بھی طرح۔ اس کے لئے تمہیں مارنا پڑے یا یہاں سے نکالنا پڑے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تب ہم کیا کریں؟" وہ جھنجلا گیا تھا۔

"پولیس آپریشن میں الجھنے کے بجائے اپنی قوت بچاؤ۔ بھاگ جاؤ اور انفرادی طور پر پہاڑوں میں چھپ کر رہو۔"

"تاکہ وہ ہماری بستیوں کو تاراج کر دیں؟"

"کچھ نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ چند لوگ مارے جائیں گے۔ اگر تم مزاحمت نہیں کرو گے تو ان کو بھی بھرپور قوت استعمال کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"میں ان لوگوں پر اعتماد نہیں کر سکتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں ہمارا پیچھا کریں گے اور چن چن کر ماریں گے۔ اس سے بہتر ہے ہم ایک جگہ جمع ہو کر ان کا مقابلہ کریں اور ان کو مار کر مریں۔"

میرے لیے اس ننگی سولجر کو سمجھانا مشکل ہو رہا تھا پھر مجھے ایک نکتہ سوجھا۔ "یہاں بیٹھ کر تم اپنی بستیوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارا یہاں محاصرہ کریں گے اور آرام سے جا کر ان بستیوں کو برباد کر دیں گے، ان کو تمہاری طرف سے کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس اگر تم ان کے ہاتھ نہیں آئے تو وہ پریشان ہوں گے اور تمہارے خوف سے بستیوں کو تاراج کرنے سے گریز کریں گے۔"

اس کے چہرے پر غور و فکر کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔ "میں تمہاری بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تمہاری دشمنی کنور خاندان سے ہے، تم ان کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ مگر انہوں نے سازش کر کے اس میں سرکار کو بھی تمہارے خلاف شامل کر لیا ہے اس لئے تمہیں جوابی چالاکی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں؟" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے تم میڈیا سے رابطہ کرو۔ اخبارات کو اپنی بپتا سناؤ۔ ان کو مراسلے لکھو۔ ٹی وی چینلز سے کہو کہ تمہاری حالت زار دکھائیں۔ فرضی اور اصلی مظالم کا واویلا کرو۔ کنور خاندان کے کرتوت بڑھا چڑھا کر بیان کرو۔ اس کا کچھ نہ کچھ اثر ہوگا۔"

"ان سے رابطہ کیسے کروں؟"

"آج کل موبائل اور سیٹلائٹ فون کا دور ہے، کسی سے کہیں بھی رابطہ ناممکن نہیں ہے۔ کیا تم لوگوں کے پاس موبائل نہیں ہیں۔"

"موبائل فون ہیں لیکن یہاں سگنل نہیں آتے ہیں۔"

"تب کسی ایسی جگہ جاؤ، جہاں سے سگنل مل سکیں۔ یہ کام کرو، ولی اور پنجاب کے دوسرے شہروں کے دس بارہ بڑے اخبارات سے بات کرو، ٹی وی چینلز والوں سے بات کرو۔"

"میں نہیں جا سکتا۔ میں پکڑا یا مارا گیا تو میرے لوگوں کا کیا ہوگا؟"

وہ نیا سردار چن لیں گے، میں نے دل میں کہا پھر اس کی طرف دیکھا۔ "کسی اور کو بھیجو جسے ہندی آتی ہو، اسے اچھی طرح رٹا کر بھیجنا کہ اس نے کیا کہنا ہے۔ وہ وہی بیان دے، اپنی مظلومیت کا تاثر ابھارو، حملے سے انکار کر دو اور کہو کہ تم کنور خاندان کے ہاتھوں جنگل بچانا چاہتے ہو، جس پر تمہارے خلاف کارروائی ہو رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے، اس طرح دوسرے لوگ بھی تمہاری حمایت کے لئے آجائیں گے۔"

"تم سیاست دان بھی ہو۔" اس نے سخت متاثر ہو کر کہا۔

"نہیں بابا، اللہ نہ کرے۔ یہ بڑی بدنام مخلوق ہے، ہمارے ملک کا اس نے حشر کر رکھا ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں، کیسے بھیجنا ہے۔"

"جلدی کرو، یہ کام جتنی جلدی ہو جائے تم لوگ اتنا ہی تباہی سے بچ جاؤ گے۔ میڈیا کے ملوث ہونے سے یہ بے گناہ عوام کے خلاف کھل کر کارروائی نہیں کر سکیں گے اور یہ مرکز خالی ملے گا تو وہ تمہیں جنگجو بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ ورنہ ایک بار تم مل گئے تو وہ تمہیں مار کر یہاں اسلحے کا انبار بھی جمع کر سکتے ہیں۔ وہ میڈیا اور دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ تم بھارت کے خلاف ایک اور علیحدگی پسند تحریک چلا رہے تھے۔"

"علیحدگی پسند تحریک!" وہ دنگ رہ گیا تھا۔

"ظاہر ہے تمہاری لاشیں تو اس الزام کی تردید نہیں کر سکیں گی۔"

"میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتا ہوں۔" اس نے کہا، وہ قائل نظر آ رہا تھا۔

"مشورہ مت کرو، فیصلہ کرو۔" میں نے کہا۔ "ورنہ صبح تک وقت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر یہاں پر کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو لے جانا ممکن نہیں ہے اور ان کا پولیس کے ہاتھ آنا بھی مناسب نہیں ہے تو ان کو دفنا دو یا دریا میں پھینک دو۔ اسے صرف رہائشی غار ثابت کر کے نکل جاؤ۔"

"میں..... بات کرتا ہوں۔" اس نے کہا اور باہر چلا گیا۔

مجھے خدشہ تھا، اس کے ساتھی نہیں مانیں گے۔ وہ سب جاہل قبائلی تھے جو آن پر قربان ہونا اپنی شان سمجھتے ہیں اور اپنا علاقہ کسی صورت دوسرے کے حوالے نہیں کرتے ہیں۔ اگر کمار سردار بن کر ان کو حکم دے تو وہ مان جاتے مگر مشورے کی صورت میں بات خراب ہوتی تو بعد میں وہ اس کا حکم بھی نہیں مانتے۔ دونوں طرف سے فریق بن جاتے تو آپس میں جھگڑا شروع ہو جاتا۔ میں نے افسوس کیا، کمار نا تجربے کار شخص تھا جہاں فیصلے کا لمحہ آیا وہ مشورہ کرنے چلا گیا تھا، یہ کمزور لیڈر کی نشانی تھی۔ میں لیٹ کر آرام کرنے لگا اور پھر سو گیا تھا۔ میرے اعصاب حالات نے اتنے مضبوط کر دیئے تھے کہ میں آرام سے سو جاتا تھا۔ مجھے کمار نے بیدار کیا تھا۔ اس کی صورت پر نظر پڑتے ہی میں نے جان لیا، اس کے ساتھیوں نے یہاں سے نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ "کمار جی! کیا ہوا، پنچوں نے فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا، اب اسی جگہ رہنا ہے۔"

اس نے سر ہلایا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ "ان کا کہنا ہے اس طرح بھاگ کر ہم پورے قبیلے کے چہرے پر کالک مل دیں گے۔"

"حالانکہ تم لوگ مارے گئے تو قبیلہ بھی کہاں بچے گا۔ وہ سب غریب اور کمزور لوگ ہیں وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔"

"میں نے سمجھایا مگر کوئی نہیں سمجھا۔ بہر حال میں نے اپنے دو ساتھیوں کو موبائل دے کر اور سمجھا کر بھیج دیا ہے کہ انہیں کیا کرنا ہے؟"

"یہ تم نے اچھا کام کیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور بڑی مشکل سے کیا۔ میرے شیر مارنے کے لئے تیار نہیں تھے، مجبوراً مجھے اپنے سردار والے اختیارات استعمال کرنا پڑے تھے۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''یہ میرے باپ کی ہمت تھی جو ان لوگوں کو قابو میں رکھتا تھا، مجھے تو دو دن میں پتا چل گیا۔''

''کمار تم نے شادی کی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''عام طور سے ہمارے قبیلے میں لڑکے سولہ سال اور لڑکیاں چودہ سال کی عمر میں بیاہ دی جاتی ہیں مگر میں ذرا مختلف تھا۔ میں سات سال تک ایک کانونٹ اسکول میں پڑھا ہوا ہوں۔''

میں حیران ہوا تھا۔ ''تم کانونٹ کے پڑھے ہو، اس وجہ سے اتنی صاف زبان بولتے ہو مگر تمہیں ہندی بالکل نہیں آتی؟''

''مجھے کبھی ہندی بولنے والوں سے واسطہ ہی نہیں پڑا، اسکول میں سب انگریزی بولتے تھے۔''

''تمہارا داخلہ کیسے ہوا؟''

''کیونکہ میں قبیلے کے سردار کا بیٹا تھا۔''

''کوئی لڑکی بھی پسند نہیں کی؟'' میں نے پوچھا۔ ''یا کسی نے تمہیں پسند نہیں کیا؟''

''میں قبیلے کی جس لڑکی کی طرف اشارہ کر دوں وہ ہنسی خوشی میری بیوی بننے کو تیار ہو جائے مگر مجھے کوئی پسند ہی نہیں آئی ہے اور ابھی تو میں ہنگامی حالات میں ہوں۔''

''ہمارے ہاں تو الٹا حساب ہے جب ملک وملت پر برا وقت آتا ہے تو حکمران زیادہ تندہی سے عیاشی میں لگ جاتے ہیں۔''

''ہمارے ہاں۔'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''میرا مطلب ملک کے حکمرانوں سے ہے۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ ابھی یہاں کتنے افراد ہیں۔''

''چھ سو کے قریب ہیں۔''

''بہتر ہے ان میں سے صرف آتشیں اسلحہ رکھنے والوں کو رکھو اور باقی کو دوسرے مقامات کی حفاظت کے لئے بھیج دو۔''

''کن مقامات کی حفاظت کے لئے۔''

''تمہاری بستیوں کی حفاظت کے لئے۔ یہ باہر رہ کر آنے والے حملہ آوروں کو دیکھیں اور اگر ان کے عزائم جارحانہ ہوں تو ان پر حملہ کر دیں۔''

''ان پر پہلے ہی حملہ کیوں نہ کر دیں؟''

''جارحانہ پالیسی تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

''اگر اس جگہ آدمی کم ہو گئے تو ہمارا دفاع کمزور ہو جائے گا۔''

''تیرانداز اس جگہ ویسے ہی بے کار ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ تمہارے آدمی ان جنگلوں سے واقف ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بہت اچھی طرح۔'' اس نے جواب دیا۔

''بس تو اُن کو جنگل میں پھیلا دو۔ کسی بڑے حملے کی صورت میں یہ تمہارے لئے بہترین ہتھیار ثابت ہوں گے، ان سے کہو کہ جب تک تمہاری طرف سے اشارہ نہ ملے، کچھ نہ کریں اور جیسے ہی اشارہ ملے آگے والوں پر چھپ کر حملے کریں اور فرار ہو جائیں۔ یہ جنگی حکمتِ عملی ان کو بچائے گی اور دشمن کو شدید نقصان ہوگا۔''

''مشکل ہے یہ سیدھے قبائلی ہیں، تمہاری حکمتِ عملی ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔''

''سیدھے ذہن کے لوگ ہی بہترین جنگجو ثابت ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''بشرطیکہ ان کو صحیح رہنمائی دی جائے۔ تم ایسا کرو، ان کو جمع کرو اور جو میں کہوں اس کا ترجمہ اپنی سردار والی زبان میں ذرا تحکمانہ انداز میں کرنا پھر دیکھنا ان پر اثر ہوتا ہے یا نہیں؟''

''یہاں موجود چھ سو میں سے چار سو تیر انداز ہیں۔ ان کے جانے سے دو سو افراد رہ جائیں گے۔'' اس نے گویا مجھے خبردار کیا۔

''یہ چار سو افراد یہاں بے کار ہیں۔ تیر انداز کو سامنے آ کر حملہ کرنا پڑتا ہے اور سامنے آنے پر وہ مارا جائے گا۔ اس کے برعکس گھنے جنگلوں میں اونچائی سے حملہ کر کے یہ بڑی فوج کو بھی پریشان کر سکتے ہیں، گھنے جنگل میں ان کو نشانہ بنانا مشکل ہوگا۔''

کمار نے اپنے کسی نائب کو حکم دیا اور اس نے دہانے کے قریب بڑے سے ہال میں ان سب کو جمع کر لیا۔ حکمتِ عملی میں پہلے ہی واضح کر چکا تھا۔ ان لوگوں کو سمجھانے کے لئے کمار کی زبان نے زیادہ آسان اور سادہ جملوں میں وضاحت کی۔ آدھے گھنٹے کی تقریر کے بعد وہ لوگ قائل نظر آنے لگے اور کمار نے ان کو گروپس میں بانٹ کر مختلف علاقوں میں روانہ کر دیا۔ وہ سورج غروب ہوتے ہی روانہ ہو گئے۔ کیونکہ اس سرد علاقے کے رہنے والے تھے اس لئے سرد رات میں کھلی فضا میں بھی گزارہ کر لیتے۔ وہ سب جوان اور سخت جان جنگجو مرد تھے۔ اب غار میں دو سو مرد اور ایک درجن عورتیں رہ گئی تھیں۔ یہ ادھیڑ عمر مگر صحت کے لحاظ سے بہتر عورتیں تھیں جو کھانا بنانے کے ساتھ صفائی ستھرائی کا کام بھی کرتی تھیں۔ گپھا کا ایک حصہ کھانا بنانے کے لئے مخصوص تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی وہاں چولہے روشن ہو گئے تھے اور دیگچے چڑھا دیئے گئے تھے۔

میں باہر آیا، پہرے دار اب مجھے پہچاننے لگے تھے اور جان گئے تھے کہ میں ان کے سردار کا مشیرِ خاص بنا ہوا تھا، ممکن ہے ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوں جو سمجھتے ہوں کہ اگر وہ مارے گئے تو اس کا ذمے دار میں ہوں گا۔ میری تجویز رد کیا جانا اس کا ثبوت تھا۔ تاریکی چھاتے ہی جیسے سردی سے باہر ہر شے منجمد ہو گئی تھی۔ پورا درخت سب ساکت تھے۔ ہوا بالکل نہیں چل رہی تھی صرف گہرائی سے دریا بہنے کا شور اوپر آ رہا تھا۔ مگر یہ آواز بھی اس سکوت پر بے اثر تھی جس نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

میں ایک درخت کے نیچے چٹان پر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن گزشتہ چند دن کے واقعات میں الجھا ہوا تھا۔ میں بھٹک کر سرحد پار کر گیا تھا۔ امرتسر اور سرحد کے پاس دوسرے شہروں میں چوری چھپے عیاشی کے لئے جانے والے افراد بھی پکڑے جانے پر یہی جواز پیش کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ بھارتی سرکار کے نزدیک ان کا یہی جرم کافی ہوتا ہے کہ وہ پاکستانی ہیں اور اس کی پاداش میں ان کو مار مار کر مار ڈالنا ہی نارمل سی سزا ہے۔ اس کا ثبوت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئے دن سرحد پر پاکستانی حکام کو دیئے جانے والے پاکستانیوں کے لاشے ہیں جن کے بارے میں بھارتی حکومت کوئی وضاحت پیش کرنا اس لئے بھی ضروری نہیں سمجھتی کیونکہ ہماری روشن خیال سرکار کو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پاکستانیوں کے ساتھ دنیا بھر میں بدترین سلوک ہو، ان کو بلاجواز گرفتار کیا جائے، ان پر تشدد ہو، ان کے حقوق سلب کر لئے جائیں اور یہ کہ ان کو قتل کر دیا جائے، بجا ہے جو کسی کے کان پر جوں بھی رینگ جائے۔

میں سوچتے ہوئے ذرا دور نکل گیا تھا۔ اس ساری سوچ بچار کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ میں کسی صورت بھی بھارتی حکام کے ہتھے چڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا اور میں سفارت خانے کی مدد بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ پاکستانی پولیس کو میں ویسے ہی مطلوب تھا۔ میں سوچتے ہوئے سامنے بھی دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے روشنی کا ایک نکتہ سا نظر آیا۔ اگرچہ یہ صرف ایک لمحے کے لئے تھا مگر وہ میرا وہم نہیں تھا۔ میں نے اسے واضح طور پر دیکھا تھا۔ میں چونکا، چند لمحے بعد وہ نکتہ پھر جھلملایا تھا۔ اس طرف کوئی روشنی تھی۔ کئی منٹ تک غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کوئی برقی روشنی ہے جسے کوئی شخص یا اشخاص راستہ دیکھنے کے لئے ذرا دیر کو روشن کرتے ہیں اور پھر فوراً بجھا دیتے ہیں۔

☆═══☆═══☆

میں اٹھ کر اندر آیا۔ کمار مجھے خاصی تلاش کے بعد ایک غار میں ملا تھا جہاں وہ اپنے مشیروں یا تدبیروں کے ساتھ میٹنگ کر رہا تھا۔ میں نے دخل در معقولات کیا جس کا مشیروں نے برا منایا تھا۔ مگر یہ وقت ان کی شکلیں دیکھنے کا نہیں تھا میں نے کہا۔

"شہزادہ عالم! میرا خیال ہے دشمن سپاہ آ گئی ہے اور خاموشی سے اس جانب پیش قدمی کر رہی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ اچھل پڑا تھا۔

"میں نے روشنی دیکھی ہے۔ میرا خیال ہے میرے ساتھ آ کر تم سب بھی دیکھ لو۔" میں نے اسے دعوت دی۔ وہ سب یا جماعت باہر نکل آئے۔ درخت تلے چٹان کے پاس پہنچ کر میں نے سیدھ میں اشارہ کیا۔ "روشنی اس طرف سے بار بار دکھائی دے رہی ہے۔"

سب نے گنگی باندھ کر اس طرف دیکھنا شروع کر دیا مگر جب ایک منٹ تک کچھ نہیں دکھائی دیا تو مشیران نے زیر لب اپنی زبان میں احتجاج شروع کر دیا اور جب دوسرا منٹ گزرا تو کمار نے بھی مجھ سے کہا۔ "یہاں تو کچھ نہیں ہے۔"

"اب نہیں ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن جب میں تھا تو روشنی بار بار دکھائی دے رہی تھی اور مجھے یقین ہے وہ مارچ کی روشنی تھی جسے وہ راستہ دیکھنے کے لئے روشن کرتے تھے اور پھر بجھا دیتے۔"

میرا جملہ منہ میں رہ گیا کیونکہ اس بار دریا کے دوسری طرف خاصے نزدیک سے روشنی نمودار ہوئی اور یہ اتنی تیز تھی کہ سب نے اسے دیکھا۔ کم سے کم میں نے دو سائے بھی دیکھے تھے۔ اب اس میں شک کی گنجائش نہیں تھی کہ دریا کے دوسری طرف کچھ افراد تھے اور ان کے عزائم درست نہیں تھے ورنہ اتنے پُرخطر راستوں پر بغیر روشنی کے کیسے سفر کرتے۔ روشنی وہ سگنل کے لئے جلاتے تھے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ آگے کھائی تو نہیں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اندر چلو۔'' میں نے کمار سے کہا۔ ''سب کو ہوشیار کر دو۔''

ہم اندر کی طرف لپکے تھے۔ دہانے پر مشعلیں روشن تھیں۔ کمار نے چلا کر ان بجھانے کا حکم دیا۔ اسی لمحے دریا کے دوسری طرف سے گولیوں کی باڑھ آئی اور میں نے ایک پہرے دار کو اچھل کر گرتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی مشعلیں بجھا دی گئی تھیں۔ ہم سب اندر گھس گئے۔ مشیران میں سے بھی چند زخمی ہوئے تھے۔ میں نے کئی کراہیں سنی تھیں۔ اگر حملہ پولیس نے کیا تو غیر معمولی پھرتی دکھائی تھی مگر حرام خور پولیس سے یہ توقع محال تھی کہ وہ اتنی خاموشی سے اتنے دشوار گزار علاقے میں سفر کرے اور پھر فوراً ہی حملہ بھی کر دے۔ یہ انداز پیرا ملٹری فورس کا تھا۔ کمار کے دو آدمی مارے گئے تھے اور مشیروں میں سے ایک خاصا زخمی تھا۔ اس کا گھٹنا گولی نے توڑ دیا تھا جبکہ دوسرا معمولی سا زخمی تھا۔ کمار چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ وہ اسلحہ لے کر دہانے کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے کمار سے کہا۔ ان کو باہر جانے سے روکو۔ ان کے پاس یقیناً رات کو دیکھنے والے چشمے ہوں گے۔ وہ ان کو بالکل تاریکی میں بھی دیکھ کر مار دیں گے۔''

''پل کو تباہ کرنا ضروری ہے۔'' کمار اضطراب سے بولا۔

''جو باہر جائے گا مارا جائے گا۔'' میں نے اسے سمجھانا چاہا۔ ''بلکہ جو لوگ اوپر ہیں ان کو بھی بلوا لو۔''

''مجھے بزدلی کے مشورے مت دو۔'' کمار نے درشت لہجے میں کہا۔ اپنے دو آدمی مارے جانے کے بعد اس پر بھی خون سوار ہو گیا تھا اور وہ یقیناً مرنے مارنے کے احکامات دے رہا تھا۔ اس دوران میں دہانے کی طرف سے فائرنگ کی آواز آنے لگی تھی۔ میں پستول لے کر اس طرف بھاگا۔ دہانے کے پاس میں نے شعلوں کی روشنی میں دیکھا، وہاں چار لاشیں پڑی تھیں اور دو زخمی چیخ چلا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے باہر سے کسی شارپ شوٹر نے ان کا نشانہ لیا اور وہ بھی فنا کے گھاٹ اتر گئے تھے۔

''میرے خدا!'' میں نے کہا۔ پل کی طرف جانے والے قبائلیوں کی تعداد دو درجن سے زیادہ تھی اور ان میں سے نہ جانے کتنے زندہ تھے۔ ان میں سے کچھ نہ کچھ زندہ تھے جو پتھروں کی اور درختوں کی آڑ لے کر فائرنگ کر رہے تھے۔ میں نے ایک مرنے والے کی مشین گن اٹھائی۔ ان کے پاس خطرناک اسلحہ تھا اگرچہ تعداد میں کم تھے۔ میں نے اندازے سے دریا کے دوسری طرف برسٹ مارا اور مجھے کسی کی چیخ سن کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ حملہ آوروں میں سے بھی ایک کم ہوا تھا۔ جواب میں دوسری طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی مگر میں پیچھے ہو گیا تھا۔ باہر سے فائرنگ کی شدت میں بے پناہ تیزی آ گئی تھی اور فائرنگ دونوں طرف سے جاری تھی۔ میرے پیچھے کمار بھی آ گیا تھا۔ اس نے ایک ذرا بھاری مشین گن اٹھا رکھی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں ذرا پیچھے جانا چاہئے۔ ان لوگوں کے پاس بڑے ہتھیار بھی ہوں گے۔''

''راکٹ!'' کمار نے کہنا چاہا اور اسی لمحے کوئی شے دہانے سے ٹکرائی اور شدید دھماکے نے مجھے پیچھے اچھال دیا تھا۔ شعلے اور دھماکے سے اڑنے والے ریزے مجھے بھی لگے تھے لیکن اصل میں تو دھماکے نے میرے حواس مختل کر دیئے تھے۔ زمین آسمان گھوم گئے تھے اور مجھے ایسا لگا جیسے غار مجھ پر آن گرا ہو۔ مگر یہ محض ایک احساس تھا۔ میں براہِ راست دھماکے کی زد میں نہیں آیا تھا ورنہ میرے بھی چیتھڑے اڑ جاتے۔ ان لاشوں کی طرح جو دہانے کے سامنے پڑی تھیں۔ میں نے چلا کر کمار کو آواز دی۔ ''کمار، تم کہاں ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دھوئیں کے بادل سے نمودار ہوا تو سیاہ ہو رہا تھا اور چہرے پر خون نظر آ رہا تھا۔ ''میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟''

''بچ گیا، اب اندر چلو۔ ورنہ دوسرا راکٹ خاتمہ ہی کر دے گا۔'' میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''یہ..... کون ہیں؟''

''مجھے یقین ہے یہ ملٹری والے یا پیرا ملٹری والے ہیں۔ پولیس میں اتنی صلاحیت نہیں ہے۔ کاش کہ تم میری بات مان لیتے۔ باہر موجود لوگوں میں سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔''

''ابھی میرے پاس بہت سارے جنگجو ہیں۔ ہم ان کو اندر آنے نہیں دیں گے۔''

''تم ان کو نہیں روک سکتے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''عافیت اسی میں ہے کہ رات کی تاریکی میں خفیہ راستے سے نکل جاؤ۔ اگرچہ ان کے پاس رات میں دیکھنے والے آلات ہیں۔ مگر دن کے مقابلے میں رات کو بچ نکلنے کے امکانات پھر بھی بہتر ہیں۔''

''میرے ساتھی نہیں مانیں گے۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''اتنی بڑی تباہی کے بعد بھی۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''صرف چند منٹ میں درجنوں آدمی مارے جا چکے ہیں۔ ذرا غور سے سنو۔ باہر یک طرفہ فائرنگ ہو رہی ہے۔ انہوں نے ایل ایم جی استعمال کی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے یہ سب کو مار ڈالنے کا سوچ کر آئے ہیں۔ غار کے اندر انہوں نے زہریلی گیس کے چند بم پھینک دیئے تو یہ جگہ ہم سب کا مشترکہ مقبرہ بن جائے گی۔''

کمار میری بات کا قائل نظر آنے لگا۔ ''میں اپنے ساتھیوں سے بات کرتا ہوں۔''

''اُف، پھر مشاورت۔'' میں نے سر پکڑ لیا۔ ''اچھا تم جا کر مشیروں سے صلاح مشورہ کرو اور یہ مشین گن مجھے دو۔''

''تم کیا کرو گے؟''

''ان کو پل کراس کرنے سے روکنے کی کوشش کروں گا۔ ورنہ وہ اس طرف آ گئے تو ہمیں بچ نکلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔''

''وہ تمہیں بھی مار دیں گے۔'' اس نے فکرمندی سے کہا۔ ''وہ پھر راکٹ مار سکتے ہیں۔''

''فی الحال ان کو جواب نہیں مل رہا ہے۔ اس لئے وہ حملہ نہیں کریں گے۔ اس طرف دھواں بھی ہے اس لئے رات میں دیکھنے والی عینک بھی کام نہیں کرے گی۔''

میں مشین گن لئے دہانے کی طرف بڑھا۔ وہاں دھواں تھا اور زمین پر لاشوں کے اعضا بکھرے پڑے تھے جو میرے پیروں تلے آ رہے تھے۔ میں دیوار سے چپکا آگے بڑھ رہا تھا۔ دھواں ناک اور حلق میں گھسا جا رہا تھا مگر یہ قابلِ برداشت ہی تھا۔ دہانے کے قریب پہنچ کر میں زمین پر گر گیا کیونکہ سامنے کچھ روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں سرک کر آگے پہنچا۔ حسبِ توقع مجھے پل کے پاس سائے نظر آئے۔ وہ اسے عبور کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کی تعداد دس کے آس پاس تھی۔ انہوں نے روشنی کر رکھی تھی۔ تاریکی میں عبور کا کام ناممکن ہی تھا۔ مجھے جو کرنا تھا وہ چند سیکنڈ میں کرنا تھا ورنہ عین ممکن تھا میں مارا جاتا۔ میں نے مشین گن سامنے کی، سب سے پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پل کے عقب میں موجود افراد کو نشانہ بنایا۔ ایک طویل اور لمبے برسٹ نے ان سب کو گرا دیا تھا۔ جو آگے تھے وہ واپس بھاگے مگر ان کو پل پار کرنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ پھر گولیوں نے پل کے رسے کاٹ دیئے اور پل خوف ناک آواز میں نکلا اور دریا میں گرنے لگا۔ جو گولیوں کا نشانہ بننے سے بچ گئے تھے وہ پل کے ساتھ دریا میں گرنے لگے ان کی بھیانک چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی دوسری طرف سے خوف ناک فائرنگ شروع ہو گئی۔ میں نے اٹھ کر بھاگنے کی حماقت نہیں کی تھی درندہ ہیں مارا جاتا۔ میں رینگتا ہوا واپس آیا۔ گولیاں مجھے چھوتی ہوئی گزر رہی تھیں۔

میں ذرا آگے آیا اور براہ راست فائرنگ سے ذرا محفوظ ہوا تو میں نے اٹھ کر دوڑنے میں دیر نہیں لگائی اسی چیز نے مجھے بچا لیا۔ میں ایک طرف مڑا تھا تو عین اسی جگہ آ کر راکٹ لگا جہاں میں لیٹا ہوا تھا۔ اس راکٹ نے غار کی چھت بٹھا دی۔ گڑگڑاہٹ ایسی تھی کہ میں سمجھا پورے غار کی چھت بیٹھ رہی ہے مگر خیر یہ رہی، چھت بس وہیں کی گری جہاں راکٹ گرا تھا۔ میں آگے بھاگا۔ اندر سے کمار اور اس کے ساتھی آ رہے تھے اور سب کی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ "میں نے پل گرا دیا ہے۔" میں نے ان کو آگاہ کیا۔ "دس بارہ بندے رہ گئے جو پل کی مرمت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ خود ہی مرتے مرتے بچا۔ راکٹ نے دہانے کی چھت بٹھا دی ہے اب یہاں سے نکلنے کی کرو۔"

"چھت گرا دی ہے۔" کمار نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔ "اب ہم باہر کیسے نکلیں گے؟"

"خفیہ راستہ کس لئے؟"

"وہ راستہ!" کمار نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ "وہ تو نہیں کھل رہا ہے۔"

"نہیں کھل رہا ہے؟" میں نے دہرایا۔ "کیا مطلب ـــــ اس کے قبضے جام ہو گئے یا اس کے تالے کی چابی نہیں مل رہی ہے۔"

"پہلا راکٹ گرتے ہی میرے ایک مشیر نے اس راستے سے فرار کی کوشش کی تھی مگر دروازہ کھلا نہیں۔ اس نے مجھے بتایا۔ ہم نے بھی کوشش کی۔"

صورت حال یک لخت ہی سنگین ہو گئی تھی۔ سامنے سے نکلنے کا راستہ بند ہو گیا تھا اور خفیہ دروازہ بھی نہیں کھل رہا تھا۔ سامنے کا تو یہ معاملہ تھا کہ راستہ نہ بھی بند ہوتا تب بھی نکلنا ناممکن تھا۔ دہانے کے عین سامنے دو عدد اے ایم جی نصب تھیں جو بے حد سرعت سے موت بانٹتی ہیں۔ "اب کیا ہوگا؟" میں نے کمار کی طرف دیکھا "کیا یہ غار ہماری قبر ثابت ہوگا۔ جس میں ہم زندہ دفن ہو گئے ہیں؟"

اچانک ہی کمار کے ساتھی بلند آواز سے بولنے لگے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ کمار نے ان کی بک بک نظر انداز کی اور مجھ سے بولا۔ "شہباز میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مجھے لے کر اپنے حجرے میں پہنچا۔ اس نے زمین پر بچھی چٹائی الٹ دی۔ نیچے ایک تقریباً دو فٹ مربع سوراخ تھا۔ اس نے ایک عدد ٹارچ برآمد کی اور اس سوراخ میں اتر گیا۔ "آ جاؤ شہباز۔" اس نے نیچے جا کر کہا۔

"مروا مت دینا۔" میں نے اس کی تقلید کی۔ سوراخ سے کوئی پانچ فٹ نیچے زمین تھی۔ میں نے سر جھکا کیا۔ کمار نے ٹارچ روشن کر لی تھی۔ یہ ایک عدد سرنگ تھی۔ کمار آگے چلنے لگا۔ میں اپنا سر اوپر لگنے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کے لئے جھکا کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ میں نے کمار سے پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''خفیہ راستے کے دہانے کی طرف؟'' اس نے جواب دیا۔

''کیا وہ کسی میکنزم کے تحت کھلتا ہے؟''

''بالکل! اس کا باقاعدہ ایک میکنزم ہے۔ نہ جانے کب سے ہم اسے استعمال کر رہے ہیں۔ آج تک ایسا نہیں ہوا۔''

''ہر چیز کبھی نہ کبھی پہلی بار خراب ہوتی ہے۔''

''میں نہیں مانتا۔ ابھی دو دن پہلے میں نے اس کی آزمائش کی تھی یہ بالکل درست کام کر رہا تھا۔ آج اچانک اس نے کھلنے سے انکار کر دیا۔''

''تمہارا مطلب ہے یہ کوئی سازش ہے؟''

''شاید، میں تمہیں اسی لئے لایا ہوں، تم اسے دیکھ لو۔''

سرنگ آگے جا کر کسی قدر کشادہ ہو گئی تھی اور اب ہم سر بلند ہو کر چل سکتے تھے۔ سرنگ خاصی طویل تھی۔ میرا خیال تھا، ہم کوئی پانچ چھ منٹ تک چلتے رہے تھے۔ اندر برائے نام سی گھٹن تھی، یہاں ہوا کی آمد و رفت کا انتظام تھا۔ آخر ہم ایک گول کمرے میں پہنچے۔ وہاں مشعل روشن تھی۔ کمرا ایک طرف سے ذرا لمبا ہو رہا تھا اور اس طرف دیوار میں پتھر کا ایک حصہ کسی قدر باہر نکلا تھا۔ کمار نے ابھرے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہی خفیہ دروازہ ہے۔''

میں نے معائنہ کیا، اس کا طول و عرض کوئی چار بائی سات تھا یعنی سات فٹ بلند اور چار فٹ چوڑا مگر اس میں کہیں رخنہ نہیں تھا اور یہ دیوار کا حصہ ہی لگ رہا تھا۔ میں نے کمار سے دریافت کیا۔

''اسے کھولنے کا طریقہ کیا ہے؟''

کمار نے ٹارچ کا رخ دیوار کے ساتھ فرش کی طرف کر دیا۔ زمین میں ایک گڑھا تھا۔ جس میں ایک عدد گول لٹو نما چیز نظر آ رہی تھی۔ ''اسے گھڑی کی سوئی کی طرح گھماؤ تو دروازہ کھل جاتا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اور بند کرنے کے لئے کیا کرنا پڑتا ہے؟''

''اسے ہی الٹا گھماؤ۔'' اس نے جواب دیا۔

''دروازہ باہر سے کھولنے اور بند کرنے کا سسٹم ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''باہر سے اس دروازے کو دھکیل کر بند کیا جا سکتا ہے، کھولنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔''

میں نے بیٹھ کر لٹو کو گھمایا۔ وہ بہت آسانی سے گھوم گیا تھا مگر اس کے جواب میں کچھ نہیں ہوا تھا یعنی کوئی دروازہ نہیں کھلا۔ لٹو جس طرح آسانی سے گھوم رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا اس کا اندر کے میکنزم سے رابطہ ختم ہو گیا ہے۔ میں نے کمار سے پوچھا۔ ''پہلے بھی یہ اتنی آسانی سے گھوم جاتا تھا؟''

''نہیں، کسی قدر زور لگانا پڑتا تھا۔''

''کسی نے اسے خراب کر دیا ہے۔ اس کا تعلق اس کے میکنزم سے توڑ دیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا کون کرسکتا ہے؟''

''ممکن ہے تمہاری صفوں میں کوئی غدار ہو؟''

''ہوسکتا ہے لیکن میں کیسے جان سکتا ہوں، وہ کون ہے؟''

''جان جائیں گے لیکن پہلے اسے کھولنے کا کوئی بندوبست کرنا ہوگا۔'' میں نے لٹو کی ساخت پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''اسے کس طرح کھولنا ہوگا؟''

''اوزار ہیں یہاں.....توڑ پھوڑ اور کھدائی کے؟''

''اوپر ملیں گے۔'' اس نے بتایا۔

''کمار، تمہارے پاس کتنے آدمی رہ گئے ہیں؟''

''سو غار کے اندر ہیں اور اتنے ہی باہر تھے۔''

''باہر والوں کو بھول جاؤ۔ ان میں سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔''

''اندر موجود افراد میں سے دو مارے جا چکے ہیں اور چار زخمی ہیں۔'' کمار سوچتے ہوئے بولا۔ ''اگر ہمارے درمیان کوئی غدار ہے تو اس نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟''

''ہمیں روکنے کے لئے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس طرف شاید فوج والوں کا گھیرا تنگ نہیں ہوا ہے۔''

''فوج!'' کمار چونکا۔

''تو اور کیا.....تمہارے خیال میں اتنا منظم حملہ کون کرسکتا ہے؟''

''یہ ہماری فوج ہے، اپنے ہی لوگوں کو قتل کرنے آئی ہے؟'' اس نے نفرت سے کہا۔

''اس خطے کی افواج اس قسم کے کار خیر انجام دیتی رہتی ہے۔''

''چلو واپس اوزار لاتے ہیں۔'' کمار نے مجھ سے کہا۔

ہم واپس اوپر غار میں آئے۔ وہاں سب ہی کمار کے حجرے کے آس پاس جمع تھے، میں نے کمار سے کہا۔ ''تم اعلان کرو کہ ہم نے میکنزم کی خرابی پکڑ لی ہے اور ہم اسے ٹھیک کرلیں گے۔''

''اس سے فائدہ؟''

''ممکن ہے غدار سامنے آجائے۔''

کمار نے سوچا اور اپنی زبان میں ان کو بتانے لگا کہ ہم نے دروازے کے میکنزم کی خرابی جان لی ہے اور اب اسے درست کرنے جا رہے ہیں۔ میں اس دوران میں لوگوں کے چہرے دیکھ رہا تھا مگر سب کے چہرے سپاٹ سے تھے۔ آخر کمار نے اوزار لئے اور ہم واپس نیچے آئے۔ نیچے آنے سے پہلے کمار نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ دہانے کی طرف سے ہوشیار رہیں، ہوسکتا ہے حملہ آور اس طرف سے گھسنے کی کوشش کریں۔

''بلے نے دہانہ بند کردیا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''پھر بھی ہوسکتا ہے کوئی رخنہ رہ گیا ہو؟'' میں نے اس سے اتفاق کیا اور ہم اندر آئے۔ پہلے میں نے فرش میں جہاں لٹو نصب تھا وہ حصہ توڑا۔ زمین پتھریلی تھی اور یہ کام خلاف توقع بے حد مشکل ثابت ہوا تھا۔ نہ جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس میکنزم کو بنانے والوں نے زمین کیسے کھودی تھی۔ میں نے کمار سے پوچھا۔ اس نے بتایا کہ یہ مرکز اور یہ خفیہ دروازہ سب اس کے باپ نے بنوایا تھا، کیسے؟ یہ اسے بھی علم نہیں ہے۔

''لگتا ہے تم سچ مچ شہزادے تھے۔ راج پاٹ اور اس کے لوازمات سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ بھاری ہتھوڑے کی نوک سے زمین میں سوراخ ہو چلا تھا۔ میں تھکا تو ہتھوڑا کمار نے لے لیا۔ اس نے زیادہ بہتر انداز میں کام کیا۔

''ہاں، میں واقعی شہزادہ تھا۔'' اس نے تسلیم کیا۔

''بالآخر میکنزم کا اندرونی حصہ سامنے آ گیا۔ میری توقع کے مطابق کسی نے اسے خراب کر دیا تھا، یہ کام اس نے لٹو کو زیادہ ہی گھما کر کیا تھا۔ لوہے کی تاریں ٹوٹ گئی تھیں۔ ذرا سی محنت سے میں نے جان لیا کہ کس تار کو کھینچنے سے دروازہ کھل جاتا تھا اور کسے کھینچنے سے دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور کمار سے کہا۔ ''ہوشیار ہو جاؤ، میں دروازہ کھولنے جا رہا ہوں۔''

''ضرور!'' اس نے اپنا پستول اٹھاتے ہوئے کہا اور میں نے تار کھینچ لی۔

ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ پتھر کا دروازہ ایک طرف سے سرکنے لگا۔ ابھی دروازہ کھلا نہیں تھا کہ عقب سے مجھے روشنی کا احساس ہوا۔ کوئی سرنگ سے آ رہا تھا۔ اسی لمحے دروازہ پوری طرح کھل گیا اور میں نے عین اس کے سامنے ایک مسلح وردی پوش کو دیکھا۔ میں بے ساختہ چلایا۔

''کمار..... بچنا!''

اسی لمحے کمر افائرنگ کے بے پناہ شور سے گونج اٹھا تھا۔

فائرنگ وردی پوش نے نہیں کی تھی۔ ہمارے عقب سے ہوئی تھی اور وردی پوش پر نہیں بلکہ ہم پر ہوئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وردی پوش کو دیکھتے ہی میں اور کمار زمین پر گر گئے تھے اور گولیاں ہمارے اوپر سے گزر کر اسے لگی تھیں۔ اس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور اچھل کر پیچھے گرا تھا۔ کمار نے لیٹے لیٹے گھوم کر سرنگ سے آنے والے کو گولی مار دی۔ اس کے مرنے کے بعد فائرنگ کا شور تھما تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا مرنے والا کمار کے مشیروں میں سے ایک تھا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''تو یہ غدار تھا؟''

کمار نے مرنے والے کی خودکار رائفل لے لی۔ ''اسی نے دروازے کا میکنزم خراب کیا تھا۔''

میں نے دروازے سے باہر جھانکا۔ ''کمار، یہاں صرف ایک فوجی نہیں ہوگا۔ اس کے پیچھے اور بھی ہوں گے، اس سے پہلے کہ گھیرا تنگ ہو جائے، ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''میں دوسروں کو بلاتا ہوں۔'' کمار نے کہا اور رائفل میرے سپرد کر کے سرنگ میں غائب ہو گیا۔ میری نظر باہر کی تاریکی پر مرکوز تھی۔ باہر شاید چاند نکل آیا تھا اس لئے ہلکی سی روشنی تھی۔ فوجی کی لاش ذرا فاصلے پر پڑی تھی۔ اسے کس نے یہاں کھڑا کیا ہوگا اور حیرت تھی، اب تک اس کی موت پر کوئی سامنے نہیں آیا تھا۔ حالانکہ فائرنگ کی آواز دور تک سنی گئی تھیں شاید وہ لوگ کہیں دور مورچوں میں سکون سے بیٹھے ہمارے باہر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک غدار کی وجہ سے حالات خرابی کی انتہا کو جا پہنچے تھے اور فرار کا واحد راستہ بھی بند نظر آ رہا تھا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہتر سمجھا کہ دروازے کو کھلا رکھنے کے بجائے اسے بند کر دوں۔ کوئی اچانک باہر سے راکٹ داغ دے یا دستی بم ہی مار دے تو میرے پاس سوائے دفاع پانے کے اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ میں نے تار کھینچ کر دروازہ بند کر دیا۔ کمار اور اس کے ساتھی کوئی پندرہ منٹ بعد آئے تھے۔ وہ سب خوف زدہ اور پریشان لگ رہے تھے۔ ایک نے کچھ کہا۔ "یہ کہہ رہا ہے دروازہ جلدی کھولو۔" کمار نے ترجمہ پیش کیا۔

"اسے کہو، جلدی کا راستہ آدمی کو عام طور سے نرک پہنچاتا ہے اس لئے ذرا صبر کرے۔" میں نے کہا۔ "تم نے غور نہیں کیا، دروازے کے باہر دشمن موجود ہے۔"

"ہاں، میں سوچ رہا تھا مگر اب موجود ہے تو کیا کریں، اس جگہ سے نکلنا ہے۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ باہر گھات لگائے بیٹھے ہیں، جیسے ہی ہم باہر نکلے وہ فائر کھول دیں گے۔"

کمار نے ان خدشات کو ترجمہ کر کے اپنے ساتھیوں تک پہنچایا اور وہ حسب معمول ہنکارنے اور سینے پر ہاتھ مارنے لگے۔ وہ مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔

"یہ نہیں مانتے۔" کمار نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

"تو منواؤ..... تم سردار کس بات کے ہو۔ باہر جا کر..... یہ سب حرام موت مرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔"

اس پر کمار کو غصہ آ گیا تھا، اس نے چیخ چیخ کر تقریر شروع کر دی تھی۔ آغاز میں اس کے آدمیوں کا انداز جارحانہ رہا تھا مگر آہستہ آہستہ وہ ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔ آخر میں بالکل دم سادھ لیا تھا۔ کمار نے ان کو رام کر لیا تھا، یہ اس کی سرداری کا پہلا چیلنج تھا جس کا اس نے سامنا کیا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ اس نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "مان گئے۔"

کمار نے بالآخر لیڈر شپ کا آغاز کر دیا تھا۔ جو تمام ہی لیڈر تقریروں سے کرتے ہیں اور جب عوام کو قائل کر کے ایک بار ان کے کندھوں پر سوار ہو جاتے ہیں تو پھر اسے اپنا موروثی حق سمجھ لیتے ہیں۔ حکم چلانے اور حکم نہ ماننے والوں پر ڈنڈا چلانے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ کمار اپنی بات منوانے کے بعد کسی قدر متفکر تھا۔ اس نے نصف درجن آدمی دروازے کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیئے تھے اور ہم واپس غار میں آ گئے، یہاں کم سے کم گھٹن نہیں تھی۔

"اب میں کیا کروں؟" کمار نے موقع ملتے ہی مجھ سے دریافت کیا۔ "دونوں طرف کے راستے بند ہیں اور باہر انہوں نے گھیرا ڈال رکھا ہے؟"

"فی الحال صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ یہاں رہنا پڑا تو کتنے دن کا راشن پانی ہے؟"

"کئی دن کا ہے، میں معلوم کرواتا ہوں۔" کمار نے کہا اور ایک عورت کو بلا کر اسے تخمینہ لگانے کی ذمے داری سونپی تھی۔ اس نے ایک گھنٹے بعد بتایا کہ کھانے کا سامان اتنا ہے کہ مہینے بھر تک چل سکتا ہے لیکن پانی اتنا نہیں ہے۔ بڑی مشکل سے دو تین دن گزارہ ہو سکتا ہے۔ کمار نے اسی وقت پانی پر پہرا لگا دیا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ ایک آدمی کو دن بھر میں ایک گلاس پانی ملے گا۔ یہ پیتل کا بڑا سا گلاس تھا، جس میں ایک لیٹر پانی آ جاتا ہوگا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس موسم میں یہ مقدار کافی تھی، اس سے گزارہ ہو جاتا۔ البتہ عورت نے ایک تشویش ناک بات بتائی تھی کہ جلانے کے لئے لکڑیوں کی کمی تھی۔ کمار نے فالتو مشعلیں بجھانے کا حکم دیا۔ الاؤ بھی بند کر دیا گیا۔ غار اندر ہونے کی وجہ سے سردی کی شدت کم تھی۔

غار کا دہانہ بند ہونے سے گھٹن کا احساس ہوا تھا مگر یہ احساس ایک حد سے زیادہ نہیں ہونے پاتا تھا، اس کا مطلب تھا کہ مقدار میں کم سہی مگر کہیں سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔ الاؤ اور مشعلیں بجھانے سے گھٹن کم ہوئی تھی۔ میں نے کمار سے کہا۔ ''غار میں ہوا کی آمد و رفت کا انتظام ہے۔ کیا تمہیں وہ جگہ معلوم ہے جہاں سے ہوا آتی ہے؟''

''نہیں، میرے علم میں نہیں ہے۔''

''اپنے آدمیوں سے معلوم کرو۔''

''فرداً فرداً کمار نے سب سے پچھوایا مگر کسی کو علم نہیں تھا کہ غار میں تازہ ہوا کہاں سے آتی ہے۔ میں نے کمار سے موم بتی کی فرمائش کی جو تلاش بسیار کے بعد مجھے مہیا کر دی گئی تھی۔ میں نے اسے جلایا اور سب سے پہلے دہانے کے سامنے بکھرے ملبے تک آیا۔ میں خاصی دیر یہاں چیک کرتا رہا مگر مجھے کہیں سے بھی ہوا کی آمد کا سراغ نہیں ملا۔ پھر میں موم بتی لے کر غار کی مختلف گپھاؤں میں جانے لگا۔ کمار میرے ساتھ تھا اور حیران تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''دیکھ رہا ہوں، ہوا کس طرف سے آ رہی ہے؟''

''اس موم بتی کی مدد سے؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا اور وضاحت کی۔ ''ہوا کی آمد سے اس کی لو تھرتھرانے لگے گی، اس سے پتا چل جائے گا کہ ہوا کس طرف سے آ رہی ہے۔'' مصیبت یہ تھی کہ کمار کے آدمی ہمارے ساتھ ساتھ تھے، آگے پیچھے، دائیں بائیں اور ان کی وجہ سے مجھے خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہ حرکت کرتے تھے تو موم بتی کی لو از خود تھرتھرانے لگتی تھی۔ تنگ آ کر میں نے کمار سے درخواست کی کہ وہ اپنے آدمیوں سمیت سکون سے بیٹھے اور مجھے میرا کام کرنے دے۔ وہ سب سکون سے بیٹھے تو میں نے از سرِ نو اپنا کام شروع کیا۔ بالآخر مجھے ایک گپھا میں ہوا کی آمد محسوس ہوئی۔ میں نے تین چار مشعلیں منگوالیں۔ اس کی دیواروں اور چھت کا معائنہ کیا۔ دیواروں کے اوپری حصے اور چھت میں بے شمار کھانچے تھے۔ ایسے کھانچے میں نے ان غاروں میں دیکھے تھے جن میں چمگادڑ رہتی ہیں۔

''یہاں پر چمگادڑیں تھیں؟'' میں نے کمار سے پوچھا، حسبِ معمول وہ لاعلم نکلا۔

اس جگہ گپھا کی چھت دس سے پندرہ فٹ اونچی تھی اور خاصی ٹیڑھی میڑھی تھی۔ اس کے بعض زاویے ایسے تھے کہ وہاں تک شعلوں کی روشنی جاتی ہی نہیں تھی۔ میرا خیال تھا ہوائی آمد و رفت کا کوئی سوراخ کسی ایسی ہی جگہ تھا۔ چمگادڑ ان غاروں میں بسیرا کرتی ہیں جہاں ان کے آنے جانے کے کئی راستے ہوتے ہیں۔ میں نے کمار سے سیڑھی کا پوچھا۔ سیڑھی تو نہیں تھی لیکن یہاں جلانے والی لکڑی پڑی تھی، اس جگہ دو دس بارہ فٹ لمبے بانس مل گئے۔ رسی کی مدد سے ان پر جلانے والی لکڑی اس طرح باندھ دی گئی کہ اس سے ایک سیڑھی تیار ہو گئی۔ میں چھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سات قبائلیوں کے ساتھ اسے لے آیا اور ایک جگہ کھڑا کر کے ان لوگوں سے کہا۔ ''اسے مضبوطی تھام لیں۔'' اس جگہ چھت اوپر سے ترچھی تھی اور اس کا ایک حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ میں مشعل لے کر اوپر چڑھ گیا۔ اس ہوم میڈ سیڑھی پر چڑھنا آسان کام نہیں تھا مگر میں کسی نہ کسی طرح چڑھ گیا۔ میں نے مشعل کی روشنی میں چھت کا معائنہ کیا مگر مجھے کوئی رخنہ نظر نہیں آیا۔

باری باری سیڑھی دوسری جگہوں پر لگوا کر میں نے تلاش کا عمل جاری رکھا اور بالآخر مجھے گپھا کی چھت کے وسط میں ایک سوراخ نظر آ گیا تھا۔ میں نے موم بتی اس کے سامنے رکھ کر تجربہ کیا اور موم بتی کی لو پھڑ پھڑانے لگی تھی۔ ہوا اس راستے سے آ رہی تھی۔ میں خوش ہو گیا تھا۔ تجربہ کامیاب رہا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ سوراخ خاصا چھوٹا لگ رہا تھا۔ اس سے ایک اوسط جسامت کا آدمی بھی مشکل سے گزر سکتا تھا۔ میں نے کابینہ کے اجلاس کی صدارت فرماتے کمار کو اپنی دریافت سے آگاہ کیا تو وہ مع کابینہ کے اسے دیکھنے چلا آیا تھا۔

''سوراخ چھوٹا ہے، اس سے کوئی بچہ بھی مشکل سے گزرے گا۔''

''اسے بڑا کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

کمار نے اپنے آدمیوں میں سب سے مختصر اور دبلے پتلے آدمی کو تلاش کیا اور اسے اس سوراخ میں جانے کا حکم دیا۔ وہ سترہ اٹھارہ برس کا نوجوان لڑکا تھا۔ وہ پھرتی سے سیڑھی پر چڑھا اور اس نے سوراخ کا معائنہ کیا۔ پھر اپنی زبان میں اعلان کیا، کمار نے بتایا۔ ''یہ اس میں جا سکتا ہے۔''

''اس سے کہو کہ خاموشی سے اوپر جائے جہاں تک جا سکتا ہے اور سوراخ کو دیکھے، اسے بڑا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ممکن ہے یہی ہمارے لئے نجات کا راستہ بن جائے۔''

لڑکا تیز طرار تھا، وہ کسی نہ کسی طرح ٹارچ لے کر اس سوراخ میں گھس گیا۔ کمار نے اسے سمجھا دیا تھا کہ خاموشی سے جائے اور غیر ضروری آوازیں نکالنے سے گریز کرے۔ اوپر نکلنے کا موقع ملے تو یہ دیکھے کہ سوراخ کس جگہ نکل رہا ہے۔ اب ہم دم سادھے اس کے اوپر جانے کی آوازیں سن رہے تھے۔ اسے پتھروں اور ٹیڑھے میڑھے سوراخ سے رگڑ کھانا پڑ رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کی کراہ بھی سنائی دیتی تھی۔ جب وہ اتنی آسانی سے نہیں گزر پا رہا تھا تو زیادہ جسامت والوں کا تو اور بھی مشکل تھا۔ بہرحال ایک راستہ نظر آیا تھا۔ لڑکا ایک گھنٹے بعد آیا، اس کی حالت بری تھیں پورا جسم مٹی اور خراشوں سے بھرا تھا، اسے پانی پلایا جب اس کے حواس ٹھکانے آئے تھے۔ اس نے جو بتایا اس کا ترجمہ کمار نے کیا اور اس کا لب لباب یوں تھا کہ یہ ایک سیدھا اور اونچائی پر نکلنے والا راستہ تھا جو بعض مقامات پر اتنا تنگ ہو گیا تھا کہ اس سے گزرنا ہی محال تھا۔ لڑکے کی حالت اس کی گواہ تھی۔ اس کی ہمت تھی جو وہ اوپر چلا گیا اور واپس بھی آ گیا۔ اس نے بتایا کہ راستہ ایک چٹان کے نیچے جا کر نکل رہا ہے، یہ جگہ غار کے دہانے سے کوئی سو فٹ کی بلندی پر ہے۔

''بس ہم یہیں سے نکلیں گے۔'' کمار نے فیصلہ کیا۔

''کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی ہم اس راستے کو وسیع کریں گے، اس کے بعد اس سے نکلنا آسان ہو جائے گا۔''

''میں اس کی تجویز کی افادیت پر غور کرنے لگا۔'' اس طرح ہم گھات میں بیٹھے دشمنوں کو جل دے کر نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں گے۔"

"ہم ان پر اچانک حملہ کر سکتے ہیں۔" کمار نے جوش سے کہا۔

"اس پر سکون سے غور کرنا فی الحال تو راستے کی توسیع کا حکم دو۔"

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ "تم حملے والی بات سے متفق نہیں ہو؟"

"ایسا ہی ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "دراصل ان لوگوں کے پاس تباہ کن ہتھیار اور ان کو استعمال کرنے کی تربیت ہے۔ اس لئے ان سے مقابلہ مشکل ہے۔ دیکھو، انہوں نے غار میں ہونے کے باوجود ہمیں کتنی آسانی سے بے بس کر دیا۔ مجھے یقین ہے اگر دہانے کی چھت نہ بیٹھ جاتی تو یہ اب تک ہمیں گیس کے بم کی مدد سے مار چکے ہوتے یا بے بس کر کے گرفتار کر لیتے اس لئے مقابلے کے بجائے نکلنے کی سوچو۔ تمہارا ایک ایک آدمی قیمتی ہے۔ اگر کوئی مر گیا تو تمہیں اس کا متبادل نہیں ملے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے آزردگی سے کہا۔ "میرے تیس ساتھی اپنی جان گنوا چکے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے میں ان کو درست طریقے سے کنٹرول نہیں کر سکا تھا۔"

"تم نے کوشش نہیں کی تھی، اب تم نے کوشش کی تو کامیاب بھی رہے۔ ان کے جذباتی پن کو اپنے قابو میں رکھو۔ کوئی حکم عدولی کرے تو اسے ہلکی پھلکی سزا دینے سے بھی مت چوکو۔"

"میں ایسا ہی کروں گا۔" کمار نے سر ہلایا اور اپنے آدمیوں کو حکم دینے لگا کہ اس راستے کو وسیع کیا جائے اور اس میں ایسے کھانچے بنائے جائیں جن پر ہاتھ پاؤں رکھ کر آدمی بہ آسانی اوپر چڑھ سکے۔

"ان سے کہو کہ کام کرتے وقت کم سے کم آواز نکالیں۔ ہتھوڑے پر کپڑا یا کوئی چیز لپیٹ کر ماریں ورنہ آواز اوپر کسی نے سن لی تو یہ راستہ کھلنے سے پہلے ہی بند ہو جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے ہم مارے جائیں۔"

"وہ کیسے؟" کمار نے غور کیا۔

"اس سوراخ سے دو تین دستی بم یا گیس کے بم اندر لڑھکا دیں تو ہمارا کیا ہوگا؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" کمار نے مجھ سے اتفاق کیا

"اس کے علاوہ بھی ایک خیال میرے ذہن میں آ رہا ہے۔ اگر ہم یہ کام کرنے سے پہلے اس لڑکے کو دوبارہ اوپر بھیج دیں۔ یہ نگرانی کرے اور کوئی خطرہ دیکھے تو نیچے کام کرنے والوں کو خبردار کر دے کہ وہ فی الحال ہاتھ روک لیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" اس نے جوش سے کہا۔ "مگر فی الحال نیچے کا راستہ بڑا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" اس نے اپنے آدمیوں کو احکامات جاری کرنا شروع کر دیئے۔

میں نے لڑکے کو تلاش کیا۔ پانی پی کر اور کپڑے پہن کر وہ تازہ دم ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے اشارے سے پوچھا کہ کیا اسے پستول یا رائفل چلانی آتی ہے، اس نے فخریہ انداز میں سر ہلایا اور اپنی نشانے بازی کے بارے میں کچھ فرمایا جو میرے سر سے گزر گیا۔ میں نے اس کا امتحان لیا، اس نے کامیابی اور تیزی سے پستول، رائفل لوڈ اور اَن لوڈ کر کے دکھائے، اس کے بعد فرضی نشانے بازی کا مظاہرہ کیا۔ اس کی شست کا انداز بھی تقریباً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درست تھا، میں نے اسے اوکے کر دیا تو وہ مارے خوشی کے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ کمار کے علاوہ دوسرے قبائلیوں کا رویہ میرے ساتھ معاندانہ تھا۔ مگر جب میں نے پل تباہ کیا، خفیہ راستہ کھولا اور ان کو باہر نکل کر بے موت مرنے سے روکا، اس کے بعد جب باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا تو یہ راستہ دریافت کیا تب سے ان کے انداز میں میرے لئے ایک احترام آ گیا تھا۔

رات کا کھانا کب کا تیار ہو گیا تھا مگر حملے کے بعد اتنے ساتھی مارے جانے اور خود اپنی جان کے لالے پڑنے کے بعد کسی کو بھوک کا خیال بھی نہیں رہا تھا۔ خود مجھے کمار نے کھانے کے لئے کہا تو خیال آیا کہ میں خاصا بھوکا تھا۔ ہم نے کمار کے حجرے میں کھانا کھایا۔ اس کے بعد کمار تو کام کا معائنہ کرنے چلا گیا اور میں لیٹ گیا۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس لئے سونے کے بجائے سوچنے لگا۔ یہاں سے بحفاظت نکلنے کا ایک راستہ نظر آیا تھا، میں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے نکلتے ہی اپنا راستہ الگ ناپوں گا۔

پھر مجھے کنوروں کا خیال آیا، یہ سخت بے غیرت تھے۔ ان کو پتا تھا کہ ان کی بہن قبائلیوں کے قبضے میں ہے پھر بھی انہوں نے اپنے منصوبے پر عمل کیا تھا۔ شاید ان کو بہن کی پروا نہیں تھی جو عقل کے لحاظ سے ویسے ہی اپنی عمر سے پیچھے تھی۔ ان کے لئے اپنا مفاد زیادہ اہم تھا۔ قبائلی ایک بار ان کے قابو میں آ جاتے اور وہ ان جنگلوں اور پہاڑوں پر قابض ہو جاتے تو یہاں سے بے حساب پیسا کما سکتے تھے۔ ان کی بے ضمیری کا اندازہ اس واقعے سے ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے جسمانی اعضا نکال کر بیچ رہے تھے۔ نہ جانے کتنے انسان ان کی ہوس کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ پولیس قبائلیوں کو دبا دیتی تو ان کا مذموم کاروبار اور چمک جاتا۔ یہاں چند افراد کے پاس گھڑیاں تھیں، ان میں ایک کمار تھا۔ وہ بارہ بجے واپس آیا۔ ''نیچے کا حصہ میرے آدمیوں نے توڑ کر کشارہ کر دیا ہے۔''

''لیکن خیال رہے، راستہ اتنا کشادہ بھی نہ ہو کہ اس پر اوپر جانا مسئلہ بن جائے۔''

''ہم اس چیز کا خیال رکھ کر کام رہے ہیں۔'' کمار بولا۔ اس نے انگاروں پر رکھی قہوے کی کیتلی سے اپنے اور میرے لئے چائے نکالی۔

وہ لڑکا اوپر چلا گیا۔ ''کیا نام ہے اس کا؟''

''بیتو، بیتو ہرن!'' کمار نے کہا۔

''کام کا لڑکا ہے۔'' میں نے کہا۔

''بہت ہوشیار..... پڑھا لکھا ہے۔ ہندی جانتا ہے۔''

''ہندی جانتا ہے!'' میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''بلاوجہ اس سے آدھے گھنٹے اشاروں کی زبان میں مغز ماری کرتا رہا۔ پہلے نہیں بتا سکتے تھے۔''

''تم نے پوچھا کب تھا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''اوہ ہاں اچھا، خیر یہ بتاؤ یہاں سے نکل کر کہاں جاؤ گے؟''

''اپنی آبائی وادی کی طرف۔'' اس نے کہا۔ ''پتا نہیں، میرے لوگوں پر کیا گزر رہی ہو گی۔ انہوں نے بالکل درندوں کی طرح حملہ کیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بستیوں پر وہ اس طرح حملہ نہیں کر سکتے، انہیں کسی نہ کسی کو جواب دینا ہوتا ہے۔ تم لوگ کیونکہ ان کے مجرم ہو اسی لئے براہِ راست حملہ کیا ہے۔'' میں نے اس کو تسلی دی حالانکہ مجھے خدشہ تھا فوج نے ان کی بستی پر بھی حملہ کیا ہوگا۔

''کمار نے غصے سے دانت پیسے۔ ''میں کنور خاندان کو چھوڑوں گا نہیں، اس کے بچے بچے کا نام و نشان مٹا دوں گا۔''

''یہاں تم زیادتی کر رہے ہو۔ قصور صرف دو افراد کا ہے اس کی سزا پورے خاندان کو دینا اچھی بات نہیں ہوگی۔''

''اور جو میرے آدمیوں کے ساتھ ہو رہا ہے اور جو میری بستیوں کے ساتھ ہوگا؟'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''اس کے ذمے دار بھی یہی دو افراد اور ان کے چند گرگے ہیں۔ خیر..... تمہارے قبیلے کی کتنی بستیاں ہیں؟''

''تین..... اوپر والی..... جو اوپری کہلاتی ہے۔ درمیان والی جو درمیانی کہلاتی ہے اور نیچے والی.....''

''جو نچلی کہلاتی ہے۔'' میں ہنسا تو وہ جھینپا تھا۔

''ہمارے پُرکھوں کے وقت سے یہ نام چلے آ رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''ان میں سب سے نزدیکی بستی کون سی ہے۔''

''نچلی بستی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''یہاں سے دو گھنٹے کی پیدل مسافت پر ہے۔''

''اس وقت ٹھنڈ شدید ہے۔ سب لوگ نچلی بستی میں ہوں گے۔'' میں نے اندازہ لگایا۔

''درست ہے۔ اس وقت سارے ہی لوگ نچلی بستی میں ہیں۔ درمیانی اور اوپری بستی میں چند ایک دیکھ بھال کرنے والے ہیں۔''

''گویا پولیس یا پیرا ملٹری سیدھا اس بستی کا رخ کرے گی۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ سب مارے جائیں گے یا پکڑے جائیں گے۔''

''اس کا امکان ہے اگر تم پہلے نکل جاتے اور ان کے ہاتھ نہ آتے تو پھر بھی امکان تھا۔ اب تو انہوں نے تمہیں یہاں محصور کر لیا ہے اور وہ بے فکری سے بستی پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اپنی دہشت بٹھانے اور تمہیں سزا دینے کے لئے ان لوگوں پر تشدد کریں گے۔ ان کو قتل کریں گے اور عورتوں کی بے حرمتی کریں گے۔''

''نہیں۔'' اس نے خوف زدہ ہو کر کہا۔ ''وہ ایسا نہیں کر سکتے۔''

''یہ تو تمہیں کنور خاندان کے خلاف قدم اٹھانے سے پہلے سوچنا چاہئے تھا کہ اس کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں۔ تم لوگ کمزور ہو، کنور طاقتور ہے، ان کے نقصان کا ازالہ ہو جائے گا مگر تم لوگوں کے نقصان کی تلافی کیسے ہو گی۔''

کمار ساکت بیٹھا دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے تصور کا ٹی وی اسے وہ سب دکھا رہا تھا جو اس کے لوگوں پر گزری تھی۔ ان ایک بربادی کے مناظر اور ان کی چیخیں اسے سنائی دے رہی تھیں، دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے بڑی دیر بعد دانت پر دانت جما کر کہا۔ ''اگر انہوں نے ایسا کیا تو میں ایک ایک سرکاری بندے کو چن چن کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماروں گا۔"

"فائدہ..... وہ سب عام غریب لوگ ہیں۔ پولیس والے اور پیرا ملٹری کے لوگ بھی عام ہیں۔ بدلہ لینا ہے تو کنور خاندان کے مردوں سے لو۔ وہ اصل مجرم ہیں جنہوں نے ریاستی حکام کو خرید لیا ہے۔ ان ریاستی حکام سے لو جو تمہاری بربادی اور تمہارے ساتھیوں کی ہلاکت کے ذمے دار ہیں۔ عام لوگوں کو مار کر تم خود کو ایک بے مقصد جنگ میں الجھا لو گے جس کا انجام تمہارے خاتمے پر ہوگا۔"

"مگر میرے سینے میں جو آگ لگی ہے۔"

"اس آگ کو محفوظ رکھو۔ یہی آگ تمہارے کام آئے گی۔ اگر انتقام لینا ہی ہے تو اصل ذمے داروں سے لو، یہ بات اپنے آدمیوں کو بھی سمجھاؤ۔"

"یعنی جو ہمارے گھروں کو برباد کرنے آئے ہیں، ان کو کچھ نہ کہیں؟" اس نے کڑوے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ اب ان کو جھٹکا دینا لازمی ہے۔ اس جگہ ان کے کم سے کم ایک درجن آدمی مارے جا چکے ہیں۔ تم نے بستی کی طرف جو تیر انداز روانہ کیے تھے، انہوں نے مزاحمت کی ہوگی اور جنگل میں چھپ کر انہوں نے آنے والے لشکر کو نقصان پہنچایا ہوگا۔ تم بھی یہاں سے نکل کر ان کی سرکوبی کرنا۔ مگر اسے اپنی پالیسی مت بناؤ۔ یہ سب چھپا نہیں رہے گا۔ میڈیا پر اس کا چرچا ہوگا۔ اس کے بعد سرکار محتاط ہو جائے گی۔ مگر تمہاری جانب سے کوئی غلطی ہوئی تو اسے جواز بنا کر یہ تم پر چڑھ دوڑیں گے۔"

اس کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا۔ "میرے تیس ساتھی مارے گئے ہیں تو ان کے بھی بارہ آدمی مرے ہیں۔ اسکور برابر نہیں ہے۔"

میں اسے سمجھا نہیں سکتا تھا، اس کے تیس آدمی بہت قیمتی تھے کیونکہ ان کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ سرکار کے پاس مارے جانے والوں کے کئی متبادل تھے۔ آدمیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اسے سرکار کے نقصان پر خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے اپنے آدمیوں کی بے فائدہ موت کا ماتم کرنا چاہئے تھا جو اس کے مشیروں کی احمقانہ ضد کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ وہ رات بھر چوکیداروں کے بنائے اس سوراخ کی توسیع کرتے رہے تھے، یہ کام آسان نہیں تھا کہ یہ پوری کی پوری چٹان تھی۔ اس میں نہ جانے کیسے یہ دراڑ وجود میں آ گئی تھی۔ ہزاروں لاکھوں برس سے چوکیداریں اس راستے کو وسیع کرتی رہی تھیں اور انہوں نے اپنے گزرنے کے قابل بنا لیا تھا۔ میں رات کسی وقت سو گیا تھا، میری آنکھ کھلی تو دیوار میں لگی مشعل بجھ گئی تھی، اٹھ کر باہر آیا۔ حوائج ضروریہ کے لئے ایک جگہ مخصوص کر دی تھی اور وہاں موجود بدبو سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہمیں ایک دو دن اور یہاں رکنا پڑا تو بو سے ہی دماغ خراب ہو جائے گا۔

ناشتہ وہی تھا جو تین وقت کھانا ہوتا تھا یعنی دلیا نما کوئی شے، مکئی کی روٹی اور ایک لٹی جیسی شے۔ مکئی کی روٹی پر مکھن رکھا تھا۔ یہ کھانا بے حد سادہ لیکن غذائیت سے بھرپور تھا۔ اس کا انداز مجھے اپنی بے حد تیزی سے بحال ہو جانے والی توانائی سے ہوا تھا۔ ان دو دنوں میں، میں خود کو تقریباً فٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے ان لوگوں کو فرشتہ بنا کر بھیجا اور میرا ان منحوس لوگوں سے پیچھا چھوٹا جو میرا خون نچوڑنے پر تلے ہوئے تھے۔ ناشتے کے بعد میں نے کمار کو تلاش کیا۔ وہ مجھے اس کمرے میں ملا جس کی چھت میں راستہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راتوں رات ایک سیڑھی نما پلیٹ فارم بنا لیا گیا تھا، اس پر چڑھنا اترنا آسان تھا۔ چند افراد اوپر کام کر رہے تھے اور کچھ اوپر سے گرنے والا ملبا ایک طرف کر رہے تھے۔ کمار رات بھر کا جاگا ہوا تھا مگر اس کے چہرے سے نہیں لگ رہا تھا۔

''نصف راستہ بن چکا ہے۔'' اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ ''آج رات تک راستہ بن جائے گا۔''

''اوپر کوئی نگرانی کر رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بیتو ہے۔'' وہ بولا۔

''کمار! غار سے تو نکل جائیں گے اس کے بعد اس علاقے سے کیسے نکلیں گے۔ پانچ دس افراد ہوں تو تاریکی میں چھپ بھی جاتے ہیں۔ اتنے افراد کا چھپنا ممکن نہیں ہے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔'' اس نے کہا۔

''مجھے اس علاقے کا نقشہ بتا سکتے ہو؟ میں نے کہا۔

اس نے ایک بجھ جانے والی مشعل کا جلا ہوا ٹکڑا اٹھایا اور اس سے دیوار پر ایک نقشہ بنانے لگا، پہلے اس نے پہاڑی کو واضح کیا جس کے اندر ہم تھے۔ اس نے سمتیں واضح کیں۔ ''ہمیں پہاڑی کے عقب میں جانا ہے۔ خفیہ راستہ بھی اسی طرف کھلتا ہے لیکن وہ نشیب میں ہے۔ یہ راستہ اوپر ہے۔ ہم اوپر ہی سے عقب کی طرف چلے جائیں گے۔''

''یہ راستہ آغاز میں دریا کے پار سے بالکل واضح نظر آئے گا۔'' میں نے غور کیا۔

''بالکل درست!'' اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن ذرا آگے جا کر راستہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ہم اس پر بلا خطر سفر کر سکتے ہیں۔''

''بہتر ہوگا، پہلے لڑنے والے اوپر جا کر مورچہ سنبھال لیں، اس کے بعد لوگوں کو دس دس کی ٹولیوں میں بانٹ کر آگے روانہ کیا جائے۔'' میں نے تجویز دی۔

''اس نے رشک سے مجھے دیکھا۔ ''تمہارے ذہن میں کسی بھی مسئلے کا اتنی جلدی حل کیسے آ جاتا ہے؟''

''مشق!'' میں نے اسے بتایا۔ ''میں گزشتہ کچھ عرصے سے یہی کام رہا ہوں۔''

''میں ایسا ہی کروں گا۔ اب تمہاری ہر بات مانوں گا۔ کاش میں نے تمہاری پہلی بات مان لی ہوتی، میرے اتنے سارے ساتھی نہ مرتے۔'' اس نے حسرت سے کہا۔ ''یہ سب بہت قیمتی لوگ تھے، اپنے گھروں کے مرد تھے۔ میں ان کے گھر والوں کو کیا بتاؤں گا۔''

''یہ کام اپنے مشیروں کو سونپ دینا۔ وہ خود ہی کوئی نہ کوئی وضاحت کر لیں گے۔''

سوراخ سے مسلسل ریزے اور پتھر گر رہے تھے۔ ہتھوڑے اور دوسرے اوزار چلنے کی آوازیں نیچے تک آ رہی تھیں۔ اس وقت چھ افراد کام کر رہے تھے۔

''سرنگ والے دروازے پر کتنے آدمی ہیں۔'' میں نے کمار سے پوچھا۔ ''مجھے اس طرف سے حملے کا خدشہ ہے۔''

''اُدھر میں نے بیس افراد لگا رکھے ہیں۔ اوّل تو دروازہ ہی بہت مضبوط ہے۔ چھ فٹ سے زیادہ موٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چٹان ہے اسے نہ جانے کس ترکیب سے دروازہ بنایا گیا ہے۔"

"وہ راکٹ مار سکتے ہیں۔"

کمار نے نفی میں سر ہلایا۔"اس پر ہلکا پھلکا راکٹ بھی اثر نہیں کرے گا۔ اسے اڑانے کے لئے بہت بڑا بم چاہئے۔"

"وہ بڑا بم بھی مار سکتے ہیں۔ بارود سے بھی اڑا سکتے ہیں مگر وہ مطمئن ہیں کہ اندر موجود لوگ خود ہی بھوک پیاس اور دم گھٹنے سے مر جائیں گے۔"

"ہم اتنی آسانی سے نہیں مریں گے۔" اس نے غرا کر کہا۔

"تم نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا ہے، ایسا نہ ہو باہر نکلتے ہی یہ سب بھول کر دشمن پر ٹوٹ پڑنے کی کوشش کریں۔"

"میں نے ان کو سمجھا دیا ہے۔ یہاں سے نکل کر ہمیں جلد از جلد مچھلی بستی تک پہنچنا ہے، جہاں ہمارے گھر والے ہیں ان سب کے گھر والے ہیں، اب یہ سیدھے وہاں جائیں گے۔"

"گڈ، تم نے اچھا نکتہ ان کے سامنے رکھا ہے۔"

"اگر بستی میں امن وامان ہوا تو ہم جنگلوں میں روپوش ہو جائیں گے۔"

میں اسے مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا مگر مجھے ان قبائلیوں کی بستی کی عافیت خطرے میں لگ رہی تھی۔ تیر انداز جنگجو کسی قدر مزاحمت کر سکتے تھے مگر وہ پیراٹروپر پر کھل کر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی جانب کئے جانے والے حملوں کا خمیازہ بھی بستی کے بے گناہ لوگوں کو بھگتنا پڑتا۔ آزادی کی تحریکوں کے خلاف سب سے جارحانہ رویہ بھارتی فوج کا رہا ہے۔ وہ بے گناہ اور عام لوگوں پر جنگی حربے آزمانے سے بھی نہیں ہچکچاتی۔ آسام سے لے کر کشمیر تک اس کا کردار اس بات کا گواہ ہے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ مجھے یہاں سے نکلنے کے بعد کس طرف کا رخ کرنا چاہئے۔"

اس کے چہرے پر مایوسی نظر آئی تھی۔"تم چلے جاؤ گے؟"

"ظاہر ہے مجھے جانا تو ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر سرد آہ بھری۔"ٹھیک ہے دوست! میں ابھی تمہیں روک نہیں سکتا مگر مجھ سے وعدہ کرو، اگر میں زندہ رہا تو تم مجھ سے رابطہ ضرور کرو گے۔"

"میں وعدہ نہیں کرتا، لیکن کوشش ضرور کروں گا۔ بات یہ ہے میرے سامنے بھی بعض کنور ہیں، ابھی مجھے ان سے نمٹنا ہے۔"

"ابھی تو خود مجھے جان کا خطرہ ہے۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں، میں اس چکر سے نکلا تو تمہارے دشمن بھی میرے دشمن ہوں گے۔" اس نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"فی الحال میں تمہارے خلوص کا شکریہ ادا کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

شام تک کام جاری رہا تھا اور راستہ تقریباً بن گیا تھا۔ بس آخری چند فٹ باقی تھے کیونکہ دہانہ بالکل پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اس لئے توسیع کا کام بے حد احتیاط سے ہو رہا تھا کہ آواز باہر نہ جانے پائے۔ سب نے روانگی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ سارا اسلحہ ساتھ لے لیا تھا۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کا سامان اور پانی بھی تھا۔ کمار نے دس دس افراد کے گروپ بنا دیئے تھے۔ ہر گروپ میں ایک عورت تھی جس کے ذمے کھانے کا سامان اٹھانا تھا اور ایک آدمی پانی کا مشکیزہ لے کر چلتا اور باقی اسلحہ سنبھالتے۔ یہ اس نے عقل مندی کی تھی۔ عورتوں کو تقسیم کر دیا تھا۔ اس طرح ان کا کمزور حصہ بٹ گیا تھا اور اکیلا پن عورت کو مجبور کرے گا کہ وہ ہمت سے مردوں کا ساتھ دے۔ میں کمار کے گروپ میں تھا جسے سب سے آخر میں روانہ ہونا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں اوّلین گروپ کے ساتھ نکل جاؤں گا میں نے انکار کر دیا۔ ''نہیں، میں تمہارے ساتھ نکلوں گا اور راستے میں کسی مناسب جگہ تم سے الگ ہو جاؤں گا۔''

مگر شام کو سب سے پہلے میں اور کمار اوپر گئے تھے۔ اس کے بعد کمار نے اپنے دس ساتھی اس چٹان کے اردگرد تعینات کر دیئے جہاں یہ راستہ نکلتا تھا۔ یہ پوزیشن ایسی تھی کہ اس سے تین اطراف نظر رکھی جا سکتی تھی اور کسی بھی حملے کا مؤثر جواب دیا جا سکتا تھا۔ چوتھی سمت وہ تھی جس سمت ہمیں جانا تھا۔ یہ ایک پل نما راستہ تھا جو چٹان سے لے کر دوسرے پہاڑ تک تھا اور یہ راستہ ذرا خطرناک تھا کیونکہ نیچے سے کی جانے والی فائرنگ کی زد میں تھا۔ ایک آدمی کا گھٹنا گولی سے زخمی تھا اسے پہلے گروپ میں بھیجا گیا۔ اسے ایک آدمی نے اپنی پشت پر اٹھا لیا تھا، اس گروپ کے ارکان باری باری اسے اٹھاتے۔ جب یہ گروپ بحفاظت پل عبور کر گیا تو دوسرا گروپ روانہ کیا گیا۔

کمار نے سب طے کر دیا تھا، گروپ ترتیب سے باری باری اوپر آ رہے تھے اور روانہ ہو رہے تھے۔ ایک گھنٹے کے اندر تین گروپ جا چکے تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو اعتماد ہوا تو اگلے ایک گھنٹے میں پانچ گروپ جا چکے تھے۔ ابھی اتنے ہی گروپ اور باقی تھے۔ اس کے بعد چاند نکل آیا۔ یہ بارہویں کا چاند تھا اور اس کی روشنی میں پہاڑ صاف نظر آ رہے تھے، خود ہمیں دریا کے پار نقل و حرکت محسوس ہو رہی تھی۔ کمار نے کہا۔ ''میرا خیال ہے اب گروپ کے بجائے افراد کو ایک ایک کر کے بھیجا جائے۔''

''اس میں دیر لگے گی۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔ ''ہمیں صبح سے پہلے اس علاقے سے نکل جانا چاہئے۔''

''گروپ کے مقابلے میں ایک فرد کے نظر میں آنے کا امکان کم ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''جیسے تم چاہو۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''احتیاط بری چیز نہیں ہے۔''

کمار نے ایک ایک کر کے اپنے آدمیوں کو اس فطری پل کے پار بھیجنا شروع کر دیا۔ اس نے ان سے کہا تھا وہ ہر ممکن احتیاط کریں۔ نظروں میں نہ آنے پائیں۔ اس طرح دو گروپ اور نکل گئے۔ مگر تاخیر ہونے لگی تھی، اور دو گروپوں کو محفوظ علاقے تک جانے میں سوا گھنٹا لگا تھا۔ اس رفتار نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس پل کو جتنی دیر ہوتی، دشمن کی نظروں میں آنے کے امکانات زیادہ تھے۔ اگر پیرا ملٹری کو پتا چل جاتا کہ اندر مقید قیدی فرار ہو رہے ہیں تو نہ صرف ہماری فرار کی راہ مسدود ہو جاتی بلکہ آگے جانے والوں کا بھی تعاقب شروع ہو جاتا۔ اگلے ایک گھنٹے میں مزید دو گروپ چلے گئے۔ ابھی بھی پچاس پچپن افراد باقی تھے۔ اگلے گروپ کا ساتواں آدمی جا رہا تھا کہ اچانک فائر ہوا اور کسی کی چیخ گونجی۔ میں نے ایک شخص کو اچھل کر نیچے گرتے دیکھا۔ اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھیانک چیخ نے سب کو دہلا دیا تھا۔ وہ جتنی بلندی سے نیچے گرا تھا اگر اسے کسی غیر خطرناک جگہ گولی لگی تھی تب بھی اس کے بچنے کا سوال نہیں ہوتا تھا۔ فوراً ہی کسی نے جواب دیا اور دریا کے دوسرے کنارے سے فائر کرنے والے کو اڑا دیا۔ اس کے فوراً بعد دونوں طرف سے قیامت خیز فائرنگ شروع ہوگئی۔

میں اور کمار جلدی سے چٹان کی آڑ میں ہو گئے۔ ہمارے ساتھ جانے والے گروپ میں تین افراد تھے اور ہم سب کے لئے یہ جگہ کم تھی۔ گولیاں آس پاس لگ رہی تھیں۔ کمار نے چیخ کر دوسروں کو اوپر آنے سے منع کیا اور ان تینوں کو بھی نیچے جانے کا حکم دیا۔ الفاظ میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے مگر انداز سے میں سمجھ گیا تھا۔ تینوں مردوں نے پھرتی سے حکم کی تعمیل کی تھی۔ وہ یکے بعد دیگرے نیچے اتر گئے تھے۔ کمار نے چیخ کر مزاحمت کرنے والوں کو کچھ کہا اور ان کی طرف سے کی جانے والی اندھا دھند فائرنگ میں کمی آ گئی۔ ان کے پاس ضائع کرنے کے لئے ایمونیشن جو نہیں تھا۔ میں نے چلا کر کہا۔ ''کمار! پل کراس کرنے والوں کو دریا کے کنارے موجود لوگوں سے خطرہ ہے۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ ان کو نشانہ بنانے کی کوشش کریں تاکہ دوسرے پار جا سکیں۔''

کمار اپنے ساتھیوں کو ہدایات دینے لگا۔ میں رائفل لے کر رینگتا ہوا چٹان کے کنارے تک آیا۔ میں نے ذرا سا سر نکال کر نیچے جھانکا۔ مجھے دریا کے ایک طرف سے بار بار شعلے لپکتے نظر آئے۔ وہاں کوئی بھاری مشین گن لگی تھی جس سے تواتر سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ میں نے اس کا نشانہ لیا اور لگاتار تین چار گولیاں چلائیں اور شعلے چمکنا بند ہو گئے تھے۔ نشانہ کارگر رہا تھا۔ میرا نشانہ اتنا اچھا نہیں تھا مگر مشین گنر کی قضا آئی تھی، مجھے اپنے پاس سے کمار کی سرگوشی سنائی دی۔ ''شاندار۔''

''اپنے لوگوں سے کہو پار جائیں۔ دیر مت کریں۔'' میں نے کہا۔

''میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے۔'' کمار نے مجھ سے ذرا فاصلے پر پوزیشن سنبھال لی۔ اس کے پاس بھی بور کی رائفل تھی۔ ذرا دیر میں اس نے اپنا ہدف تلاش کر لیا۔ ایک اور ایل ایم جی خاموش ہو گئی۔

''واہ کیا نشانہ ہے؟'' میں نے بے ساختہ داد دی۔

اب حملہ آوروں کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ بلندی کی وجہ سے ہم ان کو بہتر طور پر نشانہ بنا رہے تھے اور وہ پسپا ہو رہے تھے۔ دریا کا کنارہ اس مقام سے زد میں تھا اس لئے غیر محفوظ تھا۔ پولیس اور پیرا ملٹری کے لوگ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ دوسرے لوگ آہستہ آہستہ پل کراس کر رہے تھے۔ کمار کے ساتھیوں کی ہمت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ کنارے پر آ کر فائرنگ کر رہے تھے۔ ایسے میں ایک گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ میں نے کمار سے کہا۔ ''ان سے کہو اپنی جگہ رہ کر فائرنگ کریں، آگے نہ جائیں۔''

کمار پہلے ہی ان پر گرج برس رہا تھا۔ کنارے سے سارے سرکاری اہلکار پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اسی اثنا میں کمار کے آدمی آرام سے پل کراس کر رہے تھے۔ میں نے دائیں طرف ڈھلانوں کا معائنہ کیا اور مجھے ان طرف درختوں کے درمیان حرکت کا احساس ہوا۔ میں نے کمار کو متوجہ کیا۔ ''یہ کہاں جا رہے ہیں؟''

اس نے غور کیا اور اچھل پڑا۔ ''یہ گھوم کر اس طرف جا رہے ہیں جہاں سے میرے لوگ گزر رہے ہیں گے، ان کو روکنا ضروری ہے۔''

''یہ دریا کیسے عبور کریں گے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے مجھے دیکھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کی ہو۔ ''تم نہیں جانتے، ملٹری والے دریا کیسے عبور کرتے ہیں، پل کے بغیر؟''

میں شرمندہ ہو گیا تھا۔ ''میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ اب یہاں سے جلدی نکلو، اس سے پہلے وہ گھوم کر ہمارا راستہ روک لیں۔''

ہنگامی حالات میں سب نے نصف گھنٹے میں قدرتی پل عبور کر لیا تھا، سب سے آخر میں، مَیں اور کمار گئے تھے۔ ہمارے گروپ کے علاوہ سب جا چکے تھے، ہم نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور ہر ممکن تیزی سے چل پڑے۔ سب ہی چوکنا تھے اور دائیں بائیں عقب میں نظر رکھے ہوئے تھے کہ کسی طرف سے دشمن نہ نکل آئے۔ مجھے امید تھی کہ قبائل ان راستوں کو بہتر طور پر جانتے تھے اور ان پر سفر کرنے کے عادی تھے۔ اس کا ثبوت فوراً ہی مل گیا جب کمار سمیت باقی افراد پر توجہ کی، وہ سب ایسے چل رہے تھے گویا ہموار سڑک پر چل رہے ہوں اور مجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا۔ ہم پل کراس کرنے کے بعد ایک پتلی سی پگڈنڈی پر محو سفر تھے جس کے بائیں طرف ڈھلان تھی اور دائیں جانب بلند ہوتا پہاڑ تھا۔ مجھے ہر لمحہ ایک لگ رہا تھا کہ ابھی میں نیچے لڑھک جاؤں گا۔ میں نے ہانپتے ہوئے کمار سے کہا۔ ''تم لوگ..... کیسے اتنے مزے سے چل رہے ہو؟''

''ہم عادی ہیں۔'' کمار ہنسا۔ ''بچپن سے ان پہاڑوں پر سفر کرتے رہے ہیں۔ تم بھی کچھ دیر میں عادی ہو جاؤ گے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جو لچک اور توازن تمہیں قدرتی طور پر ملا ہے اس سے میں محروم ہوں، اس لئے میرا عادی ہونا محال ہے۔ پہاڑ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں میں بہت سفر کر چکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ بستی تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔''

''کم سے کم چھ گھنٹے!''

''اور مجھے جنوب کے میدانوں کی طرف جانا ہو تو کون سا راستہ موزوں رہے گا۔''

''راستہ بستی سے ہو کر جاتا ہے۔''

''یعنی مجھے بستی تک جانا ہی ہو گا۔'' میں نے موسم کی مناسبت سے ٹھنڈی سانس لی تھی۔

''راستہ تو یہاں سے بھی جاتا ہے مگر اس وقت سرکاری کارندے وہاں موجود ہوں گے۔ تم پکڑے جاؤ گے۔'' کمار نے کہا۔

پکڑے جانے کا امکان اس راستے پر بھی تھا اور بستی میں بھی۔ مجھے یقین تھا بستی والوں کے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہو گا اور پولیس وہاں اب بھی ڈیرے ڈالے بیٹھی ہو گی۔ کمار نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ بستی تک جا کے براہ راست داخل ہونے کی کوشش نہ کریں بلکہ پہلے سن گن لیں اور اگر بستی میں پولیس موجود ہو تو سب مدھو موہن کے مندر میں جمع ہوں، یہ قدیم مندر بستی سے کچھ فاصلے پر تھا۔ یہ مندر اجاڑ ہو چکا تھا۔

''میرا خیال ہے پہلا گروپ بستی کے قریب ہو گا۔'' میں نے کہا۔

کمار نے گھڑی دیکھی۔ ''ہاں، اسے روانہ ہوئے چھ گھنٹے ہو چکے ہیں۔''

اب تک سفر خیریت سے جاری تھا۔ اچانک آگے کہیں فائرنگ ہوئی، اس کی آواز گونجی تھی۔ پھر تواتر سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائرنگ ہونے لگی۔

''پولیس نے گھیرا ڈال دیا ہے۔'' کمار وحشت سے بولا۔

''شاید اس طرف ان کا کوئی دستہ پہلے سے موجود ہے۔'' میں نے غور کیا۔ ''ان کا سامنا تمہارے کسی گروپ سے ہو گیا ہے۔ دریا کی طرف سے وہ اتنی جلدی نہیں آسکتے۔''

یہ بات کمار کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس کی وحشت ذرا کم ہوئی تھی۔ ہم ہر ممکن تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ اگرچہ پہاڑی راستوں پر سفر کرنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا سانس مستقل پھولا ہوا ہے۔ بلندی پر آکسیجن کم ہوتی ہے۔ خاص طور سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی کے بعد اس میں کمی آنے لگتی ہے اور ذرا سا مشقت کا کام کر کے آدمی کی سانس پھول جاتی ہے۔ میں تو دشوار ترین پہاڑی راستے پر سفر کر رہا تھا جو کبھی بلندی کی طرف جاتا تھا اور کبھی نشیب کی طرف مڑ جاتا تھا۔ دونوں صورتوں میں مشقت ہی مشقت تھی۔ سردی شدید تھی، اوپر سے رات کا وقت تھا۔ درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے ہی تھا اور جیسے جیسے ہم بلندی کی طرف جاتے یہ اور بھی کم ہوتا جاتا۔ ہمارے گروپ میں بچ جانے والے تمام افراد شامل تھے، ان کی تعداد دو درجن تھی اور سب مسلح تھے اس لئے یہ اطمینان تھا کہ کسی سے مڈبھیڑ ہوئی تو ہم کمزور نہیں پڑیں گے۔

ایک گھنٹے بعد ہم اس جگہ پہنچے جہاں فائرنگ ہوئی تھی۔ وہاں پر چھ افراد کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ ہم سے پہلے روانہ ہونے والا گروپ تھا۔ اس کے چار ارکان بشمول عورت کے غائب تھے۔ اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھ کر قبائلیوں کا غصے سے برا حال ہو گیا تھا۔ وہ سرکاری اہلکاروں کے تعاقب میں جانا اور اپنے ساتھیوں کو ان سے چھڑانا چاہتے تھے۔ کمار نے بمشکل ان کو سمجھا بجھا کر روکا۔ انہوں نے اپنے مردہ ساتھیوں کو راستے سے ہٹا کر ایک طرف رکھا کہ ان کی لاشیں بعد میں اس جگہ جلائی جائیں گی اور ہم نے دوبارہ سفر کا آغاز کر دیا۔

''کمار!'' میں نے اچانک کہا۔ ''بہتر ہوگا ہم عام مروجہ راستوں سے ہٹ کر سفر کریں۔''

''کیوں؟'' اس نے پوچھا۔

''مجھے خدشہ ہے ان راستوں پر اور بھی شکاری ہوں گے، میری مراد سرکاری آدمیوں سے ہے۔''

''کیا؟'' وہ چونکا۔

''کمار، یہ تو طے ہے تمہارے خلاف آپریشن آرمی کر رہی ہے اور ان کا طریقہ کار ایسا ہی ہوتا ہے۔ انہوں نے راستوں میں اپنے گروپس چھوڑے ہوں گے جو تمہارے آدمیوں کا شکار کر رہے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں عام راستوں سے ہٹ کر سفر کرنا ہوگا۔''

''عام راستوں سے ہٹ کر..... مگر اس طرح تو بستی تک جانے میں دیر ہو جائے گی۔'' کمار پریشان ہو گیا تھا۔

''دیر سے پہنچنا بہتر ہے، بہ نسبت کبھی نہ پہنچنے کے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے۔''

کمار نے اپنے آدمیوں سے بات کی اور ایک شخص ہماری رہنمائی کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ پہاڑی راستے دشوار ہوتے ہیں لیکن ان میں بھٹک جانے کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ راہ کے نشانات آنکھوں کے سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتے ہیں کہ آدمی آرام سے سر اٹھا کر دیکھ لیتا ہے۔ اس شخص نے جو راستہ اختیار کیا، وہ پہلے سے بھی زیادہ دشوار تھا مگر اس کا دعویٰ تھا کہ یہ شارٹ کٹ بھی تھا اور سُست رفتاری کے باوجود ہم اتنی ہی دیر میں بستی پہنچ جاتے جتنی دیر مروجہ راستے پہنچنے میں لگتی۔ مروجہ راستے پر چاند کی روشنی تھی اور یہاں جنگل میں اندھیرا تھا۔ اس وجہ سے ہم ٹوکریں کھا رہے تھے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھ رہے تھے۔ مشعل جلانے کا مطلب دشمنوں کو آپ اپنی موجودگی کی اطلاع دینا تھا۔

رہنمائی کرنے والے شخص کا کہنا تھا کہ ایک بار ہم بلندی پر پہنچ گئے تو راستہ صاف ملے گا اور روشنی بھی ہو گی مگر یہ بلندی خاصی دیر بعد آئی تھی، سب کا تھکن سے برا حال ہو گیا تھا اس لئے فیصلہ ہوا کہ کچھ دیر آرام کیا جائے۔ ایک شخص نے ڈول میں چائے تیار کی، اس نے جھٹ پٹ آگ جلائی اور لکڑیوں پر ڈول رکھ کر پانی ابالا۔ گلاس صرف دو تھے اس لئے سب نے باری باری سیاہ بغیر چینی کی چائے پی جس نے ہمیں تازہ دم کر کے ازسرِنو سفر کے قابل بنا دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کمار سے بات کروں۔ ہمیں بستی سے دور ہی رہنا چاہئے تھا۔ پیرا ملٹری وہاں لازمی موجود ہو گی اور ممکن ہے انہوں نے اپنی بربریت کا مظاہرہ کر دیا ہو۔ مگر میں فی الحال خاموش رہا۔ صورتِ حال کچھ دیر میں سامنے آ جاتی۔

سب خاموشی سے سفر کر رہے تھے، اب وہ مرحلہ آ گیا تھا جب جسمانی توانائی کا گراف زیرو پر آ گیا تھا اور جسم کا انجن ریزرو پر چل رہا تھا۔ سب سر جھکائے اپنے حوصلے کو استعمال کرتے اور خود کو چلتے رہنے پر قائل کرتے سفر کر رہے تھے۔ خود میرا یہ حال تھا، ایک ایک قدم اٹھانا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔ وقت کا اور سردی کا احساس بھی فنا ہو گیا تھا۔ ممکن ہے میں اکیلا ہوتا تو ہر شے پر لعنت بھیج کر وہیں لیٹ جاتا۔ بے شک اس کے بعد فرشتہ اجل آ کر اٹھاتا۔ اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ کمار سے پوچھ سکوں کہ ابھی کتنا سفر باقی ہے؟ نہ ہی آسمان کی طرف دیکھنے کی ہمت تھی کہ صبح کی آمد کا سراغ لگا سکوں۔ اچانک کمار کے آدمیوں نے زور و شور سے بولنا شروع کر دیا۔ میں چونکا۔ وہ ایک طرف اشارہ کر رہے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا تو مجھے اس طرف شعلے سے لپکتے نظر آئے۔ کہیں آگ لگی تھی۔ میں نے کمار کی طرف دیکھا۔ ''کمار! کیا یہ جنگل میں آگ لگی ہے؟''

''نہیں بستی میں آگ لگی ہے۔'' اس نے بوجھل سے لہجے میں کہا۔

''بستی!'' میں نے دور چمکنے والے شعلے دیکھے۔ ''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''میں اس علاقے کو اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح جانتا ہوں۔ ابھی بستی دور ہے ہمیں وہاں تک جانے میں دو گھنٹے اور لگ سکتے ہیں۔''

میرے خدشات درست ثابت ہوئے تھے، یہ بہت بڑی آگ تھی جو اتنے فاصلے سے بھی نظر آ رہی تھی۔ امید ساری بستی کو نذرِ آتش کر دیا گیا تھا۔ شعلے دیکھ کر ان لوگوں نے رفتار تیز کر دی تھی۔ راستہ دشوار اور خطرناک نہ ہوتا تو یہ بھاگنا شروع کر دیتے، چلتے ہوئے وہ اپنے غم و غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''کمار ہمیں بستی کے بجائے مندر کی طرف جانا چاہئے۔''

''یہ نہیں مانیں گے، ان کے گھر جل رہے ہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''ان کے ساتھ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا ہے۔ اب اس طرف جانا خود کو سرکاری قاتلوں کے سامنے پیش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کے برابر ہوگا، ان کو روکو..... ورنہ یہ سب بھی مارے جائیں گے۔''

''میں..... کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے بوجھل لہجے میں کہا، اس کی قوتِ فیصلہ متاثر ہو رہی تھی۔ اسے اپنے لوگوں کے جذبات کو بھی دیکھنا پڑ رہا تھا۔ اس نے اپنے لوگوں سے بات کی، حسبِ توقع انہوں نے انکار کر دیا انکار ان کے لہجے اور ان کے چہروں سے چھلک رہا تھا۔ وہ مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ ڈھلان سے اترتے ہوئے انہوں نے باقاعدہ دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ اب بستی سے اٹھنے والے شعلے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ یہ آگ خاصے وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔

''کمار، ہم سب مارے جائیں گے۔'' میں نے ایک بار پھر کوشش کی۔

''تم ہم سے الگ ہو سکتے ہو۔'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''تم بچ جاؤ گے۔''

''خدا کے لئے، بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں اپنی بات نہیں کر رہا۔ میں سب کی بات کر رہا ہوں۔ ہمارا تم سے کوئی خون کا رشتہ نہیں ہے۔ مذہب کا اور قوم کا بھی نہیں ہے۔ یہ صرف ہمدردی کا رشتہ ہے۔ میں تم سب کو خودکشی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔''

اس بار کمار کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ ''معاف کرنا، میرے منہ سے ذرا غلط نکل گیا مگر دوست، اب ہم نہیں رک سکتے۔''

''اچھا، اتنا تو کر سکتے ہو کہ اس طرح منہ اٹھا کر دشمن کے سامنے جانے کے بجائے احتیاط سے جاؤ، اچانک ان کے سر پر پہنچ جاؤ، تم ان سے انتقام لینے جا رہے ہو یا خود بھی مرنے جا رہے ہو؟''

اس مرتبہ بات کمار کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو تحکمانہ انداز میں کچھ کہا اور وہ رک گئے، الا میں سے بعض نے خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ کمار ان سے بات کرنے لگا۔ شروع میں ان کے تاثرا میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ نرم پڑنے لگے۔ کمار انہیں سمجھانے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ اس بار سفر کا آغاز کیا تو راستہ بدل لیا تھا اور انداز بھی محتاط تھا۔ وہ جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ لے کر بستی کی طرف جا رہے تھے۔ اب سارا منظر واضح تھا۔ وسیع و عریض رقبے میں پھیلی اس آبادی میں ہر طرف آگ لگی تھی۔ اس کے مکینوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ زندہ ہیں یا مارے جا چکے ہیں، زندہ ہیں تو آزاد ہیں یا قید میں ہیں۔

آگ پوری شدت سے بھڑک رہی تھی اور لگ رہا تھا کہ اسے لگائے دو تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوا ہے ورنہ یہ آگ اب بجھنے کی طرف مائل ہوتی۔ شدتِ جذبات سے چند افراد نے رونا پیٹنا شروع کیا تھا مگر کمار نے ان کو سختی سے ڈانٹ کر چپ کرا دیا تھا۔ میں نے بستی کے جنوب کی سمت میں چند گاڑیاں دیکھیں۔ ان کی تعداد درجن بھر تھی۔ اکثر درمیانے سائز کے ٹرک تھے۔ کمار اور دوسرے لوگوں نے بھی ان کو دیکھ لیا تھا اور اب خوف زدہ اور چپ تھے۔

''یہ پیراملٹریز کی گاڑیاں ہیں۔'' میں نے کمار سے کہا۔ ''کیا بستی تک آنے کا کوئی ایسا راستہ ہے جس سے یہ گاڑیاں آ سکیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں تم سے اسی راستے کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ تم اس سے جنوب میں جا سکتے ہو۔''

گاڑیوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ کم سے کم ڈھائی تین سو مسلح فوجیوں نے بستی کو گھیرا ہوگا اور اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد لوگوں کا قتل عام کیا یا ان کو بستی بدر کیا اور پھر اس میں آگ لگا دی۔ اس کا اندازہ قریب جا کر ہو سکتا تھا۔ کمار کے ساتھی فوجیوں پر حملہ کرنے کے لئے بے تاب ہو گئے تھے مگر کمار نے ان کو روک لیا تھا۔ اوّل تو کانوائے ایک کھلے میدان میں تھا وہاں تک رسائی حاصل کرنا دشوار تھی۔ دوسرے ان کے پاس کم تر ہتھیار تھے جبکہ دشمن کے پاس بھاری ہتھیاروں کی موجودگی لازمی تھی۔ اسی لمحے مجھے اور شاید دوسروں کو بھی عورتوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آئی تھیں۔ کانوائے کے پاس ہی جنگل تھا اور یہ آوازیں وہاں سے آ رہی تھیں۔ ان آوازوں کو سن کر میرا خون رگوں میں ٹھوکریں مارنے لگا تھا۔ نہ جانے ان لوگوں کا کیا حال تھا جن کی یہ ناموس تھیں۔ اس سے پہلے وہ بے قابو ہوتے، میں نے کمار سے کہا۔ ''سنو..... یہ عورتیں نہ جانے کب سے درندگی کا شکار ہو رہی ہیں۔ ان کے ساتھ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا ہے۔''

''تو ہم ان کو بھول جائیں۔'' وہ بھڑک گیا تھا۔

''نہیں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں ایک غیرت مند خاندان کا فرد ہوں اور تم بھی مجھے غیرت مند نظر آتے ہو۔ ہمیں بدلہ لینا ہے اور اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں ہتھیار چھیننا ہوں گے۔''

''کہاں سے؟'' اس نے سوال کیا۔

''ان ٹرکوں سے۔'' میں نے کانوائے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرا خیال ہے اکثر فوجی جنگل میں ہیں ٹرکوں کی حفاظت پر بس چند ایک آدمی ہوں گے۔''

''میں ان کو دانتوں سے ادھیڑ دوں گا۔'' کمار نے دانت پیسے۔

''اپنے آدمیوں کو پلان سمجھاؤ۔ ہمیں چند وردیاں حاصل کرنی ہیں۔ کم سے کم دو اور ان کا اسلحہ بھی تاکہ ہم ٹرکوں تک جا سکیں۔''

''وردیاں جنگل میں ملیں گی۔'' اس نے کہا۔

''رائٹ ہمیں وہیں جانا ہے اور ان کو ہوشیار کئے بغیر یہ کام کرنا ہے۔ جب ہم اسلحہ حاصل کر لیں گے تو اگلی کارروائی کریں گے۔''

کمار دوسروں کو سمجھانے لگا اور اسے خاصی دقت پیش آئی۔ کیونکہ قبائلیوں کا انداز فوری طور پر کچھ کر گزرنے والا تھا مگر بات بہرحال وہ سمجھ گئے۔ ان کو بدلہ لینا تھا، اپنی عورتوں کی بے حرمتی کا، اپنے لوگوں کے مارے جانے کا اور اپنی بستی کو نذر آتش کرنے کا۔ ہم بائیں طرف سے درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے ہوتے جنگل میں اس طرف بڑھے جہاں سے عورتوں کی فریادی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

''ان لوگوں کے پاس خنجر یا چاقو ہیں۔'' میں نے کمار سے پوچھا۔

''ہمارا اصل ہتھیار یہی ہے۔'' کمار نے کہا۔

''ان سے کہو کہ خنجر استعمال کریں، فوجی اس وقت بے خبر ہوں گے۔ ان کو آسانی سے قابو کیا جا سکتا ہے۔ اپنے آدمیوں سے کہو ان کے گلے کاٹ دیں تاکہ آواز نہ نکل سکے۔''

آوازوں سے لگ رہا تھا کہ دیسیوں عورتیں جبر کا شکار تھیں۔ بدمست مردانہ قہقہے بھی سنائی دے رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر کمار نے رکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے اپنا خنجر نکالا اور تین آدمیوں کو اور اشارہ کیا۔ پھر مجھ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ "باقی لوگوں کو قابو میں رکھنا۔"

میں نے سر ہلایا۔ "یہ بات ان لوگوں کو بھی بتا دو۔"

کمار ان کو سمجھا کر اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ جنگل میں داخل ہو گیا۔ ہم جھاڑیوں میں دبکے رہے۔ صبح کی سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ میں اور دوسرے بے تابی سے کمار اور اس کے تین ساتھیوں کا انتظار کر رہے تھے اور اگر وہ ناکام ہوتے تو ہمیں بھی اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرنی تھی۔ کوئی نصف گھنٹے کے صبر آزما انتظار کے بعد جھاڑیوں سے چند عورتیں اور ان کے عقب میں کمار اور اس کے ساتھی نمودار ہوئے۔ عورتیں زخمی اور نچی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ وہ سب ہو چکا تھا جو مظلوم عورتوں کے ساتھ فاتحین کر سکتے ہیں۔

"چھ کی گردنیں اڑا دی ہیں۔" کمار نے کسی قدر مسرور لہجے میں کہا۔

"ان کی لاشیں؟"

"وہ ہم نے ایسے چھپا دی ہیں کہ دن میں بھی نظر نہیں آئیں گی۔" اس نے کہا۔

"وقت کم ہے جلدی وردیاں نکالو۔"

ہم نے چند منٹ میں وردیاں بدل لیں۔ کمار سمیت ہم چھ افراد تھے۔ اوپر جیکٹیں بھی تھیں اور جوتے بھی جن کے سائز مختلف تھے لیکن ہم نے کسی نہ کسی طرح چڑھا لئے۔ جیکٹوں سے یہ فائدہ ہوا کہ ان کے اٹھے ہوئے کالر میں سب کے لمبے بال چھپ گئے۔ فوجیوں کا اسلحہ بھی تھا۔ یہ بی ایس ایف کی کوئی کمپنی تھی۔ ہم عورتوں کو سامنے رکھ کر ٹرکوں کی طرف بڑھے، باقی قبائلیوں کو کمار نے سمجھا دیا تھا کہ جب فائرنگ ہو اور فوجی گاڑیوں کی طرف آئیں تو اس وقت فائرنگ نہ کی جائے جب تک فوجی درمیان میں نہ آ جائیں۔

حسب توقع ٹرکوں میں صرف ایک دو افراد تھے۔ وہ بھی عورتوں کو دیکھ کر نیچے اتر آئے۔ میں کیپٹن کی وردی میں تھا، میں نے اکھڑ لہجے میں سب کو گاڑیوں سے نیچے آنے کا حکم دیا۔ میرے دو بھائی فوج میں تھے فوجی لہجہ اور احکامات کے مخصوص الفاظ مجھے ازبر تھے۔ پندرہ افراد اتر کر میدان میں آئے اور کمار نے اپنے ساتھیوں سمیت ان پر فائر کھول دیا۔ میں پہلے ٹرک کی طرف بھاگا۔ یہ خالی تھا اور دوسرے میں مجھے ایک عدد ایل ایم جی اور اس کا ایمونیشن بکس نظر آیا۔ فائرنگ نے بھارتی فوجیوں کو چونکا دیا تھا اور وہ چند منٹ میں یہاں آنے والے تھے۔ میں نے چلا کر کہا۔ "کمار دوسرے ٹرکوں میں دیکھو، ان میں بھی بھاری مشین گنیں ہوں گی۔"

اس پہلی فائرنگ کے بعد جنگل کی طرف سے فائرنگ اور فوجیوں کے چلانے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ جب تک میں نے ترپال ہٹا کر ایل ایم جی نکالی اور ٹرک کے کیبن کی چھت پر فٹ کر دی۔ جنگل سے فوجی نکل کر ٹرکوں کی طرف آنے لگے تھے۔ صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی اور انہوں نے مجھے دیکھ لیا مگر وردی کی وجہ سے دھوکا کھا گئے۔ کمار اور اس کے ساتھی دوسرے ٹرکوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ ایل ایم جی بس یہی ایک تھی مگر دوسرے ہتھیار موجود تھے۔ میں نے فوجیوں کے نزدیک آنے کا انتظار کیا۔ جنگل میں موجود کمار کے ساتھیوں نے قبل از وقت ہی فوجیوں پر حملہ کر دیا تھا اور ان میں سے شاید ہی کوئی زندہ بچا تھا کیونکہ جتنی تیزی سے ان کی طرف سے فائرنگ شروع ہوئی تھی۔ بھارتی فوجیوں کی کارروائی کے بعد اتنی ہی تیزی سے ختم بھی ہو گئی تھی۔

میں نے اندازہ لگایا کہ جنگل سے نکلنے والے فوجیوں کی تعداد سو کے قریب تھی۔ وہ نصف میدان تک آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے تو میں ان میں سے کسی کو واپس جانے نہیں دیتا مگر کمار کے کسی احمق اور جذباتی ساتھی نے بدترین حماقت کر دی جس کے بعد جیتی ہوئی بازی ہاتھ سے نکل گئی۔ اس نے فوجیوں پر فائرنگ کر دی تھی۔ آگے آنے والے دو گرے اور باقی پلٹ کر بھاگ اٹھے تھے۔ اب انتظار بے کار تھا میں نے ان سے آغاز کیا جو جنگل میں واپس گھسنے والے تھے، پہلے ہی برسٹ نے چھ سات کو مار گرایا۔ اس کے بعد والے فائرنگ کی زد میں آئے۔ وہ تربیت یافتہ فوجی تھے اس لئے بکھر کر آڑے ترچھے بھاگے۔ ایک منٹ میں وہ اپنے پیچھے تیس کے قریب لاشیں چھوڑ کر جنگل میں داخل ہو گئے اور دوسرے ہی لمحے ان کی طرف سے ٹرکوں پر فائرنگ کی جانے لگی۔ میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ایم جی سمیت نیچے اترا۔ ایمونیشن بکس سمیت اس کا وزن کوئی بیس کلوگرام تھا۔

''یہ کیا حماقت تھی، کس نے فائر کیا تھا؟'' میں نے دہاڑ کر پوچھا۔

''اس نے۔'' کمار نے ایک نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔

میرا غصے سے برا حال تھا، میں نے اسے نصف درجن گالیاں دیں اور کمار سے کہا۔ ''تم احمق! تم سرداری کے لائق ہو؟ تم سے چار آدمی قابو نہیں ہوتے۔''

''سوری دوست! میں کیا کروں۔'' وہ شرمندہ تھا۔

''اب یہاں سے نکلو۔ اپنے آدمیوں اور ان مظلوم عورتوں پر فاتحہ پڑھ لو۔ وہ سب سے پہلے ان کو ختم کریں گے۔''

''ہم ان کو بچا نہیں سکتے۔'' کمار پریشان ہو گیا تھا۔

''بھیجو اپنے ان سورماؤں کو۔'' میں نے طنز کیا۔

اس اثنا میں جنگل کی طرف سے عورتوں کا شور سنائی دیا۔ میں نے ٹرک کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ بدحال عورتیں اور لڑکیاں گرتی پڑتی چلی آ رہی تھیں اور ان کے عقب میں بھارتی فوجی تھے، وہ ان کی آڑ میں ہماری طرف آ رہے تھے۔ تاکہ ہم ان پر گولی نہ چلا سکیں، میں نے کمار سے کہا۔

''اپنے آدمیوں سے کہو، خنجر مار کر ٹرکوں اور جیپوں سے پیٹرول ٹینک پھاڑ دیں۔ ہری اَپ!''

''وہ کیوں؟'' اس نے الجھی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''سوال مت کرو وقت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں اَن ٹوٹی ہوئی دیواروں تک جا رہا ہوں۔ تم یہ کام کر کے اپنے اسلحے کے ساتھ وہاں آ جاؤ۔''

کمار حرکت میں آ گیا۔ میں نے تھکن کے باوجود ایل ایم جی سمیت دوڑ لگائی اور ان کھنڈر تک پہنچ کر دم لیا تھا۔ یہ بستی کا کوئی متروک مکان تھا جس کی چھتیں بھی گر چکی تھیں، صرف تین دیواریں سلامت تھیں۔ میں نے ایک مناسب جگہ ایل ایم جی کا ٹرائی پوڈ رکھا۔ کمار اور اس کے ساتھی بھی دوڑے چلے آ رہے تھے۔ بھارتی فوجی عورتوں کو ڈرانے اور بھگانے کے لئے ہوائی فائرنگ کر رہے تھے اور بعض عورتوں پر ہی فائرنگ کر رہے تھے۔ میں نے چند عورتوں کو گولیاں کھا کر گرتے دیکھا۔ میں نے ایسے ہی ایک بدذات کا سر اڑا دیا، اگرچہ رسکی کام تھا درمیان میں کوئی بے گناہ عورت بھی آ سکتی تھی۔ میں نے رائفل استعمال کی تھی ایل ایم جی کی فائر پاور بے پناہ ہوتی ہے ایک بار انگلی رکھ کر ہٹا لینے میں بھی پندرہ بیس گولیوں کا برسٹ چل جاتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمار نے ہانپتے ہوئے میرے برابر میں لیٹ کر کہا۔ ''ہم نے کام کر دیا ہے، اب کیا کرنا ہے؟''

''یہ کرنا ہے۔'' میں نے ایم جی کا رخ گاڑیوں کی طرف کر کے ایک برسٹ مارا۔ حسب توقع پہلے ایندھن نے آگ پکڑ لی تھی۔ شعلے بلند ہوئے، جب یہ ایندھن کی ٹینکیوں تک پہنچے تو دھماکے شروع ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا کانوائے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا تھا، اس میں رکھے دستی بم اور راکٹ بھی پٹ رہے تھے۔ عورتوں کو ہنکانے والے بھارتی فوجی اب پلٹ کر بھاگ رہے تھے۔ البتہ عورتوں نے اس طرف بھاگنا جاری رکھا۔ میں نے دیکھا، ان کی تعداد تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ بھارتی فوجیوں کے ہاتھ زیادہ عورتیں نہیں آئی تھیں۔ شاید پچاس ہوگی ان کی تعداد۔ کچھ عورتیں یقیناً ماری جا چکی تھیں۔ تین تو میرے سامنے بھارتی فوج کی گولیوں کا نشانہ بنی تھیں۔ جب ان کو احساس ہوا کہ عورتیں ان کے ہاتھ سے نکل رہی ہیں تو انہوں نے پلٹ کر ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ کمار اور اس کے ساتھی عورتوں کے تحفظ کے لئے بھاگے۔ میں نے ایک سمت میں چند فوجیوں کو دیکھا۔ وہ راکٹ لانچر تیار کر رہے تھے اور ان کو چند سیکنڈ اور مل جاتے تو وہ راکٹ مار کر ہمیں اس کھنڈر سمیت اڑا دیتے، میں نے مشین گن کا رخ ان کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ وہ سب لمحوں میں چھلنی ہو گئے تھے، ایک گولی راکٹ پر لگی اور رہی سہی کسر پوری ہو گئی۔ دھماکے نے ان سب کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔ اس کے بعد بھارتی فوجیوں کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ پلٹ کر جنگل میں گھس گئے۔

روتی دھوتی، چیختی مارتی اور اپنی بربادی پر آنسو بہاتی عورتیں کھنڈر میں آ گئی تھیں۔ کچھ درمیان میں رہ گئی تھیں۔ ان کو کمار اور اس کے ساتھی لا رہے تھے۔ وہ زخمی اور بے ہوش ہو گئی تھیں۔ زخمی عورتوں کو گولیاں لگی تھیں، ایک کی کمر میں دو گولیاں جبکہ دوسری کے پاؤں میں ایک گولی لگی تھی۔ وہ معمولی زخمی تھی۔ مگر ان سے بڑا مسئلہ وہ عورتیں تھیں، جو بچ گئی تھیں۔ وہ اب ہسٹریا کا شکار تھیں۔ ان کی چیخیں اور واویلا میرے اعصاب کو متاثر کر رہا تھا۔ میں نے کمار سے کہا۔ ''خدا کے لئے ان کو چپ کراؤ۔ ورنہ میں بھی جنگل میں بھاگ جاؤں گا۔''

کمار نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ ''میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''اوہ بھائی، تم سردار کس بات کے ہو؟''

وہ بھنا گیا تھا۔ ''میں سردار ہوں، ہر بات کا ذمے دار نہیں۔''

''مہربانی ہے تمہاری کہ اتنی ذمے داری لیتے ہو۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ورنہ ہمارے ملک کے سردار تو صرف سردار ہیں کسی بھی قسم کے ذمے دار نہیں ہیں۔''

بہرحال کسی نہ کسی طرح کمار نے ان عورتوں کو چپ کرا دیا اور ان سے بستی پر گزرنے والے حالات جاننے لگا۔ اس دوران میں، میں نے اس کے ساتھیوں کو دائیں بائیں درختوں کے پیچھے پوزیشنیں سنبھالنے کا حکم دیا۔ بھارتی فوجیوں کی تعداد خاصی تھی اور ٹرک تباہ ہونے کے باوجود ان کے پاس اچھا خاصا اسلحہ تھا۔ وہ ذرا سی ہمت سے کام لیتے تو بہ آسانی ہمیں گھیر سکتے تھے مگر ان میں حوصلہ ہی تو نہیں تھا ورنہ کمزوروں پر یہ ظلم کیوں کرتے۔ میں نے افسوس سے ان عورتوں کو دیکھا جو اپنی متاع عزت گنوا چکی تھیں، ان میں سے بیشتر کے لباس پھٹ گئے تھے۔ وہ اپنی برہنگی چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ان سے بات کرتے ہوئے کمار کے چہرے پر کسی قدر اطمینان نظر آنے لگا تھا یعنی کوئی اچھی خبر تھی اس کی تصدیق بھی ہو گئی، اس نے مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتایا۔

''ان عورتوں کا کہنا ہے کہ جب فوج کی آمد کے آثار نظر آئے تو ان کے گھر والوں نے ان کو جنگل میں چھپا دیا۔ فوج نے آتے ہی بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی تھی پھر لاؤڈ اسپیکر پر بستی والوں کو حکم دیا کہ ایک گھنٹے کے اندر بستی سے نکل جائیں اس کے بعد جو بستی میں ہوا اسے گولی مار دی جائے گی۔ بستی کے لوگ افراتفری میں نکل بھاگے۔ فوجیوں نے اندر گھس کر پیچھے رہ جانے والوں کو قتل کیا اور بستی کو آگ لگا دی۔''

''یہ عورتیں کیسے ان کے ہاتھ آئیں؟''

''ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ بدقسمتی سے چند فوجی جنگل کی طرف آئے۔ انہوں نے عورتوں کو دیکھ لیا۔ سب کو بلا لیا اور اس کے بعد.....'' کمار کا لہجہ دھیما ہو گیا۔

''فکر مت کرو۔ ہم نے ان کو صحیح ضرب لگائی ہے۔ میرا خیال ہے ان میں سے نصف تو مارے جا چکے ہیں۔''

''آدھے ابھی باقی ہیں۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''وہ ہمارے لئے خطرہ ہیں، ان کی تعداد اتنی ضرور ہے کہ وہ ہمیں گھیر سکتے ہیں۔ کاش تمہارا آدمی فائر کرنے میں جلدی نہ کرتا تو ان میں سے کوئی بچ کر نہ جاتا۔''

''اب کیا کر سکتے ہیں؟'' وہ پھر شرمندہ ہو گیا۔

''یہاں سے نکلو۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیں گھیر لیں۔ بستی والے کس طرف گئے ہیں؟''

''عورتوں نے بتایا ہے نصف سے زیادہ لوگ پہلے اوپری بستی کی طرف جا چکے تھے، باقی بھی اس طرف گئے ہوں گے۔''

ان عورتوں کے گھر والے؟'' میں نے پوچھا۔'' کیا وہ ان کو ایسے ہی چھوڑ کر چلے گئے؟''

''شاید یا وہ منتظر ہوں کہ فوجی جائیں تو اپنی عورتوں کو لے جائیں۔''

''وہ اپنے اس فیصلے پر ساری عمر پچھتائیں گے۔'' میں نے عورتوں کو گنتے ہوئے کہا۔'' یہ تو کل چھتیس عورتیں ہیں، باقی چوبیس کہاں گئیں؟''

''ان میں سے بارہ تیرہ کی لاشیں میدان میں بکھری ہیں اور باقی جنگل میں فوجیوں کے ہاتھوں ماری گئیں۔ انہوں نے آبرو گنوانے سے انکار کر دیا تھا۔''

''کس طرف ہے دوسری بستی؟''

اس نے شمال کی طرف اشارہ کیا۔'' بستی کے اس پار۔''

''چلو، سب وہیں ہوں گے، مدھو موہن کا مندر کس طرف ہے؟''

''وہ بھی اُسی طرف ہے۔''

''بس تو چلو دیر مت کرو۔ اپنے آدمیوں کو بلا لو۔ ان میں سے ایک ایمونیشن بکس اٹھا لے۔ عورتوں سے کہو زخمی اور بے ہوش عورتوں کو اٹھائیں۔''

کمار نے ہنگامی روانگی کے احکامات جاری کیے۔ روشنی پھیل چکی تھی اور اب ہم چھپ بھی نہیں سکتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چند منٹ کے اندر ہم اس کھنڈر سے روانہ ہو چکے تھے۔ بیتو ہمارے ساتھ تھا اس نے مستعدی سے ایمونیشن بکس اپنی کمر پر اٹھالیا تھا۔ مرد پسپا دیتے ہوئے ساتھ چل رہے تھے جبکہ عورتوں نے بے ہوش اور زخمی عورتوں کو اٹھا رکھا تھا۔ وہ اس طرح کہ چھ عورتوں نے ایک عورت کو اٹھا رکھا تھا۔ ویسے ان کو عورتیں کہنا مناسب نہیں تھا۔ وہ سب چودہ سے بیس برس کے درمیان کی تھیں، ان میں سے چند ایک ہی پچیس سے اوپر کی تھیں اور دو عمر رسیدہ لگتی تھیں۔ سختی حالات کی وجہ سے یہاں عورت شاید تیس برس کے بعد بوڑھی شمار ہوتی ہوں گی۔

جلتی بستی کے شعلے اب بجھ رہے تھے اور دن کی روشنی میں دھواں واضح ہونے لگا تھا۔ بستی پر کامیابی سے شب خون مارنے والوں نے اپنی ایک غلطی سے اس کامیابی کو غارت کر دیا تھا اور ان میں سے کم سے کم نصف موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ انہوں نے بستی والوں کو ہانک کر بستی کو آگ لگانے کو مشن کی تکمیل سمجھا۔ نہ جانے دوسرے دستوں نے ان کو کیوں ان قباکیوں کے بارے میں نہیں بتایا تھا جو مسلح تھے اور بستی کی طرف آ رہے تھے۔ ممکن ہے کہ بتایا ہو مگر طاقت کے نشے میں چور بدمست رنگ رلیاں مناتے ہوئے انہوں نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہ دی ہو اور اس کا خمیازہ بھگتا تھا۔ ہم ذرا آگے بڑھے تو زیادہ پیچیدہ پہاڑی سلسلہ سامنے آ گیا تھا۔ کمار نے بلندی کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ تیسرے پہاڑی سلسلے کے پیچھے دوسری بستی ہے۔"

دوسری اور تیسری پہاڑی دیوار مکمل طور پر برف سے ڈھکی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "مدھوموہن کا مندر کہاں ہے؟"

"اس پہلی دیوار کے عقب میں۔"

"اور یہ مدھوموہن صاحب تھے کون؟"

"اس علاقے کا ایک راجا تھا، انگریزوں کے دور سے پہلے کا۔ اپنی راجدھانی کے لئے لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ تب عوام نے اس کے نام کا مندر بنا دیا تھا۔"

"پھر مندر کے ساتھ کیا ہوا؟"

"یہاں پاپ کے کام ہونے لگے تھے، ایک دن زلزلہ آیا اور مندر آن واحد میں ڈھیر ہو گیا۔ جو اندر تھے وہ سب مارے گئے۔ صرف دو دیوداسیاں بچی تھیں جو نردوش تھیں۔"

"دیوداسیاں، ان کا کیا ہوا؟"

"پتا نہیں، کہیں چلی گئی ہوں گی۔" کمار نے کہا۔ "میں نے کہانی اتنی ہی سنی ہے اور امکان ہے کل اتنی ہی کہانی ہے۔"

"جب مندر ملبے کا ڈھیر بن گیا ہے تو وہاں پناہ کیسے لی جائے گی۔"

"تم دیکھنا، لے جانے والے اینٹیں لے گئے ہیں دیواریں کھڑی ہیں، جن پر کسی نے لکڑی کی چھت ڈال دی تھی۔ وہ اب چرواہوں کی پناہ گاہ ہے۔"

پہلی دیوار عبور کرنے میں ہمیں ایک گھنٹا لگا تھا لیکن مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے ہمالیہ سر کر لیا ہو۔ بھوک اور تھکن سے میرا برا حال تھا۔ میں چاہتا تھا کہ مجھے کھانے کو کچھ مل جائے اور میں پڑ کر چند گھنٹے کے لئے سو جاؤں۔ اگرچہ مجھے معلوم تھا، میری یہ خواہش شاید ہی پوری ہو۔ ابھی بھارتی فوج اس علاقے میں موجود تھی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امکان یہ تھا کہ ہمارے تعاقب میں بھی ہو۔ مندر پناہ گاہ بنا ہوا تھا۔ اس کے اندر ہزاروں افراد بھرے تھے۔ جا بجا الاؤ جل رہے تھے۔ مندر کے صحن میں بھی بے شمار افراد تھے اور یہ سارے مرد تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو مرکز سے اس طرف آئے تھے۔

ایک بات مشترک تھی کہ ریاستی دہشت گردی کے خلاف سب مشتعل تھے اور انتقام کی قسمیں کھا رہے تھے۔ کمار کو دیکھتے ہی انہوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر اسے اپنی بپتا سنا رہے تھے۔ راستے میں ہمیں کوئی پہرے دار نہیں ملا تھا۔ اس کا مطلب تھا، وہ اپنی حفاظت کے خیال سے بے خبر تھے۔ تھکن کے باوجود میں نے تلاش کر کے بیتو سے کہا۔ "سنو، اگر تم میں کچھ ہمت ہے تو دس پندرہ مسلح ساتھی لو اور کسی بلند جگہ سے چاروں طرف کی نگرانی کرو۔ ممکن ہے بھارتی فوجی اس طرف آ رہے ہوں۔ تم جانتے ہو کہ وہ یہاں تک آ گئے تو کیا کریں گے؟"

"جی صاحب!" اس نے مستعدی سے کہا۔

"بس تو بندے لو اور روانہ ہو جاؤ۔ اگر کوئی بات نہ مانے تو اسے کمار کا حوالہ دینا، یہ اس کا حکم ہے، تم لوگوں کو پوری طرح مسلح ہونا چاہئے لیکن کوئی اس طرف آتا دکھائی دے تو از خود کارروائی نہیں کرنی ہے، ہمیں اطلاع دینی ہوگی۔"

"میں سمجھ گیا صاحب۔"

بیتو کے جانے کے بعد میں ایک طرف دو ستونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ کتنی ہی دیر بعد مجھے سکون سے بیٹھنا نصیب ہوا تھا۔ اس لئے بیٹھتے ہی میں سو گیا تھا۔ اردگرد بے شمار بچے تھے اور اتفاق سے نزدیک ہی ایک کمرا ان عورتوں کے لئے تھا جو اپنا کچھ نہ کچھ گنوا کے آئی تھیں۔ گھر، شوہر، ماں، باپ، بہن بھائی، اولاد یا آبرو اور اب اسے رو رہی تھیں، اس لئے بے پناہ شور تھا۔ اس کے باوجود میں سو گیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو شام ہو رہی تھی۔ کسی نے مجھے جگایا نہیں تھا اور حیران کن بات تھی کہ کمار کو میری یاد نہیں آئی تھی۔ شاید اس لئے کہ کوئی نیا بحران نہیں آیا تھا۔ البتہ بھوک سے میں فوت ہونے کے قریب تھا اس لئے میں نے خود کمار کو تلاش کیا۔ وہ مجھے مندر کے اندر ملا اور مشیروں میں گھرا تھا۔

"شہباز!" اس نے گرم جوشی سے کہا۔ "کہاں تھے؟"

"یہیں تھا لیکن چند منٹ تک کھانے کو نہ ملا تو نہیں رہوں گا، کیا سمجھے؟"

"میں سمجھ گیا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "یہ بتاؤ، ابلے ہوئے انڈے، مکھن اور باجرے کی روٹی چلے گی؟"

"دوڑے گی، بشرطیکہ اس کے بعد مجھے ایک مگ چائے مل جائے۔ سیاہ، گرم اور ہلکی سی میٹھی؟"

بیس منٹ بعد میں آسودہ سا بیٹھا تھا۔ چائے کا دوسرا مگ لے کر میں نے کمار کی طرف دیکھا۔ جس نے اپنے مشیروں کو رفع ہو جانے کو کہا۔ "میرے خدا! یہ میرا دماغ کھا گئے ہیں، اپنی تجویزوں سے۔"

"مثلاً کیسی تجویزیں؟"

"ان کا کہنا ہے ہمیں مقابلہ کرنا چاہئے۔"

"اور جب مقابلے کا وقت تھا تو بستی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔" میں نے سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے بھی یہی کہا۔''

''اور ابھی بھی موقع آیا تو یہ فرار ہونے والوں میں آگے ہوں گے۔''

''میں پریشان ہوں، اب کیا کروں؟ سرکار کا رویہ تم نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ہمیں دیوار سے لگا دیا ہے۔ ہمارے پاس فوج سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔''

''یہ دونوں نتائج درست ہیں۔''

''میں پریشان ہوں کیونکہ کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم نے جن دو آدمیوں کو میڈیا والوں سے رابطہ کرنے بھیجا تھا، ان کا کچھ اتا پتا؟''

''نہیں، ان میں سے کوئی آیا اور نہ ہی کوئی خبر ہے۔''

''ممکن ہے انہوں نے کسی سے رابطہ کیا ہو۔'' میں نے پُر امید لہجے میں کہا۔

''بھگوان کرے۔'' کمار نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں اپنے لوگوں کو راضی کر رہا ہوں کہ ہمیں اپنی آبائی وادی کا رخ کرنا چاہئے۔''

''وہ جگہ محفوظ ہے؟''

''وہ جگہ ایک قلعہ ہے۔'' اس نے فخر سے کہا۔

''آج کل جدید ترین ہتھیاروں کے سامنے قلعوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔''

''ہاں، مگر وہ جگہ بہت محفوظ ہے۔ بس ایک پل ہے، اسے تباہ کر دیا جائے تو وادی میں آمد و رفت رک جاتی ہے۔ ایک سو آدمی پوری فوج کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔''

''وادی میں دوسرے لوگ آباد ہیں، کیا وہ تمہاری آمد پسند کریں گے؟''

''ان میں اور ہم میں خون کا رشتہ ہے اور مشکل وقت میں ہم ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ ان کی خوراک کی ساری ضروریات ہم پوری کرتے ہیں، اپنے برے وقتوں کے لئے ہم وہیں اناج جمع کرتے ہیں، تم کہہ سکتے ہو کہ وہ جگہ ہمارا گودام بھی ہے۔''

''باقی لوگ جو اوپر کی بستی میں گئے، ان کا کیا کرنا ہے؟''

''ان کو ان کی جگہ رہنے دو۔''

''میں اس کے برعکس مشورہ دوں گا۔ درجنوں فوجیوں کی ہلاکت ایسی بات نہیں ہے جسے حکام نظر انداز کر دیں۔ وہ پھر آئیں گے، بھرپور طاقت اور انتقام کے جذبے سے سرشار ہو کر آئیں گے اور تم سوچ سکتے ہو کہ وہ تمہارے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ بہتر ہے سب کو لے کر وادی کی طرف چلے جاؤ اور موسم سرما وہاں پر گزارو۔ اس وقت تک یہاں معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔''

''دس ہزار افراد!'' وہ پریشان ہو گیا۔ ''وہاں اتنے لوگ کیسے آئیں گے، نہ خوراک ہے اور نہ جگہ؟''

''تم لوگ گوشت کھاتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں، ہم گوشت کھاتے ہیں۔''

''تب اپنے مویشی بھی لے چلو۔ ان کو کاٹ کر اسٹور کر لو اور سرما میں ان سے گزارہ کرو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سارے جانور!'' وہ اور پریشان ہو گیا تھا۔ ''یہ تو ہماری معاش ہیں۔''

''اوہ بھائی، جان گنوانے سے بہتر ہے بندہ بے روزگار ہو جائے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں مشکل سے آئے گی۔''

''ان کو بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ سب کو لے جاؤ مع ان کے جانوروں اور خوراک کے ذخیروں کے۔ جب وادی میں کھانے کو کچھ نہیں ہوگا تو خود جانور کاٹ کر کھائیں گے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''ابھی وقت ہے، سکیورٹی فورس کے آنے میں وقت ہے۔ تم سب کتنے دن میں وادی تک جا سکتے ہو؟''

''اس سارے لاؤ لشکر کے ساتھ دو دن لگیں گے۔''

''سب کو ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو سواریوں پر پہلے روانہ کر دو۔ جانور اور خوراک لے کر مرد پیچھے آئیں۔''

''اور مسلح افراد سب سے پیچھے رہ کر تعاقب میں آنے والوں کو روکیں۔'' اس نے میرا پلان مکمل کیا۔

''آنے والے موسم بہار تک زندہ رہنا چاہتے ہو تو یہی کرنا ہوگا۔''

اس جگہ کمار اکیلے سارے فیصلے کرنے کا مجاز نہیں تھا، خاص طور سے جب فیصلہ پورے قبیلے کے بارے میں ہو۔ اس نے مشیروں کو طلب کر لیا اور میں باہر نکل آیا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا، میں بیتو کو تلاش کرنے لگا۔ اچانک مجھے ایل ایم جی کا خیال آیا اور میں بھاگم بھاگ وہاں پہنچا تو بچے اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے اور ایک بردار اس کا ٹریگر دبا رہے تھے۔ شکر ہے میں نے گولیوں والا پٹا الگ کر دیا تھا۔ میں نے ڈانٹ کر ان کو بھگایا اور ایل ایم جی لے کر کمار کے پاس رکھ دی، واپس آ کر میں نے ایک بار پھر بیتو کو تلاش کیا۔ وہ مجھے مندر کے باہر ملا۔

''بیتو! کوئی سرکاری بندہ تو نظر نہیں آیا؟''

''نہیں صاحب!'' اس نے کہا۔ وہ اس وقت بھی مستعد نظر آ رہا تھا۔ ''میں نے دو دو آدمیوں کی دس ٹولیاں آگے بھیج دی ہیں۔ وہ نظر رکھیں گے۔ جیسے ہی کوئی اس طرف آتا نظر آیا، مجھے اطلاع مل جائے گی۔''

''اطلاع مل جائے گی، وہ کیسے؟ جادو ہے تمہارے پاس؟''

''نہیں صاحب..... یہ دیکھو۔'' اس نے مجھے ایک چھوٹی سی بانس کی نلکی دکھائی۔ اس نے منہ میں رکھ کر پھونک ماری تو بہت تیز گونجتی آواز نکلی تھی۔ اس نے رک کر دوبارہ سیٹی بجائی۔ جیسے ہی اس کی گونج ختم ہوئی مجھے ویسی ہی سیٹی دوبارہ سنائی دی۔

''اس کی آواز دور تک جاتی ہے۔ وہاں میرے جو ساتھی سنیں گے وہ اسی طرح سیٹی بجا کر آگے والوں سے خیریت کا پوچھیں گے۔''

''وہ کس طرح؟'' میں نے دلچسپی سے کہا۔ ''میرا مطلب ہے سیٹی سے سوال کیسے کرتے ہو؟''

''دوبارہ آواز کا مطلب ہے کہ سب ٹھیک ہے نا؟''

''جواب کس طرح آتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر ایک بار سیٹی بجے تو مطلب ہے خیریت اور دو بار کا مطلب ہے خیریت نہیں ہے۔''

''اگر خطرہ فوری نوعیت کا ہو تو؟''

''تو ایک لمبی سی سیٹی بجائی جاتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے خطرہ ہے۔''

''یہ سیٹی درجہ بہ درجہ ہوتی آخری آدمی تک جائے گی اور وہ جو جواب دے گا وہ اس طرح ہمیں سنائی دے گا۔'' بیتو نے بتایا، چند لمحے بعد اس کا ثبوت بھی مل گیا جب ایک ہی سیٹی سنائی دی۔

''یعنی سب خیریت ہے۔'' میں نے غور کیا۔

''جی صاحب!'' اس نے سر ہلایا۔

''تم اچھے لڑکے ہو۔'' میں نے اس کی تعریف کی۔ ''اس طرح اپنا فرض انجام دیتے رہو۔''

''شکریہ صاحب!'' وہ خوش ہو گیا تھا۔

میں واپس آیا تو کمار کابینہ کے اجلاس سے فارغ وہ چکا تھا۔ اس نے مجھے مطلع کیا۔ ''طے ہوا ہے کل صبح سویرے سب کی روانگی ہے۔''

''سب کی، ایک ساتھ۔''

''ہاں..... لیکن عورتیں، بچے اور بوڑھے آگے ہوں گے۔ تمام جانور رات کو جمع کر لئے جائیں گے اور درمیانی بستی والوں کی طرف میں نے آدمی روانہ کر دیے ہیں۔''

''اور جو بے چارے جنگل میں بھٹک رہے ہیں؟''

''ان کو بھی تلاش کیا جا رہا ہے۔''

میں نے اپنے لباس پر بھارتی فوج کی جو وردی پہن لی تھی اسے میں نے بعد میں اتار دیا تھا مگر میری جیکٹ جنگل میں رہ گئی تھی اس لئے مجبوراً فوجی جیکٹ پہننا پڑ رہی تھی حالانکہ یہ میری جیکٹ سے کہیں بہتر اور گرم تھی مگر نہ جانے کیوں مجھے اس سے چڑ ہو رہی تھی شاید میری پاکستانیت کو یہ جیکٹ چبھ رہی تھی۔ میرے پاس بھارتی فوج کی ہی جی ٹو رائفل تھی۔ اس کے چار عدد میگزین جیکٹ کی جیبوں میں، میں نے رکھ لئے تھے۔ سب سے اہم چیز دو عدد دستی بم تھے جو اوپری جیب میں محفوظ تھے۔ رات کا کھانا میں نے کمار کے ساتھ کھایا، اس میں گوشت بھی تھا مگر ظاہر ہے وہ جھٹکا کرتے تھے۔ میں نے اس سے پرہیز کیا۔ صرف مکئی کی روٹی، مکھن اور پنیر لیا تھا۔ ''تم گوشت کیوں نہیں کھا رہے؟''

''بس ایسے ہی دل نہیں چاہ رہا۔'' میں نے بہانہ کیا۔

''چھپا رہے ہو۔'' وہ مسکرایا۔ ''میں نے سنا ہے تم مسلمان خاص طریقے سے جانور مار کر اس کا گوشت کھاتے ہو، اور کسی جانور کا گوشت نہیں کھاتے۔''

''یہی بات ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''ہم اسے ذبح کرنا کہتے ہیں، جانور کے گلے کی تینوں نسیں کاٹ دیتے ہیں اور وہ خون بہنے سے مر جاتا ہے۔''

''ہم ایک جھٹکے سے اس کی گردن اڑا دیتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس سے خون جسم کے اندر رہ جاتا ہے اور وہ گوشت بھی خراب کر دیتا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' کمار بولا۔ ''آج رات تم آرام کر لو۔''

''کمار!'' میں نے کپڑے سے ہاتھ صاف کئے۔ ''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میرا خیال ہے اب تمہیں کوئی بھی فوری خطرہ نہیں ہے اس لئے مجھے اجازت دو۔''

''تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے؟'' اس نے ہچکچا کر کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ جتنا آگے جاؤں گا، میری واپسی اتنی ہی مشکل ہوتی جائے گی۔''

کمار نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس لئے بہتر ہے مجھے جانے کی اجازت دو۔''

''دل تو نہیں چاہ رہا ہے مگر میں زبردستی تمہیں روکنا بھی نہیں چاہتا۔'' کمار نے سرد آہ بھری۔ ''تم نے ذرا سی دیر میں مجھے اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ میرے ساتھی بھی تمہارا احترام کرنے لگے ہیں۔''

''حالانکہ وہ ابھی بھی مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔''

''ان میں سے کچھ ہی ہیں جو خوش نہیں ہیں کہ میں تمہاری تجاویز پر کیوں عمل کر رہا ہوں۔''

''کمار مجھے نہ صلے کی تمنا ہے اور نہ ہی کسی کی تنقید کی پروا ہے۔ میں حالات کے دھارے پر بہتا سیلانی آدمی ہوں جو تمہارے پاس آ گیا۔ میں نے جو کیا اسے ایک طرح سے میری مجبوری بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ مجھے اپنی جان بچانی تھی، اس لئے میں نے تمہاری جان بھی بچائی اور جو ممکن ہو سکا کیا۔''

''کیا سکیورٹی والے تمہارے بھی پیچھے ہیں؟''

''کنور میرے بھی پیچھے ہے لیکن اس کی وجوہات دوسری ہیں۔ ان کو ایک خاص مرض کے علاج کے لئے میرا خون درکار ہے۔''

''بڑے کنور کے مرض کے علاج کے لئے۔'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''تم جانتے ہو؟'' میں چونکا۔

اس کے بارے میں تو بچہ بچہ جانتا ہے۔ اسے سانپ نے ڈس لیا تھا، نہ جانے سانپ کا کیا حال ہوا ہو۔'' کمار نے نفرت سے کہا۔ ''یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ سانپ کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔''

''یہ تم نے درست کہا۔ مگر راج کنور کو بھی کم مت سمجھو۔''

''درست کہا تم نے۔ وہ اپنے بھائی کا بھی باپ ہے حرامی پن میں۔ مجھے یقین ہے قبائل کے خلاف سازش اس نے کی ہے۔ وہ جنگلوں پر قبضے کے لئے بے تاب ہے۔''

''ان جنگلوں میں کوئی اور شے بھی پائی جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جنگل کٹائی کا ٹھیکہ تو وہ سرکار سے بھی لے سکتا ہے اس کے لئے اتنی بڑی سازش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''ان پہاڑوں سے قیمتی پتھر نکلتے ہیں۔''

''ہیرے!'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں، ہیرے ہوتے تو اس پر سرکار کا پہرا ہوتا۔ دوسرے درجے کے قیمتی پتھر ہیں۔ جو ویسے ہی پڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مل جاتے ہیں۔" اس نے بتایا۔ "چرواہے شہر سے آنے والے بیوپاریوں کو بیچ دیتے ہیں۔ اچھے پتھر کے بیس تیس روپے مل جاتے ہیں۔"

"بیس تیس روپے!" میں نے حیرت سے کہا۔ "دوسرے درجے کے اچھے پتھروں کی قیمت بھی ہزاروں میں ہوتی ہے۔"

"تم جانتے ہو پیدا کرنے والے کو سب سے کم ملتا ہے۔ ہمارے جانوروں کے خریدار وہ ہیں جو مال دبئی بھیجتے ہیں۔ میں جانتا ہوں، وہ ہمیں اس قیمت کا دسواں حصہ دیتے ہیں جو اُن کو دبئی سے ملتی ہے۔"

"مقامی مارکیٹ میں صورتِ حال اور بری ہوگی؟"

اس نے سر ہلایا۔ "تبھی میرے آدمی دبئی والوں کو ترجیح دیتے ہیں۔"

"تب ممکن ہے کہ ان پہاڑوں میں اوّل درجے کے جواہر موجود ہوں۔ تبھی کنور خاندان تم لوگوں کو یہاں سے نکال کر ان پر قبضے کے لئے بے تاب ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی کوشش میں اس حد تک ضرور کامیاب ہو گئے ہیں کہ انہوں نے ہمیں اس علاقے سے نکال دیا ہے۔ ہم وہاں جانے پر مجبور ہو گئے ہیں، جہاں سے آئے تھے۔"

"کمار تمہاری کامیابی کی ایک ہی صورت ہے تم کسی طرح سرکار سے تصادم سے بچ جاؤ۔"

"بہت مشکل ہے۔ تم نے دیکھا، سرکار خود تصادم پر تلی ہوئی ہے۔"

"ہاں مگر سرکار پر دباؤ ڈالنے کے بھی طریقے ہیں۔ یہ بتاؤ تم لوگ انتخابات میں ووٹ ڈالتے ہو۔"

اس نے سر ہلایا۔ "عام طور سے رائے بہادر لبیر سنگھ ٹھاکر اس علاقے سے ایم این اے بنتا ہے۔ اس کا کوئی گرگا ایم پی اے بنتا ہے۔ وہ ایک نیشنلسٹ پارٹی کا لیڈر ہے۔"

"کنور خاندان سے اس کے کیسے تعلقات ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ گزشتہ الیکشن میں کنور خاندان نے اس کی حمایت نہیں کی تھی ان کا رجحان بی جے پی کی طرف ہو گیا ہے۔"

"یعنی ایم این اے لبیر سنگھ ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ، عورتوں اور بچوں کو لے کر جاؤ۔ اس کے سامنے واویلا کرو۔ پھر ہوشیاری سے اپنے ووٹوں کے ذریعے بلیک میل کرو۔"

"میں سمجھ گیا۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے اس مسئلے سے نکلنے کی ایک راہ دکھا دی۔ میں ایسا ہی کروں گا اور میں اسے منا بھی لوں گا۔ گزشتہ بار وہ خود پتاجی سے ملنے آیا تھا ووٹ مانگنے کے لئے۔"

"اسے اتنا آسان مت سمجھو۔ اس ریاست کا تو مجھے نہیں پتا..... لیکن مرکز میں بی جے پی کی حکومت ہے۔ اس لئے لبیر سنگھ بھی صرف احتجاج کر سکتا ہے۔"

"ریاست میں ایک اتحاد حکومت کر رہا ہے۔ جس میں لبیر سنگھ کی پارٹی بھی شامل ہے۔"

"تو اسے استعمال کرو۔ میرا خیال ہے پولیس کے بجائے فوج اس وجہ سے آپریشن میں ملوث ہے کہ کنور خاندان کا تعلق بی جے پی سے ہے اور وہ مرکز میں اقتدار رکھتی ہے اور فوج اس کے قابو میں ہے۔"

"درست..... اس وجہ سے پولیس ہمیں نظر نہیں آئی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر یہ تشویش ناک بات ہے۔ اگر اس میں مرکزی حکومت ملوث ہے تو وہ تم لوگوں کو دہشت گرد یا علیحدگی پسند بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے گی۔"

"مگر ہم نہ تو دہشت گرد ہیں اور نہ علیحدگی پسند۔"

"یار، بات تو ان کی ہے، حکومت اور میڈیا پر ان کا کنٹرول ہے اور بھارت ویسے بھی علیحدگی کی تحریکوں کے لئے مشہور ہے۔ کشمیر سے آسام تک کم و بیش پندرہ تحریکیں چل رہی ہیں۔ تم لوگوں کے بارے میں یقین کر لیا جائے گا اور تم لوگ یک دم عوام اور میڈیا کی ہمدردیوں سے محروم ہو جاؤ گے۔"

"یہ بھی ہے۔"

"اس لئے جو کرنا ہے فوراً کرو۔ میرا خیال ہے اپنے آدمیوں کا ایک وفد ابھی بھیج دو۔ چار پانچ ہوشیار سفارت کار بعض اوقات وہ کام کر جاتے ہیں جو ہزاروں کی فوج بھی نہیں کر سکتی ہے۔"

کمار اس کام میں لگ گیا اور میں نے سو جانا مناسب سمجھا۔ کل تک میں نے جو بھاگ دوڑ کی تھی، اس سے مجھے تھکن ضرور ہوئی تھی لیکن کسی بھی مرحلے پر مجھے کمزوری کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا خون نکالنے سے مجھ میں جو کمزوری پیدا ہوئی تھی وہ دور ہو چکی تھی۔ اندر مندر کے ایک مردانے کمرے میں، میں نے بھی اپنے لئے جگہ بنائی اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ میرا ارادہ صبح سویرے یہاں سے نکل جانے کا تھا۔ میں دن میں سفر کر کے یہاں سے کسی محفوظ جگہ نکل جاتا اس کے بعد آگے کسی پبلک ٹرانسپورٹ سے بھی سفر کر سکتا تھا۔ میں امرتسر تک پہنچ جاتا تو وہاں سے سرحد عبور کرنے کی کوئی سبیل نکال سکتا تھا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری آنکھ دھماکے سے کھلی، ایسا لگ رہا تھا جیسے قیامت آ گئی ہو، ایسا شور تھا۔ سب بیک وقت اٹھے۔ ہا عورتوں، مردوں اور بچوں کے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ فوج نے حملہ کر دیا ہے۔ مگر باہر نکلتے ہی مجھے ہیلی کاپٹر کی آواز آئی۔ مندر کے ایک طرف سے شعلے اور دھواں اٹھ رہا تھا۔ صبح نمودار ہو رہی تھی۔ بچے، عورتیں اور مرد دیوانہ وار نکل کر بھاگ رہے تھے۔ دھماکے نے مندر کی کمزور دیواروں کو ہلا دیا تھا۔ ان سے اینٹیں جھڑ رہی تھیں۔ اس اثنا میں ایک اور راکٹ آ کر عورتوں اور بچوں کے درمیان گرا تھا۔ میں نے اُن کے ٹکڑے فضا میں بلند ہوتے دیکھے اور اندھا دھند کمار کے کمرے کی طرف بھاگا۔ وہاں ایل ایم جی رکھی تھی۔ اس ہیلی کاپٹر کو اسی گن سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ یہ روسی ساختہ گن شپ تھا جو بھارتی فوج استعمال کرتی ہے۔

کمار اور دوسرے لوگ غائب تھے البتہ ایل ایم جی وہیں رکھی تھی۔ ہیلی کاپٹر گن شپ تھا اور اس میں رات کو دیکھنے کا نظام تھا۔ ورنہ حملہ کیسے کرتا؟ تو کیا پائلٹ کو عورتیں اور بچے نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس نے کیسے راکٹ مار دیا۔ یہ درندگی کی انتہا تھی۔ عام شہریوں پر کون اس طرح کے جنگی ہتھیاروں سے حملے کرتا ہے۔ مگر آج کل یہ کار خیر ان ملکوں کے حصے میں آ رہا ہے جو خود کو انسانی حقوق اور جمہوریت کا چمپئن قرار دیتے نہیں تھکتے ہیں۔ میں ایل ایم جی اور اس کے ایمونیشن بکس کو اٹھائے باہر آیا، اس اثنا میں دو دھماکے اور ہو چکے تھے۔ میں نے وسیع صحن کے ایک چبوترے پر ایم جی کا ٹرائی پوڈ رکھا۔ ہیلی کاپٹر میری نظروں سے اوجھل تھا۔ پھر میں نے آواز سے اندازہ لگایا، یہ دو ہیلی کاپٹر تھے۔ پھر میں نے بھاری مشین گن کی تڑتڑاہٹ سنی۔ راکٹ کے بعد اب ان لوگوں پر گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ مرنے والوں کی چیخیں الگ سے سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے ایل ایم جی تیار کر لی تھی اور مجھے انتظار تھا کہ کوئی گن شپ نظر آئے۔ ایک بار پھر میرا خون کھول رہا تھا۔ ان لوگوں نے درندگی کی حد کر دی تھی۔ بے گناہ لوگوں کا ایسا قتل عام۔ وہ بھی ایک فیوڈل خاندان کی فرمائش پر۔ کاش کنور میرے سامنے ہوتا تو میں اس کو بتاتا۔ دھماکے، گولیوں اور انسانوں کے چلانے کی آواز براہ راست میرے اعصاب پر لگ رہی تھی۔ ایک طرف روشنی کا دائرہ لہرایا اور میں ہوشیار ہو گیا تھا۔ یہ کسی گن شپ کی سرچ لائٹ تھی۔ عقبی صحن کی جانب سے ایک بڑا سا سیاہ پرندہ میرے سامنے آیا۔ سرچ لائٹ کی دھار اس کے منہ سے نکلنے والی زبان جیسی لگ رہی تھی۔ وہ ابھی سامنے نہ تھا اور میں اس کے پہلو کو نشانہ بنانا چاہتا تھا جہاں اس کا انجن اور ایندھن کا ٹینک ہوتا ہے۔ پھر کاپٹر ذرا سا گھوما اور میں نے ٹریگر دبا دیا۔ اتنے قریب سے نشانہ خطا جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گولیاں اس کے دھاتی جسم میں پیوست ہوئیں اور یک دم گن شپ اوپر اٹھا۔ مجھے افسوس ہوا، میں نے سامنے کے رخ سے کیوں فائر نہیں کیے۔ اس طرف شیشہ اور اس کے نیچے کنٹرول پینل ہوتا ہے۔ انسان یا پینل میں سے کسی کو بھی نقصان ہوتا تو کاپٹر ناکارہ ہو جاتا۔ میں نے فرار ہوتے گن شپ پر عقب سے بے شمار راؤنڈز چلا دیئے اور اس کی دم کے پاس سے دھواں نکلتے دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔

میں اسے نشانہ بنانے میں مصروف تھا۔ مجھے پتا نہیں چلا کب عقب سے دوسرا گن شپ گھوم کر آ گیا۔ اس کی مشین گن نے گولیوں کی بوچھاڑ کی تو میں بال بال بچا تھا۔ میں نے چھلانگ لگائی اور چبوترے کے پیچھے دبک گیا۔ یہ کوئی چار فٹ اونچا اور اتنا ہی لمبا چوڑا سنگ مرمر کی اینٹوں سے بنا تھا۔ میں اس کے عقب میں محفوظ تھا۔ گولیاں اب بھی برس رہی تھیں اور انہوں نے ایل ایم جی کا بیڑا غرق کر دیا تھا۔ اس کے ٹکڑے اُڑ کر میرے سامنے گرے تھے۔ اس لمحے کسی اور طرف سے خودکار رائفلوں سے ہیلی کاپٹر پر گولیاں برسائی جانے لگی تھیں اور وہ فوراً ہوا میں بلند ہو گیا تھا اچانک پہاڑوں کی طرف سے ایک زوردار دھماکا سنائی دیا۔ میں نے دیکھا بہت بڑا شعلہ بلند ہو رہا تھا۔ پہلا گن شپ شاید کریش ہو گیا تھا کیونکہ اس کے بعد دوسرے نے فوری طور پر راہ فرار اختیار کی تھی۔ میں نے اسے اکیلے ہی جاتے دیکھا تھا۔

''کمار مجھے مندر کے دروازے پر ملا تھا اس کا چہرہ خون سے سرخ تھا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اب بولو، ان حرام زادوں سے بات کروں؟''

''تم نے لوگ بھیج دیئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ رات کو ہی چلے گئے تھے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''دوسری اطلاع یہ ہے کہ آرمی کے دستے اس طرف آ رہے ہیں، ہمیں فوری طور پر نکلنا ہے۔''

قبائلی تہذیب اور تعلیم سے ناآشنا تھے مگر ان میں ایک قبائلی ڈسپلن تھا۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے مرنے والوں کی لاشیں ایک طرف جمع کیں اور زخمیوں کو الگ کیا۔ لاشیں مندر کے احاطے میں رکھ دی تھیں۔ ان کو جلانے یا دفنانے کا وقت نہیں تھا۔ زخمیوں کو جانوروں پر سوار کیا گیا۔ عورتیں اور بچے بھی جس حد تک ممکن ہوئے گھوڑوں پر سوار کر دیئے گئے تھے۔ باقی افراد پیدل چلنے کو تیار تھے، کمار نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز! تم ہمارے ساتھ چلو، پیچھے ابھی خطرہ ہے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ عقب میں بھارتی پیراٹروپرز پیش قدمی کر رہی تھی اور یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ کہاں ہیں؟ میں غلطی سے بھی ان کے ہاتھ آ سکتا تھا۔ اس کے بعد میرا انجام کیا ہوتا۔ یہ جاننے کے لئے کسی خاص ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر ایسا لگ رہا تھا کہ قدرت بھی مجھے ان کے ساتھ ہی رکھنا چاہتی تھی۔ میں نے کمار کی تجویز قبول کر لی۔ وہ خوش ہو گیا تھا۔ ہم بھی پیدل چلنے والوں میں شامل تھے۔ کمار اس حملے پر حیران تھا۔ میں نے تلخی سے کہا۔ ''اس میں حیرت کی کیا بات ہے، اب تم لوگ باغی ہو اور باغیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا ہے۔ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے؟''

''ہم نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔''

''بات صرف اتنی ہے کہ تم کمزور ہو۔ اور تمہارا وجود بعض طاقتوروں کو کھٹکنے لگا ہے اس لئے تمہیں صفحۂ ہستی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نابود کرنے کی تیاری کی جارہی ہے۔"

"تب ہم لڑ کر کیوں نہ مریں؟" اس نے جوش سے کہا۔

"بظاہر اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "حالانکہ اس میں بھی صرف تمہارا نقصان ہے۔"

"ہم سرکار کو بتائیں گے، ہم نے چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں؟"

"سرکار ان باتوں کو سمجھتی تو نوبت یہاں تک کیوں آتی۔ تم کن کو مارو گے، اپنے جیسے عام اور غریب انسانوں کو۔"

"ہاں اوپر بیٹھے اصل ذمے دار محفوظ رہیں گے۔"

میں سوچ رہا تھا کہ جب گن شپ نے مندر میں چھپے افراد کو تلاش کر لیا تھا تو کیا ان کو دوسری بستی میں موجود افراد کا علم نہیں ہوگا۔ میں نے اس خدشے کا اظہار کمار سے کیا تو وہ یک دم پریشان نظر آنے لگا تھا۔ "ممکن ہے، ان درندوں سے اب کچھ بعید نہیں ہے۔"

"اللہ کرے وہ پہلے نکل گئے ہوں۔"

کمار نے نفی میں سر ہلایا۔ "ان کو ہمارے بعد نکلنا تھا تاکہ راستے میں ہم مل جائیں۔"

"مندر تو پھر بھی درختوں اور جھاڑیوں کی وجہ سے کسی قدر محفوظ تھا بستی کا کیا حال ہے؟"

"وہی جو تم نے پچھلی بستی کا دیکھا تھا۔"

"پھر تو ان کا خدا ہی حافظ ہے۔"

مندر پر حملہ بظاہر خوف ناک تھا مگر مرنے والوں کی تعداد تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ زخمی سو کے قریب تھے، ان میں جن کی حالت نازک تھی وہ بیس بائیس تھے۔ باقی معمولی زخمی تھے۔ سورج نکلا تو ہم مندر سے کافی دور نکل آئے تھے، سب کو پھر سے فضائی حملے کا خوف تھا اس لئے سب کی نظریں بار بار آسمان کی طرف جارہی تھیں، وہ لوگ خچروں پر سوار تھے، وہ جلد ہم سے آگے نکل گئے۔ ان کے چہروں سے خوف و ہراس ابھی تک نمایاں تھا میرا دل دکھ سے بوجھل ہوگیا۔ چند دن میں، میں نے کتنی قتل و غارت گری دیکھ لی تھی اور دکھ یہ تھا کہ سب ہی مرنے والے عام انسان تھے، غریب اور نچلے طبقے کے۔ دو گھنٹے بعد ہمیں دائیں طرف ڈھلان سے ایک قافلہ اترتا دکھائی دیا، یہ خاصا بڑا تھا۔ میں نے کمار کی طرف دیکھا۔ "یہ درمیانی بستی کے لوگ ہیں۔"

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔ "ان میں زخمی بھی نظر آرہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے درمیانی بستی پر بھی حملہ ہوا ہے۔"

کمار نے سرکار کو چند کلاسیکل انگریزی کی گالیاں دی تھیں۔ "انہوں نے یقیناً حملہ کیا ہے۔"

گن شپ ہیلی کاپٹروں کی مدد لینے کی وجہ شاید یہی تھی کہ پیدل دستوں کو آنے میں دیر لگتی اور ان کو خدشہ تھا کہ اتنی دیر میں قبائلی روپوش ہو جائیں گے۔ میں نے کمار سے کہا۔ "میرا خیال ہے سرکار کو اس وادی کا علم ہے جہاں تم پناہ لے سکتے ہو اور پہلی بستی پر حملے کے بعد تم وہاں کا رخ کرو گے یہ بھی ان کے علم میں تھا اس لئے انہوں نے فضائی حملہ کیا تاکہ تمہاری رفتار سست ہو جائے اور فوج کے پیدل دستے تمہیں پکڑ لیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار کمار نے اپنی زبان میں کوئی گالی دی۔ ''ان کا باپ بھی اس جگہ ہم کو نہیں پکڑ سکتا۔ اگر یہ کوئی گاڑی نہ استعمال کریں اور اس جگہ گاڑی کا استعمال ممکن نہیں ہے۔''

''اگر انہوں نے بیلی کاپٹر سے دستے آگے اتار دیئے۔'' میں نے ایک اور امکان پر غور کیا۔

''ہاں، یہ ہو سکتا ہے اگر ان کو علم ہو کہ ہم کس راستے سے جائیں گے۔ سامنے نظر آنے والے درے سے نکلنے کے بعد وادی کی طرف جانے کے تین راستے ہیں۔''

دوسری بستی کے لوگ اب قریب آ گئے تھے، ان کی اور ہماری ملاقات درے کے سامنے ہوتی نظر آ رہی تھی۔ کمار کی بات درست تھی ان میں بے شمار زخمی تھے۔ خچروں، گھوڑوں اور گدھوں پر سوار تھے۔ زخمی بلند آواز سے چلا رہے تھے اور جن کے عزیز مر گئے تھے، وہ رو رہے تھے۔ درے کے سامنے یہ قافلہ ملا۔ آہ و زاری کا ایک طوفان اٹھا تھا۔ کمار بستی کے اہم افراد سے رپورٹ لینے لگا۔ چلنے والوں میں بھی کئی زخمی نظر آ رہے تھے، ان کی حالت بتاتی تھی کہ ان پر بری گزری تھی۔ ہم مشکل سے دس منٹ رکے ہوں گے۔ وقت نہیں تھا۔ دشمن تعاقب میں تھا اس لئے ماتم کرنے کی مہلت بھی نہیں تھی، کمار مشتعل واپس آیا تھا۔ ''بہت برا ہوا، کم سے کم سات سو افراد مارے گئے ہیں۔''

''میرے خدا!'' میرے منہ سے نکلا تھا۔ ''اپنے چند فوجی مرنے کا ایسا بھیانک انتقام۔''

''انتقام تو اب ہم ان سے لیں گے۔'' اس نے چلا کر کہا۔

بھارت ایک وسیع و عریض ملک ہے جس میں درجنوں مذاہب کو ماننے والی اقوام رہتی ہیں، صرف ہندومت کی درجنوں ذیلی کاسٹ ہیں اور جہاں تک دیوی دیوتاؤں کا تعلق ہے تو ان کی تعداد بھی تقریباً انسانوں کے مساوی ہے۔ حشرات الارض سے لے کر جمادات، نباتات اور حیوانات تک سب دیوتاؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ انسان کی حیثیت ان سب میں کم ہے۔ برہمن اور کھتری کو اونچی ذات کے انسانوں کا درجہ حاصل ہے جبکہ شودر جو تعداد میں ہندومت کا ستر فی صد سے بھی زیادہ بنتے ہیں، ان کو سرے سے انسانیت سے خارج کر دیا گیا ہے۔ جبکہ یہ بھارت کی کل آبادی کا نصف ہیں۔ شہروں اور دیہاتوں میں شودر کاسٹ برائے نام ہی آباد ہیں۔ درحقیقت ان کو صرف چند مخصوص کاموں کے لئے یہاں رکھا گیا ہے ورنہ ان کی اکثریت دور دراز جنگلوں اور پہاڑی علاقوں میں رہتی ہے۔ بنیادی زندگی کی سہولتوں سے دور، ان کے پاس تعلیم اور روزگار کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں۔ سخت مشقت کے بعد ان کو اتنا بھی نہیں ملتا ہے کہ دو وقت پیٹ بھر کر کھا سکیں۔ بعض علاقوں میں یہ چوہے اور سانپ کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ جانوروں کی کھالیں اتارنے کا پیشہ بھی کرتے ہیں مگر ان کو گائے کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں ہے۔

بدقسمتی سے جن علاقوں میں آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں سوائے کشمیر کو چھوڑ کر، وہ سب شودر کاسٹ کے علاقے ہیں اور ان میں سے بیشتر علاقوں کی سرحدیں تبت یعنی چین سے ملتی ہیں۔ چین سے ان کو آزادی اور اشتراکیت کے نظریات اور افکار ہی نہیں مادی وسائل بھی ملتے ہیں جن کے بل بوتے پر ان کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ صدیوں سے ظلم و جبر کی چکی میں پستے اس مظلوم طبقے نے بھارت کے سیکولر آئین سے امیدیں وابستہ کر لی تھیں مگر ان کی امیدیں جلد چکنا چور ہو گئیں۔ برسوں سے رائج استحصالی نظام نے صورت ضرور بدلی تھی مگر ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے عرصۂ حیات اور بھی تنگ ہو گیا تھا۔ مجبور ہو کر انہوں نے ہتھیار اٹھا لئے۔ آج کا انسان بے شک جاہل اور جنگلوں میں رہتا ہو مگر نئی دنیا کی روشنی اس تک کہیں نہ کہیں سے پہنچ جاتی ہے۔

جو تو میں آزادی کا راستہ اپناتی ہیں، وہ خوشی سے ایسا نہیں کرتیں، بلکہ مجبور ہو کر اس راستے پر آتی ہیں۔ سیاسی اور معاشی جبر کے ساتھ مذہبی جبر بھی اس میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جب ایک حد آ جاتی ہے تو یہ محکوم اقوام ہتھیار اٹھا لیتی ہیں۔ مجھے کمار کا قبیلہ بھی اسی طرف گامزن لگ رہا تھا۔ ممکن ہے وہ اکیلے تحریک چلانے کے بجائے پہلے سے جاری کسی تحریک کا حصہ بن جائیں۔ تبت اور نیپال کی سرحدوں کے ساتھ ہماچل پردیش کا پہاڑی علاقہ ہے، یہ کشمیر سے بھی لگتا ہے اور یہاں ایک مضبوط تحریک چل رہی ہے۔ اگرچہ یہ بہت زیادہ پُرتشدد نہیں ہے لیکن اس نے خاصے بڑے علاقے پر اپنا اثر قائم کر لیا ہے اور یہ جگہ کمار کے قبیلے کے علاقے سے زیادہ دور نہیں تھی۔

مجھے اس بات کا خدشہ بھی تھا کہ پیرالمٹریز کو ہیلی کاپٹرز کی مدد سے آگے اتار دیا گیا ہو اور وہ ہماری گھات میں بیٹھے ہوں۔ راستہ دیکھنے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بلندی سے سب نظر آتا ہے اور اتنے سارے افراد کو چھپانا ناممکن ہی تھا۔ قدرت ہماری مدد کرتی تو کرتی۔ اگر بادل آ جاتے تو پھر ہم کسی قدر محفوظ ہو جاتے اور اس وقت نکھری دھوپ نکلی تھی۔ میں نے کمار سے کہا۔ ''برف باری کا امکان نہیں ہے۔''

اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ''ہونے کو ہو بھی سکتی ہے۔ پہاڑی علاقے میں موسم ہمیشہ ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ ابھی تو کوئی امکان نظر نہیں آ رہا۔''

درے سے نکل کر ہم جس راستے پر گامزن ہوتے تھے، اس پر جا بجا برف پڑی تھی۔ مگر برف باری کو واضح طور پر کئی دن گزر چکے تھے اور اب برف پگھلنا شروع ہو گئی تھی۔ یہ علاقہ اتنا بلند نہیں تھا کہ دن میں بھی درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے رہتا اس لئے دن میں کچھ نہ کچھ برف پگھل جاتی تھی۔ البتہ اوپر دور پہاڑوں پر برف کی سفیدی کہیں زیادہ تھی اور صرف وہی جگہیں برف سے خالی تھیں جہاں برف تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ میں نے کمار سے پوچھا۔ ''وادی کہاں ہے اور یہ جگہ سمندر سے کتنی بلند ہے؟''

''اس کا تو نہیں پتا لیکن میں تمہیں ایک سادہ سا حساب بتاتا ہوں۔ سب سے نچلی بستی میں ایک ڈیڑھ مہینے سے زیادہ برف نہیں پڑتی ہے۔ دوسری بستی میں چار مہینے برف رہتی ہے اور تیسری بستی میں اس سے کچھ زیادہ دنوں تک رہتی ہے لیکن یہ وادی چھ مہینے برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ وہاں برف مارچ کے آخر میں پگھلنا شروع ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہاں اپریل میں بھی برف باری ہو جاتی ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' میں نے کہا۔ ''میرے حساب سے وادی سطح سمندر سے کم سے کم آٹھ ہزار فٹ کی اونچائی پر تھی اور اس کے گرد برف پوش پہاڑ ہوں گے اس لئے اس کی برف چھ مہینے سے زیادہ رہتی ہے۔ میں نے کمار سے ایک سوال اور کیا۔ ''رات کو ہم کہاں رکیں گے؟''

''جنگل میں۔ اس طرف غار ہیں لیکن اتنے افراد کے لئے وہ ناکافی ہوں گے۔ ان میں صرف بیمار، بوڑھے اور بچے رکیں گے۔''

''اور باقی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ کھلے میں الاؤ جلا کر رات گزارنے کی کوشش کریں گے۔'' اس نے کہا۔ ''بھگوان نے چاہا تو کل رات سے پہلے ہم وادی میں ہوں گے۔''

''وہاں اتنے افراد سما جائیں گے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہاں بڑے بڑے قدرتی غار ہیں۔ مکانات بھی ہیں مگر کم ہیں صرف خاص لوگوں کے لئے ہیں ورنہ باقی افراد غاروں میں رہتے ہیں۔''

''یعنی غریب غربا۔'' میں نے لقمہ دیا۔

وہ مسکرایا۔ ''ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے، غریب کو ایسی ہی چیزیں ملتی ہیں مگر ان غاروں میں ایک خصوصیت ہے۔ سردی میں ہی اندر سے اتنے گرم ہوتے ہیں کہ بعض اوقات تو اندر آگ جلانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی ہے۔''

واقعی یہ حیران کن بات تھی کہ اتنی بلندی پر بھی آدمی بغیر آگ کے گزارہ کر لیتا ہے۔ شام تک ہم خیریت سے سفر کرتے رہے، اس کے بعد ایک جنگل میں رکے۔ شاید داوی کی طرف جاتے ہوئے یہ جگہ ان لوگوں کا مستقل پڑاؤ تھی کیونکہ وہاں جا بجا ایسے آثار تھے جیسے وہاں انسان مسکن کرتے رہے ہوں۔ ایک طرف ڈھلان کے ساتھ غار بھی تھے عورتوں، زخمیوں اور بوڑھوں کو ان میں ٹھہرایا گیا تھا۔ مرد اور جوان عورتیں جو سردی برداشت کر سکتے تھے وہ باہر تھے۔ درختوں تلے آگ جلائی جانے لگی۔ آگ جلانے کے بعد کھانے کی فکر شروع ہوئی۔ کچھ سامان تھا جسے سب نے مل بانٹ کر کھا لیا۔ بستی سے کچھ لے کر نکلنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

دوسری بستی کی بربادی کی کہانی مجھے کمار نے الاؤ کے گرد بیٹھ کر سنائی۔ چار اور گن شپس وہاں پہنچے اور ان سے ہلاؤ رنگ اندھا دھند شیلنگ شروع ہو گئی۔ راکٹ گرے، مکانات تباہ ہوئے اور ان میں آگ لگ گئی۔ بچنے والے بھاگے اور زخمی پڑے مدد کے لئے چلاتے رہے۔ چالیس پچاس راکٹ فائر کرنے کے بعد جب بستی میں جا بجا شعلے بھڑک اٹھے تھے تو ان کی روشنی میں بھاگنے والوں پر مشین گنوں سے فائرنگ کی گئی۔ بے شمار موقع پر ہی لقمہ اجل بن گئے اور کئی ایک نے صبح دم توڑا۔ نصف گھنٹے بعد گن شپس واپس چلے گئے تھے مگر اپنے پیچھے تباہی و بربادی کی ایک داستان چھوڑ گئے تھے۔ کم سے کم سات سو افراد ہلاک اور اتنے ہی زخمی تھے۔ شدید زخمی سو کے قریب تھے اور ان میں سے بھی نصف نے راستے میں دم توڑ دیا۔

''یہ سارے راستے لاشیں چھوڑتے رہے۔'' کمار نے بوجھل لہجے میں کہا۔

''حالات اب بھی اچھے نہیں تھے۔ رات بھر میں چند اور زخمیوں نے دم توڑ دیا تھا۔ جب کوئی مرتا تھا تو اس کے لواحقین کی جانب سے رونے دھونے کا ایک شور اٹھتا تھا۔ میں ساری رات نیند سے چونکتا رہا۔ ویسے بھی اس سردی میں نیند کہاں آ رہی تھی۔ بس کبھی کبھی ذہن پر اونگھ سی آ جاتی تھی۔ صبح سویرے سب چلنے کے لئے تیار تھے کیونکہ ابھی پورے دن کا سفر باقی تھا تب کہیں جا کر قافلہ وادی میں داخل ہوتا۔ مجھے خیال آیا گزشتہ چند دن میں ایک ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے تھے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی تھی۔ دراصل دور دراز پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے دنیا کو ان ہلاکتوں کا علم نہیں تھا۔ حکومت جانتی تھی مگر وہ اسے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں اتنی ہلاکتیں اگر بمبئی یا کلکتہ جیسے بڑے شہر میں ہوتیں تو ایک تہلکہ مچ جاتا۔ ساری دنیا سے میڈیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس طرف دوڑ پڑتا اور یہاں کسی مقامی اخبار کا پرچہ نویس بھی نہیں آیا تھا۔ بے خبری سی بے خبری تھی۔ جیسا تیسا ناشتا کر کے سب چل پڑے تھے۔ تھکے جسموں اور اس سے بھی زیادہ بوجھل ذہنوں کے ساتھ۔ سب ہی گم صم تھے۔ کمار نے مجھے بتایا گزشتہ رات بائیس مزید زخمی دم توڑ گئے تھے اور اب بھی سو کے قریب افراد کی حالت خطرے میں تھی۔

"ہم ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے؟" میں نے پوچھا۔

"کوشش کر سکتے ہیں۔" اس نے سرد آہ بھری۔ "مقامی طریقے سے علاج کرنے والے کوشش کر رہے ہیں البتہ وادی میں ان کو علاج کی اچھی سہولتیں مل سکتی ہیں۔"

"بشرطیکہ وادی تک پہنچے تو۔" میں نے دل میں سوچا۔

ہم ایک درے سے گزر رہے تھے، اس کے دونوں جانب اونچے درختوں والا جنگل تھا جس پر برف کی سفیدی نمایاں تھی۔ یہ پہاڑ بہت اونچے تھے، ان کی چوٹیوں پر صرف برف کا راج تھا۔ عام طور سے نو دس ہزار فٹ کی بلندی کے بعد بڑے درخت نہیں ملتے ہیں صرف چھوٹے درخت اور جھاڑیاں ملتی ہیں، اس کا مطلب تھا کہ ان پہاڑوں کی چوٹیاں دس ہزار فٹ سے زیادہ بلند تھیں۔ ہم دو گھنٹے بعد اس درے سے نکلے اور ایک وسیع و عریض ڈھلانی میدان پر چڑھنے لگے۔ یہاں برف زیادہ تھی اور سختی سے جمی تھی اس پر بعض اوقات پاؤں پھسلنے لگتا تھا۔ اس لئے خچروں کو آگے کیا گیا۔ ان کے سموں سے برف ٹوٹ جاتی تو اس پر چلنا آسان رہتا۔

میں کمار سے ذرا پیچھے تھا، اچانک میں نے بجو کو اپنے برابر میں چلتے پایا۔ اس کا بازو زخمی تھا۔ اس پر پٹی بندھی تھی۔ "یہ کیا ہوا؟"

"جب اوپر سے پرندے نے حملہ کیا تھا تو میرا بازو بھی گھائل ہوا صاب!" اس نے بتایا۔

"تم اس وقت کہاں تھے؟"

"تھک گیا تھا صاب اس لئے سو گیا تھا۔" اس نے ندامت سے کہا جیسے حملہ اس کی غفلت کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ میں نے اس کا شانہ تھپکا۔

"تم بہت اچھے ہو اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔"

اس کا مرجھایا چہرہ کسی قدر چمک گیا تھا۔ "سچ صاب! سردار تو ہم کو گالیاں دیتا ہے۔"

"تم فکر مت کرو اسے میں سمجھا لوں گا۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں صاب!" اس نے ممنونیت سے کہا تھا۔

"بجو، جو آرمی والے ہمارے پیچھے آ رہے تھے، وہ کتنی دور تھے؟"

"اس وقت ایک گھنٹا پیچھے تھے، اب پتا نہیں۔"

میرے حساب سے فوج خاصی پیچھے رہ گئی تھی۔ اگرچہ قبائلیوں کا قافلہ تھا اس کے باوجود ان کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اب ان لوگوں کو وادی سے پہلے پکڑنے کی ایک ہی ترکیب تھی کہ پیراٹروپرز کو آگے اتار دیا جاتا اور وہ چھپ کر حملہ کرتے۔ میں نے کمار سے کہا تھا کہ وہ کچھ مسلح افراد آگے بھی رکھے تاکہ حملہ ہو تو جواب دیا جا سکے۔ اس نے کچھ جنگجو آگے رکھے تھے۔ ویسے یہ قبائلی لڑنے کے ماہر تھے۔ ان کو نیزہ اندازی آتی تھی۔ خنجر چلانے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماہر تھے۔ میں نے دیکھا، ہر نوجوان اور مضبوط مرد تیر کمان سے مسلح تھا۔ بعض افراد ٹولیوں کی صورت میں ذرا دور جنگلوں میں سفر کر رہے تھے کہ وہاں کوئی حملہ آور چھپا ہو تو بیشگی اطلاع مل جائے۔

☆=====☆=====☆

دوپہر کو ذرا دیر کے لئے رکے، میں نے مٹھی بھر کچی لی تھی، اسے کچا چبا کر حلق سے اتارا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اس علاقے میں پانی کی کمی نہیں تھی جا بجا چشمے بہہ رہے تھے۔ جن کا پانی آب حیات سے کم نہیں تھا۔ میں نے جب پانی پیا جسم و جان میں ایک نئی تراوٹ آ گئی تھی۔ سہ پہر کو جب ہم ایک ڈھلان عبور کر رہے تھے میں نے اس سیٹی کی آواز سنی جو میں نے بجو کے پاس دیکھی تھی، یہ لمبی سیٹی تھی اور اس کا مطلب تھا شدید خطرہ ہے سب یک دم رک گئے تھے۔ کمار نے قیچ کرنے والوں کو درختوں اور پتھروں کی آڑ میں زمین پر لیٹ جانے کا حکم دیا۔

میں خود بھی اپنی گن سنبھالتا ایک پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔ خطرہ نہ جانے کس طرف سے تھا۔ میں نے قافلے میں سے اس سیٹی کی آواز سنی، وہ رہ رہ کر گونج رہی تھی شاید یہ سوال تھا اس کا جواب گونج ختم ہونے کے بعد آیا۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ مصیبت تھی سیٹی دو سیکنڈ کے لئے بجاؤ تو دس سیکنڈ تک اس کی گونج سنائی دیتی تھی۔ جواب آتے ہی سب نے سامنے کی طرف رخ کر کے آڑ لے لی۔ گویا خطرہ سامنے کی جانب سے تھا اس کے ساتھ اوپر کی طرف جنگل کے اندر ڈھلان پر فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ مگر یہ فائرنگ ہم پر نہیں ہو رہی تھی۔

میں تیزی سے آگے بڑھا اور کمار سے کہا۔ "قافلے والوں کو بائیں طرف درختوں کے پیچھے لے جاؤ۔"

میرے ساتھ دس پندرہ مسلح افراد آگے بڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سب کو اشارے سے پھیل جانے کو کہا پھر مجھے بجو نظر آیا، میں نے اسے اپنے پاس بلا لیا تاکہ وہ میری بات کا ترجمہ کر سکے۔ "اپنے ساتھیوں سے کہو درخت کی آڑ میں رہیں اور ایک ایک کر کے آگے بڑھیں، سب ایک ساتھ مت بھاگیں۔"

اوپر سے سیٹیوں کی آواز مسلسل آ رہی تھی اور فائرنگ کا شور بڑھ گیا تھا۔ بجو نے میرا حکم قبائلیوں کو پہنچا دیا تھا۔ اٹھتیس ہتھیاروں سے مسلح قبائلی اس طرف آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تعداد پچاس سے زیادہ ہو گئی تھی۔ میں نے دوسرا حکم دیا۔ "ایمونیشن ضائع نہیں کرنا ہے ہر گولی سوچ سمجھ کر چلانی ہے۔ ہمارے پاس گولیاں زیادہ نہیں ہیں۔"

کمار نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھتیس اسلحے سے لیس افراد کو میرے چارج میں دے دیا تھا اور خود وہ تیر کمان سے لیس افراد کی کمان کر رہا تھا۔ اہل قافلہ تیزی کے ساتھ بائیں طرف کے جنگل میں غائب ہو رہے تھے اور وہیں سے کمار اور اس کے تیر انداز ساتھی پوزیشن سنبھال کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو حریہ پھیلنے اور اوپر تک جانے کا حکم دیا۔ بجو کی وجہ سے مجھے اشارے کرنے سے نجات مل گئی تھی۔ وہ حریہ پھیلنے لگے اور اوپر تک جانے لگے۔ اوپر سے فائرنگ کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔

"بجو! جب تک میں فائر نہ کروں، کوئی فائر نہ کرے۔ ہمیں آنے والوں کو گھیرنا ہے۔ ان سے کہو کہ دائرے میں پھیل جائیں اور دشمن کو آگے آنے دیں۔"

وہ سب ایک کمان کی صورت میں پھیلنے لگے۔ مجھے خدشہ تھا کہ جنہوں نے آنے والوں کو دیکھ کر اطلاع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی تھی اور مزاحمت کی تھی وہ مارے جا چکے تھے۔ کوئی پندرہ منٹ بعد اوپر سے نقل و حرکت نظر آنے لگی۔ ''سب چھپ جائیں، بالکل ساکت رہیں، اپنی موجودگی کا احساس نہ ہونے دیں۔'' میں نے حکم دیا۔

آنے والے سیاہ پوش تھے اور بہت ماہرانہ اور تربیت یافتہ انداز میں آ رہے تھے، ان کی حرکت اتنی تیز تھی کہ ان کو نشانہ بنانا دشوار تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایک خاص حد سے قریب آتے۔ وہ ایک کے بعد ایک حرکت کر رہے تھے۔ وہ مجھے کمانڈو لگ رہے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا، میں نے کہیں بلیک کیٹ کمانڈوز کے بارے میں پڑھا تھا ان کو خاص طور سے بھارت میں جاری آزادی کی تحریکوں کو کچلنے کے لئے تشکیل دیا گیا تھا۔ یہ لوگ قتل و غارت گری کے ماہر اور بے حد سفاک ہوتے ہیں۔ چھلاوے کی طرح آتے اور اپنا کام کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کسی پر رحم نہیں کرتے ہیں۔ خاص طور سے کشمیر میں ان کی سفاکی کی داستانیں عام تھیں، کچھ عرصہ پہلے امریکی صدر کی آمد کے موقع پر کشمیر میں سکھوں کے قتل عام میں بھی اسی تنظیم کو ملوث بتایا جا رہا تھا۔

اگر یہ بلیک کیٹ کمانڈوز تھے تو ان کا مقابلہ یہ بے چارے قبائلی کسی صورت نہیں کر سکتے تھے ان کو بس رائفل اور پستول چلانا آ گیا تھا اور گوریلا جنگ کے نام سے بھی نا آشنا تھے۔ ان کمانڈوز نے جتنی پھرتی سے آگے موجود افراد کو ختم کیا تھا اس سے ان کی پیشہ ورانہ مہارت کا اچھی طرح اندازہ ہوتا تھا۔ ان کو کسی ہیلی کاپٹر نے پہاڑ کی چوٹی پر اتار دیا ہوگا اور وہاں سے یہ ہمارا راستہ روکنے کے لئے آئے تھے۔ بلیک کیٹ کے میدان میں آنے سے واضح تھا کہ بھارت سرکار نے ان بے گناہ قبائلیوں کو پوری طرح کچلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دس ہزار افراد کے ایک قبیلے کا صفحۂ ہستی سے نابود ہو جانا اتنی اہم بات نہیں خاص طور سے اس لئے کہ وہ ذات کے شودر تھے۔ ''بیتو، اوپر والوں سے کہو اور اوپر جانے کی کوشش کریں۔ جہاں سے وہ ان لوگوں کو بہتر طریقے سے نشانہ بنا سکیں۔''

بیتو نے میرا حکم اوپر تک پہنچایا، آنے والے اب دو سو گز سے ذرا اوپر تھے۔ ان کے انداز میں اعتماد اور پھرتی تھی۔ ان کو پتا تھا کہ نیچے مسلح افراد ان کے منتظر ہیں اس کے باوجود ان کی بے فکری قابلِ رشک تھی۔ میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ان کی تعداد کتنی تھی۔ وہ خاصا پھیل کر آ رہے تھے۔ اس لئے یہ اندازہ خاصا دشوار ثابت ہوا تھا۔ بہر حال میں نے اندازہ لگایا کہ ان کی تعداد تیس سے چالیس تک تھی۔ وہ ایک پلاٹون تھی۔ ہماری تعداد ان سے دوگنا ضرور تھی۔ اس کے باوجود میرا اب بھی یہی خیال تھا کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں ان کے سو گز کے اندر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں اس کمان کے بائیں پہلو پر تھا جو اوپر سے نیچے پھیلی تھی۔ میں نے ایک درخت اور اس کے ساتھ چٹان کے درمیان پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ سورج ابھی اوپر تھا اور اس کی روشنی کافی تھی مگر دو گھنٹے بعد سورج ڈوبتے ہی تاریکی چھا جاتی۔ آنے والوں کے پاس نائٹ وژن گاگلز کی موجودگی لازمی تھی، اندھیرے میں ان کے لئے یہ جنگ جیتنا بہت آسان ہو جاتا پھر وہ دن کی روشنی میں کیوں اترے؟

اس سوال کا جواب الہام کی طرح آیا تھا۔ تاریکی پھیلنے تک قافلہ وادی تک پہنچ جاتا اور وہاں اس پر حملہ کرنا دشوار ہو جاتا۔ اس لئے یہ کمانڈوز اتارے گئے تھے۔ ممکن ہے ان کا کام قافلے کو آگے جانے سے روکنا ہو تاکہ رات ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی عقب سے عام فوج بھی آ جاتی پھر اہلِ قافلہ دو طرف سے مار کی زد میں آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے، میں نے اوپر دیکھا چالاک کمانڈوز نے اپنی پیش قدمی روک دی تھی۔ صاف ظاہر تھا وہ دیکھتے آئے تھے اور انہوں نے ہماری پوزیشنیں دیکھ لی تھیں۔ اس لئے اب وہ مزید آگے سے گریز کر رہے تھے۔ ان کی حکمت عملی وہی تھی جو میں نے سوچی تھی۔ ہمیں روکنا اور رات ہونے کا انتظار کرنا۔

کمار دوسری طرف ڈھلان کے جنگل میں تھا اور درمیان میں ایک برساتی نالا تھا جس میں ہم سفر کر رہے تھے، یہ تیس چالیس گز چوڑا تھا مگر اس میں کوئی جھاڑی یا درخت نہیں تھا جو رکاوٹ فراہم کرتا۔ جو بھی اسے عبور کرنے کی کوشش کرتا، وہ لازماً اوپر والوں کی زد میں آ جاتا مگر کمار تک یہ پیغام پہنچانا لازمی تھا۔ میں نے اپنے برابر میں لیٹے بیتو سے کہا۔

''سنو، تمہیں سردار تک ایک پیغام لے کر جانا ہے۔''

''میں ابھی جاتا ہوں صاب!'' اس نے مستعدی سے کہا۔ ''کیا کہنا ہے سردار سے؟''

''اسے بتاؤ کہ یہ لوگ ہمیں دھوکا دے رہے ہیں، یہ حملہ کرنے نہیں بلکہ ہمیں روکنے آئے ہیں تاکہ رات ہو جائے اور ہمارا تعاقب کرنے والی فوج آ جائے۔ کمار سے کہو، یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے۔''

''میں ابھی جاتا ہوں۔'' وہ کھڑا ہوا تھا کہ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر گرا لیا۔

''احمق اس طرح نہیں۔ چھپ کر زمین سے لگ کر جاؤ اور یہ نالا پیچھے جا کر عبور کرنا۔ اِدھر تو یہ گولی ماردیں گے۔'' اس نے سر ہلایا اور غائب ہو گیا۔ چند لمحے بعد مجھے دائیں طرف موجود شخص کی چیخ سنائی دی، وہ زمین پر گر کر ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور اسی لمحے فائر کی آواز گونجی۔ گرنے والے کے سر سے خون کا فوارہ بلند ہو رہا تھا اسے اوپر سے کسی شاپ شوٹر نے نشانہ بنایا تھا۔ کمانڈوز عام طور سے اسنائپر رائفل استعمال کرتے ہیں، میں چلایا۔ ''سب درختوں کے پیچھے ہو جاؤ، سرمت نکالنا۔''

میری بات ان کی سمجھ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو لیکن وہ مرنے والے کے انجام سے سمجھ گئے تھے، سب درختوں اور پتھروں کی آڑ میں دبک گئے۔ میرے پاس جی تھری رائفل تھیں یہ خودکار تھی مگر مینوئل موڈ پر ہی کام کرتی تھی۔ میں نے اسے سنگل شاٹ پر کیا اور احتیاط سے اس کی نال درخت اور چٹان کے درمیان میں رکھی۔ اس سے ذرا آگے چٹان کی جڑ سے ایک پودا نکلا ہوا تھا۔ سردی میں یہ خشک اور بے جان ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی شاخیں دائیں بائیں کرتے ہوئے اس کے درمیان سے نال نکالی۔ اصولاً تو مجھے یہ حماقت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ اوپر کئی اور نشانے بازوں کی موجودگی عین ممکن تھی جو اپنی رائفلوں پر لگی دوربینوں سے نیچے دیکھ رہے ہوں گے اور کسی کا ذرا سا سر نظر آیا اور انہوں نے اڑا دیا مگر مجھے حماقت کی عادت پڑ چکی تھی۔ میں نے آنکھوں کی مدد سے اوپری جنگل کھنگالنا شروع کر دیا۔ میرا سر ساکت تھا اور میں صرف آنکھوں کو گردش دے رہا تھا۔ بالآخر مجھے کوئی ڈیڑھ سو گز اوپر ایک درخت کے عقب سے جھانکتی رائفل نظر آئی۔ رائفل کیا نظر آئی اس پر لگی دوربین کے شیشوں کی چمک نے مجھے سراغ دیا تھا۔ اوپر درختوں سے چھن کر آتی دھوپ کبھی پڑتی تو چمک نمایاں ہوتی تھی۔ میں نے نال بتدریج اس طرف کی۔ میں چمک کا نشانہ لینا چاہ رہا تھا جب مجھے یقین ہو گیا تو میں نے انتظار کیا اور چمک نظر آتے ہی فائر کر دیا۔ اوپر سے نشانہ بننے والے نے چیخ ماری۔ جب وہ اچھلا تو مجھے اس کی سیاہ وردی نظر آئی تھی، فوراً ہی اوپر سے کئی گولیاں دوسری طرف آئیں اور میں آڑ میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو نہ جانے کہاں تھا، وہ بچ گیا تھا یا نہیں؟ اس کا کمار کے پاس پہنچنا لازمی تھا۔ سورج تیزی سے مغرب کی طرف گامزن تھا۔ پہاڑوں میں سورج کی روشنی ویسے ہی جلدی غائب ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ اندھیرا ہونے کے بعد ہم ان کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ہمیں جو کرنا تھا اس سے پہلے ہی کرنا تھا۔ قبائلی اس بار ہوش سے کام لے رہے تھے اور سوائے ایک آدمی کے کسی نے کوئی حماقت نہیں کی تھی۔ ہم جس جگہ تھے وہ مغرب کی طرف تھی اور دشمن مشرق کی طرف تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ ابھی سورج غروب ہوتے وقت روشنی ان کی طرف ہو گی اور ہم اس سے محفوظ ہوں گے تو کیا اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ ذرا دیر غور کے بعد میرے ذہن میں ایک پلان آیا تھا۔ مگر اس کے لئے ضروری تھا میں اپنے آدمیوں کو سمجھاتا اور وہ اردو نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا، مجھے بیتو کے بجائے پیغام دے کر کسی اور کو بھیجنا چاہئے تھا۔ بیتو میرے پاس ہوتا تو میں ان کو اپنی بات سمجھا سکتا تھا۔ پھر بھی میں نے ان کو اشاروں سے کہا کہ جیسے ہی سورج عقب میں آئے، انہوں نے پیچھے ہٹنا تھا اور چند افراد کو آگے موجود رہنا تھا تاکہ کمانڈوز کو کچھ دیر روکیں۔ ان کے بچنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا مگر ان کو یہ قربانی دینا تھی۔

میرا پلان بہت سادہ تھا جب سورج کی ڈوبتی کرنیں بلیک کیٹس کی آنکھوں میں پڑ رہی ہوتیں تو اس سے فائدہ اٹھا کر ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا تھا اور خشک نالا پار کر کے جنگل کے دوسرے حصے کی طرف چلے جانا تھا۔ ابھی میں انتظار کر رہا تھا کہ مجھے سنسناتی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے جب درخت کی اوٹ سے ذرا سا جھانکا تو مجھے نالے کے پار والے جنگل سے بے شمار تیر نکل کر دوسری طرف جاتے دکھائی دیئے، اس طرف کمانڈوز موجود تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ تیروں کے سروں پر آگ لگی تھی۔ یہ تیر سیکڑوں کی تعداد میں تھے اور ان کی بارش نے یقیناً بلیک کیٹس کو بوکھلا دیا تھا۔ ابھی پہلی باڑھ اپنی منزل پر نہیں پہنچی تھی کہ تیروں کی دوسری باڑھ نے جنگل کا رخ کیا، اس بار میں نے کسی قدر رسک کے ساتھ جھانکا اور مجھے دو عدد سیاہ پوش اپنے جسموں میں گڑے تیر نکالنے کی جدوجہد کرتے دکھائی دیئے، نیچے سے کئی رائفلیں ایک ساتھ گرجیں اور دونوں زمین پر گر گئے۔ ''وہ مارا!'' میں نے جوش سے نعرہ لگایا۔ جنگل کے اندر کا حصہ خشک تھا۔ سرما نے گھاس پودوں کو جلا دیا تھا۔ جب ان خشک پودوں اور گھاس پر جلتے تیر گرے تو انہوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ دوسری باڑھ نے زیادہ تباہی پھیلائی تھی۔ بلیک کیٹس جو سکون سے ہماری گھات میں بیٹھے تھے اچانک خود نشانے پر آ گئے تھے۔ وہ ہماری طرف توجہ دیتے یا ان تیروں کی طرف جو موت کے نامہ بر بن کر آ رہے تھے۔ تیسری باڑھ نے چند کمانڈوز کو نشانہ بنایا تو ان کی ہمت جواب دے گئی۔ ان کے کمانڈر نے چیخ کر پسپائی کا حکم دیا۔ وہ سب اٹھ کر اوپر بھاگے۔ وہ اکیلے نہیں تھے، انہوں نے اپنے زخمی اور مرنے والے ساتھی بھی اٹھا رکھے تھے۔ ان کے چند کمانڈوز کور دے رہے تھے، میں نے دہاڑ کر فائر کا حکم دیا لفٹ فائر وہ سمجھتے تھے اس لئے فوراً ہی رائفلیں گرجنے لگیں۔ دو کور دینے والے گرے تو باقیوں کو اپنے لالے پڑ گئے۔ تیر اندازی کرنے والے اور ان کا کمانڈر دونوں ماہر تھے۔ ان لوگوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ آنے والے تیروں کا رخ بھی بدلتا جا رہا تھا۔ جب بلیک کیٹس اوپر کی طرف غائب ہوئے تو ان میں سے کم سے کم ایک درجن اپنی جان گنوا چکے تھے۔

میرے ساتھی ان کے تعاقب میں جانا چاہتے تھے مگر میں نے ان کو روک دیا۔ اس اثنا میں ہانپتا بیتو بھی آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔اس کی مدد سے میں نے ان سب کو واپسی کا حکم دیا۔کمانڈوز کا تعاقب کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوتا ہمیں جلد از جلد روانہ ہو جانا تھا۔ یہ بات میں نے نالے کے دوسری طرف کمار کے پاس پہنچتے ہی کہی۔اس نے کہا۔"تم فکر مت کرو، میں نے دوسروں کو پہلے ہی بھیج دیا ہے۔میرے پاس یہ تیر انداز تھے۔"

"تم لوگوں نے کمال کر دیا۔"

"اب یقین آیا کہ ہم بھی لڑ سکتے ہیں؟" کمار مسکرا رہا تھا۔

"ہاں بابا، اب چلو، ایسا نہ ہو آگے بھی ان لوگوں نے کمانڈوز اتار رکھے ہوں۔"

"کمانڈوز!" کمار چونکا۔

"ہاں، اس بار بھارتی سینا اپنے بدنام زمانہ بلیک کیٹ کمانڈوز میدان میں لائی ہے۔جن کا کام اپنے لوگوں کو قتل کرنا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔"یہ بہت خوف ناک اور سفاک ہوتے ہیں، اگر تم نے جلتے تیروں کی بارش نہ کی ہوتی تو ان سے جان بچانا بہت مشکل ہو جاتا۔"

ہم آگے روانہ ہو گئے تھے۔اکیلے مردوں کے لئے اپنے قدموں پر تیز چلنا آسان ہوتا ہے ہم جلد ہی آگے جانے والے قافلے کے پاس پہنچ گئے۔کمار نے تیر اندازوں کو دائیں بائیں اور آگے پیچھے پھیلا دیا تھا۔میں نے اس سے پوچھا۔"تمہیں اس آتش بازی کا خیال کیسے آیا؟"

"بیتو نے مجھے بتایا تھا۔تم کس طرح گھر گئے، جو بھی اپنی اوٹ سے نکلتا مارا جاتا۔تم لوگوں کو بچانے کے لئے ان کی توجہ ہٹانا ضروری تھی، جب ہم نے دشمنوں کو بدحواس کرنا ہوتا ہے تو ہم آگ والے تیروں کی بارش کرتے ہیں۔"

"میں نے دو کمانڈوز کو آتشیں تیر کھا کر رقص کرتے دیکھا تھا۔اس آفت کا تو انہوں نے سوچا بھی نہیں ہو گا۔" میں ہنسا۔

"شہباز، ہم امن پسند لوگ ہیں۔اس حال میں بھی ہم نہیں چاہتے کہ تصادم ہو۔"

"تمہارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے اصل بات تو سرکار کے چاہنے کی ہے۔"

"یقین کرو، اگر ہم لڑنے پر اتر آئیں تو کم تعداد اور بغیر اسلحے کے بھی فوج کو نچنی کا ناچ نچا سکتے ہیں۔"

کمار نے ابھی کچھ دیر پہلے جو کامیابی حاصل کی تھی اس پس منظر میں بڑھکیں مارنا خاص بات نہیں تھی۔ میں ابھی بھی فکر مند تھا۔جب تک یہ قافلہ وادی تک نہ پہنچ جاتا ہم خود کو محفوظ نہیں سمجھ سکتے تھے۔میں نے کمار سے پوچھا۔"وادی، ابھی کتنی دور ہے۔"

"دو گھنٹے کی مسافت ہے بشرطیکہ کوئی اور نہ روک لے۔" اس نے جواب دیا گویا اس کے ذہن میں بھی یہی خدشہ تھا۔

"وادی کا کوئی نام تو ہو گا۔"

"ہاں، وادی ترجا۔" اس نے بتایا۔"ہماری زبان میں ترجا دیوتاؤں کے دیوتا کو کہتے ہیں، ہمارے پرکھوں کا عقیدہ رہا ہے کہ یہ وادی ترجا کا مسکن ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ تم ہندو ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، وہ تو ہیں لیکن ہمارے اپنے دیوتا ہیں۔ ہندومت میں ذاتی دیوتا رکھنا یا دوسرے دیوتاؤں کو ماننا لازمی یا منع نہیں ہے۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' میں نے قائل ہو کر کہا۔ ''میرا خیال ہے سوائے ذات پات کے نظام کے کوئی بھی بات لازمی نہیں ہے۔''

''ہاں، یہ نظام دیوتاؤں کو ماننے سے بھی زیادہ ضروری اور مقدس ہے۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور نچلے جنگل میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ قافلے کے لئے خطرات بڑھ رہے تھے۔ مگر رفتار میں اضافہ ممکن نہیں تھا۔ اہل قافلہ پہلے ہی اپنی ممکنہ رفتار سے چل رہے تھے۔ کم سے کم ایک گھنٹا تاریکی میں سفر کرنا تھا۔ کسی حادثے سے بچنے کے لئے پہلے ہی مشعلیں روشن کر لی گئی تھیں۔ اس وقت ہم ایک تنگ گھاٹی سے گزر رہے تھے۔

کمار نے دونوں طرف دیکھا۔ ''بس یہاں سے نکل جائیں تو پھر خطرہ کم ہو جائے گا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے، یہ گھاٹی مجھے چھپ کر حملہ کرنے کے لئے بڑی موزوں لگ رہی ہے۔''

میں نے اس کی تائید کی۔ ''چند مشین گن بردار پوری فوج کو تہس نہس کر سکتے ہیں۔''

''یہ بے چارے تو عام سے لوگ ہیں۔'' کمار نے کہا۔ ''کاش یہ حرام زادے اس کا خیال کر لیں۔''

ابھی کمار نے جملہ پورا ادا بھی نہیں کیا تھا کہ پہلا برسٹ ہم سے ذرا آگے جانے والے چار افراد کو لگا اور وہ لمحوں میں چھلنی ہو کر لاشوں میں بدل گئے تھے۔ اس کے بعد گھاٹی کے دونوں جانب بلندی سے ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ یہ کم سے کم چار بھاری مشین گنیں تھیں جو چنگھاڑ رہی تھیں اور لوگوں کو مار رہی تھیں۔ ''بھاگو!'' کمار چند لمحے سکتے میں رہنے کے بعد چلایا۔ ''رکو مت، بھاگو۔''

لوگ اس کے حکم سے پہلے سر پر پاؤں رکھ کر گھاٹی سے دوسرے سرے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ اس دفعہ فوج نے چالاکی سے کام لیا تھا۔ انہوں نے دوبدو مقابلے کے بجائے جس میں وہ دو بار ہزیمت اٹھا چکے تھے اس بار اس موزوں ترین مقام کی بلندیوں پر قبضہ کر کے وہاں دونوں جانب دو دو بھاری مشین گنیں نصب کیں اور جیسے ہی قافلہ گھاٹی کے وسط میں پہنچا، انہوں نے حملہ کر دیا تھا۔ ایک منٹ کے اندر اندر پچاسوں افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور اس سے کہیں زیادہ زخمی ہو کر بے یار و مددگار پڑے ہوئے تھے۔ فائرنگ کے شور سے گھاٹی اس طرح گونج رہی تھی کہ کوئی اور آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ قافلے میں شامل مسلح افراد جواب دے رہے تھے مگر فائرنگ کرنے والے اپنے مورچوں میں بالکل محفوظ تھے۔ یہ جوابی کارروائی ان کا کچھ بگاڑنے سے قاصر تھی۔

لوگ بھاگ رہے تھے مگر فائرنگ سے کہیں جائے اماں نہیں تھی۔ دونوں طرف سے ہونے والی فائرنگ سے گھاٹی کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں تھا۔ اگر زندہ رہنا تھا تو اس گھاٹی سے نکل جانا لازمی تھا۔ اس لئے سب بھاگ رہے تھے۔ جان کے خوف سے لوگ اپنے بچے چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ کمار چیخ چیخ کر ان کو تیز بھاگنے کو کہہ رہا تھا۔ میں اس کے ساتھ تھا اور ہم دونوں بھی بھاگ رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر جلد کچھ نہ کیا گیا تو اہل قافلہ مارے جائیں گے اور ان میں سے بہت خوش نصیب ہی زندہ بچیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کمار تمہارا تیر سے نشانہ کیسا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس وقت تیر کمان کا کیا کرنا ہے؟'' وہ چڑ گیا تھا، اپنے لوگوں کا قتل عام دیکھ کر اس کا غم و غصے سے برا حال تھا۔

''ہم ان کو روک سکتے ہیں۔''

''تیر کمان سے۔'' اس نے طنز کیا۔

''ہاں، مگر تمہارا نشانہ درست ہونا چاہئے۔''

''میں سو گز دور کھڑے ہرن کے سر میں تیر مار سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے ادھر آؤ۔'' میں اسے گھسیٹ کر دو چٹانوں کے درمیان لے گیا جو فائرنگ سے کسی قدر محفوظ تھی۔ میں نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ہینڈ گرینیڈ نکالا۔ ''اسے تیر کے سرے پر باندھ کر پھینکا جائے تو ان کے مورچے کو اڑایا جا سکتا ہے۔''

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''آئیڈیا برا نہیں ہے۔''

''بس تو شروع ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے تیر اور گرینیڈ باندھنے کے لئے کچھ دو۔''

اس نے مجھے ایک تیر اور اس پر باندھنے کے لئے پتلی سی رسی دی۔ ''اس سے کام چل جائے گا۔''

''کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور گول لپوتے گرینیڈ کو اس رسی کی مدد سے تیر کی نوک سے باندھنے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ کام خاصا دشوار تھا۔ اپنی گولائی کی وجہ سے گرینیڈ اس کی گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔ کم سے کم اسے مضبوطی سے باندھا ممکن نہیں تھا۔ کمار نے میری کوششوں کو دیکھتے ہوئے گرینیڈ مانگا اور اس کا بغور معائنہ کیا۔ اس نے چابی کا رنگ پکڑ کر ہلایا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''خدا کے لئے یہ اس کی چابی ہے اسے نکال دیا تو پانچ سیکنڈ بعد ہم دونوں مرحوم ہو جائیں گے۔''

''یہ چابی نکالنے کے پانچ سیکنڈ بعد پھٹتا ہے۔'' اس نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے دوسرا سوال کیا۔ ''اس چابی کو نکال دیا جائے تو اندر سوراخ ہوتا ہے؟''

''ظاہر ہے۔'' اب کے میں چڑ گیا تھا۔ ''تم نے اس کا کیا کرنا ہے؟''

''سنو اگر اس سے چابی نکال کر تیر کی نوک پر لگا دیا جائے تو میں اسے پانچ سیکنڈ سے پہلے نشانے پر پھینک سکتا ہوں۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''اور اگر نہ پھینک سکے تو ہم دونوں مارے جائیں گے۔''

''نہیں، بس تم مجھے اتنا بتا دو کہ سوراخ کتنا ہوگا؟''

''تقریباً دو انچ کا۔'' میں نے کہا۔ ''چابی کی لمبائی اتنی ہی ہوتی ہے۔''

''کافی ہے، میں تیر ویسے بھی اوپر کر کے پھینکوں گا۔ تم چابی نکالتے ہی اسے تیر کی نوک پر لگا لینا۔ میں تیر پھینک دوں گا۔''

میں نے اس کی تجویز پر غور کیا، یہ قابلِ عمل تھی اور فرض کیا جائے کہ گرینیڈ تیر کی نوک میں صحیح سے نہیں بیٹھتا تو پانچ سیکنڈ سے پہلے ہم اسے دور پھینک سکتے تھے۔ میں نے سر ہلایا۔ کمار نے اپنی کمان نکالی اور اس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسا تیر لگایا جس کی نوک سیدھی اور دھات کی بنی تھی۔ اس نے کمان پوری طاقت سے کھینچی اور اس سے ایک مورچے کا نشانہ لیا۔ اپنے طور پر درست نشانہ لینے کے بعد اس نے کہا۔ "گرنیڈ لگا دو۔"

ہمارے چاروں طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ لوگ مر رہے تھے۔ زخمی ہو رہے تھے مگر اس طرف توجہ دینے سے ہماری توجہ اس کام سے ہٹ جاتی اس لئے ہم آنکھ اور کان بند کئے اپنا کام کرتے رہے تھے۔ میں نے تیر کی نوک کے پاس کپڑے ہو کر خدا سے دعا کی۔ کلمہ پڑھا اور پن کھینچ کر اس میں سوراخ والی جگہ میں تیر کی نوک داخل کر دی۔ وہ اس میں اتنی اچھی طرح فٹ ہو گئی جیسے اسی کام کے لئے ڈھالی گئی تھی۔

"فائر کرو۔" میں نے آہستہ سے کہا اور کمار نے تیر چھوڑ دیا۔ گرنیڈ کا وزن کم و بیش سوا کلوگرام تھا اور یہ کمار کے بازوؤں کی طاقت تھی جس نے اسے بلندی کے سفر پر روانہ کر دیا تھا۔ ہماری نظریں تیر پر سو کوز تھیں کم سے کم میں اسے صاف دیکھ رہا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ میں تیر کو سلوموشن میں جاتے دیکھ رہا ہوں۔ ہمارے دل دھڑک رہے تھے، تیر اگر نشانے پر نہ گرتا یا گرنیڈ راستے میں پھٹ جاتا تو ہماری کوشش بے کار جاتی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وقت پانچ سیکنڈ سے اوپر ہو گیا تھا اور گرنیڈ کسی لمحے بھی پھٹ سکتا تھا۔ مگر تیر نہ تو نشانے سے بھٹکا اور نہ ہی گرنیڈ قبل از وقت پھٹا۔ وہ سیدھا مورچے میں جا کر گرا اور اگلے ہی لمحے دھماکا ہوا۔ میں نے مشین گن چلانے والے کو گن سمیت پرزے پرزے ہو کر بکھرتے دیکھا۔ اس کے بعد مورچے میں لگاتار دھماکے ہونے لگے شاید وہاں پر بھی بم وغیرہ تھے۔

اس غیر متوقع حادثے نے دوسرے حملہ آوروں کو چونکا دیا تھا اور پھر خوف زدہ کر دیا۔ میں نے جلدی سے دوسرا گرنیڈ نکالا اور کمار نے کمان پر تیر چڑھا لیا۔ اس نے اس طرف کے دوسرے مورچے کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ درست فیصلہ تھا۔ ہم کم سے کم ایک طرف کی فائرنگ سے تو محفوظ ہو جاتے۔ اس نے مورچے کا نشانہ لیا اور کمان پوری طاقت سے کھینچ لی۔ "گرنیڈ لگاؤ۔" اس نے بھنچی آواز میں کہا۔

میں نے چابی کھینچ کر گرنیڈ تیر میں فٹ کیا اور کمار نے اسے بھی پھینک دیا۔ تیر زاویہ قائمہ بناتا ہوا کسی بیلسٹک میزائل کی طرح دوسرے مورچے پر گرا اور اس کے بھی پرزے بکھر گئے تھے۔

"کمال کر دیا۔" میں نے چلا کر کہا اور کمار کو گلے سے لگا لیا مگر اس کے چہرے پر کوئی خوشی نہیں تھی۔ اس کی نظریں چاروں طرف بکھری اپنے لوگوں کی لاشوں پر مرکوز تھیں۔ میں بھی سنجیدہ ہو گیا اور ندامت سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے دوست!"

"میں نے برا نہیں مانا۔ اب تو یہ ہمارے لئے کھیل ہو گیا ہے۔"

بچ جانے والے مرد، عورتیں اور بچے اب اس طرف سے آڑ میں چل رہے تھے جس طرف سے فائرنگ بند ہو گئی تھی۔ جنگجو مردوں کو دم لینے کا موقع ملا تو انہوں نے اپنے سردار کا حربہ آزمایا۔ ان کے پاس بم نہیں تھے اس لئے انہوں نے آگ والے تیروں کی مشین گن کے مورچوں پر برسات کر دی۔ اس کا بھی خاطر خواہ ردعمل ہوا۔ کئی ایک تیر مورچوں میں جا گرے جس سے ان میں افراتفری مچ گئی تھی اور میں نے ایسے ہی ایک موقع پر مورچے سے نکلنے والے دو کماندوز کو اپنی راتفل سے نشانہ بنا لیا۔

"شاندار!" کمار نے بے ساختہ میری پیٹھ تھپکی اور جب میں چپ رہا تو وہ کھسیا گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"معاف کرنا، میں بھی بھول گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے سر ہلایا۔

اچانک اوپر کی طرف دھماکا ہوا۔ ایک اور مورچہ شعلوں کی لپیٹ میں تھا کہ جلتے تیر نے کام کر دکھایا۔ جو گولا بارود وہ ان لوگوں کی موت کے لئے لائے تھے اب وہ خود ان کے لئے سامانِ مرگ بن گیا تھا۔ چوتھے مورچے سے فائرنگ رک گئی اور اس سے کمانڈوز نکل کر بھاگے۔ قبائلی ان کو رائفلوں اور تیروں سے نشانہ بنا رہے تھے۔ دس بارہ افراد میں سے ایک دو کو ہی بچ کر نکلنے کا موقع ملا تھا۔ حملہ آور تقریباً سارے ہی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے مگر اس گھاٹی میں بھی کم و بیش ہزار افراد کی لاشیں بکھری تھیں اور اتنے ہی زخمی تھے۔

جب فائرنگ کا خطرہ ٹلا تو لوگوں نے زخمیوں کی مدد شروع کر دی۔ لوگ اپنے مرنے والوں کو رو رہے تھے اور ان کا نام لے لے کر دہائیاں دے رہے تھے۔ میں نے کمار سے کہا۔ "وقت ضائع کرنے کے لئے بالکل نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ زمینی کارروائیوں میں پے در پے ناکامیوں کے بعد وہ پھر فضائیہ کی مدد مانگ لیں۔ اس لئے لوگوں کو چلنے پر آمادہ کرو۔"

کمار بمشکل ان کو آمادہ کر سکا تھا کہ لاشیں اور شدید زخمیوں کو چھوڑ کر ان کو فوری روانہ ہو جانا چاہئے ورنہ حملہ آور پھر آ سکتے ہیں۔ خوف نے بھی کام کیا اور لوگ چل پڑے۔ نئے زخمیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی اس لئے صرف وہ ساتھ ہوئے جو زخمی ہونے کے باوجود خود چل سکتے تھے۔ کمار نے ان کو حکم دیا تھا کہ کوئی کسی کی پروا نہ کرے جو جتنا تیز چل سکتا ہے وہ چلے اور وادی تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا جانوروں پر سوار افراد کو آگے رکھنے سے ہی اتنا جانی نقصان ہوا تھا۔ انسانوں کے ساتھ بے شمار جانور بھی مارے گئے تھے۔ انسان بڑا سخت جان ہے، سارے زخم اور سارے غم جھیل جاتا ہے، جن عزیزوں کے مرنے پر دکھ سے غور کر رہا ہوتا ہے کچھ دیر بعد ان کو بھول جاتا ہے۔ اب سب مرنے والوں کو بھول کر اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے۔ تیز تیز چل رہے تھے۔ ہر فرد دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا تھا۔ خدا خدا کر کے اس خونیں گھاٹی سے نکلے تو سامنے ایک تہہ در تہہ پہاڑی سلسلہ تھا اور اس کے سامنے نسبتاً مشرق میں برف پوش چٹانوں کا ایک قلعہ کھڑا تھا۔ کمار میرے پاس تھا اس نے اشارے سے قلعے کو دکھایا۔

"وہ رہی وادی ترجا۔"

اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے یہ وادی واقعی ناقابلِ تسخیر لگ رہی تھی۔ اس کا دروازہ فی الحال نظر نہیں آ رہا تھا۔ قافلہ اس طرف رواں تھا، منزل سامنے نظر آئی تو لوگوں کے قدموں میں تیزی آ گئی تھی۔ اب مجھے بھی اطمینان تھا، ہم خطرے کی حد سے نکل آئے تھے۔ اگرچہ ان لوگوں نے بے پناہ قربانی دی تھی۔ دس ہزار میں سے بمشکل سات ہزار افراد وادی کے قریب تھے۔ تین ہزار لوگ مارے جا چکے تھے۔ کہا جاتا ہے دوسری جنگ عظیم میں لینن گراڈ کی بائیس فی صد آبادی موت کے گھاٹ اتر گئی تھی۔ اس قبیلے کے تیس فی صد لوگ دو دن سے بھی کم وقت میں مارے جا چکے تھے۔

یہ وسیع میدان جو برف پگھلنے پر گھاس اور دوسری نباتات سے ڈھک جاتا ہوگا، برف سے سفید ہو رہا تھا۔ کمار اپنے آدمیوں کو کسی قسم کی ہدایات جاری کر رہا تھا۔ میں نے ساتھ چلتے بیتے سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کمار کیا کہہ رہا ہے؟''

''سردار آگے جانے والوں کو بغیر رکے پل عبور کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ پل تنگ اور خطرناک ہے، اس پر سے ایک وقت میں دس سے زیادہ لوگ نہیں جا سکتے۔''

''دس لوگ!'' میں نے پریشانی سے ان ہزاروں افراد کو دیکھا۔ ''اس طرح تو پل کراس کرنے میں بہت دیر لگ جائے گی۔''

''وہ تو ہے۔''

''اور پیچھے سے لشکر آ گیا تو؟''

''کیا، ہم سمجھا نہیں صاب!''

''تعاقب میں آنے والے فوجی درندے۔''

بیتو کا چہرہ ست گیا تھا۔ صاب! اب ہم ان کو نہیں چھوڑے گا۔ جب تک زندہ رہے گا، ان کو مارتا رہے گا۔ ہماری ماں، دو بھائی، چاچا، سب مارا، ان لوگوں نے.....''

''کل کے حملے میں؟'' میں دنگ رہ گیا تھا۔

بیتو کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔ ''ہاں، ان کا لاش ادھر ہی چھوڑا۔ اب جانور ان کو کھائے گا۔ دیوتا تر جا کا سوگند، ہم ان کو نہیں چھوڑے گا۔''

میں نے مستقبل کے اس انقلابی کو دیکھا۔ ظلم کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے ظلم سے ہی سر پھرے انقلابی جنم لیتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے جا کر بیتو ان ظالموں کو کیا نقصان پہنچائے گا مگر اس کے الفاظ پر مجھے کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ جب تک زندہ رہے گا، ان سے لڑتا ہی رہے گا۔ اس سے رکی تعزیت بے کار تھی۔ یہاں سب ہی دکھی تھے، میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا اور آگے بڑھ گیا۔ تاریکی کی وجہ سے قبائلیوں نے پھر مشعلیں جلا لی تھیں۔ پیچھے سے بھاگتے قدموں کی آواز آئی۔ میں چوکنا ہو گیا۔ میں قافلے کے سب سے پچھلے حصے میں تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا، دو قبائلی بھاگے آ رہے تھے اور ان کا رخ کمار کی طرف تھا، اس کے پاس جا کر انہوں نے تیز لہجے میں کچھ کہا۔ کمار نے سوال کرنے کے انداز میں پوچھا۔ اور پھر وہی سیٹی نکال کر بجائی، میں اس کی طرف لپکا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''عقب میں کچھ لوگ آ رہے ہیں، وہ اجنبی ہیں۔''

''وہ فوج کے آدمی ہیں۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''اپنے آدمیوں کو بھاگنے کا حکم دو۔ جو جتنی دور جا سکتا ہے چلا جائے۔''

کمار نے اپنے لوگوں کو حکم دیا۔ یہ سن کر کہ موت کے ہرکارے تعاقب میں ہیں، انہوں نے ہراساں ہو کر بھاگنا شروع کر دیا۔

''کمار، بیتو نے بتایا کہ پل سے صرف دس آدمی گزر سکتے ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ درست ہے۔''

''کسی کو پل کی طرف لگا دو ورنہ یہ بدحواس ہجوم پل ہی نہ توڑ دے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کی فکر مت کرو۔ اس کے محافظ الگ ہیں۔ وہ پل کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔''

''ہمیں آنے والوں کو روکنا ہوگا۔'' میں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ ''اس میدان میں کہیں مورچہ بھی نہیں بنایا جا سکتا۔''

''یہ تو ہے۔'' کمار نے فکرمندی سے کہا۔ ''یہاں نہ تو درخت ہیں اور نہ چٹانیں۔''

''پتھر تو ہیں۔'' میں نے اِدھر اُدھر بکھرے مکعب فٹ سائز کے پتھر دیکھے۔ ہمالیہ اور اس سے ملا ہوا کئی ایک پہاڑوں کا سلسلہ زیرِ زمین لاوے کے سمندر پر تیرتی براعظمی پلیٹوں کے ٹکراؤ کے عمل سے وجود میں آیا تھا۔ براعظم ایشیا اور آسٹریلیا کی پلیٹیں جب اس مقام سے ٹکرائیں تو اس ٹکراؤ کے نتیجے میں زمین اوپر اٹھ گئی اور یہی الٹا ہوا حصہ آج ہمالیہ کہلاتا ہے۔ اس جگہ آتش فشاں بھی تھے جو اب مردہ ہو چکے ہیں لیکن لاوے کی باقیات ان میدانوں میں بکھرے پتھروں کی صورت میں آج بھی موجود ہیں۔

''کمار اپنے آدمیوں کو جمع کرو۔ جو لڑنے والے ہیں، ان سے کہو، پتھر جمع کر کے مورچے بنائیں ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب۔ پھر سو قدم پیچھے اسی طرح دو مورچے بنائیں۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''فوج کی پیش قدمی کی رفتار سُست کی جا سکتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ پل کے پار جا سکیں۔''

بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو حکم دینا شروع کر دیا۔ یہ ویسے تو جاہل اور جذباتی قسم کے لوگ تھے مگر ان کے اندر ایک خاص قسم کا قبائلی ڈسپلن تھا۔ جب ان کا سردار کوئی حکم دیتا تھا تو یہ دل و جان سے اس پر عمل کرتے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے بے پناہ تھکن کے باوجود حیرت انگیز پھرتی اور نظم و ضبط سے کام شروع کر دیا۔ کمار نے نو دستے بنائے جن میں دس دس افراد تھے۔ یہ دس افراد سو گز کے دائرے میں سے پتھر چن کر لائے اور ایک جگہ جمع کرنے لگے تھے۔ مشکل سے پندرہ منٹ میں پہلے تین مورچے بن گئے تھے اور ہر ایک کے درمیان سو گز کا فاصلہ تھا۔ کمار نے مورچوں میں جو پتھروں کی تین فٹ اونچی نصف دائرے کی دیوار تھی، دو افراد کو تعینات کیا۔ ان کے پاس رائفلیں تھیں اس اثنا میں پیچھے کے تین مورچے بھی تیار ہو گئے اور اس سے پیچھے کے بھی۔ ہر قطار کے درمیان سو گز کا فاصلہ تھا۔ پتھر جمع کرنے والے اور پیچھے چلے گئے تھے۔ ہر مورچے میں دو افراد تھے۔ لگاتار دس قطاریں بنائی گئیں جن میں کل تیس مورچے تھے۔ یہ قطاریں ایک کلومیٹر لمبی اور تین سو میٹرز چوڑی تھیں۔ کمار نے اچھی دفاعی لائن بنائی تھی۔ ان مورچوں میں کل ساٹھ افراد تھے اور یہ جنگجو افراد پامردی سے مقابلہ کرتے تو فوج کو دیر تک روک سکتے تھے۔ جب اگلے مورچوں پر دباؤ زیادہ ہو جاتا تو وہ پچھلے مورچوں کی طرف آ سکتے تھے۔ ان سب سے پیچھے کمار تین جگہوں پر پتھروں سے بڑے مورچے بنوا رہا تھا۔ اب سوائے جنگجوؤں کے سب پیچھے جا سکتے تھے۔ تقریباً دو سو افراد تھے۔ ان میں سے نصف آتشیں ہتھیاروں سے مسلح تھے اور نصف کے پاس تیر کمان تھے۔ میں نے ذرا پیچھے آ کر کمار سے پوچھا۔

''ان مورچوں کا کیا کرنا ہے؟''

''ان میں تیر انداز ہوں گے۔'' اس نے بتایا۔ ''جب شروع کے مورچے خالی ہو جائیں گے اور میرے آدمی پیچھے آئیں گے تو ان سے آتشیں تیر پھینکیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بشرطیکہ انہوں نے اس کی مہلت دی۔'' میں نے سر ہلایا۔

''کیا مطلب؟''

''اس بار وہ بڑے ہتھیار استعمال کریں گے۔ ہمیں مزاحمت کا موقع دیئے بغیر کچل ڈالیں گے۔ وہ راکٹ اور میزائل بھی استعمال کر سکتے ہیں۔''

''تب، ہم کیا کریں؟''

''اپنا یہ مؤثر حربہ پہلے ہی استعمال کرو۔ ورنہ کیا فائدہ ایک راکٹ اس کمزور مورچے کو بکھیر کر رکھ دے گا۔'' میں نے کہا۔ ''شروع میں آتشیں تیر برسانے کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو اس طرف کا ماحول روشنی میں نظر آئے گا۔ دوسرے وہ حرارت پر لپکنے والے راکٹ استعمال نہیں کر سکیں گے۔''

''مگر اس جگہ سے اتنی دور تیر نہیں پھینکے جا سکتے۔''

''آگے والے مورچوں کو مزید پتھر لگا کر بڑا کرو۔ ابھی ہمارے پاس وقت ہے، آتشیں ہتھیاروں سے مسلح لوگ پیچھے آ جائیں گے۔''

کمار نے فوری طور پر تیر اندازوں کے مورچے آگے لانے کا حکم دیا۔ بغیر کسی احتجاج یا چوں چرا کے وہ سامنے والے حصے میں پتھر جمع کرنے لگے تھے۔ ان کے جسم مضبوط اور اسٹیمنا قابلِ رشک تھا۔ نصف گھنٹے کے اندر سامنے تین عدد بڑے مورچے بن چکے تھے۔ ان کے پیچھے مٹی کے تیل کے ڈبے رکھ دیئے گئے تھے اور ہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ باقی سب مورچوں میں بھی قبائلیوں نے پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔ قافلہ خاصا دور جا چکا تھا اور قلعے کے پاس تھا۔

''میرا خیال ہے اتنے لوگوں کو پل عبور کرنے میں دو گھنٹے تو لگیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ہمیں ان کو دو گھنٹے تک روکنا ہے۔'' کمار نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

چاند نکل آنے سے سامنے کا منظر نظر آنے لگا تھا۔ یہ چودھویں کا چاند تھا جیسے جیسے بلند ہو رہا تھا روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے کمار کی طرف دیکھا۔ ''کاش کہ ایک دوربین ہوتی۔''

''یہ لو۔'' اس نے اپنی جیب سے ایک دوربین نکال کر مجھے دے دی۔

''کاش میں کچھ اور مانگ لیتا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''تم کچھ اور کیسے مانگ سکتے تھے جبکہ میرے پاس صرف دوربین تھی۔'' وہ ہنسا۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' میں نے دوربین کا معائنہ کیا۔ یہ کوئی ایک فٹ لمبی اور ایک نلکی والی دوربین تھی۔ ''عام طور سے دور مار رائفلوں پر ہوتی ہے۔'' میں نے کمار کو بتایا۔

''یہ رائفل پر ہی لگی تھی۔ رائفل میرے ایک آدمی کے پاس ہے دوربین سے اسے الجھن ہو رہی تھی اس لئے اس نے اسے اتار دیا۔''

''بہت خوب، وہ دور مار رائفل ہوگی۔ اس سے فوراً رائفل منگواؤ۔''

''وہ یہیں ہے۔'' کمار نے کہا اور اس آدمی کو آواز دی۔ وہ ایک مورچے سے دوڑتا ہوا آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جدید ترین رائفل تھی۔ میں نے رائفل لے کر اس کا معائنہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ اس نے کہاں سے لی ہے؟''

کمار نے اس سے پوچھا اور مجھے بتایا۔''اس نے جنگل میں مارے جانے والے ایک بھارتی فوجی کے پاس سے اٹھائی تھی۔''

میں نے میگزین چیک کیا۔ یہ تیس گولیوں والا میگزین تھا اور اس میں صرف دو گولیاں تھیں۔ میں نے مایوسی سے کمار کی طرف دیکھا۔''اس میں صرف دو گولیاں ہیں اور اس میں کسی اور رائفل یک گولی نہیں لگے گی۔ یہ اس کا مخصوص کارتوس ہے۔''

کمار نے اس آدمی سے پوچھا اور میں خوشی سے اچھل پڑا جب اس نے اپنے لباس سے دو عدد میگزین نکالے۔

''اب مزہ آئے گا۔'' میں نے اس سے میگزین لے لئے۔ رائفل پر دوربین فٹ کی، شکر ہے اس قبائلی نے اسے توڑ کر نہیں نکالا تھا۔ میں نے دوربین ایڈجسٹ کی اور ذرا دور میدان میں پڑے ایک سیاہ پتھر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ دھماکا ہوا اور گولی بالکل درست جگہ لگی، میں نے پتھر سے کرچیاں اڑتی دیکھیں۔ پتھر مجھ سے کوئی چار سو گز کے فاصلے پر تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس رائفل کی مارکم سے کم ایک ہزار گز ہوگی اس کی لمبی نال اور پتلے لمبی کارتوس سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔

''وہ لوگ فائر کی آواز سے چوکنا نہ ہو جائیں؟''

''وہ چوکنا ہی ہوں گے۔'' میں نے جواب دیا۔''کمار! اب میرے لئے مورچہ بنانا ہے، یہ دائیں طرف جو نسبتاً بلند جگہ ہے اس میں پتھر رکھ کر اور ان کے آگے خشک جھاڑیاں جمع کر کے مورچہ بناؤ، میں وہاں سے آنے والوں کو نشانہ بناؤں گا۔''

''نہیں، یہ خطرناک ہے۔ تم آسانی سے ان کا نشانہ بن جاؤ گے۔''

''وقت آ گیا تو میں کہیں بھی نہیں بچ سکوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔''اس لئے بحث مت کرو جو کہا ہے، وہ کرو ورنہ وہ آ گئے اور میرا مورچہ پہلے ہی دیکھ لیا تو میں ضرور مارا جاؤں گا۔''

''وہ کیسے دیکھ لیں گے؟''

''یار، عقل استعمال کرو۔ ان کے پاس اس سے کہیں زیادہ جدید دوربینیں ہیں۔ وہ رات کی تاریکی میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔''

کمار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور وہ میرے لئے مورچہ تیار کرنے میں لگ گئے۔ دس منٹ میں انہوں نے ایسا مورچہ تیار کر دیا تھا جس میں، میں محفوظ تھا اور اس میں جھاڑیوں سے ایسی مہارت سے آڑ لگائی گئی تھی کہ یہ کوئی قدرتی جھاڑی نظر آتی تھی۔ میں اس میں چھپ کر لیٹا تو میرے اوپر مزید جھاڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ دور سے جھاڑیوں کا یہ انبار کیسا لگ رہا تھا مگر مجھے قبائلیوں کی مہارت پر یقین تھا۔ میں نے رائفل کی نال پر مٹی لگا دی تھی تاکہ وہ چمک نہ دے اور دوربین ویسے ہی جھاڑیوں تلے تھی۔ میری پوزیشن ایسی تھی کہ میں درّے سے نکل کر آنے والے کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ میں نے دوربین گھما کر آنے والوں کی تلاش شروع کی مگر دور دور تک میدان صاف تھا اور کہیں بھی کوئی حرکت نہیں تھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ اب تک ان لوگوں کو کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کم اس میدان تک آ جانا چاہئے تھا۔ اگر وہ تاخیر کر رہے تھے تو اپنا ہی نقصان کر رہے تھے اور ہمارے لئے یہ اطمینان بخش بات تھی مگر یہ ان کی طرف سے دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے وہ کوئی ایسی چال چل رہے ہوں جس کا ہمیں بھی علم نہ ہو۔

میں نے دوربین سے تلاش جاری رکھی۔ چاند کے بلند ہونے سے سارا منظر واضح نظر آ رہا تھا۔ میں نے سردی سے سن ہو جانے والا پہلو بدلا۔ اگرچہ جھاڑیوں سے کسی قدر تحفظ ملا تھا اس کے باوجود سردی رگ و پے میں گھسی جا رہی تھی۔ میں کچھ دیر کے لئے ساکت ہو کر لیٹا تو پتا چلا تھا سردی کا۔ شکر ہے ان جھاڑیوں میں کیڑے مکوڑے نہیں تھے ورنہ دشمن سے پہلے وہی مجھے باہر آنے پر مجبور کر دیتے۔ معاً مجھے لگا جیسے کوئی مکھی بھنبھنائی ہو، اتنی بلندی اور اتنی سردی میں مکھیاں۔ میں نے سوات اور کالام کے علاقوں میں دس ہزار فٹ کی بلندی پر بھی عام مکھیاں دیکھی تھیں مگر وہ سردی میں بلوں میں گھس جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ خوف ناک سرما میں اپنا بچاؤ کرتی تھیں۔ وہ صرف گرمیوں میں باہر نکلتی ہیں۔

میں نے مکھی بھنبھنانے کی آواز کو وہم سمجھا تھا مگر چند لمحے بعد آواز زیادہ واضح ہو کر سنائی دی تھی اور پھر یہ آواز تیز ہوتی چلی گئی اور میں کچھ دیر بعد تو اچھل پڑا تھا۔ یہ آواز ہیلی کاپٹر کی تھی۔ میں نے درّے سے ایک پرندہ برآمد ہوتے دیکھا۔ وہ بتدریج بڑا ہونے لگا۔ کمار اور اس کے ساتھیوں کو خبردار کرنا بے کار تھا۔ انہوں نے مجھ سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ میں نے کمار کی آواز سنی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا اور میں نے اس کا فوری نتیجہ دیکھا۔ جلتے تیروں کی ایک باڑھ فضا میں ہوئی، یہ بات کمار نے سمجھ لی تھی کہ جب ہیلی کاپٹر آ رہے تھے تو پیدل دستے بھی آس پاس تھے اور اس نے اپنے آدمیوں کو تیر اندازی کا حکم دے دیا تھا۔ درجنوں تیر درمیان میں گرے، ہیلی کاپٹر اب نمایاں تھا اور میں نے درّے سے ایسے ہی دو پرندے اور آتے دیکھے۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ تین گن شپ ہم پر قیامت برپا کر سکتے تھے۔ میں نے دوربین سے دیکھا۔ یہ ایم آئی پچیس قسم کے گن شپ ہیلی کاپٹر تھے۔ ان کے نیچے راکٹ اور سامنے والے حصے میں چھ نالی والی مشین گن نصب تھی۔ روسی فوج نے افغانستان میں بے دریغ ان کا استعمال کیا تھا اور بلاشبہ لاکھوں بے گناہ افغانیوں کا خون ان کے پروں پر تھا۔ انہیں عرف عام میں ہند کہا جاتا ہے۔ یہ امریکی کوبرا گن شپ کا روسی جواب تھے۔

میں نے عقبی ہیلی کاپٹرز کو دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ ابھی دور تھے۔ اچانک سامنے والا گن شپ بلند ہونے لگا۔ وہ شاید رائفلوں کی مار سے دور محفوظ بلندی پر رہ کر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ خاصی بلندی پر جا کر اس نے زاویہ بنایا اور راکٹ فائر کر دیئے۔ دو راکٹ میدان میں گرے۔ یہ مورچوں سے دور تھے اس لئے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کمار کے آدمیوں نے ہیلی کاپٹر پر جوابی فائرنگ کی مگر وہ ان کی پہنچ سے دور اور محفوظ بلندی پر تھا۔ اس نے پھر راکٹ فائر کئے۔ اس بار ایک مورچہ راکٹ کی زد میں آ گیا اور مورچے کے ساتھ اس میں موجود افراد کے بھی ٹکڑے ہو گئے تھے۔ اس کے بعد تو اس نے بے پناہ راکٹ باری کی۔ کئی مورچے تباہ کر دیئے۔ باقی جان بچانے کے لئے اپنی جگہوں پر دبک گئے تھے۔

اس اثنا میں دوسرے گن شپس بھی آ گئے اور انہوں نے بھی حملے کی پوزیشن سنبھال لی۔ وہ کوئی پانچ سو میٹرز کی بلندی پر اڑ رہے تھے اور اتنی بلندی پر رائفل کی گولی بے ضرر ہو جاتی تھی۔ کمار کے ساتھی ان پر فائرنگ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے جو قطعی بے سود تھی اس کے مقابلے میں ان کے وار کارگر جا رہے تھے۔ راکٹ عام لوگوں کے لئے خاصا خوفناک ہتھیار ہے۔

پہلے حملہ کرنے والے ہیلی کاپٹر نے اب اپنی چھ نالی والی مشین گن استعمال کرنا شروع کر دی تھی اور وہ ہوا میں ساکت رہ کر نیچے گولیاں برسا رہا تھا۔ مشین گن تین سو ساٹھ ڈگری کے زاویے پر گھوم سکتی تھی اس لئے گن شپ کو گھمانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے دوربین سے جائزہ لیا۔ ذرا ترچھا ہونے کی وجہ سے گن شپ کا کیبن میری نظروں سے دور تھا البتہ اس کا عقبی حصہ میرے سامنے تھا جس میں پیٹرول ٹینک ہوتا ہے۔ میں نے پیٹرول ٹینک کا نشانہ لیا اور سانس روک کر گولی چلا دی۔ میں نے پیٹرول ٹینک میں سوراخ ہوتے اور اس سے تیل کی دھار نکلتے دیکھی۔ فوراً ہی میں نے دوسری گولی چلائی اور ایندھن نے آگ پکڑ لی۔ گن شپ نے فوری طور پر اوپر اٹھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر اسے زیادہ دور جانا نصیب نہیں ہوا۔ آگ نے ایندھن کے ذخیرے تک رسائی حاصل کی اور دھماکے سے فضا میں گن شپ کے پُرزے بکھر گئے۔ اس کے پائلٹ اور کو پائلٹ کو نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے اثر سے دوسرے گن شپ بھی بلند ہوئے اور میدان سے دور جانے لگے۔ میں نے رائفل کو چوم لیا۔ یہ بھارتی فوج کی رائفل تھی اور اب اسی کے خلاف استعمال ہوئی تھی گویا جس کا جوتا تھا اسی کے سر پر پڑا تھا۔ میں نے دوسروں کا نشانہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میں نے درّے کی طرف رائفل گھمائی اور اس بار مجھے درجنوں سیاہ پوش کمانڈوز نظر آئے، وہ گھاس اور جھاڑیوں میں چھپے گن شپس کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ نمودار ہوئے اور پیش قدمی کرنے لگے۔ میں نے سامنے والے ایک کمانڈو کا نشانہ لیا۔ وہ ایک کلومیٹر کی حد میں تھا۔ میں نے اسے اڑا دیا۔ فوراً ہی دوسرے کو نشانہ بنایا اور اس کے بعد باقی زمین پر گر گئے تھے مگر وہاں چھپنے کی جگہیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ میں نے دو کو اور نشانہ بنایا تو وہ اٹھ کر بھاگے تھے۔ ان کا رخ درّے کی طرف تھا۔ جاتے جاتے میں نے تین کو اور مار گرایا تھا۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئے۔

اب وقت ضائع کرنا بے کار تھا۔ میں اپنی پناہ گاہ سے نکلا اور مورچوں کی طرف دوڑا۔ سامنے کے تینوں مورچے تباہ ہو گئے تھے اور ان میں موجود تیر اندازوں کی لاشیں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ کمار کو زندہ اور سلامت دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا۔ وہ اپنے تیر اندازوں کو دوبارہ پیچھے کی طرف تیر اندازی کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ اس بار تیر بغیر آگ کے پھینکے جا رہے تھے تاکہ بے خبری میں دشمن کو نشانہ بنا لیں۔

"کمار نکلو یہاں سے، گن شپ پھر حملہ کرنے آئیں گے، سب پھیل کر چلو۔"

"تم نے کمال کر دیا ورنہ مجھے اپنے بچنے کا یقین نہیں تھا۔" اس نے بھرائی آواز میں کہا۔

"دیر مت کرو ایسا نہ ہو وہ دوسرے لوگوں پر حملہ کریں یا پل تباہ کر دیں۔"

کمار دم بخود رہ گیا تھا اس نے کہا۔ "یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں تھا۔"

"بس اب چلو۔ پیچھے آنے والے کمانڈوز پسپا ہو گئے ہیں مگر ذرا دیر سے سہی وہ پھر آئیں گے۔"

زخمیوں کو سنبھال کر سب نے وادی کی طرف سفر شروع کر دیا۔ البتہ تیر انداز دستہ ذرا پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ برابر تیر پھینک رہا تھا تاکہ بھارتی فوجیوں کو آگے آنے کی جرأت نہ ہو۔ تیر اُن دیکھی موت کی طرح تھے۔ اچانک ہی نازل ہوتے۔ فی الحال یہ گولی سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے تھے کیونکہ یہ میزائل کی طرح اوپر سے نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتے تھے اور کہیں چھپے بھارتی فوجی بھی ان سے محفوظ نہیں تھے۔ کمار نے ان کو پیچھے چھوڑ کر درست فیصلہ کیا تھا۔ تیس کے قریب تیرانداز ہر تیس سیکنڈ میں ایک تیر پھینک رہے تھے اور وہ سب ایک ساتھ پھینکتے تھے۔ بس ذرا زاویہ بدل لیا کرتے تھے۔ تاکہ کوئی جگہ تیروں کی مار سے محفوظ نہ رہے۔

ہم وادی کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ ابھی ہم نے بھاگتے ہوئے ایک کلومیٹر کا سفر طے کیا تھا کہ گن شپس دوبارہ نظر آئے۔ وہ عقب سے چکر کاٹ کر اچانک دائیں طرف سے نمودار ہوئے تھے اور اسی وقت میں نے وادی میں داخلے کا دروازہ اور اس کے سامنے گھاٹی پر بنے پل کو دیکھ لیا۔ چٹانوں کے نیچے پتھروں میں سرنگ بنا کر یہ دروازہ بنایا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے اوپر کئی سو فٹ اونچی چٹانی دیوار تھی۔ دروازے کے سامنے مختصر سا چھجا تھا جو گھاٹی کے اوپر معلق تھا اور اس سے رسیوں کی مدد سے جھولنے والا پل بنا کر گھاٹی کے آر پار جانے کا راستہ نکالا گیا تھا۔ پل مختصر سا لگ رہا تھا اور اس کے سامنے پار جانے والوں کا ہجوم تھا۔ ہیلی کاپٹر دیکھتے ہی کمار نے چلا کر کچھ کہا۔ اس کے ساتھی اور دور دور ہونے لگے تھے، آس پاس ہو کر ہم گن شپس کے لئے اچھا نشانہ بن سکتے تھے۔

شہباز! تم پھر ان کو نشانہ بنا سکتے ہو؟'' کمار نے مجھے دیکھا۔

''کوشش کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ ایک جگہ ساکت ہوں اور ان کے پیٹرول ٹینک بھی میرے نشانے پر ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس میں میری نشانہ بازی سے زیادہ تقدیر کا عمل دخل ہے ورنہ اس دوربین لگی رائفل سے تو ایک بچہ بھی نشانہ لے سکتا ہے۔''

''تم کوشش کرو۔'' اس نے کہا۔

میں ایک نسبتاً بڑے پتھر کے عقب میں دبک گیا تھا۔ گن شپس کے پائلٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کا نشانہ بکھر گیا ہے تو انہوں نے راکٹ مارنے کے بجائے مشین گنوں سے کام لیا اور گولیاں برساتے ہماری طرف آنے لگے تھے۔ میں جس جگہ تھا وہیں آڑ سے رائفل کی نال نکالی اور آگے والے گن شپ کی ونڈ اسکرین کا نشانہ لیا۔ اس کے سیاہ رنگ کے پیچھے مجھے پائلٹ نظر نہیں آ رہا تھا اس لئے میں نے اندازے سے کام لیا۔ عام طور سے طیاروں یا ہیلی کاپٹرز کی ونڈ اسکرین شفاف شیشے کی ہوتی ہے تاکہ پائلٹ کو باہر دیکھنے یا طیاروں اور ہیلی کاپٹرز کی تعداد زیادہ ہو تو ان کے پائلٹوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور اشارے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ جب یہ کسی مشن پر ہوتے ہیں تو اپنا ریڈیو اور دوسرے مواصلاتی آلات بند رکھتے ہیں تاکہ دشمن سراغ نہ لگا سکے۔ حملے کی حکمت عملی اور دوسری بات چیت اشاروں کی زبان میں ہوتی ہے مگر ان گن شپس کے شیشے سیاہ تھے، شاید کسی خاص وجہ سے۔

میں نے دیکھا، گن شپ کی مشین گن گولیاں برساتی میری طرف ہی آ رہی تھی، میں نے اسے نظر انداز کیا اور سانس روک کر فائر کر دیا۔ گولی کی رفتار کو سامنے سے برق رفتاری سے آتے گن شپ کی رفتار نے اور بھی قوت دی اور میں نے دوربین سے شیشہ تڑختے دیکھا۔ اس میں سوراخ ہو گیا تھا۔ گن شپ ڈگمگایا۔ میں نے دوسرا فائر کیا اس بار بھی شیشے میں ایک اور جگہ سوراخ ہوا۔ یہ کہنا دشوار تھا کہ گولی پائلٹ یا اس کے ساتھی کو لگی یا نہیں؟ بہرحال گن شپ کی مشین گن رک گئی اور اس نے فوری طور پر بلند ہونا شروع کر دیا۔ اس کے پیندے میں گولی مارنا بے کار تھا کیونکہ نیچے موٹی دھاتی چادر ہوتی ہے جو گن شپ کو نقصان سے بچاتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرا گن شپ ذرا سا پیچھے سے اور میرے بائیں طرف سے گولیاں برساتا گزر گیا، مجھے موقع ہی نہیں ملا کہ اس پر فائر کر سکتا۔ اس نے نہ جانے کتنا نقصان کیا میں نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ اوپر اٹھ جانے والا گن شپ واپس گیا اور اس نے تقریباً ایک کلومیٹر سے محفوظ فاصلے سے میری طرف گولیاں برسانی شروع کر دی تھیں۔ ظاہر ہے پائلٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ میں کہاں سے گولی چلا رہا تھا۔ اگر ان کو کوئی نقصان ہوتا تو پائلٹ اور کو پائلٹ دونوں فوری طور پر واپس اپنے ائربیس کا رخ کرتے۔ میرے اطراف میں گولیوں کی برسات جاری تھی لیکن میں پتھر کی آڑ میں محفوظ تھا۔ پھر میں نے کمار کے چلانے کی آواز سنی۔

''بچو! دوسرا ہیلی کاپٹر آ رہا ہے۔''

تب میں نے چونک کر دیکھا۔ دوسرا ہیلی کاپٹر اپنی مشین گن سے فائرنگ کرتا میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کیا اور اس کی بھی ونڈ اسکرین کا نشانہ لیا۔ اس کی اسکرین بھی سیاہ تھی۔ میں نے اس بار نسبتاً دائیں طرف کا نشانہ لیا اور وقت بالکل نہیں تھا اس لئے یکے بعد دیگرے کئی بار فائر کئے۔ میں نے ونڈ اسکرین کو بکھرتے دیکھا۔ اس کے عقب میں موجود پائلٹ نے جھکائی لیا وہ پہلے پیچھے گیا اور پھر آگے جھکا تو شاید فلائنگ اسٹک بھی سامنے جھکی اور گن شپ بھی زمین کی طرف یوں آیا جیسے اسے کسی نے تھپکی دے کر زمین کی طرف دھکیل دیا ہو۔ وہ زمین سے ٹکرایا اور پلک جھپکنے میں ایک آتشیں گیند بن گیا۔ یہ گیند لڑھکتی ہوئی میری طرف آنے لگی۔ اٹھ کر بھاگنے کا وقت نہیں تھا۔ عقب سے گولیاں برس رہی تھیں مگر سامنے سے یقینی موت آ رہی تھی۔ میں نے پیروں کے بل اٹھتے ہوئے اونچی چھلانگ لگائی اور اس بڑے سے پتھر کے دوسری طرف جا گرا۔ میرے ساتھ رائفل گری اسے سمیٹتے ہوئے میں نے خود کو پتھر کی جڑ میں گھسا لیا۔

ایک خوف ناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ آتشیں گیند چٹان سے ٹکرائی۔ چٹان یوں لرزی جیسے ابھی الٹ کر مجھ پر آن گرے گی مگر ایسا ہوا نہیں وہ صرف لرز کر رہ گئی تھیں شعلے میرے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ گن شپ خوف ناک آوازیں نکالتے ہوئے اوپر دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ اس کا بڑا روٹر بلیڈ بائیں طرف سے چٹان سے ٹکرایا اور اس میں دھنس گیا۔ میں بال بال بچا تھا بلیڈ میرے سر سے چند انچ کے فاصلے پر رکا تھا۔ اس کا چھوجانا بھی میرے سر کے کئی ٹکڑے کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ اس کا چھوٹا عقبی پنکھا اڑتا ہوا دور جا گرا تھا۔ اس دوران میں جب کہ یہ سارا طوفان گزر رہا تھا، سامنے سے گن شپ گولیاں برساتا رہا اور اس چھ نالی والی ہلاکت خیز مشین گن کا نشانہ صرف میں تھا اور یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ان میں سے کوئی گولی مجھے کیوں نہیں لگی اور اس کی صرف ایک ہی وجہ میری سمجھ میں آئی ہے کہ میرا وقت قضا نہیں آیا تھا۔ وہ گولی ان گولیوں میں شامل نہیں تھی جس پر میرا نام لکھا ہو۔ یہ ایسا ہی تھا کہ طیارہ کریش ہو اور اس میں کوئی ایک شخص بچ جائے۔ گولیاں میرے آس پاس برس رہی تھیں اور موت میری زندگی کی حفاظت کر رہی تھی۔

جب میں نے رائفل سیدھی کی تو غصے سے پاگل ہو جانے والے پائلٹ کا حوصلہ جواب دے گیا۔ اس نے ایک دم گن شپ اوپر اٹھا لیا۔ باقی سب نے تو نہیں اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں زندہ ہوں اور اسے پھر رائفل سے نشانہ بنا سکتا ہوں۔ اس نے جان لیا ہوگا کہ تباہ ہونے والے گن شپ کی تباہی میں بھی میرا ہاتھ ہوگا۔ یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ ایک معمولی سی رائفل کے خوف نے ایک خوفناک اسلحے سے لیس گن شپ ہیلی کاپٹر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پائلٹ کو فرار پر مجبور کر دیا تھا لیکن یہ رائفل کی دہشت نہیں تھی، ان ہاتھوں کی دہشت تھی جس میں رائفل تھی۔ وہ گن شپ اس کے سامنے تباہ ہوئے تھے اور وہ اپنا نام اس فہرست میں نہیں لکھوانا چاہتا تھا۔

اس نے منہ موڑا اور اپنا ہیلی کاپٹر لے کر دائیں طرف کی پہاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ چٹان کے عقب میں ابھی تک گن شپ کا ملبہ جل رہا تھا اور اس کے شعلے اتنے بلند تھے کہ دور سے دیکھنے والوں کو لگ رہا تھا کہ چٹان جس کے عقب میں، مَیں تھا، ان شعلوں میں گھری ہے۔ کمار اور اس کے ساتھیوں نے مجھے اپنے طور پر مرحوم سمجھ لیا تھا اس لئے جب میں لڑکھڑاتا ہوا نکلا اور گن شپ سے کسی قدر دوری سے ہو کر ان لوگوں کے پاس پہنچا تو کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی۔ کمار کے آس پاس اس کے ساتھی افسردہ کھڑے تھے اور دوسرے ساتھی نزدیک آ رہے تھے۔ کمار نے مجھے بھی ان میں سے ایک سمجھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے شگفتہ دلی دکھانے کی کوشش کی لیکن میرے حلق سے جو آواز نکلی تھی، وہ بے حد پھسپھسی اور خشک سی تھی۔ درحقیقت کچھ دیر پہلے تک ہونے والے واقعات نے مجھے دہلا دیا تھا۔ مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں بچ گیا۔ ایک تین فٹ اونچی اور اتنی ہی چوڑی چٹان نے مجھے تحفظ دیا تھا۔ کمار نے چونک کر میری طرف دیکھا اور چند لمحے دیکھنے کے بعد وہ یک دم مجھ سے چمٹ گیا۔

''شہباز، تم!'' اس نے خوشی کے عالم میں چلاتے ہوئے کہا۔ ''تم بچ گئے؟''

''حالات سے تو ابھی تک یہی ثابت ہوتا ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''میرے خدا، تمہارا حال کیا ہو رہا ہے۔ چہرہ سیاہ ہو رہا ہے اور یہ بازو پر خون لگا ہے۔

کمار نے بتایا تب مجھے پتا چلا میرے بازو پر کوئی شے لگی تھی اور خون نکل رہا تھا بہرحال یہ خاص چوٹ نہیں تھی۔ قبائلی جو میری فوتگی کے خیال سے افسردہ تھے، مجھے زندہ پا کر خوشی سے نعرے لگانے لگے اور انہوں نے کوئی مختصر سا قبائلی رقص بھی کیا تھا۔ یہ فتح کا ابتدائی جشن تھا۔ مگر یہ موقع نہیں تھا۔ میں نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کمار اس سے پہلے وہ بدبخت پھر آ جائیں، یہاں سے چلو۔''

''بس اب نکلو۔'' کمار نے تیراندازوں کو دیکھتے ہی کہا۔

''بلیک کیٹ کے کمانڈوز بھی آ رہے ہوں گے۔'' میں نے عقب میں دیکھا۔

''میرا خیال ہے میرے آدمیوں کی تیراندازی نے ان کو نقصان پہنچایا ہے، وہ اتنی جلدی پیچھے آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔''

''چوٹ کھایا سانپ اور دشمن دونوں خطرناک ہوتے ہیں۔'' میں نے کمار کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ میرے چہرے پر شعلوں سے نکلنے والی سیاہی جم گئی تھی اور بازو کے زخم میں ہلکا سا درد ہونے لگا تھا۔ میں نے اب تک زخم کا معائنہ نہیں کیا تھا۔ اس کی فرصت ہی نہیں ملی تھی۔ ہم وادی کے داخلی دروازے سے کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھے، مجھے پل کے سامنے ایک ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے تشویش ہوئی، اب تک سب کو پار چلے جانا چاہئے تھا، ان کو خاصا وقت مل گیا تھا۔ میں نے کمار سے کہا۔ ''یہ کیا چکر ہے، ان کو اب تک پار چلے جانا چاہئے تھا۔''

کمار بھی فکرمند ہو گیا۔ ''میرا بھی یہی خیال تھا، آؤ دیکھتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمار نے اپنے ساتھیوں کو عقب میں نگرانی کرنے کا حکم دیا اور خود میرے ساتھ پل کے پاس پہنچا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ پل سے کوئی نہیں گزر رہا تھا۔ نصف کے قریب لوگ اندر جا چکے تھے اور نصف ابھی باقی تھے۔ کمار کے مشیر پل کے محافظوں سے جھگڑ رہے تھے۔ کمار ان کے پاس پہنچ کر دہاڑا۔ اس نے مقامی زبان میں بات کی تھی، چند لمحے تک پل کے محافظوں اور کمار کے درمیان تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہوا۔ مجھے بیتو نظر آیا، میں نے اشارے سے اسے بلایا، وہ پہلے سے یہاں موجود تھا اور شاید صورتِ حال سے بہتر طور پر واقف تھا۔

''بیتو، یہاں کیا ہوا ہے، پل کیوں بند کر دیا گیا ہے؟''

''اندر سے حکم آیا ہے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے اندر جا چکے ہیں، زخمی بھی اندر ہیں مگر باقیوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔ سب باری باری پل کے پار جا رہے تھے اچانک اندر سے حکم آیا اور پل بند کر دیا گیا۔ جو لوگ دروازے تک پہنچ گئے تھے ان کو بھی واپس بھیج دیا گیا۔''

میں نے لوگوں کا جائزہ لیا۔ یہ سب مرد تھے۔ جوان اور سولہ سال سے لے کر پچاس سال تک کے مضبوط مرد تھے۔ ان میں سے چند ایک ہی عورتیں تھیں۔ یہ شاید وہ عورتیں تھیں جنہوں نے اپنے پیاروں کے بغیر اندر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ کم و بیش تین ہزار مرد تھے۔

''یہ کیا حماقت ہے۔'' میں نے برہمی سے کہا۔ ''لیکن ان کو علم نہیں ہے، ہمارے خون کے پیاسے ہمارے پیچھے ہیں اور ہم ہزاروں جانیں گنوا کر یہاں پہنچے ہیں۔''

''پتا نہیں اندر کیا ہو رہا ہے؟'' بیتو نے مایوسی سے کہا۔

میں کمار کے پاس پہنچا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ کہہ رہے ہیں مردوں کو اندر جانے نہیں دیا جائے گا۔''

''کیوں..... ان کو معلوم نہیں ہے دشمن ہمارے پیچھے ہیں؟''

''معلوم ہے۔''

''پھر ہمیں کیوں نہیں اندر جانے دے رہے ہیں؟''

''میں نہیں جانتا۔ یہ محض پہرے دار ہیں، ان کو اندر سے حکم ملا ہے۔''

''تم اندر جا کر بات کرو۔'' میں نے اسے کہا۔

''میں نے یہ بھی کہا ہے لیکن یہ مجھے بھی اندر جانے کی اجازت نہیں دے رہے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا؟''

''میں..... میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''کمار ان تین ہزار افراد کے سربراہ تم ہو اور تمہارے فیصلے پر ان کی زندگی و موت کا انحصار ہے، اب تم کیا فیصلہ کرتے ہو، کیا تم ان کو مرنے دو گے؟''

اس نے کچھ دیر سوچا پھر سر اٹھاتے ہوئے ایک عزم سے کہا۔ ''میں ان کو مرنے نہیں دوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مضبوط قدموں سے پل کی جانب بڑھا۔ پل کے محافظوں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس کے اشارے پر اس کے ساتھیوں نے لمحوں میں انہیں قابو کر کے بے بس کر دیا تھا، ان کا اسلحہ چھین لیا تھا۔ کمار اپنے چار مسلح محافظوں کے ہمراہ پل عبور کر کے وادی میں داخلے کے دروازے تک پہنچا۔ اس نے رسی کھینچ کر اندر کوئی گھنٹی بجائی۔ پل تقریباً پچاس گز لمبا تھا اور اتنی دور سے کمار اور ان لوگوں کی آواز نہیں آ رہی تھی جن سے وہ مصروف گفتگو تھا مگر اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ ان کے مابین ہونے والی بحث تند و تیز تھی۔ میں نے ذرا آگے ہو کر کھائی میں جھانکا۔ یہ بلاشبہ سیکڑوں میٹر گہری کھائی تھی اور چاند عین اوپر ہونے کے باوجود اس کی تہہ واضح نظر نہیں آ رہی تھی اگر پل ہٹا دیا جاتا تو اس وادی کو عبور کرنا ناممکن تھا۔ اس وادی کے چاروں طرف چٹانوں کی بلند و بالا قدرتی فصیلیں تھیں جن کو عبور کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اسی وجہ سے یہ وادی بے حد محفوظ تھی۔ اچانک فائرنگ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ کمار نے اشتعال کے عالم میں لوہے کے بھاری دروازے پر فائرنگ کر دی تھی جو قطعی بے سود تھی اور صرف اس کے غصے کا اظہار تھی۔

وہ تلملاتا ہوا واپس آیا۔ ''یہ لوگ کسی صورت دروازہ کھولنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

''سنو اندر کا حکمران کون ہے؟''

''جتندر..... یہ موجودہ سردار کا نام ہے۔ اسے چند مہینے پہلے سرداری ملی ہے۔''

''تمہاری اس سے بات ہوئی تھی؟''

''نہیں، اس کا مشیر ہے۔ راج، وہی آیا تھا۔''

''کیا اسے خوف ہے کہ تم اس کی گدی پر قبضہ کر لو گے؟''

''مجھے بھی یہی خیال آ رہا ہے، میں نے راج لاما کو یقین دلایا کہ میں سردار کا اطاعت گزار ہوں اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مگر وہ نہیں مانا، ہمیں قلعے کے سامنے مرنے کے لئے چھوڑ دیا۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''کمار۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ان سے دوبارہ بات کرو۔ ان سے کہو کہ بھارتی فوج ہمارے تعاقب میں ہے۔ اگر وہ یہاں تک آ گئی تو تم لڑ کر مرنے کے بجائے ہتھیار ڈالنے کو ترجیح دو گے اور اس کے بعد بھارتی فوج قلعے میں داخل ہو جائے گی۔''

''میں ایسا نہیں کر سکتا، اندر ہمارے لوگ ہیں۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے مگر کہنے میں کیا حرج ہے؟'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''ممکن ہے اس دھمکی سے ڈر کر وہ گیٹ کھول دیں؟''

کمار سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ اس نے دروازہ بجایا اور ذرا دیر بعد کھلنے والی ایک چھوٹی سی کھڑکی سے مذاکرات کرنے لگا، اندر نہ جانے کون تھا۔ راج لاما یا خود اس کا باس۔ تقریباً دس منٹ تک یہ مذاکرات جاری رہے تھے۔ اس کے بعد کمار نے اپنے ساتھ ایک محافظ کو کوئی حکم دیا اور وہ پل کراس کر کے اس طرف آنے لگا۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ وہ سیدھا میری طرف آیا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر کچھ کہا۔

''سردار آپ کو بلا رہا ہے۔'' بیتو نے اس کے کہے کا ترجمہ کیا۔

''مجھے، میرا وہاں کیا کام ہے؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو نے پوچھا اور بتایا۔ ''یہ تو اسے بھی نہیں معلوم ہے۔ بس سردار نے کہا کہ آپ کو لایا جائے۔''

''چلو۔'' میں نے کہا۔ ممکن ہے مذاکرات میں کہیں میری ضرورت پڑ گئی ہو۔

میں نے محافظ کے ہمراہ جھولتے پل پر قدم رکھا جس کی رسیوں میں لگے تختے کا خستہ حال ہو گئے تھے وران پر سنبھل کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا۔ اگر کوئی تختہ نکل جاتا تو نیچے سیکڑوں فٹ کی گہرائی خوش آمدید کہنے کے لئے بے قرار تھی، میں سنبھل کر چل رہا تھا۔ اچانک مجھے عجیب سی گونج سنائی دی۔ یہ گونج میرے پیروں تلے گھاٹی سے آ رہی تھی۔ بتدریج یہ گونج بڑھنے لگی اور پھر میں نے دائیں طرف سے گن شپ کو ابھرتا ہوتے دیکھا۔ وہ اتنا اچانک آیا تھا کہ میں چند سیکنڈ پہلے تک بے خبر تھا۔ اس وقت میں پل کے وسط میں تھا اور میں نے دیکھا، یہ وہی گن شپ تھا جس پر میں نے گولیاں چلائی تھیں۔ اس کا پائلٹ گیا نہیں تھا۔ اب یہ نہ جانے اتفاق تھا یا اس کی چالاکی، وہ عین اس وقت نمودار ہوا جب میں زمین و آسمان کے بیچ میں معلق تھا۔ میرے پاس کوئی جائے فرار نہ تھی اور اس جھولتے پل پر رائفل استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

''برے پھنسے بیٹے!'' میں نے خود سے کہا۔

اسی لمحے گن شپ کے نیچے لگی چھ نالی مشین گن گھومی اور اس کا رخ میری طرف ہو گیا تھا۔ میں نے دل میں کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی لمحہ جاتا تھا کہ فرشتۂ اجل کی آمد ہوتی۔ آدمی کی زندگی میں کئی بار ایسے لمحات آتے ہیں جب اسے لگتا ہے کہ اب تقدیر کا فیصلہ اٹل ہے۔ ایسا ہی کچھ یہ لمحہ تھا میں زمین اور آسمان کے درمیان معلق تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ یہاں سے میرا جسم تو نیچے جائے گا مگر روح اوپر چلی جائے گی لیکن ہم مسلمانوں کے لئے حکم ہے، جب تقدیر کا اٹل فیصلہ سامنے آ جائے تب بھی اس خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں جو تقدیر کا مالک ہے، اسے لکھتا ہے، اسے بناتا ہے پھر مٹاتا ہے اور نئے سرے سے لکھ دیتا ہے۔ اس کی رحمت سے مایوسی کفر ہے اگر کا انکار کرنے کے برابر ہے اور میں کافر ہو کر نہیں مرنا چاہتا تھا اس لئے بے ساختہ سر اوپر کی طرف اٹھا دیا۔

''اے میرے مالک!'' ابھی میرے منہ سے الفاظ نہیں نکلے تھے کہ اس نے دعا قبول کر کے میری بچت کا سامان کر دیا تھا۔ میں نے گن شپ کے پائلٹ کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنا ہیلمٹ اتار دیا تھا۔ وہ سانولے رنگ کا درشت چہرے والا شخص تھا جو گن شپ کے پائلٹ سے زیادہ کسی گروہ کا دادا لگ رہا تھا۔ حالانکہ اس نے آئی اے ایف کی وردی پہن رکھی تھی۔ مجھے ساکت دیکھ کر وہ اس بھیڑیے کی طرح مسکرایا تھا جس نے شکار کو گھیر لیا تھا اور اب اس کے بچنے کی کوئی راہ نہ رہی۔ میں ہنسا اور ہاتھ سے اسے اوپر دیکھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں ذرا آگے ہو کر اوپر دیکھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے بدحواسی کے عالم میں گن شپ کا تھروٹل کھینچا مگر مہلت نہیں تھی، اوپر سے موت نازل ہو چکی تھی۔

نہ جانے کس نے وہ بڑا سا پتھر اوپر فصیل سے پھینکا تھا۔ وہ سیدھا گن شپ کے پروں سے ٹکرایا۔ ایک دھماکا ہوا اور ایک پر ٹوٹ کر چکر کھاتا ہوا پل کی طرف آیا۔ خطرہ بھانپ کر میں پہلے ہی پل کی رسیوں سے چمٹ گیا تھا۔ گن شپ میری طرح ڈگمگایا۔ اسی لمحے ٹوٹنے والا پر آ کر پل سے ٹکرایا اور اس نے رسوں اور تختوں کو یوں کاٹ دیا جیسے گرم چھری مکھن کاٹ دیتی ہے۔ پل دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ میں قلعے والی طرف تھا۔ پل نیچے گرا اور میں بھی اس کے ساتھ ساتھ چمٹا ہوا نیچے گیا۔ میں نے اپنی ساری قوت رسوں سے چمٹے رہنے میں لگا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے معلوم تھا، پل جا کر گھاٹی کی پتھریلی دیواروں سے ٹکرائے گا اور اس تصادم سے میری ہڈی پسلی ایک ہو جانے کے روشن امکانات تھے اور اگر بچ بھی جاتا تو جھٹکے کی وجہ سے کھائی میں بھی گر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نامساعد حال پل کے اس دھچکے کو برداشت نہ کرتے ہوئے ٹوٹ کر کھائی میں گرنے کا بھی پورا امکان تھا اور یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ مجھے دعا مانگنے یا اس کے بارے میں سوچنے کی فرصت بھی نہیں ملی تھی۔ میری ساری توجہ جان بچانے پر تھی۔

پل کے تختوں نے مجھے بچایا اور میں براہِ راست گھاٹی کی پتھریلی دیوار سے ٹکرانے سے محفوظ رہا۔ پھر پل کے تختے ٹکرائے اور پرزے پرزے ہو کر بکھر گئے۔ زبردست جھٹکے کے باوجود میں نے رسے پر اپنی گرفت اور حواس بحال رکھے۔ میں کوئی تیس فٹ کی گہرائی میں لٹکا ہوا تھا۔ گن شپ یوں جھوم رہا تھا جیسے اس نے ٹرافی پکڑ رکھی ہو۔ پائلٹ اسے سنبھالنے اور اوپر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کوشش میں گن شپ میرے نزدیک آتا جا رہا تھا۔ اس کے خونی پر ابھی تک گھوم رہے تھے۔ میں نے جلدی سے دوسرا رسا تھام کر اس سے دور ہونے کی کوشش کی مگر وہاں گنجائش کہاں تھی۔ پر لگنے سے ایک طرف کا رسا کٹا تو پل اور بھی جھول گیا تھا۔ گن شپ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر گھوم رہے تھے اور کوئی لمحہ جاتا تھا کہ وہ دوسرا رسا بھی کاٹ دیتے اور میں پل کے ملبے کے ہمراہ نیچے نامعلوم گہرائی میں جا گرتا۔

گن شپ کی سرچ لائٹ آن تھی۔ مجھ پر اس کی روشنی پڑی تو پائلٹ نے مجھے دیکھ لیا اور اس حالت میں بھی اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔ چھ نالی مشین گن سے برسٹ مارا مگر مشین گن اپنی فٹنگ سے الگ ہو جانے کے بعد سر کے بل لٹکی ہوئی تھی اس لئے ساری گولیاں کھائی کی تہہ کی طرف گئیں۔ میں نے مُکا لہرا کر اشارے سے اسے جہنم میں جانے کو کہا، میں دیکھ رہا تھا کہ ایک پر کم ہونے سے گن شپ قوتِ پرواز سے محروم ہو گیا تھا اور پائلٹ کی اسے گھاٹی سے باہر لے جانے کی کوشش ناکام رہی تھی اور گھاٹی کی تہہ اس کا مقدر بن چکی تھی۔ یہ بات پائلٹ نے بھی محسوس کر لی تھی حالانکہ وہ چاہتا تو ایک بٹن دبا کر ایجیکٹ کر جاتا، سیٹ کے راکٹ اسے اتنی بلندی پر لے جاتا جہاں سے وہ بحفاظت زمین پر پیراشوٹ کے ذریعے اتر سکتا تھا۔

مگر اس پر جیسے جنون طاری ہو گیا تھا اور اس نے مجھے ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس نے جان بوجھ کر گن شپ میرے نزدیک لانے کی کوشش کی تاکہ اس کے گھومتے پَر میرے چیتھڑے اُڑا دیں یا اس رسی کو کاٹ دیں جس کے سہارے میں لٹکا ہوا تھا، دونوں صورتوں میں میرا انجام موت ہوتی۔ میں گھاٹی کی دیوار پر قدم جماتے ہوئے پیچھے ہٹا لیکن میں جتنا پیچھے جاتا تھا، گن شپ کے پَر اتنا ہی آگے آتے تھے۔ اب پائلٹ پاگل ہو گیا تھا آنے والی موت کو بھول کر وہ میری بے بسی پر قہقہے لگا رہا تھا۔ کھردری چٹانی دیوار مجھے قدم جمانے کا موقع دے رہی تھی لیکن اس طرح میں گن شپ سے کتنا دور جا سکتا تھا؟ اچانک گن شپ کے پر دیوار سے ٹکرائے اور پھر ٹکڑے اُڑے۔ گن شپ بے قابو ہو کر ذرا دور چلا گیا۔ میں نے موقع غنیمت جان کر گھاٹی کی دیوار کا جائزہ لیا چاند کی روشنی میں مجھے چند گز نیچے دیوار میں ایک خلا نظر آیا تھا۔ یہ نہ جانے کتنا کشادہ تھا یا محض سائے کی وجہ سے ایسا تاثر دے رہا تھا جیسے خلا ہو؟

پاگل ہو جانے والے پائلٹ نے ایک بار پھر اپنے زخمی پرندے کو سنبھالا اور اسے فیصلہ کن انداز میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری طرف لایا۔ وقت نہیں تھا، میں ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو گن شپ مجھے دیوار کے ساتھ پیس دیتا یا رسا کٹ جانے سے میں سیکڑوں فٹ کی گہرائی میں جا پڑتا۔ میں نے رسا ڈھیلا چھوڑا اور پھسلتا ہوا نیچے گیا۔ اسی لمحے پر رسے سے ٹکرایا اور اسے کاٹ دیا۔ یک دم میرے گرنے کی رفتار تیز ہوئی تھی مگر میں نے لوسان سنبھال رکھے اور خلا سامنے آتے ہی اس پر چھلانگ لگا دی۔ ایک لمحے کو مجھے لگا جیسے میں ٹھوس چٹان سے ٹکرایا ہوں مگر میں خلا میں تھا۔ میں نے ہاتھ پھیلائے اور خود کو تصادم سے بچایا ورنہ میں تاریکی میں دیوار سے ٹکرا کر اپنا منہ ناک ایک کروا لیتا۔ یہاں تاریکی اتنی زیادہ تھی کہ ٹھوس دیوار کی طرح محسوس کی جا سکتی تھی۔

عقب میں گن شپ کے اور اس کے پروں کے چٹان سے ٹکرانے کی شعلہ خراش آوازیں آ رہی تھیں۔ تصادم نے چٹانی دیوار کو ہلا دیا تھا۔ میں نے خوف زدہ تھا کہ ابھی گن شپ کا پیٹرول ٹینک یا اس کا گولہ بارود پھٹے گا اور میں بھی مارا جاؤں گا مگر دھماکے کی آواز نہیں آئی۔ اس کے بجائے گن شپ دیوار سے رگڑ کھاتا نیچے گھاٹی کی تہہ کی طرف جانے لگا۔ میں خلا میں ممکنہ حد تک اندر گھسا اور شاید اس وجہ سے میری جان بچی۔ گن شپ کا عقبی چھوٹا پنکھا گھومتا ہوا آیا اور اس کا بلیڈ سنگی دیوار میں میرے جسم سے صرف چند انچ کے فاصلے پر پیوست ہو گیا تھا۔ میں پھر بچ گیا تھا، محض اس لئے کہ کاتب تقدیر نے میری موت کا جو وقت لکھا تھا وہ ابھی نہیں آیا تھا۔ گن شپ کے تہہ میں گرنے کی آواز اور اس کے بعد دھماکا چند لمحوں بعد سنائی دیا تھا۔ ایک کے بعد دوسرا دھماکا ہو رہا تھا۔ گن شپ کے ایندھن کے ٹینک کے بعد اس کا گولہ بارود بھی پھٹ رہا تھا۔ اچانک آگ کا فوارہ سا اس خلا کے سامنے سے گزرا اور میں جو نیچے جھانکنے جا رہا تھا، بے ساختہ پلٹ کر دیوار سے چمٹ گیا۔ مجھے اپنی پشت پر تپش کا احساس ہوا تھا۔ اگر میرا منہ سامنے کی طرف ہوتا تو یقیناً جھلس جاتا۔ جب شعلے ختم ہوئے تو میں احتیاط سے کنارے تک گیا۔ نیچے گھاٹی کی تہہ میں اب بھی شعلے بھڑک رہے تھے۔ بارود کی بو کے ساتھ ایک اور بو بھی میری حس شامہ نے محسوس کی، یہ گوشت جلنے کی کراہت انگیز بو تھی۔

ایک نامعلوم بھارتی پائلٹ مجھے ختم کرنے کے جنون میں خود بھی گھاٹ اتر گیا تھا اور اب اس کا ڈھانچہ گن شپ کی چتا میں پڑا تھا۔ گوشت پوست آگ چاٹ گئی تھی اگر وہ ہندو تھا تو اسے خاصی مہنگی چتا ملی تھی۔ یہ سب شاید دو منٹ میں ہوا تھا لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ میں نہ جانے کب سے جان بچانے کی کوشش میں تھا فرشتہ اجل میرے دائیں بائیں سے کئی بار گزرا اور کم سے کم دو مواقع پر میں اس کے ساتھ جاتے جاتے رہ گیا تھا۔ میں نے اوپر کی طرف دیکھا۔ مجھے گھاٹی کا دوسرا کنارا دکھائی دے رہا تھا اور اس سے بے شمار سر جھانک رہے تھے۔

"اے، کوئی ہے میری فریاد سننے والا۔" میں نے لاؤڈ اسپیکر جیسی آواز نکالی۔ کمار نہ جانے کہاں تھا اور میری زبان سمجھنے والے چند ایک ہی تھے مگر اصل مقصد تو ان کو یہ بتانا تھا کہ میں بدستور زندہ ہوں۔ میری پکار کا خاطر خواہ ردعمل ہوا اور جھانکنے والوں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور وہ سب چلا چلا کر ایک ساتھ بولنے لگے تھے۔ میں سکون سے اس غار کے فرش پر بیٹھ گیا۔ یہ تین فٹ گہرا، سات فٹ اونچا اور کوئی دو فٹ چوڑا خلا تھا۔ نہ جانے کب یہ چٹانیں اور یہ گھاٹی وجود میں آئی تھی اور تب سے یہ خلا تھا۔ جو صرف اس لئے تھا کہ ایک روز میں اس میں گھس کر اپنی جان بچا سکوں گا۔ اس کے وجود میں آنے کے بعد میں شاید اوّلین انسان تھا جس نے یہاں قدم رکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچتے سوچتے میرا دھیان اپنے محسن کی طرف گیا تھا، جس نے اوپر سے ایک من کا پتھر گرا کر گن شپ کو تباہ کر دیا تھا حالانکہ اس گن شپ کے مقابلے میں پتھر ایسا ہی تھا جیسا کہ ہاتھی کے مقابلے میں ابابیل کا پھینکا کنکر۔ مگر جس طرح خدا کے حکم سے ابابیل جیسی کمزور مخلوق نے ہاتھی فنا کر دیئے تھے اسی طرح ایک معمولی سے پتھر نے گن شپ کے بدمست ہاتھی کو فنا کر دیا تھا۔ میں حیران تھا، شہروں سے دوران قبائلیوں کے خلاف بھارت سرکار کس قسم کے جنگی ہتھیار استعمال کر رہی تھی، ان کو فنا کرنے کے لئے فوجی قوت کا اندھا دھند استعمال کر رہی تھی حالانکہ انہوں نے نہ تو ملک کے خلاف بغاوت کی تھی اور نہ ہی سرکار کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔ اگر جلد ان قبائلیوں کو قلعے میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملی تو کوئی اور فضائی حملہ ان کو نیست و نابود کر دے گا۔

تیر کمار کی آواز سن کر چونکا۔ ''شہباز! تم کہاں ہو؟''

''میں یہاں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ قلعے والی سمت میں تھا اور ظاہر ہے کہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا مگر دوسرے کنارے پر موجود افراد میری نشان دہی کر رہے تھے اس لیے جلد غار کے سامنے رسا گرا۔ میں نے اسے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ جان بچانے کی کوشش میں رائفل بھی گھاٹی میں گر گئی تھی اور اب میرے پاس صرف پستول تھا، میں نے رسا کمر سے باندھا اور چلایا۔ ''میں اوپر آ رہا ہوں۔''

''ہم رسا کھینچ رہے ہیں۔'' کمار نے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے، میں خود آ رہا ہوں۔''

رسے کی مدد سے چٹانوں پر چڑھنا بہت آسان ہوتا ہے، مجھے تو خالی ہاتھ بھی چٹانوں پر چڑھنے کا تجربہ تھا۔ میں پانچ منٹ میں اوپر تھا۔ جیسے ہی میں اوپر پہنچا، کمار مجھ سے لپٹ گیا۔ ''تھینکس گاڈ! ورنہ میں تو سمجھا تھا.....''

''کہ گزر گیا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''نہیں یار! خاصی ڈھیٹ شے ہوں میں۔ یہ بتاؤ کہ اندر کا کیا حال ہے؟''

''میرے آدمی ٹیک اوور کر چکے ہیں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''کچھ دیر میں باقی افراد بھی اندر ہوں گے۔''

''جتندر کا کیا ردِعمل ہے؟''

''میں نے اسے نہیں چھیڑا ہے۔ وہ اپنے محل میں ہے اور باقی جگہوں پر میرے آدمی قابض ہیں البتہ راج بہت اچھل رہا ہے۔''

''وہ خطرناک آدمی ہے اس سے ہوشیار رہنا۔'' میں نے کہا اور ایک قبائلی سے اس کی چمڑے کی بوتل لے کر پانی پیا۔ اسی اثنا میں اندر چند افراد ایک تیار پل لے کر نمودار ہوئے، انہوں نے ستونوں سے بندھے پرانے پل کے رسوں سے اس نئے پل کو جوڑا اور پھر اسے دوسرے کنارے کی طرف اچھال دیئے تھے۔ انہیں ان کاموں کا خوب تجربہ تھا۔ دوسری طرف والوں نے رسوں سے بندھا پل کھینچا اور رسے دوسری طرف موجود ستونوں سے باندھ دیئے گئے۔ پل قائم ہوتے ہی دوسری طرف موجود قبائلی تیزی سے گھاٹی عبور کر کے قلعے میں داخل ہونے لگے تھے۔ کمار نے پہلی بار ایک سیاست دان کی طرح اپنی عقل استعمال کی تھی اسے شاید پہلے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرہ تھا کہ اسے اور اس کے مسلح آدمیوں کو اتنی آسانی سے اندر داخل ہونے نہیں دیا جائے گا اس لیے اس نے پہلے ہی کمزور اور زخمیوں کی آڑ میں اپنے مسلح آدمیوں کو اندر بھیج دیا تھا تاکہ اگر اندر والوں کی طرف سے کوئی شرارت ہو تو وہ قلعے پر قبضہ کر لیں۔

''فوج کے کوئی آثار ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''قلعے کی بلندیوں پر میرے آدمی دوربینوں سمیت ہیں۔ جیسے ہی ان کو کوئی نظر آیا، وہ ہمیں خبردار کر دیں گے۔'' کمار نے بتایا۔

مجھے خیال آیا۔ ''یار! وہ آدمی کون ہے جس نے اوپر سے پتھر مار کر بیلی کاپٹر گرایا تھا؟ یقین کرو وہ صرف چند لمحے کی دیر کرتا تو گن شپ کی مشین گن میرے ٹکڑے کر چکی ہوتی۔''

''میں نہیں جانتا وہ قلعے کا ہی کوئی آدمی ہے۔ مجھے تو پتا بھی نہیں تھا، اندر جاتے ہی میرے ساتھی حالات کو اپنے قابو میں کرنے لگ گئے تھے۔'' کمار نے نفی میں سر ہلایا۔

''اسے تلاش کرو، وہ میرا محسن ہے۔''

''مل جائے گا، قلعے میں ہی ہوگا۔''

سارے ہی جوان مرد تھے اس لئے وہ تیزی سے پل عبور کر کے قلعے میں داخل ہو رہے تھے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے پہلے ہی اندر جا چکے تھے۔ میں اور کمار پل کے پاس کھڑے ان لوگوں کو جاتا دیکھ رہے تھے۔

''کمار، اب تمہیں دو محاذوں پر لڑنا ہوگا۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ اندر والے بھی میرے دوست نہیں ہیں۔''

''بھارتی سرکار کو بھی اپنا دشمن سمجھو۔ وہ اتنا نقصان برداشت کرنے والے نہیں ہیں۔''

''ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' کمار نے گہری سانس لی۔ ''لیکن بن موت مرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔''

''کمار، تم لوگوں کا بیرونی دنیا سے رابطہ بہت ضروری ہو گیا ہے، تم انسانی حقوق کی تنظیموں اور این جی اوز سے بات کرو، غیر ملکی سفارت خانوں، اقوام متحدہ اور یورپی یونین کو خطوط لکھو۔''

''میں یہی کروں گا بس مجھے چند دن سکون کے مل جائیں۔ میں اپنے آدمیوں کے نقصان کا اندازہ کروں گا۔ ابھی تو مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کتنے لوگ بچ کر آئے ہیں۔''

میرا اندازہ تھا، ان کے کم سے کم چار ہزار افراد مارے جا چکے تھے اور یہ نقصان ایسے قبیلے کے لئے بہت بڑا تھا جس میں کل دس گیارہ ہزار نفوس ہوں۔ کمار نے بقیہ افراد کی منتقلی کا کام بیتو کی نگرانی میں چھوڑا اور مجھے لے کر اندر آیا۔ قلعے کی قدرتی دیوار تقریباً دس گز چوڑی تھی۔ اتنی پختہ سنگی دیوار کو توڑنا ناممکن تو نہیں لیکن بے حد مشکل ضرور تھا۔ قلعے کے اندر ایک حیران کن حد تک وسیع وادی تھی، پہلے یہ نشیب کی طرف گئی تھی۔ اس کے وسط میں جھیل یا پانی کا چشمہ تھا جس سے بخارات اٹھ رہے تھے۔ چاندنی میں برف پوش جنگل اور ان کے اوپر سایہ فگن برفانی چوٹیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ چشمے یا جھیل کے آس پاس سبزی نما کھیت تھے جن پر فی الحال برف پڑی تھی۔ ''یہ وادی سطح سمندر سے کم سے کم آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔'' کمار نے مجھے بتایا۔ ''اس کے بعض حصے تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہزار فٹ سے بھی زیادہ بلند ہیں۔"

"یہاں تو لگ رہا ہے کہ سال میں چھ مہینے برف رہتی ہے۔"

"تقریباً۔" اس نے تصحیح کی۔ "نومبر کے آغاز میں برف پڑتی ہے اور مارچ کے آخر میں پگھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس مہینے وادی کے باشندے کاشت کاری کرتے ہیں اور اپنے مویشی لے کر نیچے وادیوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جہاں گھاس پودے افراط سے ہوتے ہے پھر جیسے جیسے اوپر کی برف پگھلتی ہے یہ اوپر آتے رہتے ہیں۔ بہار میں جو مادہ جانور بچہ دینے والا ہوا سے وادی میں واپس بھیج دیا جاتا ہے۔"

"وہ ان جنگلوں میں چرتی ہے؟" میں نے برف پوش جنگلوں کی طرف دیکھا۔ "مگر اس وادی کی آبادی کہاں ہے، مجھے تو کوئی مکان نظر نہیں آرہا ہے۔"

"اب یہاں کوئی مکان نہیں ہے۔ سب غاروں میں آباد ہیں۔ جتندر اور دوسرے حاکم بھی غار میں ہی رہتے ہیں۔ سردیوں میں یہ غار اندر سے قدرتی طور پر گرم رہتے ہیں۔"

"حیرت انگیز، آخر یہ غار کیسے گرم رہتے ہیں؟"

"پتا نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ "مجھے اس بارے میں زیادہ نہیں معلوم ہے۔"

ہم وادی کے دائیں طرف گھنے درختوں تلے موجود ڈھلان کے ایک حصے سے غار میں داخل ہوئے۔ میں نے محسوس کیا کہ وادی کے لوگوں نے وادی کو سرسبز رکھنے اور درخت لگانے کی شعوری کوشش کی تھی۔ ہر وہ جگہ جہاں درخت لگائے جاسکتے تھے، وہاں درخت لگے تھے سوائے کھیتوں کے۔ یہی وجہ تھی انہوں نے زمین کو گھر بنانے یا جانور رکھنے کے لئے استعمال نہیں کیا تھا۔ جانور بھی زیر زمین دنیا میں رہتے تھے۔

"کیا یہ قدرتی غار ہیں؟" میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے قدرتی تھے، اب ان میں بہت سارے حصے انسانی ہاتھوں کے تراشے ہیں۔"

"یعنی جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی، ان لوگوں نے غار کی توسیع جاری رکھی اور اس طرح یہ زیر زمین بستی وجود میں آگئی۔"

کمار نے سر ہلایا۔ "نوجوان افراد بارہ تیرہ برس کی عمر میں روزانہ کچھ وقت اپنے لئے غار بنانے میں صرف کرتے ہیں اور جب وہ جوانی کی عمر کو یا شادی کرنے لائق ہو جاتے ہیں، تو ان کا حصہ تیار ہو جاتا ہے مگر غار بنانے کی اجازت سردار دیتا ہے۔"

"جسے تم نے قید کر رکھا ہے، اس کا مطلب ہوا کہ کوئی غار میں اپنی مرضی سے توسیع نہیں کر سکتا؟"

"ظاہر ہے، اگر ہر شخص اپنی مرضی سے غار میں توسیع کرنے لگے تو یہ غار ہی بیٹھ جائے گا۔ بڑے بوڑھے اور تجربے کار لوگ دیکھ بھال کر غار میں توسیع کی اجازت دیتے ہیں تاکہ راستے درست رہیں اور غار اندر سے ایک حد سے زیادہ کھوکھلا نہ ہو۔"

"تم نے بتایا تھا کہ وادی کی آبادی تین ہزار نفوس پر مشتمل ہے اور تقریباً اس سے دوگنے لوگ یہاں آگئے ہیں، گزارہ کیسے ہوگا؟"

"یہی تو جتندر بھی کہہ رہا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ تو عیاری دکھا رہا تھا۔ اصل میں اسے خوف تھا کہ باہر سے آنے والے تعداد میں زیادہ ہیں، وہ اقتدار قابض ہو سکتے ہیں۔''

کمار مسکرایا۔ ''اس کا خوف غلط نہیں تھا۔ اس وقت وادی اور زیر زمین بستی کی تمام اہم جگہوں پر میرے دمیوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ اندر خوراک کی کیا صورت حال ہے اور اتنے سارے لوگ کہاں رہیں گے۔ ان کے لئے صفائی ستھرائی کے کیا انتظامات ہوں گے۔ اس بند جگہ ہیضے یا پیچش کی وبا پھوٹ پڑنے کے پورے امکانات ہیں۔''

''میں نے ابھی اس معاملے پر نہیں سوچا۔'' کمار نے اعتراف کیا۔

''تو سوچو..... ورنہ معاملہ قابو سے باہر ہو گیا تو سوچنا بے کار ہو گا۔ فوری طور پر جتندر اور اس کی کابینہ کا اجلاس طلب کرو اور ان کے سامنے یہ مسائل رکھو۔ وہ اس وادی کے رہنے والے ہیں، ان مسائل کو بہتر طور پر حل کر سکتے ہیں۔''

ہم ایک طویل راہداری سے گزر رہے تھے جس کے دائیں بائیں بے شمار گلیاں تھیں اور ان گلیوں میں وادی کے مکین غاروں میں آباد تھے۔ راہداری میں ہر چند گز کے بعد ایک مشعل لگی تھی۔ ایسی ہی مشعلیں اندر گلیوں میں تھیں اور حیرت انگیز بات تھی کہ اندر گھٹن کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں تھا۔ اندر یقیناً تازہ ہوا کی آمدورفت کا انتظام تھا۔ کمار کے ساتھ آنے والے قبائلیوں کی عورتیں، بچے اور بوڑھے ایک بڑے سے ہال میں جمع تھے۔ البتہ جوان مرد اور جنگجو وادی میں پھیل کر اپنا قبضہ مستحکم کر رہے تھے۔ مقامی افراد سے ان کے ہتھیار لے لئے گئے تھے اور اہم شخصیات کو نظر بند کر دیا گیا تھا۔ یہ انتظامی اور ہنگامی حالات کے لئے مخصوص ہال تھا اور اس کے اردگرد موجود غار دراصل وادی کی حکومت کے دفاتر تھے، یہاں سے وادی کا انتظام چلایا جاتا تھا۔

کمار نے جتندر اور اس کے وزیروں، مشیروں کو طلب کر لیا تھا۔ اس نے ایک ذیلی ہال کا انتخاب کیا تھا جو ابتدا اس کام کے لئے مخصوص تھا۔ کمار بچپن سے یہاں آتا رہا تھا اس لئے چپے چپے سے واقف تھا ورنہ چند گھنٹے یا ایک ہفتے میں بھی یہاں کے راستوں اور مقامات کو ذہن نشین کرنا ناممکن ہی تھا۔ کچھ دیر بعد راجا جتندر اور اس کے ساتھی آئے۔ وہ سب غصے میں تھے۔ تیتی نقوش اور کسی قدر صاف رنگ والے ان قبائلیوں کا راجا جتندر عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اچھا خاصا وجیہہ اور تنومند شخص تھا۔ اس کے ساتھ اس کے پانچ عدد مشیر اور وزیر بھی تھے۔ یہاں راج کی حیثیت وزیر اعظم کی سی تھی۔

میٹنگ کا آغاز گرما گرم ماحول میں ہوا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی کمار اور اس کے ساتھی راجا اور اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑیں گے یا وہ ان پر حملہ کر دیں گے مگر کمار نے بار بار مصالحانہ لہجہ اختیار کر کے ماحول کو ٹھنڈا کیا۔ ماحول لگانے کی کوشش میں راج پیش پیش تھا اور اس کی چھوٹی آنکھوں میں کمار اور اس کے ساتھیوں کے لئے نفرت دہک رہی تھی۔ مجھے لگا اگر معاملہ خرابی کی حد تک پہنچا تو اس کا ذمے دار یہی شخص ہو گا۔ کمار ان کو قائل کر رہا تھا کہ اب وہ عرب کے اونٹ کی طرح خیمے میں آ گئے تھے اس لئے ان کو برداشت کرنا تھا اور وادی کے نظام میں تبدیلی سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ ان سے تعاون کرتے۔ ظاہر ہے کمار نے دھمکی بھی دی ہو گی کہ دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صورت میں ان سب کو مع راجا جتندر کے ان کے عہدوں سے معزول کر دیا جائے گا۔ اور ان سب کو جیل میں ڈال کر کمار خود وادی کی حکومت سنبھال لے گا۔ اس طرح اسے ذرا دشواری تو ہو گی مگر وہ جلد مسائل پر قابو پا لے گا، آخر اسے سرداری کا تجربہ بھی تو تھا۔ کاش کہ اس وقت کمار نے یہی کیا ہوتا۔ بہر حال اس دھمکی نے راجا اور اس کے مشیروں کے حواس درست کر دیئے تھے اور ان کے رعونت سے اکڑے سر جھک گئے تھے۔ کمار ایسا کر سکتا تھا کمار اور اس کے ساتھی غیر قبیلے کے حملہ آور نہیں تھے۔ وہ اس وادی کے لوگ تھے۔ نسلی طور پر پورا قبیلہ ایک تھا جانے وہ اس قلعے میں آباد ہوں یا نیچے برباد ہو جانے والی بستیوں میں۔ ان کے آپس میں رشتے ناتے تھے۔ ان کی زبان اور رسم و رواج ایک تھا۔ اس لئے کمار اقتدار پر قبضہ کر لیتا تب بھی ان کے لئے قابل قبول تھا وہ خود سردار کا بیٹا تھا اور ان کی نسل سے تھا، اس لئے معمولی مزاحمت کے بعد وہ اسے سردار تسلیم کر لیتے۔ راجا جتندر اور اس کے مشیروں نے ایک کونے میں جا کر آپس میں ایک مختصر سی میٹنگ شروع کی اور میں نے کمار کے کان میں کہا۔ ''تم جلدی کرو، ورنہ میں بھوک سے فوت ہو جاؤں گا۔''

''بس دوست، میں نے کھانے کا کہہ دیا ہے۔'' اس نے مجھے تسلی دی۔ ''یہاں سے فارغ ہوتے ہی کھانا کھاتے ہیں۔''

اندر واقعی سردی کا اثر بہت کم تھا۔ یہاں آدمی آرام سے رہ سکتا تھا۔ اگر آگ نہ بھی جل رہی ہو تو گزارہ ہو جاتا۔ راجا جتندر اور مشیر میٹنگ کر کے آئے اور راجا جتندر نے کمار کو حکومت کے اختیارات سونپ دیئے اس کے مطابق جب تک ہنگامی حالات تھے، دوسرے لفظوں میں جب تک کمار اور اس کے ساتھی وادی میں تھے، جتندر صرف نمائشی حکمران ہوتا۔ اصل اختیارات کمار کے پاس ہوتے البتہ راج بھی اس کی وزارتی ٹیم میں شامل تھا۔ سارے امور خوش اسلوبی سے طے پا جانے کے بعد اس خوشی میں دعوت کا اہتمام ہوا تھا۔ وہیں دسترخوان بچھا دیا گیا اور انواع و اقسام کے کھانے آنا شروع ہو گئے تھے۔ مگر مجھے لگ رہا تھا کہ راج کی شمولیت کسی بڑے فتنے کا خیمہ پیش ثابت ہو سکتی تھی۔

☆======☆======☆

ایک ہفتے میں صورت حال خاصی حد تک معمول پر آ چکی تھی۔ نئے لوگوں کو کسی نہ کسی طرح زیر زمین آبادی میں بسا دیا گیا تھا۔ خوراک کے ذخائر تسلی بخش تھے اور اگلی فصل آنے سے پہلے تک کے لئے کافی تھے۔ یہ لوگ گوشت بھی کھاتے تھے اور ان کے پاس جانوروں کی کمی نہیں تھیں بھیڑ، بکری، گائے اور یاک پالتے تھے بار برداری کے لئے خچر اور گدھے تھے۔ گھوڑے البتہ کم تھے۔ کمار نے انتظامی امور میں وادی کے باشندوں کو شامل رکھا تھا لیکن حفاظتی انتظامات اپنے آدمیوں کے سپرد ہی رکھے تھے۔ اس نے سارا اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

حیرت انگیز طور پر فوج کی جانب سے مکمل خاموشی تھی حتیٰ کہ انہوں نے گھاٹی میں پڑے گن شپ کے ملبے سے اپنے آدمیوں کی لاشیں نکالنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی اور مجھے لگ رہا تھا کہ یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا قبل خیمہ ہے۔ میں نے کمار پر زور دیا کہ وہ اپنے آدمیوں کا ایک وفد دہلی بھیجے تا کہ ان کا مسئلہ مقامی اور عالمی میڈیا میں اجاگر ہو مگر نہ جانے کیوں وہ ٹال رہا تھا۔ تنگ آ کر میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑا اور اس شخص کی کھوج میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگ گیا جس نے اوپر فصیل سے پتھر مار کر گن شپ تباہ کیا تھا مگر اس کا بھی سراغ نہیں لگا۔ جیتو کی مدد سے میں نے سیکڑوں مقامی افراد سے پوچھا اور کسی ایک نے بھی اقرار نہیں کیا تھا کہ اس نے پتھر پھینکنے والے کو دیکھا ہے، اس واقعے کا علم سب کو تھا۔ میں حیران تھا، وہ شخص سامنے کیوں نہیں آ رہا تھا اور نہ کسی نے اسے دیکھا تھا۔

نئے آنے والوں کے لئے غار کے اندرونی حصے میں توسیع کی جانے لگی تھی اور کمار نے بیشتر افراد کو اس کام پر لگا دیا تھا۔ اس نے مقامی افراد کی مدد سے (ستھرائی اور فضلے کو ٹھکانے لگانے کے بھی مؤثر انتظامات کئے تھے۔ ہمارے آنے کے ایک ہفتے بعد برف باری کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ بادل گھر گھر کر آنے لگے تھے اور برف باری کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری تھا۔ مقامی لوگ بے حد خوش تھے کیونکہ جتنی زیادہ برف باری ہوتی تھی، گرمیوں میں کھیتوں کے لئے اتنا ہی پانی ملتا تھا اور اتنی ہی زیادہ فصل حاصل ہوتی تھی۔ یہاں چند قدرتی چشمے تھے لیکن ان کا پانی کھیتوں کے لیے ناکافی تھا دوسرے وہ پانی نیچے تھا اسے اوپر لانا ممکن نہیں تھا۔ یہاں ندیاں اور دریا نہیں تھے۔ اس لیے برف ہی پانی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

کمار نے دفاتر والے حصے میں ایک حجرہ اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا، وہ اس کا دفتر بھی تھا اور خواب گاہ بھی میرے مشورے سے اس نے چند چاق چوبند مسلح جوانوں کو بطور محافظ رکھ لیا تھا۔ مجھے خطرہ تھا، اسے قتل کرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ مقامی افراد اور خاص طور پر راجا جتندر اور اس کے ساتھی کمار کے خلاف تھے۔ میں کمار کے دفتر پہنچا تو وہاں ایک مقامی لڑکی موجود تھی اور اس نے دیو داسیوں کا سا مخصوص لباس پہن رکھا تھا یعنی پیروں پر کسی ہوئی دھوتی۔ یہ ایک مخصوص انداز میں باندھی جاتی ہے اور دیکھنے میں بظاہر پاجامے نما لگتی ہے۔ یہ ناف سے بھی نیچے تھی۔ اس کی پتلی کمر کے گرد بھاری ابھار نمایاں ہو رہے تھے اور اوپر اس نے خاصی سردی میں ایک مختصر بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ جس میں پشت کی جانب سوائے ڈوریوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ حسین فتنوش اور سولہ سنگھار سے لگ رہا تھا کہ وہ اونچے طبقے سے تعلق رکھتی ہے جلد ہی اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔

"آؤ شہباز! اس سے ملو..... یہ راج کی بہن سومترا ہے۔"

سومترا نے ہاتھ جوڑے۔ "پرنام شہباز جی!"

میں نے سر ہلایا۔ "تم اردو جانتی ہو؟"

"اردو؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"شہباز کا مطلب ہے ہندی!" کمار نے مداخلت کی۔ "شہباز، یہ مقامی لحاظ سے بہت پڑھی لکھی ہے، اسے نہ صرف ہندی بلکہ کسی حد تک انگریزی اور تبتی زبان بھی آتی ہے۔"

میں نے اسے پُرستائش نظروں سے دیکھا۔ "یعنی جتنی حسین ہے، اتنی ہی ذہین بھی ہے؟"

"آپ بنا رہے ہیں شہباز جی۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"میں کیا بناؤں گا جو تم کو خدا نے بنایا ہے۔" میں نے سرد آہ بھری اور نظروں میں کمار سے دریافت کیا کہ راج لاما کی اس ہمشیرہ کو مجھ سے متعارف ہونے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی؟

"شہباز، یہ تم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔"

"مجھ سے؟" میں چونکا۔ "خیر کہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں نہیں۔'' وہ بے تکلفی سے بولی اور میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''ہمارے ساتھ آیئے۔''

''آپ کے ساتھ، مگر کہاں؟''

''چلئے نا، ہم آپ کو کھا تو نہیں جائیں گے۔'' اس کے لہجے میں چیلنج آ گیا تھا۔

''چلو، اور تم مجھے کھا بھی نہیں سکتیں۔ سخت روکھا اور ناقابلِ ہضم ہوں۔''

اس کے ساتھ دروازے تک جا کر میں رکا۔ ''ایک منٹ، کمار سے ایک بات کہہ کر آتا ہوں۔'' میں کمار کے پاس آیا۔ ''یہ کیا چکر ہے برخوردار!''

''مجھے نہیں معلوم۔ میں نے خود اسے ابھی دیکھا ہے۔ اس نے تم سے ملنا چاہا تو میں نے تم کو بلوا لیا۔''

''مجھے اس کے انداز سے خطرے کی بو آ رہی ہے۔''

''مرد ہو کر عورت سے ڈرتے ہو؟'' کمار نے ملامت کی۔

''عورت ہے تبھی تو ڈرتا ہوں۔''

سومترا خاموشی سے میرا انتظار کر رہی تھی، جب ہم نے چلنا شروع کیا تو اس نے آہستہ سے کہا۔ ''لگتا ہے آپ ہم پر اعتماد نہیں کر رہے ہیں؟''

''یہ تم نے کیوں سوچا؟''

''آپ کمار جی سے ہمارے بارے میں پوچھنے کے لئے گئے تھے۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''کیا مجھے نہیں پوچھنا چاہئے تھا؟'' میں لاجواب ہو گیا تھا۔

''نہیں، اتنے بہادر آدمی کو جو دنیا سے لڑ سکتا ہے، کم سے کم ایک عورت سے نہیں ڈرنا چاہئے۔''

''بی بی..... میں نے جو تجربہ خود حاصل کیا ہے اور جو دنیا کا تجربہ دیکھا ہے..... فوج کو شکست دینے والے کو عام طور سے کسی عورت کے ہاتھ سے شکست نصیب ہوتی ہے۔''

''پر آپ کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت.....''

''میں ڈر نہیں رہا۔ تم نے اعتبار کی بات کی تھی میں نے اس کا جواب دیا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ وہ رک کر میری طرف مڑی اور اپنی سحر انگیز آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ ''آپ تو ناراض ہو گئے۔''

''تم کہاں لے جا رہی ہو مجھے؟'' میں نے اردگرد موجود افراد پر غور کیا جو ہمیں غور سے دیکھ رہے تھے۔

''آیئے۔'' اس نے پھر چلنا شروع کر دیا۔ وہ مجھ سے ایک قدم آگے تھی اور اس کی چال میں نسوانیت کی ساری کیفیتیں تھیں۔ لچکنا، ڈولنا اور بل کھانا۔ اسے کیٹ واک نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ ماڈلز کیٹ واک کے نام پر اپنی جو نمائش کرتی ہیں اسے صرف عورت کی توہین کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بدن کا بانکپن اور بے حد متناسب جسامت بتا رہی تھی کہ وہ کنواری ہے کسی مرد نے اسے نہیں چھوا تھا۔ اس کے پیچھے چلنا ایک صبر آزما کام تھا اس لئے میں قدم بڑھا کر اس کے برابر میں آ گیا۔

''میں تمہارے لئے اجنبی ہوں اور تمہارا بھائی راج یہاں کے بڑوں میں سے ایک ہے، اسے اعتراض نہیں ہوگا؟''

''کس بات پر؟'' اس نے اتنی معصومیت سے انجان بن کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہماری ملاقات پر؟" میں بھنا گیا تھا۔

"نہیں، بھیا کو کیوں اعتراض ہونے لگا؟" اس نے ویسی ہی معصومیت سے کہا۔

اب ہم جس حصے سے گزر رہے تھے، یہ خواص کے لئے مخصوص تھا۔ کیونکہ یہاں عوامی بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ راستے بھی کشادہ تھے اور رہائشی حصوں پر چمڑے کے پردوں کے بجائے لکڑی کے منقش دروازے لگے تھے۔ سومترا ایسے ہی ایک دروازے میں مجھے لے کر داخل ہوئی۔ اندر آتے ہی میں دم بخود رہ گیا تھا۔ یہ ایک آراستہ و پیراستہ نشست گاہ تھی۔ فرش پر دبیز سفید رنگ کا قالین تھا اور نفیس قسم کا فرنیچر بھی تھا۔ دیواروں پر ریک لگا کر سجاوٹ اور آرائش کی اشیاء رکھی گئی تھیں۔ اس زیر زمین بستی میں ایسی جگہ کا تصور بھی محال تھا۔

"کیسی لگی یہ جگہ؟" سومترا نے پوچھا۔

"ایسا لگ رہا ہے جیسے میں شہر کی کسی آراستہ پیراستہ کوٹھی میں کھڑا ہوں۔"

"آؤ، میرے ساتھ۔" وہ مسکرائی اور مجھے لے کر اندر کی طرف بڑھی۔ یکے بعد دیگرے دو کمروں سے گزر کر ہم ایک گیلری میں آئے جس کے دائیں بائیں کمرے تھے۔ اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر سجا ہوا بیڈ روم تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟"

"ڈرو مت شہباز جی!" وہ اندر داخل ہوئی، مجبوراً میں بھی اندر آیا۔

ایک عدد ڈبل بیڈ تھا جس پر فوم کا میٹرس تھا۔ یہاں بھی فرش پر دبیز قالین بچھا تھا۔ ایک طرف اخروٹ کی لکڑی کا صوفہ سیٹ تھا اور اس کے سامنے منقش سطح والی میز رکھی تھی۔ "اب آپ یہاں رہیں گے شہباز جی!"

"یہاں..... کیوں؟"

"کیونکہ جہاں آپ رہ رہے تھے، وہ جگہ آپ کے قابل نہیں تھی، آپ ہیرو ہیں۔"

"بی بی! میں ہیرو نہیں ہوں۔ دوسرے آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں صرف آپ کی مرضی سے کسی جگہ رہ لوں گا۔" میرا لہجہ ذرا سخت ہو گیا تھا۔

اس کا چہرہ یک دم بجھ گیا۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہمیں افسوس ہے۔ پر آپ غلط سمجھ رہے ہیں، ہم نے خلوص سے یہ کام کیا ہے۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو لرزتے دیکھ کر میں خود نرم پڑ گیا تھا۔ "سوری، میرا یہ مطلب نہیں تھا مگر تمہیں میرے لئے ایسا کوئی بندوبست کرنا تھا تو مجھے پہلے بتا دیتیں۔"

"اب بتا دیا!" اس نے گلابی ہتھیلیوں سے آنسو صاف کئے۔ "بھگوان کے لئے انکار مت کیجئے گا۔"

"مگر مجھ پر یہ عنایت کیوں؟"

"ہم نے کہا نا..... آپ ہمارے ہیرو ہیں۔ ہم نے باہر سے آنے والوں سے آپ کی تعریفیں سنی تھیں، ہمارا من مچل گیا کہ آپ سے ملیں..... آپ کی سیوا کریں۔"

میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا اس سیوا کے پیچھے چھپے مقاصد۔ کسی حسین نوجوان لڑکی کا من یونہی کسی کی سیوا کے لئے نہیں مچلتا ہے۔ اگر صرف سومترا کی بات ہوتی تو میں شاید اس کی میزبانی قبول کر لیتا مگر وہ راج کی بہن تھی اور میں نے جب اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت ہی دیکھی تھی۔ میں ایسے شخص کے گھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں مہمان بن کر کیسے رہ سکتا تھا۔ "سوہترا! تم جانتی ہو راج لاما تمہارا بھائی، مجھے پسند نہیں کرتا؟"

"یہ آپ سے کس نے کہا اور اگر بھیا آپ کو ناپسند بھی کرتے ہیں تو اس سے میرا کیا تعلق ہے، میں تو آپ کو پسند کرتی ہوں۔"

"یہ راج کا گھر نہیں ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ میرا گھر ہے۔ بھیا کا اس سے تعلق نہیں ہے۔"

"تم اپنے بھائی سے الگ رہتی ہو؟"

"ہاں..... وہ میرے پتاجی نے اپنی زندگی میں ہی اپنی دولت اور یہ مکان ہم دونوں میں تقسیم کر دیا تھا۔"

"تب تو میرا یہاں رہنا اور بھی نامناسب ہے۔"

"کیوں؟" وہ میرے قریب آ گئی تھی۔

"سوہترا، سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم لڑکی ہو اور تمہارے گھر میں کوئی غیر مرد آ کر رہے تو لوگ باتیں نہیں بنائیں گے؟"

"ہمیں لوگوں کی پروا نہیں ہے۔"

"لوگوں کی پروا کرنی پڑتی ہے اور میں اس جگہ اجنبی ہوں۔ میں کسی مشکل میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"تو آپ ہمارے ساتھ رہنے سے انکار کر رہے ہیں؟" اس کا لہجہ بھرا گیا تھا۔

"مجبوری ہے سوہترا!"

اس نے رخ دوسری طرف کر لیا۔ اس کا جسم لرزا تو میں جان گیا وہ رو رہی تھی۔

"خدا کے لئے سوہترا!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"آپ راج بھیا کی وجہ سے مجھ سے بھی نفرت کرتے ہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"سچ کہہ رہے ہیں؟" اس نے مڑ کر اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا تھا۔

میں مشکل میں پڑ گیا تھا۔ "مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تب یہاں رہ جائیے، ہمارے پاس!" اس نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر کہا۔

سچ یہ تھا کہ اس نے مجھ پر اثر ڈالا تھا، اس کے حسن اور ادائے دلبری کی معصومیت نے میرے دل کے تار چھیڑ دیئے تھے ورنہ اس کی جگہ کوئی حسینہ عالم، مس یونیورس ہوتی تب بھی میں خود کو اس کے سامنے اتنا مجبور نہ کرتا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ یہ ایک دل کو چھو لینے والی پسند تھی جو ہر انسان کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس نازک سی لڑکی نے دیکھتے ہی دیکھتے مجھ پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "سوہترا، یہ ممکن نہیں ہے، لوگ باتیں بنائیں گے۔"

"ہمیں لوگوں کی پروا نہیں ہے۔ ہم سورج ونس کی بیٹی ہیں، کسی کی مجال ہے جو ہمارے بارے میں غلط سوچے۔"

وہ سچ مچ بھولی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سوسترا! میں ابھی تمہاری یہ پیشکش قبول نہیں کر سکتا۔" میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ "میں کمار سے مشورہ کروں گا۔"

"اچھا، کچھ دیر تو رک سکتے ہیں؟" اس نے پیچھے ہو کر کہا۔

"ہاں، کچھ دیر رک سکتا ہوں۔" میں نے اس کا دل رکھنے کے لئے کہا۔ اس نے فوراً تالی بجائی اور ایک نوجوان خادمہ اندر آئی۔

"پوربی، جا کر کچھ کھانے اور پینے کو لا۔"

"میں مسلمان ہوں اور ہم ہر شے کھا پی نہیں سکتے۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"میں جانتی ہوں اور مجھے پتا ہے مسلمان نشہ نہیں کرتے اور نہ ہی ایک خاص طریقے کے بغیر کٹا جانور کھاتے ہیں۔" سوسترا بولی اور پوربی کو ہدایت دینے لگی۔

پوربی بھی اچھی دلکش لڑکی تھی مگر اس کے حسن میں بے باکی نمایاں تھی جبکہ سوسترا کے حسن میں ایک طرح کی معصومیت تھی۔ اس کے باوجود وہ ایسے لباس میں تھی کہ میں اس سے نظریں چرانے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ پوربی کے جانے کے بعد میں نے اس سے کہا۔ "مانا کہ یہاں خاص سردی نہیں ہے مگر پھر بھی تمہیں کچھ پہن لینا چاہئے۔"

"کیوں..... پہنا ہوا تو ہے؟"

"ہاں مگر یہ یہاں کا عام لباس تو نہیں ہے۔"

"ہمیں اچھا لگتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کو بھی ہم پر اچھا لگ رہا ہے۔" اس نے بات ہی ختم کر دی۔ میں اخروٹ کی لکڑی کے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ یہ خواب گاہ کمار کے دفتر اور خواب گاہ سے ہزار گنا بہتر تھی، جہاں میں رات کو ایک معمولی سے کمبل میں خود کو لپیٹ کر کھردرے قالین پر سو جاتا تھا۔ ایک وزیر باتدبیر کی ہمشیرہ کا مہمان خانہ جب اتنا سجا ہوا تھا تو خود ہمشیرہ یا وزیر باتدبیر اور راجا کی عالی شان رہائش گاہوں کا صرف تصور کیا جا سکتا تھا۔ یعنی اس وادی میں حکمران طبقہ عوام کے مقابلے میں ویسی ہی زندگی بسر کر رہا تھا جیسی کہ پاک و ہند کے حکمران بسر کرتے تھے۔ پورے عیش و عشرت سے اور پورے کروفر کے ساتھ۔ پوربی ایک تھالی میں بہت ساری چیزیں سجا کر لے آئی تھی۔ اس طرح شیشے کے ایک جگ میں انناس کے جوس جیسی کوئی شے تھی۔ کھانے کی تمام چیزیں سبزی یا اناج سے بنی تھیں اس لئے میں نے بے خطر ہو کر کھائیں۔ سوسترا خود اٹھا اٹھا کر چیزیں پیش کر رہی تھی۔ مجھے رغبت سے کھانا دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ پھر اس نے جگ سے وہ شربت نکال کر پیش کیا۔ "یہ وادی کا خاص مشروب ہے اور صرف اسی جگہ بنتا ہے۔" اس نے کہا۔

میں نے پی کر دیکھا، ذائقہ سفرد اور فرحت بخش تھا۔ "ہاں، اچھا ہے۔"

"اسے خاص جڑی بوٹیوں سے بنایا جاتا ہے۔" اس نے بتایا۔ "جسم کو طاقت دیتا ہے اور سردی سے بچاتا ہے۔"

میں نے اسے دیکھا۔ "لگتا ہے تم یہی مشروب استعمال کرتی ہو تبھی سردی نہیں لگتی؟"

وہ ہنسی۔ "نہیں، میں عادی ہوں۔ بچپن سے یہاں رہی ہوں۔ ایسے کپڑوں میں باہر بھی جا سکتی ہوں،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے سردی نہیں لگتی۔"

"فرض کرو تمہارے بھیا نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو؟"

"بھیا یہاں نہیں آتے اور ان کو کیا پتا کہ تم یہاں ہو؟"

میں نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "تم اتنے لوگوں کے درمیان سے مجھے یہاں لائی ہو، یہ کیسے ممکن ہے کہ اس تک خبر نہ پہنچے۔"

اس نے منہ پر ہاتھ رکھا۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"

"اور ممکن ہے راج کو اتنی دیر میری یہاں موجودگی سے کوئی شبہ ہو جائے۔ اس لئے اب مجھے جانے دو میں پھر آؤں گا۔" میں کھڑا ہو گیا۔

"ایسے نہیں۔" اس نے اچانک بانہیں میرے گلے میں ڈال دی تھیں۔

"سوترا، یہ کیا حرکت ہے؟" میں نے اسے الگ کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناگن کی طرح مجھ سے لپٹ گئی تھی اور پھر اس نے ایسی حرکت کی کہ میں بوکھلا کر اور لاحول پڑھ کر رہ گیا۔ "یہ کیا حرکت کی ہے؟" میں نے ہونٹ رگڑے۔ اس کے لبوں کی لالی اتر آئی تھی۔ وہ ہنسی تو سکے کھنک گئے۔

"اے..... پیار سے ڈرتے ہو؟"

"اب میں نہیں آؤں گا۔" میں نے خفگی سے کہا۔

"مت آنا۔ تم جہاں ہو گے وہاں آ جاؤں گی اور سب کے سامنے....."

"میں تمہیں مار بیٹھوں گا۔"

"بے شک مار ڈالنا..... لیکن دن میں ایک بار تم پیار ضرور دو گے۔"

"زبردستی ہے کوئی؟"

"ہاں زبردستی ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔ "انکار کر کے دیکھو..... ابھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔"

"خدا کے لئے سوترا!" میں پریشان ہو گیا تھا۔ "کمار اور اس کے ساتھی میری بہت عزت کرتے ہیں، میں ان سب کی نظروں میں نہیں گرنا چاہتا۔"

"تو دن میں ایک بار یہاں آؤ گے۔" اس نے شرط رکھ دی۔

"ٹھیک ہے بابا!" میں نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

"اور اگر نہیں آئے تو میں خود آ جاؤں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

"سوترا! تم آگ سے کھیل رہی ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں جانتی۔" اس نے معصومیت سے کہا۔ "اگر یہ آگ ہے تو مجھے دل و جان سے قبول ہے۔"

میں بوجھل دل کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل آیا تھا۔ یہ لڑکی پاگل تھی۔ میں اس کے جذبے کی شدت نہیں جانتا تھا مگر مجھے لگ رہا تھا وہ پسند کے راستے پر حد سے آگے جا چکی تھی۔ نہ جانے یہ لڑکیاں اتنی نادان کیوں ہوتی ہیں۔ بے اختیار میرے تصور میں دو سیاہ آنکھیں آ گئیں۔ سویرا نے بھی ایسے ہی دل لگایا تھا مگر وہ میرے نصیب میں نہیں تھی۔ وہ کسی اور کے مقدر کا ستارہ تھی تبھی تو میں اب تک بے چین اور آوارہ پھر رہا ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بے خیالی میں غار کے مختلف حصوں میں بھٹکتا ہوا ایک تاریک گوشے کی طرف جا نکلا تھا۔ میں چونکا، اردگرد دیکھا۔ یہ ویران جگہ تھی اور اس جگہ سے چاروں طرف راستے نکل رہے تھے اور میں قطعی بے خبر تھا کہ ان میں سے کون سا راستہ کس طرف کو جاتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کون سا راستہ اختیار کروں کہ سامنے سے ایک سایہ نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں لمبا سا ڈنڈا دیکھ کر میں پہلے ہی چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے آتے ہی لپک کر مجھ پر وار کیا اور میں نے جھکائی دے کر وار بچایا۔ اسی لمحے عقب سے آہٹ محسوس ہوئی، کوئی اور بھی تھا جو عقب سے آیا تھا۔ خطرہ محسوس کر کے میں جھکے جھکے اس شخص میں گھس گیا جس نے لاٹھی سے میرا سر توڑنے کی کوشش کی تھی۔

اس فائدہ یہ ہوا کہ عقب سے ماری جانے والی لاٹھی میرے سر کے بجائے شانے سے ذرا نیچے کمر پر لگی تھی۔ درد کی شدت نے ایک لمحے کو میرا جسم مفلوج کر دیا تھا اور میں زور میں سامنے والے کو لیتا فرش پر جا گرا۔ اس کا سر پختہ فرش سے ٹکرایا تو اسے یقیناً وہ تمام ستارے اور سیارے نظر آ گئے ہوں جو اس غار سے دیکھنا ناممکن تھے۔ اس نے اپنی مادری زبان میں کچھ کہا تھا۔ ظاہر ہے اس نے میری تعریف ہی کی ہو گی مگر مجھے عقب والے کی زیادہ فکر تھی۔ درد برداشت کرتے ہوئے میں نے قلابازی کھائی اور معروب پر سے رول کرتا آگے جا گرا۔ مگر عقب سے آنے والا اب محتاط تھا۔ میں کھڑا ہوا تو اس نے لاٹھی سے مارنے کا اشارہ دیا پر وار نہیں کیا تھا۔

''کون ہو تم؟'' میں نے کمر میں ہونے والا درد دباتے ہوئے کہا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے اچانک زمین پر پڑے شخص کے سر پر ٹھوکر ماری تاکہ وہ مزید کچھ دیر آسمان کی سیر کرتا رہے اور مجھے اس شخص سے نمٹنے کا موقع ملے۔ اس نے اچانک لاٹھی کو اتنی تیزی سے دائیں بائیں حرکت دی کہ مجھے لاٹھی نظر ہی نہیں آئی۔ صرف اس کی شائیں شائیں سنائی دی تھی۔ اس نے دھوکا دے کر اچانک سامنے سے لاٹھی کا سرا میرے پیٹ میں نیزے کی طرح مارنے کی کوشش کی اور اس کا لوہا چڑھا نوکیلا سرا نیزے کی طرح میرے پیٹ میں گھس جاتا اگر میں بروقت نہ سرک جاتا۔ سرا دیوار سے ٹکرایا تو چنگاریاں اڑی تھیں۔ اس نے پوری قوت سے وار کیا تھا اور ناکامی پر ایک لمحے کا توقف کئے بغیر دوسری بار وار کیا۔ میں اندازہ کر چکا تھا اس لئے فوری طور پر بچا گیا پھر میں نے لاٹھی پر ہاتھ ڈال دیا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے اسے لات ماری۔ اس کی گرفت لاٹھی پر مضبوط تھی اس لئے وہ گرنے سے بچ گیا اور یہی اس کے دوسری لات کھانے کی وجہ بنی۔ وہ اپنا پیٹ پکڑ کر پیچھے جا گرا۔ لاٹھی میرے ہاتھ میں تھی اور نہتا ہوتے ہی اس کی ہمت جواب دے گئی تھی، گرتے ہی وہ حیرت انگیز پھرتی سے اٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ یا کلائی میں کسی شے کی چمک نظر آئی۔ میں اس کے پیچھے بھاگا مگر وہ راستوں کی بھول بھلیوں میں غائب ہو چکا تھا۔ مجھ سے حماقت ہوئی جو میں نے زمین پر پڑے شخص پر توجہ نہیں دی۔ حالانکہ حقیقت جاننے کے لئے وہ بھی کافی تھا۔ جب میں واپس آیا تو وہ بھی غائب تھا۔ میں نے اپنی حماقت پر سر پیٹ لینے کا ارادہ ملتوی کیا اور بھاگتے بھوت کی لنگوٹی کی طرح ہاتھ آنے والی لاٹھیاں لے کر راستہ تلاش کرنے لگا۔ بالآخر مجھے راستہ مل گیا اور آگے رہائشی علاقہ شروع ہوا تو میرے تنے ہوئے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

میری پشت میں درد بڑھ گیا تھا۔ ضرب زوردار تھی۔ اس نے میرا سر توڑنے کی نیت سے وار کیا تھا اور نشانہ چوک گیا تھا ورنہ میرا سر پھٹ گیا ہوتا۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا، وہ دونوں موت کے ہرکارے تھے اور میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوریا بستر اس دنیا سے گول کرنے آئے تھے۔ خدا خدا کر کے میں کمار کے پاس پہنچا۔ رات کا وقت تھا اور وہ اپنے دو شیروں کے ہمراہ کسی انتظامی مسئلے پر بات کر رہا تھا۔ مجھے لاٹھی بلکہ لاٹھیاں بدست دیکھ کر وہ چونک گیا۔

"خیریت..... یہ دو عدد لاٹھیاں؟"

"جن کی تھیں وہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ویسے ان کا مقصد مجھے قتل کرنا تھا، تم ان کو آلہ قتل سمجھ سکتے ہو۔"

میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا تو میری آہ نکل گئی تھی۔ کمار دوبارہ چونکا تھا۔ "قاتلانہ حملہ! تم ٹھیک ہو نا؟"

"کمر پر ایک ضرب لگی تھی۔ وہ دونوں بھی کہیں پڑے اپنی چوٹیں سہلا رہے ہوں گے۔" میں نے لاٹھیاں اس کے سامنے رکھ دیں۔ "ان سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ وہ کون ہیں؟"

"وہ میں معلوم کر لوں گا۔ پہلے تم مجھے چوٹ دکھاؤ۔" اس نے اصرار کیا تو میں نے قمیص اتار دی۔ میں ابھی تک بھارتی فوج کی وردی میں تھا۔ ضرب کا نشان دیکھ کر کمار تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ "اندر کا گوشت پھٹ گیا ہے، ایک منٹ رکو، میں وید کو بلاتا ہوں۔"

وید دس منٹ میں آ گیا تھا۔ یہ جھاڑ جھنکاڑ بالوں اور داڑھی والا شخص تھا جس کی چمکتی آنکھوں سے پتا چلتا تھا کہ اس کا منہ کس طرف ہے۔ اس نے ضرب کے نشان کا معائنہ کیا، اپنے تھیلے سے ایک عدد ڈبا نکالا اور اس سے کوئی مرہم نکال کر میری پشت پر لگانے لگا۔ مجھے بے اختیار حکیم قادس یاد آ گیا اس کے پاس زخموں کو ٹھیک کرنے والے حیرت انگیز نسخے تھے۔ ممکن ہے یہ وید بھی اسی قبیل کی شے ہو۔

"یہ بتا رہا ہے کہ ضرب شدید ہے۔ ممکن ہے ہڈی بھی متاثر ہوئی ہو۔" کمار نے اس سے بات کر کے بتایا۔ "تم کو دو دن آرام کرنا ہوگا۔ یہ تین بار آ کر تمہاری کمر پر مرہم لگائے گا۔"

وید کے جانے کے بعد کمار نے میرے لئے قہوہ منگوایا اور میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ حملہ آوروں نے میرے ساتھ کیا سلوک کرنے کی کوشش کی تھی اور میں نے ان کے ساتھ کیا، کیا۔ کمار سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"تم اس جگہ کی نشاندہی کر سکتے ہو؟"

"میں کوشش کروں گا، مجھے یہاں کے سارے راستے ایک جیسے لگتے ہیں۔"

"فی الحال تو تم آرام کرو اور آئندہ اکیلے پھرنے سے پرہیز کرنا۔ کل سے میں تمہارے ساتھ کوئی آدمی لگا دوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے تمہارے خیال میں یہ کون ہو سکتے ہیں؟"

"وہی جو ہمارے یہاں آنے پر چراغ پا ہیں۔ مجھے کچھ ایسی اطلاعات ملی ہیں جن سے پتا چلتا ہے، اندرون خانہ کوئی چکر چل رہا ہے۔"

"کمار، تم اپنی حفاظت پر بہت توجہ دو، سب سے زیادہ خطرہ تمہیں ہی ہے۔"

"میں نے اپنی حفاظت پر بہترین آدمی لگائے ہیں۔" کمار نے کہا۔ "یہ بتاؤ، تم سومترا کے پاس سے کیوں نکلے، تم کو تو اب اس کے پاس رہنا تھا۔"

میں دنگ رہ گیا۔ "تم جانتے ہو؟"

"جانتا کیا، میں نے ہی تو سومترا سے کہا تھا تمہیں اپنے پاس لے جائے۔ اطلاعات کا تعلق تمہاری ذات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بھی ہے میرے دشمن پہلے تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ تم نے جس طرح سے فوج سے مقابلہ کیا اور میرے لوگوں کو بچایا ہے اس کے بعد تم ان کے لئے مافوق الفطرت بن گئے ہو۔"

"اور تم نے مجھے سومترا کے حوالے کر دیا جو راج کی بہن ہے۔" میں نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سومترا! رشتے میں میری کزن لگتی ہے اور وہ سو فی صد میری حامی ہے۔ میں اس پر پورا بھروسا کرتا ہوں۔" کمار نے سنجیدگی سے کہا۔

"معاف کرنا یار! وہ تو میرے چکر میں پڑ گئی ہے۔" میں نے جھینپ کر کہا اور کمار کو بتایا کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا تھا اور آئندہ کے لئے مجھے کیا دھمکیاں دی ہیں۔" کمار ہنس دیا تھا۔

"وہ ایسی ہی سر پھری ہے۔ تمہاری پرستار ہے۔"

"کیا مجھے معافی نہیں مل سکتی؟" میں نے عاجزی سے کہا۔

"مشکل ہے۔ وہ جو کہتی ہے کان دبا کر مانتے رہو۔ میں اسے جانتا ہوں، وہ تمہیں پسند کرتی ہے مگر آوارہ مزاج نہیں ہے۔"

"میں نے یہ کب کہا۔" میں بوکھلا گیا تھا۔

"میرا خیال ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ۔ تمہیں آرام کی ضرورت بھی ہے۔ رکو، میں دو آدمی ساتھ کرتا ہوں۔ وہ تمہیں سومترا کے گھر چھوڑ آئیں گے۔"

"اس وقت.....؟ میں صبح چلا جاؤں گا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"یار، ڈرو مت، وہ کچھ نہیں کہے گی تمہیں۔"

"میں اس سے نہیں، اپنے انسان ہونے سے ڈرتا ہوں۔"

کمار نے مجھے نظر جما کر دیکھا۔ "شہباز! جو اپنے انسان ہونے سے ڈرتے ہیں، اصل میں وہی انسان ہوتے ہیں۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔"

"صبح نہیں جا سکتا؟" میں نے آخری کوشش کی۔ "وہ کیا کہے گی، انکار کر کے خود آ گئے۔"

"نہیں ابھی جاؤ، سومترا خوش ہو گی۔"

"کمار کے دو آدمی مجھے زیر حراست ملزم کی طرح سومترا کے گھر میں چھوڑ گئے۔ وہ ہنس رہی تھی اور اس نے جو کہا اس کا مفہوم یہی تھا کہ لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔ میں نے خفت سے کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ کمار نے مجھے تمہاری تحویل میں دیا ہے۔"

"اب معلوم ہو گیا۔" وہ بولی۔ "چلو، اب اندر آؤ۔"

وہ مجھے بیڈ روم میں لے آئی۔ اس نے اپنا ہوش ربا لباس بدل لیا تھا اور ایک میکسی نما لباس پہن رکھا تھا۔ جو اس کے گھٹنوں سے ذرا نیچے تھا۔ لہٰذا اس کی شفاف گلابی پنڈلیاں نمایاں تھیں۔ میکسی کا گریبان بھی نظر نواز حد تک فراخ تھا جس کی کسی قدر پردہ پوشی اس کی گھنی اور لمبی زلفیں کر رہی تھیں۔

"کمار نے تمہیں بتایا ہے۔ یہاں تمہاری جان کو خطرہ ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کا ثبوت تو تمہارے ہاں سے نکلتے ہی مل گیا تھا۔'' میں نے کہا اور اسے خود پر ہونے والے حملے کے بارے میں بتایا، وہ پریشان نظر آنے لگی۔

''زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟'' اس نے کہا۔ ''دکھاؤ مجھے۔''

اس نے اصرار کر کے میری چوٹ دیکھی۔ ''یہ تو بہت سوج گیا ہے۔'' وہ بولی۔ ''ایک منٹ، میں اس کی سکائی کرتی ہوں۔'' اس نے کہا اور پوربی کو آواز دی۔ وہ کھٹ سے حاضر ہوگئی اور مجھے بغیر قمیص کے دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ سومترا نے اسے ربڑ کی بوتل میں پانی گرم کر کے لانے کا حکم دیا۔

''تمہارے پاس پین کلر گولیاں ہیں؟''

''ہاں، میں ابھی لاتی ہوں۔'' وہ بولی اور جا کر درد کش گولیاں لے آئی۔ ''یہ غیر ملکی تھیں اور بے حد اچھی ہوتی ہیں۔ ساتھ میں ایک گلاس دودھ تھا، میں نے گولیاں دودھ سے لے لیں۔ کچھ دیر میں پوربی بوتل میں گرم پانی لے آئی۔ ''اوندھے منہ لیٹ جاؤ۔'' سومترا نے کہا۔

''میں اوندھے منہ لیٹا تھا، وہ اب آپ جناب اور ہم کے بغیر سادہ انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔ ''تم میرے لیے بہت زیادہ زحمت کر رہی ہو۔''

''یہ تو میری خوشی ہے۔'' اس نے بوتل میری چوٹ پر رکھی تو اس کی گرمائش سے میری آہ نکل گئی تھی۔ وہ پھر اچھا لگنے لگا۔ ''ہم نے سنا ہے تم کہیں دور سے آئے ہو اور چلے جاؤ گے۔''

''یہ درست ہے میں پہلے چلا جاتا لیکن مجبوری کی وجہ سے یہاں آ گیا۔''

''اب تم یہیں رہو گے۔ باہر تمہاری جان کو خطرہ ہے۔''

''میری جان اکثر خطرے میں ہی ہوتی ہے۔''

''تمہیں جانے نہیں دوں گی۔''

''میں قید میں بیٹھنے والا شخص نہیں ہوں۔''

''تب تم جہاں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''فائدہ۔ اگر میرا وقت آ گیا ہو تو کیا تم موت کو روک سکو گی؟''

''میں آنے والی موت کو نہیں روک سکتی لیکن تمہارے ساتھ جان تو دے سکتی ہوں۔''

''سومترا! تم کس پاگل پن میں پڑ گئی ہو۔ میں آج یہاں ہوں، کل یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میرا تعلق اس ملک سے نہیں ہے۔''

''تمہارا تعلق جس ملک سے بھی ہو، میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

اس سے بحث کرنا بے کار تھا۔ کمار نے اس کے بارے میں درست کہا تھا، وہ سر پھری لڑکی ہے۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' میں نے اس سے جان چھڑانے کے لئے کہا حالانکہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے مجھے ایک ہلکا کمبل اوڑھا دیا مگر جانے کے بجائے میرے پاس بیٹھ کر میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس کے بدن سے سحر انگیز سی خوشبو اٹھ رہی تھی جو میرے حواس پر چھانے لگی۔ میں نے گھبرا کر کہا۔ ''تم جاؤ، میں سو جاؤں گا۔''

''شش!'' اس نے میرے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ ''میں چلی جاؤں گی، تم سو جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی انگلیوں سے جیسے سرور نکل کر میرے ذہن پر طاری ہو رہا تھا۔ میں نے مزاحمت ترک کر کے خود کو اس کے حوالے کر دیا۔ ذرا سی دیر میں میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں اور میں نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

☆======☆======☆

یہ انوکھی سی جگہ تھی۔ دھواں دھواں سی، مگر یہ دھواں آنکھوں میں چبھ نہیں رہا تھا۔ نرمی اور خوش رنگ تاثر دے رہا تھا، کسی دھنک رنگ بادل کی طرح۔ میرے پیروں تلے بھی بادل تھے۔ پھر ان بادلوں سے کوئی نکلا تھا۔ ایک تراشیدہ پیکر۔ میں اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ میری طرف پشت کئے کھڑی تھی۔ میں نے اسے پہچانا، وہ سومترا تھی۔ میں بے ساختہ اس کی طرف بڑھا، اسے عقب سے آغوش میں لے لیا اور اس کے گھنے معطر بالوں میں اپنا منہ چھپا لیا۔ ''سومترا! میں بہت تھک گیا ہوں۔''

وہ ہنسی۔ ''میں سومترا نہیں ہوں۔''

مجھے شاک لگا تھا۔ وہ..... وہ سویرا تھی۔ میں نے جلدی سے اسے چھوڑ دیا۔ ''تم..... تم سویرا..... میرے خدا! اب تم میرے بھائی کی امانت ہو۔''

''اچھا..... تمہیں میں اچھی نہیں لگتی؟'' اس نے کہا اور اچانک وہ ایمن بن گئی۔ ایمن میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔ ''اب ٹھیک ہے نا؟''

اس نے میری طرف ہاتھ بڑھائے۔ میں نے اس کے ہاتھ تھام لئے تھے۔ ''ایمن! تم کہاں چلی گئی تھی؟''

''کہیں نہیں، میں تمہارے پاس ہوں، مجھے چھو کر دیکھو۔''

اس نے خود کو اس طرح پیش کیا کہ میرے پاس کوئی راہ فرار باقی نہیں رہی تھی۔ میں اس کی نرمی، اس کی خوشبو اور اس کی محبت محسوس کر رہا تھا۔ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور حلق بالکل خشک ہو رہا تھا۔ میں کروٹ لئے لیٹا تھا، سامنے تپائی پر شیشے کا جگ اور گلاس رکھا تھا۔ میں نے گلاس کا تکلف نہیں کیا اور جگ منہ سے لگا کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ خالی جگ تپائی پر رکھ کر میں سیدھا ہو کر لیٹنے لگا تھا کہ مجھے دوسری بار جھٹکا لگا۔ سومترا..... میرے برابر میں بے سدھ سو رہی تھی۔ وہ رات والے لباس میں تھی اور جاے سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔ میکسی نیچے سے گھٹنوں سے خاصی اوپر چلی گئی تھی اور اوپر سے بھی بے ترتیب ہو رہی تھی۔ میں نے لاحول پڑھی اور اسے ہلایا۔ ''سومترا! یہ کیا حرکت ہے؟''

اس نے بمشکل پُرخمار آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ ''ہونہہ..... کیا ہے؟''

''تم رات کو یہاں سوئی تھیں؟''

''ہاں، تو کیا ہوا؟''

''ہوا تو کچھ نہیں۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''لیکن ہو سکتا تھا، میرا امتحان مت لو۔''

وہ اٹھ بیٹھی اور اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ ''میں نے کب امتحان لیا ہے تمہارا؟''

میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ ''یہ امتحان نہیں تو اور کیا ہے۔ سومترا، تم بھول رہی ہو، میں ایک مرد ہوں اور کبھی بھی بہک سکتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے معلوم ہے تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' اس نے برا مانے بغیر کہا اور اپنے آبشار کی طرح بکھرے بال سمیٹنے لگی۔ اس کا یہ انداز اتنا ہوش ربا تھا کہ میں بے ساختہ نظریں چرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ سادگی اور سحر کاری کا کھیل، کھیل رہی تھی۔ بیک وقت معصوم بھی بنتی تھی اور جذبات کو بھڑکانے والی آتش فشاں عورت بھی۔ میں کار لے کر میں ساری رات یہ جانے بغیر سوتا رہا تھا کہ وہ میرے پہلو میں موجود ہے۔ اپنی سحر کاری اور ادائیں مجھ پر آزما کر وہ اتنی ہوشیاری سے انجان بن جاتی تھی کہ میں اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

''تمہارے کپڑے میلے ہو رہے ہیں اور تم کتنے دن سے نہیں نہائے ہو۔'' اس نے ناک سکیڑ کر کہا۔ ''بال نہیں بنوائے اور نہ شیو بنائی ہے۔''

''کیونکہ مجھے اس کا موقع ہی نہیں ملا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں ابھی سارا انتظام کرتی ہوں۔'' وہ بستر سے اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ میری پیٹھ کی تکلیف دہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ میں نے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنی پشت دیکھی۔ سوجن ختم ہو گئی تھی اور نیلاہٹ بھی معمولی سی رہ گئی تھی۔ یہ نہ جانے اس دید کے زود اثر مرہم کا کمال تھا یا حکیم قادس کی دواؤں کا اثر۔ میں نے دیکھا تھا، ابھی بھی میرے زخم اور چوٹیں حیرت انگیز طور پر بہت کم وقت میں ٹھیک ہو جاتی تھیں۔ میں نے بازو گھما کر دیکھے مگر درد نہیں ہوا اور نہ رگ پٹھے کھنچے، سو مترا اندر آئی۔

''اٹھ گئے!'' اس نے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ نائی آ گیا ہے۔''

نائی ایک خالی کمرے میں میرا منتظر تھا۔ وہاں صرف ایک کرسی رکھی تھی، اس نے مجھے کرسی پر بٹھا کر پہلے میرے بال تراشے۔ مجھے حجامت بنوائے خاصا عرصہ ہو گیا تھا اس لئے بال دراز ہو کر بے ہنگم صورت اختیار کر گئے تھے اور چہرے پر اچھی خاصی داڑھی بڑھ آئی تھی۔ اس نے بال تراش کر سیٹ کئے، اس کے بعد شیو بنائی۔ ایک گھنٹے بعد اس نے آئینہ دکھایا تو میں خود کو شناخت نہیں کر سکا تھا۔ اپنا اصل چہرہ دیکھے ہوئے طویل عرصہ گزر گیا تھا اس لئے خدوخال اجنبی اجنبی سے لگ رہے تھے۔

''کمال کر دیا تم نے۔'' میں نے اس کی تعریف کی تو وہ دانت نکالتا ہوا رخصت ہو گیا۔

غسل خانے تک پوربی نے میری رہنمائی ہی نہیں کی تھی بلکہ وہ مجھے غسل کرانے پر آمادہ نظر آتی تھی۔

''اب تم جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''صاحب، آپ کو ہماری مدد کی ضرورت ہو گی۔'' اس نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ہم بالکن کی خاص خادمہ ہیں۔''

''مجھے کسی خاص خادمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مہربانی کر کے تم جاؤ اور ہاں، مجھے دوسرے کپڑے چاہئیں۔''

''برابر والے کمرے میں ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''میں جاؤں؟''

''تو اور کیا کہہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ باادل ناخواستہ رخصت ہو گئی۔ یہاں تو جسے دیکھو، کمال ہو رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اس آراستہ پیراستہ غسل خانے کا معائنہ کیا۔ یہاں باتھ ٹب سے لے کر گرم پانی تک ہر سہولت تھی۔ صابن، شیو، ہیڈی کلون اور باتھ نیٹ تک سب دستیاب تھا۔ میں کپڑے اتار کر باتھ ٹب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں گھس گیا۔ ایسا لگا جیسے صدیوں بعد نہانے کا موقع ملا تھا، جب سے پیروں میں چکر آیا تھا اور وربدری نے پیچھا پکڑا تھا، معمولاتِ زندگی خواب بنتے جا رہے تھے۔ گرمیوں میں، مَیں اور سفیر اسلام آباد اور آس پاس کی کسی ایسی جگہ کو نہیں چھوڑتے تھے جہاں سوئمنگ کی جا سکے۔ راول ڈیم سے لے کر نالہ کورنگ تک۔ اور اب یہ حال تھا کہ اتھ روم میں بھی نہائے ہفتوں گزر جاتے تھے۔

نہا کر میں نے تولیا باندھ کر دوسرے کمرے میں آیا اور احتیاطاً اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا کہ پوربی یا اس کی مالکن اچانک اندر تشریف نہ لے آئیں۔ وہاں پر ایک عدد سفید اونی پاجامہ جو پتلون کے انداز کا تھا اور ایک دو موٹی سوت کی کرتہ نما قمیص تھی۔ اور دونوں میرے ناپ کی تھیں۔ میں نے لباس پہنا اور دروازہ کھول کر تالی بجائی۔ پوربی چراغ کے جن کی طرح حاضر ہو گئی۔ میں نے اسے وردی دی۔ "یہ مجھے دھو کر دینا۔"

"جو حکم مالک!" اس نے کہا۔ "مالکن کھانے پر انتظار کر رہی ہیں۔"

سوہترا اور اس کی نوکرانی پوربی دونوں کی ہندی خاصی خوفناک تھی خاص طور سے پوربی کی۔ اس میں سنسکرت کے بھیانک الفاظ کی بھرمار تھی۔ اس لئے میں نے ان کی گفتگو کو عام فہم بنا کر پیش کیا ہے۔ گرم پانی سے غسل کر کے میری کمر کا رہا سہا درد بھی ختم ہو گیا تھا اور دوسرے میری بھوک چمک گئی تھی۔ سوہترا خود بھی تیار ہو کر کھانے کی میز پر میری منتظر تھیں اس نے سفید ریشمی ساڑھی پہن رکھی تھی اور اس کے گلے میں نیلم کی مالا تھی۔ اگر یہ اصلی نیلم تھا تو مالا بہت ہی قیمتی تھی۔ مگر وہ جس سنہری گلابی گردن میں تھی اس کے مقابلے میں مالا کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو سوہترا نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر خود بھی کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بے ساختہ میری طرف آئی۔ "ہے بھگوان! کتنے سندر ہو تم!"

"اچھا!" میں نے سر ہلایا۔ "لیکن اس وقت میں بھوکا ہوں۔"

اس نے بے تکلفی سے بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور چہرہ اوپر کر کے بولی۔ "ہمارے من کی پیاس بھی بجھا دو۔"

"میں کوکا کولا ہوں؟" میں نے جز بز ہو کر کہا اور اس کی بانہیں الگ کر دیں۔ "سوہترا! میں تمہیں پسند کرتا ہوں مگر مجھے تمہاری یہ حرکتیں بالکل پسند نہیں ہیں، تم عورت کے وقار کو گرا رہی ہو۔"

"ہم عورت کہاں ہیں، ہم تو تمہاری داسی ہیں۔"

"مجھے داسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم نے مجھے ایک دوست کی حیثیت سے اپنے پاس رکھنا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"اچھا اگر ہم تم سے پیار نہ لیں تب تو ہمارے پاس رہو گے۔" وہ پھر آپ جناب اور ہم پر آ گئی تھی۔

"پکا وعدہ" میں نے کہا۔

ناشتا پُرتکلف تھا اور میز پر وہ سب تھا جو اس طبقے میں ہوتا ہے سوائے گوشت کے۔ مگر گوشت تھا، یہ اوٹ مچھلی کے قتلے تھے۔ سوہترا نے بتایا کہ مچھلی وادی کی جھیل میں پائی جاتی ہے۔ اسے بہت صفائی سے بنایا گیا تھا۔ ناشتا کر کے میں نے اس سے کہا۔ "اب میں باہر جانا چاہوں گا۔"

"کیوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس ایسے ہی..... اب میں یہاں بند ہو کر تو نہیں بیٹھ سکتا۔'' میں جھنجلا گیا تھا۔

''دیکھو، اگر کوئی خاص بات نہیں ہے تو مت جاؤ۔'' اس نے نرمی سے میرا ہاتھ تھاما۔ ''مجھ سے کہو، میں یہاں سب کروا سکتی ہوں۔''

''اس لئے کہ راج کی بہن ہو؟''

''میں نے کبھی اپنے بھائی کا سہارا نہیں لیا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میری اپنی ایک حیثیت ہے۔''

''اگر میں کسی کو تلاش کروانا چاہوں تو؟'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

''میں کر سکتی ہوں، اس وادی میں تلاش کروانا ہے؟''

''ہاں، میرا ایک محسن ہے۔ اس نے قلعے کے اوپر سے پتھر مار کر ہیلی کاپٹر کو تباہ کر دیا تھا، جب اس کی مشین گن مجھ پر فائر کرنے والی تھی۔''

''ہاں، یہ تو میں نے بھی سنا ہے اور میں نے لوگوں سے اس شخص کے بارے میں معلوم بھی کیا تھا مگر حیرت کی بات ہے، کوئی سامنے نہیں آیا۔''

''مجھے اپنے محسن کی تلاش ہے۔''

''میں ابھی اپنے آدمیوں سے کہتی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''شام تک وہ اسے تلاش کر لیں گے۔''

''دوسرے میں یہاں قید ہو کر نہیں بیٹھ سکتا۔ میں کمار کے پاس جاؤں گا۔''

''اچھا!'' اس نے بجھے لہجے میں کہا۔ ''میں اپنے آدمی کو ساتھ کر دیتی ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس پستول ہے۔'' میں نے اسے کرتہ اوپر کر کے نیفے میں اٹکا پستول دکھایا۔ ''اس کے ہوتے کسی کی مجال نہیں ہے کہ میرے قریب آئے۔''

''تم راستوں سے ناواقف ہو پھر بھٹک گئے تو؟''

''ہاں، رہنمائی کے لئے کسی کو ساتھ کر دو۔ میں دوپہر تک آ جاؤں گا۔''

اب اس کے پاس مجھے روکنے کا جواز نہیں تھا۔ اس نے مجھے پوربی کے ساتھ بھیجا تھا۔ کمار نہیں تھا۔ مجھے بیتو مل گیا۔ ''کمار کہاں ہے؟''

''کمار جی باہر گئے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''ان سے ملنا ضروری ہے تو میرے ساتھ چلیں۔''

کمار وادی کے دورے پر تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ اوپر گلیشیئرز جنگل تک آ گئے تھے اور خطرہ تھا کہ وہ سرک کر جنگل کو تباہ کرنا نہ شروع کر دیں۔ میں اور بیتو اس کے اوپر سے آنے کا انتظار کرتے رہے۔ عورتیں جھیل سے پانی بھر کر لے جا رہی تھیں۔ پینے اور دوسری ضروریات کے لئے پانی حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا، اس کی وجہ سے ان عورتوں کو مشقت برداشت کرنا پڑتی تھی۔ عورتوں نے پیتل کے گاگرے سروں پر اٹھا رکھے تھے اور وہ تقریباً بیس لیٹر پانی آرام سے اٹھا کر ان دشوار گزار راستوں پر چل رہی تھی۔ مجھے افسوس ہوا اس وادی کے حکمرانوں نے اپنے گھروں میں دنیا جہان کی سہولتیں جمع کر لی تھیں مگر لوگوں کے لئے کچھ نہیں کیا تھا۔ میرے خیال میں گلیشیئرز سے زیر زمین بستی تک پانی کی لائن بچھائی جا سکتی تھی اور کم سے کم گرمیوں میں ان کو پانی کا مسئلہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورتوں کی پانی لے جانے والی ایک ٹولی میرے پاس سے گزری تو میں ایک چہرہ دیکھ کر چونکا۔ ''آشا''
بیتو محویت سے عورتوں کو دیکھ رہا تھا، وہ چونکا۔ ''کیا کہا آپ نے جی!''
''بیتو! اس عورت کو دیکھ رہے ہو، نیلے لباس والی؟''
''جی جناب، اچھی ہے۔''
''اچھی کے بچے! اس کے پیچھے جاؤ اور دیکھو یہ کہاں رہتی ہے۔ اگر ساتھ آنے پر رضامند ہو تو اسے لے آنا۔''
''یہ میرے ساتھ کیوں آئے گی؟''
''اسے کہنا شہباز نے بلایا ہے، تب ضرور آئے گی۔'' میں نے کہا۔ ''مگر جبر مت کرنا۔''
''میں کوشش کرتا ہوں۔ ویسے تو آپ کا حکم ہی کافی ہے۔''
''جتنا کہا ہے، بس اتنا کرو اور اب جاؤ۔'' میں نے حکم دیا۔
میں راج کنور اور بڑے کنور کی اس بہن کو تو بھول ہی گیا تھا۔ یہ ہمارے پاس تھی اور ان لوگوں نے اس کی پروا بھی نہیں کی تھی۔ شاید ان کو علم نہیں تھا کہ آشا زندہ ہے۔ ورنہ وہ اسے چھڑانے کی کوشش ضرور کرتے۔ ان کی ناز و نعم میں پلی بہن یہاں عام عورتوں کی طرح پانی بھر کر لا رہی تھی۔ آشا نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اندر گئی اور بیتو اس کے پیچھے تھا۔ آسمان پر بادل تھے مگر کبھی کبھی دھوپ نکل آتی تھی۔ ہوا میں سکوت تھا اور دور شمال میں سیاہ گھٹا نظر آ رہی تھی شاید بادلوں کا ایک نیا پرا اس طرف آ رہا تھا اور یہ وادی کے لوگوں کے لئے خوش آئند تھا۔ بیتو پندرہ منٹ بعد نمودار ہوا تھا۔ اس کے ساتھ آشا تھی اور وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔ اس نے کامیابی سے خود کو چھپایا تھا ورنہ اس کی شناخت منظرِ عام پر آ جاتی تو یہ پوری بستی اس کے خون کی پیاسی ہو جاتی۔ بیتو نے میری طرف اشارہ کیا اور خود وہیں رک گیا۔ میں ان درختوں کے پیچھے آ گیا جن کے آگے کھڑا تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مجھے آشا سے بات کرتا دیکھے۔
''شہباز!'' آشا نے سامنے آتے ہی کہا۔ ''تم کہاں چلے گئے تھے۔ میں تمہیں تلاش کرتی رہی تھی۔''
''میں یہیں تھا تم کسی سے پوچھ لیتیں۔''
''مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ یہ کنور خاندان سے بے انتہا نفرت کرتے ہیں، اگر ان کو پتا چل جاتا تو.....'' وہ چپ ہو گئی پھر التجا آمیز لہجے میں بولی۔ ''مجھے واپس بھجوا دو۔ یہاں تو میں ڈر ڈر کر مر جاؤں گی۔''
''تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ یہ بتاؤ محل سے آنے والے خادموں اور خادماؤں میں سے کسی نے تمہیں شناخت نہیں کیا؟''
''نہیں، ان میں سے اکثر تو راستے ہی میں مارے گئے، مجھے یہاں صرف دو نظر آئے تھے۔ مگر انہوں نے کسی کو میرے بارے میں نہیں بتایا، پھر بھی مجھے ڈر لگتا ہے۔''
''افسوس کہ میں مسائل میں الجھ گیا تھا اس لئے تمہارا خیال نہیں آیا۔ فکر مت کرو، تم اب محفوظ رہو گی۔ یہ بتاؤ تم کہاں رہتی ہو؟''
''بے سہارا عورتوں کا ایک گروپ ہے جن کا کوئی نہیں ہے، میں ان کے ساتھ ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کسی نے تمہیں تنگ یا پریشان تو نہیں کیا؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پر..... کل ایک آدمی آیا تھا، وہ مجھ سے میرے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میں نے اسے یہی بتایا کہ میرے سارے گھر والے مارے جا چکے ہیں۔''

''کون ہے وہ، اسے جانتی ہو؟''

''نہیں..... لیکن میری ایک ساتھی بتا رہی تھی، وہ یہاں کا اہم شخص ہے، اس کا نام راج ہنس ہے۔''

''راج۔'' میں چونکا۔ ''آشا، اس سے بچو، وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ ''کیسے بچوں؟''

''تم میرے ساتھ چلو۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''میں تمہیں ایک جگہ لے جا کر رکھوں گا مگر تم وہاں بھی کسی کو اپنی اصلیت نہیں بتاؤ گی۔''

''میں تمہارے پاس رہوں گی۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔

''سمجھ لو تم میرے پاس ہی رہو گی۔''

کمار بلندی کی طرف سے آ رہا تھا، میں نے آشا سے کہا۔ ''تم جاؤ اور جب بیتو..... یہ لڑکا تمہیں بلانے آئے تو بلا کھٹکے اس کے ساتھ چلی آنا۔ یہ میرے اعتماد کا شخص ہے۔''

آشا چلی گئی۔ وہ جتنی شوخ، چلبلی اور بچگانہ طبیعت رکھتی تھی، اس وقت اتنی ہی سنجیدہ اور ہراساں نظر آ رہی تھی۔ زندگی کا خوف تو دیوانے کو فرزانہ بنا دیتا ہے، میں خود کمار کی طرف آیا۔

''تم غالباً اوپر گلیشیر کا معائنہ کرنے گئے تھے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''گلیشیر جنگل کے کنارے تک آ گیا ہے۔ یہ درختوں کو گرانا شروع کر دے گا اور کسی بھی لینڈ سلائیڈنگ کی صورت میں سارا جنگل تباہ ہو جائے گا۔ اس سے وادی کی زراعت کا سسٹم تباہ ہو جائے گا۔ یہ جنگل ہی ہمارے کھیتوں کو بچاتا ہے۔''

''تمہارے خیال میں یہ بہت سنجیدہ مسئلہ ہے۔''

''بہت سے بھی زیادہ، جنگل تباہ ہونے سے ہمیں یہاں سے کہیں اور جانا پڑے گا۔ ہماری بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔''

''وہ تو اب بھی ہے تم بھول رہے ہو۔ بھارتی سرکار تمہاری دشمن ہے اور تمہارے قبیلے کے ہزاروں افراد بمباری میں مارے جا چکے ہیں۔''

''مجھے امید ہے یہ مسئلہ سلجھ جائے گا۔'' کمار نے سوچ کر کہا۔ ''میرے آدمی باہر موجود ہیں اور خبریں لا رہے ہیں۔ اصل مسئلہ ہم سے بستیاں خالی کروانا تھا تاکہ علاقے کے جنگلوں پر ان کا تسلط قائم ہو جائے۔''

''تم ان کو ایسا کرنے دو گے؟''

اس نے شانے ہلائے۔ ''فی الحال میں ان سے محاذ آرائی نہیں کر سکتا جب تک ہمارا مسئلہ ملکی سطح پر اجاگر نہ ہو۔ میں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں مقدمہ کرنے کے بارے میں غور کر رہا ہوں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''میڈیا اور این جی اوز کی توجہ حاصل کرنے کا اس سے بہتر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طریقہ اور کوئی ہے ہی نہیں۔"

"اس سے زیادہ خطرات ہیں یہاں۔ وادی کی بقا کا خطرہ لاحق ہے اور اس سے زیادہ خطرہ سابق حکمرانوں سے ہے، انہوں نے سازشیں شروع کر دی ہیں۔"

"اس کا اندازہ کیسے ہوا؟"

"میرے دو آدمی صبح سے غائب ہیں۔ پوری بستی میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ وہ لڑاکے ہیں اور جی دار بندے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال ہے ان کو مار کر خاموشی سے کہیں دفنا دیا گیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میرے آدمی سخت مشتعل ہیں۔ میں نے بمشکل ان کو ٹھنڈا کیا۔"

"یہ چالاکی سے کام لے رہے ہیں۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "انہوں نے سوچا ہے کہ اوپر والوں کو خاموشی سے ختم کر دو تو نیچے والوں کو قابو کرنا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

"تم نے درست اندازہ لگایا ہے۔"

"میرا مشورہ ہے، ان تمام افراد کو ان کی رہائش گاہوں پر نظر بند کر دو اور ان لوگوں کے لئے کوئی کام نکالو جو بے کار ہیں اور ان سازشیوں کے آلہ کار بن رہے ہیں۔"

"میرے آدمی ان پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے سب کے پیچھے اپنے آدمی لگا دیئے ہیں۔"

"عورتوں کو بھی استعمال کرو، ملازمہ بن کر وہ بہترین جاسوسی کر سکتی ہیں۔"

اس نے سر ہلایا۔ "مگر فی الحال ان کو نظر بند کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"تمہاری مرضی۔" میں نے کہا۔ "محل پر حملے کے دوران آزاد ہونے والوں میں ایک لڑکی ہے، اسے بھی کنور کے آدمی کہیں سے اغوا کر کے لائے تھے۔ وہ یہاں خوف زدہ ہے، میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"لڑکی نے تم سے کہا ہے؟"

"ہاں، اس نے مجھ سے درخواست کی ہے، دوسرے راج ہنس بھی اس میں دلچسپی لے رہا ہے، اس سے پہلے کہ وہ کوئی غلط حرکت کرے اور میں اسے قتل کر دوں، لڑکی میرے حوالے کر دو۔"

"میں اسے بلوا لیتا ہوں۔ کہاں ہوتی ہے وہ، کیا نام ہے؟"

"آشا، بیتو جانتا ہے۔"

کمار نے بیتو کو ہدایت دی کہ وہ شام کو اسے لے کر آئے۔ کمار کے غائب ہونے والے دونوں آدمی بہت اہم تھے۔ اس حکومت میں اس کے دست راست تھے۔ وہ صبح کے وقت رفع حاجت کے لئے باہر نکلے تھے اور پھر واپس نہیں آئے تھے۔ کمار کے آدمیوں نے پورا جنگل چھان مارا تھا۔ جھیل بھی دیکھ لی تھی۔ اس کی پوری سطح منجمد تھی، سوائے ان حصوں کے جہاں سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ اب بستی کے اندر گھروں کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ کمار کے جانے کے بعد بھی میں باہر رہا تھا۔ بیتو میرے ساتھ تھا اس نے شانے پر رائفل لٹکا رکھی تھی۔

"سردار نے مجھے حکم دیا ہے، اب میں ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں گا اور آپ کی حفاظت کروں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تمہاری محبت ہے بیتو، ورنہ مجھے کسی محافظ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ، ہم ذرا قلعے کے دروازے تک ہو کر آتے ہیں۔''

''بیتو میرے ساتھ چل پڑا۔ سورج سر پر تھا اور میں نے قلعے سے نکل کر جھولتے پل کے نیچے گھاٹی کی تہہ میں پڑے ہوئے گن شپ ہیلی کاپٹر کے ملبے کو دیکھا۔ قلعے کے دروازے کے حفاظتی دستے کا انچارج اب سانو نامی شخص تھا۔ وہ بھی کمار کا آدمی تھا۔ میں نے اس سے بیتو کے توسط سے بات کی۔ ''اس گھاٹی میں اترنے کا کوئی راستہ ہے؟''

اس نے انکار کیا۔ ''کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''رسے کی مدد سے اترا جا سکتا ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

اس نے جائزہ لیا۔ ''ہاں، رسے سے اترا جا سکتا ہے لیکن یہ بہت گہرا ہے۔''

میں نے بیتو سے کہا۔ ''معلوم کرو، کوئی چرخی ہے، جس کی مدد سے ایک یا دو بندے نیچے جا سکیں اور ان کو واپس کھینچا جا سکے۔''

بیتو ایک گھنٹے میں چرخی سمیت آ گیا۔ یہ درخت کا بھاری تنا تھا۔ جس کے دونوں جانب لکڑی کے پہیے لگائے گئے تھے، اس کے ایک سرے پر گھومنے والی چرخی تھی اور دوسرے سرے پر پہیہ بنا تھا جس سے گھوم کر رسا نیچے جاتا تھا۔ ایک مناسب زاویے سے چرخی کا منہ آگے کھائی میں نکال دیا گیا۔ اس کے پہیوں کے سامنے بڑے پتھر رکھ دیے گئے تھے، بیتو پریشان تھا۔

''نیچے جا کر کیا کرنا ہے جناب!''

''یہ میں نیچے پہنچ کر بتاؤں گا، تم میرے ساتھ چلو گے۔''

''پہلے بیتو نے رسے کے جھولے میں پاؤں پھنسائے اور نیچے اتر گیا۔ چرخی چلانے پر دو افراد مامور تھے جو سانو کی ہدایت کے مطابق چرخی چلا رہے تھے۔ سانو پل کے وسط میں کھڑا ان کو ہدایات دے رہا تھا۔ میں بھی اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بیتو دس منٹ میں کوئی دو سو فٹ کی گہرائی میں بحفاظت اتر گیا تھا، اب میری باری تھی۔ رسا برق رفتاری سے اوپر آیا اور میں اس میں پھنس کر گھاٹی میں لٹک گیا۔ چرخی نے رسی چھوڑنا شروع کر دی اور میں آہستہ آہستہ نیچے جانے لگا تھا۔ مجھے اچانک ہی خیال آیا، نیچے گن شپ میں ایک کام کی چیز تھی، یہ چھ نالی والی مشین گن تھی، اگر وہ تباہ ہونے سے بچ گئی تھی تو ہمارے ہاتھ ایک خطرناک ہتھیار آ جاتا۔

بیتو گن شپ کے ملبے کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں چٹانوں اور باہر نکلے کناروں سے بچتا ہوا نیچے جا رہا تھا۔ چرخی کا سرا آگے نکلا ہوا تھا، اس وجہ سے مجھے نیچے جانے میں مشکل نہیں ہو رہی تھی۔ میں بھی کچھ دیر میں نیچے پہنچ گیا تھا۔ میں نے بیتو کو منع کیا تھا، میرے نیچے آنے تک کسی چیز کو نہ چھیڑے۔ ممکن ہے وہ کسی بم یا راکٹ کو چھیڑ دیتا۔ میں نے رسے کے جھولے سے پاؤں نکالے۔ گن شپ کا ڈھانچا تڑ مڑ گیا تھا اور اس کے بہت سارے حصے الگ ہو گئے تھے۔ مجھے چھ نالی مشین گن کی تلاش تھی۔ گن شپ کے چاروں طرف گھوم کر دیکھنے کے باوجود مجھے مشین گن نظر نہیں آئی تھی۔ شاید وہ ملبے تلے تھی۔ میں نے بیتو کو مشین گن کی ساخت سمجھائی۔

اس نے سر ہلایا۔ ''مجھے تو لگ رہا ہے وہ بھی تباہ ہو گئی ہو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مشین گن خاص قسم کے فولاد سے ڈھالی جاتی ہے، وہ بہت مضبوط ہوتی ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''اوپر سے چھ سات مضبوط بندے اور لکڑی کے مضبوط ڈنڈے منگواؤ۔''

بیتو نے میرا پیغام اوپر تک پہنچایا، اگلے ایک گھنٹے میں دونوں چیزیں آ گئیں۔ مجھے یاد تھا، مشین گن کا کاک پٹ کے عین نچلے والے حصے میں تھی۔ وہ اس کے نیچے ہو سکتی تھی۔ میں نے مزدوروں کو سمجھایا کہ ان کو کس طرح ہیلی کاپٹر کا یہ حصہ اٹھانا ہے۔ انہوں نے اردگرد سے پتھر جمع کئے پھر انہوں نے لکڑی کے ڈنڈے پھنسا کر کاک پٹ کو اوپر اٹھایا اور اس کے اٹھ جانے والے حصے کے نیچے پتھر رکھنے لگے۔ آخر کار مشین گن نظر آ گئی۔ بظاہر وہ ٹھیک لگ رہی تھی۔

''اسے باہر نکالنا ہے۔'' میں نے بیتو سے کہا۔ وہ چھریرے جسم کا لڑکا تھا۔ آرام سے خلا میں گھس گیا، اس نے مشین گن کا معائنہ کیا اور باہر آ کر بولا۔

''وہ ٹھیک لگ رہی ہے مگر وہ ڈھانچے میں پیچوں سے جڑی ہے۔''

''یہاں پر اوزار ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ ''اگر ہیں تو فوری طور پر لاؤ۔''

بیتو اوزاروں کی تلاش میں روانہ ہوا۔ میں مزدوروں سے گن شپ کے نیچے مزید پتھر رکھوانے لگا تھا۔ پھر میں نے کسی نہ کسی طرح سر اٹھا کر مشین گن کا معائنہ کیا۔ اس کی ساخت درست تھی اور اس کے ساتھ ہی نیچے لگا ایمونیشن کا ڈبا بھی ٹھیک لگ رہا تھا۔ ان دونوں چیزوں کو چند پیچ کھول کر نکالا جا سکتا تھا۔ بیتو کچھ دیر میں اوزاروں کا ایک بکس لے آیا۔ یہ ٹول کٹ تھی جو نہ جانے اس وادی میں کون لایا تھا۔ میں نے اسکروز کے کھانچے کے حساب سے اسکریو ڈرائیور بنا کر بیتو کو دیا اور وہ نیچے گھس کر پیچ کھولنے لگا۔ گن شپ کی دونوں سائیڈوں پر راکٹ لگے تھے اور وہ سب تباہ ہو چکے تھے۔ ان کے اڑنے سے گن شپ کا ڈھانچا دونوں جانب سے تباہ ہو گیا تھا۔ بیتو نے کچھ دیر میں سارے پیچ کھول کر مشین گن اور اس کے ایمونیشن بکس کو گن شپ کے ڈھانچے سے الگ کر دیا تھا۔

ہم نے احتیاط سے وزنی مشین گن اور ایمونیشن بکس باہر نکالا۔ ان کا وزن تقریباً ایک من تھا۔ یہ پانچ سو گولیوں والا بکس تھا۔ اس میں ابھی نصف سے زیادہ گولیاں موجود تھیں۔ پہلے ان دونوں چیزوں کو بغیر الگ کئے اوپر بھیجا گیا۔ اس دوران میں، مَیں گن شپ کے ڈھانچے کا جائزہ لیتا رہا تھا کہ شاید اس میں سے کوئی اور کام کا ہتھیار نکل آئے مگر اس میں اور کچھ نہیں بچا تھا۔ میں اوپر آیا تو مشین گن کی نمائش لگی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے بیتو کو ڈانٹا۔ ''ابھی کسی نے غلطی سے اس کا ٹریگر دبا دیا تو سامنے موجود سب مارے جائیں گے۔''

بیتو نے سب کو پیچھے کیا۔ میں نے معائنہ کر کے اس کا گولیوں والے بکس سے رابطہ ختم کیا اور بیتو کو اسے اندر لے جانے کا حکم دیا۔ شام قریب تھی اور میرا بھوک سے برا حال تھا۔ اندر جاتے ہی میں نے سومترا کی رہائش گاہ کا رخ کیا۔ وہ چشم براہ تھی اور جاننے کے لئے بے چین تھی کہ میں کہاں تھا اور کیا کرتا رہا تھا؟ میں نے صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔ ''سب سے پہلے طعام..... اس کے بعد کلام۔''

''کیا مطلب؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مطلب ہے کھانا اور وہ بھی فوراً!''

''میں ابھی لگواتی ہوں۔'' وہ باہر چلی گئی۔ میرا حلیہ خراب ہو رہا تھا۔ لباس جگہ جگہ سے خراب تھا۔ گھاٹی میں اترنے کے دوران خراب ہوا تھا۔ ایک جگہ سے کرتہ پھٹ بھی گیا تھا۔ پوربی میرا سوٹ یعنی بھارتی فوج کی وردی دھو کر خشک کر کے اور رفو کر کے لے آئی تھی۔ اس میں گولیوں کے نشانات تھے۔ سومترا کچھ دیر میں واپس آئی۔ ''تم لباس بدل لو۔''

''اگر مل جائے تو ضرور بدل لوں گا۔''

''آؤ میرے ساتھ۔'' وہ مجھے اس کمرے میں لائی جس کے ساتھ غسل خانہ تھا۔ اس نے الماری کھولی، یہ اس کے کپڑوں کی الماری تھی اور اس میں مخصوص نسوانی کپڑے بھی موجود تھے۔ سومترا نے ایک عدد پتلون اور جرسی نکالی۔ ''یہ کیسا ہے؟ تم کہاں دیکھ رہے ہو، ادھر دیکھو۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا اور جان چھڑانے کے لئے کہا۔ ''ہاں، ٹھیک ہے لاؤ دو۔''

وہ سمجھ گئی تھی اس نے ہنس کر الماری بند کر دی۔ میں نے کپڑے باتھ روم میں جا کر بدلے کیونکہ وہ اس کمرے سے جانے پر آمادہ نہیں تھی۔ واپس آیا تو مجھے دیکھ کر اس نے پُرستائش لہجے میں کہا۔ ''یہ لباس بھی تم پر جچ گیا ہے۔''

''بابا! میں کوئی عورت ہوں.....؟ مرد ان چیزوں کی پروا کہاں کرتے ہیں۔''

وہ مجھے ساتھ کے کمرے میں لائی۔ آلو کی بھاجی، ترکاری کے ساتھ گرما گرم پوریاں تھیں اور ساتھ میں کئی طرح کی چٹنیاں اور اچار تھے۔ گوشت سے محرومی نے ہندوؤں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنے کھانوں کو لذیذ بنانے کے لئے اچار اور چٹنیوں کا سہارا لیں۔ یہ لوگ گوشت کھاتے تھے کیونکہ اعلیٰ ذات کے ہندو نہیں تھے مگر ان کا جھکاؤ گوشت میں نہیں کھا سکتا تھا۔ میں نے کھانا کھایا اور چائے کی فرمائش کر رہا تھا کہ مجھے آشا کا خیال آیا۔

''چھوڑو میں آ کر پی لوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''سومترا! اگر میں کسی کو یہاں لا کر رکھنا چاہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

''یہ تمہارا گھر ہے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

''سوچ لو، بعد میں اپنے الفاظ سے پھر مت جانا۔''

''سومترا تم سے وچن کر کے مر تو سکتی ہے پر وچن تو ڑ نہیں سکتی۔'' اس نے یقین سے کہا۔

میں کمار کے پاس آیا۔ وہ حسبِ معمول سرکاری معاملات میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے آشا کے بارے میں پوچھا۔ ''اسے بلایا؟''

''معاف کرنا میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔'' اس نے کہا اور اپنے ایک آدمی کو آشا کو لانے کا حکم دیا۔

''اس لڑکی میں ایسی کیا خاص بات ہے؟'' کمار نے مجھ سے پوچھا۔

''بس وہ ایک مظلوم لڑکی ہے، تمہارے قبیلے سے تعلق نہیں ہے اس لئے ڈرتی ہے۔ مجھے جانتی ہے اور میری محسن بھی ہے۔ اس نے مجھے کتوروں کے مذموم عزائم سے بچانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اب میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوہ، تو یہ بات ہے، لیکن تم اسے کہاں رکھو گے، سومترا کے پاس؟''

''تم نے درست اندازہ لگایا ہے۔''

کمار نے میرے لئے چائے منگوائی۔ ''میں نے آج ہی ایک خاص گودام دریافت کیا ہے، اس میں دنیا جہان کی چیزیں اور کھانے پینے کا اسٹاک ہونے والا سامان بھرا پڑا ہے۔''

''یہ سب وادی کے حکمران طبقے کے لئے ہوگا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس میں رچ برو چائے اور اعلیٰ ترین کافی کے ڈبے تک دستیاب ہیں۔ کپڑے، جوتے، کمبل، الیکٹرانکس کا سامان۔''

''الیکٹرانکس.....؟ یہاں تو بجلی ہی نہیں ہے۔''

''سامان میں ڈیزل اور پیٹرول سے چلنے والے جنریٹرز بھی ہیں۔''

''یہ عیش ہیں اس وادی کی ایلیٹ کلاس کے پھر ہمارے حکمران تو جو نہ کرتے ہوں گے وہ بھی کم ہوگا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی اور گرم چائے کا سپ لیا۔ ''تمہارا آدمی نہیں آیا، اور ہاں، بیتو مشین گن لے آیا تھا؟''

''ہاں اسے برابر والے کمرے میں رکھ کر اس کی صفائی کر رہا ہے۔''

''تمہارے آدمیوں میں مجھے سب سے باصلاحیت بیتو ہی لگا ہے۔ تین چار سال بعد جب اسے کچھ تجربہ بھی ہو جائے گا تو تم اسے اپنا وزیر اعظم بنا سکتے ہو۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔'' کمار بولا، اس لمحے وہ آدمی اندر آیا جو آشا کو لینے گیا تھا، وہ اکیلا تھا۔ کمار نے اسے گھورا۔ ''لڑکی کہاں ہے؟'' میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے یہی سوال کیا ہوگا۔

اس نے جواب میں کچھ کہا۔ کچھ دیر تک اس کے اور کمار کے درمیان الفاظ کا تبادلہ ہوتا رہا تھا۔ پھر کمار نے مجھ سے کہا۔ ''یہ کہہ رہا ہے وہاں سے آشا نامی لڑکی دوپہر سے غائب ہے۔''

''غائب ہے، کیسے؟ وہ خود کہیں گئی ہے یا اسے کوئی لے گیا ہے؟''

''اس کے ساتھ کی دوسری عورتیں نہیں جانتیں۔ ایک عورت نے آشا کو کسی اجنبی عورت سے بات کرتے دیکھا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ اس عورت کے ساتھ گئی تھی یا نہیں مگر اس کے بعد آشا نظر نہیں آئی۔''

''یہ اچھا نہیں ہوا ہے۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''کمار اپنے آدمیوں سے کہو کہ اس کا سراغ لگائیں، اس عورت کا جو آشا سے بات کر رہی تھی۔ میرا خیال ہے وہی اسے کہیں لے گئی ہے۔ ممکن ہے آشا کو میرے نام سے دھوکا دیا گیا ہو۔''

''میں معلوم کرواتا ہوں، لیکن اسے کوئی کیوں لے جائے گا؟''

''ایک تو وہ خوبصورت اور نوجوان لڑکی ہے، دوسرے اس کی ایک حیثیت اور بھی ہے۔ اگر وہ نہ مل سکی تو میں تمہیں بتا دوں گا۔''

''اور مل گئی تو.....؟''

''تو میری طرف سے معذرت ہوگی۔'' میں نے صاف کہا۔

''میں اسے تلاش کرواتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کمار اسے یہ سوچ کر تلاش کروانا کہ اس کا ملنا تم لوگوں کی بقا کے لئے لازمی ہے۔''

کمار سنجیدہ ہو گیا تھا۔''اتنی ضروری ہے وہ؟''

میں آشا کے غائب ہونے سے پریشان ہو گیا تھا، مجھے خاص حد تک یقین تھا کہ اسے راج ہنس نے غائب کیا ہے۔''تم راج سے پوچھو..... اور اسے وارننگ دو اگر اس نے آشا کو غائب کیا ہے تو اس کی عافیت اسی میں ہے کہ اسے فوری طور پر واپس کر دے۔''

''میں اس سے اس طرح بات نہیں کر سکتا۔'' کمار نے نفی میں سر ہلایا۔''لیکن بات ضرور کروں گا۔''

میں نے بیتو کو بلایا۔''اس نے آشا کو دیکھا ہے، یہ اس کی تلاش میں مدد کرے گا۔''

کمار نے بیتو اور اپنے دوسرے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ آشا کو تلاش کریں۔ پھر مجھے سومترا کا خیال آیا وہ بھی اس معاملے میں میری مدد کر سکتی تھی۔ میں سومترا کے گھر جا رہا ہوں۔ جیسے ہی آشا کے بارے میں کوئی خبر آئے تو مجھے بتانا۔''

☆======☆======☆

سومترا گھر میں نہیں تھی۔ پوربی موجود تھی۔ اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔''مالکن تو موجود نہیں ہیں، مالک ہمیں بتا دیں، ہم بھی آپ کے سارے کام کر سکتے ہیں، داسی ہیں آپ کی۔''

''الو کی پٹھی!'' میں نے دل میں جز بز ہوتے ہوئے کہا۔''کہاں گئی ہے تمہاری مالکن!''

''مرضی کی مالک ہیں۔'' اس نے سنسنی خیز انداز میں اپنی کرتی کے گلے سے جھانکتے شانے ہلائے۔''پتا کر نہیں گئی ہیں۔''

میں نشست گاہ میں انتظار کرنے لگا۔ میرا خیال تھا سومترا اپنے بھائی سے بات کر سکتی تھی اور اسے راضی کر سکتی تھی کہ وہ آشا کو چھوڑ دے مگر وہ خود غائب تھی۔ کچھ دیر بعد میری سوچوں میں ٹھہراؤ آیا تو مجھے اپنی جذباتی کیفیت پر ہنسی آنے لگی۔ سومترا مجھے جواب دہ نہیں تھی، وہ اپنی مرضی کی مالک تھی۔ اس کے لئے مجھ سے پوچھ کر کہیں آنا جانا ضروری نہیں تھا۔ میں نے تالی بجا کر پوربی کو طلب کیا۔''میرے لئے کافی لے کر آؤ۔''

''ابھی لائی مالک!'' اس نے کہا اور اپنا شرارہ یا لہنگا لہراتی ہوئی چلی گئی۔

میں کمار اور اس کے آدمیوں کے مسائل میں اتنا الجھ گیا تھا کہ مجھے اپنے معاملات پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ میں کمار کا ساتھ دے رہا تھا مگر اس کی بھی ایک حد تھی۔ میں اجنبی ملک میں تھا اور اس کی فوج سے لڑ رہا تھا۔ اگر میں پکڑا جاتا تو میری گلو خلاصی ناممکن ہو جاتی۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا چاہئے تھی۔ پوربی کافی لے کر آئی۔ اس نے مجھ سے پوچھ کر چینی ڈالی۔ کریم میں نے منع کر دی تھی۔ پوربی میرے سر پر سوار رہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔''میرا دماغ نہ کھا، میں پہلے ہی پریشان ہوں۔''

ابھی میں نے کافی ختم کی تھی کہ سومترا آ گئی۔ اس نے ساڑھی کے اوپر شال لے رکھی تھی، اندر آ کر اس نے شال اتار دی۔''خیریت، پوربی کہہ رہی ہے تم پریشان ہو؟''

''تم کہاں گئی تھیں؟''

''راج بھیا کو دیکھنے، اس کی طبیعت خراب ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''طبیعت خراب ہے؟'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کہیں اس کا سبب کوئی نیا طبیب تو نہیں ہے؟''

''نیا طبیب؟''

''سومترا! میں نے تم سے جس کے لئے بات کی تھی، جسے میں یہاں رکھنا چاہتا تھا وہ لالی غائب ہے۔'' میں نے اچانک سنجیدگی سے کہا۔ ''اور مجھے شبہ ہے اس کے غائب ہونے میں تمہارے راج بھیا کا ہاتھ ہے۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''یہ لڑکی کون ہے؟''

میں نے اسے آشا کے بارے میں وہی بتایا جو میں کمار کو بتا چکا تھا۔ ''تمہارا بھائی اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔ تم اس سے بات کرو، اسے کہو، بات بگڑنے سے پہلے آشا کو واپس کر دے۔''

''تم ایک معمولی سی لڑکی کے لئے اتنی فکر کیوں کر رہے ہو؟''

''وہ معمولی سی لڑکی نہیں، میری محسن ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں اسے ہر قیمت پر محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں اور اسے ذرا بھی نقصان ہوا تو میں ایک ایک سے نمٹ لوں گا۔'' میرا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''تم تو غصے میں آ گئے ہو۔'' اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر خود پر قابو پایا۔ سومترا نے جگ سے پانی گلاس میں ڈال کر دیا۔ ''تم پریشان مت ہو۔ میں ابھی دیکھتی ہوں، آشا اگر راج بھیا کے پاس ہے تو تم بے فکر رہو، اسے ذرا بھی نقصان نہیں ہوگا۔''

''راج اتنی آسانی سے تمہاری بات مان لے گا؟'' میں نے طنز کیا۔

''ہاں، بھیا کو میری بات ماننا ہوگی۔ وہ مجھے انکار نہیں کر سکتا۔''

سومترا کے لہجے میں اعتماد تھا۔ مجھے ذرا سکون محسوس ہوا تھا۔ ''میں نے ایک اور کام کہا تھا تم سے؟''

''میرے آدمی اس کا کھوج لگا رہے ہیں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔ ''میں راج بھیا سے بات کر کے آتی ہوں۔''

اس نے اپنی شال لپیٹی اور باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں بھی کمار کی طرف چلا گیا۔ ابھی تک آشا کا یا اسے لے جانے والی عورت کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

''کمار، باہر کی کیا صورتِ حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''میرا مطلب ہے وادی سے باہر۔ تم لوگوں کی بستیوں اور جنگلوں میں کیا ہو رہا ہے؟''

''پولیس اور بی ایس ایف کے دوستوں نے ناکہ بندی کر دی ہے تاکہ ہماری طرف سے کوئی نکل کر باہر نہ جا سکے۔'' اس نے کہا۔ ''میں بے خبر ہوں، میرے جو آدمی باہر گئے تھے، وہ نہ جانے شہر تک پہنچے بھی ہیں یا نہیں۔''

''اس کا مطلب ہے یہ کوئی منصوبہ بنا چکے ہیں۔ ممکن ہے وادی پر حملہ کر دیں۔''

''مجھے بھی یہ خدشہ ہے مگر میں باہر کے حملہ آوروں سے نمٹوں یا اندر کے دشمنوں سے؟''

''کمار، ایک بار ہمت کرو۔ ان لوگوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دو اور ان کا سب کچھ ضبط کر کے وادی کے لوگوں کے حوالے کر دو۔ تم دیکھنا یہی لوگ حقیقت جاننے کے بعد ان کو گالیاں دیں گے اور ان پر تھوکیں گے۔ اس کے بعد تم یکسوئی سے دوسرے معاملات پر توجہ دے سکو گے۔''

اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''سوچتا تو میں بھی یہی ہوں لیکن مجھے ڈر لگتا ہے۔ اگر بغاوت ہو گئی تو دونوں طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے میرے لوگوں کا خون بہے گا۔ ہم اور کمزور ہو جائیں گے۔"

"یہ تو تمہاری سوچ ہے نا، اگر وادی کے سابق حکمرانوں کو اپنا اقتدار بحال کرنے کے لئے باہر سے آنے والے ایک ایک فرد کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑا تو وہ اس سے دریغ نہیں کریں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں لیکن میرے لئے یہ سب میرے لوگ ہیں۔"

"تمہارے آدمی وادی میں ہر جگہ موجود ہیں، کیا تمہارے غائب ہونے والے مشیروں کا سراغ ملا؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ابھی تک نہیں معلوم ہوا۔"

"بس اس سے اندازہ لگا لو کہ یہ لوگ اب بھی طاقتور ہیں۔"

"کمار پریشان نظر آنے لگا تھا، مجھے محسوس ہوا کہ اس کی قوت فیصلہ متاثر ہو رہی ہے۔ عام طور سے حکمرانوں کے بروقت فیصلے نہ کرنے کی حرکت ان کے اقتدار کے خاتمے کا باعث بن جاتی ہے۔ میں نے اس پر زور دیا۔

"کمار، سوچو مت، فیصلہ کر لو۔ اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ "مجھے جن شرائط پر اقتدار ملا ہے، اب میں اکیلا اس قسم کے فیصلے کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔"

"یعنی تم کسی نہ کسی طرح راجا جتندر کے دباؤ میں ہو؟"

"تم کہہ سکتے ہو۔"

"بھارتی حکومت کی مداخلت پر راجا جتندر اور اس کے ساتھیوں کا کیا موقف ہے؟"

"ان کا کہنا ہے کہ فوج سے تصادم درست پالیسی نہیں ہے۔"

"حالانکہ فوج تم لوگوں پر بلا اشتعال حملے کر رہی تھی۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "کمار، اگر انہوں نے تمہارے خلاف حکومت سے ساز باز کر لی تو؟"

"حکومت سے ساز باز کیسے کر سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "یہ بھی ہماری طرح وادی میں محصور ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے، ان کے آدمی چپکے سے جا کر مذاکرات کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس وائرلیس بھی ہو سکتا ہے۔ یہ چپکے سے رابطہ کر لیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔"

کمار متفکر نظر آنے لگا۔ "میرے آدمی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔" اس کا لہجہ اعتماد سے محروم تھا۔

میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ میں نے اچانک پوچھا۔ "کمار، سچ سچ بتاؤ، حکومت تم لوگوں کے پیچھے کیوں پڑی ہے۔ کوئی بھی حکومت بلاوجہ اپنے شہریوں کا قتل عام نہیں کرتی۔"

"جو بھی ہے تمہارے سامنے ہے۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہاری مرضی اگر نہیں بتانا چاہتے۔" میں نے گہری سانس لی۔ "لیکن میں نے اڑتے اڑتے سنا ہے، جن پہاڑوں پر تم لوگوں کا دعویٰ ہے اور جہاں کنور خاندان اپنا تسلط چاہتا ہے اس میں قیمتی پتھروں کی کانیں ہیں۔"

"میرا خیال ہے ایسی بات نہیں ہے۔" اس نے پہلے کے سے انداز میں کہا۔

"کمار، اگر ایسی کوئی بات ہے تو تم لوگوں کی عافیت اسی میں ہے کہ ان سے دستبردار ہو جاؤ۔ تم لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حکومت سے نہیں لڑ سکتے اور اسی بستی کو تباہ کرنے کے لئے چند گائیڈڈ میزائل کافی ہوں گے جو طیارے بلندی سے فائر کریں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا کہ موت کب نازل ہوئی۔"

"یہ سب فضول کی باتیں ہیں جس نے بھی کی ہیں۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"کمار!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "انسان کے لئے بے جان پتھر نہیں انسان قیمتی ہوتے ہیں کیونکہ ضرورت پڑنے پر وہی انسان کے کام آتے ہیں۔"

"بھگوان کے لئے میرا دماغ مت خراب کرو۔" اس نے جھنجلا کر میری طرف دیکھا۔

"مرضی تمہاری۔" میں نے شانے اچکائے۔

"تم بتا رہے تھے کہ آشا کی کوئی خاص حیثیت ہے؟"

"ہاں مگر فی الحال میں اس بارے میں نہیں بتا سکتا۔" میں نے بھی خشک لہجہ اختیار کیا۔ "میں سومترا کے پاس جا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر اس کے بارے میں پتا چلا تو میں اطلاع دے دوں گا۔"

سومترا کی طرف جاتے ہوئے میں کمار کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا رویہ بدلا ہوا تھا اور راجا جتندر کے مسئلے پر بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کسی دباؤ میں نظر آتا تھا اور پہلے کی طرح مجھ سے کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ سومترا کے گھر کی طرف جاتے ہوئے مجھے ایک خیال آیا اور میں اس طرف مڑ گیا جہاں کمار کے لوگ رہائش پذیر تھے۔ ان میں وہ بے سہارا عورتیں بھی تھیں جن کے خاندان والے مارے جا چکے تھے۔ آشا ان کے ساتھ مقیم تھی، وہاں مجھے بیتو نظر آیا۔ وہ اس عورت سے بات کر رہا تھا جس نے آشا کو غائب ہونے سے پہلے ایک اجنبی عورت سے بات کرتے دیکھا تھا۔ بیتو نے مجھے تفتیش کا احوال سنایا۔ "اس کا کہنا ہے وہ عورت دوپہر میں کسی وقت آئی تھی۔"

"اس کا حلیہ پوچھا۔ کوئی نشانی، کیسی تھی وہ؟"

"جوان عورت تھی۔ حلیہ عام مقامی عورتوں جیسا تھا۔" بیتو نے بتایا۔ "چلتے ہوئے تھوڑا سا لنگڑاتی تھی۔"

"آشا اس کے ساتھ گئی تھی، اس نے جاتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"نہیں، اس نے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پر اس کا خیال ہے آشا اس وقت سے غائب ہے۔"

"اسے لے کر بستی کی تمام عورتیں دکھاؤ، اسے کہیں نہ کہیں تو ملے گی۔"

"ساری بستی کی عورتیں۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "آپ کو پتا ہے اتنی عورتیں دیکھنے میں کتنا وقت لگے گا۔ ان کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔"

"اچھا، کل بستی کی ساری جوان عورتوں کو باہر بلا لو اور اسے دکھا دو۔" میں نے متبادل تجویز دی۔

"اس کے لئے سردار کا حکم ہونا چاہئے۔"

"تم کمار سے کہو، وہ حکم جاری کر دے گا۔ یہ کام کل لازمی ہونا چاہئے۔ بیس سال سے لے کر چالیس برس تک کی ہر عورت کو بلا لو اور اس سے شناخت کراؤ۔"

"جو حکم سرکار!" بیتو نے سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مشین گن کہاں ہے؟''

''اسے میں نے سردار کے برابر والے کمرے میں رکھ دیا ہے۔''

''ایسے ہی، کوئی اسے لے گیا تو؟''

''کوئی نہیں لے جا سکتا، میں نے دو آدمی پہرے پر لگا دیئے ہیں۔''

''یہ تم نے اچھا کیا ہے۔'' میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

''سومترا میری منتظر تھی۔'' کہاں چلے گئے تھے۔'' اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔ ''میں کتنی دیر سے انتظا رہی ہوں۔''

''میں کمار کے پاس تھا۔ تم سناؤ، کوئی سراغ ملا۔''

''راج بھیا نے انکار کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے کسی لڑکی کو دیکھا تھا اور اسے اپنے گھر میں کام کر کو کہا تھا مگر اس نے انکار کر دیا۔''

''راج کو ملازماؤں کی کمی ہے؟'' میں نے طنز کیا۔ ''جو وہ بے سہارا عورتوں میں نئی ملازمہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔

''وہ آشا کے پاس ہونے سے انکار کر رہے ہیں۔''

''آشا مل جائے گی۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''کل پوری بستی کی مکمل تلاشی لی جائے گی، کوئی جگہ اور کو گھر نہیں چھوڑا جائے گا۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ مگر کمار کچھ نہ کچھ کرے گا۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا اور میں نے نوٹ کر اس کے چہرے پر تشویش نظر آنے لگی تھی۔ اب میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''کیا بات ہے، تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟''

''نہیں تو۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔ ''کھانا منگواؤں۔''

''ہاں، بھوک لگ رہی ہے۔'' میں نے جواب دیا، وہ اٹھ کر جانے لگی تو میں نے روک دیا۔ ''پوربی کو کر کہہ دو۔ تمہارا جانا ضروری نہیں ہے۔''

''اوہ، ہاں۔'' اس نے سر ہلایا اور تالی بجائی، پوربی آ گئی۔ ''کھانا لگاؤ۔'' سومترا نے اسے حکم دیا۔

''جی مالکن۔'' اس نے سر جھکا کر کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

میں نے نشست گاہ کا بغور معائنہ کیا۔ ''سومترا! تم لوگ بہت ٹھاٹ سے رہ رہے ہو۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔'' اس نے فخر سے کہا۔

''لیکن اس بستی کے عام لوگوں کو یہ سب میسر نہیں ہے۔ وہ بے چارے بس جیسے تیسے گزارہ کر لیتے ہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''وہ عام لوگ ہیں۔''

''حالانکہ محنت وہ کرتے ہیں، تم لوگ کیا کرتے ہو؟''

''ہم ..... ہم حاکم ہیں، حکومت کرتے ہیں۔ ہمیں کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''سومترا! تم، تمہارا بھائی اور اس کا آقا جتندر، سب ان عام لوگوں کی محنت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عیش کر رہے ہو جبکہ ان کو دو وقت کا کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے۔ تم لوگ وسیع و عریض کمروں میں رہتے ہو جبکہ دوسروں کو محض ایک کوٹھڑی ملتی ہے جس میں پورا خاندان رہتا ہے۔ سوچو، کبھی تم لوگوں کو اس طرح رہنا پڑ جائے، تمہیں دو وقت محض سوکھی روٹی ملے۔''

اس نے جھرجھری لی۔ ''بھگوان نہ کرے، میں مر جاؤں گی۔''

''تم نہیں مرو گی، تم جینا سیکھ لو گی، انسان بہت سخت جان ہوتا ہے۔''

اس نے مجھے گھورا۔ ''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''آشا کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ زیادتی ہوئی یا اسے نقصان پہنچا تو ممکن ہے یہ وادی تباہ ہو جائے اور تم لوگ عرش سے فرش پر آ جاؤ۔ اسے جتنی جلد میرے پاس پہنچا دو، تمہارے حق میں اتنا ہی بہتر ہوگا۔''

''میں تمہیں کیسے یقین.....''

''مجھے یقین مت دلاؤ۔ اپنے بھائی کو سمجھاؤ۔ آشا کو واپس کر دینے میں ہی تم سب کی عافیت ہے۔ اس میں دیر نہ کرے۔ جاؤ تم اسے خبردار کرنے کے لئے بے تاب ہونا کہ وہ آشا کو کل صبح سے پہلے کہیں چھپا دے جہاں اس تک کسی کا خیال بھی نہ جائے۔''

چند لمحے کے لئے احساسِ جرم اس کے چہرے پر چھلکا تھا پھر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ ''شہباز، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے؟''

''چلو، ایسا ہی سہی۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے اور پوری نیک نیتی سے تم کو ایک مشورہ دیا ہے، تم نے بہرحال میرے دل میں کچھ جگہ بنالی ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تاکہ تم بعد میں یہ نہ کہو کہ میں نے جانتے بوجھتے تمہیں بے خبر رکھا۔''

''آشا کون ہے؟''

''یہ جاننا فی الحال تمہارے لئے بہتر نہیں ہوگا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اور تمہیں بتانے کا فائدہ؟ تم پہلے ہی انکار کر چکی ہو آشا راج کے پاس نہیں ہے۔''

''میں اس سے بات تو کر سکتی ہوں۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔

''یعنی تم تسلیم کرتی ہو، راج آشا کے بارے میں جانتا ہے؟''

''میں اس سے پھر بات کرتی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''میں بس چند منٹ میں آئی۔''

اس بار میں نے اسے نہیں روکا۔ اندر ہی اندر کچھ ہو رہا تھا، کوئی بہت ہی گہری کھچڑی پک رہی تھی۔ کمار بھی کسی دباؤ میں آ گیا تھا۔ پوربی نے کچھ دیر بعد آ کر کہا۔ ''مالک کھانا لگ گیا ہے، آپ کہیں تو لگا دوں؟''

''سومترا نے تمہیں اس بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی؟''

''وہ صرف اتنا کہہ کر گئی ہیں کہ مجھے دیر ہو تو تم مالک سے کھانے کا پوچھ لینا۔''

''نہیں، میں سومترا کا انتظار کروں گا۔'' میں نے انکار کر دیا۔

سومترا خاصی دیر بعد آئی اور وہ سخت فکرمند لگ رہی تھی۔ ''کیا ہوا ہے؟'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''ابھی نہیں کھانے کے بعد بتاؤں گی۔ پوربی نے بتایا ہے کہ تم نے اب تک کھانا نہیں کھایا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔''

میرے جملے پر وہ کھل اٹھی تھی۔ ''سچ، میرا اتنا خیال ہے؟''

''میزبان کے بغیر مہمان کیسے کھانا کھا سکتا ہے۔''

''تم مہمان نہیں، اس گھر کے مالک ہو۔''

''براہ کرم..... مجھے میری حیثیت میں رہنے دو۔'' میں نے کہا اور اس کے ساتھ ڈائننگ روم میں آیا۔ کھانے میں تکلف تھا۔ کئی طرح کی ڈشز تھیں۔ میں نے پوربی کی طرف دیکھا۔ ''اتنا اہتمام، کیا آخری بار کھلا رہی ہو۔''

''فضول مت بولو۔'' سومترا نے جلدی سے کہا اور پھر پوربی کو ڈانٹا۔ ''ٹوکھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہے، روٹی لے کر آ۔''

اس وقت میں سمجھا تھا کہ سومترا میرے جملے کو بدشگونی کے طور پر لے رہی ہے مگر چند منٹ بعد پتا چلا اس کے دل میں چور تھا۔ میں نے سبزیوں کا سوپ لیا۔ یہ مجھے پہلے بھی اچھا لگا تھا، اس میں انڈے کے قتلے اور مکھن ڈالا ہوا تھا۔ ابھی میں نے نصف پیالہ لیا تھا کہ یک لخت میری نظر دھندلانے لگی۔ میں نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی تو منہ کے بل قالین پر جا گرا۔ دھندلاہٹ اتنی بڑھی کہ مجھے کچھ نظر آنا ہی بند ہو گیا اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ سبزیوں کے شوربے میں شامل بے ہوشی کی دوا جتنی زود اثر تھی، اعصاب کے لئے اتنی ہی بے ضرر بھی ثابت ہوئی کیونکہ میں یوں جاگ گیا تھا جیسے گہری، بھرپور اور میٹھی نیند کے بعد انسان جاگتا ہے، نہ میرے سر میں درد تھا نہ چکر آ رہے تھے اور نہ ہی متلی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں ذہنی طور پر پوری طرح چاق چوبند تھا اور میرے ہاتھ پاؤں مکمل طور پر میرے قابو میں تھے، ان مراحل سے میں بارہا گزر چکا تھا لیکن اتنے اچھے انداز میں ہوش پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

میں فرش پر ایک کھال پر پڑا تھا اور یہ بالوں والی دبیز کھال کسی پہاڑی بھینسے کی تھی۔ یہ چھوٹا سا کمرا تھا جس میں چاروں طرف دیواریں تھیں اور ایک دیوار میں چھوٹا سا دروازہ لگا تھا۔ اوپر خاصی بلندی پر ایک مختصر سا روشن دان تھا۔ یہ اتنا چھوٹا تھا کہ اس سے بلی کا بچہ بھی بمشکل گزر سکتا تھا۔ روشن دان بتا رہا تھا کہ میں زیر زمین بستی میں ہوں۔ اندر موجود کمروں کو گھٹن سے بچانے کے لئے ایسے روشن دان ہر کمرے میں تھے۔ میں نے دروازہ چیک کیا، حسب توقع وہ باہر سے بند نکلا تھا۔

''تو راج کی ہمشیرہ نے اپنا اصل روپ دکھا دیا۔'' میں نے تلخی سے سوچا۔ میری میزبانی حاصل کرنا دراصل ایک سازش تھی جس کا مقصد مجھے کمار سے الگ کر کے قابو کرنا تھا کیونکہ سازشیوں کو سب سے زیادہ خطرہ میری ذات سے تھا۔ ممکن ہے مجھے اتنی جلدی غائب کرنے کا ارادہ نہ ہو مگر آشا والے معاملے کی وجہ سے یہ لوگ جلدی پر مجبور ہو گئے ہوں۔ میں کھال پر بیٹھ گیا۔ اب میرے پاس صبر سے بیٹھ کر سوائے انتظار کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا، اوّل تو یہی تعجب کی بات تھی، انہوں نے مجھے زندہ کیوں رکھا تھا، بے ہوشی میں ایک گولی مار کر یا گلا دبا کر بھی میرا کام تمام کر سکتے تھے۔ اگر اس کا کوئی مقصد تھا تو وہ جلد سامنے آ جاتا۔

دیوار کے ساتھ ایک طاق میں تیل سے جلنے والا دیا روشن تھا اور اس کی روشنی خاصی تھی۔ دیواروں پر سفید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگ کی وجہ سے یہ روشنی اور بھی تیز لگ رہی تھی۔ میں نے کمار کے بارے میں سوچا۔ سازشی بڑی تیزی سے اس کے اردگرد کے افراد کو غائب کر رہے تھے اور جب وہ اکیلا رہ جاتا تو اس کا بھی کام تمام کر دیتے یا کسی قید خانے میں پہنچا دیتے۔ اچانک دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھلا اور سومترا اندر آئی۔ اس کے پیچھے ایک مسلح قبائلی تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ ''کیسے ہو سومترا کی جان!'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''تمہاری جان ہونے سے بہتر ہے میں کسی تھرڈ کلاس طوائف کا محبوب ہوتا، وہ بھی میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتی۔''

''میں نے تمہاری بات کا برا نہیں مانا۔ تم غصے میں ہو اور ٹھیک غصہ کر رہے ہو لیکن تم کو اس طرح قید میں ڈالنا میری مجبوری ہے۔ تم جلد حقیقت جان جاؤ گے۔''

''جب مجھے گولی ماری جائے گی یا پھانسی دی جائے گی۔'' میں نے طنز کیا۔ ''تمہاری حقیقت تو میں ابھی جان گیا ہوں۔ یہ بتاؤ، مجھے زندہ کیوں رکھا ہے؟''

''شہباز، میری بات کا یقین کرو، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''تم لوگ وادی میں بغاوت کرنے والے ہو؟''

''اپنی حکومت حاصل کرنا بغاوت نہیں ہوتی۔'' اس نے میرے سوال کا دوسری طرح جواب دیا۔

''آشا تمہارے قبضے میں ہے؟''

''وہ خیریت سے ہے۔'' اس نے واضح جواب دینے سے گریز کیا مگر اقرار کر لیا کہ آشا ان کے پاس تھی ورنہ وہ اس کی خیریت کے بارے میں کہاں سے بتاتی۔

''سومترا! مجھے تم لوگوں کا انجام افسوس ناک نظر آ رہا ہے۔ کمار اچھا آدمی ہے، اسے اقتدار کی ہوس نہیں ہے۔ وہ تو تمہیں بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''وہ غاصب ہے۔ اس نے وادی کے اقتدار پر قبضہ کیا ہے۔'' سومترا سپاٹ لہجے میں بولی۔

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''ابھی تم نے غاصب دیکھے نہیں ہیں۔ غالباً تم باہر والوں کی شہ پر کمار کے خلاف بغاوت کرنے جا رہے ہو لیکن تمہیں معلوم ہے اس کے بعد کیا ہوگا۔ ان کی فوج یہاں اتر آئے گی اور تم سب کو چن چن کر مارے گی، نچلی ذات کے ہندوؤں کا ایک قبیلہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا، نہ تو کسی کو پتا چلے گا اور نہ ہی کسی کو دکھ ہوگا۔ جس ملک میں روزانہ پچیس ہزار افراد بھوک اور غربت کے نتیجے میں مر جاتے ہیں، وہاں تم لوگوں کی پروا کون کرے گا۔ یہ وادی اور نیچے کا سارا علاقہ ان لوگوں کے قبضے میں چلا جائے گا۔''

''تم مجھے ڈرا رہے ہو؟'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

''سومترا، تم نے ابھی دنیا نہیں دیکھی ہے۔ ہر ملک میں یہی ہوتا ہے۔ غیر ملکی طاقتوں کے اشارے پر کٹھ پتلی کی طرح ناچنے والے حکمران جب اپنا کام کر لیتے ہیں یا غیر ملکی آقاؤں کو ان سے بہتر غلام مل جاتا ہے تو ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کوئی شے جب تمہارے لئے بے کار ہو جاتی ہے تو تم کیا کرتی ہو؟''

''اسے کوڑے میں پھینک دیتے ہیں۔'' اس نے غیر ارادی طور پر کہا۔

''یہی تم لوگوں کے ساتھ ہونے والا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''سومترا، اب بھی وقت ہے، کمار کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ دو ورنہ تمہاری لاشیں بھی غائب کر دی جائیں گی۔ وہی تمہیں کسی حد تک بچا سکتا ہے۔ وہ اس کے لئے کوشش کر رہا ہے۔"

سومترا نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ تمہاری اور کمار کی خوش فہمی ہے، اس نے بیرونی دنیا سے رابطے کے لئے جتنے بھی آدمی بھیجے تھے، وہ پکڑے جا چکے ہیں۔"

"وہ بھی تم لوگوں کی مخبری پر پکڑے گئے ہوں گے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "آج میں نے دیکھ لیا، انسان کس طرح اپنے ہیرو پر کلہاڑی مارتا ہے؟"

"مجھے یقین ہے کچھ نہیں ہوگا، راجا جتندر کے آتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"یہ بتاؤ، ہمارا کیا ہوگا، کمار اور اس کے خاص آدمیوں کا؟"

"ان کو بھارت سرکار کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وہ کنور مل پر حملے کے مجرم ہیں۔ ان پر مقدمہ چلا کر ان کو سزا دی جائے گی۔"

"میں بھی ان میں شامل ہوں۔"

"تم مر جاؤ گے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یعنی مجھے تم سزائے موت دو گی؟"

"سرکار کو دکھانے کے لئے۔ بغاوت کے دوران تم مقابلہ کرتے ہوئے مارے جاؤ گے۔ ایک ناقابلِ شناخت لاش دکھا دی جائے گی۔ تم اس وقت سب سے زیادہ مطلوبہ شخص ہو۔ تم نے سرکاری فوج کو وہ نقصان پہنچائے ہیں جو آج تک کوئی فرد واحد نہیں کر سکا ہے۔"

"اس مہربانی کی وجہ؟"

"میں نے اس شرط پر راج بھیا کا ساتھ دیا ہے، کہ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔"

"تمہیں اپنے راج بھیا پر اعتماد ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کام ہو جانے کے بعد وہ مجھے زندہ چھوڑ دے گا۔"

"ہم کسی کو نہیں ماریں گے۔ بھارتی حکومت کے حوالے کریں گے۔ بس تمہیں بچا لیں گے۔ راج بھیا کو تمہیں حکومت کے حوالے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"یہ تو راج بھیا ہی جانتے ہیں کہ فائدہ ہوگا یا نہیں۔ یہ بتاؤ، سرکار نے تم لوگوں کو کیا دم دلاسے دیئے ہیں؟ کیا جھوٹے وعدے کئے ہیں؟"

"ہمارا قبیلہ نچلے جنگلوں سے دستبردار ہو جائے گا۔ اس کے بدلے ہمیں وادی میں رہنے کی اجازت ہو گی۔ حکومت یہاں سے ہمیں بے دخل نہیں کرے گی۔"

"وہ تمہیں وادی سے نہیں دنیا سے بے دخل کر دے گی۔ چار ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اتارنے والوں کے لئے سات آٹھ ہزار افراد کو اور قتل کرنا کیا مسئلہ ہو سکتا ہے جبکہ ان کے پاس اس کام کے لئے وسائل بھی ہیں۔"

سومترا کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ میری بات سے متفق ہے لیکن وہ مجبور تھی جو ہونے جا رہا تھا اسے نہیں روک سکتی تھی۔ اس نے عقب میں دیکھا اور مقامی زبان میں کچھ بولی۔ پوربی ایک تھال لے کر اندر آئی جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کھانے کے لوازمات کے ساتھ پانی کا جگ بھی تھا۔ "مجھے شاکر نا، ابھی میں تمہارے لئے اتنا ہی کر سکتی ہوں۔"

"سوال یہ ہے کہ تم بعد میں بھی مجھے کب تک چھپا سکو گی؟"

"جب تک تمہیں یہاں سے نکالنے کا بندوبست نہیں کر دیتی۔" اس نے کہا اور پلٹ کر چلی گئی۔ پوربی نے تھال فرش پر رکھ دیا تھا۔ میرا خیال تھا میں دس بارہ گھنٹے بعد جاگا تھا اور رات بھی پورا ڈنر کرنے سے پہلے بے ہوش ہو گیا تھا اس لئے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ میں نے بھوک کے باوجود احتیاط سے کھایا پیا کہ اخراج کا مسئلہ نہ ہو کیونکہ اس بند جگہ رفع حاجت ممکن نہیں تھی۔ سومترا بڑی خوفناک تصویر سامنے رکھ کر گئی تھی۔ سابق حکمرانوں نے بھارتی حکومت سے ساز باز کر لی تھی۔ ویسے تو وہ بھارت کے شہری تھے اور ان کو اس ملک سے وفادار ہونا چاہئے تھا اور مجھے ان میں غداری والی کوئی بات بھی نظر نہیں آتی تھی، وہ بجا طور پر مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کی زمین پر قبضہ نہ کیا جائے جس پر وہ صدیوں سے رہتے آئے تھے مگر بھارت کی مذہبی جنونی حکومت (ان دنوں بی جے پی اقتدار میں تھی) مسلمانوں، عیسائیوں اور دوسری غیر ہندو قوموں کے پیچھے تو تھی ہی، اس نے اپنی ہی ہندو برادری کی نچلی ذاتوں کا جینا بھی حرام کر رکھا تھا۔ اس کی ایک مثال یہ قبیلہ تھا۔

نہ جانے ان لوگوں نے کیا ساز باز کر رکھی تھی، عین ممکن تھا کہ بغاوت کو کامیاب بنانے کے لئے فوج کو بھی قلعے تک آنے کا راستہ دیا جاتا۔ اس کے بعد دونوں گروپ یکساں طور پر مارے جاتے اور حکومت نہ صرف جنگل بلکہ اس وادی پر بھی قابض ہو جاتی۔ یہ اسے فوج کے لئے ایک اچھا مقام مل جاتا۔ یہاں چھاؤنی بھی بنائی جا سکتی تھی اور سائنسی تجربہ گاہ بھی جہاں جدید ہتھیاروں کو ٹیسٹ کیا جاتا۔ جنگل میں موجود جواہرات کی کانیں بھی ان لوگوں کے قبضے میں آ جاتیں جو حکومت کے دست و بازو تھے، اسے قوت مہیا کرتے تھے۔ کنور خاندان کے ساتھ مقامی حکومت اور سیاست دانوں کی شمولیت بھی عین ممکن تھی جو اپنے مفاد کے لئے دس گیارہ ہزار افراد کی قربانی دینا معمول کی بات سمجھتے تھے۔ مجھے سومترا کے بھائی راج اور راجا جتندر پر حیرت تھی جو ان لوگوں پر اعتماد کر رہے تھے جو ان کے سائے سے بھی بچتے تھے، ان کے چھونے سے دھرم برشٹ ہو جاتا تھا۔

کمار جو قلعے تھا مارا جاتا، اسے زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے یہ لوگ۔ بہر حال یہ وہ جھگڑے تھے جو ازل سے ہوتے آئے ہیں اور ہمیشہ جاری رہیں گے۔ اس میں ناچیز کی جان بلاوجہ پھنس گئی تھی۔ اگر وادی میں فوج آنے والی تھی تو ان کا مطلوبہ ترین فرد میں تھا۔ جس کی وجہ سے ان کو نہ صرف شدید جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا بلکہ میری وجہ سے وہ اپنے کئی عدد قیمتی گن شپ ہیلی کاپٹروں سے محروم ہوئے تھے۔ یہ سومترا کی نا سمجھی تھی کہ وہ ایک ناقابلِ شناخت لاش پیش کر کے مجھے بچا لیں گے۔ کنور میرے بارے میں ان کو تفصیل سے آگاہ کر چکے تھے اور لاش کے سرسری سے معائنے سے پول کھل جاتا، اس کے بعد مجھے تلاش کرنا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ میں اس زیرِ زمین بستی میں ہوتا جو جلد بھارتی فوج کے قبضے میں جانے والی تھی۔

اس خیال نے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔ مجھے جو کرنا تھا، خود کرنا تھا اور جلد از جلد کرنا تھا۔ ممکن ہے آج رات کسی وقت بھارتی فوج وادی میں داخل ہو جاتی۔ میں نے تھال ایک طرف رکھا اور یہاں سے نکلنے کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا۔ دروازہ باہر سے بند تھا اور بہت ضروری تھا کہ کوئی اسے کھولے اور اندر آئے۔ میں اس پر قابو پا لوں، لازمی بات تھی اندر آنے والا مسلح ہوتا، مجھے اس سے ہتھیار بھی مل جاتے۔ ایک بار میں یہاں سے نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا تو کمار تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ اس کے بعد حالات کو اپنے قابو میں لینا مشکل تو تھا، ناممکن نہیں تھا۔ کمار حقیقت حال سے واقف ہونے کے بعد تمام سازشیوں کو گرفتار کر سکتا تھا اور حملہ کرنے والی بھارتی فوج سے مقابلے کے انتظامات بھی کر سکتا تھا۔ یہ سب سوچتے ہوئے میں نے دروازہ بجایا۔ چند لمحے بعد کسی نے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے شور مچایا۔ ""دروازہ کھولو۔ مجھے پیشاب آرہا ہے۔

ظاہر ہے اس کی سمجھ میں کیا آتا۔ میرا اصل مقصد تو اسے متوجہ کرنا تھا۔ شور و غل کے ساتھ میں دروازہ بجانا بھی جاری رکھا۔ اسے مزید مؤثر بنانے کے لئے پیتل کے گلاس سے بجانا شروع کر دیا۔ تنگ آکر نگران نے دروازہ کھول دیا اور مجھ پر رائفل تان لی۔ یہ ری پیٹر تھا امریکی ساخت کا اور بے حد مہلک، اس کا بلٹ چار فٹ کے فاصلے سے میرے دو ٹکڑے نہ بھی کرتا تو اتنا بڑا سوراخ ضرور کر دیتا جس میں دل گردے، پھیپڑے اور جگر سب غائب ہو جاتے۔ اس کا انداز بھی بے حد خوفناک تھا۔ اس نے گرج کر کچھ کہا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ لبلبی نصف دب چکی ہے۔ ذرا سا زور اور ڈالتا تو گولی چل جاتی۔

میں مسکرایا اور شیریں لہجے میں اپنی ضرورت بیان کرنے کے ساتھ ہاتھ کے اشاروں سے بھی واضح کرنے لگا۔ وہ سمجھ گیا، اس نے نفی میں سر ہلایا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے مشتعل ہو کر جوابی اشاہ کیا کہ کیا مجھے جو آرہا ہے وہ میں کمرے میں ہی کر دوں؟ اس نے نفی میں سر ہلایا مجھے انتظار کرنے کو کہا اور دروازہ باہر سے بند کر لیا۔ دروازہ باہر کی طرف ہی کھلتا تھا۔ جب تک دروازہ کھلا رہا وہ میر طرف سے پوری طرح چوکنا رہا تھا اور رائفل کی نال ایک لمحے کے لئے بھی مجھ پر سے نہیں ہٹی تھی۔ اس لئے خطرہ مول لینے کی گنجائیش نہیں تھی اس کے اشارے سے مجھے امید بندھی تھی کہ ابھی مجھے رفع حاجت کے لئے کہیں لے جایا جائے گا اور تب میں راستے میں چانس لے سکتا تھا۔



اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
پانچویں حصے میں ملاحظہ کریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ لہو تڑپتا، رگ رگ میں آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail:alimian_publications@yahoo.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

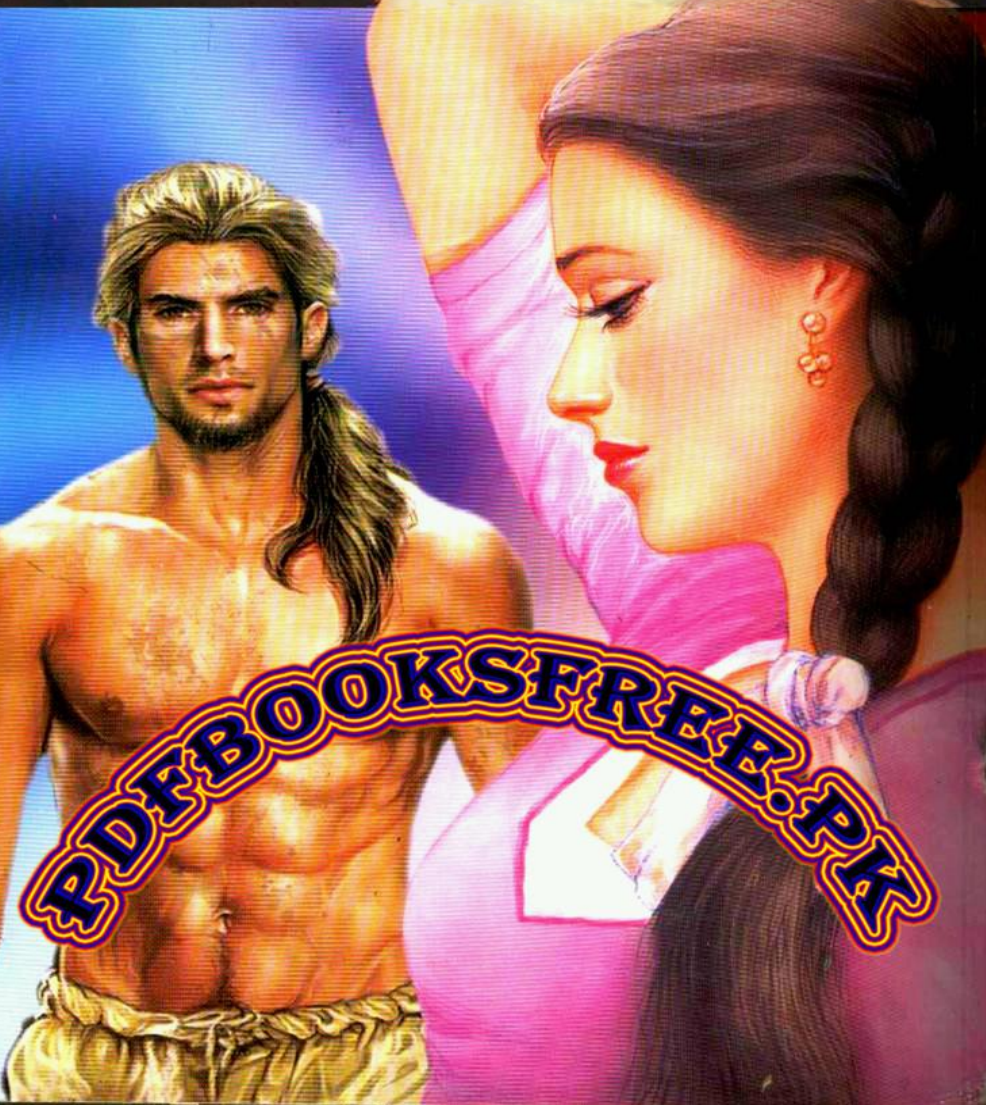
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

5



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

پانچواں حصہ

کاشف زبیر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تقریباً نصف گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور میں یہ دیکھ کر ذرا مایوس ہوا کہ اس کے ساتھ ایک مسلح قبائلی اور تھا۔ اس نے ایک زرا پرانی ساخت کی رائفل تھام رکھی تھی لیکن اس کی بھی ہلاکت خیزی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ دو افراد سے بیک وقت نمٹنا بے حد مشکل تھا اور افراد بھی وہ جو میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ انہوں نے مجھے دائیں بائیں سے اس طرح نرغے میں لے لیا کہ وہ مجھ سے ایک قدم پیچھے چل رہے تھے اور ان کے ہتھیاروں کا رُخ میری طرف تھا۔ میں کسی طرح ایک پر قابو پا بھی لیتا تو دوسرا فوراً مجھے آنجہانی کر دیتا۔

وہ مجھے ایک سرنگ میں لے گئے جس میں بلا کا تعفن تھا۔ جو تاریکی تھی کہ اس جگہ کو اسی کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ وہاں لکڑی کے بڑے بڑے ٹبوں میں پانی بھرا تھا اور سرنگ کے آخری سرے میں نالیاں بن گئی تھیں جن سے ساری غلاظت بہہ کر باہر چلی جاتی تھی۔ اس کے باوجود وہاں بے پناہ بدبو تھی۔ میں مجبوراً ایک دو منٹ وہاں رُکا تھا اور یوگا کی مشق کرتا رہا یعنی سانس روک رکھی تھی پھر وہاں سے بھاگا۔ سرنگ سے نکل کر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ واپسی میں منکر نکیر پوری طرح چوکس تھے اور مجھے ذرا سی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے کمرے کے دروازے کے سامنے رک کر کہا۔

"شکریہ دوستوں! لیکن تم مجھے کس بدبودار جہنم میں لے گئے تھے۔ تمہاری رائفل تو اچھی ہے۔ ذرا دکھانا۔"

میں نے ہاتھ آگے کیا تھا تو وہ دونوں چوکنا ہو کر پیچھے ہٹے اور بیک وقت رائفلیں تان لیں۔ ان کے تیور بھی خطرناک ہو گئے تھے۔ میں نے جلدی سے ہاتھ بلند کر لئے۔ اوکے اوکے! میں مذاق کر رہا تھا۔ تمہاری رائفلیں تم کو مبارک ہوں۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟

انہوں نے مجھے عملی حکم دیا اور کمرے میں دھکا دے کر دروازہ باہر سے بند کر لیا۔ میرا منصوبہ عارضی طور پر ناکام رہا تھا۔ لیکن مجھے پتا چل گیا تھا کہ اگر نگرانی کے لئے ایک بندہ ہوتا ہے تو مجھے کہیں لے جانے کے لئے کم سے کم دو افراد ہوتے تھے۔ یہ لوگ مجھ سے اچھی طرح واقف تھے اور مجھے ذرا سا موقع دینے کو تیار نہیں تھے۔ میں نے ناشتے کی دوسری قسط مکمل کی۔ یہ تو طے تھا کہ اب جو ہونا ہے جلدی ہونا ہے۔ کمار کو اتنی مہلت نہیں دی جا سکتی تھی کہ وہ مجھے تلاش کر لے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ آج کی رات کچھ ہونے والا ہے۔ دوپہر میں پوربی پھر کھانا لے کر آئی تھی۔ میں نے اسے روک لیا۔ رک جا، چند باتیں کر لے، ذرا دل بہل جائے گا۔

دل تو ہم پوری طرح بہلا سکتے ہیں مالک! پر یہاں موقع نہیں ہے اور جہاں موقع تھا وہاں آپ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوربی کو دیکھا ہی نہیں۔"

اس کی بات اتنی بے ہودہ تھی کہ مجھے پسینہ آ گیا۔ میں نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی۔ "تمہاری مالکن نہیں آئی، سومترا دیوی!"

اس نے سرد آہ بھری۔ "وہ تو آپ کے لئے دن رات تڑپتی ہیں۔ بے کل رہتی ہیں پر ابھی ضروری کام سے راج بھیا کے پاس گئی ہیں۔"

"راج بھیا! تم بھی اسے راج بھیا کہتی ہو؟"

"کہنا پڑتا ہے۔ پر وہ ہمارے بھیا نہیں ہیں۔" اس کا معنی خیز لہجہ بتا رہا تھا کہ راج لاما سے اس کا تعلق کچھ اور ہی ہے۔ اس کا تعلق جس طبقے سے تھا اس کے لئے سگی ماں، بہن کے علاوہ ہر عورت بس عورت تھی اور جو ملازمہ ہو وہ تو بے دام کی کنیز بھی تھی۔ ایسی خادمائیں سب کی دولتِ مشترکہ ہوتی ہیں، خاندان میں جتنے مرد ہوتے ہیں، ان سب کی۔

"تمہارے راج بھیا کیسے شخص ہیں؟"

"کیسے شخص ہیں؟" اس نے کسی قدر حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "آپ جانتے ہیں، وہ کیسے شخص ہیں۔"

"میں سومترا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں بتا دوں گی، ان کی مرضی ہو گی تو مل لیں گی۔"

"دعویٰ محبت بھی اور مرضی بھی؟" میں نے طنز کیا۔ "تو یہ ہیں تمہاری مالکن!"

"بڑے لوگ ہیں جی۔ محبت بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔" اس نے سادگی سے حقیقت بیانی کی۔

"آپ کھائیں..... ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا سب۔"

میں نے کھانا کھایا۔ ساتھ میں لسی بھی تھی اور خشک کی ہوئی خوبانی بھی۔ کھانے کے بعد پوربی نے برتن اٹھا لئے۔

"سومترا سے کہنا، میں اس سے ابھی ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں کہہ دوں گی۔" اس نے جواب دیا اور چلی گئی۔

جیسے ہی دروازے پر آہٹ ہوئی، میں اداس سی صورت بنا کر کھال کر پر لیٹ گیا۔ حسبِ توقع سومترا اندر آئی تھی اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ عجلت میں ہے۔ "کہو سوامی! کیا بات ہے؟"

"سوامی! یہ تو غالباً ہندو عورتیں اپنے شوہر کو کہتی ہیں؟" میں نے غور کیا۔

"تو اور کیا..... اب تم ہی میرے سب کچھ ہو۔" اس نے کسی قدر جذباتی لہجے میں کہا۔

"مجھے بے وقوف مت بناؤ۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے لگ رہا ہے، میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟" وہ پریشان ہو گئی۔ "تم یہاں پوری طرح محفوظ ہو۔"

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ "یہ جو باہر موت کے ہرکارے کھڑے ہیں، یہ تمہارے آدمی ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کسی قدر ہچکچائی۔ ''نہیں، یہ راج بھیا کے آدمی ہیں۔''

''ان میں سے ایک نے تقریباً مجھے گولی ماردی تھی۔ غالباً ان کو ہدایت ہے کہ میری ذرا سی حرکت پر مجھے شوٹ کردیا جائے۔ میں نے مذاق میں راکھل کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔''

وہ پریشان ہوگئی۔ ''تم نے ایسا کیوں کیا۔ میں ان کو سمجھا دوں گی۔''

''سومترا دیوی! میری گمشدگی پر کمار پریشان ہوگا۔ مجھے تلاش کررہا ہوگا۔ فرض کرو اس کے آدمی یہاں آ جائیں گے تو کیا یہ مجھے زندہ سلامت کمار کے آدمیوں کے ہاتھ میں جانے دیں گے جبکہ میں تم لوگوں کے سارے پلان سے واقف ہو چکا ہوں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب یہ کہ ایسی صورت میں مجھے مار ڈالنے کا حکم ہے۔ تم مجھے نہیں بچا سکتیں۔''

''تم فکر مت کرو۔'' اس بار اس نے اعتماد سے کہا۔ ''اوّل تو کمار اور اس کے آدمیوں کو اس جگہ کا علم ہی نہیں ہے۔ دوسرے کمار کے پاس وقت نہیں ہے۔''

''وقت نہیں ہے۔'' میں نے سوالیہ انداز میں اس کی بات دہرائی۔

''ہاں، بس چند گھنٹے کی بات ہے۔ پھر یہاں پر اُس کے اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

''کیا فوج آ جائے گی؟''

''شہباز! تمہاری زندگی اسی میں ہے کہ یہاں رہو۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا اور تم محفوظ رہو گے۔''

''خوش فہمی ہے تمہاری۔'' میں نے دل میں کہا۔

سومترا اٹھنے لگی۔ ''میں رات کو آؤں گی۔''

''جب کمار کا تحفہ الاٹ دیا جائے گا۔'' میں نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ میرا دل بیٹھ رہا تھا۔ آنے والے وقت کا سوچ کر۔ کمار، بیتو اور دوسرے، کیا وہ سب مارے جائیں گے؟ سومترا کے جانے کے بعد میں پھر کھال پر دراز ہو گیا تھا۔ یہ جگہ غاروں کے کمپلیکس میں بہت اندر تھی کیونکہ یہاں مکمل سناٹا اور خاموشی تھی۔ جبکہ غار کے دوسرے حصوں میں ایک غیر محسوس سی بھنبھناہٹ موجود رہا کرتی تھی۔ مگر یہ کوئی خفیہ جگہ نہیں تھی کیونکہ رفع حاجت والی جگہ پبلک لیٹرین تھا اور مجھے عام سے راستوں سے واپس لے جایا گیا تھا جو دھکے چھپے نہیں تھے۔ اگر میں باہر جا سکتا تھا تو کوئی اور ان راستوں سے اندر بھی آ سکتا تھا۔ مثلاً فوج اور اسے آنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ سومترا کی یہ غلط فہمی جلد دور ہونے والی تھی کہ میں یہاں محفوظ تھا۔ مجھے تلاش کرنے والے اس پوری بستی کی تلاشی لیے بغیر نہ رہتے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ نہ جانے باہر کیا صورت حال تھی۔ رات ہو چکی تھی یا ہونے والی تھی۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی جس سے میں پتا چلاتا کہ کیا وقت ہوا ہے۔ اچانک میں نے فیصلہ کرلیا۔ حرکت میں آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے مسلسل دروازہ بجایا اور واویلا مچایا۔ پھر ان کو چند شریفانہ قسم کی گالیاں دیں، ایسی ہی کچھ گالیاں اس نے باہر سے اپنی مقامی زبان میں دی تھیں۔ میں بہت احتیاط سے دروازہ بجا رہا تھا۔ میں رک جاتا تھا اور پھر کان دروازے سے لگا دیتا تھا۔ مگر وہ دروازہ کھولنے پر راضی نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سور کے بچے۔ دروازہ کھول!" میں نے جھنجلا کر دروازے پر لات ماری اور کان دروازے سے لگا دیئے۔ یہ لکڑی کے تختوں سے بنا خاصا بھاری اور مضبوط دروازہ تھا۔ پھر میرے کانوں نے وہ آواز سنی جس کے لئے میں یہ سب کر رہا تھا۔ یہ کنڈی کھلنے کی آواز تھی۔ جیسے ہی دروازہ دھکیلا ہوا۔ میں ذرا پیچھے گیا اور طمانچہ کی رفتار سے دروازے پر ٹکر ماری۔ دروازہ کھلا اور نگران سے ٹکرایا تھا۔ وہ اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا اور واپس آیا تھا کہ میں اس سے ٹکرایا اور اسے لے کر دیوار پر دے مارا۔ اس تمہرے تصادم نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ پہلے دروازہ اس کو سامنے سے لگا۔ پھر دوگل میں وہ دیوار سے ٹکرایا اور پھر میں نے اسے دیوار پر دے مارا۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ فرمایا تھا مگر اس کی آواز بلند ہونے سے پہلے ہی میں نے اس کا سر پکڑ کر دیوار سے مارا۔ اس بار بھی دیوار زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ اس نے حلق سے عجیب سی آواز نکالی اور گر گیا۔ اس کا اندازہ تھا کہ یہ جلد اٹھنے والا نہیں ہے۔ راہداری میں بھی ایک دیا روشن تھا اور مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا بہرحال اچھی بات یہ تھی کہ اسے اندرونی جریان خون نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس کی رائفل اور گولیوں کا امدادی کلپ لے لیا۔ یہ اسرائیلی ساختہ ری پیٹر تھی جسے لوڈ کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی اور اس میں تیس گولیاں ڈالی جا سکتی تھیں۔ بس ٹریگر دباتے رہو۔ اس کے علاوہ اس کے پاس سے ایک آبدار خنجر برآمد ہوا تھا۔ میں اسے گھسیٹ کر کمرے میں لے آیا۔ اس کا اونی چغہ اتار کر اپنے لباس کے اوپر پہن لیا۔ سر پر اس نے خرگوش کی کھال سے بنی ٹوپی پہن رکھی تھی جس کے لمبے کان دائیں بائیں جھول رہے تھے۔ آئینہ نہیں تھا مگر میرے خیال میں چغہ اور ٹوپی پہن کر میں صبح تک مقامی لوگوں جیسا لگ رہا تھا۔ بس میرا رنگ کسی کو متوجہ کر سکتا تھا۔ میری سرخ و سفید رنگت کے مقابلے میں یہ لوگ گندمی سانولے تھے۔ اس کا علاج میں نے یوں کیا کہ دیئے سے ذرا سا تیل لے کر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیا تھا اور میرے ہاتھ گندمی ہو گئے تھے۔ لازمی بات تھی، چہرہ بھی ایسا ہی ہو گیا ہوگا۔

دروازہ باہر سے بند کر کے میں روانہ ہوا۔ اس راہداری میں بس یہ ایک ہی کمرا تھا۔ جہاں راہداری ختم ہو رہی تھی، وہاں سے دائیں طرف راستہ جاتا تھا۔ مجھے یاد تھا، مزید آگے جا کر یہ راستہ دائیں طرف اس سرنگ کی طرف گھوم جاتا تھا جو رفع حاجت کے لئے مخصوص تھی۔ دوسرا راستہ بائیں طرف نکلتا تھا۔ میں نے بائیں طرف کا رخ کیا۔ اب دیواروں پر مناسب وقفوں کے بعد مشعلیں روشن تھیں۔ میں تاریک گوشوں میں رک کر آگے کی سن گن لیتا تھا اور اس کے بعد آگے بڑھتا تھا۔ یہ راستہ اب تک ایک ہی تھا جو اسرائیل کے رہائشی بلاک میں جا کر نکلتا تھا۔ میں چوکنا ہو گیا تھا۔ یہاں روشنی زیادہ تھی اور نگران بھی تھے۔ اچانک دائیں طرف ایک راہداری سے سوتر اکے بولنے کی آواز آئی۔ وہ کسی سے باتیں کرتی آ رہی تھی اور گفتگو وہ انگریزی میں کر رہی تھی تاکہ کوئی سن بھی لے تو سمجھ سکے۔

"بھیا۔۔۔ فوج دس منٹ میں اتر آئے گی۔ ہمارے آدمی تیار ہیں۔۔۔ پر مجھے خوف ہے۔"

"خوف کیسا؟" راج بولا۔

"مجھے ڈر ہے حکومت بدعہدی نہ کرے۔ اس کی فوج آنے کے بعد ہم اس کے رحم و کرم پر ہوں گے۔"

"لیکن وہ بدعہدی کیوں کریں گے، جب ہم ان کی بات مان رہے ہیں، ان کی مدد کر رہے ہیں۔ حکومت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے تمام مجرم اس کے حوالے کر رہے ہیں۔"

سومترا اور راج راہداری سے نمودار ہوئے۔ اتنی دیر میں، میں ایک نسبتاً تاریک گوشے میں محافظوں کے انداز میں دبک گیا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی آپس میں بات کرتے میری طرف آئے اور پاس سے گزر گئے۔ میں نے سلام کرنے کے بہانے چہرہ چھپا لیا تھا۔ خوش قسمتی سے انہوں نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی۔ ان کے خیال میں انگریزی وہی جانتے تھے۔ اگر ان کو شک ہو جاتا یا سومترا مجھے پہچان جاتی تو مجھے مجبوراً ان دونوں کو یرغمال بنانا پڑتا۔ سومترا کا انکشاف خوف ناک تھا کہ دس منٹ میں بھارتی فوج وادی میں اترنے والی ہے۔ اترنے سے کیا مراد ہے؟ میں نے سوچا اور جواب الہام کی طرح ذہن میں آیا تھا کہ بھارتی فوج کے چھاتہ بردار دستے اترنے والے تھے۔

اب وقت نہیں تھا، میں احتیاط کے تقاضے بالائے طاق رکھ کر تیزی سے کمار کے دفتر کی طرف بڑھا۔ جہاں کوئی نہیں ہوتا تھا، وہاں میں دوڑ لگاتا تھا۔ ابھی میں کچھ دور تھا کہ مجھے فائرنگ کی آواز آئی۔ شاید بغاوت کا آغاز ہو گیا تھا۔ میں بگولے کی طرح ہال میں داخل ہوا جہاں کمار کھڑا تھا اور اس کے چند ساتھیوں اور مقامی قبائل کے لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ایک قبائلی کمار کو نشانہ بنانے جا رہا تھا۔ میں نے اسے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گولی مار دی۔ مجھے اس کا اور کوئی ساتھی نظر نہیں آیا تھا۔ کمار نے جھپٹ کر مرنے والے کی کلاشنکوف اٹھالی۔ میں لاشیں پھلانگ کر اس تک پہنچا۔ پہلے تو وہ چونکا پھر مجھے پہچان لیا۔ "شہباز! تم کہاں غائب تھے؟"

"میں قید میں تھا، ابھی فرار ہوا ہوں۔ وقت بالکل نہیں ہے۔ بھارتی فوج کے پیراٹروپرز اترنے والے ہیں۔"

"وہ اتر رہے ہیں۔" کمار نے افسردگی سے کہا۔ اس لمحے دو افراد اور اندر آئے اور ہم نے ان کی کارروائی سے پہلے ان کو جہنم رسید کر دیا۔

"یہاں سے نکلو۔ تمہارے آدمی کہاں ہیں؟"

"وہ باہر اترنے والوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔"

"اور بیتو.....!" میں نے سوال کیا۔ جواب میں بیتو اندر سے نمودار ہوا۔ اس نے گن شپ سے نکالی جانے والی چھ نالی مشین گن اٹھا رکھی تھی۔ اس نے لکڑی کا ایک اسٹینڈ بھی بنا لیا تھا جس پر رکھ کر اسے چلایا جا سکتا تھا۔ غار کے اندر بستی سے بھی فائرنگ کی اور لوگوں کے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اندر بھی خاصی چخ چخ مچی تھی۔ چند ناعاقبت اندیش اور قوم فروش قسم کے رہنماؤں نے اپنی قوم کا سودا کر لیا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کھیل زیادہ دیر جاری نہیں رہے گا۔ آپس کی جنگ سے جو بچے گا اسے بھارتی فوج آ کر ٹھکانے لگا دے گی۔ اسے ویسے بھی نہتوں سے نمٹنے کا وسیع تجربہ تھا۔ "کمار، ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ہم بستی سے باہر کی طرف جا رہے تھے۔

"میں اپنے لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" اس نے میری بات سمجھ لی تھی۔

"پاگل مت بنو۔ جنہوں نے حکومت سے معاہدہ کیا ہے، ان کو نمٹنے دو۔"

"وہ سب بھی کتے کی موت مارے جائیں گے۔" اس نے کہا۔ ہم داخلی دروازے سے باہر نکلے۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ کمار کے آدمیوں کا قبضہ تھا اور وہ وادی میں پھیل کر اوپر سے نازل ہونے والے حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ فضا میں بے شمار کنول کی طرح پھول کھلے تھے، یہ پیراٹروپرز تھے جو وادی میں اتر رہے تھے۔

''بیتو، مشین گن یہاں لاؤ۔'' میں نے ایک بڑے سے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی آڑ میں بہترین مورچہ بن سکتا تھا۔ بیتو نے لکڑی کے اسٹینڈ سمیت اسے چٹان پر رکھ دیا۔ میں نے بکس سے گولیوں کا بیلٹ کھینچ کر گن میں فٹ کیا۔ یہ چھ نالیاں گھوم گھوم کر فائر کرتی ہیں، اس طرح مشین گن کی کارکردگی بڑھ جاتی ہے اور چھ نالیوں کی وجہ سے یہ جلدی گرم نہیں ہوتی ہے۔

میں نے اس کا رخ گھما کر آسمان کی طرف کیا اور تجرباتی طور پر ہلکا سا برسٹ مارا، مجھے ڈر تھا جھٹکے سے لکڑی کا اسٹینڈ نہ ٹوٹ جائے مگر اس نے جھٹکا برداشت کر لیا تھا۔ فوراً ہی دو پیراٹروپر بے قابو انداز میں گرنے لگے۔ اس مشین گن کی مار بہت زیادہ تھی اور مجھے پیراٹروپرز کو نشانہ بنانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ میری کوشش تھی کہ چھتریوں کو نشانہ بناؤں۔ ان میں سوراخ ہوتا تو فوجی پکے پھل کی طرح زمین پر گرتے اور پاش پاش ہو جاتے۔ مشین گن کی بھیانک آواز نے ان فوجیوں میں کھلبلی مچا دی تھی جو زمین پر اتر آئے تھے۔ چند منٹ کے اندر میں نے دو درجن بھارتی فوجی شکار کر لئے تھے اور اب آسمان ان سے صاف تھا۔

اس کے بعد میں نے مشین گن کا رخ جنگل کے سامنے اس حصے کی طرف کر دیا، جہاں زمین پر اترنے والے پیراٹروپرز جمع ہو کر مورچہ قائم کر رہے تھے۔ تعداد میں اچانک کمی سے ان کو دفاعی انداز اپنانا پڑا تھا کم سے کم عارضی طور پر۔ میں وقفے وقفے سے ان کی طرف برسٹ مار کر کمار کے ساتھیوں کو موقع دے رہا تھا کہ وہ ان کے گرد گھیرا ڈال دیں۔ کمار میرے پاس نہیں تھا، میں نے بیتو سے پوچھا۔

''کمار کہاں ہے؟''

''وہ قلعے کے دروازے کی طرف گئے ہیں۔'' بیتو نے بتایا اس نے ایک ایس ایم جی اٹھا رکھی تھی۔ میں نے گولیوں کے ڈبے کا معائنہ کیا۔ اس میں اب سو سے بھی کم گولیاں تھیں۔ گولیاں ختم ہونے کے بعد یہ پستول سے بھی ناکارہ ہو کر رہ جاتا۔ پستول کو کم سے کم کسی پر پھینک کر تو مارا جا سکتا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''اندر والوں کی مدد کے لئے جاؤ۔''

''نہیں، میں آپ کی حفاظت کے لئے یہاں رہوں گا۔'' اس نے انکار کیا۔

''بیتو، تم یہاں میری کیا مدد کر سکتے ہو جب تک یہ مشین گن ہے، میں محفوظ ہوں۔ اگر ہمارے اندر کے ساتھی ہار گئے تو ہمارے پاس کہیں جائے پناہ نہیں رہے گی۔''

بیتو اس بار اندر چلا گیا۔ وادی کے وسط میں جھیل کے ایک کنارے جمع ہونے والے بھارتی فوجی اب مورچہ بنا کر فائرنگ کر رہے تھے۔ ان کے پاس جدید اسلحہ تھا اور ایمونیشن کی کمی نہیں تھی۔ سب سے بڑھ کر انہیں ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی تربیت تھی۔ اس لئے محصور ہونے کے باوجود زیادہ نقصان کمار کے ساتھیوں کا ہو رہا تھا۔ کم سے کم پانچ قبائلی دیوانہ وار ان کے مورچے تک پہنچنے کی کوشش میں مارے گئے تھے۔ فوجیوں نے پتھر جمع کر کے دیوار سی بنا لی تھی۔ اس کے پار میرے لئے مشین گن سے ان کو نشانہ بنانا دشوار تھا اور مجھے معلوم نہیں تھا، ان کے پاس گرینیڈ لانچر بھی تھا۔ میرے دائیں جانب پہاڑ کی دیوار سے لگ کر گرینیڈ پھٹا تو ملبے کی بارش مجھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک آئی تھی۔

''لعنت ہو'' میں نے مشین گن کا رخ مورچے کی طرف کر کے ایک طویل برسٹ مارا اور لانچر تھامے فوجی دوسرا گرینیڈ مارنے کی حسرت لئے پرلوک سدھار گیا تھا۔ اس کے گرتے ہی گرینیڈ چل گیا تھا۔ اس کا رخ آسمان کی طرف تھا اور پھر وہ واپس مورچے کی طرف آیا تو سارے فوجی وہاں سے نکل کر بھاگے تھے اور ان پر چاروں طرف سے گولیوں کی بارش ہونے لگی تھی۔ گرینیڈ مورچے میں گرا تو دھماکے سے وہاں موجود دوسرا گولہ بارود پھٹنے لگا تھا۔

میں نے سامنے نظر آنے والے سفید پوش فوجیوں پر ایک چھوٹا سا برسٹ مار کر ان کو لٹا دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ پیراٹروپرز میں سے شاید ہی کوئی بچ سکا تھا۔ فتح کے جوش سے بے قابو قبائلی ان پر گولیاں برسا رہے تھے اور ایمونیشن ضائع کر رہے تھے مگر ان کو روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ایک بھارتی فوجی بھاگتا ہوا بدحواسی میں میرے مورچے کے سامنے تک آ گیا تھا۔ میں نے اسے ری پیٹر سے نشانہ بنایا، وہ گولی کھا کر گرا اور ساکت ہو گیا اس کے سینے سے ابلنے والا خون اس کی سفید براق جیکٹ اور برف کو رنگنے لگا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور ابھی اندر جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ قلعے کے دروازے کی طرف سے ایک خوفناک دھماکا سنائی دیا تھا۔

دھماکے کی آواز اور زمین کے ارتعاش نے مجھے لرزا دیا تھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اتنا شدید دھماکا کسی فوجی ہتھیار ہی سے ممکن تھا۔ کیا بھارتی فوجی قلعے کے باہر تک آ گئے تھے۔ مجھے دروازے کی طرف سے شعلے دکھائی دیئے تھے۔ اس کے بعد دو عدد آرمرڈ کاریں نمودار ہوئیں۔ ان کے اوپر لگی آٹومیٹک مشین گنیں مسلسل گولیاں برسا رہی تھیں۔ ان کو دیکھتے ہی کمار کے ساتھی بچنے کے لئے کونوں کھدروں میں بھاگے تھے۔ میں نے آگے والی آرمرڈ کار پر برسٹ مارا۔ اس پر اتنا ہی اثر ہوا جتنا ناخلف اولاد پر ماں باپ کی ڈانٹ پھٹکار کا اثر ہوتا ہے یعنی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

مجھے کمار کی فکر ہو گئی۔ وہ دروازے کی طرف گیا تھا۔ فوج نے کسی طرح سے گھاٹی پر پل قائم کر کے دروازے کو دھماکا خیز مواد سے اڑا دیا تھا اور یہ چھوٹی اے پی سی اندر گھس آئی تھی۔ میں نے دوسری بار ان کے ٹائروں کو نشانہ بنایا مگر ان پر بھی کوئی اثر نہیں ہو۔ یہ ٹھوس ربر کے بنے ٹائر تھے۔ جن میں گولی لگ جاتی ہے تو ٹائر کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ بکتر بند مکمل طور پر محفوظ تھی۔ پھر مجھے اس کے اوپر لگی خودکار مشین گنوں کا خیال آیا۔ ان کو بکتر بند کے اندر سے کنٹرول کیا جاتا تھا۔ میں نے سامنے والی بکتر بند کی مشین گن کو نشانہ بنایا۔ اچانک اس کی نال مڑ گئی اور خودکار نظام گولیاں برسانے میں مگن تھا۔ نتیجے میں نال دھماکے سے پھٹی تھی۔ نہ جانے اندر والوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ بکتر بند لہرائی تھی، میں نے دوسری بکتر بند کی مشین گن کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہا تھا مگر اس کا ہوشیار ڈرائیور اسے درختوں میں لے گیا تھا۔ جس بکتر بند کی مشین گن خراب ہوئی تھی اس نے واپس دروازے کا رخ کیا تھا۔ مشین گن میں اب پچاس سے بھی کم گولیاں رہ گئی تھیں۔ مگر میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے مشین گن بائیں اور بغار کے دہانے کی طرف بڑھایا۔ اچانک کہیں سے گولی چلی اور مشین گن کے بیلٹ بکس پر لگی۔ میں دھڑام سے نیچے گرا اور ساکت ہو گیا تھا۔ یہ ایک بھارتی فوجی تھا جو نہ جانے کیسے بچ گیا تھا اس نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن گولی مشین گن پر لگی۔ اس سے پہلے وہ دوبارہ فائر کرتا نزدیک سے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برسٹ چلا اور وہ پرلوک سدھار گیا۔ یہ بیتو تھا بھارتی فوجی کو اُڑا کر وہ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا۔

''صاحب آپ ٹھیک ہو؟''

''ہاں یار! اللہ نے بچالیا۔'' میں اٹھ کر غار کے دہانے کے اندر گھس گیا۔ ''کمار کہاں ہے اور اندر کی کیا صورتِ حال ہے؟''

''سردار کا کہیں پتا نہیں ہے۔ اندر بھی حالت اچھی نہیں ہے۔''

''بیتو، اپنے سارے آدمیوں کو غار کے اندر بلاؤ۔ ان سے کہو مارے جانے والے بھارتی فوجیوں کا اسلحہ اور ایمونیشن بھی لے آئیں۔''

میں نے مشین گن دہانے پر فکس کی۔ اس دوران بیتو چلا چلا کر اپنے لوگوں کو اندر بلا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا جب لوگ اندر آئیں گے تو بکتر بند سے ان پر گولیاں برسائی جائیں گی مگر اس کام کے لئے اسے آڑ سے باہر آنا ہوگا اور یہی موقع ہوگا جب میں اسے نشانہ بنا سکوں گا۔ بیتو کی پکار پر آس پاس چھپے کمار کے ساتھی اندر آنے لگے اور بیتو ان کو غار کے مختلف حصوں میں بھیجنے لگا تھا۔ حسب توقع بکتر بند سامنے آئی تھی۔ اس کی خودکار مشین گن غار کی طرف آنے والوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بکتر بند کے ڈرائیور نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس کی مشین گن اس طرح رکھی تھی کہ میرے لئے اس کا نشانہ لینا مشکل تھا۔ میں اور بیتو غار کی دیوار کی آڑ میں تھے، اگر میں ذرا آگے چلا جاتا تو اتنا مشکل نہ ہوتا۔

''یہ تو آگے نہیں آ رہے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ ہمارے سامنے کمار کے چار ساتھی مارے گئے تھے اور ہم ان کو بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکے تھے۔ بیتو نے اپنی زبان کی چند منتخب گالیاں دیں۔

''آپ مشین گن مجھے دیں۔'' اس نے تجویز پیش کی۔ ''میں کوشش کرتا ہوں۔''

''خودکشی کرنے کی۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''اگر ہم غار کے اس طرف چلے جائیں؟'' اس نے دوسری تجویز پیش کی جو قابلِ غور تھی۔ میں نے چھلانگ لگائی اور غار کے دوسرے حصے کی طرف چلا گیا۔ یہ دایاں حصہ تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا مجھے بکتر بند کے اوپر لگی مشین گن واضح نظر آ رہی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''مشین گن ادھر لا دو۔''

بیتو مشین گن سمیت آ گیا۔ میں نے اسے زمین پر لٹکایا اور اس کی نال کا رخ بکتر بند کی چھت کی طرف کر کے طویل برسٹ مارا۔ مشین گن کے پاس سے شعلے نکلے اور ایک دھماکے سے مشین گن تباہ ہو گئی تھی۔ میں نے نعرہ مارا۔ ''وہاہا!''

''کیسے جی؟'' بیتو بولا۔

''گیدڑ کو جو شیر کی کھال پہن کر آیا تھا۔''

بکتر بند کی مشین گن تباہ ہوتے ہی وہ بے ہدایت کا ہاتھی رہ گئی تھی اور اس کے خوف سے کمار کے جو آدمی آس پاس دبکے ہوئے تھے، وہ غار کی طرف بھاگے تھے۔ بکتر بند کے اندر موجود فوجیوں نے دروازہ کھول کر آنے والوں پر فائرنگ کرنا چاہی تھی مگر میری جانب سے مشین گن کے ایک برسٹ کے بعد ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ یہ دوسری بکتر بند بھی قلعے کے دروازے کی طرف چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی جنگل کی جانب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماری طرف فائرنگ ہونے لگی۔ یہ میری غلط فہمی تھی کہ پیراشوٹ سے چھلانگ لگانے والے تمام فوجی مارے جا چکے تھے۔ ان میں سے کچھ بچ کر جنگل میں گھس گئے تھے۔

''یہ ہمیں محصور کرلیں گے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ کمار کے تمام ہی ساتھی اندر جا چکے تھے۔ البتہ کمار کا خود کوئی پتا نہیں تھا۔ بیتو کے توسط سے میں نے اس کے بارے میں دوسروں سے پوچھا مگر کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ یہ سوچ کر میرا دل ڈوب رہا تھا کہ کمار مارا جا چکا ہے۔

''صاحب! وہ دیکھو۔'' بیتو نے اچانک کہا۔ اس کا اشارہ قلعے کے دروازے کی طرف سے آنے والی ڈھلان کی جانب تھا۔ تین افراد چھپتے چھپاتے اس طرف آرہے تھے۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ بھارتی فوجی ہیں یا ہمارے ساتھی۔ ''صاحب! یہ سردار ہے۔'' بیتو نے یقین سے کہا۔ ''ان میں سے ایک سردار ہے۔ میں اس کی چال جانتا ہوں۔''

''اگر یہ کمار ہے تو یہ جنگل میں چھپے بھارتی فوجیوں سے بے خبر ہے۔'' میں نے فکر سے کہا۔ ''جیسے ہی یہ کھلے میں آئیں گے، وہ ان پر فائرنگ کردیں گے۔''

ہلکی چاندنی میں میرے لئے شناخت کرنا ناممکن تھا کہ ان تینوں میں سے کمار کون سا ہے نہ جانے بیتو نے کیسے دیکھ لیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ جیسے ہی وہ درختوں کی آڑ سے نکلے۔ جھیل پار جنگل سے ان پر فائرنگ ہوئی۔ ایک اچھل کر گرا تھا۔ باقی دو بھاگے۔ ''کمار، بچ گیا ہے؟'' میں نے بیتو سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا اسی لمحے دوسرا بھی گرا۔

میں نے بھاری مشین گن کو غار کے دہانے کے باہر رکھا اور جنگل کی طرف اس کا رخ کر کے گولیاں برسانے لگا۔ گولیاں ہی کتنی تھیں۔ میں نے دو طویل برسٹ مارے اور بکس خالی ہوگیا۔ بہرحال اس کا یہ فائدہ ہوا کہ کمار غار کے دہانے تک زندہ سلامت پہنچ گیا تھا۔ ابھی چند گز باقی تھے کہ کمار لٹو کی طرح گھوم کر گرا۔ بیتو اس کی طرف دوڑا اور اسے کھینچ کر اندر لے آیا۔ کمار کا شانہ خون میں تر تھا۔ ایک گولی شانے کے پار ہوگئی تھی۔ میں نے اپنے چغے کا ایک حصہ چاقو سے کاٹا اور اسے پٹی کی طرح کس کر نیم بے ہوش کمار کے شانے پر باندھ دیا۔

''اسے اندر لے جاؤ۔'' میں نے بیتو سے کہا۔

''نہیں، میں یہاں رہوں گا۔'' کمار نے آنکھیں کھول کر کہا۔

''چپ کرو۔ تمہیں مرہم پٹی اور آرام کی ضرورت ہے۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''اسے اندر لے جاؤ بیتو اور معلوم کرو اندر کی کیا صورت حال ہے؟''

میرے ساتھ دس بارہ افراد تھے اور غار کے دہانے کی حفاظت کی ذمے داری ہم پر تھی۔ میں نے دیکھا، قلعے کے دروازے کی سمت سے بے شمار بھارتی فوجی آکر وادی میں پھیل رہے تھے۔ ہم انہیں روکنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہم تو غار کا دفاع بھی نہیں کرسکتے تھے۔ صورت حال مایوس کن تھی۔ ہمارے پاس صرف چند خودکار رائفلیں تھیں۔ بھاری مشین گن بے کار ہوچکی تھی۔ ہمارے مقابلے میں بھارتی فوجیوں کا ہر قسم کے اسلحے سے لیس ہونا یقینی تھا۔ اچانک وادی میں میگافون پر کسی کی آواز گونجی۔ وہ قبائل کی زبان میں بات کررہا تھا۔ بیتو نہیں تھا، جو مجھے ترجمہ کرکے بتاتا مگر یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا، اندر والوں کو وارننگ دی جارہی تھی کہ ہتھیار ڈال دیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برسٹ چلا اور وہ پرلوک سدھار گیا۔ یہ بیتو تھا بھارتی فوجی کو اُڑا کر وہ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا۔

''صاحب آپ ٹھیک ہو؟''

''ہاں یار! اللہ نے بچالیا۔'' میں اٹھ کر غار کے دہانے کے اندر گھس گیا۔ ''کمار کہاں ہے اور اندر کی کیا صورتِ حال ہے؟''

''سردار کا کہیں پتا نہیں ہے۔ اندر بھی حالت اچھی نہیں ہے۔''

''بیتو، اپنے سارے آدمیوں کو غار کے اندر بلاؤ۔ ان سے کہو مارے جانے والے بھارتی فوجیوں کا اسلحہ اور ایمونیشن بھی لے آئیں۔''

میں نے مشین گن دہانے پر فکس کی۔ اس دوران بیتو چلا چلا کر اپنے لوگوں کو اندر بلا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا جب لوگ اندر آئیں گے تو بکتر بند سے ان پر گولیاں برسائی جائیں گی مگر اس کام کے لئے اسے آڑ سے باہر آنا ہوگا اور یہی موقع ہوگا جب میں اسے نشانہ بنا سکوں گا۔ بیتو کی پکار پر آس پاس چھپے کمار کے ساتھی اندر آنے لگے اور بیتو ان کو غار کے مختلف حصوں میں بھیجنے لگا تھا۔ حسبِ توقع بکتر بند سامنے آئی تھی۔ اس کی خودکار مشین گن غار کی طرف آنے والوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بکتر بند کے ڈرائیور نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس کی مشین گن اس طرح رکھی تھی کہ میرے لئے اس کا نشانہ لینا مشکل تھا۔ میں اور بیتو غار کی دیوار کی آڑ میں تھے، اگر میں ذرا آگے چلا جاتا تو اتنا مشکل نہ ہوتا۔

''یہ تو آگے نہیں آ رہے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ ہمارے سامنے کمار کے چار ساتھی مارے گئے تھے اور ہم ان کو بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکے تھے۔ بیتو نے اپنی زبان کی کی چند منتخب گالیاں دیں۔

''آپ مشین گن مجھے دیں۔'' اس نے تجویز پیش کی۔ ''میں کوشش کرتا ہوں۔''

''خودکشی کرنے کی۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''اگر ہم غار کے اس طرف چلے جائیں؟'' اس نے دوسری تجویز پیش کی جو قابلِ غور تھی۔ میں نے چھلانگ لگائی اور غار کے دوسرے حصے کی طرف چلا گیا۔ یہ دایاں حصہ تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا مجھے بکتر بند کے اوپر لگی مشین گن واضح نظر آ رہی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''مشین گن ادھر لا دو۔''

بیتو مشین گن سمیت آ گیا۔ میں نے اسے ذمہ میں پرکھا اور اس کی نال کا رخ بکتر بند کی چھت کی طرف کر کے طویل برسٹ مارا۔ مشین گن کے پاس سے شعلے نکلے اور ایک دھماکے سے مشین گن تباہ ہو گئی تھی۔ میں نے نعرہ مارا۔ ''وہ مارا!''

''کسے جی؟'' بیتو بولا۔

''گیدڑ کو جو شیر کی کھال پہن کر آیا تھا۔''

بکتر بند کی مشین گن تباہ ہوتے ہی وہ بے دانت کا ہاتھی رہ گئی تھی اور اس کے خوف سے کمار کے جو آدمی آس پاس دبکے ہوئے تھے، وہ غار کی طرف بھاگے تھے۔ بکتر بند کے اندر موجود فوجیوں نے دروازہ کھول کر آنے والوں پر فائرنگ کرنا چاہی تھی مگر میری جانب سے مشین گن کے ایک برسٹ کے بعد ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ یہ دوسری بکتر بند بھی قلعے کے دروازے کی طرف چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی جنگل کی جانب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماری طرف فائرنگ ہونے لگی۔ یہ میری غلط فہمی تھی کہ پیراشوٹ سے چھلانگ لگانے والے تمام فوجی مارے جا چکے تھے۔ ان میں سے کچھ بچ کر جنگل میں گھس گئے تھے۔

''یہ ہمیں محصور کرلیں گے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ کمار کے تمام ہی ساتھی اندر جا چکے تھے۔ البتہ کمار کا خود کوئی پتا نہیں تھا۔ بیتو کے توسط سے میں نے اس کے بارے میں دوسروں سے پوچھا مگر کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ یہ سوچ کر میرا دل ڈوب رہا تھا کہ کمار مارا جا چکا ہے۔

''صاحب! وہ دیکھو۔'' بیتو نے اچانک کہا۔ اس کا اشارہ قلعے کے دروازے کی طرف سے آنے والی اعلان کی جانب تھا۔ تین افراد چھپتے چھپاتے اس طرف آ رہے تھے۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ بھارتی فوجی ہیں یا ہمارے ساتھی۔ ''صاحب! یہ سردار ہے۔'' بیتو نے یقین سے کہا۔ ''ان میں سے ایک سردار ہے۔ میں اس کی چال جانتا ہوں۔''

''اگر یہ کمار ہے تو یہ جنگل میں چھپے بھارتی فوجیوں سے بے خبر ہے۔'' میں نے فکر سے کہا۔ ''جیسے ہی یہ کھلے میں آئیں گے، وہ ان پر فائرنگ کر دیں گے۔''

ہلکی چاندنی میں میرے لئے شناخت کرنا ناممکن تھا کہ ان تینوں میں سے کمار کون سا ہے نہ جانے بیتو نے کیسے دیکھ لیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ جیسے ہی وہ درختوں کی آڑ سے نکلے۔ جھیل پار جنگل سے ان پر فائرنگ ہوئی۔ ایک اچھل کر گرا تھا۔ باقی دو بھاگے۔ ''کمار، بچ گیا ہے؟'' میں نے بیتو سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا اسی لمحے دوسرا بھی گرا۔

میں نے بھاری مشین گن کو غار کے دہانے کے باہر رکھا اور جنگل کی طرف اس کا رخ کر کے گولیاں برسانے لگا۔ گولیاں ہی کتنی تھیں۔ میں نے دو طویل برسٹ مارے اور بکس خالی ہو گیا۔ بہرحال اس کا یہ فائدہ ہوا کہ کمار غار کے دہانے تک زندہ سلامت پہنچ گیا تھا۔ ابھی چند گز باقی تھے کہ کمار لنو کی طرح گھوم کر گرا۔ بیتو اس کی طرف دوڑا اور اسے کھینچ کر اندر لے آیا۔ کمار کا شانہ خون میں تر تھا۔ ایک گولی شانے کے پار ہو گئی تھی۔ میں نے اپنے چغے کا ایک حصہ چاقو سے کاٹا اور اسے پٹی کی طرح کس کر نیم بے ہوش کمار کے شانے پر باندھ دیا۔

''اسے اندر لے جاؤ۔'' میں نے بیتو سے کہا۔

''نہیں، میں یہاں رہوں گا۔'' کمار نے آنکھیں کھول کر کہا۔

''چپ کرو۔ تمہیں مرہم پٹی اور آرام کی ضرورت ہے۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''اسے اندر لے جاؤ بیتو اور معلوم کرو اندر کی کیا صورتِ حال ہے؟''

میرے ساتھ دس بارہ افراد تھے اور غار کے دہانے کی حفاظت کی ذمے داری ہم پر تھی۔ میں نے دیکھا، قلعے کے دروازے کی سمت سے بے شمار بھارتی فوجی آ کر وادی میں پھیل رہے تھے۔ ہم انہیں روکنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہم تو غار کا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ صورتِ حال مایوس کن تھی۔ ہمارے پاس صرف چند خودکار رائفلیں تھیں۔ بھاری مشین گن بے کار ہو چکی تھی۔ ہمارے مقابلے میں بھارتی فوجیوں کا ہر قسم کے اسلحے سے لیس ہونا یقینی تھا۔ اچانک وادی میں میگافون پر کسی کی آواز گونجی۔ وہ قبائل کی زبان میں بات کر رہا تھا۔ بیتو نہیں تھا، جو مجھے ترجمہ کر کے بتاتا مگر یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا، اندر والوں کو وارننگ دی جا رہی تھی کہ ہتھیار ڈال دیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے ساتھ موجود افراد میں سے بعض غیظ وغضب کا شکار تھے اور بعض خوف زدہ نظر آ رہے تھے۔ میں نے ان سے اشارے سے کہا کہ دہانے کے آس پاس لگی مشعلیں بجھا دیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔

اس قسم کے حالات میں دھماکا خیز ہتھیاروں کا استعمال مؤثر رہتا ہے اور فوج نے فیصلہ کن برتری حاصل کرنے کے لئے ان کا فوری استعمال کیا۔ ایک راکٹ فائر ہوا اور دہانے کے پاس ڈھلان پر لگا۔ دھماکے نے غار کو لرزا دیا تھا۔ ''سب پیچھے ہو جاؤ۔'' میں چلایا اور سب افراتفری میں پیچھے بھاگے۔ دوسرا راکٹ دہانے کے اندر پھٹا تھا اور پیچھے رہ جانے والے مارے گئے۔ غار میں دھواں اور گرد وغبار بھر گیا تھا۔ ہم کھانستے اور تاریکی میں ایک دوسرے سے ٹکراتے آگے بڑھنے لگے۔ ایسے چند راکٹ اور مارے جاتے تو یہ غار ہی ہمارا مدفن بن جاتا۔ مگر دہانے کے سامنے کی چھت گرنے سے فی الحال راستہ بند ہو گیا تھا۔

میں ایک راہداری میں نکلا جو نہ جانے کس سمت میں جا رہی تھی۔ ذرا آگے جا کر اس میں روشنی نظر آنے لگی تھی۔ غار کا یہ حصہ میرے لئے اجنبی تھا۔ دہانے سے اندر جانے کے لئے کئی راستے نکلتے تھے اور میں نہ جانے کس راستے پر آ نکلا تھا۔ اس طرف سناٹا تھا اور کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ یہ رہائشی حصہ بھی نہیں تھا۔

جب میں راہداری کے آخری حصے میں پہنچا تو مجھے قطار سے کوٹھریاں نظر آئیں جن کے سامنے والے حصوں پر جیل کی طرح سلاخیں لگی تھیں اور درحقیقت یہ جیل ہی تھی۔ ہر کوٹھری میں دو تین افراد خوف زدہ پریشان قید تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ چلانے لگے۔ ان کا انداز التجا آمیز تھا شاید وہ مجھ سے رہا کرنے کو کہہ رہے تھے مگر میں ان کو کس طرح رہا کرتا۔ ہر کوٹھری کے دروازے پر بڑا سا تالا لگا تھا۔ یہ کل پانچ کوٹھریاں تھیں جن میں بارہ پندرہ افراد تھے۔ یہ وادی کا جیل خانہ تھا جس میں مجرم قید تھے اور میرا ان کو رہا کرانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں واپسی کے لئے مڑا تھا کہ ایک مسلح قبائلی کو سامنے پایا۔ اس نے اپنی زبان میں پوچھا۔ ''کون ہو تم؟'' اس کی رائفل کا رخ میری طرف تھا۔

میں نے مسکرا کر ایک کوٹھری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''ان سے ملنے آیا تھا۔''

اس کی نظر ایک لمحے کو اس طرف گئی اور میں نے نال پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ نال کا رخ اوپر کی طرف تھا اس لئے فائر بھی اس طرف گیا۔ میں نے گھٹنا اس کے جسم کے ایک موزوں مقام پر مارا تو شدتِ کرب سے وہ منہ کھولتے ہوئے رکوع میں جانے کے انداز میں جھکا تو میں نے یہی گھٹنا اس کے منہ پر رسید کیا اور وہ فرش پر گر کر بے سدھ ہو گیا۔ میں نے اس کی رائفل لے لی۔ میرے پاس صرف ری پیٹر رہ گیا تھا۔ میں نے بے ہوش ہونے والے کو اٹھا کر ایک طرف ڈالا۔ وہ کمار کا آدمی ہوتا تو کبھی مجھ پر رائفل اٹھانے کی جرأت نہ کرتا۔

میں جانے کے لئے مڑا تھا کہ کسی نے میرا نام پکارا۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ مجھے بمشکل سنائی دی تھی اور میں اسے سماعت کا دھوکا ہی سمجھا تھا۔ میں رکا اور پھر جانے لگا تھا کہ آواز دوبارہ آئی۔ میرا نام واضح طور پر کسی نے پکارا تھا۔

''کون ہے۔ کس نے مجھے آواز دی ہے؟''

''شہباز صاحب!'' ایک کمزور لیکن جانی پہچانی آواز آئی تو میرا دل بے ساختہ پھڑکا۔ یہ آواز..... لیکن اس آواز کا مالک اس دنیا میں کہاں ہے؟ میں کوٹھری کی طرف لپکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون..... کون ہو تم؟'' میں نے کہا۔ میرے سامنے ایک جھاڑ جھنکاڑ بالوں، داڑھی اور مونچھوں والا چہرہ تھا۔

''شہباز صاحب! مجھے بھول گئے؟'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''وسیم!'' میں چلایا اور سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر اسے جکڑ لیا۔ ''تم وسیم ہو نا..... میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟''

''میں وسیم ہوں۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ اس کا جسم بھی لرز رہا تھا۔

''وسیم..... میری جان! ہم تو تمہیں صبر کر چکے تھے۔'' میرا لہجہ بھی گلوگیر ہو گیا۔ ''تم زندہ ہو..... ٹھیک ہو لیکن تم یہاں کیسے؟''

''یہ کہانی میں بعد میں سناؤں گا، پہلے مجھے یہاں سے نکالئے۔''

میں جذباتی ہو رہا تھا۔ وسیم نے بروقت عقل دلائی۔ میں نے پیچھے ہٹ کر تالے کا نشانہ لیا۔ ''وسیم، دور ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ گولی بہک کر تمہاری طرف چلی جائے۔''

وسیم دور ہوا تو میں نے تالے پر رائفل سے فائر کیا۔ ری پیٹر کا فائر خطرناک ہو سکتا تھا۔ بارہ بور کی اس رائفل کا فائر بہت ہلکا تھا۔ دوسرے فائر پر تالے کا انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا تھا اور میں نے بٹ مار کر اسے کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی وسیم نکلا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ ''خدا کا شکر ہے اس نے آپ کو دکھایا۔ ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ چلے گئے ہیں یہاں سے۔''

میں چونکا۔ ''تم میری آمد سے واقف تھے اور یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''سمجھ لیں، میں ان کا قیدی تھا۔''

''اوکے۔ اب یہاں سے نکلو۔ یہاں بھارتی فوج آنے والی ہے۔ ہم اس کے ہاتھ آئے تو سمجھ سکتے ہو ہمارا کیا حشر ہوگا؟'' میں نے کہا اور رائفل اسے تھما دی۔

''بھارتی فوج!'' اس نے تشویش سے کہا اور بے ہوش قبائلی کے جسم سے کارتوس کی پیٹی اور اس کے بعد اس کا اونی چغہ اتار کر پہن لیا۔ اس کے جوتے اور ٹوپی ہتھیانے کے بعد وسیم خاصی حد تک قبائلی لگ رہا تھا، اس کے جسم پر معمولی سے کپڑے تھے اور پاؤں خالی تھے۔ اس کی شاندار صحت گر گئی تھی۔ اس طرف سے کہیں اور جانے کا راستہ نہیں تھا اس لئے میں جس طرف سے آیا تھا، ہم اسی طرف چل پڑے۔

''وسیم، سامنے سے آنے والے ہر مقامی پر فائر مت کرنا۔ ان میں سے بیشتر دوست ہیں اور کچھ دشمن ہیں۔'' میں نے کہا اور اسے مختصراً کمار کے بارے میں بتایا، اس نے سر ہلایا۔

''پچھلے دس دن میں جو ہوا ہے، مجھے کسی حد تک اس کا علم ہے۔''

''وہ کیسے؟ کیا تمہیں مقامی زبان آتی ہے؟''

''کسی حد تک۔ آپ کو معلوم ہے میں کشمیری ہوں اور میرے بچپن میں ہماری زمینوں پر گوجر خانہ بدوش آتے تھے۔ میں نے ان کی زبان سیکھ لی تھی۔ یہ زبان بھی گوجری سے ملتی جلتی ہے۔''

سرنگ کے سامنے والے حصے میں ابھی تک دھواں بھرا تھا اس لئے ہم دوسرے راستے کی طرف گھوم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ اندر سے اب فائرنگ اور چیخ و پکار کی آوازیں آنا بند ہوگئی تھیں۔ میں اور وسیم محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ وسیم کا زندہ ہونا اور پھر مل جانا میرے لئے جتنا ناقابلِ یقین تھا اتنا ہی پُرمسرت بھی تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرا کھو جانے والا بازو مل گیا تھا۔ ایک جگہ راستہ دو شاخوں میں بٹ گیا تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کس راستے پر جاؤں کہ ایک طرف سے لوگوں کے چلنے اور بولنے کی آوازیں آئیں اور میں فوری طور پر وسیم کے ساتھ دوسرے راستے کی طرف چلا گیا۔

''دشمن ہیں؟'' وسیم نے سرگوشی کی۔

''ممکن ہے، تیار رہنا۔'' میں نے ری پیٹر ہاتھ میں لے لیا۔ مگر آنے والے جو چار تھے رکے بغیر اس راستے کی طرف چلے گئے جہاں سے ہم آئے تھے۔ سر پر اونی ٹوپی سے میں نے اندازہ لگایا، وہ راجا جتیندر کے وفادار تھے۔ یعنی وہ ابھی مغلوب نہیں ہوئے تھے تو کیا کمار کے ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے؟ اسی لمحے غار کے دہانے کی جانب سے دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں۔ بھارتی فوجی اندر آنے کے لئے راستہ صاف کر رہے تھے۔ وہ شاید دستی بم مار رہے تھے۔ میں نے وسیم کا بازو پکڑا۔ ''اندر چلو۔''

''اندر کدھر جناب! ادھر سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔

''نہیں، اس طرح کی زیرِ زمین بستی میں کوئی نہ کوئی خفیہ راستہ ہوتا ہے فرار کے لئے۔ برا وقت کبھی بھی آ سکتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ راستہ ہے کہاں، ہمیں اس بارے میں کون بتائے گا؟''

''وہ جنہوں نے اپنے برے وقت کے لئے یہ راستہ بنایا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''آؤ، میرے ساتھ۔''

مجھے زیرِ زمین بستی کے اس حصے کی تلاش تھی جہاں اوپری طبقے کے حاکم رہا کرتے تھے۔ عقب سے آنے والی آوازوں میں اب خودکار ہتھیاروں کی بھیانک تڑتڑاہٹ کے ساتھ مارے جانے والوں کی چیخ و پکار بھی شامل ہوگئی تھی۔ بھارتی فوج یقیناً اندر گھس آئی تھی اور بلا امتیاز سامنے آنے والے ہر شخص کو اڑا رہی تھی۔ ان میں ان کو مدعو کرنے والے بھی شامل تھے۔ آج کی رات بستی والوں پر بہت بھاری تھی اور بہت ہی خوش نصیب ہوں گے جو اگلی صبح کا سورج دیکھیں گے۔ بھول بھلیوں جیسے راستوں میں کسی مخصوص جگہ کا تلاش کرنا بے حد مشکل تھا۔ جبکہ راستے بھی میرے لئے اجنبی تھے۔ ''شہباز صاحب! وقت ہاتھ سے نکل رہا ہے۔''

''یار! اب تم مجھے صاحب مت کہا کرو، ہم دوست ہیں۔''

''ٹھیک ہے مگر آپ کے لئے نہ جانے کیوں منہ سے احتراماً صاحب ہی نکلتا ہے۔'' اس نے کہا۔

اچانک سامنے سے دو عدد مسلح قبائلی نمودار ہوئے تھے اور ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے اپنے ہتھیار سیدھے کرنے کی کوشش کی مگر میں اور وسیم زیادہ تیز ثابت ہوئے تھے۔ میرا شکار تو فوراً ہی آنجہانی ہوا تھا کیونکہ ری پیٹر کی گولی اس کے پیٹ پر لگی تھی البتہ وسیم نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے دوسرے کے ہاتھ پر گولی ماری تھی۔ اور اب وہ ہاتھ پکڑ کر چلا رہا تھا۔ میں نے مارے جانے والے کی جی ٹو رائفل اٹھالی، اس کے پاس دو عدد میگزین تھے۔ وسیم بھی دوسرے کے ہتھیار لے چکا تھا۔

''راجا جتیندر اور راج کہاں ہیں؟'' میں نے قبائلی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے اشارے سے پوچھا کہ وہ دونوں کہاں ہیں؟ جب قبائلی نے انکار میں سر ہلایا تو میں نے وسیم کی رائفل سے اس کے دوسرے ہاتھ پر فائر کیا اور رائفل اس کے پاؤں کی طرف کر کے پھر پوچھا، اس بار اس نے ہمت ہار دی اور زار و قطار روتے ہوئے ایک راستے کی طرف اشارہ کیا جو غالباً راجا جتیندر اور راج کی رہائش گاہ کی طرف جاتا تھا۔ پھر میں نے کمار کے بارے میں پوچھا۔ اس نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اس کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ وسیم نے مقامی زبان میں اس پر واضح کیا کہ اگر اس نے ہم سے جھوٹ بولا ہے تو بتا دے ورنہ ہم پھر آئیں گے اور اسے قتل کر کے جائیں گے مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ وسیم نے میری طرف دیکھا۔

"یہ کہہ رہا ہے آگے جا کر یہ راستہ راج محل سے مل جاتا ہے۔"

"تو پھر دیر کیسی چلو۔"

"وہاں حفاظتی انتظامات بہت زیادہ ہوں گے۔" وسیم نے مجھے خبردار کیا۔

"جانا تو ہے، آؤ۔" میں نے اس سرنگ کی طرف قدم بڑھائے۔ میں نے ایس ایم جی ہاتھ میں لے لی تھی اور کسی بھی مرحلے سے نمٹنے کے لئے تیار تھا۔ قبائلی کا کہنا درست تھا۔ یہ راستہ سیدھا راج محل کی طرف جا کر نکلا تھا مگر وہاں فی الحال کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"پہرے دار کہاں ہیں؟" میں نے خالی راہداریوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے ان کو فوج کے خلاف مزاحمت کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔" میں نے راج محل کے داخلی دروازے کو دھکا دیا۔ "اس کا مطلب ہے اندر راجا کے آدمیوں نے قابو پا لیا تھا اور بھارتی فوج معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بے گناہ افراد کا قتلِ عام کر رہی ہے۔"

راج محل خالی تھا۔ میں نے سارے کمرے دیکھ لئے۔ بعض جگہ سامان پھیلا ہوا تھا۔ اس سے مجھے لگا کہ راجا جتیندر اہل خاندان کے ہمراہ فرار ہو چکا تھا۔ اس سے یہ توقع تو محال تھی کہ وہ اپنے وفاداروں کے شانہ بہ شانہ بھارتی فوج سے لڑنے گیا ہو اور اگر ایسا ہی تھا تو اس کے اہلِ خانہ کو تو محل میں ہونا چاہئے تھا۔ وہ ان کو تو محاذِ جنگ پر نہیں لے جا سکتا تھا۔ وسیم نے میرے خیالات کو الفاظ کا روپ دیا۔

"بھاگ گیا۔"

"میں نے کہا تھا، کوئی خفیہ راستہ ہو گا۔"

مجھے اور وسیم کو کوشش کے باوجود خفیہ راستہ نہیں ملا تھا۔ وسیم نے مایوسی سے کہا۔ "اب کیا ہو گا؟"

"فکر مت کرو، ابھی ایک راستہ ہے۔" میں نے اسے تسلی دی اور اسے لے کر سوسترا کی رہائش گاہ کی طرف بڑھا۔ وہاں پر بھی خانہ ویرانی تھی۔ پوربی اور سوسترا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ بھی راجا جتیندر اور راج مالا کے ساتھ نکل گئے تھے۔ اب مجھے بھی مایوسی ہونے لگی تھی۔ مجھے امید تھی کہ سوسترا یا راج مل جائیں گے۔ میں ان سے خفیہ راستے کا پوچھ سکتا تھا۔ مگر وہ بھی جا چکے تھے اور ہم اس چوہے دان میں پھنسے رہ گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا ہمیں بھارتی فوج کا سامنا کرنا ہی پڑتا۔ اب فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں یہاں تک صاف سنائی دینے لگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں۔

''وسیم نکلو یہاں سے۔'' میں نے کہا اور ہم دروازے کی طرف تھے کہ ٹھٹک گئے۔ دروازے پر راج کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں دبے پستول کا رخ ہماری طرف تھا۔

☆======☆======☆

اس وادی میں اگر میرا کوئی بدترین دشمن تھا تو وہ راج تھا۔ اس وقت وہ پستول بدست میرے سامنے تھا اور پستول کا رخ میری طرف تھا۔ جتنی دیر میں، میں رائفل اس کی طرف سیدھی کرتا وہ مجھے گولی مار چکا ہوتا۔ چند لمحے گزر گئے اور راج نے مجھ پر گولی نہیں چلائی تھی۔

''راج رکے ہوئے کیوں ہو؟'' میں نے سکون سے کہا اور اپنے جسم کو حرکت کے لئے تیار کر لیا تھا۔ بے شک اتنے فاصلے سے بچنا بے حد مشکل تھا مگر میں کوشش تو کر سکتا تھا۔ یہ امکان تھا کہ گولی کسی جان لیوا جگہ نہ لگے۔

''شہباز! میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا اور پستول نیچے کر لیا۔

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''تم نے مجھے گولی نہیں ماری، کیوں؟''

''میں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھوکا کھایا ہے۔'' اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں جن کو دوست سمجھ رہا تھا وہ دشمن نکلے۔''

''یعنی بھارتی؟'' میں نے طنز کیا۔ ''میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ یہ بات تمہاری سمجھ میں اب آئی ہے۔''

''مت مانو۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''فوج اندر آئی ہے اور میرے ہی لوگوں کا قتلِ عام کر رہی ہے، میرے ساتھ آؤ۔''

''کہاں.....؟ تم ہمیں کس چوہے دان میں لے جانا چاہ رہے ہو؟'' وسیم غرایا۔ اس نے رائفل کا رخ راج کی طرف کر دیا تھا۔ ''میں تمہیں گولی کیوں نہ مار دوں؟''

''اگر تم محسوس کرو کہ میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں تو بے شک مجھے گولی مار دینا۔''

''تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟''

''جہاں کمار اور اس کے ساتھی ہیں۔ میں تم سب کو وادی سے نکال سکتا ہوں۔''

''یعنی تمہارے علم میں کوئی خفیہ راستہ ہے۔ تم خود کیوں نہیں نکل جاتے؟''

''مجھے اپنے پاپ کا پرائشچت ادا کرنا ہے۔'' اس نے بے چینی سے کہا۔ ''بھگوان کے لئے دیر مت کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ بھارتی فوج کسی بھی وقت اس طرف آ سکتی ہے۔''

میں راج کے الفاظ اور اس کے لہجے پر غور کر رہا تھا اور مجھے لگا، وہ درست کہہ رہا تھا۔ وقت بھی نہیں تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے، ہم چلتے ہیں لیکن کوئی بھی دھوکا ہوا تو سب سے پہلے مارے جانے والے شخص تم ہو گے۔''

''مجھے منظور ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا اور سومترا کی رہائش گاہ کے اندرونی حصوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزرنے لگا۔ اس نے ایک کمرے میں پہنچ کر کچھ کیا اور اس کے فرش میں خانہ نمودار ہوا۔ ''نیچے آؤ۔'' اس نے اترتے ہوئے کہا۔ یہ ایک سرنگ تھی۔ راج نے اندر جانے سے پہلے ایک مشعل لے لی تھی۔ میں اور وسیم بھی اندر اتر آئے۔

''راج، آشا کہاں ہے؟''

''وہ بھی کمار کے پاس اور محفوظ ہے۔'' اس نے کہا، وہ بھاگنے کے انداز میں چل رہا تھا جس سے اس کی بے چینی واضح تھی۔

''اس سے ہوشیار رہیے گا۔'' وسیم نے مجھ سے پشتو میں کہا۔

''وہ تو میں ہوں۔'' میں نے بھی پشتو میں جواب دیا تھا۔ شمالی علاقوں میں پھرنے کی وجہ سے مجھے تھوڑی بہت پشتو آ گئی تھی۔ وسیم البتہ بہت صاف بول رہا تھا۔

سرنگ کوئی تیس چالیس گز لمبی ہوگی۔ اس کے خاتمے پر راج نے پھر کوئی حرکت کی اور ایک خانہ کھل گیا۔ میری سمجھ میں اس کی کایا کلپ نہیں آ رہی تھی۔ یہ تو یوژن سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ ہم ایک اور عالی شان رہائش گاہ میں طلوع ہوئے۔ راج ہمیں مختلف کمروں سے گزار کر ایک چھوٹے سے کمرے میں لایا جس میں بظاہر کاٹھ کباڑ بھرا تھا اور وہاں کمار کے ساتھ بیتو، آشا اور سومترا بھی تھی۔ کمار کے بائیں شانے پر بندھی پٹی خون آ گیا تھا۔

''زخم کیسا ہے؟''

کمار مسکرایا۔ ''کچھ نہیں یار، معمولی سا زخم ہے۔''

''اسے گولی لگی ہے۔'' آشا نے بتایا۔ ''گولی گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی ہے۔ میں نے اس کی پٹی کر دی ہے مگر خون نہیں رک رہا ہے۔''

''تم ٹھیک ہو۔'' میں نے آشا کی طرف دیکھا۔

''ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس نے مجھے قید کیا تھا۔'' سادھنا نے راج کی طرف اشارہ کیا۔ ''مگر مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔''

میں نے پٹی کے اوپر سے کمار کے زخم کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی۔ خون واقعی رس رہا تھا۔ اس وقت اس سے زیادہ کیا نہیں جا سکتا تھا، میں نے راج کی طرف دیکھا۔

''اب بتاؤ، وہ راستہ کہاں ہے؟''

''شہباز! میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بحفاظت نکال دوں گا لیکن تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔''

''میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا۔''

''تم کر سکتے ہو۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تم سومترا کو لے جاؤ گے۔''

''نہیں بھیا!'' وہ تڑپ کر بولی۔ ''میں تمہارے بنا نہیں جاؤں گی۔''

''شہباز! میں نے نادرن ایریا میں ایک جاگیر بنا رکھی ہے۔ وہاں میرا نام رائے رنبیر سنگھ ہے۔ وہاں میں اعلیٰ ذات کا ہندو ہوں۔ سومترا کو اس جاگیر تک پہنچانا ہے۔ تم یہ ذمے داری قبول کرتے ہو؟''

''ہاں..... لیکن مجھے کیا پتا..... وہ جاگیر کہاں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راج نے ایک بریف کیس دکھایا۔ "اس میں جاگیر کا پتا ہے اور وہاں تک جانے کے لئے نقشہ بھی ہے۔ میں تمہیں جس راستے سے نکالوں گا اس سے باہر ایک فور وہیل ڈرائیو ملے گی تم سب اس پر سوار ہو کر یہاں سے دور جا سکتے ہو۔"

میں غور کرتا جا رہا تھا۔ "راج اس کام کے لئے ہمارا سہارا لینا قطعی ضروری نہیں ہے، تم اپنی بہن کو لے کر خود بھی جا سکتے ہو۔"

"پہلے میں نے ایسا ہی سوچا تھا مگر پھر مجھے شرم آئی۔ میں نے اپنی قوم کو جس مصیبت میں ڈال دیا ہے، اب میں ان کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

میں نے اپنی ہلکی سی بڑھ جانے والی شیو کھجائی۔ "راج، معاف کرنا..... میں نے جتنا تمہیں جانا ہے، اس کے بعد یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے۔"

"تمہارے خیال میں، میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں۔" اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "مگر یہ تو سوچو، میں اپنی بہن کو تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں۔"

"بار برداری کے گدھے کی طرح۔" میں نے سر ہلایا۔ "تم نے ہمیں مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہم تمہاری بہن کو اس کی منزل تک بحفاظت لے جائیں۔"

"بھگوان کے لئے شہباز!" سومترا آگے آئی۔ "بھیا پر شک نہ کرو، دیکھو انہوں نے کمار اور بیتو کو بچا لیا ہے۔"

"اور آشا سے بھی دست بردار ہو گئے ہیں۔" میں نے طنز کیا۔

"میں مانتا ہوں آشا مجھے پسند آئی تھی اور میں نے چپکے سے اسے اٹھوا لیا تھا لیکن میں نے اسے کوئی تکلیف نہیں دی ہے۔ اسی سے پوچھ لو اور میں اسے بھی چھوڑ رہا ہوں۔"

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ سومترا بے قراری سے بولی۔ "سوچو مت، فوج کسی وقت بھی یہاں آ سکتی ہے پھر ہمیں موقع ملے نہ ملے۔"

"ٹھیک ہے راج، میں تم پر نہیں اپنے خدا پر بھروسا کر رہا ہوں، اگر تم میرے ساتھ کوئی چال چل رہے ہو تو وہ مجھے تم سے بچائے گا۔ خفیہ راستہ کہاں ہے؟"

"خفیہ راستہ اس کمرے میں ہے..... لیکن پہلے تم وعدہ کرو۔ باہر نکل کر تم مکر نہیں جاؤ گے، سومترا کو اس کی منزل تک ضرور پہنچاؤ گے۔"

"کیا تم میری زبان پر اعتبار کر لو گے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "میں نے تمہارے بارے میں جیسا سنا ہے، میں تمہاری زبان پر اعتبار کر سکتا ہوں۔"

"یہ بہادر آدمی ہے۔" کمار نے اس سے کہا۔ "اور بہادر آدمی تمہاری طرح دھوکا نہیں کرتا۔"

راج نے آگے بڑھ کر ایک بھاری لکڑی کی پٹی کے ساتھ کچھ کیا اور وہ یوں پھسل کر ایک طرف ہو گئی جیسے اس کے نیچے پہیے لگے ہوں مگر اس کے نیچے خلا نہیں تھا بلکہ سپاٹ سی زمین تھی۔ دوسری بار راج نے دیوار کی جڑ کے ساتھ ایک جگہ دبائی اور فرش سرک گیا۔ اس میں دو بائی دو فٹ کا خلا پیدا ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس میں اتر جاؤ۔'' راج نے کہا۔

میں نے سومترا کی طرف دیکھا۔ ''لیڈیز فرسٹ!''

''تم شاید اب بھی شک کر رہے ہو۔'' سومترا نے تلخی سے کہا اور بے جھجک اندر اتر گئی پھر میں نے وسیم کو اشارہ کیا۔ اس کے بعد بیتو نے سہارا دے کر کمار کو اندر اتارا اور پھر خود بھی اتر گیا۔ اس کے بعد آشا گئی تھی، بس میں رہ گیا تھا۔ راج نے بے تابی سے کہا۔

''اب تم بھی جاؤ، مجھے راستہ بند بھی کرنا ہے۔''

''تمہیں یقین ہے، فوجی اس رستے کا سراغ نہیں لگا سکیں گے؟''

''ہاں، ویسے بھی میں اس راستے کو دھماکے سے اڑا دوں گا۔ سارے نشانات مٹ جائیں گے۔''

''راج، تم ہمارے ساتھ کیوں نہیں چل رہے؟''

''کیونکہ آنے والوں کو میری تلاش ہوگی اور اگر میں نہ ملا تو وہ مجھے وادی کے ارد گرد تلاش کریں گے، ان کے ہیلی کاپٹر فضا سے نگرانی کر سکتے ہیں اور اس علاقے میں زیادہ گاڑیاں نہیں ہوں گی۔''

''بات سمجھ میں آتی ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''یعنی تم ہم سب کی خاطر قربانی دے رہے ہو۔''

''تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''راج تم پر اعتماد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ میرے پاس تمہاری پیش کش قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''تم دیکھو گے، میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا ہے۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو جس نے اپنے قبیلے کو ان کے خون کے پیاسوں کے سامنے پھینک دیا ہے۔''

''تم جاؤ گے یا یہاں کھڑے باتیں کرتے رہو گے؟'' اس نے جھنجلا کر کہا۔ ''بھارتی فوج یہاں تک آ گئی تو مجھے یہ راستہ بند کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سوراخ میں اترتے ہوئے کہا۔ ''ویسے کیا تمہیں خطرہ نہیں ہے کہ بھارتی فوجی باقی لوگوں کی طرح تمہیں بھی مار دیں گے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ وہ ایسا نہ کریں۔'' راج نے جواب دیا اور خانہ بند کر دیا۔ اس کے اوپر پتھر کی سل آ گئی تھی۔ میرا اندازہ درست تھا۔ ان لوگوں نے برے وقتوں میں فرار کے لئے ایک خفیہ راستہ رکھا تھا۔ ذرا سی ترچھی ڈھلان کے بعد ہم ایک سیدھی اور کسی حد تک گول سرنگ جس کا قطر چھ فٹ تھا، اس میں آگے بڑھنے لگے۔ مجھے ذرا سا سر جھکانا پڑ رہا تھا۔ سومترا کے پاس ایک عدد چھوٹی سی ٹارچ تھی۔ اس کی تیز روشنی میں سرنگ واضح دکھائی دے رہی تھی۔

''یہ سرنگ کتنی لمبی ہے؟'' میں نے سومترا سے پوچھا۔

''شاید ایک کلو میٹر!'' اس نے جواب دیا۔ ''ہم دس پندرہ منٹ میں اس کے دوسرے سرے تک پہنچ جائیں گے۔''

''تو پھر تیز چلو، وقت مت ضائع کرو۔ ہم صبح ہونے سے پہلے یہاں سے جتنا دور نکل جائیں اتنا ہی محفوظ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں گے۔''

کمار کو بیتو نے سہارا دے رکھا تھا۔ اسے دوسری طرف سے میں نے سنبھال لیا۔ ''تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟'' میں نے کمار سے پوچھا۔

''بہت برا۔ اپنوں کی غداری نے ہمیں مروا دیا۔ اب میرے لوگوں کا قتلِ عام ہو رہا ہوگا۔'' اس کا لہجہ افسردہ ہو گیا تھا۔ ''پتا نہیں بھارتی فوج ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟''

''ممکن ہے وہ ان کو مارنے کے بجائے صرف گرفتار کر لے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

بیتو نے بتایا کہ راج کے آدمیوں نے ان کو پکڑ لیا تھا۔ کمار غاروں کے دروازے پر ہی زخمی ہو گیا تھا اس لئے مزاحمت نہ کر سکا۔ بیتو کا خیال تھا کہ راج ان کو مروا دے گا مگر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کو یہاں پہنچا دیا۔''

''کیا بھارتی فوج زیرِ زمین بستی میں گھس آئی تھی؟''

بیتو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے سامنے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ بیشتر مقامات پر راج کے آدمیوں نے آسانی سے ہمارے لوگوں پر قابو پا لیا تھا۔''

''اس کی وجہ؟''

''پتا نہیں۔ وہ اس جگہ سے بہتر طور پر واقف ہیں۔'' بیتو نے جواب دیا۔

کمار یقیناً تکلیف میں تھا مگر ہمت کر کے چل رہا تھا۔ اچانک آشا آگے آئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''اسے میں سہارا دیتی ہوں۔ تمہارا قد زیادہ ہے اس لئے مشکل ہو رہی ہے۔''

یہ بات درست تھی اور مجھے حیرت ہوئی، آخر آشا نے یہ بات محسوس کر لی جو کوئی اور نہیں کر سکا تھا، میں نے کمار کو اس کے حوالے کیا اور خود وسیم کے پاس آ گیا۔ بھارتی زمین پر آئے دن نت نئے ہنگاموں اور حیرتوں سے دوچار ہونے کے باوجود میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس دور افتادہ وادی میں مجھے وسیم مل جائے گا۔ اس سے ملاقات بھی ایسے وقت ہوئی جب اس سے کچھ پوچھنا ممکن نہیں تھا۔ اس سرنگ کے سفر میں مجھے موقع ملا تھا۔ ''تم یہاں کیسے آئے؟''

''پہلے آپ بتائیے میرے بارے میں آپ کیا جانتے تھے؟''

''یہی کہ تم اللہ کو پیارے ہو چکے ہو۔''

وہ ہنسا۔ ''اتنی آسان ہڈی نہیں ہیں ہم۔ مجھے اس حرام زادے شاہ نواز نے ایک بھارتی اسمگلر بلبیر سنگھ کے حوالے کر دیا تھا۔''

''بلبیر سنگھ!'' میں نے نام پر غور کیا۔ ''کون ہے یہ اور کیوں حوالے کیا تھا؟''

''اصل میں وہ میرے ذریعے اپنے کسی دشمن کو ٹھکانے لگوانا چاہتا تھا۔''

''پھر تم بھاگ نکلے؟''

''یہ کام میں نے سرحد عبور کرتے ہی کیا تھا۔ وہاں کھیت تھے اس لئے مجھے فرار میں آسانی رہی مگر میں اندھا دھند بھاگا تو سرحد سے دور نکل گیا اور خانہ بدوشوں کے ایک قبیلے کے ہتھے چڑھ گیا۔ میری زبان اور لباس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے وہ پہلے ہی مشکوک ہو گئے تھے اور جب انہوں نے مجھ سے سوال جواب کئے تو میں اور بھی گھبرا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے قید کر لیا۔"

"قید کر لیا۔" میں نے غور کیا۔ "اس کا مطلب ہے وہ صحیح لوگ نہیں تھے ورنہ تمہیں پولیس کے حوالے کرتے۔"

"درست کہا آپ نے پورا قبیلہ جرائم پیشہ تھا، بچے تک پاکٹ مار اور راہ چلتی عورتوں سے پرس چھین کر بھاگ جاتے تھے۔ مرد چوریاں کرتے تھے اور عورتیں ان کے بارے میں کیا بتاؤں، وہ بے دھڑک گھروں میں گھس جاتی تھیں اور اپنے حسن و شباب کا چارہ ڈال کر اندر کا حال جان لیتی تھیں۔ بعد میں مرد کام کرتے تھے اور واردات کے بعد پورا قبیلہ فرار ہو جاتا تھا۔"

"اچھا وہ کیسے؟ ایک قبیلہ اتنی تیزی سے کیسے سفر کر سکتا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ان کے پاس ٹرک تھے، ان میں سارا سامان بھر کر راتوں رات میلوں دور پہنچا دیتے تھے۔ خالی جانور بھی تیزی سے سفر کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں کیوں قید کیا؟"

"دراصل میں نے ان کو مال مسروقہ سمیت فرار ہوتے دیکھ لیا تھا اور ان کو خطرہ لگا کہ میں پولیس کے ہاتھ لگا تو ان کے بارے میں بھی بک دوں گا۔ اس لئے وہ چوری کے مال کے ساتھ مجھے بھی باندھ کر لے گئے۔ انہوں نے شمالی انڈیا کا رخ کیا تھا اور ایک وادی میں آ کر رکے تھے۔"

"وادی، کنور خاندان کی وادی۔"

وسیم چونکا۔ "رائٹ، آپ کو کیسے پتا چلا؟"

میں نے سرد آہ بھری۔ "مقتل کو جو راستہ جاتا ہے، وہ یہاں سے گزرتا ہے۔ میں بھی وہیں سے آیا تھا، اب مجھے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا ہے، قبائلیوں نے کنور محل پر حملہ کیا تھا تم بھی ان کے ہاتھ لگ گئے۔"

"بجا فرمایا پیر و مرشد!" وسیم نے عقیدت مندانہ انداز میں کہا۔ "میری خوش قسمتی یا بدقسمتی خانہ بدوش کنور محل کے پاس مقیم تھے اور اس کا اجازت نامہ نائک نام کے ایک بدمعاش سے دلوایا تھا جو خانہ بدوش حسیناؤں پر فدا تھا، وہ آیا تو بازپرس کرنے لگا مگر ان کی عورتوں نے اس پر ایسی اُلو کی لکڑی پھیری کہ اس نے ان کو کنور کی زمینوں پر رکنے کا اجازت نامہ دلوا دیا۔"

"جانتا ہوں، اس خبیث آدمی کو۔ میرے ساتھ دو دو ہاتھ ہوئے تھے اور اس نے منہ کی کھائی تھی، آگے کیا ہوا؟"

"آپ نے بتا دیا ہے۔ ایک رات اچانک قبائلیوں نے حملہ کیا تو خانہ بدوش بوکھلا گئے، انہوں نے سمجھا کہ حملہ ان پر ہوا ہے۔ انہوں نے ہتھیار سنبھال لئے۔ افراتفری میں مجھے فرار کا موقع مل گیا، میں نے ایک خانہ بدوش کا گلا دبا کر اس کا پستول لے لیا۔"

"مر گیا تھا وہ؟"

"میں مارنا تو نہیں چاہتا تھا مگر اس نے آخر وقت تک مزاحمت کی اور پھر مر گیا۔ بہرحال میں بھاگا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غلطی سے قبائلیوں کی طرف جا نکلا۔"

"انہوں نے تمہیں کنور خاندان سے متعلق سمجھ کر پکڑ لیا؟"

"بالکل درست۔ قبائلی سخت مشتعل تھے اور ایک دو تو مجھے مار ڈالنے پر بھی تل گئے تھے۔ مگر کچھ شرفا نے بچا لیا۔"

"سوال یہ ہے کہ تم وادی تک کیسے آئے؟ یہ ان قبائلیوں کا آبائی مسکن ہے مگر وادی کے لوگوں کا کنور خاندان کے جھگڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کی جنگ تو ڈھلانوں پر آباد قبائلیوں سے ہے۔"

"یہ میں نہیں جانتا تھا، راستے میں مجھے اور کچھ دوسرے قیدیوں کو خچروں پر باندھ کر یہاں بھیجا گیا تھا، بڑا مشکل سفر تھا۔"

"پھر تمہیں اس قید خانے میں ڈال دیا گیا؟"

اس نے سر ہلایا۔ "میں بہت چیخا چلایا تھا، میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر وہ سننے اور ماننے والے لوگ نہیں تھے۔"

"تم نے فرار کی کوشش نہیں کی؟"

وہ ہنسا۔ "کی تھی اور بہت بروقت کی تھی مگر پکڑا گیا۔"

"بروقت؟" میں نے سمجھنے کی کوشش کی۔

"اس رات کچھ گڑبڑ تھی۔ ہمارے قید خانے کا پہرے دار غائب تھا۔ مجھے ایک پرانا زنگ خوردہ فولادی تار مل گیا تھا۔ پہرے دار غائب ہوا تو میں نے اس تار سے کوشش کی اور دس پندرہ منٹ کی محنت کے بعد تالا کھل گیا۔ میں قید خانے سے نکل بھاگا۔ باہر نکلا تو افراتفری کا سماں تھا۔ بے شمار قبائلی وادی میں داخل ہوئے تھے اور وادی کے قبائلی بوکھلائے ہوئے تھے، میں نے وادی میں اترنے کے بجائے زیریں بستی سے نکل کر اوپر کا رخ کیا۔ ڈھلانوں پر جنگل چھپنے کے لئے بہترین جگہ تھی۔ وہاں سے میں قلعے کی دیواروں کی طرف جا نکلا۔ مجھے خیال آیا کہ میں کسی طرح ان کے پار جا اتروں تو یہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔"

"یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ فصیل کے پار بہت گہری گھاٹی ہے۔ جیسے پرانے زمانے میں قلعوں کے باہر خندقیں بنائی جاتی تھیں۔"

"اس وقت مجھے کہاں پتا تھا۔ مجھے وادی تک رات کو لایا گیا تھا اور اس رات برف باری نہیں ہو رہی تھی۔ بہرحال میں کسی نہ کسی طرح اوپری دیواروں تک جا پہنچا۔ اس سے پہلے کہ میں باہر دیکھتا مجھے ہیلی کاپٹر کی آواز آئی۔ میں حیران ہوا تھا کہ اس علاقے میں ہیلی کاپٹر کہاں سے آ گیا میں نے قلعے کی فصیل سے جھانکا تو مجھے گھاٹی میں ایک گن شپ فضا میں معلق نظر آیا اور اس سے ذرا فاصلے پر معلق پل پر آپ کھڑے تھے۔ چاندنی اور گن شپ کی بیم لائٹ میں مجھے سب صاف نظر آ رہا تھا۔ پھر آپ نے جس طرح کا ردِعمل ظاہر کیا اس سے مجھے لگا، آپ نشانے پر ہیں۔"

میں مسکرانے لگا۔ "پھر تم نے کیا، کیا؟"

"کیا کرتا جناب! اللہ کا نام لے کر ایک پتھر اٹھا کر گن شپ پر لڑھکا دیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ تم تھے؟'' میں نے گہری سانس لی۔ ''میں مستقل خلش میں تھا کہ میرا محسن کون ہے۔ میں نے تمہیں تلاش کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔''

''مجھے تو اپنی کارروائی کا نتیجہ دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ چند قبائلی اچانک مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے گرا کر بے بس کر دیا تھا۔ فرار کے ایک گھنٹے کے اندر میں پھر اپنے قید خانے میں تھا۔''

''لگتا ہے قدرت نے تمہیں صرف ایک پتھر لڑھکانے کے لئے رہائی کا موقع دیا تھا۔ جیسے ہی تم نے اپنا کام پورا کیا پکڑ کر دوبارہ اندر کر دیئے گئے۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''بلکہ بعد میں تو مجھے یہ سب خواب لگا تھا۔ صبح سو کر اٹھا تو خاصی دیر تک اس فکر میں رہا کہ آپ کو سچ مچ دیکھا تھا یا کوئی ایڈونچر سے بھرپور خواب تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آپ یہاں کہاں؟''

''جہاں تم وہاں میں۔''

''آپ بتائیں، جناب کی تشریف آوری کیسے ہوئی یہاں تک؟''

''یہ لمبی داستان ہے؟'' میں نے سرنگ کے آخری سرے کو دیکھا۔ چلتے چلتے اچانک ہی سامنے دیوار آ گئی تھی۔ سومترا نے دیوار میں لگے ایک فولادی لٹو کو پکڑ کر کھینچا۔ اگلے ہی لمحے ہلکی سی آواز کے ساتھ دیوار سرک گئی اور باہر سے یخ بستہ ہوا کا جھونکا اندر آیا تھا۔ ہم سب ہی ایک لمحے کو لرز اٹھے تھے۔

''اتنی سردی!'' آشا نے منمنا کر کہا۔

''یہ ہوا چل رہی ہے۔'' سومترا بولی۔ ''چند دن پہلے گرنے والی برف باری کے بعد موسم اور سرد ہو گیا ہے۔''

میں نے سرنگ کے دہانے سے باہر جھانکا۔ ہم ایک چٹانی چھجے کے عین اوپر تھے اور کوئی دس بارہ فٹ بعد نیچے کھڑے ہونے کی جگہ نظر آ رہی تھی۔ اس کے بعد بھی ڈھلان کچھ کم خطرناک نہیں تھی۔

''یہاں سے نیچے کیسے اتریں؟'' میں نے سومترا سے دریافت کیا۔ وہ ڈھنگ کے لباس میں تھی۔ اونی پاجامہ اور قمیص اور اس پر بھاری اونی جیکٹ تھی، سر پر ٹوپا اور پیروں میں مضبوط جوتے تھے۔ ظاہر ہے یہ سب باہر کے لئے تھا ورنہ اندرون خانہ وہ کم سے کم لباس کی قائل تھی۔

''فکر مت کرو۔ بائیں طرف سے راستہ ہے۔ تھوڑا سنبھل کر چلنا ہوگا۔ مگر محفوظ راستہ ہے۔''

مجھے کمار کی فکر تھی۔ یہ اس کے لئے مشکل راستہ تھا۔ ''گاڑی کہاں ہے؟''

''ذرا آگے، ہمیں ایک فرلانگ پیدل چلنا ہوگا۔''

''کمار کی حالت ایسی نہیں ہے۔''

''مجبوری ہے۔'' سومترا نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''گاڑی یہاں تک نہیں آ سکتی؟''

''مشکل ہے۔'' وہ بولی۔

''میرے ساتھ چلو۔'' میں نے علاقے کا جائزہ لیا۔ ''دیکھو، مشکل کیسے آسان ہوتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم دونوں باقی لوگوں کو چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ واقعی بائیں طرف سے اترنے کا راستہ تھا اور آدمی احتیاط کرے تو مشکل بھی نہیں تھا۔ میں ڈھلان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس پر کوئی فور وہیل ڈرائیو سفر کر سکتی تھی جس کے ٹائر اچھی حالت میں ہوں۔ میں نے ذرا آگے نکل کر پلٹ کر دیکھا۔ اوپر وادی کی برف پوش فصیل دکھائی دے رہی تھی۔ ہم وادی کے دائیں طرف یعنی مشرق کی سمت نکلے تھے۔ اور مجھے جنوب کی طرف نہ تو فصیل نظر آ رہی تھی اور نہ ہی گھاٹی۔ یعنی ہم اس جگہ سے بہت دور تھے۔ چاند کی ہلکی روشنی میں یہ سارا منظر واضح تھا۔ اس جگہ بھی برف پڑی تھی مگر اس کی مقدار کم تھی۔ شمال کی طرف سے فراٹے بھرتی سرد ترین ہوا چل رہی تھی۔ میں نے سومترا سے پوچھا۔ ''کیا یہ علاقہ فوجیوں سے محفوظ ہے؟''

''یہ وادی کا عقبی حصہ ہے اور کوئی اس طرف آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اوپر سے پہاڑی ناقابلِ عبور ہے اور سامنے کی جانب سے گھوم کر آنے میں بہت لمبا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کوئی اس طرف نہیں آتا، وادی کے لوگ بھی نہیں۔''

''پہاڑوں میں سرنگ بنانے کا خیال کیسے آیا؟''

''پتا نہیں۔ یہ سرنگ تو پتاجی کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہے۔ اسے یقیناً برسوں لگے ہوں گے۔ ہاتھ سے تراش کر اسے بنایا گیا ہے۔''

''بے حد محنت کا کام ہے مگر جن لوگوں نے یہ سرنگ بنائی ہوگی، انہوں نے اسے راز بھی رکھا۔''

''میں نے کہا نا مجھے یہ سب نہیں معلوم، سرنگ نامعلوم مدت پہلے بنی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''گاڑی اس جگہ ہے۔''

سومترا نے ایک چکنی مٹی سے بنے گھروندے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس کے سامنے لکڑی کا مضبوط گیٹ لگا تھا اور اسے کیموفلاج کرنے کے لئے آس پاس کثرت سے جھاڑیاں اور بیلوں والے پودے لگائے گئے تھے۔ یہ جگہ ان کی وجہ سے بھی نمایاں ہو رہی تھی کیونکہ آس پاس کہیں پر بھی اتنی جھاڑیاں نہیں تھیں۔ سومترا کے پاس گیٹ پر لگے تالے کی چابی تھی۔ اس نے تالا کھولا، اندر سیاہ رنگ کی ایک لینڈ روور جیپ کھڑی تھی۔ میں نے کور اتارا۔

''اس کی چابی کہاں ہے؟''

''اس گچھے میں۔'' اس نے گیٹ کے تالے کی چابی میری طرف بڑھائی۔

میں نے اندر بیٹھ کر دیکھا، لائٹ آن ہو گئی تھی اس کا مطلب تھا کہ بیٹری کام کر رہی تھی، یہ لوگ شاید اسے ورکنگ کنڈیشن میں رکھتے تھے۔ میں نے سیلف گھمایا۔ انجن نے جھرجھری لی۔ وہ سردی سے بھی یخ بستہ ہو رہا تھا۔ لگاتار سیلف مارنے پر اس نے بالآخر آواز نکالی اور کسی درندے کی طرح غرانے لگا جسے خراب خرگوش سے بیدار کر دیا ہو۔ سومترا نے پوچھا۔ ''اسے اوپر تک لے جاؤ گے؟''

اتنی دیر میں، میں سوچ چکا تھا، جیپ اوپر تک جا سکتی تھی لیکن اس میں کمار کو بہت جھٹکے سہنا پڑتے اور اس کے زخم سے خون کا رساؤ تیز ہو جاتا اس لئے جیپ ممکن حد تک ہموار راستے کے پاس لے جا کر اسے اوپر سے پیدل لایا جاتا۔ میں نے جیپ باہر نکالی۔ سومترا نے گیٹ بند کر کے اسے پھر سے لاک کر دیا۔ وہ میرے برابر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آ بیٹھی۔ ''مس سومترا! تمہیں ہائی وے تک کا راستہ پتا ہے۔''

اس نے سر ہلایا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ ''کوئی چار کلومیٹر کے بعد ہمیں ایک سڑک ملے گی۔ باقی تم نقشے کی مدد سے خود سمجھ لینا۔''

''مس سومترا! تمہارا وہ اندازِ محبوبی کیا ہوا؟'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''اتنے سپاٹ سے لہجے میں بات کر رہی ہو۔''

''شاید تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے شکایتی لہجہ اختیار کیا۔

''اگر میں کہوں کہ میں تمہارے حسن اور ناز و ادا سے متاثر نہیں ہوا تو یہ سفید جھوٹ ہوگا۔ دنیا کا کوئی مرد ایسا نہیں ہے جو حسین عورت سے متاثر نہ ہوتا ہو۔ البتہ متاثر ہونے کے طریقے ہوتے ہیں۔ بعض کے لئے عورت ایک حسین پھول کی طرح ہوتی ہے جسے کھلتے دیکھنا ہی خوش کن ہوتا ہے اور بعض کے لئے عورت استعمال کی چیز ہوتی ہے۔''

''تم ان میں سے ہو جو پھول کو شاخ پر دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔'' اس نے طنز کیا۔

''ہاں، میرے لئے اس سے آگے جانا یا سوچنا بھی محال ہے کیونکہ میں جس ماحول میں پلا بڑھا ہوں، وہاں عورت ایک رشتہ ہوتی ہے۔ وہ ماں ہوتی ہے، بہن، بیٹی یا بیوی ہوتی ہے۔''

میں نے جیپ روک دی۔ یہ خاصی بڑی جیپ تھی، تین افراد اس کی اگلی نشستوں پر اور چار افراد بڑے آرام سے اس کی عقبی نشست پر آ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ عقبی حصے میں بھی جگہ تھی۔ میں نے اترتے ہوئے اس سے کہا۔ ''تم یہاں رکو، میں ان کو لے کر آتا ہوں۔''

اب سرنگ کے دہانے تک کا فاصلہ نصف فرلانگ رہ گیا تھا۔ میں وہاں پہنچا۔ آشا کمار کے زخم کی پھر سے پٹی کر رہی تھی۔ میں نے زخم کا معائنہ کیا۔ گولی عضلات کو پھاڑتی گزر گئی تھی۔ زخم سے لگ رہا تھا کہ آنتوں یا کسی اہم عضو کا نقصان نہیں ہوا تھا اور خون رک گیا تھا اس لئے کمار کو فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں تھا، اسے میں نے بیتو کے ساتھ مل کر سہارا دیا۔

''شہباز!'' کمار نے آہستہ سے کہا۔ ''ان، بہن بھائی پر اعتبار مت کرنا۔''

''میں سمجھتا ہوں کمار..... مگر فی الحال ہمارے پاس ان پر انحصار کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ فوج وادی میں ہے اور اسے ہماری تلاش ہوگی، ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا لازمی ہے۔''

''ایک خدشہ اور ہے۔'' وسیم بولا۔ ''اگر راج پکڑا گیا تو آرمی والے اس سے ہمارے بارے میں اگلوا سکتے ہیں، اس کے بعد وہ ہمیں سیدھا اس جگہ آ کر گرفتار کر لیں گے۔''

''خطرہ تو یہ بھی ہے کہ وہ سرنگ دریافت کر لیں اور اس کے بعد ہمارا تعاقب کریں۔'' میں نے کہا۔

ویسے میرے ذہن میں بھی یہی تھا کہ ہمیں راج کی بنائی ہوئی جاگیر کا رخ نہیں کرنا چاہئے۔ مگر ابھی یہ طے کرنا قبل از وقت ہوتا کہ ہم کہاں جائیں۔ پہلا مرحلہ تو اس جگہ سے نکلنے کا تھا۔ ہم جیپ تک آئے، عقبی نشست پر بیتو اور وسیم کمار کو سنبھال کر بیٹھ گئے تھے جبکہ سومترا اور آشا ایک ساتھ آ گئی تھیں، میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ بند جیپ میں سردی کی شدت کم تھی۔ اس کے باوجود ہیٹر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیٹر آن کرنے سے پہلے سومترا سے پوچھا۔ ''اضافی ایندھن ہے؟''

''پیچھے دس دس گیلن کے دو کین، رکھے ہیں۔''

ہیٹر آن ہوا اور چند منٹ میں اس نے جیپ کے کیبن کو خوشگوار حد تک گرم کر دیا تب سب کی جان میں جان آئی۔ پہاڑی راستہ بے حد خراب تھا اور اگر میں فور وہیل ڈرائیو گیئر نہ استعمال کر رہا ہوتا تو جیپ نہیں چل سکتی تھی۔ چار کلو میٹر کا فاصلہ پورے ایک گھنٹے میں طے ہوا تھا اور سب کا حشر ہو گیا تھا، دھکوں اور جھٹکوں سے۔ مجھے کمار کی فکر تھی، وہ زخمی تھا اور لازمی بات تھی اس کا زخم متاثر ہوا تھا مگر وہ ہمت کر کے چپ تھا۔ پھر ہم ایک خستہ حال سڑک تک پہنچے۔ مشرق سے روشنی نظر آنے لگی تھی۔ صبح قریب تھی اور پوری طرح روشنی ہونے سے پہلے پہلے ہمارا اس علاقے سے نکل جانا لازمی تھا۔ اگلے ایک گھنٹے تک میں پوری توجہ سے ڈرائیونگ کرتا رہا تھا اور جس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا، میرے اندازے کے مطابق ہم وادی سے کوئی بیس پچیس میل دور آ گئے تھے۔

''شہباز صاحب!'' وسیم نے عقب سے کہا۔ ''کمار کی حالت اچھی نہیں ہے۔ خون ابھی بھی رس رہا ہے اور اسے بخار بھی ہو گیا ہے۔''

''اس ویرانے میں ہم کیا کر سکتے ہیں یار!'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''تم لوگ خون روکنے کی کوشش کرو۔''

بیتو نے مجھ سے کہا۔ ''آپ جیپ روکو جی، میں کچھ بوٹیاں تلاش کر کے لاتا ہوں۔ اس سے خون رک جائے گا اور بخار اتر جائے گا۔''

ہم خطرے سے محفوظ فاصلے پر نکل آئے تھے اس لئے میں نے رک جانے میں حرج نہیں سمجھا ویسے بھی دو گھنٹے کے سفر نے سب کا برا حال کر دیا تھا۔ میں نے جیپ سڑک کے کنارے روک لی اور سومترا سے کہا۔ ''وہ نقشہ نکالو، جس کا ذکر تمہارے بھیا نے کیا تھا۔''

اس نے بریف کیس کھولا اور اس کا ڈھکن ذرا سا اوپر کر کے اس میں سے ایک تہہ کیا ہوا نقشہ نکالا، اس نے کوشش کی تھی کہ کسی اور کو اندر موجود چیزوں کا پتا نہ چلے۔ مگر میں نے تہہ در تہہ نوٹوں کی گڈیاں دیکھ لی تھیں۔ یہ بھارتی کرنسی تھی، اس نے نقشہ مجھے تھما دیا۔ میں نے اسے اسٹیئرنگ پر پھیلایا۔ یہ پورے شمالی بھارت کا تفصیلی نقشہ تھا، کشمیر سے لے کر ہماچل پردیش تک کا۔ میں نے سومترا سے پوچھا۔

''وادی کہاں ہے اس میں؟''

اس نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھی اور بولی۔ ''یہ ہے وادی۔''

میں نے غور کیا۔ ''ہم مشرق کی طرف تھے۔ یہ ہے سڑک جس پر ہم سفر کر رہے ہیں۔ یہ جنوب مشرق کی طرف مڑ رہی ہے، تمہاری جاگیر کہاں ہے؟''

جگہ کی نشاندہی کے بہانے سومترا مجھ پر لد گئی تھی۔ اپنے نرم گرم اور گداز بدن کو مجھ میں پیوست کرتے ہوئے اس نے ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''یہ ہے ہماری جاگیر، اس جگہ سے کوئی دو سو میل کے فاصلے پر ہے۔''

''اسے چار سو میل سمجھو۔ یعنی ہم رات سے پہلے کسی صورت وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ رات کہیں رکنا ہوگا۔ تمہارے علم میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کمار کو طبی امداد مل جائے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں صرف ایک بار گئی ہوں جاگیر پر اور میں نے زیادہ غور نہیں کیا تھا۔''

''کیونکہ تم خود قابلِ غور ہو، ذرا پیچھے ہو کر بیٹھو۔'' میں نے فقرہ تہہ کیا۔

''اتنی بری تو نہیں ہوں میں۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور ذرا پیچھے ہو گئی۔ وسیم اور بیتو جڑی بوٹیوں کی تلاش میں گئے تھے اور آشا پیچھے کمار کو سنبھال رہی تھی۔ وہ نیم غشی میں تھا۔ میں نے ذرا پیچھے ہو کر اس کی نبض دیکھی جو بخار کی وجہ سے کسی قدر تیز ہو رہی تھی۔ آشا اسے پانی پلا رہی تھی۔

''اسے علاج کی ضرورت ہے۔'' آشا نے میری طرف دیکھا۔

''دیکھو، بیتو گیا ہے کوئی بوٹی لانے۔ اگر وہ ناکام رہا تو ہم اسپتال یا کسی ڈاکٹر کو تلاش کریں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''یہ اس کے لئے کچھ زیادہ ہی فکرمند نہیں ہو رہی؟'' سومترا نے میرے کان میں معنی خیز سرگوشی کی۔

''تو تمہیں اس سے کیا؟'' میں نے کان میں انگلی گھمائی۔

وہ ہنسی۔ ''مجھے کچھ نہیں ہے۔''

بیتو اور وسیم کوئی نصف گھنٹے بعد آئے اور ان کے ہاتھ خالی تھے۔ بیتو نے مایوسی سے کہا۔ ''وہ بوٹی کہیں نہیں ملی۔''

''کوئی بات نہیں۔ ہم کمار کو کسی اسپتال لے چلتے ہیں۔'' میں نے جیپ اسٹارٹ کی۔

''ایسا کرنا خطرناک ہوگا۔'' سومترا بولی۔ ''یہ گولی کا زخم ہے، پولیس آ جائے گی اور مسئلہ بن جائے گا۔''

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ اس نے برا سا منہ بنایا تھا۔

نقشے کے مطابق یہ سڑک آگے جا کر دو حصوں میں بٹ جاتی تھی۔ ایک جنوب میں انڈیا کے میدانوں کا رخ کرتی تھی اور دوسری مشرق میں پہاڑی علاقوں کی طرف جاتی تھی، ہمیں مشرق کا رخ کرنا تھا۔ مطلوبہ موڑ نصف گھنٹے بعد آ گیا اور اس سڑک پر کئی آبادیاں تھیں۔ ان میں ایک بڑا قصبہ تھا جس کا نام جلی حروف میں لکھا تھا وریام نگر۔ یہ دوشاخہ کے مقام سے کوئی پچاس میل کے فاصلے پر تھا اور مجھے امید تھی وہاں کوئی اسپتال نہ سہی، ڈاکٹر ضرور مل جائے گا۔ سومترا نے ایک بار پھر مجھے قائل کرنے کی کوشش کی۔ ''ڈاکٹر سے رابطہ ہمارے لئے مصیبت بن جائے گا۔ وہ فوراً پولیس کو مطلع کر دے گا، یہی کام ہم جاگیر پر جا کر بغیر کسی خطرے کے کر سکتے ہیں۔''

''اس کی حالت دیکھ رہی ہو، اگر ہم نے لگاتار بھی سفر کیا تو پندرہ گھنٹے سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکیں گے، یہ مر جائے گا۔''

''شہباز!'' عقب سے کمار نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ پولیس کا خطرہ ہے۔ بہتر ہوگا تم کہیں سے مرہم پٹی کا سامان اور دوائیں لے لو، زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔''

کمار کی بات درست تھی۔ ڈاکٹر کے پاس جانے کے بجائے یہ کام ہم بھی تو کر سکتے تھے۔ میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ہم سب ہی بھوکے تھے۔ جیپ میں صرف پانی تھا۔ رات بھر کے ہنگاموں اور بھاگ دوڑ نے جوڑوں کو ہلا دیا تھا، اوپر سے پہاڑی علاقے میں ڈرائیونگ میرا دل چاہ رہا تھا کہ جیپ روک کر سر اسٹیئرنگ پر رکھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور سو جاؤں۔ مگر ڈرائیو مجبوری تھی۔ دریام نگر سے امید تھی کہ دواؤں کے ساتھ کھانے پینے کو بھی مل جائے گا۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز صاحب، آپ پیچھے آجائیں، میں ڈرائیو کرتا ہوں، آپ آرام کرلیں۔''

''تم نے دل کی بات کہی، آج یہ اچھا لگا۔'' میں نے جگجیت سنگھ کی زبان میں شکریہ ادا کیا اور اتر کر پیچھے آ گیا وسیم جیپ چلانے لگا۔ کمار ہوش میں تھا اور خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کا سانولا چہرہ بخار سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میرا مشورہ ہے کسی بھی آبادی میں داخل ہونے سے پہلے جائزہ لے لینا۔ پولیس نے ناکا بندی نہ کر رکھی ہو۔ اتنے بڑے آپریشن کے بعد آس پاس کے علاقوں کی پولیس چوکنا کر دی گئی ہوگی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا اور وسیم سے کہا کہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے ذرا محتاط رہے۔

''آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے کہا۔

اس کے باوجود پولیس کا ناکا اتنا اچانک نمودار ہوا تھا کہ ہم کچھ کر ہی نہیں سکے۔ ایک نیلے پرے جیپ گھومی اور ایک پولیس جیپ اچانک سامنے آ گئی۔ وسیم نے بریک لگائے تو ہم سب ہل کر رہ گئے تھے۔ دو عدد سپاہی اپنی پرانی وضع کی بندوقیں تانے کھڑے تھے۔ دوسو بارہ کہلانے والی یہ بندوقیں ہر فائر کے بعد لوڈ کرنا پڑتی تھیں یعنی جتنی دیر میں ایک آٹومیٹک رائفل اپنا میگزین خالی کر دیتی ہے، یہ صرف ایک فائر کرتی تھیں۔ مگر دو معاملات میں یہ آج کے جدید ترین اسلحے پر فوقیت رکھتی ہیں۔ ایک تو ان کی مار جو سات آٹھ سو گز تک ہوتی ہے اور دوسرے ان کی درستگی۔ یہی وجہ ہے جب جدید ترین اسلحے سے لیس ڈاکو کہیں پولیس کے نرغے میں آتے ہیں تو مارے جاتے ہیں۔ پولیس اپنی کمین گاہوں سے دور سے ان کا شکار کر لیتی ہے اور یہ کچھ نہیں کر پاتے کیونکہ ان کے اسلحے کی رینج نہیں ہوتی۔

''کوئی مزاحمت نہ کرے۔'' میں نے کہا اور جیپ سے اتر گیا۔

پولیس جیپ کے ساتھ تین سپاہی اور ایک حوالدار تھا جو ظاہر ہے باس تھا اور اس کی شان کے خلاف تھا کہ وہ جیپ سے نیچے آئے۔ میں نے انگریزی میں کہا۔ ''کیا مسئلہ ہے، ہمیں کیوں روکا ہے؟''

''انگریجی مت بھونک۔'' حوالدار نے غرا کر کہا اور اپنی توند سے پھسل جانے والی سرکش پتلون کو اوپر کیا۔ وہ پستہ قد اور مال حرام سے بھرا ہونے کی وجہ سے پھولا ہوا تھا۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''نام کیا ہے تمہارا؟''

''ڈاکٹر ارجن ورما۔'' میں نے روانی سے کہا۔

''اچھا ڈاکٹر صاحب، اندر کون ہے؟''

''میری پتنی، سالی، سالا اور ہمارے دو ملازم ہیں، ان میں سے ایک زخمی ہو گیا ہے۔ شکار کے دوران اسے چوٹ آئی تھی، اب اسے اسپتال لے جا رہے ہیں۔''

''اچھا، گاڑی کے کاغذات دکھاؤ، اپنے کاغذات بھی۔''

''گاڑی کے کاغذات ہیں، مگر ہمارے کاغذات افراتفری میں جنگل میں گر گئے..... سب ایک بیگ میں تھے، پیچھے ہم ایک ملازم چھوڑ آئے ہیں، جو بیگ تلاش کر کے لائے گا۔''

میں نے ڈیش بورڈ سے کاغذات نکال کر اسے دیئے۔ حوالدار صورت سے جاہل اور بے وقوف نظر آتا تھا مگر درحقیقت پڑھا لکھا اور کائیاں تھا، وہ میری انگریزی سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا، اس نے کہا۔ ''گاڑی تو کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راج سنگھ کی ہے۔''

''درست، راج سنگھ مقامی یونین کونسل کا ممبر ہے اور میرا دوست ہے۔ کیا تمہیں اعتراض ہے، میں نے اپنے دوست کی گاڑی کیوں استعمال کی ہے۔'' میں نے ذرا برہمی سے کہا۔

''ڈاکٹر جی! آپ بلاوجہ ناراض ہو رہے ہیں۔'' اس نے مکاری سے کہا۔ ''آپ کے پاس لائسنس نہیں ہے اور گاڑی بھی آپ کے نام نہیں ہے پھر آپ کی بات کیسے مانی جائے۔''

حوالدار بڑی خوفناک قسم کی شدھ ہندی بول رہا تھا اور اس کی بات سمجھنے کے لئے مجھے مغزماری کرنا پڑ رہی تھی۔ قارئین کی خدمت میں اس کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم بڑی غلط پوزیشن میں تھے۔ ہمارے پاس اسلحہ تھا جو گاڑی کے اندر تھا مگر تلاش میں برآمد ہو جاتا۔ خود میری جیب میں پستول تھا۔ ہم پولیس والوں سے الجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ پولیس والوں کو تین چیزوں سے قائل کیا جا سکتا تھا۔ زبان، زور اور زر سے۔ ان میں پولیس والے سب سے زیادہ زر کی زبان سمجھتے ہیں مگر میری جیب خالی تھی اور باقی لوگوں کے پاس بھی رقم کی موجودگی خارج از امکان تھی۔

''او کے، حوالدار! اب تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ہمارا کیش بھی اس بیگ میں تھا جو گم ہو گیا۔''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''سب اسی میں تھا جی، تو باقی کیا بچا؟''

میں پلٹ کر جیپ کی طرف آیا اور کھڑکی سے جھانک کر سومترا سے کہا۔ ''ان لوگوں کا منہ بند کرنا ہے۔''

''میرے پاس رقم ہے۔'' وہ نروس لہجے میں بولی۔

مگر نقد رقم کی موجودگی میرے خیال میں حوالدار کو اکسا سکتی ہے، میں نے سومترا کے ہاتھ میں سونے کا چھلا دیکھا۔ ''اس سے کام چل جائے گا۔''

بادل ناخواستہ اس نے مجھے چھلا پکڑا دیا اور میں حوالدار کو ایک طرف لے گیا۔ ''دیکھو یار، ہم تھکے ہوئے اور پریشان ہیں۔ تم ہمیں تھانے لے جاؤ گے وہاں خواہ مخواہ دو تین گھنٹے ضائع ہوں گے۔ پھر ہمارے نوکر کو طبی امداد کی ضرورت بھی ہے اس لئے بات ختم کرو۔'' میں نے اس کے ہاتھ میں انگوٹھی دبا دی۔ ''تمہاری بیوی کے لئے ہماری طرف سے تحفہ۔''

سونے کا لمس اس نے دیکھے بغیر جان لیا تھا، وہ مسکرایا۔ ''اس بھینس کی بچی کو کہاں آئے گی یہ؟''

''چلو کوئی بات نہیں، کوئی نازک انگلی والی تلاش کر لینا۔ ویسے کوئی نہ کوئی تو ہو گی؟''

''خوب خبر ہے ڈاکٹر جی!'' وہ مسکرایا اور انگوٹھی جیب میں ڈال لی پھر اس نے مقامی زبان میں سپاہیوں کو پولیس جیپ ہٹانے کا حکم دیا۔

''یہ چکر کیا ہے آخر؟''

''کچھ نہیں جی، آگے بھارتی سینا باغیوں کے خلاف لڑ رہی ہے اس لئے ادھر آنے والوں کو چیک کرنے کا آرڈر ہے۔''

''باغی!'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''میری اطلاع کے مطابق ادھر بھارت کے خلاف کوئی موومنٹ نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"کشمیری ہیں جی! پہاڑ پار کر کے ادھر ٹھکانے بنا لئے تھے، ان کو مار رہی ہے ہماری سینا۔"

میں اس سرکاری جھوٹ پر دم بخود رہ گیا تھا، اپنے قبائل کو مار کر وہ اسے کشمیریوں کے خلاف آپریشن قرار دے رہے تھے بہر حال ایسے ہی جھوٹ میرے ملک میں بھی پورے اعتماد سے بولے جاتے ہیں۔ اس لئے جلد خود پر قابو پا لیا۔ حوالدار کے اشارے پر جیپ ہٹتے ہی میں نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ حوالدار لالچی اور بے وقوف آدمی تھا ورنہ ہم مشکل میں پڑ جاتے مگر یہ پہلا مرحلہ تھا۔

"خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔" وسیم نے میرے خیال کی تائید کی۔ "آگے بھی ایسی ہی چوکیاں ہوں گی۔ ہم ہر جگہ اس طرح رشوت دے کر نہیں بچ سکتے۔"

"بہتر ہے ہم کہیں عارضی پناہ لے لیں۔" میں نے کہا۔ سڑک اب پستی کی طرف جا رہی تھی۔ اس علاقے میں برف نہیں تھی اور جنگل بھی ہرے بھرے تھے، کہیں کہیں لوگ مویشی چراتے یا کھیتوں میں کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ مجھے دور ایک آبادی کی جھلک نظر آئی، یہ شاید وریام نگر تھا۔ میں نے گاڑی آبادی سے ذرا دور روک دی تھی۔

"یہ وریام نگر ہی ہے۔" سومترا نے تصدیق کی۔ "وہ دیکھو۔ وہ سرخ چھت والا اسٹوپا نظر آ رہا ہے۔ وہ بدھسٹوں کی عبادت گاہ ہے۔"

"قصبہ سڑک سے ہٹ کر ہے۔" میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ "ذرا دور ہے۔ ہائی وے پر آبادی نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، قصبے کے داخلی راستے پر پولیس چوکی ممکن ہے؟"

"شاید، اس لئے میں کہہ رہی ہوں، ہمیں سیدھا چلنا چاہئے۔ اس علاقے سے جلد از جلد نکل جانا چاہئے۔" سومترا نے حسبِ معمول کہا۔

"کمار کو طبی امداد کی ضرورت ہے۔" میں نے جیپ ایک طرف روک دی۔ "میرا خیال ہے ہم میں سے کسی کو پیدل جانا چاہئے۔"

"کون جائے گا؟" سومترا نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے میں۔"

"تم پکڑے جاؤ گے۔ اس علاقے میں سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں دوسرے راستے سے بھی جا سکتا ہوں اور میں سیاح بھی ہو سکتا ہوں۔ میں یہاں سے گزرنے والا کوئی مسافر بھی ہو سکتا ہوں، جس کی گاڑی یہاں خراب ہو گئی ہو۔"

میں نے وسیم سے کہا کہ جیپ کو ذرا آگے لے جائے تاکہ یہ سڑک پر دور سے نظر نہ آئے اور خود پیدل چل پڑا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے واپس آ کر سومترا سے کہا۔ "مجھے رقم کی ضرورت ہے۔"

اس نے بریف کیس سے ایک گڈی نکال کر مجھے دی۔ "سوری! مجھے خیال نہیں رہا۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے گڈی جیب میں ٹھونس لی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس چوکی مجھے سڑک کے آغاز پر نظر آئی، اس میں دو سپاہی تھے، بے حد مسکین اور شریف قسم کے۔ انہوں نے نہایت شرافت سے مان لیا کہ میں ایک مسافر ہوں اور پیچھے میری گاڑی کا انجن گرم ہو گیا ہے اور میں کچھ کھانے پینے کا سامان لینے آیا ہوں۔ انہوں نے میری رہنمائی کی کہ قصبے کا بازار کس طرف ہے۔ یہ خاصا بڑا قصبہ تھا، اس کی آبادی دس ہزار کے آس پاس تھی۔ اچھی قسم کے مکانات، بنگلے اور سرہاؤس تھے۔ یعنی یہ کھاتے پیتے لوگوں کا قصبہ تھا۔ ممکن ہے شہر کے امراء کے مکانات ہوں جو گرمی میں اس علاقے کا رخ کرتے ہوں گے۔ میں نے سومترا سے پوچھا نہیں تھا، میرا اندازہ تھا کہ ہماچل پردیش یا اتر پردیش کی ریاست کا حصہ تھا۔ ممکن ہے کسی نئی ریاست کا حصہ ہو۔ بھارت میں آئے دن صوبہ سازی ہوتی ہے اور میری معلومات کی حد تک آزادی کے بعد سے اب تک بھارت ملنے والے آٹھ صوبوں کے تینتیس صوبے بنا چکا تھا۔ اس کے مقابلے میں ہم نے ایک کم کر لیا تھا اور اس پر خدا کا شکر بھی ادا کیا تھا۔

قصبے کا بازار دور نہیں تھا اور تمام ہی دکانیں کھل گئی تھیں۔ میں نے سب سے پہلے ایک بیکری کا رخ کیا۔ وہاں سے دودھ کے ڈبے، ڈبل روٹی اور مکھن لیا۔ بیکری کا مالک شاید نیپالی تھا اور ہم نے بغیر بات کئے سودا خوش اسلوبی سے کر لیا۔ مسئلہ مجھے آگے ایک سرمنڈے لالے کی دکان پر ہوا تھا۔ اس کی برتنوں کی دکان تھی۔ میں نے کپوں، پلیٹوں کا مطالبہ کیا۔ جواب میں اس نے مقامی زبان میں گڑگڑا کر کچھ کہا۔ میں نے اشاروں سے کام چلایا۔ اس سے دو پلیٹیں مانگیں اس نے دو درجن پلیٹیں میرے سامنے رکھ دیں۔ میں نے اس میں سے صرف دو پلیٹیں نکالیں تو اس نے خفا ہو کر گڑگڑاتے ہوئے وہ پلیٹیں مجھ سے واپس لے لیں۔ غالباً اس کا مطلب تھا کہ خالی دانہیں پلیٹیں پورا سیٹ لینا پڑتا ہے۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے اس سے صرف تھرماس لے لیا۔

ہوٹل کئی تھے۔ میں ایک نسبتاً معقول نظر آنے والے ہوٹل میں داخل ہوا۔ کاؤنٹر پر ایک خان کو پا کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ میں نے تپاک سے کہا۔ ''السلام علیکم!''

''آداب!'' اس نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''میں مسلمان نہیں ہوں۔''

میرا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ''جب نہیں ہو تو نظر کیوں آتے ہو؟''

''میں سرحد کا ہندو ہوں راج کپور فیملی کی طرح۔ میرا باپ دیش بنٹے سے یہاں آیا تھا۔''

''مجھے چائے اور کچھ برتن چاہئیں۔ تین چار پلیٹیں اور چھ عدد اچھے والے کپ، دو تین چمچ۔''

''مل جائیں گے پیسے رکھوا دینا۔''

اس لمحے میری ناک نے حلوہ پوری کی خوشبو سونگھی۔ میں نے اس سے حلوہ پوری اور چھولے کا سالن پیک کرنے کو کہا۔ ''جب تک میں میڈیکل اسٹور سے ہو آتا ہوں، یہاں کوئی میڈیکل اسٹور ہے؟''

''اس لائن میں آگے جاؤ، دائیں طرف دوسری گلی میں ہے۔''

میڈیکل اسٹور بڑا نہیں تھا مگر اس سے مجھے مرہم پٹی کا سامان اور تمام ضروری ادویات مل گئی تھیں، میں واپس ہوٹل آیا۔ سارا سامان تھکوں کی ایک ٹوکری میں تیار تھا اسے لے کر میں واپس چل پڑا۔ ابھی میں چوکی سے کچھ دور تھا کہ میں نے وہاں ایک پولیس جیپ کے ساتھ اپنی جیپ کھڑی دیکھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں ان کو دور چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ از خود یہاں نہیں آ سکتے تھے۔ غالباً پولیس ان کو پکڑ لائی تھی۔ اگر ان کے پاس سے اسلحہ نکل آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا تو معاملہ سنگین ہو گیا تھا۔ میں فوری طور پر ایک گلی میں ہو گیا، پولیس چوکی پر ان لوگوں کو پتا چل گیا ہو گا کہ میں قصبے میں ہوں اور اب وہ میری تلاش کرتے تو مجھے پکڑ لینا بھی مسئلہ نہیں تھا۔ ایک دس بارہ سال کا بچہ چوکی سے اس طرف آیا جہاں میں چھپا تھا۔ میں نے اچانک اسے روکا تو وہ نروس ہو گیا۔ میں نے پیار سے اور نرمی سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے بیٹے؟''

''لکشمی!'' اس نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

میں نے اسے ایک نوٹ دیا۔ ''تم اچھے لڑکے لگتے ہو، یہ بتاؤ کہ چوکی پر پولیس کسے پکڑ لائی ہے؟''

نوٹ پا کر لڑکے کا رہا سہا خوف بھی دور ہو گیا۔ ''جی چور ہیں، کسی اور کی گاڑی چرا کر جا رہے تھے، پولیس سب کو تھانے لے جا رہی ہے۔''

''اچھا صرف چور ہیں ڈاکو نہیں ہیں، ڈاکوؤں کے پاس تو ہتھیار بھی ہوتے ہیں۔''

''نہیں جی، ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''میرے سامنے انسپکٹر کہہ رہا تھا کہ ان کے پاس سے کچھ نہیں ملا ہے۔''

''یہ انسپکٹر کون ہے؟''

''آپ نہیں جانتے جی؟'' اس نے تعجب سے کہا۔

''میں یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں، باہر سے آیا ہوں۔''

''ٹھاکر جی کے پاس۔ کل ان کے ہاں مہمان آئے تھے۔'' لڑکے نے ایک خوبصورت ولا کی طرف دیکھا۔ جس پر کھپریل کی گلابی چھت تھی۔ میں سمجھ گیا یہی ٹھاکر کی رہائش گاہ تھی۔

''ہاں بیٹا، اب تم انسپکٹر کا نام بتاؤ۔''

''مدھو موہن۔'' اس نے کہا۔ ''بہت ذلیل آدمی ہے، ایک بار پتا جی کو بلا وجہ مارا تھا۔''

''اچھا، یہ ان کو تھانے لے جائے گا، تھانہ کہاں ہے؟''

''یہ اس سڑک پر آگے جا کر۔'' لڑکے نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر بولا۔ ''مجھے جانے دیں جی، ماتا جی ماریں گی۔''

میں نے دیوار سے جھانک کر دیکھا۔ ہماری جیپ پولیس جیپ کے ساتھ آ رہی تھی اور اسے ایک پولیس والا ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ میرے پاس سے گزری تو میں نے دیکھا اس میں صرف سومترا، آشا اور کمار تھے۔ بیتو اور وسیم غائب تھے۔ وہ دونوں کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے متفکر ہو کر سوچا۔ عین ممکن ہے انہوں نے پولیس کو آتے دیکھ لیا ہو اور جنگل میں روپوش ہو گئے ہوں۔ پولیس والے جیپ اور ان تینوں کو لے آئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے کہ ایک دھوتی اور صدری پوش نے مجھے ٹہوکا دیا۔

''اجی ایسے یہاں کیا کرتے ہو، کون ہو تم؟''

وہ جوکروں جیسے چہرے والا ادھیڑ عمر شخص تھا۔ اس نے گول شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی اور تھیلا بناتا تھا، وہ شاپنگ کر کے آ رہا تھا۔ ''تم کون ہوتے ہو یہ پوچھنے والے؟''

''ہم مادھو ہیں جی اور یہ ٹھاکر جی کی جگہ ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھاکر.....کون ٹھاکر؟''

''ٹھاکر رائے مان سنگھ جی!''

''اچھا.....اُن سے تو میری بچپن کی یاری ہے۔'' میں نے بے تکلفی سے کہا۔

''یاری!'' وہ اچھلا تھا۔ ''ٹھاکر جی عمر میں تم سے دوگنے ہیں۔''

''میں نے کہا نا، بچپن سے یاری ہے، میرے بچپن سے۔''

''میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' اس نے شکی لہجے میں کہا۔

''تم نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ یہ بتاؤ، کبھی گینڈا دیکھا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''گینڈا!'' وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

''کبھی شیر دیکھا ہے، اچھا بغل ٹاور یا انڈیا گیٹ دیکھا ہے؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو جی!'' اس نے جز بز ہو کے کہا۔ ''میں آپ کا بات کرتا ہوں جی۔''

''اصل میں میرے پتا اور ٹھاکر جی کی دوستی تھی جب میں چھوٹا تھا تو وہ میرے گھر آئے تھے۔''

''اچھا اچھا تو ایسے بولو نا جی!'' اس نے سر ہلایا۔ ''پر تم اِدھر چھپ کر کیا کر رہے تھے؟''

''اس قصبے کی سب سے حسین لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔'' میں نے سرد آہ بھری اور بدقسمتی سے اسی لمحے ایک ہنگن اپنے آلاتِ جارو کشی کے ساتھ نمودار ہوئی۔ وہ ذرا بھی حسین نہیں تھی اور نہ ہی لڑکی تھی، اس کا پھیلا ہوا جسم بتاتا تھا کہ وہ کم سے کم نصف درجن بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ مادھو جی ایک بار پھر مشکوک ہو گیا تھا۔

''آپ اتنے سویرے پیتے ہو جی!''

''تو پھر کس وقت پیا کروں؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''میں تو بچپن سے صبح صبح پیتا ہوں۔''

''اجی آپ بچپن سے شرابی ہو؟'' وہ دنگ رہ گیا تھا۔

''شرابی! تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں نے کبھی شراب نہیں پی، میں چائے کی بات کر رہا تھا۔''

''دیکھو جی، آپ میرے کو پاگل کر دو گے، میں جا کر ٹھاکر جی کو بتاتا ہوں جی!''

''ایک منٹ رکو۔'' میں ٹوکری اٹھا کر اس کے پیچھے لپکا۔ ''میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔''

''اس میں کیا ہے جی؟''

''صبح صبح آیا تھا، سوچا ناشتا ساتھ لے کر جاؤں۔'' میں نے کہا۔ ''پانچ چھ آدمیوں کے لئے کافی ہو گا۔ ویسے ٹھاکر کے گھر کتنے آدمی ہیں؟''

''کوئی نہیں جی۔ دو بیٹے ہیں، وہ دلّی چلے گئے۔ تین بیٹیاں بیاہ کر اپنے گھروں کو دوا ہوئیں اور اب ٹھاکر جی اکیلے ہوتے۔''

''کوئی بات نہیں، میرے آنے سے ان کی تنہائی ختم ہو جائے گی۔''

یہ مکان خاصا بڑا تھا، کوئی ایک کنال پر پھیلا تھا۔ پہاڑی علاقوں میں سب سے کمیاب چیز زمین ہوتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ٹھاکر دولت مند آدمی تھا اور برصغیر میں جو شخص دولت مند ہو اس کا بااثر ہونا بھی لازمی ہوتا ہے۔ میں مادھو کے ساتھ اندر داخل ہوا تو اس نے پھر جز بز ہو کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ کدھر جاتے ہو جی! میں ٹھاکر کر جی کو بتا تو دوں؟''

''کیا ضرورت ہے، میں کون سا اجنبی ہوں۔''

وہ مجھے روک نہیں سکتا تھا، میں سچ مچ ٹھاکر کا واقف کار نکل آتا تو مجھ سے بدتمیزی مادھو کا جرم بن جاتی۔ اس نے مجھے بہرحال نشست گاہ میں روک دیا۔ ''آپ ادھر بیٹھو جی، میں ٹھاکر جی کو بتاتا ہوں۔''

میں فیصلہ کر چکا تھا۔ میں اسے اکیلے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا، نہ جانے وہ میرے بارے میں ٹھاکر کو کیا رپورٹ دیتا اور وہ پولیس کو بلا لیتا۔ اس لئے میں نے پستول نکال لیا۔ ''میں تمہارے ساتھ جاؤں گا جی!''

پستول دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ ''یہ..... یہ کیا جی؟''

میں نے اس کی گردن دبوچ لی۔ ''آواز نہ نکلے جی..... ورنہ اس سے گولی نکلے گی اور اس کے بعد.....''

''رام نام ست ہے۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''اب بالکل خاموشی سے مجھے ٹھاکر جی کے پاس لے چلو۔ خبردار، کوئی آواز مت نکالنا ورنہ وہ تمہاری آخری آواز ہو گی۔''

''میں بالکل نہیں بولے گا جی، ایک دم چپ!''

لیکن اس سے پہلے ہم اندر جاتے نشست گاہ کا پردہ ہٹا اور ٹھاکر نے اندر قدم رکھا۔ وہ تقریباً ساٹھ برس کا تنومند شخص تھا۔ اس نے براق سفید دھوتی کے ساتھ کرتہ پہن رکھا تھا اس۔ ماتھے پر قشقہ اور گلے میں جینو تھا۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''کون ہو تم اور اندر آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟'' اس نے دبنگ لہجے میں کہا۔ ''چھوڑ دو میرے نوکر کو۔''

میں نے مادھو کو اس کی طرف دھکیل دیا۔ ''ٹھاکر رائے مان سنگھ!''

اس نے پہلی بار میرے ہاتھ میں پستول دیکھا اور اس کی حالت بھی مادھو جتنی غیر ہو گئی تھی۔ ''ارے..... یہ کیا ہے؟''

''پستول!'' میں نے گرج کر کہا تو محمود و ایاز نے ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر لرزنا شروع کر دیا۔

ٹھاکر نے راجپوتوں کا نام ڈبوتے ہوئے روکر اپنے نوکر سے فریاد کی۔ ''اوہ بدمعاش یہ کسے لے آیا ہے، مجھے قتل کرانے کے لئے۔''

مادھو بپھنے کی طرح اچھلا۔ ''یہ کیا بولتے ہو جی، یہ تو خود میرا نام رام..... رام نام ست کرنے والا تھا۔''

''کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟'' بالآخر ٹھاکر نے محسوس کر لیا میرا اسے فوری طور پر قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لئے اس نے کا پنا بند کر دیا۔

''بیٹھ جاؤ ٹھاکر! میں تمہیں قتل کرنے نہیں آیا ہوں۔ مجھے تو تم سے کام ہے..... میں مصیبت میں ہوں۔''

''مصیبت میں؟'' وہ دم بخود رہ گیا تھا۔ ''مصیبت میں تو میں ہوں۔''

''اگر میری مصیبت دور ہو گئی تو آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔'' میں نے پستول لہرایا۔ ''دوسری صورت میں.....''

''رام نام ست ہے۔'' مادھو نے اپنا پسندیدہ راگ الاپا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھاکر رائے جی، میں تمہارے گھر میں مہمان ہوں، مجھے چائے پانی، ناشتے کا پوچھو۔"

"مادھو، جا ناشتا لے کر آ۔" ٹھاکر نے خوش ہو کر کہا اور مادھو بھی پھرتی سے اٹھا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔ "ناشتا اس ٹوکری میں ہے۔ یہاں میز پر لگاؤ۔"

مادھو کی میا مر گئی تھی۔ اس نے بادل ناخواستہ حکم کی تعمیل کی۔ میں نے ٹھاکر سے پوچھا کہ یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کسی کو بند کر دیا جائے تو صرف اس کی آتما نکلے، وہ خود نہ نکل سکے۔ انہوں نے ایک کباڑ خانے تک میری رہنمائی کی جس میں دروازے کے علاوہ صرف ایک روشن دان تھا جس سے بلی کا بچہ گزر سکتا تھا۔ میں نے مادھو کو وہاں بند کر دیا۔ "کسی کو آواز دینے کی کوشش مت کرنا ورنہ سب سے پہلے میں سنوں گا اور اس کے بعد....."

"رام نام ست ہے۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

میں ٹھاکر کے ساتھ واپس نشست گاہ تک آیا اور میں نے پستول میز پر رکھ سب سے پہلے ناشتے سے انصاف کیا۔ چائے کے دو کپ پی کر میرے حواس بحال ہوئے تھے۔ اس دوران میں ٹھاکر مجھے اس بکری کی طرح دیکھ رہا تھا جسے قصائی سے خطرہ ہو کہ وہ ابھی چھری سنبھال لے گا۔ میں نے ہاتھ صاف کیے، حلوہ پوری لاجواب تھی۔ "رائے مان سنگھ!" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "ہم دراصل یہاں سے گزر رہے تھے۔"

"ہم کون؟" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"میرے چند ساتھی بھی ہیں، ان میں ایک زخمی نوکر ہے۔ ان کو پولیس نے پکڑ لیا ہے۔"

"پولیس..... کیوں؟"

"کیونکہ ہم جس گاڑی میں سفر کر رہے تھے، وہ کسی اور کی ہے۔ پولیس کو شک ہے کہ گاڑی ہم نے چرائی ہے۔"

"تو یہ ایسی کون سی بات ہے، تم تھانے جا کر بتا دو۔"

"ہماری پولیس اتنی آسانی سے کہاں مانتی ہے۔ تم مقامی آدمی ہو میرے ساتھ چلو گے اور ہماری ضمانت دو گے تو پولیس ان کو چھوڑ دے گی۔"

"میں..... مگر میری تو کوئی جان پہچان نہیں ہے۔"

"رائے مان سنگھ، تمہارے نوکر نے مجھے راستے میں بتایا تھا تم ریاستی اسمبلی کے مقامی ممبر تک رسائی رکھتے ہو۔"

اس نے زیر لب مادھو کو کچھ کہا۔ "اچھا میں کوشش کرتا ہوں۔"

"کوشش نہیں، کام کرو، سب سے پہلے تو تم پولیس اسٹیشن فون کرو اور ان سے کہو انہوں نے غلط لوگ پکڑ لئے ہیں۔ وہ تمہارے جاننے والے ڈاکٹر ارجن ورما کی فیملی ہے۔ اس کی بیوی، بہن اور بہنوئی۔"

"ڈاکٹر ارجن ورما کون ہے، میں اسے نہیں جانتا۔"

میں نے اس کی ناک سے ناک ملا کر کہا۔ "میں ہوں ڈاکٹر ارجن ورما اور میں تمہارے لنگوٹیے یار اشیش ورما کا بیٹا ہوں، دہلی سے تعلق ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا اور فون اٹھا کر نمبر ملایا۔ ''ہیلو..... مدھو موہن سے بات کراؤ۔ میں ٹھاکر رائے مان سنگھ بات کر رہا ہوں۔'' اس نے رعب سے کہا۔ میں بھی ریسیور سے کان لگائے ہوئے تھا۔ جلد مدھو موہن لائن پر تھا۔

''حکم ٹھاکر جی!'' اس نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''تم نے دو عورتوں اور ایک زخمی مرد کو گرفتار کیا ہے۔''

''جی ٹھاکر جی، ان کے پاس سے چوری کی گاڑی ملی ہے۔''

''تمہارا دماغ درست ہے۔'' رائے مان سنگھ غرایا۔ ''وہ میرے دوست کے بیٹے کی فیملی ہے۔ ڈاکٹر ارجن ورما کی بیوی، سالی اور اس کا شوہر۔''

''مگر ان کی گاڑی.....'' مدھو موہن نے کہنا چاہا۔

''کیا تمہارے پاس گاڑی کی چوری کی رپورٹ ہے؟''

''نہیں ٹھاکر جی!''

''احمق آدمی، کیا آدمی دوسرے کی گاڑی میں سفر نہیں کرتا ہے؟''

''معاف کرنا ٹھاکر جی، مجھے پتا نہیں تھا مگر آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''ڈاکٹر ارجن ورما میرے پاس بیٹھا ہے۔''

''ان لوگوں کے پاس کاغذات بھی نہیں ہیں۔''

میں نے اسے اشارے سے کہا کہ اس سے کہو کاغذات میرے پاس ہیں۔

''کاغذات ڈاکٹر کے پاس ہیں۔'' ٹھاکر نے کہا۔

''پر، یہ تو کہہ رہے ہیں، کاغذات جس بیگ میں تھے وہ جنگل میں گم ہو گیا ہے۔''

مدھو موہن سخت خبیث ثابت ہو رہا تھا۔ ٹھاکر کی جان پر بنی ہوئی تھی اسے معلوم تھا کہ میرے ساتھی تھانے سے نہیں چھوٹے تو اس کی خیر نہیں ہوگی اس لیے وہ پوری کوشش کر رہا تھا۔ ''لگتا ہے مجھے اوپر بات کرنا پڑے گی۔ ایس پی کون ہے ان دنوں، خیر پولیس کمشنر خود معلوم کر لے گا۔''

مدھو موہن کا حوصلہ جواب دے گیا۔ ''ٹھاکر جی، آپ خواہ مخواہ ناراج ہو رہے ہیں۔ میں تو ایسے ہی بتا رہا تھا۔''

''انسپکٹر! ہر ایک کے ساتھ ایسے ہی مت کیا کرو۔'' ٹھاکر نے غرا کر کہا۔ ''میں رائے مان سنگھ ہوں، میرے مہمانوں کو فوراً بھجوا دو۔ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ہے؟''

''نہیں ٹھاکر جی، ہم نے ان کو آرام سے رکھا ہے، ایک زخمی ہے۔''

''اسے ڈاکٹر کو دکھانا ہے، جلدی لاؤ اسے۔''

''ڈاکٹر وہ تو ارجن ورما بھی ہیں۔'' مدھو موہن کو بحث کی پیدائشی بیماری تھی۔

''الو کے پٹھے!'' اس بار ٹھاکر رائے مان سنگھ نے سچ مچ ٹھاکرانہ جلال کے ساتھ کہا۔ ''بکواس کیے جا رہا ہے۔ دوسرا ڈاکٹر ہے، علاج کرنے والا نہیں ہے۔''

''میں ابھی لایا!'' مدھو موہن نے بوکھلا کر فون بند کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھاکر نے فون رکھ کر مجھے دیکھا اور مرے ہوئے انداز میں بولا۔ ''تم نے مروا دیا ہے مجھے۔''

''ابھی تم زندہ ہو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اور بعد میں بھی زندہ رہو گے، پولیس تمہیں اس بات پر پھانسی تو چڑھانے سے رہی کہ تم نے جبر کی وجہ سے ہمارا ساتھ دیا۔ تم پولیس کمشنر سے بات کر سکتے ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلے گا، میرے ساتھی آ جائیں تو میں رخصت ہو جاؤں گا اور تم بھی اپنی زبان بند رکھنا۔''

''میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔''

''اب تم کسی اچھے ڈاکٹر کو کال کرو، میرے ساتھی کا زخم خراب ہو رہا ہے۔''

''اسے زخم کیسے آیا؟''

میں نے پستول اٹھایا۔ ''عملی طور پر بتاؤں، کیسے آیا؟''

''نہیں۔'' اس نے کہا اور فون اٹھا کر کوئی نمبر ملایا۔ ''ڈاکٹر جوشی، میں بول رہا ہوں مان سنگھ۔ ایک مریض دکھانا ہے آ جا!''

''ابے، میں تیرے باپ کا نوکر ہوں جو تو آرڈر کر رہا ہے؟''

''بکواس نہ کر، جھلی ڈاکٹر ابھی آ جا ورنہ تیری.....'' ٹھاکر نے اسے گالی دی۔ لگ رہا تھا وہ بے تکلف دوست ہیں۔ فون رکھ کر ٹھاکر نے خفگی سے کہا۔ ''یہ کیا تم مجھ سے چپک جاتے ہو؟''

میں ہنسا۔ ''حالانکہ تمہاری عمر ایسی نہیں ہے۔''

پولیس مع میری جیپ اور ساتھیوں کے دس منٹ میں آ گئے۔ پورچ میں ٹھاکر اور میں نے ان کا استقبال کیا۔ میرا ہاتھ جیب میں پستول پر تھا اور میں نے ٹھاکر پر واضح کر دیا تھا کہ پولیس کو دیکھ کر وہ جذباتی ہو کر خودکشی کرنا چاہے تو اس کی مرضی۔ میں اپنے ساتھیوں کو پھر بھی لے کر نکل جاؤں گا۔ اس لئے ٹھاکر نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔

''تم لوگ ٹھیک ہو؟'' میں نے سومترا اور آشا سے پوچھا۔ ''انہوں نے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟''

''نہیں۔'' سومترا بولی۔ ''مگر کمار کی طبیعت خراب ہے۔''

''فکر مت کرو ٹھاکر انکل نے ڈاکٹر بلا لیا ہے۔''

دو پولیس والے کمار کو اتار کر اندر لے گئے۔ مدھو موہن ایک پکا پولیس والا تھا۔ کرخت اور سفاک نقوش کے ساتھ اس کی آنکھوں میں بے حسی تھی۔ اگر یہ لوگ لاوارث ہوتے تو وہ اب تک ان کے ساتھ نہ جانے کیا کر چکا ہوتا۔ اس نے جانے سے پہلے ٹھاکر سے معافی چاہی اور مجھے غور سے دیکھتا ہوا رخصت ہوا تھا۔ مجھے لگا کر ہمارے بارے میں اس کا شک دور نہیں ہوا تھا۔ اس کے جاتے ہی ڈاکٹر آ گیا۔ ''بڈھے! ٹو فارغ ہے..... میں تو کام کا آدمی ہوں۔'' اس نے ٹھاکر سے کہا حالانکہ وہ خود سفید بالوں اور نحیف جسم کا آدمی تھا، کم سے کم ستر برس کا۔

''ابے جا، کام کا آدمی ہوتا تو تیری پتنی چھوڑ کر جاتی۔''

''وہ پرلوک سدھاری ہے۔ چھوڑ کر نہیں گئی ہے۔''

''ایک ہی بات ہے، جب پتی کام کا نہ رہے تو پتنی پرلوک ہی سدھارتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''انکل، پہلے کمار کو دکھا دیں اس کے بعد آپ گپ شپ کرتے رہئے گا۔''

بادلِ ناخواستہ ڈاکٹر جوشی نے کمار کا معائنہ کیا، اس پر غشی طاری تھی اور بخار خاصا تیز ہو گیا تھا۔ اس کا زخم خراب ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر جوشی نے سب سے پہلے زخم صاف کیا اس پر ٹانکے لگائے اور خشک کرنے والا پاؤڈر چھڑک کر اوپر سے چکنی پٹی ٹیپ کی مدد سے کر دی۔ پھر اس نے کمار کو دو عدد انجکشن لگائے اور دوائیاں لکھنے لگا۔ میں نے اسے اپنی خریدی دوائیاں دکھائیں۔ اس نے کہا۔ ''یہ ٹھیک ہیں۔ دو گولیاں یہ چھ چھ گھنٹے بعد جب تک بخار نہیں اتر جاتا اور اس پتے سے ایک ایک گولی دن میں تین بار جب تک گھاؤ بھر نہیں جاتا۔''

''اس نے کچھ کھایا نہیں ہے۔''

''اسے دودھ، سوپ اور جوس دو..... ٹھوس بھوجن ابھی نہیں۔''

''شکریہ، ڈاکٹر صاحب! آپ کی فیس!'' میں نے پوچھا۔

''وہ میں اس بڈھے سے لے لوں گا، ابھی تو جلدی ہے، وہاں کلینک میں دس بارہ لوگ میری جان کو رو رہے ہوں گے۔''

ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں نے آشا کی مدد سے کمار کو دودھ پلایا۔ پھر سومترا سے رُوداد سنی۔

''وسیم اور بیتو، جنگل کی طرف گئے تھے، جڑی بوٹیاں دیکھنے کہ پیچھے سے پولیس والے آ گئے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں تھا اس لئے ہمیں پکڑ کر لے آئے۔''

''تم نے اچھا کیا وہی بتایا جو میں نے پہلی پولیس پارٹی کو بتایا اس وجہ سے آسانی سے جان چھوٹ گئی مگر وسیم اور بیتو کہاں گئے؟''

''میرا خیال ہے، انہوں نے دور سے پولیس کو دیکھ لیا تھا۔'' سومترا بولی۔ ''اس لئے وہ سامنے نہیں آئے۔''

ٹھاکر ذرا دور تھا اور غالباً کان لگا کر ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اور اسلحہ، کیا وہ بھی جیپ میں ہے؟''

''ہاں، بیتو اور وسیم اپنی رائفلیں لے گئے تھے مگر تمہاری اور کمار کی رائفلیں عقبی سیٹ کے نیچے رکھی ہیں، وہ تو پولیس نے تلاشی نہیں لی ورنہ ہم مارے جاتے۔ یہ کون ہے؟'' اس نے ٹھاکر کی طرف اشارہ کیا۔

''اس گھر کا مالک ٹھاکر رائے مان سنگھ، فی الحال اس کے زبردستی کے مہمان ہیں۔''

آشا نے کمار کو زبردستی ایک گلاس دودھ دے کر دوائی بھی کھلا دی۔ ہم نے اسے اندر کمرے میں لٹا دیا۔ گھر کے اندر سردی زیادہ نہیں تھی پھر بھی کمار کو کمبل اوڑھا دیا۔ مجھے وسیم اور بیتو کی فکر تھی۔ وہ مسلح تھے اور بھٹک رہے تھے، پولیس کے ہتھے چڑھ جاتے۔ میرا اپنا یہ حال تھا کہ میں پٹ سے گر کر جھٹ سو جانا چاہتا تھا مگر ابھی سونے کا موقع نہیں تھا۔

''تمہیں پستول استعمال کرنا آتا ہے؟'' میں نے سومترا سے پوچھا۔

''میرا نشانہ دیکھو۔ سر پر اخروٹ رکھ کر اڑا سکتی ہوں۔''

''مجھے یقین ہے۔ اندر اسٹور روم میں ایک ملازم قید ہے اسے نکالو اور اس سے کھانا بنواؤ۔ مگر دھیان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھنا، زہر نہ ملا دے۔"

"تم فکر مت کرو۔ تم ان دونوں کو تلاش کرنے جا رہے ہو؟" سومترا بولی۔

"ہاں، اپنے ٹھاکر صاحب کے ساتھ۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" رائے مان سنگھ نے سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔

"کیسے نہیں جاؤ گے۔" میں نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھایا۔

"دیکھو، تم نے کہا تھا جب تمہارے ساتھی آ جائیں گے تو تم چلے جاؤ گے۔"

"ابھی میرے دو ساتھی باقی ہیں۔ پولیس سے ڈر کر وہ جنگل میں چھپ گئے تھے، ان کو تلاش کرنا ہے، چلو میرے ساتھ۔"

بادل ناخواستہ وہ میرے ساتھ باہر آیا۔ میں نے جیپ کھول کر عقبی نشست تلے رکھے اسلحے میں سے ایک ماؤزر پستول نکال کر اپنی جیکٹ میں رکھ لیا۔ ٹھاکر میری کارروائی نہیں دیکھ سکا تھا۔ پورچ میں اس کی شاندار شیورلیٹ کھڑی تھی۔ یہ کم سے کم تیس سال پرانی گاڑی تھی مگر آج بھی ایسی حالت میں تھی جیسے شوروم سے نکالی ہو۔ ہر چیز چمک رہی تھی، میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ "تم اسے استعمال بھی کرتے ہو یا جب سے لی ہے، اسے کھڑا ہی رکھا ہے؟"

"میں اسے چلاتا ہوں۔" وہ خفگی سے بولا۔ "مگر احتیاط سے۔"

"کچھ زیادہ ہی احتیاط کرتے ہو، بہرحال ہمیں مغرب کی طرف جانا ہے۔"

ٹھاکر نے ڈرائیونگ شروع کی، میں اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے ماؤزر کی جھلک بھی دکھائی تھی جواب میں وہ کڑک مرغی کی طرح کڑکڑایا تھا۔ "بار بار اسے دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے یاد ہے تمہارے پاس پستول ہے۔"

"ایسا کرنا تمہاری اپنی صحت کی بہتری کے لئے ضروری ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

ٹھاکر نے اپنی شیورلیٹ واقعی سنبھال کر رکھی تھی۔ اس کے سبک خرام انجن سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آ رہی تھی اور کار سڑک پر پانی کی طرح رواں تھی۔ میں نے تعریف کی تو بڈھا ٹھاکر کھل اٹھا تھا۔ "پدمنی ابھی بھی جوان ہے۔"

"پدمنی کون؟..... تمہاری پتنی! مگر تم تو دھوا ہو، میرا مطلب ہے.....؟"

"میں اسے پیار سے پدمنی کہتا ہوں۔" اس نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس نے سرد آہ بھری۔ "رہی اصل پتنی تو وہ اس کی طرح اشاروں پر چلنے والی تھوڑی تھی۔ میرے نصیب میں ایک اڑیل اور بدمزاج گائے لکھ دی گئی تھی۔ بھگوان نے بڑی کرپا کی، اسے بیس سال پہلے اوپر بلا لیا۔"

"افسوس ہوا یہ سن کر۔"

"افسوس تو مجھے بھی ہوا تھا اگر شادی کے فوراً بعد چل بستی تو میرے بیس کے بجائے چالیس برس سکھ سے گزرتے۔" ٹھاکر نے ایک اور سرد آہ بھری اور کار کو مغرب کی طرف ہائی وے پر موڑ دیا۔

"تمہارے ساتھی کہاں رہ گئے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پتا نہیں، جہاں میں ان کو جیپ سمیت چھوڑ کر آیا تھا، وہاں ہوں گے، پولیس کو دیکھ کر چھپ گئے ہوں گے۔''

''تم لوگ پولیس سے چھپتے پھر رہے ہو..... کیوں؟''

''ہم ڈاکو ہیں۔'' مجھے مذاق سوجھنے لگا۔ ''مگر ان دنوں تفریح کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔''

''ڈاکو۔'' اس نے ڈر کر کہا۔ ''مجھے تم لوگ ڈاکو نہیں لگتے۔''

''تو پھر کیا لگتے ہیں، بزنس مین؟''

''مجھے لگتا ہے تم لوگ کسی مصیبت میں ہو۔''

''درست کہا تم نے..... تم نے مصیبت بھی دیکھ لی ہوگی۔ تمہاری تو بیس سال پہلے گلوخلاصی ہوگئی تھی۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''تمہاری پتنی..... بہت سندر لڑکی ہے۔''

''یہ گلاب ہاتھ میں لینے والے کو پتا ہوتا ہے کہ اس میں کانٹے کہاں ہیں۔''

''ٹھیک کہا، وہ بھی کچھ کم نہیں تھی۔ ہم صورت دیکھ کر مرمٹے تھے۔ من کا تو بعد میں پتا چلا۔''

''عام طور سے ایسا ہی ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس جگہ کار روک لو۔''

ہم نیچے آئے۔ میں اسی جگہ جیپ چھوڑ کر گیا تھا۔ پولیس ان کو یہیں سے لے گئی تھی۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ اگر وسیم اور بیتو کہیں چھپے ہوئے تھے تو مجھے دیکھ کر باہر آجاتے۔ پھر بھی میں نے چلا کر ان کو آواز دی۔ ''وسیم..... بیتو۔''

''ہم یہاں ہیں جناب!'' ایک نزدیکی جھاڑی سے وسیم نے جھانکا، اس کے ساتھ بیتو بھی تھا۔

''تم دونوں یہاں چھپے رہے اور پولیس والے ان کو لے گئے؟'' میں نے برہمی سے کہا۔

''سوری شہباز صاحب! دراصل ہم بوٹی کی تلاش میں دور چلے گئے تھے اور جب تک آتے پولیس ان کو لے کر روانہ ہوگئی تھی، ہم کچھ کر ہی نہیں سکے تھے۔''

''وہ تو شکر ہے، یہ ٹھاکر جی مل گئے اور ان کی کرپا سے پولیس نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔''

''وہ سب اور جیپ کہاں ہے؟'' وسیم نے شیورلیٹ کا معائنہ کیا۔ ''گاڑی تو یہ بھی اچھی ہے۔''

خودکار رائفلوں کے نظارے نے ٹھاکر ہوش اڑا دیئے۔ اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ ''دیکھو، یہ میری پرانی گاڑی ہے۔''

''ٹھاکر جی کی محبوبہ! تبھی سنبھال کر رکھا ہے پدمنی جی کو۔'' میں نے تعارف کرایا۔ ''ورنہ پتنی تو یہ خاصا پہلے گنگا میں بہا چکے ہیں۔''

''اب چلو جی!'' ٹھاکر جی خوف زدہ تھے۔ ''پولیس آگئی تو تمہارے ساتھ مجھے بھی لے جائے گی۔''

ہم شیورلیٹ میں بیٹھ گئے۔ ''کمار کی حالت اب کیسی ہے؟''

''اسے ڈاکٹر نے دیکھ لیا ہے اور مرہم پٹی بھی کر دی ہے۔'' میں نے بتایا۔

''میں تو بھوک سے مرنے والا ہوں جی!'' بیتو نے فریاد کی۔

''اور میں بھی۔'' وسیم نے اس کی تائید کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فکر مت کرو ٹھاکر جی کے رسوئیے کم ملازم نے کھانا تیار رکھا ہوگا۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔

جب ہم ٹھاکر جی کے گھر پہنچے تو میز پر کھانا لگا تھا۔ میں ناشتے سے پیٹ بھر چکا تھا اس لئے میں نے وسیم کو چارج دیا۔ ''میں سونے جا رہا ہوں۔ ٹھاکر جی اور مادھو پر پوری نظر رکھنا۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ میں ان دونوں کی بجا کر رکھ دوں گا اگر انہوں نے کوئی غلط حرکت کی تو.....''

کمار کو جو کمرا دیا تھا وہ خاصا بڑا تھا، اس میں فرش پر دبیز قالین تھے جن کے ساتھ تکیے اور گاؤ تکیے بھی تھے۔ میں نے ایک طرف رکھا کمبل اوڑھا اور سو گیا۔ چوبیس گھنٹے سے زیادہ کی دربدری، بھاگ دوڑ اور کسی قدر مار دھاڑ نے مجھے ذہنی اور جسمانی طور پر خالی کر دیا تھا۔ میں لیٹتے ہی بے خبر ہو گیا تھا۔ جب میری آنکھ کھلی تو رات کے گیارہ بج رہے تھے اور میں دس گھنٹے سوتا رہا تھا۔ کمار اپنی جگہ پر نہیں تھا اس کی جگہ بیتو سو رہا تھا۔ نشست گاہ کی طرف سے شور کی آواز آ رہی تھی۔ ان میں نمایاں آواز ٹھاکر جی کی تھی جو کسی دھاندلی پر واویلا کر رہے تھے۔

''لڑکیو، یہ بے ایمانی ہے، کیوں بے مادھو۔''

''جی مالک، درست کہا آپ نے۔''

''مادھو.....لگتا ہے تم مرنا چاہتے ہو۔'' آشا نے خوں خوار لہجے میں کہا۔

''ارے.....دیوی جی، ہم مر جائیں گے۔'' مادھو نے فریاد کی۔

میں نے پردے سے جھانک کر دیکھا۔ میز پر لوڈو کی بازی جمی تھی۔ سومترا اور سادھنا دھاندلی کر رہی تھیں اور مل کر ٹھاکر کو مار رہی تھیں یا ٹھاکر جی سے ہار برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ سادھنا نے مادھو کے سر پر پستول کی نال رکھ دی تھی۔ اس نے فریادی نظروں سے ٹھاکر کی طرف دیکھا۔

''آپ کے لیے.....مرنے سے تو رہا۔''

وسیم ایک طرف صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا مگر مجھے معلوم تھا وہ پوری طرح ہوشیار تھا۔ میں اندر داخل ہوا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''ڈاکٹر ورما!'' ٹھاکر نے شکایتی لہجے میں کہا۔ ''یہ بے ایمان ہیں۔ ابھی میں ان کی گوٹ پیٹ کر گھر پہنچاتا ہوں اور کچھ دیر بعد باہر نظر آتی ہے۔''

''جی نہیں۔'' سومترا ڈھٹائی سے بولی۔ ''ہم نے کوئی دھاندلی نہیں کی۔ اصل میں بڑھاپے کی وجہ سے ٹھاکر جی کی یادداشت بھی کمزور ہو گئی ہے۔''

''کس نے کہا میں بوڑھا ہوں؟'' ٹھاکر چمک کر بولا۔

''کسی نے بھی نہیں۔'' اس بار آشا معصومیت سے بولی۔ ''یہ بال تو آپ کے بس ایسے ہی سفید ہو گئے ہیں شاید زکام سے۔''

''ہاں، یہی بات ہے۔'' ٹھاکر نے اپنی انا بلند رکھی۔

''کمار کہاں ہے؟'' میں نے ہنستے ہوئے وسیم سے پوچھا۔

''اس کمرے میں ہے، کسی سے فون پر بات کر رہا ہے۔'' ٹھاکر جی نے برابر والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ چھوٹا سا کمرا تھا اور کمار ایک کرسی پر بیٹھا کسی سے اپنی زبان میں بات کر رہا تھا۔ میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ پریشان ہے اور جس سے بات کر رہا ہے، اس نے کمار کو کوئی اچھی خبر نہیں سنائی تھی، آخر اس نے فون رکھا۔

''کمار، کیا بات ہے..... تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''میری طبیعت ٹھیک ہے لیکن میرے قبیلے کے ساتھ بہت انیائے ہوا ہے۔ فوج نے قتلِ عام کے بعد پوری زیرِ زمین وادی کو دھماکوں سے تباہ کر دیا ہے۔''

مجھے افسوس ہوا تھا۔ ''یہ تو بہت برا ہوا، اس کا مطلب ہے اندر موجود کوئی فرد نہیں بچا ہوگا؟''

اس نے مغموم انداز میں سر ہلایا۔ ''میرے قبیلے کے بیشتر لوگ مارے جا چکے ہیں۔''

''ممکن ہے فوج نے ان کو قید کر لیا ہو؟ ویسے تمہیں اطلاع کس نے دی ہے؟''

''میرے رابطے ہیں کچھ۔ میرے آدمی بچ جانے والوں کو اکٹھا کر رہے ہیں۔''

''راج اور جتیندر کی غداری کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں راج کی جاگیر پر قبضہ کر کے وہاں اپنے بچ جانے والے لوگوں کو بساؤں گا۔''

''تم راج کی جاگیر پر کیسے قبضہ کرو گے؟''

''یہ میں بعد میں دیکھوں گا۔'' کمار کا غم و غصے سے برا حال تھا اور اس کا غصہ جائز تھا۔ اس کے قبیلے اور اس کے خاندان کو ایک ناکردہ گناہ کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ میں اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا رہا۔ ''کمار..... ڈاکٹر دوبارہ آیا تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس نے مرہم پٹی کر دی تھی۔ زخم کی حالت بہتر ہوئی ہے۔ میرا بخار بھی اتر گیا ہے۔''

''تم نے کچھ کھایا ہے؟''

''میرا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔''

''کمار، جلد صحت یاب ہونے کے لئے کھانا پینا لازمی ہے، آؤ میرے ساتھ۔''

ہم نشست گاہ میں آئے۔ میں نے مادھو سے کہا۔ ''کھانے میں کیا ہے، فٹافٹ لے آؤ، ہمارے فوت ہونے سے پہلے۔''

''ابھی لایا جی!'' مادھو مستعدی سے اٹھا اور وسیم بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا، اس نے اب تک ان کی پوری نگرانی رکھی تھی۔ ٹھاکر نے لوڈو کا ڈبا پھینک دیا۔

''بس میں تھک گیا ہوں۔''

''تم جا کر سو جاؤ۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

''ایسے میں نیند کیسے آئے جب یہ دھڑکا ہو، آنکھ لگی تو ہمیشہ کے لئے نہ سو جاؤں۔''

''رائے مان سنگھ، حوصلہ رکھو۔ آدمی کو اتنا بزدل بھی نہیں ہونا چاہئے۔ تم تو راجپوت ہو۔ دوسرے ہم یہ نہیں کہ دوسروں کو بلاوجہ قتل کریں۔ کل صبح تک ہم تمہارے گھر سے چلے جائیں گے۔ اور تم سوفی صدا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلامت ہو گے بشرطیکہ مرنے کے لئے خود کوئی حماقت نہ کرو۔"

ٹھاکر سر ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "ٹھیک ہے، میں تم پر بھروسا کر کے سونے جا رہا ہوں۔"

مادھو ٹرالی میں کھانا لے آیا۔ اس میں سبزی بھاجی تھی۔ پوریاں، آلو بھرے پراٹھے اور سادہ دال چاول تھے۔ سب کچھ مزے کا تھا اس کا مطلب مادھو اچھا رسوئیا (باورچی) تھا۔ میں نے مادھو کو سامنے بٹھا کر وہیم کو سونے کے لئے بھیج دیا۔ سومترا اور آشا کمبل لے کر صوفوں پر ہی لیٹ گئی تھیں۔ کمار کے لئے سبزیوں کا سوپ، دودھ اور دلیا تھا اس نے تھوڑا بہت کھایا اور پھر دوائیں لے کر سونے کے لئے چلا گیا۔

"مادھو جی، تمہیں نیند..... آ رہی ہو گی۔"

"جی مالک، میں اپنے کوارٹر میں جاؤں جی!"

"نہیں مادھو، آج رات تمہیں ذرا تکلیف برداشت کرنا ہو گی۔ تم اسٹور میں رہو گے۔"

مادھو نے احتجاج کیا تھا مگر میں نے اسے اسٹور میں بند کر دیا۔ اس جگہ دریاں اور پرانی رضائیاں پڑی تھیں اس لئے وہ چاہتا تو سکون سے سو سکتا تھا۔ میں نے ٹھاکر کے کمرے میں جھانکا۔ وہ بستر پر ساکت لیٹا تھا نہ جانے جاگ رہا تھا یا سو رہا تھا۔ میں نشست گاہ میں آیا۔ سومترا جس صوفے پر سو رہی تھی، اس کے پیر والی سمت اس نے اپنا بریف کیس رکھا تھا اور اوپر کمبل ڈال دیا تھا۔ اس میں خاصی بڑی دولت تھی مگر کمار کے عزائم سے لگ رہا تھا، یہ دولت زیادہ دیر سومترا اور راج کے قبضے میں نہیں رہے گی اگر وہ بچ گیا ہو۔ میں نے آہستہ سے آشا کو بلایا۔ وہ جاگی، اس کی پُرخمار آنکھوں میں حیرانی نظر آئی تھی۔ "کیا بات ہے؟"

"شش..... آہستہ بولو..... اور میرے ساتھ آؤ، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

اس نے اٹھ کر اپنے بکھرے بال سمیٹے، اس دوران میں، میں نے ٹھاکر کے کمرے کے باہر سے کنڈی لگائی اور ہم کچن میں آئے۔ میں نے چائے کے لئے پانی رکھا اور آشا کی طرف دیکھا۔ "مس آشا! تم نے اب تک واپس جانے کی کوشش کیوں نہیں کی اور نہ ہی تم نے ایسا کوئی ارادہ ظاہر کیا ہے۔"

"میں واپس نہیں جانا چاہتی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اور آشا میرا پیار کا نام ہے میرا اصل نام سادھنا کنور ہے۔"

شروع میں، میں اسے اپنی عمر کے حساب سے کم عقل سمجھتا تھا۔ مگر بعد میں اس نے مشکل مراحل میں پختگی اور ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا۔

"کیوں۔" میں نے کھول جانے والے پانی میں پتی ڈالی۔

"میں نے ان چند دنوں میں جو دیکھا ہے اس کے بعد مجھے اپنے بھائیوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ وہ ہزاروں بے گناہ لوگوں کے قاتل ہیں۔"

"مگر تمہارے دوسرے رشتے دار ماں، باپ، بہن بھائی۔"

"کوئی نہیں ہے۔ ماتا پتا کو گزرے کئی سال ہو گئے ہیں اور میں ایک ہی بہن ہوں، میرے غائب ہونے سے وہ خوش ہوں گے کہ اب میرا حصہ نہیں دینا پڑے گا جائیداد میں سے۔" اس نے تلخی سے کہا۔

میں نے چائے دو کپوں میں ڈالی۔ "بس یہی وجہ ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں۔'' وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچائی۔ ''ایک وجہ اور ہے۔''

اس لمحے سومترا کچن میں آئی، وہ سادھنا کو گھور رہی تھی۔ ''اچھا تو یہ چڑیل..... کنوروں کی بہن ہے۔''

''سنو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' وہ بدحواس ہوگئی۔

''ہمارے لوگوں کی قاتل اور ہمارے ساتھ!'' سومترا کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔ ''تُو اب تک ہمیں دھوکا دیتی آئی ہے۔ میں ابھی کمار کو تمہاری اصلیت بتاتی ہوں۔ پھر تم دیکھنا وہ تمہیں اپنے ہاتھ سے گولی مارے گا۔''

''اتنی جلدی کیا ہے مس سومترا!'' میں نے سینے پر ہاتھ باندھے۔ ''راج کو آنے دو، ایک ساتھ ہی تینوں گولی ماریں گے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''مطلب یہ مس سومترا کہ یہ اتنی قصوروار نہیں ہے۔ قبائلیوں کے قتلِ عام کے بڑے مجرم تم دونوں؛ بھائی ہو جنہوں نے بھارتی فوج کو وادی میں آنے کا راستہ دیا تھا۔ سادھنا نے ازخود ایسا کوئی کام نہیں کیا، کنوروں کی بہن ضرور ہے مگر ان کے گھناؤنے جرائم میں شامل نہیں ہے۔ ذرا اپنے گریبان میں جھانکو۔ اگر خواتین کو یہ مشورہ نہیں دینا چاہئے مگر تمہارے لئے یہ مشورہ درست ہے۔ تم اور راج لاما اپنی قوم کے ہزاروں گناہوں کے قتلِ عام کے ذمے دار ہو اور تمہیں اس کی سزا ملے گی۔''

سومترا کا منہ فق ہوگیا تھا۔ ''میں..... میں نے کچھ نہیں کیا ہے، مجھے کس بات کی سزا ملے گی؟''

''اب تم ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ بتاؤ کہ بھارتی فوج کو کس نے دعوت دی تھی؟''

''راجا جتیندر نے۔''

''خوب..... اپنے بھائی کے منہ سے اعترافِ جرم سن کر بھی تم منکر ہو۔ آخر وہ کس بات پر شرمندہ تھا مجھے یقین ہے وہ اندر سے ذرا بھی شرمندہ نہیں تھا بلکہ اس نے کسی خاص مقصد کے لئے وادی میں رکنا قبول تھا۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے بتا دوں، بھارتی فوج نے زیرِ زمین بستی دھاکوں سے تباہ کر دی ہے اور اس؛ موجود ایک فرد بھی زندہ نہیں بچا ہے۔''

''نہیں۔'' سومترا کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔ ''بکواس کرتے ہو تم۔''

''تم کمار سے پوچھ لو، وہ تمہیں بتائے گا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''مس سومترا، اکثر ایسا ہوتا ہے۔ انسان کسی اور کے لئے جو گڑھا کھودتا ہے اس میں خود گر جاتا ہے۔''

سومترا کچھ دیر مجھے گھورتی رہی، پھر پلٹ کر چلی گئی۔ میں نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ ''کیا خیال۔ اب یہ کمار کو بتائے گی؟''

''پتا نہیں، مگر مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''فکر مت کرو، میں نے تمہیں پستول دیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟''

''وہ تو..... وہیں رکھا ہے۔'' اس نے ہکلا کر کہا۔

''مروا دیا۔'' میں کپ رکھ کر دوڑا۔ ''ابھی کسی کے ہاتھ لگ گیا تو''

نشست گاہ میں مجھے پستول کہیں نظر نہیں آیا۔ سادھنا پیچھے آئی تھی۔ ''میں نے یہاں رکھا تھا۔'' اس،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میز کی طرف اشارہ کیا۔ ''ٹھاکر کے جانے کے بعد۔''

پستول وہاں نہیں تھا، سومترا دوسری طرف منہ کر کے لیٹی تھی، میں نے اسے ہلایا۔ ''پستول کہاں ہے؟''

''کون سا پستول؟''

''جو یہاں رکھا تھا۔'' میں نے میز کی طرف اشارہ کیا۔

''میں نے نہیں دیکھا۔''

''وہ تمہارے پاس ہے۔'' میں نے دانت پیسے۔

''ہے تو نکال لو۔'' وہ چیلنج دینے کے انداز میں بولی۔

میں نے ایک جھٹکے سے کمبل اس پر سے ہٹا دیا اور دوسرے جھٹکے سے اسے کھڑا کر دیا۔ اس کے لیے یہ طرز عمل غیر متوقع تھا۔ ''ذلیل..... وحشی!'' وہ کراہی۔

''مجھے تم پر ذرا ترس نہیں آئے گا۔'' میں نے کہا۔ ''سادھنا اس کی تلاشی لو۔''

''خبردار، جو اس نے مجھے ہاتھ لگایا، تم خود تلاشی لے لو۔''

میں نے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے جکڑ لئے اور سادھنا سے کہا۔ ''اب اس کی تلاشی لو۔''

سومترا نے گالیاں دیں اور ٹانگیں چلائیں تو میں نے ایک پاؤں سے اس کی ٹانگیں بھی دبا لیں مگر اس کا منہ بند کر سکتا تھا جو گالیاں اگل رہا تھا۔ غیر متوقع طور پر سادھنا نے اسے تھپڑ رسید کیا۔

''چپ کر، کتیا کی طرح بھونکے جا رہی ہو۔'' سادھنا نے کہا تو سومترا دم بخود رہ گئی۔ سادھنا نے اس کی تلاشی لینا شروع کی اور ایک ممنوعہ مقام سے پستول برآمد کر لیا۔ سومترا ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔ اس بار اس کی گالیوں کے شور سے وسیم اور کمار دونوں اٹھ کر آ گئے۔ کمار نے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

میں نے سومترا کو چھوڑ دیا۔ وہ چیخ کر بولی۔ ''مجھ سے کیا پوچھتے ہو، اپنی اس چہیتی سے پوچھو جو کنور کی بہن بنی ہوئی ہے۔''

''کنور کی بہن!'' کمار نے غور کیا۔ ''تم کس کی بات کر رہی ہو؟''

''اس کی۔'' سومترا نے ڈرامائی انداز میں سادھنا کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ راج کنور کی بہن ہے۔''

کمار نے بے یقینی سے سادھنا کی طرف دیکھا جو سر جھکائے ہونٹوں کو کاٹ رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کمار کی آنکھوں میں غیظ و غضب کے بجائے ایک شکایت تھی اور اس قسم کی شکایت آدمی صرف اپنوں سے کرتا ہے۔ ''سادھنا، یہ ٹھیک ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کمار، تمہیں سومترا کی بات پر یقین ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' کمار چیخ کر بولا۔ ''مگر یہ کیوں خاموش کھڑی ہے؟''

''اس لئے کہ یہ ٹھیک کہہ رہی ہے، میں راج کنور کی بہن ہوں۔'' سادھنا نے اعتراف کر لیا۔

''تم..... ذلیل عورت!'' کمار چلایا اور اس نے پستول نکال لیا تھا۔ سادھنا جلدی سے میرے پیچھے ہو گئی سومترا فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

''کمار، ہوش میں آؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ہٹ جاؤ۔ میں اسے ماردوں گا۔'' کمار بولا، وہ پستول لہرا رہا تھا۔ ''اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔''

''تمہیں اس نے نہیں، میں نے دھوکا دیا ہے۔'' میں نے ایک قدم آگے آ کر کہا۔ ''گولی مارنی ہے تو مجھے مارو۔''

کمار کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''ہاں، میں جانتا ہوں..... شروع سے..... کہ یہ کنوروں کی بہن ہے۔''

''تت..... تم نے کبھی مجھے بتایا.....''

''تمہارا کیا خیال ہے، میں نے راج کنور جیسے خبیث شخص کی بہن کو کیوں تحفظ دیا، اس کی شناخت کو تم سے کیوں چھپایا تھا؟''

''میں..... میرا خیال ہے تم اسے بچانا چاہتے تھے۔''

''میں اسے اب بھی بچاؤں گا۔ یہ لڑکی میری پناہ میں ہے اور جب تک میں زندہ ہوں کوئی اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔'' میں نے کہتے ہوئے کمار سے پستول چھین لیا۔

''تم اسے کیوں بچا رہے ہو؟'' کمار کا غصہ سرد ہونے لگا تھا۔

''پہلے تم خود سے پوچھو، تم مجھ سے یہ سوال کرنے کے اہل ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا، وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس کے شانے ڈھلک گئے۔

''تم میرے..... ہم سب کے محسن ہو..... میں تمہارے سامنے نہیں کھڑا ہو سکتا۔''

''مسٹر کمار! تم ایک بے گناہ لڑکی کے بارے میں صرف اتنا جان کر مشتعل ہو گئے کہ وہ تمہارے دشمن کی بہن ہے۔ اس عورت اور اس کے بھائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے تو وہ کام کیا ہے جو غدار ہی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے تمہارے پاس کیا سزا ہے؟''

کمار تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر آ بیٹھا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو شہباز! میں ان غداروں کو تو سزا دے نہیں سکا، کیونکہ میں خود ان کی مدد سے فرار ہوا تھا۔''

''میں نے کبھی اپنے بھائیوں کی حمایت نہیں کی۔'' سادھنا اس کے پاس آئی۔ ''جب میں نے بے گناہ لوگوں کو مرتے دیکھا تو میری آنکھیں کھلیں، مجھے اپنے بھائیوں سے نفرت ہو گئی ہے۔''

''اب تو تم یہی کہو گی۔'' سوتترا نے طنز کیا۔

سادھنا نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ ''تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔ تمہیں اپنی غداری کا حساب دینا ہے کمار کو۔ اس نے اگر مجھے گولی بھی ماردی تو میں سمجھوں گی اپنے بھائیوں کے کئے کا کفارہ ادا کیا ہے۔''

''کمار، میں سادھنا کو کل سے دیکھتا آیا ہوں۔ یہ بالکل مختلف لڑکی ہے۔ یہ ہمارے ساتھ ہے ورنہ اس کے لئے فرار تو کبھی مشکل نہیں رہا تھا۔ تم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ راج کنور کی بہن ہے، اس پر پہرا نہیں تھا۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''تم جا کر آرام کرو۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''فی الحال ان ساری سوچوں کو ذہن سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھٹکے دو جو تمہارے اندر انتشار پیدا کر رہی ہیں۔ آنے والے وقت میں سب تمہارے سامنے آ جائے گا۔"

کمار نے سر ہلایا اور اندر چلا گیا۔ سومترا اور سادھنا بھی سونے کے لئے لیٹ گئیں۔ البتہ وسیم جاگتا رہا تھا۔ میں اسے لے کر کچن میں آیا۔ "شہباز صاحب! ہم پھنستے جا رہے ہیں۔" اس نے بلا تمہید کہا۔ "کل جب ٹھاکر ہمارے خلاف رپورٹ کرائے گا تو پولیس ہمارے پیچھے لگ جائے گی۔"

"یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے۔" میں نے ایک بار پھر پانی چولھے پر رکھا۔

"ہمیں جلد از جلد اس ملک سے نکل جانا چاہئے۔"

"کرنا تو یہی چاہئے مگر فی الحال ہم بے بس ہیں۔"

"اس طرح تو ہم سرحد سے دور ہوتے جائیں گے۔"

"یہ سچ ہے۔" میں نے کافی کا ڈبا نکالا۔

کافی تیار کر کے میں نے مگوں میں نکالی۔ ٹھاکر کے پاس بہت اچھے درجے کے کافی مگ تھے۔ کچن میں ہی میز پر گزشتہ دن کا اخبار پڑا تھا۔ یہ ٹائمز آف انڈیا تھا۔ میں نے اس کی سرخیاں دیکھیں اور پھر وسیم کو متوجہ کیا۔

"یار، یہ کیا چکر ہے سرحدوں پر فوج جمع ہو رہی ہے۔"

خبر کے مطابق پاک بھارت کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی اب فوجی اجتماع میں بدل رہی تھی اور دونوں جانب سے سرحد پر بھاری پیمانے پر فوجی نقل و حرکت جاری تھی۔ وسیم پریشان ہو گیا تھا۔

"اب ہم کیسے جائیں گے؟"

"یہ اچھا ہوا کہ ہم سرحد سے دور ہیں ورنہ تم سوچ سکتے ہو، ان حالات میں پکڑے جانے پر ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟"

"شہباز صاحب، آپ نے نہیں بتایا، آپ کیسے یہاں تک آئے؟"

میں نے اسے اپنی داستان سنانی شروع کی۔ جب میں اس حصے تک پہنچا جب شکیل نے موت کو گلے لگایا تھا تو میری زبان لڑکھڑانے لگی۔ میں جانتا تھا شکیل وسیم کا ماتحت ہی نہیں، اس کا دوست بھی تھا اور سونیا کی وجہ سے ان میں ایک اور رشتہ قائم ہونے والا تھا۔ وسیم نے غور سے مجھے دیکھا۔

"کیا بات ہے شہباز صاحب! آپ چپ کیوں ہو گئے؟"

میں نے آہستہ آہستہ اسے شکیل کی موت کے بارے میں بتایا، اسے شاک لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ "میرے خدا! شکیل اب اس دنیا میں نہیں ہے؟"

"مجھے افسوس ہے۔ مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ ڈیوڈ شانے اس پر کوئی حربہ آزمایا ہے۔ وہ شیطان صفت آدمی ہے۔ شکیل جیسا مضبوط شخص بھی اس کے سامنے جھک گیا۔"

"راجا صاحب کا کیا ردعمل تھا؟"

"وہ بھی سمجھ گئے، ان کی ہدایت پر شکیل کو فوری طور پر اسپتال منتقل کیا گیا تھا مگر وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس وقت سونیا اس کے پاس تھی جب اس نے دم توڑا۔"

وسیم خود پر قابو پانے لگا۔ اس نے آنسو صاف کئے۔ "پھر کیا ہوا، شہباز صاحب!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے ذرا تفصیل سے بتایا کہ میں کس طرح انڈیا پہنچا۔ لال حویلی کی تباہی اور شاہ نواز اور جامی شاہ کے مارے جانے کا سن کر وہ بے حد خوش ہوا تھا۔ ''خس کم جہاں پاک!''

''ان سب کو مروا دیا ڈیوڈ شا نے، وہ اپنا اُلو سیدھا کر کے نکل گیا، مرشد علی بھی خسارے میں رہا۔ وہ لاہور میں قدم جمانے کی فکر میں تھا۔ میں نے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ البتہ فتح خان ابھی تک میرے پیچھے تھا۔''

''ہیروں کے چکر میں؟''

''یہ بھی ایک چکر ہے۔ اسے مجھ سے دشمنی بھی تو ہے۔ کئی بار ہم دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جانے سے بال بال بچے ہیں۔''

''کیا وہ انڈیا بھی آیا ہوگا؟''

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں خود حادثاتی طور پر انڈیا میں آیا تھا۔''

''راجا عمر دراز، مونا اور سفیر صاحب!''

''یہ سب ملک سے باہر ہیں۔ راجا کے بارے میں آخری اطلاع یہ تھی کہ وہ بھارت گیا ہے۔ مونا اور سفیر کو اس نے دبئی بھجوا دیا تھا تا کہ وہ مرشد کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔''

''نادر زندہ ہے یا مر گیا؟''

''زندہ ہے لیکن مُردے سے بدتر..... اس کے علاج کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور وہ اب ساری عمر بستر یا وہیل چیئر پر گزارے گا۔''

''شہباز صاحب، وہ زخمی سانپ ہے۔''

''ہاں، مگر وہ مرشد کے سامنے بے بس ہے۔ مرشد فی الحال میرے خلاف کوئی فیصلہ کن کارروائی نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس کے مجازی باپ کی مرضی نہیں ہے۔''

''آپ کا اشارہ ڈیوڈ شا کی طرف ہے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''وہ میرے ہاتھ پر حکیم قادس کی دواؤں کا اثر معلوم کرنا چاہتا ہے۔''

وسیم چونکا۔ ''حکیم کے بارے میں آپ نے بتایا نہیں، وہ ملا یا نہیں؟''

''وہ ابھی تک ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہے۔ حکیم کے لئے میرے لئے حیران کن رویہ راجا عمر دراز کا ہے۔ اسے پروا نہیں ہے کہ حکیم ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہے اور وہ اس سے ان جادو اثر دواؤں کے بارے میں معلوم کر سکتا ہے۔''

''شاید اس لئے کہ ان دواؤں کا جزو اعظم یعنی ایک پتھر کی راکھ صرف راجا صاحب کے پاس ہے۔ ان کے بغیر حکیم کے فارمولے زود اثر تو ہو سکتے ہیں لیکن جادو اثر نہیں۔''

''تم نے ٹھیک تجزیہ کیا ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''سونیا کیسی تھی؟'' اس نے دکھی لہجے میں بہن کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ بدنصیب ہے، پہلے عادل نے اسے دھوکا دیا اور پھر شکیل بھی اسے چھوڑ گیا۔''

''وہ ٹھیک ہے، سونیا تمہاری بہن ہے اس کے اعصاب مضبوط ہیں، شکیل کی موت پر وہ بکھر گئی تھی مگر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے جلد خود کو سمیٹ لیا۔ وہاں وہ اکیلی نہیں ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والے ہیں۔ ناصر بھی ہے اور راجا کا سیکرٹری بیگ بھی۔"

"ناصر ہمارے معاملات میں زیادہ ہی دلچسپی نہیں لے رہا ہے؟"

"وہ مخلص آدمی ہے۔ تمہاری اور شکیل کی غیر موجودگی میں اس نے میرا پورا ساتھ دیا تھا۔ اس کی مدد سے میں نے شکیل اور سونیا کو اپنے جامی شاہ کی قید سے چھڑایا تھا۔ وہ اخبارات میں مرشد علی کے خلاف مہم بھی چلا رہا ہے اور سب سے بڑھ کر....."

"کیا شہباز صاحب!"

"یار..... یہ قبل از وقت ہی لگتا ہے مگر مجھے یقین ہے ناصر سونیا کو پسند کرنے لگا ہے۔"

وسیم کچھ دیر کے لئے خاموش ہوا تھا۔ "اور سونیا کا کیا ردِعمل ہے؟"

"مایوسی کے عالم میں خودکشی کی کوشش کے بعد وہ پشیمان تھی مگر اس کے بعد وہ چپ ہے۔ اس نے ناصر کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ ہاں اس نے ناصر کو رد بھی نہیں کیا ہے۔"

"آپ کے خیال میں وہ بھی اسے پسند کرنے لگی ہے؟"

"بھائی، عورت کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ سنا ہے اس کی نہ میں ہاں ہوتی ہے اور وہ ہاں کہہ دے تو وہ عورت نہیں ہے۔"

"درست کہا آپ نے۔ یہ ناصر مزاج کے لحاظ سے کیسا ہے؟"

"ذرا شوخ اور جوکر بنتا ہے مگر اندر سے بے حد حساس اور ذمے دار شخص ہے۔ اگر تمہارے ذہن میں سونیا کے حوالے سے خدشہ ہے تو نکال دو۔"

"بھائی ہوں اتنی آسانی سے کیسے مطمئن ہو سکتا ہوں؟"

"راجا عمر دراز شمالی مشرقی انڈیا میں کہیں گیا ہے۔ نہ جانے کس چکر میں ہے۔" میں نے موضوع بدلا۔

وسیم نے تائید کی۔ "راجا صاحب اپنے منصوبے دل میں رکھتے ہیں۔ قبل از وقت کسی کو نہیں بتاتے ہیں۔"

"مجھے لگتا ہے راجا ایک بار پھر اس پُراسرار وادی کی طرف جانے کے چکر میں ہے۔"

"ممکن ہے۔" وسیم بولا، اس نے جماہی لی۔

"تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی ہے جا کر سو جاؤ۔"

"کافی پی کر نیند مشکل سے آئے گی لیکن میں آرام کر لیتا ہوں۔"

وسیم کے جانے کے بعد میں نے اندر صرف ایک پستول چھوڑ کر باقی سارا اسلحہ جیپ کے خانے میں مقفل کر دیا۔ اب مجھے ٹھاکر اور اس کے نوکر مادھو کے ساتھ سومترا کی جانب سے بھی ہوشیار رہنا تھا۔ صبح ہمیں فیصلہ کرنا تھا کہ ہمیں کہاں جانا تھا۔ ویسے کمار کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سیدھا جاگیر پر جائے گا اور وہاں کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اس صورت میں، میں اور وسیم اسے الوداع کہیں گے۔ میں نے سومترا کے پاس موجود بریف کیس کے بارے میں سوچا۔ اس میں خاصی رقم تھی جو ہمارے کام آ سکتی تھی مگر پھر مجھے شرم آئی۔ میں ایک عورت کی رقم ہتھیانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے خود سے کہا۔ "شہباز ملک! خدا پر بھروسا رکھو۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی نہ کوئی راستہ نکالے گا۔"

صبح کے قریب میں نے بیتو کو بیدار کیا اور خود چند گھنٹوں کے لئے لیٹ گیا۔ میری آنکھ کھلی تو سب بیدار ہو چکے تھے۔ میں باہر آیا۔ مادھو کچن میں ناشتا بنا رہا تھا۔ ٹھاکر نشست گاہ میں کبیدہ چہرہ بنائے بیٹھا تھا۔ اس کے اعصاب پر کشیدگی سوار تھی۔ اس نے غصے سے مجھے دیکھا۔

"رات کو میرے کمرے کا دروازہ کیوں بند کیا گیا تھا۔"

بہتر ہو گا تم یہ سوچو کہ اب تمہارے ساتھ کیا ہو گا؟" میں نے اسے دھمکایا۔ "تم اتنی سی بات سے پریشان ہو رہے ہو؟"

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ "کیا..... کیا کرو گے تم میرے ساتھ؟"

"اس کا انحصار تمہارے رویے پر ہے، ممکن ہے تمہیں بخش دیں اور ممکن ہے..... خیر چھوڑو، مجھے نہانا ہے۔"

"اس طرف چلے جاؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔ یہ باتھ روم لاؤنج کے ساتھ تھا اور بڑا شاندار قسم کا تھا۔ تمام سہولتوں کے ساتھ اس میں گرم پانی بھی آ رہا تھا۔ میں جی بھر کر نہایا۔ لباس وہی تھا مگر صاف ستھرا تھا۔ اس موسم میں پسینے اور بو کا مسئلہ نہیں تھا۔ باہر آیا تو وسیم لاؤنج میں تھا۔

"تم کب اٹھے تھے؟"

"جب آپ نے بیتو کو اٹھایا تھا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ہم نے ذرا سراغ رسانی کی تھی۔ اس سے ٹھاکر جی کی جوانی دیوانی کے بارے میں معنی خیز انکشافات ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک ڈائری ملی ہے اور چند تصویریں بتاں۔ ڈائری میں ان تصویروں والی دیویوں سے ملاقاتوں کا احوال درج ہے۔"

"قابل سنسر!" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"اس سے بھی زیادہ..... ٹھاکر جی اسی وجہ سے تو خفا ہیں۔"

"چلو، یہ مسئلہ بھی حل ہوا کہ ٹھاکر جی ہمارے جانے کے بعد چپ کیسے رہیں گے۔"

ناشتا تیار تھا۔ مادھو نے حلوہ پوری اور بھاجی کے ساتھ، سینڈوچز بھی بنائے تھے۔ ہم نے ناشتا کیا، ٹھاکر جی خاموش بیٹھے رہے۔ ناشتے کے بعد میں نے بیتو کو ان پر مقرر کیا اور میں وسیم اور کمار اندر والے کمرے کی طرف جانے لگے۔ ٹھاکر نے مجھے روک کر التجا کی۔ "میری ڈائری واپس کر دو۔ وہ تمہارے لئے بے کار ہے۔"

"ممکن ہے وہ بے کار نہ ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "بہرحال ہم ڈائری واپس کرتے ہیں یا نہیں۔ ہم آپ کو بلیک میل کسی صورت نہیں کریں گے۔ اگر آپ نے ہمارے بارے میں اپنی زبان بند رکھی تو جلد ڈائری آپ کو مل جائے گی۔"

"تم میرے ساتھ دھوکا تو نہیں کرو گے، وہ ڈائری منظر عام پر آ گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہوں گا۔" ان کی آواز لرز رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھاکر جی! آپ جن لوگوں کی بات کر رہے ہیں ان کے اپنے کرتوت بھی آپ سے کم نہیں ہوں گے لیکن انہوں نے یہ حماقت نہیں کی ہوگی کہ اپنے کرتوت ڈائری میں لکھ دیئے ہوں۔ میں نے کہا نا آپ اطمینان رکھیں۔''

''میں بالکل چپ رہوں گا۔ کسی سے تم لوگوں کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہوں گا۔''

''تب آپ کی یہ امانت بہت جلد آپ کو مل جائے گی۔''

☆======☆======☆

کمار کا زخم مستقل آرام، علاج اور خاص طور سے اینٹی بایوٹک کے بھاری ڈوز سے تقریباً بھر چکا تھا۔ یعنی اوپر سے خشک ہو گیا تھا۔ صبح اس نے خود ہی اس کی پٹی کر لی تھی۔ ہم نے الگ کمرے میں میٹنگ اس لئے کی تھی کہ ہمارے مستقبل کا وہ لائحہ عمل کوئی اور نہ سن سکے۔ خاص طور سے ٹھاکر اور مادھو کا بے خبر رہنا ضروری تھا۔ میں نے کہا۔ ''کمار، مجھے اور وسیم کو واپس جانا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔ ''میں ہمیشہ تمہیں نہیں روک سکتا لیکن ابھی مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''

''جاگیر تک سومترا بھی تمہیں لے جا سکتی ہے۔''

''مجھے جاگیر پر قبضہ کرنا ہے۔ وہاں راج کے آدمی ہوں گے۔ ان پر قابو پانے کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔ جلد میں اپنے دوسرے لوگوں کو بھی وہاں بلا لوں گا۔''

''کمار، کیا تم اس طرح کھلے عام یہ کام کر سکو گے؟''

''میں نے سومترا سے معلوم کیا ہے جاگیر دوسری آبادیوں سے دور ہے اور وہاں صرف راج کے آدمی ہیں اس لئے جب ہم وہاں قبضہ کریں گے تو باہر یہ خبر نہیں پھیلے گی۔''

''فرض کر لو..... راج بچ کر وہاں آ جاتا ہے تب؟''

''اس کا وہی انجام ہوگا جو ایک غدار کا ہونا چاہئے۔''

''اور سومترا؟''

''میں عورت کو قتل نہیں کر سکتا۔ میں اسے قید رکھوں گا جب تک جاگیر پر میرا قبضہ مستحکم نہیں ہو جاتا اور اس کے بعد وہ کہیں جانے کے لئے آزاد ہوگی۔''

''اور اس نے تمہارے بارے میں حکومت کو بتا دیا تو.....؟''

''اس صورت میں یہ خود بھی نہیں بچے گی۔''

''عورت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتی کہ خود بچے گی یا نہیں؟'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اس لئے اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ کرنا، خوب سوچ سمجھ کر کرنا۔''

''جاگیر یہاں سے کتنی دور ہے؟'' وسیم نے سوال کیا۔

''کوئی ساٹھ میل دور ہے۔'' کمار نے جواب دیا۔

''یعنی ہم دو تین گھنٹے میں وہاں جا سکتے ہیں؟'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں دن میں سفر آسان ہوتا ہے۔"

"ہم دن میں سفر نہیں کریں گے۔" میں نے فوراً فیصلہ کرلیا۔ "سورج غروب ہونے کے بعد رات کو سفر کریں گے۔"

"وہ کیوں؟" وسیم نے سوال کیا۔

"وہ اس لئے کہ رات کو ایک تو چیکنگ کا خطرہ کم ہوگا، دوسرے گشتی پولیس سے بھی کم واسطہ پڑے گا۔ سردی کی وجہ سے وہ باہر کم نکلیں گے۔ دوسرے ہم ریڈیو اور ٹی وی سے صورتِ حال کا جائزہ لیں گے۔ ممکن ہے سرکار نے ہماری تلاش شروع کردی ہو۔"

"آج کے اخبارات بھی دیکھنا ہوں گے۔" وسیم نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس دور دراز پہاڑی علاقے میں اخبارات ایک دن کی تاخیر سے آتے ہیں، اس لئے یہ تو بے کار ہیں۔ ہاں ریڈیو اور ٹی وی سے درست صورتِ حال کا پتا چل سکتا ہے۔"

"یعنی ہم اب رات کو روانہ ہوں گے۔" کمار نے کہا۔

"تمہیں اعتراض ہے؟"

وہ مسکرایا۔ "میں تمہاری بات پر اعتراض کی جرأت کرسکتا ہوں۔"

"سوری کمار! میں سادھنا کے معاملے میں غصے میں آ گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے، وہ معصوم اور اچھی سوچ رکھنے والی لڑکی ہے۔ وہ تم سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ اب واپس اپنے بھائیوں کے پاس نہیں جانا چاہتی ہے۔"

"میں فی الحال اس کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔" کمار نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

وسیم کے پاس ٹھاکر کی ڈائری تھی۔ میں نے اسے لے کر اس کے اقتباسات ملاحظہ کئے۔ ٹھاکر رائے مان سنگھ نے اپنی جوانی کی ان ملاقاتوں کی روداد لکھی تھی جب عقل انسانی جذبات کے تابع ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اس نے حماقت کا ثبوت دیا تھا، یہ ڈائری کسی اور کے ہاتھ لگ جاتی اور جیسا کہ لگ گئی تھی تو مان سنگھ کی عزت دو کوڑی کی رہ جاتی۔ اسے ہماری نظروں میں ہونے والی بے عزتی کی پروا نہیں تھی۔ فکر یہ تھی کہ ڈائری کے مندرجات اس کے واقف کاروں کے علم میں نہ آ جائیں جس کے بعد وہ سچ مچ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

"ٹھاکر جی خاصے دولت مند ہیں۔" وسیم نے آہستہ سے کہا۔ "ان سے خاصا مال کھینچا جا سکتا ہے۔"

"بلیک میلنگ؟" میں مسکرایا۔

"بڑے میاں کو کچھ تو سزا ملنی چاہئے۔ پھر ہمیں بھی زادِ راہ کی ضرورت ہوگی۔"

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔"

"ان کے بیڈ روم میں ایک تجوری بھی ہے۔ یہ ڈائری بھی اسی میں ہوتی ہوگی۔"

"پھر تمہارے ہاتھ کیسے لگی؟"

"میرا خیال ہے بڑے میاں نے جوانی کی یادیں تازہ کرنے کے لئے نکالی تھی اور پھر اندر رکھنا بھول گئے۔"

میں ہنسا۔ "یہ بھول ٹھاکر جی کو مہنگی پڑنے والی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم باہر نکلے۔ سادھنا اور بجو ایک صوفے پر سر جوڑے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے اور بجو کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔ ٹھاکر مان سنگھ نے پُر امید نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ٹھاکر جی، میرے ساتھ آیئے۔" میں نے نرمی سے کہا اور اسے لے کر اس کے کمرے میں آیا۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے میرے ہاتھ میں موجود ڈائری کو دیکھا۔

"تم یہ مجھے دینے آئے ہو؟"

"ٹھاکر، تم اسے حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں، ہاں ---- لاؤ، یہ مجھے دے دو۔" اس نے ہاتھ بڑھایا۔

میں نے ڈائری پیچھے کر لی۔ "مان سنگھ اس کی تمہارے نزدیک کیا قیمت ہے؟"

"کیا مطلب؟" اس نے پریشانی سے کہا۔

"مطلب واضح ہے اگر میں تم سے کہوں کہ یہ ڈائری تمہیں بیچنا چاہتا ہوں تو تم اس کی کیا قیمت لگاؤ گے؟"

"تم ---- تم مجھے بلیک میل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"چلو، ایسا ہی سمجھ لو۔"

"دیکھو، میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ میں تمہیں اس کے بدلے ہزار روپے دے سکتا ہوں۔"

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ "بس تمہارے نزدیک تمہاری عزت کی اتنی ہی قیمت ہے۔"

"اچھا چلو، پانچ ہزار لے لو۔" اس نے منت کی۔

"بس پانچ ہزار۔"

"دس ہزار، میرے پاس اس سے زیادہ نہیں ہیں۔"

"چلو، میں نے مان لیا، ٹھاکر جی ایک سودا کرتے ہیں۔ تم یہ ڈائری لے لو اور اس کے بدلے اس تجوری میں موجود نقد رقم میرے حوالے کر دو۔"

"ساری رقم!" اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی تھی۔

"ہاں ساری رقم، چاہے وہ ایک ہزار ہو ---- یا ایک لاکھ۔ سودا اسی صورت میں ہوگا ورنہ کل تک اس ڈائری کی فوٹو کاپیاں تمہارے تمام جاننے والوں کے پاس ہوں گی۔"

ایسا لگا کہ ٹھاکر جی کو ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔ "ایسا مت کرو، میں برباد ہو جاؤں گا۔"

"فیصلہ میں نے تم پر چھوڑ دیا ہے۔ پیسا بچا لو یا عزت۔ اس بڑھاپے میں تمہارے لئے کیا چیز زیادہ اہم ہے۔" میں نے ڈائری ہلاتے ہوئے کہا۔ "سوچ لو، تمہارے پاس شام تک کی مہلت ہے، رات کو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

میں باہر آیا اور بجو کو بلایا۔ "ٹھاکر کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دو اور اس کے تالے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھو، وہ اندر کیا کر رہا ہے؟ خاص طور سے تجوری کے ساتھ۔"

بجو نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ سوتر انزدیک تھی اور غور سے ہماری باتیں سن رہی تھی۔ اس نے مشکوک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم اس کے ساتھ کیا کرنا چاہ رہے ہو؟''

''میں سوچ رہا ہوں ٹھاکر سے تمہارا بیاہ کرادوں۔'' میں نے سنجیدہ مذاق کیا۔

اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''تمہارا دماغ درست ہے، میں اس سے شادی کروں گی۔''

''کیوں، کیا برائی ہے اس میں؟..... صحت مند ہے، بوڑھا ہے تو کیا ہوا، دل والا ہے اور دولت مند بھی ہے۔''

''میں اس سے کسی قیمت پر شادی نہیں کروں گی۔''

''تم سے پوچھ کون رہا ہے۔ پنڈت کو بلا کر تمہارے اس کے ساتھ پھیرے کروانے ہیں۔''

''تم..... تم مجھ سے اس طرح بدلہ لے رہے ہو؟'' وہ چیخ کر بولی۔

''چلاؤ مت، آخر تمہارا کیا، کیا جائے؟ راج مارا جا چکا ہے اور تم اب دنیا میں اکیلی ہو۔ میں ٹھاکر کو راضی کر رہا تھا کہ کیا ہوا جو نچلی ذات کی ہے، خوبصورت اور جوان تو ہے۔ وہ مان گیا ہے بڑی مشکل سے۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر اور تم پر۔'' سوہترا چیخ کر بولی اور اندر کمرے میں چلی گئی۔ سادھنا ہماری باتیں سن رہی تھیں۔ سوہترا کے جانے کے بعد اس نے تشویش سے کہا۔

''کیا تم سچ مچ.....؟''

میں ہنس دیا۔ ''تمہارا بھی دماغ خراب ہو رہا ہے۔ میں اس سے مذاق کر رہا ہوں۔ بھلا کسی کی اس طرح شادی کی جا سکتی ہے زبردستی؟''

کمار اور وسیم نشست گاہ میں تھے، مادھو غائب تھا۔ میں نے مادھو کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''کھانا بنا رہا ہے دوپہر کا۔'' وسیم نے بتایا۔

''اور وہ خاموشی سے بھاگ گیا تو؟''

''نہیں بھاگ سکتا، میں نے کچن کے دروازے پر تالا لگا دیا ہے۔''

''اس کے پاس دوسری چابی بھی ہو سکتی ہے۔'' میں نے کہا اور کچن کی طرف لپکا۔ میرا اندیشہ درست نکلا اور میں بروقت پہنچا تھا۔ مادھو تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں چابیوں کا ایک گچھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ لرزنے لگا اور گچھا اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

''میرے کو معاف کر دو جی!'' وہ قدموں میں گر گیا۔

''تاکہ تم دوبارہ بھاگنے کی کوشش کرو۔'' میں نے اس کی تشریف پر لات رسید کی۔

''بھگوان کی سوگند، میں نہیں بھاگوں گا جی!''

جب وسیم کو پتا چلا کہ وہ کیا کر رہا تھا تو اس نے مشتعل ہو کر مادھو کی مزید مرمت لگائی، وہ رونے چلانے لگا۔ ''بھونک مت کتے!'' وسیم نے اسے تھپڑ رسید کیا۔ ''ورنہ تجھے گولی مار کر باغیچے میں گاڑ دوں گا۔''

''اس پر نظر رکھنا۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

اسی لمحے بیتو بھاگا ہوا آیا۔ ''صاحب! وہ بڈھا اندر اپنی تجوری سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر بستر کے نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھپا رہا ہے۔"

"میں نے اسی لئے تمہیں اس کے پیچھے لگایا تھا۔" میں نے سر ہلایا۔ "دیکھتے رہو۔"

کمار بھی کچن میں آیا۔ "یہ کیا چکر ہے شہباز!"

"کچھ نہیں، ٹھاکر سے مال نکلوا رہا ہوں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

مادھو مار کھانے کے بعد روتے ہوئے کھانا بنا رہا تھا۔ "اب بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ ہاتھ پاؤں سے نہیں، گولی سے ماریں گے۔" میں نے اسے خبردار کیا۔ "دو کپ چائے بنا کر لے آؤ۔"

نشست گاہ میں ٹی وی اور ریڈیو دونوں تھے۔ ٹھاکر شوقین مزاج شخص تھا۔ اس نے کیبل ٹی وی لے رکھا تھا۔ ہم مختلف نیوز چینل دیکھتے رہے مگر اس علاقے میں ہونے والے خونریز واقعات کی کوئی خبر نہیں تھی۔ مجھے حیرت تھی، آج کل کے دور میں جب میڈیا معمولی سی خبر بھی کھود کر لے آتا تھا، اتنے بڑے قتلِ عام اور فوجی نقل و حرکت کی کوئی خبر نہیں تھی۔

"کیونکہ مرنے والے نچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔" کمار نے تلخی سے کہا۔ "اس ملک میں آج بھی کئی ہزار سال پرانا ذات پات کا نظام ہے۔"

"ظلم و زیادتی کا یہ نظام ہر جگہ ہے۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "امریکا اور آسٹریلیا جیسے نام نہاد مہذب ممالک میں آبائی باشندوں کے ساتھ تیسرے درجے کے شہریوں سے بھی بدتر سلوک کیا جا رہا ہے۔"

"مگر اس طرح ایک پورے قبیلے کی نسل کشی تو نہیں کی جا رہی ہے۔"

میں ہنسا۔ "تم بھی کن خیالوں میں ہو دوست۔ مہذب امریکی بم باری کر کے ساری دنیا کے سامنے عراق اور افغانستان میں ایک دن میں اتنے لوگ مار دیتے ہیں اور ان کے ضمیر کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔"

"مظلوموں کے لئے کہیں جائے پناہ نہیں ہے۔"

"سوائے موت کی آغوش کے، ان کو شکل سے ہی کہیں پناہ ملتی ہے۔"

مادھو چائے بنا کر لے آیا۔ سادھنا نے ریموٹ سنبھال لیا تھا اور ایک فیشن شو دیکھ رہی تھی۔ آج موسم کم سرد تھا اس لئے اس نے جیکٹ اتار دی تھی۔ نیچے اس نے ہائی نیک کی چست جرسی اور اسکن فٹ جینز پہن رکھی تھی۔ جرسی بھی اس کے جسم پر یوں چسپاں تھی کہ تمام دلکش نسوانی خدوخال نمایاں ہو رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ کمار دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے سادھنا سے بات کرنے کا موقع دینے کے لئے میں چائے لے کر باہر باغ میں نکل آیا۔ ٹھاکر کا گھر کسی قدر بلندی پر تھا اور یہاں سے قصبے کا منظر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ عام بھارتی قصبوں کے مقابلے میں یہ خوبصورت اور صاف ستھرا قصبہ تھا۔ ترتیب سے بنے کھلونے نما مکانات اور ان کے درمیان صاف اور پختہ راستے۔ بیشتر مکانات کے اردگرد سبزہ اور درخت تھے۔ برف نہ ہونے سے ظاہر تھا کہ یہ بہت بلند نہیں ہے۔ ممکن ہے سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ تک بلند ہو۔ جیسے مری کا نچلا حصہ ہے۔ سردی بھی ایسی تھی۔ میں ماربل سے بنی بینچ پر بیٹھا تھا کہ اچانک سومترا آ کر میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

"تم مجھ سے نفرت کرنے لگے ہو؟"

اس کا سوال اچانک تھا۔ میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ "میں تم سے کیوں نفرت کروں گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس لئے کہ میں راج کی بہن ہوں۔''

''یہ احمقانہ خیال ہے۔ کیا تم سے اس وجہ سے نفرت کی جا سکتی ہے؟''

''پھر..... تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے؟''

''اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک سادھنا کے ساتھ تمہارا غلط رویہ دوسرے مجھے یقین ہے راج اور تم، دونوں مل کر مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔''.....

''فرض کرو ایسا ہی ہے تب بھی تمہارا کیا نقصان ہے؟''

میں نے شانے ہلائے۔ ''ابھی سے میں کیا کہہ سکتا ہوں مگر سوچنے کی بات ہے مس سوہترا، جو شخص اپنے کسی مفاد پر اپنے لوگوں کو قربان کر دے اس پر کیسے بھروسا کیا جا سکتا ہے؟''

''اس کا جرم اس کے ساتھ گیا ہے۔'' سوہترا افسردگی سے بولی۔ ''مجھے بھی یقین ہے، میرا بھائی اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے یقین نہیں ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ ''راج جیسے لوگ جذباتی ہو کر جان دینے والوں میں سے نہیں ہیں، آؤ اندر چلیں۔''

''میں کچھ دیر یہاں بیٹھنا چاہتی ہوں۔''

''سوہترا! کھلی فضا میں رہنا تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔ ''چلو اندر۔''

''میرا ہاتھ چھوڑو۔'' وہ تلملائی مگر میں اسے گھسیٹ کر اندر لے آیا۔

''یہاں بیٹھو!'' میں نے اسے صوفے پر دھکیل دیا۔ ''اب تم بلا اجازت باہر نہیں جاؤ گی۔''

''کیوں.....؟'' اس نے تلملا کر کہا۔ ''مجھ پر پابندی لگانے والے تم کون ہوتے ہو؟''

''سادھنا اس پر نظر رکھنا۔'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''یہ کوئی بھی مشکوک حرکت کرے تو فوراً ہمیں بتانا۔''

''یہ کیا کر رہے ہو تم۔'' کمار حیران تھا۔

''مس سوہترا، راج کی بہن ہے، یہ بات کبھی بھولنا مت۔'' میں نے جواب دیا تھا۔

شام تک ہم آرام کرتے رہے۔ اس دوران میں ٹھاکر جی کے لئے فون آتے رہے اور خود لوگ بھی اس سے ملنے آتے رہے تھے۔ مادھوان کو ٹال رہا تھا کہ ٹھاکر جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہم سامنے نہیں آئے تھے مگر مادھو کو خبردار کر دیا تھا کہ اب اس نے کوئی حماقت کی تو اس کی خیر نہیں ہوگی اور اسے پرلوک سدھارنا پڑے گا۔ شام کو میں نے ٹھاکر سے بات کی۔

''ہاں تو ٹھاکر صاحب! آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''کس بارے میں؟''

''اس ڈائری کے بارے میں؟'' میں نے اسے ڈائری دکھائی۔

''میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔'' اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کتنی رقم ہے تمہارے پاس؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''دس ہزار روپے!'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''میرے پاس کل اتنی ہی رقم ہے۔''

''اوکے، دکھاؤ مجھے ٹھاکر جی!''

اس نے چابی سے تجوری کھولی۔ اندر سو اور پانچ سو کے ملے جلے نوٹ پڑے تھے، اس نے وہ نکال کر مجھے دے دیئے۔ اس کے علاوہ اندر کاغذات، چند رجسٹر اور ایک ڈبا تھا۔ جیسا کہ زیورات رکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ''اس میں کیا ہے؟''

''میری بیوی کا زیور ہے۔''

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''مری ہوئی بیوی سے محبت نہیں تھی لیکن اس کا زیور سنبھال کر رکھا ہے، کیا دوسری شادی کا ارادہ تھا؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے کی خفت سے ظاہر تھا کہ میری بات درست تھی۔ ٹھاکر جی کو کوئی دوسری عورت نہیں ملی۔ میں باہر آیا۔ ابھی میں نے ڈائری ٹھاکر کے حوالے نہیں کی تھی۔ اس نے مانگی بھی نہیں تھی، اسے معلوم تھا کہ میں ڈائری ساتھ لے جاؤں گا۔ مادھو رات کے لئے کھانا بنا رہا تھا اور کمار سومترا سے جاگیر کے انتظامات کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ میں وسیم کو ایک طرف لے گیا اور ڈائری اس کے حوالے کر کے اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے، پھر میں نے سادھنا سے کہا۔

''ٹھاکر جی کو ذرا لوڈو میں لگا کر ان کا دل بہلاؤ..... دل بہلانے کا مطلب سمجھتی ہو نا۔''

''کیوں نہیں۔'' وہ ہنسی اور ٹھاکر کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ چند لمحے بعد وہ اسے نشست گاہ میں لے آئی۔ انہوں نے لوڈو کی بساط بچھائی اور کھیلنے لگے۔ میں نے وسیم کو اشارہ کیا، وہ چپکے سے ٹھاکر کے کمرے میں گھس گیا۔ بیتا مادھو کے سر پر مسلط تھا۔ سومترا اور کمار ایک طرف مصروف تھے۔ اس لئے کسی نے توجہ نہیں دی۔ وسیم دس منٹ بعد نکلا اور اس نے سر کے اشارے سے مجھے بتایا کہ کام ہو گیا ہے۔ آٹھ بجے کھانا لگا اور ہم سب نے ایک ساتھ کھایا۔ ٹھاکر جی کو بھی زبردستی شامل کر لیا تھا۔ کھانے کے بعد ہم نے کافی پی۔ راستے کے لئے مادھو نے دو بڑے تھرماس چائے اور کافی سے بھر دیئے تھے۔ رائے مان سنگھ کو اب ڈائری کی فکر تھی۔ اس نے مجھ سے آہستہ سے کہا۔ ''تم مجھے ڈائری دے جاؤ گے نا؟''

''ڈائری میں ساتھ لے جاؤں گا اور دو تین دن تک مجھے اطمینان رہا تو میں اسے تمہارے پتے پر بھیج دوں گا۔''

''ڈاک سے؟'' اس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔ ''نہیں..... اگر کسی کے ہاتھ لگ گئی تو؟''

''تب تم بتاؤ۔''

''تم اسے جلا دینا۔ میری عقل دیکھو..... اسے ابھی تک سنبھال کر رکھا تھا۔''

''تمہیں یقین ہے کہ میں اسے سچ مچ جلا دوں گا۔''

''ہاں، مجھے تم پر اعتماد ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''اگر تم دھوکا دینے والے آدمی ہوتے تو میری بیوی کا زیور بھی نہ چھوڑتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مان سنگھ میں دھوکا دیتا ہوں اور نہ دھوکا کھاتا ہوں۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''تم بے فکر رہو۔ ڈائری کسی اور کے پاس نہیں جائے گی۔''

نو بجے ہم نے سامان جیپ میں رکھا۔ دو دن کے بھرپور آرام اور کھانے پینے سے ہم سب تازہ دم ہو گئے تھے۔ جیپ میں ابھی اتنا ڈیزل تھا کہ ہم کوئی دو سو کلو میٹر آرام سے سفر کر سکتے تھے۔ پہاڑی علاقوں پر ایندھن زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ اس لئے راستے میں ایندھن لینے کا سوچا۔ کمار کا زخم خاصی حد تک بھر گیا تھا اور دواؤں کے مسلسل استعمال سے اس کی حالت سو فی صد نہیں تو نوے فی صد تک ٹھیک ہو چکی تھی۔ ڈرائیونگ وسیم نے سنبھالی تھی۔ ہم تینوں نے ہی ٹھاکر جی کے اوزاروں سے شیو بنالی تھی۔ اس طرح ہمارے چہرے خاصی حد تک بدل گئے تھے۔ جانے سے پہلے میں نے ایک بار پھر ٹھاکر کو خبردار کیا کہ ہمارے بارے میں پولیس کو اطلاع دینے کی حماقت نہ کرے ورنہ اسے بھی پریشانی کا سامان کرنا پڑے گا۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ میں اور کمار آگے والی نشست پر تھے جب کہ بیتو، سادھنا اور سومترا کے ہمراہ عقبی سیٹ پر تھا۔

''راج لاما کا یہ فارم یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''کوئی سو کلو میٹر..... امید ہے ہم صبح سے پہلے وہاں ہوں گے۔''

''اس کے بعد؟''

''ہم وہاں قبضہ کر لیں گے اور میں اپنے آدمیوں کو بلا لوں گا۔''

میں نے غور کیا۔ ''تمہارا ارادہ مار دھاڑ کا ہے؟''

''اس کے سوا اور کیا طریقہ ہے؟''

''طریقہ تو ہو سکتا ہے۔ دیکھو، زبردستی قبضہ کرنے سے وہ مزاحمت کریں گے اور اس سے دونوں طرف سے لوگوں کے مارے جانے کا خطرہ ہے۔ فائرنگ کی آواز پولیس کو اس طرف متوجہ کر سکتی ہے۔''

''تب پھر کیا کریں؟''

''ہمیں حکمت عملی سے کام لینا ہوگا ہم خود کو سومترا کا خادم اور محافظ ظاہر کریں گے۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''وہ کیسے؟'' اس نے غور کیا۔ ''اور سومترا مانے گی۔''

''اسے ماننا پڑے گا، ہم ظاہر کریں گے کہ راج نے ہمیں سومترا کا خصوصی محافظ مقرر کیا ہے۔''

''وہ مجھے نہ پہچان لیں۔'' کمار نے خدشہ ظاہر کیا۔ ''ممکن ہے ان میں وادی کے لوگ بھی ہوں۔''

''میرا خیال ہے راج نے یہ ٹھکانا سب سے چھپ کر بنایا ہوگا اور وہ وہاں کسی بھی ایسے شخص کو نہیں رکھے گا جو اس کا بھانڈا پھوڑ دے۔ پھر بھی اس صورت میں تمہیں سومترا کا سیکرٹری بنایا جا سکتا ہے۔''

''ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔''

''اب اسے کون سمجھائے گا۔'' کمار کا اشارہ سومترا کی طرف تھا۔

''میں اس سے بات کر لوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

آگے جگہ ذرا تنگ ہونے سے کمار بے آرام تھا اس لئے وہ عقب میں چلا گیا اور اس کی جگہ بیتو آگے آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ میں نے اپنے لئے کافی نکالی۔ وسیم محتاط ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ جہاں اسے شک ہوتا کہ راستہ بھٹک رہا ہے وہ نقشہ نکال کر چیک کرتا تھا۔ میں نے ذرا پاؤں پھیلا کر ذہن کو آزاد چھوڑ دیا، طے یہ ہوا تھا کہ دو گھنٹے بعد ڈرائیونگ میں سنبھال لوں گا۔ مجھے اونگھ آ گئی تھی۔ وسیم نے دو کے بجائے مجھے تین گھنٹے بعد بیدار کیا۔

''سوری شہباز صاحب، میں آپ کو نہیں جگاتا مگر یہاں سے معاملہ کچھ سمجھ سے باہر ہے۔ سامنے تین راستے نکل رہے ہیں ہمیں کس راستے سے جانا ہے۔''

عقب میں سوسترا بھی سو رہی تھی، میں نے اسے بیدار کیا۔ اپنے حواس بحال کرنے کے لئے ہم نے ایک ایک کپ تلخ کافی کا پیا تھا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں نقشہ بچھا کر اس کا معائنہ کیا۔ سوسترا کچھ کنفیوز تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے، یہ تیسرا راستہ ہے جو بلندی کی طرف جاتا ہے۔''

''اس کی کوئی نشانی جو تمہیں یاد ہو؟''

اس نے سوچا۔ ''ہاں، ذرا آگے جاؤ۔ تو ایک چٹان آئے گی اس کا اوپری حصہ سڑک پر جھکا ہے اور ایسا لگتا ہے چٹان نیچے سے گزرنے والے پر گر جائے گی۔''

''کتنی دیر بعد آئے گی یہ چٹان؟''

''تقریباً نصف گھنٹے بعد۔''

''چلو دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ وسیم برابر میں آ گیا۔

''شہباز صاحب، بڈھے کے پاس سے خاصی رقم نکلی ہے تقریباً دس بارہ لاکھ تھے۔ میں نے ترس کھا کر صرف چھ لاکھ لئے تھے۔''

''صرف چھ لاکھ؟'' میں ہنسا۔ ''اور ڈائری؟''

''وہ میں نے اس کی الماری میں سب سے نچلے حصے میں چھپا دی تھی۔''

''ممکن ہے وہ اسے کبھی نہ ملے۔''

''مجھے تو لگ رہا ہے آدھی رقم غائب پا کر اسے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔'' وسیم ہنسا۔

''بڈھا بہت کنجوس ہے۔'' بنتو نے اس کی تائید کی۔

''سارا کھایا پیا نکال لائے ہیں ہم۔'' میں ہنسا۔

کمار پیچھے سے بولا۔ ''کیا نکال لائے؟''

جب میں نے اسے بتایا کہ ٹھاکر نے ہمارے ساتھ کیا چالاکی دکھائی اور ہم نے اس کے ساتھ کیا کیا تو سب کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔ میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے دھیان دے رہا تھا کہ مجھے وہ چٹان دکھائی دے۔ جس سے یقین ہو جائے کہ ہم درست راستے پر تھے۔ تقریباً میں منٹ بعد مجھے وہ چٹان نظر آ گئی، اس کا مطلب تھا ہم ٹھیک راستے کی طرف جا رہے تھے۔ ''مس سوسترا، چٹان نظر آ گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے ہم فارم کی طرف جا رہے ہیں۔ مزید کتنا سفر باقی ہے؟''

''ابھی ایک گھنٹے کا سفر باقی ہے۔''

''بہتر ہو گا تم آگے آ جاؤ اور میری رہنمائی کرو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم پیچھے چلا گیا اور سوہترا آگے آ گئی تھی۔ "ہاں، یہ وہی چٹان ہے۔"

"فارم کس نوعیت کا ہے؟"

"اس میں باغات ہیں جس میں دو دور جن افراد کام کرتے ہیں۔ کام کے لئے نیچے قصبوں سے عورتیں اور لڑکیاں آتی ہیں۔"

"خوب..... اور کتنا بڑا فارم ہے۔"

"میں نے کبھی ناپا نہیں، تم چل کر دیکھ لینا۔ ویسے یہ ایک چھوٹی سی وادی میں ہے جو چاروں طرف سے چٹانوں میں گھری ہے۔"

"چاروں طرف سے ..... تو اندر جانے کا راستہ کہاں سے ہوگا؟"

"چٹانوں کے درمیان مختصر سا راستہ ہے۔ ہم نے اس میں گیٹ لگا لیا ہے۔"

"مسلح افراد کتنے ہیں؟"

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میری بات کا جواب دو۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"پانچ چھ مسلح محافظ ہیں۔"

"بس۔" میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔ "راج جیسا شخص اتنے معمولی سے حفاظتی انتظامات پر مطمئن ہونے والا نہیں ہے۔"

"ویسے تو سارے ہی ملازمین اسلحہ استعمال کرنا جانتے ہیں مگر خاص محافظ یہی پانچ چھ لوگ ہیں۔"

"یہ کہاں کہاں ہوتے ہیں۔"

"ایک گیٹ پر اور دو اندر کوٹھی پر ..... دو آرام کرتے ہیں۔"

میں نے غور کیا۔ ہمیں پانچ افراد سے نمٹنا تھا اگر سوہترا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "ہمیں اندر جانے کی اجازت کیسے ملے گی۔"

"میں جو ساتھ ہوں، وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"راج لالا نے ان کو کوئی ایسا حکم دے رکھا ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ تمہارے حکم کی تعمیل کریں یا تم جو کہو وہ کریں۔"

اس نے سر ہلایا۔ "بھیا، مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔"

"ظاہر ہے، تم اور راج کوئی الگ الگ تھوڑی ہو۔" میں نے طنز کیا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔ میں نے بچے سے چائے کی فرمائش کی۔ اس نے مجھے کپ میں نکال دی۔ جیپ اب بلندی کی طرف رواں دواں تھی اور سردی کے اثر سے باہر دھند نظر آنے لگی تھی جو رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے رفتار کم کر دی تھی اور جیپ کی ہیڈ لائٹس پورے طور پر آن کر دی تھیں۔

"اس میں آگے فلیش لائٹ بھی ہیں۔" سوہترا نے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اسے آن کیا تو جیپ کی چھت پر لگی فلیش لائٹس جل اٹھی تھیں۔ اس سے راستہ قدرے بہتر نظر آنے لگا تھا۔ ایک گھنٹے بعد میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سوترا سے پوچھا۔ "لب فارم کتنی دور ہے؟"

"اس دھند میں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ سڑک کے دائیں طرف ایک راستہ نکلے گا جو سو گز اوپر جانے کے بعد فارم کے گیٹ تک پہنچے گا۔"

"کوئی نشانی یا بورڈ لگا ہے راستے پر؟"

"ہاں، وراج اسٹیٹ کا بورڈ لگا ہے۔"

"یہاں پر بھی اسٹیٹ بنالی۔" میں ہنسا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہاری خادمہ خاص کہاں ہے؟"

"وہ وہیں رہ گئی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ہم اس کا خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ کوئی ہماری اس حرکت سے واقف ہو۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ہم پانچ اور افراد اس ریاست سے واقف ہو چکے تھے جو راج نے سب سے چھپ کر بنائی تھی تو رازداری کا تقاضا تھا کہ ہم سب کا بھی قلع قمع کر دیا جائے اور سوتی صدر راج اور اس کی اہلیہ کا یہی پلان تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کمار سے مشورہ لازمی تھا ایسا نہ ہو کہ ہم بے خبری میں موت کے سامنے چلے جائیں اور کچھ کہے بغیر فوت ہو جائیں۔ میں نے جیپ ایک طرف روک لی اور کمار کو آواز دی۔ "ذرا باہر آؤ، تم سے بات کرنی ہے۔"

"اتنی ویران جگہ کیوں رکے ہو۔" سوترا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

کمار کے ساتھ وسیم بھی اتر آیا تھا میں نے بتیجے سے کہا۔ "جیپ سے اور کوئی نہ اترے، سمجھ گئے؟"

"جی صاحب، بالکل سمجھ گیا۔" اس نے مستعدی سے کہا۔

جیپ کے گرم ماحول سے باہر آتے ہی شدید سردی نے ہمیں لرزا دیا تھا، یہ بلند جگہ تھی اور یہاں پر سردی زیادہ تھی۔ مگر یہ برف والا علاقہ نہیں تھا۔ میں نے کمار کو مختصراً سوترا سے حاصل ہونے والی معلومات فراہم کیں۔ ان حالات میں فارم میں داخل ہونا کسی اَن جانی کچھار میں داخل ہونے کے برابر ہے، نہ جانے اندر شیر ملے یا گیدڑ۔

کمار پریشان ہو گیا تھا۔ "تمہارا مطلب ہے، یہ ہمیں اندر جاتے ہی مار دیں گے۔"

"میرا خیال ہے وراج نے اپنے قاتل محافظوں کو کچھ اس قسم کی ہدایات دے رکھی ہیں کہ وہاں آنے والے ہر اجنبی کو بلا اجازت اڑا دو۔"

"غور کرنے کی بات ہے اتنی خفیہ جگہ اور اس نے کتنی آسانی سے ہمیں اس کا پتا دیا، کیا وہ اپنی بہن کے ساتھ خود نکل کر نہیں آ سکتا تھا۔"

"سوال یہ ہے کہ اس نے بلاوجہ کا خطرہ کیوں مول لیا؟" میں نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔" کمار عجیب سے لہجے میں بولا۔ "اس نے یہ سارا چکر میرے لئے چلایا ہے۔ وہ تم سب کو مار دے گا مگر مجھے زندہ رکھے گا۔"

"کیونکہ تم اس کے چاچا کے لڑکے ہو۔" میں نے طنز کیا۔

"نہیں، وہ مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا معلوم کرنا چاہتا ہے؟"

"یہ بات تمہارے لئے بے کار ہے۔" کمار نے وسیم کے سوال کا جواب ٹالنے والے انداز میں دیا۔

"کمار، مجھے لگ رہا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو اور میں نے پہلے اس بات کی پروا نہیں کی تھی کیونکہ انسان کے پاس بہت سارے راز ایسے ہوتے ہیں جو وہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتا ہے۔ مگر اب مسئلہ زندگی اور موت کا ہے۔ یہ فارم ہم سب کے لئے موت کا پھندا بھی ثابت ہو سکتا ہے اس لئے میں پوری بات جانے بغیر وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"میرے دوست..... تم نے درست کہا۔ میں نے یہ بات تمہیں پہلے اس لئے نہیں بتائی تھی کہ تمہارا جاننا یا نہ جاننا ایک جیسا ہوگا۔ مگر اب میں تمہیں بتا رہا ہوں..... مگر صرف تمہیں۔"

وسیم اس کا مقصد سمجھ کر جانے لگا مگر میں نے اسے روک لیا۔ "کمار وسیم میرے لئے ایسا ہی ہے جیسے میرا دایاں بازو۔ میں اسے خود سے الگ نہیں سمجھتا۔ اگر تمہیں بتانا ہے تو اس کے سامنے بتاؤ۔"

"یہ بتا کر تم نے اچھا کیا، اب اس کی پوزیشن میرے ذہن میں کلیئر ہے۔" کمار نے سر ہلایا۔ "یہ سارا معاملہ ان پتھروں کا ہے جو بے جان ہوتے ہیں لیکن ان کے لئے انسان بے شمار دوسرے لوگوں کا خون بہانے سے گریز نہیں کرتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے ہیرے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، ہمارے علاقے میں ایک جگہ ہیرے کی زیر زمین کان ہے۔" اس نے کہا۔ "اس کا پتا میرے باپ کو تھا پھر اس نے مجھے بتایا۔ میں نے کمسن ہونے کی وجہ سے یہ بات کہیں کہہ دی اس کے بعد سے یہ ہوتے ہوتے کنور خاندان تک جا پہنچی اور وہ اس فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح اس ہیروں کی کان کو ہتھیا لیں۔ جب میرے باپ نے انکار کیا تو وہ انتقامی کارروائیوں پر اتر آئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے سرکار کی مدد سے میرے پورے قبیلے کو ختم کر دیا۔"

"اور تم ان بے جان پتھروں کا راز اپنے سینے میں دبائے بیٹھے رہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "بے گناہ لوگوں کو مرتا دیکھتے رہے۔"

"میں نے کوشش کی تھی مگر دیر ہو چکی تھی۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی درندگی پر اتر آئیں گے! راج کنور کے قتل پر حملے کے بعد میرا ان سے رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔"

"تو تم ہیروں کی کان کا راز سینے میں دبائے بیٹھے ہو، کس لئے؟" وسیم نے بھی پُر ملامت لہجے میں کہا۔

"یار..... اب مجھے بھی ضد ہے، میں مر جاؤں گا مگر اس کا راز کنور خاندان کو نہیں بتاؤں گا۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"یہ بھول ہے تمہاری، وہ جدید طریقوں کی مدد سے کان کا سراغ لگا لیں گے، ان کا اصل مقصد اس علاقے میں چھپ کر کام کرنا تھا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے تمہارے لوگوں کو مارا۔"

کمار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، ہم جیپ سے ذرا فاصلے پر اس طرح کھڑے تھے کہ اس کی ہیڈ لائٹ کی روشنی ہم پر آ رہی تھی۔ "میں ان لوگوں کو بخشوں گا نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فی الحال بات ہو رہی ہے راج کے بارے میں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''اس کتے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے، اس نے مجھے وادی سے نکال دیا کیونکہ میرے پاس ہیروں کی کان کا راز ہے۔ وہ مجھے یہ راز معلوم کرنے تک زندہ رکھے گا۔''

''اور خود مرنے کے لئے زیر زمین بستی میں رہ گیا۔'' وسیم نے سوال کیا۔

''نہیں، وہ نہیں مرے گا۔ اسے بستی کے چپے چپے کا علم ہے۔ وہ خفیہ پناہ گاہوں کا مالک ہے بھارتی فوج ہفتوں بھی اسے تلاش نہیں کر سکتی۔''

''انہوں نے تلاش کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ انہوں نے زیر زمین بستی کو دھماکے سے منہدم کر دیا۔''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اتنی بڑی بستی کو تباہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہاں فوج نے باہر آنے جانے والے راستے کو تباہ کر دیا ہوگا۔''

مجھے کمار کی بات درست لگی تھی۔ بستی کے اوپر بہت بڑا پہاڑ تھا، وہ اندر دھنستا تو نہ جانے کتنے بڑے رقبے کو متاثر کرتا۔ ممکن ہے پوری وادی ہی تباہ ہو جاتی۔

''اب فرض کر لیا جائے کہ راج بچ گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تو وہ کہاں کا رخ کرے گا؟''

''وہ بچ گیا ہے۔'' کمار نے وثوق سے کہا۔ ''وہ جلد اس طرف آئے گا اور اس کی آمد سے پہلے ہمیں فارم پر قبضہ کر لینا چاہئے۔''

''کیسے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میرے ذہن میں ایک خیال ہے شہباز صاحب!'' وسیم بولا۔ ''ہم گیٹ کیپر کو قابو کر لیتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' گاڑی دیکھتے ہی وہ اندر اطلاع کر دے گا۔ اس کے پاس موا صلاتی نظام ہے۔''

''اسے گوریلا طریقے سے قابو کیا جا سکتا ہے۔''

''میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے۔ اگر ہم سادھنا کو استعمال کریں۔ وہ خوف زدہ حالت میں اس کے پاس پہنچے تو وہ ممکن ہے اندر اس کی اطلاع نہ دے۔'' میں نے خیال پیش کیا۔

''اکیلا لڑکی کے چکر میں پڑ جائے۔'' کمار مسکرایا۔ پھر پوچھا۔ ''اگر سادھنا نے اسے باہر نکال لیا پھر؟''

''اسے قابو کر کے ہم خاموشی سے اندر دھاوا بول دیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''اتنی سردی میں باہر مشکل سے ہی کوئی ملے گا۔''

''میرا خیال ہے ہمیں سومترا سے معلوم کر لینا چاہئے۔ اندر مسلح افراد کہاں کہاں ہیں۔'' کمار نے کہا۔ ''اسے معلوم ہوگا۔''

''وہ اتنی آسانی سے نہیں بتائے گی۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو مشکل سے بتا دے گی۔''

''کوشش کر لو۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''لیکن میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔ عورت کمزور ہوتی ہے مگر بعض اوقات ہیرے سے زیادہ سخت ہو جاتی ہے۔ ٹوٹ جاتی ہے مگر جھکتی نہیں ہے۔''

ہم واپس جیپ میں آئے۔ کمار نے سومترا سے سوالات شروع کئے اور اس نے جواب میں ہٹ دھری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھائی شروع کی۔ کمار نے غصے میں آ کر اسے تھپڑ مارا۔ وہ چیخنے چلانے لگی۔ میں نے کہا۔ ''کمار بے کار ہے۔ یہ نہیں مانے گی۔ اسے ختم کرو اور نیچے پھینک دو۔ کل تک بھیڑیے اس کی لاش کھا جائیں گے۔''

''نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' سومترا لرزتی آواز میں بولی۔

''کیوں جب تم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہی ہو ہم تمہیں کیوں لئے پھریں۔'' میں نے پستول نکالا۔ ''چلو نیچے اترو۔''

''یہ تم کیا کر رہے ہو؟'' سادھنا پریشان ہو گئی تھی۔

''مس سومترا کا مرڈر!'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

''تم پاگل ہو گئے۔'' سومترا چلائی مگر میں نے نیچے اتر کر اسے بھی نیچے کھینچ لیا۔

''میں پاگل نہیں ہوں۔ میں نے تم دونوں بہن بھائی سے سیکھا ہے اپنے مفاد پر انسانوں کو بے دریغ قربان کر دو۔ میں تم کو کیوں معاف کروں۔ جب تم مجھ سے تعاون کرنے کو تیار نہیں ہو۔''

میں نے اسے سڑک کے کنارے کھڑے ہونے پر مجبور کیا، جب میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔

''او کے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ''کیا چاہتے ہو تم؟''

''اندر..... فارم کے اندر کتنے مسلح افراد ہیں۔''

''سات!'' اس نے تسلیم کرنے کے انداز میں کہا۔

''کہاں کہاں ہیں؟''

''ایک مین گیٹ پر ہوتا ہے۔ ایک کوٹھی کے گیٹ پر ہوتا ہے۔ ایک اندر اور ایک کوٹھی کے اوپر بنے واچ ٹاور پر۔ جہاں سے وہ پورے فارم پر نظر رکھ سکتا ہے۔''

''واچ ٹاور..... یہ کوٹھی کے کس حصے میں ہے؟'' میں چونکا۔

''عقبی طرف چٹان کے ساتھ اسے اس طرح بنایا گیا ہے کہ یہ چٹان کا ایک حصہ نظر آتا ہے اور دور سے کسی کو اندازہ نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی واچ ٹاور بھی ہے۔''

وہ جس طرح سب کچھ فر فر بتا رہی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ میری ترکیب کامیاب رہی تھی، ظاہر ہے میرا اسے قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر میں نے اسے تاثر کچھ ایسا دیا تھا کہ میں اسے گولی مارنے والا تھا۔ جان کے خوف سے اس نے اتنی اہم بات بتا دی ورنہ ہم اندر گھستے اور مارے جاتے۔ واچ ٹاور پر موجود نگران ہمیں دیکھ لیتا اور وہ ہمارے استقبال کے لئے تیار ملتے۔ یہ نئی اطلاع تشویش ناک تھی۔ میں نے سومترا کو واپس جیپ میں لے جا کر کمار اور وسیم کو اس بارے میں بتایا۔ ''اس مسئلے کا حل نکالنا ہوگا۔ یہ بھی امکان ہے کہ ٹاور کا نگران اوپر سے ایک برسٹ مار کر ہم سب کو ایک ساتھ دنیا سے رخصت کر دے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اگر ہم میں سے ایک گیٹ کے نگران کا لباس پہن لے؟'' کمار نے تجویز دی۔

''ویری گڈ! یہی واحد تدبیر ہو سکتی ہے۔'' میں نے اسے داد دی۔ ''بس تو طے ہے۔ ہمیں پہلے گیٹ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نگران کو قابو کرنا ہوگا اس کے بعد میں اس کے کپڑے پہن کر اندر جاؤں گا۔"

"شہباز صاحب، یہ کام مجھے کرنے دیں۔" وسیم نے کہا۔

"چلو دیکھ لیں گے۔" میں نے کہا۔ "ابھی تو فارم تک جانا ہے۔"

فارم تک جاتے ہوئے نصف گھنٹا اور لگا تھا۔ راج اسٹیٹ کا بورڈ نظر آتے ہی میں نے جیپ روک لی تھی۔ بورڈ کے ساتھ ایک راستہ اوپر کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے سادھنا کو باہر بلایا۔ جیپ کی روشنیاں بند کر دی تھیں۔ سادھنا حیران تھی کہ مجھے اس سے کیا کام ہے۔

"سادھنا، تمہیں ایک خاص کام کرنا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ سر ہلانے لگی۔

"میں کر لوں گی، مگر اس نے خود باہر آنے کے بجائے مجھے اندر بلا لیا تو؟"

"تمہیں کوئی بہانہ کرنا ہے۔ مثلاً تمہارے پاؤں میں موچ آئی ہے، تم خود سے اندر نہیں جا سکتیں، تم اس سے کہو گی کہ تمہیں اٹھا کر لے جائے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

میں جیپ کی طرف واپس آیا۔ "بیتو اور سوسترا یہیں رہیں گے، کمار اور وسیم میرے ساتھ آئیں۔"

"مجھے کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو؟" سوسترا بولی۔

"تمہارا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور کوئی حرکت مت کرنا ورنہ بیتو تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرے گا۔"

میں، وسیم، کمار اور سادھنا اس پختہ راستے پر اوپر جانے لگے۔ چٹانی دیواریں دکھائی دے رہی تھیں مگر ان میں گیٹ نظر نہیں آیا تھا۔ پھر بھی ہم محتاط تھے یک دم گیٹ کے سامنے جا نکلتے اور نگران بھی باہر جھانک رہا ہوتا تو ہم فوراً نظروں میں آ جاتے۔ پھر گیٹ نظر آ گیا۔ اس کے دونوں پٹ سیاہ فولادی بند تھے۔ ہم رک گئے، اس کے دائیں بائیں ستون تھے۔ ان کی آڑ میں آسانی سے پوزیشن لی جا سکتی تھی۔ "وسیم تم بائیں طرف کے ستون کی آڑ میں جاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔

وسیم بائیں طرف جھاڑیوں اور پتھروں کے ساتھ رینگتا ہوا گیٹ کے ساتھ لگے ستون کی آڑ میں چلا گیا۔ اس طرف مکمل تاریکی تھی۔ "کمار، تم یہاں رکو، کسی ناگہانی صورت میں تم ہمیں کور دو گے۔ سادھنا جب میں اشارہ کروں تو تم کراہتی اور مدد کے لئے پکارتی اس طرف آنا اور یہ اپنی جیکٹ اتار دو۔"

"میں سمجھ گئی۔" سادھنا نے جیکٹ اتارتے ہوئے کہا۔

میں دائیں طرف سے ممکن حد تک تاریکی اور آڑ میں گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس طرف بھی تاریکی تھی البتہ بعض جھریوں سے ہلکی سی روشنی جھلک رہی تھی۔ اندر کوئی چیز روشن تھی۔ میں نے خود کو ستون کی آڑ میں کر لیا تھا پھر میں نے ہاتھ سے سادھنا کو اشارہ کیا اور وہ آڑ سے نکل کر گیٹ کی طرف آئی۔

"ہائے، کوئی ہے۔" اس نے دردناک آواز نکالی۔ جس میں نسوانی لوچ نمایاں تھا۔ اس کا اثر کیسے نہ ہوتا فوراً ہی اندر کوئی چونک کر اٹھا اور اس نے گیٹ میں موجود جھری کھولی۔

"کون ہے..... سامنے آ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سادھنا گیٹ سے کوئی دس فٹ دور زمین پر ڈھیر ہوگئی تھی۔ ''میں..... ہائے..... پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔ مجھ سے چلا نہیں جا رہا ہے، میری مدد کرو۔''

''کون ہے؟'' نگران نے اندر سے سادھنا پر ٹارچ کی تیز روشنی ڈالی۔ اس نے جیکٹ اتار دی تھی اور جان بوجھ کر زمین پر اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کے دلکش جسمانی خدوخال نمایاں ہو رہے تھے۔

''میں ابھاگن ہوں۔ وہ میرا پیچھا کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے جان چھڑا کر یہاں آئی ہوں۔ وہ اِدھر بھی نہ آ جائیں، مجھے بچالو۔''

نگران کی آنکھیں سادھنا کے حسن نے خیرہ کر دی تھیں۔ اس نے عقل بالائے طاق رکھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ ''اندر آ جاؤ، جلدی۔''

''مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا۔ پاؤں میں موچ آئی ہے۔ مجھے اٹھا کر اندر لے چلو۔'' سادھنا نے ایسے لہجے میں فرمائش کی تھی کہ وہ خود بھی معذور ہوتا تب بھی اسے اٹھانے آ جاتا۔ جیسے ہی وہ گیٹ سے نکل کر باہر آیا، میں نے اللہ کا نام لے کر اس کی گردن پر پستول کے دستے سے وار کیا اور وہ منہ کے بل زمین پر گرا تھا، اس کی رائفل خاصے شور سے زمین سے ٹکرائی تھی۔ ایک لمحے کو میں ساکت رہ گیا تھا مگر جب کہیں سے کوئی ردِعمل نہیں ہوا تو میں تیزی سے حرکت میں آیا۔ وسیم بھی اسی وقت ستون کی آڑ سے نکلا اور ہم نگران کو کھینچ کر گیٹ کے اندر لے گئے۔ گیٹ ایک چٹان کی آڑ میں تھا اور یہ کوٹھی سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے نگران کا لباس اتارتے ہوئے کہا۔

''ان دونوں کو بلا لو، جلدی۔''

نگران میرے قد و قامت کا شخص تھا، میں نے اس کا لباس اتارا اور اس اثنا میں کمار اور سادھنا بھی آ گئے۔ ''خواتین و حضرات منہ دوسری طرف کر لیں۔''

سادھنا پہلے ہی منہ دوسری طرف کر چکی تھی کیونکہ نگران حالتِ فطرت میں تھا، اس کے لباس سے بو آ رہی تھی، بدبخت نہ جانے کب سے غسل سے گریزاں تھا۔ میں نے بادلِ ناخواستہ اس کا لباس پہنا۔ اس نے ایک عدد وردی پہن رکھی تھی۔ وہاں چارپائی پر کمبل رکھا تھا اور اس کے قریب ہی دہکتے انگاروں والی ایک انگیٹھی تھی۔ نگران کو چارپائی پر ڈال کر کمبل اوڑھا دیا تھا۔ اس کے پاس خودکار رائفل تھی۔ میں نے اس کی اونی ٹوپی سر پر جمائی اور پوچھا۔ ''کیا خیال ہے، اس جیسا لگ رہا ہوں؟''

''تقریباً۔'' وسیم بولا۔ ''مگر آپ اکیلے اندر جائیں گے؟''

''نہیں، آپ سب بھی چلیں.....'' میں نے بھنا کر کہا۔

وہاں پر ایک عدد لالٹین روشن تھی اور ہنگامی حالت کے لئے وہاں دستی سرچ لائٹ بھی تھی۔ میں گیٹ کی اوٹ سے نکلا اور نپے تلے قدموں سے کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ کوٹھی دائیں جانب اس مختصر سی وادی کے سب سے بلند مقام پر تھی۔ یہ بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اصل میں چاردیواری کے اندر پورا کورڈ ایریا تھا۔ اس کے گیٹ پر تیل سے جلنے والے لیمپ روشن تھے۔ اندر کوٹھی میں بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔ مجھے کوشش کے باوجود واچ ٹاور نظر نہیں آیا۔ اوپری چٹانوں میں کئی جگہ تاریک رخنے تھے مگر ان پر واچ ٹاور کا گمان بھی مشکل تھا۔

پہلا مرحلہ بے حد آسانی سے طے ہونے کے بعد میرا حوصلہ بلند تھا۔ راج نے فارم کی حفاظت کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معمولی سے لوگ بھرتی کر رکھے تھے۔ اگر ایسا ہی نمونہ کوٹھی کے گیٹ پر تھا تو میں اسے بھی آسانی سے قابو کر سکتا تھا۔ میں نے کوٹھی کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی کھانسنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا فوری ردِعمل ہوا تھا۔ ایک شخص نے اندر سے کچھ کہا۔ یہ ہندی نما اردو تھی۔

"پانی!" میں نے کھانسی کے درمیان میں کہا، آواز واضح نہیں تھی۔ اس لئے اس نے بلا کھٹکے دروازہ کھول دیا اور میں نے اسے گردن سے پکڑ کر باہر کھینچا پھر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر گھٹنا کمر پر مارا۔ جب وہ تڑپ کر سیدھا ہونے کی کوشش کر رہا تھا تو میرے ہاتھ کی سختی کی وجہ سے اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اس کا جسم بے ہنگم انداز میں میرے ہاتھوں میں پھڑکنے لگا تھا۔ مجھے افسوس ہوا مگر میں اسے ذرا بھی مہلت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ شور کر کے کسی کو متوجہ کر لے اور یہ دیکھ کر افسوس بڑھ گیا تھا کہ وہ نوعمر لڑکا تھا۔ اس کی مسیں ابھی بھیگ رہی تھیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

اسے گیٹ سے ہٹا کر دیوار کے ساتھ اگی ایک پھولدار بیل کے عقب میں ڈال دیا۔ وادی کے دوسرے سرے پر ایک عمارت اور تھی، ترچھی چھت والی ایک منزلہ عمارت تھی۔ یہ شاید ملازمین کے لئے مخصوص تھی۔ میں نے گیٹ کے اندر قدم رکھا۔ کوٹھی کا پورچ تاریک تھا اور اس میں ایک عدد نئے ماڈل کی مرسیڈیز کار کھڑی تھی۔ یہ حصہ اوپری چٹانوں سے نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ یہاں سے اوپری چٹانیں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اوپر کوئی واچ ٹاور تھا تو اس میں موجود نگران کی نظروں سے یہ ساری کارروائی محفوظ رہی تھی۔

اب سوال یہ تھا کہ باقی پانچ مسلح محافظ کہاں تھے۔ یہیں تھے یا ملازموں والی عمارت میں تھے۔ ابھی مجھے سب سے پہلے واچ ٹاور کے نگران سے نمٹنا تھا، اس کے ہوتے ہوئے میرے بقیہ ساتھی اندر نہیں آ سکتے تھے۔ میں نے مرکزی دروازہ چیک کیا وہ کھلا تھا۔ میں اندر داخل ہوا۔ یہ وسیع و عریض اور سجا سجایا ڈرائنگ روم تھا مگر یہاں کوئی نہیں تھا۔ میں کوٹھی کے مختلف کمروں میں چکراتا رہا۔ کوٹھی میں ساز و سامان پورا تھا لیکن انسان نہیں تھے۔ اوپر کی منزل کی طرف جاتے ہوئے مجھے سیڑھیوں کے نیچے راستہ نظر آیا تھا۔ میں نے پہلے اسے چیک کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب میں نے گول پتھریلی سیڑھیاں دیکھیں جو اوپر جا رہی تھیں تو میرا شک یقین میں بدل گیا۔

میں بنا آواز کئے سیڑھیوں سے اوپر پہنچا، یہاں تاریکی تھی اور مجھے راستہ ٹٹولنا پڑ رہا تھا۔ آخر میں ایک دروازے تک پہنچا جو بند تھا اور اندر سے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ واچ ٹاور کا نگران اندر سے دروازہ بند کئے بے خبر سو رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ نگرانی خاک کر رہا تھا۔ میں نے اسے سونے دیا اور نیچے اتر آیا۔ میں نے پھاٹک تک کا فاصلہ تیزی سے طے کیا۔ "وسیم کمار!" میں نے قریب جا کر آواز دی۔

مگر وہاں کوئی نہیں تھا جو میرے سوال کا جواب دیتا۔ بے ہوش نگران اپنی چارپائی پر پڑا تھا۔ مگر وسیم، کمار اور سادھنا غائب تھے۔ پھاٹک کا چھوٹا دروازہ بھی کھلا تھا۔ میں باہر آیا۔ ان تینوں کو باہر بھی نہ پا کر میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ میں پلٹنے لگا تھا کہ ایک آواز آئی۔

"رک جاؤ شہباز! اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ اپنے ہتھیار پھینک دو۔"

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں ساکت ہو گیا تھا مگر میں نے ہتھیار نہیں پھینکے تھے۔ آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلاشبہ راج کی تھی اور مجھے اب ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ میرے ساتھی کسی برے انجام سے دوچار ہو چکے تھے۔ اگر وہ زندہ بھی تھے تو آزاد نہیں تھے۔ میں نے ذرا توقف کے بعد پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''راج، تم مجھ سے ہتھیار کیوں رکھوانا چاہتے ہو۔ میرا خیال ہے میں نے تمہاری اور تمہاری بہن کی مدد کی ہے۔ ہمارے درمیان دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''مدد!'' راج کے لہجے میں زہر تھا۔ ''مدد کے بہانے تم میرے فارم پر قابض ہونا چاہتے تھے مگر راج بے وقوف نہیں ہے۔ میں مستقل تمہارے پیچھے تھا۔''

''جب تم نے ہمارا پیچھا کرنا تھا تو ہمیں جانے کیوں دیا تھا، تم خود بھی سوسترا کو لے کر وہاں سے نکل سکتے تھے۔'' میں وقت گزاری کے لئے بلاوجہ کے سوال کر رہا تھا۔

'مجھے وہاں ایک کام تھا بہرحال اب تم ہتھیار پھینک دو، تمہارے تمام ساتھی میرے قبضے میں ہیں۔''

''تم نے ان کے ساتھ کیا، کیا ہے؟''

''فی الحال تو بے ہوش ہیں اور میں آخری بار کہہ رہا ہوں، ہتھیار پھینک دو ورنہ.....''

''ورنہ کیا...؟'' میں نے آرام سے کہا اور یک دم چھلانگ لگا کر ایک چٹان کے پیچھے جا گرا۔ کوئی فائر نہیں ہوا، بس مجھے اپنے بائیں پہلو میں ہلکی سی چبھن ہوئی تھی، میں نے ہاتھ مارا تو ایک ننھی سی سرنج والی سوئی میرے جسم سے الگ ہو گئی۔ اسے ڈارٹ کہتے ہیں اور اسے فائر کرنے کے لئے مخصوص گن ہوتی ہے۔ سوئی جسم میں اترتی ہے اور دباؤ کے تحت سیکنڈ سے بھی کم وقت میں انجکشن کی دوا جسم میں اتر جاتی ہے۔ میرے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ دوا بے حد زود اثر تھی کیونکہ چند سیکنڈ کے اندر میرا ذہن چکرانے لگا تھا اور اس سے پہلے کہ میرے پاس کوئی آتا، میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ہوش آیا تو میں ایک کمرے میں فرش پر بچھی چٹائی پر پڑا تھا۔ میرے دائیں طرف وسیم اور کمار تھے اور بائیں جانب بیتو تھا مگر سادھنا ہمارے ساتھ نہیں تھی۔ کمرا خالی تھا اور وہاں سوائے ایک چٹائی کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کمرا اتنا سرد نہیں تھا جتنا کہ اس موسم میں ہونا چاہئے تھا۔ شاید یہ زیر زمین تھا اسی وجہ سے کسی قدر گرم تھا۔ ہمارے جسموں پر مکمل لباس تھے مگر لباسوں کے سوا ہمارے پاس سے ہر شے لے لی گئی تھی۔ حد یہ کہ میرے اور کمار کے ہاتھوں سے گھڑیاں بھی اتار لی گئی تھیں۔ اس کا مقصد ہمیں وقت دیکھنے سے روکنا تھا۔ اس کمرے میں آنکھ کھولنے میں واحد مثبت پہلو یہ تھا کہ فی الحال راج ہمیں قتل کرنا نہیں چاہتا تھا ورنہ اس وقت ہم کسی مشترکہ قبر میں پڑے ہوتے اور ظاہر ہے لاش میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔ میں نے اٹھ کر ان تینوں کو اٹھانے کی کوشش کی۔ بے ہوشی کی دوا کا اثر ختم ہو چکا تھا اور وہ صرف سو رہے تھے اس لئے معمولی سی کوشش سے اٹھ گئے۔ بیتو نے اٹھ کر اپنی زبان میں کچھ فرمایا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے کمار کی طرف دیکھا، اس نے ترجمہ کیا۔

''یہ کہہ رہا ہے، میں کہاں ہوں؟''

''اسی دنیا میں۔'' میں نے کہا۔

''اس دنیا سے جانے کے امکانات بھی روشن ہیں۔'' وسیم نے پہلی بار زبان کھولی، وہ فکرمند لگ رہا تھا۔ ''راج سے اچھائی کی امید نہیں کی جاسکتی، وہ بزدل اور کمینہ دشمن ہے۔''

''وہ بزدل اور کمینہ دشمن اتنی آسانی سے آپ لوگوں پر حاوی کس طرح آ گیا؟'' میں نے ذرا تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

وسیم نے سر کھجایا۔ ''جناب! وہ اپنے ساتھ کچھ خبیث قسم کی چیزیں لایا ہے۔ یہ بونے ہیں تین ساڑھے تین فٹ کے، سوئی انہوں نے ہی ماری تھی اور یہ کسی گن کے بجائے منہ میں نلکی رکھ کر پھونک مارتے ہیں۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''جس نے مجھے سوئی ماری تھی میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ چھلاوے کی طرح تاریکی سے نکلا تھا اس وقت وہ گیٹ کے پاس تھا۔''

''اور ہم دونوں عقب میں چٹان کی آڑ میں تھے۔'' کمار نے بتایا۔

''لڑکیاں کہاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ سڑک کے پار جھاڑیوں میں تھیں۔'' کمار نے بتایا۔''میں نے سادھنا کی چیخ سنی تھی، میں اس کی طرف بھاگا تھا جب مجھے تیر لگا۔''

''تیر..... تمہارا مطلب ہے انجکشن؟''

''نہیں، سچ مچ کا تیر..... چھوٹا سا..... اس پر کوئی فوراً اثر کرنے والی دوا لگی تھی۔ میں چند سیکنڈ کے اندر بے ہوش ہو گیا تھا۔''

''میں پیچھے تھا اور مجھے کسی نے پیچھے سے تیر مارا تھا۔'' بیتو نے آپ بیتی پیش کی۔

''یعنی ہم پر دو طرح سے حملہ ہوا تھا۔'' میں نے غور کیا۔''بونے اور کس نے دیکھے تھے؟''

''میں نے۔'' بیتو بولا۔''بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے دو عدد بونے دیکھے تھے، وہ مجھ پر ہنس رہے تھے۔''

''سوال یہ ہے کہ سادھنا ہمارے ساتھ کیوں نہیں ہے؟''

کمار نے تلخی سے کہا۔''تم اچھی طرح جانتے ہو، اس حرام زادے کی شروع سے اس پر نیت خراب رہی ہے۔''

''اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ اس نے اب تک ہمیں زندہ کیوں رکھا ہے؟'' وسیم نے کہا۔''کیا وہ ہمارے حوالے سے کسی اور چکر میں ہے؟''

میں نے سر ہلایا۔''اس نے دیکھ لیا ہے، ہم ذمے داری اٹھانے والے گدھے ہیں۔ ورنہ وادی سے نکلتے ہی سومترا بی بی کو سلام کرتے اور اپنی راہ لیتے۔ ہم اسے وادی تک پہنچانے آ گئے۔''

''آپ بھول رہے ہیں، کمار نے وادی پر قبضے کا سوچا تھا۔'' وسیم نے یاد دلایا۔

''یہ بعد کی بات تھی۔'' میں نے کہا۔''راج نے جس آسانی سے ہم پر قابو پا لیا اس سے لگ رہا ہے وہ شروع سے ہمارے تعاقب میں تھا۔''

''میرا خیال ہے وہ ہم سے پہلے وادی میں آ گیا تھا اور خاموشی سے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔'' وسیم نے کہا۔

''اتنی تیاری کے ساتھ۔'' کمار نے یاد دلایا۔''اسے کیسے معلوم کہ ہمارے عزائم کیا ہیں؟''

''راج عقل مند شخص ہے اس نے پہلے ہی اندازہ کر لیا ہوگا۔'' میں نے کہا اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔''اس نے ویسے ہی ہم سے نجات حاصل کرنی تھی اور جانتا تھا کہ ہم آسانی سے قابو نہیں آئیں گے اس لئے اس نے پوری تیاری رکھی تھی۔''

''مگر آسانی سے ہم قابو میں آ گئے۔'' وسیم مسکرایا۔

''اصل میں ہم روایتی انداز میں مقابلے کے لئے تیار تھے۔ ان چیزوں کا تو سوچا ہی نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔

اس کے بعد سب خاموش ہو گئے۔ میرا اندازہ تھا کہ صبح ہو چکی ہے لیکن اس کمرے میں دن رات کا فرق معلوم کرنا دشوار تھا۔ کمرا چاروں طرف سے بند تھا اور ایک فولاد کا مضبوط دروازہ لگا تھا، ہم میں سے کسی کے پاس گھڑی نہیں تھی۔ میرا پیٹ خالی ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، آخری کھانا کھائے ہوئے کم سے کم بارہ گھنٹے گزر چکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے اور اب تک کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ عین ممکن تھا، راج نے خود قتل کرنے کے بجائے ہمیں بھوکا پیاسا مرنے کے لئے یہاں چھوڑ دیا ہو۔ جب ہم مر جائیں تو ہماری لاشیں نکال کر اس وادی میں کسی گڑھے میں دبا دی جائیں۔

تقدیر نے مجھے ایک بار پھر الجھا دیا تھا۔ میں اس سے نکلنے کی کوشش میں مزید الجھتا جا رہا تھا۔ کچھ مجھے بھی بلاوجہ کی خارش تھی، ہر معاملے میں پنگا لینے اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی۔ اس کوشش میں آج لگ رہا تھا کہ میں خود پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا تھا۔ اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا۔ مجھے وادی سے نکلنے کے بعد اپنی راہ لینی چاہئے تھی۔ میں اس سرزمین پر اجنبی تھا اور میرا پاکستانی ہونا ہی سب سے بڑا جرم بن جاتا جس کے بعد ممکن ہے میری اس طرح وطن واپسی ہوتی جس طرح آئے دن میرے ہم وطن بھارت سے اپنے ملک جاتے ہیں، تابوت میں بند شکستہ بدن لئے۔

میں سوچوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ راج لاما سے پہلے دو سیاہ فام بونے اندر آئے۔ یہ افریقی نہیں تھے بلکہ ایشیائی تھے، ان کے نقوش کسی قدر چینیوں سے ملتے تھے۔ صفاچٹ سر اور بے حد چمکیلی سیاہ آنکھیں۔ انہوں نے سیاہ رنگ کی چست پتلون اور سیاہ ہی جرسی پہن رکھی تھی۔ کپڑے اس طرح سے ان کے جسم کا حصہ بنے ہوئے تھے کہ ایک نظر میں وہ عریاں ہی لگ رہے تھے۔ ان کے آتے ہی ہم ساکت ہو گئے تھے اس کی وجہ ان کا عجوبہ وجود نہیں تھا بلکہ ان کے ہاتھوں میں چھوٹی مگر مہلک یوزی مشین گنیں تھیں جنہیں انہوں نے مستعد انداز میں تھام رکھا تھا۔ انہوں نے دروازے کے دائیں بائیں پوزیشن لے لی تھی۔ پھر راج اندر آیا۔ وہ کسی قدر متفکر تھا۔ کسی نے کچھ کہا نہیں، اسے خاموشی سے دیکھتے رہے۔

''سادھنا کہاں ہے؟'' اس نے اچانک سوال کیا۔

''سادھنا کے بارے میں ہم سے پوچھ رہے ہو؟'' کمار نے بھڑک کر کہا۔

''حالانکہ ہمیں خود نہیں معلوم کہ ہم کہاں ہیں؟'' میں نے لقمہ دیا۔

''سادھنا..... مجھے تم لوگوں کے ساتھ نہیں ملی۔''

''جھوٹ مت بولو..... وہ تمہارے پاس ہے، ہم نے اسے سومترا کے پاس چھوڑا تھا۔''

''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ سومترا مجھے سڑک کے پاس جھاڑیوں میں بے ہوش ملی تھی، اس نے بتایا کہ جب ہنگامہ شروع ہوا تو سادھنا نے اچانک اس کے سر پر پتھر سے ضرب لگائی تھی۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے تم لوگوں سے کیا خوف ہو سکتا ہے جو میں جھوٹ بولوں۔'' اس نے بھڑک کر کہا اور سادھنا کو گالی دی۔ ''وہ..... بھاگ گئی ہے۔''

''اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔'' کمار غصے سے کھڑا ہوا تو راج لاما کے بونے مستعد ہو گئے۔

''رک جاؤ کمار!'' میں نے بونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا اگر کمار نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو یہ بونے اسے چھلنی کر دیں گے۔ وہ رک گیا اور کچھ دیر ہونٹ کاٹنے کے بعد وہ جھٹکے سے واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔ ''راج، تم نے ہمیں کیوں قید رکھا ہے۔ ہم نے تمہاری بہن کو بحفاظت یہاں تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچا دیا ہے اس لئے ہمیں جانے دو۔"

"مجھے احمق مت سمجھو۔" اس نے جھڑکنے کے انداز میں کہا۔ "تم لوگ فارم پر قبضہ کرنے آئے تھے۔ میرے چوکیدار کو بے ہوش کیا تھا۔"

"اس نے ہمیں اندر آنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔"

"سوختہ کے ہوتے ہوئے وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔" راج نے یقین سے کہا۔ "تمہاری نیت بدل گئی تھی۔ تم نے سوچا کہ میں وادی میں مارا جاؤں گا اور تم فارم پر قبضہ کر لو گے۔ سوختہ کو راہ سے ہٹانا مشکل نہیں تھا۔"

"تم کچھ بھی سوچنے کے لئے آزاد ہو۔" کمار نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب ہمارے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

راج کی آنکھوں میں خطرناک سی چمک نمودار ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں ہمارے حوالے سے کوئی خطرناک منصوبہ بن رہا تھا۔ "مجھے ہیر صورت سادھنا چاہئے۔"

"ہم تمہارے قبضے میں ہیں۔ ہمیں بالکل نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔" میں نے کہا۔

راج کافی سوچ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "جیسے ہی مجھے علم ہوا وہ غائب ہے، میں نے سڑک کے دونوں جانب اپنے آدمی روانہ کر دیئے تھے۔ وہ سڑک پر ہوتی تو ان کو مل جاتی۔ وہ اسی علاقے میں چھپی ہے اور تم اسے سامنے لاؤ گے۔"

"وہ پاگل ہے جو ہمارے کہنے پر خود کو تمہارے حوالے کر دے جبکہ وہ تمہارے عزائم سے اچھی طرح واقف ہے۔"

راج مسکرایا۔ "وہ میرے عزائم سے ہی تو واقف نہیں ہے۔" اس نے غرور سے کہا۔ "تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ میرے دل میں کیا ہے۔"

تب میرے ذہن میں خیال آیا۔ راج بھی ہیروں کی کان کے چکر میں تھا اور اسے سادھنا کی اصلیت پتا چل گئی تھی۔ وادی میں کچھ عجل سے لائے جانے والے بے شمار افراد تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی راج کو بتا دیا ہوگا کہ سادھنا اصل میں کون ہے؟ اور وہ اسے قبضے میں لینے کے لئے اس لئے بھی بے چین تھا کہ اس کی مدد سے وہ کنوؤں کو اپنے آگے مجبور کر سکتا تھا۔

"تم ہمارے ذریعے کس طرح مجبور کرو گے؟" کمار نے پوچھا۔ "اگر تمہارا خیال ہے، ہم اپنی جان بچانے کے لئے اسے سامنے آنے پر مجبور کریں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔"

"نہیں، تم نہیں میں مجبور کروں گا۔" راج کافی مسکرایا۔ "کیسے یہ تمہیں کچھ دیر بعد پتا چل جائے گا۔"

راج کا جملہ مکمل ہوتے ہی پنکھا اور دروازے سے نکل گیا۔ اس کے نکلنے کے بعد اس کے بولنے کا مفہوم بھی اگلے قدموں نکلے اور دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ بند ہو گیا۔

"اس کے ذہن میں کوئی خوفناک منصوبہ ہے۔" وسیم نے تشویش سے کہا۔

"ظاہر ہے، دشمن سے آپ کسی خوبصورت منصوبے کی توقع نہیں کر سکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور اٹھ کر دروازے کا جائزہ لیا۔ وہ بے حد مضبوط تھا اور اس میں کوئی جھری بھی نہیں تھی جس سے باہر جھانکا جا سکتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بات نہیں آ گیا۔ "ننھی اطال تو ہم بے بس ہیں۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "اس قید خانے میں تو کچھ نہیں کر سکتے۔"

"سوائے انتظار کرنے کے۔" کمار نے سر آہ بھری۔

بچہ خاموش بیٹھا تھا۔ وہ مجھ سے کسی قدر بے تکلف تھا مگر کمار کے سامنے اس کی شوخی گم ہو جاتی تھی اور وسیم کے سامنے بھی وہ مؤدب رہتا تھا اس لئے ان دونوں کی موجودگی میں بالکل چپ اور گم صم بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی بہادری اور جاں نثاری سے اپنی افادیت ثابت کر دی تھی۔ کمار کے چہرے پر پہلی بار اطمینان نظر آیا تھا۔ یہ جان کر کہ سادھنا راج کے قبضے میں نہیں ہے۔ اس نے پوچھا۔ "راج کس طرح تمہاری مدد سے سادھنا کو سامنے آنے پر مجبور کرے گا؟"

"اگر وہ تمہارے سینے پر پستول رکھ کر سادھنا سے کہے کہ وہ سامنے نہ آئی تو تم مارے جاؤ گے۔ سادھنا کو اس صورت میں دیکھ کر ہی وہ کیا سامنے نہیں آئے گی؟"

"وہ سامنے آ جائے گی۔" کمار نے یہ ساتھ کہا۔

"راج کوئی حربہ استعمال کرے گا۔" میں نے یقین سے کہا۔ "اور وہ ہم سب کو ایک ساتھ نہیں لے جائے گا۔ سادھنا کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے۔ ذرا سا موقع ملتے ہی ہم پلٹ دیں گے۔ وہ ہمیں ایک ایک کر کے لے جائے گا اور ہمیں زندہ دشمنوں کو آسانی نہیں ہو گی۔"

"آپ نے ٹھیک کہا۔" وسیم نے ساتھ دیا۔ "یہ ایسا ہی کرے گا۔"

"ایک آدمی کو قابو کرنا آسان ہو گا۔"

"راج کو تمہارے اور سادھنا کے تعلق کا علم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے وہ سب سے پہلے مجھے لے جائے گا۔" میں نے سوچ کر کہا۔

"نہیں ہم نہیں جائیں گے۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔ تمہیں دیکھتے ہی سادھنا سامنے آ جائے گی۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "تمہاری اہمیت اسی میں ہے کہ سادھنا تمہیں دیکھ رہی ہے۔"

"ممکن ہے وہ اس جگہ سے جا چکی ہو۔" بچے نے پہلی بار زبان کھولی۔

"میرا خیال ہے وہ آس پاس ہے اور ہمیں چھڑانے کی فکر میں ہو گی۔" کمار بولا۔ "ویسے اسے یہاں سے نکل جانا چاہئے تھا۔"

"وہ شمار کرا دے راستوں میں بھٹک سکتی ہے اس وجہ سے اس نے یہاں سے جانے کی کوشش نہیں کی ہو گی۔" میں نے کمار کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنے جا رہا تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ راج دو محافظوں کے ساتھ آیا تھا۔

"تم آؤ گے؟" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ میرا اندازہ درست تھا۔

"چلو۔" میں اچانک اٹھ کر آگے بڑھا تو راج پھرتی سے پیچھے ہو گیا تھا اور اس کے باڈی گارڈ چوکنا ہو گئے تھے۔ میں رک گیا۔ "تم تو ڈر گئے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی احمقانہ حرکت مت کرنا۔'' راج خشک لہجے میں بولا۔ ''یہ بونے دھوکا نہیں کھاتے اور ذرا بھی رعایت نہیں کرتے۔ ان کے سامنے غلط حرکت کرنے کا مطلب آتما ہتیا ہوگا۔''

''اوکے! مجھے بھی خودکشی کا شوق نہیں ہے، اب چلو۔''

میرا اندازہ درست تھا ہم ایک تہہ خانے میں تھے۔ راج سب سے آگے تھا۔ اس کے عقب میں ایک بونا تھا اور اس کے بعد میں تھا۔ دوسرا بونا میرے عقب میں تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے گٹھے ہوئے سر عجیب سے لگ رہے تھے۔ میں نے مختلف اقسام اور نسلوں کے بونے دیکھے تھے۔ خاص طور سے افریقہ میں بونے قبائل پائے جاتے ہیں لیکن یہ بونے میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ان کا قد تین فٹ سے زیادہ نہیں تھا یعنی ایک سات آٹھ سال کے بچے جتنا۔

''یہ نمونے تم نے کہاں سے لئے؟'' میں نے باہر آنے کے بعد راج سے پوچھا۔

''یہ.....'' وہ بولا۔ ''میں نے آسام کے ایک علاقے سے حاصل کئے ہیں۔ وہاں یہ دور افتادہ پہاڑوں میں رہتے ہیں اور اپنے علاقے میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے ہیں۔''

''تب تم نے ان کو کیسے حاصل کیا؟''

''میں نے ان کو خریدا ہے سونے کے بدلے۔ ان کے قبیلے میں سونا متبرک مانا جاتا ہے۔ میں نے ان کے سردار سے سونے کے بدلے یہ چھ بونے لئے تھے۔ یہ تربیت یافتہ باڈی گارڈ ہیں، بس شہرا کر میں نے ان کو اسلحہ استعمال کرنے کی تربیت دلوائی ہے۔ میں ان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتا ہوں۔''

''یہ تمہاری زبان سمجھتے ہیں؟''

''نہیں، میں نے ان کی زبان سیکھی ہے۔''

میں نے دیکھا کوٹھی اور فارم میں اب کوئی شخص نظر نہیں آ رہا تھا۔ ''تمہارے آدمی کہاں گئے؟'' میں نے پوچھا۔

''تم دیکھ لو گے۔'' راج لامبا بولا۔ ''ویسے وہ نااہل ثابت ہوئے تھے، میں نے سب کو نکال دیا ہے۔''

فارم کے داخلی دروازے پر اب ایک مسلح گورکھا بیٹھا تھا۔ گورکھا قبائل نیپال سے تعلق رکھتے ہیں اور وفاداری و جاں نثاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ یہ خصوصیت ہمارے شمالی قبائلیوں میں پائی جاتی ہے، اس وجہ سے ان دونوں اقوام کو چوکیدار کے فرائض سونپ دیئے گئے ہیں۔ افسوس کہ آج ہمارا قبائلی نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ فارم سے باہر آنے کے بعد میں نے دن کی روشنی میں اس علاقے کو دیکھا۔ چاروں طرف سے پہاڑ تھے اور خاصے دشوار گزار تھے۔ ایک نازک لڑکی کے لئے انہیں عبور کرنا بہت مشکل کام تھا۔ مجھے راج کی بات درست لگی کہ سادھنا اسی علاقے میں ہے۔ وادی کے ساتھ کے پہاڑ بہت اونچے تھے، ان کی طرف جانا حماقت کہلاتی کیونکہ ان کے اوپری حصے سیدھی اور ننگی چٹانوں پر مشتمل تھے اور ان پر کوئی راک کلائمبر ہی چڑھ سکتا تھا۔ البتہ سڑک کے دوسری جانب جنگلات تھے اور ان میں آسانی سے چھپا جا سکتا تھا۔ سادھنا نے گرم کپڑے پہن رکھے تھے اور اس کے لئے جنگل میں رات گزارنا مشکل نہیں تھا اس کے پاس ایک عدد پستول بھی تھا جو اسے سوستراکو قابو میں رکھنے کے لئے دیا گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ شاید سامنے جنگل میں ہے۔'' راج نے اشارہ کیا۔

''سوال یہ ہے کہ وہ میرے کہنے پر خود کو تمہارے حوالے کیوں کرنے لگی۔''

''تم نے اسے بچا کر اس پر احسان کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے مگر احسان کے بدلے اپنی جانب کون خطرے میں ڈالتا ہے۔''

''اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' راج بولا۔ ''اور اسے یہ بات تم سمجھاؤ گے۔''

''کیسے.....؟ میرے گلے میں کوئی لاؤڈ اسپیکر نصب نہیں ہے۔''

''میرے پاس کا بھی حل ہے۔'' اس نے کہا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک حیرت انگیز طور پر مختصر سا میگافون برآمد کیا تھا۔ یہ مشکل سے سات انچ لمبا تھا اور اس کا قطر تین انچ تھا۔ اس میں خاصا وزن تھا جو غالباً بیٹری اور اسپیکر کے میگنٹ کا تھا۔ اس نے یہ میگافون میری طرف بڑھا دیا۔ ''اس کی آواز پانچ سو گز یعنی تہائی میل تک صاف سنائی دیتی ہے۔ اس میں زور سے بولنے کی ضرورت نہیں ہے صرف سرگوشی کرو تب بھی یہ پوری طاقت سے آواز نکالے گا۔''

میں نے تجربہ کر کے دیکھا۔ ''سادھنا..... تم کہاں ہو؟'' واقعی آواز خاصی زوردار اور صاف تھی۔

''اسے سامنے بلاؤ۔''

''سامنے مت آنا..... یہاں سے بھاگ جاؤ۔'' میں نے الٹا مشورہ دیا۔

راج مسکراتا رہا۔ ''مجھے معلوم تھا تم ایسا ہی کرو گے، یہ ادھر دو۔'' اس نے میگافون مانگا۔

''اس کا کیا کرو گے؟'' میں نے پوچھا اور میرے سوال کا دوسرا حصہ نہایت نازیبا اور ناقابلِ بیان تھا۔

میں نے میگافون کا ایک ممکنہ استعمال پوچھا تھا۔ راج نے خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھا۔

''اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ مت سمجھو کہ میں تمہیں زندہ رکھنے پر مجبور ہوں۔''

''اوکے، میں ڈر گیا۔'' میں نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا اور اچانک میگافون اس کی طرف اچھال دیا، وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا، اس نے اضطراری طور پر ہاتھ بڑھا کر میگافون پکڑنے کی کوشش کی مگر میں نے خاصی رفتار سے پھینکا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر سڑک کے نیچے گہرائی میں چلا گیا اور چند لمحے بعد اس کے کسی ٹھوس چیز سے ٹکرانے اور بکھرنے کی آواز آئی۔ راج کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ ''یہ کیا، کیا تم نے؟''

''سوری!'' میں نے معصومیت سے کہا۔ ''میں نے زیادہ زور سے اچھال دیا۔ غلطی تمہاری بھی ہے جب مانگا تھا تو لینے کے لئے تیار رہنا تھا۔''

وہ چند لمحے مجھے سفاک نظروں سے گھورتا رہا۔ ''شہباز، تم پچھتاؤ گے۔''

''وہ تو میں پچھتا رہا ہوں، وادی سے نکل کر مجھے اپنی راہ لینی چاہئے تھی، بلاوجہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑائے رکھی۔''

راج نے ایک بوٹ سے کچھ کہا اور وہ کوٹھی کی طرف چلا گیا۔ غالباً دوسرا میگافون لانے۔ چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے پاس سچ مچ میگافون ہی تھا۔ اس نے میگافون لے کر میری طرف دیکھا اور منہ سے لگا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ ''سادھنا! اگر تم میری آواز سن رہی ہو تو میرے پاس آجاؤ۔ ورنہ میں شہباز کو مار ڈالوں گا۔''

''فرض کرو، وہ تمہاری آواز نہیں سن رہی ہے تو؟'' میں نے سوال کیا۔

''تب بھی تمہیں مرنا ہوگا۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور میگافون میں بولا۔ ''سادھنا، تمہارے پاس سورج غروب ہونے تک کی مہلت ہے۔ اگر تم اس وقت تک میرے پاس نہیں آئیں تو سب سے پہلے شہباز مارا جائے گا، اس کے بعد دوسروں کی باری آئے گی۔''

راج مجھے لے کر گھومتا رہا اور یہی اعلان بار بار دہراتا رہا۔ اس کے بونے محافظ میری طرف سے یوں ہوشیار تھے جیسے میں ان کی آنکھ بچتے ہی دھواں بن کر غائب ہو جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے ذرا بھی موقع نہیں دیا تھا۔ میں نے سورج کی طرف دیکھا، اس کے غروب ہونے میں ایک یا سوا گھنٹا باقی تھا۔ میں نے راج کی طرف دیکھا۔ ''تم مجھے سب کے سامنے قتل کرو گے؟''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ سادھنا کو کیسے پتا چلے گا کہ تم نے مجھے مار دیا ہے۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''غالباً ایک فائر یا چیخ کی آواز سن کر وہ مطمئن نہیں ہوگی۔''

راج سوچ میں پڑ گیا۔ اس وقت تک وہ ہر ممکنہ جگہ اعلان کر چکا تھا جہاں اسے امید تھی کہ سادھنا موجود ہو گی۔ ''میں تمہیں بیچ سڑک پر کھڑا کر کے شوٹ کر دوں گا۔''

''اور یہ منظر کسی اور نے دیکھ لیا تو.....؟ یہ سڑک تمہارے پتا جی کی تو ہے نہیں جس پر سے کسی دوسرے کو گزرنے کی اجازت نہ ہو۔''

''بکومت!'' وہ جھنجلا گیا تھا۔ ''یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے۔''

حقیقت یہ تھی کہ راج نے مجھے فکر مند کر دیا تھا، اس سے میری کوئی براہِ راست دشمنی نہیں تھی مگر وہ انسانوں کی ایک خاص قسم سے تعلق رکھتا تھا، یہ وہ پیدائشی حکمران نسل ہوتی ہے جس کے لئے انسان ایک اوزار یا استعمال کی چیز سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، استعمال کیا اور پھینک دیا۔ ان کو بے دریغ اپنے مفاد پر قربان کر دیا۔ اس نے اپنے قبیلے اور اپنی وادی کے لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اور ان کو جس طرح بے دریغ کٹوا دیا تھا، اس سے اس کی فطرت کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا، مجھے ایک فی صد بھی امید نہیں تھی کہ وہ بلف کر رہا ہے۔ اگر سادھنا کا مسئلہ نہ ہوتا تو اب تک ہم سب کو مروا چکا ہوتا۔

اب میری بچت کی ایک ہی صورت تھی کہ میں کسی طرح سے راج یا اس کے کسی مسلح بونے پر قابو پا لیتا۔ ایک بار اسلحہ میرے ہاتھ آجاتا تو میں بازی الٹ دیتا۔ مگر مجھے ایسا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا کہ میں اس پر قابو پا سکتا۔ یہ بونے بہت ہی خبیث تھے اور انہوں نے ایک لمحے کی غفلت بھی نہیں برتی تھی۔ ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ایک لمحے کے لیے مجھ سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ راج ان پر اتنا اعتماد کیوں کرتا ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے فطرت پکار رہی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ نہ سمجھنے کے انداز میں بولا۔

''اگر تم انگریزی جانتے ہو تو کال آف نیچر ضرور سمجھتے ہو گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھ سے آسان زبان میں بات کرو۔''

''مجھے پیشاب آرہا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اب شاید تم سمجھ گئے ہو گے؟''

وہ مسکرایا۔ ''اب ہم واپس چل رہے ہیں۔ وہاں جا کر تم جی بھر کر جو چاہے کر لینا۔''

میں نے اپنی مایوسی چھپائی، میرا خیال تھا وہ مجھے جھاڑیوں یا کسی درخت کی آڑ میں جانے کی اجازت دے گا اور میں موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ ہم واپس فارم میں آئے۔ میں نے راج سے کہا۔ ''تم نے ہمیں اٹھارہ گھنٹے سے قید میں رکھا ہے اور اب تک نہ پانی دیا ہے اور نہ کھانا؟''

''جب تک سادھنا نہیں آجاتی، تمہیں نہ پانی ملے گا اور نہ کھانا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم میرے اندازے سے زیادہ گھٹیا اور کم ظرف شخص ہو۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''میں نے تمہاری مدد کر کے غلطی کی۔ اچھا تھا باہر نکلتے ہی تمہاری بہن کو بے یار و مددگار چھوڑ کر یہاں سے نکل جاتے۔''

''غلطی کی ہے تو اب اس کا خمیازہ بھگتو۔''

''راج، میں نے یہ سیکھا ہے وقت ایک سا نہیں رہتا ممکن ہے کبھی تم میرے رحم و کرم پر ہو۔''

''جب ایسا وقت آئے تو تم مجھے معاف کر دینا۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''تم مجھے عالی ظرف لگ رہے ہو۔''

میں نے دل ہی دل میں اسے بے نقط سنائیں اور منہ سے بولا۔ ''کیا خیال ہے، سادھنا نہ آئی تو تم مجھے شوٹ کر دو گے؟''

''ظاہر ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم احمق ہو۔ کیا تم نے سادھنا کو عام لڑکی سمجھ رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ جلد مدد لے کر آئے گی اور تمہارے اس نام نہاد قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ تم اسے جانتے نہیں ہو۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''وہ کنور خاندان سے ہے۔ راج کنور اور ایرج کنور کی بہن!''

گویا میرا یہ اندازہ درست تھا مگر میں نے سخت حیرانی سے اظہار کیا۔ ''تم جانتے ہو اس کے باوجود اسے اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''ہاں، وہ ایک بہت بڑے خزانے کی چابی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے اس احمق شخص کو دیکھا جو کنوروں پر ان کی بہن کی مدد سے دباؤ ڈالنے کے خواب دیکھ رہا تھا جبکہ میں دیکھ چکا تھا، ان دونوں بھائیوں کو سادھنا کی کوئی فکر نہیں تھی۔ ایک بار ان کو معلوم ہو جاتا کہ سادھنا راج کے پاس ہے تو شاید وہ دونوں کو اڑا دیتے۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور مجھے بھی اپنی عافیت خطرے میں نظر آرہی تھی۔ راج لامانے مجھے مین گیٹ کے پاس ہی رکھا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''راج، مجھے تم جیسے عقل مند آدمی سے یہ امید نہیں ہے۔''

''کون سی امید؟'' اس نے غور کیا۔

''جو بات تمہارے ذہن میں آسکتی ہے، وہ کیا سادھنا نہیں سوچ سکتی۔ وہ اپنے بھائیوں سے رابطہ نہیں کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتی۔ اگر کنوروں نے اپنے لشکر کے ساتھ حملہ کیا تو تمہارے یہ چھ بونے ان کو کتنی دیر روک سکیں گے؟'' میں نے پُر یقین انداز میں کہا اور اس کا فوری اثر ہوا، وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ جیسے جیسے سورج ڈوبنے کا وقت قریب آ رہا تھا بونے بھی مضطرب ہوتے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک جو سب سے طویل قامت تھا اور شاید بونوں کا سردار تھا، اس نے راج سے کچھ کہا، وہ میری طرف اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے راج لاما کو نفی میں سر ہلاتے دیکھا۔ پھر اس نے بونوں کو کوئی حکم دیا اور وہ میری طرف آئے۔ انہوں نے ایک رسی اٹھا رکھی تھی۔ پہلے انہوں نے میری کلائیاں عقب میں باندھیں اور پھر میری کمر سے رسی باندھ کر اسے دیوار کے ساتھ لگے ایک کھونٹے سے باندھ دیا، میرے ساتھ مویشیوں والا سلوک ہو رہا تھا۔

میں خاموش رہا تھا کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا، میرے بارے میں راج کا پلان بدل گیا تھا۔ میری بات نے اسے فکر مند کر دیا تھا۔ اس دوران میں بونے کوٹھی کے اندر گئے اور ایک بندھے ہوئے برہنہ شخص کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے باہر لائے جہاں دو بونے الاؤ روشن کر رہے تھے۔ بندھا ہوا شخص سردی اور خوف سے ادھ موا ہو رہا تھا۔ اسے بونوں نے زبردستی گھٹنوں کے بل بٹھایا اور بونوں کا سردار ایک ٹوکا نما تلوار لایا۔ اس کے ہاتھ میں یہ تلوار ہی لگ رہی تھی۔ میرے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی تھی۔ ''راج، یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''دیکھتے رہو۔'' وہ مسکرایا۔

''کیا یہ اس بے بس شخص کو قتل کر دیں گے؟''

اِدھر میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے اُدھر بونے سردار نے ہوا میں پاؤں اچھالتے ہوئے اور گھومتے ہوئے اچانک تلوار کا وار کیا۔ گھومتی اور اوپر سے آتی تلوار نے چشم زدن میں اس بدنصیب کی گردن اڑا دی تھی۔ وہ پھڑک کر نیچے گرا، اس کا سر آگے چلا گیا اور جسم زمین پر گر کر لرزنے لگا تھا۔ میں دم بخود سا رہ گیا تھا۔ گزشتہ کچھ عرصے میں، مَیں نے موت کی بے پناہ ارزانی دیکھی تھی۔ گولیوں سے لوگوں کو چھلنی ہوتے دیکھا تھا۔ راکٹوں سے ان کے جسموں کے ٹکڑے ہوا میں اڑتے دیکھے تھے مگر اس موت نے مجھے دہلا دیا تھا۔ میں نے بمشکل پھنسی ہوئی آواز میں کہا۔ ''راج..... یہ کیا ہے؟ اس بے چارے کو کیوں مارا؟''

''یہ بے چارہ وہی چوکیدار تھا جس کو تم نے قابو کیا تھا۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔ ''اسے اس بات کی سزا ملی ہے اور اب یہ ان کے کام آئے گا۔''

مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ ''تت..... تمہارا مطلب ہے یہ اسے کھائیں گے۔ یہ آدم خور ہیں۔ تم نے ان کو آدم خوری پر لگا دیا ہے..... ذلیل آدمی؟''

''یہ صدیوں سے آدم خور ہیں۔ ان میں جو شخص مرتا ہے، اس کے خاندان والے اسے مل کر کھا لیتے ہیں۔ اب یہاں ان کا خاندان کہاں ہے اس لئے مجھے ان کے بھوجن کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔''

سردار نے پہلے کی طرح وار کر کے لاش کے پاؤں اور ہاتھ بھی جسم سے الگ کر دیئے تھے۔ یہ بھیانک منظر دیکھ کر میرا دل متلانے لگا تھا اور میں نے بہتر سمجھا کہ آنکھیں بند کر لوں۔ مگر راج نے خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے بتانا شروع کر دیا کہ اب بونے کیا کر رہے تھے۔ ''زیادہ ہوتے تو پورا آدمی چٹ کر جاتے۔ مگر ان چھ کے لئے دو ہاتھ اور دو پاؤں بھی کافی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اپنی بکواس بند کرو۔" میں نے غرا کر کہا۔

"باقی لاش ان کے لئے بے کار ہے، اسے یہ دفنا دیں گے۔"

"تمہارے خاندان میں جو مرے اسے ان کے حوالے کر دینا، کریا کرم کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔"

"ممکن ہے آج اس کے بجائے تمہاری باری ہوتی۔"

میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ مگر ناک اور کان تو بند نہیں کر سکتا تھا۔ میری ناک تک گوشت بھننے کی مکروہ بو آ رہی تھی۔ عجیب بات ہے اس بو میں اور گائے بکرے کے بھونے جانے والے گوشت کی بو میں کوئی فرق نہیں تھا، اُسے سونگھ کر منہ میں اشتہا سے پانی آ جاتا ہے جبکہ اس بو سے دل متلانے لگا تھا اور اس وقت میرے معدے میں کچھ ہوتا تو وہ الٹ کر باہر آ جاتا۔ اتنی سفاکی اور درندگی کا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ راج میری حالت دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ "کئی بار ان بونوں نے مجھے دعوت دی مگر میں نے انکار کر دیا۔"

"ہاں، تم اپنی ماں کے مرنے کا انتظار کر رہے ہو گے اس کا گوشت کھاؤ گے۔"

راج کی ہنسی رک گئی اس نے غرا کر کہا۔ "بہت بکواس کر رہے ہو۔ جلد تم بھی وہاں ہو گے۔"

اس کے اشارے میں، میں نے بے ساختہ دیکھا۔ بونے سلاخوں میں پرو کر دونوں بازو بھون رہے تھے۔ مجھے ابکائی آئی۔ پیٹ میں پانی تک نہیں تھا۔ میں راج کو دلی زبان میں گالیاں دیتے ہوئے دیوار سے لگا اور جلدی سے سیدھا ہو گیا۔ دیوار میں نوکیلے اور تیز دھار پتھر لگے تھے۔ بونے اب ہنس بول رہے تھے، ان کے ڈنر کا وقت ہو گیا تھا۔ ابکائی کی ناکام کوشش کے بعد اب میرے جسم پر سرد پسینہ بہہ رہا تھا اور میں کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ میں دیوار سے لگا تو ایک بار پھر بلبلا گیا تھا۔ دیوار سخت کھردری تھی۔ یہ شاید گرینائٹ کا پتھر تھا جو سب سے سخت ہوتا ہے۔ اچانک مجھے خیال آیا، میں نے ٹٹول کر دیکھا، جگہ جگہ سے دیوار چاقو کی سی دھار والی تھی۔ میں نے اس پر کلائی کی رسی رکھی اور اسے سختی کے ساتھ مگر کم سے کم حرکت کے ساتھ رگڑنا شروع کر دیا۔

راج اندر چلا گیا تھا اور اس کے بونے شکم سیر ہو رہے تھے۔ میری ناک بھی اس مکروہ بو کی عادی ہو گئی تھی۔ تاریکی ہوتے ہی میں نے اپنی کوشش تیز کر دی۔ بونے دور تھے اس لئے ان کی طرف سے مجھے اندیشہ نہیں تھا کہ وہ دیکھ لیں گے۔ اچانک ان میں سے ایک اٹھ کر میری طرف آ گیا۔ میں جلدی سے ساکت ہو گیا۔ شاید ایک بڑی سی بوٹی تھی۔ تاریکی میں اس کے زرد دانت نمایاں تھے، وہ ہنس رہا تھا، اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور بوٹی میری طرف بڑھائی۔

"لاحول ولا....." میں بڑبڑا کر پیچھے ہوا تو اس نے ایک قہقہہ مارا، اس کے ساتھی بھی ہنسنے لگے۔ وہ اچھل اچھل کر بوٹی میرے منہ میں ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں عام سے آدمی کی طرح بچنے کی کوشش کرنے لگا حالانکہ میں چاہتا تو لات مار کر اسے فٹ بال کی طرح اچھال دیتا۔ میں نے لات چلائی بھی تو اناڑی پن سے کہ وہ آرام سے بچ گیا اور ہنستا ہوا چلا گیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور پھر سے رسی کاٹنے کی سعی شروع کر دی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں میری طرف سے ذرا بھی شک ہو۔ یہ بونے بے حد تیز طرار تھے اور مسلح بھی تھے۔ اس لئے میں خود کو ان کے سامنے بے ضرر سا شخص بنا کر پیش کرنا چاہتا تھا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ رسی کتنی کٹ گئی تھی کیونکہ میں اسے انگلیوں سے چیک نہیں کر سکتا تھا۔ سورج ڈوبے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک گھٹنا ہوتے کو آیا تھا۔ سامنے گیٹ کی طرف سے شور کی آواز آئی۔ گھر کھلا چھوڑ کیا اور کسی پر چلا رہا تھا پھر اس نے ایک فائر کیا۔ یہ تے اپنا اسلحہ اٹھا کر گیٹ کی طرف بھاگے تھے۔ جناب میں کسی نے لمبا بیرسٹ مارا جو آہنی جھاٹک کے ساتھ گیٹ پر لگا تھا۔ اس کے بعد بندوں نے گالی گلوچ شروع کر دی۔ میرا دل تیزی سے دھڑکا۔ کیا یہ وہ سلامتی اپنے بھائیوں کے ہمراہ آن پہنچی تھی؟ میں نے اس کی پروا کیے بغیر کہ میرے ہاتھ کی کھال بھی چھل جائے گی، رسی کو پوری قوت سے رگڑنا شروع کر دیا۔

فائرنگ کی آواز سن کر راج نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا۔ اس نے آ کر بندوں سے کچھ کہا اور واپس اندر چلا گیا۔ چھ کے چھ بندے باہر تھے۔ میں نے ان میں سے دو کو میں گیٹ کے اوپر چڑھتے دیکھا۔ بھاری راڈ کے بل بوتے پر بندوں کی یہ ٹولی پھرتی سے اوپر چڑھ رہی تھی۔ اچانک میرے ہاتھ کو جھٹکا لگا اور رسی کٹ گئی۔ میرا ہاتھ بھی کہنی تک چھل گیا تھا اور تکلیف خاصی تھی مگر مجھے رسی کٹ جانے کی ناقابل بیان خوشی ہوئی تھی۔ اب میں ہاتھ ہلا کر رسی کو پھیلا کر رہا تھا۔ کم سے کم وہ بندے اس وقت جگہوں پر تھے جہاں سے وہ مجھے دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے میں غیر ضروری حرکت کر کے ان کو شک میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

رسی کھلتے ہی میں نے اسے عقب میں ہی اپنے ایک ہاتھ میں لپیٹا اور اس کے دوسرے سرے پر پھندا بنانے لگا۔ یہ کام کر کے میں نے کمر سے بندھی رسی کھولنا شروع کی اس کی گرہ میری پشت پر ہی تھی مگر بہت سخت تھی اور آسانی سے نہیں کھل پا رہی تھی۔ میں کوشش کرتا رہا۔ پشت کی طرف ہاتھ لے کے لے کے میرے ہاتھوں کے پٹھے اکڑ گئے تھے اور میں شدید خواہش کے باوجود ان کو سامنے نہیں لا پا رہا تھا۔ آخر کار رسی کی گرہ کھل گئی اور میں نے اسے یوں اکٹھا لیا کہ ایک جھٹکے سے اسے کھول سکوں۔ اچانک میں نے کوٹھی سے راج کے عام ملازموں کو برآمد ہوتے دیکھا۔ ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا اور وہ گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ باہر جاری معرکے میں ابھی تک کوئی انسانی چیخ شامل نہیں ہوئی تھی۔ یعنی دونوں طرف سے مقابلہ متوازن تھا۔ حملہ آور تعداد میں کم تھے مگر محفوظ پوزیشن میں تھے کیونکہ وہ کھلے میں تھے جبکہ راج کے آدمی محفوظ پوزیشن میں تھے۔ جیسے افراد کے اور آ جانے سے ان کی پوزیشن حریف مستحکم ہو سکتی تھی۔

فائرنگ کے آغاز کے ساتھ ہی بندوں نے لاش کا دھڑ اور بچ جانے والے حصے پھرتی سے جھاڑیوں کے عقب میں چھپا دیئے تھے تاکہ راج کے دوسرے آدمیوں کو اس کی خبر نہ ہو کہ ان کے ایک ساتھی کو یہ لوگ کھا رہے تھے اور امکان یہی تھا کہ باقی یہ تفصیل کو بھی اسی لئے رکھا تھا کہ یہ تے آدم خوروں کی مکمل میزبانی ہو سکے۔ تے آدمیوں کی شمولیت سے اندر والوں کے انداز میں یک دم جارحیت آ گئی تھی۔ ان کی طرف سے فائرنگ کی شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ اوپر چڑھنے والے بندوں نے بھی فائر کر رہے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے اندر والوں کا پلہ بھاری ہو۔

پھر وہ موقع آیا جس کا مجھے خاصی دیر سے انتظار تھا۔ ایک بندہ تاک لیتا تاخیر گیری کے لئے میری طرف آیا کہ میں بدستور اسیر تھا۔ جیسے ہی وہ میرے نزدیک آیا، میں نے اچانک دائیں ہاتھ سے اسے رائفل سمیت کھینچا۔ اس نے تڑپ کر مزاحمت کرنا چاہی مگر میں نے پھندا اس کے گلے میں ڈال کر اسے اوپر اٹھا لیا۔ اس کے ہاتھ سے رائفل گر گئی تھی اور وہ ہاتھ سے رسی کو گلے سے نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے الٹیاں چلا رہا تھا۔ اس کی الٹیاں مجھے لگیں۔ اسے دم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھونٹ کر مارنے کی کوشش میں وقت لگ سکتا تھا اس لئے میں نے معاملہ مختصر کیا۔ اسے اچانک زمین پر دے مارا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا میں نے پوری قوت سے رسی اوپر کھینچی۔ درحقیقت اس کا جسم زمین سے ٹکرایا بھی نہیں تھا جب میں نے رسی کو واپس کھینچ لیا۔ بونا ہونے کے باوجود اس کا وزن خاصا تھا اور مجھے اپنے بازوؤں کا پورا زور لگانا پڑا تھا مگر نتیجہ میری مرضی کا نکلا۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔

پھر میری نظر پڑی تو مجھے پتا چلا میں بال بال بچا تھا کیونکہ اس نے نہ جانے کہاں سے ایک خنجر نکال لیا تھا اور میں اسے بالکل نہیں دیکھ سکا تھا اور وہ بے خبری میں میرے پیٹ یا سینے پر وار کر کے مجھے مار سکتا تھا یا کم سے کم شدید زخمی ضرور کر سکتا تھا۔ شکر ہے میں نے اس کا فوری کام تمام کرنے کا فیصلہ کیا ورنہ خود میرا کام تمام ہو جاتا۔ رسی ڈھیلی کرنے سے وہ چھوٹ کر نیچے گرا تو مجھے اس کے دم توڑتے وجود کی پھڑپھڑاہٹ روکنے کے لئے جسم تلے دبانا پڑا تھا۔ ان بونوں کی آدم خوری دیکھ کر میرے اندر بھی سفاکی بھر گئی تھی اور اس بونے کو جہنم رسید کر کے مجھے دلی خوشی ہوئی تھی۔

اس کے جسم کے سرد ہوتے ہی میں نے اسے چھوڑا اور رائفل پر قبضہ کیا۔ اس کے دو عدد اضافی میگزین اس کی جیکٹ میں تھے۔ یہ بھی یوزی تھی جو میرے ہاتھوں میں کھلونا لگ رہی تھی مگر بونوں کے ہاتھ میں یہ خاصی بڑی لگتی تھی۔ اچانک چند گولیاں میرے پاس زمین سے ٹکرائیں۔ میں نے چونک کر اوپر دیکھا، ایک بونے نے دیکھ لیا تھا کہ میں آزاد ہوں اور اس کے ساتھی کو مار چکا ہوں۔ اس کے عجلت میں کیے گئے فائر بے کار گئے تھے۔ میں نے دیوار کی آڑ میں ہوتے ہوئے اوپر سے ہلکا سا برسٹ مارا۔ وہ سامنے ہی تھا اس لئے نشانہ بن گیا اور ایک چیخ مار کر نیچے آ گرا۔ اس کی چیخ نے سب کو خبردار کر دیا تھا اور اب میرا اس جگہ ٹھہرنا حماقت ہی ہوتا۔

اس جگہ سے کوٹھی تک کا دروازہ کم سے کم تیس گز کی دوری پر تھا اور میرے عقب میں کم سے کم نصف درجن آتشیں ہتھیار میرا جسم چھلنی بنانے کے لئے تیار تھے۔ اگر میں دوڑ لگاتا تو یقیناً مجھے کوٹھی تک پہنچنا نصیب نہ ہوتا۔ مجھے فوری فیصلہ کرنا تھا۔ اس جگہ بھی میں قطعی غیر محفوظ تھا۔ میں نے فوری فیصلہ کیا۔ یوزی سے ایک برسٹ دروازے کی طرف مارا اور گردن ٹوٹ جانے سے مرنے والے بونے کی لاش رسی پکڑ کر اٹھائی اور اسے پشت پر لادتے ہوئے کوٹھی کی طرف دوڑا۔ میرا سر اور جسم کسی حد تک محفوظ تھا۔ میں بھاگا ہی تھا کہ عقب سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔

یہ میری پوری زندگی کے نازک ترین لمحات تھے۔ کسی وقت بھی کوئی گولی یا برسٹ میرا کام تمام کر سکتا تھا۔ میں جان توڑ کر بھاگا۔ میں شاید اتنے وزن کے ساتھ پھر اس طرح نہ دوڑ سکوں جس طرح اس سوا من کے بونے کی لاش کے ساتھ دوڑا تھا۔ کتنی ہی گولیاں اس کی جھولتی لاش میں اتر گئیں اور خوش قسمتی سے اس کے اندر ہی رہیں، نکل کر مجھے نہیں لگی تھیں۔ کوٹھی کا گیٹ کھلا تھا، اس کے پاس پہنچ کر میں نے جست لگائی اور اندر جا گرا۔ آخری موقع پر ان لوگوں نے اتنی شدت سے فائرنگ کی تھی کہ دروازہ چھلنی ہو گیا تھا، اسے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک کسی کی موت کا وقت نہ آ جائے تو اسے ساری دنیا بھی مل کر نہیں مار سکتی۔

میں اندر گرتے ہی اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ کیونکہ کھلے دروازے سے گولیاں اندر آ رہی تھیں۔ بونے کی لاش سامنے پڑی تھی اور مزید چاند ماری کا نشانہ بن رہی تھی، اس کی وفات اگرچہ گردن ٹوٹنے سے ہوئی تھی مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ ایک منٹ میں اس نے اتنی گولیاں کھالی تھیں جتنی کہ کسی پنجابی فلم میں ہیرو کھاتا ہے اور مزے کی بات ہے پھر بھی زندہ رہتا ہے۔ میں اٹھ کر ایک ستون کی آڑ میں اس طرح ہوا تھا کہ اندر سے آنے والی کسی گولی سے محفوظ رہ سکوں۔ راج اندر ہی تھا اور سومترا بھی یہیں تھی۔ اندر ان کے چند وفاداروں کی موجودگی بین ممکن تھی۔ میں نے دروازے کی جھری سے باہر دیکھا، دو قربانی کے بکرے دوڑے چلے آرہے تھے۔ یہ پرانے وفادار تھے۔ میں نے یوزی باہر نکالی اور ایک برسٹ میں دونوں کو قربان کر دیا۔

اندر برآمدے کے بعد کوٹھی میں داخلے کا دروازہ تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اور کوئی دروازہ تھا یا نہیں۔ میں عقبی طرف کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور کھڑکیوں سے اندر جھانک رہا تھا۔ پہلا کمرا جو بظاہر بیڈ روم تھا۔ میں نے کھڑکی پر دباؤ ڈالا، وہ کھلی تھی مگر میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا۔ میں نے سر اندر کرنے کے بجائے وہاں رکھے ایک خالی گملے کو رائفل کی نال پر رکھ کر اندر کیا اور دھڑام سے ایک ڈنڈا اس پر لگا۔ گملا ٹوٹ گیا اس کی جگہ میرا سر ہوتا تو وہ بھی ٹوٹ جاتا۔ میں نے سومترا کو ناکامی کے بعد دروازے کی طرف بھاگتے دیکھا۔

''بس.....'' میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر کے کہا۔ ''اب ایک قدم بھی بڑھایا تو وہ قدم پرلوک میں ہو گا۔'' اس کے قدم رک گئے۔ میں کود کر اندر گیا۔ سومترا چپ کھڑی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

''راج کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

میں نے اسے بالوں سے پکڑا اور گھما کر فرش پر پھینک دیا۔ اسے مجھ سے اتنی بے رحمی کی امید نہیں تھی۔ وہ بالوں کے زور پر گری تھی اور اس کے منہ سے چیخیں نکل گئی تھیں۔ اس کا مغز ہل گیا تھا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ''سومترا! میں آخری بار پوچھ رہا ہوں، راج کہاں ہے؟ یقین کرو مجھے تم کو مارتے ہوئے ذرا بھی ترس نہیں آئے گا۔''

''میرا قصور؟'' اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ میری سختی نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''تم دونوں بہن بھائی کے قصوروں کی فہرست خاصی طویل ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بے شمار انسانوں کا خون تمہاری گردن پر ہے۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں، راج کا مجھے نہیں پتا۔''

میں نے ذرا جھک کر اس کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی تھامی۔ ''کبھی ہڈی تڑوانے کا اتفاق ہوا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے سہمے انداز میں کہا۔

''یعنی تمہیں نہیں پتا ہڈی ٹوٹنے پر کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ خیر ابھی پتا چل جاتا ہے۔'' میں نے الٹی سمت میں دبا کر اس کی نازک سی انگلی کچی پنسل کی طرح توڑ دی، وہ بلبلائی تھی۔

''ہائے.....اُف.....میں مرگئی۔''

''ابھی سے کہاں مرگئیں۔'' میں نے ٹوٹی انگلی ہلاتے ہوئے کہا۔

''بھگوان کے لئے۔'' اس کا رنگ سفید ہو گیا اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ ''میں مر جاؤں گی۔''

''اتنی شرم والی تو نہیں لگتیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سچ کہہ رہی ہوں راج بھیا کچھ دیر پہلے آئے تھے اور مجھے کمرے میں رہنے کا کہہ کر چلے گئے۔''

''میں کوٹھی کے سامنے تھا وہ میرے سامنے باہر نہیں نکلا۔''

''میں نے کب کہا وہ باہر گئے ہیں۔'' اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنی ٹوٹی انگلی تھام لی۔ ''ممکن ہے وہ کوٹھی کے اندر ہوں۔''

''مجھے اس کے کمرے میں لے چلو۔'' میں نے اسے جھٹکے سے کھڑا کیا اور دروازے کی طرف دھکیل دیا، اس وقت میں ذرا بھی رعایت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں اس کے پیچھے باہر نکلا۔ ''اس کوٹھی میں اور کتنے آدمی ہیں؟''

''دو ملازم ہیں مگر وہ بے ضرر ہیں۔''

مگر میں ان کو بے ضرر سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ''سومترا! یاد رکھنا تم نے مجھے دھوکا دیا یا کسی نے تمہیں چھڑانے کی کوشش کی تو سب سے پہلے تم مرو گی۔''

''میں کچھ نہیں کروں گی۔'' اس نے ایک دروازے کے سامنے رک کر کہا۔ ''یہ راج بھیا کا کمرا ہے۔''

''اندر چلو۔'' میں نے اسے دھکا دیا۔ دروازے سے ٹکرا کر اس نے دروازہ کھولا۔ وہ اندر گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا اس نے اچانک پاؤں سے کسی شے کو ٹھوکر مار کر بیڈ کے نیچے کر دیا۔ میں اس کی طرف سے پوری طرح چوکنا تھا اس لئے اس کی یہ حرکت میری نظر سے چھپی نہ رہ سکی مگر اسے کچھ کہنے کے بجائے میں نے پہلے کمرے کے ان تمام حصوں کی تلاش لی جہاں کوئی آدمی چھپ سکتا تھا۔ باتھ روم بھی دیکھ لیا پھر میں بیڈ کی طرف بڑھا تو سومترا نے اضطراری لہجے میں کہا۔

''بیڈ کے نیچے کوئی نہیں ہے۔''

''تمہیں یقین ہے کیا!'' میں نے کہا اور ذرا نیچے ہو کر دیکھا، نیچے راج لامانیں تھا مگر وہ چیز فوراً نظر آ گئی جسے سومترا نے پاؤں سے نیچے کیا تھا۔ یہ سنہری رنگ کی ایک چھ انچ لمبی دھاتی ٹیوب تھی۔ میں نے اسے اٹھایا ہی تھا کہ سومترا مجھ پر جھپٹی میں نے اس کے پیٹ میں سر مار کر اسے بیڈ پر پھینک دیا۔ ضرب شدید تھی مگر وہ پروا کئے بغیر چلائی۔ ''یہ مجھے دے دو، تمہارے کام کی نہیں ہے۔''

''کیوں کیا یہ تمہارے ذاتی استعمال کی کوئی چیز ہے۔'' میں نے ٹیوب کو غور سے دیکھا۔

اس کا رنگ ذرا دیر کے لئے سرخ ہوا تھا۔ ''یہ میری ہے۔''

''اوکے! میں نے مان لیا۔ اب یہ بتاؤ کہ اس میں کیا ہے جھوٹ مت بولنا۔''

وہ ہچکچائی۔ ''اس میں، کچھ جواہرات ہیں۔''

''کچھ جواہرات!'' میں نے ٹیوب کی ساخت دیکھی اور اسے اوپری سرے سے گھما کر کھول دیا۔ اندر اس میں سچ مچ ہیرے بھرے تھے۔ میں نے اسے بند کر کے اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ ''سومترا! یہ جواہرات کہاں سے آئے ہیں، مجھے کان والی کہانی مت سنانا کیونکہ یہ تراشیدہ ہیں اور کان سے تراشیدہ ہیرے نہیں نکلتے ہیں۔''

''یہ سچ مچ کان سے ہی نکالے ہیں۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''وادی کے راجا جتیندر کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناتراشیدہ ہیرے تھے جو کان سے نکلے تھے۔ بمبئی اور دہلی سے آنے والے جوہری ان کو اونے پونے داموں خرید کر لے جاتے تھے۔ بھیا نے مشورہ دیا کہ سورت سے ماہرین اور مشینیں منگوا کر ان کو یہیں وادی میں تراش لیا جائے اس سے ان کی قیمت دس گنا ہو جائے گی۔"

"راج نے یہ سارا بندوبست کیا تھا۔" میں نے غور کیا۔ "اس کا مطلب ہے تراشیدہ ہیروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ راج کے پاس ایسی بے شمار ٹیوبیں ہوں گی اور تبھی عجلت میں یہاں سے جاتے ہوئے یہ ایک ٹیوب گر گئی اور اسے خبر نہیں ہوئی۔ ایسی اگر ایک یا دو ہوتیں تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا کہ غلطی سے یہاں رہ جائیں۔" سومترا چپ رہی، اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ میری بات درست ہے۔ اچانک مجھے ایک خیال اور آیا۔ "راج یہی ہیرے حاصل کرنے کے لئے وادی میں رک گیا تھا اور تم کو اس نے بھیج دیا تھا۔"

"مجھے نہیں پتا!" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری، اس نے وہاں پڑا ایک رومال اپنی سوج جانے والی انگلی پر باندھ لیا تھا۔

"تمہارا بے غیرت بھائی!" میں نے حقارت سے کہا۔ "اسے بہن سے زیادہ ہیرے عزیز تھے اس وجہ سے وہ ان کو لے کر نکل گیا اور تمہیں چھوڑ گیا۔"

"اب تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"تم میری نہیں وادی کے لوگوں اور کمار کے آدمیوں کی مجرم ہو۔ تمہارا فیصلہ کمار کرے گا۔"

"وہ مجھے مار دے گا۔" سومترا سہم گئی تھی۔

"خیر یہ بعد کی بات ہے، یہ بتاؤ کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔ اس تہہ خانے میں یا ان کو کہیں اور منتقل کر دیا گیا ہے؟"

"وہ اسی جگہ ہیں۔" اس نے کہا۔

اسی لمحے باہر سے ایک سہمی ہوئی مردانہ آواز آئی۔ "مالکن آپ ٹھیک ہیں؟"

میرے اشارے پر سومترا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک عام سا شخص ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ وہ نوکر تھا۔ "رامو، راج بھیا کہاں ہیں؟"

"پتا نہیں مالکن! کوٹھی کھالی پڑی ہے۔ مالک کے ساتھ کالیا بھی غائب ہے۔"

"کالیا کون ہے؟" میں نے سومترا کی طرف دیکھا۔

"ملازم ہے۔" سومترا نے بتایا۔

"راج کہاں گیا ہے؟" میں نے رامو سے پوچھا۔

"پتا نہیں سرکار! میں تو سوئی میں چھپا تھا۔"

میں نے ذرا کان لگا کر سنا فائرنگ کی آواز خاصی مدھم پڑ گئی تھی۔ اکا دکا فائر ہو رہے تھے۔ کیا حملہ آور ناکام ہو گئے تھے یا مزاحمت کرنے والے مارے جا چکے تھے۔ بہر حال مجھے سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانا تھا۔ میں نے رامو سے کہا۔

"تم اندر جاؤ۔" میں نے باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ شرافت سے راج کے کمرے کے باتھ روم میں چلا گیا اور میں نے باہر سے کنڈی لگادی اور سومترا سے کہا۔ ''مجھے تہہ خانے لے چلو جہاں میرے ساتھی قید ہیں۔''

سومترا مجھے ایک اور راستے سے وہاں لے گئی۔ میں کوٹھی کے اندرونی نقشے سے ناواقف تھا اس لئے اس راستے سے بے خبر تھا۔ میں پوری طرح چوکنا رہا۔ تہہ خانے میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے قید خانے کے فولادی دروازے کی کنڈی کھولی۔ شکر ہے اس پر تالا نہیں تھا ورنہ مجھے اسے بھی توڑنا پڑتا۔ اندر وہ سب چپ بیٹھے تھے، مجھے ہتھیار بدست دیکھ کر کھل اٹھے۔ وسیم بھاگ کر آیا۔

''آپ، مجھے یقین تھا آپ کچھ نہ کچھ کریں گے۔''

''حالات اچھے نہیں ہیں۔ مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ باہر کم سے کم سات آٹھ مسلح دشمن ہیں۔ باہر سے کسی نے حملہ کر کے الجھالیا تھا مگر اب حالات بدلے ہوئے لگ رہے ہیں۔''

''باہر سے حملہ کس نے کیا ہے..... سادھنا نے؟'' کمار نے بے تابی سے پوچھا۔

''سادھنا کیسے حملہ کر سکتی ہے؟''

''اس کے ساتھ کوئی اور ہو سکتا ہے۔''

''میں نے کہا نا حالات اچھے نظر نہیں آ رہے ہیں۔ باہر بھی امکان ہے ہمارے دشمن ہی ہوں گے۔''

وسیم میرے خیالات کو بہتر طور پر سمجھتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''آپ کا مطلب ہے کنور اور اس کے آدمی!''

میں نے سر ہلایا۔ ''امکان یہی ہے، سادھنا سیدھی اپنے بھائیوں کے پاس گئی ہو گی اور انہیں یہاں لے آئی ہو گی۔''

کمار نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''سادھنا ایسا نہیں کر سکتی۔''

''بد نیتی سے ایسا واقعی نہیں کر سکتی مگر راج سے ہماری جان بچانے کے لئے اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہو گا۔ اس بے چاری کو معلوم کہاں ہے کہ انسان کشی کا یہ کھیل اصل میں کس لئے کھیلا جا رہا ہے؟''

کمار چونکا۔ ''تم جانتے ہو؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''کسی حد تک، افسوس کہ چند چمک دار پتھر سیکڑوں ہزاروں انسانی جانوں سے زیادہ قیمتی ہو گئے ہیں۔''

کمار نے سر جھکا لیا۔ ''میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔''

''تب تم نے یہ پتھر ان لالچی کتوں کے منہ پر کیوں نہیں مارے؟''

''اوّل تو یہ ہیرے میرے پاس نہیں تھے دوسرے اصل معاملہ کان کا ہے اور میں اکیلا کیسے اس سے دستبردار ہو سکتا تھا۔ قبیلے والے اس بات کو ماننے سے انکار کر رہے تھے۔''

''تو ان کو ہیرے ملے یا موت؟'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''اور جب ہیرے تھے تب بھی ان کا کیا فائدہ تھا؟''

''بہت ساری باتیں تجربے کے بعد ہی سمجھ میں آتی ہیں۔'' کمار نے سرد آہ بھری۔

''شہباز صاحب! وقت کم ہے۔'' وسیم نے یاد دلایا۔ ''یہ وقت گڑے مردے اکھاڑنے کا نہیں ہے۔ ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسلحے کی ضرورت ہے۔"

"اسلحے کی ضرورت بی بی سوسترا پوری کریں گی۔" میں نے سوسترا کی طرف دیکھا۔

"مجھے نہیں پتا اوپر اسلحہ کہاں ہے؟" اس نے انکار کیا۔

"میرا خیال ہے تمہیں اپنی انگلیاں زیادہ عزیز نہیں ہیں۔" میں نے اسے گھورا۔

ہم اوپر آئے۔ سوسترا کو بھی اس کے نوکر کے ہمراہ باتھ روم میں بند کیا اور میں ان تینوں کو اسلحہ تلاش کرنے پر لگا کر اوپر منزل میں آیا اور ایک تاریک کمرے کی کھڑکی سے میں نے باہر کا جائزہ لیا۔ فی الحال تاریکی نظر آئی۔ اب فائرنگ مکمل طور پر رک گئی تھی۔ کوٹھی کے سامنے والے برآمدے میں ایک کیروسین لیمپ روشن تھا اور اس کی روشنی اندر تک محدود تھی۔ مگر لگا تار غور سے دیکھنے پر کچھ کچھ نظر آنے لگا تھا۔ مین گیٹ کی طرف سائے حرکت کرتے نظر آئے اور ان کی تعداد نصف درجن ضرور تھی۔ میرا دل ڈوبنے لگا اس کا مطلب تھا حملہ آور مارے جا چکے تھے یا پسپا ہو گئے تھے اور اب یہ لوگ کوٹھی کا رخ کرنے والے تھے۔ ایک یوزی مشین گن کے ساتھ ہم کتنی دیر مزاحمت کر سکتے تھے جبکہ مقابلہ چھ سات مسلح افراد سے تھا۔

چند منٹ بعد وسیم اوپر آیا۔ "ادھر مزید کوئی اسلحہ ہے بھی تو ہمیں نہیں ملا۔" اس نے بتایا۔ "یہاں سے نکلنے کی اور کوئی جگہ ہے؟"

"نہیں، میں صرف گیٹ والے راستے سے واقف ہوں۔ ویسے مجھے شبہ ہے راج کسی خفیہ راستے سے فرار ہوا ہے اور سوسترا اس راستے سے واقف ہے۔"

"ہم اس سے اگلوا سکتے ہیں۔"

"تشدد!" میں نے غور کیا۔ "نہیں یار! عورت پر ہاتھ اٹھانے کو دل نہیں چاہتا حالانکہ یہ ذرا بھی رحم کی مستحق نہیں ہے۔ میں نے غصے میں آ کر اس کی انگلی توڑ دی تھی۔"

وسیم کچھ دیر خاموش رہا۔ "جناب! اس رحم کے چکر میں آ کر کہیں ہم مارے نہ جائیں۔"

"میں تمہیں منع نہیں کر رہا۔" میں نے اس کی غلط فہمی دور کی۔ "میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کچھ نہیں کروں گا، تم لوگ جیسے چاہو اس سے تفتیش کرو۔"

وہ خوش ہو گیا تھا۔ "میں بس یہی پوچھنے آیا تھا۔"

وسیم چلا گیا۔ میں باہر کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ کمرا اور کھڑکی بہترین مورچہ تھا جہاں سے میں نہ صرف وادی کے داخلی راستے اور کوٹھی کے سامنے والے حصے پر نظر رکھ سکتا تھا بلکہ دائیں جانب کے باغات بھی نظر آ رہے تھے البتہ کوئی کوٹھی کے دائیں پہلو کے انتہائی سرے سے آنا چاہتا تو وہ میری نظروں سے اوجھل ہی رہتا۔ مین گیٹ کی طرف حرکت کرنے والے سائے اب کوٹھی کی طرف محتاط پیش قدمی کر رہے تھے۔ میں نے دو افراد کو جو جسامت سے عام آدمی لگ رہے تھے، جھاڑیوں میں جاتے دیکھا شاید ان کو عقب سے کوٹھی میں داخل ہونے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ دو افراد جو بونے تھے، دیوار کے ساتھ لگ کر چل رہے تھے اور وہ شاید مین گیٹ پر تھے۔ پھر مجھے فصیل کے اوپر بچ جانے والے بونے کا خیال آیا۔ اس کا ساتھی میرے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ وہ اوپر سے ہی کوٹھی کی طرف آ سکتا تھا۔ اگرچہ اس طرح فصیل پر سفر کرنا آسان نہیں تھا مگر یہ بونے پہاڑوں کے باسی تھے اور میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوار پر چڑھتے وقت ان کی صلاحیت دیکھ لی تھی۔ وہ دیوار پہ بالکل بندروں کی سی مہارت اور پھرتی سے چڑھے تھے۔

یہ سارے امکانات ذہن میں رکھتے ہوئے میں نیچے آیا۔ بیتو کے ساتھ مل کر میں نے اندر آنے والے تمام راستے بند کر دیئے۔ ایک دروازہ کوٹھی کے عقبی طرف بھی کھلتا تھا۔ کھڑکیوں پر محض شیشے تھے مگر کوئی اندر آنے کے لئے شیشے توڑتا تو ہمیں علم ہو جاتا۔ مجھے سب سے زیادہ خطرہ بونوں سے تھا۔ میں اوپر جانے لگا تو مجھے سوسترا کے رونے چلانے کی آواز آئی۔ کمار اور دیسم اس سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ ایک لمحے کو میرا دل نرم ہوا مگر میں نے فوراً اسے سخت کر لیا۔ اوپر کی طرف جاتے ہوئے اچانک مجھے اس نگرانی کرنے والے مینار کا خیال آیا جس سے پوری وادی پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ میں نے بیتو کو اوپری منزل کے تاریک کمرے میں جانے کا کہا اور خود گول چکردار سیڑھیوں سے واچ ٹاور تک پہنچا۔ پہلی بار میں وہ کمرا نہیں دیکھ سکا تھا۔

یہ چھوٹا سا کمرا تھا جس میں نیم دائرے میں تین اطراف میں کوئی دس عدد سوراخ تھے اور جب میں نے ان سے جھانک کر دیکھا تو مجھے پوری وادی نظر آئی تھی۔ وہاں سوائے ایک کرسی کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ کمرے میں بے حد مدھم روشنی والا ایک لیمپ تھا جو اس طرح لگا تھا کہ اس کی روشنی سوراخوں سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ میں نے کرسی کھسکائی تاکہ عقبی سمت دیکھ سکوں تو کرسی اور دیوار کے درمیان میں رکھی کوئی شے آواز سے نیچے گری۔ تب میں نے دیکھا یہ ایک چھوٹی سی انکوفیلڈر رائفل تھی۔ شاید ٹرپل ٹو کا ایک ترمیم شدہ ماڈل۔ یہ تین تین گولیوں کا برسٹ بھی مارتی تھی اور اسے خاص طور سے طویل فاصلے پر مار کے لئے بنایا گیا تھا۔ میں نے اسے چیک کیا۔ اس میں چالیس گولیوں کا مکمل میگزین لگا تھا۔ نہ جانے یہ رائفل کیسے یہاں رہ گئی۔ اس پر دوربین بھی لگی تھی اور جب میں نے اس کا معائنہ کیا تو دل شاد ہو گیا یہ نائٹ ویژن بھی تھی۔ ایک بٹن دبانے سے دوربین کو نائٹ وژن موڈ پر کیا اور عقبی حصے کی طرف رائفل نکال کر معائنہ کیا اور مجھے فوراً عقبی باغ میں جھاڑیوں کے درمیان دو عدد سرخ دھبے دکھائی دیئے۔ یہ دونوں وہی تھے جنہیں عقب سے اندر گھسنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

میں نے ایک کے جسم کا نشانہ لیا، انفراریڈ میں جسم کا خاکہ مکمل طور پر واضح نہیں ہوتا ہے کہ میں اس کے بیروں کا نشانہ لیتا۔ میں نے مجبوراً دھبے کے وسط کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ گولی کی آواز کے ساتھ ہی چیخ سنائی دی۔ مارا جانے والا نیچے گرا اور دوسرا سرخ دھبا اچھل کر بھاگا۔ میں چاہتا تو اسے بھی نشانہ بنا سکتا تھا مگر مجھے زیادہ فکر مین گیٹ والوں اور ان تین بونوں کی تھی جو کوٹھی کے سامنے اور اوپر کہیں موجود تھے۔ میں نے تیزی سے رائفل سامنے والے رخ سے نکالی اور دوربین سے سامنے کا پورا معائنہ کیا مگر مجھے کہیں بھی کوئی زندہ انسان نظر نہیں آیا۔ مجھے فکر ہونے لگی کہیں وہ کوٹھی کے اندر تو نہیں پہنچ گئے تھے۔

میں واچ ٹاور سے اتر کر اس کمرے میں آیا جہاں بیتو تھا، وہ کھڑکی سے معائنہ کر رہا تھا۔ میری آہٹ پر بھڑکا تھا۔ "یہ میں ہوں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "کوئی اندر تو نہیں آیا ہے؟"

"نہیں!" اس نے واپس کھڑکی کی طرف پلٹ کر جواب دیا۔ "فائر آپ نے کیا تھا۔"

"ہاں، ایک دشمن اور کم کر دیا ہے۔" میں نے اسے رائفل دی اور اس کا تھوڑا سا استعمال سمجھایا۔ "اوپر واچ ٹاور پر چلے جاؤ وہاں سے تم ہر طرف دیکھ سکو گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو رائفل لے کر چلا گیا اور میں نے کھڑکی کو مورچہ بناتے ہوئے باہر کا جائزہ لیا۔ بو نے نظروں سے اوجھل تھے اور یہی بات مجھے مضطرب کر رہی تھی، آخر وہ کہاں تھے؟ کوٹھی میں سامنے والے راستے سے وہ میری نظروں میں آئے بغیر نہیں گزر سکتے تھے اور ان سے یہ توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ شرافت سے بیٹھ گئے ہوں۔ ممکن ہے راج جانے سے پہلے ان کو بھرپور مزاحمت کا حکم دے کر گیا ہو۔ میں دیکھ چکا تھا یہ بو نے پوری طرح اس کے وفادار تھے اور جان پر کھیل کر اس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ مجھے مین گیٹ کی طرف نقل و حرکت محسوس ہو رہی تھی۔ اندر سے اب سومترا کے چیخنے کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ میں نے صورت حال جاننے کے لئے نیچے کا ایک چکر لگایا۔ انہوں نے سومترا کو ایک کرسی سے باندھ کر بٹھایا ہوا تھا اور افسوس ناک بات یہ تھی کہ اسے بے لباس کر دیا تھا۔ میں نے برہمی سے کمار اور وسیم کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا حرکت ہے، اس کا لباس کیوں اتارا ہے؟''

''پلیز شہباز! تم یہاں سے جاؤ۔'' کمار نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ہمیں اس سے نمٹنے دو۔''

''یہ سخت ڈھیٹ عورت ہے۔'' وسیم نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''آسانی سے بتانے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

سومترا خوف اور سردی سے کانپ رہی تھی۔ کمار کے ہاتھ میں بلیڈ تھا اور اس نے سومترا کے ہاتھ اور پیروں پر اس سے کٹ لگائے تھے۔ میں نے اس کے سامنے جا کر کہا۔ ''کمار، تم اس عورت کو قتل کر سکتے ہو، مجھے ذرا بھی دکھ نہیں ہوگا۔ یہ اور اس کا بھائی ''سزائے موت'' کے مستحق ہیں لیکن میں ایک عورت کی تذلیل کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''میں نے تم سے اجازت مانگی بھی نہیں ہے۔'' اس نے سرد انداز میں کہا۔ ''یہ عورت میرے ہزاروں لوگوں کی موت کی ذمے دار ہے۔''

''میں نے کہا نا تم اسے شوق سے قتل کر سکتے ہو مگر اسے بے لباس نہیں کر سکتے۔ وسیم اسے کھول دو اور اس کا لباس دو اسے۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''نہیں۔'' کمار نے بھی زور سے کہا، وسیم رک گیا تھا۔

''وسیم!'' میں دہاڑا تو وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔

کمار جلدی سے سومترا کے سامنے آ گیا۔ ''کوئی اسے میری مرضی کے بغیر نہیں کھول سکتا۔''

میں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر رائفل کمار کی طرف سیدھی کی۔ ''کمار، میں بھول جاؤں گا، تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ خدا کی قسم، میرا سگا بھائی بھی یہ حرکت کرے تو میں اسے نہیں بخشوں گا۔''

''نہیں، یہ عورت میری مجرم ہے۔''

میں نے کمار کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف دھکیلا۔ وہ پلٹ کر میری طرف آیا تھا، اس نے میرے منہ پر گھونسا مارنے کی کوشش کی تھی، میں نے ایک ہاتھ سے اس کا گھونسا روکا اور اس کے پیٹ میں گھٹنا مارا۔ وہ پیچھے گرا اور پھر تیر کی طرح میری طرف آیا، وہ جنونی انداز میں مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ میں اسے کوئی ضرب نہیں پہنچانا چاہتا تھا، ابھی اس کا زخم درست طریقے سے بھرا بھی نہیں تھا میں نے اسے جکڑ لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کمار، ہوش میں آؤ۔''

''نہیں۔'' وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔ ''آج میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا، ان دو بہن بھائی کی وجہ سے میرا پورا خاندان ختم ہو گیا۔ میرے ہزاروں لوگ مارے گئے۔''

''میں مانتا ہوں لیکن جو تم چاہ رہے ہو میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' میں نے اسے پھر پیچھے دھکیل دیا۔ وہ اس بار پلٹ کر آیا تو میں تیار تھا۔ میں نے اس کی کنپٹی پر نپا تلا گھونسا مارا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ مجھے افسوس ہوا، میں اس حد تک نہیں جانا چاہتا تھا مگر کمار نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ اس دوران میں وسیم سومترا کو کھول کر اسے اس کا لباس دے چکا تھا۔

''وسیم، تم مجھے جانتے ہو؟'' میں نے اسے گھورا۔ ''پھر بھی تم نے.....؟''

''سوری شہباز صاحب! یہ کمار کا فیصلہ تھا اور میں نے سوچا یہ اس کی ہم قوم ہے، اس سے نمٹنے دوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بدمزگی سے کہا۔ سومترا نے جلدی سے لباس پہن لیا تھا۔ میں خاصی دیر اپنے مورچے سے غیر حاضر رہا تھا اور مجھے اچانک ہی اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ میں تیزی سے واپس آیا۔ جیسے ہی میں نشست گاہ میں داخل ہونے لگا، اوپر جانے والی سیڑھیاں یہیں تھیں، ایک دھماکے سے کوٹھی کا داخلی دروازہ کھلا اور ایک بونے کی جھلک دکھائی دی، میں واپس بھاگا۔ اگر گیلری میں آنے میں ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو اس کے سارے برسٹ مجھے چھلنی کر دیتے۔ گولیاں دیوار پر لگی تھیں، میں نے پلٹ کر یوزی سے جوابی برسٹ مارا۔

''شہباز صاحب!'' اندر سے وسیم چلایا۔

''اندر رہو۔'' میں نے دیوار کی آڑ میں ہوتے ہوئے کہا۔ ''بونے نشست گاہ تک آ گئے ہیں۔''

میں جس گیلری میں تھا یہ ایل کی صورت میں تھی، اس کا ایک حصہ نشست گاہ سے اندر کی طرف جاتا تھا جبکہ دوسرا سرا واچ ٹاور کی سیڑھیوں کی طرف جاتا تھا۔ بونے نہ جانے کس طرح اندر تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب رہے تھے، مجھے بیتو پر غصہ آ رہا تھا، وہ اوپر تھا، اسے نظر رکھنا چاہئے تھی۔ صورت حال اچانک ہی گھمبیر ہو گئی تھی۔ اسلحے کی کمی نے یہ وقت دکھایا تھا۔ بونے وقفے وقفے سے گولیاں چلا رہے تھے اور میں دیوار کی آڑ میں دبکے رہنے پر مجبور تھا۔ اگر بونے نشست گاہ سے گیلری میں گھس آتے تو ہماری جان کے لالے پڑ جاتے۔ کاش کمار میرا وقت ضائع نہ کرتا۔

میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکتا تھا اور بیک وقت کئی افراد کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے چیخ کر بیتو کو آواز دی۔ حالانکہ اس کی امید کم تھی کہ وہاں تک میری آواز جا سکے۔ واچ ٹاور خاصی بلندی پر تھا۔ میں اس جگہ سے پیچھے سیڑھیوں تک نہیں جا سکتا تھا، بونوں کو اندر گھسنے کا موقع مل جاتا اور میں نہ سہی کمار اور وسیم مارے جاتے، وہ نہتے تھے۔ میں نے گیلری میں لگے کیروسین لیمپ پر فائر کیا اور اس کا شعلہ بجھ گیا۔ اب گیلری تاریکی میں تھی جبکہ نشست گاہ میں روشنی تھی۔ بونوں نے اس کے مختلف حصوں میں پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ اس کا اندازہ میں نے آنے والی گولیوں کے زوایے سے لگایا تھا۔ میری رائفل کا پہلا میگزین ختم ہونے والا تھا۔ میں اسے تبدیل کرنا چاہتا تھا مگر میگزین بدلنے کے کھٹکے کی آواز بونوں کو بتا دیتی کہ میں میگزین بدل رہا ہوں اور وہ مجھ پر ہلا بول دیتے۔ میں نے رہی سہی گولیاں اچانک دیوار سے ہاتھ نکال کر اندازے سے اس طرف فائر کیں جس طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے حساب سے ایک بونا ہونا چاہئے تھا اور جب اس کی چیخ سنائی دی تو میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ ان میں سے ایک اور کم ہوا، اس کے بعد باقی دو نے مجھ پر جوابی حملہ فائرنگ کی تو مجھے اس کے شور میں میگزین بدلنے کا موقع مل گیا تھا۔ مرنے والے کی دردناک کراہیں کچھ دیر سنائی دیتی رہی تھیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔

بونے بھی ابتدائی جذبات پر قابو پا کر خاموش تھے، ان کو پتا تھا میں ہمیشہ دروازے کے پاس کھڑا رہ نہیں سکتا تھا۔ ان کو انتظار تھا کہ کب میں کوٹھی کے دوسرے حصے میں جانے کے لئے دروازے کے سامنے سے گزروں اور وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے مار دیں۔ میں زیادہ دیر تک چوکنا کھڑا رہ بھی نہیں سکتا تھا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹے سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ باتھ روم کا معائنہ کرتے ہوئے بیسن کے نل سے ذرا سا پانی پیا تھا۔ خالی پیٹ اپنا احساس دلانے لگا تھا۔ کسی طرح ان بونوں کو راستے سے ہٹانا تھا۔ مجھے بیٹو کا خیال آیا۔ اتنی فائرنگ سے تو مُردے بھی قبروں میں جاگ جاتے ہیں اور اس کے کان پر جوں نہیں رینگی تھی۔ مجھے اس کی طرف سے تشویش ہونے لگی تھی، اگرچہ وہ انتہائی محفوظ جگہ بیٹھا تھا مگر نا گہانی اسی وجہ سے نا گہانی کہلاتی ہے کہ اس کا پہلے سے کچھ پتا نہیں چلتا۔ میں اس مورچے کو چھوڑ کر اسے دیکھنے نہیں جا سکتا تھا۔

بونوں کے پاس بھی یوزی مشین گنیں تھیں۔ مجھے ان کے میگزین بدلنے کی آوازیں آئیں۔ بونوں نے باری باری یہ کام کیا تھا۔ تاکہ میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکوں۔ اس بار اچانک ہی ایک خیال میرے ذہن میں آیا، میں نے میگزین نکالنے والا بٹن دبایا۔ میگزین سرسراہٹ کے ساتھ نصف باہر آیا، اس کے ساتھ ہی میرے کانوں نے بونوں کے دوڑنے کی آواز سنی، میں نے نہایت سرعت سے میگزین اندر کیا اور پہلے بونے کے نمودار ہوتے ہی اسے چھلنی کر دیا۔ میں نے ٹریگر سے انگلی ہٹائی نہیں تھی، گرنے والے کے عقب میں آنے والے پر ذرا آگے ہو کر برسٹ مارا اور وہ بھی گر گیا۔ پہلا بونا حرکت کر رہا تھا۔ اس نے مرتے مرتے مشین گن کا رخ میری طرف کرنے کی کوشش کی۔ میں نے ٹریگر سے انگلی ہٹائے بغیر مشین گن کا رخ اس کی طرف کیا اور وہ پھر سے چھلنی ہو گیا۔ اس بار وہ مر گیا۔ دوسرا بونا بھی حرکت کر رہا تھا۔ میں نے اسے بھی ٹھنڈا کیا اور اس کے ساتھ ہی مشین گن کا میگزین خالی ہو گیا۔ اسی لمحے عقب میں آہٹ ہوئی، آواز واچ ٹاور کی سیڑھیوں کی جانب سے آئی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کوئی واچ ٹاور سے برآمد ہو رہا تھا۔ وہاں نیم تاریکی تھی اس لئے مختصر سا ہیولا دیکھتے ہی میں نے جست لگائی اور نشست گاہ میں جا گرا۔ مگر بونے نے حیرت انگیز پھرتی کا ثبوت دیا، جب تک میں سنبھل کر اٹھا، وہ نشست گاہ کے دروازے پر نمودار ہو چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے جست لگائی اور اڑتا ہوا صوفے کے عقب میں جا گرا۔ گولیوں کی بوچھاڑ اسی جگہ پڑی جہاں ایک لمحے پہلے میں تھا۔

اس سے پہلے کہ میں سنبھل کر یوزی میں نیا میگزین لگاتا غیبت بونا پھر میرے سر پر تھا۔ یہ سردار بونا تھا اور اس کا قد سب سے زیادہ یعنی تقریباً ساڑھے تین فٹ تھا۔ اس نے مشین گن کا رخ میری طرف کرنا چاہا مگر اسی لمحے نشست گاہ کا بیرونی دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور کوئی دہاڑتا ہوا اندر آیا۔ "کہاں ہیں حرام کے جنے! چوہے کی اولاد! آدم خور کہیں کے۔ ایک ایک کا دیکھ لیتے ہیں۔"

یہ شاید پرانے محافظوں میں سے ایک تھا اور اس نے اپنے ساتھی کی ادھ کھائی لاش دیکھ لی تھی۔ اس کے پاس بھی ہتھیار تھا، اس نے آتے ہی سردار بونے پر فائرنگ کی تھی اور وہ بال بال بچا تھا حالانکہ سامنے ہی صوفے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑا تھا۔ اس نے اپنی مشین گن سے جوابی فائرنگ کی اور اندر آنے والے کی زبان کی مشین گن رک گئی جو گولیوں کی رفتار سے زیادہ گالیاں برسا رہی تھی۔ یہ شاید ایک آخری موقع تھا جو مجھے قدرت نے اس مارے جانے والے شخص کی صورت میں مہیا کیا تھا اور میں اس سے فائدہ کیسے نہ اٹھاتا۔ میں نے تڑپ کر اٹھتے ہوئے بونے کے سینے پر ہاتھ مارا اور چاقو جو میں نے اس کے ساتھی سے چھینا تھا، اس کے دل میں دستے تک اتار دیا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور آرام سے صوفے سے نیچے گر کر مر گیا۔ میں نے چاقو نکال کر اس کے لباس سے صاف کیا اور چیخ کر وسیم کو آواز دی۔ ''وسیم، یہاں آؤ۔''

وسیم اندر سے نمودار ہوا، اس نے منظر کا جائزہ لیا اور مطمئن انداز میں بولا۔ ''سب مارے گئے۔''

''نہیں، ایک بونے سمیت کم سے کم دو افراد باقی ہیں۔''

وسیم نے ایک پوزی اٹھائی اور اس کا میگزین چیک کیا۔ ''اب کوئی فکر نہیں ہے۔''

''کمار اور سومترا کس حال میں ہیں۔''

''کمار کو ہوش آ گیا ہے اور اس کا دماغ بھی درست ہے۔ سومترا کی نگرانی وہی کر رہا ہے۔''

''بیتو اوپر تھا اور یہ اوپر سے آیا ہے۔'' میں نے سردار بونے کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ ''نہ جانے کیسے یہ اوپر پہنچا تھا۔ مجھے بیتو کی جانب سے سخت تشویش ہو رہی ہے۔''

''میں دیکھ کر آتا ہوں۔'' وسیم نے فکرمندی سے کہا۔

''نہیں تم اس جگہ رکو۔'' میں نے کہا اور پہلے کمار والے کمرے کی طرف آیا۔ اس نے میری اور وسیم کی باتیں سن لی تھیں۔

''شہباز، میں شرمندہ.....''

''کمار، ان باتوں کا وقت نہیں ہے، اسے باندھو اور وسیم کے پاس جاؤ، میں بیتو کو دیکھ کر آتا ہوں۔''

کمار نے سر ہلایا اور سومترا کو کرسی پر باندھنے لگا۔ میں چکردار سیڑھیوں کی طرف آیا، اوپر جاتے ہوئے میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا کہ شاید میں بیتو کو زندہ نہ دیکھ سکوں۔ میں نے دھڑکتے دل سے گول کمرے میں قدم رکھا۔ بیتو فرش پر پڑا تھا اور اس کے سر کے آس پاس خون ہی خون تھا۔ کمرے کی چھت ایک جگہ سے ٹوٹی تھی۔ بونا سردار اسی راستے سے اندر آیا تھا اور اس نے اندر گرتے ہی بیتو کے سر میں گولی ماری تھی۔ میں گہرے دکھ کے ساتھ بیتو کے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اس کا چہرہ سیدھا کیا، اس پر سکون تھا۔ میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرا، اچانک مجھے محسوس ہوا، وہ سانس لے رہا تھا، اس کی سانس میرے ہاتھ پر لگی تھی۔ میں نے جلدی سے گردن پر نبض دیکھی، وہ دھڑک رہی تھی۔ بیتو زندہ تھا، میں نے بے تابی سے اس کا سر ٹٹولا۔ اس کے سر پر زخم کا نشان تھا مگر یہ گولی کا نشان نہیں تھا۔ بونے سردار نے اسے کسی اور شے سے مارا تھا اور اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ کوئی باہر کی نس پھٹی تھی تبھی اس قدر خون بہا تھا۔ اس کی نبض کمزور لیکن باقاعدہ تھی۔ اس کی زندگی کو خطرہ نہیں تھا، میں نے مسرت آمیز سانس کے ساتھ اسے اٹھایا اور نیچے لے کر آیا۔

''کیا ہوا؟'' وسیم اور کمار بیک وقت میری طرف لپکے۔ ''یہ ٹھیک ہے نا؟''

''فی الحال بے ہوش ہے۔ کمار، اس کے لئے پانی دیکھو، اور یہاں کوئی اور دکھائی دیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمار اندر چلا گیا۔ وسیم نے بتایا۔ ''میں نے کوٹھی کے احاطے کا معائنہ کیا ہے، وہاں کوئی نہیں ہے۔''

''یہ بونے اوپر سے نازل ہوئے تھے، میرا خیال ہے آخری بونا بھی فصیل پر کہیں گھات لگائے بیٹھا ہے۔ تم بیتو کو دیکھو، میں اوپر سے آتا ہوں۔''

میں واچ ٹاور میں واپس آیا۔ بیتو کی رائفل وہیں تھی، میں نے اس کی انفرا ریڈ دوربین سے پورے فارم کا جائزہ لیا مگر مجھے کہیں بھی کوئی زندہ جسم نظر نہیں آیا۔ البتہ مین گیٹ کی طرف سے ہلکی سی سرخی جھلک رہی تھی اور شاید وہاں کوئی تھا۔ فصیل اور دیوار پر بھی کوئی نہیں تھا۔ میں اوپر والے سوراخ کی طرف سے بھی جھانکنا تھا جب ایک بونا اس طرف سے آ سکتا تھا تو دوسرا بھی آ سکتا تھا۔ میں نے اکلوتا لیمپ بجھا دیا اور رائفل سنبھال کر چھت کے سوراخ کی نگرانی کرنے لگا۔

نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ آخری بونا اس طرف سے ہی آئے گا۔ میں ایک طرف ملبے کے ساتھ زمین پر اس طرح لیٹ گیا کہ ملبے کا حصہ نظر آؤں اگر کوئی بہت غور سے دیکھے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دروازہ پاؤں سے دھکیل کر زور سے بند کر دیا۔ اگر بونا اوپر تھا تو اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز ضرور سن لی ہوگی۔ اوپر سوراخ ہو جانے سے اب اور بھی یخ ہوا اندر آنے لگی تھی۔ اتنی سردی میں ساکت لیٹے رہنا آسان نہیں تھا۔ میں نے یوزی کا رخ اوپر کی طرف رکھا تھا تاکہ کوئی حرکت کئے بغیر فائر کر سکوں۔

مجھے لیٹے ہوئے دس منٹ گزر چکے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہ میرا خیال غلط تھا۔ بونا اوپر نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ مین گیٹ کی طرف ہو یا اپنے ساتھیوں کے مارے جانے پر فرار ہو چکا تھا۔ وہ جھاڑیوں کے درمیان میں بھی نہیں تھا کیونکہ یہ پودے انفرا ریڈ روشنی نہیں روک سکتے تھے اگر کوئی ان کے درمیان میں چھپا تھا تو وہ بہ آسانی نظر آ جاتا۔ میں اٹھنے والا تھا کہ باہر سے بے حد معمولی سی آہٹ سنائی دی اور میں ساکت ہو گیا۔ آواز بے حد ہلکی سی تھی اور اوپر سے کسی کنکر کے گرنے سے بھی ہو سکتی تھی مگر ان حالات میں، میں موہوم سے امکانات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

چند لمحے بعد ایک سیاہ سی شے سوراخ کے اوپر نمودار ہوئی۔ یہ کسی کا سر تھا اور اس کا بھی چھوٹا سا حصہ تھا۔ بونا اندر جھانک رہا تھا اور وہ بے حد محتاط تھا۔ خاصی دیر تک وہ اسی طرح جھانکتا رہا اور میں اس پر فائر کرنے کی خواہش پر قابو پاتا رہا۔ اس وقت نشانہ کارگر ہونے کا امکان کم تھا اور اس کے جوابی فائر سے بچنے کے لئے یہاں جگہ بہت کم تھی۔ میں سانس بھی بے حد آہستگی سے لے رہا تھا۔ کوئی تین منٹ بعد اس نے سر ہٹا لیا اور پھر اس کی ٹانگیں اندر آئیں۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور جیسے ہی وہ کودنے کے لئے ہاتھوں کے بل لٹکا، میں نے اس کے جسم کے وسطی حصے کا نشانہ لے کر ہلکا سا برسٹ مارا اور فوری طور پر اس جگہ سے سرک گیا۔ وہ ایک فلک شگاف چیخ کے ساتھ نیچے گرا۔ پھڑکنے کے دوران اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ میں نے ٹٹول کر اس کی رائفل اور اضافی میگزین نکالے اور نیچے آ گیا۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' وسیم نے مجھے دیکھتے ہی بے تابی سے کہا۔ ''یہ خون.....''

''فکر مت کرو۔ آخری آدم خور بونے کا ہے۔''

''آدم خور!'' وسیم اور کمار چونکے۔ بیتو کو انہوں نے صوفے پر لٹا کر پانی سے اس کا سارا خون صاف کر دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۔۔۔

اور مجھے گورکھا چوکیدار بھی نظر آیا۔ باہر جانے سے پہلے میں نے احتیاطاً انفراریڈ دوربین سے باہر کا جائزہ لیا۔ وہاں بھی خاموشی تھی۔ کم سے کم سامنے والے حصے میں کوئی زندہ فرد نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے خطرہ نہیں ہے، نکل چلو۔'' میں نے جیپ پر سوار ہوتے ہوئے کہا۔ لاشیں ایک طرف کر کے میں پہلے ہی مین گیٹ کھول چکا تھا۔

''یہاں اتنی فائرنگ ہوئی ہے اور کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔'' وسیم نے جیپ باہر نکالتے ہوئے حیرت سے کہا۔

''یہ علاقہ ویران ہے۔'' کمار نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ایک دو میل تک کوئی آبادی نہیں ہے۔ پولیس تک اطلاع پہنچے اور اسے یہاں آنے میں کچھ دیر تو لگے گی۔''

میں نے دوربین رائفل سے الگ کر لی تھی اور اس کی مدد سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ آسمان پر گہرے بادل تھے اور ستاروں کی روشنی بھی نہیں تھی۔ اچانک مجھے آگے سڑک پر ایک حرارت کا دھبا نظر آیا۔ وہ بھاگ کر سڑک سے اتر گیا۔ اب پتا نہیں وہ انسان تھا یا جانور۔ ''آگے کوئی ہے۔'' میں نے خبردار کیا۔

''یہ تو گاڑی ہے۔'' وسیم بولا۔

''اس کے پاس ہی کوئی بھاگا تھا۔'' میں نے اسے بتایا۔ وسیم نے جیپ گاڑی کے پاس روک دی۔ یہ پک اَپ تھی، میں اور کمار نیچے اترے تھے۔ ''اس میں کوئی ہے۔'' کمار نے پک اَپ کے عقبی حصے میں دیکھا۔

''میں نے لینڈ کروزر کے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک عدد ٹارچ برآمد کی تھی۔ میں نے اسے روشن کیا تو کمار کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔ ''سادھنا!''

پک اَپ کے عقبی حصے میں سادھنا لاش کی طرح ساکت پڑی تھی۔ اس کے بائیں شانے اور اسی طرف ران پر گولیوں کے نشانات تھے۔ میں نے جلدی سے اس کی نبض دیکھی۔ نبض چل رہی تھی مگر رک رک کر۔ ''اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔'' میں نے کمار سے کہا۔ ''اسے فوری طور پر اسپتال پہنچانا ضروری ہے۔''

کمار کی بے تابی اس کے دلی جذبات کو عیاں کر رہی تھی۔ وہ سادھنا کے ہاتھ سہلاتے ہوئے اسے آواز دے رہا تھا۔ اس لمحے مجھے نشیب کی طرف سے کسی کی حرکت کا احساس ہوا۔ میں نے بھڑک کر رائفل اور روشنی کا رخ اس طرف کیا تھا کہ مجھے ایک قبائلی ہاتھ اوپر کیے کچھ کہتا نظر آیا۔ حلیے اور زبان سے وہ کمار کے قبیلے کا لگ رہا تھا۔ کمار اس کی آواز سن کر چونکا اور اس کی طرف گیا۔ وہ اس سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ اس دوران میں، میں نے سادھنا کو وسیم کی مدد سے جیپ کی پچھلی نشست پر لٹایا۔ بیتو نے اسے سنبھال لیا تھا۔ جبکہ میں نے پک اَپ کا معائنہ کیا۔ اس کا ایندھن ختم ہو گیا تھا۔ میں نے جیپ کے عقبی حصے میں رکھے کین سے اس میں ڈیزل ڈالا اور اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی۔

''سادھنا میرے آدمیوں کو مل گئی تھی۔'' کمار میری طرف آیا۔ ''یہ کل چار آدمی تھے۔ ہم جس خفیہ راستے سے باہر نکلے تھے انہیں بھی وہ راستہ مل گیا تھا۔ یہ پک اَپ بھی وہیں تھی۔ اس پر وہ ہمیں ڈھونڈنے نکلے تھے۔ اتفاق سے یہ لوگ اسی راہ پر چلتے آ رہے تھے جس سے ہم گزرے تھے کہ ایک جگہ سادھنا نظر آ گئی۔ اس سے صورتِ حال کا علم ہوا تو انہوں نے فارم پر حملہ کر دیا۔ میرے تین آدمی مارے گئے اور سادھنا زخمی ہوئی تھی۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے لے کر بھاگ نکلا تھا کہ اس جگہ آ کر گاڑی کا ایندھن ختم ہو گیا۔''

''ایسا کرو اسے میرے پاس بھیج دو۔'' میں نے قبائلی کی طرف اشارہ کیا۔ ''سادھنا کو فوری طبی امداد کی اشد ضرورت ہے۔''

وسیم نے جیپ آگے بڑھا دی اور میں نے پک اَپ اس کے پیچھے لگا دی۔ وسیم خاصی تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد ایک جگہ روشنیاں نظر آئیں۔ یہ مختصر سی آبادی تھی۔ وسیم نے جیپ سب سے پہلے نظر آنے والے مکان کے سامنے روک دی۔ جیپ کی آواز سن کر اندر سے ایک بوڑھا نکل آیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر وسیم سے کہا۔ ''آ گیا سرکار، کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''بابا ادھر کوئی اسپتال ہے۔ ہمارے ساتھ ایک زخمی عورت ہے، اسے علاج کی ضرورت ہے۔''

''ادھر اسپتال تو ہے، پر چھوٹا سا ہے، رات کو بس ایک ڈاکٹر ہوتا ہے۔'' اس نے بتایا اور پھر اسپتال تک جانے کا راستہ سمجھایا۔

اسپتال واقعی چھوٹا سا تھا اور ہمیں ایسے ہی اسپتال کی ضرورت تھی۔ کسی بڑے اسپتال میں سب سے پہلے پولیس کا چکر پڑ جاتا۔ یہاں ایک ڈاکٹر سے ہم بہ آسانی نمٹ سکتے تھے۔ اندر موجود ڈاکٹر نوجوان تھا اور اپنے کمرے میں انگیٹھی کے سامنے بیٹھا ناول پڑھ رہا تھا۔ زخمی کا سن کر وہ پھرتی سے حرکت میں آیا۔ ہم نے سادھنا کو اسٹریچر پر آپریشن روم تک پہنچا دیا۔ اس کے زخم دیکھ کر ڈاکٹر چونکا۔ ''یہ تو گولی کا زخم ہے۔''

''تم نے درست پہچانا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ڈاکٹر، فالتو باتیں کرنے کے بجائے اسے بچانے پر توجہ دو ایسا نہ ہو اسے کچھ ہو جائے تو تم بھی نہ رہو۔'' میں نے اپنی بوزی کی جیکٹ سے جھلک دکھائی تو اس کا رنگ اڑ گیا تھا اور وہ بڑی تیزی سے حرکت میں آیا۔

یہ ایک منزلہ مختصر سا اسپتال تھا۔ اس کا سامنے والا حصہ او پی ڈی کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے عقب میں جنرل وارڈ تھا جس میں چار عدد بستر تھے جبکہ عقب میں آپریشن روم اور ایک مختصر سی لیب تھی۔ ڈاکٹر کا نام امرناتھ تھا۔ اس نے ہم سے کہا کہ آپریشن کے لئے اسے ایک شخص کی معاونت کی ضرورت ہے۔ وسیم آگے آیا۔ ''میں نے سرجری اور ڈریسنگ کا کورس کیا ہے۔''

''گڈ، تم کام آ سکتے ہو۔ اسے پلازمہ اور خون کی ضرورت ہوگی۔''

''یہ کہاں سے ملے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''میرے پاس ہے۔ اسے پلازمہ کے ساتھ او نیگیٹو خون دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''پلیز، باقی سب یہاں سے جائیں۔''

ہم آپریشن روم سے باہر آ گئے۔ سومترا جیپ کے عقبی حصے میں بندھی پڑی تھی۔ کمار اسے نکال لایا اور میں نے دونوں گاڑیاں اسپتال کے سامنے والے حصے سے ہٹا کر عقبی سمت میں پارک کر دیں۔

''ابھی تک پولیس حرکت میں نہیں آئی ہے۔'' کمار نے کہا۔ ''ہمیں راستے میں پولیس کی نقل و حرکت نظر نہیں آئی۔''

''ممکن ہے پولیس تک اس مار ماری کی خبر پہنچی نہ ہو۔'' میں نے ایک بستر پر دراز ہو کر کہا۔ ''میرا خیال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے ہمیں پھر بھی محتاط رہنا چاہئے ایک آدمی سامنے والے حصے میں رہ کر نگرانی کرے۔ اگر پولیس یا کوئی اور اس طرف آئے تو ہمیں فوراً مطلع کرے۔ ہمیں ایسی تمام نشانیاں ہٹا دینی چاہئیں جن سے یہاں ہماری نشاندہی ہو سکے۔"

کمار نے اپنے ساتھی قبائلی کو نگرانی کے لئے باہر بھیج دیا تھا اور ہم نے سامنے کی روشنیاں بجھا کر دروازے بند کر دیئے۔ اب بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ اسپتال خالی ہے یا سب سو رہے ہیں۔ ڈاکٹر کے کمرے میں ایک عدد بڑا تھرماس کافی سے بھرا رکھا تھا اور اس کے ساتھ خاصی تعداد میں میٹھی ٹکیاں تھیں۔ ہم نے یعنی میں نے، کمار اور بیتو نے بلا تکلف ان سے استفادہ کیا۔ سومترا کو بھی کافی دی۔ سردی اور اپنی انگلی کی تکلیف سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔ میں ہر دس منٹ بعد چپکے سے جا کر آپریشن روم میں جھانکتا تھا اور وسیم کی طرف سے اوکے کا اشارہ پا کر لوٹ آتا تھا۔ سومترا رو رہی تھی۔

"فکر مت کرو۔ ابھی سادھنا کے بعد ڈاکٹر تمہیں دیکھے گا۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" کمار نے میری طرف دیکھتے بغیر کہا۔ "اسے کسی علاج کی ضرورت نہیں ہو گی، بہت جلد....." اس کا لہجہ سفاک ہو گیا تھا۔

"یہ مجھے مارنا چاہتا ہے۔" سومترا ہذیانی انداز میں چلائی۔

"خاموش!" میں نے درشتی سے کہا۔ "اگر یہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو تم اس کی حق دار ہو۔ ذرا غور کرو سومترا رانی، تمہارے اپنے قبیلے کے لوگوں کے قتلِ عام کے ذمے داروں میں تمہارا نام آتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ تمہاری موت کا فیصلہ فوراً ہو جائے۔"

سومترا سہم کر خاموش ہو گئی پھر اس نے لجاجت سے کہا۔ "میں بھگوان کی سوگند کھاتی ہوں، مجھے راج بھیا نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم بھول رہی ہو، ہم شروع سے تمہیں دیکھتے آ رہے ہیں اور میرے خیال میں تم اتنی معصوم اور بے خبر نہیں ہو جتنا کہ خود کو ظاہر کر رہی ہو۔"

اس نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ "میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گی، جس سے تمہیں مجھے مارنے کا موقع ملے۔"

"شکریہ، ہم بھی تمہیں دھوکے میں رکھ کر نہیں ماریں گے۔"

"میری بھی ایک بنتی ہے۔ اگر مجھے مارنا ہو تو اذیت مت دینا۔ ایک ہی گولی سے مار دینا۔" اس نے کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں ایسا ہی ہو گا۔"

"اور تم مجھے نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔ "مگر یہ سچ ہے میں پاک ہوں۔ آج تک کسی مرد نے مجھے نہیں چھوا ہے، تم پہلے مرد ہو جس نے....."

"اوہ ٹھیک ہے۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "تمہاری عزت محفوظ رہے گی۔"

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور چپ ہو گئی البتہ کمار اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا، اسے غالباً میرے خیالات سے اتفاق نہیں تھا مگر مجھے بھی اس معاملے میں اس کی پروا نہیں تھی۔ جب میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یں بار آپریشن روم میں گیا تو ڈاکٹر سادھنا کی ڈریسنگ مکمل کر چکا تھا۔ اس کے ایک بازو سے خون کی بوتل لگی ہوئی تھی اور دوسرے سے پلازمہ کی۔ میں نے دیکھا، اس کے چہرے کی سرخی لوٹ آئی تھی۔ فی الحال اس کے جسم پر صرف ایک چادر تھی، اس کے خون آلود کٹے کپڑے ایک طرف پڑے تھے۔ ''اب اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ اسے ہوش آجاتا مگر میں نے اسے خواب آور انجکشن دے دیا ہے۔''

''وہ کیوں ڈاکٹر.....؟''

''ڈاکٹر امرناتھ'' اس نے تعارف کرایا۔ ''اس طرح یہ تکلیف سے بھی بچی رہے گی۔ اب اسے صبح تک ہوش آئے گا۔''

''ڈاکٹر ہم رک نہیں سکتے۔'' میں نے اسے کہا۔

''یہ دو دن سے پہلے نہیں جا سکتی ہے۔ زخم بگڑ گئے تو اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔'' ڈاکٹر نے اپنے اوزار اتارتے ہوئے بتایا۔ ''دوسرے یہ پولیس.....''

''پولیس کا نام بھی مت لینا!'' میں نے کہا۔ ''اور ہمارے جانے کے بعد اس سارے معاملے کو بھول جانا۔ غلطی سے بھی اس کا تذکرہ کیا اور یہ بات عام ہوئی تو ہم پھر آجائیں گے۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔ ''یہاں آپریشن ہوا ہے۔ میں نے خون، پلازمہ اور دوائیں استعمال کی ہیں ان کے بارے میں، میں کیا جواب دوں گا۔''

میں نے جیکٹ سے پوزی نکال کر اس کا رخ ڈاکٹر کی طرف کر دیا۔ ''اس کا ایک آسان طریقہ ہے۔ ہم ایک گولی خرچ کر کے یہاں سے چلے جائیں گے اور پتا بھی نہیں چلے گا مگر اس میں تمہارا نقصان ہے۔ تم اس بھری جوانی میں رخصت ہو جاؤ گے۔''

''میں.....'' اس نے ذبح کی جانے والی بکری کی سی آواز نکالی۔

''دوسرا طریقہ بھی ہے تم اس سلسلے میں کوئی اچھی سی کہانی گھڑ لو۔ جس میں ہمارا ذکر نہ آئے اور تمہاری بھی بچت ہو جائے۔''

''میں کر لوں گا۔'' اس نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ ''اسے بتا لو، یہ چل گئی تو میرا بلاوجہ رام نام ست ہو جائے گا۔''

''فکر مت کرو، یہ بلاوجہ نہیں چلتی اور نہ ہی تمہارا بلاوجہ رام نام ست ہوگا۔ جب بھی ہوگا کسی وجہ سے ہی ہوگا۔ جو تمہاری کوئی حماقت ہوگی۔''

''نہیں ہوگی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''میری حماقت۔''

سادھنا کو جنرل وارڈ کے ایک بستر پر شفٹ کیا گیا تھا اور اسے ایک عدد کمبل دے دیا گیا۔ ڈاکٹر نے سوتر اکے زخموں کی ڈریسنگ کر کے اس کی انگلی کی ہڈی بٹھا کر اس پر پلاسٹر کر دیا تھا۔ اسے درد اور سوجن کم کرنے والی دوائیں بھی دے دی تھیں۔ جنرل وارڈ کے کمرے کو گرم رکھنے کے لئے وہاں ایک عدد انگیٹھی بھی تھی۔ سب کانسٹیبل سے برا حال تھا اس لئے طے پایا کہ دو افراد آرام کریں گے اور دو افراد جاگتے رہیں گے۔ پہلے میں اور تیم چار گھنٹے تک جاگتے رہے۔ پھر کمار اور اس کا قبائلی ساتھی جاگتے رہے۔ بیتو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے بھرپور آرام کا موقع دیا گیا تھا۔ میں صبح پانچ بجے سویا اور نو بجے کمار نے مجھے اٹھا دیا۔

"اسپتال کا دوسرا عملہ آ گیا ہے۔"

میں نے انگڑائی لی۔ "تو ان کا کیا، کیا ہے؟"

"ابھی تو سب کو لیب میں بند کر دیا ہے، دس بجے دوسرا ڈاکٹر آ جائے گا۔"

"سادھنا کیسی ہے؟"

"دیکھ لو۔" کمار نے اشارہ کیا۔

وہ ہوش میں تھی اور کمبل تلے مسکرا رہی تھی۔ میں اس کی طرف جھکا۔ "اب کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" اس نے شرما کر کہا۔ شاید اس لئے کہ اس نے لباس نہیں پہنا تھا صرف کمبل سے ستر پوشی کی ہوئی تھی۔ "یہ کون سی جگہ ہے؟"

"ایک اسپتال ہے۔" میں نے کہا۔ "اور یہ تم نے کون سی حماقت کی تھی؟"

"آپ بھی....." اس نے منہ بنایا۔ "ابھی کمار بھی مجھے اس پر انتا ڈانٹ چکا ہے۔"

روانگی سے پہلے مسئلہ سادھنا کو لباس پہنانے کا تھا۔ اسپتال میں خاصی تعداد میں مریضوں والے ڈھیلے اور آرام دہ لباس موجود تھے۔ میں نے کمارے سے کہا تو اس نے گھبرا کر انکار کر دیا۔ "تم پہنا دو۔"

"وہ یار، کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا اس لئے مجھے تو معاف رکھو۔" میں نے کہا اور وسیم کی طرف دیکھا۔ اس نے جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"بیٹو.....تم....." کمار نے جھک کر درخواست کی۔

"میں پہناتا ہوں، میری دیدی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا، اس لئے یہ مسئلہ اس کے سپرد کر کے ہم وہاں سے نکل گئے۔ صبح ہو چکی تھی مگر یہ دھندآلود صبح تھی اور اچھی بات تھی اس طرح ہمیں کم سے کم لوگ جاتے ہوئے دیکھتے۔ لینڈ کروزر جیپ کے عقبی حصے کی چڑھائی خاصی تھی اس لئے اس میں ایک عدد گدا اسپتال سے لے کر بچھایا اور اس پر سادھنا کو لٹا کر اسے اسپتال ہی کا ایک کمبل اوڑھا دیا تھا۔ فی الحال اس کے پاس زرہ بکتر نہیں تھا اس لئے وہ بھی اسپتال یعنی ڈاکٹر امرناتھ اور وہاں آ جانے والے دوسرے عملے سے لیا۔ ساڑھے نو بجے ہم ان سب کو لیب میں بند کر کے روانہ ہو گئے تھے۔ اس بار میں جیپ چلا رہا تھا اور کمار پک اپ، وسیم، سومترا اور بیٹو میرے ساتھ تھے جبکہ قبائلی کمار کے ساتھ پک اَپ میں تھا اور دھند کے باوجود ہم تیزی سے روانہ ہوئے تا کہ اسپتال کے عملے کے آزاد ہونے سے پہلے یہاں سے دور نکل جائیں۔

بیٹو انگریزی نہیں جانتا تھا مگر سومترا کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ وہ جانتی ہے۔ اس لئے میں نے اور وسیم نے پشتو میں بات کی، پنجابی بھی بھارت میں عام سمجھی جاتی ہے، اس میں بات کرنے میں خطرہ تھا۔ میں نے وسیم کو اس ٹیوب کے بارے میں بتایا جس میں ہیرے بھرے تھے۔ اس نے کہا۔ "مجھے دکھایئے ذرا۔"

میں نے غیر محسوس انداز میں ٹیوب اس کے حوالے کر دی۔ وسیم نے ٹیوب کھول کر ہیرے نکال کر دیکھے اور حیرت ظاہر کئے بغیر بولا۔ "یہ تو بہت قیمتی ہیرے ہیں جناب! میرا خیال ہے ان کی مالیت کم سے کم کروڑ روپے ہو گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ ہمارے لئے پاسپورٹ ہیں ان کی مدد سے ہم اس ملک سے نکل سکتے ہیں۔"

وسیم نے ہیرے ٹیوب میں ڈال کر ٹیوب مجھے دے دی۔ "کیا کمار یا کسی اور کو ان کے بارے میں پتا ہے؟"

"نہیں اور نہ ہی پتا چلنا چاہئے۔" میں نے جواب دیا۔ "صرف سوہترا جانتی ہے، اس نے اعتراف کیا ہے، اس کے بھائی کے پاس اس سے کہیں زیادہ اور قیمتی ہیرے ہیں، اس کا اندازہ اس سے کرو کہ عجلت میں جاتے ہوئے اس سے یہ ٹیوب گر گئی اور اسے خبر تک نہیں ہوئی۔"

"مجھے یہ سارا چکر ہیروں کا لگ رہا ہے۔"

"درست لگ رہا ہے۔" میں نے تسلیم کیا۔ "یہ واقعی ان چمک دار پتھروں کا معاملہ ہے۔ چند لالچیوں نے ان کے لئے بے دریغ پانچ چھ ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"کیا ان کی کان ہے؟"

"میرا خیال ہے کان تھی، اس سے یہ قبائلی صدیوں سے ہیرے نکالتے آ رہے تھے جو راجا جتیندر کے پاس جمع ہو رہے تھے۔ اس نے راج لاما کی مدد سے چند ہیرے تراشنے کے ماہرین بلوا کر ان ہیروں کو تراشوا دیا اور اب یہ بہت بڑا خزانہ بن کر فتنہ و فساد پھیلا رہے ہیں۔"

"راج لاما اس ساری دولت کے ساتھ غائب ہے۔" وسیم نے غور کیا۔ "وہ کہاں جا سکتا ہے۔"

"کسی بڑے شہر دلی، بمبئی، کلکتہ، مدراس یا احمد آباد کی طرف جا سکتا ہے، ان ہیروں کی اصل قیمت وہیں لگے گی۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "پہلے وہ یہی کرے گا اور بعد میں باہر نکل جائے گا۔ دبئی، سنگاپور یا جنوبی افریقہ میں اسے ان ہیروں کی صحیح قیمت ملے گی۔"

"شاید وہ ایسا ہی کرے۔"

ابتدائی تیز رفتاری کے بعد میں نے رفتار اتنی سست کر لی تھی کہ سادھنا کو ہچکولوں سے تکلیف نہ ہو۔ ایک گھنٹے بعد ہمیں ایک جھونپڑی ہوٹل نظر آیا، جہاں مزدور پیشہ لوگ ناشتا کر کے جا چکے تھے اور ہوٹل کے مالک سردار جی بچ جانے والی پوریوں اور بھاجی کے بارے میں فکر مند تھے کہ ہم نے آ کر ان کی فکر ختم کر دی۔ ہمیں دیکھ کر وہ کھل اٹھے تھے۔ "آؤ جی..... واہ گرو کی کرپا، ناشتا کرنا لے۔"

"ہور کی سردار جی! ناشتا نہیں کرنا تے رشتہ لینے واسطے آئیں نیں۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "ساری پوریاں اور بھاجی باندھ دو اور ہاں، چائے کے لئے تھرماس اور کپ بھی چاہئیں۔"

"ابھی لو جی!" سردار جی نے کہیں سے فالتو ایک پرانا سا تھرماس برآمد کیا اور اس میں کیتلی کی ساری چائے بھر دی۔ اس کے بعد اپنے ہوٹل کے متروک ہو جانے والے کپ پیش کئے۔ پوری بھاجی کی قیمت ان چیزوں سمیت ساڑھے تین سو بنتی تھی۔ سردار جی چار سو پا کر بے حد خوش ہوئے تھے۔

"ہور دسو..... کرپان سنگھ تہاڈی کی خدمت کرے۔"

"سردار جی..... اصل میں ہم راستہ بھول گئے ہیں..... ہمیں دلی جانے والی ہائی وے پکڑنا تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ادھر دو راستے بھی ایسے سودے ہوتے نہیں۔" سردار جی نے داڑھی میں انگلیاں گھمائیں۔ "دلی تو ادھر ہے پر آگے جا کر دائیں طرف جانے والی سڑک پر پکڑ لیں ——— وہ سیدھی دیر ہ دون جاتی اے۔"

"دیرہ دون یعنی انڈین ملٹری اکیڈمی!" میں نے پوچھا۔

"آہو جی، ادھر سے دلی کا راستہ سدھا ہے۔"

سردار کرپان سنگھ کا شکریہ ادا کر کے ہم روانہ ہوئے۔ کئی میلوں میں روڈ ج ہے والد ماجد لولا ڈھرنہ کی آمد کی لہر سن کر نظر آنے والی پہلی چیز پر نومولود کا نام رکھ دیتے ہیں۔ کرپان سنگھ کے پتا جی غالباً اس وقت کرپان کا معائنہ کر رہے تھے جب اس کی پیدائش کی اطلاع ملی۔ بہر حال اس نے ناشتے کے ساتھ راستے کا مسئلہ بھی حل کر دیا تھا۔ کمار اور وسیم نے بھی اتفاق کیا کہ ہمیں دلی کی طرف جانا چاہئے۔ مگر دلی نہیں جانا چاہئے۔ ہم اس سے ملحقہ اکرا اپنا سفر کلکتہ کی طرف جاری رکھ سکتے تھے۔ کلکتہ کی طرف جانے پر میرا، وسیم اور کمار تینوں کا اتفاق تھا۔ میں اور وسیم بنگلہ دیش کے راستے پاکستان واپس جانے کے حامی تھے جبکہ کمار، سادھنا کے ہمراہ آسام کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔ اسے وہاں بہ آسانی پناہ مل جاتی۔ سادھنا کی حالت خطرے سے باہر تھی مگر سفر نے اس پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ پیر تک اسے بخار ہو گیا تھا۔ ہمارا کم سے کم ایک دن کے لئے کہیں رکنا لازمی تھا۔ میں نے وسیم اور کمار سے بات کی اور طے پایا کہ ہم راستے میں آنے والے کسی الگ تھلگ مکان میں رک جائیں گے چاہے اس کے لئے ہمیں زبردستی سے کام کیوں نہ لینا پڑے۔ وسیم نے نظر آنے والے پہلے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ یہ چھوٹا سا پتھر اور لکڑی کا بنا مکان تھا۔ "اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"دیکھ لیتے ہیں۔" میں نے جیپ اس طرف موڑ دی۔ مکان ایک ہموار سطح پر تھا اور خاصا خستہ حال تھا اس کے اوپر چمنی سے دھواں نکل رہا تھا۔ میں جیپ سے اتر کر مکان تک گیا تو مجھے عجیب سی بدبو محسوس ہوئی تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا سامنے ایک لمبا اور جسیم شخص کھڑا تھا۔ سر سے پاؤں تک اس کے جسم پر بال ہی بال تھے۔ اس کے پاس سے بھی ویسی ہی بدبو آ رہی تھی جیسی مکان کے پاس آنے پر محسوس ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور جسم پر صرف ایک جانگیا تھا۔

"کیا ہے بالک؟"

"ہمیں کچھ دیر کے لئے پناہ چاہئے۔" میں نے اندر جھانکنے کی کوشش کی مگر اس کا چوڑا جسم راستے کو پوری طرح کور کئے ہوئے تھا۔ "ہمارے ساتھ ایک مریض عورت ہے، اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

"میرے پاس جگہ نہیں ہے۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔ اس کا دایاں ہاتھ اپنی کمر پر تھا۔ کہہ کر اس نے دروازہ بند کرنا چاہا تو اس کا یہ ہاتھ ایک لمحے کے لئے سامنے آیا تھا اور میں نے دیکھ لیا اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی اور اس سے تازہ لہو ٹپک رہا تھا۔ اس سے پہلے، وہ دروازہ بند کرتا میں نے اس میں جوتا اڑا دیا۔

"چلو پناہ نہ سہی، پانی مل سکتا ہے۔"

"پاؤں ہٹا۔" اس نے خطرناک لہجے میں کہا۔ "پانی نہیں ہے میرے پاس۔"

میں نے پاؤں ہٹانے کا ارادہ ظاہر کیا اور اچانک دروازے کو دھکیلا، وہ ذرا دور گیا تھا۔ اس کے منہ سے آتی بساند تیز ہو گئی تھی۔ اچانک مجھے یاد آ گیا۔ جب گوشت کو سادہ پانی میں محفوظ رکھنے کے لئے ابال کر اور نمک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا کر خشک کیا جاتا ہے تو اس سے ایسی ہی بساند آتی ہے۔

"حرام جادے!" اس نے گالی دی اور چھری لہراتا میری طرف لپکا تھا۔ میں ڈر کر پیچھے ہوا اور جیسے ہی وہ نزدیک آیا۔ دروازہ بند کر کے اچانک کھول دیا۔ دروازہ اس کے رکتے رکتے بھی اس کے منہ پر لگا تھا۔ اس نے دہاڑ ماری۔ ضرب کاری تھی، میں نے اس کی ناک سے خون کا فوارہ بلند ہوتے دیکھا۔ اس کا چھری والا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچ کر باہر پھینک دیا جہاں وسیم اس کے استقبال کے لئے تیار تھا۔ اس نے اپنی بوزی گن کا رخ اس کی طرف کر کے اس کے چھری والے ہاتھ پر لات ماری اور چھری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

"اگر یہ اب اٹھے تو اس کا بھیجا اڑا دینا۔" میں نے وسیم سے کہا اور اندر جانے لگا تو وہ بلبلایا۔

"اوہ — میری سرکار — بات سنو — اندر نہ جاؤ۔"

اس پر وسیم نے اس سے ایک ناقابلِ اشاعت سوال کیا تھا، اندر کے حوالے سے۔ میں نے اندر قدم رکھا تو جا بجا کھالیں لٹکی تھیں، ایسا لگ رہا تھا یہ کوئی کھالیں اتارنے والا چمار تھا۔ بدبو اب ناقابلِ برداشت تھی۔ میں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور کھالوں کے درمیان سے گزرتا آگے بڑھنے لگا۔ یہ پورا مکان ایک کمرے پر مشتمل تھا۔ اس میں دیواروں کے ساتھ رسیوں سے لٹکتی بنی تھیں، کھالیں ان پر لٹکی تھیں۔ بالآخر میں کھانے پکانے والے حصے میں پہنچا۔ وہاں حسبِ توقع ایک شیشے کی کھڑکی کے سامنے گوشت کے ٹکڑے انگیٹھی سے نکلے خشک ہو رہے تھے۔ میں نے چولھے میں جھانکا۔ اس میں کوئی شے بری طرح جل رہی تھی اور جب میں نے غور کیا تو چند لمحے کے لئے مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہوا تھا۔ یہ چند ہڈیاں اور ایک انسانی کھوپڑی تھی۔ کسی نہایت چھوٹے سے بچے کی اور ان کو اس چولھے میں جلا کر راکھ کیا جا رہا تھا۔ اوپر چمنی سے نکلنے والا دھواں اسی کا تھا۔ مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ پھر شدید متلی کی کیفیت کے ساتھ میں پلٹا اور باہر نکلنے لگا تو دروازے پر مجھے اٹی آ گئی۔

کمار میری طرف لپکا۔ "تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں، یہ حرام زادہ، اس کے مکان میں ایک انسانی بچے کی ہڈیاں جل رہی ہیں۔"

"انسان کے بچے کی؟" کمار نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

اس خبیث کا چہرہ خوف سے سفید ہو گیا تھا۔ میں اٹھ کر سامنے آیا تو وہ چلانے لگا۔ "میری بات سنو، مجھے مارنا مت۔"

میں اس سے ذرا دور رک گیا۔ "ذلیل شخص! تیرے مکان میں ایک بچے کی ہڈیاں جل رہی ہیں۔ کہاں سے آیا ہے بچہ — تو نے اسے کس لئے مارا؟"

"میں نے نہیں مارا۔ میں نے ایک قبرستان سے خریدا تھا۔ یہ بچہ مرا ہوا تھا۔"

"کیوں؟" میں نے اس کی پسلی میں ٹھوکر ماری۔ وہ پسلی دبا کر لوٹنے لگا۔ اس نے سوال کا جواب نہیں دیا مگر جب میں نے اسے لگاتار ٹھوکریں ماریں اور اس کے گھٹنے کے ساتھ اس کی چند پسلیاں بھی توڑ دیں تو اس نے بادلِ ناخواستہ زبان کھولی تھی اور اس نے جو انکشافات کیے وہ نہایت لرزہ خیز تھے۔ اس کریہہ المنظر شخص کا نام شمبو ناتھ تھا، ذات کا چمار تھا اور اسے جادوگری کے ذریعے طاقت اور دولت حاصل کرنے کا خبط تھا۔ اس نے سحر سیکھنے کے لئے ایسا کیا تھا۔ اسے ایک گرو نے جادو کے ذریعے طاقت حاصل کرنے کا نادر نسخہ بتایا تھا کہ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سات ہفتے تک ہر ہفتے ایک نوزائدہ فوت ہو جانے والے بچے کی لاش حاصل کر کے اسے کھانا تھا اور اس دوران میں کچھ نہیں کھانا تھا۔ شرط یہ تھی کہ بچہ ازخود مرا ہو۔ اس دوران میں اسے ایک جاپ کرنا تھا۔ یہ آخری بچہ تھا جو اس نے ایک قبرستان سے حاصل کیا تھا۔ اس کی شامت اعمال کہ ہم آ گئے۔

"اس منحوس گرو کی کیا حالت ہے جس نے تمہیں نسخہ بتایا ہے؟"

"نسکھا..... وہ کیا جی؟"

"یہی کالا عمل..... خبیث کہیں کے۔" میں نے اس کے مکر پر اسے ایک لات اور رسید کی۔

"وہ جی، کرشنا کے مندر کے سامنے بھیک مانگتا ہے۔"

"اس نے خود یہ عمل کیوں نہیں کیا؟" وسیم نے طنز کیا۔

"پتا نہیں جی، میں نے پوچھا نہیں۔"

میں اس کو زبردستی مکان کے عقب میں لے گیا۔ میں نے اسے مارنے سے گریز کیا۔ "ایک انسان ہو کر تم نے اتنے غلیظ کام کیے۔"

"میں مجبور تھا۔" اس نے دردناک لہجے میں کہانی کا آغاز کرنا چاہا تھا۔

"لیکن میں مجبور نہیں ہوں۔" میں نے اپنی بوزی گن نکالی۔ "کوئی بھی مجبوری انسان کو اتنے قبیح کام پر آمادہ نہیں کر سکتی سوائے بے ضمیری کے۔"

"نہیں۔" وہ چلایا اور یک دم زمین سے اچھل کر بھاگا۔ اس کی پھرتی قابل دید تھی مگر وہ اجل سے زیادہ تیز رفتار نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے بوزی اس کی طرف سیدھی کر کے ایک ہلکا سا برسٹ مارا۔ اس کی پشت میں بیک وقت کئی سوراخ ہو گئے تھے اور وہ ایک گڑھے میں جا گرا۔ جب میں نے گڑھے میں جھانکا تو وہ اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کا خون گھاس میں جذب ہو رہا تھا۔ میں واپس آیا تو کمار غائب تھا۔ "یہ کہاں ہے؟"

"پتا نہیں، اندر گیا ہے۔" وسیم نے مکان کی طرف اشارہ کیا۔

"اس اثنا میں مکان کے عقبی حصے سے شعلے بلند ہونے لگے۔ کمار عجلت میں اندر سے برآمد ہوا۔ "بس اب نکل چلو، میں نے مکان کو آگ لگا دی ہے۔"

"میں خود بھی یہی کرتا۔" میں نے جیپ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "عورتوں کو یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

سادھنا جاگ رہی تھی۔ اسے دوا دی تھی جس سے اس کا بخار کم ہوا تھا مگر اسے علاج کے ساتھ آرام کی بھی ضرورت تھی اور آرام سفر میں ممکن نہیں تھا۔ مگر مجبوری تھی ہم نے سفر جاری رکھا۔ کچھ دیر پہلے ہم نے جو دیکھا تھا، اس نے میرا دل بوجھل کر دیا تھا۔ وسیم کی بھی یہی کیفیت تھی۔ "انسان دولت کے لئے کتنا گر سکتا ہے۔" وسیم نے سرد آہ بھری۔ "مجھے تو اپنے ماضی پر شرمندگی ہوتی ہے۔"

"تم راستہ بھٹکے تھے۔" میں نے اس کو تسلی دی۔ "اس بے ضمیر شخص سے اپنا موازنہ مت کرو۔"

دو گھنٹے بعد ایک شہری طرز کی آبادی دکھائی دی۔ لنچ کا وقت تھا۔ کم سے کم مجھے بھوک نہیں تھی مگر سادھنا کو کھانے کے لئے کچھ دینا تھا۔ ہم نے گاڑیاں آبادی سے ذرا پہلے درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس روک دیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سادھنا سو رہی تھی اور اس کا بخار مزید کم ہو گیا تھا۔ ہم نے اسے گدے سمیت اٹھا کر ایک ہموار جگہ لٹا دیا، درختوں کا سایہ تھا اور فضا میں خوشگوار خنکی تھی، میں نے کمار سے کہا۔ "تم یہاں رکو، میں اور وسیم جا کر کھانے کے لئے کچھ لاتے ہیں۔"

"اور سادھنا کی دوائیں بھی۔" اس نے یاد دلایا۔ ڈاکٹر امرناتھ نے چند دوائیں لکھ کر دی تھیں جو اسپتال میں نہیں تھیں۔ سادھنا کے زخموں کو انفیکشن سے بچانے کے لئے یہ لازمی تھیں۔ میں اور وسیم پک اپ میں روانہ ہوئے۔ جیپ میں ایندھن ختم ہونے والا تھا اس لئے ہم نے کین ساتھ رکھ لیا۔ پیٹرول پمپ قصبے کے آغاز میں تھا۔ یہاں سے پک اپ کی ٹنکی فل کرانے کے ساتھ ہم نے کین بھی بھروا لیا۔ یہ چالیس لیٹر کا کین تھا اتنے ایزل کی مدد سے لینڈ کروزر کم سے کم چار سو کلومیٹر کا فاصلہ آرام سے طے کر سکتی تھی۔ کھانے کے لئے ہوٹل اور ایک میڈیکل اسٹور قصبے کے واحد بازار میں مل گیا۔ وہاں سادھنا کے لئے تین میں سے دو دوائیاں مل گئیں۔ میڈیکل اسٹور کے تبتی نقوش والے مالک سے میں نے پوچھا۔ "یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ہم کچھ دیر یا ایک دن کے لئے رک سکیں۔ دراصل ہمارے ساتھ موجود ایک عورت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"وہ زخمی ہے۔" سادہ سے نظر آنے والے چالاک تبتی نے بھانپ لیا تھا کیونکہ ہم نے اس سے جو دوائیاں لی تھیں وہ زخموں کو خشک کرنے اور انفیکشن سے بچانے کے لئے ہی استعمال کی جاتی ہیں۔

"ہاں، ہم اسکیئنگ کے لئے پہاڑوں کی طرف گئے تھے وہ برف پر پھسل گئی تھی۔" میں نے ایک مناسب قسم کا جھوٹ بولا۔

"اُدھر ذرا آگے دھرم شالا ہے۔" تبتی نے بتایا، مہاتما بدھ کا ایک مجسمہ بتا رہا تھا کہ وہ بدھسٹ ہے۔

"وہاں تم کو بلا معاوضہ رہنے کی جگہ مل جائے گی۔"

"تم نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

کھانا اور سادھنا کے لئے جوس، دودھ اور گلوکوز کے ڈبے لے کر ہم واپس آئے۔ کھا پی کر ہم نے دوبارہ سفر کا آغاز کیا اور ایک گھنٹے میں ایک بدھ دھرم شالے میں پہنچ گئے۔ ان کے مندر پگوڈا کہلاتے ہیں مگر دھرم شالے متعدد سرگرمیوں کے مراکز ہوتے ہیں۔ ان میں مسافروں کو ٹھہرانے اور ان کو کھلانے پلانے کا بندوبست بھی ہوتا ہے۔ ایک ذمے دار شخص نے میری بات سنی اور ہمیں دو کمرے دے دیئے۔ زمین پر دری بچھی تھی اور نیم زمین دوز ہونے کی وجہ سے یہ کسی قدر گرم بھی تھے۔ ہم نے سب سے پہلے سادھنا کو وہاں پہنچایا، کھانے کے بعد اسے دواؤں کا ایک ڈوز اور دیا تھا۔ باقی سب بھی بہت تھکے ہوئے تھے۔ ہم نے اپنا اسلحہ چھپا لیا تھا۔ دھرم شالا والوں کے لئے ہم عام سے لوگ تھے۔ اسلحہ ہمیں مشکوک کر دیتا۔

میں سادھنا اور کمار کے ساتھ ایک کمرے میں تھا۔ دوسرے کمرے میں وسیم، بیتو، سومترا اور قبائلی راسن تھا میں لیٹ کر سو گیا اور جب میری آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔ کمار سادھنا کو چمچ سے دودھ پلاتے ہوئے اس سے سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا اور سادھنا کے چہرے پر چراغ کی روشنی میں محبت کی قوسِ قزح کے سارے رنگ نظر آ رہے تھے۔ اچانک اس نے کمار سے کہا۔ "تم سومترا کو معاف کر دو، اس کا اتنا قصور نہیں ہے۔"

"تم اس معاملے میں مت بولو۔" کمار کا رومانٹک موڈ اچانک خراب ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں، میں اس میں شامل نہیں ہوں۔'' سادھنا کا لہجہ تیز ہو گیا۔''شروع سے تمہارا ساتھ دیتی آئی ہوں۔ یہ زخم کیوں لگے مجھے اور تم کہتے ہو کہ میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔''

''مارے جانے والے میرے لوگ تھے۔'' کمار بولا۔''یہ دونوں، بہن بھائی قاتل ہیں۔''

''اب میں تمہاری ہوں تو تمہارے لوگ بھی میرے ہیں۔'' سادھنا آہستہ سے بولی۔''یقین کرو، مجھے بھی ان کے مارے جانے کا اتنا ہی دکھ ہے مگر اصل مجرم راج ہے، سومترا نہیں۔''

''یہ اس کی بہن تو ہے۔''

''کمار، تم بے انصافی کر رہے ہو۔ ایک کے کئے کی سزا دوسرے کو کیسے دی جا سکتی ہے؟''

''تب میں کیا کروں، بھول جاؤں مارے جانے والوں کو۔''

''کمار، تمہارے انتقام لینے سے وہ واپس نہیں آ سکتے۔ اس لئے بھول جاؤ، ایک نئی زندگی کا آغاز کرو۔''

''نئی زندگی کا آغاز تو کروں گا مگر یہ ناممکن ہے کہ میں راج اور سومترا کو معاف کر دوں۔''

میں اٹھ بیٹھا اور میں نے ایسا کرنا مناسب سمجھا تھا۔ کمار کا لہجہ بتا رہا تھا وہ اپنے ارادے پر پختہ تھا اور ان دونوں کے درمیان تلخی آنے والی تھی۔''کیا ہو رہا ہے، سادھنا کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے بے دلی سے کہا اور اچانک مجھ سے پوچھا۔''شہباز، تم لوگ سومترا کو مار دو گے؟''

''یہ کس نے کہا؟'' میں نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''کمار کا کہنا ہے.....''

''کمار اپنی جگہ صحیح ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔''مگر یہ قصائی نہیں ہے کہ اسے کاٹ دے۔ صرف شک کی بنا پر کسی کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی، تم فکر مت کرو ہم جو کریں گے پورے اطمینان کے بعد کریں گے۔''

میں نے کمار کو اشارہ کیا اور ہم باہر آئے۔ یہ جگہ مہمان خانے کے لئے مخصوص تھی۔ ہم نکل کر باہر باغ میں آئے جہاں گیس لیمپ روشن تھے۔''تمہیں اس سے بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے کمار سے کہا۔ ''اسے آرام کی ضرورت ہے۔''

''مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔'' کمار نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔''جب میں سومترا کو دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔''

''سومترا کا معاملہ میں تم پر چھوڑ چکا ہوں۔ بس اس کے عورت ہونے کا خیال رکھنا اور دوسرے میں تم سے امید رکھتا ہوں تم جو بھی فیصلہ کرو گے، جذبات کے بجائے انصاف کو مدِنظر رکھ کر کرو گے۔''

☆======☆======☆

یہ دھرم شالا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سامنے والے حصے میں مہمان خانہ اور دفتر تھا اس کے بعد پختہ صحن اور آخر میں پگوڈا کی چینی طرز تعمیر والی عمارت تھی۔ اس کے پیچھے ایک کھائی تھی جس نے اس پورے قطعہ زمین کو تین طرف سے گھیر رکھا تھا اور یہ جگہ سڑک سے خاصی بلندی پر اور کوئی دو فرلانگ دور تھی۔ سڑک سے دھرم شالا تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پتھر کا پختہ راستہ آتا تھا۔ میں اور کمار اندر آئے تو دھرم شالا کے دو نوعمر خادم کھانا لے آئے تھے، یہ سبزیوں کا سوپ تھا۔ جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ کھانے کے لئے لکڑی کے پیالے اور لکڑی کے چمچ تھے۔ سوپ خوش ذائقہ تھا۔ سادھنا کو بھی یہی دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ خشک میوے تھے اور کھانے کے بعد ایک قسم کا قہوہ دیا گیا جس میں چینی نہیں تھی مگر اس کی مہک اور ذائقہ لاجواب تھا۔

رات گیارہ بجے دھرم شالا کی بیرونی روشنیاں گل کر دی گئی تھیں اور سب سونے کے لئے چلے گئے۔ ہمارے علاوہ اس مہمان خانے میں دو بھکشو اور تھے جو پورے بھارت میں پگوڈوں کی سیر کرتے پھر رہے تھے اور دو دن سے یہاں تھے۔ سادھنا کے ساتھ سومترا اور بیتو بھی سو گئے تھے۔ مجھے، کمار اور وسیم کو اتنی جلدی نیند نہیں آئی اس لئے ہم باہر آ گئے، سردی تھی مگر قابل برداشت تھی۔ اتفاق سے وسیم نے بھی سومترا کے بارے میں سوال کیا۔

''اس کا کیا کرنا ہے؟ اگر اسے چھوڑنے کا ارادہ ہے تو اسے کلکتہ تک لے جانا کسی صورت مناسب نہیں ہوگا۔''

کمار نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسے چھوڑنا ناممکن ہے۔''

''او کے پھر ہم روانگی سے پہلے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے اور یہ کام تم کرو گے۔'' میں نے کمار کی طرف دیکھا۔

''میں؟'' وہ بوکھلا گیا تھا۔

''ہاں، تم..... تم اسے مارنے کے لئے جتنے بے تاب ہو..... یہ کام تمہیں ہی کرنا ہوگا۔'' وسیم نے میری تائید کی۔

کمار ہچکچانے لگا۔ ''یہ کام بعد میں نہیں ہو سکتا، جب میں اسے اپنے آدمیوں کے پاس لے جاؤں۔''

''میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' میں نے انکار کیا۔ ''اس میں خطرہ بہت زیادہ ہے، بہتر ہے تم ابھی فیصلہ کر لو۔ اسے مارنا ہے یا چھوڑنا ہے جو بھی کرنا ہے اس جگہ کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے کل ہم راستے میں کہیں اس کا فیصلہ کر دیں گے۔'' کمار بولا تھا۔

''کمار یاد رکھنا اسے سزائے موت دینے کا فیصلہ تمہارا اپنا ہے اور اس میں ہم میں سے کوئی بھی شریک نہیں ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''اگر مستقبل میں کبھی پچھتاوا ہو تو صرف خود کو الزام دینا۔''

''تم اس طرح کی باتیں کر کے مجھے اپنے فیصلے سے نہیں ہٹا سکتے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

وسیم ہائی وے کی طرف دیکھ رہا تھا، اس نے مجھے متوجہ کیا۔ ''دو گاڑیاں اس طرف آ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے، یہ دھرم شالا آنے والے راستے پر ہیں۔''

''شاید نہیں، یقیناً یہ دھرم شالہ کی طرف آ رہی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اور میری چھٹی حس کہہ رہی ہے یہ معاملہ گڑبڑ ہے، ہمیں اپنے ہتھیار لے لینے چاہئیں۔''

ایک خودکار رائفل کو چھوڑ کر ہم نے باقی اسلحہ لینڈ کروزر کے عقبی خانے میں چھپا دیا تھا۔ وسیم نے جا کر یوزی مشین گنیں اور ان کے اضافی راؤنڈز نکال لئے تھے۔ رائفل والی دوربین میرے پاس تھی۔ ہم پیچھے عمارت تک آئے اور وہاں ایک آڑ سے میں نے آنے والی گاڑیوں کا جائزہ لیا۔ یہ دونوں ہی بڑے سائز کی جیپیں تھیں جیسی کہ عام طور سے بدمعاش اپنے پاس رکھتے ہیں۔ گاڑیاں دھرم شالا سے کچھ فاصلے پر رک گئیں اور ان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنیاں گل ہو گئیں۔ وسیم نے لینڈ کروزر کے پیچھے اور کمار نے پک اَپ کے پیچھے پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ میں نے دوربین کو نائٹ وژن پر کیا۔ اب مجھے جیپ سے اترنے والے ہیولے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں جیپوں سے کم وبیش بارہ افراد اترے تھے اور وہ دائیں بائیں پوزیشن لینے والے انداز میں دھرم شالا کے اردگرد پھیل رہے تھے۔ ان کا انداز محاصرہ کرنے والوں جیسا تھا۔ میں نے دبی زبان میں وسیم کو پکارا۔

''جناب!'' اس نے جواب دیا۔

''تمام اسلحہ لینڈ کروزر سے نکال کر اندر لے آؤ، ان کے ارادے اچھے نہیں لگ رہے ہیں۔''

وسیم باقی اسلحہ بھی لے آیا۔ میں نے اندر جا کر بیٹو کو بیدار کیا۔ ''ایکشن میں آنے کا وقت آ گیا ہے برخوردار!'' میں نے اسے ایک یوزی تھمائی اور اپنی مشین گن شانے سے لٹکا کر میں نے رائفل پر دوربین نصب کی، اچانک باہر سے کسی کی گونجتی آواز آئی۔ میں جلدی سے باہر آیا۔ کوئی میگافون پر بات کر رہا تھا۔

''شہباز! مجھے معلوم ہے تم اپنے ساتھیوں سمیت یہاں ہو۔'' اس بار میں نے آواز پہچان لی، وہ راج تھا۔

''اسے کیسے پتا چلا؟'' وسیم نے سرگوشی کی۔

''یار، ہم جا بجا اپنے نشانات چھوڑ آئے تھے۔ یہ ان کا تعاقب کرتا آیا ہے۔'' میں نے دوربین سے پھیل جانے والوں کا جائزہ لیا۔ میں نے وسیم کو جواب تو دے دیا تھا مگر راج کی حیرت انگیز مستعدی نے مجھے بھی حیران کر دیا تھا۔ اس نے بالکل درست خطوط پر ہمارا تعاقب کیا۔ سب سے بڑی حماقت میں نے ہوٹل والے سردار جی سے راستہ پوچھ کر کی تھی اور اس نے مجھے جو راستہ بتایا تھا وہ بعد میں آنے والے راج کو بھی بتا دیا تھا۔ اس کے بعد قصبے کے کیسٹ نے بھی جو دھرم شالے کا مشورہ دیا تھا، راج نے اس سے بھی پوچھا ہو گا اس لئے وہ سیدھا یہاں آیا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والے درجن بھر افراد لازماً پوری طرح مسلح تھے اور ہمارے پاس صرف چار عدد مشین گنیں تھیں جو صرف کچھ فاصلے کے لئے کارآمد تھیں اور ایک دور مار رائفل تھی۔ رائفل کا ایک ہی میگزین تھا جبکہ یوزی مشین گنوں کے بھی زیادہ فالتو میگزین نہیں تھے۔ راج نے پھر للکارا۔

''شہباز، کمار! تم میری آواز سن رہے ہو۔ تم چھپ نہیں سکتے، تمہاری دونوں گاڑیاں یہاں موجود ہیں۔''

اس بار میں نے جواب دیا۔ ''راج بے شک تم نے ہمیں تلاش کر لیا ہے۔ مگر ہم بھی نہتے نہیں ہیں۔ بہرحال تم بتاؤ کس لئے آئے ہو؟'' میں نے اتنی اونچی آواز میں کہا تھا کہ وہ سن لے۔ ''اگر ہمیں لے جانے کے لئے آئے ہو تو اسے بھول جاؤ۔''

''مجھے تم سے غرض نہیں ہے تمہارے پاس میری ایک امانت ہے۔ وہ دے دو میں چلا جاؤں گا۔''

''سومترا!'' میں نے کہا۔

''وہ بھی..... لیکن میں کسی اور چیز کی بات کر رہا ہوں۔'' اس نے بے غیرتی سے کہا۔ وہ سرے سے بہن کی بات ہی نہیں کر رہا تھا۔ اسے ہیرے درکار تھے۔ یعنی وہ ٹیوب جو مجھے اس کے بیڈروم سے ملی تھی۔ وہ اس کے لئے میرے پیچھے دوڑا آیا تھا۔ میں نے اَن جان بن کر پوچھا۔ ''اور کون سی شے ہے؟''

''شہباز، میرے ساتھ چالاکی مت دکھاؤ۔'' اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''تم ایک دھرم شالا میں کھڑے ہو اور یہاں اور بھی لوگ ہوں گے۔ ایک بار لڑائی ہوئی تو ان میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ میرے پاس کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قوت ہے، ابھی میں اس کا نمونہ دکھاتا ہوں۔ اس پک اَپ کے پاس کوئی ہے تو ہٹ جائے، صرف دس سیکنڈ کی مہلت ہے۔"

پک اَپ کے پاس کمار تھا۔ وہ جلدی سے دوڑتا ہوا اندر آ گیا، میں نے احتیاطاً وسیم کو بھی بلا لیا۔ نہ جانے راج کون سا حربہ استعمال کرنے جا رہا تھا۔ اچانک ایک شعلہ سا بلند ہوا اور ہوا میں اڑتا ہوا پک اَپ پر آن گرا۔ چشم زدن میں پوری پک اَپ شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ یہ یقیناً فاسفورس کا گولا تھا۔ ہم سب اندر ہو گئے۔ ایک منٹ بعد پک اَپ کا ایندھن ٹینک دھماکے سے پھٹا اور شعلے بلندی تک گئے تھے۔ اس اثنا میں دھرم شالا کے ذمے دار آ چکے تھے۔ ان کے سربراہ بھکشو نے مجھ سے کہا۔ "یہ کیا معاملہ ہے؟"

"یہ میرے، بلکہ اس مظلوم لڑکی کے دشمن ہیں جو زخمی ہے اور ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔"

"مجھے ان سے بات کرنے دو ہمارا تمابدھ کا دھرم شالہ ہے اور ہم کسی سے نہیں لڑتے۔"

"یہ امن کی زبان سمجھنے والے لوگ نہیں ہیں۔" میں نے سربراہ بھکشو سے کہا۔ "آپ ذرا پک اَپ کا حشر دیکھیں۔ اگر انہوں نے چند گولے دھرم شالا پر داغ دیئے تو ہم سب جل کر مریں گے۔ اس لئے مجھے ان سے بات کرنے دیں۔"

"یہ چاہتے کیا ہیں؟"

"آپ اس چکر میں نہ پڑیں۔ آپ کی خانقاہ اور لوگ محفوظ رہیں گے۔" میں نے کہا اور نکل کر باہر آیا۔ میں نے راج کو پکارا۔ "ہو کے، میں قائل ہو گیا کہ ہم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ بس ہماری جان مت مانگنا۔"

"تم جانتے ہو، وہ ٹیوب اور سوسترا کو میرے حوالے کر دو۔ میں چلا جاؤں گا۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ سوسترا اور ٹیوب کو حاصل کرنے کے بعد تم ہمارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرو گے۔ جبکہ تمہارے فارم میں جو ہوا ہے، تم اس کا ذمے دار ہمیں ہی سمجھتے ہو۔"

"میں وہ سب بھول جاؤں گا۔" راج نے جلدی سے کہا۔ "ہو نے میرے لئے بہت قیمتی تھے مگر میں یہ نقصان بھی برداشت کر لوں گا، میں ضمانت دیتا ہوں میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"تمہاری زبان پر کوئی احمق ہی اعتبار کرے۔"

"تمہیں کرنا ہو گا۔" اس کا لہجہ دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔ "ورنہ میں سب تباہ کر سکتا ہوں۔ شہباز، تم میری بات ماننے پر مجبور ہو۔" اس نے پُرغرور انداز میں کہا۔

"راج لاما! تمہارے لئے یہ ہیرے اتنے قیمتی ہیں کہ تم ان کے بدلے ساری دنیا کو موت کے گھاٹ اتار دو مگر میرے لئے ساری دنیا کی دولت اور ہیرے مل کر بھی ایک انسانی جان کے برابر نہیں ہو سکتے اس لئے میں چانس لیتا ہوں۔"

دراصل میرے ذہن میں یہ امکان تھا کہ راج دھرم شالا کی وجہ سے یہاں خونریزی سے گریز کرے گا کیونکہ اس صورت میں معاملہ بہت اوپر تک چلا جائے گا۔

"مجھے سادھنا بھی چاہیے۔" راج لاما نے اچانک ایک اور مطالبہ کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا ہوا تمہاری نیت پہلے کھل گئی۔" میں نے کہا اور ایک نظر آنے والے سرخ جسم پر راکٹ سے فائر کیا۔ ابھی فائر کی بازگشت بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس کی چیخ گونجی۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ "راج، اگر تم سوترا اور ٹیوب کے ساتھ واپس جانے کو تیار ہو تو ٹھیک ہے ورنہ باقیوں کا انجام بھی اسی شخص جیسا ہوگا۔"

"مرے ارجن کو مار دیا۔" کسی نے پکار کر کہا اور مختلف اطراف سے گالیوں کے ساتھ گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔ ہم پہلے ہی محفوظ پوزیشن میں تھے۔ راج چیخ چیخ کر میگافون پر فائرنگ روکنے کو کہہ رہا تھا۔ بالآخر فائرنگ رکی۔

"راج، اس ارجن کے بجائے یہاں تمہاری لاش بھی ہو سکتی تھی۔" میں نے پکار کر کہا۔ "تم بھی مجھے صاف نظر آ رہے ہو، بولو اب کیا کہتے ہو؟"

"مجھے منظور ہے۔" راج کو اپنے آدمی کے انجام نے دہلا دیا تھا۔ "تم سوترا کو وہ ٹیوب دے کر بھیج دو۔"

"میں بھیج رہا ہوں مگر یاد رکھنا..... تم میرے نشانے پر ہو۔ کسی بھی بدعہدی کی صورت میں سب سے پہلے تمہارے جاؤ گے۔"

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" کمار نے تیزی سے کہا۔ "ہم سوترا کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"اس پک اپ کا حشر دیکھ رہے ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اسے نہ چھوڑنے کی صورت میں ہم سب کا بھی یہی انجام ہوگا۔"

کمار ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔ وسیم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "دوست، ضروری نہیں ہے انسان کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں، کبھی نہ کبھی وقت آئے گا، جب تم اپنا انتقام لے سکو گے۔"

بچہ اندر سے سوترا کو لے آیا تھا۔ وہ خوش نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسے ٹیوب دی۔ "چاہو تو اسے کھول کر دیکھ لو، اس میں ہیرے ہیں اور ایک بھی کم نہیں ہے۔"

اس نے ٹیوب لے لی اور آہستہ سے کہا۔ "شہباز! تم اچھے آدمی ہو، میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"بہتر ہے بھول جاؤ اور اپنے بھیا سے بھی کہنا کہ مجھے بھول جائے، اس نے یاد رکھا تو بلاوجہ اسے مشکل ہوگی اور میرے دشمن عام طور سے اچھے انجام سے دوچار نہیں ہوتے ہیں۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں، بھیا کو کچھ کرنے نہیں دوں گی۔"

مجھے اس پر تو اعتماد تھا مگر اس کے بھائی پر بالکل نہیں تھا۔ اسے سوترا کی پروا بھی نہیں تھی۔ میں نے اسے وہاں ہٹانے سے گریز کیا تھا۔ یہ اس کا اور راج کا معاملہ تھا۔ سوترا ٹیوب لے کر روانہ ہوئی۔ میں نے کمار اور وسیم سے کہا کہ وہ عمارتوں سے ذرا دور پوزیشن لیں تاکہ حملے کی صورت میں جوابی کارروائی کر سکیں۔ خود میں نے راکٹ سے راج کا نشانہ لے رکھا تھا۔ وہ ایک گاڑی کے عقب میں تھا مگر اس کا کچھ جسم سامنے تھا۔ سوترا اس کے پاس پہنچی۔ دونوں سر خ جسم کے سامنے رہے پھر مجھے راج کی آواز سنائی دی۔

"شہباز، مجھے ٹیوب مل گئی ہے اور میں اپنے وعدے کے مطابق واپس جا رہا ہوں۔"

راج لاما کے نہ جانے اپنے ساتھیوں کو کیا اشارہ کیا کہ وہ سمٹے اور دونوں گاڑیوں میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش بھی لے گئے تھے۔ سربراہ بھکشو ابھی تک چپ تھا۔ ان لوگوں کے جاتے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زائل ہو گیا۔ "یہ لوگ چلے گئے مگر تم اسلحہ لے کر یہاں کیوں آئے ہو؟"

"اس اسلحے نے تمہیں بچا لیا ہے ورنہ تمہاری پوری حفاظتی راکھ کا ڈھیر بن جاتی۔" میں نے درشت لہجے میں کہا۔

"بھگوان بدھ کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "ورنہ کوئی اور آفت نہ آ جائے۔"

"فکر مت کرو، اب کوئی آفت نہیں آئے گی۔" میں نے اندر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "ہم بھی کل صبح یہاں سے چلے جائیں گے۔"

سادھنا جاگ گئی تھی۔ بجوا اسے دودھ میں گلوکوز ملا کر دے رہا تھا اور اسے باہر کی صورتِ حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ کھانے پینے اور دواؤں کے مسلسل استعمال سے اس کی حالت بہتر ہو گئی تھی۔ اس کا بخار مکمل طور پر اتر گیا تھا اور زخموں کے آس پاس کی سرخی بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس کی ڈریسنگ بجوا کر رہا تھا۔ اس نے ریپورٹ دی تھی۔ قریب قالین پر دراز ہو گیا۔ "سادھنا، ہمیں صبح یہاں سے نکلنا ہے۔"

"تم نے سوترا کو اتنی آسانی سے جانے دیا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، ورنہ اس کا بھائی دھرم شالا کو آگ لگا دیتا۔"

کمار بھی اندر تھا اس نے پہلی بار سوال کیا۔ "شہباز، اس ٹنوب میں کیا تھا؟"

"فارم سے چلنے سے پہلے میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ راج سوترا انہیں بلکہ اور وجے سے واپس آئے گا وہ وجے بھی ٹنوب تھی۔ یہ مجھے راج کے بیڈ روم سے ملی تھی۔"

میں نے انہیں تفصیل سے بتایا۔ کمار اچھل پڑا تھا۔ "وہ ہیرے اب راج لاما کے پاس ہیں اور تم نے اسے جانے دیا۔"

"ہاں، کیونکہ میرے نزدیک ان پتھروں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "ایسے کتنے ہیرے روزانہ میرے جوتوں تلے سے نکل جاتے ہیں۔"

کمار بے بسی سے تلملانے لگا اور سادھنا نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ "شہباز، دولت تو دولت ہے، اس کی اہمیت الگ ہوتی ہے۔"

"تم نہیں جانتے، میں نے گزشتہ کچھ عرصے میں جیسی زندگی گزاری ہے، ان چیزوں کی اہمیت میرے لئے ختم ہو گئی ہے۔ میں نے جان لیا ہے، میرا وہی ہے جو میرے پاس ہے، جو میں نے کھا لیا اور جو میں نے پی لیا، باقی سب میرا نہیں ہے۔ مرتے ہی ان چیزوں سے تعلق ختم ہو جائے گا۔"

"تم تو سادھوؤں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" کمار نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "کیا واقعی تمہارے لئے دولت ایک بے کار سی چیز ہے؟"

"یہ تم سے کس نے کہا۔ میں بھی کمانا پسند کرتا ہوں۔ دولت تو زندگی کی آسائش حاصل کرنے کا ذریعہ ہے لیکن اسے مقصدِ حیات نہیں بنا سکتا۔" میں نے بیزاری سے کہا۔ "اور اب مجھ سے اس موضوع پر بات مت کرو۔ مجھے ان لعنتی ہیروں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم باہر پہرا دے رہا تھا۔ کمار چپ ہو گیا۔ سادھنا دوا کھا کر سو گئی تھی جبکہ بنتو بھی لیٹ گیا۔ باقی ہم تین صبح تک جاگ کر پہرا دیتے رہے۔ چپ اپ کی آگ کچھ دیر بعد بجھ گئی تھی اور صبح کی روشنی میں، میں نے اس کا جلا ہوا بدصورت ڈھانچا دیکھا تھا۔ شکر ہے لینڈ کروزر اس سے ذرا فاصلے پر تھی ورنہ وہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ جاتی۔ دھرم شالا والوں نے ہمیں ناشتا مہیا کیا اور خاصی صبح سویرے مہیا کر دیا تا کہ ہم ناشتا کر کے جلد از جلد یہاں سے رخصت ہو جائیں اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ مجھے خود راج کی جانب سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔

جیپ کو ایک بار پھر ہاٹ وائر کی مدد سے اسٹارٹ کر کے ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ سادھنا کو گدے سمیت عقبی حصے میں لٹایا تھا۔ وسیم ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں اس کے برابر میں تھا۔ کمار، بنتو اور رامن پچھلی سیٹ پر تھے۔ ہم ڈیرہ دون کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ راج واپس مخالف سمت میں گیا ہو گا جس طرف اس کا فارم تھا مگر ایک گھنٹے کے سفر کے بعد مجھے بائیں جانب سڑک سے ہٹ کر ایک بڑے سائز کی جیپ دکھائی دی تھی۔ ''رکو..... رکو۔'' میں نے بے ساختہ وسیم سے کہا کیونکہ مجھے یاد آ گیا تھا راج لامارات کو جن دو جیپوں کے ہمراہ آیا تھا۔ یہ ان میں سے ایک تھی۔ ''یہ جیپ.....''

''کیا ہے اس میں!'' کمار نے بے زاری سے کہا۔ جب سے اسے اطلاع ملی تھی کہ میں نے راج لاما کو ہیرے واپس کر دیئے تھے، وہ چپ چپ سا تھا۔ ''ہمیں جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہئے۔''

''دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایک منٹ میں آیا۔''

جب میں جیپ کے پاس پہنچا تو مجھے اس کے بونٹ کے دوسری طرف ایک شخص اوندھے منہ پڑا دکھائی دیا۔ اس کی پشت میں ایک خنجر پیوست تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کی پتلون اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ جما ہوا خون بتا رہا تھا کہ اسے مرے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس کے باوجود میں چوکنا ہو گیا۔ میں نے پہلے اردگرد کا معائنہ کیا۔ جیپ خالی تھی۔ میں نے لاش سیدھی کی اور چونک گیا۔ وہ راج تھا، جس وقت میں نے جیپ دیکھی تھی تو سوچا بھی نہیں تھا کہ راج کی لاش دیکھنی پڑے گی۔ کل جو شخص مجھے بے بس کرنے کے دعوے کر رہا تھا وہ اب کتنی بے بسی سے مرا پڑا تھا۔ اس کی موت نے اس کے دعوؤں کے شاید چند گھنٹے بعد ہی اسے دبوچ لیا تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی۔ اس کے لباس سے مجھے ہیروں والی ٹیوب نہیں ملی تھی اچانک مجھے سومترا کا خیال آیا۔

''سومترا!'' میں نے زور سے آواز دی تو کمار اور وسیم دوڑے چلے آئے۔

''کیا بات ہے، سومترا.....'' کمار کہتے کہتے رک گیا، اس نے راج لاما کی لاش دیکھ لی تھی۔

''واپس جاؤ اور چوکنا رہو۔'' میں نے غرا کر کہا تو وہ دونوں بے چون و چرا کئے واپس چلے گئے۔ میں خود بھی چوکنا تھا۔ میں نے دو تین بار سومترا کو پکارا، آس پاس دیکھا۔ شاید اسے راج لاما کو مارنے والے ساتھ لے گئے تھے۔ مگر نہیں، میں واپس جانے لگا تھا کہ مجھے خفیف سی کراہ سنائی دی۔ میرے قدم رک گئے۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ آواز کس طرف سے آئی ہے۔ دوسری بار کراہ سنائی دی تو میں نزدیک جھاڑی کی طرف لپکا۔ میں نے شاخیں ہٹائیں تو ایک روح کانپ کر رہ دینے والا منظر سامنے آیا تھا۔ سومترا لہولہو اور داغ داغ تن کے ساتھ اس طرح پڑی تھی کہ اس کی آنکھوں کی جگہ گڑھے تھے، اس کے دونوں کان غائب تھے۔ اس کے جسم کی ستر پوشی صرف خون سے ہو رہی تھی اور اس کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اس پر دو پیروں والے جانور نے کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ستم ڈھائے تھے۔

''سومترا!!'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''ہمہ..... باز!'' وہ کراہی تو میں اس کے پاس جھک گیا۔ اس کے ریشمی بال بھی بے دردی سے کھینچے گئے تھے۔

''یہ کس نے کیا؟'' میری آواز میں آگ دہکنے لگی تھی۔

''ان..... لوگوں نے..... جو بھیا کے ساتھ..... آئے تھے۔'' اس نے رک رک کر کہا۔ ''ان کی نیت ہیروں..... پر خراب ہوگئی تھی..... انہوں نے..... بھیا سے ہیروں کے بارے میں پوچھا۔ پھر مجھے پکڑ لیا..... بھیا نے روکنے کی.....'' اس کا سانس اکھڑ گیا تھا۔ ''پانی.....'' اس نے دوبارہ کہا۔

''میں ابھی لایا سومترا!'' میں بھاگا اور جیپ سے تھرماس لے آیا۔ اس کے پاس آکر میں نے تھرماس کے کپ میں پانی ڈال کر اس کے منہ میں ٹپکایا۔ اس نے بے تابی سے پیا اور بولی۔ ''بھیا نے مجھے بچانے کی کوشش کی تو ان کو چاقو مار دیا۔''

راج لاما کتنا برا سہی..... آخر میں بہن کی محبت جاگ گئی تھی اور اس نے سومترا کو درندوں سے بچانے کے لئے جان دے دی۔ افسوس کہ وہ سومترا کو پھر بھی نہیں بچا سکا۔ ''تم چپ رہو، بولو مت۔'' میں نے کہا۔

''نہیں..... میں مر جاؤں گی۔ ادھر ایک درخت ہے۔'' اس نے بے تابی سے کہا۔

اس کے سر سے چند فٹ دور ایک درخت کا تنا تھا۔ ''ہاں ہے، تمہارے سر کے پیچھے۔''

''اس کے نیچے کی طرف دیکھو۔ تنے میں ایک سوراخ ہے۔''

''ہاں سوراخ ہے۔'' میں نے سوراخ بھی دیکھ لیا تھا۔

''اس میں ہاتھ ڈالو۔ اس میں ہیروں والی..... ٹیوب ہے۔''

میں چونکا۔ ''یہ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟''

''ان بدمعاشوں کے سردار کی جیب میں تھا۔ وہ مجھے یہاں لے آئے تھے اور باری باری.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی لیکن میں سمجھ گیا تھا۔ ''پھر وہ آیا تو مجھے اس کے لباس میں یہ محسوس ہوا تھا، میں نے چپکے سے.....'' وہ رک کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

''تمہارا یہ حال.....''

''میں نے اس کے بارے میں بتانے سے انکار کیا تھا۔'' اس نے پھر کہا۔ ''انہوں نے مجھے بہت مارا..... میری پشت چاقو سے گود دی لیکن میں نے نہیں بتایا۔''

''کیوں، یہ ہیرے تمہاری جان سے زیادہ قیمتی نہیں تھے۔''

''ہاں..... لیکن پتا نہیں..... کیوں مجھے ضد ہوگئی تھی۔'' وہ پھر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

''چلو میں تمہیں اسپتال لئے چلتا ہوں۔''

''نن..... نہیں۔'' اس نے آخری بار سانس لینے کی کوشش کی اور ہار گئی۔ سومترا نے دم توڑ دیا تھا۔ میں ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔ آہٹ ہوئی تو میں نے مڑ کر دیکھا عقب میں وسیم، کمار اور بیتو کھڑے تھے۔ میں نے کمار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کہا۔ ''لو..... انتقام کی خواہش پوری ہوگئی، کسی کو اس سے زیادہ اذیت سے مارنا ممکن ہے؟''

کمار کا چہرہ ست گیا تھا۔ ''میں نے ایسا تو نہیں سوچا تھا۔''

میں کھڑا ہوگیا۔ ''آؤ، اب اس کی لاش سڑک کے کنارے لے جائیں۔ آگے کہیں سے فون پر پولیس کو اطلاع دیں گے۔ یہاں اس کو جانور نہ کھا جائیں۔''

ہم سومترا اور راج کی لاشیں ان کی جیپ کے سامنے لے آئے۔ سومترا کے چیتھڑا ہو جانے والے کپڑے اس پر پھیلا دیئے مگر وہ اسے چھپانے کے لئے ناکافی تھے۔ آخر میں نے اپنی جیکٹ اتار کر اس پر ڈال دی اور اس غنچہ دہن کو چھپا دیا جس کا چہرہ دیکھنا بھی اب دل گردے کا کام تھا۔ اس کے فوراً بعد ہم روانہ ہوگئے تھے۔ میں نے جیپ میں بیٹھ کر ہیروں والی ٹیوب کمار کی طرف بڑھا دی۔ اس نے بدک کر کہا۔ ''یہ کیا؟''

''اس میں ہیرے ہیں، جن کی تم کو خواہش تھی۔''

''نہیں، مجھے نہیں چاہئیں۔'' اس نے انکار کر دیا۔

''کیوں، اب ان میں کشش باقی نہیں رہی ہے۔ دیکھو، یہ اب بھی ہیرے ہیں۔ اتنے ہی قیمتی جتنے کہ پہلے تھے۔'' میں نے ٹیوب کھول کر اسے ہیرے دکھائے۔

کمار نے ہیروں کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ باہر دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔ ''شہباز، تمہاری بات میں آج سمجھا ہوں، جب میں نے سومترا اور راج کی لاشیں دیکھی ہیں۔ آج کے بعد میں بھی کہہ سکوں گا ایسے کتنے ہی ہیرے میرے جوتوں تلے سے نکل جاتے ہیں۔''

میں کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''کمار، اب تم زندگی کی حقیقت پا گئے ہو۔''

سادھنا کی طبیعت خاصی بہتر تھی اس وجہ سے ہم نے تیز رفتاری سے سفر کیا تھا۔ دو بجے ہم ایک سنسان جگہ رکے۔ سادھنا کو آرام کا موقع دیا، خود بھی کھا پی کر آرام کیا۔ روانگی سے پہلے سادھنا کو کھانا اور دوائیاں دیں، اس کی ڈریسنگ بدلنا تھی، یہ کام میں نے بیتو کے ساتھ مل کر کیا۔ سادھنا سرخ ہو رہی تھی میں اور بیتو جھینپ رہے تھے۔ اس کے زخم بھر رہے تھے مگر ابھی احتیاط لازمی تھی۔ ذرا سی بے احتیاطی سے یہ دوبارہ اکھڑ سکتے تھے۔ اسے کم سے کم دو دن مکمل آرام کی ضرورت تھی۔ شام تک ہم دیرہ دون سے آگے نکل چکے تھے۔ ہم نے دو جگہ ڈیزل بھروایا تھا اور ایک دس گیلن والا اضافی جیری کین لے لیا تھا۔

''رات کہاں رکیں گے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''جہاں تقدیر لے جائے۔'' میں نے جواب دیا۔

شام ہوتے ہی ایک گاؤں کی جھلک دکھائی دی اور اس میں خاص بات ایک مسجد کا مینار تھا جس سے مغرب کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے وسیم سے اس طرف گاڑی موڑنے کو کہا۔ یہ چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ساٹھ ستر گھرانوں پر مشتمل تھا۔ مسجد سادہ سی اور کچی دیواروں سے بنی تھی، صرف مینار پختہ تھا۔ میں اور وسیم گاڑی سے اتر کر اندر چلے گئے اور وضو کر کے جماعت میں شامل ہوگئے۔ کمار، بیتو اور سادھنا باہر رہے تھے۔ امام صاحب سلام پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ ''السلام علیکم! شاید آپ باہر سے آئے ہیں؟''

''جی امام صاحب!'' میں نے کہا۔ ''ہم دور سے آ رہے ہیں اور دلّی کا قصد ہے لیکن ہمارے ساتھ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسئلہ ہے جس کی وجہ سے ہم یہاں رکنے پر مجبور ہوئے۔"

"یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔ بہر حال مناسب سمجھئے تو اپنے مسئلے کے بارے میں فرمایئے۔"

میں نے سادھنا کا بتایا کہ وہ زخمی ہے اور اس کا آپریشن ہوا ہے اسے آرام کی ضرورت ہے۔ میری بات سن کر مولانا نے خوش دلی سے کہا۔ "یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ خاتون میرے گھر رک سکتی ہیں۔ میری زوجہ ان کی دیکھ بھال کر سکتی ہیں اور آپ حضرات کے لئے یہ مسجد حاضر ہے۔"

"میں جھجکا۔" امام صاحب، خاتون غیر مسلم ہے اور میرے ساتھ تین مرد بھی غیر مسلم ہیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" امام صاحب نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ "اگر ہندو ہیں تو ہم احتیاط کریں گے۔ آج اتفاق سے غریب خانے میں گوشت پکا ہے۔"

"نہیں، یہ اس طرح کے ہندو نہیں ہیں۔ خاتون شاید گوشت نہ کھائے مگر میرے تینوں مرد ساتھی گوشت کھاتے ہیں۔"

"آپ خاتون کو مسجد کے عقب میں واقع غریب خانے میں لے آیئے۔"

سادھنا کو گدے سمیت امام صاحب کے دو کمروں کے کچے مکان میں پہنچا کر ہم مسجد میں آ گئے۔ جیسے ہی مغرب کے نماز کی رخصت ہوئے، امام صاحب نے ہم سے ہمارے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی۔ ہمارے نام، کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ میں نے حتی الامکان سچ بولا۔

"برا مت مانیے گا۔ میں بھی مجبور ہوں۔ مہینے میں ایک بار وتی سے سرکار کے لوگ آتے ہیں اور مجھ سے قرآن پاک پر ہاتھ رکھوا کر پوچھتے ہیں اور مجھے سچ بولنا پڑتا ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ ہماری وجہ سے آپ پر آنچ نہیں آئے گی۔" میں نے انہیں تسلی دی۔ عشاء کی نماز کے بعد ہمارے لئے مختلف گھروں سے کھانے آئے۔ یہ سب غریب لوگ تھے۔ ایک گھر سے کدو کی ترکاری تھی اور کسی نے ماش کی دال بھیجی تھی۔ ایک گھر سے روٹیاں آئی تھیں۔ امام صاحب اپنے گھر سے گوشت کا سالن لے آئے تھے۔ کھانا کھا کر ہم مسجد میں فرش پر بچھی چٹائیوں پر دراز ہو گئے۔ امام صاحب کے پاس کمبل نہیں تھے، انہوں نے تین عدد کھیس اور باقی چادریں لا دیں۔ ہم نے ان میں گزارہ کیا۔ صبح کے وقت خاصی سردی ہو گئی تھی مگر ہم سوتے رہے۔ امام صاحب نے مجھے اور وسیم کو صبح سویرے اٹھا دیا۔

"جناب فجر کی جماعت کا وقت ہو گیا ہے۔"

مجھے شرمندگی ہوئی۔ نماز بھی مجبوری تھی کہیں اور ہوتے تو شاید نماز کا خیال بھی نہ آتا۔ یخ بستہ پانی سے وضو کر کے ہم نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد امام صاحب گھر چلے گئے۔ میں اور وسیم باہر نکل آئے۔ میری جیکٹ نہیں تھی اس لئے میں نے گرم کھیس کو چادر کی طرح لے لیا۔ وسیم نے سفید ہوتے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کلکتہ چل کر ہم نے کیا کرنا ہے؟"

"راجا عمر دراز سے رابطہ۔"

"وہ کیسے، ہمیں کیا پتا وہ کہاں ہے؟"

"درست لیکن میرے پاس اس کے لاہور کے نمبرز ہیں، وہاں کوئی تو ملے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر.....راجا عمر دراز بھارت میں ہو تو اس سے رابطہ ممکن ہے۔'' وسیم پُر جوش ہو گیا تھا۔

''یہ تو اور بھی اچھا ہو گا۔''

''راجا یہاں کیوں آیا ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے اسی پُر اسرار وادی کا چکر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اگرچہ اس نے انکار کیا تھا کہ وہ وادی کی طرف جانے کے لئے انڈیا کا سفر نہیں کر رہا ہے۔''

''آپ کو شک ہے وہ وادی کے سلسلے میں آیا ہے۔''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''اس جگہ کا ذکر آتے ہی اچھے خاصے سمجھدار اور عمر رسیدہ راجا عمر دراز کا رویہ بچوں جیسا ہو جاتا ہے۔''

''خدا کرے وہ مل جائے۔ ویسے شہباز صاحب ہمیں دلّی آنے سے پہلے مشرق کی طرف مڑ جانا چاہئے۔ دلّی میں داخلہ خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔ بلکہ میرا خیال ہے ہمیں یہ جیپ بھی چھوڑ دینی چاہئے اور بسوں میں سفر کرنا چاہئے، ہم نے اسے چرایا ہے اور ممکن ہے پولیس کے پاس اس کا نمبر ہو۔''

''یہ آپ نے درست کہا۔ ہمیں جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے۔ یہاں سے نکلتے ہی ہم پہلا کام یہی کریں گے۔''

مگر ہم جگلت میں ایک پہلو نظر انداز کر گئے تھے۔ سادھنا..... جب مسجد آئے تو امام صاحب نے ناشتا تیار ہونے کی نوید سنائی۔ ''آپ کے ہمراہ خاتون نے بھی رات سکون سے گزاری ہے۔'' انہوں نے بتایا۔ ''اپنے ساتھیوں کو اٹھا دیں ورنہ دیر ہونے سے ناشتا ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

میں نے کمار، جیتو اور رامن کو اٹھایا۔ وہ ڈٹ کر سوئے تھے، منہ ہاتھ دھو کر انہوں نے ناشتا کیا۔ سورج نکل آیا تھا اور اس کی کرنوں سے رات کی سردی زائل ہو رہی تھی۔ ناشتا کر کے ہم نے امام صاحب سے جن کا نام سکندر خان تھا، رخصت کی اجازت لی۔ ہم نے سادھنا کو دوبارہ عقبی نشست پر لٹایا۔ اس کے زخم باہر سے تقریباً خشک ہو چکے تھے۔ وہ سہارا لے کر خود جیپ تک آئی تھی۔ میں امام صاحب کے پاس تھا۔ باقی سب جیپ میں سوار ہو چکے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ امام صاحب اور گاؤں والوں نے ہماری جو خدمت کی تھی اس کا صلہ تو اللہ ہی دے سکتا تھا۔

''امام صاحب، کیا آپ کا یا گاؤں والوں کا کوئی مالی مسئلہ ہے۔''

''میرا تو نہیں ہے اور ہے بھی..... وہ یوں کہ سارے گاؤں کا مسئلہ ہے۔ ہماری ایک ہزار ایکڑ زمین ایک بینک کے پاس گروی ہے۔ اصل تو کیا ادا کرتے سود کی لعنت بڑھتی جا رہی ہے۔ چار لاکھ روپے دیں تو زمین واپس ملے گی۔ اس سال تو سنا ہے، بوائی سے بھی روک دیں گے۔''

''مجھے افسوس ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ رکئے، میں ابھی آیا۔''

جیپ میں آ کر میں نے ٹیوب سے چار عدد ہیرے نکالے اور امام صاحب کے پاس آیا۔ میں نے ہیرے ان کے حوالے کئے۔ ''مجھے ان کی درست مالیت کا پتا نہیں ہے مگر امید ہے یہ چار لاکھ سے اوپر ہوں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو بہت قیمتی ہیں۔'' امام صاحب نے حیرت سے کہا اور ایک ہیرے کو اوپر کر کے دیکھا۔ ''ان کا وزن کم سے کم چھ قیراط ہے اور ایک کی مالیت ہی دو لاکھ سے زیادہ ہے۔''

''آپ کو ہیروں کی پہچان ہے؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

انہوں نے سر ہلایا۔ ''بچپن میں آنکھ کھولی تو والدہ مرحومہ کو ہمیشہ جڑاؤ زیورات میں دیکھا۔ خدا مغفرت کرے، والد صاحب نے بعض غلط راستوں کی وجہ سے جائیداد اور دولت گنوا دی۔ ہمارے پاس صرف ایک حویلی رہ گئی تھی۔ والدہ کے بعد میں نے اسے فروخت کر کے یہ زمین لی تھی اور اسے آباد کرنے کے لئے گاؤں کے لوگوں نے مل کر بینک سے قرض لیا جو اب تک ادا نہیں ہو سکا ہے۔''

''یہ تو اور اچھی بات ہے کہ آپ کو جواہرات کی پہچان ہے۔ بینک کا قرض ادا کرنے کے بعد جو رقم بچے اسے زمین پر خرچ کیجئے گا۔ یہ ساٹھ ستر گھرانے غربت اور بنیوں کے چکر سے نکل آئیں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

امام صاحب ہچکچائے۔ ''شہباز صاحب! میں یہ ہیرے یوں قبول نہیں کر سکتا جب تک مجھے علم نہ ہو۔''

''یہ میری ملکیت ہیں اور قطعی حرام ذریعے سے حاصل نہیں کئے گئے ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر ان کو استعمال کیجئے۔''

''آپ حلفیہ کہہ سکتے ہیں، اللہ کی قسم کھا کر.....؟''

''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میرے ہیں اور کسی حرام طریقے سے حاصل نہیں کئے گئے ہیں۔'' میں نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر اس سے آپ کی تسلی ہو گئی ہے تو.....''

''بس اب اور شرمندہ مت کریں۔'' امام صاحب نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''مجھے یقین آ گیا ہے۔''

''بس تو مجھے بلکہ ہمیں اجازت دیجئے۔'' میں نے ان سے ہاتھ ملایا۔

وسیم سب کو بتا چکا تھا کہ آگے ہم بس سے سفر کریں گے اور یہ سوال بھی کھڑا ہو چکا تھا کہ سادھنا کیسے بس میں سفر کرے گی؟

''یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں۔'' میں نے ندامت سے کہا۔

''ہمیں متبادل بندوبست ہونے تک اس گاڑی کو استعمال کرنا ہی ہوگا۔''

''لیکن بار بار ہاٹ وائر سے چلانا بھی مسئلہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کسی گیراج والے سے چابی بنوا لیتے ہیں۔''

''ان کے پاس پرانی چابیاں ہوتی ہیں جن کے دندانے گھس جاتے ہیں، ان کی مدد سے عام طور سے کام چل جاتا ہے۔''

دو گھنٹے بعد ہم دتی کے شمال مشرق سے گزر رہے تھے۔ ہائی وے پر ایک بڑا گیراج نظر آیا۔ میدانی علاقہ ہونے کی وجہ سے دوپہر تک خاصی گرمی ہو گئی تھی۔ اس لئے اے سی آن کیا تھا۔ ایک درخت کے سامنے ہی گاڑی روک کر میں نے کام کرنے والے ایک لڑکے کو بلایا۔ ''جی صاب..... حکم کرو۔''

''ایک تو گاڑی کی سروس کرنی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''دوسرا مسئلہ ہے اس کی چابیاں گم گئی ہیں، تاروں کی مدد سے اسٹارٹ کر کے چلا رہے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سروس تو ابھی کر دیتے ہیں۔'' لڑکے نے مستعدی سے کہا۔ ''دو سو روپے لگیں گے۔''

''اور چابی کا مسئلہ؟''

اس نے چور نظروں سے چارپائی پر بیٹھے شخص کی طرف دیکھا۔ ''استاد سے کہا تو وہ ہزار روپے سے کم نہیں لگائے گا۔ سو روپے دو تو میں ایک گچھا لا دیتا ہوں، کوئی نہ کوئی چابی لگ جائے گی۔''

''گڈو کے بچے!'' استاد نے اسے للکارا۔ ''کیا مجا کرات کرنے بیٹھ گیا ہے۔''

''استاد سروس کرنی ہے۔'' گڈو نے چلا کر کہا۔

''تو کر نا حرام کے جنے!''

گڈو نے کوئی ردِعمل دیئے بغیر جیپ کا بونٹ کھولا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ ہم سب نیچے اتر آئے تھے۔ عائشہ نے احتجاج کیا۔ ''تم لوگ خود تو مزے سے ٹہل رہے ہو۔''

''تم کہاں آؤ گی، یہاں صرف چارپائیاں ہیں اور تم کو لٹایا تو تماشا بن جائے گا۔ سب اپنا کام چھوڑ کر تمہیں دیکھیں گے۔'' میں نے کہا تو سادھنا لال ہو گئی تھی۔ میں نے لڑکے سے پوچھا۔ ''پاس کوئی ریستوران وغیرہ ہے جہاں اچھا کھانا مل سکے؟''

''ادھر آگے ایک ہوٹل ہے گاڑی والے صاحبوں کا۔'' لڑکے نے بتایا۔ ''پر کھانا ایک دم کنڈم ہوتا ہے۔ آپ لوگ ہوتو شریف خان کے ہوٹل چلے جانا۔''

''وہ کہاں ہے؟''

''ادھر صاحب والے ہوٹل سے ذرا آگے ہے۔'' لڑکے نے پوائنٹس اور پلگ کی صفائی مکمل کر کے کہا اور تیل پیک کرنے لگا۔ اس نے مجھے تیل دکھایا۔ ''صاحب! تیل چینج کرنا ہے، یہ بہت گندہ ہو گیا ہے۔''

''بدل دو۔'' میں نے کہا۔ ''پانی کہاں سے ملے گا؟''

''ادھر ہینڈ پمپ لگا ہے۔'' لڑکے نے پیچھے اشارہ کیا۔

ہم نے ادھر جا کر ہینڈ پمپ سے منہ ہاتھ دھویا اور پانی پیا۔ لڑکے نے آدھے گھنٹے میں تیل کی تبدیلی کا کام مکمل کر لیا۔ ٹائروں کی ہوا چیک کر کے اس نے گاڑی کو اوکے قرار دے دیا۔ میں نے اسے بل ادا کیا، اس کے بعد اس نے مجھے دو درجن چابیوں کا ایک گچھا دیا۔ میں نے باری باری ٹرائی کیں اور ایک چابی اگنیشن میں جا گئی۔ انجن اسٹارٹ کر کے بند کر کے میں نے وہ چابی نکال لی اور گچھا سو روپے کے ساتھ لڑکے کے حوالے کر دیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر ہم نے شریف خان کے ہوٹل کا رخ کیا۔ اس نے اپنے ہوٹل میں فیملیز کے لئے پردہ کیبن بنا رکھے تھے۔ ہم سہارا دے کر سادھنا کو اندر لے گئے اور اسے ایک طرف کی سیٹ پر لٹا دیا، شریف خان ہم سے آرڈر لینے خود آیا تھا۔ اس نے افسوس کیا۔ ''چچ..... چچ بیگم صاحب کا طبیعت خراب ہے۔''

''بیگم صاحب اس کی ہے۔'' میں نے کمار کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہماری بہن ہے۔''

''ماف کرنا..... اب ہم کیا لاوے؟''

میں نے کہا کہ جو کچھ ہے، لے آؤ۔ سادھنا کے لئے سبزیوں کا سوپ منگوایا تھا۔

''آپ بے فکر ہو جاؤ، ابھی لاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہال میں میلی میزیں اور کرسیاں لگی تھیں اور وہاں زیادہ تر مڈل کلاس لوگ کھا رہے تھے مگر کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں بتا رہی تھیں کہ گیراج والے لڑکے کا دعویٰ درست تھا۔ شریف خان نے حیرت انگیز طور پر نصف گھنٹے میں ہمیں کھانا مہیا کر دیا تھا اور سب تازہ اور بے حد لذیذ تھا۔ میں نے بھارت کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد پہلی بار ڈھنگ کا کھانا کھایا تھا۔ سادھنا گوشت نہیں کھاتی تھی مگر کمار کے اصرار پر اس نے چکھ کر دیکھا تو اسے اتنا اچھا لگا کہ اس نے سوپ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ ''میں تو یہی کھاؤں گی، کیا نام ہے اس کا؟''

''تورمہ!'' وسیم نے اسے آگاہ کیا۔

کھا پی کر جب بل دینے کا مرحلہ آیا تو کل رقم صرف ڈھائی سو روپے تھی۔ پاکستان میں تو میں اکیلا کھاتا تو اتنا بل بن جاتا۔ میں نے شریف خان کو تین سو دیئے تو وہ خوش نظر آنے لگا اور کھانوں کی تعریف پر اس سے بھی زیادہ جذباتی ہو گیا۔ ہمارے جانے سے پہلے اس نے خاص طور سے ہمارے لئے قہوہ بنوایا اور اس کا بل لینے سے انکار کر دیا۔ ''یہ ہماری طرف سے ہے۔''

''شکریہ خان صاحب!'' میں نے کہا تو وہ چونک گیا، اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''صاب تم پاکستانی ہے؟''

''یہ شبہ تمہیں کیوں ہوا؟'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''تمہارا لہجہ صاب۔ ادھر کا مسلمان ایسے بات نہیں کرتا۔''

''میں کچھ عرصے پاکستان میں رہا ہوں۔'' میں نے گول مول سے انداز میں کہا۔ ''اس وجہ سے تم نے ایسا محسوس کیا۔''

صاب، کوئی ایسا بات اے تو ہم کو بتا دو۔'' شریف خان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''کس قسم کی بات!'' میں نے لہجہ ذرا سخت کر لیا۔ ''تمہارا مطلب کیا ہے؟''

''کچھ نہیں صاب!'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

ہم باہر نکل آئے۔ اس بار سادھنا نے ضد کی کہ اسے نشست پر بٹھایا جائے، وہ لیٹے لیٹے تھک گئی تھی۔

''میں ہرگز اس بیماروں والے گدے پر نہیں لیٹوں گی۔''

''تو تم اور کیا ہو؟'' کمار نے کہا، میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی پسند اور محبت کے باوجود ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ ''بیٹھنے سے تمہارے گھاؤ پھر سے ہرے ہو سکتے ہیں۔''

''میں نے کہہ دیا۔ میں اس پر نہیں لیٹوں گی۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''او کے، جب تک تمہارا دل چاہے نشست پر آ جاؤ۔'' میں نے اجازت دے دی۔ ''لیکن جب تھکنے لگنا تو شرافت سے واپس گدے پر جا کر لیٹ جانا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہو گئی اور اگلی نشست پر آ گئی۔ اینٹی بایوٹک اور پین کلرز کے استعمال سے اس کی تکلیف بہت معمولی رہ گئی تھی۔ اس کی خوش قسمتی کہ دونوں گولیوں نے کسی ہڈی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا اور نہ ہی کسی اہم عضو یا شریان کو متاثر کیا تھا۔

وسیم ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے ایک جگہ جیپ روکی اور بولا۔ ''میرا خیال ہے جیپ سے کیچڑ بدل دینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں۔"

"نمبر بدل دیئے جائیں!" میں چونکا۔ "وہ کیسے؟"

وسیم مسکرایا۔ "گیراج کے پیچھے ایک پرانی ہو جانے والی فاکس ویگن کھڑی تھی، میں فارغ ہونے اس طرح گیا تو اس کی نمبر پلیٹیں اتار لایا۔"

"یہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے، کسی چنگی ناکے پر کاغذات چیک ہو گئے تو پول کھل جائے گا۔" میں نے کہا۔

"اس بارے میں سوچ لو۔"

"ابھی تک کسی بھی جگہ ہمیں نہ تو روکا گیا ہے اور نہ ہی کاغذات چیک ہوئے ہیں۔" وسیم نے کہا۔ کمار نے بھی اس کی تائید کی اور جیپ کی نمبر پلیٹیں بدل دی گئیں۔ کچھ دیر بعد ہم ایک بڑے قصبے کے پاس سے گزرنے لگے۔ مجھے خیال آیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں لباس اور کچھ سامان لے لینا چاہئے۔ اس طرح ہم سفر کرنے والے لگیں گے۔"

انہوں نے اتفاق کیا۔ یہ ذرا ماڈرن قسم کا قصبہ تھا اور یہاں شاپنگ کے لئے جدید طرز کی دکانیں بھی تھیں۔ ہم نے ملبوسات خریدے اور وہیں تبدیل بھی کر لئے۔ تین عدد بیگ لئے۔ سادھنا کے لئے ڈھیلے سے ٹراؤزر اور ساڑھیاں لیں۔ جوتے، چپل اور ہینڈ بیگ خریدے۔ ہمارے جوتوں اور کپڑوں کا اس سفر میں حشر ہو گیا تھا۔ میں نے کمار سے کہا۔ "رامن کو یہاں سے رخصت کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ اس کا وجود اضافی ہے اور اس کا ہماری منزل سے بے خبر رہنا ہی ٹھیک ہوگا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" کمار نے کہا۔ "میں نے اسے ہماری منزل کے بارے میں نہیں بتایا ہے، میں اسے کچھ رقم دے کر رخصت کرتا ہوں۔"

قصبے کے ایک سیلون سے میں نے، کمار اور بیتو نے بال بنوائے۔ شیو کرائی اور نہا دھو کر دوسرے لباس پہن لئے۔ سادھنا نے جیپ کی درمیانی نشست پر بیٹھ کر دوسرے کپڑے پہنے۔ میں نے اسے ایک لوشن لا کر دیا جس سے چہرہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس نے منہ صاف کر کے بالوں میں برش کیا اور لپ اسٹک لگائی تو ایک دم تیار نظر آنے لگی تھی۔ ہم نے ایک کیفے سے چائے کے ساتھ سموسے اور نمک پارے لئے۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے قصبے کی کمرشل اسٹریٹ کا ایک چکر لگایا کہ کوئی کام کی چیز نظر آ جائے اور کام کی چیز ایک جوہری کی دکان دکھائی دی۔

ہمارے پاس کیش کم ہو گیا تھا کیونکہ سب نے دل کھول کر شاپنگ کی تھی اور ہمیں آگے رقم کی ضرورت تھی۔ میں نے ٹیوب سے ایک عدد ہیرہ اور نکالا۔ ٹیوب میں ایسے سو عدد ہیرے تھے اور یہ سب ایک سائز، رنگ اور تراش کے حامل تھے۔ میں دکان میں داخل ہوا تو شیشے کے شوکیس کے عقب میں بیٹھے بھاری بھرکم لالہ جی نے ایک بھیگی مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کیا۔ اس کی سادگی میں عیاری تھی اور خلوص میں مکاری۔ اپنی تاجرانہ صلاحیتوں اور اس سے بھی زیادہ چاپلوسی سے مسلمانوں کو تجارت کے میدان سے باہر کر دیا تھا۔ "آیئے سرکار! کہئے کیا خدمت کروں؟"

"لالہ جی! مجھے ایک ہیرا بیچنا ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر آپ تو سنار ہیں۔" میں نے اردگرد سجے سونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے زیورات دیکھ کر کہا۔

''کیا سنار اور کیا جوہری!'' لالہ جی میسنے انداز میں مسکرائے۔ ''ہم تو بیوپار کے لئے بیٹھے ہیں۔ لائیے پتھر دکھائیے۔''

میں نے اسے ہیرا دیا۔ اس نے ماہرانہ انداز میں اس کا تجزیہ کیا۔ ''اچھا پتھر ہے، میری کھرید سے باہر ہے۔''

اس نے ہیرا میرے سامنے شوکیس پر رکھ دیا۔ ''پھر بھی..... لالہ جی، اپنی بولی تو دیں۔''

اس نے ہیرے کی طرف دیکھا۔ ''میں اس کے دو لاکھ دے سکتا ہوں۔''

میں نے اپنے تاثرات پر جلدی سے قابو پایا۔ یہ قیمت تو سکندر خان نے بتائی تھی۔ اس کا مطلب تھا اس کا اندازہ غلط تھا۔ یہ ہیرا کم سے کم چار لاکھ کا تھا۔ لالہ جی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آدھی قیمت لگائی تھی۔ میں نے بے پروائی سے ہیرا اٹھا لیا۔ ''لالہ جی، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ دلی میں اس کی قیمت چار لاکھ سے زیادہ ہے۔ آپ شاید مجھے بے خبر سمجھ رہے ہیں۔''

''ہم تو یہاں کی قیمت لگا رہے ہیں۔'' لالہ نے عیاری سے کہا۔ ''ویسے آپ کے پاس اس کا کاغج تو ہو گا؟''

''میں برٹش شہری ہوں اور دلی کے ایمبیسیڈر ہوٹل میں میرا سامان ہے۔ میں فی الحال سیر کے لئے نکلا ہوں۔ ادھر ٹریولر چیک کیش کرنے والا بینک نہیں ہے۔ اگر آپ نے رسید چیک کرنی ہو تو دلی آ جائیے گا۔''

میں باہر جانے لگا تو لالہ جی نے تمام تر وزن کے باوجود پھرتی سے اٹھ کر میرا راستہ روک لیا۔ ''سرکار، آپ تو ناراج ہو گئے۔''

''میری آپ سے رشتے داری تو نہیں ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''خیر فرمائیے۔''

کچھ حجت کے بعد لالہ جی نے ساڑھے تین لاکھ میں ہیرا لے لیا۔ اس نے تین لاکھ بڑے نوٹوں اور پچاس ہزار چھوٹے نوٹوں کی صورت میں دیئے۔ میں نے لالہ جی سے ایک لیدر کیس بھی لیا جس میں وہ بڑے سائز کے زیورات دیتا تھا۔ اس میں تمام نوٹ آسانی سے سما گئے۔ لالہ جی نے مجھے چائے پانی کی پیش کش کی مگر میں نے مسترد کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''لالہ جی! اس ڈیل کے بارے میں، بس آپ اور میں ہی جانتے ہیں۔ اگر میرے ساتھ کچھ الٹا سیدھا ہوا تو انتیا در کھے گا میں برٹش نیشنل ہوں اور بات بہت اوپر تک جائے گی۔''

''رام..... رام! میں ہمیشہ کھرا کام کرتا ہوں۔''

''لالہ جی! برٹش نیشنل ہونے سے پہلے میں مسلمان بھی ہوں اور آپ لوگوں سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔'' میں نے کہا اور دکان سے نکل آیا۔ باقی سب بے چینی سے جیپ میں میرا انتظار کر رہے تھے۔

''اتنی دیر لگا دی۔'' کمار نے خفگی سے کہا۔ ''ہمیں پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔''

''تم اتنی دیر میں کام کا کوئی کام کر لیتے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے کیا ہے۔'' وسیم بولا۔ ''چار عدد گرم اونی کھیس اور ایک ہلکا کمبل اور فرش پر بچھانے والا ربر پلاسٹک لیا ہے۔ اگر ہمیں کہیں رات رکنا پڑا تو ہم گاڑی میں بھی رہ سکتے ہیں۔ دوسرے میں نے راستے کے لئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانے پینے کا سامان لے لیا ہے اور بڑے تھرماسوں میں چائے اور کافی بھروالی ہے۔"

"یہ کیا نا تم نے کام!"

"اور آپ نے.....؟" بیتو نے پوچھا۔

"میں نے اسے کرنسی والا بیگ دکھایا۔" ایک ہیرا ساڑھے تین لاکھ میں گیا ہے۔"

"یعنی خاصے قیمتی ہیرے ہیں۔" سادھنا نے حیرت سے کہا۔

وسیم نے قصبے کے پیٹرول پمپ سے ڈیزل بھروالیا اور جیری کین پہلے ہی فل تھا۔ سادھنا کے لئے مزید دوائیاں، جوس کے ڈبے اور گلوکوز لے لیا تھا۔ اب وہ ٹھوس غذا بھی آرام سے لے رہی تھی۔ فی الحال وہ آگے بیٹھی تھی۔ ڈرائیونگ کمار کر رہا تھا اور ہم تین پیچھے بیٹھے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کمار نے کب اور کیا کہہ کر رامن کو رخصت کیا تھا۔ میں جھاڑ جھنکاڑ بالوں سے نجات پا کر خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر بال کریو کٹ رکھوائے تھے۔ شیو بنوانے کے ساتھ مختصر تراشی ہوئی مونچھیں بنوائی تھیں۔ بیتو نے شیو بنوائی تھی مگر بال نہیں کٹوائے تھے۔ شیو کرانے کے بعد اس نے اپنے سلکی بال پونڑے کی شکل میں پیچھے باندھ لئے تھے۔

"بیتو، اگر پیچھے سے کوئی تمہیں دیکھے تو بجا طور پر تمہیں کوئی سانولی حسینہ سمجھے گا۔" میں نے کہا۔

"اور ممکن ہے عاشق بھی ہو جائے۔" وسیم شرارت سے بولا تو بیتو جھینپ گیا تھا۔

"ویسے بیتو، تم کہاں جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔ میرا خیال تھا وہ کمار کے ساتھ جائے گا مگر اس کا جواب غیر متوقع تھا۔

"جہاں آپ جائیے گے۔" اس نے کہا۔

سادھنا نے پلٹ کر دیکھا۔ "بیتو، تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے؟"

"دیدی، تم کو پتا ہے بھائی بہن کے گھر نہیں رہتا ہے۔"

"مگر بیتو، میں تو پاکستان جا رہا ہوں۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"تب میں بھی پاکستان جائے گا۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیں۔" وسیم ہنسا۔ "کوئی اس پر عاشق ہو یہ اس سے پہلے آپ پر عاشق ہو گیا ہے۔"

"بیتو، یہ تمہارا ملک ہے، یہاں تمہارے لوگ ہیں۔"

"میرا ملک نہیں ہے۔" اس نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے لوگ مر چکے ہیں۔"

کمار نے کہا۔ "بیتو، ہم بھی تو تمہارے لوگ ہیں۔"

"ہاں.....تم ہے، دیدی ہے، پر میرے ماتا پتا، دیدی، میرا بھائی بیتو....." وہ اچانک رونے لگا۔ "سب مر گئے ہیں، میں اکیلا ہے۔"

یہ کمسن لڑکا اپنے اندر کتنا دکھ اٹھائے ہمارے ساتھ پھر رہا تھا۔ اس سے پہلے مجھے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ بمباری سے مارے جانے والے قبائلیوں میں اس کا خاندان تھا مگر بیتو نے کبھی ان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "بیتو، مجھے دکھ ہے.....اب ہم تمہارا خاندان ہیں۔"

اس نے آنسو صاف کیے۔ "میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے۔ میری پوری کوشش ہوگی۔'' میں نے اس سے وعدہ کیا۔ ''لیکن کوئی مجبوری آ گئی تو میں معافی بھی چاہوں گا۔''

دو گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد ہم ایک جگہ رکے۔ ایک گھنٹا آرام کر کے دوبارہ روانہ ہو گئے۔ طے پایا تھا کہ رات بارہ بجے ہم رک جائیں گے۔ میدانی علاقہ ہونے کی وجہ سے سردی کا وہ عالم تو نہیں تھا مگر پھر بھی خاصی سردی تھی۔ گیارہ بجے ہمیں سڑک کے کنارے ایک کار اور ایک جوڑا کھڑا دکھائی دیا۔ مرد نے جیپ دیکھتے ہی ہاتھ ہلانا شروع کر دیا تھا۔ میں نے کمار سے کہا۔ ''جیپ روکنا!''

''کسی چکر میں نہ پڑ جائیں۔'' اس نے رفتار آہستہ کی۔

''سب ہوشیار رہنا۔'' میں نے نیچے اترتے ہوئے ان سب سے کہا۔

مرد جلدی سے آگے آیا۔ ''شکر ہے بھگوان کا۔ کوئی تو رکا۔'' اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''میں آنند ورما ہوں اور یہ ایشا ورما میری پتنی۔ ہم دونوں ڈاکٹر ہیں۔''

''شہباز!'' میں نے صرف نام بتایا۔ ''کوئی مسئلہ ہے؟''

''جی، ایک گھنٹے سے گاڑی خراب ہے اور کوئی رکنے کو تیار نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔ ''ہم ایک مریضہ کو دیکھ کر واپس جا رہے تھے۔''

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''اگر آپ ہمیں لفٹ دے سکیں تو، یہاں سے چند میل آگے ہماری کوٹھی ہے۔''

''ہماری جیپ میں تو جگہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اصل میں ایک بیمار خاتون ہے اور عقبی نشست پر وہ لیٹی ہے۔''

''اوہ!'' اس کے انداز میں مایوسی آ گئی تھی۔ ''لگتا ہے آج پیدل مارچ کرنا پڑے گی۔''

''نہیں، اب ایسا ہوگا کہ آپ اپنی کار میں بیٹھیں، کوئی رسی ہے تو اس سے ہم آپ کی کار ٹو کر لے جاتے ہیں۔''

''رسی تو ہے۔'' ایشا کھل اٹھی تھی۔ وہ ستائیس اٹھائیس برس کی دلکش عورت تھی، اس نے سردی سے بچنے کے لئے لمبا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔

''بس تو ہم آپ کو لے چلتے ہیں۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ڈاکٹر نے پھرتی سے رسی نکالی اور اسے ہماری جیپ کے عقب میں لگے ہک سے باندھ دیا۔ میں نے کمار سے کہا کہ جیپ کو دوسرے گیئر سے اوپر نہ لے جائے۔ آنند ورما اور ایشا اپنی کار میں جا بیٹھے۔ ان کی کار دس قدم پیچھے تھی اور یہ محفوظ فاصلہ تھا۔ کمار نے جیپ آگے بڑھائی۔ اسے ڈرائیونگ آتی تھی مگر ہائی ویز پر گاڑی چلانے کا تجربہ کم تھا۔

''یہ کیا مصیبت ہے۔'' سادھنا نے بیزاری سے کہا۔ ''اتنی سستی سے چل رہے ہیں۔''

''بی بی، شکر کرو یہ مل گئے اور رات گزارنے کا مسئلہ حل ہو گیا۔''

وسیم چونکا۔ ''ان کے پاس رکیں گے؟''

''ہاں، جب ہم ان کی مدد کر سکتے ہیں تو ان کا بھی فرض ہے ہماری مدد کریں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر انہوں نے انکار کر دیا؟'' سادھنا نے پوچھا۔

''تب مجبوری ہے ہم زبردستی مہمان ہو جائیں گے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور تھرماس میں بچ جانے والی چائے نکالی جو ٹھنڈی اور بے ذائقہ ہو چکی تھی۔

''اچھا انہوں نے اجازت دے دی۔'' وسیم نے سوچ کر کہا۔ ''تب بھی یہ سادھنا کو دیکھ کر سوال کریں گے اور ممکن ہے اس کا علاج کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔''

''اوپر سے اس کے زخموں کا پتا نہیں چل رہا ہے، ہم کہہ دیں گے، ان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے ویسے میں نے سادھنا کو مریضہ ہی ظاہر کیا ہے ان کے سامنے۔''

آنند ورما نے کہا تھا کہ جب ان کی کوٹھی آئے گی تو وہ ہیڈ لائٹس جلا کر اشارہ دیں گے، کوئی چار میل کے بعد کار کی ہیڈ لائٹس آن آف ہونے لگیں۔ یہ سوزوکی ماروتی کا پرانا ماڈل تھا اور کار کی خستہ حالی سے لگ رہا تھا کہ میاں بیوی کی پریکٹس اچھی نہیں چل رہی ہے مگر آنند ورما نے کار سے اتر کر جس کوٹھی کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ خاصی شاندار تھی۔ اس علاقے میں سڑک کے دونوں جانب ذرا فاصلے پر کوٹھیاں تھیں۔ کمار نے جیپ اس طرف موڑ دی اور مین گیٹ سے پہلے جیپ روک دی۔ ہارن کی آواز سن کر چوکیدار نے باہر جھانکا اور غالباً الجھن میں پڑ گیا کہ ہارن تو اس کے مالک کی کار کا تھا اور سامنے لینڈ کروزر کھڑی ہے۔

پھر آنند ورما اتر کر آیا۔ ''اے پریشول! منہ کیا دیکھتا ہے، دروازہ کھول۔''

''مالک، آپ.....'' اس نے دانت نکالے اور گیٹ کھولنے لگا۔

''آپ لوگ اندر آئیں۔ ہمارے ساتھ ایک کپ چائے پئیں۔'' آنند ورما نے کہا۔

ایشا نے شوہر کو گھورا اور جلدی سے بولی۔ ''چائے کیوں، کھانا کھائیں گے آپ۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کھانا ہمارے ساتھ ہے اصل میں ہم رات گزارنے کے لئے کسی جگہ کی تلاش میں ہیں۔ کیا آپ اس جگہ کسی ہوٹل سے واقف ہیں؟''

''ہوٹل تو یہاں پچاس میل تک نہیں ہے۔'' آنند ورما نے جواب دیا۔

''ہمارے لئے تو مسئلہ نہیں ہے مگر میری بہن سادھنا بیمار ہے اتنے لمبے سفر میں اس کی طبیعت خراب ہو سکتی ہے۔ ہم اسے کلکتہ لے جا رہے ہیں۔''

''کلکتہ کیوں جب کہ یہاں ایک سے ایک ڈاکٹر ہے۔'' آنند ورما چونکا۔

''معاملہ اس کے علاج کا نہیں منت کا ہے۔'' میں نے گول مول انداز میں کہا۔ ''ہم تین گھنٹے سے کسی ہوٹل کی تلاش میں ہیں۔''

''بھائی، آپ ہمارے پاس رک جائیں۔'' ایشا نے پھر شوہر کے گھورنے کی پروا کئے بغیر کہا۔ ''صبح آرام سے ناشتا کر کے جایئے گا۔''

''ایشا، ہم ان کو نہیں جانتے۔'' آنند ورما نے دبی زبان میں کہا لیکن میں نے سن لیا تھا۔

''یہ بھی ہمیں نہیں جانتے تھے۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اس کے باوجود ہماری مدد کے لئے رک گئے۔ گھنٹے سے کھڑے تھے کسی نے رک کر پوچھا تھا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ ٹھیک ہے پر.....؟''

''آنند! ان کو رکنے کو کہو۔'' اس بار ایشا کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا تھا۔ وہ بے بسی سے سانس لے کر میری طرف آ گیا۔

''میری پتنی کا اصرار ہے آپ ہمارے پاس رات کو رک جائیں۔''

''اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو.....'' میں نے مسرت سے کہا۔

''تکلیف تو نہیں ہو گی پر.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''اگر آپ اعتماد کرتے ہوئے ڈر رہے ہیں تو میں یقین دلاتا ہوں، ہم سب بے حد شریف لوگ ہیں۔ میرے ساتھ میری بہن اور اس کا شوہر ہے۔''

''ابھی آپ نے بہن کا نام سادھنا بتایا اور آپ کا نام شہباز ہے تو پھر.....؟''

''میں سمجھ گیا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''میں مسلمان ہوں اور سادھنا ہندو ہے۔ یہ میری منہ بولی بہن ہے، میرے ماں باپ نے اس کی پرورش کی ہے۔ ہماری کوئی ماجائی بہن نہیں ہے مگر ہم اسے ماجائی سے کم بھی نہیں سمجھتے۔'' میں نے فراٹے سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

''میں مہمان خانہ کھول دیتا ہوں۔'' آنند ورما نے کہا۔

''آپ لوگ ذرا انتظار کر لیں تو میں کھانا بنوا دوں۔'' ایشا نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ اپنے شوہر کے مقابلے میں وہ فراخ دل تھی۔

''نہیں بہن، آپ کا یہی احسان بہت ہے کہ رات کے اس پہر در بدر پھرنے سے بچا لیا۔'' میں نے سچ مچ تفکر سے کہا۔

''آپ جیپ اندر لے آئیں۔'' آنند ورما نے پورچ کی طرف اشارہ کیا جہاں پہلے ہی ایک شاندار سی کار کھڑی تھی۔

''جب آپ کے پاس اتنی اچھی کار ہے تو.....؟''

آنند ورما اتنی دیر میں پہلی بار ہنسا۔ ''شہباز صاحب، آپ کو میرے روپے سے شاید دکھ ہوا ہو مگر میں کئی بار بھگت چکا ہوں۔ ایک بار میری کار چھن گئی تھی۔ میں نے مہینہ پہلے لی تھی اور دو بار ڈاکو آ گئے تھے۔''

''فطری بات ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''اگر آپ کو اب بھی کوئی خدشہ ہے تو.....''

''بس بھائی صاحب!'' ایشا بولی۔ ''مجھے آدمی کی پہچان ہے آپ لوگ اندر آئیں۔''

''تبھی مجھے منتخب کیا تھا؟'' آنند ورما ہنسا۔

''ایشا نے چوٹ کی۔ ''بس یہیں چوک ہوئی تھی۔''

اس سے پہلے ہم کوٹھی کے اندر جاتے اچانک عقب سے تیز روشنی ہوئی۔ ایک جیپ آ کر ہمارے بالکل پاس رکی اور اس میں سے مسلح پولیس والوں نے کود کر ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا، ان کی قیادت ایک ایس آئی کر رہا تھا، اس نے کڑک کر کہا۔ ''خبردار! کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔''

میری نظر جیپ میں بیٹھے ایک چادر پوش پر گئی تھی، میں چونک گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنند ورما آگے آیا۔ ''انسپکٹر! کیا بات ہے، اس حرکت کا مقصد؟''

''تم کون ہو؟'' ایس آئی غرایا، لگتا تھا اسے غرانے کا بہت شوق تھا۔

''میں اس کوٹھی کا مالک ڈاکٹر آنند ورما ہوں۔''

''اچھا!'' ایس آئی محتاط ہو گیا اور اس نے غرانا موقوف کر کے شرافت سے کہا۔ ''ہمیں اس جیپ اور اس میں موجود لوگوں کی تلاش ہے۔''

اس بار میں آگے بڑھا۔ ''جیپ میری ہے اور اس میں میری فیملی ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر انگریزی میں کہا۔ ''تمہیں ہماری تلاش کیوں ہے؟ ہم نے کیا جرم کیا ہے؟''

''جرم کا بھی پتا چل جائے گا۔'' ایس آئی نے پھر سے غرانا شروع کر دیا۔ ''کہاں سے آ رہے ہو؟''

''دلّی سے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور کہاں جا رہے ہو؟''

''کلکتہ۔''

''کیوں؟''

''کلکتہ جانا جرم ہے؟''

''تم نے راستے میں شیام پور نامی قصبے میں ایک جوہری کو ایک ہیرا فروخت کیا تھا؟''

''کیا ہیرا بیچنا جرم ہے؟''

''بک بک مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔'' اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

''ہاں، فروخت کیا تھا۔ کیا وہ نقلی نکلا؟''

''تم نے ہیرا کہاں سے حاصل کیا تھا؟''

''انسپکٹر! یہ سوال تو مجھ سے انکم ٹیکس آفیسر بھی نہیں پوچھ سکتا تم کیا چیز ہو۔'' میں نے بھی اس پر اس بار غرا کر کہا۔ ''دلّی میں کسی سے شہباز خان کا نام پوچھنا۔''

ایس آئی پھر دب گیا اور اس نے غرانا کم کر دیا۔ ''جوہری نے رپورٹ کی ہے، اسے شبہ ہے ہیرا چوری کا ہے۔''

''اگر چوری کا ہے تو اس نے خریدا کیوں؟'' میں نے کہا۔ ''دوسرے یہ ہیرا میری خاندانی ملکیت ہے، اس کا دستاویزی ثبوت ممکن ہی نہیں ہے۔''

''تم نے جوہری سے کہا تھا کہ تم برٹش نیشنل ہو۔''

''اسے خواب آیا ہوگا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''انسپکٹر! اگر کوئی وارنٹ لائے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ سمجھ لو، تم کل صبح تک خاصی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

میں پورے اعتماد سے انسپکٹر کو دھونس دے رہا تھا اور درحقیقت میرے پاس یہی ترپ کا ایک پتا تھا جو معاملات خراب ہونے سے بچا سکتا تھا۔ اگر انسپکٹر شک کی بنیاد پر ہماری تلاشی لینے پر تل جاتا تو مجبوراً ہمیں حرکت میں آنا پڑتا اور حالات مزید پیچیدہ ہو جاتے۔ میں نے محسوس کیا کہ آنند ورما مجھے عجیب سی نظروں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ا گیا تھا جیسے ہی اسے پتا چلا تھا کہ پولیس ہمارے پیچھے آئی ہے اس کا رویہ لاتعلقانہ ہو گیا تھا۔

''وارنٹ تو نہیں ہے۔'' ایس آئی نے اپنی خودی بلند رکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن پولیس کے پاس اختیار ہوتا ہے شک کی بنیاد پر کارروائی کرنے کا۔''

''لگتا ہے اس جوہری سے تمہارا کوئی گٹھ جوڑ ہے۔'' میں نے غور سے جیپ میں بیٹھے چادر پوش کو دیکھا۔ ''چوری کا مال خرید کر تمہیں رپورٹ کرتا ہے۔''

''اگر کرتا ہے تب بھی قانون سے تعاون کرتا ہے۔''

''اب میں بتاتا ہوں تم دونوں کیا کرتے ہو۔ یہ خبیث بنیا چوری کا مال خریدتا ہے اور تمہیں اطلاع کرتا ہے۔ تم بیچنے والے کو پکڑ کر اس سے معاملہ کرتے ہو۔ وہ رقم دے کر اپنی جان چھڑاتا ہے۔ رقم تم اور جوہری آپس میں بانٹ لیتے ہو اور چوری کا مال پہلے ہی اس کے پاس ہوتا ہے۔''

''یہ غلط ہے۔'' ایس آئی نے گڑبڑا کر کہا۔

''اسے عدالت میں ثابت کرنا۔ جب ڈاکٹر آنند ورما اور ان کی بیوی ڈاکٹر ایشا ورما تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور تم دونوں جیل کی ہوا کھاؤ گے۔''

''ایسے اکڑتا ہے جیسے مجرم ہم ہیں۔'' ایس آئی پھر غرایا مگر اس کی غراہٹ اعتماد سے محروم تھی۔

اس بار ایشا آگے آئی۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم دونوں ملے ہوئے ہو اور جب عدالت میں پیش ہو گے تو مل جائے گا۔ یہ مت سمجھنا کہ بچ جاؤ گے۔ دلی کا پولیس کمشنر میری چاچی کا بیٹا ہے۔''

اس بار سچ مچ ایس آئی کے غبارے سے ہوا نکل گئی تھی۔ ''دیوی جی! چھما چاہتا ہوں، پر رپورٹ پر روائی تو کرنا پڑتی ہے۔''

''رپورٹ کہاں لکھوائی ہے، اس کی نقل دو۔ کل صبح خود میں ان کو لے کر آؤں گی اور باقی کارروائی دلی اس کمشنر کے سامنے ہوگی۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' ایس آئی جلدی سے بولا۔ ''خان جی نے بتا تو دیا ہے ہیرا ان کی خاندانی ت ہے۔''

''یعنی تم بغیر تحریری رپورٹ کے میری کوٹھی پر دوڑے آئے۔'' ایشا کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ ''سارے نے تماشا دیکھا ہے۔ بس اب کل پولیس کمشنر کے سامنے بات ہوگی۔''

ایس آئی اس بار پٹے ہوئے کتے کی طرح دم دبا کر اور ناک نیچی کر کے گڑگڑانے لگا تھا۔ آخر آنند ورما بے زاری سے کہا۔ ''ایشا، ختم کرو یہ تماشا، رات ہو گئی ہے۔''

ایشا ورما نے بظاہر شوہر کی بات مان لی۔ ''ٹھیک ہے اس بار معاف کر رہی ہوں مگر یاد رکھنا دوبارہ کبھی اس ت دکھائی دیئے تو وردی اتر جائے گی۔''

پولیس کے اہلکار اس طرح دم دبا کر بھاگے کہ مجھے وہ منظر دیکھ کر ہنسی آ گئی تھی۔ چادر پوش جوہری بنیا تھا ب ایس آئی جیپ میں سوار ہوا تو اس نے اپنی رقم کا سوال اٹھایا تھا، میں نے اس کی منمنانے کی آواز سنی ۔ الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے غضب ناک ایس آئی نے غصہ اس پر نکالا تھا۔ ایک طمانچے کی آواز آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حرام زادے! تیری وجہ سے مرتے مرتے بچا، دیتا ہوں پیسا تجھے، ذرا تھانے چل۔''

جیپ روانہ ہوئی۔ مجھے یقین تھا، آج رات لالہ جی تھانے میں عبرت ناک حالات سے گزریں گے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے ایشا کی طرف دیکھا۔ ''کچھ دیر میں آپ نے دوسری بار ہمیں ممنون کرلیا ہے۔''

''میں نے پہلے ہی کہا تھا گڑبڑ ہے۔'' آنند ورما زیرلب بولا۔

''کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔ ''میں نے جو ہیرا بیچا تھا وہ میری ملکیت ہے، ہمیں رقم کی ضرورت تھی اس لئے بیچ دیا۔''

''پولیس نے تماشا تو لگا دیا۔'' اس نے طنز کیا۔

''کسی کو کیا معلوم کہ پولیس کس لئے آئی تھی؟''

''پولیس نے جو کمانڈو ایکشن پیش کیا تھا، وہ نہ جانے کتنوں نے دیکھا ہوگا۔'' آنند ورما نے طنز کیا۔ ''اور صبح تک پورے علاقے کو پتا چل جائے گا کہ رات ڈاکٹر صاحب ان کاؤنٹر ہوتے ہوتے رہ گئے۔''

''تم کہہ سکتے ہو کہ پولیس غلط فہمی کی بنا پر آئی تھی اور غلط فہمی رفع ہونے پر چلی گئی۔''

''کوئی کچھ نہیں کہے گا جی!'' ایشا نے مداخلت کی۔ ''کیا مہمانوں کو ساری رات باہر کھڑا رکھیں گے؟''

''مہمان!'' آنند ورما کا لہجہ اور بھی طنزیہ ہوگیا۔ ''ان کے آنے پر یہ حال ہے، صبح تک نہ جانے کیا ہوگا؟''

آنند ورما کے بس میں ہوتا تو وہ ہمیں کوٹھی میں قدم بھی نہ رکھنے دیتا مگر بیوی کے آگے مجبور تھا جس کی سوکالڑکا دتی میں پولیس کمشنر تھا اس لئے وجہ مجبوری صاف ظاہر تھی۔ ایک کمرا میاں بیوی یعنی کمار اور سادھنا کے حوالے کردیا گیا تھا۔ دوسرا وسیم اور بیتو کو ملا اور تیسرا مجھے مگر ایشا کے جاتے ہی کمار میرے پاس آگیا۔

''شکر ہے، یہ جگہ کوٹھی سے الگ ہے۔'' کمار نے کہا۔ ''ورنہ یہ لوگ شک میں پڑ جاتے کہ یہاں الگ کمرے میں کیوں ہے؟''

''شک تو اب بھی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''شکر ہے ایشا کا کزن دتی کا پولیس کمشنر نکل آیا۔''

''یہ بھی تشویش والی بات ہے۔'' کمار نے فکرمندی سے کہا۔ ''اگر بات اس تک گئی تو وہ انویسٹی گیشن پر اتر آئے گا۔ یہ پولیس والے اپنے باپ کے نہیں ہوتے۔''

پولیس کی آمد نے سب کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ کھانے کا خیال کسے رہتا۔ اب ذرا سکون سے بیٹھے تو کھانا یاد آیا۔ میں جیپ سے کھانا لے کر اندر آیا تو میری نظر لاؤنج میں پڑے فون پر گئی۔ مجھے خیال آیا، پاکستان کال کرنے کا۔ میں نے سامان کا تھیلا بیتو کے سپرد کیا اور فون اٹھایا۔ دوسرے لمحے مجھے ایشا کی آواز سنائی دی

''جانکی، میں کہہ رہی ہوں مجھے اجے سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''بی بی، اب تو جان چھوڑو۔'' دوسری طرف سے کسی جانکی نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اجے کی شادی بھی پانچ سال گزر چکے ہیں اور اب ہمارے تین بچے ہیں۔''

''تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ مجھے اجے کو چند مجرموں کے بارے میں اطلاع دینی ہے۔ وہ مسلح ہیں، ان۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاس خطرناک گنیں ہیں۔"

یہ سنتے ہی میرے ہوش اُڑ گئے تھے۔ ایشا نے بے حد چالاکی سے کام لیا تھا۔ نہ جانے کس طرح اس نے ہمارا اسلحہ دیکھ لیا تھا اور اب اپنے کزن کو اطلاع دینے جا رہی تھی۔ مگر ہماری خوش قسمتی کہ فون جانکی نے ریسیو کیا تھا جو اجے کی بیوی تھی۔ شاید کسی زمانے میں اجے اور ایشا ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر کسی وجہ سے شادی نہ ہو سکی۔ جانکی یہ بات جانتی تھی اور ان پر اب بھی شک کرتی تھی۔ "تو اس بہانے اب کمشنر صاحب سے راز و نیاز ہوں گے۔"

"جانکی! بھگوان کے لئے۔" ایشا بھنا گئی تھی۔ "یہ بہت خطرناک مجرم ہیں۔ مجھے تو آتنک وادی (دہشت گرد) لگتے ہیں۔"

"ایسا کرنا، صبح ان کے دفتر میں بات کر لینا۔ نمبر تو پتا ہوگا۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔

☆======☆======☆

شائستہ اور سلجھی ہوئی نظر آنے والی ایشا نے ایک ایسی گالی دی جو بیان نہیں کی جا سکتی۔ میں نے جلدی سے خود بھی ریسیور رکھ دیا تا کہ اسے شک نہ ہو۔ ہم سخت خطرے میں تھے۔ ایک بار پولیس کمشنر اس معاملے میں ملوث ہو جاتا تو ہمارے لئے بہت زیادہ مشکلات پیدا ہو جاتیں اور پکڑے جانے کی صورت میں گلوخلاصی مشکل تھی۔ مجھے بہرصورت ایشا کو روکنا تھا۔ جب تک میں اس تک پہنچتا، اجے کو پھر کال کر چکی ہوتی اور عین ممکن تھا اس بار وہ اس کا موبائل نمبر ملاتی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے فون کا تار کھینچا اور دانت سے اس کو چھیل کر اس کے دونوں تار آپس میں جوڑ دیئے۔ فون ارتھ ہو گیا تھا اور اس کے دونوں تار جوڑ دیئے جانے سے لائن انگیج ہو گئی تھی۔ اگر ایشا پھر کال کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو اسے فون انگیج ملتا۔

"وسیم!" میں نے اس کے کمرے میں جھانکا۔ وہ کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ "خطرہ ہے۔ ایشا ہمارے بارے میں اپنے پولیس کمشنر کزن کو مطلع کرنے والی ہے، اسے روکنا ہے، ہری اپ!"

تمام اسلحہ ایک بیگ میں تھا اور یہ بیگ ان کے پاس تھا۔ وسیم نے جلدی سے دو عدد یوزی مشین گنیں نکالیں۔ ایک میری طرف اچھال دی اور ہم مہمان خانے سے نکل کر کوٹھی کی طرف لپکے۔ میں نے جانے سے پہلے سب کو ایک جگہ اور ہوشیار رہنے کو کہا تھا۔ ہم کوٹھی کی دیوار کے پاس پہنچے۔ "وسیم تم دائیں طرف سے اور میں بائیں طرف سے اندر جاتا ہوں۔ جو سامنے آئے اسے ہینڈز اَپ کرا لینا اور کوئی مزاحمت کرے تو اسے بے ہوش کر دینا۔ فائر انتہائی ناگزیر وقت میں کرنا۔"

"میں سمجھ گیا۔" وسیم کوٹھی کے عقبی حصے کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں کھڑکیوں پر گرل نہیں تھی اس لئے میں پٹ چیک کرنے لگا۔ اگر کوئی کھلا ہوتا تو مجھے اندر گھسنے میں آسانی پیش آتی۔ مگر ساری کھڑکیاں بند تھیں، ان کو چیک کرتے کرتے میں سامنے والے دروازے تک آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ کھڑکیاں بند کرنے والوں نے دروازہ کہاں کھلا چھوڑا ہوگا مگر میں نے اسے چیک کیا تو وہ کھلا ملا۔ میں نے احتیاط سے کھولا اور اندر جھانکا۔ یہ گیلری تھی اس کے دائیں جانب ایک کمرا تھا۔ میں خاموشی سے اندر آیا۔ یہ نشست گاہ تھی اور اس سے ڈاکٹر ورما کی منمناتی آواز آ رہی تھی۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا یہ لوگ مجھے صحیح نہیں لگ رہے ہیں مگر تم سنتی کہاں ہو، ان کو گھر میں گھسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا۔"

"ارے مجھے کہاں پتا تھا۔ یہ کم بخت فون بھی عین موقع پر خراب ہوا ہے۔ ورنہ اس بار میں اجے کا موبائل نمبر ملاتی۔"

"اچھا تمہارے پاس اس کا موبائل نمبر بھی ہے؟" ورما نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے تو یہ بات پتا ہی نہیں تھی۔"

"وہ میرا کزن ہے۔" ایشا تنک کر بولی۔

"سنا ہے پہلے تمہیں پسند کرتا تھا۔"

"اگر وہ مجھے پسند کرتا تھا تو اس میں میرا کیا قصور ہے البتہ تمہارے بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں شادی سے پہلے اور بعد میں تم کہاں کہاں منہ مارتے رہے ہو۔"

"اچھا اب گڑے مردے مت اکھاڑو۔" ورما نے کھسیا کر کہا۔ "فون ملاؤ۔"

"کہاں سے ملاؤں، انگیج کی ٹون آ رہی ہے۔ موبائل بھی اس علاقے میں کام نہیں کرتا ہے۔"

میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ آنند ورما نے تجویز پیش کی۔ "کیوں نہ پریشول کو بھیج کر کسی اور کوٹھی سے فون کروا دیں؟"

"میں خود جاتی ہوں۔" ایشا نے اپنی تجویز پیش کی۔

"کوئی کہیں نہیں جائے گا۔" میں نے اندر داخل ہو کر کہا۔ یوزی مشین گن دیکھ کر دونوں ہی ساکت رہ گئے تھے۔

"شہباز بھائی! یہ کیا کر رہے ہیں؟" ایشا نے خود کو سنبھالا اور مسکرائی۔

"میں نے سب سن لیا ہے، پہلے فون پر اور اب یہاں۔" میں نے دوٹوک کہا۔ "فون بھی میں نے انگیج کیا ہے۔"

اب ان کے پاس کوئی گنجائش نہیں تھی۔ آنند ورما نے تھوک نگل کر کہا۔ "ہم سے غلطی ہوئی۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم مجرم ہو۔"

"تمہیں کس نے کہا ہم مجرم ہیں؟" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں نے خود تمہارے پاس اسلحے سے بھرا بیگ دیکھا تھا، تمہارا ملازم اسے جیپ سے نکال رہا تھا تو بیگ کھل گیا تھا۔ میں اوپر سے دیکھ رہی تھی۔" ایشا کسی قدر تیز لہجے میں بولی۔

"اسلحہ آدمی اپنی حفاظت کے لئے بھی رکھتا ہے۔" میں نے کہا۔ "ہمارے دشمن ہیں اس لئے اسلحہ تو رکھنا پڑتا ہے۔"

"یہ خطرناک اور ممنوعہ اسلحہ۔" ایشا نے مشین گن کی طرف اشارہ کیا۔

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور پولیس کے چکر میں بھی نہیں پڑنا چاہتا۔" میں نے رکھائی سے کہا۔ "یہ بتاؤ، اس کوٹھی میں چوکیدار کے علاوہ اور کتنے افراد ہیں۔ جھوٹ مت بولنا، ہمیں پتا چل جائے گا۔"

"ایک بنگالی رسوئیا ہے۔" ڈاکٹر ورما نے بادلِ ناخواستہ بتایا۔ "اور اس کی بیوی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ دونوں کہاں ہیں؟"

"پیچھے سرونٹ کوارٹر بنا ہے، وہیں ہوں گے۔"

"چوکیدار اکیلا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، اس کے بیوی بچے اپنے گاؤں میں ہیں۔" ایشا بولی۔

میں نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ "تو مسٹر اینڈ مسز ورما! صورتِ حال کچھ یوں بنتی ہے کہ آج رات ہم تمہاری کوٹھی میں رکیں گے۔ ابھی میں فون کا انگیج ختم کر دوں گا تو تم اس بات کا خیال رکھو گی۔ اگر تمہارے کزن کا فون آ جائے تو اسے مطمئن کر دو گی۔"

"وہ حرافہ اسے بتائے گی تو اسے پتا چلے گا۔" ایشا نے زہرناک لہجے میں کہا۔ "تم نے سن تو لیا ہو گا اس ناگن کا جواب۔"

میں نے غور سے ایشا کو دیکھا۔ "ناگن وہ کس کے حق میں ہے، تمہارے یا اجے کے۔"

"دونوں کے۔" آنند ورما ہنسا۔

"بہرحال تم اس کا فون آنے پر کہو گی کہ وہ سب غلط فہمی تھی۔ اسلحہ اصل میں بچوں کے کھلونے تھے اور تمہارے شک کرنے پر مہمان ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔"

"کہاں گئے ہیں؟" ایشا نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"جہنم میں۔" میں نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم کو بتا کر تو نہیں گئے۔ باقی اسٹوری تم وہی سناؤ گی کہ ہم نے تمہاری مدد کی اور تم ہمیں مہمان بنا کر لے آئیں۔"

"یعنی معصیت کو خود دعوت دی۔"

"مسز ورما، بلاضرورت بول کر بلاوجہ فوت ہونے کی کوشش مت کرو۔" میں نے مشین گن کو حرکت دی۔

اس اثنا میں وسیم ایک دبلے اور سوکھے ہوئے تہبند اور بنیان میں ملبوس بنگالی اور اس کی صحت مند بیوی کو وہاں لے آیا۔ بنگالن میں چشم بنگال اور زلف بنگال سے زیادہ جسمانی پیچ و خم کا بے پناہ جادو تھا اور وہ اپنے شوہر کے مقابلے میں ایسی نظر آتی تھی جیسے سائیکل کے پنکچر پہیے کے مقابلے میں کسی جیپ کا تناہوا ٹائر۔

"بس یہی دونوں ہیں؟" میں نے وسیم سے پوچھا۔

"جی یہی نظر آئے ہیں۔" اس نے تصدیق کی۔

"ان کو کسی ایسے کمرے میں بند کر دو جہاں سے یہ نکل نہ سکیں۔" میں نے وسیم سے کہا اور وہ ان دونوں کو لے گیا۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ فی الحال ڈاکو صاحب کا ان کو قتل کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ یہ خدشہ اب مسٹر اینڈ مسز ورما کو لاحق تھا۔ آنند ورما نے لرزتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

"کیا تم ہمیں مار دو گے؟"

"اصلی مجرم ہوتے تو یہی کرتے۔" میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہاری خوش قسمتی کہ ایسا نہیں ہے اس لئے جب تک تم خود فوت ہونے کی کوشش نہیں کرو گے، زندہ رہو گے۔"

"بھگوان کے لئے تم لوگ چلے جاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چلے جائیں گے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ ایک بیمار عورت ہے، اسے آرام کی اشد ضرورت ہے۔ خیر یہ بتاؤ، تمہارا چوکیدار کوٹھی کے اندر تو چکر نہیں لگاتا ہے۔"

"نہیں رات کے وقت اسے گیٹ سے ہٹنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"کال آف نیچر کے لئے بھی نہیں؟"

"اس کے لئے وہاں ایک عدد باتھ روم ہے۔"

"اس کی ڈیوٹی کب ختم ہوتی ہے؟"

"صبح نو بجے۔ رات نو سے صبح نو بجے تک اس کی ڈیوٹی ہوتی ہے اور دن میں ایک اور چوکیدار آتا ہے۔"

وسیم اپنا کام کر کے آیا۔ "باقیوں کو بھی یہاں بلا لو۔ سادھنا سو رہی ہے تو اسے سونے دینا۔ بیتو کو اس کے پاس چھوڑ آنا کمار کو لے آنا۔"

"صبح تک تم یہاں رکو گے۔" ایشا نے فکر مند ہو کر کہا۔

"معزز خاتون، بلاشبہ ہم صبح تک یہاں رکیں گے اور ممکن ہے کچھ کھائیں پئیں بھی۔ مگر نہ تو تمہیں کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ہی ہم یہاں سے کچھ لے کر جائیں گے۔"

"تمہاری بات کا کیا بھروسا۔" ایشا بولی۔

"ہم زبان پر جان دینے والے لوگ ہیں، کسی کو مہمان بنا کر اس کے احسان کا صلہ یوں نہیں دیتے کہ پولیس کو کال کریں۔" میں نے طنز کیا تو وہ خفیف ہو گئی۔

"میں نے جو دیکھا تھا اس کے بعد مجھے پولیس کو کال کرنا ہی تھا۔"

"تو اب بھگتو۔" میں نے جواب دیا۔ وسیم کمار کے ساتھ آیا۔ ہم نے پہلے تو کھانا کھایا۔ وسیم نے بیکری سے خاصا سامان لے لیا تھا اس کے بعد ایشا نے کمار کی نگرانی میں کافی تیار کی۔ کافی کے بعد میں اور کمار سو گئے۔ وسیم جاگتا رہا اور ان میاں بیوی کی نگرانی کرتا رہا۔ چار گھنٹے بعد اس نے کمار کو اٹھا دیا اور دو گھنٹے بعد میں خود اٹھ گیا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ کمار اصرار کے باوجود دوبارہ نہیں سویا۔ ایشا اور آنند ورما صوفوں پر آڑے ترچھے پڑے تھے۔ میں نے ان کو جگایا۔

"اپنے ملازموں سے کہو ہمارے لئے ناشتا بنائیں تاکہ یہاں سے رخصت ہوں۔"

آنند ورما نے اپنی عینک ناک پر جمائی اور بولا۔ "تمہارا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔"

"کلکتہ۔"

"ہائی روڈ۔"

آنند ورما کے لہجے نے مجھے چوکنا کر دیا۔ "ظاہر ہے۔"

"اس گاڑی پر؟"

"ہاں اگر تم کوئی دوسری دلا دو تو اس پر چلے جائیں گے۔"

بنگالی باورچی نوراں کی نصف بہتر نے ناشتا بنانا شروع کر دیا۔ ہم سب نے باری باری منہ ہاتھ دھویا۔ دوسری ضروریات سے فارغ ہوئے۔ جب میں سادھنا کے کمرے میں گیا تو وہ ایک اسٹک کے سہارے چلنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کر رہی تھی۔ اسٹک بھی قصبے سے لی تھی۔ ''میں اب چل سکتی ہوں، تھوڑی سی تکلیف ہے۔''

''زخم پر زور مت دو اور تم نے دوا لی۔''

''ابھی کھانے کے بعد لوں گی۔''

''سادھنا میری بات غور سے سنو۔'' میں نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔ ''یہاں سے تم اور کمار دلّی کی طرف جاؤ گے۔''

''اکیلے؟'' اس نے بے ساختہ کہا۔

''اکیلے کہاں، دونوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم کوئی ٹیکسی لو گے اور سیدھے دلّی ایئرپورٹ پر جا کر کلکتہ کے لئے ملنے والی اوّلین فلائٹ سے روانہ ہو جاؤ گے۔''

''ہم الگ الگ جائیں گے۔'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔

''یہ ضروری ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''اس طرح ہم نظروں میں نہیں آئیں گے۔ تم اور کمار پڑھے لکھے ہو اگر کوئی مسئلہ ہو تو کسی ٹریول ایجنسی سے رابطہ کرنا، ان سے ٹکٹ بنوا لینا۔''

''تم تینوں کیسے آؤ گے؟''

''اسے چھوڑو، ہم کوئی مناسب راستہ اختیار کریں۔ بس اتنا یاد رکھنا دو دن بعد دھرم تلہ کے شہید مینار کے پاس صبح دس سے بارہ کے درمیان ملاقات ہو گی۔ یہ مشہور جگہ ہے تم لوگ آسانی سے تلاش کر لو گے۔''

''شہباز مجھے ڈرنگ رہا ہے۔'' اس نے میری طرف دیکھا۔

''ڈرو مت! تم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اگر کہیں پھنس جاؤ اور نکلنے کی راہ نہ رہے تو اپنے بھائیوں کو بتا دینا۔''

''تاکہ وہ مجھے اور کمار کو مروا دیں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''جب پریشانی سے بچ جاؤ تو ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دینا۔ تم عاقل بالغ ہو، کوئی تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔''

''تم نے کمار سے کہا ہے؟''

''نہیں، لیکن بتا دوں گا۔'' میں نے کہا اور رقم والے بیگ سے ڈیڑھ لاکھ نکال کر سادھنا کے پرس میں رکھ دیئے۔ ''ناشتا کر لو۔ ہمیں اب روانہ ہونا ہے۔ میرا ایک مشورہ ہے۔ ایئرپورٹ جانے سے پہلے کسی بیوٹی پارلر سے اپنا حلیہ بدل لینا۔ ممکن ہے تمہارے بھائی خفیہ طریقے سے تم کو تلاش کروا رہے ہوں۔''

ناشتے کے بعد میں نے باری باری وسیم اور کمار کو اپنا پروگرام بتایا۔ کمار نے مجھ سے اتفاق کیا۔ وسیم نے کہا۔ ''میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ہمیں اب سڑک کے ذریعے کلکتہ نہیں جانا چاہئے۔ بلکہ مخالف سمت میں جانا چاہئے۔''

''ہم ایسا ہی کریں گے۔''

''ان لوگوں کا کیا کرنا ہے؟'' کمار نے پوچھا۔ اس کا اشارہ ورما اور اس کے متعلقین کی طرف تھا۔

''ان کو بند کر جائیں گے، کوئی آ کر ان کو آزاد کر دے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اور اگر کوئی نہ آیا تو.....؟" وسیم نے نکتہ اٹھایا۔

"ہم مین گیٹ اور کوٹھی کا دروازہ کھلا چھوڑ جائیں گے، اسے دیکھ کر کوئی نہ کوئی آئے گا۔" میں نے ان کو تسلی دی۔ "یہ مریں گے نہیں، ہم کلکتہ جا کر ان کو کال کر کے اطمینان کر سکتے ہیں۔ بالفرض وہ بدستور قید ہوئے تو ہم دلّی پولیس کو کال کریں گے، ایک دو دن میں یہ مریں گے نہیں۔"

جب ہم نے چوکیدار سمیت پانچوں کو اس اسٹور روم میں بند کیا جس میں رات بنگالی باورچی اپنی بیوی کے ہمراہ رہا تھا تو انہوں نے خاصا شور مچایا تھا۔ میں نے ان سے اچھے کا فون نمبر لے لیا تھا۔ وہ مجبور تھے اس لئے بند ہونا پڑا۔ ان کو پانی اور کھانا لے جانے کی اجازت بھی دی تھی لیکن کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی تھی جس سے وہ دروازہ توڑ سکیں۔ یہ ساگوان کا مضبوط دروازہ تھا لیکن باہر آ کر میں نے مین گیٹ کھلا رکھنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس طرح وہ جلدی آزاد بھی ہو سکتے تھے۔ ہم نے واپس دلّی کا رخ کیا تھا۔ ہم دلّی سے کوئی چار گھنٹے کی مسافت پر تھے۔ ایک جگہ ٹیکسی دیکھ کر ہم نے سادھنا اور کمار کو اس میں روانہ کرنے کے لئے جیپ روک لی۔

"اب تم دونوں اس کے ذریعے دلّی جاؤ گے۔"

"شہباز، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" سادھنا نے ڈرتے ہوئے انداز میں کہا۔

میں نے ان کا سامان اتارا۔ کمار نے ٹیکسی والے سے بات کی اور سامان ٹیکسی میں رکھنے لگا پھر مجھ سے گلے ملا۔ اس کے بعد سادھنا میرے گلے لگ گئی۔ میں نے آہستہ سے اس کا سر تھپتھپایا اور اس دوران میں میری بند مٹھی خاموشی سے اس کے پرس میں جا کر کھلی اور پھر میں نے زپ بند کر دی، اسے خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس میں دس عدد ہیرے ڈال دیئے تھے۔ سادھنا رو رہی تھی جو مشرقی خواتین کے لئے معمول کی بات ہے۔ اگر نہ روئیں تو تعجب ہوتا ہے۔

"چلو بھی اب۔" میں نے اسے ڈانٹا۔ "تم پاگل کے گھر سے رخصت نہیں ہو رہی ہے۔"

"اب میرا تم سب کے سوا کون ہے۔" اس نے آنسو صاف کئے۔

"اوہ بی بی! صاحب..... چلنا نہیں ہے کیا۔" ٹیکسی والے نے شور کیا۔

"چلتے ہیں یار!" کمار نے اسے تسلی دی۔ "سادھنا چلو، کیا دو دن یہاں گزارنے ہیں؟"

سادھنا ٹیکسی میں بیٹھنے لگی تو میں نے کھڑکی سے جھک کر کہا۔ "پرس کا خاص خیال رکھنا اور اسے ہرگز کسی کے سامنے مت کھولنا۔"

"کیوں؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"بس تم دیکھ لینا۔"

"ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد اس کے نظروں سے اوجھل ہونے تک ہم ہاتھ ہلاتے رہے تھے۔ "بس چلیں جناب!" وسیم نے کہا تو میں چونکا۔

"راہ میں کیسے کیسے کردار ملتے ہیں جو اپنا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔" میں نے گہرا سانس لیا۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ان سے دوبارہ ملنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وسیم نے غور کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے درست کہا۔ ہم ان سے جتنے دور رہیں گے، ان کے لئے خطرہ کم ہوگا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہو۔" جیتو نے کہا۔

"اب اس جیپ اور اس اسلحے کا کیا کرنا ہے؟" وسیم نے پوچھا۔

"اضافی ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔" میں نے فیصلہ کیا۔ "سب ایک ایک رائفل پاس رکھ لیں، اپنی پسند کی۔ باقی ہم کہیں پھینک جائیں گے۔"

"جیپ کے ساتھ نہ چھوڑ دیں؟" وسیم نے تجویز دی۔

"نہیں، اسلحہ چھپانا ہے۔ خالی جیپ پولیس کو ملی تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا لیکن اگر اتنی مہلک مشین گنیں مل گئیں تو دس بیس پانے پر ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔ جیپ ہمیں کلکتہ کے رخ پر چھوڑنی چاہئے۔"

"بس سے سفر کریں گے۔" جیتو نے پوچھا۔

"ہاں اور حلیہ بھی بدلنا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹر آزاد ہوتے ہی سب سے پہلے اپنے ساتھ رقیب کو ہمارے حلیوں سے خبردار کرے گا۔"

ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا اور ذرا دور جانے کے بعد ہمارا مسئلہ حل ہو گیا۔ ایک جگہ دھوپ گھاٹ پر کپڑے سوکھ رہے تھے۔ میں نے جیپ کا رخ اس طرف موڑ دیا۔ وہاں ایک خرانٹ نظر آنے والا بڈھا کپڑوں کی نگرانی کر رہا تھا۔

"پرنام چاچا!" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"کیو صاحب، کیا کام ہے۔" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔ اتنی عمر گزارنے کے بعد اسے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ آج کل کوئی بلاوجہ دوسرے کو پرنام نہیں کرتا ہے۔ میں نے دوٹوک بات کی۔

"چاچا ہمیں تین جوڑے چاہئیں۔ کتنے میں دو گے؟"

"یہ ہمارے نہیں ہیں۔" اس نے انکار کیا۔

میں نے جیپ سے سو کے نوٹوں والی گڈی نکالی۔ "میرا خیال ہے تین جوڑوں کے چھ سو کافی ہوں گے۔"

بڈھے کی آنکھ میں لالچ نمودار تھا۔ "کپڑے کا ئب ہوں تو بہت شور کرتے ہیں گرا ہک۔"

"چلو آٹھ سو کر لو۔" میں نے نوٹ الگ کئے۔

"ہزار روپیا!" بڈھے نے اپنی قیمت بتا دی۔ میں نے فوراً اسے ہزار کے نوٹ پکڑا دیئے اور گھوم پھر کر تین سوٹ تلاش کرنے لگے۔ بعض سوٹوں پر بڈھے نے اعتراض کیا تو میں نے کہا۔ "چاچا ہزار روپے اس لئے دیئے ہیں کہ اپنی مرضی سے کپڑے لیتے ہیں۔"

ہم تینوں نے اپنے سائز کے کرتے اور دھوتیاں تلاش کیں۔ سر پر باندھنے کے لئے پگڑیاں لیں۔ اب مسئلہ پیروں کے جوتوں کا تھا۔ ہم سب نے شہری انداز کے جوتے پہن رکھے تھے۔ بہر حال ان سے گزارہ کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے باری باری جیپ میں جا کر کپڑے بدلے۔ اپنے لباس ہم نے بیگوں میں رکھ لئے تھے۔ لباس بدل کر ہم روانہ ہوئے۔ جیپ کو ذرا آگے جا کر بظاہر ویران نظر آنے والے درختوں کے جھنڈ میں چھوڑا۔ سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے یوزی مشین گنیں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اس لئے ایک یوزی اور رائفل ہم نے وہاں زمین میں گڑھا کھود کر دبا دی اور اپنے بیگ لے کر سڑک کی طرف روانہ ہو گئے۔

''شہباز صاحب، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اس طرح ایک اجنبی سرزمین پر سفر کروں گا۔''

''اس کی وجہ یہ ہے دوست کہ ہماری تقدیر کا کاتب کوئی اور ہے۔ خدا کے وجود کی یہی سب سے بڑی نشانی ہے کہ جو انسان چاہتا ہے ویسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔''

''صاحب آپ بار بار خدا اور اللہ کہتے ہو۔'' بیتو نے مداخلت کی۔ ''یہ بھگوان ہے یا دیوتا۔''

''یہ سب کچھ ہے اور ایک ہی ذات ہے۔'' میں نے کہا اور اسے مختصراً اللہ کے بارے میں بتایا۔ ''ہمارے لئے سب وہی ہے اور ہمارے سارے راستے اس کی طرف ہی جاتے ہیں۔''

وسیم بار بار پیچھے دیکھ رہا تھا، اس نے خبردار کیا۔ ''ایک ٹرک آ رہا ہے۔''

یہ چارے کا ٹرک تھا اور اس کے سکھ ڈرائیور نے ہمارے اشارے پر ٹرک روک دیا۔ ''اوئے، کی اے۔''

''سردار جی! ہمیں دلّی جانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''دلّی!'' اس نے غور سے ہمیں دیکھا۔ ''اوہ پتا اے دلّی کنا دور اے۔ یوتھا اٹھا کر چل پڑے ہو۔'' مجھے اس کی آواز اور لہجے سے لگا، وہ نشے میں ہے۔

''تمہارا یوتھا کس طرف ہے۔''

''جانا تے میں وی واہگرو اے۔ پر یہ راستہ دلّی کو جاتا ہے۔''

''تب ہمیں وہاں انار دیو جہاں سے تم واہگرو کے لئے گھوم جاؤ گے۔''

''اوئے آ جاؤ۔'' اس نے کہا اور عقبی حصے کی طرف اشارہ کیا۔

''ادھر تو جگہ تنگ ہے۔'' میں نے اندر جھانکا۔ ''اوپر نہ بیٹھ جائیں۔''

''اونہیں اوئے، پولیس نے دیکھ لیتا تے چالان ہو جاسی۔''

''چالان ہم ادا کریں گے۔'' میں نے اسے اطمینان دلایا۔

''جے توں بعد میں کر گیا فیر!'' اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

''چالان کتنے کا ہوتا ہے؟''

''دو سو کا۔'' اس نے اپنی داڑھی کھجا کر کہا۔

''یہ لو۔'' میں نے دو سو روپے اس کو پیش کر دیئے۔

اس نے پھر مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''اوئے پیسے ہیں تو بس میں سفر کیوں نہیں کرتے۔''

''بس ملے تو بس میں سفر کریں۔'' میں نے جواب دیا۔

''چل چل کر لاتیں ٹوٹ گئی ہیں۔'' وسیم بولا اور بیگ سمیت اوپر چڑھ گیا۔ بیتو اور اس کے بعد میں نے اس کی تقلید کی۔ ڈرائیور نے مجھے خبردار کیا تھا کہ اپنی ذمے داری پر بیٹھیں کوئی گر گیا تو اس کا ذمہ نہیں ہوگا۔ میں نے اوپر آ کر بیتو اور وسیم کو خبردار کیا۔ ''سردار جی، نشے میں ہے اس لئے جم کر بیٹھنا۔ ایسا نہ ہو کہ جب وہ ٹرک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روک کر ہمیں اترنے کو کہے تو ہم پہلے کہیں اتر چکے ہوں۔"

ہم نے سامان ٹرک کے کیبن کے اوپر والے حصے میں رکھ دیا۔ یہ دیواروں والا خانہ تھا اور اس سے سامان صرف اس صورت میں گر سکتا تھا کہ جب ٹرک الٹ جائے۔ ہم گھاس کے گٹھوں پر لیٹ گئے۔ دھوپ تھی اور تیز تھی مگر تیز ہوا کی وجہ سے بری نہیں لگ رہی تھی۔ ہم اس سے لطف اٹھانے لگے۔ بھوک لگ رہی تھی۔ گزشتہ رات کے کچھ باسی بن تھے ہم نے ان کو کھا کر پانی پیا۔ وسیم نے پرانے قصے چھیڑ دیئے۔ "شہباز صاحب، مرشد علی اور ڈیوڈ شا کہاں ہیں۔"

"مرشد علی اپنے اڈے میں ہے۔ نادر علی کا علاج ناکام رہا ہے۔ سنا ہے اب اسے باقی عمر بستر پر گزارنی ہوگی۔ ڈیوڈ شا واپس چلا گیا تھا۔" میں نے اسے تفصیل سے بعد کے واقعات سنائے جب وہ غائب ہو گیا تھا۔ مرشد علی نے لاہور کے بدمعاش گروپوں سے مدد چاہی تھی ان دونوں کا بیڑا غرق ہو گیا۔ شاہ نواز کا قحبہ خانہ مرشد نے ہتھیا لیا نامگر وہ برباد ہو گیا۔ جامی شاہ اور شاہ نواز دونوں مارے گئے ان کے بیشتر ساتھی بھی اس میں ختم ہو گئے۔ میرا خیال ہے اس معاملے کو آرمی والوں نے ٹیک اوور کر لیا ہوگا کیونکہ لال حویلی میں بڑے پیمانے پر بھارتی ساخت اسلحہ موجود تھا جو ملک کے شورش زدہ حصوں میں سپلائی کیا جا رہا تھا۔"

"جبکہ مرشد علی اس سرزمین کا غدار بھی ہے۔"

"یہ تو ہمارے ہاں بہت عام سی بات ہو گئی ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "آج کل تعجب ان سیاست دانوں پر ہوتا ہے جو اب تک ملک کے وفادار ہیں۔"

"غفیہ اور مونا کہاں ہیں؟"

"دبئی میں۔ وہاں راجا عمر دراز کا کوئی سیٹ اپ ہے؟"

"راجا بڑا اسرار سا شخص ہے۔ ہر بار اس کی شخصیت کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔ ڈیوڈ شا نے اس کی تصویر واپس کی؟"

"نہیں، بلکہ راجا کا شاہی حکیم قادس بھی اس کے قبضے میں ہے اور تعجب کی بات ہے راجا کو ان کی پروا بھی نہیں ہے۔"

"میں نے کہا نا راجا بڑا اسرار شخص ہے۔ اس کی بہت ساری باتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔"

"میں نے کبھی اس کے معاملے میں ایک حد سے زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ مجھے ویسے ہی اپنی پڑی ہے۔ ندیم نے آخری بار کہا تھا کہ بعض معاملات میں مرشد علی سے سودے بازی کے بعد مجھ پر تمام خاص مقدمات ختم کر دیئے جائیں گے۔"

"آپ کے دو مقدمات اہم ہیں، ایک وہ فقیر جو آپ کی گاڑی کے سامنے آ کر مرا تھا یعنی راجا کا خاص آدمی۔ پولیس نے کیس کو جان بوجھ کر آپ کے خلاف کیا اور دوسرا نادر علی پر فائرنگ کا کیس۔"

"پہلے کیس میں پوسٹ مارٹم رپورٹ میرے حق میں جاتی ہے۔ فقیر حادثے میں مارا گیا تھا جب کہ نادر علی پر فائرنگ کیس میں پولیس کی ابتدائی ایف آئی آر میں نہ تو کسی شہوت کا ذکر ہے اور نہ گواہ کا۔ ندیم کا کہنا ہے دونوں کیسوں میں میری بہ آسانی بریت ممکن ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بشرطیکہ آپ خود کو پولیس کے حوالے کر دیں۔''

''اور موجودہ حالات میں پولیس کے حوالے کرنے کا مطلب ہے میں خود کو مرشد علی کے حوالے کر دوں۔''

''ڈیوڈ شا کو ہیروں سے بھی تو دلچسپی ہوگئی ہے۔'' وسیم کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''ہاں مگر میں اس سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ بظاہر اس سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن نہ جانے کیوں وہ مجھے اپنے لئے مرشد علی سے کہیں زیادہ خطرناک محسوس ہوتا ہے۔''

''وہ خطرناک آدمی ہے۔'' وسیم نے زور دے کر کہا۔ ''میرا اس سے صرف ایک بار سامنا ہوا ہے اور اس کی آنکھوں میں مجھے شیطانی قوت سی محسوس ہوئی تھی۔''

''وہ ان دواؤں کا فارمولا حاصل کرنے کے چکر میں ہے جو حکیم قادس نے مجھ پر آزمائی تھیں اور جن کی وجہ سے میرا ناکارہ ہو جانے والا ہاتھ بھی درست ہو گیا تھا۔ ڈیوڈ ان فارمولوں سے اربوں ڈالرز کمانے کی فکر میں ہے۔''

''اچھا.....'' وسیم نے کہا۔

''مگر اس کا جزو اعظم راجا عمر دراز کے پاس ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''بلکہ اس کے پاس بھی اس کی ایک محدود مقدار ہے۔ اصل میں یہ چیزیں بھی اسے پُراسرار وادی سے ملی تھیں۔''

''تب ڈیوڈ شا لازماً پُراسرار وادی کی طرف جانے پر غور کر رہا ہوگا۔''

''غور کرنے سے وہ نہیں جا سکتا ہے۔ اس وادی تک رسائی ناممکن حد تک مشکل ہے۔''

''مگر راجا عمر دراز تو جا چکا ہے۔'' وسیم نے یاد دلایا۔

''وہ جس طرح گیا ہے اس طرح ہر کوئی نہیں جا سکتا۔'' میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ''ڈیوڈ شا بغیر کسی مدد کے وہاں نہیں جا سکتا۔''

''شاید اس نے تصویر اس لئے حاصل کی ہے۔'' وسیم نے میری طرف کروٹ لی۔ ''کیا اس تصویر میں وادی کی طرف جانے والے راستے کا نقشہ ہے؟''

''کہانیوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''مگر کہانیوں میں بہت کچھ ایسا نہیں ہوتا جو حقیقی زندگی میں ہوتا ہے۔'' وسیم نے اصرار کیا۔ ''اگر آپ کو اس وادی تک سفر کا موقع ملا تو آپ جائیں گے۔''

''میں فی الحال حالات کے دھارے پر ہوں اور دیکھو یہ مجھے کہاں لے جاتے ہیں، اپنی مرضی سے میں کہیں جانے والا نہیں ہوں۔''

''یعنی آپ کی مرضی ہوگی تو نہیں جائیں گے۔''

''ایسا نہیں ہے دوست! آدمی بعض اوقات اپنی مرضی سے بھی مجبور ہو جاتا ہے۔''

اسی لمحے ٹرک ایک جھٹکے سے رکا اور نیچے سے سردار جی نے پکارا۔ ''یارو! اتھے راستہ جدا اے۔ تھلے آ جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم سامان سمیت نیچے آئے۔'' ''شکریہ! سردار جی!''

''واہ گرو کی۔'' اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا اور ٹرک دھول اڑاتا چلا گیا۔

''سردار نے چالان کے پیسے تو دیئے نہیں۔'' بیتو نے یاد دلایا تو میں نے سر پر ہاتھ مارا۔

''سکھ ہاتھ دکھا گیا ہے؟'' وسیم نے ہائی وے کی طرف دیکھا، ٹرک ایک ذیلی سڑک پر مڑا جو دائیں نگر کی طرف جاتی تھی شام قریب تھی اور ہم سب بھوسے میں نہائے ہوئے تھے، اچھی طرح جھاڑنے کے بعد بھی یہ بھوسا جا بجا لباس سے چپکا ہوا تھا۔ ہم نے ایک بار پھر سامان سمیت پیدل مارچ شروع کیا۔ وسیم نے ایک نکتہ اٹھایا۔ ''رات تک دلّی میں داخل ہونے کے بعد قیام کہاں ہوگا؟'' کچھ رک کر اس نے کہا۔ ''میری ایک تجویز ہے، ہمیں دلّی کے پاس کسی چارپائی ہوٹل میں رک جانا چاہئے۔ وہاں کوئی نہیں پوچھے گا۔''

''تجویز تو اچھی ہے۔'' میں نے غور کیا، اسی اثنا میں ایک سیاہ لگژری کار زن سے ہمارے پاس سے گزری اور میں ہکا بکا رہ گیا۔ ''تم لوگوں نے دیکھا؟''

''یہ وہی کار ہے جی!'' بیتو نے یقین سے کہا۔ ''ڈاکٹر کی۔''

''میرا خیال ہے ڈاکٹر خود کار چلا رہا تھا اور اس کے برابر میں اس کی پتنی تھی۔'' وسیم نے بتایا۔

''یہ جلدی آزاد ہو گئے۔''

''پھر بھی یہ کل صبح تک بندر بنتے تو ہمارے لئے آسانی رہتی۔'' وسیم نے عقب میں دیکھا۔ ''ایک بس آ رہی ہے۔''

بس میں جگہ تھی اور وہ دلّی جا رہی تھی۔ اس لئے ہم سوار ہو گئے۔ ''کہاں جانا ہے؟'' ایک فاقہ زدہ مریل سے نوجوان نے پوچھا۔

''دلّی تک کا ٹکٹ بنا دو۔'' میں نے اس سے کہا۔

''اوہ جی، دلّی میں کہاں جانا ہے؟'' اس نے جھنجلائے انداز میں کہا۔

''تم آخری اسٹاپ تک کا ٹکٹ بنا دو۔'' میں نے بھی کھردرا لہجہ اختیار کیا۔ ''ہماری مرضی ایک فرلانگ بعد اتر جائیں۔''

''اس نے ٹکٹ بنا دیا اور مجھے گھورتا چلا گیا۔ میں نے اپنے ساتھ بیٹھے نوجوان سے پوچھا۔ ''دلّی کتنی دور ہے؟''

جواب میں اس نے کچھ گڑگڑ کیا، جس کا کچھ بھی مطلب نکالا جا سکتا تھا۔ اس کے پاس بیٹھے شیروانی پوش بڑے میاں نے کہا۔ ''میاں، ہنوز دلّی دور است۔ مطلب یہ کہ یہ بس جس رفتار سے چل رہی ہے تو دو گھنٹے سے زیادہ لگ سکتے ہیں۔''

واقعی بس جس رفتار سے جا رہی تھی، اتنی رفتار سے تو میں بھی دوڑ سکتا تھا اور ہر آدمی کو دیکھ کر بس تھوڑا ابھر بلاوجہ رفتار اور سست کر دیتا تھا۔ اس امید میں کہ شاید پیدل چلنے والا بس میں سوار ہو جائے مگر اکثر لوگ ہوشیار ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اس رفتار سے ویسے بھی چل رہے ہیں، پیدل چلنے سے صحت بنے گی اور پیسے بھی بچ جائیں گے۔ مسافروں کے شور کرنے پر ڈرائیور رفتار ذرا تیز کرتا تھا اور چند منٹ بعد پھر وہی کچھوے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی چال پر آ جاتا تھا۔ مجھے وطنِ عزیز کی کوچز اور بسیں یاد آئیں۔ جن کے ڈرائیوروں کی عجلت سے لگتا تھا کہ قیامت آ گئی ہے اور ان کو بروقت میدانِ حشر میں پہنچنا ہے۔ میں ذرا دیر بعد اونگھنے لگا تھا۔ وسیم اور بیتو کو پیچھے نشستیں ملی تھیں۔ بس کے ہچکولے جھولے کا کام دے رہے تھے اس لئے میں سو ہی گیا۔ اچانک مجھے کسی نے ہلایا۔ یہ وہی خوف ناک زبان والا نوجوان تھا۔ اس نے مجھ سے گڑگڑا کر کے کچھ کہا اور میرے برابر سے ہو کر چلا گیا۔ بس رکی ہوئی تھی۔ شیروانی والے بزرگ نے فرمایا۔

''میاں، دلّی آ گیا ہے۔ اب کیا بس میں سونے کا ارادہ ہے؟''

''دلّی آ گیا۔'' میں نے بوکھلا کر کہا۔ ''ہمیں تو پہلے اترنا تھا۔''

''اب تو آ ہی گئے ہو۔'' وہ فرما کر بس سے اتر گئے۔ میں نے بیتو اور وسیم کو اٹھایا جو باقاعدہ خراٹے لے رہے تھے۔ شکر ہے کسی نے ہمارے بیگ نہیں اٹھائے تھے اور نہ ہی پولیس نے ہمیں اٹھایا تھا۔ ''دلّی آ گیا ہے۔''

وسیم نے انگڑائی لی۔ ''ہم نے غالباً پہلے اترنا تھا۔''

''جی مگر تینوں ہی گھوڑے گدھے بیچ کر سوتے رہے شکر ہے پولیس سب کو ایک لاٹھی سے ہانک کر نہیں لے گئی۔''

''رات کہاں رکیں گے؟'' وسیم پریشان ہو گیا تھا۔

''پہلے بس سے تو باہر تشریف لائیں، اس کے بعد سوچتے ہیں۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

ہم بیگز لے کر باہر آئے۔ یہ بیگز ہمارے حلیوں سے میل نہیں کھا رہے تھے مگر وہاں توجہ دینے والا تھا ہی کون؟ کچھ دور گئے ہوں گے تو بس اڈے کے ٹیکسی والے حصے میں وہی شیروانی والے بزرگوار دکھائی دیئے۔ میں نے وسیم اور بیتو سے رکنے کو کہا اور ان کی طرف لپکا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ رہے تھے۔

''بزرگو، ذرا سنئے گا۔''

وہ رک گئے۔ ''میاں، تم..... خیر کہو۔''

''ہم دلّی میں نئے ہیں، کیا آپ کسی سستے اور مناسب ہوٹل کا بتا سکتے ہیں جہاں ہم رات گزار سکیں۔''

''نہیں میاں، ہم نہیں جانتے۔'' انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

''ارے میاں، سردار سنگھ کے ہوٹل چلے جاؤ۔'' ٹیکسی ڈرائیور جو غور سے سن رہا تھا، بولا۔ ''اس سامنے والی سڑک پر فرلانگ بھر دور ہے۔''

''شکریہ بھیا!'' میں نے کہا اور واپس آیا۔ وسیم اور بیتو ایک بینچ پر بیٹھے تھے۔ یہ دلّی کا مرکزی بس ٹرمینل تھا اور مرکزِ شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے ان دونوں کو سردار سنگھ کے ہوٹل کے بارے میں بتایا، ہم نے بیگز اٹھا کر پیدل مارچ شروع کر دیا۔ دو آدمیوں سے پوچھ کر ہم سردار سنگھ کے ہوٹل جا پہنچے۔ یہ تین منزلہ معمولی سا ہوٹل تھا۔ سردار سنگھ خود کاؤنٹر پر براجمان تھا۔

''ست سری اکال!'' اس نے ہمیں دیکھتے ہی ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''سردار جی، ہمیں رات بھر کے لئے کمرے چاہئیں۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی، کمرے ہی کمرے ہیں۔'' اس نے پھر ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''کتنے چاہئیں؟''

''فی الحال تو تین کافی ہیں بعد میں ضرورت ہوگی تو اور لے لیں گے۔''

''اور کمرے، وہ کس کے لئے؟''

''یہ میرا بھائی ہے۔'' میں نے وسیم کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے لئے لڑکی دیکھنے آئے ہیں۔ ممکن ہے مل جائے تو اس کے لئے بھی کمرا چاہئے ہوگا۔''

''کڑی..... یعنی بچی!'' اس نے غور کیا۔ ''پر بچی کے لئے الگ کمرے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت ہے، ہمارے ہاں رواج ہے لڑکی اور ''ہ'' گ۔ الگ کمرے میں رہتے ہیں۔''

''الگ الگ۔'' سردار سنگھ نے مزید غور کیا۔ ''پر دوسرے معاملات ..... اوہ میرا مطلب ہے، ہی.....''

''دوسرے معاملات کی فکر نہ کریں، فی الحال تو تین کمرے بک کر لیں۔''

''نام بتائیں جی.....''

''میں امیر چند اور یہ فقیر چند!'' میں نے وسیم کی طرف اشارہ کیا۔

''اور یہ.....؟'' سردار سنگھ نے بنتو کے بارے میں پوچھا۔

''یہ وزیر چند ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہمارا سب سے چھوٹا بھائی۔''

''اچھا!'' سردار سنگھ نے مشکوک نظروں سے بنتو کو دیکھا جو ابھی ہمارا پرائی نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے ہمارے نام لکھے اور ولدیت میں راج چند لکھ دیا۔ ''یہ رہیں چابیاں!''

''ہم نے رات کا کھانا نہیں کھایا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا ''کھانے میں خیال رکھنا۔ ماس کھانا بھی پاپ سمجھتے ہیں۔''

''نہ کھانا مہا پاپ سمجھتے ہیں۔'' وسیم نے آہستہ سے کہا۔

''کیا کہا؟'' سردار سنگھ نے پھر غور کیا۔

''کچھ نہیں۔'' وسیم نے کہا۔

اوپر آ کر اس نے مجھ سے شکوہ کیا۔ ''میں آپ کا دست راست ہوں۔ آپ مجھے وزیر چند بھی بتا سکتے تھے۔''

''بس فوری طور پر یہی نام آئے۔''

''سب قسمت کی بات ہے۔'' بنتو نے دانت نکالے۔ ''ہمارا صورت بھی وزیر جیسا ہے۔ اگر کہیں سے سردار ہوتا تو ہم وزیر ہوتا۔''

''فی الحال تم صرف برطرف وزیر ہو۔'' وسیم نے جھنا کر کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بنتو نے حیرت سے میری طرف دیکھا کہ وسیم کو کیا ہو گیا ہے، میں نے اس کا شانہ تھپکا۔

''فکر مت کرو۔ ہم ایک دوسرے سے ایسے ہی لڑتے جھگڑتے ہیں اور کچھ دیر بعد پھر ایک ہو جائے گا۔ چلو اپنے کمرے میں جاؤ۔''

مجھے ساجدہ اور کمار کی فکر ہو رہی تھی۔ کمرے میں ٹی وی تھا اس لئے میں نے جاتے ہی ٹی وی آن کیا اور نیوز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے چینل دیکھنے لگا۔ بالآخر مجھے دلّی پولیس کمشنر کی کزن ایشا اور اس کے شوہر کی ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹنے اور قید کیے جانے کی خبر دکھائی دی۔ کیمرا اسی اسٹور روم کو دکھا رہا تھا جہاں ہم نے ان کو بند کیا تھا اور ایک رپورٹر اس طرح رپورٹ کر رہا تھا کہ ڈاکٹر اور اس کی بیوی اگر کچھ دیر اور آزاد نہ ہوتے تو نہ جانے ان پر کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی۔ آنند ورما اور ایشا کے انٹرویوز بھی تھے۔ جن میں آنند ورما نے اپنی رہائی کی جدوجہد فلمی انداز میں بیان کی تھی اور ہمیں بڑھا چڑھا کر خوف ناک قسم کا آتنک وادی یعنی دہشت گرد قرار دیا تھا۔ اس نے تفصیل سے پولیس کو ہمارے حلیوں اور عزائم سے آگاہ کیا تھا کہ ہم پوری طرح مسلح تھے اور دہشت گردی کی کوئی واردات کرنے نکلنے جا رہے تھے۔ اس کے بعد دلّی کے پولیس کمشنر کے کچھ تاثرات تھے۔ اس نے روایتی انداز میں کہا کہ ہمیں دہشت گردی کی کوئی کارروائی کرنے نہیں دی جائے گی اور ہمیں جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ یہ روایتی بیان نہیں تھا، کم سے کم نکلنے جانے والے راستوں پر ہماری لینڈ کروزر کو شدومد سے تلاش کیا جا رہا ہو گا۔ قابل اطمینان بات کسی خبر میں سادھنا یا کمار کا ذکر نہ ہونا تھا۔ اگر وہ پکڑے جاتے تو آنند ورما اور ایشا کے حوالے سے ان کا نام لازماً ٹی وی پر آ جاتا۔ ابھی میں خبر دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے ٹی وی بند کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔ "آ جاؤ۔"

"ڈبل سردار یعنی سردار سنگھ اندر آیا۔ وہ کسی قدر بدحواس ہو رہا تھا۔ "جی آپ کے آتے ہی مسئلہ ہو گیا ہے۔"

"کیا ہوا سردار جی؟"

"نیچے پولیس آئی ہے۔" اس نے انکشاف کیا۔ "وہ سارے مسافروں کو چیک کرنا چاہ رہی ہے۔"

"تو کرا دو۔" میں نے اپنی اضطراری حالت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیسے کرا دوں۔ آپ کے ساتھ بلاوجہ میں بھی مارا جاؤں گا۔"

"یہ تو ہے، تب کیا کریں؟"

"ابھی تو ان ماں کے....." سردار جی نے روانی میں گالی دی۔ "چائے بسکٹ میں لگا کر آیا ہوں۔"

"یار، اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے، صاف انکار کر دو۔"

"انکار کیسے کر دوں، وہ رجسٹر دیکھ چکے ہیں۔"

"ہم کمرے لاک کر دیتے ہیں۔ تم کہہ دینا کہ ہم سیر و تفریح کے لئے باہر گئے ہیں۔"

"یہی کرنا پڑے گا۔" سردار جی نے کہا اور پھر اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ "واہ گرو کی۔ سردار سنگھ جب کوئی غلط کام کرتا ہے، موقع پر ہی پکڑا جاتا ہے۔"

"حوصلے سے کام لو اور ڈٹ کر پولیس والوں کا سامنا کرو۔ تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو، ایک ہوٹل کے مالک ہو۔"

"اچھا جی!" اس نے سوچ کر کہا۔ "میں یہی کرتا ہوں ان حرام زادوں کی تو....." سردار جی نے جاتے جاتے ایک اور گالی دی۔

خطرے کی گھڑی سر پر آ گئی تھی۔ اگر پولیس والے اوپر آ جاتے اور ہمارے سامان کی تلاشی لینے پر تل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے تو پھر مسئلہ بن جاتا۔ ہمارے پاس خطرناک قسم کا اسلحہ تھا۔ میں نے وسیم کے کمرے کا رخ کیا اور بنتو کو بھی وہاں بلا لیا۔ دونوں کو مختصر حالات سے آگاہ کیا۔ بنتو پریشان ہو گیا۔ "اب کیا کریں؟"

"تم کیا کہتے ہو؟"

"کسی کی جیسی ان پولیس والوں کی۔" وسیم نے جواب دیا۔ "ہم نے کسی صورت پولیس کے ہاتھ نہیں آنا۔"

"گڈ، میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "اب پلان یوں ہے کہ پولیس آ گئی تو ہم یہاں سے نکل کر الگ ہو جائیں گے اور پھر سب سیدھے ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم نمبر چار پر ملیں گے۔"

"الگ الگ کیوں جی؟" بنتو پریشان ہو گیا تھا۔

"تاکہ سب ایک ساتھ نہ پکڑے جائیں؟" میں نے کہا۔

وسیم نے بنتو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "ننھے بچے تم ---- اپنے ننھے سے دماغ پر زیادہ زور مت ڈالو اس کام کے لئے ہم ہیں نا۔"

"میرے پاس بھی بدھی ہے۔" بنتو نے خفگی سے کہا۔

"تبھی تم بدھو نظر آتے ہو۔"

"بدھو آپ خود ہو گے۔" بنتو مزید خفا ہو گیا۔

"اوہ بھائیو، ابھی لڑنے کا وقت نہیں ہے۔ کسی وقت بھی پولیس آ جائے گی اس لئے تیار ہو جاؤ، ہمیں رقم آپس میں بانٹ لینی چاہئے۔"

میں نے بقیہ تقریباً دو لاکھ روپے مساوی حصوں میں تقسیم کرنا چاہے مگر وسیم اور بنتو نہیں مانے تھے اس لئے میں نے دس دس ہزار ان کے حوالے کئے۔ ابھی میں نے یہ کام کیا تھا کہ باہر گیلری سے شور سنائی دیا۔ "دروازہ کھولو۔" کسی نے گرج کر کہا۔

"اوئے تم لوگ میرا دھندا چوپٹ کر دو گے۔" سردار سنگھ نے فریاد کی۔ "میں پولیس کمشنر سے شکایت کر دوں گا۔"

"چپ کر پولیس کمشنر کی اولاد!" کسی نے ایک بنا خاسا بجا کر کہا۔ امکان یہ تھا کہ بنا خا سردار سنگھ کی گدی پر بجایا گیا تھا۔

"مارتے کیوں ہو؟" سردار سنگھ نے بلبلا کر کہا، وہ پولیس والوں کو روکنے میں ناکام رہا تھا۔

"میرا خیال ہے پولیس والے میرے کمرے کے سامنے ہیں۔" میں نے کہا۔ "اس کمرے تک آتے آتے دیر لگے گی۔ اس سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"کیسے؟" وسیم نے کہا اور کھڑکی سے جھانکا۔ تین منزل سے نیچے اترنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ یہ حصہ ایک گلی میں کھل رہا تھا۔ میں نے نیچے دیکھا اور اپنے سوزے میں اڑسا وہ خنجر نکالا جو میں نے راج کے بونے سے حاصل کیا تھا۔ میں نے بیڈ کی چادر اتاری۔

"اسے پکڑو، وسیم دروازہ اندر سے بند کر لو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو نے چادر پکڑی اور میں نے خنجر سے اس کی پٹیاں کاٹنا شروع کیں۔ وسیم نے اندر سے دروازہ بند کیا اور کٹنے والی پٹیوں کو جوڑ کر رسی بنانے لگا۔ اتفاق سے بیتو کا بیگ بھی اس کمرے میں تھا، اس نے اپنا اور وسیم نے اپنا بیگ شانوں پر لٹکایا۔ پہلے بیتو نیچے گیا کمرے میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جس سے رسی باندھی جاتی اس لئے میں رسی تھامے رہا۔ وسیم نے نیچے جانے سے پہلے کہا۔ ''آپ کیسے آئیں گے؟''

''تم نیچے جاؤ، میں کچھ کرتا ہوں۔'' میں نے کہا جیسے ہی وسیم کے قدم نیچے پہنچے وسیم کے کمرے کے تالے میں چابی گھومی مگر اندر سے کنڈی بھی لگی تھی۔

''اندر کوئی ہے۔'' باہر سے کسی نے کہا اور گرج دار آواز والے نے اسے دروازہ توڑنے کا حکم دیا۔ دروازے پر پے در پے ضربوں کے ساتھ سردار سنگھ کا واویلا سنائی دیا۔

''چپ کر سکھ کی اولاد!'' گرج دار آواز والے نے ایک بنا خا اور بجایا۔ ''یہ جو مشین گن نکلی ہے، اس کا جواب ٹو دے گا اگر وہ ہاتھ نہ آئے تو..... دروازے کی نہیں اپنی فکر کر۔''

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کوئی چیز نہ پا کر لوہے کا بیڈ گھسیٹا اور اس کے پائے سے رسی باندھی۔ پے در پے ضربوں سے دروازہ لرزنے لگا تھا۔ میں نے نیچے کی طرف چھلانگ لگائی اور رسی سے اترنے کے بجائے اسے تھام کر پھسلتا ہوا نیچے گیا۔ اس روز مجھے ہائیکنگ کی مشق کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ میں آرام سے نیچے جاتا اور راستے میں مارا جاتا کیونکہ اِدھر میں نے زمین پر پاؤں رکھا اور اُدھر ایک پولیس والے نے اوپر سے جھانکا اور چلایا۔ ''وہ رہے..... بھاگ رہے ہیں۔''

میں نے جیسے ہی رسی چھوڑی وسیم نے لائٹر سے اسے آگ دکھائی اور ریشمی چادر دھڑ ادھڑ جلنے لگی تھی، اوپر سے ایک پولیس والا جو رسی کے ذریعے نیچے آ رہا تھا، آگ دیکھ کر بدحواسی میں اوپر جانے کی کوشش کرنے لگا مگر اس چکنی رسی سے اوپر جانا ممکن ہی نہیں تھا۔ میں، وسیم اور بیتو عقبی حصے کی طرف بھاگے۔ عقب سے پولیس والا چیخ مار کر زمین پر آ گرا تھا۔

''اس طرف کہاں جا رہے ہیں؟'' وسیم نے پوچھا۔

''سامنے پولیس ہوگی۔'' میں نے کہا اور رکوع کے انداز میں جھک گیا۔ ''جلدی سے اوپر چڑھ جاؤ۔''

وسیم نے قدم رکھا اور دیوار پر چڑھ گیا۔ ''اس طرف تو کوئی گھر ہے۔''

''کود جاؤ۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''بیتو جلدی کرو۔''

بیتو پہلے ہی میرے اوپر پاؤں رکھ کر چڑھ چکا تھا۔ میں سیدھا ہوا، دو قدم پیچھے سے بھاگ کر چھلانگ لگائی اور میرے ہاتھ دیوار کے سرے پر جم گئے۔ وسیم اور بیتو نے مشترکہ طور پر مجھے کھینچ لیا۔ یہ چھوٹا سا غریبانہ سا گھر تھا۔ ہم تینوں اندر کود گئے۔ ایک کمرا تھا اور اس کے ساتھ پتلی سی گلی تھی۔ سامنے والے حصے سے کوئی عورت چلانے لگی۔ ''کون حرام کا جنا ہے؟''

''مارے گئے۔ یہ الارم تو سارے محلے کو بتا دے گا گڑبڑ کہاں ہے؟'' وسیم بولا، ہم پتلی سی گلی سے گزر رہے تھے اور جب سامنے آئے تو چار دیواری والے غسل خانے سے خاتون محض تولیا باندھ کر برآمد ہو رہی تھی، میں ایک جست میں اس کے سر پر جا پہنچا اور خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چپ کر..... اب کے آواز نکلی تو گلا کاٹ دوں گا۔''

عورت نے صحیح سے تولیا باندھا بھی نہیں تھا مارے خوف کے وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے لاحول پڑھی اور جلدی سے تولیا اٹھا کر عورت کو دیا، اس نے لرزتے ہاتھوں سے اسے باندھ لیا۔

''اس طرف سے باہر جانے کا راستہ کس طرف ہے۔''

''اس..... دروازے سے نکل جاؤ۔'' عورت نے کہا۔

''اس علاقے سے نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟''

''سامنے سے نکل جا..... دائیں طرف والی گلی میں مڑ جانا، آگے جا کر وہ بڑی سڑک ملے گی۔'' عورت کو اب ذرا اطمینان تھا کہ ہم اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے نہیں آئے تھے۔ اسی لمحے اندر سے کوئی مرد نشے میں بولا۔

''کدھر ہے تُو، میں نے پورا سو روپیا دیا ہے، اِدھر آ۔''

اپنا پول کھل جانے پر عورت کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ وہ اچھی، جوان اور دلکش عورت تھی جو نہ جانے کس وجہ سے اس پیشے میں تھی۔ ہم تینوں دروازہ کھول کر خاموشی سے باہر نکل آئے۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ کچھ کچی بستی ایسی آبادی تھی۔ ٹین کی شیٹوں سے بنے مکانات اور ٹیڑھے میڑھے راستے۔ گلی میں ایک جوانی میں بوڑھی ہو جانے والی عورت بیڑی پی رہی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھ کر بلند آواز کہا۔ ''آج تو اس حرام جادی کا جیک پاٹ لگا ہے..... تین، تین!''

اس کے پاس سے گزرے تو چرس کی تیز بو آئی تھی۔ ہم تیز قدموں سے روانہ ہوئے تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''ہمیں حلیہ بدلنا ہوگا۔''

''کہاں، ادھر گلی میں؟'' بیتو نے پوچھا۔

''تم بدل لو۔ ہم ہیں ذرا شرم وحیا والے۔''

میں نے ایک دروازے سے نکلنے والے بوڑھے سے زبردستی بغل گیر ہو کر کہا۔ ''اور چاچا، لونڈا اندر ہے؟''

''کون لونڈا؟'' اس نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''اندر تو کوئی نہیں ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' میں نے بڑے میاں کی گردن پکڑ لی اور اسے اندر لے گیا۔ ''آواز نہ نکلے ورنہ گلا کاٹ دوں گا۔'' میں نے خنجر لہرایا تو وہ رضا کارانہ طور پر بے ہوش ہو گیا ورنہ میں نے ہاتھ پاؤں باندھنے کا سوچا تھا۔ ''لو بھئی، جگہ بھی مل گئی، اب جلدی سے کپڑے بدلو۔''

میں نے بیتو کے ساتھ مل کر منہ دوسری طرف کیا اور وسیم نے کپڑے بدلے۔ پھر بیتو نے، میں نے وسیم کا ٹراؤزر اور قمیص لی جو کسی قدر تنگ تھی۔ مگر کام چل رہا تھا، میرا بیگ تو مع یوزی کے ہوٹل میں رہ گیا تھا۔ بیتو نے مشورہ دیا۔ ''ہمیں کچھ دیر یہاں رکنا چاہئے اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دینے چاہئیں، ورنہ ممکن ہے ہوش میں آ کر وہ شور مچا دے۔''

ہم نے بیتو سے اتفاق کیا اور اتفاق رائے کے اس عمل میں بیتو اور وسیم کے درمیان ہلکی سی جھڑپ ہوئی تھی۔ یہ ایک کمرے کی کھولی تھی۔ ''کوئی آ گیا تو.....؟''

''تو میں چاچا کا بھتیجا بن جاؤں گا۔'' بیتو بولا۔

اسی لمحے باہر سے دوڑنے اور چلانے کی آواز آئی۔ ''وہ ادھر سے گزرے ہیں۔'' گرج دار آواز والے نے کہا۔ ''ہر گھر کی تلاشی لو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جناب! وہ گھروں میں کیوں گھسیں گے۔'' کسی اور پولیس والے نے اپنے افسر اعلیٰ سے اختلاف کیا۔

''وہ بھاگ گئے ہیں ہمیں ان کو پکڑنا چاہئے۔''

''تو پکڑو میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔''

''اگر اس نے تلاشی لے لی تو ہم پکڑے جائیں گے۔'' میں نے دروازے کی جھری سے جھانکنے کے بعد سرگوشی کی۔

''ہمیں باہر دیکھنا چاہئے۔'' بیتو بولا۔ ''ورنہ پولیس شک کرے گی، اس وقت سب باہر جھانک رہے ہوں گے سوائے اس بڈھے کے۔''

''جیتے رہو برخوردار! میرا ساتھ ملتے ہی کتنی عقل مندانہ باتیں کرنے لگے ہو۔'' وسیم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''باہر بھی تم دیکھو۔''

''مگر اس طرح مت جھانکنا کہ اہل محلہ تمہاری صورت دیکھ لیں۔''

بیتو نے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ ''پولیس ہے۔''

میں نے ذرا اوپر سے دیکھا۔ ایک موٹا سا سیاہ فام پولیس انسپکٹر کھڑا تھا۔ غالباً وہی گرج دار آواز والا تھا، وہ پستول لہرا لہرا کر اپنے ماتحتوں کو حکم دے رہا تھا کہ اُدھر دیکھو اور اِدھر دیکھو۔ گلیوں کی ناکا بندی کر دو۔ اب مجھے بھی تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ اگر پولیس نے گھیرا ڈال کر تلاشی لینے کا فیصلہ کر لیا تو ہم مارے جائیں گے۔ اس بھول بھلیوں جیسے علاقے کے راستوں سے بھی واقف نہ تھے۔ اس کھولی سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا۔

''اگر پولیس نے تلاشی لی تو ہمارے پاس نکلنے کا راستہ بھی نہیں ہے۔'' وسیم نے گھبرا کر کہا۔ میں نے کوٹھری کی عقبی دیوار دیکھی۔ یہ کچی مٹی سے اٹھی تھی۔ میں نے خنجر سے اس پر ضرب لگائی تو خشک مٹی کا ایک ٹکڑا نیچے گرا تھا۔ میں نے مزید ضربیں لگائیں اور مٹی کا خاصا حصہ نیچے گرا۔ اس کے بعد کی دیوار ذرا نم تھی۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ آواز نہ نکلے ورنہ مشکل ہوتی۔ تقریباً دس منٹ بعد دیوار میں سوراخ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی بدبو کا ایک بھبکا آیا تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو دوسری طرف ایک لیٹرین پایا تھا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''اس طرف تو لیٹرین ہے۔''

بیتو دروازہ بند کر کے آیا۔ ''پولیس نے گلی کے سب مکینوں کو باہر آنے اور گھروں کی تلاشی لینے کا حکم دیا ہے۔''

''ہمیں اس طرف سے نکلنا ہوگا۔'' میں نے بیتو کو بتایا۔ اس نے دوسری طرف جھانکا۔

''اتنی بدبو!''

''یہ لیٹرین ہے۔'' وسیم بولا۔ ''اب باقی سوراخ تم کرو گے۔''

بیتو بادل ناخواستہ خنجر سنبھال کر دیوار کا سوراخ بڑا کرنے لگا۔ باہر لوگوں کے شور کے اندازہ ہو رہا تھا کہ پولیس ان کو زبردستی گھروں سے نکال رہی تھی۔ کسی نے کھولی کا دروازہ توڑنے کی نیت سے بجایا۔ ''باہر آؤ۔''

''کون ہے جی!'' میں نے بوڑھے کی طرح لرزتی آواز نکالی۔

''پولیس..... باہر آ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آیا جی..... کپڑے پہن لوں۔''

بیتو کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ فٹ بھر کا سوراخ ہو گیا تھا۔ میں بلاوجہ سامان اِدھر اُدھر کرنے لگا تاکہ آواز باہر نہ جائے۔ ایک ٹین کی پیٹی تھی۔ میں نے اسے گھسیٹ کر سوراخ کے سامنے کیا۔ سوراخ جیسے ہی اتنا ہوا کہ بیتو باہر جا سکے تو وہ گزر گیا۔ اس نے دوسری طرف سے جا کر کھدائی شروع کر دی۔ پھر وسیم کسی نہ کسی طرح گیا۔ ان کے بیگ دے کر میں بھی سوراخ سے گزرا اور جست کی پیٹی کھینچ کر کسی نہ کسی طرح سوراخ کے سامنے کر لی تھی۔ اب ہم باتھ روم میں اس طرح کھڑے تھے کہ سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا۔ ایک وجہ تو بدبو تھی اور دوسری وجہ جگہ کی تنگی تھی۔

''جناب! کب تک یہاں رکنا ہے؟'' بیتو نے سرگوشی میں پوچھا۔

میں لیٹرین کے باہر کس سن گن لے رہا تھا فی الحال خاموشی تھی۔ ''نکلو..... مگر بے آواز۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' وسیم نے بے بسی سے کہا۔ ''باہر سے دروازہ بند ہے۔''

''مارے گئے۔'' میں کراہا۔ ''پولیس نے نہ بھی مارا تو اس بدبو سے میرا انتقال ہو جائے گا۔''

''تینوں مل کر زور لگاتے ہیں، کمزور سا دروازہ ہے۔'' بیتو نے تجویز دی۔

ہم سب نے مل کر زور لگایا مگر دروازہ اتنا کمزور بھی نہیں تھا۔ اس نے ہلنے سے انکار کر دیا اور ہم زوردار حملہ کرتے تو آواز بھی زوردار ہوتی جو سب سے پہلے پولیس والوں کو متوجہ کرتی۔ میں نے غور کیا اور بیتو سے خنجر مانگا۔ جس طرف کنڈی لگی تھی، اس طرف چوکھٹ کی لکڑی مسلسل پانی گرنے سے پھول گئی تھی۔ میں نے خاصے مشکل زاویے سے اس پر خنجر کی نوک سے وار شروع کئے۔ لکڑی کی کھپچیاں نکلنے لگیں۔ پے در پے وار کر کے میں نے کنڈی والے حصے تک رسائی حاصل کر لی۔ ویسے بھی چوکھٹ تین انچ چوڑی تھی۔ ایک بار کنڈی والا حصہ کمزور ہوا تو ہمارے زور لگاتے ہی نکل گیا تھا۔ کھلی فضا میں آ کر سب نے سکون کا طویل ترین سانس لیا۔ اب عقبی طرف سے شور سنائی دے رہا تھا۔

''اجی بڈھے نے کہا تھا کپڑے بدل رہا ہے۔'' دروازہ بجانے والے سپاہی نے شور کیا۔

''دروازہ توڑ دو۔'' انسپکٹر نے اپنی گرج دار آواز میں کہا۔

یہ مکان خالی اور ویران لگ رہا تھا۔ سامان برائے نام تھا اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا۔ ''شاید یہاں کوئی نہیں رہتا۔'' بیتو نے دائیں بائیں دیکھا۔

''تو کیا تمہارا آباد ہونے کا ارادہ ہے؟'' وسیم نے اسے گھورا۔ ''اب نکلنے کی کرو۔''

''بیگ خطرناک ہوں گے۔'' میں نے صحن کے عین اوپر چمکنے والے چودھویں کے چاند کی روشنی کی طرف دیکھا۔ ''ایسا کرو کہ گرم چادر اوڑھ کر اور ان میں بیگ چھپا کر نکلتے ہیں۔''

''اب ہمارا الگ ہونا ضروری ہو گیا ہے۔'' وسیم نے تجویز دی۔ ''یہاں سے الگ الگ نکل کر نئی دلی ریلوے اسٹیشن پر جمع ہوتے ہیں۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ بیتو اور وسیم اپنی گرم چادریں اوڑھ کر دائیں بائیں سے رخصت ہو گئے اس وقت بڈھے کی کھولی کا دروازہ توڑ کر اس سے پوچھ گچھ کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی پھر کسی نے زور سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوئے بڈھا تو مر گیا ہے۔"

مجھے افسوس ہوا، غالباً خوف کی وجہ سے اس کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ میں نے بھی باہر نکل کر دائیں طرف چلنا شروع کر دیا۔ ابھی ان گلیوں تک پولیس نہیں آئی تھی اور خوش قسمتی سے یہ گلی بہت دور تھی، اس لئے یہاں تک پولیس دیر سے آتی۔ وہ ہمیں سامنے تلاش کر رہی تھی۔ بارہ بجے کے وقت ان گلیوں میں سناٹا تھا۔ یہاں بجلی تھی مگر لوگوں نے غیر ضروری روشنی سے گریز کیا ہوا تھا۔ مگر پورے چاند کی وجہ سے تاریکی نہیں تھی۔ جیسے جیسے میں اس علاقے سے دور ہوتا جا رہا تھا، مجھے اطمینان ہو رہا تھا۔ بالآخر میں ایک بڑی سڑک کے کنارے جا پہنچا۔ مجھے اس کا نام بھی پتا نہیں تھا۔ سامنے سے آتے آٹو رکشا کو روک کر میں نے اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پہلے کسی رات کے وقت کھلے رہنے والے بڑے شاپنگ اسٹور کی طرف چلو۔"

"اور اس کے بعد صاحب؟" اس نے رکشا آگے بڑھایا۔

"نئی دلی اسٹیشن جانا ہے۔"

"اتنی رات کو کہاں جاؤ گے صاحب!" باتونی رکشا والے نے سوالات شروع کر دیئے۔

"چلا جاؤں گا تمہیں کیا فکر ہے؟" میں نے چڑ کر کہا۔

"فکر ہے نا صاحب! ادھر رات کو مسلمان مل جائے تو پولیس اس سے بہت سوال کرتی ہے اور ذرا سا شک ہونے پر ساتھ لے جاتی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں مسلمان ہوں؟"

وہ ہنسنے لگا۔ "لو جی مسلمان تو لہجے سے پہچانا جاتا ہے۔ آپ تو مجھے پاکستانی لگتے ہو۔"

"نہیں۔" میں یک دم محتاط ہو گیا۔ "میں لکھنؤ میں رہا ہوں، پاکستانی نہیں ہوں۔"

"میں مسلمان ہوں صاحب، مجھ سے مت چھپاؤ، اگر کوئی مسئلہ ہے تو؟" اس نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "رکشا چلاؤ، باتیں مت کرو۔"

وہ چپ ہو گیا۔ بیس منٹ کے بعد اس نے رکشا ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے روکا۔ یہ کناٹ پلیس کا علاقہ تھا۔ رکشے والے نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا کہ پاکستانی یہاں اپنے لہجے سے پہچانے جاتے ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب عوامی جگہوں پر انگریزی سے کام چلاؤں گا۔ اندر میں نے ملبوسات والے حصے کا رخ کیا اور وہاں دو عدد سوٹ خریدے، اس کے بعد ایک کرتہ پاجامہ اور ایک عدد چادر لی۔ سوٹ کے ساتھ میچنگ کی ٹائی اور جوتے موزے بھی لئے۔ ایک سلیپر اور ایک عام چپل لی۔ اس کے علاوہ پرس اور گھڑی لی۔ چیزیں رکھنے کے لئے ایک عدد سوٹ کیس لیا۔ اب میں ہر طرح سے مسافر لگ رہا تھا۔ بھوک سے میرا برا حال تھا اس لئے اسٹور کے کیفے ٹیریا سے برگر اور کافی لی۔ یہ سارا کام میں نے مشکل سے آدھے گھنٹے میں کیا اور واپس رکشے والے کے پاس آیا۔ وہ اونگھ رہا تھا۔ میں سوٹ میں اور سوٹ کیس سمیت سوار ہوا تو اس نے چونک کر کہا۔

"صاحب رکشا انگیج ہے۔"

"میں وہی ہوں یار، اب چلو۔"

وہ شرمندہ ہوا۔ "معاف کرنا صاحب، میں اونگھ گیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی بات نہیں۔ بس رکشا چلاتے ہوئے مت سو جانا۔''

ریلوے اسٹیشن وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اسٹیشن پر اتر کر میں نے اسے کرایہ اور ٹپ دی تو وہ خوش ہو گیا تھا۔ میں نے ایک قلی سے پلیٹ فارم نمبر چار کا پوچھا۔

''ادھر کیا کرے گا صاحب! کلکتہ جانے والا گاڑی تو صبح پانچ بجے آئے گا۔''

''میں جلدی آ گیا ہوں۔''

''صاحب ادھر فرسٹ کلاس کا ویٹنگ روم ہے نا۔''

''نہیں، وہاں کچھ جاننے والے ملیں گے۔'' میں نے کہا۔

''اس راستے سے چلے جاؤ۔ اوپر برج سے نمبر دیکھتے رہنا۔''

میں برج پر گیا۔ وہاں سے پلیٹ فارم نمبر چار تک رسائی آسان ثابت ہوئی۔ اس وقت پلیٹ فارم واقعی سنسان تھا۔ وہاں سوائے چند سوتے قلیوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ مجھے وسیم اور بیتو بھی دکھائی نہیں دیئے تھے۔ وہ شاید آئے نہیں تھے یا کسی کونے کھدرے میں دبکے تھے۔ میں ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا، وہاں پولیس یا ریلوے پولیس کا کوئی اہلکار نہیں تھا۔ دس منٹ بعد مجھے ایک طرف سے وسیم آتا دکھائی دیا۔ وہ اکیلا اور محتاط تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور اردگرد کا جائزہ لیا۔ اسے شک تھا کہ آس پاس پولیس یا کوئی اور نہ ہو جو ہماری تاک میں ہو۔ جب اسے اطمینان ہو گیا تو وہ میری طرف آیا۔

''آپ کے بارے میں مجھے امید تھی، آپ سب سے پہلے آئیں گے، میں ابھی پہنچا ہوں۔''

''بیتو کے بارے میں کوئی خبر؟''

''میں نے اسے آخری بار وہاں سے روانہ ہوتے دیکھا تھا۔'' وسیم بھی میرے برابر میں بیٹھ گیا۔ ''آپ نے یہاں سے نکلنے کے بارے میں کیا سوچا۔ اب تو پولیس باقاعدہ ہمارے پیچھے لگ چکی ہے۔''

''ایک قلی بادشاہ نے اطلاع دی ہے، اس پلیٹ فارم سے کلکتہ ایکسپریس روانہ ہو گی صبح پانچ بجے۔ میرا خیال ہے ہم اس میں نشستیں بک کرا لیتے ہیں۔''

''بیتو ابھی نہیں آیا ہے۔''

''اس کی بھی بک کرا لیتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ممکن ہے وہ کچھ دیر میں آ جائے۔''

میں اور وسیم مین پلیٹ فارم پر آئے جہاں بکنگ آفس تھا۔ وہاں بکنگ چوبیس گھنٹے ہوتی ہے۔ شکر ہے بکنگ کلرک نے صرف ناموں پر ٹکٹ بنا دیئے۔ بیتو کا نام میں نے ارجن کمار بتایا تھا۔ اپنا سریش کمار اور وسیم کا کبیر داس۔ وسیم اس دوران میں پھر چار نمبر پلیٹ فارم پر چلا گیا تاکہ وہاں بیتو آ جائے تو اسے ساتھ لے آئے۔ میں نے فرسٹ کلاس اے سی پارلر کا ٹکٹ لیا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک اسٹال سے چائے کے لئے کہا اور خود چار نمبر اسٹال پر آ گیا، وسیم اکیلا بیٹھا تھا۔

''بیتو کا کچھ پتا نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''ممکن ہے وہ آ رہا ہو، وہ اس جگہ سے اور شہری طور طریقوں سے ناواقف ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ممکن ہے اسے دشواری ہو رہی ہو۔ ویسے وہ ہوشیار آدمی ہے، مجھے امید ہے وہ نکل آئے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فرض کریں، وہ پکڑا گیا.....؟"

"تب بھی ہم اس کی مدد نہیں کر سکتے۔ اسے اپنی مدد آپ کرنا ہوگی۔ ہم صرف اپنی جان بچا سکتے ہیں۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "تم نے بھی یہی کرنا ہے۔ اگر میں پکڑا جاؤں، کسی ایک کو چھڑانے کے لئے کسی کو پکڑے جانے کا رسک نہیں لینا ہے۔"

ہم انتظار کرتے رہے۔ دو بجے اور پھر تین بج گئے مگر بیتو کا کہیں پتا نہیں تھا۔ مجھے بھوک نہیں تھی اس لئے میں نے صرف چائے لی۔ پیسٹری وسیم نے کھائی۔ "میں تو بھول گیا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔" اس نے پیسٹری کا ایک ٹکڑا کھاتے ہوئے کہا۔ "انڈیا میں ریل سسٹم اچھا ہے۔ کاش ہمارے ہاں بھی عوام کو اتنی سہولتیں دی جاتیں۔"

"ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے۔" میں نے سرد آہ بھری۔ چار بجے پلیٹ فارم پر ذرا چہل پہل ہونے لگی۔ ٹرین میں جانے کے لئے اکا دکا افراد آنے لگے تھے۔ یہ ٹرین امرتسر سے آ رہی تھی۔ ساڑھے چار بجے مسافروں کی خاصی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ روانگی سے بیس منٹ پہلے ٹرین پلیٹ پر لگی۔ بیتو نہیں آیا تھا، میں نے مایوسی سے کہا۔

"لگ رہا ہے، وہ کسی مشکل میں پڑ گیا ہے۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "اتنی دیر میں تو آدمی پیدل بھی آ جائے۔"

میرے اندر کش مکش بڑھنے لگی تھی۔ کچھ ہی عرصے میں مجھے بیتو سے ایسی انسیت ہو گئی تھی جیسی وسیم یا سفیر سے تھی۔ اگر وہ کسی مصیبت میں پڑ گیا تھا تو میرا دل اسے چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں تھا۔ جب ٹرین کی روانگی میں دس منٹ رہ گئے تو میں نے وسیم سے کہا۔ "یار، میں رک رہا ہوں، تم نکل جاؤ۔"

"اگر آپ رک رہے ہیں تو میں بھی....."

"نہیں، یہ میرا حکم ہے۔ میں بیتو کو تلاش کروں گا، ہم اگلی ٹرین سے آ جائیں گے۔"

"مگر....." اس نے کہنا چاہا۔

"اگر مگر چھوڑو..... تم وہاں جا کر روز صبح دس بجے دھرم تلہ میں ہمیں دیکھنا۔"

وسیم تذبذب میں تھا۔ "لیکن.....؟"

"آؤ۔" میں نے اپنا سوٹ کیس اور اس کا بیگ اٹھا لیا۔ "وہاں کسی ایسے ہوٹل میں قیام کرنا جو زیادہ نمایاں نہ ہو۔"

ہمارا اے سی پارلر کا ڈبا انجن سے تیسرے نمبر پر تھا۔ وسیم کے نہ چاہنے کے باوجود میں نے اسے زبردستی ڈبے میں سوار کرا دیا۔ اس کا ٹکٹ اس کے حوالے کیا۔ اس نے بے حد فکر مندی سے کہا۔ "میرا دل نہیں مان رہا۔"

"دل کو چھوڑو میری سنو، وہاں جا کر تم پیچھے فون کر کے راجا صاحب کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنا اور وہ یہاں ہوں تو ان سے رابطہ کرنا۔"

"اگر وہ مل جائیں تو؟"

"اس کے بعد ہمارا انتظار کرنا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے سمجھ لیا تھا کہ میں نہیں مانوں گا، اس نے سر ہلایا۔ "اگر راجا صاحب مل گئے اور میرے کاغذات بنوا دیئے تو میں آپ کی تلاش میں پھر آؤں گا۔"

"نہیں۔ وہیں انتظار کرنا، ممکن ہے دیر....."

"بیتو!" وسیم کا منہ کھل گیا۔

"اس کی وجہ سے میں رک رہا ہوں، اسے لے کر آؤں گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں..... جناب بیتو!" وسیم کی آنکھیں میرے عقب میں مرکوز تھیں۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ بیتو نے سیاہ رنگ کی چادر اوڑھی تھی جو زنانہ تھی کیونکہ اس کے کنارے کڑھائی والے تھے۔ بیتو وحشت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی اور اس کا بیگ بھی غائب تھا۔ میں نے اسے اشارہ کیا جو اس نے نہیں دیکھا، مجبوراً مجھے ذرا نمایاں ہونا پڑا اور اس بار بیتو نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ لپک کر میرے پاس آیا۔ "آپ یہاں..... جلدی سے نکل چلئے۔ پولیس میرے پیچھے ہے، میں زخمی ہوں۔"

"پولیس!" میں نے تشویش سے کہا اور اسے ڈبے میں کھینچ لیا۔ "ہم نے تو ٹرین کے ٹکٹ لے لئے ہیں۔"

"ٹرین چلنے والی ہے۔" وسیم نے وسل سن کر کہا۔

"اِدھر مت رکیں، یہاں سے چلیں ورنہ سب پکڑے جائیں گے۔" اس نے کہا۔

"فکر مت کرو۔" میں نے اسے شانے سے پکڑا۔ "فی الحال ٹرین محفوظ ہے۔"

ہم اندر اپنی نشستوں کی طرف آئے۔ اتفاق سے یہ نشستیں عقب میں باتھ روم کے پاس تھیں۔ میں نے بیتو کو کونے والی نشست کی طرف دھکیلا۔ اس نے خود کو چادر میں چھپا رکھا تھا۔ میں نے چادر ہٹائی تو اس کا بازو خون سے تربتر تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "لوہے کا پائپ لگا ہے۔ میں پولیس سے بچنے کے لئے بھاگ رہا تھا۔"

میں نے اس کی چادر کا ایک حصہ پھاڑ کر اس کے بازو سے باندھ دیا۔ "ہوا کیا تھا؟"

"ایک پولیس والا گلی سے میرے پیچھے لگ گیا تھا۔ جب میں ایک رکشے والے سے ریل اسٹیشن کی طرف چلنے کو کہہ رہا تھا تو اس نے مجھے رکنے کو کہا۔"

"اور تم بھاگ کھڑے ہوئے؟" وسیم بولا۔

"اور کیا کرتا۔" بیتو نے شرمندگی سے کہا۔

"احمق آدمی! پولیس والا رشوت کے چکر میں تمہارے پیچھے تھا۔ اسے کچھ رقم دے کر جان چھڑا لیتے۔"

"مجھے ان باتوں کا کیا پتا؟"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے کہا اور بیتو کی طرف دیکھا۔ "تم نے پھر کیا، کیا؟"

"میں بھاگا تو وہ بھی میرے پیچھے تھا۔ میں گلیوں میں بھاگتا رہا۔ دوڑنے میں وہ میرا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ جب وہ پیچھے رہ گیا تو میں نے پھر کسی گاڑی کی تلاش شروع کر دی۔ وہ عجیب سی جگہ تھی۔ سیاہ اینٹوں سے بنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی گلیاں تھیں۔ میں ان میں بھٹکتا پھر رہا تھا، ان میں نہ تو کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی، بس گلیاں تھیں۔ میں ایک چھوٹے سے صحن میں نکلا۔ اس میں ایک دروازہ تھا، میں نے جا کر اندر دیکھا۔''

بیتو بات کرتے کرتے رک گیا۔ اس کا سانولا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وسیم نے غور سے اسے دیکھا۔ ''کیا بات ہے برخوردار، اتنے لال نیلے کیوں ہو رہے ہو؟''

''جناب! وہاں لڑکیاں تھیں۔'' اس نے بمشکل کہا۔ ''وہ سب ننگی اور نشے میں تھیں۔ وہ ایسی حرکتیں کر رہی تھیں کہ.....'' بیتو کہتے کہتے رکا۔ ''میں وہاں سے بھاگ گیا تھا۔''

وسیم نے اسے ملامت سے کہا۔ ''بزدل..... لڑکیاں تمہیں کھا جاتیں؟''

''مجھے ویسے ہی لڑکیوں سے ڈر لگتا ہے، انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور چڑیلوں کی طرح شور مچاتی میرے پیچھے بھاگی تھیں۔''

''تم وہاں سے کیسے نکلے؟'' میں نے پوچھا۔

مگر اسی لمحے ٹرین کو جھٹکا لگا اور اس نے رینگنا شروع کر دیا۔ اے سی پارلر میں نصف کے قریب نشستیں خالی تھیں۔ ممکن ہے ان پر آگے سے کہیں بکنگ ہو۔ یہ تیز رفتار ٹرین تھی۔ مجھے بیتو کے زخم کی فکر ہو رہی تھی۔ میں اسے لے کر واش روم کی طرف آیا۔ وہاں ٹشو پیپر کا رول تھا اس سے اس کا زخم صاف کیا، یہ چار انچ لمبا اور کوئی نصف انچ گہرا زخم تھا۔ خون ابھی تک رس رہا تھا۔ میں نے بمشکل اس کی قمیص اتاری۔ خاصی کوشش کے بعد خون رکا تو اس کے بازو پر چادر سے پھاڑ کر نئی پٹی باندھی۔ جب ہم واپس آئے تو کئی مسافروں نے چونک کر دیکھا، ایک سو برس سے عمر رسیدہ شخص نے پوچھا۔

''اسے کیا ہوا؟''

''اسٹیشن آتے ہوئے حادثہ ہوا، بازو پر چوٹ لگی ہے۔''

''اوہ..... میں ڈاکٹر ہوں۔ اسے دیکھ سکتا ہوں۔''

میں خوش ہو گیا۔ ''کیوں نہیں سر!''

بوڑھے ڈاکٹر کا بیگ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بیتو کو اپنی برابر والی نشست پر بلا لیا۔ جب تک وہ اس کو دیکھتا رہا، میں نے بیتو کی خون آلود شرٹ دھو دی۔ یہ گہرے رنگوں والی تھی اس لئے معمولی سے داغ رہ گئے تو پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔ میں واپس آیا تو ڈاکٹر نے زخم صاف کر کے اس پر ٹانکے لگا دیئے تھے پھر اس پر زخم خشک کرنے والا پاؤڈر چھڑک کر اوپر چکنی پٹی کر دی۔ آخر میں اس نے بیتو کو دو عدد انجکشن لگائے۔ ایک اے ایس ٹی کا اور دوسرا کوئی اینٹی بایوٹک تھا۔ پین کلر گولیوں کی صورت میں دیں۔

''اب یہ چوبیس گھنٹے تک ٹھیک رہے گا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں مغل سرائے میں اتر جاؤں گا۔ اس کے بعد کسی اور ڈاکٹر کو دکھا لینا۔''

میں نے اسے فیس کے طور پر پانچ سو روپے دیئے جو اس نے خوش ہو کر لے لئے۔ ''شکریہ نوجوان، اس کی ضرورت نہیں تھی مگر بہت عرصے بعد اپنے کام سے کمائی ہوئی ہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد زیادہ تر فری میں پریکٹس کرتا ہوں، فیس کوئی نہیں دیتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ پچاس سے زیادہ کا نہیں لگ رہا تھا۔ ''آپ نے قبل از ریٹائرمنٹ لے لی؟''

''نہیں، میں تو باسٹھ سال پورے کر کے ریٹائر ہوا تھا۔ اب تو ریٹائرمنٹ کو بھی چار سال ہو چکے ہیں۔''

''آپ کہیں سے بھی چھیاسٹھ برس کے نہیں لگ رہے ہیں۔''

''بات یہ ہے کہ ڈاکٹر کے طور پر میں نے سب سے پہلے اپنی صحت کا خیال رکھا۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناتے مجھے معلوم ہے، صحت کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں۔ مناسب کھانا، باقاعدگی سے ہلکی پھلکی ایکسرسائز اور پوری مقدار میں منرل اور وٹامنز۔ میں یہ سب لیتا رہا ہوں اور اس عمر میں پوری طرح فٹ ہوں۔''

''آپ کا کلینک نہیں ہے؟''

''میں نے کبھی کلینک نہیں کیا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے میڈیکل کی ساری تعلیم سرکاری خرچ پر حاصل کی تھی اور ساری عمر سرکاری اسپتالوں میں جاب کی۔ میرا ضمیر مجھے کلینک کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ہاں آف ڈیوٹی کوئی بلا لیتا یا گھر آ جاتا تو اس سے فیس لیتا تھا۔''

میں نے ذرا تعجب سے اسے دیکھا کیونکہ برصغیر اور خاص طور سے پاکستان میں طب کے پیشے کو سونے کی کان سمجھا جاتا ہے۔ یہ ہندو تھا، ڈاکٹر امیش کورگ۔ دوسرا ڈاکٹر جس سے میرا واسطہ پڑا تھا۔ وہ باتونی تھا میں اس کے پاس آ بیٹھا تھا تا کہ بیتو آرام سے پھیل کر بیٹھ جائے۔ دوائیوں اور ڈریسنگ کے بعد ڈاکٹر نے بیتو کو گلوکوز بھی دیا تھا جسے اس نے ایسے ہی کھا لیا۔ امیش کورگ بنارس میں ایک تین کمروں کے سادہ سے مکان میں اپنی بیوی کے ہمراہ رہتا تھا اور وقت گزاری کے لئے ایک خیراتی اسپتال میں صبح شام تین تین گھنٹے کے لئے بیٹھتا تھا۔ دو بیٹے تھے۔ ایک دلی میں اپنا کاروبار کر رہا تھا دوسرا ڈاکٹر تھا اور جمشید پور میں پریکٹس کرتا تھا، ایک لڑکی تھی جس کی شادی ناگ پور میں کی تھی۔ ڈاکٹر امیش بیٹے کے پاس سے ہو کر واپس جا رہا تھا۔ ''بیٹے سے زیادہ پوتے پوتی یاد آتے ہیں، آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''کلکتہ!'' میں نے جواب دیا۔ ''مقصد سیر و سیاحت ہے۔''

ٹرین چلنے کے بعد میرا پولیس کا دھڑکا کم ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ٹکٹ چیکر آ گیا تھا۔ اس نے ہمارے ٹکٹ چیک کئے۔ فرسٹ کلاس کے افراد کے لئے چائے کافی کی سہولت تھی۔ میں نے آرڈر دیا تو دس منٹ بعد ہم سب کے لئے کافی آ گئی تھی۔ میں کافی پی کر جاگتا رہا۔ بیتو اور وسیم سو گئے تھے۔ صبح آٹھ بجے ناشتے کی ٹرالی آئی۔ میں نے اپنے لئے چند بٹر سینڈوچز لئے اور چائے لینے کے بعد دس بجے وسیم کو جگا کر میں خود سو گیا۔ چوبیس گھنٹے سے زیادہ دیر جاگنے کی وجہ سے تھکن اور نیند سے برا حال تھا۔ میں سویا تو پھر شام سات بجے ہی آنکھ کھلی۔ مجھے یہ خبر بھی نہیں ہوئی کہ ٹرین نے کہاں کہاں اسٹاپ کیا کیونکہ اب بیشتر نشستیں پُر ہو چکی تھیں۔ وسیم اور بیتو جاگ رہے تھے اور آپس میں دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ میں اٹھ کر پیچھے آیا۔

''اٹھ گئے آپ..... آج تو سب مویشی بیچ کر سوئے۔'' وسیم ہنسا۔

''نہیں دورہ گئے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''غالباً آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بتاؤ کھانے میں کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''بھوک سے فوت ہونے والا ہوں۔''

''آٹھ بجے ڈنر آئے گا۔'' وسیم نے بتایا۔

''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے۔'' وسیم نے بیتو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے وہ نشے میں دھت لڑکیاں یاد آ رہی ہیں۔''

''یہ جھوٹ ہے جی!'' بیتو نے احتجاج کیا۔ ''میں نے تو ایسے ہی ذکر کر دیا تھا۔''

''جھوٹ تم بول رہے ہو۔ بہانے بہانے سے ان لڑکیوں کا تذکرہ نکال لیتے ہو۔'' وسیم نے شرارت سے کہا۔

میں ان کو لڑتا چھوڑ کر واش روم کی طرف آیا۔ لیڈیز اور جینٹس واش روم آمنے سامنے تھے۔ اتفاق سے اس وقت لیڈیز واش روم سے ایک عورت نکلی اور میں کوشش کے باوجود اس سے تصادم سے بچ نہیں سکا تھا۔ ایک گداز اور ریشمی لمس تھا جو مجھے چھو گیا۔ عورت بلکہ اسے لڑکی کہنا درست ہوگا۔ اس نے سرخ رنگ کی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔ سیاہ رنگ کے بلاؤز میں اس کی سنہری جلد کچھ زیادہ ہی دمک رہی تھی۔ نازک سے نقوش، سیاہ بالوں کی چوٹی اور بے حد متناسب جسامت۔ جیسے اس کا سراپا خاص سانچے میں ڈھالا گیا ہو۔ بلاؤز کی کشادگی کو بلو سے اتنی مہارت سے ڈھانپا گیا تھا کہ نظر شاد کام ہونے کے باوجود تشنہ سی رہ جاتی۔ میں ایک لمحے کے لئے مبہوت رہ گیا تھا۔ پھر وہ مسکرائی۔ ''ایکسکیوزمی!''

''سوری!'' میں نے گڑبڑا کر کہا اور ایک طرف ہو گیا۔

''نو پرابلم!'' اس نے پھر مسکرا کر کہا اور باد صبا کے معطر جھونکے کی طرح میرے پاس سے گزر گئی۔ عقب سے اس کا بلاؤز ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے کی عملی تفسیر پیش کر رہا تھا اور کمر کی نازکی اور مست خرامی پوری طرح عیاں تھی۔ میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر لاحول پڑھ کر واش روم میں داخل ہو گیا۔ اچھی طرح منہ ہاتھ دھو کر اور تازہ دم ہو کر واپس آیا تو وسیم معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''چوٹ تو نہیں لگی۔ تصادم بہت اچانک ہوا تھا۔'' اس نے پوچھا۔

''تم نے دیکھ لیا تھا؟'' میں جھینپ گیا۔

''نہیں، دیکھا تو نہیں تھا۔ بس ایسے ہی ایک لمحے کے لئے نظر ادھر چلی گئی تھی۔'' وسیم نے شرارت سے کہا۔ میں نے محسوس کیا، وہ اب اپنے اصل رنگ میں آ رہا تھا۔ کچھ عرصے پہلے تک وہ ایک مسلح گروہ کا ایاس تھا اور اس حیثیت سے ہلکی مذاق اسے زیب نہیں دیتا تھا اس لئے وہ سنجیدہ رہتا تھا مگر اب یہ معاملہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کی فطری شوخی عود آئی تھی۔ ''واللہ، کیا خاتون ہیں۔ پاس سے گزریں تو روح تک مہک گئی تھی۔''

''بہت بدمعاش ہو گئے ہو تم!'' میں اپنی نشست پر آ گیا۔

''یہی تو میں کہتا ہوں۔'' بیتو نے شکایت کی۔ ''کہاں آپ اور کہاں یہ..... انہوں نے مجھے تنگ کر دیا ہے۔''

''ابھی کہاں بیٹے، ابھی تو میں نے ہاتھ ہلکا رکھا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے تم نے اب تک ہاتھ ہلکا رکھا تھا۔'' میں ہنسا۔ ''بیتو، تمہاری کیا حالت ہے؟''

''بہت اچھی جی، ڈاکٹر صاحب نے تو جادو کر دیا۔ لگ ہی نہیں رہا میرے بازو پر چوٹ لگی ہے۔''

''ابھی احتیاط کرنی ہے، کم سے کم دو دن۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''تم نے دوائی ہے؟''

''جی، ہر چھ گھنٹے بعد لے رہا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

آٹھ بجے ڈنر کی ٹرالیاں آنا شروع ہوئی تھیں۔ میں نے دال چاول اور بھاجی پوری لی تھی۔ گوشت کی ڈشوں کے بارے میں خدشہ تھا، نہ جانے گوشت ذبح کا ہے یا جھٹکے کا۔ کھانا کھا کر میں نے ذرا چہل قدمی کی اور اس دوران میں سرخ ساڑی والی کو دیکھا۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھی عینک لگائے اپنے نوٹ بک کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک سیکرٹری نما شخص مؤدب بیٹھا تھا۔ یہ لڑکی بلاشبہ مقناطیسی حسن کی مالک تھی اور اپنے حلیے اور انداز سے بہت پوش لگ رہی تھی۔ مجھے تعجب ہوا اس نے سفر کے لئے ٹرین کا انتخاب کیوں کیا تھا، اسے تو ہوائی سفر کرنا چاہئے تھا نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ چاہتی تو اپنا طیارہ چارٹرڈ کر کے بھی کہیں آ جا سکتی تھی۔

میرے ذہن میں تھا کہ ہوائی اڑ جایا جائے مگر اس میں خطرات زیادہ تھے۔ ہمارے پاس اسلحہ تھا اور کوئی شناختی کاغذ نہیں تھا۔ میں اور وسیم پاکستانی تھے جو بھارت کی سرزمین پر کسی سنگین جرم سے کم نہیں ہے۔ سادھنا اور کمار بہرحال بھارتی باشندے تھے اور پکڑے جانے پر کوئی ان کی بھارتی شناخت کو جھٹلا نہیں سکتا تھا اور نہ دتی سے کلکتہ تک کی پرواز محض تین گھنٹے کی ہے اور اس ٹرین میں ہمیں دو دن لگ جاتے۔ ٹکٹ چیکر نے بتایا تھا کہ ٹرین کل دوپہر میں کلکتہ پہنچے گی۔

فرسٹ کلاس ہونے کی وجہ سے غیر متعلقہ افراد اور پولیس والوں کا ادھر سے گزر نہیں تھا۔ رات تک اے سی پارلر پوری طرح بھر گیا تھا۔ اکا دکا نشستیں ہی خالی نظر آ رہی تھیں۔ میں جی بھر کر سو لیا تھا اس لئے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ بارہ بجے تک وسیم اور بیتو بھی سو گئے تھے۔ ہمارا سامان اوپر خانوں میں محفوظ تھا۔ میں بیٹھے بیٹھے تھک گیا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ اگلی بوگی کا ایک چکر لگا لوں۔ یہ کمپارٹ والی بوگی تھی اور اس میں راہ داری تھی۔ اس کی کھڑکیوں سے آدمی تازہ ہوا کھا سکتا تھا۔ میں وہاں آ گیا۔ اس بوگی میں بھی سناٹا تھا۔ میں نے ایک کھڑکی کھولی تو نباتات کی خوشبو لئے ہوا اندر آئی تھی۔ یہ نومبر کا وسط تھے۔ اس لئے سردی میں تیزی نہیں تھی۔ اور میں اپنے کوٹ میں آرام سے تھا، اچانک میں نے اپنے پاس کسی کی موجودگی محسوس کی۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور سرخ ساڑھی والی لڑکی کو پاس پا کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ اتنی خاموشی سے آئی تھی کہ جب تک میرے پاس نہیں آئی، مجھے خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔

''ہیلو۔'' وہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں بلا کی کشش تھی اور یہ بات وہ بھی جانتی تھی۔ ''میرا نام کانتا ہے، کانتا جین!''

''سریش کمار!'' میں نے جواب دیا۔

''میں جاگ رہی تھی اور بور ہو رہی تھی اس لئے یہاں آ گئی۔ مجھے آپ کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔''

''مجھے بھی خوشی ہوئی۔'' میں نے رسمی انداز میں کہا۔

''شاید آپ کو بھی نیند نہیں آ رہی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں دن میں خاصا سو لیا تھا۔''

''آپ سوچ رہے ہوں گے عجیب لڑکی ہے خود سے فری ہو رہی ہے؟''

میں مسکرایا۔'' حالانکہ لوگ آپ سے بات کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہوں گے۔''

''سریش کمار جی، آپ نے ٹھیک کہا لیکن ہر عورت کے اندر ایک حس ہوتی ہے جو اسے بتاتی ہے، وہ کس مرد پر اعتماد کر سکتی ہے اور کس سے بات کر سکتی ہے۔''

''آپ کو مجھ سے بات کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''کمار جی! دشمن میری تاک میں ہیں۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''کیسے دشمن؟''

''بس ہیں..... کچھ میری فیملی کے لوگ..... دراصل میرے پتا جی..... میرے بچپن میں دیہانت کر گئے تھے، انہوں نے میرے لئے بہت بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ اس پر میرے تاؤ کا قبضہ ہے۔''

''تو میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں، تم عدالت میں جاؤ۔''

''وہ تو جاؤں گی مگر مسئلہ ابھی بچنے کا ہے۔ تاؤ ایشانت جین نے اپنے آدمی میرے پیچھے لگا رکھے ہیں۔ یہ شخص جو میرے ساتھ ہے، میرے تاؤ کا ایجنٹ ہے، یہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

''سوال یہ ہے.....'' میری بات ادھوری رہ گئی تھی، اچانک کانتا نے میرے گلے میں بانہیں ڈالیں اور چہرے کو اپنی طرف جھکا لیا۔ میں مزاحمت نہ کر سکا۔ یہ سب بے حد اچانک ہوا تھا۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر ایک حلاوت آمیز لمس محسوس کیا۔ پھر وہ یوں الگ ہو گئی جیسے کسی نے چوری پکڑ لی ہو۔ وہ پیچھے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دروازے پر اس کا سیکرٹری اور بقول اس کے اس کے تاؤ کا ایجنٹ کھڑا تھا۔

''سوری!'' وہ بولا۔'' آپ نظر نہیں آئیں تو میں پریشان ہو گیا تھا۔''

''فکر مت کرو، میں سریش کمار جی کے ساتھ ہوں، تم جاؤ۔'' کانتا نے ناگواری سے کہا۔

''جی اچھا!'' سیکرٹری نے کہا اور واپس چلا گیا۔

''سوری! میں نے اچھا نہیں کیا۔'' اس نے ندامت سے کہا۔'' آپ میرے بارے میں سوچ.....''

''خاتون، میں فی الحال آپ کے بارے میں کچھ نہیں سوچ رہا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔'' کیونکہ میں سمجھ ہی نہیں سکا، یہ سب کیا ہے؟''

''میں سمجھاتی ہوں۔ میری ساری جائیداد اور دولت کا نگران ایشانت جین ہے۔ بائیس سال کی عمر سے پہلے میں اس دولت اور جائیداد پر حق حاصل نہیں کر سکتی۔''

''تم بائیس برس کی نہیں ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''کیا میں لگتی ہوں؟'' اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔ میں نے نظریں چرائیں۔

''نہیں، تم بیس سے زیادہ کی نہیں لگتی ہو۔''

''میں اگلے ہفتے دو مارچ تک بائیس کی ہو جاؤں گی اور اس کے بعد میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیونکہ میں بائیس برس کی عمر سے پہلے مر جاتی تو یہ ساری دولت اور جائیداد ایک ٹرسٹ کو چلی جاتی اور تاؤ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس میں سے پھوٹی کوڑی نہیں ملے گی اور جب میں وارث بن جاؤں گی تو خود بخود میری یہ دولت، ایشانت جین کو مل جائے گی۔"

"میں سمجھ گیا مگر میں اس معاملے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں، تمہیں پولیس سے مدد لینی چاہئے"

"میں پولیس تک نہیں جا سکتی۔ اس کے آدمی میری پوری نگرانی کرتے ہیں۔ اگر میں نے پولیس جانے کی کوشش کی تو یہ مجھے انجکشن لگا کر بے ہوش کر دے گا۔"

"ویری فنی! یہ اس حد تک چلے جاتے ہیں، کیا کبھی تمہارے ساتھ ایسا ہو چکا ہے؟"

"دو بار..... اور دونوں بار میری کوشش ناکام رہی۔"

"ان کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں میرے پاس دیکھ کر اتنے اطمینان سے واپس چلا گیا۔"

"نہیں۔ ایشانت جین بنگال کا ایک بڑا نام ہے، اس کے سیاست دانوں اور حکمرانوں تک سے ہیں۔ اس کے لئے خطرہ صرف میں ہوں۔"

"تمہاری رہائش کلکتہ میں ہے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "بڑی مشکل سے اس نے مجھے دلی آنے کی اجازت دی تھی۔ دلی میں میرے رہتے ہیں۔"

"تم ٹرین سے کیوں سفر کر رہی ہو، جبکہ ہوائی اڈے بھی جا سکتی تھیں۔"

"ہوائی اڈے میں سیٹوں کا مسئلہ تھا۔ روندو کو سیٹ کہیں اور مل رہی تھی اس طرح وہ مجھ پر ہمہ وقت نظر رکھ سکتا تھا۔ اس نے ٹرین سے سیٹیں بک کرالیں۔"

اس دوران میں جب کہ اس سے سوال جواب کر رہا تھا، میں سوچتا بھی جا رہا تھا اور میں نے جلد ہی لیا۔

"مس جین! مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن افسوس، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں ایک عام ہوں، فلمی ہیرو نہیں ہوں۔"

"پلیز، تم مجھے صرف ایک بار اس کے چنگل سے فرار ہونے میں مدد دو..... باقی میں خود کر لوں میرے دوستوں اور ہمدردوں کی کمی نہیں ہے۔"

وہ جس قسم کی لڑکی تھی، جتنی حسین اور بے باک تھی اس کے دوستوں کی کوئی کمی ہونی بھی نہیں چاہئے

"مجھے افسوس ہے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"سنو، تم جو مانگو گے میں دوں گی..... روپیا..... پیسہ یا اور کچھ۔" اس کے انداز میں کھلی دعوت تھی۔

"تم نے بہت کم قیمت لگا دی ہے میری۔" میں نے سرد انداز میں کہا اور وہاں سے پلٹ کر اپنی بوگی میں آ گیا۔ چند منٹ بعد وہ میری سیٹ کے پاس سے گزری تھی۔ اس کے انداز میں شکست خوردگی تھی۔

صبح میری آنکھ آٹھ بجے کھلی۔ بیتو ڈاکٹر سے ڈریسنگ کروا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "بنگ میں بڑی تیزی سے ری کور کر رہا ہے۔ کلکتے جا کر اس کے ٹانکے کھلوا دینا۔"

اس نے بیتو کو ایک انجکشن اور دیا۔ "اب پین کلر اس وقت دینا جب درد ہو۔ ورنہ اس کی ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پھر ڈاکٹر کو فیس دینی چاہی تو اس نے منع کر دیا۔ ٹرین الہ آباد پہنچ کر اب آگے سفر کر رہی تھی۔ کے بعد بیتو نے مجھے باقی کہانی سنائی۔ وہ بڑی مشکل سے ان لڑکیوں سے جان بچا کر اس جگہ سے نکلا تھا۔ لے وہ کون سی جگہ تھی۔ بہر حال باہر آنے کے بعد بیتو نے ٹیکسی رکشے کی تلاش شروع کی اور بڑی مشکل سے ایک ٹیکسی ملی تھی۔ وہ اس پر ریلوے اسٹیشن تک پہنچا تھا تو وہاں پولیس کو دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس نے کی طرف سے جانے کے بجائے گھوم کر پٹریوں کی جانب سے اسٹیشن کے اندر جانے کی کوشش کی۔ اس کی کہ پولیس نے اسے تاڑ لیا۔ دو پولیس مین اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ اس نے اسٹیشن کے اندر ان سے ہوئے بھاگ دوڑ کی تھی۔ ایک رکاوٹ سے گزرتے ہوئے جو لوگوں کو ریل ٹریک پر آنے سے روکنے کے گائی گئی تھی، ایک نکلا ہوا پائپ بیتو کے بازو پر لگا تھا اور اسے زخم آیا تھا۔

پلیٹ فارم پر آنے کے بعد اس نے پولیس والوں کو چکمہ دے دیا تھا مگر اس کا بیگ رکاوٹ عبور کرتے گندے پانی کے نالے میں گر گیا تھا اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ بیگ واپس حاصل کر سکتا۔ کسی نہ طرح اس نے پلیٹ فارم نمبر چار دریافت کر لیا۔ ایک عورت اپنی چادر بینچ پر چھوڑ کر کہیں گئی تو بیتو نے چادر ۔ اس کا خون سے تر بتر بازو اسے مشکوک بنا سکتا تھا۔ شام کے قریب ٹرین مغل سرائے پہنچی۔ یہ دلی اور کلکتہ ریباً وسط میں ہے، ڈاکٹر وہاں رخصت ہو گیا۔ اس نے ہماری مدد کی تھی ورنہ بیتو کی مرہم پٹی ہمیں خود کرنی جس کے پاس لے جاتے وہ اس کے بارے میں دس سوال کرتا۔

☆======☆======☆

کا نتا جین سے میرا دو تین بار آمنا سامنا ہوا اور اس نے ہر بار منہ پھیر لیا۔ میں بھی دل میں کہتا بی بی خوش کسی اور احمق کی تلاش جاری رکھو۔ میں پہلے ہی خاصا احمق واقع ہوا ہوں۔ اس کے بعد کلکتہ تک کا سفر سکون سے گزرا اور تیسرے دن ہم شام کے قریب کلکتہ کے ریلوے اسٹیشن پر اترے تھے۔ یہ شہر آبادی کے سے بھارت کا سب سے بڑا اور دنیا کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ بندرگاہ اور صنعتی علاقہ ہونے کی وجہ سے کلکتہ کا تجارتی و صنعتی حب ہے۔ دلی کے دارالحکومت بننے سے پہلے کلکتہ سو برس سے بھی زیادہ انگریزوں کا ذر رہا تھا اور اس دور کی عمارتیں یہاں جابجا دکھائی دیتی ہیں۔

جب پرتگالی جہازراں واسکوڈی گاما نے افریقہ کا چکر لگا کر اور کوئی تیس ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے ان کی سرزمین پر قدم رکھا تو اس جگہ کا نام کالی کٹ تھا۔ اکثر اسے موجودہ کلکتہ سمجھتے ہیں مگر گاما درحقیقت ہندوستان میں مدراس کے کسی ساحلی علاقے میں اترا تھا جب انگریزوں نے بنگال سراج الدولہ سے چھین واب سراج الدولہ کے والد نواب علی وردی خان کے نام پر بسائے گئے شہر علی پور سے ذرا ہٹ کر اس جگہ ر بسانے کا فیصلہ کیا تو شاید گاما کی کالی کٹ آمد کی یاد میں اس جگہ کو کالی کٹ کا نام دیا جو بعد میں بگڑ کر کلکتہ سنا ہے کہ یہاں ہندوؤں کی دیوی کالی کا سب سے بڑا مندر ہے اسی لئے کلکتہ کو ایک بار پھر کالی دیوی کے الی کٹ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ایک ریلے کے ساتھ ہم اسٹیشن سے باہر آئے۔ ریلا اتنا شدید تھا کہ دس بارہ افراد جو باہر جانے والوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ٹکٹ چیک کر رہے تھے، وہ بھی نہ سنبھال سکے اور ان کے ساتھ ہم بھی باہر آ گئے۔ بغیر ٹکٹ چیک کرائے اور نہ جانے کتنے بے ٹکٹ کے بھی اسی طرح باہر آئے۔ ایک آدمی وسیم کے بیگ میں گھسا ہوا تھا، اس نے چلا کر کہا۔ ''اس میں کیا بھرا ہے، لوہا لے جاتا ہے یا وین!''

''تمہارا سر!'' وسیم نے غرا کر کہا اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ ''چوری کے چکر میں ہو۔''

''اس میں وہین ہے۔'' اس نے چلا کر کہا مگر خوش قسمتی سے اردگرد اردو یا ہندی جاننے والے نہیں تھے، زیادہ تر بنگالی تھے۔

''اگر وہین ہوتا تو سب سے پہلے تیرا مرڈر کرتا۔''

وسیم کی اس بات پر اس نے لاؤڈ اسپیکر کی سی آواز نکالی۔ ''مرڈر..... ارے دوڑو، بچاؤ۔ یہ میرے کو قتل کرنا چاہتا ہے۔''

مجھے خدشہ ہوا اس کی لاؤڈ اسپیکر جیسی آواز کسی نہ کسی پولیس والے کو متوجہ کر لے گی۔ اگر چہ اردگرد شور قیامت برپا تھا۔ میں نے عقب سے ایک نپا تلا ہاتھ اس کی پشت پر مارا اور اس کی آواز رک گئی۔ اس کے بعد وہ لڑکھڑا کر اپنے سے آگے والے پر جا گرا، اس نے بنگالی میں شور مچایا اور جب تک دوسرے اس کی طرف متوجہ ہوتے، میں اور وسیم آگے جا چکے تھے۔ وسیم بیتو کے زخمی بازو کو تحفظ دے رہا تھا ورنہ اس ہجوم میں اس کا زخم کسی سے ہرا ہو سکتا تھا، میں اور دوسرے بمشکل باہر آئے تھے۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔

''اب کہاں جانا ہے۔'' وسیم نے پسینہ صاف کیا جو کلکتہ کی گرمی کے ساتھ اس دھکم پیل کی وجہ سے بھی بہ نکلا تھا۔ ''یہاں کس قدر گرمی ہے۔''

''سنا ہے کلکتہ میں سردی آتی ہی نہیں ہے۔''

بیتو سرد علاقے کا عادی تھا اس لئے گرمی سے زیادہ ہی بوکھلایا ہوا تھا۔ ''میں تو مر جاؤں گا۔''

''ادھر کروڑوں لوگ رہتے ہیں اور کوئی گرمی سے نہیں مرتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''گرمی سے نہیں بھوک سے۔'' بیتو کراہا۔ ''میں نے صبح ناشتے کے بعد سے کچھ نہیں کھایا ہے اور اس نے کسر پوری کر دی۔''

''او کے، پہلے طعام اور اس کے بعد قیام۔'' میں نے کہا اور ایک ٹیکسی والے کو اشارہ کیا اور جواب میں ٹیکسی والے ہماری طرف دوڑے۔ وہ سب آپس میں جھگڑنے لگے کہ صاحب نے مجھے اشارہ کیا تھا۔ میں بلند آواز میں کہا۔ ''میں نے اسے اشارہ کیا تھا جسے ہندی آتی ہو۔''

اتفاق سے اسے آتی تھی جسے میں نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے خوش ہو کر باقیوں کو نہایت غلط اشارہ کر رخصت کیا۔

''شالا لوگ۔'' اس نے وسیم کا بیگ لینے کی کوشش کی مگر وسیم نے نہیں دیا البتہ میں نے اسے اپنا سو کیس پکڑا دیا تھا۔ جسے اس نے عزت سے ٹیکسی کی ڈکی میں رکھ دیا۔ بعد میں ثابت ہوا کہ ڈرائیور کی ہندی یا اتنی ہی اچھی تھی جتنی کہ بیتو کی انگریزی۔ وہ ایک جملے کے دس الفاظ میں سے دو میں بنگالی کی پیوندکاری کرتا تھا میں نے اس سے کہا۔ ''پہلے کسی اچھے سے ہوٹل لے چلو، جہاں ہم کچھ کھا پی سکیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس نے نصف گھنٹے بعد ہمیں ایک خستہ حال سی عمارت کے سامنے اتارا۔ جس میں رہائش کا بندوبست تھا مگر کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے سڑک کے پار ہی ایک اعلیٰ درجے کا ریستوران تھا۔ ہم وہاں چلے گئے۔ شام کا وقت تھا اس لئے ہجوم کم تھا۔ میں نے ایگ چیز سینڈوچیز، چیسٹریز اور کوکیز کا آرڈر دیا۔ ریستوران کا ماحول اے سی اور قدرے نیم تاریک تھا۔ بیتو نے سکون کا سانس لیا۔ ''یہاں کتنا مزہ آ رہا ہے۔''

''بیٹے زیادہ مزے مت کرو۔'' وسیم نے کہا۔ ''ممکن ہے ہم جس ہوٹل میں ٹھہریں، وہ اے سی نہ ہو۔''

''اے سی..... کیا؟'' بیتو نے پوچھا۔

''اے سی ایک مشین ہوتی ہے جو کمروں کو ٹھنڈا کرتی ہے۔'' وسیم نے اسے سمجھایا۔

''یہ تو کمرا نہیں ہے۔'' بیتو سادگی سے بولا۔ ''یہ ہوٹل ہے۔''

''اوہ بابا، ہوٹل بھی تو کمرے میں ہے۔''

اس کے بعد دونوں میں زوردار بحث شروع ہو گئی جو اشیائے خورد و نوش آنے تک جاری رہی تھی۔ اس کے بعد بیتو نے کھانا شروع کر دیا تھا۔ میں اور وسیم لنچ کر چکے تھے اس لئے چائے پینے لگے اور ہوٹلوں کے بارے میں بات کرنے لگے۔ میں نے بات کرتے کرتے برابر والی میز کی طرف دیکھا تو اس پر موجود شخص کو اپنی طرف متوجہ پایا تھا۔ وہ ہماری باتیں غور سے سن رہا تھا۔ میں نے قدرے بلند آواز سے کہا۔ ''یار، مجھے ہوٹلوں سے وحشت ہوتی ہے اگر کرائے پر کوئی جگہ مل جائے تو مناسب رہے گا۔ ہوٹلوں میں کرایہ بھی بہت لگ جاتا ہے اور آرام بھی نہیں ملتا ہے۔''

میرے ان الفاظ کا فوری ردعمل ہوا۔ وہ شخص اٹھ کر ہماری میز کی طرف آیا اور انگریزی میں بولا۔ ''معاف کیجئے گا میں نے غیر ارادی طور پر آپ لوگوں کی باتیں سنی ہیں۔''

''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔'' میں نے بدمزگی سے کہا، وہ چھوٹے قد کا نسبتاً موٹا اور سامنے سے گنجا شخص تھا اس کی صورت ہالی وڈ کے ایک اسی طلئے والے شخص سے بہت ملتی تھی اس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ہم بھی انگریزی میں بات کر رہے تھے۔

''اچھی بات تو نہیں ہے لیکن ممکن ہے آپ کے فائدے کی ہو۔''

''کیسا فائدہ؟'' وسیم نے اسے غور سے دیکھا۔

''میرے دریائے ہگلی کے کنارے چند مکان ہیں جنہیں میں کرائے پر دیتا ہوں اگر آپ پسند کریں تو ان میں سے کوئی بھی مکان لے سکتے ہیں۔''

''کرایہ کتنا ہوگا؟''

''کرایہ کم ہی ہوگا، کم سے کم ہوٹل سے کم پڑے گا۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''پھر خادمہ بھی ہوگی، جو کھانے پکانے سے لے کر تمام تر خدمات کے لئے حاضر ہوگی۔'' اس نے لفظ خدمات پر زور دے کر کہا۔

میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''ہمیں خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تب کرائے پر مکان ٹھیک رہے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جہاں تک دوسری خدمات کا تعلق ہے، اس کا معاوضہ کرائے میں شامل نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو کھانے سے فارغ ہو چکا تھا اور ہم بل ادا کر کے باہر آئے۔ اس شخص کا نام جوشی تھا۔ اس نے بس اتنا ہی بتایا تھا۔ ریستوران کے باہر اس کی سوزوکی ڈبانما پرانی سی کار کھڑی تھی۔ مقامی طور پر تیار کردہ یہی کار یہاں عام ہے۔ اسے عام طور سے ایمبیسیڈر کہا جاتا ہے اور بھارت میں صدر اور وزیراعظم تک یہی کار استعمال کرتے ہیں۔ اس کی ڈکی میں ہمارا سارا سامان آ گیا تھا۔ میں نے اسے اپنے وہی نام بتائے تھے جن سے ریل کے ٹکٹ لئے تھے۔ اس نے اپنے بارے میں بتایا۔ ''میں آسام کا رہنے والا ہوں..... لیکن گزشتہ تیس برس سے روزگار کی وجہ سے کلکتہ میں مقیم ہوں۔''

''اور ہم پہلی بار کلکتے آئے ہیں۔''

''سیر و تفریح کے لئے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''اور کچھ بزنس کے نقطۂ نظر سے بھی۔''

''اگر میری ضرورت ہو تو ضرور بتایئے گا، میں ہر طرح کے سودے کراتا ہوں۔''

''اگر تمہاری ضرورت پڑی تو ضرور مدد لوں گا۔'' میں نے کہا۔

''راستے میں کسی میڈیکل اسٹور پر روک لینا۔'' وسیم نے اس سے کہا۔

''کیوں؟''

''ہمارے ساتھی کے بازو پر زخم ہے۔ اس کے لئے ڈریسنگ کا سامان لینا ہے۔''

''یہ ساتھی ہے۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''نام سے تو بھائی سمجھا تھا میں۔''

''بھائی نہیں، کزن ہے۔'' میں نے جلدی سے بات بنائی

''ڈریسنگ کا سامان آپ کو مکان میں مل جائے گا، اگر ڈاکٹر کی ضرورت ہو تو وہ بھی آ جائے گا۔''

''فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس کے مکان خاصے دور تھے۔ کلکتہ شہر سے تقریباً باہر، جب اس نے گاڑی ایک جنگل کی طرف موڑی تو ہم سب ہی چوکنا ہو گئے تھے۔ ''اس طرف کہاں جا رہے ہو؟''

''ہاوڑا کی طرف جناب!'' وہ بولا۔ ''بے فکر رہیں۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔''

کلکتہ اور ہاوڑا دو شہر ہیں مگر انہیں ہاوڑا بریج جوڑتا ہے اس لئے ایک شہر کہلاتا ہے مگر کلکتہ نسبتاً زیادہ گھنا اور بازاروں سے بھرا ہے۔

بنگال اصل میں سبزے کی سرزمین ہے اور یہاں مشکل سے ہی کوئی جگہ سبزے سے خالی نظر آتی ہے اور جو جگہ انسانی استعمال میں نہ ہو وہاں لازماً جنگل اگ آتا ہے۔ یہ بھی ایک ایسا ہی خودرو جنگل تھا۔ جنگل جس طرح اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک ختم ہو گیا اور سامنے دریا کا پانی چاندنی میں جھلمل کرتا دکھائی دینے لگا تھا۔ ہگلی بہت بڑا دریا ہے اور مون سون کے موسم میں اس کا پاٹ دس میل سے بھی زیادہ چوڑا ہو جاتا ہے۔ دریا کے کنارے جا بجا بنگلے اور چھوٹے مکان بنے ہوئے تھے۔ راستہ کچا مگر ہموار تھا۔ اسے کیچڑ زدہ ہونے سے بچانے کے لئے اس پر چھوٹے گول پتھر بچھائے ہوئے تھے۔ کار ایک باغ کے سامنے رکی جس کے اندر لائن سے نصف درجن مکانات بنے تھے۔ کار کے رکتے ہی ایک شخص لپکا اور اس نے بنگالی میں جوش سے کچھ کہا جواب میں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بھی بنگالی بولی اور پھر ہم سے کہا۔

''آیئے جناب! یہ چوکیدار ہے راجو..... یہ مکان کی رکھوالی کرتا ہے اور گیسٹس کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔''

مکان ایک بیڈ روم اور ایک ڈرائنگ پر مشتمل تھا۔ ساتھ میں ایک واش روم تھا۔ اس سے متصل ایک اوون کی جگہ جتنا کچن تھا جس میں چائے کافی بنائی جا سکتی تھی۔ فرنیچر پرانا مگر اچھی حالت میں اور صاف ستھرا تھا۔

''کھانا کہاں بنتا ہے؟''

''آپ آرڈر کریں گے تو ملازمہ بنا کر لائے گی۔''

''خوب، مکان ٹھیک ہے کرایہ کتنا ہوگا؟''

''ایک دن کا پانچ سو روپیا۔'' اس نے جواب دیا۔

میں چونکا۔ ''پانچ سو زیادہ نہیں ہے۔''

''آپ ہوٹل میں رکیں تو اتنا ایک کمرے کا ہوتا ہے اور آپ کو کم سے کم دو کمرے لینا پڑتے۔''

''اتنے میں تو اے سی کمرا مل جائے۔''

''یہ بھی اے سی ہے۔'' اس نے دریا کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول دی اور فراٹے بھرتی ہوا اندر آنے لگی۔ ''ادھر سکون ہے۔ ہوٹل میں شور بہت ہوتا ہے۔''

مجھے کرائے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مال بہت تھا اور میرے پاس ابھی خاصے ہیرے بھی موجود تھے۔ میں فوراً اس کی بات مان کر اسے مشکوک کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر تین سو روپے روز پر طے ہو گیا اور میں نے دو دن کا پیشگی کرایہ دے دیا۔ اس نے چھ سو جیب میں رکھے۔ ''اگر چائے یا کافی کی خواہش ہو تو راجو سے کہہ کر منگوا لیجئے گا اور کھانے کے پیسے مینا کو دیجئے گا۔''

''کھانے کے الگ سے؟'' میں نے اچھل کر کہا۔

''ہاں، ہوٹل کے کرائے میں کھانا کہاں شامل ہوتا ہے۔ اس کا پیسا الگ سے دینا پڑتا ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''ویسے مینا معقول لیتی ہے۔''

''یہ مینا کون ہے؟''

''ادھر کی ملازمہ، وہ کھانا لا کر دیتی ہے اور صفائی کرتی ہے۔ راجو کی بیوی ہے۔ مہمانوں کے کپڑے بھی دھو دیتی ہے۔''

یعنی سب کی دولت مشترکہ تھی۔ میں نے سوچا۔ وہ یہ سارے کام کرنے کے بعد مہمانوں کی دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتی تھی۔ وہ عورت تھی یا جن۔ ہم سامان اندر لے آئے۔ بیڈ روم میں ایک جہازی سائز بیڈ کے علاوہ ایک الماری اور ایک رائٹنگ ٹیبل اور کرسی کے ساتھ ایک مختصر سی ڈریسنگ ٹیبل بھی تھی۔ ڈرائنگ روم میں ایک صوفہ سیٹ کے ساتھ ایک کاؤچ بھی تھی۔ کھڑکیوں، دروازوں پر پردے تھے۔ مجموعی طور پر صاف ستھری جگہ تھی۔ میں تو تھک گیا تھا اس لئے اندر جا کر لیٹ گیا۔ میں نے جوشی کے جانے کے بعد راجو کو بلا کر اس سے جوس اور دودھ کے ڈبے اور چائے..... کافی کا سامان لانے کو کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تھوڑا دیر لگے گا شاب!'' اس نے بنگالی اردو میں کہا۔

''رات کے کھانے کا کیا ہوگا؟''

''ابھی ہمارا پتی آتا ہے، مینا بیگم!''

''ٹھیک، ہے چیزیں لے آؤ اور ہاں، جلدی آنا۔'' میں نے اسے ایک پانچ سو کا نوٹ دیا۔

میں اندر آیا تو وسیم نہانے کے لئے گھس گیا تھا۔ میں نے بھی کرتہ پاجامہ نکالا۔ اس موسم میں سوٹ عذاب سے کم نہیں تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا سامنے ایک گہرے سانولے رنگ کی دبلی سی عورت کھڑی تھی۔ نیم تاریکی میں اس کے چہرے کے نقوش واضح نہیں تھے۔

''سلام صاب، ہم مینا بیگم ہے۔'' اس نے اپنے شوہر کی نسبت صاف اردو میں کہا۔

وہ اندر آئی۔ وہ اچھے نقوش کی جوان عورت تھی۔ مگر بے رحم وقت اور خود پر زیادہ بوجھ ڈالنے کی وجہ سے وہ زوال کی طرف گامزن تھی۔ اس کا شباب مرجھا رہا تھا۔ ''رات کھانے میں کیا کھائے گا صاب!''

''تم کیا اچھا بناتی ہو؟''

''سب کچھ صاب!''

''ہم بریانی اور کوفتے کھائیں گے۔''

''ملے گا صاب۔ روٹی لے گا یا چپاتی۔''

''روٹی..... اور کتنی دیر میں ہو جائے گا؟''

''ایک گھنٹا لگے گا صاب!'' اس نے کہا۔ میرا خیال تھا وہ چلی جائے گی مگر جب وہ کھڑی رہی تو میں نے اسے رقم دی، اس نے نوٹ لئے۔ ''صاب، دن کے بعد حساب کر دیا کروں گی۔''

''جیسا تم مناسب سمجھو۔'' میں نے کہا

وسیم کے نکلتے ہی میں اندر گھس گیا تھا۔ دو دن سے زیادہ کے سفر نے مجھے گرد گرد کر دیا تھا۔ میں دل بھر کر نہایا حتیٰ کہ وسیم نے دروازہ بجا کر مجھے باہر آنے پر مجبور کیا۔ ''باہر آ جائیں ورنہ پانی کے ساتھ خود بھی بہہ جائیں گے۔''

میں کپڑے پہن کر باہر آیا۔ ''درست کہا آدمی بلبلا ہے پانی کا۔''

''مینا کماری اطلاع دینے آئی تھی، کھانا نصف گھنٹے میں آ جائے گا۔''

''اس کا شوہر سامان لے کر آیا؟''

''ہاں، وہ سامان دے گیا ہے۔''

بیتو کے بازو کی ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ اس نے مجھے حسرت سے دیکھا۔ ''میرا دل نہانے کو چاہ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے نہائے ہوئے زمانہ گزر گیا ہے۔''

''فکر مت کرو۔ ''کل ڈاکٹر کو دکھائیں گے اس کے بعد نہا لینا۔''

''اگر ڈاکٹر نے اجازت دی تو.....'' وسیم ایک یخ بستہ ٹن لایا اور مجھے تھما دیا، یہ بھارت کی کوئی مقامی سافٹ ڈرنک تھی اور اس کا ذائقہ اچھا تھا۔ ''ویسے شہباز صاحب، یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہم پولیس کو انتہائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطلوب افراد میں سے تھے اور اتنی آسانی سے یہاں تک چلے آئے۔"

"اسے فضل رب سمجھو۔" میں نے جواب دیا۔ "ورنہ پولیس بیتو کے تعاقب میں اسٹیشن تک آ گئی تھی۔"

"میرے پیچھے۔" بیتو چونکا۔ "وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ تم نے پولیس والے کو چکما دینے سے پہلے ایک رکشے والے سے ریلوے اسٹیشن چلنے کو کہا تھا، اس سے پولیس نے معلوم کر لیا۔"

"بالکل یہی ہوا۔" بیتو نے جوش میں کہا۔ "میں بھی حیران تھا۔ پولیس میرے پیچھے ریل اسٹیشن تک کیسے آئی۔"

دروازے پر دستک ہوئی۔ وسیم نے جا کر دروازہ کھولا۔ مینا ٹرالی میں کھانے سجائے اندر آئی۔ بریانی کی خوشبو پورے مکان میں پھیل گئی تھی۔ اس نے سلیقے سے میز پر کھانا سجایا۔ بریانی کی ڈرے، کوفتے کے سالن کا ڈونگا، روٹیاں ہاٹ پاٹ میں تھیں۔ برتن اور ایک پیالے میں کوئی مٹھائی نما شے تھی۔ اس نے پیالہ سامنے رکھا۔

"یہ میری طرف سے..... ناریل کی مٹھائی ہے۔"

کھانا واقعی مزے کا تھا۔ مینا نے سب کچھ لاجواب بنایا تھا۔ میں نے کئی اچھے بریانی بنانے والوں کی بریانی کھائی ہے مگر اس بریانی کی بات سب سے الگ تھی۔ میں نے مینا کو پانچ سو روپے دیئے تھے اور میرے حساب سے یہ کھانا اس سے زیادہ کا تھا مگر جب وہ برتن لینے آئی اور اس نے اس سے مزید رقم کا پوچھا تو اس نے سادگی سے کہا۔

"ابھی تو رقم باقی ہے صاب۔ پچپن روپے بچے ہیں۔"

"وہ تم رکھو۔"

"شکریہ صاب!" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "صبح ناشتے میں کیا لے گا اور کب لے گا؟"

"مجھے پراٹھے کے ساتھ پیاز والا آملیٹ!" وسیم نے کہا۔

میں نے سر ہلایا۔ "میرے لئے بھی یہی۔ ساتھ میں ایک گلاس ناریل کا پانی۔"

"میں بھی۔" بیتو نے بریانی کا اینڈ کرتے ہوئے کہا۔

"صبح نو بجے۔"

آرڈر لینے کے بعد بھی وہ کھڑی رہی تھی۔ پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "صاب، کوئی اور خدمت۔"

میں اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "نہیں کوئی اور خدمت نہیں، اب تم جاؤ۔"

بیتو نہیں سمجھ سکا تھا لیکن میں اور وسیم سمجھ گئے تھے اس لئے جھینپ گئے۔ اس کے جانے کے بعد وسیم نے سرد آہ بھری۔ "نہ جانے کس مجبوری نے اسے اس درجے تک پہنچایا ہے؟"

بیتو چونکا۔ "کیسی مجبوری وسیم بھائی!"

"تم نہیں سمجھو گے منے!" وسیم نے اسے چمکار کر کہا۔ "یہ عمر ابھی ان باتوں کو سمجھنے کی نہیں ہے۔"

"اس کا شوہر بھی بے غیرت ہے۔ اپنی بیوی سے اس قسم کا کام کراتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے یقین ہے یہ سارا جوشی کا حرامی پن ہے، اس نے ان میاں بیوی کو اس لائن پر لگایا ہے۔''

سونے کے لئے طے ہوا کہ بیتو بستر پر سوئے گا۔ ڈبل بیڈ پر خاصی جگہ تھی مگر دیسم نے اس کے ساتھ سونے سے انکار کر دیا۔ ''اگر اس نے رات کو سوسو کر دیا تو۔''

''سوسو کیا؟'' بیتو نے پوچھا۔

جب میں نے اسے سوسو کا مطلب سمجھایا تو وہ جھینپ گیا پھر اس نے غصے سے کہا۔ ''وہ تو میں بچپن میں کرتا تھا۔''

''اب بھی تم کہاں بڑے ہوئے ہو۔''

''تم لوگ لڑتے رہو۔'' میں نے ہنس کر کہا اور تکیہ لے کر نشست گاہ کے قالین پر دراز ہو گیا۔

میری آنکھ صبح سویرے پرندوں کی چہکار سے کھلی۔ سورج طلوع ہونے والا تھا اور باہر روشنی پھیل رہی تھی۔ میں نے سوٹ کیس سے چپل نکالی اور باہر آ گیا۔ دروازے کا لاک آٹو میٹک تھا۔ باہر سے صرف چابی سے کھل سکتا تھا۔ میں نے چابی لے لی، دریا کی طرف سے بھیگی ہوئی مست خرام ہوا آ رہی تھی۔ میں مکان کے پاس سے ٹہلتا ہوا باغ کے آخری حصے کی طرف بڑا کیونکہ مجھے وہاں ایک کمرے کے اوپر سے دھواں نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور میں نے جھانکا تو حسبِ توقع وہاں مینا کو پایا۔

''صاب آپ!'' اس نے آٹا گوندھتے ہوئے کہا۔ ''تم کیوں آیا مجھے بلایا ہوتا۔''

''کیسے بلاتا۔''

''ادھر مکان میں دروازے کے پاس لال رنگ کا بٹن لگا ہے اسے دبائے گا تو ادھر ہم کو آواز آئے گا، تم بتائے گا کیا کام ہے۔''

''اچھا، میں نے غور نہیں کیا تھا۔ خیر چھوڑو..... ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟''

''چھوڑو صاب..... وہ گندہ شے..... ہم آپ کو تاڑی کا پانی پلاتا ہے۔''

''تاڑی..... اس میں تو نشہ ہوتا ہے۔''

وہ ہنسی۔ ''نہیں صاب، ابھی نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے دن گزرے گا تو نشہ ہو گا، ابھی تو شربت ہے۔''

''اچھا تم کہہ رہی ہو تو میں مان لیتا ہوں، لاؤ۔''

''تم باغ میں چلو صاب! میں ابھی لاتی ہوں۔''

میں باغ میں آیا اور تب میں نے ایک طرف تاڑ کے درخت دیکھے۔ عجیب درخت تھے، ناریل کی طرح کے درخت بالکل سیدھے، سر پر صرف چار چھ، پانچ فٹ قطر کے گول پتے۔ ان پتوں سے ذرا نیچے ہانڈیاں لٹک رہی تھیں۔ تاڑی جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ درخت کے تنے کے اوپر کی طرف پتوں کے پاس کٹ لگا کر مٹی کی ہانڈیاں ان کے نیچے لٹکا دی جاتی ہیں اور رات بھر ان میں قطرہ قطرہ رس جمع ہوتا رہتا ہے۔ صبح تک یہ ہانڈیاں بھر جاتی ہیں اور سورج نکلنے کے بعد رس نکلنا بند ہو جاتا ہے۔ اگر اس وقت ان ہانڈیوں کو اتار کر ان کا رس پیا جائے تو وہ خوش ذائقہ اور صحت بخش مشروب ہوتا ہے مگر جیسے جیسے دن چڑھتا ہے تو گرمی سے مشروب میں خمیر پیدا ہوتا ہے اور وہ اسے نشہ آور بنا دیتا ہے۔ عام طور سے ہانڈیاں نشہ آور مشروب کی تیاری کے لئے ہی لٹکائی جاتی ہیں۔ شام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک ان میں تیز شراب کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پورے بنگال، آسام اور جنوبی بھارت میں جہاں تاڑ کا درخت ملتا ہے تاڑ کی شراب عام استعمال کی جاتی۔

مینا آٹا گوندھ کر آئی اور اس نے ایک درخت کے نیچے رکھی ہانڈی اٹھا کر اسے ایک کپڑے سے چھان کر گلاس میں بھرا اور مجھے دیا۔ میں نے چکھ کر دیکھا۔ واقعی خوش ذائقہ مشروب تھا اسے پی کر طبیعت میں فرحت آ گئی تھی۔ میں ٹہلتا ہوا دریا کے کنارے چلا گیا۔ سردی کے آغاز اور خشک موسم کی وجہ سے دریا میں پانی کم تھا۔ ایک گھنٹے بعد میں واپس آیا تو بیتو اور وسیم اٹھ گئے تھے۔ بیتو نے اپنی پٹی خود ہی کھول لی تھی اور نہانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ''میرا گھاؤ بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔'' اس نے مسرور لہجے میں اطلاع دی۔

''اچھی بات ہے مگر پٹی خود کیوں کھولی..... ڈاکٹر سے کھلواتے۔''

''بے کار ہے جناب! وہ بھی ایسے ہی کھولتا۔'' بیتو نے کہا اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔ دس منٹ بعد مینا ناشتا لے آئی۔ ناشتے میں وہ سب تھا جس کی ہم نے رات کو فرمائش کی تھی۔ میں اور وسیم کچھ دیر بیتو کا انتظار کرتے رہے مگر جب اس کا باتھ روم میں قیام کچھ زیادہ ہی طول پکڑتا چلا گیا تو ہم نے ناشتا شروع کر دیا۔ خستہ لذیذ پراٹھے اور ہری پیاز میں بنا ہری مرچ کے ساتھ آملیٹ تھا۔ ہم زیادہ ہی کھا گئے۔ بیتو نکل کر سیدھا میز کی طرف آیا۔

''بس یہ بچا ہے؟'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''بچا کھچا کھا۔'' وسیم نے پراٹھے اور آملیٹ اس کی طرف سرکا دیئے۔ ''یہی تیرا نصیب ہے۔''

بیتو نے شکایتی نظروں سے مجھے دیکھا، میں مسکرانے لگا۔ ''ابھی میں مینا سے کہتا ہوں وہ اور لے آئے گی۔''

سرخ گھنٹی بجا کر مینا کو بلایا اور اسے چائے کے ساتھ مزید پراٹھے اور آملیٹ لانے کو کہا۔ بیتو ناشتے کے ساتھ وسیم کی باتوں کا جواب دینے کی کوشش بھی کر رہا تھا جو اسے مسلسل چھیڑے جا رہا تھا۔ مینا چائے کے ساتھ مزید ناشتا لے آئی۔ میں نے چائے بنائی اور وسیم سے کہا۔ ''جناب! ذرا ایک توجہ ادھر بھی۔''

''فرمایئے۔'' اس نے ہمہ تن گوش ہو کر کہا۔

''اب ہمیں کیا کرنا ہے، راجا عمر دراز کی تلاش کے لئے۔''

''پاکستان فون کر کے اس کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔''

''فون کہاں ہے یہاں؟''

''فون کہیں نہ کہیں تو مل جائے گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے جوشی کی خدمات حاصل کی جائیں اگر ہم کو ایک موبائل فون مل جائے۔''

میں اچھل پڑا تھا۔ ''یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں۔''

''فون حاصل کر کے ہم پاکستان رابطہ کر سکتے ہیں۔ پی سی او میں خطرہ ہے، کوئی نہ کوئی سننے والا موجود ہوتا ہے۔''

''فرض کرو، راجا عمر دراز یہاں سے جا چکا ہو تو ہم کیا کریں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب ہم بھی پاکستان چلے جائیں گے۔ کلکتہ میں سب مل جاتا ہے۔ پاسپورٹ، ویزا..... سب لگ جائے گا بس آپ کی جیب میں پیسا ہونا چاہئے۔''

''پیسا بہت ہے۔'' میں نے ہیروں والی ٹیوب کو تھپتھپایا۔ میں نے اٹھ کر مینا سے بات کی۔ ''جوشی سے کیسے رابطہ ہو سکتا ہے۔''

''وہ ابھی آئے گا۔'' مینا بولی۔ ''کوئی کام ہو تو راجو کو کہہ دو صاب!''

''راجو کہاں ہے؟''

''میں بھیجتی ہوں صاب!''

کچھ دیر میں راجو آیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ہمیں تین موبائل فون چاہئیں۔''

''مل جائیں گے شاب! پر شہر جانا ہوگا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اگر ہم خود شہر جانا چاہیں تو؟''

''ہم بڑی سڑک تک چھوڑ آئے گا۔ اُدر سے ٹیکسی مل جائے گا۔''

''تم کیسے چھوڑو گے؟''

''ہمارے پاس شائیکل رکسا ہے۔'' اس نے س ش کا بیڑا غرق کرتے ہوئے کہا۔ ''اس پر لے جائے گا۔''

''بس تو لے آؤ۔'' میں نے کہا۔

ہم تیار ہوئے تب تک وہ اپنا سائیکل رکشا لے آیا۔ پاکستان میں اس کا رواج نہیں ہے مگر انڈیا اور بنگلہ دیش یعنی سابقہ مشرقی پاکستان میں اس کا بہت رواج ہے۔ ہم تین افراد کو بٹھا کر راجو اپنا کنبا بڑی سڑک تک لے گیا۔ مجھے افسوس ہوا یہ تو انسان کی تذلیل کرنے والی سواری تھی۔ ایک انسان بیٹھے اور دوسرا اسے جانوروں کی طرح کھینچا ہے۔ ایسی مشقت تو جانور بھی نہیں کرتے جیسی اس وقت راجو کر رہا تھا۔ جب وہ زور لگاتا تو اس کے رگ پٹھے بری طرح کھنچ جاتے تھے، اس کی پسلیاں باہر نکل آتی تھیں۔ راجو سے زیادہ میرے لئے یہ اذیت ناک سفر خدا خدا کر کے اختتام پذیر ہوا اور میں نے نیچے اترتے ہوئے عہد کیا کہ آئندہ اس انسانیت سوز سواری میں نہیں بیٹھوں گا۔ جب راجو کو پچاس روپے دیئے تو وہ خوشی سے بے حال ہو گیا۔ غالباً اس مشقت کا صلہ اسے دس بیس سے زیادہ نہیں ملتا تھا۔

ایک ٹیکسی والا ہمیں کلکتہ لے جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے ہمیں ایک معروف نظر آنے والے بازار میں اتارا۔ یہ مارکیٹ جیسا کہ بعد میں پتا چلا کلکتہ کی اہم مارکیٹ تھی، اسے بڑا بازار کہتے تھے۔ ہم ایک موبائل کی دکان پر پہنچے۔ میں نے وہاں سے زیادہ ٹاک ٹائم والے تین عدد موبائل لئے۔ ان کے لئے تین عدد سم لیں۔ پھر وسیم نے مشورہ دیا۔ ''انڈیا میں موبائل سروس دینے والی تمام ہی کمپنیوں کی سم لے لی جائیں۔ ہو سکتا ہے کہیں ایک کے سگنلز نہ ملیں تو ہم دوسری موبائل کمپنی کی سروس استعمال کریں۔ اس کے ساتھ ہم نے تینوں موبائلز کے لئے الگ الگ دکانوں سے ریلائنس، ٹاٹا کے علاوہ بھی تقریباً تمام ہی کمپنیوں کے کارڈز خاصی تعداد میں لے لئے۔ بھارت میں حکومت نے شناختی کارڈ جاری کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔ اسی لئے وہاں کسی کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہوتا، ہم سے بھی کسی نے مانگا نہیں صرف فارم پُر کرنا پڑا تھا۔ ہم نے نام غلط لکھایا تھا یہی کافی سمجھا گیا۔ بیتو کے لئے موبائل ایک انوکھا آلہ تھا۔ اس کے ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے وسیم نے اس کے لئے ایک کلر اسکرین کا ذرا جدید قسم کا موبائل لیا۔

''لو میئے، تمہارے لئے کھلونا ہے، اس میں گانے بھی ہیں اور ناچنے والیاں بھی۔''

''تھینک یو وسیم بھائی!'' بیتو نے چہک کر کہا۔ ''تم بہت اچھا ہے۔''

''جب تک تمہیں چھیڑتا نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

ہم نے کپڑے بھی لئے۔ وسیم کا کہنا تھا کہ ایک گاڑی بھی لے لی جائے مگر میں اس کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ گاڑی لینے کے لئے بہرحال کاغذات کی ضرورت پڑتی تھی اور میں بلاوہ کسی کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے تینوں کھانا کھا کر واپس آ گئے تھے۔ جوشی کی کھٹارا کار کھڑی تھی اور وہ خود ایک درخت تلے کرسی پر نیم دراز تھا اس کے ہاتھ میں بیئر کا ٹن تھا۔

''کیا حال ہیں؟'' اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ ''کل میں آپ لوگوں سے نام پتا لینا بھول گیا تھا۔ ابھی خیال آیا ہے۔''

میں نے اسے نظریں جما کر دیکھا۔ ''تم اپنے کاروبار کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتے ہو؟''

''ہاں اس لئے تو ایسا کر رہا ہوں۔''

''تم اپنی آمدنی پوری دکھاتے ہو؟''

''ہاں۔'' اس بار اس نے ہچکچا کر کہا۔

''او کے۔ میں نے تمہیں جو چھ سو دیئے تھے، اس کی رسید دو۔''

''رسید!'' وہ بدکا۔ ''وہ کس لئے؟''

''جیسے تم اپنی آمدنی پوری شو کرتے ہو، اسی طرح ہم بھی اپنی آمدنی پوری شو کرتے ہیں اور ساتھ ہی اخراجات کی رسید بھی دیتے ہیں۔''

''رسید تو میں نہیں دیتا۔''

''تب معافی چاہوں گا۔''

جوشی کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ وہ یقیناً اپنی آمدنی کہیں کم دکھاتا اور اس طرح ٹیکس بچاتا تھا۔ میرے انکار سے اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ ''نام پتا لکھنا ہوٹلوں کا اصول ہوتا ہے۔''

''درست! اسی طرح ہوٹل گاہک کے کہنے پر اسے بل کی کاپی دیتے ہیں جب کہ تم کاپی دینے کے لئے تیار نہیں ہو۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں نے کبھی رسید نہیں دی کیونکہ میں پرائیویٹ کام کر رہا ہوں۔''

''نہیں دی ہو گی، مجھے تو چاہئے۔''

اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

''فرض کرو میں انڈین نہیں ہوں تو؟'' میں نے مسکرا اڑانے کے انداز میں کہا۔ ''تو کیا تم مجھے ڈرائیونگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لائسنس بنوادو گے؟"

"ہاں۔" اس نے غیر متوقع طور پر کہا۔ "لیکن خرچہ ہوگا۔"

"کتنا خرچہ؟" میں نے اپنے انداز میں تبدیلی لائے بغیر کہا۔

"ایک آدمی کا دس ہزار لگے گا۔"

"چاہے وہ بھارتی شہری نہ ہو۔"

"اسی کا تو لگے گا۔" اس نے ٹن سے ایک گھونٹ بھرا۔ "کتنا بنگلہ دیشی روز ادھر آجاتا ہے۔ اپنا ڈرائیونگ لائسنس، پاسپورٹ بناتا ہے اور مزے سے آگے چلا جاتا ہے۔"

میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا اور ہم ایک طرف چلے آئے۔ "کیا خیال ہے، اس سے بات کی جائے۔ اس طرح ہم بہت سارے خطرات سے بچ سکتے ہیں کیونکہ انڈیا میں ڈرائیونگ لائسنس بہت اہم ہوتا ہے۔ یہاں شناختی کارڈ کی جگہ اسے ہی شہریت نامہ سمجھا جاتا ہے۔"

"اس میں بھی خطرہ ہے۔" وسیم نے خدشہ ظاہر کیا۔ "اس نے پولیس کو مخبری کر دی تو۔"

"میرا خیال ہے اس کا خطرہ مول لیا جاسکتا ہے۔"

"دیکھ لیں آپ، میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ یہ لالچی آدمی ہے۔" بیتو نے مداخلت کی۔ "لالچی آدمی ہمیشہ رقم کی فکر کرتا ہے۔"

"یعنی ہم اسے دس ہزار دے دیں تو یہ کام کرادے گا؟"

"نہیں، اسے تھوڑی سی رقم دیں..... یہ باقی کے لالچ میں کام کرے گا۔"

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ "منا تو بڑا ہو گیا ہے۔ عقل مندی کی باتیں کرنے لگا ہے۔"

"میرا خیال ہے یہی کرنا چاہئے۔" میں نے کہا اور جوشی کے پاس آیا۔ "میں نے سوچا ہے۔"

"سوچو مت صاحب! کام کرانا ہے تو کرالو۔ جوشی زبان کا پکا آدمی ہے۔ تمہارا راز اس سینے میں رہے گا ورنہ ادھر اس معاملے میں بہت دھوکے بازی ہے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ لائسنس اصل ہوگا؟"

وہ ہنسا۔ "کدھر سے اصلی ہوگا۔ اصلی جیسا ہوگا صاحب! آپ فکر مت کرو، جب تک کوئی ویری فائی کا کام نہیں ہوگا۔"

"مثلاً کس قسم کی ویری فائی؟"

"آپ پاسپورٹ نہیں بنوا سکتے، کسی کی ضمانت نہیں لے سکتے کیونکہ اس میں کبھی کبھی لائسنس ویری فائی ہو جاتا ہے۔"

"او کے۔ تم ہم تینوں کے لائسنس بنوا کے دو۔"

"ابھی چلو۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "لیکن پہلے پندرہ ہزار نکالو۔ پندرہ کام کے بعد۔"

"ابھی میں صرف دس دوں گا۔" میں نے کہا۔ "تم کو منظور ہے تو ٹھیک ہے، باقی کام کے بعد۔"

"چلو دس دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے دس ہزار دیئے۔ وہ ہمیں اپنی کار پر لاد کر زنزدیکی بازار تک لے گیا اس نے ہماری تصاویر بنوائیں، دستخط اور انگوٹھوں کے نشانات لئے اور ہمیں گھر میں چھوڑ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ لائسنس کب تک ملیں گے تو اس نے کہا۔ ''ممکن ہے آج رات تک مل جائیں۔''

''یہ تو اچھا رہے گا۔''

''آپ بھی بیس ہزار تیار رکھنا۔''

''جوشی، تم نے یہ کام کر دیا تو تم سے ایک کام اور لینا ہوگا۔''

وہ مسکرایا۔ ''جوشی ہر وہ کام کر سکتا ہے جس میں پیسا ملنے کی امید ہو۔''

ہم گھر میں آئے تو وسیم نے بے تابی سے کہا۔ ''کیا..... سونیا سے رابطہ ممکن ہے؟''

''کیوں نہیں، میرا خیال ہے راجا کے سیکرٹری بیگ یا اس کے خاص آدمی عبداللہ کے پاس ناصر کا یا سونیا کا نمبر ہوگا۔''

وسیم مارے جذبات کے لرز رہا تھا۔ دنیا میں خون کا اس کا ایک ہی رشتہ تھا۔ سونیا، اس کی بہن اور اس کے لئے وہ مر گیا تھا۔ میں نے پہلے راجا عمر دراز کی لاہور والی کوٹھی کا نمبر ملایا۔ ڈائریکٹ ڈائلنگ کی سہولت کی وجہ سے اب ساری دنیا سے رابطہ آسان ہو گیا ہے۔ بیل جانے لگی اور کسی ملازم نے فون اٹھایا۔ ''راجا صاحب موجود ہیں یا ان کے سیکرٹری بیگ صاحب!''

''جی، یہ دونوں تو نہیں ہیں۔'' ملازم نے ادب سے کہا۔

''اچھا ایک اور صاحب ہیں، عبداللہ۔''

''جی وہ ہوتے ہیں مگر ابھی کوٹھی سے باہر گئے ہیں۔''

''ان کا موبائل نمبر دو۔''

''جی، میں ان کا موبائل نمبر نہیں دے سکتا، مجھے اجازت نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہارے پاس اس کا موبائل نمبر ہے۔ ایسا کرو یہ میرا نمبر اسے دے دو۔ فون کے سی ایل آئی پر نمبر آ گیا ہے۔''

''جی جناب! آپ انڈیا سے بات کر رہے ہیں نا؟''

''ہاں، یہ ارجنٹ معاملہ ہے، میرا نام شہباز ملک ہے اور میں اس وقت کلکتہ میں ہوں۔ عبداللہ سے کہو کہ مجھے فوراً کال کرے۔''

''میں ابھی آپ کا پیغام ان کو دے دیتا ہوں۔'' ملازم نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''راجا اور بیگ لاہور میں نہیں ہیں۔'' میں نے وسیم کو بتایا۔ ''البتہ عبداللہ مل گیا ہے۔''

وسیم نشست گاہ میں ٹہل رہا تھا۔ ''وسیم بھائی!'' بیتو نے معصومانہ انداز میں کہا۔ ''کیا کال ملاتا ہے اس طرح ٹہل کر؟''

''منے، اس وقت مجھ سے بات مت کرو۔''

''کیوں، تم مجھ سے پوچھ کر بات کرتا ہے۔'' بیتو نے اسے لاجواب کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابھی اسے تنگ مت کرو۔'' میں نے بیتو کو گھورا۔

دس منٹ بعد میرے موبائل کی بیل بجی۔ میں نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے عبداللہ کی آواز آئی۔

''شہباز صاحب!''

''عبداللہ، یہ تم ہو؟''

''آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔'' اس کا لہجہ جذباتی ہو گیا تھا۔ ''خدا کی قسم، میں نے پورا لاہور چھان مارا۔''

''بس یار، تقدیر نے انڈیا دھکیل دیا اور ابھی تک یہیں دھکے کھا رہا ہوں۔ راجا صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ تو انڈیا میں ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا، اچھا عبداللہ تمہارے پاس سونیا اور ناصر کا کوئی نمبر ہے؟'' میں نے کہا۔ ''میرے پاس ایک خوش خبری ہے۔ وسیم زندہ ہے اور میرے پاس ہے۔''

''سچ مچ!'' اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''آپ کو کہاں ملے؟''

''یہ ایک لمبی داستان ہے۔ فرصت سے سناؤں گا۔ فی الحال وسیم اپنی بہن سونیا سے بات کرنے کے لئے بے چین ہے۔''

عبداللہ ایک لمحے کے لئے چپ ہوا پھر اس نے کہا۔ ''میرے پاس ناصر کا نمبر تو ہے مگر گزشتہ دو دن سے یہ نمبر بند ہے۔'' اس کے انداز میں بے یقینی سی تھی۔ ''میں نے خود جا کر ناصر کی رہائش گاہ پر دیکھا تھا۔ اس کے پڑوسیوں نے بتایا کہ وہ صبح سویرے ایک خاتون کے ساتھ کہیں گیا تھا۔''

''عورت کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟'' میرا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''اس کا حلیہ سونیا بی بی جیسا تھا۔''

''تم نے سونیا کی قصور والی کوٹھی پر معلوم کیا؟''

''ہاں، اس کے چوکیدار نے سونیا بی بی کے بارے میں بتایا کہ وہ صبح سویرے لاہور کی طرف گئی تھیں اور کوٹھی بند کر کے گئی تھیں۔''

''تمہارا مطلب ہے سونیا اور ناصر اپنی مرضی سے کہیں گئے ہیں؟''

''ہاں، پھر میں نے تفتیش کی تو پتا چلا کہ ان کی جیپ جو سونیا بی بی کے نام تھی، لاہور ائیر پورٹ کی پارکنگ میں کھڑی ہے۔ مزید انکوائری پر دبلی جانے والی پی آئی اے کی پرواز سے دونوں کا دبلی جانا بھی ثابت ہوا تھا۔''

''میرے خدا! انہوں نے یہ کام تمہیں بتائے بغیر کیا؟''

''ظاہر ہے، ورنہ میں ان کو اتنی آسانی سے جانے نہیں دیتا۔''

''مگر وہ بھارت کیوں گئے؟''

''میں نے اس کی بھی جاسوسی کی اور بالآخر ناصر کے ایک جونیئر رپورٹر کو تلاش کر لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ناصر کے دبلی کے کسی اخبار کے ایک رپورٹر سے رابطے تھے اور اس نے ناصر کو بتایا تھا کہ آپ ہماچل پردیش میں کہیں دیکھے گئے اور انتہائی مطلوبہ افراد میں شامل ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو اس احمق کو سونیا کے ساتھ یہاں دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے خفگی سے کہا۔

"یہی تو میں بھی سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔ آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔ سونیا بی بی اور ناصر صاحب کو صرف آپ کی ہی نہیں وسیم صاحب کی موجودگی کی اطلاع بھی ملی ہو گی اور اس کے بعد سونیا بی بی کا ردِعمل آپ خود سوچ سکتے ہیں۔"

"دہلی کا رپورٹر کس اخبار سے تعلق رکھتا ہے؟"

"ٹائمز آف انڈیا کا مقامی رپورٹر ہے۔ کسی صحافی کنونشن میں ناصر صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان کا دوست بن گیا۔ نام ایس بی جوزف ہے۔"

"تم نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں مگر رابطہ نہیں ہو سکا۔ اصل میں وہ سیاسی رپورٹر ہے۔ دفتر میں کم ہی آتا ہے اور اس کا موبائل نمبر بھی بند ہے۔"

"میرے خدا! ہم یہاں سے نکلنے کی سوچ رہے تھے اور ان لوگوں نے ایک نئے چکر میں ڈال دیا ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔

"کیا ہوا؟" وسیم نے دبے لہجے میں کہا۔

میں نے اسے ایک منٹ رکنے کا اشارہ کیا اور عبداللہ سے پوچھا۔ "رانا صاحب کہاں ہیں، مجھے ان کا کنٹریکٹ نمبر دو۔"

عبداللہ نے مجھے دو نمبر دیے۔ "ان پر رابطہ ہو سکتا ہے۔"

میں نے نمبر نوٹ کر کے عبداللہ کو وسیم اور جیتو کے نمبر نوٹ کرائے اور کال کاٹ کر وسیم سے کہا۔ "سونیا اور ناصر یہاں آ گئے ہیں۔"

"میرے خدا! یہ کیا کام کیا ہے ان لوگوں نے؟" اس نے اضطراب سے کہا۔

میں نے اسے اپنے اور عبداللہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ "انہیں میرے اور تمہارے بارے میں معلوم ہوا تھا۔"

"سونیا تو اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی مگر ناصر تو عقل مند ہے۔"

"یار، جب معاملہ خواتین کا ہو تو اچھے خاصے مردوں کی عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔ بہرحال ہم کوشش کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ایس بی جوزف کا نمبر ہے۔ ہم اس سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے آپ راجا صاحب سے رابطہ کیجئے۔ میں جوزف سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" میں نے کہا اور بیڈ روم میں چلا آیا۔ میں نے عبداللہ کے دیئے ہوئے نمبروں میں سے ایک ملایا۔ چند لمحے بعد کسی نے جواب دیا۔ "یُتا ہاؤس۔ کس سے بات کرنی ہے؟"

"مجھے راجا عمر دراز سے بات کرنی ہے۔"

ایک لمحے کے لئے خاموشی رہی۔ "یہاں کوئی راجا عمر دراز نہیں رہتا ہے۔ آپ کون بات کر رہے ہیں؟"

"اگر یہاں کوئی عمر دراز نہیں ہے تو آپ میرا نام کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممکن ہے میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔''

''اگر آپ میری راجا صاحب سے بات نہیں کرا سکتے تو آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔'' میں نے جواب دیا، میں نے محسوس کیا کہ وہ بلاوجہ بات کو طول نہیں دے رہا تھا۔

''اوکے۔ میں وعدہ نہیں کرتا مگر ممکن ہے مدد کر ہی دوں۔'' اس نے کہا اور اچانک لائن کاٹ دی۔ میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ میں مایوس نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد کال آئے گی اور ایسا ہی ہوا، ایک منٹ کے بعد بیل بجی، میں نے کال ریسیو کی۔

''میں بات کر رہا ہوں۔'' آواز راجا عمر دراز کی تھی، اس نے اپنا نام لینے سے گریز کیا تھا۔

''آپ پہچان گئے ہوں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم کہاں ہو؟''

''کلکتہ میں۔ میرا ایک پرانا ساتھی اور ایک نیا ساتھی بھی ہے۔''

''تم محفوظ ہو؟''

''فی الحال تو ہوں۔''

''کل صبح بارہ بجے جادو گھر کے سامنے پہنچ جانا۔ جادو گھر یعنی میوزیم، دھرم تلہ میں ہے، کسی سے پتا کر لینا۔''

''اکیلے یا میرے ساتھی بھی ساتھ ہوں؟''

''اکیلے۔ زیادہ لوگ نظروں میں آتے ہیں۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔

''آپ نے میرے پرانے ساتھی کے بارے میں نہیں پوچھا۔''

''میں جانتا ہوں۔ اس کی بہن بھی یہاں آ گئی ہے۔''

''میرے دونوں ساتھی جو بیرون ملک چلے گئے تھے۔''

''وہ بھی کچھ دنوں میں یہاں آنے والے ہیں مگر تمہاری طرح نہیں۔'' راجا عمر دراز نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆======☆======☆

میں نے مونا اور سفیر کے بارے میں پوچھا تھا اور راجا عمر دراز نے یہ بتا کر مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ بھی چند دن میں یہاں آنے والے ہیں۔ اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ مونا اور سفیر قانونی طریقے سے آ رہے تھے۔ میری طرح غیر قانونی طریقے سے نہیں آئے تھے۔ راجا نے جس نمبر سے کال کی تھی اسے ذہن نشین کر کے میں نے ریسیونگ کالز سے ڈیلیٹ کر دیا۔ راجا عمر دراز جیسا شخص محتاط تھا تو مجھے تو بہت ہی محتاط رہنا چاہئے تھا۔ اچانک مجھے احساس ہونے لگا کہ میں نے جوشی پر کچھ زیادہ ہی اعتماد کر لیا تھا۔ میں جس طرح سے انڈیا کی سرزمین پر تھا اور میں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے ان کی روشنی میں مجھے بہت زیادہ محتاط ہونا چاہئے تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں اب تک بھارتی ایجنسیوں کے شکنجے میں آنے سے محفوظ رہا تھا اور مجھے اپنے بارے میں زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونا نہیں چاہئے تھا۔ میں نشست گاہ میں آیا تو وسیم فکرمند سا بیٹھا تھا۔ ''ایس بی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوزف کا فون بند ہے یا اس نے سم بدل لی ہے۔ میں نے ٹائمز آف انڈیا دہلی آفس فون کیا تھا۔ وہاں سے مجھے بتایا گیا ہے کہ ان کو بھی جوزف کا نہیں پتا ہے۔ اور اس کے فلیٹ کے فون پر کال ریسیو نہیں ہو رہی ہے۔"

"تم نے فلیٹ کا فون نمبر لیا ہے؟"

"ہاں، میں نے نمبر لے کر کوشش کی مگر وہاں کوئی فون ریسیو نہیں کر رہا ہے۔"

"یہ خبر تشویش ناک ہے کیونکہ صرف جوزف بتا سکتا ہے کہ سونیا اور ناصر کہاں ہیں۔" میں نے کہا اور اسے راجا عمر دراز سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنایا۔ مونا اور سفیر کی آمد کا سن کر وہ بھی فکر مند ہو گیا تھا۔

"راجا کو انہیں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جان سکا۔ دوسرے راجا عمر دراز کو سونیا اور ناصر کی یہاں آمد کا علم ہے اور وہ تمہارے زندہ ہونے کے بارے میں بھی جانتا ہے۔"

"تب تو اسے یہ علم بھی ہو گا کہ سونیا کہاں ہے؟"

"راجا عمر دراز کی باتوں سے مجھے کوئی آئیڈیا نہیں ملا ہے کہ وہ سونیا کی جائے وقوع سے واقف ہے۔ وہ بہت محتاط ہو کر بات کر رہا تھا۔ اس لئے ہمیں بھی محتاط رہنا چاہئے۔"

"یہ میں آپ سے پہلے بھی کہہ رہا تھا۔ ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔ جوشی پر اتنی جلدی بھروسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ہمیں اس سے ملے ایک ہی دن تو ہوا ہے۔" وسیم کے لہجے میں جھنجلاہٹ آ گئی تھی۔ یہ سونیا کے غائب ہونے کی مایوسی تھی جو اس کے لہجے میں جھلک آئی تھی۔

"مجھ سے غلطی ہوئی۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اگر جوشی نے پولیس کو انفارم کر دیا تو؟"

میں نے اچانک فیصلہ کر لیا۔ "ہمیں یہاں سے ابھی چل دینا چاہئے۔"

اور لائسنس.....؟" وسیم نے سوال کیا۔

"راجو کو میں اپنا موبائل نمبر دے جاتا ہوں کہ جوشی اس پر مجھ سے رابطہ کرے۔" میں نے کہا اور راجو کو بلایا۔ وہ فوراً آیا تھا۔ میں نے اس سے پہلے جوشی کے موبائل نمبر کے بارے میں پوچھا۔

"ہے شاب! ابھی دیتا ہے۔" راجو نے جیب سے ایک میلی سی نوٹ بک نکالی اور مجھے جوشی کا موبائل نمبر بتایا جو میں نے اپنے موبائل میں محفوظ کرتے ہوئے اس سے رابطہ کیا۔ دوسری بیل پر اس نے کال ریسیو کر لی۔

"جوشی! کون بول رہا ہے؟"

"میں بات کر رہا ہوں ارجن کمار!"

"جی صاحب، حکم کرو۔"

"ہمارے کام کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔ "آج رات تک ہو جائے گا۔"

"بالکل ہو جائے گا۔ ابھی میں اسی شخص سے ملنے جا رہا ہوں جو یہ کام کرے گا۔ وہ مل گیا تو بس ایک گھنٹے کی بات ہے۔"

"جوشی، ہمارے ساتھ دھوکا نہیں ہونا چاہئے۔" میں نے اسے خبردار کیا۔ "ورنہ سمجھ لینا..... ہم تین ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہیں، پیچھے اور بھی لوگ ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔"

"صاحب، دھوکا کر کے مجھے اپنا دھندا چوپٹ نہیں کرنا ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "آپ پہلا آدمی تھوڑی ہو جس کا کام کر کے دے رہا ہوں۔"

"لو کے۔ جب کام ہو جائے تو پہلے مجھے اس نمبر پر کال کرنا ٹھیک ہے۔"

"جیسا تمہاری مرضی صاحب!" اس نے کہا۔

میں نے فون بند کیا۔ اور ہم نے صرف وسیم والا بیگ لیا جس میں مشین گن تھی، باقی سامان رہنے دیا ورنہ عین ممکن تھا راجو مشکوک ہو کر جوشی کو اطلاع کر دیتا۔ ہم باہر نکلے تو راجو ہماری طرف آیا۔ "اب! کدھر جانا..... رکسا لائے؟"

"نہیں، ذرا ٹہلنے کے لئے نکلے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا شاب!" اس نے وسیم کے بیگ پر ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ ایسا ہوتا ہوگا، مسافر اپنی قیمتی اشیاء گھر میں چھوڑنے کے بجائے ساتھ لے جانے کو ترجیح دیتے ہوں۔

"مجھے اس طرف کشتیوں کا گھاٹ نظر آیا تھا۔" وسیم نے باہر آ کر کہا۔ "اس طرف نہ چلیں؟"

"یعنی دریا کی سیر۔ آئیڈیا برا نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

ہم گھاٹ تک پہنچے تھے کہ کشتی والوں نے سیاح جان کر گھیر لیا۔ "فرسٹ کلاس کشتی سر! ولایتی ٹائپ..... صاحب بیوٹی فل بوٹ۔ بیوٹی فل گرل، اونلی دو تھاؤزینڈز!"

ایک نوجوان ذرا دور تھا۔ میں نے اسے اشارہ کیا، وہ اڑتا ہوا آیا۔ "سر، کیا خدمت کروں؟" اس نے انگریزی میں پوچھا۔ کلکتہ میں ہندی اور بنگالی کے بعد دوسری زبان انگریزی ہے۔ اکثر لوگ سمجھ اور بول لیتے ہیں۔

"تمہاری بوٹ کون سی ہے؟"

اس نے ایک..... کشتی کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ صاحب! ایک دم پرفیکٹ۔ خدمت کا واسطے میرا بیوی بھی ہے۔" اس بار وہ اردو میں بولا۔

"موٹر بوٹ ہے۔"

"جی صاحب، دو انجن والا۔ حادثے کا امکان نہیں ہے۔"

"حادثہ تو ٹائی ٹینک کو بھی ہو سکتا ہے، یہ بتاؤ کیا لو گے؟"

"ایک گھنٹے کا ایک ہزار روپیا سر! کشتی روکے گا تو ایک گھنٹے کا پانچ سو۔"

"منظور ہے۔" میں نے کہا اور ہم اس کی بوٹ پر سوار ہو گئے۔ اندر سے اس کی نازک سی بیوی نکلی تھی۔ اس نے بنگالی انداز میں ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ نوجوان کا نام سانیال تھا جبکہ اس کی بیوی کا نام جوشنا تھا۔ اس نے ہم سے ڈرنک کے بارے میں پوچھا، جس کی مراد شراب سے تھی۔ "ہم میں سے کوئی چائے کافی اور سافٹ ڈرنک سے آگے نہیں گیا۔"

"تو جو آپ کہیں سر!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سافٹ ڈرنک لوں گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس موسم میں چائے کافی نہیں پی جاتی ہے۔''

جوشنا نیچے سے آئی۔ وہ پھر نیچے چلی گئی۔ وسیم اور بیتو عقبی طرف جا کر ریلنگ سے دریا میں جھانکنے لگے، بیتو نے سانیال سے کہا۔ ''تمہاری بیوی خوبصورت ہے۔''

''یس سر! آئی ایم لکی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔''

''تمہیں اس کے حوالے سے ڈر نہیں لگتا۔ ظاہر ہے تمہاری کشتی ہائر کرنے والے سب شریف تو نہیں ہوتے ہیں۔ کسی کی نیت خراب ہو جائے یا نشے میں دست درازی پر اتر آئے۔''

سانیال نے دانت نکالے۔ ''میں اپنی اور جوشنا کی حفاظت کرنا جانتا ہوں سر! میرے پاس اس کا بندوبست ہے۔''

شاید اس کے پاس کوئی ہتھیار تھا۔ ''تم سمجھ دار آدمی ہو۔''

''شکریہ سر! ایک بار ایسا ہوا تھا سر، دو آدمی آیا، جوشنا کے ساتھ رات گزارہ اور جب پیسا دینے کا وقت آیا تو بدمعاشی کرنے لگا، ہم نے ان کو سیدھا کر دیا۔''

میں دم بخود رہ گیا تھا۔ ''تمہارا مطلب ہے، تم اپنی بیوی سے پیشہ کراتے ہو؟''

اس نے سادگی سے جواب دیا۔ ''ہاں سر! اس میں کیا برائی ہے، یہ بھی تو بزنس ہے۔''

''یہ بے غیرتی ہے۔'' میرا موڈ آف ہو گیا تھا۔ ''تم لوگوں کو ذرا بھی احساس نہیں ہے، بیوی مرد کی عزت ہوتی ہے۔''

''وہ تو ہے سر! کوئی میری بیوی کو میری مرضی کے بغیر ہاتھ لگا کر دیکھے۔'' اس نے سینہ تان کر کہا۔

''بے کار ہے شہباز صاحب!'' عقب سے وسیم نے کہا۔ ''آپ ان سے بلاوجہ بحث کر رہے ہیں۔ یہ ان کا کلچر ہے۔ یہ اسے برا نہیں سمجھتے ہیں۔''

''لعنت ہو ایسے کلچر پر!'' میں ان کے پاس آ بیٹھا۔ ''جب یہ غریب اور بھوکے تھے تب تو اس بے غیرتی میں مبتلا نہیں تھے، اب اسے دیکھو، راجو کو دیکھو۔ یہ سب کمانے والے لوگ ہیں، بھوکے نہیں مر رہے ہیں، اس کے باوجود بیویوں سے دھندا کراتے ہیں، ان کو احساس نہیں ہے۔''

''چھوڑو صاحب!'' بیتو بولا۔ ''جب ان کو احساس نہیں ہے تو آپ کیوں اپنا خون جلاتے ہو۔ ادھر دنیا دیکھو، کتنا خوب صورت ہے۔''

دریا کے دوسرے کنارے پر دور تک سبزہ نظر آ رہا تھا۔ دوسری جانب کلکتہ شہر اور اس کی بندرگاہ کی تنصیبات دکھائی دے رہی تھیں۔ بندرگاہ دریائے ہگلی کے کنارے پر ہے۔ دو گھنٹے بعد سورج غروب ہونے لگا تھا اور اس کی شفق رنگ کرنیں ہگلی کے سرخی مائل زرد پانی پر مچل رہی تھیں۔ میں نے موبائل نکال کر دیکھا، اس پر سگنل تھے اور ابھی تک جوشی کی کال نہیں آئی تھی حالانکہ اس سے بات کئے تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ وسیم اپنے موبائل پر جوزف کا موبائل اور گھر کا نمبر بار بار ملا رہا تھا۔ میں نے اسے منع کیا۔ ''اتنی جلدی کال مت کرو، بیٹری کا چارج ویسے ہی کم ہے۔ اسے ایس ایم ایس کر دو۔''

''ہاں جیسے ہی اس کا موبائل آن ہو گا، میرے پاس ڈلیوری رپورٹ آ جائے گی۔'' وسیم نے سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے پتا چل جائے گا کہ اس کا موبائل آن ہو گیا ہے۔''

''اب تک جوشی کی کال آجانی چاہئے تھی۔'' میں نے تاریک ہوتے آسمان کی طرف دیکھا۔

''شاید!'' بیتو نے کہنا چاہا مگر اس کی بات میرے موبائل کی بیل کی وجہ سے ادھوری رہ گئی تھی۔ میں نے جلدی سے کال ریسیو کی۔ کال جوشی کی ہی تھی۔

''جناب، کام ہو گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں لے کر آرہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، راجو کے پاس پہنچ کر پھر کال کرنا۔'' میں نے اس سے کہا۔

''کیوں، آپ مکان میں نہیں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، ہم ذرا سیر کو نکلے ہیں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

''اب لائسنس کیسے وصول کئے جائیں گے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''دیکھو۔'' میں نے غور کیا۔

''اسے دریا کے کنارے کیوں نہ بلا لیں۔'' بیتو نے مشورہ دیا۔ ''اس سے سامان بھی منگوا لیں گے اور کشتی کے ذریعے ہی کلکتہ شہر چلے جائیں گے۔''

میں نے بے ساختہ بیتو کی پشت تھپکی۔ ''منا، واقعی ہوشیار ہو گیا ہے۔''

''کیا ترکیب سوچی ہے منے!'' وسیم نے اس کے بازو پر ہاتھ مارا تو وہ کراہا تھا۔

''زخم ابھی بھرا نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔

میں نے سانیال سے کہا کہ وہ کشتی کو اس جگہ رکھے دور جانے کی کوشش نہ کرے کیونکہ یہاں موبائل کے سگنلز آرہے تھے۔ میرا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر وسیم نے جوشٹا سے کافی بنوالی تھی، میں نے بھی پی۔ کافی کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ یہ گرم ہوتی ہے اور یہ تاثر کسی حد تک درست ہے مگر وہ افراد جو کسی اور علاقے سے گرم مرطوب جگہوں پر آئیں ان کے لئے کافی کا استعمال لازمی ہوتا ہے۔ یہ ان کو ذہنی اور جسمانی طور پر سست ہونے سے بچاتی ہے۔ ہم مستقل کافی کا استعمال کر رہے تھے کیونکہ دو دن پہلے ہم سرد علاقے میں تھے اور یہاں مستقل گرمی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد مجھے جوشی کی کال ملی۔ ''آپ کہاں ہیں جناب، میں آگیا ہوں۔''

''جوشی، ایسا کرو۔ ہمارے کمرے میں ہمارا جو سامان رکھا ہے اسے لے کر دریا کے کنارے چلے آؤ۔''

''سامان لے کر..... مگر کیوں، آپ جا رہے ہیں؟''

''ہاں، ہم چیک آؤٹ کر رہے ہیں۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔ مگر میں چیزیں اسی وقت دوں گا جب مجھے میری باقی رقم بھی مل جائے گی۔''

''رقم کی پروا مت کرو، وہ مل جائے گی۔''

''کس ساحل پر آنا ہے۔''

''جو تمہارے مکان کے پاس ہے اور کوئی اشارہ کرنے کے لئے ٹارچ بھی لیتے آنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سانیال سے کہا کہ وہ کشتی کا رخ گھاٹ سے ذرا آگے والے ساحل کی طرف کر لے۔ ''کشتی کنارے تک چلی جائے گی؟''

''بالکل، آپ فکر نہ کریں سر!'' اس نے کشتی گھمائی۔ ''آپ جاں کہیں گے، میں وہاں کشتی روک دوں گا۔''

ہم ذرا فاصلے پر تھے اس لئے ہم سے پہلے جوشی ساحل پر آ گیا تھا۔ وہ ٹارچ جلا بجھا کر مستقل اشارے کر رہا تھا۔ میں نے سانیال سے کہا۔ ''اس طرف چلو۔ ہمیں اس شخص سے ملنا ہے جو ٹارچ سے روشنیاں کر رہا ہے۔''

سانیال لانچ کو کنارے تک لے گیا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''ہوشیار رہنا، اگر کوئی مسئلہ ہو تو سانیال کو فوراً یہاں سے چلنے پر مجبور کرنا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے کہا۔

جیسے ہی کشتی کنارے سے لگی، میں پانی میں کود گیا۔ یہاں پانی میرے گھٹنوں سے ذرا نیچے تھا۔ جوشی کے ساتھ راجو تھا، جس نے میرا اور بیتو کا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ میں جوشی کے پاس نہیں گیا، میں نے اسے کشتی کی طرف آنے کو کہا۔ ''تم ادھر آؤ۔''

جوشی آگے آیا۔ ''کیا بات ہے صاحب! ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟''

''جوشی، اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی تو تم اس پر پچھتانے کے لئے اس دنیا میں نہیں رہو گے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''سامان کہاں ہے؟''

''پہلے رقم!'' اس نے کہا۔

''میں نے اسے بیس ہزار دیئے جو میں نے پہلے ہی سامنے والی جیب میں رکھ لئے تھے۔ اس نے مجھے ایک لفافہ دیا جس میں تین عدد لائسنس تھے۔ میں نے اس سے ٹارچ لے کر ان کا معائنہ کیا، اس سے پہلے میں نے کوئی انڈین لائسنس نہیں دیکھا تھا۔ میں نے جوشی سے اس کا لائسنس مانگا اور اس سے موازنہ کیا۔ بظاہر ایک جیسے تھے، صرف تصویروں اور تفصیلات کا فرق تھا، جوشی بیس ہزار پا کر خوش تھا۔

''مکان کا مزید کوئی چارج!'' میں نے اس سے پوچھا۔

''نہیں صاحب! ابھی تو آپ کل دوپہر تک رک سکتا ہے۔''

''نہیں جوشی! ہمیں جانا ہے، تمہارا نمبر ہے میرے پاس، ضرورت پڑی تو پھر کال کریں گے۔'' میں نے کہا اور اسے ہزار روپے دیئے۔ ''یہ مینا کو دینا، اس کا حساب نکلتا ہے۔''

راجو نے اس کا برا منایا تھا مگر مجھے یقین تھا، اگر میں نے اسے ہزار روپے دیئے تو وہ کبھی مینا کو نہیں دے گا۔ اس دوران میں بیتو آ کر راجو سے ہمارا سامان لے جا چکا تھا۔ میں نے جوشی سے ہاتھ ملایا اور کشتی پر چڑھ گیا۔ جوشی نے دھوکا نہیں دیا تھا مگر ہمارا محتاط ہونا پھر بھی درست تھا۔ سانیال نے انجن چلا رکھا تھا۔ اس نے کشتی کنارے سے نکال کر اس کا رخ وسط دریا کی طرف کر دیا۔ اب ہمیں کلکتہ جانا تھا۔ میں نے وسیم اور بیتو کے لائسنس ان کے حوالے کئے۔ ''انہیں سنبھالو اور اپنے نام یاد رکھنا۔''

''شکر ہے، اس فقیر چند سے جان چھوٹی۔'' وسیم نے سکھ کا سانس لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانیال نے نصف گھنٹے بعد ہمیں کلکتہ کی بندرگاہ کے ایک گوشے میں اتار دیا۔ یہاں مقامی لانچیں اور کشتیاں تھیں۔ میں نے اس کا معاوضہ دیا۔ "ہمیں باہر جانے سے کوئی روکے گا تو نہیں۔"

"میں چلتا ہوں۔" سانیال بولا۔ "میرے پاس اجازت نامہ ہے وہ ویسے روکتا کوئی نہیں ہے۔ بس کبھی کبھی پولیس والے تنگ کرتے ہیں۔"

سانیال ہمیں بندرگاہ کے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے ایک ٹیکسی لی اور اسے کسی اچھے ہوٹل کی طرف چلنے کو کہا۔ "سر! نا پورنا ہوٹل چلے گا؟" اس نے جواب دیا۔ "ایک دم فرسٹ کلاس ہوٹل ہے۔"

"چلے گا۔" میں نے کہا۔

یہ ہوٹل اچھا تھا مگر اتنا اچھا بھی نہیں کہ جتنا ٹیکسی والے نے بتایا تھا۔ وہاں مناسب کرائے پر ہمیں تین عدد کمرے مل گئے۔ ایک بات ہم نے طے کر لی تھی کہ رقم اور موبائل ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہے تاکہ بھاگنے کی نوبت آئے تو یہ چیزیں ہمارے پاس ہی ہوں۔ اس لئے سامان رکھ کر ہم نیچے ڈائننگ ہال میں آئے۔ کھانا کھایا اور واپس اوپر آئے۔ کمرے الگ الگ تھے اس لئے سکون تھا۔ وہ دونوں بھی میرے کمرے میں آ گئے۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا۔ وسیم چپ چاپ سا تھا۔ "سونیا یاد آ رہی ہے؟"

اس نے سرد آہ بھری۔ "ایک ہی تو بہن ہے میری۔"

"فکر مت کرو وہ اور ناصر خیریت سے ہوں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ جیتو کلر اسکرین والے موبائل سے الجھا ہوا تھا۔ میں نے اپنا اور وسیم کا موبائل آتے ہی چارجر پر لگا دیا تھا، جب تک ہم کھانا کھا کر آئے، یہ چارج ہو چکے تھے۔ میں نے وہ نمبر ملایا جس سے راجا عمر دراز نے مجھے کال کی تھی۔ مگر اس نے کال کاٹ دی۔ میں سمجھ گیا، وہ فی الحال بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

وسیم نے مجھے دیکھا۔ "جناب، کیا راجا عمر دراز کے کہے پر عمل کرنا ضروری ہے؟"

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "یہ تم کہہ رہے ہو حالانکہ تم اس کے لئے کام کرتے ہو۔"

"کرتا تھا، اب میں کام چھوڑ چکا ہوں۔ میرا خیال ہے ہمیں راجا صاحب کے بجائے اپنا مقصد دیکھنا چاہئے۔"

"وسیم، میں ذاتی مفاد کے بجائے لوگوں کو ترجیح دیتا ہوں۔ ٹھیک ہے، اس وقت ہم مشکل میں ہیں اور ہمیں اپنی آسانی دیکھنی چاہئے لیکن راجا عمر دراز کے مجھ پر بہت سارے احسانات ہیں اس لئے جب وہ مجھے کچھ کہتا ہے تو میں کسی صورت اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"میں راجا صاحب کے لئے آپ کے جذبات سمجھتا ہوں اس کے باوجود میرا خیال ہے ہمیں جلد از جلد اس ملک سے نکل جانا چاہئے۔"

"یہاں سے جانا بھی آسان نہیں ہے اور اس سلسلے میں کوئی بھی لغزش سلاخوں کے پیچھے پہنچا دے گی۔"

"ہمیں واپس مشرقی پنجاب کی طرف جانا چاہئے، اس طرف میرے کچھ روابط ہیں ان کی مدد سے ہم....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم شاید جانتے نہیں ہو..... اس وقت سرحدوں پر صورتِ حال کشیدہ ہے اور اس طرف سے سرحد پار کرنے میں بہت رسک ہے۔ یہی کام ہم بنگلہ دیش کی طرف سے زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں۔"

"اور اس کے بعد..... وہاں سے کیسے نکلیں گے؟"

"وہاں پاکستانی ہائی کمیشن سے نئے پاسپورٹ بنوا کر ہم کسی اور ملک جا سکتے ہیں۔"

"مرضی آپ کی۔" اس نے بے دلی سے کہا۔ "مجھے تو یہ کام آسان نہیں لگ رہا۔"

میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ جب سے اسے سونیا کے دہلی آنے کی اطلاع ملی تھی، وہ مضطرب تھا۔

"آسان تو یہ مرحلہ بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کل آپ اکیلے جائیں گے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "ظاہر ہے۔ اس کے بعد دیکھتا ہوں کہ راجا عمر دراز کیا کرتا ہے۔"

اچانک وسیم کے موبائل نے بیپ دی۔ اس نے موبائل نکالا اور پُرجوش لہجے میں بولا۔ "جوزف کا موبائل آن ہو گیا ہے۔"

وسیم نے بے تابی سے نمبر ملایا اور رابطہ ہوتے ہی بولا۔ "ایس پی جوزف! ہاں میں سونیا کا بھائی بات کر رہا ہوں۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟ ہاں پلیز..... نمبر بتاؤ۔" وسیم نے رف پیڈ اپنی طرف گھسیٹا اور اس پر ایک نمبر لکھا۔ پھر اس نے جوزف کا شکریہ ادا کر کے فون بند کیا اور ہیجانی لہجے میں بولا۔ "وہ دونوں دہلی میں ہیں۔ ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔"

"یہ نمبر کس کا ہے؟" میں نے رف پیڈ پر نظر ڈالی۔ "یہ تو کوئی فکس یا وائرلیس فون لگتا ہے۔"

"یہ ہوٹل کا فون ہے۔" وسیم نے نمبر ملاتے ہوئے کہا۔ "جہاں سونی اور ناصر ٹھہرے ہیں۔" اس نے موبائل کان سے لگایا اور رابطہ ہونے پر کہا۔ "پلیز، مس سونیا کے کمرے میں ملا دیں..... کیا..... پولیس....." وسیم اچانک چلایا۔

اسی لمحے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور کسی نے کرخت آواز میں کہا۔ "دروازہ کھولو..... پولیس ہے۔"

ہم سب ساکت رہ گئے تھے۔

موقع نہایت سنگین ہو گیا تھا۔ ایک طرف وسیم کی بات نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا سونیا اور ناصر کسی مشکل میں تھے اور اس وقت ہمارے دروازے پر بھی پولیس تھی۔ میں نے اشارے سے وسیم سے موبائل بند کرنے کو کہا اور خود دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

"پولیس!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

میں نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک انسپکٹر اور دو سپاہی کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ایک گھبرایا ہوا نوجوان تھا۔ اس نے انسپکٹر سے کہا۔ "انسپکٹر..... پلیز! میرے ہوٹل کی ری پوٹیشن کا خیال رکھو۔"

"چپ کرو۔" انسپکٹر نے اسے جھڑک دیا اور اندر آنے لگا۔ میں دروازے پر جما رہا۔

"ایک منٹ!" میں نے انگریزی میں کہا۔ "بات کیا ہے انسپکٹر؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اندر آنے دو۔'' اس نے مطالبہ کیا۔

''اس کے لئے وارنٹ دکھاؤ۔''

''پلیز سر!'' ہوٹل کے نمائندے نے لجاجت سے کہا۔ ''ہم اندر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔''

میں گرجا۔ ''اندر آ جاؤ۔ مگر میں بتا دوں اگر کوئی قانونی کارروائی ہوئی تو اس کے لئے سارے لوازمات پورے کرنے ہوں گے۔ ورنہ میں اپنے وکیل کو کال کر کے سب سے پہلے اس ہوٹل پر اور اس کے بعد پولیس پر ہتک عزت کا دعویٰ کروں گا۔''

''کر دینا۔'' انسپکٹر بے زاری سے بولا۔ وہ اندر آئے اس نے ہم تینوں کو دیکھا۔ ''اپنا لائسنس دکھاؤ۔''

''میں کبیر داس ہوں۔'' میں نے اپنا لائسنس اس کی طرف بڑھا دیا۔

''شنکر داس!'' وسیم نے بھی اپنا لائسنس دکھایا۔ جیتو نے بھی اپنا لائسنس دکھایا۔ اس نے منہ سے کچھ کہنے سے گریز کیا۔ اس کا نام روی کمار تھا۔ انسپکٹر نے تینوں لائسنس کا غور سے معائنہ کیا اور اصل بات پر آ گیا۔

''یہ اصل ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔ ''کیا نقلی لائسنس بھی ہوتے ہیں؟''

''زیادہ معصوم مت بنو۔'' انسپکٹر دبلا اور لمبا سا بنگالی تھا۔ وہ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔ ''میں نے پوچھا ہے یہ اصلی ہیں؟''

''سو فی صد اصلی ہیں۔''

''کب بنوائے؟''

اچانک مجھے احساس ہوا کہ تینوں لائسنس بالکل نئے اور چمکتے دمکتے تھے۔ یہ کسی طرح پرانے نہیں لگ رہے تھے۔ ''ابھی چند دن پہلے بنوائے ہیں۔ دراصل سفر کے دوران ہمارے لائسنس گم ہو گئے تھے۔''

''کہاں سے بنوائے ہیں؟''

''یہیں کلکتہ سے۔''

''کس جگہ سے..... دفتر پتا ہے؟''

مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ہم پھنس رہے ہیں۔ انسپکٹر ہوشیاری سے گھیر رہا تھا۔ ''نہیں پتا..... کیونکہ ایک ایجنٹ کے توسط سے بنوائے ہیں۔''

''یہ لائسنس جعلی ہیں۔'' اس نے کہا اور پستول نکال لیا۔ ''میں تمہیں گرفتار کر رہا ہوں۔ ان کو ہتھکڑیاں ڈال دو۔''

''کیوں..... تم کیسے کہہ سکتے ہو یہ نقلی ہیں؟'' ہوٹل منیجر نے داخلت کی۔

''ہم ایسے ہی نہیں آتے، ہمارے پاس پوری اطلاع ہوتی ہے۔''

''تمہیں کس نے کہا کہ یہ لائسنس نقلی ہیں؟'' اس بار میں نے پوچھا۔

''پولیس اسٹیشن پہنچ کر پتا چل جائے گا۔'' اس نے کہا پھر سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ ''منہ کیا دیکھ رہے ہو، ان کو ہتھکڑیاں ڈالو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک منٹ انسپکٹر!'' میں نے اچانک اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''ذرا ادھر آ کر میری ایک بات سن لو ..... ورنہ تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔''

دراصل میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر ایک بار ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ گئیں تو پھر یہ کسی جیل کی کوٹھری میں جا کر کھلیں گی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا، ایک بار میری شناخت سامنے آ جاتی تو پھر میری گلوخلاصی ناممکن ہو جاتی، مجھے جو کرنا تھا، ابھی کرنا تھا۔ انسپکٹر میرا نرم رویہ محسوس کر کے اکڑ گیا۔ ''رشوت دینا چاہتے ہو؟''

''رشوت کیسی انسپکٹر!'' میں نے ہونٹ نیچر کو آنکھ ماری۔ ''تم نے بلاوجہ اتنی زحمت کی اور اب دیکھو نا، لائسنس دیری فائی کرانے کے لئے بھی زحمت کرو گے، میرے پاس کچھ ایسے ثبوت ہیں کہ تم یہاں بھی مطمئن ہو سکتے ہو۔ ذرا ادھر آنا۔''

انسپکٹر سمجھ گیا تھا، میں کس لئے اسے ایک طرف لے جا رہا ہوں اور مال پانی کے خیال سے اس کے چہرے پر جو تاثرات آئے تھے، اس سے مجھے امید بندھی کہ کام بن جائے گا۔ ''چلو۔'' اس نے اپنی خودی بلند رکھتے ہوئے کہا۔ ''کوئی چالاکی مت دکھانا، میں فوراً گولی مار دوں گا۔''

''تم سے کیا چالاکی انسپکٹر!'' میں اسے کمرے کے ایک کونے میں لایا اور جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر دی۔ گڈی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں لالچ نمودار ہوا تھا۔

''پانچ نہیں دس!'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''دونوں سپاہیوں کے الگ سے۔''

''ہیں!'' میں نے احتجاج کیا۔ ''یہ تو بہت زیادہ ہیں۔''

''اُدھر تھانے گئے تو بات اوپر چلی جائے گی۔''

''ٹھیک ہے پر اُدھر سے تمہیں بھی پھر معمولی سا حصہ ملے گا، زیادہ تر اوپر والے پی جائیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''میں زیادہ سے زیادہ دس دے سکتا ہوں۔''

انسپکٹر بھی ایک پرانا پاپی تھا، اس نے ماننے سے انکار کر دیا، اپنی بات پر اڑا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ میں مجبور ہوں اور اس کی بات مان جاؤں گا۔ جعلی لائسنس کا معاملہ خاصا سنگین ہوتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خوف ناک چیز یعنی اسلحہ ہمارے بیگز میں تھا، وہ سامنے آ جاتا تو معاملے کی نوعیت ہی بدل جاتی اور عین ممکن تھا کہ انسپکٹر رشوت لینے سے انکار کر دیتا۔ اس لئے میں نے بادلِ ناخوستہ انداز میں اس کا مطالبہ مان لیا۔ بظاہر اس نے پانچ ہزار کم کر کے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری تھی اور یہ حقیقت تھی میں ہزار دے کر میں بہت سستا چھوٹ رہا تھا۔ انسپکٹر نے نوٹ اپنی جیب میں یوں غائب کئے جیسے مداری گولا غائب کرتا ہے۔

''انسپکٹر، یہ تو بتا دو کہ ہمیں کس نے پھنسانے کی کوشش کی ہے؟''

''ہے ایک شخص!'' انسپکٹر مسکرایا۔

''پتا نہیں، اس نے ہم سے کس بات کا بدلہ نکالا ہے۔''

''کسی بات کا نہیں۔ وہ ہمارا آدمی ہے۔ جب اس کی کشتی میں کوئی مشکوک آدمی آتا ہے، وہ ہمیں اطلاع کر دیتا ہے۔'' انسپکٹر نے مسکرا کر کہا، اس کا اشارہ واضح طور پر سانیال کی طرف تھا۔ اس حرام زادے نے ہمیں جوشی سے لائسنس لیتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے انسپکٹر کو مطلع کیا تھا۔ مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ ہم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مال کھینچا جائے۔ میں نے اسے بھی فراخ دلی سے معاوضہ دیا تھا۔ جبکہ یہاں رقم خرچ کرتے ہوئے لوگوں کی جان جاتی تھی، ان کے جینے کا اصول ہے چڑی بے شک چلی جائے، پر دھڑی نہ جائے۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا، اب مجھے جیسا دیس ویسا بھیس والے فارمولے پر عمل کرنا ہوگا۔ یہاں حاتم طائی والا رویہ نہیں چلے گا۔ رشوت وصول کر کے انسپکٹر نے ایمرجنسی ختم کرنے کا اعلان کر دیا یعنی اب ہمیں ہتھکڑیاں نہیں لگیں گی۔ "چلو۔"

اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ہوٹل کا منیجر معاملہ خوش اسلوبی سے ختم ہونے پر مطمئن تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "بعد میں میرے پاس آنا منیجر، تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"مجھ سے کیوں؟" وہ فکرمند نظر آنے لگا۔

"کچھ حساب تم سے بھی نکلتا ہے۔" میں نے دانت پیسے۔

انسپکٹر جاتے جاتے رکا۔ اس نے بیگز کی طرف دیکھا۔ "ان میں کیا ہے؟"

"ہمارا سامان..... کپڑے....." وسیم نے بھنائے لہجے میں کہا۔ "ہم اس منحوس شہر میں ننگے گھومنے تو نہیں آئے تھے۔"

"ٹھیک ہے، پر خیال رہے، ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔" اس نے تنبیہی تیز لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے انسپکٹر!" میں نے اسے یقین دلایا تو وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ رفع ہو گیا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور سرگوشی میں دونوں سے کہا۔ "یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

"یہاں سے بھی۔" بیتو نے سرد آہ بھری۔

"ہاں دوستو، ہمارے پیروں میں چکری بندھی ہے۔"

بیتو بھونچکا رہ گیا تھا۔ "پیر میں..... وہ کیسے؟"

"یہ محاورہ ہے منے۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے۔" وسیم نے اسے چھیڑا اور مجھ سے بولا۔ "شہباز صاحب، ہوٹلوں میں رکنا ویسے بھی درست نہیں ہے، ہمیں جوشی جیسا کوئی بندہ تلاش کرنا چاہئے تھا۔"

"ہمیں کل صبح بارہ بجے تک کا وقت کہیں نہ کہیں گزارنا ہے۔" میں نے کہا پھر چونک کر سر پر ہاتھ مارا۔ "اس چکر میں وہ بات تو ذہن سے نکل گئی، تم نے ہوٹل کال کی تھی تو کیا جواب ملا۔"

"میں نے سونیا اور ناصر کا پوچھا تو کسی نے بتایا، وہاں پولیس آئی ہے۔"

"ان کے لئے۔" میں نے غور کیا۔

"یہ تو میں نے پوچھا نہیں۔ پر آپ کے اشارے پر لائن کاٹ دی۔"

"اب معلوم کرلو۔ ممکن ہے پولیس کسی اور مقصد سے آئی ہو۔"

وسیم پھر کال کرنے لگا۔ چند لمحے میں رابطہ ہوا۔ "مجھے مسٹر ناصر اور مس سونیا سے بات کرنی ہے۔" وہ چپ ہو کر سننے لگا۔ "اچھا باہر گئے ہیں، اوکے! جب آئیں تو ان سے کہیں اس نمبر پر کال کرلیں۔"

"وہ باہر گئے ہیں۔" وسیم نے فون بند کر کے کہا۔ اس کے چہرے پر خوشی جھلک آئی تھی۔ "پولیس کسی اور چکر میں وہاں آئی تھی۔"

"شکر ہے خدا کا۔" میں نے کہا۔ "اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی، میں نے اندر آنے کی اجازت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی۔ "آجاؤ۔"

ہوٹل منیجر اندر آیا۔ "سر، آپ نے۔۔۔۔"

"سر کے بچے! تمہارے ہوٹل میں پولیس یوں منہ اٹھائے گھس آتی ہے۔" میں نے گرج کر کہا۔ "ان حرام زادوں کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"سر، مجھے کیا معلوم، ان کو باہر سے کسی نے اطلاع دی تھی۔"

"تم لوگ بھی شامل ہو۔ پولیس اسٹیشن جانے سے بچنے کے لئے میں نے اسے بیس ہزار دے دیئے ہیں مگر اسے نہیں معلوم اس نے بیس ہزار کے بدلے اپنے بیوی بچوں کا سودا کر لیا ہے۔"

منیجر کا رنگ اڑ گیا تھا۔ "صاحب، میں بے قصور ہوں۔"

"تم بھی نہیں بچو گے۔ یہ ہوٹل بھی نہیں رہے گا ممکن ہے کسی دن یہاں اس کا جلا کھنڈر رہ جائے۔"

اس بار منیجر کا رہا سہا رنگ بھی اڑ گیا تھا۔ میرے لہجے اور انداز نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ ہم مافیا کے غنڈے ہیں۔

"مجھے معاف کر دیں۔ میں نے تو وہی کیا جو پولیس نے کہا تھا۔"

"اسی وجہ سے تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو ورنہ یہاں تمہاری لاش ہوتی اور ہم ہوٹل سے جا چکے ہوتے۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ انسپکٹر کس قسم کا آدمی ہے؟"

"ایک نمبر کا بے ایمان اور چور۔۔۔۔ اپنے باپ کو بھی چونا لگا جائے؟"

"ہم اس کے باپ نہیں ہیں اس لئے ہمیں چونا ضرور لگائے گا تو مسٹر۔۔۔۔"

"حسیش آنند۔" اس نے جلدی سے نام بتایا۔

"مسٹر آنند ہمیں ہوٹل سے نکلنا ہے مگر کسی کی نظروں میں آئے بغیر۔ تمہارے پاس سلیمانی چادر ہے؟"

"سلیمانی چادر!" وہ دنگ رہ گیا تھا۔ "وہ کیا ہوتی ہے جناب!"

"ہوتی ہے۔ خیر چھوڑو، کوئی راستہ ہے جس سے ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر نکل جائیں؟"

"مگر کیوں سر؟" اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ نے کرایہ چکتی دیا ہے۔"

"کیونکہ تمہارا وہ مہینہ باپ ہمارا منتظر ہوگا ہوٹل کے باہر۔" وسیم نے اسے گردن سے پکڑ کر کھینچا۔ "جیسے ہی ہم سامنے سے نکلیں گے، وہ ہمیں گرفتار کر لے گا۔"

"اور ہم شرافت سے گرفتار نہیں ہوں گے، بڑا خون وکشت ہوگا۔ ممکن ہے سب سے پہلے تم مارے جاؤ۔"

"میں کیوں، سر؟" اس نے بے ہوش ہونے کی تیاری شروع کر دی۔

"کیونکہ ہاتھیوں کی لڑائی میں گھاس مسلی جاتی ہے۔"

"ایک راستہ ہے، ادھر پیچھے سے جاتا ہے۔"

"بس ہمیں ادھر سے نکال دو۔"

"بعد میں پولیس والے مجھ سے پوچھیں گے کہ آپ کہاں گئے تو میں کیا کہوں گا؟" اس نے رو دینے والے لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان کو کہہ دینا، ہم شریف مسافروں کی طرح چیک آؤٹ کر گئے ہیں۔''

''وہ بالکل یقین نہیں کریں گے، مجھے لے جائیں گے۔''

''حوصلہ کرو جوان! تم ایک ہوٹل کے منیجر ہو۔'' وسیم نے کہا۔

''اچھا۔'' وہ بے یقینی سے بولا۔

''ہاں تم پورے اعتماد سے پولیس کمشنر کی دھمکی دینا، وہ خود سدھر جائیں گے۔''

''اچھا وہ ڈر جائے گا؟''

''بالکل، اس کی پتلون گیلی ہو جائے گی۔'' وسیم نے یقین دلایا۔ ہم نے اپنا سامان اٹھا لیا تھا۔ ''اب چلو۔''

''میں ..... میں کیسے جا سکتا ہوں۔''

''تمہارے بغیر ہمیں گزرنے کون دے گا نور چشم!'' میں نے اس کا سر ہلایا۔ ''جہاں تک مالکان کو مطمئن کرنے کا تعلق ہے تو کوئی بھی اسٹوری بنا سکتے ہو۔''

''مثلاً..... ہمارے دشمن توپ لئے ہوٹل کے دروازے پر منتظر تھے، ادھر ہم نکلتے اُدھر وہ گولا داغتے، ہمارے ساتھ ہوٹل اور اس کی ساکھ کا بھی بیڑا غرق ہو جاتا۔ تم نے ہمیں عقب سے نکال کر تینوں چیزیں بچا لیں۔''

''اس پر مالکان تمہیں انعام دیں گے۔'' میں نے وسیم کی تائید کی۔ ''اب چلو دیر مت کرو۔ کہیں وہ انسپکٹر پھر اندر نہ آ جائے اور اسے بیس ہزار واپس دینے پڑ جائیں۔''

''بلکہ ایسا کرنا مالکان سے ہمارے نام پر لاکھ روپے لے لینا۔'' وسیم نے اسے ایک نکتہ سمجھایا۔

''اچھا!'' وہ خوش نظر آنے لگا تھا۔ ''میرے ساتھ آیئے۔''

وہ ہمیں عقبی سیڑھیوں سے نیچے لایا۔ یہ زینے عام سے تھے اور سروس والے استعمال کرتے تھے۔ یہ زینے سروس ایریا میں ہی نکلے تھے۔ البتہ عقبی راستے پر جو دروازہ کھلتا تھا اس پر تالا لگا تھا۔ آنند نے وضاحت کی۔ ''جب یہ دروازہ کھلا تھا، تو کچن کا مال باہر برآمد ہوتا تھا۔ لانڈری میں گھر والوں کے کپڑے دھلتے تھے۔''

''تم لوگوں نے حد کر دی۔'' وسیم ہنسا۔

''کرنا پڑی سر، ورنہ یہ تو بیچ کر کھا جاتے۔''

''اچھا کیا اوپر والے کچھ نہیں کرتے ہیں؟'' میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''وہ اپنا کھانچا الگ رکھتے ہیں۔ اس لئے مالکان بھی اعتراض نہیں کرتے ہیں۔'' وسیم بولا۔ ''کیوں آنند!''

''جی سر!'' اس نے کھسیا کر کہا اور جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا۔ پیچھے ایک چھوٹی سی سڑک تھی جس پر سامنے فلیٹ میں رہنے والے لوگوں کی کاریں کھڑی تھیں۔ یہ سڑک ایک طرف سے بند تھی اور دوسری طرف سے بڑی سڑک پر نکل رہی تھی اور یہ ہوٹل کے سامنے تھی۔ میں نے منیجر سے کہا۔ ''یہ عقبی راستہ ہے جو سامنے نکلتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، یہ تو ہے۔'' اس نے پریشانی سے مجھے دیکھا۔

''ہم ایک ایک کر کے نکل جاتے ہیں۔'' بیتو نے پہلی بار زبان کھولی، اس نے عقل مندی دکھائی تھی۔ انسپکٹر کے سامنے زبان کھولنے سے گریز کیا تھا۔ ورنہ اس کی زبان ہی انسپکٹر کو چونکا دیتی۔

''وہ چالاک آدمی ہے اگر اس نے نگرانی رکھی ہوگی تو ان کی گلی پر بھی نظر ہوگی۔'' وسیم نے انکار کیا۔

''انہوں نے ہم سب کو اچھی طرح دیکھا ہے اور وہ ہمیں شناخت کر سکتے ہیں۔''

''کسی طرح ان فلیٹوں میں داخل ہو کر دوسری طرف نکل جائیں۔'' بیتو نے دوسری تجویز پیش کی۔

''میں خود ان فلیٹوں میں رہتا ہوں۔'' آنند نے بتایا۔ ''پیچھے کی طرف جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''تم یہاں رہتے ہو۔'' میں نے ایک نئے زاویے سے غور کیا۔ ''تمہارے پاس کار تو ہونی چاہئے آخر اتنے بڑے ہوٹل کے منیجر ہو۔''

''نئی ماروتی ہے۔'' اس نے خوش ہو کر بتایا۔ ''ابھی چند مہینے پہلے لی ہے۔''

گلی میں کھمبوں پر تیز روشنی تھی۔ اس روشنی میں ایک کریم کلر سوزوکی ماروتی دکھائی دی۔ بالکل نئی کار تھی۔

''وہ ہے تمہاری کار!'' میں نے اشارہ کیا۔

''جی سر!'' وہ بولا۔

''گڈ، ہم اس میں جائیں گے تم نے مسئلہ ہی حل کر دیا ہے۔''

''اس میں۔'' وہ مرے ہوئے انداز میں بولا اور غالباً دل ہی دل میں پچھتایا کہ کار کا اقرار ہی کیوں کیا۔

''ہاں، کار میں ہمیں کون دیکھے گا۔ تم ہمیں ایک دو کلو میٹر کہیں چھوڑ دینا، آگے ہم ٹیکسی کر لیں گے۔''

''آپ میری کار تو نہیں لے جاؤ گے؟'' اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

''چندا، کار لے جانا ہوتی تو تمہیں لے جانے کو کیوں کہتے، کار تم ڈرائیو کرو گے، چلو آؤ۔''

آنند ہمارے ساتھ یوں روانہ ہوا جیسے قربانی کا بکرا قصائی کے ساتھ جاتا ہے۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ ہم مسلح ہیں، اسی وجہ سے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں تھی، اس نے لرزتے ہاتھوں سے کار کا دروازہ کھولا اور پھر اس نے اتنی پھرتی سے وہ کام کیا جس کی ہم توقع نہیں کر رہے تھے۔ وہ اندر بیٹھا اور دروازہ بند کر دیا۔ یہ کام اس نے سیکنڈ کے پہلے حصے میں کر لیا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے اگنیشن اسٹارٹ کی۔

''رک جاؤ۔'' میں چلایا۔ مگر اس نے رکنے کے لیے جان کی بازی نہیں لگائی تھی، اس نے کار اندھا دھند آگے دوڑائی اور میں اچھل کر ایک طرف نہ ہوتا تو وہ مجھے روند ڈالتا۔ وسیم بیگ سے مشین گن نکالنے جا رہا تھا میں نے اسے رکنے کو کہا۔ اس جگہ اسلحے کی نمائش خطرناک ہو سکتی تھیں کار دوڑتی اور لہراتی کونے سے مڑ کر ہوٹل کے سامنے چلی گئی۔ ''اب یہ پولیس کو لائے گا۔'' وسیم نے فکرمندی سے کہا۔ ''حرام زادے نے کیسا چکما دیا۔''

اس سڑک کے ایک طرف ہوٹل تھا اور دوسری طرف فلیٹس تھے۔ ہوٹل میں واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔'' میں فلیٹوں کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ ''ہمیں کسی فلیٹ میں پناہ لینی ہوگی۔''

وسیم نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر وہ میرے پیچھے لپکا۔ بیتو ساتھ تھا۔ شاید وسیم سامنے روڈ کی طرف سے نکلنے کے حق میں تھا لیکن یہ نہایت خطرناک ہو سکتا تھا۔ پولیس والے ایک بار پیچھے لگ جاتے تو ان سے جان چھڑانا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشکل ہو جاتا۔ ہم خود کار آتشیں اسلحے کا استعمال کرتے تو نہ جانے کتنی جانیں جاتیں اور پولیس اور انتظامیہ الرٹ ہو جاتی، ان حالات میں پولیس سے بچنا ہی اچھی حکمت عملی ہو سکتی تھی۔

یہ گلوری قسم کے فلیٹ تھے اور ہر فلور پر سیڑھیوں کے دائیں بائیں دو دو فلیٹ تھے اور یہ گراؤنڈ پلس چار منزلہ فلیٹس تھے۔ میں بے درپے سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ میں نے دوسرے فلور کے فلیٹ کی کال بیل دی۔ چند لمحے بعد اندر سے کسی عورت نے پوچھا۔ ''کون ہے؟'' اس نے اردو میں بات کی تھی۔

''کوریئر!'' میں نے نرم سی آواز میں کہا اور جیسے ہی دروازہ ذرا سا کھلا میں نے ہاتھ بڑھا کر نظر آنے والا عورت کا گلا دبوچ لیا۔ اس کی چیخ گلے میں ہی گھٹ گئی تھی۔ میں اسے دھکیل کر اندر داخل ہوا۔ یہ نوجوان، سرخ سفید اور دلکش عورت تھی۔ اس نے شلوار اور بغیر آستین کی شمیز پہن رکھی تھی۔ میرے پیچھے بیتو اور وسیم اندر آئے۔ وسیم نے مشین گن نکال لی تھی اور میں نے سرگوشی میں عورت سے کہا۔ ''میں تمہارا گلا چھوڑ رہا ہوں۔ خیال رہے آواز نہ نکلے ورنہ یہ مشین گن دیکھ رہی ہو۔''

اس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی لیکن اس نے اثبات میں سر ہلا کر بتایا کہ وہ چپ رہے گی۔ میں نے اس کا گلا چھوڑ دیا اور پوری طرح محتاط تھا۔ اگر وہ چلاتی تو میں پھر اس کا منہ بند کر دیتا۔ ''فلیٹ میں اور کتنے لوگ ہیں؟''

''کوئی نہیں، بس میں اور میری بچی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ لہجے میں وہ اتر پردیش کی لگ رہی تھی۔

''پورا فلیٹ دیکھو۔'' میں نے بیتو سے کہا، اس نے سارا فلیٹ دیکھنے کے بعد تصدیق کی۔

''اندر ایک چھوٹی سی بچی ہے، وہ سو رہی ہے۔''

''تمہارا شوہر کہاں ہے اور کتنے لوگ رہتے ہیں؟'' میں نے عورت کی طرف دیکھا۔

''بس میرا پتی ہے، وہ کام پر گیا ہے۔''

''رات کے دس بجے، وہ کام پر ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس کی رات کی ڈیوٹی ہے۔''

''اچھا!'' میں نے کہا۔

''تم کون ہو، کیا چاہتے ہو؟'' اس نے ہمت کر کے پوچھا۔

''ہم دشمن سے بچنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم یہاں پر پناہ لینے آئے ہیں۔ تمہیں یا تمہاری بچی کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

''ہم کچھ دیر رک کر یہاں سے چلے جائیں گے۔'' وسیم نے بھی اسے تسلی دی۔ ''ہم سے تم کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

''تم ہمارا دیدی کے جیسا ہے۔'' بیتو نے تائید کی۔

''بشرطیکہ تم خود سے دشمنی نہ کرو اگر تم نے کسی کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تو تمہاری اور تمہاری بچی کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔'' میں نے آخر میں اسے دھمکانا مناسب سمجھا۔

''میں کسی کو نہیں بلاؤں گی۔''

''یہاں فون ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''تمہارے پاس موبائل بھی ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فون نہیں ہے، موبائل ہے۔'' اس نے کہا، اسی لمحے اندر والے کمرے سے ایک موبائل ٹون بجی۔

''رک جاؤ۔'' میں نے عورت کو جانے سے روک دیا اور بیتو کو اشارہ کیا، وہ موبائل لے آئے۔ بیتو موبائل لے آیا، اس کی اسکرین پر کسی پریتم کا نام آ رہا تھا۔ میں نے عورت کو دکھایا۔ ''یہ کون ہے؟''

''میرا پتی ہے۔''

''اس کا نام پریتم ہے؟''

''نہیں، میں اسے پیار سے کہتی ہوں۔'' بتاتے ہوئے عورت کا چہرہ ذرا سرخ ہوا تھا۔

''او کے، کال ریسیو کرو اور بالکل نارمل بات کرنا۔ اسے کوئی ذرا سا بھی غلط اشارہ مت دینا۔'' میں نے کہا اور موبائل کے قریب کان لگا دیا۔ عورت نے کال ریسیو کی۔

''بینو، کہاں ہو تم..... اتنی دیر سے بیل بج رہی تھی۔'' دوسری طرف سے کسی مرد نے برہم لہجے میں کہا۔

''میں باتھ روم میں تھی۔'' بینو نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''تم نے کیوں کال کی ہے؟''

''بینو! دروازہ اچھی طرح بند کر لو۔ اس علاقے میں مسلح افراد گھوم رہے ہیں۔ کوئی بھی دروازہ کھلوانا چاہے تو ہرگز مت کھولنا۔''

''اچھا۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا، وہ شوہر کو کیسے بتاتی کہ وہ جن کے لئے دروازہ کھولنے سے منع کر رہا تھا، وہ پہلے ہی اندر آ چکے تھے۔ ''یہ لوگ کون ہیں؟''

''پتا نہیں، مگر بہت خطرناک لوگ ہیں۔ ممکن ہے میں آؤں مگر میری آواز سنے بغیر دروازہ مت کھولنا اور سمن کو پیار کرنا۔''

''اچھا!'' بینو نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس نے کوئی غلط اشارہ نہیں دیا تھا۔

''شکریہ! تم نے تعاون کیا ہے۔'' میں نے اس سے موبائل لے لیا۔

''پلیز، اب تم چلے جاؤ۔'' اس نے التجا کی۔

''نہیں، جب تک ہمیں اطمینان نہیں ہوگا، ہم یہاں رکیں گے۔ تم فکر مت کرو، میں اور میرے ساتھی بے ضرر ہیں۔''

مگر اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاصے کھلے حلیے میں تھی۔ میں نے اسے کہا۔ ''تم چاہو تو لباس بدل لو یا کوئی دوپٹا لے لو۔''

اس نے جلدی سے الماری سے ایک قمیص نکالی اور واش روم میں چلی گئی۔ قمیص پہن کر وہ کسی قدر پُراعتماد دکھائی دینے لگی تھی۔ بیتو نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''دیدی کھانے کو کچھ ہے؟''

''ہاں، کچن میں ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''گرم کرنا ہوگا۔''

ہم سب ہی بھوکے تھے مگر مجھے فی الحال فکر یہاں سے نکلنے کی تھی۔ پولیس اگر فلیٹس کو گھیر لیتی اور ایک ایک فلیٹ کی تلاشی لیتی تو ہم پکڑے جا سکتے تھے۔ میں نے دوسری طرف جا کر دیکھا۔ اس طرف بالکونی تھی اور اس پر گرل لگی تھی۔ دوسری طرف تین چار فٹ کے بعد ایک اور عمارت تھی۔ ان کے درمیان میں پتلی سی بند گلی تھی جو تاریک تھی اور اس سے نکلنے کا راستہ نہیں تھا۔ آنند نے ٹھیک کہا تھا اس عمارت کے دوسری طرف جانے کا راستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا۔ ہم پھنس گئے تھے۔ سامنے کی طرف ایک کمرا تھا۔ اس کی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ مجھے فلیٹوں کے سامنے ایک پولیس جیپ دکھائی دی، تین چار پولیس والے تھے اور ان کے ساتھ آنند کھڑا تھا۔ پولیس والے آگے آنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ شاید مزید پولیس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ میں واپس آیا۔

''سنو، اس عمارت کی پشت پر جو عمارت ہے، اس پر نہیں جا سکتے؟'' میں نے بینو سے پوچھا۔

''نہیں، وہ اس سے اونچی ہے۔ دو منزلہ ہے۔'' اس نے بتایا۔

بینو میز پر بیٹھا دال چاول اور بھاجی کھا رہا تھا۔ بینو نے میری طرف دیکھا۔ ''تم نے بھی کھانا ہے تو نکال دوں؟''

''نہیں شکریہ!'' میں نے انکار کر دیا۔ میری فکر بڑھ گئی تھی۔ تین کمروں کے اس فلیٹ میں چھپنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ دو باتھ روم اور ایک کچن تھا۔ اس میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی پولیس اندر آ گئی تو ہمیں مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ سب باتیں وسیم کے ذہن میں بھی تھیں اس لئے وہ فکرمند تھا۔ اس کے مقابلے میں بینو کو احساس نہیں تھا اور وہ مزے سے کھا پی رہا تھا۔ میں نے بینو سے پوچھا۔

''اگر ہمارے دشمن یہاں تک آ جائیں تو ہم کہیں چھپ سکتے ہیں؟''

''دشمن یا پولیس؟'' اس نے طنز کیا، ہمارے شریفانہ رویے سے اس کا خوف خاصی حد تک دور ہو گیا تھا۔

''چلو، پولیس سہی، میرے سوال کا جواب دو۔''

''نہیں، تم خود دیکھ رہے ہو اس فلیٹ میں کتنی جگہ ہے۔''

میں نے دوبارہ نیچے جھانکا۔ اس بار پولیس کی تین اور گاڑیاں نظر آئیں اور کم سے کم دو درجن پولیس والے دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے گلی کی ناکا بندی کر دی تھی۔ اب وہ فلیٹوں کی تلاشی لینا شروع کرتے تو ان کو یہاں تک آتے زیادہ دیر نہ لگتی۔ چند ہی منٹ کے بعد نیچے سے شور سنائی دینے لگا تھا۔ پولیس والے ہماری تلاش میں فلیٹوں میں گھس رہے تھے اور ان کے مکین احتجاج کر رہے تھے۔ وسیم میرے قریب آ گیا۔ ''خطرہ سر پر آ گیا ہے۔''

''ہمیں مقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر پولیس نے اس فلیٹ میں گھسنے کی کوشش کی تو ہم بینو اور اس کی بچی کو یرغمال بنا لیں گے۔'' میں نے آہستہ سے کہا کہ بینو نہ سن سکے۔

وسیم مایوس تھا۔ ''اس علاقے کی پولیس عام طور سے یرغمالیوں کی پروا نہیں کرتی۔''

''پھر بھی ہم آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔''

ہمارے چہروں اور باتوں کے انداز سے بینو نے بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ کر لیا۔ وسیم نے اسے پولیس کی آمد کے بارے میں بتایا، ویسے اب ہنگامہ پہلی منزل تک آ گیا تھا۔ پولیس والے ایسے فلیٹوں میں گھس رہے تھے جیسے ان کو ہماری تلاش نہ ہو بلکہ اہلِ خانہ خود مجرم ہوں۔ مار پیٹ اور رونے چلانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ ہمارے پاس صرف دو عدد یوزی مشین گنیں تھیں اور ان کے دو دو فالتو کلپ تھے۔ مقابلے کی صورت میں ہم زیادہ دیر نہیں رک سکتے تھے جبکہ پولیس کے پاس دوسرے آپشن بھی تھے یعنی وہ ہمیں آنسو گیس کے گولے مار کر بھی باہر نکال سکتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سوچ رہا تھا۔ ''وسیم اور بینو جیسے ہی پولیس یہاں آئے گی، تم دونوں باتھ روم میں چلے جاؤ گے، الگ الگ باتھ روم میں۔''

''اور آپ.....؟''

''میں کچن سے بینو کو دیکھوں گا۔ وہ پولیس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گی۔''

وسیم نے اس کی ہراساں صورت دیکھی۔ ''یہ تو خود بھانڈا پھوڑ دے گی۔''

میں نے غور کیا، واقعی ہم نے اس کی بچی کو یرغمال بنایا تو وہ کسی صورت مطمئن دکھائی نہیں دے سکتی تھی اس لئے میں نے دوسری ترکیب سوچی۔ میں نے بینو سے کہا جو صوفے پر بیٹھی تھی۔ ''دیوی جی! تم نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ ہم کیسے لوگ ہیں اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہیں یا تمہاری بیٹی کو یرغمال بنا لیں مگر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ خود کو پولیس کے حوالے کر دیں اس لئے پولیس اندر آئی تو مقابلہ ضرور ہو گا اور اس میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون مارا جائے گا اور کون بچے گا۔ ہماری پولیس کو تم جانتی ہو۔''

''تو میں کیا کر سکتی ہوں۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''تم پولیس کو مطمئن کر کے اندر آنے سے روک سکتی ہو۔''

''اور اس کے باوجود پولیس اندر آئی۔''

''تب کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہاں جب تک پولیس ہمیں دریافت نہ کرے ہم کچھ نہیں کریں گے اور اس کے بعد خود کو بچانے کے لئے سب کر گزریں گے۔''

''میں کوشش کروں گی۔''

''اس کے بعد ہم خاموشی سے چلے جائیں گے۔''

''میں اپنے پتی کو کال کر لوں؟''

''نہیں، اس سے بلاوجہ ایک آدمی کا اور اضافہ ہو گا۔'' میں نے کہا اور اس کا موبائل بھی آف کر دیا۔ میں نے اپنے سارے موبائل بھی آف کرنے کو کہا کہیں عین موقع پر بیل نہ بج جائے۔ بینو اور وسیم نے بھی اپنے موبائلز آف کر دیئے۔ میں نے اپنے لئے جگہ سوچ لی تھی۔ یہ کچن کے سامنے والے کاؤنٹر کا نچلا کھلا حصہ تھا۔ اس میں لکڑی کی جالی کا کام تھا اور یہاں سے داخلی دروازہ نظر آ رہا تھا۔ میں اپنی مشین گن سمیت آرام سے اس جگہ آ سکتا تھا۔ ''میں یہاں رہوں گا، مجھے یہاں سے دروازہ دکھائی دے گا۔''

میں نے ایک طرح سے بینو کو خبردار کر دیا تھا کہ میں اس پر نظر رکھے ہوئے ہوں اس لئے پولیس کو اشارہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جیسے ہی پولیس نے سیڑھیاں چڑھنا شروع کیں، میں کچن میں چلا گیا۔ یہ کھلا کچن تھا، اس کے سامنے کھلا لاؤنج تھا۔ اس لاؤنج کے آگے دو کمرے تھے اور ایک کمرا سامنے والے حصے میں تھا۔ پیچھے کے دونوں بیڈ رومز کے ساتھ اٹیچ باتھ تھے۔ وسیم اپنی مشین گن سمیت بچوں والے بیڈ روم کے ساتھ باتھ روم میں چلا گیا اور بینو نے دوسرے باتھ روم کا رخ کیا۔ ''بینو دیوی، میں ایک بار پھر سمجھا رہا ہوں۔ پولیس کو ٹالنے کی پوری کوشش کرنا ورنہ ایک بار یہاں خون و قتل کا کھیل شروع ہوا تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون بچے گا اور کون نہیں۔''

''مجھے ڈراؤ مت۔ میں پوری کوشش کروں گی۔'' اس نے آہستہ کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے ہی دروازے پر دستک ہوئی، میں جلدی سے کاؤنٹر کے نیچے ہو گیا۔ بینو نے فوراً جواب نہیں دیا جب پھر دستک ہوئی تو اس نے زور سے کہا۔ "آ رہی ہوں، ذرا صبر کرو۔" وہ دروازے کے پاس پہنچی۔ "کون ہے؟"

"بینو، میں ہوں، دروازہ کھولو۔" باہر سے ایک مردانہ آواز آئی۔ آواز مجھے مانوس سی لگی تھی۔

"پریتم!" بینو بولی اور اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ "تم اتنی جلدی آ گئے؟"

"انسپکٹر، یہ میرا فلیٹ ہے۔" آواز اس بار کھلے دروازے سے آئی تھی اور میں نے بلاشک وشبہ پہچان لی، یہ آنند کی آواز تھی یعنی ہوٹل کے منیجر کی اور ہم اسی کے گھر میں تھے۔ "یہ میری پتنی ہے بینش۔"

"پرنام دیوی جی! کچھ آتنک وادی اِدھر فلیٹ میں گھس آئے ہیں۔"

"میرے فلیٹ میں۔" بینو نے ڈرے انداز میں کہا۔ "یہاں کیسے آئے؟"

"دیوی جی!" انسپکٹر بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ "میرا مطلب ہے ان فلیٹوں میں آئے ہیں۔"

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" بینو بولی۔ "آنند، اندر آ جاؤ۔"

"انسپکٹر جی! بینو ڈر گئی ہے، میں اسے تسلی دے کر آتا ہوں۔"

"اچھی طرح تسلی دے کر آنا۔" انسپکٹر نے بے ہودہ انداز میں کہا۔ "ادھر ہی ہیں، وہ بھی بھاگ کر کہاں جائیں گے سسرے۔"

آنند اندر آیا اور اس نے دروازہ بند کرتے ہی بیوی کو بانہوں میں لے لیا۔ "آج تو بال بال بچا۔"

"کیا ہوا؟" بینو کسمسائی اسے پتا تھا میں دیکھ رہا ہوں۔

"ہوٹل میں تین آرمڈ بندے گھس آئے تھے، مجھے یرغمال بنا کر لے جانے کی کوشش کی مگر....." اس کے بعد اس نے گپ مارنا شروع کر دی۔ وہ بتا رہا تھا کہ اس نے کس طرح مسلح افراد کا مقابلہ کیا اور ان کے چنگل سے نکل گیا۔ اس نے ایسی کم تیسی کر دی۔ ساتھ ہی وہ گالیاں بھی دے رہا تھا، جو ہم سن رہے تھے، بینو نے لرزتی آواز میں کہا۔ "بھگوان کے لئے گالیاں تو مت دو۔"

"ڈرو مت جانِ من! کچھ دیر میں وہ چوہوں کی طرح پکڑے جائیں گے یا کتے کی طرح مارے جائیں گے۔"

اس کی پشت میری طرف تھی اس لئے وہ مجھے کاؤنٹر کے نیچے سے نکل کر آتے نہ دیکھ سکا۔ میں نے مشین گن اس کی پشت سے لگا دی۔

"فی الحال ہمارا چوہوں کی طرح پکڑے جانا یا کتے کی طرح مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"تت...تم!" اس نے بلاتکلف لرزنا شروع کر دیا۔ اس نے میری آواز پہچان لی تھی۔

"آواز نہ نکلے۔" میں نے نال کا دباؤ بڑھایا۔

"پلیز!" بینو نے التجا کی۔

"تمہاری بدقسمتی، ہم بلا ارادہ تمہارے فلیٹ میں آ گئے۔" میں نے سامنے آ کر کہا۔ "اور ہماری خوش قسمتی کہ تمہاری وجہ سے پولیس نے اِدھر آنے سے گریز کیا۔"

"لیکن مجھے جانا ہوگا۔ اگر میں نہ گیا تو پولیس اندر آ جائے گی۔" اس نے سوچ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بے شک تم جاؤ گے اور پولیس کو مطمئن رکھو گے۔" میں نے اسے بتایا۔ "ادھر تمہارے بیوی بچے ہمارے پاس یرغمالی ہوں گے۔ تم سوچ سکتے ہو تمہاری ذرا سی غلط حرکت کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔"

آنند کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ "سنو، تم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ پولیس نے چاروں طرف سے راستے بند کر رکھے ہیں۔"

"بے شک بند کر رکھے ہوں۔ کب تک بند رکھیں گے اور جب تک بند رکھیں گے، تب تک ہم یہاں رہیں گے۔"

وسیم اور بجو بھی باتھ روم سے نکل آئے تھے۔ آنند بولا۔ "اگر پولیس کو شک ہو گیا کہ تم یہاں ہو اور اس نے کارروائی کی....."

"تو تمہاری یہ حرام زدگی تمہارے بیوی بچے کو بھگتنا پڑے گی۔" وسیم غرایا۔ "ہم شریف ضرور ہیں لیکن احمق نہیں ہیں جو تم جیسے ہمیں بنا جائیں۔ یاد رکھو، مارے گئے تو سب کے ساتھ مارے جائیں گے۔"

"نہیں، میں کچھ نہیں کروں گا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ابھی میں تمہاری عافیت ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ اس عمارت میں کل کتنے فلیٹ ہیں؟"

"چالیس فلیٹ ہیں۔"

"اور ان چالیس فلیٹوں کی تلاشی میں کتنی دیر لگے گی؟"

"اس طرف سے شروع کے چار فلیٹ ہو چکے ہیں۔ باقیوں کی تلاشی جاری ہے۔ میرا خیال ہے تمام فلیٹس کو دیکھنے میں دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔"

"یعنی رات ایک بجے تک کلیئر ہو گا۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں، پولیس کب تک محاصرہ ختم کرے گی۔"

"تب تک میں اور میرے ساتھی یہاں رہیں گے۔"

"یہ مصیبت تمہارا لایا ہوا ہے۔" بجو نے بھی اسے جھاڑا۔ "نہ تم چالاکی دکھاتا اور نہ ابھی پھنستا۔"

بجو نے حیرت سے اپنے شوہر نامدار کو دیکھا۔ "مجھے تم سے اس کی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ اگر یہ تم پر فائر کر دیتے تو میں تو بیوہ ہو جاتی۔"

"تمہیں اپنی پڑی ہے۔" آنند چڑ کر بولا۔ "میری فکر نہیں تھی۔ یہ مجھے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے اور کہیں لے جا کر گولی مار دیتے پھر؟"

"وہ تو اب بھی مار سکتے ہیں۔"

"اب نہیں مار سکتے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "گولی کی آواز سب جگہ جائے گی۔"

"میں ہاتھ مار کر تمہاری گردن توڑ سکتا ہوں۔" وسیم نے اسے آگاہ کیا۔ "اور اس کی آواز اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔"

"بھگوان کے لئے۔" بجو روہانسی ہو گئی۔ "یہ تم لوگ مرنے مارنے کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

"کوئی نہیں مرے گا۔" آنند نے شکست خوردہ سے انداز میں کہا۔ "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری بیوی بچی کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے؟''

''ہم ایک گھنٹے سے یہاں ہیں، تم اپنی بیوی سے پوچھ لو۔ بے شک اکیلے میں لے جا کر پوچھ لو۔ ہم میں سے کسی نے اسے میلی نظر سے دیکھا یا تمہاری بچی کے بارے میں کوئی غلط بات کی۔''

بینو نے فوراً گواہی دی۔ ''یہ اچھے لوگ ہیں پریتم! میں تو صرف شمیز پہنے ہوئے تھی، انہوں نے خود مجھے قمیص پہننے کو کہا تھا، مجھ سے کوئی غلط سلوک بھی نہیں کیا۔''

''تم بے فکر ہو کر جاؤ۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''چاہو تو ہر دس پندرہ منٹ بعد بینو سے موبائل پر بات کر کے اس کی خیریت معلوم کر سکتے ہو۔''

''او کے۔'' آنند کسی قدر مطمئن نظر آنے لگا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ پولیس کو اس طرف نہ آنے دوں اور ان کو جلد از جلد یہاں سے رخصت کر دوں۔''

''دوسرے ہم تمہارے ساتھ ہی یہاں سے جائیں گے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''لہٰذا پولیس کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف کوئی جال بچھانے کا خیال بھی دل میں مت لانا۔''

''میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔'' اس نے یقین دلایا اور چلا گیا۔

اب مجھے بھوک لگنے لگی تھی، میں نے بینو سے کہا۔ ''کھانے کے لئے کیا ہے، اس دال بھاجی کے علاوہ؟''

''یہی کھاؤ صاحب۔'' بینو بولا۔ ''بہت مزے کا ہے۔''

ہم تینوں ایک دوسرے کا نام لینے سے گریز کر رہے تھے۔ وسیم بولا۔ ''چلو یہی لے آؤ، آج بینوں کی خوراک بھی کھا لیں۔''

بینو نے ہمارے لئے بھی دال اور بھاجی گرم کی ساتھ میں سادہ چاول تھے، اس نے کہا۔ ''کہو تو روٹی ڈال دوں، اگر چاول نہیں کھانے تو؟''

''نہیں چاول چلیں گے۔'' میں نے منع کیا۔

''بشرطیکہ کھانے کے بعد کافی مل جائے۔''

''بینو مسکرائی۔ ''میں کافی بہت اچھی بناتی ہوں۔''

''اگر کافی پسند آئی تو ہم انعام بھی دیں گے۔'' میں نے شاہی انداز میں کہا اور بقول وسیم کے بینوں کی خوراک کھانے لگا۔ بینو نے کافی کے لئے پانی رکھا۔ جب تک ہم کھانے سے فارغ ہوئے، وہاں کافی کی مہک پھیل چکی تھی۔ اس نے خوب صورت مگوں میں کافی نکالی، واقعی کافی خوش ذائقہ اور تازگی سے بھرپور تھی۔

''خوش رہو مسز پریتم!'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''کہو کیا مانگتی ہو، روپیا، پیسا، ہیرے جواہرات!''

''اپنے پتی اور اپنی بچی کی زندگی۔'' اس نے کہا تو میرا ہاتھ رک گیا۔

''کم سے کم ہم سے ان کو بلکہ تمہیں بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔ مگر پولیس یہاں آ گئی تو تب کیا ہو گا؟''

''اگر تمہارے شوہر کی حماقت سے نہیں آئے گی تو ہماری پوری کوشش ہو گی کہ تم پر آنچ نہ آئے۔''

''یہ بات پولیس والے تو نہیں سمجھیں گے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے مگ میز پر رکھ دیا۔ ''تب کیا تم چاہتی ہو ہم خود کو پولیس کے سامنے پیش کر دیں؟'' وسیم نے تلخی سے کہا۔

بینو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، اس کا لہجہ بھی بھرا گیا تھا۔ ''بھگوان کے لئے میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ایک پتنی اور ایک ماں ہوں۔ میرا یہی اثاثہ ہے۔ اگر میرا پتی یا بچی نہ رہی تو میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گی۔''

اس کے لہجے میں فریاد تھی۔ میں نے غور کیا۔ ''ٹھیک ہے، میں زندگی کی ضمانت تو نہیں دے سکتا کیونکہ انسان ہوں مگر اتنا کہہ سکتا ہوں ہماری وجہ سے تم پر یا تمہارے شوہر اور بچے پر آنچ نہیں آئے گی۔''

''جناب، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وسیم اضطراب سے بولا۔

''یار اللہ پر بھروسا رکھو، وہی سب کا محافظ ہے۔''

بینو نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''تم مسلمان ہو؟''

میں نے اسے جواباً گھورا۔ ''اس ملک میں مسلمان ہونا کیا جرم ہے؟ جو ہر ایک چونک جاتا ہے۔''

''نہیں۔'' وہ خفیف ہو گئی۔ ''میری بہت ساری سہیلیاں مسلمان ہیں۔ میں نے دس سال کی عمر تک ان کے درمیان پرورش پائی ہے۔''

''تبھی تمہاری زبان صاف ہے۔''

''تمہاری شادی کو ابھی دو تین سال ہوئے ہیں؟'' وسیم نے اندازہ لگایا۔

''ہاں دو سال سات مہینے اور پندرہ دن۔'' اس نے فوراً حساب بتایا۔

جس دوران ہم بینو سے بات کر رہے تھے، اس وقت بیتو دروازے سے کان لگائے کھڑا تھا۔ اس نے آ کر اطلاع دی۔ ''وہ لوگ اب دوسری طرف چلے گئے ہیں۔''

اس کا مطلب تھا کہ وہ عمارت کے دوسرے حصے میں چلے گئے تھے۔ شور کی آواز کم ہو گئی تھیں میں نے کھڑکی کے نیچے دیکھا۔ پولیس والے بدستور موجود تھے۔ وسیم میرے پاس آیا۔ ''جناب! مجھے سونیا اور ناصر کی فکر ہے، ممکن ہے وہ کال کر رہے ہوں۔''

''ایسا کرو، موبائل آن کر کے اس کی بیل آف کر دو۔ کال آئے گی، وائبریٹ پر کر لو۔''

اس نے ایسا ہی کیا۔ آن کرتے ہی ایک ایس ایم ایس نظر آیا۔ وسیم نے اسے دیکھا اور اچھل پڑا۔ ایس ایم ایس سونیا کا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔ ''بھائی، یہ میرا نمبر ہے۔''

اسی لمحے موبائل نے بیل دی۔ اس کا پتا وائبریٹ اور اسکرین آن ہونے سے چلا۔ وسیم نے جلدی سے کال ریسیو کی۔ ''سونی..... میری جان..... میری گڑیا۔'' اس کی آواز بھرا گئی پھر وہ رونے لگا۔ اتنا لمبا چوڑا اور مضبوط آدمی بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ میں نے اسے بازو میں لے لیا۔

''پاگل..... رو مت..... بات کر۔'' مگر وہ روتا رہا میں نے اس سے موبائل لے لیا۔ ''سونیا یہ تو رو رہا ہے۔''

''میں بھی تو رو رہی ہوں شوبی بھائی!'' سونیا روتے ہوئے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دیکھو، ہم نہایت سنگین حالات سے دوچار ہیں، سمجھ لو گھیرے میں ہیں۔'' میں نے اسے موقع کی نزاکت کا احساس دلایا۔

''کک..... کیا ہوا ہے؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔ ''کس کے گھیرے میں؟''

''فون پر اس قسم کی باتیں مناسب نہیں ہوتیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''وسیم سے بات کرو۔''

میں نے فون وسیم کو دیا، وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے سونیا سے بات کی، اس سے وہاں کا احوال پوچھا اور فون بند کر دیا۔ ''سونی اور ناصر وہاں کے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ وہ صرف دلی تک رہنے کے مجاز ہیں مگر سونیا بضد ہے کہ وہ کلکتہ آئے گی۔''

''اسے کہو، فوراً واپس جائے، حالات ٹھیک نہیں ہیں، دونوں ملکوں کی فوجیں آمنے سامنے ہیں۔ اگر جنگ ہوئی تو تمام پاکستانی یہاں پر جنگی قیدی بن جائیں گے۔ ان کو فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''میں نے بھی یہی کہا تھا۔'' وسیم بولا۔ ''مگر وہ جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

''ناصر سے بات کرو۔''

''ناصر دوسرے کمرے میں ہے، اس سے صبح ہی بات ہو سکتی ہے۔''

''اگر یہ لوگ واپس چلے جائیں تو ایک بوجھ تو کم ہوگا۔ راجا عمر دراز سے ملاقات کے بعد ہم بھی کسی اور طرف سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔''

''راجا عمر دراز خود آئے گا۔'' وسیم نے غور کیا۔

''نہیں۔ اس قسم کے کام وہ خود نہیں کرتا ہے، اس کے پاس ذرائع کی کمی نہیں ہے۔ وہ میرے اندازے سے زیادہ پُراسرار ہے۔''

''میں نے کسی شخص کو اس عمر میں اتنا چاق و چوبند نہیں دیکھا۔''

''وہ یہاں کیوں آیا ہے؟'' میں نے غور کرتے ہوئے کہا۔ ''جب ہم لاہور میں تھے تو وہ مجھے انڈیا لے جانے کے لئے تیار تھا اور ندیم نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ میں فی الحال ملک سے چلا جاؤں تاکہ میرے دشمن بھی ذرا سکون سے بیٹھیں مگر یہاں پر بھی مجھے دشمن ہی ملے۔''

''آپ دشمنوں کے معاملے میں خود کفیل ہیں۔''

''گزشتہ چند ہفتوں میں، میں جن حالات سے گزرا ہوں، وہ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچے تھے۔ خاص طور سے ہماچل پردیش میں جو ہوا، کتنی بار موت میرے پاس سے گزری اور اللہ نے مجھے محفوظ رکھا۔''

''مجھے بھی شاید وادی کے قید خانے سے اس لئے نجات ملی تھی کہ میں اوپر سے اس گن شپ پر پتھر مار سکوں، اس کے بعد مجھے پھر واپس پہنچا دیا گیا تھا۔'' وسیم ہنسا۔

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چکر میرے پاؤں میں ہے۔ مرشد علی ہو یا راج لاما یا پھر کنور خاندان ہے۔ مجھے کہیں نہ کہیں اپنی جان کا گاہک مل جاتا ہے۔ راج کنور تو میری جان لینا اور میرا خون نچوڑ لینا چاہتا تھا۔''

''کیوں؟'' وسیم چونکا۔

میں نے اسے سانپ سے ڈسے جانے اور اپنے علاج کی کہانی سنائی، اس کے بعد میرے خون میں کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسی تاثیر پیدا ہو گئی تھی کہ اس سے بڑے کنور کا علاج کیا جا سکتا تھا جسے ایک سانپ نے ہی ڈسا تھا اور اسے پُراسراری بیماری ہو گئی تھی جس میں اس کا گوشت گل رہا تھا، اب نہ جانے اس کا کیا حال ہوا ہو۔"

"میں نے آپ کے دشمنوں کو ہمیشہ پریشان اور برباد ہی دیکھا ہے۔"

"انہوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔"

"پھر بھی آپ پر خدا کا کرم ہے۔" وسیم نے اصرار کیا۔

"تو میں نے کب انکار کیا ہے، اس کے بغیر تو میں ایک پل نہیں جی سکتا۔ یہ سب اس رب کی مہربانی ہے جس کا میں گناہ گار بندہ ہوں۔"

وقت گزرنے لگا۔ وقفے وقفے سے بینو کا موبائل رنگ کرتا تھا اور آنند اس سے بات کر کے اپنی تسلی کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ میں نے وسیم سے کہا کہ وہ سو جائے ورنہ صبح تک سب کا نیند سے برا حال ہو گا۔ مجھے پولیس اتنی آسانی سے جاتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وسیم دوسرے بیڈ روم میں جا کر سو گیا۔ دو گھنٹے بعد میں نے بینو کو بھی بھیج دیا۔ اس وقت چار بج رہے تھے۔ پھر پانچ بجے وسیم کو اٹھا کر خود سو گیا۔ میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ آٹھ بجے مجھے اور بینو دونوں کو اٹھا دے، اس وقت تک بینو بھی سو گئی تھی۔ وسیم نے ٹھیک آٹھ بجے مجھے اٹھا دیا تھا، اسی وقت آنند آ گیا۔ وہ تھکا ہوا اور بے حال تھا۔ "ساری رات پولیس کے ساتھ گزری اور صبح مالکان نے پکڑ لیا۔"

"اگر تم شرافت سے ہمیں کہیں چھوڑ دیتے تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔" میں نے کہا۔ "باہر کیا صورتِ حال ہے؟"

"پولیس نے گلی کا محاصرہ ختم کر دیا ہے مگر مین روڈ پر ہے۔ اسے شبہ ہے تم لوگ یہاں ہو اس لئے کبھی نہ کبھی تو نکلو گے۔"

"ہم تمہارے ساتھ جائیں گے۔"

"آنند کے ساتھ نہیں، میرے ساتھ۔" بینو نے ناشتے کے لئے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا میرا پتی اور بچی محفوظ رہیں گے۔"

"ہاں مگر تم کیوں جانا چاہ رہی ہو؟"

"آنند ساری رات پولیس کے ساتھ رہا ہے، ممکن ہے وہ اسے دیکھ کر مشکوک ہو جائے، مجھے صرف چند نے دیکھا تھا۔" بینو نے دلیل دی۔

"نہیں، تم نہیں جاؤ گی۔" آنند نے فوراً منع کر دیا۔

"پریتم، میں ان لوگوں پر پورا اعتماد کر رہی ہوں۔ یہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"اور پولیس نے روک لیا تو.....؟" آنند کے لہجے میں اندیشے لرز رہے تھے۔

"وہی جو تمہارے ساتھ ہو سکتا ہے مگر میرے جانے سے خطرہ کم ہو گا۔"

میں نے اس کی تائید کی۔ "آنند، یہ درست کہہ رہی ہے۔ اس کے ساتھ خطرہ کم ہو گا۔"

"میرا خیال ہے ہمیں نکل جانا چاہئے۔" وسیم نے تجویز دی۔ "اس وقت لوگ دفتروں اور کام پر جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے نکل رہے ہیں۔ان کی آڑ میں ہم بھی نکل سکتے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ بینو، ناشتا چھوڑو، اب ہم یہاں سے نکلیں گے۔"

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔"میں تیار ہوں۔"

"بینو!" آنند نے کہنا چاہا۔

"بس مسٹر آنند!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔"اب تم چپ رہو گے۔ پہلے میں اور میرا ایک ساتھی جائیں گے۔ایک یہاں رکے گا۔"

"ایک یہاں کیوں رکے گا؟" بینو فکرمند ہوگئی تھی۔

"ہم عقبی سیٹ پر لیٹ کر جائیں گے۔ تیسرے کی گنجائش نہیں ہوگی اور اگلی نشست پر چھپ کر جانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"میں نے وضاحت کی۔

آنند میری وضاحت سے مطمئن تھا یا نہیں، مگر وہ میری بات ماننے پر مجبور تھا۔ طے ہوا کہ پہلے وسیم اور بینو جائیں گے۔ وسیم نے پہلے مجھے روانہ کرنا چاہا مگر میں نے اسے مجبور کیا۔ وہ دونوں بینو کے ساتھ نکلے۔ آنند سخت مضطرب تھا۔"آنند، کیا پولیس نے باہر کوئی خفیہ جال بچھا رکھا ہے؟"

"اگر اس نے ایسا کیا ہے تو میں بالکل بے خبر ہوں، ممکن ہے پولیس نے ایسا کیا ہو کیونکہ انسپکٹر کا خیال تھا کہ تم اور تمہارے ساتھی اسی علاقے میں کہیں چھپے ہیں۔"

"ہمارے بارے میں پولیس کا کیا خیال تھا؟"

وہ جھجکا۔"پولیس تم تینوں کو دہشت گرد خیال کر رہی ہے جو کسی واردات کے سلسلے میں نکلتہ آئے ہیں۔"

"ہم نہ تو دہشت گرد ہیں اور نہ ہی کسی تخریب کاری کے لئے آئے ہیں۔ ہم صرف اپنے طاقتور دشمنوں سے بچتے پھر رہے ہیں۔"میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"جس انسپکٹر نے تم سے رشوت لی تھی، وہ پکڑا گیا ہے۔ اس نے کسی مخبر کا بتایا تھا۔ جس نے تمہاری نشاندہی کی تھی اور اسے پکڑنے پر کوئی جوشی نامی شخص پولیس کے ہاتھ لگا تھا۔"

یہ سنتے ہی میرے اندر گھنٹی بجی تھی۔ اگر جوشی پولیس کے ہاتھ آ گیا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ نہ صرف ہمارے جعلی لائسنس کا پول کھل چکا تھا بلکہ کم سے کم میرا موبائل نمبر بھی پولیس کے علم میں آ گیا تھا۔ پولیس اس کی مدد سے میرا سراغ لگا سکتی تھی۔ میں نے موبائل آف کر رکھا تھا اس لئے فوری طور پر خطرہ نہیں تھا۔ میں آنند کا شکر گزار تھا جس نے مجھے بروقت خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس کی بچی جاگ گئی تھی اور اس نے اپنی پپی گیلی کر دی تھی۔ آنند اسے دیکھنے لگا۔ میں بینو کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد کال بیل بجی اور بینو اندر آئی۔"میں نے ان دونوں کو کچھ دور چھوڑا ہے۔ جلدی سے آؤ، باہر پولیس ہے ممکن ہے اس بار نکلنا مشکل ہو۔"

میں نے محسوس کیا کہ یہ سن کر آنند کی کسی قدر خوش ہوا تھا۔ بینو اس کے پاس گئی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔"پریتم، میری اور سونیتا کی سوگند کھاؤ۔ ہمارے جانے کے بعد تم کوئی حرکت نہیں کرو گے؟"

"میں بھلا کوئی حرکت کیوں کرنے لگا؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، میری سوگند کھاؤ، ورنہ میں سونیتا کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔''

یہ سنتے ہی آنند کے شانے ڈھلک گئے تھے اس نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ ''میں تمہاری اور سونیتا کی سوگند کھاتا ہوں میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔''

''تھینک یو!'' بینو بولی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''چلئے جناب!''

میں نے اپنی رائفل بیگ میں ڈال لی تھی مگر اس طرح کہ میں اسے ایک لمحے میں نکال سکتا تھا۔ ہم نیچے آئے۔ بینو نے کار عین سیڑھیوں کے سامنے روکی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور میں جلدی سے عقبی نشست پر دراز ہوگیا۔ یہ چھوٹی سی کار تھی اور میں خاصی مشکل سے فولڈ ہو کر اس میں آیا تھا۔ بینو نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھادی۔ ''ہوشیار رہنا۔ اگر پولیس نے روکنے کی کوشش کی تو میں بھگا دوں گی۔''

''کوشش کرنا کہ مجھے راستے میں کہیں اتار دو۔''

''تمہارے ساتھی نے کہا تھا کہ اگر تم مقررہ جگہ نہ پہنچے تو بارہ بجے وہاں آجانا جہاں کسی راجا نے بلایا ہے۔''

یہ خیال صرف وسیم کو آسکتا تھا، اسے خیال آیا کہ ممکن ہے میں کسی وجہ سے ان سے نہ مل سکوں اور پولیس سے بھی بچ نکلوں تو وہ میرا دھرم تلہ کے شہید مینار کے پاس بارہ بجے انتظار کریں گے مگر خدا کا شکر ہے اس کی نوبت نہیں آئی۔ بینو نے مجھے ایک ریستوران کے سامنے اتارا۔ ''میں نے ان دونوں کو بھی یہاں چھوڑا تھا۔''

''تمہارا شکریہ مسز آنند!'' میں نے کھڑکی پر جھک کر کہا۔ کار رکتے ہی میں باہر نکل آیا تھا اور مجھے اردگرد کہیں بھی وسیم یا بینو دکھائی نہیں دیئے تھے۔ ''تمہیں یقین ہے آنند پولیس کو اطلاع نہیں کرے گا؟''

''ہاں، میں نے اسے سونیتا کی سوگند دی ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔ تم نے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا، اس کا صلہ نہیں دے سکتا مگر یہ چھوٹا سا نذرانہ ہے۔'' میں نے دس ہزار روپے ڈیش بورڈ پر رکھ دیئے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔

''میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں، تم سونیتا کے لئے ہماری طرف سے کچھ لے لینا۔''

''تھینک یو!'' اس نے ممنونیت سے کہا۔ ''تم لوگ بہت اچھے ہو۔''

''ہمارے لئے دعا کرنا۔''

بینو کے جانے کے بعد میں نے دوبارہ اردگرد کا جائزہ لیا اور وسیم مجھے ایک کونے میں نظر آیا۔ وہ مجھے اشارہ کر رہا تھا۔ میں ٹہلتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گیا۔ یہ دو عمارتوں کے درمیان میں ایک پتلی سی گلی تھی جس میں بمشکل دو افراد گزر سکتے تھے۔ ''بینو کہاں ہے؟''

''دوسری طرف ہے، آیئے میرے ساتھ۔'' اس نے کہا۔ ''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''ابھی تک تو نہیں ہوا ہے مگر ممکن ہے آنند کوئی حرامی پن کر جائے۔ اس کا انداز مشکوک تھا۔ اس نے بینو کے مجبور کرنے پر اس کی اور اپنی بچی کی قسم کھائی تھی کہ ہمارے جانے کے بعد کوئی حرکت نہیں کرے گا مگر مجھے اس پر بھروسا نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس لئے ہمیں جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہئے۔''

بیتو دوسری طرف ہمارا منتظر تھا۔ وہاں سے ہم نے ایک ٹیکسی لی اور چند کلو میٹر بعد ایک ریستوران کے سامنے اتر گئے۔ وہاں فریش ہو کر اور منہ ہاتھ دھو کر ناشتا کیا۔ اس کے بعد وہاں سے نکلے تو سیدھے دھرم تلہ کا رخ کیا، بلاوجہ اِدھر اُدھر پھرنے سے بہتر تھا کہ ہم بارہ بجے کا انتظار پارک میں بیٹھ کر کرتے۔ ٹرام ڈپو کے سامنے اتر کر وسیم نے بتایا۔ ''میں نے سونیا کو کال کی تھی ناصر سے بات ہوئی۔ وہ آج ہی پہلی فلائٹ سے واپس لاہور جا رہے ہیں۔''

''ان کے جانے سے ایک طرف تو اطمینان ہو جائے گا۔''

''ہاں، دو بجے کی فلائٹ ہے۔'' وسیم نے بتایا۔

دھرم تلہ کو شہر کا مرکز کہا جاتا ہے۔ یہاں ٹرام ڈپو بھی ہے اور ایک سائیڈ پر 1857ء کے شہدا کی یاد میں شہید مینار ہے۔ اس کے اطراف میں خوبصورت پارک بھی ہے۔ ہم اسی پارک میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

''راجا نے صرف مجھے آنے کے لئے کہا تھا۔''

''اور پورا لشکر یہاں ہے۔'' وسیم مسکرایا۔

''مجبوری ہے۔ مگر بارہ بجے میں جاؤں گا اور جب راجا کے آدمی سے ملاقات ہو جائے گی تو تمہیں بھی بلا لوں گا۔'' میں نے کہا اور اچانک مجھے یاد آیا۔ میں نے موبائل نکالا اور اس میں سے سم نکال کر اسے انگلیوں میں دبا کر توڑ دیا تھا پھر اسے قریبی ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ بیتو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''ایسا کیوں کیا صاحب!''

میں نے ان کو بتایا۔ ''جوشی پولیس کے ہاتھ آ گیا ہے اور ہمارے لائسنس بے کار ہو گئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ سم بھی خطرناک ہو گئی تھی۔ میں اس نمبر سے جوشی سے بات کرتا رہا تھا اس لئے یہ نمبر لازماً پولیس کے پاس ہو گا۔ اس لئے اب اس کا استعمال خطرناک ہو سکتا تھا۔ باقی سم محفوظ ہیں، ان کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔''

پونے بارہ بجے میں پارک سے باہر نکلا اور سیڑھیوں پر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ نمایاں نظر آؤں۔ راجا عمر دراز نے جس کو بھیجا ہو گا اسے میری تصویر دکھائی گئی ہو گی۔ میرے چہرے پر چند دن کی بڑھی شیو تھی مگر اس سے میرا چہرہ خاص تبدیل نہیں ہوا تھا مجھے امید تھی کہ مجھے شناخت کرنے میں دشواری نہیں ہو گی۔ پھر بھی آنے والا مجھے تلاش نہ کر سکا یا کوئی اور مسئلہ ہوا تو میرے پاس راجا عمر دراز کا نمبر تھا۔ بارہ بجے کا گھنٹا بجا۔ سامنے ایک بڑی سی گھڑی لگی تھی۔ یہ آواز اسی گھڑیال کی تھی۔ ابھی تک میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ میں صبر و سکون سے کھڑا رہا۔ کوئی سوا بارہ بجے ایک ادھیڑ عمر شخص میرے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اور اس نے انگریزی میں کہا۔

''مجھے یہ پتا سمجھا دو، مہربانی کر کے۔''

میں نے کاغذ لیا اور چونکا۔ اس پر لکھا تھا۔ ''اس شخص کے ساتھ چلے آؤ مگر گرد و پیش کا خیال رکھنا۔ آر یو ڈی۔'' آر یو ڈی سے مراد راجا عمر دراز ہی ہو سکتا تھا۔

میں نے اسے پتا سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''تم اس پیلی عمارت کے سامنے کھڑے رہنا، میں اپنے ساتھیوں کو لے کر آ رہا ہوں۔'' میں نے ہاتھ سے اشارہ بھی کیا جیسے اسے بتا رہا ہوں اس کا پتا اس سمت میں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں انتظار کر رہا ہوں۔'' اس نے کاغذ لیتے ہوئے سر ہلا کر کہا اور اس طرف بڑھ گیا۔

''میں پلٹ کر پارک میں آیا۔ ''چلو، آدمی آ گیا ہے۔'' میں نے وسیم اور بیتو کو بتایا۔ ''ایک ساتھ مت آنا، ایک دوسرے سے ذرا فاصلہ رکھنا۔''

''اتنی احتیاط کس لئے؟'' وسیم نے بیگ سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''راجا نے اس کی ہدایت ہے۔'' میں نے بیگ لے کر اُدھر کا رخ کیا۔

پارک سے نکل کر میں اس سمت میں چلا جس طرف وہ آدمی گیا تھا۔ وسیم اور بیتو دس پندرہ گز کا فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے آ رہے تھے اور مجھے آس پاس کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو نگرانی کر رہا ہو۔ اگر ایسا تھا تو اس نے خود کو کامیابی سے چھپا رکھا تھا۔ وہ شخص جو راجا عمر دراز کی طرف سے آیا تھا، پہلی عمارت کے ایک کونے پر کھڑا تھا۔ میں اس کے پاس رکا۔ ''کہاں جانا ہے؟'' میں بظاہر جھک کر جوتے کے تسمے ٹھیک کرنے لگا تھا۔

''میرے پیچھے آؤ۔'' اس نے کہا۔ ''ذرا فاصلہ دے کر چلنا۔''

''تم چلو۔'' میں تسمے ٹھیک کرتا رہا اور وہ آگے چلا گیا۔ جب وہ دس پندرہ قدم آگے نکل گیا تو میں اس کے پیچھے [illegible] پیچھے تھے۔ [illegible] جیسی خاصی جسیم بوٹر کی فلم بن گئی۔ وہ چلتا رہا، چہرے اور زبان سے [illegible] ہاتھ خدا خدا کر کے وہ ایک دین کے سامنے رکا۔ یہ فاکس ویگن کا کم سے کم تیس سال پرانا ماڈل تھا جو [illegible] دیکھ رکھا تھا۔ مگر خال خال ہی دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان میں بھی میں نے اس کے [illegible] دیکھے ہیں شاید اس وجہ سے کہ یہ ایندھن فراخ دلی سے استعمال کرتی ہے۔ اس نے پچھلا سرک جانے والا دروازہ کھولا اور میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ یکے بعد دیگرے وسیم اور بیتو بھی اندر آ گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک تگڑی نقوش والا شخص تھا۔ بعد میں پتا چلا وہ گورکھا تھا اس نے دروازہ بند ہوتے ہی ویگن اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ میں نے ادھیڑ عمر شخص سے پوچھا۔

''میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟''

''منور چوہدری۔'' اس نے کہا۔

''منور.....'' میں نے غور سے دیکھا۔ ''یہ کیسا نام ہے؟''

''آپ منور نہیں سمجھتا۔'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''ہم مسلمان ہے، منور چوہدری!''

میں نے غور کیا سمجھ میں آ گیا۔ اس کا نام منشور چوہدری تھا۔ ''اچھا سمجھ گیا، تو منشور صاحب، ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''برن پور۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''برن پور! یہ کہاں ہے؟''

''کلکتہ کے شمال میں مرشد آباد ہے۔ ایک زمانے میں وہ صوبہ بنگالہ کا دارالحکومت بھی تھا۔ اودھ سے اس کی سرحد شروع ہوتی تھی اور آسام پار کرتی ہوئی بھوٹان تک چلی جاتی تھی۔ صوبہ اڑیسہ بھی اسی میں شامل تھا یعنی نو صوبے کا ایک صوبہ تھا۔ اسی مرشد آباد کے نواب سراج الدولہ کو پلاسی میں شکست دینے کے بعد انگریزوں نے مرشد آباد کے برابر میں یہ شہر برن پور آباد کر لیا۔ اسی طرح جیسے علی پور کے برابر میں کلکتہ بسایا گیا۔ مرشد آباد کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب پہلے جیسی شان و شوکت باقی نہیں رہی ہے مگر آپ دیکھنا، بہت خوبصورت شہر ہے۔"

مجھے یاد آیا، میں نے کہیں اس شہر کے بارے میں لارڈ کلائیو کا تبصرہ پڑھا تھا، اس نے لکھا تھا۔ "مرشد آباد لندن جیسا شہر ہے۔ بس ایک فرق ہے، یہ لندن سے کہیں بڑا ہے اور اس کے امراء کے پاس لندن کے امراء سے کہیں زیادہ دولت ہے۔"

"کتنی دیر لگے گی؟" میں نے نشست پر دراز ہو کر کہا۔

"چار گھنٹے کا سفر ہے۔"

"راجا صاحب وہیں ہیں؟"

"کون راجا صاحب!" اس نے سچ مچ حیرت سے کہا تھا۔

"تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

"میں تو رانا دیاس گوالتی کا ملازم ہوں۔" اس نے کہا۔ "انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔"

"میں کسی رانا دیاس کو نہیں جانتا۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ کل مالک نے مجھے آپ کی تصویر دیا اور کہا آپ ادھر کلکتہ میں دھرم تلہ کے سامنے ملو گے۔"

میں کش مکش میں پڑ گیا تھا۔ یہ ساری باتیں اشارہ کر رہی تھیں کہ ہمیں راجا عمر دراز نے بلایا ہے جبکہ یہ شخص کہہ رہا تھا وہ کسی رانا دیاس کا ملازم ہے اور راجا عمر دراز کو نہیں جانتا۔ اچانک وسیم اس سے مخاطب ہوا، اس نے منظور کو راجا عمر دراز کا حلیہ بتایا۔ "تمہارے مالک کے پاس اس حلئے کا کوئی شخص موجود ہے؟"

"ہاں، پر آپ کیسے جانتے ہو؟" اس نے تعجب سے کہا۔

"بس جانتے ہیں۔" وسیم میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔

میری فکر دور ہو گئی۔ اس دوران میں ویگن کلکتہ کے مضافات میں آ گئی تھی جہاں کہیں آبادی اور کہیں کھیت تھے۔ قدرت نے اس خطہ ارضی کو فراخ دلی سے حسن دیا ہے۔ شاذ ہی کوئی جگہ سبزے سے خالی تھی، بے شمار رنگوں کے پھول کھلے تھے۔ نازک بیلیں درختوں پر چڑھ رہی تھیں۔ ناریل، تاڑ، پام اور بانس کے درخت کثرت سے تھے۔ ایک جگہ دو عورتیں ناریل کا ڈھیر لگائے فروخت کر رہی تھیں۔ ہم کلکتہ سے دور جا رہے تھے اور یہ اچھی بات تھی، کلکتہ شہر رفتہ رفتہ ہمارے لئے پھندا بنتا جا رہا تھا، ایک بار یہ پھندا سخت ہو جاتا تو اس سے نکلنا محال ہو جاتا۔ ایک گھنٹے بعد آبادی ختم ہوئی اور ویگن کھیتوں اور تالابوں کے درمیان بل کھاتی سڑک پر دوڑنے لگی۔ بعض مقامات پر بے حد درخت تھے، اتنے اونچے اور گھنے تھے کہ سڑک ان کے سائے میں آ گئی تھی۔ بیتو تھکا ہوا تھا، وہ عقبی نشست پر جا کر سو گیا۔ خود مجھے بھی سستی سوار ہو رہی تھی۔ میں بھی اونگھنے لگا۔ اچانک ویگن رکی تو میں چونکا تھا۔ ویگن ایک کچے ریستوران کے سامنے کھڑی تھی، اسے عرف عام میں جھونپڑا ہوٹل بھی کہتے ہیں۔

"لنچ کا ٹائم ہو گیا ہے سر!" منظور نے مجھے آگاہ کیا۔

"یہاں لنچ کرنا ہے۔" میں نے انگڑائی لی۔

"نہیں سر! ادھر تو ڈرائیور اور میں لنچ کرے گا، آپ کے لئے تو میں نے کلکتہ سے لنچ پیک کروا لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ وہ کھائے گا۔" اس نے پیچھے سے ایک باسکٹ اٹھائی۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی، ہم بھی اس ریستوران میں کھا سکتے تھے۔"

"نہیں سر، آپ رانا صاحب کا مہمان ہو۔ انہوں نے آپ کا خاص خیال رکھنے کو کہا تھا۔"

"فی الحال بھوک نہیں ہے اور اگر لنچ کافی ہے تو تم اور ڈرائیور بھی ہمارے ساتھ کھالو۔"

"مجھے بھی۔" وسیم نے کہا اور بیتو خراٹے لے رہا تھا۔

"نہیں سر۔ ہم ادھر کھالے گا آپ فکر نہ کرو۔" اس نے اترتے ہوئے کہا۔ "ابھی شیشہ اوپر کرلو ورنہ بھکاری لوگ آجائے گا، وہ آرام سے کھانے نہیں دے گا۔"

اس جگہ کلکتہ کے مقابلے میں موسم خوشگوار تھا اس لئے شیشے بند کرنے پر بھی گرمی نہیں لگ رہی تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھا رہا پھر لاک کھول کر نیچے اتر آیا۔ تقریباً دو گھنٹے سے بیٹھے بیٹھے جسم بند سا گیا تھا۔ میں ٹہلتے ہوئے جسم کھولنے لگا۔ مجھے دیکھتے ہی چند بچے بھاگے آئے تھے۔ وہ بنگالی بولتے ہوئے اشاروں سے ایک روپیا مانگنے لگے، مجھے معلوم تھا اگر میں نے ان کو کچھ دے دیا تو اردگرد سے بھکاریوں کا ایک غول مجھ پر جھپٹ پڑے گا۔ اس لئے میں انجان بن کر ٹہلتا رہا۔ کچھ دیر بعد بچے مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ اس خطے کے ہر ملک کا یہی مسئلہ تھا۔ غربت، بھوک اور بے کاری۔

برصغیر نامی یہ خطہ وسائل سے مالا مال ہے مگر خود ساختہ مسائل نے اسے اب تک غربت کی دلدل میں دھنسا رکھا ہے، اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لئے انگریزوں نے ہندوؤں کی دبی نفرت کو ابھارا اور اسے اس سطح تک لے آیا جب دونوں قوموں کے درمیان ایک ساتھ رہنا ناممکن ہو گیا۔ انگریز نہ چاہنے کے باوجود منقسم ہندوستان چھوڑ گیا۔ مگر جاتے جاتے وہ تنازعات کی ایسی فصل بو گیا تھا جس کو ابھی تک اس علاقے کے لوگ کاٹ رہے تھے مگر یہ فصل ایسی تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ بھوک، غربت، جہالت اور پسماندگی اس فصل کی ذیلی پیداوار ہیں۔

☆======☆======☆

"سر جی!" منظور نے میرے پاس آکر کہا تو میں چونک گیا تھا۔ "کب سے آواز دے رہا ہوں، چلنے کا ارادہ ہے؟"

"کیوں نہیں۔" میں نے کہا اور ویگن کی طرف واپس آ گیا۔ وسیم اور بیتو باسکٹ سے لنچ تناول کر رہے تھے۔ میں بھی شامل ہو گیا۔ منظور پیزا لایا تھا۔ ساتھ میں سینڈوچز تھے اور کولڈ ڈرنک کے ٹن تھے۔ ویگن ناہموار راستوں سے اتر کر پورے ہموار میدان میں دوڑنے لگی تھی۔ یہاں دور تک دھان کی فصل لگی تھی، کہیں کہیں گنا بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس خطے کی خاص فصل چاول ہے اور یہی یہاں کے باشندوں کی اصل خوراک ہے۔ کچھ دیر بعد مرشد آباد کا شہر شروع ہوا۔ عالی شان پرانی حویلیاں، محلات اور مکانات۔ اس شہر میں جدید طرز کی عمارتیں کم تھیں۔ پھر وہ قدیم شہر بھی پیچھے چھوٹ گیا اور ایک جدید شہر کے آثار نظر آنے لگے۔ ویگن دوڑتے دوڑتے ایک عمارت کی چار دیواری کے سامنے رکی۔ مین گیٹ پر ایک گورکھا چوکیدار تھا۔ اس نے ویگن دیکھ کر گیٹ کھول دیا اور ویگن اندر عمارت کے سامنے والے حصے میں رکی۔ ہم سب نیچے اتر آئے۔ "رانا ویاس کہاں ملیں گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ تو اپنی حویلی میں ہیں، یہ مہمان خانہ ہے، آپ نہا دھو کر تازہ دم ہو جائیں پھر ان سے ملاقات ہو گی۔''

منظور ہم کو اندر لایا، یہ پُرتعیش قسم کا مہمان خانہ تھا۔ ہر کمرے کے ساتھ شاندار قسم کا باتھ روم تھا اور ہم واقعی نہانے کی اشد ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ میں نے اپنے لیے ایک جینز پینٹ اور شرٹ نکالی اور باتھ روم میں گھس گیا۔ یہاں موسم کسی قدر سرد تھا اس لیے نیم گرم پانی سے جسمانی میل کچیل کے ساتھ وہ تمام تھکن اور کوفت بھی بہہ گئی جس نے گزشتہ چوبیس گھنٹے سے ہماری زندگی کا احاطہ کر رکھا تھا۔ یہاں شیو کا سامان بھی تھا میں نے کئی دن کی بڑھ جانے والی داڑھی صاف کی۔ کپڑے بدل کر میں مہمان خانے کے ڈرائنگ روم میں آیا جہاں منظور انتظار کر رہا تھا، مجھے راجا عمر دراز سے ملنے کی بے چینی تھی۔ منظور نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''رانا جی آپ کے منتظر ہیں۔''

''رک جاؤ میرے ساتھی آ جائیں پھر ساتھ ہی چلتے ہیں۔''

وسیم اور بیتو بھی جلد آ گئے۔ منظور ہمیں مہمان خانے کے عقبی حصے سے لے کر نکلا تو سامنے حیران کن حد تک وسیع لان اور باغ تھا۔ اس میں بے شمار پھل دار اور غیر پھل دار درخت اور پھولوں کے لاتعداد تختے تھے، جا بجا تالاب اور فوارے تھے۔ اس کے پار ایک عالی شان تین منزلہ عمارت دکھائی دے رہی تھی جو دائیں بائیں سے گھنے درختوں میں گھری تھی۔ مہمان خانے کی عمارت نے اس سارے منظر کو چھپا لیا تھا۔ عمارت پر گلابی رنگ کیا گیا تھا اور عمارت کی تعمیراتی دلکشی اور نزاکت سے لگ رہا تھا رانا ویاس کوئی راجا تھا یا بے حد دولت مند شخص تھا۔ ظاہر ہے راجا عمر دراز کے تعلقات کسی ایسے ہی شخص سے ہو سکتے تھے۔ ہم مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ منظور نے ہمیں ایک نشست گاہ میں بٹھایا۔ ''آپ تشریف رکھیں، میں ابھی مالک کو اطلاع کرتا ہوں۔''

''اس کے جانے کے بعد وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز صاحب! مجھے یہاں کا ماحول پُراسرار لگ رہا ہے، ایسا نہ ہو عمر دراز کا نام استعمال کر کے پھنسایا گیا ہو ہمیں؟''

''اس صورت میں ہم اس پُرتعیش کمرے کے بجائے کسی قیدخانے میں پڑے ہوتے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

کوئی دس منٹ بعد منظور واپس آیا۔ ''رانا صاحب یاد فرما رہے ہیں۔''

رانا صاحب ایک وسیع ہال نما کمرے میں تھے۔ سانولا رنگ اور عمر تقریباً راجا عمر دراز کے برابر تھی البتہ صحت ابھی بھی بے مثال تھی، اس نے اٹھ کر گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ ''خوش آمدید، مجھے راجا عمر دراز کے ساتھیوں سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔''

''ہم راجا صاحب کے خادموں میں سے ہیں۔'' میں نے آداب تسلیمات کے بعد کہا۔ ''مگر خود راجا صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ ذرا مصروف ہیں اور آنے والے ہیں۔''

مجھے لگا کہ رانا ویاس شمالی انڈیا والے لہجے میں اردو یا ہندی بول رہا ہے۔ اس پورے سفر کے دوران مجھے گارنگ لہجے اور بولیوں والے لوگ ملے تھے بعض تو ایسی زبان بولتے تھے کہ ان کو بمشکل ہی اردو یا ہندی قرار دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پا سکتا تھا۔ مجھے خود بھی وہ لہجے اور زبان یاد نہیں ہیں اس لئے جب میں ان کا کردار پیش کرتا ہوں تو ان کو سیدھے سادے سے انداز میں بولتے دکھاتا ہوں۔ رانا ویاس بھی ایک ایسا ہی کردار تھا جس کی زبان اردو بولتے ہوئے لڑکھڑا جاتی تھی اور اس کے بعض الفاظ سر پر سے گزر جاتے تھے۔ اگرچہ وہ ہمارا حال چال پوچھنے پر مُصر تھا مگر میں ٹالتا رہا اور میں نے اپنا احوال گول مول انداز میں بغیر پولیس کے ذکر کے کیا تھا یعنی پولیس کا کردار گول کر دیا تھا جو کلکتہ میں شد و مد سے ہمیں تلاش کر رہی تھی۔

اس قدر عالی شان محل اور ٹھاٹ باٹ دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ رانا ویاس کوئی کلف زدہ شخص نکلے گا مگر اس کے برعکس وہ سادہ اور شاہی کروفر سے عاری شخص نکلا تھا جو ہم سے برابری کی سطح پر بے تکلف ہو گیا تھا۔ راجا عمر دراز ہم پر مہربان تھا اور کبھی کبھی اس کے انداز میں ہمارے لئے ایک مہربان باپ کی سی شفقت بھی جھلکتی تھی مگر یہ حقیقت تھی کہ اس میں ایک خاص رکھائی تھی اور وہ لئے دیئے رہتا تھا۔ وہ کبھی ایک حد سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوا تھا۔ مجھے لگا رانا ویاس کے پاس یہ دولت پشتوں سے نہیں تھی شاید اس نے خود ہی کمائی تھی، صرف میں اور رانا ویاس بات کر رہے تھے۔ باتوں کا رخ عمر دراز کی طرف مڑ گیا۔

''راجا ایک عظیم آدمی ہے۔ صحیح معنوں میں عظیم آدمی!'' اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''اس میں شک نہیں ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''ان کی شخصیت حیران کن ہے۔''

''ہاں اسے پُراسرار بننے کا شوق ہے۔'' رانا ویاس ہنسا۔

''بری بات۔'' عقب سے راجا عمر دراز کی آواز آئی۔ ''ان بچوں کو خراب مت کرو رانا!''

رانا ویاس مسکرانے لگا۔ ''میں تو تمہاری تعریف کر رہا تھا۔''

میں نے وسیم اور بیتو نے راجا عمر دراز سے ہاتھ ملایا۔

راجا نے بیتو کو غور سے دیکھا۔ میں نے اس کا مختصر تعارف کرایا۔

''راجا صاحب، یہ بیتو ہے۔ ہمارا جاں نثار ساتھی۔ بہت پُرخلوص اور وفا کرنے والا۔''

راجا مسکرایا۔ ''ہاں، جیسے تم ہو ویسے ہی تم کو ساتھی ملے ہیں۔''

''راجا صاحب، آپ نے مونا اور سفیر کے بارے میں کہا تھا، وہ کب آ رہے ہیں؟''

''کل آ جائیں گے۔'' اس نے بتایا پھر خفگی سے بولا۔ ''یہ سونیا اور ناصر نے کیا حماقت کی؟''

''وہ بھائی کی محبت سے مجبور ہو گئی تھی۔''

''وسیم صرف اس کا بھائی ہی نہیں، ہم لوگوں کا بھی کچھ لگتا ہے۔ بہرحال وہ اور ناصر لاہور پہنچ گئے ہیں۔''

وسیم چونکا۔ ''آپ کو پتا ہے؟''

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ''وہ مشکل میں پڑ گئے تھے۔ جوزف کی وجہ سے بعض لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے اس لئے وہ روپوش ہو گئے پھر رانا کی مدد سے میں نے ان کو اس چکر سے نکالا تھا۔ وہ مستقل میرے رابطے میں تھے، اب وہ واپس جا چکے ہیں۔''

''راجا صاحب، ہمارے بارے میں کیا سوچا؟''

''ابھی تو تم لوگ آرام کرو۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''دو تین دن بعد اس سلسلے میں بات کریں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجا صاحب، بہت سارے خطرات ہمارے تعاقب میں ہیں۔''

''یہاں تم کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا ہماری واپسی میں کوئی رکاوٹ ہے؟''

''نہیں رانا کے ہوتے ہوئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس کا بھائی بنگال گورنمنٹ میں وزیر ہے۔''

''بیٹا جی، تم نے بہت فکریں کر لی ہیں اب کچھ دن آرام سے بھی رہو۔'' رانا دیاس بولا۔

مجھے اس کے وزیر بھائی کا سن کر ایک خیال آیا۔ اس بار میں نے اسے سادھنا، کمار اور کنور خاندان کے بارے میں بتایا۔

''کمار اور سادھنا نے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''مجھے وادی میں ہونے والی سرکاری کارروائی کا علم تھا۔'' رانا دیاس نے سر ہلایا۔

''وہاں بے پناہ ظلم ہوا ہے۔ سات ہزار افراد جو عام سے لوگ تھے، فوجی اور جنگی ہتھیاروں کی مدد سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اس لڑکے بیتو کا پورا خاندان مارا گیا ہے۔''

''مجھے پتا ہے۔'' رانا دیاس نے سر ہلایا۔ ''لیکن یہ ایک بہت بڑی سیاست کا ایک حصہ ہے۔ میرے علم کے مطابق وہ وادی بھارت سرکار کو ہر صورت میں درکار تھی۔ وہاں پر بھارتی فوج اپنا کوئی خفیہ اڈا بنا کر کشمیر اور آس پاس کے علاقوں کی نگرانی کرنا چاہتی تھی۔''

''تو اس کے لئے یہ قتلِ عام لازمی تھا؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

''ریاست بہر صورت اپنی چلاتی ہے۔ سنا ہے کنور خاندان کے ذریعے ان لوگوں کو کئی بار پیش کش کی گئی تھی کہ وہ یہ علاقہ خالی کر کے کہیں اور چلے جائیں۔ سرکار ان کو جگہ اور آباد ہونے کے لئے روپیا بھی دے گی۔''

''میرے لئے یہ نئی بات ہے، میرے علم کے مطابق سارا چکر اس علاقے میں موجود ہیرے کی کان کا تھا۔ اس سے اعلیٰ درجے کے ہیرے نکلتے تھے۔ کنور خاندان اس کان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔''

''یہ بات بھی تھی مگر اصل مسئلہ فوجی اڈے کا تھا۔ وادی اور قبیلے کے حکمران کسی صورت کان سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ انہوں نے قبائلیوں کو بھڑکایا کہ سرکار ان کی زمین چھین کر ان کو در بدر کرنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد چھ مہینے پہلے قبائلیوں نے کنور خاندان کے محل پر حملہ کیا۔''

''وہ سازش تھی۔''

''ظاہر ہے مگر اس طرح قبائلیوں نے اپنے خلاف فوجی کارروائی کا جواز مہیا کر دیا تھا۔''

''اس کے باوجود اتنا ظلم؟'' میں نے کہا۔

''میرے بچے، تم کس دنیا میں ہو۔ یہ بھارت ہے، جہاں ہر سال پندرہ ہزار انسان صرف اس لئے خودکشی کر لیتے ہیں کہ ان کے پاس بینکوں کا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اتنے ہی لوگ فرقہ وارانہ فسادات اور مافیاؤں کی جنگ میں مارے جاتے ہیں۔ تم سوچ سکتے ہو ان پندرہ ہزار قبائلیوں کی سرکار کے نزدیک کیا اہمیت ہوگی جو اچھوت بھی ہیں اور دنیا کو ان کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے۔''

''جو وادی میں ہوا وہ منظرِ عام پر نہیں آیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آ بھی نہیں سکتا تھا، قبائلیوں کے بعض لوگ دلی کے اخبارات تک پہنچے تھے مگر وہاں سے ان کو ایجنسیوں نے غائب کر دیا۔'' رانا دیاس نے بتایا۔

''اخبارات میں اس بارے میں کچھ نہیں آیا؟''

''بے حد سرسری سا آیا تھا، ان کو زبان بندی کا حکم دے دیا گیا تھا۔''

میرے لئے یقین کرنا مشکل تھا۔ ''ایک جمہوری کہلانے والے ملک میں حکومت اپنے ہزاروں شہریوں کو بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دے اور پریس کے کان پر جوں بھی نہ رینگے۔''

''یہ ان کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' رانا دیاس نے کہا۔ ''آخر بھارتی فوج کشمیر سے لے کر آسام تک ہر سال اتنے ہی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور پریس چپ رہتا ہے۔''

''میرے پاس اس وادی کے ایک فرد سے حاصل کئے ہوئے ہیرے ہیں۔'' میں نے راجا اور رانا کو آگاہ کیا۔ ''یہ بہت قیمتی ہیرے ہیں۔''

''دکھاؤ مجھے۔'' رانا دیاس نے دلچسپی سے کہا۔

میں نے اسے ٹوب سے ہیرے نکال کر دکھائے۔ رانا دیاس نے محدب عدسے منگوا کر ان کا معائنہ کیا۔ ''شاندار!'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''یہ سب اعلیٰ درجے کے ہیرے ہیں اور ان کی یکساں صورت کی وجہ ان کی قیمت زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔''

''ان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟''

''اگر میں ان کو خریدوں تو میں ایک ہیرے کے پانچ لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔''

میرے پاس نو ہیرے تھے یعنی ان کی قیمت ساڑھے چار کروڑ روپے تک ہو سکتی تھی۔ میں نے رانا دیاس سے کہا۔ ''اگر میں انہیں فروخت کرنا چاہوں تو.....؟''

''تو میں خرید لوں گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس سے زیادہ قیمت لینا۔'' راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''یہ کمرب پتی شخص ہے۔ کروڑ تو اس کے لئے سو کی طرح ہے۔''

''میں ایک ملین ڈالرز کے عوض یہ سارے ہیرے دینے کے لئے تیار ہوں۔''

راجا صاحب نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''میں نے آج تک تمہیں دولت کی پروا کرتے نہیں دیکھا۔''

''مگر اب مجھے ہے۔ مرشد علی اور دوسرے دشمنوں سے لڑنے کے لئے مجھے دولت کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''قدرت نے مجھے موقع دیا ہے تو میں اس کا فائدہ اٹھاؤں گا۔''

''سودا ڈن ہے۔'' رانا دیاس نے ہیرے سمیٹ لئے۔

''ایک ملین ڈالرز تمہیں کس ملک میں چاہئیں؟''

''دبئی میں۔ کسی ایسے بینک میں جس کی شاخیں پاکستان میں بھی ہوں۔''

''دو دن میں ایسا ہو جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''مگر تمہیں ایک بار پھر کلکتہ جانا ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ ہیرے میں اپنی تحویل میں لے رہا ہوں۔''

''کیوں نہیں، آپ راجا صاحب کے دوست ہیں اور میرے لئے راجا صاحب جیسے ہی قابل احترام ہیں۔''

''خوش رہو.....'' وہ خوش ہو گیا۔ ''اب تم لوگ آرام کرو اور جس چیز کی ضرورت ہو بلا تکلف منظور سے کہہ سکتے ہو، وہ تمہارا خیال رکھے گا۔''

میں رجا عمر دراز سے اکیلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا خاص طور سے دوسرے معاملات پر۔ جن میں ڈیوڈ شا سرفہرست تھا۔ وہ میرا سب سے بڑا دشمن تھا اس کی وجہ سے مرشد علی میرے لئے بے حد خطرناک ثابت ہوا تھا۔ میں نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھا، اس نے غالباً میری خواہش بھانپ لی تھی، اس نے مجھ سے کہا۔ ''ابھی تم آرام کرو، میں تم سے کل ملوں گا۔ مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

''یہ مہمان خانے میں نہیں محل میں ٹھہریں گے۔'' رانا دیاس نے منظور سے کہا۔ ''ان کا سامان بھی یہیں لے آؤ۔''

مہمان خانے اور اس محل کے ان کمروں میں جہاں ہم رکے تھے، وہی فرق تھا جو کسی عام سے ہوٹل اور کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرے میں ہو سکتا ہے۔ راستے میں واجبی سا کھایا تھا اس لئے سب کو بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے منظور سے کھانے کو کہا تو اس نے ہمیں ایک مینو بک دی جس میں سیکڑوں کے حساب سے دنیا جہان کے کھانے تھے۔ میں نے بٹر سلائس اور کوکیز کے لئے کہا۔ وسیم نے چینی سموسے منگوائے اور بیتو نے کہا کہ وہ ہمارے کھانے میں شامل ہو گا، اسے ان کھانوں کا زیادہ پتا نہیں تھا۔ وسیم نے پاکستان کال کی تھی اور سونیا سے بات کی تھی، اس نے خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع دی تھی۔

''راجا عمر دراز ہم سب کو یہاں کیوں جمع کر رہا ہے؟'' وسیم نے تنہائی ملتے ہی مجھ سے پوچھا۔

''مجھے شبہ ہے وہ اس وادی کی طرف جانے کی فکر میں ہے کیونکہ اس کا دشمن ڈیوڈ شا بھی اس طرف جانا چاہ رہا ہے۔''

''ڈیوڈ شا اس وادی کے راستوں سے واقف ہے؟''

''وہ بہت چالاک ہے راستہ جاننے کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لے گا۔''

''یہ تو ہے، میں نے بہت کم لوگ اتنے شاطر دیکھے ہیں۔''

''اس نے جان لیا ہے کہ حکیم قادس جو جادو اثر دوائیاں بناتا ہے اس کا اصل جزو اصل میں راجا عمر دراز اس پُراسرار وادی سے لایا تھا اس لئے وہ وہاں جانے کے لئے بے چین ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ راجا عمر دراز اسے روکنے کی کوشش کر رہا ہے اور خود اس سے پہلے وادی تک جانا چاہتا ہے۔''

وسیم کے سوال نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''ان سوالوں کے جواب صرف ایک شخص دے سکتا ہے۔''

''لیکن ایک سوال کا جواب آپ کے پاس ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کس سوال کا؟''

''یہی کہ اگر راجا عمر دراز نے آپ کو اور ہم سب کو اس سفر پر ساتھ لے جانا چاہا تو آپ کا جواب کیا ہو گا؟''

''تم نے کیوں سوچا کہ وہ ہمیں کسی سفر پر لے جانا چاہتا ہے؟''

''کیا وہ واقعی ہمیں کسی سفر پر نہیں لے جانا چاہتا ہے؟'' وسیم کے لہجے میں چیلنج تھا۔

''اوکے۔ میں نے مان لیا، وہ اس پُراسرار وادی کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن ہم کیوں جائیں گے؟''

''تب بتائیے اس نے آپ کو انڈیا لانے کی بات کیوں کی تھی؟ وہ مونا اور سفیر کو کیوں بلا رہا ہے؟''

وسیم کی باتوں میں وزن تھا۔ میں سوچنے لگا۔ ''فرض کرو، وہ مجھے چلنے کو کہے اور میں تیار ہو جاؤں تو تمہارا کیا ردِعمل ہو گا؟''

''میرا کیا ردِعمل؟ میں آپ سے الگ تھوڑی ہوں۔ میں، مونا، سفیر اور بیتو ہم سب آپ کا ایک حصہ ہیں۔ آپ کے دست و پا ہیں، جو آپ کریں گے وہی ہم کریں گے۔''

''وسیم، اگر راجا عمر داز نے مجھے ایسی کوئی پیش کش کی بھی تو میں تم لوگوں سے مشورہ کئے بغیر نہ تو اقرار کروں گا اور نہ انکار کروں گا۔''

''شہباز صاحب، کم سے کم میں غیر مشروط طور پر آپ کے ساتھ ہوں۔''

''وسیم تم میرے لئے میرے جیسے ہو۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''یہ خدا کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے تم جیسے ساتھی دیئے ہیں۔''

رات آٹھ بجے ایک خادم نے آ کر کھانا ملنے کی اطلاع دی۔ ہم تینوں محل کی مرکزی طعام گاہ پہنچے۔ وہاں راجا اور رانا کے ساتھ کچھ لوگ اور تھے۔ ان میں دو ادھیڑ عمر افراد، دو عورتیں اور تین نوجوان تھے۔ یہ رانا ویاس کے بیٹے، بہوئیں اور پوتے تھے، بعد میں پتا چلا کہ ویاس کی چار عدد پوتیاں بھی تھیں مگر وہ بمبئی تفریح کرنے گئی ہوئی تھیں۔ کھانا خاموشی سے کھایا۔ بیتو کسی قدر زروں تھا۔ وہ اس قسم کی گیدرنگ میں پہلی بار آیا تھا اور اس سے کھانا بھی بمشکل کھایا گیا حالانکہ وسیم اس کے برابر میں بیٹھا اسے گائیڈ کر رہا تھا۔ کھانے کے بعد رانا ویاس نے مجھ سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ، میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے وسیم اور بیتو سے کہا۔ ''تم اپنے کمروں میں جاؤ۔'' وہ خاموشی سے چلے گئے۔ میں رانا ویاس کے ساتھ کافی روم میں آیا۔ بس ہم دونوں تھے۔ اس نے مجھ سے چائے یا کافی کے بارے میں پوچھا۔ ''کافی۔'' میں نے جواب دیا۔

اس نے منشور کو کافی لانے کو کہا پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ ''میاں شہباز! تم کل صبح کلکتہ جاؤ گے۔ وہاں تمہارا ایک بینک میں اکاؤنٹ کھولا جائے گا اور پرسوں تک اس میں ایک ملین ڈالرز جمع ہو جائیں گے۔''

''شکریہ رانا صاحب!''

''دوسرے میں نے سادھنا اور کمار نامی افراد کے بارے میں معلوم کیا ہے۔ یہ دونوں نہ تو کہیں گرفتار ہوئے ہیں اور نہ ہی کسی اور معاملے میں ان کا نام سامنے آیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔''

کافی آئی۔ ہم نے کافی پی۔ رانا وِیاس کو مجھ سے بس اتنا ہی کہنا تھا اس لئے میں نے کافی پی کر اس سے اجازت لی۔ ''اب اجازت دیجئے۔''

''اتنی جلدی کس بات کی ہے، ابھی راجا صاحب آنے والے ہیں۔''

میں پھر بیٹھ گیا۔ رانا وِیاس نے کافی کے بعد ایک پتلا سا سگار سلگایا تھا۔ اس کی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ ساڑھے نو بجے راجا عمر دراز اندر داخل ہوا۔ اس نے رانا وِیاس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''رانا! تم بور ہونا چاہ رہے ہو، تمہارے لئے تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''نہیں یار، میں پھر بھی سننا چاہوں گا۔'' رانا وِیاس نے اصرار کیا۔

میں چونکا۔ ''راجا صاحب، کیا یہ آپ کے اس پُراسرار وادی کے سفر کی بات ہو رہی ہے جس کا ایک حصہ آپ نے مجھے سنایا تھا اور باقی کے لئے موقع نہیں مل سکا تھا؟''

''ہاں، یہ اسی سفر کا ذکر ہے۔'' راجا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''شہباز، آج میں تمہیں اس کے بارے میں مکمل داستان سنانا چاہتا ہوں۔''

''میری تو اس دن سے خواہش ہے کہ آپ کے سفر کی مکمل رُوداد سنوں جس دن سے آپ نے اس کا ایک چھوٹا سا حصہ سنایا تھا۔''

''آج میں تمہیں اس کا باقی حصہ سناؤں گا۔ مگر اس سے پہلے میں بتا دوں، میں نے پھر اس وادی کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''اس کی وجہ؟''

''کئی وجوہات ہیں..... لیکن اصل مقصد ڈیوڈ شا کو وہاں جانے سے روکنا ہے۔ اگر وہ اس وادی تک چلا گیا تو وہ جگہ تباہ ہو جائے گی۔''

''آپ اسے کیسے روکیں گے..... جبکہ آپ خود وہاں جا رہے ہیں۔ جب آپ جا سکتے ہیں تو وہ بھی جا سکتا ہے، میرا مطلب ہے اسے جانے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''میں اسے وادی تک جا کر روکوں گا۔''

''میرا نہیں خیال کہ ڈیوڈ شا اس وادی کا راستہ تلاش کر سکے گا۔''

''وہ کر سکتا ہے اس کے پاس جدید ترین ذرائع ہیں۔ وہ سیٹلائٹ کی مدد بھی لے سکتا ہے اور خلا سے وادی دیکھ لئے جانے کا امکان ہے۔''

''کم سے کم اس وادی کی بلند و بالا دیواروں کو دیکھا جا سکتا ہے۔'' رانا وِیاس نے لقمہ دیا۔

''آپ اس وادی کو دیکھ چکے ہیں؟'' میں چونکا۔

''ہاں، میں راجا کا ہم سفر تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، وادی کو نہیں دیکھا جا سکتا لیکن اس کے اوپری حلقے کو دیکھا جا سکتا ہے۔'' راجا نے اس کی تائید کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر ڈیوڈ شاد وہاں پہنچ بھی جائے تو وہ وادی یا اس کے مکینوں کا کیا بگاڑ لے گا؟''

''وہ ان کو دنیا کے سامنے لے آئے گا۔''

''دنیا کے سامنے آنے میں کیا حرج ہے، آخر آپ بھی تو وہاں گئے تھے؟''

''میں اور میرے ساتھی اس وادی کا حصہ بن گئے تھے اس لئے وادی کو فرق نہیں پڑا لیکن ڈیوڈ شا اس کا حصہ نہیں بنے گا، وادی کو دنیا کا حصہ بنانے کی کوشش کرے گا اور یہ کوشش وادی کو تباہ کر دے گی۔ تم کیا سمجھتے ہو، وہ دنیا کی کوئی عام سی بستی ہے؟''

''تب کیا ہے؟''

''وہ عام بستی نہیں ہے۔ وہ ہماری سوچوں کا عکس ہے۔ ہمارے خیال کی دنیا ہے۔''

''یعنی وہ حقیقی نہیں ہے۔''

''نہیں، حقیقی بھی ہے اور نہیں بھی ہے۔''

''وادی سراب ہے۔ نظر بھی آتی ہے اور اس کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔'' رانا نے لقمہ دیا۔

''اس کا حقیقی وجود ہے مگر وہ اپنے ماحول میں حقیقی نہیں ہے۔''

مجھے فلسفیانہ قسم کی باتوں سے الجھن ہوتی ہے مگر اس وقت میں راجا کی باتوں میں پوری دلچسپی لے رہا تھا۔ ''وہ کس طرح راجا صاحب!''

''اس کی مثال یوں لو کہ ایک فریج ہے، اس کے اندر کا ماحول باہر کے ماحول سے بالکل الگ ہے۔ اس کے اندر ٹھنڈ ہے اور باہر گرمی ہے۔ ہم اس کے سرد ماحول کو باہر نہیں لا سکتے۔ اس کی یخ صرف فریج کے اندر کے لئے مخصوص ہے اگر اس ماحول کو باہر لانے کی کوشش کی تو فریج کی ساری یخ نکل جائے گی اور اس کے اندر کا درجہ حرارت بھی باہر جیسا ہو جائے گا۔''

''میں یہ سمجھا ہوں کہ اس وادی کی انفرادیت کسی فریج کی طرح بند اور باہر کے ماحول سے الگ تھلگ ہونے میں ہے۔''

''کسی حد تک درست ہے، اسے مزید یوں سمجھو کہ فریج ہماری خواہشوں کا عکس ہے ہم اپنی چیزیں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، ہم شدید گرمی میں سرد یخ بستہ پانی چاہتے ہیں۔''

''آپ کا مطلب ہے اس وادی میں انسانوں کی خواہشیں محفوظ ہیں۔'' میں نے ان کو غور سے دیکھا۔

''اب تم قریب آتے جا رہے ہو لیکن جب تک تم اس وادی کو خود نہیں دیکھو گے، تم اسے صحیح طرح سے نہیں سمجھ سکو گے۔''

''آپ مجھے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تو آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میری اس وادی کی طرف جانے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔''

''یہ میری مرضی نہیں ہے..... بلکہ کسی اور کی مرضی ہے۔''

میں چونکا۔ ''اور کون آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟''

''اس کے لئے تمہیں یہ ساری داستان سننا ہوگی اس کے بعد ہی تم جان سکو گے کہ اس داستان میں تمہارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا کردار ہے؟''

''میں ہمہ تن گوش ہوں جناب!''

''ایسے نہیں۔'' راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''رانا، تم نے میرا پسندیدہ کمرا تیار کروادیا ہے؟''

''بالکل!'' اس نے جواب دیا۔

''شہباز، تم جانتے ہو، کسی معاملے پر بات کرنے یا غور و فکر کرنے کا میرا پسندیدہ طریقہ کیا ہے؟''

راجا نے اپنے محل میں ایک کمرا مخصوص کر رکھا تھا جس کی ایک کھڑکی شمال کی طرف کھلتی تھی، اس طرف سے سارا سال تیز ٹھنڈی ہوا آتی رہتی تھی اور کمرے میں ایک آتش دان تھا۔ راجا عمر دراز اس کے سامنے کرسی ڈلوا کر اس طرح غور و فکر کرتا تھا کہ کھڑکی سے آتی سرد ہوا اور آتش دان سے اٹھنے والی حرارت میں مستقل کشمکش جاری رہتی تھی۔ یہاں پہاڑوں جیسی سردی نہیں تھی، بند کمرے میں تو سردی کا پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔ ہاں باہر سردی تھی، اگر کھلے میں الاؤ جلایا جاتا تو اس کی حرارت خوشگوار لگتی ہے ورنہ بند کمرے میں اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

رانا ویاس ہمیں ایک کمرے میں لایا جس کی ایک بڑی سی کھڑکی شمال کی طرف کھل رہی تھی اور اس سے فراٹے بھرتی سرد ہوا اندر آ رہی تھی، ایک طرف آتش دان تھا جس میں کوئی خوشبودار لکڑی سلگ رہی تھی۔ اس کی دل آویز مہک کمرے میں پھیلی تھی۔ آتش دان کے سامنے تین عدد آرام دہ کرسیاں رکھی تھیں۔ سب سے پہلے راجا عمر دراز بیٹھا پھر ہم بھی بیٹھ گئے۔

''رانا، تمہیں یاد ہے یہ کتنی پرانی بات ہے؟'' راجا نے پوچھا۔

''پورے چھپن برس پہلے کی۔'' اس نے جواب دیا۔

''مگر مجھے لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ ایک ایک لمحہ اور اس سفر کا ایک ایک قدم مجھے اسی طرح یاد ہے جیسے میں ابھی سفر سے واپس آیا ہوں۔'' راجا عمر دراز کا لہجہ عجیب سا اور خواب ناک ہو گیا تھا۔ ''رانا، عجیب بات ہے میں اس سفر کے بعد کے دنوں کی باتیں بھول گیا ہوں۔ چند دن پہلے کی باتیں بھول جاتا ہوں مگر اس وقت کی کوئی بھی بات نہیں بھولا۔''

''مجھے بھی سب یاد ہے۔'' رانا ویاس نے کہا۔ ''یار راجا! اس وقت کی کوئی بات بھولنے والی ہے؟''

''شاید نہیں۔'' راجا عمر دراز نے جواب دیا تھا۔

☆======☆======☆

(قارئین کی یادداشت کے لئے مختصر بیان کر دوں۔ راجا عمر دراز اپنے افسر ولیم شا کے ہمراہ اس پُراسرار وادی کے سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک انگریز اور ایئر فورس کا ساتھی ایلن بریڈ تھا۔ اس کا تعلق آسٹریلیا سے تھا۔ سامان اٹھانے کے لئے ان کے ساتھ دو نیپالی تھے جو پہاڑوں پر سفر کرنے اور بوجھ اٹھانے کے لئے مثالی سمجھے جاتے ہیں۔ شمالی آسام کے ایک ایئر اسٹرپ پر طیارے سے اترنے کے بعد انہوں نے پیدل سفر شروع کیا تھا اور ہمالیہ کے برفستانوں تک جا پہنچے تھے۔ یہ مہم برٹش انڈیا کی فضائیہ کی طرف سے تھی اور اس کا مقصد ہمالیہ کے اس علاقے کی چوٹیوں کے تفصیلی نقشے تیار کرنا تھا۔ مگر ولیم شا نے چالاکی سے کام لیا تھا اور اس مہم کی آڑ میں اس پُراسرار وادی کی طرف جا رہا تھا جسے اس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ طیارے سے دیکھا تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا تذکرہ اپنی لاگ بک میں نہیں کیا تھا۔)

راجا عمر دراز بتا رہا تھا۔

''ولیم شا نے مجھے جو چٹان دکھائی تھی، یہ زرافے کی طرح سر بلند کئے کھڑی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا میں نے طیارے سے واپسی پر برفانی تودوں کے خاتمے پر اس چٹان کو دیکھا تھا۔ اس مقام سے وادی تک کا فضائی سفر صرف تیس منٹ کا تھا۔ طیارے نے کوئی چار سو کلو میٹر فی گھنٹا کی رفتار سے پرواز کی تھی یعنی وادی اس مقام سے کوئی دو سو کلو میٹر دور عین ہمالیہ کے وسط میں تھی، اس پورے علاقے میں درجنوں بیس بیس ہزار فٹ سے زیادہ بلند چوٹیاں اور بے شمار گلیشیرز تھے۔ ان پر سفر کرنا بے حد جوکھم کا کام تھا اس زمانے میں ان علاقوں میں سفر کرنے کے لئے خاص اوزار اور لباس و جوتے بھی نایاب تھے۔ ہم نے خاص فر کی کھال کے جوتے اور لباس پہنے تھے اور یہ خاصے بھاری بھرکم تھے۔ ابھی مصنوعی ریشے سے تیار کردہ جوتے اور ملبوسات دستیاب نہیں تھے جو نہ صرف ہلکے پھلکے بلکہ بے حد گرم بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس لکڑی سے بنی ہوئی چھڑیاں تھیں اور برف پر سفر کے لئے ہم نے خود کو رسیوں سے باندھ رکھا تھا تاکہ کوئی غلطی سے بھی کسی برف تلے چھپے گڑھے میں گر جائے تو باقی اسے سہارا دے کر بچا لیں۔ میں نے اس برف زار میں روانہ ہونے سے قبل ولیم شا سے کہا تھا۔ ''ہم نہایت مشکل سفر پر ناکافی خوراک کے ساتھ جا رہے ہیں۔''

''ہم اس سے زیادہ خوراک نہیں لے جا سکتے۔ دونوں نیپالی اپنی حد کا آخری وزن اٹھائے ہوئے ہیں، اضافی خوراک کا مطلب ہے مزید افراد کا اضافہ اور میں اس مہم کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں۔''

''اگر آپ اس مہم کو خفیہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا مقصد؟'' میں نے نکتہ اٹھایا۔

ولیم شا اس سوال پر کسی قدر جھنجلا گیا تھا۔ ''فی الحال میں نے اپنا ذہن واضح نہیں کیا ہے۔ واپسی پر اس بارے میں سوچوں گا۔''

اور میں نے اس وقت سوچ لیا تھا میں اس کے حکم کا پابند نہیں ہوں گا، اگر مجھے رازداری سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ سچی بات تھی میرا دل خود بھی اس پُرفسوں، حسین اور انوکھی وادی کو دیکھنے کے لئے مچل رہا تھا۔ وہ میرے لئے ایک خوبصورت یاد تھی مگر میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس وادی کی طرف جاؤں گا کیونکہ مجھے بخوبی اندازہ تھا، اس طرف جانا دنیا کے دشوار ترین کاموں میں سے ایک تھا۔ حد یہ کہ طیارے کے ذریعے بھی وہاں رسائی ممکن نہیں تھی کیونکہ کم سے کم مجھے اس وادی میں کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں طیارہ اتارا جا سکتا اور پیدل سفر کر کے وہاں جانا جان جوکھم سے کم نہیں تھا۔ اور یہ خیال ولیم شا کو بھی آیا تھا۔

برف زاروں پر پہلے ہی دن کا سفر اتنا دشوار ثابت ہوا تھا۔ سارے دن کی جدوجہد کے بعد ہم صرف دس بارہ کلو میٹر آگے جا سکے تھے۔ اس وقت ہم بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر سفر کر رہے تھے۔ چاروں طرف برف تھی اور جون کے مہینے میں یہ برف نرم پڑ رہی تھی۔ اسے پگھلتی برف کہتے ہیں۔ سفر کے لحاظ سے یہ سخت برف سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس پر چلنا دشوار ہوتا ہے اور اس کی تہہ نرم ہونے سے جہاں اس کے نیچے خلا ہوتا تھا وہاں پاؤں رکھتے ہی برف ٹوٹ جاتی۔ ہم نے ایک گلیشیر کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ نیپالیوں نے خیمے لگائے اور رات کے کھانے کی تیاری میں لگ گئے۔ آگ جلانے کے لئے ہمارے پاس کیروسین کے چولھے تھے۔ کھانا کھا کر ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیموں میں گھس گئے۔ سردی اور تھکن سے سب کا برا حال تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی سردی میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا اور درجۂ حرارت منفی میں چلا گیا۔

''مسٹر ولیم!'' میں نے اپنے خیمے سے پکارا۔ ''آج ہم نے دس بارہ کلومیٹر کا سفر طے کیا ہے۔ اس رفتار سے ہمیں وادی تک جانے میں بیس دن بھی لگ سکتے ہیں۔''

''مجھے امید ہے چودہ ہزار فٹ کی بلندی کے بعد ہمیں برف سخت ملے گی۔ اس پر تیزی سے سفر کیا جا سکے گا۔''

''ہمارے پاس جو نقشے ہیں ان کے مطابق چودہ ہزار فٹ کی بلندی ہمیں تین دن بعد ملے گی۔ اس وقت تک ہمیں نرم گلیشیر پر سفر کرنا ہوگا۔''

''ابھی ہمارے پاس پانچ دن ہیں، اس کے بعد ہی ہم دیکھیں گے کہ ہمیں آگے جانا ہے یا واپس آنا ہے۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''مسٹر خان زندگی مجھے بھی پیاری ہے۔''

''سر، میں مہم جوئی کی قیمت جانتا ہوں مگر ہمیں خودکشی سے منع کیا گیا ہے۔ امید ہے یہ مہم جرأت مندی کی حد تک رہے گی، خودکشی میں نہیں بدلے گی۔''

''اس بارے میں تم بے فکر رہو۔ جہاں تک ہمارے خوراک کے ذخائر نے اجازت دی، ہم وہاں تک ہی جائیں گے۔'' وہ ہنسا۔ ''خودکشی کو میں بھی حرام ہی سمجھتا ہوں۔''

نیپالی مزدور نے ہمیں چولھے بجھانے سے پہلے کافی بنا کر دی اور پھر کچن والے خیمے میں ہی سو گئے۔ مجھے ان کی ہمت نے حیران کر دیا تھا۔ بے شک انہوں نے گرم کپڑے پہن رکھے تھے مگر ان کے جوتے معمولی نوعیت کے تھے۔ ان کے پاس نہ دستانے تھے اور نہ ٹوپے تھے۔ معمولی نوعیت کے کمبل تھے اور ان میں ہی رات گزارنی تھی۔ اس سفر کے دوران سارا سامان بھی ان کو اٹھانا تھا اور یہ سامان ایک من سے کم نہیں تھا۔ البتہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا خوراک کا بوجھ کم ہوتا جاتا اور خوراک کا وزن ہی مجموعی طور پر ایک من سے زیادہ تھا۔ اس میں سے نصف خشک گوشت کے پارچے تھے جو ہماری توانائی بحال رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتے۔ انڈوں کا سفوف، مچھلی کے بسکٹ، خاص قسم کے ہائی انرجی بسکٹ اور آلو۔ سردی اور بلندی سے مقابلے کے لئے منرلز اور وٹامن کی گولیاں تھیں۔

اس رات سونے سے پہلے میں نے ڈائری لکھی اور اس میں اپنے سفر کا نقشہ تیار کیا۔ اگرچہ نقشہ سازی ایلن بریڈ کا کام تھا مگر مجھے خیال آیا کہ مجھے بھی نقشے بنانے چاہئیں تاکہ کبھی میں ان سے الگ ہو جاؤں تو میں ان نقشوں کی مدد سے اس برف زار سے نکل سکوں۔ یہ ڈائری میں اپنے پاس اپنے لباس میں رکھتا تھا۔ اس صبح جب میں خیمے سے نکلا تو شانا اور بریڈ دونوں نقشوں پر جھکے تھے۔ سورج طلوع ہونے والا تھا اور نیپالی مزدور ناشتا تیار کر رہے تھے۔

''مسٹر خان!'' ولیم شانا نے مجھے پکارا۔ ''ادھر آؤ، ایک مسئلہ ہے۔''

''کیا مسئلہ ہے؟'' میں ان کے قریب آیا۔

''ہمارے پاس اس علاقے کے ایسے نقشے تھے جو فضائی سروے کی مدد سے تیار کئے گئے تھے۔ ان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چوٹیاں اور گلیشیرز واضح تھے۔ مگر راستے کہاں بہتر ہیں، یہ واضح نہیں ہے۔ بریڈ کا خیال ہے ہمیں اس درے کا رخ کرنا چاہئے، یہ چودہ ہزار فٹ بلند ہے۔ جبکہ میرے خیال میں ہمیں اس کے مخالف سمت ایک اور درے کا رخ کرنا چاہئے کیونکہ یہ بلند ہونے کے باوجود ایک آسان راستے کی طرف نکلتا ہے۔"

"ویسے میں نقشوں کا ماہر نہیں ہوں مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ ہمیں ایسے رستے منتخب کرنے چاہئیں جن پر ہم تیز رفتاری سے سفر کر سکیں۔"

"اس آسان راستے پر ہمیں تقریباً دس کلومیٹر اضافی سفر کرنا پڑے گا اس چوٹی تک۔" ایلن بریڈ نے ایک جگہ انگلی رکھی۔ سروے میں اس چوٹی کا نام ایچ سترہ تھا یعنی ہمالیہ سترہ..... یہ چوٹی انیس ہزار فٹ بلند تھی۔

"اس درے تک رسائی بھی آسان ہے۔" ولیم نے نسبتاً بلند درے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ سولہ ہزار فٹ بلند ہے اور اس کا اوپری حصہ برف سے پاک ہے۔"

"تب میرے خیال میں یہ راستہ بہتر رہے گا۔" میں نے ولیم شا کی تائید کی۔ "ہم جتنا برف سے بچ کر چلیں اتنا اچھا ہوگا۔"

ایلن بریڈ نے برا سا منہ بنایا مگر ہم دو کے مقابلے میں اس کا ایک ووٹ تھا اس لئے راستہ ہمارا والا منتخب کر لیا گیا تھا۔ ناشتا کرتے ہی ہم روانہ ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ روئیدگی سے قطعی محروم تھا اور چاروں طرف برف تھی۔ دراصل یہ علاقہ چاروں طرف سے بلند چوٹیوں سے گھرا تھا۔ اس لئے اتنا سرد تھا کہ جون جولائی میں بھی اس کی برف نہیں پگھلتی تھی ورنہ میں نے ایسے بلند مقامات بھی دیکھے تھے کہ جن کی بلندی دس ہزار فٹ سے زیادہ تھی اور وہاں اپریل میں برف پگھل جاتی تھی۔ برف ہونے یا نہ ہونے کا انحصار بڑی حد تک علاقے کی اردگرد کی ساخت پر ہوتا ہے۔ وہ علاقے جن کے اردگرد برفانی چوٹیاں نہ ہوں، وہاں بلندی کے باوجود گرمیوں میں برف پگھل جاتی ہے۔ اسکردو کے بعض مقامات دیوسائی میدان جتنے اونچے ہیں مگر مئی میں وہاں برف پگھل جاتی ہے۔ جبکہ دیوسائی میں یہ برف جولائی کے آخر میں پگھلتی ہے اور بعض اوقات ساری گرمیوں میں بھی وہاں برف نہیں پگھلتی ہے جبکہ سترہ ہزار فٹ بلند درہ منجراب پر بھی گرمیوں میں برف پگھل جاتی ہے

اس روز بھی ہم نرم برف پر سفر کرتے رہے اور شام سے پہلے درہ عبور کر لیا تھا اس سے آگے طویل اور ہموار میدان تھا مگر اس میں بھی برف نرم تھی۔ رات کا پڑاؤ ہم نے ایک ننگی چٹان پر ڈالا تھا اردگرد برف ابھی تک نرم تھی، آدھی رات سے پہلے اس کے سخت ہونے کا امکان نہیں تھا۔ اس پر خیمے لگانا بے حد مشکل کام تھا۔ خوش قسمتی سے ایک ترچھی چٹان مل گئی تھی۔ دن بھر میں سورج کی گرمی سے چٹان اس حد تک گرم ہو جاتی تھی کہ اس کی ساری برف پگھل چکی تھی۔ اس کی ترچھی ڈھلان پر خیمے کسی قدر مشکل سے لگے تھے۔ یہاں پر تا حدِ نگاہ ویرانی تھی، برف کے میدان میں کہیں کہیں چٹانیں جھانک رہی تھیں، اس میدان سے پرے تہہ در تہہ چوٹیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو رہا تھا، جس سے گزرنے کا بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر ان پہاڑوں کے درمیان میں راستے تھے، ایسے راستے جن سے بہت کم انسان گزرے تھے۔ بعض رستے تو آج تک انسانی قدموں سے ناآشنا تھے۔

"اومر ڈراز کھان!" ایلن نے میرے نام کو بگاڑتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہے ہم ان تہہ در تہہ پہاڑوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے اوپر سے گزرے تھے۔"

"مجھے یاد ہے لیکن ہم کسی قدر دائیں طرف جا رہے ہیں۔ جبکہ مجھے یاد ہے وادی کی طرف سے آتے ہوئے ہمارے طیارے نے ذرا نے نما چوٹی تک کا سفر بائیں طرف سے طے کیا تھا۔"

"درست ہے۔" ایلن نے کہا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرف سے راستہ بے حد دشوار ہے۔ لگاتار سولہ ایسی چوٹیاں ہیں جن میں سے ہر ایک کی اونچائی سولہ ہزار فٹ سے زیادہ ہے اور ان میں سے نصف بیس ہزار فٹ سے بھی بلند ہیں۔"

"اس طرف سے جانے کا مطلب ہے ہمارا سارا وقت کوہ پیمائی میں ہی گزر جائے گا۔" ولیم شا ایک نقشہ لئے قریب چلا آیا۔ "یہ دیکھو..... نقشے کے مطابق اگر ہم دائیں طرف سے ہو کر جائیں تو ہمارے راستے میں طویل چوٹیاں نہیں آئیں گی بس ذرا راستہ طویل ہو جائے گا۔"

میں نے نقشہ غور سے دیکھا۔ ذرا نہیں، راستہ خاصا طویل ہو رہا تھا اور ہمیں تقریباً دو گنا راستہ طے کرنا تھا اور اس کے بعد ہم ہمالیہ کی نامعلوم وسعتوں میں قدم رکھتے جہاں آج تک کوئی انسان نہیں پہنچا تھا۔ وادی اس مقام سے بھی کوئی سو کلو میٹر آگے کہیں تھی اور ہمیں صرف اس نامعلوم حد تک جانے کے لئے کم سے کم ایک ہفتہ درکار تھا۔ میں نے ولیم شا سے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

اس نے سوچ کر کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں خوراک کی روزانہ کی مقدار کم کر دینی چاہئے۔ اگر ہم اس میں چالیس فی صد کمی کر دیں تو یہی خوراک بیس دن کے لئے کافی ہو گی۔"

"اس سے ہم کمزور ہو جائیں گے۔" میں نے اعتراض کیا۔ "اور سفر کی رفتار سست ہو جائے گی۔"

"ہم آرمی کے لوگ ہیں اور اتنی آسانی سے کمزور نہیں ہوتے ہیں۔" ولیم شا نے میرا اعتراض مسترد کر دیا تھا۔ اس نے ایلن سے پوچھا اور اس نے بھی ولیم شا کی تائید کی تھی اس طرح میرا اعتراض ایک کے مقابلے میں دو دونوں سے مسترد کر دیا گیا۔ اس رات ڈنر سے ہی کھانے کی مقدار میں کمی کر دی گئی تھی اور ہم سب آدھے پیٹ کے ساتھ سوئے تھے۔ اگلے روز ناشتے کے بعد ہم نے پھر اس وسیع برف زار میں رینگنا شروع کر دیا تھا۔ برف نرم تھی اور کیونکہ بلندی میں بھی اضافہ نہیں ہو رہا تھا اس لئے برف میں سختی بھی نہیں آئی تھی۔ پانی کے لئے ہم خاص طور سے ٹین کی بنی سیاہ بوتلیں لائے تھے۔ ان میں برف بھر کر اپنے بیگوں کے اوپری حصے میں رکھتے تھے، تیز دھوپ بوتل کو جلد گرم کر دیتی تھی اور اس میں بھری برف پانی میں بدل جاتی تھی۔ یہی پانی ہمارے پینے کے کام آ رہا تھا۔ رات کے لئے ہمارے پاس تھرماس تھے۔ ان میں گرم پانی ڈال لیتے تھے جو جمنے سے محفوظ رہتا تھا۔

ہمارے دونوں پورٹر نیپالی تھے۔ ایک کا نام اجیت کمار اور دوسرا سوندر تھا۔ دونوں اصل میں نیپال کی سرحد پر آباد ایک قبیلے کے تھے اور اس قبیلے کے بیشتر افراد پورٹر یعنی سامان اٹھانے اور رہنمائی کرنے کا کام کرتے تھے۔ یہ پستہ قد اور تنتی نقوش رکھنے والے نیپالی بوجھ اٹھانے اور اسے اٹھا کر پہاڑوں پر چڑھنے کے معاملے میں بے مثال تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کیا گیا تو اس کے فاتح ایڈمنڈ ہلیری کے بعد چوٹی پر قدم رکھنے والا دوسرا فرد ایک نیپالی شرپا تھا جو اس کارنامے میں کسی طرح ہلیری سے کم نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا مگر سارے اعزازات اور تعریفیں ہیلری کے حصے میں آئی تھیں اور شرپا کو کسی نے نہیں پوچھا۔

میں ہندوستانی تھا اس لئے دونوں پورٹر مجھ سے کسی قدر مانوس اور بے تکلف تھے۔ رات کو جب وہ سامان اتار کر خیمے لگاتے اور باورچی خانہ قائم کر کے کھانا بنانے میں لگ جاتے تھے تو میں ان کے پاس چلا جاتا تھا۔ آسام میں تھینانگی کے دوران میرا نیپالیوں سے واسطہ رہا تھا اس لئے مجھے خاصی حد تک ان کی زبان آگئی مگر سوندر اور اجیت سے بات کرنے کے لئے مجھے نیپالی استعمال نہیں کرنا پڑتی تھی، وہ اردو یا ہندی جانتے تھے اور ہم اسی زبان میں بات کرتے تھے۔ اس شام جب ہم نے کیمپ لگایا۔ اجیت کک بھی تھا اس نے باورچی خانے والا خیمہ لگایا اور کھانے بنانے کی تیاری کرنے لگا۔ میں نے اس سے کافی کی فرمائش کی۔

"ابھی دیتا ہے صاحب!" اس نے ننھا سا اسٹوو سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ سوندر خیمے لگا کر ہمارا سامان اس میں رکھ رہا تھا۔ اجیت نے کافی کا پانی اسٹوو پر رکھ دیا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور خنکی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا ایسے میں اسٹوو سے اٹھتی حرارت فرحت بخش لگ رہی تھی۔ اجیت نے اچانک کہا۔ "صاحب، آپ ان گوروں کے ساتھ کیوں جا رہا ہے؟"

"مجھے بھی شوق ہے ہمالیہ دیکھنے کا۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تم نے کیوں پوچھا کیا ہندوستان کے رہنے والے ہمالیہ کی طرف نہیں جاتے؟"

"جاتے ہیں صاحب، پر اس طرف کوئی نہیں جاتا۔"

"کیوں؟"

"اس طرف تو صرف ویرانے اور اونچی چوٹیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

"ہم ان چوٹیوں کے نقشے بنانے جا رہے ہیں۔" میں نے اسے اپنی مہم کی بظاہر وجہ بتائی۔

"صاحب ادھر موت ہے۔ ادھر جو جاتا ہے کبھی واپس نہیں آتا ہے۔ ہم اسے موت کا راستہ کہتے ہیں۔"

"کیوں، اس طرف ایسی کیا بات ہے؟"

"ادھر کئی سو میل تک صرف برف ہے پھر تبت، علاقہ آتا ہے پر ادھر بھی ویرانی ہے۔ کہتے ہیں اس طرف بدروحیں اور بھوت رہتے ہیں، جو اس طرف جاتا ہے وہ اسے جادو کر کے دیوانہ بنا دیتے ہیں اور وہ اس برف کے ویرانے میں بھٹک کر مر جاتا ہے۔"

"تمہارا کوئی جاننے والا اس طرف جا چکا ہے۔"

اجیت نے سر ہلایا۔ "میرا بھائی، وہ ایک گورے صاحب کے ساتھ اس طرف گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔"

"تمہارا بھائی گیا تھا اور واپس نہیں آیا، پھر بھی تم اس طرف جا رہے ہو؟"

"ہاں، میں دیکھنا چاہتا ہوں میرے بھائی پر کیا گزری تھی۔ ممکن ہے مجھے امیت کی لاش مل جائے اور میں اسے واپس لے جا سکوں۔ ماتا پتا آج بھی اس کی راہ تکتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہوا۔ تمہارا بھائی جس گورے کے ساتھ گیا، اس کا مقصد کیا تھا؟"

"آپ کی طرح وہ بھی اس علاقے کا نقشہ بنانا چاہتا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''صرف دو افراد کے ساتھ یہاں آنا خطرناک تھا ممکن ہے وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں۔''

''ایسا ہی ہوا ہوگا صاحب، ورنہ میرا بھائی واپس نہ آ جاتا۔''

کھانے کے بعد میں نے ڈائری لکھی اور اب تک کے راستے کا نقشہ بنایا۔ پھر میں نے ایلن اور ولیم شا سے بات کی، ان کو اجیت کے بھائی امیت کے بارے میں بتایا۔ ''وہ بھی کسی گورے کے ساتھ اس علاقے میں آیا تھا، اس کی واپسی نہیں ہوئی۔''

''لگتا ہے خان، تم نے ڈرنا شروع کر دیا ہے۔'' ولیم شا نے طنز کیا۔

''میں ڈرتا نہیں ہوں۔ مگر کسی بھی چیز کو اپنی جان سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھتا۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''ایسا ہی تم بھی سمجھتے ہو گے۔''

''میں خطرہ مول لے رہا ہوں۔''

''کیونکہ تم اس کا کریڈٹ لینا چاہتے ہو جبکہ مجھے ایسا کوئی لالچ نہیں ہے۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟'' اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''میں صرف اتنا چاہتا ہوں، ہم اپنی حد سے باہر نہ جائیں۔ جہاں سے ہمارے واپسی کے راستے بند ہو جائیں۔''

''تم اطمینان رکھو، ہم اس حد سے آگے نہیں جائیں گے۔''

''تمام تر احتیاط کے باوجود موجودہ خوراک کا ذخیرہ چودہ دن سے زیادہ نہیں چل سکتا۔ یعنی ہمیں چھٹے دن واپسی کا سفر شروع کرنا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے تم اس بات کو زیادہ ہی سنجیدہ لے رہے ہو۔'' ولیم شا نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

''تم اسے زیادہ ہی سر چڑھا رہے ہو۔'' ایلن نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''اب تم جا کر سو جاؤ۔ صبح ہمیں سورج نکلنے سے پہلے سفر کرنا ہے۔'' ولیم شا نے اس کی بات نظر انداز کر کے مجھے حکم دیا۔ میں اپنے خیمے میں آ گیا۔ مجھے ولیم شا کا رویہ بے حد تشویش ناک اور بچگانہ لگ رہا تھا، وہ وادی تک جانے اور اس مہم کو خفیہ رکھنے کی دھن میں راہ میں پیش آنے والے خطرات اور خاص طور سے خوراک کی کمی کو نظر انداز کر رہا تھا۔ دوسرے سفر کا دورانیہ غیر مناسب حد تک زیادہ تھا۔ پہاڑوں میں انسان فطرت سے لڑتا نہیں ہے بلکہ اپنی ہمت کے اندر رہتا ہے۔ یہاں بہادری دکھانے والا اور اپنی بساط سے بڑھ کر کام کرنے والا شخص مردہ ہوتا ہے۔ گزشتہ دن ہم نے بارہ گھنٹے سے زیادہ سفر کیا تھا۔ جبکہ ایک دن میں دس گھنٹے سے زیادہ سفر مناسب نہیں تھا بلکہ جتنا سفر کا وقت تھا اتنا ہی آرام کا وقت ہونا لازمی تھا ورنہ ہماری ہمتیں بہت جلد جواب دے جاتیں۔

اگلے روز ہم نے منہ اندھیرے سفر شروع کر دیا۔ ابھی پانچ بجے تھے اور ہمیں صرف آٹھ گھنٹے سونا نصیب ہوا تھا۔ اجیت اور سومندر بھی تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔ جیسے جیسے ہم شمال کی طرف جا رہے تھے، بلندی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس شام جب اندھیرا چھانے لگا تو ولیم شا نے پورٹرز کے احتجاج پر کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا مگر وہ اس سے خوش نہیں تھا۔ ''ابھی روشنی ہے اور ہم مزید کچھ دیر سفر کر سکتے تھے۔''

''آج ہم نے تیرہ گھنٹے سے زیادہ سفر کیا ہے، اور یہ پورٹرز کی ہمت سے زیادہ ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان کا کام کیا ہے؟''

''وہ انسان ہیں، مشین نہیں۔ اپنی ہمت سے زیادہ کریں گے تو بیمار ہو جائیں گے اور پھر یہ سامان کون اٹھائے گا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہی لوگ اٹھائیں گے۔'' ولیم شا نے غصے سے کہا۔ ''جب میں نے ان کو منہ مانگا معاوضہ دیا ہے تو ان کو کام بھی میری مرضی کا کرنا ہوگا۔''

مگر پورٹر اس کے لئے تیار نہیں تھے، ابھی ولیم شا اور میں باتیں کر رہے تھے کہ اجیت آ گیا، اس نے دو ٹوک کہا۔ ''صاحب، ہم تیرہ گھنٹے سفر نہیں کر سکتا۔ کل سے ہم صرف دس گھنٹے سفر کرے گا۔''

میں نے ولیم شا کو اس کے فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ غصے سے بے قابو ہو کر گالیاں دینے لگا۔ ''اس ڈرٹی سوائین کو بتا دو اس نے بکواس کی تو میں اس کے دانت توڑ دوں گا۔''

''اگر تم نے اس کے دانت توڑے تو یہ واپس چلا جائے گا پھر یہ سامان کون اٹھائے گا؟''

''چلا جائے، ہم خود اٹھا لیں گے سامان۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ ڈھائی من یعنی سو سیر سامان ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''اسے اٹھانا ہمارے بس سے باہر ہے۔''

''میں ان کی بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گا، ان سے کہو ہمارے ساتھ رہنا ہے تو ایسے ہی رہیں ورنہ معاضے کی رقم واپس کریں اور جائیں۔''

میں نے اجیت سے بات کی۔ ولیم شا کا انکار اور جواب سن کر اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی۔ یہ درست تھا، ولیم شا نے ان کو عام معاوضے سے زیادہ ہی دیا تھا، اس لحاظ سے اس کا حق بنتا تھا کہ کام بھی اپنی مرضی کا لے۔ میں نے اجیت سے کہا۔ ''دیکھو، ہمارے پاس خوراک کم ہے اگر ہم دن میں بارہ گھنٹے سفر نہ کریں تو اپنی منزل پر کیسے جائیں گے۔ خوراک ختم ہو گئی تو اس ویرانے میں بھوک سے مر جائیں گے۔''

''تب ہم کیا کرے صاحب؟''

''ابھی اس معاملے کو چلنے دو۔''

''صاحب اتنا سامان لے کر روز بارہ تیرہ گھنٹے سفر کرنا بے حد مشکل ہے۔''

''ہمت کرو جب تک ممکن ہے، ویسے بھی ہمارے پاس اب بارہ دن کی خوراک رہ گئی ہے۔ تین چار دن بعد ہمیں واپس جانا ہوگا۔''

اجیت اور سومندر بمشکل راضی ہوئے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہماری یہ مہم اس طرح ناکام ہو۔ میں نے ذاتی طور پر کوشش کی اور طے پایا کہ ہم ان کا کچھ بوجھ خود اٹھائیں گے اور روزانہ بارہ گھنٹے سفر کریں گے۔ صبح پانچ بجے سے دوپہر بارہ بجے تک سفر اس کے بعد دو گھنٹے کے لئے آرام اور پھر شام سات بجے تک سفر اور اس کے بعد کیمپ۔ کھانا کھا کر ہم بے سدھ سو جاتے تھے۔

☆======☆======☆

یہ سفر کا دسواں دن تھا۔ برفانی میدان ہم نے ساتویں دن عبور کر لیا تھا اور پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر پہاڑوں کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ اس مقام سے ہم نے اپنا رخ درست کر لیا تھا اور اب بھی وادی سے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر تھے۔ اس روز ہم نے فیصلہ کرنا تھا کہ کیا کریں، آگے سفر کریں یا واپس پلٹ جائیں کیونکہ اب ہمارے پاس محض اتنی خوراک تھی کہ ہم بمشکل واپس جا سکتے تھے اور اس معاملے میں مزید ایک دن کی تاخیر ہو جاتی تو یہ تاخیر خطرے کی حد میں داخل ہو جاتی، خاص بات یہ تھی کہ اجیت اور سومندر نے آگے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کا خوراک کا ذخیرہ اور بھی کم ہو رہا تھا۔ پورٹرز اپنی خوراک الگ لے کر چلتے ہیں۔

''صاحب، ہم اس سے آگے نہیں جا سکتے۔'' اجیت نے مجھے بتایا۔ ''ہمارے پاس اتنی خوراک ہے کہ ہم بس زندہ واپس جا سکتے ہیں۔''

میں پہلے ہی اس معاملے پر فکرمند تھا۔ جبکہ ولیم شا اور ایلن کے انداز میں کوئی پریشانی نہیں تھی، خاص طور سے ولیم یوں مطمئن تھا جیسے ہم انسانی آبادیوں کے درمیان سفر کر رہے ہیں۔ میں نے اس سے بات کی۔ ''ہمیں کل سے واپسی کا سفر کرنا ہے۔''

''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم جانتے ہو ہمارے پاس واپسی کی خوراک کم رہ گئی ہے اور ایک دو دن دیر کی تو ہم واپس بھی نہیں جا سکیں گے۔ اس ویرانے میں مر جائیں گے۔''

''تم فکر مت کرو، ہم وادی سے کچھ فاصلے پر ہیں۔''

''ہم وادی سے کتنے فاصلے پر ہیں؟ یہ تم یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو۔ دوسرے لازمی نہیں ہے ہم وادی میں اترنے والا راستہ دریافت کر لیں۔ وادی اپنی دیواروں سے کم سے کم سات آٹھ ہزار فٹ کی گہرائی میں ہے اور اس میں اترنا ناممکن ہوگا۔''

''سب ممکن ہے اگر آدمی ارادہ اور ہمت کر لے۔''

''پورٹرز آگے جانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

''ان کو فارغ کر دو۔ ان کو تو ہم یہیں تک لانا تھا۔ ان سے کہو ان کو معاوضہ دیا جا چکا ہے اور ان کے پاس واپسی کی خوراک بھی ہے۔''

میں نے اجیت اور سومندر کو ولیم کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اصولاً تو ان کو خوشی خوشی واپس چلے جانا چاہئے تھا مگر اجیت پریشان ہو گیا۔ ''صاحب، ہمارے بغیر اس علاقے میں کیسے سفر کرو گے؟''

''مسٹر شا اس کے لئے تیار ہیں۔'' میں نے طنز کیا۔

''صاحب، آپ سب مر جاؤ گے۔'' سومندر بولا۔

ولیم شا نے جواب دیا۔ ''تم ہماری فکر مت کرو، اب تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جانے سے پہلے اتنا کام کرتے جانا کہ سارا سامان تین برابر حصوں میں بانٹ دینا۔ اب یہ بوجھ ہم تینوں اٹھائیں گے۔''

''ولیم شا یہ دیوانگی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے تب تم اس دیوانگی میں شریک مت ہو۔ واپس چلے جاؤ۔'' اس کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا تھا۔ ''لیکن کیا تم واپس جاؤ گے؟'' اس کے لہجے میں چیلنج تھا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کی بات درست تھی۔ میں بھی اس دیوانگی کا شکار تھا ورنہ اس مہم پر کیوں آتا۔ اس پُراسرار وادی کی جھلک نے مجھے بھی دیوانہ کر دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں چلوں گا مسٹر شا! چاہے انجام جو بھی ہو۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔

ولیم شا مسکرانے لگا۔ ''مجھے معلوم تھا تم میرا ساتھ دو گے ورنہ طیارے میں اور لوگ بھی تھے مگر اس وادی نے صرف ہم تینوں کو سحر زدہ کیا تھا۔ اس لئے ہم تینوں جا رہے ہیں۔ تم جانتے ہو میں نے جوگندر اور جوزف سے بھی رابطہ کیا تھا۔ وادی نے ان کو نہیں بلایا تھا۔''

''انہوں نے انکار کر دیا؟''

''ہاں، تم نے نہیں کیا۔''

''یعنی وادی نے مجھے بلایا ہے۔'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''مسٹر شا! تم اس قسم کی توہم پرستی پر یقین رکھتے ہو۔ وادی ایک زمین ہے۔''

''ہاں، پہلے نہیں رکھتا تھا لیکن اب رکھتا ہوں۔ جب سے میں نے اس وادی کو دیکھا ہے، مجھے اس کے سحر زدہ ہونے کا یقین ہے۔ یقین کرو خان، اس وادی میں کوئی اسرار ہے ورنہ تم سوچو، ہمالیہ کے عین وسط میں ایک اتنی ہری بھری وادی..... پھر اس میں اتنا خوبصورت اور متمدن شہر، اس کے جنگل، جھیلیں اور کھیت، سب کتنے انوکھے تھے۔ اگر اس وادی میں محض وحشی ہوتے تو مجھے قطعی تعجب نہ ہوتا۔ پھر وہ اہرام نما عمارت یاد ہے جس کے اوپر سنہری کلس چمک رہا تھا۔''

''اسے میں کیسے بھول سکتا ہوں۔''

''وہاں کچھ بھی معمول کے مطابق نہیں ہے۔''

''میں نے جنگلوں میں جانور دیکھے تھے، وہ مجھے دنیا کے دوسرے جانوروں سے مختلف لگے تھے۔''

''یہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ اس وادی میں کوئی پُراسراریت ہے۔''

''فرض کرو لو، ہم وادی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں پھر.....؟''

''تب ہم جانیں گے اس وادی کے وجود کا راز کیا ہے، چاروں طرف سے ہولناک برفانی ویرانوں میں گھرے ہونے کے باوجود وہاں اتنی شادابی کیوں ہے؟''

''سب سے اہم بات اس وادی میں انسان کیوں اور کہاں سے آئے؟ انہوں نے اتنا شاندار تمدن کیسے قائم کر لیا، ساری دنیا سے کٹ کر؟''

''ہم ضرور وادی میں اتریں گے۔'' ولیم شا نے یقین سے کہا۔

اگلے روز اجیت اور سومندر واپسی کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے سارے سامان کو تین مساوی حصوں میں تقسیم کر کے پیک کر دیا تھا۔ ویسے بھی نصف خوراک اور ایندھن ہم استعمال کر چکے تھے۔ اس سے بھی وزن کم ہوا تھا۔ سب کے حصے میں کوئی پچیس کلو گرام سامان آیا تھا۔ اجیت اور سومندر کے جانے کے بعد مجھے لگا جیسے باہر کی دنیا سے میرا رابطہ کٹ چکا ہے اور ہم صحیح معنوں میں ہمالیہ کے برف زار کے قیدی بن چکے ہیں۔ وزن اٹھا کر چلنے سے ہماری رفتار سست ہوئی تھی لیکن یہ اتنا مشکل بھی نہیں تھا البتہ ایک پریشانی تھی، چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہوا بے حد ہلکی ہو جاتی ہے اور اس میں سانس لینا بھی کسی مشقت سے کم نہیں ہوتا۔ سانس ذرا سی مشقت سے پھول جاتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفر کے دوران ہمیں ہر آدھے گھنٹے بعد سانس درست کرنے کے لئے رکنا پڑتا تھا۔ اس وقت ہمیں نیپالی مزدوروں کی افادیت کا اندازہ ہوا جو اس سے زیادہ وزن لے کر سارا دن بغیر رکے چلتے رہتے تھے۔ ان کی رفتار بھی کم نہیں ہوتی تھی۔ اس روز ہم نے بارہ گھنٹے میں اتنا فاصلہ طے کیا جتنا عام حالات میں اور پورٹرز کے ساتھ ہم آٹھ لو گھنٹے میں طے کرلیا کرتے تھے۔ جب کیمپ کے لئے رکنے کا تو خیمے لگانے سے پہلے ہمیں گھنٹا بھر رکنا پڑا تھا کہ جان میں جان آئے تو کوئی اور کام کریں۔ ''ہم نے پورٹرز کو بھیج کر غلطی کی ہے۔'' یہ اعتراض ایلن نے کیا تھا جو شروع سے ہر معاملے میں ولیم شا کی ہم نوائی کرتا آیا تھا۔ مگر آج کے سفر نے اس کے سارے کس بل نکال دیئے تھے۔

''میں نے درست کیا، اس وادی کا راز اب ہم تینوں تک محدود رہے گا۔''

''تم شروع سے سوچ کر آئے تھے کہ وادی کے قریب پہنچ کر ان کو واپس بھیج دو گے؟''

''ظاہر ہے اگر یہ ایک بار وادی کا راستہ دیکھ لیتے تو ان کے لئے دوسروں کو لانا مسئلہ نہیں رہتا۔''

''نقشوں کے بغیر وہ اس علاقے میں کیسے سفر کر سکتے ہیں؟'' ایلن نے اعتراض کیا۔

''ان لوگوں کو نقشوں کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ پہاڑوں میں راستہ تلاش کرنے کے ماہر ہوتے ہیں، تم نے دیکھا واپس جاتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کوئی نقشہ نہیں مانگا تھا۔ ان کو راستہ یاد تھا اس طرح یہ وادی کا راستہ بھی یاد کر لیتے۔''

''اب یہ ہماری مہم ہے۔'' ایلن بولا۔

''ہاں، کامیابی یا ناکامی۔ یہ مہم دونوں صورتوں میں بس ہماری ہے۔'' میں نے کہا، میرا مقصد ان کو یاد دلانا تھا کہ میں بے شک ہندوستانی سہی لیکن اس مہم میں برابر کا حصے دار ہوں۔

''درست، کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں سب برابر ہیں مگر اتنا یاد رہے اس مہم کا سربراہ میں ہوں اور اس لئے میرا حق تھوڑا سا زیادہ ہوگا۔''

''یہ تمہارا حق ہے۔'' میں نے کہا تو بادلِ ناخواستہ ایلن نے بھی سر لایا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ہم نقشے لے کر بیٹھے، اس وقت ہم ہمالیہ کے تقریباً وسط میں تھے اور ولیم کے اندازے کے مطابق وادی سے کوئی چالیس میل کے فاصلے پر تھے۔

''وادی کے آس پاس بلندی سترہ سے اٹھارہ ہزار فٹ ہے اور اتنی بلندی پر سفر کرنا بے حد دشوار ہوتا ہے۔''

''ممکن ہے ہمیں کوہ پیمائی کرنا پڑے۔'' ایلن نے خدشہ ظاہر کیا۔

''وہ تو کرنا پڑے گی۔'' میں نے بتایا۔ ''ہمارے سے میں نے وادی کے اردگرد جس قسم کے پہاڑ دیکھے ہیں، ان کو ہم کوہ پیمائی کے بغیر سر نہیں کر سکتے۔''

ہم سارا سامان لائے تھے، اگلے روز کیمپ کے بعد ہم نے وہ سارے اوزار نکالے، آلات اور رسیاں نکالیں جو کوہ پیمائی کے کام آسکتی تھیں۔ ان کا معائنہ کیا اور ساری چیزیں بانٹ لیں۔ ایلن کو کوہ پیمائی کا باقاعدہ تجربہ تھا اس لئے وہ اب ہمارا لیڈر ہوتا۔ وہی سب سے آگے ہوتا۔ اگلے روز سے پہاڑ ہماری راہ میں حائل ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے۔ اس وقت ہم وادی سے بیس میل کے فاصلے پر تھے، وزن کم کرنے کے لئے ہم نے تمام فالتو چیزیں یہیں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا، صرف ضرورت کی چیزیں رکھی تھیں۔ اس کے ساتھ ہم نے خاص جوتے اور لباس بھی نکال لئے جن کے بغیر بلند علاقوں میں سفر ناممکن ہوتا ہے۔

''میرا خیال ہے تیسرے دن کسی وقت ہم وادی کی دیواروں کے کناروں پر ہوں۔'' ولیم نے نقشہ دیکھتے ہوئے بتایا۔ یہ نقشہ اس نے پہلی بار نکالا تھا اور اس میں اس علاقے میں پائی جانے والی تمام چوٹیوں اور گھاٹیوں کی تفصیل تھی۔ میں نے حیرت سے دیکھا۔

''یہ کہاں سے آیا؟''

ولیم شا مسکرایا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے، میں نے یہ نقشہ کیسے تیار کیا ہے؟''

''مجھے لگ رہا ہے تم نے اس علاقے میں پرواز کر کے اور تصویریں لے کر نقشہ بنایا ہے۔''

''درست ہے، میں بعد میں بھی اس علاقے میں آتا رہا تھا۔ ایک بار میں نے طیارہ وادی میں لے جانے کی کوشش کی تھی مگر دھند اتنی شدید تھی کہ میں نیچے جانے کی ہمت نہ کر سکا۔''

''اس روز بھی قدرت نے ہمیں وادی دکھانا تھی اس لئے طیارے کے انجن بند ہو گئے ورنہ از خود تو ہم کسی صورت اس کنواں نما وادی میں نہیں اتر سکتے تھے۔''

''عجیب بات تھی اس وادی کے اوپر دھند ہوتی ہے مگر آس پاس کے علاقے اور چوٹیاں بالکل صاف ہوتی ہیں۔''

''شاید اس وجہ سے یہ وادی اتنے عرصے تک انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہی۔ اگر ہمارے ساتھ انجن بند ہونے کا واقعہ پیش نہ آتا تو ہم بھی بے خبر رہتے۔''

''میں نے وادی کے کناروں کی کچھ تصاویر لی ہیں۔'' ولیم شا نے ایک لفافے سے یہ تصویریں برآمد کیں۔ ''ان سے پتا چل رہا ہے، مشرقی سمت سے اس کے کنارے ذرا ترچھے ہیں، ممکن ہے اس طرف اترنے کا کوئی راستہ ہو۔''

''اسی وجہ سے ہم دائیں طرف سے ہو کر وادی کی طرف جا رہے ہیں۔''

''یہ وجہ بھی ہے لیکن اصل میں ہمیں اس طرف آنے والی چوٹیوں سے بچنا تھا وہ بے حد دشوار ہیں، ہماری ساری توانائی وہیں ختم ہو جاتی۔''

اگلے روز ہم نے کیل کانٹوں سے لیس راستے میں آنے والے پہلے بلند پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس طرف ڈھلان برف پوش تھی اور ایسی ڈھلان اس لحاظ سے خطرناک ہوتی ہے کہ اس میں چھپے غاروں کا پتا نہیں چلتا اور اچانک پیروں تلے برف ٹوٹ جانے سے آدمی کسی اندھے اور یخ غار میں جا گرتا ہے اور اسے نکالنا بھی اکثر اوقات ممکن نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گرنے سے آدمی بچ جاتا ہے لیکن ذرا دیر میں سردی اس کی جان لے لیتی ہے۔ ہم نے آپس میں ایک دوسرے کو سو گز لمبی رسی سے باندھ لیا تھا، سب سے آگے ایلن تھا اس کے بعد میں تھا اور مجھ سے پیچھے ولیم شا تھا۔

دوپہر تک ہم نے اس دشوار ڈھلان کو عبور کیا اور اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی سے دوسری طرف اترنا شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیا۔ تیز چمکتے دن میں درجہ حرارت منفی تھا۔ پورے جسم میں واحد کھلا حصہ چہرہ تھا جو سردی کی شدت سے سن ہو گیا تھا۔ رات آنے کے تصور سے جان نکل رہی تھی کیونکہ رات میں درجہ حرارت منفی دس درجے سے بھی نیچے گر جاتا تھا۔ سارے دن میں ہم نے بمشکل چھ میل کا فاصلہ طے کیا تھا اور ابھی ہمارے رستے میں کم سے کم چار چوٹیاں حائل تھیں۔ ان میں سے ایک بائیس ہزار فٹ سے زیادہ بلند تھی۔ رات سے پہلے ہم نے ایک ڈھلانی غار میں کیمپ لگایا۔ یہ غار خوش قسمتی سے مل گیا تھا۔ اتفاق سے اس کے دہانے کی برف گر گئی تھی اور اندر سے غار کھل آیا تھا۔ یہ چھوٹا اور اندر سے صاف ستھرا غار تھا۔ ہم پہلے انسان تھے جنہوں نے اس میں قدم رکھا تھا۔ بلکہ اس علاقے میں آنے والے اوّلین انسان تھے۔

''اچھی جگہ ہے۔'' ولیم شاخوش تھا۔ ''یہاں ہم شدید سردی سے محفوظ رہ سکیں گے۔''

''اگر اس کے آگے برف جمع کر دی جائے تو رہی سہی سردی سے محفوظ رہ سکیں گے۔'' میں نے تجویز دی۔

''میرا مطلب ہے دہانے پر۔''

ان دونوں نے میری تجویز سے اتفاق کیا اور برف جمع کرنے کا کام میرے سپرد کر دیا۔ ایلن کھانا بنانے لگا اور ولیم شا سامان کھول کر سلیپنگ بیگ نکالنے لگا۔ یہ روئی اور پیراشوٹ سے بنے جدید ترین بیگز تھے جو اندر سے گرم ہوتے ہیں اور منفی بیس درجے کی شدید سردی میں بھی آدمی کو محفوظ رکھتے ہیں۔ میں نے کلہاڑی اور بیلچے سے بیلچے کی مدد سے خاصی برف دہانے کے سامنے جمع کر دی اور صرف اتنا سوراخ چھوڑا جس سے آدمی رینگ کر اندر جا سکے۔ ہوا کا راستہ بند ہوا اور اندر چولھا روشن ہوا تو سردی کچھ دیر میں قابل برداشت ہو گئی تھی۔

''ہمیں ابھی تک اس علاقے میں کوئی جاندار دکھائی نہیں دیا ہے۔'' ایلن نے آلو اور گوشت کے شوربے میں چمچ چلاتے ہوئے کہا۔

''شاید اس لئے کہ اس علاقے میں سارے سال برف جمی رہتی ہے۔ چرندوں کے لئے یہاں کچھ نہیں ہے، جب چرندے نہیں ہیں تو ان کا گوشت کھانے والے درندے بھی نہیں ہیں۔'' ولیم شا نے وضاحت کی۔

''برفانی آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''ولیم شا ہنسا۔ ''اگر میں نے وادی نہ دیکھی ہوتی تو ممکن ہے، اسے بھی خیالی مخلوق سمجھتا لیکن اب میرے خیال میں برفانی آدمی ہو سکتا ہے۔''

میں ڈائری لکھ رہا تھا، میں نے مداخلت کی۔ ''برفانی آدمی ہوتا ہے، ہم اسے ینگو کہتے ہیں۔''

''سچ مچ تمہارے علاقے میں ملتا ہے؟''

''نہیں، ہمارے علاقے میں نہیں ہوتا ہے، اونچے برفانی پہاڑوں میں رہتا ہے۔ البتہ سرما میں جب ہمارے علاقے میں برف پڑ جاتی ہے تو وہ آتا ہے اور بھیڑ بکریاں اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اس کا مقابلہ کرو تو آدمی کو بھی مار دیتا ہے۔ لمبا اور طاقتور ہوتا ہے۔ پورا جسم گھنے بالوں سے ڈھکا ہوتا ہے اور چہرے کے نقوش انسان جیسے ہوتے ہیں۔''

''تم نے دیکھا ہے؟''

''نہیں، میں نے سنا ہے۔ البتہ میرے بابا نے دیکھا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یعنی برفانی آدمی سچ مچ ہوتے ہیں؟'' ایلین حیرت سے بولا۔

''کم سے کم میری اطلاع یہی ہے۔'' میں نے دوبارہ ڈائری اٹھالی۔

''اگر یہاں کوئی برفانی آدمی آجائے تو؟'' ایلین نے سوال کیا۔

''اس کے لئے میرے پاس یہ اعشاریہ اڑتالیس کا ہیر گلن ہے۔'' شانے پستول نکال کر دکھایا۔ ''دس گز کے فاصلے پر یہ شیر کو ڈھیر کرسکتا ہے۔''

''میرے بابا کا کہنا ہے برفانی آدمی شیر سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ یہ ریچھ سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے محض پستول پر بھروسا مت کرو۔''

''مجھے اپنے نشانے پر بھروسا ہے۔'' اس نے پستول چیک کیا۔ اس میں گولیاں دیکھیں۔ ''اگر برفانی آدمی آیا تو میں اسے ڈھیر کردوں گا۔''

''میرا نہیں خیال ہے کہ برفانی آدمی اس علاقے میں ہوگا کیونکہ یہاں اس کے کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔'' ایلین بولا، اس نے پتیلی چولھے سے اتار لی تھی۔

''اس کے برعکس میرا خیال ہے یہ جگہ اس کے لئے محفوظ ہے کیونکہ یہاں تک کوئی نہیں آتا ہے، جہاں تک شکار کرنے کا تعلق ہے وہ نیچے جا کر اور شکار کر کے لا کر اس جگہ محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ ایک یا دو بھیڑ بکریاں لے آئے تو مہینہ بھر گزارہ کرسکتا ہے۔'' میں نے ڈائری بند کر کے جیکٹ میں رکھ لی، کھانے کا وقت ہو گیا تھا اور اس میں چند منٹ کی تاخیر سے کھانا برف بن جاتا۔ شوربے کا برتن اتار کر چولھے پر کافی کا پانی رکھ دیا تھا۔ ''منطق اچھی ہے۔'' ولیم شانے پیالے میں شوربہ نکالتے ہوئے کہا۔ ''مگر خدانہ کرے یہاں برفانی آدمی ہو۔ ہم فی الحال کسی خطرے کا سامنا نہیں کرسکتے۔''

میں نے بھی شوربہ نکالا، اس کے اوپر مکھن تیر رہا تھا۔ اس علاقے میں سفر کرنے کے لئے مکھن اور گھی جیسی طاقتور غذائیں ضروری تھیں۔ کھانے کے فوری بعد ہم نے سیاہ تلخ کافی پی اور سونے کے لئے خوابی تھیلوں میں گھس گئے۔ مگر سونے میں کچھ دیر لگی تھی۔ نہ جانے کس وقت میری آنکھ کھلی۔ مجھے حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ میں خوابی تھیلے سے باہر آیا۔ ولیم اور ایلین گہری نیند میں تھے۔ میں نے جوتے اور جیکٹ پہنے۔ اس کے باوجود جب میں غار سے نکلا تو مجھے لگا میں بغیر کچھ پہنے ہی باہر آگیا ہوں۔ سردی کی شدت نے مجھے لرزنے پر مجبور کر دیا تھا اور میں دور جانے کے بجائے وہیں غار کے پاس بیٹھ گیا۔ فارغ ہو کر میں پتلون درست کر رہا تھا کہ مجھے عقب سے غراہٹ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا مجھ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر برفانی آدمی کھڑا تھا۔ اس روز نویں یا دسویں کا چاند تھا۔ اس کی روشنی میں وہ بالکل واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے شانے پر ایک جانور لاد رکھا تھا، بے حد گھنے بال، طویل قد جو شاید ساڑھے چھ فٹ تھا۔ گٹھیلا مضبوط جسم اور انگاروں کی طرح دہکتی آنکھیں۔

چند لمحے کے لئے میں دہشت سے سن رہ گیا تھا، جس خوف ناک مخلوق کے چرچے میں بچپن سے سنتا آیا تھا اور جس کے بارے میں ہم سونے سے پہلے بات کر رہے تھے، وہ اچانک ہی میرے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ اس کے شانے پر ایک عدد بھیڑ تھی۔ بقول ولیم شا کے میری منطق درست نکلی تھی۔ یہ جگہ سچ مچ برفانی آدمی کا مسکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، وہ دوسری بار غرایا تو مجھے ہوش آیا تھا اور میں غار کی طرف لپکا۔ ایک اور زبردست غراہٹ کے ساتھ برفانی آدمی میری طرف لپکا۔ میں نے چھلانگ لگائی اور زور میں دہانے کے مختصر سے راستے سے اندر جا گھسا۔ میرے پاؤں باہر تھے جنہیں میں نے بے تابی سے کھینچ لیا۔ اسی لمحے برفانی آدمی کا چہرہ سوراخ سے نمودار ہوا اور میں نے دونوں پاؤں جوڑ کر اس کے منہ پر بھرپور وار کیا۔ کیلوں والے جوتے اس کے منہ پر لگے تو اس نے گرج دار آواز نکالی تھی۔ اس کا منہ غائب ہو گیا تھا۔ زور میں ہٹیں اپنے خوابی تھیلے پر جا گرا اور چلایا۔

''ولیم..... ایلن..... برفانی آدمی!''

غراہٹیں اور چیخیں سن کر وہ دونوں پہلے ہی بیدار ہو چکے تھے۔ مشتعل برفانی آدمی برف ہٹا رہا تھا تاکہ غار میں گھس سکے اور وہ اس محدود غار میں گھس آتا تو ہم سب کو کچل کر رکھ دیتا۔ میں نے ایک عدد کلہاڑی اٹھائی اور غار کی دیوار کے ساتھ سرکتا ہوا دہانے کی طرف جانے لگا۔ برفانی آدمی کے بیلچے نما ہاتھوں کے لئے غار کے سامنے سے برف ہٹانا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا اور میں انتظار کر رہا تھا، اس کا سر اندر آئے تو میں اس پر کلہاڑی سے وار کروں۔ ولیم شاپاگلوں کی طرح بیگ سے پستول نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایلن نے ٹارچ نکالی تھی ویسے غار میں ایک محدود روشنی والا کیروسین لیمپ بھی جل رہا تھا۔

''اسے اندر آنے مت دینا۔ ورنہ وہ سب کو مار دے گا۔'' میں نے چلا کر کہا۔ اسی لمحے ایک زبردست غراہٹ کے ساتھ برفانی آدمی کے جسم کا کوئی حصہ اندر آیا اور میں نے جانے بغیر اس پر پوری قوت سے وار کیا۔ کلہاڑی اس کے جسم میں اتر گئی، اس نے ایک ہاتھ سے کلہاڑی کا دستہ پکڑا اور مجھے اس سمیت باہر کھینچ لیا۔ اس نے مجھے کھلونے کی طرح دور برف پر اچھال دیا تھا، میں گرا اور قلابازیاں کھاتا چلا گیا۔ کلہاڑی اس کے ایک بازو میں گھس گئی تھی، مجھے دور پھینک کر اس نے کلہاڑی نکالی اور اسے ایک طرف اچھال دیا، اس کے بعد وہ غراتا ہوا میری طرف لپکا تھا۔ خوش قسمتی سے میں نرم برف پر گرا تھا اور ہڈی پسلی ٹوٹنے سے بچ گئی تھی۔ اس لئے میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا تھا اور اس کی گرفت سے بچنے کے لئے بھاگا۔ برفانی آدمی جسیم ہونے کی وجہ سے میری طرح پھرتیلا نہیں تھا اس لئے میں اسے جھکائیاں دیتا رہا اور ساتھ ہی چلا چلا کر ولیم شا کو کہتا رہا۔ ''جلدی آؤ، اس پر فائر کرو۔''

مجھے معلوم تھا ایک بار میں اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ مجھے معمولی کھلونے کی طرح توڑ مروڑ دے گا یا اس بھیڑ کی طرح چیر پھاڑ دے گا جو وہ کہیں سے اٹھا کر لایا تھا۔ اس سے بچنے کے چکر میں ہٹیں اس بھیڑ کو بھول گیا تھا۔ اس سے پاؤں ٹکرایا تو میں منہ کے بل برف پر جا گرا اور برفانی آدمی اپنے گلے سے بھیانک آوازیں نکالتا میرے سر پر آ گیا اور اب بچنے کا موقع نہیں تھا۔ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ فضا ایک دھماکے سے گونجی اور برفانی آدمی اچھل کر دور جا گرا۔ ولیم شا نے اس پر فائر کیا تھا۔ اسے نہ جانے گولی لگی تھی یا دھماکے نے اسے ڈرا دیا تھا، وہ اچانک ایک طرف بھاگا، اس کی رفتار چیتے سے کم نہیں تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں غائب ہو گیا۔

''خان، تم ٹھیک ہو؟'' ولیم شا میرے پاس چلا گیا۔

''ہاں، تم نے بروقت فائر کیا ورنہ اس نے مجھے دبوچ لیا تھا۔'' میں برف سے اٹھ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے پستول اندر رکھ دیا تھا اسے نکالنے میں دیر لگی تھی۔'' اس نے ندامت سے کہا

''اندر چلو وہ پھر نہ آ جائے۔'' غار سے جھانکتے ایلن نے گھبرائے انداز میں کہا۔

ہم خود بھی چوکنا تھے مگر بھاگنے اور ٹیلے کے عقب میں غائب ہونے کے بعد وہ دوبارہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ جب ہم اندر آئے تو مجھے اپنے بائیں شانے میں درد کا احساس ہوا تھا۔ میں پہلی بار اسی شانے کے بل پر گرا تھا۔ میں نے ولیم شا کو بتایا تو اس نے ایک دوا نکال کر اس کی مالش کر دی۔ پھر وہ ایلن کے ساتھ باہر گیا اور مردہ بھیڑ اٹھا لایا۔ برفانی آدمی نے اس کی گردن توڑ دی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''اسے کیوں لائے ہو؟''

''اچھا خاصا گوشت ہے۔'' ہمارے کام آئے گا۔'' ایلن نے جواب دیا۔

''مگر اس کے چکر میں برفانی آدمی آ گیا تو؟'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''ہم اسے دیکھ لیں گے۔'' ولیم شا نے بے پروائی سے کہا۔ ''وہ زخمی ہوا ہے، برف پر خون کے دھبے نمایاں ہیں ممکن ہے مر ہی جائے۔''

''اگر ہمیں اس کی لاش مل جائے تو ہم دنیا کو یہ عجوبہ دکھا سکتے ہیں۔'' ایلن بولا۔

مگر مجھے ولیم شا سے اتفاق نہیں تھا۔ برفانی آدمی اگر زخمی بھی ہوا تھا تو معمولی سا زخمی تھا اور اس کے مرنے کا امکان نہیں تھا۔ وہ جتنی پھرتی اور تیزی سے بھاگا تھا شدید زخمی ہونے کی صورت میں اس طرح نہیں بھاگ سکتا تھا۔ مجھے یہ خدشہ بھی تھا کہ وہ بھیڑ کے چکر میں پھر واپس آئے گا۔ یہ بات ان دونوں کے ذہن میں بھی تھی اس لئے طے ہوا کہ ایک آدمی رات بھر جاگ کر پہرا دے گا۔ دو گھنٹے بعد وہ دوسرے کو جگا دے گا۔ پہلے ایلن کی باری تھی میں اور ولیم سو گئے۔ چار گھنٹے بعد ولیم نے مجھے جگایا۔ صبح کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ اس نے پستول اور کافی کا مگ مجھے تھمایا اور سونے کے لئے اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا۔ میں نے کافی پی کر خود کو چوکنا کیا اور پھر غار سے باہر جھانکا۔ مغربی سمت تاریکی تھی اور مشرق سے روشنی کے آثار تھے، کچھ دیر بعد سورج کی روشنی سب سے پہلے بلند چوٹیوں پر پڑتی۔ چاند کی روشنی غائب ہو چکی تھی اس لئے ہر طرف نامحسوس سا اندھیرا تھا۔ میں کچھ دیر باہر کا معائنہ کرتا رہا۔

اچانک مجھے دائیں طرف سے کسی کی حرکت کا احساس ہوا۔ میں نے غور سے دیکھا پھر ٹارچ سیدھی کر کے اچانک جلائی۔ مجھے برفانی آدمی کی جھلک دکھائی دی تھی جو روشنی پڑتے ہی بھاگا تھا اور غائب ہو گیا۔ میرا اندیشہ درست تھا۔ وہ آس پاس ہی منڈلا رہا تھا اور شاید اپنی شکار کی ہوئی بھیڑ کے چکر میں تھا۔ میں محتاط رہا۔ کچھ دیر بعد روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ ایک گھنٹے بعد میں نے ان دونوں کو بیدار کر دیا۔ ہمیں آگے سفر کی تیاری کرنی تھی۔ ایلن ناشتا بنانے لگا اور ولیم شا بھیڑ کا گوشت اتارنے لگا۔

''برفانی آدمی آس پاس ہے۔ میں نے اس کی جھلک دیکھی تھی۔''

یہ سن کر وہ دونوں ہی فکرمند ہو گئے تھے۔ ایلن نے کہا۔ ''وہ بھیڑ کے چکر میں ہے، بہتر ہے اسے کچھ گوشت سمیت چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ ہمارے پیچھے آنے کے بجائے اسے کھانے میں لگ جائے۔''

ایلن کی تجویز اچھی تھی۔ ولیم نے اتفاق کیا اور بھیڑ کا کچھ گوشت چھوڑ دیا۔ اس دوران میں نے سامان پیک کر دیا۔ ناشتا کر کے ہم آگے روانہ ہوئے۔ بھیڑ کی بچی ہوئی لاش ہم نے غار میں ہی چھوڑ دی تھی۔ آگے سفر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزید دشوار تھا۔ ہمیں آج کے دن ایک بیس ہزار فٹ بلند چوٹی کو عبور کرنا تھا۔ اس کے بعد ہم ایک عظیم ڈھلان پر قدم رکھتے جو ہمیں اس سلسلے میں سب سے بلند چوٹی تک لے جاتی۔ ولیم کے مطابق اس چوٹی کے بعد ہم وادی کے مشرقی کنارے تک پہنچ جاتے۔ اَن تھک انداز میں سر جھکائے اور ساری توجہ مرکوز کرتے ہوئے ہم چوٹی کی طرف بڑھتے رہے۔ دوپہر تک موسم صاف تھا لیکن اس کے بعد اچانک سرمئی بادل جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ میں نے تشویش سے آسمان کی طرف دیکھا۔ ''طوفان کے آثار ہیں۔''

''کوشش کرو، اس سے پہلے ہم چوٹی کے دوسری طرف پہنچ جائیں۔'' ولیم شانے کہا، ہم نے اپنی رفتار تیز کی تھی مگر طوفان نے ہمیں پہلے ہی آلیا تھا طوفانی ہوا کے جھکڑ چلنے لگے تھے اور ہر طرف برف اُڑ رہی تھی۔ اگر ہمارے چہروں پر سیاہ شیشوں والی عینک نہ ہوتی تو آنکھیں کھلی رکھنا بھی محال ہو جاتا۔ طوفان کے باوجود ہم رکے نہیں اور بدستور چوٹی کی طرف بڑھتے رہے۔ جو اَب ہم سے کوئی پانچ سو فٹ کی دوری پر تھی۔ کئی بار ہم گرے اور ایک بار تو تینوں گرے۔ ہوائیں ہمیں نیچے کھینچ کر لے جانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ایلن نے فوراً برف میں کلہاڑی گاڑھ دی اور ہم نیچے جانے سے بچ گئے۔ مجھے سفر کے آغاز سے احساس ہو رہا تھا کہ برفانی آدمی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ ہمارے تعاقب میں ضرور آئے گا۔ ہم نے اسے زخمی ہی نہیں کیا تھا اس کا شکار بھی چھین لیا تھا اور وہ اپنا بدلہ لینے اور اپنا شکار حاصل کرنے کے لئے ہمارے پیچھے ضرور آتا۔ چلتے ہوئے میں بار بار مڑ کر دیکھ رہا تھا، ولیم شانے اس بات کو محسوس کیا، ایک موقع پر وہ میرے قریب تھا تو اس نے مجھ سے پوچھا۔

''تم بار بار مڑ کر کیوں دیکھ رہے تھے۔''

''مجھے خدشہ ہے برفانی آدمی ہمارے پیچھے آئے گا۔''

''خدشہ مجھے بھی ہے لیکن میں اس کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔'' اس نے اپنی جیکٹ میں رکھا پستول تھپتھپایا۔ ''اگر اس بار اس نے حملہ کیا تو اسے بچ کر جانے کا موقع نہیں ملے گا۔''

ہمارے پاس یہی ایک پستول تھا اگر کسی وجہ سے ولیم اسے استعمال نہ کر پاتا یا اس سے کھو جاتا تو ہم بالکل ہی نہتے رہ جاتے۔ طوفان کی وجہ سے ہم بے حد سُست رفتاری سے چوٹی کی طرف جا رہے تھے، ہر قدم کے لئے باقاعدہ جدوجہد کرنا پڑتی۔ شام سے ذرا پہلے ہم چوٹی کے اوپر پہنچے جس کے دوسری جانب اتنی ہی بڑی ڈھلان تھی، اچھی بات یہ تھی کہ چوٹی کے اس طرف طوفان کا اثر کم تھا۔ اترتے ہوئے ہماری ترتیب الٹ گئی تھی، اب سب سے آگے ولیم شا تھا پھر میں اور سب سے پیچھے ایلن تھا۔ دوسری طرف اترنے سے پہلے میں نے آنے والی طرف دیکھا اور مجھے لگا جیسے طوفان کے غبار کے عقب میں کوئی بڑی سی شے حرکت کر رہی ہے۔ بے حد غور سے دیکھنے پر بھی وہ واضح نہیں تھی۔

''خان رکو مت.....'' نیچے سے ولیم شانے پکارا۔ ''ہم نے آج یہ ڈھلان عبور کرنی ہے۔''

میں اترنے لگا۔ ''مجھے لگ رہا ہے دوسری طرف کوئی ہے۔''

''اگر ہے بھی تو فی الحال اسے بھول جاؤ۔'' اس نے کہا۔ ''ہمیں پرسوں سے پہلے وادی کے کناروں تک پہنچنا ہے۔''

میں جانتا تھا ہمارے اصل سفر کا آغاز اس جگہ سے ہوگا۔ ہماری ساری کوشش کے باوجود ہمیں ڈھلان پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی رات نے آلیا تھا اور یہاں کیمپ لگانے کی کوئی جگہ نہیں تھی اس لئے ہم سفر جاری رکھنے پر مجبور تھے۔ ولیم نے سامان سے ٹارچیں نکال لیں اور جب تک چاند بلند نہیں ہوا، ہم ان کی روشنی میں سفر کرتے رہے۔ چاند بلند ہو گیا اور ڈھلان تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ یہاں بھی میں مڑ کر دیکھ رہا تھا مگر پوری ڈھلان اتنی روشن اور بے داغ تھی کہ اس پر معمولی سا دھبا بھی فوراً نظر آ جاتا۔ اگر برفانی آدمی ہمارے تعاقب میں تھا تو اسے بھی معلوم تھا کہ فی الحال یہ وقت ہمارے پیچھے آنے کے لئے موزوں نہیں ہے۔ وہ آرام سے ہمارے ڈھلان سے اتر جانے کا انتظار کر سکتا تھا۔

رات نو بجے ہم ڈھلان کے سب سے نچلے حصے میں تھے۔ سورج غروب ہوتے ہی طوفان تھم گیا تھا اور اب فضا بالکل صاف تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس جگہ کیمپ لگانے کے لئے کوئی آڑ یا غار میسر نہیں تھا۔ مجبوراً ہم نے ایک سیدھی سطح پر کیمپ لگایا۔ گزشتہ رات ہمیں خیمے کھولنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ البتہ آج خیمے لگانا پڑے تھے۔ کھانے کے دوران یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ پہرا کس طرح دیا جائے کیونکہ کھلی فضا میں رات گزارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور خیمے کے اندر سے پہرا دینا ایسا ہی ہوتا جیسے کوئی آنکھ بند کر کے چوکیداری کرے۔

''میرا خیال ہے ہمیں خیموں کے منہ ایک دوسرے کی طرف کر لینے چاہئیں۔'' میں نے تجویز دی۔ ''اگر برفانی آدمی نے اندر گھسنے کی کوشش کی تو ہم اتنی دیر میں ہوشیار ہو جائیں گے۔ وہ جس کے خیمے میں گھس رہا ہو گا اسے فوری طور پر پستول بھی دے سکتے ہیں۔''

''اس کے باوجود ایک فرد کو جاگتے رہنا ہو گا۔'' ولیم شا نے فیصلہ دیا۔ ''اس وقت سناٹا ہے۔ برفانی آدمی کی آہٹ یا غرانے کی آواز بھی ہمیں خبردار کر دے گی۔''

طے ہوا کہ سب باری باری تین تین گھنٹے جاگیں گے۔ پہلے قرعہ ولیم شا کے نام نکلا۔ دوسری باری میری تھی اور آخر میں ایلن کا نمبر تھا۔ میں لیٹا اور سو گیا۔ تھکن سے برا حال تھا، ہم نے تیرہ گھنٹے تک سفر کیا تھا۔ رات ایک بجے ولیم شا نے مجھے بیدار کیا اور پستول میرے حوالے کیا۔ ''ہوشیار رہنا اگر درندے نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے لئے سب سے موزوں وقت یہی ہو گا۔''

''تم بے فکر رہو۔ میں پوری طرح ہوشیار رہوں گا۔''

ہم نے حفظ ماتقدم کے طور پر کلہاڑیاں اور چاقو بھی پاس رکھ لئے تھے کہ ممکن ہے برفانی آدمی سے دست بدست لڑائی کی نوبت آ جائے تو ہم نہتے نہ ہوں۔ ولیم شا سو گیا۔ میں نے اپنی ننھی سی لالٹین جلائی اور وقت گزاری کے لئے ڈائری لکھنے لگا۔ سارے دن کی روداد قلم بند کر کے میں نے ایک بار خیمے سے باہر جھانکا، ہر طرف خاموشی اور تنہائی تھی۔ عظیم ڈھلان کسی بھی جاندار وجود سے خالی تھی۔ دسویں کا چاند اس علاقے میں چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ روشن تھا۔ اس کی وجہ چاندی جیسی چمک دار برف تھی جس سے منعکس ہو کر چاند کی ہلکی سی روشنی بھی اس پورے علاقے کو واضح کر رہی تھی۔

میں جاگتا رہا، کبھی کبھی سر نکال کر باہر دیکھ لیا کرتا تھا۔ دن بھر کے سفر کی تھکن سے کبھی کبھی نیند کے جھونکے مجھے غافل کر دیا کرتے تھے، مگر پھر میں چونک کر ہوشیار ہو جاتا تھا۔ کسی وقت نیند نے ایسا غلبہ پایا کہ میں جاگ نہ سکا تھا۔ بے خبر سوتے ہوئے مجھے لگا جیسے میرا پاؤں کسی مگرمچھ کے جبڑے میں آ گیا ہے اور وہ مجھے کھینچے لئے جا رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ میں جاگا تو سچ مچ کوئی میرا پاؤں پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ مگر یہ مگر مچھ نہیں تھا بلکہ برفانی آدمی تھا، نہ جانے وہ کس وقت میرے خیمے میں گھسا تھا اور اس نے خاموشی سے میرے ہوشیار ہونے سے پہلے مجھے باہر کھینچ لیا تھا۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی مگر اس کی جناتی قوت کے سامنے بے بس تھا۔ میں نے چلا کر ولیم اور ایلن کو آواز دی۔ ان کے خیموں میں ہلچل مچی ہوئی تھی اور وہ خود بھی چلا رہے تھے۔ برفانی آدمی مجھے پاؤں سے کھینچتا بلندی کی طرف لے جا رہا تھا۔

میرے ہاتھ اور سر برف پر گھسٹ رہا تھا۔ اگر برف نرم نہ ہوتی اور مجھے پتھروں پر گھسٹنا جا رہا ہوتا تو میرا سر اب تک پاش پاش ہو چکا ہوتا۔ میرے وزنی وجود کو برفانی آدمی اتنے آرام سے گھسیٹ رہا تھا جیسے میں روئی سے بنا گڈا ہوں۔ وہ آرام سے برف پھلانگتا اور غراتا ہوا چوٹی کی طرف جا رہا تھا۔ میری خود کو چھڑانے کی ہر کوشش ناکام رہی تھی۔ میں نے کئی بار اسے آزاد پاؤں سے لات ماری مگر اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ نہ جانے وہ مجھے اس طرح کیوں لے جا رہا تھا۔ وہ چاہتا تو اب تک مجھے گردن توڑ کر ہلاک کر چکا ہوتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ مجھے زندہ لئے جا رہا تھا۔ چوٹی قریب تھی۔ میرا سر کسی پتھر سے ٹکرایا اور مجھے چکر آ گئے تھے۔ جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے دیکھا برفانی آدمی نے مجھے شانوں سے تھام کر اٹھا رکھا تھا اور ہم عین چوٹی پر کھڑے تھے۔ اس کے نیچے ایک مہیب کھڈ تھا جس کی تہہ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ برفانی آدمی نے غرا کر کچھ کہا پھر وہ صرف غرایا تھا اور اس نے مجھے اس کھڈ کی طرف اچھال دیا جو سیکڑوں فٹ کی گہرائی لئے ہوئے تھا۔ میں قلابازیاں کھاتا نیچے جانے لگا اور میرے منہ سے چیخ نکلی تھی، بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، موت بالکل سامنے تھی۔

☆======☆======☆

میں نے چیخ ماری۔ میرا پاؤں پھر کسی نے کھینچا تھا۔ میں اپنے خیمے میں ہی تھا اور خواب دیکھ رہا تھا کہ برفانی آدمی آ گیا ہے۔ میں تڑپ کر اٹھا اور پستول سیدھا کر لیا۔ اسی لمحے ولیم کی آواز آئی۔ ''اے.....اے۔ یہ میں ہوں۔ کیا ہوا ہے، تم ڈر گئے تھے۔''

اب میں پوری طرح ہوشیار تھا، میں نے جھرجھری لی۔ ''شکر ہے خدا کا، یہ سب خواب تھا، نہ جانے کیسے مجھے نیند آ گئی تھی۔''

''تم چیخ رہے تھے۔'' ایلن بھی خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا۔

''میں دیکھ رہا تھا کہ برفانی آدمی مجھے پاؤں سے کھینچ کر لے جا رہا ہے اور اس نے مجھے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اچھال دیا ہے۔'' میں نے ان کو مختصراً اپنا خواب سنایا۔ ''جب تم نے میرا پاؤں پکڑا تو میں جاگا اور سمجھا کہ سچ مچ برفانی آدمی پھر آ گیا ہے۔''

''شکر ہے تم نے فوراً گولی نہیں چلا دی ورنہ بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔'' ولیم بولا۔

''وقت کیا ہوا؟'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ یعنی ہمارے اٹھنے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں خیمے سے باہر آیا، اوپر تمام ہی چوٹیاں دھوپ سے جگمگا رہی تھیں۔ ایلن ناشتا بنانے لگا اور ہم خیمے اور سامان لپیٹنے لگے۔ یہ بہت صاف صبح تھی۔ ہمارے سفر کے دوران ایسی روشن صبحیں کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئی تھیں۔ ناشتے کے بعد کافی پیتے ہوئے ولیم شا نے آخری چوٹی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بس یہ آخری آنکھ کی سوئی ہاتی ہے۔''

''میرے خیال میں تو ہمارا اصل سفر وادی کے کناروں سے شروع ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''ایک بار ہم کنارے تک جا پہنچے تو نیچے اترنے کا بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔''

سامان پیک تھا اسے اپنی پشتوں پر لاد کر ہم نے اس آخری چوٹی کی طرف بڑھنا شروع کیا جو بائیس ہزار فٹ سے زیادہ بلند تھی اور اس کی چڑھائی بے حد دشوار تھی۔ جب ہم ڈھلان پر ذرا بلند ہوئے تو ایک بار میں نے پلٹ کر اس ڈھلان کی طرف دیکھا، اس پر سورج کی روشنی آ چکی تھی اور تب میں نے وہ ایک طویل نشان دیکھا جیسے کسی نے چوٹی سے ٹریکٹر کا پہیہ لڑھکا دیا ہو اور وہ ایک گہرا نشان ڈالتا نیچے تک آیا ہو، گزشتہ رات یہ نشان نہیں تھا۔ میں نے ولیم شا اور ایلن کو آواز دی۔

''یہ دیکھ رہے ہو؟''

''یہ کل رات تو نہیں تھا۔'' ولیم شا نے تشویش سے کہا۔

''اور ایسا نشان کسی وزنی جسم سے بن سکتا ہے۔''

ایلن نے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے، رات برفانی آدمی نیچے آیا تھا۔''

''بالکل ورنہ اس نشان کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

یہ تصدیق ہونے کے بعد کہ برفانی آدمی ہمارے تعاقب میں تھا، ہم تینوں ہی پریشان ہو گئے۔ گہری لائن ہمارے بائیں طرف ڈھلان کے نچلے حصے کی طرف جا رہی تھی۔ برفانی آدمی وہیں کہیں تھا۔ بہرحال ہم رک نہیں سکتے تھے اور برفانی آدمی سے بچنے کے لئے ہم صرف محتاط رہ سکتے تھے۔ ایلن اوپر تھا اس نے میخیں لگا اس سے رسیاں منسلک کیں۔ ہم ان کی مدد سے اوپر جانے لگے۔ ایک دراڑ کو عبور کرنے کے لئے ایلن پہلے اس میں اترا اور اس کے دوسرے سرے پر چڑھ کر اس نے ہمارے لئے رسی لٹکا دی۔ اس کی مدد سے ہم نے ڈھلان عبور کی۔ یہ اس پورے سفر کا خطرناک ترین مرحلہ تھا کیونکہ دراڑ نامعلوم گہرائی لئے ہوئے تھی، اس میں کوئی گر جاتا تو اسے نکالنا بھی ممکن نہ رہتا۔

ڈھلان کے بعض حصے بالکل سپاٹ دیوار کی طرح سیدھے تھے اور ان پر چڑھنا مشکل لگ رہا تھا۔ ایلن ان پر نوک دار کلہاڑیوں کی مدد سے چڑھا۔ وہ اس طرح کہ وہ ایک کلہاڑی پوری طاقت سے دیوار میں مارتا، اس کے سہارے خود کو اوپر کر کے دوسری کلہاڑی اس سے اوپر مارتا تھا پھر پہلی کلہاڑی نکال کر اسے اور اوپر مارتا تھا پھر جہاں کہیں اسے قدم ٹکانے کی جگہ ملتی، وہاں میخ لگا کر اور اس سے رسی باندھ کر ہماری طرف اچھال دیتا تھا۔ ہم ان رسیوں کے سہارے اوپر جاتے تھے۔ پہاڑوں پر چڑھنے کا مجھے تجربہ تھا جسے ہائیکنگ کہتے ہیں مگر اس طرح کوہ پیمائی کا باقاعدہ تجربہ پہلی بار ہو رہا تھا۔ دو بجے ہم چوٹی سے محض سو فٹ نیچے تھے اور یہی سب سے دشوار سفر تھا۔ ایلن نے ہم سے کہا۔ ''پہلے میں جاتا ہوں، اوپر جا کر رسا پھینکوں گا تم اس کی مدد سے آسانی سے آ جاؤ گے۔''

''مناسب یہی ہے۔'' ولیم نے اس کی تائید کی۔

سچی بات تھی، مجھے یہ حصہ اپنی ہمت سے باہر دکھائی دے رہا تھا۔ ایلن اوپر جانے لگا۔ اس نے نہ صرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمالیہ بلکہ یورپ کے پہاڑی سلسلے الپس میں بھی کوہ پیمائی کی تھی۔ وہ نصف گھنٹے میں اوپر جا پہنچا۔ اس نے رسی لٹکائی اور چوٹی پر آسٹریلیا کا پرچم لگانے لگا۔ اس نے راستے میں آنے والی تمام چوٹیوں پر اپنے ملک کا پرچم لگایا تھا۔ میں اور ولیم اوّل تو کوہ پیما نہیں تھے دوسرے ہم نے اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا جو پرچم لے کر آتے۔ ایلن نے اوپر پہنچنے پر مسرور لہجے میں بتایا۔ ''یہ بلند ترین چوٹی ہے جو میں نے سر کی ہے۔''

''تم نے کے ٹو بھی سر کرنے کی کوشش کی تھی۔'' ولیم شانے اسے ہانپتے ہوئے بتایا۔

''ہاں، بیس کیمپ سے بیس ہزار فٹ تک گیا تھا۔ اس کے بعد موسم خراب ہو گیا۔ چھ دن تک میں اور میرا ساتھی ایک ہی جگہ رہے تھے۔ اس کے بعد واپس آنا پڑا تھا۔''

''چلو ہم نے بھی تمہارے ساتھ یہ چوٹی سر کر لی۔'' ولیم ہنسا۔ ''اب میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ایک بائیس ہزار فٹ بلند چوٹی سر کی ہے۔''

''اور میں نے بھی۔'' میں نے تائید کی۔ ہم سب کے سانس پھولے ہوئے تھے اور ہم گپ مارنے کے بہانے ستا رہے تھے۔ ''ویسے اس کا نام کیا ہے؟''

''کوئی نام نہیں ہے۔ یہ بھی ہمالیہ کی ہزاروں دوسری چوٹیوں کی طرح ہے جو دور دراز خطوں میں بے نام ہیں۔'' ولیم شانے بتایا۔

''تب ہم اس کا کوئی نام رکھ دیتے ہیں۔'' میں نے تجویز دی۔

''شاہد یڈ خان کیسا رہے گا؟'' ولیم بولا۔

میں ہنسا۔ ''یہ تو ہماری طرف کے کسی آدمی کا نام لگ رہا ہے۔''

چوٹی کا نام رکھ کر ہم دوسری طرف اترنے کے لئے تیار ہوئے، روانگی سے پہلے شا اور ایلن نے ایک جام اس کامیابی کا پیا تھا۔ دوسری طرف کوئی سیدھی ڈھلان نہیں تھی بلکہ تہہ در تہہ ڈھلان تھی جس کا سلسلہ ایک دھند آلود میدان سے جا کر مل رہا تھا۔ اس سے آگے دھند بادلوں کی صورت اختیار کر رہی تھی اور شاید یہی وادی کا کنارہ تھا۔ ہمیں آج ہی کے دن وہاں تک جانا تھا۔ ہم نے نیچے اترنا شروع کیا۔ آج سارا دن ہمیں کچھ نہیں کھانا تھا اس لئے صبح ناشتا بھاری کیا تا کہ راستے میں کھانے کے لئے رکنا نہ پڑے اس کے باوجود چار بجے کے قریب پیٹ میں اتنی اینٹھن ہوئی کہ ہمیں رک کر خشک گوشت کے کچھ ٹکڑے حلق سے اتارنے پڑے تب کہیں جا کر ہم آگے روانہ ہونے کے قابل ہوئے تھے۔

شام کے سات بجے نچلی ڈھلان پر تاریکی چھانے لگی تھی، صرف چوٹیاں دھوپ میں تھیں اور ابھی ہم نصف ڈھلان پر تھے۔ رات سے پہلے نیچے تک رسائی مشکل تھی اور تاریکی میں اترنا بے حد خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہم نے ایک چھجے تلے محفوظ جگہ وہاں کیمپ لگا لیا اگر رات کسی وقت اوپر سے برف گرتی تو بھی ہمارا کیمپ اس چھجے تلے محفوظ رہتا۔ اکثر بلند چوٹیوں سے برف گرتی ہے جو نیچے آنے کے دوران اپنے ساتھ مزید برف لاتی ہے اور کبھی کبھی یہ عمل جسے ایوالانچ کہتے ہیں، اپنے ساتھ ہزاروں ٹن برف لے کر نچلی ڈھلانوں پر گرتا ہے اور راہ میں آنے والی ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے۔

رات کو ایلن نے بھیڑ کا تازہ گوشت بنایا تھا مگر یہ حلال نہیں تھا اس لئے میں نے خشک گوشت کے چند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلے ہوئے پارچوں اور ٹن بند مٹر اور آلوؤں پر گزارہ کیا تھا۔ خشک گوشت سارا حلال تھا اس کا بندوبست ولیم نے کرایا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسلمان صرف ذبح کیا ہوا گوشت کھاتے ہیں۔ گزشتہ رات کے تجربے کے بعد سب ہی ہوشیار تھے اور سب اپنی اپنی باری میں جاگتے رہے۔ میری باری سب سے آخر میں تھی۔ اس لئے میں نے صبح کی روشنی نمودار ہوتے دیکھی۔ خیمے سے باہر آکر میں نے دور تک پھیلے برفانی ویرانے کو دیکھا جہاں کل دھند اور بادل دیکھے تھے، وہاں ابھی تاریکی تھی۔ سورج نکلا اور رفتہ رفتہ روشنی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس جگہ سے دھند غائب تھی اور بادل بھی بہت کم تھے۔ مجھے ایک سیاہ سی لکیر نظر آئی جو چار یا پانچ میل کے فاصلے پر تھی اور اس وجہ سے غیر واضح تھی۔ میں نے جلدی سے اپنے سامان سے دوربین نکالی، یہ طاقتور دوربین تھی جس سے میلوں دور کی چیزیں بھی صاف دکھائی دیتی تھیں۔ میں نے دوربین آنکھوں سے لگائی اور اس کے لینس گھما کر منظر واضح کرنے لگا تھا۔ فاصلہ خاصا تھا اس لئے دوربین اسے واضح نہیں کر پا رہی تھی، پھر بھی جو منظر تھا، وہ بے حد سنسنی خیز تھا۔ برف سے ڈھکی ہوئی چٹانوں کا ایک سلسلہ تھا جس کے آگے مہیب خلا تھا، صاف لگ رہا تھا یہ کسی ناقابلِ تصور حد تک وسیع کنویں کی دیواریں تھیں، یہ مغرب سے مشرق کی طرف گھوم رہی تھیں اور اس کا بس چند میل کا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

پھر جیسے ہی سورج کی روشنی نے وہاں تک رسائی حاصل کی، کناروں سے دھند ابلنا شروع ہو گئی اور بادلوں کے حجم میں بھی اضافہ ہونے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دیوار پر کے سیاہ کنارے دھند اور بادلوں میں غائب ہو گئے تھے۔ میں خیموں کی طرف آیا، دوربین رکھی اور ان دونوں کو اٹھایا۔ میں نے انہیں نظر آنے والے کنارے کے بارے میں بتایا۔

"دوسرے علاقوں میں دھند رات کو ہوتی ہے لیکن یہ عجیب دھند ہے جو روشنی کے بعد نمودار ہوتی ہے۔"

"شاید یہ وادی سے کسی زمینی عمل کے نتیجے میں نکلتی ہے۔" ولیم شا بولا۔ "رات کو جو اوس وادی میں گرتی ہے وہ صبح کے وقت دوبارہ بخارات بن کر اوپر آتی ہے اور بلندی کی وجہ سے پھر سے دھند اور بادل بن جاتے ہیں۔"

ولیم شا کی بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ ناشتے کے بعد ہم پھر روانہ ہوئے۔ طے ہوا تھا کہ آج کے دن ہم وادی کے کناروں تک پہنچے تو آج ہی نیچے جانے کا راستہ تلاش کریں گے تاکہ آنے والے دن میں نیچے اتر سکیں۔ جیسے جیسے نیچے آ رہے تھے، راستہ آسان ہوتا جا رہا تھا۔ دو گھنٹے بعد ہم نیچے اتر آئے تھے اور اب ایک ہموار میدان میں سفر کر رہے تھے۔ وادی نزدیک آ رہی تھی اور اس جادو نگری میں اترنے کے خیال سے ہمارے دلوں کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اس بات پر زیادہ غور نہیں کیا تھا کہ ہم وادی کے دہانے میں اترنے کا راستہ تلاش کرنے میں ناکام رہے تو کیا ہوگا، ہمارے پاس ابھی اتنی خوراک تھی جو چار پانچ دن چل سکتی تھی اور آج ہمیں سفر کرتے ہوئے تیرہواں دن تھا۔ واپسی ممکن نہیں تھی مگر نہ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ ہم وادی میں ضرور اتریں گے اور اس انوکھی دنیا کی سیر کریں گے۔ دوپہر تک ہم اٹھی ہوئی دیواروں کے پاس جا پہنچے تھے۔ یہاں سے دھند کا آغاز ہو چکا تھا اور ماحول دھند لانے لگا تھا۔ اوپر گھنے بادل تھے۔ ولیم شا سب سے پہلے کنارے تک پہنچا تھا، اس نے نیچے جھانکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے خدا!'' اس نے پکار کر کہا۔ ''نیچے کیا منظر ہے۔''

ہم بھی کنارے تک پہنچے۔ نیچے دھند تھی اور اتنی گہری تھی کہ ٹھوس محسوس ہو رہی تھی۔ یہ دھند تا حدِ نگاہ پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں اس میں لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ ایسی نوکھی دھند میں نے کہیں اور نہیں دیکھی تھی۔ ایلن نے ایک بڑا سا پتھر لیا اور اسے دھند کی طرف اچھال دیا۔ ہم نے اس کی آواز پر کان لگا دیے مگر کوئی آواز نہیں آئی پھر ہم جھینپ گئے۔ ظاہر ہے وادی ہزاروں فٹ کی گہرائی میں تھی اور پتھر گرنے کی آواز نہیں آ سکتی تھی۔

''اگر یہ پتھر کسی کے سر پر لگا تو اس کا کیا حشر ہو گا؟'' ولیم نے دریافت کیا۔

''اسے ہماری زبان میں اناللہ کہتے ہیں۔'' میں نے بتایا۔ وادی کی دیواریں بالکل سیدھی کھڑی تھیں، نہ جانے کس ارضیاتی عمل سے یہ جناتی کنواں وجود میں آیا تھا۔ دنیا کے سب سے بلند اور سب سے وسیع رقبے پر پھیلے سلسلہ ہمالیہ کے عین وسط میں ایسی وادی کا تصور بھی محال تھا جو نہ صرف ہزاروں فٹ گہری ہو بلکہ وہاں پر سر سبز زمین اور ایک متمدن شہر بھی ہو۔ ایلن نے تخمینہ لگایا۔ ''ہمارے پاس رسی کی کل لمبائی ہزار فٹ ہے۔ یہ تو ناکافی ہو جائے گی۔''

''رسیوں کی مدد سے اترنا ممکن بھی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ذرا غور کرو، معاملہ ایک دو ہزار فٹ کا نہیں ہے۔ اس وقت ہم سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر کھڑے ہیں اور مجھے یاد ہے وادی کی بلند ترین جگہ بھی سات ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی یعنی ہمیں کم سے کم نو ہزار فٹ تک نیچے جانا ہو گا۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔'' ولیم نے غور کیا۔ ''ہمیں کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا ہو گا جو کسی قدر ڈھلوان ہو اور اس سے اترتے ہوئے ہم راستے میں آرام بھی کر سکیں۔''

''ممکن ہے یہ راستہ دو تین دن میں ملے ہو۔'' ایلن نے رائے دی۔ ''ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔''

ہم نے کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کیا۔ میں نے بتایا تھا کہ یہ جگہ دھند آلود تھی اور سو فٹ سے زیادہ دور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے ہم ہر قدم احتیاط سے رکھ رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر وادی میں ایسا کوئی راستہ تھا تو اس میں بسنے والے باشندوں کو باہر آنا چاہئے تھا۔ وہ بیرونی دنیا سے رابطہ کر سکتے تھے مگر یہ ایک مفروضہ تھا۔ عین ممکن تھا کہ راستہ تو ہوتا مگر ایک تو اتنی بلندی پر چڑھنا جان جوکھم کا کام تھا دوسرے وہ باہر نکلے ہوں اور انہوں نے چاروں طرف برف زار اور ناقابلِ عبور نظر آنے والی چوٹیاں دیکھی ہوں تو واپس چلے گئے ہوں۔ اس کا امکان تھا کہ ان لوگوں کو بیرونی دنیا کے بارے میں کوئی علم ہی نہ ہو۔

ہم کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے نیچے بھی جھانکتے رہے۔ بعض مقامات پر کنارے سے چٹانیں اس طرح سے اٹھی تھیں کہ ان سے نیچے جھانکنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ایسے ہی ایک سلسلے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کے سامنے کی طرف جھکی چٹانوں کو دیکھ کر میں نے ولیم اور ایلن کی توجہ دلائی۔ ''میرا خیال ہے یہ جگہ رات گزارنے کے لئے بہتر ہے۔''

''اپنا سامان یہاں رکھ دیں۔'' ایلن نے تجویز دی۔ ''کم سے کم میں اس سامان کے ساتھ مزید آگے نہیں جا سکتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم نے اپنا سامان اتار کر ایک چھجے تلے رکھ دیا۔ یہاں اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ کوئی ہمارا سامان چھیڑے اور سامان رکھتے ہوئے ہم برفانی آدمی کو بھول گئے جو ہمارے تعاقب میں تھا۔ ہم سامان رکھ کر آگے چل پڑے۔ اس وقت پانچ بج رہے تھے، طے پایا کہ ہم چھ بجے تک آگے جائیں گے اور اس کے بعد واپسی کا سفر شروع کر دیں گے۔ چھ بجے تک ہم آگے بڑھتے رہے اور نیچے دیکھتے رہے مگر ہر جگہ ہمیں سیدھی بلند دیواریں نظر آئیں۔ بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا۔

"میرا خیال ہے نصف گھنٹے تک اور سفر کیا جائے؟"

"ہمیں واپسی میں اندھیرا ہو جائے گا۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اندھیرا مسئلہ نہیں ہے۔ اس کنارے سفر کرتے ہوئے بھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ایلن بھی راضی ہوا تو مجھے بھی راضی ہونا پڑا۔ ہم نے مزید نصف گھنٹے سفر کیا۔ مگر یہاں پر بھی وادی میں داخلے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے واپسی کے لئے سفر شروع کیا۔ سورج غروب ہوتے ہی دھند تیزی سے غائب ہونے لگی تھی۔ بادل بھی اوپر کی طرف چھٹ رہے تھے۔ چاند نکلنے سے پہلے تاریکی ہوئی تھی۔ اس دوران میں ہم رک گئے۔ نصف گھنٹے میں روشنی ہوئی تو ہم نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ ساڑھے آٹھ بجے ہم ان جھکی چٹانوں کے قریب پہنچے۔ مگر ساتھ ہی ششدر رہ گئے، ہم نے جہاں سامان پیک صورت میں رکھا تھا، اب وہاں ہمارا سامان بری طرح بکھرا ہوا تھا۔ کینوس بیگ چیر پھاڑ دیئے تھے اور ایک ایک چیز کو بری طرح تباہ کیا گیا تھا۔

"برفانی آدمی!" ولیم نے کہا۔ اس نے پستول نکال لیا۔ میں نے اور ایلن نے کلہاڑیاں سنبھال لی تھیں۔ ہم چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ ولیم نے ٹارچ نکال کر روشن کی اور اس سے چھجے تلے دیکھنے لگا۔ اگرچہ وہاں برفانی آدمی کے چھپنے کی گنجائش نہیں تھی۔ چھجے کے اندر جگہ کم تھی۔ برفانی آدمی تباہی پھیلا کر جا چکا تھا۔ جب ہمیں اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے یعنی برفانی آدمی جا چکا ہے تو ہم نے سامان کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر ہمارا صدمے سے برا حال ہو گیا کہ کھانے کی ایک ایک شے غائب تھی۔ حد یہ کہ ٹن میں بند خوراک بھی نہیں تھی۔

"حرام زادہ!" ایلن نے مشتعل لہجے میں اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

"اس نے بدلہ لیا ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم نے اس کی خوراک چھینی تھی۔ وہ ہماری خوراک لے گیا ہے۔"

"محض ہاتھوں سے اتنی چیزیں لے جانا ممکن نہیں ہے۔" ولیم نے چاروں طرف دیکھا۔

"اور کھانا بھی ممکن نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے وہ جتنا کھا سکتا تھا اس نے کھایا۔ باقی گوشت سمیٹ لیا اور دوسری چیزیں ضائع کر دیں یا کہیں پھینک دیں۔"

میں نے بے ساختہ چٹانوں کے عقب کی طرف دیکھا جہاں وادی تھی، خوراک ضائع کرنا اس کے لئے ذرا بھی مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس نے ہمیں مارنے کا پورا بندوبست کر لیا تھا کیونکہ سارے دن کے سفر اور بھوکے ہونے کے بعد ساری خوراک کا غائب ہونا ہمیں ادھ موا کر گیا تھا۔ اگر ہمارے پاس خوراک نہ ہوتی تو ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وادی میں بھی نہیں اتر سکتے تھے۔ جیسے جیسے یہ ساری باتیں ذہن میں آ رہی تھیں، اس حادثے کی خوفناکی بھی واضح ہوتی جا رہی تھی۔ سامان کو اچھی طرح کھنگالنے کے بعد چاکلیٹ کے چند ٹکڑے دستیاب ہوئے تھے، ایک تھیلی خشک دودھ کی تھی اور کافی کا ڈبا تھا۔ بس یہی بچا تھا۔ برفانی آدمی نے کیروسین آئل کے ڈبے بھی توڑ ڈالے تھے اور سارا تیل ضائع ہو گیا تھا۔ ہماری مہم اچانک ہی تباہی میں بدل گئی تھی۔ ہم اپنی چیزوں کو دیکھ رہے تھے اور برفانی آدمی کو گالیاں دے رہے تھے۔ ولیم شامارے طیش کے اس کی تلاش میں نکلنے والا تھا، اسے بمشکل ہم نے روکا۔

''ہوش میں آؤ۔'' ایلن نے اسے سمجھایا۔ ''ان علاقوں میں زندہ رہنے کے لئے ہوش میں رہنا ضروری ہے۔''

''ابھی ہمارے بچنے کے امکانات ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر نیچے اترنے کا راستہ مل جائے تو ہم دو تین دن بھوکے بھی رہ سکتے ہیں۔ دودھ اور چاکلیٹ سے گزارہ کیا جا سکتا ہے۔''

ہم نے اسٹوو میں بچا کھچا تیل ڈال کر اس پر دودھ میں پانی ملا کر گرم کیا اور کھولتے دودھ میں چاکلیٹ کے ٹکڑے ڈال کر شیک تیار کیا۔ اسے پی کر ہماری بھوک کو ذرا تسلی ملی تھی۔ بیشتر چیزیں بے کار ہو چکی تھیں البتہ خیمے اور سلیپنگ بیگز سلامت تھے۔ سب سے اہم چیز کوہ پیمائی کا سامان محفوظ تھا جس کے بغیر ہم نیچے اترنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ چھجے تلے خیمے لگا کر اور سلیپنگ بیگز بچھا کر ہم سونے کے لئے تیار ہوئے تھے۔ حسب معمول ایک آدمی کو جاگنا تھا اور اس بار پہلی باری میری تھی۔ ولیم شا نے مجھے پستول تھمایا۔

''اگر برفانی آدمی نظر آئے تو اسے بلا تکلف ہلاک کر دینا۔''

''میں ایسا ہی کروں گا۔ ممکن ہے ہم خود بھی نہ بچ سکیں۔ اس وقت میری خواہش یہی ہے کہ اسے مار کر مروں۔''

میں نے خیمے میں لیٹ کر اس کے سامنے والے حصے کو کھلا چھوڑ دیا تھا جہاں سے میں چھجے کے باہر دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ ضروری نہیں تھا کہ برفانی آدمی اس طرف سے آتا، وہ کسی طرف سے بھی چھجے پر چڑھ کر اوپر سے نازل ہو سکتا تھا، کم سے کم میں برفانی آدمی ہوتا تو یہی کرتا۔ رات بارہ بجے مجھے لگا جیسے چٹانوں کے درمیان میں کوئی شے حرکت کر رہی ہے۔ ہلکی ہلکی سی آہٹیں شدید سناٹے کی وجہ سے سنائی دے رہی تھیں، میں چوکنا ہو کر خیمے سے باہر آ گیا۔ آوازیں چٹانوں کے ایک طرف سے آ رہی تھیں جو ہمارے چھجے سے ذرا ہی دور تھا۔ اس طرف چٹانوں کے درمیان تاریک رخنے تھے۔ میں نے ٹارچ اور کلہاڑی بھی لے لی۔

جس تاریک خلا سے آوازیں آ رہی تھیں اس کے سامنے آ کر میں نے اچانک ٹارچ روشن کی تو مجھے اس خلا میں دو عدد چھوٹے بندر نما جانور دکھائی دیئے جو آپس میں چھین جھپٹ کرتے ہوئے کچھ کھا رہے تھے، ان کے جسم گھنے بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ روشنی پڑتے ہی وہ اچھلے اور اس تاریک خلا کے اندر کہیں غائب ہو گئے۔ میں چند لمحات کے لئے ششدر رہ گیا تھا۔ میں تو برفانی آدمی کی توقع لے کر آیا تھا اور یہاں دو بندر تھے۔ کم سے کم دیکھنے میں وہ بندر ہی لگ رہے تھے۔ نہ جانے کہاں سے آئے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ وادی سے نکل کر نہ آئے ہوں اور یہ وادی سے باہر آئے تھے تو اس کا مطلب تھا، ان چٹانوں کے عقب میں وادی تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کا کوئی راستہ تھا۔ میں بے ساختہ آگے بڑھا۔ خلا تنگ تھا مگر اس سے کسی نہ کسی طرح گزرا جا سکتا تھا۔

میں اس جگہ پہنچا جہاں بندر نما جانور کسی شے پر لڑ رہے تھے۔ میں نے وہاں گوشت کے چار پارچے دیکھے اور یہ ہمارا ہی خشک گوشت تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ہمارے سامان کی تباہی اور خوراک کی چوری میں یہ بندر تو ملوث نہیں تھے۔ مگر نہیں، میں نے برفانی آدمی کے پیروں کے نشان خود دیکھے تھے۔ اتنی قوت سے بیگز پھاڑنا اور دھاتی چیزوں کو توڑ مروڑ دینا اس کی جناتی قوت کا ہی کام تھا۔ دراڑ آگے جا کر مزید تنگ ہو گئی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ مزید آگے جانے سے پہلے میں ولیم شا اور ایلن کو اس بارے میں بتا دوں لیکن پھر میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ میں پہلے وادی میں اترنے والا راستہ دیکھ لینا چاہتا تھا۔

جیسے جیسے میں آگے جا رہا تھا دراڑ تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ اب میں دراڑ سے پھنس کر گزر رہا تھا۔ میرا جسم رگڑ کھا رہا تھا اور مجھے خدشہ ہونے لگا کہ میری جیکٹ نہ پھٹ جائے۔ عین اس وقت جب میں پلٹنے والا تھا راستہ کشادہ ہو گیا، اب یہ بند گلی کی طرح تھا۔ اوپر سے کھلا اور دیواروں سے بند۔ مجھے وہ بندر دوبارہ دکھائی نہیں دیئے تھے البتہ کبھی کبھی ان کی ٹہنی چٹخنے جیسی آواز آتی تھی۔ ٹارچ کے ساتھ میں نے پستول بھی سنبھال لیا تھا اور کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھا مگر یہاں مجھ سے ایک غلطی ہوئی، میں بھول گیا کہ میں وادی کے کنارے کے بالکل پاس ہوں اور میں روشنی اوپر پھینک رہا تھا لہٰذا اچانک میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی اور میں ایک ڈھلان پر لڑھک گیا تھا، کوشش کے باوجود میں خود کو سنبھال نہیں سکا تھا البتہ گرتے ہوئے میں نے خیال رکھا کہ پستول اور ٹارچ ہاتھ سے نہ نکلنے پائے۔

میں ایک کھلے حصے میں گرا جس کے چاروں طرف بلند دیوار تھی اور سب سے زیادہ بلند دیوار اس طرف تھی جہاں میں گرا تھا، یہ تقریباً سیدھا راستہ تھا جس پر چڑھنا بظاہر ناممکن لگ رہا تھا۔ میں نے روشنی میں اس جگہ کا جائزہ لیا مخالف سمت کی دیوار ذرا کم اونچی تھی۔ موٹے کپڑوں کی وجہ سے میں چوٹ سے محفوظ رہا تھا۔ میں نے اچک کر دیوار کا سرا تھاما اور اس کے دوسری طرف دیکھا۔ یہاں سے ایک آڑا ترچھا راستہ نیچے دھند میں غائب ہوتا دکھائی دے رہا تھا اور شاید یہی وادی میں جانے والا راستہ تھا۔ اب مجھے واپس جانا تھا۔ میں نے اس دیوار پر چڑھنے کی کوشش شروع کی۔ یہ زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ دیوار میں کھانچے تھے جن میں ہاتھ پھنسا کر اوپر چڑھا جا سکتا تھا۔

میں اوپر تک پہنچا اور ابھی دراڑ والے راستے پر چڑھنے والا تھا کہ پہلے مجھے کریہہ سی بو محسوس ہوئی اور اس کے بعد ایک زبردست غراہٹ کے ساتھ بالوں سے بھرے ہاتھ نے مجھے دبوچنے کی کوشش کی۔ میرے منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی اور میں دوبارہ اس پیالہ نما جگہ جا گرا تھا۔ برفانی آدمی اوپر چھپا بیٹھا تھا اور اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا، خوش قسمتی سے گردن کے بجائے شانے پر ہاتھ لگا تھا اور وہ بھی اچٹتا ہوا۔ میں نے گرنے اور چوٹ کی پروا کئے بغیر اندازے سے اوپر کی طرف پستول سے فائر کیا۔ ٹارچ ایک طرف جا پڑی تھی۔ فائر کے ساتھ برفانی آدمی کی زبردست غراہٹ سنائی دی۔ میں نے ایک فائر اور کیا۔ اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی طرف جھپٹا۔ برفانی آدمی اوپر سے کودا تھا۔ نہ جانے اسے گولی لگی تھی یا نہیں، بہرحال اس سے نمٹنا بے حد مشکل تھا۔ میں نے ٹارچ اٹھاتے ہی روشنی اس طرف کی جہاں برفانی آدمی کو ہونا چاہئے تھا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ البتہ زمین پر خون دکھائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے رہا تھا اور اس کی بو بتا رہی تھی کہ وہ آس پاس ہی ہے۔ میں گھوم گھوم کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میں زندگی میں کبھی اتنا خوف زدہ نہیں ہوا تھا جتنا کہ اس وقت تھا۔

برفانی آدمی کے حملے نے میرے اوسان خطا کر دیئے۔ میں نے خود اس کے کودنے کی آواز سنی تھی مگر اب وہ غائب تھا۔ میں نے دیوار سے لگتے ہوئے روشنی اوپر ڈالی۔ برفانی آدمی دراڑ والی جگہ پر نہیں تھا۔ وہ وہاں ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ میرے عین اوپر تھا، اس نے وادی کی دیوار ہی کی طرف سے حملہ کیا اور مجھے اوپر کھینچ لیا۔ میں اچھل کر دوسری طرف ٹیڑھے میڑھے راستے پر جا گرا تھا۔ اس بار میرا سر بھی ایک پتھر سے ٹکرایا تھا اس لئے ٹارچ گر جانے سے ہونے والا اندھیرا مزید گہرا ہو گیا تھا۔ مگر خطرے کے احساس نے مجھے ہوش سے بیگانہ ہونے نہیں دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ برفانی آدمی پاس ہی ہے اور وہ مجھے ہمیشہ کی نیند سلانے کی کوشش کرے گا۔ میں نے سر جھٹکا۔ پستول بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور میں نہتا تھا۔

میں نے راستہ ٹٹولا اور نیچے کی طرف جانے لگا۔ اوپر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں برفانی آدمی کے زور سے سانس لینے اور غرانے کی آوازیں سن رہا تھا۔ مجھے اچھال کر اس جگہ پھینکنے کے بعد وہ نہ جانے کیوں میرے پیچھے نہیں آیا تھا اور میں وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی بھی لمحے میری طرف آ سکتا تھا۔ آڑا ترچھا راستہ کسی سیڑھی کی طرح نیچے جا رہا تھا اور میرے چاروں طرف شدید دھند اور تاریکی تھی۔ اترتے ہوئے ایک ایک قدم پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا کیونکہ ایک غلط قدم کا مطلب ہوتا کہ میں براہِ راست ہی وادی میں پہنچ جاؤں۔ بندر نما جانور بھی غائب تھے۔ غالباً برفانی آدمی کی موجودگی نے ان کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ میری جیب میں ایک عدد ماچس ہے مگر میں فی الحال اسے جلانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ روشنی دیکھ کر برفانی آدمی میری طرف آ سکتا تھا۔ میں اس سے محفوظ فاصلے پر پہنچ کر ماچس جلاتا۔ اس لئے اندھوں کی طرح ٹٹولتا رہا۔ میرا خیال تھا، میں اس سیڑھی نما راستے سے کئی سو فٹ نیچے اتر آیا تھا۔ ایک جگہ میں خلا میں گرتے گرتے بچا اور پھر میں نے ہمت کر کے تیلی جلالی۔ یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کہ میں ایک عظیم الشان دیوار کے ساتھ چپٹے بلکہ نہ ہونے کے برابر راستے پر کھڑا تھا۔ اس کی چوڑائی مشکل سے دو ڈھائی فٹ تھی۔ یہ راستہ دن کی روشنی میں بھی محفوظ نہیں تھا۔ نہ جانے میں تاریکی میں کیسے بچا رہا تھا۔

ایک بار راستہ دیکھ لینے کے بعد اس سے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لئے میں نے اس وقت تک وہاں رکنے کا فیصلہ کیا جب تک روشنی نہیں ہو جاتی، اس کے بعد ہی میں فیصلہ کرتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں ایک ایسے گوشے میں دبک گیا جس سے میں اتفاقی طور پر بھی نیچے نہیں گر سکتا تھا۔ یہاں اوپر کے مقابلے میں سردی بھی کم تھی۔ میں نے خود کو گول مول کر کے سر بازوؤں میں چھپا لیا تاکہ سردی کا احساس اور بھی کم ہو جائے۔ برفانی آدمی کی طرف سے خطرہ تھا مگر اس ڈھلان پر نیچے جانے میں اس سے زیادہ خطرہ تھا۔ خاموش بیٹھ کر میں نے کان آہٹوں پر لگا دیئے تھے۔ اس سے ہی مجھے برفانی آدمی یا کسی دوسرے خطرے کی آمد کا پتا چل سکتا تھا۔ میں پوری طرح ہوشیار تھا۔

کوئی نصف گھنٹے بعد مجھے لگا جیسے اوپر سے کوئی بھاری وجود نیچے آ رہا ہو، اس کے پیروں کی دھمک اور اس کی وجہ سے گرتے کنکر پتھر اس کی آمد کی اطلاع دے رہے تھے۔ میں نے بھی نیچے کھسکنا شروع کر دیا۔ میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش تھی کہ میرے سرکنے سے آواز نہ ہو جو برفانی آدمی کو میرے بارے میں بتا دے۔ اسے یقینی طور پر پتا چل جاتا کہ میں کہاں ہوں؟ جب اوپر سے کنکر گرتے تو میں تیزی سے حرکت کرتا تھا کہ ان کی آواز میں میری حرکت کی آواز دب جاتی تھی۔ میں نہتا تھا اس لئے راستے میں ملنے والا ایک پتھر اٹھا لیا تھا۔ کچھ بھی نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا۔

برفانی آدمی کو دو گولیاں لگی تھیں اور کچھ دیر پہلے میں نے اس کا خون دیکھا تھا۔ یعنی وہ خاصا زخمی تھا اور اس حالت میں اس کا میرے پیچھے آنا ظاہر کرتا تھا کہ وہ جوش انتقام سے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ بہرصورت مجھے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے زخمی حالت میں مجھے جس طرح پیالے نما جگہ سے گھسیٹ کر نیچے پھینکا تھا اس سے اس کی جناتی قوت کا بخوبی احساس ہوتا تھا۔ اس نے شاید مجھے وادی میں اچھالنے کی کوشش کی تھی مگر میری خوش قسمتی کہ میں اس راستے پر جا گرا۔ برفانی آدمی سمجھا کہ میں نیچے گر گیا ہوں اس لئے وہ فوری طور پر میرے پیچھے نہیں آیا تھا۔ پھر اسے نہ جانے کیوں شک ہو گیا کہ میں زندہ ہوں اور وہ تصدیق کے لئے نیچے آ رہا تھا، میں ذرا تیزی سے کھسکنے لگا تھا۔

اچانک اوپر سے درندے کی خوف ناک غراہٹ سنائی تھی۔ اس میں درد تھا شاید اس کا زخم کہیں سے رگڑ کھا گیا تھا۔ پھر ایسی آوازیں آئیں جیسے کوئی بھاری شے چٹانوں سے رگڑ کھاتی نیچے جا رہی ہوں کیا برفانی آدمی نیچے گر گیا تھا مگر اس کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ زندہ ہے، اس کے غرانے اور ہانپنے کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا تھا۔ میں اب تیزی سے نیچے جانے لگا تھا۔ برفانی آدمی سے بچنے کی ایک یہی ترکیب تھی، میں اس سے دور رہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں یکساں تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ تنگ راستہ ڈھلوان تھا۔ اچانک میرے پیروں تلے کوئی شے آئی، میں غیر متوازن ہو کر خلا کی طرف گرا۔ میرے منہ سے اضطراری چیخ نکلی اور میں نے اندھا دھند ہاتھ پاؤں چلائے۔ ایک پتھر میرے ہاتھ میں آیا اور میں لاشعوری طور پر اس سے چمٹ گیا۔ جب میرے حواس ذرا بحال ہوئے تو میں نے خود کو ایک تاریک خلا میں لٹکے پایا۔ میرے دونوں ہاتھ اس ابھری چٹان کے گرد لپٹے تھے۔

میں گرنے سے بچ گیا تھا مگر اب بچنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں جس پوزیشن میں تھا کسی صورت اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ جب تک کہ کوئی مجھے آ کر بچا نہ لے، برفانی آدمی نے میری چیخ سن لی تھی۔ اب وہ غراتے اور ہانپتے ہوئے نیچے آ رہا تھا۔ وہ یقینی موت تھی، اس چٹان سے لٹک کر میں کچھ دیر زندہ رہ سکتا تھا مگر وہ مجھے فوراً مار دیتا۔ یہ آگے کنواں پیچھے کھائی والی بات تھی۔ برفانی آدمی میرے پاس آ گیا تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ تاریکی میں اسے دکھائی کس طرح دے رہا تھا۔ شاید وہ اپنے سونگھنے کی حس استعمال کر رہا تھا۔ وہ میرے عین اوپر آ کر رکا پھر میں نے اپنے ہاتھوں پر اس کی انگلیوں کا سخت لمس محسوس کیا۔ کوئی لمحہ جاتا تھا کہ وہ میرے ہاتھ چٹان سے جدا کر جاتا۔ مگر عجیب بات ہوئی اس نے میرے ہاتھ چٹان سے جدا کرنے کے بجائے ان کو مضبوطی سے گرفت کیا اور ایک جھٹکے سے مجھے اوپر کھینچ لیا۔ میں تنگ راستے پر اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ اس کے جسم سے اٹھتی کریہہ بو میرے دماغ میں گھسی جا رہی تھی۔ اس نے غراتے ہوئے کچھ کہا۔ الفاظ اور زبان دونوں نامانوس تھے۔ یہ کچھ گڑم بڑم قسم کی زبان تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا شکریہ!'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مجھے بچالیا۔''

وہ پھر اپنی زبان میں غرایا اور اس نے مجھے اچانک چکر دیا۔ اسی لمحے مجھ پر انکشاف ہوا اس نے مجھے بچایا نہیں تھا بلکہ وہ بذاتِ خود مجھے نیچے پھینکنا چاہتا تھا اس لئے اوپر کھینچا تھا اور اب چکر دے کر خلا میں اچھالنے والا تھا۔ میں بے بس تھا اسے کسی صورت نہیں روک سکتا تھا۔ اضطراری طور پر میں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔ اسی لمحے اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ جھکولے کے زور میں میرا جسم خلا کی طرف گیا۔ اس کا بازو بھی میرے ہاتھ سے نکل گیا مگر میری پکڑ نے اسے لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا تھا، جب میں دھند میں غائب ہو رہا تھا تو میں نے اس کے سفید ہیولے کو لڑکھڑاتے دیکھا تھا۔ وہ کنارے پر اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا، یہ آخری جھلک تھی، اس کے بعد میں لامتناہی تاریک خلا میں گرتا چلا گیا اور اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔

میں دم بخود سا سن رہا تھا۔ میں یعنی شہباز ملک، میرے سامنے راجا عمر دراز بتا رہا تھا کہ وہ ہزاروں فٹ کی بلندی سے گرا تھا لیکن وہ میرے سامنے صحیح سلامت بیٹھا تھا۔ اتنی بلندی سے آدمی پانی پر بھی گرے تو اس کی ساری ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور شدید دھچکا ہی موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کیا راجا عمر دراز روئی کے نرم ڈھیر پر گرا تھا۔ وہ مسکرانے لگا۔ ''شاید تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے؟''

میں نے سر کھجایا۔ ''جناب، سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے اور میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ جیسے شخص کی بات کو غلط سمجھوں۔''

''یہ حقیقت ہے، میں کم سے کم سات ہزار فٹ کی بلندی سے گرا تھا اور بظاہر میرے بچنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس کے سوا کہ اللہ کو مجھے بچانا تھا۔''

☆======☆======☆

جب مجھے ہوش آیا تو اسے مکمل ہوش میں نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بلکہ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں خواب میں جھلکیاں دیکھ رہا ہوں۔ ایک مرد تھا اور ایک لڑکی، بے حد حسین۔ ہمارے علاقے میں مشہور ہے کہ پریاں ہوتی ہیں۔ میں نے آج تک کوئی پری نہیں دیکھی تھی لیکن خواب کی کیفیت میں اس لڑکی کو دیکھ کر مجھے لگا کہ کوئی پری ہو سکتی ہے تو وہ ایسی ہی ہوگی۔ بے حد نازک سے نقوش اور اس سے بھی زیادہ نازک سراپا جس پر حریری سا لباس تھا۔ اس کی سنہری مائل زلفیں شانوں پر لہرا رہی تھیں۔ وہ کسی نامانوس سی زبان میں بات کر رہی تھی، اس کے الفاظ میری سمجھ سے باہر تھے مگر لہجہ سب سمجھا رہا تھا، وہ میرے لئے ہمدردی اور خلوص کا اظہار کر رہی تھی۔

میں سوچنے لگا کہ یہ خواب ہے تو میں ساری عمر خواب دیکھ کر گزار سکتا ہوں۔ میں ایک نرم و دبیز بستر پر لیٹا تھا۔ جب میں ان دونوں کو دیکھتا تھا تب ہی مجھے جاگ آتی تھی۔ ورنہ اس کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔ لڑکی میرے جسم پر کچھ لگاتی تھی یا مجھے کچھ کھلاتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میرا ذہن تاریک ہو جاتا تھا یا جب مرد مجھے دوسری ضروریات سے فارغ کراتا تھا یا میرا معائنہ کرتا تھا تب مجھے ہوش آتا تھا اور یہ ہوش بھی بے ہوشی کی سرحد سے ذرا پرے ہوتا تھا پھر اچانک ہی مجھے ہوش آ گیا۔ میں ایک نرم بستر میں تھا اور میرے پورے جسم میں ایک سرد سی سکون آمیز کیفیت طاری تھی۔ پہلا احساس تعجب کا تھا۔ میں تو ہزاروں فٹ کی گہرائی میں جا گرا تھا پھر میں زندہ کیسے رہا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اٹھنا چاہا تو میرے جسم نے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میرا جسم سرد نہیں سن تھا۔ شاید کسی مسکن دوا کے زیر اثر۔ یا پھر اوپر سے گرنے سے مفلوج ہو گیا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ گردن پر چوٹ لگے تو نیچے سے آدمی کا جسم مفلوج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ساری عمر کے لئے مفلوج ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ کر ہی میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی۔ میں نے بے ساختہ آواز دی۔ ''کوئی ہے، میں کہاں ہوں؟''

یہ کمرا تاریک تھا، ایک طرف دیوار میں پردے تھے اور باقی تین طرف دیواریں تھیں، میرے آواز دینے کے چند لمحے بعد ایک طرف سے پردہ ہٹا اور روشنی کے ساتھ وہی روشن پیکر اندر آیا تھا۔

اس نے کچھ کہا تو فضا جیسے گھنٹیوں کے ترنم سے بھر گئی تھی۔ الفاظ سمجھ سے باہر تھے مگر مجھے لگا وہ میری طبیعت کا پوچھ رہی ہو اور میں نے یہ سوچے بغیر کہ وہ میری بات کہاں سمجھے گی، اسے اپنی حالت کے بارے میں بتایا، وہ میرے قریب آئی اور اپنا نازک ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا تھا۔ اس کی رنگت ایسی تھی جیسے سونے میں گلاب ملا کر سانچے میں بھر دیا ہو۔ میں شاعر نہیں تھا اور نہ ہی اس وقت مجھے شاعری سے دلچسپی تھی لیکن اسے دیکھ کر میرے خیالات خود بخود شاعرانہ ہو گئے تھے۔ اس نے پھر کچھ کہا اور اس کے پُرسکون انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے تسلی دے رہی ہو کہ میری یہ کیفیت عارضی تھی اور میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔

اس کے ہاتھ کا سرور آگیں لمس مجھے جیسے کسی اور دنیا میں لے جا رہا تھا۔ مجھے پھر شبہ ہونے لگا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں نے خواب میں یہ خوف ناک سفر کیا تھا اور میرے نیچے گرنے کا واقعہ بھی خواب میں پیش آیا تھا جبکہ یہ لڑکی اور یہ کمرا بھی اسی خواب کا ایک حصہ تھا۔ مجھے پیاس سی محسوس ہوئی حالانکہ چند لمحے پہلے پیاس کا شائبہ تک نہیں تھا۔ لڑکی کے حرارت سے بھرپور لمس نے میری پیاس جگا دی تھی مگر اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں اس کے بارے میں جنس کے حوالے سے سوچنے لگا تھا۔ خدا کی قسم، اس کا تو ذہن میں تصور ہی نہیں تھا، وہ میری طلب نہیں تھی۔ میرا ماحول بن گئی تھی۔ میں اسے اپنے اردگرد محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پانی مانگا۔ ''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا اور کچھ بولی۔ اس کی زبان ایسی تھی جیسے کوئی فرانسیسی لہجے میں فارسی بولے۔ اس کے الفاظ میں ژوں ژاں نمایاں تھے۔ میں نے اسے منہ سے پانی پینے کا مظاہرہ کر کے دکھایا اور بولا۔ ''پانی.....''

''پانی!'' اس نے سر ہلایا اور باہر چلی گئی تھی۔ پردہ ہٹنے سے خاصی تیز روشنی اندر آئی تھی اور پردہ برابر ہوتے ہی ماحول دوبارہ نیم تاریک ہو گیا تھا۔ لڑکی چند لمحے بعد آئی تھی۔ اس نے مٹی کا کٹورا اٹھا رکھا تھا۔ اس نے نزدیک آ کر میرا سر اٹھایا اور کٹورا میرے لبوں سے لگا دیا۔ اتنا شیریں اور مہکتا ہوا پانی میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔ میرے علاقے کا پانی بھی کم نہیں ہوتا ہے مگر اس پانی کی بات ہی اور تھی، یوں لگا جیسے زندگی اور روشنی میرے حلق سے اتر گئی تھی۔

''شکریہ!'' میں نے کہا اور سر سے کٹورے کی طرف اشارہ کیا۔ ''پانی!''

''پانی۔'' اس نے کئی بار کہا اور سر ہلاتی رہی جیسے سمجھ رہی ہو کہ یہ پانی کہلاتا ہے۔

''ہاں پانی۔'' میں نے سر ہلایا پھر آنکھوں سے اپنے جسم کی طرف دیکھا۔ ''مجھے کیا ہوا ہے، میں ہل کیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں سکتا؟''

جواب میں اس نے ایک مترنم تقریر کی جس میں شیرینی تو تھی لیکن مفہوم نہیں تھا۔ اتنے میں پھر پردہ ہٹا اور ایک سیاہ لمبے بالوں والا شخص اندر آیا۔ اس کی عمر پینتالیس کے آس پاس ہوگی، لڑکی کی طرح اس کا رنگ بھی سفید تھا اور جسم مضبوط اور قد مناسب تھا۔ اس نے اندر آ کر لڑکی کو کچھ کہا۔ لڑکی نے اسے جواب دیا شاید میرے بارے میں بتا رہی تھی۔

''مجھے کیا ہوا ہے۔'' میں نے اس مرد سے پوچھا اور گردن سے نیچے جسم ہلانے کی کوشش کی۔

مرد نے جلدی سے میرے بازو پر ہاتھ رکھا پھر اس نے انگلیوں کی مدد سے آدمی کے اوپر سے زمین پر گرنے کا سین پیش کیا۔ پھر میرے جسم پر جگہ جگہ ہاتھ رکھ کر بتاتا رہا کہ مجھے کہاں کہاں چوٹیں آئی تھیں اور اس نے ان کا علاج کیا تھا۔ اس نے اشارے سے بتایا کہ مجھے دو دن ہوئے تھے اور ابھی مجھے تکلیف سے بچانے کے لئے سن کیا ہوا تھا۔ اتنی بلندی سے گرنے کے بعد میں نہ جانے کس طرح بچ گیا تھا لیکن میرا شدید زخمی ہونا لازمی تھا۔ میں نے غور کیا۔ مرد اور اس لڑکی کا آپس میں کیا تعلق ہو سکتا تھا، وہ بمشکل سترہ برس کی تھی۔ مرد اس سے ڈھائی گنا عمر کا تھا۔ نہ جانے یہ کون تھے۔ میرے اندر بے چینی سی ہونے لگی تھی۔ میں نے آواز نکال کر مرد کو متوجہ کیا اس نے میرے پاس آ کر اشارے سے بتایا کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ لڑکی میرا خیال رکھے گی اور میں دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اس کے جاتے ہی میری بے چینی دور ہو گئی اور میں پھر سے پُرسکون ہو گیا تھا۔ میں نے لڑکی سے کہا اور سر سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''عمر..... عمر۔''

''اومر!'' اس نے دہرایا۔ میں بار بار اسے سمجھاتا رہا کہ میرا نام کیا ہے اور وہ بالآخر سمجھ گئی۔ اس نے سر ہلا کر میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ''اومر!''

میں نے زور شور سے سر ہلایا۔ ''ہاں میں عمر ہوں۔''

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ''سامیرا..... سامیرا!''

''تم..... سامیرا ہو؟'' میں نے کہا تو اس بار اس نے زور شور سے سر ہلایا۔

عجیب بات تھی میں سینے تک ایک معمولی سی چادر تلے تھا اور مجھے ذرا بھی سردی نہیں لگ رہی تھی۔ اگر میں وادی میں تھا تو یہ جگہ حیرت انگیز طور پر خوشگوار موسم رکھتی تھی۔ لڑکی نے ایک حریری لبادہ پہن رکھا تھا۔ اب میں نے اس مرد کا نام پوچھنے کی سعی شروع کی۔ مرد سامنے نہیں تھا اس لئے وہ خاصی مشکل سے سمجھی تھی، پھر اس نے بتایا۔ ''اورگان۔'' یہ اس شخص کا نام تھا۔

''اورگان۔'' میں نے دہرایا اور پھر پوچھا۔ ''وہ تمہارا کیا لگتا ہے؟''

اس بار سامیرا مفہوم جلدی سمجھ گئی۔ اس نے اشاروں میں اور اپنی زبان میں سمجھایا کہ وہ مرد اس کا باپ ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ لڑکی باتیں کرتے کرتے اچانک باہر گئی، واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک بڑا کٹورا تھا اور اس میں لکڑی کا چمچ تھا کٹورے سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس نے ایک بڑا سا گول پتا میرے سینے پر نیپکن کی طرح بچھایا اور چمچ میں ایک سنہری رنگ کا مشروب میرے منہ کی طرف بڑھایا۔ آج میں یقین سے کہتا ہوں، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنہری مشروب اصل میں زہر ہے تب بھی میں اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بخوشی پی جاتا۔ مگر یہ زہر نہیں بے حد خوش ذائقہ مشروب یا سوپ تھا۔ حلق سے اترتے ہی جیسے جزو بدن بن جاتا تھا۔ پورا کٹورا ختم کر کے اس نے پانی لا کر میرا منہ صاف کیا۔ پھر مجھے کھانے کے لئے میگنی نما گولیاں دیں جنہیں میں نے کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار لیا تھا۔ آخر میں اس نے مجھے پانی پلایا اور اشارے سے سونے کا کہہ کر جانے لگی۔

''سامیرا!'' میں نے بے اختیار پکارا۔ ''میرے پاس رہو۔''

وہ اندازے سے مفہوم سمجھ گئی تھی، اس کے سنہری رخسار یک دم گلابی ہو گئے تھے، اس نے سر ہلایا اور برتن رکھنے چلی گئی۔ چند لمحے بعد آئی پھر بستر کے ایک طرف کسی شے پر بیٹھ گئی اور آہستہ سے میرا ہاتھ سہلانے لگی تھی۔ اس کے ہاتھ کے لمس سے جیسے جادو بھری لہریں نکل رہی تھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور نہ جانے کب میں سو گیا تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہ اب کہ میری آنکھ کھلے گی تو میں کہیں اور ہوں گا جہاں سامیرا نہیں ہو گی اس کے باوجود سو گیا تھا۔ اس بار میری آنکھ کھلی تو میں اپنے جسم پر بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا تو مجھے گردن سے نیچے اپنے پورے جسم پر سبز رنگ کی کوئی شے دکھائی دی تھی۔ اسے مرہم کی طرح میرے جسم پر لیپ کر دیا گیا تھا۔ صرف میرے پیٹ سے رانوں تک کا حصہ ایک چھوٹے سے کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ شاید اس طرح سے میرا علاج کیا جا رہا تھا اور مجھے شدید قسم کی بھوک لگ رہی تھی۔

''سامیرا!'' میں نے کچھ برداشت کرنے کے بعد آواز دی۔

وہ فوراً اندر آئی۔ ''ادمر!''

''مجھے بھوک لگی ہے۔'' میں نے کہا اور منہ چلا کر عملی مظاہرہ بھی کیا۔

''سویوٹ'' وہ بولی اور باہر چلی گئی۔ چند منٹ کے بعد وہ ایک پیالہ لائی جس میں دودھ تھا اور اسے پینے کے لئے بانس کی نلکی تھی۔ دودھ پر گھی تیر رہا تھا اور یہ بے حد گاڑھا مقوی قسم کا دودھ تھا۔ سامیرا نے اسٹرا میرے منہ کے قریب کی اور میں اسے منہ میں لے کر دودھ پینے لگا۔ پورا پیالہ ختم کر کے مجھے سکون ملا تھا۔ مجھے ایسی بھوک لگ رہی تھی جیسے میں نے کئی دن سے کچھ نہ کھایا ہو۔ سامیرا گئی اور پیالہ پھر بھر کر لے آئی۔ میرا خیال تھا کہ اب میں زیادہ دودھ نہیں پی سکوں گا۔ مگر میں اس بار بھی پورا پیالہ پی گیا۔ اس کے بعد سامیرا نے مجھے بکری کی مینگنی جیسی گولیاں کھلائیں۔ ان کو کھانے کے چند منٹ بعد مجھے نیند آنے لگی تھی۔

اگلی بار میں جاگا تو پھر مجھے شدید بھوک لگی تھی، اس بار میرا جسم صاف اور چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ سامیرا نے مجھے دودھ دینے کے بعد سبزیوں کا گاڑھا سا سوپ پلایا جس کا ذائقہ آج کل کے چائنیز سوپ سے ملتا جلتا تھا۔ اس کھانے کے بعد پھر وہی مینگنی جیسی گولیاں۔ اس بار میرا سونے کا موڈ نہیں تھا اس لئے میں جاگتا رہا اور ان باپ بیٹی پر غور کرتا رہا۔ یہ جگہ صاف ستھری تھی۔ دیواریں، چھت اور فرش لکڑی کا بنا تھا۔ میں جس بستر پر لیٹا تھا وہ بھی لکڑی کا تھا اور ایک طرف لگے پردے کسی جانور کی کھال کے تھے۔ دیواروں کے ساتھ لیمپ کے کھانچے تھے جن میں ایسے پیالے رکھے تھے جن میں موم یا چربی جلتی تھی۔ دن میں ایک بھی کافی ہوئی تھی البتہ جب دو جلتی تھیں تو میں سمجھ جاتا تھا کہ رات ہو چکی ہے۔

ان کے لباس بھی سادہ تھے، مرد نے ایک لمبا سا عبا نما لباس پہن رکھا تھا جبکہ سامیرا نے پوری آستین کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میکسی نما لبادہ پہن رکھا تھا جو صرف کمر سے تنگ تھا ورنہ باقی ہر جگہ سے کھلا کھلا تھا۔ ان کے اوزار اور سامان خاص طور سے برتن مٹی اور لکڑی کے تھے، صاف دکھائی دے رہا تھا ابتدائی دور کے انسانوں کی سی سادہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ البتہ باتوں اور اپنے انداز سے وہ عقل اور سمجھ بوجھ میں کسی طرح جدید دور کے انسانوں سے کم نہیں تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس جگہ پھنس گئے تھے اور اتنی سادہ سی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ ہم نے طیارے سے وادی میں جو شہر دیکھا تھا، وہ اتنا متمدن اور صاف ستھرا تھا کہ اسے دنیا کے جدید ترین شہر کے مقابلے پر رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں یہ لوگ دیہاتی جیسی زندگی بسر کر رہے تھے۔

چند گھنٹے بعد مجھے پھر بھوک لگنے لگی تھی۔ سامیرا نے مجھے دودھ اور اس بار ایک مٹھائی دی تھی۔ یہ کسی پودے کے گودے نما حصے سے تیار کی گئی تھی۔ اس بار دوائی لے کر میں نے سونے کا سوچا اور سو گیا۔ میٹھی نما گولیاں کوئی دوا تھی۔ اتنا تو مجھے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی دوا ہے۔ اس کے کھانے سے جب میں سونے کا سوچتا تھا تو سو جاتا تھا اور جب جاگتے رہنے کے بارے میں سوچتا تھا تو جاگتا رہتا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ میرا جسم بے حسی سے نکل رہا ہے اور میں ہاتھ پیروں کو معمولی سی حرکت بھی دے سکتا تھا، اس سے مجھے بے انداز خوشی ہوئی تھی۔ یعنی میرا جسم عارضی طور پر مفلوج ہوا تھا اور اب رفتہ رفتہ ٹھیک ہو رہا تھا۔ اس دوران میں، میں نے ان کی زبان کے چند الفاظ سیکھ لئے تھے۔ وہ کھانے کو ''سویوٹ'' کہتے تھے، پانی کو ''مان'' بستر کو ''نیکسٹ'' اور مرد کو ''نارا'' کہتے تھے۔ اس لحاظ سے ان کی عورت کو ناری کہلانا چاہئے تھا مگر وہ اسے ''ہانی'' کہتے تھے۔ میں نے بھی اپنے مطلب کے چند الفاظ سامیرا کو سکھا دیئے تھے جیسے بھوک، پانی اور درد۔ میرا خیال ہے تم سمجھ گئے ہو گے کہ یہ دوائیں کون سی تھیں؟

(قارئین کو یاد ہو گا راجا عمر دراز کا حکیم قادس میرا ایسے ہی مرہم اور میٹھی نما گولیوں سے علاج کرتا تھا اور اس نے میرا ناکارہ ہو جانے والا ہاتھ درست کر دیا تھا)

پانچویں دن میں اٹھنے لگا تھا۔ میرے بازو میرے قابو میں آ گئے تھے لیکن ابھی میں اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور گان نے اشاروں میں بتایا کہ ابھی مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مزید پانچ چھ دن لگ سکتے تھے۔ میرے بازو اور اوپری جسم معمول کے مطابق حرکت کر رہے تھے مگر ابھی کمزوری تھی، ذرا سی مشقت کرنے یعنی صرف اٹھ کر بیٹھنے سے میں ہانپنے لگتا تھا۔ حالانکہ میں دن رات میں چار بار پیٹ بھر کر مقوی غذائیں لے رہا تھا، اس وقت مجھے پتا نہیں تھا کہ میرے جسم میں اوپر سے گرنے سے جو شدید ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی، یہ غذا اس کی مرمت میں استعمال ہو رہی تھی۔ مجھے مزید توانائی کی ضرورت تھی۔ سامیرا مجھے روزانہ ایک پاؤ کے قریب شہد کھلا دیا کرتی تھی۔ عام دنوں میں، میں لیٹ کر اتنی غذا کھاتا تو نہ جانے میرا کیا حال ہو جاتا مگر ان دنوں میرا جسم ویسا ہی رہا بلکہ میں کچھ کمزور ہو گیا تھا۔

اگلے پانچ دنوں میں ان لوگوں نے مجھے خاصی حد تک اپنی زبان سکھا دی تھی، میں ان کی بات سمجھ جاتا تھا اور کسی حد تک اپنی بھی سمجھا لیا کرتا تھا جو کمی رہ جاتی تھی، وہ اشاروں سے پوری کر لیتا تھا۔ دسویں دن میں اس قابل ہوا کہ چل سکوں۔ اور گان نے پہلے مجھے ایک لباس دیا کیونکہ میں اب تک صرف چادر میں گزارہ کر رہا تھا، یہ لمبا سا کرتہ تھا جو ٹخنوں سے ذرا اوپر ہوتا تھا اس میں صرف سر ڈالنے کی جگہ تھی اور کھلی کھلی آستین تھی۔ یہ لباس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کپاس سے ملتے جلتے کسی ریشے سے بنا تھا، آرام دہ اور نرم تھا۔ اس کے کھلے پن کو قابو کرنے کے لئے کمر کے پاس سے ایک پٹکا باندھ لیا جاتا تھا۔ میں اتنے دنوں بعد اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو مجھے ہلکا سا چکر آیا تھا۔ مگر جلد سنبھل گیا۔ میں چند قدم بغیر سہارے کے چلا تھا۔

''شاباش..... جوان آدمی..... تم باہمت ہو۔'' اورگان نے خوش ہو کر کہا۔

''میں باہر جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' اورگان نے میرا بازو پکڑا۔ سامیرا جلدی سے میرے دوسری طرف آ گئی تھی۔ ان دس دنوں میں اس نے میری بے لوث خدمت کی تھی۔ اورگان نے اس کے میرے پاس ہونے پر کبھی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اسے میری خدمت سے روکا تھا۔ حالانکہ وہ جوان تھی اور خوفناک حد تک حسین تھی، وہ اس قابل تھی کہ کسی کے دل کی رانی بن کر اس پر حکومت کرتی۔ میں پہلی بار اس کمرے سے نکلا، سامنے کھلا برآمدہ نما کمرا تھا، جس کے آخری حصے میں لگی لکڑی کی ریلنگ کے پار بے حد گھنا اور سرسبز جنگل تھا، اس جنگل کے پار دور ایک چٹانی دیوار بلند ہو رہی تھی اور ناقابل بیان حد تک بلند تھی۔ یہ اوپر بادلوں میں غائب ہو رہی تھی۔ میرے دل میں جو موہوم سا شبہ باقی رہ گیا تھا کہ میں وادی میں ہوں یا نہیں، وہ اس منظر کو دیکھ کر دور ہو گیا۔ ہم اس جگہ سے باہر نہیں جا سکتے تھے، اس لئے ایک اور کمرے سے گزرے۔ فرش پر بچھے قالین اور دیواروں کے ساتھ لگے تکیے بتا رہے تھے کہ یہ جگہ نشست گاہ تھی۔ دیواروں پر تصاویر لگی تھیں۔ ان میں سے ایک تصویر نے مجھے چونکایا۔ اس تصویر میں ایک سنہری اہرام کے سامنے سبزہ زار میں چند جانوروں کو دکھایا گیا تھا۔ ان میں سب سے نمایاں دودھیا سفید رنگ کا گھوڑا تھا جس کے ماتھے پر سینگ اگا تھا۔ مجھے معلوم تھا، یونانی دیومالا کے اس کردار کو یونی کون کہتے ہیں۔ اس کے سینگ کو جادوئی خصوصیت کا حامل مانا جاتا ہے۔ ایک لمحے کو مجھے یوں لگا جیسے تصویر کے جانور متحرک ہیں۔ میں نے آنکھ جھپکی تو وہ پہلے کی طرح ساکت ہو گئے تھے۔ اس تصویر کے عین نیچے لکڑی سے بنی تپائی پر ایک گول چھوٹے سائز کے تربوز جیسا سیاہ پتھر تھا جس میں سفید دھاریاں تھیں اور خاص بات یہ تھی کہ دھاریاں متحرک تھیں۔ لہریں سی لے رہی تھیں۔

ہم باہر آئے۔ سامنے والے حصے میں بھی برآمدہ تھا، یہ لکڑی کے مضبوط تختوں سے بنا ترچھی چھت والا مکان تھا۔ اس کے سامنے ایک بڑے حصے پر پودے اور درخت لگے تھے۔ میں نے ایسے پودے اور درخت نہیں دیکھے تھے۔ اس کچے حصے کے ایک طرف مٹی اور پتھروں سے بنا باڑا تھا جس کے اوپر گھاس کی چھت تھی۔ ایسے باڑے خود میرے علاقے میں بھی عام تھے اس لئے مجھے شناخت میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ میرے پاؤں خالی تھے مگر سامیرا نے جلدی سے چمڑے سے بنی ایک چپل لا کر میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے اسے پہنا اور گان کی طرف دیکھا۔ ''تم نے مجھے کہاں پایا تھا؟''

''اس جگہ۔'' اس نے ہاتھ سے جنگل کے ایک بلند حصے کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں درختوں پر سبز رنگ کی چادر نما بیلیں چھائی ہوئی تھیں۔

''تم نے بس مجھے وہاں پڑے دیکھا تھا، گرتے نہیں دیکھا تھا؟''

''نہیں، تم وہاں پڑے تھے البتہ تمہارے جسم کی بیشتر ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اس سے پتا چلا تم اوپر سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرے ہو۔ کیا تم اوپر چڑھتے ہوئے گرے تھے۔"

"نہیں، میں بہت اوپر سے گرا تھا۔ وہ جو بادل نظر آ رہے ہیں، ان سے بھی اوپر سے۔ میں وادی کے کنارے سے گرا تھا۔"

"وادی..... کنارہ!" اس نے تعجب سے کہا۔ "یہ کیا ہے؟"

"اوپر، اس جگہ سے باہر ایک دنیا اور ہے، میں وہاں سے آیا ہوں۔" میں نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ سامیرا اور اورگان مجھے ناقابلِ یقین نظروں سے دیکھ رہے تھے اور گان نے بمشکل کہا۔ "اس جگہ سے باہر بھی کچھ ہے؟"

"وہ دنیا بہت بڑی ہے اس وادی کے مقابلے میں اتنی بڑی ہے جیسے تمہارے اس گھر کے مقابلے میں پوری وادی۔ اس قسم کی جگہوں کو ہم وادی کہتے ہیں جو پہاڑوں کے درمیان ہو۔"

وہ منہ کھولے میری بات سن رہا تھا۔ غالباً اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے ہمارے سارینا درست کہتے تھے۔"

"سارینا..... کون؟" میں نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

"گزرے لوگ..... میرا باپ..... اس کا باپ..... اس کا باپ۔" اس نے وضاحت کی۔

"وہ کیا کہتے تھے؟"

"وہ کہتے تھے..... ہمارے سارینا..... کہیں اور سے اس وادی میں آئے تھے مگر یہ نہیں بتاتے تھے کہ کہاں سے اور کیسے آئے..... یہاں نہ آنے کا راستہ ہے اور نہ جانے کا۔"

"تم نے ٹھیک کہا ہے لیکن میں باہر سے آیا ہوں اور کسی زمانے میں تمہارے سارینا بھی باہر سے آئے تھے۔ نہ جانے وہ اس وادی میں کیسے اترے؟"

"ممکن ہے اس زمانے میں کوئی راستہ ہو جو بعد میں ختم ہو گیا ہو۔" سامیرا نے مداخلت کی۔

"شاید ایسا ہی ہو۔"

میں وضاحت کروں میں ان سے کی جانے والی گفتگو آسانی کے لئے اس طرح پیش کر رہا ہوں ورنہ ہمارے درمیان گفتگو اتنی بھی آسان نہیں تھی۔ بعض اوقات ایک بات کی وضاحت اصل بات سے کئی گنا بڑی ہو جاتی تھی۔ زبان کے ساتھ اشاروں کے لئے خاص ورزش کرنا پڑتی تھی۔ تب کہیں جا کر ہم ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھا پاتے تھے اور گان مجھے سہارا دے کر اپنے مکان کے احاطے سے باہر لایا۔ تب میں نے پہلی بار شمال کی طرف سنگی دیواروں والا قلعہ دیکھا۔ خاصے فاصلے کی وجہ سے اس کی برجیاں دھندلی سی دکھائی دے رہی تھیں۔

"وہ کیا ہے؟" میں نے اشارہ کیا۔

"وہ آرگون ہے؟"

"آرگون کیا؟"

"جہاں لوگ رہتے ہیں۔" اس نے وضاحت کی، اس کی مراد شاید شہر سے تھی یا شاید شہر کا نام ہی یہ تھا، مجھے یاد تھا جب طیارہ وادی میں آیا تھا تو میں نے ایک شہر دیکھا تھا اور وہ شاید یہی شہر تھا۔ اس کے مزید شمال میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنہری اہرام نما عمارت بھی جس کے اوپر چمک دار کلس تھا۔ میرے ذہن میں سوال آیا۔

''اورگان، تم اس ویرانے میں کیوں رہتے ہو؟''

''تمہارا مطلب ہے..... میں آرگون میں کیوں نہیں رہتا؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں اس دیوار کے اندر ایک صاف ستھرا اور بہترین شہر ہے۔ اسے چھوڑ کر تم یہاں کیوں رہ رہے ہو؟''

''اس کی وجہ میں پھر بتاؤں گا۔'' اس نے جواب دیا تو میں نے اصرار نہیں کیا۔

میں نے کچھ دیر چہل قدمی کی اور جب تھکن محسوس کرنے لگا تو واپس مکان میں آ گیا۔ شام کو میں پھر باہر آیا تھا۔ صبح کے وقت بھی بادل تھے اور شام کو بھی بادل تھے۔ میرے ساتھ سامیرا تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''کیا یہاں کبھی سورج نہیں نکلتا ہے، یہ بادل ہمیشہ کیوں رہتے ہیں؟''

''پتا نہیں، اورگان کہتا ہے یہ بادل سینتور کے پجاریوں نے پھیلائے ہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں بادل ہٹا دیتے ہیں جس سے روشنی نیچے آتی ہے اور جب چاہتے ہیں آسمان پر بادلوں کا پردہ تان دیتے ہیں۔''

''سینتور..... سینتور ہے اس جگہ کا دیوتا..... خدا!''

یعنی یہ لوگ کسی سینتور نامی دیوتا کو مانتے تھے، میں نے سوچا انسان بنیادی طور پر عبادت پسند ہے اگر اسے خدا تک پہنچنے کا راستہ نہ ملے تو یہ اپنے صنم تراش لیتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ مجھے اب اپنے دونوں ساتھیوں کا خیال ستانے لگا تھا۔ وہ اوپر تھے اور نیچے اترنے کی فکر میں ہوں گے، ان کو نیچے آنا ہی تھا ورنہ وہ اوپر بھوک سے مر چکے ہوں گے۔ میں نے سامیرا سے پوچھا۔ ''میرے آنے کے بعد تم لوگوں نے دو اور افراد کو دیکھا، گورے رنگ کے، ایک کے بال تمہارے جیسے اور دوسرے کے سنہری ہیں۔''

''سنہری؟'' اس نے وضاحت چاہی۔

''وہ جو دور ایک انوکھی عمارت ہے اس کے رنگ جیسا۔'' میں نے شمال کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ سمجھ گئی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اِدھر نہیں آئے۔''

میں نے اسے مختصراً اپنے سفر کے بارے میں بتایا، جب میں نے اڑنے والے طیارے کا ذکر کیا تو وہ چونک گئی۔ ''میں نے دیکھا تھا۔''

''وہ ہمارا جہاز تھا، اس میں خرابی ہو گئی تھی اور وہ اتفاق سے اِدھر آ نکلا تھا۔ تب ہم نے اس وادی کو دیکھا تھا پھر میں اور میرے دو ساتھی وادی کی طرف آئے۔''

''تم نیچے کیسے گرے؟''

میں نے برفانی آدمی کے بارے میں بتایا جو ہمارے پیچھے لگ گیا تھا۔ ''اس نے ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مجھے نیچے پھینکا تھا اور گرتے گرتے میں نے اسے بھی گھسیٹ لیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر وہ میرے ساتھ گرا تھا تو اس کی لاش اس جگہ کے آس پاس ہو گی جہاں میں ملا تھا۔''

''اس جگہ سے اورگان ہی واقف ہے۔''

تعجب خیز بات یہ نہیں تھی کہ میں ہزاروں فٹ کی بلندی سے گر کر بھی زندہ رہا تھا بلکہ حیرت کی بات یہ تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ میں شدید زخمی ہوا تھا اور میری بے شمار ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں مگر میں محض دس دن میں اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔ مکمل طور پر نہ سہی، خاصی حد تک صحت یاب ہو گیا تھا۔

"سامیرا، تمہارا بابا جادوگر ہے اس نے مجھے اتنی جلدی کیسے ٹھیک کر دیا؟"

اسے اورگان کو دیا میرا نام پسند آیا۔ "بابا طبیب بھی ہے، وہ علاج کرنا جانتا ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

"تمہارے ہاں اگر کسی کو چوٹ لگے یا وہ بیمار ہو جائے تو کیا وہ اتنی جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "بابا سب کا اس طرح علاج نہیں کرتا ہے، اگر چوٹ یا بیماری عام ہو تو عام طریقے سے علاج کرتا ہے، ایک بار میری انگلی ٹوٹ گئی تھی۔" اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سامنے کی۔ "اسے بابا نے عام علاج سے ٹھیک کیا تھا۔ بہت دن تک اس پر پٹی بندھی رہی تھی۔"

"خاص علاج کس طرح ہوتا ہے؟"

"یہ تو بابا کو پتا ہے۔" اس نے اپنے بال سمیٹے۔ "لیکن بابا اس علاج میں کچھ خاص چیزیں استعمال کرتا ہے۔ ان چیزوں کو اپنی دواؤں میں شامل کرتا ہے۔"

میں نصف گھنٹے کی چہل قدمی سے تھک جاتا تھا اب اورگان نے لیپ کرنا بند کر دیا تھا مگر کسی تیل سے میرے جسم کی مالش کرتا تھا اور معجونی نما گولیاں کھلاتا تھا۔ ہر روز میری صحت پہلے سے بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ پندرہویں دن اورگان مجھے اس جگہ لے گیا جہاں اس نے مجھے زخمی حالت میں پڑے پایا تھا۔ یہ گھنے درختوں کے درمیان دبیز کاہی کا ڈھیر تھا اوپر درختوں پر بیلیں پردوں کی طرح تہہ در تہہ چھائی ہوئی تھیں۔ میں نے اس جگہ کھڑے ہو کر اوپر دیکھا تو کم سے کم نصف درجن بیلوں کے پردوں میں سوراخ تھا، میں پہلے ان بیلوں پر گرا تھا اور یکے بعد دیگرے ان کو توڑتا ہوا نیچے کاہی پر آ گرا تھا۔ ان گھنی مگر نازک شاخوں والی بیلوں اور نرم کاہی کے ڈھیر کی وجہ سے میری زندگی بچ پائی تھی۔ بیلوں نے مجھے نقصان پہنچائے بغیر میرے گرنے کی رفتار خاصی کم کر دی تھی پھر میں کاہی کے دبیز بستر پر گرا تو مرنے سے بچ گیا تھا۔ اس کے باوجود تصادم اتنا شدید تھا کہ میری بیشتر ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ یہ سارے لوازمات اس ذاتِ واحد نے فراہم کیے تھے جو زندگی اور موت پر مکمل اختیار رکھتا ہے، اسے ابھی میری زندگی منظور تھی اس لئے اس نے مجھے ہزاروں فٹ کی بلندی سے گرنے کے باوجود بچا لیا تھا۔

پندرہ دن میں، میں پہلے جیسی توانائی اور مضبوطی محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے خود کو آزمانے کے لئے سخت اور محنت والے کام کر کے بھی دیکھے، مجھے کوئی کمزوری یا تکلیف محسوس نہیں ہوئی تھی بلکہ مجھے لگ رہا تھا کہ میری صحت پہلے سے بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ اس وادی کی آب و ہوا اور خوراک صحت بخش تھی۔ طبیعت ہشاش بشاش رہتی تھی۔ ان چند دنوں میں، میں نے گھوم پھر کر سارا علاقہ دیکھ لیا تھا۔ مجھے ایک تو ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا فرد دکھائی نہیں دیا تھا۔ دوسرے یہاں پر پائے جانے والے جانور ہماری دنیا کے جانوروں سے الگ تھے۔ اورگان نے گائے اور بھیڑ جیسے جانور پال رکھے تھے جن سے دودھ، گوشت، کھال اور اون کی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ مرغی نما پرندے تھے جو انڈے دیتے تھے۔ مگر ان سب جانوروں اور پرندوں کی شباہت میں کچھ نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ فرق تھا جس سے پتا چلتا تھا کہ یہ نسلیں صدیوں سے الگ تھلگ رہنے کے بعد عام دنیا کے جانوروں سے کچھ الگ ہوگئی تھیں۔

جنگل میں بندر نما، گلہری اور نیولے جیسے جانور تھے۔ اِکا دُکا سانپ بھی نظر آئے مگر سامیرا اور اورگان کے مطابق ان سے خطرہ نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ خطرناک جانور شمالی جنگل میں پائے جاتے تھے جہاں سینتور کا مندر تھا۔ جی ہاں، اہرام نما سنہری عمارت اصل میں مندر تھا اور وہاں صرف منتخب لوگوں کو جانے کی اجازت تھی۔ وادی کی ساری آبادی قلعے نما فصیل کے اندر رہتی تھی ان کا کوئی دشمن نہیں تھا سوائے ہارن کے۔ میں نہیں جان سکا کہ یہ ہارن کون تھے۔ سامیرا نے مجھے بتایا کہ جب ان کے آباؤ اجداد اس وادی میں آباد ہوئے تو یہاں ہارن بکثرت پائے جاتے تھے۔ وادی پر ان کا ہی قبضہ تھا۔ ان سے بچاؤ کے لئے انسانوں نے یہ قلعہ بنایا تھا اور ان کے حملوں سے محفوظ ہوگئے تھے۔ بعد میں ہارن کی آبادی کم ہوگئی تھی اور وہ مغرب کی طرف ایک حصے تک محدود ہوگئے تھے۔

انسانوں کے دو طبقے تھے عام طبقہ جس میں کام کرنے والے تھے اور خاص طبقہ جس میں سینتور کے پجاری، حکمران اور ان کے ماتحت تھے۔ تمام اچھی چیزوں پر ان کا حق اوّل ہوتا تھا۔ اس کے بعد عام لوگوں کے حصے میں یہ چیزیں آتی تھیں۔ ان لوگوں کو اپنی مرضی سے پیشہ چننے اور شادی کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی سے تعلیم بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طبقہ ان کے لئے جو چاہتا کرتا تھا۔ وہ بھی اچھی زندگی بسر کرتے تھے مگر ایک جبر کے تحت اور جو اس نظام سے بغاوت کرتا تھا اسے شہر سے نکال دیا جاتا تھا۔

''تو تم دونوں کو شہر سے نکال دیا گیا ہے؟'' میں نے سامیرا سے کہا تھا۔

''نہیں بابا اور میری ماں کو نکالا گیا تھا۔ میں تو اسی جگہ پیدا ہوئی تھی۔''

''تمہاری ماں، وہ کہاں ہے؟''

''وہ مرگئی تھی جب میں چھوٹی سی تھی۔ اس کے پیٹ میں کچھ پھٹ گیا تھا۔''

میں نے افسوس کیا۔ ''پھر تمہارے ماں باپ کو کیوں نکالا تھا؟''

''میرا بابا طبیب تھا۔ وہ اوپر والے طبقے سے تھا لیکن وہ انسانوں میں فرق کا قائل نہیں تھا۔ اس کے خیال میں سب انسان آپس میں برابر ہیں۔''

''یہی انسانیت کا درس ہے۔''

''بابا عام لوگوں کا علاج بھی کرتا تھا اور یہ بات اوپر والوں کو بری لگتی تھی۔ انہوں نے بابا کو منع کیا اور جب وہ نہ مانا تو اسے ماں سمیت آرگون سے نکال دیا۔ اس وقت میں پیدا ہونے والی تھی۔ بابا نے بہت محنت کے بعد یہ گھر بنایا۔ شروع میں ماں اور بابا کو بہت پریشانی ہوئی تھی۔ ماں نے مجھے ایک جھونپڑے میں جنم دیا تھا۔ مجھے پتوں میں لپیٹا گیا تھا۔''

''ایسے حالات تھے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''آرگون کے حکمران اور سینتور کے پجاری کسی سے ناراض ہو جائیں تو اس پر زندگی کا در بند کر دیتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور گان پھر شہر نہیں گیا؟''

''اس کا داخلہ بند تھا، وہ نہیں جا سکتا تھا مگر میرے بابا کے بہت سارے پرستار تھے، خاص طور سے نچلے طبقے کے لوگ میرے بابا سے محبت کرتے تھے۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے چوری چھپے بابا سے ملنے آنا شروع کر دیا، وہ ہمیں چیزیں اور ضرورت کا سامان لا کر دیتے تھے۔ ان کی مدد سے ہم نے یہ گھر مکمل کیا۔ وہ ہمیں کپڑے اور اوزار دے کر جاتے تھے۔ بدلے میں بابا ان لوگوں کا علاج کرتے تھے اور ان کو دوائیں دیتے تھے۔ پھر بابا نے جانور پال لئے اور کاشت کرنے لگے۔ ہم اپنی خوراک خود حاصل کرتے ہیں۔ بس کچھ چیزیں ہمیں شہر سے لینا پڑتی ہیں۔''

''تمہارے بابا کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو بھی شہر سے نکالا گیا ہوگا؟''

''بہت سارے ہیں مگر ان کو شمال کی طرف جنگل میں بھیجا گیا تھا۔ ان میں سے بہت کم لوگ زندہ بچے ہیں، وہاں خوفناک درندے پائے جاتے ہیں۔''

''ہارن جیسے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ کیسا ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے، دیکھنے میں کیسا لگتا ہے؟''

''میں دکھاتی ہوں۔ میں نے اس کی تصویر بنائی تھی۔''

''تم تصویر بناتی ہو؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''ہاں، سینتور کے معبد کی تصویر بھی میں نے بنائی ہے۔''

مجھے بے حد حیرت ہوئی تھی، اس نوعمر لڑکی نے کسی پختہ کار مصور کی طرح وہ تصویر بنائی تھی۔ وہ مجھے مکان میں لے آئی۔ اس نے مجھے پتلے سے چمڑے کی بنی ایک اسکیچ بک دکھائی۔ اس میں اس نے مختلف چیزوں کے اسکیچز بنا رکھے تھے پھر اس نے مجھے ہارن کی تصویر دکھائی۔ یہ عجیب الخلقت جانور تھا جیسے آدمی اور گھوڑے کو ملا کر تیار کیا گیا ہو۔ مجھے یاد آیا، یونانی دیومالا میں ایک ایسے جانور نما آدمی کا ذکر ملتا ہے جس کا نچلا جسم گھوڑے جیسا اور اوپری جسم آدمی نما ہوتا ہے اور یہ تیر کمان سے مسلح ہو کر جنگل سے گزرنے والے اکیلے انسانوں کی جانوروں اور بد ارواح سے حفاظت کرتے ہیں۔ سامیرا نے کچھ ایسی ہی تصویر بنائی تھی اور اس کے مطابق وہ انسانوں کا دشمن تھا۔

''یہ انسانوں کے دشمن کیوں بن گئے تھے؟''

''شاید اس لئے کہ ہم نے ان سے وادی چھین لی اور ان کو جنگلوں میں دھکیل دیا گیا۔'' سامیرا بولی۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے والے چند دنوں میں، مَیں نے آس پاس کا سارا علاقہ چھان لیا تھا خاص طور سے وادی کی دیواروں کے ساتھ جو اونچے جنگل تھے۔ میں وہاں سے اوپر جانے کا راستہ تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اورگان کے مہیا کردہ لباس کی وجہ سے مجھے امید تھی کہ اگر کسی نے مجھے دیکھ بھی لیا تو مقامی ہی سمجھے گا۔ میں قلعے کے پاس تک چلا گیا تھا۔ ایک بلند مقام سے مجھے شہر کی جھلک بھی دکھائی دی تھی۔ میرا اندازہ تھا شہر کم سے کم چار مربع میل کے رقبے پر پھیلا تھا جبکہ یہ پوری وادی کم وبیش پانچ سو مربع میل رقبے پر پھیلی تھی۔ اس کی گولائی لئے دیواروں کے درمیان کم سے کم تیس میل کا فاصلہ تھا۔

قلعے کے آس پاس ساری زمین کاشت کاروں کے لئے مخصوص تھی۔ پانی وہاں مسئلہ نہیں تھا کیونکہ بے شمار چشموں کے علاوہ روزانہ رات کو ہلکی بارش بھی ہو جاتی تھی۔ یعنی زمین کی ترائی آسان تھی۔ یہ گندم اور مکئی کاشت کرتے تھے۔ کئی طرح کی سبزیاں تھیں۔ سیب اور چیری جیسے پھل تھے۔ مجھے انگور سے ملتا جلتا پھل بھی دکھائی دیا لیکن اس کا رنگ خون کی طرح سرخ تھا۔ ذائقہ اس کا کسی حد تک انگور سے ملتا تھا۔ قلعے کی فصیل اور اس کے گرد ایک میل کی پٹی چھوڑ کر باقی وادی میں چاروں طرف جنگل تھا اور ویرانہ تھا۔ سامیرا نے بتایا تھا کہ لوگ قلعے سے نکلنے اور جنگل میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ سینتور کے پجاریوں نے لوگوں کو بتا رکھا تھا کہ جنگل میں آئز گھومتے ہیں اور اکیلے آدمی کو اٹھا لے جاتے ہیں۔ سامیرا نے آئز کی تشریح کی۔ مجھے یہی سمجھ میں آیا کہ آئز بدروح یا بھوت ٹائپ کی کوئی شے ہیں۔ جو اس علاقے میں گھومتے ہیں اور انسانوں پر وار کرتے ہیں۔ سامیرا نے اعتراف کیا، اس نے آج تک کوئی آئز نہیں دیکھا تھا۔

اپنے مکان کے عقبی حصے میں اورگان نے ایک کمرا جو وسعت میں نصف گھر کے برابر تھا اپنے کاموں کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ وہ وہاں جڑی بوٹیوں اور دوسری اشیا پر تجربات کرتا تھا اور ان سے دوائیاں بنانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کمرے میں سامیرا کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اورگان کا کہنا تھا کہ کمرے میں بعض خطرناک چیزیں بھی ہوتی ہیں اور سامیرا کو ناواقفیت میں ان سے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کے کمرے میں جانے پر پابندی تھی۔ ضروری کاموں کے بعد اورگان کا سارا وقت اسی کمرے میں گزرتا تھا اور اس نے اپنی اکلوتی اور سحر انگیز حسن کی مالک بیٹی کو جتنے آرام سے میرے ساتھ اکیلا چھوڑ رکھا تھا اس سے مجھے تعجب ہوتا تھا۔ مجھے وادی میں آئے بلکہ نازل ہوئے بیس روز ہو چکے تھے اور میں اب تک دیواروں میں باہر جانے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راستہ تلاش نہیں کر سکا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں اورگان سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے ناشتے کے بعد اسے کمرے میں جانے سے پہلے کہہ دیا۔ ''اورگان، میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا بات کرنا چاہتے ہو؟'' وہ رک گیا۔ ''ابھی کرلو۔''

''بات ذرا تفصیل سے کرنے کی ہے۔''

''ٹھیک ہے، آج تو مجھے بہت ضروری کام ہے، میں شام کو تم سے بات کرلوں گا۔'' اس نے کہا اور چلا گیا۔

''تم بابا سے کیا بات کرو گے؟'' سامیرا نے پوچھا۔

''سامیرا، میں باہر سے آیا ہوں اور مجھے واپس بھی جانا ہے۔''

''واپس!'' اس کے چہرے پر اداسی بکھر گئی تھی۔ ''تم ہمیشہ کے لئے یہاں نہیں رہ سکتے؟''

''نہیں سامیرا! مجھے جانا ہوگا۔'' میں نے دل مسوس کر کے کہا۔ اس کے چہرے کا غبار مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''کیوں؟'' اس کا لہجہ رو دینے والا ہو گیا تھا۔

''پیچھے میرا گھر ہے، ماں باپ ہیں، بہن بھائی ہیں۔'' میں نے جواب دیا مگر میں چاہنے کے باوجود اسے اپنی منگ کے بارے میں نہیں بتا سکا۔ اس سے مجھے اسی سال شادی کرنا تھی، یہ بابا کا حکم تھا۔

''اور کوئی نہیں ہے؟'' اس نے دبے لہجے میں پوچھا۔

''اور کون؟'' میں انجان بنا۔

''تمہاری بیوی یا ہونے والی بیوی؟''

''نہیں، ابھی نہ بیوی ہے اور نہ ہونے والی بیوی۔'' میں نے نصف جھوٹ بولا۔

''سچ کہہ رہے ہو؟'' اس کے چہرے پر اطمینان سا آ گیا تھا۔

''میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟''

اس نے کمرے سے جاتے ہوئے دروازے پر رک کر کہا۔ ''نہ جانے کیوں، مجھے لگ رہا ہے تم اس معاملے میں پورا سچ نہیں بول رہے ہیں۔''

میں بھی اس کے پیچھے باہر آیا۔ ''سامیرا، کیا تمہارے لئے اس بات کی اہمیت ہے کہ میری زندگی میں کوئی اور عورت ہے یا نہیں؟''

''ہاں، بہت زیادہ۔'' اس نے صفائی سے اعتراف کرلیا۔

''کیوں؟''

''اس کا جواب خود سے مانگو۔'' اس نے کہا اور دوڑتی ہوئی جانوروں کے باڑے کی طرف چلی گئی۔

میں حیران ہوا تھا۔ مجھے اپنے بارے میں کبھی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔ میں نوجوان تھا مگر مجھے خوبرو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میں کھردرے کوہستانی نقوش والا مرد تھا۔ اتنی حسین اور دلکش لڑکی خود میری طرف ملتفت ہوئی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اس کے اتنے قریب آنے والا اور اس کے ساتھ اتنے عرصے تک رہنے والا واحد غیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرد تھا اور وہ فطری طور پر مجھے پسند کرنے لگی تھی۔ جب ایک اجنبی لڑکا، لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ مستقل رہیں تو نہ چاہنے کے باوجود ان کے درمیان ایک تعلق بن جاتا ہے۔ شاید وہی تعلق ہمارے درمیان بن چکا تھا۔ میں اسے پسند کرنے لگا تھا اور وہ مجھے اس حد تک پسند کرنے لگی تھی کہ میرے جانے کے خیال سے اس کے دل پر چوٹ لگتی تھی۔

یہ لوگ دو وقت کھاتے تھے، صبح سورج نکلتے ہی اور شام کو سورج غروب ہوتے ہی۔ میرے حساب سے یہ سات آٹھ بجے سو جاتے تھے اور سورج نکلنے سے گھنٹا بھر پہلے بیدار ہو کر مختلف کاموں میں لگ جاتے تھے مگر میرے لئے چوبیس گھنٹے میں چار بار کھانا مہیا کیا جاتا تھا کیونکہ میں بدستور دوائی کھا رہا تھا اور اسے کھانے سے مجھے شدید بھوک لگتی تھی۔ ان لوگوں نے ابھی تک گوشت نہیں بنایا تھا۔ سامیرا نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا کہ جب سردیاں ہوتی تھیں اور سبزیاں اور پھل ملنا بند ہو جاتے تھے تو جانور کاٹ کر ان کے گوشت پر گزارہ کیا جاتا تھا۔ اس لئے وہ گرمیوں میں گوشت صرف اس وقت کھاتے تھے جب کوئی آرگون سے آنے والا ان کے لئے گوشت لے آتا تھا۔ گرمیوں میں وہ عام طور سے گوشت کے بغیر ہی گزارہ کرتے تھے۔

"سردیوں میں برف پڑتی ہے؟"

"بہت زیادہ..... پوری وادی برف سے ڈھک جاتی ہے۔" سامیرا نے بتایا۔ "ان دنوں ہم گھر میں بند ہو کر رہ جاتے ہیں۔ صرف ضرورت کے لئے باہر نکلتے ہیں۔"

میرا اندازہ تھا کہ جس جگہ ہم تھے وہ سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی کیونکہ یہاں ہوا ہلکی تھی اور موسم بھی گرمیوں کے لحاظ سے خوشگوار تھا۔ یعنی نہ تو گرمی تھی اور نہ سردی، صرف رات کو ہلکی سی خنکی ہو جاتی تھی جس کے لئے چادر لے لینا بھی کافی ہو جاتا تھا۔ اگر یہ وادی شمال میں اور چاروں طرف سے برف پوش پہاڑوں میں نہ گھری ہوتی تو اس کا موسم ویسا ہی ہوتا جیسا کہ جون جولائی میں اسلام آباد کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نومبر سے مارچ تک کے مہینے شدید سردی کے ہونے چاہئے تھے۔ میں شاید دو جولائی کو وادی میں گرا تھا یعنی اب بائیس جولائی کی تاریخ تھی۔ مجھے معلوم تھا، میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اوپر ہمالیہ کے پہاڑوں میں ستمبر سے موسم خراب ہونا شروع ہو جاتا تھا اور پھر ان میں سفر کرنا بے حد دشوار ہو جاتا۔ اچھا موسم اگست کے آخر تک ہی ہوتا تھا۔

میں سامیرا کو پسند کرتا تھا لیکن اس کا جو ردعمل سامنے آیا تھا اس سے مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ اورگان میرا محسن تھا جس نے مجھے شدید زخمی حالت میں پا کر میرا وہ علاج کیا تھا جو آج کی جدید ترین طبی سائنس بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ خدمت اس نے بے لوث اور کسی صلے کی تمنا کے بغیر کی تھی پھر اس نے بیٹی کے معاملے میں مجھ پر بھروسا کیا۔ وہ اسے سارا دن ہی میرے ساتھ اکیلا چھوڑ کر غائب رہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ سامیرا کے لئے میرے دل میں بھی کبھی کوئی غلط خیال نہیں آیا تھا۔ میں اسے پسند کرتا تھا اس کے حصول کا نہیں سوچا تھا۔ اب اگر اورگان کے سامنے ایسی بات آتی تو اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچتی۔ وہ اتنا تو سوچ سکتا تھا کہ میں نے سامیرا کو بہکایا ہے۔

اس لئے اس سے پہلے کہ معاملات خرابی کی طرف جائیں، میرا اس حسین وادی سے چلے جانا بہتر تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اور گان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ شام کو باہر آیا۔ اس روز اتفاق سے دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ وادی میں شاذ و نادر ہی دھوپ نکلتی تھی۔ اس کے باوجود یہاں کا موسم پُرنم نہیں تھا اور نہ ہی پودے اور درخت مرجھائے ہوئے تھے۔ گہرے بادل ہونے کے باوجود وادی میں روشنی ہوتی تھی اور جب دھوپ نکلتی تھی تو اس کی ایک ایک کرن جگمگانے لگتی تھی۔ اوپر جو دھند ہوتی تھی اس کا وادی میں نام و نشان نہیں تھا۔ ''اومرتم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میں واپس جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اپنی دنیا میں، میں ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اب مجھے یہاں سے چلے جانا چاہئے۔''

''وہ کیوں؟'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''اور گان، میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے مگر.....'' میں نے صاف گوئی اور جرأت سے کام لے کر اسے سامیرا کے بارے میں بتا دیا کہ وہ میرے بارے میں کس طرح سے سوچنے لگی ہے۔ ''میں بھی اسے پسند کرتا ہوں مگر ایسے جیسے ایک حسین پھول پسند کیا جاتا ہے۔''

''تم نے درست سوچا ہے۔'' اور گان نے سر ہلایا۔ ''اس کا اور تمہارا ملن ممکن نہیں ہے۔''

''تب میرا جانا بہتر ہے، ویسے بھی میں خود کو بالکل فٹ محسوس کر رہا ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر تم جاؤ گے کیسے؟''

''اوپر جانے کا کوئی راستہ تو ہوگا؟''

''اوپر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ دیواریں ناقابلِ تسخیر ہیں۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے، جب انسان اس وادی میں آئے تو کسی نہ کسی راستے سے ہو کر آئے تھے۔ اب وہ راستہ کہاں ہے؟''

''میں نے سیتور کے مہا پجاری سے سنا ہے کہ ایک راستہ تھا جو دیواروں کے اندر اندر سے ہو کر اوپر جاتا تھا مگر بعد میں آنے والے ایک بھکشو نے اسے تباہ کر دیا۔''

''بھکشو!'' میں نے سوال کیا۔

''وہ جس میں زمین مل جاتی ہے۔'' اس نے وضاحت کی ''بھکشو نے اس راستے کو ختم کر دیا۔ اب اوپر جانے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا ہے۔''

''سنو، میں وادی کے کناروں سے نہیں بلکہ اس کے اندر اترنے والے ایک راستے سے نیچے گرا تھا اور جب میں نیچے گرا تھا تو خاصا نیچے آ چکا تھا۔ مجھے اوپر برف پر پائے جانے والے آدمی نما درندے نے نیچے پھینکا تھا۔''

''تم نے پہلے بھی اس کا ذکر کیا تھا، یہ کیسا ہوتا ہے؟''

''میں نے تفصیل سے اسے برفانی آدمی کا حلیہ بتایا تو وہ چونک گیا۔ میں نے دیکھا تو نہیں مگر بعض لوگوں سے سنا ہے اس قسم کا ایک درندہ سردی میں کہیں سے آ کر جانور اٹھا کر لے جاتا ہے۔ میرا خیال تھا یہ وادی کے جنگل میں چھپا کوئی جانور ہوگا۔''

''نہیں یہ اوپر ہی ہوتا ہے۔ وہ دو دن تک ہمارا تعاقب کرتا رہا تھا کیونکہ ہم نے اس کا شکار چھین لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے اسے زخمی بھی کیا تھا مگر وہ سخت جان تھا۔ اس وادی تک آ گیا۔'' میں نے اورگان کو بتایا کہ کس طرح برفانی آدمی نے ہمارے کیمپ پر حملہ کر کے ہماری خوراک کا ذخیرہ تباہ کر دیا تھا اور میں چھوٹے بندر جیسے جانوروں کا تعاقب کرتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا جب برفانی آدمی نے مجھ پر حملہ کیا اور سخت زخمی ہونے کے باوجود اس نے مجھے وادی میں اچھال دیا تھا۔ اورگان یہ سن کر متاثر ہوا کہ میں نے اسے زخمی کر دیا تھا۔

''تم بہادر آدمی ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ ہارن تک اس سفید درندے سے ڈرتے ہیں۔''

''وہ بندر نما جانور یہاں وادی میں پائے جاتے ہیں، وہ کسی راستے سے ہی اوپر جاتے ہوں گے۔''

''نہیں، وہ تو دیواروں پر بھی چڑھ جاتے ہیں۔''

''پھر تم آدمی نما درندے کو بھول رہے ہو، آخر وہ بھی تو کسی راستے سے نیچے آتا ہوگا۔ مجھے یاد ہے اس نے اسی طرح میرا تعاقب کیا تھا۔ جیسے اس راستے سے اچھی طرح واقف ہو، ممکن ہے وہ راستہ ہو جو نیچے آتا ہے۔''

''اگر ایسا ہوتا تو مہا پجاری سوران کو خبر ہوتی۔''

''مہا پجاری انسان ہے، دیوتا نہیں۔ اس کا علم ناقص ہو سکتا ہے۔'' میں نے اصرار کیا۔ ''ورنہ تم خود سوچو، آدمی سے کئی گنا وزنی ایک درندہ نیچے وادی میں کیسے آتا ہے؟''

''وہ سمت کون سی ہے جہاں سے تم نیچے اترے تھے؟''

میں نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ ''جس طرف سے سورج نکلتا ہے، ہم اس طرف سے اترے تھے اور راستہ آہستہ سے گھوم کر شمال کی طرف جا رہا تھا۔''

''یعنی سینتور کے معبد کی طرف!'' اورگان نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت لمبا راستہ ہے اس لئے عین ممکن ہے اترتے اترتے سینتور کے معبد کی طرف جا نکلتا ہو اور اس کے پجاری اس راستے سے واقف ہوں۔''

''سوران کا کہنا ہے یہ راستہ وادی میں انسانوں کی آمد کے فوراً بعد تباہ ہو گیا تھا۔''

''ممکن ہے یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہو کہ انسان وادی سے باہر جانے کا نہ سوچیں۔''

''مگر کیوں؟''

''اورگان تم کس وجہ سے آرگون سے نکل کر اس ویرانے میں آئے تھے؟''

''میں چاہتا تھا کہ تمام لوگوں کا یکساں طور پر علاج کروں، اس پر آرگون کے حکمران اور سینتور کے پجاری میرے مخالف ہو گئے تھے اور مجھے آرگون سے نکلنا پڑا تھا۔''

''تو کیا یہ لوگ چاہیں گے کہ عام طبقے کو ان کی غلامی سے نکلنے کے لئے ایک راستہ مل جائے۔ اگر ان کو وادی سے جانے کا راستہ مل جائے تو وہ یہاں سے چلے جا سکتے ہیں، آزادی کسے پسند نہیں ہے؟''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا پھر بولا۔ ''سنو اومر، کیا تم مجھے اپنی دنیا کے بارے میں بتاؤ گے؟''

''کیوں نہیں، مگر اس کے لئے بہت سارا وقت درکار ہے۔''

''میں آج رات تم سے تمہاری دنیا کے بارے میں سنوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے اورگان میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو جائے اور اس کے ساتھ سامیرا بھی ہو، ان کو میں اپنے علاقے لے جا سکتا تھا وہ اگرچہ اس وادی جیسا حسین تو نہیں تھا لیکن اس سے کم بھی نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ دنیا کا نقشہ اس کے سامنے اس طرح کھینچوں گا کہ وہ اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جائے گا۔ ابھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے چند افراد آتے دکھائی دیئے۔ انہوں نے بروکیڈ جیسی چمک دار عبائیں پہن رکھی تھیں۔ ان میں سے سب سے آگے موجود آدمی نے ایک لٹکا ہوا جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ جھنڈے کا رنگ سنہری تھا اور اس کے کناروں پر سرخ جھالر لگی تھی۔

''سینتور کے پجاری!'' میں نے اورگان کو کہتے سنا۔ ''یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

اورگان اپنے گھر کے احاطے کے دروازے پر سینہ تان کر کھڑا ہو گیا تھا۔ تینوں افراد اس سے ذرا فاصلے پر رک گئے۔ اورگان اور سامیرا کے بعد یہ اوّلین انسان تھے جو میں نے اس وادی میں نزدیک سے دیکھے تھے، ویسے دور سے میں نے کھیتوں میں کام کرتے لوگوں کو دیکھا۔ ان کا رنگ بھی سرخ و سفید اور بال سرخی مائل بھورے تھے۔

''کیا بات ہے، کیوں آئے تم؟'' میں نے اورگان کو کہتے سنا۔ ''آج سے پہلے تم میں سے کوئی اس طرف نہیں آیا۔''

''ہمیں سوران نے بھیجا ہے۔'' جھنڈے والے نے کہا۔ ''تم خوب پہچانتے ہو، یہ اس کا نشان ہے۔''

''ہاں، میں جانتا ہوں۔ پہلے یہ نشان میرے باپ کے پاس تھا پھر سوران کو منتقل ہو گیا۔ ممکن ہے میں بغاوت نہ کرتا تو یہ نشان آج میرے لئے ہوتا۔''

''مگر یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔'' علم والے نے ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''میں سوران کا نائب آسر ہوں، تم جانتے ہو، اس کے بعد میری حیثیت ہے۔''

''مجھے کسی کی حیثیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اورگان نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''یہ بتاؤ کیوں آئے ہو؟''

''اس شخص کے لئے۔'' آسر نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اسے سوران نے طلب کیا ہے۔''

''کیوں طلب کیا ہے۔''

''سوران سے اس کے کسی حکم پر آرگون کے حکمران بھی جواب طلب نہیں کر سکتے۔'' آسر کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا۔ ''تم.....''

''میں سوران کا بڑا بھائی ہوں۔'' اورگان نے اس کی بات کاٹی۔ ''اس لئے میں اس سے پوچھ سکتا ہوں، یہ شخص میرا مہمان ہے، میں اسے کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔''

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''ان سے پوچھو، ان کو میرے بارے میں کیا پتا ہے۔''

''اورگان، تم سوران کی حکم عدولی کا مطلب سمجھتے ہو؟'' آسر کا لہجہ دھمکی آمیز ہو گیا تھا۔

''میں حکم عدولی نہیں کر رہا ہوں۔'' اورگان کا انداز مفاہمانہ ہو گیا تھا۔ ''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ سوران میرے اس مہمان کو کیوں بلا رہا ہے اور اسے اس کے بارے میں کیا معلوم ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو سوران ہی جانے، میں نے تمہیں اس کا حکم پہنچا دیا ہے۔''

اورگان کچھ دیر چپ رہا اور آسرا سے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اورگان پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن درحقیقت اس سے مرعوب تھا۔ یہ میرے لئے انکشاف تھا کہ اورگان دراصل مہا پجاری سوران کا بڑا بھائی ہے اور اگر وہ بغاوت نہ کرتا تو اپنے باپ کا وارث وہی ہوتا۔ وہ سینتور کا مہا پجاری ہوتا۔ ان کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اس وادی میں مہا پجاری سے زیادہ بااثر اور باعزت شخص اور کوئی نہیں تھا۔

''سنو آسر، میں کوئی جھگڑا نہیں چاہتا ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو آرگون میں میرے حامیوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ میں ابھی اسے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔''

''یعنی تم سوران کا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو؟''

''نہیں، سوران تک میرا پیغام پہنچا دینا۔ کل میں اسے لے کر خود سینتور کے معبد آؤں گا لیکن سوران سے یہ بھی کہہ دینا کہ میں اور میرا مہمان معبد کے اندر نہیں آئیں گے۔''

''میں تمہارا پیغام مہا پجاری کو دے دوں گا لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا کیا ردعمل ہوگا؟''

''اس کے ردعمل کو میں اچھی طرح جانتا ہوں کیونکہ وہ میرا بھائی ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔'' اورگان نے تلخ لہجے میں کہا۔

آسر اپنے ساتھیوں سمیت چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اورگان نے میری طرف دیکھا۔ ''سوران اور وادی کے حکمرانوں کو کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ تم باہر سے آئے ہو۔''

''ان کو کس طرح پتا چلا؟''

''سوران سینتور کا مہا پجاری ہے!''

''اورگان، مجھے معاف کرنا۔ میں ایک خدا کا ماننے والا ہوں جو اس ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ چاند سورج اور ستارے سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ میں کسی دیوتا یا اس کے پجاری کی پُراسرار صلاحیتوں کو نہیں مانتا اور شاید تم بھی نہیں مانتے۔''

''پھر ان لوگوں کو کیسے پتا چلا؟''

''میرا خیال ہے سوران کے آدمی اوپر جانے والے راستے کی نہ صرف نگرانی کرتے ہیں بلکہ خود بھی اوپر جاتے ہیں، ان کو میرے ساتھی یا ان کی لاشیں ملی ہیں ورنہ ہمارا سامان تو دیکھ سکتے تھے جو اوپر بکھرا ہوا ہے اس طرح ان کو میرے بارے میں پتا چلا۔ امکان یہی ہے میرے ساتھی زندہ ان کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور ان سے ان کو میرے بارے میں پتا چلا ہے۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میرا مشورہ ہے یہاں کسی اور کے سامنے، سینتور یا اس کے پجاریوں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار مت کرنا ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''اگر میں سوران یا آرگون کے حکمرانوں سے یہاں سے جانے کو کہوں تو کیا مجھے اجازت مل جائے گی۔''

''نہیں، کسی صورت نہیں۔ کیونکہ یہ وادی کا قانون ہے۔ کوئی یہاں سے باہر نہیں جا سکتا ہے۔'' اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نفی میں سر ہلایا۔

''شاید اس وجہ سے تم کسی راستے کی موجودگی سے انکار کر رہے تھے۔'' میں نے کہا۔

''تم بہت چالاک آدمی ہو۔'' اس نے شکست خوردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اچھا فرض کرو، اگر تم سے مطالبہ کیا جائے کہ مجھے حوالے کر دو تو تم کر دو گے؟''

''اتنے زیادہ خدشات کے ساتھ مت سوچو۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا اور اندر چلا گیا۔

گھر کے برآمدے میں سامیرا کھڑی تھی۔ باپ کے آتے ہی وہ آ گئی تھی۔ ''آسر کیوں آیا تھا؟''

میں چونکا۔ ''تم اسے جانتی ہو؟''

''اچھی طرح، کئی بار مجھے اکیلے میں ملا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ میں اس کی عورت بن جاؤں۔ یہ بات بابا کے علم میں نہیں ہے۔''

''اچھا، اور گان سمجھ رہا تھا کہ آسر پہلی بار یہاں آیا ہے۔''

''ذلیل شخص ہے۔'' سامیرا نفرت سے بولی۔ ''نہ جانے کیوں سوران نے اسے اپنا نائب بنایا۔''

میں نے کہنے سے گریز کیا کہ صاحب اقتدار شخص اپنے اردگرد ہمیشہ اپنی فطرت کے لوگ جمع کرتا ہے۔ اگر آسر ذلیل شخص ہے تو سوران اس سے بھی زیادہ ذلیل ثابت ہوگا۔ سوران بہرحال اس کا چاچا تھا اور میں یہ بات اس کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے اسے آسر اور اورگان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنائی، وہ فکرمند دکھائی دینے لگی۔ ''یہ اچھا نہیں ہوا، سوران کو تمہارے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

میں نے اس بارے میں اپنا خیال بیان کیا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''یہی ہوا ہوگا ورنہ میں جانتی ہوں سوران اور اس کے ساتھی ڈھونگ رچاتے ہیں ان کو جادوگری نہیں آتی ہے۔''

''اگر ان کو جادوگری نہیں آتی ہے تو انہوں نے لوگوں کو کیسے بے وقوف بنا رکھا ہے۔''

''سچ کہو تمہاری دنیا میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔''

''ہوتا ہے اور ہمارے ہاں اس کو سیاست کہتے ہیں۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''چالیس کروڑ ہندوستانیوں پر چار لاکھ سے بھی کم انگریز اسی طرح سو سال سے زیادہ حکومت کرتے رہے کہ کسی کو ان کے اقتدار کے خلاف دم مارنے کی مجال نہ ہوئی۔ اگر دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں کا کس بل نہ نکلتا تو وہ اتنی آسانی سے یہاں سے جانے پر آمادہ نہ ہوتے۔''

''سیاست کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''اپنا مفاد نکالنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرو۔''

''بابا نے مجھے بتایا ہے، اوپر والوں نے کس طرح نچلے طبقے کو اپنا غلام بنایا ہے۔ انہوں نے اپنی عظمت کا چکر چلایا اور نیچے والوں سے کہا، وہ کمتر ہیں اس لئے محکوم بن کر رہیں۔''

''ایسا ہی ہمارے ہاں بھی ہوتا ہے۔''

''یعنی تمہاری دنیا میں بھی طبقے ہیں؟''

''بے شمار، اگر کبھی تمہیں میری دنیا دیکھنے کا موقع ملا تو تم حیران رہ جاؤ گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامیرا بڑے اشتیاق سے مجھ سے اس دنیا کے بارے میں سوالات کرنے لگی، میں جس حد تک اسے سمجھا سکتا تھا، اسے بتاتا رہا۔ پھر سورج غروب ہونے کے بعد رات ہونے لگی، ہم اندر آ گئے۔ روشنی کے لئے یہ لوگ جانوروں کی چربی استعمال کرتے تھے۔ بعض اقسام کے نباتاتی تیل ملا کر اورگان نے چربی کی مدد سے ایسے لیمپ بنا لئے تھے جو گھنٹوں جل سکتے تھے۔ یہ تو بدبو دیتے تھے اور نہ ہی دھواں۔ ان کی تیز روشنی ہر جگہ یکساں طور پر پہنچتی تھی۔ سامیرا نے کھانا بنایا تھا جو ہم نے اندھیرا ہوتے ہی کھا لیا تھا۔ یہ لوگ چائے کافی کے نام سے بھی نا آشنا تھے اور نہ ہی ان میں مشروبات کا استعمال تھا۔ یہ صرف دودھ اور پانی پیتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے بعد اورگان نے سامیرا سے کہا کہ وہ چوئے بنا کر لائے۔

"چوئے..... یہ کیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ خاص بوٹی ہے۔ اسے پانی میں ڈال کر ابالو تو رنگ اور ذائقہ آ جاتا ہے۔ اس میں شہد ملا کر پیو تو بہت مزہ دیتی ہے۔ مگر ہم اسے صرف خاص موقعوں پر استعمال کرتے ہیں۔ جب کسی وجہ سے جی گھبرا جائے تو اسے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ویسے بھی نایاب بوٹی ہے۔"

"ایسی ایک شے ہم بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نام بھی چوئے سے ملتا جلتا ہے ہم اسے چائے کہتے ہیں۔ مجھے بوٹی دکھاؤ۔"

سامیرا ایک لکڑی کے مرتبان میں رکھی تھوڑی سی چائے کی پتیاں لے آئی، یہ بلاشبہ چائے تھی۔ "ہمارے ہاں اسے ہی چائے کہتے ہیں۔"

"کتنی حیرت کی بات ہے۔" اورگان دنگ رہ گیا تھا۔ "کیا تمہارے ہاں یہ نایاب ہے؟"

"نہیں، ہمارے ہاں تو اتنی عام ہے کہ غریب ترین فرد بھی دن میں کئی بار چائے پیتا ہے۔"

"واقعی، کتنی تعجب خیز بات تھی کہ اس الگ تھلگ وادی میں اسے چائے سے ملتا جلتا نام دیا گیا تھا۔ اورگان نے حیرت بتایا کہ اس وادی میں چوئے کی بوٹی اتنی نایاب ہے کہ صرف اور بڑی حیثیت سے استعمال کرتا ہے اور وہ بھی کبھی کبھی۔ ہم اورگان کی تجربہ گاہ میں آئے۔ یہاں بے شمار آلات لگے تھے۔ یہ سب کچی مٹی کی لکڑی کے تھے۔ ان ہی دو چیزوں سے بنے مرتبانوں میں مختلف چیزیں رکھی تھیں، میں پہلی بار یہاں آیا تھا۔ ایک مٹی کے بڑے سے توے پر سیاہ رنگ کا پتھر رکھا تھا، پہلی نظر میں یہ کوئلہ لگ رہا تھا۔ توے کے نیچے انگیٹھی میں انگارے دہک رہے تھے اور کوئلے سے ہلکی ہی خوشبو اٹھ رہی تھی۔

"تمہاری اتنی جلدی صحت یابی کا راز یہ پتھر ہے۔" اورگان نے مجھ سے کہا۔ "میں اسے جڑی بوٹیوں کے ساتھ ملا کر دوا میں ملاتا ہوں۔"

"یہ سچ مچ کا پتھر ہے؟"

"ہاں، مگر جب میں اسے توے پر اس طرح گرم کرتا ہوں تو یہ بہت آسانی سے سفوف میں بدل جاتا ہے اور اسے میں دواؤں میں شامل کرتا ہوں۔"

"یہ کہاں سے ملتا ہے؟"

"وادی کے جنوبی نالوں میں پایا جاتا ہے۔ میں اسے وہاں سے لاتا ہوں لیکن اس کی ان خصوصیات کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔"

"پھر تم نے مجھے کیوں بتایا؟"

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ "مجھے تم پر اعتماد ہے، تم کبھی میرا راز فاش نہیں کرو گے۔"

"اس اعتماد کی وجہ؟"

"سامیرا!" اس نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں میری بیٹی بے انتہا حسین ہے اور وہ کسی کی طرف متوجہ ہو تو اس کے لئے ممکن نہیں ہے اسے رد کر دے۔ مگر تم نے میرا اعتماد رکھا۔" وہ ایک چوکی پر بیٹھ گیا۔ "آؤ، تم بھی آ جاؤ نوجوان!"

چوکی پر غالیچہ بچھا تھا اور گاؤ تکیے لگے تھے۔ اورگان مجھ سے میری دنیا کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ دیکھا جائے تو میں بھی اس کی طرح ایک دور دراز پہاڑی علاقے کا رہنے والا تھا مگر میرا علاقہ باقی دنیا سے جڑا ہوا تھا اور اس کی وادی باقی دنیا سے کٹی ہوئی تھی اس لئے وہ مکمل طور پر بے خبر تھا۔ میں نے اسے بتانا شروع کیا۔ اس دوران میں سامیرا چوغے لے آئی اور اس نے بھی میری داستان سننے پر اصرار کیا تھا۔ اورگان نے اسے اجازت دے دی اور وہ باپ سے جڑ کر بیٹھ گئی۔ میں نے کوشش کی کہ اختصار سے کام لوں مگر یہ ممکن نہیں رہا۔ سوال سے جواب اور ان سے مزید سوالات نکلتے رہے۔ رات کا بڑا حصہ اس میں گزر گیا اور جب ہم سونے کے لئے اٹھے تو اورگان اور سامیرا کی آنکھوں میں حیرت تھی، ایسی حیرت جو ایک ناقابلِ یقین قسم کا خواب دیکھ کر جاگنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے۔ اسے اپنی آنکھ کھل جانے کا بھی یقین نہیں آ رہا ہوتا ہے۔

"اومر، اب تم سو جاؤ۔ ہمیں روشنی ہوتے ہی روانہ ہونا ہے۔"

☆═══☆═══☆

ہم نے روشنی ہوتے ہی سفر کا آغاز کر دیا کیونکہ ہم دوپہر تک ہی سیتور کے معبد تک پہنچ سکتے تھے۔ سامیرا نے لکڑی کے تختوں سے بنی ٹوکری میں ہمارے لئے کھانا دیا تھا۔ میں نے اورگان سے پوچھا۔ "اگر سوران نے مجھے روک لیا تو؟"

"ایسا ہوگا نہیں۔ وہ مجھ سے الجھنے سے گریز کرے گا۔ اسے معلوم ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

اورگان کے لہجے میں اعتماد تھا مگر مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی پُر اعتماد ہے۔ میں سوران سے ملا نہیں تھا مگر اس کے نائب آسر کا انداز دیکھ کر مجھے بخوبی اس کی شخصیت کا پتا چل گیا تھا۔ میں اس پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اورگان نے چلتے ہوئے تیر کمان اور دو عدد لاٹھیاں لی تھیں جن کے سروں پر فولاد کی بنی انیاں تھیں اور ان انیوں پر کانٹے لگے تھے۔ اس نے ایک لاٹھی مجھے دے دی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاش میرے پاس پستول ہوتا مگر وہ تو برفانی آدمی سے لڑائی کے دوران اوپر ہی گر گیا تھا۔ اورگان نے مجھے بتایا۔ "راستے میں خطرناک جانوروں سے سامنا ہو سکتا ہے۔"

میں نے لاٹھی لی، یہ مضبوط لکڑی تھی۔ اور کسی بھی جانور کے خلاف مؤثر ہتھیار ثابت ہو سکتی تھی مگر اس وادی میں نہ جانے کس قسم کے جانور تھے۔ میں اب تک برفانی آدمی کو دیکھ چکا تھا، اس پر انسٹنکٹس اسلحہ بھی بے اثر تھا۔ ایک گھوڑے نما آدمی ہارن بھی یہاں پایا جاتا تھا اور انسانوں کا سخت دشمن تھا۔ اورگان کے پاس کمان اور تیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی تھے۔ ہم قلعے کے قریب سے گزرتے ہوئے شمال کی طرف جا رہے تھے۔ کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے والے لوگ قلعے سے باہر آ رہے تھے، ان کے ساتھ مسلح سپاہی تھے جو غالباً درندوں اور خاص طور سے ہارن سے کسانوں کی حفاظت کے لئے آئے تھے۔ لوگوں نے ہمیں دیکھا تھا لیکن نہ تو کسی نے ہمارا راستہ روکا اور نہ ہی کسی نے ہمارے پاس آنے کی کوشش کی، جب ہم قلعے کے پاس سے گزر کر اس کے عقب میں واقع جنگل تک آئے تب میں نے دیکھا، وادی کا اصل حصہ تو اس جگہ سے شروع ہو رہا تھا، دور تک بلکہ شمالی دیواروں تک پھیلا گھنا جنگل تھا۔ قلعے کے عقب میں کسی قدر شمال مشرق کی طرف ایک اونچے مقام پر سیتور کا معبد تھا جو جنگل سے ابھرتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس تک جانے کے لئے بظاہر کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہاں چیڑ اور دیودار جیسے دیو قامت درخت تھے، ان کے علاوہ چھوٹے قد کے جھاڑی نما درخت تھے۔

"ہم سارے گرما ان کی لکڑی جمع کرتے ہیں۔" اورگان نے جھاڑی نما درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ "سردیوں میں انہیں جلا کر اپنے گھر گرم کرتے ہیں۔"

"اور یہ بڑے درخت؟"

"ان کو ہم صرف گھر اور گھر کا سامان بنانے کے لئے کاٹتے ہیں۔ جتنے درخت کاٹے جاتے ہیں اس سے زیادہ تعداد میں لگائے جاتے ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ وادی کا کوئی حصہ خالی نہ رہے۔"

"اس وجہ سے تمہاری وادی بچی ہوئی ہے۔"

"یہی درخت ہمیں اوپر کے سخت موسموں سے بچاتے ہیں۔ بارش اور زرخیزی بھی ان کی وجہ سے ہوتی ہے۔"

"حیرت ہے یہی بات ہماری دنیا کے سائنس دان کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے زمین کی زرخیزی اور بارشیں درختوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔"

"یہ بات ہمارے بزرگوں نے بھی جان لی تھی اس لئے ہماری کوشش ہوتی ہے وادی کا کوئی حصہ ان درختوں سے خالی نہ رہے۔"

ان لوگوں کی یہ کوشش کامیاب بھی تھی کیونکہ سوائے قلعے اور اس کے آس پاس کی زرعی زمین کے علاوہ وادی کا شاید ہی کوئی حصہ تھا جو درختوں سے خالی تھا۔ اورگان کو معلوم تھا کہ سیتور کے معبد تک کون سے راستے جاتے ہیں۔ اس نے لاٹھی ہاتھ میں لے لی اور مجھ سے ہوشیار رہنے کو کہا۔ "یہاں خطرہ کسی طرف سے بھی آ سکتا ہے۔ جنگل میں کئی خطرناک جانور ہیں۔"

"یہاں شیر، چیتے پائے جاتے ہیں؟"

"شیر..... چیتے..... یہ کیا ہوتے ہیں۔"

میں نے وضاحت کی کہ شیر اور چیتے کس قسم کے جانور ہوتے ہیں، اس نے سن کر نفی میں سر ہلایا۔ "یہاں ایسے جانور نہیں ہوتے ہیں، یہاں پر گونز اور اسمار ہوتے ہیں۔"

اس نے گونز اور اسمار کی جو تشریح کی اس کے مطابق گونز گوریلا جیسا جانور تھا جبکہ اسمار شاید بڑی نسل کے جانور تھے۔ ان کے علاوہ ہارن تھے مگر وہ مغرب جنگل میں رہا کرتے تھے اور وہاں سے شاذ ہی باہر آتے تھے۔ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس راستے سے جا رہے تھے، یہ پگڈنڈی سے بڑا نہیں تھا اور مجھے حیرت تھی کہ کیا سینتور کے معبد کی طرف سے آنا جانا نہیں ہوتا تھا جو اتنے راستے ٹوٹے ہوتے۔

"سینتور کے معبد میں کتنے لوگ رہتے ہیں۔"

"وہاں بہت سارے لوگ ہیں۔" اس نے کہا۔

"تو کیا ان کا قلعے سے رابطہ نہیں ہے۔"

"رابطہ ہوتا ہے۔"

"تب راستہ کیوں نہیں ہے؟"

"راستہ ہے۔ ایک سرنگ معبد سے قلعے تک جاتی ہے۔ اس کے ذریعے لوگ اور پجاری بے خوف معبد تک آتے جاتے ہیں لیکن ظاہر ہے ہمیں اس راستے سے گزرنے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی لکڑیاں توڑ رہا ہو۔ اور گاڑی رک گیا۔ اس نے لاٹھی سامنے کی اور سرگوشی کی۔ "ہوشیار، پاس ہی کوئی گونر ہے۔"

"یہ آواز کیسی ہے؟" میں نے بھی سرگوشی میں پوچھا۔

"جب وہ حرکت کرتا ہے تو ایسی ہی آوازیں آتی ہیں۔" اس نے کہا۔

اسی لمحے کچھ فاصلے پر ایک بھورے رنگ کا جانور جھاڑیوں سے نکلا۔ اس کا قد تو بڑے گورلے جیسا تھا مگر رنگ سرخی مائل تھا، گول سر جو بالوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ چیخنے جیسی آواز نکالتے ہوئے اتنی مشکل سے حرکت کر رہا تھا جیسے اس کے لئے حرکت کرنا عذاب ہو۔

"یہ تو سست جانور ہے۔"

"مشکل ہے اس کی حرکت سے دھوکے میں مت آنا، اس نے ہمیں دیکھ لیا تو بجلی کی طرح لپکے گا۔"

جب تک وہ اپنی ہڈیاں چٹخاتا اس علاقے سے گزرتا رہا، ہم اپنی جگہ دبکے رہے تھے۔ اس کے جانے کے بعد ہم دوبارہ سفر کرنے لگے تھے۔ راستے میں اور بھی جانور نظر آ رہے تھے۔ پرندے اور بے شمار اقسام کے رینگنے والے جانور تھے۔ ان میں سے اکثر میں نے پہلی بار دیکھے تھے۔ ایک بکری جو جسم میں فٹ بال کے برابر تھی اور اس کی دس ٹانگیں تھیں اس نے میرے سامنے بے حد پھرتی سے ایک چھوٹی چڑیا کو شکار کر لیا اور اسے لے کر درخت پر چڑھ گئی۔ "اس سے بچنا، یہ جسے کاٹ لے وہ بچتا نہیں ہے۔"

"یہ زہریلی ہوتی ہے۔" میں نے پوچھا مگر وہ لفظ زہر نہیں سمجھ سکا تھا۔

"اس سے بچو۔" اس نے پھر خبردار کیا۔

جنگل میں بعض کھلے حصے بھی آتے تھے جہاں سے گزرتے ہوئے آسمان..... بلکہ وادی پر چھائے بادل دکھائی دیتے تھے۔ نہ اکثر مقامات پر جنگل اتنا گھنا تھا کہ اس سے اوپر کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اتنے سکون اور اطمینان سے جا رہا تھا جیسے اسے راستہ ازبر ہو کیونکہ اب اہرام نما معبد بھی دکھائی نہیں رہا تھا۔ "تم آخری بار کب یہاں آئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"بیس برس پہلے۔" اس نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اور تم کو راستہ یاد ہے؟"

اس نے رک کر مجھے دیکھا۔ "اس میں بھولنے والی کون سی بات ہے۔ سینٹورکا معبد پہاڑی وادی سے دکھائی دیتا ہے۔ جب ہم کسی کھلی جگہ ہوتے ہیں تو میں اس کی جھلک دیکھ لیتا ہوں۔"

ہمیں چلتے ہوئے کوئی تین گھنٹے ہونے کو آئے اور ابھی تک معبد نہیں آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا ہم نے کوئی بارہ تیرہ میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ "ابھی اور کتنا چلنا ہوگا؟"

"اتنا ہی اور۔" اورگان نے بتایا۔ "اگر تم تھک گئے ہو تو ہم رک جاتے ہیں۔"

لیکن مجھے تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اگر میں کہیں اور اتنا چلتا تو میں لازماً تھکن محسوس کرتا۔ میرے مطالعے میں تین چار میل چلنا عام سی بات تھی اس لئے بھی میں چلنے کا عادی تھا اس کے باوجود تھکن نہ ہونا تعجب خیز تھا۔ شاید اس وادی کی آب و ہوا اور غذاؤں کا اثر تھا یا ان دواؤں کا جو میں استعمال کر رہا تھا۔ میں خود کو کچھ مضمحل محسوس کر رہا تھا۔ "نہیں، تھکن بالکل نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے دواؤں نے تمہیں مضبوط بنا دیا ہے۔"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے بتایا۔ "ورنہ عام حالات میں اتنا چل کر میں لازمی تھک جاتا۔"

میں نے جلد گنوز کے بعد اسمار کو بھی دیکھ لیا۔ یہ بھیڑیے سے دوگنی قامت کا جانور تھا اور تین جانوروں نے مل کر ایک گینڈا مارا تھا اور اب اسے کھا رہے تھے اس لئے ہم آرام سے ان کے پاس سے گزر گئے۔ دور نکل جانے کے بعد اورگان نے بتایا۔ "ان کی تعداد کم ہے مگر بے حد خونخوار جانور ہے۔ تین چار مل کر ایک بارن کو بھی گرا لیتے ہیں، ان کی وجہ سے بارن سینٹور کے معبد کی طرف آنے سے گریز کرتے ہیں۔"

"یہ جانور معبد پر حملہ نہیں کر سکتے؟"

"نہیں..... کیونکہ معبد کے گرد ایک مضبوط اور اونچی چار دیواری ہے جسے اسمار عبور نہیں کر سکتے اور نہ ہی بارن اسے توڑ سکتے ہیں۔"

اب جا بجا چند سے دکھائی دے رہے تھے، ان کے گروہ جنگل میں چرتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے کئی ہرنوں، بیل گائے اور بارہ سنگھے جیسے تھے۔ ایک جانور خاصا لمبا تھا، یہ کوئی بیس بائیس فٹ اونچا تھا۔ شاید یہ یہاں کا زرافہ تھا۔ بادل بدستور موجود تھے مگر روشنی سے اندازہ ہوتا تھا کہ سورج سر پر آ گیا ہے۔ اس وقت مجھے پہلی بار قریب سے سینٹور کے اہرامنما معبد کی پہلی جھلک دکھائی دی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اب اہرامنما معبد ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ "ہم پہنچنے والے ہیں۔"

"کیا ہم چار دیواری کے باہر رکیں گے؟"

"نہیں، ہم چار دیواری کے اندر..... معبد کی سیڑھیوں پر سردان سے ملاقات کریں گے۔" اس نے جواب دیا۔ اہرامنما معبد اب نمایاں ہونے لگا تھا۔ درختوں سے نکلتا سرسبز مینار ان کے پار ایک مکمل سے مکمل تین فٹ اونچی پتھروں سے بنی چار دیواری دکھائی دی۔ اس کے اندر اہرام تھا۔ میں اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا۔ میں نے مصر کے اہراموں کی تصویریں دیکھی تھیں، مجھے صحیح حقوں میں ان کی عظمت کا اندازہ تھا مگر سینٹور کا یہ معبد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلاشبہ ایک عالی شان عمارت تھی جو چاروں طرف سے یکساں طور پر بلند ہو رہی تھی اور میرے اندازے کے مطابق یہ اہرام کم سے کم پانچ سو فٹ اونچا تھا۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ مصر میں پایا جانے والا سب سے اونچا اہرام جو فوتو کے اہرام کے نام سے مشہور ہے وہ بھی ساڑھے چار سو فٹ بلند ہے۔ یعنی یہ اس سے بھی پچاس فٹ اونچا تھا۔ اس پر سنہری رنگ کیا گیا تھا اور اس کی بلندی پر ایک گول گرز نما کلس لگا تھا جو اپنی چمک دمک سے دمکتا لگ رہا تھا، ممکن ہے سونے کا ہو۔ ہم میدان پار کر کے چار دیواری کے بڑے سے دروازے کی طرف بڑھے۔ سامنے سے یہ دیوار کم سے کم نصف میل لمبی تھی اور امکان تھا کہ اس چوکور قلعے کی باقی تین دیواریں بھی اتنی ہی لمبی ہوں گی۔ یہ بھی اچھا خاصا قلعہ تھا۔ دروازے کے دائیں بائیں اور دیوار کے کونوں پر برجیاں بنی تھیں، ان پر موجود افراد نے ہمیں دیکھ لیا تھا کیونکہ قرنے پھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''ان کو پتا چل گیا ہے، اب سوران کو بتایا جا رہا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس میں ایک خاص آواز ہے جو صرف مہا پجاری کو کسی کی آمد سے باخبر کرنے کے لئے ہوتی ہے۔''

ہم دروازے کے سامنے پہنچے اور اس کے کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ مگر کوئی نصف گھنٹا گزرنے کے بعد بھی دروازہ نہیں کھلا تو اورگان نے بلند آواز سے کہا۔ ''مجھے اور میرے مہمان کو یہاں بلایا گیا تھا۔ اگر ہم سے نہیں ملنا تو ہم واپس چلے جاتے ہیں۔''

ان الفاظ کا فوری ردِعمل ہوا اور گیٹ میں ذیلی دروازہ کھل گیا تھا اور اس سے آسر باہر آیا۔ اس نے مکارانہ انداز میں کہا۔ ''محترم اورگان، معذرت چاہتا ہوں، ذرا دیر ہو گئی ہے۔''

''کیا میں اس دروازے سے اندر جاؤں گا۔'' اورگان نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا۔ ''کیا تمہیں معلوم نہیں ہے، پجاری خاندان کے لوگوں کے لئے ہمیشہ بڑا دروازہ کھولا جاتا ہے۔''

''معافی چاہتا ہوں، مگر یہ سوران کا حکم ہے، تم اس دروازے سے اندر آؤ گے۔''

''اس صورت میں بہتر ہے سوران خود یہاں آئے۔'' اورگان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ میں اپنے مہمان کے ساتھ واپس چلا جاتا ہوں۔''

''کیا واقعی تم جا سکو گے؟'' آسر کا لہجہ مضحکہ اڑانے والا ہو گیا تھا۔

اس دوران میں، میں نے محسوس کیا کہ ہمارے عقب میں کوئی حرکت ہو رہی ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو پندرہ کے قریب مسلح افراد ہمیں پیچھے سے گھیر چکے تھے اور ان کے عزائم ان کی صورتوں پر لکھے تھے۔ میں نے اورگان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اپنے عقب میں دیکھو دوست!''

اس نے مڑ کر دیکھا اور غصے سے بولا۔ ''یہ سوران اچھا نہیں کر رہا ہے۔''

''کیا خیال ہے، اب اندر چلیں؟'' آسر نے چھوٹے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اورگان! ان سے مت الجھو، اندر چلو۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

وہ کچھ دیر ساکت کھڑا رہا پھر اس نے دروازے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ آسر اور دوسرے لوگ ہمارے پیچھے آ رہے تھے۔ ہم گیٹ سے اندر آئے تو سامنے معبد کی سیڑھیوں تک ایک کشادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پتھریلا راستہ جا رہا تھا۔ معبد کے چاروں طرف بے حد حسین اور سرسبز باغ تھے۔ یہاں انوکھی قسم کے حسین اور دلکش رنگوں والے پھول کھلے ہوئے تھے جن کی خوشبو سے پوری فضا مہک رہی تھی۔ ہم اس کشادہ راستے سے سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ اہرام نما معبد کے سامنے والے حصے میں کوئی درجن بھر سیڑھیاں تھیں۔ ان کے بعد ایک وسیع چبوترا تھا اور پھر اہرام کی اصل عمارت تھی۔ یہ عمارت مکمل مربع تھی یعنی اس کا ہر ضلع پانچ سو فٹ کا تھا۔ یعنی کم و بیش ڈھائی لاکھ مربع فٹ پر پھیلی تھی اور اس کے اندر کی گنجائش دس لاکھ مکعب فٹ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ بے حد شاندار تعمیر تھی۔ اسے پتھروں سے بنایا گیا تھا کیونکہ اہرام کا بے پناہ بوجھ عام بلاک یا مٹی کے بنے بلاک برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ مصری اہراموں کی تعمیر کے لئے بھی دنیا کے سخت ترین پتھر استعمال کئے گئے تھے۔

ہم سیڑھیوں کے نیچے رک گئے۔ میرا خیال تھا کہ سوران ہمیں مزید انتظار کرائے گا۔ شاید وہ اپنے بھائی کی بے عزتی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ مگر وہ دو منٹ بعد ہی اوپر نمودار ہوا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کیونکہ اس کی صورت حیرت انگیز طور پر اورگان سے مشابہ تھی۔ مگر اورگان کے نرم تاثرات کے مقابلے میں اس کے چہرے پر خشونت بھرے تاثرات تھے اور وہ کڑی نظروں سے اپنے بڑے بھائی کو گھور رہا تھا۔ اورگان چپ رہا تو اس نے کہا۔ "اورگان! تم نے اپنی بغاوت کو جاری رکھا ہے۔"

"میں نے کوئی بغاوت نہیں کی ہے۔"

"تم نے عام طبقے کے انسانوں کے علاج پر اصرار کیا۔ کیا یہ بغاوت نہیں تھی؟"

"میرے نزدیک بیمار صرف بیمار ہوتا ہے۔ اس کا ادنیٰ اور اعلیٰ طبقے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔"

"پھر تم نے اسے اپنے پاس رکھا، حالانکہ یہ باہر سے آیا ہے۔"

"یہ مجھے زخمی ملا تھا اس لئے میں نے اس کا بھی علاج کیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔"

"تم بعد میں جان گئے تھے؟"

"ہاں، بعد میں اس نے خود بتایا تھا کہ یہ باہر آیا ہے۔"

"اور تم نے آرگون کے حکمرانوں کو اس کی اطلاع نہیں دی؟"

"میں ان کو کیوں اطلاع دیتا اور یہ بھی جان بوجھ کر نہیں آیا تھا۔ حادثاتی طور پر اوپر سے گر گیا تھا۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو۔ یہ اور اس کے دو ساتھی وادی میں اترنے کے لئے آئے تھے۔"

"اگر آئے تھے تب بھی اس سے ہمیں کیا نقصان ہے۔"

"تم شاید بھول رہے ہو، یہاں کا رواج ہے، کوئی باہر سے نہیں آ سکتا ہے اور اگر آ جائے تو جا نہیں سکتا۔ یہ باہر سے آئے ہیں۔" اس نے انگلی سے میری طرف اشارہ کیا۔

"محترم سوران! کیا تم مجھے بات کرنے کی اجازت دو گے؟"

سوران میرے منہ سے اپنی زبان سن کر حیران ہوا تھا، اس نے غضب ناک انداز میں اورگان کی طرف دیکھا۔ "تم نے اسے ہماری زبان بھی سکھا دی؟"

"ہاں، اس میں کیا برائی ہے؟" اورگان بے پروائی سے بولا۔

"مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔" میں نے پھر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں، تم مجھ سے بات کر سکتے ہو۔" سردار نے مجھے اجازت دی۔

"کیا میرے ساتھی تم لوگوں کو ملے ہیں۔"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں، سب دولوں ہمارے پاس ہیں۔"

"ان میں جو لمبا اور سرخ بالوں والا ہے وہ ہی اس کام کا ذمے دار ہے۔ تمہیں یاد ہوگا پچھلے گرما میں یہاں پر ایک اڑنے والی چیز دیکھی گئی تھی۔"

"ہاں، بے شمار لوگوں نے اسے دیکھا تھا۔"

"اسے ہم طیارہ کہتے ہیں اور یہ طیارہ یہی شخص اڑا رہا تھا اور اس کا نام ولیم شاہ ہے۔ ہم حادثاتی طور پر وادی میں آ گئے تھے۔ ولیم شاہ نے وادی دیکھ لینے کے بعد اس کے متعلق یہ طے کیا اور وہی ہمیں لے کر آیا ہے۔"

"تم لوگوں کے آنے کا مقصد؟"

"یہ بھی ولیم شاہ ہی جانتا ہے۔"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔ اس کا کہنا ہے تم ہی اسے اور اس کے ساتھی کو لے کر آئے ہو۔"

"وہ غلط کہتا ہے۔" میں نے کہا مگر سردار کے تیور بتا رہے تھے کہ اسے میری بات پر قطعی اعتبار نہیں آیا ہے۔

"اسے پکڑ لو۔" سردار نے سپاہیوں کو حکم دیا اور وہ افراد نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا۔

"سردار، یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔ اور میرا مہمان ہے۔"

"یہ وادی میں ناجائز آنے والا مجرم ہے اور اس کا فیصلہ میں کروں گا جب تک یہ معبد میں قید رہے گا۔"

سپاہی مجھے سردار کے اشارے پر کھینچ کر اندر لے جانے لگے۔ عقب میں اور لوگوں کے چیخنے کی بلند ہونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مجھے دائیں طرف لے جایا گیا جہاں ایک بڑے دالان کے آخر میں ابراہیم کے نیچے جانے کا راستہ تھا۔ اندر تاریکی اور خنکی تھی۔ انہوں نے مجھے ایک حجرے اور نیچے اتارا۔ جہاں اتنی تاریکی تھی کہ وہاں مشعلیں جل رہی تھیں۔ مجھے ایک کوٹھری میں دھکیل دیا گیا۔ جس کے سامنے والے حصے میں لکڑی کا مضبوط دروازہ تھا۔ اس جگہ ایسی بے شمار کوٹھریاں تھیں۔ ان میں ظاہر ہے قیدی رکھے جاتے تھے۔

یہ خنکی سے دس یا گیارہ ساحت فٹ کی کوٹھری تھی اس کے فرش پر گھاس بچھی تھی اور وہاں کسی جانور کی بو آ رہی تھی جیسی کہ عموماً بیت الخلا سے آتی ہے۔ یہ سوچ کر مجھے حوال آنے لگا کہ مجھے اس جگہ قید کر دیا ہے جہاں قیدیوں کو حاجت کے لئے بھی باہر جانے کی اجازت نہیں تھی اور ان کا تعفن ہی نظر بند ہوتا تھا۔ اندر تقریباً تاریکی تھی اور میں یہ سوچ کر گھاس پر بیٹھنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ اس میں نہ جانے کس جگہ کون ہی گندگی ہو۔ مجھے خیال آیا۔ ولیم اور ایلن بھی اسی جگہ قید ہوں گے۔

"ولیم..... ایلن۔" میں نے دروازے کے خلا سے چلا کر آواز دی۔ جب کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے حریفانہ آواز سے پکارا۔ تیسری بار پکارنے پر ایک نقاہت بھری آواز نے دور سے جواب دیا۔

"جیسن، ہو۔"

"مجھے یہاں سے نکالو۔" میں نے شور کیا تو پہرے دار سامنے آیا۔ اس نے کھڑکی دار دروازے پر سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جیسے کہ کھانا اور پانی بند کر دیا جائے گا۔"

"تم بے شک مجھے کھانا پانی مت دو مگر اس کوٹھری سے نکالو..... ورنہ میں بدبو سے مر جاؤں گا۔"

"اتنی جلدی نہیں مرو گے۔" وہ ہنسا۔

"حضور میں بھی پجاری کا تیری ہوں۔ میرے ساتھ اس سلوک پر تم سے جواب طلب کیا جائے گا۔"

یہ بات اس کے دل کو لگی تھی۔ وہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک اور پجاری کے ساتھ آیا۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور مجھے نکال کر ایک اور کوٹھری میں منتقل کر دیا جہاں صاف ستھری لگا اس کی سجی تھی۔ وہاں روشنی تھی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ جب وہ دروازہ بند کر کے جانے لگا تو میں نے اسے روک لیا۔ "میرے وہ ساتھی اور کہاں گئے ہیں۔ کیا وہ بھی یہاں ہیں؟"

"مجھے نہیں پتا۔" اس نے انکار کیا اور چلا گیا۔

میں گہرائی پر دراز ہو گیا۔ صورت حال میرے لئے خطرناک ہو گئی تھی۔ بقول سوران کے اس وادی میں آنے والے اگر واپس نہ جا سکیں تو ان کی ایجازت نہیں تھی۔ تاوان کا کیا کیا جا سکتا تھا۔ آسان کام یہ تھا کہ ہم تینوں کو اس رحم میں سرائے سمیت دے دی جاتی اور مشکل کام یہ ہوتا کہ ہمیں واپس بھیج دیا جاتا۔ مگر یہ بات دونوں ہی پانے والی بات تھی۔ امکان یہی تھا کہ جلد ہی خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اور لگان کو اس کی خبر بھی نہیں ہو گی۔ ان کے معمر دوں کے اگر وہ اتنے ماہر نہیں ہو سکتے تھے کہ پجاریوں اور آقاؤں کے حکم انہوں سے اگر وہ اتنے ہی ماہر ہوتے تو لگان اتنی کمسپرسی کی حالت میں ویرانے میں نہ رہا ہوتا۔ بے شک اس نے زندہ رہنے کیلئے تمام ہوشیاریاں حاصل کر لی تھیں مگر ایک حد تک معاشرے اور اپنے تمام رشتوں سے کٹ کر جینا آسان نہیں ہوتا جبکہ اس کے ساتھ جوان اور حسین بیٹی بھی تھی۔ یہ باپ دونوں کے کسی بھی معاشرے کا وہ اسے بہرحال اپنی بیٹی کی عزت اور آبرو زیادہ عزیز ہے۔ اچانک دروازے پر کھٹکا ہوا تو میں چونکا۔ دروازہ کھلا اور مجھے سوران کے نائب آسر کی صورت دکھائی دی۔ اس نے مجھے باہر آنے کا کہا۔ "باہر آؤ جلدی کرو۔"

میں باہر آیا۔ "مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" مجھے خطرہ محسوس ہوا۔ آسر جسے شخص کے ساتھ جاتے ہوئے تشویش ہو رہی تھی۔

"فکر مت کرو۔" اس نے میری تشویش دور کی تھی۔ "ابھی تمہارے بارے میں فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ تمہیں پجاری نے طلب کیا ہے۔" اس کا لہجہ تلخ تھا اور میں نے دیکھا تھا کہ کھانے کے وقت وہ ذرا اکڑ کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس کی حیثیت یہاں تیسرے نمبر پر ہو گی تھی۔ آسر مجھے لے کر پہلے معبد سے باہر آیا اور پھر اس نے ایک جزیرہ نما پر رک کر ساتھ چلنے والے دونوں محافظوں کو دور جانے کا حکم دیا اور وہ ہم سے اتنا دور چلے گئے کہ ہماری باتیں نہ سن سکیں۔

"ہم ادھر سے اتر سکتے ہیں اور یہاں سے باہر بھی جا سکتے ہو۔ یہ آسر کا وعدہ ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"مجھے میرا ایک کام کرنا ہو گا۔ اگر تم نے کر دیا تو ہم تم آزاد ہو گے۔"

"وہ کام کیا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم سامیرا کو مجھ سے شادی پر راضی کرو گے۔"

میں دنگ رہ گیا تھا۔ "میں بھلا اسے تم سے شادی کرنے پر کیسے راضی کر سکتا ہوں؟"

"میں جانتا ہوں تم نے بہت سارا وقت اکیلے میں گزارہ ہے اور وہ تمہیں پسند بھی کرتی ہے۔ اگر تم اس سے کہو گے تو وہ مان جائے گی۔"

"اور وہ نہ مانی، تب میرے ساتھ کیا ہوگا؟"

"تب تمہیں زندہ حالت میں اسار کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔ اگر تم نے اسے نہیں دیکھا تو میں ابھی تمہیں دکھا سکتا ہوں کہ معبد کے پالتو اسار کتنے وحشی ہوتے ہیں۔" اس نے صاف گوئی سے بتا دیا۔

میرے جسم میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی کیونکہ میں بھیڑیے سے دوگنے بڑے اس جانور کو دیکھ چکا تھا۔ میں نے کہا۔ "چلو، میں اسے راضی کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر میں یہاں بیٹھے بیٹھے تو اسے راضی نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے مجھے سامیرا سے ملنا ہوگا۔"

"اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ مگر یاد رکھنا آسر کو دھوکا دینے کا مت سوچنا۔" اس نے مجھے خبردار کیا۔

"اور گان کہاں ہے؟"

آسر شیطانی انداز میں مسکرایا۔ "وہ فریاد لے کر آرگون کے حکمرانوں کے پاس گیا ہے مگر اس کی کوئی نہیں سنے گا۔ کوئی بھی مہا پجاری کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔"

"تم بھی نہیں؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

اس نے چونک کر مجھے گھورا۔ "آسر دنیا کا واحد فرد ہے جو مہا پجاری کا فیصلہ تبدیل کروا سکتا ہے۔"

"اگلے مہا پجاری بھی تم ہو گے؟"

"ظاہر ہے۔" اس کا سینہ پھول گیا تھا۔ اس نے پھر محافظوں کو آواز دی اور ہم معبد کے اگلے حصے کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں اہرام نما معبد کو دیکھ رہا تھا۔

"اسے بنے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔" میں نے معبد کی طرف اشارہ کر کے آسر سے پوچھا۔

اتنے دنوں میں مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں میں سالوں کا حساب صرف اتنا تھا کہ اتنے گرما گزرے ہیں اور اتنے سرما۔ ان کی گنتی پانچ، دس، بیس، پچاس اور سو تک محدود تھی۔ جس کے لئے یہ مختلف الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ظاہر ہے جو لوگ سارے علوم کی ماں یعنی ریاضی کی بنیاد سے ہی ناواقف تھے تو دیگر علوم کے بارے میں ان کی استعداد کا سوچا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود حیرت کی بات تھی کہ انہوں نے اہرام جیسی پیچیدہ عمارت تخلیق کر لی تھی، جس کے بارے میں آج کے ماہرین تعمیرات بھی پوری طرح نہیں جان سکے ہیں۔ ان کا اتنا کہنا ہے کہ اہرام بنانے کے لئے ریاضی اور تعمیر سازی دونوں کی اعلیٰ ترین مہارت کا ہونا لازمی ہے۔

"اسے بنے ہوئے سو گرما، بیس بار گزر چکے ہیں۔" آسر نے بتایا یعنی عمارت بنے ہوئے دو ہزار سال ہو چکے تھے۔ اس نے مزید بتایا۔ "اسے اس جگہ آنے والی دسویں نسل نے تعمیر کرنا شروع کیا تھا اور بیسویں نسل نے اسے مکمل کیا تھا۔"

اگر ایک نسل کی اوسط عمر بیس سال لگا لی جائے تو اس اہرام نما معبد کی تعمیر پورے دو سو سال جاری رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ بلاشبہ یہ اتنی بڑی تعمیر تھی کہ اسے مکمل ہونے میں دو سو سال لگ سکتے تھے، آسر کے جواب سے یہ اندازہ بھی ہوتا تھا کہ انسان اس وادی میں اب سے ڈھائی ہزار سال پہلے آیا تھا جب ہندوستان کی سرزمین آریاؤں کے زیر تسلط آئی تھی اور انہوں نے مقامی باشندوں کو جنوب اور مشرق کی طرف دھکیل دیا تھا۔ کیا یہ مقامی باشندے تھے جو آریاؤں سے بچنے کے لئے اس دور دراز وادی میں آن بسے تھے۔

مگر ان کے رنگ و روپ مقامی دراوڑ قبائل سے بالکل مختلف تھے جو آج بھی پورے برصغیر میں اچھوتوں کی صورت میں رہ رہے ہیں۔ ان کے نقوش کسی حد تک یونانیوں سے ملتے تھے بلکہ یونانی نقوش میں جو کسی قدر سختی تھی، وہ بھی ان میں نہیں تھی۔ یہ یونانیوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔ یونانی ہزاروں سال سے ہر خوبصورت عورت میں زہرہ دیوی کو تلاش کرتے آئے تھے اگر وہ سامیرا کو دیکھ لیتے تو زہرہ دیوی کو بھول جاتے۔ اس معبد میں اب تک مجھے کوئی عورت دکھائی نہیں دی تھی مگر جتنے بھی مرد تھے، وہ سب حسین نقوش اور سڈول جسموں والے تھے۔ یہ کسی طرح بھی بھارت کے قدیم باشندوں سے نہیں ملتے تھے۔

آسر مجھے سامنے کے رخ سے معبد کے اندر لایا۔ ایک عظیم الشان ہال کے بعد ایک بڑی سی گیلری آئی جس کے دونوں طرف اونچے دروازے تھے۔ اس گیلری کے آخری سرے پر واقع دروازے پر آسر نے دستک دی۔ اس نے مخصوص انداز میں دروازہ بجایا۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والی ایک کمسن مگر بے حد حسین لڑکی تھی، جس نے مہین سا لبادہ پہن رکھا تھا اور اس سے اس کے نازک بدن کے تمام خدوخال جھلک رہے تھے۔ ہمارے اندر آتے ہی دروازہ عقب میں بند ہو گیا۔ سامنے کچھ نہیں تھا سوائے لہراتے حریری پردوں کے۔ آسر نے سرگوشی میں لڑکی سے کچھ پوچھا اور اس کا جواب بھی سرگوشی میں تھا۔ میں سن نہیں سکا تھا۔ آسر پردوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ ہمارے ساتھ آنے والے دونوں محافظ باہر ہی رہ گئے تھے۔ آسر کے جانے کے بعد کمسن لڑکی نے مجھے جس طرح مسکرا کر دیکھا اندر کا موسم خنک ہونے کے باوجود مجھے پسینہ آ گیا تھا۔ میں بیس دن سے سامیرا کے ساتھ تھا اور میں نے اس میں سوائے معصومانہ پاکیزگی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ اس نے کبھی ناز و ادا بھی نہیں دکھائے تھے، اس کے مقابلے میں بمشکل پندرہ سال کی لڑکی کسی پختہ کار عورت سے کم نہیں تھی۔ میں نے اس پر سے نظریں ہٹا لیں۔ وہ غالباً میرے قریب آنا چاہ رہی تھی مگر پردے کے دوسری طرف سے کسی کو آتے دیکھ کر جلدی سے دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ وہ دربان تھی۔ جب دربان ایسی تھی تو دوسری ملازماؤں کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ پردے کے عقب سے ایک گنجے سر والا نوعمر لڑکا برآمد ہوا تھا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا تھا۔

میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ پردے ہٹاتا ہوا وہ مجھے ایک درمیانے سائز کے کمرے میں لایا جس کے وسط میں ایک لکڑی کا بنا منقش تخت رکھا تھا اور اس پر بچھی کسی جانور کی کھال پر سوران آلتی پالتی مار کر بیٹھا تھا۔ خلاف توقع وہاں عشرت کدہ نہیں تھا اور اس سے زیادہ خلاف توقع وہاں ولیم اور ایلن موجود تھے۔ سوران کے عقب میں آسر کھڑا تھا۔ دیواروں کے ساتھ جلنے والی شمعوں کی روشنی میں کمرا پُراسرار انداز میں روشن تھا اور اس کی وجہ ایک طرف رکھے آتش دان سے اٹھتے دھوئیں کے بادل تھے جو کمرے کی فضا کو دھندلا کر رہے تھے۔ اس سے ایسی خوشبو اٹھ رہی تھی جو حواسوں پر طاری ہوتی ہے۔ ولیم شاہ اور ایلن پُرسکون اور مطمئن ایک طرف کھڑے تھے، ایسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگ رہا تھا کہ انہوں نے سوران سے کوئی معاملہ طے کر لیا تھا اور اب وہ مجرم نہیں بلکہ مہمان تھے۔ سوران مجھے کچھ دیر گھورتا رہا، اس کے خشونت بھرے چہرے کے تیور خراب تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر چکا ہو۔ ولیم اور ایلین نے اسے میرے بارے میں نہ جانے کیا بتایا تھا۔ میں خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ مجھے لانے والا خادم پردوں کے عقب میں غائب ہو گیا تھا۔ اچانک سوران نے گونجتی آواز میں کہا۔

''ادھر، تم اعتراف کرتے ہو، تم غلط نیت سے اس مقدس وادی میں داخل ہوئے؟''

''مہا پجاری! میں نہ تو کسی غلط نیت سے آیا ہوں اور نہ ہی از خود آیا ہوں۔'' میں نے جرأت سے کہا۔

''اس وادی کے کنارے تک مجھے یہ دونوں لے کر آئے تھے۔'' میں نے ولیم اور ایلین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور وادی میں مجھے برف کے آدمی نے پھینکا تھا۔ میں بہت بلندی سے گرا تھا اور شدید زخمی حالت میں اورگان کو ملا تھا اور اس کی تصدیق اورگان کر سکتا ہے۔''

''یعنی تم اس الزام سے انکار کرتے ہو؟''

''بالکل، کیونکہ حقیقت میں اس وادی کی طرف آنے والے اصل افراد یہی دونوں ہیں۔ اس مہم کا سربراہ ولیم شاہے اور میں محض اس کا ایک شریک ہوں۔''

''یہ جھوٹ کہہ رہا ہے مہا پجاری!'' ولیم بولا۔ ''اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ وادی میں پایا گیا ہے اور ہم دونوں کو تمہارے سپاہیوں نے اوپر سے پکڑا تھا۔ ہم نہ تو خود اس طرف آئے اور نہ ہی اس وادی میں اترے۔ اس لئے مجرم ہم نہیں بلکہ یہ ہے۔''

''مہا پجاری اورگان سے معلوم کر سکتے ہیں۔'' میرا لہجہ کمزور ہو گیا تھا۔

''اورگان باغی ہے اور اس کی بات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔'' سوران نے میری بات مسترد کر دی۔

''تب میرے پاس اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔''

''وادی میں داخل ہونے والے مجرم کو سزائے موت دی جاتی ہے اور اگر تم اپنی بے گناہی ثابت نہ کر سکے تو تمہیں بھی یہی سزا دی جائے گی۔''

اچانک آسر نے جھک کر سوران کے کان میں کچھ کہا۔ اس نے سر ہلایا۔ اس کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھ گیا تھا۔ جیسے اسے آسر کی بات پسند نہ آئی ہو مگر وہ سننے پر مجبور تھا۔ جواب میں اس نے اتنے آہستہ سے کچھ کہا کہ صرف آسر سن سکا تھا۔ ہم دور ہونے کی وجہ سے نہیں سن سکے تھے۔ کچھ دیر ان دونوں میں سرگوشیاں چلتی رہیں پھر سوران نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''ادھر، تمہیں کل تک کی مہلت دی جاتی ہے۔''

''کس بات کی؟'' میں نے دریافت کیا۔

سوران نے میرے سوال کو نظر انداز کیا اور آسر کو حکم دیا۔ ''اسے لے جاؤ۔ اسے کل پیش کرنا۔''

آسر نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ قید خانے کے دونوں پہرے دار کمرے سے باہر ہمارے منتظر تھے۔ میں نے آسر سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے اشارے سے روک دیا۔ باہر اب اندھیرا ہو رہا تھا۔ وہ مجھے باغ کے اس گوشے میں لایا جہاں اس نے مجھ سے کچھ دیر پہلے بات کی تھی۔ اس بار بھی اس نے پہرے داروں کو دور جانے کا حکم دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آسر، یہ کیا چکر ہے؟ ان دونوں نے ساری ذمے داری مجھ پر ڈال دی ہے۔ جبکہ یہی مجھے لے کر آئے تھے اور مہا پجاری بھی ان کی بات مان رہا ہے۔''

''تم فکر مت کرو۔ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے مہا پجاری نے ایسا کیا ہے۔ تم پر نہ تو الزام لگے گا اور نہ ہی سزا دی جائے گی مگر اس کے بدلے تمہیں جو کہا جائے وہ تمہیں کرنا ہوگا۔''

''یعنی سامیرا کو تم سے شادی پر راضی کرنا۔''

''یہ تو ایک کام ہے اور اصل کام تمہیں مہا پجاری بتائے گا۔''

''سوران کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟'' میں چونکا۔ ''اور وہ ولیم اور ایلین کو خوش رکھنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے؟''

''مہا پجاری کی وہ خود جانے۔ تمہیں ایک مشورہ ہے اس کا نام مت لیا کرو۔ وہ اس وادی کی سب سے مقدس ہستی ہے۔ یہاں کوئی اس کا نام نہیں لے سکتا۔''

''میں خیال رکھوں گا۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔ ''مجھے خیال آ رہا تھا کہ مہا پجاری مجھے سزا دینا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ ایسے بہانے تلاش کر رہا ہے۔''

''تم تیار رہنا۔ میں آج رات کسی وقت آؤں گا، تمہیں مہا پجاری کے سامنے لے جانے کے لئے۔''

''آج رات۔'' میں چونکا۔ ''اس نے تو مجھے کل تک کی مہلت دی ہے۔''

''وہ بھی ان دونوں کو دکھانے کے لئے۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ولیم شا نے مہا پجاری کو کسی طرح قابو کر لیا تھا جو اسے ان دونوں کی اتنی فکر تھی۔ اس سے ایک بات اور ظاہر تھی کہ ولیم شا اور ایلین بہر صورت مجھے مروانا چاہتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ اس وادی سے مجھے زندہ واپس جانا نصیب نہ ہو اور اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وادی کی دریافت میں مجھے بھی حصہ ملے، یہ گوروں والی مخصوص ذہنیت تھی جو ہر شے پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مجھے شروع سے خیال تھا کہ اس مہم میں کامیابی ہوئی تو میرا حصہ اس میں نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ مگر مجھے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ میری جان لینے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔

''یاد رکھنا، آج رات۔'' آسر نے مجھے کوٹھری میں بند کرنے سے پہلے سرگوشی میں کہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد مجھے کھانا دیا گیا۔ یہ دودھ میں پکی مکئی اور ایک قسم کا سوپ تھا۔ سوپ میں گوشت کے ریشے تیر رہے تھے۔ اس لئے میں نے اسے کھانے سے گریز کیا اور صرف مکئی کا دلیا لیا تھا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی مگر اب اس میں پہلے جیسی شدت نہیں رہی تھی کیونکہ میں نے آخری بار دو دن قبل مینگنی نما گولیاں لی تھیں اور شدت کی بھوک ان کی وجہ سے لگتی تھی۔ حالات میرے لئے اچانک ہی خراب ہو گئے تھے۔ غالباً اورگان کے ذہن میں بھی نہیں آیا تھا کہ میں نے وادی میں داخل ہو کر ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے ورنہ مجھے چھپا کر رکھتا۔ نہ جانے سوران میرے سپرد کون سا کام کرنا چاہتا تھا جس کے بدلے مجھے معافی اور اس وادی کے قید خانے سے رہائی نصیب ہوتی۔ یہ مجھے آنے والا وقت ہی بتاتا اس لئے میں تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ گیا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت گزرتا رہا۔ میں آنے والے وقت سے زیادہ گزرے وقت کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ مجھے اپنے پیارے یاد آرہے تھے۔ اپنے دوست احباب، اپنا گھر اور اپنے ذاتی جانور۔ میرا ایک گھوڑا تھا، ایک کتا اور ایک پالتو بندر تھا، یہ میں نے خاص طور سے کلکتہ سے خریدا تھا۔ افریقی نسل کا چمپنزی تھا (بعد میں جب میرا ایک بندر مرجاتا تھا تو میں ایک اور بندر اس نسل کا منگوالیتا تھا۔ شہباز ملک کو ملنے والا بندر جونی میرے پاس تیسرا بندر تھا اور یہ سب سے ذہین بندر تھا جو میں نے پالا تھا) میں اس وادی میں قید پڑا تھا اور خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ میں یہاں سے نکل بھی سکتا تھا یا نہیں۔ اگر میں یہاں مرجاتا تو کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں آیا اور میں نے اٹھ کر اندازے سے قبلہ رخ ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اور خدا سے دعا کی کہ اگر میری زندگی ہے تو مجھے یہاں سے نکالے اور مجھے میرے پیاروں سے ملوادے۔ میں سسک سسک کر کسی کی قید میں نہیں جی سکتا تھا۔ نماز پڑھ کر اور دعا مانگ کر مجھے سکون ملا تھا۔ ابھی میں نے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا کہ دروازہ کھلا اور آسر نظر آیا۔ وہ غالباً کچھ دیر پہلے آیا تھا اور دروازے کے اوپر موجود چھوٹے سے خلا سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کوٹھری میں ایک دیا بھی جل رہا تھا، یہ ذرا بہتر قسم کا قید خانہ تھا۔ آسر اندر آیا، اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''یہ تم کیا کر رہے تھے؟''

''میں عبادت کر رہا تھا۔''

''کس کی عبادت؟''

''خدا کی۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کا ایک ہی خالق اور مالک ہے، اسی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ زندگی، موت اور تقدیر کا مالک وہی ہے۔''

''تم نے اس سے کیا کہا؟'' آسر کسی قدر مرعوب ہو کر بولا۔

''میں نے اس سے اپنی بہتری مانگی ہے یعنی جس چیز میں میرے لئے بہتری ہو، وہ کام ہو۔'' میں نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

''جو تمہارا خدا چاہتا ہے وہ ہوگا یا جو سینتور چاہتا ہے؟''

''میں نہیں جانتا کہ سینتور کون ہے مگر ہمارا خدا اَن دیکھا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی کوئی صورت نہیں ہے، یہ ساری کائنات اس کی عظیم ہستی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اس کے لئے کچھ ناممکن نہیں ہے، وہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور، وہ ہو جاتا ہے۔''

''ہمارے دیوتا کی بھی کوئی صورت نہیں ہے اور ہمارے لئے وہی سب سے عظیم ہے۔''

''ممکن ہے جسے ہم خدا یا اللہ کہتے ہیں، اسے تم سینتور کہتے ہو۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس نے بدمزگی سے کہا۔ ''چلو، تمہیں مہا پجاری نے طلب کیا ہے۔''

میں اس کے ساتھ قید خانے سے باہر آیا، کھلی فضا میں آکر اندازہ ہوا کہ رات بھیگ رہی تھی۔ قید خانے سے معبد کے سامنے والے حصے تک جانے کے لئے باہر آنا پڑتا تھا۔ ممکن ہے کوئی خفیہ راستہ ہو جو قیدیوں اور عام لوگوں سے چھپایا جاتا ہو۔ اس بار سوران ایک اور کمرے میں تھا اور یہ کمرا شاہانہ انداز کے ساز و سامان سے آراستہ تھا، وہاں ایک حسین عورت ساقی گری پر مامور تھی۔ جس نے نہ ہونے کے برابر پیراہن پہن رکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوران سے نوشی کر رہا تھا۔ اس نے مجھے نظر انداز کر کے اپنا شغل جاری رکھا۔ آسر حسب معمول اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔ خاصی دیر بعد سوران میری طرف متوجہ ہوا۔ ''تم نے سوچ لیا؟''

اس کا سوال غیر واضح تھا اس لئے میں نے جواب بھی غیر واضح دیا۔ ''ہاں، سوچ لیا۔''

''کیا سوچ لیا؟''

''یہی کہ جو تم چاہو گے اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا، مہا پجاری۔''

اس نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور اچانک کھڑا ہو گیا۔ اس نے باقی جام اپنے حلق میں انڈیلا اور اسے بے پروائی سے عورت کی طرف اچھال دیا۔ جام اس کے شانے پر لگا اور اس نے منہ کھول کر ایک بے بس سی آواز نکالی۔ یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کہ اس کی زبان سامنے سے تراشی ہوئی تھی، اس کا ایک انچ کا ٹکڑا غائب تھا، وہ بول نہیں سکتی تھی۔ سوران نے بھی دیکھ لیا تھا، اس نے مجھ سے کہا۔ ''ہاں، یہ بول نہیں سکتی، صرف سن سکتی ہے۔ ایک بار اس نے یہاں ہونے والی گفتگو کہیں اور بتا دی تھی، تب میں نے اس کی زبان ترشوا دی تھی۔ اب یہ کسی سے یہاں ہونے والی باتیں بیان نہیں کر سکتی۔''

میں نے بمشکل خود کو روکا ورنہ میں کہنے جا رہا تھا کہ یہ ظلم ہے۔ میں چپ رہا۔ سوران ٹہلتے ٹہلتے میرے پاس رکا۔ ''میں اپنے باپ کا چھوٹا بیٹا ہوں۔ اورگان مجھ سے بڑا ہے۔ اس نے باپ سے مہا پجاری بننے کی تربیت اور اس کا سارا ورثہ حاصل کیا تھا مگر اس نے ہمارے نظام سے بغاوت کی تھی اس لئے اسے آرگون سے نکال دیا گیا اور مجھے اس کی جگہ مہا پجاری بنا دیا گیا لیکن میرا منصب ابھی ادھورا ہے۔'' وہ بولتے بولتے چپ کر گیا۔

''میں سن رہا ہوں مہا پجاری۔'' میں نے خاصی دیر بعد اسے یاد دلایا۔

''مہا پجاری کے پاس بعض خاص علوم ہونا لازمی ہیں۔ بدقسمتی سے میں اس کی تربیت نہیں لے سکا ہوں۔ ان علوم کی تربیت اورگان نے باپ سے حاصل کی تھی اور یہ علوم اس کے پاس ہیں۔''

''تو کیا تمہارے باپ نے تمہیں یہ علوم نہیں سکھائے؟''

''نہیں، وہ ایسا کرنے سے پہلے مر گیا تھا۔''

''فرض کر لو کہ اورگان بھی مر جائے تو یہ علوم تم کس سے سیکھو گے، مہا پجاری۔''

''اس صورت میں مجھے برف والے کے پاس جانا ہوگا۔ وہ اوپر برف میں رہتا ہے۔ برف کھاتا ہے اور برف پر ہی سوتا ہے۔ اس کے پاس مہا پجاری سے بھی زیادہ علوم ہوتے ہیں۔ وہ عام لوگوں سے زیادہ عمر جیتا ہے اور جب مرنے والا ہوتا ہے تو وادی میں آ کر ایک نوجوان منتخب کر کے لے جاتا ہے اور اسے اپنے سارے علوم سکھا کر خود مر جاتا ہے۔''

''تو تم اورگان کے بجائے اس سے یہ علوم سیکھ لو۔''

''یہ ممکن نہیں ہے جب تک اورگان زندہ ہے، وہ مجھے یہ علوم نہیں سکھائے گا۔''

''میں اس معاملے میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''تم اورگان کو راضی کر لو، وہ مجھے یہ علوم سکھا دے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم نے کبھی اور لوگوں سے یہ بات کی؟"

"کی تھی مگر ان نے انکار کر دیا۔"

"جب ان نے تمہیں انکار کر دیا تو میری بات کیوں مانے گا؟"

"مانے گا تم ان سے خواہ مخواہ ہو۔"

"کس طرح جہانگیری! میرا ان پر کسی طرح بھی زور نہیں ہے۔"

"ہے تم ان کی بیٹی کے محبوب ہو، تم ان سے سب کچھ کروا سکتے ہو۔"

اس کے الفاظ میرے ساتھ آسر پر بھی بجلی بن کر گرے تھے۔ میں نے بے ساختہ کہا۔ "تم جانتے ہو جہانگیری!"

"ہاں، میں سیتور کا جہانگیری ہوں۔" اس نے غرور سے کہا۔ "یہاں ہونے والا سب کچھ میری نگاہ میں ہے۔"

میں نے سوچا کہیں، جب تمہیں ان خفیہ علوم کو بھی جان لینا چاہئے تھا جو اور گان کے بیچ میں محفوظ ہیں۔

"میرا خیال ہے تم کچھ زیادہ ہی اونچ نگار ہے ہو۔ بے شک سامیرا مجھے پسند کرتی ہے لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ میری خاطر اپنے باپ کو کسی کام پر مجبور کر دے۔"

"تم نہیں جانتے، وہ لڑکی تمہیں اتنا چاہتی ہے کہ تم جان مانگو تو وہ جان دے دے گی۔" جہانگیری نے بے یقینی سے کہا تھا۔ اس کے الفاظ سن کر میرے اندر ایک بجلی سی دوڑ گئی تھی۔ کیا واقعی سامیرا مجھ سے اتنی محبت کرنے لگی تھی۔ مگر نہیں سوران اس کی چاہت اس لئے بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا کہ میں اس کا کام کر دوں۔ وہ سامیرا کا چاچا تھا مگر پوری بے غیرتی سے یقین دلا رہا تھا کہ اس کی بھتیجی مجھ سے محبت کرتی ہے اور مجھے اس کے جذبات کا استعمال کرنا چاہئے۔ اس نے پھر کہا۔ "اس کے یہ جذبات ابھی خفیہ ہیں، تمہیں ان کو جگانا ہوگا۔ کام تک لانا ہوگا کہ وہ تمہاری ہر بات مان جائے اور وہ اپنے باپ کو مجبور کرے۔ وہ دنیا کی واحد ہستی ہے جو اور گان کو کسی کام کے لئے مجبور کر سکتی ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" میں نے اپنے لبوں پر زبان پھیری۔

"کوشش نہیں، تمہیں یہ کام کرنا ہے چاہے تمہیں اس کے لئے کسی حد سے بھی گزرنا پڑے۔" سوران کا لہجہ سختی خیز ہو گیا تھا۔ "میری بات سمجھ رہے ہو؟"

میں اس کی بات سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھے سامیرا سے جسمانی تعلقات قائم کرنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے نفرت جاگی تھی لیکن میں نے اسے چہرے پر آنے نہیں دیا تھا۔ سوران جیسے لوگوں کے لئے عزت اور حمیت جیسے الفاظ بے معنی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ صرف اپنا مفاد عزیز رکھتے ہیں۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "جہانگیری! میں ایک انسان ہوں۔ ایک انسان کامیاب ہوتا ہے تو ناکام بھی ہو جاتا ہے۔ اگر میں ناکام رہا تو.....؟"

"تب تم زندہ بھی نہیں رہو گے۔ تمہیں داؤ پر لگانے میں داخل ہونے کے جرم میں موت کی سزا دی جائے گی۔" اس نے جواب دیا۔ "اگر تمہیں زندگی پیاری ہے تو وہ کام کرنا ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں راضی ہوں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''ممکن ہے اس کام میں وقت لگے۔''

''تمہارے پاس صرف بیس دنوں کی مہلت ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''اس کے بعد آرگون کے سپاہی تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے۔ تم جانتے ہو اس وادی میں چھپنے یا فرار ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''مہا پجاری میں تمہارا کام کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ مگر میرے دل میں ایک بات کھٹک رہی ہے۔ اگر تم اسے دور کر سکو؟''

''کہو۔'' اس نے عجلت سے اپنے لئے ایک اور جام طلب کر کے کہا۔

''ولیم شا اور ایلن نے تم سے ایسی کیا بات کی ہے جس کے لئے تم ان کی خوشنودی کا اتنا خیال رکھ رہے ہو؟''

سوران مسکرایا۔ ''یہ میں تم کو نہیں بتا سکتا، لیکن ولیم بہت عظیم آدمی ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''سینتور کا مہا پجاری ایک غیر آدمی کو عظیم قرار دے رہا ہے؟''

''ہاں، اس کے پاس جادوئی صلاحیت ہے۔ وہ ناممکن کام کر کے دکھاتا ہے۔''

''جہاں تک میرے علم میں ہے اس کے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔''

''تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''کل صبح تمہیں واپس اورگان کے پاس بھیج دیا جائے گا اور تم نے تین دن کے اندر یہ کام کرنا ہے۔''

''کیا میں ولیم اور ایلن سے مل سکتا ہوں؟''

''اس کی مرضی ہو گی تو مل سکتے ہو؟'' اس نے کہا۔

میں حیران تھا، ولیم شا اس حد تک اس پر حاوی ہو گیا تھا کہ وہ اس کی مرضی کے بغیر کچھ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے آسر کو اشارہ کیا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

آسر مجھے لے کر سوران کے عشرت کدے سے نکلا اور باہر جانے کے بجائے ایک اور راستے پر مڑ گیا۔ مصری اہراموں کے برعکس اس اہرام کو اندر سے مکمل طور پر رہائش اور دوسرے کاموں کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ اندر کشادہ ہال، راہداریاں اور کمرے تھے۔ ولیم شا اور ایلن اس حصے میں مقیم تھے۔ آسر مجھے ایک اندرونی حصے میں لایا اور ایک دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایلن کی نشے میں ڈوبی آواز آئی۔ ''کون ہے؟'' اس نے انگریزی میں پوچھا۔

''عمر دراز!'' میں نے جواب دیا۔ اس پر آسر نے مجھے گھورا مگر کچھ کہا نہیں۔ ایلن نے دروازہ کھولا۔ وہ محض ایک انڈرویئر میں میرے سامنے کھڑا تھا۔ عقب میں ایک دبیز بستر پر لیٹی عریاں لڑکی یہاں سے بھی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''تم!'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں میں۔ مجھے قید خانے بھجوا کر تم دونوں عیاشی کر رہے ہو؟''

آسر نے جلدی سے کہا۔ ''مہا پجاری نے اسے ولیم شا سے ملنے کے لئے بھیجا ہے۔ اگر اس کی مرضی ہے تو اس سے مل لے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مشکل ہے۔'' ایلن معنی خیز انداز میں ہنسا اور لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے اس جیسی دو بلائیں چمٹی ہوئی ہیں، پھر بھی میں دیکھتا ہوں۔'' وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

''تم ولیم سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرو گے جو ابھی مہاپجاری کے کمرے میں ہوئی ہے۔'' آسر نے سرگوشی کی۔

''میں نہیں کروں گا۔'' میں نے جواب دیا، اسی لمحے دروازہ کھلا اور ولیم شامقامی طرز کے لبادے نما لباس میں باہر آیا۔ وہ بھی نشے میں تھا مگر اس نے خود کو سنبھال رکھا تھا۔

''کیا بات ہے اس وقت کیوں پریشان کیا ہے؟''

''مسٹر ولیم! میں پوچھنا چاہتا ہوں، تم نے میرے بارے میں ان سے کیا کہا ہے؟'' میں نے بلاتمہید پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے انجان بننے کی اداکاری کی۔ ''کیوں، کوئی بات ہے کیا؟''

''میں جیل میں ہوں اور تم یہاں اندر سجا سجائے بیٹھے ہو۔ تم میں کون سے لعل جڑے ہیں اور میں نے کون سا قصور کیا ہے؟''

وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''تم اس وادی میں خود آئے.....''

''مجھے برفانی آدمی نے پھینکا تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہمیں سوران کے آدمیوں نے اوپر پایا تھا اور یہی ہمیں زبردستی نیچے لائے تھے۔''

''یہ کتنے دن پرانی بات ہے؟''

''سولہ دن ہو چکے ہیں۔''

''یعنی تم لوگ بھوکے پیاسے چار دن بھٹکتے رہے۔''

''اگر یہ لوگ نہ آتے تو ہم مارے ہی جاتے۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''میرے بارے میں تمہارا کیا خیال تھا؟''

''ہم سمجھ رہے تھے کہ تم نے چٹانوں والے راستے سے نیچے اترنے کی کوشش کی اور کسی حادثے کا شکار ہو گئے۔''

''حادثے کا شکار آدمی فائرنگ نہیں کرتا۔'' میں نے طنز کیا۔ ''میں برفانی آدمی سے لڑ رہا تھا۔ اس نے زخمی ہونے کے باوجود مجھے نیچے اچھال دیا تھا۔ کیا تم لوگوں نے اسے نہیں دیکھا؟''

''نہیں، ہم ٹارچیں لے کر چٹانوں کے درمیان آئے تو تم غائب تھے۔ برفانی آدمی نہیں دکھائی دیا تھا۔ شاید وہ بھی نیچے گر گیا تھا۔''

مجھے نیچے گرتے ہوئے وہ منظر یاد آیا جب برفانی آدمی اس راستے پر ڈگمگا رہا تھا جس کے نیچے ہزاروں فٹ کی گہرائی تھی۔ مگر مجھے اور اورگان کو نیچے کے علاقے کو چھاننے کے باوجود برفانی آدمی کی لاش نہیں ملی تھی۔ میرا خیال تھا وہ بچ گیا ہے مگر ولیم شاید سمجھ رہا تھا کہ برفانی آدمی اوپر نہیں آیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''پھر تمہیں لانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے کس راستے سے نیچے لائے تھے؟"

"وہ شاید کوئی سرنگ تھی۔"

میں چونکا۔ "سرنگ کے راستے سے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "مگر سرنگ میں لانے کے بعد ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئی تھیں۔ ہم کوئی پندرہ گھنٹے سفر کرتے رہے تھے، تب نیچے آئے تھے۔"

"تم نے سوران کو بتایا کہ تم جادو جانتے ہو؟"

وہ مکارانہ انداز میں مسکرایا۔ "جادو جانتا ہی نہیں ہوں کرتا بھی ہوں۔ میں نے جادو کر کے دکھایا تھا، اسی وجہ سے یہاں ہوں۔"

"اور میں قید خانے میں کیوں ہوں؟"

"یہ سوران کا اپنا معاملہ ہے، میں اس میں دخل نہیں دے سکتا، اچھا گڈ نائٹ!" اس نے کہا اور اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں نے اسے دل میں صلواتیں سنائیں۔ آسر نے مجھے چلنے کو کہا۔ وہ مجھے باہر لایا۔ مجھے معلوم تھا وہ مجھ سے بات کرنے کے لئے بے چین تھا۔ وہ تیسری بار مجھے اس سبز کنج میں لایا۔

"تم نے سوران کا حکم سن لیا؟"

"ہاں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمہارے لئے کام کس طرح کروں؟"

"پہلے تم مہا پجاری کا کام کرو گے اور اس کے بعد میرا کام..... لیکن خیال رہے تم ایک حد سے زیادہ سامیرا کے قریب نہیں جاؤ گے۔" اس کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا تھا۔

اگرچہ سامیرا میرے لئے محترم تھی مگر اس کے منہ سے اس کے بارے میں سن کر میرا خون کھول اٹھا تھا۔ میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "اگر میں نے کوئی حد عبور کر بھی لی تو تمہیں کیسے پتا چلے گا۔"

اس نے جھنجلا کر مجھے دیکھا۔ "میں نے کہہ دیا نا۔"

"ٹھیک ہے، میں خیال رکھوں گا۔" میں نے اسے بھی تسلی دی اور اس کے ساتھ اپنی کوٹھری میں آ گیا۔ سونے کے لئے فرش پر ایک موٹا کھیس پڑا تھا۔ یہ شاید بھیڑ کے اون سے بنایا گیا تھا۔ اوڑھنے کے لئے کچھ نہیں تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ یہ عمارت اندر سے گرم ہو رہی تھی۔ صبح پہرے دار نے مجھے ناشتے اور دوسری ضروریات کے لئے بیدار کیا۔ ان سے فارغ ہوا تھا کہ آسر آ گیا، اس نے کہا۔ "تم تیار ہو۔"

"مجھے کیا کرنا ہے؟" میں نے جواب دیا۔

اس نے مجھے باہر نکلوایا، اس بار وہ اپنے ساتھ دو مسلح محافظ لایا تھا۔ مجھے اس جیل سے رہا کر دیا گیا تھا اس لئے اب جیل کے محافظ میرے ساتھ نہیں تھے۔ آسر مجھے لے کر پہلے اہرام نما معبد کے عقبی حصے میں واقع ایک پتھریلی چار دیواری میں لایا۔ وہاں بدبو پھیلی ہوئی تھی اور جانوروں کے غرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چند لمحے بعد ہم ایک پنجرے کے سامنے تھے۔ اس میں ایک قد آور اسار تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ بھیانک انداز میں غرانے لگا تھا۔ "اسے دیکھو، مہا پجاری کے معتوب اس کے سامنے پھینک دیئے جاتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا تم مجھے ڈرا رہے ہو؟''

''میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اگر تم نے مہا پجاری کا کام نہ کیا تو بیس دن بعد تم اس پنجرے میں ہو گے۔'' اس نے آرام سے بتایا۔ میرے جسم میں سردی کی لہری دوڑ گئی تھی۔

''میں نے کہا نا..... میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ اگر میں کہوں کہ میں خوف زدہ نہیں ہوا تھا تو یہ جھوٹ ہوگا۔ اس درندے کے سامنے آدمی خوف زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جبکہ مجھے اس کے سامنے ڈالنے کی دھمکی دی جا رہی تھی۔ اسے دکھانے کا مقصد یہی تھا کہ میں سزائے موت کو محض دھمکی نہ سمجھوں، اس کے بعد آسر مجھے دوبارہ اہرام کے اندر لایا۔ یہ ایک اور راستہ تھا اور اسے غالباً گودام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ یہاں سامان آ جا رہا تھا۔ پھر ہم ایک سرنگ نما راستے پر آئے۔ یہ اتنا کشادہ اور اونچا تھا کہ اس سے ایک بڑے سائز کا ٹرک بھی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ اس راستے سے ہاتھ سے کھینچے والی ٹرالیاں لائی اور لے جائی جا رہی تھیں۔ ہم ایک ایسی گاڑی پر سوار ہوئے جسے دو بیل کھینچ رہے تھے اور ہمارے سفر کا آغاز ہوا۔ میرا اندازہ تھا ہمیں کم سے کم بائیس میل کا سفر سرنگ میں کرنا تھا۔ اتنی طویل اور بڑی سرنگ یقیناً سالوں کی محنت کے بعد تیار کی گئی تھی مگر اس کی وجہ سے یہ لوگ معبد اور شہر کے درمیان آرام سے سفر کر سکتے تھے۔ نہ جانوروں کا خطرہ تھا، نہ راستہ خرابی کی پروا اور نہ ہی موسم کی فکر۔

سرنگ میں کوئی سو گز کے بعد اوپر کی طرف کھلنے والے راستے تھے، جن سے تازہ ہوا اور روشنی اندر آتی تھی۔ ان راستوں پر باقاعدہ محافظ تھے۔ سرنگ کی صفائی کرنے والا عملہ تھا جو غیر ضروری اشیا اور جانوروں کے فضلے کو ٹھکانے لگانے پر مامور تھا۔ آنے اور جانے کے لئے الگ الگ لائن تھی۔ بیل گاڑیوں کے لئے الگ لائن تھی اور ہاتھ سے گاڑیاں کھینچنے والوں کے لئے الگ لائن تھی۔ یہی وجہ تھی سرنگ میں ٹریفک بے حد سکون سے جاری تھی۔ بیل تیز رفتار تھے اس لئے جو فاصلہ ہم نے جنگل سے ہوتے ہوئے پانچ گھنٹے میں طے کیا تھا وہ اس بیل گاڑی میں صرف تین گھنٹے میں ختم ہو گیا۔ سرنگ کا دوسرا دہانہ ایک وسیع احاطے میں نکلا جہاں بے شمار افراد کام کر رہے تھے اور یہ جگہ شہر کی ذخیرہ گاہ لگ رہی تھی جس میں خوراک اور ضروریات کا دوسرا سامان ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ یہاں ہم بیل گاڑی سے اتر آئے اور احاطے سے نکل کر ہم سڑک پر آئے۔

میں نے اس شہر کو فضا سے دیکھا تھا، دوسری بار اس کی گلیوں میں پہنچ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ یہ خوبصورت اور صاف ستھرا شہر تھا جسے پلاننگ سے آباد کیا گیا تھا۔ سیدھی اور پختہ گلیاں۔ پختہ پتھروں سے بنے ایک اور دو منزلہ مکانات تھے۔ یہ عام علاقہ تھا۔ حکمرانوں اور امراء کے لئے الگ سے علاقے تھے جو ظاہر ہے کہ بہت عالی شان قسم کے محلات پر مشتمل تھے۔ شہر میں بھی جا بجا درخت اور پھول پودے لگے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا، سبزے اور پھولوں سے ان لوگوں کو خاص محبت تھی۔ راستے میں نظر آنے والے افراد نے عبا نما لباس پہن رکھا تھا۔ اکثر لوگ بہت اچھی صحت کے مالک تھے۔ سرخی مائل سفید رنگ اور سرخی مائل بھورے بال۔ چند ایک افراد تھے جن کے بالوں کا رنگ سیاہ تھا۔ جاذبِ نظر نقوش اور عورتوں میں بیشتر حسن کے معیار پر پوری اتر رہی تھیں۔

مگر میں نے محسوس کیا سب لوگ خاموشی سے کسی نہ کسی کام میں مگن تھے۔ مجھے راستے میں کہیں کوئی نہ تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑا نظر آیا اور نہ ہی دو افراد آپس میں باتیں کرتے دکھائی دیئے۔ ہر فرد آ جا رہا تھا یا کسی کام میں مگن تھا۔ لوگوں کے چہرے بے تاثر تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں تاثرات سے عاری روبوٹ نما لوگوں کے شہر میں آ گیا تھا۔ راستے اور گلیاں بے حد صاف ستھرے تھے۔ جیسے ان کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ میں نے ایک بات اور محسوس کی وہاں بچے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں نے آسر سے پوچھا۔ ''بچے کہاں ہیں؟''

''ہم بلاوجہ اپنے بچوں کو گھر سے نہیں نکلنے دیتے۔''

''کھیلنے کے لئے بھی نہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کھیل..... وہ کیا ہوتا ہے؟'' آسر نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کھیل کی وضاحت کیسے کروں۔ ''پھر تمہارے بچے کیا کرتے ہیں؟''

''وہ کام سیکھتے ہیں ہمارے ہاں چھٹے جدی پشتی ہوتے ہیں۔ جو بچے مضبوط جسم کے ہوتے ہیں ان کو دس سال کی عمر سے سپاہی کی تربیت کے لئے ان کے ماں باپ سے لے لیا جاتا ہے۔''

''ان بچوں کو الگ رکھا جاتا ہے؟''

''وہاں۔'' آسر نے قلعے کی فصیل کے پاس ایک سفید چار دیواری کی طرف اشارہ کیا۔ ''تربیت مکمل ہونے تک وہ وہیں رہتے ہیں۔ سولہ سال کی عمر میں وہ سپاہی دستے میں شامل ہو جاتے ہیں۔''

اس علاقے میں ان کا کوئی دشمن نہیں تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ کوئی دشمن قوم نہیں تھی۔ پھر بھی شہریوں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اور ان کو جنگل کے درندوں سے بچانے کے لئے سپاہ ضروری تھی۔ یہ تو میں نے بھی دیکھا تھا کہ شہر کے باہر کام کرنے والے کسانوں کی حفاظت کے لئے سپاہی تعینات کئے جاتے تھے۔ اس سفید چار دیواری کے پاس سے گزرتے ہوئے اندر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے سپاہی جنگی مشقوں میں مصروف ہوں۔ آسر نے مجھے قلعے کے دروازے پر قائم چوکی کے سربراہ کے حوالے کیا۔ ''اسے معزز اورگان کے پاس بھیج دیا جائے، یہ مہا پجاری کا حکم ہے۔''

''حکم کی تعمیل ہوگی۔'' مہا پجاری کا نام سنتے ہی محافظوں کا سربراہ کمر کے بل جھک گیا تھا۔

''اس کے ساتھ حفاظتی دستہ روانہ کرنا۔''

آسر مجھے چوکی کے سربراہ کے حوالے کر کے روانہ ہو گیا۔ اس نے چھ مضبوط سپاہی منتخب کئے جو تیر کمان اور فولادی سروں والی مضبوط لاٹھیوں سے مسلح تھے، میں نے ان میں سے کسی کے پاس تلوار نہیں دیکھی تھی۔ شاید ان کے پاس لوہے کی دستیابی محدود تھی اس وجہ سے اس کا استعمال نہایت ناگزیر جگہوں پر کیا جاتا تھا۔ کچھ سونا بھی تھا، ان کے علاوہ مجھے کوئی تیسری دھات دکھائی نہیں دی تھی۔ یہ لوگ شیشے سے بھی ناواقف تھے البتہ تعمیر کے لئے پتھروں کا استعمال کرنا جانتے تھے۔ چھ سپاہی مجھے لے کر اورگان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ یہاں سے ابھی گھنٹے بھر کا سفر باقی تھا۔ جب ہم اورگان کے مکان کے احاطے کے پاس پہنچے تو وہ دروازے کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر غصہ نمودار ہوا تھا۔ اس نے کڑک کر کہا۔ ''لوسردار!..... رک جاؤ۔''

''اورگان! مہا پجاری نے مجھے رہا کر دیا ہے۔'' میں نے آگے آ کر کہا۔

''میں تمہیں اب نہیں رکھ سکتا۔ اسے واپس لے جاؤ۔'' اس نے سپاہیوں سے کہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں حیران تھا کہ اورگان کا لہجہ بدلا ہوا تھا اور اس نے نہایت رکھائی سے سپاہیوں سے میرے بارے میں بات کی تھی۔ شاید سپاہی بھی دم بخود رہ گئے تھے۔ میں نے ذرا آگے آ کر کہا۔ ''اورگان تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے سوران نے رہا کر دیا ہے اور اب مجھ پر الزام نہیں ہے۔''

''لیکن میرے ساتھ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''میں نے اپنی بیٹی کے معاملے میں تم پر اعتماد کیا اور تم نے مجھے دھوکا دیا۔''

میں پہلے سے زیادہ حیران ہوا تھا۔ میں نے تڑپ کر کہا۔ ''اورگان یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کبھی سامیرا کے بارے میں غلط سوچا تک نہیں اور تم نے مجھ پر اتنا بڑا الزام لگا دیا۔''

''تم نے اسے بہکایا ہے۔'' اورگان کا لہجہ خراب تھا۔ ''وہ معصوم ہے اور دنیا سے بے خبر ہے۔''

''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔'' میں سب بھول گیا تھا سامیرا کے حوالے سے اس الزام نے مجھے جذباتی کر دیا تھا۔ ''تم سامیرا سے پوچھ لو۔''

''مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس میں نے کہہ دیا میں تم کو نہیں رکھ سکتا اور تم کو سوران کے حوالے کرتا ہوں وہ تمہارے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔'' اورگان کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

''وہ مجھے سزائے موت سنا دے گا۔''

''اس کی مرضی۔'' اورگان نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''وہ یہاں کا مہا پجاری ہے۔''

اورگان کا یہ رویہ میری سمجھ سے بالاتر تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میں نے سامیرا کو بہکانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ جب میں نے سامیرا کو اپنی طرف مائل پایا تو میں نے نیک نیتی سے یہ بات اورگان کو بتا دی اور اس نے میری بات کو سراہا تھا۔ مگر اس وقت وہ نہ جانے کیوں مجھ سے برگشتہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کسی چٹان کی طرح اپنے گھر کے احاطے کے دروازے پر ڈٹا کھڑا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کے عقب میں دیکھا کہ مجھے سامیرا دکھائی دے اور میں اس سے اپنی بے گناہی کی گواہی مانگوں۔ مگر وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی شاید وہ اندر کہیں تھی یا اسے اورگان نے باہر آنے سے روک دیا تھا۔ سپاہی اب تک خاموش کھڑے تھے وہ تذبذب میں تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ پھر اورگان نے ان سے کہا۔ ''اسے لے جاؤ اور سوران سے کہنا میں اس سے بڑا ہوں۔''

سپاہیوں کے سردار نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''ہم یہ گستاخی نہیں کر سکتے وہ یہاں کا مہا پجاری ہے اور اس سے بڑا کوئی بھی نہیں ہے۔''

''تب اور یہ بات اس سے کہے گا۔'' اورگان نے میری طرف دیکھا اس کی نظروں میں ایک خاص چمک تھی۔ اچانک مجھے لگا جیسے اورگان مجھے کوئی پیغام دے رہا ہو لیکن میں یہ پیغام سمجھنے سے قاصر تھا۔ سپاہیوں نے مجھے پھر سے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ وہ مجھے لے کر روانہ ہوئے تو میں اس وقت تک پلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا جب تک اورگان کا گھر نظر آتا رہا۔

''سیدھے چلو۔'' ایک سپاہی نے مجھے ٹوکا لیکن اس کا انداز تمیز والا تھا ان کو احساس تھا کہ میرا تعلق مہا پجاری سوران اور اس کے بڑے بھائی اورگان سے تھا لہٰذا مجھ کسی قسم کی بدتمیزی ان کے لیے مصیبت بن سکتی تھی۔ میں سارے راستے سوچتا رہا تھا کہ اورگان کے اس رویے کی وجہ کیا تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا اسے سچ مچ سامیرا کے لیے خدشہ پیدا ہو گیا تھا؟''

''یا وہ موران کے منصوبے کو بھانپ گیا تھا اور اس لیے اس نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا؟''

سوچوں میں راستے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ جب قلعہ نظر آیا تو میں چونکا تھا۔ میری واپسی کی اطلاع فوری طور پر قلعے دار کو مل گئی تھی جس کے حوالے آسر نے مجھے کیا تھا۔ ''اسے واپس کیوں لائے؟'' قلعے دار نے سپاہیوں پر گرجنا برسنا شروع کر دیا تھا۔ ''اسے اورگان کے حوالے کرنا تھا۔''

سپاہیوں کا سربراہ بے چارہ اس کے سامنے منمنانے لگا تھا حالانکہ اس کا قصور نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح سنانے کے بعد قلعے دار نے مجھ سے کہا۔ ''سچ سچ بتاؤ..... اورگان نے تم کو کیوں واپس کر دیا؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ بہتر ہے تم خود اورگان سے پوچھ لو۔'' میں نے اس کے سامنے سامیرا کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔ سپاہیوں کے سردار نے بھی اسے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ صرف یہ کہا تھا کہ اورگان نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ میرے جواب سے قلعے دار بھی سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس نے ایک آدمی طلب کیا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ وہ چلا گیا تو قلعے دار نے میرے بارے میں حکم دیا۔

''اسے کسی کمرے میں بند کر دو اور اگلے حکم تک اس کا خیال رکھنا۔''

مجھے لے جا کر قلعے کی فصیل کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا گیا تھا یہ کوئی قید خانہ نہیں تھا بلکہ سپاہیوں کے ستانے کی جگہ تھی اور اسے میرے عارضی قید خانے کے طور پر چنا گیا تھا۔ یہ لوگ کچی مٹی کی اینٹ پکا کر اس سے تعمیر کے فن سے آشنا تھے اور یہ قلعہ اور شہر کی عمارتیں پکی ہوئی اینٹوں سے بنی تھیں۔ کہیں کہیں پتھر کے بلاکس سے بنی عمارتیں بھی تھیں مگر یہ زیادہ تر سرکاری عمارتیں اور محلات تھے۔ جن کی تعمیر میں فنی نزاکتوں کے ساتھ مضبوطی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ جس وقت مجھے بند کیا گیا تھا رات قریب تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی دو سپاہی مجھے کھانے کی ٹرے دے گئے تھے۔ کھانے میں دلیہ تھا اور سبزیوں کا سوپ تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ قلعے دار نے آسر کو میرے بارے میں اطلاع بھیج دی ہوگی۔ میں کھانے کے بعد لیٹ گیا۔ اگرچہ مسلسل سفر کے باوجود مجھے تھکن نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی میں نے آرام مناسب سمجھا کہ آنے والا وقت میرے لیے نہ جانے کون سی مشکل لے کر آتا ہے۔ چند گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سپاہی نے مجھے باہر آنے کو کہا۔

''مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''خاموشی سے چلو۔'' اس نے مجھے گھرک دیا۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگایا کہ حالات میرے لیے سخت ہونے والے تھے۔ باہر ایک بیل گاڑی کھڑی تھی مجھے اس میں سوار کرایا گیا۔ میرے ساتھ چار مسلح سپاہی تھے۔ اور انہوں نے مجھے یوں گھیر رکھا تھا جیسے ان کو خطرہ ہو کہ میں ابھی کہیں فرار ہو جاؤں گا حالاں کہ یہ وادی میرے لیے ایک بہت بڑا قید خانہ تھا اور اس سے نکل کر میں کہاں جا سکتا تھا۔

''مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' میں نے ایک سپاہی سے پوچھا۔

''ابھی تم دیکھ لو گے۔'' اس نے کھردرے لہجے میں کہا۔

بیل گاڑی دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ مجھے شاید معبد لے جایا جا رہا تھا۔ مگر بیل گاڑی معبد کے بجائے ایک بڑی سی عمارت کے اندر جا کر رکی تھی۔ رات کا وقت تھا اور شہر کی سڑکیں ویران تھیں۔ مکانوں میں کہیں کہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ خاموشی اتنی تھی کہ سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز سنائی دیتی۔ جس عمارت میں بگل گاڑی رکی وہ اپنے انداز سے کوئی سرکاری عمارت لگ رہی تھی۔ مجھے نیچے اتار کر اندر لایا گیا۔ اور ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا یہاں لکڑی کی بنچیں رکھی تھیں۔ ابھی مجھے بیٹھے کچھ دیر ہوئی تھی کہ ایک جوان آدمی اندر آیا اس کا لباس بتا رہا تھا کہ وہ کوئی اعلیٰ عہدیدار یا کوئی ذی حیثیت شخص ہے۔ اس نے آتے ہی عقابی نظروں سے میرا جائزہ لیا اور بولا۔

"تم کون ہو؟"

"میرا نام عمر دراز ہے۔" میں نے بتایا۔ "اور میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ یہاں آیا تھا پھر ایک حادثے کی وجہ سے وادی میں گر گیا۔"

"تم اوپر سے گرے تھے؟" اس کے لہجے میں تعجب تھا۔

"جی جناب، میں اوپر سے گرا تھا مگر مرنے سے بچ گیا۔"

"وہ کیسے؟"

میں نے اسے مختصراً بتایا کہ میں کس طرح گرنے کے بعد مرتے سے بچا تھا۔ مگر وہ سوال کرتا رہا اس وجہ سے بات لمبی ہوتی گئی تھی اور اس نے نہایت ذہانت سے ساری صورتِ حال جان لی تھی۔ وہ کوئی سرکاری عہدیدار تھا اس کے عہدے کا ستائی نام میری سمجھ سے باہر تھا اور اسے شاید میرے بارے میں پوری طرح علم نہیں تھا۔ کیونکہ میں تو اورگان اور موران کے درمیان کھلونا بنا ہوا تھا۔ اب شاید میں حکومت کے ہاتھ آیا تھا۔ اس نے ساری بات جان کر اور خاص طور سے ولیم شنا اور ولسن کے بارے میں جان کر وہ سوچ میں پڑ گیا تھا مجھے ایسا لگا جیسے وہ ان کے وجود سے لاعلم ہو۔ میں منتظر تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا کہتا ہے۔ جب وہ کچھ دیر خاموش رہا تو میں نے خود پوچھ لیا۔ "جناب میرے ساتھ اب کیا ہوگا کیونکہ میں بے گناہ ہوں خود سے نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہوں۔"

"تم لوگ اس طرف کیوں آئے تھے؟"

"یہ بات ولیم کو معلوم ہے۔" میں نے احتیاط سے جواب دیا۔ "وہی ہمیں لایا ہے۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم بغیر وجہ جانے اس کے ساتھ چلے آئے۔"

"میں ایک طرح سے اس کا ملازم ہوں اس لیے اس کی بات ماننا پڑتی ہے۔" میں نے وضاحت پیش کی وہ اس سے مطمئن نظر آنے لگا مگر ساتھ ہی اس نے مجھے خبردار کیا۔

"میں ان سب باتوں کی تصدیق کروں گا اور اگر تمہاری کوئی بات غلط نکلی تو تم کو سخت سزا ملے گی۔"

"اگر میری کوئی بات غلط نکلی تو مجھے ہر سزا منظور ہوگی۔" میں نے دل کڑا کر کے کہا۔ کیونکہ میں نے بہت ساری باتیں غلط بھی کی تھیں۔

"اس جگہ کا قانون ہے اگر باہر سے کوئی جان بوجھ کر یہاں آئے تو اسے سزائے موت دی جاتی ہے اور اگر کوئی غلطی سے آجائے تو اسے سزا نہیں دی جاتی ہے لیکن پھر اسے واپس جانے کی اجازت نہیں ملتی ہے۔"

"اگر اس سوال کو گستاخی نہ سمجھا جائے تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ آج تک کوئی وادی میں آیا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم سے پہلے کوئی نہیں آیا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "کم سے کم میرے علم میں نہیں ہے۔ مگر قانون تو قانون ہے اس کے لیے خلاف ورزی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔"

"اس صورت میں مجھے سزائے موت دینا ناانصافی ہوگی کیونکہ میں خود نہیں آیا ہوں بلکہ مجھے برفانی آدمی نے وادی میں پھینکا تھا اس کی تصدیق اور گواہی کر سکتا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اس نے تمہیں قتل کرنے سے کیوں انکار کر دیا ہے؟"

"یہ سوال تو اس سے کرنا چاہیے جناب۔"

"پھر بھی تمہیں کچھ اندازہ تو ہوگا۔"

"میرا خیال ہے وہ اپنے نبی کی طرف سے پریشان ہے کیونکہ اس نے مجھ میں کچھ دلچسپی لی تھی۔" میں نے کسی قدر ہچکچا کر کہا۔

"اور تم نے؟"

"میں اس کو پسند کرتا ہوں لیکن اس حد تک نہیں کہ اس کے بارے میں سوچتا رہوں۔"

"تو یہ ہو سکتی ہے۔"

"شاید۔۔۔ میں نے اس بارے میں سوچا نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "جلد تمہارا مقدمہ اس جگہ کے حاکم کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔"

"مجھے جب مہا پجاری کے آدمیوں نے گرفتار کیا تھا تو ان کا کہنا تھا کہ اس جگہ سب سے زیادہ اہمیت مہا پجاری کی ہے اور صرف مہا پجاری کرے گا اور اس نے مجھے رہا کر دیا تھا۔"

"یہ درست ہے۔" اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ "مگر صرف نیابتی حد تک۔ یہاں کا اصل حاکم لامکتا ہے اور وہی تمہارا فیصلہ کرے گا۔"

"جناب کیا یہ ناانصافی نہیں ہے کہ ایک شخص کو ایک عدالت سے رہا کر دیا جائے اور اسے پھر اسی جرم میں دوسری عدالت میں پیش کر دیا جائے۔"

"نہیں کیونکہ اس معاملے میں صحیح سے تفتیش نہیں ہوئی تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "اس لیے مقدمہ پھر سے شروع ہو سکتا ہے۔"

"یہ زیادتی ہے۔" میں نے احتجاج کیا تھا۔

"تمہارے ساتھ انصاف ہوگا اگر ثابت ہو گیا کہ تم خود نہیں آئے تھے بلکہ گرے تھے تو تم کو سزا نہیں ملے گی۔"

یعنی سزا کی تلوار بدستور میرے سر پر لٹک رہی تھی اور ابھی سوران کی دھمکی باقی تھی۔ اس شخص نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اس وادی کا حکمران لامکتا سب سے بااختیار شخص تھا۔ میں نے مہا پجاری کے جو خطابات سنے تھے اس کے بعد میرے لیے اس بات پر یقین کرنا دشوار تھا اگر لامکتا مجھے رہا بھی کر دیتا تو سوران کے لیے تو ابھی مشکل نہیں تھا کہ وہ مجھے بیتور کے نام پر سزا دینے کے لیے منتخب کر لیتا۔ جب معاملہ مذہب کا آئے تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک کے بااختیار حاکم بھی بے بس ہو جاتے ہیں۔ اس سرکاری افسر کے جانے کے بعد دو سپاہیوں نے مجھے لے جا کر ایک صاف ستھری کوٹھری میں بند کر دیا۔ یہ قید خانہ اسی عمارت میں کہیں تھا۔ صبح کا وقت قریب تھا اس کے باوجود میں سو گیا۔ میں دوپہر تک سوتا رہا تھا پھر مجھے ایک سپاہی نے بیدار کیا وہ کھانا لایا تھا۔ ''جلدی سے کھا لو تم کو پیش ہونا ہے۔''

یہ سوچ کر میری بھوک اُڑ گئی تھی کہ اب شاید مجھے حاکم اعلیٰ کے سامنے پیش ہونا تھا۔ اور وہ میری قسمت کا نہ جانے کیا فیصلہ کرتا۔ میں نے چند لقمے لیے اور ہاتھ کھینچ لیا۔ سپاہی دس منٹ بعد ہی آ گیا تھا اور اس نے مجھے چلنے کو کہا۔ میں اس کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ مگر خلاف توقع مجھے اسی رات والے افسر کے سامنے پیش کیا گیا تھا اب وہ ایک آراستہ پیراستہ دفتر میں بیٹھا تھا اور اس نے کلف دار وردی پہن رکھی تھی اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ فوج کا کوئی عہدیدار تھا۔ رات وہ سادہ کپڑوں میں تھا۔ اس نے مجھے ایک لکڑی کی بنچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''او مرد راز۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''تم نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ان کو تم لائے تھے اور تمہارا ارادہ شروع سے وادی میں اترنے کا تھا۔''

''یہ جھوٹ ہے جناب۔''

''مہا پجاری نے ان کے بیان کی تصدیق کی ہے۔''

''انہوں نے کسی ترکیب سے مہا پجاری کو اپنے قابو میں کر لیا ہے اور وہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ کرنے کو تیار نہیں ہے۔''

''مہا پجاری کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا وہ سب سے عظیم ہے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''کل تو جناب کہہ رہے تھے کہ اس جگہ سب سے بااختیار حاکم او میکنا ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''وہ اور بات تھی۔'' اس کا لہجہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔

میں مخمصے میں پڑ گیا تھا کہ اسے ساری بات بتاؤں یا نہیں میں سوچ رہا تھا کہ اسے موران اور اورگان کی کشمکش کے بارے میں بتا دوں مگر پھر میں نے زبان بند رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ''تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''نہیں جناب۔'' میں نے گہری سانس لی تھی۔ ''میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ صرف یہ بتا دیں کہ میرے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے۔''

''تمہیں مہا پجاری کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا جیسے اسے یہ بات ناپسند ہو۔

''کیا مہا پجاری نے مجھے طلب کیا ہے؟''

''ہاں اس نے تم کو طلب کیا ہے۔'' اس بار اس کے لہجے میں نفرت نمایاں تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر وہ موران سے نفرت کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اورگان کا حامی ہے اور وہ فوج میں افسر ہے تو اس سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ فوج میں بھی اورگان کے حامی ہیں۔ وہ مجھے جس طرح موران کے حوالے کر رہا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ موران کے سامنے بے بس ہے اور جب موران نے مجھے مانگا تو وہ مجھے اس کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے دبی زبان میں کہا۔ ''جناب عالی مجھے خوف ہے کہ مہا پجاری میرے دونوں ساتھیوں کے کہنے میں آ کر مجھے کوئی ایسی سزا نہ سنا دے جس کا میں مستحق نہ ہوں۔''

''اس صورت میں کوئی اس فیصلے کو تبدیل نہیں کرا سکتا ہے۔'' اس نے مجھے آگاہ کیا۔ ''تم کوشش کرنا مہا پجاری تم سے راضی رہے۔''

''میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے کس طرح راضی ہوگا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''اب آگے تمہاری قسمت۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔

میں تو سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ انصاف ہوگا مگر.....'' میں نے سرد آہ بھری۔

''تم اتنا بددل مت ہو۔'' اس نے مجھے تسلی دی۔ ''ممکن ہے مہا پجاری تم کو معاف کر دے۔''

مگر مجھے اس کی امید نہیں تھی کیونکہ مہا پجاری نے مجھے جس طرح سے واپس مانگا تھا صاف ظاہر تھا کہ اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میرا مقدمہ اومیکنا کے سامنے پیش ہو اور شاید وہاں سے میری رہائی کا حکم آ جائے۔ اس نے اس سے پہلے ہی مجھے طلب کر لیا تھا اور کیونکہ میں ناکام رہا تھا اس لیے اس سے رحم کی امید بھی نہیں تھی بلکہ اب میری آزادی اس کے لیے خطرناک ہو گئی تھی کیوں کہ میں اس کے راز سے واقف ہو گیا تھا کہ وہ مہا پجاری بننے کے لیے بعض ضروری علوم سے ناواقف تھا اور یہ بات دوسروں کے علم میں آ جاتی تو اس کی مہا پجاری کی حیثیت خطرے میں پڑ جاتی۔ مجھے حیرت تھی اس نے کتنی آسانی سے یہ بات مجھے بتا دی تھی۔ شاید اس لیے کہ ذہین ہونے کے باوجود یہ لوگ سازشوں کے معاملے میں پیچھے تھے۔ مگر اب مہا پجاری کو اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا اس لیے وہ بہرصورت مجھے اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا تھا تاکہ میری زبان بند کر سکے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مستقل طور پر میری زبان بند کرنے کی سوچ رہا ہو۔

''تم کیا سوچ رہے ہو؟'' افسر مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''یہی کہ میرا انجام قریب ہے۔ شاید مجھے کل کا سورج دیکھنا نصیب نہ ہو۔''

''سورج تو یہاں ویسے بھی نظر نہیں آتا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''سینتور کے پجاری جب چاہتے ہیں اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔''

میں اس معاملے میں اس سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ یہ لوگ اسے اپنے اعتقاد کا حصہ سمجھتے تھے اور عقیدہ ایسی چیز ہے جو نہ کسی دلیل یا منطق سے کسی کے دل میں بٹھایا جا سکتا ہے اور نہ اسے کسی دلیل یا منطق سے نکالا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں بحث کرنا بے کار ہے۔ میرے بارے میں فیصلہ ہو چکا تھا اس لیے مجھے فوری طور پر معبد روانہ کر دیا گیا تھا۔ ایک بیل گاڑی میں سوار تین مسلح سپاہیوں کی تحویل میں مجھے معبد بھیج دیا گیا تھا۔ معبد تک جانے والی طویل سرنگ نہ جانے کتنے سالوں میں جا کر تیار ہوئی تھی۔ اس پر یقیناً بے پناہ محنت لگی تھی مگر ان کے پاس کام لینے کے لیے غلاموں کی کمی نہیں تھی۔ آپ قدیم دور کی کوئی بھی عظیم الشان تعمیر دیکھ لیں اس کی بنیاد میں غلاموں کا خون پسینہ ہی ملے گا۔ اہرام مصر سے لے کر بابل کے باغات تک ہر جگہ تعمیر میں غلاموں سے کام لیا جاتا تھا کیونکہ یہ مفت کے مزدور کام کرتے کرتے مر جاتے تھے تب بھی ان کو معاوضہ نام کی کوئی چیز نہیں دی جاتی تھی یہ صرف دو وقت کی روٹی پر کام کرتے تھے۔ اس سرنگ کو دیکھ کر مجھے یہی خیال آیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ اس کی تعمیر میں نہ جانے کتنے لوگوں کی جان گئی ہوگی اور نہ جانے کتنوں نے اپنا پسینہ بہایا ہوگا۔

قدیم تہذیبوں میں اوپری طبقہ ہمیشہ لوگوں سے دور اپنی دنیا بساتا رہا ہے تاکہ ایک تو ان کو عوام کا براہ راست سامنا نہ کرنا پڑے دوسرے وہ لوگوں کی نظروں سے دور عیش وعشرت کی زندگی بسر کر سکیں۔ یہاں بھی سینتور کے معبد کی اصل شہر سے اتنی دوری کی وجہ یہی سمجھ میں آتی تھی کہ پجاری سکون سے عیش کریں اور عام لوگ ان کے لیے کام کرتے رہیں۔ ورنہ یہ راستہ کتنا خطرناک تھا اس کا مشاہدہ میں نے اور گان کے ساتھ اس جنگل کے سفر میں کیا تھا جو اس سرنگ کے اوپر تھا اور اس میں کئی طرح کے خطرناک جانور تھے جن میں سے گھوڑے نما انسان کو میں نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ اس جانور ہارن کے بارے میں اورگان نے بتایا تھا کہ ان لوگوں کی آمد سے پہلے اس وادی پر ہارن کا راج تھا اور اب وہ مغربی جنگل تک محدود ہو گئے تھے۔ جس وقت سرنگ کی تعمیر جاری تھی تو بنانے والوں کو ان تمام جانوروں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اور نہ جانے ان میں سے کتنے ان جانوروں کا نشانہ بن گئے ہوں گے۔

جو اپنے لوگوں کو اتنی بے دردی سے استعمال کریں میں ان سے خیر کی توقع کیسے کر سکتا تھا۔ معبد کی طرف سفر میں اسی قسم کے خیالات اور خدشات میرے ذہن میں گردش کرتے رہے تھے۔ سفر کے دوران رات ہو گئی تھی اور سرنگ میں جا بجا چربی میں بھیگی مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں اور ان کی روشنی میں سرنگ اتنی روشن تھی کہ زمین پر پڑا گھاس کا تنکہ تک صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جدید ذرائع کی کمی ان لوگوں نے اپنی ذہانت سے پوری کر لی تھی اور اپنے وسائل کو بہت سلیقے سے استعمال کرتے ہوئے اپنی مشکلات کو حل کر لیا تھا۔ میں نے شہر میں آباد لوگوں کو بھی صحت مند اور صاف ستھرا پایا تھا۔ یعنی عام لوگوں کو بھی زندگی کی بنیادی ضروریات میسر تھیں جیسے خوراک، لباس، مکان اور ضروری تعلیم۔ مگر ساتھ ہی ان پر جبر کا ایک نظام بھی مسلط تھا جس میں اعلیٰ وادنیٰ طبقے کی تخصیص تھی اور عیش وآرام اوپر والوں کا حق بنا دیا گیا تھا۔

ممکن ہے جس وقت انسان اس وادی میں آیا تھا تو اس نے محدود وسائل کی وجہ سے ایک خاص طرز زندگی اپنا لیا ہوتا کہ وسائل ضائع کیے بغیر اپنی نسل بڑھا سکیں۔ مگر جیسے جیسے وہ ترقی کرتے رہے، مسائل پر قابو پاتے رہے اور وادی پر اپنا تسلط قائم کرتے گئے۔ ان میں خود بخود ایک حکمران کلاس پیدا ہو گئی جس نے حکمرانی کو اپنا موروثی حق سمجھ لیا تھا اور دوسرے طبقے کو کم تر قرار دے کر صرف محنت والے کاموں اور حکم کی تعمیل کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ دنیا میں ہر جگہ پائی جانے والی اقوام اس مرحلے سے گزری ہیں۔ (یہ اعزاز موجودہ دنیا میں صرف ہمیں حاصل ہے کہ ہم ابھی اس موروثی حق حکمرانی کے تجربے سے گزر رہے ہیں جسے دنیا کب کی خیرباد کہہ چکی ہے اور مزے کی بات ہے ہم نام پھر بھی جمہوریت کا لیتے ہیں۔)

میرا خیال تھا کہ اتنی رات کے بجائے اب مجھے صبح سویرے ہی موران یا آسر کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ جب بیل گاڑی معبد کے احاطے میں داخل ہوئی تو نصف رات گزر چکی تھی۔ اس کے باوجود احاطہ مشعلوں کی روشنی سے جگ مگا رہا تھا۔ اور سامان لانے اور معبد سے فالتو اشیاء اور کچرا لے جانے کا سلسلہ جاری تھی۔ کیونکہ کسی بھی کام کے لیے معبد کے باہر نہیں جاتے تھے اور ان کی تمام ضروریات شہر سے پوری کی جاتی تھیں جس کا نام آرگون تھا۔ مجھے بیل گاڑی سے اتار کر معبد کی عقبی سمت سے اندر لایا گیا تھا تب مجھے اندازہ ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ مجھے آسر یا موران کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔ اندر مجھے ایک اور شخص نے وصول کیا۔ اس کا انداز وصول کرنے والا تھا۔ اس نے میرا بازو پکڑا اور تحکمانہ انداز میں بولا۔ ''ابھی تمہیں مہا پجاری کے عظیم نائب جناب آسر کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ان کے ادب کا پورا خیال رکھنا۔''

مجھے ہنسی آ گئی تھی جس پر اس نے مجھے خون خوار نظروں سے دیکھا اور گرج کر بولا۔ ''تم نے ابھی سے بد تمیزی شروع کر دی ہے۔''

''نہیں۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''ہمارے ہاں اگر کسی کی انتہائی تعظیم کرنا ہو تو اس کا نام سن کر ہنستے ہیں۔''

اس نے بہت برے انداز میں میری طرف دیکھا اور شاید دل ہی دل میں مجھے سناتے ہوئے وہ اندر ایک کمرے میں لایا جہاں ایک سرخ قالین پر آسر براجمان تھا اور اس کے سامنے ساغر و مینا رکھے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ساقی بھی خوب تھا۔ آسر یقیناً نشے میں تھا۔ اس نے سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اور اشارے سے مجھے لانے والے اور ساقی لڑکی کو جانے کو کہا وہ فوراً کمرے سے نکل گئے تھے اس کے بعد آسر نے مجھے قریب بلایا۔

''کیا ہوا اور گان نے تم کو واپس کیوں کر دیا؟'' اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ وہ پریشان لگ رہا تھا۔

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''پھر بھی اس نے کیا کہا تھا؟''

''اس کا کہنا ہے کہ میں نے اس کے اعتماد کو دھوکا دیا ہے اور وہ اس وجہ سے مجھے قبول نہیں کر سکتا ہے۔''

''کیسا دھوکا؟''

''شاید سامیرا کے حوالے سے۔'' میں نے کسی قدر ہچکچا کر کہا۔ ''ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے ایک بار بھی اس کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچی ہے۔''

''پھر اس نے ایسا الزام کیوں لگایا۔'' آسر نے اعتراض کیا۔ ''وہ اگر چاہتا تو تم کو لینے سے ویسے بھی انکار کر سکتا تھا۔''

اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا اس لیے میں خاموش رہا تھا۔ آسر نے کہا۔ ''تم اپنا کام کرنے میں ناکام رہے ہو اب جانتے ہو تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔''

''شاید مجھے اسار کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔''

''ممکن ہے۔'' اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''کیا تم اس سے خوف زدہ نہیں ہو؟''

''اگر میرے خوفزدہ ہونے سے میری موت ٹل سکتی ہے تو میں بہت خوفزدہ ہوں۔''

''ممکن ہے تمہیں اس سے بھی زیادہ بری موت نصیب ہو۔''

''موت موت ہوتی ہے۔ اس کی ذاتی تکلیف بھی کم نہیں ہوتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

آسر مسکرایا تو اس کے انداز میں سفاکی نمایاں تھی۔ ''ہمارے پاس اس سے بھی بری موت آ گئی ہے۔''

وہ چاہتا تھا کہ میں اس موت کے بارے استفسار کروں مگر میں چپ رہا تو اس نے خود ہی وضاحت کر دی۔ ''ہمارے آدمیوں نے ایک ہارن زندہ پکڑ لیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہارن۔'' میں چونکا۔ ''جانور نما انسان؟''

''لگتا ہے اورگان نے تمہیں اس وادی کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''نہیں جب ہم جنگل سے گزر رہے تھے تو اورگان نے مجھے وہاں پائے جانے والے خطرات کے بارے میں بتایا تھا۔''

''ہارن بہت خطرناک اور وحشی ہوتا ہے۔'' اس نے پُرزور لہجے میں کہا۔ ''کسی بھی انسان کو لمحوں میں چیر پھاڑ کر ختم کر دیتا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مجھے اسمار کے سامنے ڈالا جائے گا یا ہارن کے سامنے؟'' میں نے کسی قدر استہزائیہ انداز میں کہا کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ مجھے صرف ڈرا رہا تھا۔ شاید میرے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا اور وہ اس ناکامی کی صحیح وجہ جاننا چاہتے تھے۔ آسر جاننے کی کوشش کر رہا تھا اور بہت بھونڈے انداز میں کوشش کر رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ابھی مجھے موران کے سامنے پیش کیا جائے گا اور میں اس کے سوالات کا سامنا کروں گا۔ میں نے سوچا اگر موران نے مجھ سے اکیلے میں بات کی تو میں اسے اورگان کے رویے کے بارے میں صاف صاف بتا دوں گا۔

''مجھے لگ رہا ہے۔ مہا پجاری تمہارے بارے میں کوئی اچھا فیصلہ نہیں کرے گا۔''

''جو میری قسمت میں ہوگا وہ تو مجھے بھگتنا ہی پڑے گا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''یہ قسمت کیا ہوتی ہے؟''

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور اس نے سر ہلایا۔ ''اچھا ہم اسے سینتور کی مرضی کہتے ہیں۔''

''یہی مفہوم ہمارا بھی ہوتا ہے۔''

آسر بہت فکرمند نظر آ رہا تھا اس نے مٹی کی بنی صراحی سے مٹی کے گلاس میں ہی شراب نکالی اور اس کی چسکیاں لینے لگا غالباً وہ غور کر رہا تھا کہ میری اس ناکامی کے اس پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے تھے کیونکہ اسی نے موران کو اس پر قائل کیا تھا کہ وہ مجھے اورگان کے پاس بھیج کر اسے راضی کرنے کی کوشش کرے کہ وہ اسے مخصوص آبائی علوم سکھا دے جو اس کے باپ نے اسے سکھائے تھے۔ اصل میں وہ سامیرا پر مرمٹا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ سامیرا کی شادی اس سے ہو جائے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اس خواہش کے پس پردہ آسر کی مہا پجاری بننے کی آرزو کارفرما تھی کیونکہ وہ سامیرا سے شادی کر کے مہا پجاری کے منصب کا مضبوط امیدوار بن سکتا تھا اور اس کے ذہن میں یہ بھی ہوگا کہ اس طرح وہ پُراسرار علوم حاصل کر لے گا جو مہا پجاری بننے کے لیے لازمی ہوتے ہیں۔ میں نے آسر سے کہا۔ ''کیا میں تم سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟''

''کس بارے میں؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''مہا پجاری کے بارے میں۔''

''پوچھو۔''

''جب مہا پجاری کے پاس وہ علوم نہیں ہیں جو مہا پجاری بننے کے لیے لازمی ہوتے ہیں تو وہ پھر کس طرح مہا پجاری بن گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیونکہ اس کا باپ مہا پجاری تھا۔'' آسر نے جواب دیا۔ ''اس نے مہا پجاری کو تھوڑی تربیت دے دی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کی مکمل تربیت کرتا اسے موت نے آلیا تھا۔''

مجھے یاد آیا کہ موران نے کسی برف والے کا ذکر کیا تھا جو اوپر کہیں برف میں رہتا تھا اور برف ہی کھاتا تھا اس کے پاس سب سے زیادہ علم تھا۔

''مہا پجاری برف والے سے یہ علوم کیوں نہیں سیکھ لیتا؟''

''کیونکہ یہ علوم ایک وقت میں ایک ہی آدمی کے پاس ہونے چاہئیں۔ اگر کوئی اور ان علوم کو جانتا ہو تو برف والا کسی اور کو یہ علوم نہیں سکھاتا ہے۔''

''اور گان ان علوم سے واقف ہے۔''

''بس یہی ایک رکاوٹ ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''ورنہ مہا پجاری اب تک برف والے سے یہ علوم سیکھ چکا ہوتا۔''

میں نے اندازہ لگایا کہ آسر موجودہ صورت حال کو اپنے حق میں سمجھ رہا ہے اور وہ کسی صورت نہیں چاہتا کہ موران یہ علوم سیکھ کر اپنا منصب مکمل کر لے اور اس کے مہا پجاری بننے کی راہ مسدود ہو جائے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''سنو..... میرا خیال ہے اور گان بھانپ گیا ہے کہ مہا پجاری نے مجھے کس مقصد کے تحت رہا کیا ہے۔''

آسر چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''اور گان مہا پجاری کو ان علوم میں حصے دار بنانا نہیں چاہتا ہے اس لیے اس نے مجھے واپس لینے سے انکار کر دیا۔''

''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔'' آسر کے چہرے پر رونق آ گئی تھی شاید اسے موران کے سامنے وضاحت پیش کرنے والا نکتہ مل گیا تھا۔ اتنی دیر سے وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ''تم تو بہت بدھو ہو۔''

''بدھو؟'' میں حیران ہوا تھا۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟''

''تم نے اتنی اچھی ترکیب بتائی ہے۔''

''بدھو ہماری زبان میں احمق آدمی کو کہتے ہیں۔'' میں نے کہا اور پھر اسے احمق کی وضاحت بھی کر کے بتانی پڑی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''ہمارے ہاں بدھو اسے کہتے ہیں جس کے سر میں بدھ ہو۔''

مجھے خیال آیا کہ ہندی میں بھی عقل کو بدھی کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی زبان کے بہت سارے الفاظ برصغیر میں بولی جانے والی مختلف زبانوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ عقل کو بدھ کہتے تھے جو بدھی سے ملتا جلتا لفظ ہے۔ اس لسانی بحث سے فارغ ہونے کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آیا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''موران ابھی غصے میں ہے اور اگر میں نے تم کو اس کے سامنے پیش کیا تو عین ممکن ہے وہ تمہیں فوراً اسمار کے سامنے پھینکوا دے۔ اس لیے تم کو صبح اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔''

میں کون سا موران کے سامنے پیش ہونے کے لیے مرا جا رہا تھا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مجھے اور مہلت مل گئی تھی اور دوسری طرف امید بندھی تھی کہ آسر اپنے مطلب کے لیے مجھے بچانے کی کوشش ضرور کرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔ اسے مخصوص علوم حاصل کرنے کی پٹی بھی آسر نے پڑھائی تھی تاکہ اورگان اور اس کے ساتھیوں سے بلاوجہ تنازعہ کھڑا کیا جائے اور ممکن ہے اس تصادم کی آڑ میں وہ مہاپجاری کے منصب پر قبضے کی فکر میں ہو۔ ابھی اس نے جس طرح موران کا نام لیا تھا اس سے ظاہر تھا کہ اس کے دل میں موران کی کوئی عزت نہیں تھی اور وہ خود کو اس سے کم تر نہیں سمجھتا تھا۔

☆=====☆=====☆

آسر نے مجھے اسی قید خانے میں ڈلوا دیا جہاں میں پرسوں رات تک تھا۔ اس بار قید خانے کے داروغہ نے مجھے خاص اہمیت دی تھی اور کوٹھری میں بستر مہیا کر دیا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ مضبوط لکڑی کا تھا اور اس میں اوپر کی طرف ایک سوراخ تھا جس سے اندر جھانکا جا سکتا تھا۔ اسی طرح میں بھی اس سے باہر جھانک سکتا تھا۔ اس قید خانے میں آمنے سامنے کوٹھریاں بنی تھیں۔ ان میں اکثر میں کوئی نہ کوئی قیدی تھا یعنی یہاں بھی ریاست سے بغاوت کرنے والوں کی خاصی تعداد تھی جو ریاست کے کسی نہ کسی قانون کی خلاف ورزی کے جرم میں اندر تھے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ یہ معبد تھا اور سرکار کے مجرموں کے لیے جیل شہر میں ہوگی۔ یہاں تو صرف موران کے مجرم ہو سکتے تھے۔ میرے سامنے والی کوٹھری میں ایک شخص تھا اس کا پتا مجھے یوں چلا کہ وہ اکثر ٹہلتا رہتا تھا اور اپنے دروازے کے سوراخ سے مجھے نظر آتا تھا۔ رات کو میں سو رہا تھا کہ کسی کی سسکیوں کی آواز نے مجھے بیدار کر دیا۔ میں نے اٹھ کر سوراخ سے جھانکا تو آواز سامنے والے کمرے سے آ رہی تھی۔ رونے کے ساتھ وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ اس کے الفاظ میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ قید خانے میں انسان رو تا ہی ہے مگر اس کی آواز میں ایسا درد تھا کہ میں نے بے چین ہو کر اسے پکارا۔ ''بھائی کیا بات ہے تم اس طرح کیوں رو رہے ہو؟''

اس کی سسکیاں تھم گئی تھیں اور کچھ دیر بعد وہ اپنی کھڑکی پر نمودار ہوا۔ ''تم کون ہو اور مجھ سے کیوں بات کر رہے ہو؟''

''میں بھی ایک قیدی ہوں اور وادی میں داخلے کے جرم میں قید ہوں۔'' میں نے اسے بتایا تو وہ چونکا تھا۔

''تم ان دونوں کے ساتھی ہو جو اوپر سے لائے گئے تھے اور اب مہاپجاری کے مہمان ہیں۔''

''ہاں وہ میرے ساتھ تو آئے تھے مگر میرے ساتھی نہیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے مجھ پر ہی الزام لگا دیا ہے کہ میں ان کو یہاں لانے کا ذمے دار ہوں۔''

''انہوں نے ہی مجھے پھنسایا ہے۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

میں چونکا۔ ''تم کو پھنسایا ہے، کیسے؟''

''میں معبد کے خادموں میں شامل ہوں اور اوپر جانے والے راستے کی پہریداری کرتا ہوں۔ سرخ بالوں والے نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میری غفلت کی وجہ سے اس کا ایک ساتھی چپکے سے وادی میں اتر آیا۔ کہیں وہ ساتھی تم ہی تو نہیں ہو۔''

''میں اس کا ساتھی ضرور ہوں لیکن یہ بالکل بکواس ہے کہ میں اس راستے سے اترا ہوں۔ بلکہ میں تو حادثاتی طور پر نیچے گر گیا تھا۔''

''لیکن مجھ پر یہی الزام لگا ہے اور اب مجھے موت کی سزا دی جائے گی۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''موت کی سزا۔'' میں حیران رہ گیا۔

''ہاں یہاں کا قانون ہے۔ کوئی یہاں نہیں آسکتا ہے اور اگر آجائے تو اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔ اور جس کی غفلت کی وجہ سے آئے اسے بھی سزائے موت دی جاتی ہے۔''

''ولیم جھوٹ بولتا ہے۔''

''ولیم کون ہے؟''

''جس نے تم پر الزام لگایا ہے۔''

''مہا پجاری اس کی بات مان رہا ہے اور اس نے مجھے مجرم قرار دے دیا اب مجھے اسمار کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔''

''اتنی سی بات پر اتنی بھیانک سزا۔'' میں لرز گیا تھا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے مگر مجھ پر جھوٹا الزام ہے۔'' اب وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ ''میری دو چھوٹی بیٹیاں ہیں اور ان کی ماں مر چکی ہے۔''

''تب ان کا کیا ہوگا؟'' میں نے لاشعوری طور پر پوچھا۔

''ان کو معبد کے حوالے کر دیا جائے گا اور وہ تربیت پا کر بڑے ہو کر پجاریوں کی خدمت کریں گی۔''

یہ خدمت کیا ہوگی؟ یہ تو اس شخص کا لہجہ بتا رہا تھا۔ ہر جگہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ شاید جن بچوں کے ماں باپ مر جاتے تھے ان کو معبد کے حوالے کر دیا جاتا تھا اور یہ بڑے ہو کر اور تربیت پا کر پجاریوں کی خدمت کرتے تھے۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اس سے سوال کیا۔ ''تم اوپر جانے والے راستے کی نگرانی کرتے تھے؟''

''ہاں میں جوانی سے یہ کام کر رہا ہوں اور میں نے کبھی غفلت نہیں برتی اس کے باوجود مجھے سزا دی جا رہی ہے۔''

''دوست غریبوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ویسے اوپر جانے والے راستے پر کیا صرف تم ہی پہرہ دیتے ہو؟''

''نہیں اکیلا پہرہ کوئی نہیں دیتا ہے مگر ہم میں سے ایک سو جاتا ہے اور دوسرا پہرہ دیتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''اتفاق سے اس وقت میں جاگ رہا تھا جب اوپر سے ان دونوں کو پکڑ لایا گیا تھا۔''

''کیا اوپر والے پہریدار الگ ہوتے ہیں؟''

''ہاں وہ زیادہ ہوتے ہیں اور زیادہ دن کے لیے اوپر جاتے ہیں کیونکہ اوپر جانا اور آنا آسان کام نہیں ہے۔''

''کیا نیچے کوئی اور نہیں دیکھتا ہے کہ اوپر سے کوئی اور تو نہیں آ رہا ہے؟'' میں آہستہ آہستہ اسے اپنے مطلب کی طرف لا رہا تھا۔

''نہیں اس راستے پر ہر کوئی نہیں جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس راستے کا کسی اور کو پتا ہے۔''

''اگر راستہ کسی ایسی جگہ نکلتا ہے جہاں سے اوپر سے آنے والا معبد کے دوسروں لوگوں کی نظروں میں آئے بغیر نکل سکے تو تمہارا قصور سمجھ میں بھی آتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہی تو بات ہے وہ راستہ معبد سے شروع ہوتا ہے اور اگر میں نے اس کو راز رکھنے کی قسم نہ کھا رکھی ہوتی تو میں تم کو بتا بھی دیتا کہ راستہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ معبد کے کسی ایسے حصے سے شروع ہوتا ہے جہاں ہر کوئی نہیں جا سکتا ہے۔''

''تم کو کیسے پتا چلا؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''تم تو بہت مہابدھو ہو۔''

بارہ گھنٹے میں دوسری بار مجھے یہ لقب ملا تھا بہر حال اتنا برا ابھی نہیں تھا کیونکہ اچھے معنوں میں استعمال ہو رہا تھا۔ ''کیا وہ مہا پجاری کا رہائشی حصہ ہے؟'' میں نے ایک اور تکا مارا۔

''ہاں..... تم کیسے جانتے ہو۔''

''میں مقدس اورگان کے ساتھ رہا ہوں اور میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔''

''یہاں مقدس صرف مہا پجاری ہوتا ہے۔''

''یہ منصب اورگان کا تھا جو ایک غلط آدمی کو مل گیا ہے اسے کچھ نہیں آتا۔''

''سینتور کے لیے ایسا مت کہو۔'' اس نے سہمی آواز میں کہا۔ ''ورنہ مجھ سے پہلے تم اسمار کے آگے ڈال دیئے جاؤ گے۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے پُر اثر انداز میں کہا۔ ''موران کا دور ختم ہونے والا ہے اور جلد مہا پجاری اورگان ہوگا۔''

وہ بے چارہ پہلے ہی میری باتوں پر حیران تھا یہ سن کر تو پاگل ہو گیا تھا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''ایسا ہوگا اور تم بھی رہا ہو گے۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''بس تم حوصلہ کرو اور اس شخص سے ڈرنا چھوڑ دو جو کچھ نہیں جانتا ہے۔''

''ایسا مت کہو، وہ مہا پجاری ہے۔''

''کیسا مہا پجاری ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ باہر سے آنے والا شخص اس کے آدمی پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے اور وہ اس کے کہنے پر اپنے آدمی کو سزائے موت دے رہا ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''پتا نہیں۔'' اس کا لہجہ کمزور ہو گیا تھا۔ اس کا نام مانے تھا اور وہ تقریباً پینتیس برس کا تھا۔ یعنی جوان ہی تھا۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں ایک تیرہ برس کی تھی اور دوسری دس برس کی۔ وہ ان کے لیے بہت پریشان تھا کیونکہ وہ معبد میں پجاریوں کی ہوس کاریاں دیکھ چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ اگر وہ مر گیا تو اس کی بیٹیاں بھی ان لوگوں کی تسکین کا سامان بن جائیں گی۔ موت کے خوف سے زیادہ وہ ان کے لیے پریشان تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ ان کی شادی کرے اور وہ اپنے گھروں میں خوش رہیں۔ میں اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس سے وادی کے اوپر جانے والا خفیہ راستہ معلوم کر لوں مگر وہ مجھے ٹال گیا تھا شاید وہ اپنی قسم توڑتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ اگلے روز اسے کہیں لے جایا گیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ اسے سزائے موت دینے کے لیے لے جا رہے ہیں مگر کچھ دیر بعد اسے واپس چھوڑ دیا گیا تھا میں جاننے کے لیے بے چین تھا کہ اسے کہاں لے گئے تھے۔ پہریداروں کے جاتے ہی میں نے اسے آواز دی۔ ''مانے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا بات ہے دوست؟'' وہ کھڑکی میں نمودار ہوا تھا۔

''تمہیں کہاں لے گئے تھے۔''

''میری بچیوں سے ملوانے اور مجھے یہ بتانے کہ کل مجھے سزائے موت دی جائے گی۔''

''میرے خدا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ ناانصافی ہے تم کو غلط سزا دی جا رہی ہے۔''

''میرا فیصلہ ہو گیا ہے۔'' اس نے کھوکھلے لہجے میں کہا۔ ''کل مجھے اسمار کے سامنے ڈال دیا جائے گا۔''

''کیا تمہارے ہاں سزائے موت اسی طرح دی جاتی ہے؟''

''نہیں ہمارے ہاں گردن میں رسی ڈال کر لٹکا دیتے ہیں۔ اس طرح سزائے موت صرف معبد میں دی جاتی ہے اور یہ طریقہ موجودہ مہا پجاری نے نکالا ہے ورنہ اس سے پہلے معبد میں کسی کو سزا نہیں دی جاتی تھی اور معبد کے مجرموں کو بھی شہر میں سزا ملتی تھی۔''

یعنی یہ موران تھا جس نے سزائے موت کا اتنا وحشت انگیز طریقہ نکالا تھا اس سے اس کی سفاکی کا پتا چلتا تھا۔ اور ایسے شخص سے میں کیا رعایت کی توقع کر سکتا تھا جس نے اپنے برسوں کے خدمت گار کو ایک باہر والے کے کہنے میں آ کر سزائے موت سنا دی تھی۔ ''کیا تم اس سزا کے خلاف شہر کے حاکم اومیکنا کے سامنے اپیل نہیں کر سکتے ہو؟''

''نہیں کیونکہ اومیکنا مہا پجاری کی دی ہوئی سزا کو رد نہیں کر سکتا ہے۔'' اس نے مایوسی سے جواب دیا۔

''سنو تم فرار بھی نہیں ہو سکتے؟'' اس بار میں نے آہستہ سے اسے مشورہ دیا۔ ''اگر تم چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔''

''تم، تم تو خود قید ہو تم میری کیا مدد کرو گے۔'' اس نے جوابی سرگوشی کی۔ ''اور یہاں سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں؟''

''اگر تم مجھے نکال سکو تو میں تم کو اپنی دنیا میں لے جا سکتا ہوں۔ وہاں تم کو کوئی ڈر نہیں ہو گا۔''

''تمہاری دنیا۔'' اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''ہاں..... جہاں سے میں آیا ہوں۔''

''وہ دنیا کہاں ہے؟''

''یہاں سے بہت دور ہے۔ مگر ایک بار میں اس وادی سے نکل گیا تو تم کو وہاں لے جا سکتا ہوں۔''

''یہاں سے کیسے نکلیں؟''

''تم سوچو..... اتنے عرصے سے کام کر رہے ہو اور معبد کے چپے چپے سے واقف ہو تو کوئی نہ کوئی راستہ جانتے ہو گے۔''

''کوئی راستہ نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''تب کل تمہیں سزائے موت دے دی جائے گی۔'' میں نے اسے ڈرایا۔ ''اور تمہاری بیٹیاں معبد کے پجاریوں کے کھلونے بن کر رہ جائیں گی۔''

''اب میں کیا کر سکتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سارا دن وقفے وقفے سے اس سے بات کرتا رہا تھا اور جب کوئی آنے لگتا تھا تو ہم چپ ہو کر کھڑکی کے سامنے سے ہٹ جاتے تھے۔ پہریداروں نے کھڑاویں نما کوئی چیز پہن رکھی تھی جس کی آواز بہت دور سے سنائی دیتی تھی اور جیسے ہی ان کی آواز آتی تھی ہم چپ کر جاتے تھے خاص طور سے مانے تو فوراً غائب ہو جاتا تھا۔ جب پہریدار چلے جاتے تھے تو مجھے اس کو آواز دے کر بلانا پڑتا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اور میرے لیے امید کی واحد کرن بھی ختم ہو رہی تھی۔ رات ہوئی اور اس کے رونے دھونے میں شدت آئی تو میں نے اس سے صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اسے بلایا تو وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ مزاج کے اعتبار سے وہ اچھا آدمی تھا۔ ورنہ کوئی اور ہوتا تو بار بار تنگ کرنے پر مجھے سنا چکا ہوتا۔ اس نے بیٹھی آواز میں کہا۔

''کیا بات ہے اومر؟''

''مانے اگر تم چاہو تو مجھ پر ایک احسان کر سکتے ہو۔''

وہ بڑی مشکل سے احسان کے بارے میں سمجھا تھا۔ کیونکہ مجھے احسان کا متبادل لفظ نہیں آتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھے اوپر جانے والے راستے کے بارے میں بتا دے مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور کھڑکی کے سامنے ہٹ گیا تھا۔ پھر اس نے میری آواز کا جواب بھی نہیں دیا اور دم سادھ لیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اس نے اس بارے میں زبان بند رکھنے کا پکا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس کی زبان زبردستی نہیں کھلوا سکتا تھا۔ اگلے روز صبح سویرے اسے نکال کر کہیں لے جایا گیا۔ اس کے ایک گھنٹے بعد مجھے بھی کوٹھری سے نکالا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے موران سے ملوانے لے جایا جا رہا تھا مگر مجھے ایک اور تہہ خانے میں لے جایا گیا تھا جہاں بہت تاریکی اور گھٹن تھی۔ اس کے ساتھ وہاں شدید بدبو تھی جیسے مردار جانور سڑنے سے آتی ہے۔ بدبو اتنی زیادہ تھی کہ میرا دم گھٹنے لگا تھا اور یہ سوچ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے کہ شاید اب مجھے یہاں قید کر دیا جائے۔ میرے ساتھ دو سپاہی تھے اور وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے ان کے لیے نہ تو تاریکی مسئلہ ہو اور نہ وہ بدبو سے پریشان لگ رہے تھے۔ شاید وہ اس ماحول کے عادی تھے۔ اس اہرام کے نیچے بھی بہت بڑے تہہ خانے تھے۔ وہ مجھے ایک کھلی جگہ لائے جہاں مانے بھی موجود تھا اور اس کے چہرے پر زردی نے جیسے قبضہ کر لیا تھا اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''لگتا ہے تم کو میری موت دکھانے لائے ہیں۔''

''چپ کرو۔'' اس کے ساتھ کھڑے شخص نے کڑک کر کہا۔ ''تم کو بولنے کی اجازت نہیں ہے۔''

وہاں ماحول میں سنگینی محسوس کی جا سکتی تھی۔ مانے کے ساتھ دوسرے بھی سہمے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہاں آسر اور موران کی آمد ہوئی تھی، ان کے ساتھ ان کے محافظ تھے۔ آسر نے آتے ہی مانے کے سرپرست شخص سے کچھ کہا اور اس نے سر ہلایا۔ ایک طرف لمبی سی دیوار تھی۔ اس شخص نے دیوار میں لگے ایک پہیے کو گھمایا تو دیوار کا ایک حصہ سرک گیا اور میرا نے شدید بدبو کے ساتھ ایک ایسی غراہٹ سنی جو آج تک کسی جانور کے منہ سے نہیں سنی تھی میں نے شیر، ٹائیگر اور دوسرے تمام درندوں کی غراہٹیں سنی تھیں مگر یہ ان سب سے الگ اور بھیانک غراہٹ تھی۔ وہاں موجود لوگ سہم گئے تھے۔

''اومر تم دیکھو۔'' آسر نے مجھے حکم دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہمت کر کے اس خلا کے پاس گیا تو میں نے ایک عجیب سی مخلوق کو دیکھا جو زمین سے کوئی بیس پچیس فٹ نیچے ایک دائرے نما کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔ اس کا نچلا جسم کسی قوی ہیکل گھوڑے کی طرح تھا اور اوپری جسم کسی بن مانس جیسا۔ وہ اس محدود سی جگہ میں بھی بہت تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور اس کے منہ سے مسلسل غرانے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس کے سر پر لمبے بال تھے جو اس کی کمر تک آ رہے تھے۔ اور دوڑنے کے دوران لہرا رہے تھے۔ اس کمرے میں جانے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا۔ اوپر دیواروں میں روزن تھے جن کے ساتھ ہی مشعلیں روشن تھیں۔ یہ ہارن تھا جس کے بارے میں اورگان نے مجھے بتایا تھا۔ اور پھر آسر نے بھی بتایا تھا کہ اس کے آدمیوں نے ایک ہارن زندہ پکڑا ہے۔ میں نے ہمت کر کے آسر سے پوچھا

"کیا مجھے اس کے سامنے پھینکا جائے گا؟"

اس وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میرے لیے یہ سزا منتخب کی گئی تھی تو میں ہارن کے سامنے پھینکے جانے پر لڑ مرنے کو ترجیح دوں گا۔

"نہیں تمہیں صرف دکھایا جائے گا کہ ایک ہارن انسان کے ساتھ کیا کر سکتا ہے۔"

میں نے بے ساختہ مانے کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت پہلے ہی خراب تھی یہ سن کر اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ میں نے آسر سے کہا۔

"اس بے چارے کو تم لوگ جس جرم کی سزا دے رہے ہو وہ اس نے کیا ہی نہیں ہے۔ ولیم شا جھوٹ بول رہا ہے۔"

"وہ جھوٹا نہیں ہے۔" آسر کے بجائے موران نے کہا۔ "اس نے درست کہا ہے تم خفیہ راستے سے وادی میں آئے ہو۔"

"اگر میں کسی خفیہ راستے سے آتا تو کیا وہاں سے فرار نہیں ہو سکتا تھا تم لوگوں کے ہاتھ کیوں آتا۔"

"تم خفیہ راستے سے آئے تھے۔ ایک بار تم اپنی خوش قسمتی کی وجہ سے نکل گئے تھے مگر اب تم وہاں سے نہیں جا سکتے وہاں اب پہرہ ہے۔"

"ولیم شا کو میں جانتا ہوں۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "وہ ایک مکار قوم کا فرد ہے جو ہزاروں میل دور سے آ کر ہمارے ملک پر قابض ہو گئے ہیں اور اگر تم لوگوں نے اسے موقع دیا تو وہ اس وادی پر بھی قابض ہو جائیں گے۔"

میری اس بات پر موران یوں مسکرانے لگا جیسے میں کوئی قصے سنا رہا ہوں۔ میری بات پر توجہ دینے کے بجائے آسر نے جلاد کو اشارہ کیا اور وہ مانے کو گھسیٹ کر خلا کی طرف لے جانے لگا وہ مچل رہا تھا اور موران سے معافی مانگ رہا تھا اس جرم کی جو اس نے کیا نہیں تھا مگر موران کامل بے حسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا آگے آ گیا تا کہ مانے کا انجام صحیح طرح سے دیکھ سکے۔ میں پہلے ہی خلا کے پاس تھا۔ جیسے ہی مانے میرے پاس آیا اچانک اس نے خود کو جلاد سے چھڑا لیا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ اس وقت میں بدک گیا تھا کہ وہ شاید مجھے خلا میں دھکیلنا چاہتا ہے مگر اس کے بجائے اس نے لپٹ کر میرے کان میں ایک لفظ کہا تھا۔ "سراب"

اسی لمحے جلاد نے اسے واپس کھینچ لیا اور گھما کر اسے خلا میں پھینک دیا۔ مانے کی بھیانک چیخ ہارن کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زبردست غراہٹ میں دب گئی تھی اور میں نے اسے ہارن کی گرفت میں دیکھا اس نے دوڑتے دوڑتے مانے کو فضاء میں پکڑ لیا تھا اور اب اسے الٹ پلٹ رہا تھا اس دوران میں اس کے دوڑنے کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی پھر میں نے ایک بھیانک منظر دیکھا ہارن نے اسی طرح دوڑتے ہوئے مانے کو دونوں ٹانگوں سے پکڑا اور ایک لمحے میں اس کی ٹانگیں چیر کر اسے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مرنے سے پہلے مانے نے اتنی زور سے چیخ ماری جو ہارن کی غراہٹوں پر بھی حاوی آ گئی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ ایک بے جان لاش تھا۔ اس کے دونوں ٹکڑے ہارن کے ہاتھوں میں جھول رہے تھے پھر اس نے اچانک گھما کر دونوں حصوں کو خلا سے باہر پھینک دیا تھا۔ میں اچھل پیچھے آیا تھا اس کے باوجود میں ایک ٹکڑے سے نکلتے خون کی زد میں آ گیا تھا۔ چھینٹے سب پر آئے تھے مگر میں تو مانے کے خون میں نہا گیا تھا۔ وہ منظر ہی کم بھیانک نہیں تھا اب جو مانے کا خون مجھ پر گرا تو مجھے چکر آ گیا تھا اور میں زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اپنی کوٹھری میں پڑا تھا اور میرا جسم صاف کر کے ایک اور کرتہ نما لباس مجھے پہنا دیا گیا تھا۔ مجھے اچانک ہی مانے کا خیال آیا پہلے مجھے شبہ ہوا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر کھڑکی کی طرف جھپٹا اور مانے کو آواز دی مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر تک آوازیں دے کر میں نے تھک کر سر دروازے پر رکھ لیا تھا اور سسک سسک کر رونے لگا تھا پتا نہیں میں مانے کے انجام پر رو رہا تھا یا اپنے انجام پر جو اس سے مختلف نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب مجھے ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ یہ لوگ مجھ پر کسی قسم کا رحم کھائیں گے۔ انہوں نے اپنے برسوں پرانے خدمت گار کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا اور اسے سفاکی سے ہارن جیسے خوفناک درندے کے سامنے پھینک دیا تھا جس نے چشم زدن میں اس بے چارے کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ ہارن نے جس طرح اسے مارا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ انسانوں سے شدید نفرت کرتا ہے اور اسے موقع ملے تو وہ کسی بھی انسان کو نہ چھوڑے۔

میرا ذہن ذرا قابو میں آیا تو مجھے خیال آیا کہ اگر میں موران کے نزدیک مجرم تھا تو اب تک مجھے ہارن یا اسمار کے سامنے پھینک دینا چاہیے تھا اور میں ابھی تک زندہ تھا تو اس کی وجہ یقیناً کوئی اور تھی اس میں کم سے کم ان کی رحم دلی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اور وہ وجہ صرف ایک ہی ہو سکتی تھی کہ میں کسی طرح اورگان کو راضی کر لوں کہ وہ موران کو اپنے آبائی علوم سکھا دے۔ پھر آسر کو بھی امید تھی کہ میں سامیرا کو اس سے شادی کرنے پر آمادہ کر لوں گا اور اس کے پس پشت بھی آسر کی مہا پجاری بننے کی ہوس کارفرما تھی۔ گویا دونوں کا مقصد ایک تھا۔ ہاں ایک فرق تھا آسر موران کے مقصد سے واقف تھا لیکن کیا موران جانتا تھا کہ آسر کی کیا خواہش ہے؟

میں اس نکتے پر جتنا بھی غور کرتا رہا تھا اتنا ہی اندر سے قائل ہوتا گیا تھا کہ آسر موران کو بے خبر رکھ کر یہ کام کرنے کی فکر میں تھا۔ اگر موران اس کے عزائم بھانپ جاتا تو وہ اگلے ہی لمحے اپنے عہدے اور ممکنہ طور پر جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اقتدار کی جنگ میں خون کے رشتے قربان کر دیئے جاتے ہیں آسر تو صرف اس کا نائب تھا۔ میں بھولا نہیں تھا جب موران نے مقصد کے حصول کے لیے مجھے سامیرا سے جسمانی تعلق قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں اس نکتے کو کس طرح اپنے حق میں استعمال کر سکتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر میں کسی طرح آسر کو یہ احساس دلا دوں کہ میں اس کا راز دار ہوں اور اگر میں نے زبان کھول دی تو وہ بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نقصان بھی اٹھا سکتا ہے تو میں اسے اپنی مدد پر آمادہ کر سکتا تھا۔ مگر میں اسے یہ دھمکی دیتا تو وہ مجھے مروا بھی سکتا تھا اس طرح میری زبان بند کر کے وہ اس خطرے سے نجات حاصل کر لیتا۔ نہیں، میں نے سوچا اسے کسی اور طرح سے دھمکی دینا تھی۔ ایسے کہ وہ میرے خلاف کچھ کر نہ سکے۔

رات کو جب میرے لیے کھانا آیا تو میں نے لانے والے سے کہا۔ ''کیا تم نائب پجاری آسر کو میرا ایک پیغام دے سکتے ہو۔''

''نہیں وہ کسی قیدی کی بات نہیں سنتے ہیں۔'' کھانا لانے والے نے حقارت سے کہا۔ ''ان تک تو میری رسائی بھی نہیں ہے۔''

''تب تم یہاں کے افسر تک میرا پیغام پہنچا دو۔'' میں نے لجاجت سے کہا تو وہ کسی قدر راضی نظر آنے لگا۔

''ہاں ایسا کر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تب تم یہاں کے افسر سے کہہ دو۔''

''میں کہہ دوں گا۔'' وہ بولا اور چلا گیا۔ میں نے کئی وقت سے کھانا نہیں کھایا تھا مگر جان کا خوف ایسا تھا کہ میری بھوک اُڑ گئی تھی اور میں نے ابھی بھی کھانا زہر مار ہی کیا تھا۔ میں شدت سے منتظر تھا کہ کسی صورت آسر سے ملاقات ہو اور میں اس سے بات کر سکوں۔ اگر موران نے میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا تو شاید وہ بھی میرے کام نہ آ سکے۔ اگلے سارا دن میں قید خانے کے داروغہ کا انتظار کرتا رہا تھا۔ مگر اس نے مجھے شرف باریابی نہیں دیا تھا۔ اس دن بھی میں نے اس کے لیے پیغام بھیجا تھا۔ اس سے اگلے دن صبح کے وقت جب میں ناشتہ کر چکا تھا تب میری طلبی کا حکم آ گیا۔ ساتھ جانے والے سپاہی نے مجھے بتایا تھا کہ قید خانے کے افسر نے مجھے طلب کیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں میرا منتظر تھا وہ ایک کرخت چہرے والا تنومند شخص تھا۔ اس نے سرد نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

''کیا بات ہے تم میرے آدمیوں کو کیوں تنگ کر رہے ہو۔''

''مجھے جناب آسر سے بات کرنی ہے۔''

''ان کے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے۔'' اس نے رکھائی سے کہا۔ ''ویسے بھی کچھ دن کی بات ہے جلد تمہارا فیصلہ ہو جائے گا۔''

اس کی بات سن کر میرے اندر خوف کی لہری دوڑ گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مجھے بہت جلد ہارن کا سامنا کرنا پڑے۔ میں نے کہا۔ ''مہا پجاری کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہو گا۔ مگر جناب آسر سے میری ملاقات نہایت ضروری ہے۔''

''میں ان کو موقع ملنے پر بتا دوں گا۔ آگے ان کی مرضی۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''اب میرے آدمیوں کو تنگ مت کرنا ورنہ میں تم کو کسی گندی کوٹھری میں پھینکوا دوں گا۔''

اس کے آدمی مجھے واپس کوٹھری میں دھکیل گئے تھے۔ اس کے بعد میرے شب و روز ایک دائرے میں گزرنے لگے تھے۔ صبح ہوتی تھی اور ناشتے سے اس کا اندراج ہوتا تھا۔ اس کے بعد مجھے رفع حاجت کے لیے لے جایا جاتا تھا۔ منہ ہاتھ دھونے کا موقع بھی اسی وقت ملتا تھا۔ مجھے پھر بند کر دیا جاتا تھا اور دوسری بار رات یا شام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کھانے کے بعد نکالا جاتا اور اسی مرحلے سے گزر کر میں اپنی کوٹھری میں آجاتا تھا۔ تیسرے دن مجھے نہانے اور لباس بدلنے کا موقع دیا جاتا۔ رفتہ رفتہ میں مایوس ہوتا جارہا تھا مجھے لگتا تھا کہ کسی دن مجھے کوٹھری سے نکالا جائے گا اور ایک مختصر سماعت کے بعد مجھے فیصلہ سنا کر ہارن کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔

نہ جانے کتنے دن گزر گئے میں دنوں کی گنتی بھی بھول گیا تھا۔ میری داڑھی بڑھ کر سینے تک آگئی تھی۔ اور مجھے اس قید میں کم سے کم ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ پھر ایک روز مجھے خلاف معمول دوپہر میں کوٹھری سے نکالا گیا اور جب مجھے اسی تہہ خانے میں لے گئے تو سیڑھیوں پر میرے قدم لڑکھڑانے لگے تھے مجھے اپنا انجام سامنے نظر آنے لگا۔ اور جب میں نے موران اور آسر کو بھی آتے دیکھا تو میری رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی تھی۔ آسر مسکرا رہا تھا اور موران سنجیدہ تھا۔ اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تم کو اس جگہ جان بوجھ کر آنے کے جرم میں سزائے موت دی جاتی ہے۔"

"یہ غلط ہے اور تم کو جھوٹ کہا گیا ہے۔" میں چلا اٹھا تھا۔

"مہا پجاری کا فیصلہ آخری ہے۔" آسر نے جواب دیا۔ "تم کو ہارن کے سامنے ڈالا جائے گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر میں بے گناہ ہوں اور جو مجھے یہاں لانے کا ذمے دار ہے وہ مہا پجاری کا مہمان ہے۔" میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا اور میں خود کو لڑ کر مرنے کے لیے تیار کرنے لگا میں نے سوچ لیا تھا کہ میں آسر یا موران پر حملہ کروں گا۔ اور اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ممکن ہے ان کے محافظ مجھے ہلاک کر دیں اور میں ہارن کے ہاتھوں اذیت ناک موت مرنے سے بچ جاؤں۔ مگر اس سے پہلے میں کوئی حرکت کرتا جلاد نے اچانک مجھے عقب سے یوں قابو کر لیا کہ میں اپنی مرضی سے ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔ صرف چل سکتا تھا اور اس کا تنومند جلاد پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ اس نے مجھے خلا کی طرف لے جانا شروع کیا اور مجھے آخری وقت سامنے نظر آنے لگا۔ مگر اس سے پہلے کے کہ وہ مجھے خلا میں پھینکتا جس سے ہارن کے غرانے کی آواز آرہی تھی۔ کسی نے زور سے کہا۔

"رک جاؤ۔"

جلاد رک گیا تھا۔ میں نے مشکل سے سر موڑ کر دیکھا۔ مجھے وہی فوجی افسر نظر آیا جس نے مجھ سے قلعے میں بات کی تھی اور پھر مجھے موران کے حوالے کر دیا تھا۔ موران نے غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ مہا پجاری کے کام میں دخل دو۔"

"میں معافی چاہتا ہوں مہا پجاری۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مگر میری مداخلت ناگزیر ہے، مجھے حاکم اومیکنا کی طرف سے اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم ملا ہے۔"

"یہ معبد کا مقتوب ہے اور اسے میرے حکم سے سزائے موت دی جارہی ہے۔"

"اس شخص نے جو جرم کیا ہے اس کی سزا دینے کا اختیار صرف اومیکنا کو ہے اور یہ سزا مہا پجاری کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔"

"کیا مطلب؟" موران کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ "کیا اومیکنا مجھ سے برتر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔ میرا کہنا صرف اتنا ہے کہ یہ شخص معبد کا نہیں ریاست کا مجرم ہے۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اسے سزا دینے کا حق ریاست کو ہے۔''

''اس نے یہاں آ کر معبد کی توہین کی ہے۔''

''نہیں اس نے توہین نہیں کی ہے۔'' اس نے کہا اور جلاد کی طرف دیکھا۔ ''اسے میرے آدمیوں کے حوالے کر دو۔''

''ہرگز نہیں اسے ہارن کے سامنے پھینک دو۔'' موران نے جلاد کو حکم دیا۔ اس نے میرا بازو پکڑ کر گھمایا تھا کہ آنے والا فوجی افسر گرجا۔

''رک جاؤ۔'' پھر اس نے موران سے کہا۔ ''مہا پجاری آپ اومیکنا سے بلاوجہ الجھ رہے ہیں۔ اگر آپ نے اسے ہارن کے حوالے کر دیا تو اومیکنا کو مجبوراً ان دونوں باہر والوں کو طلب کرنا پڑے گا۔''

یہ سنتے ہی موران کا غضب ناک موڈ بدل گیا تھا۔ ''کیا مطلب؟''

''مہا پجاری میرا مطلب خوب سمجھ رہے ہیں۔'' فوجی افسر کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔ ''جو کام کرنے پر ایک آدمی کو معبد کی توہین کا مرتکب قرار دے کر موت کی سزا دی جا رہی ہے۔ وہی کام کرنے والے دو افراد مہا پجاری کے معزز مہمان ہیں۔''

''وہ خود سے نہیں آئے ہیں بلکہ معبد کے اوپر والے محافظ ان کو لائے ہیں۔'' موران نے جلدی سے ان کا دفاع کیا۔

''مہا پجاری اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی از خود بھی آئے تب بھی وہ مجرم ہی شمار ہوتا ہے البتہ اسے سزائے موت کے بجائے ہمیشہ کے لیے یہاں رہنے کی سزا دی جاتی ہے۔''

''ایسا آج تک ہوا نہیں ہے۔'' اس بار آسر بولا۔

''اس سے قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔'' فوجی افسر نے کہا۔ ''تو مہا پجاری اس شخص کو میرے حوالے کر رہے ہیں یا میں آپ کے دونوں مہمانوں کو ساتھ لے جاؤں۔''

موران اپنے ہونٹ چبا رہا تھا مجھے حیرت تھی کہ ولیم شا اور ایلن نے اسے کون سی پٹی پڑھائی تھی کہ وہ ان کو اپنا مہمان بنا چکا تھا۔ اور ان کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے فیصلے کا منتظر تھا آخر اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے تم اسے لے جا سکتے ہو لیکن یہ ہے معبد کا مجرم اور اسے جلد از جلد معبد کے حوالے کیا جائے۔''

''میں آپ کی بات اومیکنا تک پہنچا دوں گا۔'' فوجی افسر نے سر ہلایا۔

''میں اسی شرط پر اپنے مجرم کو تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔'' موران نے زور دے کر کہا۔

فوجی افسر نے تالی بجائی تو نصف درجن سپاہی اندر آئے تھے اور انہوں نے مجھے جلاد سے اپنی تحویل میں لے لیا۔ میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا جس نے اپنے اس بندے کو بھیج کر مجھے موت سے بچا لیا تھا۔ وہ مجھے لے کر فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ فوجی افسر ہمارے ساتھ نہیں تھا وہ شاید الگ سے آ رہا تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ اومیکنا کو اب میرا خیال کیوں آیا تھا یا شاید اس کے لیے اور بھی بہت سارے مسائل تھے اور میرا نمبر اب آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ راستے میں سپاہی میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے اور انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہم جس بیل گاڑی میں سفر کر رہے تھے اسے دو بیل کھینچ رہے تھے اس لیے سفر بھی تیزی سے ہوا تھا اور ہم پہلے کے مقابلے میں جلد آرگون میں داخل ہو گئے تھے۔ آرگون جتنا خوب صورت تھا اتنا ہی مشینی شہر لگتا تھا۔ اس کے باشندے جیسے روبوٹ تھے۔ چلتے پھرتے اور سانس لیتے روبوٹ، ان کے چہرے تاثرات سے عاری تھے۔ اور ان میں سے ہر فرد کچھ نہ کچھ کر رہا تھا حد یہ کہ میں نے کسی کو ستاتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ مجھے پھر اسی عمارت میں لے جایا گیا تھا۔ رات میں نے ایک کمرے میں گزاری اور اگلی صبح مجھے اسی فوجی افسر کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ صاف ستھری وردی میں تر و تازہ لگ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر مجھے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں بروقت پہنچ گیا ورنہ تم کو ہارن کے سامنے پھینک دیا جاتا۔''

''میں جناب کا شکر گزار ہوں لیکن کیا میرے ساتھ ایسا پھر نہیں ہو سکتا ہے۔'' میں نے کسی قدر چبھتے لہجے میں کہا۔ ''ممکن ہے جناب اومیگنا بھی مجھے یہی سزا دیں۔''

''نہیں تمہیں انصاف ملے گا۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ تم جان بوجھ کر یہاں نہیں آئے تھے تو تم کو سزائے موت نہیں ملے گی۔''

''عمر بھر کے لیے تو یہاں رہنا پڑے گا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''مرنے سے تو بہتر ہے۔''

''شاید۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اگر میں سزائے موت سے بچ گیا تب بھی ساری عمر یہاں رہوں گا۔''

''لازمی طور پر۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تم یہاں سے جانے کا خیال دل سے نکال دو۔''

''کیا مجھے کسی قید خانے میں رہنا ہوگا۔''

''نہیں، فیصلے کے بعد تم ایک آزاد شہری ہو گے اور تم اپنی صلاحیت کے مطابق کام کر کے زندگی بسر کرو گے۔''

''کیا مجھے شادی کرنے کی بھی اجازت ہوگی؟'' یہ سوال کرتے ہوئے میرے ذہن میں بے اختیار سامیرا کا خیال آ گیا تھا۔''

''ہاں تم عام طبقے کی کسی لڑکی سے شادی کر سکو گے۔''

''عام طبقہ؟''

''یہاں دو طبقے ہیں۔ ایک اعلیٰ طبقہ اور ایک عام طبقہ۔'' اس نے وضاحت کی۔ ''اگر تمہیں معافی مل گئی تو تم عام طبقے میں شامل ہو گے۔ تمہارا رہن سہن اور تمام تعلقات اسی طبقے سے ہوں گے۔''

''مہا پجاری مجھے واپس مانگ سکتا ہے۔'' میں نے خدشے کا اظہار کیا۔ ''میرے ساتھ آنے والے دونوں سفید فام میری موت چاہتے ہیں۔''

''سفید فام؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہماری دنیا میں بھی طبقاتی سسٹم ہے بلکہ طبقاتی در طبقاتی سسٹم ہے۔ کچھ اس کی سمجھ میں آیا اور کچھ اس کے سر پر سے گزر گیا تھا۔ اس نے حیرت سے کہا۔ ''تمہاری دنیا کتنی بڑی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارے تصور سے بھی زیادہ بڑی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس وادی کی حیثیت باقی دنیا کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے ندی کے مقابلے میں ایک پانی کا قطرہ۔''

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔'' اس نے ماننے سے انکار کر دیا اور میں اسے قائل کرنے کی کوشش میں ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہی اس جگہ میرا واحد ہمدرد تھا۔ اورگان تک نے منہ پھیر لیا تھا اور مجھے موران کے حوالے کر دیا تھا۔ اس لیے میں چپ ہوگیا۔ وہ بھی اصل بات کی طرف آیا۔

''کل تم کو اومیکنا کے سامنے پیش کیا جائے گا اور تم نے اس کے حضور اپنی صفائی پیش کرنی ہے۔''

''اس وادی میں میرے داخلے کا واحد گواہ اورگان ہے اور اس نے میرا علاج کر کے مجھے مرنے سے بچایا تھا۔'' میں نے دبے لفظوں میں کہا۔ ''کیا وہ میرے حق میں گواہی دے گا؟''

افسر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس نے خاصی دیر کے بعد کہا۔ ''اورگان باغی ہے اور اس پر آرگون میں داخل ہونے پر پابندی ہے اور اگر اومیکنا چاہے تو اسے طلب کر سکتا ہے۔''

''یعنی وہ میرے حق میں گواہی دینے آسکتا ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''مشکل ہے کیونکہ اس نے تم کو واپس لینے سے انکار کر دیا تھا۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اس قسم کا شخص ہے جو اپنے دشمن کو بھی جھوٹ بول کر نقصان نہیں کر سکتا ہے۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''اگر اسے گواہی دینے کے لیے طلب کیا گیا تو وہ وہی کہے گا جو سچ ہے۔''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ اس نے مجھے واپس بھیج دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کل جب اومیکنا کے سامنے پیش ہوں گا تو مجھے کس طرح سے اپنا مقدمہ اس کے سامنے رکھنا چاہیے۔ یہ بات تو طے تھی کہ مہا پجاری مجھے بخشنے کے لیے تیار نہیں اس نے جیسے مجھے بنا کسی صفائی کے موت کی سزا دے دی تھی۔ اگر اومیکنا مجھے معاف کر دیتا تو وہ مجھے کسی دوسرے الزام میں پھنسا سکتا تھا۔ اور اس ساری صورت حال کے پیچھے ولیم شا کا ہاتھ تھا وہ اس وادی کا راز اپنے پاس رکھنے کے لیے مجھے بہر صورت مروانا چاہتا تھا۔ میں اپنے ذہن میں ان نقاط پر غور کرنے لگا جن کی مدد سے میں اپنا کیس پیش کرنا تھا۔ اس ساری رات میں اسی بارے میں سوچتا رہا تھا۔

☆======☆======☆

اومیکنا کا دربار ویسا ہی تھا جیسا کہ کسی بااختیار بادشاہ کا ہوسکتا تھا وہ اس وادی کا مطلق العنان حکمران تھا۔ طویل قامت اور باوقار شخصیت کا حامل تھا اس نے سر پر ایک گول سونے جیسی کسی دھات کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جو شاید تاج تھا اور اس کے ہاتھوں میں اعصائے حکمرانی تھا وہ ایک اونچی سی کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے دائیں بائیں حکومت کے دوسرے دست و بازو تھے۔ مجھے اس کے سامنے اسی فوجی افسر نے پیش کیا جس کا نام نیکاٹ تھا۔ پہلے اس نے میری فرد جرم سنائی۔ اور اس کے بعد میرا مقدمہ اومیکنا کے سامنے پیش کر دیا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اومیکنا نے پہلا سوال کیا۔

''عمر دراز خان۔'' میں نے جواب دیا۔

''اس جگہ کیوں اور کیسے آئے؟''

میں نے جواب وہاں سے شروع کیا جب ہم اس وادی میں اتفاقی طور پر آئے تھے۔ ملیارے سے اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نظارہ کرنے کے بعد ولیم شا کے دل میں یہاں آنے کی تڑپ نے جنم لیا اور اس نے مجھے اور ایلن کو بھی ا۔ ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اس مہم کا سربراہ ولیم شا تھا اور وہی ہمیں یہاں لانے کا ذمے دار تھا مگر وہ تو مہا پجاری کا مہمان بنا ہوا تھا۔ اور مجھے مقدمے کا سامنا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ جذباتی ہوئے بغیر اپنا موقف پیش کر سکوں میں نے آخر میں کہا۔ "جناب عالی..... قانون سب کے لیے ایک ہوتا ہے۔ میں عزت مآب سے درخواست کرتا ہوں کہ ولیم شا اور ایلن کو بھی طلب کیا جائے کیونکہ ہم تینوں اس جگہ ایک ساتھ آئے تھے اور ہمارے جرم کی نوعیت یکساں ہے۔

اومیکنا سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس نے مجھ سے پوچھا۔ "تم نے کہا کہ تم اوپر سے گرے تھے اور اورگا نے تم کو زخمی حالت میں پا کر تمہارا علاج کیا تھا۔ کیا وہ اس بات کی گواہی دے گا۔"

"میں نے سنا ہے کہ اورگان کے شہر میں آنے پر پابندی ہے اگر عزت مآب نے اسے آنے کی اجازت دی تو وہ میرے حق میں ضرور گواہی دے گا۔" میں نے یقین سے کہا۔

"یہ معاملہ تین دن بعد ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔" اومیکنا نے نیکاٹ کو حکم دیا۔ "اور دونوں باہر کے آدمیوں کو بھی پیش کیا جائے۔"

"عالی جاہ وہ مہا پجاری کے مہمان ہیں ممکن ہے مہا پجاری میرے کہنے سے ان کو حوالے نہ کرے۔" نیکاٹ نے دبے لفظوں میں کہا۔ "اس لیے مہا پجاری کے نام ایک حکم جاری کر دیا جائے۔"

اومیکنا کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات دکھائی دیئے تھے اس نے بلند آواز سے کہا۔ "ہمارا حکم مہا پجاری کے لیے بھی ویسا ہی ہے جیسا تمہارے لیے جب تم ہمارا نام لے کر اس سے کہو گے تو اس کے لیے فرض ہے وہ حکم کی تعمیل کرے۔"

"جو حکم عالی جاہ کا۔"

میں اومیکنا کے دربار میں بولے جانے والے الفاظ کا مفہوم پیش کر رہا ہوں ورنہ وہاں درحقیقت اس طرح سے بات نہیں ہو رہی تھی۔ جب اومیکنا نے ولیم شا اور ایلن کو بھی پیش کرنے کا حکم دیا تو میں خوش ہو گیا تھا۔ اب مزہ آئے گا ولیم شا کو، میں نے سوچا۔ نیکاٹ مجھے واپس قید خانے لے آیا تھا۔ اس نے راستے میں کہا۔ "میرا خیال ہے اب تم کو اطمینان ہو گیا ہو گا کہ تمہارے ساتھ انصاف ہو گا؟"

"بڑی حد تک، مگر مجھے مہا پجاری کی طرف سے اطمینان نہیں ہے وہ ولیم کے کہنے میں آ کر مجھے سزا دلوانے کی کوشش کرے گا۔"

"تم فکر مت کرو، تم اب اومیکنا کی تحویل میں ہو اور یہاں مہا پجاری کا کوئی اثر نہیں ہے۔"

میں نے سوچا اور ہمت کر کے کہا۔ "ایسا لگتا ہے جیسے تم لوگوں کو پجاریوں کا ریاست کے کاموں میں دخل دینا پسند نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے۔ اصل میں موران نے اس معاملے میں بہت ہاتھ پاؤں نکالے ہیں ورنہ اس کا باپ اپنی حدود میں رہتا تھا اور اس نے کبھی ریاست کے معاملات میں دخل نہیں دیا تھا۔"

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ مہا پجاری اس وادی کا سب سے طاقتور شخص بننا چاہتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ اس کی خام خیالی ہے۔ وادی کا اصل حکمران ادیکنا ہے اور وہی حکمران رہے گا۔ مہا پجاری زیادہ سے زیادہ معبد کی حد تک خود مختار ہے۔"

اس کے خیالات جاننے کے بعد میں نے ایک اور قدم اٹھایا اور نیکاٹ سے کہا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ مہا پجاری کے پاس وہ علوم نہیں ہیں جو ایک مہا پجاری کو لازمی آنے چاہئیں۔"

وہ چونکا تھا۔ "نہیں، مگر تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی ہے۔"

میں نے آس پاس دیکھا اور ساتھ چلنے والے سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ان کے ہوتے ہوئے میں تم کو یہ بات نہیں بتا سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تم کو اپنے دفتر میں بلا لوں گا۔" اس نے اضطراب سے کہا میری بات نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ جب ہم واپس پہنچے تو اس نے مجھے میری کوٹھری میں بھیج دیا۔ اس کے کچھ دیر بعد اس نے مجھے اپنے دفتر میں طلب کر لیا تھا۔ اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ "اب کہو تم اس بارے میں کیا جانتے ہو اور کیسے جانتے ہو۔"

اس دوران میں، میں نے سوچ لیا تھا کہ میں نیکاٹ کو سب سچ سچ بتا دوں گا کہ مہا پجاری اور آسر نے مجھے کس وجہ سے رہا کر کے اورگان کے پاس بھیجا تھا مگر اس نے مجھے واپس کر کے ان کا منصوبہ ناکام بنا دیا تھا۔ دوسری طرف موران اور آسر کے لیے میرا وجود خطرے کا نشان بن گیا تھا اور وہ بہر صورت مجھے موت کے گھاٹ اتار کر خطرے سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے نیکاٹ کو بتانا شروع کیا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئی تھیں۔ خاص طور سے میرے اس خدشے پر وہ اچھل پڑا تھا کہ آسر مہا پجاری کی جگہ لینے کی فکر میں ہے۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"تب تم بتاؤ کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ کیا اسے لڑکیوں کی کوئی کمی ہے جو وہ ایک معتوب شخص کی بیٹی سے شادی کرنا چاہ رہا ہے۔"

اس نے غور کیا تھا اور سر ہلایا۔ "بات سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"اب اگر وہ سامیرا سے شادی کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اورگان سے وہ علوم بھی حاصل کر سکتا ہے جو مہا پجاری کو بھی میسر نہیں ہیں اور ان کے بل بوتے پر وہ مہا پجاری بن سکتا ہے۔"

"یہ بہت حیرت انگیز بات ہے کہ مہا پجاری کے منصب کا شخص خاص علوم سے ناواقف ہو۔ اس کے بغیر وہ مہا پجاری نہیں بن سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ موران تم سب کو دھوکا دے رہا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو اسے اس کے عہدے سے ہٹایا بھی جا سکتا ہے۔"

میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اس صورت میں تم سوچ سکتے ہو کہ اگر آسر وہ مخصوص علوم حاصل کر لیتا ہے تو وہی مہا پجاری ہو گا۔"

اس نے گہری سانس لی۔ "کاش اورگان بغاوت نہ کرتا تو وہی اس منصب کے لیے سب سے بہتر شخص ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے کیوں باغی قرار دے کر شہر سے نکالا گیا تھا۔''

''مجھے لگ رہا ہے کہ یہ سب موران کی شرارت تھی۔ اورگان کو شروع سے طب میں دلچسپی تھی اور وہ عام طبقے کے لوگوں کا علاج بھی کرتا تھا۔ یہ بات بہت خاص نہیں تھی مگر موران نے اس وقت اسے اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کیا کہ اس کا باپ بھی غصے میں آ گیا تھا اور اس نے اورگان سے کہا کہ وہ عام لوگوں کا علاج نہ کرے مگر اس نے بھی ضد پکڑ لی اور باپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلا اور اسے سزا کے طور پر بیوی سمیت شہر سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کے ایک سال کے اندر موران کا باپ بھی مر گیا اور وہ اس کی جگہ مہا پجاری بن گیا تھا۔''

''ممکن ہے اسے بھی کسی سازش کے تحت مارا گیا ہو۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' اس نے بدمزگی سے کہا۔ ''مہا پجاری کو کون مار سکتا ہے۔''

میں اس کے انداز پر بوکھلا گیا تھا اس کے لیے یہ ایک انوکھی بات تھی جب کہ ہماری دنیا میں ایسا ہونا عام سی بات تھی۔ ''میں معافی چاہتا ہوں میرے منہ سے ایسے ہی نکل گیا تھا۔''

''آئندہ خیال رکھنا۔'' اس نے تنبیہ کی۔ ''اب مجھے یہ ساری باتیں اومیکنا کے علم میں لانی ہوں گی اور وہی فیصلہ کرے گا کہ اس صورت میں کیا کرنا ہے۔''

اس کے بعد مجھے پھر واپس میری کوٹھری میں بھیج دیا گیا تھا۔ یہاں نہ صرف مجھے جگہ بڑی دی گئی تھی بلکہ دوسری سہولتیں بھی تھیں جیسے میں جب چاہتا کسی پہریدار کو بلا کر کسی حاجت کے لیے جا سکتا تھا کھانا بھی بہتر تھا میں نے بتا دیا تھا کہ میں گوشت نہیں کھاتا تھا اس لیے مجھے صرف سبزیاں، انڈے اور دودھ کی بنی چیزیں دی جائیں۔ اس لیے کھانا بھی میری مرضی کا دیا جاتا۔ مجھے دن میں ایک بار غسل کرنے اور دو دن بعد لباس بدلنے کی اجازت تھی۔ یہاں دھول مٹی کا نام و نشان نہیں تھا۔ کپڑے بھی کئی کئی دن میلے نہیں ہوتے تھے۔ اور نہ ہی پسینہ آتا تھا۔ موسم ہمہ وقت خنک سا رہتا تھا اور گرمی کا احساس بہت کم ہوتا تھا۔

☆======☆======☆

چوتھے دن مجھے پھر طلب کیا گیا تھا۔ اومیکنا کا دربار تھا اور میں نیکاٹ کے ساتھ روانہ ہوا تھا اس نے مجھے بتایا نہیں تھا کہ اس نے اومیکنا کو ساری بات بتائی ہے یا نہیں۔ ہمارے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے اس لیے پوچھنے کا موقع نہیں تھا۔ البتہ اومیکنا کے سامنے ولیم شا اور ایلین کو دیکھ کر میں خوش ہو گیا تھا۔ ایک طرف موران اور آسر بھی بیٹھے تھے۔ ان کے چہروں پر کبیدگی نمایاں تھی۔ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا تھا جب کہ ولیم شا مطمئن تھا اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ ''ان حربوں سے تم بچ نہیں سکتے۔''

''خاموش۔'' ایک چوب دار نے کڑک کر کہا۔ ''یہاں بنا اجازت بولنا منع ہے۔''

اومیکنا آیا تو سب تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے اپنی جگہ بیٹھ کر سب کا جائزہ لیا اور نیکاٹ سے بولا۔ ''تمام لوگ حاضر ہیں؟''

''جی عالی جاہ۔'' اس نے سر جھکا کر کہا۔ اومیکنا نے ولیم شا اور ایلین بریڈ کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ ''عمر دراز خان نے ایک کہانی سنائی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر اس نے مجھے اپنی بات دھرانے کو کہا۔ میں نے شروع سے آخر تک پھر سے دھرا دیا۔ اومیکنا نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ''تم لوگ اس الزام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''سب صحیح ہے جناب عالی۔'' ولیم شا نے بھی ان کی زبان میں کہا تھا وہ مجھ سے بھی اچھی زبان بول رہا تھا۔ ''سوائے ایک بات کے کہ یہاں لانے والا شخص یہی ہے اور ہم صرف اس کے ساتھی تھے۔ ہم اس کے مقاصد سے لاعلم تھے اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ اس کا وادی میں اترنے کا ارادہ ہے۔''

''یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' میں نے زور سے کہا۔

''خاموش۔'' اومیکنا نے ناگواری سے کہا۔ ''جب تم کو بولنے کو کہا جائے تب بولنا۔''

میں چپ ہو گیا اور ولیم شا طنزیہ انداز میں مسکرانے لگا تھا۔ ''جناب عالی مہا پجاری کے آدمیوں نے ہمیں وادی سے باہر بھوکا پایا تھا اور اگر یہ ہمیں وادی میں نہ لاتے تو ہم بھوک سے مر جاتے۔''

''یہ درست ہے۔'' موران نے مداخلت کی۔ اس پر اومیکنا کے چہرے پر ناگواری نظر آئی تھی مگر اس نے اسے ٹوکا نہیں۔

''تم زبردستی لائے گئے ہو مگر تم نے اس وادی کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔''

''اومیکنا۔'' موران نے اسے نام سے مخاطب کیا۔ ''یہ میرے معزز مہمان ہیں اور ان کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔''

''مہا پجاری کو یہ خیال کیوں آیا کہ میں ان لوگوں کو کوئی سزا دینا چاہ رہا ہوں۔'' اومیکنا کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''کیونکہ یہ لائے گئے ہیں اس لیے ان کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی ہے۔ اور ان کو یہاں رہنے کی اجازت دی جائے گی۔ اب میں ان کو اپنا مہمان بنا کر رکھنا چاہتا ہوں تو معزز اومیکنا کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''

''مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اگر اس بات کا ثبوت مل جائے کہ یہ اوپر سے لائے گئے ہیں از خود نہیں آئے ہیں۔''

''میں اس کا گواہ ہوں۔'' موران بولا۔

''میزبان مہمان کا گواہ نہیں ہو سکتا ہے۔'' اومیکنا نے اس کی گواہی مسترد کر دی۔

''معزز اومیکنا میری توہین کر رہے ہیں۔'' موران غصے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''مہا پجاری مت بھولیں کہ اس وقت وہ میری عدالت میں ہیں۔ جب تک ان دونوں کی بے گناہی کا ثبوت نہیں مل جاتا ہے یہ بھی ریاست کی تحویل میں رہیں گے۔'' اومیکنا نے ولیم شا اور ایلن بریڈ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ان کے چہرے یک دم ہی ست گئے تھے۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' موران کرخت لہجے میں بولا۔ ''یہ سرکار کی طرف سے معبد کے معاملات میں مداخلت ہے۔ یہ میرے مہمان ہیں اور ان کی توہین میری توہین ہے۔ معزز اومیکنا کو سینتور کے غضب سے بچنا چاہیے۔''

''مہا پجاری، ابھی ایک مقدمہ اور بھی ہے۔'' اومیکنا نے کہا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ یقیناً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موران کی حیثیت کے بارے میں بات کرنے والا تھا۔ ''مہا پجاری کے لیے بعض علوم کا جاننا اشد ضروری ہے۔ مجھے امید ہے معزز پجاری کو ان علوم پر پورا عبور ہوگا۔''

اس پر موران نے مجھے جس انداز سے دیکھا تھا اگر کسی کو نظروں سے قتل کرنا ممکن ہوتا تو وہ مجھے اسی وقت موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس نے اومیکنا سے کہا۔ ''کیا معزز میگنا میرا امتحان لینا چاہتا ہے؟''

''مجھے بعض لوگوں سے شکایت ملی ہے کہ مہا پجاری کو ان علوم پر عبور نہیں ہے اور اس نے ریاست کے باغی اورگان سے ان علوم کو سیکھنے کی کوشش کی تھی۔''

''بس بہت ہوگیا۔'' موران کھڑا ہوگیا تھا۔ ''میں اپنے منصب کی اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔''

''مہا پجاری الزام کا جواب دینے کے بجائے گریز کا رویہ اختیار کر رہے ہیں اسے کیا کہا جائے۔'' اومیکنا کا لہجہ طنزیہ ہوگیا تھا۔

''اگر معزز اومیکنا کو میری صلاحیت پر کوئی شک ہے تو وہ معبد آ کر اپنا شک دور کر سکتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اس لیے اب معبد میں ہی بات ہوگی۔'' موران کہتے ہی آسر کے ہمراہ دربار سے رخصت ہوگیا تھا۔ ولیم اور ایلن وہیں تھے ان کے بارے میں اومیکنا نے نیکاٹ سے کہا۔ ''ان کو مقدمے کا فیصلہ ہونے تک ریاست کی تحویل میں رکھا جائے۔''

جب میں ان کے ساتھ قید خانے کی طرف جا رہا تھا تو میرے ہونٹوں پر اقبال کا یہ شعر تھا۔ ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز۔ ولیم شاید مجھے خون خوار نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے مجھ سے انگریزی میں کہا۔

''تم یہ مت سمجھو کہ بازی پلٹ گئی ہے۔''

''ولیم شاہ بازی کے بارے میں تم بھی اتنے یقین سے بات مت کرو۔'' میں نے جوب دیا۔ ''ممکن ہے ہم سب ہارن کے سامنے پھینک دیے جائیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیں ساری عمر یہاں گزارنی پڑے۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم نہ رہو اور ہم یہاں سے کامیاب رخصت ہو جائیں۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''مگر تم جس موران پر اتنا زیادہ بھروسہ کر رہے ہو وہ اب کچھ دن ہی مہا پجاری رہے گا اور ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ تم بھی سزاوار ٹھہرو۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' ولیم عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ''تم دیکھ ہی لو گے۔''

''سوال یہ ہے کہ جب تم کو مجھے مروانا ہی تھا تو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت تھی۔'' اس نے کہا۔ ''کیونکہ اس وادی کے راز سے اب صرف تین افراد ہی واقف ہیں۔''

''بس ہم تین لوگ واقف ہیں۔'' میں حیران ہوا تھا۔ ''مگر طیارے میں تو سات افراد تھے۔''

''ان میں سے اب چار اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ان میں سے دو جنگ میں مارے گئے اور دو الگ الگ حادثوں میں مارے گئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے گھورا۔ ''کیا سچ مچ وہ حادثے ہی تھے؟''

''تم چاہو تو ایسا بھی سمجھ سکتے ہو۔'' وہ مسکرایا۔ ''مگر اب اس وادی سے باہر وادی کے بارے میں جاننے والا کوئی نہیں ہے۔''

''تمہاری کوشش ہے کہ میں بھی نہ رہوں۔'' میں نے تلخی سے کہا اور ایلین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے؟''

''یہ میرا ساتھی ہے؟'' ولیم نے ڈھٹائی سے کہا۔

''واقعی۔'' میرا لہجہ مذاق اڑانے والا ہو گیا تھا۔ ''تم جیسا شخص اس معاملے میں کسی کو دوست بھی بنا سکتا ہے۔''

''تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔'' ایلین نے سرد لہجے میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے کوئی پکا بندوبست کر لیا ہے کہ ولیم شاتمہارا دوست ہی رہے۔'' میں نے غور کیا وہ بھی گورا تھا اور اس کی ذہنیت ولیم شا سے مختلف نہیں تھی۔

''اومر ڈراز۔'' ولیم نے میری طرف دیکھا۔ ''اگر تم اس شخص کی حمایت پر بھروسہ کر رہے ہو تو یہ تمہاری حماقت ہوگی۔''

''میں خود کو بچانے کے لیے سب کر گزروں گا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''تم یہ مت سمجھنا میں آسانی سے ہتھیار ڈال دوں گا۔''

اس نے حقارت سے میری طرف دیکھا۔ ''تم کالے انڈین تمہاری اوقات ہی کیا ہے۔''

''اس کا بھی تم کو جلد پتا چل جائے گا۔'' میں نے جواب دیا مگر میں اندر سے کسی قدر پریشان ہو گیا تھا۔ ایئر فورس کی نوکری کے دوران میں نے ان گوروں کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور مجھے ان کی ذہنیت کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ بے انتہا سازشی اور خود غرض قوم ہے۔ جو ہندوستانیوں کو بھیڑ بکری سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی ہے۔ اس نے یہاں جس طرح مہا پجاری کو قابو کیا تھا اس سے مجھے لگ رہا تھا کہ اس وادی میں بھی جلد وہی ڈرامہ کھیلا جانے والا تھا جو انگریز شروع سے برصغیر میں کھیلتے آئے تھے اور اس کا نتیجہ ہمیشہ ان کے حق میں نکلا تھا اور نقصان ہمیشہ ہندوستانیوں کو اٹھانا پڑا تھا۔

میں نے وادی کے لوگوں کو جتنا دیکھا تھا۔ یہ مجھے سادہ اور مکر و فریب سے ذرا دور ہی نظر آئے تھے۔ یہ ذہین تھے مگر سازشانہ چالاکی ان میں کم تھی شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی ان کے ہاں ہزاروں سال سے ایک ہی نظام چلا آ رہا تھا اور سب کو زندگی کی بنیادی ضروریات میسر تھیں اس وجہ سے ان کے ہاں طبقاتی نظام کامیابی سے چل رہا تھا۔ اونچا طبقہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا تھا مگر وہ عام طبقے کو بھی سہولت دیتا تھا۔ ان کے ہاں دولت جمع کرنے کا تصور نہیں تھا کیونکہ ان کے ہاں زر کا نظام نہیں تھا۔ ہر شخص کام کرتا تھا اور اس کو ضرورت کی ہر شے مناسب مقدار میں ریاست کی طرف سے فراہم کی جاتی تھی۔ خوراک، لباس اور رہائش کے ساتھ علاج اور دوسری سہولیات بھی دی جاتی تھیں۔ سردیوں میں سب کو ریاست کی طرف سے آگ جلانے کے لیے خشک لکڑی اور گوشت کی خوراک دی جاتی تھی۔ مکانوں کی مرمت کا بھی سرکار کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بندوبست تھا۔

اس لحاظ سے یہ وادی ایک منفرد معاشرہ رکھتی تھی جہاں طبقاتی نظام ہونے کے باوجود انسانوں کو جانور نہیں سمجھا جاتا تھا اور ان کو اس حد تک نہیں دبایا جاتا تھا کہ وہ بغاوت پر اتر آئیں اور شاید یہی اس نظام کی کامیابی کی وجہ تھی۔ سچی بات ہے کہ ایک گھٹتے ہوئے جبر کے باوجود مجھے ان کا سسٹم اچھا لگا تھا۔ یہاں انسان ایک مناسب زندگی گزار رہے تھے ان پر ایک حد سے زیادہ جبر نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر یہاں پر بھی انگریز آجاتے تو اس وادی کا انجام بھی باقی برصغیر سے مختلف نہیں ہوتا۔ یہاں پر بھی وہی آگ بھڑک اٹھتی جو گوروں نے باقی ہندوستان میں لگا رکھی تھی۔ یہ لوگ تو انگریزوں کا بہت آسان شکار ہو جاتے کیونکہ یہ آتشیں اسلحے سے ناواقف تھے اور ایک کمپنی اس پوری وادی کے لیے کافی ہوتی۔ اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا تھا کہ انگریزوں کے ناپاک قدم اس وادی کی تباہی کا باعث بن سکتے تھے۔ میں نے سوچا کہ میں قید خانے میں جاتے ہی نیکاٹ سے اس موضوع پر بات کروں گا۔ مگر جب میں نے اپنے پہریدار سے اس کی درخواست کی تو اس نے بتایا۔ "جناب نیکاٹ کسی ضروری کام سے شاہی محل گئے ہیں۔"

اس کے بعد اگلے دو دن تک کوشش کے باوجود مجھے اس سے ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ ہو گیا جس کا خدشہ مجھے ولیم سے باتوں کے دوران محسوس ہوا تھا۔ تیسری رات اچانک ہی عمارت میں شور ہوا تھا اور اس کے بعد چند اجنبی اندر گھس آئے وہ نوک دار لاٹھیوں سے مسلح تھے اور انہوں نے آتے ہی قید خانے کے پہریداروں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ میرے سامنے ایک پہریدار کو زمین پر گرا کر لاٹھی کی نوک اس کے سینے میں اتار دی گئی تھی۔ میں حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے کمرے کے باہر ولیم شا کو آزاد دیکھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیوں مجھے دیکھ کر حیران ہو رہے ہو؟"

"تم کیسے آزاد ہوئے؟" میں نے بمشکل پوچھا۔

"میں صرف آزاد نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ بہت سارے لوگ آج زندگی کی قید سے آزاد ہو چکے ہیں۔ ان میں لومیکنا بھی شامل ہے۔"

"میرے خدا..... تم کیا کر رہے ہو۔"

"دیکھتے رہو۔" اس نے کہا۔ "ابھی تو اس وادی پر میری حکمرانی ہو گی۔" اس کے لہجے میں تکبر تھا۔

"کیا موران نے بغاوت کر دی ہے؟"

"نہیں اس نے مذہبی قیادت کے ساتھ سیاسی قیادت بھی سنبھال لی ہے۔ اب سے کچھ دیر پہلے معبد میں لومیکنا کو قتل کیا جا چکا ہے اور اب شہر پر موران کے آدمیوں کا قابو ہے۔"

"حکومت کے دوسرے لوگ بھی تو ہیں۔"

"تم شاید نیکاٹ کی بات کر رہے ہو۔ وہ بھی جلد مارا جائے گا اس وقت حکومت کے دوسرے لوگوں کا صفایا کیا جا رہا ہے۔"

"اس بغاوت کا منصوبہ تم نے بنایا تھا؟"

"صرف منصوبہ نہیں بنایا تھا میں نے موران کے آدمیوں کو تربیت بھی دی ہے اور اب میں ہی اس پر عمل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درآمد کی نگرانی کر رہا ہوں۔"

"ولیم تم نے اس خوب صورت وادی کو تباہ کر دیا۔" میں نے حسرت سے کہا۔ "کاش اس روز ہمارا طیارہ یہاں نہ آتا۔ کاش وہ ہمالیہ میں کریش ہو جاتا۔"

"یہ ہمارے مقدر میں تھا۔" اس نے طنز سے کہا۔ "تم مسلمان مقدر کو بہت مانتے ہو۔"

"لیکن میرا خیال ہے موران تمہیں بھی استعمال کر رہا ہے اور وہ کام نکل جانے کے بعد تمہیں بھی مروا دے گا۔"

"تم میری نہیں اپنی فکر کرو۔" اس نے جاتے ہوئے کہا۔ "جلد دوبارہ ملاقات ہوگی۔"

میں حیران پریشان تھا ایک امید کی کرن نظر آئی تھی اور وہ بھی بجھ گئی۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ اتنی بڑی سازش تیار کر کے بیٹھے ہوں گے اور اب اس پر عمل درآمد جاری تھا۔ ولیم مجھے جلد ملاقات کی دھمکی دے کر گیا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ یہ ملاقات اب اس جگہ ہوگی جہاں ہارن کو قید رکھا گیا تھا اور مجھے اس کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔ یوں وہ کام پایا تکمیل کو پہنچ جاتا جو نیکاٹ کی مداخلت سے ادھورا رہ گیا۔ اگر مجھے کوئی اور زبانی اس بغاوت کے بارے میں بتاتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا مگر ولیم کو آزاد دیکھ کر اور اس سے بات کر کے مجھے فوراً یقین آ گیا تھا۔ قید خانے کی عمارت سے چیخنے چلانے اور شور کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اچانک ایک اور آواز آئی جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ آگ لگنے کی آواز تھی۔ اس عمارت کی تعمیر میں جگہ جگہ لکڑی استعمال ہوئی تھی اور آگ سے لکڑی چیخ رہی تھی۔ اس کی آواز سے لگ رہا تھا کہ آگ قید خانے کی طرف آ رہی ہے۔ میں نے دروازہ بجایا اور چلایا۔ "کوئی ہے..... مجھے یہاں سے نکالو۔"

مگر وہاں کوئی تھا بھی تو اسے اپنی جان کی فکر تھی وہ مجھے کہاں سے بچاتا۔ اب شور تھم گیا تھا اور صرف آگ سے لکڑی اور چیزوں کے چٹخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اندر دھواں اور تپش بھرنے لگی تھی۔ دھواں میرے حلق میں گیا تو میں آوازیں دینے کے بجائے کھانسنے لگا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ ہارن کے ہاتھوں موت کے بجائے یہاں جل کر اور دم گھٹ کر مرنا میرا مقدر تھا۔ آگ شاید اس عمارت کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی اور اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ قید خانہ وسط میں تھا اس لیے یہاں ابھی شعلوں نے رسائی حاصل نہیں کی تھی۔

جس وقت میں چیخ چیخ کر مایوس ہو گیا تھا تب مجھے پہلی بار کسی کی آواز سنائی دی تھی۔ میں نے چلا کر جواب دیا اور فوراً ہی کوئی میری کوٹھری کی طرف آیا میں نے دھوئیں سے بھری راہ داری میں دیکھا تو کوئی کوٹھری کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "فکر مت کرو میں ابھی تم کو یہاں سے نکال رہا ہوں۔" اس نے کہا تو اس کی آواز پہچان کر میں نے خوشی محسوس کی تھی وہ نیکاٹ تھا۔ زندہ اور آزاد تھا۔ اس نے ایک کلہاڑی کی مدد سے دروازے کا تالا توڑ دیا۔ ان کے ہاں دھاتی تالوں کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ یہ کوٹھری کا دروازہ لکڑی کی مضبوط پٹی کی مدد سے بند کیا جاتا تھا۔

جیسے ہی دروازہ کھلا اس نے ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر کھینچا۔ سوال جواب کا وقت نہیں تھا۔ سب سے پہلے یہاں سے نکلنا تھا نیکاٹ اس عمارت کے سارے رازوں سے واقف تھا وہ مجھے ایک کمرے میں لایا اور اس نے فرش پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بچھی چوکی ہٹا کر اس کے نیچے جانے والے راستے کا دروازہ کھولا۔ اس نے مجھے نیچے دھکیلا۔ "جلدی کرو کسی وقت بھی عمارت گر جائے گی۔"

نیچے ایک چھوٹی سی سرنگ تھی جس میں ہم کو جھک کر بھاگنا پڑ رہا تھا۔ اچانک اوپر سے ایک لرزہ خیز گڑگڑاہٹ سنائی دی اور ہم ہر ممکن تیزی سے بھاگنے لگے تھے۔ کوئی فرلانگ بھر بعد سرنگ ایک باغ میں نکلی تھی اور یہ باغ کسی محل کا تھا۔ نیکاٹ بہت پریشان اور کسی قدر غصے میں تھا۔

"ادمیکنا کو مار دیا گیا ہے؟" میں نے سرنگ سے نکلتے ہی اس سے پہلا سوال کیا۔

"ہاں۔" وہ ہونٹ چبانے لگا تھا۔ "بدقسمتی سے انہوں نے میری بات نہیں مانی تھی اور معبد چلے گئے تھے مجھے پتا چلا تھا وہاں ان کے خلاف سازش ہونے والی ہے۔"

"اور اس سازش کا سرغنہ ولیم شا ہے۔ کچھ دیر پہلے وہ خود کوٹھری کے باہر مجھ سے بات کر کے گیا ہے۔"

"ولیم شا۔" وہ چونکا۔ "اسے کسی نے آزاد کرا دیا تھا۔"

"وہ صرف آزاد ہی نہیں تھا بلکہ مارکاٹ کرنے والوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ تم لوگوں کو علم نہیں ہے وہ تربیت یافتہ فوجی ہے اور اسی نے موران کو سارا منصوبہ بنا کر دیا تھا۔ یہی نہیں اسے بغاوت پر اکسانے والا بھی یہی شخص ہے۔"

"اس وقت شہر پر پجاری کے آدمیوں کا قبضہ ہے۔"

"ادمیکنا کے وفادار لوگ کیا کر رہے ہیں۔"

"بڑوں میں اکثر مارے جا چکے ہیں اور عام سپاہیوں نے ادمیکنا کے مارے جانے کی خبر سن کر ہی ہتھیار ڈال دیے ہیں۔"

اس وقت ہم محل سے نکل کے کہیں جا رہے تھے۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"جنوبی فصیل کی طرف وہاں ابھی میرے آدمی مزاحمت کر رہے ہیں۔" اس نے بتایا۔

شہر میں جا بجا آگ لگی تھی اور لوگوں کی چیخ و پکار صاف سنائی دے رہی تھی۔ آرگون کے معصوم شہریوں پر برا وقت تھا وہ بے چارے مزاحمت نہیں کر رہے تھے۔ مگر ان کو نفسیاتی طور پر خوف زدہ کرنے کے لیے بلاوجہ مارا اور ان کے گھروں کو آگ لگائی جا رہی تھی۔ یہ دہشت پھیلانے کا عام سا حربہ تھا مگر نیکاٹ یہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ "موران اپنے لوگوں کو کیوں مروا رہا ہے۔"

"کیونکہ وہ اس طرح سے لوگوں کو دہشت زدہ کر رہا ہے۔ مارے جانے والوں کا حشر دیکھ کر کون اس کے سامنے کھڑا ہونے کی جرأت کرے گا۔ جن کے گھر جل جائیں گے ان کو بچانے کے بجائے بچ جانے والوں کو اپنی فکر لگ جائے گی۔"

"یہاں اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا ہے۔"

"اب ہو رہا ہے کیونکہ ولیم شا جیسے سازشیوں کے قدم یہاں آ گئے ہیں۔ کاش میں تم کو خبردار کر سکتا میں نے کئی بار تمہارے بارے میں پوچھا تھا مگر تم ادمیکنا سے ملنے گئے ہوئے تھے۔"

"میں اسے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس نے میری بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ خاص طور سے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے معبد جانے سے روک رہا تھا کیونکہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ موران کوئی سازش کر رہا ہے۔"

"افسوس کہ اب تمہاری وادی میں انسانی لہو بہنے کی وہ نظیر قائم ہو چکی ہے کہ اس کے بعد یہاں قتل وغارت گری ہوتی رہے گی۔"

"میں ولیم شا اور اس کے ساتھی کو نہیں معاف کروں گا۔" اس نے غصے سے کہا۔ اس وقت ہم جنوبی فصیل سے کچھ ہی دور تھے اور وہاں پر بھی لڑائی جاری تھی مگر دروازے پر ابھی تک نیکاٹ کے ساتھیوں کا قبضہ تھا اور اسے دیکھ کر انہوں نے زیادہ جوش وخروش سے موران کی سپاہ پر حملہ کر کے ان کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ ان کی تعداد دو سو سے زیادہ نہیں تھی اور باغی سپاہ کی تعداد نا معلوم تھی۔ میں نے نیکاٹ سے کہا۔ 'ان لوگوں کو لے کر شہر سے نکل جاؤ۔ ورنہ یہ بھی مارے جائیں گے۔"

"شہر سے باہر کہاں جاؤں۔" نیکاٹ کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"یہ وادی بہت بڑی ہے ہم اورگان کی طرف جا سکتے ہیں۔ اگر یہ مارے گئے تو تمہارے پاس کیا رہ جائے گا۔ یہ مر جائیں گے یا پھر ہتھیار ڈال کر موران کے ساتھ مل جائیں گے۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو دروازے سے باہر نکلنے کو کہا۔ ذرا سی دیر میں سارے سپاہی باہر تھے اور ہم اورگان کی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے کیونکہ وہیں جنگل خونخوار درندوں سے پاک تھا۔ سپاہیوں میں جو زخمی تھے ان کو دوسروں نے سہارا دے رکھا تھا۔ چند گھنٹے بعد ہم اورگان کی رہائش گاہ پر تھے اور وہ باہر موجود تھا اس نے آگے بڑھ کر نیکاٹ سے پوچھا۔ "کیا ہوا ہے تم ان سپاہیوں کو لے کر کیوں آئے ہو؟"

"اورگان ہم مصیبت زدہ ہیں اور پناہ کے لیے آئے ہیں۔" نیکاٹ نے کہا۔

"پناہ کے لیے اور ایک باغی کے پاس؟" اورگان کے لہجے میں طنز تھا۔ "تم پر ایسی کیا افتاد آئی ہے؟"

"تم کو باغی قرار دینے والا اور سکاتا موران کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔"

اورگان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے آگے آ کر کہا۔ اور اسے تفصیل سے ساری بات بتائی تھی۔ اورگان حیرت سے سنتا رہا، پھر اس نے سر ہلایا۔

"یہ تو طے ہے کہ اس جگہ کوئی باہر سے آیا تو یہاں ضرور تباہی آئے گی۔ کئی نسل پہلے میرے ایک دادا مہا پجاری نے اس امر کی پیشین گوئی کی تھی۔ ولیم شا ایک سازشی شخص ہے اور اس کے قدموں میں نحوست ہے۔"

"یہ سارا منصوبہ اسی کا ہے۔"

"لیکن میرا بھائی موران بھی کم نہیں ہے اس کا مہا پجاری بننا اس جگہ کی بدقسمتی تھی۔" اورگان نے کہا۔

"کاش تم لوگ اس کے بجائے کسی اور کو مہا پجاری بنا لیتے۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو یہ ممکن نہیں تھا اسے سابق مہا پجاری نے مقرر کیا تھا جو تمہارا اور موران کا باپ بھی تھا۔"

"اگر موران نے ریاست پر بھی قبضہ کر لیا ہے تو تم کچھ لوگ کیا کر سکو گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کم سے کم مزاحمت تو کر سکتے ہیں۔ پھر جب مزاحمت کرنے والوں کو ایک مرکز مل جائے گا تو ان کی قوت بڑھنے میں دیر نہیں لگے گی۔ ابھی تو معاملہ تازہ ہے مگر جب لوگوں کے حواس قابو میں آئیں گے تو ان میں سے کتنے دل سے موران کا ساتھ دیں گے؟"

"بہت کم۔" نیکاٹ نے فوراً کہا

"اس وقت نیکاٹ اور اس کے یہ ساتھی ان لوگوں کی مدد سے ریاست کا اقتدار واپس حاصل کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" اورگان نے تعجب سے کہا۔

"موران نے سازش کی مدد سے ریاست پر قبضہ کیا ہے اسے سازش سے ہی ہٹایا جا سکتا ہے۔ نیکاٹ موجود ہے یہ شہر میں اپنے ہمدردوں کو ساتھ ملائے گا اور ان کی مدد سے موران کا تختہ الٹ دے گا۔ نیکاٹ کو حکومت کا تجربہ ہے اور موران کو اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے اس لیے وہ نیکاٹ کا مقابلہ نہیں کر سکے گا مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ اپنے سپاہیوں کو جمع کرے اور ان کو شہر سے باہر لے آئے۔"

اورگان نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ "تمہارے انداز سے تو لگ رہا ہے جیسے تم ساری عمر یہی کام کرتے آئے ہو۔"

"میرا باپ اپنے علاقے کا حکمران ہے اور اس کے بعد میں حکمران بنوں گا اس لیے اقتدار کے یہ کھیل میرے لیے نئے نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ نیکاٹ میری بات سمجھ گیا تھا اس نے فوری طور پر اپنے چند آدمیوں کو جو سادہ لباس میں تھے ان کو شہر روانہ کر دیا اور ان سے کہا کہ وہاں سے جتنی سپاہ، اسلحہ اور خوراک کا سامان لا سکتے ہیں لے آئیں اور یہ کام موران کے آدمیوں کے شہر پر قبضہ مستحکم کرنے سے پہلے کرنا تھا۔ اورگان نے نیکاٹ کے آدمیوں کو اپنے مکان کے احاطے میں جگہ دے دی تھی اور زخمیوں کا علاج کرنے میں لگ گیا تھا اس نے اب میرے آنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ مگر اس نے مجھے اندر چلنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ اور نہ ہی مجھے سامیرا کی جھلک نظر آئی تھی۔ میں اورگان سے اس کے رویے کے بارے میں بات کرنے کے لیے بے چین تھا مگر اسے زخمیوں سے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ نیکاٹ حفاظتی انتظامات میں لگا تھا اسے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر موران کے سپاہی اس طرف کا رخ کریں گے۔ اور وہ ان سب کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"ریاست کے سپاہیوں کی تعداد کتنی ہے؟"

صحیح تعداد تو اسے بھی نہیں معلوم تھی لیکن ایک اندازے کے مطابق ریاست کے مسلح سپاہیوں کی تعداد دو ہزار سے ڈھائی ہزار کے درمیان تھی۔ اور اس کے ساتھ دو سو سپاہی بھی نہیں تھے۔ اب نہ جانے ان میں سے کتنوں نے موران کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ بہرحال وہ ان کا روحانی پیشوا بھی تھا اور اس کا اثر مسلم تھا۔ اگر باقاعدہ سپاہ میں سے نصف بھی اس کے ساتھ ہو گئی تو نیکاٹ کے لیے اسے شکست دینا مشکل ہو جائے گا۔ پھر موران کے ساتھ ولیم جیسا شاطر تھا۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ وہ بہت اچھا فوجی کمانڈر تھا۔ اب ان لوگوں کی بقا اسی میں تھی کہ وہ موران کو شکست دے دیں ورنہ وہ ان میں سے کسی کو نہیں بخشتا۔ خاص طور سے نیکاٹ، اورگان اور مجھے وہ کسی صورت نہیں چھوڑتا کیونکہ ہم اس کے اہم ترین راز سے واقف تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اورگان کو تلاش کیا جو ایک زخمی کے زخم پر لیپ کر رہا تھا۔ میں اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ اس نے اس بے تکلفی پر مجھے گھورا تھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''تم ان لوگوں کا علاج کرنے کے بجائے آرگون میں اپنے حامیوں کو پیغام بھیجو کہ وہ موران کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔''

''وہ کیوں؟''

''کیونکہ موران شہر پر قبضہ کرتے ہی اس طرف کا رخ کرے گا وہ کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑ سکتا جو اس کے راز سے واقف ہو۔''

''کیسے راز سے؟''

میرا دل چاہا کہ اورگان کی سادگی پر سر پیٹ لوں۔ ''یہی کہ وہ مہا پجاری کے لیے لازمی علوم سے ناواقف ہے۔''

''یہ بات اس کے لیے خطرناک ہے؟'' اس نے غور کیا۔

''یہ سارا ہنگامہ اسی وجہ سے تو ہو رہا ہے۔''

وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ میں نے اسے اکسانے کے لیے مزید کہا۔ ''اس کا نائب آسر سامیرا سے شادی کرنے کے چکر میں ہے تاکہ خود مہا پجاری بن سکے۔''

''وہ کیسے مہا پجاری بن سکتا ہے؟''

''سامیرا سے شادی کر کے وہ تم کو مجبور کر سکتا ہے کہ تم اسے وہ خاص علوم سکھا دو۔''

''ہاں وہ ایسا کر سکتا ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا پھر مجھے گھورا۔ ''لیکن تمہیں اس معاملے سے کیا دلچسپی ہے۔''

''کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے جل کر کہا۔ ''میں صرف اپنی جان بچانا چاہ رہا ہوں۔ اگر موران نے مجھے پالیا تو پہلی فرصت میں ہارن کے سامنے پھینکوا دے گا۔''

''ہارن۔'' اورگان چونکا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''معبد میں۔'' میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔ ''اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو کرو ورنہ یوں بے کار میں وقت مت ضائع کرو۔''

''بابا..... یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' قریب سے سامیرا کی آواز آئی تھی وہ نہ جانے کب بادصبا کے جھونکے کی طرح ہمارے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ میں اتنا محو تھا کہ اس کی خوشبو بھی نہ محسوس کر سکا تھا۔ میں نے اس کو کتنے دن بعد دیکھا تھا اور میری ساری جان کھنچ کر آنکھوں میں آ گئی تھی۔

''تو کیوں آئی ہے۔'' اورگان نے اس پر بگڑ کر کہا۔

''بابا..... یہ ٹھیک کہہ رہا ہے تم اپنے لوگوں سے بات کرو ورنہ موران سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے۔''

اس نے اپنے چچا کے بارے میں بالکل ٹھیک کہا تھا۔ میں نے بمشکل اس سے نظریں ہٹائیں۔ ''میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ وہ نہ تو تمہارے ساتھ کوئی رعایت کرے گا اور نہ سامیرا کے ساتھ بلکہ یہ بھی ممکن ہے۔ وہ تم کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجبور کرنے کے لیے سامیرا کو استعمال کرے۔"

اس بات نے اورگان کو مجبور کر دیا تھا اس نے سامیرا کو اندر جانے کو کہا اور خود اپنے مکان کے عقبی حصے کی طرف بڑھا جہاں اس نے مختلف جانور اور پرندے پال رکھے تھے۔ میں اس کے ساتھ تھا اور اس نے مجھے آنے سے منع نہیں کیا تھا اس نے ایک پنجرے سے ایک کبوتر نما پرندہ نکالا اور اس کے پاؤں میں اپنی انگلی سے نکال کر لکڑی کی انگوٹھی باندھ دی۔

"کیا یہ پیغام لے کر جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں..... تم کیسے جانتے ہو؟"

"ہماری طرف اسی قسم کا پرندہ ہوتا ہے اسے سدھا کر اسی طرح پیغام رسانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"

"لگتا ہے تمہاری اور ہماری دنیا کی باتیں آپس میں بہت ملتی ہیں۔"

"ہاں کیونکہ تم لوگ ہماری دنیا سے تو آئے ہو۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ اس وادی سے باہر بھی کوئی دنیا ہوگی۔"

"تب کیا ہم آسمان سے آئے ہیں؟"

"کچھ ایسا ہی ہے۔" وہ مسکرایا۔ "کم سے کم تم آسمان سے ہی آئے ہو۔"

اورگان نے کبوتر اڑا دیا تھا میں اسے کبوتر ہی کہوں گا اگرچہ وہ کبوتر جیسا ہی تھا اس کی چونچ گدھ جیسی تھی اور باقی جسم کبوتر کے مانند تھا۔ اس نے آسمان کا ایک چکر لگایا اور آرگون والی سمت پرواز کر گیا۔

"تم نے اپنی انگوٹھی اس کے پاؤں سے باندھی ہے اس کا مطلب کیا ہے؟" میں نے ذرا تجسس سے پوچھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرے ہمدرد مجھ سے فوری رابطہ کریں۔"

"اگر ان کو شہر سے نکلنے سے روک دیا گیا تو؟"

"اس پیغام کے بعد ان کو کوئی نہیں روک سکتا ہے۔" اس نے یقین سے کہا۔ میں واپس نیکاٹ کے پاس آیا۔ اس کے آدمی جنگل سے لکڑی کاٹ کر اس کی مدد سے ان کی مدد سے ایک عارضی قلعہ تعمیر کر رہے تھے۔ تاکہ حملہ کرنے والوں کو روکا جا سکے۔ میں نے نیکاٹ سے پوچھا۔ "تم لوگوں کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے لکڑی پر لگا کر اسے آگ دکھانے سے وہ فوری طور پر آگ پکڑ لے؟"

"ہاں ایک چیز ہے تو وہ درختوں سے نکلتی ہے مگر اس کا ذخیرہ شہر میں ہے یہاں اس کا ملنا مشکل ہے۔"

یہی سوال میں نے اورگان سے کیا۔ "ہاں جنگل سے مل جاتی ہے مگر میرے پاس اس کا زیادہ ذخیرہ نہیں ہے۔"

"کہاں سے ملتی ہے۔ مجھے دکھاؤ میں کچھ آدمیوں کے ساتھ اسے لے آؤں گا۔" میں نے کہا تو اورگان نے مجھے لے جا کر ایک بڑے تنے والا درخت دکھایا۔ اس نے ایک نوکیلے پتھر سے اس کے تنے پر کٹ لگایا تو اس سے رال جیسی چیز بہنے لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے جمع کر کے میرے پاس لے آؤ۔'' اورگان نے کہا۔ ''میں اس کی مدد سے آگ لگانے والی چیز بنا دوں گا۔''

''کیا اسے آگ نہیں لگتی ہے؟''

''نہیں جب تک اس میں ایک اور پودے کا تیل نہ شامل کیا جائے اسے آگ نہیں لگتی ہے۔''

میں نے نیکاٹ کے آدمیوں کی مدد سے بڑی مقدار میں رال جمع کی اس کے لیے ہمارے پاس مٹی کے بڑے بڑے پیالے تھے۔ جب ہم اسے جمع کر کے اورگان کے پاس لائے تو اس نے ایک مرتبان میں سیاہ رنگ کا تیل ان پیالوں میں ڈالا۔ وہ تیل بہت کم مقدار میں ڈال رہا تھا اس کے باوجود رال کا رنگ بدل کر شفاف سے نیلا ہو گیا اور اس سے مٹی کے تیل جیسی بو آنے لگی تھی۔ میں نے اسے سونگھ کر دیکھا وہ واقعی مٹی کے تیل جیسا تھا۔ اورگان نے اسے تھوڑا ایک لکڑی پر چھڑک کر اسے آگ دکھائی تو اس نے فوراً آگ پکڑ لی تھی۔ نیکاٹ نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم کیا کر رہے ہو؟''

میں اسے اورگان کے گھر کے سامنے لے کر آیا۔ ''آرگون کی طرف سے جو بھی آئے گا اسی میدان سے ہو کر آئے گا؟''

''ہاں..... اس طرف آنے کا واحد راستہ یہی ہے۔''

''اگر ہم اس میدان میں جگہ جگہ سوکھی گھاس بچھا کر اس پر یہ چیز ڈال دیں تو اس کی مدد سے پورے میدان میں آگ لگائی جا سکتی ہے یا نہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے اس سے آگ لگا سکتے ہیں تو اس کا جواب ہے بالکل لگا سکتے ہیں۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ جیسے ہی کوئی سامنے آئے گا حملہ کرنے والے اسے تیروں سے چھید دیں گے۔''

''نہیں جب ان کے آنے کی اطلاع ملے گی تب ہی گھاس پر اسے ڈال جائے گا۔''

''اور اسے آگ کیسے لگائیں گے؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''تیروں میں آگ لگا کر سامنے آئے بغیر ان کو خشک گھاس پر پھینک کر آگ لگا دی جائے گی۔''

''واہ..... کیا ترکیب ہے۔'' وہ اچھل پڑا تھا۔ ''واقعی اس کے لیے تو سامنے آنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔''

نیکاٹ کے آدمی اب تیر بنا رہے تھے ظاہر ہے وہ محدود اسلحہ لے کر آئے تھے۔ ان کے پاس فولاد کی کمی تھی ورنہ وہ تلواریں ضرور بناتے۔ البتہ سب کے پاس لاٹھیاں تھیں۔ رات تک شہر کی جانب سے مزید دو سو فوجی آ گئے تھے۔ اور وہ اپنے ساتھ جو اطلاعات لائے تھے وہ خاصی حوصلہ شکن تھیں۔ ان کے مطابق اکثر سپاہیوں نے موران کی اطاعت قبول کر لی تھی اور شہری اپنے گھروں میں قید تھے۔ ان پر گھروں سے نکلنے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ اور اعلان کیا گیا تھا کہ جو بھی شہری اپنے گھر سے باہر ملا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

''یہ سب ولیم کی شیطانی ذہانت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا مقصد ہے کہ ریاست کے حامی گھروں سے نہ نکلنے پائیں۔''

''یہ چار سو سپاہی کیا کر سکیں گے۔'' اورگان مایوس تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔'' نیکاٹ نے کہا۔ ''یہ سارے آزمودہ اور میرے وفادار ہیں۔''

''اگر ہم حکمت عملی سے کام لیں تو یہ چار سو سپاہی بھی بہت کام آسکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر ولیم فوج میں رہا ہے تو میں بھی فوجی ہوں۔ مجھے بھی جنگی حکمت عملیاں آتی ہیں۔''

''تم نے یہ تو کمال کی حکمت عملی بتائی ہے۔'' نیکاٹ نے اعتراف کیا۔ ''مجھے یقین ہے اگر میرے آدمیوں نے صحیح طرح سے اپنا کام کیا تو حملہ کرنے والی نصف سپاہ تو اسی میدان میں ڈھیر ہو جائے گی۔''

''اس کے لیے ضروری ہے کہ دشمن کی ساری سپاہ اس میدان میں آجائے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر ولیم نے خود کمان نہ کی تو مجھے امید ہے ہم اس حکمتِ عملی سے جنگ جیت جائیں گے ورنہ.....''

''ورنہ کیا؟'' نیکاٹ نے پوچھا۔

''ورنہ بہت مشکل ہوگی۔ کیونکہ ولیم اس معاملے میں ماہر ہے اسے اس قسم کی جنگی چالوں سے دھوکا دینا مشکل ہوگا۔''

''اگر وہ ماہر ہے تو میں بھی جنگ کا فن جانتا ہوں۔'' نیکاٹ نے خفگی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے ہماری آج تک کسی سے جنگ نہیں ہوئی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم لڑنا نہیں جانتے۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' میں جلدی سے بولا۔ ''تم نے خود کہا کہ تم نے برسوں سے جنگ نہیں کی اور ولیم ابھی جنگ کر کے آیا ہے۔''

نیکاٹ نے اپنا کام جاری رکھا تھا وہ نئے آنے والے سپاہیوں کو اپنی حکمت عملی سمجھا رہا تھا۔ اور ان کے لیے اسلحہ سازی کا کام جاری تھا۔ اتنے لوگوں کے لیے خوراک کا انتظام مشکل تھا مگر اورگان نے کسی نہ کسی طرح ان کو کھانا مہیا کر دیا تھا۔ نیکاٹ نے ایک تہائی سپاہیوں کو پہرے پر لگا دیا اور چند ایک کو جاسوسی کے لیے آگے بھیج دیا تھا۔ تاکہ اگر موران کی سپاہ آئے تو ہم پیشگی خبردار ہو جائیں۔

میں رات کا اندھیرا ہونے تک چند افراد کے ہمراہ جنگل سے رال جمع کرتا رہا تھا۔ اورگان کا کہنا تھا کہ میں نے اتنی رال جمع کر لی تھی جو مہینے سے بھی زیادہ کے لیے کافی تھی۔ میں نے بھی رات دوسرے سپاہیوں کے ساتھ باہر ہی بسر کی تھی۔ آنے والے اپنے ساتھ کچھ خوراک لائے تھے۔ مگر یہ گزارے کے لیے ناکافی تھی اور نیکاٹ پریشان تھا کہ چار سو افراد کے لیے کھانے کا بندوبست کیسے کرے گا۔ میں نے سفر کے دوران گندم پکتے دیکھی تھی میں نے اگلے روز اسے مشورہ دیا۔ ''تم نزدیک موجود کھیتوں سے گندم اتروالو۔''

''وہ کیسے؟''

''ابھی کوئی شہر سے نہیں نکل سکتا ہے تم اپنے آدمی بھیج کر گندم اتروالو تو خوراک کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے۔''

''ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ مگر ابھی گندم پوری طرح پکی نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں کچی گندم کا دلیہ بنا کر کھایا جا سکتا ہے۔''

نیکاٹ نے روشنی ہوتے ہی اپنے آدمی روانہ کر دیئے تھے وہ گندم کاٹ کر لاتے۔ اس کے سوسے اوپر آدمی سامنے والے میدان میں سوکھی گھاس بچھا رہے تھے۔ اور اس کے بڑے بڑے برتن ایک طرف رکھ دیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے تھے۔ اس دن بھی کام ہوتے رہے تھے۔ مورلان کے آدمی تاخیر کر رہے تھے اور اس کا ہم بھرپور فائدہ اٹھا رہے تھے۔ شام تک خاصی گندم ذخیرہ ہو چکی تھی۔ نیکاٹ نے رات میں بھی گندم کی کٹائی کا کام جاری رکھا تھا۔ یہ گندم اورگان کے مویشی خانے میں جمع کی جا رہی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اورگان اگر ہماری آمد سے ناخوش نہیں ہے تو خوش بھی نہیں ہے اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے مورلان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جب کہ سب سے زیادہ خطرہ اسے ہی تھا۔ مورلان کسی قیمت پر ایسے شخص کو نہیں چھوڑ سکتا تھا جو مہاپجاری کے لیے لازمی علوم سے واقف ہو اور کسی وقت بھی اس کے لیے خطرہ بن سکتا ہو۔ وہ پہلی فرصت میں اسے مار دیتا یا اپنا قیدی بنا لیتا اور سامیرا کی مدد سے اس پر دباؤ ڈالتا کہ وہ اسے مخصوص علوم سکھائے۔ دوسرے دن بھی جب مورلان کی طرف سے کوئی روعمل ظاہر نہیں ہوا تھا تو میرے ساتھ نیکاٹ کو بھی حیرت ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"یہ خاموش کیوں بیٹھ گیا ہے؟"

"ممکن ہے وہ پوری تیاری کے ساتھ حملہ کرنا چاہ رہا ہو۔"

"ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں بھی اسے کم سے کم یہ نگرانی تو ہونی چاہیے تھی کہ ہم کہاں ہیں؟"

اچانک مجھے خیال آیا۔ "کہیں وہ کسی اور طرف سے تو ہم پر حملہ نہیں کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"اور کس طرف سے؟"

"اس سوال کا جواب اورگان دے سکتا ہے وہ اس علاقے سے اچھی طرح واقف ہے۔" میں نے کہا اور ہم نے اورگان کو تلاش کیا۔ نیکاٹ نے اس سے یہ سوال کیا اس نے سر ہلایا۔

"ایک راستہ تو ہے مگر وہ بہت دشوار ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔" میں نے کہا۔ "دشمن کو فنا کرنے کے لیے ناممکن حد تک دشوار راستے بھی عبور کر لیے جاتے ہیں۔"

اورگان ہمیں اپنے مکان کے عقبی حصے میں لایا۔ اس نے دور نظر آنے والے گھنے جنگل کی طرف اشارہ کیا۔ "اس طرف سے آیا جا سکتا ہے مگر اس طرف جنگل بہت گھنا اور دشوار ہے۔"

میں نے نیکاٹ کی طرف دیکھا۔ "چند آدمی اس طرف بھی پہرے پر لگا دو اگر وہ اس طرف سے آئے تو ہم بے خبری میں نہ مارے جائیں۔"

نیکاٹ نے کچھ آدمی اس طرف بھی بھیج دیئے تھے مگر اس کے پاس آدمی محدود تھے اور اب تک اورگان کے ہمدرد بھی نہیں آئے تھے۔ میں نے اورگان سے پوچھا۔ "کیا تمہارا بھیجا پرندہ وہاں پہنچ گیا ہوگا۔"

اس نے سر ہلایا۔ "مجھے یقین ہے کیونکہ وہ اسی شام کو واپس آ گیا تھا اور اس کے پاؤں سے انگوٹھی غائب تھی۔"

"تو وہ لوگ ابھی تک کیوں نہیں آئے؟"

"میرا خیال ہے مورلان نے شہریوں کے گھروں سے نکلنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ اس وجہ سے وہ بھی نہیں نکل پا رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔ "اس وقت ان کے آنے کا کیا فائدہ جب موران کی فوج ہمیں ختم کر کے چلی جائے گی۔"

"میرا خیال ہے تم لوگ خطرے کو کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر بتا رہے ہو۔ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا ہے۔"

"اچھا پھر آرگون میں کیا ہوا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم اب بھی موران سے اچھی امیدیں لگا کر بیٹھے ہو۔"

"پتا نہیں مجھے کیوں یقین نہیں آتا ہے۔"

"میرا اندازہ ہے اب ہمیں زیادہ دن انتظار نہیں کرنا پڑے گا جلد موران کی فوج یہاں کا رخ کرے گی اور تم کو یقین آجائے گا۔"

نیکاٹ کے آدمی دو شفٹوں میں کام کر رہے تھے ایک شفٹ رات کو کام کرتی تھی اور بارہ گھنٹے بعد دوسری شفٹ اس کی جگہ لے لیتی تھی۔ نیکاٹ نے سامنے والے میدان کے ساتھ عقب میں موجود جنگل کے سامنے بھی سوکھی گھاس بچھوا دی تھی۔ اور ساتھ میں رال کے برتن رکھوا دیئے تھے۔ میں دو راتوں سے باہر ہی سو رہا تھا اور مناسب بھی یہی تھا۔ اب میں اور گان کے گھر میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ تیسری رات میں سو رہا تھا کہ مجھے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا پھر ایک جانی پہچانی مسحور کن خوشبو آئی تھی میں نے آہستہ سے کہا۔ "سامیرا..... تم؟"

"شش....." اس نے میرے منہ پر اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھ دیا۔ اور میرا ہاتھ تھام کر اٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں کپڑے دھاگے سے بندھا گیا تھا۔ وہ مجھے مویشیوں کے باڑے کے پیچھے لائی تھی۔ "تو سر تم کیسے ہو؟"

"تمہارے سامنے ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور تم کیسی ہو؟"

"میں..... میں تمہارے بغیر اداس تھی۔" اس نے جھجک کر کہا۔

"تم کو معلوم ہے اور گان نے مجھے واپس موران کے حوالے کر دیا تھا اور اس نے مجھے وحشی ہارن کے سامنے پھینکنے کی سزا دی تھی۔"

"نہیں۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں یہ سچ ہے۔ اگر نیکاٹ بروقت نہ آجاتا تو میں آج زندہ نہ ہوتا۔"

"پتا نہیں بابا کو کیا ہو گیا ہے وہ کیوں تمہارے خلاف ہو گئے ہیں۔"

"اس کی بہت سامنے کی وجہ ہے۔ اور وہ تم ہو۔ سچ کہو کیا تمہارے بابا کو نہیں معلوم کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔"

"ہاں معلوم ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ چاند کی روشنی اس کے روشن چہرے پر پڑ رہی تھی۔ پتا نہیں اس کا چہرہ زیادہ روشن تھا یا چاندنی۔

"کوئی باپ یہ بات پسند نہیں کرتا ہے۔ اس وجہ سے اور گان مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔"

"نہیں بابا تم سے نفرت نہیں کرتا ہے لیکن وہ اب تم کو پسند بھی نہیں کرتا ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"سامیرا تمہیں بھی احساس ہوگا کہ ہم دو الگ دنیاؤں کے انسان ہیں اور ہمارا ملاپ ممکن نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں جانتی ہوں۔" اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔ "میں نے اس کا کبھی سوچا بھی نہیں ہے۔ مگر میں تم سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتی۔"

"سامیرا میرے نزدیک بھی محبت بہت اعلیٰ جذبہ ہے۔ ہم اسے دنیا اور جسم کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ تم نے شروع دن میں مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی شادی یا ہونے والی بیوی کے بارے میں تم سے کچھ غلط کہہ رہا ہوں، تم نے ٹھیک کہا تھا۔"

"تمہاری بیوی ہے؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"نہیں، مگر میرے باپ نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے اور میری جب بھی شادی ہوگی اسی لڑکی سے ہوگی۔"

"تم اس سے محبت کرتے ہو؟"

"نہیں میں نے تو اسے ابھی دیکھا بھی نہیں ہے۔ ہاں جب وہ میری بیوی بن جائے گی تب کا نہیں کہہ سکتا۔"

"اور مجھ سے؟"

"سامیرا سچ کہوں تو میں نہیں جانتا کہ میرا تم سے کیا تعلق ہے مگر میرے اندر سے کوئی کہتا ہے کہ تم میری نہیں ہو اور جو عورت اپنی نہ ہو اس کے بارے میں سوچنا بھی ہمارے لیے گناہ ہے۔"

"یہ گناہ کیا ہوتا ہے۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "ہمارے ہاں گناہ اسے کہتے ہیں جو چھپ کر کیا جائے اور اسے کرنے سے دل میں خلش سی ہوتی ہے کہ میں نے ایک غلط کام کیا ہے۔"

"جیسے میں بابا سے چھپ کر تم سے ملنے آئی ہوں تو یہ گناہ ہے۔" اس نے پریشانی سے کہا۔

"یہ تو محسوس کرنے پر ہے ورنہ موران جیسے لوگ سینکڑوں لوگوں کو مروا کر بھی پُرسکون رہتے ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "وہ مجھے مروانے کے درپے ہے اور تم لوگوں کو بھی نہیں چھوڑے گا۔"

"میں اس کی فطرت اچھی طرح سمجھ گئی ہوں مگر بابا کو اب بھی یقین ہے کہ ان کا بھائی ان کو کچھ نہیں کہے گا۔"

"وہ ہر قیمت پر مخصوص علوم حاصل کرنے کے لیے پاگل ہو رہا ہے اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"کاش یہ بات بابا بھی سمجھ سکیں۔"

"وہ اس جنگ میں ہماری مدد نہیں کر سکتا ہے؟"

"نہیں بابا جنگجو تھوڑی ہیں۔"

"کیا وہ اپنے علم سے بھی مدد نہیں کر سکتا۔"

"یہ تو مجھے نہیں پتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم بابا سے پوچھو۔"

"وہ اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "اور مکان بس نیم دلی سے ہماری مدد کر رہا ہے۔"

"بابا پتا نہیں کیوں یہ بات نہیں سمجھ رہا ہے۔"

"وہ اس وقت سمجھے گا جب موران کی فوج یہاں آجائے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بابا کہہ رہا تھا کہ تم لوگ غلط کہہ رہے ہو موران یہاں حملہ نہیں کرے گا۔" اس نے ہچکچا کر بتایا۔

"موران سے کسی اچھائی کی توقع نہیں ہے وہ صرف شہر پر اپنا قبضہ مستحکم کر رہا ہے۔ اور گان سمجھ رہا ہے کہ وہ اسے نہیں چھیڑے گا۔"

"تم اسے بہکا رہے ہو۔" اچانک اور گان کی آواز ابھری تھی تو میں اچھل پڑا تھا۔ وہ نہ جانے کب وہاں آ گیا تھا۔ سامیرا اسے دیکھ کر بدحواس ہو گئی تھی۔

"بابا تم۔۔۔۔" اس نے کہنا چاہا۔

"تم اندر جاؤ۔" اور گان نے اس کی بات کاٹ کا حکم دیا تو سامیرا خاموشی سے اندر چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد اور گان نے مجھ سے درشت لہجے میں کہا۔ "اب تم سامیرا سے نہیں ملو گے اور نہ اسے بہکاؤ گے۔"

"میں تمہاری پہلی بات مان سکتا ہوں لیکن میں نے اسے بہکایا نہیں ہے صرف حقائق بتائے ہیں اور اس معاملے میں سامیرا تم سے زیادہ سمجھ دار ہے۔"

اور گان مجھے گھورنے لگا۔ "میرا خیال ہے میں نے تم لوگوں کو پناہ دے کر غلطی کی۔"

"اس کے برعکس میرا خیال ہے کہ اگر تم ہمیں پناہ نہ دیتے تو تمہیں موران سے بچانے والا کوئی نہ ہوتا۔"

"یہ بکواس ہے موران کو مجھ سے کوئی غرض نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "وہ یہاں کا رخ نہیں کرے گا۔"

"مجھے یقین ہے بہت جلد اس کے آدمی یہاں آ جائیں گے۔"

اور گان نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اسی لمحے شور بلند ہوا۔ پہلے تو سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ شور کہاں سے بلند ہو رہا تھا۔ مگر جلد واضح ہو گیا تھا کہ شور اور گان کے مکان کے سامنے اور عقب دونوں طرف سے بلند ہو رہا تھا۔ میں نے اور گان سے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ آ گئے ہیں"

☆═══★═══☆

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
چھٹے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

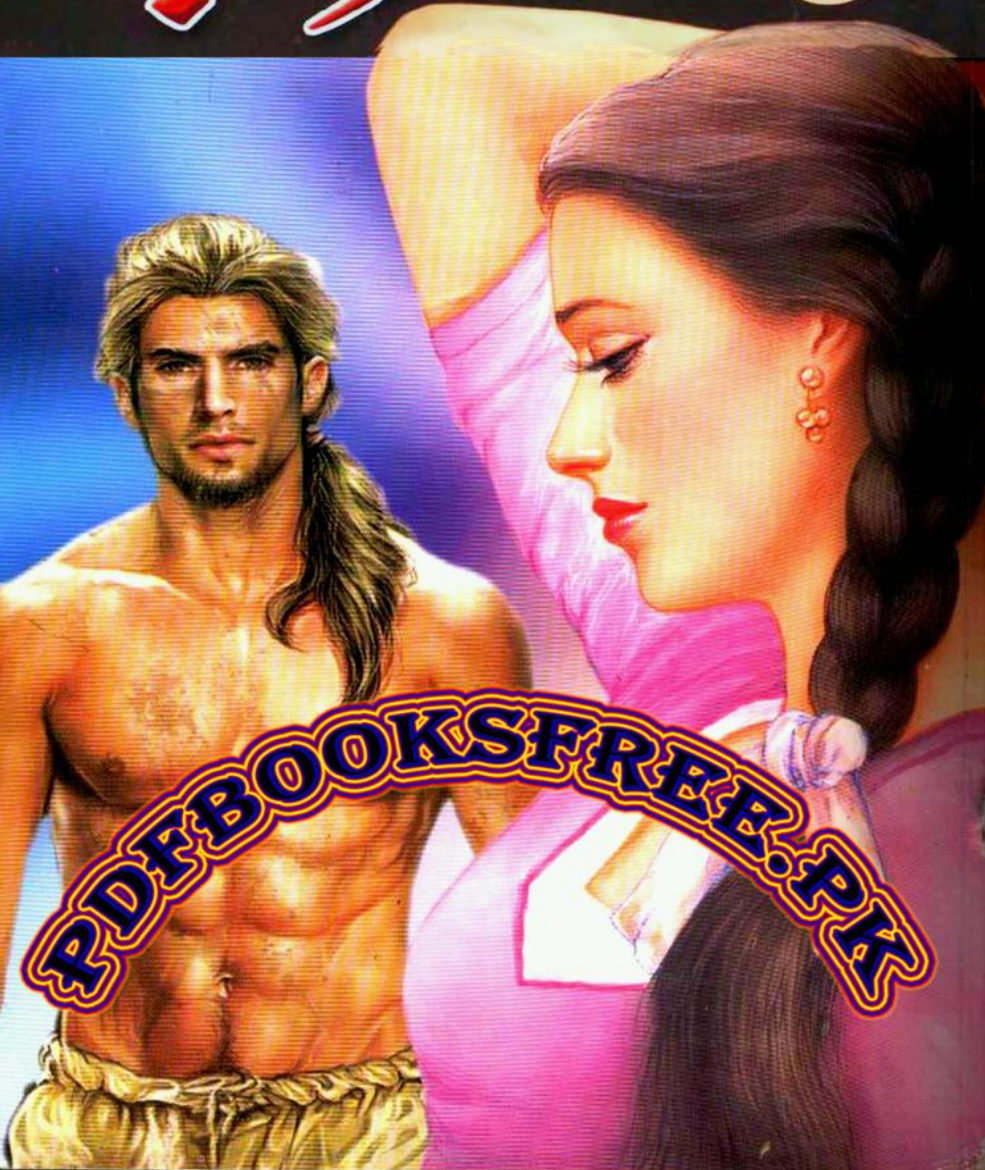
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

6



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

چھٹا حصہ

کاشف زبیر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




ISBN 978-969-517-320-6

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 ONR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیکاٹ نے طے کیا تھا کہ اگر دونوں طرف سے حملہ ہوا تو وہ عقبی طرف کا دفاع کرے گا اور میں سامنے والے حصے میں رہوں گا اس لئے میں نے سامنے والے حصے کا رخ کیا۔ سامنے میدان میں دور تک انسانی سائے نظر آرہے تھے وہ اتنی خاموشی سے آئے تھے کہ ہمارے آدمیوں کو پتا ہی نہیں چلا تھا۔ اور ان کو سوکھی گھاس پر رال ڈالنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس وقت نیکاٹ کے آدمی جلدی جلدی سامنے والے حصے میں رال ڈال رہے تھے۔ میں نے گرج کر کہا۔

"کیا کر رہے تھے تم سب یہ کیسے یہاں تک آگئے؟"

"ہمیں بھی نہیں معلوم جناب۔" ایک سپاہی نے رال کا برتن لے جاتے ہوئے کہا۔ جن سپاہیوں کو تیر اندازی کرنا تھی وہ اپنے تیر کمان سنبھال رہے تھے اور صفیں بنا رہے تھے۔ میں چلا چلا کر ان کو ہدایت دینے لگا۔ تیروں پر کپڑے لپیٹ کر ان کو رال میں بھگویا جارہا تھا۔ مشعلیں روشن کر کے ذرا ذرا فاصلے پر زمین میں لگا دی گئی تھیں۔ اب حملہ آور تیر برسا رہے تھے۔ اور میدان میں رال ڈالنے والوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔ مگر نیکاٹ کے آدمی جان پر کھیل کر اپنا کام کر رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ہمارا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا کیونکہ جو کام ہمیں دشمن کے آنے سے پہلے کرنا تھا وہ ہم اس کے سامنے کر رہے تھے اور وہ اتنا نادان تو نہیں تھا کہ ہماری کاروائی سمجھ نہ پاتا۔ اس کے باوجود یہ رال ان کو کچھ دیر تک روک سکتی تھی۔ جب تیر اندازوں نے میرے حکم پر سادہ تیر پھینک کر دشمن کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی تو ان کی رفتار سست ہوئی تھی ابھی ہم جلتے تیر نہیں پھینک سکتے تھے کیونکہ میدان میں خود ہمارے آدمی تھے۔ عقب کی طرف سے شعلے بلند ہونے لگے تھے۔ اس طرف دشمن شاید بہت نزدیک آگیا تھا۔ اس لئے نیکاٹ نے اس طرف آگ لگوا دی تھی۔

میں انتظار کر رہا تھا کہ دشمن کی فوج کا کم سے کم اگلا حصہ سوکھی گھاس کے میدان میں داخل ہو جائے۔ تب میں تیر اندازوں کو آگ والے تیر برسانے کا حکم دوں۔ مگر نزدیک آنے پر ان کی رفتار سست ہو گئی تھی اور پھر وہ رال والے حصے سے کچھ دور رک گئے۔ میرا دل ڈوب گیا تھا۔ میرا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ اور دشمن بہت ہوشیاری سے ہمیں گھیر چکا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے تیر اندازوں کو حکم دیا۔ "آگ والے تیر دشمن پر برساؤ۔ ان کے جسموں کا نشانہ لو۔"

اس وادی میں سپاہی بھی عام آدمیوں کی طرح ایک ڈھیلا سا عبا نما لباس پہنتے تھے اور اس وجہ سے وہ جلتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیروں کا آسان نشانہ تھے۔لکڑی کی ڈھال ان کے جسم کے وسطی حصے کو محفوظ کر رہی تھی مگر ان کا لباس قطعی محفوظ نہیں تھا۔ اس وجہ سے جب جلتے تیر ان کے لباس سے ٹکرائے تو انہوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ پھر یہی جلتے تیر جب ڈھالوں پر لگے تو ان کو بھی آگ لگا دی تھی۔ میں نے تیر اندازوں سے کہا تھا کہ وہ سوکھی گھاس والے میدان کو تیروں سے بچائیں ورنہ ان میں آگ لگ گئی تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔ یہ حربہ کامیاب رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے درجنوں سپاہی آگ کی لپیٹ میں آ کر زمین پر لوٹ رہے تھے اور اپنے کپڑوں میں لگی آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہت سارے ڈھالیں جلنے کی وجہ سے حفاظت سے محروم ہو گئے تھے۔ وہ اب پسپا ہو گئے تھے۔ میں نے۔ پاہیوں کو دوسرا حکم دیا۔ ''پسپا ہونے والوں کو بغیر آگ کے تیر مارو۔''

جلتے تیر آتے دکھائی دے جاتے تھے مگر یہ تیر اس وقت معلوم ہوتے جب جسم میں ترازو ہو جاتے۔ جب دو تین درجن لاشیں گریں تو دشمن کی صفوں میں سراسیمگی پھیلی اور انہوں نے پلٹ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ میرے سپاہی مارے جوش کے ان کے پیچھے جانا چاہتے تھے مگر میں نے ان کو روکا اور اپنے ساتھ کوئی سو کے قریب تیر انداز لے کر عقبی طرف پہنچا جہاں حملہ آوروں کا پلہ بھاری تھا۔ ان کی طرف سے بے پناہ تیر آ رہے تھے اور اگر نیکاٹ نے آگ نہ لگا دی ہوتی تو وہ اب تک اندر آ چکے ہوتے۔ میں نے یہاں بھی وہی حربہ آزمایا اور جب دشمن پر جلتے تیر برسنے لگے تو ان کو حملے سے زیادہ اپنی حفاظت کی فکر لگ گئی تھی۔

''ہم نے اپنی طرف سے دشمن کو پسپا کر دیا ہے۔'' میں نے مسرت سے نیکاٹ کو بتایا۔ ''ان کے کم سے کم سو آدمی مارے گئے۔''

''سچ مچ؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں ان کی لاشیں بھی سامنے میدان میں پڑی ہیں۔''

اس اطلاع نے نیکاٹ کے آدمیوں میں جوش و خروش کی لہر دوڑا دی تھی اور اب وہ دشمن پر حملے کے لیے بے تاب تھے مگر نیکاٹ نے بھی ان کو روک لیا کیونکہ اس کے پاس افرادی قوت محدود تھی اور اگر وہ دو بدو مقابلہ کرتے تو دشمن کے پاس کہیں زیادہ طاقت تھی۔ ہمارا تھوڑا جانی نقصان بھی بہت بڑا ہوتا اور دشمن فوج کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ حملہ آور کم سے کم بھی ایک ہزار تھے اور سو افراد کی کمی ان کے لیے خاص نہیں تھی اور ہمارا ایک آدمی بھی مارا جاتا تو یہ بہت بڑا نقصان ہوتا۔

نصف گھنٹے بعد اس طرف بھی دشمن پسپائی پر مجبور ہو گیا تھا کیونکہ تیر اندازی نے جنگل میں بھی کئی جگہ آگ لگا دی تھی اور دشمن کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس کا واپسی کا راستہ بھی نہ بند ہو جائے۔ صبح کی روشنی نمودار ہونے سے پہلے دشمن کے سارے آدمی واپس جا چکے تھے۔ اور صرف ان کی لاشیں بکھری رہ گئی تھیں۔ ہم نے ان کو جمع کر کے مقامی رواج کے مطابق دفنا دیا تھا ان کی تعداد ایک سو ستر تھی۔ اور اس سے زیادہ زخمی تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ نیکاٹ اور اس کے ساتھی اس فتح پر مسرور تھے مگر اورگان اداس تھا اس کا کہنا تھا کہ دونوں طرف سے اس کے لوگ مارے گئے تھے اور نقصان ان کا ہی ہوا تھا۔ ہمارے سات آدمی مارے گئے تھے۔ یہ بھی بڑا نقصان تھا۔ اس جنگ کے بعد جب میری پہلی بار اورگان سے بات ہوئی تو میں نے کہا۔

''دیکھا تم نے موران کسی کا لحاظ کرنے والا شخص نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ اس کی اور تمہاری جنگ ہے میرا اس سے کیا تعلق ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''میرے خدا اورگان تم اتنے ناسمجھ کیوں ہو۔ اگر وہ ہمیں شکست دیتے ہیں تو کیا تم سے پوچھ نہیں ہوگی کہ تم نے موران کے دشمنوں کو کیوں پناہ دی۔''

میری اس بات نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ ''میں کہہ سکتا ہوں کہ تم لوگ زبردستی میرے مکان میں گھس آئے تھے۔''

''صاحبان اقتدار لوگوں کی اس قسم کی مجبوریاں نہیں سمجھتے ہیں۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''جو ان کے دشمن کے ساتھ ہے وہ ان کا دشمن ہے یہ اس کی مجبوری نہیں دیکھتے۔''

''میرا نہیں خیال کہ موران ایسا کرے گا۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''کیا موران نے تم سے کوئی وعدہ کیا ہے کہ وہ تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔''

''ہاں۔'' اورگان کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ مان گیا۔ ''اس نے مجھ سے کہا تھا اگر میں اس کے خلاف ادومیکنا کا ساتھ نہ دوں تو وہ مجھ سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔''

میں حیران رہ گیا تھا۔ ''تم اس کے عزائم سے واقف تھے۔''

''نہیں میں یہ تو نہیں جانتا تھا کہ وہ ریاست پر قبضہ کرنا چاہ رہا ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ وہ ادومیکنا کے خلاف اپنا دفاع کرنا چاہ رہا ہے۔''

''اور اس نے سازش کے ذریعے لوگوں کا قتلِ عام کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور تم اب بھی اس خوش فہمی میں ہو کہ وہ تم کو کچھ نہیں کہے گا۔''

''اگر وہ میرے خلاف کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''تم ہمارا ساتھ دو ہمیں کامیاب کرنے کے لیے سارا زور لگا دو۔ اگر ہم کامیاب رہے تو تم مہا پجاری بن سکتے ہو اور اس حیثیت سے اپنے لوگوں کے لیے کتنے کام کر سکتے ہو سب سے اہم بات ہے کہ اس طرح وادی میں بیرونی مداخلت کا خدشہ بھی نہیں رہے گا۔''

''بیرونی مداخلت۔'' وہ چونکا۔

''ہاں تم ولیم شا اور ایلن کو کیا سمجھتے ہو۔ یہ غیر ملکی استعمار کے نمائندے ہیں اور اب یہ اپنے لوگوں کو وادی میں لا کر بسائیں گے۔''

''وہ کیوں؟''

''کیونکہ ان کو زمین کی ہوس ہی اپنے وطن سے اتنی دور لائی ہے۔''

میں نے اورگان کو مختصراً انگریزوں کی ہوس ملک گیری کے بارے میں بتایا۔ ''اب یہ وادی دیکھ کر واپس جاتے ہیں تو اس کے بعد اپنی فوج کے ساتھ ہی واپس آئیں گے اور تم لوگ کسی صورت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ یہ یہاں سے جانے نہ پائیں۔''

اس نے میری بات پر غور کیا۔ ''اس صورت میں تو تم بھی یہاں سے نہیں جا سکو گے۔ کیونکہ تم سے بھی یہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"اول تو تمہیں مجھ سے یہ خطرہ نہیں ہے کیونکہ میں خود ایک غلام قوم کا باشندہ ہوں اور ہم انگریزوں سے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ دوسرے مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے اگر میرے مقدر میں یہاں سے جانا ہے تو میں ضرور جاؤں گا اور اگر میرے مقدر میں ایسا نہیں ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے یہاں سے نہیں لے جا سکتی ہے۔"

میری بات نے اسے متاثر کیا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔ "تمہارے بارے میں شروع سے میرا یہ خیال رہا ہے کہ تم ایک سچے اور دیانت دار انسان ہو مگر سامیرا کی وجہ سے۔" وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔

"میں نے تم کو پہلے بھی بتایا تھا کہ میں سامیرا کو پسند کرتا ہوں مگر اس کی زندگی میں دخل دینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں..... لیکن....."

"سامیرا بھی اس بات کو سمجھتی ہے اور اس کا بھی یہی کہنا ہے۔ مگر پسند پر تو آدمی کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔"

اس کے بعد وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا اور میں منتظر تھا کہ وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر اس نے ہمارا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو مجھے یقین تھا کہ ہم یہ جنگ جیت سکتے تھے موران اینڈ کمپنی کو شکست ہو سکتی تھی اور ہمارے سروں سے لٹکی تلوار ٹوٹ جاتی۔ اور خدانا خواستہ ناکامی ہوتی تو ہم میں سے کوئی نہ بچتا اور اس وادی کے لوگ بھی غلامی کا شکار ہو جاتے۔ فوج میں آنے کے بعد مجھے معلوم ہوا تھا کہ انگریز عرصہ دراز سے تبت پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ مگر درمیان میں ہمالیہ کا ناقابل عبور سلسلہ اور عالمی حالات ان کے راستے کی رکاوٹ بن گئے تھے اب تو انگریز ہندوستان سے بوریا بستر گول کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ مگر کوئی اور طاقت جو ان کی جگہ لیتی اس وادی سے فائدہ اٹھا کر تبت پر قبضے کی کوشش کر سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اچانک ہی اورگان نے کہا تو میں خیالوں سے چونکا تھا۔ "میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں لیکن اس سے یہ مطلب مت لینا کہ میں مہا پجاری بننا چاہتا ہوں۔ میں صرف اپنے لوگوں کا مزید خون بہتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"سچ۔" میں خوش ہو گیا تھا۔ "مجھے یقین ہے اگر تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ تو ہم یہ جنگ زیادہ خون خرابے کے بنا جیت جائیں گے۔"

اورگان پھر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ "نیکاٹ کو بلا لاؤ میں اس کے سامنے تم دونوں کو ایک تجویز دوں گا۔"

میں جا کر نیکاٹ کو بلا لایا اور راستے میں اسے اورگان کی تبدیلی سے بھی آگاہ کر دیا تھا وہ بھی خوش نظر آنے لگا تھا۔ ہم اورگان کے پاس آئے تو وہ ہمیں پہلی بار اپنے گھر کے اندر لایا۔ اس نے نشست گاہ میں بٹھایا۔

"میرے پاس ایک تجویز ہے۔ ہم صرف پندرہ بیس آدمیوں کی مدد سے موران اور اس کے ساتھیوں پر قابو پا سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" نیکاٹ نے بے چینی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بتاؤں گا لیکن پہلے تم دونوں کو قسم کھانی ہوگی کہ جو میں بتاؤں گا وہ تم کسی اور کو نہیں بتاؤ گے۔''

''میں سینتور کی قسم کھاتا ہوں۔'' نیکاٹ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''اور میں اپنے اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تمہارا راز میرے منہ سے کسی کے سامنے نہیں نکلے گا۔''

اس نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ ''تم لوگ جانتے ہو اصل میں میرے باپ نے مجھے مہا پجاری بنانے کا فیصلہ کیا اور وہ بچپن سے اس لحاظ سے میری تربیت کر رہا تھا۔ اس نے جوانی کی عمر تک مجھے وہ سب سکھا دیا تھا جو ایک مہا پجاری کو آنا چاہیے۔ ان میں سینتور کے معبد کے راز بھی تھے اور مخصوص علوم بھی۔ سینتور کے معبد کے یہ راز صرف وہی جان سکتا ہے جو مخصوص علوم جانتا ہے۔''

''یعنی موران ان رازوں سے بے خبر ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ممکن ہے وہ جانتا ہو لیکن وہ ان کو استعمال نہیں کر سکتا ہے۔ ان کو استعمال کرنے کے لیے بعض چیزوں کا جاننا اشد ضروری ہے۔''

''اگر تم سینتور کے معبد کے راز جانتے ہو تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔'' نیکاٹ نے پوچھا۔

''میرا اندازہ ہے کہ معبد میں اس وقت موران اور اس کے ساتھی موجود ہوں گے مگر محافظوں کی اکثریت شہر میں ہوگی۔ اگر تم پندرہ بیس اچھے سپاہی ساتھ لے لو تو ہم ایک خفیہ راستے سے جا کر ان لوگوں کو قابو کر سکتے ہیں اس کے لیے زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' نیکاٹ نے کہا۔ ''کب چلنا ہے؟''

''ہم کل رات نکلیں گے۔'' اورگان نے کہا۔ ''اور صبح کے وقت معبد میں داخل ہو جائیں گے۔''

''کیا معبد کے محافظ ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں ہوں گے؟''

''نہیں ایک بار میں معبد میں داخل ہو گیا تو سب میرے قابو میں ہوگا۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

''تب ہمیں تیاری کر لینی چاہیے۔'' نیکاٹ اٹھتے ہوئے بولا۔

''لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ کسی پر یہ راز کھلنا نہیں چاہیے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

میں نے نیکاٹ کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے تم کو یہاں رکنا چاہیے اور اپنے آدمیوں کو تیار کرنا چاہیے۔ تاکہ جب ہماری طرف سے اشارہ ملے تو تم شہر پر حملہ کر دو۔''

نیکاٹ سوچ میں پڑ گیا شاید وہ اورگان کے ساتھ جانے کے لیے بے چین تھا مگر پھر اس کے شوق پر عقل غالب آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں یہیں رکوں گا۔ میرے آدمی میری عدم موجودگی میں پریشان ہو سکتے ہیں۔''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ ان کا حوصلہ بلند رکھنا ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہمارے جانے کی کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔'' اورگان بولا۔ ''کم سے کم اس جگہ سے باہر نہیں جانی چاہیے۔''

''تم بے فکر رہو۔'' نیکاٹ نے اعتماد سے کہا تھا۔ ''یہ بات یہاں سے سے باہر نہیں جائے گی۔''

اس کے بعد نیکاٹ نے اپنے آدمیوں میں سے بیس مضبوط اور ماہر لڑاکے منتخب کیے تھے۔ ان سے بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رازداری کا حلف لیا گیا تھا۔ اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ میری اور اورگان کی ہر بات مانیں۔ اورگان بعض ضروری تیاریوں کے سلسلے میں اپنے مکان میں رہا تھا وہ شام کے وقت باہر آیا تھا۔ اس نے ایک صراحی اٹھا رکھی تھی۔ اس نے مجھ سمیت ساتھ جانے والے بیس افراد کو اس صراحی سے کوئی مشروب پلایا تھا۔ میں نے اس خوش ذائقہ مشروب کے بارے میں پوچھا۔ ''یہ کیا ہوا؟''

''میں بعد میں بتاؤں گا۔'' اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا تھا تو میں چپ ہو گیا۔ جیسے ہی سورج غروب ہوا۔ ہم بائیس افراد وہاں سے نکل پڑے تھے۔ اورگان نے عقبی جنگل کا راستہ اختیار کیا تھا۔ یہاں ابھی کوئی نہیں تھا نیکاٹ نے اپنے آدمیوں کو ہٹا لیا تھا۔ تاکہ ہماری روانگی کی خبر چھپی رہے۔ میں سامیرا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ گھر میں اکیلی تھی۔ پھر مجھے اپنی سوچ پر ہنسی آ گئی۔ اگر اورگان اسے گھر چھوڑ کر نہ آتا تو کیا اس مہم پر ساتھ لے کر آتا۔ ہم بیچ در بیچ جنگل سے گزر رہے تھے۔ یہاں گرمی تھی یا مجھے لگ رہی تھی۔ گرمی بڑھ رہی تھی اور ہم پسینے پسینے ہوئے جا رہے تھے۔ میں نے یہاں آنے کے بعد سے اب تک اتنی گرمی محسوس نہیں کی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنی گرمی کیوں لگ رہی ہے۔ پسینے کے ساتھ میں نے محسوس کیا کہ میرے جسم سے ایک عجیب سی بو آ رہی ہے۔

''کیا تم میرے جسم سے آتی بو محسوس کر رہے ہو۔'' میں نے ساتھ چلتے سپاہی سے پوچھا۔ اس نے جواب دیا۔

''جناب میرے جسم سے بھی ایسی ہی بو آ رہی ہے۔''

واقعی سب کے جسموں سے وہی بو آ رہی تھی۔ میں نے اورگان سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''یہ اس مشروب کا نتیجہ ہے جو میں نے تم سب کو پلایا تھا۔''

''مگر کیوں..... ہمیں اتنی گرمی لگ رہی ہے اور پسینہ آ رہا ہے؟''

''ابھی تم دیکھ لو گے۔'' اس نے کہا اور خاموشی سے چلنے لگا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ اس لیے میں بھی چپ رہا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد مجھے لکڑیاں چٹخنے جیسی آواز آئی۔ میں سمجھ گیا کہ آس پاس گوریلا نما گونر تھا جو چلتا تھا تو اس کے جسم سے لکڑی چٹخنے جیسی آواز آتی تھی۔ راستہ دیکھنے کے لیے ہم نے مشعلیں روشن کر رکھی تھیں۔ ان کی روشنی میں مجھے کوئی دس گز دور گونر کا ایک جوڑا دکھائی دیا۔ ہمیں دیکھتے ہی اس مخلوق نے دھاڑ نے جیسی آواز نکالی اور ہماری طرف لپکا تھا۔ ہم سب ہی اپنے ہتھیار سنبھال کر اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ یہ جسیم بلا بہت تیزی سے حرکت میں آئی تھی۔ میں سامنے والے پر لاٹھی سے وار کرنے کے لیے تیار تھا مگر جیسے ہی وہ نزدیک آیا۔ اچانک ایک جھٹکے سے رک گیا اور پھر اس نے برا سا منہ بنایا اور پلٹ کر بھاگا اس کا ساتھی بھی اس کے پیچھے تھا۔ پہلے تو میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''یہ کیوں بھاگ گئے؟'' میں نے اورگان سے پوچھا۔

''یہی تمہارے سوال کا جواب ہے۔'' اس نے کہا

''یعنی تم جو مشروب پلایا تھا اس کی وجہ سے ہمارے جسموں سے جو بو آ رہی ہے۔ وہ اس بو کی وجہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھاگ گئے۔"

"بالکل۔" اس نے سر ہلایا۔ "صرف یہی نہیں بلکہ اس کی بو سے کوئی جانور تمہارے پاس نہیں آئے گا۔"

واقعی اس کا کہنا درست ثابت ہوا تھا۔ راستے میں ہمیں کئی بار گونر اور اسمار ملے مگر وہ ہمارے پاس آ کر پلٹ کر بھاگ جاتے تھے۔ یہ اور گان کی صلاحیتوں کا ایک اور ثبوت تھا اسے جدید سائنس کے بارے میں کچھ نہیں پتا تھا مگر اس نے اپنے محدود وسائل سے بھی جو چیزیں بنائی تھیں وہ ہماری دنیا کے سائنس دان تمام تر علم اور وسائل رکھنے کے باوجود نہیں بنا سکتے تھے۔ خاص طور سے اس کی وہ حیرت انگیز ادویات جو انسان کو بہت جلد ٹھیک کر دیتی ہیں۔ اگر یہ دوائیں دنیا میں آ جائیں تو کتنے ہی لوگ موت کے منہ میں جانے سے بچ سکتے تھے۔ ہم تیز رفتاری سے رکے بغیر سفر کرتے رہے تھے ایک جگہ رک کر اور گان نے ہمیں پھر وہی مشروب پلایا تھا عجیب بات تھی کہ اس کے پینے سے گرمی لگ رہی تھی اور پسینہ بھی آ رہا تھا مگر کسی قسم کی کمزوری محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے بجائے میں خود کو اتنا سفر کرنے کے باوجود تازہ دم محسوس کر رہا تھا اور شاید باقی سب کا حال بھی ایسا ہی تھا۔ ساری رات یہ سفر جاری رہا تھا۔ حتیٰ کہ ہم جنوبی جنگل میں داخل ہو گئے جس میں ہارن پائے جاتے تھے۔ میں نے اور گان سے پوچھا۔

"کیا ہارن بھی اس بو سے بھاگتے ہیں۔"

"میں نے یہ چیز اصل میں ان کے لیے ہی تیار کی تھی مگر اس سے دوسرے جانور بھی بھاگتے ہیں۔"

"یعنی ہمیں ہارن سے کوئی خطرہ نہیں ہے؟" میں نے اپنے اضطراب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ میں اس جانور کی وحشت دیکھ چکا تھا اس لیے اور گان پر اعتماد کے باوجود مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اور جب پہلا ہارن سامنے آیا تو ہم سب ہی ڈر گئے تھے۔ وہ بہت جارحانہ انداز میں ہماری طرف دوڑتا ہوا آیا تھا۔ سپاہیوں نے تیر کمان سنبھال لیے تھے۔ اور گان نے ان کو روکا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم میں سے کسی نے تیر مار دیا تو شاید یہ پھر حملہ ضرور کرے گا۔"

"رک جاؤ۔" میں نے حکم دیا۔

ہارن کسی طاقتور گھوڑے کی طرح دوڑتا ہمارے قریب آیا اور ایک جھٹکے سے رک گیا۔ کچھ دیر ناک سکیڑ سکیڑ کر وہ بو محسوس کرتا رہا پھر بھیانک انداز میں غرایا اور جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس چلا گیا۔ ہم سب نے کب سے دبا سانس خارج کیا تھا۔ کم سے کم میرا تو برا حال تھا کیونکہ میں اس کی درندگی کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس کے بعد بھی ہمیں کئی ہارن ملے اور وہ بو محسوس کر کے بھاگ نکلے تھے۔ میں نے اس رات اس عجیب مخلوق کو بہت قریب سے دیکھا۔ اس کا اوپری جسم انسان نما تھا دو مضبوط اور لمبے ہاتھ تھے جن میں چار چار انگلیاں تھیں۔ شیر جیسے ناخن اور ہاتھوں اور جسم پر گھنے بال تھے۔ اس کا چہرہ انسان جیسا ہی تھا مگر اس پر بے پناہ وحشت اور درندگی تھی۔ سر پر گھوڑے کی ایال کی طرح ملائم لہراتے بال تھے۔ ان کا قد کوئی دس فٹ تھا اور لمبائی بھی اتنی ہی تھی۔ ان کا وزن میرے خیال میں کم سے کم بھی ایک ٹن تھا۔

جنوبی جنگل سے گزرتے ہوئے ہم سنہری معبد کے پیچھے جا پہنچے تھے اس طرف چٹانیں تھیں اور بھول بھلیوں جیسے راستے تھے۔ جن کے اوپر سنگلاخ چٹانیں سیدھی جا رہی تھیں اور پھر یہ لامتناہی حد تک اوپر ہی چلی گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں۔ اور گان ہمیں لے کر ان بھول بھلیوں کے درمیان گھوم رہا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ سپاہی کچھ ڈرے ڈرے سے تھے۔ میں نے ایک سے پوچھا۔ ''کیا یہاں کوئی خطرہ ہے؟''

''ادھر یون رہتی ہیں۔''

''یون؟''

اس نے بڑی مشکل سے وضاحت کی ان کی زبان میں روح کو یون کہتے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ ان کے مرنے والوں کی روحیں آ کر ان چٹانوں میں بسیرا کرتی ہیں کیونکہ ایک زمانے میں یہیں سے وادی کے اوپر جانے والا راستہ تھا جو زلزلے کی وجہ سے تباہ ہو گیا تھا۔ اب یون انتظار کرتی تھیں کہ راستہ بنے تو وہ اوپر جائیں۔ میں مسکرا دیا اس قسم کی باتیں ہر جگہ ہوتی ہیں اور پہاڑوں پر رہنے والے زیادہ ہی توہم پرست ہوتے ہیں خود میرے علاقے میں طرح طرح کی ماورائی کہانیاں مشہور ہیں۔ اور گان کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اسے کسی خاص چیز کی تلاش ہے۔ وہ چٹانوں کے درمیان بے خوف گھوم رہا تھا۔ ظاہر ہے یہ توہمات ان پجاریوں نے پھیلائے تھے تاکہ کوئی ڈر کر اس طرف نہ آئے اور اوپر جانے والا خفیہ راستہ ظاہر نہ ہو۔ اچانک اس نے ہم سب کو ایک جگہ رکنے کا حکم دیا اور خود ایک طرف چلا گیا۔ وہ بھول بھلیوں کے ایک ایسے حصے میں گیا تھا۔ جس میں راستے در راستے نکل رہے تھے۔ چاند کی روشنی ختم ہو چکی تھی اور اب ہم صرف مشعلوں کی روشنی میں راستہ دیکھ رہے تھے۔ اور گان کے حکم پر ساری مشعلیں بجھا کر صرف دو جلتی رہنے دیں تھیں تاکہ ان کی روشنی دور سے نظر نہ آئے۔ اور گان کوئی دس منٹ بعد آیا تھا اور اس نے ہم سے کہا۔

''مشعلیں بجھا دو۔''

''پھر راستہ کیسے دیکھیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''تم میرا ہاتھ تھام لو۔'' اس نے کہا۔ ''اور باقی سب ایک ایک کر کے ہاتھ تھام لیں۔ سب ایک سیدھ میں چلیں گے۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور میرا ہاتھ ایک اور سپاہی نے تھام لیا اس کا دوسرے نے اور پھر ایک زنجیر بن گئی تھی۔ مشعلیں زمین پر پھینک کر بجھا دیں اور ہم اندھوں کی طرح چلنے لگے تھے ہمارا سارا انحصار اور گان پر تھا۔ وہی ہماری آنکھیں بنا ہوا تھا۔ چلتے چلتے میں نے محسوس کیا کہ ہم کسی بند جگہ آ گئے ہیں۔ اس جگہ ہلکی سی گھٹن تھی۔ اور گان بار بار ہم سے کہہ رہا تھا کہ بالکل سیدھ میں چلیں کیونکہ یہاں پر زمین میں گڑھے بھی تھے جن میں گرنے والے کو نکالا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے ہم سب بہت محتاط تھے۔ یہ اندھا سفر نہ جانے کتنی دیر جاری رہا تھا۔ میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اور گان یہ راستہ ہم سے خفیہ رکھنے کے لیے ہمیں اس طرح سے لے جا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے ہم ایک جگہ پہنچے جہاں اور گان نے ہمیں رکنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ بلند آواز سے ایک نامانوس زبان میں کچھ کہنے لگا اور اس کے ساتھ ہی ایک طرف ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ راستہ کھل گیا کیونکہ اس جگہ سے روشنی آئی تھی اس لیے ہمیں راستہ کھلتا دکھائی دیا تھا۔ اگرچہ یہ روشنی بہت معمولی سی تھی مگر ہم اتنی دیر مکمل تاریکی میں رہے تھے اس لیے ہلکی سی روشنی بھی فوراً نظر آ گئی۔ یہ ایک سرنگ تھی جس کی دیواروں پر پتھر سے لگے تھے جن سے یہ روشنی پھوٹ رہی تھی۔ میں نے فاسفورس کی روشنی دیکھی تھی اس لیے میرے لیے یہ کوئی عجوبہ چیز نہیں تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگ زیادہ طویل نہیں تھی جیسے ہی ہم اس کے اندر آئے عقب میں راستہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔ سرنگ کے آخری رے پر اورگان نے پھر اسی طرح بلند آواز سے کچھ کہا اور یہاں بھی دیوار میں راستہ نمودار ہوا تھا۔

اس بار ہم ایک ہال نما جگہ میں داخل ہوئے تھے جس میں صدیوں کی باس تھی۔ وہاں عجیب سی چیزیں رکھی ہیں اور یہاں کئی طرح کا فرنیچر بھی تھا۔ اورگان ایک ایک چیز کو دیکھنے لگا تھا پھر اس نے دیوار پر لگی مٹھیں گھما گھما کر دیکھا۔ ایک طرف کچھ تلکیاں سی بنی تھیں وہ ان میں کان لگا کر سنتا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ے لگ رہا تھا کہ یہاں کچھ بھی اس کے لیے اجنبی نہیں ہے اور وہ ان تمام چیزوں کا استعمال اچھی طرف جانتا ا۔ میرے ذہن میں سوال تھا کہ کیا ہم معبد کے اندر کسی خفیہ مقام تک پہنچ گئے ہیں؟ اورگان نے ہمیں ایک جگہ ع کر کے وہاں سے نہ ہلنے اور کسی بھی چیز کو ہرگز نہ چھیڑنے کا حکم دیا تھا۔ ''ذرا سی غلطی ان لوگوں کو ہوشیار کر ے گی اور ہمارا منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔''

''تم بے فکر رہو کوئی کچھ نہیں چھیڑے گا۔''

جب اورگان اپنے کام میں لگ گیا تھا تو میں نے سپاہیوں کو نیکاٹ کا دیا لائحہ عمل بتایا۔ ''معبد میں نظر نے والے کسی مسلح فرد کو نہیں چھوڑنا ہے۔ ان کو بے دریغ قتل کر دینا اور کوشش کرنا کہ موران اور اس کے ساتھی زندہ پکڑے جائیں۔''

سپاہیوں نے مجھے یقین دلایا کہ میری بات پر حرف بہ حرف عمل کیا جائے گا۔ اورگان اپنے کام میں مصروف تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ان آلات کی مدد سے معبد کے اوپری حصے کی جاسوسی کر رہا تھا۔ اس لیے میں نے اس کے کام میں مداخلت نہیں کی تھی وہ اوپر کے بارے جتنی اچھی طرح جان جاتا ہماری کامیابی کے امکانات اتنے ہی روشن ہو جاتے۔ اسے کئی گھنٹے لگ گئے تھے اور اس دوران میں اوپر لازمی طور پر دن نکل آیا تھا۔ آخر اورگان نے مطمئن ہو کر سر ہلایا اور مجھ سے کہا۔

''میں نے یقینی طور پر معلوم کر لیا ہے۔ اوپر سو سے زیادہ لوگ ہیں اور ان میں سے زیادہ تر پجاری ہیں جو ر نا نہیں جانتے ہیں محافظ ایک درجن بھی نہیں ہوں گے اور وہ بھی باہر ہی ہوتے ہیں۔''

''ہم کہاں سے نکلیں گے؟'' میں نے پوچھا

''ہم موران کے رہائشی حصے میں نکلیں گے۔''

''اور اگر موران وہاں نہ ہوا تو؟''

''موران وہیں ہے۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''لیکن ایک بات یاد رکھنا اسے مارنا نہیں ہے زندہ پکڑنا ہے۔''

''تم فکر مت کرو میرا بھی یہی ارادہ ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اگر اس نے خودکشی کی کوشش نہ کی تو زندہ رہے گا۔''

صاف لگ رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی موت نہیں چاہتا تھا۔ ایک لحاظ سے یہ اچھی بات تھی مگر دوسری طرف دیکھا جاتا تو موران ایک موذی سانپ تھا اور اسے زندہ چھوڑنا مناسب نہیں تھا اس کی وجہ سے باغیوں کے حوصلے بلند رہتے اور وہ اتنی آسانی سے ہتھیار نہ ڈالتے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ الٹا ہم پر حاوی ہو جاتے اور محض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موران کو زندہ چھوڑنے کی وجہ سے ہم جیتی ہوئی بازی ہار جاتے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اگر موران پر قابو پالیا تو اس کی گردن پر نیزہ رکھ کر اس کے آدمیوں سے ہتھیار ڈلواؤں گا۔ یہی ایک طریقہ تھا کہ ہم کم سے کم مزاحمت کا سامنا کر کے سب کو قابو کر لیتے۔

اورگان نے ہمیں سب سمجھانے کے بعد ایک طرف دیوار کے سامنے کھڑے ہو کر پھر اسی نامانوس زبان میں کچھ کہا اور اس طرف سے دیوار سرک گئی تھی۔ وہ شاید انہیں ان خفیہ علوم کی مدد سے کھولتا تھا جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں تھا اور موران ان سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ان خفیہ جگہوں تک رسائی نہیں رکھتا تھا۔ ہم ایک سرنگ در سرنگ جگہ میں داخل ہوئے تھے۔ یہاں بھی روشنی کے لیے ویسے ہی پتھر لگے تھے۔ اس لیے مشعلوں کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے ہمیں خبردار کیا۔

''اب ہم موران کے حصے میں ہیں میں دروازہ کھولنے جا رہا ہوں۔''

میں نے اسے روکا اور ایک بار پھر سپاہیوں کو ہدایت کی کہ ہم جہاں نکلیں وہاں سے کسی کو نکلنے نہیں دینا ہے اگر کوئی ایسی کوشش کرے تو اسے بے دریغ مار دیا جائے۔ اور موران کو زندہ گرفتار کیا جائے۔

''اب تم دروازہ کھول سکتے ہو۔'' میں نے اورگان سے کہا تو اس نے اسی زبان میں کچھ کہا اور ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ دیوار سرک گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہم بپھر کر نکلے تھے۔ میرا خیال تھا کہ موران کے سپاہی مستعد ہوں گے مگر وہاں سوائے چند حسین عورتوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ موران نشے میں تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ صورت حال سمجھ نہ پاتا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی گردن پر لاٹھی کی انی رکھ دی۔

''بس اب ہلنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ تم اورگان کے بھائی ہو۔''

''اورگان۔'' اس نے نفرت سے بھائی کی طرف دیکھا۔ ''غدار۔''

''غدار میں ہوں یا تم۔'' اورگان نے غصے سے کہا۔ ''جس نے اقتدار کے لیے غیروں سے ساز باز کر لی۔''

''تو یہ کون ہے؟'' موران نے طنزاً میری طرف اشارہ کیا۔

''اس کی باتوں میں مت آؤ۔'' میں نے اورگان سے کہا اس دوران میں سپاہیوں نے وہاں موجود تمام افراد کو قابو کر لیا تھا ان میں چھ عورتیں اور ایک لڑکا تھا ان سب کو باندھ کر ڈال دیا تھا۔ میں نے سپاہیوں کو پانچ پانچ کی ٹولیوں میں تقسیم کیا ان میں تین ماہر تیر انداز تھے اور دو لاٹھیوں سے لڑائی کے ماہر تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ''ایک ایک کر کے معبد کے تمام حصوں پر قبضہ کر لو اور زندہ پکڑے جانے والوں کو یہاں لے آنا۔''

''پجاریوں کو قتل مت کرنا۔'' اورگان نے مداخلت کی۔

''جو مزاحمت کرے اسے فوراً مار دینا۔ کوئی فرار نہ ہونے پائے۔''

''میں کہہ رہا ہوں کسی پجاری کو مت مارنا۔'' اورگان کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''تم فکر مت کرو اگر کسی نے خود مرنے کی کوشش نہیں کی تو وہ زندہ رہے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی اور تین دستے روانہ کر دیئے جب کہ چوتھا دستہ حفاظت کے لیے دروازے پر لگا دیا تھا۔ پھر میں نے موران کی طرف توجہ دی۔ ''ولیم اور ایلین کہاں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نہیں بتاؤں گا۔'' اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''موران ایک بار تم مجھے ہارن کے سامنے پھینکنے جا رہے تھے اب اگر یہی سلوک میں تمہارے ساتھ کروں ''

اس کے چہرے پر خوف نظر آیا تھا۔ ''تم ایسا نہیں کر سکتے میں یہاں کا مہا پجاری ہوں۔''

''مہا پجاری جو اس منصب کی بنیادی شرط ہی پوری نہیں کرتا ہے۔'' میں نے طنز کیا۔

''مجھے معلوم ہے وہ دونوں کہاں ہیں۔'' اورگان نے کہا۔

میں نے کچھ سوچا اور اپنے ساتھ موجود پانچ میں سے تین آدمی ساتھ لیے اور دو کو وہیں رکنے کا حکم دیا۔ ران کی کڑی نگرانی کرنا اور کوئی اسے چھڑانے کی کوشش کرے تو اسے مار دینا۔''

اورگان کو میرے حکم سے اختلاف تھا مگر اس وقت اس نے کچھ کہا نہیں ہم باہر آئے اور اورگان کی رہنمائی اس حصے کی طرف بڑھنے لگے جہاں ولیم اور ایلن تھے۔ ایک دروازے کے سامنے رک کر اورگان نے کہا۔ یہاں ہیں۔''

''تم کو یقین ہے؟''

''ہاں میں نے خود یہاں موجود لوگوں کو نانوس زبان بولتے سنا تھا۔'' اورگان نے سر ہلایا۔

میں نے دروازے پر دستک دی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تھا اور دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ ن نے مجھے اشارہ کیا اور ہم خاموشی سے برابر والے کمرے میں آئے۔ اس نے یہاں بھی وہی آواز والی استعمال کی اور دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے یہ ولیم اور ایلن کا حصہ تھا مگر وہ یہاں ا تھے اور مزے کی بات تھی کہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ہم نے ہر طرف دیکھ لیا مگر وہ دونوں کہیں نہیں تھے۔ شویش ہونے لگی ان دونوں کا غائب ہونا اچھی بات نہیں تھی وہی تو اس سازش کے سرغنہ تھے۔ اورگان ں طرف غور سے دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے دیوار پر ہاتھ ا شروع کر دیا۔ ''کیا بات ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ششش..... یہاں ایک راستہ اور ہے اگر انہوں نے اسے استعمال کیا ہے تو موران نے معبد کے ساتھ بڑی غداری کی ہے۔'' اورگان غصے .ں تھا۔ اس نے نہ جانے دیوار کا کون سا حصہ دبایا کہ میں غور کرنے او جود نہیں جان سکا تھا ممکن ہے اس نے ایک ہاتھ پھیرتے ہوئے اصل میں دوسرے ہاتھ سے کوئی کل دبا دی کیونکہ اچانک ہی زمین میں ایک چوکور خانہ نمودار ہوا تھا۔ اس سے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ اورگان نے ر دیکھا اور بولا۔ ''وہ اسی راستے سے گئے ہیں۔''

''تم ادھر کا خیال رکھو۔'' میں نے اورگان سے کہا اور ایک سپاہی کے ساتھ اندر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ ستہ کہاں نکلتا ہے؟''

''اوپر جانے والے خفیہ راستے کے قریب۔'' اورکان نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ فرار ہو گئے ہیں۔''

''ان کو روکو۔'' اورگان نے پریشانی سے کہا۔ ''وہ نکل گئے تو یہ جگہ تباہ ہو جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور ایسا ہوا تو اس کا ذمے دار موران ہوگا۔'' میں نے نیچے جاتے ہوئے کہا اور سیڑھیاں اترنے جہاں سیڑھیاں ختم ہوئیں وہیں سے ایک سرنگ کا آغاز ہو رہا تھا۔ میں اور میرے ساتھ آنے والا سپاہی اس سرنگ میں دوڑنے لگے تھے۔ ولیم اور ایلین کو نکلے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اور اگر ہم تیز رفتاری سے سفر کرتے تو ان کو پکڑ سکتے تھے۔ میں نے اپنے ساتھ آنے والے سپاہی سے کہا۔

''ہوشیار رہنا وہ دونوں لڑنے کے ماہر ہیں نظر آتے ہی ان کو تیر مارنا۔''

''جیسا آپ کا حکم جناب'' اس نے جواب دیا۔ ہم گزشتہ چوبیس گھنٹے سے جاگ رہے تھے اور مسلسل سفر میں تھے اس لیے اب ذرا تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ مگر یہ اتنی تھکن نہیں تھی کہ اس سے ہماری کارکردگی میں فرق آتا۔ اور اس کی وجہ اورگان کا دیا مشروب بھی ہوسکتا تھا۔ سرنگ نہ جانے کتنی لمبی تھی کیونکہ ہم مستقل کوئی پندرہ منٹ بھاگتے رہے تھے اور اس دوران میں کم سے کم دو میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ اور ابھی تک سرنگ کا دوسرا سرا نہیں آیا تھا۔ پھر مجھے ایک خیال اور آیا کہ دوسرا سرا بھی کسی کل سے کھولا اور بند کیا جاتا ہو تو میں کیا کروں گا کیونکہ اورگان نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ سرنگ میں دیواروں پر ویسے ہی روشنی دیتے پتھر تھے اور اسی کی وجہ سے راستہ دیکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ ہم دوڑتے رہے اور آخر کار سرنگ کا سرا آ گیا۔ وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا۔ سرنگ بند تھی اور بظاہر ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی جس کی مدد سے اس کا دروازہ کھولا جا سکتا۔ میں نے دیواروں پر ہاتھ پھیر کر محسوس کرنے کی کوشش کی کہ اس میں کوئی ابھار ہو جسے دبا کر دروازہ کھولا جا سکے۔ مگر وہاں ایسا کوئی ابھار نہیں تھا میں نے ناکام ہو کر دیوار پر ہاتھ مارا اور سپاہی کی طرف دیکھا۔ ''تم فوراً جاؤ اور اورگان سے اس راستے کو کھولنے کا طریقہ معلوم کر کے آؤ۔''

''جی جناب۔'' سپاہی نے کہا اور دوڑتا ہوا واپس چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں پھر سے راستہ تلاش کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ اگرچہ اس کا امکان کم ہی تھا مگر ممکن تھا میں راستہ تلاش کر ہی لیتا۔ مگر یہ خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ مجھے راستہ کھولنے والا نظام نہیں ملا تھا۔ میں تھک کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ اندازہ تھا کہ اگر ولیم اور ایلین کو آدھے گھنٹے کی مہلت مل جاتی تو ان کو پکڑنا مشکل تھا۔ ایک سوال میرے ذہن میں آیا کہ اوپر کے محافظ کہاں تھے کیا ولیم اور ایلین کو ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ یا موران نے ان کو روکنے سے منع قرار دے دیا تھا۔ میں سوچتے ہوئے بے خیالی میں دیوار کی جڑ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اچانک کوئی باریک سی لکیر ہاتھ پر لگی میں نے چونک کر دیکھا۔ جہاں دیوار اور فرش مل رہے تھے وہاں ایک چھوٹا سا ابھار تھا۔ میں نے اسے دبایا تو وہ ہلکا سا دب گیا میں نے زور سے دبایا تو اچانک ہی سرنگ کے سرے پر ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ میں نے گہری سانس لی تو یہ سرنگ کھولنے والی کل تھی۔

دوسری طرف مجھے ویسی ہی چٹانیں دکھائی دیں جیسی کہ معبد کی طرف جانے والے خفیہ راستے پر تھیں ان میں بھی بھول بھلیاں تھیں اور مجھے اوپر جانے والا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہی ولیم اور ایلین میری پہنچ سے دور ہوتے جا رہے تھے اس وقت میں بہت جوش میں تھا اور میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ میں ان دونوں کو اکیلا کیسے قابو کروں گا جب کہ وہ کسی طرح مجھ سے کم نہیں تھے۔ خاصی دیر تک ان چٹانوں میں چکرانے کے بعد مجھے ایک چھوٹا سا راستہ دکھائی دیا جو بظاہر کسی دراڑ کا آخری حصہ تھا لیکن میں اس میں بھی گھس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ کچھ آگے جا کر یہ دراڑ چوڑی ہونے لگی تھی۔ اور پھر مجھے ایک زینہ دکھائی دیا جو اوپر جا رہا تھا۔ میں نے اوپر جانے والا راستہ تلاش کر لیا تھا۔

میں تیزی سے اس کے زینے چڑھنے لگا تھا اس وقت مجھ میں جیسے نئی توانائی آ گئی تھی۔ اور میں بھاگنے کی رفتار سے زینے طے کر رہا تھا۔ یہ زینے کبھی چٹانوں کے اندر سے گزرتا تھا اور کبھی کھلی جگہ پر آ جاتا تھا۔ خاصی دیر بعد میں نے نیچے دیکھا تو وادی بہت نیچے دکھائی دی تھی۔ میں کوئی ایک ہزار فٹ اوپر آ گیا تھا۔ اور یہاں نہ صرف دھند شروع ہو گئی تھی بلکہ سردی کا احساس بھی ہونے لگا تھا۔ میں تیزی سے چڑھنے کی وجہ سے تھک گیا تھا اس لیے دیوار سے ٹیک لگا کر سستانے لگا۔ اسی وقت میری نظر اوپر جاتے دو ہیولوں پر پڑی تھی۔ وہ یقیناً ولیم شا اور ایلین بریڈ تھے۔

''ولیم۔'' میں نے پوری قوت سے چلا کر کہا۔ تو آگے جانے والا ہیولہ ایک لمحے کو رکا تھا۔ پھر اس نے تیزی سے اوپر جانا شروع کر دیا تھا۔ ''تم مجھ سے بچ نہیں سکتے۔''

میں پھر اوپر جانے لگا تھا کہ نیچے سے دوڑتے قدموں کی آواز آئی اور اس سپاہی کے ساتھ مزید چار سپاہی نمودار ہوئے جس کو میں دروازہ کھولنے کا طریقہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ یہ اچھا ہی تھا اب مجھے ولیم اور ایلین کو پکڑنے میں آسانی رہتی۔ مگر انہوں نے آتے ہی مجھے گھیر لیا۔ اور میرا ساتھی سپاہی بولا۔

''جناب آپ کو اورگان نے بلایا ہے۔''

''اورگان نے۔'' میں حیران رہ گیا تھا۔ ''میں نہیں جا سکتا۔ مجھے ان دونوں کو پکڑنا ہے۔'' میں نے اوپر اشارہ کیا تھا۔

یہ سنتے ہی ان سب نے اپنی لاٹھیاں مجھ پر تان لیں اور سپاہی نے سرد لہجے میں کہا۔

''آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہی ہوگا۔''

''مگر کیوں؟'' میں چلا اٹھا تھا۔ اوپر ولیم اور ایلین دھند میں غائب ہو رہے تھے۔ ''میں ان کو روکنے جا رہا ہوں۔''

سپاہی نے اوپر دیکھا اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''اوپر کوئی نہیں ہے۔''

ولیم اور ایلین دھند میں غائب ہو چکے تھے۔ اب وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ ''سنو وہ ابھی قریب ہیں ہم ان کو پکڑ سکتے ہیں۔''

''تم ان کو نہیں پکڑ رہے ہو بلکہ خود فرار ہو رہے ہو۔'' اس نے اس بار ادب بالائے طاق رکھ کر کہا۔ ''اب تم سیدھی طرح ہمارے ساتھ چلو۔''

میں نے پریشانی میں اوپر کی طرف دیکھا۔ اورگان نے عین موقع پر میرے ہاتھ پیر باندھ دیئے تھے۔ نہ جانے اس کا ذہن کیوں بدلا تھا ممکن ہے اس میں موران کی کوئی شرارت ہو۔ سپاہیوں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ میری سننے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اور بہر صورت مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے تھے۔ اگر میں مزاحمت کرتا تو عین ممکن تھا وہ مجھ پر حملہ کر دیتے۔ میں نے ان کو سمجھانے کی ایک کوشش اور کی۔

''سنو میں اوپر نہیں جاتا مگر تم میں سے تین اوپر جا کر ان دونوں کو پکڑ سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوپر کوئی نہیں ہے۔'' سپاہی کی سوئی اسی پر اٹکی ہوئی تھی۔ ''تم ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔''

میرا دماغ گھومنے لگا تھا میں نے غصے سے کہا۔ ''تو چلو..... بھاڑ میں جائیں وہ دونوں اور تم سب۔ اب وہ اپنی فوج لے کر آئیں اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجادیں تو تم لوگ اسی کے مستحق ہو گے۔''

''لاٹھی ہمارے حوالے کر دو۔'' اس نے متاثر ہوئے بغیر کہا۔ میں بھینس کے آگے بین بجا رہا تھا۔ میں نے لاٹھی نیچے پھینک دی اور ان کے ساتھ چل پڑا تھا۔ وہ مجھے پیشہ ور انداز میں گھیرے ہوئے تھے۔ میں نہ تو بھاگ سکتا تھا اور نہ ان سے بھڑ سکتا تھا۔ وہ مجھے نیچے لائے اور اس کے بعد ہم سرنگ سے ایک طویل سفر کر کے واپس معبد میں پہنچے تھے۔ وہاں پر حالات معمول کے مطابق لگ رہے تھے۔ لگتا تھا کہ نیکاٹ کے آدمیوں نے معبد میں سب کو قابو کر لیا تھا۔ میں اورگان سے ملنا چاہتا تھا مگر اس کے بجائے مجھے لے کر ایک کمرے میں قید کر دیا تھا۔ میں نے اپنے ساتھ آنے والے سپاہی سے کہا۔

''سنو اورگان سے کہو ولیم اور ایلن ابھی اوپر جانے والے راستے پر ہیں اگر کچھ تازہ دم سپاہی روانہ کیے جائیں تو ان کو پکڑا جا سکتا ہے۔''

مگر وہ کوئی جواب دیئے بغیر مجھے بند کر کے چلا گیا تھا۔ پتا نہیں ان چند گھنٹوں میں کیا ہوا تھا جو میں ایک بار پھر مجرم بن گیا تھا اور میری خدمت کو فراموش کر کے میرے ساتھ مجرموں والا سلوک کیا جا رہا تھا۔ مجھے ایک بار پھر بند کر دیا گیا تھا۔ اورگان اور نیکاٹ نہ جانے باہر کیا کرتے پھر رہے تھے مجھے بند ہوئے کئی گھنٹے گزر گئے تھے حتیٰ کہ رات ہو گئی اور کسی نے آ کر مجھ سے ایک گھونٹ پانی کا بھی نہیں پوچھا تھا میں کئی بار دروازہ بجا کر چپ ہو گیا تھا۔ کوئی ردعمل نہیں ہوا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے یہاں ڈال کر فراموش کر دیا گیا تھا۔ مجھے یہ خیال بھی آیا تھا کہ موران کے آدمیوں نے پھر سے حالات پر قابو تو نہیں پا لیا تھا۔ مگر ایسا ہوتا تو اب تک مجھے ہارن کے سامنے پھینک دیا جاتا۔ میں نے موران کی آنکھوں میں اپنے لیے شدید نفرت دیکھی تھی۔ وہ قابو پانے کے بعد ایک لمحے کو بھی مجھے جینے نہ دیتا۔

رات بھی رفتہ رفتہ گزر گئی۔ مجھے بھوک نے اتنا پریشان نہیں کیا تھا جتنا پیاس سے میرا برا حال تھا۔ میں نے گزشتہ تیس گھنٹے سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پیا تھا۔ صبح کی روشنی ہوئی تو روشن دان سے آنے والی دھوپ کی کرنوں نے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں غنودگی میں تھا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہی سپاہی اندر آیا۔ ''معاف کرنا رات ہم سب بہت مصروف رہے تھے اس لیے کوئی تمہاری طرف نہیں آ سکا۔''

''ایک کٹورہ پانی دینے کے لیے بھی نہیں۔''

''میں معافی مانگ چکا ہوں۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ تم کو ابھی سب ملے گا۔''

وہ مجھے ایک آراستہ کمرے میں لایا۔ جہاں ایک حسین اور نوعمر خادمہ نے مجھے منہ ہاتھ دھلانے سے لے کر ناشتہ کرانے تک تمام مرحلوں سے اتنی خوبی سے گزارا کہ میرا شکوہ آدھا رہ گیا تھا۔ اس دوران میں وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ ناشتے کے بعد اس نے مجھے ایک مشروب بھی دیا اور جب میں نے اس سے پوچھا کہ یہ نشہ آور تو نہیں ہے تو وہ صرف مسکراتی رہی تھی۔ میں نے احتیاط سے اسے چکھا اور جب مجھے لگا کہ یہ کوئی قوت بخش مشروب تھا تو میں نے اسے پی لیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے اس سے سپاہی کے بارے میں پوچھا جو مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں لایا تھا۔

''وہ ابھی آئے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اچھا موران اور اورگان کہاں ہیں۔''

میرے اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ اس جگہ سے ہٹ کر کچھ نہیں جانتی تھی اور فالتو باتیں نہ جاننا اس کی تربیت میں شامل تھا اس لیے وہ صرف اتنا ہی جانتی تھی جتنا کہ اس کی ذمے داری تھی۔ سپاہی ایک گھنٹے بعد آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''آپ تیار ہیں۔ ہمیں فوری طور پر آرگون جانا ہے وہاں نئے حاکم کی تقریب ہونے والی ہے۔''

''نیا حاکم کون ہے؟''

''عزت مآب نیکاٹ۔'' اس نے ادب سے نام لیا۔

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''کیا ان کو میرے بارے میں علم ہے؟''

''ان کی ہدایت پر میں نے آپ کو قید سے نکالا ہے اور میں نے جو کیا وہ جناب اورگان کے کہنے پر کیا تھا۔'' اس کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا تھا۔

''اس سے مجھے تو فرق نہیں پڑا لیکن تم لوگوں کے اصل مجرم نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔''

''میں نے جب عزت مآب کو اس بارے میں بتایا تو سپاہیوں کا ایک دستہ فوری طور پر ان کے پیچھے روانہ کیا گیا ہے۔''

ہم معبد کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے باہر آئے اس وقت معبد کی مخصوص گہما گہمی مفقود تھی۔ اور بہت کم لوگ نظر آ رہے تھے۔ ہم ایک تیز رفتار بیل گاڑی پر آرگون روانہ ہوئے تھے۔ آج راستے پر ٹریفک بھی بہت کم تھا اور ہمیں ٹریفک جام کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس لیے صرف دو گھنٹے میں ہم آرگون میں تھے۔ شہر بھی سہما ہوا اور خاموش تھا۔ گلیوں اور سڑکوں پر بہت کم لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ بے شمار مکانات جلے پڑے تھے اور یقیناً مارے جانے والوں کی تعداد بھی خاصی تھی مگر کہیں سے رونے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

بیل گاڑی اوسیکنا کے محل کے سامنے رکی تھی اور مجھے اندر لے جایا گیا۔ اس ہال میں جہاں کبھی میرا مقدمہ پیش ہوا تھا اب وہاں نیکاٹ کی تاج پوشی کی جا رہی تھی اور حیرت انگیز بات تھی کہ اورگان مجھے مہا پجاری کے لبادے میں نظر آیا تھا وہی نیکاٹ کو تاج پہنا رہا تھا۔ موران اور آسر غائب تھے جب کہ باقی پجاری اپنی جگہوں پر بیٹھے تھے۔ وہ سب اورگان کے مہا پجاری بننے پر دل و جان سے راضی نظر آ رہے تھے۔ مجھے ایک گوشے میں جگہ ملی تھی شہر کے احکام بہت کم تھے کیونکہ بغاوت کے دوران ان کو چن چن کر مار دیا گیا تھا اور اب نیکاٹ کو اپنی حکومت کے لیے نئے عہدے داروں کا انتخاب کرنا تھا۔ جیسے ہی اورگان نے اسے تاج پہنایا ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور نیکاٹ اوسیکنا کی جگہ بیٹھ گیا۔ چند لمحے بعد اس نے اٹھ کر کسی مجھے ہوئے سیاست دان کے انداز میں روایتی تقریر کی جس میں ملک و قوم کے لیے کام کرنے اور بغاوت کے مجرموں سے سختی سے نمٹنے کا عزم ظاہر کیا گیا تھا۔ جن لوگوں کے گھر جلے تھے ان کو نئے گھر بنا کر دینے کو کہا تھا اور جن کے پیارے مارے گئے تھے ان سے اظہار افسوس کرتے ہوئے بغاوت کے مرتکب افراد کو سزا دینے کا اعلان کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد نیکاٹ اپنے مشیروں کے ہمراہ اندر چلا گیا تھا۔ تاکہ امور سلطنت چلانے کے لیے لائحہ عمل تیار کر سکے۔ میں نے محسوس کیا کہ اورگان مجھے نظر انداز کر رہا ہے اور اس نے ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا تھا۔ مجھے نیکاٹ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ میں اس سے ملاقات کا انتظار کروں۔ اس لیے میں ہال میں بیٹھا رہا۔ میرے ساتھ جو سپاہی تھا اس کی بھی اب ترقی ہوگئی تھی اور وہ میرے ساتھ ہی دربار میں تھا میں نے اس سے آہستہ سے پوچھا۔

''موران اور آسر کہاں ہیں؟''

''وہ قید میں ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ان پر مقدمہ چلے گا؟''

''اس کا امکان تو ہے مگر آخری فیصلہ عزت مآب کریں گے۔''

میرا خیال تھا کہ اس وقت ان کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا تھا کیونکہ نیکاٹ نے اورگان کو اس میٹنگ میں نہیں لیا تھا اور وہ بہت مضطرب تھا۔ مجھے حیرت تھی وہ اپنے اس بھائی کے لیے اتنا بے چین تھا جس نے اپنی بھتیجی کی حرمت کا پاس بھی نہیں کیا تھا۔ اسی نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں سامیرا سے جسمانی تعلقات قائم کرلوں تاکہ اس کی مدد سے اورگان کو مجبور کر سکوں، مگر مجھے یہ بات اورگان کو بتانے کے خیال سے شرم آ رہی تھی۔ ورنہ میں اسے اس کے بھائی کا اصل روپ ضرور دکھاتا۔ میری خواہش تھی کہ موران اور آسر دونوں کو سزائے موت ہوتا کہ اس فتنے کا خاتمہ ہو جائے۔ موران اس قسم کا شخص تھا کہ جب تک زندہ رہتا ریشہ دوانیوں میں لگا رہتا۔ مگر نیکاٹ کیا فیصلہ کرتا اس کا مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا۔ اورگان اب مہا پجاری تھا اور وہ اپنے بھائی کو بہر صورت زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے یقیناً نیکاٹ سے اس سلسلے میں بات کی ہوگی اور نیکاٹ اس کی بات نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ آخر وہ مہا پجاری ہو گیا تھا اس لیے زیادہ امکان یہی تھا کہ موران کو سزائے موت نہیں ہوگی اور اسے محض قید کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ میرے خیال میں یہ اس جگہ کے لوگوں اور خاص طور سے ان لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہوتی جن کو موران کی وجہ سے جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا سینکڑوں سپاہی تو صرف اورگان کے مکان کے آس پاس جنگ میں مارے گئے تھے اور جو شہر میں موران کے آدمیوں کی بربریت کا نشانہ بنے تھے ان کی تعداد الگ تھی۔

کوئی دو گھنٹے بعد نیکاٹ نے مجھے طلب کر لیا جب میں اس کے خاص کمرے میں داخل ہوا تو وہاں اورگان بھی موجود تھا اس نے نہایت سرد نظروں سے مجھے دیکھا تھا۔ نیکاٹ نے مجھے دیکھتے ہی پہلے معذرت کی۔

''افسوس کہ مجھے دیر سے علم ہوا کہ تم قید ہو۔''

''اس میں عزت مآب کا قصور نہیں ہے لیکن میرے قید ہونے سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ دونوں مجرم وادی سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت میں ان کے بہت نزدیک پہنچ گیا تھا جب مجھے مہا پجاری کے حکم سے گرفتار کیا گیا تھا۔'' میں نے لہجے کی تلخی دباتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھا تھا کہ تم فرار ہو رہے ہو۔'' اورگان نے بنا کسی معذرت کے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم نے سپاہی کو یہ کہہ کر واپس کیا تھا کہ تمہیں سرنگ کے آخری حصے کا راستہ نہیں مل رہا تھا مگر جب سپاہی وہاں پہنچے تو راستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھلا ہوا تھا۔''

''راستہ مجھے اتفاق سے مل گیا تھا اور تم نے سپاہیوں کو پہلے ہی میری گرفتاری کا حکم دے کر بھیجا تھا۔'' میرا لہجہ مزید تلخ ہو گیا۔

نیکاٹ نے جلدی سے صورتِ حال کو تلخ ہونے سے بچایا۔ ''جو ہو گیا اسے اب پلٹا نہیں جا سکتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مہا پجاری کے تعاون کی وجہ سے ہم ہاری ہوئی بازی جیتنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔''

''میں مہا پجاری کی خدمات سے انکار نہیں کر رہا مگر یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان دونوں کے نکل جانے کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں وہ اپنے ساتھ ایک ایسی فوج لے کر واپس آ سکتے ہیں جس کا مقابلہ وادی کے لوگ نہیں کر سکتے ہیں۔''

''ہم بہادری میں کسی سے کم نہیں ہیں۔'' نیکاٹ نے کسی قدر برہمی سے کہا۔

''عزت مآب نے درست کہا۔ مگر جناب اس وادی سے باہر دنیا بہت بدل گئی ہے اب ایسے ہتھیار آ گئے ہیں جن کی مدد سے اس پوری وادی کو ایک لمحے میں اڑایا جا سکتا ہے۔ اس مرتبان کے برابر کا ایک ہتھیار اس پوری عمارت کو تباہ کر سکتا ہے۔'' میں نے ایک مرتبان کی طرف اشارہ کیا۔ ''ان کی فوج کا عام سپاہی بھی ایسے ہتھیاروں سے مسلح ہوتا ہے جو تباہی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ کئی سو گز کی دوری سے انسان کو مار سکتا ہے اور اکیلا ہی پوری فوج پر بھاری ہوتا ہے۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' نیکاٹ نے بے یقینی سے کہا۔

''کیا تم لوگوں نے وہ اڑنے والی مشین نہیں دیکھی تھی۔ وہ تو معمولی سی چیز ہے اس سے کہیں بڑی بڑی اڑنے والی مشینیں بن چکی ہیں۔''

''کیا تم ہمیں ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' اورگان نے کڑے تیوروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کے انداز میں میرے لیے مخاصمت تھی

''نہیں۔'' میں نے تحمل سے کہا۔ ''میں تم لوگوں کو خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''ہمارے آدمی ان کے پیچھے ہیں۔'' نیکاٹ نے کہا۔ ''امید ہے وہ ان کو پکڑ لیں گے۔''

''اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' میں نے کہا۔ سانپ نکل گیا تھا اور ہم بیٹھے لکیر پیٹ رہے تھے۔

''کل موران کا مقدمہ میری عدالت میں پیش ہو گا اور تم اس میں شامل ہو گے۔''

''میرا خیال ہے ایک باہر کے آدمی کو اس معاملے میں شامل کرنا مناسب نہیں ہو گا۔'' اورگان نے جلدی سے کہا۔

''نہیں، یہ موران کے خلاف ایک اہم گواہ ہے اور جہاں تک باہر کا آدمی ہونے کا تعلق ہے تو یہ بہت ساری چیزوں میں شامل رہا ہے۔'' نیکاٹ کا لہجہ کسی قدر طنزیہ ہو گیا تھا۔ ''اور موران نے تو حد کر دی ہے اس نے باہر سے آنے والوں کو وہ سب بتا دیا جو وادی کے لوگوں کو بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔''

''یہ اس کی غلطی ہے۔''

''غلطی نہیں مہا پجاری یہ اس کا جرم ہے اس کی غداری ہے۔'' نیکاٹ کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ ''آپ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معلوم ہے اس کی وجہ سے ہمیں کتنا نقصان ہوا ہے۔ پانچ سو آدمی مارے گئے ہیں سو گھر جلا دیئے گئے ہیں۔ ساری ریاست کے دکام موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہیں۔ اس نقصان کو پورا ہونے میں برسوں لگ جائیں گے۔"

"میں جانتا ہوں موران نے برا کیا ہے۔" اورگان کا لہجہ یک دم التجا آمیز ہو گیا تھا۔ "مگر وہ میرا ایک ہی بھائی ہے۔"

"مہا پجاری! اس کی وجہ سے کتنے لوگ اپنے بھائیوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ میں ان کی فریادوں کا کیا جواب دوں؟"

"ان لوگوں کے نقصان کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔"

"مہا پجاری کوئی بھی ازالہ انسان کی زندگی کا متبادل نہیں ہو سکتا ہے اور موران کا جرم ایسا نہیں ہے جسے اتنی آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے۔"

اورگان چپ ہو گیا۔ مگر اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کے خلاف کسی کارروائی کی حمایت کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ اس نے نیکاٹ سے جانے کی اجازت طلب کی اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد نیکاٹ نے میری طرف دیکھا۔

"اورگان موران کے خلاف مقدمے کا مخالف ہے۔"

"سامنے کی بات ہے اور مجھے لگ رہا ہے کہ اسی وجہ سے ولیم اور ایلن کو فرار کا موقع دیا گیا ہے کہ وہ موران کے جرم کے سب سے بڑے گواہ بن سکتے تھے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" نیکاٹ نے آہستہ سے کہا۔ "اب یہ بات پرانی ہو چکی ہے اور اورگان ہمارا مہا پجاری بن گیا ہے۔ مسئلہ موران کا ہے۔"

"کیا عزت مآب میری رائے معلوم کر رہے ہیں؟"

"ہاں میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"

میں نے سوچا اور بولا۔ "ممکن ہے آپ کو میری بات سخت لگے، لیکن موران کو چھوڑنا کسی خطرناک درندے کو چھوڑ دینے کے برابر ہے جو موقع ملتے ہی آپ کو کھا جائے گا۔ وہ مجرم ہے اس کی وجہ سے اتنے لوگوں کا خون بہا ہے اور اسے چھوڑ دینے یا معاف کر دینے سے ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو گی۔"

"میرے ذہن میں بھی یہی بات ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"آپ ایک کونسل بنا کر موران کا فیصلہ اس کے سپرد کر دیں وہ اکثریت سے جو بھی فیصلہ کرے اسے آپ قبول کر لیں؟"

نیکاٹ کچھ دیر سوچتا رہا تھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اس نے سر ہلایا۔ "تم نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے اس طرح ذمے داری میرے سر نہیں رہے گی۔"

"اس مسئلے کا یہی سب سے مناسب حل میری سمجھ میں آیا ہے۔"

نیکاٹ کچھ دیر مجھ سے بات کرتا رہا پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے پاس رہوں اور اس کی مدد کرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہوں۔ اس کے ذہن میں تھا کہ میں ایک جاگیردار خاندان سے تھا اور مجھے انتظام کاری کا تجربہ تھا وہ اس تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کے پاس انتظامی افسران اور مشیروں کی کمی تھی۔ میں بخوشی تیار ہو گیا کیونکہ مجھے توقع تھی کہ اس ملاقات کے بعد مجھے واپس قید خانے بھیج دیا جائے گا۔ نیکاٹ نے مجھے شاہی محل میں ایک کمرہ دے دیا تھا اور میرا درجہ اب شاہی مشیر کا تھا اس لیے مجھے پروٹوکول بھی ویسا ہی دیا جا رہا تھا۔ میں نے مشیر بننے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ ایک اور فوجی دستہ ولیم اور ایلین کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اور پر گشت کرنے والے دستے جو موران کی نگرانی میں ہوتے تھے ان کو واپس بلا لیا گیا تھا اور اب اوپر کوئی نگرانی کرنے والا نہیں تھا۔

☆======☆======☆

اگلے روز دربار ہوا اور موران، اس کا نائب آسر اور دوسرے چند افراد ملزم کے طور پر پیش ہوئے۔ جب نیکاٹ نے سات افراد پر مشتمل ایک کمیٹی کا اعلان کیا جو ان لوگوں کے جرم کو دیکھ کر ان کے لیے سزا مقرر کرتی تو ان سب کی حالت بری ہو گئی تھی کیونکہ کمیٹی کے اکثر ارکان سابق حکومت میں شامل تھے اور ان کا کوئی نہ کوئی رشتے دار اس جنگ میں مارا گیا تھا۔ ظاہر ہے موران اور اس کے ساتھیوں کو ان سے رحم دلی کی امید نہیں تھی۔ اس پر انہوں نے شور کیا کہ ان کا فیصلہ نیکاٹ اپنے ہاتھ میں رکھے مگر اس نے معذرت کر لی۔

''میرے دوستو، میرے لیے یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ میرا کوئی بھی فیصلہ بہت سارے لوگوں کی دل آزاری کا سبب بنے گا اس لیے میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ کمیٹی بنائی ہے۔''

''عزت مآب۔'' اورگان نے دبے لہجے میں کہا۔ ''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کہہ سکتے ہیں مہا پجاری۔'' نیکاٹ نے جواب دیا۔

''میں تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

نیکاٹ نے اس کی یہ درخواست بھی منظور کر لی اور اسے لے کر اندر چلا گیا تھا۔ وہ دونوں کوئی نصف گھنٹے بعد آئے تو ان کے چہروں پر کشیدگی نمایاں تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اورگان اس سے جو منوانا چاہتا تھا وہ نیکاٹ نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اورگان اپنی نشست پر بیٹھنے کے بجائے دربار سے چلا گیا تھا۔ نیکاٹ اس کے رویے سے پریشان لگ رہا تھا مگر اس نے چند ضروری احکامات دے کر دربار برخاست کر دیا تھا۔ اس نے میری طرف بھی توجہ نہیں دی تھی۔ میں باہر آیا تو ایک پجاری نے مجھے اورگان کا پیغام دیا وہ اپنی رہائش گاہ پر مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ میں پجاری کے ساتھ چل پڑا۔ مگر احتیاط کے طور پر میں نے محل کے پروٹوکول افسر کو بتا دیا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اورگان کی رہائش اب ایک شاندار محل میں تھی جو پہلے موران کے پاس تھا اور یہ اس کا آبائی محل بھی تھا۔ اورگان بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا اس نے مجھے دیکھتے ہی میرا ہاتھ تھاما اور مجھے اندر لے گیا تھا۔ ایک آراستہ پیراستہ نشست گاہ تھی۔ اس نے مجھے ایک آرام دہ تخت پر بٹھایا۔

''پہلے تو میں تم سے اپنے رویے کی معذرت چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے تم سے.....''

''ایسا مت کہیں..... آپ میرے بڑے ہیں اور اب تو آپ یہاں کے مہا پجاری ہیں۔ اس لیے معافی مانگ کر مجھے شرمندہ مت کریں۔''

''پھر بھی مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔'' اس نے بے چین لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ان سب باتوں کو بھول چکا ہوں۔''

''اومر..... میرا خیال ہے تم اس وادی سے جانا چاہتے ہو؟''

''ہاں..... کیونکہ میرا گھر کہیں اور ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے۔'' مجھے اس کی بات پر ذرا تعجب ہوا تھا۔

''میں یہاں سے جانے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا تو میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

''جیسے آپ نے ولیم اور ایلن کی جانے میں مدد کی تھی۔''

میں کہہ کر گھبرا گیا تھا مگر اس کے چہرے پر ناگواری نہیں تھی اس کے بجائے اس نے سر ہلایا۔ ''اس معاملے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔''

میں نے سوچا کہ مجھے اپنی توجہ یہاں سے نکلنے کے معاملے پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ یہ تو طے تھا کہ مجھے آسانی سے جانے نہیں دیا جائے گا۔ اس لیے اورگان کی پیش کش نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھی۔ میں نے غور کیا۔

''اگر آپ میری مدد کرتے ہیں تو جواب میں مجھے آپ کے لیے کیا کرنا ہوگا؟''

''تم ذہین آدمی ہو۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''تم جانتے ہو میرا ایک ہی بھائی ہے اور میں اسے ہر صورت سزائے موت سے بچانا چاہتا ہوں جب کہ نیکاٹ اسے سزائے موت دینا چاہتا ہے۔''

''جناب نیکاٹ نے خود کو اس مقدمے سے الگ کر لیا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''یہ صرف اس کا ایک حربہ ہے وہ موران کو سزائے موت دینا چاہتا ہے اور خود اس الزام سے بچنا چاہتا ہے۔''

''اگر جناب نیکاٹ نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''تم اس سے یہ فیصلہ تبدیل کرا سکتے ہو کیونکہ وہ تم کو بہت مانتا ہے۔''

''یہ آپ کی خوش فہمی ہے ورنہ میرا جناب نیکاٹ پر کوئی زور نہیں ہے اور وہ اپنے سارے فیصلے خود کرتے ہیں۔''

''تم کوشش تو کر سکتے ہو۔'' اس نے اصرار کیا۔

میں ہنسا۔ ''جناب آپ یہاں کے مہا پجاری ہیں جب آپ اپنے بھائی کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''تم کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''موران میرا بھائی ہے اور اسی وجہ سے میں کھل کر اس کی حمایت نہیں کر سکتا ہوں۔''

''یہی مجبوری میرے ساتھ بھی ہے میں ایک باہر کا آدمی ہوں اور یہاں کے کسی معاملے میں دخل دینا میرے لیے مناسب نہیں ہے۔'' میں نے اسے اس کے الفاظ یاد دلائے۔

اورگان کھسیا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر چپ بیٹھا رہا تھا پھر اچانک اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تھا مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا تھا مگر جب اسے گئے خاصی دیر ہو گئی تو مجھے خطرے کا احساس ہونے لگا تھا میں اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ پردہ ہلا اور کوئی تیزی سے اندر آیا میں آنے والے کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا وہ سامیرا تھی اور اس کا حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ اس نے ریشم جیسا لبادہ پہن رکھا تھا جو اس کے بدن پر یوں ڈھلک رہا تھا کہ ایک ایک نقش واضح ہو گیا تھا میں نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں تھیں وہ پوری طرح مستور تھی مگر نہ جانے کیوں وہ بے حجاب لگ رہی تھی۔ وہ چند لمحے ساکت کھڑی رہی پھر اس نے کہا۔ ''کیا میں تم کو اچھی نہیں لگ رہی؟''

''اس وقت نہیں لگ رہی ہو۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

''کیوں؟'' اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا اور میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

میں اس کے ساتھ کھنچا چلا گیا تھا وہ مجھے ایک سجی سنوری خواب گاہ میں لائی تھی میں گھبرا گیا تھا۔ ''تم مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟''

اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''تم نہیں جانتے..... یہ سب تمہاری خواہش پر تو ہو رہا ہے۔''

''میری خواہش پر۔'' میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''لیکن میں نے تو ایسی کوئی خواہش نہیں کی تھی۔''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''تم نے بابا سے نہیں کہا کہ تم صرف میری بات مانو گے۔''

اس کی بات ذرا دیر سے میری سمجھ میں آئی تھی اور جب آئی تھی تو مارے اشتعال کے میرا خون کھنچ کر سر میں آنے لگا تھا۔ ''اور گان۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''تم نے مجھے اتنا بے غیرت سمجھا ہوا ہے۔''

میں باہر جانے لگا تو سامیرا میرے ہاتھ سے لپٹ گئی تھی۔ ''تم نہیں جاؤ گے۔''

میں رک گیا۔ ''مجھے اور گان سے یہ امید نہیں تھی مگر شاید یہ منصب ہی ایسا ہے کہ اس میں سب سے پہلے آدمی اپنی غیرت قربان کرتا ہے۔''

سامیرا رونے لگی تھی۔ ''وہ بھی مجبور ہیں۔ اپنے بھائی سے محبت کرتے ہیں۔''

''اس کے لیے اپنی بیٹی کی عزت قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''وہ بھی ایسے بھائی کے لیے جسے موقع ملتا تو وہ تم سب کو اپنے مفاد پر قربان کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کرتا۔''

''بابا کو اس وقت صرف اپنا بھائی یاد ہے۔''

''سامیرا انہوں نے بہت بڑی زیادتی کی ہے تمہارے لیے میرے دل میں جو تقدس ہے اسے انہوں نے برباد کرنے کی کوشش کی ہے میں ان کو کبھی معاف نہیں کروں گا اور ان کو بتا دینا کہ ابھی تک میں غیر جانبدار تھا مگر اب میں موران کو سزائے موت دلانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔''

سامیرا نے مجھے روکنے کی کوشش کی مگر میں وہاں سے نکل آیا۔ اور گان اتنا گر جائے گا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بھائی کو بچانے کے لیے اس نے بیٹی کی حرمت قربان کر دی تھی۔ اس وقت میرا غصے سے برا حال تھا اور اگر اور گان میرے سامنے ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھپڑ مارنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ اس کے بعد اور گان نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور جب میں نے سنا کہ وہ معبد چلا گیا تھا تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

اسی شام میں نیکاٹ سے ملا اور اس پر زور دیا کہ وہ موران کا فیصلہ جلد از جلد کرائے۔ میں نے اس سے کہا۔

''جناب اس معاملے میں جتنی تاخیر کی جائے گی سازشیوں کو سر اٹھانے کا پھر سے موقع ملے گا۔''

''کن سازشیوں کو؟'' وہ چونک گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پہلے بھی ایک ہی طرف سے بغاوت ہوئی تھی اب بھی اسی طرف سے امکان ہے۔''

''تمہارا اشارہ معبد کی طرف ہے؟''

''بالکل اور کس طرف سے بغاوت ہوئی تھی۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''اورگان اپنے بھائی کو بچانے کے لیے دیوانہ ہو رہا ہے اور دیوانے سے کسی بھی بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا ہے۔ امید ہے کل تک کمیٹی اس کا فیصلہ کر لے گی۔''

''اور فیصلہ وہی ہوگا جو آپ اور دوسرے بہت سارے لوگ چاہتے ہیں؟'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

نیکاٹ مسکرانے لگا۔ ''تم جانتے ہو حکمرانوں کو بعض فیصلے ذرا ڈھکے چھپے انداز میں کرنے ہوتے ہیں۔''

''میں پھر آپ سے کہوں گا کہ معبد کی طرف سے ہوشیار رہیں اور اس معاملے میں میرا ایک مشورہ ہے۔''

''وہ کیا؟''

''آپ معبد کے محافظوں کا دستہ ریاست کی طرف سے مقرر کریں اور یہ ریاست کے کسی افسر کے ماتحت کام کریں۔ آپ کے علم میں ہوگا بغاوت میں سب سے سرگرم حصہ معبد کے محافظوں نے لیا تھا۔ قتل و غارت گری کے سارے کام انہوں نے کیے تھے۔''

''ہاں یہ اچھا مشورہ ہے۔ ابھی تو معبد کے سارے محافظ گرفتار ہیں اور ریاست کے محافظ ہی وہاں تعینات ہیں لیکن اس کام کو مستقل کرنے کے لیے ابھی مجھے پورے ریاستی ڈھانچے کو از سر نو تشکیل دینا ہوگا۔''

موران کے انجام کے بارے میں جان کر مجھے خوشی ہوئی تھی وہ شخص اسی لائق تھا۔ وہ زندہ رہتا تو مجھ سمیت کتنے ہی بے گناہوں کے سر پر اس کے خطرے کی تلوار مستقل لٹکی رہتی۔ نیکاٹ نے یقین سے کہا تھا کہ کل تک یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ میں اب اپنے بارے میں سوچ رہا تھا کہ میں یہاں سے کس طرح نکلوں۔ اورگان کی پیش کش میں اس کے منہ پر مار ہی چکا تھا اور اب مجھے چھپ کر یہاں سے نکلنا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ وادی کے اوپر جانے کا راستہ ان بھول بھلیوں میں تھا جہاں سے اورگان ہم کو معبد کے اندر لے گیا تھا اور جس سرنگ سے میں نے ولیم اور ایلن کا تعاقب کیا تھا وہ عین اس راستے پر جا کر نکل رہی تھی۔ مگر اس کا استعمال ممکن نہیں تھا مجھے یقین تھا کہ اورگان اسے بند کرا دے گا یا اس کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔ اسی طرح اگر میں ازخود ان چٹانی بھول بھلیوں تک پہنچ جاتا تب بھی میرے لیے اوپر جانے کا راستہ تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ کیونکہ مجھے یاد تھا جس راستے سے اورگان ہم کو معبد میں لایا تھا۔ ہم بہت احتیاط سے سفر کرنے کے باوجود صرف نصف گھنٹے میں معبد کے اندر پہنچ گئے تھے۔ جب کہ جس سرنگ سے ولیم اور ایلن فرار ہوئے تھے اس میں پورے آدھے گھنٹے تک تیز رفتاری سے دوڑنے کے بعد دوسرا سرا آیا تھا اور جہاں سرنگ نکلی تھی اس سے کچھ ہی دور اوپر جانے والا راستہ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ بھول بھلیاں بہت بڑے رقبے پر پھیلی تھیں اور اوپر جانے کا راستہ ان کے آخری سرے میں تھا اگر کوئی شروع سے ان میں داخل ہو کر آخر تک جانے کی کوشش کرے تو اسے بہت مشکل ہوگی کیونکہ ان میں راستہ تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس میں بہت وقت لگ سکتا تھا جب کہ فرار کی صورت میں میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا۔ میرے فرار سے آگاہ ہوتے ہی یہ لوگ اوپر جانے والے راستے پر پہرے لگا دیتے اور میں بہت آرام سے پکڑا جاتا۔ اس لیے ضروری تھا کہ میں فرار کی درست کوشش کروں مجھے راستے کا علم ہو اور میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسروں کے ہوشیار ہونے سے پہلے نکل جاؤں۔

مجھے معلوم تھا کہ اب اورگان کی طرف سے مجھے سخت ترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اس کی کوشش ہوگی کہ مجھے ہر طریقے سے زک پہنچائے اور مجھے ریاست کی نظر میں معتوب کردے۔ میری مخالفت میں جو کردار پہلے موران ادا کر رہا تھا اب وہی کردار اورگان نے سنبھال لیا تھا۔ مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا میری ذرا سی کوتاہی مجھے پھر پس زندان کر دیتی۔

اگلے دن نیکاٹ کے دربار میں کمیٹی اپنا فیصلہ سنانے والی تھی اس نے موران اور دوسرے ملزموں سے پوچھ گچھ کی کارروائی مکمل کر لی تھی۔ جب دربار شروع ہوا تو سب وہاں موجود تھے بلکہ ریاست کے انتظام سے وابستہ ہر شخص ہی تھا اور سب کو اس مقدمے سے دلچسپی تھی۔ ہال مکمل طور پر بھرا ہوا تھا اور بہت سارے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ کمیٹی کا سربراہ ایک بوڑھا شخص تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر نیکاٹ سے بات کرنے کی اجازت مانگی جو نیکاٹ نے سر ہلا کر دے دی۔ پھر بوڑھے نے ہماری طرف منہ کیا۔

''جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں یہ ایک بہت مشکل مقدمہ تھا جس میں آرگون کے دوسرے معزز ترین منصب کے حامل شخص کو ملزم کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ مہا پجاری کا منصب اب اگرچہ موران کے پاس نہیں ہے اور تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ وہ اس منصب کے ضروری علوم سے ناواقف تھا۔ پھر اس نے باہر سے آنے والوں کے بہکاوے میں آ کر ریاست کے خلاف سازش کی اور اقتدار پر قبضہ کر لیا اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات ہے کہ موران کے اشارے پر باغیوں نے ریاست کے تمام حکام کو موت کے گھاٹ اتار دیا ان کے ساتھ ریاست کے بے شمار عام لوگوں کا بھی قتلِ عام ہوا اور ان کے گھر جلا دیئے گئے تھے۔''

بوڑھے نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا اور ایک طرف کھڑے موران کی طرف دیکھا۔ ''کمیٹی نے موران سے اس کی بے گناہی کے بارے میں وضاحت مانگی مگر وہ ہمیں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا تھا۔ اس نے مقدمے کی کارروائی کے دوران نہایت نامناسب طرزِ عمل اختیار کیا اور ہم سے کسی قسم کے تعاون سے انکار کر دیا۔ اس نے باہر سے آنے والوں کو ریاست اور معبد کے نہایت خفیہ راز بتا دیئے جو کسی سنگین غداری سے کم نہیں ہے۔''

بوڑھے کی تقریر طویل ہوتی جا رہی تھی مگر اس میں لفاظی زیادہ تھی اور اس کے انداز سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک طے شدہ فیصلہ سنا رہا ہے اس کا انداز انگریزوں کی عدالتوں سے مختلف نہیں تھا جو لکھے ہوئے فیصلے سناتی تھیں۔ آخر میں اس نے فیصلہ سنایا۔ ''ان تمام شواہد اور ثبوتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے کمیٹی نے موران، اس کے نائب آسر اور چار دوسرے اہم مجرمان کو سزائے موت دی ہے اس پر فوری عمل درآمد ہوگا۔''

''یہ ناانصافی ہے۔'' اورگان بے اختیار کھڑا ہو گیا۔

''معزز مہا پجاری۔'' نیکاٹ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''ایسی بات کر کے اپنے عہدے کے تقدس کو پامال مت کریں۔ آپ کسی کے بھائی بعد میں ہیں پہلے مہا پجاری ہیں۔''

''عزت مآب۔'' اورگان نے اپنی حیثیت بھلا کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ ''میں درخواست کرتا ہوں کہ میرے بھائی کو معاف کر دیا جائے بے شک اسے ساری عمر قید رکھا جائے مگر سزائے موت نہ دی جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مہا پجاری آپ جذباتی ہو رہے ہیں۔'' اس بار نیکاٹ نے نرمی سے کہا۔ ''میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ جو فیصلہ کرے گی مجھے قبول ہوگا اور ریاست کی طرف سے اس میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ کمیٹی کے ارکان کے انتخاب میں آپ کا مشورہ بھی شامل تھا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اورگان کا لہجہ مضطرب تھا۔ ''میں عزت مآب کی نیت پر شک نہیں کر رہا مگر میں جانتا ہوں آرگون کے حاکم کی حیثیت سے آپ کسی بھی مجرم کو معاف کر سکتے ہیں۔''

''بے شک ایسا ہی ہے۔ مگر یہ کمیٹی بنا کر میں نے اپنا اختیار خود ہی ختم کر دیا ہے۔'' نیکاٹ نے چالاکی سے جواب دیا۔ ''اس لیے اب کمیٹی نے جو فیصلہ دیا ہے اسے ہی حتمی سمجھا جائے۔''

اورگان کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر پھر اس نے خود پر قابو پا لیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ موران عجیب سی نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھ رہا تھا شاید اسے توقع نہیں تھی کہ اورگان اس کے لیے اتنا جذباتی بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا۔ ''اورگان تم بے کار کی کوشش کر رہے ہو یہ لوگ مجھے موت کی سزا دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔''

''اچھا اس فیصلے پر عمل درآمد کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔'' اورگان نے دوسری درخواست کی

''نہیں۔'' نیکاٹ نے صاف انکار کر دیا۔ ''کمیٹی نے کہا ہے سزا پر فوری عمل درآمد ہوگا۔''

''میرے بھائی ان سے میرے لیے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' موران نے پھر کہا۔ ''مجھے معلوم ہے میں آج کا دن ڈھلتے نہیں دیکھ سکوں گا۔''

فیصلے کے بعد دربار ختم کر دیا گیا تھا اور موران اور اس کے ساتھیوں کو سخت پہرے میں قید خانے روانہ کر دیا گیا تھا۔ اورگان بہت فکر مند اور دکھی نظر آ رہا تھا اس نے سمجھ لیا تھا کہ موران کو کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا ہے اور اس کی موت کا فیصلہ اصل میں نیکاٹ نے کر دیا تھا اس لیے کمیٹی نے صرف اس فیصلے پر صاد کیا تھا۔ میں نے فوج کے نئے سربراہ سے موران کو دی جانے والی سزا کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا۔

''ہمارے ہاں مجرموں کو پھانسی دی جاتی ہے۔''

''کیا ان کو سزا سب کے سامنے دی جائے گی؟''

''نہیں سزا قید خانے کی عمارت میں دی جاتی ہے اور صرف متعلقہ لوگوں کے سامنے دی جاتی ہے۔''

''کیا میں سزا کا منظر دیکھ سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں جناب آپ عزت مآب کے مشیر ہیں۔'' اس نے ادب سے کہا۔ ''آپ کو کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

''سزا کس وقت دی جائے گی؟''

''دن ڈھلنے سے ذرا پہلے۔''

میں نے فیصلہ کیا کہ میں سزا دیکھنے جاؤں گا۔ نیکاٹ مصروف تھا اس لیے میں شہر کی سیر کے لیے نکل گیا جہاں تعمیرِ نو کا کام تیزی سے جاری تھی اور جلائے جانے والے گھر پھر سے تعمیر ہو رہے تھے ان لوگوں کا معاشرتی نظام بہت مضبوط تھا۔ لوگ بھی دوسروں کی مدد کر رہے تھے اور جو بے گھر ہوئے تھے ان کو اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ ایک دن میں بغاوت کے دوران ہونے والی تباہی کے آثار بڑی حد تک صاف کر دیے گئے تھے۔ بغاوت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہ برم میں کوئی چار سو افراد گرفتار ہوئے تھے اور اتنے ہی باغی مارے گئے تھے۔ دونوں طرف سے ملا کر کوئی ایک ار افراد مارے گئے تھے اور یہ سب ولیم شا کے قدموں کی نحوست تھی اگر خدانا خواستہ یہ بغاوت کامیاب ہو جاتی ، اور کتنا خون بہتا اس کا حساب ممکن نہیں ہے۔ اس جگہ کی آبادی میرے اندازے کے مطابق تیس پینتیس ہزار ے زیادہ نہیں تھی۔ اور اتنی آبادی میں سے ایک ہزار افراد کی کمی معمولی نہیں تھی ان کا بہت بڑا نقصان ہوا تھا۔ ا ے جانے والوں میں اکثر قابل لوگ تھے اور وہی اس وادی کا نظام چلاتے تھے۔ ان کی کمی سے نظام میں ۱ ی آ سکتی تھی۔

میں شام کے وقت اس عمارت میں پہنچا جو قید خانہ تھی اور میں بھی کچھ عرصے یہاں قید رہا تھا۔ عمارت کے ملی صحن میں ایک طرف لکڑی کے کھمبوں سے رسیاں باندھی جا رہی تھیں اور وہاں غیر معمولی گہما گہمی تھی۔ ظاہر ن لوگوں کو پھانسی دی جانے والی تھی وہ وادی کے اہم ترین لوگ تھے اور کل تک یہاں کے حکمران بھی تھے۔ مہا پجاری تھے۔ اور اب ان کو بغاوت کے جرم میں سزائے موت دی جا رہی تھی۔ سزائے موت پانے والوں کی اد داد دس تھی ان میں موران کے قریبی ساتھی شامل تھے۔ کل تک یہ کتنے بلند عزائم رکھتے تھے اور آج بے بسی سے ت کے سامنے پھینکے جانے والے تھے۔

کچھ دیر بعد وہاں نیکاٹ اور اس کے رفقا بھی آ گئے تھے۔ ان کے آتے ہی مجرموں کو بھی لایا گیا تھا میں نے دیکھا کہ ایک طرف اورگان بھی موجود تھا وہ بھائی کو پھانسی پاتے دیکھنے آیا تھا۔ موران کی حالت خراب تھی اور اس کے نائب آسر کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کو دو دو سپاہی بازوؤں سے پکڑ کر پھانسی گھاٹ تک لائے تھے۔ سب سے پہلے موران کے گلے میں پھندہ ڈالا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر نقاب پہنا دیا تھا اس کے بعد آسر کے ساتھ یہی سلوک کیا تو وہ بلند آواز سے چیخنے چلانے لگا تھا۔ مگر جلاد اس کی پروا کیے بغیر اپنے کام میں مگن رہے تھے۔ سب مجرموں کو پھندہ ڈالنے اور نقاب پہنانے کے بعد جیسے ہی فوج کے سربراہ نے اشارہ کیا جلاد نے ایک لیور کھینچ لیا اور ان سب کے پیروں سے تختے نکل گئے تھے اور وہ فضاء میں جھولنے لگے۔ میں نے دیکھا وہاں سب بہت خوش تھے سوائے اورگان کے۔ اس نے شدت غم سے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

''ان سب کی لاشیں رات کی تاریکی میں کسی ایسی جگہ دفنا دی جائیں جس کا علم کسی کو نہ ہو۔'' نیکاٹ نے حکم دیا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد لاشیں رسیوں سے اتاری جانے لگی تھیں۔ نہ جانے کیوں میرا دل بوجھل ہو گیا تھا۔ یہ سب خود غرض اور مفاد پرست لوگ تھے۔ جنہوں نے ہوس اقتدار پر ہزار سے زائد افراد قربان کر دیئے تھے۔ یہ میری جان کے بھی درپے تھے۔ اس کے باوجود میں ان کی موت پر اداس تھا۔ میں اورگان کے پاس آیا تھا۔ میں نے اس سے افسوس کیا تھا۔

''مجھے موران اور اس کے ساتھیوں کے مرنے کا دکھ ہوا ہے۔''

''یہاں سے چلے جاؤ۔'' اس نے گھٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مجھے تمہارے دکھ کا احساس ہے۔'' میں نے جواب دیا اور وہاں سے نکل گیا تھا۔ میں پیدل ہی نیکاٹ کے محل کی طرف روانہ تھا کیونکہ شہر کی حد تک کسی سواری کے استعمال کا رواج نہیں تھا۔ بیل گاڑی بھی صرف طویل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفروں کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ اور شہر بھی کوئی بہت بڑا نہیں تھا بلکہ صرف دو میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا آدمی پندرہ منٹ میں ایک سرے سے دوسرے تک پہنچ جاتا تھا۔ اس کے لیے بیل گاڑی کا استعمال بے کار تھا کیونکہ شہر کے ہجوم میں اس سُست سواری کی رفتار اتنی کم ہو جاتی کہ انسان پیدل اس سے زیادہ تیزی سے سفر کر سکتا ہے۔ عام آدمی سے لے کر نیکاٹ تک سب پیدل ہی سفر کرتے تھے۔ رات کے وقت شہر کی گلیاں سنسان ہو جاتی تھیں اور ان دنوں تو ویسے ہی شہر دہشت کی لپیٹ میں تھا۔ لوگ سرِ شام ہی گھروں میں گھس جاتے تھے۔ میں ایک ویران گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک ہی کچھ افراد مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ایک نے مجھے دھکا دے کر گرایا اور اس سے پہلے کہ میں اٹھتا میرے سر پر کوئی سخت چیز لگی اور میں فوراً ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایسی کوئی حرکت ہو گی اس لیے میں مار کھا گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک تنگ اور تاریک جگہ بندھا پڑا تھا اور میرے منہ پر بھی کپڑا بندھا تھا۔ میں نے ہلنے کی کوشش کی مگر باندھنے والوں نے اتنی سختی سے باندھا تھا کہ ہلنے کی گنجائش بھی نہیں چھوڑی تھی۔ سر میں رہ رہ کر درد کی موج اٹھتی تھی اور میرا دماغ شل سا ہو جاتا تھا وار کرنے والے نے بڑی بے دردی سے وار کیا تھا۔ جب درد کی شدت میں کسی قدر کمی آئی تو میں نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا جنہوں نے مجھے اس حال تک پہنچایا تھا۔ مجھے ایک فی صد بھی شبہ نہیں تھا کہ یہ کام کرنے والے موران کے ہمدرد تھے مگر وہ کون تھے میں اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیا یہ کام اورگان کے ایما پر ہوا تھا یا پھر اس کے پیچھے کوئی اور تھا؟ اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔ اطمینان کی بات تھی کہ یہ کام کرنے والے فوری طور پر میری جان لینے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ ورنہ مجھے دوسری دنیا میں ہوش آتا۔ فی الحال وہ مجھے زندہ رکھنا چاہتے تھے ورنہ اتنی زحمت نہ کرتے اور وہیں مار کر ڈال دیتے۔ میرا اندازہ تھا کہ مجھے بے ہوش ہوئے کوئی تین سے چار گھنٹے گزر چکے تھے اور مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کہاں تھا۔ شہر میں یا شہر سے باہر۔

میں بے بسی سے سوائے انتظار کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وقت گزرتا رہا سر کی تکلیف میں خاصی کمی آئی تھی مگر ہاتھ پیروں میں خون کی روانی رکنے سے درد شروع ہو گیا تھا مجھے ہوش میں بھی آئے ہوئے خاصی دیر ہو گئی تھی۔ ابھی تک کسی نے بھی میری خبر نہیں لی تھی اور منہ پر کپڑا بندھا ہونے کی وجہ سے میں کسی کو شور کر کے بھی متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے صبر سے انتظار کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ خدا خدا کر کے آہٹ ہوئی تھی اور ایک طرف سے روشنی نمودار ہوئی۔ ایک شخص اندر آیا تھا۔ اس نے پجاریوں جیسا لباس پہن رکھا تھا اور ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس نے میرے پاس بیٹھ کر میرے منہ سے کپڑا ہٹایا اور بولا۔

''تمہارے لیے کھانا ہے۔''

''میں کہاں ہوں اور تم کون ہو؟'' میں نے منہ کھلتے ہی پوچھا۔

''میں نہیں بتا سکتا۔ میں تم کو کھانا کھلانے آیا ہوں۔'' اس نے سوپ کا پیالہ میرے منہ سے لگا دیا تھا اس لیے مجھے مجبوراً پینا پڑا تھا۔ وہ پجاری تھا اس کا مطلب تھا کہ میں معبد میں تھا اور میرے ساتھ ہونے والی واردات میں اورگان کا ہاتھ بھی ہو سکتا تھا۔ مگر یہ ضروری نہیں تھا کیونکہ پجاریوں میں لازمی طور پر موران کے ہمدرد بھی شامل تھے اور وہ بھی انتقام کے لیے مجھے اغوا کر سکتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے کس نے اغوا کرایا ہے۔'' میں نے منہ سے پیالہ ہٹتے ہی کہا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے پیالہ واپس ٹرے میں رکھا۔

''میں معبد میں ہوں؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے ٹرے اٹھا کر دروازے کا رخ کیا۔

''سنو۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''میں عزت مآب نیکاٹ کا مشیر ہوں اور مجھے اغوا کرنے والوں کا وہی حال ہوگا جو موران اور اس کے ساتھیوں کا ہوا ہے۔''

لیکن میری یہ دھمکی بھی رائیگاں گئی تھی۔ وہ بنا جواب دیئے دروازہ بند کر کے چلا گیا تھا۔ اس نے اتنا کرم کیا تھا کہ میرا منہ نہیں بند کیا تھا۔ اس کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس معاملے میں پجاری ملوث ہیں اور شاید معبد میں تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے تھے۔ اگر وہ مجھے مارنا چاہتے تو اس طرح بند کر کے رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے کوئی بچانے والا نہیں تھا سوائے خدا کے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مجھے ابھی زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ غالباً زیادہ عبرت ناک اور اذیت ناک انداز سے مارنے کے لیے۔ اس طرح بند کر رکھنے والوں سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اب میرے ہاتھ پاؤں سن ہونا شروع ہو گئے تھے اور اگر کھول بھی دیا جاتا تو میں بہت دیر تک حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ تکلیف اتنی بڑھ گئی تھی کہ میں سو بھی نہیں سکتا تھا ورنہ سو جاتا۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی اور ایک بار پھر وہی پجاری آیا تھا اس نے ٹرے اٹھا رکھی تھی میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے کھول دو ورنہ میں بندھے بندھے مر جاؤں گا۔''

''میں تمہیں کھول نہیں سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے حاجت محسوس ہو رہی ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''کیا میں اسی طرح کر لوں۔''

''میں تمہیں نہیں کھول سکتا۔''

''تب یہ کھانا بھی لے کر دفع ہو جاؤ۔'' میں بھنا گیا تھا۔ ''مجھے کھانا نہیں کھانا ہے۔''

اس نے پہلے کی طرح سوپ کا پیالہ میرے منہ سے لگانے کی کوشش کی مگر میں نے جھٹکے سے منہ مار کر گرا دیا۔ اس پر پجاری نے اپنی زبان میں مجھے چند گالیوں سے نوازا اور پیالہ اٹھا کر چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ نہیں آئے گا مگر وہ کچھ دیر بعد آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چاقو تھا۔ میں چاقو دیکھ کر بدکا مگر اس نے صرف اور ہاتھ کی رسیاں کاٹنے پر اکتفا کیا تھا اور ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''اس طرف ایک سوراخ ہے اس میں اپنی ضرورت سے فارغ ہو جاؤ۔''

اس کے جانے کے بعد میں تھوڑی حرکت کرنے کے قابل ہوا تھا۔ میں نے اٹھ کر سوراخ کا معائنہ کیا اس سے بو آ رہی تھی مگر یہ قابلِ برداشت تھی یعنی اس سوراخ کے راستے گند کہیں نکل جاتی تھی۔ ہاتھ پاؤں کھلے تو تکلیف کم ہوئی تھی۔ تو اب بھوک نے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا اور اس سے بھی زیادہ فکر یہ تھی کہ میں کن لوگوں کے ہاتھ میں تھا اور وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہ رہے تھے۔ اس کے بعد کوئی نہیں آیا تھا۔ میں رسیوں کی قید سے نجات حاصل کرنے کے بعد سو گیا۔ مستقل بھاگ دوڑ اور سر پر لگنے والی ضرب کی وجہ سے میرا جسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرام کا طلب گار تھا اس لیے میں سو گیا۔

کسی وقت وہ لوگ اندر آئے تھے اور انہوں نے اچانک میرے چہرے پر کپڑا ڈال کر مجھے جکڑ لیا وہ سے کم چار لوگ تھے۔ انہوں نے میرے ہاتھ پاؤں قابو کر کے مجھے اوپر اٹھا لیا تھا اور ہوا میں معلق کر کے ا ساتھ لے جانے لگے میں مچل رہا تھا۔ مگر ان کی گرفت اتنی سخت تھی کہ میں صرف مچل سکتا تھا خود کو چھڑا نہیں تھا۔ اس لیے گالیاں دینے لگا مگر ان پر بے کار تھیں کیونکہ وہ میری زبان سمجھتے نہیں تھے اور ان کی زبان کی گالیا مجھے آتی نہیں تھیں۔

وہ بہت دیر تک مجھے اسی طرح ہوا میں معلق کر کے چلتے رہے تھے میں نے مزاحمت ترک کر دی اور یہ سمجھ کی کوشش کرنے لگا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہے تھے۔ وہ مجھے کھلی فضاء میں لے آئے تھے۔ اس کا احساس ہ ہوا کی تازگی سے ہوا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ مجھے لے جانے والے چار افراد کے ساتھ ایک فرد اور تھا۔ ساتھ ہی کوئی اور بھی مانوس چیز تھی مگر اس وقت وہ میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ وہ سب بالکل خاموش تھے۔ خاصی دیر چلنے کے بعد وہ کسی جگہ رکے اور مجھے زمین پر ڈال دیا۔ میں اس وقت بھی بے بس تھا کیونکہ انہو نے مجھے اپنی گرفت سے آزاد نہیں کیا تھا۔ پھر انہوں نے میرے ہاتھ پیر باندھنا شروع کیے۔ میں نے مزاحمہ کی مگر اس بار بھی ناکام رہا تھا۔ اور انہوں نے بہت آسانی سے مجھے رسیوں سے جکڑ دیا تھا۔ جب میں بے بس گیا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا تھا۔ میں نے ان قدموں کی جاتی دھمک سنی تھی میں نے چلا کر کہا۔

''تم لوگ مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔''

ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ میں چلاتا رہ گیا اور وہ چلے گئے۔ سبزے کی خوشبو سے مجھے لگ رہا تھا کہ میں جنگل میں ہوں اور یہاں جنگل میں خوفناک درندے پائے جاتے تھے۔ شاید جانے والے درندوں کا نشانہ بننے کو چھوڑ کر گئے تھے۔ مایوس ہو کر میں ان کو گالیاں دینے لگا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ کو میرے پاس تھا۔ اگرچہ مجھے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی مگر میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ کوئی پاس ہے۔

''یہاں کون ہے؟''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ایک آواز ابھری۔ ''تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے۔''

''اورگان۔'' میرے منہ سے نکلا تھا۔ ''تم.....''

اس نے میرے چہرے سے کپڑا نوچنے کے انداز میں اتار دیا تھا۔ ''ہاں میں۔''

''تم مجھے اغوا کرایا ہے؟'' میں نے ناقابلِ یقین لہجے میں کہا۔ ''کیا مہا پجاری بن کر تم بھی بدل گ ہو۔''

''نہیں میں وہی ہوں بس تمہارے لیے بدل گیا ہوں۔''

''میں نے کیا کیا ہے۔''

''تم میرے بھائی کی موت کے ذمے دار ہو۔''

''تمہارا دماغ درست ہے۔'' میں نے غصے سے کہا۔ ''کیا میں نے اس سے کہا تھا کہ ولیم سے جوڑ کر کے بغاوت کرے۔ میں نے صرف اس کے سامنے اپنی جان بچانے کی کوشش کی تھی۔ اسے اس کے جرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی سزا نیکاٹ کی قائم کی ہوئی کمیٹی نے دی تھی۔ میں اس میں شامل نہیں تھا۔"

"موران کی موت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "نیکاٹ اور تم نے مل کر اس کی موت کا فیصلہ کیا تھا۔"

"یہ غلط ہے اگر اس کی موت کا فیصلہ کیا بھی گیا تھا تو وہ نیکاٹ نے کیا تھا میں نے نہیں۔"

"تم اس کے مشیر تھے۔" اس نے الزام دینے والے لہجے میں کہا۔ "تم نے اسے سزائے موت کا مشورہ دیا تھا۔"

"لیکن میں نے اسے موران کی موت کا مشورہ نہیں دیا تھا۔" میں نے تردید کی۔

"تم جھوٹ مت بولو۔ ایک آدمی نے خود سنا ہے۔ وہ میرا جاسوس ہے۔" اس نے کہا۔

"اس نے صرف جھوٹ کہا ہے اور شاید اس معاوضے کو حلال کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جو تم اسے دے رہے تھے۔"

"اسے مجھ سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "موران کی موت کے ذمے دار تم ہو۔"

"نیکاٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ اس بھی موران کا قاتل ہے اور وقت آنے پر اسے بھی حساب دینا ہوگا۔" اورگان نے کہا۔ "ابھی تو تمہاری باری ہے۔"

"کیا مطلب؟" میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی۔

"یہ جنوبی جنگل کا ایک حصہ ہے جہاں سے گزر کر ہم معبد تک آئے تھے۔" اس نے اشارہ کیا۔ "تمہیں یاد ہوگا یہاں کون ہوتا ہے؟"

"یہاں ہارن پائے جاتے ہیں" میں نے کسمسا کر کہا۔

"ہاں.....اور کچھ دیر میں کوئی نہ کوئی ہارن تمہاری بو سونگھتا ہوا آ جائے گا اور اس کے بعد....."

"تم میری لاش دیکھو گے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے تم بچ جاؤ گے۔"

"تم نے شاید غور نہیں کیا ہے۔" اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔ "میں نے وہی مشروب پی رکھا ہے۔"

میں نے غور کیا واقعی اس کے جسم سے بو آ رہی تھی۔ تب مجھے یاد آیا کہ راستے میں مجھے کون سی بات یاد آ رہی تھی۔ مجھے اٹھانے والوں کے جسم سے وہی مخصوص بو آ رہی تھی جو اورگان کا ایجاد کیا ہوا مشروب پینے سے آتی تھی۔ میرے اندر خوف کی لہر سی اٹھی تھی۔ ہارن اورگان کے تو قریب بھی نہ جاتے مگر میرا وہی حشر کرتے جو معبد کے ایک غریب محافظ کا کیا تھا۔

"اورگان میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مجھ سے ایسا انتقام کیوں لے رہے ہو میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" میں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ "یہ میرے بھائی کی آخری خواہش ہے جو میں پوری کر رہا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آخری خواہش؟''

''ہاں اس نے مرنے سے پہلے مجھ سے آخری ملاقات میں کہا تھا کہ اس کی آخری خواہش ہے کہ تم کو زندہ ہارن کے سامنے ڈال دیا جائے۔''

''تمہارا بھائی پاگل تھا۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''اور تم اس سے بڑے پاگل ہو۔''

اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''ممکن ہے ایسا ہی ہو، لیکن میں اپنے بھائی کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔''

''اس کے لیے مجھے معبد سے اتنی دور لانے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''معبد میں بھی تو ہارن موجود ہے۔ اس کے سامنے مجھے پھینک دیتے۔''

''وہاں یہ کام سب کے سامنے کرنا پڑتا اور نیکاٹ کو پتا چل جاتا اور میں ابھی اس سے بات بگاڑنا نہیں چاہتا ہوں۔''

''نیکاٹ کو پتا چل جائے گا۔''

''نہیں پتا چلے گا۔ ابھی تک اس کے آدمی تم کو تلاش کر رہے ہیں اور ان کا شبہ مجھ پر نہیں گیا ہے ورنہ معبد کی تلاشی بھی لی جاتی۔''

''وہ یہ کام کھلے عام نہیں کرے گا۔ وہ خاموشی سے دیکھے گا اور اس کو جاننے میں دیر نہیں لگے گی کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔''

''بے شک وہ جان جائے تب بھی مجھے اس کی سزا نہیں دے سکتا میں مہا پجاری ہوں اور مہا پجاری کو سزا نہیں دی جا سکتی ہے۔''

''موران کو بھی سزائے موت دی گئی تھی۔''

''اس وقت وہ مہا پجاری نہیں تھا۔'' اس نے وضاحت کی۔

''جب صاحب اقتدار کسی کو سزا دینا چاہتا ہے تو وہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتا ہے۔''

''لیکن میرے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ ابھی اس کی حکومت مستحکم نہیں ہے۔''

میں بلاوجہ اس سے بحث نہیں کر رہا تھا میں وقت گزار رہا تھا اور اپنی بچت کا کوئی راستہ تلاش کر رہا تھا۔ اور گان یہاں اکیلا تھا اور اگر میں کسی طرح اپنے ہاتھ کھول لیتا تو اس سے نمٹ سکتا تھا۔ میں ہاتھ رسیوں سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر باندھنے والوں نے اتنی سختی سے باندھا تھا کہ ذرا سی گنجائش بھی نہیں چھوڑی تھی۔ میں نے بات جاری رکھی۔

''ٹھیک ہے میں مانتا ہوں کہ میری خواہش تھی موران کو سزائے موت دی جائے۔ اگرچہ اسے سزا سنانے میں میرا براہ راست ہاتھ نہیں ہے۔ مگر میرے خیال میں اسے درست طور پر سزائے موت سنائی گئی ہے وہ صرف اقتدار کا لالچی ہی نہیں بلکہ ذاتی طور پر بے حد گھٹیا انسان تھا اس نے سامیرا کے بارے میں مجھ سے ایک ایسی بات کی تھی جو میں تم کو بتا نہیں سکتا اور مجھے پورا یقین ہے اگر تم اس کے ہاتھ آ جاتے تو وہ تمہیں ہرگز نہیں چھوڑتا۔ وہ خاص علوم حاصل کر کے تم کو مروا دیتا اور اسے اتنا دکھ بھی نہ ہوتا جتنا کہ آدمی کو کبھی مرنے کا ہوتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں جانتا ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''وہ میرا بھائی تھا۔ مجھ سے زیادہ اچھی طرح اسے کون جان سکتا ہے۔''

میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''اس کے باوجود تم اس کے پیچھے پاگل ہو رہے ہو۔''

''کچھ بھی سہی وہ میرا بھائی تھا۔'' اورگان کے پاس سو باتوں کا ایک ہی جواب تھا۔

''میرا ایسا بھائی ہوتا تو میں خود اسے گولی مار دیتا۔''

''گولی؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''تمہارے تیر کمان جیسا ایک ہتھیار ہوتا ہے مگر یہ بہت چھوٹا ہوتا ہے اور اس کی حد بہت زیادہ ہوتی ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''جب ولیم شا اپنی فوج لے کر آئے گا تو تم خود دیکھ لینا۔''

''وہ اب اس طرف نہیں آئے گا۔'' اورگان نے یقین سے کہا۔

''کیا وہ تم سے کوئی معاہدہ کر کے گیا ہے؟'' میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''نہیں مگر میرا علم کہتا ہے اسے دوبارہ یہاں آنا نصیب نہیں ہوگا۔''

''کاش کہ تمہارا علم اس وقت بھی بتا دیتا جب وہ یہاں سے جا رہا تھا۔'' میں ہنسا۔

''تم شاید مذاق سمجھ رہے ہو۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن یہ حقیقت ہے جب میں نے اپنے علم سے معلوم کیا تو مجھے یہی جواب ملا تھا۔''

''اورگان میری ایک بات لکھ کر رکھ لو۔ میرے پاس علم نہیں ہے مگر میں اس قوم کا مزاج جانتا ہوں۔ اگر ولیم شا نہیں آیا تب بھی کوئی دوسرا ضرور آئے گا یہ وادی زیادہ دن دنیا کی نظروں سے چھپی نہیں رہے گی۔ تم لوگوں کو باہر کی کسی نہ کسی طاقت کے سامنے جھکنا پڑے گا۔''

''ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔'' اس کے لہجے میں یقین تھا۔ ''کیونکہ یہ عام وادی نہیں ہے۔ قدرت نے اسے پوشیدہ رہنے کے لیے بنایا ہے۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ قدرت کے قوانین سب کے لیے ایک ہوتے ہیں۔ فطرت کے سامنے سب ایک ہوتے ہیں کوئی خاص یا عام نہیں ہوتا ہے۔''

''اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ابھی تمہارے پاس کچھ وقت ہے بہتر ہے اپنے عقیدے کے مطابق کوئی دعا مانگ لو۔''

''تم اس کی فکر مت کرو۔''

اورگان مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا اس نے حسبِ معمول مہا پجاری کا سفید لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پجاری کا اعصاء تھا۔ مجھے سامیرا کا خیال آیا۔

''کیا تمہاری بیٹی کو معلوم ہے کہ اس کا باپ اپنے بھائی کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے اور وہ جو انسانیت کے نام نہاد دعوے کیا کرتا تھا وہ مہا پجاری بنتے ہی بھول گیا۔''

''میں کچھ نہیں بھولا اور نہ بدلا ہوں۔ بس تمہارے معاملے میں اپنے اصول بدلے ہیں۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے تم سفا کی کی جس راہ پر چل نکلے ہو اس میں کوئی بھی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم جلد اپنی سفاکی سے کام لینے پر مجبور ہو جاؤ گے پھر اس کے عادی ہو جاؤ گے اور آخر میں موران کے درجے تک پہنچ جاؤ گے جب تم کو کسی کو تکلیف دے کر خوشی ہوا کرے گی۔''

وہ چپ رہا اس کے انداز سے نہیں لگ رہا تھا کہ اس پر میری بات کا کوئی اثر ہوا ہے۔ بندھے بندھے میرے ہاتھوں میں درد ہونے لگا تھا۔ چپ رہنے سے تکلیف کا احساس زیادہ ہونے لگا تھا اس لیے میں پھر بول اٹھا۔ ''اورگان جس شخص کو تم نے یقینی موت مرنے سے بچا لیا اب اسے اتنے اذیت ناک طریقے سے مارتے ہوئے تمہارا ضمیر ملامت نہیں کر رہا ہے؟''

''میں صرف اپنے بھائی کی آخری خواہش پوری کر رہا ہوں۔''

میں نے دل ہی دل میں اس کے بھائی اور اس کی آخری خواہش کی شان میں شاندار گالیاں تخلیق کیں۔ اور منہ سے بولا۔ ''ابھی تک کوئی ہارن نہیں آیا میرا انتظار طویل ہوتا جا رہا ہے۔''

''آئے گا۔ ابھی دن ہے یہ رات کو چرنے کے لیے نکلتے ہیں۔''

''چرنے کے لیے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''یہ گوشت خور نہیں ہیں؟''

''نہیں یہ سبزہ کھاتے ہیں بعض طرح کے پتے اور کچھ خاص پھل ان کی خوراک ہیں۔ سردیوں میں یہ مرجھا جانے والے پودوں کی جڑیں نکال کر کھاتے ہیں۔''

''اس پر بھی اتنے بڑے ہوتے ہیں۔''

''اس میں تعجب کی کیا بات ہے سبزی خور ہمیشہ بڑے ہی ہوتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

اسی لمحے ایک بھیانک غراہٹ سنائی دی تھی۔ اسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ آس پاس کوئی ہارن تھا۔ اورگان بھی سنبھل کر بیٹھ گیا تھا حالانکہ اس نے خاص مشروب پیا تھا اور اس کے پاس سے آتی بو کسی بھی جانور کو اس کے پاس آنے سے روکنے کے لیے کافی تھی۔ اس کے باوجود اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔ مجھے ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور ایک ہارن ہلکی چال چلتا میرے سامنے آیا اس نے غور سے مجھے دیکھا اور پھر نتھنے پھیلا کر سونگھنے لگا اسے ناگوار بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اورگان کو بھی دیکھ لیا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بو کس کے پاس سے آ رہی ہے۔ وہ مجھے نظر انداز کر کے اورگان کی طرف بڑھا تو وہ اپنا اعصاء سنبھال کے کھڑا ہو گیا۔ مگر ہارن اس کے پاس جانے سے پہلے رک گیا غالباً اسے احساس ہو گیا تھا کہ ناگوار بو کس کے پاس سے آ رہی تھی

میں دہشت کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا اور میرا رواں رواں لرز رہا تھا۔ کچھ دیر وہ ساکت کھڑا رہا تھا پھر پلٹ کر میری طرف آیا۔ اچانک ہی اورگان نے بھاگنا شروع کیا اور لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ شاید وہ مجھے مرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ فطری طور پر ایسا نہیں تھا یہ تو بھائی کی محبت تھی جس نے اسے اتنی سفاکی دکھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے موت کو اتنے قریب پا کر کلمہ شریف پڑھ لیا تھا۔ کیونکہ میں دیکھ چکا تھا کہ یہ درندہ انسان کو کتنی تیزی سے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے کہ اسے چیخنے کی مہلت ہی نہیں دیتا ہے۔

ہارن نے اورگان کے بھاگنے پر بھی کوئی توجہ نہیں دی تھی اس کے پاس سے آتی ناگوار بو کی وجہ سے ہارن نے اس کے قریب جانے سے گریز کیا تھا اور وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس کے قریب نہیں جا سکتا ہے۔ اس لیے اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اورگان کے بھاگنے کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا تھا اس کے بجائے میں اس کے سامنے ایک معقول شکار کے طور پر محفوظ تھا۔ میں دم سادھے اس کے اگلے قدم کا انتظار کر رہا تھا جو یقیناً میرے حق میں نہ ہوتا۔ وہ بہت طویل قامت تھا اس کا سر زمین سے کوئی گیارہ بارہ فٹ اونچا تھا۔ اس کے بیلچے نما ہاتھ پہلو میں لٹک رہے تھے۔ اس نے کوئی دس بارہ فٹ کے فاصلے سے میرا معائنہ کیا۔ دن کی روشنی میں اس خوف ناک مخلوق کو دیکھنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ جب وہ سانس لیتا تو اس کے نتھنوں سے بھاپ فوارے کی طرح نکلتی تھی۔ اس کی سرخ آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔

اچانک ہی وہ میری طرف جھکا تو میری جان نکل گئی میں سمجھا کہ اس نے ابھی مجھے پکڑ کر دو ٹکڑے کر دینا ہے، مگر وہ مجھے پکڑنے نہیں بلکہ نزدیک سے میرا معائنہ کرنے کے لیے جھکا تھا۔ بے حد نزدیک سے اسے دیکھنا بہت خوف ناک تجربہ تھا۔ ایک نارمل انسانی چہرے سے کوئی تین گنا بڑا مگر تاثرات سے غیر انسانی چہرہ میرے سامنے تھا۔ اس کی سانسوں کی ناگوار بو سے میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ اب مجھے اس کا یہ معائنہ کھلنے لگا تھا آخر وہ اپنا کام کیوں نہیں کر رہا تھا۔ یعنی میرا کام تمام کیوں نہیں کرتا ہے۔ وہ مارنے پہلے مجھے خوف سے مار رہا تھا۔

آخر اس نے اپنا کام کرنے کا فیصلہ کیا اور میری طرف ہاتھ بڑھائے میں بے اختیار پیچھے سرکا۔ مگر گنجائش نہیں تھی میرے پیچھے ایک درخت تھا۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کی وجہ سے میرے لیے حرکت کرنا مشکل تھا۔ مگر اس وقت میں بھول گیا تھا کہ میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ مجھے حرکت دیکھ کر وہ مشتعل ہو گیا۔ اس نے غرا کر مجھے پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے کیے تھے۔ میں نے مارے خوف کے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بار پھر کلمہ پڑھا تھا۔ اسی لمحے میرے وجود سے کوئی چیز ٹکرائی۔ ایک ثانیے کو مجھے ہارن کے ہاتھ محسوس ہوئے تھے۔ مگر نہیں ہارن کے ہاتھ اتنے نازک اور نرم نہیں ہو سکتے تھے پھر اس وجود سے آتی خوشبو نے مجھے چونکا دیا تھا میں نے بے ساختہ کہا۔ ''سامیرا۔''

وہ مجھ سے اس طرح لپٹی تھی جیسے مجھے ہارن سے بچا رہی ہو۔ اور اس نے مجھے ہارن سے بچا لیا تھا۔ بہ حیثیت مسلمان میرا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے۔ کہ مارنے اور بچانے والی ذات اللہ کی ہے۔ اس روز اس نے سامیرا کو بھیجا تھا اگر اسے آنے میں ایک لمحے کی تاخیر ہو جاتی تو ہارن کے بیلچے نما ہاتھ مجھے اٹھا چکے ہوتے اور پھر موت ہی مجھے اس کے پنجوں سے رہائی دلاتی۔ سامیرا کے آنے سے ہارن ہڑبڑا کر پیچھے ہٹا تھا اور اس نے بھیانک سی آواز نکالی۔ اس کے بعد بدک کر پیچھے ہٹا اور کچھ دور جا کھڑا ہوا تھا۔ سامیرا نے مجھ سے لپٹے لپٹے ایک چھوٹی سی مٹی کی بوتل مجھے تھما دی۔

''جلدی سے پی لو۔'' اس نے ابھی سانسوں کے درمیان کہا۔

''دل تو نہیں چاہ رہا۔'' میں نے شرارت سے کہا۔ نہ جانے کیسے مجھے ان حالات میں بھی شوخی سوجھ گئی تھی جب کہ ہارن ہم سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا غرا رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے سامیرا کے آنے سے محفوظ ہو گیا تھا اور ہارن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

''اسے پی لو۔'' اس نے پھر کہا۔

''ایک شرط پر۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ ''تم مجھ سے جدا نہیں ہو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی رنگت شہابی ہوگئی تھی۔ ''اچھا نہیں ہوں گی۔''

میں نے مشروب پی لیا مجھے معلوم تھا کہ اس کا اثر کچھ دیر سے ہوگا۔ اور جب مجھے پسینہ آئے گا تب میرے جسم سے مخصوص بو آئے گی جس سے ہارن جیسا خطرناک درندہ بھی بدک سکتا تھا۔ اس وجہ سے بھی سامیرا فوری طور پر مجھ سے جدا نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن جیسے میرے سینے میں بج رہی تھی۔ وہ لمحات میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تو مشروب نے جلدی اثر کیا تھا اور چند منٹ بعد میرے جسم سے مخصوص بو آنے لگی تھی۔ سامیرا مجھ سے الگ ہونے لگی تھی۔ میرا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر دل پر جبر کر کے میں اس سے الگ ہوا تھا۔ ہارن جیسے تاک میں تھا وہ سامیرا کی طرف سے کٹ کاٹ کر میری طرف آیا تھا۔ اس نے مجھے اچک لے جانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا کہ اسے میرے پاس سے بھی وہی بو محسوس ہوئی تو وہ پھر بدک کر پیچھے ہٹا اس نے دونوں پاؤں اوپر اٹھا کر مجھ پر وار کرنے کے انداز میں چلائے۔ مگر وہ مجھ سے دور ہی تھا۔ میں اب بے خوف تھا ہارن میرے قریب نہیں آسکتا تھا۔

میں نے سامیرا کی طرف دیکھا۔ ''تم کو کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں اور اورگان نے مجھے ہارن کا نشانہ بنانے کے لیے ڈال رکھا ہے۔''

''بس مجھے اتفاق سے پتا چلا تھا میں نے بابا کے معتمد دو پجاریوں کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ تمہارے بارے میں بات کر رہے تھے۔ میں تم کو بچانے کے لیے نکل آئی۔''

''تمہیں اس دوا کے بارے میں بھی معلوم ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''بابا تو سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم، مگر میں سب جانتی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بابا یہ چیزیں کہاں رکھتا ہے۔''

''یہاں تک آنے کا راستہ کیسے ملا؟''

''معبد کے سارے راستے بابا نے مجھے سمجھائے ہیں۔ میں دوا لے کر باہر نکلی تھی۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ تمہیں کہاں لے گئے ہیں۔ پھر میں نے بابا کو اس طرف سے آتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ تم یہاں ہو۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی تھی۔

''کہ مجھے ہارن نے مار دیا ہوگا۔''

''ہاں۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''فرض کرو ایسا ہی ہوتا تو؟''

''تو شاید میں بھی مر جاتی۔''

''سامیرا تم مجھے کب تک بچائے رکھو گی؟''

''کیا مطلب؟''

''تمہارے باپ نے مجھے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ اپنی قسم ہر حال میں پوری کرے گا۔''

''اب وہ تم کو نہیں مار سکتا اگر اس نے ایسا کیا تو پہلے مجھے مارے گا۔''

''اس معاملے میں اس کی جو کیفیت ہو رہی ہے۔ وہ شاید ایسا بھی کر گزرے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پتا نہیں بابا کو کیا ہو گیا ہے۔''

''وہ جانتا تھا کہ موران کس قسم کا آدمی تھا مگر وہ اس کے پیچھے مجھے مار ڈالنے پر تل گیا ہے۔ کیونکہ موران نے اس سے آخری خواہش یہی ظاہر کی تھی کہ مجھے ہارن کے سامنے ڈال دیا جائے۔''

''وہ برا آدمی تھا۔''

''اس کے باوجود تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے۔''

''کیونکہ میرا باپ ایک اچھا آدمی ہے۔'' اس نے سادہ سے انداز میں جواب دیا۔ ''محبت اچھے لوگ کرتے ہیں۔''

میں اس کے فلسفے پر ذرا حیران ہوا تھا اس نے اپنے باپ کو اچھا ثابت کرنے کے لیے کیا منطق پیش کی تھی۔ میں نے اعتراف کیا۔ ''واقعی محبت اچھے لوگ کرتے ہیں۔ برے لوگ صرف نفرت کرتے ہیں اور اگر محبت کریں بھی تو خود سے کرتے ہیں۔''

''اب کیا کریں؟'' کچھ دیر بعد میں نے پوچھا۔ ''تم نے مجھے ایک بار بچا لیا ہے بار بار نہیں بچا سکتیں۔''

''یہ تو ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''اب میں کیا کروں؟''

میں اس سے سوال کر رہا تھا اور وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ میں نیکاٹ کے پاس جا کر بھی نہیں بچ سکتا تھا ممکن ہے وہ تصادم سے بچنے اور اپنی حکومت مستحکم رکھنے کے لیے مجھے قربان کر دے۔ موران کو ملنے والی سزا میرے سامنے کی بات تھی کیونکہ اسے سزا دینے میں اس کے جرائم سے زیادہ اس کی بغاوت کو دخل تھا۔ نیکاٹ اسے اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتا تھا اس لیے اس نے موران کو موت کی سزا دلوا دی۔ ورنہ ممکن ہے وہ اسے کسی بہانے سے سزا سے بچا لیتا۔ میرے پاس زندگی بچانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ میں وادی سے نکل جاؤں۔ میں نے سوچ کر سامیرا سے کہا۔

''کیا تم مجھے اس وادی سے نکالنے میں مدد دے سکتی ہو؟''

''میں نہیں جانتی کہ یہاں سے باہر جانے کا راستہ کہاں ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم معبد کے نیچے کسی ایسی سرنگ سے واقف ہو جو چٹانوں کے عین نیچے جا کر نکلتی ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے پھر نفی میں سر ہلایا

''میں ایسی ایک سرنگ سے واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کہاں سے شروع ہوتی ہے مگر میں اسے کھولنے کے طریقے سے ناواقف ہوں۔''

''اگر تم جانتے ہو تو میں اسے کھول لوں گی۔'' اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ''تم مجھے وہ جگہ دکھا سکتے ہو۔''

''ہاں لیکن اس کے لیے معبد کے اندر جانا ہوگا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''اور میں معبد کے اندر نہیں جا سکتا۔''

''کیوں نہیں جا سکتے؟ میں لے کر جاؤں گی۔'' وہ بولی۔ ''میں تم کو اس طرح چھپا کر لے جاؤں گی کہ کسی کو بھی پتا نہیں چلے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ معبد اس جگہ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ درختوں سے نکلتے ہی اس کے سنہرے کلس کی جھلک دکھائی دی تھی۔ سامیرا ایک چٹان تک آئی اور جھک کر اس کے نیچے جڑ میں ہاتھ ڈال کر کچھ کیا تو چٹان ایک طرف سرک گئی اور ایک چھوٹا سا راستہ ظاہر ہو گیا۔ ہم اس میں داخل ہوئے تو راستہ خود بہ خود بند ہو گیا۔ یہ خاصی کشادہ سرنگ تھی تبھی چار آدمی بیک وقت مجھے پکڑ کر لے آئے تھے۔

''اگر اس وقت کوئی ہمیں مل گیا تو؟''

''تب میں کچھ نہیں کر سکوں گی مگر ایک بار تم کو یہاں سے نکال کر لے گئی تو پھر کوئی تم کو تلاش نہیں کر سکے گا۔''

ہم کوئی دس پندرہ منٹ تک اس سرنگ میں سفر کرتے رہے تھے۔ پھر سامیرا ایک جگہ رکی۔ ''ہم پہنچ گئے۔'' اس نے کہا اور دیوار کا کوئی حصہ دبایا تو دیوار سرک گئی اور اوپر جانے کا راستہ بن گیا۔ ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ اس کی آرائش اور نزاکت سے واضح تھا کہ یہ کسی خاتون کا کمرہ تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ تمہارا کمرہ ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں اچھا ہے نا؟''

''ظاہر ہے جب تم اچھی ہو تو تمہاری ہر چیز بھی اچھی ہے۔'' میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔

''تمہیں بھوک لگی ہے؟''

میں چونکا۔ ''میں تو بھول ہی گیا تھا میں نے کئی وقت سے کچھ نہیں کھایا ہے۔''

اس نے میرے لیے کھانے پینے کی کئی چیزوں کا اہتمام کیا۔ وہ اس طرح سے مطمئن تھی جیسے اسے یقین ہو کہ یہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں رکھ سکتا ہے۔ مگر وہ بھول گئی تھی کہ ایک شخص ایسا ہے جسے اس کے کمرے میں آنے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سامیرا سے کہا۔

''میرے کپڑے گندے ہو گئے ہیں کیا تمہارے پاس کوئی مردانہ لباس ہے؟''

''میرے پاس بابا کا ایک لباس ہے۔'' اس نے کہا اور ایک طرف بنی الماری سے مجھے ہلکے نیلے رنگ کا لباس نکال کر دیا۔ اب مسئلہ لباس بدلنے کا تھا کیونکہ اس کمرے میں آڑ والی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس نے میری پریشانی بھانپ لی اور سادگی سے بولی۔ ''میں دوسری طرف منہ کر لیتی ہوں تم لباس بدل لو۔''

میں پھر بھی دروازے کی آڑ میں ہو گیا تھا اور میں نے جیسے ہی لباس بدلا دروازہ اچانک کھلا اور ارگان اندر آ گیا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ میرے ساتھ سامیرا بھی بری طرح چونکی تھی۔

''بابا..... تم؟''

''ہاں..... کیا بات ہے تم پریشان ہو۔'' ارگان نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔

''نہیں..... نہیں تو بابا۔'' اس نے ہراساں انداز میں کہا۔

میں کسی مجرم کی طرح عین ارگان کے پیچھے کھڑا تھا۔ ''کیا بات ہے تم اس طرح کیوں بات کر رہی ہو؟''

''وہ تم اچانک آئے تو میں ڈر گئی۔'' اس نے کہا اس بار اس نے خود کو کسی قدر سنبھال لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا اچھا..... میں یہ کہنے آیا تھا کہ آج کمرے سے مت نکلنا۔''

''کیوں بابا؟''

''بس معبد میں کچھ کام ہو رہا ہے۔'' اورگان نے کہا اور اسی طرح پشت کیے ہوئے واپس چلا گیا۔ اس روز میری نہ جانے کون سی نیکی کام آئی تھی جو میں بال بال بچا تھا اگر وہ ذرا سا بھی مڑتا تو مجھے دیکھ لیتا۔ اس کے دروازہ بند کرتے ہی میں نے کب سے دبا سانس خارج کیا اور سامیرا نے لپک کر دروازہ بند کر دیا۔

''آج تو بس بچ گئے۔'' میں نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ ''شکر ہے اورگان نے بو بھی محسوس نہیں کی۔'' میرا اشارہ ہمارے پاس سے آتی وہ مخصوص بو تھی جس سے جانور بھڑکتے تھے۔

''بابا بو کیسے محسوس کرتا اس کے اپنے پاس سے یہ بو آ رہی تھی۔'' سامیرا ہلکی۔ بچ جانے کے بعد اسے شوخی سوجھ رہی تھی۔

''یہ تو میں بھول گیا تھا۔'' میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''سامیرا اب مجھے جلد از جلد یہاں سے جانا ہوگا ورنہ اسی قسم کا کوئی اتفاق مجھے مروا دے گا۔''

اس کا چہرہ اداس ہو گیا تھا۔ ''تم ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ گے؟''

''تم جانتی ہو میں جان بچا کر جا رہا ہوں۔ اور میرے پھر آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''ادھر مجھے لگتا ہے تم ایک بار آؤ گے۔''

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' میں نے اسے کسی خوش فہمی میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ''ایک بار یہاں سے جانے کے بعد میں پھر کبھی واپس نہیں آؤں گا۔''

''نہیں میرا دل کہہ رہا ہے کہ تم واپس ضرور آؤ گے۔'' اس نے جذباتی انداز میں کہا۔ ''تو میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ تم شادی کر کے اپنا گھر بسانا اور اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ خوش رہنا۔''

''میں خوش نہیں رہ سکتی۔''

''سامیرا یہ بات ہم پہلے طے کر چکے ہیں کہ ہمارا ملاپ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''اس لیے تم خود کو مضبوط کرو مجھے یقین ہے تمہارا شوہر کوئی اچھا آدمی ہوگا اور وہ تم کو بہت اچھی طرح رکھے گا۔''

''لیکن وہ تم تو نہیں ہو گے۔'' اس نے رونے والے لہجے میں کہا میں نے محسوس کیا کہ رفتہ رفتہ اس کا حوصلہ جواب دے رہا تھا اور جذبات اس پر غالب آ رہے تھے۔

''ہاں وہ میں نہیں ہوں گا کیونکہ وہ میں ہو بھی نہیں سکتا اس لیے تم خود کو سنبھالو ورنہ میں مشکل میں پڑ جاؤں گا۔''

''میں جانتی ہوں۔'' اس نے اپنا چہرہ صاف کیا۔ ''لیکن اپنے دل کا کیا کروں جو مچلتا ہے۔''

''اسے سمجھاؤ۔'' میں نے کہا۔

اب میرا یہاں سے جلد چلے جانا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ میری جان بچانا ضروری تھا۔ تو اب سامیرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دور جانا بھی اتنا ہی اہم ہو گیا تھا۔ اس کے انداز میں نوجوانی کی جذباتیت آتی جا رہی تھی۔ اور یہ میرے پاؤں کی زنجیر بن سکتی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''سنو یہاں مہا پجاری کے لیے مخصوص حصہ کہاں ہے؟''

''اس جگہ سے کچھ دور ہے۔''

''اس کے ساتھ کچھ دور ایک کمرہ ہے جو مہمانوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے دروازہ پر سورج کا دائرہ بنا ہے۔''

''ہاں ایک ایسا کمرہ ہے۔'' اس نے یاد کیا۔

''اس کمرے سے ایک سرنگ نکلتی ہے جو سیدھی اوپر کی چٹانوں کی طرف جاتی ہے اور وہیں سے اوپر جانے والا راستہ ہے۔ مگر مجھے اس سرنگ کا راستہ کھولنے کا طریقہ نہیں آتا ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو میں سرنگ کا راستہ کھول سکتی ہوں۔''

''ہم اس کمرے تک کیسے جا سکتے ہیں؟''

''ابھی تو نہیں جا سکتے کیونکہ دن میں یہاں ہر وقت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اور پھر مجھے دیکھنا ہوگا کہ اس کمرے میں کوئی ہے تو نہیں۔ اس لیے رات کا وقت ہی مناسب رہے گا۔'' اس نے خود پر قابو پا لیا تھا میں نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ وہ جذباتی ہو جاتی تو مجھے اس کو سنبھالنا پڑتا اور سچی بات تھی میں خود کو کمزور انسان ہی سمجھتا تھا جس سے کسی وقت بھی بھول ہو سکتی تھی اور میں ایسا کوئی لمحہ آنے سے ڈرتا تھا کہ میں خود اپنی نظر میں گر جاتا۔

سامیرا نے مجھے ایک محلول دیا تھا جس کی مدد سے میں نے اپنے گندے ہو جانے والے ہاتھ پاؤں صاف کیے تھے۔ یہ حیرت انگیز چیز تھا اس سے میرے ہاتھ پاؤں یوں صاف ہو گئے جیسے کبھی گندے ہوئے ہی نہیں تھے۔ اس وادی میں لوگ سادہ ہونے کے ساتھ پُرکار بھی تھے انہوں نے جو بنایا تھا وہ انوکھا تھا جو ہماری جدید دنیا میں بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ میں نے سامیرا سے اس کے بابا کے بارے میں پوچھا۔ سامیرا نے بتایا کہ اورگان کو شروع سے عجیب و غریب کام کرنے کا شوق تھا۔ میرے آنے سے پہلے اس کا بیشتر وقت تجربات میں گزرتا تھا اور وہ اس ویرانے میں اپنی زندگی سے بے حد خوش تھا۔ کیونکہ یہاں اس کے کام میں مداخلت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس نے ایسی دوائیں بنائی تھیں جن سے انسان بہت جلد صحت یاب ہو جاتا تھا اور ان کی مدد سے گہرے سے گہرے زخم بھی آسانی سے بھر جاتے تھے۔ اورگان ان دواؤں میں ایک خاص پتھر کا سفوف استعمال کرتا تھا جو زمین سے پانی کے چشموں کے ساتھ نکل آتا تھا اور اس وادی میں کثرت سے ملتا تھا۔ کسی کو اس کی خاصیت کے بارے میں نہیں معلوم تھا۔

سامیرا کو بچپن سے مصوری کا شوق تھا اور اس نے کسی کی رہنمائی کے بغیر خود اس فن پر عبور حاصل کر لیا تھا میں نے اس کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھی تھیں ان میں کسی فن کار کی سی پختگی جھلکتی تھی اور خاص طور سے وہ تصویر جس میں اس نے اس وادی کو دکھایا تھا۔ میں نے جب اسے دیکھا تھا تو مجھے ایک لمحے کو لگا کہ اس میں نظر آنے والے جانور زندہ ہو گئے تھے۔

''تم نے یہ تصویر کیسے بنائی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تصویر میں نے کیسے بنائی مجھے یاد نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔

''یاد نہیں ہے؟''

''ہاں بس ایک روز میں اسے تصویر بنانے بیٹھی تھی کہ مجھے لگا جیسے مجھے نیند آ رہی ہے اور جب میں جاگی تو یہ تصویر ایسے ہی بنی تھی۔ اسے میں نے بنایا تھا کیونکہ میرے ہاتھ اور لباس پر رنگ لگا تھا۔ مگر مجھے نہیں یاد کہ میں نے کب اور کیسے یہ تصویر بنائی تھی۔''

''یعنی تم سوتے میں مصوری کرتی رہیں۔'' میں ہنسا تھا مگر وہ سنجیدہ رہی تھی۔

''تم اسے مذاق مت سمجھو۔ اس کے بعد آنے والی رات میں نے خواب میں برف والے کو دیکھا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ یہ تصویر میں باہر سے آنے والے اس شخص کو دے دوں جو مجھے اچھا لگے۔''

''مجھے دینے کو کہا تھا؟'' میں حیران ہوا تھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں..... مجھے یقین ہے کہ برف والے کا اشارہ تمہاری طرف تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ تم مجھ سے ایک چیز اور مانگو گے میں وہ بھی تم کو دے دوں۔''

''وہ کیا چیز ہے؟''

''مجھے کیا پتا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔ ''جب تم مانگو گے تو پتا چلے گا۔''

''کیا تم نے برف والے کو دیکھا ہے؟''

''نہیں۔''

''پھر تم کو کیسے پتا چلا کہ وہ برف والا ہے؟''

''بس مجھے پتا چل گیا تھا اور میرا یہ خواب سچا تھا تبھی تو تم آ گئے اور مجھے اچھے بھی لگے تھے جب میں نے تم کو پہلی بار دیکھا تھا تب ہی مجھے لگا تھا کہ تم وہی ہو جس کے بارے میں برف والے نے بتایا ہے۔''

''تو تم وہ تصویر مجھے دے دو گی؟''

''ہاں اور اس کے ساتھ جو تم مانگو گے وہ بھی۔''

''چاہے میں کچھ بھی مانگ لوں؟''

میرے اس سوال پر اس کے رخسار ایک لمحے کو گلابی ہوئے تھے۔ ''ہاں چاہے جو بھی مانگ لو۔''

''تب مجھے وہ پتھر لا دو جس سے اورگان دوا تیار کرتا ہے۔''

میرے اس مطالبے پر وہ ایک لمحے کے لیے مرجھا گئی تھی شاید وہ کچھ اور سوچے بیٹھی تھی جو میں اس سے طلب کرتا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ ''میں لا دوں گی، بلکہ ایک تحفہ اور دوں گی۔''

''وہ کیا ہے؟''

''جب لا دوں گی تب تم دیکھ لینا۔''

میں نے اصرار نہیں کیا۔ ہم باتیں کرتے رہے تھے۔ پھر مجھے خیال آیا۔ ''سامیرا مجھے اس سفر کے لیے بہت ساری چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔''

''مجھے معلوم ہے تم کو گرم لباس چاہیے ہوگا اور راستے کے لیے خوراک کی ضرورت ہوگی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے علاوہ مجھے ہتھیار بھی درکار ہیں کیونکہ راستے میں برفانی آدمی سے ٹکراؤ کا بھی امکان ہے۔''

''میں لاٹھی اور تیر کمان بھی لادوں گی۔''

''سامیرا ان تمام چیزوں کا ابھی بندوبست کرلو ممکن ہے میرا راز کھل جائے اور مجھے یہاں سے بھاگنا پڑے۔''

''تم بے فکر رہو ایسا نہیں ہوگا۔'' اس نے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا اور میرے ذرا نزدیک آگئی ''ابھی میں صرف تمہارے پاس رہنا چاہتی ہوں۔''

بند دروازہ اور اس کے قریب آنے کی خواہش بھی کسی امتحان سے کم نہیں تھی۔ میں نے جلدی سے دور ہو کر کہا۔ ''سامیرا حالات کی نزاکت کو سمجھو ابھی کسی وجہ سے بھی میری یہاں موجودگی کا پتا چل گیا تو تم جانتی ہو اورگان میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔''

''اچھا پھر میں کیا کروں؟'' اس نے بے دلی سے کہا۔

''تم فوری طور پر میری یہاں سے روانگی کا بندوبست کرو۔''

وہ کچھ دیر مجھے حسرت سے دیکھتی رہی تھی پھر ایک سرد آہ بھر کر اٹھ گئی تھی اس کے کمرے سے جانے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا تھا اور فوراً ہی مجھے یہ فکر لاحق ہوگئی تھی کہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی اندر نہ آجائے۔ اس لیے میں پوری طرح ہوشیار تھا کوئی ایک گھنٹے بعد دروازے پر آہٹ ہوئی تو میں چھلانگ مار کر دروازے کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔ دروازہ کھلا اور سامیرا اندر آئی تو مجھے نہ پا کر حیران رہ گئی تھی۔

''میں یہاں ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا

اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ اس نے بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا۔ ''او مرتم نے مجھے ڈرا دیا۔''

''میں تو خود ڈر گیا تھا۔''

''میں نے ساری چیزوں کا انتظام کرلیا ہے۔''

وہ خالی ہاتھ آئی تھی۔ ''چیزیں کہاں ہیں؟''

''میں نے ایک جگہ رکھ دی ہیں ابھی یہاں نہیں لاسکتی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جب تم جاؤ گے تب دے دوں گی۔''

یہاں گھڑی نہیں تھی اور آسمان پر بھی ہمہ وقت بادل ہی رہا کرتے تھے میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ لوگ وقت کا حساب کس طرح کرتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات تھی کہ بنا سورج کی روشنی کے ان کے سارے کام ہو جاتے تھے۔ ان کی چیزیں خشک رہتی تھیں ان کی فصلیں پک جاتی تھیں اور ان کے ماحول میں کسی قسم کی بو بھی پیدا نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی سیلن کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے نہیں علم تھا کہ کیا وقت ہوا ہے میرا اندازہ تھا کہ شام قریب ہے۔ سامیرا اداس تھی اس نے ایک کپڑے کا تھیلا کھولا اور اس میں سے وہی تصویر نکال کر مجھے دی۔

''یہ تمہارے لیے ہے۔''

''تمہارا شکریہ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر اس نے وہی سیاہ رنگ کا پتھر دیا جس میں لہریں سی اٹھتی تھیں۔ ''یہ میری طرف سے ہے۔''

''تم اس تحفے کا کہہ رہی تھیں۔''

''ہاں اور تم نے جو مانگا ہے وہ میں بابا کے سامان سے نکال کر جاتے وقت تم کو دوں گی۔''

بولتے ہوئے بار بار اس کی آواز بھرا رہی تھی اور وہ خود پر قابو رکھے ہوئے تھے۔ مجھے خطرہ تھا کہ کسی وقت اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تو اس کے بعد آنے والا سیلاب مجھے بہالے جائے گا۔ اسی لیے میں اسے باتوں میں بہلا رہا تھا۔ حتیٰ کہ میرے اندازے کے مطابق رات ہوگئی تو میں نے سامیرا سے کہا۔ ''میرا خیال ہے اب مجھے جانا ہوگا میں صبح سے پہلے اس وادی سے نکل جانا چاہتا ہوں۔''

''نہیں ابھی لوگ اپنے کمروں سے باہر ہیں اور تم کسی کی نظر میں آسکتے ہو اس لیے کچھ دیر اور رک جاؤ۔''

مجھے لگا وہ کسی کی نظروں سے بچانے سے زیادہ مجھے اپنی نظروں میں رکھنے کے لیے روک رہی تھی۔ میں نے اس کی بات مان لی۔ مگر میرے اندر بے چینی سی ہو رہی تھی کوئی چیز مجھے اندر سے خبردار کر رہی تھی کہ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جاؤں اگر میں آج رات یہاں سے نہ نکل سکا تو شاید پھر کبھی نہ نکل سکوں۔ میں نے سامیرا سے پھر کہا تو وہ سر ہلاتی کھڑی ہوگئی۔

''تم کچھ دیر رکو میں ابھی دیکھ کر آتی ہوں مجھے سامان بھی سرنگ میں پہنچانا ہے۔''

''تم نے سرنگ کا راستہ کھول لیا ہے؟'' میں نے خوشی سے کہا۔

''ہاں یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے میں ابھی آئی۔''

اس کے جانے کے بعد میں نے تصویر اور پتھر کو احتیاط سے کپڑے کے تھیلے میں لپیٹ دیا تھا۔ سیاہ پتھر زیادہ وزنی نہیں تھا اس کا وزن مشکل سے دو ڈھائی کلوگرام تھا۔ مجھے اٹھانے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ سامیرا کوئی ایک گھنٹے بعد آئی تھی اس نے آتے ہی عجلت میں کہا۔ ''ادھر جلدی کرو ابھی کوئی پہریدار بھی نہیں ہے تم سرنگ تک آسانی سے جاسکتے ہو۔''

ہم اس کے کمرے سے نکلے تھے۔ اور مختلف راہ داریوں سے ہوتے ہوئے اس کمرے میں پہنچے جہاں کبھی ولیم ٹھہرا تھا اور واسی سرنگ سے فرار ہوا تھا۔ سامیرا نے سرنگ کا راستہ کھولا اور ہم اندر اتر گئے۔ میں نے سامیرا سے کہا۔ ''اب تم جاؤ یہاں سے میں خود چلا جاؤں گا۔''

''نہیں میں تمہارے ساتھ آخر تک جاؤں گی۔''

''سامیرا اگر تم اپنے کمرے سے غائب پائی گئیں تو ممکن ہے تمہاری تلاش میں کوئی اس طرف آجائے۔''

''کوئی نہیں آئے گا۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''رات کو کوئی میرے کمرے میں نہیں آسکتا۔''

سرنگ میں ایک خاصا وزنی قسم کا گرم لباس تھا یہ کسی جانور کی کھال کا بنا تھا اسی طرح کے جوتے اور سر پر پہننے والی اونی ٹوپی تھی۔ ہاتھوں کے دستانے تھے اس نے مکمل بندوبست کیا تھا اس کے ایک تھیلا تھا جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ اس نے تھیلے میں سے ایک چیز نکالی یہ سفید آٹے سے بنی لگ رہی تھی۔

''اسے شوگ کہتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔ ''میں نے بہت ساری رکھ دی ہیں اگر تم دس دن سے زیادہ سفر کرو گے تو پہلے دوسری چیزیں کھانا پھر اسے کھانا شروع کرنا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری چیزوں میں ابلے ہوئے انڈے، مکھن، پنیر، اور ثابت دانہ جیسی ایک چیز تھی۔ میں نے اس کو چکھ کر دیکھا اس کا ذائقہ اچھا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ میں احتیاط سے کام لوں تو یہ خوراک بیس دن چل سکتی تھی۔ اور میں اتنے دن میں آرام سے ہمالیہ کے پہاڑوں سے نیچے جا سکتا تھا۔ ہم جون کے مہینے میں آئے تھے اور مجھے یہاں آئے یہ دوسرا مہینہ تھا اس کا مطلب تھا کہ اگست جاری تھا یا ختم ہو چکا تھا۔ اور میرے پاس ابھی وقت تھا کہ میں موسم سخت ہونے سے پہلے یہاں سے نکل سکوں۔ میں نے سامان اٹھالیا اور ہم سرنگ کے دوسری طرف روانہ ہو گئے۔ یہ بہت طویل سرنگ تھی اور مجھے حیرت تھی کہ اسے راز داری سے کس طرح تیار کیا گیا تھا۔ اس کی تیاری میں یقیناً بے شمار افراد نے برسوں کام کیا ہوگا۔

ہم تیز قدموں سے جا رہے تھے سامیرا بہت دیر سے چپ تھی اس نے زبان کھولی۔ ''اومر کیا تم کو یہاں سے جاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے؟''

''ہاں..... مگر اس کے ساتھ تم سے بچھڑنے کا دکھ بھی ہے۔''

''تم مجھے یاد کرو گے۔'' اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

''سامیرا جس دن میں تم کو بھول گیا تو شاید شرم سے مر جاؤں گا۔''

''میں تم کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

''سامیرا بہتر ہے تم مجھے بھول جانا اور اپنی زندگی بسر کرنا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ تم میری خاطر اپنی زندگی نہ برباد کر لو۔''

وہ چپ رہی سرنگ میں ہمارے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔ نہ جانے کب دوسرا سرا آ گیا مجھے حیرت ہوئی ایسا لگا جیسے دوسرا سرا اچانک اور بہت جلد آ گیا ہے۔ میں نے سامان فرش پر رکھا اور سامیرا کی طرف گھوما۔

''سامیرا اب تم جاؤ۔''

وہ اچانک میرے سینے سے لگ گئی اور اس لمحے میرا شدت سے دل چاہا کہ یہاں سے جانے کا فیصلہ بدل دوں۔ یا اسے اپنے ساتھ لے جاؤں۔

اسی لمحے اس نے کہا۔ ''اومر..... تم مت جاؤ یا مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔''

میں دم بخود رہ گیا تھا ہم دونوں کے ذہن میں بیک وقت ایک ہی بات آئی تھی۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔

''سامیرا یہ ممکن نہیں ہے۔ ہم دو مختلف دنیاؤں کے باسی ہیں اور ہمارا ایک ہونا ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں ممکن نہیں ہے؟'' اس نے تڑپ کر پوچھا۔

''تم جانتی ہو۔'' میں نے نرمی سے اسے خود سے الگ کر دیا۔ ''سامیرا اب میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔''

اس نے اپنے آنسو صاف کیے۔ ''میں جذباتی ہو گئی تھی۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر جب تم واپس آؤ گے تو میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''میں واپس نہیں آؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں تم ضرور آؤ گے۔" اس نے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے۔"

میں نے دروازہ کھولا تو باہر سے سرد ہوا کا جھونکا آیا تھا۔ موسم بدل رہا تھا کیونکہ رات کو یہاں سردی اتنی زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ میں نے سامیرا کا ہاتھ تھام کر پہلی اور آخری بار اسے ہونٹوں سے لگایا اور پھر سامان اٹھا کر جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ عقب سے سامیرا نے پکارا۔ "اومر۔"

"راستہ بند کر لو اور لوٹ جاؤ۔" میں نے مڑے بغیر کہا۔ کچھ دیر بعد عقب سے پتھریلا راستہ بند ہونے کی آواز آئی تھی تو میں ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھ گیا تھا۔ مجھے وہ راستہ یاد تھا اور آج چاند بھی پورا تھا اس لیے مجھے امید تھی کہ میں بھٹکوں گا نہیں۔ میں تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ صبح ہونے سے پہلے میں اس وادی سے نکل جاؤں۔ ان بھول بھلیوں جیسی چٹانوں کے درمیان ایک خاص جگہ تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ ساری چٹانیں ایک جیسی تھیں۔

اچانک مجھے عقب میں ایسی آواز آئی جیسے گھوڑا چل رہا ہو اور مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو کوئی تیس گز کے فاصلے پر ایک ہارن کھڑا تھا۔ وہ کس وقت وہاں آیا تھا مجھے قطعی پتا نہیں چلا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا تھا یہ وہی ہارن تھا جس سے سامیرا نے مجھے بچایا تھا۔ نہ جانے یہ کیسے اس وقت یہاں چلا آیا تھا۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ اصل میں میری تاک میں ہی تھا۔ اور شاید اسے کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ میں یہاں موجود تھا۔ یہ سب میرے ذہن میں ایک لمحے میں آیا تھا اور اگلے ہی لمحے میں بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ مجھے بھاگتے دیکھ کر ہارن خوف ناک انداز میں غراتا میری طرف لپکا تھا۔ اس کی رفتار مجھ سے کہیں زیادہ تیز تھی مگر مجھے اس تنگ جگہ کے مقابلے میں یہ فائدہ تھا کہ میں چھوٹا اور پھرتیلا تھا جب کہ وہ جسیم اور حرکت کرنے کے معاملے میں سُست تھا۔ وہ سیدھ میں تو بہت تیز دوڑ سکتا تھا مگر مڑنے کے معاملے میں اتنا تیز نہیں تھا۔ میں بھاگ کر ایک چٹان کے عقب میں گھس گیا وہ گھوم کر آیا تو میں اتنی دیر میں ایک اور چٹان کے عقب میں جا چکا تھا۔

اب زندگی اور موت کا کھیل شروع ہوا تھا اور ہارن چٹانوں کے گرد بھاگ بھاگ کر مجھے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور میں اس سے بچنے کے لیے جسم و جان کی ساری توانائی استعمال کر رہا تھا۔ میں نے سامان اتار رکھا تھا اور میری کوشش تھی کہ یہ بھی میرے ہاتھ سے نہ جائے۔ ایک بار میں ایک چٹان سے نکلا تو میں نے غیر متوقع طور پر ہارن کو سامنے پایا اس نے چالاکی سے اندازہ کر لیا تھا کہ میں کہاں سے نکلوں گا اور وہ پہلے ہی وہاں موجود تھا میں تیزی میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا اور عین اس کے سامنے جا پہنچا۔

مجھے آج بھی حیرت ہوتی ہے کہ میں کیسے بچ گیا۔ میں رکنے کے بجائے سیدھا اس کی ٹانگوں کے درمیان میں گھس گیا تھا اور نکلتا چلا گیا اس نے بوکھلا کر اپنی ٹاپوں سے مجھے کچلنے کی کوشش کی مگر خدا نے مجھے محفوظ رکھا تھا اور میں اس کے عقب میں نکلنے میں کامیاب رہا اور جب تک وہ پلٹتا میں ایک پتلی سی دراڑ میں گھس گیا۔ اس جگہ میں کا گھسنا محال لگ رہا تھا پھر میں نے رکنے کے بجائے مزید اندر جانا مناسب سمجھا تھا۔ عقب سے اس کے چلانے اور اندر گھسنے کی کوشش کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور شاید وہ اپنی بے پناہ طاقت کے بل پر کامیاب بھی ہو رہا تھا۔ میں اس سے دور رہنے کے لیے اندر گھستا جا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں اس دراڑ میں ہوں جو اوپر جانے والے راستے کے عین سامنے تھی۔ میں خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ پہلے میں ڈر رہا تھا کہ یہ دراڑ کہیں اچانک بند نہ ہو جائے اور ہارن اس کے چوہے دان میں مجھے دبوچ لے۔ مگر اب میں اس سے بچ سکتا تھا۔ میں نے دراڑ کا آخری سرا تلاش کیا اور مجھے اوپر جانے والا سیڑھی نما راستہ نظر آ گیا تھا۔ اسی لمحے ہارن دراڑ کی دیواروں کو توڑتا ہوا نمودار ہوا تھا وہ مجھے مارنے کے لیے پاگل ہو رہا تھا۔ میں نے تیزی سے سیڑھی چڑھی اور ایک بار پھر بال بال بچا تھا ہارن کے ہاتھ مجھے چھو کر رہ گئے تھے۔ میں اتنی اوپر پہنچا جہاں میں ہارن کی گرفت سے دور تھا۔ میں نے نیچے جھانکا تو ہارن سیڑھی پر قدم جمانے کی کوشش کر رہا تھا مگر اپنے بھاری بھرکم وجود کی وجہ سے اسے دشواری ہو رہی تھی۔ مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ سیڑھی پر بھی نہ چڑھ جائے۔ اس لیے میں تیزی سے اوپر جانے لگا تھا۔

ابھی میں کچھ ہی اوپر گیا تھا کہ مجھے اوپر کی سمت سے لوگوں کے بات کرنے کی آوازیں آئیں۔ کچھ لوگ اوپر سے نیچے آ رہے تھے۔ میں دونوں طرف سے گھر گیا تھا۔ نیچے ہارن تھا اور اوپر سے سپاہی آ رہے تھے جو اوپر کی نگرانی کرتے تھے۔ شاید ان کی ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی اور ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو جانا تھا۔ میں تیزی سے واپس آیا کیونکہ راستے میں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ ایک جگہ مجھے چھوٹی سی دراڑ نظر آئی تھی مگر جب میں نے اس کا معائنہ کیا تو اس میں چھپنا مشکل دکھائی دیا تھا۔ یہ بہت چھوٹی تھی اور اس کے پاس سے گزرنے والے مجھے دیکھ سکتے تھے۔

مجھے ایک خیال آیا اور میں نے سامان اس دراڑ میں ڈال دیا اور اس کے بعد خود سیڑھی کے ایک طرف موجود خلا میں لٹک گیا تھا یہاں بعض پودوں کی جڑیں تھیں میں ان کے سہارے دیوار سے چپک گیا اور ساکت ہو گیا میرے عین نیچے ہارن تھا مگر اس نے بھی اوپر سے آنے والوں کی آوازیں سن لی تھیں۔ اور غرانا بند کر دیا تھا۔ آنے والوں کی تعداد نصف درجن کے آس پاس تھی اور وہ بے خبری میں ہنستے بولتے ہارن کے سامنے جانے والے تھے۔ مجھے ان پر ترس آنے لگا مجھے اندازہ تھا کہ ہارن ان کا کیا حال کر سکتا تھا وہ کسی صورت اس محدود سی جگہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ان پر ترس کھا کر میں ان کو خبردار کر بھی دیتا تو وہ مجھے کہاں بخشنے والے تھے اس لیے میں چپ رہا۔ وہ میرے اوپر سے گزر کر نیچے پہنچے اور جیسے ہی پہلے آدمی نے نیچے قدم رکھا ہارن نے اسے دبوچ لیا تھا۔ اس کی بھیانک چیخ سن کر میں پھرتی سے اوپر چڑھا۔ اپنا سامان اٹھایا اور ہر ممکن تیزی سے اوپر جانے لگا۔ اب نیچے ایک کے بجائے کئی افراد چیخ رہے تھے شاید اپنے ساتھی کو چھڑانے کی کوشش میں باقی بھی ہارن کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ یا وہ اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میرے پاس یہی مہلت تھی کہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔ خاصا اوپر آ کر میں نے نیچے جھانکا تو مجھے دھندلا سا نظر آیا تھا ہارن نے کم سے کم دو افراد کو مار دیا تھا اور باقی اس پر حملے کر رہے تھے۔ وہ سپاہی تھے اور لڑنا ان کی مجبوری تھی ورنہ اس جیسی بلا کے سامنے تو بھاگ جانا ہی بہترین حکمت عملی تھی۔

میں نے ایک بار پھر اوپر کا سفر شروع کیا۔ اب مجھے اطمینان تھا کہ اوپر کوئی نہیں ہوگا جو میرا راستہ روک سکے۔ کوئی ایک ہزار فٹ اوپر آنے کے بعد راستہ ایک سرنگ میں گھس گیا تھا اس کے دہانے پر دو عدد مشعلیں روشن تھیں میں نے ایک مشعل اتار لی اور اس کی روشنی میں سفر کرنے لگا تھا۔ یہ راستہ بہت طویل ثابت ہوا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب میں تھک جاتا تھا تو آرام کرنے کے لیے کہیں ٹک جاتا۔ اسی طرح آرام کرتے ہوئے میں نے کوئی نصف فاصلہ طے کر لیا تھا۔ اب برف شروع ہو گئی تھی اور مجھے سردی لگنے لگی تھی اس لیے میں نے گرم لباس پہن لیا۔

راستہ کئی جگہ چٹانوں کے اندر گیا تھا اور کئی جگہ مجھے کھلے میں سفر کرنا پڑا تھا کہیں ہموار ہو جاتا تھا اور کہیں بہت ہی ترچھا جس پر پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ ایک بار میں سرنگ میں سفر کر رہا تھا تو سرنگ ایک ہال میں جا نکلی اور وہاں متعدد مشعلیں روشن تھیں ایک کونے میں کچھ اس قسم کا سامان پڑا تھا جیسے وہاں کوئی رہتا ہو۔ مگر وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید یہ اوپر سے آنے والوں کے لیے سستانے کی جگہ تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہیں یہ برف والے کی رہائش تو نہیں تھی جس کے بارے میں سامیرا نے بتایا تھا کہ وہ برف میں رہتا تھا اور برف کھاتا تھا۔ مگر یہاں پایا جانے والا سامان عام لوگوں کا تھا۔ اور یہاں برف نہیں تھی۔

میں اس سرنگ سے نکلا تو اس بار بہت سخت چڑھائی آئی تھی۔ نہ جانے یہ راستہ بھی کس طرح قائم رہ گیا تھا بالعموم پہاڑوں میں اس قسم راستے زیادہ دن برقرار نہیں رہتے ہیں۔ یہاں برف بھی زیادہ تھی اور موسم شدید سرد ہو رہا تھا یہاں گرم لباس کے بغیر گزارا ممکن نہیں تھا۔ ابھی تک صبح کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے مگر میرا اندازہ تھا کہ صبح ہونے والی تھی۔ اور میں شاید وادی کی دیواروں کے اوپری حصے میں تھا۔ جب نیچے سے دھند چڑھنا شروع ہوئی تو میں سمجھ گیا کہ صبح ہونے والی ہے اس وقت تک تھکن سے میرا برا حال تھا اور شدید قسم کی بھوک بھی لگ رہی تھی مگر میں نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک اوپر نہیں پہنچ جاؤں گا کچھ کھاؤں گا نہیں۔

یونہی چڑھتے ہوئے ایک جگہ غار آیا تھا اس جگہ راستہ ذرا کشادہ تھا اور غار کا دہانہ بھی اتنا بڑا تھا کہ اس میں آرام سے آدمی جا سکے۔ خاص بات یہ تھی کہ اندر روشنی تھی۔ میں یک دم محتاط ہو گیا ممکن ہے یہ بھی پہرے داروں والی جگہ ہو اور اندر کوئی موجود ہو۔ میں نے کونے سے اندر جھانکا تو پہلے تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا مگر چند لمحے بعد میری آنکھیں اندر دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں اور مجھے ایک دبلا سا آدمی نظر آیا جو دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا اس کے علاوہ اندر کوئی نہیں تھا مجھے اس سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا اس لیے میں بے دھڑک غار میں داخل ہو گیا۔ بوڑھا بہت زیادہ عمر کا تھا اس کی بھنویں تک سفید پڑ چکی تھیں اور عریاں سینے پر تمام پسلیاں گنی جا سکتی تھیں۔ اس نے صرف ایک پاجامہ نما کوئی چیز پہن رکھی تھی پہلے تو مجھے لگا وہ ایک لاش ہے مگر قریب جانے پر اس کے سینے کی خفیف سی حرکت محسوس ہوئی تھی۔ وہ زندہ تھا اور شاید سو رہا تھا۔ میں نے اسے چھیڑے بغیر غار کا معائنہ کیا۔ وہاں کچھ نہیں تھا بالکل خالی اور اجاڑ سا غار تھا۔ البتہ بوڑھا ایک کھال پر بیٹھا تھا جو گھس کر بہت پتلی رہ گئی تھی اور ایک طرف دیوار سے لگی مشعل روشن تھی۔ میں نے حیرت سے بوڑھے کو دیکھا جو اتنی شدید سردی میں بھی صرف ایک معمولی سے پاجامے میں تھا اور مجھے گرم لباس میں بھی سردی لگ رہی تھی۔

میں نے بوڑھے کو شانے سے ہلانے کے لیے پکڑنا چاہا تو مجھے لگا کہ میرا ہاتھ کسی شے نے جکڑ لیا ہو اور میرا شانہ نہیں پکڑ سکا تھا۔ میں نے ہاتھ پیچھے کرنا چاہا تو وہ ہو گیا تھا مگر جب میں نے دوبارہ ہاتھ آگے کیا تو اسی طرح گرفت میں آ گیا تھا۔ میں کسی قدر خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اچانک بوڑھے نے آنکھیں کھول دیں اور اس کی آنکھیں حیرت انگیز طور پر روشن تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آنکھوں کے عقب میں بلب روشن ہوں۔ میں ڈر کر پیچھے ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون کون ہو تم؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے جواب نہیں دیا بس مجھے گھورتا رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ برف والا تو نہیں تھا۔ اس شخصیت میں برف والا کی تمام خصوصیات تھیں۔ وہ کسی لباس کے بغیر تھا اس کے پاس کھانے کا کوئی سامان نہیں آ رہا تھا اور وہ بہت بوڑھا تھا۔ اورگان نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بہت لمبی عمر پاتا ہے جب مرنے والا ہوتا ہے تو نیچے وادی سے کوئی نوجوان چن کر لے جاتا ہے اور اسے اپنے سارے علوم سکھا جاتا ہے۔ میں یہ سوچ رہا تھا تو اس نے سر ہلا کر میری تائید کی۔

''تم نے ٹھیک جانا میں برف والا ہوں۔''

''اچھا تم مجھے جانتے ہو؟'' میں نے احمقانہ انداز میں پوچھا در حقیقت میں اس وقت بوکھلایا ہوا تھا۔

''ہاں میں تم کو جانتا ہوں۔''

''کیا جانتے ہو؟''

''یہی کہ تم باہر سے آئے ہو تم پہلے بھی ایک بار آ چکے ہو مگر اس وقت تم نے وادی کی زمین کو نہیں چھوا اور تم ایک بار پھر یہاں آؤ گے۔''

''تم نے سامیرا کو خواب میں کہا تھا کہ میں اس سے جو مانگوں وہ دے دے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں مگر یہ تمہارے لیے نہیں ہے یہ کسی اور کے لیے ہے تمہارے مقدر میں بس ایک اور یہاں آنا ہے۔''

''میرا پھر یہاں آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''ارادوں سے کچھ نہیں ہوتا۔'' اس کا لہجہ دھیما ہو گیا تھا۔ ''ہوتا وہی ہے جو اوپر والا چاہتا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے تمہارا دیوتا سینتور؟''

''تم اسے جو چاہو کہہ لو مگر وہ ایک ہی ہے۔'' اس نے ایک سرمستی کے عالم میں کہا۔ ''یہ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔''

''تم یہاں سے چلے جاؤ گے لیکن میرا ایک کام کرو گے۔'' اس کا انداز سوالیہ نہیں بلکہ تحکمانہ تھا۔

''کیسا کام؟''

اس نے ہاتھ آگے کیا تو اس کی ہتھیلی پر ایک سرخ رنگ کا ہیرا رکھا تھا وہ ہیرا ہی تھا اور مشعل کی ہلکی میں بھی خوب جگ مگا رہا تھا۔ ''یہ اس شخص کو دینا ہے جس کی دائیں آنکھ میں تل ہے۔''

''ولیم شا'' میں ششدر رہ گیا تھا۔ اسی کی دائیں آنکھ میں تل تھا۔

''مجھے نام نہیں معلوم۔'' بوڑھے کا لہجہ گونج دار ہو گیا تھا۔ ''جب تم برف سے نکلو گے تو اس سے ملو گے وقت اسے یہ دے دینا۔''

''میں دے دوں گا۔'' میں نے کہا اور اس کی ہتھیلی سے کبوتر کے انڈے کے سائز کا یہ ہیرا اٹھا لیا۔ معلوم تھا یہ بہت قیمتی تھا ممکن ہے لعل بدخشانی سے بھی زیادہ قیمتی ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جس شخص

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وادی کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اسے برف والا اتنا قیمتی ہیرا کیوں دے رہا تھا۔ مگر اس وقت میں اس سے سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے جو حکم دیا تھا وہ میں لازماً پورا کروں گا۔ مجھے اس وقت خیال ہی نہیں آیا تھا کہ یہ ہیرا میں ولیم شا کو دینے کے بجائے خود بھی رکھ سکتا تھا۔ اور نہ ہی مجھے بعد میں یہ خیال آیا تھا۔ میں نے ہیرا لے کر اپنے پاس سامان میں رکھ لیا تھا۔

''تم نے سامیرا سے یہ کیوں کہا تھا کہ میں اس سے اور بھی کچھ مانگوں گا اور وہ مجھے دے دے۔''

''تم نے اس سے سیاہ پتھر مانگا ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔''

''پھر کس کے لیے ہے؟''

''یہ ہاتھ والے کے لیے ہے۔''

''ہاتھ والا کون؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی تم اسے نہیں جانتے۔ وہ تمہارے پاس آئے گا وہ نصیب یاور ہے۔ اس کا مقدر اس وادی کو بچائے گا۔ وہ یہاں آئے گا۔'' بوڑھا یوں اوپر آنکھیں کیے بول رہا تھا جیسے تقدیر کا لکھا پڑھ رہا ہو۔ ''میں اس کا انتظار کروں گا۔''

میں حیران تھا کہ وہ کس ہاتھ والے کا ذکر کر رہا تھا۔ پھر مجھے سامیرا کی بات یاد آئی۔ میں نے بوڑھے سے پوچھا۔ ''کیا میں پھر اس وادی میں آؤں گا؟''

''ہاں یہ تمہارا مقدر ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تمہیں ایک کام اور کرنا ہوگا۔ ایک آدمی کو اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔''

''کسے؟'' میں نے تعجب سے کہا۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کا استخوانی جسم بالکل سیدھا اور مضبوط لگ رہا تھا۔ وہ مجھے لے کر باہر آیا۔ پھر اس نے نہ جانے کیا کہ ایک طرف سے چٹان کی دیوار سرک گئی اور اندر جانے کے لیے راستہ بن گیا۔ اس کے اشارے پر میں اندر داخل ہوا۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا اور وہاں بہت ساری چیزیں تھیں دیکھنے میں وہ جگہ کوئی سائنسی تجربہ گاہ لگ رہی تھی۔ بوڑھا مجھے ایک طرف لے گیا۔ اور اس نے ایک بستر پر سوئے شخص کو جگایا۔ وہ اٹھا تو میں نے دیکھا وہ سانولے رنگ کا سولہ سترہ سال کا لڑکا تھا۔ وہ اس وادی کا نہیں تھا بلکہ باہر سے آیا تھا۔ یہ میرے لیے حیرت انگیز انکشاف تھا کہ ہم سے پہلے بھی باہر کا کوئی انسان یہاں آچکا تھا۔

''یہ کون ہے؟''

''اس کا نام ویاس ہے۔ اسے برفانی آدمی کی مادہ اٹھا لائی تھی۔'' بوڑھے نے وضاحت کی۔ ''تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔''

ویاس بالکل تیار تھا اس نے گرم جوتے تک پہن رکھے تھے اور ایسا لگ رہا تھا برف والے نے اسے پہلے سے سفر کے لیے تیار کر لیا تھا۔ حد یہ کہ اس کا سفری سامان بھی موجود تھا۔ جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے ساتھ باہر آیا۔ اس نے بوڑھے کے ہاتھ چومے۔ اور اس نے کہا

''اب تم جاؤ۔ پھر ملاقات ہوگی۔''

میں حیران تھا۔ برف والے نے میرے دوبارہ یہاں آنے کی بات کی تھی مگر اس کے نزدیک اصل اہمیت کسی ہاتھ والے کی تھی جو ان کی وادی کو بچاتا۔ جب کہ میرا یہاں دوبارہ آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہی بات مجھ سے سامیرا نے کہی تھی۔ اور اب برف والا بھی یہی کہہ رہا تھا۔ کیا واقعی میرے مقدر میں اس جگہ واپس آنا لکھا تھا۔ میں سوچتا ہوا ویاس نامی لڑکے کے ساتھ باہر آیا۔ وہ بالکل گم صم تھا اور جب برف والے نے اسے میرے ساتھ جانے کے لیے کہا تو وہ یوں اٹھ کر چل پڑا جیسے اس کا معمول ہو۔ میں نے باہر آ کر برف والے سے پوچھا۔

''یہ تمہارے پاس کیسے پہنچا؟''

''تم اس چکر میں مت پڑو، اوپر والے کو اس کی زندگی منظور تھی۔ اس لیے یہ بچ گیا۔'' اس نے کہا۔ ''یاد رکھنا یہ ہیرا اس شخص کو دے دینا، اگر تم نے اسے نہیں دیا تو یہ تمہارے لیے مصیبت بن جائے گا اب جاؤ۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے غار کی طرف مڑ گیا تھا۔ ہمارے باہر آتے ہی ہال کا راستہ بند ہو گیا تھا۔ میں نے ویاس کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔ ''تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟''

اس نے جواب شمالی ہندوستان میں بولی جانے والی کسی زبان میں دیا تھا وہ اردو یا ہندی سے ملتی جلتی لگتا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ سمجھا تو اس نے مجھے کسی نامانوس جگہ کا نام بتایا تھا۔ وہ نام میں بھول گیا ہوں۔ اگرچہ برف والے نے مجھے تجسس میں ڈال دیا تھا اور میں اس سے مزید پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر میرے ذہن سے خطرے کا احساس ٹلا نہیں تھا اور کوئی مجھے اندر سے اکسا رہا تھا کہ مجھے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے ویاس سے کہا۔

اب ہم وادی کے اوپری حصے کے بہت نزدیک تھے۔ ہم اوپر چڑھتے رہے اور نہ جانے کس وقت وادی سے باہر جانے والی جگہ پہنچ گئے تھے۔ یہ ایک تنگ سی دراڑ تھی جیسی میں نے اس جگہ دیکھی تھی جہاں سے میں وادی میں گرا تھا۔ پھر کنارے جھلکنے لگے تھے۔ اوپر سورج کی تیز روشنی پھیل رہی تھی مگر نیچے وادی میں گہری دھند تھی اور یہ دھند اوپر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دراڑ زیادہ طویل نہیں تھی اور کوئی چند سو گز کے بعد اوپری چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ہمالیہ سے واپس آنے کے بعد میں نے اس بارے میں جستجو کی کہ زمین میں اتنا گہرا گڑھا کس طرح وجود میں آتا ہے۔ مجھے پتا چلا کہ دنیا میں اور بھی مقامات پر اس قسم کے گڑھے ہیں جو خلا سے آنے والے سیارچوں کے زمین سے ٹکرانے سے وجود میں آتے ہیں۔ ممکن ہے اس مقام پر بھی کوئی ایسا ہی سیارچہ آ کر گرا ہو اور اس کی وجہ سے یہاں یہ بہت گہری اور بڑی وادی وجود میں آ گئی۔ کیونکہ یہاں انتہا درجے کی سردی تھی اور بارش نہیں ہوتی تھی اس لیے وادی کی دیواریں ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہی تھیں۔ اس کے چاروں طرف موجود اونچے پہاڑوں نے اسے سہارا دے رکھا تھا اور یہ ہمالیہ کے قدرتی حصار میں باقی دنیا سے الگ تھلگ اور محفوظ تھی۔

☆======☆======☆

وادی سے باہر آنے کے بعد ہم نے اس کے کنارے چلنا شروع کیا میں اس جگہ تک جانا چاہتا تھا جہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے کیمپ لگایا تھا اور جہاں سے برفانی آدمی نے مجھے نیچے پھینکا تھا۔ وہیں سے میں واپسی کے سفر کا آغاز کرتا کیونکہ راستے کی نشانیاں مجھے اسی مقام سے یاد تھیں اگر میں اس جگہ سے سفر کرنے کی کوشش کرتا تو ممکن ہے بھٹک جاتا۔ اوپر آتے ہوئے مجھے تھکن کا اتنا احساس نہیں تھا مگر اب دل چاہ رہا تھا کہ کہیں پڑ کر سو جاؤں۔ مگر دن میں سفر کر کے میں اپنی منزل کے قریب ہو سکتا تھا اس لیے میں نے دل پر جبر کر کے چلتے رہنے کو ترجیح دی۔ ویاس ویسے ہی تازہ دم تھا اس لیے اس کے لیے چلنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ویسے میرا اندازہ تھا کہ ہم شام تک ہی اس جگہ پہنچ سکتے تھے جہاں ہم نے کیمپ لگایا تھا۔ وادی کا قطر اوپر سے کوئی تیس میل تھا۔ ہم اس کے شمالی حصے میں نکلے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ہمیں دن میں کوئی چالیس میل کا سفر طے کرنا تھا۔ شکر ہے کہ وادی کے چاروں طرف زمین ہموار تھی اور کوئی اونچی پہاڑی یا ڈھلان نہیں تھی۔ اس لیے ہمیں چلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔

دھوپ نکل آئی تھی اور وادی کے سوا ہر طرف اس کا چمکیلا غبار پھیلا ہوا تھا۔ کسی مقام پر وادی میں جھانکنے کا موقع ملتا تھا تو اندر سوائے گہری دھند کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ قدرت نے اس طرح وادی کو کیموفلاج کر دیا تھا کہ وہ اوپر سے بھی نظر نہیں آتی تھی۔ آج سیٹلائیٹس کا دور ہے مگر یہ وادی ان سے بھی نظر نہیں آتی ہے کیونکہ دن میں دھند کی وجہ سے یہ اوپر سے ہمالیہ کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہے اور کسی کو شبہ بھی نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی بہت بڑی اور گہری وادی ہے۔

دوپہر کے قریب ہم نے ایک جگہ رک کر کچھ دیر ستانے کے ساتھ تھوڑا پنیر اور مکھن کھایا۔ اس کے بعد میں دل پر جبر کرتے ہوئے پھر سے چلنے لگا تھا میرے پاؤں وزنی ہو رہے تھے اور شانے پر لدا سامان بوجھ لگ رہا تھا۔ ایک بار مجھے خیال آیا کہ میں کم سے کم تیر کمان اتار کر پھینک دوں۔ لاٹھی سے میں سہارے کا کام لے رہا تھا۔ مگر پھر میں نے ارادہ ترک کر دیا۔ نہ جانے راستے میں اور کس بلا سے واسطہ پڑے اور میرا مسلح ہونا ضروری تھا۔ مجھے خاص طور سے برفانی آدمی سے خطرہ تھا کیونکہ جہاں ایک برفانی آدمی تھا وہاں دوسرے کی موجودگی بھی عین ممکن تھی۔ اس کے موقع پر ویاس کام آیا تھا اس نے بھانپ لیا تھا کہ میں تھک گیا ہوں اس لیے اس نے مجھ سے تیر کمان لے لیا تھا۔

شام تک سفر کرنے کے بعد بھی وہ مقام نہیں آیا تھا جہاں ہم نے کیمپ لگایا تھا وہ جگہ مجھے اچھی طرح یاد تھی اور اب تک اس کو آ جانا چاہیے تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں نے غلط اندازہ لگایا تھا اور میں وادی کے جنوب مغربی کونے میں نکلا تھا اور میں نے غلط سمت اختیار کی تھی۔ اس وجہ سے ہمیں لمبا چکر پڑ گیا تھا۔ جب سورج کی روشنی ڈھل گئی۔ تب میں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے جو لباس پہنا تھا اس میں سردی سے محفوظ تھا۔ مگر اس کے باوجود جب چلتے ہوئے رکا اور سونے کی کوشش کی تو سردی مزاج پوچھنے لگی تھی۔ ویاس کی کوئی مرضی نہیں تھی اس نے خود کو میرے حوالے کر دیا تھا۔ اس لیے جیسا میں کہتا تھا وہ ویسا ہی کرتا تھا۔ ہم سکڑ سمٹ کر خاصی دیر تک ٹھٹھرتے رہے تھے تب کہیں جا کر نیند آئی تھی۔

میں ایسا بے حال سویا تھا کہ صبح جب سورج کی روشنی براہِ راست میرے چہرے پر آئی تھی تب میری آنکھ کھلی تھی۔ رات کی سردی میں جسم اکڑ گیا تھا۔ بمشکل میں نے جسم کھولا۔ ویاس جاگ گیا تھا اور ایک طرف بیٹھا تھا۔ میں نے اٹھ کر سامان سے روٹی نما شوگ نکالی اور ہم دونوں نے یہی کھائی تھی۔ پانی کے لیے ہر طرف برف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی جب پیاس لگتی تو تھوڑی سی برف منہ میں ڈال کر چوس لیتا تھا ویسے یہاں اتنی پیاس نہیں لگتی کیونکہ موسم سرد تھا البتہ جب دھوپ تیز ہوتی تو حلق جلدی جلدی خشک ہو جاتا تھا۔ ناشتہ کر کے ہم پھر وادی کے کنارے سفر کرنے لگے تھا۔ کہیں دوپہر کو جا کر مجھے وہ جگہ ملی جہاں ہم نے کیمپ لگایا تھا۔

اس جگہ ابھی تک اس تباہی کے آثار تھے جو برفانی آدمی نے پھیلائی تھی۔ جا بہ جا ٹوٹی ہوئی چیزیں پڑی تھیں مجھے یاد تھا کہ ایک جگہ مٹی کے تیل کی ایک بوتل بچی تھی اسے ولیم شانے سنبھال کر رکھ لیا تھا اور ایک پستول بھی تھا۔ مجھے ان دونوں چیزوں کی تلاش تھی۔ مٹی کے تیل کی بوتل مجھے ایک جگہ مل گئی تھی مگر پستول غائب تھا جب میں برفانی آدمی سے لڑ رہا تھا تو وہ کہیں چٹانوں میں گم گیا تھا میں نیچے بھی اترا تھا جہاں تک ممکن ہوا میں نے پستول دیکھا۔ مگر وہ نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ تباہ شدہ اشیا سے میں نے ایسی چیزیں سمیٹ لیں جن کو آگ دکھائی جا سکتی تھی اور ان سے ہمیں کچھ حرارت مل جاتی۔ روانہ ہونے سے پہلے ہم نے تھوڑا سا شوگ کھایا۔ یہ بھرپور توانائی والی غذا تھی۔

اس سارے دن سفر کے دوران میں ایک خاص چوٹی کو مدِنظر رکھ کر سفر کرتا رہا تھا۔ یہ ہماری راہ میں آنے والی سب سے بلند چوٹی تھی اور اسے بڑی مشکل سے سر کیا تھا۔ ہمیں اس تک جانے میں دو دن لگ جاتے۔ جب رات ہوئی تو ہم ایک وسیع و عریض ڈھلان پر تھا یہاں رات گزارنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی اس لیے ہم ایک جگہ برف کھود کر اس میں لیٹ گیا تھا۔ اس رات میں نسبتاً سکون سے سویا تھا۔ اور صبح اٹھا تو تازہ دم تھا۔ کھانے کے بعد ہم روانہ ہوئے تو سفر خاصا تیز تھا۔ دن بھر میں کوئی بیس میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ جب رات ہوئی تو ہم چوٹی سے اتنے ہی فاصلے پر تھے۔ اگر ہم اگلے روز اس کے دامن تک پہنچ جاتے تو اگلے دن اسے سر کر سکتے تھے۔ اس کے بعد کا سفر آسان تھا۔ ایک وسیع برف زار میں سفر کرنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ آدمی پہاڑوں اور ویرانی کی دہشت سے ادھ موا ہو جاتا ہے اور اس کا ذہن قابو سے باہر ہونے لگتا ہے۔ کبھی کبھی سفر کے دوران ایسا بھی ہوتا کہ مجھے لگتا جیسے میں حواس کھو دوں گا۔ مگر میں خود پر قابو رکھتا تھا کیونکہ اس جگہ ہوش کھونے کا مطلب زندگی کھونا تھا۔

اُس روز سفر کر کے حسب توقع چوٹی کے دامن تک پہنچ گئے تھے اور اب اس سفر کا سب سے خطرناک مرحلہ شروع ہوا تھا۔ جب میں ولیم اور ایلن کے ساتھ یہاں آیا تھا تو ہمارے پاس تمام سامان اور ضروری چیزیں تھیں جن کی مدد سے اس چوٹی کو عبور کیا جا سکتا تھا مگر اب ہمارے پاس سوائے خالی ہاتھوں اور پیروں کے کچھ نہیں تھا اور ہمیں ان کی مدد سے اس بائیس ہزار فٹ بلند چوٹی کو عبور کرنا تھا۔ ویاس کا مجھے نہیں معلوم تھا مگر میرے لیے اس چوٹی کو سر کرنا ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے سے کم نہیں تھا۔ یہ رات ہم نے ایک برفانی کھوہ میں بسر کی اور سردی سے بچنے کے لیے آگ جلانی پڑی تھی۔ تھرمامیٹر تو نہیں تھا مگر رگوں میں جمتا خون بتا رہا تھا کہ باہر درجہ حرارت صفر سے خاصا نیچے ہے۔ یہ رات میں نے بہت بے چینی سے بسر کی مجھے سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی ویاس کا حال بھی مجھ سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ ہم کم سے کم بھی بیس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور اتنی بلندی پر ہوا بہت ہلکی رہ جاتی ہے سمجھ لیں کہ سطح سمندر کے مقابلے میں صرف تہائی حصہ رہ جاتی ہے اور اس میں سانس لینا پھیپھڑوں کے لیے آسان نہیں ہوتا ہے۔ دمے کا مریض اس میں سانس لے ہی نہیں سکتا۔ صبح میرے سر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شدید درد ہو رہا تھا اور میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا روشنی ہونے پر ہم اپنی کھوہ سے نکلے اور ناشتہ کر کے چلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ برف پر ایک نشان دیکھ کر میرا خون پھر سے رگوں میں جمنے لگا تھا۔

یہ کسی بہت بڑے انسانی پاؤں کا نشان تھا۔ یہ برفانی آدمی کے پاؤں کا نشان تھا۔ اور میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ یہ نشان اس کھوہ سے کچھ ہی دور تھا میں نے پاس جا کر دیکھا تو یہ نشان اس سمت سے آیا تھا۔ جس طرف سے ہم آئے تھے اور پہاڑ کی طرف جا رہا تھا۔ رات کسی وقت ہلکی برف باری ہوئی تھی اس کی وجہ سے باقی نشان مٹ گئے تھے۔ صرف یہ نشان تھا کیونکہ یہ ایک نسبتاً گہرے گڑھے میں تھا۔ اس لیے محفوظ رہا۔ اب سوال یہ تھا کہ برفانی آدمی کہاں سے آ رہا تھا اور کہاں جا رہا تھا۔ پھر ہم اس سے کس طرح محفوظ رہے تھے؟ شاید اسے وہ کھوہ نظر نہیں آئی تھی جس میں ہم نے رات گزاری تھی۔ ویاس نے بھی نشان دیکھ لیا تھا اور وہ مارے خوف کے کانپنے لگا تھا۔ وہ بھی برفانی آدمی کا سامنا کر چکا تھا اور میری طرح خوش قسمت نکلا تھا کہ اس کے باوجود بچ گیا تھا۔ برف والے کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اسے برفانی آدمی کی مادہ اٹھا لائی تھی۔ برفانی آدمی کی مادہ کو انسان سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

میں نے تشویش سے چوٹی کی طرف دیکھا۔ میرے ذہن میں ایک خدشہ اور بھی تھا کہ یہ وہی برفانی آدمی تو نہیں تھا جس نے ہمارا پیچھا کیا تھا اور ہمیں مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی میری طرح اوپر سے گرنے سے مر گیا تھا یا اس کی لاش ابھی تک کہیں چٹانوں میں اٹکی ہوئی تھی۔ میں نے دوبارہ اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا کہ اس سے پھر سامنا ہو سکتا ہے۔

اگر یہ برفانی آدمی دوسرا تھا تب بھی یہ اچھی صورتِ حال نہیں تھی کیونکہ میں اس مخلوق کی درندگی دیکھ چکا تھا اور برف پر پاؤں کا نشان بتا رہا تھا کہ وہ بہت بڑا درندہ تھا۔ کم سے کم اس برفانی آدمی کے برابر ضرور تھا جس نے ہمارا پیچھا لے لیا تھا۔ میں اوپر جاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا کہ کہیں اس سے سامنا نہ ہو جائے مگر جانا بھی لازمی تھا۔ ہم یہاں بیٹھے بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے اللہ کا نام لیا اور ویاس کے ساتھ اوپر چڑھنے لگا۔ موسم سرد ہونے سے برف سخت ہو رہی تھی۔ اس پر چڑھنا آسان تھا۔ میرے پاس لاٹھی تھی اس کی مدد سے میں برف تلے آنے والے گڑھوں سے بچ رہا تھا اور کئی جگہوں پر چھپے گڑھے لاٹھی کی مدد سے سامنے آ گئے ویاس میرے بالکل پیچھے تھا۔ بلند ہوتے پہاڑوں میں اس قسم کے چھپے گڑھے اکثر پائے جاتے ہیں اور بے خبری میں کوہ پیما اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جیسے جیسے چوٹی پاس آ رہی تھی چڑھائی دشوار ہوتی جا رہی تھی۔ میری کوشش تھی کہ جلد از جلد چوٹی تک پہنچ جاؤں تاکہ رات سے پہلے دوسری طرف اتر سکوں۔ میں چوٹی سے جتنا نیچے جا کر قیام کرتا ہمیں اتنی ہی کم سردی کا سامنا کرنا پڑتا۔ چوٹی کے پاس درجہ حرارت بہت کم تھا مگر مسلسل حرکت میں رہنے کی وجہ سے جسم گرم تھا۔ دوپہر کے ذرا بعد ہم چوٹی تک پہنچنے میں کامیاب رہے۔ ویاس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ کمزور جثے کا مالک ہے اور میرا ساتھ نہیں دے سکے گا مگر اس کوہ پیمائی میں وہ کسی وقت بھی مجھ سے پیچھے نہیں رہا تھا۔ وہ بھی شاید کوہ پیمائی کے فن سے واقف تھا۔ چوٹی پر ایلین کا لگایا پرچم ابھی تک موجود تھا۔ ولیم نے اسے شاید خان کا نام دیا تھا جو ہمارے ناموں کے آخری حصوں کو ملانے سے بنا تھا۔ کچھ دیر ستانے اور سانس درست کرنے کے بعد ہم دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف اترنے لگے۔

برفانی پہاڑوں پر چڑھنا جتنا دشوار ہوتا ہے اترنا بھی اتنا ہی دشوار ہوتا ہے کیونکہ راستہ کبھی سیدھا نہیں ہوتا ہے اور اکثر چڑھنے اترنے کا عمل ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔ اس کے باوجود ہم بنا کسی رسے اور دوسری چیزوں کی مدد کے اس چوٹی سے اترنے میں کامیاب رہے۔ شام سے پہلے ہم دامن میں تھے۔ جس کے بعد ایک طویل ڈھلان تھی اس کی نرم برف پر سفر سب سے دشوار ثابت ہوا تھا۔ مگر اس بار یہ میدان بھی سخت تھا اور برف پر سفر کرنا آسان تھا۔ میں نے خدا کی اس مہربانی پر شکریہ ادا کیا، ہم جس رفتار سے آئے تھے۔ اس سے زیادہ تیزی سے واپسی کا سفر کر رہے تھے۔ اس تیز رفتاری کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مجھ پر بوجھ کم تھا اور مجھے یہاں سے نکلنے کی جلدی بھی تھی۔ میں برفانی آدمی کے خطرے سے بھی پوری طرح چوکنا تھا۔ مگر مجھے اس جگہ کہیں اس کا نشان نہیں ملا تھا۔ شاید وہ چوٹی سے ہو کر کسی اور طرف نکل گیا تھا۔ جب دامن تک پہنچنے کے بعد بھی مجھے اس کے آثار نہیں ملے تھے تو میں ذہنی طور پر مطمئن ہو گیا تھا۔

شام ہم نے ایک چھوٹے سے ٹیلے کے دامن میں پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سردی نسبتاً زیادہ تھی کیونکہ شمال سے سرد ہوا بہہ رہی تھی۔ اس سے بچنے کے لیے یہی ایک جگہ ملی تھی۔ برف کو مزید کھود کر اس ہوا سے بچاؤ کا بندوبست کر کے ہم نے تاریکی ہونے سے پہلے کھانا کھایا اور سونے کے لیے لیٹ گئے۔ دن ابھی بڑا تھا اور رات دس گھنٹے سے کم کی ہوتی تھی۔ اس لیے ہمیں چوبیس گھنٹے میں سے آرام کے لیے صرف آٹھ نو گھنٹے مل رہے تھے۔ عام حالات میں اتنی دیر کا آرام کافی ہوتا ہے مگر ہم سارا دن مستقل سفر کرتے تھے اور اس دوران میں دشوار گزار راستوں سے گزرتے تھے۔ پھر قیامت کی سردی تھی۔ رات مجھے سونے سے پہلے ایک دو گھنٹے ٹھٹھرنا پڑتا تھا تب کہیں جا کر نیند آتی تھی۔

اس رات بھی مجھے دیر سے نیند آئی کھوہ بنانے کے باوجود یخ بستہ ہوا رگ و پے میں گھسی جا رہی تھی۔ میرے پاس مٹی کا تیل تھا مگر کوئی ایسی چیز نہیں رہی تھی جس کو میں جلا کر حرارت حاصل کر سکتا۔ جب نیند آئی تب بھی میں بار بار چونکتا رہا تھا کبھی کبھی مجھے لگتا تھا کہ آس پاس کوئی ہے اور میں برفانی آدمی کا سوچ کر گھبرا جاتا تھا۔ رات کسی وقت برف باری بھی ہو گئی تھی اس وقت ہوا کی آفت سے ذرا دیر کے لیے نجات ملی تھی لیکن جیسے ہی برف باری رکی ہوا دوبارہ چلنے لگی تھی۔ ویاس مجھ سے جڑ کر لیٹا ہوا تھا اور ہم ایک دوسرے کے جسموں سے حرارت کشید کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسے ناکام کوشش کہا جا سکتا تھا کیونکہ حرارت ہم میں سے کسی کے پاس نہیں تھی۔

صبح میں بیدار ہوا تو جسم شل تھا اور میں بڑی مشکل سے کھوہ سے نکلا تھا کچھ یہی حالت ویاس کی تھی۔ شوگر کھا کر ہمارے حواس بحال ہوئے تھے اور ہم سفر کرنے کے قابل ہوئے تھے۔ دھوپ نکلی تو اس کی حرارت سے حالت مزید بہتر ہوئی تھی۔ مگر چلنے کے چند گھنٹے بعد میرا سر چکرانے لگا تھا شاید مجھے رات چلنے والی ہوا لگ گئی تھی اور اس کے اثر سے میرے رگ و پٹھے جام ہو رہے تھے۔ جب میری حالت زیادہ ہی خراب ہونے لگی تو میں ایک جگہ رک گیا ویاس پریشان تھا کیونکہ اس ویران جگہ میں ہی اس کا رہنما اور سہارا تھا۔ یہاں دونوں طرف پہاڑ تھے اور درمیان میں تنگ سا راستہ تھا جس پر ہم سفر کر رہے تھے۔ یہ جگہ بہت خطرناک تھی کیونکہ کسی وقت بھی لینہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملائیڈنگ ہوتی اور ہم تنوں برف تلے دفن ہو کر رہ جاتے۔

میں ایک طرف برف کے چھجے تلے لیٹ گیا تھا۔ اور ذرا دیر بعد مجھے اپنا ہوش نہیں رہا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر اسی کیفیت میں گزر گئی تھی کہ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی مجھے چھیڑ رہا ہے اس کے سخت ہاتھ مجھے الٹ پلٹ رہے تھے۔ میں نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی تو وہ زبردست انداز میں غرایا تھا اور مجھے ہوش آ گیا۔ میرے عین سامنے ایک برفانی آدمی تھا اور وہی مجھے الٹ پلٹ رہا تھا مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر وہ بدک کر پیچھے ہوا تھا اور غرانے لگا۔ مجھے ایک لمحے کو شبہ ہوا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں مگر اگلے ہی لمحے میں اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میرے اچھلنے سے برفانی آدمی غراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا اور ایسا لگا جیسے وہ مجھ پر حملہ کرنے والا ہے۔ میں نے بے ساختہ لاٹھی اٹھائی تھی اور وہ بدک کر ذرا دور بھاگا۔ خاصا بزدل قسم کا برفانی آدمی لگ رہا تھا۔

میں نے دیاس کو دیکھا تو وہ مجھے آس پاس نظر نہیں آیا تھا اور مزے کی بات تھی کہ اس کا سامان بھی غائب تھا جو وہ برف والے کے ہاں سے لے کر چلا تھا۔ تو کیا وہ مجھے بے ہوش دیکھ کر اس ویران جگہ چھوڑ گیا تھا۔ اس کا خیال ہو گا کہ اب میں بچ نہیں سکوں گا۔ یہی ہوا تھا ورنہ اس کا سامان نہ غائب ہوتا۔ یہ غصے کا موقع نہیں تھا کیونکہ ذرا دور ایک برفانی آدمی کھڑا غرا رہا تھا۔ میں نے لاٹھی سے اسے ڈرایا تو وہ چپ ہو گیا۔ میری غفلت اور شاید بیزاری بھی اسے دیکھ کر بھاگ گیا تھا۔ اب میں پوری طرح چوکنا تھا مگر جب میں نے لاٹھی پکڑی تھی تو اس کا جارحانہ رویہ یک دم بدل گیا تھا اور اب وہ شرافت سے کھڑا میرا معائنہ کر رہا تھا۔

تیر کمان ذرا دور پڑے تھے اور میں جانتا تھا کہ لاٹھی اس کے مقابلے میں زیادہ کارآمد نہیں تھی۔ میں آہستہ سے پیچھے سرکنے لگا۔ اس نے میرے حرکت کرنے پر بھی کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ بس خاموشی سے کھڑا رہا تھا میں نے بہت آہستہ سے جھک کر تیر کمان اٹھایا اور ایک تیر چلے پر چڑھا کر رخ اس کی طرف کیا تو بھی وہ ساکت کھڑا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اسے خطرے کا احساس ہی نہ ہو۔ میں نے اس کے سینے کا نشانہ لیا تھا۔ اور تانت کھینچی مگر نہ جانے کیوں میرا ہاتھ رک گیا۔ اس کے انداز میں ذرا بھی جارحیت نہیں تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ میں اس کے نزدیک محض ایک عام سی چیز تھا۔ اس کے باوجود میں اس پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا ممکن ہے فی الحال اسے مجھ سے دلچسپی نہ ہو لیکن اچانک ہی دوسرے پل اس کا رویہ کیا ہو میں کہہ نہیں سکتا تھا۔

میں نے تانت ڈھیلی کر دی اور تیر کمان تھامے تھامے اپنا سامان سمیٹنے لگا تھا اس دوران میں برفانی آدمی دور کھڑا رہا اس نے میرے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے اپنا سامان اٹھایا اور الٹے قدموں اسے نظر میں رکھتے ہوئے چلنے لگا تھا۔ کچھ دیر وہ بھی کھڑا رہا پھر میری ہی رفتار سے میرے ساتھ چلنے لگا اس نے اپنے اور میرے درمیان ایک فاصلہ برقرار رکھا تھا۔ میں نے اسے دھمکایا اور غصہ ور آوازیں نکالیں۔ مگر وہ ڈھٹائی سے میرا پیچھا کرتا رہا تھا۔ اس کے چکر میں، مَیں ایک خطرے کو فراموش کر بیٹھا تھا کہ یہاں جا بہ جا برف تلے گڑھے ہوتے ہیں جن پر جمی برف ذرا سا بوجھ آتے ہی بیٹھ جاتی ہے۔ میرے پاؤں تلے سے اچانک زمین نکلی اور میں ایک گڑھے میں جا گرا تھا۔ میرے منہ سے اضطراری طور پر چیخ نکلی تھی مگر مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ گڑھا صرف دس گیارہ فٹ گہرا تھا اور اس کی تہہ میں نرم برف تھی۔ میرا سامان بھی میرے ساتھ ہی تھا۔ ذرا سنبھل کر اس گڑھے کا معائنہ کیا تو پتا چلا کہ اس تکون نما گڑھے کی دیواریں عمودی تھیں اور ان پر چڑھنا آسان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا۔

یہ ایک اور مصیبت تھی۔ برفانی آدمی اوپر موجود تھا وہ اس صورتِ حال میں نہ جانے کیا ردِعمل دکھاتا۔ وہ کچھ دیر بعد اس طرح گڑھے کے کنارے نمودار ہوا تھا کہ صرف اس کا سر نظر آ رہا تھا۔ وہ منہ کے بل لیٹ کر کنارے تک آیا تھا۔ اس نے میرا معائنہ کیا اور مجھے زندہ سلامت پا کر دانت نکالے۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے یہاں سے نکالو۔''

جواب میں اس نے نہ سمجھ میں آنے والی غوں غاں کی تھی اور آرام سے لیٹا رہا تھا۔ مجھے یہ برفانی آدمی اس سے بالکل مختلف لگا تھا جس نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی۔ وہ درندہ صفت تھا اور اس میں کسی قدر شرافت نظر آ رہی تھی اب اس شرافت کی وجہ کیا تھی یہ میں سمجھنے سے قاصر تھا۔ بہرحال وہ مجھے نقصان پہنچانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''اوہ خدا کے بندے مجھے باہر نکالو۔'' میں نے پھر کہا تو وہ دانت نکال کر رہ گیا تھا۔ میں اسے اپنی بات نہیں سمجھا پا رہا تھا اس لیے مجبوراً گڑھے میں ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔ جب تک یہ میرے سر پر مسلط تھا میں اس جگہ سے نکلنے کی جدوجہد بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح مجھے دیکھتا رہا پھر چلا گیا اس کے جانے کے بعد میں نے لاٹھی کی نوک سے ایک طرف سے برف کھودنا شروع کی۔ مگر جلد مجھے پتا چل گیا کہ گڑھے کی برف لوہے کی طرح سخت تھی اور اسے کھودنا بہت مشکل تھا۔ پھر بھی میں کوشش کرتا رہا۔

جس وقت میں گڑھے میں گرا سورج ڈھلنے کے قریب تھا۔ اور جب میں نے برف کھودنا شروع کی تو اندھیرا چھانے لگا تھا۔ ذرا دیر بعد تاریکی اتنی ہو گئی تھی کہ کچھ نظر آنا بند ہو گیا۔ اب میں سوائے سکون سے بیٹھ کر اگلی صبح کا انتظار کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دن میں بھی بادل رہے تھے اور رات کو بھی مطلع ابر آلود رہنے کا امکان تھا یعنی چاند کی روشنی بھی نہ ہوتی۔ بس بادلوں کی وجہ سے اجالے کا ایک ہلکا سا احساس رہتا۔ میں نے کچھ پنیر اور کھمن شوگ کے ساتھ کھایا تاکہ میری توانائی بحال رہے۔ اب میری طبیعت بہت بہتر تھی۔ شاید برفانی آدمی کو دیکھ کر میرے اندر ہمت آ گئی تھی اور اس نے بیماری کا احساس دبا دیا تھا۔ مجھے دیاس کا خیال بھی آیا تھا۔ وہ نہ جانے کہاں تھا۔

کچھ دیر میں چاند نکل آیا تھا تو کسی قدر روشنی ہوئی۔ مجھے گڑھے میں تھوڑا بہت نظر آنے لگا۔ میں نے صبح کے بجائے ابھی گڑھے کی برف کھود کر نکلنے کا سوچا اور لاٹھی کی مدد سے برف کھرچنے لگا تھا۔ پوری برف اتارنے کے بجائے میں اس میں کھانچے بنا کر ان کی مدد سے اوپر چڑھ سکتا تھا میں یہی کام کرنے لگا۔ ابھی ایک کھانچہ بنایا تھا کہ اوپر سے آہٹ ہوئی اور میرے عین اوپر برفانی آدمی کا بڑا سا منہ نمودار ہوا تھا۔ میں بے ساختہ بدک کر پیچھے ہٹا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ پہلے کی طرح لیٹ کر میرا جائزہ لے رہا تھا۔ اس دوران میں وہ نہ جانے کہاں رہا تھا شاید کھانے گیا تھا۔ میرے بارے میں اسے اطمینان تھا کہ میں اتنی آسانی سے اس گڑھے سے نہیں نکل سکوں گا اور وہ آرام سے اپنا کام کر کے آ گیا تھا۔

کچھ دیر مجھے دیکھنے کے بعد اس نے اچانک کوئی شے اندر پھینکی۔ میں نے اسے دیکھا یہ ایک رسی تھی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا دوسرا سرا اس کے پاس تھا۔ میں نے حیرت سے رسی کو دیکھا کیا وہ میری مدد کے لیے یہ رسی لایا تھا۔ میں نے رسی پکڑ کر کھینچی۔ ذرا دیر بعد وہ تن گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ برفانی آدمی نے رسی مضبوطی سے تھام رکھی ہے۔ مجھے رسی کے ساتھ الجھے دیکھ کر اس نے ایک دوستانہ سی آواز نکالی جس کا مطلب شاید یہ تھا کہ میں رسی کی مدد سے اوپر آجاؤ۔ مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اگر وہ گڑھے سے نکلتے ہی مجھے دبوچ لیتا تو میں کیا کرتا۔ اس وقت میں مدافعت کی پوزیشن میں نہیں ہوتا اور اس کے ہاتھ سے مارا جاتا۔

اس خطرے کے ساتھ ہی مجھے یہ احساس بھی تھا کہ اس کا رویہ کسی طور بھی جارحانہ نہیں ہے بلکہ وہ کسی حد تک دوستی کا اظہار کر رہا ہے۔ پھر بھی میں اس پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا بہر حال وہ ایک درندہ تھا جو کسی وقت بھی پھر مجھے کسی کھلونے کی طرح توڑ مروڑ سکتا تھا۔ میں اس کی جناتی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے رسی پکڑ کر اوپر جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جب کہ برفانی آدمی وقفے وقفے سے آوازیں نکال کر مجھے ترغیب دے رہا تھا کہ میں رسی تھام لوں اور باہر نکل آؤں۔ اس کی ترغیب پر دھیان دینے کے بجائے میں نے تیر کمان سنبھال لیا تا کہ جب اپنی کوشش میں ناکامی کے بعد اسے غصہ آئے تو میں اس سے نمٹنے کے لیے بالکل تیار ہوں مشتعل ہو کر اس گڑھے میں گھس آتا تو مجھے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ میں ایک طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ برف کا یہ گڑھا باہر کے مقابلے میں کم سرد تھا۔ باہر اس وقت بھی یخ بستہ ہوا چل رہی تھی۔

وقت گزرتا گیا کبھی کبھی مجھے نیند کا جھونکا آجاتا تھا۔ مگر فوراً ہی میں ہوشیار ہو جاتا تھا۔ پھر صبح کے آثار نمودار ہوئے اور میں اب پوری طرح چوکنا ہو گیا کیونکہ رات کی تاریکی کے مقابلے میں دن میں برفانی آدمی کے حملے کا زیادہ خطرہ تھا۔ وہ ساری رات گڑھے کے کنارے لیٹا رہا تھا۔ اسے نہ تو سردی لگی تھی اور نہ ہی وہ تھکن یا نیند کی کمی کا شکار نظر آرہا تھا۔ اس کا اسٹیمنا غیر معمولی تھا اور وہ بالکل چاک و چوبند تھا۔ مجھے اٹھتے دیکھ کر اس نے پھر دوستانہ آواز نکالی جس میں مجھ سے رسی تھام کر اوپر آنے کی التجا تھی۔

میں جھنجھلا گیا تھا وہ میرا دشمن نہیں تھا مگر بلاوجہ مجھ پر مسلط ہو رہا تھا۔ میں نے غصیلے انداز میں ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا وہ نہ سمجھنے کے انداز میں منہ کھولے مجھے دیکھتا رہا تھا۔ میں نے پھر اسے جانے کا اشارہ کیا اس بار اس نے سمجھ کر نفی میں سر ہلایا اور رسی کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس کی مدد سے باہر آجاؤں۔ مجبوراً میں نے اسے ڈرانے کے لیے اس سے ذرا نیچے ایک تیر مارا۔ شائیں کی آواز کے ساتھ تیر برف میں گڑ گیا۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور ذرا دور چلا گیا۔ میں نے اچھل کر تیر برف سے نکال لیا۔ برفانی آدمی گڑھے کے آس پاس ہی تھا مگر پھر کنارے نہیں آیا۔

اب میں نے گڑھے سے نکلنے کے بارے میں سوچا رسی ابھی تک لٹک رہی تھی۔ میں نے اسے کھینچ کر دیکھا۔ رسی کھنچی چلی آئی تھی اس کا مطلب تھا کہ برفانی آدمی نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ رسی ساری نیچے آگئی اور میں اس کی مدد سے نکلنے کی ترکیب سوچنے لگا مگر مجھے کھانچے بنا کر باہر نکلنے کے سوا اور کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر کھانچے بنانا شروع کر دیئے اس کام میں دیر تو لگی تھی مگر دو گھنٹے کی محنت کے بعد میں ایسے کھانچے بنانے میں کامیاب رہا تھا جن کی مدد سے اوپر چڑھا جا سکتا تھا میں نے پہلے آزمائشی طور پر چڑھ کر دیکھا۔ کنارے سے سر نکال کر دیکھا تو برفانی آدمی کو ایک طرف بیٹھے پایا اس کا منہ میری طرف نہیں تھا اس لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے علم نہیں ہوا تھا میں نے موقع غنیمت جانا اور جلدی سے نیچے اتر کر سارا سامان ایک جگہ کر کے باندھا اور رسی کو کمر سے باندھ کر کھانچوں کی مدد سے اوپر آیا۔ باہر آتے ہی میں نے سامان بھی اوپر کھینچ لیا تھا۔ اس دوران میں برفانی آدمی کو علم ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے ایک تیر اور کمان سے لگا کر رخ اس کی طرف کیا تو اس کے چہرے پر پہلی بار خوف کے آثار دکھائی دیئے تھے شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ نقصان پہنچانے والا ہتھیار تھا۔ میں نے اسے ڈرانے کے لیے تیر اس کے پاؤں کے پاس مارا تھا مگر بدقسمتی سے وہ اس کے پنجے میں جا لگا۔ اس نے ایک چنگھاڑ ماری۔ تیر اپنے پاؤں سے نکال کر پھینک دیا اور سرپٹ ایک طرف بھاگ نکلا تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود اس کی رفتار حیرت انگیز تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک پہاڑی کے پیچھے غائب ہو گیا تھا۔ میں نے جان چھوٹنے پر خدا کا شکر ادا کیا اور فوری طور پر سامان سمیٹ کر وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ میں نے بھوک لگنے کے باوجود کھانے کے لیے رکنے کی زحمت نہیں کی تھی اور چلتے چلتے کچھ حلق سے اتار لیا تھا۔ ایک دن کے آرام سے میری تھکن بڑی حد تک کم ہو گئی تھی اور گزشتہ رات جاگنے کا بھی اثر نہیں تھا میں خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔

دوپہر تک میں ان دو پہاڑوں کے درمیان سے نکل آیا تھا اور اب ایک تہہ در تہہ ڈھلان پر سفر کر رہا تھا۔ یہ کوئی گلیشیئر تھا جو بتدریج جنوب کی طرف ڈھلان کی صورت لیے ہوئے تھا اور موسم سرد ہونے سے اس کی برف بھی سخت ہو رہی تھی اس لیے اس پر سفر کرنا آسان تھا۔ مگر میں پوشیدہ دراڑوں سے محتاط تھا۔ میری خوش قسمتی کہ کل جس دراڑ میں گرا تھا وہ چھوٹی سی تھی۔ کسی گلیشیئر میں پائی جانے والی دراڑیں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں کیونکہ گلیشیئر کے کھسکنے سے اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اور اس سے ایسی دراڑیں وجود میں آتی ہیں جو کئی سو گز تک گہری ہو سکتی ہیں اور جن میں گرنے کے بعد کسی بھی شخص کے زندہ بچنے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ میں ایسی کسی دراڑ میں گرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ مجھے تو بچانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ میں لاٹھی کو ٹیک ٹیک کر احتیاط سے آگے بڑھتا رہا تھا۔ اس کے باوجود میری رفتار خاصی تیز تھی۔

شام سے پہلے میں نے ایک درہ عبور کرنے کے دوران پلٹ کر پیچھے دیکھا تو مجھے بہت دور ایک سیاہ دھبہ دکھائی دیا تھا وہ اتنے فاصلے پر تھا کہ نہ تو اس کی صورت واضح تھی اور نہ ہی یہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے یا ساکت ہے۔ ممکن ہے وہ کوئی چٹان ہو۔ میں نے خود کو تسلی دی۔ مگر میرے ذہن میں تھا کہ یہ برفانی آدمی بھی ہو سکتا تھا۔ جن دو برفانی آدمیوں سے میرا واسطہ پڑا تھا وہ بالکل سفید نہیں تھے۔ بلکہ وہ کسی قدر سرمئی مائل بالوں والے تھے اور دور سے سیاہ ہی لگتے تھے۔

میں درے سے اترتے ہوئے فکرمند تھا اگر وہ برفانی آدمی تھا تو اس کا مطلب تھا اس نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ میں اب بھی خطرے میں تھا اس کے دور ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ اتنا فاصلہ وہ چند گھنٹے میں طے کر سکتا تھا۔ ابھی تو وہ زخمی ہونے کی وجہ سے ذرا پیچھے تھا مگر جیسے ہی اس کا زخم ذرا ٹھیک ہوتا وہ حیرت انگیز رفتار سے مجھے آ لیتا۔ میرا جلد از جلد اس سے دور نکل جانا ضروری تھا یہی سوچ کر میں نے رفتار میں اضافہ کر دیا تھا۔ ڈھلان کی وجہ سے مجھے آسانی ہو رہی تھی۔ اب میں پندرہ ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے آ چکا تھا۔ یہاں پر بھی چاروں طرف برف کا راج تھا مگر سردی میں واضح طور پر کمی محسوس ہو رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات ہونے سے پہلے میں نے ایک ٹیلا تلاش کر لیا تھا۔ جس کے تلے میں ہواؤں سے محفوظ رہ کر رات گزار سکتا تھا۔ میں نے ایک گڑھا بھی کھود لیا تھا گزشتہ تجربے سے ثابت تھا کہ برف کے گڑھے میں سردی کم لگتی تھی۔ آج ٹھنڈ بھی اتنی نہیں تھی مگر مجھے برفانی آدمی کی طرف سے کھٹکا ہو گیا تھا۔ اگر وہ میرے تعاقب میں تھا تو کسی بھی وقت مجھ تک آ سکتا تھا۔ کھانے کے بعد میں گڑھے میں گھس کر لیٹ گیا تھا جسم گرم ہونے میں کچھ وقت لگا تھا اس کے بعد مجھے نیند آ گئی تھی۔

نیند کے دوران مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا تو میں چونک کر اٹھا تھا اسی لمحے ایک زبردست غراہٹ کے ساتھ کسی نے مجھے کھوہ سے باہر کھینچ کر دور برف پر اچھال دیا تھا میں قلابازی کھا کر گرا اور فوراً ہی اٹھ گیا۔ نیم تاریکی میں برفانی آدمی کا ہیولہ واضح تھا۔ اس نے مجھے کھوہ سے نکال کر پھینک دیا تھا شکر ہے اس نے مجھے اٹھا لے پر اکتفا کیا تھا ورنہ وہ مجھے پکڑ کر توڑ مروڑ بھی سکتا تھا لیکن کھوہ سے دور جا گرنے کی وجہ سے میں نہتا رہ گیا تھا میرا کمان اور لاٹھی کھوہ کے پاس پڑی تھی۔ جیسے ہی میں برف سے اٹھا وہ پھر غراتا ہوا میری طرف لپکا تھا۔ اس کی گرفت سے بچنے کے لیے میں بھاگا مگر وہ چند چھلانگوں میں میرے سر پر آ گیا اور اس نے ہاتھ گھما کر میرے سر پر مارنے کی کوشش کی۔ اگر اس کا یہ ہاتھ لگ جاتا تو میرا سر یا گردن دونوں میں سے ایک چیز ٹوٹ جاتی۔ مگر میں جھکائی دے کر بچ گیا تھا۔ وہ اپنی جھونک میں آگے نکل گیا تو میں پلٹ کر ٹیلے کی طرف بھاگا تھا۔ وہاں میری لاٹھی اور تیر کمان پڑا تھا اگر میں ان میں سے کوئی چیز اٹھا لیتا تو برفانی آدمی کے سامنے بالکل نہتا بھی نہ رہتا۔ گزشتہ روز کے مقابلے میں اس کا رویہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ وہ سخت خون خوار ہو رہا تھا۔

مجھے بھاگتے دیکھ کر وہ پھر میرے پیچھے آیا تھا اور جیسے ہی میں نے لاٹھی اٹھانے کی کوشش کی اس نے عقب سے میرا کالر پکڑ کر مجھے کھینچ لیا تھا۔ اس نے اصل میں میری گردن پکڑنے کی کوشش کی تھی مگر ہاتھ میں کالر آیا تھا تاہم اسے بھی احساس تھا کہ میں کوئی ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اس لیے وہ مجھے روک رہا تھا۔ میں گر گیا تو اس نے میری گردن پکڑنے کی کوشش کی۔ میں تڑپ کر نیچے گرا تھا۔ ایک بار میں اس کی گرفت میں آ جاتا تو موت ہی مجھے اس کے چنگل سے نکالتی۔ زمین پر گرتے ہوئے میں نے اس کے پیٹ میں لات ماری جو اس کی بلندی کی وجہ سے اس کی ران پر لگی۔ اس پر خاک بھی اثر نہیں ہوا تھا مگر لات کے زور سے میں خود اس سے ذرا پیچھے ہو گیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر مجھے پکڑنا چاہا تو میں نے اس کے ہاتھوں پر لات ماری۔ وہ ہر بار لات کھا کر ذرا پیچھے ہو جاتا تھا مگر اس کے عزائم میں کوئی کمی نہیں آئی تھی اور مجھے بھی احساس تھا کہ میں ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا تھا میں اس پر حاوی نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ میں اسے خود پر حاوی ہونے سے نہیں روک سکتا تھا۔

اچانک اس نے خود کو مجھ پر گرا دیا۔ اس کا زبردست وزن آیا تو مجھے لگا جیسے میری پسلیاں ٹوٹ گئی ہوں میرے منہ سے چیخ نکلی تھی اور سینے میں شدید ٹیس اٹھی تھی۔ میں نے اسے خود سے دور کرنے کی رائیگاں کوشش کی تھی وہ اتنا وزنی تھا کہ میں اس کے بوجھ تلے خود کو ہلانے سے بھی قاصر تھا۔ اس کے بالوں سے بھرے جسم سے بدبو آ رہی تھی۔ اور اس کے بے تاب ہاتھ میری گردن تلاش کر رہے تھے۔ اس کا مقصد میرا مکمل خاتمہ تھا۔ میں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا یہ ردعمل منطقی تھا میں نے اس کا پاؤں زخمی کر کے دشمنی کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنیاد رکھی تھی۔ وہ اس کا حساب چکا رہا تھا۔ میرے ہاتھ آزاد تھے اور میں اس سے گردن بچانے کی کوشش کر
تھا۔ مگر کب تک آخر اس نے میری گردن تلاش کر ہی لی تھی۔ اس کی جناتی گرفت سے بچنے کے لیے میں
ہاتھ اوپر کر لیے تھے۔

مگر اس کے دباؤ سے میرا دم گھٹ رہا تھا اور ذہن پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ جب اس نے گردن پر اد
گرفت کی تو یہ اندھیرا اور بھی مکمل ہو گیا تھا۔ تاریکی میں ڈوبتے ہوئے میں نے ہاتھ مارے تھے اور اس کے
میں یک دم ہی بے ہوش ہو گیا تھا مجھے نہیں معلوم کہ بے ہوشی کی یہ کیفیت کتنی دیر جاری رہی تھی۔ مگر جب
دوبارہ ہوش آیا تو میرے اوپر سے بوجھ ہٹ چکا تھا اور پاس ہی غراہٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے دو درند
آپس میں پیکار ہوں۔

میرا جسم بے جان ہو رہا تھا۔ مگر میں کوشش کر کے اٹھا تھا۔ اس وقت چاند نکل آیا تھا اور اس کی روشنی
مجھے دو عدد برفانی آدمی ایک دوسرے سے گتھم گتھا نظر آئے تھے۔ وہ لڑنے کے ساتھ خوف ناک انداز
آوازیں بھی نکال رہے تھے۔ میری سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ دوسرا برفانی آدمی کہاں سے آ گیا تھا اور یہ آپس
کیوں لڑ رہے تھے؟ میری جان بچانے میں دوسرے برفانی آدمی کا عمل دخل تھا یا وہ میری جان لینے کے لیے
سے آگے رہنا چاہتا تھا لیکن ایک بات یقینی تھی کہ میری جان اس دوسرے برفانی آدمی کی وجہ سے بچی تھی۔
لڑکھڑاتے ہوئے ٹیلے تک آیا تھا۔ وہاں سامان بکھرا ہوا تھا اور اس میں سے مجھے لاٹھی تلاش کرنے میں بہ
مشکل ہوئی تھی۔ میرا جسم اور ذہن ابھی تک قابو میں نہیں تھا۔ لاٹھی لے کر میں برفانی آدمیوں کی بڑھا

برفانی آدمیوں میں سے ایک نے دوسرے کو نیچے گرا رکھا تھا اور اس کی گردن دبا رہا تھا دوسرا اپنی جا
بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ جس طرح بے بسی سے ہاتھ پاؤں پٹخ رہا تھا ایسا لگتا تھا کہ اس دم نکلنے والا ہے
پہلے میں نے سوچا کہ انتظار کروں کہ اس کا کام تمام ہو جائے اس کے بعد دوسرے پر حملہ کروں مگر پھر یہ خیال
کہ وہ اس سے فارغ ہو گیا تو اس پر حملہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ میں نے لاٹھی کا فولادی انی والا حصہ ہوا میں بلا
کیا اور اسے برفانی آدمی کی گردن میں اتار دیا مجھے اس کے جسم کا سب سے کمزور حصہ وہی لگا تھا۔ فولادی انی ایک
طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔ برفانی آدمی اتنے بھیانک انداز میں غرایا تھا کہ میں پلٹ
بے ساختہ بھاگا تھا۔

کھوہ کے پاس آ کر میں نے تیر کمان تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ ان دونوں کی جنگ میں نہ جا
کہاں چلا گیا تھا۔ غراتا اور کراہتا برفانی آدمی میری طرف آ رہا تھا اس سے بچنے کے لیے میں ٹیلے کے او
چڑھنے لگا تھا مگر اس نے میری ٹانگ پکڑ کر نیچے کھینچ لی تھی۔ گرتے ہوئے میرا سر نہ جانے کس چیز سے ٹکرایا تھا کہ
میں فی الفور بے ہوش ہو گیا تھا اور یہ بے ہوشی گہری اور خاصی طویل ثابت ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

جب مجھے ہوش آیا تو ایک برفانی آدمی کی لاش میرے برابر میں پڑی تھی اس کی گردن میں ابھی تک لاٹھی
پروئی ہوئی تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں ابھی تک میری ٹانگ تھی۔ اجل نے اسے مہلت نہیں دی تھی کہ وہ میری
جان لے سکے۔ بس وہ مجھے ٹیلے سے گرا کر بے ہوش ہی کر سکا تھا۔ دوسرا برفانی آدمی کچھ دور برف پر ساکت پڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا مگر وہ مرا نہیں تھا بلکہ اس کا سینہ ہلکے ہلکے حرکت کر رہا تھا۔

مجھے پوری طرح ہوشیار ہونے میں اور صورتِ حال کا معائنہ کرنے میں کچھ دیر لگی تھی۔ اس کے بعد یہ ہ ہ انگیز انکشاف ہوا تھا کہ میرے ہاتھوں مارا جانا والا برفانی آدمی وہی تھا جس نے مجھے وادی میں اچھال دیا تھا اس کے جسم پر گولی کا نشان بھی موجود تھا جب کہ دوسرا وہ تھا جسے میں نے گزشتہ روز تیر مارا تھا۔ اس کے ہاں پر تیر کا نشان تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ پہلا برفانی آدمی بچ بھی گیا تھا تو اسے میرے بارے میں کس ع علم ہوا تھا۔ کیا وہ میری تاک میں تھا؟ اور وہ وادی کے آس پاس منڈلاتا رہتا تھا اسی طرح یہ بھی میری سمجھ ہ ا تر تھا کہ دوسرے برفانی آدمی نے مجھے بچانے کی کوشش کیوں کی تھی۔ اور ایسی کوشش کی کہ اپنی جان سے ہاتھ ہ نے والا تھا کیونکہ اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی اور وہ کچھ دیر کا مہمان نظر آ رہا تھا۔ مگر جب میں نے مزید ب سے اس کا جائزہ لیا تو ایک اور انکشاف ہوا کہ دوسرا برفانی آدمی اصل میں آدمی نہیں بلکہ عورت تھی۔ اسے ، فانی عورت کہنا درست ہوتا۔ مگر لمبے بالوں کی وجہ سے اس کا پتا نہیں چل رہا تھا اور شاید وہ اسی وجہ سے میری ں ہ نے کے بجائے مجھ میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اور شاید یہ وہی برفانی عورت تھی جو دیاس کو اٹھا کر لائی تھی۔ ا ا ے آدمیوں سے دلچسپی تھی۔ اسی وجہ سے وہ میرے پیچھے لگی تھی اور دوستانہ رویے کا اظہار کر کے مجھے ا لے کی کوشش کر رہی تھی۔

پہلا برفانی آدمی میرے تعاقب میں تھا اور اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ برفانی عورت نے ا آ کر مجھے بچا لیا تھا۔ اور اس کوشش میں خود ماری گئی تھی۔ میں اس کے پاس آیا تو اس نے اچانک ہی ں کھول کر مجھے دیکھا تھا۔ کچھ دیر دیکھتی رہی تھی اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چند لمحے بعد اس کے ا ا ر و بم بھی رک گیا تھا۔ وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ میرے احساسات عجیب سے تھے مجھے اس کے مرنے کا دکھ ا تھا اور یہ اطمینان بھی کہ اب وہ میرے پیچھے نہیں آ سکتی تھی۔ مجھے سب سے زیادہ خوشی اس برفانی آدمی کے ل ی تھی جو ہمارے پیچھے لگا تھا اور اس نے مجھے مارنے کی پوری کوشش کی تھی۔ میں نے زور لگا کر اس کی ں سے لاٹھی نکالی تھی۔ اس کا خون برف پر مل کر صاف کیا۔ اپنا سارا سامان سمیٹا اور اس جگہ سے روانہ ہونے ا ہو گیا۔ صبح قریب تھی اور روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ میں بوجھل دل کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔

میں چار پانچ گھنٹے سفر کے بعد ایک جگہ رکا کچھ کھایا اور پھر سفر کرنے لگا تھا۔ اپنے حساب سے میں پانچ ا ط کر چکا تھا اور ابھی اتنا ہی سفر اور بھی باقی تھا۔ میرے پاس کھانے کے لیے خاصا کچھ تھا اور میں اپنے ں سے بھی نجات حاصل کر چکا تھا اس لیے بظاہر آگے سفر میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ پھر برف زار بھی کم ل لگا تھا۔ چاروں طرف ابھی بھی برف پوش چوٹیاں تھیں لیکن درمیان میں ایسے خطے آنے لگے تھے کہ جہاں ہ بہت کم تھی۔ بلندی بھی مسلسل کم ہو رہی تھی۔

برفانی آدمیوں سے نجات کے تیسرے دن میں نے پہلا سبزے کا نشان دیکھا یہ ایک قسم کی کائی تھی جو جم نے والی ندی کی تہہ میں تھی۔ اگلے برس جب یہ ندی پھر سے رواں ہوتی تو یہ کائی بھی تین چار ہفتے کے لیے جی ا۔ ان خطوں میں نباتات کی زندگی اور پرورش کا عرصہ بہت مختصر ہوتا ہے۔ گرمیوں کے چند مہینے اور بعض ف چند ہفتے ہی ملتے ہیں جن میں یہ بڑھتے ہیں۔ ابھی بلندی چودہ ہزار فٹ سے اوپر ہی تھی اور اتنی بلندی پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں مستقل برف جمی رہتی ہے اس لیے یہاں بڑے پودوں کی موجودگی ممکن نہیں ہے۔ درختوں کی آخری حد ہزار فٹ کی بلندی ہے۔ اس کے بعد درخت نہیں ملتے ہیں۔ پودے بھی چھوٹے ہوتے ہوتے آخر کار کائی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور پندرہ ہزار فٹ کے بعد شاذ ہی کوئی نباتات ملتی ہے۔

میرے حساب سے اب دو دن کا سفر باقی تھا۔ میری کوشش تھی کہ جلد از جلد یہ سفر طے کر کے انسانوں درمیان پہنچ جاؤں۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میری بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں صبح روشنی پوری طرح پھ سے پہلے ہی سفر شروع کر دیتا تھا اور رات ہونے تک سفر جاری رکھتا تھا درمیان میں صرف ایک آدھ گھنٹے لیے رکتا تھا۔ پانچویں دن ایک چھوٹا سا درہ عبور کرتے ہی مجھے وہ سرسبز علاقہ دکھائی دیا تھا جہاں سے ہم نے آغاز کیا تھا اور وہ ائر اسٹرپ اس جگہ سے صرف ایک دن کی مسافت پر تھی جہاں ہمیں ایک طیارے نے ا تھا۔ اور اسے پندرہ دن بعد ہم کو واپس لے جانا تھا۔ اگر ہم اسے نہ ملتے تو ہر ایک ہفتے بعد چکر لگاتا اور برف کے آغاز تک چکر لگاتا رہتا۔ یہ علاقہ کوئی دس ہزار فٹ بلند تھا سبزہ مرجھانا شروع ہو گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ برف باری شروع ہونے میں دو ہفتے تھے۔

اس سارے سفر کے دوران مجھے دیاس نہیں ملا تھا اور نہ ہی اس کا کوئی نشان نظر آیا تھا۔ جس سے پتہ کہ وہ اس جگہ سفر کرتا رہا تھا یا اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی اور راستے کی طرف مڑ گ اور اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ اس پر کیا بیتی تھی۔ اس روز میں کوشش کے باوجود ائر اسٹرپ تک رسائی حا نہیں کر سکا تھا کیونکہ رات سے پہلے بارش نے آ لیا تھا اور مجھے رات ایک چٹان تلے بسر کرنا پڑی تھی۔ پہا میں برف سے زیادہ چبھنے والی سردی بارش کے بعد ہوتی ہے اور رات مجھے اس کا تجربہ ہوا تھا۔

ساری رات ٹھٹھرتے ہوئے گزری تھی اور جب صبح سورج نکلا تو جان میں جان آئی تھی۔ آگ میں ہ کے باوجود میرا لباس بھیگ گیا تھا اور سردی نے اعصاب شل کر دیئے تھے بڑی مشکل سے میں حرکت کرنے قابل ہوا تھا اور جب دھوپ سے کسی قدر حرارت ملی تو میں چلنے کے قابل ہوا۔ سفر کرنے سے جسم میں جان آ لباس بھی خشک ہو گیا تو میں پوری طرح چاک و چوبند ہو گیا۔ اس کے بعد کا سفر آسان تھا۔ دوپہر کے قریب ائر اسٹرپ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ پتھروں اور مٹی سے بنا رن وے تھا اور کئی سال سے دیکھ بھال نہ ہونے کے اس کی حالت اچھی تھی۔

انگریزوں میں لاکھ برائیاں سہی لیکن کام کرنے کے معاملے میں یہ قوم مخلص اور محنتی ہے۔ اس نے دور میں برصغیر میں جو جو کام کیے وہ بہترین اور معیاری تھے۔ یہی وجہ ہے ان کی بنائی چیزیں آج تک استعم رہی ہیں۔ جب کہ ان کے بعد جب وہی چیزیں بنیں تو ان میں نہ مضبوطی تھی اور نہ معیار۔ اور وہ کچھ عرصے ختم ہو گئیں یا استعمال کے قابل نہ رہیں۔ ان میں چائے کے برتن سے لے کر بہت بڑے تعمیراتی پروجیکٹس شامل تھے۔ جن کو بنانے میں انگریزوں نے اپنی مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ یہ رن وے بھی اس کی ایک مثال مجھے یاد ہے کسی نے مجھے بتایا تھا کہ جب اسے تعمیر کرنے کی ضرورت پڑی تھی تو اسے صرف ایک مہینے میں گیا تھا۔ اتنی تیزی سے تعمیر کے باوجود اس میں پائیداری کا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب بھی طیارہ بے کھٹکے لینڈ کیا جا سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سادہ سی ائیر اسٹرپ تھی جس پر کسی قسم کی کوئی تنصیب نہیں تھی۔ بس ایک چھوٹا سا کمرہ بنا تھا جو ہنگامی حالات میں پناہ کے لیے تھا۔ میں نے ائر اسٹرپ میں داخل ہوتے ہی اس کمرے کا رخ کیا تھا۔ اگر چہ ہمارے لیے اضافی خوراک کا سامان ایک چٹان پر رکھ کر محفوظ کر دیا گیا تھا۔ مگر مجھے خوراک کی نہیں پناہ کی تلاش تھی اور میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ یہ کمرہ پتھروں اور مٹی سے بنا تھا اس کے اوپر ٹین کی چھت تھی جسے تیز ہواؤں سے بچانے کے لیے اوپر پتھر رکھ دیئے گئے تھے۔ میں اس کے پاس پہنچا تو ٹھٹک گیا۔ باہر کچھ سامان پڑا تھا اور ایک طرف فضلے کا ڈھیر لگا تھا جس سے عفونت کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ میں نے اندر جھانکا تو پہلے تو نیم تاریکی میں کچھ نظر نہیں آیا پھر مجھے دو عدد ڈھانچے دکھائی دیئے تھے جو فرش پر بے سدھ پڑے تھے۔ یہ ولیم شا اور ایلن بریڈ تھے جن کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ کن حالات سے گزرے تھے اور اس وقت مرنے کے قریب تھے۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا تھا وہاں اس اضافی خوراک کے ڈبے پڑے تھے جو طیارہ چھوڑ گیا تھا۔

''اومرڈرانز۔'' ولیم نے نحیف سی آواز میں کہا۔

''ہاں یہ میں ہوں۔'' میں نے طنز کیا۔ ''کیا تمہیں حیرت ہو رہی ہے کہ میں تمہاری تمام تر کوشش کے باوجود زندہ کس طرح بچ گیا۔''

''میں نے تم کو مارنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ میں نے تو موران سے سفارش بھی کی تھی مگر وہ تمہارا دشمن ہو رہا تھا۔'' اس نے نہایت ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔

''ولیم..... جھوٹ بولنا تم لوگوں کی گھٹی میں پڑا ہے اس لیے مجھے بے وقوف مت بناؤ۔''

''تمہاری مرضی۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔ پھر کسی قدر حریصانہ انداز میں پوچھا۔ ''کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟''

''فرض کر لو کہ میرے پاس کھانے کو کچھ ہے تو کیا میں تم کو دے دوں گا؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''تم دے دو گے کیونکہ تم ایک اچھے آدمی ہو۔'' اس کے لہجے میں یقین تھا۔

''یہاں پر کھانے کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا اس کا کیا ہوا؟''

''وہ میں نے اور ایلن نے مل کر ختم کر دیا۔ ہم بہت برے حال میں یہاں تک آئے تھے اور جب کھانا دیکھا تو خود پر قابو نہیں رکھ سکے ہم نے بے تحاشہ کھایا۔ ہمیں الٹیاں اور دست لگ گئے تھے مگر ہم کھانے سے باز نہیں آئے جب تک کھانے کا سامان باقی رہا ہم کھاتے رہے اور پھر کھانے کی ساری چیزیں ختم ہو گئی تھیں۔ دو دن سے ہم نے کچھ نہیں کھایا ہے۔''

''یہاں ہر ہفتے طیارہ آتا ہے کیا تم لوگوں کے آنے کے بعد طیارہ نہیں آیا۔'' میں نے تعجب سے کہا۔

''جب ہم پانچ دن پہلے یہاں پہنچے تو طیارہ واپسی کے لیے اڑ چکا تھا۔ ہم اسے روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکے تھے۔'' اس نے حسرت سے جواب دیا۔

''یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ اگر تم لوگ چلے جاتے تو میرے لیے کوئی طیارہ نہ آتا اور مجھے باقی سفر بھی پیدل کرنا پڑتا۔''

''طیارہ پرسوں آئے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب تک تم کھانے کے بغیر زندہ رہ سکو گے؟''

''نہیں..... ایلن تو مر جائے گا اس کی حالت زیادہ بری ہے۔'' اس نے ایلن کی طرف اشارہ کیا جو ہوش میں تھا مگر بے ہوشوں کی طرح منہ کھولے لیٹا تھا اس دوران میں اس نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ولیم کی گرسنہ نگاہیں میرے تھیلے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''میں تم لوگوں کو کھانے کو دوں گا۔ مگر ایسے نہیں۔'' میں نے کہا تو ایلن جو اب تک بے سدھ پڑا تھا پھرتی سے کھڑا ہو گیا اور مجھ پر جھپٹا۔

''کہاں ہے مجھے دو۔''

میں نے بے رحمی سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ ''آرام سے رہو۔ میں اس طرح کھانے کو نہیں دے سکتا کہ تم کتوں کی طرح کھاؤ اور الٹیاں کرو۔ میرے پاس اتنا ہے بھی نہیں۔''

میں نے پہلے ان لوگوں کو تھوڑا سا پیپر دیا تا کہ ان کا پیٹ خوراک سہار سکے۔ کچھ پیٹ میں گیا تو ان کی بھوک جاگ اٹھی تھی۔ وہ مجھ سے التجائیں کرنے لگے تھے کہ ان کو کھانے کو اور دوں۔ مگر میں ان کو ابھی کچھ دینا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے بھی چیزیں کم رہ گئی تھیں اور ابھی دو دن تک طیارہ آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے پہلے کمرہ صاف کیا جو ان دونوں نے بہت غلیظ کر رکھا تھا۔ وہاں سے کچھ دور پانی کا ایک چشمہ تھا میں اس سے پانی بھر بھر کر لایا۔ پانی لانے کے لیے ٹین کا ایک کنستر تھا۔ میں نے اس کی مدد سے پانی لا کر کمرہ دھویا اور ان کو وارننگ دی کہ اب کسی نے کمرے میں رفع حاجت کی تو میں اسے کمرے سے باہر پھینک دوں گا۔ ان سے کھانے کا سامان بچانے کے لیے میں نے اسے باہر چٹان پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد وہ متعفن ڈھیر کمرے کے پاس سے دور پھینکا۔ جس کی بو کمرے میں بھی دماغ خراب کر رہی تھی۔ ذاتی صفائی اور نہانے دھونے کے معاملے میں، میں نے اکثر انگریزوں کو لاپروا پایا ہے۔ اگر وہ خوشبو لگا کر نہ رکھیں تو ان کے پاس سے بدبو کے بھبکے آتے ہیں۔

میں ان کو وقفے وقفے سے کھانے کو تھوڑا تھوڑا کر کے دیتا رہا تھا اس سے اگلے روز تک ان کی حالت اتنی اچھی ہو گئی تھی کہ انہوں نے مجھ پر غرانا شروع کر دیا تھا مگر میں نے ان پر واضح کر دیا کہ وہ بھول جائیں کہ میں ان کا ماتحت ہوں ابھی وہ میرے رحم و کرم پر تھے اور انہیں مجھ سے انسان کی طرح بات کرنا ہو گی۔ ورنہ میں ان کا کھانا پانی بند کر دوں گا۔ اس دھمکی کے بعد وہ پھر سے انسان بن گئے اور مجھ سے شرافت سے بات کرنے لگے تھے۔ ایلن تو مجھ سے لاتعلق تھا مگر ولیم کو تجسس تھا کہ میں وہاں سے کس طرح نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ اس بارے میں مجھ سے کرید کرید کر سوالات کرتا رہا تھا اور میں ممکن حد تک اسے ٹالتا رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے فرار کی ادھوری اور مبہم سی داستان سنائی تھی۔ میں نے اسے وہاں ہونے والی ناکام بغاوت کے بارے میں صرف اتنا بتایا تھا کہ موران ناکام رہا تھا اور مارا گیا تھا اور اب اورگان وہاں کا مہا پجاری تھا۔ ولیم نے دانت پیسے۔

''موران کی موت ان لوگوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔ بہت جلد اس وادی میں ہماری فوج اترے گی۔''

''میرا نہیں خیال کہ ایسا ہو گا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اور تم بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ انگریز یہاں سے اپنا بوریا بستر گول کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اور فی الحال کسی قسم کی مہم جوئی ممکن نہیں ہے۔ خاص طور سے ہمالیہ کے دوسری طرف جہاں کمیونسٹ چین ابھر رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بات پر ولیم کا چہرہ کسی سؤر کی طرح بگڑ گیا تھا اس نے چین کو چند غلیظ گالیاں دیں۔ ''ان چوہوں کا کس بل ہم نے افیون کی جنگوں میں نکال دیا تھا۔''

''اسے پرانا چین مت سمجھو۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''وہ اپنی سرزمین کی طرف کوئی مہم جوئی برداشت نہیں کرے گا۔''

اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ''چلو گریٹ برٹن نہ سہی۔ چین ہی اس وادی پر قبضہ کر لے گا۔''

میں سمجھ رہا تھا وہ اپنا منصوبہ ناکام ہونے کا بدلہ وادی کے لوگوں سے لینا چاہتا تھا۔ اور ان کو کسی نہ کسی ملک کی غلامی کے شکنجے میں جکڑنا چاہتا تھا۔

''کیا تم ان لوگوں کے بارے میں دنیا کو بتا دو گے۔''

''ہاں ایسا کرنا ان کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔''

''ترقی کے لیے یا تباہی کے لیے؟'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''تم لوگ ساری دنیا میں جو کرتے رہے ہو اسے ترقی کسی صورت نہیں کہا جا سکتا ہے۔''

''یہ تم لوگوں کی تنگ نظری ہے۔'' اس نے منہ بنایا۔ ''یہ بتاؤ کہ یہاں ریل کون لایا۔ تار سے لے کر ٹیلی فون تک ہم لائے۔''

''ٹھیک ہے مگر اس کے بدلے تم لوگوں نے ہمیں غلام بھی تو بنایا۔''

اس کے چہرے پر غرور سے پُر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ''برتر لوگ حکومت کرتے ہیں جب کہ کم تر لوگ غلام ہی ہوتے ہیں۔''

میں نے اس سے بحث فضول سمجھی تھی۔ وہ ماننے والی اور سمجھنے والی مخلوق نہیں تھی۔ میں نے کھانے پینے کا سامان واپس کمرے میں رکھ دیا تھا کیونکہ ان کی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔ اور اب ان کو کھانے کا ہوکا نہیں رہا تھا۔ مگر میں ایک بات بھول گیا تھا کہ میرے سامان میں سامیرا کے دیئے ہوئے تحفے بھی تھے۔ ایک بار میں کسی وجہ سے باہر گیا تھا واپس آیا تو ولیم شاتصویر اور پتھر کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں نے جھپٹ کر اس سے یہ چیزیں لے لیں۔

''تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرے سامان کو ہاتھ لگانے کی۔''

''میں دیکھ رہا تھا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''ویسے تم نے یہ کہاں سے چرایا۔''

''تم شاید بھول رہے ہو میرا تعلق ایسٹ انڈیا کمپنی سے نہیں ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اور یہ کسی کا تحفہ ہے۔''

''کس کا؟''

''یہ جاننا تمہارے لیے ضروری نہیں ہے۔'' میں نے چیزیں اپنے تھیلے میں ڈال لیں۔

''یہ پتھر کچھ عجیب سا نہیں ہے؟''

''ولیم شا اپنے کام سے کام رکھو۔'' میں اسے کہہ کر تھیلے سمیت باہر آ گیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں نے اسے بروقت پکڑ لیا ورنہ وہ غائب کر دیتا اور مجھے پتا بھی نہ چلتا۔ ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والا تھا مگر مجھے اطمینان تھا کہ کل طیارہ آ جائے گا۔ یہاں سردی زیادہ نہیں تھی اور جلانے کے لیے لکڑی بھی مل جاتی تھی۔ اس لیے رات سکون سے گزر جاتی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے جاتے ہی ائرفورس سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ اور اپنے علاقے چلا جاؤں گا۔ میں اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ولیم شا نے جب میرے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے بھی جواب میں اس سے پوچھا کہ وہ کس طرح وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوا تھا اس سوال پر اس کے چہرے پر ایک شاطرانہ سی مسکراہٹ آئی تھی۔ اس نے کہا۔

''میں نے پہلے ہی وہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کر لیا تھا احمق موران سمجھ رہا تھا کہ مجھے معبد کے رازوں کا نہیں پتا تھا۔''

''تم نے اسے رام کیسے کیا؟''

''وہ اصل میں اقتدار کا لالچی تھا اور میں نے اسے لالچ دیا تھا کہ میں اسے پوری وادی کا حکمران بنا سکتا ہوں۔''

''گویا تم نے وہاں پر بھی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کھیلی تھی۔''

وہ ہنسا۔ ''درست کہا تم نے۔''

''تم اسی سرنگ سے نکل بھاگے تھے؟''

''ہاں ان لوگوں نے میرا پیچھا بھی کیا تھا مگر میں ان سے آگے رہا تھا۔''

میں نے دل میں سوچا کہ اس کے پیچھے تو میں تھا اور اگر اورگان درمیان میں مداخلت نہ کرتا تو وہ اس وقت یہاں بیٹھ کر بڑھکیں نہ مار رہا ہوتا، مگر میں نے اسے یہ بات بتائی نہیں۔ وہ وادی سے نکلنے میں کامیاب رہے تھے اور ان کے پاس مشکل سے پانچ چھ دن کی خوراک تھی اسی وجہ سے انہوں نے تیز رفتاری سے سفر کیا اس کے باوجود آخری دو دن ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا اور جب وہ ائرسٹرپ تک پہنچے تو بھوک سے قریب المرگ تھے۔ یہاں کھانے کو اچھا خاصا تھا مگر انہوں نے اسے ہوس میں ضائع کر دیا اور خود مرنے کے قریب ہو گئے تھے۔ اگر میں نہ آتا تو شاید اگلی بار آنے والا طیارہ ان کی لاشیں لے کر واپس جاتا۔

میرا اندازہ تھا کہ ولیم شا نے جب موران کے ساتھ مل کر یہ سازش تیار کی تھی تب ہی اس نے اپنے بچاؤ کا راستہ تلاش کر لیا تھا کیونکہ سازش ناکام ہو جاتی تو موران کے ساتھ وہ بھی مارا جاتا۔ اس نے بہت چالاکی سے حالات پر نظر رکھی اور جیسے ہی اسے احساس ہوا کہ بازی پلٹ گئی ہے اس نے فرار ہونے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی تھی اور اسی وجہ سے اس کی جان بچ گئی تھی۔ اس نے فرار کے لیے سامان بھی پہلے سے تیار رکھا تھا۔ مگر طویل مسافت کی وجہ سے وہ وادی سے وہاں کی کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں لے سکا تھا۔ جب کہ میرے پاس وہاں کی چار چیزیں تھیں ایک سامیرا کی بنائی تصویر، دوسرا اس کا دیا پتھر، تیسرا اورگان کا دریافت کیا جادو اثر پتھر جس سے دوائی بنتی تھی اور چوتھا برف والے کا دیا قیمتی ہیرا۔

میں نے ابھی تک وہ ہیرا ولیم کے حوالے نہیں کیا اگرچہ میرے ذہن میں کہیں نہیں تھا کہ مجھے یہ ہیرا خود رکھنا ہے مگر میں فی الحال اسے ولیم شا کے حوالے کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں ابھی اس کا رویہ دیکھنا چاہ رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس نے مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور یہاں پر بھی میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس کے انداز میں ذرا بھی ندامت نہیں تھی۔ وہ مجھ سے نارمل انداز میں پوری ڈھٹائی سے بات کرتا تھا۔ اگر میں نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہوتا تو وہ واپس آتے ہی میرا کورٹ مارشل کروا دیتا۔

اس رات ہم نے آخری کھانا کھایا کیونکہ اس کے بعد کھانے کی کوئی شے ہمارے پاس باقی نہیں رہی تھی لیکن یہ اطمینان بھی تھا کہ کل طیارہ آجائے گا اور ہمیں یہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ کھانے کے بعد ہم سوکھی ہوئی لکڑیاں جلا کر سو گئے یہاں سردی کم تھی اور آگ جلانے کے بعد وہ بھی نہ ہونے کے برابر رہ جاتی تھی۔ صبح ہوتے ہی ہم بے تابی سے جنوب کی طرف نظریں جما کر بیٹھ گئے کیونکہ طیارے نے اس طرف سے آنا تھا۔ کبھی کبھی ہم میں سے کوئی بور ہو جاتا تھا تو ٹہلنے نکل جاتا تھا۔ احتیاطاً میں نے چیزوں والا تھیلا اپنے ساتھ رکھا تھا کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ ولیم ان چیزوں میں زیادہ ہی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے کئی بار مجھے اس بارے میں کریدنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اسے صفائی سے ٹالتا رہا۔

صبح دوپہر میں بدل گئی تو ہمیں تشویش ہونے لگی تھی۔ کیونکہ طیارہ آنے کا بہترین وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اور جب سورج مغرب کی طرف ڈھلنے لگا تو ہم مایوس ہو گئے تھے۔ میں نے سوچا اور کھانے کی کوئی تلاش کرنے نکل کھڑا ہوا تھا کیونکہ بھوک کی وجہ سے پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی تھی۔ آس پاس سبزہ تو تھا مگر یہ ایسا تھا کہ اس میں نہ تو کوئی پھول تھا اور نہ کوئی پھل۔

میں مایوس ہو کر واپس جا رہا تھا کہ اچانک کسی چیز کی حرکت نے میری توجہ کھینچ لی تھی۔ وہ کچھ دور ڈھلان پر تھی۔ میں زمین پر لیٹ کر ساکت ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس چیز نے پھر زمین سے سر نکالا اور اس بار میں نے اسے کانوں سے پہچان لیا۔ وہ ایک پہاڑی خرگوش تھا۔ میں نے سنا تھا کہ خرگوش اپنے پنجوں کی وجہ سے مکروہ ہوتا ہے مگر میں کئی وقت کے فاقے سے تھا اس لیے یہ میرے لیے حلال تھا۔ میں واپس آیا اور تیر کمان لے جا کر ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھ گیا اور تیر کمان سنبھال لیا۔ یہ کام خاصا صبر آزما تھا کیونکہ خرگوش جب تک باہر نکل کر سامنے نہیں آتا میں اسے نشانہ بنا نہیں سکتا تھا اور اس کا پاس ہونا بھی ضروری تھا۔ ورنہ میں کون سا ماہر تیر انداز تھا۔

شام کا وقت تھا اور اب طیارہ آنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔ خدا خدا کر کے ایک خرگوش باہر آیا اور پھدک پھدک کر ڈھلان پر گھاس کھانے لگا تھا۔ میں اس کے قریب آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ خرگوش کی نظر کمزور ہوتی ہے اور اسے چند گز سے آگے صاف دکھائی نہیں دیتا ہے مگر اس کی حس سننے کی بہت تیز ہوتی ہے اس لیے میں بالکل ساکت تھا۔ میری طرف سے معمولی سی آہٹ بھی اسے ہوشیار کر سکتی تھی اور وہ فوراً غائب ہو جاتا۔ گھاس چرتے ہوئے وہ رفتہ رفتہ میرے پاس آنے لگا تھا۔ وہ بیس فٹ کی دوری تک آجاتا تو میرا کام آسان ہو جاتا۔ آخر کار وہ نزدیک آ گیا تھا اور میں نے کمان کھینچی تھی کہ پاس سے ولیم شا کی آواز آئی۔

"خرگوش۔"

آواز آتے ہی خرگوش اچھل کر بھاگا تھا اور میں نے بے ساختہ تیر چھوڑ دیا۔ اب یہ سراسر خوش قسمتی تھی کہ تیر جا کر اس کے جسم میں لگا اور وہ قلابازی کھا کر گرا تھا۔ میں نے دوڑ کر اسے اٹھا لیا۔ ولیم شا بھاگا بھاگا آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شاباش۔'' اس نے میرا شانہ تھپتھپایا۔

''تم نے اسے بھگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' میں نے غصے سے اسے دیکھا تو وہ ہنسنے لگا۔

''بھاگا تو نہیں نا..... آؤ اب اسے پکاتے ہیں۔''

ہم نے خشک لکڑیاں جمع کیں اور خرگوش کی کھال اتار کر اسے بھوننے کی تیاری کرنے لگے تھے۔ بہت دنوں بعد تازہ گوشت کھایا تھا اس لیے مزے کا لگا۔ کھانے کے بعد ولیم شا کو تشویش ہونے لگی۔

''طیارہ کیوں نہیں آیا؟''

''شاید موسم ٹھیک نہیں ہے۔'' ایلن نے کہا۔

''اس صورت میں طیارے کو کل آنا چاہیے۔'' ولیم بولا۔

''یہ بھی ممکن ہے۔ ان لوگوں نے مایوس ہو کر طیارہ بھیجنا بند کر دیا ہو۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ طیارے کو برف باری کے آغاز تک آنا تھا۔'' ولیم شا کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''تب انتظار کرو۔''

''اگر طیارہ کل بھی نہ آیا تو؟'' ایلن نے سوال کیا۔

''اس صورت میں ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔'' میں نے کہا کیونکہ زیادہ دن انتظار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے موسم سخت ہو گیا تو ہم یہاں سے نکل بھی نہیں سکتے۔''

''خوراک کا مسئلہ بھی ہے۔'' ایلن نے تائید کی۔

''پیدل جانے کی صورت میں ہمیں کوئی دو سو میل کا سفر طے کرنا ہوگا راستہ بہت دشوار اور خطرناک ہے راستے میں ایسے قبائل ہیں جو کسی بھی اجنبی کو اپنے علاقے میں برداشت نہیں کرتے ہیں۔'' ولیم شا نے ہمیں خبردار کیا۔

میں نے سوچ کر کہا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں ایک ہفتہ اور انتظار کرنا چاہیے کیونکہ ابھی یہاں خاصے خرگوش ہیں۔ ہم روز ایک شکار کر لیں تو گزارا ہو سکتا ہے۔''

''اس کے بعد؟'' ایلن نے پوچھا۔

''اس کے بعد ہم پیدل روانہ ہوں گے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم اضافی شکار کر سکتے ہیں تاکہ راستے میں کھانے کا مسئلہ نہ ہو اس موسم میں گوشت اتنی جلدی خراب نہیں ہوگا۔''

''پھر بھی یہ سفر بہت مشکل ہے۔'' ولیم شا پریشان تھا۔

''مشکل ہو یا آسان ہم نے ساری زندگی یہاں نہیں رہنا ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''اس لیے اگر ایک ہفتے کے اندر طیارہ نہیں آیا تو ہم پیدل ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

ایلن مجھ سے متفق تھا مگر ولیم شا کسی قدر مزاحمت کر رہا تھا اس کا کہنا تھا کہ یہ سفر بہت دشوار تھا اور اس میں صحیح سلامت منزل پر پہنچنے کا امکان کم تھا۔ مگر مجھے فکر اس بات کی تھی سردی شروع ہو گئی تو راستے بند نہ ہو جائیں کیونکہ راستے میں آنے والے ندی نالے یخ بستہ ہو جاتے اور ان کو عبور کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔ خرگوش کا گوشت پیٹ بھر کر کھانے کے لیے ناکافی تھا مگر اس سے ہماری خاصی حد تک تشفی ہو گئی تھی۔ اور میں نے اگلے روز کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے پھر شکار کا ارادہ کر لیا تھا ولیم شا نے مجھ سے کہا کہ وہ شکار کرے گا مگر میں نے انکار کر دیا۔ اس نے اصرار کیا۔

''میں تیر اندازی سے واقف ہوں اور میرا نشانہ بھی بہت اچھا ہے۔''

مگر میں اسے تیر کمان نہیں دینا چاہتا تھا اول تو یہ میرا ہتھیار تھا دوسرے اس کا کیا شکار میں نہیں کھا سکتا تھا کیونکہ وہ مسلمان نہیں تھا اس کا کیا شکار میرے لیے حرام ہو جاتا۔ جب کہ وہ میرا کیا شکار کھا سکتا تھا اس لیے میں نے یہی بہانہ کر دیا۔ اس نے چالاکی سے کہا۔

''چلو تم میرا کیا شکار نہیں کھا سکتے مگر میں اپنے اور ایلن کے لیے تو شکار کر سکتا ہوں۔''

''نہیں یہاں نہ جانے خرگوشوں کی تعداد کتنی ہے اور اگر وہ کم ہوئے تو میں کھانے سے رہ جاؤں گا اس لیے شکار میں ہی کروں گا۔''

اس نے منہ بنایا۔ ''تب میں تمہارا شکار کیا ہوا کیوں کھاؤں۔''

''یہ تمہاری مرضی ہے۔'' میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

ولیم شا مجھے خون خوار نظروں سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ میں نے دن بھر میں کوشش کر کے دو خرگوش اور شکار کر لیے تھے۔ اب ہمیں کم سے کم دو دن کھانے کی فکر نہیں تھی۔ ان کا گوشت نکال کر سکھانے کے لیے لٹکا دیا تھا یہاں کا خشک موسم اور تیز دھوپ جلد گوشت خشک کر دیتی۔ شام کے قریب میں رن وے پر ٹہل رہا تھا۔ کہ اچانک مجھے بھنبھناہٹ سی سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا مگر وہ صاف تھا۔ میں نے آواز کو اپنا وہم سمجھا لیکن کچھ دیر بعد بھنبھناہٹ کی آواز دوبارہ آئی اور اس بار یہ بہت نمایاں تھی میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو اس بار مجھے جنوب سے ایک باریک سا مکھی نما نقطہ دکھائی دیا تھا۔ میں خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ یہ کوئی طیارہ تھا جو ائر اسٹرپ کی سمت آ رہا تھا اور ایک منٹ سے بھی کم وقت میں ایک فوجی ٹرانسپورٹر میرے سر کے اوپر سے گزر کر گھوم کر رن وے پر اترنے کی تیاری کرنے لگا تھا۔ میں کمرے کی طرف بھاگا۔ ایلن بھی طیارے کی آواز سن کر دوڑا آ رہا تھا۔ مگر ولیم غائب تھا میں نے ایلن سے پوچھا۔

''ولیم کہاں ہے؟''

مگر وہ میرے پاس سے دوڑتا چلا گیا تھا۔ میں کمرے کی طرف بھاگا۔ اندر جاتے ہی میں نے دیکھ لیا تھا کہ ولیم ایک جگہ کھدی زمین سے کوئی چیز نکال رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''یہ کیا کر رہے ہو چلنے کی تیاری کرو۔ طیارہ آ گیا ہے۔''

''ابھی چلتے ہیں۔'' اس نے رخ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی مگر میں دیکھ نہیں سکا تھا۔

''دیر مت کرو ویسے بھی شام ہو چکی ہے۔'' میں نے اپنا سامان اٹھایا۔

''ہاں ہاں۔'' وہ پھر بولا۔ وہ ابھی تک دیوار کی طرف منہ کیے کچھ کر رہا تھا۔ پھر اچانک کلک کی آواز آئی اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس بار میں نے وہ چیز دیکھ لی تھی یہ ایک عدد پستول تھا اور اس کا رخ میری طرف تھا۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''وہ تصویر اور پتھر میرے حوالے کر دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں حیران تھا، ولیم شا نے نہ جانے کہاں سے یہ پستول حاصل کیا تھا اور اس نے بہت چالاکی سے اسے یہاں زمین میں چھپا رکھا تھا۔ باہر سے آتی طیارے کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ رن وے پر اترنے کی تیاری کر رہا ہے۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "اگر میں تم کو نہیں دوں تب؟"

"تو میں تم کو شوٹ کر دوں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"اور دوسروں کو اس کی کیا وضاحت پیش کرو گے۔"

"یہ میرا مسئلہ ہے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "کوئی وضاحت کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔"

میں نے سوچا اور تھیلے سے تصویر اور سیاہ پتھر نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ جادو اثر رکھنے والا پتھر اس کی نظر میں کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا اس لیے اس نے اس کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور برف والے نے مجھے اس کے لیے جو ہیرا دیا وہ اس سے بے خبر تھا۔ مجھے اس کی ذہنیت کا بہ خوبی اندازہ تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں نے انکار کیا تو وہ مجھے مارنے میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہچکچائے گا۔ اس کے لیے بعد میں کوئی وضاحت پیش کرنا مشکل نہیں تھا۔ وہ انگریز تھا اور اسے عدالت سے ایک ہندوستانی کے قتل کے جرم میں سزا ہونا ممکن نہیں تھا۔ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو انگریزوں کے انصاف کے گن گاتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ جب معاملہ دو مساوی فریقوں کا ہو تو انگریز کی عدالت انصاف سے کام لیتی تھی لیکن جب ایک فریق گورا ہوتا تھا تو یہی عدالت انصاف کے زریں اصولوں کو فراموش کر کے گورے کے حق میں فیصلہ دیتی تھی۔ اسی طرح جب معاملہ ہندو اور مسلم کا آتا تھا تو عدالت کا جھکاؤ ہندو کی طرف ہو جاتا تھا۔

ولیم شا نے تصویر اور پتھر ایک کینوس بیگ میں ڈالے اور مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ "مجھے افسوس ہے لیکن میرا خیال ہے ان چیزوں پر مہم کے سربراہ کی حیثیت سے میرا حق ہے۔"

"یہ بات شاید تم اپنے نام نہاد ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے کہہ رہے ہو؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"چلو طیارہ لینڈ کر گیا ہے۔" وہ میری بات نظر انداز کر کے بولا۔

ہم باہر آئے ایلن پائلٹوں کی طرح طیارے کے گرد ناچ رہا تھا۔ طیارے سے اس کا ہندوستانی پائلٹ اتر آیا تھا اور ایک طرف خاموش کھڑا تھا۔ ولیم شا نے جاتے ہی اس سے پوچھا۔ "گزشتہ بار طیارہ تم لے کر آئے تھے؟"

"یس سر۔" اس نے اٹینشن ہو کر کہا۔

جب ولیم شا نے اچانک اسے تھپڑ مارا تو ہمارے ساتھ پائلٹ بھی ششدر رہ گیا تھا۔ ولیم شا گرجا۔ "کتیا کے بچے، ہم تجھے اشارے کر رہے تھے اور تو طیارہ لے کر چلا گیا۔"

"میں نے دیکھا نہیں تھا سر۔" اس نے بمشکل کہا۔

ولیم شا نے بدحرگی سے اسے دیکھا۔ "میں تمہاری رپورٹ کروں گا اب چلنے کی تیاری کرو۔"

"یس سر۔" پائلٹ نے کہا اور بے عزتی بھلا کر پھرتی سے طیارے میں بیٹھ گیا۔ میرا خون کھول رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ولیم شا نے جان بوجھ کر مجھے دکھانے کے لیے پائلٹ کو تھپڑ مارا تھا۔ وہ مجھے جتانا چاہتا تھا کہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہندوستانی کی اس کے سامنے کیا اوقات تھی۔ ولیم شا اور ایلن بھی اپنا سامان لے آئے تھے۔ ہم طیارے میں سوار ہوئے اور پائلٹ نے اس کا انجن اسٹارٹ کر کے اسے رن وے پر چلانا شروع کیا ایک منٹ میں ہم فضاء میں تھے۔ میں نے پائلٹ سے پوچھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''روہینگ۔'' اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

یہ ایک چھوٹا سا پہاڑی قصبہ ہے۔ جنگ کے زمانے میں یہاں ایک ایئر بیس تھا۔ میں کئی بار یہاں جا چکا تھا۔ مگر وہاں جانے کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں نے پائلٹ سے پوچھا تو اس نے کہا۔ ''رات ہونے تک ہم وہیں جا سکتے ہیں۔ اس سے آگے جانا ممکن نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلا دیا تھا۔ ولیم شا اور ایلن عقبی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں سر جوڑے باتیں کر رہے تھے۔ میں ابھی تک نہیں جان سکا تھا کہ ولیم شا اور ایلن وادی کے بارے میں انگریز حکام کو رپورٹ کریں گے یا نہیں۔ اگر ولیم نے رپورٹ کر دی تو یہ بات یقینی تھی کہ انگریز کوئی نہ کوئی مہم اس طرف روانہ کریں گے۔ بے شک وہ وادی پر قبضہ نہ بھی کریں تب بھی ان کے اس اقدام سے وادی کا راز دنیا پر کھل جاتا۔ اس دو گھنٹے کے سفر میں، میں اسی فکر میں رہا تھا۔ طیارہ اترا تو ہمیں ایک چھوٹی سی بیرک میں ٹھہرایا گیا تھا۔ مجھے بھی اسی جگہ ایک کمرہ ملا۔ اور ہم نے رات وہاں بسر کی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے والد کو تار بھیجا کہ میں خیریت سے ہوں۔ مجھے پتا تھا وہ اور میرے دوسرے گھر والے میری گمشدگی پر پریشان ہوں گے۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگلے روز ہم کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اور وہاں پر ائیر فورس کے ایک کمانڈر نے ہمارا استقبال کیا تھا کیونکہ ولیم شا نے یہ مہم سرکاری خرچ پر کی تھی۔ اس لیے وہ اس کے بارے میں رپورٹ دینے کا پابند تھا۔ میں نے سفر کے دوران اس سے پوچھا۔ ''کیا تم وادی کا ذکر کرو گے؟''

''کیا مجھے نہیں کرنا چاہیے؟'' اس نے شاطرانہ انداز میں کہا۔

''مرضی ہے تمہاری لیکن میرا خیال ہے اس کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔''

''کیوں؟''

''پتا نہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''دنیا میں کوئی تو ایسی جگہ ہو جو لوگوں کی دست برد سے محفوظ ہو اور کوئی اس کے بارے میں نہیں جانتا ہو۔''

''میں بھی یہی سوچتا ہوں لیکن پھر خیال آتا ہے کہ کسی اور نے اس وادی کو دریافت کر لیا تو ہمارا کریڈٹ رہ جائے گا۔''

''مجھے یقین ہے کوئی اور اسے دریافت نہیں کر سکے گا۔'' میں نے اعتماد سے کہا تھا۔

''تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''بس میں محسوس کرتا ہوں۔'' میں نے واضح جواب دینے سے گریز کیا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اسے وادی کی ان باتوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا جو صرف میرے علم میں تھیں۔

ولیم شا چپ ہو گیا تھا۔ کلکتہ پر اترنے کے بعد جب سرکاری فوٹو گرافر چلا گیا تو ولیم شا نے ایک نجی فوٹو گرافر کا بندوبست کیا اور اس نے تصویر اور سیاہ پتھر کے ساتھ تصویریں بنوائیں تھیں۔ میں خون کے گھونٹ پی کر اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے میری یہ چیزیں کتنی آسانی سے ہتھیا لی تھیں۔ اور ہر جگہ ان کو اپنا ظاہر کیا تھا۔ میرے پاس ابھی کچھ چھٹی باقی تھی اس لیے میں نے سوچا کہ استعفاء دینے سے پہلے ایک بار گھر کا چکر لگا کر والد صاحب سے اجازت بھی لے لوں۔ اس لیے میں نے میس میں آتے ہی جانے کی تیاری شروع کر دی تھی۔

میں نے ابھی تک ہیرا ولیم شا کو نہیں دیا تھا بلکہ اسے اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ ورنہ وہ اسے بھی ہتھیانے کی کوشش کرتے۔ وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تھا اور ممکن ہے اپنے ملک میں ایک ماچس چرانے کو بھی بڑا جرم سمجھتا ہو لیکن ملک سے باہر اس کا رویہ بالکل خاص سفید فاموں والا تھا۔ یعنی وہ دوسروں کا مال ہتھیانے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرتے ہیں۔ مجھے رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ تصویر اور پتھر دونوں سامیرا کا تحفہ تھے اور میرے لیے ان کی خاص حیثیت تھی۔ جب ولیم شا کے لیے وہ صرف پُراسرار وادی کے نوادرات تھے۔ میں نے سوچا کہ کیا میں اس سے اسے خرید نہیں سکتا تھا۔ میرے پاس دولت تھی۔ اگرچہ اتنی نہیں تھی۔ مگر میں اس وقت کے لحاظ سے بھی لکھ پتی تھا۔

پھر اچانک مجھے ہیرے کا خیال آیا تھا۔ اور میں نے سوچا کہ اگر میں ہیرے کے بدلے ولیم شا سے تصویر اور پتھر لے لوں تو کیا وہ دے دے گا۔ مگر اس کے لیے پہلے مجھے ہیرے کی اصل مالیت کا علم ہونا ضروری تھا۔ کلکتہ میں میرے کچھ رشتے دار تھے ان میں ایک یہاں تاجر تھے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے ان سے کسی قابلِ اعتماد جوہری کا پوچھا جو مجھے صحیح بتا سکے۔ انہوں نے مجھے ایک جوہری لالہ دیش چند کا پتا بتا دیا۔ وہ ان کا جاننے والا تھا۔ میں ہیرا لے کر دیش چند کی دکان جا پہنچا جو کلکتہ کے ایک معروف بازار میں تھی۔ میرے رشتے دار کا نام سن کر اس نے تپاک سے خیر مقدم کیا اور میرے لیے شربت منگوایا۔

''فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' لالہ نے اپنے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کر کے کہا۔

میں نے ہیرا اس کے سامنے رکھ دیا۔ ''لالہ جی میں اسے بیچنے نہیں آیا ہوں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کی صحیح مالیت کیا ہو سکتی ہے۔''

لالہ جی نے بے تابی سے ہیرا اٹھایا۔ چند لمحے بعد ان کے چہرے پر جو تاثرات آئے تھے اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ ہیرا بہت قیمتی تھا۔ انہوں نے محدب عدسے سے بھی اس کا معائنہ کیا۔ کوئی پندرہ منٹ بعد لالہ جی نے ہیرا میرے سامنے رکھا۔

''میں نے ایسا بے عیب اور قیمتی سرخ ہیرا آج تک نہیں دیکھا ہے۔ اس کی قیمت کلکتہ کا کوئی جوہری ادا نہیں کر سکتا ہے۔''

میں حیران ہوا تھا۔ میں نے اصرار کیا۔ ''لیکن لالہ جی پھر بھی اس کی کوئی قیمت تو ہو گی؟''

لالہ جی نے سوچا اور اپنی چاروں طرف سے سجی اور زیورات سے بھری دکان کی طرف دیکھا۔ ''اگر آپ اس ہیرے کے بدلے یہ دکان لے لیں۔ میرے لیے یہ سودا بھی فائدے کا ہے۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ یہ ہیرا اس قدر قیمتی تھا۔ لالہ جی نے ہمدردی سے کہا۔ ''مہاشے جی میرا مشورہ ہے آپ اتنی قیمتی چیز لے کر ایسے نہ پھریں۔ بھگوان نہ کرے کوئی اونچ نیچ ہو گئی۔''

''کچھ نہیں ہوتا لالہ جی۔'' میں مسکرایا۔ ''اگر میرے مقدر میں اس ہیرے سے محرومی لکھی ہے تو میں کسی صورت اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا اور اگر یہ میرا ہے تو کوئی اسے مجھ سے چھین نہیں سکتا۔''

''یہ تو ہے۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''فرمایئے اب میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''کیا آپ اپنی رائے تحریر میں دے سکتے ہیں؟''

''اگرچہ میں ایسا کرتا نہیں ہوں لیکن آپ خان جی کے توسط سے آئے ہیں اس لیے تحریر دے دیتا ہوں پر آپ کسی قانونی معاملے میں اسے نہیں پیش کر سکتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں مجھے صرف کسی کو مطمئن کرنا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور لالہ جی نے مجھے ایک تحریر لکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی۔ مگر اس میں انہوں نے اپنا دامن بچالیا تھا۔ میں ان کے ہاں سے نکلا اور سیدھا میس گیا تھا۔ وہاں مجھے ولیم شا کے بارے میں پتا چلا کہ وہ مقامی کمانڈر کے گھر کسی پارٹی میں مدعو ہے۔ اس لیے میں رات گئے تک اس کا انتظار کرتا رہا تھا۔ وہ آیا تو نشے میں دھت تھا اور اس وقت اس سے بات کرنا بے کار تھا۔ اس لیے میں نے صبح بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر صبح مجھے پتا چلا کہ اسے اچانک ہی کسی کام سے آسام جانا پڑا تھا اور اب وہ اگلے روز وہاں سے واپس آتا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس دوران میں پشاور کے لیے ریل سے ٹکٹ بک کرالوں۔ میں ریل اسٹیشن پہنچا۔ وہاں سے ٹکٹ لیا مجھے تین دن بعد کا ٹکٹ ملا تھا۔ اور جب ٹکٹ لے کر باہر آنے لگا تو کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ میں نے چونک کر دیکھا اور حیران رہ گیا۔

میرے سامنے ویاس کھڑا تھا۔ وہی ویاس جو مجھے برفانی آدمی کے رحم و کرم پر چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ اس وقت اس نے جدید طرز کی پتلون اور شرٹ پہنی ہوئی تھی اور چہرے پر پُر اعتماد مسکراہٹ تھی۔

''تم۔'' میں نے حیرانی سے کہا۔ ''تم مجھے چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے تھے۔''

''میں آپ کو چھوڑ کر غائب نہیں ہوا تھا بلکہ میں نے برف والے کی ہدایت پر ایسا کیا تھا۔'' ویاس نے بڑی حد تک صاف اردو میں کہا تو میں پھر دنگ رہ گیا تھا۔

''تم اردو جانتے ہو، وہاں تو تم ایک اجنبی زبان بولتے تھے۔''

''ہاں میں جانتا ہوں، یہ بھی میں نے برف والے کے حکم پر کیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جب راستے میں آپ کی طبیعت خراب ہو تو میں آپ کو چھوڑ کر اپنا سفر جاری رکھوں۔''

''چاہے میں وہاں بیماری سے مر جاتا۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''نہیں جناب برف والا کبھی غلط نہیں کہتا ہے اس نے کہا تھا کہ آپ مجھے کلکتہ کے ریل اسٹیشن کے ٹکٹ گھر کے باہر ملیں گے اور دیکھ لیں ایسا ہی ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر جاؤں لیکن برف والے کا حکم تھا اس لیے ماننا پڑا تھا۔''

میں حیران تھا کہ یہ برف والا کیا چیز تھا جسے اپنے غار میں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کی خبر تھی اور جو یہ بھی جانتا تھا کہ میں راستے میں بیمار ہو جاؤں گا۔ تو یہ وجہ تھی کہ ویاس مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اسی وجہ سے وہ برفانی آدمی اور برفانی عورت سے محفوظ رہا تھا۔ اچانک مجھے یاد آیا۔ برف والے نے ویاس کے بارے میں کہا تھا کہ اسے برفانی آدمی کی مادہ اٹھا کر لائی تھی تو ماری جانے والی برفانی عورت وہی تو نہیں تھی لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ ویاس کو لے کسی جگہ سکون سے بیٹھ کر اس سے بات کروں۔ میں نے پوچھا۔

''تم یہاں کہاں رکے ہو؟''

''ایک چھوٹی سی سرائے ہے جناب۔'' اس نے کہا۔ ''یہاں پاس ہی ہے۔ میں چار دن سے یہاں ہوں اور صبح ٹکٹ گھر کھلتے ہی یہاں آجاتا تھا اور جب شام کو بند ہوتا تو واپس چلا جاتا۔''

''فرض کرو میں ٹکٹ گھر آتا ہی نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''کسی اور طریقے سے کلکتہ چلا جاتا تو؟''

ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا جناب۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''برف والے نے کہا تھا کہ آپ یہاں آئیں گے اس لیے مجھے پورا یقین تھا کہ آپ آئیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویاس مجھے سرائے میں لایا۔ یہ معمولی درجے کی سرائے تھی اور وہ ایک کھولی نما کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ں نے میرے لیے چائے منگوائی تھی۔ جب میں نے اسے برف والے کے پاس دیکھا تھا تو ہونق اور بے وف سا لڑکا لگا تھا لیکن اس وقت وہ بہت ہوشیار اور اپنی عمر سے زیادہ ذہین نظر آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''آپ یہاں کب آئے؟''

''دو دن ہوئے ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''ولیم شا نے آپ کی چیزیں واپس کیں یا نہیں۔''

میں بھونچکا رہ گیا تھا۔ ''تم یہ بھی جانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''برف والے نے مجھے بہت کچھ بتا کر بھیجا ہے۔ آپ ہیرا اس کے حوالے کر دیں وہ آپ کو آپ کی چیزیں دے دے گا۔''

''اگر میں ہیرا اس کے حوالے نہ کروں تو؟''

''اس صورت میں یہ آپ کے لیے مصیبت بن جائے گا اور آپ کے کسی کام نہیں آئے گا۔''

''میرے کام نہیں آئے گا تو کس کے کام آئے گا؟''

''میرے کام آئے گا۔'' اس نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''برف والے نے یہ ہیرا اصل میں مجھے دیا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ ہیرا مجھے گھوم پھر کر ملے گا۔''

''یہ برف والا کیا چیز ہے؟'' میں نے زچ ہو کر کہا۔ ''یہ تو ہمیں کٹھ پتلیوں کی طرح چلا رہا ہے۔''

''میں خود بھی نہیں جان سکا ہوں جناب۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن ایک بات ہے اس سے ملنے کے بعد مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔''

''کیسی تبدیلی؟''

''میں ایسا نہیں تھا میں تو ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں لیکن جب میں برف والے کے پاس رہا تو میرا ذہن بدلتا چلا گیا اور مجھے دنیا کی سمجھ آنے لگی۔ کس کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے، کس موقع پر کیا کرنا چاہیے اور اپنے مسائل سے کس طرح نمٹنا چاہیے۔ میں یہ سب جان گیا ہوں۔ میں نے اکیلے کلکتہ کا سفر کیا ہے۔ اس سے پہلے راستے میں آنے والے تمام مسائل سے خود نمٹتا رہا ہوں۔''

یہ بات تو میں بھی محسوس کر رہا تھا اس کا انداز کہیں بھی سے بھی ایک سولہ سترہ سالہ لڑکے کا نہیں تھا۔ وہ بالکل کسی جوان آدمی کی طرح با اعتماد تھا۔

''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''اردونا چل ویش کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ بھوٹان سے کچھ ہی دور ہے۔ میں وہاں رہتا ہوں۔''

''برفانی آدمی کی عورت کے ہاتھ کہاں سے آئے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا تو وہ شرما گیا تھا۔

''میں اور میرا بھائی پہاڑوں میں گھوم رہے تھے۔''

''وہ کس لیے؟''

''ادھر سونا ملتا ہے۔ سونے والی ریت ہوتی ہے ہم اسے جمع کر کے لاتے ہیں اور اس سے سونا نکال لیتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔" اس نے وضاحت کی۔ "وہیں اس برفانی عورت نے حملہ کیا۔ میرا بھائی تو بھاگ نکلا مگر میں اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔"

میں نے سوچا۔ "وہ جگہ تو وادی سے بہت دور ہے کم سے کم بھی دو سو میل کا فاصلہ ہے۔ پھر تم اتنی دور کیسے آئے؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ وہ مجھے پکڑ کر ایک جگہ لے گئی تھی جو چاروں طرف سے اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی اور وہاں اس نے....." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا کیا اس نے؟"

ویاس شرما رہا تھا۔ اس نے بمشکل بتایا کہ برفانی عورت اس سے انسانوں جیسی محبت چاہتی تھی اور وہ بے چارہ اس سے اپنی عزت بچا رہا تھا۔ میں نے شرارت سے پوچھا۔ "پھر اس کش مکش کا انجام کیا ہوا؟"

"شکر ہے وہاں ایک اور برفانی آدمی آ گیا۔ اور برفانی عورت اس سے لڑنے لگی۔"

"وہ زخمی تو نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کیسے جانتے ہیں؟" اس نے تعجب سے کہا۔ "وہ واقعی زخمی تھا اور اس کے جسم پر دو عدد زخم تھے۔"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا پہلے تم اپنی بات جاری رکھو۔"

اس نے بتایا کہ برفانی آدمی اسے مار ڈالنے کے درپے ہو گیا تھا۔ مگر برفانی عورت اس کا تحفظ کر رہی تھی۔ اگر برفانی آدمی زخمی نہ ہوتا تو برفانی عورت بھی ویاس کو نہیں بچا سکتی تھی۔ اس نے برفانی آدمی کو زیر کر لیا اور پھر ویاس کو لے کر وہاں سے بھاگ نکلی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ اس کا عارضی طور پر مقابلہ کر سکتی تھی لیکن جیسے ہی اس کے زخم ٹھیک ہوتے وہ ویاس کو مار ڈالتا اور برفانی عورت ہر بار اسے نہیں بچا سکتی تھی۔ اس نے مناسب سمجھا کہ ویاس کو لے کر وہاں سے چلی جائے۔

"وہ مجھے لے کر شمال کے ان ویرانوں کی طرف جانے لگی جن میں کبھی ہمارے بزرگوں نے بھی قدم نہیں رکھا تھا۔ ہر طرف برف تھی اور ویرانی تھی۔ مجھے یہ خوف تھا کہ اس سے بچ بھی گیا تو بھوک سے مر جاؤں گا۔ پھر وہ مجھے لے کر اس وادی کے کنارے پہنچی۔ اسے نیچے اترنے کا راستہ معلوم تھا۔ وہ مجھے لے کر نیچے جانے لگی۔ ایک جگہ نیچے سے کچھ لوگ آ رہے تھے تو وہ مجھے لے کر ایک ایسی دراڑ میں اتر گئی جس میں کوئی انسان نہیں گھس سکتا تھا۔ اس نے میرا منہ دبا لیا تاکہ میں آواز نہ نکال سکوں۔ جب انسان گزر گئے تو وہ مجھے لے کر پھر نیچے اترنے لگی۔ میرے لیے یہ وادی حیرت انگیز تھی کیونکہ میں نے اپنے بزرگوں سے ایسی کسی وادی کے بارے میں نہیں سنا تھا جو عین ہمالیہ کے وسط میں ہو۔ بہت نیچے آنے کے بعد سردی کم ہو گئی تھی اور دھند ہلکی ہونے سے وادی کی صورت بھی نظر آنے لگی تھی۔ وہ نہ جانے کیوں مجھے نیچے لے جا رہی تھی اور جب ہم وادی کی تہہ میں اترے تب مجھے صحیح معنوں میں اس وادی کی وسعت اور عظمت کا اندازہ ہوا تھا۔ یہ بہت بڑی پیالہ نما وادی تھی۔ اور اس کے نیچے موسم اتنا گرم تھا کہ میں نے کبھی اپنے گاؤں میں بھی ایسا موسم نہیں دیکھا۔ برفانی آدمی کی مادہ مجھے لے کر ایک جنگل میں گھس گئی اور اس نے ایک ہرن نما جانور مار ڈالا پھر اس کا گوشت نکالا اور مجھے کھانے کے لیے دیا تھا۔ بھوک سے میں مرنے والا ہو رہا تھا اس لیے میں نے مجبوراً یہ گوشت کھا لیا۔ برفانی عورت نے بھی گوشت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھایا تھا۔

وہ میرے مقابلے میں بہت لمبی چوڑی تھی۔ اسی تناسب سے وزنی اور طاقتور بھی تھی۔ وہ مجھے کسی چھوٹے بچے کی طرح لیے لیے پھرتی تھی اور اس کے سامنے میں ذرا سی مزاحمت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اصرار کر کر کے مجھے اور گوشت کھلایا۔ حتیٰ کہ میرا پیٹ پھٹنے کے قریب ہو گیا تھا۔ پھر اس نے مجھے اٹھایا اور زبردستی اوپر کی طرف لے جانے لگی۔ مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ تو اس نے مجھے اٹھا کر شانے پر ڈال لیا اور اسی حالت میں آرام سے اوپر چڑھنے لگی تھی۔ کئی گھنٹے کے بعد پھر سے برف کا علاقہ شروع ہوا تو وہ مجھے ایک غار میں لے گئی۔''

اس کے بعد ویاس کے ساتھ جو ہوا وہ بتاتے ہوئے شرما رہا تھا۔ مگر مجھے اندازہ تھا اور اس سے ہمدردی بھی تھی۔ وہ ایک درندے کی درندگی کا ذرا دوسرے انداز میں شکار ہوا تھا۔ جب وہ قریب المرگ ہو گیا تو برفانی عورت اسے چھوڑ کر چلی گئی اور بہت دیر بعد شکار کر کے واپس آئی تھی۔ وہ حیرت انگیز طور پر بہت تیز اور ماہر شکاری تھی۔ دوڑ کر ہرن پکڑ لیتی تھی۔ اس نے زبردستی ویاس کو گوشت کھلایا اور پھر سے دست درازی پر اتر آئی تھی۔ یہ سلسلہ کئی دن تک چلتا رہا تھا۔ ویاس ایک انسان تھا اور وہ جناتی طاقت رکھتی تھی۔ اس لیے ویاس کی حالت ہر گزرتے دن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ چند دن میں وہ جیسے نچڑ گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ اسی طرح ایک آدھ دن اور رہا تو مر جائے گا۔ برفانی عورت کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی اسے بس اپنی تفریح کی فکر تھی۔

وہ تیسری بار شکار کرنے گئی تو ویاس نے وہاں سے بھاگ جانا چاہا مگر اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ غار سے نکل سکتا۔ وہ بے بسی سے ایک جگہ پڑا رہ گیا تھا۔ پھر غار کے دہانے پر آہٹ ہوئی تو وہ سمجھا کہ برفانی عورت پھر آ گئی ہے۔ مگر اس کی جگہ ایک دبلا اور طویل قامت بہت بوڑھا آدمی اندر آیا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے چراغ کی طرح روشن تھیں اور اس نے اس سردی میں بھی ایک معمولی سا پاجامہ نما چیز پہن رکھی تھی۔ وہ برف والا تھا اس نے ویاس کے پاس آ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے لگا جیسے اس میں جان آ گئی ہو اور وہ بنا کسی سہارے کے کھڑا ہو گیا تھا۔ برف والے نے اسے ہاتھ سے پکڑا اور وہ اس کے ساتھ کسی معمول کی طرح چل پڑا۔ اسے نہیں یاد کہ برف والا اسے کہاں لایا تھا۔ بس وہ بہت اچھی اور آرام دہ جگہ تھی۔ برف والے نے اسے ایک محلول پینے کے لیے دیا۔ جسے پی کر اسے نیند آ گئی تھی اور جب وہ جاگا تو اس کی کمزوری میں واضح کمی آئی تھی۔ برف والے نے آ کر پھر اسے محلول پلایا اور وہ سو گیا تھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا تھا۔ وہ جب جاگتا تھا برف والا اسے محلول پلا کر پھر سے سلا دیا کرتا تھا۔

پھر وہ ایک روز جاگا تو برف والے نے اس سے بات کی اور یہ سب کچھ اس نے اسے اسی وقت بتایا تھا۔ اس نے ویاس سے کہا کہ وہ فکر نہ کرے اسے یہ ساری باتیں یاد رہیں گی اور وہ ویسا ہی کرے جیسا کہ برف والا اس سے کہہ رہا تھا۔ اس کے چند دن بعد ایک دن برف والے نے اسے سوتے سے اٹھا کر اسے میرے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ ویاس کو اس کی ساری ہدایات یاد تھیں اور اس نے بالکل ویسا ہی کیا جیسا کہ برف والے نے اس سے کہا تھا۔

''اس نے میری جان بچائی پھر مجھے صحت مند کیا۔ اس کے باوجود شاید میں اس کی بات اتنی آسانی سے نہ مانتا مگر جب میں اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی کا سوچتا تھا تو بے اختیار سا ہو جاتا تھا اور پھر وہی کرتا تھا جس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برف والے نے حکم دیا ہوتا تھا۔''

''میرا خیال ہے اس نے تم کو کوئی بہت صحت بخش محلول پلایا تھا ورنہ تم اتنی جلدی صحت یاب نہیں ہو سکتے تھے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے یقین کریں مجھے لگ رہا تھا کہ میرے اندر سے توانائی کا ایک ایک ذرہ نکل گیا تھا۔''

اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا اور میں نے اختصار کے ساتھ اسے اتنا ہی بتایا جتنا کہ اس کا جاننا ضروری تھا۔ یا وہ پہلے سے جانتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ ہیرا بہت قیمتی تھا۔ ویاس فکر مند ہو گیا تھا۔

''تو آپ کا اسے ولیم شا کو دینے کا ارادہ نہیں ہے؟''

''یہ تم سے کس نے کہا۔ اس کے برعکس میں اسے دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں لیکن وہ ابھی آسام گیا ہوا ہے وہاں سے آئے گا تب ہی اس سے بات کروں گا۔''

''جناب جلد از جلد یہ کام کر لیں۔''

''تم کو ہیرا حاصل کرنے کی جلدی ہے؟'' میں طنز کیا۔

''نہیں..... مجھے برف والے کی پیشین گوئی کا خیال ہے اس کے مطابق آپ کسی مشکل میں نہ پڑ جائیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو میں شرمندہ ہو گیا تھا۔

''معاف کرنا میں صرف مذاق کر رہا تھا۔''

''آپ معافی نہ مانگیں جناب آپ میرے بڑے بھائی کی طرح ہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''کیا تمہارے گھر والوں کو پتا ہے کہ تم یہاں ہو؟''

''ہاں میں پہلے گھر ہی گیا تھا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''گھر والے تو اپنے طور پر میرا کریا کرم بھی کر چکے تھے۔ مجھے زندہ پا کر خوشی سے پاگل ہو گئے تھے۔ ماں تو آنے ہی نہیں دے رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اجازت لے کر آیا ہوں۔''

میں ویاس کے پاس کچھ دیر رکا پھر واپس میس آ گیا۔ ویاس نے میرا اپنا جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور نہ میں نے اسے اپنا پتا دیا تھا۔ مجھے ولیم شا کے بارے میں پتا چلا کہ وہ اگلے دن صبح واپس آئے گا۔ دو دن بعد میری ٹکٹ تھی اگر ولیم شا کو کسی وجہ سے دیر ہو جاتی تو مجھے ٹکٹ کینسل کرانی پڑتی اسی روز والد صاحب کا تار موصول ہوا تھا اور انہوں نے مجھے جلد از جلد گھر آنے کا حکم دیا تھا۔ میں نے جوابی تار میں بتایا کہ میں ایک ہفتے کے اندر پہنچ جاؤں گا۔

اگلے روز ولیم شا ایک طیارے سے آیا تھا۔ جیسے ہی مجھے اس کی آمد کی اطلاع ملی میں اس کے پاس پہنچ گیا اس نے مجھے حیرت سے دیکھا۔

''ادھر در از تم گئے نہیں۔''

''نہیں میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''اگر تم تصویر اور پتھر کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو تو کوئی بات نہیں ہو گی۔'' اس نے صاف انکار کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

۱۱۔

''اگر میں تم کو ان چیزوں کے بدلے ان سے بھی زیادہ کوئی قیمتی چیز دوں تو کیا تم تب بھی انکار کر دو گے؟''

اس نے تمسخرانہ نظروں سے مجھے دیکھا۔''تم..... کیا چیز دے سکتے ہو؟''

''مثلاً ایک ایسا ہیرا جس کی قیمت کلکتہ کا کوئی جوہری نہیں دے سکتا ہے۔''

اس نے بھویں سکیڑیں۔''تمہارے پاس ایسا ہیرا کہاں سے آیا؟''

''یہ بات چھوڑو۔ اگر تم تیار ہو تو میں نہ صرف تم کو ہیرا دکھا سکتا ہوں بلکہ ایک معروف جوہری سے اس کے بارے میں تصدیق بھی کرا سکتا ہوں۔''

''مجھے ہیرا دکھاؤ۔'' اس نے مطالبہ کیا۔

''ہیرا یہاں نہیں ہے تم کو میرے ساتھ اس جوہری کی دکان تک چلنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ میں نے یہ جھوٹ اس لیے بولا تھا کہ مجھے ولیم شا جیسے شخص پر قطعی بھروسہ نہیں تھا وہ ہیرا ہتھیانے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

وہ مسکرایا۔

''کیا تم کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا صرف بے حد طنزیہ انداز میں مسکرایا تھا وہ کھسیا گیا۔''ٹھیک ہے میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔''

میں اسے لے کر لالہ دیش چند کی دکان پر آیا تھا اور لالہ جی کے سامنے میں نے ہیرا نکال کر اسے دکھایا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔''ہیرا تمہارے پاس تھا۔''

''ہاں لیکن میں نے مناسب سمجھا کی لالہ جی کے سامنے معاملے کی بات ہو جائے۔''

ہیرا دیکھ کر ولیم شا کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ اسے بھی ہیروں کی پہچان تھی۔ آخر اس کا تعلق ایک امرا خاندان سے تھا۔ اس کا باپ ایک لارڈ تھا۔ اور اس کے بعد وہی اپنے باپ کی جاگیر اور خطاب کا وارث بنتا۔ اس نے بے ساختہ ہیرا اٹھایا۔ اس کا معائنہ کیا اور خاصی دیر بعد میری طرف دیکھا۔''کیا تم سچ مچ ان دو بوتلوں کے بدلے یہ ہیرا مجھے دینے کو تیار ہو۔''

''میرا خیال ہے میرا تمہارے ساتھ مذاق کا رشتہ نہیں ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔''لالہ جی گواہ ہیں اگر تم تصویر اور پتھر میرے حوالے کر دو تو میں یہ ہیرا تم کو دے دوں گا۔''

لالہ جی کے لیے یہ معاملہ حیرت انگیز تھا کہ میں کسی تصویر اور پتھر کے بدلے یہ ہیرا اس انگریز کو دینے کے لیے تیار تھا۔ ولیم شا سوچ رہا تھا۔ غالباً وہ تصویر اور پتھر کے مقابلے میں اس ہیرے کی قیمت کا موازنہ کر رہا تھا۔ وہ ایک دکاندار قوم کا فرد تھا۔ تصویر کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس کے لیے یہ عام سی تصویر تھی۔ میرے لیے اس کی ایک جذباتی حیثیت تھی۔ جب کہ پتھر کے بارے میں میں بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ میرے لیے وہ بس ایک انوکھا پتھر تھا جس میں کوئی سیال شے بھری ہوئی تھی۔ آخر ولیم شا نے سر ہلایا۔

''میں تیار ہوں۔ اب تم بتاؤ تبادلہ کیسے ہوگا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسی جگہ ہوگا۔تم دونوں چیزیں لے آؤ۔لالہ جی گواہ ہوں گے۔''

لالہ جی نے دونوں ہاتھ جوڑے۔''میں آپ کا خادم ہوں لیکن میں کسی قانونی معاملات میں نہیں پڑتا اس لیے مجھے گواہی کے چکر سے معافی دیں۔''

''تم فکر مت کرو۔'' ولیم شا نے اس سے کہا۔''تمہیں کہیں گواہی نہیں دینی ہوگی۔''

''ہم بس تمہارے سامنے کچھ چیزوں کا تبادلہ کریں گے۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔'' لالہ جی نے بے دلی سے کہا۔

''میں ایک گھنٹے میں آتا ہوں۔'' ولیم شا نے مجھ سے کہا۔''تم یہاں میرا انتظار کرو۔''

''میں انتظار کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا لیکن جیسے ہی وہ لالہ جی کی دکان سے نکلا میں بھی وہا سے نکل گیا۔ میں آخری لمحے تک ولیم شا پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔اس لیے میں ایک گھنٹہ تک اسی بازار میں گھومتا تھا اور پوری طرح ہوشیار رہا تھا۔ایک گھنٹے بعد ولیم شا اکیلا ہی لالہ جی کی دکان میں داخل ہوتا نظر آیا تھا۔ نے کچھ دیر انتظار کیا تھا جب مجھے کوئی مشکوک آدمی نظر نہیں آیا تھا تو میں بھی دکان میں داخل ہو گیا ولیم شا نے ناگواری سے دیکھا۔

''کہاں تھے تم؟''

''ادھر ہی تھا۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔''تم دونوں چیزیں لے آئے ہو۔''

اس نے ایک کینوس بیگ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے اسے کھولا اس میں سامیرا کی بنائی تصویرا سیاہ پتھر موجود تھا۔اس موقع پر سب سے زیادہ اشتیاق لالہ جی نے دکھایا تھا انہوں نے بغور تصویر اور پتھر کا معا کیا اور پھر نا قابلِ یقین نظروں سے میری طرف دیکھا۔''آپ ان کے بدلے یہ ہیرا دے رہے ہیں؟''

''ہاں۔'' میں نے سر ہلایا۔اور ہیرا نکال کر ولیم شا کے حوالے کر دیا۔اس نے ایک بار پھر ہیرے کا ا طرح معائنہ کیا اور مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

''اومرڈر! تم نے کیا سوچ کر یہ ہیرا مجھے دیا ہے۔''

''سوچ کر نہیں دیا ہے ان چیزوں کے بدلے دیا ہے۔'' میں نے تصویر اور پتھر بیگ میں رکھتے ہو کہا۔''تمہارا کیا خیال ہے یہ چیزیں کم تر ہیں اس ہیرے کے مقابلے میں۔''

''ہاں یہ ہیرا بہت قیمتی ہے۔'' اس نے خوشی سے کہا۔

''میرے لیے یہ تصویر اور پتھر دنیا کی قیمتی ترین چیز ہیں کیونکہ یہ کسی کا تحفہ ہیں۔''

''تم مشرقی لوگ جذباتی ہوتے ہو۔'' اس نے حقارت سے کہا۔

''اور تم مغربی لوگ ہر چیز کو نفع نقصان کے لحاظ سے دیکھتے ہو تمہارے رشتے بھی کاروبار ہوتے ہیں میں نے جوابی طنز کیا۔

''تم واپس جا رہے ہو؟'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''ہاں میری کچھ چھٹیاں باقی ہیں میں کل جا رہا ہوں۔''

''ریل سے ٹکٹ بک کرایا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں۔'' میں کسی قدر چوکنا ہو گیا اس نے یہ سوال کیوں پوچھا تھا۔ مگر اس نے پھر کچھ نہیں کہا اور جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ معاملہ بنا کسی اختلاف کے خوش اسلوبی سے طے ہو جانے پر سب سے سکون کا سانس لالہ جی نے لیا تھا انہوں نے خوشامدانہ انداز میں ولیم سے کہا۔

''سرکار میری کسی خدمت کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔''

ولیم شا اسے کوئی جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ دیش چند نے کھسیا کر میری طرف دیکھا۔ ''بڑا احمق انگریز ہے۔''

''لالہ جی اب گالیاں دینے کا فائدہ، بہر حال اب آپ کی مدد کا شکریہ۔'' میں نے بیگ سنبھالا اور اس کی دکان سے نکل آیا تھا۔ میں نے میس جانے کے بجائے اپنے رشتے دار کے گھر کا رخ کیا تھا اور اس کے پاس بیگ رکھوا کر پھر میس آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جانے سے پہلے ایک بار پھر ویاس سے مل لوں۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ ہیرا بالآخر اس کے پاس آئے گا۔ کیونکہ ایسا برف والے نے کہا تھا۔ یوں تو اس سفر میں مجھے ملنے والے تمام ہی کردار غیر معمولی تھے۔ حسین ترین سامیرا سے لے کر اورگان اور نیکاٹ تک سب کسی قدیم اساطیری داستان کے کردار لگتے تھے۔ مگر ان میں سب سے غیر معمولی برف والا تھا۔ جس کے پاس ماورائے عقل صلاحیتیں تھیں اور اپنے غار میں بیٹھ کر بھی سب دیکھتا اور جانتا تھا۔ میں اس قسم کی باتوں پر اعتبار نہیں کرتا ہوں لیکن برف والے نے مجھے الجھا دیا تھا آخر اس کے پاس ایسی کون سی صلاحیت تھی کہ وہ سینکڑوں میل دور کے بارے میں بتاتا تھا اور یہی نہیں آنے والے واقعات کے بارے میں بھی اس طرح بات کرتا تھا جیسے اسے سب علم ہو۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ہیرا ولیم شا کے حوالے کر دوں اور شروع میں میں نے سوچا نہیں تھا کہ میں ایسا ہی کروں گا بھلا میں ایک قیمتی ہیرا اس شخص کے حوالے کیوں کرتا جس نے میری جان لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ مگر حیرت انگیز طور پر حالات ایسے ہو گئے تھے کہ میں نے خود ہیرا اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اب ویاس کا کہنا تھا کہ برف والے کے مطابق اصل میں یہ ہیرا اس کا مقدر تھا اور مجھے اسے ولیم شا کے حوالے ہی کرنا تھا تب وہ اس کے پاس آتا۔

میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہیرا کس طرح ولیم شا کے قبضے سے نکل کر ویاس کے پاس جاتا تھا۔ مگر ایک تو میری کل کی سیٹ بک تھی اور مجھے کلکتہ سے روانہ ہو جانا تھا۔ دوسرے میں جلد از جلد ولیم شا سے دور چلے جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس سازشی آدمی سے کچھ بعید نہیں تھا کہ ہیرا حاصل کرنے کے بعد وہ تصویر اور پتھر حاصل کرنے کے لیے کوئی چکر چلاتا۔

اگلے روز صبح سویرے میں نے روانگی کی تیاری شروع کی اور وقت سے پہلے میس سے نکل گیا۔ پہلے میں اپنے رشتے دار کے گھر گیا اور اس سے تصویر اور پتھر والا بیگ لیا۔ اس کے بعد میرا ارادہ ویاس کے پاس جانے کا تھا اس لیے ایک سائیکل رکشہ لے کر اس سرائے پہنچا تو ویاس بھی جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ ''میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔''

''خیریت؟''

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہاتھ باہر نکالا تو اس پر وہی ہیرا جگ مگا رہا تھا۔ میں دنگ رہ گیا۔

''ویاس یہ ہیرا تمہارے پاس کہاں سے آیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے کہا تھا نا برف والے نے اسے میرا مقدر قرار دیا ہے۔''

''تم نے اسے ولیم شا کے پاس سے چرایا ہے؟'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

''نہیں جناب میں چور نہیں ہوں۔'' اس نے آزردگی سے کہا۔ ''آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔''

''اگر یہ غلط ہے تو پھر ہیرا تمہارے پاس کہاں سے آیا میں نے کل ہی اسے ولیم شا کے حوالے کیا تھا۔''

''کل رات یہ ہیرا اس کے کمرے سے چرا لیا گیا تھا اور چرانے والے دو نیپالی تھے جو وہیں کام کرتے ہیں۔ ہیرا چرا کر وہ وہاں سے بھاگے تو پولیس نے ان کا پیچھا کیا اور ان دونوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔''

''تب بھی یہ ہیرا تمہارے پاس کیسے آیا؟''

''اتفاق سے ان میں سے جس کے پاس ہیرا تھا وہ گولی کھانے کے باوجود کچھ دور بھاگا تھا اور جہاں گرا وہاں سے میں گزر رہا تھا اس لیے جب اس نے مرنے سے پہلے ہیرا میرے حوالے کیا تو میں بھی اتنا ہی حیران ہوا تھا جتنا کہ آپ اسے میرے پاس دیکھ کر حیران ہوئے ہیں۔''

اس کی کہانی مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی لیکن اس پر شک کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ نیپالی باشندوں کی پولیس کے ہاتھوں ہلاکت کی تصدیق ہو سکتی تھی۔ اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہیرا اگر ویاس کے پاس تھا تو میرے لیے زیادہ قابلِ قبول تھا بہ نسبت اس کے کہ یہ ولیم شا کے پاس ہو۔

''ٹھیک ہے مبارک ہو لیکن اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''برف والے نے کہا تھا کہ جب مجھے ہیرا مل جائے تو میں آپ کا انتظار کروں اور جب آپ آئیں تو آپ کے ساتھ چلا جاؤں۔''

''میرے ساتھ کیوں؟''

''یہ ہیرا میں آپ کی مدد سے بیچ سکتا ہوں۔''

''میری ٹرین روانہ ہونے والی ہے اگر تم چلنا چاہو تو شوق سے چلو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''برف والے نے کہا تھا آپ کو منع کر دوں آپ جس طریقے سے جا رہے ہیں اس کے بجائے پانی کا راستہ اختیار کریں۔''

''پانی کا راستہ؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''برف والے نے یہی کہا تھا۔''

اب ضروری نہیں تھا کہ میں برف والے کی ہر بات پر آنکھ بند کر کے عمل کرتا۔ مگر ہر بار حالات کچھ ایسے ہو جاتے تھے کہ اس کی بات پر عمل کرنا ہی پڑتا تھا اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مجھے ولیم شا کی طرف سے ویسے ہی کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں ٹرین سے جا رہا ہوں۔ اگر اس نے تصویر اور پتھر کے بارے میں چوری کی رپورٹ کر دی تو میں پکڑا جاتا اور بہت سارے لوگ ولیم شا کے حق میں گواہی دینے کے لیے تیار ہو جاتے کہ یہ چیزیں اس کی تھیں۔ اب تو ہیرا بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اس لیے عین ممکن تھا وہ میری تلاش شروع کر دیتا۔ کلکتہ سے نکلنے کے کئی راستے تھے۔ ان میں ریل کے ساتھ سڑک کا راستہ بھی تھا لیکن سب سے آسان سمندر کا راستہ تھا کیونکہ ایک بار نکل جاتے تو پھر کوئی پکڑ نہیں سکتا تھا۔ مجھے ویاس کی بات درست لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے ہمیں سمندر کے راستے جانا ہوگا۔'' میں نے اس سے کہا۔ اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

''جیسی آپ کی مرضی برف والے نے کہا تھا کہ میں اس معاملے میں آپ پر پورا اعتماد کروں اور آپ جو کہیں اس کے مطابق چلوں۔''

برف والے نے ہمارے لیے پورا پلان تیار کر دیا تھا۔ میں نے ویاس کے ساتھ ریل اسٹیشن کے بجائے کلکتہ کی بندرگاہ کا رخ کیا۔ وہاں بے شمار بحری جہاز اور اسٹیمر جانے کے لیے تیار تھے۔ میں نے ایک اسٹیمر میں جو بمبئی جا رہا تھا دو نشستیں بک کرالیں۔ یہ ایک چھ افراد کا کمپارٹ تھا۔ روانگی میں صرف دو گھنٹے باقی تھے اس دوران میں، مَیں نے ایک انگریزی کا اخبار خرید کر دیکھا اس میں نیپالی ملازمین کی جانب سے چوری اور پھر ان کے پولیس کے ہاتھوں مارے جانے کی خبر تھی۔ مگر اس میں ہیرے کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ مگر یہ دیکھ کر میں اچھل پڑا کہ ولیم شا نے ایک تصویر اور ایک پتھر کے چوری ہونے کی رپورٹ کروائی تھی۔ میں بال بال بچا تھا اس وقت پولیس لازمی طور پر مجھے ٹرین میں تلاش کر رہی ہوگی۔ ولیم شا نے ایک بار پھر اپنی روایتی کمینگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے ویاس کو اس بارے میں نہیں بتایا۔ اس نے پہلی بار سمندر دیکھا تھا اور بہت پُرجوش ہو رہا تھا۔ اس نے سمندر کے متعلق سوالات کر کر کے میرا دماغ خراب کر دیا تھا۔ میں ویسے ہی ولیم شا کی وجہ سے پریشان تھا اس لیے اسے جھڑک کر چپ کرا دیا۔

''اب چپ کر کے بیٹھو اور یاد رکھنا ولیم شا کا یا ہیرے کا غلطی سے بھی ذکر نہیں کرنا ہے۔''

اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ ''اچھا میں خیال رکھوں گا۔''

اسٹیمر سے بمبئی تک کا سفر دو دن میں طے ہوتا تھا۔ اصل میں یہ ایک تیز رفتار تجارتی اسٹیمر تھا۔ جس میں تاجر سامان سمیت سفر کرتے تھے۔ ان کے آرام کے لیے اسٹیمر میں بہترین قسم کے کمرے مہیا کیے گئے تھے اور دوسری سفری سہولتیں بھی اچھی تھیں۔ ان میں کال گرلز تک شامل تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ تاجر اسٹیمر کا زیادہ کرایہ بھی بخوشی برداشت کر لیتے تھے۔ کال گرلز کے بارے میں مجھے بعد میں علم ہوا تھا۔ جب ایک لڑکی نے ویاس کو پرچانے کی کوشش کی تھی اور وہ اسے باہر عرشے پر لے گئی تھی۔ مگر ویاس کو ان معاملات کا پتا ہی نہیں تھا اس لیے جب کال گرل کی دال نہیں گلی تو اس نے جھنجھلا کر ویاس سے وقت گزاری کا معاوضہ مانگ لیا۔ اس نے انکار کر دیا اس پر ذرا سا ہنگامہ ہوا تھا۔ میں نے مداخلت کر کے بات ختم کروی اور لڑکی کو کچھ رقم دے دی۔ اس کے بعد ویاس اس سفر کے دوران ڈر کے مارے کمرے سے نکلا ہی نہیں تھا۔

تیسرے دن صبح سویرے جب کہ سورج بھی نہیں نکلا تھا ہم بمبئی کی بندرگاہ پر تھے۔ وہاں سے ایک ٹیکسی میں بندرگاہ کے قریب ہی ہوٹل پہنچے تھے۔ جہاں میں نے اپنے اور ویاس کے فرضی نام لکھوائے تھے۔ ممکن ہے پولیس یہاں بھی تلاش کر رہی ہو۔ ویاس نے کہا تھا کہ برف والے نے اسے میرے سپرد کیا ہے اس لیے اس کی مدد مجھ پر لازمی تھی۔ میں ہیرا بکوانے میں اس کی مدد کرتا۔ اسی شام کو میں نے ایک جاننے والے کے توسط سے ایک جوہری سے بات کی۔ ہیرا دیکھ کر اس نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اسے نہیں خرید سکتا تھا۔ البتہ اس نے ایک مہاراجا کا پتا دیا کہ وہ ہیروں کے شوقین تھے اور اگر کوئی پتھر پسند آجائے تو اس کے عوض منہ مانگے دام دینے کو تیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو جاتے تھے۔ یہ مہاراجا شنکر جی تھے۔ ان کی ریاست اتر پردیش کی طرف کہیں تھی اور ظاہر ہے معمولی سی ریاست تھی مگر ان کے نام کے ساتھ مہاراجا لگا تھا۔ بمبئی میں ان کی عیاشی کے قصے عام تھے اور فلم انڈسٹری سے تعلق رکھنے والی معمولی سی اداکارہ بھی ایسی نہیں تھی جس نے شرف باریابی حاصل کر کے گوہر مقصود نہ حاصل کیا ہو۔ ان مہاراجا تک رسائی کے لیے ہمیں کیا پاپڑ بیلنے پڑے تھے یہ ایک الگ داستان ہے۔

کسی نہ کسی طرح ہم نے ان تک رسائی حاصل کی اور ہیرا ان کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ ہیرا دیکھتے ہی دل و جان سے اس پر فدا ہو گئے تھے اور جب میں نے ان سے بیس لاکھ روپے مانگے تو وہ کسی قدر پس و پیش کے بعد راضی بھی ہو گئے تھے۔ یہ قیمت میں نے مشورہ دینے والے جوہری سے پوچھ کر لگائی تھی۔ بلکہ اس نے پندرہ لاکھ کہے تھے اور میں نے بیس لاکھ روپے مانگ لیے۔ مہاراجا کا پس و پیش دور کرنے کے لیے میں نے ان کے ایک حریف مہاراجا سے ملاقات کا عندیہ دیا جس کے بعد وہ فوراً مان گئے تھے۔ بیس لاکھ روپے انہوں نے دیاس کے نام ایک اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں منتقل کیے تھے۔ جب تک یہ سارا معاملہ نمٹا تھا ہم مہاراجا کے مہمان رہے تھے۔

اس زمانے میں بیس لاکھ روپے بہت بڑی رقم تھی۔ آج کے لحاظ سے سمجھنا چاہیں تو سونے کا حساب لگا لیں اس وقت سونا چالیس یا بیالیس روپے تولہ تھا۔ دیاس دیکھتے ہی دیکھتے کروڑ پتی بن گیا تھا۔ اس کی خوشی کا کیا عالم ہو گا اس کا اندازہ مجھے بھی نہیں تھا لیکن اس وقت مجھے سخت حیرت ہوئی جب اس نے مجھ سے کہا۔

''عمر بھائی اس میں سے آدھی رقم آپ کی ہے۔''

''کیوں میری کیوں ہے۔ برف والے نے ہیرا تم کو دیا تھا۔''

''لیکن آپ بھی اس میں حصے دار ہو۔'' اس نے اصرار کیا۔

''مجھے معاف رکھو۔'' میں نے انکار کیا۔ ''ویسے بھی مجھے اس سفر سے جو ملنا تھا مل گیا۔'' میں نے کینوس بیگ کی طرف دیکھا۔

دیاس نے بہت اصرار کیا مگر میرا انکار برقرار رہا۔ یہ اس چھوٹے سے لڑکے کا ظرف تھا جو مجھے اتنی بڑی رقم میں شریک کرنا چاہ رہا تھا۔ جب اس نے جان لیا کہ میں اس رقم میں سے کچھ نہیں لوں گا تو اس نے پوچھا۔

''آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں۔''

''کیا مطلب کیا کرو؟''

''مطلب اس رقم کا کیا کروں؟''

''برخوردار عیش کرو اور کیا کرو گے؟''

''نہیں عمر بھائی میری منزل صرف یہ بیس لاکھ روپے نہیں ہیں میں ان سے بہت آگے جانا چاہتا ہوں۔''

''وہ تو تم بنیوں کی خصوصیت ہوتی ہے ساری دنیا کی دولت بھی تمہیں مطمئن نہیں کر سکتی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''عمر بھائی میں مذاق نہیں کر رہا۔'' اس نے احتجاج کیا۔

''تب اس رقم سے زمین خرید لو۔ ابھی وقت ہے ملک کے حالات غیر یقینی ہیں اور بے شمار لوگ اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زمینیں بیچ کر جا رہے ہیں۔ یعنی مسلمان اپنے علاقے میں جا رہے ہیں اور ہندو اپنے علاقوں میں منتقل ہو رہے ہیں۔ اس لیے زمین بہت سستی مل رہی ہے۔ زمین بہت بڑی طاقت ہوتی ہے۔ کاروبار کے لیے ابھی تم ناتجربے کار ہو لیکن زمین خود تم کو سنبھال لے گی اور تمہاری دولت بھی محفوظ کر دے گی۔''

ویاس نے بعد میں ایسا ہی کیا تھا۔ اس نے شمالی بنگال میں ایک بہت بڑی زمین خرید لی تھی اور اس پر بعد میں اپنی اسٹیٹ قائم کر لی۔ اس نے نہ صرف اپنے خاندان والوں بلکہ اپنی پوری برادری کو بلا کر وہاں آباد کر لیا تھا۔ اس نے سچ مچ بہت ترقی کی تھی۔ بعد میں اس نے اور زمین خرید لی تھی۔ آج وہ مغربی بنگال کا ایک ایسا نام تھا جس کا اثر صوبائی کابینہ تک پر تھا اور اس کا چھوٹا بھائی اس کابینہ میں وزیر لگا ہوا تھا۔ علاقے کے قومی اور صوبائی اسمبلی کے لوگ اس کی آشیر باد سے بنتے تھے۔

☆======☆======☆

راجا عمر دراز چپ ہو گیا تھا لیکن اس کی سنائی کہانی کا سحر ابھی باقی تھا اور پھر جب میں نے شیشے کے پار باہر دیکھا تو وہاں بھی سحر نمودار ہو چکی تھی۔ رات گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ رانا ویاس اپنی کرسی پر لیٹے لیٹے سو گیا تھا۔ عمر دراز البتہ پوری طرح ہوشیار اور چاک و چوبند تھا۔ حالانکہ وہ عمر میں رانا ویاس سے سات آٹھ سال بڑا تھا۔ مگر اس کا اسٹیمنا قابلِ داد تھا۔ وہ کرسی پر جھول رہا تھا اور شاید خود بھی ماضی کی ان بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔ جہاں سے عرصہ ہوا وہ نکل چکا تھا۔

''آپ ولیم شا کے بچھائے جال سے بچ نکلے تھے؟''

''ہاں میں اپنے علاقے میں آ گیا تھا۔'' اس نے چونک کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک ماضی کی دھند تھی۔ ''اس نے پوری کوشش کی تھی کہ کسی طرح مجھ سے تصویر اور پتھر واپس حاصل کر لے۔ اس کے پاس سے ہیرا جس طرح غائب ہوا تھا۔ اس کا شبہ مجھ پر گیا تھا مگر اس کے پاس ہیرے کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں تھا اس لیے وہ مجبور تھا۔ جب تک پاکستان نہیں بن گیا میں روپوش رہا تھا۔ اس کے بعد بھی ولیم شا نے کوشش کی تھی اور سفارتی ذرائع سے میرے خلاف انکوائری کرواتا رہا تھا۔ پھر وہ خود مر گیا اور اس کے بیٹے برٹ شا سے اس کے کزن ڈیوڈ شا نے جاگیر اور خطاب ہتھیا لیا تھا۔ برٹ شا کا کچھ پتا نہیں ہے۔''

''آپ شاید بھول رہے ہیں میں نے آپ کو بتایا تھا وہ فتح خان کی قید میں ہے۔ فتح خان نے اب تک ان گم شدہ ہیروں کی آس نہیں چھوڑی ہے۔''

''ہاں میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔'' اس نے کرسی ایک بار پھر جھلانا شروع کر دی۔ ''ویسے میں نے جو کہانی تم کو سنائی ہے کیا اس میں تم کو اپنے حوالے سے کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوئی ہے؟''

''ہاں غالباً آپ کا اشارہ برف والے کے بتائے مبینہ ہاتھ والے کی طرف ہے۔''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''تم سمجھ گئے ہو؟''

''ہاں اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات ہے۔ برف والے نے آپ سے کہا تھا کہ جادو اثر پتھر ہاتھ والے کے لیے ہے اور یہ میرا ہاتھ بچانے میں استعمال ہوا۔''

''اس کا مطلب ہے تم مانتے ہو کہ تم ان لوگوں کی تقدیر ہو اور ایک وقت ایسا آئے گا جب تم ان کو بچاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گ ''

''نہیں میں اس چیز کو نہیں مانتا کیونکہ میں ایک کمزور سا انسان ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس کے باوجود جو تم یہاں کرتے آئے۔ مجھے تمہارے کارناموں کا پتا چلا ہے۔ تم بھارتی حکومت کے ظ پ ترین فرد بن چکے ہو۔ تم نے ان کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔''

''میں نے جان کر کچھ نہیں کیا، کہیں اپنی جان بچانے کے لیے اور کہیں دوسروں کی جان بچانے کے لیے مجھے ایسا کرنا میں آنا پڑا تھا۔''

''میں نے ویاس کو بڑی مشکل سے یقین دلایا ہے کہ تم دہشت گرد نہیں ہو اور پھر اس نے تمہاری مدد پر آ ا گی لی تھی۔''

''میں جناب رانا کا شکر گزار رہوں لیکن اس ملک میں، میں نے اپنی جدوجہد کا ایک بہت بڑا حصہ بنا کسی ا ا ہ کے صرف اوپر والے کی مہربانی سے گزارا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

رانا ویاس نے جاگ کر انگڑائی لی تھی۔ ''اور سناؤ کہانی مکمل کر دی۔ بچے کو کیوں ڈرا رہے ہو۔ یہ کسی سے ا ل ہ الا نہیں ہے۔ اس نے صحیح کہا اس نے اکیلے جو کام کیے ہیں پوری بھارتی حکومت مل کر رہ گئی ہے۔ ابھی بھی ظلانہ میں اس کی تلاش جاری ہے۔''

''تم نے ان سب کے لیے پاسپورٹ بنوانے کے لیے کہا تھا۔''

''میں نے بلاس سے بات کر لی ہے ایک دو دن میں یہ کام بھی ہو جائے گا۔ وہ آنے والی الیکشن مہم میں ا ا مصروف ہے۔''

''ویاس بے وقوف کسی اور کو بنانا۔ میں جانتا ہوں اس الیکشن مہم کی حقیقت، پاسپورٹ دو دن میں بن جا ل جائیں۔''

''بن جائیں گے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''ناشتے کا نہ کہہ دوں۔''

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ رانا ویاس وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے راجا عمر دراز ے پوچھا۔ ''اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔ اگر ہمارے پاسپورٹ بن جائیں تو ہمیں پہلی فرصت میں یہاں سے ا ل جانا چاہیے۔''

''جلدی نہیں برخوردار۔'' اس نے کرسی جھلاتے ہوئے کہا۔ ''اب تم محفوظ ہو۔''

''سچی بات ہے جب تک میں اس ملک سے نکل نہیں جاتا خود کو محفوظ نہیں سمجھ سکتا۔''

''رانا ویاس کے ہوتے کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔''

میں راجا عمر دراز سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن سچ یہ ہے کہ میں خود کو محفوظ نہیں سمجھ رہا تھا۔ جب کہ راجا ع ر ز اس معاملے میں مطمئن لگ رہا تھا اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا تھا کہ اس نے مونا اور سفیر کو بھی یہاں بلا ا ا تھا اگر چہ ان کو ذاتی طور پر یہاں کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن وہ اگر ہمارے ساتھ پکڑے جاتے تو وہ بھی مجرم ہی شمار ہ تے اور پھر ہمارا سب سے بڑا جرم پاکستانی ہونا بن جاتا۔ جس کی کم سے کم سزا یہاں یہ ہے کہ جیل میں ڈال کر بھول جاؤ، یا پھر مار مار کر ہلاک کر کے لاش تابوت میں ڈال کر وطن بھیج دو۔ اس لیے میں بالکل بھی مطمئن نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ راجا عمر دراز مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''لگتا ہے تم مطمئن نہیں ہو۔'' اس نے درست تجزیہ کیا۔

''جناب میں نے ان چند مہینوں میں یہاں کے لوگوں اور خاص طور سے ہندوؤں کو جس طرح سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ میں ان پر قطعی اعتبار نہیں کر سکتا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

''رانا دیاس عام لوگوں سے مختلف ہے۔'' راجا عمر دراز بولا۔

''نہیں جناب وہ صرف آپ کا دوست ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا رویہ بھی وہی ہوتا جو دوسروں کا رہا ہے۔'' میں نے پھر صاف گوئی سے کہا تو راجا عمر دراز کچھ جھنجھلایا ہوا نظر آنے لگا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔'' میں نے عرض کیا۔

''کیا تم کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟''

''یہ بات نہیں ہے لیکن میں نے گزشتہ ایک سال میں ایک چیز بہت اچھی طرح سیکھ لی ہے کہ آپ خطرے سے جتنا دور رہیں اتنا اچھا ہے۔''

''کیا تم واپس جانا چاہتے ہو۔''

''میں نے اس بارے میں نہیں سوچا ہے۔ کیونکہ میں میرے ساتھی آپ کے ہاتھ میں ہیں۔''

''تمہارا خیال ہے میں تم لوگوں کو اپنی مرضی پر چلا رہا ہوں۔''

میں مسکرایا۔ ''آپ ناراض ہو رہے ہیں لیکن جناب ذرا میری اور میرے ساتھیوں کی پوزیشن پر غور کریں ہم ایک چوٹی کے کنارے پر کھڑے ہیں اور ذرا سا دھکا ہمیں کسی نامعلوم سفر پر روانہ کر سکتا ہے۔ اگر ہم بدستور اس چوٹی کی کنارے کھڑے رہیں تو یہ حماقت ہی گی۔ کسی بھی کام کی ایک وجہ ہوتی ہے اگر آدمی کو وجہ پتا ہو تو وہ خطرے کے سامنے کھڑا رہ سکتا ہے۔''

راجا عمر دراز غور سے میری بات سن رہا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''یعنی تم جاننا چاہ رہے کہ میں یہاں کیوں رکا ہوا ہوں؟''

''لازمی سی بات ہے جناب۔''

''میں تم کو بتا چکا ہوں کہ میں ڈیوڈ شا کو بہر صورت اس وادی تک جانے سے روکنا چاہتا ہوں۔''

''سوال یہ ہے کہ ڈیوڈ شا اگر اس وادی تک چلا جاتا ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟''

راجا عمر دراز کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا ''اگر وہ وہاں پہنچ گیا تو یہ وادی تباہ ہو جائے گی۔''

''معاف کیجئے گا راجا صاحب یہ بات کچھ فضا سی لگتی ہے اگر یہ وادی دریافت ہو بھی گئی تو اس سے وہاں کے لوگوں کو کیا فرق پڑے گا؟''

''تمہارا مطلب ہے میرا وہاں جانا اور ڈیوڈ شا کو روکنے کی کوشش کرنا بے کار ہے۔'' راجا عمر دراز کے لہجے میں برہمی آ گئی تھی۔

''میں نے یہ نہیں کہا ہے لیکن جناب سوچنے کی بات ہے یہ وادی کب تک چھپی رہے گی ایک مسلمان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حیثیت سے میرا عقیدہ ہے کہ چھپی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے یا جس چیز کو وہ چھپانا چاہتا ہے۔ باقی کوئی بھی چیز ہمیشہ چھپی نہیں رہتی ہے۔''

''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ مجھے ڈیوڈ شا کو کھلی چھوٹ دے دینی چاہیے۔''

''جناب اگر ہم اسے ابھی روک بھی دیں گے تو کیا وہ پھر نہیں آ سکتا؟''

''میں نے یہ سب نہیں سوچا ہے مجھے معلوم ہے وہ وادی کی طرف جانے کی تیاری کر رہا ہے اور ممکن ہے وہ وہاں جا کر لوگوں کو اپنا غلام بنا لے۔''

''اور آپ ایسا نہیں چاہتے ہیں۔''

''ظاہر ہے اس وادی سے میری جذباتی وابستگی ہے۔''

''بس یہی وجہ ہے؟''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا۔''تو کیا یہ وجہ کم ہے اور تم جانتے تو ہو۔ برف والے نے بھی کہا تھا کہ میں ایک بار وہاں آؤں گا۔ اور تم بھی میرے ساتھ ہو گے۔''

''یعنی آپ مجھے صرف اس وجہ سے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔''تمہارا ہونا بہت ضروری ہے لیکن اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں تم کو زبردستی لے جانا چاہ رہا ہوں۔''

میں کہتے کہتے رک گیا کہ اس کا انداز تو یہی تھا اس نے مجھ سے پوچھے بغیر تیاری کر لی تھی اور سب سے بڑھ کر مونا اور سفیر کو بلا لیا تھا۔ میں، وسیم اور بیتو تو مجبور تھے لیکن مونا اور سفیر کو بلانا بالکل بھی درست نہیں تھا۔ وہ آج کسی وقت یہاں آ جاتے۔ اس طرح شاید راجا عمر دراز مجھے مجبور کر رہا تھا۔

''یعنی اگر میں نہ جانا چاہوں تو اپنی مرضی کے لیے آزاد ہوں گا۔''

''ہاں میں تم کو مجبور نہیں کروں گا اور تم کو تمہارے ساتھیوں سمیت پاکستان بھیج دوں گا۔'' اس نے کسی قدر رکھائی سے کہا۔

میں چپ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ویاس کے سیکرٹری نے آ کر اطلاع دی۔''رانا صاحب ناشتے کی میز پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

ہم کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ اس وقت وہاں صرف رانا ویاس تھا۔ اس کی فیملی کا کوئی فرد نہیں تھا وسیم اور بیتو بھی آ گئے تھے۔ راجا عمر دراز نے بہت تھوڑا سا لیا تھا اور پھر تھکن کا کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا اس کا موڈ واضح طور پر خراب تھا۔ وسیم نے آنکھوں میں مجھ سے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے شانے ہلائے تھے۔ ناشتے کے بعد رانا ویاس کے سیکرٹری نے مجھ سے کہا۔''سر آپ کو ہمارے ساتھ کلکتہ جانا ہو گا۔''

''میں تیار ہوں۔'' میں نے کہا۔

''کلکتہ کیوں؟'' وسیم نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے اسے بتایا۔''میں نے ہیرے رانا صاحب کو بیچ دیئے ہیں ادائیگی کے لیے میرا اکاؤنٹ کھلنا۔ اسی لیے کلکتہ جا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مونا بی بی اور سفر صاحب بھی آ رہے ہیں۔''

میں نے سیکرٹری کی طرف دیکھا۔ ''ان کی فلائٹ کب کی ہے؟''

''وہ رات کو آئیں گے سر۔''

''تب تک میں واپس آ جاؤں گا۔'' میں نے وسیم سے کہا۔

''آپ کا کلکتہ جانا بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔'' وسیم نے فکرمندی سے کہا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ آپ کی تلاش کس طرح کی جا رہی ہے۔''

''ہاں خطرہ تو ہے مگر رانا صاحب نے کہا ہے تو مجھے جانا چاہیے باقی معاملات وہ دیکھ رہے ہیں۔''

وسیم مطمئن نہیں تھا اور سچی بات ہے کہ میں بھی مطمئن نہیں تھا مگر خطروں کے ڈر سے چھپ کر بیٹھ جانا بھی تو دانش مندی نہیں تھی۔ جانے سے پہلے تیاری کے دوران میں نے وسیم اور بیتو کو راجا عمر دراز کی کہانی اختصار سے سنائی تھی۔ میں نے کہا۔ ''راجا ہمیں اپنے ساتھ وادی کے سفر پر لے جانا چاہتا ہے۔''

''آپ کا کیا خیال ہے؟''

''اس پر میں آ کر بات کروں گا۔'' میں نے کہا۔

وسیم اور بیتو بھی میرے ساتھ جانا چاہتے تھے مگر میں نے روک دیا۔ اگر کوئی خطرہ ہو تو سب نہ پھنسیں۔ میرے ساتھ رانا دیاس کا سیکرٹری منظور اور ایک ڈرائیور تھا۔ ہم ایک سیاہ شیشوں والی کار میں روانہ ہوئے تھے۔ اس کی رفتار اس دین کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی جس میں ہم کلکتہ سے آئے تھے۔ اس لیے کلکتہ تک پہنچے میں صرف ڈھائی گھنٹے لگے تھے۔ ایک معروف کمرشل علاقے میں واقع اس غیر ملکی بنک میں میرا اکاؤنٹ کھولا گیا تھا اور یہ بین الاقوامی اکاؤنٹ تھا جسے میں کہیں سے بھی آپریٹ کر سکتا تھا اس کے لیے مجھے کسی چیک بک کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اسے انٹرنیٹ سے بھی آپریٹ کر سکتا تھا۔ وہیں میرا انٹرنیٹ کا اکاؤنٹ بن گیا۔ مستقبل میں، میں جب چاہتا اس بنک کی کسی بھی برانچ سے اپنے لیے گولڈ کریڈٹ کارڈ بنوا سکتا تھا۔ ان سارے کاموں میں ایک گھنٹہ لگا تھا۔ منظور سب کے لیے لنچ لینے چلا گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ہم راستے میں کہیں رکے بغیر کار میں لنچ کر لیں گے۔

جب تک وہ آیا میرا کام ہو گیا تھا۔ منظور نے ایک ملین ڈالرز کا چیک میرے اکاؤنٹ میں جمع کرانے کو دیا۔ چیک جمع ہوتے ہی ہم وہاں سے نکل آئے تھے۔ کار میں بیٹھ کر واپسی کا سفر شروع ہوا تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ میرے خدشات کے برعکس کچھ نہیں ہوا تھا۔ اور ہم ایک گھنٹے بعد کلکتہ سے نکل چکے تھے۔ منظور نے لنچ پیک کھولا۔ وہ بیف برگر اور ساتھ میں پزا لایا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ کلکتہ میں فاسٹ فوڈ کا رواج زیادہ تھا۔ اور روایتی کھانے اب کم کھائے جاتے تھے۔

کھانے کے ساتھ کولڈ ڈرنک کے ٹن تھے۔ میں ایک ٹن کھول رہا تھا کہ اچانک ڈرائیور نے کار کو بریک لگایا۔ بریک اتنی اچانک لگائی تھی کہ میں اور منظور بالکل نہیں سنبھل سکے تھے۔ اس کے بعد کار کسی دوسری گاڑی سے ٹکرائی اور شیشے بکھرنے کی سمع خراش آواز آئی تھی۔ جب تک میں اور منظور سنبھلتے دونوں طرف کے دروازے کھلے اور کچھ لوگوں نے ہمیں پکڑ کر باہر کھینچ لیا تھا۔ ڈرائیور چلا رہا تھا کہ اچانک ہلکی سی ٹھک کی آواز آئی اور اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلنا بند ہو گیا۔ منظور بھی مزاحمت کر رہا تھا۔ مگر ایک اور ٹھک کی آواز کے ساتھ ہی اس کی مزاحمت بھی ختم ہو گئی۔ وہ افراد نے مجھے زمین کی طرف رخ کر کے دبا رکھا تھا۔ اور میری مزاحمت کو ناکام بنا دیا تھا وہ پیشہ ور لگ رہے تھے۔ کسی نے میرے ہاتھوں میں عقب سے ہتھکڑی ڈالی اور اس کے بعد میرے پیروں میں بھی ایسی ہی بیڑی ڈال دی تھی۔ پھر مجھے کھینچ کر کھڑا کر دیا تھا۔ آخر میں میرے سر پر کپڑے کا ایک غلاف چڑھا دیا اور مجھے کھینچ کر کسی گاڑی کے فرش پر ڈال دیا۔ میں نے ان کی جو جھلک دیکھی تھی۔ وہ سب مقامی لوگ تھے اور انہوں نے سیاہ پینٹ اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ جب مجھے غلاف پہنایا جا رہا تھا تو میں نے ڈرائیور کی لاش دیکھی تھی۔ وہ کار کے پہلو میں پڑا تھا جب کہ منظور نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا انہوں نے اسے بھی مار دیا تھا۔ جب مجھے گاڑی میں ڈالا گیا تو میں نے ان لوگوں سے پوچھا۔ ''تم کون ہو مجھے کیوں پکڑا ہے؟''

مجھے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا اور گاڑی تیز رفتاری سے روانہ ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ اس گاڑی نے اچانک سامنے آ کر ہماری کار کے ڈرائیور کو بریک لگانے پر مجبور کیا ہو گا۔ تصادم کے بعد جب تک ہم سنبھلتے انہوں نے ہمیں چھاپ لیا تھا۔ وہ میرے لیے آئے تھے۔ منظور اور ڈرائیور کو گولی مار دی اور مجھے اس طرح سے جکڑ کر لے جا رہے تھے۔ ایک بات تو طے تھی کہ وہ سرکار کے یا کسی بھی خفیہ ایجنسی کے آدمی نہیں تھے۔ ان کو یہ طریقہ کار اختیار کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی منظور اور ڈرائیور کو مارنا لازمی تھا۔ مجھے منظور کا سوچ کر دکھ ہو رہا تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے وہ مجھ سے بات کر رہا تھا اور اب اس کی لاش سڑک پر پڑی تھی۔

یہ لوگ کون تھے۔ میرے فرشتے بھی اس سے لاعلم تھے۔ میرا شبہ کنور خاندان کی طرف گیا تھا کیونکہ وہی میرے اس حد تک دشمن تھے لیکن نہ جانے کیوں میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ لوگ کنوروں سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بے شک وہ بہت طاقتور اور بارسوخ لوگ تھے لیکن وہ کچھ جاگیردار قسم کے بدمعاش تھے جو ایسی کسی کارروائی کہ اہلیت نہیں رکھتے تھے انہوں نے بدمعاش بھی ایسے پال رکھے تھے جو دور سے بدمعاشی کا اشتہار دکھائی دیتے تھے۔ یہ لوگ مجھے پیشہ ور دہشت گرد لگ رہے تھے۔ انہوں نے نہایت مہارت اور صفائی سے اپنا کام کیا تھا اور بنا کسی شور شرابے کے دو انسانوں کو مار کر مجھے اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔

یہ گاڑی بڑی تھی۔ شاید عقب سے بند ہو جانے والی وین تھی۔ اور میں اس کے فرش پر پڑا تھا۔ میں نے ذرا ہل جل کر اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ میرے آس پاس کتنے لوگ ہیں۔ فوراً ہی مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا کسی نے اپنے ہتھیار کے دستے سے میرے گھٹنے پر ضرب لگائی تھی۔ تکلیف سے میں سیدھا ہو گیا تھا۔ مارنے والا تشدد کا ماہر لگ رہا تھا اس نے بالکل ٹھیک جگہ ضرب لگائی تھی۔ اس کے بعد میں نے حرکت کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سب قطعی خاموش تھے۔ اس دوران میں میں نے کسی ایک فرد کی ایک آواز نہیں آئی تھی۔ وہ سب مکمل طور پر محتاط اور چپ تھے۔

مجھے جس طرح سے اغوا کیا گیا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ وہ میرے پیچھے تھے اور ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہا تھا۔ انہوں نے پیچھا کرنے کے بعد بالکل درست جگہ کارروائی اور اپنی کارروائی کر کے منٹوں میں وہاں سے نکل گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کسی نے ان کو تو کیا ان کی گاڑی کو بھی نہیں دیکھا ہو گا۔ میرے منہ پر چڑھایا جانے والا کپڑا ایسا تھا کہ مجھے اس میں سانس لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی لیکن مجھے اردگرد کچھ نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھل آ رہا تھا۔ یہ لوگ مجھے اس جگہ سے بے خبر رکھنا چاہتے تھے جہاں لے جا رہے تھے۔

میرا اندازہ ہے کہ یہ سفر کوئی ایک گھنٹے جا رہا تھا اور اس دوران میں گاڑی زیادہ تر چڑھائی چڑھتی رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم کلکتہ سے دور شمال کی طرف جا رہے تھے۔ اب کلکتہ والی گرمی بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اور موسم کسی قدر خنک ہوتا جا رہا تھا۔ نہ جانے مجھے کہاں لے جایا جاتا اور میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ اپنے پیاروں کو یاد کرلوں۔ گھر والوں کو یاد کرنے سے میں دانستہ گریز کرتا تھا کیونکہ جب بھی یاد کرتا تھا تو سب سے پہلے دو سیاہ آنکھیں میری یادوں میں در آتی تھیں۔ اور میں ان کو یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہم، بیتو اور پھر مونا اور سفیر جب آ کر مجھے نہ پاتے تو نہ جانے ان پر کیا گزرتی۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے مجھ ہی بے تاب ہوں گے جتنا کہ میں ان سے ملنے کے لیے تھا لیکن ہماری قسمت میں ایک بار پھر بچھڑنا تھا اور اس بار میں ان سے دور لے جایا جا رہا تھا۔

اچانک گاڑی رکی اور کسی نے دروازے کھولا اور مجھے مشینی انداز میں نیچے گھسیٹ لیا گیا تھا۔ اپنے پیروں پر کھڑا کر کے مجھے چلانے کا تکلف کیے بغیر گھسیٹ کر ہی لے جایا جانے لگا تھا۔ ایک جگہ سیڑھیاں آئیں تو ان پر بھی مجھے اسی انداز میں گزارا گیا تھا۔ پھر مجھے ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا۔ اور کسی نے مشینی سے انداز میں بنگالی لہجے میں اردو بولی۔

''اپنا بندہ دیکھ لو شوب اور اپن کو پیشہ دو۔''

کسی نے میرے منہ سے غلاف کھینچ لیا تھا اور میں نے دیکھا اس چھوٹے سے کمرے میں دو سیاہ پوش اور ایک آدمی موجود تھا۔ وہ ان سے الگ ہی تھا اور میں اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ غلاف اسی نے اتارا تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر ان دونوں کو ایک نوٹوں کی گڈی دی اور وہ اباؤٹ ٹرن کے انداز میں گھوم کر چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے اس شخص کی طرف دیکھا۔ ''میرے لیے اتنی زحمت کیوں کی گئی ہے؟''

وہ مسکرایا۔ ''ابھی تو تم آئے ہو تھوڑا بیٹھو اس کے بعد بات بھی کریں گے۔'' وہ بالکل صاف اردو بول رہا تھا۔ اس کا رنگ صاف اور لہجے سے وہ پنجابی لگ رہا تھا۔

''اس حالت میں، میں کیسے بیٹھوں۔'' میں نے سر سے اپنے بندھے ہاتھ پیروں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک چابی نکالی اور پہلے میری ہاتھ کی اور پھر پاؤں کی بیڑی بھی کھول دی۔ اس نے اس دوران میں مجھ سے محتاط ہونے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔ مگر میں نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے پاؤں آزاد ہوتے ہی اس کے منہ پر لات مارنا چاہی لیکن نہ جانے کیا ہوا کہ میں خود فرش پر پڑا تھا وہ اتنی پھرتی سے میرے وار سے بچا تھا۔ مجھے کوئی خاص چوٹ نہیں آئی تھی۔ اس لیے میں نے دوسری کوشش کی اور لیٹے لیٹے اس کے پاؤں پر ٹھوکر مارنا چاہی تو وہ اچھل کر بچ گیا۔ دو مسلسل کوششوں کے بعد میں نے اٹھنا چاہا تو اس نے اس طرح مجھے دوبارہ فرش پر دھکیل دیا کہ اس کی ٹھوکر سے مجھے چوٹ نہیں آئی تھی

''او کے۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''فی الحال میں نے ہار مان لی۔''

وہ ہنسا۔ ''یعنی تم بعد میں پھر کوشش کرو گے؟''

''اس بارے میں ابھی سے کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ ''آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے حاصل کرنے کے لیے آزاد ہوتا ہے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" اس نے کہا اور یوں گھوم کر اعتماد سے اندر کی طرف بڑھا جیسے اسے پورا اعتماد ہو۔ میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں اس کے پیچھے بڑھا۔ وہ مجھے ایک اور کمرے میں لایا۔ یہاں فرنیچر تھا اس نے مجھے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "کیا پیو گے؟"

میں صوفے پر گر گیا تھا۔ "اصولاً تو مجھے تمہارا خون پینا چاہیے لیکن فی الحال کسی شے کی خواہش نہیں ہے۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا اور خفیف سے انداز میں مسکرایا۔ "کیا تمہیں خدشہ ہے کہ میں تم کو زہر دے دوں گا۔"

"نہیں زہر آج کل خالص مشکل سے ملتا ہے اور مہنگا بھی ہوتا ہے اس کے مقابلے میں چند روپے کی ایک گولی یقیناً سستی پڑتی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تو ہے۔" وہ میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"ایک سوال کر سکتا ہوں؟"

"دس کرو بادشاہو۔"

"مجھے اغوا کرانے کے لیے کیا دو افراد کی جان لینا ضروری تھا۔"

"کن دو افراد کی؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"اس قسم کے کاموں میں ایسا تو ہوتا ہے۔ یہ کام کرنے والوں نے اپنا بچاؤ بھی تو کرنا ہوتا ہے۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مجھے اغوا کرنے کی وجہ بتا سکتے ہو؟"

"ہاں..... میں نے یہ کام رقم کے لیے کیا ہے۔" اس نے بلا جھجک کہا

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔ "اغوا برائے تاوان؟"

"نہیں کسی نے مجھے تمہیں اغوا کرانے کا معاوضہ دیا ہے۔"

"اور ظاہر ہے تم مجھے اس کے بارے میں نہیں بتا سکتے ہو؟"

"میں خود بھی نہیں جانتا۔"

"ایسا کیسے ممکن ہے؟"

"یہاں سب ممکن ہے مجھے صرف رقم سے غرض ہے۔ باقی باتیں بے کار ہوتی ہیں۔"

ہم اتنے سکون سے بات کر رہے تھے، جیسے میں اس کا مہمان تھا اور ابھی وہ میری خاطر تواضع کرنے وا تھا۔ جس کے بعد میں اس سے فیک ہینڈ کر کے اپنے گھر کی راہ لیتا۔ یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ میرا اغوا کنندہ تھا۔ اور مجھے کچھ دیر پہلے میرے دو ساتھیوں کو مار کر اغوا کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے میں اس سے کچھ اور کہتا اچانک ایک طرف سے پردہ ہٹا اور ایک عورت اندر آئی۔ اس نے ایک ٹی ٹرالی تھام رکھی تھی جس پر چائے سمیت متع لوازمات تھے۔ عورت خاصی دلکش تھی۔ اس نے پھولدار ریشمی شلوار سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ قد آور عورت تھی۔ گ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ی جسامت موزوں مقامات پر تھی۔ لمبی ہونے کے باوجود وہ بے ڈول نہیں تھی۔

''میں نے کہا تم لوگ تو باتیں کرتے رہو گے میں خود لے آتی ہوں۔'' اس نے ٹرالی سے چائے اور سری چیزیں سینٹر ٹیبل پر رکھنا شروع کیں۔ آدمی نے تعارف کرایا۔

''یہ میری گھر والی ہے ریشم کور۔''

میں چونکا۔ ''تم سکھ ہو؟''

''ہاں۔'' وہ مسکرایا۔ ''بڑا روایتی نام ہے میرا، لکھن سنگھ۔''

میں بے ساختہ ہنسا۔ ''اور یہ تم کو کہتی ہوگی کہ کسی پرمنے کے ابا تیر رہے ہیں۔''

ریشم کور مسکرائی۔ ''میں اتنی بیک ورڈ نہیں ہوں۔''

''اور میں بھی بس نام نہاد ہی سکھ ہوں۔ مونا بھی نہیں ہوں۔ کلین شیو ہوں۔'' لکھن سنگھ ہنسا۔

ریشم کور نے سلیقے سے چائے نکال کر مجھے سرو کی اور اس سے پہلے کہ میں پرچ تھامتا۔ لکھن سنگھ نے قول نکال لیا۔ میں نے طنز کیا۔ ''کیا یہ بھی خاطر تواضع میں شامل ہے؟''

''نہیں یہ صرف اس لیے ہے کہ تم کوئی حماقت مت کرو۔ ممکن ہے گرم چائے کی پیالی دیکھ کر تم کو کوئی یال آ جائے۔''

''لکھن یہ مہمان ہے۔'' ریشم کور نے نرمی سے کہا۔ ''پستول رکھ لے۔''

''میں قیدی ہوں۔'' میں نے پرچ تھام کر اسے لاپروائی سے ایک طرف پھینک دیا۔ پیالی دیوار سے ٹکرا ر چھناکے سے بکھر گئی۔ مگر ان دونوں میاں بیوی نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ ریشم کور یوں دوسرے کپ یں الٹ لینے لگی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ لکھن سنگھ نے سر ہلایا اور پستول واپس رکھ لیا۔ ریشم نے دوسری پیالی مجھے

''اسے بھی مارنا ہو تو بتا دو میں اندر سے پورا سیٹ لے آتی ہوں۔''

مجھے ان دونوں میاں بیوی کے اس رویے سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ کسی اسٹیج کے اداکار کی طرح ری مد کر رہے تھے۔ میں نے اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پرچ تھام لی اور مسکرایا۔ ''معاف کرنا ریشم کور تمہارے آدمی کے رویے پر غصہ آ گیا تھا۔''

''کیا کرے سکھ ہے نا، کبھی کبھی ایسا کر جاتا ہے۔'' وہ اسی نرم انداز میں بولی، لہرا کر اٹھی اور مست چال تی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

''تمہاری بیوی خوب عورت ہے۔'' میں نے لکھن سنگھ کی طرف دیکھا۔ ''کیا یہ بزنس پارٹنر بھی ہے۔''

''ظاہر ہے کوئی گھریلو عورت اس طرح ہو سکتی ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''خوب صورت بھی ہے کیا یہ سچ مچ تمہاری بیوی ہے؟''

''اگر نہیں ہے تو تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟''

''فرق تو نہیں پڑتا میں نے سوچا کہ میں بھی قسمت آزمائی کر لوں، آخر تم سے کم نہیں ہوں۔''

ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں سرخی لہرائی تھی مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا۔ ''تم کوئی اور بات نہیں کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے؟''

''او کے ہم کام کی بات پر آتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب میرا کیا کرنا ہے؟''

''یہ تو وہ جانے جس نے مجھے کام دیا ہے۔''

''وہ کہاں ہے اور کب سامنے آئے گا؟''

''وہ کہاں ہے یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم مگر آج رات کسی وقت وہ مجھ سے تمہاری ڈلیوری لے لے گا۔''

''اور اس سے پہلے میں بھاگ گیا تو؟''

وہ مسکرایا۔ ''آج تک تو ایسا نہیں ہوا کہ مکھن سنگھ نے کسی کو پکڑا ہو اور وہ بھاگ جائے۔''

دیکھنے میں تم شریف آدمی لگتے ہو اور تمہاری بیوی بھی گھریلو عورت ہے پھر یہ دھندہ.....''

''اس میں پیسے اچھے ملتے ہیں۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''جرم کی راہ ایسی ہوتی ہے کبھی پو بارہ اور کبھی بارہ۔''

''یہ بھی ہے لیکن ابھی تک تو اپنے بارہ نہیں بجے۔''

''مکھن سنگھ بارہ کبھی بتا کر نہیں بجتے ہیں۔'' میں نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی۔ ''خیر اب میرے لا کیا حکم ہے۔''

''کچھ نہیں آرام کرو۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''میں بھی اس کو بتا دوں مال آ گیا ہے ڈلیوری لینے آ جاؤ۔''

میں نے اس کی طرف دیکھنا چاہا تو یک لخت میرا سر بھاری ہو گیا۔ اسے اوپر اٹھانا دشوار ہو گیا تھا۔ ''نے مجھے کچھ دیا؟'' میں نے بمشکل کہا اب زبان بھی میرا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

''میں نے نہیں ریشم کور نے۔'' وہ بولا۔ ''اس قسم کے کام وہی کرتی ہے۔ اب تم سو جاؤ۔''

میں صوفے پر جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہ گیا اور آنکھیں بند کر لیں، ابھی میرے حواس برقرار تھے اور میں ہوش میں رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مکھن سنگھ نے میری آنکھ کی پتلی دیکھی اور ریشم کور کو آواز دی۔ وہ آ گئی۔

''کیا ہے کیوں بلایا ہے؟'' اس وقت اس کے لہجے سے نرمی اور لوچ غائب تھا اس کی ترشی اور تلخی تھی۔

''دوا کتنی ڈالی تھی؟''

''جتنی تُو نے کہی تھی۔''

''بکواس نہ کر میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دے۔''

''تین کپ کے پانی میں بارہ قطرے ڈالی تھی۔''

''یہ ابھی بے ہوش نہیں ہوا ہے۔''

''تو کیا ہوا، چار گھنٹے سے پہلے مل بھی نہیں سکے گا۔'' ریشم کور لاپروائی سے بولی۔ ''تُو جا کر اپنا کام کر آ۔''

مکھن سنگھ مطمئن نہیں تھا مگر اس نے ریشم کور سے کچھ کہا نہیں اور خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ریشم کور نے میز پر رکھا دوسرا سامان سمیٹا اور وہ بھی چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بمشکل آنکھ کھولی۔ دوا یقیناً زود اثر تھی۔ اس کے باوجود میں بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ یہ حیرت انگیز بات تھی۔ غنودگی کی کیفیت طاری ہونے کے باوجود میرا ذہن ابھی قابو میں تھا۔ میں نے ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش کی مگر اس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کامیابی نہیں ہوئی دوا نے میرے جسم کو متاثر کیا تھا۔ اب وہ نہ جانے کون سی دوا تھی یا زہر تھا۔

میں کوشش کر رہا تھا کہ میرے حواس قابو میں رہیں۔ ریشم کو دس پندرہ منٹ بعد پھر اندر آئی تھی اس نے میرے برابر میں بیٹھ کر پہلے میری نبض دیکھی اور اس کے بعد آنکھ کھول کر پتلی چیک کی۔ ''کھنا صحیح کہہ رہا تھا تو پوری طرح بے ہوش نہیں ہوا ہے۔''

میں نے آنکھ کھول دی۔ ''تم..... ٹھیک..... کہہ رہی ہو۔''

وہ بدک کر پیچھے ہوئی تھی لیکن پھر مجھے بے حرکت پا کر مطمئن ہوگئی۔ ''تو جاندار آدمی ہے اس وجہ سے دوا کا اثر کم ہوا ہے اور سچی بات ہے میں نے دوا کم رکھی تھی۔ کھنا نے بارہ قطرے کہی تھی پر میں نے صرف دس قطرے ڈالی تھی۔''

''اس..... مہربانی..... کی وجہ؟''

وہ مسکرائی۔ ''بس تو مجھے اچھا لگا تھا اس لیے میں نے سوچا تجھ سے ذرا اگل بات ہو جائے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے چپک کر بیٹھ گئی۔ اس کے جسم میں واقعی ریشم کی سی نرمی اور گرمی تھی۔

''اس کا..... فائدہ..... میں تو بے..... حس ہو رہا ہوں۔''

''کچھ نہیں..... میں نے کون سا تجھ سے یاری لگانی ہے۔'' وہ اپنے جسم کو ہولے ہولے حرکت دینے لگی۔ یک لخت اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور آواز میں نشے کی سی کیفیت آگئی تھی۔ وہ لمس کی لذت حاصل کر رہی تھی۔

''اگر..... ابھی..... کھنا آ..... جائے؟''

''وہ ابھی نہیں آئے گا۔ وہ ان لوگوں کو بتانے گیا ہے جنہوں نے تجھے اغوا کرایا ہے۔''

''تم لوگ..... یہی کام..... کر..... تے ہو؟''

''ہاں۔'' اس نے پُرخمار لہجے میں کہا اور اچانک میرا منہ بند کر دیا۔ میں بنا کسی احساس اور سنسنی کے اس کے ہونٹوں کا نرم گرم لمس محسوس کر رہا تھا۔ اس دوا نے میرے احساسات بھی شل کر دیئے تھے۔ اور یہ ایک طرح سے اچھی بات تھی۔ وہ دیر تک مجھ سے کھیلتی رہی اور خود ہی بے حال ہوتی رہی۔ میری کیفیت ایسی تھی کہ چاہنے کے باوجود مجھے غصہ بھی نہیں آ رہا تھا۔ ایک عجیب بے حسی کی کیفیت تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ آخر وہ مجھ سے الگ ہوئی۔ پہلے اس نے اپنا منہ صاف کیا اور پھر میرا چہرہ صاف کرنے لگی جس پر جا بہ جا اس کے ہونٹوں کی لالی اتر آئی تھی۔ وہ کمرے سے چلی گئی اور جب واپس آئی تو منہ ہاتھ دھو کر اپنے بال باندھ لیے تھے اور اس وقت وہ پہلے کی طرح ایک عام سی گھریلو عورت لگ رہی تھی۔ جو پوری طرح اپنے شوہر کی وفادار ہو۔ یہ اور بات تھی کہ اس کے اندر کی طوائف کھل کر میرے سامنے آگئی تھی۔

''کھنا نہیں آیا ابھی تک؟'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں اسے دیر لگے گی۔'' ریشم نے میری طرف دیکھا اور بولی۔ ''کاش کہ تو دوا کی وجہ سے مفلوج نہ ہوتا۔''

''تب تو کیا کرتی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تجھے پوری طرح حاصل کر لیتی۔'' اس نے بلا جھجک کہا۔

میرا خون ایک لمحے کو کھولا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری بے حسی کم ہو رہی تھی اب مجھے غصہ آنے لگا تھا ساتھ ہی مجھے امید کی ایک کرن نظر آئی تھی اور میں نے اس کے جذبات کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ''تو اب کیا مسئلہ ہے، کیا اس دوا کا توڑ نہیں ہے؟'' میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔

''نہیں یہ بہت جدید دوا ہے ایک بار اسے کسی کو دے دیا جائے تو جب تک اس کا وقت پورا نہیں ہو گا وہ شخص ٹھیک نہیں ہو سکتا ہے۔''

''ممکن ہے چائے کافی سے اس کا اثر کم ہو جاتا ہو۔''

وہ پھر میرے قریب آئی۔ ''کیا میں تجھے زیادہ ہی اچھی لگی ہوں۔''

''میں نے تجھ جیسی حسین عورتیں کم دیکھی ہیں۔''

''سچ؟'' وہ خوش ہو گئی تھی۔

''ہاں۔'' میں نے دل پر جبر کر کے اسے اکسانے کے لیے کچھ ناگفتہ قسم کی تعریفیں بھی کی تھیں۔ وہ پاگل سی ہو گئی تھی۔ اور اس نے ایک بار پھر اپنی دیوانگی کا اظہار کیا۔ اس بار میں نے واضح طور پر اپنے اندر مزاحمت محسوس کی تھی۔ ممکن ہے میرے ہاتھوں میں جان ہوتی تو میں اس کی گردن مروڑ دیتا۔ پہلے میں اسے ایک کمزور عورت سمجھا تھا لیکن اس دوسرے راؤنڈ میں اس نے بتا دیا کہ وہ اصل میں جنسی مریض ہے۔ پہلے کی طرح تھک ہار کر اس نے میری طرف دیکھا۔

''کاش تُو مجھے پہلے ملا ہوتا۔'' اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

''کیا لکھن تجھے اچھا نہیں لگتا؟''

''وہ بس میرا شوہر ہے۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''نام نہاد شوہر اصل میں اس نے مجھے ڈھال کے طور پر رکھا ہے۔ جس سے اسے خطرہ ہوتا ہے مجھے آگے کر دیتا ہے۔''

''لکھن سنگھ جرائم پیشہ ہے اس سے ایسی ہی توقع کی جا سکتی ہے۔ تُو اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔''

''اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں، ماتا پتا کا گھر تو اس کی خاطر دس سال پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہاں واپس گئی تو بھائی ٹکڑے کر دیں گے۔ اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔''

''میرے ساتھ چل۔'' میں نے کہا۔

''تیرے ساتھ۔'' اس نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ ''تُو مذاق کر رہا ہے۔''

میں نے عجلت میں غلطی کر دی تھی اور وہ ایک لمحے میں میری طرف سے مشکوک ہو گئی تھی۔ ''ہاں اگر تُو مجھے آزاد کر دے تو میں تجھے اس کی قید سے آزاد کرا دوں گا۔''

وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے نفرت سے کہا۔ ''میں جذباتی ہو کر بھول گئی تھی۔ تُو بھی ایک مرد ہے جو عورت کو صرف استعمال کرتا ہے۔''

''ریشم میں تیرے ساتھ مخلص ہوں۔''

''بکواس نہ کر ریشم بے وقوف نہیں ہے۔ تیرے جیسے دس میری جوتی کے نیچے رہ چکے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ریشم تُو خود کو دھوکا دے رہی ہے۔''

''تیرا مطلب ہے میں لکھن سے دھوکا کھا رہوں اس لیے تجھ سے بھی دھوکا کھالوں۔ نہ بابا دھوکا ایک ہی مرا کا اچھا ہوتا ہے۔''

''تیری مرضی۔'' میں نے کہا اور نڈھال سے انداز میں آنکھیں بند کرلیں۔ رفتہ رفتہ میری طاقت واپس آ رہی تھی لیکن یہ عورت اتنی چالاک نکلے گی میں نے سوچا بھی نہیں تھا وہ کچھ دیر بعد آئی اور اچانک ہی میرے ہاتھوں میں وہی ہتھکڑی ڈال دی اور اس سے پہلے کہ مزاحمت کرتا اس نے میرے پاؤں بھی بیڑی میں جکڑ دیئے تھے۔ میں نے ناکام مزاحمت کے بعد کسمسا کر کہا۔ ''یہ کیا کر رہی ہو؟''

''تمہیں کسی غلط حرکت سے روک رہی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ممکن ہے لکھنا کو آنے میں دیر ہو جائے اور تُو ٹھیک ہو جائے میں اکیلی عورت تجھے کہاں روک سکتی ہوں۔''

''تم واقعی بہت چالاک ہو۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''یہ بتا تیرے شوہر کو تیری ان حرکتوں کا علم ہے؟''

وہ مسکرائی۔ ''لے وہ خود مجھے اپنے کام نکلوانے کے لیے دوسروں کے پاس بھیجتا رہا ہے اور جس کے پاس بھیجتا ہے وہ مجھے کوئی راکھی تھوڑی باندھتا ہے۔''

''یعنی تم دونوں میاں بیوی بے غیرت ہو۔''

اس بار وہ ہنسی۔ ''مذاق کر رہے ہو لکھنا میرا بھن ہے پر شوہر نہیں ہے۔''

''تم دونوں بنا شادی کے ساتھ رہ رہے ہو؟'' مجھے کسی قدر تعجب ہوا تھا حالانکہ وہ جس قسم کے انسان تھے ان سے سب بعید تھا۔

''ہاں ہمارے تین بچے بھی ہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔

''وہ کہاں ہیں؟''

''لکھنا کی ماں کے پاس ہوتے ہیں وہ بھی مجھے اپنی بیاہتا بہو سمجھتی ہے اسے معلوم ہو جائے کہ میں اور لکھن بنا شادی کے رہ رہے ہیں تو اس کا تو مرن ہو جائے۔''

''مجھے پیاس لگی ہے۔'' میں نے کچھ دیر بعد کہا۔

اس نے نشیلے انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''کاش میں تیری پیاس کسی اور طرح سے بجھاتی پر ابھی تُو پانی پی لے۔''

اس نے مجھے پانی لا کر دیا اور پھر اندر چلی گئی۔ میں صوفے پر نیم دراز تھا۔ ہتھکڑی اور بیڑی نے مجھے بے کار کر دیا تھا۔ اب میں اٹھ بیٹھ سکتا تھا لیکن میری حرکت محدود تھی۔ باہر جانے والا دروازہ باہر سے بند تھا لکھن سنگھ جاتے ہوئے بند کر گیا تھا۔ اندر میں کہاں جاتا؟ پھر بھی میں نے کوشش ضرور کرنا چاہی جیسے ہی میرا جسم میرے قابو میں آیا میں کھڑا ہو گیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر پردے کی طرف بڑھا تھا کہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور لکھن سنگھ اندر آ گیا وہ مجھے کھڑے اور جکڑے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

''تم اتنی جلدی کیسے ہوش میں آ گئے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بے ہوش کہاں ہوا تھا بس ہلکا سا سرور آ گیا تھا۔'' میں نے گہری سانس لی۔ اور واپس صوفے آ گیا۔ اس نے غصے سے ریشم کو آواز دی۔

''ریشمے کہاں ہے تُو؟''

''آئی۔'' اس کی آواز آئی اور پھر وہ خود اس حال میں آئی کہ نہا کر اس نے محض ایک تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ جو بمشکل اس کی رانوں تک آ رہا تھا۔

''یہ کیسے اتنی جلدی ہوش میں آ گیا؟'' اس نے مشکوک لہجے میں کہا۔ ''اور تجھے اس وقت نہانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''مجھے کیا پتا۔'' اس نے تنک کر کہا۔ ''اور کیا میں تجھ سے پوچھ کر نہایا دھویا کروں۔''

مکھن سنگھ کو اس کی پروا نہیں تھی کہ وہ کس حال میں میرے سامنے کھڑی ہے۔ خیر یہ ان کے لیے خاص بات نہیں تھی۔ مکھن سنگھ کو صرف اس کی فکر تھی کہ میں وقت سے پہلے ہوش میں کیسے آ گیا۔ وہ ریشم سے جھگڑنے لگا اور پھر دونوں اندر چلے گئے۔ کچھ دیر ان کے جھگڑنے کی آواز آتی رہی پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر باہر جانے والا دروازہ چیک کیا وہ لاک نکلا اور اندر جانے والا دروازہ بھی دوسری طرف سے بند تھا۔ گویا میں اس کمرے میں قید تھا۔ یہاں کوئی کھڑکی بھی نہیں تھی۔ صرف ایک چھوٹا سا روشن دان تھا۔ جس میں ایگزوسٹ فین لگا تھا۔ اس کی وجہ سے اس بند کمرے میں بھی گھٹن کا نام و نشان نہیں تھا۔ میری کلائی پر بندھی گھڑی کے مطابق شام کے سات بج رہے تھے۔ اغوا کرنے والوں نے میری جیب سے ہر چیز نکال لی تھی لیکن کلائی کی گھڑی چھوڑ دی تھی۔

دو گھنٹے بعد اندر والا دروازہ کھلا اور ریشم کور اندر آئی تھی۔ اس نے ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں روٹی اور سرسوں کا ساگ تھا۔ روٹی پر مکھن رکھا ہوا تھا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور خود میرے سامنے بیٹھ گئی۔

''لے کھانا کھا لے۔ کچھ دیر میں تجھے لینے والے آ رہے ہیں، پتا نہیں اس کے بعد تیرے مقدر میں کیا ہو؟''

''ہاں یہ تو ہے۔'' میں نے ٹرے اپنی طرف کی ریشم نے میرے ہاتھ سامنے سے بند کیے تھے اس لیے میں نے کسی قدر دقت کے ساتھ بندھے ہاتھوں سے کھانا شروع کر دیا۔ ''کیا بات ہے اچانک ہی تم لوگوں کی لڑائی ختم ہو گئی تھی۔''

''وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''لڑائی ختم کہاں ہوئی تھی، بس طریقہ بدل گیا تھا۔''

لاحول ولا۔'' میں نے زیر لب کہا۔ ''مکھن کہاں ہے؟''

''یہ رہا۔'' وہ روٹی کی طرف اشارہ کر کے ہنسی۔

''میں تمہارے نام نہاد خصم کی بات کر رہا ہوں۔''

''وہ سو رہا ہے، تھک گیا نا۔'' اس نے کہا تو میں نے دل ہی دل میں پھر لاحول پڑھی۔ یہ سخت واہیات قسم کی عورت تھی۔ کھانے کے بعد میں اس نے سے کہا۔ ''مجھے واش روم جانا ہے۔''

''ایک منٹ رکنا۔'' وہ اٹھ کر اندر گئی۔ ذرا دیر بعد آ کر اس نے مجھے اشارہ کیا۔ ''چلو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس حالت میں۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر دکھایا۔

''ہاں اسی حالت میں۔'' وہ بولی۔ واش روم برابر والے کمرے۔ سے اٹیچ تھا اور میری رہنمائی کے دوران ریشم مجھ سے ایک فاصلے پر رہی تھی۔ بمشکل میں ضروریات سے فارغ ہوا تھا۔ اور دل ہی دل میں ان دونوں کو سناتا باہر آ گیا۔ ریشم کور نے مجھے پھر کمرے میں بند کر دیا تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ یہاں سے لے جائے جانے سے پہلے کچھ آرام کر لوں۔ میں سونے پر دراز ہو گیا۔ کچھ عرصے سے زندگی اس قدر ہنگامہ خیز ہو گئی تھی کہ اب اس قسم واقعات معمول کا ایک حصہ لگتے تھے۔ اور مجھ پر ان کا زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو میں بہت پہلے سمجھ چکا تھا کہ جب تک میرا وقت نہیں آئے گا کوئی مجھے مار نہیں سکتا ہے۔ اور جب وقت آئے گا تو فرشتہ اجل کسی کے مارے بغیر بھی مجھے ساتھ لے جائے گا۔

☆======☆======☆

بارہ بجے لکھن سنگھ اندر آیا وہ بہت تازہ دم لگ رہا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا چست لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے بعد ریشم کور اندر آئی اس نے بھی کچھ ایسا ہی لباس پہن رکھا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اور وہ اس کے جسم پر اس طرح چسپاں تھا کہ اس کا ایک ایک نقش واضح تھا۔ لکھن سنگھ نے مجھ سے کہا۔

''چلو۔''

میں کھڑا ہو گیا۔ ''کہاں؟''

''جہاں میں تمہیں لے جا رہا ہوں۔'' اس نے کہا اور ریشم کی طرف دیکھا۔ ''اس کے سر پر غلاف چڑھا دو۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''میں ویسے بھی بندھا ہوا ہوں۔''

''ضرورت مجھے پتا ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا اور پستول نکال لیا۔ ''کوئی غلط حرکت مت کرنا۔''

ریشم نے میرے سر پر پھر وہی کپڑے کا غلاف چڑھا دیا۔ پھر لکھن سنگھ مجھے پکڑ کر چلنے لگا۔ وہ یقیناً مجھ سے اپنا یہ ٹھکانہ چھپانا چاہتے تھے۔ کچھ دیر بعد میں کھلی فضا میں تھا اور ہلکی سی خنکی محسوس کی جا سکتی تھی۔ مجھے کسی کار کی عقبی نشست پر دھکیل دیا گیا۔ میں نے جلدی سے اس کے ہینڈلز چیک کیے تو پتا چلا اندر اس قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔ یعنی میں دروازے یا شیشے کو اندر سے نہیں کھول سکتا تھا۔ ریشم اور لکھن سنگھ آگے چلے گئے۔ کار اسٹارٹ ہوئی اور روانہ ہو گئی۔

اس بار بھی راستے میں چڑھائی زیادہ تھی اور اترائی کم تھی۔ اس کا مطلب تھا ہم شمال کی طرف جا رہے تھے۔ رات ہونے کی وجہ سے لکھن سنگھ نے رفتار کم رکھی تھی۔ ریشم نے اس سے پوچھا۔ ''یہ پروگرام میں اچانک تبدیلی کیسے آئی؟''

''ان کا آدمی آیا تھا لیکن وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی ڈلیوری ان کے ٹھکانے پر دوں۔''

''یہاں کیا مسئلہ ہے؟'' ریشم تشویش سے بولی۔ ''مجھے تو کوئی چکر لگ رہا ہے۔''

''کیسا چکر؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممکن ہے ہم اسے پہنچانے جا رہے ہیں اور خود بھی کبھی واپس نہ آئیں۔ اپنا ٹھکانہ دکھانا کون پسند کرتا ہے۔''

اس کی بات مکھن سنگھ کو لگی تھی۔ اس لیے اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''ہاں یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ اب کیا کریں؟''

''ان کو کہو کہ تم ان کا آدمی لا رہے ہو لیکن ان کے ٹھکانے پر نہیں آؤ گے۔ وہ اپنے آدمی اور رقم بھیجیں اور اسے لے جائیں۔''

''اگر وہ نہ مانے تو؟''

''مانیں گے کیسے نہیں۔ ان کو بندہ نہیں چاہیے۔''

''ہاں یہ بھی ہے۔'' مکھن سنگھ نے کہا۔

''تب ان کو کال کر اور بول کہ وہ اپنا بندہ لینے کہیں اور آئیں۔''

یہ بات مکھن سنگھ کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے کار ایک طرف روک دی اور شاید موبائل پر کسی سے رابطہ کیا۔ ''مکھن بول رہا ہوں۔ ہاں ایک مسئلہ ہو گیا ہے..... گاڑی میں..... میں راستے میں ہوں نہیں آ سکتا..... اپنا بندہ ادھر آ کر لے جاؤ..... اوئے کاکے..... نوی گڈی بھی لے لاں گے تسی پیسے تے دو۔'' اس نے موبائل بند کر کے اس شخص کو گالی دی جس سے وہ بات کر رہا تھا۔ ''کہتا ہے بندہ پیدل لاؤ..... اس کی ماں۔''

''وہ آئیں گے۔'' ریشم نے یقین سے کہا۔ ''پر انہوں نے ہمارے بارے میں کچھ گلط سوچا ہے تو وہ یہاں بھی ہو سکتا ہے۔''

وہ دونوں تشویش زدہ ہو گئے تھے۔ میں نے پہلی بار کہا۔ ''تم لوگ واقعی مصیبت میں پھنس گئے ہو۔ میرے دشمن اسی قسم کے ہیں۔ وہ جس سے کام لیتے ہیں رازداری کے خیال سے اسے مروا دیتے ہیں۔''

''بکواس مت کر۔'' مکھن سنگھ غرایا۔ ''میں اتنا تر نوالہ نہیں ہوں۔''

میں تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔ ''وہ کھاتے نہیں ہیں تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ تم مجھے ان کے حوالے کر دو اور اس کے بعد ایک راکٹ آ کر تمہاری گاڑی پر لگے اور سب خلاص۔''

''تم ہمیں ڈرا نہیں سکتے۔'' ریشم بولی۔ ''موت کا کھیل کھیلنا ہمیں بھی آتا ہے۔''

''شکاری سب ہوتے ہیں لیکن خرگوش اور شیر کے شکاری میں بڑا فرق ہوتا ہے۔''

''وہ اتنے ہی سور ما ہیں تو تجھے خود کیوں نہیں اٹھایا۔'' مکھن سنگھ نے طنز کیا۔

''تم نے بھی تو مجھے کسی کی مدد سے اغوا کیا ہے۔ وہ اس قسم کے چھوٹے موٹے کام خود نہیں کرتے ہیں۔''

وہ دونوں گاڑی سے اتر کر چلے گئے تھے۔ مکھن سنگھ نے چابی نکال لی ہو گی اور ویسے بھی اس حالت میں، میں کیسے بھاگ سکتا تھا۔ وہ یقیناً کوئی پلاننگ کرنے گئے تھے۔ وہ ویسے ہی مشکوک تھے۔ میں نے ان کے شبہات کو اور ہوا دی تھی۔ کچھ دیر کے بعد مکھن سنگھ واپس آیا تھا۔ میں نے ڈکی کھلنے کی آواز سنی تھی۔ وہ کچھ کر رہے تھے۔ میں نے ریشم کی مدھم سی آواز سنی۔

''اسے کہاں لگانا ہے۔ یہ بہت بھاری گن ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس ٹیلے پر چلی جا۔ وہاں سے تجھے سب نظر آئے گا۔'' مکھن سنگھ نے جواب دیا۔ وہ لوگ حفاظتی تدبیر کر رہے تھے۔ ریشم کسی بھاری گن سمیت کسی ٹیلے پر مورچہ بنانے جا رہی تھی اور مکھن سنگھ باقی معاملات دیکھنے کے لیے نیچے تھا۔ اس نے کار کا دروازہ کھول کر مجھے دھمکی دی۔

''آرام سے بیٹھے رہنا ورنہ بے ہوش کرنا پڑے گا۔''

''اب اس سے زیادہ اور کیا آرام سے بیٹھوں۔'' میں ہنسا۔ ''ویسے کیا تم لوگ باہر سہاگ رات کی تجدید کر رہے ہو۔''

''بکواس نہ کر۔'' مکھن سنگھ غرایا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ وہ باہر رہ کر آنے والوں کا انتظار کر رہا تھا۔ کوئی پندرہ منٹ کے بعد ایک بھاری انجن کی غراہٹ سنائی دی تھی۔ گاڑی آ کر مکھن سنگھ کی کار کے پاس رکی اور اس میں سے کوئی اترا۔ میں نے ایک آدمی کی آواز سنی۔

''بندہ کہاں ہے؟''

''مال کہاں ہے؟'' مکھن سنگھ نے اسی کے انداز میں پوچھا۔

''مال یہ رہا۔'' آنے والے نے مکھن سنگھ سے کہا۔ اس نے شاید رقم چیک کی اور بولا۔

''ٹھیک ہے بندہ کار میں ہے۔''

اسی لمحے میں نے ذرا آگے ہو کر کار کی ہینڈ بریک کھینچ دی۔ کار ایک ڈھلانی سطح پر تھی اور اسے ہینڈ بریک سے روکا ہوا تھا۔ میں نے شروع سے اس چیز کو نوٹ کر لیا تھا۔ جیسے ہی کار پیچھے کی طرف سرکی میں نے غلاف اتار پھینکا اور اگلی سیٹ پر آ گیا۔ بندھے ہاتھوں کے ساتھ یہ کام مشکل ثابت ہوا تھا مگر میں نے مکھن سنگھ کے آنے سے پہلے ہی اسٹیرنگ سنبھال لیا تھا۔ اس نے بھاگتے ہوئے کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے کھل جانے والا دروازہ ہی اسے دے مارا اور وہ پیچھے جا گرا تھا۔ شیشے کے پار مجھے ایک بڑی جیپ نظر آئی تھی۔ اس کے پاس ایک لمبا تڑنگا آدمی کھڑا تھا۔ چمکتی چاندنی میں ب۔ اف نظر آ رہا تھا۔

کار کی رفتار اب تیز ہو گئی تھی اور میں اسٹیرنگ گھما کر اسے سڑک پر سیدھا رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گیئر نیوٹرل تھا اس لیے کار روانی سے جا رہی تھی۔ مکھن سنگھ نے غالباً اس صورتِ حال کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہو گا۔ سڑک سیدھی نہیں تھی بلکہ خاصی بل کھائی ہوئی تھی۔ جب تک مکھن سنگھ اٹھتا کار اس سے دور جا چکی تھی۔ اس نے بھاگتے ہوئے پستول نکالا اور میری طرف سیدھا کیا تھا کہ جیپ سے اترنے والے نے اسے عقب سے گولی مار دی۔ وہ ہوا میں اچھلا اور منہ کے بل گرا تھا۔ اسی اثنا میں اوپر کہیں موجود ریشم نے مشین گن کا برسٹ مارا اور جیپ سے اترنے والا سوفی صد مارا گیا تھا میں نے اس کا نصف سراڑتے دیکھا تھا۔ اس دوران میں، میں کار کو کسی کھائی میں جانے سے بچانے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ میں بریک لگا کر رفتار قابو کر سکتا تھا لیکن میں جلد از جلد مشین گن کی مار سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ ریشم کسی وقت بھی مجھے نشانہ بنا سکتی تھی اور مشین گن کی مار سے بچنا آسان نہیں تھا لیکن اسے مکھن کی موت نے دیوانہ کر دیا تھا اور وہ بے دریغ جیپ والوں پر گولیاں برسا رہی تھی۔ ایک موڑ مرنے سے پہلے میں نے جیپ کو ایک دھماکے سے اڑتے دیکھا تھا پتا نہیں اس کا فیول ٹینک اڑ گیا تھا یا پھر اس کے اندر رکھے کسی بم کو گولی لگی تھی۔ اس کے پرزے بکھر گئے تھے اور شاید ان لوگوں کے بھی جو اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر سوار تھے۔

اس جگہ جہاں موڑ تھا سڑک کسی قدر کشادہ تھی اور ڈھلان بھی کسی قدر کم تھی۔ میں نے رفتار کا فائدہ اٹھا کر کار کو موڑا اور اب یہ سیدھی ڈھلان پر سفر کرنے لگی تھی۔ عقب سے کچھ برسٹ ایسے آئے تھے جیسے ریشم نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں اس کی نظر سے اوجھل تھا۔ جیپ کی تباہی نے میری رہی سہی فکر بھی دور کر دی تھی۔ اب کوئی میرے پیچھے نہیں آ سکتا تھا۔ یکھن مارا گیا تھا یا شدید زخمی تھا اور ریشم کو اپنی جان کی فکر تھی وہ پیدل کہاں کار کے پیچھے بھاگتی۔

کار سیدھی کر کے میں نے اسے پھر ڈھلان پر چھوڑ دیا۔ اس کی رفتار آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی۔ کہیں کہیں تو یہ اتنی تیز ہو جاتی تھی کہ مجھے بریک لگا کر قابو کرنا پڑتا تھا۔ میں اس جگہ سے خاصی دور نکل آیا تھا۔ یہ سڑک چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کے درمیان میں بل کھاتی جا رہی تھی۔ اس میں کہیں کہیں سڑک سے دور آبادی نظر آ رہی تھی لیکن سڑک کے ساتھ کوئی آبادی نہیں تھی۔ مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ یہ جگہ ویاس کے شہر سے کتنی دور تھی۔ یا کلکتہ سے کتنی دور تھی۔

میرے ہاتھ اور پیروں میں پڑی زنجیریں میرے لیے مشکل پیدا کر رہی تھیں۔ مجھے ان سے نجات حاصل کرنی تھی۔ ایک جگہ ڈھلان پر کار روک کر میں نے پہلے ہینڈ بریک لگائے اور پھر ڈیش بورڈ کی تلاشی لی۔ اس کے اندر کوئی چابی تو نہیں تھی مگر مجھے سخت تار کا ایک ٹکڑا مل گیا اسے موڑ کر اور اس کی ایک شکل بنا کر میں نے اس کی مدد سے ہاتھ کا لاک کھولنے کی کوشش کی اور اس وقت مجھے خوش گوار حیرت ہوئی جب کچھ دیر کے بعد کھٹ کی آواز کے ساتھ لاک کھل گیا۔ اس ہتھکڑی کو اتار کر میں نے پیروں کی بیڑی کھولنے کی کوشش شروع کی۔ اس میں الگ الگ لاک تھے اس لیے ذرا دشواری پیش آئی تھی مگر اسے بھی کھول لیا۔ ان کو سڑک سے دور اچھال کر میں نے سکون کا سانس لیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

خاصی دیر بعد جا کر ایک جگہ جھگی ہوٹل نظر آیا جسے ہمارے ہاں ڈھابہ کہتے ہیں۔ رات کے ڈیڑھ بجے ہوٹل بند ہی تھا۔ میں نے کار ایک طرف روک دی۔ انجن بند تھا اس لیے شور کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کار سے اتر کر میں نے ہوٹل کے سامنے سونے والے آدمی کو اٹھایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور اس کی گھگی بندھ گئی تھی اس نے مقامی زبان میں گڑگڑا کر کچھ کہا۔

''ہندی میں بات کرو۔ میں ڈاکو نہیں ہوں۔''

''اچھا اچھا شوب۔'' اس نے مطمئن ہو کر کہا۔ ''کیا بات ہے ابھی ہوٹل بند ہے۔''

''مجھے نظر آ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میری کار کی چابی گر گئی ہے یہاں کوئی مکینک ہے جو اسے ٹھیک کر دے۔''

''چابی کیسے ٹھیک کرے گا؟'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

''میرا مطلب ہے اسے اسٹارٹ کر دے۔''

''ابھی ادھر مکینک کدھر ملے گا شوب۔'' اس نے کہا پھر تجسس سے بولا۔ ''چابی کیسے گم ہوا شوب۔''

میں نے چھوٹی انگلی دکھائی۔ ''اس لیے گیا تھا چابی گر گئی پتا بھی نہیں چلا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابھی یہاں رک جاؤ۔ شوبا مکینک مل جائے گا۔''

لیکن میں سوچ رہا تھا کہ انجن کو ہاٹ وائر کر کے یہاں سے نکل جاؤں۔ میں کار کی طرف آیا۔ پہلے ڈی لاک لنے کی کوشش کی مگر وہ لاک تھی۔ ظاہر ہے چابی مکھن سنگھ کے پاس تھی۔ میں نے اندر گھس کر اسٹیرنگ کے نیچے سے تاروں کا گچھا نکالا اور اسے دانتوں سے چھیلنے لگا میرے پاس کچھ اور تھا نہیں۔ کرنٹ والی وائر چھیلتے ہوئے ہلکا سا جھٹکا لگتا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ میں انجن اسٹارٹ کرتا کسی گاڑی کے تیزی سے آنے اور رکنے کی آواز آئی۔ میری چھٹی حس نے پکارا اور میں لیٹے لیٹے ہی کار سے باہر نکل آیا اور نزدیکی جھاڑیوں میں گھس گیا تھا۔

''یہ کار کس کی ہے؟'' کسی نے بلند آواز میں کہا۔

''ادھر شوب آیا ہے۔ اس کی ہے۔'' ہوٹل کے نوکر نے بھانڈہ پھوڑ دیا۔ ''اپنی کار میں ہے۔''

میں تیزی سے اس جگہ سے دور جانے لگا۔ اس طرف ڈھلان تھی اور اس پر چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ ان میں صرف بیٹھ کر آڑ لی جا سکتی تھی۔ کھڑے ہونے کی صورت میں، میں فوراً نظروں میں آ جاتا۔ آنے والے کار تک آئے اور اسی شخص نے کہا۔ ''ادھر نہیں ہے اسے تلاش کرو۔''

''کہاں؟'' کسی نے سوال کیا۔ اس پر اس شخص نے سوال کرنے والے کی ماں کے حوالے سے ایک ناقابلِ بیان بات کی تھی۔

''آس پاس دیکھو۔''

میں نے دیکھا وہ کم سے کم پانچ افراد تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھیار نظر آ رہے تھے۔ بولنے والے کے پاس شاٹ گن تھی جب کہ باقی کے پاس چھوٹے ہتھیار دکھائی دے رہے تھے۔ میں پھر پیچھے سرکنے لگا تھا۔ اس ڈھلان پر ذرا آگے ایک چھوٹا سا جنگل تھا۔ میں اس کی طرف جا رہا تھا۔ وہ سب ڈھلان پر پھیل کر نیچے آنے لگے۔ ان کا انداز پیشہ ور کے بجائے بدمعاشوں جیسا تھا۔ وہ شور کرتے اور لاپروائی سے آ رہے تھے۔ میں نے ان کی توجہ بٹانے کے لیے ایک پتھر لے کر اسے دور مخالف سمت میں اچھال دیا تھا۔ آواز ہوئی تو سب بیک وقت اسی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ وہ اس طرف بڑھے تو میں تیزی سے جنگل کی طرف سرکنے لگا تھا۔ عین اس وقت جب میں درختوں میں داخل ہونے والا تھا میرے پیر تلے ایک پتھر آیا اور لڑھک کر آواز کے ساتھ گرا تھا۔

''ادھر..... ادھر دیکھو۔'' اوپر سے ان لوگوں کا سرغنہ چلانے لگا تھا۔ ''وہ جا رہا ہے تمہاری ماں کا یار۔''

میں احتیاط بالائے طاق رکھ کر درختوں میں گھس گیا۔ ان میں سے کسی جذباتی نے فائر کیا تھا۔ مگر گولی مجھ سے کہیں دور نکل گئی۔ اندر تاریکی تھی اور سانپوں کا خطرہ بھی تھا۔ مگر میں گھستا چلا گیا۔ ایک جگہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا تو اسے ٹٹول کر دیکھا۔ یہ درخت کی گری ہوئی شاخ تھی۔ کوئی چار فٹ لمبی اور خاصی موٹی تھی۔ میں نے اسے ہتھیار کے طور پر اٹھا لیا تھا۔ کچھ نہ ہونے سے یہ ہونا بھی بہتر ہی تھا۔ شاخ کے ہاتھ میں آتے ہی میرا موڈ دفاعی سے جارحانہ ہو گیا تھا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اب ان کا شکار کر کے کوئی ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں ایک ایسے درخت پر چڑھ گیا جس کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں اور یہ گزرگاہ پر تھا۔ میرا خیال تھا یہاں سے کوئی گزرے گا اور میں اسے چھاپ لوں گا۔

وہ لوگ درختوں میں داخل ہو گئے تھے۔ یہاں پر بھی وہ اسی لاپروائی اور بے وقوفی سے چل پھر رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ مجھے ان کی آہٹیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ بلکہ ان میں سے دو تو باتیں بھی کر رہے تھے۔ پھر ان میں سے کسی نے روشنی کی اور اس کی زبان چاروں طرف لپلپانے لگی تھی۔ مگر میں درخت پر محفوظ تھا۔ وہ مجھے زمین پر تلاش کر رہے تھے۔ ان کے خیال میں، میں بھاگنے کی فکر میں ہوں گا۔ درخت کی طرف کسی کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔

اس میں شبہ نہیں تھا کہ ان لوگوں کا تعلق اس گروپ سے تھا جو مجھے وصول کرنے آیا تھا۔ پہلا گروپ میرے سامنے ہی ریشم کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اس جیپ میں موجود کوئی فرد بچ بھی گیا تھا تو وہ اس قابل نہیں تھا کہ میرے پیچھے آ سکے۔ یہ بعد میں آنے والے تھے۔ بدقسمتی سے اس علاقے میں یہ واحد سڑک تھی۔ اور وہ سیدھا میرے پیچھے آئے تھے۔ میری خوش قسمتی کہ میں کار سے نکلنے میں کامیاب رہا تھا۔ اگر میں ڈرائیو کر رہا ہوتو یہ مجھے آ لیتے۔ اب میں ان کی گرفت سے دور تھا۔

ایک آدمی اس راستے پر نمودار ہوا جس سے میں آیا تھا۔ اس کے عقب میں لہراتی روشنی اسے نمایاں کر رہی تھی۔ اس نے ایک کوئی پستول یا ریوالور اٹھا رکھا تھا۔ وہ محتاط تھا۔ مگر وہ مجھے غلط جگہ تلاش کر رہا تھا۔ یعنی زمین پر جب کہ میں اوپر تھا۔ وہ درخت سے کچھ فاصلے پر رک گیا تھا۔ وہ تھوڑا سا اور آگے آتا تو میرے لیے بہترین نشانہ بن جاتا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اور واپس جانے لگا تھا کہ اس درخت کے پیچھے سے کوئی آہٹ ہوئی اور وہ ایک دم واپس آیا تھا۔ اس نے پستول یوں آگے کر لیا تھا جیسے ایک لمحے میں گولی چلا دے گا۔ اس نے بہت محتاط انداز میں آگے آ کر دیکھنے کی کوشش کی تھی ایک گلہری درخت سے اتر کر بھاگی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ کر جانے لگا تھا کہ میں نے تاک کر اس کے سر پر شاخ رسید کی۔ اس نے چیخ ماری اور بوری کی طرح زمین پر لڑھک گیا تھا۔ وہ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ مگر اس کی چیخ نے باقی سب کو ہوشیار کر دیا تھا۔ میں چھلانگ لگا کر نیچے اترا اور ٹٹول کر اس کا پستول تلاش کرنے لگا۔ وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر کہیں کھو گیا تھا۔ اسی لمحے ایک شخص درختوں کے درمیان سے نمودار ہوا اور یہ وہ تھا جس کے پاس ٹارچ تھی۔ جیسے ہی میں روشنی میں آیا اس نے عجلت میں چلا کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ میں نے چھلانگ لگائی اور جس جگہ گرا وہاں مجھے زمین پر کوئی چیز محسوس ہوئی تھی۔ میں نے اسے ٹٹولا تو وہ پستول نکلا تھا۔ اسے اٹھا کر میں درختوں میں گھستا چلا گیا تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ ٹارچ والے نے مجھ پر گولی کیوں نہیں چلائی تھی۔ وہ یقینی طور پر مسلح تھا۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی کہ وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتے تھے۔ میرے پیچھے شور سنائی دے رہا تھا اور بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ باقی چار مجھے تلاش کر رہے تھے۔ ان کا سرغنہ چلا چلا کر ہدایات دے رہے تھے جس کا نوے فی صد حصہ انواع و اقسام کی گالیوں پر مشتمل تھا۔ وہ مجھے کسی کی ولدیت میں شامل کر رہا تھا اور کسی کا بہنوئی قرار دے رہا تھا۔ ان لوگوں کے انداز سے مجھے شبہ ہونے لگا کہ مجھے اغوا کرانے والے تھرڈ کلاس قسم کے تھے۔ حیرت ہے میرا یہاں کوئی ایسا دشمن بھی پیدا ہو گیا تھا ورنہ میں اب تک سرکار سے بچتا پھر رہا تھا۔

بھاگتے ہوئے میں درختوں سے نکلا تو میرے سامنے چائے کے باغات کا طویل سلسلہ تھا۔ اس میں چائے کے چار پانچ فٹ اونچے پودے لگے ہوئے تھے۔ یہاں میں درختوں کی نسبت کم محفوظ ہوتا لیکن میں رک نہیں سکتا تھا۔ درختوں میں وہ جلد یا بدیر مجھے تلاش کر لیتے اور ضروری نہیں تھا کہ وہ مجھے بہر صورت زندہ گرفتار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر میں مزاحمت کرتا اور ان کی جان پر بن آتی تو مجھے مار دیتے۔ ایک کے مقابلے میں چار مسلح افراد بہر حال برتری رکھتے ہیں۔

میں نے ایک لمحے کو سوچا اور چائے کے پودوں میں گھستا چلا گیا۔ یوں تو چائے کا پودا پورے بارانی خطوں میں اگتا ہے لیکن اسے ایسی سطح بہت راس آتی ہے جس میں ڈھلان ہو اور پانی رکے نہیں۔ ڈھلان کا رخ سمندر کی طرف ہو تو اور بھی اچھا ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سارا بنگال، آسام اور اس کے آس پاس کے علاقے چائے کی پیداوار کے لیے مثالی ہیں۔ بھارت اور بنگلہ دیش چائے پیدا کرنے والے بڑے ممالک ہیں۔ یہاں اعلیٰ درجے کی چائے پیدا ہوتی ہے۔ اب افریقہ اور جنوبی امریکہ کے استوائی ممالک بھی چائے کی پیداوار میں آگے آ رہے ہیں لیکن وہ معیار کے معاملے میں بھارت اور بنگلہ دیش کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔

چائے کی جھاڑیوں کے درمیان زمین خشک تھی اس لیے مجھے بھاگنے میں کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ فضاء میں چائے کی ہلکی سے خوشبو رچی ہوئی تھی۔ اصل میں چائے میں خوشبو اس وقت آتی ہے جب اس کی پتیوں کو خشک کر لیا جاتا ہے۔ یہ باغات بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں مجھے کہیں آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سنا تھا کہ جن پہاڑیوں پر چائے کے باغات لگتے ہیں لوگ ان پر رہائش نہیں رکھتے ہیں کیوں کہ ایسی جگہیں کم ہیں، رہائش عام طور سے پہاڑیوں کی شمالی سمت ہوتی ہے۔ جب کہ میں جنوبی سمت میں تھا۔ ایک جگہ ایک چھوٹا سا خوب صورت ہٹ نظر آ رہا تھا جس کی چھت سرخ کھپریل کی تھی۔ مگر وہاں مکمل تاریکی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔

اچانک مجھے کتوں کے بھونکنے کی آواز آئی۔ آواز سامنے کی سمت سے آ رہی تھی۔ میں نے رخ بدل لیا اور بائیں طرف جانے لگا۔ شاید باغ میں رکھوالی کے کتے تھے۔ اور انہوں نے میری بو سونگھ لی تھی۔ میں کتوں سے دور رہنا پسند کرتا ہوں۔ پالتو جانوروں میں یہ واحد جانور ہے جس سے مجھے خوف آتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ بعد میں انجکشن لگوانے سے خوف آتا ہے۔ کتے بھونکتے ہوئے قریب آ رہے تھے۔ یہ ایک اور مصیبت تھی۔ کتے نہ صرف اپنے مالکوں کو بلکہ میرے پیچھے آنے والے دشمن کو بھی بتا رہے تھے کہ میں کہاں تھا۔

یہاں باغ ختم ہو رہا تھا۔ اس کے فوراً دوسرا باغ شروع ہو گیا تھا اور اس کی حد بندی بتا رہی تھی کہ یہ کسی اور کا باغ ہے۔ میں بلا جھجک حد پھلانگ کر اس میں داخل ہو گیا اور ایسا کرتے ہوئے میں پیچھے آنے والوں کی نظر میں آ گیا تھا۔ انہوں نے چلا چلا کر ایک دوسرے کو بتانا شروع کر دیا۔ یہ ان کی ایک اور حماقت تھی کیونکہ سب نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ ان کو نقصان یہ ہوا کہ میرے پیچھے آنے والے کتوں نے ان کو دیکھ لیا۔ نیز انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ میں تو ان کے باغ کی حد سے نکل گیا تھا مگر تعاقب میں آنے والے باغ کی حد میں تھے۔ اس لیے کتوں نے میری جان بخشی کرتے ہوئے ان کی طرف رُخ کر لیا۔ اور کچھ دیر بعد ان لوگوں کے چلانے اور کتوں کے شور کے ساتھ فائرز کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔ اپنی جان بچانے کے لیے انہوں نے کتوں پر گولیاں چلا دی تھیں۔ میں مسکراتے ہوئے وہاں سے نکل گیا تھا۔ کچھ دور ایک بستی کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں اور اس کے باسی سکون کی نیند سو رہے تھے۔ یہ وہ محنت کش تھے جو سارا دن کی محنت کے بعد اپنی محنت کا پھل کھا کر سو جاتے تھے اور ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کے چھن جانے کا ڈر ہو اس لیے وہ لمبی تان کر سوتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بستی کچھ فاصلے پر تھی اس لیے وہاں تک فائرنگ کی آواز نہیں گئی تھی یا بہت کم آواز گئی تھی اس لیے کوئی نہیں چونکا تھا۔ میں احتیاط کے طور پر بستی کا اچھی طرح معائنہ کر کے گیا تھا کہ وہاں بھی تو کتے نہیں ہیں۔ مگر وہاں کتے نہیں تھے۔ بستی کے ساتھ چھوٹا سا مندر بنا رہا تھا کہ یہ ہندوؤں کی آبادی تھی۔ مجھے مدد کی ضرورت تھی۔ مجھے معلوم کرنا تھا کہ میں کہاں تھا اور میں وہاں کے پاس کس طرح پہنچ سکتا تھا لیکن میں کسی گھر کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا لیکن مجھے مدد تو چاہیے تھی اس لیے دل کڑا کر کے میں نے ایک دروازے پر دستک دے دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے ایک سہمی ہوئی نسوانی آواز نے پوچھا۔

''ایک مسافر ہوں کوئی مرد ہے تو اسے بھیجو۔'' میں نے نرمی سے کہا مگر فوراً ہی دروازہ کھلا اور کوئی بگولے کی طرح باہر نکلا اور مجھ سے چمٹ گیا۔ ایک لمحے کو میں دفاعی انداز میں چلا گیا تھا لیکن فوراً مجھے احساس ہو گیا کہ چمٹنے والی عورت تھی اور اس کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔

''اے چھوڑ دو مجھے۔'' میں نے کسمسا کر کہا۔

''شہباز۔'' عورت نے بھیگی آواز میں کہا تو میں چونکا تھا پہلے بھی اس کی آواز سن کر مجھے کچھ لگا تھا۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھا جو آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا اور ہکا بکا رہ گیا۔ وہ سادھنا تھا۔ کنوروں کی بہن سادھنا۔

''سادھنا تم۔''

وہ جواب دیئے بنا مجھے کھینچ کر اندر لے گئی اور اس طرح ٹٹول کر دیکھنے لگی جیسے اسے میرے وجود پر یقین نہیں آ رہا ہو۔ ''سادی میں شہباز ہی ہوں۔ کمار کہاں ہے؟''

''شکر ہے بھگوان کا۔'' اس نے بھیگے لہجے میں کہا۔ ''میں ابھی پرارتھنا کر رہی تھی۔''

''کس بات کے لیے اور تم نے کمار کا نہیں بتایا۔''

''اندر آؤ۔'' اس نے کہا اور مجھے بازو سے پکڑ کر اندر لے گئی۔ یہ ایک کمرے کا مکان تھا اور اندر صرف ایک چارپائی تھی۔ اور اس پر کمار بے سدھ پڑا تھا۔ ''اسے دیکھو یہ مرنے والا ہے۔'' سادھنا رونے لگی تھی۔

میں نے کمار کا معائنہ کیا وہ بیمار تھا اور اس کی صحت ان چند دنوں میں بہت گر گئی تھی۔ میں نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''میں نے ایک ڈاکٹر کو دکھایا تھا وہ کہہ رہا ہے اسے ہیپاٹائٹس ہو گیا ہے۔ اسے اسپتال لے جانا ہو گا۔''

''تو اسے اسپتال کیوں نہیں لے گئیں۔''

''میرے پاس اب کچھ نہیں ہے۔ میں اسے اسپتال کیسے لے جاتی۔''

''کیوں تم دونوں کے پاس اچھی خاصی رقم تھی اور پھر ہیرے بھی تھے؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

جواب میں سادھنا نے آنسوؤں کے ساتھ خود پر گزرنے والی داستان سنائی۔ وہ اور کمار کلکتہ ایئر پورٹ پر اترے تو وہ بہت خوش تھے۔ کمار نے فیصلہ کیا کہ وہ ٹیکسی کی مدد سے اپنی منزل کی طرف جائیں گے کیونکہ بسوں وغیرہ میں چیکنگ کا خطرہ تھا اور وہ ابھی تک سہما ہوا تھا۔ اس نے ایئر پورٹ سے نکلتے ہی ایک ٹیکسی والے سے بات کی اور وہ ان کو کوئی پانچ سو میل دور ان کے مطلوبہ مقام پر لے جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کلکتہ سے ہی کچھ شاپنگ کر کے روانہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے پاس بہت ساری چیزیں نہیں تھیں اور رقم بھی تھی۔ پھر ہیرے بھی تھے اس لیے انہوں نے دل کھول کر شاپنگ کی تھی۔ بدقسمتی سے سادہ لوحی کے باعث انہوں نے اپنی رقم ٹیکسی والے کے سامنے کھول لی۔ جب وہ کلکتہ سے روانہ ہوئے تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ٹیکسی والا ان کو دھوکا دے جائے۔ اس نے راستے میں کمار سے بات کر کے اسے ایسا شیشے میں اتارا وہ دوست بن گئے تھے۔ ایک جگہ روک کر ٹیکسی والا ان کے لیے چائے لے کر آیا تھا اور جب وہ چائے پی کر روانہ ہوئے تو کمار اور سادھنا کو پتا بھی نہیں چلا کہ وہ کب سو گئے تھے۔ اور جب ان کی آنکھ کھلی تو وہ سڑک کے کنارے جھاڑیوں میں اس طرح پڑے تھے کہ ان کا سارا سامان غائب تھا اور سوائے لباس کے ان کے پاس کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ کمار کی حالت زیادہ خراب تھی اور وہ بڑی مشکل سے ہوش میں آیا تھا۔

اسی وقت وہاں سے ایک چرواہا گزر رہا تھا اور وہ ان دونوں کو اپنے گھر لے آیا۔ یہ اسی کا گھر تھا۔ وہ غریب آدمی تھا لیکن اس نے ان دونوں کی ممکن حد تک خدمت کی تھی۔ کمار کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو وہ ڈاکٹر کو بھی بلا لایا تھا۔ ڈاکٹر نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ کمار کا جگر متاثر تھا اور ان دنوں اس علاقے میں ہیپاٹائٹس کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے سادھنا کو مشورہ دیا کہ کمار کو فوری طور پر کسی اسپتال منتقل کیا جائے جہاں اس کا صحیح سے علاج کیا جا سکے۔ مگر سادھنا کے پاس کچھ باقی نہیں رہا تھا جس سے وہ کمار کا علاج کرا سکتی۔ ان کا میزبان سندر کہیں گیا ہوا تھا۔

''آپ کہاں تھے اور یہاں کیسے آئے؟'' اپنی کہانی سنانے کے بعد سادھنا نے پوچھا۔ ''باقی لوگ کہاں ہیں، ایڈورڈ اور وسیم۔''

''سب یہیں ہیں۔'' میں نے بتایا۔ ''میں شامت کا مارا ہوں، کہیں نہ کہیں سے دشمن پیچھے لگ ہی جاتا ہے۔''

میری کہانی سن کر سادھنا پریشان ہو گئی تھی۔ ''اگر وہ لوگ یہاں آ گئے تو کیا ہو گا؟''

''کچھ نہیں تم فکر مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اول تو کتوں کے حملے میں ان کو اپنی پڑ گئی ہو گی اور پھر جگہ وہاں سے بہت دور ہے۔ میرا نہیں خیال کہ یہاں تک آ سکتے ہیں۔''

''اَن ہونی کبھی بھی ہو سکتی ہے۔'' سادھنا بولی۔ ''کچھ عرصے میں اتنی اونچ نیچ دیکھ لی ہے کہ ہر چیز پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔''

''سندر کہاں گیا ہے؟''

''وہ کسی وید سے کمار کے لیے دوا لینے گیا ہے۔''

میں نے کمار کی نبض دیکھی۔ وہ غیر متوازن تھی اور یہ تشویش کی علامت تھی۔ اسے اسپتال لے جانا لازمی تھا لیکن اس وقت میں خود بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ میرا ویاس اور راجا عمر دراز تک پہنچنا لازمی تھا تب ہی میں کمار کے لیے کچھ کر سکتا تھا۔ اچانک کمار نے کراہ کر آنکھیں کھولیں۔ اور مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''شہباز تم یہاں؟''

''ہاں اب کیسے ہو تم؟'' میں نے اس پر جھک کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پتا نہیں اندر سے ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی چیز کاٹ رہی ہو۔'' اس نے بے چینی سے کہا۔

''تم فکر مت کرو ابھی سندر آ جاتا ہے تو میں تم کو یہاں سے لیے چلتا ہوں۔'' میں نے اس کا ہاتھ دبا اور سادھنا کی طرف دیکھا۔

''کچھ اندازہ ہے سندر کہاں گیا ہے اور کتنی دیر میں آ جائے گا؟''

''پتا نہیں اسے گئے ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ پاس کوئی گاؤں ہے جہاں اس کا جاننے والا دید رہتا ہے۔''

''وہ آ جائے تو اس کی مدد سے کوئی ٹیکسی منگوا کر یہاں سے چلتے ہیں۔'' میں نے کمار کی طرف دیکھا وہ ابھی غشی میں چلا گیا تھا اور یہ اچھی علامت نہیں تھی۔ میں سادھنا کو لے کر صحن میں آیا۔ ''کمار کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اسے اسپتال لے جانا لازمی ہے لیکن اس کے لیے کسی گاڑی اور رقم کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں چیزیں میرے پاس نہیں ہیں۔''

سادھنا ہراساں ہو گئی تھی۔ ''پھر کیا کریں؟''

''اگر سندر ایک گھنٹے کے اندر نہیں آیا تو میں یہاں سے نکل جاؤں گا اور رانا دیاس تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ ایک بار اس تک پہنچ گیا تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''مگر اس میں تو بہت دیر لگے گی اور کمار کی طبیعت خراب ہوتی جا رہی ہے۔'' اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔ ''بھگوان نہ کرے اسے کچھ ہو جائے۔''

''سادھنا اللہ سے اچھی امید رکھو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''اللہ نے چاہا تو کمار بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس نے اپنے آنسو صاف کیے۔ ''آپ لوگوں سے بچھڑ کر ہم بالکل بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ اب ہم آپ سے الگ نہیں ہوں گے۔''

''اس وقت مجبوری تھی مگر اب میں خود تم لوگوں کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔'' میں نے اس سر تھپتھپایا۔ ''پریشان مت ہو۔ مونا اور سفیر بھی آنے والے ہیں ان سے بھی تمہاری ملاقات ہو گی۔''

''سچ۔'' اس نے اشتیاق سے کہا۔ ''مجھے اس سے ملنے کا بہت شوق ہے۔''

صحن میں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ سادھنا کہیں سے ایک موڑھا لے آئی تھی۔ اس کے اصرار پر میں بیٹھ گیا اس نے پانی پلایا اور اس کے علاوہ وہاں کچھ تھا نہیں ورنہ وہ پیش کرتی۔ ویسے بھی یہ کسی اور کا گھر تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ ایک گھنٹے سے اوپر وقت ہو گیا تو میں نے سادھنا سے کہا۔

''میں جاتا ہوں دیر کرنے سے کمار کو نقصان ہو گا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''پلیز اس کے لیے کچھ کریں۔''

میں دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ ''تم محتاط رہنا اور میرے آنے تک کہیں جانا نہیں۔ اور اگر کہیں جانا پڑے تو اپنا کوئی نشان پتا چھوڑ کر جانا۔''

سندر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ صبح ہی آئے گا لیکن جیسے ہی میں دروازے کے قریب پہنچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس پر ہلکی سی دستک ہوئی اور سادھنا نے لپک کر دروازہ کھولا۔ باہر ایک بوڑھا کھڑا تھا۔

"بابا کیا ہوا؟" سادھنا نے بے قراری سے کہا۔

"بتاتا ہوں۔" وہ اندر آیا اور مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "یہ کون ہے۔"

"یہ میرا بھائی ہے جس کا میں نے بتایا تھا۔"

"اچھا اچھا۔" اس کے تاثرات بدل گئے۔ "میں اس کے لیے دوا لے آیا ہوں۔"

"بابا اسے اسپتال لے جانے کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ یہاں کوئی گاڑی والا ہے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "ادھر ایک ٹیکسی چلاتا ہے۔"

"یہ تو اچھا ہے کیونکہ ہمیں دور جانا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "ٹیکسی کہاں ہے۔ ہمیں ابھی جانا ہے۔"

"گاؤں میں ہی ہے۔" اس نے کہا۔

"میرے ساتھ چلو۔ میں اسے عام معاوضے سے زیادہ دوں گا۔"

سندر مسکرایا۔ "پھر تو جرور جائے گا۔"

میں سندر کے ساتھ باہر آیا۔ گاؤں میں سکون تھا یعنی ان بدمعاشوں نے اس طرف کا رخ نہیں کیا تھا۔ یا ان نے ان کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔ سندر ایک جھونپڑی کے پاس پہنچا۔ جس کے ساتھ ایک خستہ حال ٹیکسی کھڑی تھی۔ میں نے شک سے پوچھا۔ "یہ چلتی بھی ہے۔"

"اس کی جاہری صورت پر مت جاؤ بابو۔" سندر نے کہا۔ "چلنے میں ٹھیک ہے۔"

دروازہ بجانے پر ایک بھنایا ہوا نوجوان باہر نکلا۔ اور پھاڑ کھانے والے انداز میں سندر سے کہا۔ "کیا بات ہے تیری کو آدھی رات کو کیا مصیبت ہے۔"

"بک بک نہ کر تیرے لیے گاہک لایا ہوں۔" سندر نے اسی انداز میں جواب دیا۔ یہ سنتے ہی نوجوان کے تاثرات اتنی تیزی سے بدلے تھے کہ میں حیران رہ گیا تھا۔

"اچھا اچھا، کہاں جانا ہے؟" اس نے میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا۔ "مجھے شہر کا نام یاد نہیں ہے۔"

میں نے اسے نشانیوں کی مدد سے سمجھایا تو اس نے جلدی سے سر ہلایا۔ "ہم سمجھ گیا صاحب، پر وہ جگہ تو ادھر سے کوئی سو میل دور ہے۔"

"جانا ضروری ہے ایک مریض ہے جسے اسپتال میں داخل کرانا ہے۔ یہ بتاؤ تم کیا لو گے؟"

اس نے سوچا اور بولا۔ "تین سو روپے دے دینا۔"

"میں پانچ سو دوں گا لیکن ہمیں جلدی پہنچانا ہوگا۔"

پانچ سو کا سن کر اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ "گولی کا مالک لے جائے گا صاحب۔"

"ٹیکسی لے کر سندر کے گھر آ جاؤ، بیمار وہیں ہے۔" میں نے کہا اور واپس سندر کے گھر آیا۔ میں نے سادھنا سے تیار ہونے کو کہا۔ ٹیکسی والا ایک منٹ میں ٹیکسی لے آیا تھا۔ میں نے سندر کی مدد سے بے ہوش کمار کو ٹیکسی میں ڈالا اور روانہ ہونے سے پہلے سندر کا شکریہ ادا کیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ موقع ملا تو اسے کسی کے ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ رقم بھیج دوں گا۔ وہ اتنا شریف آدمی تھا کہ اس نے خود سے کوئی مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔

ٹیکسی والے نوجوان کا نام جگنی تھا پورا نام تو مجھے یاد نہیں بس جگنی یاد ہے۔ اس نے کچھ دور تک ہ پر ٹیکسی چلائی۔ اور پھر نہ جانے کہاں سے سڑک پر آ گیا جب کہ میرے حساب سے سڑک یہاں سے : تھی۔ اس نے سڑک پر آتے ہی تیز رفتاری سے ٹیکسی دوڑائی تھی۔ سندر نے ٹھیک کہا تھا کہ ٹیکسی دیکھنے ! حال تھی ورنہ چلنے میں بہت اچھی تھی۔ اس نے نہ جانے کون سے راستے اختیار کیے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد سڑک پر جا نکلا تھا۔ جس سے ہم کلکتہ سے آئے تھے۔

رات کے چار بج چکے تھے اور سڑک پر سناٹے کا راج تھا کہیں کہیں اکا دکا ٹرک چل رہے تھے سادھنا کمار کا سر اپنی گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ مجھے کمار کی حال کی طرف سے تشویش تھی لیکن میں نے سا خیال سے اس بارے میں زیادہ بات نہیں کی تھی اور اسے یہی تسلی دیتا رہا تھا کہ کمار جلد ٹھیک ہو جائے وقت بھی وہ بار بار اسے دیکھ کر مجھ سے کہہ رہی تھی۔ ''اس سے کہو تیز چلے۔''

''سادھنا اس سے زیادہ رفتار خطرناک ہو سکتی ہے یہ ناہموار علاقہ ہے اور اگر ٹیکسی خراب ہو گئی تو سے بھی جائیں گے۔'' میں نے اسے سمجھایا تو وہ چپ کر گئی تھی مگر اس کی تشویش کم نہیں ہوئی تھی۔ کبھی کبھ دبی سی سسکیاں لینے لگتی تھی۔ ایک جگہ رک کر ہم نے پانی پیا اور کمار کو پلانے کی کوشش کی مگر وہ مکمل طور پر۔ تھا پانی اس کے منہ سے نیچے نہیں گیا تھا۔ یہ ایک اور تشویش ناک علامت تھی۔ گاؤں سے روانگی کے ایک شہر کے مضافات شروع ہو گئے تھے۔ میرے ذہن میں بعض نشانیاں تھیں ان کی مدد سے میں جگنی کو گائیڈ لگا۔ نصف گھنٹے بعد ہم ویاس کے محل کے سامنے تھے۔ جگنی تو اس کی چار دیواری کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا تھا

''تم ادھر آیا ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے اترتے ہوئے کہا۔ دروازے کے مستعد گارڈز نے فوراً ٹیکسی کو گھیر لیا تھا۔ میں تعارف کرایا ایک گارڈ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ اندر اطلاع کی گئی اور پانچ منٹ بعد میں رانا ویاس کے تھا۔ وہ بے حد پریشان لگ رہا تھا لیکن اس سے پہلے وہ مجھ سے سوالات کرتا میں نے کہا۔ ''میرے سا بیمار ساتھی ہے اسے فوری طور پر اسپتال روانہ کرنا ہے اس کے بعد میں آپ کو ساری بات بتاؤں گا۔''

رانا ویاس نے انٹرکام پر کمار کو محل کے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو کہا۔ ''یہاں بھی ساری س ہیں۔'' اس نے مجھ سے کہا۔

''کیا میں ڈاکٹر سے مل سکتا ہوں؟'' میں نے کہا۔ ''جب تک مجھے کمار کی حالت کا پتا نہیں چلے گا مندر ہوں گا۔''

رانا ویاس نے ایک ملازم سے کہا کہ وہ مجھے محل کے اسپتال والے حصے میں لے جائے۔ میں ا ساتھ روانہ ہوا تھا اور اسپتال والے حصے کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ وہاں وہ تمام سہولیات تھیں جو ایک اسپتا ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں لیب بھی تھی۔ کمرے تھے اور ایک چھوٹا سا پریشن روم بھی تھا۔ کم سے کم دو ڈاکٹر ہ وہاں ڈیوٹی پر ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک اس وقت کمار کا معائنہ کر رہا تھا۔ سادھنا اس کے ساتھ تھی۔ ! اس کا ہاتھ تھاما۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم تھک گئی ہو آؤ میرے ساتھ۔''

''نہیں جب تک کمار کا نہیں معلوم ہوتا میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔''

''اسے ڈاکٹر دیکھ رہے ہیں۔ ان کو سمجھنے میں کچھ وقت لگے گا جب تک تم آرام کرلو اور کچھ کھا پی لو۔''

میں اسے زور دے کر وہاں سے لے آیا تھا۔ دراصل مجھے ڈاکٹر کے تاثرات نے چونکا دیا تھا۔ وہ تشویش زدہ لگ رہا تھا اور میں سادھنا کے سامنے اس سے کمار کے بارے میں بات کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔ سادھنا کو محل کے مہمان خانے کے منتظم کے سپرد کر دیا تھا۔ اسی اثنا میں وسیم وہاں آ گیا۔ اس نے حیرت سے سادھنا کو دیکھا۔

''تم یہاں کیسے؟''

''یہ تمہیں میں بتاتا ہوں۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بیتو کہاں ہے؟''

''اندر اپنے کمرے میں ہے۔''

میں سادھنا کو اس کے پاس چھوڑ کر واپس آیا تھا۔ وسیم اور میں اسپتال پہنچے۔ راستے میں میں نے اسے خود پر گزرنے والی اور پھر سادھنا اور کمار تک پہنچنے کی داستان سنائی۔ ''ایسا لگ رہا جیسے یہ واقعہ ہوا ہی اس لیے تھا کہ میں کمار اور سادھنا سے جاملوں۔''

کمار کو دیکھ کر وسیم بھی فکر مند ہو گیا تھا۔ ''شہباز صاحب اس کی حالت اچھی نہیں لگ رہی ہے۔''

ایک نرس اسے ڈرپ لگا رہی تھی۔ ڈاکٹر وہاں نہیں تھا۔ میں نے نرس سے اس کے بارے میں پوچھا۔

''ڈاکٹر کہاں ہے؟''

''وہ مریض کا خون ٹیسٹ کرا رہے ہیں۔'' نرس نے جواب دیا۔

میں ڈاکٹر کے پاس آیا۔ ''پیشنٹ کی حالت کیسی ہے؟''

''ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے لیکن مجھے شبہ ہے جگر کا مسئلہ ہے۔''

''اسے کسی بڑے اسپتال میں نہ منتقل کر دیا جائے؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے یہاں بھی علاج کی تمام سہولیات ہیں۔ ابھی میں نے کچھ ٹیسٹ ہونے کو دیئے ہیں۔ چند گھنٹوں میں ان کی رپورٹ آ جائے گی تو صورتِ حال سامنے آ جائے گی۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

میں واپس وسیم کے پاس آیا۔ اسے باقی کہانی سنا کر میں پھر رانا ویاس کے پاس پہنچا۔ وہ بے تابی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ پولیس کو کار کے پاس سے سیکرٹری منظور اور ڈرائیور کی لاش ملی تھی۔ اور میں غائب تھا۔ ''میں نے آف دی ریکارڈ تمہاری تلاش کی کوشش کی تھی۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ ویاس میرے بارے میں پولیس کو رپورٹ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے اغوا اور پھر رہائی کی کوشش کی جدوجہد سے آگاہ کیا۔ وہ حیران سا سن رہا تھا۔ یہ تو بالی ووڈ کی کسی فلم کا سین لگتا ہے۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''زندگی کچھ عرصے سے فلم بن کر رہ گئی ہے، کبھی ہالی ووڈ کی بن جاتی ہے، کبھی بالی ووڈ کی اور کبھی لالی ووڈ کی۔''

ویاس کو کمار اور سادھنا کے بارے میں پہلے بھی بتایا تھا۔ اس نے کہا۔

''سادھنا کہاں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے اسے آرام کرنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ اس کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔''

''حوصلے والی لڑکی ہے۔'' دیاس نے کہا۔

اچانک مجھے خیال آیا۔ پریشانی میں، مَیں مونا اور سفیر کو بھول گیا تھا۔ میں نے رانا دیاس سے پوچھا۔ ''میرے دو ساتھی آنے والے تھے۔''

''راجا عمر دراز نے تمہاری گم شدگی کے بعد ان کو آنے سے روک دیا ہے۔ وہ ابھی دبئی میں ہی ہیں۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''یہ انہوں نے اچھا کیا ہے۔ خود راجا صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ کہیں گیا ہوا ہے۔'' رانا دیاس نے بتایا۔ ''لیکن مجھے نہیں معلوم وہ کہاں گیا ہے۔''

''کیا راجا صاحب کا یہاں بھی اپنا کوئی سیٹ اَپ ہے؟'' میں نے ذرا محتاط انداز میں پوچھا۔

''وہ بہت پُراسرار آدمی ہے۔ مجھے صحیح سے نہیں معلوم لیکن یہاں اس کے اور بھی ذرائع ہیں۔ وہ کسی پر انحصار کرنے والا آدمی نہیں ہے۔''

''میری گم شدگی کا سن کر کہیں گئے ہیں؟''

''ہاں اس کے بعد سے غائب ہیں اور تمہارے ساتھیوں کی خصوصی حفاظت کا کہہ گیا ہے۔ ان کو باہر نہیں جانے دینا۔''

''ظاہر ہے جو یہ تک جانتے ہیں کہ میں کہاں سے کہاں گیا اور مجھے کس جگہ سے اغوا کرنا ہے۔ ان سے بچنا چاہیے۔''

''میں نے محل کے گرد سیکورٹی سخت کر دی ہے۔ یہ بتاؤ تم نے اندازہ لگایا کہ اغوا کرانے والے کون تھے۔''

''نہیں وہ سامنے نہیں آئے تھے۔ وہ کوئی تیسری پارٹی ہے جس نے مجھے اغوا کرانے کا ٹھیکا دیا تھا اور اغوا کرنے والے بھی ان سے لاعلم تھے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم لوگوں کے دشمن پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔'' رانا دیاس نے کہا۔ ''یہ جگہ ان لوگوں کے علم میں آ چکی ہے اس لیے تم لوگوں کو کہیں اور منتقل کر دینا چاہیے لیکن پہلے راجا عمر دراز سے بات کر لوں۔''

''کیا اس سے فون پر بھی رابطہ نہیں ہے؟''

''اس کے دو نمبرز ہیں اور دونوں بند ہیں۔''

مجھے خدشات ستانے لگے۔ ''کہیں راجا صاحب بھی تو دشمن کے ہتھے نہیں چڑھ گئے۔''

دیاس نے سوچا اور بولا۔ ''میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔ وہ کہیں خود گیا ہے۔''

حالات اچانک ہی بدل گئے تھے اور مجھے رانا دیاس کے محل میں آنے کے بعد جو تھوڑا سکون ملا تھا وہ اب ختم ہو چکا تھا۔ نئے خدشات لاحق ہو گئے تھے کہ یہ نئے دشمن کون تھے۔ جو میرے پیچھے پڑ گئے تھے۔ میں نے رانا دیاس سے کہا۔ ''ہمیں کس طرح یہاں سے منتقل کرنا ہے اور کہاں بھیجیں گے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''ابھی اس بارے میں سوچا نہیں ہے لیکن میرا شمالی آسام میں ایک سمر ہاؤس ہے یہاں جب شدت کی گرمی ہوتی ہے تو میں وہاں چلا جاتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''عام لوگ اس کے بارے میں جانتے ہیں کہ سمر ہاؤس آپ کا ہے؟''

''ہاں بہت سارے لوگ جانتے ہیں۔''

''تب وہاں جانا بھی مناسب نہیں ہوگا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''کیا بہتر نہیں ہوگا ہمیں کسی ایسی جگہ بھیج دیا جائے جس کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''میری ذاتی رہائش گاہیں تو سب کے علم میں ہیں۔ مگر یہاں سے کوئی سو میل شمال میں ایک کاٹیج ہے جو میرے ایک غیر ملکی دوست کا ہے اس کی دیکھ بھال میرے سپرد ہے۔ وہ سال دو سال بعد چکر لگاتا ہے۔''

''وہ مناسب رہے گا۔ اگر کوئی اس کے بارے میں نہیں جانتا ہے۔''

''میرے ملازم بھی اس کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔''

''مجھے منظور اور ڈرائیور کی موت کا دکھ ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس کی بیوی مجھے بھائی کہتی ہے۔ اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ میں نے اسے میت کے ساتھ اس کے آبائی گاؤں بھیج دیا ہے۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''میں ایسا ہی کچھ سبز قدم آدمی ہوں جہاں جاتا ہوں کچھ لوگ مر جاتے ہیں۔''

''یہ سب تقدیر کی بات ہے۔'' ویاس نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ ''اس بارے میں زیادہ مت سوچو۔ ابھی تمہارے ساتھی کی حالت کیسی ہے؟''

''اچھی نہیں ہے ڈاکٹر کو شبہ ہے اس کا جگر متاثر ہوا ہے مگر اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسے کسی اسپتال میں منتقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''وہ ٹھیک کہتا ہے یہاں ہر وہ سہولت ہے جو کسی جدید اسپتال میں مل سکتی ہے۔''

میرا تھکن سے برا حال تھا لیکن مہمان خانے میں جانے سے پہلے میں نے ایک بار پھر کمار کے بارے میں معلوم کیا۔ ڈاکٹر نے بتایا۔ ''حتمی حالت رپورٹس آنے کے بعد ہی پتا چلے گی۔ ٹیسٹ ابھی پروسیس میں تھے اور ان کا نتیجہ آنے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس وقت تک کے لیے سو جاؤں۔ وسیم جاگ رہا تھا۔ میں نے اس سے سادھنا کا پوچھا۔ اس نے بتایا۔

''وہ بہت رو رہی تھی میں نے اسے نیند کی گولی دے کر سلا دیا ہے۔ کمار کی طبیعت کیسی ہے؟''

میں نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہا ہے رپورٹس کے آنے پر ہی وہ کچھ کہہ سکے گا۔''

''آپ سو جائیں تھک گئے ہیں۔ سادھنا کی دیکھ بھال کے لیے بیتو ہے۔'' وسیم نے مشورہ دیا اور میں پہلے ہی سوچ رہا تھا لیکن جب سونے کے لیے لیٹا تو خاصی دیر تک نیند نہیں آئی تھی۔ معاملات الجھتے جا رہے تھے۔ میں نے راجا عمر دراز کی کہانی سنی تھی لیکن اس کے باوجود میں اس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ میں اب اپنے ساتھیوں سمیت واپس پاکستان جانا چاہتا تھا کیونکہ ایک بار میں بھارتی حکومت کے ہاتھ آجاتا تو میری رہائی محال ہو جاتی۔ یہاں تو جو بے قصور پاکستانی ہیں جو وہ بھی سالوں سے بنا کسی مقدمے کے جیل میں پڑے سڑ رہے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور بے شمار تو ہمیشہ کے لیے لاپتا ہو چکے ہیں۔ میں ان میں شامل ہونا نہیں چاہتا تھا مگر راجا عمر داز مجھے اور میرے ساتھیوں کو لاحق تمام خطرات کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اسے اعتماد تھا کہ وہ اور رانا دیاس میری اور میرے ساتھیوں کی حفاظت کر سکتے ہیں لیکن مجھے یہ اعتماد حد سے زیادہ لگ رہا تھا۔

میں جاگا تو دوپہر کا وقت قریب تھا اور میرا جسم کسلمندی سے ٹوٹ رہا تھا۔ نہا کر اور لباس بدل کر میں باہر آیا تو مہمان خانے کی نشست گاہ میں وسیم، بیتو اور سادھنا موجود تھے۔ تینوں ہی متفکر تھے۔ میں نے وسیم سے کمار کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔ ''پہاناٹس تشخیص ہوا ہے ڈاکٹر اس کا علاج کر رہے ہیں۔''

سادھنا رونے لگی تھی۔ ''شہباز پلیز اس کے لیے کچھ کرو۔''

میں نے بے بسی سے کہا۔ ''سادھنا ہم کیا کر سکتے ہیں سوائے دعا مانگنے کے۔ باقی دنیا میں جو ہمارے بس میں ہے وہ ہم کر رہے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''اسے کسی بڑے اسپتال میں نہیں لے جا سکتے۔ یہاں تو بس دو ڈاکٹر ہیں وہ کیا کر لیں گے۔''

اسپتال سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ علاج اور ڈاکٹر کی تمام سہولت یہاں بھی تھی لیکن سادھنا کی تسلی کے لیے میں نے اسے ساتھ لیا اور ہم ڈاکٹر کے پاس پہنچے۔ اس وقت کمار کے جسم سے کچھ مشینیں منسلک کی جا رہی تھیں۔ میں نے ڈاکٹر سے کمار کی حالت پوچھی اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''سچی بات ہے کہ زیادہ امید نہیں ہے۔ کیونکہ علاج میں دیر ہوئی ہے۔ پہاناٹس بگڑ چکا ہے۔''

سادھنا نے اپنی چیخ روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ میں نے کہا۔ ''ڈاکٹر اگر ہم اسے کسی بڑے اسپتال میں لے جائیں؟''

''ہاں لے جا سکتے ہیں لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہاں پر بھی یہی ساری ٹریٹ منٹ دی جائے گی بلکہ لے جانے کے دوران میں نقصان کا خطرہ ہے۔''

''دنیا کا کوئی ایسا علاج یا چیز جو اس کی جان بچا سکے۔''

''ہمارے بس میں جو ہے وہ ہم کر رہے ہیں۔'' اس نے یقین دلایا۔ ''دنیا کا کوئی ڈاکٹر اور دوا نہیں ہے جو اسے ہم سے زیادہ ٹھیک کر سکے اس کے لیے سب سے زیادہ پرارتھنا کی ضرورت ہے۔''

کمار مرجھائے چہرے کے ساتھ بستر پر ساکت پڑا تھا۔ سادھنا اسے دیکھ دیکھ کر رو رہی تھی اور میرا دل اسے دیکھ رہا تھا۔ کمار میرا ساتھی کچھ عرصے پہلے ہی بنا تھا اور مجھے وہ ایسا عزیز تو نہیں تھا جیسے سفیر اور وسیم تھے لیکن پھر بھی اس سے ایک انسیت ہو گئی تھی اور اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کے لیے دعا کر کے میں سادھنا کو وہاں سے لے آیا تھا ورنہ وہ رو رو کر اپنی حالت بری کر لیتی۔ اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا میں نے اسے اپنے ساتھ ناشتہ کرایا۔ بہت زور دینے پر اس نے بہت تھوڑا سا کھایا تھا۔ البتہ اورنج جوس لے لیا تھا۔ وسیم اور بیتو ایک طرف سر جوڑے بیٹھے کچھ بات کر رہے تھے۔

میں اور سادھنا آمنے سامنے صوفوں پر گم صم سے بیٹھے تھے۔ اچانک ایک ملازم نے مجھے فون کا کورڈلیس لا کر دیا۔ ''آپ کا فون ہے صاحب۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا خیال تھا کہ راجا عمر دراز ہوگا مگر دوسری طرف سے سفیر کی آواز سن کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''سفیر..... میری جان یہ تُو ہے۔''

''ہاں سکندر اعظم کے گھوڑے، یہ میں ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''سنا ہے تُو بحرِ ظلمات میں بگٹٹ دوڑ رہا ہے۔''

''عقل کی طرح تیری ہسٹری بھی کمزور ہے۔ سکندر اعظم اور اس کا گھوڑا دونوں بحرِ ظلمات کی مخالف سمت میں آئے تھے۔''

''ہم طیارے میں سوار ہونے کے لیے نکل گئے تھے لیکن عین موقع پر راجا عمر دراز کا فون آ گیا اور ہم واپس آ گئے۔ مجھے تو کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن یہ کھٹک گئی۔'' سفیر نے مونا کا ذکر کیا تو اس سے برداشت نہیں ہوا اور اس نے سفیر سے فون چھین لیا۔

''شوبی کیسے ہیں آپ؟''

''ٹھیک ہوں بھابی صاحبہ۔'' میں نے ادب سے کہا

''خبردار آپ مجھے بھابی نہیں کہیں گے۔'' اس نے چلّا کر کہا۔ ''میں آپ کے لیے صرف مونا ہوں اور آپ میرے لیے شوبی ہیں۔''

''اچھا اچھا بابا اور تم پر کون سا بھابی اچھا لگتا ہے۔ تم مونا ہی ٹھیک ہو۔''

''آپ ٹھیک ہیں نا؟''

''کل رات تک تو نہیں تھا لیکن اب ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا اور ذرا ڈھکے چھپے انداز میں ان کو خود پر گزرنے والی سنائی تھی۔ کمار اور سادھنا کے ملنے کا سن کر وہ بھی حیران ہوئے تھے۔ کمار کے بارے میں سن کر پریشان بھی ہوئے تھے۔ میں نے مونا اور سفیر سے کہا۔ ''ان کے لیے دعا کرنا۔''

''ہم ضرور دعا کریں گے۔'' سفیر نے کہا۔ ''لیکن یار اب تُو وہاں سے نکل جا۔ ہم بھی یہاں پڑے پڑے تنگ آ گئے ہیں۔''

''ہم تو یہاں سے نکل جائیں گے لیکن تم دونوں ابھی واپس نہیں آؤ گے۔ جب تک میں تم دونوں کو آنے کے لیے نہ کہوں۔''

''جی نہیں ہم اب یہاں نہیں رہ سکتے۔'' مونا نے کہا۔

''دیکھو میں ابھی بہت پریشان ہوں مجھے اور پریشان مت کرو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ میرا حکم ہے اب دونوں وہاں سے میری اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرو گے چاہے تمہیں راجا عمر دراز کی طرف سے حکم ملے۔''

''راجا صاحب کہیں تب بھی؟'' سفیر نے حیرت سے کہا۔

''ہاں راجا صاحب اچانک بتائے بغیر غائب ہیں اور امکان ہے کہ وہ خیریت سے ہوں گے لیکن ہم کسی اور امکان کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔ یہاں بھی میرے دشمن سرگرم عمل ہو گئے ہیں۔ اس لیے جب راجا صاحب کی طرف سے تم کو کوئی حکم ملے تو تم میری طرف سے تصدیق کیے بغیر اس پر عمل نہیں کرو گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔'' سفیر نے کہا تو مونا نے اس سے فون چھین لیا۔ اس نے کہا۔

''شوبی اب ہم تم سے دور نہیں رہ سکتے، انڈیا میں تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''نہیں بی بی ہمارے لیے خطرہ کہاں نہیں ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''یہاں بھی میری جان کے گاہک پیدا ہو گئے ہیں۔''

''سنو مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔'' مونا نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''سنا ہے الیکشن میں کامیابی کے بعد مرشد علی کے وزیر بننے کے امکانات ہو گئے ہیں۔''

''یہ تم کو کس نے بتایا؟'' میرا دوران خون مرشد علی کا نام سن کر تیز ہو گیا تھا میرے تمام مسائل کی جڑ یہی شخص تھا اور اسی کی وجہ سے میں در بدر مارا مارا پھر رہا تھا۔

''کس نے کہنا ہے میں نے اسے ٹی وی پر دیکھا ہے۔ آپ کو شاید ٹی وی دیکھنے کی فرصت نہیں ہے مگر آج کل پاکستان میں بھی میڈیا بہت تیزی سے آگے آ رہا ہے کئی چینل کھل گئے ہیں۔ ایک چینل پر وہ اپنے عزائم کا اظہار کر رہا تھا اس کا دعویٰ ہے کہ اسے ملک کے سب سے اعلیٰ سربراہ کی طرف سے دعوت ملی ہے۔''

میرے لہجے میں تلخی آ گئی تھی۔ ''اس ملک میں جب کوئی چور راستے سے حکومت میں آتا ہے۔ ایسے لوگ ہی اس کی مدد کے لیے پیش پیش ہوتے ہیں۔''

''مجھے تو یہ سوچ کر پریشانی ہو رہی ہے کہ اگر وہ اقتدار میں آ گیا تو ہمارے لیے مزید کتنی مشکلات کھڑی کر سکتا ہے۔''

''تم بے فکر رہو وہ کچھ بھی کر لے بچانے والے سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتا ہے۔'' میں نے اس کو تسلی دی۔ ''تم لوگ اس کی گرفت سے دور آزاد ہو میرے لیے یہ سب سے اچھی بات ہے۔ سفیر سے کہو وہاں کوئی جاب کر لے۔ اور رقم کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' مونا بولی۔

''بس ہو گیا ہے فون پر نہیں بتا سکتا۔ سفیر سے میری بات کراؤ۔'' وہ لائن پر آیا تو میں نے اسے مختصر الفاظ میں ہیروں سے فروخت شدہ رقم کے بارے میں بتایا۔ ''میں چاہتا ہوں اسے تیرے اکاؤنٹ میں منتقل کر دوں۔''

''مجھے تو معاف رکھ۔'' اس نے بدک کر کہا۔ ''میں اتنی بڑی ذمے داری نہیں اٹھا سکتا۔''

''بکواس نہ کر ہم سب میں بس تُو ہی محفوظ ہے اس لیے رقم بھی تیرے پاس ہی محفوظ رہے گی۔ میں اگر غائب ہو گیا تو رقم بھی غائب ہو جائے گی۔ اس کا ایسی جگہ ہونا ضروری ہے جہاں سے اسے کوئی بھی حاصل کر سکے۔''

''تو میں کیا کروں؟'' اس نے بے دلی سے کہا۔

''تُو سب سے پہلے ایک ایسا اکاؤنٹ کھلوا جسے تُو دبئی یا اس سے باہر کہیں سے بھی آپریٹ کر سکے۔ اکاؤنٹ ڈالرز کا ہو اور اس کا کریڈٹ کارڈ بنوا لے۔''

''یہ تو یہاں بہت آسان ہے۔'' اس نے کہا۔ ''رقم کتنی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک کروڑ ڈالرز ہیں۔''

''کیا ایک کروڑ ڈالرز؟'' وہ چلا اٹھا تھا۔

''ہاں میرے یار ہم کروڑ پتی بن گئے ہیں۔''

''ہم نہیں تو۔''

''بکواس نہ کر ہم میں سے کوئی الگ نہیں ہے۔ تُو یہ کام کل تک کر لے اس کے بعد میں انٹرنیٹ کے ذریعے تیرے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر کر دوں گا۔''

جب میں نے اکاؤنٹ کھلوایا تھا تو بنک والوں نے اس کے ساتھ ہی مجھے اسے آپریٹ کرنے کے لیے میرا اِی بینکنگ کا اکاؤنٹ بھی بنوا دیا تھا۔ اس کا پاس ورڈ اور آئی ڈی مجھے زبانی یاد کرنا تھا کیونکہ یہ بہت حساس معلومات تھیں اگر کسی شخص کو ان کا پتا چل جاتا تو وہ میرا اکاؤنٹ ایک منٹ میں خالی کر سکتا تھا۔ سفیر کو ساری بات سمجھا کر میں نے فون وسیم کو دیا وہ اس سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ بیتو نے پوچھا۔

''یہ سفیر بھائی تھا؟''

''ہاں اور تمہاری مونا دیدی بھی۔''

اس نے جھجک کر کہا۔ ''کیا ہم ان سے بات کر سکتا ہے؟''

''ہاں وسیم کر لے پھر تم بھی بات کر لینا۔'' میں نے جواب دیا۔

سادھنا ایک طرف خاموشی سے بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔ وہ یہاں نہیں تھی اسے یقیناً کمار کی فکر تھی۔ میں اس کے پاس آ بیٹھا۔ ''سادی فکر مت کر وخدا نے چاہا تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس نے میری طرف دیکھا اور سسکی لے کر بولی۔ ''پتا نہیں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔''

''اس قسم کے حالات میں یہ قدرتی بات ہے۔ کسی کا کوئی پیارا اسپتال میں ہو تو دل گھبراتا ہی ہے اور ذہن میں ڈرا دینے والے خیالات آتے ہیں۔''

''کمار ٹھیک ہو جائے گا نا؟''

''ان شاء اللہ۔'' میں نے یقین سے کہا۔ یہ یقین دل میں نہیں تھا لیکن میں نے سادھنا کی تسلی کے لیے اسے زبان سے ضرور ادا کیا تھا۔ وہ کسی قدر مطمئن نظر آنے لگی تھی۔

''کاش ہم آپ لوگوں سے جدا نہ ہوتے۔ یہ سب اسی وجہ سے ہوا ہے۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

''ایسا نہیں ہے جو بھی ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ ہم انسان اس کے سامنے بے بس ہیں۔'' میں آہستہ آہستہ اسے تیار کرنے لگا۔ ''بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو انسان چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں ہر طرح کی صورتِ حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

سادھنا پڑھی لکھی اور حوصلے والی لڑکی تھی۔ اس نے میری بات سمجھ لی تھی۔ ''میں جانتی ہوں آدمی کو ہر چیز کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

''یہی میں تم کو سمجھانا چاہ رہا ہوں۔ کمار کے لیے دعا کرتی رہو لیکن اس کے ساتھ ہر صورتِ حال کے لیے بھی تیار رہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب بیتو سفیر اور مونا سے بات کر رہا تھا اور وسیم اسے درمیان میں بول بول کر پریشان کر رہا تھا۔ تنگ آ کر بیتو نے فون بند کر دیا۔ ''وسیم بھائی آپ ہم کو پریشان کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔''

''نہیں سنے میری پیدائش کے اور بھی مقاصد تھے۔ تم تو اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ہو۔''

''یار کیوں اسے تنگ کر رہے ہو۔''

بیتو چہکا۔ ''مونا دیدی ہم سے بہت خوش ہے۔''

''جو کروں سے سب خوش ہوتے ہیں۔'' وسیم نے لقمہ دیا۔

''آپ خود جو کر ہو گا۔''

میں نے سادھنا کے خیال سے ہنسی ضبط کی۔ ''مونا کیا کہہ رہی تھی۔''

''اس نے ہم کو بھائی بنا لیا ہے۔''

''ہاں بیٹے تمہاری صورت ہی ایسی ہے جو لڑکی دیکھتی ہے فوراً بھائی بنا لیتی ہے۔'' وسیم نے پھر مداخلت کی۔

''بھائی تو بناتا ہے۔'' بیتو بھنا گیا تھا۔ ''آپ کو تو کچھ نہیں بناتا۔''

اس بار میں اور سادھنا بھی ہنس دیئے تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''واقعی بیتو کی بات قابلِ غور ہے۔''

وہ کھسیا گیا تھا۔ ''آپ بھی کس کی باتوں پر توجہ دے رہے ہیں اسے ابھی انڈے سے نکلے چار دن تو ہوئے نہیں ہیں۔''

''آپ خود انڈے سے نکلا ہو گا ہم تو ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔'' بیتو نے غصے سے کہا تو سادھنا کھسیا گئی تھی۔

''اوہ بھائی تم لوگ غصے میں بات کرتے ہوئے اردگرد تو دیکھ لیا کرو اور ابھی کمار بیمار ہے اس کے لیے دعا کرو۔'' میں نے ان کو ڈانٹا۔ تو بیتو اور وسیم کچھ سنجیدہ ہوئے تھے۔ میں نے فون پر اسپتال والے حصے میں رابطہ کر کے ڈاکٹر سے کمار کی حالت پوچھی۔ اس نے مایوسی سے جواب دیا۔

''کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امید کم ہو رہی ہے۔''

''اس کے لیے اور کیا کیا جا سکتا ہے؟''

''بس دعا کریں ورنہ جو کسی بھی ڈاکٹر کے بس میں ہو سکتا ہے وہ ہم کر رہے ہیں۔''

میں نے فون رکھا تو سادھنا نے میری صورت اور باتوں سے کسی حد تک اندازہ لگا لیا تھا۔ ''ڈاکٹر مایوس ہے؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے سر ہلایا۔ ''کنڈیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور یہ اچھی علامت نہیں ہے۔''

''اگر کمار کو کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔''

وسیم اور بیتو ہماری طرف متوجہ تھے۔ بیتو نے کہا۔ ''دیدی تم ایسا کیوں سوچتا ہے۔ ہم ہے نا تمہارے ساتھ۔ یہ شہباز بھائی ہے اور یہ وسیم بھائی بھی ہے۔'' وسیم کا نام لیتے ہوئے اس کے لہجے میں خفگی آ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے معلوم ہے تم سب میرے ساتھ ہو لیکن.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ میں سمجھ گیا تھا۔ ہم سب ساتھی تھے لیکن کمار اس کا جیون ساتھی تھا اور ابھی تو وہ میاں بیوی بنے بھی نہیں تھے کہ قدرت ان کے درمیان ہمیشہ کی جدائی ڈالنے والی تھی۔ سادھنا کے لیے وہی سب کچھ تھا اگر وہی نہ رہتا تو اس کے پاس جیسے سب ختم ہو جاتا۔ عورت کے لیے اس کا مرد ہی اصل حیثیت رکھتا ہے اس کے بغیر وہ ایسے ہو جاتی ہے جیسے کٹی پتنگ جو ہوا کے دوش پر اڑتی پھرتی ہے۔

''سادی ہم ہر صورت میں تمہارے ساتھ ہیں اور کبھی کسی حال میں تم کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ تم جانتی ہو باقی سب میں بھی کوئی خون کا رشتہ نہیں ہے لیکن ہم ایک خاندان کی طرح ہیں۔''

بیتو بھی اسے حوصلہ دینے لگا تھا۔ سادھنا کسی حد تک سنبھل گئی تھی۔ ہم نے اصرار کر کے اسے دوپہر کا کھانا کھلایا۔ اور پھر بیتو اسے محل کے باغ میں لے گیا تھا۔ میں اور وسیم اسپتال میں آئے۔ کمار بدستور مشینوں کے سہارے سانس لے رہا تھا اور یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ بچ سکے گا یا نہیں۔ ہم اس کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا بے ہوش ہی تھا اور ڈاکٹر کے مطابق اس کی مسلسل بے ہوشی ہی خطرے کی علامت تھی۔

''شہباز صاحب اگر کمار کو کچھ ہو گیا تو سادھنا کا کیا ہو گا؟''

''کچھ نہیں، اگر وہ ہمارے ساتھ رہنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا یا وہ اپنی زندگی کے بارے میں کوئی اور فیصلہ کرنا چاہے گی تو وہ بھی مجھے قبول ہو گا۔''

شاید ہم دونوں کے ذہن میں تھا کہ کمار کا بچنا مشکل تھا اسی وجہ سے ہم آنے والے وقت پر غور کر رہے تھے۔ ابھی ہم بات کر رہے تھے کہ کمار کراہا۔ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ میں اس کے پاس گیا۔ ''کمار آنکھیں کھولو۔''

وسیم نے ڈاکٹر کو بلانے کے لیے بٹن دبایا تھا۔ میری آواز پر کمار نے آنکھیں کھولیں اور کچھ دیر دیکھتا رہا تھا۔ ''شہباز۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''کمار میں ہوں۔''

وہ بے چین سا ہو رہا تھا۔ کارڈیوگراف پر اس کی دل کی دھڑکن بہت غیر متوازن تھی۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر آ گیا۔ اس نے کمار کو کوئی انجکشن دیا تو اس کی حالت کسی قدر بہتر ہوئی تھی۔ مگر ڈاکٹر کے انداز سے لگ رہا تھا وہ کمار کی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا اس نے مجھے ایک طرف بلا کر کہا۔

''ان کے پاس وقت کم ہے۔''

میں نے وسیم سے کہا۔ ''جا کر سادھنا کو لے آؤ۔''

''شہباز۔'' کمار نے مجھے پکارا تو میں اس کے پاس آ گیا۔

''ہاں دوست تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

''نہیں میرے پاس وقت نہیں ہے..... سادھنا کہاں ہے؟'' وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔

''وہ آ رہی ہے۔'' میں نے بتایا۔

کمار گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ ''شہباز..... میرے بعد تم سادی کو اپنے پاس رکھنا۔ میں اسے تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم بے فکر رہو وہ ہماری ذمے داری ہے اور تم بھی اب ہمارے ساتھ رہو گے۔''

''نہیں مجھے لگ رہا ہے میرا آخری وقت قریب ہے۔ میں مرنے سے پہلے ایک بار سادھنا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کمار تم بچ جاؤ گے۔''

وہ مسکرایا۔ ''شہباز ہم کتنے خطرناک مراحل سے گزرے تھے لیکن موت پاس سے گزر گئی اور آج میں بستر پر مر رہا ہوں۔''

میں اسے تسلی دینا چاہتا تھا مگر نہیں دے سکا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''مجھ سے وعدہ کرو سادی کا خیال رکھو گے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''اب میں سکون سے مر سکوں گا۔'' اس نے کہا اسی لمحے سادھنا اندر آئی تھی۔ وہ تیر کی طرح کمار کے پاس آئی۔

''کمار۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''سادی اب تُو ان کے ساتھ رہے گی۔ یہ تیری دیکھ بھال کریں گے۔''

''نہیں مجھے تیرے ساتھ رہنا ہے۔'' سادھنا نے مچل کر کہا۔ وہ رونے لگی تھی۔

''سادی دل بڑا کر۔'' کمار نے آہستہ سے کہا۔

''کیسے بڑا کروں تیرے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھے تھے اور اب تُو چھوڑ کر جانے کی بات کر رہا ہے۔''

کمار بے بسی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ اگر زندہ رہنا اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ کیوں مرتا لیکن موت سے بچنا کسی کے بس کی بات کہاں وہ اپنے وقت پر آتی ہے اور اچانک آدمی کو دبوچ کر لے جاتی ہے۔ سادھنا بول رہی تھی یا شاید کمار سے التجا کر رہی تھی۔ اسے نظر نہیں آ رہا تھا کہ کمار کی آنکھوں کی جوت رفتہ رفتہ بجھ رہی ہے۔ اور پھر وہ جوت بالکل ہی بجھ گئی۔ مشین پر دل کی لکیر سیدھی ہو گئی تھی۔ میں نے سادھنا کو پیچھے کیا جو اس کے سینے سے سر ٹکرا رہی تھی اور چادر سے کمار کا چہرہ ڈھک دیا۔ یہ دیکھ کر سادھنا بے ہوش ہو کر گر گئی تھی۔

☆======☆======☆

رانا ویاس کے محل کے اس حصے میں صبح سے خاموشی تھی۔ سادھنا کی طبیعت خراب تھی۔ کمار کی ارتھی کو آگ لگانے کے دوران وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کے بعد ڈاکٹر نے اسے اس وقت تک کے لیے سونے کو کہا جب تک وہ خود ہوش میں نہ آ جاتی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اگر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی تو اسے نقصان ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا۔

''یہ دماغ کا خود حفاظتی سسٹم ہے جب کوئی صدمہ جان لیوا ہونے لگتا ہے تو وہ اس قسم کے حربے اختیار کرتا ہے۔ اب وہ جتنی دیر بے ہوش رہے گی۔ دماغ اس کی یادداشت کو دھندلا اور اعصاب کو مضبوط کر دے۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ مگر ہم سب ہی افسردہ تھے۔ کمار کی ارتھی کو صبح سویرے آگ لگائی گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد وسیم اور بیتو تو آرام کرنے چلے گئے تھے۔ وہ بھی رات سے جاگ رہے تھے۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی رانا دیاس کے ساتھ ناشتہ کیا۔ اسے اب راجا عمر دراز کی طرف سے تشویش ہو چلی تھی کیونکہ اس کی طرف سے دو دن گزرنے کے بعد بھی کوئی رابطہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے ناشتے کے بعد کہا۔

"اگر وہ کسی حادثے سے دوچار ہو گیا ہے تو اب تک اس کی خبر آ جانی چاہیے تھی۔"

"راجا صاحب کا سب سے بڑا دشمن ڈیوڈ شا ہے اور وہ بہت ہی شاطر آدمی ہے میں اسے بھگت چکا ہوں۔ کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ انڈیا میں داخل ہوا ہے یا نہیں۔"

"اگر وہ پاسپورٹ پر آیا ہے تو معلوم ہو جائے گا۔" رانا دیاس نے کہا۔ "لیکن کچھ وقت لگے گا۔"

"یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے اگر وہ واقعی انڈیا میں ہے تو راجا صاحب کی گم شدگی زیادہ تشویش ناک ہو گی۔"

میں ناشتہ کر کے سادھنا کے کمرے میں آیا وہ سو رہی تھی اور اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک نرس موجود تھی۔ اسے دیکھ کر میں لاؤنج میں آیا۔ میرے پاس سفیر کا دیئے والا نمبر تھا۔ میں نے اس کا نمبر ملایا۔ میں اسے کمار کے مرنے کی اطلاع دینا چاہتا تھا پھر اس سے بینک اکاؤنٹ کے بارے میں بھی پوچھ لیتا۔ اگر اس نے اکاؤنٹ کھلوا لیا تھا۔ تو میں اپنے اکاؤنٹ سے رقم اس کو ٹرانسفر کر دیتا۔ مگر اس کے فون کی گھنٹی بجتی رہی تھی اور کال ریسیو نہیں کی تھی۔ شاید وہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ مجھے رہ رہ کر کمار کا خیال آ رہا تھا۔ وہ میرا بہت کم وقت کا ساتھی تھا لیکن اس نے اپنی خصوصیات اور خلوص سے میرا دل جیت لیا تھا۔ وہ اتنی سی عمر میں اچانک موت کا شکار ہو جائے میں نے سوچا نہیں تھا۔

دوپہر کے وقت میں سامنے والے لان میں تھا کہ میں نے رانا دیاس کے محل کے پورچ میں ایک شاندار لیموزین کو رکتے دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید اس میں سے راجا عمر دراز برآمد ہو گا لیکن اس میں سے تین ہنستی کھلکھلاتی لڑکیاں نکلیں تھیں اور وہ اندر چلی گئیں۔ شاید وہ رانا دیاس کی پوتیاں تھیں جو کہیں تفریح کے لیے گئی تھیں اور اب واپس آ گئیں تھیں۔ مجھے کسی قدر مایوسی ہوئی تھی۔ راجا عمر دراز کے غائب ہونے سے ہم ایک طرح سے رانا دیاس کے رحم و کرم پر آ گئے تھے اور مجھے یہ بات اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ دوسرے اگر عمر دراز غائب ہو گیا تھا تو اس صورت میں میرا فرض بنتا تھا کہ میں اسے بازیاب کراتا۔ اگر وہ یہاں ہوتا تو اب تک میں شاید جانے کا فیصلہ بھی کر چکا ہوتا۔

لیکن اس صورت حال میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کم سے کم میرے جانے کا۔ اگر میں نہیں جاتا تو وسیم بھی نہ جاتا اور ظاہر ہے بیتو بھی نہیں جاتا۔ سادھنا کی کہیں جانے کی پوزیشن نہیں تھی اور فی الحال ہم ہی اسے سنبھالنے والے تھے۔ اس لیے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے۔ شام کے وقت میں سادھنا کے کمرے میں گیا تو وہ جاگ گئی تھی اور چپ چاپ لیٹی چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے نرس کی طرف دیکھا تو وہ خاموشی سے کمرے سے چلی گئی تھی۔ میں نے کرسی بستر کے قریب گھسیٹ لی اور کچھ کہنے کے بجائے سادھنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور غیر متوقع طور پر مسکرائی تھی۔

"میں نے تم لوگوں کو پریشان کیا نا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں اور اب تم مزید پریشان کرنا بند کردو۔''

''میں اب ٹھیک ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔''میں نے جو صدمہ برداشت کرنا تھا وہ کرلیا ہے۔''

''گڈ گرل اور میں تم کو بتانے کے لیے آیا ہوں کہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔''

''شوبی آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں گے؟'' اس کے لہجے میں سوال تھا۔

''جب تک ہم میں سے کوئی زندہ ہے تم ہمارے ساتھ ہی رہو گی۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

وہ اٹھ بیٹھی۔''تم نے کھانا کھایا اور آرام کیا؟''

میں نے سچ بتایا۔''صبح ناشتہ کیا تھا اور آرام کو دل ہی نہیں چاہا۔''

''یہ غلط ہے۔ میں نے بھی بہت دیر سے کچھ نہیں کھایا ہے۔''

میں اسے لے کر لاؤنج میں آیا۔ وسیم اور بیتو اٹھ گئے تھے۔ وسیم ایک اخبار دیکھ رہا تھا اور بیتو کو اس میں سے خبریں پڑھ کر سنا رہا تھا۔ بیتو سادھنا کو دیکھ کر لپک کر اٹھا۔''دیدی اب تم کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہوں۔'' وہ بولی۔''تم لوگوں نے شوبی کا خیال نہیں رکھا اور خود سوتے رہے تھے۔''

''ہاں کیونکہ جب میں سو جاتا ہوں تو مجھے دوسروں کا پتا نہیں چلتا ہے۔'' وسیم نے سر ہلایا۔

''وسیم بھائی بہت زور سے خراٹا لیتا ہے۔'' بیتو نے شکایت کی۔''ہم اپنے کمرے میں سن کر جاگتا رہا۔''

میں نے انٹرکام پر کھانے کا سامان لانے کو کہا۔ باقاعدہ کھانے کا وقت نہیں تھا اس لیے اسنیکس منگوا لیے تھے۔ سادھنا شاید میرے آنے سے پہلے منہ ہاتھ دھو چکی تھی اور اس کا چہرہ کسی بارش زدہ رات کی روشن صبح کی طرح نکھرا ہوا تھا۔ اس نے بال کنگھی کر کے باندھ لیے تھے۔ بیتو اس کے ساتھ باتوں میں لگ گیا اور وسیم پھر اخبار دیکھنے لگا۔ میں نے اس کا ایک صفحہ اٹھا لیا۔ یہ بین الاقوامی خبروں والا صفحہ تھا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا کہ ایک خبر نے میری توجہ کھینچ لی۔ اصل میں خبر کے ساتھ تصویر نے میری توجہ کھینچی تھی۔ یہ ایمن کی تصویر تھی۔ اور خبر یہ تھی کہ ایمن شا جو ایک معروف ٹی وی میزبان بن چکی تھی۔ اور وہ کسی ڈاکومینٹری کی تیاری کے سلسلے میں انڈیا آئی ہوئی تھی۔ اس نے ایک مقامی ہوٹل میں جذام کے مریضوں کے لیے ایک پروگرام میں شرکت کی تھی۔ یہ پروگرام بنارس میں ہوا تھا۔ ایمن شا کے بارے میں جان کر میں کسی قدر بے چین ہو گیا تھا۔ اس کے حوالے سے میری یادیں بہت خوش گوار تھیں۔ وہ مجھ سے محبت کا دعویٰ رکھتی تھی اور میں اسے پسند ضرور کرتا تھا لیکن اس پسند کو محبت نہیں کہا جا سکتا تھا۔ محبت آدمی زندگی میں شاید ایک بار ہی کرتا ہے۔ اور میں اپنی زندگی کا یہ خانہ بند کر چکا تھا۔ خبر میں اس مقامی ٹی وی کا ذکر بھی تھا جس کے اشتراک سے ایمن شا ڈاکومینٹری موویٔ بنانے آئی تھی۔ میں نے اس ٹی وی چینل کا نمبر انکوائری سے لیا اور وہاں سے ایمن شا کے بارے میں پوچھا۔ مجھے ایک ہوٹل کا بتایا گیا جہاں وہ ٹھہری ہوئی تھی اور اس ہوٹل کا نمبر بھی دے دیا۔ میں نے ہوٹل کا نمبر ملایا اور ایمن شا سے ملانے کو کہا۔ آپریٹر نے معذرت کی۔

''سوری سر ان کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔''

''اچھا اس کو ایک میسج کر دو کہ اس کا ایک پرانا دوست شہباز بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ مجھے نمبر دے دیں۔'' اس نے کہا۔''اگر انہوں نے چاہا تو کال بیک کر لیں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سوچا اور اسے رانا ویاس کے گھر کا پتہ نمبر دے دیا میرا خیال ہے اس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ فون بند کر کے میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے ایمن کے بارے میں بتایا۔ اس دوران میں چائے اور اسنیکس آ گئے تھے۔ سادھنا نے خود چائے نکالی اور چیزیں پلیٹ میں رکھ کر میری طرف بڑھائیں اور تجسس سے بولی۔ ''یہ ایمن کون ہے؟''

میں نے کھانے پینے کے دوران اسے ایمن کے بارے میں بتایا۔ اگرچہ میں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ مجھے پسند کرتی تھی لیکن سادھنا کی خالص زنانہ چھٹی حس نے اس بات کو بھانپ لیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''کیا وہ آپ میں انٹرسٹڈ ہے؟''

''شاید۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔ ''مجھے اس بارے میں صحیح سے نہیں معلوم ہے۔''

وہ مسکرانے لگی۔ ''آپ چھپا رہے ہیں۔''

''بھئی دیکھو وہ ایک مغربی لڑکی ہے اور ان کا انداز ذرا کھلا ڈلا اور بے باک ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے رویے کے بارے میں درست طور پر کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے۔''

''چلئے آپ مت بتائیں جب اس سے ملوں گی تو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔'' اس نے تیکھے انداز میں کہا۔

''کوشش کرنا۔'' میں نے کہا اور موضوع بدل دیا۔ ''عجیب بات ہے جہاں میں جاتا ہوں۔ اتفاق سے یہ بھی ناچ جاتی ہے۔''

''کیا سچ مچ اتفاق ہوتا ہے؟'' سادھنا کے لہجے میں سوال آ گیا۔

''ہاں کیونکہ اسے بھلا کیا علم کہ میں حالات کے تھپیڑے کھاتا کہاں پہنچ گیا ہوں۔''

''ممکن ہے اس کا دل رہنمائی کرتا ہو۔''

اب مجھے اس موضوع سے بے زاری ہونے لگی تھی لیکن سادھنا کا دل رکھنے کے لیے میں کچھ دیر اس سے ایمن کی باتیں کرتا رہا۔ اسی اثناء میں ایک ملازم رانا ویاس کا پیغام لے کر آیا کہ ہم سب رات کا کھانا اس کے ساتھ کھائیں گے۔ اس نے ہمارے بارے میں شاید کوئی فیصلہ کر لیا تھا اور آج رات یہاں ہمارے اعزاز میں الوداعی کھانا دیا جا رہا تھا۔ اگر اس نے ہمیں کہیں اور منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تو میں یہ فیصلہ اسی صورت میں قبول کر سکتا تھا جب مجھے اطمینان ہو جاتا۔ حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر سفیر کا نمبر ملایا۔ اس بار اس نے کال ریسیو کر لی۔

''کہاں تھے تم دونوں؟'' میں نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔ ''میں نے فون ملایا تھا تو کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔''

''ہم باہر گئے تھے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور تُو ابا جان کیوں بن رہا ہے۔''

''یہاں حالات اچھے نہیں ہیں اور تم لوگوں کو گھومنے کی پڑی ہے میں نے ایک کام کہا تھا۔'' مجھے غصہ آ گیا تھا۔

''اوہ یار تمہارے کام سے ہی نکلے تھے۔ کام ہو گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''یہاں تو ڈالر اکاؤنٹ کھلوانا ہمارے ملک میں ڈاک خانے کا اکاؤنٹ کھلوانے سے بھی زیادہ آسان ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں شرمندہ ہوگیا۔ ''سوری یار میں ذرا ٹینس ہوگیا تھا۔''

''یاری میں سوری نہیں ہوتی ہے۔''

''اچھا اچھا اب تُو ابانہ بن..... مجھے جلدی سے اکاؤنٹ نمبر اور ٹائٹل بتا ممکن ہے میں ابھی تجھے رقم کر دوں۔''

''اتنی جلدی؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''ہاں یار میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ یہاں سے بھی جلد بوریا بستر گول ہونے والا ہے۔'' میں نے پشتو میں کہا تا کہ کوئی ہماری بات سن رہا ہو تو اسے سمجھ نہ آئے۔ سفیر نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے پشتو میں ہی جواب دیا۔

''تیرا موبائل نمبر ہے میرے پاس میں اس پر ابھی ایس ایم ایس کرتا ہوں۔'' سفیر نے کہہ کر فون مونا کو پکڑا دیا۔ اور اس نے فوراً رونا شروع کر دیا۔

''شوبی یہ بہت کنجوس آدمی ہے اس نے میری معمولی سی خواہش بھی پوری نہیں کی ہے۔''

''فکر مت کرو کل تک یہ کروڑ پتی بن جائے گا اور تمہاری ساری خواہشیں پوری کرے گا۔''

''نہیں کرے گا۔'' وہ یقین سے بولی۔ ''یہ سخت کنجوس ہے۔''

''تم فکر مت کرو اگر اس نے اب تم کو شاپنگ کرانے سے انکار کیا تو ہم اسے گنجا کر دیں گے۔'' میں نے شاہانہ انداز میں کہا۔ اس دوران میں سفیر کا بھیجا ہوا ایس ایم ایس مل گیا تھا اور اس نے فوراً فون لیا۔

''خدا کے لیے تُو اس کی عادت سے واقف نہیں ہے۔ ہر دکان پر اور ہر چیز کے لیے کھڑی ہو جاتی ہے۔'' سفیر بھنایا ہوا تھا۔ ''اس کے لیے یہ رقم بالکل ناکافی ہے۔ اب کہ تُو کہیں سے ہیروں کی کان تلاش کر کے بیچنے کی کوشش کر۔''

''اچھا اچھا میں بھی سب سن رہا تھا۔ اب میں رقم ٹرانسفر کرتا ہوں اور تُو چیک کر کے مجھے فوراً فون کر۔''

میں نے فون سادھنا کو دے دیا اور وہیں موجود کمپیوٹر سے اپنا بنک اکاؤنٹ کھولا۔ اس میں ایک کروڑ ڈالرز کی رقم آ چکی تھی۔ میں نے تقریباً ساری رقم سفیر کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دی تھی صرف پچاس ہزار ڈالرز چھوڑے تھے کہ یہ کہیں کام آ سکتے تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ یہ رقم رانا دیاس کو دے کر اس کے بدلے اس سے بھارتی کرنسی لے لوں گا۔ پچاس ہزار ڈالرز کے کوئی بائیس لاکھ بھارتی روپے مل جاتے۔ دوسرے مجھے رانا سے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے پاسپورٹس کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ راجا عمر دراز نے اس سے کہا تھا کہ یہ دو دن میں بن جانے چاہیے تھے اور دو دن گزر چکے تھے۔

رات کے کھانے کا گجر بجا تو سب ہی محل کے مرکزی ڈائننگ ہال پہنچ گئے۔ رانا اور اس کے اہلِ خانہ چھوت چھات کے قائل نہیں تھے۔ اس لیے وہ آرام سے ہمارے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور ان کی میز پر کئی طرح کا گوشت نظر آتا تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ کسی نچلی ذات سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے وہ روشن خیال تھے۔ میز پر رانا دیاس کی تینوں پوتیاں موجود تھیں اور اس نے ان کا تعارف کرایا تھا۔ ان میں سے ایک خاصی شوخ لگ رہی تھی۔ اس کا نام ریتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ کے بڑے کارنامے سنے ہیں۔'' اس نے انگریزی میں کہا تھا کیونکہ اسے ہندی خاص نہیں آتی تھی۔

''اگر کسی نے آپ کو میرے بارے میں بڑھا چڑھا کر بتایا ہے تو یہ اصل میں اس کا کارنامہ ہے۔ اور میں اس کا ذمے دار نہیں ہوں۔''

اس نے آنکھیں گھمائیں۔ ''گرینڈ پا کسی کی تعریف نہیں کرتے ہیں۔ آپ کی کر رہے تھے۔''

''بدقسمتی ہے میری۔'' میں نے دل میں کہا اور بولا۔ ''رانا صاحب خود بہت بڑے آدمی ہیں۔''

''چل چپ کر جا اب کھانا کھانے دے۔'' رانا ویاس نے اسے ڈانٹا۔ وہ منہ بنا کر چپ ہوگئی اور کھانے لگی۔ اس کی عمر مشکل سے بیس برس تھی اور میرے حساب سے وہ انڈر گریجویٹ تھی۔ یہ عمر ایسی ہی ہوتی ہے۔ بس ایک ہی طرف توجہ نہ دیتی تو سب ٹھیک تھا۔ میں فی الحال کسی کی توجہ کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی ہم کھانا کھا رہے تھے کہ ایک ملازم نے آکر مجھ سے آہستہ سے کہا۔

''سر آپ کی بنارس سے کال ہے کوئی ایمن شاہات کریں گی۔''

اس کی آواز اگرچہ دھیمی تھی لیکن اتنی بھی نہیں تھی اس لیے سب نے ہی سنا تھا لیکن انہوں نے یوں ظاہر کیا جیسے نہیں سنا ہے البتہ ریتا نے آنکھیں گھمائیں اور بلند آواز سے بولی۔ ''یہ نام کچھ سنا ہوا لگ رہا ہے..... ارے ہاں کہیں یہ برطانیہ والی ایمن شا تو نہیں ہے جو یہاں ڈاکومینٹری بنانے آئی ہے؟''

''یہ وہی ہے۔'' میں نے نیپکن سے منہ صاف کیا اور ایکسکیوزمی کہتا ہوا اٹھ گیا۔ ملازم میرے لیے کارڈ لس لے آیا تھا۔ میں فون لے کر بالکونی میں آگیا۔ ''ہیلو.....''

دوسری طرف سے ایمن کی مرتعش آواز آئی تھی۔ ''یہ تم ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''نام لینا مناسب نہیں ہوگا۔''

''میں سمجھتی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''فی الحال مشکل ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

''پلیز حالات کو سمجھو۔ میں بہت مشکل میں ہوں اور آج کل کچھ لوگ میرے پیچھے ہیں۔''

''وہ کب نہیں ہوتے۔''

''مجھے شبہ ہے کہ تمہارا نام نہاد چچا یہاں موجود ہے اور میری مشکلات میں اضافے کے لیے کوشاں ہے۔''

''مجھے اس کے بارے میں نہیں پتا۔''

''دو دن سے راجا بھی غائب ہے۔''

''وہ بھی یہاں ہے؟''

''ہاں لیکن وہ درست طریقے سے آیا ہے۔ البتہ دو دن سے اس سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے مجھے اس کی اہل ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے یقین ہے وہ کسی چکر میں ہے۔''

''ایمن تم کہاں جا رہی ہو۔''

''شمالی انڈیا میں ایک جگہ ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ ویسٹ بنگال کا علاقہ ہے جو بھوٹان کے ساتھ لگتا ہے۔ یہاں کچھ ایسی انواع کی ڈاکومینٹری بنانی ہے جو معدومیت کے قریب ہیں۔ تم بھی بنگال میں ہو؟''

''ہاں لیکن میں اس جگہ سے بہت دور ہوں اس لیے تم سے ملاقات کا امکان کم ہے۔''

''پلیز مجھے آنے کی اجازت دو میں تم سے کہیں بھی ملنے کے لیے آسکتی ہوں۔'' اس نے التجا کی۔

''ایمن یہ مناسب نہیں ہے۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔''

''ایسی باتیں مت کرو۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔ فون پر اس کی سسکیاں ابھرنے لگیں۔

''ایمن۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''میری مشکلات میں اضافہ مت کرو۔ تم سے بہتر کون جانتا ہے کہ میں کن مشکلات سے گزر رہا ہوں اور میرے دشمن میرے خون کے کیسے پیاسے ہیں۔''

''میں جانتی ہوں۔'' اس نے خود پر قابو پالیا۔ ''ٹھیک ہے میں تم سے نہیں ملوں گی لیکن تم مجھ سے رابطہ رکھو گے۔''

''گڈ۔'' اس کے خود کو سنبھالنے پر میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''میں تم سے بعد میں رابطہ کروں گا اپنا کوئی موبائل نمبر ہے تو وہ دے دو۔''

اس نے مجھے اپنا موبائل نمبر دیا اور میں نے کچھ باتیں کر کے رابطہ ختم کر دیا۔ اصل میں مجھے بے چینی ہو رہی تھی۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ شاید میری چھٹی حس خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ جب میں فون کا بٹن کرا سے بند کر رہا تھا تو مجھے ایک ہلکی سی کلک کی آواز آئی جیسے کسی نے ایکسٹینشن رکھا ہو۔ کوئی ہماری باتیں سن تھا۔ میں واپس آیا تو میں نے ریتا کو غائب پایا تھا۔ کوئی دو منٹ بعد وہ بھی آگئی۔ مجھے شبہ ہوا کہ ہماری باتیں سن رہی تھی۔ کھانا مکمل کر کے ہم لوگ اٹھ گئے لیکن رانا ویاس نے مجھے اشارہ کیا تو میں رک گیا جب میز پر وہ میں رہ گئے تو اس نے کہا۔

''شہباز معاملہ خراب ہوتا جا رہا ہے۔''

''ہم سے متعلق کوئی خبر آئی ہے؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''آج شام کو ایک اعلیٰ افسر کی کال آئی تھی۔ اس نے مجھے ڈھکے چھپے الفاظ میں بتایا کہ مجھ پر شبہ کیا ہے کہ میں نے حکومت کے کچھ انتہائی مطلوب افراد کو پناہ دے رکھی ہے۔ اس نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ اگر بات ہے تو میں پہلی فرصت میں ان لوگوں اپنی رہائش گاہ سے کسی ایسی جگہ منتقل کر دوں جس کے بارے میں سے کم سرکار کو پتا نہ ہو۔''

میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ افسر آپ کا قابلِ اعتماد ہے؟''

''ہاں..... لیکن بہرحال وہ سرکاری مشین کا ایک پرزہ ہے۔ اس کو مشین کے مطابق ہی کام کرنا ہے۔''

''یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس طرح ہمیں آپ کے محل سے نکالنا چاہ رہے ہوں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مسکرایا۔ ''مجھے بھی یہ خیال آیا ہے لیکن اگر میں نے ایسا کیا تو یہ کام ایسے ہوگا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔''

''رانا صاحب کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ کے محل میں کوئی مخبر ہو؟''

''یہ بات ناممکن نہیں ہے۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''لیکن بہت مشکل ضرور ہے۔ میرے تمام ملازم بہت چنے ہوئے ہیں اور سب گھر بار والے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ کسی غلط کام کا کیا نتیجہ نکلے گا۔''

''اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

اس نے سوچا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ تم کو جلد از جلد یہاں سے کسی اور جگہ منتقل کر دوں۔''

''صرف مجھے؟''

''میرا مطلب ہے تمہارے تمام ساتھیوں کو بھی۔'' اس نے تصحیح کی۔

''آپ نے شمالی علاقے میں اپنے کسی کانیچ کا ذکر کیا تھا۔ جو شاید آپ کے کسی غیر ملکی دوست کا ہے۔''

''ہاں میرا ارادہ تمہیں وہیں منتقل کرنے کا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اور یہ کام آج رات ہی ہوگا۔''

''رات میں یہ کام بہتر رہے گا۔'' مجھے اس کی بات سن کر سکون محسوس ہوا تھا۔ میں خود بھی جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہ رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اس جگہ میرے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے۔ راجا عمر دراز کا اس طرح نائب ہونا میرے لیے انتہائی تشویش کا باعث تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بے احتیاطی سے رانا ویاس کے محل سے نکلا تھا اور دشمن کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ یہ دشمن کون تھا ابھی یہ کہنا دشوار تھا۔

''ان لوگوں کا کچھ پتا چلا جنہوں نے مجھے اغوا کیا تھا؟''

''ہاں ان میں سے مکھن سنگھ اور کچھ لوگوں کی لاشیں ملی ہیں لیکن یہ سب کرائے کے لوگ تھے۔ ریشم نہیں ں وہ شاید فرار ہوگئی۔''

''بڑی خطرناک عورت تھی اس نے اتنی مہارت سے مشین گن کا استعمال کیا تھا جیسے فوجی کرتے ہیں۔''

''یہ دونوں مشرقی پنجاب میں جاری خالصتان تحریک میں شامل تھے پھر مکھن سنگھ کے اپنے ساتھیوں سے ختلافات ہوگئے اور یہ ان کو چھوڑ کر یہاں آ گیا۔ اس پر کم سے کم دس پولیس والوں کے قتل کا الزام ہے۔''

''ویسے مجھے اس کے مارے جانے کا افسوس ہے۔ وہ دلیر آدمی تھا۔''

رانا ویاس نے سر ہلایا۔ ''لیکن ان کے پیچھے جو لوگ تھے وہ تاریکی میں ہیں۔''

''وہی اصل لوگ ہیں۔ مجھے پھر شبہ ہو رہا ہے کہ ڈیوڈ شا یہاں آ چکا ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو سمجھ لیں کہ یہاں بہت بڑی کوئی سازش جنم لینے والی ہے اسے ایسٹ انڈیا کمپنی سے کم مت سمجھیں۔''

''میں نے بھائی سے کہہ دیا ہے یہ بات اب کل تک معلوم ہو سکے گی۔''

''اتنی دیر سے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''کیا اس قسم کی معلومات ابھی تک مینول رکھی جاتی ہیں جب کہ یہ کمپیوٹر کا دور ہے اور میرے خیال سے انڈیا اس معاملے میں بہت آگے ہے۔''

''ہم سوفٹ ویئر بنانے میں ضرور آگے ہیں لیکن جہاں تک عام شعبوں میں اس کے استعمال کا تعلق ہے تو م دوسرے ترقی پذیر ممالک سے آگے نہیں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے ہمیں جانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

اس نے سر ہلایا۔''ہاں اپنا سامان اور دوسری چیزیں تیار کر لو اور جیسے ہی میری طرف سے اشارہ ملے تم لوگ روانہ ہو جانا۔''

میں مہمان خانے میں آیا۔ جہاں وسیم اور دوسرے منتظر تھے۔ میں نے ان کو رانا ویاس کی ہدایت کے بارے میں بتایا تو وسیم نے سر ہلایا۔''مجھے لگ رہا تھا کہ جلد ہمیں یہاں سے نکلنا پڑے گا۔''

سادھنا ہراساں نظر آنے لگی۔''شوبی ہم کہاں جائیں گے؟''

''ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے۔''میں نے ان کو بتانے سے گریز کیا کہ رانا ویاس ہمیں کہاں بھیج رہا تھا۔ میرے اندر خدشہ تھا کہ کوئی ہماری جاسوسی کر رہا ہے اس لیے منزل کا راز رہنا بہتر تھا۔''سب اپنا اپنا سامان تیار کر لیں، لیکن یہ کام خاموشی سے ہو ملازموں کو بھی پتا نہ چلے۔ ضرورت کی ہر چیز رکھ لو۔ پتا نہیں آگے کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔''

''یس باس۔''بیتو نے اٹھتے ہوئے کہا اور ہم سب اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔ سادھنا کے پاس زیادہ کپڑے نہیں تھے لیکن اس نے مہمان خانے کے وارڈ روب سے اپنے سائز کے کچھ کپڑے لے لیے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ اس نے بہت تیزی سے خود کو سنبھال لیا تھا۔ شروع میں اگرچہ اس کی حالت بہت خراب رہی تھی لیکن اب ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ کمار اس کے لیے ماضی کا حصہ بن گیا تھا۔ اب وہ اس کی یاد دل میں دبا کر آگے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

میں واپس لاؤنج میں آیا تو وہ تیار ہو کر آ چکی تھی۔ وسیم اور بیتو اپنا سامان سمیٹ رہے تھے۔ ان کے پاس ویسے بھی خاصی چیزیں تھیں۔ وہ سارا سامان تھا جو انہوں نے کلکتہ سے لیا تھا۔ میں نے موقع غنیمت سمجھا اور سادھنا سے کہا۔''سادھنا تم جانتی ہو ہمارا طرز زندگی کیا ہے؟''

''میں اچھی طرح جانتی ہوں شوبی، میں خود آپ کے ساتھ زندگی اور موت کے مرحلوں سے گزری ہوں۔''

''اس وقت شاید یہ تمہاری مجبوری تھی لیکن اب تم اگر چاہو تو.....''

''میں بالکل بھی نہیں چاہوں گی۔''اس نے میری بات کاٹی۔''اب یہ پہلے سے بھی زیادہ میری مجبوری ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔''سادھنا تم مجھے بہت عزیز ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم محفوظ رہو۔ میں تم کو سفیر اور مونا کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن میں جانا نہیں چاہتی۔''اس نے انکار کیا۔

''سادی مجھے لگ رہا ہے میرے گرد گھیرا تنگ ہو رہا ہے اور اگر میں پھنس گیا تو تم بلاوجہ اس کی لپیٹ میں آ جاؤ گی۔''

''اگر یہ آپ کی خواہش ہے تو الگ بات ہے ورنہ میں بھی ان سب کاموں میں برابر کی شریک رہی ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ اور کہتا بیتو اندر آ گیا اس نے ستائشی نظروں سے سادھنا کو دیکھا۔

''دیدی تم بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

سادھنا نے ٹراؤزر اور سادہ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جو اس کے متناسب جسم پر سج رہی تھی۔ اس نے بالوں کو پیچھے کر کے ایک پونی ٹیل باندھ لی تھی۔ میں موبائل چیک کرنے لگا۔ سفیر کا ایس ایم ایس آ گیا تھا کہ اسے رقم اپنے اکاؤنٹ میں مل گئی ہے۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ پھر میں نے ملازم کے ذریعے رانا ویاس کو پیغام بھیجا۔

''میں رانا صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

کچھ دیر بعد رانا ویاس نے مجھے طلب کر لیا۔ ''کہو کیا بات ہے؟''

''رانا صاحب مجھے پچاس ہزار ڈالرز کے مساوی بھارتی کرنسی چاہیے۔ رقم میں آپ جس اکاؤنٹ میں کہیں ابھی ٹرانسفر کر دوں گا۔''

رانا ویاس نے مجھے گھورا۔ ''غیروں کی سی باتیں مت کرو اور یہ رقم کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔''

''احتیاطاً رانا صاحب..... آگے حالات کا کچھ نہیں پتا ہے۔ کسی بھی مشکل میں انسان کے بعد یہی چیز سب سے زیادہ کام آتی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو رقم ابھی چاہیے؟'' اس نے سر ہلایا۔

''ہاں اور میں ڈالرز آپ اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دیتا ہوں۔''

''اسے چھوڑو۔'' اس نے ٹالا۔ ''تم جا کر تیاری کرو۔ شاید آدھے گھنٹے میں تم لوگوں کو نکلنا ہوگا۔''

''ہم تیار ہیں۔'' میں نے اسے بتایا۔ اس نے سر ہلا کر فون پر کسی سے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ پھر میری طرف دیکھا۔ ''رقم کچھ دیر میں آ جائے گی۔''

''میں شکر گزار ہوں لیکن اگر آپ مجھ سے پچاس ہزار ڈالرز.....''

''بس بس۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''اب تم جا کر ہوشیار رہو۔ ممکن ہے بہت عجلت میں نکلنا پڑے۔''

میں واپس مہمان خانے میں آیا تو اس کے چند منٹ بعد ایک ملازم مجھے ایک چھوٹا بریف کیس دے گیا۔

''یہ رانا جی نے بھجوایا ہے۔''

اس کے جانے کے بعد میں نے بریف کیس کھولا تو اس میں ہزار اور پانچ سو کے نوٹوں والی انڈین کرنسی تھی۔ میں نے ان کی تعداد دیکھی تو یہ تقریباً پچیس لاکھ کی رقم تھی۔ گویا رانا ویاس نے مجھے پچاس ہزار ڈالر سے زیادہ ہی رقم دے دی تھی۔ میں نے بریف کیس اپنے بیگ میں ڈال لیا۔ وسیم بھی آ گیا تھا۔ بیتو کا بیگ سب سے بڑا تھا۔ وسیم اسے چھیڑ رہا تھا۔

''لگتا ہے اپنے ساتھ مہمان خانے کا سامان بھی جمع کر لیا۔''

حسب معمول بیتو چڑ گیا۔ ''ہم چور نہیں ہے۔''

''چوری کہاں سے ہوئی، رانا صاحب کی شادی کے قابل کئی پوتیاں ہیں ممکن ہے تم کو کسی کے لیے پسند کر لیں۔ اس طرح یہ تمہارا سسرال ہوگا اور سسرال کا مال اپنا ہوتا ہے۔''

''دیدی دیکھو یہ وسیم بھائی ہم کو چھیڑتا ہے۔'' اس نے سادھنا سے شکایت کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تم سے مذاق کرتے ہیں۔'' سادھنا نے اسے سمجھایا۔

''ابھی اتنا بھی مذاق نہیں کرنا چاہیے۔'' بیتو سچ مچ خفا تھا۔ ''ہم کو چور کہہ دیا۔''

''یہ زیادتی ہے۔'' میں نے بیتو کی تائید کی۔ ''وسیم تم کو بیتو سے سوری کرنی چاہیے۔''

''سوری۔'' بیتو بدکا تھا۔ ''نہیں نہیں ہم کو سوری نہیں چاہیے۔''

میں نے غور کیا۔ ''سوری نہیں چاہیے۔ کیا مطلب؟''

سادھنا اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا

''کیا سوری کا کچھ اور مطلب بھی ہوتا ہے؟''

اس نے سر ہلایا اور شرما کر بولی۔ ''اس کا مطلب پیار دینا بھی ہوتا ہے ان کی زبان میں۔''

وسیم اٹھا۔ ''تب تو میں ضرور سوری دوں گا۔''

بیتو بھاگ کر صوفے کے پیچھے چلا گیا۔ ''وسیم بھائی تم ہمارے پاس آیا تو ہم کچھ کر لے گا۔''

''تم نہیں بیٹے میں کچھ کروں گا۔'' وسیم اس کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''میں سوری کروں گا۔''

اب ایک تماشہ لگ گیا۔ وسیم بیتو کے پیچھے پیچھے تھا اور وہ پورے لاؤنج میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ میرا اور سادھنا کا ہنسی سے برا حال تھا۔ اچانک ہی رانا دیاس اندر آیا تو ایک لمحے کے لیے ہم سب ہی بوکھلا گئے تھے۔ رانا ایک لمحے کے لیے رکا۔ پھر اس نے کہا۔ ''تم سب عقبی لان کی طرف آ جاؤ۔ دس منٹ کے بعد وہاں ہونا۔''

''ہم تیار ہیں جناب۔'' میں نے کہا تو وہ سر ہلا کر واپس چلا گیا۔ وسیم نے میری طرف دیکھا۔

''یہ کیا تھا جناب؟''

''میرا خیال ہے ہم یہاں سے کسی ہیلی کاپٹر میں نکلیں گے۔'' میں نے بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ سادھنا اپنا بیگ اٹھانے لگی تھی تو وسیم نے اس سے پہلے اٹھا لیا۔ بیتو اب اپنا سامان سے بھرا بیگ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔

''شہباز صاحب یہ بے عزتی کروائے گا۔ رانا صاحب سوچ سکتے ہیں کہ ہم ان کا مہمان خانہ لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''رانا صاحب آپ کی طرح چھوٹی سوچ نہیں رکھتا ہے۔'' بیتو نے اسے جواب دیا۔ واقعی اس کا بیگ بہت بھاری تھا اور وہ اسے بمشکل اٹھا رہا تھا۔ پہلے اس کا اتنا وزن نہیں تھا۔ ہم محل کی مختلف راہداریوں سے گزر کر عقبی لان میں آئے۔ مجھے حیرت ہوئی جب میں نے محل کے اس حصے کو مکمل طور پر خالی پایا۔ وہاں بیشتر روشنیاں بھی بجھی ہوئی تھیں۔ صرف چند ایک روشن تھیں جن میں راستہ نظر آ رہا تھا۔ لان بھی خالی تھا اور صرف ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی۔ موسم کسی قدر سرد ہو چلا تھا۔ اور جہاں ہم جا رہے تھے وہاں موسم خاصا سرد تھا اس لیے سب کے پاس گرم کپڑے بھی تھے۔

''یہاں تو کوئی نہیں ہے۔'' سادھنا نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے کہا۔ صرف ٹی شرٹ میں اسے سردی لگ رہی تھی۔ میں اسے کچھ اور پہن لینے کا مشورہ دینے جا رہا تھا کہ ایک طرف مجھے چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی اشارہ کرتی نظر آئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کو رکنے کو کہا اور اس طرف بڑھ گیا۔ لان کے وسط میں درختوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ایک قطار تھی کوئی اس کے پار سے اشارہ کر رہا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچا۔ وہ رانا ویاس کا ایک ملازم تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''اپنے ساتھیوں کو یہاں بلالیں۔ کچھ دیر میں ہیلی کاپٹر آنے والا ہے۔''

میں پلٹ کر آیا اور ان تینوں کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔ اتنی پُراسراریت سے مجھے الجھن ہو رہی تھی۔ ہم لان سے آگے آئے۔ یہ وسیع میدان خالی تھا اور اس پر سوائے گھاس کے اور کچھ نہیں تھا۔ شاید اس جگہ کو صرف ہیلی پیڈ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ہم پانچ افراد خاموش کھڑے تھے۔ میں رانا ویاس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ بھی آ گیا اور وہ خاصا مضطرب تھا۔

''رانا صاحب خیریت ہے نا؟'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں..... محل کے باہر کچھ مشکوک افراد موجود ہیں اور امکان ہے وہ کسی ایجنسی سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''ہماری وجہ سے آپ مشکل میں پڑ گئے ہیں۔''

''نہیں بیٹا..... یہ اس زندگی کی قیمت ہے جو ہر آدمی کو کہیں نہ کہیں ادا کرنی پڑتی ہے۔ اگر میں اپنے گاؤں کا وہی غریب سا ویاس ہوتا تو سکون سے اپنے کچے گھر میں سو رہا ہوتا۔''

''یہ تو ہے۔ آدمی جتنا اوپر جاتا ہے اسے اتنا ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ اسی اثنا میں ہلکا سا شور بلند ہوا اور ایک منٹ کے اندر یہ کان کے پردے پھاڑنے لگا تھا۔ ایک چھوٹا سا ہیلی کاپٹر میدان میں اتر رہا تھا۔ اس موقع پر میدان میں لگی روشنیاں جل اٹھی تھیں اور ہیلی کاپٹر ان کی مدد سے ٹھیک جگہ اتر گیا تھا۔ رانا نے مجھ سے کہا۔

''چلو آؤ جلدی کرو۔''

ہم سب بھاگے اور ہیلی کاپٹر کے اندر گھس گئے۔ یہ دیکھنے میں چھوٹا سا لگتا تھا لیکن اندر سے خاصی گنجائش تھی۔ مجھے رانا ویاس کو ساتھ آتے دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ مگر ہیلی کاپٹر کے پنکھوں کے شور میں بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پائلٹ سیٹ پر ایک شخص تھا جو مکمل جمپ سوٹ میں تھا اور اس نے ہیلمٹ تک لگا رکھا تھا۔ ہمارے سوار ہوتے ہی اس نے ہیلی کاپٹر اوپر اٹھا لیا تھا۔ وہ مشکل سے دو منٹ زمین پر رہا تھا اور اس دوران میں اس کے پنکھے مستقل چلتے رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر بلندی پر آیا اور اس نے اپنا رخ شمال کی طرف کر لیا۔ اس دوران میں ہم سب اپنی سیٹ بیلٹوں سے الجھے ہوئے تھے۔ بمشکل سب نے سیٹ بیلٹس باندھیں، رانا ویاس آگے پائلٹ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ بلندی پر آنے کے بعد شور ذرا کم ہوا تھا۔ رانا ویاس نے ہیڈ فون پہن لیا تھا اور شاید پائلٹ سے بات کر رہا تھا۔ عقب میں آمنے سامنے دو دو نشستیں تھیں۔ سادھنا میرے برابر میں تھی اور درمیان میں ہمارا سامان تھا جس کی وجہ سے بمشکل ٹانگیں رکھنے کی جگہ ملی تھی۔ وسیم بھنایا ہوا تھا کیونکہ بیتو کا بھاری بیگ اس کے پیروں کو دبا رہا تھا۔ وہ بیتو سے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ سن نہیں پا رہا تھا بعد میں اس نے بتایا کہ وہ سن رہا تھا۔ جان بوجھ کر انجان بنا ہوا تھا اس نے جان کر یہ بیگ یہاں رکھا تھا۔

کیبن کے اندر محدود سی روشنی تھی۔ اور باہر کچھ روشنیاں فلش کر رہی تھیں لیکن ان کے علاوہ مجموعی طور پر تاریکی تھی۔ نیچے کہیں کہیں اکا دکا آبادیوں میں روشنی نظر آتی تھی اس کے بعد تاریکی چھا جاتی تھی۔ ذرا دیر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اونچے نیچے پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جیسے جیسے ہم شمال کی طرف جا رہے تھے۔ ان پہاڑوں کی بلندی بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ شاید نومبر کا پہلا ہفتہ تھا اور پہاڑوں پر باقاعدہ سردی شروع ہو چکی تھی۔ ہیلی کاپٹر کے کیبن میں پتا نہیں چل رہا تھا کیونکہ یہ ائیر کنڈیشنڈ ہوتا ہے۔ ہمارا سفر کوئی چالیس منٹ جاری رہا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ ہیلی کاپٹر اپنی پوری رفتار سے جا رہا ہے۔ اس دوران میں ہم نے کوئی ڈیڑھ سو کلومیٹر کا سفر طے کیا ہوگا۔

ایک جگہ پہنچ کر ہیلی کاپٹر پہاڑوں کے درمیان چکر لگانے لگا تھا۔ شاید وہ نیچے سے سگنل کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر اسے سگنل مل گیا اور وہ آہستہ سے نیچے آنے لگا اس دوران میں اس کی ساری بیرونی روشنیاں جل اٹھی تھیں تاکہ سارا منظر صاف نظر آئے۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ یہ اوپر سے کسی قدر ہموار پہاڑی تھی اور اس پر کھڑا شخص ٹارچ سے اشارے کر کے پائلٹ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس کے اشاروں پر پائلٹ نے ہیلی کاپٹر اتار لیا۔ اور اس بار اس نے انجن بند کر دیا اور فوراً ہی کانوں کو سکون ملا تھا۔ اس کے مسلسل شور نے دماغ سن کر دیا تھا۔ ہم نیچے اترے۔ سردی کے احساس نے ہمیں لرزہ دیا تھا۔ خاص طور سے میرا اور وسیم کا حال برا ہوا تھا اور ہم نے ہی سب سے زیادہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ جب کہ بیتو اور سادھنا نارمل رہے تھے۔ شاید اس لیے کہ وہ سرد علاقے کے رہنے والے تھے اور وہ اس سے زیادہ سردی برداشت کرتے تھے۔ پائلٹ بھی ہمارے ساتھ ہی اتر آیا تھا۔ وہاں موجود اشارہ کرنے والے شخص نے اب ایک بڑی سے برقی لالٹین جلا لی تھی۔ اس کی روشنی میں اردگرد کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ پائلٹ نے اپنا ہیلمٹ اتارا تو ہم سب حیران رہ گئے تھے۔ وہ رانا دیاس کی پوتی ریتا تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ہیلی کاپٹر بھی اڑا سکتی ہو۔ تم نے بہت اچھا پائلٹ کیا ہے؟''

''شکریہ۔'' اس نے چہرے پر آنے والی ریشمی زلفوں کو جھٹکا۔ ''میں نے اس کی باقاعدہ تربیت لی ہے۔''

اشارہ کرنے والے شخص نے کہا۔ ''نیچے چلیں جناب یہاں بہت سردی ہے۔'' اس نے صاف انگریزی میں کہا تھا۔

ہم پہاڑی سے اترنے لگے تھے۔ یہاں باقاعدہ راستہ بنا ہوا تھا۔ ذرا دیر بعد ہم ایک عالی شان قسم کے پہاڑی ولا کے سامنے تھے۔ یہ پہاڑی پر ڈھلان پر تھا اور اس کے اردگرد گھنے درخت تھے۔ یہ پورا علاقہ گھنے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا اور شاید آس پاس آبادی نہیں تھی۔ ولا اندر سے خوشگوار حد تک گرم تھا۔ ساتھ آنے والا ہمیں ایک نشست گاہ میں لایا جس کے آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ اس نے ہم سے چائے کافی کا پوچھا اور وہاں سے چلا گیا۔

''یہی آپ کے غیر ملکی دوست کا کانیج ہے؟'' میں نے رانا دیاس سے پوچھا۔ اس نے سر ہلایا۔

''ہاں اور یہ یہاں کا رکھوالا ہے۔ سنیل نام ہے۔ اس کے علاوہ کچھ عارضی ملازمین ہوتے ہیں۔''

سادھنا اور ریتا عورت ہونے کے ناطے آپس میں بے تکلف ہوگئی تھیں اور ایک طرف بیٹھی آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ بیتو اور وسیم اونگھ رہے تھے اور میرا بھی نیند اور تھکن سے برا حال تھا لیکن میں خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ میں نے رانا دیاس سے کہا۔

''اب راجا صاحب کو تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دینی چاہیے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کام میں پہلے ہی کر چکا ہوں اور ایک تشویش کی بات سامنے آ چکی ہے وہ جس گاڑی میں نکلا تھا۔ وہ پولیس کو خالی حالت میں مل چکی ہے اور راجا عمر دراز اور اس کے دو ملازمین غائب ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے میرے اندیشے درست ثابت ہو رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم کب تک یہاں رہیں گے۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟'' رانا وِیاس نے مجھے غور سے دیکھا۔

''آپ نے راجا صاحب سے ہمارے لیے پاسپورٹ تیار کرنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''لڑکے چالاکی مت دکھاؤ صاف صاف بات کرو۔'' وہ جھنجھلا گیا تھا۔ میں نے صاف ہی کہا۔

''اگر ہمیں پاسپورٹ مل جائیں تو ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

''راجا عمر دراز کو غائب چھوڑ کر۔'' اس کے لہجے میں طنز آ گیا تھا۔

''نہیں میں یہیں رکوں گا۔'' میں نے تحمل سے کہا۔ ''لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھی اب اس ملک سے نکل جائیں۔''

''اب تم نے کی ہے اصل بات۔'' رانا وِیاس نے سر ہلایا۔ ''میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں نظروں میں آ گیا ہوں اور اگر کوئی وفاقی ایجنسی میرے پیچھے پڑ چکی ہے تو میری طرف سے کیا جانے والا ہر کام ان کی نظر میں ہوگا اور یہ پاسپورٹ بے کار ہو جائیں گے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا میں نے سوچ کر پوچھا۔ ''کیا ہم کسی اور راستے سے یہاں سے نہیں نکل سکتے؟''

''راستے تو بہت ہیں لیکن سب میں کوئی نہ کوئی دشواری ہے اس لیے تم کچھ عرصہ آرام سے بیٹھو۔ میں حالات کا اندازہ کرتے ہی تم لوگوں کے لیے پاسپورٹ بنوا دوں گا اور اس دوران میں راجا کا بھی پتا چل جائے گا۔''

میں ہچکچایا لیکن پھر پوچھ لیا۔ ''راجا صاحب وادی کی طرف جانا چاہتے ہیں اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

''سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''لیکن یہ بات میں راجا کو نہیں سمجھا سکتا۔ اسے کوئی بھی نہیں سمجھا سکتا۔''

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن اگر راجا صاحب نے آپ کو ساتھ چلنے کو کہا تو آپ چلے جائیں گے۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''سچی بات ہے دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ اس عجوبہ وادی کو پھر سے دیکھوں لیکن اب شاید میں حقیقت پسند ہو گیا ہوں اور میں اس ایڈونچر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔'' رانا وِیاس کھڑا ہو گیا۔ ''اب ہم لوگ جائیں گے۔ یہاں ضرورت کی ہر چیز ہے اور سنیل تم لوگوں کا خیال رکھے گا۔ میں راز داری کی وجہ سے ریتا کو ساتھ لایا تھا۔''

سنیل سب کے لیے کافی اور چائے بنا کر لے آیا تھا مگر رانا وِیاس نے رکنے سے انکار کر دیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''ہمارا جلد از جلد واپس جانا ضروری ہے۔ ممکن ہے اس پرواز کے بارے میں مجھ سے پوچھ گچھ ہو۔''

جانے سے پہلے ریتا نے ایک ادا سے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے گڈ بائی کہا۔ ''اب آپ سے جلد ملاقات ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کل ہم یہاں نہ ہوں۔" میں نے اسے ٹالا۔

"آپ ہوں گے۔" اس نے یقین سے کہا۔ "یہاں سپلائز مجھے ہی لانی ہیں۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ "اب یہ پھر آئے گی؟"

سادھنا شوخی سے بولی۔ "آپ سے زیادہ ہی متاثر ہے۔ مجھ سے کرید کرید کر آپ کے بارے میں معلوم کر رہی تھی۔"

"کیا معلوم کر رہی تھی؟"

"یہی کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کیا کرتے ہیں اور اصل سوال یہ تھا کہ شادی شدہ تو نہیں ہیں اور پھر مزید سوالات کہ آپ کی کوئی محبوبہ تو نہیں ہے۔"

میں بھنا گیا تھا۔ "اسے بتانا تھا میں تین شادیاں کر چکا ہوں اور میرے درجن بھر بچے ہیں۔ اس کے بعد بھی چار محبوبائیں رکھتا ہوں۔"

وہ ہنسی۔ "میں اسے سچ بتا چکی ہوں کہ آپ کی ایک بھی شادی نہیں ہوئی ہے اور آپ کے پیچھے ایک عدد گوری ہے۔"

"کیا اب وہ بھی اس لائن میں شامل ہو جائے گی۔" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔ وہ آپ سے بہت متاثر ہے شاید رانا صاحب نے اسے آپ کے کارنامے بتائے ہیں۔"

"گویا رانا صاحب ہی آگ لگا رہے ہیں۔" میں نے کہا اور بیتو کو دیکھا جو اپنے بیگ میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھنا چاہا کہ اس میں کیا ہے لیکن پھر ارادہ ملتوی کر کے نشست گاہ سے باہر آیا۔ سنیل وہاں موجود تھا۔

"کوئی کام سر؟" اس نے شائستگی سے پوچھا۔

"ہاں میں اس ولا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی سر؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"ہاں ابھی کیا تم کو کوئی اعتراض ہے؟"

وہ گڑبڑا گیا۔ "نو سر آیئے میرے ساتھ۔"

ولا دو منزلہ تھا اور اس میں سارے بیڈ رومز اوپر تھے۔ ان کی تعداد چار تھی اور یہ سب جدید طرز تعمیر کے مطابق انیکس باتھ کے ساتھ تھے۔ نیچے ایک ڈرائنگ، ایک ڈائننگ، ایک اسٹڈی اور ایک لاؤنج نما جگہ تھی۔ ڈائننگ کے ساتھ ہی کچن تھا۔ اندر آنے جانے کے لیے دو راستے تھے اور دونوں پر مضبوط لکڑی کے دروازے تھے۔ کھڑکیوں پر فولادی گرلز تھیں۔ اس لحاظ سے مکان محفوظ تھا۔ اس کے عقب میں ایک چھوٹا سا لان تھا جس کے بعد درختوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ سامنے بھی گھنے درخت تھے اور اس کے بعد ڈھلان تھی۔ سڑک یہاں سے خاصی نیچے تھی۔ ولا کے سامنے والے حصے میں لاؤنج سے ملا ہوا ایک گیراج تھا جس میں ایک جیپ اور ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھاری بھرکم بائیک کھڑی تھی۔ اوپر جانے والی سیڑھیوں کے نیچے سے تہہ خانے کی طرف سیڑھیاں جارہی تھیں۔ تہہ خانے میں سامان رکھا جاتا تھا اور وہاں پانی گرم کرنے والا بوائلر تھا جو کسی حد تک مکان کو بھی اندر سے گرم رکھتا تھا۔ تہہ خانہ مکمل طور پر بند تھا اور صرف ایک روشن دان تھا جو دھواں وغیرہ نکالنے کے لیے تھا۔ اس پر بھی لوہے کی جالی تھی اور اس کا سائز اتنا کم تھا کہ کوئی بہت ہی دبلا انسان اس سے اندر گھس سکتا تھا۔ گویا کوئی اگر اندر گھسنا چاہتا تو اس کے لیے یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ میں مطمئن ہوکر اوپر آیا۔ وسیم اور بیتو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکے سو رہے تھے اور دونوں باری باری خراٹے لے رہے تھے۔ سادھنا بھی اونگھ رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''چلو اوپر آجاؤ۔'' پھر وسیم اور بیتو کو اٹھایا اور ان سے کہا۔ ''اپنا یہ سامان اٹھاؤ۔''

وسیم نے منہ بنایا۔ ''یہ کام آپ اس سے کہیں۔''

''ہم صرف اپنا سامان اٹھائے گا۔'' بیتو نے اعلان کیا۔

میں سادھنا کو لے کر اوپر آیا تو وہ اپنے سامان میں الجھے ہوئے تھے۔ بیتو وسیم کی منت کر رہا تھا کہ وہ بیگ اٹھانے میں اس کا ساتھ دے اور وہ نخرے کر رہا تھا۔ سادھنا کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر میں اپنے کمرے میں آیا تو مجھے پہلی بار خیال آیا۔ ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ جو تھے وہ رانا ویاس کے محل میں آنے کے بعد ہم سے لے لیے گئے تھے اور اگر کوئی دشمن آجاتا یا کوئی آفت پڑ جاتی تو ہم بالکل نہتے تھے۔ مجھے اس اہم ترین بات کا خیال آیا ہی نہیں تھا۔ اور رانا ویاس بھی واپس جاچکا تھا۔ اس علاقے میں بجلی تھی لیکن یہاں نہ تو فون تھا اور نہ ہی کوئی موبائل نیٹ ورک کام کرتا تھا یہ بات میں نے سنیل سے پہلے ہی پوچھ لی تھی۔ اس نے بتایا۔

''اوپر پہاڑی پر سگنل آتے ہیں لیکن یہاں کسی قسم کے سگنل نہیں آتے ہیں۔''

اگر ہم کسی مصیبت میں پڑ جاتے تو مدد بھی طلب نہیں کر سکتے تھے۔ بہرحال اب تو گزارا کرنا ہی تھا۔ میں دو راتوں سے نہیں سویا تھا اور اس وقت بھی صبح ہونے والی تھی۔ اس لیے جب میں لیٹا تو مجھے پھر خبر نہیں ہوئی تھی۔ جب تک بیتو نے آکر نہیں اٹھایا تھا۔ ''شوبی بھائی کیا سونے کے لیے ادھر آیا ہے؟''

میں نے آنکھ کھول کر اسے دیکھا پھر چونک گیا۔ کمرے میں پورے دن کی روشنی تھی۔ بلکہ دن اب ڈھلنا شروع ہوگیا تھا۔ میں تقریباً سات آٹھ گھنٹے سوتا رہا تھا۔ بیتو تر و تازہ لگ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''تم لوگ کب اٹھے؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے۔'' اس نے دانت نکالے۔ ''گرما گرم پانی سے نہایا اور آپ کو اٹھانے آگیا۔ ادھر ناشتہ بن رہا ہے۔''

''اف تم نے کیا یاد دلا دیا۔'' میں نے باتھ روم کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ ''بس میں دس منٹ میں آیا۔''

پانی واقعی مزے دار حد تک گرم تھا۔ نہا کر میں نے کپڑے بدلے اور باہر آیا۔ نیچے ڈائننگ ہال میں سب بے تابی سے ناشتے کا انتظار کر رہے تھے ایک جوان العمر مقامی عورت کچن میں مصروف تھی۔ سنیل بھی وہاں تھا اس نے کہا۔ ''سر میں نے شہری طرز کے ناشتے کا انتظام کیا ہے لیکن آپ کی کوئی فرمائش ہو تو ضرور بتائیں۔''

ناشتے میں پراٹھے اور کئی طرح کے انڈے تھے۔ شہد اور دودھ تھا۔ یہ کافی سے بھی زیادہ تھا۔ ساتھ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹکیاں نما میٹھی روٹیاں بھی تھیں۔ ناشتے کے بعد نیس کیف کی مہکتی کافی نے ایک زبردست ناشتے کو پُرخمار کر دیا تھا اور ہم سب نشست گاہ میں جمع ہو کر باجماعت اونگھنے لگے تھے۔ وسیم نے کچھ دیر بعد میری طرف دیکھا۔

''جناب ابھی مجھے ایک خیال آیا ہے۔''

میں اس کی بات سمجھ گیا تھا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''یہ خیال مجھے کل رات آیا تھا لیکن رانا دیاس کے جانے کے بعد۔''

''ہم بالکل نہتے ہیں۔'' وسیم کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ ''کیا یہ شخص سنیل اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا ہے؟''

''کس سلسلے میں وسیم بھائی؟'' بیتو چونک کر بولا۔

''تمہیں سوری دلوانے کے سلسلے میں۔''

''خدا کے لیے ابھی لڑائی نہیں۔'' میں نے جنگ سے پہلے سیز فائر کیا۔ ''ابھی میں بہت اچھے موڈ میں ہوں۔''

بیتو منہ بنا کر اونگھنے لگا تھا۔ وسیم نے کہا۔ ''اگر کوئی مسئلہ ہو گیا تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔''

''آؤ اس سے پوچھتے ہیں۔'' میں نے بادل ناخواستہ اٹھتے ہوئے کہا۔ کیونکہ میرا اٹھنے کا بالکل بھی موڈ نہیں تھا۔ سنیل کچن اس عورت کے ساتھ گپ شپ لگا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''یہاں گھر میں دفاع کے لیے کوئی ہتھیار ہے؟''

''دفاع کے لیے۔'' اس نے حیرت سے دھرایا۔ ''کس سے دفاع کے لیے سر؟''

''کسی سے بھی..... فرض کرو یہاں کوئی ڈاکو حملہ کر دے تو تم کیا کرو گے؟''

''ادھر ڈاکو نہیں ہوتا ہے سر۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اچھا فرض کرو ہمارے کچھ دشمن ہیں جن سے چھپنے کے لیے ہم یہاں آئے ہیں اور پیچھے سے وہ آ جاتے ہیں تو؟'' میں نے اسے ایک اور زاویہ دکھایا۔ ''ہمارے ساتھ تم بھی فوت ہو جاؤ گے بلاوجہ۔''

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔ ''آپ کے دشمن سر؟''

''میں نے کہا ہے نا فرض کرو..... ہمارے سچ مچ دشمن تھوڑی ہیں۔''

''نہیں سر یہاں کوئی دشمن نہیں ہے۔''

''مارے گئے۔'' میں نے وسیم سے پشتو میں کہا۔ کیونکہ ہندی اور پنجابی ایسی زبان ہے جو کوئی بھی سمجھ سکتا ہے۔ ''اب کیا کریں ہمارے ہتھیار تو رانا دیاس کے پاس رہ گئے ہیں اور اس سے رابطہ کس طرح کریں۔''

''کیا یہاں موبائل سگنل نہیں آتے ہیں؟''

''یہاں نہیں اوپر جہاں ہیلی کاپٹر اترا تھا وہاں آتے ہیں۔''

''تب وہاں چل کر رانا دیاس سے رابطہ کرتے ہیں اور اس سے ہتھیار منگواتے ہیں۔ اس ملک میں تو ہم ایک منٹ کے لیے بھی نہتے نہیں رہ سکتے ہیں۔''

یہاں دن بڑی تیزی سے ڈھلتا تھا۔ دو بجے ہم نے ناشتہ کیا تھا اور چار بجے شام ہو چکی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ساڑھے پانچ بجے تک سورج غروب ہو جائے گا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''میں اور وسیم پہاڑی کے اوپر جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے ہیں۔تم دونوں یہاں رہنا۔"

"ہم کدھر بھی نہیں جائے گا۔" بیتو نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔اس پر وسیم نے مداخلت کی۔

"مجھے پتا ہے جب سے تم نے اس باورچن کو دیکھا ہے تمہارا دل یہیں رہنے کو مچل رہا ہے۔"

"وسیم بھائی آپ کا ذہن گندہ ہے۔ورنہ وہ بھی ہمارا دیدی جیسا ہے۔" بیتو نے برا مانے بغیر کہا۔اب وہ وسیم کو بے تکلفی سے سنا دیا کرتا تھا۔

"بیٹا تم سب کو دیدی بناتے جا رہے ہو خیر تو ہے نا۔" وسیم نے معنی خیز انداز میں کہا۔

مگر بیتو پر اثر نہیں ہوا تھا اس نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔"نہیں ایک عورت ہمارا دیدی نہیں ہوگا اور وہ ہمارا بیوی ہوگا۔"

وسیم اسے مزید چھیڑنے کے موڈ میں تھا لیکن میں نے اسے کھینچ لیا۔"باقی بعد میں ابھی چلو۔"

دن کی روشنی میں یہ علاقے دیکھنے کے لائق تھا۔چاروں طرف گھنے درختوں سے لدے پہاڑ تھے۔یہ علاقہ شاید محکمہ جنگلات کی نوازش سے محروم رہا تھا جس کا واحد مقصد جنگلات کا صفایا رہ گیا ہے۔فضاء نباتات اور پھولوں کی خوشبو سے بوجھل ہو رہی تھی۔جیسے جیسے ہم اوپر جا رہے تھے منظر اور بھی خوب صورت ہوتا جا رہا تھا۔میرے اور وسیم کے پاس تین مختلف موبائل تھے جن میں مختلف سمز لگی تھیں۔ہم تینوں کو دیکھ رہے تھے۔پہاڑی پر آتے ہی ان میں سے ایک موبائل پر سگنل نمودار ہوئے۔یہ وسیم کا موبائل تھا۔میں نے اس سے پہلے رانا دیاس کے گھر کال کی۔اپنا تعارف کرایا تو ملازمین نے بتایا کہ رانا دیاس صبح سے محل سے کہیں گیا ہوا ہے۔مجھے مایوسی ہوئی تھی۔میں نے وسیم کو بتایا اور پھر مجھے ایمن سے بات کرنے کا خیال آیا۔میں نے اس کا دیا نمبر ملایا۔کچھ دیر بعد اس نے کال ریسیو کی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں۔" میں نے نام لینے سے گریز کیا۔

"تم۔" وہ مسرت سے بولی۔"ابھی میں تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"خوش نصیبی ہے میری۔یہ بتاؤ کہ ابھی تم کہاں ہو؟"

"میں سائٹ کی طرف جانے والی ہوں ایک ہیلی کاپٹر ہم کو لینے کے لیے آ رہا ہے۔" اس نے بتایا۔

"ہم بھی شاید اسی طرف کہیں ہیں۔"

"سچ کہاں ہو؟" وہ جوش سے بولی۔"مجھے بتاؤ میں تم سے ملنے آؤ گی۔"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں۔"

وہ چپ ہوگئی پھر اس نے کہا۔"تم بتانا نہیں چاہتے۔"

"بلا وجہ شک مت کرو میں واقعی نہیں جانتا۔ہاں اپنے میزبان سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں۔اس وقت گھر سے دور ہوں کیونکہ جہاں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں موبائل کے سگنل نہیں آتے ہیں۔"

"او کے جہاں میں جا رہی ہوں وہاں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال ہوگی۔مجھے کسی بھی رابطے کے لیے ایک سٹلائیٹ فون ملا ہوا ہے۔اگر تم چاہو تو اس کا نمبر لکھ لو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے مجھے نمبر بتایا تو میں نے اسے اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا تھا۔ ''کیا یہ موبائل سے مل سکتا ہے؟''

''کوشش کر کے دیکھ لو ابھی میرے پاس ہی رکھا ہے۔''

میں نے کال کاٹ کر سیٹلائیٹ فون کا نمبر ملایا۔ فوراً ہی گھنٹی بجنے لگی اور ایمن نے کال ریسیو کر لی۔ ''گڈ اس سے رابطہ بھی ممکن ہے۔ اب میں تم سے رابطے میں رہ سکوں گی۔''

''اوکے پھر بات ہو گی۔'' میں نے کہا۔ ''پتا نہیں اس کے کال ریٹ کیا ہیں اگر بیلنس ختم ہو گیا تو اس سے بھی جاؤں گا۔''

''خدا حافظ اپنا خیال رکھنا۔'' اس نے کہا۔

بات کر کے میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''لگتا ہے ہتھیار فی الحال ہمارے نصیب میں نہیں ہیں ورنہ بالکل سامنے کی بات تھی ہم کسی صورت ہتھیار نہیں بھول سکتے تھے۔''

''درست فرمایا۔'' وسیم نے کہا اور زمین پر لیٹ گیا۔ ''بڑی خواب آور سی جگہ ہے کھاتے ہی نیند آنے لگتی ہے۔''

''دراصل یہ موسم کی اچانک تبدیلی کا قدرتی ردِعمل ہے کل تک ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔'' میں بھی اس کے پاس لیٹ گیا۔

وسیم نے میری طرف کروٹ لی۔ ''یہ کیا نیا چکر شروع ہو گیا ہے جناب؟''

''ہمارے نصیب میں چکر ہی ہیں۔''

''کیا یہ کنور لوگ ہیں؟''

''ممکن ہے جس طرح رانا ویاس پر اوپر سے دباؤ آیا ہے اس سے تو لگ رہا ہے کہ اس کے پس پشت کوئی بڑی پارٹی ہے۔''

''ڈیوڈ شا بھی خارج از امکان نہیں ہے۔''

''وہ تو بین الاقوامی آفت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر وہ یہاں آ گیا تو سمجھ لو کہ ہمارے لیے بہت زیادہ مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ مصیبت یہ کہ راجا عمر دراز بھی عین موقع پر غائب ہو گیا ہے اور اس کو لیے بغیر ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔''

''اگر بیتو اور سادھنا کو ہم دبئی بھیج دیں۔ وہ یہاں کے قانونی شہری ہیں اور ان کو آرام سے پاسپورٹ مل جائے گا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' میں نے سر ہلایا۔ میں پہاڑی کے سامنے دور سے بل کھاتی اور کسی ناگن کی طرح لہراتی سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا اس پر کوئی بڑی گاڑی آ رہی تھی۔ ایک بار وہ ایک آڑ سے نکلی تو میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''ایک بڑی گاڑی اس طرف آ رہی ہے۔''

اس نے سڑک کی طرف دیکھا۔ ''یہ عام سڑک ہے اس سے گاڑیاں گزرتی رہتی ہیں۔''

''لیکن جتنی دیر سے ہم بیٹھے ہیں یہ پہلی گاڑی ہے جو اس سڑک پر دکھائی دی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب یہ بڑی ساخت کی جیپ نما گاڑی خاصی قریب آ چکی تھی۔ میں نے اسے ایک چھوٹی سی پہاڑی کے عقب میں جاتے دیکھا جہاں سے وہ پھر برآمد نہیں ہوئی تھی۔ میری تشویش بڑھنے لگی تھی۔ کیونکہ اس پہاڑی کی ساخت بتا رہی تھی کہ اس کے پیچھے رکنے کی کوئی جگہ نہیں تھی اور نہ اس سے کہیں اترا جا سکتا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''نیچے چلو مجھے دال میں کالا لگ رہا ہے۔''

''دال میں کہاں کالا ہے۔'' وہ میرے پیچھے آتے ہوئے بولا۔ ''پوری دال ہی کالی ہے۔''

ہم ہر ممکن تیزی سے نیچے آئے تھے۔ بیتو اور سادھنا لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہے تھے ولا میں سیٹلائیٹ لگا تھی۔ میں نے پہلے سنیل کو تلاش کیا۔ وہ تہہ خانے میں تھا اور بھٹی میں مزید لکڑیاں ڈال رہا تھا۔ ''سنو کیا یہاں کوئی آتا جاتا ہے۔''

''ولا میں تو نہیں سر لیکن سامنے سڑک سے گاڑیاں گزرتی ہیں۔ آگے کچھ اور بھی پہاڑی بنگلے ہیں۔'' اس نے وضاحت کی۔

میں نے محسوس کیا کہ میں کچھ زیادہ ہی ٹینس ہو رہا تھا۔ سنیل کی بات نے مجھے کسی قدر مطمئن کر دیا۔ جب میں سنیل سے بات کر رہا تھا تو وسیم نے ولا کے باہر کا جائزہ لیا تھا۔ اس نے اوپر آنے پر رپورٹ دی۔ ''یہ جگہ عقب سے محفوظ ہے اگر کوئی آئے گا تو سامنے سے ہی آئے گا۔''

''کسی نہ کسی کو سامنے کی نگرانی کرنی چاہیے۔''

''یہ ضروری ہے کیونکہ سامنے سے گھسنا بھی مشکل ہے لیکن کوئی ولا کے دائیں بائیں سے گزر کر پیچھے چلا گیا تو اس کے لیے اندر آنا آسان ہو جائے گا۔''

ہم نے طے کیا کہ بیتو اور سادھنا کو بتائے بغیر باری باری سامنے والے رخ سے پہرہ دیتے رہیں گے۔ اتفاق سے لاؤنج ایسی جگہ تھا کہ اس کی گلاس ونڈو سے سامنے کا سارا منظر صاف نظر آتا تھا۔ میں اور وسیم وہاں بیٹھے تو کچھ دیر بعد سادھنا اور بیتو بھی آ گئے۔ سادھنا نے پوچھا۔

''آپ دونوں کہاں گئے تھے؟''

''ہم ذرا اوپر گئے تھے۔ رانا ویاس سے بات نہیں ہوئی لیکن ایمن شا سے بات ہوئی ہے۔''

''کیا بات ہوئی ہے؟''

میں نے اسے مختصر الفاظ میں بتایا۔ وہ مطمئن نہیں تھی۔ غالباً اس کی خواہش تھی کہ میں اس کو مزید تفصیل سے بتاؤں۔

میری ذہنی غیر حاضری بیتو نے محسوس کر لی اس نے سادھنا کو دعوت دی۔ ''آؤ دیدی لوڈو کھیلتے ہیں۔''

وہ دونوں لوڈو کھیلنے میں لگ گئے تھے۔ سورج غروب ہوتے ہی باہر بڑی تیزی سے تاریکی چھا گئی تھی۔ میں نے سنیل کو آواز دی۔ وہ آیا۔

''یس سر؟''

''باہر جتنی روشنیاں بھی ہیں سب آن کر دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یس سر۔'' اس نے کہا اور لاؤنج میں موجود سوئچ بورڈ کا ایک بٹن دبایا تو باہر کم سے کم نصف درجن روشنیاں جل اٹھی تھیں جن سے باہر کا سارا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ وسیم نے آہستہ سے کہا۔

''کیا بات ہے آپ کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہے ہیں۔''

''ہاں لیکن میں جان بوجھ کر پریشان نہیں ہوں۔ میرے اندر سے یہ پریشانی اٹھ رہی ہے۔''

''فکر مت کریں جو ہوگا ہمارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ آخر اس سے پہلے بھی تو ہم بے شمار آزمائشوں سے گزر چکے ہیں۔ کیا ان سے سرخ رُو نہیں نکلے۔ اگر اب بھی کوئی آزمائش آئی تو ان شاء اللہ ہم اس سے بھی کامیاب گزریں گے۔''

اس کی بات سن کر میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوا تھا۔ اچھے دوست کی نشانی یہ ہے وہ اس وقت کام آتا ہے جب آپ کو ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''تم نے اچھی بات کی ہے۔''

وہ مسکرایا۔ ''چلیے آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تو آئی۔ مجھے آپ فکرمند اچھے نہیں لگتے ہیں۔''

''اسی خوشی میں کچھ کھانے کو نہ ہو جائے۔'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''اب تو ناشتہ بھی ہضم ہو گیا ہے۔''

سادھنا نے جا کر مقامی باورچن سے پوچھا اس نے بتایا کہ ابھی رات کے کھانے میں ایک گھنٹہ تھا۔ سادھنا نے مجھے تسلی دی۔ ''یہ ایک گھنٹہ بھی گزر جائے گا۔''

''کوئی بات نہیں میں تو بعض اوقات دو دو دن بھوکا رہا ہوں۔''

''آدمی پریشانی میں دو دن بھوکا رہ سکتا ہے گھر میں اس سے دو وقت کی بھوک برداشت نہیں ہوتی ہے۔'' سادھنا نے پتے کی بات کی۔

میں نے محسوس کیا کہ وسیم ہماری باتوں سے زیادہ کھڑکی سے باہر کی طرف توجہ دے رہا تھا لیکن اس کا انداز غیر محسوس تھا جیسے وہ ہمیں چونکانا نہیں چاہتا ہو۔ میں نے آنکھوں میں اس سے پوچھا۔ اور وہ بولا۔

''شہباز صاحب کیا خیال ہے باہر کا ایک چکر نہ لگا لیں؟''

''جی نہیں۔'' اس کے بجائے سادھنا نے کہا۔ ''یہ آپ لوگ اکیلے اکیلے کیا اشارے بازی کر رہے ہیں اور باہر کیا ہے؟''

میں خفت سے بولا۔ ''تم نے دیکھ لیا تھا۔''

''دیدی ہم بھی محسوس کر رہا ہے باہر کچھ گڑبڑ ہے۔'' بیتو بولا۔ ''لیکن یہ ہم کو نہیں بتا رہا۔''

''مجھے شبہ ہے کہ کچھ لوگ یہاں تک آ گئے ہیں۔'' میں نے کھل کر کہا۔ ''شام کو میں نے ایک بڑی جیپ کو دیکھا تھا۔''

''ممکن ہے وہ یہاں سے گزر رہی ہو۔'' سادھنا نے کہا۔

''ممکن ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کوئی گڑبڑ ہے۔''

''آپ کی چھٹی حس درست کہہ رہی ہے۔'' وسیم نے اچانک کہا۔ ''مجھے شبہ ہے باہر درختوں میں کچھ لوگ حرکت کر رہے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر ہمارے دشمن یہاں تک آ ہی چکے ہیں تو ان سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور لاؤنج کی روشنیاں بند کر دیں۔ اب باہر کا منظر بہتر طور پر نظر آ رہا تھا۔ وسیم نے ایک بہت موٹے تنے والے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے لگا کہ اس کے پیچھے کم سے کم دو افراد ہیں۔''

مذکورہ درخت ولا کے بائیں طرف کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ ولا چار طرف سے کھلا تھا اس لیے سب صاف نظر آتا تھا۔ اس درخت کے بعد خالی جگہ تھی اور اس سے آگے آنے والا فوراً نظر میں آ جاتا۔ اسی لیے اگر کوئی آیا بھی تھا تو وہ خود کو چھپا رہا تھا۔ سادھنا نے کہا۔ ''اگر یہ ہمارے دشمن ہیں تو آگے کیوں نہیں آ رہے ہیں؟''

''کیونکہ ان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''نہتے ہیں۔'' بیتو نے کہا۔ ''آپ کو کس نے کہا۔''

''کسی نے نہیں منے۔'' وسیم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔''

''ایسا نہیں ہے وسیم بھائی۔'' بیتو فخر سے بولا۔ ''ہم پاگل نہیں ہے۔''

''اچھا۔'' وسیم نے سخت تعجب سے کہا۔ ''تم نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا؟''

بیتو برا مان گیا۔ ''وسیم بھائی ہم سچ کہتا ہے۔''

''چلو منے تمہارا دل رکھنے کے لیے مان لیتے ہیں۔''

''ایک منٹ۔'' میں نے مداخلت کی۔ ''بیتو تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''شوبی بھائی ہم نے اپنا سارا اسلحہ سنبھال کر رکھا تھا۔'' وہ بولا۔ ''ہمارا بیگ اتنا بھاری کیوں ہو رہا تھا۔''

''جیو شوبی کی جان۔'' میں نے بے ساختہ اس کا شانہ تھپکا۔ ''تم نے تو کمال کر دیا۔''

اس نے شانہ ہلایا۔ ''آپ کا ہاتھ بہت بھاری ہے اور ابھی آپ نے ہمارا کمال دیکھا کہاں ہے۔''

وسیم بولا۔ ''میرا بھی دل چاہ رہا ہے کہ سوری کر لوں۔''

بیتو اچھل کر کھڑا ہوا تو سادھنا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔ بیتو جھینپ گیا اور شکوہ کناں لہجے میں بولا۔ ''دیدی آپ بھی ہمارا مذاق اڑاتا ہے۔''

''ان لوگوں کو چھوڑو۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ ''یہ لوگ کیا جانیں ہیرے کی قدر۔''

میں بیتو کو اس کے کمرے میں لایا۔ اس نے اپنا بیگ کھولا تو اس میں دو عدد یوزی مشین گنیں اور ایک عدد ہیڈ شاٹ گن تھی ساتھ ہی ان کے درجنوں کے حساب سے راؤنڈ تھے۔ جو فاضل میگزینوں میں بھرے جا سکتے تھے۔ میں نے حیرت سے بیتو کو دیکھا۔ ''یہ سب تم نے کہاں سے حاصل کیا۔''

وہ ہنسا۔ ''ادھر رانا صاحب کے محل میں ان کا ایک ملازم تھا۔ میں نے رانا صاحب سے کہلوا دیا کہ وہ میری ہر بات مانے بس اس سے یہ سب چیزیں لی ہیں۔''

یہ خاصا اسلحہ تھا اور ہم اس کی مدد سے کسی بھی دشمن کا آرام سے مقابلہ کر سکتے تھے بشرطیکہ وہ بم اور راکٹ لانچر سے مسلح نہ ہوتا۔ جب میں نے یوزی گنیں اٹھائیں تو ان کے نیچے سے دو عدد پستول بھی نکلے تھے۔ یہ کولٹ اور عام طور سے آرمی افسران کے پاس ہوتے ہیں۔ بیتو نے اچھا خاصا اسلحہ خانہ جمع کر رکھا تھا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں یوزی نکالیں اور دونوں پستول لے لیے۔ شاٹ گن ایسے ہی چھوڑ دی۔ ہر قسم کی گن ان کا ایک ایک میگزین تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''تم اور سادھنا پستول رکھو اور دوسرے کسی مقابلے کی صورت میں تم دونوں میگزین بھرنے کا کام کرو گے۔''

''ہم سمجھ گیا۔'' بیتو بولا کبھی وہ نارمل انداز میں بات کرتا تھا اور کبھی پٹھانوں کے لہجے میں اردو بولنے لگتا تھا۔

یوزی اسرائیلی ساختہ گن ہے اور کارکردگی میں بے مثال ہے مگر اب ہر چیز کی طرح یہ بھی چائنا میں بنا لگی ہے لیکن معیار میں کسی طرح اسرائیلی ساختہ یوزی گنوں سے کم نہیں تھیں۔ میں نیچے آنے لگا تو راستے میں سنیل مل گیا اور مجھے اس قدر اسلحے سے لدا پھندا دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ گئیں تھیں۔ ''یہ کیا ہے سر؟''

''گن۔'' میں نے گن لہرا کر کہا۔ ''چلا کر دکھاؤں؟''

''نہیں سر۔'' وہ فوراً سامنے سے ہٹ گیا۔ ''میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔'' وہ کہہ کر جانے لگا تھا۔

مجھے ایک خیال آیا تو میں نے اسے واپس بلا لیا۔ میں اسے لاؤنج میں لایا اور کھڑکی سے بڑے سے درخت دکھایا۔ ''مجھے شبہ ہے کہ اس کے پیچھے کوئی ہے تم دیکھ کر آؤ۔''

وہ بدک کر بولا۔ ''اس کے پیچھے کون ہے سر اور میں کیوں دیکھ کر آؤں؟''

''اگر یہ معلوم ہوتا کہ کون ہے تو تم سے کیوں کہتا اور تم اس لیے دیکھ کر آؤ کہ تم اس جگہ رہتے ہو۔''

سنیل بے وقوف نہیں تھا اسلحہ دیکھ کر اسے خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لیے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ وسیم نے اس سے کہا۔ ''او کے تم باہر مت جاؤ لیکن کیا کسی طریقے سے ہم نہیں جان سکتے کہ اس درخت کے پیچھے کوئی ہے یا نہیں؟''

''آپ کیوں جاننا چاہتے ہیں؟''

''ممکنہ طور پر وہ ہمارے دشمن ہیں اور وہ اندر آ گئے تو ہمارے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔''

''میں کیوں سر؟'' وہ پھر بدکا۔

''کیونکہ تم ہمارے ساتھ ہو برخوردار اس لیے۔'' میں نے اسے کہا۔ ''اب ایک کام کرو کہ سارے گھر اندر کی روشنیاں بند کر دو اور باہر کی ساری روشنیاں کھلی رہنے دو۔''

اس نے ولا کے تمام بیرونی کمروں کی روشنیاں بجھا دی تھیں۔ اور باہر کی ساری روشنیاں جل رہی تھیں مقامی عورت کیونکہ کچن میں تھی اور وہ عقبی طرف تھا اس لیے اس کی روشنیاں نہیں بند کی گئیں۔ البتہ میں نے سنیل کو اس طرف سے ہوشیار رہنے کو کہا۔ وسیم نے کہا کہ وہ باہر کا چکر لگاتا ہے مگر میں نے اس کی یہ تجویز مسترد کر دی۔

''یہ اعصاب کا کھیل ہے۔ ہمیں جلد بازی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آرام سے اس جگہ پر ہیں اور دشمن اگر ہے تو وہ باہر اور بے آرام ہے اس لیے جلد وہ اپنا ردِ عمل ظاہر کرے گا۔''

''ہمیں نیچے کے بجائے اوپر سے نگرانی کرنی چاہیے۔'' وسیم نے دوسری تجویز پیش کی۔ یہ قابلِ غور تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوپر کہاں سے نگرانی کی جائے؟''

''دو افراد اوپر رہیں۔ ایک آپ والے بیڈروم میں اور ایک سادی کے بیڈروم میں۔'' وسیم نے روانی سے کہا۔ سادی کہنے پر سادھنا نے چونک کر اسے دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔

''تب ایسا کرو کہ تم اور سادی اوپر جاؤ۔ میں اور بیتو نیچے رہتے ہیں۔ کسی بھی صورت میں ہم دونوں بھرپور کارروائی کر سکتے ہیں۔''

وسیم میری بات سمجھ گیا تھا۔ وہ اور سادھنا اوپر چلے گئے تھے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم یہاں بیٹھو اور سامنے کی کڑی نگرانی کرو۔ میں ذرا مکان کا ایک چکر لگاتا ہوں۔''

میرے ذہن میں تھا کہ مکان کے کمزور گوشے دیکھ لوں۔ جہاں سے دشمن اندر گھسنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ میں نے سارے دروازے اور کھڑکیاں دیکھیں۔ کھڑکیوں پر فولادی گرلز تھیں۔ باتھ رومز کے روشن دان باہر کی طرف تھے لیکن یہ بہت چھوٹے تھے اور ان سے کوئی آسانی سے اندر نہیں آ سکتا تھا۔ جب تک کہ ان کو توڑ کر بڑا نہ کیا جاتا۔ میں نے سنیل سے کہا کہ جیسے ہی کھانا بن جائے کچن کی روشنیاں بھی بند کر دی جائیں۔

''یس سر۔'' اس نے جواب دیا۔ وہ مقامی لیکن پڑھا لکھا شخص تھا اور شاید رانا ویاس کے غیر ملکی دوست کا نوکر بن کر اسے انگریزی میں بات کرنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ میں نے اس سے مقامی عورت کے بارے میں پوچھا۔

''کیا یہ عورت یہاں سے چلی جائے گی؟''

''نہیں سر جب تک آپ لوگ ہیں یہ یہیں رہے گی۔''

''کیوں اس کا گھر والا اعتراض نہیں کرے گا۔''

''نہیں کرے گا سر۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

اگر اس کے گھر والے کو مسئلہ نہیں تھا تو مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا تھا لیکن مجھے ایک فکر اور لاحق ہو گئی۔ ''یہ رات کو کہاں سوئے گی؟''

''نیچے تہہ خانے میں سر۔''

''اور تم کہاں سوؤ گے؟''

''میں بھی تہہ خانے میں سوتا ہوں سر۔''

''غالباً اس پر بھی اس کے شوہر کو اعتراض نہیں ہو گا؟''

''جی سر۔''

''بڑا روشن خیال شوہر ہے۔'' میں نے اسے گھورا۔

''نہیں سر بڑا کنزرویٹو ہے۔''

''پھر اسے پتا نہیں ہو گا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سچ مچ اس کے ساتھ سو جاؤ۔ جب تک میں یہاں ہوں یہ ممکن نہیں ہے۔''

''آپ مجھے نہیں روک سکتے ہیں سر۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''روک سکتا ہوں۔'' میں نے غرا کر کہا۔ ''اگر تم سیدھے طریقے سے نہیں رکو گے تو میں دوسرے طریقے سے روکوں گا۔''

''سر آپ کیوں روکیں گے میں ہی تو اس کا شوہر ہوں۔'' وہ مسکینی سے بولا۔ پہلے تو میں دنگ رہ گیا تھا پھر مجھے غصہ آنے لگا۔

''تم اتنی دیر سے میرے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔''

''نہیں سر آپ نے پوچھا ہی نہیں تھا تو میں کیسے بتاتا۔''

مجھے خیال آیا۔ ''تب تم اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھتے ہو۔''

''یہاں ہمارے رہنے کی جگہ نہیں ہے اور میرا گاؤں یہاں سے کچھ دور ہے۔ بیوی بچوں کو یہاں کیسے رکھوں۔ جب صاحب یا ان کا کوئی مہمان آتا ہے تو اسے کام کے لیے بلا لیتا ہوں۔''

کھانا بن گیا تھا ہم سب نے باری باری کھانا کھایا تھا۔ اور اس دوران میں پوری طرح چوکنا رہے تھے۔ بیتو نے بھی یقین سے کہا۔ ''اس درخت کے پیچھے کچھ بندہ ہے۔''

لیکن ابھی تک سامنے کوئی نہیں آیا تھا۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی تھیں۔ ایک تو وہ بہت مضبوط اعصاب کے پیشہ ور لوگ تھے۔ دوسرے وہ انتظار کر رہے تھے کہ ہم رات کو سو جائیں اور وہ اس وقت خاموشی سے دھاوا بولیں۔ رات دس بجے سنیل اور اس کی بیوی تہہ خانے میں چلے گئے تھے۔ سنیل نے مجھ سے کہا۔ ''سر رات کو جب ضرورت ہو آپ مجھے جگا لے گا۔''

''ٹھیک ہے اور اگر تم کو اوپر کوئی گڑبڑ محسوس ہو تو تہہ خانے کو اندر بند مت کر لینا ممکن ہے ہمیں بھی اندر آنا پڑے۔''

''ٹھیک ہے سر۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''سر یہ کیا چکر ہے۔''

''کوئی چکر نہیں ہے تم اندر جاؤ اور جیسا کہا ہے ویسا ہی کرنا۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں حکم دیا تو وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔ میں نے بیتو کو ہوشیار رہنے کا کہہ کر اوپر کا ایک چکر لگایا۔ جہاں سادھنا اور وسیم الگ الگ کمروں میں نیچے نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ابھی تک کوئی حرکت نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے وسیم کو بیتو کا بتایا۔

''اسے بھی یقین ہے کہ اس درخت کے پیچھے کچھ لوگ ہیں۔''

اس نے تشویش سے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے وہ رات گہری ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔''

''اگر انہوں نے اندر گھسنے کی کوشش کی تو؟''

''شوٹ ٹو کل۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اگر یہ صرف میرے لیے آئے ہیں تو تم لوگوں کی پروا نہیں کریں گے۔ اس لیے ہم کوئی اور خطرہ مول نہیں لے سکتے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے سر ہلایا۔

''میں سادھنا اور بیتو کو بھی سمجھا دیتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے سادھنا کو اس سے مستثنیٰ رکھیں۔''

میں جاتے ہوئے رکا اور آہستہ سے کہا۔''وسیم اگر اسے ہمارے ساتھ رہنا ہے تو اسے وہ سب کرنا ہوگا جو ہم کرتے ہیں۔''

سادھنا کھڑکی سے لگی ساکت کھڑی تھی۔ میں نے آہستہ سے اسے اپنا لائحہ عمل بتایا۔ اس نے سر ہلایا۔

''آپ فکر مت کریں اگر شوٹنگ کا مرحلہ آیا تو میں آپ سے پیچھے نہیں رہوں گی۔''

''لیکن اپنی حفاظت کا پوری طرح خیال رکھ کر۔''

اس نے سر ہلایا۔''اگر سنیل جاگ رہا ہے تو اس سے کافی کا کہہ دیں اس سے چوکس رہنے میں آسانی رہے گی۔''

اس کی تجویز اچھی تھی۔ میں نے نیچے آ کر سنیل کو جگایا اور اس سے کافی بنانے کو کہا اور خود بیتو کے پاس آ گیا۔ وہ اس طرح ایک صوفے پر بیٹھا تھا کہ اس کا سر اوپر سے جھانک رہا تھا۔ میں اس کے پاس نیچے قالین پر بیٹھ گیا۔ یہاں آتش دان روشن نہیں تھا اس لیے سردی خاصی ہو رہی تھی۔ میں نے بیتو کو اپنی شوٹ ٹو کل کی پالیسی کے بارے میں نہیں بتایا تھا اس نے خود پوچھ لیا۔''شوبی بھائی اگر باہر والوں نے زبردستی اندر آنے کا کوشش کیا تو؟''

''تو کیا کرنا ہے مارنا ہے جو سامنے آئے اسے شوٹ کر دو کیونکہ یہ بھی کوئی پھول دینے تھوڑی آئیں گے۔''میں نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ باہر روشنی میں سب صاف نظر آ رہا تھا۔ اب مجھے کسی قدر الجھن ہونے لگی تھی اور میرا دل چاہنے لگا تھا کہ اگر درخت کے پیچھے کوئی تھا تو اسے سامنے آنا چاہیے تھا۔ سنیل کافی لے کر آیا تو میں نے اس سے باہر کی لائٹوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے مجھے سارے سوئچز کے بارے میں بتایا۔ باہر کی روشنیوں کے لیے ایک ماسٹر سوئچ تھا۔ جس کے دبانے سے ساری روشنیاں ایک ساتھ جل جاتی تھیں۔ جب کہ ان کو الگ الگ بھی جلایا جا سکتا تھا۔ میں نے ماسٹر سوئچ بند کر کے ان کو الگ الگ روشن کیا اور کچھ بلب بند کر دیئے۔ اب باہر اتنی روشنی نہیں رہی تھی۔ فوراً ہی اوپر سے وسیم نے آ کر پوچھا تو میں نے اس سے کہا۔

''ہوشیار رہو ممکن ہے روشنی کم ہونے سے وہ جلد اندر آنے کی کوشش کریں۔''

''اوکے۔''اس نے کہا اور واپس چلا گیا۔

کافی پی کر ہم تازہ دم ہو گئے تھے اور سردی کے احساس میں بھی کمی ہوئی تھی۔ بارہ بج رہے تھے اور اب تک درخت کے عقب سے کوئی نہیں نکلا تھا۔ مجھے ان لوگوں پر حیرت تھی۔ ان کا اسٹیمنا بے مثال تھا وہ گزشتہ پانچ گھنٹے سے اسی جگہ ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ بہت چھوٹی سی جگہ تھی اور باہر سردی کا عالم الگ ہی تھا اور اسے برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔ جب کہ ہم لوگ اندر مزے سے تھے۔ اندر سردی اتنی نہیں تھی اور ہم اپنی جگہ سے حرکت بھی کر سکتے تھے۔ بیتو نے کہا۔

''شوبی بھائی یہ مجھے انسان کا بچہ نہیں لگتا ہے۔ اتنی دیر تک کوئی انسان اتنا خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔''

''یہ لوگ پیشہ ور لگ رہے ہیں اور شاید ہمیں زندہ پکڑنے آئے ہیں ورنہ اب تک دھاوا بول چکے ہوتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے بیتو کو سمجھایا تھا لیکن خود مجھے اب الجھن ہونے لگی تھی اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ باہر نکل کر کچھ کر گزروں لیکن عقل مجھے روک رہی تھی۔ بعض اوقات معمولی سی بے صبری انسان کے لیے تمام عمر کا پچھتاوا بن جاتی ہے۔ میں نے گہری سانس لے کر خود پر قابو پایا اور ایک طرف صوفے پر دراز ہو گیا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''ایک گھنٹے بعد مجھے اٹھا دینا۔''

''آپ بے فکر ہو کر سو جاؤ۔''

''نہیں ایک گھنٹے بعد اٹھا دینا۔ یہ میرا حکم ہے۔''

''یس باس۔'' بیتو نے کہا۔ میں لیٹا تو میرا ذہن خود بہ خود سکون میں آنے لگا تھا۔ ایک گھنٹے بعد بیتو نے مجھے اٹھا دیا اور دبے لفظوں میں بولا۔

''ابھی ہم اور بھی نگرانی کر سکتا ہے۔''

''ایک منٹ۔'' میں نے اس سے کہا اور اوپر آیا۔ مجھے حیرت ہوئی جب میں نے وسیم کو بھی یہی کرتے دیکھا۔ اس نے سادھنا کو سونے پر مجبور کر دیا تھا اور خود نگرانی کر رہا تھا۔ اس میں اور مجھ بہترین ذہنی ہم آہنگی تھی۔ مشکل حالات میں ہم ایک جیسے فیصلے کرتے تھے۔ میں اسے ہوشیار رہنے کا کہہ کر نیچے آ گیا۔ بیتو کی جگہ میں نے اس کی پوسٹ سنبھال لی تھی۔ اور یہ خاصا مشکل کام تھا۔ یعنی ایک ہی جگہ ساکت بیٹھے رہنا اور اپنی ساری توجہ ایک ہی طرف رکھنا۔ بیتو نے کمال کیا تھا وہ مسلسل تین گھنٹے سے اس جگہ بیٹھا ہوا تھا۔

رات کے دو بجے اچانک ہی باہر تیز ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ موسم میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ کیا طوفان آ رہا تھا؟ میں نے سوچا۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہ باہر والوں کے لیے اچھا شگون نہیں تھا۔ وہ ویسے بھی مشکل میں ہوں گے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ عقب کی طرف سے باہر نکل کر مجھے ذرا جاسوسی کرنی چاہیے۔ کیونکہ ہوا چلنے سے باہر یقیناً خاصا شور ہو گا اور معمولی آہٹ کا سننا ممکن نہیں تھا۔ یہ خیال آتے ہیں میں نے بیتو کو اٹھایا۔ ''اپنی جگہ آ جاؤ میں باہر جا رہا ہوں۔''

''سامنے سے؟'' وہ فکر مند ہو گیا۔

''نہیں پیچھے کی طرف سے اور صرف سن گن لینے کے لیے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ پھر میں نے وسیم کو بھی اپنے پلان کے بارے میں بتایا تو وہ بیتو سے زیادہ فکر مند ہو گیا تھا۔

''ممکن ہے وہ کسی طرح عقب میں آ گئے ہوں اور اب گھات لگا کر کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔''

''ممکن ہے لیکن اب میرا خیال ہے مجھے نکلنا چاہیے۔''

''تب آپ نہیں میں جاؤں گا۔''

''نہیں تمہارا جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ میرے لیے آئے ہیں اور مجھے زندہ لے جانا چاہتے ہیں۔ اس سے مجھے لگ رہا ہے کہ یہ کنوروں کے آدمی نہیں ہیں۔''

''کیوں نہیں ہو سکتے۔ آخر ان کو آپ کا خون درکار ہے۔'' وسیم نے کہا تو جیسے میرا دماغ روشن ہو گیا تھا۔ ورنہ یہ بات تو میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ واقعی بڑے کنور کے علاج کے لیے ان کو میرے خون کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس صورت میں میرا جانا ہی مناسب ہے کیونکہ کنور ہوں یا ڈیوڈ شاسب کو میں زندہ درکار ہوں۔''

وسیم کے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں پیچھے طرف مورچہ بناتا ہوں اور کوئی بھی خطرہ ہوا تو میں دریغ نہیں کروں گا۔''

''بالکل تم دریغ مت کرنا۔'' میں نے کہا اور نیچے آیا۔ کچن کی لائٹ بند تھی۔ بنانے والے نے ولا کو بالکل یورپین اسٹائل میں بنایا تھا۔ اس میں کچن کے ساتھ پیچھے کھلنے والا دروازہ تھا۔ یہ بہت مضبوط اور ٹھوس لکڑی کا بنا دروازہ تھا جسے توڑنا آسان نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے اس کا لٹو گھما کر اندر سے لاک کھولا اور بہت آہستگی سے دروازہ کھولا۔ فوراً تیز ہوا کی سائیں سائیں سنائی دی۔ ساتھ میں پتھر اور دوسری چیزیں گرنے کا شور بھی تھا۔ اس کے بعد تیز یخ بستہ ہوا کا احساس ہوا۔ میں باہر آیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے دیوار کے ساتھ چپک گیا۔ میں نے گرم جیکٹ پہن رکھی تھی اس کے باوجود سردی رگ و پے میں گھسی جا رہی تھی۔ میں نے بوزی سینے سے چپکا رکھی تھی اور ساکت رہ کر اردگرد کی سن گن لے رہا تھا۔ یہاں نیم تاریکی تھی جب کہ آس پاس روشنی تھی۔ مجھے دور تک سوائے درختوں اور پودوں کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

پھر میں دیوار کے ساتھ ساتھ دائیں طرف سرکنے لگا۔ جس طرف درخت کے پیچھے کچھ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ اس طرف سے جھانکنے پر مجھے وہ نظر آئیں گے۔ کونے تک پہنچ کر میں نیچے بیٹھتے ہوئے جھانکا لیکن جہاں تک نظر کام کرتی تھی مجھے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ مذکورہ درخت بھی اس جگہ سے صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے لیے کچھ آگے جانا ضروری تھا لیکن آگے جانے کی صورت میں، میں درخت کے پیچھے موجود لوگوں کی نظر میں آ جاتا۔ میں وسیم کی وجہ سے دروازے کی طرف سے بے فکر تھا۔ وہ کسی کو آنے نہیں دیتا۔ میں گھوم کر دوسری طرف سے ولا کے سامنے والے حصے میں آیا۔ اگرچہ اس طرف سے درخت کے پیچھے دیکھنا ناممکن تھا لیکن میں اس سارے منظر کو ایک مکمل زاویے سے دیکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ دشمن کے ذہن سے سوچ سکوں۔ اس طرف درخت نہ ہونے کے برابر تھے اور یہاں ولا کے ساتھ ہی بہت گہری ڈھلان تھی۔ جو بظاہر قابلِ چڑھائی نہیں تھی لیکن میرا تجربہ رہا ہے۔ دشمن ہمیشہ اس طرف سے حملہ کرتا ہے جس طرف سے اس کی توقع نہ ہو۔ میں نے بہتر سمجھا کہ اس ڈھلان کا جائزہ لے لوں اور اسی وجہ سے ہماری بچت ہو گئی تھی۔ جب میں ممکن حد تک ولا کی آڑ لیتے ہوئے ڈھلان کے کنارے آیا تو مجھے ہواؤں کے شور کے علاوہ بھی کچھ سنائی دیا تھا۔

یہ آوازیں ایسی تھیں جیسے کچھ لوگ ڈھلان پر چڑھ رہے ہوں اور ان کے جوتے اور ہتھیار پتھروں سے ٹکرا کر آواز پیدا کر رہے تھے لیکن تاریکی میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے شبہ ہوا میں جو سن رہا تھا کیا وہ درست تھا یا ہواؤں کا پیدا کردہ سماعت کا فریب تھا۔ میں نے ایک بڑا پتھر لیا اور اسے اندازے سے اس طرف اچھال دیا جہاں سے مجھے آواز آئی تھی اور اس کا فوری ردِعمل ہوا تھا۔ کسی نے ہلکی سی چیخ ماری۔

''کیا ہوا ہے؟'' کسی نے ہندی میں کہا۔

جواب میں دوسرے نے مقامی زبان میں کچھ اگڑم بگڑم کی۔ غالباً وہ اوپر سے مارے جانے والے پتھر کی شکایت کر رہا تھا۔ ہندی بولنے والے نے اس کی ماں بہن کی شان میں گستاخی کی اور بولا۔ ''تجھے پتھر مارا ہے یا چٹان ماری ہے اپنی آواز بند نہیں رکھ سکتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم سب کتوں کے منہ میں خارش ہو رہی ہے۔'' کسی تیسرے فرد نے غرا کر کہا۔ ''ابھی اوپر کسی نے سن لیا تو یہیں مارے جاؤ گے۔''

ان کا مسئلہ یہ تھا کہ بہت دیر سے چپ رہ کر ان کی زبان میں واقعی خارش ہو رہی تھی اور اب وہ جب تک اپنی خارش اچھی طرح رفع نہیں کر لیتے چپ نہیں ہوتے۔ ہندی بولنے والے نے کہا۔ ''اس مشکل راستے سے آنا ضروری تھا۔ سامنے سے آ جاتے۔''

''لگتا ہے تجھے پرلوک جانے کی جلدی ہے۔ سامنے وہ سب تیار بیٹھے ہیں۔ تبھی اس راستے سے آنے کو کہا۔''

میرے لیے یہ انکشاف تھا کہ دشمن ہماری مستعدی سے پوری طرف واقف تھا۔ ڈھلان پر کم سے کم تین افراد تھے اور یہ اوپر آ جاتے تو ہم دو طرف سے گھر جاتے۔ ان کو اوپر آنے سے روکنا لازمی تھا۔ میں نے سوچا اور نہ چاہتے ہوئے بھی گن کا رخ نیچے کی طرف کیا اور اندازے سے ایک ہلکا سا برسٹ مارا تھا۔ دو چیخیں تو واضح سنائی دی تھیں۔ پھر ہندی بولنے والا چلایا۔ ''وہ اوپر ہیں۔ واپس چلو۔''

اس بار میں نے بولنے والے پر برسٹ مارا اور وہ اپنی بات مکمل کر کے مارا گیا۔ کم سے کم اس کی چیخ سے تو یہی لگ رہا تھا۔ احتیاطاً میں نے ڈھلان پر ایک برسٹ اور مارا اور اوپر آنے والے بدحواسی میں نیچے جانے لگے۔ ان کی تعداد نصف درجن کے لگ بھگ تھی۔ اور ان میں سے تین مارے گئے تھے یا زخمی تھے۔ فوراً ہی وِلا کے دائیں طرف سے بھی کسی نے فائرنگ شروع کر دی۔ یہ میرے کسی ساتھی کی فائرنگ نہیں تھی کیونکہ فائر کسی اسالٹ رائفل سے کیے جا رہے تھے اور ہم میں سے کسی کے پاس اسالٹ رائفل نہیں تھی۔ آواز سے یہ کلاشنکوف لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی شیشے بکھرنے کی آواز آئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ دائیں طرف درخت کے پیچھے افراد نے فائرنگ کی تھی۔ اور شیشہ لاؤنج کی کھڑکی کا بکھرا تھا۔ مجھے بیتو کے بارے میں خدشہ ہوا تھا مگر یہ وقت سوچنے کا نہیں تھا۔ میں نے نیچے اترتے افراد پر ایک آخری برسٹ چلایا اور اٹھ کر اندر کی طرف دوڑا تھا۔ اس دوران میں، میں نے میگزین بدل دیا تھا۔

میں بروقت دروازے تک پہنچا تھا کیونکہ دائیں طرف سے بھی دو افراد نمودار ہوئے تھے اور میں نے ان کو دیکھتے ہی ٹریگر دبا دیا تھا وہ پیچھے کی طرف گرے اور میں ان کا انجام دیکھے بغیر کچن کا دروازہ کھولتے ہوئے اندر گھس گیا تھا۔ اسی اثناء میں اوپر سے ایک برسٹ چلا تھا۔ یہ فائرنگ وسیم نے کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس طرف سے بھی کچھ لوگ اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سامنے سے بیتو جواب دے رہا تھا کیونکہ مجھے پستول کے فائر کی آواز بھی آئی تھی۔ میں اندر گھستے ہی چلایا۔

''بیتو تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں..... اس طرف مت آنا سامنے سے فائر آ رہا ہے۔'' اس نے جواباً چلا کر کہا۔ خود میرا بھی اس طرف جانے کا ارادہ نہیں تھا کیونکہ لاؤنج کا دروازہ کھڑکی کے بالکل مقابل تھا اور اس سے گزرنے کا مطلب دنیا سے بھی گزرنا ہو سکتا تھا۔ میں اوپر کی طرف آیا جہاں وسیم اب بائیں طرف آ گیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''آپ دائیں طرف دیکھیں ادھر میں نے دو افراد کو مار گرایا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سر ہلایا۔ ''تم ڈھلان پر نظر رکھو۔''

سادھنا اپنے کمرے میں تھی۔ میں نے خالی ہو جانے والا میگزین اس کے حوالے کیا۔ ''اسے بھرو اور اپنا پستول مجھے دو۔''

اس نے پستول دیا اور میگزین لے لیا۔ مجھے ایک خیال اور آیا۔ ''اندر سے شاٹ گن اور اس کی گولیاں بھی نکال لینا۔''

میں دائیں طرف والے کمرے میں آیا۔ یہ میرا کمرہ بھی تھا۔ یہاں کھڑکی کے شیشے ٹوٹ گئے تھے اور ان سے فرائے بھرتی سرد ہوا اندر آ رہی تھی۔ اب ولا پر دو طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ ایک تو وہ لوگ تھے جو درخت کی محفوظ آڑ میں تھے اور دوسرے سامنے سے ذرا نیچے سے فائر ہو رہے تھے۔ نیچے سے کیے جانے والے فائر اتنے خطرناک نہیں تھے۔ البتہ دائیں طرف موجود لوگ خطرناک تھے۔ اگر وہ بائیں طرف ڈھلان سے بھی چڑھ آتے تو ہم شدید خطرے میں گھر جاتے۔ میں نے دائیں طرف عقبی حصے کا جائزہ لیا۔ اس طرف سے دو افراد سر پر ائز دیتے ہوئے آئے تھے اور وہ وہاں کس طرح پہنچے ہمیں بالکل خبر نہیں تھی۔ خوش قسمتی سے میں نے ان کو دیکھ لیا اور پھر وسیم نے ان کو مار گرایا۔ میں نے چلا کر بیتو سے ساری روشنیاں جلانے کو کہا۔ دشمن ان روشنیوں کو بھی نشانہ بنا رہا تھا اور ان میں سے کچھ نشانہ بن بھی چکی تھیں اس لیے باہر تاریکی بڑھ رہی تھی۔ بیتو نے ماسٹر سوئچ آن کر دیا۔ اور مجھے دائیں طرف ہونے والی روشنی میں وہ راستہ نظر آ گیا جس سے یہ لوگ عقب تک آئے تھے۔ ڈھلان کے ساتھ ایک چھوٹی سی پگ ڈنڈی تھی۔ جس سے گزر کر یہ لوگ پیچھے آئے تھے اور اس وقت بھی اس پر کچھ سائے رینگ رہے تھے۔ میں نے ان کی طرف یوزی کی اور سانس روک کر نیم دائرے میں مکمل برسٹ چلا دیا۔ وہاں کم سے کم تین افراد تھے اور میں چاہتا تھا کہ ان میں سے کوئی حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔ وہ سب ہی نشانہ بنے تھے ان میں ایک بھاگا تھا اور باقی دو اچھل کر ساکت ہو گئے۔ بھاگنے والا لنگڑا رہا تھا اور بدقسمتی سے وہ سامنے کی طرف جا نکلا جہاں وہ بیتو کے نشانے پر آ گیا تھا۔

مجھے تشویش ہونے لگی۔ آنے والے اتنی زیادہ تعداد میں تھے۔ ان میں سے نصف درجن مارے گئے تھے یا شدید زخمی تھے۔ اس کے باوجود ان کی طرف سے فائرنگ کے زور و شور میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس دوران میں سادھنا نے مجھے میگزین بھر کر لا دیا تھا۔ میں نے اس سے شاٹ گن بھی لی اور اسے اسی کمرے میں رہنے کا کہہ کر نیچے آیا۔ میں لاؤنج کے دروازے سے ذرا دور رکا اور بیتو سے کہا۔

''میں یوزی پھینک رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں نے گن فرش کے ساتھ پھینکی۔ اسے بیتو نے لے لیا۔ وہ فرنٹ پر تھا اور اس کے پاس صرف ایک پستول تھا۔ ''اپنا پستول ادھر پھینک دو۔'' بیتو نے پستول اور اس کا فاضل میگزین میری طرف پھینک دیا۔ ''یوزی احتیاط سے استعمال کرنا اس کی گولیاں کم ہیں۔''

''آپ بے فکر رہو۔ ہم ایک گولی سے ایک آدمی مارے گا۔''

''اتنے آدمی یہ بے چارے لائیں گے کہاں سے؟'' میں نے اوپر جاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے اوپر سے یوزی کا طویل برسٹ چلا۔ لگتا تھا وسیم نے کوئی لمبا شکار کیا تھا۔ جلد اس کی تصدیق ہو گئی۔ بائیں طرف ڈھلان سے کم سے کم چار افراد نے اوپر آنے کی کوشش کی تھی اور مارے گئے تھے۔ ابھی میں نے بیتو سے کہا تھا کہ دشمن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنے آدمی کہاں سے لائے گا اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ ہی آدمی تھے۔ تب ہی وہ اتنی بے فکری سے مردار رہا تھا۔ وسیم نے مجھے دیکھا اور بولا۔

شہباز صاحب لگتا ہے ان کے پاس مروانے کے لیے حرام زادے بہت ہیں لیکن ہمارے پاس اتنی گولیاں نہیں ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے یہ اس طرح ہمارا ایمونیشن ختم کروا رہے ہیں۔"

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔ جس طرح یہ ان لوگوں کو مرنے کے لیے آگے بھیج رہے ہیں۔"

سامنے اور دائیں طرف سے فائرنگ میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اصل دشمن اسی سمت تھا۔ کیونکہ اس طرف سے کسی نے سامنے آنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ باقی شاید وہ بھرتی کے بدمعاش لایا تھا اور ان کو بے دریغ مروا رہا تھا۔ ایسا شاطر دشمن کون ہو سکتا تھا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک ہی نام آ رہا تھا۔ میرا ایک ایسا دشمن جو بیک وقت بے انتہا جذباتی بھی تھا اور کسی لومڑی کی طرح مکار بھی جو مجھے سب سے زیادہ بہتر طریقے سے جانتا تھا۔ ہمارا جب بھی سامنا ہوا تو وہ بچ نکلا اور کبھی میں بچ نکلا تھا۔ وہ ہمیشہ حیران کن طریقے سے سامنے آتا تھا۔ اگر یہ وہی تھا تو اس نے مکمل پلاننگ کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ اس نے ہمیں محصور کیا اور ہماری طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے اپنے بے کار لوگوں کو سامنے بھیجا تھا اور اب ہمارے پاس زیادہ ایمونیشن نہیں رہا تھا۔ اگر ہم اسی طرح فائر کرتے رہتے تو ایک گھنٹے کے اندر خالی ہتھیار لیے بیٹھے ہوتے۔ میں نے وسیم سے کہا۔

"اب بہت احتیاط سے فائر کرنا۔"

اس نے سر ہلایا۔ "مصیبت یہ ہے کہ یہ یوزی ہے ورنہ کوئی رائفل ہوتی تو اچھا تھا۔"

"اسے چھوٹے برسٹ پر سیٹ کر لو۔" میں نے کہا۔

چھوٹے برسٹ پر یہ تین گولیاں ایک ساتھ چلاتی ہے۔ میرے پاس شاٹ گن تھی۔ اس میں ایک وقت میں سات گولیاں لوڈ کی جا سکتی تھیں۔ جب کہ میرے پاس اس کی کوئی تین درجن گولیاں تھیں۔ یہ سب خطرناک بلٹ شاٹ تھے۔ سر سے لے کر ناف تک کہیں بھی لگتے جان لیوا ثابت ہوتے۔ سادھنا میگزین لوڈ کرنے کا کام کر رہی تھی۔ اور وہ بالکل بھی ہراساں نہیں تھی۔ اسے وسیم کے پاس چھوڑ کر میں ایک بار پھر نیچے آیا جہاں بیتو لاؤنج میں ڈٹا ہوا تھا۔ اس نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فائر روک دیا تھا۔ اسے بھی احساس تھا کہ ہمارے پاس کُل یہی ایمونیشن تھا اور باہر والے جس حساب سے مرنے کے لیے بندے لائے تھے۔ اسی حساب سے ان کے پاس ایمونیشن بھی ہونا چاہیے تھا۔ یہ اسلحہ بھی بیتو کی وجہ سے مل گیا تھا ورنہ ہم تو خالی ہاتھ چلے آئے تھے۔ میں نے بیتو کی طرف بھرا میگزین سرکایا۔ "کیا پوزیشن ہے؟"

"ابھی تک کوئی سامنے نہیں آیا ہے۔" بیتو نے جواب دیا۔

"سامنے ہی اصل لوگ ہیں۔ ان لوگوں کو تو مروانے اور ہمارے پاس اسلحے کی پوزیشن معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔"

"تبھی تو ہم سوچتا کہ یہ کیسے مر رہا ہے۔"

باہر کی طرف سے رہ رہ کر فائرز کا سلسلہ جاری تھا اور یہ اچھی بات تھی۔ ہمیں ان کی پوزیشن کا احساس تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیش قدمی کرنے والوں کی نگرانی وسیم اور بیتو دونوں کر رہے تھے۔ شاید باہر والے بھی فائرنگ کر کے ہمیں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔ میں نشست گاہ میں آیا۔ اس میں سامنے اور ولا کے بائیں طرف کھڑکیاں کھل رہی تھیں۔ میں یہاں جھک کر آیا تھا کیونکہ گولیوں نے شیشے توڑ دیئے تھے اور دیواریں چھلنی تھیں۔ میں نے باہر جھانکا۔ سامنے دور تک کوئی نہیں تھا۔ سامنے سے فائر کرنے والے مکمل طور پر اوٹ میں تھے۔ کیونکہ خود کار ہتھیاروں سے نکلنے والے شعلے نظر نہیں آ رہے تھے۔ ان کا نشانہ اوپر والی منزل تھی۔

البتہ دائیں طرف موجود درخت کے عقب سے رہ رہ کر شعلے چمک رہے تھے اور ان کا نشانہ لاؤنج تھا۔ اگر ہم لاؤنج کو خالی چھوڑ دیتے تو وہ با آسانی اندر گھس آتے۔ درخت کے عقب والے بہت چالاک تھے۔ ان کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا لیکن ان کی کوئی ایسی جھلک نظر نہیں آتی تھی جس پر فائر کیا جا سکے۔ میرا یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ اس ساری کارروائی کے پس پشت کوئی بہت چالاک شخص تھا جو مجھے اچھی طرح جانتا تھا اور اس نے ہوشیاری سے اپنے کچھ لوگ مروا کر ہمارے اسلحے اور افرادی قوت کے بارے میں جان لیا تھا۔ اب وہ ہمارا ایموبیشن ختم کروانے کی کوشش کر رہا تھا اس کے بعد آخری مرحلے میں وہ ہمیں بے بس کر کے چوہوں کی طرح پکڑ لیتا۔ ہم زیادہ دیر یہاں محصور نہیں رہ سکتے تھے۔

لیکن ایک سوال اور تھا۔ وہ اتنی بے فکری سے ہم پر چڑھ آئے تھے اور وقت کی پروا کیے بغیر اپنے پلان پر عمل کر رہے تھے۔ تو ان کو یقین تھا کہ نہ تو کسی طرف سے مداخلت ہو گی اور نہ ہی کوئی ہماری مدد کو آئے۔ نیز پولیس بھی اس علاقے سے دور رہے گی۔ ممکن ہے یہ علاقہ اتنا ویران ہو کہ یہاں دور تک کوئی اور آبادی نہ ہو لیکن ان کو یہ معلوم تھا کہ کوئی اور بھی ہماری مدد کو نہیں آئے گا۔ ورنہ وہ اس کام کو جلد از جلد کرنے کی کوشش کرتے۔ اور ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ ان کو نہ تو کسی کا خوف تھا اور نہ کوئی جلدی تھی۔ ان کو یقین تھا کہ ہم یہاں سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے تھے۔ ہمارے عقب میں ایک اونچی پہاڑی تھی اور اس کا آخری سرا ایک مسطح چوٹی کی صورت میں تھا۔ جس کے دوسری طرف گہری کھائی تھی اور کم سے کم رات کے وقت کوئی اس میں اترنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ سامنے کی طرف سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اسی وقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اور میں تہہ خانے تک آیا۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سنیل اور اس کی بیوی ایک دوسرے سے لگے بیٹھے تھے اور ان کا خوف سے برا حال تھا۔ مجھے ان پر ترس آیا تھا۔ وہ عام سے لوگ تھے جو ہماری وجہ سے اس چکر میں پھنس گئے تھے۔ میں نے سنیل کو ایک طرف بلایا۔

"باہر ہمارے دشمن بہت بڑی تعداد میں ہیں اور انہوں نے سامنے کی سمت سے نکلنے کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ یہاں سے نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے؟"

اس نے سوچا اور نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں سر کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"غور کرو کوئی ایسا راستہ جو مشکل بھی ہو تو ہم کوشش کریں گے۔ یہاں تو وہ کل صبح تک گھس آئیں گے اور پھر ہم سب ہی مارے جائیں گے۔"

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں تھیں۔ اس بار اس نے سوچا اور ہچکچا کر بولا۔ "ایک راستہ ہے تو لیکن بہت مشکل ہے۔ اوپر جانا ہو گا اور اس کے بعد پیچھے کی طرف اترنا ہو گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں وہ راستہ دیکھ چکا ہوں وہ بہت مشکل ہے اس پر تو دن میں اترنا بھی مشکل ہے رات کے وقت تو بہت مشکل ہوگا۔''

''بس یہی ایک راستہ ہے سر۔'' اس نے کہا۔ تو میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ یہ راستہ تو مشکل تھا مگر اصل مسئلہ یہ تھا کہ ہمارے پیچھے دشمن لگا تھا اور وہ اتنی آسانی سے ہمیں فرار ہونے کہاں دیتا۔ مگر ہمیں نکلنا تو تھا یہاں تو چوہے کی طرح مارے جاتے۔ وہ شاید صبح کا انتظار کر رہے تھے اور اس کے بعد وہ آنسو گیس کے چند شیل اندر پھینک دیتے تو ہم خود ہی چیختے کھانستے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ مجھے اپنی اتنی پروا نہیں تھی لیکن اپنے ساتھیوں کی فکر تھی۔ وہ دشمن کے لیے بالکل غیر ضروری تھے اور جو اپنے ساتھیوں کو اتنی بے دردی سے مروا دیں وہ میرے ساتھیوں کی پروا کیوں کرتے۔ میں یہ رسک لے ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا۔

''سنیل یہاں رسیاں ہیں؟''

سنیل نے مجھے تہہ خانے میں رکھے رسیوں کے گچھے دکھائے۔ یہ تین عدد گچھے تھے اور ہر ایک میں کوئی دو سو گز رسی تھی۔ یہ خاص کوہ پیمائی اور ہائیکنگ میں کام آنے والی رسی تھی لیکن یہ پہاڑی بہت اونچی تھی اور اس کی دوسری ڈھلان نہ جانے کتنی گہری تھی۔

میں نے رسی لی اور اوپر آیا۔ پہلے میں نے وسیم کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ اس نے فوراً مجھ سے اتفاق کیا۔ ''شہباز صاحب یہی بہتر ہے ہم صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جائیں ورنہ روشنی ہوتے ہی انہوں نے کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔''

''فکر مت کرو ہم اتنا تر نوالہ نہیں ہیں لیکن یہاں سے نکلنے کا واحد راستہ عقبی سمت کی ڈھلان ہے اور وہ بہت دشوار ہے۔''

''کوئی بات نہیں یہاں تو یقینی موت کا سامنا ہے۔'' اس نے کہا۔

میں نیچے آیا اور جیتو کو یہاں سے نکلنے کے بارے میں بتایا تو وہ بولا۔ ''اگر ہم یہاں سے نکلے تو یہ ہمارے پیچھے آئیں گے؟''

''آئیں گے تو مار کھائیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''بس اب نکلنے کی سوچو۔''

ان لوگوں کو آگاہ کر کے میں نیچے تہہ خانے میں آیا۔ ''سنیل ہم نے یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا ہے اور تم بتاؤ کیا تم ہمارے ساتھ چلو گے؟''

اس نے سوچا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ ''نہیں سر میں اپنے بیوی کے ساتھ اس جگہ سے گزرنے کا رسک نہیں لے سکتا ہوں یہ ماں بننے والی ہے۔''

''سنیل میں تم کو صاف بتا دوں۔ میرے دشمن بہت سفاک ہیں اور ابھی اس کے کوئی دس آدمی ہمارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ تم سوچ سکتے ہو اس کے غم و غصے کا کیا عالم ہوگا؟''

لیکن سنیل اپنے انکار پر قائم رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''سر میں ایک عام سا ملازم ہوں مجھ سے کسی کو کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔''

اب میں اسے کیا سمجھاتا کہ عام لوگ ہی زیادہ مارے جاتے ہیں سانڈوں کی لڑائی میں مینڈک پس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے ہیں لیکن میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں اوپر آیا۔ وسیم اور سادھنا نیچے آ چکے تھے۔ سادھنا نے کچھ ایسے بیگز دریافت کر لیے تھے جو پشت پر باندھے جا سکتے اور ان میں ہم کھانے اور پینے کا سامان لے جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ ایمونیشن رکھا جا سکتا تھا۔ اس نے جلدی جلدی ان بیگز میں کھانے کے لیے دستیاب سارا سامان بھرا۔ پانی بوتلوں میں لیا تھا۔ رسیاں میں، بیتو اور وسیم لیتے۔ میں نے رقم والا بریف کیس ایک بیگ میں رکھا اور اسے اپنی پشت پر باندھ لیا۔ اس کے بعد میرے اور وسیم کے درمیان ایک مختصر سی میٹنگ کی تھی۔ طے پایا کہ میں اور سادھنا پہلے نکلیں گے اور جب ہم محفوظ جگہ پہنچ جائیں گے تو باری باری بیتو اور وسیم آئیں گے۔

میں اور سادھنا کچن والے دروازے سے نکلنے لگے تو بیتو اور وسیم نے بیک وقت اوپر نیچے سے فائر کر کے ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ پہلے میں باہر آیا اور کچھ دیر سن گن لیتا رہا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے سادھنا کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں نے ممکنہ حد تک گرم کپڑے پہن لیے تھے اس کے باوجود سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ میں اور سادھنا دیوار سے چپکتے ہوئے بائیں طرف بڑھے۔ میرا ارادہ اس ڈھلان کے ساتھ ساتھ جانے کا تھا۔ وسیم اوپر سے اور بیتو نیچے رہ کر ہمیں کور فراہم کرتے۔ ویسے میرا اندازہ تھا کہ اس طرف کوئی نہیں تھا۔

میرا اندازہ درست نکلا جب میں اور سادھنا با آسانی اوپری ڈھلان پر واقع درختوں میں پہنچنے میں کامیاب رہے تھے۔ وہاں سے میں نے نیچے دیکھا تو مجھے ولا کے سامنے سے مورچہ بند لوگوں کی فائرنگ بھی دکھائی دی تھی۔ شعلے چمک رہے تھے۔ ہماری طرف سے آغاز ہونے کے بعد انہوں نے بھی بھرپور طریقے سے جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وسیم اندر سے نکلا تھا اور اب بیتو وہاں رہ گیا تھا۔ وہ نچلی منزل سے فائرنگ کر کے یہ تاثر دے رہا تھا کہ ابھی ہم سب اندر ہی ہیں۔ اسے دس منٹ سے زیادہ ہو گئے تو سادھنا نے فکر سے کہا۔

"یہ آ کیوں نہیں رہا ہے؟"

مجھے بھی فکر ہو رہی تھی۔ اگر وہ لوگ بھانپ جاتے کہ ہم نکل گئے ہیں اور اندر صرف ایک آدمی ہے۔ اس صورت میں وہ بیتو کو گھیر سکتے تھے۔ جب پندرہ منٹ ہو گئے تو میں نے وسیم سے کہا۔ "تم سادھنا کو لے کر اوپر جاؤ میں بیتو کو لاتا ہوں۔"

"نہیں آپ جائیں میں بیتو کو لاتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ میں اس سے مزید کچھ کہتا نیچے سے ایک ہیولہ بھاگتا ہوا آیا۔ وہ بیتو تھا۔ میں نے خفگی سے کہا۔ "کہاں رہ گئے تھے۔ اتنی دیر کر دی میں آنے والا تھا؟"

"شوبی بھائی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ آگے آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں ان کو روک رہا تھا۔"

"بس اب چلو۔" میں نے رسی پھر سے شانے پر ڈال لی۔ "ہمارا غائب ہونا زیادہ دیر چھپا نہیں رہے گا۔"

وسیم نے ایک ٹارچ بھی لے لی تھی مگر فی الحال ہم اسے نہیں جلا سکتے تھے ورنہ نیچے والوں کو اس کی روشنی نظر آ جاتی۔ چاند اور ستاروں کی بہت ہلکی سی روشنی تھی۔ ہم اسی سے کام چلا رہے تھے۔ سردی کا احساس اب کم ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا تھا۔ ایک تو ہم عادی ہو گئے تھے اور دوسرے حرکت کرنے سے جسم گرم ہو گئے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم اوپر مسطح جگہ تھے۔ جہاں ہیلی کاپٹر اترا تھا۔ اس کے بعد ہی وہ کھائی تھی۔ جس میں اترنے سے سہیل نے انکار کر دیا تھا اور اپنی بیوی سمیت وہیں رہ گیا تھا۔ میں صرف امید ہی کر سکتا تھا کہ آنے والے اسے اور اس کی بیوی کو معاف کر دیں۔ ورنہ مجھے نہیں لگ رہا تھا کہ آنے والے کسی کو معاف کر سکتے ہیں۔

وسیم نے کھائی کے کنارے سے نیچے جھانکا۔ ''یہ تو کم سے کم بھی ہزار فٹ گہری ہے۔''

''جہاں تک ہو سکے ایسے ہی اترنا ہے اس کے بعد کسی جگہ رسی باندھنا۔'' میں نے اسے کہا۔

''یہاں کیوں نہیں؟'' اس نے ایک بڑے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

''اگر وہ یہاں تک آ گئے تو رسی کاٹ دیں گے۔''

''شوبی بھائی ہم ادھر باندھے گا اور نیچے بھی جہاں جگہ ملا باندھ دے گا۔'' بیتو نے تجویز پیش کی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' وسیم بولا۔

''نہیں اس طرح اوپر والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کہاں سے اتر رہے ہیں۔'' میں نے انکار میں سر ہلایا۔ ''وہ لازمی طور پر ہمارے پیچھے آئیں گے اور رسے کی مدد سے جان جائیں گے کہ ہم کہاں اتر رہے ہیں۔''

''آپ کتنا دور کی سوچتا ہے۔'' بیتو نے ستائشی لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں ذرا اس طرف سے اترنا چاہیے۔'' وسیم نے ایک طرف اشارہ کیا۔ اس طرف ڈھلان ذرا کم تھی۔ ہم اس طرف آئے اور پہلے میں نیچے اترا۔ کوئی بیس تیس گز کے بعد میں نے ایک چھوٹے سے درخت کے مضبوط تنے سے رسی باندھ دی۔ میں نے اوپر اشارہ کیا اور وسیم نے پہلے سادھنا کو رسی کی مدد سے نیچے اتارا۔ مجھے اور بیتو کو اس قسم کے پہاڑوں پر چڑھنے اور اترنے کا تجربہ تھا۔ جب کہ وسیم مضبوط آدمی تھا۔ صرف سادھنا تھی جو اس قسم کے راستوں کا تجربہ نہیں رکھتی تھی اور نہ ہی وہ جسمانی طور پر مضبوط تھی۔ اس لیے وسیم نے رسک نہیں لیا اور اس کی کمر سے پہلے ہی رسی باندھ دی تھی۔ کاش کہ کچھ کلپس مل جاتے تو سادھنا کے لیے اترنا بہت آسان ہو جاتا مگر اب اسے بھی سب کی طرح رسی پکڑ پکڑ کر اترنا پڑتا۔ جیسے ہی وہ میرے پاس آئی میں نے اس کی رسی کھولی اور اسے اپنی والی رسی تھما دی۔

''اب نیچے جاؤ لیکن بہت احتیاط سے۔''

وہ نیچے اترنے لگی۔ وسیم رسی سمیٹ کر نیچے آیا اور سادھنا کے پیچھے وہ روانہ ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے اور بیتو کے لیے دوسری رسی باندھی۔ بیتو نیچے آیا تو میں نے اسے آگے جانے کو کہا۔ اور اس کے پیچھے خود روانہ ہو گیا۔ اس جگہ ڈھلان کوئی چار سو فٹ تک مشکل تھی اس کے بعد آسان نظر آ رہی تھی لیکن اس کا پتا تو نیچے تک پہنچ کر ہی چلتا۔ ذرا دیر بعد میں اور بیتو وسیم اور سادھنا سے آگے نکل گئے تھے۔ ایک جگہ رسی بندھی ہونے کے باوجود ان کا راستہ الگ ہو گیا تھا۔

ابھی ہم کوئی سو گز نیچے آئے ہوں گے کہ مجھے اوپر سے کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ ایسا لگا جیسے کچھ لوگ ہمیں تلاش کرتے یہاں تک آ گئے تھے اور وہ میرے اندازے سے جلدی آ گئے تھے۔ میں نے دبی آواز میں دوسروں سے کہا۔ ''جلدی کرو وہ آ گئے ہیں اور کوشش کرو کوئی آواز نہ ہو ورنہ وہ فائر کر دیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم تیزی سے اترنے لگے تھے۔ اچانک اوپر سے روشنی لہرائی۔ وہ روشنی کر کے ہمیں تلاش کر رہے تھے۔ اب کسی وقت بھی ہم ان کی نظر میں آ سکتے تھے۔ اس لیے میں نے احتیاط کو بالائے طاق رکھا اور تیزی سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ یہ بات ان تینوں نے بھی محسوس کر لی تھی۔ وہ بھی تیزی سے نیچے جا رہے تھے۔ اس ڈھلان پر ہم بالکل غیر محفوظ تھے اور ایک برسٹ ہم سب کا کام تمام کرنے کے لیے کافی تھا۔ کم سے کم دو سو گز کے بعد جا کر ہم کہیں محفوظ ہوتے۔ رائفل یا مشین گن کی مار اتنی تو ہوتی ہے۔ اور ہمیں خطرہ ہی برسٹ مارنے والی چیز سے تھا۔ اتنی تاریکی میں اور فاصلے سے سنگل شاٹ رائفل سے کوئی بہت ہی ماہر شخص ہم کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ پھر وہی ہوا ایک لہراتی روشنی ہم پر آئی اور کوئی چلایا تھا۔ آواز واضح نہیں تھی لیکن ظاہر ہے وہ دوسروں کو ہمارے بارے میں خبردار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اوپر سے کسی نے برسٹ چلایا جو ہم سے ذرا فاصلے پر ڈھلان سے ٹکرایا تھا۔ بیتو نے رسی ڈھیلی چھوڑ دی تھی اور میں بھی تقریباً اسی رفتار سے نیچے جا رہا تھا لیکن سادھنا جھجک رہی تھی۔ اس کی وجہ سے وسیم بھی مجبور تھا۔

اوپر والوں نے ہم کو دیکھ لیا تھا اور یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ہم ان کی پہنچ سے دور جا رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے اندھا دھند گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ کئی برسٹ آ کر ہمارے آس پاس لگے تھے۔ میں اور بیتو ایک منٹ سے بھی کم وقت میں کوئی تین سو گز نیچے جا چکے تھے اور خاصی حد تک محفوظ ہو گئے تھے۔ اب کوئی بھی گولی ہمارے لیے جان لیوا نہیں ہو سکتی تھی لیکن سادھنا اور وسیم ابھی ہم سے پچاس گز اوپر تھے اور وہ خطرے کی زد میں تھے۔ اچانک سادھنا کی چیخ سنائی دی اور اس کے ہاتھ سے رسی نکل گئی۔ وہ تیزی سے نیچے آئی تھی۔ اگر بیتو اسے نہ روک لیتا تو وہ لڑھکتی ہوئی نیچے تک جاتی۔ اوپر سے لہراتی روشنیوں میں وہ بیتو کو گرتی نظر آ گئی تھی۔ میں نے سادھنا کو ایک آڑ میں کھینچ لیا۔ میں نے اسے ٹٹولا تو اس کے پہلو میں زخم محسوس ہوا تھا۔ وہاں سے خون رس رہا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ بے چاری ایک بار پہلے بھی زخمی ہو چکی تھی۔ اور اب بھی شاید اسے اسی جگہ گولی لگی تھی۔

''سادھنا تم ٹھیک ہو نا؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا لیکن وہ جواب دینے کے قابل نہیں تھی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ وسیم بہت تیزی سے نیچے آیا تھا۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اسے گولی لگی ہے۔''

''وسیم ٹارچ روشن کرو۔'' میں نے اس سے کہا۔ وسیم نے ٹارچ روشن کی اور میں نے سادھنا کے زخم کا معائنہ کیا۔ میرا اندیشہ درست تھا اس کے پہلو میں گولی لگی تھی اور زخم سے خون رس رہا تھا۔ یہ وہاں پہلو تھا۔ اسی جگہ پہلے بھی زخم آیا تھا۔ خوش قسمتی سے گولی نے کسی شریان کو کٹ نہیں کیا تھا اس لیے خون سست روی سے بہہ رہا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کے زخم پر رکھا اور بیتو کے دیئے کپڑے کو پٹی کی طرح باندھ دیا۔ فی الحال ہم یہی کر سکتے تھے۔ وسیم نے اوپر والوں کی طرف دیکھا۔

''یہاں سے جلدی نکلو۔''

''سادھنا کو میں اٹھاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اپنا سامان ان دونوں میں بانٹ دیا۔ انہوں نے سامان آپس میں مل کر اٹھا لیا۔ میں نے سادھنا کو اپنی پشت پر لیا اور وسیم نے اسے رسی کی مدد سے مجھ سے باندھ دیا۔ اب وہ گر نہیں سکتی تھی اور میں بھی آسانی سے چل سکتا تھا۔ وہ لوگ بھی نیچے آ رہے تھے مگر ان کے پاس رسی نہیں تھی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے ان کی رفتار بہت سُست تھی۔ وسیم آگے تھا اور بیتو پیچھے تھا کسی کسی مقام پر ان کو مجھے سہارا دینے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ سادھنا کی بے ہوشی مجھے پریشان کر رہی تھی۔ اگر اسے کسی خطرناک جگہ گولی نہیں لگی تھی تو وہ اس طرح بے ہوش کیوں ہوگئی تھی۔

کچھ دیر بعد ہم دو پہاڑوں کے ملنے کے مقام پر تھے۔ یہاں ایک ڈھلان ختم ہو رہی تھی اور دوسری ڈھلان شروع ہو رہی تھی۔ درمیان میں کسی قدر ہموار جگہ تھی۔ ہم اس پر چلنے لگے تھے۔ اب اوپر سے آنے والے دور ہو گئے تھے مگر جیسے ہی وہ اس جگہ پہنچتے بہت تیزی سے ہمارے پیچھے آسکتے تھے جب کہ بے ہوش سادھنا کی وجہ سے ہماری رفتار سُست تھی۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ چھ بج رہے تھے۔ کچھ دیر بعد دن نکل آتا اور ہمارے لیے چھپنا مشکل ہو جاتا۔ ایک جگہ میں نے سادھنا کو لٹایا۔ وسیم نے رسی کھولی۔ میری کمر پر اس کا خون لگا ہوا تھا۔ وسیم نے اس کا معائنہ کیا۔

''زخم سے خون نکلنا بند ہو گیا ہے لیکن گولی اندر ہی ہے۔''

''جگر کو نہ نقصان ہوا ہو۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں جگر اس جگہ نہیں ہوتا ہے اور گولی کا زخم بتا رہا ہے کہ گولی سیدھی لگی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ٹارچ کی روشنی میں زخم کا معائنہ کر رہا تھا۔ ''نبض بھی زیادہ خراب نہیں ہے۔''

''پھر یہ کیوں بے ہوش ہے؟''

''شاید اوپر سے گرتے ہوئے دھچکا لگا ہو۔''

اسی لمحے سادھنا کراہنے لگی تھی۔ بیتو نے جلدی سے پانی کی بوتل نکال کر کچھ پانی اس کے چہرے پر چھڑکا اور کچھ اس کے منہ میں ڈالا۔ اس کا نتیجہ فوری نکلا اور سادھنا ہوش میں آگئی۔ اس نے پہلا جملہ کہا۔

''بہت درد ہو رہا ہے۔''

''تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

وسیم مجھے ذرا دور لے گیا۔ ''شہباز صاحب گولی نکالنی ہوگی۔ دیر ہوئی تو اندر زہر پھیل جائے گا۔''

یہ اندیشہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ ''لیکن کیسے..... یہاں ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''میرے پاس ایک نوک والا چاقو ہے۔'' اس نے نکال کر دکھایا۔ ''میں اس کی مدد سے آپریٹ کر سکتا ہوں مجھے اس کا تجربہ بھی ہے۔ کئی بار اپنے زخمی ساتھیوں کو گولی خود نکالی ہیں۔''

''اس سے سیپٹک کا خطرہ نہیں ہوگا؟''

''نہیں لائٹر ہے پہلے اس سے گرم کر کے جراثیم سے پاک کر لوں گا لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ شور بہت مچائے گی۔ اس میں تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔''

''نہیں شور کرے گی۔'' میں نے پلٹ کر سادھنا کی طرف دیکھا۔ وہ بیتو کے پاؤں پر سر رکھے لیٹی تھی۔ روشنی کسی قدر ہو چلی تھی اور مجھے دور تک کوئی دشمن نظر نہیں آ رہا تھا لیکن وہ یقینی طور پر ہمارے پیچھے تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''جو کرنا ہے جلدی کرنا ہے۔''

وسیم چاقو کی نوک کو لائٹر سے گرم کرنے لگا تھا۔ میں سادھنا کے پاس آیا۔ ''سادی تمہارا زخم زیادہ گہرا نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے لیکن گولی اندر ہے اور اسے نکالنا ضروری ہے۔''

''میں..... سمجھتی ہوں۔'' اس نے ہمت سے کہا۔

''وسیم چاقو سے گولی نکالے گا۔ تم کو برداشت کرنا ہوگا۔''

اس نے سر ہلایا مگر اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ ظاہر ہے اس قسم کا آپریشن بہتے کئے مرد بھی برداشت نہیں کر لیتے۔ وہ تو نازک سی لڑکی تھی۔ وسیم چاقو گرم کر کے لایا تو میں نے ایک کپڑا سادھنا کو دیا۔ ''اسے منہ میں لے لو۔''

اس نے کپڑا منہ میں لے لیا۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''اسے مضبوطی سے پکڑ لیں ہلے نہیں۔''

میں نے سادھنا کی کمر پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ اتنی نازک تھی کہ میں زور لگاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ اس نے خود ہی میری مشکل آسان کر دی۔ ''شوبی آپ پیچھے سے مجھے جکڑ لیں۔''

میں نے ایسا ہی کیا۔ یہ وقت مجبوری کا تھا۔ میں نے اسے اپنے سینے پر نیم دراز کر لیا اور عقب سے ہاتھ ل کر اسے اس طرح جکڑ لیا کہ وہ ایک حد سے زیادہ حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ وسیم کچھ پتے بھی توڑ لایا تھا۔ اس نے پہلے زخم صاف کیا اور اس کے بعد اس میں چاقو کی نوک داخل کی۔ پہلی بار سادھنا ایسے تڑپی کہ میں نے مشکل اسے قابو کیا تھا۔ اس نے نہ جانے اپنی چیخ کس طرح روکی تھی۔ وسیم اس سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھا اور میں اسے تسلی دے رہا تھا۔

''بس گڑیا ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ حوصلہ سادی..... شاباش۔''

وہ مچل رہی تھی لیکن آفرین ہے کہ اس کے منہ سے کوئی بلند آواز نکلی ہو۔ اسے بھی احساس تھا کہ دشمن آس س تھا اور اس کی آواز سن کر آ سکتا تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے مچلتی رہی تھی۔ نہ جانے کب اس کا جسم درد کی انتہا ے گزر کر ڈھیلا پڑ گیا اور اسی لمحے وسیم نے گولی نکال لی تھی۔ سادھنا ایک بار پھر بے ہوش ہو گئی تھی۔ خون رواں ا اور اس بار زیادہ تیزی سے بہہ رہا تھا۔ وسیم نے اس میں پتے بھرے اور اوپر سے کس کر پٹی باندھ دی۔ ہم اتنا ا کر سکتے تھے۔

''یہ بیتو کہاں ہے؟'' میں نے پہلی بار چونک کر دیکھا۔ وہ نہ جانے کب خاموشی سے وہاں سے چلا گیا ا۔ میری جیکٹ سامنے سے بھی خون آلود ہو رہی تھی۔ وسیم نے اپنے ہاتھ صاف کیے اور بیتو کو تلاش کرنے لگا۔ ں نے سادھنا کو اس کی جیکٹ پہنائی۔ اس کی سانس اور نبض دونوں تیز چل رہی تھی۔ وسیم بیتو کو آوازیں دینے ا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ تیز تیز قدم چلتا ہوا آیا تھا۔

''کہاں تھے تم؟'' وسیم نے اسے ڈانٹا۔

''ابھی ادھر سے نکلو وہ قریب آ گئے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

ہم پھرتی سے حرکت میں آئے تھے۔ اس بار بیتو نے سادھنا کو اپنی پشت پر لاد لیا تھا اور سامان ہم نے اٹھا ا تھا۔ سادھنا کے لیے وہی ترکیب کی تھی۔ اسے بیتو کی پشت پر سوار کر کے باندھ دیا تھا۔ وسیم اس موقع پر بھی باز ہیں آیا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

''برخوردار اب تم اپنا اصل کام کر رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا مطلب وسیم بھائی؟'' بیتو نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''گدھے ہوتے کس لیے ہیں؟''

بیتو حسب معمول ناراض ہو گیا تھا۔ تو وسیم اسے منانے میں لگ گیا۔ ''یار تُو خوش نصیب ہے جو اتنا خوب صورت بوجھ اٹھا رہا ہے۔''

میں آگے تھا۔ مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں ہم کچھ دیر کے لیے پیچھے آنے دشمن سے محفوظ رہ سکتے۔ سادھنا کو آرام دینا ضروری تھا تاکہ اس کا خون رک جائے۔ اگر اسی طرح خون بہتا رہتا تو اس کی جان خطرے میں پڑ جاتی۔ اب صبح بہت واضح ہو گئی تھی۔ روشنی کی وجہ سے ہم ایسی جگہوں سے گزر رہے تھے۔ جہاں ہمیں دور سے نہ دیکھا جا سکے۔ وسیم نے بھی یہی کہا۔

''شہباز صاحب کہیں رکنا ضروری ہے۔''

''میں بھی کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہوں۔''

ہم جس نالے نما جگہ سے گزر رہے تھے یہاں کہیں کہیں پانی تھا لیکن میں نے ان لوگوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ کہیں سے پانی نہ لیں اور نہ ہی ریت والی جگہ سے گزریں ورنہ ہمارے نشانات دیکھ کر پیچھے آنے والوں کو اندازہ لگانے میں آسانی رہے گی۔ وسیم کے ہاتھ ابھی تک خون آلود ہو رہے تھے۔ وہ خواہش کے باوجود اپنے ہاتھ نہیں دھو سکا تھا۔ ایک جگہ سے ایک چشمہ اوپر سے آ رہا تھا جس میں نہ ہونے کے برابر پانی تھا۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''اس نالے کے ساتھ ساتھ اوپر چلیں شاید کوئی جگہ مل جائے۔''

''بیتو کو بہت مشکل ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''نہیں شوبی بھائی اگر تم بولے گا تو ہم چلے گا۔'' بیتو نے استقامت سے کہا۔ ''ہم اس کا عادی ہے۔''

میں بھی اس جگہ کو چھوڑنے کا سوچ رہا تھا کیونکہ ہم سیدھے چلتے رہتے تو دشمن جلد یا بدیر ہمیں آلیتا۔ اس لیے ہم نے چشمے کے ساتھ اوپر کا رخ کیا۔ ذرا اوپر آتے ہی وسیم نے پہلی بار دشمن کو دیکھ لیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''وہ دیکھیں جناب۔''

ہم سے کوئی پانچ سو گز پیچھے یہ تین چار افراد تھے۔ ان کے ہاتھوں میں گنیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اور وہ ابھی تک نیچے تھے۔ ہم بروقت اوپر کی طرف مڑ گئے تھے اور جیسے جیسے اوپر جا رہے تھے ان سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ بیتو اب تھک گیا تھا اور اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اس لیے میں نے رکنے کا فیصلہ کیا۔ اور ہم ایک بڑی چٹان کی آڑ میں بیٹھ گئے۔ یہ جگہ نیچے والوں کی نگاہ سے محفوظ تھی۔ بیتو نے سادھنا کو اتارا تھا۔ وسیم نے اس کے زخم کا معائنہ کیا اور بولا۔

''شکر ہے خون خاصی حد تک رک گیا ہے۔''

بیتو ایک درخت سے تازہ پتے توڑ کر لایا۔ ان کی مدد سے سادھنا کا زخم صاف کیا۔ پٹی بدلنے کی ضرورت تھی۔ بیتو کی ایک ٹی شرٹ سے پٹی پھاڑی گئی۔ وسیم اور میں نے اپنے ہاتھ اور لباس سے خون کے دھبے صاف کیے۔ ہم نے پانی پیا اور کچھ کھایا۔ سادھنا کو بھی پانی دیا۔ اس نے بے ہوشی میں پانی پی لیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی۔ ہم نے اسے ایک ہموار جگہ لٹا دیا۔ بیتو سانس درست کرنے کے ساتھ چٹان پر چڑھ کر نیچے سے آنے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راستوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ ہم نے اپنے اسلحے کا جائزہ لیا۔ دو یوزی مشین گنیں اور ان کے ایک ایک میگزین تھے۔ فالتو گولیاں اب کم رہ گئی تھیں۔ دو عدد پستول تھے اور ان کے ایک ایک اضافی میگزین کے ساتھ کوئی ساٹھ ستر اضافی گولیاں تھیں۔ شاٹ گن ہم نے استعمال نہیں کی تھی۔ اس کی بھی ساٹھ ستر گولیاں موجود تھیں۔ اسلحے کے لحاظ سے پوزیشن تسلی بخش تھی لیکن پیچھے آنے والے زیادہ اور بہتر اسلحے سے مسلح تھے۔ ہمارے لیے سب سے بہتر یہی تھا کہ ان سے دور رہتے۔

''لگتا ہے دربدری ہمارا مقدر ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''دشمن کے ہاتھ آنے سے یہ دربدری بہت بہتر ہے۔'' وسیم نے تصویر کا روشن پہلو دیکھا۔

''میں جتنی جلدی اس ملک سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ حالات مجھے اتنا ہی یہاں الجھا رہے ہیں۔''

''مقدر کا لکھا آدمی کو بھگتنا ہی پڑتا ہے۔'' وسیم نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ہم دونوں ہی آرام کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سادھنا کو ہوش آنے لگا تو میں نے ایک پیک دودھ کا ڈبا کھولا اور اسے قطرہ قطرہ کر کے اس کے منہ میں ٹپکانے لگا۔ اس کا نتیجہ اچھا نکلا تھا۔ وہ جلد ہوش میں آ گئی تھی۔ اس نے بے تابی سے دودھ پیا۔ شاید خون کی کمی سے اس کی بھوک جاگ گئی تھی۔

''اب کیسا محسوس ہو رہا ہے۔''

''درد ہے لیکن پہلے سے بہت کم۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہمارے پیچھے جو لوگ.....''

''تم ان کے بارے میں مت سوچو۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''ابھی تم آرام کرو۔''

وسیم نے بیتو کو اشارہ کر کے نیچے بلایا اور خود اوپر چلا گیا۔ بیتو آیا تو سادھنا کو ہوش میں دیکھ کر کھل گیا تھا۔

''زیدی اب کیسا ہے تم؟''

وہ مسکرائی۔ ''ٹھیک ہوں..... تم جیسے محبت کرنے والے لوگوں کے ہوتے مجھے کیا ہو سکتا ہے۔''

بیتو اس کے پاس بیٹھ کر اسے بتانے لگا کہ جب اسے گولی لگی تو ہم نے کیا کیا تھا۔ وہ درمیان میں سوال کر رہی تھی۔ پھر اس نے ممنونیت سے کہا۔ ''میرے اپنے بھی میرے لیے اتنا نہیں کر سکتے تھے۔''

''ہم تمہارے اپنے ہیں۔''

''کمار کے بعد مجھے لگ رہا تھا میں اس دنیا میں اکیلی رہ گئی ہوں لیکن آپ سب نے مل کر مجھے اپنا ہونے کا احساس دلایا ہے۔''

''صرف ہم تمہارے نہیں ہیں بلکہ تم بھی ہماری ہو۔ تم نے اس سفر میں ہم سے زیادہ مشکلیں برداشت کیں ہیں۔ تم کو دوسری بار گولی لگی ہے۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھپکا۔ ''اب بولو مت آرام کرو، کیونکہ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔''

وسیم نے اوپر سے جھانکا۔ ''خاتون کو ہوش آ گیا ہے؟''

''ہاں۔'' میں اس کے پاس اوپر آ گیا۔ میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں تُو خاتون میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہا ہے؟''

اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔ ''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بیٹے یہ بال میں نے راتوں کو کالے نہیں کیے ہیں۔ تم جس طرح تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہو یہ ہی بتانے کے لیے کافی ہے۔''

''سادی مجھے اچھی لگی ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''لیکن ابھی اس کا زخم تازہ ہے۔''

''کس زخم کی بات کر رہے ہو۔ دل کے یا اوپر والے زخم کی؟''

''دل کے زخم کی۔''

''وسیم تم بے وقوف ہو۔ اسے اس وقت اس زخم کی رفوگری کی ضرورت ہے۔ دل کا زخم صرف رفوگری سے بھرتا ہے۔ اسے وقت بہت دیر سے اور مشکل سے بھرتا ہے۔ ہاں کوئی پیار سے مرہم رکھے تو بھرنے کا پتا بھی نہیں چلتا ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے مجھے اس کے قریب ہونے کی کوشش کرنی چاہیے؟'' اس نے میری طرف دیکھا۔

''سچی بات ہے کہ میں نے کئی بار تم سے یہ بات کہنی چاہی تھی لیکن کہہ نہیں سکا تھا۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے۔'' اس کا لہجہ دھیما ہو گیا تھا۔ ''اگر اس نے مجھے مسترد کر دیا؟''

''نہ جانے کیوں مجھے یقین ہے وہ ایسا نہیں کرے گی۔ وہ بہت حوصلے والی لڑکی ہے اور ایسے لوگ زندگی کے ساتھ زندہ رہا کرتے ہیں۔ وہ تمہارا ہاتھ نہیں جھٹکے گی۔''

وسیم سوچ میں پڑ گیا تھا۔ میں نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ اس کی دلچسپی میں نے پہلے ہی محسوس کر لی تھی لیکن مجھے کبھی کبھی احساس ہوتا تھا کہ سادھنا بھی اس کی طرف کچھ رجحان رکھتی ہے۔ ممکن ہے یہ میرا احساس ہو لیکن ایک بات یقینی تھی کہ جو بات میں نے محسوس کر لی تھی۔ ناممکن تھا کہ سادھنا اس سے بے خبر ہو۔ عورت کی چھٹی حس اس معاملے میں بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ فوراً جان جاتی ہے کہ کوئی مرد اس میں کس نیت سے دلچسپی لے رہا ہے۔ سادھنا بھی وسیم کی دلچسپی سے واقف ہو گی۔ میں نے بیتو کو آواز دے کر اوپر بلا لیا اور وسیم سے کہا۔

''اب سادھنا کے پاس کچھ دیر تم رہو۔''

وہ ہچکچایا لیکن پھر نیچے چلا گیا۔ بظاہر یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ ہم جنگل میں دشمن سے چھپتے پھر رہے تھے اور کسی بھی وقت اس سے ٹکراؤ ہو سکتا تھا اور میں وسیم کو ترغیب دے رہا تھا کہ وہ سادھنا کی دل جوئی کرے۔ بات یہ ہے کہ میں تقدیر پر یقین رکھتا ہوں۔ آگے جو ہونے والا ہو اس کے بارے میں زیادہ نہیں سوچتا اور مجھے جو کرنا چاہیے میں وہ کرتا ہوں۔ بیتو اوپر آیا۔

''دیدی کا حالت اچھا ہے۔'' اس نے مجھے بتایا۔ ''ابھی ہم نے دیکھا ہے خون مکمل طور پر رک گیا ہے۔''

''اسے کھانے کو کچھ اور دیا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ایک چھوٹا ڈبا شہد کا تھا وہ سارا اسے دے دیا۔''

''یہ اچھا کیا اسے ابھی توانائی کی ضرورت ہے۔''

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنی پوری طرح نمودار ہو چکی تھی اور اوپر سے نچلی ڈھلان صاف نظر آ رہی تھی۔ دشمن ہماری تلاش میں کہیں آگے نکل گیا تھا۔ ورنہ اب تک اسے یہاں آ جانا چاہیے تھا۔ اب مجھے اپنا خیال غلط لگ رہا تھا میں نے جس شخص کے بارے میں سوچا تھا۔ یہ وہ نہیں تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے ہماری جان نہ چھوڑتا۔ اس وقت میں خود کو محفوظ اور پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔ بیتو نے کچھ دیر بعد گھوم پھر کر سادھنا کے زخم کے لیے کچھ خاص پتے اور جڑی بوٹیاں جمع کی تھیں۔ وہ پہاڑی جنگل کا رہنے والا تھا اور اسے ان چیزوں کے بارے میں اچھی طرح پتا تھا یہ لوگ اپنا علاج اسی طرح کرتے تھے۔ جب بیتو آیا تو میں نیچے اتر آیا اور وسیم کو اوپر بھیج دیا۔ سادھنا بظاہر سو رہی تھی لیکن اس کے گلابی رخسار بتا رہے تھے کہ وہ جاگ رہی تھی اور شاید اس دوران میں اس کی وسیم سے بات بھی ہوئی تھی۔ بیتو ایک طرف بیٹھا پتھر پر پتے اور جڑی بوٹیاں کچل کر ان سے مرہم تیار کر رہا تھا میں نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا اس نے جواب دیا۔

''یہ بہت کام کا چیز ہے۔ ابھی آپ دیکھنا دیدی کا زخم کیسے ٹھیک ہوتا ہے۔'' اس نے پتھر چلاتے ہوئے کہا۔ ''اس کے بعد ہم ایک کام اور کرے گا۔''

''وہ کیا؟''

''ابھی ہم اوپر جا کر کوئی غار تلاش کرے گا۔ اگر رات ادھر رہا تو دیدی کو بہت مشکل ہوگا۔ غار مل گیا تو ہم آگ بھی جلا سکے گا۔''

''یہ واقعی ضروری ہے لیکن اتنی دور مت نکل جانا کہ ہم سے گم جاؤ۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''آپ فکر مت کرو ہم شہر میں گم سکتا ہے یہاں نہیں۔''

بیتو نے مرہم بنا کر دیا۔ ''ابھی آپ لگاؤ۔''

''نہیں تم لگاؤ۔'' میں نے انکار کر دیا۔

بیتو نے سر ہلایا۔ اور سادھنا کو مرہم لگانے لگا۔ پٹی اتارنے کے لیے اس نے سادھنا کو ہلایا تو وہ چونک کر اٹھ گئی۔ جب تک وہ مرہم لگاتا رہا میں ذرا ادھر ادھر کے علاقے کا جائزہ لیتا رہا۔ یہاں ڈھلان ترچھی تھی اور ایسی جگہوں پر پہاڑ میں غار ہوتے ہیں لیکن آس پاس مجھے کوئی غار نہیں ملا تھا۔ یہاں بہت بڑے تنے والے اونچے درخت تھے۔ زمین زیادہ تر پتھریلی تھی اور مٹی بہت کم تھی۔ اتنی کم مٹی میں اتنے بڑے درخت دیکھ کر تعجب ہوتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔

بیتو ہاتھ صاف کرتا آیا۔ ''ابھی دیدی کو سونے دینا۔ جتنا سوئے گا اتنا جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تم زیادہ دور مت جانا اور کوئی گن لے کر جانا اگر خطرہ ہو تو فائر کر کے ہمیں خبردار کر دینا۔''

بیتو نے ایک پستول لیا تھا اور چلا گیا۔ وہ اوپر کی طرف گیا تھا۔ اس طرف درخت بہت گھنے تھے اور وہ کچھ دیر میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں سادھنا کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ پھر سو گئی تھی اور اس بار وہ سچ مچ سو رہی تھی۔ میں نے زمین دیکھی۔ یہاں کوئی کیڑا مکوڑا نہیں تھا۔ پھر بھی احتیاطاً میں نے اسے صاف زمین پر کر دیا۔ سادھنا نے نکلتے وقت کھانے کا خاصا سامان رکھ لیا تھا۔ اس کی مدد سے ہم دو تین دن آسانی سے گزار سکتے تھے۔ البتہ پانی کی صرف دو بوتلیں تھیں اور ان میں سے ایک خالی ہو چکی تھی اور دوسری آدھی رہ گئی تھی۔ چشمہ کچھ دور تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''سادھنا کا خیال رکھنا میں پانی لے کر آ رہا ہوں۔''

چشمے سے پانی لے کر میں نے خود بھی پانی پیا اور واپس آ گیا۔ وسیم سادھنا کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ اسے نیند میں دیکھ کر میں نے آہستہ سے پوچھا۔ ''تمہاری اس سے بات ہوئی؟''

وہ مسکرایا۔ ''ہاں ابھی تھوڑی بہت ہوئی ہے۔''

''وسیم یہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایک سوال ہے کیا یہ ہمارے ساتھ پاکستان جائے گی۔''

''کیوں نہیں جہاں ہم وہاں یہ۔''

''پھر بھی اس سے ایک بار پوچھ ضرور لیجئے گا۔''

''یہ کام تم بھی کر سکتے ہو آخر خاتون کو رہنا تمہارے ساتھ ہے۔''

''یہ مرحلہ ابھی دور ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن آپ کہتے ہیں تو میں پوچھ لوں گا۔ یہ بیتو کہاں گیا ہے؟''

''ہمارے لیے کوئی رہائش تلاش کرنے گیا ہے۔''

''یہاں ان پہاڑوں میں؟'' اس نے تعجب سے کہا۔

''ہاں کیونکہ امکان یہی ہے کہ رات یہیں بسر ہو گی اور کھلے آسمان تلے ہماری قلفی جم جائے گی۔ سادھنا کو کسی چھت کی ضرورت ہے۔ کہیں کوئی غار مل گیا تو ہم آگ بھی جلا سکتے ہیں۔''

وسیم نے اوپر کی طرف دیکھا۔ ''یہاں غار ہو سکتا ہے یہ پتھریلے پہاڑ ہیں۔''

''اب تم سادھنا کے پاس رکو میں اوپر جاتا ہوں۔''

چٹان کی صورت میں ہمیں نہ صرف ایک اچھی آبروئیشن پوسٹ مل گئی تھی بلکہ اس کی آڑ میں ہم کسی کی نگاہ سے بھی محفوظ تھے۔ دوپہر کا وقت قریب تھا اور مجھے معلوم تھا دوپہر ڈھلتے ہی شام بڑی تیزی سے آئے گی۔ اس سے پہلے ہمیں کوئی پناہ گاہ تلاش کر لینی تھی۔ گزشتہ رات تک ہم ایک شاندار پہاڑی ولا میں پورے مزے سے مقیم تھے اور اس وقت کسی غار کی تلاش میں تھے جہاں سردی سے بچ سکیں۔ شاید اسی کا نام تقدیر ہے جو انسان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوالٹی پلٹتی رہتی ہے۔

بیتو کو گئے ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا مجھے تشویش ہو رہی تھی۔ بے شک وہ پہاڑوں کا رہنے والا تھا اور اسے راستے تلاش کرنا آتے تھے لیکن ان پہاڑوں میں حادثات بھی انسان کی تاک میں رہتے ہیں۔ اگر وہ اتنی دور نکل گیا جہاں سے وہ ہماری مدد بھی نہ حاصل کر سکے اور کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو ہم اسے تلاش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دوپہر کے بعد سورج تیزی سے مغرب کی طرف جھکا اور جنگل میں روشنی بتدریج کم ہونے لگی تھی۔ ابھی سورج صحیح سے ڈوبتا بھی نہیں اور یہاں نیم تاریکی چھا جاتی۔

سادھنا جاگ گئی تھی۔ وسیم نے اسے کچھ کھانے کو دیا تھا اور ساتھ ہی بیتو کا تیار کردہ لیپ پھر سے اس کے زخم میں لگایا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ سادھنا کا زخم حیرت انگیز طور پر خشک اور چھوٹا ہو رہا تھا۔ مجھے تعجب نہیں ہوا کیونکہ میں پہلے بھی بارہا جڑی بوٹیوں سے تیار کی ہوئی ادویات اور ان کے اثرات دیکھ چکا تھا۔ میں ذاتی طور پر ان سے علاج کرا چکا تھا۔ بیتو کا تیار کیا ہوا لیپ ہم نے ایک چھوٹے سے شاپر میں جمع کر لیا تھا اس نے کہا تھا کہ یہ ہر دو گھنٹے بعد لگانا لازمی ہے۔ اب وسیم کو بھی تشویش ہونے لگی تھی۔

''یہ ابھی تک آیا نہیں ہے۔ آپ کہیں تو میں جا کر دیکھتا ہوں۔''

''مجھے لگ رہا ہے وہ راستہ بھٹک گیا ہے یا کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔ دونوں صورتوں میں ہم اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے سوائے اس کے اس کے لیے دعا کریں۔''

''پھر بھی اسے تلاش کرنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں۔'' وسیم نے اصرار کیا لیکن میں نے اسے اجازت نہیں دی۔

''اگر سادھنا کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہم میں سے ایک چلا جاتا لیکن ابھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا کیونکہ اگر اچانک ہی دشمن یہاں آ گئے تو ایک آدمی سادھنا کو لے کر نہیں بھاگ سکتا ہے۔''

وسیم نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔''

سادھنا پھر سو گئی تھی۔ ممکن ہے اس لیپ میں کوئی ایسی جڑی بوٹی شامل ہو جس کے اثر سے نیند آ جاتی تھی۔ ورنہ وہ جس تکلیف میں تھی اس میں آدمی اتنے آرام سے نہیں سو سکتا۔ اگرچہ میں نے وسیم کی بیتو کو تلاش کرنے کی تجویز مسترد کر دی تھی لیکن پھر بھی ہم نے باری باری آس پاس نکل کر دیکھا تھا۔ میں اوپر کی طرف گیا تھا اور وہاں میں نے بیتو کو آواز بھی دی تھی لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ دشمن اس علاقے سے آگے کہیں نکل گیا تھا اور وہ آس پاس نہیں تھا۔

شام کے چار بجے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ بیتو اب نہیں آئے گا اور وہ یقیناً کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا یا راستہ گم کر بیٹھا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''ہمیں اب خود نکلنا ہو گا۔''

''اگر بیتو آ گیا تو؟''

''ہم اوپر کی طرف جائیں گے۔ اور کوشش کریں گے کہ کوئی غار مل جائے۔ فی الحال بیتو کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔''

وسیم کو شاید یہ خیال پسند نہیں آیا تھا لیکن اس نے اعتراض نہیں کیا۔ میں نے سادھنا کو اپنی پشت پر لادا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارا سامان وسیم نے اٹھا لیا تھا۔ ہم اوپر کی طرف بڑھنے لگے۔ سادھنا کا زخم خشک ہو چلا تھا اس لیے مجھے خطرہ نہیں تھا کہ خون رسے گا یا رسا بھی تو بہت زیادہ مقدار میں رسے گا۔ جب میں نے اسے پشت پر ڈالا تو اسے جاگ آ گئی تھی۔

''شوبی ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''کسی پناہ گاہ کی تلاش میں۔''

''بیتو نہیں آیا؟''

''نہیں پتا نہیں کہاں رہ گیا ہے۔'' میں نے کہا اور اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو ممکن ہے وہ ہمیں راستے میں مل جائے۔''

سادھنا نے عقب سے مجھے پکڑ لیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی کیونکہ اس کے ڈھیلے جسم کو سنبھالنا بہت مشکل کام تھا۔ میں نے رسی نہیں بندھوائی تھی۔ اوپر سے اس نے بازو میری گردن میں ڈال دیئے تھے اور پیچھے سے ٹانگیں میری کمر کے گرد کر لی تھیں۔ پھر وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسی۔

''شوبی مجھے بہت شرم آ رہی ہے۔''

''اچھی بات ہے لڑکیوں کو شرم آنی چاہیے۔ ورنہ وہ بے شرم کہلائیں۔''

''شرم اس طرح پیٹھ پر سواری کرتے ہوئے آ رہی ہے مجھے یاد ہے کبھی کبھی بابا مجھے اسی طرح اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا کرتے تھے۔''

''تو سمجھ لو میں تمہارا بابا ہوں۔''

''اب تو میرا سب کچھ آپ ہی ہیں۔'' وہ اداس ہو گئی۔ ''اپنے تو اپنے رہے نہیں۔''

''خدا کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا ہے اگر اس سے کچھ لیتا ہے تو اسے بہت کچھ دے بھی دیتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' وہ بولی۔ کچھ دیر بعد اس نے جھجکتے ہوئے مجھ سے وسیم کے بارے میں پوچھا اور میں موقع غنیمت جان کر اسے تفصیل سے وسیم کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ آگے راستہ تلاش کر رہا تھا۔ اس لیے مجھے امید تھی کہ میری آواز اس کے کانوں تک نہیں جائے گی۔ سادھنا درمیان میں سوال کرتی رہی تھی اور بات لمبی ہوتی چلی گئی تھی۔ ہم اس وقت چپ کرتے تھے جب میں کہیں سستانے کے لیے رکتا تھا۔ سادھنا کی حالت بہت بہتر ہوئی تھی اور اس کے زخم سے خون نہیں رسا تھا۔ درد بھی بہت کم رہ گیا تھا۔ ایک جگہ رکے تو وسیم نے مجھ سے کہا۔

''شہباز صاحب ابھی تک تو کوئی غار نہیں ملا ہے۔ میرا اندازہ غلط نکلا کہ یہاں غار ہوں گے۔''

''ہوں گے یار، ورنہ ہم کہیں کسی آڑ میں رات بسر کر لیں گے۔ آگ جلانا لازمی ہے۔''

سورج ابھی غروب ہونے میں کچھ وقت تھا لیکن روشنی خاصی کم ہو گئی تھی۔ اسی تناسب سے سردی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہوا میں بھی تندی آتی جا رہی تھی اور لگ رہا تھا کہ رات ٹھیک ٹھاک سرد ہو گی۔ میں وسیم سے کہہ تو رہا تھا کہ ہم رات کہیں آڑ میں بسر کر سکتے ہیں لیکن سادھنا کے لحاظ سے مجھے یہ بہت مشکل لگ رہا تھا۔ کوئی نہ کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ ڈھونڈنا لازمی تھا۔ اس وقت خدا نے میرے دل کی آواز سن لی تھی۔ کیونکہ جس وقت میں ستانے کے لیے رکا تھا۔ وسیم آگے گھوم رہا تھا۔ اچانک اس نے مجھے آواز دی۔

''شہباز صاحب یہاں آیئے گا۔''

''ایک منٹ آیا۔'' میں نے سادھنا کو ایک جگہ بٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے پورے حواس میں آ گئی تھی اس لیے میں نے اسے چھوڑ کر جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ وسیم ایک چھوٹے سے دہانے میں جھانک رہا تھا۔ اندر تاریکی تھی۔ اس نے ٹارچ روشنی اندر ڈالی۔ یہ چھوٹا سا غار تھا مگر صاف ستھرا تھا۔ اگر اس میں کسی جانور کی رہائش ہوتی تو اس سے ناقابلِ برداشت قسم کی بدبو آ رہی ہوتی۔ اس سے اوپر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ وسیم نے میری طرف دیکھا۔

''کیسا ہے جناب؟''

''ٹھیک ہے مگر ذرا چھوٹا ہے خاصا پیک ہو کر آنا پڑے گا۔''

''ہم باہر بھی گزارا کر سکتے ہیں اصل مسئلہ سادھنا کا ہے۔'' وسیم نے کہا تو میں قائل ہو گیا۔ اس کے بعد سورج غروب ہونے سے پہلے ہم نے غار کی صفائی کی اور جلانے کے لیے لکڑی جمع کی اور سادھنا کے لیے پہاڑی گھاس کی مدد سے بچھونا تیار کیا۔ اسے اندر لٹا کر ہم نے ایک بار پھر باری باری بیتو کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ شاید اس جگہ سے بہت دور تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی سردی میں اتنی تیزی سے اضافہ ہوا تھا کہ ہم کانپ اٹھے تھے۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔

''اتنے سے غار میں آگ جلانے سے خطرہ ہو گا۔''

خطرہ تو تھا لیکن ہم نے اس کا تدارک یہ کیا کہ جس جگہ آگ جلانی تھی۔ وہاں ہم نے پتھر رکھ کر ایک حفاظتی دیوار بنالی۔ اس میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دی۔ لکڑیاں خشک تھیں اس لیے آسانی سے آگ پکڑ لی اور اندر دھواں بھی نہیں بھرا نہیں تھا۔ آگ جلی تو ہم سب کی جان میں جان آئی تھی۔ کھانا کھا کر میں آرام کرنے کے لیے ایک طرف ٹک گیا تھا۔ رات بھی سونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ایک اعصاب شکن سی کیفیت میں وقت گزرا تھا۔ وسیم باہر پہرا دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔ وسیم نے مجھے نہیں جگایا تھا میری آنکھ خود ہی کھلی تھی۔ وسیم بے چارہ دہانے کے قریب سکڑ کر بیٹھا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی رات کے بارہ بج رہے تھے۔ میں نے اس سے کہا۔

''تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟''

''بس آپ بہت تھکے ہوئے تھے اس لیے میں نے سونے دیا۔'' وہ اندر رینگ آیا۔ ''اب آپ اٹھ گئے ہیں تو میں کچھ دیر سوؤں گا۔''

''کوئی خاص بات؟'' میں نے سرک کر اسے جگہ دی اور خود دہانے کی طرف چلا گیا۔

''نہیں سادی کو مرہم لگایا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اسے باہر جانا تھا تو لے گیا تھا۔ ویسے باہر امن وسکون ہے۔''

سادی کو وہ کس وجہ سے لے گیا تھا میں سمجھ گیا تھا اس لیے میں نے پوچھا نہیں۔ خود مجھے بھی حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے میں باہر نکل گیا اور باہر آ کر مجھے اندازہ ہوا کہ سردی کس قدر تھی۔ واپس آ کر میں نے دہانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سامنے جگہ سنبھال لی یہاں الاؤ کی کسی قدر حرارت تھی۔ وسیم نے ایک کام اور کیا تھا اس نے اوپر لگی جھاڑیوں سے شاخیں کاٹ کر دہانے کے سامنے جمع کر لی تھیں ایک تو ہوا سے بچت ہو ہی تھی دوسرے غار کے اندر جلنے والی آگ کی روشنی دور سے دکھائی نہیں دیتی۔ میں نے انگاروں پر کچھ لکڑیاں اور ڈالیں۔ اور آگ تاپنا رہا تھا۔ وسیم میری جگہ اور میری ہی پوزیشن میں سو گیا تھا۔ سادھنا کے لیٹنے کے بعد بس اتنی ہی جگہ بچتی تھی۔ وقت گزاری کے لیے میں اپنے رومال سے گنیں صاف کرنے لگا۔ میرے اور وسیم کے پاس بوزی گن تھی اور ایک پستول بنتو لے گیا تھا اور ایک وسیم کے پاس تھا۔ شاٹ گن ہم نے اندر رکھی تھی۔

مجھے بنتو کا خیال آ رہا تھا۔ نہ جانے وہ کیوں نہیں آیا تھا۔ اس پر کیا افتاد پڑ گئی تھی یا وہ راستہ بھول گیا تھا۔ کبھی کبھی میں اٹھ باہر آتا تھا اور بنتو کو آواز دیتا تھا۔ اس امید پر کہ شاید وہ واپس آ رہا ہو اور یہیں سے گزر رہا ہو۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ مجھے وہ رات یاد آئی جب میں ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ کر نکلا تھا اور پھر وہ وقت بھی آیا جب میں نے ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ دیا۔ پھر میری زندگی میں مرشد علی اور فتح خان جیسے لوگ آئے اور تب سے میں در بدر تھا۔

وسیم مجھ سے بھی زیادہ تھکا ہوا تھا۔ وہ بے خبر سوتا رہا۔ سادھنا بھی سو رہی تھی۔ مجھے لگا جیسے ساری کائنات سو رہی ہے اور صرف میں جاگ رہا ہوں۔ جب آگ مدہم پڑنے لگتی تھی تو میں اس میں کچھ لکڑیاں ڈال دیتا تھا۔ دھواں کم کرنے کے لیے میں پہلے ان لکڑیوں کو انگاروں کے پاس ہی رکھ دیتا تھا تاکہ وہ بالکل خشک ہو جائیں۔ صبح چھ بجے روشنی کے آثار نظر آنے لگے۔ اس جگہ درخت زیادہ گھنے تھے اس لیے روشنی کا احساس ذرا کم تھا۔ جیسے ہی سورج نمودار ہوا۔ وسیم کی آنکھ بھی خود ہی کھل گئی اور اس نے بھی وہی بات کی۔

"آپ نے مجھے جگایا نہیں۔"

میں ہنسا۔ "تم نے بھی نہیں جگایا تھا اس لیے حساب برابر ہو گیا۔"

وہ جسم کھولتا باہر آیا۔ "بنتو کا کچھ پتا چلا؟"

"نہیں میں اسے آوازیں دیتا رہا تھا۔"

وسیم حیران ہوا۔ "آپ بھی..... میں بھی اس امید پر آوازیں لگاتا رہا تھا کہ شاید وہ یہاں سے گزر رہا ہو۔"

میں مسکرایا۔ "ہم دونوں ایک ہی طرح سے سوچتے ہیں۔"

بنتو کے بارے میں ہم ایک حد تک ہی فکر مند ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اس کے ساتھ کچھ ہو گیا تھا تو ہم اس معاملے میں بے بس تھے۔ ابھی ہمیں اپنی پڑی ہوئی تھی۔ سادھنا بھی کچھ دیر بعد جاگ گئی تھی۔ اس نے بھی بنتو کے بارے میں پوچھا۔ اس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ہم نے ناشتہ کیا اور روانگی کے بارے میں سوچا۔ وسیم کا خیال تھا کہ ابھی کچھ دیر اور یہاں رکا جائے۔ تاکہ سادھنا نارمل ہونے کے قابل ہو جائے۔ مگر میرا خیال تھا ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے تھا۔ ہم اس جگہ سے بہت زیادہ دور نہیں تھے جہاں دشمن ہمیں تلاش کر رہا تھا۔ ہمارا یہاں سے نکل جانا ہی مناسب تھا۔ سادھنا نے بھی میری بات کی حمایت کی۔

"میں سفر کر سکتی ہوں۔ اب میں خود سے بھی چل سکتی ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس زخم کے ساتھ تم سفر نہیں کر سکتی ہوں۔''

لیکن اس نے اصرار کیا۔ ''میں کر سکتی ہوں میں خود کو بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں۔''

میں اسے سہارا دے کر باہر لایا اور ایک جگہ سے آتی سورج کی روشنی میں اس کے زخم کا معائنہ کیا۔ وہ واقعی بالکل خشک اور بھر جانے والا لگ رہا تھا۔ بیٹو کے بنائے لیپ نے اثر دکھایا تھا لیکن وسیم کا کہنا تھا یہ اوپر اوپر سے ہے اندر سے زخم اپنے وقت پر ہی بھرے گا اور سادھنا کو ابھی کم سے کم چوبیس گھنٹے آرام کی ضرورت تھی۔ اس علاقے میں اچھا خاصا فٹ انسان سفر نہیں کر سکتا ہے۔ مگر سادھنا نے اصرار کیا تو ہمیں اس کی بات ماننا پڑی تھی۔ سب نے آرام کر لیا تھا اس لیے تازہ دم تھے۔ طے ہوا کہ دوپہر تک سادھنا کو باری باری میں اور وسیم اٹھائیں گے اور اس کے بعد وہ خود سے سفر کرے گی۔ دن کا یہ بہترین حصہ ہم اس طرح تیزی سے سفر میں استعمال کر سکتے تھے۔ اس کے بعد جب سادھنا خود سے چلتی تو ہمیں لازمی طور پر اسے وقفے وقفے سے آرام دینا پڑتا۔

جب ہم روانہ ہوئے تو وسیم نے کہا۔ ''ایک گھنٹے بعد آپ سادھنا کو مجھے دے دیجئے گا۔''

مگر جیسے ہی سفر کے دوران وسیم آگے نکلا سادھنا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''میں وسیم کی پشت پر سوار نہیں ہوں گی۔''

''کیوں؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔ جب یہ بات طے ہو رہی تھی تب ہی سے وہ کچھ بے چین تھی۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔

''بس مجھے شرم آئے گی۔''

''اور یہ جو میری کمر پر سوار ہو تو شرم نہیں آ رہی۔'' میں نے اسے چھیڑا تو وہ روہانسی ہو گئی۔

''شوبی آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں؟''

''کیا نہیں جانتا؟''

''یہی کہ وسیم میرے لیے کس طرح سے سوچتا ہے۔''

''کس طرح سوچتا ہے؟''

''شوبی۔'' اس نے دھمکی دی۔ ''اب میں سچ مچ رو دوں گی۔''

''او کے او کے رونا مت مجھے روتی عورتیں بالکل اچھی نہیں لگتی ہیں اور میں تم کو چھیڑ رہا تھا۔''

''یعنی آپ جانتے ہیں؟''

''ہاں بابا میں نے ہی تو سب سے پہلے اس بات کو محسوس کیا تھا۔''

''جی نہیں پہلے.....'' اس کے منہ سے نکلنے والا تھا وہ چپ ہوئی اور پھر شرما گئی۔

''سادی وسیم بہت اچھا آدمی ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''آگے کا حال صرف خدا جانتا ہے لیکن اگر تم کو اس کے ساتھ رہنے کا موقع ملا تو تم خود جان لو گی۔''

''مجھے بس اتنا پتا ہے کہ جس پر آپ اعتماد کرتے ہوں وہ برا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔''

''مجھ پر اس اعتماد کا شکریہ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سچ کہوں شوبی تو میں نے آپ جیسا انسان نہیں دیکھا ہے۔ جب آپ دشمن سے لڑتے ہیں تو اتنے خوف ناک ہو جاتے ہیں کہ آپ کو دیکھتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے اور جب ہمارے لیے فکر مند ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے آپ سے زیادہ نرم دل انسان اور کوئی ہے ہی نہیں۔''

''یہ سب اوپر والے کی دین ہے۔ جس نے مجھے تم جیسے اچھے دوست اور ان سے دوستی نبھانے کا سلیقہ دیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن بی بی تم نے ایک بات تو سوچی نہیں ہے کہ میں تم کو مستقل کس طرح اٹھا کر چلوں گا۔''

''میں نے سوچ لیا ہے۔'' وہ بولی۔ ''جب آپ تھک جائیں تو میں پیدل چلوں گی اور جب میری ہمت جواب دینے لگے تو آپ مجھے اٹھا لیا کریں۔''

''کہیں وسیم اس بات کو محسوس نہ کر لے۔''

''نہیں کرے گا۔'' سادھنا کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ''اگر وہ میرے لیے اپنے دل میں کوئی جذبہ رکھتا ہے تو اس کے دل میں میرے لیے غلط سوچ آ ہی نہیں سکتی ہے۔''

ایک گھنٹے بعد جب وسیم نے پُر امید نظروں سے میری طرف دیکھا تو سادھنا فوراً میری پشت سے اتر آئی اور اس نے اعلان کیا کہ اب وہ پیدل چلے گی۔ وسیم کی صورت اتر گئی۔ اس نے کہا۔ ''ابھی پیدل چلنا تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں اگر مجھے درد ہوا تو میں شوبی کی پشت پر سوار ہو جاؤں گی۔''

ہم ستانے کے لیے بیٹھ گئے تھے۔ وسیم نے موقع پا کر مجھ سے کہا۔ ''خیر تو ہے تو یہ مجھ سے کچھ فرنٹ لگ رہی ہے۔''

''فرنٹ نہیں ہو رہی ہے برخوردار، اصل میں شرما رہی ہے۔''

اس نے غور کیا۔ ''شرما رہی ہے مگر کیوں؟''

''یہ سوال تو تم خود سے کرو آخر تم نے اس سے کوئی بات تو کی ہوگی۔''

وسیم ہچکچایا۔ ''وہ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔''

''تب تم خود سوچو اس کو تمہاری پشت پر سوار ہوتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں۔'' اس نے پُر امید لہجے میں پوچھا۔

''اب میں حلفیہ بیان تو دینے سے رہا لیکن سمجھ لو کہ آثار بہت ہی امید افزاء ہیں۔''

وسیم کھل اٹھا تھا۔ ''تب ٹھیک ہے۔''

کچھ دیر چلنے کے بعد میں سادھنا کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھے تو میں نے اسے پھر اپنی پشت پر اٹھا لیا۔ وسیم صحیح کہہ رہا تھا۔ زخم کو ابھی اندر سے بھرنے کے لیے وقت درکار تھا۔ ذرا سا چلنے سے اس کی حالت خراب ہونے لگی تھی اور میں اسے اٹھا کر مستقل نہیں چل سکتا تھا۔ اس لیے ہر ایک گھنٹے بعد ہم پندرہ منٹ کے لیے رکنے لگے تھے۔ ہم جس پہاڑی پر سفر کر رہے تھے۔ اب اس کی چوٹی کچھ ہی دور تھی اور ہم چوٹی کی طرف بڑھنے کے بجائے اس کے متوازی سفر کر رہے تھے۔ ایک بار وسیم نے مجھ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمیں بلندی سے اس سارے علاقے کا جائزہ لینا چاہیے۔ ممکن ہے کوئی آبادی یا سڑک نظر آ جائے۔''

''تب تم ایسا کرو کہ جس سمت میں ہم سفر کر رہے ہیں اسی سمت میں اوپر کی طرف جاؤ اور ہمیں نظر میں رکھنا۔ میں بھی تمہیں نظر میں رکھوں گا تم اوپر جا کر دیکھ سکتے ہو۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' اس نے میری بات سے اتفاق کیا اور وہ اوپر کی طرف جانے لگا جب کہ میں نے سادھنا سمیت ڈھلان کے متوازی سفر جاری رکھا تھا۔ وسیم مجھے اور میں اسے اپنی نظر میں رکھے ہوئے تھا۔ اگرچہ عملی طور پر یہ بہت مشکل کام تھا کیونکہ راہ میں بڑے بڑے درخت حائل تھے اور ان کی وجہ سے ہمیں مشکل ہو رہی تھی۔ مگر کسی نہ کسی طرح ہم ایک دوسرے کو نظر میں رکھے ہوئے تھے۔ پھر سادھنا نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''آپ اوپر کے بجائے راستہ دیکھیں میں وسیم کو نظر میں رکھوں گی۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''تمہاری بھی پریکٹس ہو جائے گی ویسے بھی مستقبل میں تم نے یہ کام کرنا ہے۔''

''شوبی۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

میں تھک گیا تو ایک جگہ رک گیا۔ وسیم کچھ دیر کے لیے نظروں سے اوجھل ہوا تو سادھنا بے قرار ہو گئی تھی۔ اس نے مجھ سے اتنی بار وسیم کے بارے میں کہا کہ میں تنگ آ کر کھڑا ہو گیا۔ ''تم رکو یہاں پر میں اسے تلاش کر کے لاتا ہوں۔''

''میں اکیلی۔'' وہ سہم گئی۔ ''نہیں میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔''

''اب تم نے وسیم کے بارے میں پوچھا تو میں اسے تلاش کرنے نکل جاؤں گا۔'' میں نے اسے دھمکی دی۔

''اچھا اب نہیں پوچھوں گی لیکن یہ اب تک آیا کیوں نہیں ہے؟''

میں نے سر پیٹنے کا ارادہ کیا تھا کہ اسی لمحے وسیم آتا دکھائی دیا تو سادھنا سے زیادہ میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ ''لو آ گئے جناب۔''

وسیم کا سانس پھولا تھا لیکن وہ خوش تھا۔ ''یہاں سے دور شمال میں ایک جگہ دھواں سا اٹھتا نظر آ رہا ہے۔''

''دھواں اٹھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں آبادی ہے۔'' میں نے کہا۔ وسیم نے سر ہلایا

''پھر دھواں کیوں اٹھ رہا ہے؟''

اس کی بات قابلِ غور تھی۔ اگر اس طرف کوئی چشمہ تھا تب بھی اس سے صرف رات کو ہی بھاپ اٹھتی ہے۔ دن میں کسی معدنی چشمے سے بھاپ یا دھواں اٹھ سکتا۔

''کہیں وہ بھاپ تو نہیں ہے؟''

''نہیں وہ دھواں ہی ہے۔'' وسیم نے یقین سے کہا۔ ''بھاپ اور دھویں میں فرق ہوتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ درست کہہ رہا تھا۔ ''دھواں یہاں سے کتنا دور ہے؟''

وسیم نے چوٹی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے بعد ایک اور ڈھلان ہے اور دھواں اس ڈھلان کی چوٹی کے دوسری طرف سے اٹھ رہا ہے۔ وہ چوٹی اتنی اونچی نہیں ہے۔''

''دھواں آگ لگنے سے بھی اٹھ سکتا ہے۔''

''کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ بیتو آگ لگا کر ہمیں اشارہ دے رہا ہو۔'' سادھنا نے ایک نیا خیال پیش کیا تھا تو ہم سب ہی چونک گئے۔

''واقعی ممکن ہے بیتو کہیں پھنس گیا ہو اور اس طرح ہمیں اشارہ دے رہا ہو۔'' وسیم نے تائید کی۔

''میرا خیال ہے ہمیں چل کر دیکھ لینا چاہیے۔'' میں نے مزید بحث سے پہلے کہا۔ میں کھڑا ہوا تو سادھنا نے میری پیٹھ پر سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ ''تمہیں تکلیف ہوگی۔''

''بے شک ہو لیکن اب میں خود کو اتنا کمزور نہیں رکھنا چاہتی۔'' اس نے حوصلے سے کہا۔ ''میں آپ سب پر بوجھ بننے کے بجائے مشکل میں ساتھ دینا چاہتی ہوں۔''

پھر ہمارے منع کرنے کے باوجود وہ چل کر اوپر چوٹی تک گئی تھی۔ اگرچہ اس کوشش میں اس کی حالت بری ہوگئی تھی اور اتنے سرد موسم میں بھی وہ پسینے میں شرابور ہوگئی تھی لیکن اس نے ہمارا سہارا ابھی نہیں لیا تھا۔ اس جگہ سے وہ دھواں صاف نظر آ رہا تھا اور یہ بیچ بیچ دھواں ہی تھا جو کسی آگ سے اٹھتا ہے اور جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے۔

مجھے لگا کہ وسیم کی بات درست تھی اس طرف کوئی آبادی تھی جس سے یہ دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں نے اسم سے اتفاق کیا۔ ''اس طرف کوئی آبادی ہے۔ اور ہمیں اس طرف جانا چاہیے۔''

''ممکن ہے..... وہاں بیتو مل جائے۔'' سادھنا رک رک کر بولی۔ اس کی حالت ابھی تک قابو میں نہیں آئی تھی۔ ''ہمیں اس طرف جانا چاہیے۔''

☆======☆======☆

اس وقت دوپہر قریب تھی اور ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس لیے ہم فوری طور پر روانہ ہوگئے۔ اس بار سادھنا نے میری پشت پر سوار ہونے سے انکار نہیں کیا تھا۔ بیتو کا تیار کیا لیپ ہم اسے روانہ ہونے سے پہلے لگا چکے تھے اور یہ آخری لیپ تھا۔ اب ہمارے پاس اس کے زخم پر لگانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اترتے ہوئے اسے سوار رکھنا بہت مشکل کام تھا اور مجھے سنبھل سنبھل کر قدم رکھنے پڑ رہے تھے۔ کہیں کہیں مجھے وسیم کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد جب ہم دوسری ڈھلان پر چڑھ رہے تھے تو میری حالت بری ہوگئی تھی۔

''شوبی مجھے نیچے اتار دیں میں خود چلوں گی۔'' سادھنا نے کہا۔

''نہیں۔'' میں نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تم نہیں چل سکتی ہو۔''

''پلیز۔'' اس نے اصرار کیا۔

مگر میں نے اس کی بات نہیں مانی۔ پھر وسیم نے کہا۔ ''سادی اب تم میری پشت پر آ جاؤ۔''

سادھنا ہچکچائی تھی لیکن جب میں نے اسے نیچے اتارنے سے انکار کیا تو مجبوراً وہ وسیم کی پشت پر آ لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے تیار ہوگئی۔ میں نے اسے وسیم کے حوالے کیا اور خود سامان اٹھالیا تھا۔ واقعی اسے اٹھانے کی نسبت سامان اٹھانا زیادہ آسان ثابت ہوا تھا لیکن ممکن ہے وسیم کا خیال میرے برعکس ہو اور اسے سادھنا کو اٹھانا زیادہ آسان لگ رہا ہو۔ اب چڑھائی تھی۔ ہم نے ایک جگہ رک کر کچھ کھایا تھا۔ اب کھانے کا سامان بھی خاتمے کے قریب تھا اور ہمارا جلد از جلد کسی آبادی تک پہنچ جانا ضروری تھا۔ یہ ڈھلان ہمارے اندازے سے زیادہ بڑی ثابت ہوئی تھی اور شام ہونے تک ہم اس کی چوٹی تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ باری باری سادھنا کو اٹھانے سے میرا اور وسیم دونوں کا برا حال ہوگیا تھا۔ اور اس پر یہ ستم ہوا کہ جب ہم نے چوٹی کے دوسری طرف دیکھا تو اترنے کا راستہ ہی نہیں تھا۔

''یہاں تو راستہ ہی نہیں ہے۔'' وسیم نے مایوسی سے کہا۔

''فی الحال تو آرام کرو اور اس مشکل کا حل تلاش کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ سادھنا کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ لیپ کا اثر ختم ہونے سے اسے بخار ہوگیا تھا لیکن اس کا زخم خشک ہی تھا۔ شاید اسے تھکن اور درد کی وجہ سے بخار ہو رہا تھا۔ ہمارے پاس رسی کا ایک لچھا تھا۔ میں نے اس ڈھلان کی گہرائی دیکھی۔ پھر رسی سے ایک پتھر باندھ کر اسے نیچے اچھال دیا۔ رسی ڈھلان کے اوپری حصے تک پہنچ گئی تھی۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''اگر ہم رسی کی مدد سے اتریں تو نیچے شارٹ کٹ سے پہنچ سکتے ہیں۔''

''ہم تو پہنچ جائیں گے لیکن سادھنا؟''

''سادھنا ایسے جائے گی جیسے اب تک سفر کرتی رہی ہے۔''

''یعنی آپ کی پشت پر۔'' وسیم نے کہا۔

''جی نہیں میں اس جگہ سے اس طرح نہیں اتروں گی۔'' سادھنا نے انکار کیا تھا۔

''جی نہیں آپ اس جگہ سے اسی طرح اتریں گی۔'' میں نے اسی کے لہجے میں کہا۔ اسے ماننا پڑا تھا کیونکہ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ ہم نیچے اتر سکتے اور نیچے بہت گھنا جنگل تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اب معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا تھا۔ اور نہ ہی کسی آبادی کے آثار نظر آرہے تھے۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''تم نیچے جاؤ اور حالات دیکھ کر اشارہ کرو اگر ڈھلان اس قابل ہے کہ سادھنا سمیت سفر کرسکیں تو ٹھیک ہے ورنہ تم اوپر آجانا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وسیم نے سر ہلایا اور نیچے روانہ ہوگیا۔ اسے رسی کی مدد سے اوپری ڈھلان تک پہنچنے میں مشکل سے دس منٹ لگے تھے۔ یہ جگہ کوئی دو سو گز نیچے تھی اور اس نے جا کر اوکے کا اشارہ کیا تھا۔ میں نے سادھنا سے کہا۔ ''تیار ہو جاؤ۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے منمنا کر کہا۔

''بی بی جانا تو ہے۔'' میں نے رسی ایک بڑے تنے والے درخت سے باندھ دی تھی۔ پھر ایک ٹکڑے سے سادھنا کو خود سے باندھا تاکہ وہ غلطی سے بھی مجھ سے الگ نہ ہو اور نیچے اترنے کی تیاری کرنے لگا تھا۔ سادھنا ڈر رہی تھی۔ جیسے ہی میں نے ڈھلان پر قدم رکھا وہ مجھ سے بندھے ہونے کے باوجود بری طرح چیخ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آرام سے گڑیا، تم محفوظ ہو۔'' میں نے اسے چمکارا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''اچھا ایسا کرو تم آنکھیں بند کر لو۔''

رسی سے اترنا آسان نہیں تھا لیکن بہت مشکل بھی نہیں تھا۔ بس سادھنا کی وجہ سے مجھے بہت سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی نیچے سے وسیم کی آواز آتی تھی۔ وہ مجھے راستے کے سلسلے میں مشورے دے رہا تھا کیونکہ سادھنا کی وجہ سے مجھے نیچے دیکھنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ نصف ڈھلان کے بعد راستہ آسان ہو گیا تھا۔ اس لیے جب وسیم کی آواز آنی بند ہو گئی تو میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی لیکن سادھنا بے چین ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''وسیم اب آواز نہیں دے رہا ہے؟''

''تو تم اسے آواز دے لو۔'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

اس نے سچ مچ وسیم کو آواز دے ڈالی۔ ''وسیم..... وسیم۔''

لیکن وسیم کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اس وقت بھی میں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ ویسے بھی ہم ڈھلان کے آخری حصے میں تھے۔ اب بیس پچیس گز کا ٹکڑا باقی رہ گیا تھا۔ یہ کسی قدر دشوار تھا اور مجھے بہت سنبھل کر اترنا پڑا تھا۔ جب ہم نیچے پہنچے تو میں نے سکون کا سانس لیا اور سادھنا بھی فوراً میری پشت سے اتر آئی تھی۔ وہ وسیم کے لیے بے چین تھی۔

''وسیم..... کہاں ہو تم؟''

''صبر صبر..... وہ آس پاس ہی ہو گا۔'' میں نے رسی سمیٹتے ہوئے اسے تسلی دی۔ مگر اس کی بے قراری کم نہیں ہوئی تھی۔

''وہ کہاں جا سکتا ہے۔''

''بھئی آدمی فطرت کی پکار کا جواب دینے بھی تو کہیں جاتا ہے۔''

''ہاں لیکن اسے اس صورت میں جواب تو دینا چاہیے۔''

''بعض اوقات آدمی ایسی نازک پوزیشن میں ہوتا ہے کہ جواب نہیں دے سکتا۔'' میں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔ میں سادھنا کو بہلا رہا تھا لیکن درحقیقت مجھے خود بھی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ ڈھلان کا یہ حصہ جھاڑیوں اور چھوٹے درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ رسی سمیٹ کر میں نے اسے لچھے کی شکل دی اور وسیم کو دیکھنے کے لیے آگے آیا تھا۔

''وسیم کہاں ہو؟'' میں نے زور سے آواز دی۔

لیکن اس بار بھی اس کی طرف سے جواب نہیں آیا تھا تو مجھے خطرے کا احساس ہوا اور میں یوزی شانے سے اتار کر ہاتھ میں لے لی تھی۔ وسیم کے ساتھ کچھ ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ اس طرح خاموش نہ بیٹھتا۔ سادھنا میرے پاس آ گئی تھی اور اس کے انداز میں خوف تھا۔

''وسیم کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔'' اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''وہ جواب نہیں دے رہا ہے۔''

یہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ یہاں انسان اچانک کسی حادثے کا شکار ہو جائے۔ خطرناک مرحلے سے گزر کر وسیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے ہی نیچے آ چکا تھا۔ یہاں زمین تقریباً ہموار تھی اور اس میں کسی ایسی جگہ کی گنجائش بھی کم تھی جس میں آدمی گر سکے۔ اگر کوئی جانور وسیم پر حملہ کرتا تو کچھ نہ کچھ شور ضرور ہوتا اور وہاں زمین پر بھی نشانات نظر آتے لیکن زمین پر ایسی کوئی نشانی نہیں تھی۔

''سادھنا۔'' نے پیچھے ہوتے ہوئے کہا۔ ''ہوشیار ہو جاؤ یہاں کچھ لوگ ہیں۔''

ہم پہاڑی کے دامن تک ہٹ آئے تھے۔ میں نے یوزی تان لی تھی اور کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔ اچانک سامنے جھاڑیوں سے ہل چل ہوئی اور پہلے اس سے وسیم نمودار ہوا تھا۔ ایک لمحے کو میں نے سکون کا سانس لیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے گڑبڑ کا احساس ہو گیا۔ وسیم بالکل ساکت اور اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ پھر اس کے پیچھے ایک لمبا سیاہ رُو شخص برآمد ہوا۔ اس نے ایک نوکیلا نیزہ وسیم کی گردن سے لگا رکھا تھا۔ میرا یوزی والا ہاتھ جھک گیا۔ فوراً ہی جھاڑیوں سے مزید پانچ اور افراد نے نکل کر ہمیں گھیر لیا۔ وہ سب مقامی قبائلی تھے۔ جس سیاہ رُو نے وسیم کی گردن پر نیزہ رکھا ہوا تھا اس نے غرا کر کچھ کہا۔ سادھنا لرزتی آواز میں بولی۔

''یہ کہہ رہا ہے اگر ہم نے ہتھیار نہ ڈالے تو یہ وسیم کو مار دے گا۔''

سیاہ رُو کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہ کر گزرے گا۔

سیاہ رُو کے تاثرات دیکھ کر میں ساکت رہ گیا تھا۔ میرے ہاتھ میں یوزی تھی اور اس کا ایک ہی برسٹ ان سب قبائلیوں کو مٹا دیتا لیکن اتنی دیر میں نیزے کی انی وسیم کی گردن میں اتر جاتی طویل قامت سیاہ رُو کے چہرے کی دھمکی یہی کہہ رہی تھی۔ سادھنا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

''شوبی خدا کے لیے کوئی حرکت مت کرنا ورنہ یہ وسیم کو مار دیں گے۔''

لمبا سیاہ رُو جس نے وسیم کی گردن پر نیزہ رکھا ہوا تھا اس نے پھر غرا کر کچھ کہا۔ سادھنا نے ترجمہ کیا۔ ''یہ کہہ رہا ہے کہ اگر اپنے ساتھی کی زندگی چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک دو۔''

اس کا مطلب ہے یہ اتنے بھی جنگلی نہیں تھے جتنے نظر آ رہے تھے۔ وہ آتشیں ہتھیاروں سے بہ خوبی واقف تھے۔ اس وجہ سے اتنے چوکنا تھے۔ انہوں نے موٹے اون اور کھال کے بنے لباس پہن رکھے تھے اور چہروں سے وہ کچھ چینی لگ رہے تھے اگرچہ ان کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ میں نے سادھنا سے کہا۔

''ان سے پوچھو کہ ہماری ان سے کیا دشمنی ہے۔ ہم تو خود دشمن سے بچتے پھر رہے ہیں۔''

سادھنا نے ان کی زبان میں میری بات کہی۔ لمبا سیاہ رُو غور سے سن رہا تھا جواب میں وہ غرایا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے میری طرف سے سخت تشویش تھی اور وہ بہر صورت مجھ سے ہتھیار رکھوانا چاہتا تھا اس وجہ سے وہ پوری طرح ہوشیار تھا اس نے نیزے کی انی سختی سے وسیم کی گردن سے لگا رکھی تھی اور ذرا سا دباؤ ڈالنے پر یہ اندر اتر جاتی۔ سادھنا نے میری طرف دیکھا۔ ''یہ کہہ رہا ہے۔ ہم ان کے علاقے میں داخل ہوئے ہیں اور یہ بہت بڑا جرم ہے اس لیے یہ ہمیں لے جا کر اپنے سردار کے سامنے پیش کریں گے۔''

میں نے سوچا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا میں ان سب کو مار بھی دیتا تب بھی وسیم کو نہیں بچا سکتا تھا۔ مجھے ان لوگوں کے عزائم ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ اس کے باوجود میں وسیم کی جان کی قیمت پر کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر یوزی نیچے گرا دی۔ ان میں سے ایک نے لپک کر یوزی اٹھالی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے بالکل صحیح پوزیشن میں پکڑ کر اس کا رخ میری طرف کر دیا۔ ایک لمحے کو میرا جسم سنسنا اٹھا تھا۔ مجھے لگا ابھی وہ مجھے شوٹ کرنے والا ہے لیکن خیریت رہی کہ اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ورنہ اتنے کم فاصلے سے بچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وسیم کی یوزی وہ پہلے ہی قبضے میں کر چکے تھے۔ شاٹ گن وسیم کی پشت سے بندھے بیگ میں تھی اور پستول میری جیکٹ کی جیب میں تھا لیکن لگ رہا تھا کہ یہ دونوں ہتھیار بھی جلد ہم سے چھن جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے نہتا کرتے ہی انہوں نے سب سے پہلے میری تلاشی لی اور پستول کے ساتھ جو ملا وہ سب نکال لیا۔ اس کے بعد وسیم کا بیگ اتر دایا اور آخر میں سادھنا کی تلاشی لینے لگے۔ میں نے احتجاج کیا تو ایک تھپڑ آ کر میرے سینے سے بھی لگ گیا تھا۔ سادھنا نے کہا۔

''پلیز آپ چپ رہیں۔''

سادھنا کی تلاشی لینے والے نے اسے ٹٹولا تو اس کے زخم پر ہاتھ پڑا۔ وہ کراہی تو قبائلی چونک گیا۔ اس نے لمبے قد والے سیاہ رُو سے کچھ کہا۔ اس نے جواب میں کچھ کہا تو تلاشی لینے والا سادھنا کی شرٹ اوپر کرنے لگا۔ اس نے مزاحمت کی تو قبائلی نے ایک ہی جھٹکے میں اس کی شرٹ اوپر کر دی۔ اس کا زخم نظر آنے لگا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ لمبا سیاہ رُو زخم کے بجائے سادھنا کی گلابی جلد دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص ہوس ناک چمک نمودار ہوئی تھی۔ سادھنا نے بھی اس کی نظر محسوس کر لی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے شرٹ نیچے کر دی۔ قبائلی نے پھر شرٹ اوپر کرنا چاہی تو سادھنا نے غصے سے اس کا ہاتھ بھی جھٹک دیا۔ اس پر لمبے قد والا سیاہ رُو مسکرایا اور اس نے اپنی زبان میں اپنے ساتھی سے کچھ کہا تو وہ منہ بنا کر پیچھے ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

سادھنا نے میری بات کا ترجمہ کیا۔ طویل قامت نے جواب دیا۔ ''تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

اب ہم ان کے رحم و کرم پر تھے۔ انہوں نے ہمارا سارا اسلحہ ہتھیا لیا تھا۔ طویل قامت نے شاٹ گن لے لی تھی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا اس کے انداز میں دلچسپی اور شناسائی تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بھارت میں اس قسم کے فلمی جنگلی بھی پائے جاتے تھے۔ فلمی اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے ان کو پہلے صرف فلموں میں دیکھا تھا۔ انہوں نے ہمیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ وہ ہمیں ایک طرف چلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ میں نے سادھنا کو اپنی پشت پر اٹھانا چاہا تو طویل قامت نے مجھے منع کر دیا۔ اس نے کہا۔

''یہ پیدل ہی چلے گی۔''

''یہ زخمی ہے۔'' میں نے احتجاج کیا۔ ''یہ چلے گی تو اس کا زخم کھل جائے گا۔''

''تم فکر مت کرو۔ کچھ دور ہمارے جانور ہیں یہ ان پر سواری کرے گی۔'' طویل قامت نے جواب دیا۔ گفتگو سادھنا کے توسط سے ہو رہی تھی۔

وسیم نے تشویش سے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز صاحب اس کی نیت اچھی نہیں لگ رہی ہے۔''

''ہاں لیکن تم کوئی حرکت نہیں کرو گے۔''

''شوبی ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ بہت سفاک لوگ ہیں۔'' سادھنا نے بتایا۔ ''یہ شخص اصرار کر رہا تھا کہ آپ دونوں کو مار کر مجھے لے جائیں۔'' اس نے لمبے قد کے ایک کسی قدر صاف رنگ والے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم بڑی مشکل سے خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''ہمیں زندہ رہنا ہے اس یقین کے ساتھ کہ قدرت ہمیں موقع دے گی۔''

''شہباز صاحب اگر اس نے سادھنا کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔''

''خود پر قابو رکھو۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''تمہارے جذباتی ہو کر جان گنوانے سے سادھنا کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

''یہی سوچ کر رہ جاتا ہوں۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

''تم ان کے ہاتھ کیسے آئے؟''

''بس شامت آئی تھی جو نیچے اترنے کے بعد ان جھاڑیوں کی طرف چلا گیا۔'' اس نے سامنے جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا اور چھوٹی انگلی اوپر کر کے بتایا کہ کس مقصد کے لیے گیا تھا۔ ''میں نے سوچا کہ آپ کے آنے سے پہلے اس مسئلے سے نمٹ لوں۔ گن ایک طرف رکھ کر بیٹھا تھا کہ انہوں نے گھیر لیا۔''

''شاید یہ پہلے سے یہاں چھپے بیٹھے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''انہوں نے ہمیں اوپر سے آتے دیکھ لیا ہوگا۔''

''یہی بات تھی یہ باقاعدہ گھات لگائے ہوئے تھے اور انہوں نے اس وقت دھاوا بولا جب میں نے پوزی رکھ دی تھی۔ انہوں نے پہلے گن پر ہی قبضہ کیا تھا اور مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ہوا تھا کہ یہاں چھپے ہوئے ہیں۔''

''دیکھنے میں یہ جنگلی لگ رہے ہیں لیکن میرا خیال ہے یہ جدید اسلحے سے اچھی طرح آشنا ہیں۔''

''ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' وسیم نے لمبے سیاہ رُو کو دیکھا جس نے شاٹ گن شانے سے لٹکا لی تھی۔ جس وقت میں وسیم اور سادھنا سے بات کر رہا تھا تو میرے ذہن میں ایک خیال اور آیا تھا اور میں نے سادھنا سے کہا۔

''اس طویل قامت سے پوچھو کہ کل یا پرسوں انہوں نے کسی اور آدمی کو بھی پکڑا ہے انہیں بیتو کا حلیہ بھی بتاؤ۔''

سادھنا نے سر ہلایا اور طویل قامت سے سوال کیا۔ اس نے جواب دیا تو سادھنا مجھ سے بولی۔ ''یہ کہہ رہا ہے اسے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے کیونکہ یہ تین دن سے باہر نکلا ہوا ہے۔ یہ لوگ شکار کر رہے تھے تاکہ آنے والے سرما میں اپنے گھر والوں کا پیٹ بھر سکیں۔''

وہ شکاری تھے۔ تب ہی ان کے پاس نیزے اور تیر کمان تھے لیکن ہو سکتا ہے یہ ہتھیار ان کی ثقافت کا حصہ ہو۔ ہمیں زیادہ دیر نہیں چلنا پڑا تھا۔ کوئی ایک فرلانگ کے بعد ہی ان کے جانور آ گئے تھے۔ یہ چھوٹے سائز کے گدھے تھے جن پر شکار کیے جانوروں کی کھالیں اور خشک کیا ہوا گوشت لدا ہوا تھا۔ طویل قامت کے حکم پر ایک گدھے کا بوجھ باقی پر منتقل کر کے اسے خالی کر دیا اور سادھنا کو اس پر سوار ہونے کو کہا۔ وہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ گدھے پر سوار ہو گئی۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''یار تمہارے دھویں نے مروا دیا۔ یہاں تو کوئی بستی نظر نہیں آ رہی ہے۔''

بے چارہ وسیم شرمندہ ہو گیا تھا۔ مگر کچھ ہی دیر بعد میں شرمندہ ہو رہا تھا کیونکہ ان لوگوں کی بستی اچانک ہی سامنے آئی تھی اور یہ درختوں کے نیچے تھی۔ انہوں نے بستی بسانے کے لیے درخت نہیں کاٹے تھے۔ بلکہ ان کے نیچے ہی جھونپڑیاں بنا کر رہ رہے تھے۔ اس طرح انہوں نے موسموں کی سختی سے بھی بچت کر لی تھی اور یہ بستی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈھلان سے بمشکل دو میل کے فاصلے پر تھی جہاں سے انہوں نے ہمیں پکڑا تھا۔ بستی کے گرد جانوروں اور دشمنوں سے بچاؤ کے لیے خشک کی ہوئی کانٹے دار جھاڑیوں کی باڑھ لگائی گئی تھی۔ اس میں آمد و رفت کا ایک ہی راستہ تھا جس سے گزر کر ہم اندر آئے تھے۔ رات ہونے والی تھی بلکہ درختوں کے نیچے تو تاریکی تھی۔ اس لیے مشعلیں روشن کر لی گئی تھیں۔ یہ چربی یا کسی قسم کے تیل سے جلنے والی مشعلیں تھیں جن کے جلنے سے ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔

یہ زیادہ بڑی بستی نہیں تھی۔ بلکہ مشکل سے سو سوا سو جھونپڑیوں پر مشتمل تھی اور اس کی آبادی ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک کچھ لوگوں نے ہمیں نہیں دیکھ لیا تھا تو سکون تھا لیکن جیسے ہی ان کی نظر ہم پر پڑی تھی، شور مچاتے ہمارے گرد جمع ہونے لگے تھے۔ ان کا شور سن کر مزید لوگ آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے گرد کوئی دو ڈھائی سو افراد کا ہجوم جمع ہو چکا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ لمبا سیاہ رُو یوں فخر سے اکڑ رہا تھا جیسے ہم جنگل کے جانور تھے اور ہم کو زندہ پکڑ کر لانے کا اعزاز اسے حاصل ہوا تھا۔ وہ جمع ہونے والوں کو جھڑک کر دور رہنے کو کہہ رہا تھا۔ مجھے یہ لوگ بیتو کے قبیلے جیسے لوگ لگ رہے تھے۔ شاید اسی قبیلے کی کوئی شاخ تھی تب ہی سادھنا کو ان کی زبان آتی تھی۔

یہ قافلہ بستی کے وسط سے گزر کر ایک بڑے سے جھونپڑے کے سامنے رکا تھا۔ اندر سے ایک خاصا موٹا اور عمر رسیدہ شخص نکلا۔ وہ یقیناً ان کا سردار تھا۔ اس نے ہمارا اور خاص طور سے سادھنا کا معائنہ کیا۔ جس کا حسن اتنی کم روشنی اور بیماری کے باوجود چمک رہا تھا۔ پھر اس نے گڑگڑا کر کچھ کہا۔ غالباً وہ لمبے سیاہ رُو اور اس کے ساتھیوں سے ہمارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جواب میں سیاہ رُو نے ایک لمبی تقریر کی اور اس دوران میں وہ بار بار بازو پر ہاتھ مار رہا تھا۔ شاید وہ اپنی بہادری کا قصہ سنا رہا تھا کہ اس نے ہمیں کیسے گرفتار کیا۔ اچانک سادھنا نے ان کی زبان میں کچھ کہا تو سردار چونک گیا تھا۔ اس نے سادھنا سے پوچھا اور کچھ دیر تک دونوں میں تند و تیز گفتگو ہوتی رہی تھی۔ پھر سردار نے وہاں موجود لوگوں کو دفع ہو جانے کا حکم دیا اور ہمیں جھونپڑے میں آنے کو کہا۔

جھونپڑا اندر سے ممکنہ حد تک آراستہ تھا یعنی اس جنگل میں رہتے ہوئے اس کی جس حد تک ڈیکوریشن ممکن تھی وہ کی ہوئی تھی۔ اس ڈیکوریشن میں سردار کی تازہ ترین بیوی بھی شامل تھی جو عمر میں اس سے کوئی تہائی تھی اور اس وقت ایک دبیز بستر پر نیم دراز کوئی مشروب پی رہی تھی اس نے خاصا مختصر سا لباس پہن رکھا تھا۔ سردار نے اسے بھی دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ کم سے کم اس کے لہجے سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ہمیں پُرخمار نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ اٹھی اور لہراتی بل کھاتی اندر کہیں غائب ہو گئی۔ اس کے جانے کے بعد سردار اپنے تخت پر براجمان ہو گیا اور ہم اس کے سامنے مجرم کی حیثیت سے پیش ہوئے تھے۔ اس کے بعد سردار اور میرے درمیان سادھنا کے توسط سے کچھ اس قسم کے سوال جواب ہوئے تھے۔ سردار نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

میں نے جواب دیا۔ ''ہم یہاں خود نہیں آئے بلکہ یہاں سے کچھ دور ایک پہاڑی ولا میں ٹھہرے ہوئے تھے جس پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور ان سے بچنے کے لیے ہم پہاڑوں میں بھٹکتے ہوئے تمہارے قبیلے کی حدود میں آ گئے۔''

''وہ ڈاکو کہاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان کا ہمیں نہیں معلوم مگر ان کی فائرنگ سے ہماری ساتھی یہ لڑکی زخمی ہوگئی۔'' میں نے سادھنا کی طرف اشارہ کیا۔ اور مصلحتاً ایک جھوٹ بولا۔ ''یہ میرے اس ساتھی کی بیوی ہے۔''

''کیا یہ بات کہنا ضروری ہے۔'' سادھنا نے پوچھا۔

''ہاں تم دیکھ نہیں رہی ہو کہ یہ سیاہ رُو اور پھر سردار بھی تمہیں کتنے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔''

بادل ناخواستہ سادھنا نے سردار کو یہ بات بتائی تو سیاہ رُو اچھل پڑا تھا اور اس نے زور و شور سے کچھ کہا۔ جواب میں سادھنا غرائی اور کچھ دیر دونوں میں تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ غالباً سیاہ رُو سادھنا کے غیر شادی شدہ ہونے پر اصرار کر رہا تھا اور حقیقت بھی یہی تھی وہ کسی طرح بھی شادی شدہ نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے حسن میں دوشیزگی اور معصومیت تھی۔ آخر سردار نے اس بحث کو ملتوی کرایا اور اصل بات کی طرف آیا۔ اس نے مجھ سے اسلحے کے بارے میں پوچھا۔ ''تمہارے پاس اتنا خطرناک اسلحہ کہاں سے آیا؟''

''یہ ہم نے ڈاکوؤں سے چھینا تھا۔'' میں نے بہانہ گھڑا۔

''تم لوگ اتنے تیز ہو کہ مسلح ڈاکوؤں سے ان کا اسلحہ چھین سکتے ہو تو پھر ان سے بچتے کیوں پھر رہے تھے؟'' سردار نے سوال کیا وہ بھی کائیاں شخص تھا۔

''ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ اس پورے علاقے میں پھیل کر ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''کیوں آخر تم میں ایسی کیا بات ہے؟''

''ہم اصل میں بنگال کے ایک بہت بڑے آدمی رانا ویاس کے مہمان ہیں اور ڈاکو ہمیں قبضے میں لے کر اس سے اپنی کچھ باتیں منوانا چاہتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو کسی کو بھیج کر تصدیق کروا سکتے ہو۔''

''یہ رانا ویاس کون ہے؟'' سردار نے سوال کیا۔

''تم اسے نہیں جانتے؟'' میں نے بہت تعجب سے پوچھا۔ ''اس کا ذاتی گھر تمہاری اس پوری بستی سے بڑا ہے اور اس کے گھر میں تمہارے پورے قبیلے کے لوگوں سے بھی زیادہ ملازم ہیں۔''

سردار نے معنی خیز انداز میں آنکھیں گھمائیں۔ ''اچھا وہ اتنا دولت مند ہے۔''

اب میں نے اسے براہ راست لالچ دیا۔ ''سردار اگر تم ہمیں بحفاظت اس تک پہنچا دو تو تم جو انعام مانگو گے تم کو ملے گا۔''

خلاف توقع سردار میری اس بات سے زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا۔ اس نے سیاہ رُو سے کچھ کہا۔ سادھنا آہستہ سے بولی۔ ''یہ اس سے تصدیق کرنے کو کہہ رہا ہے۔''

''تم لوگ آپس میں بات نہیں کر سکتے۔'' سردار نے گرج کر کہا۔ ''اب جب تک اس بات کی تصدیق نہیں ہو جاتی تم لوگوں کو ہماری تحویل میں رہنا ہوگا۔ یہ بات اپنے ساتھیوں کو بتا دو۔'' آخری جملہ اس نے سادھنا سے کہا تو اس نے ہمیں بتا دیا۔

''سردار سے کہو کہ ایک تو ہم سب کو ایک ہی جگہ رکھے اور دوسرے ہمارا ایک ساتھی اور بھی گم ہوا ہے کیا ان لوگوں کے پاس ہے؟''

سادھنا کے اس سوال پر سردار نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں ایسا کوئی آدمی ہمارے پاس نہیں ہے اور ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت مرد کو ایک ساتھ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ یہ لڑکی الگ رہے گی۔"

"ہمیں اس کے بارے میں خطرہ ہے کہیں اس سے کوئی غلط سلوک نہ کیا جائے۔" میں نے صاف کہا۔

سردار نے جواب دیا۔ "فکر مت کرو یہ ہماری حفاظت میں ہے اور جب تک اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔"

میں مطمئن نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن اس کی تو یہ بیوی ہے اس لیے ان دونوں کو ایک ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔"

"اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اس شخص کی بیوی ہے۔" سردار نے عیاری سے کہا۔

"اس میں ثبوت کی کیا بات ہے؟" میں نے اعتراض کیا۔

"ہمارے ہاں اس کا ثبوت درکار ہوتا ہے کیونکہ ہمارے رواج کے مطابق صرف میاں بیوی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔"

"یعنی اگر کوئی شامت کا مارا جوڑا تمہارے قبیلے میں آ جائے تو اسے ثبوت پیش کرنا ہوگا کہ وہ شادی شدہ ہے۔"

"ہاں..... اگر وہ ثبوت نہیں دے گا تو ہم خود تصدیق کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

میرے اس سوال کا جواب سردار نے دیا تھا لیکن سادھنا نے بتانے سے انکار کر دیا۔ "میں نہیں بتا سکتی یہ بہت فضول بات کر رہا ہے۔"

میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کس طرح تصدیق کی بات کر رہا تھا۔ سادھنا نے کہا۔ "پلیز اب اس موضوع پر بات نہ کریں مجھے غصہ آ رہا ہے۔"

"لیکن سادی ہم تم کو ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔"

"آپ فکر نہ کریں اگر انہوں نے میرے ساتھ کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں اپنے خاندان کا حوالہ دے دوں گی۔" اس نے کہا۔ "یہ بے شک رانا دیاس کو نہ جانتے ہوں لیکن کنور خاندان کو ان پہاڑوں میں بسنے والا ہر قبیلہ جانتا ہے۔"

اس کے اعتماد نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں سردار کی بات مان لوں۔ اور ویسے بھی ہم ان کے سامنے مجبور تھے۔ سردار کے حکم پر مجھے اور وسیم کو سردار کی جھونپڑی کے پاس ہی ایک جھونپڑے میں بند کر دیا گیا۔ جس کے باہر ایک نیزہ بردار شخص کھڑا تھا۔ سیاہ رُو کو یہاں کوئی خاص حیثیت حاصل تھی اور وہ ہمیں خود بند کروانے آیا تھا۔ وہ کہیں سے ایک ترجمان لے آیا تھا اور اس کی مدد سے ہمیں خبردار کیا۔ "اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی۔"

"سنو ہمارا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اس لیے بعد میں پچھتانے سے بہتر ہے کہ ہم سے بہتر رویہ رکھو۔" میں نے اسے ڈرایا۔ "تم ابھی ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

اس نے مجھے گھورا۔ وہ خبیث قسم کے تاثرات رکھنے والا شخص تھا جسے دیکھ کر آدمی کو غصہ آنے لگتا تھا۔ "تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی میرے بارے میں نہیں جانتے۔''

''میں جانتا ہوں۔ ممکن ہے اس گاؤں میں تمہاری کوئی حیثیت ہو لیکن یہاں سے نکلنے کے بعد تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہمیں جلد حکومت کی طرف سے تلاش کیا جائے گا۔''

میری اس بات سے اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے فکرمندی نظر آئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے ان تاثرات پر قابو پالیا اور ہمیں دھمکی آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وسیم نے مایوسی سے کہا۔ ''آپ نے ہتھیار ڈالنے میں جلدی کی۔''

''نہیں مجھے لگ رہا تھا کہ اگر میں نے دیر کی تو وہ نیزہ تمہاری گردن میں اتار دے گا اور میں ایک فی صد بھی رسک لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔''

''نہ جانے وہ سادھنا کے ساتھ کیا سلوک کریں۔'' اس نے ایک طرف دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''یار اتنے مایوس کیوں ہو رہے ہو خدا سے بہتری کی امید رکھو۔''

یہ بانس سے بنی مضبوط جھونپڑی تھی۔ جس میں خلا بہت تھے لیکن بانس کو توڑنا بہت مشکل تھا۔ باہر جلتی مشعلوں کی روشنی ان خلاؤں سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔ انہوں نے ہماری تمام چیزیں چھین لی تھیں۔ حد یہ کہ میرے ہاتھ سے رسٹ واچ تک اتار لی تھی۔ جب ہمیں سردار کے سامنے پیش کیا گیا تھا تو ہمارا سارا سامان بھی اس کے سامنے پیش کیا تھا۔ انہوں نے میرا بیگ راستے میں کھولا تھا لیکن اس کے اندر موجود رقم والا بریف کیس نہیں کھولا تھا وہ بھی ویسے ہی سردار کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ جب ہمیں سردار کے حکم سے لے جایا جا رہا تھا تو میں نے سردار کو اس بریف کیس کا معائنہ کرتے دیکھا تھا۔

اب میں وقت کا بھی صرف اندازہ ہی کر سکتا تھا۔ شاید نصف رات قریب تھی۔ جنگل کے اندر اور درختوں کے نیچے ہونے سے یہاں سردی بہت معمولی سی تھی۔ ہمیں سردی کا مسئلہ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور ایک عورت اندر آئی۔ اس نے ایک ڈول اٹھا رکھا تھا۔ اس میں پانی اور ایک مٹی کا پیالہ تھا۔ وہ چلی گئی۔ وسیم نے میری طرف دیکھا۔

''شاید یہ پانی پلا پلا کر ماریں گے۔''

''چلو پانی ہی دے رہے ہیں۔'' میں زمین پر بیٹھ گیا۔ فرش صاف ستھرا تھا۔ ''ممکن ہے میں نے سردار کو رانا ویاس کا جو چارہ ڈالا ہے وہ کام آئے۔''

''ممکن ہے۔'' وسیم نے بے دلی سے کہا۔

مجھے اس کے انداز پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ بہت دلیر اور کسی بھی حال میں نہ گھبرانے والا آدمی تھا لیکن اس وقت وہ بہت پریشان اور مایوس لگ رہا تھا۔ شاید سادھنا کے لیے اس کے اندر جو جذبات جاگے تھے انہوں نے اسے بدل دیا تھا۔ جب کسی مرد کی زندگی میں کوئی عورت آتی ہے تو وہ لازمی بدل جاتا ہے۔ وہ پہلے کی طرح بے باک اور بے دھڑک نہیں رہتا ہے۔ وسیم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو جتنا دیکھا تھا۔ یہ مجھے پُرسندہ ضرور لگے تھے لیکن بالکل وحشی نہیں تھے۔ یہ دنیا اور اس کی جدتوں سے واقف تھے۔ اس لیے مجھے امید تھی کہ وہ ہمارے بارے میں کوئی وحشیانہ قدم اٹھانے سے گریز کریں گے۔ ایک بار یہ لوگ رانا ویاس سے رابطہ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیتے تو ہماری رہائی بہت آسان ہو جاتی۔

کچھ دیر بعد وہی عورت آئی اور اس بار ہم کو اس نے مٹی کے پیالوں میں ابلے ہوئے چاول دیئے تھے۔ ان سے ہلکی سی بساند آ رہی تھی۔ میرا اور وسیم کا فی الحال یہ چاول کھانے کا موڈ نہیں تھا اس لیے ہم نے عورت کے جانے کے بعد چاول اپنی جھونپڑی کے پہریدار کو دے دیئے۔ وہ خوش ہو گیا تھا۔ اس نے وہیں آلتی پالتی مار کر پورے ذوق و شوق سے یہ چاول کھائے اور پھر پیالے صاف کر کے ہمیں دے دیئے۔ ساتھ ہی اس نے اشارے سے کہا کہ ہم کسی کو یہ نہ بتائیں کہ چاول ہم نے نہیں بلکہ اس نے کھائے تھے۔ میں نے اسے اشارے سے تسلی دی۔ کچھ دیر بعد وہ اونگھنے لگا تھا۔ یہ ڈبل خوراک کا لازمی اثر تھا۔ اس نے جھونپڑی کے دروازے سے ٹیک لگا لی اور شاید سو بھی گیا تھا۔

''شہباز صاحب کیا خیال ہے؟'' وسیم نے سرگوشی میں کہا۔ ''اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا جائے؟''

''میرا خیال ہے یہ مناسب نہیں ہے ہم نہیں جانتے کہ سادھنا کہاں ہے اور نہ ہم اسے تلاش کر سکتے ہیں۔ ہمارا فرار بھی چھپا نہیں رہے گا۔ ہم پکڑے جائیں گے۔ اور اگر سادھنا کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تو ہمارا بدلہ بھی اس سے لیا جائے گا۔''

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ کچھ کر گزروں۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔

''صبر سے کام لو میرے یار اکثر جلد بازی آدمی کو مروا دیتی ہے۔''

وہ چپ کر کے بیٹھ گیا۔ میں نے آہستہ سے جھونپڑی کا دروازہ دھکیلا تو پتا چلا کہ وہ باہر سے بند ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ پہریدار نے اسے کس طرح سے باہر سے بند کیا تھا لیکن وہ اس طرح بند تھا کہ ہم اسے توڑ کر ہی کھول سکتے تھے اور ظاہر ہے اس دوران میں اتنا شور ہوتا کہ سارا گاؤں ہی جاگ جاتا۔ اس لیے میں صبر کر کے بیٹھ گیا۔ وسیم نے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس نے پھر یہاں سے نکلنے کی بات نہیں کی تھی۔ ہم دونوں بانسوں سے ٹیک لگائے خیالوں میں گم تھے اور نہ جانے کب نیند نے ہم پر غلبہ پا لیا تھا۔ پھر میری آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی اور باہر روشنی کے ساتھ زندگی کی مخصوص چہل پہل بھی نظر آ رہی تھی۔ وسیم پہلے ہی جاگ گیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''آج ان سے آخری بات کریں گے اگر ان کی نیت میں کوئی کھوٹ نظر آئی تو.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں ایک آگ جیسی چمک نظر آئی تھی۔

''وسیم ہمیں کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے کئی بار سوچنا چاہیے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن مجھے ڈر ہے سوچنے سوچنے میں موقع ہاتھ سے نکل نہ جائے۔''

میں محسوس کر رہا تھا کہ وسیم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے اسے یاد دلایا۔ ''ہم خالی ہاتھ ہیں۔''

''میرے پاس چاقو ہے میں نے موزے میں چھپا لیا ہے۔ اسے یہ لوگ تلاش نہیں کر سکے تھے۔''

یہ اچھی خبر تھی کہ ہم بالکل ہی نہتے نہیں تھے۔ مگر ایک معمولی چاقو سے ہم جنگ نہیں جیت سکتے تھے۔ ہاں کوئی موقع ہاتھ آتا تو ہم اسے استعمال کر کے بازی پلٹ سکتے تھے۔ کچھ دیر بعد ہمیں جھونپڑے سے نکال کر تین پہریداروں کے ہمراہ رفع حاجت کے لیے لے جایا گیا۔ یہ جگہ گاؤں سے کچھ دور تھی اور وہاں ان لوگوں نے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کام کے لیے گڑھے کھود رکھے تھے۔ جن کو شاید روزانہ بھر کر نئے گڑھے کھودے جاتے تھے۔ اس کے باوجود وہاں دماغ خراب ہو رہا تھا۔ ہم جلد از جلد وہاں سے نکل آئے۔ اس کے بعد ہمیں ایک جگہ پانی سے منہ ہاتھ دھونے کا موقع دیا گیا تھا۔ اگرچہ پانی بے پناہ سرد تھا مگر مجھے اچھا لگا۔ اس کے بعد ہمیں اسی جھونپڑے میں لا کر بند کر دیا گیا۔ میں نے اس بار دن میں بستی کا معائنہ کیا۔ یہ عام سے قبائلی لگتے تھے۔ کیونکہ اسلحہ سب کے پاس نہیں تھا۔ اور نہ ہی مردوں کے چہروں پر جنگجوانہ تاثرات تھے۔ عورتیں اور بچے اپنے اپنے معمولات میں مگن تھے۔ یعنی بچے کھیل رہے تھے اور عورتیں کام کر رہی تھیں۔ البتہ مرد کم نظر آئے وہ شاید کام کے سلسلے میں باہر جاتے تھے۔ اس علاقے میں زرعی زمین نہیں تھی یا کم تھی اس لیے یہ مویشی پالتے ہوں گے اور جنگل سے اپنی خوراک کی ضروریات پوری کرتے ہوں گے۔

میں نے جھونپڑی میں لانے والے پہریداروں سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہندی یا اردو سے بالکل نابلد تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ برصغیر میں بسنے والی نصف اقوام اردو یا ہندی بالکل نہیں سمجھتی ہیں۔ ان میں بہت بڑی اقوام ایسی ہیں جن کی زبان اردو سے مختلف ہے۔ جیسے تامل، بنگالی اور مدراسی خطوں کے رہنے والے عام طور سے اردو سے ناواقف ہوتے ہیں۔ رات والا پہریدار بدل گیا تھا اور اس کی جگہ ایک تنومند نوجوان آیا تھا۔ اس نے اپنی زبان میں ہم سے کچھ کہا۔ الفاظ تو سمجھ سے بالاتر تھے لیکن دھمکی سمجھ میں آ رہی تھی۔ غالباً وہ کہہ رہا تھا کہ ہم انسان کے بچے بن کر رہیں ورنہ وہ ہمیں سیدھا کر دے گا۔ وسیم نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''یہ تو بڑا اپھنے خان بن رہا ہے۔''

''بننے دو ہماری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ اصل میں، مَیں وسیم کو ٹال رہا تھا کیونکہ اس کے انداز میں ایک بے تابی نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ شاید کوئی جھگڑا کرنا چاہ رہا تھا۔ اور میں فی الحال یہ نہیں چاہتا تھا۔ وسیم نے اس کی طرف دیکھا اور مجھے نہیں معلوم کہ اس نے کیا اشارہ کیا لیکن وہ بھناتا ہوا اندر آیا تھا۔ جیسے ہی وہ وسیم کے پاس آیا اس نے اچانک گھٹنا پہریدار کے زیر ناف رسید کیا اور وہ تڑپ کر پیچھے جا گرا تھا اور وہیں پڑے ہوئے زور سے چلانے لگا تھا۔ اس کا واویلا سن کر فوراً ہی دس بارہ افراد وہاں آ گئے تھے۔ ان میں سیاہ رُو بھی تھا۔ اس نے پہریدار کا واویلا سنا اور خون خوار نظروں سے ہماری طرف دیکھا۔ وہ تیزی سے اندر آیا تھا اور اس نے وسیم کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن میں راستے میں آ گیا۔ اس نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر مجھے ایک طرف کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا میں نے اس کا زبردست ہاتھ برداشت کر لیا تھا۔

''میری بات سنو..... یہ اندر آیا تھا۔'' میں نے سیاہ رُو کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اشاروں کی زبان میں یہ کام خاصا مشکل تھا اور پھر سیاہ رُو کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کی راہ سے نہیں ہٹ رہا ہوں تو اس نے اچانک مجھے گھونسہ مارا۔ ایک لمحے کو میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ مگر میں نے اپنا اشتعال قابو میں رکھا۔ وسیم عقب سے بولا۔

''آپ ہٹ جائیں میں اس کا دماغ درست کرتا ہوں۔''

''تم چپ کرو۔'' میں نے کہا اور سیاہ رُو کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس دوران میں شور بہت زیادہ ہونے سے جھونپڑی کے باہر اچھے خاصے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان میں اتفاق سے مجھے وہ شخص بھی نظر آیا جو رات کو ترجمان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ میں نے اشارہ کر کے اسے بلایا اور سیاہ رُو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس سے کہو یہاں سے نکل جائے ورنہ پچھتائے گا۔''

ترجمان نے یہ بات اس سے کہی تو وہ اور بھڑک اٹھا تھا۔ اس نے اس بار جارحانہ انداز میں میری طرف آنے کی کوشش کی لیکن میں نے پھر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ اور ترجمان سے بولا۔ ''یہ سب لوگ دیکھ رہے ہیں اس نے جھونپڑی میں گھس کر ہم لوگوں پر حملہ کیا ہے۔ ہم سردار سے شکایت کریں گے۔''

ترجمان نے یہ بات اسے بتائی تو اس کا جوش کسی قدر ٹھنڈا ہوا تھا لیکن جواب میں اس نے ایک طویل تقریر کی تھی۔ ترجمان نے کہا۔ ''یہ کہہ رہا ہے کہ اس کے بھتیجے کو مار کر اس شخص نے اچھا نہیں کیا ہے۔'' ترجمان نے وسیم کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ اسے مار کر اس کی بیوی کو اپنے جھونپڑے میں لے جائے گا۔''

اس کی بات اشتعال انگیز تھی اور شاید وسیم کو اشتعال دلانے کے لیے کی گئی تھی۔ اس کی توقع پوری ہوئی اور وسیم طیش میں اس کی طرف لپکا تھا۔ اس بار مجھے اس کو روکنا پڑا تھا۔ ''وسیم آرام سے میرے یار۔'' میں نے انگریزی میں کہا کیونکہ ہندی سمجھنے والا یہاں موجود تھا۔ ''یہ جان بوجھ کر ہمیں اشتعال دلا رہا ہے تاکہ ہمارے خلاف کارروائی کا موقع پیدا کیا جا سکے۔''

''میں اس حرامزادے کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔'' وسیم پھنکار کر بولا۔ ''اس نے سادھنا کا نام کیسے لیا۔''

''یار سوچ حالات ہمارے حق میں جا رہے ہیں تبھی تو اسے یہ سب کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ مجھے یقین ہے سردار ہمارے حق میں فیصلہ کرے گا۔''

''اور اگر ایسا نہ ہوا تو؟''

''اگر ایسا ہوتا تو اس کو یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' میں نے سیاہ رُو کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کی شروع سے سادھنا پر نیت خراب ہے۔'' وسیم بولا۔

''مجھے معلوم ہے اور تم فکر مت کرو جب موقع ملا اس کا حساب ایسے صاف کرنا ہے کہ یہ بچ بھی گیا تو ساری عمر بھولے گا نہیں۔''

اس دوران میں سردار کو بھی ہنگامے کی خبر مل گئی تھی اور وہ وہاں آ گیا۔ اس کی آمد سیاہ رُو کے لیے بھی غیر متوقع تھی۔ وہ جلدی سے جھونپڑے سے نکل گیا۔ سردار نے دھاڑ کر کچھ کہا اور لوگ جلدی سے دور ہو گئے۔ پھر اس نے سیاہ رُو سے پوچھا اور وہ اسے بتانے لگا۔ میں نے درمیان میں مداخلت کی اور ترجمان سے کہا۔ ''سردار سے کہو کہ اس نے بلاوجہ ہم پر حملہ کیا تھا۔''

ترجمان کی بات پر سردار نے کہا۔ ''اس کا کہنا ہے کہ حملہ تم نے کیا تھا اس نے نہیں۔''

''سردار ان لوگوں سے پوچھ سکتا ہے۔'' میں نے وہاں جمع لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''پہلے یہ پہریدار اندر آیا اور اس نے ہم پر حملہ کیا۔ اسے ہم نے بنا کسی نقصان کے باہر دھکیل دیا۔ اس پر اس نے شور کیا اور یہ اندر آ گیا۔'' اب میں نے سیاہ رُو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کو سردار نے خود جھونپڑے میں دیکھا ہے۔ اگر حملہ ہم نے کیا ہے تو ہم باہر کیوں نہیں آئے؟''

میری بات نے صورتِ حال بدل دی۔ سردار نے خون خوار نظروں سے سیاہ رُو کی طرف دیکھا اور اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ وہ ہمیں گھورتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سردار نے وہاں موجود لوگوں کو بھی جانے کا حکم دیا اور خود صرف ترجمان کے ساتھ رہ گیا۔ اس نے کہا۔

''ابھی تم لوگوں کا فیصلہ ہونا باقی ہے اس لیے بہتر ہے کہ تم سکون سے رہو۔ کسی جھگڑے کی صورت میں تم کو نقصان ہو سکتا ہے۔''

''سردار جھگڑا ہم نے نہیں کیا تھا۔ اس کے گواہ تمہارے اپنے لوگ ہیں اور دوسرے یہ لمبا آدمی ہمیں اشتعال دلا رہا ہے۔ یہ میرے ساتھی کی بیوی کے بارے میں نازیبا باتیں کر رہا ہے جنہیں کوئی بھی غیرت مند شوہر برداشت نہیں کر سکتا ہے لیکن ہم پھر بھی خاموش رہے۔ تم اپنے ساتھی کو بھی منع کرو وہ ہم سے الجھنے سے گریز کرے۔''

''میں اسے سمجھا دوں گا۔'' سردار نے کہا۔

''ہمیں اس طرح کب تک یہاں رہنا ہوگا۔'' میں نے پوچھا۔ ''تم نے کہا تھا ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی اور ہم آرام سے رہیں گے۔ یہاں ہم نے کچی زمین پر رات گزاری ہے اور رات کو بدبودار چاول کھانے کو دیئے تھے۔ سب سے بڑھ کر ہمیں اپنی ساتھی عورت کے بارے میں نہیں معلوم کہ وہ کس حال میں ہے۔ اس کا شوہر بہت پریشان ہے۔''

سردار نے سر ہلایا۔ ''میں اسے یہاں بھیج دیتا ہوں۔ اور تم لوگوں کو ابھی دو تین دن یہاں رہنا ہوگا جب تک میرے آدمی تصدیق نہیں کر لیتے کہ تم لوگوں نے جو بتایا ہے وہ سچ ہے یا نہیں۔''

سردار نسبتاً شریف آدمی تھا۔ اس کے حکم پر نہ صرف سادھنا آ گئی تھی بلکہ اس کے آدمیوں نے ہمیں بھانے کے لیے ایک چٹائی بھی لا دی تھی اور اس بار کھانا بھی کسی قدر بہتر تھا۔ اس میں کچھ پھل اور ایک روٹی نما شے تھی۔ سادھنا اندر آتے ہی رونے لگی تھی تو ہم پریشان ہو گئے تھے۔ وسیم نے بے چین ہو کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''سادی کیا بات ہے ان لوگوں نے تم کو کوئی تکلیف دی ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے آنسو صاف کیے۔ ''کل رات میں اکیلی تھی اور ساری رات خوف سے جاگتی رہی تھی۔ مجھے تم لوگوں کے بارے میں نہیں معلوم تھا۔ اس لیے ابھی دیکھا تو رو دی۔''

ساری رات جاگنے سے اس کی آنکھوں کی گرد ہلکے سے آ گئے تھے۔ میں نے اسے ناشتے کے بعد سونے کے لیے کہا تو وہ چٹائی پر لیٹ کر سو گئی تھی۔ اس کا زخم بہتر تھا اور اب اسے تکلیف بھی کم ہو گئی تھی۔ وسیم بھی پُرسکون ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے شرمندگی سے کہا۔ ''شہباز صاحب آپ کا شکریہ ورنہ میں نے حالات خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

''نہیں یار تمہارا ردِعمل بھی ٹھیک تھا کوئی بھی شخص اپنی بیوی کے بارے میں ایسی بات برداشت نہیں کر سکتا۔''

وسیم نے جھینپ کر سوتی سادھنا کی طرف دیکھا۔ ''یہ تو ڈرامہ ہے۔''

میں ہنسا۔ ''ہاں لیکن کبھی نہ کبھی تو سچ ہو جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آمین۔'' اس نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔ اور کھسک کر میرے پاس آ گیا۔ ''شہباز صاحب یہ عورت کیا ہوتی ہے۔ ابھی چند دن پہلے تک مجھے اس صنف سے خاص دلچسپی نہیں تھی لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکوں گا۔

''بس یار ہم مردوں کے لیے بریک کے لیے عورت کو بھیجا گیا ہے ورنہ ہم شاید ساری کائنات کھوج چکے ہوتے۔ اس کے وجود میں ایسی دل کشی ہے کہ آدمی اسے ہی اپنی معراج سمجھ کر ساری عمر خوش رہ سکتا ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' وسیم نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ ''اس کا زخم بہتر ہو رہا ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''مجھے تجربہ ہے۔ اس کے چلنے کا انداز بتا رہا ہے۔ اگر یہ دو دن اور آرام کر لے تو زخم تقریباً بھر جائے گا۔ پھر بے آرامی یا محنت سے اسے کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں کوئی اور چوٹ لگ گئی تو پھر زخم کھل جائے گا۔''

''سردار نے دو دن کا آرام ویسے ہی کہہ دیا ہے۔''

''یہ شریف آدمی لگتا ہے لیکن وہ لمبا بہت حرامی ہے۔ قسم سے مجھے موقع ملا تو میں اسے ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔'' وسیم کے لہجے میں غصہ آ گیا تھا۔

''صبر صبر یار میں نے کہا ہے نا..... ہمیں موقع ملے گا اور تب ہم سارے حساب بے باق کریں گے۔''

دوپہر کے کھانے میں ہم کو دال اور سبزی دی گئی تھی۔ میں نے سادھنا کو اٹھا کر کھانا کھلایا تھا کیونکہ وہ کھانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ جب کہ اس کی صحت کے لیے کھانا لازمی تھا۔ وہ کھا کر پھر سو گئی تھی۔ سونا بھی اس کے لیے بہتر ہی تھا۔ شام ہوئی تو سیاہ رُو آدمی دو افراد کے ساتھ آیا تھا۔ اس کے ساتھ ترجمان بھی تھا۔ اس نے ہم سے کہا۔ ''اس عورت کو الگ لے جانا ہے۔''

''اسے سردار نے ہمارے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''تم اسے نہیں لے جا سکتے۔''

''صرف دن کی حد تک۔'' اس نے کہا۔ ''رات اسے الگ جگہ گزارنی ہوگی۔''

سادھنا وسیم سے چمٹ گئی۔ ''نہیں میں نہیں جاؤں گی۔''

سیاہ رُو نے جھونپڑی کا دروازہ کھولا اور بولا۔ ''عورت باہر آؤ رات یہاں نہیں رہ سکتی ہے۔''

''یہ نہیں جائے گی۔'' وسیم نے تن کر کہا۔

مجھے بھی سیاہ رُو کی نیت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ ''سردار نے ہمیں اجازت دی ہے اور وہی اسے واپس لے سکتا ہے۔''

''میں سردار کا نائب ہوں۔'' اس نے سینہ تان کر کہا۔ ''اس لیے میں اس کی طرف سے حکم دے سکتا ہوں۔''

''ہم تمہیں نہیں جانتے۔'' وسیم بولا۔ ''اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''

وسیم کی بات کا ترجمہ سن کر وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے اچانک پستول نکال لیا۔ یہ ہمارا ہی پستول تھا۔ ''عورت باہر آ۔'' اس نے دھاڑ کر کہا لیکن سادھنا وسیم سے مزید چمٹ گئی تھی۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ میں نے ضبط کر کے کہا۔

''تم بلاوجہ ہم سے کیوں دشمنی مول لے رہے ہو ایسا نہ ہو تم کو بعد میں پچھتانا پڑے۔''

اس نے پستول کا رخ ہماری طرف کیا تو وسیم نے سادھنا کو پیچھے کر لیا تھا۔ صورتِ حال یک دم ہی سنگین ہو گئی تھی۔ سیاہ رُو بپھرا ہوا تھا اور اس بات کا امکان تھا کہ وہ ہم پر گولی چلا دے۔ میں اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا تھا لیکن وہ سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ سادھنا کو باہر بھیج دیا جائے۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' بالآخر میں نے فیصلہ کن کہا۔ ''ہاں سردار آ کر کہے تو الگ بات ہے۔''

''اب سردار بھی کہے تو یہ نہیں جائے گی۔'' وسیم نے پیچھے سے کہا۔ اس کی یہ بات ترجمان نے فوراً سیاہ رُو تک پہنچا دی تھی۔ اور اس نے بھڑک کر جھونپڑی میں آنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے روک دیا۔

''اس طرح نہیں اب سردار آئے گا تو بات ہو گی۔''

''لگتا ہے تم یوں نہیں مانو گے۔'' اس نے کہا اور پستول میری طرف سیدھا کر لیا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں قاتل چمک نمودار ہوتی دیکھی تھی اور میں تیار ہو گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر گولی چلاتا وسیم اچانک ہی کسی بگولے کی طرح میرے پاس سے گزرا اور اس نے سیاہ رُو کے پیٹ میں اپنا سر مارا تھا۔ اس کی ساری توجہ مجھ پر تھی اس لیے وہ وسیم کو آتے نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس کا ہاتھ اوپر گیا اور گولی کہیں اور نکل گئی تھی۔ وسیم اسے لیتے ہوئے زمین پر گرا اور اس نے فوراً ہی دوسری گولی وسیم پر چلانا چاہی مگر اب وسیم جیسے بجلی کا بنا ہوا تھا وہ اتنی تیزی سے ایک طرف ہوا کہ سیاہ رُو کو پستول کا رخ بدلنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ بدقسمتی سے عین پیچھے موجود ایک قبائلی کی شامت آئی اور گولی اس کے سینے میں اتر گئی۔ وہ چیخ مار کر گرا اور اس کے سینے سے خون فوارے کی طرح نکل رہا تھا۔

سیاہ رُو ایک دھاڑ ماری اور اس نے وسیم کو ایک طرف دھکیل دیا۔ اس کے بعد وہ گولی کھانے والے قبائلی کی طرف دوڑا تھا۔ وہ جان کنی کی کیفیت میں زمین پر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ مجھے لگا جیسے وہ سیاہ رُو کا کوئی رشتے دار تھا۔ وہ اسے بازوؤں میں اٹھا کر اس کے سینے سے بہنے والا خون روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ وسیم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ گولی کی آواز اور چیخ نے سب کو چونکا دیا تھا اور کچھ دیر میں سارا گاؤں وہاں جمع ہو گیا تھا۔ سردار وہاں نہیں آیا تھا، جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ گاؤں میں نہیں تھا۔ اسی وجہ سے سیاہ رُو کو اپنی من مانی کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے ترجمان کی طرف دیکھا۔

''یہ کون ہے؟''

اس نے مجھے گھورا۔ ''یہ بیدو کا بھائی ہے۔''

تو سیاہ رُو کا نام بیدو تھا۔ اس نے اپنے ہی بھائی کو گولی ماردی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ اب اس کا ردِعمل کیا ہو گا۔ اس لیے جیسے ہی اس کے بھائی نے دم توڑا اور وہ دھاڑتا ہوا اٹھا میں نے عقب سے اس سے پستول چھین لیا۔ میرا ارادہ پستول استعمال کرنے کا نہیں تھا لیکن دوسرے قبائلی سمجھے کہ میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ یہی سوچ کر کسی نے عقب سے میرے سر پر کچھ مارا تھا۔ وار اتنی قوت سے کیا گیا تھا کہ میں زمین پر گرتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مجھے نہیں پتا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میرا سر سادھنا کے زانو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر رکھا تھا اور وہ رو رہی تھی۔ درد سے ایسا لگ رہا تھا جیسے سر ابھی پھٹ جائے گا اور اس میں بھرا درد بہہ جائے گا۔

''سادی.....'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''وسیم کہاں ہے؟''

''آپ.....ٹھیک ہیں نا'' اس نے تڑپ کر کہا۔ ''وسیم دیکھو شوبی کو ہوش آ گیا ہے۔''

وسیم کی حالت بری تھی۔ ایسا لگ رہا تھا اسے اچھا خاصا تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور پانی پلایا۔ پانی پی کر میری حالت خاصی حد تک بہتر ہوئی تھی۔ چند منٹ کے بعد درد بھی قابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ میں نے وسیم سے پوچھا۔ ''میرے بے ہوش ہونے کے بعد کیا ہوا تھا؟''

وسیم نے بتایا۔ ''لمبے کے ساتھ آنے والے نے آپ کے سر پر ڈنڈا مارا تھا۔ آپ بے ہوش ہوئے تو میں نے اس کا ڈنڈا چھین کر اس کا سر پھاڑ دیا اور شاید بازو بھی توڑ دیا۔ اس کے بعد تو مجھ پر چاروں طرف سے یورش ہوئی تھی۔ میں نے دو تین کو گرایا تھا اور باقی مجھ سے چمٹ گئے۔ انہوں نے مار مار کر یہ حال کر دیا۔ وہ تو سادھنا چمٹ گئی تھی اس لیے میری بچت ہو گئی۔ ورنہ وہ جان سے مار دیتے۔'' اس نے زخموں کی طرف اشارہ کیا۔

سادھنا نے آنسو صاف کیے۔ ''یہ لوگ بالکل وحشی ہیں۔ لمبا آدمی تو گولی مارنے جا رہا تھا لیکن کسی نے پستول ہی غائب کر دیا۔''

ہم دونوں کی حالت بری تھی اور لگ رہا تھا کہ آگے بھی ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہو گا۔ سردار نہ جانے کہاں تھا اور اگر وہ نہ آتا تو بیدو کو اپنی من مانی کرنے کا موقع مل جاتا۔ مجھے کوئی تین گھنٹے بعد ہوش آیا تھا۔ سر پھٹ گیا تھا۔ سادھنا نے پانی سے زخم دھو دیا تھا۔ اس لیے اب سکون تھا۔ ورنہ خون جمتا تو تکلیف اور بھی بڑھ جاتی۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''معاملہ خراب ہو گیا ہے۔ ایک آدمی جان سے گیا ہے اور اب ان سے کوئی اچھی امید نہیں کی جا سکتی ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے تو پہلے بھی ان لوگوں سے کوئی اچھی امید نہیں تھی۔''

''نہیں سردار اچھا آدمی ہے ممکن ہے وہ ہمارے بارے میں تصدیق کرنے گیا ہو۔''

''وہ ابھی تک نہیں آیا ہے ورنہ ہمیں ضرور طلب کیا جاتا۔''

ابھی ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ سردار کی طرف سے طلبی کا حکم آ گیا۔ نصف درجن مسلح قبائلی ہمیں نیزوں کی نوک پر لے گئے تھے ان کے پاس بڑے سائز کے درانتی نما چاقو بھی تھے۔ سردار اپنے جھونپڑے میں تھا اور خاصا برہم تھا۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی گرجنا برسنا شروع کر دیا۔ ترجمان نے اس کی بات کا ترجمہ نہیں کیا لیکن ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے وہ یقیناً اس سارے فساد کی ذمے داری ہم پر ڈال رہا تھا۔ جب وہ ذرا خاموش ہوا تو میں نے کہا۔ ''سردار اس سارے ہنگامے کی ذمے داری بیدو پر عائد ہوتی ہے اور اسی کی گولی سے اس کا بھائی مرا ہے۔''

''تم بکواس کرتے ہو تم نے بھاگنے کی کوشش کی اور جب بیدو نے تم کو روکنا چاہا تو تم نے اس سے پستول چھین لیا اور فائرنگ کی جس سے بیدو کا بھائی مارا گیا۔''

''یہ غلط ہے۔'' میں نے جواب دیا اور اسے شروع سے لے کر آخر تک ہونے والا سارا واقعہ سنایا۔ مگر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ اس نے میری کسی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ شاید بیدو نے پہلے ہی اپنی کہانی میں مؤثر جھوٹ ملا کر اسے پکا کر دیا تھا اور اس کی مظلومیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ اس کا بھائی مارا گیا تھا۔ اس لیے ہم ہی مجرم تھے۔ سردار نے کہا۔

''تم لوگ خود ڈاکو ہو اس علاقے میں ڈاکوؤں کا کوئی گروہ نہیں ہے اور میں نے خود معلوم کیا ہے۔ یہاں رانا دیاس نامی کسی شخص کا کوئی بنگلہ نہیں ہے۔''

''بنگلہ اس کے ایک غیر ملکی دوست کا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہاں سنیل نامی ایک ملازم اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ جب ہم ڈاکوؤں سے بچ کر وہاں سے فرار ہوئے تھے تب بھی وہ دونوں وہاں موجود تھے تم ان کے بارے میں معلوم کر سکتے ہو۔''

''سنیل اور اس کی بیوی کو مار دیا گیا ہے اور یہ کام بھی تم دونوں کا ہے۔'' سردار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

مجھے سنیل اور اس کی بیوی کے مارے جانے کا سن کر افسوس ہوا تھا آنے والوں نے یقیناً ان پر ترس نہیں کھایا تھا۔ میں نے سردار کی بات سن کر کہا۔ ''تب میں کیا کہہ سکتا ہوں جب تم ہماری کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہو۔''

''تم نے جھوٹ پر جھوٹ بولا اور اب ہمارے ایک آدمی کو مار دیا۔''

''اسے خود بیدو کی گولی لگی تھی۔ تم اپنے گاؤں والوں سے پوچھ سکتے ہو؟''

''بکواس پستول تمہارے پاس تھا اور جب ایک آدمی نے تمہارے سر پر ڈنڈا مارا تب بھی پستول تمہارے ہاتھ میں تھا۔ تم بدمعاش ہو۔''

''چلو تم شریف ہو اب بتاؤ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔'' میں نے بے بسی سے ہاتھ پھیلائے۔ ''ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔''

اس نے باری باری مجھے، سادھنا اور وسیم کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تم لوگ تین دن قید میں رہو گے اس کے بعد ہی تمہارا فیصلہ کیا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے لیکن میری ایک درخواست ہے کہ ہماری ساتھی کو ہمارے پاس رہنے دو۔''

خلاف توقع وہ مان گیا۔ ''یہ تمہارے ساتھ ہی رہے گی۔''

اس بات پر جھونپڑی میں ایک طرف بیٹھے بیدو نے اچانک واویلا کیا تو ہمیں اس کی موجودگی کا پتا چلا تھا۔ وہ سردار سے تند و تیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔ غالباً وہ چاہتا تھا کہ سادھنا کو ہم سے الگ رکھا جائے لیکن سردار نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ویسے بھی میں نے محسوس کیا تھا کہ اس نے میری وضاحت ماننے سے انکار ضرور کیا تھا لیکن اس کے بعد اس کے لہجے میں پہلے جیسی تیزی اور غصہ باقی نہیں رہا تھا۔ بیدو کی بدنیتی سادھنا کے معاملے میں کھل کر سامنے آ گئی تھی اور وہ سردار سے اپنے بھائی کی موت کے بدلے اس کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اس کا مجھے بعد میں پتا چلا تھا لیکن جب سردار نے اس کا مطالبہ ماننے سے انکار کیا تو وہ پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد سردار نے ہمیں بھی قید کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہمارے اوپر اب تین مسلح پہریدار لگا دیے گئے تھے۔ بیدو کے بھائی کی موت نے صورتِ حال ہی بدل دی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ اب اس جگہ سے ہمارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندہ سلامت نکلنا محال تھا۔ وسیم کے دل میں بھی یہی بات تھی۔ اس نے واپسی پر مجھ سے کہا۔

''شہباز صاحب ان لوگوں کی نیت بدل گئی ہے اور ممکن ہے یہ ہمیں مار ڈالیں۔''

''شاید ایسا ہی ہو۔''

''اس کے علاوہ مجھے بیدو کی طرف سے کسی شرارت کا خطرہ ہے وہ ہم سے اپنا بدلہ لینے کی کوشش ضر کرے گا۔''

''یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی لیکن ہم کیا کر سکتے تھے۔ کل رات تک ہمارے پاس فرار کا موقع لیکن اس وقت سادھنا ہمارے ساتھ نہیں تھی اور آج سادھنا تھی تو ہمارے اوپر تین چاک و چوبند پہریدار مسلط دیئے گئے تھے۔ ہم ایک سے تو خاموشی سے نمٹ سکتے تھے لیکن تین تین سے بہت مشکل تھا۔ اس دوران میں ذ سا بھی شور ہوتا تو ہماری فرار کی کوشش شروع میں ناکام ہو جاتی۔ وسیم کے پاس چاقو محفوظ تھا۔ اس رات ہمیں کھ بھی نہیں ملا تھا۔ یہ بھی ان لوگوں کی طرف سے غصے کے اظہار کا ایک ثبوت تھا۔ رات بھر پہریدار بھی مستعد ر تھے۔ اب ہم گاؤں کے مجرم اور قاتل تھے اور امکان تھا کہ ہمیں سزائے موت دی جائے گی اس لیے پہریدا پوری طرح ہوشیار تھے کہ ہم ان کی غفلت سے فرار ہو گئے تو ان کی خیر نہیں ہوگی۔ ہم میں سے کوئی ذرا سی حرکت کرتا تو وہ چوکنا ہو جاتے تھے۔

صبح ہمیں معمولات کے لیے باہر بھی نہیں نکالا گیا تھا اور پھر ناشتے کے نام پر برائے نام ہی کھانے کو تھا۔ کل تک جو گاؤں والے ہمیں عام سی نظروں سے دیکھتے تھے اچانک ان کی نظروں میں ہمارے لیے دشمنی ا عداوت آ گئی تھی۔ بہت سارے جھونپڑی کے پاس سے گزرتے ہوئے با آواز بلند ہمیں بہت کچھ سنا جاتے ا اور ظاہر ہے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار تو نہیں کرتے تھے۔ ایک بار بیدو بھی آیا تھا لیکن اس نے جھونپڑی ا اندر آنے کی کوشش نہیں کی۔ صرف باہر سے ہمیں گھورتا رہا پھر خاموشی سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد و نے کہا۔

''مجھے اس شخص کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔''

''مجھے تو کسی بھی شخص کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''شہباز صاحب خدا کے لیے۔ یہ مذاق کا موقع نہیں ہے۔''

''او کے ہم سنجیدہ ہو جاتے ہیں لیکن اس صورت میں بھی ہم کیا کر لیں گے؟''

''ہمارے پاس ایک چاقو ہے کیا ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے؟''

''صرف اتنا کہ ہم کسی اور کو بھی ماردیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس کی مدد سے فرار بہت ہی مشکل ہے۔''

''تب کیا ہم خاموشی سے ان کا فیصلہ قبول کر لیں؟''

''نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے۔ ہم کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے لیکن اس کا انحصار حالات اور موقع پر ہے فی الحال تو ہم آزاد ہونے کی کوشش میں زندگی کی قید سے ہی نجات حاصل کر سکتے ہیں۔''

''شوبی آپ مایوس ہو رہے ہیں۔'' سادھنا نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''میں نے کبھی آپ کے منہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسی باتیں نہیں سنی ہیں۔''

''یہ تم سے کس نے کہا کہ میں مایوس ہوں۔ مجھے تو پورا یقین ہے اگر ہماری زندگی ہے تو کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا اور اگر موت مقدر ہے تو ہم اس سے نہیں لڑ سکتے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''بات صرف یہ ہے کہ میں تقدیر کے فیصلے کا انتظار کر رہا ہوں۔''

یہ سارا دن خاموشی سے گزرا تھا۔ شکر ہے ان لوگوں نے کھانا پانی بالکل بند نہیں کیا تھا۔ پانی کے لیے ایک اول دیا ہوا تھا اور کھانا بھی دن میں دیا تھا۔ اگرچہ یہ بہت کم اور گیا گزرا تھا لیکن کچھ نہ ہونے سے بہتر ہی تھا۔ شام ہوئی اور اس کے ساتھ ہی گاؤں میں زندگی تیزی سے معدوم ہوتی چلی گئی۔ یہ لوگ سرِشام ہی سو جانے کے عادی تھے۔ انہوں نے بیدو کے بھائی کا کل رات ہی کریا کرم کر دیا تھا۔ اگرچہ ان لوگوں کے رواج ہندووانہ نہیں تھے لیکن انہوں نے اپنا مردہ جلایا تھا۔ ہمیں رات کا کھانا دیر سے دیا گیا تھا اور ہم سب کا بھوک سے برا حال تھا اس لیے جیسے تیسے کر کے ہم نے یہ کھانا کھا لیا تھا۔ کھانے کے کچھ دیر بعد ہی ہمیں نیند آنے لگی تھی اور تب بھی ہم نے کسی سازش کے بارے میں نہیں سوچا تھا اور کچھ دیر بعد ہم سب ہی بے خبر سو گئے تھے۔

☆======☆======☆

سونے کے دوران مجھے ایسا لگا تھا جیسے مجھے کہیں لے جایا جا رہا ہو لیکن یہ احساس ایسا ہی تھا جیسے انسان خواب میں بہت ساری باتیں محسوس کرتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے خود کو ایک درخت کے تنے سے اس طرح بندھے پایا کی میرے ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھ دیئے گئے تھے اور گرفت اتنی سخت تھی کہ خون کی روانی رک جانے سے میرے ہاتھ میں شدید درد ہو رہا تھا۔ خاص طور سے اس ہاتھ میں جو کمزور تھا۔ پہلے میں سمجھا کہ میں گاؤں میں ہی ہوں۔ مگر جلد مجھے احساس ہو گیا کہ میں گاؤں نہیں بلکہ کسی اور جگہ تھا۔ یہ جنگل کا کوئی ویران حصہ تھا۔ میرے ساتھ ہی ایک درخت سے وسیم بندھا ہوا تھا اور وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ جب کہ سادھنا سامنے زمین پر بے سدھ پڑی تھی۔ یہ تو واضح تھا کہ رات کے کھانے میں ہمیں کوئی ایسی چیز دی گئی تھی جس سے ہم مدہوشی کی حد تک گہری نیند ہو گئے تھے۔

آس پاس کوئی نہیں تھا۔ اس کے باوجود مجھے سو فی صد یقین تھا کہ یہ کام بیدو کا تھا۔ وسیم ٹھیک کہہ رہا تھا اس کے عزائم ٹھیک نہیں تھے۔ اس نے سازش کی اور وہ ہمیں کسی طرح گاؤں سے نکال کر یہاں لے آیا تھا اور یہ کام اس کے لیے خاص مشکل بھی نہیں تھا۔ اس نے کسی طرح پہریداروں کو راضی کر لیا ہو گا اور انہوں نے اسے ہمیں لے جانے کی اجازت دے دی ہو۔ روشنی سے لگ رہا تھا کہ صبح کے دس بج رہے تھے اور ہمیں کہیں لے جانے کے لیے ان لوگوں کے پاس پوری رات تھی۔ وہ ہمیں یقیناً بستی سے بہت دور لائے ہوں گے جہاں وہ ہمارے ساتھ اپنی من مانی کر سکیں۔ ہمیں جن درختوں سے باندھا گیا تھا وہ پتلے لیکن مضبوط تنوں والے درخت تھے۔ ہم کوشش کر کے بھی ان کو نہیں گرا سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے یہاں باندھا تھا۔ اور صرف ہم دونوں کو باندھا دیا تھا۔

سادھنا کو آزاد دیکھ کر میرے ذہن میں اندیشے سر سرانے لگے تھے۔ بظاہر وہ ٹھیک لگ رہی تھی اور اس کا سانس بھی درست تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا خطرہ تھا شاید اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے اسے کسی درخت سے نہیں باندھا گیا تھا۔ میں نے وسیم کو آواز دی۔ میں اسے ہلکی آواز میں لیکن مستقل تھا۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا تھا۔ وسیم کسمسایا اور پھر جاگ گیا۔ وہ خود کو بندھا پا کر خاصا حیران ہوا تھا۔

''کیا ہم خواب دیکھ رہے ہیں؟'' اس نے میری طرف دیکھا۔ ''کسی نے ہم کو باندھ دیا ہے۔''

''نہیں یہ حقیقت ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھے یقین ہے یہ کام بیدو کا ہے۔''

''سادھنا۔'' اس بار وسیم نے بے قراری سے کہا۔ اس نے نظر سادھنا پر پڑ گئی تھی۔

''بے کار ہے یہ بہت گہری نیند میں ہے۔ مجھے لگ رہا ہے ہمیں کوئی بہت زود اثر دوا دی گئی تھی۔''

''شاید انہوں نے کوئی بوٹی استعمال کی تھی۔'' وسیم نے تائید کی۔ اور پھر سادھنا کو آواز دی۔ مگر اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بجائے کہیں پاس سے قدموں کی چاپ گونجی اور پھر توقع کے مطابق بیدو سامنے آیا۔ اس کے چہرے پر موجود مکروہ سی مسکراہٹ اس کے دل کا احوال بتانے کے لیے کافی تھی۔ اس کے باوجود وہ ترجمان کو ساتھ لایا تھا۔ صرف ترجمان ہی نہیں اس کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ میں نے ان کو دیکھتے ہی وسیم سے کہا۔

''کیا چاقو ابھی تمہارے پاس ہے؟'' میں نے انگریزی میں پوچھا تھا۔ اس نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

''ہاں میں اسے محسوس کر رہا ہوں لیکن اب اس کا فائدہ؟''

چاقو اس کے پاؤں میں تھا اور موزے میں اڑسا ہوا تھا۔ جب کہ وہ اس پوزیشن میں درخت سے بندھا ہوا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پاؤں سے بہت دور پشت پر تھے اور وہ ان کو استعمال کر کے چاقو نہیں نکال سکتا تھا۔ میں نے بیدو کو متوجہ کیا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

اس نے ترجمان کی مدد سے جواب دیا۔ ''اپنے بھائی کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ تم تینوں سے۔''

''تمہارے بھائی کو ہم نے نہیں تم نے خود مارا تھا۔ اور وہ تمہاری حرکت کی بھینٹ چڑھا ہے اس لیے ہم کسی طرح بھی قصوروار نہیں ہیں۔ پھر ہم سے کیوں بدلہ لینا چاہتے ہو؟''

''وہ سب تم دونوں کی وجہ سے ہوا تھا۔'' بیدو غضب ناک ہو کر بولا۔ ''میرا ایک ہی بھائی تھا۔ میں تم لوگوں کے سامنے جو کروں گا اسے تم مرتے دم تک نہیں بھولو گے۔'' اس کے لہجے سے شیطان جھلکنے لگا تھا۔

''بیدو تم جو کرنا چاہتے ہو وہ تم کو بہت مہنگا پڑے گا۔ تم ابھی ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''مجھے جاننا بھی نہیں ہے۔'' اس نے دانت نکالے۔ ''میں تو اپنا انتقام لوں گا اور تم سب کو اسی جگہ اس کا دوں گا۔''

اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ ''اور اپنے سردار کو کیا جواب دو گے؟''

''یہی کہ تم لوگ نہیں ملے۔ رات جب میں نے تم تینوں کو گاؤں سے نکال دیا تو پھر شور مچا دیا کہ تم لوگ بھاگ گئے ہو اور اب میں ان لوگوں کے ساتھ تمہاری تلاش میں نکلا ہوں۔ میں واپس جا کر سردار کو یہی بتاؤں گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ تم نہیں ملے۔" اس نے اپنا منصوبہ بیان کیا۔ میں حیران تھا کہ اس جاہل نظر آنے والے قبائلی نے کتنی مکاری سے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ اس نے ہمیں مجرم بنا دیا۔ ہم سے اپنا نام نہاد انتقام بھی لے لیتا اور ساتھ ہی قبیلے والوں کے سامنے اس کا دامن بھی صاف رہتا۔

"یہ اسے سچ نہیں بتائیں گے؟" میں نے اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں میں نے ان کو ساتھ ملا لیا ہے۔ انہیں بھی لڑکی میں حصہ ملے گا اور تم تینوں کو ان میں سے ایک ایک قتل کرے گا۔ اپنے جرم کے بارے میں کون بتاتا ہے۔" بیدو نے مزید انکشاف کیا۔ وہ میرے اندازے سے بھی زیادہ شاطر نکلا تھا۔ واقعی اگر اس کے ساتھی ہمیں مار دیتے تو اس کے برابر کے شریک ہو جاتے اور جو بھی راز افشا کرتا وہ بھی زیر عتاب آ جاتا۔ پہلی بار میرے اندر ایک خوف سا سر اٹھانے لگا۔ کہیں وہ جو کہہ رہا ہے اس پر عمل بھی نہ کر گزرے۔ وہ ہماری نظروں کے سامنے سادھنا کو بے آبرو کر کے اپنی شیطانیت کی تسکین چاہتا تھا اور اس کے بعد وہ ہم تینوں کو مار دیتا۔ اسے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

اس دوران میں نے محسوس کیا کہ وسیم اپنا چاقو والا پاؤں پیچھے لے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگرچہ یہ کام بہت مشکل تھا تقریباً ناممکن حد تک مشکل کہ وہ اپنے پاؤں کو گھما کر عقب میں لے جائے اور اسے اتنا اٹھائے کہ اس کا موزے میں اڑسے چاقو تک چلا جائے لیکن آدمی کوشش تو کر سکتا ہے۔ خاص طور سے ایسی صورت حال میں ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے جب جان اور عزت پر بنی ہو۔ میں نے اس کی توجہ وسیم سے ہٹانے کے لیے اس سے کہا۔ "سنو بیدو اگر تم اپنا انتقام چھوڑ دو تو تم کو منہ مانگی قیمت مل سکتی ہے۔"

جب ترجمان نے یہ بات کی تو بیدو تو نہیں اس کے ساتھیوں کے تاثرات بدلے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "کتنی قیمت مل سکتی ہے؟"

"جتنی تم چاہو۔" میں نے بلا جھجک کہا۔ "ایک لاکھ، دس لاکھ یا اس سے زیادہ۔"

وہ بہت غریب لوگ تھے۔ ان کو تو ہزار سے زیادہ کسی رقم کا پتا نہیں تھا۔ لاکھ تو ان کے لیے بہت بڑی رقم تھی۔ سوال کرنے والے نے پھر کہا۔ "کیا کیا کہا تو نے؟"

"لاکھ دس لاکھ۔" میں پھر بولا۔

"یہ بکواس کرتا ہے۔" بیدو نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"میں بکواس نہیں کر رہا۔" میں نے کہا اور پھر مجھے اس رقم کا خیال آیا جو ہمارے سامان میں تھی۔ "میں نے جتنی رقم کہی ہے اس سے زیادہ تو ہمارے سامان میں تھی۔ ایک بھورے رنگ کا بیگ تھا۔ تم میں سے کسی نے دیکھا ہوگا۔"

"ہاں....." ترجمان نے بے ساختہ کہا۔ "میں نے دیکھا تھا۔ وہ سردار کے پاس تھا اور کل دوپہر میں سردار اسے لے کر کہیں گیا تھا۔"

"تمہارے سردار نے رقم دیکھ لی ہوگی اور وہ اسے کہیں چھپانے گیا ہوگا۔ اس کے لیے وہ بہت بڑی رقم ہوگی لیکن ہمارے لیے نہیں۔ اگر تم لوگ ہمیں چھوڑنے کا وعدہ کرو تو میں اس سے بھی زیادہ رقم چوبیس گھنٹے میں دلوا سکتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار بیدو کے ساتھیوں کا انداز واضح دلچسپی والا تھا۔ بیدو نے ان کو روکنا چاہا تو ان میں سے سب سے پہلے سوال کرنے والا بولا۔ ''بیدو معلوم تو کرنے دے۔'' پھر اس نے مجھ سے سوال کیا۔ ''اگر تجھ سے رقم دینے کو بولا جائے تو تُو کیسے دے گا۔''

''ہم میں سے ایک کو تمہارے میں سے کسی کے ساتھ اس جگہ تک جانا پڑے گا جہاں فون ہوتا ہے وہ فون کر کے بولے گا تو چوبیس گھنٹے کے اندر تم لوگ جہاں کہو گے اور جتنی رقم کہو گے مل جائے گی۔''

''تم میں سے کسی کے ساتھ جائیں اور پھر واپس ہی نہ آئیں۔'' بیدو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''بے وقوف کسی اور کو بنانا۔''

''مرضی تمہاری۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے ہمیں مار دو اور اتنی بڑی رقم سے محروم ہو جاؤ جو تم سات پشتوں میں بھی نہیں کما سکتے۔''

میری اس بات پر ان تینوں میں بحث چھڑ گئی۔ ان میں صرف ترجمان خاموش تھا شاید اس کی اتنی حیثیت نہیں تھی اور بیدو اسے صرف ترجمانی کے لیے ساتھ لایا تھا لیکن باقی دو اس سے جس طرح بات کر رہے تھے ایسا لگتا تھا وہ اس سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ ان کے درمیان میں بحث میں گرمی آنے لگی تھی وہ بول رہے تھے تو مارے جوش کے ان کی گردن کی رگیں پھولنے لگی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ دونوں دولت کے لالچ میں آ گئے تھے اور بیدو چاہتا تھا کہ اپنے انتقام کی تکمیل کرے۔ ایک موقع پر تو ایسا لگا جیسے وہ آپس میں کٹ مریں گے لیکن میری خواہش کے باوجود ایسا نہیں ہوا تھا۔ دوران گفتگو بیدو بار بار آتش فشاں نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے دولت کی چاہ نہیں تھی وہ تو ہم سے انتقام لینے کے لیے پاگل ہو رہا تھا اور انتقام بھی کیا تھا۔ اصل میں تو اس کی نیت سادھنا پر خراب ہو گئی تھی اور بہر صورت اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جب کہ اس کے ساتھیوں کو سادھنا سے دلچسپی تو تھی لیکن ان کے لیے دولت میں زیادہ کشش تھی۔ میں نے اتنا بڑا لالچ ان کے سامنے ڈال دیا تھا کہ وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکے تھے اور نتیجے میں وہ آپس میں لڑ مر رہے تھے۔

ایک بار بیدو نیزہ لے کر میری طرف لپکا تھا کہ میرا کام تمام کر دے لیکن دوسروں نے اسے روک لیا۔ خاصی دیر بعد سوال کرنے والا میری طرف آیا اور اس نے ترجمان کی مدد سے کہا۔ ''اگر ہمیں پچاس لاکھ روپے مل جائیں تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔''

''پچاس لاکھ مل جائیں گے لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم ہمیں چھوڑ دو گے؟'' میں نے مانتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی ضمانت نہیں ہے۔'' اس نے فوراً کہا۔ ''اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو رقم دینی ہو گی۔''

''مجھے منظور ہے لیکن رقم لینے کسی کو جانا ہو گا اور ہم میں سے کسی ایک کو لے جانا ہو گا جو فون کر کے رقم منگوائے۔''

وہ قبائلی تھے لیکن فون سے واقف تھے۔ ہمارے سامان میں ان کو موبائل فون ملے تھے لیکن وہ یہاں کام نہیں کر رہے تھے۔ ایک بار پھر ان لوگوں کی آپس میں میٹنگ ہوئی۔ بیدو کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اس کام کے لیے راضی نہیں ہے لیکن ان دونوں کا اکیلے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مان گیا تھا۔ سوال کرنے والا پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری طرف آیا۔ ''ہمارے ساتھ کون جائے گا؟''

''یہ۔'' میں نے وسیم کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا باپ بہت دولت مند ہے وہ فوراً یہ رقم بھیج دے گا۔''

''ہمیں رقم آج رات سے پہلے چاہیے۔'' بیدو نے ٹانگ اڑائی۔

''مل جائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''وہ اڑنے والی مشین کی مدد سے بھیج دے گا۔''

''اگر شام تک رقم نہ ملی تو تم سب کے ٹکڑے کر دوں گا۔'' بیدو نے دھمکی دی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ جب وہ بحث کر رہے تھے تو میں نے دیکھ لیا تھا کہ ان دونوں نے بیدو کو کس طرح راضی کیا تھا۔ انہوں نے یقیناً اسے یہی کہا تھا کہ پہلے رقم حاصل کر لیتے ہیں اس کے بعد وہ ہمارے ساتھ اپنی مرضی کا سلوک کر سکتا تھا۔ وہ ہمیں دھوکا دے رہے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی میں نے ایک چانس لیا تھا۔ انہوں نے وسیم کو آزاد کیا اور اس دوران میں، میں اسے بظاہر اردو میں لیکن اس دوران میں اس میں پشتو شامل کر کے اسے بتاتا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ ترجمہ کرنے والا اتنا عقل مند نہیں تھا کہ میری بات سمجھ سکتا۔ ویسے بھی اس کی اردو کام چلاؤ تھی۔

انہوں نے وسیم کو کھولا اور اسے نیزوں کی زد پر وہاں سے لے گئے۔ انہوں نے اسے دھمکی دی۔ ''اگر ہمارے ساتھ کوئی دھوکا ہوا تو سب سے پہلے ہم تم کو ماردیں گے اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''فکر مت کرو ہمیں رقم کے مقابلے میں اپنی جان عزیز ہے۔'' میں نے ان سے کہا۔

وسیم کے ساتھ جانے والے بیدو کے دونوں ساتھی تھے۔ خود بیدو اور ترجمان وہیں رہ گئے تھے۔ ان لوگوں کے جاتے ہی بیدو نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ ''یہ مت سمجھنا کہ لالچ دے کر تم بچ جاؤ گے۔ تم ساری دنیا کی دولت دے کر بھی بیدو کے انتقام سے نہیں بچ سکتے۔''

''یہ دھوکا ہے۔ تم رقم لے کر بھی ہمیں مار دو گے۔''

''یہ میرے ساتھیوں کی بات ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''ورنہ میرا ارادہ تو تم کو چھوڑنے کا نہیں تھا۔''

''سنو اگر تمہیں اور رقم چاہیے تو.....''

''مجھے رقم نہیں چاہیے۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ وہ حریص نظروں سے سادھنا کا معائنہ کر رہا تھا۔ ''مجھے جو چاہیے وہ میں حاصل کر لوں گا۔''

اس نے سادھنا کو سیدھا کیا تو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا میں اسے گالیاں دینے لگا۔ میرے ہاتھ اتنی سختی سے بندھے تھے کہ میں انہیں کسی صورت نہیں کھول سکتا تھا۔ اس نے میری بے بسی پر ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا اور خبیثانہ انداز میں بولا۔ ''ابھی تیرے سامنے.....''

''اگر تو نے اسے ہاتھ لگایا تو میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔'' میں نے اسے گیدڑ بھبکی دی۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ میں اس حالت میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ وہ حقارت سے مسکرایا۔

''کیا کرلے گا تو۔'' وہ سادھنا کے پاس سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور اچانک میرے منہ پر گھونسہ مارا۔

''ایک بار میرا ہاتھ کھول کر دیکھ پھر بتاتا ہوں۔'' میں نے خون تھوکا۔ یہ ساری گفتگو ترجمان کے توسط سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چل رہی تھی۔

''ہاتھ بھی کھول دوں گا لیکن پہلے اپنا کام تو کرلوں۔'' اس نے مکاری سے کہا اور پھر سادھنا کی طرف بڑھا۔ پہلے شاید اس کا ارادہ تھا کہ جب وہ ہوش میں آجائے گی تب اپنی من مانی کرے گا لیکن سادھنا کی طویل ہوتی بے ہوشی کی وجہ سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ اور پھر اسے اپنے ساتھیوں کی طرف سے بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے جھک کر سادھنا کی شرٹ پر ہاتھ ڈالنا چاہا تھا کہ اس نے اچانک ہے بیدو کی رانوں کے عین درمیان میں لات ماری۔ وہ بالکل سامنے تھا۔ لات کی زد میں تھا اور سادھنا نے شاید پوری قوت استعمال کی تھی۔ پہلو کے زخم کی وجہ سے اس میں اتنی قوت نہیں تھی لیکن جتنی بھی تھی۔ اس نے بالکل ٹھیک وار کرنے میں استعمال کردی تھی۔ بیدو کے حلق سے کسی چوٹ کھائے کتے جیسی آواز نکلی اور وہ پیٹ دباتے ہوئے پیچھے ہٹا تھا۔ پھر لڑکھڑا کر گر گیا۔ ترجمان میرے ساتھ ہی کھڑا تھا اور میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کے گھٹنے پر لات ماری۔ اگرچہ وہ ذرا دور تھا لیکن میں نے وار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر کر میری حد سے دور چلا گیا۔ میری ضرب اتنی زوردار تھی کہ اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا اور وہ زمین پر پڑا ہوا اپنا گھٹنا تھامے چلا رہا تھا۔

''شاباش سادی۔'' میں چلایا۔ وہ کھڑی ہوگئی تھی اور اس بار بیدو کے منہ پر لات مارنے جا رہی تھی۔ میں نے اسے روکا۔ ''نہیں کہیں اور مت مارنا۔ اسے وہیں مارو۔''

مرد کے لیے اس سے زیادہ اذیت ناک چوٹ اور کوئی نہیں ہوتی ہے لیکن اگر اس چوٹ پر کہیں اور بھی چوٹ لگ جائے تو اس کا اثر زائل ہونے لگتا ہے۔ اسی لیے میں نے سادھنا کو منع کیا تھا۔ وہ کھڑی ہوگئی تھی لیکن اتنی دیر ساکت پڑے رہنے سے اس کا جسم بھی پوری طرح کھلا نہیں تھا۔ ان لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے وہ بالکل ساکت رہی تھی۔ ترجمان اپنا گھٹنا پکڑ کر رو رہا تھا۔ شاید اس کی ہڈی چیخ گئی تھی۔ ساتھ ہی وہ گالیاں دے رہا تھا۔ سادھنا لوٹتے بیدو کے اردگرد موقع کی تلاش میں گھومنے لگی اور جیسے ہی وہ سیدھا ہوا اس نے ایک بار پھر اسے لات رسید کی۔ مگر یہ لات اس کی ران پر لگی۔ زور میں سادھنا خود بھی گر گئی تھی۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی تھی۔ وہ بھی زخمی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''سادی مجھے کھولو۔''

وہ بمشکل اٹھ کر میری طرف بڑھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ پہلو سے اس کی شرٹ سرخ ہو رہی تھی۔ اس کی جیکٹ ان لوگوں نے پہلے ہی اتار دی تھی لیکن اس سے پہلے وہ میرے پاس آتی بیدو نے اسے عقب سے کھینچ لیا۔ اس نے چیخ ماری اور خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ وہ دیوانہ ہو رہا تھا اور نہ جانے کیا کہتے ہوئے سادھنا کو قابو کرنے کوشش کر رہا تھا۔ وہ بہرحال مرد تھا اور سادھنا زخمی بھی تھی۔ وہ ایک حد سے زیادہ مزاحمت نہیں کرسکتی تھی۔ بیدو نے اسے دو بار تھپڑ مارا تو اس کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ وہ سسکیاں لینے لگی تھی۔ میری حالت کسی پنجرے میں بند جانور کی سی ہو رہی تھی اور میں اپنے ہاتھ کھولنے کی انتہائی حد تک کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی میں بلند آواز سے وسیم کو آواز دے رہا تھا۔ سادھنا نے آخری کوشش کے طور پر بیدو کو ہاتھ پر دانت کاٹ لیا۔ جواب میں اس نے سادھنا کے سر پر گھونسہ مارا تھا۔ وہ بے سدھ ہوگئی تھی۔ بیدو کے ہاتھ اس کے گریبان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف بڑھے تو میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ مجھ میں یہ سب دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔ اتنی بے بسی میں نے شاید ہی کبھی محسوس کی تھی۔

میری آنکھوں میں بے بسی کے آنسو آ گئے تھے۔ اور میں نے دل کی گہرائیوں سے اس کائنات کے خالق کو یاد کیا تھا۔ شاید وہ قبولیت کا وقت تھا۔ اسی لمحے مجھے ایک دھاڑتی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی شیر گرجتا ہے۔ میں دھندلائی آنکھوں سے کسی کو بیدو پر چھلانگ لگاتے دیکھا۔ بیدو کے حلق سے ایسی آواز نکلی تھی جیسے کوئی لکڑ بھگا کسی شیر کی گرفت میں آ گیا ہو۔ وہ شیر ہی تھا۔ وسیم نے اسے سادھنا پر سے کھینچ کر اٹھایا اور ہوا میں بلند کر کے یوں پٹخ دیا جیسے وہ روئی کا بنا ہو۔ بیدو کے حلق سے ایک اور چیخ نکلی تھی۔ اس کے بعد وسیم نے اپنے ہاتھ میں موجود خون آلود چاقو سے اس کے ہاتھوں اور پیروں کی نسیں اتنی پھرتی اور مہارت سے کاٹی تھیں کہ میں حیران رہ گیا۔

ایک منٹ کے اندر وہ کسی بے بس کیچوے کی طرح زمین پر پڑا تھا۔ اس کے بعد وسیم میری طرف آیا اور اس نے میری رسی کاٹ دی۔ یہ کام کر کے اس نے خوف سے ساکت ترجمان کے بال پکڑے اور اس سے پہلے میں اسے روکتا اس نے ایک ہی وار میں اس کی گردن کاٹ دی۔ میں اس کے انجام پر توجہ دیئے بغیر سادھنا کی طرف لپکا۔ اس کے پہلو سے خون بہہ رہا تھا۔ بیدو نے اسے قابو کرنے کے لیے بے دردی سے اس کے زخم پر چوٹیں لگائی تھیں۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ وسیم کے چہرے پر ایسی درندگی میں نے پہلی بار دیکھی تھی۔ میں نے سادھنا کی نبض دیکھی جو سست ہو گئی تھی۔

''یہ محفوظ ہے لیکن زخم پھر سے ہرا ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

وسیم کچھ کہے بغیر بیدو کی طرف بڑھا تھا۔ اس سے پہلے وہ اسے بھی مار دیتا میں نے اسے روک دیا۔

''نہیں یہ اتنی آسان موت کا حق دار نہیں ہے۔''

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں میں تو اس کی آنکھیں نکال رہا ہوں۔'' اس نے یوں کہا جیسے اس کی جیب سے کچھ نکال رہا ہو اور پھر اس نے واقعی تڑپتے بیدو کی آنکھیں یوں نکال دیں جیسے کوئی عام سا کام ہو۔ بیدو نے اتنی چیخیں ماریں کہ آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ میں نے سادھنا کی شرٹ اوپر کی اور اس کا زخم دیکھا۔ اس سے خون رس رہا تھا۔ اور اندر کچھ سوجن بھی لگ رہی تھی۔ میں نے وسیم کو آواز دی۔

''دیکھنا مجھے لگ رہا ہے کہ اندر بھی خون جمع ہو رہا ہے۔''

اس نے سوجن دیکھی۔ ''ہاں اندر جریان خون ہو رہا ہے۔ اوپر سے زخم کھولنا پڑے گا۔''

''اس چاقو سے۔'' میں چاقو دیکھا جس پر کم سے کم چار افراد کا خون لگا ہوا تھا۔ ''ان دو کا کیا کیا؟''

''جو اس کا کیا ہے۔'' وسیم نے ترجمان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسی وجہ سے کچھ دیر ہو گئی تھی۔''

''مجھے خدشہ تھا کہ تم راستہ نہ بھٹک جاؤ۔''

''ایسا ہی ہوا تھا۔ یہاں قریب آ کر میں راستہ کھو بیٹھا تھا لیکن جب آپ نے میرا نام پکارا تو مجھے راستہ مل گیا۔''

''اسی وجہ سے میں تمہیں آواز دے رہا تھا۔ میرے ذہن میں تھا کہ تم راستہ نہ بھول جاؤ۔ شکر ہے تم بر وقت آ گئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے تڑپتے بیدو کی طرف دیکھا اور پہلی بار مسکرایا۔ ''آپ نے ٹھیک کہا تھا۔ قدرت ہمیں موقع دے گی اور ہم اپنے ارمان نکالیں گے۔''

''میں نے اسی وجہ سے تمہیں لے جانے کو کہا تھا کہ تمہارے پاس چاقو تھا اور تم اس کا استعمال کر سکو گے۔''

''آپ نے یہ بھی ٹھیک کہا تھا کہ اس کا موقع پر استعمال ہی کام آئے گا۔ اگر میں اسے جھونپڑی میں نکال لیتا تو آج شاید ان دونوں پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود وہ شدید مزاحمت کرتے رہے تھے حتیٰ کہ میں نے ان کو مار اتب ان کی مزاحمت ختم ہوئی تھی۔''

اس وقت میں نے پہلی بار دیکھا اس کا بازو زخمی تھا لیکن یہ معمولی سا زخم تھا۔ میرا ہاتھ ابھی تک تکلیف دے رہا تھا اگر چہ اب اس کی شدت میں خاصی کمی آئی تھی۔ میں نے پہلے ترجمان کی تلاشی لی اور حسبِ توقع مجھے ماچس مل گئی۔ میں نے اسے وسیم کے حوالے کیا۔ ''تم آگ جلاؤ میں ان لوگوں کا سامان تلاش کرتا ہوں۔''

''کیسا سامان؟'' وہ چونکا۔

''یہ لوگ ہمیں اتنی دور تک خود اٹھا کر نہیں لائے ہوں گے۔ انہوں نے یقیناً کسی جانور کو استعمال کیا ہوگا اور ممکن ہے ان کو پاس کھانے پینے کو بھی کچھ ہو۔''

آس پاس درختوں میں تلاش کرنے پر مجھے دو گدھے مل گئے ان میں سے ایک پر تھیلا لدا ہوا تھا۔ میں نے اسے کھولا تو اندر سے حسبِ توقع کھانے اور پینے کو بہت کچھ مل گیا تھا۔ ساتھ میں کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔ میں گدھوں کو اپنے ساتھ لے آیا۔ اتنی دیر میں وسیم نے گھاس پھونس جمع کر کے آگ جلائی تھی۔ پہلے اس نے پانی سے چاقو صاف کیا اور اس کے بعد اس کی نوک آگ پر رکھ کر جراثیم سے صاف کی تھی۔ میں تھیلے کی تلاشی لے رہا تھا اس میں ایک چھوٹا سا دھاتی ڈبا تھا جس میں کوئی مرہم نما چیز تھی۔ اس سے ناگوار سی بو اٹھ رہی تھی۔ ممکن ہے یہ کچھ اور ہوتا اور ہم اسے سادھنا کے زخم پر لگانے کا رسک نہیں لے سکتے تھے۔ البتہ تھیلے سے کام کی ایک چیز یعنی کچھ روئی مل گئی تھی جو انہوں نے نہ جانے کس مقصد کے تحت رکھی تھی۔

سادھنا کو وسیم نے ایک طرف درخت کے ساتھ لٹا دیا تھا۔ اس کا سر تنے سے ٹکا ہوا تھا اور وہ بدستور بے ہوش تھی۔ بیدو نے اس کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا تھا۔ وسیم نے بیدو کے ساتھ جو کیا تھا وہ اس سلوک کا بدل نہیں تھا لیکن ہم درندے نہیں تھے جو انتقام میں حد سے گزر جاتے۔ پھر ابھی سادھنا کی فکر بھی تھی۔ وسیم نے چاقو لیا اور میری طرف دیکھا۔

''اسے پکڑ لیں۔ ورنہ یہ ہلے گی تو چاقو کسی اور جگہ نہ لگ جائے۔''

میں نے سادھنا کو مضبوطی لیکن اس طرح قابو کر لیا کہ اس کے زخم پر زور نہ آئے۔ وہ کسمسائی اور پھر مزاحمت کرنے لگی۔ ''چھوڑو مجھے..... ذلیل کہیں کے۔''

''سادی ہوش میں آؤ۔'' میں نے اس کے گال کو تھپتھپایا۔ ''یہ میں ہوں۔''

دو تین بار تھپتھپانے پر اسے ہوش آ گیا تھا۔ پہلے وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوئی پھر کسی بچی کی طرف چیخ گئی۔ ''شوبی وہ کہاں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنے انجام کو پہنچ رہا ہے۔ خدا نے تم کو محفوظ رکھا اور اسے عبرت کا نشان بنا دیا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''وہ دیکھو۔''

میں نے سادی کو بیدو کا حال دکھایا تو وہ خوش ہو گئی تھی۔ ''اس کتے کا اس سے بھی برا حال ہونا چاہیے۔'' اس نے کہا۔ وہ اتنی جوش میں آ گئی تھی کہ اگر زخمی نہ ہوتی تو خود بیدو کو قتل کرنے کے لیے کھڑی ہو جاتی۔ پھر اسے وسیم کا خیال آیا۔ ''وسیم کہاں ہے؟''

''یہاں ہوں۔'' وسیم سامنے آیا اس نے چاقو گرم کر کے صاف کر لیا تھا۔ ''تمہارے زخم کا ایک چھوٹا سا آپریشن کرنا ہے۔''

''آپریشن۔'' وہ سہم گئی تھی۔

''ہاں اندر چوٹ لگنے سے خون جمع ہو رہا ہے وہ خرابی کا باعث بن سکتا ہے اسے نکالنا ہوگا۔''

سادھنا ڈر رہی تھی لیکن ہم نے اسے تیار کر لیا۔ وسیم نے مہارت سے کٹ لگا کر اندر جمع ہونے والا خون نکال دیا اور پھر زخم میں درخت کے پتے بھر دیے۔ ہمارے پاس ایک یہی علاج تھا۔ کچھ دیر بعد اس کا خون رک گیا تھا۔ ہم نے تھیلے میں موجود چیزیں کھائیں۔ ان میں روٹی اور اچار تھا۔ اس کے علاوہ کچھ شہد بھی تھا۔ اس دوران میں وسیم بتاتا رہا کہ اس نے کیا کیا۔ سادھنا اسے یوں دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس نے سادھنا کو نہیں بچایا تھا ایک دنیا فتح کر لی تھی۔ عورت کے لیے وہی مرد اہم ہوتا ہے جو اسے فتح کر لے اور آج ایسا لگ رہا تھا کہ وسیم نے اسے فتح کر لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غرور کی چمک نمودار ہوئی تھی۔

کھانے پینے اور کچھ دیر آرام کے بعد ہماری حالت خاصی بہتر ہوئی تھی۔ دوپہر ہونے کے قریب تھی اور ہمیں جلد از جلد اس علاقے سے نکل جانا تھا۔ کیونکہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہاں ہمیں قبائلیوں سے واسطہ پڑ جائے اور ان کے چار افراد کا قتل ایسا جرم نہیں جسے وہ معاف کر دیتے۔ ہم نے ان کا اسلحہ یعنی نیزے سمیٹے۔ آتشیں اسلحہ ان کے پاس نہیں تھا اور نہ ہی تیر کمان تھے۔ باقی دو گدھے تھے اور کھانے پینے کا کچھ سامان تھا۔ وسیم نے کہا۔

''اب ہمیں کہاں جانا چاہیے۔''

''شمال کی طرف۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم جتنی جلدی اس علاقے سے دور نکل جائیں ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا۔''

''میں نے جن دو کو مارا تھا ان کی لاشیں چھپا دی تھیں۔ میرا خیال ہے ان کے ساتھ بھی یہی کرتے ہیں۔ یہ جتنی دیر سے ملیں گی ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا۔''

میں نے بیدو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے یہ ابھی لاش نہیں ہے۔''

بیدو کا خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا اور وسیم نے اس کی آنکھیں بھی نکال لی تھیں۔ یہ اس کے کرتوتوں کی کم سے کم سزا تھی جو ہم اسے دے سکتے تھے۔ وسیم نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ ''اس کا فیصلہ سادھنا کرے گی۔''

اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اول تو بچے گا نہیں اور بچ بھی گیا تو باقی عمر زندہ رہنا اس کے لیے زیادہ برا ہی ہوگا۔''

لہٰذا طے پایا کہ ہم بیدو کو ایسے ہی چھوڑ جائیں گے۔ اب اس کی قسمت میں زندگی تھی تو وہ بچ جائے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے ترجمان کی لاش اور بیدو کی زندہ لاش کھینچ کر جھاڑیوں میں کر دی اور وہاں سے ممکنہ حد تک اپنی موجودگی کے نشان مٹا دیئے۔ وسیم نے ترجمان کا صدری نما لباس اتار لیا تھا کیونکہ سادھنا کے جسم پر اب جیکٹ نہیں تھی اور ہمیں جیکٹ سامان میں بھی نہیں ملی تھی شاید گاؤں میں اتار لی گئی تھی۔ بیدو کے پاس سے کچھ کرنسی بھی نکلی تھی۔ یہ دو سو بیس بھارتی روپے تھے۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ کہاں ہم رانا ویاس سے پچیس لاکھ روپے لے کر نکلے تھے اور کہاں اب ہمارے پاس پانچ سو روپے بھی نہیں تھے۔ پھر بھی ایک بہت بڑی آزمائش سے بچانے پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ ہم نے ایک گدھے پر سادھنا کو بٹھایا گیا تھا اور دوسرے پر تھیلا تھا۔

مجھے یا وسیم کو بالکل نہیں معلوم تھا کہ ہم قبیلے سے کس طرف تھے۔ ممکن ہے کہ ہم اس کے جنوب میں ہوتے اور جب شمال کی طرف سفر کرتے تو ایک بار ان کے علاقے میں پہنچ جاتے مگر ہمیں شمال کی طرف ہی جانا تھا اس لیے اللہ کا نام لے کر اس طرف چل پڑے۔ پیچھے ہمارے دشمن تھے اور اس طرف جانا کسی صورت مناسب نہیں ہوتا۔ اچانک وسیم نے کہا۔

''شہباز صاحب میرے ذہن میں ایک بات آ رہی ہے۔''

''ہاں کہو۔'' میں نے کہا۔ سادھنا بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''یہ جگہ نیپال اور بھوٹان کے درمیان ہے اگر ہم سرحد عبور کر کے ان میں سے کسی ملک چلے جائیں تو بھارت کی نسبت محفوظ ہو سکتے ہیں۔''

اس کی بات قابل غور تھی۔ رانا ویاس نے بھی شاید یہی بتایا تھا کہ یہ علاقہ نیپال اور بھوٹان کے قریب تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ان ملکوں میں بھی ہم غیر قانونی طور پر ہی داخل ہو سکتے ہیں۔''

'درست..... لیکن بھارت میں ہم مطلوب مجرم ہیں۔ جب کہ نیپال میں ہم اپنے سفارت خانے سے رابطہ بھی کر سکتے ہیں۔''

''ہاں یہ تم نے ٹھیک کہا لیکن کیا ہم اتنی آسانی سے سرحد عبور کر سکتے ہیں؟''

''کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''اس ملک سے تو نکلیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن دوست تم کچھ چیزیں نظر انداز کر رہے ہو۔ یہاں بیتو اور راجا عمر دراز دونوں غائب ہیں۔''

''ایک بار ہم محفوظ مقام پر پہنچ جائیں تو ان کے لیے بھی کچھ کر سکتے ہیں۔''

وسیم شاید سادھنا کی وجہ سے کہہ رہا تھا اور درست کہہ رہا تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی مشکل میں پڑ گیا تھا تو اس کی وجہ سے باقی سب کو مشکل میں ڈالنا بالکل بھی عقل مندی نہیں تھی۔ اگر بیتو اور راجا عمر دراز کا ملنا ہماری قسمت میں تھا تو وہ پھر مل جائیں گے۔ یہاں ہمارے لیے مشکلات بڑھ رہی تھیں اور ان سے نکلنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا سادھنا کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ حوصلے سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی لیکن زخم کا پھر سے ہرا ہونا اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ خون ضائع ہونے سے اس کی کمزوری بڑھ گئی تھی۔ اسے جلد از جلد کسی ایسی جگہ پہنچانا ضروری تھا جہاں اسے مکمل آرام اور علاج مل سکے۔ اس ویرانے میں اگر اس کی طبیعت خراب ہو جاتی یا اس کے زخم میں انفکشن ہو جاتا تو ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سر ہلایا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں یہاں سے نکلنا چاہیے۔ باقی معاملات بعد میں دیکھے جا سکتے ہیں۔''

وسیم خوش ہو گیا۔ ''یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ ایک بار ہم اس جنجال سے نکلیں تو سکون سے بیٹھ کر سوچ بھی سکتے ہیں۔''

میں گدھے کے ساتھ چلتے ہوئے سادھنا کو سہارا دے رہا تھا کیونکہ اس کے لیے اپنے بل بوتے پر بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا اور میں گدھے پر اس کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ گدھا بے چارہ کمزور سا تھا۔ سادھنا کی طبیعت خراب ہونے لگی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی میرا..... سر چکرا رہا ہے۔''

''سادی حوصلہ رکھو ہم یہاں سے نکل جائیں پھر کہیں رک سکتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تم حوصلہ کرو۔ اس ویرانے میں تم ہی ہمارا حوصلہ ہو۔''

اس نے میری طرف دیکھا اور بولی۔ ''سچ؟''

''سو فی صد سچ۔ تمہارا ذرا سا حوصلہ ہمارے حوصلے کو ان پہاڑوں سے بھی بلند کر دے گا۔''

''تب میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا اور گدھے پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وسیم جو ہماری باتیں سن رہا تھا مسکرانے لگا اس نے میرے پاس آ کر آہستہ سے کہا۔ ''یو آر ریئلی دی باس۔''

''شکریہ میرے دوست لیکن مجھے فخر ہے میں تم جیسے لوگوں کا باس ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

ہمارا اس علاقے سے جلد از جلد نکل جانا ضروری تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ قبیلے والے ہمیں تلاش کر رہے تھے اور جلد ان کو اپنے آدمیوں کی لاشیں مل جاتیں اس کے بعد وہ ایک منظم انہ ردِعمل کے ساتھ ہمارے پیچھے لگ جاتے۔ ہم ان کی پہنچ سے جتنا دور نکل جاتے اتنا ہی بہتر تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ نیپال کی سرحد اس جگہ سے کتنی دور تھی لیکن اگر ہم شمال مغرب کی طرف سفر کرتے رہتے تو نیپال تک پہنچ جاتے۔ بھوٹان ہمارے دائیں طرف تھا یعنی اس کے لیے الٹی سمت میں جانا پڑتا۔ بھوٹان اصل میں بھارت کی ایک طفیلی ریاست ہے اور ہم وہاں کسی صورت محفوظ نہیں ہوتے اس کے مقابلے میں نیپال ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے۔ اگرچہ یہ بھی بھارت کے دباؤ میں رہتا ہے کیونکہ اس کی تجارت کے سارے راستے بھارت سے ہو کر جاتے ہیں اور کچھ عرصے پہلے بھارت نے اس بات پر ناراض ہو کر کہ نیپال چین سے روابط بڑھا رہا ہے اس کی تجارتی راہداری ختم کر دی تھی جو بین الاقوامی معاہدوں کی صریحاً خلاف ورزی تھی لیکن بھارت کیونکہ ایک بڑا ملک ہے اس لیے دنیا میں کسی نے نیپال کی حالت پر توجہ نہیں دی اور مجبوراً اسے بھارت کے سامنے جھک کر بات کرنا پڑی تھی۔ نیپال کے پاکستان سے بھی اچھے تعلقات ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہاں پر پاکستانی سفارت خانہ ہے۔ اس لیے ہمارا نیپال جانا ہی مناسب تھا۔ ہمیں وہاں مدد ملنے کا امکان بہت زیادہ تھا۔

یہ جگہ کسی قدر ہموار تھی اور جنگل میں راستے بھی کشادہ تھے لیکن آگے اونچی ہوتی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہمیں شام سے پہلے وہاں پہنچ جانا تھا۔ وہاں ایک تو ہم محفوظ ہوتے اور دوسرے رات گزارنے کے لیے کوئی جگہ بھی مل سکتی تھی۔ اس جنگل میں تو رات کھلے آسمان تلے ہی بسر کرتے۔ وسیم نے راستے میں [redacted] والے ایک برساتی نالے میں موجود پانی بوتلوں میں جمع کر لیا۔ ہم سب نے منہ ہاتھ دھویا اور وسیم نے وہ صدری بھی دھو دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو اس نے ترجمان کے جسم سے اتاری تھی۔ اس پر خون لگا تھا۔ جس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ ہم پہاڑوں میں داخل ہوئے تھے۔ یہ تہہ در تہہ پہاڑ تھے اور ان کے انتہائی شمال میں برف نظر آ رہی تھی۔ روشنی کم ہونے کے ساتھ سردی میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔

سادھنا اگرچہ اب تک حوصلے کا مظاہرہ کرتی رہی تھی لیکن اب اس کی حالت ہر گزرتے لمحے خراب ہو رہی تھی۔ اگر میں نے اسے سہارا نہ دے رکھا ہوتا تو شاید وہ گر جاتی۔ ایک جگہ رکتے ہوئے میں نے وسیم سے کہا۔ ''تم کوئی جگہ تلاش کرو جہاں رات گزاری جا سکے۔ اب سادھنا کے لیے مزید سفر کرنا مشکل ہے میں اس کے پاس ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں آس پاس کوئی جگہ دیکھتا ہوں۔'' اس نے سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔ میں نے سادھنا کو گدھے سے اتار کر ایک صاف جگہ لٹایا۔ وہ غشی والی کیفیت میں تھی۔ اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''شوبی مجھے لگ رہا ہے میں بھی مر جاؤں گی۔''

اس کی بات سن کر ایک لمحے کو میرا دل رک گیا تھا لیکن میں زبردستی ہنسا۔ ''پاگل اتنے سے زخم سے کوئی مرتا ہے۔ بس تم کو کمزوری ہو رہی ہے۔''

''اچھا۔'' اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔ ''کیوں نہیں زیادہ سے زیادہ پرسوں تک تم کو اپنی اس بات پر ہنسی آ رہی ہوگی۔''

میں نے اس کی توجہ بٹانے کے لیے کچھ باتیں کیں تو اس کا موڈ خوش گوار ہو گیا تھا۔ پھر اسے مستقبل کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ ''شوبی میں بھارت کی شہری ہوں..... میں تمہارے ملک کیسے جاؤں گی؟''

''تم فکر مت کرو ہم کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔ پیسے سے اس دنیا میں ہر جائز ناجائز کام ہو جاتا ہے۔''

''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔''

تھیلے سے بوتل نکال کر سادھنا کو پانی پلا کر میں نے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ کچھ دور مجھے ایک چٹان سی دکھائی دی۔ جس کے سامنے تین چار درخت اور کچھ گھنی جھاڑیاں تھیں۔ میں نے سادھنا سے کہا۔ ''سادھنا میں وہاں تک جا رہا ہوں تم ذرا ہوشیار رہنا۔''

وہ فکر مند ہوئی تھی لیکن اس نے مجھے روکا نہیں۔ میں اس جگہ آیا۔ یہ ایک بڑی سے گنبد نما چٹان تھی۔ جس کے سامنے درخت اور جھاڑیاں ہونے کی وجہ سے یہ کسی کی نظر سے محفوظ تھی۔ میں اتفاق سے اس کے عین نیچے رکا تھا اس لیے مجھے نظر آ گئی۔ میں نے سوچا اگر وسیم کوئی مناسب جگہ تلاش نہ کر سکا تو ہم رات یہاں بسر کریں گے۔ میں واپس آیا اور وسیم کا انتظار کرنے لگا۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد آیا تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی جگہ تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کوئی جگہ نہیں ملی۔ اگر مجھے آپ لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو میں اور آگے جاتا۔''

''تم نے اچھا کیا، میں نے ایک جگہ دیکھی ہے۔'' میں اسے چٹان تک لایا۔ ''یہ کیسی ہے؟''

''اچھی ہے۔'' اس نے اردگرد دیکھا۔ ''لیکن عین پہاڑوں میں داخلے والی جگہ ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پھر بھی نظروں سے اوجھل ہے۔''

وسیم راضی ہو گیا۔ ہم نے سب سے پہلے چٹان تلے والی جگہ صاف کی وہاں کیڑے مکوڑے نظر نہیں آ رہے تھے اس کے باوجود احتیاط اچھی چیز تھی۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ اس علاقے میں سانپ بچھو پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ اس معاملے ہم صرف قدرت پر بھروسہ کر سکتے تھے۔ جھاڑیوں اور گھاس کی مدد سے بستر تیار کیا اور اس پر سادھنا کو لٹایا اسے آرام کی اشد ضرورت تھی۔ جب تک وسیم لکڑی لایا میں نے الاؤ کے لیے پتھر جمع کر کے جگہ بنائی۔ گدھے جھاڑیوں کے ساتھ باندھ دیئے تھے جہاں ان کو کھانے کے لیے پتے مل جاتے۔ اس دوران میں سورج غروب ہو گیا اور ہم نے الاؤ جلا لیا۔ آگ کی وجہ سے سردی کی شدت میں کمی ہوئی تھی۔ ہم نے پہلے سادھنا کو کھانا دیا اور وہ کھا کر لیٹتے ہی سو گئی تھی۔ اسے ہلکا ہلکا بخار ہو گیا تھا۔ اس کا زخم بظاہر ٹھیک تھا۔ شاید یہ تھکن اور کمزوری سے بخار ہوا تھا۔

اس کے بعد ہم نے کھایا تھا۔ جب تاریکی ہوئی تو میں نے چٹان والی جگہ سے باہر آ کر دیکھا کہ الاؤ کے شعلے کہیں دور سے تو متوجہ نہیں کر رہے ہیں لیکن آگ کی روشنی جھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے محدود تھی۔ پھر رات بھی تاریک نہیں تھی جو ذرا سی روشنی بھی نمایاں ہو جاتی۔ اس لیے میں مطمئن واپس آ گیا۔ سادھنا گہری نیند میں تھی اس روز تھکن سے ہم سب کا برا حال تھا۔ میں اور وسیم بھی ایک طرف دراز ہو گئے۔ گھاس اور پتوں سے بنا بستر نرم اور سردی سے بچا رہا تھا۔ پھر الاؤ کی وجہ سے سردی کا احساس کم رہ گیا تھا۔ ہم نیپال والے پلان کے بارے میں بحث کرنے لگے۔

''ہم وہاں غیر قانونی طریقے سے داخل ہوں گے اگر پکڑے گئے تو؟'' وسیم نے پوچھا۔

''تو جیل جائیں گے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔

''اگر ہم اس کی بارڈر فورس سے بچ کر نکل گئے تب بھی آگے اپنے مسئلے کیسے حل کریں گے؟''

''دولت ہمارے مسئلے حل کر سکتی ہے لیکن وہ ہمارے پاس نہیں رہی۔'' میں نے کہا۔ ''اس بدمعاش سردار نے ساری دولت آرام سے ہضم کر لی اور اب عیش کرنے کے منصوبے بنا رہا ہو گا۔''

''ہم اسے کتنا شریف سمجھ رہے تھے۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''ویسے وہ پہلے بھی کم عیش نہیں کر رہا ہے اس کی تازہ ماڈل کی بیوی دیکھی ہے۔''

''یہ تو تم نے ٹھیک کہا وہ بدمعاش پہلے ہی مزے میں ہے لیکن پچیس لاکھ روپے اس کی اوقات سے بہت زیادہ ہیں۔ اگر اس نے عقل مندی کی تو شہر کا رخ کرنے کے بجائے اس علاقے میں کہیں بڑی اور اچھی زمین خرید کر جاگیردار بن جائے گا۔''

وسیم نے سرد آہ بھری۔ ''کاش میں اس منحوس بستی سے اٹھتا دھواں نہ دیکھتا۔''

''تقدیر کا لکھا تو پورا ہوتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تمہیں کیا پتا تھا کہ وہاں ہمارے لیے کون سی مصیبت انتظار کر رہی ہے۔''

''نیپال میں داخل ہونے کے بعد ہم کسی طرح سفیر سے رابطہ کر لیں تو کم سے کم رقم کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں لیکن سفیر سے رابطہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ اصل مسئلہ اس سے رقم منگوانا ہوگا۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے رقم منگوائی جا سکے۔ ہمارے پاس نہ تو کوئی شناختی چیز ہے اور نہ پاسپورٹ۔''

''کوئی نہ کوئی راستہ ہوگا جناب۔ کسی ہنڈی والے سے رابطہ کریں گے۔''

''چلو ایک بار وہاں پہنچ تو جائیں۔'' میں گھاس پر دراز ہو گیا۔

وسیم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے آپ سو جائیں میں جاگتا رہوں گا۔''

''ہاں لیکن جب نیند زیادہ آنے لگے تو مجھے جگا دینا۔'' میں نے کہا۔

اس کے چند منٹ بعد میں سو چکا تھا۔ وسیم جاگ رہا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ اسے نہیں معلوم کہ کس وقت وہ بھی سو گیا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ تھکا ہوا تھا اور پھر اس کے ہاتھوں چار افراد مارے گئے تھے۔ اس نے آج بہت سخت دن گزارا تھا اس کا بوجھ بھی اس کے اعصاب پر تھا۔ وہ پُرسکون ہو کر لیٹا تو نہ جانے کس وقت اس کی آنکھ خود بہ خود بند ہو گئی۔

اچانک کسی نے درشت انداز میں میرے پیر پر ٹھوکر ماری۔ خطرے کے احساس کے ساتھ میں تیزی سے اٹھا تھا لیکن اتنی دیر میں آنے والے ہمارے چاروں طرف گھیرا تنگ کر چکے تھے۔ ابھی تاریکی تھی اور الاؤ کی روشنی بھی مدہم ہو گئی تھی لیکن آنے والوں کے پاس مشعلیں تھیں اور جن کی روشنی یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ ہم ایک بار پھر قبائلیوں کے چنگل میں پھنس گئے تھے۔ ان کی تعداد نصف درجن تھی اور وہ سب مشتعل تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھ لی تھیں۔ وہ زور زور سے بول رہے تھے اور اپنے نیزے لہرا رہے تھے۔ ان کے شور سے سادھنا کی آنکھ بھی کھل گئی تھی اور وہ چیخ مار کر وسیم سے لپٹ گئی وہ بھی اب جاگ گیا تھا۔ میں نے ہاتھ اوپر کیے۔

''میری بات سنو۔'' میں نے کہنا چاہا لیکن اسی لمحے کسی نے نیزے کا سرا میرے سر پر مارا۔ میں چکرا کر گر پڑا تھا۔ میں بے ہوش نہیں ہوا تھا لیکن کچھ دیر کے لیے خالی ذہن ضرور ہو گیا تھا۔ ذرا سی غفلت سے ہم پھر اسی مصیبت میں پڑ گئے تھے۔ جس سے جان پر کھیل کر نکلے تھے۔ وسیم نے ایک گھنٹے میں چار افراد کو پوری بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اب اس کا خمیازہ بھی ہم کو ہی بھگتنا تھا۔

مجھے ذرا ہوش آیا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے ہاتھ پشت پر باندھے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ میں مزاحمت کے قابل ہوتا مجھے باندھ دیا گیا تھا۔ وسیم کے ساتھ بھی شاید یہی سلوک ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ لوگ تیز تیز لہجے میں بول رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیں قیدی بنا کر لے جانا چاہ رہے تھے کیونکہ مارنا ہوتا تو اتنا انتظار نہ کرتے اور نہ ہی باندھنے کی زحمت کرتے۔ مجھے مارنا تو بہت آسان تھا۔ کیونکہ میں پہلے ہی تقریباً بے ہوش تھا۔ وسیم کا حلیہ ایک بار پھر خراب تھا اس نے مزاحمت کی تھی۔ اس وجہ سے اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ البتہ سادھنا کو عورت ہونے کی وجہ سے چھوٹ ملی تھی۔ کسی نے اسے نہیں چھیڑا تھا۔ وہ ایک طرف سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ ان میں سے تین ہمارے سروں پر نیزے تانے کھڑے تھے۔ باقی اپنے گدھوں اور دوسرے سامان کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ہماری تلاشی لے کر ہمارے پاس سے سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

''سوری شہباز صاحب۔'' وسیم نے معذرت کی۔ ''پتا نہیں کیسے میری آنکھ لگ گئی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں دوست میں پھر یہی کہوں گا کہ یہ سب ہماری قسمت میں لکھا تھا۔ اب دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''یہ تمہاری غفلت نہیں ہے بلکہ تقدیر کا فیصلہ ہے جس نے تمہیں تھپک کر سلا دیا۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''آپ کو امید ہے کیا ہم ایک بار پھر ان لوگوں کے چنگل سے نکل سکیں گے۔''

''امید کا دامن تو میں کبھی نہیں چھوڑتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کیونکہ خدا کی رحمت پر مجھے پورا یقین ہے۔''

ہم تقریباً سات آٹھ گھنٹے سوئے تھے اس لیے اب اتنی تھکن کا احساس نہیں تھا۔ سادھنا کی حالت بھی ماضی بہتر تھی۔ اس کے زخم کی سوجن ختم ہو گئی تھی۔ اس نے بتایا کہ اب درد بھی اتنا نہیں تھا۔ ''آپ لوگ میرے لیے اتنا فکر مند نہ ہوں۔''

وسیم کا موڈ پھر بحال ہو گیا تھا۔ اس نے سرد آہ بھری۔ ''اگر تمہاری فکر نہ کریں تو پھر کسی کی فکر کریں۔ اصل ں ہمیں فکر کرنے کے لیے کوئی نہ ملے تو فکر لاحق ہو جاتی ہے۔''

''ان جنگلیوں کی فکر کرو۔'' سادھنا نے جل کر کہا۔ ''یہ ہمارے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کرنے والے ں۔''

قبائلی ہماری گفتگو سے بے نیاز اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ تلاشی کا عمل مکمل کر کے ان لوگوں نے میں چٹان تلے سے باہر نکالا۔ سادھنا کو انہوں نے گدھے پر بٹھایا تھا اور اس سے کسی نے برا سلوک بھی نہیں کیا ما۔ میں نے محسوس کیا کہ بیدو جیسے خبیث آدمی کی بات الگ تھی ورنہ عام طور سے یہ لوگ عورت سے برے ملوک کے قائل نہیں تھے۔ البتہ ہم سے وہ بہت درشت انداز میں پیش آ رہے تھے۔ دو تین بار انہوں نے بلا وجہ ھے اور وسیم کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ ان کا رویہ منطقی تھا ہماری وجہ سے ان کے قبیلے کے پانچ افراد مارے جا چکے تھے اور ان میں چار تو ہمارے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔

آسمان پر ستاروں کی موجودگی سے میں نے اندازہ لگایا کہ ابھی صبح ہونے میں خاصا وقت تھا۔ شاید تین گھنٹے باقی تھے۔ ان قبائلیوں نے ہماری تلاش میں حیرت انگیز مستعدی کا ثبوت دیا تھا اور چند گھنٹوں کی اندر ہمیں لاش کر لیا تھا۔ وہ تلاش کے ماہر تھے اور میں نے سنا ہے کہ اس قسم کے قبیلوں میں کھوجی ہوتے ہیں جو بالکل رست تلاش کرتے ہیں اور ذرا سے نشان کی مدد سے بتا دیتے ہیں کہ جانے والا کس سمت گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ،تعداد اور مرد عورت کا بھی بتا دیتے ہیں۔ ہمارے پیر کھلے تھے صرف ہمارے ہاتھ پشت پر کر کے باندھے گئے تھے۔ یعنی ہمیں پیدل ہی سفر کرنا تھا۔ وہ ہمیں لے کر فوری طور پر روانہ ہو گئے تھے۔ دو افراد نے گدھے سنبھال لیے تھے اور باقی ہمیں گھیرے ہوئے تھے۔ اب وہ ہماری طرف سے بجا طور پر محتاط تھے کہ ہم نے نہتے ہونے کے باوجود ان کے چار افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور مارے جانے والے سب ماہر شکاری تھے۔ اس لیے ارے بندھے ہونے کے باوجود وہ ہم سے پوری طرح محتاط تھے۔ انہوں نے اضافی مشعلیں بجھا کر صرف دو شعلیں روشن رکھی تھیں۔ ایک قافلے کے آگے تھی اور ایک پیچھے تھی۔ یہ دونوں گدھے چلانے والوں نے اٹھا ئی تھیں۔ باقی چار نے نیزے سنبھال رکھے تھے۔ ان میں سے کسی کو اردو نہیں آتی تھی۔ اس لیے ان سے بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اور شاید وہ بات کرنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ ان کے ذمے جو فرض عائد تھا وہ انہوں نے پورا کر دیا تھا۔ وہ ہمیں گرفتار کر کے لے جا رہے تھے۔

''اب بچت مشکل لگ رہی ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''یار جس نے پہلے بچایا تھا وہی اب بھی بچا لے گا اگر اسے منظور ہوا تو۔'' میں نے دل میں اس کی بات تسلیم کرنے کے باوجود کہا۔

''ہاں اگر ہماری قسمت میں ہوا۔'' وسیم نے سرد آہ بھری۔ ''ورنہ اس طرح کیوں پکڑے جاتے۔''

سادھنا سب سے آگے تھی اور ہم اس سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے بھی لگ رہا تھا کہ اس بار برے پھنسے تھے۔ پہلے ہم عام سے لوگ تھے جو بھٹک کر ان کے قبیلے کی حدود میں آ گئے تھے۔ اب ہم ان کے مجرم تھے ان کے پانچ افراد کے قاتل تھے۔ وہ کسی صورت ہمیں معاف نہیں کر سکتے تھے۔ ایک بار ہم ان کے قبیلے پہنچ جاتے تو رہائی مشکل ہو جاتی۔ اگر ہمیں رہائی کے لیے ہاتھ پیر ہلانے تھے تو ابھی ہلانے تھے لیکن مصیبت یہ تھی کہ انہوں نے کسی درخت کی خشک چھال سے بنی رسی استعمال کی تھی جس کی گرفت سخت اور بے حد مضبوط تھی۔ میں نے کوشش کی کہ کسی طرح اسے ڈھیلا کر سکوں لیکن وہ ڈھیلی ہونے کے بجائے اور سخت ہو گئی تھی شاید اس رسی کی اسی خاصیت کی وجہ سے یہ لوگ اس رسی کو استعمال کرتے تھے۔ وہ خود بھی چوکنا تھے۔ ہم میں سے کوئی ذرا سی حرکت کرتا تو وہ مستعد ہو جاتے تھے۔ ان کے نیزے ہم سے زیادہ دور نہیں تھے۔

اس وقت مجھے بیتو کا خیال آیا۔ کاش وہ آزاد ہو اور کہیں سے مدد کے لیے آ جائے۔ ہم ایک بار پھر آزاد ہو جائیں اور مل بھی جائیں۔ ایک مصیبت میں گھرے انسان کے ذہن میں اس قسم کے خوش کن خیالات آتے ہی ہیں۔ ورنہ بیتو نہ جانے کہاں تھا اور کس مصیبت میں پڑا تھا۔ ورنہ وہ ضرور واپس آتا۔ مجھے اپنی سوچ پر ہنسی آئی تھی۔ تو میرے دائیں طرف چلنے والے قبائلی نے اپنی زبان میں گڑگڑا کر کچھ کہا۔ غالباً وہ مجھے دانت بند کرنے کا حکم دے رہا تھا یا اس بات پر تعجب کر رہا تھا کہ میں اس صورتِ حال میں بھی ہنس سکتا تھا۔

میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''گھٹ کے مر جاؤں یہی مرضی ہے میرے صیاد کی۔''

قبائلی پہلے ہی مجھ پر برہم تھا۔ میری بے وقت کی لیکن بر وقت شاعری نے اسے مزید مشتعل کر دیا اور اس نے نیزے کو الٹا پکڑ کر اس سے مجھے ضرب لگانی چاہی تو اس کا ہاتھ اٹھے کا اٹھا رہ گیا پھر وہ دھڑام سے پیچھے جا گرا۔ میں نے تعجب اس کی طرف دیکھا تو اس کا نصف سر غائب تھا۔ اسی لمحے فائر کا دھماکہ گونجا تھا۔ قبائلی بنا آواز نکالے زمین پر گر کر ختم ہو گیا تھا اور دوسروں میں فائر کی آواز کے بعد بھگدڑ مچ گئی۔ اسی لمحے دوسرا فائر ہوا اور ایک قبائلی اور گرا تھا میں نے اس کا سر بھی اڑتے دیکھا تھا۔ فائر کرنے والا بے مثال نشانے باز تھا۔ میں نے بے تابی سے چاروں طرف دیکھا کہ کون ہمارا نجات دہندہ بن کر آیا تھا۔ مگر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ویسے میرا اندازہ تھا کہ فائر کرنے والا دائیں طرف درختوں میں کہیں تھا اور فائر کسی چھوٹے بور کے ہتھیار سے کیے جا رہے تھے۔ پھر کسی نے مقامی زبان میں چلا کر کچھ کہا اور تمام قبائلی رک گئے۔ بولنے والے نے پھر کہا۔ تو انہوں نے بادل ناخواستہ اپنے نیزے پھینک دیئے۔ میرا دل مسرت سے لبریز ہو گیا تھا اور میں نے بہت تعجب سے سوچا تھا کہ خدا کبھی کبھی دل میں آنے والی کوئی خواہش اس طرح بھی پوری کر دیتا ہے۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا تو اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چہرا بھی جگ مگا رہا تھا اس نے سرگوشی میں کہا۔

''یہ بیتو ہی ہے۔ ان کی زبان بول رہا ہے۔''

''بیتو۔'' میں نے بلند آواز میں کہا

جیسے ہی ان لوگوں نے نیزے پھینکے ایک درخت کے پیچھے سے بیتو نکل کر سامنے آیا۔ اس کا حلیہ عجیب ہو رہا تھا۔ کپڑے پھٹ گئے تھے اور جا بہ جا سے خون آلود ہو رہے تھے لیکن اس کے انداز سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کہیں سے بہت زیادہ زخمی ہے۔ چہرے اور ہاتھوں پر خراشوں کے نشانات تھے جیسے وہ جھاڑیوں میں مارا مارا پھرتا رہا ہو۔ بیتو نے ایک چھوٹی گن اٹھا رکھی تھی۔ اس نے گن سے اشارہ کر کے کچھ کہا تو ایک قبائلی نے آ کر ہمارے ہاتھ کھول دیئے۔ دو افراد کی موت نے ان کو بالکل سدھی ہوئی بھیڑیں بنا دیا تھا۔ جیسے ہی میرے اور وسیم کے ہاتھ کھلے ہم نے نیزے اٹھا لیے۔ پھر اسی قبائلی کی مدد سے اس کے باقی تین ساتھیوں کے ہاتھ باندھے، اس کو ہم نے خود باندھا تھا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر میں نے بیتو کو گلے لگایا۔

''آج قبولیت کی گھڑی تھی۔ اگر خدا سے کچھ اور مانگتا تو وہ بھی مل جاتا۔ میں نے تمہارے بارے میں سوچا اور تم آ گئے۔''

''انگریزی میں اس کے لیے کچھ اور کہا جاتا ہے۔'' وسیم نے بھی اسے گلے لگایا۔ ''کہ شیطان کے بارے میں سوچو تو وہ آ جاتا ہے۔''

بیتو کی حالت بھی بری تھی اور شاید اس وقت وہ مذاق کو انجوائے کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے وسیم کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ تھکے انداز میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ سادھنا بھی گدھے سے اتر کر اس کے پاس آ گئی تھی۔ میں نے بیتو سے پوچھا۔

''تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

''یہ لمبی کہانی ہے۔'' اس نے تھکے انداز میں کہا۔ ''لیکن پہلے اس مصیبت سے جان چھڑائیں ورنہ ان کے اور لوگ بھی یہاں گھوم رہے ہیں۔''

میں چونکا۔ ''تم کو کیسے پتا چلا؟''

''میں بہت دیر سے آپ لوگوں کے پیچھے ہوں۔ ان کی باتیں سنتا آ رہا تھا۔ یہ لوگ آپ سے اپنے ساتھیوں کی موت کا انتقام لینا چاہتے تھے۔''

''ہاں ان کے چار آدمی وسیم کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔''

''دو میرے ہاتھ سے ہو گئے لیکن اس سے یہ مت سمجھئے گا یہ پیچھا چھوڑ دیں گے۔ یہ سخت منتقم مزاج لوگ ہیں جو اپنے دشمن کا آخری حد تک پیچھا کرتے ہیں۔ جب تک ہم ان کے علاقے سے نہیں نکلیں گے سخت خطرے میں رہیں گے۔''

''ہم ان کے علاقے سے تو نکل رہے تھے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ویسے اب اتنا خطرہ نہیں ہے۔ تمہاری اس گن کے مقابلے میں ان کے سارے نیزے بے کار ہیں۔''

بیتو پھیکے انداز میں مسکرایا۔ ''یہ اب نمائشی ہے۔ اس میں آخری دو کارتوس تھے جو میں استعمال کر چکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔اسی وجہ سے تو میں نے ان پر اب تک حملہ نہیں کیا تھا لیکن جب ایک نے شوبی پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو مجھ سے رہا نہیں گیا تھا۔ میں نے آخری دو شاٹ چلا دیئے اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔"

"مارے گئے۔" وسیم بولا۔ "شکر ہے تم نے ان لوگوں کو باندھنے سے پہلے یہ بات نہیں کی۔"

"وسیم بھائی آپ بھول رہا ہے یہ ہمارا زبان نہیں سمجھتا۔"

"وہ تو تم بھی ٹھیک سے نہیں سمجھتے ہو لیکن یہ بتاؤ کہ تم کو ان کی زبان کیسے آتی ہے۔"

"ادھر پہاڑوں پر رہنے والا ہر قبیلہ ایک جیسی زبان بولتا ہے۔ بس تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے ان کا زبان آتا ہے۔"

میں اس دوران میں سوچ رہا تھا کہ ان چار قبائلیوں کا کیا کیا جائے۔ اگر ان کو چھوڑ دیا جاتا تو وہ لازمی اپنے قبیلے کے دوسرے افراد کو لے کر ہمارا تعاقب کرتے اور ان پہاڑوں میں ان لوگوں سے پیچھا چھڑانا ذرا مشکل کام تھا۔ کل بھی ان لوگوں نے کتنی آسانی سے ہم کو تلاش کر لیا تھا۔ اگر ان کو باندھ کر ڈال کر جاتے تو امکان تھا کہ وہ بھوک پیاس سے مر جاتے۔ یعنی ان کا معاملہ چھچھوندر کا تھا وہ ہمارے گلے میں اٹک گئے تھے۔ ان کو نہ اگل سکتے تھے اور نہ نگل سکتے تھے۔

کچھ گھنٹوں کے آرام اور بیتو کی واپسی نے سادھنا پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا اور وہ خوش اور صحت مند لگ رہی تھی۔ اس نے بیتو سے کہا۔ "تم ہم لوگوں کو چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے۔"

"بتائے گا دیدی، ابھی ادھر سے نکلو۔" اس نے کہا۔

"ان لوگوں کا کیا کرنا ہے؟" وسیم نے قبائلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے سر ہلایا۔

"یہ تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے اگر چھوڑتے ہیں تو یہ فوراً ہی اپنے لوگوں کو ہمارے پیچھے لگا لائیں گے اور ان لوگوں کو مارنے کو دل نہیں مان رہا ہے۔" کہتے کہتے مجھے خیال آیا۔ "کیوں نہ ان کو ساتھ لے چلیں۔"

"کیا مطلب؟" بیتو چونکا۔

"مطلب یہ کہ یہ ہمارے ساتھ رہیں اور جب ہم ان کے قبیلے کی حد سے نکل جائیں تو ان کو چھوڑ دیں۔"

"یہ بہتر رہے گا۔" سادھنا نے کہا۔ "ابھی ان کو چھوڑا تو یہ مزید مصیبتیں ہمارے پیچھے لگا لائیں گے۔"

وسیم کو کسی قدر اختلاف تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ چار آدمیوں کے ساتھ سفر کرنا کہ ان پر نظر بھی رکھی جا سکے آسان نہیں تھا۔ اس سے رفتار بھی سست ہو جاتی۔ میں نے کہا۔ "اول تو سادھنا کی وجہ سے ہم ویسے بھی تیز رفتاری سے نہیں چل سکتے ہیں دوسرے ہم ان کو باندھ کر لے جائیں گے اور کوئی مشکل جگہ آئے گی تو ان سے کام لیں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" وسیم نے بے دلی سے کہا۔ "ورنہ میں تو کہتا ہوں ان کو باندھ کر چھوڑ جائیں۔ اگر ان کے نصیب میں زندہ رہنا ہوگا تو کوئی نہ کوئی ان کو بچانے آ جائے گا۔"

"بالکل بھی نہیں۔" سادھنا نے بے ساختہ کہا۔ "یہ بے رحمی ہوگی اس سے تو بہتر ہے ہم ان کو آزاد کر دیں۔"

"ان کی رحم دلی تو تم دیکھ چکی ہو۔" وسیم نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ "اگر انہوں نے آزاد ہو کر اپنے ساتھیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی مدد سے ہمیں پالیا تو ہم پر قطعی رحم نہیں کھائیں گے۔''

''تب ان کو ساتھ لے جانا ہی ٹھیک ہے کل تک ہم ان کو رہا کر دیں گے اور اس کے بعد یہ واپس آ کر مدد بھی حاصل کر لیں تب بھی ہم کو نہیں پکڑ سکتے۔''

طے پایا کہ ہم چاروں کو بندھے ہاتھوں سے ساتھ لے جائیں گے اور ان کی کڑی نگرانی کریں گے۔ ہم نے مارے جانے والے قبائلیوں کی لاشیں چھپائیں تا کہ وہ آسانی سے نہ مل سکیں۔ اس کے فوری بعد ہم روانہ ہو گئے۔ اگر چہ رات کا وقت تھا اور تاریکی میں پہاڑوں پر سفر کرنا بہت خطرناک ہوتا ہے لیکن ہم رک نہیں سکتے تھے۔ نہ جانے اور کتنے قبائلی ہم کو تلاش کر رہے تھے اور یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ان کی تلاش رات کو بھی جاری تھی۔ اس لیے اس علاقے سے جلد از جلد نکل جانا ہی ہمارے مفاد میں تھا۔ بیتو سب سے آگے ایک گدھے پر سادھنا کو سنبھالے بیٹھا تھا۔ دوسرا گدھا اسپیئر میں تھا جب ایک تھک جاتا تو دوسرا کام آتا۔ اس کے بعد وسیم تھا جو دوسرے گدھے کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ اس کے پیچھے چاروں قبائلی ایک لائن میں اس طرح تھے کہ ان کے ہاتھ عقب میں بندھے ہوئے تھے اور سب سے پیچھے میں پستول کے ساتھ تھا۔ پستول اگر چہ خالی تھا لیکن بے خبر قبائلیوں پر اس کی دہشت ہی بہت تھی۔ پھر ہمارے پاس ان کے نیزے بھی آ گئے تھے۔ اگر وہ بغاوت پر اتر بھی آتے تو ان پر قابو پانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔

وسیم ان کی طرف سے بالکل مطمئن نہیں تھا۔ وہ وقفے وقفے سے ان کے ہاتھ چیک کر رہا تھا کہ کسی نے کوشش کر کے ہاتھ تو نہیں کھول لیے ہیں۔ کوئی دو گھنٹے بعد جب کہ صبح نمودار ہو رہی تھی ایک بہت ہی خطرناک راستہ آیا تھا۔ پہاڑ پر ایک پتلی سی پگ ڈنڈی تھی جس پر ہم نے سفر کرنا تھا۔ اس کی خطرناکی دیکھ کر بیتو اور وسیم نے رکنے اور پوری طرح روشنی ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ مجھے بھی ان کی بات معقول لگی تھی اور ویسے بھی سب تھک گئے تھے اس لیے ہم رک گئے۔ جو بچا ہوا تھا وہ کھایا کیونکہ ان قبائلیوں کے پاس سے کوئی خوراک نہیں ملی تھی۔ وہ گرسنہ نظروں سے ہمیں کھاتے دیکھ رہے تھے لیکن ہمارے پاس اتنا نہیں تھا کہ ان لوگوں کو بھی شریک کرتے۔ اس لیے میں نے دل ہی دل میں ان سے معذرت کر لی۔ اب ہمارے پاس بس اتنی ہی خوراک تھی کہ آج شام تک چل جاتی اور ممکن ہے کل کے دن کا آغاز فاقے سے ہوتا۔

ممکنہ طور پر ہم سلسلہ ہمالیہ کے کسی ذیلی پہاڑی سلسلے میں داخل ہو رہے تھے۔ جیسے ہی سورج کی روشنی پھیلی ہم پھر اس خطرناک پگ ڈنڈی پر عازم سفر ہوئے۔ پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی یہ پگ ڈنڈی نامعلوم وسعتوں میں غائب ہو رہی تھی۔ ان پہاڑوں کی ساخت دیکھ کر لگتا تھا کہ ان میں کوئی آبادی نہایت مشکل تھی۔ یعنی ہم کسی ویرانے میں سفر کر رہے تھے۔ گدھے پر بوجھ کم کرنے کے لیے بیتو اس سے اتر آیا تھا اور اب ہاتھ سے سادھنا کو سہارا دے رہا تھا۔ کوئی چار گھنٹے تک اسی طرح سفر کرنے کے بعد ہم ایک کسی قدر بہتر ڈھلان میں داخل ہوئے تھے۔ یہاں اگر چہ باقاعدہ راستے نہیں تھے لیکن یہ اس قدر خطرناک نہیں تھی۔ یہاں ہم نے کچھ دیر آرام کیا تھا۔ اب سادھنا کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ اگر چہ وہ کمزور ہو رہی تھی لیکن اب وہ گدھے کی وجہ سے آرام سے سفر کر رہی تھی۔ ہم اس علاقے سے بہت دور نکل گئے تھے جہاں خطرہ تھا۔

میں نے سب کو رکنے کا اشارہ کیا اور وسیم میری طرف آیا۔ ''کوئی خاص بات جناب؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے اب ان کو چلنا کرنا چاہیے۔'' میں نے قبائلیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' وسیم جلدی سے بولا۔ ''کیونکہ رات آنے والی ہے اور اگر ان میں سے کوئی بھاگ گیا یا ہماری غفلت سے یہ حاوی آ گئے تو شاید پھر ہمیں موقع نہ ملے۔''

''درست کہہ رہے ہو۔ ابھی روشنی ہے اور یہ پیچھا کر کے ہمیں دھوکا بھی نہیں دے سکتے۔'' میں نے سر ہلایا اور بیتو کو بلایا۔ ''ان لوگوں سے کہہ دو کہ یہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر واپسی کے لیے چلنا شروع کر دیں۔ جس نے پیچھے دیکھا وہ مارا جائے گا۔''

''یعنی آپ ان کو واپس جانے کی اجازت دے رہے ہیں؟''

''ہاں اور ان سے کہو جتنی جلدی یہ ہماری نظر سے اوجھل ہو جائیں ان کے لیے اتنا ہی اچھا ہے۔''

بیتو نے سر ہلایا اور میری بات اپنے پیرائے میں ان کو سمجھانے لگا۔ اس نے ان کو خاصا ڈرایا دھمکایا اور پھر جیسے ہی میں نے پستول ان کی طرف سیدھا کیا وہ گرتے پڑتے بھاگ نکلے تھے۔ بندھے ہاتھوں کے باوجود ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ دس منٹ کے اندر وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ ان کے جاتے ہی میں نے وسیم اور بیتو سے کہا۔ ''اب ہم نے پہلے اس پہاڑ کے اوپر جانا ہے۔''

بیتو نے تشویش سے اوپر کی طرف دیکھا۔ ''یہ تو بہت مشکل ہے۔''

''بے شک مشکل ہو لیکن ہمیں عام راستے سے ہٹ کر سفر کرنا ہے پہلے بھی ہم اسی وجہ سے مارے گئے تھے کہ عام راستے پر سفر کر رہے تھے اور پیچھا کرنے والے قبائلیوں کو ہمیں تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہمیں عام راستے سے ہٹ کر سفر کرنا ہوگا۔'' وسیم نے سر ہلایا۔

سادھنا کے لیے یہ سفر ذرا مشکل تھا لیکن اس نے بھی میری تائید کی اور ہم پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ یہ آسان کام نہیں تھا۔ کہیں کہیں تو ڈھلان بہت ہی ترچھی ہو جاتی تھی اور ہمیں گدھوں کو واپس جانے سے روکنے کے لیے ان کو سہارا دینا پڑتا تھا لیکن یہ حقیقت ہے ان گدھوں نے اس سفر کو ہمارے لیے آسان کر دیا تھا اگرچہ یہ سارا میں عام گدھے سے چھوٹے اور کمزور سے تھے لیکن اس سفر میں ہمارے بہت کام آئے۔ اگر یہ گدھے نہ ہوتے تو زخمی سادھنا کو لے کر جانے میں ہم بہت مشکل میں پڑ جاتے اور رفتار بھی بہت سست ہو جاتی۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہم اوپر پہنچنے میں کامیاب رہے تھے لیکن اس سفر نے سب کا برا حال کر دیا تھا۔ گدھے تک طلب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جب ہم ایک کسی قدر ہموار جگہ رکے تو بیتو نے ہمیں خبردار کیا۔

''گدھا لوگ بھاگنے کا ارادہ کر رہا ہے۔''

''تم کو کیسے پتا چلا؟'' وسیم نے اعتراض کیا۔ ''کیا تم پچھلے جنم میں گدھے رہے ہو۔''

''ہم ہر جنم میں بیتو ہی تھا۔'' بیتو برا مان گیا۔

''بے شک تمہارا نام یہی ہوگا لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم گدھے نہیں تھے؟''

''اس لیے کہ ہم اب بھی انسان ہے۔'' اس بار بیتو نے دانت نکالے۔ ''انسان سے گدھا بنتا ہے گدھا سے انسان نہیں بنتا۔'' بیتو آواگان کا خلاصہ پیش کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا اس کا مطلب ہے تم اگلے جنم کی تیاری کر رہے ہو۔'' وسیم نے پھر چٹکی لی۔ ''تبھی تم کو گدھوں کے بارے میں اتنا معلوم ہے۔''

''اس سے زیادہ ہم کو آپ کے بارے میں معلوم ہے۔'' بیتو ہنسا۔ ''تو کیا ہم اگلے جنم میں آپ بنے گا۔''

''تم نہیں بتا سکتے کہ میں اب کیا کرنے والا ہوں؟'' وسیم نے دعویٰ کیا۔

''ہم بتا سکتا ہے۔'' بیتو نے جوابی دعویٰ کیا۔

''اچھا اب بتاؤ کہ میں کیا کرنے جا رہا ہوں؟''

''آپ سفر ختم کر کے آرام کرے گا۔'' بیتو بولا۔

''یہ چالاکی ہے۔ اب میں اکیلے اور تاریکی میں تو سفر کرنے سے رہا۔ ہم نے آرام ہی کرنا ہے۔''

''نہیں آپ آرام کرے گا اور ہم سے کام لے گا۔'' بیتو نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔ ''ہم لکڑی جمع کرے گا اور رات گزارنے کا جگہ تلاش کرے گا۔''

اس بار وسیم نے فوراً اس کی بات تسلیم کر لی۔ ''تم نے ٹھیک کہا تم مجھے جانتے ہو لیکن گدھا کے بارے میں.....''

''پہلے ہم بہت گدھوں کے ساتھ رہا ہے۔'' بیتو نے اس کی بات کاٹی۔ ''اب آپ کے ساتھ رہ رہا ہے۔''

''تبھی تم بھاگ گئے تھے۔'' وسیم نے بے ساختہ کہا۔

میرا اور سادھنا کا اس لڑائی پر ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔ کتنے دن بعد اور کتنے سخت وقت کے بعد ہم اس طرح ہنس رہے تھے۔ خلاف توقع ان دونوں کے چہروں پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ بیتو نے کہا۔

''دیکھا وسیم بھائی کیسا ہنسایا دونوں کو۔''

''یہ تو ہے برخوردار لیکن بات وہی ہے کہ تم نے گدھا کی سوچ.....''

''اس لیے کہ ہم پچھلے جنم میں گدھا تھا۔'' بیتو بھنا گیا تو وسیم نے ہنس کر اسے گلے لگا لیا۔

''تم برا مان گئے، یہی تو میں کہہ رہا ہوں دوست۔ چلو اب صلح کر لیں اور ان فرار پر آمادہ گدھوں کا کچھ بندوبست کرتے ہیں۔''

رات ہونے سے پہلے ایک ہم نے ایک جگہ تلاش کر لی۔ یہ غار تو نہیں تھا لیکن دو چٹانیں اوپر سے آپس میں مل جانے سے ایک خیمہ نما بن گیا تھا اور اس کے اندر اتنی گنجائش تھی کہ ہم سب آرام سے رات گزار سکتے تھے۔ وسیم اور بیتو نے پہلے گدھوں کو باندھا۔ بیتو صحیح کہہ رہا تھا۔ گدھا فرار ہو جاتا ہے۔ اگر اس سے ایک حد سے زیادہ کام لیا جائے تو یہ موقع ملنے پر فرار میں دیر نہیں لگاتا ہے۔

انہوں نے لکڑیاں جمع کیں اور اس دوران میں بیتو کچھ جڑی بوٹیاں بھی جمع کر کے لے آیا تھا جن سے وہ سادھنا کے لیے پھر سے مرہم تیار کرتا کیونکہ اس کا زخم ابھی تک ہرا ہی تھا اور کچھ خون بھی رس رہا تھا۔ وہ سادھنا کے ساتھ لگ گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ بیتو اب ہمارا ایک حصہ بن گیا تھا لیکن ہم وطن ہونے کے ناطے اس کی سادھنا سے ایک الگ قربت تھی اور پھر اس نے اسے دیدی بنا رکھا تھا اور اس سے کسی چھوٹے بھائی کی طرح پیش آتا تھا۔ سادھنا بھی اسے بھائی کی طرح سمجھتی تھی۔ حالانکہ وہ کنور خاندان سے تھی اور بیتو کا تعلق ایک اچھوت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قبیلے سے تھا۔

اس جگہ سردی زیادہ تھی اور رات کو اس کی شدت میں نمایاں اضافہ ہوا تھا۔ ہم سب اور خاص طور سے بیتو اس کی شدت سے متاثر ہوئے تھے۔ بیتو کے جسم پر بس ایک شرٹ اور ایک پھٹا ہوا سوئیٹر تھا۔ سادھنا کے پاس صدری تھی جب کہ میں اور وسیم جیکٹوں میں تھے۔ میں نے نیچے ہائی نیک جرسی اور اوپر گرم شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس لیے میں نے جیکٹ اتار کر بیتو کو دی۔ اس نے انکار کیا۔ ''ہم ایسے ٹھیک ہے۔''

''نہیں سردی بہت ہے اور تم کو اس کی ضرورت ہے۔'' میں نے اصرار کر کے اسے جیکٹ پہننے پر مجبور کر دیا اور اس کا سوئیٹر خود لے لیا اس لیے مجھے کچھ زیادہ سردی برداشت کرنا پڑی تھی اور بیتو شدت کی سردی سے محفوظ ہو گیا تھا۔ پھر ہم نے خیمہ نما غار میں آگ جلائی تو اس سے واضح فرق پڑا تھا۔ گدھے ہم نے غار کے بالکل سامنے باندھ لیے تھے۔ ایک تو ان کو بھی کچھ نہ کچھ گرمی ملتی رہتی اور پھر ان کے جسم کی وجہ سے آگ کا انعکاس کم ہو جاتا اور دور سے اس کی چمک نظر نہیں آتی۔ اس کے باوجود میرے ذہن میں گزشتہ رات کا تجربہ تھا۔ امکان یہی تھا کہ قبائلی آگ کی روشنی دیکھ کر ہم تک آئے تھے۔ اس لیے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''ہمیں غار کو کیموفلاج کرنا ہوگا۔''

''کیا کرنا ہوگا شوبی بھائی۔'' بیتو بولا۔

''چھپانا ہوگا۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''جھاڑیوں کی مدد سے۔''

اس جگہ جھاڑیاں کم تھیں لیکن ایسے درخت تھے جن کی لمبی لمبی شاخیں تھیں اور ان پر پتے پھیلے تھے۔ ہم قبائلیوں سے حاصل کیے ایک بڑے چاقو کی مدد سے یہ شاخیں کاٹ کاٹ کر غار کے سامنے لگانے لگے۔ ذرا سی دیر میں غار کے دہانے کا اوپری حصہ ان سے مکمل طور پر چھپ گیا تھا۔ نیچے ایک ذرا سا سوراخ رہنے دیا تھا۔ جس سے ہم باہر آ جا سکتے تھے۔ ہواؤں سے ان شاخوں کو بچانے کے لیے ہم نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا۔ اب غار میں جلنے والی آگ کی روشنی مکمل طور پر چھپ گئی تھی۔ باقی کسر گدھوں نے پوری کر دی تھی۔ وسیم اور میں نے نیچے ڈھلان پر جا کر ہر زاویے سے دیکھا لیکن غار کی روشنی کہیں سے بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اب کم سے کم کوئی غار کی روشنی دیکھ کر ہم کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔

اس دوران میں بیتو نے مرہم تیار کر کے اسے سادھنا کے زخم میں بھر دیا اور اسے کچھ مرہم کھلایا بھی تھا۔ میں نے اعتراض کیا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو لنگے والی دوا کھلاتا کون ہے؟''

وہ بولا۔ ''یہ بہت طاقت کی چیز ہے۔''

''اچھا کیا ہم بھی کھا سکتے ہیں؟'' وسیم نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بے شک کھا لو۔'' اس نے مرہم والا پتا وسیم کی طرف بڑھا دیا۔

''نہیں کھا سکتے۔'' سادھنا منہ بنا کر بولی۔ ''بہت کڑوا ہے۔''

''دوا ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔'' بیتو نے ہنس کر کہا۔ وسیم نے فوراً پتا واپس کر دیا۔

''تب جس کو ضرورت ہے اسے ہی کھلاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے بچا کھچا کھایا اور اس میں سے بھی زیادہ سادھنا کو کھلایا تھا۔ اب ہمارے پاس صرف تھوڑی سی مقدار میں گڑ بچا تھا۔ طے پایا کہ اسے ناشتے میں سادھنا کو دیا جائے گا۔ گدھوں کو کھانے کے لیے آس پاس سے گھاس لا دی تھی اور وہ اس پر گزارا کر رہے تھے۔ طے پایا کہ سب باری باری پہرہ دیں گے۔ ہم میں بیتو کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی کیونکہ وہ گزشتہ دو دن سے مسلسل سفر میں تھا اور اسے آرام کا موقع کم ملا تھا۔ اس لیے اس کی درخواست پر ہم نے اس کی داستان سننے کا ارادہ اگلے دن تک کے لیے ملتوی کر دیا۔ پہلے میں جاگا اور چار گھنٹے بعد میں نے وسیم کو جگا دیا اور اسے خبردار کیا۔ ''آج مت سو جانا ورنہ ممکن ہے روزِ محشر آنکھ کھلے۔''

''شرمندہ مت کریں۔'' اس نے کھسیا کر کہا۔ ''اب ہر بار ایک ہی سین تھوڑی ہوگا۔''

جو جاگتا تھا وہ غار کے بیرونی حصے کے پاس رہتا تھا جہاں سے باہر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ گدھوں کی لگامیں پتھروں سے باندھ دی گئی تھیں جن سے وہ نہ خود کو آزاد کرا سکتے تھے اور ہی غار کے سامنے سے ہٹ سکتے تھے۔ مجھے نہیں پتا چلا کہ کب صبح ہوگئی تھی۔ جب بیتو نے مجھے ہلایا تو پتا چلا کہ سورج نکل آیا تھا۔ وسیم اور سادھنا باہر تھے اور ان کے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی۔ بیتو نے کہا۔

''چلنا نہیں ہے شوبی بھائی۔''

''چلنا ہے یار۔'' میں نے انگڑائی لی۔ ''باہر ہمارے دشمن منتظر تو نہیں ہیں ادھر نکلیں اور وہ ٹھائیں سے گولی مار دیں۔''

''باہر کوئی نہیں ہے۔ سب امن و سکون ہے۔'' بیتو نے اطلاع دی۔ ''یہ آپ دیدی اور وسیم بھائی کا ہنسنے کی آواز سنتا ہے نا؟''

''ہاں یار ان کا معاملہ مختلف ہے لوگ تو میرے دشمن ہو رہے ہیں۔''

میں باہر آیا تو سادھنا وسیم کے ساتھ بیٹھی تھی۔ دونوں ایک چٹان پر تھے اور وسیم ذرا جھک کر اس کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ سادھنا گلابی رنگت کے ساتھ سن رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک شرمیلی سی مسکان تھی۔ پھر اس نے مجھے دیکھا تو جلدی سے وسیم سے ذرا دور ہوگئی۔

''کیا ہو رہا ہے۔'' میں ان کے پاس جا بیٹھا۔ ''چلنے کا ارادہ نہیں ہے؟''

''ہمارا تو صبح سے ہے۔'' وسیم نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ ''جناب ہی سو رہے تھے۔''

''اب میں اٹھ گیا ہوں اور سادھنا بھی تازہ دم نظر آ رہی ہے۔ اس لیے مارچ کا آغاز کرتے ہیں۔''

''نومبر کے مہینے میں۔'' وسیم چٹان سے اتر آیا۔ بیتو گدھا لے کر آیا تو اس نے سادھنا کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ وہ شرما کر اس کے بازوؤں میں آ گئی۔ وسیم نے نرمی سے اسے گدھے کی پشت پر بٹھا دیا۔ ہماری آخری کھانے کی چیز، یعنی گڑ سادھنا کو دیا جا چکا تھا اور ہمیں بھوکے پیٹ سفر کا آغاز کرنا تھا۔ رات خیریت سے گزری تھی۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ قبائلی آج بھی اپنے گاؤں تک پہنچ سکیں لیکن اس بات کا خطرہ تھا کہ ان کو راستے میں کوئی اور متلاشی پارٹی مل جائے اور وہ اسے لے کر ہماری طرف چل پڑیں۔

ہم نے پہاڑ کے اوپر ہی سفر کا آغاز کیا تھا۔ راستہ دشوار تھا لیکن خطرناک نہیں تھا۔ اس لیے سست روی سے سہی لیکن بنا کسی خاص مشکل کے ہمارا سفر جاری رہا تھا۔ دوپہر کے قریب بیتو نے ایک جگہ کچھ پھل دریافت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیے تھے۔ یہ جنگلی قسم کے بیر لگ رہے تھے اور اپنے آخری پھلوں پر تھے۔ یعنی جھاڑی نما درخت پر بس کچھ ہی پھل باقی رہ گئے تھے۔ ہم نے شکر کر کے ان سے پیٹ کی آگ پر کچھ چھینٹے مارے تھے۔ اور ان کا بھی زیادہ حصہ اصرار کر کے سادھنا کو کھلا دیا تھا۔ اس کے بعد شام تک ہمیں کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا اور سب کی حالت بھوک سے خراب ہو گئی تھی۔ مجھے زندگی میں پہلی بار گدھوں پر رشک آیا جو صرف پتوں سے بھی شکم سیری کر لیتے تھے اور اس راستے میں ان کے لیے وافر مقدار میں خوراک موجود تھی۔ اس لیے جب ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو صرف گدھے آسودہ حال تھے اور ہم چاروں انسان بھوک سے بے حال۔

''میں گولی سے تو نہیں مری، لیکن بھوک سے ضرور مر جاؤں گی۔'' سادھنا نے فریاد کی۔

''اس معاملے میں ہم تم سے پیچھے نہیں رہیں گے۔'' وسیم نے اسے یقین دلایا۔

''عجیب اجاڑ قسم کا علاقہ ہے راستے میں نہ تو کوئی پھل دار جھاڑی ملی اور نہ جانور، بس سیدھے درخت کھڑے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''کاش کہ کوئی حلال جانور مل جاتا۔'' وسیم نے سرد آہ بھری۔

''حلال کیا ہوتا ہے وسیم بھائی؟'' بیتو نے سوال کیا۔

''ہم مسلمان ہر جانور کا گوشت نہیں کھا سکتے، بس کچھ جانور ہیں اور ان کو بھی ایک خاص طریقے سے ذبح کر کے ہی کھا سکتے ہیں۔'' وسیم نے اسے بتایا۔ اس پر بیتو اور سادھنا نے متعدد ذیلی سوالات کیے۔ جن کے جواب میں وسیم کو پوری منظر کشی کرنا پڑی تھی کہ جانور کو کس طرح ذبح کرتے ہیں۔ نیز اس نے حلال جانوروں کی اقسام بھی بتائیں۔ آخر میں اس نے بیتو کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔

''کاش تم کوئی پیارے سے ہرن یا بارہ سنگھے ہوتے۔''

''وہ کیوں؟'' بیتو نے سادگی سے پوچھا۔

''میں تم کو عملی طور پر ذبح کر کے بتاتا کہ جانور کے ساتھ ہم مسلمان کیا سلوک کرتے ہیں اور پھر تمہارے تکے بنا کر کھاتے۔''

''آپ دیکھتا شوبی بھائی، یہ وسیم بھائی ہم کو کھانا چاہتا ہے۔'' بیتو نے شکایت کی۔

''یہ اس کا قصور نہیں ہے۔'' میں نے بیتو کو تسلی دی۔ ''خود مجھے بھی خیال آ رہا ہے کہ کاش ان گدھوں کی جگہ گھوڑے ہوتے تو ہم ان کو کھا سکتے تھے۔''

''گھوڑا مکروہ ہوتا ہے۔'' وسیم نے مجھے آگاہ کیا۔

''مجھے پتا ہے لیکن اگر کھانے کے لیے کچھ نہ ہو تو گھوڑا کھایا جا سکتا ہے۔''

''تب تو یہ گدھے بھی حلال ہی ہوئے۔''

''اتنی جلدی نہیں جب بھوک بالکل ہی حد سے گزر جائے تو مردار حلال ہوتا ہے۔''

بیتو جلدی سے دور کھسک کر بیٹھ گیا۔ وسیم نے اسے حیرت سے دیکھا۔ ''تمہیں کیا ہوا ہم تمہاری نہیں گدھوں کی بات کر رہے ہیں۔''

''ہم کو لگ رہا ہے آپ لوگ کچھ دیر بعد ہمارے بارے میں بات کرے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارے بارے میں کیا بات کریں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی کہ آپ کو کتنا بھوک لگے تو ہم بھی آپ کے لیے حلال ہو جائے گا۔''

میں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تو بیتو بدک کر سادھنا کے پاس جا بیٹھا تھا۔ اس نے سادھنا سے کہا۔ ''مجھ کو لگتا ہے بھوک سے دونوں کا دماغ چل گیا ہے۔''

''صرف ان کا ہی نہیں میرا بھی کچھ ایسا ہی دل چاہ رہا ہے۔'' سادھنا نے کہا تو بیتو اٹھ کر بھاگا تھا۔

''لگتا ہے تم سب پاگل ہو گیا ہے۔''

''ہاں اور کیونکہ پاگل ایک برادری ہوتے ہیں اس لیے ہم ایک دوسرے کو نہیں کھا سکتے۔ اب تم بچتے ہو اس لیے کیا خیال ہے تم کو کیوں نہ کھایا جائے۔'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''اور کیا۔'' وسیم نے میری تائید کی۔ ''جس رفتار سے میری بھوک کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے زیادہ سے زیادہ صبح تک تم میرے لیے حلال ہو جاؤ گے۔''

''مجھ میں اتنی تاب نہیں ہے۔'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر اعلان کیا اور بیتو کی طرف بڑھا۔ ''میرا خیال ہے تم میرے لیے حلال ہو چکے ہو۔''

اس پر بیتو جس طرح بھڑک کر بھاگا تھا۔ تو ہم سب کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔ بیتو کو کچھ دور جا کر اندازہ ہوا کہ یہ سب مذاق تھا تو وہ جھینپتا ہوا واپس آ گیا۔ ''آپ سب ہم سے مذاق کرتا ہے۔''

یک دم وہ روہانسا ہو گیا تو ہمیں احساس ہوا کہ ہمارا مذاق حد سے گزر گیا تھا۔ ہم نے سادہ دل بیتو کے احساسات کو مجروح کر دیا تھا۔ سادھنا اٹھ کر اس کے پاس آئی اور اسے گلے سے لگا لیا۔ ''بیتو مجھے معاف کر دو۔''

''آپ کیسا بات کرتا آپ ہمارا دیدی ہوتا۔'' اس نے جلدی سے آنسو صاف کیے۔

''مجھے بھی دیدا سمجھ کر معاف کر دو۔'' وسیم اس کے دوسری طرف آ بیٹھا۔ اس نے بیتو کے گلے میں ہاتھ ڈالا تو اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

''آپ ہم سے بات مت کرو۔ اور یہ دیدا کیا ہوتا ہے۔''

''شاید دیدی کا کچھ دیدا ہوتا ہے۔'' وسیم نے شرارت سے کہا تو سادھنا بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

''بس بہت ہو گیا خبردار جو اب کسی نے میرے بھائی کو تنگ کیا۔''

''ہاں جورو کا بھائی ایک طرف.....'' وسیم نے آہستہ سے کہا تو میں نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی تھی۔ سادھنا بیتو کو ایک طرف لے گئی تھی۔ اس شام ہم اس لیے بھی اتنا ہنس بول رہے تھے کہ ہم نے بہت دن بعد خود کو محفوظ محسوس کیا تھا۔ یہ احساس تو رانا دیاس کے محل میں بھی نہیں تھا جو بھوک اور پیاس کے عالم میں اس جنگل میں محسوس ہوا تھا۔ اس وجہ سے ہم کھل کر ہنس رہے تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''کھانے کے لیے کچھ کرنا ہوگا ورنہ صبح تک تو ہمارے اندر چلنے کی سکت بھی نہیں ہوگی۔''

''ہاں کوئی جانور مل جائے اس موسم میں کوئی پھل یا سبزی ملنا تو محال ہے۔''

ہمیں جو اکا دکا جانور ملے تھے ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ ہم اسے کھا سکتے۔ ہم جس جگہ کے تھے اس سے ذرا نشیب میں کچھ جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ وسیم نے خیال ظاہر کیا کہ شاید وہاں کوئی جانور مل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے اور ہم نیزے سنبھال کر اس طرف بڑھے۔ میں نے بیتو سے کہا کہ وہ رات گزارنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرے۔ ہم جھاڑیوں کے پاس پہنچے تھے کہ اچانک ان میں سے کچھ جانور نکل کر بھاگے۔ ہم چونکے مجھے تو نظر نہیں آیا تھا لیکن وسیم نے ایک جانور کو نیزہ پھینک کر مارا تھا۔ وہ اس کی ٹانگ میں اتر گیا۔ اس کے ساتھی تو قلانچیں بھرتے لمحوں میں غائب ہو گئے تھے لیکن وہ اب لنگڑا رہا تھا۔ ہم اس کے پیچھے بھاگے۔

''پہاڑی بکرا ہے۔'' وسیم نے مسرت سے اعلان کیا۔

بکرا زخمی ہونے کے باوجود بہت رفتار سے بھاگ رہا تھا اور ہمیں جسم کی پوری طاقت سے کام لینا پڑ رہا تھا۔ نیزہ ابھی تک اس کی ٹانگ میں گھسا ہوا تھا اسی وجہ سے ہماری نظر میں تھا ورنہ زخمی ہونے کے باوجود بھاگ نکلتا۔ ہم بھی تہیہ کر کے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ اسے نظروں سے اوجھل ہونے نہیں دینا ہے۔ تاریکی بہت تیزی سے چھا رہی تھی اور خدشہ تھا کہ وہ اندھیرے میں غائب نہ ہو جائے۔ مگر ہماری خوش قسمتی ایک جگہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا تھا اور اس سے پہلے وہ اٹھ کر بھاگتا ہم نے اسے چھاپ لیا تھا۔ بکرے نے مظلومانہ سی آواز نکالی۔ خود کو آزاد کرانے کی نیم دلانہ سی کوشش کی۔ مگر وسیم نے فوراً ہی اس کی گردن پر چاقو معہ تکبیر کے پھیر دیا۔ اس کے ٹھنڈا ہونے کے انتظار میں ہم پیچھے ہٹ گئے تھے۔

وسیم نے خوشی سے کہا۔ ''آج بھی ہو گی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ اس نے اتنا شاندار بکرا بھیج دیا ورنہ میں تو پتے بھی کھانے کو تیار ہو گیا تھا۔''

جب تک بکرا ٹھنڈا ہوا ہم نے اپنی سانس درست کی اور چلا کر بیتو اور سادھنا کو اپنی خیریت سے مطلع کیا۔ بیتو نے ہمارے پیچھے آنے سے گریز کیا تھا کیونکہ سادھنا اکیلی رہ جاتی۔ کچھ دیر بعد ہم نے نیزے میں بکرے کے پاؤں باندھے اور اسے لٹکا کر اوپر لے آئے۔ بیتو خوش ہو گیا تھا۔ مگر سادھنا نے انکار کر دیا۔ ''میں گوشت نہیں کھاتی۔''

''ابھی کچھ دیر پہلے تو تم بیتو کو کھانے کو تیار تھیں۔'' وسیم نے اسے یاد دلایا۔ ''بیتو سبزی کا بنا نہیں ہے۔''

''مجھے یاد ہے ہمارے ساتھ تم نے کئی بار گوشت کھایا ہے۔'' میں نے ذہن پر زور دیا۔

''وہ مجبوری میں تھا۔'' سادھنا بولی۔

''یہ اس سے بھی بڑی مجبوری ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

سادھنا کا تعلق ایک اعلیٰ ذات کے ہندو گھرانے سے تھا اور وہاں گوشت ممنوع تھا۔ مجھے کنور محل میں اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ شاید اسی وجہ سے سادھنا کو گوشت سے کراہت ہو رہی تھی۔

میں نے بکرا وسیم اور بیتو کے سپرد کر دیا اور خود اوپر کوئی مناسب جگہ دیکھنے نکل گیا جہاں ہم رات گزار سکیں۔ یہ پورا علاقہ دشوار گزار ہونے کی وجہ سے ویران تھا۔ ویسے بھی شمالی انڈیا میں آبادی بہت کم ہے کیونکہ یہاں کے لوگ سرد موسم برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔ کسی قدر تلاش کے بعد مجھے دو بڑے درختوں کے نیچے کی جگہ ملی تھی۔ ان کے تنوں کے درمیان ایک پیالہ نما سی جگہ بن رہی تھی۔ جہاں ہم سرد ہواؤں سے محفوظ رہ سکتے تھے اور اوپر گھنے درخت ہمیں اوس سے بچاتے۔ میں واپس آیا تو وسیم اور بیتو بکرے کی کھال اتار کر اس کے ٹکڑے کر رہے تھے۔ انہوں نے مشعلیں جلا لی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک جگہ ملی ہے۔ وہاں چلو۔'' میں نے سادھنا کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''باقی باربی کیو وہاں کریں گے۔''

انہوں نے گوشت اور سامان سمیٹا اور ہم ان درختوں تلے آ گئے۔ وسیم کھال بھی لیتا آیا تھا۔ یہاں انہوں نے پہلے الاؤ جلایا اور اس کے بعد بکرے کے ٹکڑے کرنے لگے۔ لکڑی کی شاخیں جمع کر کے ٹکوں کا اہتمام کیا گیا اور جب گوشت بھننے کی خوشبو پھیلی تو ہم سب کا برا حال ہو گیا تھا۔ اور جب گوشت تیار ہوا تو اس کا پہلا ٹکڑا سادھنا نے جھپٹ لیا تھا۔ ''مجھے دو۔''

''ابھی تو تم برہمچاری بن رہی تھیں۔'' وسیم نے کہا۔

''برہمچاری مرد ہوتے ہیں اور وہ شادی نہیں کرتے ہیں۔'' سادھنا نے تصحیح کی اور ٹکا کھانے لگی۔ اس کے بعد تو ہم لوگ نصف کے قریب بکرا چٹ کر گئے تھے۔ حالانکہ اس میں سے کوئی دس بارہ کلو گوشت تو نکلا ہو گا۔ میں نے جان بوجھ کر کم کھایا۔ مگر بیتو اور وسیم نے دل بھر کر کھایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کھانے کے فوراً بعد ہی سو گئے تھے۔ سادھنا ان سے پہلے سو چکی تھی۔ مجھے بھی نیند آ رہی تھی لیکن میں نے کم کھایا تھا اس لیے میری وہ حالت نہیں ہوئی جو ان لوگوں کی ہوئی تھی۔ میں وقت گزاری کے لیے الاؤ کے پاس آ بیٹھا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ ہم نے آج بھی بیتو سے نہیں پوچھا کہ اس پر کیا گزری تھی۔

مزید وقت گزاری کے لیے میں بکرے کی کھال صاف کرنے لگا۔ اس پر سے گوشت کے ٹکڑے بالکل صاف کر کے میں اوپر سے بال صاف کرنے لگا تھا۔ اگرچہ ہم اسے خشک نہیں کر سکتے تھے اور نہ محفوظ کر سکتے تھے لیکن یہ کہیں کام آ سکتی تھی۔ کوئی چار گھنٹے بعد میں نے بیتو کو اٹھا دیا تھا۔ اور کھال کی بقایا صفائی کا کام اسے سونپ کر میں سو گیا تھا۔ اپنی ڈیوٹی پوری کر کے اس نے وسیم کو اٹھا دیا تھا اور وسیم نے صبح ہونے پر ہم سب کو اٹھایا۔ سادھنا تر و تازہ تھی۔ پیٹ بھر کر کھانے اور رات بھر آرام نے ہم سب کو چاک و چوبند کر دیا تھا۔ ناشتے کا کسی کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے ہم نے روانگی کا فیصلہ کیا۔ میں نے بیتو کو دیکھا تو حیران رہ گیا تھا۔ اس نے رات میں ہی بکرے کی کھال کے ساتھ کتر بیونت کر کے اس سے آدھی آستین کی جیکٹ تیار کر لی تھی۔ اور اس وقت پہنے ہوئے تھا۔

میں نے کہا۔ ''یہ کیا ہے؟ شام تک اس سے بو آنے لگے گی۔''

''کوئی بات نہیں شوبی بھائی سردی سے تو بچائے گا۔'' اس نے چہک کر کہا اور میری جیکٹ واپس کر دی۔

بچا ہوا گوشت ایک جگہ کر کے گدھے پر بار کر دیا تھا۔ اتنے سرد موسم میں گوشت خراب ہونے کا امکان نہیں تھا۔ ہم اسے دو تین وقت اور استعمال کر سکتے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم اس پہاڑ کی چوٹی پر تھے جہاں گزشتہ رات رکے تھے اور ہمارے سامنے دور تک ایک دشوار گزار پہاڑی علاقہ تھا۔ اس میں گھنے جنگلات تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ہم سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔

''میرے خدا۔'' وسیم نے دیکھ کر کہا۔ ''ہم اسے کس طرح عبور کریں گے؟''

''جس طرح اب تک کرتے آئے ہیں۔'' میں نے کہا اور بسم اللہ کہہ کر ڈھلان پر قدم رکھ دیا۔ میرے ہاتھ میں اس گدھے کی لگام تھی جس پر سادھنا تھی۔ اس کا زخم بہت اچھی حالت میں تھا۔ اس کی سرخی ختم ہو رہی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور درد بھی بہت کم رہ گیا تھا لیکن اندر کا زخم ابھی پوری طرح نہیں بھرا تھا۔ اگر وہ چلنے کی کوشش کرتی تو یہ زخم پھر سے ہرا ہو سکتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ یہ گدھے مل گئے۔ اس لحاظ سے قبائلی ہمارے لیے اچھے ثابت ہوئے تھے کہ ان کی وجہ سے ہمیں گدھے مل گئے اور کم سے کم سادھنا پیدل چلنے سے بچ گئی تھی۔ ورنہ اس کی حالت اچھی نہ ہوتی۔ اب وہ مزے سے گدھے پر بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے گدھوں کا کردار ہمیں ادا کرنا پڑا تھا۔

دوپہر تک ہم اس ڈھلان سے اترتے رہے تھے۔ اس کے بعد ایک نئی چڑھائی ہماری منتظر تھی۔ اس پر چڑھنے سے پہلے فیصلہ کیا کہ ہم کچھ کھالیں۔ گوشت کے کچھ پارچے بھونے گئے اور ان کو کھا کر ایک پہاڑی چشمے کا پانی پی کر آگے روانہ ہوئے تھے۔ بیتو کے زخم اب بھر گئے تھے اور خراشیں تو غائب ہی ہو چکی تھیں۔ وہ اور سادھنا آگے تھے اور ہم پیچھے۔ گدھے بھی خوش تھے کہ صرف سادھنا کا معمولی سا بوجھ اٹھانا پڑ رہا تھا اور ہم میں سے کسی نے گدھے پر سوار ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس پہلے دن بیتو سادھنا کو سہارا دینے کے لیے ساتھ بیٹھا تھا۔ اب اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ سادھنا اپنے سہارے سے بیٹھ رہی تھی اور گدھے کی لگام بھی خود پکڑ لیتی تھی۔ اس دوران میں گدھے بھی اس سے مانوس ہو گئے تھے۔ وسیم اسے چھیڑ رہا تھا۔

''گدھے تم سے اتنی جلدی مانوس ہو گئے۔''

''ہاں خود ہی ہو گئے۔'' وہ سادگی سے بولی۔

وسیم نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''ہاں سارے گدھے تم سے خود ہی مانوس ہو جاتے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ بیتو اسے کوئی جواب دیتا۔ سادھنا وسیم کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ ''ہاں سب خود مانوس ہو جاتے ہیں۔ میں کوئی کوشش نہیں کرتی۔''

اس پر بیتو نے قہقہہ مارا اور وسیم جھینپ کر مجھ سے بولا۔ ''جناب اگر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے تو شاید کئی مہینے بعد نیپال تک پہنچ سکتے ہیں۔''

''تب ہم کیا کر سکتے ہیں۔ نہ تو ان گدھوں میں جیٹ انجن لگا سکتے ہیں اور نہ پہاڑوں میں موٹر وے بنا سکتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے ہمیں شمال مغرب کے بجائے صرف مغرب کا رخ کرنا چاہیے۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''ہم کسی نہ کسی آبادی تک پہنچ جائیں گے۔''

''آبادی میں تو ہم نے جانا نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں کوئی نہ کوئی مصیبت ہماری منتظر ہوگی۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو کیا ہم ان ویرانوں میں بھٹکتے رہیں گے؟''

''ہاں تو اس میں کیا برائی ہے۔ بس سفر دشوار ہے اور کھانے پینے کا مسئلہ ہوتا ہے۔ کسی آبادی میں تو اس سے بڑے مسئلے ہمارے منتظر ہوں گے۔ یہاں سارے بیدو کے قبیلے جیسے لوگ آباد ہیں۔ سادھنا کو دیکھ کر ان کی رال ٹپکنے لگے گی اور ہم کس کس سے مقابلہ کریں گے۔''

''یہ تو ہے۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن اس طرح ہم کب تک سفر کرتے رہیں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب تک منزل پر نہیں پہنچ جاتے۔''

وسیم کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سوال کیا۔''اور راستے میں کوئی بستی آ گئی تو؟''

''تب ہم ان سے مدد لینے کی کوشش کریں گے لیکن سادھنا اور گدھوں کو ان سے چھپانا ہوگا کیونکہ یہ دونوں چیزیں لوگوں کی نیت خراب کر سکتی ہیں۔''

وسیم قائل ہونے لگا تھا۔ یہ سارا جنگلی علاقہ تھا اور یہاں رہنے والوں کی ایک مخصوص ذہنیت تھی ہم ان سے انسانیت کی توقع نہیں کر سکتے تھے اگر چہ ان میں اکثریت اچھے لوگوں کی ہوتی ہے لیکن پھر بھی جو چند برے ہوتے ہیں وہ سب پر حاوی ہو جاتے ہیں اور اپنی من مانی کرتے ہیں۔ اس لیے ہمارا آبادیوں سے دور رہنا ضروری تھا۔ اگر کہیں کوئی آبادی مل بھی جاتی۔ تو ہم بہت دیکھ بھال کر اس میں داخل ہوتے۔ اگر چہ یہاں دور دور تک کسی آبادی کا نام ونشان نہیں تھا۔ کم سے کم مجھے اب تک ایسا کوئی نشان نظر نہیں آیا جو جنگل میں انسانوں کی آمد ورفت سے بنتا ہے۔ وہاں نہ راستے تھے اور نہ ہی کوئی غیر متعلقہ کچرا تھا۔

میں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں ویرانوں میں سفر کرنا چاہیے۔ انسانی آبادی میں جانے سے ہمیں فائدے کم تھے اور نقصان کا اندیشہ زیادہ تھا۔ اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے قبائلیوں سے جان چھڑائی تھی۔ خدا نے کرم کیا اور سادھنا کے ساتھ ہم سب کو بھی محفوظ رکھا تھا۔ اس تجربے کو دیکھتے ہوئے میرا اب کسی بھی آبادی کی طرف رخ کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ پھر آبادی میں جانے کی صورت میں ہمیں کرنسی کی ضرورت پڑتی اس کے بغیر کچھ نہیں ملتا۔ ہمارے پاس صرف چند سو بھارتی روپے تھے۔ اس میں ہم کیا کر سکتے تھے۔ یہ میں کسی اہم موقع کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ نیپال میں بھارتی کرنسی کی وقعت ہوگی کیونکہ اس کی معیشت بھارت کے رحم وکرم پر تھی۔ یہ چند سو روپے وہاں ہمارے کام آتے۔

اس ڈھلان کو عبور کرتے ہوئے شام ہو گئی تھی۔ اور رات ہونے سے پہلے ہم نے ایک غار تلاش کر لیا تھا۔ اب تک کے سفر میں ملنے والا یہ سب سے بڑا اور آرام دہ غار تھا۔ اس کے فرش پر نہ جانے کتنی صدیوں سے پڑنے والی باریک سفوف نما ریت جمع تھی اور جب ہم نے اس پر گھاس بچھائی تو یہ آرام دہ بستر بن گئی۔ اب بچھانے والی گھاس ہم ساتھ ہی رکھتے تھے کیونکہ اس بلندی پر اور اس موسم میں ہر جگہ گھاس دستیاب نہیں تھی۔

جلانے کے لیے لکڑی تو ہر جگہ سے مل جاتی تھی اور بارشوں کا موسم گزر جانے کی وجہ سے خشک لکڑی آسانی سے مل جاتی تھی۔ لگ رہا تھا کہ اس رات ہم بہت سکون سے اور گہری نیند سوتے کیونکہ ہم خطرے کی حد سے بہت دور نکل آئے تھے۔ رات کھانے کے بعد گوشت بس اتنا بچا تھا کہ صبح کے کھانے میں کام آتا۔ اس کے حالے میں ہم بہت احتیاط کر رہے تھے اگر کوئی جانور گوشت اچک کر لے جاتا تو ہم پھر بھوکے رہ جاتے۔ بیتو نے مشورہ دیا تھا کہ بچ جانے والے گوشت کو بھی ہلکا سا بھون لیا جائے تا کہ اس کے خراب ہونے کا ذرا سا بھی احتمال باقی نہ رہے۔ ہم نے بیتو کے مشورے پر عمل کیا۔ اس رات بھی سب تھکے ہوئے تھے کیونکہ پہاڑی سفر آسان نہیں ہوتا ہے۔ اوپر سے آکسیجن کی کمی کی وجہ سے تھکن کا احساس دوگنا ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم نے تو سے اس کی داستان سننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''برخوردار آج تم ہم کو بتاؤ گے کہ تم پر کیا گزری تھی۔'' وسیم نے اس سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم تو خود بتانے کو بے تاب ہے۔'' بیتو بولا۔ ''پر موقع ہی نہیں ملتا۔''

کھانے کے بعد ہم سب الاؤ کے فرد آ گئے تھے۔ بیتو نے اپنی کہانی شروع اس نے بتایا۔ وہ ہم سے بچھڑ کر جب غار کی تلاش میں نکلا تو اسے احساس نہیں ہوا تھا وہ خاصا آگے نکل گیا تھا۔ ''ہم راستہ بھی بھٹک گیا تھا۔ اس کا بھی ہم کو دیر سے پتا چلا۔ کئی گھنٹے بعد جب ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا تو وہ راستہ ملا ہی نہیں جس سے ہم آیا تھا۔ ادھر پہاڑ بھی بھول بھلیوں جیسا تھا۔ جب رات ہو گیا تو ہم پریشان ہو گیا۔ ہم کو آپ لوگوں کا خیال بھی تھا اور دیدی کا بھی کہ اس کا مرہم بنانا تھا۔ مگر جب راستہ نہیں ملا تو ہم ایک درخت کی جڑ سے لگ کر سو گیا۔ ہمارے پاس آگ جلانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس لیے سردی میں ٹھٹھرتا رہا۔ رات کبھی نیند آتی تھی اور کبھی کوئی جانور یا پرندہ بولتا تو نیند اُڑ جاتی تھی۔''

''تم کو ڈر لگ رہا تھا؟'' سادھنا نے پوچھا۔

''ہاں دیدی۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''ہم جھوٹ نہیں بولے گا ہم کو بہت ڈر لگ رہا تھا ہم بس آپ لوگوں کے ساتھ بہادر ہوتا ہے جب ہم اکیلا ہوتا ہے تو ہم کو بہت ڈر لگتا ہے۔ ایک بار ہم پہلے بھی آپ لوگوں سے بچھڑ گیا تھا تب بھی ہم کو بہت ڈر لگا تھا۔''

''جب تم دلی میں ریل اسٹیشن کی طرف آ رہے تھے؟'' وسیم نے پوچھا۔ تو اس نے سر ہلایا۔

''ہاں اس روز ہم اتنا ڈر گیا تھا کہ اگر شوبی بھائی نظر نہیں آتا تو ہم ٹرین کے آگے کود جاتا۔''

''پاگل انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ملنا بچھڑنا تو لگا رہتا ہے۔ میں اور وسیم کتنی بار بچھڑ کر مل چکے ہیں۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔

''نہیں اب ہم پکا ہوتا جا رہا ہے۔ جب صبح ہوا تو ہم نے پھر راستہ تلاش کرنا شروع کیا اور ایک چھوٹی سی وادی میں جا نکلا تھا۔ وہاں ایک جھیل بھی تھی۔ اس کا صاف پانی دیکھ کر ہم للچا گیا اور ہم نے موقع پا کر نہا لیا تھا۔ پانی اس موسم میں بہت ٹھنڈا ہوتا ہے پر بہت مزہ آیا تھا لیکن جیسے ہی نہا کر نکلا ہم نے وہاں خود کو چار آدمیوں کے گھیرے میں پایا۔ وہ سب مسلح تھا اور انہوں نے ہمارا پستول بھی قبضے میں کر لیا تھا۔ پتا نہیں وہ کس وقت وہاں آ گیا تھا ہم کو بالکل پتا نہیں چلا تھا۔''

''اور تمہارے کپڑے؟'' وسیم نے اس انداز میں پوچھا کہ ہم سب ہنس دیئے تھے۔

بیتو نے خفت سے کہا۔ ''وہ انہوں نے ہم کو دے دیا تھا۔ ہم کو لگا یہ وہی لوگ تھا جن سے ہم بچتا پھر رہا تھا۔ اگر پستول نہ ہوتا تو ہم ان کو مقامی بن کر بے وقوف بناتا۔ پستول کام تو نہیں آیا لیکن ہم کو پھنسا دیا۔ پستول دیکھ کر ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ہم آپ کا ساتھی ہے۔''

''احمق تم انجان بن جاتے۔'' وسیم بولا۔

''یہ خیال ہم کو بعد میں آیا۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''اس وقت تک ہم ہندی بول چکا تھا۔ پھر وہ ہم کو پکڑ کر لے گیا۔ اوپر جنگل میں ان کا چار ساتھی اور تھا۔ ان میں سے ایک بہت خبیث تھا اور وہی ان کا باس تھا اس نے ہم کو دیکھ کر بولا۔ ''یہ بندر کہاں سے لے آیا۔''

''مردم شناس لگ رہا تھا۔'' وسیم نے آہستہ سے کہا تو میں نے اسے گھورا۔ بیتو رکا لیکن پھر بات جاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھی۔ ''ہم کو بہت غصہ آیا اور ہم نے کہہ دیا۔ بس رنگ کا فرق ہے اس کا صورت بھی ہمارا جیسا ہے پھر ہم نے اس کو بتایا کہ ہماری طرف سفید منہ والا بندر بھی پایا جاتا ہے۔''

''اس نے کیا جواب دیا؟'' سادھنا نے دلچسپی سے پوچھا۔

بیتو نے منہ آگے کیا۔ ''یہ نشان دیکھ رہا ہے دیدی، یہ اسی خبیث کے گھونسے کا نتیجہ ہے۔ ہم نے کہا کہ زبان سے بات کرو ہاتھ کیوں چلاتا ہے۔ اس نے ہم سے آپ لوگوں کے بارے میں پوچھا۔ ہم نے بتایا کہ ہم آپ سے بچھڑ گیا ہے اور ہم آپ لوگوں کو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔''

''اس نے یقین کر لیا؟'' میں نے پوچھا۔

''کہاں شوبی بھائی وہ بد بخت تو ہمارا سر کھولنے پر راضی ہو گیا تھا۔ اس نے ہمارے سر پر پستول رکھ دیا تھا اور بولا کہ ہم نے اس کے دس گننے تک نہیں بتایا تو وہ ہمارا بھیجا باہر نکال دے گا۔ وہ گننے لگا تو ہمارا حالت خراب ہو گیا۔ ہم نے اس سے پھر کہا کہ ہمارا بات سنے۔ ہم نے اسے یقین دلایا کہ ہم آپ کے بارے میں نہیں جانتا لیکن وہ نہیں مانا بولا۔ تم جھوٹ بولتا ہے۔ اگر تم نے نہیں بتایا تو ہم تم کو مار دے گا۔''

''تب تم نے کیا کیا؟''

''ہم کیا بتاتا جب کہ ہم کو پتا نہیں تھا۔ اس لیے ہم نے جان بچانے کے لیے جھوٹ بولا دیا کہ ہم اس کو آپ تک لے جائے گا۔ تب اس نے ہمارا سر سے پستول ہٹایا تھا۔''

''وہاں کتنے لوگ تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''آٹھ لوگ تھا اور ان میں سے سات ادھر کا تھا۔''

''کدھر کا؟''

''ادھر ہندوستان کا، اب ہم لہجے سے بتا سکتا ہے کہ بندہ کدھر کا ہے۔'' بیتو کا لہجہ فخریہ ہو گیا تھا۔

''اور آٹھواں آدمی؟''

''وہ باہر کا تھا۔ اس کا رنگ بہت گورا اور لہجہ عجیب سا تھا۔ وہ ہندی بولتا تھا لیکن دوسرے انداز میں۔'' بیتو اس کے انداز کی وضاحت نہیں کر پا رہا تھا۔ ''اس کے حکم پر ہمارے ہاتھ پاؤں باندھ کر ہم کو ایک درخت سے باندھ دیا گیا تھا۔ وہ سب پوری طرح مسلح تھا اور ان کے پاس دوسرا سامان بھی تھا۔''

''دوسرا سامان کیا تھا؟'' وسیم نے پوچھا۔

''مطلب ان کے پاس کھانے پینے اور موسم سے بچاؤ کا پورا سامان تھا۔ ان کے پاس رات گزارنے کے لیے چھوٹے چھوٹے خیمے تھے جن میں آدمی گھس کر سو جاتا ہے۔ ہم کو ان کا نام نہیں آتا ہے۔''

وہ سلیپنگ بیگز کی بات کر رہا تھا لیکن میں نے اسے بات جاری رکھنے کا موقع دیا۔ بار بار کی مداخلت سے وہ بدمزہ ہو سکتا تھا۔ ''وہ بد بخت ہمارے سامنے کھا پی رہا تھا اور ہم کو للچا رہا تھا۔ ہم نے رات سے کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے بھوک سے ہمارا برا حال تھا۔ جیسا یہ بکرا ملنے سے پہلے ہو گیا تھا۔ شام کو انہوں نے ہم کو تھوڑا پانی دیا اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا روٹی کا دیا۔ گورا آدمی نے پھر ہم سے آپ لوگوں کے بارے میں پوچھا اور ہم نے اس بار بھی اس سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابھی تم ہم کو کھولو اور ساتھ لے کر چلو تو ہم تم کو ادھر پہنچا دے گا۔ جدھر ہمارا ساتھی لوگ ہے۔''

''تم ان کے ساتھ کب سے ہو؟'' گورا آدمی نے سوال کیا۔

''ہم ان کا ملازم ہے۔'' ہم نے جھوٹ بولا۔ ''انہوں نے ہم کو تنخواہ پر رکھا تھا تب سے ہم ان کے ساتھ ہے۔''

''یعنی تم صرف ملازم ہے۔'' گورا آدمی بولا۔ ''اگر ہم تم کو زیادہ تنخواہ دے تو تم ہمارے لیے کام کرے گا۔''

''بالکل کرے گا۔'' میں نے اسے جوش سے یقین دلایا۔ ''جو ہم کو اچھا تنخواہ دے گا ہم اس کے لیے کام کرے گا۔''

''یعنی کوئی ہم سے زیادہ دے گا تو تم اس کے ساتھ شامل ہو جائے۔'' وہ مکاری سے بولا۔

''ہاں اس میں کیا برائی ہے؟''

''تم اس کے ساتھ مل کر ہم سے لڑے گا؟''

ہم نے ایسا تاثر دیا جیسے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ ''ہم کیوں لڑے گا۔ ہم لڑنے والا آدمی نہیں ہے۔ ہم بس کام کرنے والا ملازم ہے۔''

لیکن وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ اس کا آنکھ سر میں کسی گدھ کی طرح گھومتا تھا۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہمارا سوچ بھی پڑھ لیتا ہے۔ ہم سے بات کر کے وہ واپس چلا گیا۔ وہ اور اس کا ساتھی گوشت بھون بھون کر کھا رہا تھا انہوں نے کوئی بڑا ہرن مارا تھا۔ اس کی خوشبو سے ہمارا اندر سے برا حال ہو گیا تھا۔ درخت سے بندھے بندھے ہمارا جسم اکڑ گیا تھا۔ رات ہوتے ہی سردی بھی تیز ہو گیا تھا۔ دو تین گھنٹے بعد وہ ہمارے پاس پھر آیا تھا۔

''کل تم ہم کو اس جگہ لے جائے گا جہاں تمہارا ساتھی ہے؟''

''ضرور لے جائے گا۔''

''بس تو تیار رہو۔ اگر تم نے ہم کو اس تک پہنچا دیا تو ہم تم کو منہ مانگا انعام دے گا۔''

''ہم تیار ہے لیکن ہم اس طرح رات بھر بندھا رہا تو تمہارے ساتھ صبح کیسے سفر کرے گا۔ ہم کو کم سے کم درخت سے کھول دو اور رات آگ کے پاس گزارنے دو۔''

ہمارا درخواست پر وہ مسکرایا اور واپس چلا گیا۔ ہم مایوس ہو گیا کہ وہ ہم کو نہیں کھولے گا۔ ان لوگوں نے تلاشی لیتے وقت ہمارا جیکٹ اتار دیا تھا۔ اب ہم صرف ایک شرٹ میں تھا اور سردی سے بھی ہمارا برا حال تھا۔ ان میں سے آدھا لوگ تو رات ہوتے ہی اپنے سونے والے خیموں میں گھس کر سو گیا تھا اور باقی آگ کے پاس جاگ رہا تھا۔ میں نے گورا آدمی کو پکارا۔ وہ دور سے بولا۔

''کیا بات ہے؟''

''ہم کو بھوک لگا ہے اور سردی سے ہم فوت ہونے والا ہے۔'' ہم نے جواب دیا۔

''فکر مت کرو تم اتنی جلدی نہیں مرے گا۔'' اس نے کہا۔ ''ابھی تم نے ہم کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے۔''

''ہم کل سے بھٹک رہا ہے اور کچھ نہیں کھایا ہے۔ یہاں بھوک بھی بہت لگتا ہے اس لیے صبح تک ہم مر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا۔"

اس پر اسے کچھ احساس ہوا اور اس نے اپنے ایک آدمی سے کہا کہ وہ ہم کو کھول کر آگ کے پاس لائے اور ہم کو کھانے کو کچھ دے۔ ایک آدمی نے ہم کو کھولا اور اس نے آگ کے پاس بٹھا کر ہمارا ہاتھ بھی آزاد کر دیا لیکن پاؤں بندھا رہنے دیا تھا۔ پھر اس نے ہم کو ایک روٹی اور تھوڑا سا گوشت دیا تھا۔ جو ہم نے ایک منٹ میں کھا لیا۔ جب ہم نے اور مانگا تو اس آدمی نے غصے سے کہا۔

"اور نہیں ہے۔ اب کیا تمہارا دعوت کرے۔"

ہم بولا۔ "اتنے میں تو ہمارا گزارا نہیں ہوتا۔"

"تب مزے کرو۔" اس آدمی نے کہا گورا آدمی نے کچھ نہیں کہا۔ آگ کے پاس آ کر ہمارا جان میں جان آیا تھا۔ ادھر جھیل تھی اس لیے سردی بھی بہت زیادہ تھی۔ رات کو جھیل سے بھاپ کا بادل اٹھنے لگا تھا اور اس کا دھند جنگل میں پھیلنے لگا۔ ہم کو خیال آیا کہ اگر کسی طرح موقع مل گیا تو ہم فرار کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس دھند کی وجہ سے ہم کو بھاگنے میں آسانی ہوگی۔ اس لیے ہم شرافت سے آگ کے پاس بیٹھ گیا۔ ہم کو امید تھا کہ اب یہ ہم کو درخت سے نہیں باندھے گا اور ایسا ہی ہوا۔ البتہ کھانا کھلانے کے بعد اس آدمی نے ہم کو یہ پھٹا پرانا سوئیٹر پہننے کو دیا اور پھر سے ہمارا ہاتھ باندھ دیا تھا۔"

"تم نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ لوگ کون تھے اور کیوں ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے؟" میں نے بیتو سے پوچھا۔

"یہ سوال ہمارے ذہن میں تھا۔ جب گورا آدمی جو دور بیٹھ کر پی رہا تھا ہمارے پاس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا کہ وہ ہمارا پیچھا کیوں کر رہا ہے۔ اس نے جواب دیا۔

"تمہارا اس معاملے سے تعلق نہیں ہے اور کیا ان لوگوں نے تم کو بتایا نہیں ہے؟"

"نہیں بس اتنا بولا ہے کہ آپ ان کا دشمن ہے۔ ہم ملازم آدمی ہے اس سے زیادہ نہیں پوچھ سکتا۔ اگر ہم کو پتا ہوتا کہ ان کے ساتھ کسی کا ایسا دشمنی ہے تو ہم بہت پہلے یہ نوکری چھوڑ کر جا چکا ہوتا۔"

"اب تو تم نے نوکری کر لیا ہے اس لیے بھگتنا پڑے گا۔"

"آپ کا ان سے دشمنی ہے؟" ہم نے سوال کیا تو اس نے برا عجیب سا جواب دیا تھا۔

"ہمارا ان لوگوں سے دشمنی بھی ہے اور دوستی بھی ہے۔"

ہم نے حیران ہو کر کہا۔ "ہم سمجھا نہیں۔"

"ابھی تم سمجھے گا بھی نہیں، کل تم ہم کو ان تک لے جائے گا اور اس کے بعد تم خود سمجھ جائے گا کہ ہمارا ان سے کیسا دشمنی ہے۔"

گورا آدمی ہم سے بات کرتے کرتے آگ کے پاس دراز ہوا اور سو گیا تھا لیکن اس کا ساتھی جاگ گیا تھا۔ اس لیے ہم بھی آگ کے پاس لیٹ کر سونے کا اداکاری کرنے لگا۔ اصل میں ہم جاگ رہا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا کہ کب ہم بھاگ سکے۔ گورا آدمی کا بقیہ ساتھی بھی رات کے آخری وقت سونے کے لیے چلا گیا تھا۔ اب آگ کے پاس بس ہم اور گورا آدمی تھا۔ تب ہم نے اپنی رسی کھولنے کا کوشش شروع کیا۔ اس وقت ہم کو خوشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی جب رسی ڈھیلی ہونے لگا تھا۔ کوئی آدھا گھنٹہ کوشش کر کے ہم نے رسی کو اتنا ڈھیلا کر لیا کہ اس سے ایک ہاتھ نکال سکے اور جب ایک ہاتھ نکل آیا تو دوسرا ہاتھ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ گورا آدمی ہمارے سامنے تھا۔ اس کی جیکٹ کی جیب سے پستول جھانک رہا تھا۔ ہم نے پاؤں کا رسی کھولا اور ہمت کر کے اس کی جیب سے پستول نکال لیا۔ یہ کام ہم نے اتنا آہستہ سے کیا کہ اسے کانوں کان خبر نہیں ہوا تھا۔''

''احمق تم کو یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہیے تھا۔'' وسیم نے اسے ملامت کی۔ ''اگر وہ جاگ جاتا تو تم بھاگنے سے پہلے ہی پکڑے جاتے۔''

''یہ خیال ہم کو بعد میں آیا تھا۔'' بیتو نے اعتراف کیا تھا۔ ''لیکن اس وقت ہم کو یہی مناسب لگا تھا اور ہم نے اس کا پستول نکال لیا۔ ایک بار تو ہم کو ڈر لگا تھا لیکن جب وہ سوتا رہا تو ہمارا جان میں جان آیا تھا اور دبے قدموں وہاں سے نکل گیا تھا۔ دھند میں ہم کو یہ فائدہ تو ہوا تھا کہ کوئی ہم کو نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن یہ نقصان بھی ہوا کہ ہم کو راستہ نظر نہیں آ رہا تھا اور ہم جگہ جگہ درختوں اور جھاڑیوں سے ٹکراتا پھر رہا تھا۔ یہ جو آپ ہمارا زخم دیکھتا ہے یہ سب اسی وقت لگا تھا لیکن ہم ان کے چنگل سے نکل گیا تھا۔ ہم نے یہ کیا کہ نیچے وادی کی طرف جانے کے بجائے اوپر کا رخ کیا۔ اور الٹی سمت میں گیا تھا۔ اس طرف نہیں گیا تھا جس طرف سے آیا تھا اور پکڑا گیا تھا۔''

''پھر تم بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے یا وہ تمہارے پیچھے آئے تھے۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں شوبی بھائی ہم کو بھی بہت تعجب ہوا تھا۔ ان میں سے کوئی ہمارے پیچھے نہیں آیا تھا۔ ہم آرام سے وہاں سے نکل آیا۔''

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ ''دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے شہباز صاحب۔''

''تم کو بھی احساس نہیں ہوا کہ تمہارا تعاقب کیا جا رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' بیتو نے یقین سے کہا۔ ''ہم پورا راستہ بار بار دیکھتا آیا ایک بار بھی کوئی ہم کو پیچھے نظر نہیں آیا تھا۔''

''لیکن اس گورے آدمی نے تم کو اتنی آسانی سے نکل جانے دیا یہ بات حلق سے نہیں اتر رہی ہے۔''

''سچی بات ہے کہ ہم بھی پہلے پریشان تھا کہ اتنے آرام سے کیسے نکل گیا لیکن بعد میں یہ ہم کو قدرت کا مہربانی لگا۔'' بیتو نے کہا۔ ''وہ گورا آدمی بہت چالاک تھا۔ ہم نہیں سمجھ سکا کہ اس نے ہماری نگرانی کے لیے کسی کو کیوں نہیں کہا۔ وہ آپ کے بارے میں جانتا تھا۔ اس نے ایک بار ہم سے کہا۔ ''ہم جانتا ہے شہباز خان ہمارے ہاتھ سے مرے گا یا ہم اس کے ہاتھ سے۔''

''شہباز خان۔'' میں اچھل پڑا تھا۔ ''اس طرح صرف ایک شخص میرا نام لے سکتا ہے۔''

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ اس کے ذہن میں بھی وہی نام آیا تھا جو اس سفر کے دوران بار بار میرے ذہن میں آتا رہا تھا اور جس کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ اس کے پس پشت وہی ہے۔

''فتح خان۔'' میں نے بے ساختہ کہا اور اس کے ساتھ ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا میں اٹھنے لگا تھا کہ غار کے دہانے کی طرف سے آواز آئی۔

''ہاں..... ام فتح خان ہے اپنی جگہ سے ملنا مت۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز فتح خان کی تھی اور میں اٹھتے اٹھتے اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا۔ تقدیر ایک بار پھر مجھے اور فتح خان کو سامنے لے آئی تھی۔

☆======☆======☆

مجھے سو فی صد یقین تھا کہ فتح خان بیتو کا تعاقب کرتا یہاں تک آیا تھا لیکن اس نے کس طرح بیتو کا تعاقب کیا تھا یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور فی الحال مسئلہ فتح خان خود تھا۔ وہ ہمارے سروں پر تھا اور اس جیسے دشمن سے آدمی کو ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ ہم نہتے تھے اور فتح خان کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ دانتوں تک مسلح ہوگا۔ اس کے ساتھ اور لوگوں کی موجودگی بھی لازمی تھی بیتو نے اس کے ساتھ کم سے کم نصف درجن مسلح آدمی دیکھے تھے۔ اس لیے میں نے خود بھی کسی حرکت سے گریز کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی منع کر دیا۔ پھر میں بلند آواز سے بولا۔

''فتح خان ہم کچھ نہیں کر رہے تم اندر آ سکتے ہو۔''

''ابھی نہیں پہلے تم سب اپنا ہاتھ سر پر رکھو۔'' اس نے مطالبہ کیا۔ ''لڑکی کا ہاتھ بھی اوپر ہو۔''

''یہ زخمی ہے۔ اس نے ہاتھ اوپر کیا تو اس کے زخم پر زور آئے گا۔''

''زور آنے سے یہ مرے گا نہیں۔'' فتح خان سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''یہ بھی ہاتھ اوپر کرے گا۔''

میں نے اشارہ کیا تو سب نے ہاتھ اوپر کر لیے۔ ''اب کہو؟''

''میرا ایک آدمی اندر آ کر سب کی تلاشی لے گا۔ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا۔''

''فتح خان اس وقت تم کچھ زیادہ ہی محتاط لگ رہے ہو۔''

''یہ ضروری ہے، اب تم بہت تیز ہو گیا ہے۔ اتنا تیز جتنا ہم آج سے بیس سال پہلے تھا۔''

''اب نہیں ہو؟''

''اب ہم بوڑھا ہونے والا ہے۔''

''بوڑھے ہو گئے ہو لیکن سکون سے نہیں بیٹھے۔''

''آدمی جب تک زندہ ہے سکون کہاں ملتا ہے۔'' اس نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''میرا آدمی اندر آ رہا ہے اگر کسی نے غلط حرکت کیا تو خود ذمے دار ہوگا۔''

''تم بے فکر ہو کر اپنے آدمی کو بھیج دو۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ اس کا آدمی اندر آ گیا تھا۔ اس نے باری باری ہم سب کی تلاشی لینا شروع کی۔ وہ جس کی تلاشی لیتا تھا اسے کھڑا کر لیتا تھا اور اس کے بعد اسے بیٹھنے کا حکم دیتا تھا۔ سادھنا جان بوجھ کر کراہ کر اور مشکل سے کھڑی ہوئی تھی۔ حالانکہ اس کی حالت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ فتح خان کے آدمی نے اس کی بھی تلاشی لی۔ بیتو کے پاس سے خالی پستول نکال لیا تھا۔ ہمارے بعد اس نے ہمارے سامان کی تلاشی لی تھی اور سارے ہتھیار معہ خنجر کے نکال کر لے گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد فتح خان اندر آیا تھا۔ پاکستان سے نکلنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ میرا اس سے سامنا ہو رہا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اس سارے عرصے میں وہ ہمارے تعاقب میں رہا تھا۔ وہ تھکا ہوا اور گندے لباس میں تھا۔ اس کے دن رات بھی ہماری طرح دربدر گزر رہے تھے لیکن ہماری دربدری مجبوری تھی اور اس کی اختیاری، وہ ہمارے پیچھے تھا۔ وہ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ذرا فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''فتح خان میرا خیال تھا کہ تم دشمنی کے لیے میرا سرحد کے اس طرف انتظار کرو گے لیکن تم تو یہاں چلے آئے۔''

وہ مسکرایا اور اپنے سفید دانتوں کی نمائش کی۔''پہلے ہمارا خیال بھی یہی تھا کہ تم واپس آئے گا تو حساب کتاب کرے گا لیکن پھر ہم کو ادھر آنے اور تم کو تلاش کرنے کا حکم ملا تو ادھر آنا پڑا۔''

''کس کے کہنے پر آئے ہو، ڈیوڈ شا؟''

''یہ بات بے کار ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کو اس کام کا بہت اچھا معاوضہ ملا ہے۔''

''تبھی تم نے مجھے اتنی شدومد سے تلاش کیا ہے؟''

''بہت کوشش کرنا پڑی تب جا کر تم ملا ہے۔''

''تم نے اس کا تعاقب کیسے کیا؟'' میں نے بیتو کی طرف اشارہ کیا۔''یہ تو طے ہے تم نے جان بوجھ کر اسے فرار کا موقع دیا تھا۔''

اس بار فتح خان سچ مچ مسکرایا تھا۔''بہت آسانی سے..... ہم نے اس کو جو سوئیٹر دیا تھا اس میں ایک چھوٹا سا چپ لگا ہے وہ سگنل دیتا ہے۔''

''چپ..... وہ کیا ہوتا ہے؟'' بیتو نے تجسس سے کہا ساتھ ہی وہ اپنا سوئیٹر ٹٹولنے لگا۔

''یہ ایک برقی آلہ ہوتا ہے۔'' وسیم نے بتایا اور چپ تلاش کرنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔ آخر کار چپ سوئیٹر کے عقب میں گلے ٹیگ سے برآمد ہوگئی۔ یہ بہت چھوٹی سی چپٹی چپ تھی اور یقیناً جدید ٹیکنالوجی کا شاہکار تھی۔ یہ سچ مچ اتنی چھوٹی تھی کہ بیتو نے اس کی موجودگی ذرا محسوس نہیں کی تھی۔ وسیم نے مجھے دی اور میں نے اسے دیکھ کر لاپروائی سے اسے فتح خان کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لے کر جیب میں ڈال لیا۔

''تم ایمان دار آدمی ہے دوسرے کا چیز اسے واپس کر دیتا ہے۔''

''فتح خان اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟''

''تم کو لے جا کر کسی کے سامنے پیش کرنا ہے۔'' اس نے کہا۔''بس کل صبح تک کا انتظار کر لو۔''

''کیوں اس کے بعد کیا ہوگا؟''

''ایک ہیلی کاپٹر آ کر تم کو لے جائے گا۔''

''صرف مجھ کو؟'' میں نے اس کے الفاظ پر غور کیا۔

''ہاں باقی لوگ میرے ساتھ آئیں گے۔''

''نہیں ہم سب ساتھ جائیں گے۔''

فتح خان کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا تھا۔ پھر سرد لہجے میں بولا۔''شہباز خان کیا تم اس پوزیشن میں ہے کہ اپنی بات منوا سکو۔''

حقیقت یہ تھی کہ ہم اس پوزیشن میں نہیں تھے۔ فتح خان اکیلا ہی کم آفت نہیں تھا اس کے ساتھ نصف درجن مسلح ساتھی تھے۔ ہم نہتے تھے اور تعداد میں ان سے آدھے تھے۔ کسی طور ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اعتراف کیا۔ ''نہیں منوا سکتے۔''

فتح خان کھڑا ہو گیا۔ ''تم سمجھ دار آدمی ہے۔ رات اسی غار میں رہے گا۔ باہر ہمارا ساتھی ہے۔ جس نے بھی صبح سے پہلے باہر نکلنے کا سوچا وہ اپنی موت کا ذمے دار خود ہو گا۔''

فتح خان کے جانے کے بعد سادھنا نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی یہ کون ہے؟''

''میری جان کا ایک اور گاہک۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''شہباز بھائی، یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔'' بیتو میرے پاس کھسک آیا۔ ''اس نے ہم کو کیسے بے وقوف بنایا۔''

''یہ کون سا مشکل کام ہے۔'' وسیم نے اسے چھیڑا۔ ''تم تو اچھے خاصے بنے بنائے ہو۔''

''وسیم بھائی یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔'' بیتو سنجیدگی سے بولا۔ ''یہ آدمی بہت خطرناک ہے اور ہمیں کسی صورت اس کے ساتھ نہیں جانا چاہیے۔''

''تب ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم نہتے اور تعداد میں ان لوگوں سے آدھے ہیں۔ ان کے پاس بے شمار اسلحہ ہے۔''

''وہ تو ہے پر ہم کو کوشش تو کرنی چاہیے۔'' بیتو نے اصرار کیا۔

''مثلاً ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' وسیم نے سوال کیا۔

''اس پر ہمیں سوچنا چاہیے۔'' وہ بولا۔

''بیتو ٹھیک کہہ رہا ہے ہمیں اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ میرے لیے ایک پلس پوائنٹ یہ ہے کہ فتح خان مجھے زندہ لے جانا چاہتا ہے اس لیے وہ مجھے مارنے سے ہر ممکن گریز کرے گا۔''

''لیکن ہم اس کے لیے غیر ضروری ہیں۔'' وسیم نے خبردار کیا۔ ''ممکن ہے آپ سے ہمیں الگ کرنے کا مقصد یہی ہو کہ وہ ہمیں یہیں خاموشی سے ختم کر دے گا۔''

''میرے دل میں بھی یہی اندیشہ ہے۔ اس لیے ہمیں صبح سے پہلے کچھ کرنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

ہم سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ہماری کوشش تھی کہ ہماری آواز غار سے باہر نہ جانے پائے۔ ویسے یہ خاصا اندھیارا تھا اور باہر ہواؤں کا شور تھا۔ اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ فتح خان یا اس کے ساتھی ہماری بات سن سکیں۔ مجھے غلط تھا کہ اس سرد موسم میں فتح خان نے اپنے ساتھیوں سمیت غار میں رات گزارنے کے بجائے باہر رہنے کو ترجیح دی تھی۔ وہ ہمیں باندھ کر بھی رات گزار سکتے تھے لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان کوئی رسک لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لیے اس نے سردی کے باوجود ساتھیوں سمیت غار سے باہر رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اچانک فتح خان اندر آیا تھا اور ہم چونک گئے۔ وہ یوں مسکرایا جیسے ہماری میٹنگ کے موضوع سے باخبر ہے۔ پھر اس نے کہا۔ ''شہباز خان ہم یہ اطلاع دینے آیا ہے کہ میرے ساتھیوں نے غار کے دہانے پر ایک ودی سرنگ لگا دیا ہے۔ ادھر کسی نے اس پر قدم رکھا اور ادھر اس کا ٹکڑا ہوا میں اُڑ جائے گا۔ اس لیے کوئی باہر نے کی کوشش نہ کرے۔''

میں نے دل میں بے ساختہ فتح خان کی مدح سرائی کی جس کے سر میں شیطان کا دماغ فٹ تھا۔ ابھی ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی ترکیب بھی نہیں سوچ پائے تھے کہ اس نے اس کا توڑ پہلے ہی تلاش کر لیا تھا۔ میں نے دانت پیس کر کہا۔

''تم نے ناحق اتنی زحمت کی۔ اس سے بہتر تھا کہ تم ایک ٹینک لا کر غار کے دہانے پر کھڑا کر دیتے۔ ادھر کسی نے سر نکالا اور ادھر ٹینک نے گولا داغا۔''

''اب تم لوگ آرام کرو۔'' فتح خان بنا کسی ردِعمل کے بولا۔ ''صبح تم میں سے تین کو لمبا سفر کرنا ہے۔''

''فتح خان۔'' میں نے اسے روکا اور سادھنا کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ میرے ساتھ جائے، یہ زخمی ہے۔''

''نہیں کاپٹر میں صرف تم جائے گا۔'' فتح خان بولا۔ ''یہ لوگ پیدل پیدل میرے ساتھ جائے گا۔''

میں اپنے خدشات کا اظہار فتح خان کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ ممکن وہ میری طرف سے مزید چوکنا ہو جاتا۔ اور میں چاہتا تھا کہ وہ ہمیں اپنے قابو میں سمجھے۔ فتح خان چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی وسیم نے دبی زبان میں اس کے آباؤ اجداد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

''یہ بہت مکار آدمی ہے۔'' سادھنا بھی حیران تھی۔ ''ابھی ہم نے سوچا بھی نہیں تھا اور اس نے پہلے ہی اپنا کام کر دیا۔''

''تم نے ٹھیک کہا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''مجھے دنیا کے کسی شخص سے اتنا خوف نہیں آتا جتنا کہ میں اس شخص کے سامنے محتاط رہتا ہوں۔ یہ ہمیشہ غیر متوقع طریقے سے میرے سامنے آتا ہے۔''

وسیم نے گہری سانس لی۔ ''میرے حساب سے ہم کل تک نیپال کی سرحد میں داخل ہو جاتے اور اس مصیبت سے بچ جاتے۔''

''یہ شخص خود بھی اور پھر جس کا گماشتہ ہے ان لوگوں کے لیے سرحد کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔ اگر ہم نیپال چلے جاتے تو یہ وہاں بھی ہمارا تعاقب کرتا۔''

وسیم سرک کر میرے پاس آ گیا تھا اور اس نے اتنی مدھم آواز میں کہا کہ سادھنا اور بیتو نہ سن سکیں۔ ''جناب مجھے اس کی نیت اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ اصل میں یہ آپ کے پیچھے آیا ہے اور ہم لوگ اس کے لیے بے کار ہیں۔ اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فتح خان بے کار کا بوجھ اٹھانے والوں میں سے نہیں ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ تم تینوں سے یہیں چھٹکارا حاصل کر لے گا؟'' میں نے بھی مدھم سی آواز میں کہا

''میرا یہی خیال ہے۔''

''وسیم مجھے فتح خان کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے لیکن ہم پوری طرح اس کے قبضے میں ہیں اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

اس نے غور کیا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''فی الحال تو صرف نیت کر سکتے ہیں۔ کچھ کر گزرنے کی۔''

''یہی میرا خیال ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس لیے باتیں کرنے کے بجائے سب اپنے اپنے طور پر غور کریں اور اگر کسی کے ذہن میں کوئی خیال آئے تو پھر وہ دوسروں سے بات کرے۔''

''آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ باتیں کرتے رہے تو صرف وقت ضائع ہو گا۔'' وسیم بولا اور ایک طرف لیٹ گیا اس نے بلند آواز سے کہا۔ ''مجھے تو نیند آ رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس ماحول میں؟'' بیتو نے حیرت سے کہا۔

''منے ہم عادی ہیں اس قسم کے حالات کے، اس لیے لمبی تان کر سو سکتے ہیں۔'' وسیم بولا اور آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے سرگوشی میں بیتو اور سادھنا کو بتایا کہ ہمیں چپ رہ کر غور کرنا ہے اور دشمن کو یہ تاثر دینا ہے کہ ہم سو رہے ہیں یہ کہہ کر میں نے بھی بلند آواز سے کہا۔ ''میرا خیال ہے اب ہمیں آرام کرنا چاہیے۔''

''میرا سر چکرا رہا ہے۔'' سادھنا تھکے لہجے میں بولی۔ وہ سچ مچ لیٹ گئی تھی۔ بیتو بھی ایک طرف لیٹ گیا۔ ہمارے پاس زمین پر بچھانے کے لیے گھاس تھی۔ ایک طرف الاؤ جل رہا تھا اور اس کی حدت سے غار میں سردی اتنی نہیں تھی۔ میں اور وسیم ساتھ ساتھ لیٹ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد وسیم نے سرگوشی میں کہا۔

''کیا خیال ہے ہم باہر نکل کر دیکھنے کی کوشش کریں؟''

''ہرگز نہیں میں فتح خان کی دھمکی کو معمولی نہیں لے سکتا۔''

''آپ کے خیال میں اس نے سچ مچ کوئی بارودی سرنگ لگادی ہوگی؟'' اس نے پوچھا۔

''ایسا ممکن ہے آج کل تباہ کن بارودی سرنگیں بہت چھوٹی اور لگانے میں بہت آسان ہوتی ہیں۔ ان کو بس مٹی میں دبا کر ایک بٹن دبانا پڑتا ہے اس کے بعد جب ان پر مخصوص دباؤ آتا ہے تو یہ بلاسٹ ہو جاتی ہیں۔''

''آپ نے ٹھیک کہا۔'' وسیم نے میری بات پر غور کیا۔ ''میں نے بھی ایسی بارودی سرنگیں دیکھی ہیں۔''

''اس لیے باہر جانے کا خیال تو دل سے نکال دو۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے علاوہ کچھ اور سوچو۔''

وسیم بولا۔ ''اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے جناب جب تک یہاں سے نکلیں گے نہیں کچھ کیسے کریں گے۔''

''ہمیں چانس لینا ہے لیکن زندگی کی قیمت پر نہیں۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''جو ترکیب سوجھتی ہے اسی پالیسی کے تحت سوچو۔''

''مجھے تو مرنا مارنا آتا ہے جناب یہ اتنا صبر آپ میں ہی ہے۔ کبھی کبھی مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ کسی بھی ہنگامی صورت حال میں کس طرح اپنا دماغ ٹھنڈا رکھتے ہیں؟''

''شاید اس لیے کہ میں نے کسی بھی چیز کو زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں جانا ہے۔ کامیابی اور ناکامی میرے نزدیک صرف دو واقعات ہیں اور کسی ایک واقعے میں ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کے لیے میں زندگی کو داؤ پر لگانے کا قائل نہیں ہوں۔''

''میں اس طرح نہیں سوچ سکتا۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''وسیم ہر آدمی مختلف انداز میں سوچتا ہے اب یہ فتح خان مختلف سوچ رکھتا ہے اور تم دوسرے انداز سے سوچتے ہو۔ اس لیے اس چکر میں مت پڑو کہ میں کس طرح سوچتا ہوں۔''

وسیم خاموش ہو کر لیٹ گیا۔ میں جاگتا رہا، شاید ہم میں سے ہر فرد ہی جاگ رہا تھا لیکن یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے سو رہا ہو۔ میرے کان باہر کی آہٹوں پر لگے تھے۔ کبھی کبھی باہر سے ہلکی سی آواز آتی تھی۔ اس کے علاوہ صرف ہوا کی سائیں سائیں تھی۔ وہ لوگ جاگ رہے تھے۔ لازمی بات تھی ان میں سے دو تین جاگ رہے تھے۔ سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ فتح خان جیسا شخص ہمیں نگرانی سے آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ہمیں موقع مل گیا تو ہم اس کی جیتی ہوئی بازی کو کس طرح اس کی ہار میں بدل دیں گے۔ اس لیے وہ پوری طرح محتاط تھا۔ شاید خود بھی جاگ رہا تھا کیونکہ ایک بار میں نے اس کی بھاری آواز سنی تھی۔

کسی وقت بیتو اور وسیم سو گئے تھے۔ ان کے خراٹے ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے لگ رہے تھے۔ پہلے بیتو خراٹا لیتا تھا اور پھر وسیم اس کے جواب میں خراٹا لیتا۔ یہ خاصی مضحکہ خیز سچویشن تھی۔ اگر ہم عام حالت میں ہوتے تو میں اس سے بہت لطف لیتا۔ مگر ابھی تو مجھے آنے والی صبح کی فکر تھی۔ فتح خان جیسے سفاک آدمی کے رحم و کرم پر میں اپنے ساتھیوں کو کس طرح چھوڑتا۔ میں سوچ میں گم تھا کہ سادھنا کی طرف سے ہلکی سی آہٹ ہوئی تھی۔ میں نے غار کے دہانے کی طرف دیکھا۔ وہاں تاریکی تھی۔ میں لیٹے لیٹے سرک کر سادھنا کی طرف آ گیا۔ وہ جاگ رہی تھی۔

''تم سوئیں نہیں؟''

''یہ دونوں جو شاعری کر رہے ہیں اس میں آدمی کو نیند کیسے آئے۔'' اس نے بے چارگی سے وسیم اور بیتو کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے تو مستقبل کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔''

میں مسکرایا تو اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔ وہ شرما گئی تھی۔ ''کوئی بات نہیں دنیا کی نوے فی صد بیویوں کو اس قسم کی چیزیں برداشت کرنی پڑتی ہیں لیکن یہ مرحلہ ابھی دور ہے۔ اس کے لیے اردو میں ایک محاورہ ہے۔ ''ہنوز دلی دور است۔''

''یہ اردو کا نہیں فارسی کا محاورہ ہے۔'' اس نے کہا۔

''اچھا۔'' میں نے سر کھجایا۔ ''اصل میں میری اردو اتنی اچھی نہیں ہے اسکول میں بھی پاسنگ مارک مل جاتے تھے۔ اس پر ابا جی بڑے غضب ناک ہوتے تھے کہ مادری زبان نہیں آتی۔''

''میں نے اردو پڑھی ہے اسے ہمارے ہاں ہندی کہتے ہیں۔''

''خیر زبانوں پر بحث بعد میں کبھی فرصت سے کریں گے۔ ابھی تو اس کی فکر ہے کہ صبح سے پہلے ان لوگوں کے چنگل سے کیسے نکلیں۔''

''شوبی مجھے ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔ آپ کو یہاں سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے بھیج کر یہ ہمیں شاید یہیں مار دیں۔ ورنہ اس کی کیا تک بنتی ہے کہ آپ کو الگ بھیجا جائے۔''

مجھے حیرت ہوئی تھی کہ وہ بھی یہی سوچ رہی تھی۔ مجھے دل میں تسلیم کرنا پڑا تھا کہ وہ ذہانت میں ہم سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ اس سفر کے دوران اس نے کئی بار اس بات کو ثابت بھی کیا تھا۔ آج بھی اس نے وہ بات محسوس کر لی تھی جو میرے اور وسیم کے ذہن میں آئی تھی۔ میں نے تسلیم کیا۔

''یہ خدشہ میرے دل میں بھی ہے۔''

''شوبی تب کیا کریں؟'' اس نے سہم کر کہا۔

''تم فکر مت کرو میں تم لوگوں کے بغیر نہیں جاؤں گا۔'' میں نے عزم سے کہا۔ ''یا تو ہم سب جائیں گے ورنہ کوئی بھی نہیں جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ سمجھ رہی تھی کہ کسی کے بھی نہ جانے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''مجھے یہ شخص فتح خان بہت خطرناک لگ رہا ہے۔''

''یہ بہت خطرناک شخص ہے۔'' میں نے تصدیق کی۔ ''میں اس سے ایسے محتاط رہتا ہوں جیسے سپیرا کسی زہریلے سانپ سے محتاط رہتا ہے میرا مطلب ہے مجھے اس کے زہر کا اچھی طرح اندازہ ہے۔''

''میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے یہ شخص آپ کا دشمن ہے لیکن آپ کے لیے دل میں کینہ نہیں رکھتا۔''

''کیا مطلب؟'' مجھے تعجب ہوا تھا۔

''بس مجھے محسوس ہوتا ہے۔ یہ شخص شاید آپ کو اندر سے پسند کرتا ہے لیکن کسی وجہ سے اپنی دشمنی سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتا ہے۔''

میں سادھنا کے تجزیے پر حیران ہوا تھا کیونکہ یہی بات میں نے بھی کئی بار محسوس کی تھی۔ فتح خان میرا دشمن تھا اور اگر اس کی جان پر بن جاتی یا میرا اس کا سامنا کسی ایسے موقع پر ہوتا جب اس کے اور میرے درمیان کوئی تیسرا فریق نہ ہوتا تو وہ مجھے مار ڈالنے سے گریز نہ کرتا۔ مگر اتفاق سے ہر بار اس سے میرا سامنا کسی نہ کسی وجہ سے ہوتا تھا۔ اور وہ مجبور ہوتا تھا کہ مجھے قتل نہ کرے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا جب وہ مجھے مار سکتا تھا اور موقع بھی کچھ ایسا ہی بن رہا تھا لیکن اس نے کوئی سستی کی یا جان کر مجھے نشانہ بنانے سے گریز کیا تھا۔ دوسری طرف مجھے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے اپنی دشمنی سے دست بردار نہیں ہوا ہے۔ اس نے ایک بار مجھ سے کہا تھا۔

''شہباز خاناں..... ہم کو لگتا ہے کہ ہم میں سے ایک دوسرے کے ہاتھوں مارا جائے گا۔''

مجھے بھی ایسا ہی لگتا تھا۔ فتح خان کو جیسے میں جانتا تھا ایسے شاید ہی اسے کوئی جانتا ہو لیکن سادھنا نے اتنی مختصر سی جھلک میں اس کا درست تجزیہ کر کے مجھے حیران کر دیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''لگتا ہے تم اس دوران میں سوچتی رہی ہو۔ کیا تم نے اس مصیبت سے نکلنے کے لیے کوئی حل سوچا ہے؟''

وہ سوچتی رہی پھر ہچکچا کر بولی۔ ''شوبی اس قسم کے معاملات میں آپ سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔ میں نے دیکھا ہے آپ کتنی ہی بار کتنے ہی مشکل مراحل سے ہمیں نکال لائے۔ اب بھی آپ پر مجھے یقین ہے لیکن ایک بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔ ممکن ہے وہ آپ کے کام آ سکے۔ میں نے صرف سوچا ہے۔ یہ بات میرے ذہن میں پوری طرح واضح نہیں ہے۔''

''کیا بات ہے؟''

''کیا ہم اس بارودی سرنگ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے جو غار کے سامنے لگی ہے۔''

اس کی بات مجھے عجیب سی لگی تھی۔ بھلا ہم بارودی سرنگ سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس نے محسوس کر لیا کہ مجھے اس کی بات ہضم نہیں ہو رہی تھی اس لیے وہ کسی قدر شرمندہ ہو گئی۔ ''وہ میں نے سوچا کہ یہ بھی ہتھیار ہوتا ہے۔''

اس کی اس بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بارودی سرنگ ہتھیار ہوتا ہے اور ہتھیار تو کسی کے خلاف بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ رات کے شاید تین بج رہے تھے اور ابھی صبح میں خاصا وقت تھا۔ سردیوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنی دیر سے ہوتی ہے۔ میں الاؤ کے پاس لیٹ گیا۔ باہر سے آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں شاید وہ لوگ بھی اب آرام کے موڈ میں تھے۔ میں لیٹا رہا اور انتظار کرتا رہا تھا۔ پھر صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ یہ بہت معمولی سی تھی۔ جب مجھے باہر کسی قدر نظر آنے لگا تو میں اٹھ کر غار کے دہانے کی طرف بڑھا تھا۔ ابھی میں دہانے سے دور تھا کہ عقب سے وسیم نے آہستہ سے کہا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں جناب؟''

''فکر مت کرو۔'' میں نے مڑے بغیر کہا اور دہانے تک آیا۔ میری نظر زمین پر تھی۔ اسی وقت فتح خان کے ایک ساتھی نے مجھے ایک دیکھ لیا وہ لوگ غار سے کچھ دور آگ جلا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے چلا کر کہا۔

''اے دور رہو..... باہر مت آنا۔''

مجھے دل لگی سوجھی اور میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں مرنا چاہتا ہوں اور کون میرے ساتھ اس دنیا سے جائے گا۔''

وہ لوگ بوکھلا گئے تھے۔ جلدی سے دہانے سے دور ہو گئے اور مجھے باہر آنے سے منع کرنے لگے تھے۔ اس شور میں فتح خان بھی اٹھ گیا۔ اس نے مجھے دیکھا تو آگے آیا۔ ''شہباز خان یہ کیا کر رہے ہو؟''

''خودکشی۔'' میں نے کہا۔ اور ایک قدم آگے آیا۔ وہ لوگ گھبرا کر مزید پیچھے ہو گئے تھے اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اب میں بارودی سرنگ کے بہت قریب ہوں۔

''پیچھے ہٹ جاؤ، ہم جانتا ہے تم خودکشی نہیں کر سکتا۔'' فتح خان نے سکون سے کہا اور اپنے لباس سے پستول نکال لیا۔

''یہ تم سے کس نے کہا کہ میں خودکشی نہیں کر سکتا۔''

''میں تم کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اب تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میں تمہارے پاؤں پر گولی ماروں گا۔ تم بھی مجھے جانتے ہو۔ اس کے بعد تم ساری عمر لکڑ ہگڑ کی طرح چلے گا۔''

میں جان گیا وہ بالکل سنجیدہ تھا اور میں ایک قدم بھی آگے رکھتا تو وہ مجھے گولی مار دیتا۔ میں مسکرایا۔ ''تم لوگ تو مذاق سے بھی ڈر جاتے ہو۔''

''ہم لوگ مذاق نہیں سمجھتے۔'' فتح خان نے خشک لہجے میں کہا اور اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ میں غار میں آیا تو میرے ساتھی بھی اٹھ گئے تھے۔ وسیم نے آہستہ سے پوچھا۔

''یہ آپ کیا کر رہے تھے؟''

میں نے سرگوشی میں اس سے کہا۔ ''وسیم تم سب غار میں مناسب سائز کے پتھر تلاش کرو جس کو ایک ہاتھ سے مارا جا سکتا ہو اور اس کا وزن دو ڈھائی کلو ہو۔''

وسیم مزید تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ ''آپ کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟''

''یار جو کہا ہے وہ کرو اور بالکل خاموشی سے کرو۔ باہر والوں کو اس کا ذرا سا بھی احساس نہ ہو کہ ہم اندر کیا کر رہے ہیں۔'' میں نے ذرا سخت لہجہ اختیار کیا تو وسیم الرٹ ہو گیا۔

''جو حکم سر۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے بیتو اور سادھنا کو بتایا تھا۔ وہ بھی فکر میں لگ گئے تھے لیکن انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھنے کے بجائے کام شروع کر دیا۔ غار کے اندر اس قسم کی چیز تلاش کرنا آسان نہیں تھا لیکن کچھ دیر میں انہوں نے ایسے چار عدد پتھر تلاش کر ہی لیے تھے۔ یہ کام انہوں نے اتنی ہوشیاری سے کیا تھا کہ باہر والوں کو ذرا بھی علم نہیں ہوا تھا۔ وسیم میرے پاس بیٹھا اور ایک پتھر میرے سپرد کر دیا۔

''اب آپ بتائیں گے کہ کیا ارادہ ہے۔''

''ضرور۔'' میں نے کہا اور سرگوشی میں اسے اپنا پلان بتانے لگا۔ وہ غور سے سنتا رہا اور سر ہلاتا رہا۔ ''سمجھ گئے۔''

''بالکل سمجھ گیا۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن اس میں خطرہ ہے۔''

''وہ تو ہے لیکن میں تم لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اگر میں اڑ جاؤں تو فتح خان مجھے بے بس کر کے بھی لے جا سکتا ہے۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے میں ان لوگوں کو سمجھاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور ان دونوں کی طرف سرک گیا۔ ہم ساری حرکات باہر والوں کو چونکائے بغیر کر رہے تھے۔ ان میں فتح خان جیسا مکار آدمی تھا جو دشمن کے ذہن سے سوچتا تھا اور ہماری کسی بھی حرکت کا پیشگی اندازہ لگا سکتا تھا۔ اسے غافل رکھنا لازمی تھا۔ باہر روشنی بہت تیزی سے ہو رہی تھی اور یہ بات یقینی تھی کہ کچھ دیر بعد فتح خان ہمیں باہر آنے کو کہے گا۔ وسیم بیتو اور سادھنا کو سمجھا رہا تھا کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ میں نے دیکھا سادھنا نے کئی بار احتجاج کرنا چاہا لیکن وسیم نے اسے خاموش کرا دیا۔

روشنی ہوتے ہی باہر فتح خان کے ساتھیوں کی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں اور شاید وہ ناشتے کی تیاری کر رہے تھے۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی میں اور میرے ساتھی بے شمار بار جاں گسل مراحل سے گزرے تھے لیکن آج جو میں کرنے والا تھا وہ مجھے بہت خطرناک لگ رہا تھا۔ اس میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے سادھنا اور بیتو کے لیے ہدایت دی تھی کہ انہوں نے پیچھے رہنا ہے۔ میں اور وسیم اور آگے رہتے۔ سارا کام ہمیں کرنا تھا۔ بیتو بعد میں ہماری مدد کے لیے آ سکتا تھا لیکن حالات دیکھ کر۔

''شہباز خان۔'' فتح خان نے پکارا۔ ''باہر آ جاؤ اپنا ساتھی لے کر۔''

''ہم باہر نہیں آ سکتے جب تک تم بارودی سرنگ نہیں ہٹاؤ گے۔'' میں نے انکار کیا۔

''تمہیں اس سے خطرہ نہیں ہے۔'' فتح خان سامنے آیا۔ ''یہ بالکل درمیان میں ہے۔ تم لوگ کناروں سے ہو کر آ جاؤ۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''سوری میں بالکل بھی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اگر تمہارے ساتھیوں سے غلطی ہوئی ہو اور سرنگ اس جگہ نہ ہو جہاں تم سمجھ رہے ہو تو مارے ہم جائیں گے۔''

فتح خان کا موڈ خراب ہو گیا اور اس نے غرا کر کہا۔ ''ابھی ہم کہہ رہا ہے کہ ادھر بارودی سرنگ نہیں ہے۔''

میں مسکرایا۔ ''اچھا اگر ایسی بات ہے تو تم ایک بار اس راستے سے اندر آ کر دکھاؤ تو ہم بھی اسی راستے سے نکل کر باہر آ جائیں گے۔''

یہ سن کے فتح خان سوچ میں پڑ گیا تھا کیونکہ جس وقت وہ غار میں ہمارے ساتھ تھا اس کے ساتھیوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارودی سرنگ نصب کی تھی۔ اسے بالکل درست طور پر نہیں معلوم تھا کہ بارودی سرنگ اصل میں کس جگہ نصب ہے۔ اس لیے وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اس کی آواز بہت مدھم تھی پھر پلٹ کر بولا۔

''نہیں تم لوگوں کو آنا پڑے گا۔ اس میں خطرہ نہیں ہے۔''

''جب تک یہ بارودی سرنگ نہیں ہٹے گی ہم نہیں آئیں گے۔'' میں نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔ ''فتح خان تم مجھے مار سکتے ہو لیکن اپنی مرضی پر نہیں چلا سکتے۔''

فتح خان نے اپنے پستول کا رخ میری طرف کر دیا۔ ''شہباز خان باہر آؤ ورنہ.....''

''ورنہ تم مجھے گولی مار دو گے۔'' میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ''اس صورت میں اپنے آقا کو کیا جواب دو گے۔''

اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ کچھ دیر ہونٹ چباتا رہا تھا پھر اس نے دھاڑ کر اپنے ساتھیوں کو کہا۔ ''باہر نکالو ان کو.....'' اس نے ہم سب کے لیے ایک مشترکہ گالی استعمال کی تھی۔ اس کے تین ساتھی اپنی خود کار رائفلیں تانے غار کی طرف آنے لگے تھے۔ سادھنا اور بیتو ہمارے پیچھے ایک خاص ترتیب سے آ کھڑے ہوئے تھے۔ فتح خان کے ان ساتھیوں کو بارودی سرنگوں کے مقام کا علم تھا۔ اس لیے وہ آگے آ رہے تھے۔ اس کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ وہ سہمے ہوئے تھے اور ان کی نظریں غار کے سامنے عین وسط میں ایک مقام پر مرکوز تھیں۔ ان کی توجہ ہماری طرف اتنی نہیں تھی۔

فتح خان نے بلند آواز سے کہا۔ ''شہباز خان اب بھی وقت ہے خود آ جاؤ۔ ورنہ میرے آدمیوں نے نکالا تو میں تمہارا ایک ساتھی تمہارے سامنے مار دوں گا۔''

''فتح خان مجھے بے وقوف مت سمجھو۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں اچھی طرح جانتا ہوں مجھے اکیلے کیوں بھیجا جا رہا ہے۔''

وہ ہنسا۔ ''تم جانتا ہے، تب سب کو تمہارے ساتھ کیوں نہ بھیجا جائے۔''

میں نے بہت آہستہ سے کہا۔ ''ان کو آگے آنے دو اور جب میں حرکت کروں تب تم لوگ حرکت میں آنا۔''

فتح خان کے ساتھی اب غار سے ذرا دور تھے۔ وہ بارودی سرنگ کے ممکنہ مقام سے کوئی چار گز کے فاصلے پر تھے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ بالکل پاس آ جائیں۔ وسیم، سادھنا اور بیتو تیار تھے۔ فتح خان کی باتوں سے اس کے عزائم کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ اب مجھے ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ میرے ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اس لیے ہم سب ہی اپنے منصوبے پر عمل کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔ ناکامی کا مطلب تھا موت۔

''شہباز خان اب بھی وقت ہے۔'' فتح خان نے للکار کر کہا۔ ''اب تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''اچھا کیا تم نے خدائی دعویٰ کر لیا ہے جو دوسروں کا وقت طے کر رہے ہو؟'' میں ہنسا۔

وہ جھنجھلا گیا تھا۔ ''تم اس طرح نہیں مانو گے۔ ان کو جلدی باہر لاؤ۔''

فتح خان اپنے ساتھیوں پر دھاڑا تو وہ ذرا تیزی سے قریب آنے لگے ان کے خوف میں اضافہ ہوتا جا رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اب وہ مکمل طور پر اس طرف متوجہ تھے جہاں انہوں نے بارودی سرنگ دبائی تھی۔ وہ غار کے دہانے کے بالکل سامنے تھے۔ ان میں سے دو دائیں طرف سے آ رہے تھے اور ایک بائیں طرف تھا۔ وہ بہت پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے بولا۔

''ہم اتنی آسانی سے باہر نہیں جائیں گے۔''

''اگر یہ باہر نہ آئے تو اس کے تینوں ساتھیوں کو غار میں گولی مار دینا۔'' فتح خان نے حکم دیا۔

اس کے ساتھی خوش ہو گئے تھے وہ غار کے دہانے پر رک گئے۔ میں نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

''رک کیوں گئے آگے آؤ نا۔''

''تم چاروں باہر آؤ۔'' ان میں سے سب سے آگے والے نے کہا۔

''ابھی تو تم تینوں جاؤ۔'' میں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ہاتھ گھما کر پتھر اس جگہ مارا جہاں میرے اندازے کے مطابق بارودی سرنگ تھی۔ مجھے حرکت میں آتے دیکھ کر میرے ساتھیوں نے بھی یہی کام کیا اور چار عدد پتھر آگے پیچھے اس جگہ کی طرف لپکے تھے اور جب تک پہلا پتھر زمین سے ٹکراتا میں پلٹ کر اوندھے منہ گر چکا تھا۔ اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ کس کے پتھر نے کامیابی حاصل کی تھی۔ ایک زوردار دھماکے کے بعد کچھ چیزیں مجھ سے ٹکرائی تھیں۔ میں نے گرتے ہوئے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے اس لیے دھماکہ مجھے ذہنی طور پر معطل نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی جسم کے کسی حصے میں تکلیف محسوس ہوئی تھی۔ ہر طرف دھواں پھیل گیا تھا۔ میں گرتے ہوئے ذہن میں گنتی گن رہا تھا اور پانچ کہتے ہی میں ایک بار پھر اٹھا تھا اور ہاتھوں پیروں کے بل آگے بڑھا مجھے کسی چیز کی تلاش تھی اور وہ مجھے اس حال میں مل گئی کہ اس کے ساتھ ایک انسانی ہاتھ بھی موجود تھا۔ اس ہاتھ کے مالک کا باقی جسم ٹکڑوں میں بکھر گیا تھا۔ میں نے ہاتھ سے رائفل الگ کی اور اس کو سامنے کی طرف کر کے ایک ہلکا سا برسٹ مارا اور تیزی سے پیچھے ہو گیا۔ مجھے اپنے دائیں طرف کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا یہ وسیم تھا وہ بھی رائفل کی فکر میں تھا۔ پیچھے ہٹ کر میں دوبارہ آگے بڑھا۔ زمین پر رینگنا آسان کام نہیں تھا خاص طور سے جب آپ کے آس پاس گوشت کے لوتھڑے بکھرے ہوں۔ طاقتور بارودی سرنگ نے سب کا حشر کر دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ فتح خان بھی نہیں بچا ہو گا کیونکہ وہ بالکل سامنے تھا۔ اگرچہ ذرا فاصلے پر تھا لیکن سرنگ کی طاقت دیکھ کر لگ رہا تھا وہ بھی اس کا شکار ہو گیا تھا۔ میں نے پہلی بار اس بھیانک ہتھیار کی تباہ کاری کا براہ راست مشاہدہ کیا تھا۔ غار کی طرف آنے والے تینوں افراد ٹکڑوں میں بٹ چکے تھے۔ فتح خان اور اس کے باقی تین ساتھیوں کا مجھے نہیں معلوم تھا۔ ان میں سے کچھ لازمی طور پر بچ گئے تھے اور مجھے ان کی تلاش تھی۔

غار کے دہانے کے سامنے ابھی تک دھواں پھیلا ہوا تھا اور میں اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے وسیم پھر نظر نہیں آیا۔ مگر اس کی بھی آس پاس موجودگی یقینی تھی۔ باہر سے ابھی تک کوئی فائر نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ ابھی تک شاک میں تھے اور یہی موقع تھا ان پر غلبہ پانے کا ورنہ وہ سنبھل کر ہمیں غار تک محدود کر دیتے تو یہ ان کی فتح بن جاتی۔ فتح خان اگر خود بچ گیا تھا تو اسے اپنے آدمیوں کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں دھویں سے ذرا آگے آیا تو مجھے فتح خان کے دو ساتھی رائفل بدست نظر آئے۔ انہوں نے مجھے ذرا تاخیر سے دیکھا کیونکہ ان کی نظریں اوپر تھیں اور میں زمین پر رینگتا ہوا آیا تھا۔ یہی ایک سیکنڈ کا دسواں حصہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے سبقت دلا گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ مجھے گولی مارتے میں نے ایک برسٹ نیم دائرے میں چلایا اور ان دونوں کو لٹا دیا۔ فتح خان کا آخری ساتھی بازی یوں پلٹ جانے پر دہشت زدہ ہو کر بھاگا تھا اور اسے وسیم نے شوٹ کر دیا لیکن فتح خان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے چلا کر وسیم سے کہا۔

''سامنے مت آنا فتح خان نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''میرا خیال ہے وہ زخمی ہے اور فرار کی کوشش کر رہا ہے۔'' وسیم بولا اس کی آواز سے مجھے اطمینان ہوا کہ وہ کسی خطرناک زخم سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ میں نے بیتو اور سادھنا سے بھی پوچھا۔ وہ بھی ٹھیک تھے۔ ایک بہت خطرناک قدم ہمارے حق میں گیا تھا۔ ہم محفوظ رہے تھے۔ اصل میں بارودی سرنگ کا دھماکہ اوپر کی طرف زیادہ اثر کرتا ہے بہ نسبت اردگرد کے اور اسی وجہ سے آس پاس موجود تینوں افراد ٹکڑوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک منٹ پہلے ہم پر پوری طرح حاوی دشمن اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ البتہ تشویش کی بات یہ تھی کہ فتح خان بچ گیا تھا اور اس کا پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں تھا۔ ممکن ہے وہ زخمی ہونے کے بعد کسی پتھر کی آڑ میں دبکا ہو اور ہمارے سامنے آتے ہی کام کر جائے۔ اس لیے میں پوری طرح محتاط تھا۔ عقب سے دھواں چھٹ رہا تھا اور اب جلے بارود کی بو کے ساتھ گوشت جلنے کی مکروہ بو بھی آ رہی تھی۔ یہ انسانی گوشت تھا۔ غار کے سامنے ڈھلان تھی اور اس طرف چھپنے کی زیادہ جگہیں نہیں تھیں لیکن اوپر کی طرف بے شمار پتھر اور درخت تھے جن کے پیچھے درجنوں افراد آرام سے چھپ سکتے تھے۔ میں اور وسیم درختوں کی آڑ میں اوپر کی طرف بڑھے۔ بیتو کو ہم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اگر فتح خان آس پاس کہیں چھپا ہوا تھا تو بیتو اور سادھنا اسے دیکھ سکتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ زخمی ضرور ہوا ہوگا۔

میرا خیال تھا کہ فتح خان مل جائے گا لیکن آدھے گھنٹے میں غار کے آس پاس کا سارا علاقہ چھان مارنے کے باوجود مجھے اور وسیم کو فتح خان نہیں ملا تھا۔ وہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا۔ وہ زخمی ہوا تھا یا نہیں ہوا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہ بچ گیا تھا۔ اس نے بازی پلٹتے دیکھ کر فوری فیصلہ کیا اور بھاگ نکلا۔ اگر وہ کچھ دیر کی تاخیر کرتا تو یقیناً اپنے آدمیوں کی طرح مارا جاتا۔ اس کے آدمی بھی اس کے فرار کی وجہ سے ہچکچاہٹ میں پڑ گئے تھے اور وہ صحیح سے ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے تھے۔

''بھاگ گیا ہے۔'' وسیم نے مجھ سے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ پھر بھی ہمیں اس کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے وہ لومڑی کی طرح مکار ہے اور کسی سانپ کی طرح زہریلا بھی ہے پلٹ کر وار کر سکتا ہے۔''

ہم واپس غار میں آئے تو سادھنا الٹیاں کر رہی تھی۔ اس نے غار کے سامنے بکھرے انسانی اعضاء دیکھ لیے تھے۔ خود ہم سب کی طبیعت بھی یہ سب دیکھ کر خراب ہو رہی تھی۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا یہاں سے فوری طور روانہ ہو جائے۔ سادھنا کو باہر لائے۔ کھلی فضاء میں اس کی طبیعت بہتر ہوئی تھی وہ ایک درخت سے ٹک کر آرام کرنے لگی۔ اس دوران میں ہم نے سارا اسلحہ سمیٹا۔ اس میں چھ عدد خودکار رائفلیں اور ان کا خاصا ایمونیشن تھا۔ اس کے علاوہ دستی بم اور ایک بارودی سرنگ اور تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ فتح خان کس قدر مسلح ہو کر ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ ایک عدد پستول بھی ملا تھا لیکن اس کا کوئی فاضل میگزین نہیں تھا ہم نے بارودی سرنگ اور دستی بم وہیں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسلحے کے علاوہ ان کا سامان بھی بکھرا ہوا تھا۔ اس میں کھانے پینے کا سامان اور بے شمار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری چیزیں تھیں۔ پینے والی کچھ اور چیزیں بھی تھیں لیکن یہ ہمارے کام کی نہیں تھیں۔ بیتو ایک بیگ دیکھ رہا تھا تو اس میں سے ایک رسالہ نکل آیا۔ جب اس نے دیکھا تو بدک کر ایک طرف پھینک دیا۔ رسالہ سادھنا نے اٹھا لیا اور اس کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے بھی جلدی سے اسے ایک طرف پھینک دیا۔ وسیم نے دلچسپی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے اس میں کوئی سانپ چھپا ہے یا بچھو۔''

''کچھ نہیں ہے۔'' سادھنا نے گھبرا کر اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''خبردار جو تم نے دیکھا۔''

''برخوردار تم ابھی سے پریکٹس شروع کرو۔'' میں نے وسیم کو مشورہ دیا۔ ''آگے اور بھی بہت ساری پابندیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

اس چھوٹے سے واقعے نے سب کا موڈ بہتر کر دیا تھا۔ ورنہ چھ افراد کی موت اور خاص طور سے تین افراد کی بھیانک موت نے ہم سب کے اعصاب پر اثر ڈالا تھا۔ ہمارے گدھے وہاں سے کچھ دور بندھے تھے اور اسی وجہ سے وہ بارودی سرنگ کے دھماکے میں بچ گئے تھے اور دھماکے کے نتیجے میں بدحواس ہو کر بھاگ بھی نہیں سکے تھے۔ ہم نے سارا سامان ان پر لادا اور فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ سادھنا کی حالت اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ وہ اب پیدل چل سکتی تھی اور اگر اسے تکلیف ہوتی تو ہم کسی گدھے پر اس کی جگہ بنا سکتے تھے۔ فی الحال تو ہم جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہتے تھے۔ مجھے ابھی بھی فتح خان کی طرف سے اطمینان نہیں تھا۔ وہ ایسا دشمن تھا جو ہمیشہ غیر متوقع طور پر سامنے آتا تھا۔ جب تک مجھے اس کے بارے میں یقینی طور پر نہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں ہے۔ میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔

روانگی سے پہلے میں نے اور وسیم نے تلاشی لے کر مارے جانے والے افراد کی جیب سے معہ کرنسی کے سب نکال لیا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ ہمیں مجموعی طور پر کوئی پندرہ ہزار بھارتی روپے مل گئے تھے اور اب ہم نہ تو کنگلے تھے اور نہ نہتے۔ کھانے پینے کا بھی خاصا سامان تھا۔ اس کے علاوہ فرسٹ ایڈ کا سامان بھی مل گیا تھا۔ اسلحہ تو اتنا تھا کہ ہم چھوٹی موٹی فوج کا مقابلہ بھی کر سکتے تھے۔ اس جگہ سے نکلنے کے کوئی دو گھنٹے بعد جب ہم سب ہی بھوک سے فوت ہونے والے تھے ایک جگہ رکنا پڑا۔ یہاں ایک چھوٹا سا پہاڑی چشمہ بہہ رہا تھا اور درخت کم ہونے کی وجہ سے دھوپ بھی تھی۔ ہم نے سب سے پہلے خود کو صاف ستھرا کیا تھا کیونکہ بارودی سرنگ کے دھماکے میں مرنے والوں کا خون ہمیں اور سامان کو لگ گیا تھا۔ خاص طور سے اسلحہ بہت گندہ ہو رہا تھا۔ بیتو نے تو ہمت کر کے غسل کر لیا تھا۔ حالانکہ پانی قیامت خیز حد تک ٹھنڈا تھا اور صرف ہاتھ ڈالنے پر بھی باقاعدہ کاٹ لیتا تھا۔

اس کے بعد ہم ناشتے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ فتح خان اور اس کے ساتھی پوری بیکریاں اٹھا لائے تھے۔ ہمیں دودھ، مکھن، ابلے ہوئے انڈے اور ڈبل روٹی سب مل گئی تھی۔ بہت عرصے بعد کچھ ڈھنگ کا کھانے کو مل رہا تھا۔ اس لیے سب نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے۔ بیتو منہ چلاتے ہوئے بولا۔

''مزہ آ گیا۔''

''منے اپنے بھگوان کا شکر ادا کرو کہ تم ناشتہ کھا رہے ہو گولیاں نہیں۔''

''پہلے آپ اپنے خدا کا شکر کرو پھر ہم کو بولنا۔'' بیتو نے کہا تو وسیم نے میری طرف دیکھا۔

''یہ بہت بولنے نہیں لگا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے تو بے زبان ملا تھا تم نے اسے اتنا تیز کر دیا ہے۔''

''ہاں یہ ہم کو بہت چھیڑتا ہے۔'' بیتو نے شکایت کی۔

''تم فکر مت کرو تمہاری دیدی مجھ سے سارے بدلے لی گی۔'' وسیم نے اسے تسلی تو سادھنا جھینپ گئی تھی۔

ناشتے کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے تھے۔ حالانکہ ہم میں سے کسی کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اتنا پیٹ بھر کر کھانے کی وجہ سے سب پر سستی چھا رہی تھی لیکن رکنا کسی صورت مناسب نہیں تھا۔ بیتو کا سوئیٹر وہیں اتار رہا تھا اس کی جگہ اس نے ایک مرنے والے کی جیکٹ پہن لی تھی۔ یہ خاص طور سے بلندی پر سردی کا مقابلہ کرنے والی جیکٹیں تھیں۔ ان پر لگا خون ہم نے چشمے کے پانی سے دھو دیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی ہمیں اور گرم کپڑے مل گئے تھے۔ اس بلندی پر یہ گرم کپڑے اشد ضروری تھے۔ مجھے، وسیم اور بیتو کو تو اتنا مسئلہ نہیں ہوا تھا لیکن سادھنا کو یہ گرم لباس خاصے بڑے تھے۔ اس لیے اس نے اپنے کپڑوں کے اوپر ایک جیکٹ پہن لی تھی۔

نشان دہی کرنے والی چپ کے خطرے کے پیش نظر ہم نے تمام کپڑوں اور چیزوں کی اچھی طرح حفاظ لی تھی۔ مگر مزید کوئی چپ نہیں ملی تھی۔ خطرہ تو تھا لیکن اس کی وجہ سے ہم کوئی چیز نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ہمیں پہاڑوں پر چلنے والے خاص جوتے مل گئے تھے۔ البتہ سادھنا وہی معمولی سے جوتوں میں تھی۔ دوبارہ روانگی کے وقت اسے ایک گدھے پر سوار کر دیا تھا اور اس کا اضافی سامان بیتو نے اٹھا لیا تھا۔ میں اور وسیم رائفل بدست تھے اور کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار تھے۔ ایک بار ہم فتح خان کے چنگل سے نکل جانے کے بعد کسی صورت اس کے ہاتھ لگنا نہیں چاہتے تھے۔

شام تک ہم بلندی کی طرف جانے والی ڈھلانوں پر سفر کرتے رہے تھے۔ اب ہم شمال کے برف پوش پہاڑوں کے قریب تھے اور اسی مناسبت سے سردی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''کیا نیپال بالکل پہاڑی ملک ہے؟''

''جتنا میں نے دیکھا ہے وہ تو پہاڑی ہی ہے۔'' وسیم بولا۔ ''ایک بار میں کھٹمنڈو آیا تھا۔ بڑی خوف ناک جگہ ہے۔ جب طیارہ لینڈ کرتا ہے تو آدمی کا دل دہل جاتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے ہمیں مزید بلندی کی طرف جانا ہوگا؟''

''بالکل۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن میرا خیال ہے ہم نیپال کے بہت قریب ہیں یا شاید ممکن ہے ہم نیپال کی سرحد میں داخل ہو چکے ہوں۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''اس ملک سے تو لکھیں جو میری جان کو آ گیا ہے۔''

سادھنا اور بیتو پیچھے تھے اس لیے انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ ''اب ہمارے پاس کرنسی بھی آ گئی ہے اور اسلحہ بھی اس لیے میرا خیال ہے ہمیں نیپال میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔''

''ہاں اسلحے کو بھی ہم کیش کرا سکتے ہیں۔''

فتح خان کے ساتھیوں سے ہمیں جدید امریکی ساختہ ایم سولہ رائفلیں ملی تھیں۔ ان کا شمار دنیا کی بہترین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہنگی ترین اسالٹ رائفلز میں ہوتا ہے اس کی قیمت چور بازار میں کم سے کم بھی پانچ ہزار ڈالرز تھی۔ یہ معلومات وسیم نے دی تھی۔ یعنی ہم ان رائفلوں کو بیچ کر خاصی دولت حاصل کر سکتے تھے اور اس رقم کی مدد سے غیر قانونی طریقے سے پاکستان جا سکتے تھے۔ نیپال پہنچ کر ہمیں اسلحے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ شام کے قریب ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ تلاش کرنے پر ایک چٹان تلے ہمیں پناہ گاہ مل گئی تھی۔ یہاں آگ جلا کر رات گزاری جا سکتی تھی۔ زمین پر بچھانے کے لیے ہمارے پاس گھاس تھی۔ سب سے پہلے لکڑیاں جمع کی گئیں اور آگ جلائی گئی کیونکہ سورج غروب ہوتے ہی سردی کی شدت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ بیتو ٹھٹھرتے ہوئے بولا۔ ''یار آج تو بہت ٹھنڈ ہے۔''

واقعی سب ٹھٹھر رہے تھے اور جب آگ جلی تو ہم سب اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ الاؤ پوری طرح بھڑکا تو ہماری جان میں جان آئی تھی۔ خاص طور سے سادھنا کی حالت بری تھی کیونکہ اس نے ہماری طرح گرم اوورز اور جوتے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ صبح ہمیں موقع نہیں ملا تھا۔ ہمیں فتح خان کے سامان سے کافی اور ایک تھرمس کیتلی ملی تھی۔ کافی کے ساتھ خشک کریم اور چینی کے کیوب بھی تھے۔ سادھنا نے کافی بنائی اور سب نے باری باری سے کافی پی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے جو اس ویرانے میں یہ نعمت ملی۔'' وسیم نے دل سے کہا۔ ''لیکن شہباز صاحب ہمیں اب کسی جگہ پہنچ جانا چاہیے ورنہ اتنی سردی تو ہمیں مار ڈالے گی۔''

''کسی جگہ پہنچ جانا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ ہاں تقدیر نے لکھ دیا ہے تو ہم کسی محفوظ جگہ پہنچ ہی جائیں گے۔ اب اس سے زیادہ اور کیا کوشش کر سکتے ہیں۔''

سادھنا سکڑ سمٹ کر ایک طرف بیٹھی تھی۔ الاؤ جلنے اور کافی پینے کے بعد اس کی حالت پہلے سے بہتر ہوئی تھی۔ پھر بھی وہ نارمل نہیں تھی۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''ہمیں ایک الاؤ اور جلانا پڑے گا۔''

''اس کی روشنی بہت دور سے نظر آ سکتی ہے اور فی الحال ہمیں فرض کرنا چاہیے کہ دشمن ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

بیتو نے چٹان سے ذرا دور جا کر دیکھا اور واپس آ کر تشویش سے بولا۔ ''واقعی اس کی روشنی تو بہت دور سے نظر آ رہی ہے۔''

''میرا خیال ہے ہمیں شاخیں اور جھاڑیاں کاٹ کر لا کر یہاں جمع کرنا ہوں گی۔'' میں نے کہا۔ ''ہم آگ میں کمی نہیں کر سکتے۔''

اب ہمارے پاس لکڑی کاٹنے کے بہتر اوزار تھے اس لیے ہمیں درختوں سے شاخیں اور آس پاس موجود جھاڑیاں کاٹنے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ہم کاٹتے رہے اور بیتو ان کو لے جا کر چٹان کے نیچے ڈھیر کرتا رہا تھا۔ جب تک کہ چٹان کے نیچے جلتی آگ مکمل طور پر چھپ نہیں گئی۔ جھاڑیاں لگانے سے سرد ہوا کا راستہ بھی بند ہو گیا تھا۔ بیتو نے سادھنا کے لیے بستر لگایا اور وہ کھانا کھاتے ہی لیٹ گئی تھی۔ بہت دن بعد آج وہ پیدل چلی تھی اس لیے تھکن لازمی تھی۔ باقی ہم تینوں نے فیصلہ کیا کہ ہم میں سے دو ہمہ وقت بیدار رہیں گے۔ تین گھنٹے بعد ایک کو جگا دیا جائے گا اور دوسرا سو جائے گا۔ اس طرح سب چھ گھنٹے سوتے اور چھ گھنٹے جاگتے۔ پہلے بیتو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سونے کے لیے گیا میں اور وسیم جاگتے رہے تھے۔ وسیم نے پھر کافی بنائی اور ہم کافی پیتے ہوئے آگ تا رہے۔

''شہباز صاحب ایک بات ہے میرے ذہن میں، ہم وطن پہنچتے ہی آرام کرنے اور یار دوستوں سے ملنے میں نہیں لگ جائیں گے۔''

''میں سمجھتا ہوں، معمولی تبدیلی کے ساتھ وہاں بھی یہی شب و روز ہوں گے۔'' میں نے سر ہلایا۔

''تب آپ نے سوچا ہے کہ آپ نے کیا کرنا ہے۔''

''نیپال پہنچ کر میں سب سے پہلے ندیم سے رابطہ کر کے اپنی قانونی پوزیشن کا پوچھوں گا۔ وہ مجھے زیادہ بہتر مشورہ دے سکتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''مجھے بھی یہی خیال آیا تھا۔ جب تک آپ کی قانونی پوزیشن واضح نہیں ہو جاتی ہے آپ کو واپس نہیں جانا چاہیے۔''

''اگر میں پاکستان نہیں جاؤں گا تو پھر کہاں جا سکتا ہوں؟''

''کئی ممالک ہیں جہاں آپ آرام سے صرف ویزہ لے کر رہ سکتے ہیں۔ جیسے دبئی میں سفیر اور موجود رہے ہیں۔''

وسیم کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ واقعی میں واپس جانے اور وہاں بھی پولیس اور دشمن کی آنکھ مچولی کھیلنے کے بجائے سکون سے کسی دوسرے ملک میں رہ سکتا تھا۔ اب تو رقم کی بھی کمی نہیں تھی۔ کمار اور وادی سے ملنے والے ہیروں نے ہمیں کروڑ پتی بنا دیا تھا۔

''یہ کام پاکستانی پاسپورٹ پر ممکن نہیں ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔

''کھٹمنڈو دو نمبر پاسپورٹس کے سلسلے میں دنیا میں اول نمبر پر ہے یہاں آنے والے یورپی سیاح رقم کے لیے بڑے آرام سے اپنا پاسپورٹ بیچ دیتے ہیں اور پھر سفارت خانے سے نہ صرف دوسرا پاسپورٹ بنوا لیتے ہیں بلکہ لٹنے کا ڈرامہ کر کے مزید رقم بھی حاصل کر لیتے ہیں۔''

''سنا تو میں نے بھی ہے۔''

وسیم ہنسا۔ ''میں نے دیکھا بھی ہے۔ جب میں یہاں آیا تھا تو میرے سامنے ایک گورے نے ایک ملاح شخص کو اپنا پاسپورٹ چالیس ہزار روپے میں بیچا تھا۔ اتفاق وہ شخص میرا جاننے والا تھا اور اس نے بعد میں مجھے اصل کہانی سنائی تھی۔''

میں چونکا۔ ''کیا اب بھی تم اس شخص تک رسائی حاصل کر سکتے ہو؟''

''کوشش کروں گا۔'' اس نے کہا۔ ''اصل میں یہ بات کوئی چھ سال پرانی ہے اور میں اس کا شخص کا لحاظ بھی نہیں جانتا تھا۔''

''تم اس سے کس سلسلے میں ملے تھے؟''

وسیم شرمندہ ہو گیا تھا۔ ''اب آپ سے کیا چھپانا..... اصل میں، میں پاکستان سے ہیروئن لے کر گیا تھا یہاں اچھے دام بک جاتی ہے اور مجھے اسلحے کی ایک کھیپ کا سودا کرنا تھا۔ میرے پاکستان کے ایجنٹ نے مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا پتا دیا تھا۔ وہ ہیروئن لے کر مجھے اسلحہ دیتا۔"

"تم نے رابطہ کیسے کیا تھا؟"

"میں نے نہیں اس نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ میں ایک ہوٹل کے کمرے میں رکا تھا جو پہلے ہی میرے نام سے بک تھا۔ بہادر نے مجھ سے وہیں رابطہ کیا تھا۔"

"یہ اس شخص کا اصل نام ہے؟"

"میں یہ بھی نہیں جانتا۔ اصل میں اس قسم کے معاملات میں تجسس غیر ضروری چیز ہے۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کبھی اس حال میں بھی کھٹمنڈو آؤں گا۔"

"خیر کوئی بات نہیں ہم کسی نہ کسی کو تلاش کر لیں گے۔" میں نے کہا۔ "اگر نیپال چوری کے پاسپورٹوں کے معاملے میں دنیا میں نمبر ون ہے تو وہاں قدم قدم پر ایسے لوگ ملنے چاہئیں۔"

"ایسا ہی ہے یہ لوگ خود غیر ملکیوں کو تاڑ کر ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور ان کو موقع پا کر پیش کش کر دیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ شریف سیاح اگر انکار کرے تو یہ اسے سچ مچ لوٹ لیتے ہیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کیونکہ نیپال کی حکومت اس معاملے میں بہت سخت ہے۔ اس ملک کی بیشتر آمدنی کا انحصار غیر ملکی سیاحت پر ہے اور اگر سیاحوں کو لوٹنے کے واقعات زیادہ ہوں گے تو کون یہاں آنا پسند کرے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اگر ہم کسی طرح سے کھٹمنڈو تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں تو ایک تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا اور دوسرے ہم نمایاں نہیں رہیں گے کیونکہ وہاں ہر طرف غیر ملکی سیاح گھوم رہے ہوں گے۔"

"اس موسم میں سیاح کم ہی ہوں گے۔ بہر حال یہ تو وہاں جا کر پتا چلے گا۔" اس نے کہا۔

مجھے ناصر اور سونیا کا خیال آیا۔ "وہ لاہور میں ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ "اگر ہم دبئی چلے گئے تو ان کو بھی وہیں بلا سکتے ہیں۔"

"یہ آئیڈیا اچھا ہے سب ایک جگہ جمع ہو جائیں۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "تم اور سادھنا، ناصر اور سونیا، پھر سفیر اور مونا یعنی ہمارے چار گھر ہو جائیں گے۔"

وسیم چونکا۔ "چوتھا گھر وہ کس کا؟"

"میرا اور بیتو کا۔"

"نہیں ہم سب ایک جگہ رہیں گے۔"

میں ہنسا۔ "دوست ساتھ رہنے کی بات سوچ کی حد تک ٹھیک ہے لیکن عملی طور پر یہ ممکن نہیں ہوتا ہے کیونکہ عورت کے ساتھ سب کی اپنی اپنی زندگی ہوتی ہے۔ ایک ہی گھر میں رہنے والے کہاں جائیں جب کہ زیادہ گھروں کی صورت میں آدمی آ جا سکتا ہے۔"

"یہ بعد کی بات ہے پہلے ہم دبئی یا کسی محفوظ جگہ پہنچ تو جائیں۔"

باتیں بہت تھیں لیکن ہم نے سوچا کہ اپنا سامان ایک بار پھر چیک اور پیک کر لیا جائے اور دیکھ لیا جائے کہ کون سی چیز لے جانے والی ہے اور کون سی چھوڑنے والی۔ ہم گدھوں پر بار سامان لے آئے۔ گدھوں کو ہم نے کچھ جھاڑیوں میں باندھ دیا تھا۔ جہاں وہ سردی سے محفوظ تھے اور چر بھی سکتے تھے۔ سامان میں کچھ برقی آلات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ یہ سب جاسوسی کے آلات تھے اور وسیم ان کو آپریٹ کرنا جانتا تھا۔ اس نے مجھے ایک چھوٹا سا آلہ دکھایا۔

''فتح خان اس کی مدد سے ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔''

''اسے آن کر کے دیکھو آس پاس سے کوئی سگنل تو نہیں مل رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ وسیم نے اسے آن کیا تو فوراً ہی اس میں سے ہپ کی آواز آنے لگی تھی۔ وسیم فکر مند ہو گیا۔

''پاس سے کوئی سگنل مل رہا ہے جناب۔''

''کیا ہمارے پاس سے؟''

''اس نے آلے کو سامان کے ساتھ لگا لگا کر چیک کیا لیکن سگنل دینے والی چیز ہمارے آس پاس نہیں تھی۔ وسیم نے ریج چیک کی۔ ''سگنل دو سو سے پانچ سو گز کی دوری سے اور جنوب کی طرف سے آ رہا ہے۔''

میں نے وسیم کی طرف دیکھا تو اس کے اور میرے ذہن میں ایک ہی بات آئی تھی۔ اس جگہ سگنل صرف ایک شخص کے پاس سے آ سکتے تھے۔ میں نے جلدی سے رائفل اٹھالی۔ ''فتح خان آس پاس ہے۔''

وسیم بھی چوکنا ہو گیا تھا۔ ''یہ شخص اتنا ڈھیٹ ثابت ہو گا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔''

''وہ ایسا ہی آدمی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ ابھی بھی ہماری تاک میں ہے۔ کیونکہ وہ ہم پر قابو نہیں پا سکتا ہے اس لیے ہمیں نظر میں رکھے ہوئے ہے۔ جب تک اس کو مدد نہیں مل جاتی ہے۔''

وسیم کی تشویش بڑھ گئی تھی۔ ''ممکن ہے اسے آج دن بھر میں مدد مل گئی ہو اور وہ اس وقت اکیلا نہ ہو۔''

وسیم کا خیال خوف ناک تھا لیکن اسے رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ واقعی اگر فتح خان کے پاس اپنے لوگوں سے رابطے کا کوئی ذریعہ تھا تو وہ آج دن میں مزید کمک حاصل کر سکتا تھا۔ جو بیلی کاپٹر مجھے لینے آ رہا تھا۔ اس میں کمک بھی آ سکتی تھی۔ میں نے اس سے آلہ لے کر اس پر غور کیا۔ اس میں سگنل کا فاصلہ مستقل تھا۔ ''ہمیں اس کو دیکھنا ہو گا اس سے پہلے کہ وہ کوئی کارروائی کر گزریں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں اس آلے کی مدد سے اس کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔''

''اس کی ہپ وہ بھی سن لے گا۔''

''نہیں اس کے ساتھ ایک ہیڈ فون بھی ہے۔'' اس نے ہیڈ فون نکال کر دکھایا۔

''تم نہیں میں جاؤں گا۔'' میں نے سوچ کر کہا۔

''میں کیوں نہیں؟''

''تم عقب سے مجھے کور دو گے۔ سادھنا اور بیتو کو بھی اٹھا دو۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو وسیم سادھنا اور بیتو کو اٹھانے لگا۔ ہم جس خطرے کو بظاہر کوسوں پیچھے چھوڑ آئے تھے وہ اچانک ہی ہمارے سروں پر آ گیا تھا۔ بیتو اور سادھنا بھی یہ سن کر ہراساں ہو گئے تھے۔

''فتح خان یہاں؟'' سادھنا نے بے یقینی سے کہا۔

''امکان تو یہی ہے ورنہ اور کس کے پاس سے سگنل آ سکتا ہے۔'' میں نے کہا اور اسی لمحے مجھے یاد آیا۔ ''بیتو کے سوئیٹر سے نکلنے والی چپ فتح خان نے لے لی تھی اور شاید وہی چپ اس وقت سگنل دے رہی ہے۔''

''تم اور بیتو یہاں رہو گے اور پوری طرح ہوشیار رہو گے۔'' وسیم نے ان سے کہا۔ ''میں اور شہباز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب باہر جائیں گے۔"

"اگر وہ زیادہ ہوئے تو؟" بیتو نے پوچھا۔

"تب ہم ان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔ "فائرنگ کی آواز سن کر تم لوگ الرٹ رہنا اور اس طرف آنے والے کسی بھی اجنبی کو شوٹ کر دینا۔"

"لیکن دیکھ بھال کر۔" وسیم نے کہا۔ "اور منے خاص طور سے تم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھ سے چھٹکارا مت حاصل کر لینا۔"

بیتو خفگی سے بولا۔ "کیسا بات کرتا ہے وسیم بھائی..... آپ کی جگہ ہم اپنی جان قربان کر دے۔"

"اب چلو۔" میں نے وسیم سے کہا۔

ہم جھاڑیاں ہٹائے بغیر ایک طرف سے نکلے اور تاریکی میں رینگ گئے تھے۔ ہمارا ارادہ دور سے گھوم کر جانے کا تھا۔ ہم فتح خان اور اس کے ساتھیوں کو بے خبری میں جا لینا چاہتے تھے۔ اس طرف درختوں میں تاریکی تھی۔ ابھی آلے کا ہیڈ فون وسیم کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اور وہ اس طرف لے جا رہا تھا جس طرف سے سگنل آ رہے تھے۔ ایک جگہ رک کر اس نے ہیڈ فون اور آلہ میرے حوالے کیا۔

"وہ سو گز کے اندر ہے۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ اگرچہ ہوا کی سائیں سائیں میں یہ سرگوشی مجھے بھی مشکل سے سنائی دی تھی لیکن احتیاط بہتر تھی۔ اس نے آلہ بھی میرے حوالے کر دیا۔ "میں مزید نیچے سے جا رہا ہوں۔ آپ اسی طرف سے جائیں۔"

میں سیدھ میں چل پڑا تھا۔ آلہ بتا رہا تھا کہ سگنل بالکل سیدھ سے آ رہا ہے۔ اس طرف چند درخت پاس پاس تھے۔ ممکنہ طور پر فتح خان وہیں موجود تھا۔ وہ بارودی سرنگ کے دھماکے کے بعد جتنی پھرتی سے غائب ہوا تھا اس سے مجھے لگا تھا کہ وہ کسی آبادی میں پہنچ کر دم لے گا لیکن وہ کمال ڈھٹائی سے ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ وہ زخمی نہیں ہوا تھا یا ہوا بھی تھا تو معمولی سا زخمی تھا۔ درختوں کے قریب پہنچ کر میں بہت محتاط ہو گیا تھا۔ میں زمین سے چپک گیا اور بہت سُست روی سے سرکنے لگا تھا۔ یہ چند گز کا فاصلہ میں نے کوئی دس منٹ میں طے کیا تھا۔ اب میں ایک درخت کی آڑ میں تھا۔ میں نے اندر جھانکا تو مجھے تاریکی میں ایک بہت دھندلا سا ہیولہ نظر آیا تھا۔ فتح خان یا کوئی اور شخص سردی سے بچنے کے لیے بالکل گول مول ہو کر سو رہا تھا۔ میں نے اطمینان محسوس کیا۔ اگر وہ فتح خان بھی تھا تب بھی اسے باہر سے مدد لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور وہ بس ہمارے پیچھے تھا کہ ہمیں نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔ البتہ اس کا مسلح ہونا یقینی تھا۔ میں بہت آہستہ سے درختوں میں داخل ہوا تھا۔

فتح خان کی ہلکی سبز جیکٹ تاریکی میں کسی قدر نمایاں تھی۔ میں نے اندازے سے اس جگہ رائفل کی نال رکھی جہاں فتح خان کا سر ہونا چاہیے تھا لیکن نال ذرا زیادہ ہی آگے چلی گئی تھی۔ اس جگہ فتح خان کا سر نہیں تھا اس کا سر میرے عین عقب میں تھا کیونکہ اسی لمحے ایک سرد سی چیز آ کر میرے سر سے لگ گئی۔ "شہباز خان حرکت مت کرنا۔" فتح خان نے سرگوشی کی۔ اس نے بہت چالاکی سے مجھ ٹریپ کر لیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہم چپ کا سگنل دیکھ کر لازمی آئیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پہلے ہی ساکت ہو گیا تھا۔ ''او کے میں حرکت نہیں کرتا لیکن اپنی سانس اور دل کی دھڑکن نہیں روک سکتا۔''

''اپنا رائفل بہت آہستہ سے پیچھے دے دو۔'' اس نے میری بات پر غور کیے بغیر دوسرا حکم دیا۔ میں نے اس بار بھی تعمیل کی۔ اس نے رائفل لے لی لیکن میرے سر سے پستول کی نال نہیں ہٹائی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنی تاریکی میں بھی اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ ''اب بہت آہستہ سے اٹھو اور یہاں سے نکلو۔''

میں اس کے ساتھ ہی درختوں سے نکلا تھا۔ ''تم کو معلوم تھا کہ ہم نے سگنل دیکھ لیا ہے؟'' میں نے پوچھا

فتح خان بالکل میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ایک عجیب سی عینک پہن رکھی تھی جس کے شیشے سبز رنگ کی روشنی سی دے رہے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ اس نے رات میں دیکھنے والی عینک لگا رکھی تھی اسی وجہ سے وہ گھپ اندھیرے میں بھی ہمیں دیکھ رہا تھا اور اس نے ہم پر پوری طرح نظر رکھی تھی۔ وہ مسکرایا تو اس کے سفید دانت جھلکنے لگے تھے۔

''چپ ہم نے خود ابھی باہر کیا تھا۔ اس کا ایک پیکٹ ہوتا ہے جب تک اسے باہر نہیں نکالو یہ سگنل نہیں دیتا ہے۔''

اب یہ اتفاق ہی تھا کہ اسی وقت ہم نے بھی سگنل دیکھنے والا آلہ نکالا تھا اور سگنل دیکھ لیا۔ ''جب تم چھپ کر آرام سے ہمارا پیچھا کر رہے تھے تو اس طرح سامنے آنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔''

''ضرورت پڑ گئی تھی۔'' وہ بولا۔ ''ادھر سردی بہت ہے ہم آگ کے بغیر مر جاتا اور آگ تمہارے پاس ہے۔''

''تو تمہارے خیال میں کیا ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا خیر ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ ''تمہارا ساتھ ہمارا آنکھ مچولی چلتا ہے۔ پر فتح خان سردی سے مر جائے یہ ہمارا توہین ہے۔''

''قدرت انسان سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''اس دنیا کے اکثر لوگ قدرت کے ہاتھوں دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔''

''اب چلو۔'' اس نے پستول کا دباؤ میری پشت پر ڈالا۔ ''خیال رکھنا تمہارا یا تمہارے ساتھی کوئی بھی غلط حرکت تمہارا وفات کا سبب بن جائے گا۔''

''فتح خان تم مجھے اور میرے ساتھیوں کو اچھی طرح جان گئے ہو ہم میں سے کوئی بھی خودکشی کا شوقین نہیں ہے۔ اس لیے تم بے فکر رہو۔''

''تم خودکشی کا شوقین نہیں ہے لیکن تمہارے سر میں کسی شیطان کا دماغ فٹ ہے۔ ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تم ہمارا بارودی سرنگ ہمارے خلاف استعمال کر لے گا۔''

''دشمن کے خلاف ہمیشہ وہی کام کرنا چاہیے جس کا وہ سوچے بھی نہیں۔'' میں بولا اور چٹان کی طرف بڑھا۔ فتح خان بہت محتاط انداز میں میرے بالکل پیچھے تھا۔ وہ شاید وسیم کو تلاش کر رہا تھا لیکن وسیم اسے نظر نہیں آیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا جوڑی دار کدھر ہے۔''

''پتا نہیں تم نے ہم پر پوری نظر رکھی تھی اور وہ مجھ سے الگ ہو کر نیچے کی طرف گیا تھا۔ اب مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے۔''

''تم زیادہ چالاک مت بنو۔'' اس نے سفاک لہجے میں کہا۔ ''ابھی اس کو بلاؤ۔ اپنے ساتھیوں کو بلاؤ دو منٹ کے اندر ورنہ ہم تمہارا بھیجا نکال دے گا۔''

''تم خود آواز دے لو۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

ہماری آوازیں سن کر بیتو اور سادھنا جھاڑیوں سے جھانکنے لگے۔ انہوں نے میرے عقب میں فتح خان کو دیکھ کر جان لیا تھا کہ میں پھنس گیا ہوں۔ فتح خان نے بلند آواز سے کہا۔ ''تم لوگ باہر آ جاؤ ورنہ ہم شہباز خان کو گولی مار دے گا۔''

''تم بے شک مجھے گولی مار دینا۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔ ''لیکن خدا کے لیے مجھے بار بار شہباز خان کہنا چھوڑ دو۔''

''تم ہم کو اپنا اپنا لگتا ہے۔'' وہ آواز سے مسکراتا ہوا لگ رہا تھا۔ ''اس لیے ہم تم کو شہباز خان کہتا ہے۔ خیر اب تم کو اچھا نہیں لگتا تو نہیں بولے گا۔ ابھی تو اپنے ساتھی کو بولو سامنے آئے۔ وہ اس جگہ سے دور نہیں جا سکتا ہے اس لیے وہ لازمی چھپا ہوا ہے۔ ہم دس تک گنے گا اس کے بعد تمہارا پاؤں میں گولی مارے گا۔''

سادھنا نے فتح خان کی دھمکی سن لی تھی۔ وہ بے ساختہ چیخنے لگی۔ ''وسیم وسیم کہاں ہو تم سامنے آؤ۔''

''سادھنا چپ رہو۔'' میں نے اسے ڈانٹا لیکن وہ وسیم کو پکارتی رہی۔ جب وسیم سامنے نہیں آیا تو فتح خان نے بلند آواز سے گنتی گننا شروع کر دی تھی۔ وہ رک رک کر گن رہا تھا اور آواز جان بوجھ کر بلند رکھی تھی۔ ساتھ ہی وہ کمنٹری بھی کر رہا تھا۔

''سات..... تم کیسا دوست ہے ادھر دوست کا جان پر بنا ہے اور تم چھپا ہوا ہے۔ بزدل سامنے آؤ۔''

''فتح خان وہ تمہارے ممکنہ ساتھیوں کو دیکھنے نیچے گیا ہوا ہے اس لیے وہ تمہاری آواز نہیں سن پا رہا ہوگا۔''

''اچھا۔'' فتح خان بولا۔ ''ابھی ہم دس گن کر تمہارے پاؤں میں گولی مارے گا تو اس کا آواز تو وہ سن لے گا۔''

''فتح خان تم بے کار کوشش کر رہے ہو میں کسی صورت تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ تم کوشش کرو گے تو لازمی طور پر ہم میں سے کسی ایک کی جان جائے گی۔''

''ہو سکتا ہے۔'' اس نے مجھ سے اتفاق کیا اور گنتی جاری رکھی۔ ''نو..... کدھر ہے تم؟''

''میں یہاں ہوں۔'' وسیم ایک درخت کے پیچھے سے نکل آیا تھا۔

''اپنا رائفل پھینک دو۔'' اس نے وسیم کو حکم دیا۔ اس نے رائفل ایک طرف پھینک دی تھی۔

''اب اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ ادھر سامنے آؤ۔'' فتح خان نے دوسرا حکم دیا۔

وسیم ہاتھ اوپر کر کے سامنے آ گیا تھا۔ سادھنا اور بیتو بھی باہر نکل آئے تھے۔ فتح خان نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ ''اس چھوکری کو تم لے کر کہاں گھوم رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فتح خان کام کی بات کرو۔'' میں نے منہ بنا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے تم کو سردی لگ رہی تھی۔''

ان لوگوں کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے پستول میری پشت سے ہٹا لیا اور سامنے آ گیا۔ ''کام کا بات یہ ہے کہ ہم بہت تھکا ہوا اور بھوکا ہے لیکن پہلے ہم تم کو باندھے گا۔ رسی مسی تو تم ساتھ لے آیا تھا وہ کام آئے گا۔ پھر ہم کھانا کھائے گا اور اس کے بعد سوئے گا۔''

''تم ہمیں کہاں باندھو گے؟''

''ادھر درخت کے ساتھ۔'' اس نے چٹان کے ساتھ موجود چند چھوٹے تنوں والے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہاں تو ہم رات بھر میں سردی سے ٹھٹھر کر مر جائیں گے۔'' وسیم بولا

''نہیں مرے گا، بس ذرا سردی لگ جائے گا اس کا بھی ہمارے پاس علاج ہے۔ سامان میں بہترین ولایتی شراب ہے۔''

''وہ ہم ضائع کر چکے ہیں۔'' میں نے اسے اطلاع دی۔

وہ اچھل پڑا۔ ''ضائع کر دی، تمہارا بیڑا غرق ہو یہ کیا کیا؟''

''اب تم کس طرح گرم رکھو گے۔''

''اب تمہارا سزا ہو گا تم رات بھر درخت سے بندھا سردی سے ٹھٹھرے گا۔'' وہ غرایا۔ شراب ضائع ہونے کی اطلاع نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔ اس نے میری طرف پستول کیا تھا۔ ''تم ان سب کو باندھے گا اور پھر ہم تم کو باندھے گا۔ پر یاد رکھنا ہم سب کا گروہ دیکھے گا جس کا گروہ ہم کو ڈھیلا لگا اس کے ہم گولی مار دے گا۔ سب کو ٹائٹ باندھنا۔''

وسیم اب تک خاموش کھڑا تھا مجھے معلوم تھا کہ اس کے پاس کوئی اور ہتھیار نہیں تھا۔ ایک پستول تھا اور باقی رائفلیں تھیں لیکن فتح خان کو شاید پستول کا علم نہیں تھا اس لیے وہ ہماری طرف سے مطمئن تھا کہ ہم نہتے ہیں۔ ہم ابھی تک کھلی جگہ میں کھڑے تھے اس لیے فتح خان نے ابھی تک نائٹ ویژن عینک پہن رکھی تھی۔ وسیم نے اچانک ہی حرکت کی تھی۔ میں سمجھا کہ اس نے پستول نکال لیا ہے۔ اور میں فتح خان کے متوقع ردِعمل سے بچنے کے لیے نیچے گر گیا تھا۔ مگر خلاف توقع گولی کی آواز کے بجائے وسیم کی طرف سے ایک تیز روشنی کی دھار فتح خان کے چہرے پر پڑی تھی۔ اس کے حلق سے دھاڑ نکلی تھی۔ اس کا ہاتھ بے ساختہ اوپر گیا اور میں نے اس کے پیروں پر اپنے دونوں پاؤں جوڑ کو مارے۔ وہ منہ کے بل میرے سامنے گرا تھا۔ میں نے اگلا وار اس کے پستول والے ہاتھ پر کیا تھا۔ پستول اس کے ہاتھ سے اڑ گیا تھا لیکن وہ اس کی پروا کیے بغیر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دھاڑتا رہا تھا۔ میں نے پستول کی طرف توجہ دیے بغیر پھرتی سے اٹھ کر فتح خان کو عقب سے قابو کر لیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے جکڑ لیے اور بیتو نے آ کر اس کی تلاشی لی تھی۔ اس کے پاس سے ایک خنجر نکلا تھا۔ اس کے علاوہ صرف پستول تھا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''یہ تم نے کیا کیا تھا؟''

''یہ بہت تیز روشنی والی ٹارچ ہے اسے بیم لائٹ کہتے ہیں۔'' وسیم نے مجھے ٹارچ دکھائی۔ ''اسے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح کی ہلکی لیزر لائٹ سمجھ لیں۔ اس نے جو عینک پہن رکھی تھی یہ بہت ہلکی سی روشنی کو بھی بہت بڑھا کر دکھاتی ہے اور آدمی کی آنکھیں اتنی روشنی برداشت نہیں کر سکتی ہیں۔ یہ تو بہت تیز روشنی تھی۔'' وسیم نے وضاحت کی۔ ''یہ کم سے کم عارضی طور پر اندھا ہو گیا ہے اور ممکنہ اس کی آنکھوں کو بہت زیادہ نقصان ہوا ہو اور اب یہ کبھی بھی نارمل انداز میں نہ دیکھ سکے۔''

فتح خان نے اپنی چیخوں پر قابو پا لیا تھا۔ اس نے وسیم سے کہا۔ ''اگر ایسا ہوا تو میں تجھے چھوڑے گا نہیں۔''

''اچھا ابھی کیا تم ہمیں چھوڑنے جا رہے تھے؟'' وسیم نے طنز کیا۔

بیتو نے رسی لا کر فتح خان کے ہاتھ عقب سے باندھ دیئے اور ہم اسے چٹان تلے لے آئے۔ سادھنا پہلے ہی اندر گھس گئی تھی۔ الاؤ میں آگ کم ہو رہی تھی اس لیے اس میں مزید لکڑی ڈالی گئی۔ فتح خان کو میں نے آگ کے پاس بٹھا دیا اور بولا۔ ''اسے کہتے ہیں آ بیل مجھے مار۔''

وہ ابھی تک تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ''ہم اپنے کیے پر کبھی نہیں پچھتایا۔''

اسے سوائے تمہاری ڈھٹائی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' میں نے وسیم سے ٹارچ لے کر اس کا معائنہ کیا۔ اس میں خاص چھوٹے چھوٹے بلب استعمال ہوئے تھے جن کو ایل ای ڈی کہا جاتا ہے۔ یہ کم بجلی خرچ کر کے بہت تیز روشنی دیتے ہیں۔ آج کل تو ان کی ٹارچیں اور ایمرجنسی لائٹس عام ہو گئی ہیں لیکن اس وقت یہ عام استعمال میں نہیں آتے تھے۔ ٹارچ کے بعد میں نے فتح خان کی آنکھوں کا معائنہ کیا۔ اسے ابھی تو بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا ہے لیکن میں اس کے بیان پر اعتماد کر کے اسے ایسے ہی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے ہاتھ کے ساتھ پاؤں بھی باندھ دیئے تھے۔ سادھنا اور بیتو پھر سو گئے۔ اب خطرہ اتنا نہیں رہا تھا اس لیے وسیم نے اصرار کر کے مجھے بھی سونے پر مجبور کر دیا۔

''آپ کل بھی ساری رات جاگتے رہے تھے۔'' اس نے کہا۔ ''آگے سفر کے لیے آپ کا جاگتے رہنا ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن تم اسے کچھ کھلا دینا۔'' میں نے فتح خان کی طرف اشارہ کیا۔ اور سونے کے لیے الاؤ کے پاس ہی دراز ہو گیا۔ ایک منٹ کے اندر میں سو چکا تھا اور پھر میری آنکھ کھلی تو دھوپ پھیل چکی تھی۔ میں گہری نیند سویا تھا۔ اور ساری مسل مندی دور ہو گئی تھی۔ وسیم کافی تیار کر رہا تھا اور اصل میں اس کی خوشبو سے میری آنکھ کھلی تھی۔ سادھنا فتح خان سے بات کر رہی تھی اور وہ اسے بتا رہا تھا کہ میری اور اس کی دشمنی کس طرح سے شروع ہوئی۔ بیتو سامان گدھوں پر بار کر رہا تھا۔ وہ ناشتہ کر چکے تھے۔ میں نے منہ دھویا اور کلی کر کے کافی لی۔ میرا ناشتے کا موڈ نہیں تھا اس لیے کافی کے بعد روانگی کے لیے کہا۔

''آپ ناشتہ تو کر لیں۔'' سادھنا بولی۔ پھر فتح خان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے تو کچھ نظر نہیں آ رہا یہ کیسے چلے گا؟''

''تم فکر مت کرو یہ اچھی طرح چلے گا۔'' میں نے کہا اور بیتو سے بولا۔ ''اس کے ہاتھ کی رسی ایک گدھے کی دم سے باندھ دو یہ اس کے ساتھ ساتھ چلے گا۔''

''ہم گدھے کے ساتھ چلے گا۔'' فتح خان نے مردہ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب گدھے کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو تم کو کیا مسئلہ ہے؟'' وسیم نے طنز کیا۔ وہ اس سے خار کھائے ہوئے تھا۔ اگر فتح خان اپنے پلان میں کامیاب ہو جاتا اور مجھے اکیلے بھیج دیتا تو ظاہر ہے اس کے بعد وسیم، سادھنا اور بیتو کی زندگیوں کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔ فتح خان نے اقرار کیا تھا کہ وہ ان تینوں کو مار دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ خلاف توقع سادھنا نے کہا۔

''یہ زیادتی ہے۔ یہ دشمن سہی لیکن انسان ہے۔ ہمیں اس کی بے عزتی نہیں کرنی چاہیے۔''

''تب تم بتاؤ یہ کیسے سفر کرے گا؟'' وسیم خفگی سے بولا۔

''اسے گدھے پر بٹھا دو۔ اس حالت میں اس کا چلنا ٹھیک نہیں ہے۔''

سادھنا کی بات ٹھیک تھی۔ فتح خان دشمن سہی مگر اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ پیدل سفر کر سکتا۔ اس لیے اسے گدھے پر بٹھانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس گدھے پر کھانے پینے کا سامان تھا اس پر فتح خان کو سوار کیا گیا تھا۔ وہ رات کو خوب سویا تھا۔ بلکہ بقول بیتو کے میرے مقابلے پر سوتا رہا تھا۔ اس لیے بالکل تازہ دم تھا۔ دوسرے گدھے پر اضافی اسلحہ اور دوسرا سامان تھا۔ ہم نے تمام کام کی چیزیں سنبھال لی تھیں اور کچھ ایسی چیزیں جن کی ضرورت نہیں تھی اور وہ بے کار میں بوجھ تھیں وہ وہیں چھوڑ دیں۔ مجھے یاد تھا کہ بیتو نے فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے پاس سلیپنگ بیگز کا ذکر کیا تھا لیکن ان کے سامان سے ایسی کوئی چیز نہیں نکلی تھی میں نے فتح خان سے ان کے بارے میں پوچھا۔

''تم لوگوں کے پاس کچھ گرم سلیپنگ بیگز تھے وہ کہاں ہیں؟''

''میرے ایک آدمی کی حماقت سے سلیپنگ بیگ والا تھیلا ایک کھائی میں گر گیا تھا اور اس میں اترنا بھی بہت مشکل تھا پھر ہم تمہارے پیچھے تھے اس لیے وہ وہیں رہ گئے۔''

اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھ لیا۔ ''تمہارا کیا اندازہ ہے کہ نیپال کی سرحد یہاں سے کتنی دور ہوگی۔''

فتح خان ہنسا۔ ''سرحد..... تم لوگ اس وقت نیپال میں ہو سرحد تو کل کسی وقت عبور کر لی تھی۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

''پورا یقین تو مجھے بھی نہیں ہے لیکن ہم نے جس غار میں تم کو گھیرا تھا وہ نیپال کی سرحد سے کچھ ہی دور تھا۔ اس سے اگلے روز تم سفر کرتے رہے اور میں تمہارا پیچھا کرتا رہا۔''

''فتح خان تم کیا سوچ کر ہمارا پیچھا کرتے رہے۔ کیا تم کو اپنی جان کا خوف نہیں تھا؟''

''خوف تو تھا لیکن ہم تم کو لے کر جانا چاہتا تھا۔ جب ہمارا آدمی مارا گیا تو بھی ہم تم کو نظر میں رکھ سکتا تھا۔ بعد میں اور آدمی بلوانا مسئلہ نہیں تھا۔''

''تمہارے پاس رابطے کا ذریعہ نہیں تھا؟''

''وہ تو ہے لیکن اسی سامان میں ..... '' اس نے کہا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس سامان میں ایک چھوٹا سا لیکن طاقتور ریڈیو ہے۔'' وسیم نے تصدیق کی۔

''فتح خان تمہاری بدقسمتی کہ تم ناکام رہے، ورنہ تم لوگوں نے پلاننگ زبردست کی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔ ''شہباز خان کبھی کبھی ہم کو لگتا ہے ہم تمہارے سامنے ہمیشہ ناکام رہے گا۔''

''خیر یہ تو ممکن نہیں ہے کیونکہ کوئی ناکامی یا کامیابی سدا نہیں رہتی ہے۔'' میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا اور روانگی کا اشارہ کیا۔ فتح خان کی یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ ہم سرحد عبور کر کے نیپال میں داخل ہو گئے تھے لیکن یقین تو فتح خان کو بھی نہیں تھا۔ اس لیے جب تک ہم کسی آبادی کے پاس نہیں پہنچ جاتے ہم تصدیق نہیں کر سکتے تھے۔ ایک پتلی سی پہاڑی پگ ڈنڈی پر ہمارا سفر جاری تھا جس کے دونوں طرف کھائی تھی۔ یہ بہت خطرناک لگ رہی تھی مگر آگے جانے کا واحد راستہ یہی تھا۔ اس لیے ہم سنبھل کر سفر کرتے رہے۔ سب سے زیادہ فکر ہمیں گدھوں کی تھی کیونکہ ان پر ہمارا سامان لدا ہوا تھا۔ جب سادھنا تھک جاتی تھی تو اسلحے والے گدھے سے سامان اتار کر اسے سوار کر لیتے تھے۔ آج اس کی حالت بہت بہتر تھی وسیم نے کہا۔

''اس کا اندر کا زخم بھی تقریباً بھر گیا ہے۔ دو دن میں یہ بالکل فٹ ہو جائے گی۔''

''بہت ہمت والی لڑکی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ورنہ یہ جن نازوں میں پلی ہے کوئی اور لڑکی ہوتی تو کب کا ہمارا ساتھ چھوڑ چکی ہوتی۔''

''جناب ہمیں اس کی شناخت بدلنا ہوگی۔'' وسیم نے کہا۔ ''ورنہ اس کا بھارتی شہری ہونا ہمارے لیے بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ آج کل سرحد کے دونوں طرف جیسے حالات چل رہے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں اور بھی محتاط رہنا ہوگا۔''

''تم نے ٹھیک کہا۔'' میں نے غور کیا۔ ''پاکستان جا کر ہمیں اس کے کاغذات بنوانا ہوں گے۔''

اس اطلاع نے ہمیں پُرجوش کر دیا تھا کہ ہم تقریباً نیپال پہنچ گئے تھے صرف تصدیق ہونا باقی تھی۔ کچھ دیر بعد فتح خان کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ ''جب ہم نیپال میں ہیں تو تم اپنے اوپر والوں سے مدد کیسے حاصل کرتے۔''

وہ مسکرایا۔ ''ہم جس کے لیے کام کرتا ہے اس کے لیے سرحد کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ تو نیپال انڈیا کا سرحد ہے اس کے لیے تو انڈیا پاکستان کا سرحد بھی مسئلہ نہیں ہے۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ڈیوڈ شا کا ذکر کر رہا تھا۔ مجھے راجا عمر دراز کا خیال آیا اور ندامت ہوئی کہ میں نے اب تک فتح خان سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ ''ڈیوڈ شا یہاں کب سے ہے؟''

''ہم نے ڈیوڈ شا کا نام کب لیا؟'' وہ مکاری سے بولا۔

''اچھا اچھا وہ جو تمہارا اجازی باپ ہے وہ کب سے یہاں ہے؟'' میں نے بھنا کر پوچھا۔

''ہم کو نہیں معلوم جب ہم کو پاکستان سے بلوایا تھا تو وہ یہیں تھا۔ اس نے ہم کو تمہارا اتلاش پر لگا دیا۔''

''کلکتہ کے راستے میں تمہارے آدمیوں نے مجھ پر حملہ کر کے اغوا کر لیا تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں وہ ہمارا آدمی تھا لیکن کرائے پر کام کر رہا تھا۔ تم بہت چالاک ہے نکل کر بھاگ گیا۔''

''آج کل میں یہی کام کر رہا ہوں۔''

''ہم نے صاحب سے کہا تھا کہ تم ایسے قابو نہیں آئے گا۔ جو شخص بھارتی فوج کو اس طرح نچا دے وہ ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معمولی لوگوں کے ہاتھ کیسے آتا۔"

میں چونکا۔"یہ بات تم لوگوں کو بھی معلوم ہے۔"

"ہم کو کیا یہ بات تو اب بہت سارے لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے۔تم ادھر جتنا اینٹی انڈیا موومنٹ ہے اس کا ہیرو بن گیا ہے۔بہت سارا لوگوں نے تمہارا اس کر کام کرنے سے انکار کر دیا۔"

میں ہنسا۔"اچھا مجھے معلوم ہی نہیں کہ میں اتنا بڑا ہیرو بن گیا ہوں لیکن سچی بات ہے اس میں میری صلاحیتوں کو کم دخل ہے۔اس میں اصل کمال بھارتی فوج کی نااہلی کا ہے۔میں نے ان کو جتنا دیکھا ہے یہ صرف نہتے اور عام لوگوں سے لڑنے والی فوج ہے جہاں اس کے خلاف کوئی ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے یہ الٹے قدموں پلٹ جاتی ہے۔اپنے ہی ملک کے عام قبائلیوں کے خلاف انہوں نے طاقت کا اندھا دھند استعمال کر کے مجھے حیران کر دیا تھا۔کشمیر کا تو ساری دنیا کو علم ہے لیکن اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کے خلاف یہ اس حد تک چلے جائیں گے کہ ان پر مسلح گن شپ سے حملہ کر کے ان کے پرخچے اڑا دیں گے میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

فتح خان کو اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے نے بات بدل دی۔"اسی وجہ سے صاحب کی تم میں دلچسپی بڑھ گئی ہے۔جب اسے پتا چلا کہ تم یہاں ہو تو اس نے مجھے بلا لیا۔"

"اب تمہارا صاحب کہاں ہے؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم،لیکن ہے وہ انڈیا میں کیونکہ میری اس سے ہمیشہ انڈیا کے کسی نمبر سے بات ہوتی ہے۔"

بے چارے فتح خان کو نہیں پتا تھا کہ یہ انٹرنیٹ کا دور ہے اور اس میں کوئی شخص دنیا کے کسی بھی گوشے سے کال کر سکتا ہے اور کال وصول کرنے والے کو مقامی نمبر ہی ملے گا۔"

"راجا عمر دراز بھی یہیں ہے۔"میں نے اسے بتایا۔

"میں جانتا ہوں لیکن وہ اچانک ہی غائب ہو گیا ہے۔"فتح خان نے جواب دیا۔"صاحب کا خیال ہے اس کے اس طرح غائب ہونے میں اس کی کوئی چال ہے۔"

"ممکن ہے اس کے غائب ہونے میں تمہارے صاحب کی کوئی چال ہو؟"میں نے طنز کیا۔

وہ مکاری سے مسکرایا۔"ممکن ہے یہ صاحب لوگ کا آپس کا معاملہ ہے۔وہی جانے۔"

"عمر دراز کا حکیم قادس ابھی تک تمہارے صاحب کے قبضے میں ہے۔"

"وہ جوڈیوڈ صاحب کے قبضے میں ہے۔"

میں نے دانت پیسے وہ بہت چالاک آدمی تھا کسی صورت اقرار نہیں کر رہا تھا۔"وہی.....وہی۔"

"جہاں تک ہم کو معلوم ہے وہ ڈیوڈ صاحب کے پاس ہی ہے۔وہ اس سے کام لے رہا ہے۔"

راجا عمر دراز اگر ڈیوڈ شا کے قبضے میں نہیں تھا تو پھر کہاں تھا۔رانا دیاس نے بتایا تھا کہ اس کی کار خالی ملی تھی جس میں وہ اس کے محل سے نکلا تھا۔فتح خان اس بارے میں کچھ جانتا بھی تھا تو اس نے مجھے بتایا نہیں تھا۔وہ بہت مکار آدمی تھا اس سے اس کی مرضی کے خلاف کچھ اگلوا لینا ممکن نہیں تھا۔وہ تشدد کے سامنے جھکنے والا آدمی بھی نہیں تھا۔میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس کا معائنہ کر رہا تھا اور کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا تھا کہ اسے نظر آنا شروع ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا ہے۔ کم سے کم تھوڑا بہت نظر آ رہا تھا۔

''اب تمہاری آنکھ کی تکلیف کیسی ہے؟''

''تکلیف تو نہیں ہے پر نظر کچھ نہیں آ رہا ہے۔'' اس نے کہا۔

دوپہر میں ہم ایک جگہ رکے تھے۔ تھوڑا بہت کھا پی کر اور آرام کر کے آگے روانہ ہوئے تھے۔ سہولت کی چیزیں مل جانے سے سفر اتنا دشوار نہیں رہا تھا لیکن پھر بھی سفر ہی تھا۔ شام تک سب کا تھکن سے برا حال ہو جاتا تھا ورات بھی کون سا سکون ملتا تھا۔ بس نیند پوری ہو جاتی تھی ورنہ جسم تو ایسے ہی بے آرام رہتا تھا۔ اس لیے سب کی شدید خواہش تھی کہ کسی بستی تک پہنچ جائیں جہاں ہم کو رات گزارنے کے لیے ایک چھت اور آرام دہ نہ سہی بستر ہی مل جائے۔

اب تک ہم بالکل کسی غیر آباد علاقے میں سفر کر رہے تھے۔ یہاں انسانی آبادی کا کوئی نشان نظر نہیں آیا تھا۔ جس علاقے میں انسان آباد ہوتے ہیں وہ خود اپنا حال بتا دیتا ہے۔ وہاں آمد و رفت سے راستے بن جاتے ہیں اور زمین و پودوں کی صورت میں غیر فطری تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔ مجھے ابھی تک ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ لگتا تھا ہم غلطی سے کسی بہت ہی غیر آباد علاقے میں آ نکلے تھے۔ کیونکہ کئی دن گزرنے کے باوجود کسی غیر متعلق شخص کی صورت نظر نہیں آئی تھی۔

اس رات کو ہمیں ایک نالے میں جگہ مل گئی تھی۔ نالہ خشک تھا اور یہاں ہم سردی اور ہوا سے خاصی حد تک محفوظ تھے۔ فتح خان کو باندھ کر ہم میں سے ایک اس کی نگرانی کرتا رہا تھا اور باقی سو گئے تھے۔ میں سب سے آخر میں جاگا تھا۔ ابھی صبح ہونے میں چار گھنٹے تھے لیکن سات گھنٹے کی بھرپور نیند نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا۔ میں نے اٹھ کر اپنے لیے کافی بنائی۔ فتح خان بھی جاگ گیا تھا۔ اس نے للچائے انداز میں کافی کی خوشبو کو سونگھا تو میں نے پینے بعد اس کے لیے بھی کافی نکال لی، اسے اپنے ہاتھوں سے پلانے لگا۔ پھر میں ہنسا۔ ''فتح خان تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس دشمن سے واسطہ پڑا ہے۔''

وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''سچی بات ہے شہباز خان کبھی کبھی ہم کو خیال آتا ہے کہ تم سے دشمنی کی وجہ پرانی ہو گئی ہے۔ قصور شینا کا تھا لیکن ہم اپنی قسم سے مجبور ہے۔''

''تم نے کیا یاد دلا دیا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''میری تمام مصیبتوں کا آغاز اسی خاتون سے ہوا تھا۔''

''ہم آج تک اس کو نہیں بھولا۔'' اس نے بھی ٹھنڈی سانس لی۔

''لیکن اِدھر اُدھر منہ مارنے سے باز نہیں آئے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''مجھے اس بے چاری کا خیال آتا ہے جسے تم زبردستی لے گئے تھے اور اس کو رکھیل بنا لیا تھا۔''

''میں نے اس سے نکاح کیا تھا۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''اس نکاح کی حقیقت مجھے معلوم ہے۔ تم کو پتا ہے وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی تھی۔''

فتح خان بری طرح چونکا تھا۔ ''نہیں ہم کو نہیں معلوم..... پر کیا یہ سچ ہے؟''

''سو فیصد..... میں نے خود اس کی بدلی ہوئی جسمانی حالت دیکھی تھی۔''

''شہباز خان وہ کہاں ہے؟'' اس نے مضطرب ہو کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو مجھے نہیں معلوم عمر دراز نے اسے اس کے باپ سمیت کہیں بھیج دیا تھا۔''

''وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی کاش مجھے معلوم ہوتا تو میں کسی صورت اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔''

''اسی بات سے اندازہ لگا لو کہ تم اسے بیوی سمجھتے تھے یار کھیل، آدمی اپنی بیوی کو اپنی عزت سمجھتا ہے اور اسے کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا جب کہ تم نے پلٹ کر اس بے چاری کو پوچھا بھی نہیں تھا۔''

فتح خان چپ ہو گیا تھا۔ اپنے بچے کے بارے میں سن کر اس میں زبردست تغیر آیا تھا۔ روشنی ہونے پر میں نے سامان سے دوربین نکالی۔ اور نالے سے اوپر آیا لیکن اس سے پہلے میں نے وسیم کو اٹھا دیا تھا۔ ایک بلند مقام سے دوربین کی مدد سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ ایک جگہ مجھے پہاڑ میں کالی سی لکیر نظر آئی تھی۔ وہ بہت دور تھی اور روشنی بھی اتنی نہیں تھی اس لیے میں نے انتظار کیا جب اس پہاڑ پر پوری طرح روشنی آ گئی تو میں نے دوربین کو ایڈجسٹ کیا اور دیکھا تو اس بار مجھے سڑک نظر آ گئی۔ یہ کالی سی مل کھاتی لکیر بلاشبہ سڑک تھی۔ روشنی پڑنے پر اس کا ڈامر چمک رہا تھا۔

میں نیچے آیا جیتو اور سادھنا بھی جاگ گئے تھے۔ ان کو سڑک کے بارے میں بتایا تو وہ اتنے ہی خوش ہوئے تھے جتنا کہ کولمبس کے ساتھی پہلی بار خشکی نظر آنے پر خوش ہوئے ہوں گے۔ وسیم دوربین لے کر اوپر چلا گیا اور اس نے چلا کر کہا۔ ''ہاں سڑک ہی ہے۔''

میرا اندازہ تھا کہ سڑک ہم سے کوئی چار پانچ میل کے فاصلے پر تھی اور پہاڑی لحاظ سے اسے چار گنا کر لینا بہتر تھا۔ یعنی یہ کل سولہ سترہ میل بنتی۔ اس لیے ناشتہ کرتے ہی ہم روانہ ہو گئے تاکہ دن کی روشنی میں سڑک تک پہنچ جائیں۔ فتح خان خاموش تھا۔ وسیم نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے آہستہ سے کہا۔

''اس کو اس کی اولاد کے بارے میں بتایا ہے۔''

وسیم حیران ہوا۔ ''اسے نہیں معلوم تھا؟''

''نہیں اس کے انداز سے تو لگ رہا ہے کہ اسے نہیں معلوم تھا۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ بہت شاطر آدمی ہے ہمیں بے وقوف نہ بنا رہا ہو۔'' وسیم نے شک سے کہا۔

''نہیں مجھے لگ رہا ہے کہ اسے سچ مچ شاک لگا ہے۔''

''مجھے لگ رہا ہے اسے نظر آنا شروع ہو گیا ہے لیکن یہ ظاہر نہیں کر رہا ہے۔'' وسیم بولا۔

''اتفاق سے میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''شاید اسے کھل کر سامنے آنے پر مجبور کرنا پڑے گا۔''

ہم روانہ ہوئے تھے تو کچھ دیر بعد سڑک دوربین کے بغیر بھی نظر آنے لگی تھی لیکن وہ خاصے فاصلے پر تھی۔ دوپہر تک ہم سڑک کے خاصے قریب تھے اور وہ ہمارے اندازے سے جلدی آ گئی تھی لیکن اب تک اس سے نہ تو کوئی گاڑی گزرتی نظر آئی تھی اور نہ کوئی آدمی نظر آیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کوئی دور دراز کی سڑک تھی۔ جہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایک چھوٹے سے پڑاؤ کے بعد ہم سڑک کے پاس پہنچ گئے تھے۔ وسیم نے اچانک ہی مجھ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز صاحب ایک بات سنئے گا میرا خیال ہے کسی آبادی تک جانے سے پہلے اس کا فیصلہ کرلیں۔''
اس نے فتح خان کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ چوکنا نظر آنے لگا تھا۔ ''کیسا فیصلہ؟''
وسیم مجھے ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور رازدارانہ انداز میں بولا۔ ''اس کا کام تمام کردیں۔''
''میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''یہ اندھا ہے کہیں بھاگ نہیں سکتا۔''
''سوال یہ نہیں ہے کہ یہ اندھا ہے یا نہیں، بلکہ سوال یہ ہے کہ ہم نے اس کا کیا کرنا ہے؟''
میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ واقعی ہمیں فتح خان کا کیا کرنا تھا۔ وہ دشمن تھا اور ہم خود کو اس کے شر سے بچاتے تھے۔ اسے قید رکھنے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اس سے محفوظ رہا جائے۔ مگر اسے ساتھ لیے پھرنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ کہیں بھی موقع پا کر ہمیں مروا سکتا تھا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''پھر کیا کریں؟''
وسیم نے فتح خان کی طرف دیکھا اور گردن پر انگلی پھیرنے کا اشارہ کیا۔ میں ہچکچایا۔ ''کیا یہ مناسب ہو گا۔''
''دشمنی میں مناسب اور نامناسب نہیں دیکھا جاتا ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ دشمن سے نجات کس طرح حاصل کی جائے۔'' وسیم بولا اور اس نے خنجر نکال لیا۔ ''یہ مناسب رہے گا۔ گولی کا شور دوسروں کو متوجہ کر سکتا ہے۔''
وسیم خنجر لے کر فتح خان کی طرف بڑھا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ فتح خان بظاہر انجان بنا ہوا تھا مگر میں نے اس کی جسمانی زبان میں ایک تغیر محسوس کیا تھا۔ وسیم اس کے پاس پہنچا اور اس نے ایسے ہاتھ بلند کیا کہ اسے دائرے میں گھماتے ہوئے فتح خان کا گلا سامنے سے کاٹ دے، جیسے ہی اس نے ہاتھ گھمایا فتح خان بے ساختہ پیچھے ہوا تھا۔ میں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا اور فتح خان کھسیا گیا تھا اس نے مجھ سے کہا۔
''تم لوگوں نے اچھا ڈرامہ کیا۔''
''یہ ڈرامہ نہیں ہے۔'' وسیم بولا۔ ''ہم سچ مچ تم سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔''
فتح خان ایک بار پھر اچھل کر پیچھے ہٹا تو اس بار وسیم بھی ہنس دیا تھا۔ فتح خان جھنجھلا گیا۔ ''تم لوگ میرے ساتھ مذاق کرتا ہے۔''
''مذاق برداشت کرنا سچ مچ فوت ہو جانے سے بہتر ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تم اچھے اداکار نہیں ہو فتح خان کئی بار مجھے شک ہوا تھا کہ تم دیکھ سکتے ہو اور ابھی تک اندھے بنے ہوئے ہو۔''
''ہم کو ابھی بھی ٹھیک سے نظر نہیں آ رہا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''کبھی کبھی آنکھوں کے سامنے دائرہ سا ناچنے لگتا ہے۔''
''شکر کرو تم اندھے نہیں ہوئے۔''
وسیم نے کہا۔ ''یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ یہ اندھا نہیں ہے اس لیے اسے لے جانے میں خطرہ ہو گا۔''
''ہم وعدہ کرتا ہے کہ کچھ نہیں کرے گا۔'' فتح خان نے جلدی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان کو ساتھ لیے لیے پھرنے میں خطرہ تھا اور وہ موقع پا کر اپنا کام دکھا سکتا تھا۔ مجھے وسیم کا مشورہ اچھا لگا تھا لیکن ہم اس کے ساتھ کیا کرتے اگر اسے چھوڑتے تو وہ پھر ہمارے پیچھے پڑ سکتا تھا اور میرا اسے مارنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وسیم نے میری طرف دیکھا۔ ''ہم اسے آزاد نہیں چھوڑ سکتے یہ ہمارے لیے خطرہ بن جائے گا۔''

''میں اسے نہیں مار سکتا۔'' میں نے انکار کر دیا۔

''یہ کام میں کر سکتا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔ ''اگر آپ کہیں تو؟''

''میں..... کہہ بھی نہیں سکتا۔'' میں ہچکچایا۔

بیتو نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''شوبی بھائی یہ آپ کا دشمن ہے۔ اگر اس کو موقع ملا تو یہ آپ کو نہیں چھوڑے گا۔''

فتح خان ہماری باتیں سن رہا تھا۔ مذاق کے وقت وہ ڈر گیا تھا لیکن اس وقت وہ یوں لاپروائی سے کھڑا تھا جیسے ہم اس کے بارے میں نہیں بلکہ کسی اور کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے جا رہے ہوں۔ بیتو کی بات سن کر اس نے کہا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ دشمن کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔''

''اگر تمہیں موقع ملا تو تم واقعی مجھے مار دو گے؟'' میں نے پوچھا۔

وہ ہچکچایا۔ ''ہاں اگر تم میرے قابو میں آیا اور تم سے کوئی کام نہیں ہوا تو میں تم کو مار دے گا۔''

بیتو اچھل پڑا۔ ''سنا آپ نے..... کیا آپ اب بھی اسے چھوڑ دیں گے؟''

''ہاں کیونکہ میں فتح خان نہیں ہوں۔ میں کسی کو اسی وقت مار سکتا ہوں جب وہ میری جان کے لیے خطرہ بن جائے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن ہم اسے ایسے نہیں چھوڑ سکتے۔'' وسیم بے چینی سے بولا۔ ''یہ پھر ہمارے پیچھے آئے گا۔''

فتح خان نے کہا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں اگر تم لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا تو میں واپس چلا جاؤں گا تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا۔''

''اور اپنے آقا کو کیا کہو گے؟'' وسیم نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''وہ میرا کام ہے۔'' اس نے کہا۔ ''فتح خان کسی سے وعدہ نہیں کرتا ہے لیکن کر لے تو اسے جان دے کر بھی نبھاتا ہے۔''

''میں تمہارے وعدے پر اعتبار نہیں کر سکتا۔'' وسیم نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ ''میں ابھی گولی مار کر تم سے ہمیشہ کے لیے کیوں نہ چھٹکارا حاصل کر لوں۔''

فتح خان مسکرایا۔ ''شاید تم اپنے بہن کا شوہر کا انتقام لینا چاہتا ہے۔''

''وہ غدار تھا اور اپنی حرکتوں کی وجہ سے مارا گیا۔'' وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اب میرے ساتھی یہ سب ہیں میں ان کو تم سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔''

میں نے مداخلت کی۔ ''فتح خان اگر تم مستقبل میں ہمارے مقابلے میں نہ آنے کا وعدہ کر لو تو میں تم کو جانے دوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سوچا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ ''ہم ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ وعدہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تب تم جہنم میں جاؤ۔'' وسیم نے کہتے ہوئے رائفل اس کی طرف سیدھی کر لی تھی لیکن سادھنا نے اسے روک دیا۔

''ایک منٹ۔'' اس نے کہا۔ ''کیا اسے مارنا ضروری ہے؟''

''ہاں ورنہ یہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔''

''میرا خیال ہے اسے مارنا اتنا ضروری نہیں ہے۔'' سادھنا بولی۔

''تمہیں اس کے بارے میں نہیں معلوم۔'' وسیم نے ناگواری سے کہا۔

''اگر میں کسی کو معاف کرنا چاہوں تو میرا اس کے بارے میں جاننا ضروری نہیں ہے۔'' سادھنا بھی تڑخ کر بولی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ ''شوبی کیا میں تمہاری ساتھی نہیں ہوں؟''

''بالکل ہو۔''

''تب میں کیا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی؟''

''بالکل کر سکتی ہو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وسیم نے احتجاج کیا۔ ''اس کی باتوں میں آ کر اس شخص کو چھوڑ رہے ہیں جو بے شمار انسانوں کا قاتل ہے۔ یہ ہر لحاظ سے موت کا مستحق ہے۔''

''وسیم اگر میں اس کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا اور سادھنا اسے معاف کر دیتی تو میں سادھنا کی بات مانتا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

وسیم بے بس ہو گیا تھا۔ سادھنا فاتحانہ انداز میں مسکرائی تھی۔ اس نے فتح خان سے کہا۔ ''تم آزاد ہو جا سکتے ہو۔''

''ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولے گا۔'' فتح خان بولا۔

''لیکن ایک بات یاد رکھنا یہ معافی بس اس وقت تک کے لیے ہے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''اب سے ایک گھنٹے بعد تم مجھے نظر آ گئے تو میں تم کو معاف نہیں کروں گا۔''

''میں وعدہ کر چکا ہوں تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا۔'' فتح خان سپاٹ لہجے میں بولا۔

''تم اور تمہارا وعدہ۔'' وسیم نے حقارت سے کہا۔ اس نے فتح خان کے ہاتھوں کی رسی کاٹ دی۔ ''ایک منٹ کے اندر ہماری نظروں سے دور ہو جاؤ۔''

فتح خان نے میری طرف دیکھا میں نے سر ہلایا تو اس نے اس سمت میں دوڑ لگا دی تھی جس طرف سے ہم آئے تھے۔ وہ سچ مچ ایک منٹ کے اندر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور بولا۔

''یہ تم دونوں نے اچھا نہیں کیا۔''

''کیا اچھا نہیں کیا؟'' سادھنا بولی۔ ''فتح خان کو معاف کر کے؟''

''نہیں اس کے سامنے آپس میں اختلاف کر کے، دشمن کے سامنے کبھی آپس کا اختلاف ظاہر مت کرو۔''

''سوری شوبی۔'' سادھنا نے ندامت سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''واقعی مجھے بھی خیال نہیں رہا۔'' وسیم شرمندہ ہو گیا تھا۔ ''آئندہ میں خیال رکھوں گا۔''

''میں بھی۔'' سادھنا بولی۔

''ہم بھی کسی نہ کسی چیز کا خیال رکھے گا۔'' بیتو نے سادگی سے کہا تو ہم سب ہنس دیئے تھے۔

''اب چلنے کی کرو۔'' میں نے سڑک کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''رات سے پہلے پہلے کسی جگہ پہنچنا لازمی ہے۔''

''اب مجھ سے یہ سردی برداشت نہیں ہوتی ہے۔'' سادھنا نے کہا۔

''یہ بہت ویران سڑک ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''کہیں یہ جنگ زدہ علاقہ تو نہیں ہے؟''

''جنگ؟'' میں چونکا۔ ''یہاں نیپال میں؟''

''ہاں نیپال میں حکومت اور کمونسٹ گوریلوں کے درمیان جنگ جاری ہے۔'' وسیم نے بتایا۔ ''خاص طور دیہی علاقوں میں کمونسٹ گوریلوں کا زور ہے۔ یہ ماؤ نواز باغی بھی کہلاتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے پیچھے چین کا ہاتھ ہے۔ یہ بھارت کے خلاف ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ بہادر نامی شخص بھی شاید ماؤ نواز ہی تھا۔''

''اگر ہمارا ان سے سامنا ہو گیا تو ان کا کیا رویہ ہو سکتا ہے؟'' سادھنا نے فکرمندی سے کہا۔

''کیا کہا جا سکتا ہے۔'' وسیم نے شانے اچکائے۔ ''وہ تو جب ان سے سامنا ہو گا تب پتا چلا گا۔''

''بھگوان نہ کرے۔'' سادھنا نے جھرجھری لی۔ ''بس بہت ہو گیا اب ہم سیدھے کسی شریف جگہ جا کر رکیں گے۔ یہ بدمعاش بہت دیکھ لیے۔''

''بی بی وہاں بھی جا کر یہ بدمعاش ہی دیکھنا ہوں گے۔ ہمارا کام کوئی شریف آدمی نہیں کر کے دے گا۔'' وسیم نے اسے آگاہ کیا۔

میں اور بیتو ان کی نوک جھونک سنتے ہوئے گدھوں کو سڑک پر چڑھانے لگے۔ یہاں ڈھلان بہت زیادہ تھی اور اگر گدھوں کو عقب سے مدد فراہم نہ کی جاتی تو ان کے واپس آنے کا خطرہ تھا۔ بڑی کوشش کے بعد وہ سڑک تک پہنچے تھے۔ یہ پکی مگر بڑی کھردری سی پہاڑی سڑک تھی۔ جس میں جا بجا گڑھے نمایاں تھے اور بعض مقامات سے سڑک نیچے کھائی میں گر چکی تھی۔ اس کا چھوٹا سا حصہ باقی بچا تھا جس سے بمشکل ایک بڑی سازوکی جیپ گزر سکتی تھی۔ وسیم نے سڑک کا معائنہ کیا اور بولا۔

''میرا خیال ہے یہ سڑک زیر استعمال نہیں ہے۔''

''وہ کیسے؟'' سادھنا نے سوال کیا۔

''اس پر ٹائروں کے نشانات نہیں ہیں اور نہ ہی آئل کے دھبے ہیں کوئی سڑک کتنی ہی کم کیوں نہ استعمال ہوتی ہو ان پر یہ دونوں چیزیں لازمی ہوتی ہیں۔''

وسیم ٹھیک کہہ رہا تھا۔ کسی وجہ سے یہ سڑک متروک ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود یہ کہیں نہ کہیں ضرور جاتی ہو گی۔ اگر اس پر کوئی آبادی نہیں تھی تب بھی یہ کسی چالو سڑک تک ضرور جاتی ہو گی۔ اب سوال یہ تھا کہ ہمیں کس طرف کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ وسیم نے مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرا خیال ہے کہ کھٹمنڈو اس طرف ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس تو چلو۔'' میں نے تیزی سے مغرب کی طرف جاتے سورج کو دیکھا۔ ''کچھ دیر بعد رات سر پر آ جائے گی۔''

''میں تھک گئی ہوں۔'' سادھنا نے اعلان کیا۔

''گدھے پر سوار ہو جاؤ۔'' بیتو نے کہا اور ایک گدھا خالی کر دیا۔ وہ اس پر سوار ہو گئی اور ہم آگے روانہ ہو گئے۔ سڑک کی وجہ سے سفر میں تیزی آئی تھی۔ ورنہ اب تک تو ہم چیونٹی کی رفتار سے سفر کر رہے تھے۔ جس وقت سورج غروب ہونے والا تھا تب بھی ہم سڑک پر ہی تھے اور اب تک کوئی آبادی نظر نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آج رات بھی ہمیں باہر ہی کہیں بسر کرنا پڑے گی۔

وسیم بار بار عقب میں دیکھ رہا تھا۔ ایک دو بار اس نے دوربین بھی استعمال کی تھی۔ سادھنا نے مجھ سے آہستہ سے کہا۔ ''اسے یقین نہیں ہے کہ فتح خان ہمارے پیچھے نہیں آئے گا۔''

''سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے بھی یقین نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن مجھے یقین ہے وہ اب ہمارے پیچھے نہیں آئے گا۔'' سادھنا بولی۔ وہ اب پیدل چل رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا زخم مکمل طور پر بھر گیا تھا کیونکہ وہ تھک جاتی تھی لیکن اب اسے تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ اوپر سے تو زخم بالکل ختم ہو گیا تھا۔ سادھنا نے بتایا کہ معمولی سا نشان رہ گیا تھا۔ جس سڑک پر ہم چل رہے تھے یہ بعض مقامات سے گر چکی تھی اور یہی اس کے متروک ہونے کی وجہ تھی۔ ایک جگہ تو بالکل چھوٹی سی پگڈنڈی باقی رہ گئی تھی۔ ہم اس پر سے گزر کر دوسری طرف پہنچے۔ اس وقت سورج ڈوب چکا تھا اور تاریکی چھانے والی تھی۔

''وہ کیا ہے؟'' بیتو نے آگے اشارہ کیا۔

''کہاں کس طرف؟'' وسیم نے پوچھا۔

''وہ میرے ہاتھ کی سیدھ میں دیکھیں روشنی سی نظر آ رہی ہے۔''

وسیم سے پہلے میں نے دیکھ لیا تھا۔ دور کہیں ایک جھلملاتی روشنی نظر آ رہی تھی۔ یک دم ہی ہم سب کے اندر امید جاگ اٹھی تھی۔ روشنی کا مطلب تھا کہ اس طرف کوئی آبادی ہے یا کم سے کم کوئی گھر ہے۔ وسیم نے دوربین استعمال کی اور پُرجوش لہجے میں بولا۔ ''ہاں آبادی ہے چند گھر نظر آ رہے ہیں۔''

''بس تو جلدی چلو۔'' میں نے کہا۔

ہم سب ہی تھکے ہوئے تھے لیکن اس وقت ایک گھر اور اس کے اندر موجود گرمی اور گرم جوشی کے خیال نے ہم سب کے اندر ایک جوش سا بھر دیا تھا۔ ہم سب ہی تیز قدم اٹھانے لگے تھے۔ تھکے ہوئے گدھے بادلِ ناخواستہ ہمارا ساتھ دے رہے تھے۔ روشنی اتنی قریب نہیں تھی۔ پتا نہیں ہم کو کیسے نظر آ گئی کیونکہ بہت معمولی سی روشنی تھی۔ شاید کہیں کوئی لالٹین جل رہی تھی۔ رات کچھ ہی دیر میں مکمل طور پر مسلط ہو چکی تھی۔ ہم نے ٹارچز نکال لی تھیں ورنہ اندھیرے میں کوئی حادثہ بھی ہو سکتا تھا۔ اب وہ روشنی نظر آنا بھی بند ہو گئی تھی۔

''کہیں ہم اس آبادی کے پاس سے گزر نہ جائیں۔'' سادھنا پریشان ہو کر بولی۔

''نہیں آبادی میں کہیں نہ کہیں روشنی ہو گی۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

اسی لمحے مجھے پھر روشنی دکھائی دی۔ اس بار یہ واضح تھی۔ ہم بستی کے قریب تھے۔ اس کے باوجود ہمیں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بستی کے پاس پہنچنے میں مزید کوئی نصف گھنٹہ لگ گیا تھا۔ تیز چلنے سے ہماری تھکن کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ اس کے باوجود اتنے دن بعد پہلی انسانی آبادی دیکھنے کی خوشی الگ ہی تھی۔ یہ چھوٹی سی بستی تھی اور اس میں مشکل سے دو درجن گھر تھے۔ یہ سب ایک ڈھلان پر آپس میں جڑے کھڑے تھے۔ سادھنا نے کہا۔ ''یہ تو لگ رہا ہے گھروں نے ایک دوسرے کو سہارا دیا ہوا ہے۔''

''اس دنیا میں ہر چیز کو دوسرے کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔'' وسیم نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

بستی میں کہیں کہیں روشنی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہ بے حد غریب لوگوں کی آبادی تھی۔ ہم نظر آنے والے پہلے گھر کی طرف بڑھے۔ یہ سڑک سے کچھ ہی دور تھا۔ ابھی ہم گھر سے کچھ دور تھے کہ ایک نوجوان لڑکی لالٹین اٹھائے باہر نکلی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھا تو مقامی زبان میں کچھ کہتی واپس گھر میں گھس گئی۔ ہم میں سے کوئی مقامی زبان نہیں سمجھتا تھا۔ ہم گھر کے پاس پہنچے تو اندر سے ایک بوڑھا نکل آیا۔ لمبے کانوں اور سانولے رنگ کا یہ پستہ قد شخص پچاس برس کا بھی ہو سکتا تھا اور ستر برس کا بھی۔ اس نے بھی مقامی زبان میں کچھ کہا۔

''ہم سے ہندی میں بات کرو۔'' سادھنا نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''ہم تمہاری زبان نہیں سمجھتے ہیں۔''

مگر بوڑھا جواب میں مقامی زبان بولتا رہا تھا۔ اب ہم نے بین الاقوامی زبان بولنا شروع کی۔ یعنی اسے اشاروں میں سمجھانا شروع کیا۔ ہم مسافر تھے اور کسی پناہ کی تلاش میں تھے۔ بوڑھا بے تاثر سے انداز میں اور یوں چوکنا کھڑا رہا جیسے ہمیں اپنے گھر میں گھسنے سے روکنا چاہ رہا ہو۔ وسیم نے مشورہ دیا۔ ''اس سے دوسری بین الاقوامی زبان میں بات کریں۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور جیب سے نوٹ نکال کر بوڑھے کے سامنے لہرائے تو اس کی عدم توجہی یک دم ہی گہری دلچسپی میں بدل گئی۔ ایک منٹ کے اندر وہ ہمارے لیے اپنے گھر اور دل کے دروازے وا کر چکا تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ معاملات طے پا جانے سے پہلے میں اندر سے گھر کا معائنہ کر لوں ایسا نہ ہو کہ ہم معاوضہ دے کر پھنس جائیں۔ میں بوڑھے کے ساتھ اندر گیا۔ اندر سے یہ تین چار کمروں کا چھوٹا گھر تھا۔ گھٹا ہوا تنگ اور تاریک۔ اس میں بوڑھا اپنی دو بیویوں اور کوئی ایک درجن بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ بچوں میں ادھیڑ عمر کے لڑکوں سے لے کر دس بارہ سال تک کے بچے شامل تھے۔ یہ بہت بڑا اجنجال پورا تھا لیکن مجھے مکان اندر سے مناسب لگا تھا۔ اس لیے یہیں رکنے کا فیصلہ کیا لیکن میں نے پہلے بوڑھے سے مذاکرات کیے۔ اشاروں میں طے پایا کہ میں اسے دو سو بھارتی روپے دوں گا۔ اس کے بدلے وہ ہمیں رات گزارنے کی جگہ دے گا اور صبح ناشتہ کرائے گا۔ اس کے علاوہ وہ ہمیں کسی شہر تک بھی پہنچائے گا۔ میں نے اسے سو روپے دیئے تو گھر کی فضاء بدل گئی۔ وہی لوگ جو کچھ دیر پہلے مجھے معاندانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اب مسکرانے لگے۔ بوڑھے کا ادھیڑ عمر بیٹا میرے ساتھ باہر آیا۔ اسے ٹوٹی پھوٹی ہندی آتی تھی۔ جیسے ہمارے ہاں کسی میٹرک پاس کو انگریزی آتی ہے۔ اس نے ہمارا سامان لے جانے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے روک دیا اور اس سے کہا۔

''تم ان گدھوں کو دیکھو اور ان کا کچھ چارہ پانی کر دینا۔''

وہ مسکرایا اور انگلی سے دو کا اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا تھا اور میرے پاس رقم بھی تھی لیکن میں ان کو ایسا تاثر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے شور کیا تو اندر سے بوڑھا نکل آیا تھا اور اس نے اپنے ولی عہد بہادر کو مقامی زبان میں گالیاں دے کر گدھوں سمیت دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ منہ بنا کر چلا گیا۔

صاحب خانہ کا نام اجیت کمار تھا اور اس کے صاحبزادے کا نام امیت تھا۔ باقی افراد کا تعارف کرانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہمارے لیے ایک کمرہ خالی کر دیا گیا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''اسلحے والے بیگ کا خاص خیال رکھنا کوئی اس کے پاس نہ پھٹکے۔''

اجیت کمار سمیت اس کے اہلِ خانہ ہمارے سامان کے بارے میں سخت تجسس میں مبتلا تھے۔ ایک دو چھوٹے بچوں نے اندر گھسنے کی کوشش کی تھی لیکن میرے اشارے پر بیتو نے ان کو بلا تکلف گردن سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیا تھا۔ کمرے میں اون سے بنا ایک نمدہ بچھا ہوا تھا اور اس سے ایسی بو آ رہی تھی جیسی اس اون کے مالک جانور سے آتی ہوگی۔ سادھنا نے اس پر لیٹنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ وسیم نے کہا۔

''پھر تم کو زمین پر رات گزارنی ہوگی۔''

''اس سے بہتر تو وہ گھاس تھی جس پر ہم رات کو سوتے تھے۔''

''میں وہی گھاس منگوا لیتا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔ واقعی اس نمدے پر لیٹنے کے خیال سے وحشت ہو رہی تھی۔ بیتو جا کر گدھوں سے گھاس اتروا کر لے آیا اور اس نے یہ کام بروقت کیا تھا کیونکہ ولی عہد یہ گھاس اپنے جانوروں کو ڈالنے جا رہا تھا۔ ہم نے اسے فرش پر بچھا لیا۔ گھر اندر سے معقول حد تک گرم تھا اور ہم اپنے لباس میں سکون سے تھے۔ میں نے ولی عہد سے کہا کہ کھانے میں کسی قسم کا گوشت نہ ہو البتہ ہم انڈے اور سبزیاں کھا سکتے ہیں۔ اس نے دانت نکال کر کہا۔

''ہمارے ہاں گوشت نہیں ہوتا ہے۔ سب سبزی کھاتا ہے۔ انڈہ بھی نہیں ہوتا۔''

''مارے گئے۔'' وسیم کراہا۔ ''پتا نہیں یہ لوگ سبزی کے نام پر کیا پکا کر سامنے رکھ دیں۔''

''کھا لیں گے یار جو بھی ہوگا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

اجیت کمار کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس کا ولی عہد بھی غائب تھا۔ اس لیے ہم کسی سے کھانے کا پوچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لیے بھوک بہلانے کو اپنے پاس موجود چیزیں نکال لیں۔ اجیت ایک گھنٹے بعد آیا تھا اور حیرت انگیز طور پر وہ ہمارے لیے کہیں سے مرغ لے آیا تھا۔ مجھے شرمندگی ہوئی میں نے اسے صرف دو سو دیئے تھے اور اس نے ہمارے لیے مرغ کا بندوبست کر لیا تھا۔ مرغ ابھی زندہ تھا اس لیے وسیم کو موقع مل گیا اسے ذبح کرنے کا۔ اس کے بعد اسے گلنے بلکہ ادھ گلنے میں مزید ایک گھنٹہ لگا تھا۔ بہرحال اس کی ادھ گلی بوٹیاں بھی اس سبزی سے بہتر تھیں جو ان لوگوں نے بنائی تھی۔ یہ شاید کوئی مقامی اور مفت میں مل جانے والی سبزی تھی اس لیے سخت بے ذائقہ اور بے مزہ تھی۔ کھانا خاصی دیر سے ملا تھا۔ اس لیے ہم کھاتے ہی سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ دروازے میں کنڈی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس لیے ہم کواڑ بند کر کے اس کے سامنے اپنا ایک بیگ رکھ لیا اور اس کے آگے میں لیٹ گیا۔ اگر کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا تو مجھے لازمی طور پر پتا چل جاتا۔ اس کے بعد سب ہی سو گئے تھے۔ یہاں الاؤ کی ضرورت نہیں تھی اور اجیت کمار نے کمبل وغیرہ بھی نہیں دیئے تھے۔ اس لیے سب خود میں سمٹ کر سو گئے۔ میرا خیال تھا کہ میں پوری طرح ہوشیار ہوں لیکن رات کس وقت امیت خاموشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اندر گھس آیا مجھے بالکل پتا نہیں چلا تھا۔ وہ ہمارا اسلحے والا بیگ ٹٹول رہا تھا۔ اندر رائفل کا لوہا بجا تو میں چوکنا ہو گیا۔ آنکھ کھولی تو امیت میری طرف پشت کیے بیٹھا ہوا بیگ کھول رہا تھا۔ میں نے خاموشی سے اٹھ کر آگے ہوا اور اچانک اسے عقب سے گردن میں ہاتھ ڈال کر دبوچ لیا۔ میری گرفت اتنی سخت تھی کہ وہ مچل کر رہ گیا مگر خود کو چھڑا نہیں سکا تھا۔ اس کی صحت اتنی اچھی نہیں تھی اگر وہ دوگنی صحت کا حامل ہوتا تب بھی خود کو مجھ سے نہیں چھڑا سکتا تھا۔

''یہ کیا کر رہے تھے تم؟'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''چوری کر رہے تھے۔''

اس کی خاموشی اس کے جرم کا اقرار تھی۔ وہ چپ رہا تو میں نے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔ اس کی گردن بھی کمزور سی تھی اور اس جھٹکے نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے اس نے بمشکل کہا۔ ''مجھ کو نہیں مارو میں بتاتا ہوں۔''

''میں چھوڑ رہا ہوں لیکن تمہاری آواز بلند نہ ہو۔ میرے ساتھی سو رہے ہیں یہ جاگ گئے تو تم کو بہت ماریں گے۔''

میں نے اس کی گردن چھوڑی تو وہ اسے مسلتے ہوئے بولا۔ ''تم نے میری گردن توڑ دی۔''

''ابھی کہاں توڑی ہے۔'' میں نے کہا اور بیگ کی کھلی زپ بند کر دی۔ اس کے بعد پستول نکال کر اس کے سینے سے لگا دیا۔ اس کی سانس رک گئی تھی اور صورت سے لگ رہا تھا کہ جیسے اسے دل کا دورہ پڑنے والا ہو۔

''ہاں اب بتاؤ تم یہاں رات کے اس وقت کیا کر رہے تھے؟''

''میں..... میں روپیہ دیکھ رہا تھا لیکن اس میں.....'' اس نے خوف زدہ نظروں سے بیگ کی طرف دیکھا۔ اس نے اسلحہ دیکھ لیا تھا۔ ''تمہارے پاس اتنا ہتھیار کہاں سے آیا۔''

''اس ملک میں اسلحہ کس کے پاس ہوتا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''لیکن تم ادھر کا تو نہیں ہو..... ادھر اسلحہ صرف ماؤ لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔''

''کیا دوسرے ملک سے ماؤ لوگ نہیں آ سکتے ہیں؟''

وہ ڈر گیا تھا۔ ''تم ماؤ ہو۔''

''ہم ماؤ ہیں یا نہیں لیکن یہ بات تمہارے گھر میں بھی کسی کو پتا چلی تو تمہاری خیر نہیں ہو گی۔'' میں نے پستول اس کے سر پر رکھ دیا۔ ''تم کو یہاں گولی ماروں گا۔''

وہ کانپنے لگا اتنا اسلحہ دیکھ لینے کے بعد شک کی گنجائش ہی نہیں تھی کہ ہم دہشت گرد تھے اور ہمارے لیے اسے گولی مارنا کسی مکھی کو مارنے سے بھی زیادہ آسان تھا۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔''

''اب بتاؤ کہ تم رقم کیوں چرا رہے تھے۔''

اس نے بے چارگی سے مجھے دیکھا۔ ''میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''رقم چرا کر؟'' مجھے ہنسی آ گئی تھی۔

''ہاں ہمارے ہاں بیوی روپے سے ملتی ہے۔ یہ گھر اور زمین سب میرے باپ کی ہے اس کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب پیسہ آتا ہے وہ شادی کر لیتا ہے۔"

اب میں تفریح لینے لگا تھا۔ "کتنی شادیاں کر چکا ہے تمہارا باپ؟"

اس نے حساب لگایا۔ "چار..... نہیں پانچ شادیاں کر چکا ہے۔"

میں دنگ رہ گیا تھا۔ "لیکن اس کی تو بس دو بیویاں ہیں۔"

"دو بیچ دیں اور ایک مر گئی۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا۔ "مجھے اب تک ایک بیوی بھی نہیں ملی۔"

"بیوی بیچ دی لیکن کیوں؟"

"اس نے دو پرانا بیوی بیچ کر ایک نیا بیوی لیا۔ اس سے بھی چار بچے ہے۔" امیت کمار نے اپنے باپ کے کرتوت بیان کرتے ہوئے بتایا۔ "اب وہ اپنی بیٹی کو بیچ کر ایک اور شادی کرنے کا سوچ رہا ہے۔"

مجھے وہ لڑکی یاد آئی جسے میں نے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ بہت حسین لڑکی تھی اور اسی وجہ سے اس کا باپ اسے بیچ کر اپنے لیے ایک نئی بیوی لانے کا سوچ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں میں نے اکثر پہاڑی علاقوں میں اس قسم کا رواج پایا ہے اور اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ ہمالیہ کے پہاڑوں پر اسلام، ہندومت اور بدھ مت کے ماننے والے آباد ہیں لیکن میں نے ان تینوں مذاہب کے لوگوں کو یہاں عورتوں کی خرید و فروخت کرتے دیکھا ہے۔ پاکستان میں یہ صورت اس لحاظ سے بہتر ہے کہ کوئی آدمی کسی عورت کو خرید سکتا ہے اسے بیچ نہیں سکتا ہے۔ اگر وہ اسے چھوڑتا ہے تو وہ پھر اپنے باپ یا بھائی کے پاس چلی جاتی ہے۔ یہ رواج گلگت اور بلتستان میں زیادہ ہے کسی حد تک سوات اور دوسرے علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن اس کی نوعیت الگ ہوتی ہے۔ یہاں باپ یا بھائی اپنی بیٹی کی کسی سے شادی کے عوض ایک خاص رقم لیتا ہے اور نکاح کر کے اپنی بہن یا بیٹی کو رخصت کرتا ہے۔ اگرچہ یہ ان کا رواج ہے مگر مجھے یہ عورت کی تذلیل ہی لگتی ہے۔

ان لوگوں میں اس کا رواج اور بھی بدترین تھا یہ خریدی جانے والی عورت کو بس گھر لے آتے تھے اور اس کے ساتھ شادی کی کوئی رسم وغیرہ نہیں کرتے ہیں۔ اس کی حیثیت ایک زر خرید غلام کی سی ہوتی ہے۔ جب ان کا دل بھر جاتا ہے یا اور پیسے آ جاتے ہیں تو وہ عورت کو فروخت کر کے دوسری لے آتے ہیں۔ یہاں اسی سال تک کے لوگ سولہ سترہ سال کی لڑکی خرید لیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس دولت ہوتی ہے۔ تبت جہاں کچھ عرصے پہلے تک مقامی قوانین رائج تھے۔ وہاں ایک عورت کے کئی شوہر بھی ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گھرانہ غریب ہو تو چند بھائی مل کر ایک عورت خرید لیتے ہیں اور وہ سب بھائیوں کی بیوی ہوتی ہے۔ اس سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بڑے بھائی کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔

جب تک تبت میں لاماؤں کا سسٹم نافذ رہا وہاں لوگ بدترین قسم کی مذہبی غلامی میں مبتلا رہے اور ان کی حالت دنیا میں سب سے زیادہ پسماندہ تھی لیکن چین کے قبضے کے بعد یہاں حالات بہتر ہوئے لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر ہوئی تو پرانے رسم و رواج منسوخ کر دیئے گئے اور کثیر ازدواجی پر پابندی لگا دی گئی۔ اسی طرح عورتوں کو آزادی ملی ہے اور ان کی خرید و فروخت اب جرم ہے۔

لیکن نیپال میں دیہی علاقوں میں یہ رسم و رواج ابھی بھی موجود ہیں۔ میں نے خود اس کا مشاہدہ کر لیا تھا۔

میں نے امیت سے کہا۔ "تمہارا باپ تمہاری شادی کیوں نہیں کراتا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمارے ہاں جوان ہو جانے والے لڑکے کی ذمے داری باپ پر نہیں ہوتی ہے۔'' اس نے مسمسی سی صورت بنا کر کہا۔

''وہ خیر کہیں بھی نہیں ہوتی ہے لیکن بیٹے کی شادی تو باپ کراتے ہیں۔''

''ہمارے ہاں باپ خود شادی کرتا بیٹے کی نہیں کراتا۔''

''خوب تو اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے کیا میں تمہارے باپ کو بتاؤں کہ تم نے ہمارے سامان سے چوری کرنے کی کوشش کی اور پکڑے گئے۔''

''نہیں۔'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔ ''اگر یہ بات میرے باپ کو پتا چل گئی تو وہ مجھے فوراً گھر سے نکال دے گا۔''

''کیوں تم اس کے بیٹے نہیں ہو؟''

وہ ہچکچایا پھر بولا۔ ''میرا باپ سمجھتا ہے کہ میں اس کی دوسری بیوی پر نظر رکھتا ہوں۔''

''اس الزام میں کتنی سچائی ہے؟''

''تھوڑی سی بھی نہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا لیکن اس کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ کوئی چکر تھا ضرور۔ مگر مجھے ان کے گھر سے کیا غرض ہو سکتی تھی۔ میں تو اس بات پر غور کر رہا تھا کہ اس سے کس طرح فائدہ اٹھاؤں۔ وہ رحم طلب نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اگر میرے پاس پستول اور اتنا اسلحہ نہ ہوتا تو وہ اس طرح بھیگی بلی بنا نہ بیٹھا ہوتا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا میں خود بھی اسے سزا دے سکتا تھا۔ ہمیں اس ملک میں کہیں آنے جانے کے لیے کسی مقامی آدمی کی مدد کی ضرورت تھی۔ اس کے ہوتے ہوئے ہم بہت سے غیر ضروری خطرات مول لینے سے بچ سکتے تھے۔ میں نے امید سے پوچھا۔

''کیا تم اپنے گاؤں سے باہر جاتے رہے ہو؟''

اس نے سمجھے بغیر سر ہلا دیا۔ ''ہاں کئی جگہ جا چکا ہوں۔''

''مثلاً کہاں کہاں؟''

آس پاس کے سارے علاقے میں جا چکا ہوں ایک بار کھٹمنڈو بھی گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''ہمیں کھٹمنڈو جانا ہے کیا تم ہمیں وہاں لے جا سکتے ہو؟''

''میں۔'' وہ بدکا۔ ''میں کیسے لے جا سکتا ہوں۔''

''تم بتا چکے ہو کہ تم کھٹمنڈو جا سکتے ہو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں چوری والی بات تمہارے باپ کو نہ بتاؤں تو تمہیں ہم کو کھٹمنڈو لے جانا ہوگا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو وہ بے بسی سے مجھے دیکھ کر رہ گیا۔

''میرا باپ نہیں جانے دے گا۔'' اس نے بہانہ تراشنے کی کوشش کی۔

''اس کی فکر مت کرو اسے ہم راضی کر سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''پھر تم کو مفت میں نہیں لے جا رہے تم کو اس کا معاوضہ ملے گا۔''

''تم کیا دو گے؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''جتنے تمہارے باپ کو دیئے ہیں۔ اتنے ہی تم کو بھی دوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''اتنا تو آنے جانے کا کرایہ بن جائے گا۔''

''اس کی فکر بھی مت کرو۔ معاوضے کے علاوہ آنے جانے اور راستے میں کھانا پینا بھی ہمارے ذمے ہوگا۔''

''مجھے منظور ہے لیکن میرے باپ کو اس رقم کا مت بتانا جو تم مجھے دو گے۔''

وہ اچھا خاصا پینتیس چھتیس برس کا آدمی تھا لیکن ابھی تک اپنے باپ کے در پر پڑا ہوا تھا۔ شاید وہ محنت کا عادی نہیں تھا یا اس میں ہمت کی کمی تھی یا پھر وہ کچھ کیے بغیر سب حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ باپ مر جاتا تو یہ مکان اور ساری زمین اور اپنی بہنیں بھی اس کی ملکیت بن جاتیں اور وہ ان کو کیش کرا سکتا تھا۔ سوتیلی مائیں بھی اس کی ملکیت شمار ہوتیں اور وہ ان کو بیچ کر دام کھرے کر سکتا تھا۔ اس وقت کے انتظار میں وہ صبر کے ساتھ باپ کا برا سلوک برداشت کر رہا تھا۔ میں نے اس کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔

''ٹھیک ہے یہ بات میں تمہارے باپ سے نہیں کہوں گا۔'' میں نے احسان جتاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اب جیسا میں کہوں ویسا ہی کرنا۔''

''جیسا تم کہو گے میں ویسا ہی کروں گا۔'' اس نے حلف اٹھانے کے انداز میں کہا۔

''شاباش اب تم جاؤ تاکہ ہم سو سکیں۔''

وہ اجازت ملتے ہی پھرتی سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وسیم نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

''آپ نے اسے اچھی طرح پکڑ لیا ہے۔''

''ہاں ایک گدھا اور درکار تھا وہ اس کی صورت میں مل گیا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور دروازہ بھیڑ کر اپنی جگہ دراز ہو گیا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو وہ سب غائب تھے اور ساتھ میں ہی ہمارا سامان بھی غائب تھا۔ میں بوکھلا کر اٹھا تھا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ کسی نے رات کو میرے ساتھیوں کو سامان سمیت غائب کر دیا تھا۔ میں باہر نکلا تو سامنے اجیت کی ایک چھوٹی لڑکی دکھائی دی۔

''اجیت کہاں ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا تو وہ منہ کھول کر مجھے دیکھتی رہ گئی تھی۔ میں نے مکان کے اندر والے حصے کا رخ کیا تو وہاں موجود خواتین میں کچھ ایسی کھلبلی مچی جیسے بھیڑوں کے درمیان شیر آ گیا ہو۔ اجیت وہاں بھی نہیں تھا۔ بلکہ گھر میں نہ تو میرے ساتھی تھے اور نہ ہی سامان، پھر ان میں سے ایک لڑکا سمجھ گیا اس نے آگے آ کر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مکان سے باہر لے گیا۔ جہاں میرے تمام ساتھی ایک چٹان پر تشریف فرما دم بخود سے مشرق سے برآمد ہونے والے سورج کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے پاس کھڑا اجیت یوں خوش ہو رہا تھا جیسے منظر کی تخلیق میں اس کا بھی کچھ حصہ ہو۔ میں ان کو پاس چٹان پر جا بیٹھا۔ اور خفگی سے بولا

''یہ کیا حرکت تھی سب کے سب باجماعت غائب ہو گئے اور سامان بھی لے گئے۔''

''آپ سمجھے کہ ہمیں کسی نے غائب کر دیا ہے۔'' وسیم ہنسا۔

''میرے خدا کیا منظر ہے۔'' سادھنا نے سحر زدہ سے لہجے میں کہا۔

اوپر سورج طلوع ہونے سے پہاڑ سفید سے سنہری رنگ اختیار کر گئے تھے۔ اس سے نیچے جنگل سبز رنگ میں تھے اور بالکل ڈھلان پر ابھی تاریکی تھی۔ مکان سے اجیت کا ایک بچہ نکلا تھا اور ہمارے لیے قہوہ لے کر آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چٹان پوری طرح دھوپ میں تھی اس کے باوجود بلا کی سردی تھی۔ گرم کپڑوں کے باوجود ہم سب کانپ رہے تھے۔ جب کہ اجیت عام سے کپڑوں میں اور پیروں میں چپل پہنے موسم سے بے نیاز کھڑا تھا۔ اس نے اشارے سے بتایا کہ کچھ دیر میں ناشتہ آنے والا ہے۔ اس دوران میں ہم نے جو کرنا ہے کرلیں۔ اس لیے میں نے جو کرنے کے ارادے سے نزدیکی جھاڑیوں کا رخ کیا۔ وہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا جو دیگر مقاصد کے لیے تو کارآمد تھا لیکن جب میں نے اس سے کام لیا تو اس کے پانی نے بنا کسی مروت کے مجھے کاٹ لیا تھا۔ میں نے فی الفور منہ دھونے کا ارادہ ترک کردیا اور صرف کلی کر کے واپس آ گیا۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ وہ سب بھی صرف پانی چھو کر آئے تھے۔

''اتنا ٹھنڈا پانی۔'' بیتو بولا۔

''تمہارے علاقے میں بھی ایسا ہی پانی ہوتا ہے۔'' وسیم نے اسے یاد دلایا۔ بیتو نے دانت نکالے۔

''ہم اس پانی کے بارے میں بھی یہی کہتا ہے۔ سردی میں ہمارا ماں ہم کو مار مار کر نہلاتا تھا۔'' بیتو کہتے کہتے چپ ہو گیا اور اس کے چہرے پر غم کے بادل چھا گئے تھے۔ اسے اپنے گھر والے یاد آ گئے تھے جو سرکاری دہشت گردی کی نذر ہو گئے تھے۔ سادھنا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک گیا تھا۔ اس نے جلدی سے مسکرا کر اپنی آنکھیں صاف کیں۔ عجیب بات تھی کہ بیتو اتنے عرصے سے ہمارے ساتھ تھا اور ہم نے اس سے اس کے گھر والوں کے بارے میں کبھی نہیں پوچھا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''بیتو تم نے آج تک ہمیں اپنے گھر والوں کے بارے میں نہیں بتایا؟''

''آپ نے پوچھا ہی نہیں۔''

میں شرمندہ ہو گیا تھا۔ ''واقعی یہ میری کوتاہی ہے۔ اب پوچھ رہا ہوں ان کے بارے میں بتاؤ۔''

بیتو جیسے ماضی میں چلا گیا تھا۔ ''ہمارا ماں باپ اور دو بھائی تھا۔ ہم سے چھوٹا اور دو بہن تھا۔ وہ ہم سے بڑا تھا۔ ایک کا شادی ہو گیا تھا اور دوسرا ابھی بغیر شادی کے تھا۔ شادی والا بہن تو ہمارے سامنے مارا گیا۔ بغیر شادی والا بہن ماں باپ کے ساتھ تھا۔ ان کا کچھ نہیں معلوم ہوا تھا۔''

''ممکن ہے وہ بچ گئے ہوں۔'' سادھنا نے اسے تسلی دی۔

''نہیں دیدی اگر وہ بچ گئے ہوتے تو وادی تک آ جاتے۔''

''اس سارے علاقے پر بھارتی فوج قابض ہو گئی تھی اس لیے ممکن ہے وہ جان بچانے کے لیے کہیں اور نکل گئے ہوں۔'' میں نے کہا۔

''شاید لیکن ہم کو امید نہیں ہے۔'' بیتو نے مایوسی سے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے میرے گھر والوں میں سے کوئی اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔'' وسیم نے اسے سمجھایا۔

''میں خود کو جھوٹا بہلاوا نہیں دے سکتا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اگر میرے گھر والے بچ گئے ہیں اور ان سے ملنا میرا مقدر ہے تو وہ مجھے ضرور ملیں گے۔''

ابھی ہم بات کر رہے تھے کہ اندر سے اجیت کے بچے ناشتے سمیت نکلنے لگے تھے۔ انہوں نے تھال اٹھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھے تھے۔ رات کے کھانے کی طرح ناشتہ بھی پُرتکلف تھا۔ انڈے اور پراٹھوں کے ساتھ مکھن اور شہد تھا۔ اجیت صرف دو سو روپے میں ہماری بہت اچھی میزبانی کر رہا تھا۔ ہم نے بہت عرصے بعد گھر کا کھانا اور ناشتہ کھایا تھا۔ ناشتہ اسی چٹان پر کیا تھا۔ جو دھوپ سے کسی قدر گرم ہو گئی تھی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کسی قدر کم سرد ہو گئی تھی۔ ناشتے کے بعد ایک بار پھر گرم قہوہ آیا۔ ان علاقوں میں شاید چائے کا رواج نہیں تھا ورنہ قہوہ چائے سے مہنگا ہی ہوتا ہے۔

اس کے بعد ہم نے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اجیت نے امیت کے توسط سے کہا کہ وہ ہمیں کسی نزدیکی شہر تک پہنچائے گا جس کا نام شاید مزدنگ یا اسی قسم کا تھا۔ اب میرے ذہن سے نکل گیا ہے۔ امیت نے ہمیں کھٹمنڈو تک پہنچانا تھا لیکن یہ بات اجیت کو نہیں بتائی تھی۔ ایک بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی کہ ہم گدھوں کا کیا کریں۔ کیونکہ میرے حساب سے تو ہمیں بس سے یا کسی اور مشینی ذریعے سے سفر کرنا تھا۔ اس میں گدھے بے کار تھے۔ میں نے امیت سے پوچھا۔

''ہم پیدل سفر کریں گے کیونکہ بس میں سفر کے دوران پولیس والے کئی جگہ تلاشی لیتے ہیں اور تمہارے پاس خطرناک سامان ہے۔'' اس نے باپ کی موجودگی میں اسلحے کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

''لیکن کھٹمنڈو یہاں سے دور نہیں ہے؟''

اجیت کھٹمنڈو کے ذکر پر چونکا اور اس نے امیت سے پوچھا۔ امیت نے اسے جواب دیا اور ہم سے بولا۔

''میرے باپ کے سامنے محتاط رہو، اسے شک ہو گیا تو یہ ہمیں نہیں جانے دے گا۔ میں نے اس سے کہا ہے کہ آگے تم لوگ بس سے کھٹمنڈو جاؤ گے۔''

''تم نے بکواس تو کی ہے لیکن میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ غالباً مروجہ طریقوں سے راستہ بتانا اسے بھی نہیں آتا تھا۔ اس نے جواب دیا۔

''اگر ہم ابھی چل پڑیں اور آج سارا دن سفر کریں اور کل بھی سارا دن سفر کریں تو کل شام کو وہاں پہنچ جائیں گے۔''

''بس تو پھر چلو۔'' میں نے کہا۔ میں نے اجیت کو رات سو روپے دیئے تھے اور اسے مزید اتنی ہی رقم اور دینی تھی لیکن جب میں نے اسے مزید پانچ سو روپے اور دیئے تو وہ بہت ہی خوش ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ چالاک نہیں تھا ورنہ ہم سے اس سے کہیں زیادہ رقم کھینچ سکتا تھا۔ اس نے راستے کے لیے ہم کو مکئی کی روٹی دی اور ساتھ میں مکھن بھی تھا۔ اس کے مقابلے میں اس کا بیٹا بہت چالاک تھا اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں نے اس کے باپ کو طے شدہ معاوضے سے تین گنا زیادہ دیا تھا۔ اس نے لجائے انداز میں کہا۔

''تم نے کہا تھا کہ تم جتنا میرے باپ کو دو گے مجھے بھی اتنا ہی دو گے۔''

''ہاں تم کو بھی اتنا ہی ملے گا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن یاد رکھنا ہماری حفاظت کی ذمے داری تم پر ہو گی۔ یعنی ہم اپنی حفاظت کے لیے کہیں ہتھیار نکالنے پر مجبور نہ ہوں۔ اس لیے ہمیں ایسے راستوں سے لے کر چلنا جہاں پولیس سے ٹکراؤ کا امکان کم ہو۔''

''ساتھ ہی ہم جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔'' وسیم نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ بے فکر رہو۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ہم روانہ ہوئے تو اجیت ہم کو سڑک تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں اس کے جانے کے بعد امیت نے نفرت سے کہا۔ ''اس کے پاس تیسری بیوی کے لیے رقم کچھ کم تھی۔ میرا خیال ہے جب تک میں واپس آؤں گا یہ تیسری بیوی لا چکا ہوگا۔''

''تو تمہیں اس میں جلنے کی ضرورت نہیں ہے یہ ساری خرید و فروخت وہ اپنی کمائی سے کر رہا ہے۔'' وسیم نے اسے گھرکا۔ ''اس کی جگہ تم ہوتے تو تم کیا کرتے؟''

وسیم کے سوال پر وہ کھسیا گیا تھا۔ سادھنا نے غصے سے اسے دیکھا۔ ''تم لوگوں کو شرم آنی چاہیے۔''

اس نے سادگی سے کہا۔ ''اس میں شرم کی کیا بات ہے؟''

''بے کار ہے۔'' میں نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ ''ان کے نزدیک یہ معیوب بات نہیں ہے۔ یہ ان کا صدیوں پرانا رواج ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔''

''ہمارے ہاں بھی کم برا رواج نہیں ہے لڑکی دو اور پھر جہیز بھی دو۔''

''اب تو جہیز نکاح کی طرح ضروری ہو گیا ہے۔ لڑکے والے منہ پھاڑ کر مانگتے ہیں۔''

کچھ دیر تو ہم سڑک پر سفر کرتے رہے تھے۔ اس کے بعد امیت ہمیں لے کر ایک کچے راستے پر اتر گیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا تم کو علم ہے کہ یہ راستہ کہاں جاتا ہے؟''

''بالکل یہ ایک چھوٹا راستہ ہے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''اس سے ہو کر ہم کھٹمنڈو جانے والی سڑک پر پہنچ سکتے ہیں۔''

''ایک بات کا اور خیال رکھنا کہ ہمیں رات کسی جگہ رکنا ہوگا اس لیے یہ سوچ کر سفر کرنا۔ رات سے پہلے پہلے ہمارا کسی آبادی تک پہنچ جانا لازمی ہے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔

''آپ فکر مت کرو۔'' اس نے کہا۔ ''راستے میں ایک سرائے آئے گی وہاں ہم رک سکتے ہیں۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ تم صرف ایک بار کھٹمنڈو گئے ہو تو تم کو یہ سب یاد ہے؟'' وسیم بولا۔

امیت نے دانت نکالے۔ ''ہاں نا..... ابھی دو مہینے پہلے تو گیا تھا۔''

''تم ایک عام سے آدمی ہو اور نیپال کے شہری ہو تو تم کو سیدھا راستہ چھوڑ کر اس طرح جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔'' بیتو نے نکتہ اٹھایا۔

''وہ ہم کام سے گیا تھا۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا اور جلدی سے آگے نکل گیا تھا۔ وسیم نے میری طرف دیکھا تھا۔

''شہباز صاحب دال میں کچھ کالا ہے۔''

''مجھے بھی لگ رہا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔

''کہیں یہ ہم کو دھوکا نہ دے۔'' بیتو بولا۔

''اگر اس نے ایسی کوئی حرکت تو خود بھی مارا جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''اگر اس نے ہمیں پولیس کے حوالے کر دیا تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟'' وسیم نے سوال کیا تو اس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ واقعی اگر وہ کوئی ایسی حرکت کر جاتا تو ہم سانپ نکل جانے کے بعد لکیر بھی نہیں پیٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے تھے۔ اس لیے ہمارا محتاط رہنا ضروری تھا۔ بیتو نے کہا۔

''یہ جو کہا کرے اس کی تصدیق کرنا چاہیے کسی دوسرے سے۔''

''اور اسے نظروں سے دور نہیں جانے دینا۔'' وسیم بولا۔

''قصہ مختصر اس پر پوری نظر رکھو اور بیتو تم ذرا اس سے گپ شپ کرو اور اسے کچھ ایسے قصے سناؤ جن میں ہم نے خود سے دھوکا کرنے والے غداروں کے ساتھ عبرت ناک سلوک کیا تھا۔''

بیتو خوش ہو گیا۔ ''آپ فکر مت کرو ہم اس کی جان نکال دے گا۔''

''اتنی ضرور رکھنا کہ یہ ہمیں کھٹمنڈو تک پہنچا دے۔'' وسیم نے کہا۔

اس کچے راستے پر ہم سارا دن ہی سفر کرتے رہے تھے اگرچہ یہ باقاعدہ راستہ تھا اگرچہ یہ ان راستوں جیسا خطرناک نہیں تھا جن پر ہم کل تک سفر کرتے رہے تھے لیکن پھر بھی یہ سڑک کے مقابلے میں مشکل ضرور تھا۔ سہ پہر کے قریب ہم ایک بڑی سڑک تک پہنچنے میں کامیاب رہے تھے۔ امیت نے اعلان کیا۔

''یہ سڑک سیدھا کھٹمنڈو جاتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے اس پر پولیس ناکے ہوں گے؟'' میں نے پوچھا

امیت نے سر ہلایا۔ ''بالکل ہیں۔''

''ہمارے پاس ان کو دکھانے کے لیے کوئی کاغذ نہیں ہے۔''

امیت نے تشویش سے کہا۔ ''تب تو مشکل ہو گا۔''

''تم ایسے راستے نہیں اختیار کر سکتے جن سے پولیس نہ ملے۔''

''ایسا راستہ ہے تو لیکن اس سے بہت دن لگ جائے گا اور پھر کچھ جگہ ایسا ہے جہاں گزرنا پڑے گا۔ وہ راستہ جو دریا پر سے گزرتا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے پل؟''

''وہی وہی۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''دو جگہ ایسا کرنا پڑے گا۔''

امیت کی بات تشویش ناک تھی۔ ہم نے رک کر ایک جگہ چھوٹی سی میٹنگ کی اور اس میں سادھنا نے تجویز پیش کی کہ ہم کو مقامی لوگوں جیسا حلیہ بنا کر سفر کرنا چاہیے۔ اب سوال یہ تھا کہ مقامی لباس کہاں سے ملے گا۔ اس کے لیے امیت سے مشورہ کیا گیا۔ اس نے کہا۔

''لباس تو آگے بہت مل جائے گا۔ ادھر گاؤں میں مقامی طور پر سارا کپڑا بنتا ہے۔''

''بس تو تم نے کسی ایسی جگہ سے ہم کو مقامی لباس دلوانا ہے۔'' میں نے کہا۔ ہم آگے چل پڑے۔ ایک گھنٹے بعد امیت نے ہمیں ایک گاؤں کے کنارے روکا اور خود سڑک سے اتر کر غائب ہو گیا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا تو وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔ دونوں کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ امیت اس طرح پیچھا کیے جانے پر کچھ ناراض تھا اس نے منہ پھلا کر کہا۔

''ادھر کپڑا ہے لیکن تم لوگوں کو جانا ہو گا۔''

ہم سڑک سے اتر کر اس گاؤں تک آئے۔ یہ خاصا بڑا گاؤں تھا اور اس کے وسط میں ایک بازار تھا۔ وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کپڑوں کی دکان تھی۔ دکان میں زنانہ اور مردانہ ہر قسم کے کپڑے تھے۔ ان میں پاجامے نما ٹراؤزر اور صدری نما اونی کرتے تھے۔ ہم نے کپڑے لیے۔ ادائیگی کی اور وہاں سے روانہ ہو گئے ایک ہوٹل سے بیتو نے کھانے کا سامان لے لیا تھا۔ وہاں کھانا صحیح مل رہا تھا۔ بیتو نے کہا۔ ''میں نے سوچ کر لے لیا کہ آگے پتا نہیں کیا ملے۔''

''تم نے اچھا کیا۔''

وہ فرائی مچھلی اور کلچے نما نان لایا تھا۔ ساتھ میں پکوڑے تھے اور مقامی اچار بھی تھا۔ امیت نے دبی زبان میں رات یہاں رکنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے اس سے کہا کہ ابھی ہم نے کم سے کم چار گھنٹے مزید سفر کرنا ہے اس کے بعد ہی کہیں رکنا ہوگا۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔

''اگر اس جگہ کوئی سرائے نہ ملا تو؟''

میں نے اسے گھورا۔ ''تو ہم اس جگہ سے آگے جو سرائے ملے گی وہاں رکیں گے سمجھے؟''

''جی صاحب سمجھ گیا۔''

ہم گاؤں سے نکل کر آگے آئے اور ایک ویران جگہ پر جھاڑیوں میں جا کر کپڑے بدلے تھے۔ یہ لباس بھی آرام دہ اور گرم تھا۔ اپنے اتارے کپڑے ہم نے بیگوں میں ڈال دیئے۔ دو عدد چادریں بھی لی تھیں۔ ان میں بیگ لپیٹ کر باندھ دیئے۔ اب ہم ہر لحاظ سے مقامی نظر آ رہے تھے۔ اگرچہ خدوخال میں فرق تھا مگر کھڑے نقوش والے نیپال میں بھی عام ہوتے ہیں اسی طرح وہاں پستہ قد اور کمزور جسامت کے لوگوں کے ساتھ طویل قامت اور مضبوط جسم والے بھی نظر آتے تھے۔ بس ایک مسئلہ تھا کہ ہم نیپال کی زبان نہیں بول سکتے تھے۔ میں نے امیت سے اس مسئلے کا حل پوچھا تو اس نے کہا۔

''تم لوگ جنوبی نیپال والے بن جاؤ۔ یہ بھارت کی سرحد کے پاس رہتے ہیں اور ان کی شکل وصورت اور زبان بھارت والوں سے ملتی ہے۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔ اب یہ بتاؤ کہ کھٹمنڈو میں کوئی مندر ہے جس کی زیارت کو جایا جا سکے۔''

اس نے دو تین مندروں کے نام بتائے۔ میں نے کہا۔ ''جب پوچھا جائے تو کہہ دینا کہ ہم اشوکا کے مندر کی زیارت کرنے جا رہے ہیں۔ میرا نام چاند کمار اور یہ سورج کمار ہے۔'' میں نے وسیم کی طرف اشارہ کیا۔

''ہم اور دیدی؟'' بیتو نے سوال کیا۔

''تم دونوں کے اصل نام ہیں نا۔'' میں نے کہا۔

سادھنا ہنسی۔ ''سورج کمار.....'' اس نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''ذرہ نوازی ہے تمہاری۔'' وہ مسکرایا۔ ''اور ان کا کرم ہے جو مجھ ذرے کو آفتاب بنایا۔''

میں اس کی برمحل بات پر حیران ہوا تھا میرا خیال تھا کہ وسیم کو شاعری اور ادب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوگا لیکن اس کا جملہ بتا رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا۔ ہم آگے روانہ ہو گئے۔ اب سڑک کا سفر تھا اور اس لیے بہت تیزی سے کٹ رہا تھا کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا اور کچھ فالتو چیزیں ہم نے راستے میں چھوڑ دی تھیں۔ اس لیے اب وزن کم تھا اس لیے دونوں بیگز ایک ہی گدھے پر لاد دیئے گئے تھے۔ دوسرے پر سادھنا سوار تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی حسب معمول تاریکی بہت تیزی سے چھائی تھی لیکن اندھیرا ہونے کے ایک گھنٹے بعد ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم ایک سرائے تک پہنچ گئے تھے۔ سرائے کیا یہ اچھا خاصا ہوٹل تھا۔ جو مٹی اور لکڑی سے تعمیر کیا گیا تھا۔ ہم نے دو کمرے لیے تھے۔ ایک میں بیتو اور سادھنا رک جاتے۔ دوسرے میں ہم تین سما جاتے۔ کمرے بھی اچھے اور صاف ستھرے تھے۔ اندر انگیٹھیاں جلا دی گئی تھیں۔ کیونکہ کھانا ہم ساتھ لائے تھے اس لیے وہی کھایا۔ پھر چائے نکوائی اور اس کے بعد سونے کے لیے لیٹ گئے۔ میں نے امیت سے کہا۔

''تم غیر ضروری طور پر باہر نہیں جاؤ گے۔''

''بلکہ جب تک ہم اجازت نہ دیں تم باہر نہیں جاؤ گے۔'' وسیم بولا۔

وہ چونکا۔ ''میں سمجھا نہیں صاحب۔''

''دیکھو تم باہر جاؤ گے تو لوگ تم سے ملیں گے اور بلاوجہ تم سے ہمارے بارے میں سوال کریں گے۔ تم بولو گے تو جھوٹ بولو گے اور جھوٹ پکڑا جاتا ہے۔ پکڑنے والے ہمیں نہیں چھوڑیں گے اور ہمارے ساتھ تمہیں بھی مرنا پڑے گا۔''

میں نے وسیم کی تائید کی۔ ''جب کہ تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔''

''ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تمہاری کم سے کم ایک شادی ہو جائے۔''

''اس کے لیے تمہارا زندہ رہنا بہت ضروری ہے۔''

''اس لیے باہر جانے سے گریز کرو۔'' وسیم نے پستول نکال کر اسے ہوا میں اچھالا اور کیچ کر لیا۔ ''اب سمجھ گئے۔''

امیت نے تھوک نگلا۔ ''بالکل سمجھ گیا۔''

''بس تو آنکھیں بند کر کے سو جاؤ۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمرے میں دو بیڈ تھے۔ فرش پر ایک دری نما لیکن صاف قالین تھا ہمیں دو ہلکے کمبل ملے تھے۔ انگیٹھی کی وجہ سے یہ کافی تھے۔ امیت کو ہم نے چادر دے دی تھی۔ احتیاط کے طور پر ہتھیار والا بیگ ہم نے سادھنا والے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔ سرائے میں کمرے دینے والا ایک بھارتی تھا اور اس نے ہم وطن سمجھ کر نہ تو ہم سے کاغذات مانگے تھے اور ہمیں سب سے اچھے کمرے دیئے تھے۔ جن میں ہم نے سکون سے رات گزاری تھی۔ نومبر کا پہلا ہفتہ تھا اور راتیں بہت لمبی ہو گئی تھیں۔ اس لیے ہمیں سونے کے لیے بہت وقت ملا تھا۔

گزشتہ دو ہفتے جس طرح گزرے تھے اس کے بعد کم سے کم رات کا مکمل آرام بہت ضرور تھا تاکہ ہم کسی نئے ایڈونچر کے لیے جسمانی طور پر تیار ہوں۔ صبح اٹھے تو بے چارہ امیت شکل بنا کر بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے؟''

اس نے خاص اشارہ کیا۔ اس کمرے کے ساتھ باتھ روم نہیں تھے بلکہ باہر تھے۔ میں اس کے ساتھ باہر آیا اور جب وہ اندر گیا تو میں نے سادھنا کے کمرے کا دروازہ بجایا۔ کچھ دیر بعد بیتو آنکھیں ملتا نمودار ہوا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ ''شوبی بھائی کتنے دن بعد صحیح سے سویا۔''

''لیکن اب اٹھ جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''ناشتے کرتے ہی روانہ ہونا ہے۔''

ضروریات سے فارغ ہونے کے دوران میں نے نیچے جا کر ناشتے کا کہہ دیا اور ایک گھنٹے بعد ہم ناشتہ کر کے سرائے سے روانہ ہوئے تھے۔ ہمارے گدھوں نے بھی کئی دن بعد سکون سے رات گزاری تھی۔ ان کو اچھا چارہ وغیرہ دے دیا گیا تھا۔ اس لیے وہ بھی خوش تھے۔ اب سفر بھی دشوار نہیں تھا۔ مگر صرف گدھوں کی حد تک۔ کیونکہ ہمارے لیے سفر کا ایک اور خطرناک مرحلہ شروع ہو گیا تھا۔ اب ہمیں پولیس سے واسطہ پڑنے والا تھا۔ ہمارے پاس خطرناک بور کا اسلحہ تھا اور ہم پکڑے جاتے تو یقیناً دہشت گرد شمار ہوتے لیکن اس مرحلے سے گزرے بغیر ہم گھنٹنڈو جا بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم نے اسلحہ بانٹ لیا تھا۔ اب یہ دو بیگز میں تھا۔ ایک پستول میرے پاس تھا اور دوسرا وسیم کے پاس تھا لیکن ہم نے رائفلیں بھی ایسے رکھی تھیں کہ ضرورت پڑنے پر ہم ان کو ایک منٹ میں نکال سکتے تھے۔ فتح خان سے حاصل ہونے والی بارودی سرنگ ہم نے غار کے پاس چھوڑ دی تھی۔ وہ ہمارے لیے بیکار تھی حالانکہ اسی کی وجہ سے ہم فتح خان کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اسی طرح کچھ دستی بم تھے۔ وہ بھی ہم نے نہیں رکھے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سڑک پر ٹریفک جاری تھا اور اس میں عام گاڑیوں سے لے کر بھاری ٹرک تک شامل تھے۔ جو کھٹمنڈو کی طرف رواں دواں تھے۔ ایک بار مجھے خیال آیا کہ ہم کسی ٹرک والے کی خدمات حاصل کریں اور اس میں چھپ کر کھٹمنڈو پہنچ جائیں لیکن اس میں بہت خطرہ تھا ممکن ہے ہم جس ٹرک والے پر بھروسہ کرتے وہی مروا دیتا اس لیے یہ خیال میں نے دل سے نکال دیا۔ ہم جس طرح سفر کر رہے تھے یہی طریقہ بہتر تھا اور اگر کہیں چیکنگ کا موقع آتا تو ہم سکہ رائج الوقت بھی استعمال کر سکتے تھے۔ اس خطے کے ممالک میں رشوت خوری عام ہے اور اب تو اسے برائی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ کم سے کم وطنِ عزیز کی حد تک تو یہ چلن عام ہو چکا ہے۔

ہمارے پاس دو گدھے تھے ایک پر سامان تھا اور دوسرے پر سادھنا مجھے خیال آیا کہ دونوں گدھوں پر کسی کو ہونا چاہیے تھا۔ میں نے وسیم سے بات کی تو اس نے اتفاق کیا۔ ''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں خالی سامان بلا وجہ توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔''

ہم نے یہ کیا کہ ایک بیگ کو دوسرے گدھے پر منتقل کیا اور اس پر بیتو کو سوار کر دیا۔ اس نے احتجاج کیا۔ ''ہم چل سکتا ہے۔''

''تم بیمار ہو۔'' میں نے کہا۔ ''اور ہم تم کو اشوکا کے مندر لے جا رہے ہیں تا کہ تم کو وہاں بھگوان کے حضور پیش کریں۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''وہ تم کو شفا دے ورنہ اپنے پاس بلا لے۔''

''کیا کہتا ہے وسیم بھائی۔'' بیتو بدک گیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم بیمار ہو اور اگر کوئی پوچھے تو یہ کہنا ہے کہ ہم تم کو کھٹمنڈو لے جا رہے ہیں۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''ذرا ایسے بیمار بننا کہ کوئی گدھے کے سامان کی تلاشی نہ لے۔''

''ہم سمجھ گیا۔'' بیتو نے سر ہلایا۔

اب ایک گدھے پر سادھنا تھی اور دوسرے پر بیتو، دونوں پر بیگز تھے جو چادروں میں لپٹے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہم نے بیتو کو سمجھا دیا تھا کہ ایسی کسی صورتِ حال میں جب کہ ہم میں سے کوئی فائر کرے اسے رائفل نکال کر حرکت میں آ جانا تھا۔ سادھنا کے لیے یہ ہدایت تھی کہ اسے رائفل نکال کر پہلے قریب موجود ہم میں سے کسی کے حوالے کرنا تھی اور اس کے بعد اپنے لیے رائفل نکالنا تھی۔ سادھنا نے اپنے بال پیچھے کر کے باندھ لیے تھے اور کئی دن سے منہ ہاتھ نہ دھونے کی وجہ سے وہ کچھ میلی لگ رہی تھی۔ امیت یہ سب غور سے دیکھ رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔

''اگر راستے میں پولیس نے روکا تو؟''

''ہم رک جائیں گے۔''

''اور اگر اس نے تلاشی دینے کو کہا۔''

''تو ہم بالکل نہیں دیں گے۔'' وسیم بولا۔ ''اس کے بجائے ان کو گولی دیں گے۔''

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''گولی.....'' اس نے مردہ لہجے میں کہا۔ ''پھر تو پولیس بھی گولی مارے گی۔''

''لازمی بات ہے اس لیے تمہاری کوشش ہونی چاہیے کہ پولیس تلاشی نہ لے اور ہم کو ایسے ہی جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے۔'' میں نے کہا۔

''یہ ہم کدھر پھنس گیا۔'' وہ فریادی لہجے میں بولا۔ ''تمہارا ساتھ دیتا تو پولیس کا گولی لگتا۔''

''اور پولیس کا ساتھ دیا تو ہمارا گولی لگے گا۔'' وسیم بولا۔ ''ہمارا گولی یقینی ہے اس لیے ہمارا ساتھ دو۔''

وہ سمجھ رہا تھا کہ ہم سکہ بند دہشت گرد تھے اور کھٹمنڈو تک پہنچ کر اس کی جان چھوڑ دیں گے لیکن یہاں تو کھٹمنڈو تک پہنچنا ہی بہت دشوار لگ رہا تھا۔ اب تو وہ پھنس گیا تھا۔ ہمیں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا تھا۔ طوعاً کرہاً وہ ہمارے ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔ جلد ہی پہلی آزمائش سامنے آ گئی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی پولیس چوکی تھی۔ جس پر دو اونگھتے سپاہی آتی جاتی گاڑیوں کو لاتعلقی سے دیکھ رہے تھے۔ ہمارے سامنے انہوں نے کسی کو رکنے کا اشارہ نہیں کیا اس لیے ہم بھی اطمینان سے گزرنے لگے تھے لیکن جیسے ہی ایک پولیس والے کی نظر ہم پر پڑی اس نے کڑک کر کچھ کہا۔ امیت نے میری طرف دیکھا۔ میں نے پوچھا۔

''یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''یہ رکنے کو کہہ رہے ہیں۔''

ہم رک گئے۔ پولیس والا اٹھ کر آگے آیا اور اس نے ہمارا معائنہ کیا۔ سب سے تفصیل سے اس نے سادھنا کا جائزہ لیا تھا۔ پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوا اور کڑک کر بولا امیت نے ترجمہ کیا۔ ''یہ پوچھ رہا ہے کہ ہم لوگ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟''

''اسے بتاؤ کہ ہم کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

امیت نے ان کو مقامی زبان میں بتایا تو پولیس والے کی آنکھ میں شک نظر آنے لگا تھا۔ پولیس والے کو بات بے بات کڑ کنے کی عادت تھی۔ اس نے پھر کڑک کر کچھ کہا۔ امیت نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا۔

''یہ تلاشی لینے کو کہہ رہا ہے۔''

''مگر کیوں.....'' میں نے الفاظ سے زیادہ انداز سے احتجاج کیا۔ ''ہم عام سے لوگ ہیں۔''

''یہ تو یہ بات نہیں سمجھتے ہیں۔'' امیت نے کہا۔

''ان کو سمجھاؤ اگر ایسے نہیں سمجھتے ہیں تو زر کی زبان میں سمجھاؤ۔''

امیت ان سے بات کرنے لگا وہ بیتو کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہا تھا جو گدھے پر گردن لٹکائے بیمار بننے کی اداکاری کر رہا تھا۔ امیت کی پُرزور اپیلوں سے پولیس والا کسی قدر پسیج گیا تھا۔ رہی سہی کسر اس نوٹ نے پوری کر دی جو امیت نے اس کی جیب میں ڈالا تھا اور اس نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔ یہ کام اس نے مونچھوں کو تاؤ دے کر اور کڑک کر کیا تھا۔ ہم نے آگے نکل کر سکون کا سانس لیا تھا۔

سادھنا نے کہا۔ ''کیا کڑک دار سپاہی تھا۔''

''پولیس کی وردی میں کچھ ایسا ہی کلف ہوتا ہے۔'' میں ہنسا۔ ''اپنے ملک میں نہیں دیکھا ہے۔''

''بچ گئے صاحب۔'' امیت نے مسرت سے کہا۔ ''اگر وہ روک لیتا تو بڑا الٹوا ہو جاتا..... ویسے آپ سچ مچ گولی چلاتا۔''

''ابھی ہمیں تم سے کام ہے ورنہ چلا کر دکھاتا۔'' وسیم نے کہا تو امیت نے دانت نکال دیئے تھے۔ اتنی دیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں وہ سمجھ گیا تھا کہ ہم اسے ڈراتے زیادہ تھے۔ پھر اسے اپنے نوٹ کا خیال آیا۔ اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

''ہمارا پچاس روپیہ خرچ ہو گیا۔''

''شکر کرو تم خرچ نہیں ہوئے۔'' بیتو چہک کر بولا۔

''فکر مت کرو تم نے خود کو اپنے باپ کی طرح انعام کا مستحق ثابت کر دیا ہے۔ تم نے دیکھا ہے ہم جس سے خوش ہوں اسے کیسے نوازتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''اور اگر کوئی ہمیں دھوکا دے تو اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ تم وہ دیکھنے سے محفوظ رہو۔'' بیتو نے پھر اسے ڈرایا۔

''برخوردار تم بھی ذرا دیر تک بیمار رہا کرو۔'' وسیم نے بیتو سے کہا۔ ''وہاں سے نکلتے ہی تم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے اور اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔''

''آئندہ ہم خیال رکھے گا۔'' بیتو نے وعدہ کیا۔

دوپہر کو ہم ایک جھگی ہوٹل کے سامنے رکے۔ یہاں پیٹ پوجا کی اور آگے چل پڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ نیپال کھانے پینے کے لحاظ سے ایک سستا ملک تھا۔ حالانکہ یہاں اکثر اجناس اور خوراک کی چیزیں بھارت یا دوسرے ممالک سے آتی ہیں۔ نیپال ایک لینڈ لاکڈ سرزمین ہے۔ یعنی اس کے چاروں طرف ممالک ہیں اور یہ کہیں سے بھی سمندر سے نہیں لگتا ہے۔ خیر یہ تو مسئلہ نہیں ہے۔ سوئٹزرلینڈ جیسے ترقی یافتہ ممالک سمیت دنیا کے بے شمار ممالک لینڈ لاکڈ ہیں لیکن نیپال کی بدقسمتی کہ اس کے ایک طرف ہمالیہ ہے تو دوسری طرف بھارت ہے اور دونوں ہی ایک جیسے نامہربان ہیں۔

بھارت نے اس چھوٹے سے ملک کا بھی جینا حرام کر رکھا ہے۔ اسے تجارتی راہداری کے نام پر عملاً اپنی کالونی بنا رکھا ہے۔ پورے ملک میں بھارت کی مصنوعات بلا روک ٹوک آتی ہیں اور اگر وہ بھارت کی منشا کے خلاف اپنی خارجہ پالیسی میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتا ہے تو بھارت سرحدیں بند کر کے اس کا دماغ درست کر دیتا ہے۔ کئی بار بھارت، یہ حربہ استعمال کر چکا ہے اور ہر بار نیپال کو بھارت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے تھے۔ دوسری طرف ہمالیہ ہے جو اسے چین اور وسط ایشیا سے ملنے سے روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت اس ملک پر قابض ہے۔ گزشتہ دنوں شاہی خاندان کا قتل بھی بھارت کی ایجنسیوں کی تیار کردہ سازش تھی اور اس کا مقصد بھارت کی بالادستی اس ملک پر قائم رکھنا ہے۔

بھارت کی اس بالادستی کے خلاف یہاں کے عوام چین کا ساتھ دے رہے ہیں اور انہوں نے ملک میں ایک ایسی حکومت کے قیام کے لیے مسلح جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ جو بھارت کے اثر سے آزاد ہو۔ ان کو ماؤ نواز باغی کہا جاتا ہے اور چین پر الزام لگتا ہے کہ وہ ان کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ چین اس الزام کی تردید کر چکا ہے مگر مغربی میڈیا اس الزام کو اتنے تواتر سے دھراتا رہا ہے کہ اب عملاً ان لوگوں کو ماؤنواز کہا جاتا ہے۔ ماؤ نواز باغیوں کو عوام کی حمایت حاصل ہے اور ملک کے بڑے حصے پر عملاً ان کا راج ہے۔ یہ پولیس اور فوج پر حملے کرتے ہیں اور سرکاری حکام کو نشانہ بناتے ہیں لیکن عوام اور خاص طور سے غیر ملکیوں کو یہ بالکل نہیں چھیڑتے ہیں۔ کیونکہ عوام ان کے حامی ہیں اور غیر ملکیوں سے حاصل ہونے والے زرمبادلہ سے ان کا ملک چل رہا ہے یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دہشت گرد کہلانے والے ماؤ نواز بھی اتنے محب وطن ہیں کہ اپنے ملک کو نقصان پہنچانے سے گریز کرتے ہیں ان کی ساری دشمنی بھارت نواز انتظامیہ سے ہے۔ اپنی عوامی مقبولیت کی وجہ سے آج کل یہ ماؤ نواز اتنے طاقتور ہو چکے ہیں کہ ان کو حکومت میں شمولیت کی دعوت بھی ملی ہوئی ہے۔

عام قصبوں اور شہروں میں تو پولیس اتنی مستعد نہیں تھی لیکن کھٹمنڈو اور اس کے آس پاس پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بہت مستعد تھے۔ امیت نے ہمیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''صاحب ادھر بہت سخت تلاشی ہوتی ہے۔ آپ لوگ یہ ہتھیار نہیں لے جا سکتا۔''

میں بھی جانتا تھا کہ ہتھیاروں سمیت کسی پولیس ناکے سے گزرنا مشکل ترین کام تھا۔ اگر ہم پکڑے جاتے تو گلو خلاصی مشکل ہو جاتی۔ بلکہ یہ عین ممکن تھا کہ بھارت کی طرف سے مطلوب ہونے کی وجہ سے نیپال کی حکومت ہم کو بھارت کے حوالے کر دیتی وہاں ہمارے ساتھ جو ہوتا اس سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ اس لیے ہم نہتے ہونے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے۔ یہ اسلحہ ہی تھا جو ہمیں برے وقت میں بچا سکتا تھا۔

''ہتھیار تو ہم کو ہر صورت میں لے کر جانے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم کوئی ایسا راستہ جانتے ہو جس سے ہم یہ ہتھیار لے جا سکیں۔''

امیت سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ایسا راستہ ہے تو پر اس پر بھی پولیس پیٹرولنگ کا ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''پولیس ادھر بھی گشت کرتا ہے۔ کوئی بھی اُدھر سے کھٹمنڈو میں جا سکتا ہے۔''

''یعنی امکان ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں وہ راستہ تھوڑا آگے سے شروع ہوتا ہے اور ادھر سے دو دن اور لگے گا۔''

میں نے وسیم سے مشورہ کیا اس نے کہا۔ ''شہباز صاحب جہاں ہم اتنے دن دھکے کھا چکے ہیں وہاں دو دن اور سہی۔ اب تو سادھنا بھی فٹ ہو گئی ہے۔''

''میں چل سکتی ہوں۔'' سادھنا نے بھی جلدی سے کہا۔ ''آپ میری فکر نہ کریں۔''

میں نے امیت سے کہا۔ ''ٹھیک ہے ہمیں اسی راستے سے لے چلو۔''

شام کے قریب ہم پکی سڑک سے اتر گئے تھے۔ ایک بار پھر پہاڑی پگ ڈنڈیوں پر سفر جاری تھا لیکن یہ باقاعدہ راستے تھے۔ جو انسانوں اور جانوروں کے مسلسل سفر کی وجہ سے وجود میں آئے تھے۔ امیت نے بتایا کہ اس راستے پر چھوٹے چھوٹے گاؤں آتے ہیں۔ جن میں بدھسٹ آباد تھے۔ ان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ دشوار راستوں کی وجہ سے سادھنا اور بیتو گدھوں سے اتر آئے تھے۔

اس جگہ جنگل بہت گھنے اور ہریالی والے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں سردی کا اتنا اثر نہیں تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں سردی نہیں تھی۔ سردی تھی لیکن یہ بے آرام نہیں کرتی تھی۔ یہاں چشمے بھی زیادہ تھے اور جا بہ جا پانی بہہ رہا تھا شاید یہی اس ہریالی کا سبب تھا۔ ہمارے پاس کھانے کا خاص سامان نہیں تھا لیکن امیت نے بتایا کہ اس راستے پر سب مل جائے گا۔ کھانا بھی اور رہائش بھی۔ بشرطیکہ آپ کی جیب میں نوٹ ہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وہ ہمارے پاس تھے۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور اس کے بعد تاریکی تیزی سے پھیلتی۔ امیت اس راستے پر پہلے بھی سفر کر چکا تھا اور اس نے کھٹمنڈو کا سفر اسی راستے سے کیا تھا۔ اس نے خود یہ بات بتائی تھی البتہ اس سوال کا جواب پھر گول کر دیا تھا کہ وہ کیوں اس راستے سے کھٹمنڈو گیا تھا جب کہ وہاں جانے کے لیے سیدھا اور مختصر راستہ تھا۔

''ابھی تک کوئی آبادی نظر نہیں آئی ہے۔'' میں نے امیت سے کہا۔

''آبادی ہے لیکن دور ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ سڑک سے ہٹتے ہی اس کا رویہ بھی تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ اب اتنا بھی تابعدار اور مسکین نہیں لگ رہا تھا۔ روشنی تیزی سے کم ہو رہی تھی اور ابھی تک کسی بستی کا نام و نشان بھی نظر نہیں آیا تھا میں نے ذرا سختی سے پوچھا تو اس نے کہا۔ ''ابھی ایک گھنٹے میں آ جائے گا۔ اس پہاڑ کے پیچھے ہے۔''

اس نے خاصے دور نظر آنے والے ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔ ہم کسی صورت ایک گھنٹے میں اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وسیم نے مجھ سے پشتو میں کہا۔ ''شہباز صاحب یہ کسی چکر میں ہے۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔ اگر اس نے کوئی حرامی پن کیا تو یہ بھگتے گا۔'' میں نے جواب دیا۔ امیت کے چہرے پر ایک قسم کی بے گانگی آ گئی تھی۔ ہم ڈھلان سے اتر رہے تھے اس کے بعد ایک اور چڑھائی تھی۔ امیت سب سے آگے تھا اب اس کے انداز میں کچھ عجلت سی آ گئی تھی میں نے توجہ نہیں دی تھی میں سمجھا تھا کہ جلدی اس پہاڑ کے پیچھے گاؤں تک پہنچنا چاہتا ہے اپنی عجلت کی وجہ سے وہ ہم سے کچھ آگے نکل گیا تھا اور جب ہم ڈھلان کے خاتمے والے حصے میں تھے تو وہ اس کے نیچے پہنچ چکا تھا۔

جیسے ہی وہ ڈھلان سے اترا اچانک وہ بھاگا اور اس سے پہلے ہم کچھ سمجھتے وہ ایک پتھر کے پیچھے ہو گیا۔ ساتھ ہی وہ چلا چلا کر مقامی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا میں نے پستول نکال لیا اور چلا کر بیتو سے رائفل نکالنے کو کہا۔ وہ اور وسیم پہلے ہی حرکت میں آ گئے تھے لیکن ہمیں ذرا تاخیر ہو گئی تھی۔ درختوں اور جھاڑیوں میں چھپے پولیس والوں نے نکل کر ہمیں گھیر لیا تھا۔ ان کی تعداد سات آٹھ تھی اور وہ سب خود کار رائفلوں سے مسلح تھے۔ ان میں سے ایک انسپکٹر رینک کے آدمی نے ہمیں انگریزی میں حکم دیا۔

''اپنا اسلحہ پھینک دو ورنہ مارے جاؤ گے۔''

انہوں نے چاروں طرف سے ہمیں یوں گھیر لیا تھا کہ ہماری کوئی حرکت ان سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اگر ہم میں سے کوئی اپنا ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش کرتا تو وہ ایک لمحے میں ہمیں چھلنی کر دیتے۔ مجھے یاد آیا کہ جب امیت چوکی پر پولیس والے سے بات کر رہا تھا تو ان کی گفتگو خاصی دیر جاری رہی تھی اور ممکنہ طور پر اس نے وہیں اس پولیس والے کو ہمارے بارے میں بتا دیا تھا۔ پولیس پارٹی کسی طریقے سے ہمارے تعاقب میں تھی اور اس مقام پر انہوں نے ہمیں گھیر لیا۔ گھیرا بھی اس طرح تھا کہ ہمارے پاس ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے سوچا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''ہتھیار پھینک دو۔''

وسیم پھنکارا۔ ''اس حرامزادے نے مروا دیا۔''

''اب اسے کوسنے کا فائدہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور پستول پھینک دیا۔ وسیم نے میری پیروی کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سادھنا اور بیتو ویسے ہی بیٹھے تھے۔ وہ خاموش کھڑے رہے تھے۔ پولیس انسپکٹر مسکرایا۔ اس نے دوسرا حکم دیا۔

''سب ہاتھ سروں پر رکھ لو اور گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔''

اس بار بھی ہمیں اس کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی تھی۔ امیت پتھر کے پیچھے سے نکل آیا تھا۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ انسپکٹر نے اس کا جواب دیا۔ امیت ان کو ہمارے بارے میں بتا رہا تھا۔ پولیس نے دونوں گدھے قبضے میں کر لیے اور ہمارے پستول بھی اٹھا لیے تھے۔ چار سپاہی اپنی رائفلیں شانوں سے ٹانگ کر ہماری تلاشی کے لیے آگے آئے۔ میں انسپکٹر کی طرف دیکھ رہا تھا جو امیت سے بات کر رہا تھا۔ وہ یقیناً پولیس کا مخبر تھا تبھی تو اس کے کہنے پر پولیس نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ سپاہیوں نے تلاشی لے کر بیگ میں موجود اسلحہ بھی قبضے میں لے لیا تھا۔ انسپکٹر میرا پستول لے کر اس کا معائنہ کرتے ہوئے امیت سے بات کر رہا تھا۔ اچانک ہی گولی چلنے کی آواز آئی اور میں نے امیت کے ماتھے میں سوراخ ہوتے دیکھا۔

پہلے تو میں سمجھا کہ انسپکٹر نے امیت کو گولی مار دی تھی۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں میرا والا پستول تھا اور وہ امیت کے پاس کھڑا تھا لیکن پھر میں نے انسپکٹر کو بدحواسی کے عالم میں چاروں طرف گھومتے دیکھا۔ سپاہیوں کو بھی خطرے کا احساس ہو گیا تھا اور وہ جو اب آرام سے کھڑے ہو گئے تھے ایک بار پھر سے اپنا اسلحہ سنبھالنے لگے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتے ایک فائر اور ہوا اور اس بار انسپکٹر کے سر میں سوراخ ہو گیا۔ اس کے سر سے اچھلتا لہو پاس کھڑے سپاہی پر گرا تو اس نے اپنی رائفل پھینک دی اور پاگلوں کی طرح خود پر گرنے والے خون کو صاف کرنے لگا شاید خون کی بو نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔ اس دوسرے فائر کے ساتھ ہی کسی نے چلا کر کچھ کہا۔ زبان مقامی تھی اس لیے میں یا ہم میں سے کوئی سمجھ نہیں سکا تھا۔ مگر سپاہیوں کے چہرے سفید پڑ گئے تھے اور وہ ایک تذبذب کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔ پھر تیسرا فائر ہوا اور اس بار ایک سپاہی گرا اور باقیوں کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے اپنا اسلحہ پھینک دیا۔ انہوں نے ہماری طرح ہاتھ سروں پر رکھ لیے۔ وسیم نے آہستہ سے کہا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے جناب۔''

''دیکھو اور انتظار کرو۔'' میں نے اپنی پالیسی بیان کی۔ ''کوئی حرکت نہ کرے ایسے ہی ساکت بیٹھے رہو۔''

بیتو جو اٹھنے والا تھا پھر سے بیٹھ گیا۔ حکم دینے والا مسلسل بول رہا تھا اور اس بار سپاہی اوندھے منہ زمین پر لیٹ گئے۔ بولنے والا کوئی ایک ہی فرد تھا جو ایک مخصوص باریک سی ٹون میں بول رہا تھا۔ پھر ہمارے دائیں طرف جھاڑیوں سے سرسراہٹ ہوئی اور کم سے کم دو افراد نیچے آئے۔ میں نے سبز رنگ کی جیکٹوں میں دو مقامی افراد کو دیکھا۔ ان کے پاس خود کار رائفلیں تھیں۔ ان میں سے ایک ہماری طرف آیا۔ اس نے پہلے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے انگریزی میں کہا۔

''ہم یہ زبان نہیں جانتے۔''

''تم لوگ کون ہو؟'' اس بار اس نے انگریزی میں کہا۔

''ہم غیر ملکی ہیں اور کھٹمنڈو جا رہے تھے کہ یہ دھوکا دے کر ہم کو یہاں لے آیا اور پولیس کی وردی میں موجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان لٹیروں نے ہم کو گھیر لیا۔''

مجھ سے بات کرنے والا سرخ رنگت کا اور کسی قدر چینی نقوش کا حامل ایک جوان آدمی تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ سچ مچ پولیس والے ہیں۔''

''اچھا۔'' میں نے تعجب سے کہا۔ ''میں تو ان کو لٹیرے سمجھ رہا تھا۔''

''یہ ان کا مخبر ہے۔'' اس نے امیت کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ آج اتفاق سے ہمیں نظر آ گیا۔''

گویا امیت کے بارے میں میرا اندازہ درست تھا۔ وہ پولیس کا مخبر تھا اور اس نے ہمیں مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ان لوگوں نے آ کر ہمیں کم سے کم پولیس سے بچا لیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ ماؤنواز تھے۔ اسی وقت وسیم نے بھی آہستہ سے کہا۔ ''مجھے یہ ماؤنسٹ لگ رہے ہیں۔''

''کیا کیا کہا اس نے؟'' وہ شخص بھڑک گیا تھا۔ وسیم نے اردو میں کہا تھا اس لیے وہ سمجھ نہیں سکا لیکن لفظ ماؤنسٹ اس نے سن لیا تھا۔

''میرے ساتھی کو شبہ ہے کہ تم لوگ ماؤنسٹ ہو۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''اور خود مجھے بھی یہی شبہ ہے۔''

''اس شبہے کی وجہ؟''

''میرا خیال ہے یہ تین لاشیں بتانے کے لیے کافی ہیں۔'' میں نے امیت، انسپکٹر اور سپاہی کی لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''کوئی بھی پولیس والوں کو اس طرح ہلاک نہیں کر سکتا ہے۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ جس وقت وہ ہم سے بات کر رہا تھا تو اس کا ساتھی سپاہیوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ پھر اس نے ایک رسی برآمد کی اور اس کے ٹکڑے کر کے ان سے سپاہیوں کو باندھنے لگا۔ اس نے پھرتی سے ان چھ افراد کو باندھ دیا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کام کا ماہر ہے۔ میں نے اس جوان آدمی سے پوچھا۔

''کیا تم دونوں ہی ہو؟''

اس نے اس سوال کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ہم پر نظر رکھنے کے ساتھ اپنے ساتھی کی کارکردگی بھی ملاحظہ کر رہا تھا۔ جب اس نے سپاہیوں کو باندھ لیا تو جوان آدمی نے اسے حکم دیا اور وہ ہمارے گدھوں کی طرف بڑھا جن پر اسلحہ لدا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''ان میں ہمارا سامان ہے۔''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تم فکر مت کرو اس میں سے کچھ بھی غائب نہیں ہوگا۔ ہم چور نہیں ہیں۔''

اس کے ساتھی نے ہمارے بیگز دیکھے اور ان میں موجود اسلحہ تلاش کر لیا۔ اس نے چلا کر اپنے ساتھی کو بتایا تو اس نے میری طرف دیکھا۔ ''ان بیگز میں اسلحہ ہے تم لوگ اتنے اسلحے کے ساتھ کمبنڈو کیا کرنے جا رہے تھے۔''

''میرا خیال ہے ہم جو کرنے جا رہے تھے اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا۔ ''جیسے ہمیں نہیں معلوم کہ تم نے ان پولیس والوں کو کیوں مارا ہے۔''

''تم سمجھ رہے ہو کہ ہم نے ان کو کیوں مارا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''انہوں نے خود اپنی موت کو آواز دی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر یہ شرافت سے ہتھیار ڈال دیتے تو ہم ان کو کچھ نہ کہتے۔''

''کم سے کم دو افراد کو تم نے بنا کسی وارننگ کے شوٹ کیا ہے۔'' میں نے امیت اور انسپکٹر کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ہمارے دشمن تھے اور انہوں نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے اس لیے ان کا مقدر موت ہی تھی۔''

''یعنی یہ تمہارے دشمن تھے اسی طرح کچھ ہمارے دشمن بھی ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم اسلحہ رکھنے پر مجبور ہیں۔ اب تم ہمیں جانے کی اجازت دو۔''

وہ پھر مسکرایا۔ ''اگر میں اجازت نہ دوں تو؟''

''تو ہم اجازت لینا جانتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم سمجھ رہے ہو کہ یہاں ہم دو ہی ہیں۔'' وہ بولا۔ ''اگرچہ ہم دو بھی کافی ہیں لیکن ہمارے ساتھ اور بھی لوگ ہیں۔''

اس نے سیٹی بجائی تو فوراً ہی جھاڑیوں اور درختوں کے پیچھے سے نکل کر کوئی نصف درجن مسلح گوریلوں نے ہمیں گھیر لیا۔ مجھے اب شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ ماؤ نواز تھے کیونکہ ان میں سے اکثر نے ماتھے پر سرخ رنگ کا ربن باندھ رکھا تھا۔ میں نے فوراً ہاتھ اوپر کر دیئے۔ ''ٹھیک ہے میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم لوگ ماؤنسٹ ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں ہمارا گروپ اس علاقے میں موجود رہتا ہے۔ اور ہم نے اتفاق سے تم لوگوں کو یہاں آتے دیکھ لیا تھا۔''

میں نے سوچ کر کہنا شروع کیا۔ ''اصل میں ہم بھارت سے آئے ہیں اور ہمارا مقصد پاکستان جانا ہے۔ اسی لیے ہم کھٹمنڈو جا رہے ہیں۔''

''نیپال سے تم لوگ کس طرح پاکستان جاؤ گے؟''

''یہ تو ابھی سوچا نہیں تھا۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''ہمارے پاس پاسپورٹ یا کاغذات نہیں ہیں۔''

اس نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور پھر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔ انہوں نے ہمیں گھیر لیا اور ہمارے ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیئے گئے۔ اس بار بھی ہم نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی لیکن اس کے بعد جب انہوں نے ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھنے کی کوشش کی تو میں نے کہا۔

''یہ کیوں کر رہے ہو؟''

''تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔'' اس نے کہا۔ ''میں تمہیں اپنے لیڈر کے سامنے پیش کروں گا وہی تمہارا فیصلہ کرے گا۔''

''اس کے لیے یہ پٹیاں باندھنا ضروری نہیں ہے۔''

''بالکل ضروری ہے۔ ہمارا ٹھکانہ ہر ایک کو نہیں معلوم ہو سکتا ہے اور اگر کسی کو پتا چل جائے تو ہم مجبوراً اسے مار دیتے ہیں۔ اس لیے آنکھوں پر پٹیاں باندھنا خود تمہارے لیے ضروری ہے۔''

اس کی منطق سمجھ میں آتی تھی۔ ویسے بھی ہم بالکل بے بس تھے۔ انہوں نے ہماری آنکھوں پر پٹیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باندھیں اور ہمیں لے کر کہیں روانہ ہو گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے زندہ پولیس والوں کا کیا کیا۔ مہر یا فی کر کے سادھنا کو انہوں نے گدھے پر سوار کر لیا تھا۔ جب کہ ہماری وہ ہاتھ سے پکڑ کر رہنمائی کر رہے تھے۔ رات ہونے کو تھی اور شاید انہوں نے روشنی کا کچھ انتظام کر لیا تھا۔ ورنہ اس علاقے میں اندھیرے میں سفر کرنے کا مطلب خودکشی بھی ہو سکتی تھی۔

☆======☆======☆

ہمارا سفر کوئی دو گھنٹے جاری رہا تھا اور ہمارا پہلے ہی تھکن سے برا حال ہو رہا تھا اس سفر نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ امیت کے گھر پناہ لینا ہمیں مہنگا پڑ گیا تھا پہلے وہ پولیس کا مخبر نکلا اور پھر ماؤنسٹوں کا دشمن۔ خود تو مر گیا تھا اور ہم پھنس گئے۔ وسیم بھی شاید یہی سوچ رہا تھا اس نے کہا۔ ''شہباز صاحب لگتا ہے کھائی سے بچ کر کنویں میں گر گئے ہیں۔''

''وسیم بھائی یہ کنواں کیا ہوتا ہے؟'' بیتو نے سوال کیا۔

وسیم اسے کنویں کے بارے میں بتانے لگا۔ مجھے جوان آدمی کی آواز آئی۔ ''یہ تم لوگ کس زبان میں بات کر رہے ہو؟''

''ہم اسے اردو کہتے ہیں۔'' میں نے اندازے سے اس کی طرف سر گھمایا۔ ''بھارت میں اسے ہندی کہتے ہیں۔''

''تبھی مجھے جانی پہچانی لگ رہی تھی۔'' اس نے کہا۔

''تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟''

''اس طرح آنکھ پر پٹی باندھ کر ہم تمہیں کہاں لے جا سکتے ہیں۔'' اس نے الٹا سوال کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ہمیں اپنے کسی ٹھکانے پر لے جا رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ جس وقت ہمیں کسی بند جگہ روکا گیا تھا۔ اس سے پہلے میں نے کہیں پاس پانی گرنے کی تیز آواز سنی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی پہاڑی جھرنا بہہ رہا تھا۔ ہماری آنکھوں سے پٹیاں اتاری گئیں تو ہم نے خود کو ایک غار میں پایا۔ اس میں جا بہ جا مشعلیں جل رہی تھیں۔ ہمارے ہاتھ البتہ نہیں کھولے گئے تھے۔ ہم سب ایک ہی جگہ تھے۔ غار میں مسلح گوریلے نظر آ رہے تھے اور جہاں تک نظر جاتی تھی مجھے غار ہی نظر آیا۔ اس میں کئی سرنگیں تھیں یعنی یہ غاروں کا ایک پورا نظام تھا۔ میں نے غور سے سنا تو یہاں بھی پانی بہنے کی مدھم آواز آ رہی تھی۔ ایک طرف بڑا سا الاؤ روشن تھا اور اس کی حدت سے غار معقول حد تک گرم تھا۔ ہمارا سارا سامان غائب تھا یعنی مجھے یہاں گدھے نظر نہیں آئے تھے۔ ہم جس جگہ تھے یہاں فرش پر بھیڑوں کی کھالیں بچھی تھیں۔ بیتو کھسک کر میرے پاس آیا۔

''شوبی بھائی، اب کیا ہوگا؟''

''وہی جو منظور خدا ہوگا۔''

اس نے شکایت کی۔ ''آپ لوگ ایسا بات کیوں کرتا ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔''

''اس میں قصور ہماری بات کا نہیں تمہاری سمجھ کا ہے۔'' وسیم نے کہا

سادھنا چپ تھی اور اس کا چہرہ ستا ہوا ہو رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک آزمائشوں نے شاید اسے اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے زار کر دیا تھا۔ مجھے اس لڑکی پر ترس آنے لگا جس کے اندر ابھی انسانیت زندہ تھی اور اسی وجہ سے وہ محل کی زندگی چھوڑ کر ہمارے ساتھ ماری ماری پھر رہی تھی۔ اور ایک بار بھی اس نے شکوہ نہیں کیا تھا اور اپنی بساط سے بڑھ کر ہمارا ساتھ دیتی رہی تھی۔ وہ دو بار زخمی بھی ہوئی تھی اور اس حالت میں بھی ہمارے ساتھ سفر کرتی رہی تھی۔ اس نے کمار سے محبت کی اور وہ اس سے چھن گیا۔ وسیم کی صورت میں اسے سہارا مل گیا تھا اور یہ اس کا حوصلہ تھا کہ اس نے خود کو اتنی جلدی ایڈجسٹ کر لیا تھا ورنہ کوئی عام لڑکی اتنی جلدی خود کو تبدیل نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ چونک کر مسکرانے لگی تھی۔

''تم پریشان ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں ایک کمزور لڑکی ہوں۔''

''نہیں تم بہت طاقتور ہو اور سچ تو یہ ہے کہ اس سفر میں تم ہی ہماری قوت رہیں۔ تمہیں دیکھ کر ہمیں حوصلہ ملتا رہا ہے۔ ہم نے کسی بھی مرحلے پر ہار نہیں مانی تو اس کی ایک وجہ تم بھی ہو۔''

اس کا چہرہ جگ مگانے لگا تھا۔ ''سچ کہہ رہے ہیں۔''

''ہاں مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔''

وہ شرمندہ ہو گئی۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا مجھے تو اس پر یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں اتنی اہم ہوں۔''

بیتو بھی ہمارے قریب سرک آیا۔ ''دیدی تم اس سے بھی زیادہ اہم ہے تم ساتھ ہے تو ہم کو لگتا ہے ہمارے جینے کا کوئی مقصد ہے۔''

وسیم بھی پاس آ گیا اس نے سادھنا کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''اور میرے لیے تم کیا ہو یہ میں تم کو نہیں بتا سکتا۔''

سادھنا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو شاید اسے وسیم کے کہے بغیر پتا چل گیا کہ وہ اس کی کیا ہے۔ یک دم ہی وہ مسکرانے لگی تھی۔ جیسے سو وولٹ کا بلب وولٹیج تیز ہونے سے جگ مگا اٹھتا ہے۔ اس کی کچھ دیر پہلے کی پژمردگی غائب ہو گئی تھی۔ یہی میں چاہتا تھا فتح اور شکست میں صرف عزم اور مایوسی کا فرق ہوتا ہے اور میں چاہتا تھا کہ میرے ساتھی پُر امید رہیں مایوس نہ ہوں۔ وسیم نے پہلی بار حالات حاضرہ پر بات کی۔

''ان لوگوں کا کیا ارادہ ہو سکتا ہے انہوں نے ابھی تک ہمارے ہاتھ نہیں کھولے۔''

''ممکن ہے ابھی تک فیصلہ نہیں کیا ہو کہ ہمارے ساتھ کرنا کیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے مجھے ان لوگوں کا رویہ جارحانہ نہیں لگ رہا۔''

''یہ لوگ ایک تحریک سے تعلق رکھتے ہیں اور اس قسم کے لوگ اپنے کاموں کے سلسلے میں ذاتی جذبات کو دخل نہیں دیتے۔'' وسیم بولا۔ ''یہ بنا کسی خاص جذباتی اظہار کے قتل عام بھی کر سکتے ہیں۔''

''تم نے بتایا تھا کہ اسلحے اور منشیات کے لین دین کے سلسلے میں تمہارا ان سے رابطہ رہا ہے۔''

''ان سے نہیں ان کے آدمی سے۔'' وسیم بولا۔ ''بلکہ مجھے شبہ ہے کہ وہ کوئی مڈل مین تھا جو دو پارٹیوں میں رابطہ کرا کے مال کماتے ہیں۔''

ہم جس جگہ تھے یہ کوئی قدرتی غار تھا۔ اس کی ساخت بتاتی تھی لیکن ساتھ ہی فرش اور کونے کھدروں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انسانی ہاتھوں نے ہموار کیا تھا۔ ہمیں جس حصے میں بٹھایا گیا تھا اس میں غار ایک طرف سے بند تھا اور دوسری طرف سے کھلا ہوا تھا۔ ہم پر کسی نے خاص طور سے نظر نہیں رکھی تھی لیکن گوریلے سامنے ٹہل رہے تھے۔ ان کی موجودگی میں کسی حرکت کا سوچنا بھی مشکل تھا وہ سب تربیت یافتہ اور مسلح گوریلے تھے۔ وسیم نے آہستہ سے کہا۔

''ہم کوشش کر سکتے ہیں۔''

''کیا کوشش کر سکتے ہیں؟'' میں نے غور کیا

''سب سے پہلے تو خود کو آزاد کرانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

''اس کے بعد؟''

''اس کے بعد ہم یہاں کہیں سے اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

''ہم اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''وسیم بھائی یہ بہت خطرناک ہوگا۔'' بیتو بولا۔ ''یہ ان کا اڈہ ہے اور ادھر زیادہ لوگ ہوں گے۔''

''ہم خود کو ان کے رحم و کرم پر بھی نہیں چھوڑ سکتے۔''

''فی الحال ہم ان کے رحم و کرم پر ہی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اور جب تک حالات ہماری سمجھ میں نہ آ جائیں اس وقت تک ہمیں کسی حرکت سے گریز کرنا چاہیے لیکن ہمیں اپنے ہاتھ ضرور کھول لینے چاہئیں۔''

''وہ کیسے؟'' سادھنا بولی۔

''تم بیتو کی طرف پشت کرو۔ یہ تمہارا ہاتھ کھولے گا۔''

سادھنا نے بیتو کی طرف پشت کر لی۔ میں اور وسیم ان کے سامنے آ گئے جس کی وجہ سے سامنے ٹہلتے پہریداروں کو پتا بھی نہیں چلا۔ سادھنا کے ہاتھ کھلے تو اس نے پہلے بیتو کے ہاتھ کھولے اور اس نے وسیم کے ہاتھ کھولے، آخر میں وسیم نے میرے ہاتھ کھولے۔ یہ سارا کام ہم نے بنا کسی خاص حرکت کے کیا تھا اس لیے پہریداروں کو بالکل بھی بھنک نہیں پڑی کہ ہم آزاد ہو گئے تھے۔ اور اب سکون سے بیٹھے تھے۔ کم بختوں نے بہت کس کر باندھا تھا۔ دوران خون رک گیا تھا۔ ہم سے اسلحے سمیت تمام چیزیں لے لی گئی تھیں اور اس وقت ہم بالکل خالی تھے۔ پرس اور کرنسی تک نکال لی گئی تھی۔ بیتو نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''وہ تو مجھے بھی لگی ہے۔'' وسیم بولا۔

''مجھے بھی۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن یہاں دور دور تک کچھ کھانے کے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔''

''ہاں کوئی غلط حرکت کی تو یہ گولیاں فوراً کھلائیں گے۔'' وسیم نے پہریداروں کی طرف دیکھا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ ماؤنٹ تھے تو ان سے ہماری دشمنی نہیں تھی لیکن یہ ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کرتے اس کا انحصار اس بات پر تھا کہ یہ ہمیں کس حد تک خطرے کا سبب سمجھتے ہیں۔ ہمیں اس جگہ آئے ہوئے تین گھنٹے ہونے کو آئے تھے لیکن ابھی تک کسی نے آ کر جھانکا بھی نہیں تھا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

''تم ان لوگوں کی زبان کس حد تک جانتے ہو۔ ان کو بتاؤ کہ ہم انسان ہیں اور ہمیں کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے ان کی زبان اتنی نہیں آتی ہے۔'' بیتو بولا۔ ''لیکن میں کوشش کرتا ہوں۔''

بیتو نے غار کے دھانے تک جا کر پہریداروں کو متوجہ کیا اور وہ فوراً چوکنا ہو گئے۔ بیتو ان کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے ہاتھ پشت پر کر رکھے تھے تاکہ ان کو پتا نہ چلے کہ اس کے ہاتھ کھل گئے ہیں۔ میں پہریداروں کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ وہ تیز لہجے میں بول رہے تھے لیکن ان کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔ وہ بیتو کو اشارے سے واپس جانے کو کہہ رہے تھے اور انہوں نے اسے اسلحے سے نہیں دھمکایا تھا۔ بیتو واپس آ گیا۔ اس نے کہا۔

''یہ کہہ رہے ہیں آرام سے بیٹھو ابھی تم لوگوں کو کچھ نہ کچھ ملے گا۔''

''ان کو ہمارے بارے میں سخت ہدایات نہیں ہیں۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''حالانکہ ہمارے پاس سے مہلک اسلحہ نکلا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے یہ ہمیں دشمن نہیں سمجھ رہے ہیں۔'' وسیم پُرامید لہجے میں بولا۔

''ان کی دشمنی صرف حکومت سے ہے۔'' میں نے کہا۔

''شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ پولیس ہمیں گرفتار کر رہی تھی۔'' سادھنا نے بھی اظہار خیال کیا۔ ''اور اس شخص کی مخبری پر کر رہی تھی جس نے ان کو نقصان کیا ہے۔ اس لیے یہ ہمارے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔''

''تم درست کہہ رہی ہو۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''اس لیے ابھی دیکھو اور انتظار کرو یہی بہترین پالیسی ہے۔''

''میں تو سو رہی ہوں۔'' سادھنا نے کہا وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ ''اگر کچھ کھانے کو آ جائے تو مجھے جگا دینا۔''

سادھنا ایک طرف ہو کر لیٹ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ سامنے کر لیے تھے کیونکہ ہم اس کے سامنے تھے اور وہ باہر سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ غار بند ہونے اور سامنے الاؤ بجھ کنے کی وجہ سے سردی کا احساس بہت کم ہو گیا تھا۔ ہم بھی دیواروں سے ٹیک لگا کر سستانے لگے تھے۔ ہم کھٹمنڈو کے بالکل پاس پہنچ کر پکڑے گئے تھے۔ یعنی جب دو چار ہاتھ لب بام رہ گئے تھے۔ اسے کمند ٹوٹنا تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ پہلے ہم زیادہ خطرناک حالات سے دوچار ہوئے تھے۔ اگر پولیس ہمیں لے جاتی تو یقیناً ہم اس وقت کہیں زیادہ برے حال میں ہوتے۔ اتنے خطرناک اسلحے کے ساتھ پکڑے جانے کی صورت میں ہمیں لازمی طور پر کسی ایجنسی کے حوالے کر دیا جاتا اور اس کے انسانیت سے عاری جلاد ہم سے تفتیش میں مصروف ہوتے۔ اس وقت بھی ہم قید میں تھے لیکن سکون سے تو بیٹھے تھے۔ ہم پر کسی قسم کا ذہنی یا جسمانی تشدد نہیں کیا جا رہا تھا۔ پھر ہمارے ساتھ سادھنا تھی جو عورت تھی اور اس کے ساتھ ایک مرد کے مقابلے میں کہیں زیادہ برا کیا جا سکتا تھا۔ یہاں کسی نے سادھنا کو میلی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ ہم سوفی صد ان کے رحم و کرم پر تھے۔ وہ ہمارے ساتھ جو برا سلوک چاہتے کر سکتے تھے۔

ہم کچھ زیادہ ہی ریلیکس کر گئے تھے اور بے خیالی میں ہمارے ہاتھ بھی سامنے آ گئے تھے۔ پھر کسی پہریدار نے دیکھ لیا اور اس نے شور مچا کر دوسروں کو متوجہ کیا اور آن واحد میں وہاں خاصے لوگ آ گئے انہوں نے ہم پر گنیں تان لی تھیں اور چلا چلا کر اور ساتھ اشارے سے ہاتھ اوپر کرنے کو کہہ رہے تھے۔ میں اور باقی ہوشیار ہو گئے میں نے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے کہا۔ ''کوئی حرکت مت کرنا، بس ہاتھ اوپر کر لو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا مصیبت ہے۔'' وسیم بولا اس نے ہاتھ اوپر کر لیے تھے۔ سادھنا اور بیتو نے بھی تقلید کی۔ گورلے غار کے اندر گھس آئے اور انہوں نے ہمیں گھیر لیا اس کے بعد ہمیں رائفلوں کی نوک پر دھکیل کر باہر لائے۔ وہ ہم سے پوچھ رہے تھے کہ ہم نے ہاتھ کیسے کھولے اگرچہ زبان سے نہیں لیکن ان کے انداز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔

''میں بتاتا ہوں کیا تم میں کوئی انگریزی سمجھنے والا ہے۔''

لیکن ان میں کوئی سمجھنے والا نہیں تھا۔ وہ سب مقامی زبان میں چلاتے رہے۔ پھر کسی نے گرج کر کچھ کہا تو وہ چپ ہو گئے۔ میں نے اسی انگریزی بولنے والے جوان آدمی کو دیکھا وہ پہریداروں سے صورتِ حال پوچھ رہا تھا۔ پہریدار ہماری طرف اشارے کر کے اسے بتانے لگے۔ صورتِ حال جان کر وہ میری طرف آیا۔ اس نے نا خوش گوار لہجے میں کہا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟ تم لوگوں نے اپنے ہاتھ کیوں کھولے؟''

''تم لوگوں کو احساس ہونا چاہیے کہ ہم انسان ہیں اور اس طرح بھوکا پیاسا باندھ کر رکھنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' مجھے غصہ آ گیا تھا۔ ''ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں جو تم ہم سے ایسا سلوک کر رہے ہو۔''

''تم لوگوں نے خود کو کس طرح کھولا؟'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ایک نے دوسرے کے ہاتھ کھولے اور دوسرے نے باقی سب کے ہاتھ کھول دیئے۔ ہمارا مقصد تم لوگوں کے خلاف کچھ کرنا نہیں تھا۔ ہم تکلیف میں تھے اس لیے اس سے نجات حاصل کر لی۔''

وہ کچھ دیر اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے گھورتا رہا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے خیال نہیں رہا تھا۔ میں آتے ہی کچھ معاملات میں الجھ گیا تھا۔''

''یعنی اب ہمارے ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے؟''

''ہاں اور تم لوگوں کو کچھ کھانے کو بھی مل جائے گا لیکن میں خبردار کر رہا ہوں کوئی غلط حرکت مت کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ کسی نے تم پر گولی نہیں چلائی۔''

اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ہم نے واقعی حماقت کی تھی یہ لوگ ایک مزاحمتی تحریک سے وابستہ تھے اور ان میں ایک خاص ڈسپلن تھا۔ یہ کسی بھی صورتِ حال میں نپا تلا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں اور واقعی انہوں نے گولی نہ چلا کر برداشت کا ثبوت دیا تھا۔ میں نے ندامت سے کہا۔ ''معاف کرنا ہم نے واقعی غلط حرکت کی تھی۔''

''کوئی بات نہیں تم یہاں قیدی نہیں ہو اور امکان ہے کہ ہمارا لیڈر آ کر تم لوگوں کو چھوڑنے کا حکم دے گا اس لیے کوئی غلط حرکت کر کے اپنی معافی کا راستہ مت بند کرو۔''

''اب ہم خیال رکھیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''دوست تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرے نام سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا لیکن پھر بھی بتا دیتا ہوں مجھے کاسن کہتے ہیں۔''

کاسن ہمارے بارے میں نئی ہدایات دے کر چلا گیا اور ہمیں واپس اپنے غار میں دھکیل دیا گیا۔ اس بار پہریدار ہماری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ وہ مستقل ہم پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ کوئی نصف گھنٹے بعد ان کی طرف سے ہمیں کھانا دیا گیا۔ یہ سادہ چاول اور کسی سبزی کے شوربے پر مشتمل تھا اور اس کا ذائقہ اتنا برا نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا کھا کر ہم لیٹ گئے تھے۔ سادھنا تھکی ہوئی تھی اس لیے وہ سو گئی اور بیتا بھی کچھ دیر بعد خراٹے لینے لگا تھا۔ البتہ میں اور وسیم جاگ رہے تھے۔ وہ میرے پاس ہی دراز تھا۔

''شہباز صاحب ان لوگوں کا رویہ سخت نہیں ہے لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ انہوں نے ابھی ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔''

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''لیکن ساتھ ہی مجھے اس شخص کا سن کا رویہ بہتر لگ رہا ہے۔ شاید وہ ہمارے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے اور اپنے اوپر والوں کو ہمارے بارے میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''لیکن اگر اوپر والے نہ سمجھے تو؟''

وسیم کے اس سوال پر میں مسکرایا۔ ''ہم اس قسم کے حالات سے اتنی بار گزر چکے ہیں کہ تمہارا یہ سوال اضافی لگتا ہے۔ دو ہی باتیں ہوں گی یا تو ہم چھوٹ جائیں گے یا مارے جائیں گے۔''

''اس کے علاوہ تیسرا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔'' وسیم بھی ہنسا۔ ''اس لیے سویا جائے جو مقدر میں ہوگا وہ دیکھ لیں گے۔''

''بس تو پھر سوتے ہیں۔'' میں دراز ہوگیا۔ میرا سونے کا ارادہ نہیں تھا لیکن نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ یہ تو پھر بھی ایک آرام دہ غار تھا۔ شاید ہم سب ہی سو گئے کیونکہ میری آنکھ کھلی تو باقی سب سو رہے تھے۔ مجھے لگا جیسے میں بھرپور نیند کے بعد بیدار ہوا تھا۔ میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا کوئی نصف گھنٹے میں سب ہی بیدار ہو گئے تھے اور ہم نے اشاروں میں کھانے والے پہریداروں سے ناشتے کے بارے میں استفسار کیا۔ انہوں نے اشاروں سے ہی بتایا کہ ابھی اس میں وقت ہے۔ شاید صبح کا آغاز ہوا تھا۔ سردیوں میں راتیں ویسے بھی طویل ہوتی ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے کاسن کے بارے میں پوچھا لیکن وہ صرف شانے اچکا کر رہ گئے تھے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

پہلے ناشتہ آیا اور پھر اس کے بعد کاسن آگیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''ابھی تم لوگوں کو یہاں رکنا ہوگا کیونکہ ہمارا لیڈر ابھی یہاں نہیں ہے وہ آئے گا تب تمہارے میں فیصلہ ہوگا۔''

''کیا ہم نے کوئی جرم کیا ہے جو ہمارے میں کوئی فیصلہ ہوگا؟''

اس کا انداز معذرت خواہانہ ہوگیا تھا۔ ''تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا ہے لیکن تم لوگ ہمارے اس ٹھکانے تک آئے ہو۔''

''اس میں بھی ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہمیں تم لے کر آئے تھے۔ اور ہم نے یہ جگہ دیکھی تک نہیں ہے۔''

''یہ سب باتیں میرے سامنے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تم فکر مت کرو۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ تم لوگوں کو باحفاظت کھٹمنڈو تک پہنچا دیا جائے۔''

''اور ہمارا سامان؟''

''وہ بھی تم کو مل جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''ابھی یہ پہریدار تم کو رفع حاجت کے لیے باری باری لے جائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمارے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''تم فکر مت کرو ہم عورت کی عزت کرنا جانتے ہیں۔'' اس نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک مسلح شخص آیا اور اس نے بگڑی ہوئی ہندی میں ہم سے کہا کہ کون پہلے جائے گا۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم ایک سرنگ سے نکلے تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ غاروں کا کوئی پورا نظام تھا جس میں شاخ در شاخ غار تھے اور مجھے راستے میں کم سے کم ایک درجن افراد نظر آئے تھے۔ یہ ماؤنسٹوں کا بہت بڑا اڈہ تھا اور تعجب کی بات تھی کہ کھٹمنڈو کے بالکل پاس تھا کیونکہ جس جگہ سے ہم مزے تھے وہاں سے کھٹمنڈو صرف دو گھنٹے کی مسافت پر رہ گیا تھا۔ پہاڑی علاقے کی وجہ سے یہ راستہ پچاس میل سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ رفع حاجت کے لیے وہ شخص مجھے ایک غار تک لے گیا۔ جس کے ایک سرے پر پانی کی بوچھاڑ اندر آ رہی تھی۔ یہاں پانی بہنے کی آواز بہت تیز تھی اور لگ رہا تھا کہ دوسری طرف کوئی جھرنا بہہ رہا ہے۔ مجھے لانے والے نے کہا۔

''جو کرنا ہے یہاں کر لو، پانی بھی ہے۔''

ایک طرف ایک نالی نما جگہ تھی اور یہی رفع حاجت کے لیے مخصوص تھی۔ باہر بہنے والے پانی کا کچھ ایسا بندوبست کیا گیا تھا کہ وہ گھوم کر اس نالی میں آ رہا تھا اور اس میں گرنے والی ساری غلاظت کو بہا کر ساتھ لے جاتا تھا۔ میرے ساتھ آنے والا مجھے سب سمجھا کر غار کے باہر چلا گیا۔ میں نے پہلے دہانے کے پاس جا کر دیکھا۔ اس طرف پانی کی ایک چادر گر رہی تھی اور نیچے کہاں جا رہی تھی اس کا کچھ پتا نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کوئی آبشار تھی جو اس غار سے لگ کر گر رہی تھی۔ میں نے خطرہ مول لے کر نیچے جھانکا اور پانی کی بوچھاڑ سے کسی قدر گیلا بھی ہو گیا لیکن مجھے یہ نظر آ گیا کہ آبشار کہاں گر رہی تھی۔ یہ کم سے کم بھی دو سو فٹ کی گہرائی میں ایک سبز رنگ کی جھیل میں گر رہی تھی اور آگے یہ کسی دریا کی مانند بہہ رہی تھی۔ میں پیچھے ہو گیا۔ اگر مجھے فرار کا چانس مل رہا ہوتا تب بھی میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اگر یہاں سے فرار اتنا ہی آسان ہوتا تو وہ مجھے یوں چھوڑ کر بے فکری سے چلا نہ جاتا۔ بلکہ میرے سر پر سوار رہتا اس کا مطلب تھا کہ اس راستے سے فرار ناممکن یا بہت ہی دشوار تھا۔ فارغ ہو کر میں غار سے باہر آیا تو وہ مجھے واپس لے آیا اور وسیم کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اس طرح باری باری سب اس کے ساتھ ہو آئے تھے اور سب نے ہی یہ خوف ناک آبشار دیکھ لی تھی۔ وہاں پانی ہی پانی تھا اس لیے کسی کو مسئلہ نہیں ہوا۔ بلکہ سب نے موقع سے فائدہ اٹھا کر آبشار کے یخ بستہ پانی سے منہ ہاتھ بھی دھو لیا تھا۔ وسیم کے ذہن میں بھی وہی خیال آیا تھا۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''شہباز صاحب یہ فرار کے لیے اچھا راستہ ہے۔''

''ہاں لیکن بہت پُرخطر ہے۔''

''خطرہ کہاں نہیں ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''نہیں تم نے غور کیا کہ وہ کتنی آسانی سے ہمیں وہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس راستے سے فرار ہونا آسان نہیں ہے۔''

''شہباز صاحب سوچنے میں کیا حرج ہے؟''

''دوسرے وہاں جانا بھی کون سا آسان ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس لیے جب تک حالات کسی خاص

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروٹ نہ بیٹھ جائیں فرار کا سوچنا بھی مت۔"

دراصل مجھے یہ آبشار بہت خطرناک لگا تھا۔ اس کے نیچے پانی اگر چٹانوں پر گر رہا تھا بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے میں نے وسیم کو سختی سے منع کر دیا تھا۔ کاسن کے انداز سے مجھے لگا کہ وہ ہمارے بارے میں نرم گوشہ رکھتا ہے۔ دوسرے وہ یہاں کسی خاص حیثیت کا حامل تھا۔ ممکن ہے دوسرے نمبر کا لیڈر ہو اگر وہ اپنے باس کو راضی کر لیتا تو وہ ہمیں جانے کی اجازت دے دیتا۔ دوپہر کے بعد ایک مسلح شخص آیا اور اس نے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اس سے پوچھنا چاہا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہا۔ لیکن وہ خاموش رہا اور مجھے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتا رہا۔ شاید کہیں میری طلبی ہوئی تھی۔ اگر کاسن کا لیڈر آ گیا تھا مجھے اس کے سامنے ہی پیش کیا جانا تھا۔

"میں جاتا ہوں۔" میں نے وسیم سے پشتو میں کہا۔ "اگر میں واپس نہ آؤں تو تم فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہو گے۔"

"میرا خیال ہے یہ آپ کی طلبی ہے شاید ان کا لیڈر آ گیا ہے۔" وسیم نے کہا۔ میں سر ہلا کر آنے والے کے ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔ وسیم کا خیال درست تھا۔ ایک غار میں کاسن کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر اور تنومند گوریلا منتظر تھا اس نے بھی سر پر سرخ پٹی باندھ رکھی تھی۔ جوان آدمی نے اس بار گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور لیڈر نے ہاتھ ملایا۔ ان کا یہ رویہ غیر متوقع تھا۔

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔" جوان آدمی نے کہا۔

"کیا نہیں بتایا؟"

"یہی کہ تم وہی شخص ہو جس نے بھارتی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہمیں معلوم ہے اروناچل ریجن میں انڈین فوج نے جو آپریشن کیا ہے اور بے گناہ قبائلیوں کا قتل عام کیا ہے۔ تم اس لڑائی کے ہیرو ہو۔"

مجھے حیرت ہوئی تھی کہ میری شہرت اتنی دور تک پہنچ گئی تھی لیکن میں نے محتاط انداز اپنایا۔ "میرا خیال ہے تم لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس نے یقین سے کہا۔ "اس وقت ہر انٹی انڈیا تحریک کے لوگ تمہاری تلاش میں ہیں اور یہ ہماری خوش قسمتی کہ تم ہمارے پاس آئے ہو۔"

"نوجوان تم ڈرو مت۔" اس بار لیڈر نے اردو میں کہا۔ اس کی زبان صاف تھی۔ "ہم تمہارے دوست ہیں۔"

میں نے سوچا اور بولا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں وہی شخص ہوں یا نہیں۔"

"بہت زیادہ فرق پڑتا ہے۔" جوان آدمی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کوئی اور شخص ہمارا یہ ٹھکانہ دیکھ کر یہاں سے نہیں جا سکتا ہے۔"

میں نے اس کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ کوئی اجنبی شخص ان کا یہ ٹھکانہ دیکھ کر زندہ سلامت نہیں جا سکتا تھا۔ دوسرے ان لوگوں کا انداز دوستانہ بلکہ پرستارانہ لگ رہا تھا اس لیے میں نے سر ہلایا۔ "اوکے میں نے مان لیا کہ میں وہی شخص ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں نے ایک بار پھر گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ کاسن نے کہا۔ ''تم میرے ہیرو ہو، جب میں تمہارے بارے میں سنا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تم سے مل سکوں گا حالانکہ تمہارے بارے میں سننے کے بعد یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن گئی تھی۔''

''مجھے نریندر سنگھ کہتے ہیں۔'' لیڈر نے تعارف کرایا۔ ''یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم ہمیں مل گئے۔''

''مجھے شہباز ملک کہتے ہیں۔'' میں نے جوابی تعارف کرایا۔ ''سوال یہ ہے کہ تم لوگوں نے مجھے کس طرح پہچانا؟''

''ہمارے پاس تمہاری تصویر ہے۔''

میں حیران ہوا۔ ''میری تصویر وہ کیسے؟''

کاسن نے اپنے لباس سے ایک چھوٹی سات بائی پانچ کی تصویر نکال کر دی۔ یہ میری خاصی پرانی تصویر تھی کم سے کم بھی چار سال پرانی اور میرے دفتر کی تھی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے کاسن کی طرف دیکھا وہ بولا۔

''یہ تصویر انڈیا میں کسی نے تمہیں پکڑ کرانے کے لیے جرائم پیشہ لوگوں میں پھیلائی تھی۔''

میں سمجھ گیا کہ یہ کام فتح خان کا تھا۔ اس نے انڈیا میں زیرِ زمین دنیا والوں سے میری تلاش کی کوشش کرائی تھی اور اس میں ایک حد تک کامیاب بھی رہا تھا لیکن میں اس کے ہاتھ آنے سے پہلے نکل بھاگا تھا۔ اس کے بعد خود میدان میں آیا اور اس نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو رانا دیاس کے دوست کے سرہاؤس میں گھیر لیا تھا۔ یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ ہم پھر بھی بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ آخری بار ہم نے اسے قیدی بنالیا تھا اور اگر یہ بھاگ نہ ہوتی تو اس وقت وہ ہمارا قیدی ہی ہوتا۔ کاسن نے کہا۔

''بہت سارے جو تمہارے بارے میں جان گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں پکڑنے سے انکار کر دیا اور خود تمہاری تلاش میں لگ گئے۔ بھارت میں انٹی انڈیا موومنٹس نے تمہیں تلاش کرنا شروع کیا تاکہ تمہیں ان لوگوں سے بچا سکیں وہ تمہاری مدد کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سب کو خبردار کر دیا تھا۔ ہمیں بھی یہ تصویر ملی تھی جب میں نے تم کو دیکھا تو یہ تصویر نہیں دیکھی تھی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے؟''

''دشمنی؟'' کاسن چونکا۔ ''ہم تو تمہارے دوست ہیں۔''

''اگر دوست ہو تو میری اور میرے ساتھیوں کی مدد کرو ہمیں نیپال سے پاکستان جانا ہے۔''

''یہ کام مشکل ہے لیکن ہم تمہاری خاطر کرنے کی کوشش کریں گے۔'' نریندر سنگھ بولا۔ ''آج کل کھٹمنڈو کے حالات سخت ہیں اور وہاں پر ماؤنسٹوں پر خاص نظر رکھی جاتی ہے۔''

''مجھے اندازہ ہے تم لوگ براہِ راست ہماری مدد نہیں کر سکتے لیکن پس پردہ رہ کر مدد ضرور کر سکتے ہو؟''

کاسن خوش ہو گیا۔ ''ہاں ہم یہی کر سکتے ہیں۔''

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ لوگ ایک گوریلا تحریک سے تعلق رکھنے کے باوجود زیادہ چالاک نہیں تھے اور نہ چالاک بننے کی کوشش کرتے تھے۔ میری خوش قسمتی کہ وہ میرے دوست نکلے۔ ورنہ ان سے گلو خلاصی مشکل ہو جاتی میرے نزدیک وہ دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے جو چالاک تو ہوتا ہے لیکن ایک خاص حد سے زیادہ چالاک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بننے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ لازمی بات تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جس نے ان کا اڈہ دیکھ لیا ہو لیکن میری بات دوسری تھی میں ان کا ہیرو تھا۔ وہ میرے ساتھیوں کے بارے میں پوچھنے لگے اور میں ان کو مناسب جواب دیتا رہا۔ یعنی میں نے ان کو کچھ خاص بتایا نہیں لیکن ساتھ ہی ان کو یہ احساس ہونے بھی نہیں دیا کہ میں ان سے کچھ چھپا رہا ہوں۔

اس کے بعد وہ بھارتی فوج سے میری معرکہ آرائیوں کی داستان سننے لگے اور یہی ان کی دلچسپی کی اصل چیز تھی۔ واقعات تقریباً سارے ہی ان کے علم میں تھے۔ وہ خود ہی کرید کرید کر مجھ سے تفصیلات سنتے رہے تھے خاص طور سے اس معرکے کا سنتے ہوئے ان کا جوش و خروش دیکھنے والا تھا جب میں نے بھارتی فضائیہ کے گیا شپس تباہ کر دیئے تھے۔ یہ واقعات سنتے ہوئے وہ اچھل رہے تھے اور بار بار میرے ہاتھ پر ہاتھ مار رہے تھے ان کی خوشی کو دیکھتے ہوئے میں ذرا تفصیل کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا رہا۔ سچی بات ہے مجھے ان باتوں سے بوریت ہو رہی تھی کیونکہ یہ سب میں نے کسی خاص مقصد کے تحت نہیں کیا تھا میں کوئی گوریلا نہیں تھا اور نہ میرا تعلق کسی تحریک سے تھا میں نے جو کیا تھا وہ اپنے یا کسی کے دفاع میں کیا تھا۔ میرے نزدیک یہ سارے واقعات کارنامے نہیں بلکہ حادثات تھے۔ اس دوران میں انہوں نے چائے اور ایک طرح کے بسکٹ منگوا لیے تھے۔ انہوں ان سے میری خاطر تواضع کرنے لگے۔ چائے کے بعد میں مطلب کی بات پر آ گیا۔

''میں اور میرے ساتھی کھٹمنڈو کی طرف جانا چاہتے ہیں۔''

''ابھی۔'' نریندر نے پوچھا۔

''ہاں اگر ابھی ممکن ہے تو ابھی جانا چاہتے ہیں۔''

''مشکل تو کوئی نہیں ہے لیکن تم لوگوں کے پاس ابھی کاغذات نہیں ہیں اور.....''

''کاغذات ہمارے پاس پہلے بھی نہیں تھے۔'' میں نے نریندر کی بات کاٹی۔ ''اس سے پہلے بھی ہم اپنے زورِ بازو پر راستہ بناتے رہے ہیں اور آگے بھی بنا لیں گے۔''

کاسن اداس ہو گیا تھا۔ ''تم لوگوں کو ہماری مدد کی ضرورت نہیں ہے؟''

''نہیں مدد کی ضرورت تو ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اگر تم لوگ کاغذات بنوا سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ رقم کا بندوبست بھی کر دو تو ہمارا کام بن جائے گا۔''

رقم کی بات پر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر نریندر نے کہا۔ ''کتنی رقم درکار ہے؟''

''جتنی بھی مل جائے۔'' میں نے اس کا تذبذب محسوس کر کے کہا۔ وہ شاید سمجھ رہے تھے کہ میں ان سے رقم کا بندوبست کرنے کو کہہ رہا تھا۔ اس لیے میں فوراً ہی اس تاثر کی تردید کرنے کا سوچا۔ ''کاسن تم نے ہمارا سامان لیا تھا وہ کہاں ہے؟''

''وہ سارا محفوظ ہے لیکن اس میں اتنی رقم نہیں ہے کہ تم لوگ کھٹمنڈو سے نکل سکو۔''

''مجھے وہ بیگ لا کر دو۔'' میں نے مطالبہ کیا تو اس نے مجھے ہمارے دونوں بیگز اور باقی سامان لا دیا۔ زیادہ نہیں تھی مشکل سے پندرہ ہزار کی رقم تھی لیکن اصل چیز اسلحہ تھا۔ میں نے امریکن رائفلیں اور شاٹ گن نکال کر ان کے سامنے رکھیں۔ ''تم لوگوں کے خیال میں چور بازار میں ان کی کیا قیمت مل جائے گی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نریندر نے شاید پہلی بار یہ چیزیں دیکھی تھیں۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارے پاس تو بہت اچھا اسلحہ ہے۔ اسے کیوں بیچ رہے ہو؟''

''ہمیں اب اسلحے سے زیادہ رقم کی ضرورت ہے۔ میرے ساتھی کا اندازہ ہے کہ یہ رائفلیں کم سے کم پانچ ہزار امریکی ڈالرز کے حساب سے بک سکتی تھیں۔''

''بالکل بک سکتی ہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''بلکہ میرے خیال میں تمہیں ان تین ہتھیاروں کے بدلے میں بیس ہزار ڈالرز تک مل سکتے ہیں۔ اس خطے میں ہتھیاروں کی بہت طلب ہے۔''

میں خوش ہو گیا۔ ''یہ تو اچھی بات ہے اتنی رقم سے ہم با آسانی یہاں سے نکل کر اپنے ملک جا سکتے ہیں۔''

''لیکن تمہیں ان کی فروخت کے لیے دو تین دن انتظار کرنا ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں ہم پہلے ہی بہت دن سے انتظار کر رہے ہیں۔'' میں مسکرایا۔ ''ساتھ ہی مجھے کسی ایسے آدمی کے بارے میں بتا دو جو پاسپورٹ بناتا ہو۔ میرا مطلب ہے جعلی پاسپورٹ اور دوسری سفری دستاویزات۔''

''مل جائے گا۔'' کاسن نے کہا۔ ''ابھی تو تم ہمارے مہمان ہو۔ کچھ دن ہمارے ساتھ رہو۔''

''میرا خیال ہے میں پہلے اپنے ساتھیوں کو بتا دوں کہ اب ہم محفوظ ہیں وہ میری گم شدگی سے پریشان ہوں گے۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' کاسن نے کہا اور مجھے غار کے اس حصے میں لایا جہاں ہمیں رکھا گیا تھا۔ وسیم، سادھنا اور بیتو فکرمند سے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ کھل اٹھے تھے۔

''آپ کو ان لوگوں نے روک لیا تھا؟'' وسیم نے کاسن کی طرف دیکھا۔

''فکر مت کرو اب یہ ہمارے دوست ہیں۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''ہم ان کے قیدی نہیں ہیں۔''

وسیم نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''یہ معجزہ کس طرح ہوا؟'

میں نے ان لوگوں کو مختصراً بتایا۔ کاسن نے ان سے معذرت کی۔ سادھنا نے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حقیقت ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا۔''

''میرے ساتھ چلو تم لوگوں کو اس سے بہتر جگہ لیے چلتا ہوں وہاں تم آرام سے رہو گے۔''

کاسن ہمیں ایک اور غار میں لایا۔ یہاں فرش پر قالینوں پر بستر تھے اور کمبل بھی دیئے تھے۔ اس کے بعد بعض اچھے کھانوں سے ہماری خاطر تواضع ہوئی تھی۔ ان لوگوں کا رویہ خاصی حد تک بدل گیا تھا۔ کاسن چاہتا تھا کہ میں کچھ دیر اس کے ساتھ رہوں۔ میں خود بھی اس سے ان لوگوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے باقیوں کو آرام کرنے کا کہہ کر کاسن کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔ کاسن مجھے ایک چھوٹے سے لیکن آرام دہ غار میں لایا۔ وہاں قالین پر اسلحہ بھی رکھا تھا۔ میں نے کہا۔

''یہ تم لوگوں کا کوئی اہم ٹھکانہ ہے۔ کیا یہ جگہ محفوظ ہے؟''

''ہاں اسے ہم نے اس طرح بنایا ہے کہ اگر حکومت کو اس کا علم ہو بھی جائے تو اس جگہ حملہ کرنا آسان نہیں ہے۔'' اس نے فخر سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے اس کی بات سے اتفاق نہیں تھا کیونکہ بہرحال حکومت کسی بھی ملک کی ہو وہ طاقتور ہی ہوتی ہے اور اس سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اگر حکومت کو ان کے اس ٹھکانے کے بارے میں پتا چل جاتا تو وہ لازماً اسے تباہ کرنے کی کوشش کرتی۔ اس نے مزید کہا۔ ''ابھی میں تم کو دکھاتا ہوں تو تم کو خود اندازہ ہو جائے گا۔''

''یہ جگہ کھٹمنڈو سے کتنی دور ہے؟''

''زیادہ دور نہیں ہے۔'' اس نے غیر واضح انداز میں کہا۔

مجھے ان کی تحریک کے بارے میں تجسس تھا۔ ''تم لوگ حکومت کے خلاف کیوں لڑ رہے ہو؟''

''اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو ملک سے شاہی نظام کا خاتمہ کرنا اور دوسرے نیپال سے بھارت کی بالادستی کا خاتمہ کرنا۔ ہمارے ملک میں بھارت اتنا اثر انداز ہو گیا ہے کہ ہم اپنے کسی معمولی سے معاملے میں بھی خود مختار نہیں ہیں۔ ہماری خارجہ اور داخلہ پالیسیاں سب بھارت کے اشارے پر بنتی ہیں۔ عملاً ہم بھارت کی ایک کالونی ہیں۔'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''اس کی کیا وجہ ہے نیپال ایک خود مختار ملک ہے؟''

''اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم دنیا سے بھارت کے توسط سے ملے ہوئے ہیں۔ اور وہ جب چاہتا ہے ہماری تجارت کے راستے بند کر کے ہم سے اپنی بات منوا لیتا ہے۔''

''تمہارے دوسری طرف چین بھی تو ہے۔''

''ہاں ہے تو۔'' اس نے حسرت سے کہا۔ ''لیکن اس سے ہمارا زمینی رابطہ ممکن نہیں ہے کیونکہ درمیان میں ہمالیہ کا سلسلہ ہے۔ اس کے آر پار جانا ممکن نہیں ہے۔''

''یعنی نیپال تا چین کوئی راستہ ہی نہیں جاتا۔''

''یہی تو مشکل ہے۔ یہ دنیا کا دشوار ترین علاقہ ہے یہاں معمولی سی سڑک بنانا بھی ممکن نہیں ہے۔ شاید آنے والے دور میں کبھی ایسا ہو کہ کوئی راستہ بن سکے لیکن ابھی تو ہم دنیا سے رابطے کے لیے بھارت کے محتاج ہیں اور وہ اس چیز کا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔''

''ہوائی راستہ بھی تو ہے۔''

''وہ تو ہے اور ہم اسے استعمال بھی کرتے ہیں لیکن اسے تجارت میں استعمال کرنا بہت مہنگا پڑتا ہے اور نیپال ایک غریب ملک ہے۔ اس کے باوجود حالات میں بہتری آ سکتی ہے اگر ہماری حکومت بھارت نواز پالیسیاں تبدیل کر دے اور بھارت سے برابری کی سطح پر بات کرے۔''

''کیا یہ درست ہے کہ چین تم لوگوں کی مدد کر رہا ہے۔''

کاسن اس بات پر مسکرا دیا تھا۔ ''چین ایک اچھا ملک ہے اور اگر ہم نے اسے دوست بنا لیا تو وہ بھارت سے کہیں بہتر ثابت ہو سکتا ہے۔'' اس نے میرے سوال کا جواب گول کر دیا تھا۔ میں نے سوال دوسرے انداز میں کیا۔

''اس قسم کی کسی بھی تحریک کو اپنا کام کرنے کے لیے بہت زیادہ وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم لوگ یہ وسائل کہاں سے حاصل کرتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہماری جڑیں عوام میں ہیں اور وہی ہماری مدد کرتی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''باقی دنیا میں کون ہماری مدد کرتا ہے یہ غیر ضروری چیز ہے کیونکہ انقلابی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی ہے جب تک اسے عوام کی حمایت حاصل نہ ہو۔ اگر کسی تحریک کو دنیا بھر کی امداد مل جائے اور عوام کی مدد نہ ہو تو وہ کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی ہے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا میں نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ کسی بھی گوریلا تحریک میں عوام کی حمایت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔''

''ہم نے صرف مسلح جدوجہد ہی نہیں جاری رکھی ہے بلکہ ہمارا سیاسی ونگ بھی کام کر رہا ہے اور ملک کی پارلیمنٹ میں ہم موجود ہیں۔ جلد ہم اس ملک سے شاہی نظام اور بھارت کے اثر و رسوخ دونوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس کے بعد نیپال صحیح معنوں میں ایک آزاد اور خود مختار ملک ہوگا۔''

کاسن کے لہجے میں ایک خاص جوش تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جو کہتا ہے اسے اس پر سو فی صد یقین ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ پڑھا لکھا تھا۔ ''تم پڑھے لکھے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے کالج تک پڑھا ہے اور کچھ عرصہ ایک سرکاری نوکری بھی کی ہے۔ اس سے مجھے صحیح معنوں میں اندازہ ہوا کہ نیپال کے لوگ کتنے ظلم کا شکار ہیں۔ ہم بیک وقت شاہی خاندان اور بھارت کی غلامی میں ہیں۔''

کاسن کھٹمنڈو سے سو میل جنوب مغرب میں واقع ایک پسماندہ گاؤں کا باسی تھا۔ وہ اپنے گاؤں بلکہ اپنے علاقے کا پہلا گریجویٹ تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے علاقے میں سو میں سے مشکل سے دس بچے اسکول جاتے ہیں۔ وہاں دور دور تک نہ کوئی اسپتال ہے اور نہ کوئی ڈاکٹر ہے، پکی سڑک ان کے گاؤں سے ایک دن کی پیدل مسافت پر ہے۔ لوگوں کی اکثریت صرف جڑی بوٹی کام کرتی ہے۔ کیونکہ ذرائع روزگار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ملک کے نوے فی صد لوگ خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ملک میں تعلیم کا تناسب تیس فی صد سے بھی کم ہے اور اوسط عمر پچاس برس بھی نہیں ہے۔ پیدا ہونے والے دس میں سے تین بچے پانچ سال کی عمر سے پہلے مر جاتے ہیں۔ عوام بری طرح پسماندہ اور توہمات کا شکار ہیں۔ ان کے رسم و رواج کیا ہیں۔ اس کا اندازہ قارئین کو امیت اور اس کے والد بزرگوار سے کسی حد تک ہو گیا ہوگا۔ غربت ایسے ہی رنگ دکھاتی ہے۔

کاسن اپنے ملک اور عوام کی حالت پر کڑھتا تھا اور ان کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تعلیم کے بعد سرکاری نوکری بھی اسی ارادے سے کی تھی لیکن جلد اسے اندازہ ہو گیا کہ سرکاری نوکری میں وہ صرف ایک مشین کا پرزہ بن کر رہ گیا ہے جس کا اولین مقصد اس ملک میں اعلیٰ طبقے کی خدمت اور جی حضوری تھا۔ عوام سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا اور نہ ہی وہ عوام کے لیے کچھ کرتے تھے۔ نیپال کا شمار دنیا کے ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں عوام کے لیے سرکاری بجٹ میں سب سے کم حصہ رکھا جاتا ہے اور جو رکھا جاتا ہے اس کا بیشتر حصہ بھی بدعنوانی کی نذر ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تو اس ملک کے لوگوں کے لیے باہر سے آنے والی این جی اوز کرتی ہیں۔ وہ عوام کو تعلیم کے ساتھ دوسری بنیادی سہولتیں بھی فراہم کر رہی ہیں۔ اس ایک گھنٹے میں کاسن نے مجھے نیپال اور اس کے عوام کے بارے میں بہت اچھی معلومات فراہم کی تھیں لیکن اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ ماؤنسٹ کس طرح بنا۔ جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔

''میں نے اپنے گاؤں میں ایک اسکول بنانے کی تجویز سرکار کو پیش کی تھی لیکن میری تجویز مسترد کر دی گئی۔ اسی وقت میں سرکار کی نظر میں ایک برا ملازم بن گیا تھا۔ کچھ عرصے بعد ایک معمولی سی بات کو بہانہ بنا کر مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا۔''

''اس کے بعد تم ماؤنسٹ ہو گئے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں تو خوش تھا۔ میں اپنے گاؤں واپس آیا اور یہاں ایک اسکول کھول لیا تھا لیکن یہ بات میرے علاقے کے ایم این اے کو بری لگی اور اس نے کوشش کی کہ میں اسکول بند کر دوں لیکن جب میں نے انکار کیا تو اس نے ایک رات میرے اسکول کو آگ لگا دی اور پولیس نے مجھے یہ کہہ کر گرفتار کر لیا کہ میں اسکول میں ماؤنسٹ گوریلوں کو چھپاتا تھا۔ یہ سراسر جھوٹ تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ مجھے ان لوگوں سے ہمدردی تھی لیکن میں نے کبھی ان کی کوئی عملی مدد نہیں کی تھی۔''

''پولیس سے تمہاری گلوخلاصی کس طرح ہوئی۔''

''یہ کام ماؤنسٹوں نے کیا۔ پولیس تو مجھے مار مار کر مار ہی دیتی، لیکن ایک رات انہوں نے تھانے پر حملہ کیا اور اپنے دو قیدیوں کے ساتھ مجھے بھی چھڑا لے گئے حالانکہ میں نے ان سے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھے بھی آزاد کرائیں لیکن ان کے ساتھیوں نے ان کو بتا دیا کہ میں کس الزام میں قید ہوں اس لیے وہ مجھے بھی لے گئے اور اس کے بعد میری واپسی ناممکن تھی۔''

مجھے اس کی بات سے اتفاق تھا۔ اس نے بتایا کہ اوپری طبقہ ماؤنسٹ کا جانی دشمن تھا اور جس شخص کے بارے میں اسے شبہ ہو جاتا کہ وہ ماؤنسٹوں کا ذرا سا بھی ہمدرد ہے تو اسے پولیس اٹھا کر لے جاتی تھی اور جس کے بارے میں یہ تعلق یا ہمدردی ثابت ہو جاتی تھی۔ اسے سرے سے غائب کر دیا جاتا تھا۔ کاسن کے مطابق اب تک ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسی طرح غائب ہو چکے تھے اور ان کے بارے میں یقین تھا کہ ان کو مار گمنام قبروں میں دفنایا جا چکا تھا۔

''تم تعلیم یافتہ ہو۔ کیا یہاں تم کو اس کا فائدہ نہیں ہوا؟''

وہ مسکرایا۔ ''فائدہ تو ہوا ہے میں اس گروپ کا نائب سربراہ ہوں۔''

''نریندر کس قسم کا آدمی ہے؟'' میں نے پوچھا اور جلدی سے بولا۔ ''میں کسی خاص وجہ سے نہیں بلکہ ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔''

''اچھا آدمی ہے لیکن جوشیلا بہت ہے۔ بعض اوقات خطرے کی پروا نہیں کرتا ہے۔ دو تین بار اوپر سے اسے سرزنش ہو چکی ہے لیکن تحریک کا وفادار ہے اس لیے چھوٹ مل جاتی ہے۔''

مجھے نریندر اپنی باتوں سے جذباتی لگا تھا اس لیے میں نے کاسن سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے مجھے اس غار کی سیر کرائی۔ یہ تین بنیادی سرنگوں پر مشتمل غار تھا اور اس کے دو لیول تھے۔ ذیلی سرنگوں کی تعداد بے شمار تھی۔ یہاں ہمہ وقت بیس سے پچیس مسلح ماؤنسٹ موجود رہا کرتے تھے۔ ان کے پاس ہلکا اور درمیانہ قسم کا اسلحہ تھا۔ جیسے رائفلیں، مشین گن، راکٹ اور دستی بم وغیرہ۔ کاسن کا کہنا درست تھا کہ یہاں باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے حملہ کرنا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ غار ایک اونچی پہاڑی کے ایسے حصے میں تھا کہ یہاں تک آنے کا ایک ہی راستہ تھا۔ غار کے دہانے پر لگی ایک بھاری مشین گن کسی فوج کو روکنے کے لیے کافی تھی لیکن یہی ایک راستہ ان لوگوں کی کمزوری بن سکتا تھا۔ اگر ان کا محاصرہ کرلیا جاتا تو یہ خوراک ختم ہونے کے بعد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتے۔ یا پھر باہر نکل کر لڑتے اور مارے جاتے یا اندر ہی فاقوں سے ہلاک ہو جاتے۔

''یہاں آمد و رفت کا ایک یہی راستہ ہے؟'' میں نے کاسن سے پوچھا۔ ''اگر یہ راستہ بند کر دیا جائے تو پھر تم لوگ کیا کرو گے۔''

وہ مسکرایا۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ایک ہی راستہ رکھیں۔''

اس کا مطلب تھا کہ کوئی اور راستہ بھی تھا اور وہ خفیہ تھا ظاہر ہے ہر کسی کو نہیں بتایا جا سکتا تھا۔ ورنہ وہ خفیہ کیسے رہتا۔ وہ مجھے اس سرنگ میں لایا جس کے دہانے پر آبشار گر رہی تھی۔ رات ہو چکی تھی اور یہاں ایک مشعل جلا دی گئی تھی۔ کاسن مجھے دہانے تک لایا اور اس نے ایک خاص زاویے سے مجھ سے باہر دیکھنے کو کہا۔ میں نے باہر دیکھا تو مجھے لگا کہ اس طرف بے شمار روشنیاں ہیں۔

''اس طرف روشنیاں سی نظر آ رہی ہیں۔''

''یہ روشنیاں ہی ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کھٹمنڈو یہاں سے کتنا دور ہے۔''

''ہاں، تو کیا یہ کھٹمنڈو کی روشنیاں ہیں۔'' مجھے تعجب ہوا تھا کیونکہ روشنیاں مشکل سے چار پانچ میل دور تھیں۔ ''کھٹمنڈو یہاں سے بس اتنا ہی دور ہے؟''

''ہاں لیکن پہاڑی راستے اصل سے زیادہ ہی طویل ہوتے ہیں۔ زمینی راستے سے یہاں سے کھٹمنڈو جانے کے لیے کم سے کم دو گھنٹے کا سفر ہے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے جو اس سے جلدی لے جائے۔''

اس کی وضاحت سمجھ میں آنے والی تھی لیکن یہ پھر بھی خطرناک حد تک قربت تھی۔ مجھے تعجب ہوا کہ وہ اتنے مزے سے اتنا بڑا سیٹ اَپ بنا کر بیٹھے تھے اور اگر وہ کسی وجہ سے نظر میں آ جاتے تو ان کے لیے بچ نکلنا مشکل ہو جاتا اور ان کی ساری محنت اور سرمایہ کاری ضائع جاتی جو انہوں نے اس جگہ اپنا سیٹ اَپ قائم کرنے کے لیے کی تھی۔ کسی بھی زیرِ زمین تحریک کو اپنا ٹھکانہ ہمیشہ خطرے سے دور بنانا چاہیے کیونکہ ان کا اصل مسئلہ پوشیدہ رہنا ہی ہوتا ہے۔ اگر وہ نظر میں آ جائیں تو مارے جاتے ہیں۔ بہرحال یہ ان کا مسئلہ تھا اور وہ خود اسے بہتر سمجھتے تھے۔

رات کو ہمارے غار میں الگ سے ایک انگیٹھی دے دی گئی تھی۔ کمبلوں میں اور انگیٹھی کی حرارت کے ساتھ ہم نے مزے سے رات گزاری اس سے اگلا دن بھی بہت مزے سے گزرا تھا۔ نریندر غار میں نہیں تھا میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو کاسن نے بتایا۔ ''وہ تمہارے کام سے گیا ہوا ہے ممکن کل آ جائے اس کے بعد تم لوگ یہاں سے جا سکو گے۔''

ہم لوگوں نے دل کھول کر آرام کر لیا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر نریندر کل صبح آ گیا تو ہم کل ہی کھٹمنڈو کے لیے نکل جائیں گے۔ اب ہم بور ہو رہے تھے۔ گزشتہ کچھ عرصے کی صبح سے رات تک کی تیز رفتار زندگی کے مقابلے میں یہ رک جانے والا وقت ہمیں ہضم نہیں ہو رہا تھا اس لیے اب کچھ حرکت کرنا چاہتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے کہا۔

''اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ ہم سکون سے اپنے گھروں میں آباد ہو سکیں تو وقت گزرے گا کیسے؟''

''گزر جائے گا یار انسان بڑا ڈھیٹ ہوتا ہے ہر قسم کے حالات میں گزارا کر لیتا ہے اور خوش بھی رہتا ہے۔ اس وقت ہمارا گھر ہوگا۔ بیوی بچے ہوں گے۔ غم روزگار ہوں گے اور احباب ہوں گے۔ ٹائم نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ ہفتوں بعد ملاقات ہوا کرے گی۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''لیکن دوست وہ وقت آئے تو۔ اسی کے لیے تو یہ ساری جدوجہد کر رہے ہیں۔''

''ان شاء اللہ آئے گا۔'' وسیم نے کہا۔ سادھنا اور بیتو سو گئے تھے اور ہم دونوں باتیں کر رہے تھے۔

''شہباز صاحب آپ نے یہ سوچا ہے کہ مرشد علی کے مسئلے کا کیا حل نکالنا ہے؟''

''اس کا کیا حل ہو سکتا ہے؟''

''جہاں تک میں ان لوگوں کو سمجھا ہوں ان میں اور کتے کی دُم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ آپ سے دشمنی کبھی نہیں فراموش نہیں کر سکتے جب تک کے بالکل مجبور نہ ہو جائیں۔''

''یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے لیکن اس کا کوئی حل میرے ذہن میں نہیں آیا ہے۔''

وسیم کسی قدر مایوسی سے بولا۔ ''یعنی یہ کش مکش یونہی جاری رہے گی؟''

''امکان تو یہی ہے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ ''ہمارے ملک میں زور آور سے کہیں پناہ نہیں ہے۔ جنگل کے قانون کے مطابق کمزور کی عافیت اسی میں ہے کہ طاقتور سے دور رہے اور اس کا نوالہ بننے کے لیے اس کے قریب نہ آئے۔ ورنہ قصور اسی کا ہوگا طاقتور کا نہیں۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ ہم ملک سے باہر نکل جائیں۔''

''یہ بھی ایک حل ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن پہلے ہمیں پاکستان جا کر تمام حالات دیکھنا ہوں گے۔''

''یہاں سے نکلیں گے تو جائیں گے۔'' وسیم بولا۔ ''یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔''

''امید ہے نریندر کل تک ہماری رائفلیں فروخت کر کے رقم لا دے گا۔ زادِ سفر میسر آتے ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

''اور آگے سفر کی دستاویزات کا کیا ہوگا؟''

''ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس معاملے میں بھی ہماری مدد کریں گے اور کسی ایسے آدمی کا پتا دیں گے جو یہ کام کر سکے۔''

وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ اس معاملے میں ان سے مدد نہ لیں۔ ہم کچھ نہیں جانتے کہ وہ آدمی حکومت کی نظر میں ہو اور اس کی وجہ سے ہم بھی بلاوجہ لپیٹ میں آ جائیں۔''

وسیم کی بات قابلِ غور تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''او کے ہم پہلے اپنے طور پر کوشش کریں گے اور بات نہ بنی تو ان کے آدمی کی مدد لیں گے۔''

''یہی بہتر ہوگا اور ہم جتنی جلدی یہاں سے چلے جائیں اتنا ہی اچھا ہوگا۔ ایک تو آفتیں ویسے ہی ہمیں تلاش کرتی رہی ہیں اوپر سے یہ لوگ بھی کم نہیں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک اور پُرسکون رات گزار کر میری آنکھ کھلی تو میں تازہ دم تھا۔ میں نے انگڑائی لی اور جیکٹ پہن کر باہر آیا۔ باقی سب سو رہے تھے۔ آبشار کے یخ بستہ پانی سے ضروریات سے فارغ ہو کر میں باہر والی سرنگ تک آیا۔ کچن اسی طرف تھا۔ وہاں ایک بڑی سی کیتلی میں ہمہ وقت قہوہ چڑھا رہتا تھا۔ میں نے ایک مگ میں قہوہ نکالا اور وہاں موجود گوریلے سے کاسن کا پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے غار میں ہوگا۔ پھر میں نے نریندر کے بارے میں پوچھا۔

''وہ رات کو آ گئے ہیں۔'' گوریلے نے بتایا۔

میں نریندر والے حصے کی طرف آیا۔ وہ جاگ رہا تھا اور ایک ڈائری دیکھ رہا تھا مجھے دیکھ کر اس نے ڈائری بند کر کے ایک طرف رکھ دی اور گرم جوشی سے بولا۔ ''آؤ میں ابھی تمہیں ہی بلانے والا تھا۔''

میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ''ہمارا کام ہو گیا؟''

''بالکل ہو گیا۔'' اس نے اپنی جیکٹ سے ایک خاکی لفافہ نکالا اور مجھے تھما دیا۔ ''گن لو پورے بیس ہزار ڈالرز ہیں۔''

''وہ تین رائفلیں اتنے میں نکل گئیں؟'' مجھے تعجب ہوا تھا۔

''ہاں ایک بھارتی اسمگلر سے بات بن گئی تھی۔ انڈیا میں ان کی بہت مانگ ہے۔''

میں نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ ''اس کے لیے تمہارا شکریہ، میرا خیال ہے ہمیں ناشتہ کر کے روانہ ہو جانا چاہیے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''بہتر یہی ہے کیونکہ اس علاقے میں مشکوک لوگ آ جا رہے ہیں۔''

میں چونکا۔ ''تمہارا مطلب ہے پولیس یا فوج؟''

''ہاں کیونکہ پوری پولیس پارٹی غائب ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔''

''تم لوگوں نے زندہ جن پولیس والوں کو پکڑا تھا ان کا کیا کیا؟'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''وہ زندہ ہیں، ہم ان کے بدلے اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''اور اگر حکومت نے تمہارے ساتھیوں کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تو تم کیا کرو گے؟''

اس کے چہرے پر سختی آ گئی تھی۔ ''اس صورت میں ہمیں ان کو قتل کرنا پڑے گا۔''

''کیا یہ اقدام ضرورت سے زیادہ نہیں ہوگا؟''

''ہوگا تو لیکن ہم نے حکومت سے اپنا مطالبہ منوائے بغیر ان کو چھوڑ دیا تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہم ان کے سامنے ہار مان رہے ہیں۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا۔ میں اس سے کہنے جا رہا تھا کہ رک گیا مجھے خیال آیا کہ یہ اس کی مجبوری تھی۔ ساتھ ہی فوجی نقل و حرکت کا سن کر میں پریشان ہو گیا تھا۔ اس صورت میں ہمیں بہت محتاط رہنا تھا۔ میں نے نریندر سے پوچھا۔ ''یہاں سے کھٹمنڈو جانے کا کوئی ایسا راستہ ہے جو کسی کی نظر میں نہ ہو۔''

''راستے بہت ہیں لیکن محفوظ کوئی نہیں ہے سب خطرناک ہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب کہاں سے خطرہ سامنے آ جائے۔''

''کیا اس صورت میں ہمارا آج کے دن سفر کرنا مناسب ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بہتر ہے تم لوگ نکل جاؤ کیونکہ اگر فوج زیادہ آ گئی اور یہاں رک گئی تو پھر تم لوگوں کا نکلنا طویل مدت کے لیے ملتوی ہو جائے گا۔''

یہ جس قسم کے راستے تھے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون کہاں گھات لگائے بیٹھا ہو اور ہم بے خیالی میں موت کے منہ میں چلے جائیں لیکن نکلنا تو تھا۔ مجھے ایک خیال اور آیا کہ ہم راستوں سے ناواقف تھے اور بھٹک جانے کا پورا خطرہ تھا میں نے اس سے کہا۔ ''کیا تم کسی کو رہنمائی کے لیے ہمارے ساتھ بھیج سکتے ہو۔''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''یہ تو لازمی ہے اس کے بغیر تم لوگ آسانی سے کھٹمنڈو نہیں پہنچ سکتے۔''

''بس تو تم تیاری کر لو ہم کو ایک گھنٹے کے اندر نکلنا ہے۔''

''ہم ایک منٹ میں کہیں جانے کے لیے تیار ہونے والے لوگ ہیں تم جا کر اپنے ساتھیوں کو تیار کر لو۔'' اس نے کہا۔

میں واپس آیا تو وہ تینوں جاگ چکے تھے۔ میں نے تیار ہونے کو کہا تو وہ پھرتی سے حرکت میں آ گئے تھے۔ اب ہمارے پاس زیادہ سامان نہیں تھا۔ زیادہ وزن اسلحے کا تھا اور وہ ہم فروخت کر چکے تھے۔ اب اسلحے میں ہمارے پاس صرف دو پستول تھے۔ ہم تیار ہو کر پندرہ منٹ میں نریندر کے پاس تھے وہاں کاسن بھی بیٹھا تھا۔ نریندر نے کہا۔

''یہ رہنمائی کے لیے تمہارے ساتھ جائے گا۔ اس علاقے کو اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا ہے۔''

''یہ تو اچھا رہے گا۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''میں نے تم لوگوں کا ناشتہ یہیں منگوا لیا ہے۔'' نریندر نے میری طرف دیکھا۔ ''ناشتہ کرتے ہی تم لوگ نکل جاؤ۔ ابھی زیادہ پولیس یا فوج نہیں ہے۔ زیادہ آ گئی تو یہ سارے علاقے کو بند کر دیں گے۔''

ناشتہ آیا، ہم نے ناشتہ کیا اور اس کے بعد چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ نریندر نے گرم جوشی سے مجھے، وسیم اور بیتو کو گلے لگایا۔ سادھنا کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے اور پھر ایک ذرا جدید قسم کا مشین پسٹل میری طرف بڑھایا۔ ''یہ میری طرف سے تحفہ ہے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے دوست۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے پاس دو عدد پستول ہیں اور ممکن ہے وہ بھی ہمیں کہیں چھوڑ کر جانے پڑیں۔ کھٹمنڈو میں ہمیں اس قسم کے ہتھیار کی ضرورت نہیں ہو گی۔''

''پھر بھی رکھ لو ممکن ہے کہیں تمہارے کام آ جائے۔ اور تم نے پولیس سے بچنا ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بھارتی حکومت نے تم لوگوں کو بارے میں نیپال کی حکومت کو بتا دیا۔ اس صورت میں تم خود سوچ سکتے ہو کہ پولیس کے ہاتھ میں آنے کا مطلب اصل میں بھارت کے ہاتھ آنا ہے۔''

''تم نے اچھا کیا جو بتا دیا۔'' اس بار میں نے مشین پسٹل نہ لینے پر اصرار نہیں کیا اور اسے اپنی جیکٹ میں رکھ لیا اپنا پستول میں نے بیتو کو دے دیا تھا۔ نریندر نے مجھے مشین پسٹل کے اضافی میگزین بھی دیئے تھے۔ یہ ہتھیار سنگل موڈ پر فائر کرنے کے ساتھ برسٹ بھی مارتا ہے اور اس کی مار عام پستول سے زیادہ ہی ہوتی ہے۔ اس میں ایک لمبا سا میگزین لگتا ہے جس میں تیس گولیاں آ جاتی ہیں۔ اپنے بارے میں اطلاع کا سن کر میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہتر سمجھا کہ اضافی ہتھیار لے لوں۔ نریندر ہمیں چھوڑنے کے لیے غار کے دہانے تک آیا تھا اور میں نے اپنی یہاں سے بحفاظت رخصتی پر سکون کا سانس لیا۔ ورنہ ہم کہیں قدم رکھیں اور وہاں ہنگامہ نہ ہو۔ کچھ عرصے سے ایسا ہوتے دیکھا نہیں تھا۔ ہمارے گدھے ساتھ نہیں تھے۔ کاسن نے کہا۔

''آگے کچھ اس قسم کا راستہ ہے جس پر گدھے نہیں جا سکتے ہیں۔ اس لیے ان کو یہیں چھوڑنا بہتر ہوگا۔''

''سفر کتنی دیر کا ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ہم سارا دن سفر کر کے رات کسی وقت کھٹمنڈو میں داخل ہو سکتے ہیں۔'' کاسن نے بتایا۔

میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا۔ ''ہم رات میں نہیں بلکہ صبح ہونے پر کھٹمنڈو میں داخل ہوں گے۔''

رات کے وقت تاریکی اگرچہ اچھی آڑ بن سکتی تھی لیکن شہر میں رات کے وقت ہم بلاوجہ قانون نافذ کرنے والوں کی نظر میں آ جاتے۔ جب کہ صبح کے وقت بے شمار دوسرے لوگ بھی شہر میں داخل ہو رہے ہوتے تو ان کے درمیان ہم مشکوک نہیں رہتے۔

''جیسے تمہاری مرضی۔'' کاسن نے کہا۔ ''میرا کام تمہیں کھٹمنڈو تک پہنچانا ہے۔''

''یعنی تم ہمیں کھٹمنڈو تک پہنچا کر واپس آ جاؤ گے؟'' وسیم نے کہا۔

کاسن نے سر ہلایا۔ ''میرا کھٹمنڈو میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے کیونکہ میں حکومت کو مطلوب ہوں تم لوگ بھی میری وجہ سے مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

سورج نکل آیا تھا اور اس کی دھوپ کے باوجود ہوا میں کاٹ دار خنکی تھی۔ شمال کی طرف سے تیز ہوا چل رہی تھی جو جسم کو چیرتی محسوس ہو رہی تھی۔ کاسن نے ہمیں تسلی دی کہ ابھی ہم نیچے اتریں گے تو اس ہوا سے خاصی حد تک محفوظ ہو جائیں گے۔ ہم نیچے اترنے لگے۔ سادھنا کو کسی قدر مشکل ہو رہی تھی لیکن اس کا زخم مکمل طور پر بھر چکا تھا اور کمزوری بھی دور ہو گئی تھی۔ اس لیے مسئلہ نہیں تھا۔ مشکل جگہوں پر ہم اسے سہارا دیتے تھے۔ سامان ہم تینوں نے اٹھا رکھا تھا اور سادھنا کو اس کام سے سبک دوش کر دیا تھا۔ کاسن کے پاس بھی کچھ نہیں تھا لیکن اس کے پاس اسلحہ تھا جو اس نے اپنی جیکٹ میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے ہمیں بھی خبردار کیا۔

''کسی کا اسلحہ نظر نہیں آنا چاہیے کیونکہ بعض مقامات پر پولیس والے دوربینیں لگائے اردگرد کا معائنہ کر رہے ہوتے ہیں۔''

''تو کیا ہم ان کو مشکوک نہیں لگ سکتے۔''

''تم لوگ غیر ملکی لگ رہے ہو اور یہاں غیر ملکی عام پائے جاتے ہیں اس لیے کوئی صرف تم کو دیکھ کر نہیں چونکے گا۔'' کاسن نے کہا۔ وہ آگے تھا اور ایک دشوار ڈھلان پر قدم رکھ چکا تھا۔ ''تم لوگ اپنا انداز سیاحوں جیسا رکھنا اور اِدھر اُدھر دیکھتے اور باتیں کرتے ہوئے چلنا۔''

میں نے دوسروں کو اس کی بات سمجھائی اور ہم ذرا بے فکرے انداز میں چلنے لگے۔ ہماری پشتوں پر بیگ تھے جیسے کہ سیاحوں کے پاس ہوتے ہیں اور روانگی سے پہلے ہم نے مقامی لباس اتار کر دوبارہ پتلون قمیض اور جیکٹس پہن لی تھیں۔

ایک گھنٹے تک ہم محتاط رہے تھے۔ اس دوران میں ایسا لگتا رہا کہ ابھی کہیں کسی موڑ پر اچانک پولیس یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوج ہمارا راستہ روک لے گی لیکن جب خاصی دیر کسی خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تو اس کے بعد ہم لاپروا ہو گئے۔ بیتو اور سادھنا نے سچ مچ سیاحت شروع کر دی تھی۔ وہ راستے میں آنے والے اشجار، پودوں، پرندوں اور جانوروں پر تبصرہ کر رہے تھے۔ اس لیے اچانک خطرہ سامنے آیا تو ہمیں جھٹکا لگا تھا۔ یہ ایک پولیس پارٹی تھی جو راستہ روکے کھڑی تھی۔

''خبردار۔'' ان میں سے ایک نے چلا کر مقامی زبان میں کہا۔ لفظ سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ہم رک گئے۔ کاسن آگے گیا اور اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ پھر ہماری طرف دیکھا اور انگریزی میں بولا۔ ''سر یہ لوگ آپ کے کاغذات چیک کرنا چاہ رہے ہیں۔''

اس بات کا خطرہ تھا کہ پولیس پارٹی میں کوئی انگریزی سمجھنے والا ہو گا اس لیے اس نے بالکل گائیڈ والا انداز اختیار کیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''کاغذات یہاں کہاں ہیں۔ وہ تو ہوٹل میں ہیں؟''

ایک پولیس والا فوراً انگریزی میں بولا۔ ''کس ہوٹل میں؟''

''ہمالیہ ہوٹل میں۔'' کاسن نے جواب دیا اور میری مشکل آسان کر دی ورنہ مجھے کھٹمنڈو کے ہوٹلوں کا کیا پتا تھا۔ پولیس والا سامنے آیا وہ افسر تھا۔ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''خوب تم لوگ کاغذات ہوٹل میں رکھ کر آئے ہو کہاں سے تعلق ہے؟''

''یہ انڈیا سے آئے ہیں۔'' میں نے سادھنا اور بیتو کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اپنے اور وسیم کے بارے میں بتایا۔ ''ہمارا تعلق ترکمانستان سے ہے۔ ہم سیاح ہیں۔''

''یہاں کیا کر رہے تھے؟'' پولیس والے نے پوچھا۔

''آفیسر ہم اس پوچھ گچھ کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر کہا۔ ''سیاح نیپال کیا کرنے آتے ہیں؟''

''اگر تم کو شبہ ہے تو ہمیں کسی پولیس اسٹیشن تک لے چلو لیکن یاد رکھنا ہم اس معاملے کو اپنے سفارت خانے تک لے جائیں گے۔'' اس بار وسیم نے کہا تو پولیس والا متذبذب ہو گیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''اصل میں اس علاقے میں ماؤنسٹ باغیوں کی اطلاع ہے۔''

میں ہنسا۔ ''کیا تمہیں ہم کہیں سے ماؤنسٹ باغی نظر آ رہے ہیں۔''

پولیس افسر نے کچھ دیر سوچا اور پھر اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھ کر ہمیں جانے کا اشارہ کیا۔ ''تم لوگ جا سکتے ہو۔''

''شکریہ آفیسر۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور ہم آگے بڑھ گئے۔ ذرا دور آ کر میں نے آہستہ سے کہا۔ ''شکر ہے شرافت سے مان گیا۔''

وسیم ہنسا۔ ''ورنہ ہمارے پاس منوانے کا ایک طریقہ اور بھی تھا۔''

ہم سے زیادہ کاسن نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ کسی بھی ہنگامے کی صورت میں ہمارے ساتھ وہ بھی مشکل میں پڑ جاتا اور پھر ہم اس کے مہمان بھی تھے اس لیے ہمارے تحفظ کی ذمے داری اس پر آتی تھی۔ اس کے ماتھے پر اس سرد موسم میں بھی پسینہ آ گیا تھا۔ ذرا دور نکل کر اس نے پسینہ صاف کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بچ گئے۔''

''کیا یہاں یہ پولیس والے ایسے ہی گھات لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں؟'' سادھنا نے پوچھا۔ ''کہیں ہم بے خبری میں نہ مارے جائیں۔''

''یہ ان لوگوں کا خاص طریقہ ہے۔'' کاسن نے بتایا۔ ''اسی طرح گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔''

''کیا ہم کسی طرح جان نہیں سکتے کہ آگے ناکا ہے یا نہیں؟'' سادھنا نے پھر پوچھا۔

کاسن نے بے بسی سے چاروں طرف موجود پہاڑوں کو دیکھا اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''تم خود دیکھ سکتی ہے ان میں آدمی پہلے سے کیسے معلوم کرے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ یہاں چند قدم کے بعد کا نظر نہیں آ رہا تھا اور چھپنے کی بے شمار جگہیں تھیں۔ پولیس والوں کی تعداد نصف درجن تھی اور وہ سب مسلح تھے۔ اس لیے ان سے نمٹنا آسان نہیں تھا۔ ہم بال بال بچے تھے اگر وہ تلاشی دینے کی بات کرتے تو ہم پھنس جاتے۔ ہم پولیس والوں سے کوئی سو گز آگے آ چکے تھے۔ اچانک ہی عقب سے پولیس افسر نے چلا کر ہمیں رکنے کو کہا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو اس نے ہم پر پستول تان لیا تھا اور چلا چلا کر ہم سے ہاتھ اوپر کرنے کو کہہ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا ارادہ اچانک ہی کیوں بدل گیا تھا۔ کیا اسے ہم پر کسی قسم کا شک ہو گیا تھا۔ میں نے کاسن کی طرف دیکھا۔ اور پھر میری نظر اس کی جیکٹ سے جھانکتی رائفل کی نال پر گئی۔ پولیس والوں نے یقیناً یہی نال دیکھ لی تھی ایک گائیڈ کے پاس رائفل کا کیا کام؟

''مروا دیا تم نے۔'' میں نے برہمی سے کہا لیکن یہ موقع اس پر غصہ نکالنے کا نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''سب فوراً آڑ میں ہو جاؤ..... ایک..... دو..... تین۔''

میرے تین کہتے ہی سب درختوں اور پتھروں کی آڑ میں ہو گئے۔ فوراً ہی اوپر سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔ سپاہیوں کے پاس رائفلیں تھیں لیکن ان کی رینج بہت زیادہ تھی۔ خودکار رائفلوں سے بھی زیادہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب پولیس کہیں جدید ترین اسلحے سے لیس ڈاکوؤں کو گھیر لیتی ہے تو موت ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ ڈاکوؤں کا جدید اسلحہ مار کے لحاظ سے پولیس کی پرانی رائفلوں کا سامنا نہیں کر سکتا ہے۔ پولیس والے اتنے دور تھے کہ صرف کاسن کی رائفل ہی ان کے خلاف کارآمد ہو سکتی تھی لیکن ہم نے بھی اپنا اسلحہ نکال لیا تھا۔ پولیس افسر چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو ہمیں گھیرے میں لینے کا حکم دے رہا تھا لیکن صرف چھ افراد ہمیں گھیرے میں نہیں لے سکتے تھے۔ خطرہ یہ تھا کہ وہ مزید کمک منگوا سکتے تھے یا فائرنگ کا سن کر کہیں قریبی کوئی اور دستہ آ جاتا تو ہم واقعی گھر جاتے۔ اس سے پہلے یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ کاسن مجھ سے کچھ دور تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں ہے۔''

''ہم کہاں جا سکتے ہیں۔'' کاسن نے بلند آواز سے کہا۔ وہ اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا اور فیصلہ کر رہا تھا کہ ہمیں لے کر وہ کہاں جائے۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''ہمیں واپس جانا ہوگا۔''

مگر مجھے اس کا فیصلہ منظور نہیں تھا۔ میرے خیال میں ماؤنٹنوں کے اڈے کی طرف جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ پولیس اور فوج وہاں بھی ہمارا تعاقب کرتی اور بالآخر ہم گھر جاتے۔ اس کے مقابلے میں شہر میں ہمارے بچ نکلنے کے امکانات زیادہ تھے۔ میں نے کاسن سے کہا۔ ''ہمیں کھٹمنڈو کی طرف جانا ہے اگر تم راضی ہو تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھیک ہے ورنہ تم واپس جا سکتے ہو۔"

اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ "میں تم کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا لیکن اس وقت کھٹمنڈو کی طرف جانا بہت خطرناک کام ہے۔ جگہ جگہ پولیس ہوگی اور اس کے بعد تو ہم کسی کو دھوکا بھی نہیں دے سکتے ہیں۔"

"تمہارے ٹھکانے کی طرف جانے کی صورت میں بھی ہم پھنس جائیں گے اس لیے ہم کھٹمنڈو کی طرف ہی جائیں گے یہ بتاؤ کہ تم ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو یا نہیں۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ وقت نہیں تھا اگرچہ مجھے اعتماد تھا کہ اتنے پولیس والے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے لیکن اگر ان کو کمک مل جاتی تو وہ ہمیں گھیر سکتے تھے۔

اس نے گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔"

ہم آڑے کر پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ پولیس والوں کے پاس دور مار رائفلیں تھیں لیکن وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر ہمارے پیچھے آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ایک بار انہوں نے تعاقب میں ذرا پاس آنے کی کوشش کی تو کاسن کی رائفل کے ایک برسٹ نے ان کو پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ پولیس والوں کے پاس خودکار رائفلیں نہیں تھیں۔ اس لیے وہ ہمارے تعاقب میں آنے سے ہچکچا رہے تھے۔ ان کی ہچکچاہٹ سے فائدہ اٹھا کر ہم تیزی سے روانہ ہو گئے۔ کاسن نے مجھے خبردار کیا۔ "آگے ہمیں اور پولیس یا فوج کے لوگوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"یہ خطرہ تو ہے۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "کوئی ایسا راستہ نہیں ہے کہ ہم کم سے کم نظر میں آئے بغیر جا سکیں۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ایسا کوئی راستہ نہیں ہے۔ سب راستوں پر پولیس کی موجودگی کا پورا امکان ہے۔ اگر ہم شمال کی طرف سے گھوم کر جائیں تو اس میں بہت دیر لگے گی اور پھر بھی پولیس سے ملاقات کا امکان ہے۔"

"اور واپسی کی صورت میں؟" یہ سوال سادھنا نے کیا تھا۔

"اس بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ ہم خیریت سے واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں۔" کاسن خوش ہو گیا تھا۔ "کیونکہ ابھی اس طرف اتنی پولیس نہیں ہے۔ تم نے دیکھا کہ آتے ہوئے ہمیں ایک ہی دستہ ملا تھا لیکن آگے بہت زیادہ پولیس اور فوج ہوگی۔"

"شوبی۔" سادھنا نے میری طرف دیکھا۔ "میرا خیال میں ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" خلاف توقع وسیم نے بھی کہا۔ حالانکہ اکثر مواقعوں پر اس کے اور میرے خیالات میچ کر جاتے تھے لیکن اس بات اس کی سوچ مختلف تھی۔ "ہمیں آگے جانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے واپس جا کر حالات کے بہتر ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ ہم واپس جانے کی صورت میں پھنس سکتے ہیں۔" میں نے اپنا موقف بتایا۔ "کسی وسیع سرچ آپریشن کی صورت میں ان لوگوں کا ٹھکانہ بھی نظر میں آ سکتا ہے اور ہم بھی وہیں محصور ہو جائیں گے۔"

"یہ امکان ہے اور آگے خطرہ یقینی ہے۔" سادھنا نے اپنی بات پر اصرار کیا۔ "نریندر نے بتایا تھا کہ مزید فوجی اور پولیس کے دستے آ رہے ہیں۔ ہم فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے بہتر ہے ہم واپس جاتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم بھی یہی کہتے ہو؟'' میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''ہمیں واپس جانا چاہیے۔ منزل تک جانے کے لیے ایک خاص حد سے زیادہ خطرہ مول لینا مناسب نہیں ہوگا۔''

''اور تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے بیتو سے پوچھا۔

اس نے سر کھجایا۔ ''شوبی بھائی ہم کچھ نہیں کہتا ہے جو فیصلہ آپ کرو ہم کو قبول ہوگا۔''

''اگر میں کہوں کہ ہم آگے جائیں گے؟''

''تو ہم جائے گا۔'' اس نے سینہ تان کر کہا۔

میں سوچتا رہا۔ سچی بات ہے مجھے واپس جانا بہت رسکی لگ رہا تھا۔ ایک بات یقینی تھی کہ نو افراد کی گم شدگی معمولی بات نہیں تھی اور حکومت لازمی طور پر بھرپور سرچ آپریشن کرتی۔ وہ اس سارے علاقے کا محاصرہ کر سکتے تھے اور یہ کام ہفتوں کر سکتے تھے۔ ہم پھنس جاتے اور ہر گزرتے دن خطرہ ہمارے لیے بڑھتا جاتا لیکن میرے ساتھی اس کے حق میں نہیں رہے تھے کہ ہم فی الحال کھٹمنڈو کی طرف جائیں۔ وہ واپس ماؤنٹنوں کے اڈے پر جانے کے حق میں تھے۔ میں نے سر ہلایا۔

''او کے ہم واپس جائیں گے۔''

کاسن خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ ''یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔''

''لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ جس پولیس پارٹی نے ہمیں روکا تھا وہ وہیں موجود ہوگی۔''

کاسن کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے فکر کے آثار نظر آئے تھے پھر اس نے اعتماد سے کہا۔ ''تم فکر مت کرو میں تم کو لے جاؤں گا۔ واپس جانے کے کئی راستے ہیں اور پولیس نے اتنی جلدی سارا علاقہ نہیں بند کیا ہو گا۔ مجھے یقین ہے وہ دستہ اس وقت کہیں اور جا چکا ہوگا کیونکہ وہ ماؤنٹنوں سے ڈرتے ہیں اور ان کا سامنا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ انہوں نے ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی۔''

''ویسے بھی وہ ہمیں کھٹمنڈو جانے والے راستے پر تلاش کر رہے ہوں گے۔'' سادھنا بولی۔ ''ان کو یہ خیال تو آیا نہیں ہوگا کہ ہم واپس بھی جا سکتے ہیں۔''

کاسن کچھ غور کر رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''ایک راستہ اور ہے اس پر کسی کی موجودگی کا امکان نہیں ہوگا لیکن وہ بہت مشکل ہے۔ اگر تم کہو تو اس راستے سے واپس جاتے ہیں۔''

''راستہ بے شک مشکل ہو لیکن کسی سے مڈبھیڑ کا امکان نہ ہو تو بہتر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

ہم نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ اس بار کاسن نے مختلف راستہ اختیار کیا تھا اور یہ بہت دشوار اور ایسی ڈھلان سے گزرتا تھا جہاں بعض اوقات کہیں قدم رکھنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی تھی۔ سادھنا کو خاص طور سے بہت مشکل ہو رہی تھی۔ کاسن نے اوپر جاتے ہوئے ایک ٹری لائن کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہمیں وہاں تک جانا ہے اس کے بعد راستہ آسان ہو جائے۔''

''وہاں تک جانا ہی تو اصل کام ہے۔'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اس جگہ سے وہ ٹری لائن بہت دور نظر آ رہی تھی۔ وسیم نے سادھنا کو سہارا دے رکھا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری مخالفت کر کے وہ دونوں کچھ شرمندہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ وہ مجھ سے بات کرنے یا میری طرف دیکھنے سے گریز کر رہے تھے۔ ایک جگہ ایسی آئی کہ وسیم کے لیے خود کو سنبھالنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ وہ سادھنا کو سہارا بھی دیئے ہوئے تھا۔ نتیجے میں وہ ایک جگہ ڈگ مگایا اور سادھنا کا بازو اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے چیخ ماری اور نیچے کی طرف آئی تھی۔ میں پہلے ہی تیار تھا۔ کیونکہ مجھے یہ جگہ مشکل لگ رہی تھی۔ میں نے سادھنا کو سنبھال لیا۔ ایک ہاتھ سے اسے روکنے کے ساتھ دوسرے ہاتھ سے میں نے ایک پودے کی شاخ پکڑ لی ورنہ سادھنا اتنی تیزی سے آئی تھی کہ مجھے بھی ساتھ لے جاتی۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''اس طرح بنا کسی مدد کے یہاں چڑھنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو۔''

''پھر کیا کریں۔'' وسیم اوپر سے بولا۔

''تم لوگ رکو۔'' میں نے کہا اور بیگ سے رسی نکالی اور خود اوپر جانے لگا۔ میں نے بیگ کاسن کے حوالے کر دیا۔ وہ پہاڑی راستوں پر سامان سمیت سفر کرنے کا عادی تھا۔ ایک محفوظ جگہ تک پہنچ کر میں نے رسی باندھ کر نیچے پھینکی اور وہ سب اس کی مدد سے آسانی سے اوپر آ گئے۔ کاسن نے کہا۔

''تم کوہ پیائی جانتے ہو؟''

''تھوڑی بہت۔'' میں نے رسی سمیٹتے ہوئے کہا۔ اور اوپر ٹری لائن کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ ڈھلان بہت ہی دشوار تھی مگر میں کسی نہ کسی طرح اوپر پہنچ ہی گیا۔ وہاں سے رسی پھینکی تو باقیوں کے لیے معاملہ بہت آسان ہو گیا تھا۔ ایک گھنٹے میں سب اوپر تھے۔ آگے سفر اتنا آسان تو نہیں تھا لیکن ہم مزید ایک گھنٹے کے سفر کے بعد واپس ان لوگوں کے ٹھکانے پہنچ گئے تھے۔ ہماری آمد کی اطلاع پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ نریندر خود غار کے دہانے پر موجود تھا۔ اس نے کاسن سے پوچھا۔ اس نے جواب دیا اور پھر نریندر میری طرف آیا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ تمہیں واپس آنا پڑا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں مسکرایا۔ ''جب ایک سے زیادہ لوگ کہیں مت جاؤ تو نہیں جانا چاہیے۔ اس لیے ہم واپس آ گئے۔''

''تم نے اچھا کیا۔ کیونکہ تم لوگوں کے جانے کے بعد مجھے پتا چلا تھا کہ کھٹمنڈو کی جانب سے مزید فوجی اور پولیس کے دستے اس طرف آ رہے ہیں ان کا ارادہ اس علاقے کی ناکا بندی کرنے کا ہے۔'' نریندر سنجیدہ اور پریشان لگ رہا تھا۔

''مجھے شبہ ہے کہ تم لوگوں کا یہ ٹھکانہ ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہاں تک آنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اگر کسی نے اس طرف آنے کی کوشش کی تو راستے میں ہماری کئی آبزرویشن پوسٹ ہیں ہمیں خبردار کر دیا جائے گا۔''

ہم ایک بار پھر غار میں تھے اور اس بار میری چھٹی حس رہ رہ کر خبردار کر رہی تھی کہ یہاں واپس آنا ہمارے لیے بہتر نہیں ہوگا۔ ان کے ٹھکانے تک نہ سہی لیکن علاقے میں پولیس اور فوج آ چکی تھی اور اب وہ کم سے کم آزادی سے حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ غار کی خاموش اور پُرسکون فضا میں ہلچل سی مچ گئی تھی اور اب ادھر ادھر بھاگ دوڑ کے ساتھ آوازیں بھی گونجنے لگی تھیں۔ پولیس یا فوج سے متوقع مقابلے کی تیاریاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی جارہی تھیں۔تنہائی میسر آتے ہی سادھنا نے کہا۔

''میں نے آپ کی مخالفت کی تو آپ کو برا لگا۔''

''اچھا لگا یا برا، وہ وقت گزر گیا اور اب ہمیں آگے کی طرف دیکھنا ہے۔''

''ہم نے یہاں آکر اچھا نہیں کیا؟'' وسیم نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

''یہ بات اب ماضی کا حصہ بن چکی ہے۔سوچنا یہ ہے کہ آگے کیا کرنا ہے۔'' میں کسی قدر جھنجھلا گیا تھا۔

''اگر پولیس یا فوج یہاں تک آگئی تو ہم بھی پھنس جائیں گے۔'' وسیم نے غور کرتے ہوئے کہا۔''اس صورت میں ہمیں ابھی سے یہاں سے نکلنے کے متبادل راستوں پر غور کرنا چاہیے۔''

''کاسن نے مجھے واضح تو نہیں لیکن اشارے میں بتایا تھا کہ یہاں سے نکلنے کا ایک خفیہ راستہ بھی ہے لیکن ظاہر ہے وہ صرف چند لوگوں کے علم میں ہے اور وہ شاید ہمیں نہ بتائیں۔''

''آبشار والے راستے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''وہ بہت خطرناک ہے۔'' میں نے کہا۔''میں اسے دیکھ چکا ہوں۔کوئی دو سو فٹ نیچا ہے اور راستے میں پہاڑ کی چٹانیں آتی ہیں اس لیے اس سے کودنا تو خودکشی ہوگی۔سب سے زیادہ خطرہ زیرآب چٹانوں سے ہے۔''

''پھر بھی ہمیں دیکھنا تو چاہیے۔'' وسیم نے اصرار کیا تو میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔میں نے اسے سرسری سے انداز میں دیکھا تھا۔اسے پھر سے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن یہ کام ان لوگوں کے علم میں لائے بغیر کرنا تھا۔ورنہ وہ کچھ اور بھی سوچ سکتے تھے۔ہمیں وہی غار دیا گیا تھا جہاں ہم گزشتہ رات رکے تھے۔میں باہر آیا اور آبشار والے غار کی طرف روانہ ہوا۔کسی نے مجھے روکا نہیں۔وہاں حسب معمول آبشار کا پانی ایک مخصوص آواز کے ساتھ دہانے سے رگڑ کھاتا ہوا نیچے جارہا تھا۔دہانے کے بالکل سامنے پانی چادر کی طرح گر رہا تھا۔اس میں بہت قوت اور شور تھا۔اگر کوئی اس کے دھارے کے پاس چلا جاتا تو یہ اسے بھی اپنے ساتھ کھینچ کر لے جا سکتا تھا۔سامنے کی طرف سے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔اس کے دائیں طرف کسی قدر خلا تھا جو پانی سے محفوظ تھا۔

میں دہانے کی طرف آیا اور کوشش کر کے اس کے پھسلواں راستے سے باہر آیا۔یہ بہت خطرناک جگہ تھی۔میرا ذرا سا پاؤں پھسلتا اور میں دو سو فٹ نیچے جھیل میں جا گرتا۔مسلسل پانی پڑنے سے یہ جگہ کائی جیسی پھسلواں ہو گئی تھی۔میں دیوار سے چمٹ کر دہانے سے باہر آیا اور ظاہر ہے یہاں بھی کوئی تسلی بخش حالات نہیں تھے۔اول تو دہانے کے باہر کھڑے ہونے کی جگہ نہیں تھی اور جو جگہ تھی وہ پھسلن سے بھرپور تھی۔میری کوشش تھی کہ کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں سے میں نیچے دیکھ سکوں۔اس کے لیے مجھے دائیں طرف خاصا آگے جانا پڑا تھا۔یہ بڑا آبشار تھا اور اس کا دھارا بیس سے پچیس فٹ چوڑا تھا۔پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا اور اس کی زد میں آنے والا اس کے خلاف مزاحمت نہیں کر سکتا تھا۔دائیں طرف ایک چھوٹا سا چھجا تھا۔میں چٹان میں موجود رخنوں میں ہاتھ اور پاؤں پھنساتا اس طرف آیا۔چھجا پانی کی بوچھاڑ سے محفوظ تھا۔سورج غروب ہونے میں کچھ وقت تھا۔میں نے دیکھا کہ جھیل کے سبز پانی میں کچھ سیاہ دھبے بھی تھے۔یہ یقین سے کہنا دشوار تھا کہ یہ دھبے اصل میں کیا تھے۔چٹانیں یا زیرآب کائی کے ڈھیر۔اس کا پتا تو چھلانگ لگانے کے بعد ہی پتا چلتا۔اس جگہ سے کودنا رسک والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات تھی۔ اگر کوشش کر کے جھیل کے ان حصوں میں چھلانگ لگائی جاتی جہاں پانی کا رنگ ہلکا سبز تھا تب بھی اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ اسی جگہ گرتے۔ ظاہر ہے ہم میں سے کوئی ماہر غوطہ لگانے والا نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس جگہ سے کودنے کا رسک اسی وقت لیا جا سکتا ہے جب آدمی کے پاس کوئی اور راستہ نہ ہو۔

کچھ دیر بعد میں واپس آ گیا۔ غار سے نکلا تو ایک آدمی وہاں آیا اور اس نے مجھے اشارے سے بلایا۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ بلاوا نریندر کا تھا اور وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

''آثار ٹھیک نہیں ہیں۔''

''پولیس اور فوج اس طرف آ رہی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہ ایک مخصوص انداز میں آگے آ رہے ہیں اور ایسا لگ رہا ہے کہ وہ راستے بند کر رہے ہیں۔''

یہ بہت تشویش ناک بات تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا یہاں سے نکلنے والے سارے راستوں پر فوج یا پولیس آ چکی ہے۔''

''تقریباً، اب کہیں بھی نکلنا ممکن نہیں رہا ہے۔''

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''کیا مخبری ہو سکتی ہے؟''

اس کے چہرے پر تشویش نظر آنے لگی۔ ''لگتا تو ایسا ہی ہے، ہمارے کئی ساتھی پکڑے جا چکے ہیں اور ان میں سے کچھ اس جگہ کے بارے میں جانتے ہیں۔''

مجھے تعجب ہوا۔ ''اس کے باوجود تم لوگ یہاں بیٹھے ہو؟''

''اصل میں پچھلے کچھ عرصے سے ہمارے حکومت سے مذاکرات جاری ہیں اور اس بات کا امکان ہے کہ ہم جلد کسی معاہدے تک پہنچ جائیں۔'' اس نے وضاحت کی۔ ''اسی وجہ سے ہم نے یہ اڈہ نہیں چھوڑا۔''

''لیکن یہ جو ابھی ہو رہا ہے اس کا کیا کیا جائے۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''سارا مسئلہ پولیس والوں کے غائب ہونے سے ہوا ہے۔ ہم نے اس علاقے میں ایک سال سے کوئی کارروائی نہیں کی ہے اس لیے جب آٹھ افراد غائب ہوئے تو حکومت کا چونک جانا لازمی ہے۔''

یہ ان لوگوں کا اپنا مسئلہ تھا اور میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں کسی صورت پولیس کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا۔ اگر اس جگہ کا محاصرہ ہو جاتا تو ہم بھی پھنس جاتے۔ میں نے پوچھا۔ ''یہاں سے نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے۔''

وہ مسکرایا۔ ''تمہارا اشارہ شاید خفیہ راستے کی طرف ہے لیکن وہ بھی جس جگہ نکلتا ہے وہاں تک پولیس اور فوج آ چکی ہے اس لیے ہم اسے صرف انتہائی ضرورت کے وقت ہی استعمال کر سکتے ہیں۔''

میرے ذہن میں ایک خدشہ اور آیا۔ ''اگر وہ لوگ کسی مخبری کے سہارے آ رہے ہیں تو لازمی بات ہے ان کو خفیہ راستے کا علم بھی ہو گا۔''

''یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کا علم صرف مجھے یا کاسن کو ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم نے ہمارے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے جواب دینے میں کچھ وقت لگایا۔ ''میرا خیال ہے ہم تم سب کو اپنا قیدی ظاہر کرتے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ ایسا کوئی موقع آیا کہ تم لوگوں کو ہتھیار ڈالنے پڑے یا تم لوگ فرار ہو گئے تو ہمیں قیدیوں کی طرح باندھ کر ڈال جاؤ گے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں میں نے یہی سوچا ہے۔ اس طرح ممکن ہے تم لوگ بچ جاؤ۔''

''یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ یہاں ہماری کوئی شناخت نہیں ہے۔ پولیس جلد یا بدیر یہ بات جان جائے گی اور اس کے بعد ہم پھر گرفتار ہو جائیں گے۔''

اس نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔ ''میرے ذہن میں تو یہی آیا ہے۔''

مجھے اس سے پہلے بھی کوئی خاص امید نہیں تھی۔ دو گھنٹے بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ پولیس اصل میں ان کے ٹھکانے کا محاصرہ کر رہی تھی اور اسے ان کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ پولیس اور فوج کی بھاری نفری اس علاقے میں پوزیشنیں سنبھال رہی تھی اور ان کے پاس جدید اسلحہ تھا۔ یہ اطلاعات تشویش ناک تھیں اور اسی مناسبت سے ان لوگوں میں جوش اور خوف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میں واپس اپنے حصے میں آ گیا۔ اپنے ساتھیوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وسیم پریشان ہو گیا۔

''ایسا لگ رہا ہے کہ میرا اور سادھنا کا فیصلہ غلط تھا۔''

''وہ فیصلہ غلط تھا یا ٹھیک تھا اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اس مشکل سے کس طرح نکل سکتے ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''سوری شوبی۔'' سادھنا نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''یہ سب میرا قصور ہے۔''

''پاگل مت بنو۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''جو ہوتا ہے وہ سب ہماری تقدیر میں پہلے سے لکھا جا چکا ہوتا ہے۔''

''آئندہ میں آپ کی کسی بات سے انکار نہیں کروں گی۔''

''شوبی بھائی اب کیا ہو گا؟'' بیتو بولا۔

''نریندر نے ایک تجویز دی ہے کہ پسپائی یا گرفتاری کی صورت میں وہ ہمیں اپنا قیدی ظاہر کرے گا۔''

''یہ کام بہت خطرناک ہے۔'' وسیم نے فوراً کہا۔ ''پولیس جلد ہماری اصلیت جان جائے گی۔''

''یہی میں نے بھی کہا ہے۔ میں نے اس کی تجویز مسترد کر دی ہے۔''

''پھر ہمارے پاس اور کون سا راستہ رہ جاتا ہے۔''

''تم لوگوں نے آبشار والا غار دیکھا ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''اس کے نیچے ایک جھیل ہے جس میں آبشار گر رہی ہے۔ اگر نکلنے کا کوئی اور راستہ نہ ملا تو ہم اس سے نکلنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

سادھنا اور بیتو خوف زدہ ہو گئے تھے انہوں نے گہرائی میں جھیل دیکھی تھی۔ ''یہ بہت خوف ناک ہے۔'' سادھنا نے جھرجھری لی۔

''لیکن اگر کوئی راستہ نہ ہوا تو ہم اس سے کود کر جان بچانے کی کوشش کریں گے۔'' وسیم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرنا ہے۔'' میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''ابھی ہمارے پاس وقت ہے۔ ہم آرام سے سوچ سکتے ہیں۔''

رات کے کھانے کے بعد میں نے نریندر اور کاسن سے ملنے کی کوشش کی مگر وہ مجھے غار میں کہیں نہ ملے تھے اور نہ ہی کسی کو ان کے بارے میں پتا تھا یا ممکن ہے کہ کسی کو پتا ہو لیکن وہ بتا نہیں رہا ہو۔ میں ان کے لیے قابلِ احترام ہی سہی لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ مجھے اپنی ہر بات بتاتے یا ہر بات میں شریک کرتے۔ گوریلوں کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ ٹینس تھے اور ممکن ہے پولیس ان کے اس ٹھکانے کا محاصرہ کر چکی ہو۔ میں واپس غار میں آ گیا۔ سب ہی خاموش اور اعصاب زدہ تھے۔ آنے والا وقت ہمارے لیے نہ جانے کیا لے کر آنے والا تھا۔

جب ہم انڈیا کی سرحد عبور کر کے نیپال میں داخل ہوئے تھے تو ہم نے محسوس کیا تھا کہ ہم پریشانی کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ نیپال میں ہمارا کوئی دشمن نہیں تھا لیکن یہ ہماری خام خیالی نکلی۔ پریشانیوں اور آفتوں نے یہاں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ یہاں ہم سرکار کے سامنے آ گئے تھے جب کہ بھارت میں سوائے فوجی معرکہ آرائیوں کے سرکار براہِ راست ہمارے پیچھے نہیں آئی تھی۔ یہاں ہم محصور ہو گئے تھے۔ رات سوتے جاگتے گزر گئی تھی۔ صبح کے وقت ساوھنا نے میرا شانہ جھنجھوڑا۔

''شوبی کہیں فائرنگ ہو رہی ہے۔'' اس کے لہجے میں خوف آ گیا تھا۔

میں نے کان لگا کر سنا واقعی کہیں فائرنگ ہو رہی تھی۔ ''تم لوگ یہیں رکو جب تک میں نہ آؤں کہیں مت جانا چاہے کوئی لے جانے کی کوشش کرے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔'' وسیم بولا اور اس نے اپنا پستول نکال لیا تھا۔

میں غار کے اوپر والے حصے میں آیا۔ یہاں آتے ہی مجھے شدید قسم کی فائرنگ کا شور سنائی دیا۔ کوئی بھاری مشین گن چل رہی تھی۔ غار کے دہانے پر ہی جنگ وجدل کے آثار نظر آ رہے تھے اور نریندر خود بھاری مشین گن سنبھالے ہوئے فائر کر رہا تھا۔ کاسن اس کے پاس کھڑا تھا۔ یہاں اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کاسن مجھے دیکھتے ہی لپکا اور مجھے ایک طرف لے گیا۔ اس نے میرے کان میں چلا کر کہا۔

''فوج نے حملہ کر دیا ہے۔''

مجھے اسی کا خدشہ تھا۔ میں نے چلا کر پوچھا۔ ''کیا تم لوگوں کا خفیہ راستہ محفوظ ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں لیکن اس طرف سے نکلنا ممکن نہیں ہے۔ جس جگہ یہ راستہ نکلتا ہے اس طرف پولیس اور فوج موجود ہے۔ ان کی نظر سے بچنا ممکن نہیں ہے۔''

''اب تم لوگ کیا کرو گے؟''

کاسن مایوس تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہم کیا کر سکتے ہیں سوائے مقابلہ کرنے کے۔''

''تم دو درجن افراد محدود اسلحے کے ساتھ ان لوگوں کا مقابلہ کر سکتے ہو جو تم سے تعداد میں کہیں زیادہ ہیں اور بہتر اسلحے سے لیس ہیں۔ ان کو لامحدود رسد مل سکتی ہے اور تم لوگوں کو جو ہے اسی میں گزارا کرنا ہے؟''

اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''ہمارے پاس اس کے سوا اور چارہ کیا ہے۔ نریندر کا کہنا ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم بہرصورت مقابلہ کریں گے۔''

ایسا لگ رہا تھا کہ محاصرہ کرنے والوں کو خفیہ راستے کا علم نہیں تھا لیکن وہ یہ جانتے تھے کہ یہ راستہ کس جگہ نکلتا تھا اس لیے انہوں نے وہاں بھی پہرہ بٹھا دیا تھا۔ تاکہ اندر موجود افراد وہاں سے بھی فرار نہ ہو سکیں۔ صورتِ حال واضح طور پر خراب تھی۔ میں نے کاسن سے کہا۔ ''تم لوگ مقابلہ کرنے کے بجائے یہاں سے نکلنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے ہو؟''

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کسی کو پاس نہ پا کر بولا۔ ''میں نے نریندر سے یہی کہا ہے لیکن وہ جذباتی ہو رہا ہے۔ وہ اس ٹھکانے کو حکومت کے قبضے میں جاتے نہیں دیکھ سکتا ہے۔''

''وہ جذباتی ہو رہا ہے۔'' میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''گوریلا جنگ میں جگہ کے بجائے جان اور کامیابی کا خیال کیا جاتا ہے۔''

''اصل میں یہ ٹھکانہ ایک طرح سے نریندر کی دریافت ہے اور وہ اسے بہت عزیز رکھتا ہے۔''

نریندر دیکھنے میں اتنا نامعقول نہیں لگتا تھا۔ وہ جس قسم کی تحریک کا ایک لیڈر تھا اس کا ماٹو ہی مارو اور بھاگ جاؤ۔ گوریلا تحریک کی کامیابی ہی اس میں تھی کہ اس کے اراکین کتنے سریع الحرکت ہیں۔ ایک جگہ ٹھکانہ بنانا اس قسم کی جنگ میں موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ یہاں کم سے کم پچیس افراد تھے اور نریندر ان سب کی زندگی اور آزادی خطرے میں ڈال رہا تھا۔ میں نے کاسن سے کہا۔

''کیا تمہاری یہاں کوئی حیثیت ہے تم نریندر کو مشورہ نہیں دے سکتے ہو؟''

''دے تو سکتا ہوں لیکن وہ مانے گا نہیں۔''

''اگر میں اس سے بات کروں تو؟''

''تب شاید مان جائے۔'' اس نے تذبذب سے کہا۔ وہ نریندر کی طرف گیا اور اس سے کچھ کہا۔ نریندر نے میری طرف دیکھا اور مشین گن کاسن کے حوالے کر کے میری طرف آیا۔ وہ بہت پُرجوش ہو رہا تھا۔

''میں نے کم سے کم دو پولیس والے اڑا دیئے ہیں۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم دو مارو گے تو مرنے والوں کی جگہ دس آ جائیں گے۔ تم دس مارو گے تو سو آ جائیں گے۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور اس کا جوش خروش ذرا ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ''کیا مطلب؟''

''نریندر میری بات غور سے سنو۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اگر تمہارا دل چاہے تو مان لینا۔''

''بولو۔'' اس کا انداز یک دم ہی سرد ہو گیا تھا شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اس سے کیا کہنے والا ہوں۔

''دیکھو سرکار کے پاس مرنے کے لیے آدمیوں اور مارنے کے لیے اسلحے کی کمی نہیں ہے۔ جب کہ تمہارے پاس صرف یہی دو درجن آدمی اور محدود اسلحہ ہے تمہیں کہیں سے کمک کی امید نہیں ہے اور.....''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر پہلے سے زیادہ سرد لہجے میں کہا۔ ''تم مجھے بزدل سمجھ رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔"

"میں تم کو بزدل نہیں کہہ رہا ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "لیکن تم نے یہ سوچا کہ اس مقابلے کا کیا انجام ہوگا۔ تم سب مارے جاؤ گے۔"

"تب تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ میری بات نہیں سنے گا لیکن میں نے پھر بھی کہہ دیا۔ "تمہیں اپنے ساتھیوں کو لے کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

اس نے یوں مجھے دیکھا جیسے اب تک اسے میرے بارے میں کوئی غلط فہمی رہی تھی۔ اس نے سرد مہری سے کہا۔ "افسوس مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنے بزدلانہ خیالات رکھتے ہو۔"

"میں نے کبھی بہادری کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ میرے نزدیک میرے ساتھیوں کی زندگی میری ذاتی اَنا سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم ایک ایسی جنگ لڑنے جا رہے ہو جس میں تمہاری کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ گوریلا جنگ کے اصولوں کے برخلاف لڑ کر تم صرف اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان گنواؤ گے۔"

"یہ عزت کی موت ہوگی۔" اس نے فخر سے کہا۔

"میرے نزدیک عزت کی موت وہ ہوتی ہے کہ جب انسان کے پاس ہتھیار ڈالنے یا مرنے کے سوا کوئی راستہ نہ ہو اور انسان ہتھیار ڈالنے پر مرنے کو ترجیح دے۔ اس میں بھی وہ اپنی جان کا فیصلہ کر سکتا ہے دوسروں کی جان کا نہیں۔"

اس بار اس کا موڈ واضح طور پر خراب ہو گیا تھا۔ "کیا تم مجھے مشورہ دے رہے ہو کہ میں یہ اڈہ ان سرکاری کتوں کے حوالے کر دوں۔"

"نریندر..... تم میری بات....."

"بکواس مت کرو۔" وہ دھاڑا۔ "مجھے لگتا ہے تم دشمنوں سے مل گئے ہو۔ یہ تمہارے ساتھ ساتھ ہی آئے ہیں۔"

میں سناٹے میں رہ گیا تھا۔ پھر میری رگوں میں خون کی روانی تیز ہونے لگی تھی۔ "تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔"

"شکر کرو صرف الزام لگا رہا ہوں سزا نہیں دے رہا۔ ابھی میں ان کتوں سے نمٹ لوں اس کے بعد تم لوگوں کا فیصلہ کرتا ہوں۔" اس نے کہا اور دو گوریلوں کو بلا کر ان کو اپنی زبان میں کوئی حکم دیا۔ انہوں نے مجھ پر رائفلیں تان لی تھیں۔ میں نے نریندر کی طرف دیکھا۔

"مہمان بنا کر تم نے اچھا سلوک کیا ہے میں اسے یاد رکھوں گا۔"

وہ سفاک انداز میں مسکرایا۔ "اگر یاد رکھنے کے لیے رہے تو؟"

مجھ پر اپنی گن تاننے والے نے مجھے اشارے سے چلنے کو کہا۔ بادل نا خواستہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ کاسن یہ سب دیکھ رہا تھا اور اس نے دخل اندازی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن جب میں ان گوریلوں کے ساتھ جا رہا تھا تو میں نے دیکھا وہ نریندر سے کچھ بات کر رہا تھا۔ شاید وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس احمق پر غصہ آ رہا تھا جو خود بھی مرنے جا رہا تھا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو مروانے کا بندوبست بھی کر لیا تھا لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ گوریلے مجھے میرے غار تک لایا اور اس کے بعد ان میں سے ایک واپس چلا گیا تھا اور دوسرا غار کے دروازے پر جم گیا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ نریندر نے عملاً مجھے اور میرے ساتھیوں کو قید کر دیا تھا۔ میری واپسی کے انداز پر میرے ساتھی حیران تھے۔ وسیم نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا میں نے احتیاطاً پشتو میں کہا۔

''نریندر کا دماغ چل گیا ہے وہ فوج سے لڑ رہا ہے اور اس کا ارادہ عزت کی موت مرنے کا ہے۔''

''تو مرے۔'' وسیم بولا۔ ''لیکن ہم نے کیا قصور کیا ہے۔''

''وہ میری یا کسی کی سننے کے لیے تیار نہیں ہے اس وقت اس میں ریمبو کی روح سمائی ہوئی ہے۔''

''شہباز صاحب اب مجھے سچ مچ افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے واپسی کا کیوں کہا۔''

''افسوس کرنے سے فائدہ نہیں ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی ہے۔''

ابھی ہمارے ہتھیار واپس نہیں لیے گئے تھے اور میں نے وسیم سے کہا کہ اگر یہ لوگ ہتھیار واپس مانگیں تو ہمیں ہر ممکن مزاحمت کرنا ہوگی کیونکہ ہتھیار ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ہم کلی طور پر ان کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ پہرے پر موجود شخص غار کے سامنے موجود تھا اور شاید اس کی ڈیوٹی بس اتنی تھی کہ وہ ہمیں غار سے نہ نکلنے دے۔ کوئی دو گھنٹے بعد کاسن آیا تھا۔ اس نے آتے ہی مجھ سے معذرت کیا۔

''نریندر اس وقت کسی کی سننے کے لیے تیار نہیں ہے اور اس نے ریڈیو بھی بند کر دیے ہیں۔''

''یہ شخص پاگل ہے اسے لیڈر کس نے بنایا ہے۔''

''نریندر بہت دلیر ہے اسی وجہ سے اسے لیڈر بنایا گیا ہے۔''

''لیکن اس وقت وہ دلیری نہیں بیوقوفی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' کاسن نے سر ہلایا۔ ''میں تم سے متفق ہوں لیکن اس وقت کوئی اسے سمجھا نہیں سکتا ہے۔''

''لڑائی کی کیا پوزیشن ہے؟''

''بلندی پر ہونے کی وجہ سے ہمیں فائدہ ہے لیکن وہ ہماری رینج سے دور ہیں اور میرا خیال ہے ان کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔''

''اگر انہوں نے توپیں استعمال کیں تو؟''

''تب ہمیں خطرہ ہے۔'' کاسن نے کہا۔ ''لیکن شاید ان کو ایسا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔''

میں چونکا۔ ''کیا تم لوگوں کے پاس خوراک کا ذخیرہ محدود ہے؟''

''مشکل سے ایک ہفتے کا۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''بدقسمتی سے اس بار ہم نے خوراک جمع کرنے پر اتنی توجہ نہیں دی۔''

''اس کے بعد تم لوگ کیا کرو گے۔ بھوک سے مرو گے یا باہر نکل کر فوج کے ہاتھ سے مر جاؤ گے۔'' میں نے باہر موجود گوریلے کی طرف دیکھا۔ وہ مشکل سے بیس برس کا تھا۔ ''یہ اور اس جیسے دوسرے کسی مقصد کے تحت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم لوگوں کے پاس آئے تھے ان کو یوں بے مقصد مروا دینا کہاں کی عقل مندی ہے؟''

کاسن نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔''میں جانتا ہوں لیکن نریندر یہاں کا لیڈر ہے اور ہمیں اس کا حکم ماننا ہی پڑے گا۔''

''ہمارے بارے میں اس کا کیا حکم ہے؟'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''اس نے تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اس جگہ محدود کر دیا ہے لیکن تم لوگ قیدی نہیں ہو۔''

وسیم ہنسا۔''تو قید اور کسے کہتے ہیں۔''

''نہیں اس حالت میں بھی تم ہمارے مہمان ہو۔ نریندر غصے میں آ گیا تھا لیکن اب میں نے اسے ٹھنڈا کر لیا ہے۔'' کاسن سنجیدگی سے بولا۔''تم نے دیکھا نہیں کہ تم سے اسلحہ بھی نہیں لیا گیا ہے۔''

''او کے میں نے مان لیا لیکن مہمان کو کچھ کھانا پانی بھی دیا جاتا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ ابھی آ جائے گا۔'' وہ باہر کی طرف بڑھا پھر رک کر بولا۔''میں معافی چاہوں گا۔ یہاں راشن بندی کر دی گئی ہے اس لیے سب کو محدود کھانے کو ملے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے کہا۔''مجھے معلوم ہے اس قسم کے حالات میں سب کو قربانی دینا ہوگی۔''

وہ چلا گیا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔''یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ ہم بالکل قیدی بھی نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں یہاں سے ایک منٹ کے نوٹس پر نکلنے کی تیاری کر لینی چاہیے۔''

وسیم نے سر ہلایا۔''لیکن غیر محسوس انداز میں اس گوریلے کو شبہ نہ ہو۔''

''ہم رفع حاجت کے بہانے باری باری تیار ہو کر جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ اور اپنی جیکٹ پہن کر باہر آیا۔ گوریلا چوکنا ہو گیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اشارے سے بتایا کہ میں کیا چاہتا تھا۔ اس نے سر ہلایا اور پھر آواز دے کر اپنے ایک ساتھی کو بلایا۔ میں اس کے ساتھ آبشار والے غار تک آیا۔ اسی طرح ہم سب ہی تیار ہو گئے تھے۔ اس دوران میں ناشتہ آ گیا تھا جو بغیر دودھ اور پھیکی چائے اور خشک روٹی پر مشتمل تھی۔ ناشتہ کے دوران میں نے ان سے کہا۔

''ہمیں آبشار والے راستے سے نکلنا ہوگا۔''

''وہ بہت مشکل ہے۔'' وسیم نے کہا۔''میں نے اسے دیکھا ہے۔ اوپر سے چھلانگ لگانے کے بعد اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ آپ زندہ سلامت نیچے پہنچ سکیں گے۔''

''آبشار کے ساتھ دائیں طرف ایک چھجا ہے میں وہاں تک ہو کر آیا ہوں۔ اگر اس چھجے سے ناپ تول کر چھلانگ لگائی جائے تو ہم جھیل کے کسی ایسے حصے میں اتر سکتے ہیں جس میں زیر آب چٹانیں نہ ہوں۔''

''میں نے بھی جھیل دیکھی ہے اور اس میں سیاہی والے حصے زیادہ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ چٹانیں ہی ہیں۔''

''تب فرار کا راستہ اور کیا ہو سکتا ہے۔'' میں نے وسیم کی بات پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''ایک تجویز ہے ہمارا۔'' بیتو نے ہاتھ بلند کیا۔

''ہاں بولو۔'' وسیم نے کہا۔''اب تم بھی بولو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں اب ہم بھی بولے گا۔'' بیتو نے دانت نکالے۔ ''ہم کبھی کبھی بولتا ہے، پر کام کا بولتا ہے۔''

''اب تم فضول کا بول رہے ہو۔'' سادھنا نے اسے ٹوکا۔ ''کام کی بات کرو۔''

''ہمارا تجویز یہ ہے کہ ہم رسی کی مدد سے نیچے اتر سکتا ہے۔''

میں نے بے ساختہ بیتو کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''واہ کیا بات کی ہے۔''

''واقعی ہم رسی کی مدد سے کم خطرے کے ساتھ نیچے اتر سکتے ہیں۔'' سادھنا نے اس کی تائید کی۔

''لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے پاس اتنی لمبی رسی ہو۔'' وسیم نے کہا۔

''رسی ہمارے پاس ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''راستے میں مَیں نے جو رسی استعمال کی تھی وہ اس وقت میرے والے بیگ میں ہے اور میرے خیال میں یہ کم سے کم دو سو فٹ لمبی تو ہے۔''

''بس تو پھر کام بن جائے گا۔'' وسیم بولا۔ ''ہم اب فوراً نکل جانا چاہیے۔''

''اتنی جلدی نہیں رات ہونے کا انتظار تو کرو۔ دن میں دوسروں کی نظر میں آنے کا بہت زیادہ امکان ہے۔'' میں نے اسے روکا۔ ''پھر ممکن ہے اس طرف بھی فوج اور پولیس ہو۔ دن میں ان کی نظر میں آنے کا امکان زیادہ ہوگا۔''

میرے ذہن میں تھا کہ اس وقت تک نریندر پر صورتِ حال واضح ہو جائے اور وہ اپنا فیصلہ بدل کر یہاں سے خفیہ راستے سے نکلنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ اس موسم میں جھیل کا پانی قیامت خیز حد تک ٹھنڈا ہوگا اور اس میں اترنے کے بعد ہمارا نہ جانے کیا حشر ہو۔ جھیل بھی خاصی بڑی تھی۔ اس کے کسی کنارے تک پہنچتے پہنچتے ہم پر قیامت گزر سکتی تھی۔ اس لیے جھیل والا راستہ صرف مجبوری کے عالم میں ہی استعمال کیا جا سکتا تھا۔

شام تک کا وقت بڑا کٹھن گزرا تھا۔ اس دوران میں کبھی فائرنگ کا شور بڑھ جاتا تھا اور کبھی خاموشی چھا جاتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ فوج والے ابھی ان کو ٹیسٹ کر رہے تھے اس کے بعد وہ پلان بنا کر باقاعدہ حملہ کرتے اور ان کا ایک جھٹکے میں صفایا کر سکتے تھے۔ میرے حساب سے یہ کام زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اگر آرمی والے گیس کا استعمال کرتے تو یہی غار ان لوگوں کا قبرستان بن جاتا۔ ان کو بہت زیادہ خطرناک ہتھیار استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد گیس ماسک اور اندھیرے میں دیکھنے والی عینکوں سے لیس ایک کمانڈو دستہ ان سب کو پکڑنے یا ان کا صفایا کرنے کے لیے کافی ہوتے۔ بشرطیکہ نیپال کی فوج میں اس قسم کا کوئی تربیت یافتہ دستہ ہوتا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ اس قسم کا کوئی ایکشن سورج ڈوبتے ہی نہ شروع ہو جائے۔ اس صورت میں ہم بھی اس کی لپیٹ میں آ سکتے تھے۔ شام کو کاسن آیا اور اس نے بتایا کہ فوج کے دستے فولادی آڑ لے کر خاصے اوپر تک آ گئے تھے اور اب غار کا دہانہ براہِ راست ان کی زد میں تھا۔

''اس کا مطلب ہے وہ رات کو حملہ کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''امکان تو یہی ہے۔'' کاسن مایوسی سے بولا۔ ''ہمارے دو ساتھی اس لڑائی میں مارے جا چکے ہیں اور چار شدید زخمی ہیں۔''

''کیا نریندر کے خیال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ اب بھی لڑائی پر تلا ہوا ہے۔''

''آنے والی رات بہت اہم ہے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''جو پہل کرے گا وہی کامیاب رہے گا۔''

کاسن سمجھا نہیں اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کامیاب؟''

''مطلب یہ کہ جو رات کا فائدہ اٹھائے گا۔ اگر نریندر نے اپنا ارادہ بدل دیا تو تم لوگوں میں سے بیشتر بچ سکتے ہیں۔ ورنہ فوج نے اپنے منصوبے پر عمل کیا تو تم لوگوں کا بچ نکلنا مشکل ہو جائے گا۔''

''فوج کا کیا پلان ہو سکتا ہے؟''

''سب سے آسان کام تو یہ ہے کہ وہ گیس کے بم مار کر تم لوگوں کو باہر نکلنے پر مجبور کر دیں۔ یہ بتاؤ تمہارے پاس گیس ماسک ہیں؟''

''بہت کم شاید ایک درجن ہوں۔''

''اس صورت میں اگر فوج نے متواتر گیس کے شیل پھینکے تو تم خود سوچ سکتے ہو کہ کیا ہوگا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں نریندر سے بات کرتا ہوں۔'' اس نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے رسی کا لچھا نکال کر اپنی جیکٹ میں رکھا اور وسیم سے کہا۔ ''ہوشیار رہنا میں رسی لگانے جا رہا ہوں۔ ممکن ہے ہمیں رات سے پہلے ہی نکلنا پڑے۔''

''میرا تو مشورہ ہے ہمیں وقت سے پہلے نکل جانا چاہیے، ورنہ ایک بار آرمی ایکشن میں آ گئی تو ہمارے لیے مشکل ہو جائے گی۔''

''درحقیقت وہی وقت موزوں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''اس وقت ان کی ساری توجہ دفاع کرنے پر ہوگی۔''

میرا مشین پسٹل میرے پاس تھا۔ میں نے پہرے دار سے کہا کہ مجھے آبشار والے غار میں جانا ہے۔ اسے کوئی شک نہیں ہوا کیونکہ میں کوئی دس گھنٹے پہلے گیا تھا۔ اتنی دیر بعد دوبارہ جانے کی تک بنتی تھی۔ ویسے بھی سردی کے موسم میں آدمی کو باتھ روم جانے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے۔ اس نے مجھے ایک اور آدمی کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ابھی تک نریندر نے ہماری نظر بندی کا حکم واپس نہیں لیا تھا۔ جیسے ہی میرے ساتھ آنے والا مجھے غار میں چھوڑ کر باہر گیا۔ میں فوراً آبشار کے پاس سے گزر کر دائیں طرف والے حصے کی پتھریلی دیوار پکڑ کر اس جھیج تک جانے لگا اس بار مجھے کم وقت لگا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ کہاں کہاں تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا لیکن ہلکی سی روشنی ابھی برقرار تھی۔ جھیج تک آ کر میں نے کوئی موزوں جگہ دیکھی جہاں میں رسی باندھ سکوں۔ مجھے ایک ابھرا ہوا پتھر مل گیا اور میں نے اس سے رسی باندھ کر اسے چیک کیا۔ رسی پوری طرح مضبوط تھی اور اس کے پتھر سے نکل جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

یہ کام کر کے میں مڑا تھا کہ میں نے آبشار تلے سے ایک سایا نمودار ہوتے دیکھا۔ یہ وہی گوریلا تھا جو مجھے یہاں تک آیا تھا۔ شاید اسے شک ہو گیا تھا اور وہ اپنا شک دور کرنے یہاں تک آ گیا تھا۔ وہ بڑی مشکل جگہ تھا۔ اس نے مجھے جھیج پر دیکھا تو چیخ کر کچھ کہا اور پھر اس کی نظر رسی پر پڑی۔ اس بار اس نے کچھ کہنے کے ساتھ اپنے شانے کے ساتھ لٹکی رائفل اتارنے کی کوشش کی۔ مجھے خطرے کا احساس ہوا۔ وہ مجھے شوٹ کرنے جا رہا تھا۔ وہ رسی دیکھ کر سمجھا تھا کہ میں فرار ہونے جا رہا تھا۔ اور یہ کسی حد تک درست بھی تھا کیونکہ میں نے واقعی رسی فرار کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے لگائی تھی لیکن ابھی نہیں، مجھے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہونا تھا۔ یہ بات میں اس گوریلے کو نہیں سمجھا سکتا تھا پھر بھی میں نے کوشش کی۔

''اے میری بات سنو۔ میں فرار نہیں ہو رہا تھا۔'' میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

لیکن وہ میری بات سننے کے بجائے بدستور چلاتے ہوئے اپنی رائفل اتارنے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے رسی کا ایک حصہ ہاتھ پر لپیٹا اور ذرا پیچھے ہو گیا۔ اس نے رائفل شانے سے اتارتے ہی مجھے گولی مارنے کی کوشش کی اور میں چھجے کے ساتھ دیوار سے چپکنے کی وجہ سے بچ گیا تھا۔ اس کا چلایا برسٹ مجھ سے ذرا دور دیوار میں لگا اور اس سے سنگریزے اُڑ کر مجھ تک آئے تھے۔ مجھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح براہ راست مجھ پر فائر کر دے گا میرا خیال تھا کہ وہ مجھے ہینڈز اَپ کرائے گا۔ میں نے چیخ کر اسے گالی دی۔

''پاگل کے بچے..... یہ کیا کر رہے ہو؟''

لیکن پاگل کا بچہ میری بات سننے کے بجائے مجھے پھر سے نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے لیے وہ ذرا آگے آیا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ اس بار مجھے بچ کر جانے کا موقع نہ ملے۔ اب مجھے لگا اگر میں اسی جگہ کھڑا رہا تو مارا جاؤں گا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر چھلانگ لگائی اور چھجے کے دوسری طرف گرا۔ اس کا چلایا دوسرا برسٹ اس جگہ لگا جہاں میں ایک لمحے پہلے موجود تھا۔ رسی نے مجھے جھیل میں گرنے سے بچا لیا تھا۔ جیسے ہی رسی تنی میں جھکولا کھاتا چھجے کے نیچے اسے سامنے آیا۔ گوریلا شاید مطمئن تھا کہ میں جھیل میں گر گیا ہوں۔ اس لیے مجھے چھجے کے نیچے جھولتے دیکھ کر وہ اتنا حیران ہوا کہ فائر کرنا بھی بھول گیا۔ یہ اس کی آخری بھول تھی کیونکہ جھولا کھا کر واپس جاتے ہوئے میں نے مشین پسٹل نکال لیا تھا اور جیسے ہی میں دوسری بار چھجے کے نیچے سے اس طرف آیا میں نے اس کی طرف گولی چلائی۔

اسے معلوم نہیں تھا یا اسے اندیشہ نہیں تھا کہ میں اچانک اس پر فائر کر دوں گا۔ اسے گولی نہیں لگی لیکن وہ گڑبڑایا اور اسی گڑبڑاہٹ میں اس کا توازن خراب ہوا۔ اسے کسی قدر تاخیر سے احساس ہوا کہ وہ گر رہا ہے۔ اس نے دیوار سے چپکنے کی کوشش کی اور ناکام ہونے کے بعد وہ نیچے گرتا چلا گیا تھا۔ اس نے چیخ ماری اور جھیل میں گرنے سے اس کی یہ چیخ ادھوری رہ گئی تھی۔ ویسے بھی یہاں پانی گرنے کا اتنا شور تھا کہ فائرنگ کی آواز بھی نہ سنائی دے اس کی چیخ کس نے سنی ہوگی۔ اس لیے مجھے اطمینان تھا کہ اندر یہ شور نہیں گیا ہوگا۔ فائرنگ ویسے بھی ہو رہی تھی۔

لیکن مجھے خدشہ تھا کہ کوئی اور بھی غار میں موجود ہوگا اس لیے میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا اور جب کوئی اور نمودار نہیں ہوا تو میں دوبارہ دہانے سے اندر داخل ہوا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے مشین پسٹل اس طرح جیکٹ میں رکھا کہ اسے ایک منٹ کے نوٹس پر نکال سکتا تھا اور پھر اپنے والے غار کی طرف روانہ ہو گیا۔ پہرے پر تعینات گوریلا مجھے اکیلا آتا دیکھ کر چونکا لیکن اس سے پہلے وہ مجھ سے ساتھ جانے والے کے بارے میں کوئی سوال کرتا میں نے ایک مسکراہٹ کا ساتھ اس کا شکریہ ادا کیا اور اندر آ گیا۔ میں نارمل ہی تھا لیکن وسیم نے تاڑ لیا۔

''کوئی مسئلہ ہوا ہے؟'' اس نے آہستہ سے پشتو میں پوچھا۔

''بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''شاید ہمیں کچھ دیر میں یہاں سے فرار ہونا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑے۔"

سادھنا اور بیتو بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ان کو پشتو تو نہیں آتی تھی لیکن وہ میرے لہجے سے سمجھ گئے تھے۔ ان کی آسانی کے لیے میں نے اردو میں بات کی اور انہیں بتایا کہ رسی باندھنے کے دوران کیا ہوا تھا۔

"اس بدبخت کو بھی ابھی شک ہونا تھا۔"

سادھنا فکرمند ہو گئی۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔" اس نے کہا۔

"بی بی ہمارے ساتھ اچھا ہوتا کب ہے۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "لیکن تم فکر مت کرو اللہ نے چاہا تو ہمیشہ کی طرح ہم اسے اچھا بنا لیں گے۔"

وسیم زیادہ فکرمند تھا۔ "شہباز صاحب ہمیں فوری طور پر نکلنا ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن اس وقت غار میں چہل پہل ذرا زیادہ ہے اور ہم باجماعت نکلے تو امکان ہے کہ کوئی نہ کوئی دیکھ لے گا اور شور مچا دے گا۔"

وسیم نے سر ہلایا۔ اتنا تو وہ بھی سمجھتا تھا کہ اتنے سارے مسلح افراد کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سب کے سب تربیت یافتہ لڑاکے تھے۔ میری خوش قسمتی کہ مجھ پر حملہ کرنے والے کا توازن خراب ہو گیا۔ ورنہ اس کی جگہ میری لاش جھیل میں گرنے کا امکان زیادہ تھا۔ "فوری طور پر اس کی گمشدگی کا شاید پتا نہ چلے اور چل بھی گیا تو کوئی مجھ پر شک نہیں کرے گا۔"

"ہاں اس کا امکان کم ہے۔" وسیم نے سر ہلایا۔ "لیکن یاد رکھیے گا کہ کسی بھی تحریک مزاحمت کے افراد کے اعصاب بہت کمزور ہوتے ہیں اور وہ بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں۔"

وسیم کی یہ وارننگ کچھ دیر بعد حقیقت بن کر سامنے آ گئی۔ کوئی نو بجے کا سن اندر آیا۔ وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی مجھ سے کہا۔ "ہمارا ایک آدمی غائب ہے۔"

میں نے اپنے تاثرات کو قابو میں رکھا تھا۔ "کون غائب ہے؟"

"جوگندر نامی لڑکا غائب ہے اور وہ تمہارے ساتھ آبشار والے غار تک گیا تھا۔"

"اچھا وہ لیکن وہ تو مجھے وہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اسے حکم تھا کہ تمہیں واپس لے کر آئے۔"

"تب میں کیا کہہ سکتا ہوں دوست۔" میں نے بھی سنجیدگی سے کہا۔ "کیونکہ جب میں فارغ ہو کر نکلا تو وہ وہاں نہیں تھا اور میں اکیلا واپس آ گیا تھا۔"

"یہ تو مجھے بھی پتا ہے۔" اس نے کہا۔ "صفدر نے بتایا ہے۔" اس نے باہر پہرے پر موجود گوریلے کی طرف اشارہ کیا۔ "کسی نے اسے تمہارے ساتھ واپس آتے نہیں دیکھا ہے لیکن کسی نے اسے غار میں بھی نہیں دیکھا ہے۔ وہ ایک گھنٹے سے غائب ہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا جب وہ تمہارے ساتھ گیا تھا تب سے کسی نے اسے نہیں دیکھا ہے۔"

"کیا تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟" میں نے اسے غور سے دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ہچکچایا۔ ''نہیں..... لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ آخری بار تمہارے ساتھ دیکھا گیا تھا اور تم ایک نظر بند شخص ہو۔''

''اسے آخری بار میرے ساتھ دیکھا گیا تھا تو میں ہی اس کی گم شدگی کا ذمے دار ہو گیا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''نریندر کے انداز سے تو لگ رہا تھا کہ فوج کے آنے کا ذمے دار بھی مجھے سمجھ رہا ہے۔''

اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیا تم واقعی جوگندر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے؟''

''نہیں۔'' میں نے پلک جھپکائے بغیر ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''میں مان لیتا ہوں لیکن تمہیں نریندر نے بلایا ہے۔''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ''شاید وہ یقین نہ کرے۔''

کاسن نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کچھ پریشان لگ رہا تھا۔ میں اس کے ساتھ نکلا تھا وسیم نے ساتھ آنا چاہا لیکن کاسن نے اسے روک دیا۔

''تم نہیں دوست، نریندر نے صرف شہباز کو بلایا ہے۔''

''تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔'' میں وسیم کی آنکھوں میں دیکھا اور میرا خیال تھا کہ وہ میرا پیغام سمجھ گیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اگر میں واپس نہ آؤں تو وہ بیتو اور سادھنا کو لے کر یہاں سے نکل جائے۔ میں کاسن کے ساتھ اوپر والے لیول کے ایک حصے میں پہنچا تو وہاں نریندر کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ان میں ایک نوجوان کچھ جذباتی نظر آ رہا تھا اس نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ اس کے نقوش جوگندر سے بہت مل رہے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ وہ شاید اس کا بھائی یا کوئی اور قریبی رشتے دار تھا۔ نریندر کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ اس نے سرد نظروں سے مجھے دیکھا۔

''شہباز ہمارا ایک آدمی غائب ہے۔''

''مجھے کاسن نے بتایا ہے لیکن میں نے جوگندر کو نہیں دیکھا۔ وہ مجھے آبشار والے غار میں چھوڑ کر غائب ہو گیا تھا۔''

''یہ جھوٹ بکتا ہے۔'' جوگندر سے مشابہ شخص نے تڑپ کر ہندی میں کہا۔ ''اس نے میرے بھائی کو مار دیا ہے۔''

''میں نے تمہارے بھائی کو نہیں مارا ہے۔'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''میری اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اور تم لوگ میرے میزبان ہو میں تم میں سے کسی کو کیوں ماروں گا۔''

جوگندر کے بھائی نے میری بات پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ ''اس نے فرار کی کوشش کی ہو گی اور جوگندر نے اسے روکنا چاہا ہو گا۔ اس لیے اس نے اسے مار دیا۔''

ایک لمحے کو میں ششدر رہ گیا تھا اس نے بالکل درست تجزیہ کیا تھا لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا تھا کیونکہ تاثرات کی ذرا سی غلطی مجھے پکڑوا سکتی تھی۔ ''یہ جھوٹ ہے یہ مجھ پر الزام لگا رہا ہے۔'' میں نے احتجاج کیا

''اگر یہ الزام لگا رہا ہے تو اس کا بھائی کہاں ہے؟'' نریندر نے سرد لہجے میں کہا۔

''تم لوگ شاید آنکھ بند کر کے اس پر یقین کر چکے ہو کہ وہ میری وجہ سے غائب ہوا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بھاگ گیا ہو۔"

جوگندر کے بھائی نے تڑپ کر مجھ پر گن تان لی تھی۔ "بکواس مت کرو میرا بھائی بزدل نہیں ہے۔"

وہ اتنا جذباتی ہو رہا تھا کہ کاسن اس کی گن نیچے نہ کرتا تو وہ مجھے گولی مار دیتا۔ میں نے تلخی سے کہا۔ "خوب گویا یہ بھی ممکن نہیں ہے تب یہی رہ جاتا ہے کہ تم مجھ پر الزام لگا دو لیکن تم لوگوں نے یہ سوچا کہ میں اسے کیوں ماروں گا اور اگر میں فرار ہونے کی کوشش بھی کر رہا تھا تو کہاں سے فرار کی کوشش کر رہا تھا۔ تم لوگ گواہ ہو کہ میں غار سے باہر جانے والے دروازہ کے قریب بھی نہیں گیا تھا۔"

"تم آبشار والے راستے سے بھاگنا چاہتے تھے۔" جوگندر کے بھائی نے ایک بار پھر مجھے حیران کر دیا۔ کم بخت شرلاک ہومز بنا ہوا تھا اور بالکل درست تجزیے کر رہا تھا۔

"اگر میں بھاگنا چاہتا تھا تو بھاگا کیوں نہیں؟"

"کیونکہ تمہارے ساتھی یہیں ہیں تم جانتے ہو اگر تم بھاگ گئے تو ہم ان کو نہیں معاف کریں گے۔"

اس بار میں نے اس سے کوئی بات کرنے کے بجائے نریندر سے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لوگ مہمان بنا کر میرے ساتھ یہ سلوک کرو گے۔ پہلے مجھے بلا وجہ نظر بند کر دیا اور اب مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔ جب کہ تم لوگوں کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے ہمارے پاس کوئی گواہ نہیں ہے۔" کاسن نے میری حمایت کی۔ "شہباز اور اس کے ساتھی ہمارے مہمان ہیں اور ہم صرف شک کی بنیاد پر ان کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے۔"

میں نے محسوس کیا کہ نریندر میرے پُر اعتماد انداز سے سوچ میں پڑ گیا تھا اور کاسن کا انداز پہلے کی طرح ہو گیا تھا لیکن جوگندر کا بھائی جذباتی ہو رہا تھا اور میں نے جوگندر کے فرار کا مفروضہ چھوڑ کر اسے مزید مشتعل کر دیا تھا۔ نریندر نے خاصی دیر بعد کہا۔ "اگر جوگندر نے فرار ہونا ہوتا تو وہ سامنے سے نکلتا۔"

"اس صورت میں وہ تمہارے آدمیوں کے ہاتھوں فوراً مارا جاتا۔ کیا تم نے غار سے باہر جانے پر پابندی نہیں لگائی ہے؟"

"ہاں میں نے باہر جانے پر پابندی لگا رکھی ہے۔"

"لیکن اگر وہ دہانے والے راستے سے نہیں گیا تو پھر کہاں سے گیا۔" جوگندر کا بھائی بولا۔

"کیوں وہ آبشار والے راستے سے نہیں جا سکتا۔" میں نے کہا۔

"وہ بہت خطرناک ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"تمہارے بھائی کے لیے خطرناک ہے اور میرے لیے آسان ہے۔" میں نے طنز کیا۔

"یہ درست ہے آبشار جہاں گرتی ہے اس کے عین نیچے چٹانیں ہیں اور جو آبشار کے ساتھ کودے گا اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" کاسن نے کہا۔

"ایک راستہ اور ہے تم لوگ اسے بھول رہے ہو؟" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ نریندر اور کاسن چونک گئے۔

"کون سا راستہ؟" نریندر نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''خفیہ راستہ۔''

''لیکن اس کے بارے میں مجھے پتا ہے یا کاسن کو۔'' نریندر بولا۔

''ہاں یہ تو ہے لیکن کسی اور کے لیے معلوم کرنا ناممکن تو نہیں ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ راستہ اتفاقاً جوگندر کی نظر میں آ گیا ہو اور اب اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا ہو۔''

جوگندر کے بھائی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ مجھے ابھی قتل کر دے۔ کاسن نے نریندر سے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں خفیہ راستہ دیکھنا چاہیے۔''

''تم لوگ کس طرح پتا چلاؤ گے کہ کوئی وہاں سے گزرا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''ممکن ہے وہ بنا کوئی نشان چھوڑے اس راستے سے گزرا ہو۔''

کاسن رک گیا۔ ''ہاں کوئی بھی جو راستے کھولنے اور بند کرنے کے طریقے سے واقف ہو وہ بنا کوئی نشان چھوڑے آ اور جا سکتا ہے۔''

''تم لوگ میرے بھائی کو مجرم سمجھ رہے ہو جب کہ وہ تحریک کا وفادار ہے۔'' جوگندر کے بھائی نے اور مجھے شعلہ فشاں نظروں سے دیکھا۔ ''مجھے پورا یقین ہے میرے بھائی کا قاتل یہی ہے۔''

میں خاموش کھڑا رہا۔ نریندر اور کاسن نے آنکھوں میں کچھ اشارے کیے پھر نریندر نے حکم دیا کہ مجھے واپس غار تک بھیج دیا جائے اور شاید اس نے اب ہماری کڑی نگرانی کا حکم دے دیا تھا کیونکہ وہ مسلح گوریلے مجھے اپنی نگرانی میں غار تک لائے تھے اور اس کے بعد وہ وہیں براجمان ہو گئے تھے۔ اب ہم باضابطہ قیدی تھے لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ انہوں نے ابھی تک ہم سے ہتھیار نہیں مانگے تھے۔ یہ خیال ان کو جلد یا بدیر آ جاتا۔ میں نے سوچا کہ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ میں نے وسیم سے پوچھا۔

''ہمیں کسی صورت ہتھیار نہیں دینے چاہئیں۔'' اس نے کہا۔

''لیکن یہ کل تین ہتھیار کس طرح ہمارے کام آئیں گے۔ جب کہ سامنے درجنوں کے حساب سے مسلح افراد ہیں اور ان کے پاس ہم سے کہیں بہتر اسلحہ ہے۔''

''کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا تو بہتر ہوگا۔'' اس نے اصرار کیا۔

''میرے ذہن میں آ رہا ہے کہ ہمیں ہتھیاروں کے معاملے میں مزاحمت نہیں کرنی چاہیے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''ممکن ہے یہ ابھی ہتھیار نہ لے کر ہمیں ٹیسٹ کر رہے ہوں۔''

وسیم نے غور کیا۔ ''فرض کریں اگر یہ ہتھیار مانگیں اور ہم دے دیں تو کیا اس کے بعد ہم ان کے رحم و کرم پر نہیں ہوں گے۔''

''ہم اب بھی کھل کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور جہاں تک چھپ کر کچھ کرنے کا تعلق ہے تو وہ ہم ہتھیاروں کے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔ اس غار میں ایک فائر کا مطلب سب کو بتا دینا ہوگا کہ ہم فرار ہو رہے ہیں اس لیے یہ کام بنا ہتھیاروں کے کرنا ہوگا۔''

بات وسیم کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ گفتگو ساری پشتو میں ہو رہی تھی اس لیے بیتو اور سادھنا ہمارا منہ دیکھ رہے تھے۔ وسیم نے ان کو بتایا تو سادھنا نے کہا۔ ''ممکن ہے ان کی اس مہربانی کے پس پشت یہ بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو کہ ہم اس لڑائی میں ان کا ساتھ دیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" سادھنا کا خیال دل سے لگا تھا۔

"ان کے پاس لڑنے والے پہلے ہی کم ہیں۔" وسیم نے سر ہلایا۔ "اس صورت میں یہ ہمیں بھی اپنی لڑائی میں شامل کرنا چاہیں گے۔"

میں مسکرایا۔ "سچی بات ہے کہ اس ساری صورت حال کی ذمے داری کسی حد تک ہم پر بھی آتی ہے۔ کاسن نے ہمیں بچانے کے لیے پولیس پارٹی پر حملہ کیا تھا۔"

"اس نے امیت اور انسپکٹر کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے حملہ کیا تھا۔" وسیم نے اختلاف کیا۔

"ہاں..... لیکن ہماری بچت اسی وجہ سے ہوئی تھی۔ ورنہ ہم پکڑے جاتے اور اس وقت کسی جیل یا انٹروگیشن سیل میں پڑے ہوتے۔"

ابھی ہم بات کر رہے تھے کہ کاسن آ گیا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ "شہباز مجھے تم لوگوں سے کچھ کہنا ہے۔"

"کہو۔" میں نے کہا۔

کاسن مضطرب تھا۔ "باہر سے دباؤ بہت بڑھ گیا ہے اور اب تک ہمارے چار ساتھی مارے جا چکے ہیں۔"

"تم لوگ خفیہ راستے سے نکل کیوں نہیں جاتے۔ کیا نریندر کو ابھی بھی عقل نہیں آئی ہے۔"

"کاسن نے گہری سانس لی۔ "عقل تو آ گئی ہے لیکن اب نکلنے کا راستہ باقی نہیں رہا ہے۔"

ہم چونکے۔ وسیم بولا۔ "کیا اس کا راز بھی کھل گیا ہے؟"

"نہیں..... لیکن جب میں نے اسے جا کر دیکھا تو جہاں یہ راستہ نکلتا ہے اس کے بالکل سامنے فوج نے مورچہ بنا لیا ہے۔ اب اس راستے سے نکلنا بھی ممکن نہیں رہا ہے۔" کاسن کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"کاش نریندر پہلے ہی مان جاتا۔" میں نے کہا۔

"کیا تم لوگ ہماری مدد کرو گے۔" کاسن نے امید سے کہا۔ "آخر تم بھارتی فوج سے لڑ چکے ہو۔"

"دیکھو میں بتا دوں کہ آج سے سال بھر پہلے تک میں ایک عام سا بزنس مین تھا اور میں نے کبھی کوئی اسلحہ استعمال نہیں کیا تھا۔ اس لیے تم مجھے تربیت یافتہ جنگجو مت سمجھو۔"

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ "تب تم نے بھارتی فوج سے مقابلہ کیسے کیا؟"

"اسے صرف خدا کا فضل ہی کہہ سکتا ہوں۔ میں نے کبھی کسی کو خود سے نہیں مارا۔"

"پھر بھی تم لڑ سکتے ہو۔" اس نے اصرار کیا۔

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ وہ لوگ ہمارے محسن بھی تھے اور خاص طور سے کاسن جس نے ہمیں پولیس کے قبضے سے چھڑایا تھا۔ میں اسے صاف انکار بھی نہیں کر سکتا تھا اور ہم اس جنگ میں حصہ بھی نہیں لے سکتے تھے کیونکہ ابھی تک ہم نیپال کی سرزمین پر کسی جرم میں ملوث نہیں تھے اور نہ ہی نیپال کی حکومت کو مطلوب تھے۔ اگر ہم ان لوگوں کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف کسی جنگ میں ملوث ہو جاتے تو براہ راست مجرم بن جاتے۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کر کے میں نے کاسن سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر میں انکار کردوں تو تمہارا کیا ردِعمل ہوگا۔''

اس کا چہرہ بجھ گیا تھا۔'' کچھ نہیں..... یہ تمہاری جنگ نہیں ہے اور ہم زبردستی تم کو اس میں ملوث نہیں کر سکتے ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے کاسن لیکن ہم اس جنگ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔''

اس نے سر جھکا لیا تھا پھر اس نے کہا۔'' ٹھیک ہے ہم تمہیں مجبور نہیں کر سکتے لیکن اس صورت میں تمہیں اپنا اسلحہ ہمارے حوالے کرنا ہوگا۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور پہلے اپنا مشین پسٹل نکال کر کاسن کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد وسیم اور ہماری دیکھا دیکھی بیتو نے بھی اپنا پستول اس کے حوالے کر دیا۔ میں نے پوچھا۔'' اور کوئی حکم؟''

''میں شرمندہ ہوں۔'' کاسن نے سنجیدگی سے کہا۔'' لیکن حکم حکم ہے۔'' اس نے ہمارے ہتھیار لیے اور وہاں سے چلا گیا۔ ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ ہم نے اتنی آسانی سے اپنے ہتھیار دے کر کوئی غلطی تو نہیں کی ہے لیکن پھر میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ پہلے سے طے شدہ چیز پر اگر مگر کرنے سے سوائے ذہنی پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کی اس مسکراہٹ سے مجھے حوصلہ ملا تھا۔ رات کا کھانا بھی معمولی سا تھا اور ممکن تھا کہ کل سے راشن میں مزید کمی کر دی جاتی۔ اگر کل تک کی نوبت جاتی تو۔ کیونکہ میری چھٹی حس بار بار کہہ رہی تھی کہ جو ہونا ہے وہ آج رات ہی ہونا ہے۔ میں نے آہستہ سے وسیم سے کہا کہ ہم رات بارہ بجے کے بعد حرکت میں آئیں گے۔

''میں تیار ہوں شہباز صاحب۔''

میں نے سوچا تھا کہ سب سے پہلے ہم سامنے پہرہ دینے والے کو قابو میں کریں گے۔ اس کے بعد جو راستے میں آیا اسے چپ کر دیں گے یا ہینڈز اَپ کر کے ساتھ لے جائیں گے لیکن مجھے امید تھی کہ رات کو اس حصے میں اتنے لوگ نہیں ہوں گے اور زیادہ تر دفاع کے لیے غار کے سامنے والے حصے میں ہوں گے۔ ایک بار ہم جھیل میں اتر جاتے تو کم سے کم یہ لوگ ہمارا پیچھا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ایک ڈھیلا ڈھالا سا پلان تھا میں نے سوچا تھا کہ موقع محل دیکھ کر اس کے مطابق کارروائی کریں گے اور سب سے اہم بات ہمارے فرار کو راز رکھنا تھا۔ کم سے کم جب تک ہم جھیل میں نہیں اتر جاتے۔ اس کے لیے اگر ہمیں کسی کی جان بھی لینا پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا تھا کیونکہ سب سے ضروری چیز ہماری آزادی تھی۔ یہ لوگ ہمارے دشمن نہیں تھے اور میں ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا تھا کیونکہ مجھے ان کے کاز سے ہمدردی تھی۔ وہ اپنے ملک کو شہنشاہیت اور بھارتی سامراج سے نجات دلانے کے لیے لڑ رہے تھے لیکن بہر حال میں ان کی خاطر خود کو یا اپنے ساتھیوں کو داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔

کھانا کھا کر ہم سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ یعنی سونے کی اداکاری کرنے لگے۔ شام کے بعد سے باہر امن ہو گیا تھا۔ یعنی فائرنگ کا شور رک گیا تھا۔ ہم پر موجود پہریدار بدل گیا تھا اور اس کی جگہ ایک دبلا لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوشیار قسم کا لڑکا آ گیا تھا۔ ہم میں سے کوئی ذرا سی حرکت کرتا تھا تو وہ چوکنا ہو جاتا۔ کوئی بارہ بجے کے قریب پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق سادھنا اٹھی اور اس نے مجھے اٹھایا۔

''مجھے باتھ روم جانا ہے۔'' اس نے کہا۔

میں نے لڑکے سے کہا۔ ''اسے آبشار والے غار میں جانا ہے۔''

لڑکا ہندی سمجھتا تھا اس نے سر ہلایا۔ ''کچھ دیر رکو۔ ابھی میرا ایک ساتھی آنے والا ہے وہ ادھر رہے گا تو میں اس کو لے جاؤں گا۔''

''مجھے بھی جانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم بھی چلنا۔'' وہ مان گیا۔ میں اور سادھنا دیوار سے ٹک کر انتظار کرنے کے انداز میں اونگھنے لگے۔ کچھ دیر بعد ایک اور گوریلا غار کے سامنے آیا اور پہلے سے موجود لڑکے نے ہمیں اشارہ کیا۔ ''چلو۔''

میں اور سادھنا اس کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ میری توقع کے عین مطابق رات کے اس وقت غار کے اس حصے میں بہت کم لوگ تھے۔ اکا دکا نظر آئے تھے۔ وہ بھی کسی کام سے آ جا رہے تھے۔ آبشار والے غار کے سامنے پہنچ کر میں رکا اور پہلے سادھنا کو جانے کا اشارہ کیا۔ اصل کام اسے ہی کرنا تھا۔ میں رک گیا اور دہانے سے مخالف سمت میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ فطری طور پر پہریدار کی نظر مجھ پر تھی۔ سادھنا نے اچانک ہی غار میں سے چیخ ماری گوریلے کا ردِعمل فطری تھا۔ اس نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا اور میں اس پر جھپٹ پڑا۔ میرا ایک ہاتھ اس کی گردن پر اور دوسرا اس کی رائفل پر آیا تھا۔ میں زور میں اسے لیتا عقبی دیوار سے ٹکرایا اور اس تصادم نے اسے پس دیا تھا۔ وہ ذرا ڈھیلا ہوا تو میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کا سر بھی دیوار پر مارا۔ وہ کراہا اور اس نے اپنا سر تھام لیا تھا میں نے اسے چھوڑا تو وہ لڑکھڑایا تو میں نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے گن چھین لی اور پھر اس کے دستے کی ضرب اس کے سر پر لگائی تو وہ نیچے گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔

''مر گیا؟'' سادھنا لرزتے لہجے میں بولی۔ وہ غار سے نکل آئی تھی۔

''نہیں۔'' میں نے پہریدار کی نبض دیکھی۔ ''زندہ ہے بس بے ہوش ہے۔'' میں نے کہتے ہوئے پہریدار کو کھینچ کر آبشار والے غار میں ڈال دیا۔ اور سادھنا کا بازو پکڑ کر اسے دہانے تک لایا۔ جہاں پانی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ سادھنا ڈر گئی۔ ''ڈر و مت۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے مضبوطی سے پکڑ لینا میں تم کو اس چھجے تک لے جاؤں گا۔''

میں نے مشعل کی روشنی میں اسے چھجا دکھایا تو اس نے فوراً انکار کر دیا۔ ''میں وہاں تک نہیں جا سکتی۔''

''تم نے نہیں جانا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم مجھ سے مضبوطی سے لپٹ جانا میں تم کو وہاں تک لے جاؤں گا۔''

مگر اس کا خوف کم نہیں ہو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ راضی ہوئی تھی۔ میں نے اسے پشت کی طرف رکھا تھا۔ وہ میری گردن اور کمر سے چمٹ گئی تھی اور اس کے ساتھ چھجے تک جانا بہت دشوار کام تھا لیکن میں نے کسی نہ کسی طرح کر لیا تھا۔ یخ بستہ پتھروں کی وجہ سے میرے بائیں ہاتھ کی گرفت کمزور پڑ رہی تھی اور ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار تو میں سادھنا سمیت گرتے گرتے بچا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو دیوار سے چپکائے رکھا۔ نیچے تک پہنچ کر میں نے سکون کا سانس لیا اور مجھ سے بھی زیادہ سادھنا نے سکون کا سانس لیا تھا۔ وہ ہانپتے ہوئے بولی۔

"اب مجھے کوئی ساری دنیا کی دولت دے تب بھی میں اس طرح سفر نہ کروں۔"

فکر مت کرو خدا نے چاہا تو پھر اس طرح کا کوئی مرحلہ نہیں آئے گا۔" میں نے کہا۔ اب تم یہاں رکو اور میں جا کر ان کو لے کر آتا ہوں۔" پھر مجھے خیال آیا اور میں نے ڈالرز والا لفافہ نکال کر سادھنا کو دیا۔

"اگر میں واپس نہ آؤں اور ہم پکڑے جائے تو تم اس رسی کی مدد سے جھیل میں اتر جانا اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا۔"

"میں اکیلے؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں اکیلے ہی۔" میں نے کسی قدر سختی سے کہا اور واپس آ گیا۔ غار میں پہریدار بے ہوش پڑا تھا اور یہاں کوئی بھی آ سکتا تھا میں نے سوچا اور اسے کھینچ کر نزدیک واقع ایک خالی غار میں ڈال دیا۔ اس کی رائفل کے ساتھ مجھے اس کا خنجر بھی مل گیا تھا اور میں نے اپنی جیکٹ اتار کر اس کی جیکٹ پہن لی تھی یہاں سارے گوریلوں نے ایک جیسی سبز جیکٹ اور پی کیپ پہن رکھی تھی اس کی جیکٹ مجھے کسی قدر تنگ تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ میرے لئے ہاتھ ہلانا دشوار ہو جاتا۔ میں نے اس کی پی کیپ کو سر پر تھوڑا جھکا کر پہنا تا کہ میرے خدوخال فوری طور پر کسی کو نظر نہ آئیں۔ اب مجھے وسیم اور بیتو کو یہاں لانا تھا تا کہ ان لوگوں کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہم یہاں سے نکل جائیں۔ اس اقدام کے بعد پکڑے جانے کو صورت میں ہمارے ساتھ ان لوگوں کا رویہ دشمنوں والا ہی ہوتا۔

☆======☆=====☆

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
ساتویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

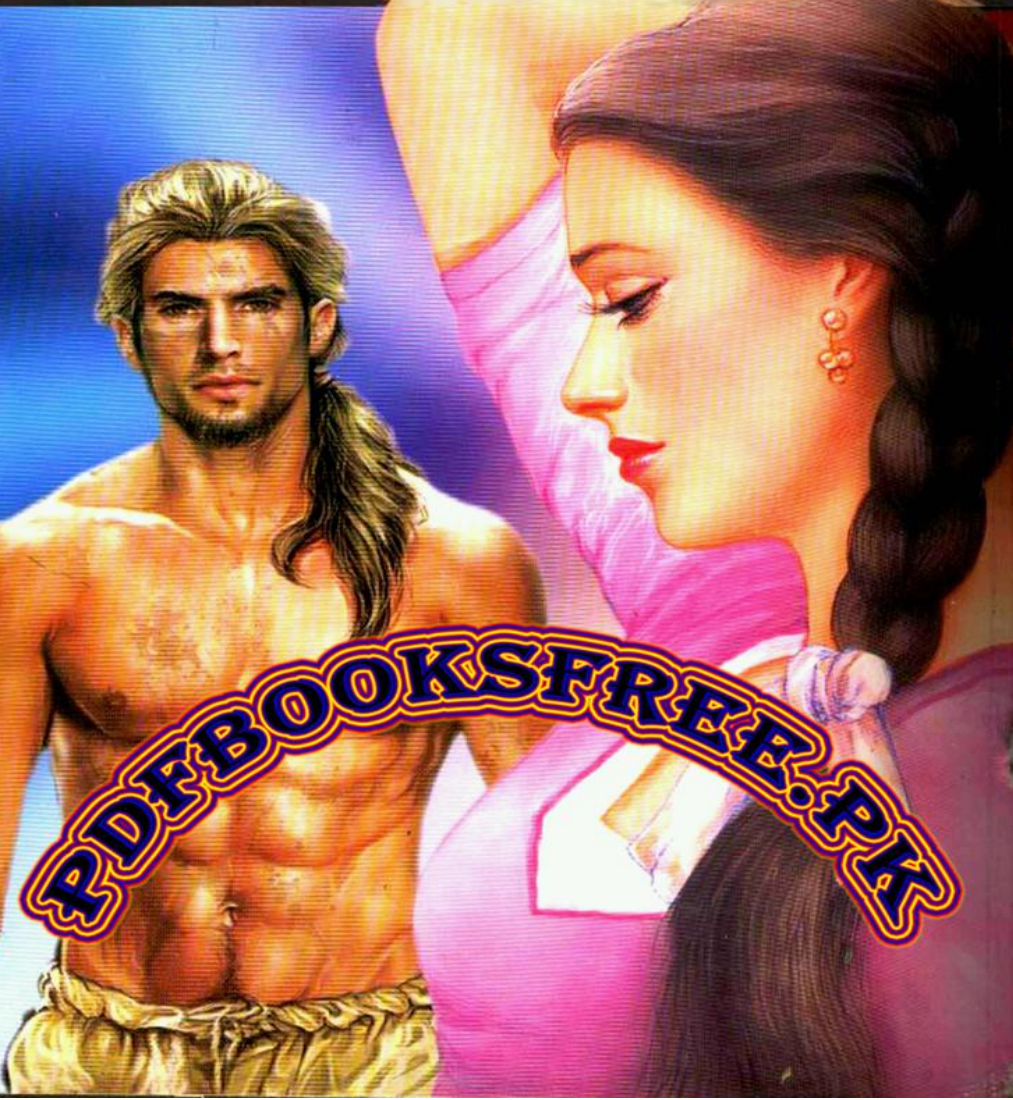
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

7



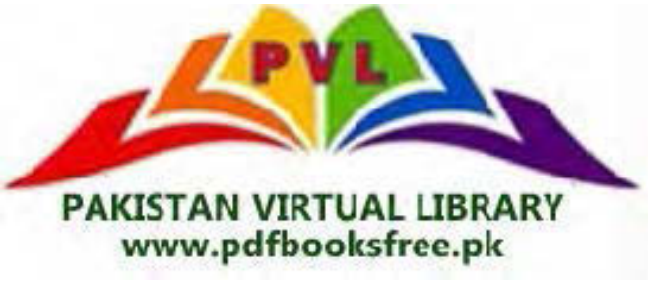
PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

ساتواں حصہ

کاشف زبیر



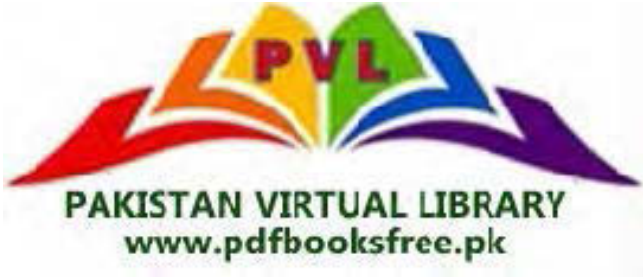

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




ISBN 978-969-517-320 6

Stokist:(U.K)

*Azhar Enterprises*

*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 0NR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں واپس اپنے حصے کی طرف روانہ ہو گیا لیکن ابھی نصف راستے میں تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور زمین میرے پیروں تلے لرز گئی۔ ایسا لگا جیسے کسی نے راکٹ مارا ہو یا کوئی گولہ داغ دیا ہو۔ فوراً ہی غار لوگو کے شور اور جوابی فائرنگ سے گونج اٹھا تھا۔ میں تیزی سے بھاگا۔ معرکہ شروع ہو گیا تھا اور کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے راستے میں مجھے کوئی نہیں ملا تھا۔ غار والے حصے میں، میں نے پہلے سن گن لینے کی کوشش کی اور مرتے مرتے بچا کیونکہ پہرے پر موجود شخص وہاں سے نکلا تھا۔ مجھے رائفل بدست دیکھ کر اس کا منہ کھلا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر فائر کھول دیتا میں نے اپنی رائفل کا دستہ گھما کر اس کے سر پر مارا۔ ضرب سخت تھی۔ وہ فوراً ہی بیشتر بے ہوش ہو گیا۔ میں اسے بھی کھینچ کر اندر لے گیا۔ بیتو اور وسیم جاگ گئے تھے۔ وسیم میرے کہے بغیر حرکت میں آیا اور اس نے لپک کر بے ہوش پہریدار کی رائفل اٹھائی۔ اس کی تلاشی لے کر میگزین اور دوسری چیزیں نکال لیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

"سادھنا کہاں ہے؟"

"میں اسے پیچھے تک پہنچا آیا ہوں۔ اگر ہم پھنس گئے تو وہ نکل سکتی ہے۔" میں نے بتایا۔ "اب دیر مت کرو ان لوگوں کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہمیں جھیل میں اتر جانا ہے۔"

وسیم نے رائفل کا معائنہ کیا اور سر ہلایا۔ "یہ بہتر ہے اب ہم راستہ صاف کر سکیں گے۔"

"لیکن کوشش کرنا کسی کو اشد ضرورت کے بغیر مت مارنا۔" میں نے اسے خبردار کیا۔ ہم باہر نکلے تھے کہ سامنے سے دو گوریلے نمودار ہوئے اور ہمیں دیکھتے ہی وہ ایک طرف آڑ میں ہو گئے۔ می اور وسیم بھی تیزی سے واپس آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے برسٹ مارا تھا اور ہم بال بال بچے تھے۔ ابھی ہم کو دو سرنگیں عبور کرنا تھیں اور ہم پہلی می ہی پھنس گئے تھے۔ جتنی دیر ہوتی جاتی ہمارے نکلنے کے امکانات اتنے ہی کم ہوتے جاتے۔ می سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں سے کس طرح نمٹا جائے۔ وسیم مجھے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

"جناب اب اس طرح کام نہیں چلے گا جتنی دیر ہو گی ہم پھنستے جائیں گے۔"

"وسیم اس میں بہت خطرہ ہے۔" میں نے کہا۔

"ہمیں خطرہ مول لینا ہو گا جناب۔" اس نے جواب دیا اور اچانک ہی آگے کی طرف دوڑا ساتھ ہی وہ فائر بھی کرتا جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے لپکا۔ جہاں گوریلے چھپے تھے وہاں پہنچتے ہی وسیم زمین پر گر گیا اور زمین پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ بلوٹر تگ، زنجیر آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھومتے ہوئے فائر جاری رکھا۔ اس روز میں نے پہلی بار اس کی مہارت دیکھی تھی۔ بہت تیزی سے حرکت کرنے کے باوجود اس نے بالکل درست نشانہ لیا تھا اور دونوں گوریلے گر گئے۔ گولیاں ان کے پیروں پر لگی تھیں اور ان کی رائفلیں ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا اسلحہ پھر سے اٹھاتے بیتو نے ٹھوکر مار کر ان کی رائفلیں دور کر دیں۔ پھر اس نے پھرتی سے ان کے لباس سے میگزین اور دوسرا اسلحہ بھی نکال لیا۔ اس نے ایک رائفل خود سنبھال لی اور دوسری شانے پر لٹکا لی۔

''شاباش بیتو۔'' وسیم نے کہا۔

''شاباشی کا حق دار تو آپ ہے۔'' بیتو نے دانت نکالے۔ ''اتنا زبردست ایکشن کیا آپ نے۔''

''واقعی آج تو تم نے حیران کن کارروائی کی ہے۔'' میں نے بیتو کی تائید کی۔

''اب رکنا نہیں ہے۔'' وسیم بولا۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھنا چاہا لیکن میں نے بروقت اسے پیچھے کھینچ لیا۔ سامنے سے کسی نے گولی چلائی تھی جو دیوار پر لگی۔ بیتو نے جوابی فائر کر کے اسے مار گرایا۔

''احتیاط سے۔'' میں غرایا۔ ''ہر قدم دیکھ کر اٹھاؤ۔''

''ہاں وسیم بھائی قسمت بار بار ساتھ نہیں دیتا ہے۔''

اس فائرنگ نے سب کو چونکا دیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ چاروں طرف سے شور مچاتے لوگ ہماری طرف آ رہے تھے۔ ہم محتاط روی سے آگے بڑھنے لگے۔ درمیان میں دو مسلح افراد اور ملے تھے لیکن ان کو ہم نے با آسانی نمٹا دیا۔ اس بار ہمیں ان کو مارنا پڑا تھا کیونکہ ذرا سی تاخیر سے وہ ہمیں مار دیتے۔ اس کے باوجود مجھے افسوس ہو رہا تھا۔ حالات ایسے ہو گئے تھے کہ بلاوجہ ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے اور اس میں سارا قصور نریندر جیسے احمق کا تھا۔ اس کے گوریلوں نے جس طرح ہمیں مارنے کی کوشش کی اور خود مارے گئے اس سے لگ رہا تھا کہ اس نے اپنے آدمیوں کو ہمارے بارے میں واضح حکم دے دیا تھا کہ اگر ہم فرار کی کوشش کریں تو ہمیں شوٹ کر دیا جائے۔ ہمارے لیے جواب دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ بہرحال راستہ صاف کرتے ہوئے اب ہم آبشار والے غار میں تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''پہلے تم لوگ نکلو۔''

''اور آپ؟'' اس نے پوچھا

''میں تم لوگوں کو کور دوں گا۔ ورنہ ہم سب نکل گئے تو اپنا دفاع نہیں کر سکیں گے۔ وہ پیچھے سے حملہ کریں گے۔''

''لیکن.....'' وسیم نے کہنا چاہا۔

''تم جاؤ۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''پہلے بیتو جائے گا اور اس کے بعد سادھنا تم ان کی مدد کرو گے۔''

وسیم نے میرے لہجے سے سمجھ لیا کہ میں اس کی نہیں سنوں گا۔ وہ خاموشی آبشار کی طرف بڑھ گیا۔ پہلے بیتو گیا اور اس کے وسیم گیا۔ مجھے فکر نہیں تھی وہ با آسانی مجھ تک جا سکتے تھے۔ میں غار میں ایک ایسی جگہ مورچہ بنا کر بیٹھ گیا جہاں سے میں آنے والوں کو روک سکتا تھا لیکن وہ بہت چالاک ثابت ہوئے تھے وہ خود سامنے آئے بلکہ ایک دستی بم پھینک دیا۔ میں بال بال بچا تھا کیونکہ بم مجھ سے دور دیوار کی جڑ میں گرا تھا۔ دھماکے نے میرے کان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سن کر دیئے تھے اور سنگ ریزے لگنے سے مجھے معمولی زخم آئے تھے۔ وسیم باہر سے مجھے آواز دے رہا تھا۔ جب وسیم نے خود آ کر مجھے جھنجھوڑا تو مجھے پتا چلا کہ وہ آواز دے رہا تھا۔ ویسے آبشار کا شور بھی کم نہیں تھا۔

''یہاں سے نکلیں۔'' وسیم نے کہا۔

''تم جاؤ ان کو نیچے اتارو۔'' میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''کس نے تم کو آنے کو کہا تھا۔''

''آپ کم سے کم باہر والی طرف آ جائیں۔'' وسیم بولا۔ ''یہاں آپ بالکل غیر محفوظ ہیں۔''

میرا ذہن کام کرنے لگا تھا اور میں سوچا وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ''اوکے یہاں سے نکلو۔'' میں نے اسے دہانے کی طرف دھکیلا کیونکہ وہ مجھے لیے بغیر جانے کو تیار نہیں تھا۔ ہم دہانے کی طرف آئے وسیم آگے تھا۔

''تم مجھے پر جاؤ۔''

''آپ میرے بعد آ جائیں۔'' وہ بولا

''وسیم جاؤ۔'' مجھے پھر غصہ آنے لگا۔ ''یہ میرا حکم ہے۔''

''یس سر۔'' اس نے فوج انداز میں کہا اور دیوار سے چپک کر مجھے کی طرف جانے لگا۔ سادھنا وہاں موجود تھی۔ دھماکے کے بعد وہ پریشان تھی۔ اس وقت بیتو نیچے جا رہا تھا۔ وسیم کی بات مان کر میں جہاں آیا تھا۔ اس طرف میں کسی بم سے محفوظ تھا کیونکہ بم پھینکے جانے کی صورت میں فوراً نیچے چلا جاتا۔ میں نے چلا کر وسیم سے کہا۔ ''بیتو کے نیچے جانے کا انتظار مت کرو سادھنا کو نیچے اتارو۔''

لیکن وسیم پہلے ہی یہ کام کر رہا تھا۔ اس نے جاتے ہی سادھنا کو رسی کی مدد سے نیچے اتار دیا تھا باہر آدھے چاند کی روشنی پھیلی تھی اور سب کچھ تو نہیں لیکن بہت کچھ نظر آ رہا تھا۔ مجھے سادھنا نیچے جاتی نظر آئی۔ اس کے ہاتھ سے رسی پھسل رہی تھی اور وہ بہت تیزی سے نیچے گئی تھی۔ یہ خوف کا نتیجہ تھا۔ مجھے خوف تھا کہ وہ پہاڑ سے نہ ٹکرا جائے لیکن ان حالات میں یہ ضروری تھا ہم آرام سے نیچے جانے کا رسک نہیں لے سکتے تھے۔ میری توجہ دہانے کی طرف بھی تھی اور میں ان لوگوں کو بھی دیکھ رہا تھا۔ دوسرا دستی بم دہانے پر گرا اور اسے پانی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ مشکل سے دس گز نیچے جا کر پھٹ گیا تھا۔ پانی کے چھینٹے نیچے تک آئے تھے لیکن بم کے ٹکڑوں سے میں محفوظ رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کی فکر تھی کیونکہ نیچے اترتے ہوئے وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ بیتو جھیل میں اتر چکا تھا اور سادھنا اترنے والی تھی۔ وسیم ابھی تک مجھے پر تھا۔ میں نے اشارے سے اسے بھی جانے کو کہا تو اس نے چلا کر کہا۔

''آپ بھی یہاں آ جائیں۔''

''نہیں میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔'' میں جواباً چلایا۔ ''تم نیچے جاؤ۔''

وسیم میرے ساتھ بحث کرنا چاہتا تھا لیکن پھر میرے تیور دیکھ کر اس نے نیچے اترنا مناسب سمجھا۔ اس نے رسی ایک خاص انداز میں اپنے پاؤں میں پھنسائی اور نیچے اترنے لگا۔ میں دوبارہ غار کے دہانے کے قریب آیا تھا۔ مجھے لگا کہ جیسے کوئی میرا نام پکار رہا تھا۔ قریب جانے پر آواز واضح ہو گئی وہ کاسن تھا۔

''شہباز تم میری بات سن رہے ہو۔''

''ہاں۔'' میں چلایا۔ ''لیکن سامنے مت آنا ورنہ میں تم کو شوٹ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز وہ سب غلط فہمی کا نتیجہ تھا تم واپس آ جاؤ۔''

''اب میں واپس نہیں آ سکتا۔'' میں نے کہا۔ ''کیا نریندر کا خیال بدل گیا ہے؟'' میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

''میں باہر آ رہا ہوں اور میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔'' کاسن بولا۔ اس کے فوراً بعد وہ نمودار ہوا تھا۔ میں نے رائفل اس کی طرف کر دی تھی اور میری انگلی لبلبی پر تھی۔

''بس وہیں رکے جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''آگے مت آنا۔''

کاسن نے مجھے دیکھا۔ ''شہباز یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔ اس موسم میں جھیل کا پانی منفی درجہ حرارت والا ہوتا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن مجھے اس راستے سے گزرنے پر تم لوگوں نے مجبور کیا ہے۔''

کاسن کچھ دیر سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے بتایا۔ ''نریندر مر چکا ہے۔ سنے والے حصے میں ایک گولہ آ کر لگا تھا۔ ہمارے زیادہ تر ساتھی مارے جا چکے ہیں۔''

''کام کی بات کرو، میرے پاس وقت کم ہے۔''

کاسن کا رویہ کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔ وہ دیوار سے چپک کر کھڑا تھا اور مجھ سے نظریں ملانے سے گریز کر رہا تھا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ تم واپس آ جاؤ۔''

''یہ ممکن نہیں ہے میرے ساتھی جا چکے ہیں اور مجھے بھی جانا ہے۔ اگر تم رکاوٹ بنو گے تو مجبوراً مجھے تمہارے خلاف بھی حرکت میں آنا پڑے گا۔''

کاسن نے نیچے دیکھا۔ ''ان کو واپس لایا جا سکتا ہے۔ تم ایک بار مجھ پر اعتبار تو کر کے دیکھو۔''

کاسن تمہارے الفاظ اب بے کار ہیں۔ تمہارے جتنے ساتھیوں سے ہمارا سامنا ہوا انہوں نے ہمیں قتل کرنے کی کوشش کی اور اب یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم تم پر اعتبار کریں۔''

''تو تم نیچے جانا چاہتے ہو۔''

''ہاں میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

کاسن نے اچانک عجیب سی حرکت کی، اس نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں جھیل میں چھلانگ لگا دو۔ میں نے بھی اشارے سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا۔ اس نے دوبارہ شدت سے وہی اشارہ کیا۔ اسی لمحے کاسن کے عقب میں کسی کے چلانے کی آواز آئی اور میں نے کاسن کو مڑ کر کسی سے بات کرتے دیکھا۔ اس کے فوراً بعد فائرز ہوئے اور میں نے کاسن کو آبشار کے پانی کے ساتھ نیچے جاتے دیکھا۔ ایک خطرے کے احساس کے ساتھ میں تیزی سے چھجے کی طرف جانے لگا۔ کاسن کو اس کے ساتھیوں نے گولی ماری تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ استعمال کر کے مجھے واپس بلانا چاہتے تھے اور جب کاسن نے چپکے سے مجھے اشارہ کر کے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تو انہوں نے اسے پشت سے گولی مار دی۔

چھجے کی طرف جاتے ہوئے میرے ایک ہاتھ میں رائفل تھی اور دوسرے ہاتھ سے میں رخنوں کو پکڑ کر آگے جا رہا تھا۔ یہ بہت ہی مشکل کام تھا میں ایک لمحے کو رائفل نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ابھی میں درمیان راستے میں تھا کہ دہانے کی طرف سے ایک گوریلا نمودار ہوا۔ میں نے اسے پہچان لیا وہ میرے ہاتھوں مارے جانے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوگندر کا بھائی تھا۔ شاید اسی نے کاسن کو عقب سے گولی ماری تھی اور اس وقت وہ غیض وغضب کی تصویر بنا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی رائفل سیدھی کی لیکن میں نے پہلے گولی چلا دی۔ اس کا بازو زخمی ہوا تھا کیونکہ وہ چیخ مار واپس پیچھے چلا گیا تھا۔ اس کے بازو سے اڑتے خون کے چھینٹے صاف دکھائی دیئے تھے۔ مجھے ایک لمحے کی دیر ہوتی تو اس نے مجھے شوٹ کر دینا تھا۔ اب مجھے تیزی سے اس جگہ سے نکلنا تھا اور میں نے احتیاط بالائے طاق رکھ کر چھجے کی طرف جانا شروع کیا۔ میں درمیان میں تھا اور یہاں بہت آسانی سے مارا جاتا۔ دو جستوں میں چھجے تک کا فاصلہ طے کر کے چھجے پر آتے ہی میں دیوار سے چپک گیا۔ یہاں مجھے نشانہ بنانا اتنا آسان نہیں تھا۔

کاسن کے مارے جانے کا مجھے دکھ تھا اس نے میری جان بچانے کی کوشش میں جان دے دی تھی۔ نہ جانے یہ نریندر کی چال تھی یا جوگندر کا بھائی از خود میرا دشمن ہو رہا تھا اور اس نے کاسن کی مدد سے مجھے شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید دونوں باتیں درست تھیں وہ لوگ کاسن کو گن پوائنٹ پر یہاں تک لائے تھے اور اس کی مدد سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو واپس لے جانا چاہتے تھے۔ ممکن ہے نریندر کو بہکانے میں بھی جوگندر کے بھائی کا ہاتھ ہو اور کاسن نے میری حمایت کی ہو تو وہ بھی ان لوگوں کا معتوب ہو گیا تھا۔ نریندر بہت چھوٹے ذہن کا آدمی نکلا تھا۔ اس نے حکومت کے خلاف لڑ کر اپنے آدمیوں کی جان بلاوجہ گنوائی تھی اور بلاوجہ ہی میرا دشمن ہو گیا تھا۔

غار کے دہانے کی طرف سے ان لوگوں کے چلانے کی آواز آ رہی تھی۔ دو بار کسی نے اندر سے ہاتھ نکال کر میری طرف برسٹ بھی مارا تھا لیکن میں اس جگہ محفوظ تھا۔ جب تک کوئی دہانے سے ایک خاص حد سے آگے آ کر فائر نہیں کرتا میں محفوظ ہی رہتا لیکن میں اس سے آگے نہیں جا سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں میں فوری طور پر ان لوگوں کی زد میں آ جاتا اور کئی افراد کی فائرنگ سے صرف فلمی ہیرو بچ سکتا تھا میں نہیں۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ میں براہ راست جھیل میں چھلانگ لگا دیتا اور اس میں اتنی تیزی سے نیچے جاتا کہ فائرنگ سے بچ جانے کے امکانات تھے لیکن اس صورت میں جھیل میں موجود پتھروں سے کیسے بچتا۔ میں نے ذرا کنارے سے نیچے دیکھا مجھے وسیم، بیتو اور سادھنا نظر نہیں آ رہے تھے وہ شاید پانی سے نکل کر کسی کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ نیچے جھانکنے کے دوران میں اس طرف کی ڈھلان اس قابل نظر آئی تھی کہ میں اسے پکڑ کر نیچے اتر سکتا تھا اور اس طرح دہانے کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ سے محفوظ رہتا لیکن اس میں خطرہ یہ تھا کہ اگر ان کو پتا چل جاتا کہ میں چھجے پر نہیں ہوں تو وہ آرام سے چھجے تک آ کر مجھے شکار کر سکتے تھے۔ حالات سے ایسا لگ رہا تھا کہ میں پھنس گیا ہوں۔ ایک بار پھر دہانے کی طرف سے برسٹ آیا اور گولیاں مجھ سے کچھ دور ہی سے گزری تھیں۔ دہانے کے اندر موجود گوریلے بے تاب تھے اور اپنے اصل دشمن کو بھول کر مجھے شکار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ میرے لیے یہاں سے نکلنا مشکل ہوتا جا رہا تھا کیونکہ فوج شاید اندر آنے والی تھی اور اس صورت میں میرے دشمنوں میں اضافہ ہو جاتا۔ مجھے فیصلہ کرنا تھا اور جلدی کرنا تھا۔ ورنہ میں اسی جگہ مارا جاتا۔ میں نے چھجے سے ایک پتھر اٹھا کر دہانے کی طرف پھینکا تو ان لوگوں نے بھڑک کر فائرنگ کی تھی۔ پھر کسی نے اندر سے دستی بم پھینکا لیکن وہ چھجے کے بجائے نیچے گرتا چلا گیا اور راستے میں پھٹ گیا۔ میں نے دل میں ان لوگوں کو بے نقد سنائیں جو فوج اور پولیس کو اس طرف متوجہ کر رہے تھے۔

'ملک صاحب یہاں سے نکلنا ہی ہوگا۔'' میں نے خود سے کہا اور پتھر سے بندھی رسی کو کھولنے لگا۔ رسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھول کر میں نے اس کا لچھا بنا کر شانے پر ڈالا اور پھر رائفل شانے اور بغل کے درمیان میں ٹانگ لی تا کہ اس کے گرنے کا کوئی امکان نہ رہے۔ ڈھلان ترچھی تھی اور اس پر اترنا اتنا بھی آسان نہیں تھا۔ خاص طور سے شانوں سے لٹکی چیزوں کے ساتھ لیکن اترنا تو تھا۔ میں پتھروں کو تھامتے ہوئے نیچے جانے لگا۔ میرا ارادہ تھا کہ کسی محفوظ جگہ جا کر رسی باندھ کر اس کی مدد سے نیچے اتروں گا۔ جہاں میں دہانے میں موجود گوریلوں کی نظر سے محفوظ رہوں۔ سردی کی وجہ سے پتھر جیسے برف کے بنے ہوئے ہو رہے تھے اور میرے ہاتھ سن ہونے لگے تھے۔ ایک بار میرے بائیں ہاتھ کی گرفت ختم ہوئی تو میں گرتے گرتے بچا۔ اگر میں فوراً ہی دائیں ہاتھ سے ایک پتھر نہ پکڑ لیتا تو اب تک جھیل میں گر چکا ہوتا۔ میں خاصا نیچے آ گیا تھا لیکن مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی تھی جہاں میں رسی باندھ کر نیچے اتر سکتا۔ اچانک اوپر سے کوئی پتھر لڑھکا اور میں نے اوپر دیکھا۔ مجھے پر کوئی آ گیا تھا۔ پھر اس کے کنارے سے جوگندر کے بھائی کا چہرہ نمودار ہوا اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ دہک رہی تھی اور وہ زخمی ہونے کے باوجود اسی آگ کے سہارے یہاں تک چلا آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ نمودار اور اس نے کہا۔

''میرے بھائی کے قاتل اب بچ کر دکھاؤ۔''

اس نے رائفل کا رخ میری طرف کیا تھا اور میرے پاس بچنے کا ایک ہی راستہ تھا۔ میں نیچے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ میرے کانوں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی۔ اور مجھے لگا جیسے میرے بائیں پہلو میں کوئی دہکتا انگارہ گھس گیا ہو اور مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

تکلیف کی شدت نے مجھے عارضی طور پر ہوش و حواس سے بیگانہ ضرور کیا تھا لیکن جھیل کے یخ بستہ پانی نے میرے لیے تخلیہ کا کام کیا تھا اور مجھے فوری ہوش آ گیا تھا۔ میں اوپر سے گرنے کے زور میں پانی کی تہہ میں بیٹھتا جا رہا تھا اور اگر ہاتھ پاؤں مار کر جلد اوپر نہ آتا تو ہمیشہ کے لیے بیٹھ جاتا کیونکہ میرے پھیپھڑے ہوا سے خالی تھے اور آکسیجن کے لیے کسی ضدی بچے کی طرح مچل رہے تھے۔ حواس بحال ہوتے ہی میں نے ہاتھ پاؤں مارے اور سطح کی طرف آنے لگا۔ جیسے ہی میرا سر پانی سے باہر آیا میں دیوانہ وار سانس لینے لگا تھا۔ ساتھ ہی میرے ہاتھ اپنے پہلو کو ٹٹول رہے تھے جہاں شاید گولی لگی تھی۔ یخ پانی نے عارضی طور پر زخم کو سن کر دیا تھا اور اس وجہ سے مجھے تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے اوپر کی طرف دیکھا لیکن آبشار کے گرتے پانی کی دھند میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نیچے سے غار کا دہانہ نظر نہیں آ رہا تھا اور یہ اطمینان بخش بات تھی اگر دہانہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا تو لازمی بات تھی میں بھی دہانے سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

یہ جھیل نہیں تھی بلکہ صدیوں سے گرتے پانی نے اس جگہ ایک گڑھا سا بنا دیا تھا جس میں پانی بھرا رہتا تھا اس میں جا بہ جا چٹانیں تھیں اور یہ خدا کا کرم تھا کہ میں کسی ایسی جگہ نہیں گرا جہاں چٹانیں تھیں ورنہ میرے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے ساتھی کہاں تھے لیکن میں نے قریب ترین کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ پانی کا درجہ حرارت یقیناً منفی میں تھا اور میں کچھ دیر اور اس میں رہتا تو منجمد ہو کر مر جاتا۔ رسی کے لچھے اور رائفل کے ساتھ یہ آسان کام نہیں تھا لیکن میں ان میں سے کوئی چیز چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ نہ جانے کہاں آگے ان کی ضرورت پڑ جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیرنے کے دوران میں اپنے زخم کی سنگینی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کنارہ مجھ سے کچھ ہی دور تھا اور پانی کا زور مجھے کھینچ کر نہ لے جا رہا ہوتا تو میں ذرا آسانی سے وہاں پہنچ جاتا لیکن بہاؤ کی وجہ سے مجھے بہت محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ اچانک میرے کانوں نے سادھنا کی آواز سنی۔

''شوبی تم کہاں ہو؟''

آواز اسی کنارے سے آئی تھی۔ لازمی بات تھی میرے ساتھیوں نے بھی اسی طرف کا رخ کیا تھا۔ ''میں یہاں ہوں؟'' میں نے چلا کر کہا۔ فوراً ہی کنارے کی طرف سے ایک ٹارچ کی روشنی لہرائی۔ یہ بیتو تھا۔ میں نے رسی کا لچھا گھما کر اس کی طرف پھینکا تو اس نے اسے پکڑ کر مجھے کنارے کھینچ لیا۔ میں بمشکل اس چکنے کنارے سے اوپر آیا۔ وسیم ذرا دور تھا۔ اور اپنے کپڑے نچوڑ رہا تھا سادھنا ایک طرف سردی سے کانپ رہی تھی۔ میں پانی سے نکلا تو بے ساختہ پہلو میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ میری کراہ نکلی تو وسیم چونک گیا۔ وہ تیزی سے میرے پاس آیا۔

''آپ زخمی ہیں؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''میرا خیال ہے گولی لگی ہے۔ جوگندر کا بھائی آ گیا تھا۔ انہوں نے کاسن کو استعمال کیا تھا۔ اس کی مدد سے مجھے واپس لے جانا چاہتے تھے لیکن اس نے مجھے بھاگ جانے کا اشارہ کیا تو انہوں نے اسے بھی گولی مار دی۔''

جب تک میں وسیم کو بتا رہا تھا اس نے مجھے زمین پر لٹا کر جیکٹ اور پھر اندر کے کپڑے اوپر کیے اور زخم دیکھنے لگا۔ تکلیف پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہو رہی تھی۔ وسیم ٹارچ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''زخم ذرا بڑا ہے لیکن گولی نکل گئی ہے۔''

میں نے شکر ادا کیا کیونکہ گولی اندر ہوتی تو یہ ایک اور مصیبت ہو جاتی۔ اصل میں گولی پہلو کو چھوتی، ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل گئی تھی۔ اس نے پہلو پر ایک لمبا سا زخم ڈال دیا تھا۔ سرد پانی نے خون روک دیا تھا لیکن تکلیف اب کم نہیں ہو رہی تھی۔ وسیم نے ایک شرٹ کا ٹکڑا پھاڑ کر پٹی باندھ دی۔ یہ بیتو کی وہی شرٹ تھی جس سے پٹیاں پھاڑی جاتی رہی تھیں۔ اس دوران میں سادھنا اور بیتو نے جھاڑیوں کی آڑ لے کر اپنے کپڑے نچوڑ لیے تھے۔ میں نے بھی اتارے بغیر جہاں تک ممکن ہوا کپڑے نچوڑ لیے۔ ابھی ہمیں دشمنوں کی فکر نہیں تھی کیونکہ اس طرف آنے میں ان کو وقت لگتا۔ اس وقت تک ہم یہاں سے دور جا چکے ہوتے۔ ہمارا اسلحہ پانی میں بھیگ چکا تھا اور اس کی کارکردگی مشکوک ہو گئی تھی۔ عین ممکن تھا یہ بہ وقت ضرورت چلنے سے انکار کر دیتا۔

میرا زخم پسلی سے ذرا نیچے تھا اس لیے سانس لینے میں دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ اچھی بات یہ تھی کہ خون رک گیا تھا۔ ہم یہاں رک نہیں سکتے تھے اس لیے پٹی ہوتے ہی میں کھڑا ہو گیا لیکن جب میں نے چلنا شروع کیا اور پیٹ کے عضلات پر زور آیا تو درد کی شدت بڑھ گئی تھی۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''میں آپ کو سہارا دیتا ہوں۔''

''نہیں تم سامان لے لو، میں بیتو کا سہارا لے لوں گا۔''

وسیم کا قد چھ فٹ تھا اور اس کا سہارا میرے لیے ذرا مشکل ہوتا۔ بیتو پستہ قد تھا اس لیے مجھے آسانی رہتی۔ میں نے آسانی سے اس کے شانے کے گرد اپنا بازو حائل کر دیا تھا۔ وہ مجھے سہارا دے کر چلنے لگا۔ ندی کے کنارے ذرا ہموار زمین تھی اور ہم اسی پر سفر کر رہے تھے۔ بلندی سے کھٹمنڈو کی روشنیاں نظر آتی تھیں لیکن اس جگہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا بس ایک سمت کا احساس تھا کہ ٹھنڈ واس طرف ہے۔

سادھنا اور وسیم ایک ساتھ چل رہے تھے وسیم نے سامان اٹھا لینے کے ساتھ اسے بھی سہارا دے رکھا تھا۔ شاید یخ بستہ پانی نے اس کے حواس بھی گم کر دیئے تھے۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس نے میرا حال بھی دریافت نہیں کیا تھا۔ پھر اچانک ہی چونک کر بے تابی سے میری طرف آئی۔ ''شوبی کیا ہوا ہے تمہیں..... گولی لگی ہے؟''

''نہیں چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اللہ نے بچت کر دی۔''

''تکلیف زیادہ ہو رہی ہے؟''

''نہیں معمولی سی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''رکو مت چلتی رہو ابھی ہم خطرے کی حد میں ہیں۔''

''ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''ٹھنڈو۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن ابھی اس جگہ سے نکلنا ضروری ہے۔''

وسیم نے پیچھے کی طرف دیکھا۔ ''اگر وہ لوگ بھی ہماری طرح جھیل میں اتر جائیں تو ہمارے پیچھے آ سکتے ہیں۔''

''اتنے یخ پانی میں اترنے کی کوشش کوئی احمق نہیں کرے گا۔'' سادھنا نے کانپتے لہجے میں کہا۔

''سوائے ہمارے۔'' بیتو بولا۔ اس کی شوخی بھی گم ہو گئی تھی۔

گیلے کپڑے ہمارے جسم کی حرارت چوس رہے تھے اور اگر ہم چل نہ رہے ہوتے تو اب تک ٹھنڈے پڑ چکے ہوتے۔ نہ ہم کہیں رک سکتے تھے اور نہ آگ جلا سکتے تھے۔ آگ جلانے کے لیے ہمارے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ ہماری عافیت اسی میں تھی کہ جلد از جلد اس جگہ سے دور نکل جائیں اور کہیں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کریں لیکن مسئلہ یہ بھی تھا کہ یہاں آس پاس کوئی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ چاند کی روشنی میں صرف جنگل اور پہاڑ تھے۔ مجھے تعجب ہوا کیونکہ پہاڑوں میں تو لوگ اس جگہ آباد ہونا پسند کرتے ہیں جہاں پانی پاس ہو اور یہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔

ہم چلتے رہے اور کوئی دو گھنٹے بعد ہمارے کم سے کم اندر کے کپڑے خشک ہو گئے تھے۔ اوپر جیکٹیں بھاری اور کسی واٹر پروف میٹریل کی بنی تھیں اس لیے وہ معمولی سی بھیگی تھیں۔ البتہ پتلونیں اور شرٹس ابھی بھی گیلی تھیں۔ مسلسل چلنے سے میرا جسم ٹیون اَپ ہو گیا تھا اور اب میں پہلے کے مقابلے میں بہتر محسوس کر رہا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم مجھے چھوڑ دو اور یہ سامان سنبھال لو۔''

''ہم دونوں کام کر لے گا شوبی بھائی۔'' اس نے پیش کش کی۔

''نہیں۔'' میں نے کہا اور اسے اپنی رائفل دے تھما دی۔ اور خود ایک لکڑی اٹھا لی۔ ''میں اس کی مدد سے چل سکتا ہوں۔''

وسیم اور سادھنا رک گئے تھے۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''ہمیں کچھ دیر رک جانا چاہیے ہم خطرے والی جگہ سے دور نکل آئے ہیں۔''

''نہیں چلتے رہو، رکے تو ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔'' میں نے منع کیا۔ ''اس ہمارے پاس سردی سے بچنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی میں بہت تھک گئی ہوں۔'' سادھنا بولی۔

میں اس کے پاس آیا۔ ''سادھنا تم تو اس وقت بھی ہمت کر کے سفر کرتی رہی تھیں جن زخمی تھیں آج تم زخمی نہیں ہو۔''

''سوری شوبی۔'' وہ شرمندہ ہوگئی۔ ''میرا خیال ہے ہم خطرے سے نکل آئے ہیں۔''

''ابھی ہم پہلے سے زیادہ سے خطرے میں ہیں۔'' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''روشنی ہونے تک ہم اس جگہ سے جتنی دور نکل جائیں اتنا اچھا ہوگا۔ اس کے بعد ہم پولیس اور آرمی کے سرچ آپریشن کی نظر میں آ سکتے ہیں۔''

میری بات ان تینوں کی سمجھ میں آ گئی۔ ہم میں سے کوئی پولیس یا فوج کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا۔ سچی بات ہے کہ خود میرا دل بھی چاہ رہا تھا کہ کہیں رک جاؤں اور پھر زمین پر دراز ہو کر لمبی تان کر سو جاؤں لیکن یہ نیند ابدی بھی ہو سکتی تھی کیونکہ سردی تو تھی ہی۔ ساتھ ہی جان کے دشمن بھی پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس کا امکان کم تھا کہ کوئی ہمارے پیچھے آئے لیکن پھر بھی ہمیں محتاط رہنا تھا۔ جوگندر کا جنونی بھائی زندہ تھا اور اس سے کچھ بعید نہیں تھا مجھے بچتے دیکھ کر اس نے بھی جھیل میں چھلانگ لگا دی ہو۔

مجھے شدت سے دکھ ہو رہا تھا جو لوگ ہمارے دوست تھے وہ ایک بے بنیاد سی بات پر ہمارے دشمن بن گئے تھے۔ باوجود اس کے انہوں نے ہمیں مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس میں ان کا اتنا قصور نہیں تھا۔ اس قسم کی مزاحمتی تحریکوں کا مزاج ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہاں اختلاف رائے کا مطلب دشمنی ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ ان کے ہمنوا نہیں ہیں تو ان کے دشمن ہیں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے آپ کے پاس۔ ہم اسے شدت پسندی سے زیادہ مزاحمتی تحریکوں کا سیلف ڈیفنس سسٹم کہہ سکتے ہیں۔ ان کو دشمن سے لڑنے اور خود کو مضبوط بنانے کے لیے اس قسم کا رویہ اپنانا پڑتا ہے۔ ہتھیاروں سے لڑنے والی مزاحمتی تحریکیں اس قسم کے رویے کا مظاہرہ نہ کریں تو ان کی کامیابی مشکوک ہو جاتی ہے۔

اگر ہم مزاحمتی تحریکوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو ہمیں ان میں مشترکہ چیز شدت پسندی ملے گی۔ شدت پسندی سے مراد وہ تعریف ہرگز نہیں ہے جو آج کل مغرب نے بنا دی ہے۔ یعنی ایک مخصوص حلیہ اور ایک مخصوص مذہب ہی شدت پسندی کا مظہر ہے۔ یہ تو مغرب نے اپنے کرتوت چھپانے اور سارا الزام دوسروں پر تھوپنے کے لیے تیار کی ہے۔ شدت پسندی کی تعریف بہت سادہ ہے۔ اپنے موقف کو طاقت کے زور سے دوسرے پر ٹھونسنا۔ اور دیکھا جائے تو سب سے زیادہ شدت پسند خود مغرب ہے۔ اسرائیل طاقت کے بل پر اپنا ایجنڈہ نافذ کر رہا ہے۔ امریکہ آج کل باس ہے کیونکہ وہ طاقتور ہے۔ اقوام متحدہ کے باڑے میں بندھی بھینسیں اس کی ہیں۔ ممکن ہے چند سال بعد یہ مقام چین کو مل جائے۔ تو امریکہ ہو یا کوئی چھوٹی سی مزاحمتی تحریک ہو۔ کوئی بھی اپنی بات منوانے کے لیے دلیل کا سہارا نہیں لیتا ہے کیونکہ آج کل کے بازار میں دلیل کا سکہ آؤٹ آف ڈیٹ ہے یہاں صرف طاقت کا سکہ چلتا ہے۔ اس لیے سب یہی سکہ استعمال کر رہے ہیں۔ انسانوں کا بے دریغ قتل عام ہو رہا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ان میں جو زیادہ اسکور کر رہا ہے وہ امن پسند کا لقب پاتا ہے۔ یعنی سینکڑوں مارنے والا دہشت گرد ہے اور ہزاروں مارنے والا امن پسند اور انسانیت کا علم بردار ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں سفر کرتے ہوئے چوتھا گھنٹا تھا جب مشرق کی طرف سے روشنی نمودار ہونے لگی۔ اب ہمیں کہیں رکنا اور چھپنا تھا کیونکہ لازمی بات ہے کہ ہماری تلاش شروع ہو چکی ہو گی۔ اگر نزندر کے ساتھی پکڑے گئے تھے تو وہ ہمارے بارے میں بتا دیتے۔ اگر جوگندر اور اس کے ساتھی بچ نکلے تھے تو وہ بھی ہماری تلاش میں ہو سکتے تھے۔ اگرچہ خود ان کو بھی یہی مسئلہ درپیش تھا جو اس وقت ہمیں تھا یعنی کسی جائے پناہ کی تلاش لیکن وہ ہماری نسبت اس علاقے سے کہیں بہتر واقف تھے۔ اس لیے وہ ہمارے پیچھے تھے تو ہماری نسبت تیز سفر کر سکتے تھے۔

''شہباز صاحب کہیں رکنا ہوگا۔'' وسیم نے میرے پاس آ کر کہا۔ وہ اور سادھنا شاید غلطی سے یا لاشعوری طور پر ہم سے ذرا دور چلے گئے تھے۔

''ہاں لیکن کسی ایسی جگہ جہاں کسی کو شک نہ ہو۔'' میں نے کہا۔

ہم سفر کے دوران ایسی کوئی جگہ تلاش کر بھی رہے تھے لیکن اس جگہ نہ تو ہمیں کوئی چھپا ہوا غار ملا اور نہ کہیں گھنی جھاڑیاں تھیں جن میں ہم محفوظ رہ سکتے۔ ہر طرف جنگل تھے یا سیدھے آسمان کا رخ کرتے پہاڑ جن پر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ ہم اسی ندی کے ساتھ ساتھ سفر کرنے پر مجبور تھے۔ اس طرف آبادی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی یہاں پہاڑ بہت زیادہ ترچھے تھے اور ان پر مکان بنانا آسان نہیں تھا۔ ورنہ دارالحکومت سے پاس ہونے کی وجہ سے یہاں لازمی آبادی ہونا چاہیے تھی۔

آگے ندی کی روانی میں خاصی کمی آ گئی تھی اور میں نے سوچا کہ ہمیں دوسری طرف چلے جانا چاہیے کیونکہ میرے حساب سے گھنٹہ دو اس طرف تھا۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر پتھروں سے ندی عبور کر لی۔ دن کی روشنی تیز ہو گئی تھی اور اوپر پہاڑوں پر دھوپ نظر آنے لگی تھی۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ درختوں اور پتھروں کی آڑ میں رہیں تاکہ دور سے نظر نہ آ سکیں۔ خوش قسمتی سے یہاں جھاڑیاں بہت تھیں۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہمارا دور سے نظر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ البتہ یہاں ایسی پگ ڈنڈیاں تھیں جیسے انسان یہاں سفر کرتے ہوں۔ ان کی مستقل آمد و رفت سے یہ پگ ڈنڈیاں بن گئی تھیں۔ اب ہمیں ہوشیار رہنا تھا۔ آبادی آس پاس ہی تھی۔

اچانک مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے پاس ہی دبی ہوئی چھینک ماری ہو۔ میں رکا تو سب رک گئے تھے۔ وسیم نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''مجھے ایسا لگا ہے کسی نے چھینک ماری ہے۔''

بیتو نے چھینک ماری اور بولا۔ ''ہم نے اب ماری ہے پہلے نہیں ماری تھی۔''

''تب تم نے ماری ہو گی؟'' میں نے سادھنا کی طرف دیکھا۔

''میرا دل تو چاہ رہا ہے کہ چھینک ماروں لیکن میں ضبط کر رہی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''ایک بار میں چھینک دی تو پھر میری چھینکیں کسی طرح نہیں رکیں گی۔''

اس دوران میں وسیم نے ایک جھاڑی کا معائنہ کر لیا تھا اور مجھے اشارے سے بتایا کہ اس میں کوئی ہے اور وہ پیچھے کی طرف جا رہا ہے۔ میں جھاڑی میں موجود شخص کو ہینڈز اپ کرا لوں۔ میں نے سر ہلایا تو وسیم پیچھے کی طرف چلا گیا۔ میں نے بیتو اور سادھنا کو پتھروں کی آڑ میں ہونے کو کہا اور خود ایک بڑے پتھر کے پاس ہو کر اپنی رائفل کا رخ جھاڑی کی طرف کر دیا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وسیم نے جھاڑی کو عقب سے گھیر لیا تو میں نے چلا کر کہا۔ ''جھاڑی میں جو ہے وہ شرافت سے باہر آ جائے ورنہ میں نے برسٹ مار دیا تو لاش ہی باہر آ سکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔"

میرے اس اعلان کے فوراً بعد جھاڑی میں ہلکی سی ہل چل ہوئی اور دو منٹ بعد وسیم ایک شخص کو لے کر نمودار ہوا اس کا پستول اس شخص کی گدی پر رکھا تھا اور اس نے دونوں ہاتھ اوپر کر لیے تھے۔ کسی قدر سانولے رنگ اور موٹے نقوش کا وہ شخص کوئی چالیس سال کا تھا۔ جسم بھاری تھا اور اس نے اپنی توند کو حد میں رکھنے کے لیے پیٹ سے کس کر باندھ رکھا تھا۔ وہ یوں ہانپ رہا تھا جیسے ابھی ابھی کسی میراتھن ریس سے فارغ ہوا ہے۔

"کون ہو تم؟" میں نے اسے غور سے دیکھا۔ "ان جھاڑیوں میں کیا کر رہے تھے؟"

"اپن منا بھائی ہے۔" اس نے منمنا کر کہا۔

میں بے ساختہ ہنس دیا۔ "ایم بی بی ایس والے یا اس کے بغیر ہی۔"

اس نے نظریں ملانے سے گریز کیا۔ "اس کے بغیر ہی..... پر اپن اصلی منا بھائی ہے۔ سالا جعلی نہیں بنا۔"

"چلو مان لیا تم اصلی تے وڈے منا بھائی ہو لیکن سوال وہی ہے یہاں بمبئی سے کوئی دو ہزار میل دور ان جھاڑیوں میں کیا کر رہے تھے۔"

منا بھائی نے سادھنا کی طرف دیکھا اور پھر چپکے سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ جھاڑی میں بہ غرض آب پاشی گیا تھا۔

"اپن تم کو پولیس سمجھا۔" اس نے کہا۔ "اس لیے چھپ کر بیٹھ گیا پر چھینک نے اکھا راز کھول دیا۔"

میں نے دو باتوں پر غور کیا کہ ایک تو وہ ذرا پرانی بمبئی کی زبان بول رہا تھا اور یہ آج کل کی زبان سے مختلف تھی اور دوسرے وہ بھی پولیس سے چھپ رہا تھا ورنہ پولیس کو دیکھ کر چھپ جانے کی کیا تک تھی۔ میں نے اس سے دوسری بات کی وضاحت چاہی وہ مسکرایا۔

"صاحب اب آپ سے کیا پردہ..... اپن ادھر چھوٹا موٹا مال لاتا لے جاتا ہے۔"

"مثلاً کیسا مال؟" وسیم نے پوچھا۔

"یہی صاحب انڈین ساڑھی، چاول اور دوسرا چھوٹا موٹا سامان، ادھر بلیک میں اچھا قیمت مل جاتا ہے۔"

وہ خالی ہاتھ تھا۔ "تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

اس نے جھاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ "صاحب بتایا تو....."

"بکواس مت کرو۔" اس بار میں غرایا۔ "تم اس ویران جگہ یقیناً سوسو کرنے نہیں آئے تھے۔"

"نہیں صاحب اپن تو ادھر سامان دے کر واپس جا رہا تھا۔"

"کہاں جا رہے تھے؟"

"ادھر واپس انڈیا..... نیپال کی سرحد کے پاس ایک چھوٹے سے قصبے میں اپن کا گھر ہے۔ گھر والی ہے اور دو بچہ ہے۔"

"تم گھٹنڈو سے واپس آ رہے ہو؟" میں نے اس کی بات پر غور کرتے ہوئے کہا۔

اس نے سر ہلایا۔ "یہ اچ بات ہے صاحب۔"

"گویا تم گھٹنڈو کا راستہ جانتے ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اکھا جانتا ہے صاحب۔'' اس نے فخر سے کہا۔ ''اپن تو اب آنکھ بند کر کے کھاٹ منڈو پہنچ سکتا ہے۔''

''نہیں اتنی مشکل سے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وسیم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''تم ہمیں آنکھیں کھول کر بھی کھٹمنڈو لے جا سکتے ہو۔''

''اپن.....'' وہ بدکا۔ ''اپن کیوں لے جائے؟''

''کیونکہ اپن سب کو آنکھ کھول کر بھی کھٹمنڈو کا راستہ نہیں معلوم ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''اس لیے تم وہاں تک ہماری رہنمائی کرو۔''

''اپن نہیں جا سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اپن کو ایک جگہ اپنی پالٹی پکڑنے کا ہے۔ وہ نکل گیا تو اپن کو اکیلا جانا پڑے گا۔''

''میرے دوست اکیلا جانا کبھی نہ جانے سے بہتر ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے بیوی اور دو بچے ساری عمر کے لیے تمہارا انتظار کرتے رہ جائیں؟'' میں نے کہا۔

''نہیں صاحب۔'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔

''بس تو ہمیں کھٹمنڈو تک پہنچا کر تم واپس جا سکتے ہو۔''

وسیم نے پستول دوبارہ اس کی گدی سے لگائی۔ ''اگر تم نے انکار کیا تو ہمیں تم کو یہیں چھوڑ کر جانا ہوگا لیکن اس صورت میں تمہارے جسم میں کہیں ایک گولی کا اضافہ ہو جائے گا۔''

''اپن کا قصور؟'' اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

''بتایا تو ہے کہ تم کو کھٹمنڈو کا راستہ آتا ہے اور ہمیں بالکل نہیں آتا۔ جب کہ ہمارا ان پہاڑوں سے نکل کر کھٹمنڈو پہنچنا بہت ضروری ہے۔''

''اتنا ضروری جتنا کہ تمہارا اپنے گھر تک پہنچنا ضروری ہے۔'' وسیم نے اسے ڈرانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''تمہارے بیوی بچوں کے لیے۔''

اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہم چاروں ہی دانتوں تک مسلح تھے اور اس کے پاس کچھ نہیں تھا وسیم نے سب سے پہلے اس کی تلاشی لی تھی۔ اس کے پاس صرف ایک پرس تھا جس میں کوئی پچیس ہزار بھارتی روپے تھے۔ ظاہر ہے یہ اس مال کا معاوضہ تھا جو اس نے یہاں پہنچایا تھا۔ ویسے تو بھارتی بنیے نے اس ملک کو پوری طرح اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ اسمگلنگ کے ذریعے بھی اس کی معیشت کا بیڑا غرق کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے اس کا پرس یا کچھ اور نہیں لیا تھا۔ وہ نہتا ہی تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ اس نے درست ہی بتایا تھا۔ ورنہ اس کے پاس کوئی نہ کوئی ہتھیار تو ہوتا۔

''بولو کیا کہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔ ''اکیلے جانا ہے یا کبھی نہیں جانا ہے؟''

''لے جائے گا صاحب کیوں نہیں لے جائے گا۔'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔ ''یہ کھاٹ منڈو وادھر ہی تو رکھا ہے۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''تو چلو..... لیکن خیال رہے راستہ ایسا ہو کہ پولیس یا آرمی سے مڈبھیڑ نہ ہو۔''

''پولیس آرمی۔'' وہ چونکا۔ ''کیا ادھر ہی کچھ ہوا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں.....کل رات سے ماؤنسٹوں کے خلاف آپریشن جاری ہے۔ کیا تم کو نہیں پتا؟''

''نہیں صاحب اپن تو دو دن سے ادھر جاناں بائی کے پاس تھا۔'' اس نے کسی قدر رخفت سے کہا۔ ''کچھ پتا ہی نہیں چلا۔''

ظاہر ہے جاناں بائی کے پاس اسے اپنا ہوش نہیں ہوگا۔ حالات کا ہوش کہاں ہوتا۔ وہ کاروبار کے ساتھ تفریح کا قائل تھا۔ میں نے کہا۔ ''تمہاری خوش قسمتی کہ تم کو ہم مل گئے ورنہ آگے تو حالات اور خراب ہیں اور اگر تم پولیس یا آرمی کے ہاتھ آجاتے تو تم کو ماؤنسٹ بھی قرار دیا جاسکتا تھا۔''

اس کا رنگ اُڑ گیا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ماؤنسٹ قرار دینے کی صورت میں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا اس نے عاجزی سے کہا۔ ''تم نے اپن پر احسان کیا ہے۔''

''تب تم جلدی سے اس احسان کا بدلا اتارو اور ہمیں کھٹمنڈو پہنچا کر کسی اور راستے سے اپنی راہ لو۔''

''وہ اپن کرلے گا۔'' اس نے پھر شیخی ماری۔ ''ادھر اپن دس راستے جانتا ہے۔ چین تک جاسکتا ہے۔''

وسیم نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ ''ہمالیہ پار کر کے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''کئی بار جاچکا ہے۔ ادھر سے اچھا مال ملتا ہے تو جا کر لاتا ہے اور انڈیا لے جاتا ہے۔''

گویا وہ دو طرفہ اسمگلر تھا لیکن ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی وہ ہمیں کھٹمنڈو پہنچا دیتا تو اپنا دھندہ بعد میں بھی جاری رکھ سکتا تھا۔ اس نے ہمیں لے کر اسی سمت میں سفر شروع کر دیا جس طرف ہم پہلے ہی جا رہے تھے لیکن ہم راستوں پر پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے کیونکہ راستوں کا کچھ پتا ہی نہیں تھا اور وہ پورے اعتماد سے چلا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ سے ہماری رفتار میں تیزی آگئی تھی اور جب تک دھوپ نیچے تک آتی ہم کھٹمنڈو کے در و دیوار نظر آنے لگے تھے۔ اس کے ساتھ ہی پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی کھلونوں کی طرح بکھرے دکھائی دینے لگے۔ بلندی پر کھٹمنڈو کا شہر دھند میں لپٹا تھا لیکن دھند سورج بلند ہونے کے ساتھ تیزی سے غائب ہو رہی تھی۔ البتہ نشیب میں جہاں جہاں پانی کے چشمے تھے وہاں سے بھاپ کے بادل اٹھ رہے تھے۔

''صاحب وہ کھٹمنڈو ہے اب آپ چلے جاؤ گے۔'' منا بھائی نے کہا۔

''تو کیا تم واپس جاؤ گے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ہاں صاحب اپن ادھر بہت راستوں سے واقف ہے۔ تیز چلے گا تو اپنی پالٹی پکڑ لے گا۔''

میں نے سوچا۔ اب راستے نظر آرہے تھے اور ہم جاسکتے تھے اس لیے میں نے اسے اجازت دے دی۔

''ٹھیک ہے لیکن یہ بتادو کہ سامنے نظر آنے والے راستوں میں کون سے اچھا رہے گا۔''

اس نے ایک چھوٹے سے جنگل کی طرف اشارہ کیا۔ ''ادھر سے چلے جاؤ صاحب کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''پکا پتا ہے نا۔'' وسیم نے کہا۔ ''ایسا نہ ہو کہ مروا دینا۔''

''کچھ نہیں ہے صاحب آپ بے فکری سے جاؤ۔'' اس نے کہا اور ہاتھ جوڑ کر واپسی کے لیے مڑ گیا۔ کچھ دور جا کر اس نے مڑ کر ہاتھ لہرایا اور موڑ سے غائب ہو گیا۔ ہم بھی آگے کی طرف روانہ ہو گئے۔ کھٹمنڈو ہماری منزل نہیں تھا لیکن ایک اہم سنگ میل ضرور تھا اور ہم یہاں تک بڑی کوشش سے پہنچے تھے لیکن نہیں یہ ہماری غلط ہی تھی کہ ہم کھٹمنڈو پہنچ گئے تھے۔ دلی ہنوز دور است والا معاملہ تھا کیونکہ اس حرامزادے منا بھائی نے ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے کہنے پر ہم نے اس جنگل کا راستہ اختیار کیا اور سیدھے اس چھوٹی سی پولیس چوکی کے سامنے جا پہنچے جو شاید ہم جیسے راہ گم کردہ لوگوں کے لیے چھپا کر بنائی گئی تھی۔

چوکی کے بالکل پاس پہنچنے تک ہمیں اس کا علم نہیں تھا۔ منا بھائی کو اس کا علم تھا اور اس نے ہماری رحم دلی کا یہ صلہ دیا کہ ہمیں مرنے کے لیے اس پولیس چوکی کے سامنے بھیج دیا۔ یہ یقیناً ماؤنسٹوں کو کھٹمنڈو میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ اس میں بالکل سامنے ایک مشین گن پوسٹ تھی اور کیونکہ خدا کو ہماری زندگی منظور تھی اس لیے اس پوسٹ میں تعینات سپاہی نزدیک ہی پانی بنانے میں اتنا مگن تھا کہ اسے ہمارے آنے کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ اگر وہ مشین گن کے پیچھے ہوتا تو ایک ہی برسٹ میں ہم سب کا کام تمام ہو جاتا۔ ہم سب مسلح تھے اور وہ اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ پہلے ہم گولی چلاتے اور اس کے بعد وہ مشین گن استعمال کرتا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا اور وہ کسی چیتے کی طرح دبے قدموں اس کی طرف بڑھا اور خاموشی سے اس کی پشت سے گن لگا دی۔ ''ہلنا یا بولنا مت۔'' وسیم نے انگریزی میں کہا۔

اس نے نہ جانے انگریزی سمجھی یا نہیں سمجھی لیکن ہتھیار کی زبان سمجھ گیا تھا اس نے پتلون کی زپ بند کیے بغیر ہاتھ اوپر کر دیئے اور سرگوشی میں کچھ کہا۔ وہ مقامی زبان بول رہا تھا۔ بیتو نے کہا۔ ''یہ رحم کی اپیل کر رہا ہے۔''

''ہم اس کی اپیل ضرور سنیں گے لیکن پہلے تم جا کر اس کی مشین گن کا مورچہ سنبھال لو اور آئندہ حکم تک وہیں رہو۔'' میں نے بیتو سے کہا تو وہ مشین گن کے مورچے میں چلا گیا۔ وسیم سپاہی کو ہمارے پاس لے آیا۔ وہ نوجوان لڑکا تھا اور اس وقت بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ شاید وہ ہمیں ماؤنسٹ سمجھ رہا تھا اور ماؤنسٹ پولیس والوں سے کیا سلوک کرتے تھے وہ میں نے دیکھ لیا تھا۔ وہ درست کانپ رہا تھا۔ سادھنا نے اس سے کہا۔

''ڈرو مت ہم ماؤنسٹ نہیں ہیں۔''

''اس سے پوچھو کہ چوکی میں اور کتنے آدمی ہیں۔ جواب غلط ہوا تو یہ مارا جائے گا۔'' میں نے کہا۔

سادھنا نے اس سے سوال کیا تو اس نے بتایا کہ اندر چار افراد اور ہیں اور اس کی ڈیوٹی باہر تھی اسی لیے وہ مارا گیا۔ میں نے کہا۔ ''ان کو باہر بلاؤ۔''

اس نے جواب دیا۔ ''وہ باہر نہیں آئیں گے۔''

''کیوں نہیں آ سکتے۔''

''کیونکہ کوئی بلا وجہ باہر نہیں آتا ہے اور نہ ہی یہ سپاہی ہنگامی حالات کے بغیر اپنی ڈیوٹی چھوڑ سکتا تھا۔ چوکی کا منہ دوسری طرف تھا اور اس طرف اس کی پشت تھی۔ اندر آمد و رفت کے لیے صرف ایک فولادی دروازہ تھا کیونکہ ماؤنسٹوں کے حملوں میں اس سے پہلے بہت سارے پولیس اسٹیشن تباہ ہو چکے تھے اور بے شمار پولیس والے مارے جا چکے تھے اس لیے اب پولیس اسٹیشن اور چوکی کی عمارتیں اس طرح کی بنائی جاتی تھیں

یہ عمارت پتھروں اور کنکریٹ کی بنی تھی اور اس میں روشن دان تک نہیں تھا کیونکہ ماؤنسٹ اکثر ان روشن دانوں سے دستی بم اندر پھینک دیا کرتے تھے۔ البتہ عمارت میں چاروں طرف ایسی چھوٹی چھوٹی فولادی کھڑکیاں بنی تھیں جن سے بوقت ضرورت حملہ آوروں پر فائرنگ کی جا سکتی تھی۔ سردی اور اس سے بھی زیادہ خوف کی وجہ سے یہ کھڑکیاں بند تھیں۔ اگرچہ نوجوان سپاہی نے ہنگامی حالت میں ہی مورچے سے باہر قدم رکھا تھا لیکن اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اس بات پر پریشان تھا۔ اب اس کا کیا ہوگا۔ اسے سزا ملے گی۔

''کیا ہم کسی اور جگہ سے نہیں گزر سکتے؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں آس پاس ہر جگہ بارودی سرنگیں ہیں اور ایک غلط قدم پر لوک سدھارنے کا سبب بن سکتا ہے۔'' اس نے بتاتا تو میں نے دل ہی دل میں منا بھائی کو سنائیں۔ اس نے ہمیں دھوکے سے موت کے منہ میں بھیج دیا تھا اور خود اس وقت ہماری عقل پر ہنستا ہوا واپس جا رہا ہوگا۔ بیتو نے اشارے سے ہمیں بلایا۔ میں اس کے پاس گیا تھا۔ باقیوں کو میں کہا کہ وہ اپنی جگہ سے بلاضرورت حرکت نہ کریں۔ بیتو اتنی دیر میں چوکی کا معائنہ کر چکا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''ادھر آرام کرنے کا جگہ ہے۔''

''یہاں آرام کرنے کا مطلب مستقل آرام کرنا بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں چوکی میں گھسنا ہو گا۔''

میں نے محسوس کیا تھا کہ چوکی والوں پر قابو پائے بغیر ہم آگے نہیں جا سکتے تھے۔ یہاں سے کھٹمنڈو کا شہر کچھ ہی فاصلے پر تھا اور اگر ہم پلٹ کر چلے جاتے تو اول تو مجھے کوئی اور راستہ نظر نہیں آیا تھا اور دوسرے وہ ہوتا تو ہمیں بہت دیر لگتی اور اتنی دیر میں پولیس ہمیں گھیر سکتی تھی۔ اس لیے یہاں سے نکلنا لازمی تھا۔ میں نے نوجوان سپاہی کی گردن دبوچی اور اس کے سر پر پستول رکھ دیا۔ ''اگر تم مرنا چاہتے ہو تو بھی وہ دروازہ نہیں کھولیں گے؟''

''نہیں پہلے وہ کھڑکی سے دیکھیں گے اور جب کوئی اور نظر نہیں آئے گا تو دروازہ کھولیں گے۔'' سپاہی نے سادھنا کے توسط سے بتایا۔ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا اور وسیم سے اس کا چاقو لیا اور کہا۔

''اس کا منہ بند کر دو۔''

وسیم نے اسے عقب سے جکڑ کر ایک ہاتھ سے اس کا منہ بند کر دیا اور میں نے چاقو اس کی ران میں اتار دیا۔ اگر اس کا منہ کھلا ہوتا تو اس کی چیخیں سن کر کھٹمنڈو سے پولیس دوڑی آتی۔ وہ بری طرح مچل رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اب تم اندر والوں کو بلا سکتے ہو اور تمہارے منہ سے ہمارے بارے میں کوئی ایک لفظ بھی نکلا تو اس بار چاقو نہیں گولی ماریں گے۔''

سادھنا کو مشین گن کے مورچے میں چھوڑ کر ہم سامنے والی سمت میں آئے۔ میں نے ایک درخت کے پیچھے پوزیشن سنبھال لی تھی۔ بیتو اور وسیم دائیں بائیں آتے۔ اپنی جگہ سنبھالنے سے پہلے وسیم نے سپاہی کو دروازے کے سامنے کھلی جگہ دھکا دیا اور وہ زمین پر جا گرا۔ اس نے منہ کھلتے ہی ایسا واویلا مچایا کہ ایک منٹ کے اندر چوکی کی تمام کھڑکیاں کھل گئیں۔ اندر سے شور سنائی دینے لگا تھا میں نے بیتو سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ہمارے بارے میں بتائے تو اسے شوٹ کر دینا لیکن نوجوان نے عقل مندی کا ثبوت دیا اور اکیلے فوت ہونے سے گریز کیا۔ اس نے واویلا مچا کر اندر موجود اپنے سارے ہی ساتھیوں کو باہر بلا لیا تھا لیکن ایک اندر رہ گیا تھا۔ جیسے ہی وہ تین سامنے آئے ہم تینوں نے ان کو گھیر لیا۔ بیتو نے اسے حکم دیا کہ اپنے پانچویں ساتھی کو بھی باہر آنے کا کہے ورنہ اس کے باقی ساتھی مارے جائیں گے۔ اس نے ایسا ہی کیا لیکن پانچواں سیانا سامنے نہیں آیا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ اندر کوئی ریڈیو ہو اور وہ آگے اطلاع کر سکتا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''اندر والے کو کہلواؤ کہ اگر وہ تین گننے تک باہر نہیں آیا تو ہم دروازہ سے دستی بم اندر پھینک دیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس دھمکی کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا تھا اور وہ تین تک گننے سے پہلے ہی باہر آ گیا تھا۔ وہ کوئی جونیئر افسر تھا اور جب تک اس کی جان پر نہیں بن آئی تھی اس نے اپنے ساتھیوں کی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ ان سب کی تلاشی لے کر ہم ان کو اندر لے آئے۔ میں نے سب سے پہلے وہاں کسی ریڈیو کی تلاش کی لیکن مجھے اس قسم کی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ نوجوان افسر نے بھی تصدیق کی کہ وہاں ریڈیو نہیں تھا۔ مجھے تعجب تو ہوا کہ ایک پولیس چوکی کو ریڈیو جیسی لازمی چیز نہیں دی گئی تھی لیکن ساتھ ہی اطمینان بھی ہوا تھا۔

اندر مناسب گرمی بھی تھی اور کھانے پینے کو بھی بہت کچھ تھا لیکن پہلے ہم نے ان پانچوں کو چوکی میں موجود چھوٹی سی حوالات میں بند کر دیا جس میں پہلے ہی ایک قیدی تھا اور اس کے کیے دھرے کی بدبو باہر تک آ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو بھی پتا چلے کہ یہ دوسروں کو کتنے غیر انسانی ماحول میں رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ زخمی ابھی تک واویلا مچا رہا تھا۔ سادھنا بھی اندر آ گئی تھی۔ اس نے باہر رہنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور وسیم اسے کہہ رہا تھا کہ اس نے حالت جنگ میں مورچہ چھوڑ کر بہت سنگین جرم کیا اور کمانڈر یعنی مجھے اختیار ہے کہ میں اسے گولی مار دوں۔

"بے شک مار دے۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ "لیکن اب مجھ سے سردی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔ اس طرح سسک سسک کر مرنے سے بہتر ہے میں ایک ہی بار ماری جاؤں اور اگر تمہیں اتنا خیال ہے تو تم چلے جاؤ۔"

وسیم نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ "باس نے تمہیں حکم دیا تھا مجھے نہیں۔"

بیتو نے وہاں فوراً کھانے پینے کی چیزیں تلاش کر لی تھیں اور ان پر ٹوٹا پڑا تھا اس نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔ "تم فکر مت کرو وسیم بھائی ابھی کھا پی کر ہم چلا جائے گا۔"

"کسی ایک کا اس مورچے میں رہنا ضروری ہے۔ بیتو تم ان میں سے جس کی وردی مناسب لگے وہ لے لو۔"

بیتو نے یہی کیا۔ ہم بے فکری سے کھا پی رہے تھے۔ میرا ارادہ تو یہاں سے جلدی نکلنے کا تھا لیکن سادھنا نے التجا کی۔ "پلیز کچھ دیر کے لیے یہاں رک جاتے ہیں۔"

"اور اس دوران کوئی پولیس پارٹی آ گئی؟" وسیم بولا۔

"پولیس پارٹی لازمی آئے گی۔ ان لوگوں کی ڈیوٹیاں بھی تو چینج ہوتی ہوں گی۔" میں نے کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں کچھ تیاری کر کے رکھنا چاہیے۔ میں حوالات کی طرف آیا اور پولیس والوں سے ان کی وردیاں طلب کیں۔ وہ مجبور تھے اس لیے انہوں نے اتار کر دے دیں۔ میں نے وہاں موجود کچھ پرانے کپڑے اور کچھ اپنے کپڑے ان لوگوں کو دے دیئے۔ افسر کی وردی مجھے کسی قدر تنگی کے ساتھ آ گئی تھی۔ وسیم اور سادھنا کو بھی وردیاں آ گئی تھیں۔ سادھنا کو سب سے چھوٹی وردی دی تھی۔ وہ بھی اسے اتنی بڑی تھی کہ اس کے جسم پر جھول رہی تھی۔ اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر ہم ہنس دیئے تھے۔ وہ بھی کھسیانے انداز میں ہنسنے لگی۔ پھر منہ بنایا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"قصور تو کوئی نہیں ہے لیکن وردی اتنی کھلی ہے کہ اس میں تمہارے ساتھ میں بھی آ سکتا ہوں۔" وسیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچے سمجھے بغیر بولا تو سادھنا کا چہرہ لال ہو گیا تھا اور میں نے وسیم کو گھورا تو وہ بھی بوکھلا کر خاموش ہو گیا تھا۔ اب ہم کچھ دیر اس خطرے کے بنا یہاں رہ سکتے تھے کوئی پولیس پارٹی آ گئی تو فوراً ہم پر دھاوا بول دے۔ اسے صورت حال سمجھنے میں جتنی دیر لگے گی اتنی دیر میں ہم ان پر قابو پا سکتے تھے۔ وہاں کھانے پینے کو اتنا تھا کہ اب ہمیں چوبیس گھنٹے تک بھوکے رہنا پڑتا تھا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب سے اہم چیز جو وہاں ملی وہ کافی تھی اس نے ہمیں تازہ دم کر دیا۔

''ارے آپ کے زخم کو تو ہم بھول ہی گئے۔'' وسیم نے چونک کر کہا۔

''کوئی خاص نہیں ہے اب تو میں بھی اسے بھول گیا ہوں۔'' میں نے جواب دیا لیکن سادھنا نے کہیں سے میڈیکل کٹ دریافت کر لی اور اس نے زبردستی میرے زخم کی صفائی کر کے اس پر صاف پٹی کر دی۔ وہاں کچھ اینٹی بایوٹک بھی تھیں۔ سادھنا نے وہ بھی مجھے کھلا دیں۔ یہاں انگیٹھیاں تھیں جن میں کوئلے دہک رہے تھے یہ خاص چمنی والی انگیٹھیاں تھیں جن سے کوئلوں کا زہریلا دھواں باہر نکل رہا تھا۔ ہم نے اپنے کپڑے خشک کیے۔ سادھنا ایک طرف لیٹ گئی تھی میں اور وسیم چوکی کی تلاشی لینے لگے۔ وہاں وہی سب کچھ تھا جو ایک پولیس چوکی میں ہو سکتا ہے۔ اسلحہ، آلات تشدد جن میں بالکل پاکستانی اسٹائل کا چمڑے کا لتر دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ مال غنیمت جو بے چارے حوالاتیوں کے گھروں سے آتا تھا۔ ایک طرف ایک چھوٹی سی الماری تھی اور لاک تھی میں نے ایک اسکرو ڈرائیور اس کے تالے میں پھنسا کر زور لگایا تو وہ ٹوٹ گیا۔ الماری کھولتے ہی میں اچھل پڑا تھا۔ اندر تہہ در تہہ بے شمار کرنسی نوٹ رکھے تھے۔ یہ ساری مقامی اور بھارتی کرنسی تھی۔ اور اس کی مالیت لاکھوں میں تھی۔

''وسیم ذرا ادھر آنا۔'' میں نے کہا۔

وسیم نے دیکھا اور خوش ہو کر بولا۔ ''خدا جب دیتا ہے چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔''

''لیکن اس چھپڑ کے بارے میں ذرا تفتیش کر لینی چاہیے کہ یہ کہاں پھٹا تھا۔'' میں نے کہا اور حوالات کی طرف آیا۔ افسر کسی قدر انگریزی سے واقف تھا میں نے اس سے پوچھا۔ تو وہ انجان بن گیا۔

''کون سے کرنسی؟''

میں نے سلاخوں کے درمیان سے اس کا گریبان پکڑ کر کھینچا تو وہ منہ سمیت سلاخوں سے ٹکرایا اور اسے یقیناً دن میں تارے وغیرہ نظر آ گئے ہوں گے۔ میں نے کہا۔ ''اب یاد آیا..... وہ کرنسی جو الماری میں رکھی ہے۔''

اس کا گال پھٹ گیا تھا اور وہ تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے بولا۔ ''وہ سرکاری کرنسی ہے۔''

''بکواس مت کرو سرکاری کرنسی اس طرح الماریوں میں رکھی جاتی ہے کیا اس کے لیے بنک نہیں ہیں اور یہ کون سا پولیس ہیڈ کوارٹر ہے جس میں لاکھوں کی مالیت کی کرنسی رکھی جائے۔'' میں نے اس کا گریبان پکڑ رکھا تھا دو بار مزید اس کا سر سلاخوں سے ٹکرایا تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے ماتحت دہشت سے اپنے افسر کی درگت بنتے دیکھ رہے تھے۔ اس نے اس بار پھٹے ہونٹوں کے ساتھ مجھے بتایا کہ یہ رقم اصل میں وہ اسمگلروں سے لی تھی اور اسے یہ رقم آگے اپنے افسران تک پہنچانی تھی۔ اس میں اس کا حصہ صرف دس ہزار تھا اور اس میں سے بھی اسے ہر سپاہی کو ہزار روپے دینے تھے۔ مجھے لگا کہ وہ سچ ہی کہہ رہا تھا کیونکہ اس چوکی یا اس افسر کی اوقات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

[illegible] تھی کہ اسے کوئی لاکھوں کی رشوت دے۔

[illegible] واپس آیا تو وسیم ساری رقم اپنے ایک بیگ میں ڈال چکا تھا میں نے اس سے کہا۔ ''یار یہ سرکاری کرنسی [illegible] نہ ہو جائے؟''

''کیا مطلب جناب؟''

''پولیس دوسرے مجرموں کو اتنی مستعدی سے نہیں پکڑتی ہے جتنی کہ ذاتی مجرموں کو..... اکثر مجرم اسی وجہ [illegible] جاتے ہیں کہ وہ ان کا حصہ دینے میں ڈنڈی مار جاتے ہیں۔''

[illegible] نے حوالات کی طرف دیکھا۔ ''ہم ان کے ساتھ جو کر چکے ہیں کیا اس کے بعد یہ ہمیں آسانی سے [illegible] دیں گے؟ نہیں جناب یہ پوری شدومد سے ہمیں تلاش کریں گے اس لیے یہ رقم لے جانے سے کوئی فرق [illegible] پڑے گا اور ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں۔''

''اس کی تو بات ہی مت کرو دوست۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''مستحق تو ہم اس سے کہیں زیادہ کے [illegible] ہیں مگر یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔''

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور بیتو اندر آیا۔ اس نے عجلت میں کہا۔ ''جس طرف سے ہم آئے تھے [illegible] طرف سے دو پولیس والے ایک آدمی کو لے کر آ رہے ہیں۔ ابھی وہ دور ہیں تم لوگ ہوشیار رہنا۔''

بیتو کہہ کر چلا گیا۔ میں نے سادھنا کو ہوشیار کیا اور اس نے اپنا چاند سا مکھڑا فوراً ٹوپی تلے چھپا لیا۔ [illegible] زلفیں بمشکل ٹوپی میں سمائی تھیں اور اس کے چہرے اور ہاتھ پیروں کی نرمی دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر [illegible] تھی میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم کہیں چھپ جاؤ۔''

اس چوکی میں جگہ کم تھی لیکن ہم نے سادھنا کو ایک میز کے پیچھے چھپا ہی دیا۔ ساری کھڑکیاں اندر سے بند کر لیں اور صرف ایک کھڑکی ذرا سی کھلی چھوڑ دی۔ میرا اندازہ تھا وہ اسی طرف سے گزر کر چوکی کے داخلی دروازے کی طرف آئیں گے لیکن وہ دوسری طرف سے آئے تھے۔ اصل میں حفاظتی نکتہ نظر سے چوکی کی عمارت کے چاروں طرف کھلی جگہ چھوڑی گئی تھی تاکہ کوئی چھپ کر یہاں تک نہ آ جائے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وسیم نے سامنے والی کھڑکی سے باہر جھانکا اور میں نے اس کی ہلکی سے آواز سنی۔

''باپ رے۔''

میں اس کی طرف آیا۔ ''کیا ہوا؟''

وسیم نے سرگوشی میں بتایا۔ ''باہر وہی خبیث ہے دو سپاہیوں کے ساتھ منا بھائی۔'' وسیم نے منا بھائی کے نام کے ساتھ ایم بی بی ایس لگا کر اس کی ایک ناقابل بیان تشریح بھی کی تھی۔

میں حیران رہ گیا تھا۔ ''وہ یہاں آ گیا۔''

میں نے کھڑکی سے جھانکا تو مجھے منا بھائی اچھی حالت میں نظر نہیں آیا تھا۔ گرفتاری اس کے وجود سے ٹپک پڑ رہی تھی۔ بائیں آنکھ سوجن کی وجہ سے بند تھی اور دائیں کمزوری کی وجہ سے بند تھی ہاتھ پیروں پر بھی چوٹ اور خون کے نشانات تھے۔ وہ بڑی مشکل سے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اشارہ کیا اور وسیم نے دروازہ کھولا اور منا بھائی کو فوراً دبوچ کر اندر لے گیا اور میں چوکی کے دروازے پر جم گیا۔ میں انگریزی میں غرا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا بات ہے؟''

جواب میں ایک سپاہی نے دانت نکال کر مقامی زبان میں جواب دیا جو میرے فرشتوں کو بھی نہیں آتی تھی۔ میں نے افسرانہ انداز میں ہاتھ کے اشارے سے ان کو دفع ہو جانے کو کہا اور اندر آ کر دروازہ بند کر لیا۔ انہوں نے باہر کچھ فریاد کی، شاید چائے پانی مانگ رہے تھے لیکن میں نے دروازہ نہیں کھولا اور کھڑکی کی جھری سے ان کو دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور منا بھائی کی طرف آیا۔ میرا ارادہ تو اس کے زخموں میں مزید چند زخموں کا اضافہ کرنا تھا لیکن وہ کرسی پر جتنی مشکل سے بیٹھا تھا مجھے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس نے ایک آنکھ کھولی اور بولا۔ ''یہ اپن کو سزا ملی ہے تمہارے ساتھ چیٹ کرنے کی۔''

''بس اتنی سی سزا ہم سب کو موت کے منہ میں بھیج دینے کی۔'' وسیم نے بنا کسی لحاظ کے اسے عقب سے گھونسہ مارا۔ ''حرامزادے اگر مشین گن والے مورچے کا سپاہی پیشاب کرنے باہر نہ گیا ہوتا تو اس وقت ہماری لاشیں کھٹمنڈو جا رہی ہوتیں۔''

وسیم سخت مشتعل تھا اس نے منا بھائی کی صحیح سے مرمت لگائی تھی۔ یہ تو میں نے بھی دیکھ لیا تھا کہ منا بھائی کی حالت اتنی خراب نہیں تھی جتنی کہ وہ اداکاری کر رہا تھا۔ جب وسیم نے اس کی مرمت لگائی تو اس نے ایک بار پھر اداکاری شروع کر دی۔ وہ یوں واویلا کر رہا تھا کہ بس ابھی اس کا دم نکلنے والا ہے۔ میں نے اشارے سے وسیم کو روکا اور منا بھائی سے پوچھا۔ ''تم کیسے پکڑے گئے؟''

''بد..... قسمتی سے صاحب۔'' اس نے کراہ کر کہا۔ ''اپن کو پتا نہیں تھا کہ ناکا اتنا سخت ہے۔ جس راستے سے اپن سو بار آیا گیا اور ایک بار بھی پولیس نہیں ملا۔ آج اسی راستے پر پولیس بلی کی طرح اپن کا منتظر تھا۔ اس نے اپن کو چوہے کی طرح دبوچ لیا اور بہت مارا۔''

''ابھی ہم ماریں گے۔'' وسیم نے اشارٹ لینے کا ارادہ کیا۔

''اپن مر جائے گا۔'' اس نے بلبلا کر کہا۔ ''ماں قسم۔''

میں نے سوچا کہ ابھی وہ ہمارے کام آ سکتا تھا اس لیے میں نے اسے عارضی معافی دینے کا فیصلہ کیا اور بولا۔ ''منا بھائی ہم ذرا مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور جو دھوکا دے اسے چھوڑتے نہیں ہیں لیکن تم پہلے ہی مصیبت میں ہو اس لیے ہم فی الحال تم کو معاف کر رہے ہیں۔ البتہ آگے کوئی بھی معمولی سی غلط حرکت تم کو فوری موت کا حق دار بنا دے گی۔ تمہیں معافی کی مہلت بھی نہیں ملے گی۔''

''ماں قسم..... اب ہم ایسی کوئی حرکت نہیں کرے۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ میں نے سوچا کہ اسے دکھا دوں کہ ہم کس قسم کے لوگ ہیں اور میں نے اسے حوالات کی طرف بلایا۔

''ان لوگوں کو دیکھو۔'' میں نے پولیس والوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سب پولیس والے ہیں۔''

منا بھائی کا منہ کھل گیا تھا۔ ''پولیس والے ادھر حوالات میں۔''

میں نے سر ہلایا اور انسپکٹر سے کہا۔ ''اسے دیکھ لو یہ ہمارا ساتھی ہے۔''

منا بھائی انگریزی جانتا تھا کیونکہ اس نے چونک کر رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھا تھا لیکن اس نے زبان سے تردید کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ میں نے انسپکٹر سے مزید کہا۔ ''ہم یہاں سے جا رہے ہیں اور تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگوں کو بھی جلد کوئی نہ کوئی آ کر کھول دے۔ ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ جنگلوں میں خود مارے جاؤ گے۔''

منا بھائی سہما ہوا میرے ساتھ آیا۔ ''یہ تم نے اپن کو اپنا ساتھی کیوں بولا صاحب؟''

''تاکہ پولیس ہمارے ساتھ تمہیں بھی تلاش کرے۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''آگے تم نے جہاں ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی وہیں تمہیں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔''

''نہیں۔'' وہ کانپ گیا۔ ''پولیس تو اپنا ان کاؤنٹر کر دے گی۔''

''ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔'' وسیم بولا۔ ''اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو جو ہم کہیں وہی کرنا۔''

''بھگوان کا قسم اپن وہی کرے گا۔'' اس نے زور و شور سے یقین دلایا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وسیم اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ وہ مجھے ایک طرف لے گیا۔

''آپ اس پر اعتبار کر رہے ہیں۔ اس نے پہلے ہی مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔''

''وہ ٹھیک ہے لیکن ہمیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو کھنڈ کو جانتا ہو۔''

''جیسے آپ کی مرضی..... لیکن کسی بھی وقت اس پر اعتماد مت کیجئے گا۔''

''وہ تو ظاہر ہے ہم اسے کسی قیدی کی طرح اپنے ساتھ رکھیں گے۔ اسی وجہ سے میں نے اسے پولیس والوں کے سامنے اپنا ساتھی ظاہر کیا ہے۔ اس نے کوئی بدمعاشی کی تو اسے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔''

سادھنا ہمارے پاس چلی آئی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''کسے پولیس کے حوالے کر رہے ہو؟''

''اسے۔'' وسیم نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت کسی بھیڑ کی سی مسکینی چہرے پر سجائے بیٹھا تھا۔ سادھنا نے کہا۔

''اسے پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے گولی مار دینی چاہیے۔''

منا بھائی نے سن لیا اور بلبلا کر بولا۔ ''اے بہن تم اتنا ظالم ہے۔''

''بہن کے بھائی تم نے کون سی کمی چھوڑی تھی۔'' وسیم نے اسے یاد دلایا۔

''ماں قسم اب اپن کوئی حرامی پن نہیں کرے گا۔''

''میں تمہیں حرامی پن کرنے سے نہیں روک رہا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس بار تم پچھتانے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔''

ہم نے تیاری پکڑ لی۔ اگرچہ سب ہی گزشتہ چھتیس گھنٹے سے جاگ رہے تھے لیکن آرام کے اس وقفے سے اور کھا پی کر ہم تازہ دم ہو گئے تھے۔ اب ہمارا یہاں سے نکلنا ضروری ہو گیا تھا کوئی اور پولیس پارٹی کسی وقت بھی آ سکتی تھی اور ہم پھنس جاتے۔ یہ شاید کھنڈ سے پہلے کی پولیس چوکی تھی۔ وہاں پولیس کا اسلحہ تھا اور موبائل میں ایل ایم جی بھی لگی تھی لیکن ہم نے کسی اسلحے کو ہاتھ نہیں لگایا ورنہ ایک کیس اور بن جاتا۔ نکلنے سے پہلے سادھنا اپنے اصل لباس میں آ گئی تھی۔ میں، وسیم اور جیتو پولیس وردی میں ہی تھے جب کہ منا بھائی ہمارے ساتھ ایسے قیدی کی صورت میں تھا۔ پولیس کی وردی کا فائدہ تھا۔ ولی نہیں روکتا لیکن اس میں خطرہ تھا۔ ولی [illegible] پولیس پارٹی مل جاتی اور ہم سے ملیٹ سلیٹ کی کوشش کی جاتی تو [illegible] ہو جاتا۔ مقامی زبان کی [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو اور سادھنا کو آتی تھی۔ وہ بھی ٹوٹی پھوٹی۔ اس لیے ہمارا کسی اور پولیس پارٹی سے دور رہنا لازمی تھا ایک بار ہم شہر میں داخل ہو جاتے تو دوبارہ حلیہ بدل کر پھر سے سیاح بن سکتے تھے۔ میں نے منا بھائی سے کہا۔ ''کھٹمنڈو میں ہمیں پہلے کسی اعلیٰ درجے کے شاپنگ سینٹر لے چلنا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''اپن لے جائے گا کھٹمنڈو اچھی طرف جانتا ہے۔''

پولیس چوکی سے نکل کر ہم جنگل کے درمیان سے گزرنے لگے۔ میں نے سب کو خبردار کیا۔ ''بالکل راستے پر چلیں۔ یہاں بارودی سرنگیں بچھی ہیں۔''

''بارودی سرنگ۔'' منا بھائی دہشت زدہ نظر آنے لگا۔ ''باپ رے اپن کو کئی بار ادھر سے گزرا ہے۔''

''بس تو یہ بھگوان کی مہربانی ہے کہ تم اس دنیا سے نہیں گزرے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ورنہ تمہارے کرتوت تو ایسے نہیں ہیں۔''

''وہ تو ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''اپن بہت حرامی آدمی ہے۔ بھگوان کے پاس اپن کا فریاد سننے کا ٹائم بھی نہیں ہوگا۔ پر اپن کا جو گھر والی ہے بھگوان اس کا سنتا ہے۔''

سادھنا نے اسے گھورا۔ ''وہ بے چاری عورت گھر میں تمہاری سلامتی کے لیے دعا کرتی ہے اور تم یہاں جاناں بائی کے پاس آتے ہو۔''

منا بھائی کھسیا گیا۔ ''اپن بولا نا..... اپن اچھا آدمی نہیں ہے۔''

''تم بمبئی سے کب نکلے؟''

اس نے ماضی کو یاد کیا اور سرد آہ بھری۔ ''بہت سال ہو گیا ہے۔ شاید بیس سال..... دوبارہ ادھر نہیں گیا۔''

''وہاں سے بھی کوئی جرم کر کے بھاگے تھے؟'' وسیم نے پوچھا۔ اس نے جواب نہیں دیا لیکن اعتراف جرم اس کے چہرے پر تحریر تھا۔ ہم سب ایک قطار میں آ گئے تھے اور زمین پر پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ جنگل سے نکل کر سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ سامنے ایک ڈھلان پر بے شمار چمکتی ڈنڈیاں کھٹمنڈو کی طرف جاتی نظر آ رہی تھیں۔ دن میں لوگ کھٹمنڈو کا رخ کر رہے تھے۔ یہ سب معمولی مزدور، دست کار، سبزیاں اور دوسرا سامان سپلائی کرنے والے تھے جو کچھ رقم کمانے کے لیے روز کھٹمنڈو جاتے تھے اور شام کو کچھ رقم کما کر گھر لوٹ آتے تھے۔ ہم بھی ایک پگ ڈنڈی پر سفر کرنے لگے۔ یہاں مشینی ٹرانسپورٹ کا استعمال ممکن نہیں تھا اس لیے لوگ پیدل کے علاوہ گھوڑوں، گدھوں اور خچروں پر بھی سفر کر رہے تھے۔ ایک شخص کوئی ساگ نما سبزی خچر پر لادے ہمارے پاس سے گزرا تھا۔ خچر شاید بدہضمی کا مریض تھا اس لیے چلتے چلتے ہی فارغ بھی ہوتا جا رہا تھا اور راستے کو معطر کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔ سادھنا نے منہ پر کپڑا رکھ لیا اور پھر سے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا۔

''تمہیں مقامی زبان آتی ہے؟'' میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''ایک دم آتی ہے صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔ اس نے پولیس اسٹیشن سے ایک مفلر تھا لیا تھا اس سے وہ اپنے چہرے کے زخموں کی پردہ پوشی کر رہا تھا۔

''تم اس وقت تک چپ رہو گے جب تک تمہیں بولنے کی اجازت نہ دی جائے۔'' میں نے اسے حکم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔ ''سمجھ گئے؟''

''سمجھ گیا صاحب۔'' اس نے مردہ لہجے میں کہا۔ مجھے خطرہ تھا کہ وہ کہیں کسی موقع پر کچھ بک نہ دے اور ہم مشکل میں پڑ جائیں۔ اگرچہ اس کی امید کم تھی اس طرح وہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا، مگر پھر بھی محتاط رہنا ضروری تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم شہر کی پہلی سڑک تک پہنچے تھے اور خوش قسمتی سے فوراً ہی ایک ٹیکسی بھی نظر آ گئی۔ یہ بھارتی ساختہ ٹیکسی تھی اور ہمارے اشارے پر فوراً رک گئی۔ ڈرائیور نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا اور مقامی زبان میں کچھ بولا۔

بیتو نے کہا۔ ''جانے کا پوچھ رہا ہے۔''

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' میں نے کہا اور ہم سب ٹیکسی میں گھس گئے۔ سادھنا آگے بیتو کے ساتھ بیٹھ گئی جب کہ میں اور وسیم منا بھائی کو اپنے درمیان میں لے کر بیٹھے تھے۔ اس کا حجم درمیان سے اتنا تھا کہ ٹیکسی کے دروازے ذرا مضبوط نہ ہوتے تو میں اور وسیم باہر سڑک پر بھی گر سکتے تھے۔ میں نے منا بھائی سے پوچھا۔ ''کھٹمنڈو کے کسی اچھے شاپنگ سینٹر کا بتاؤ۔''

''بدھ پیلس چلو۔'' اس نے کہا۔

میں نے ٹیکسی والے کو بدھ پیلس چلنے کو کہا۔ اور ٹیکسی کھٹمنڈو کی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ یہ شہر مندروں اور قدیم عمارتوں کا شہر ہے یہاں ہندو مت اور بدھ مت دونوں کے ماننے والے ہیں۔ اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ شاہی خاندان بھی اسی مذہب کا ہے لیکن عوام کی اکثریت سیکولر نظام چاہتی ہے۔ ماؤنسٹ تحریک تو ہے ہی سراسر سیکولر۔ ان کا مطالبہ ہے کہ ملک سے مذہب کے نام پر ہر قسم کے امتیاز کا خاتمہ کر دیا جائے۔ تعجب کی بات ہے کہ بھارت اور مغرب کے ممالک اس کے مخالف ہیں۔ جب کہ ہمارے ملک میں چند افراد جب سیکولر نظام کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ ممالک یہاں حمایت کرتے ہیں۔ یعنی جو چاہے حسن آپ کا کرشمہ ساز کرے۔ میں نے راستے میں نظر آنے والی عمارتوں اور معبدوں کے بارے میں منا بھائی سے پوچھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بھی یہاں کے بارے میں اتنا نہیں جانتا ہے۔ شاید اس کی دوڑ جاناں بائی کے کوٹھے تک رہا کرتی تھی۔

ٹیکسی والا میٹر چالو رکھنے کے لیے ٹیکسی کو بلاوجہ گھما رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ راہ راست اختیار کرے ورنہ اس سفر کا خاتمہ کسی تھانے پر بھی ہو سکتا تھا۔ وہ انگریزی سمجھتا تھا اور اس دھمکی کے بعد سدھر گیا۔ دس منٹ میں اس نے ہمیں بدھ پیلس اتار دیا۔ مجھے دیکھ کر ذرا مایوسی ہوئی یہ کوئی بہت بڑا شاپنگ سینٹر نہیں تھا۔ لاہور یا کراچی کے کسی متوسط شاپنگ سینٹر جیسا تھا۔ بہرحال ہم اتر آئے اور ٹیکسی والے کو میٹر کے مطابق کرایہ دے دیا جسے لے کر وہ بناچوں چرا کیے چلا گیا۔ پاکستان کے علاوہ میں نے بھارت اور بعد میں نیپال میں بھی یہی دیکھا تھا۔ وہاں ٹیکسی اور رکشے میٹر سے چلتے تھے کرایہ طے کرنے کی بدعت انہوں نے ابھی ایجاد نہیں کی تھی۔

باہر سے معمولی نظر آنے والا شاپنگ سینٹر اندر سے خاصا بڑا ثابت ہوا تھا۔ اور وہاں ضرورت کی تقریباً ہر چیز ہی نظر آ رہی تھی۔ ہم نے منا بھائی کو بیتو کی تحویل میں دیا اور اسے سمجھا دیا کہ کوئی غلط حرکت کر کے فوت ہونے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے بعد ہم شاپنگ میں مصروف ہو گئے تھے وسیم نے راستے میں سب کو مناسب رقم دے دی تھی۔ یہ نیپالی کرنسی تھی۔ نریندر سے ملنے والے بیس ہزار امریکی ڈالرز سادھنا کے پاس تھے اور ہم نے ان کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محفوظ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ہم پولیس چوکی سے ملنے والی مقامی اور بھارتی کرنسی مال مفت دل بے رحم کے مصداق خرچ کر رہے تھے۔

میں نے اپنے لیے دو گرم پتلونیں اور جرسی کی شرٹس لیں۔ اس قسم کے کپڑے عام طور سے غیر ملکی سیاح پہنتے ہیں۔ جو گرز لیے اور ساتھ ہی ایک گرم جیکٹ لے لی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ہر پرانی چیز سے جان چھڑالی جائے۔ نہ جانے کون سی چیز شناخت کا سبب بن جائے۔ میں نے سفری قسم کے بیگ لیے کیونکہ سیاح سوٹ کیس لے کر نہیں چلتے ہیں۔ تقریباً ایسی ہی شاپنگ سادھنا اور وسیم نے بھی کی تھی۔ سادھنا نے بیتو کے لیے بھی کپڑے اور دوسری چیزیں لے لی تھیں۔ ایک بار میں نے دیکھا تو مجھے سادھنا نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''یہ سادھنا کہاں ہے؟''

اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ ''پتا نہیں کہاں ہے میں دیکھ کر آتا ہوں۔''

شاپنگ سینٹر میں کھانے پینے کا خاصا برانڈڈ سامان تھا۔ میں نے کچھ چیزیں بھی لے لیں۔ تاکہ کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں ملا اور ہم آوارہ گردی کرتے رہے تو کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہ ہو۔ میں اورنج جوس کے ڈبے لے رہا تھا کہ وسیم بوکھلایا ہوا آیا۔ ''کیا ہوا سادھنا نہیں ملی؟'' میں نے تشویش سے کہا

''وہ مل گئی ہے۔'' وسیم نے نظریں چرائیں۔ ''ابھی آرہی ہے۔''

اس کے انداز سے میری تشویش کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی تھی۔ میں نے پھر پوچھا تو اس نے جھینپے انداز میں بتایا کہ سادھنا خواتین کے لیے مخصوص حصے میں اپنے لیے کچھ لے رہی تھی اور وہ اسے تلاش کرتا وہاں پہنچ گیا اور پھر عجلت میں فرار ہوا۔ اسے لگ گئی تھی۔

''جناب سادھنا میرے بارے میں کیا سوچے گی؟''

میں ہنسا۔ ''ابھی آجائے گی تو بتادے گی کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔''

سادھنا آئی تو اس کا منہ پھولا ہوا تھا اسے دیکھتے ہی میں انجان بن گیا اور اسے ڈانٹا۔ ''کہاں تھیں تم..... وسیم کو بھیجا تو اسے بھی نظر نہیں آئیں۔''

اس نے کھا جانے والی نظروں سے وسیم کو دیکھا اور غرائی۔ ''اچھا مجھے تو یہ نظر آگیا تھا۔''

''وہ میں غلطی سے اس طرف آگیا تھا۔'' وسیم نے گھبرا کر کہا تو میں نے مستقبل کے اس زن مرید کو افسوس سے دیکھا۔

''اگر تم غلطی سے کہیں جا نکلے تھے تو اس میں اتنا گھگھیانے کی کیا بات ہے۔'' میں نے انجان بن کر دریافت کیا۔

اب سادھنا کو احساس ہوا کہ مجھے نہیں معلوم تھا لیکن بات بڑھتی تو وسیم بول سکتا تھا اس نے فوراً پینترا بدلا اور مسکرانے لگی۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے میں واقعی ایک طرف تھی میں نے اسے دیکھا تھا لیکن یہ مجھے نہیں دیکھ سکا تھا۔''

وسیم کچھ نہیں بولا تو سادھنا نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔ بیتو کا سامان اس کے بیگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ جس کی جو سمجھ میں آرہا تھا وہ اس نے لے لیا تھا۔ منا بھائی کے لیے میں نے ایک گرم چادر لے لی تھی کیونکہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لباس پر خون کے داغ نظر آ رہے تھے۔ بیتو نے اپنا سامان چیک کیا۔ وہ خوش ہو گیا۔ ''دیدی آپ نے اچھا چیز لیا ہے۔''

''اپنے لیے بھی بہت اچھا چیز لیا ہے۔'' وسیم نے معنی خیز انداز میں کہا تو سادھنا اسے گھور کر رہ گئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وسیم جیسا سنجیدہ شخص اتنا شوخ اور بالکل کسی ٹین ایجر کی طرح پُر جوش ہو رہا تھا۔ ہم باہر آئے۔ دوپہر ہو چکی تھی اور سب کو بھوک لگ رہی تھی۔ نزدیک ہی ایک پارک میں بیٹھ کر ہم نے شاپنگ سینٹر سے لی چیزیں کھائیں۔ منا بھائی کو چادر دے دی تھی اس لیے اس کا خون آلود لباس چھپ گیا تھا۔ مجھے غلطی کا احساس ہوا کہ اس کے لیے بھی کوئی لباس لے لینا چاہیے تھا۔ بہر حال ہم بعد میں بھی لے سکتے تھے فی الحال تو کسی ٹھکانے کی تلاش تھی۔

''یہاں کوئی ایسا ہوٹل ہے جہاں ہم رکنا چاہیں تو ہم سے صرف کرایہ لیا جائے۔'' میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''کاغذات وغیرہ نہ مانگے جائیں۔'' وسیم نے اصل بات کی۔

''بہت مشکل ہے صاحب۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آج کل بہت سختی ہے اگر آپ سیاح ہو تو پاسپورٹ لازمی ہونا چاہیے۔''

''یار رشوت کا رواج تو ہر جگہ ہے۔'' وسیم بولا۔

''ہاں لیکن اگلے نے لینے سے انکار کیا تو آپ بلاوجہ مشکوک ہو جائے گا۔'' اس نے خبردار کیا۔

''اچھا ہوٹل کے علاوہ کوئی جگہ..... پرائیویٹ گیسٹ ہاؤسز بھی تو ہوتے ہیں۔''

منا بھائی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ایک جگہ تو ہے پر آپ ادھر جانا پسند کرو تو.....''

''جاناں بائی کا گھر۔'' میں نے کہا تو اس کا منہ کھل گیا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''کیونکہ کمنڈو میں تمہاری حاضری یہیں تک ہوتی ہو گی۔ بہر حال ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے یہ بتاؤ کہ جاناں بائی کو تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟''

''وہ صرف ایک ہی شناختی کاغذ مانگتی ہے۔'' منا بھائی نے ہاتھ سے نوٹ کا اشارہ کیا۔ ''اس کے بعد اسے کوئی اعتراض نہیں ہوتا ہے۔ بس ایک مسئلہ ہو سکتا ہے۔''

''وہ کیا؟'' وسیم نے پوچھا۔

اس نے سر کھجایا۔ ''کسی کو شبے پر بھلے دس اجنبی مرد آ جائیں کوئی نہیں چونکتا لیکن ایک عورت آ جائے تو ''

میں اس کی بات سمجھ گیا تھا۔ ''تم فکر مت کرو۔ ہم اسے چھپا کر لے جائیں گے۔''

''تب کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن۔'' اس نے ایک بار پھر سر کھجایا۔

''اب کیا ہے؟''

''جاناں بائی اپن کا حلیہ دیکھ کر چونک جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے جاناں بائی تمہارے کرتوتوں..... میرا مطلب ہے تمہارے پیشے سے واقف ہے؟''

''بالکل جانتی ہے اپن تو سامان بھی اسی کے پاس رکھواتا ہے۔''

''تب اسٹوری یہ ہوگی کہ تمہیں راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور مار پیٹ بھی کی۔''

''وہ تو تمہیں فوت کرنا چاہ رہے تھے۔'' وسیم نے لقمہ دیا۔ ''ہم نجات دھندہ بن کر پہنچ گئے۔''

''جیسا کہ ہم ہر معاملے میں اپنی ٹانگ اڑا دیتے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تمہیں بچا لیا لیکن تمہیں علاج اور آرام کی ضرورت ہے اس لیے ہم تمہیں جاناں بائی کے کوٹھے پر لے آئے اور کیونکہ ہمیں تم سے فل ٹائم ہمدردی ہوگئی ہے اس لیے ہمیں بھی تمہارے ساتھ ہی ٹھہرنا پڑے گا۔''

اس نے ایک بار پھر سر کھجایا۔ ''ایک مسئلہ اور ہے۔''

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔ ''وہ بھی بتا دو..... لیکن اس کے بعد کوئی اور مسئلہ ہوا تو میں اسے کسی اور طریقے سے حل کروں گا۔''

منا بھائی نے دانت نکالے۔ ''اب کوئی مسئلہ نہیں ہوئے گا۔ وہ جاناں بائی کوٹھا چلاتی ہے خیراتی شفاخانہ نہیں چلاتی۔''

''تم فکر مت کرو ہم اسے منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن خیال رہے معاوضے میں وہ چیز شامل نہیں ہوگی جس کے لیے تم جاناں بائی کے کوٹھے پر جاتے ہو۔'' سادھنا نے اسے گھورا۔

''بالکل بھی نہیں میم صاحب..... ابھی تو اپن کو سچ مچ علاج کا ضرورت ہے۔'' منا بھائی نے کہا۔ نہ جانے کیوں وہ سادھنا سے بہت ڈرتا تھا۔

اس بار ہم نے دو رکشے کیے تاکہ سکون سے پیک ہوئے بغیر سفر کر سکیں۔ ایک رکشے میں میں اور منا بھائی بیٹھے دوسرے میں باقی پارٹی آئی۔ آگے ہمارا رکشہ تھا۔ یہ بتا دوں کہ اپنے کپڑے ہم شاپنگ سینٹر کے ٹرائی روم میں بدل چکے تھے اور پرانے کپڑے اور پولیس کی وردیاں مختلف جگہوں پر پھینک دی تھیں۔ رقم کے لیے کچھ چرمی بیگز لیے تھے لیکن رقم ابھی وسیم کے پاس ہی تھی۔ میں نے راستے میں منا بھائی سے پوچھا۔

''یہ جاناں نام اس طرف کا نہیں لگتا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''نارتھ انڈیا کی ہے۔ ذات کی سکھنی ہے اور یہاں اس نے اپنا کوٹھا جما رکھا ہے۔''

''چلو دیکھتے ہیں تمہاری اس جان جاناں کو۔''

''اس نے دانت نکالے۔ ''اماں قسم کیا چیز ہے؟ آپ بھی دیکھو گے تو دیکھتے رہ جاؤ گے۔''

''ہم دیکھتے رہ جانے والوں میں سے نہیں ہیں۔'' میں نے کھانسی روکتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں رکشے مرکزِ شہر سے نکل کر مضافاتی علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں [illegible] تھے اس لیے ہمارے لیے بالکل اجنبی تھی۔ یہاں انگریزوں کے نام بھی نظر آ رہے تھے۔ [illegible] پہاڑی راستوں پر جنگلات تھے اور ان میں کہیں کہیں آبادیاں تھیں۔ شہر سے دور پرسکون یہ بڑے لوگوں کا علاقہ تھا اور یہاں بیشتر بڑے گھر تھے۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھی بات تھی اگر جاناں بائی کا کوٹھا بھی الگ تھلگ تھا تو ہمیں بہت آسانی رہتی۔ کوئی نصف گھنٹے بعد رکشے ایک بڑی سی چار منزلہ عمارت کے سامنے رک گئے یہ سڑک کے کنارے اور کھائی کے بالکل ساتھ تھی اس لیے جگہ کم تھی۔ اس کے دائیں بائیں کوئی عمارت نہیں تھی۔ عمارت کے سامنے ایک لکڑی کی باڑ سے حد بندی کی گئی تھی۔

''یہی ہے جاناں بائی کا کوٹھا۔'' منا بھائی نے اترتے ہوئے کہا۔

''یہ تو ہائی کلاس چکلہ لگ رہا ہے۔''

''وہ تو ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''ماں قسم روز آنے کو دل کرتا ہے پر اپن کی جیب اجازت ہی نہیں دیتی ہے۔ دو مہینے بعد چکر لگتا ہے۔''

اگرچہ مجھے یقین تھا کہ اب منا بھائی ہمارے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا لیکن میں نے احتیاطاً جیکٹ کی جیب میں موجود پستول پر گرفت مضبوط کر لی۔ اس دوران میں دو سرارکشہ بھی آ گیا۔ رکشے یہاں پر بھی شور قیامت رکھتے تھے۔ اس لیے اندر موجود لوگوں کو فوراً ہی ہماری آمد کا علم ہو گیا تھا ایک دبلی اور سانولی مقامی حسینہ نے آ کر لکڑی کا گیٹ کھولا اور سوالیہ نظر سے ہمیں دیکھا۔ منا بھائی نے آگے بڑھ کر بات کرنی چاہی لیکن میں نے اسے پیچھے کھینچ لیا۔ ''بات ہم بھی کر سکتے ہیں۔''

بیتو آگے آیا۔ اس نے کچھ کہا تو لڑکی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ کیا کہا ہے تم نے؟''

بیتو بولا۔ ''ہم بولا کہ ادھر رکنے کا ہے۔''

''احمق یہ کوئی ہوٹل ہے۔'' وسیم نے اسے گھورا۔ ''یہ کوٹھا ہے۔''

''اب ہم کو کیا پتا کہ کوٹھے پر آ کر کیسے بات کرتے ہیں۔'' اس نے بگڑ کر کہا۔ ''ہم پہلے کبھی کسی کوٹھے پر نہیں گیا۔''

''منا بھائی تم بات کرو لیکن خیال رہے کوئی غلط بات منہ سے نکلی تو ادھر سے فوراً گولی نکلے گی۔'' میں نے اسے پستول کی جھلک دکھائی۔

منا بھائی آگے بڑھا اس نے لڑکی سے مقامی زبان میں کچھ کہا تو وہ فوراً اثبات میں سر ہلانے لگی۔ اس نے گیٹ کھول دیا اور ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ سادھنا اور بیتو اندر داخل ہو گئے میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''یار زندگی میں پہلی بار کسی کوٹھے میں قدم رکھنے کی سعادت مل رہی ہے گھر والوں کو پتا چل گیا تو بہت خوش ہوں گے۔''

''آپ خوش قسمت ہیں کہ گھر والوں کو پتا ہی نہیں چلے گا یہاں تو ہونے والی ساتھ ہے اور وہ ساری عمر اس بات کو یاد رکھے گی کہ میں کبھی کوٹھے گیا تھا بے شک میں یہاں تمام وقت عبادت ہی کیوں نہ کرتا رہوں۔'' وسیم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اب آ بھی جائیں کیا باہر ہی کھڑے رہیں گے۔'' سادھنا نے کہا

بیتو نے دانت نکالے۔ ''شریف آدمی ہے دیدی ہمت کر رہا ہے۔''

''ان کی شرافت تو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' سادھنا نے کن انکھیوں سے وسیم کی طرف دیکھا۔

لڑکی ہمیں سامنے ایک کمرے میں لائی جس میں دیز قالین بچھے تھے اور ایک طرف رکھے بخور دان سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوشبودار دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم سب ہی بے انتہا تھکے ہوئے تھے اور دو دن سے سوئے نہیں تھے اس لیے فوراً قالین پر ڈھیر ہو گئے۔ کچھ دیر بعد بنی ٹھنی عورت اندر آئی۔ اس کی صورت دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ وہی جاناں بائی ہے۔ گوری چٹی اور پرکشش نقوش والی عورت تھی۔ سکھنی ہونے کے باوجود اس کے وجود سے نازک اندامی نمایاں تھی۔ سرو قد اور متناسب بدن کی۔ وہ بہت حسین تھی اور سب سے بڑھ کر اس کے نقوش میں وقار تھا کہیں سے بھی ایک طوائف کی چھاپ نہیں تھی۔ اس نے ہم سب کو دیکھا اور خاص طور سے میری طرف متوجہ ہوئی۔

''تمہارا تعلق یقیناً پنجاب سے ہے؟'' اس نے صاف ستھری اردو میں کہا۔

''ہاں ایسا ہی سمجھ لو۔'' میں نے جواب دیا۔

''پاکستانی ہو؟'' اس نے فوراً دوسرا سوال کیا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''تمہارا لہجہ خود بتا رہا ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''بھارت کے پنجاب میں کوئی ہندی اس طرح سے نہیں بولتا ہے۔''

''کیا اس کوٹھے میں آنے کے لیے آدمی کا کہیں کا ہونا یا نہ ہونا ضروری ہے؟''

وہ گھاگ عورت تھی۔ گھاگ میں نے اس لیے کہا کہ تمام تر خوب صورتی کے باوجود میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر چالیس سال سے کم نہیں تھی۔ اس نے میرا گریز بھانپ لیا اور سلیقے سے بولی۔

''نہیں..... کوٹھے پر آنے والے کی ذات پات رنگ نسل اور زبان نہیں دیکھی جاتی..... مذہب بھی نہیں پوچھا جاتا ہے۔''

''لیکن جیب ضرور دیکھی جاتی ہے۔'' میں نے کہا تو وہ مسکرانے لگی تھی۔ اس نے مزید کچھ کہنے کے بجائے منا بھائی کی طرف دیکھا اس نے چادر اتار دی تھی اور اس کے زخم اور خون نظر آ رہا تھا۔

''تمہارے ساتھ کیا ہوا تم تو واپس چلے گئے تھے؟''

''راستے میں ڈاکو مل گئے۔'' اس نے میری ہدایت کے مطابق کہا۔ ''اگر یہ لوگ نہ مل جاتے تو اپن پار تھا۔ سب لوٹ لیا۔''

''لیکن تم اس کے اخراجات کی فکر مت کرو وہ بھی ہم ادا کریں گے۔'' میں نے کہا تو جاناں نے میری طرف دیکھا۔

''تم بار بار روپے کا ذکر مت کریں۔ ہم نے اپنے قدر دانوں سے آج تک بھاؤ تاؤ نہیں کیا۔ ابھی تو تم لوگوں کو آرام کی اور شاید کھانے کی ضرورت بھی ہے۔ اسے علاج کی ضرورت بھی ہے۔'' اس نے منا بھائی کی طرف دیکھا۔

''نہیں کھانا ہم نے کھا لیا تھا۔'' میں نے کہا ابھی تک میں ہی بول رہا تھا۔ باقی سب خاموش تھے۔ جاناں بائی نے تالی بجائی تو وہی لڑکی آئی اس نے مقامی زبان میں اس سے کچھ کہا تو لڑکی نے اشارہ کیا۔ ہم سب کھڑے ہو گئے۔ وہ ہمیں دوسری منزل پر لائی وہاں ایک گیلری میں قطار سے دونوں طرف کمرے تھے۔ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے لیے تین کمرے کھول دیئے تھے۔ ایک میں سادھنا چلی گئی دوسرا بیتو اور میرے حصے میں آیا تیسرا وسیم اور منا بھائی کے حصے میں آیا تھا۔ لڑکی نے منا بھائی کے زخم دیکھے اور اس کے لیے مرہم پٹی کا سامان لینے چلی گئی۔ میں نے اپنا سامان رکھا اور بیتو سے کہا۔

''تم سو جاؤ میں ابھی آتا ہوں۔''

میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو ایک اور لڑکی سامنے آئی۔ یہ بھی مقامی تھی اور چنی ہوئی تھی۔ اس نے اس سردی میں بھی خاصی مختصر سی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ میں نے اس سے جاناں بائی کا پوچھا۔ وہ مجھے اسی کمرے میں لے آئی اور بٹھا کر چلی گئی۔ اس دوران میں اس نے منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا تھا۔ یہ کمرہ شاید ملاقات کے لیے مخصوص تھا۔ چند منٹ بعد جاناں بائی کی آمد ہوئی۔

''کیا میرے مہمان کو کوئی شکایت ہے؟''

''نہیں جاناں بائی۔'' میں نے کہا۔ ''بلکہ سچی بات ہے مجھے اس جگہ کا ماحول کوٹھے والا نہیں لگ رہا ہے۔''

''اس سے پہلے تم کتنے کوٹھوں پر گئے ہو؟''

''یہ..... پہلا موقع ہے۔'' میں نے کسی قدر خفت سے کہا۔

''پھر تم کو کیا پتا کہ کوٹھوں کا ماحول کیسا ہوتا ہے؟''

''وہ فلموں میں.....''

اس نے ہنس کر میری بات کاٹی۔ ''فلموں کی بات نہ کریں میں نے بھی اس نگری میں کئی سال ضائع کیے ہیں۔ وہ تو ہر چیز کا حلیہ بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔''

اس کے پاس شاید بہت وقت تھا اس لیے وہ بحث پر آمادہ تھی لیکن میرا نیند سے برا حال تھا اور میں نے نیپالی کرنسی کے چند بڑے نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھے۔ ''ہمارا ایک دو دن رکنے کا ارادہ ہے۔ اگر یہ رقم تم کو کم لگے تو بتا دینا۔''

اس نے نوٹ اٹھا کر ایک طرف رکھی طشتری میں ڈال دیئے۔ ''یہ بہت ہیں۔''

''تمہارا شکریہ۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں بہت تھکا ہوا ہوں اب آرام کروں گا۔''

''ضرور۔'' وہ بھی کھڑی ہوگئی۔ ''لیکن ایک بات پوچھوں تو تم برا تو نہیں مانو گے؟''

''اگر نہ ماننے والی بات ہوئی۔''

''میں نے آج تک کسی سیاح کو کوٹھے میں ٹھہرتے نہیں دیکھا۔''

''حالانکہ یہاں ٹھہرتے ہی وہ لوگ ہیں جن کے گھر نہیں ہوتے اور جن کے گھر نہ ہوں وہ سیاح ہی ہوتے ہیں۔'' میں کہہ کر کمرے سے نکل آیا۔ اوپر وسیم منا بھائی کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کی مرہم پٹی ہو چکی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''اپن کو جانے دو اپن تم کو کھٹمنڈو میں لے آیا ہے۔'' اس کا لہجہ کسی قدر باغیانہ ہو رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ پرانا پاپی تھا اور اتنی آسانی سے سدھرنے والی چیز نہیں تھا۔ میں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ضرور تم جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے ہو۔"

اس نے دروازے کی طرف دیکھا تھا کہ میں نے دوسرا ہاتھ اس کی کنپٹی پر مارا اور وہ وسیم کے بازوؤں میں جھول گیا۔ وسیم خوش ہو گیا اس نے کہا۔ "واہ کیا ہاتھ مارا ہے..... اب یہ دو تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔"

"دو تین گھنٹے بعد بھی ہوش میں آ کر یہ حرکت نہیں کر سکے گا۔" میں نے کہا اور بیگ سے رسی نکالی۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور پھر اس کا منہ بند کیا اور اسے زمین پر بچھے قالین پر ڈال دیا۔ "اب تم بھی آرام سے سو جاؤ۔"

"آپ نے اچھا بندوبست کیا ہے۔" وسیم نے اس کا معائنہ کیا۔

میں اپنے کمرے میں آیا تو بیتو خراٹے لے رہا تھا اور یہ اتنے سمع خراش تھے کہ مجھے خیال آیا اس شور میں کس طرح سوؤں گا لیکن بستر پر لیٹنے کے ایک منٹ کے اندر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا تھا۔ دو دن تک میں جب تک چلتا رہا مجھے نیند کی کمی کا احساس نہیں ہوا تھا لیکن جب سویا تو یوں ٹوٹ کر سویا کہ اس دن کے باقی حصے میں سویا پھر رات بھر سوتا رہا اور اگلے دن صبح کے وقت بیتو نے مجھے بیدار کیا۔

"شوبی بھائی کیا ادھر ساری عمر سونے کے لیے آیا ہے؟"

"بس یار..... نیند ایسی آئی۔" میں نے انگڑائی لی۔ "یہ بتاؤ کہ رات ہو گئی وقت کیا ہوا ہے۔"

بیتو نے کھڑکی پر پڑا پردہ ہٹایا تو صبح کی تیز دھوپ سے نیم تاریک کمرہ جگمگانے لگا تھا۔ "کیا بات کرتا ہے شوبی بھائی..... ادھر سورج نکل پڑا ہے تم پندرہ گھنٹے سے پڑا سو رہا ہے۔"

میں حیران ہوا تھا۔ "اتنی دیر تک سوتا رہا؟"

"ہاں ہم بھی بارہ گھنٹے سویا تھا۔ پر تین گھنٹے پہلے اٹھ گیا۔ نہایا دھویا، بال بنوایا، ناشتہ کیا اور منا بھائی کا دماغ درست کیا۔"

"منا بھائی..... کیا اس نے پھر کوئی حرامی پن کیا؟"

"وہ بہت کتا آدمی ہے۔ پر ہم نے بھی ایسا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی دوسری آنکھ کا بتی بھی فیوز ہو گیا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"باقی کہاں ہیں؟"

"ادھر دیدی کا کمرے میں منا بھائی کو بھی وہیں رکھا ہے۔"

اس آوارہ گردی میں جو گزشتہ کئی ہفتوں سے ہمارا مقدر بنی تھی۔ ہم سب کا حلیہ خراب ہو گیا تھا۔ بال اور شیو بڑھ گئی تھی اور نہانے کا موقع کم ملنے کی وجہ سے جسم پر میل کی تہہ جم گئی تھی۔ بیتو نے بڑا شاندار غسل کیا تھا کیونکہ وہ باقاعدہ چمک رہا تھا اور اس کے بال بھی سلیقے سے بنے تھے شیو اس کی ابھی آئی نہیں تھی۔ "ادھر نہانے کا بندوبست ہے؟"

"بہت مزے کا شوبی بھائی۔" اس نے چہک کر کہا۔ "گرم پانی ہے، ٹب ہے اور لڑکی بھی آتا۔"

"یہ نہانے میں لڑکی کہاں سے آ گئی؟" میں نے اسے گھورا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم نہیں بلاتا..... وہ خود آتا۔'' اس نے بوکھلا کر بتایا۔

''اور تم کو نہلاتا؟''

''نہیں۔'' اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ ''ہم شریف آدمی ہے بچپن سے خود نہاتا۔ اس لیے ابھی بھی خود نہایا۔''

''چلو ذرا باتھ روم تک میری رہنمائی کرو اور ہاں یہ تم نے بال کس سے بنوائے۔''

بیتو ذرا شرمایا۔ ''اسی لڑکی سے شوبی بھائی..... بہت اچھا بال بناتا ہے۔''

''بال بنوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' میں نے اپنے لمبے ہو جانے والے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''آپ شیو بھی بنوالو۔'' بیتو نے مشورہ دیا۔ ''وسیم بھائی نے بنوایا ہے اور اب دیدی کو منا رہا ہے۔''

سادھنا اور وسیم دونوں الگ الگ سمتوں میں منہ کیے بیٹھے تھے۔ وسیم بھی نہا دھو کر اور بال شیو بنوا کر تازہ دم لگ رہا تھا۔ اور سادھنا نے شاید شیمپو بھی کیا تھا اس کے بال ریشم کی طرح سرسرا رہے تھے۔ ایک میں ہی میلا کچیلا ہو رہا تھا۔ میں نے وسیم کو غور سے دیکھا۔ ''کیا بات ہے برخوردار یہ پاک بھارت جنگ میں وقفہ آیا ہے؟''

''شوبی اسے سمجھالیں۔'' سادھنا پھٹ پڑی تھی۔

''کیا سمجھالوں؟''

''یہی کہ اس نے ایک عورت سے شیو کیوں بنوائی۔''

''میں بنواؤں گا۔'' وسیم غرا کر بولا۔ ''آئندہ میں عورتوں سے شیو بنواؤں گا اور بال کٹواؤں گا۔''

''میں دیکھتی ہوں.....''

''ایک منٹ۔'' میں نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''خدا کے لیے لڑو مت اور اس بی بی کا مجھے بھی اتا پتا بتاؤ جس نے بال کاٹے ہیں اور شیو بنائی ہے۔''

سادھنا دم بخود رہ گئی تھی۔ ''شوبی آپ بھی.....''

''کیوں میں کیوں نہیں۔'' میں نے برا مان کر کہا۔ ''کیا میرے سر پر بال نہیں ہیں یا داڑھی نہیں آئی ہے۔''

''دیکھ لیا اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔'' وسیم خوش ہو کر بولا۔ ''شہباز صاحب بھی اسی سے بال اور شیو بنوائیں گے۔''

جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو ان میں بات چیت جھگڑے کی صورت میں شروع ہو چکی تھی۔ اسی کمرے میں منا بھائی بھی بے دست و پا پڑا ہوا تھا۔ باتھ روم نچلی منزل پر تھے۔ ایک لڑکی نے میری وہاں تک رہنمائی کی۔ وہ تو بیتو کے کہنے کے مطابق مجھے نہلانے پر کمر بستہ لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ وہ منع ہو گئی پر وہیں کھڑی رہی۔ بڑی مشکل سے میں نے اسے اشاروں کی زبان میں سمجھایا کہ میں اکیلے میں غسل کرتا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد میں نے کپڑے اتارے اور ٹب میں گھس گیا اور واقعی بہت عرصے بعد غسل کا مزہ آ گیا تھا۔ گرم پانی کے ٹب سے نکلنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ پانی میں کوئی جڑی بوٹی ڈالی گئی تھی جس سے ایک کیف آور خوشبو اٹھ رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد بھوک کی شدت نے مجھے غسل خانے سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ بال اور شیو بنوانے کا ارادہ میں نے ناشتے تک ملتوی کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خادمہ نے جو کہیں سے خادمہ نہیں لگ رہی تھی اس نے مجھ سے ناشتے کا پوچھا تو میں نے اس سے کہا کہ اوپر میرے کمرے میں لے آئے۔ میں اوپر آیا تو وسیم اور سادھنا میں سچ مچ کا سیز فائر ہو چکا تھا۔ وسیم نے اس سے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ آئندہ کسی لڑکی کی حجامت نہیں بنوائے گا۔ سادھنا نے مجھے گواہ بنالیا۔ ''شوبی آپ گواہ رہیے گا وسیم اب کبھی کسی لڑکی سے بال نہیں بنوائے گا اور شیو بھی نہیں۔''

''واقعی؟'' میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے فیصلہ کرلیا ہے اب میں شیو اور بال بنواؤں گا ہی نہیں۔''

''میں نے یہ کب کہا؟'' سادھنا نے احتجاج کیا۔

''میں باہر سے بال یا شیو بنوا کر آؤں گا تو تم شک کرو گی۔''

''اس سے پہلے تم دونوں کے درمیان میں لڑائی کا پھر سے آغاز ہو مہربانی کرکے میرا ناشتہ یہاں لے آؤ۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ناشتہ پہلے میرے کمرے میں آنا تھا کیونکہ سادھنا کے کمرے میں تو منا بھائی بندھا پڑا تھا۔ لہٰذا سادھنا جا کر میرے کمرے میں آنے والا ناشتہ لے آئی۔ نیپال میں دیسی انداز کا ناشتہ دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی تھی۔ اس میں پراٹھے تھے تلے اور ابلے ہوئے انڈے اور سوجی کا حلوہ بھی تھا۔ ناشتے کے بعد چائے آئی تھی اور یہ بھی بہت اعلیٰ درجے کی تھی۔ مجھے رہائش، کھانے پینے اور دوسرے لوازمات کی جیسی سہولتیں یہاں نظر آئی تھیں ایسی تو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں بھی نہیں ملتیں۔ خاص طور سے ایسی طرحدار خادمائیں تو شاید سیون اسٹار ہوٹلز میں بھی نہ ہوں جو آپ کو نہلانے دھلانے پر بھی کمربستہ ہوں۔

وسیم نے مجھے مشورہ دیا۔ ''آپ بال کٹوانے کے بجائے صرف اسٹائل بنوالیں۔ لمبے بالوں میں آپ کی شخصیت بالکل الگ لگتی ہے۔''

''شیو کروانے کے بجائے ہلکی سی داڑھی چھوڑ دیں۔'' سادھنا نے بھی مشورہ دیا۔ اور مجھے دونوں کی بات درست لگی تھی میری تصویر امکانی طور پر نیپال پولیس کے پاس بھی پہنچ چکی تھی اور اگر میں اپنے پرانے حلیے میں آجاتا تو بہت آسانی سے شناخت ہوسکتا تھا۔ میں نے ان کی بات مان لی لیکن جانے سے پہلے میں نے منا بھائی کو کھلوادیا۔ وہ پہلے ہی زخمی تھا اور بیتو نے اس کی بڑی بے رحمی سے خاطر تواضع کررہے تھے۔ اس نے منہ کھلتے ہی ہانپتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ اپنے کے ساتھ اچھا نہیں کررہے ہو۔''

''تم نے ہمارے ساتھ بڑا اچھا کیا تھا۔'' بیتو اٹھتے ہوئے بولا تو وہ بلبلا گیا تھا۔

''اسے روکو یہ بہت ظالم ہے۔''

''تم نے بڑی انسانیت دکھائی تھی۔'' سادھنا بولی۔ ''ہمیں مرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔''

''تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ ہماری بات بلا چوں چرا مانو۔'' میں نے اسے دھمکی دی۔ ''ورنہ یہ صرف ایک نمونہ تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم تمہیں کہیں بے ہوش کرکے ڈال دیں اور جب تمہاری آنکھ کھلے تو تم نیپالی پولیس کی تحویل میں ہو۔ تم سوچ سکتے ہو کہ چوکی والوں کی طرف سے تمہیں شناخت کیے جانے کے بعد پولیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارا کیا حشر کرے گی۔''

''اپن کو آپریٹ تو کر رہا ہے۔'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔ ''اور کیا کرے؟''

''اپنا منہ بند کر کے خاموش رہو۔'' بیتو نے کہا تو وہ سہم گیا تھا۔ اسے بھی ناشتہ پانی دے دیا گیا تھا۔ میں بال بنوانے نیچے آیا۔ وہی لڑکی مجھے ایک کمرے میں لے آئی جو کسی جدید سیلون کا منظر پیش کر رہا تھا۔ لڑکی نے ایک کرسی پر بٹھا کر مجھ سے سروس کا پوچھا۔ وہاں ایک ہیئر اسٹائل کا میگزین تھا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور ایک اسٹائل پسند کر کے اسے بتا دیا۔ اس نے بیس منٹ میں میرے بال بڑی مہارت سے ویسے ہی بنا دیئے تھے۔ اس کے بعد اس نے ایک مشین کی مدد سے میری داڑھی مختصر کر دی۔ میں نے آئینے میں خود کو دیکھا تو بڑی تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔

''تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔'' میں نے اس کی تعریف کی۔

''شکریہ سر۔'' وہ خوش ہو گئی۔

''چارج کیا ہے؟''

''کوئی چارج نہیں ہے سر یہ ہوم کی طرف سے ہے۔'' اس نے وضاحت کی لیکن میں نے اسے مقامی کرنسی کا ایک نوٹ دیا تو اس کی خوشی سے اندازہ ہوا کہ اس کے لیے یہ بڑی رقم تھی۔ میں اوپر آیا تو ان تینوں کے درمیان جاناں بائی کے اوپر بات ہو رہی تھی۔ ان سب کو تعجب ہو رہا تھا کہ یہاں کوٹھے جیسا ماحول نہیں تھا باوجود اس کے کہ یہاں منا بھائی جیسے لوگ آتے تھے۔ سادھنا نے بتایا کہ یہاں جاناں بائی اپنی چھ لڑکیوں اور تین خادماؤں سمیت رہتی تھی۔ یہ مجھے بعد میں وسیم نے بتایا کہ اوپر کی دو منزلیں ان چھ لڑکیوں اور ان کے ساتھ رات گزارنے والے گاہکوں کے لیے مخصوص تھیں۔ جاناں بائی نے ہمیں دوسری منزل پر کمرے دیئے تھے۔ وہ خود ملازماؤں کے ساتھ گراؤنڈ فلور پر رہتی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے وسیم کو اشارہ کیا اور ہم میرے والے کمرے میں آئے۔

''تم نے رقم کا حساب کیا؟''

''نہیں موقع ہی نہیں ملا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اب کر لیتے ہیں۔''

ہم نے بیگ سے رقم نکالی اور اسے گننے بیٹھ گئے۔ نوٹ بے شمار تھے اور ان میں چھوٹے بڑے سارے ہی نوٹ تھے۔ ہم نے چھوٹے اور بڑے گن گن کر الگ رکھنا شروع کیے اور ساتھ بھارتی اور نیپالی روپیہ الگ الگ کیا۔ آدھے گھنٹے میں ہم نے سارے نوٹ گن کر الگ کر لیے تھے۔ ہمارے پاس کوئی دو لاکھ بھارتی روپے تھے جب کہ مقامی کرنسی اس سے زیادہ تھی اس کی مالیت کوئی سات لاکھ بنتی تھی۔ مجھے ایکس چینج ریٹ نہیں پتا تھا لیکن میرے حساب سے یہ بھارتی روپے کے برابر کی قدر بنتی تھی۔ یعنی ہمارے پاس کوئی چار لاکھ بھارتی روپے یا چودہ لاکھ نیپالی روپے تھے۔ ہمارے پاس بیس ہزار ڈالرز پہلے ہی تھے اور اب ہم مقامی کرنسی میں بھی لکھ پتی ہو گئے تھے۔

میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''کیا خیال ہے اگر ہم یہاں سے جعلی کاغذات حاصل کرنے کی کوشش کریں تو یہ رقم کافی ہو گی.....؟ میں ڈالرز آگے کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مشکل لگ رہا ہے شاید ایک دو کے کاغذات بن جائیں۔ مگر اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کون کرے گا؟''

''منا بھائی۔'' میں نے جواب دیا اور ہم سادھنا والے کمرے میں آئے۔ وسیم نے ساری رقم ایک چرمی بیگ میں ڈال کر اسے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا۔ میں کرسی گھسیٹ کر منا بھائی کے پاس بیٹھ گیا۔

''منا بھائی تم گلو خلاصی چاہتے ہو؟''

''کیوں نہیں بابا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''تب ہمارا ایک کام کرنا ہوگا۔ ہمیں کسی پاسپورٹ اور دوسرے شناختی کاغذات بنانے والے شخص کی ضرورت ہے۔''

''اپن یہ دھندہ نہیں کرتا ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''لیکن کسی کو جانتے تو ہوگے؟''

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں اپن کسی ایسے آدمی سے بھی واقف نہیں ہے۔''

''تب تمہاری گلو خلاصی بھی مشکل ہے ہم تمہیں ایسے تو نہیں چھوڑ سکتے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو وہ گھگھیانے لگا۔ ''اب جب تک ہم نیپال میں ہیں تمہیں بھی ہمارے ساتھ رہنا ہوگا۔''

''اے باپ اپن کا قصور کیا ہے۔'' اس نے کہا اور بیتو کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔ ''اپن مانتا ہے..... اپن برا کیا پر اپنا کو اس کا بہت سزا مل چکا ہے۔''

''ہمیں نہیں پتا ہم یہاں کسی اور کو نہیں جانتے اس لیے تمہیں ہی ہماری مدد کرنا ہوگی۔'' وسیم نے کہا۔ تو وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔

''ایک آدمی ہے تو لیکن بہت مہا حرامی چیز ہے۔''

''اچھا تم سے بھی زیادہ؟'' وسیم بولا۔

''اپن تو اس کے مقابلے میں بہت شریف آدمی ہے وہ تو اپنی ماں کو بیچ دے پیسے کا خاطر۔''

''اچھا تم ایسا نہیں کر سکتا۔'' بیتو تعجب سے بولا۔ ''ہم تو سمجھتا تھا کہ موقع پڑے تو تم بھی ماں کو بیچ دے گا۔''

''وہ اپن کا دشمن بھی ہے۔'' منا بھائی نے خون کے گھونٹ پی کر کہا۔ ''ایک بار مال دینے میں گھپلا ہو گیا تھا۔''

''تمہاری طرف سے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''ماں قسم..... اپن اس کو ٹھیک مال دیا تھا پر اس نے اپن کا پے منٹ روکنے کے لیے لفڑا کیا۔''

''نام کیا ہے کہاں ملے گا؟''

''راجندر نام ہے پر راج کے نام سے مشہور ہے۔ ادھر پرانے شہر میں ایک کھولی میں رہتا ہے۔ اپن کو جگہ کا نام صحیح سے نہیں معلوم پر راستہ بتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس تو ابھی تم ہمارے ساتھ چلو گے۔'' میں نے کہا۔

''اپن۔'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔ ''اپن کو مت لے جاؤ وہ سالا دیکھتے ہی گولی مار دے گا۔''

''نہیں مارے گا ہم ساتھ ہوں گے۔'' وسیم نے اسے یقین دلایا۔

''لیکن تم نہیں لے کر گیا تو تم کو معلوم ہے ہم کیا کرے گا۔'' بیتو نے اسے دھمکایا۔ ''ہم گولی نہیں مارے گا بلکہ تڑپا تڑپا کر مارے گا۔ پہلے خود مارے گا اور پھر پولیس کے حوالے کر دے گا۔''

منا بھائی سہم گیا۔ ''اپن نے انکار کب کیا ہے لے جائے بابا..... اکھالے جائے گا۔''

''میں نے جاناں بائی کو تیس ہزار نیپالی روپے دیئے ہیں۔'' میں نے منا بھائی سے کہا۔ ''یہ کم تو نہیں ہیں۔''

''تم نے تیس ہزار دے دیا۔'' اس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ ''یہ تو بہت زیادہ ہے۔''

''زیادہ ہے تو ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''ہمیں تو یہ جگہ مفت میں پڑی ہے۔''

''یہ تو ہے صاحب ادھر فائیو اسٹار ہوٹل جیسا آرام ہے اور کچھ دکھانا بھی نہیں پڑتا۔ بس روکڑا دے دو۔'' منا بھائی نے سر ہلایا۔

''ویسے جاناں بائی کو کیسے پتا چلا کہ ہم یہاں بہ غرض عیاشی کے لیے نہیں آئے ہیں؟'' وسیم نے سوال کیا۔

''کیونکہ تمہارے ساتھ عورت ہے اور تم لوگ ویسے بھی کوٹھوں پر جانے والے نہیں لگتے ہو۔'' منا بھائی بولا۔

''کیوں کیا کوٹھوں پر جانے والوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بابا..... اپن کا مراد دوسرا ہے یہ ایسا مافق لوگوں کو خوب جانتا ہے۔'' اس نے دانت نکال کر کہا۔

میرا زخم کسی قدر خشک ہو گیا تھا اس لیے میں نے نہانے کا خطرہ مول لیا تھا لیکن پانی لگنے سے اس میں سرخی پیدا ہو گئی تھی اور تکلیف بھی ہونے لگی تھی۔ میں نے اس خادمہ سے ڈریسنگ کرائی جس نے منا بھائی کی مرہم پٹی کی تھی۔ وہ اپنے کام کی ماہر تھی اور شاید آدھی ڈاکٹر تھی اس نے مجھ سے کہا۔

''آپ ایک اینٹی بایوٹک انجکشن لگوا لیں۔ ورنہ صرف دوا کھانے سے تکلیف اور سوجن دیر سے ختم ہو گی۔''

''تو لگا دو۔'' میں نے کہا تو اس نے انجکشن نکال کر لگا دیا۔

جاناں بائی نے بہت اچھا سیٹ اَپ کیا تھا۔ اس نے ایسی لڑکیاں رکھی تھیں جن کو گاہکوں کا دل بہلانے کے علاوہ بھی بہت کچھ آتا تھا۔ اور اس کے کوٹھے پر آنے والوں کو اضافی خدمات کے لیے کہیں اور نہیں جانا پڑتا تھا۔ جو لڑکیاں دھندہ نہیں کرتی تھیں وہ دوسرے کام کر لیا کرتی تھیں جیسے بال اور شیو بنانا یا نرس کا کام کرنا، جس لڑکی نے میری اور منا بھائی کی ڈریسنگ کی تھی وہ تربیت یافتہ نرس تھی اور بعض دیگر مسائل سے نمٹنے کے لیے رکھی گئی تھی لیکن مرہم پٹی بھی کر لیا کرتی تھی۔

منا بھائی کی حالت بھی کسی قدر بہتر تھی اور نکور وغیرہ کرنے سے اس کے چہرے کی پوزیشن بھی نارمل کے قریب ہو گئی تھی۔ ہم دوپہر کا کھانا کھا کر نکلے تھے۔ میرے اور منا بھائی کے ساتھ بیتو تھا کیونکہ بیتو کسی حد تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیپالی جانتا تھا۔ اگر منا بھائی مجھے دھوکا دینے کی کوشش کرتا تو بیتو اسے پکڑ سکتا تھا۔ ہم نے اسلحے میں صرف دو عدد پستول ساتھ رکھے تھے۔ سادھنا اور وسیم کو ہم نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ گزشتہ دن کی طرح کھٹمنڈو شہر اپنی عام حالت میں تھا اور شہر کے قریب ہوائی پیرا ملٹری آپریشن کا اثر شہر میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہمیں کچھ دور جانے کے بعد ایک ٹیکسی مل گئی تھی۔ منا بھائی نے ٹیکسی والے کو کسی جگہ کا پتا بتایا اور وہ ہمیں لے کر روانہ ہو گیا تھا۔ بیتو نے ٹیکسی والے سے اردو میں بات کی تو وہ دانت نکال کر رہ گیا تھا۔ شاید بیتو جاننا چاہ رہا تھا کہ اسے اردو یا ہندی آتی ہے یا نہیں آتی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''شوبی بھائی..... کل سے اب تک کا وقت امن سے گزرا ہے ہم کو یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''عام طور سے اتنے وقت تک ہمیں چین سے بیٹھنا نصیب ہوا نہیں ہے۔''

''اسی لیے ڈر لگتا ہے۔'' بیتو نے کہا۔ ''اس کی طرف سے ہوشیار رہنا۔'' اس نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا۔

''ماں قسم..... اپن کچھ نہیں کرے گا۔''

''اور اگر کرے گا تو سب سے پہلے مارا جائے گا۔'' بیتو نے واضح کیا۔ اس نے منا بھائی کو پستول دکھا دیا۔ ٹیکسی والا شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں داخل ہوا یہاں تنگ راستوں کے اوپر کئی منزلہ عمارتیں تھیں۔ جن کی بالکونیوں سے سوکھنے والے کپڑے اور بچے لٹک رہے تھے۔ گلی میں موجود تمام بچے ٹیکسی کے ساتھ ریس لگا رہے تھے اور ٹیکسی والے کی گالیاں سن کر بھی بے مزہ نہیں ہوئے تھے۔ نیچے تھڑوں پر گرم کپڑوں میں لپٹے بوڑھے اونگھ رہے تھے۔ خالصتاً پرانے شہر کا منظر تھا۔ پھر ٹیکسی ایک گندی سی گلی کے سامنے رک گئی میں نے سوالیہ نظروں سے منا بھائی کی طرف دیکھا۔

''ہماری منزل آ گئی ہے؟''

''نہیں ادھر سے کچھ دور پیدل چلنا ہوگا۔'' اس نے کہا

ہم نیچے اترے اور ٹیکسی والے کو کرایہ دیا۔ اچانک مجھے خیال آیا میں نے بیتو سے کہا۔ ''ٹیکسی والے سے کہو یہ کچھ دیر رک کر ہمارا انتظار کرے تو اسے ڈبل ملے گا۔''

بیتو نے اس سے بات کی تو وہ مان گیا تھا اس نے کہا کہ وہ ایک گھنٹہ ہمارا انتظار کرے گا اور اگر ہم اس دوران میں نہیں آئے تو وہ یہاں سے چلا جائے گا۔ اس سے واپسی کا طے کر کے ہم منا بھائی کی رہنمائی میں آگے بڑھے۔ یہاں گلیاں اتنی تنگ تھیں کی ان میں کوئی گاڑی نہیں آ سکتی تھی۔ عام طور سے جرائم پیشہ افراد ایسی ہی جگہوں پر اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں کیونکہ یہاں تک قانون نافذ کرنے والے اداروں کی گاڑیاں نہیں آ سکتی ہیں اور کسی چھاپے کی صورت میں ان کو فرار کا موقع مل جاتا ہے۔

تنگ گلیاں بھول بھلیوں جیسی تھیں اور دس منٹ میں ہم اتنی گلیاں دیکھ چکے تھے کہ مجھے یقین تھا کہ اب میں اکیلے واپس جانے کی کوشش کروں گا تو راستہ بھٹک جاؤں گا۔ منا بھائی بتا رہا تھا۔ ''یہ راج سخت حرامی آدمی ہے اور حرامی سے زیادہ ہاتھ چھوٹ ہے مارتا پہلے ہے اور پوچھتا بعد میں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منا بھائی ایک بزدل اسمگلر تھا اور لڑائی بھڑائی سے اس کی جان جاتی تھی اس لیے اس وقت بھی وہ پریشان اور خوف زدہ تھا۔ بیتو نے اس کو تسلی دی۔ ''اتنا کیوں روتا ہے تیرے کو کوئی نہیں مارے گا جب بھی مارے گا ہم ہی مارے گا۔''

مجھے بیتو کی بات پر ہنسی آگئی۔ ''یہ تم اسے تسلی دے رہے ہو یا دھمکی؟''

بیتو نے دانت نکالے۔ ''دونوں دے رہا ہے۔ اس وقت اسے دونوں کا ضرورت ہے۔''

گلیوں میں ایسے چہرے نظر آرہے تھے جن پر جرم کی چھاپ نمایاں تھی اور وہ مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھ رہے تھے لیکن ہم ان پر توجہ دیئے بغیر ان کے درمیان سے گزرتے رہے۔ منا بھائی ایک تین منزلہ عمارت کے سامنے رکا اور سرگوشی میں بولا۔ ''وہ یہاں رہتا ہے۔''

''اگر یہاں رہتا ہے تو تمہارا کیوں دم نکل رہا ہے؟'' بیتو نے اسے گھورا۔

''بتایا تو وہ اپن کا جانی دشمن ہے۔'' منا بھائی نے منمنا کر کہا۔ ''دیکھتے ہی گولی مار دے گا۔''

''فکر مت کرو اگر اس نے تمہیں دیکھتے ہی گولی ماری تو ہم تمہارے مرنے سے پہلے اسے بھی تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''پر اس کا اپن کو کیا فائدہ ہوگا۔''

''فائدہ نقصان بعد میں دیکھیں گے ابھی تو اوپر چلو۔'' میں نے اسے سیڑھیوں کی طرف دھکیلا۔ وہ یوں عمارت میں داخل ہوا جیسے کوئی جانور بوچڑ خانے میں داخل ہوتا ہے۔ اس نے راستے میں بتایا کہ راج آخری منزل پر ایک کھولی میں رہتا تھا۔ اس کے دروازے پر رک کر منا بھائی نے مجھے رحم طلب نظروں سے دیکھا۔

''صاحب ابھی اپن کو معافی دو اور خود دروازہ بجاؤ۔''

میں نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے کچھ ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی ایک ٹن وزنی جنگلی بھینسا ڈکرایا ہو۔ زبان مقامی تھی۔ اس لیے میرے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا اس نے کہا۔

''پوچھ رہا ہے کہ کون ہے؟''

''اسے بولو کام سے آئے ہیں۔'' میں نے کہا تو بیتو نے میری بات دھرا دی۔ اس پر اندر سے کچھ کہا گیا تو بیتو کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''حرامزادہ گالی دے کر جانے کو کہتا ہے۔''

''تب تو اسے پہلے سبق دینا ہوگا۔'' میں نے کہا اور دروازہ توڑ دینے والے انداز میں پیٹا اور اس بار اندر کوئی دو ٹن وزنی بھینسا ڈکرایا۔ منا بھائی کا رہا سہا رنگ بھی اُڑ گیا تھا۔ اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

''اب سب سے پہلے اپن مارا جائے گا۔''

میں کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسی لمحے کسی نے دروازہ کھولا اور سامنے ایک چھوٹا سا تبتی نقوش والا نیپالی کھڑا تھا۔ اس کا قد مشکل سے پانچ فٹ تھا اور جسم میں گوشت سے زیادہ ہڈیاں تھیں۔ میں نے اسے گھورا اور پوچھا۔ ''راج کدھر ہے؟''

وہ شراب کے نشے میں دھت تھا اور اس نے صرف بنیان اور پتلون پہن رکھی تھی۔ اس نے میری بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھول لی اور اس بار انگریزی میں بولا۔ ''یہ تیرا باپ سامنے کھڑا.....''

اس کی آواز بتا رہی تھی کہ وہی راج تھا۔ اتنے چھوٹے سے جسم سے نکلنے والا ساؤنڈ حیرت انگیز تھا لیکن فی الحال اس کے ساؤنڈ سے زیادہ مجھے اس کی بات نے مجبور کیا تھا میں نے اسے اپنی طرف کھینچا اور گھٹنا اس کے ناف تلے مارا اور اسے اندر کی طرف اچھال دیا۔ ضرب کی شدت نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے اور وہ فرش پر گرا یوں منہ کھولے تڑپ رہا تھا جیسے دنیا میں یک لخت ہوا کی کمی ہو گئی ہو۔ ہم اندر گھس آئے۔ بیتو نے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا۔ کمرہ ایک ہی تھا کیونکہ داخلی دروازے کے سوا اس میں صرف ایک چھوٹی سے کھڑکی تھی اور وہاں تھوڑا سا فرنیچر پڑا تھا۔ دیواروں پر فحش قسم کے پوسٹر لگے تھے اور زمین پر ایک گدے کے آس پاس شراب کی دو خالی بوتلیں پڑی تھیں۔

راج نے تڑپتے ہوئے یک دم گدے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک پستول نکالا جو بیتو نے اس سے نہایت آسانی سے چھین لیا اور ہنس کر بولا۔ ''اور کچھ ہے تو وہ بھی نکال لو۔''

میں نے اس کے سینے پر ٹھوکر ماری۔ ''اس کے پاس ایک ساؤنڈ ہے یہ بس وہی نکال سکتا ہے۔''

وہ پھر سے تڑپنے لگا اور میں کمرے میں موجود اکلوتی کرسی پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ کب اس کا سانس بحال ہوتا ہے۔ منا بھائی دہشت زدہ نظروں سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ کئی منٹ بعد راج اس قابل ہوا کہ بول سکے۔ اس نے بڑی مشکل سے اٹھ کر شراب کی بوتل اٹھائی اور اس میں موجود ایک چوتھائی مائع ایک ہی سانس میں حلق سے اتار لیا۔ اس کے بعد کانپتی آواز میں بولا۔

''تو کون ہے باپ اور اس طرح آنے کا مقصد؟''

''مقصد بتایا تو تھا کام سے آئے ہیں۔'' بیتو نے اسے لات مار کر بستر پر گرا دیا۔ ''لیکن تو کتے کا بچہ ہے انسان کی زبان نہیں سمجھتا۔''

''مجھے مت مارو۔'' اس نے بلبلا کر کہا۔ ''بولو کیا کام ہے؟''

''کام بتاتے ہیں پہلے اس کو دیکھو۔'' میں نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے منا بھائی کو دیکھا اور اس کے منہ سے بے ساختہ ایک نہایت گندی گالی نکلی تھی۔ وہ ہندی جانتا تھا کیونکہ یہ اسی زبان کی گالی تھی اس بار منا بھائی نے اسے ایک لیفٹ ہک رسید کیا اور وہ دوبارہ گدے پر گر گیا۔ ہم نے راج کی جو درگت بنائی تھی اسے دیکھ کر منا بھائی بھی شیر ہو گیا تھا۔ وہ اس کی مزید مرمت لگانا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ اور راج کو خبردار کیا۔

''اپنی زبان قابو میں رکھو۔ ورنہ کام کی بات تو ہو گی نہیں اور تم مار کھاتے رہو گے۔''

''میں اسے چھوڑے گا نہیں۔'' اس نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ تمہارا آپس کا معاملہ ہے میرا کام کرنے کے بعد تم اس سے نمٹتے رہنا لیکن ابھی یہ مجھے تمہارے پاس لایا ہے۔''

راج نے بے یقینی سے منا بھائی کی طرف دیکھا۔ ''یہ صرف گن پوائنٹ پر ادھر آ سکتا ہے۔''

''ہم اسے گن پوائنٹ پر ہی لائے ہیں۔'' بیتو بولا اس نے گن بھی نکال کر دکھائی راج کا پستول اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گولیاں نکال کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔ میں نے کہا۔

''یہ ہمارا قیدی ہے۔''

راج نے منا بھائی کی طرف دیکھا تو اس نے بھی تصدیق کر دی اور اپنا چہرہ ملاحظے کے لیے پیش کیا۔

''تیرے کو یہ نشان نظر نہیں آرہے ماں قسم بہت ظالم لوگ ہیں۔''

''کام کیا ہے؟'' راج نے کہا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ہمیں پاسپورٹ چاہئیں۔''

وہ چونک گیا۔ ''تم لوگ باہر سے آیا ہے؟''

''سوال نہیں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ کام کر سکتے ہو یا نہیں۔''

''کام ہو جائے گا۔'' اس نے بوتل کی طرف سے مایوس ہو کر ایک سگریٹ سلگالی۔ ''لیکن نوٹ لگے گا۔''

''کتنا لگے گا؟''

''ایک پاسپورٹ کا دو لاکھ روپیہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ زیادہ نہیں ہیں؟''

''نہیں پاسپورٹ ایک نمبر ہو گا صرف تصویر چینج ہو گی۔'' اس نے کہا۔ ''قیمت کم نہیں ہو گی آگے تمہاری مرضی۔''

''مجھے منظور ہیں..... لیکن چار پاسپورٹ درکار ہیں تین مرد اور ایک عورت کا۔''

''مل جائے گا۔ آٹھ لاکھ لگے گا۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

''منظور ہے۔'' میں نے بھی اسی لہجے میں کہا۔ ''لیکن کوئی گڑبڑ ہوئی تو مجھے اپنا پیسہ نہیں تیری زندگی درکار ہو گی۔''

''میں کام کرتا ہے دھوکا نہیں کرتا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ایک بدمعاش یہ بات کہتا اچھا نہیں لگتا۔ یاد رکھنا ہمیں کام چاہیے دھوکا نہیں۔''

''میں کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔'' اس نے خون خوار نظروں سے منا بھائی کی طرف دیکھا۔ ''اس حرامزادے سے پوچھ لو یہ مجھے دھوکا دے گیا تھا ملاوٹ والی چرس دے گیا تھا۔ گاہک کا نقصان مجھے اپنی جیب سے پورا کرنا پڑا تھا۔''

منا بھائی کا چہرہ فق ہو گیا تھا کیونکہ اس نے خود کو ایک بے ضرر قسم کا اسمگلر ظاہر کیا تھا۔ اب انکشاف ہو رہا تھا کہ وہ چرس اور ممکنہ طور پر دوسری منشیات بھی اسمگل کرتا تھا لیکن یہ ہمارا مسئلہ نہیں تھا۔ میں نے راج سے کہا۔

''ابھی تم منا بھائی کو بھول جاؤ ہاں دوبارہ جب تمہارا اس سے سامنا ہو تو بے شک اپنا حساب برابر کر لینا۔''

راج خود بھی گھاگ شخص تھا ہم بڑی پارٹی تھے وہ انتقام کے چکر میں ہم سے دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا۔ منا بھائی سے وہ بعد میں بھی نمٹ سکتا تھا اور یہ دونوں کا آپس کا معاملہ تھا۔ پھر بھی میں نے راج کو خبردار کرنا مناسب سمجھا۔ ''یاد رکھنا اس وقت منا بھائی ایک طرح سے ہمارا ساتھی ہے اور تم سے اسے ایک خراش بھی آئی تو اپنا انجام تم خود سوچ سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم بے فکر رہو۔'' اس نے کہا۔

میں نے اس کے کمرے کا معائنہ کیا وہ کسی تھرڈ کلاس بدمعاش کی رہائش گاہ کا منظر پیش کر رہا تھا اور وہاں مجھے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جو اس کام سے متعلق ہو۔ یہ جگہ تو کسی نہایت تھرڈ کلاس غنڈے کی رہائش کا منظر پیش کر رہی تھی۔ مجھے خدشہ ہونے لگا کہ راج کہیں جھوٹ تو نہیں بول رہا تھا وہ لاکھوں کی باتیں نہایت اعتماد سے کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم یہاں کام کرتے ہو؟''

وہ ہنسا۔ ''ادھر کون کام کر سکتا ہے۔ یہ تو میں نے اس لیے لے رکھا ہے کہ مجھ سے کام لینے والے یہاں آتے ہیں۔''

''یعنی تمہاری رہائش اصل میں کہیں اور ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''پاسپورٹ کن لوگوں کے چاہئیں۔ تصویریں۔''

''صرف تصویر؟ دوسری تفصیل کی ضرورت نہیں ہے؟''

''تم نے اور بجنل مانگا ہے۔ اس میں تفصیل کا کیا کرے گا صرف تصویر چینج ہو گی۔''

''مگر تم تفصیل دیکھ لینا ایسا نہ ہو کہ عمر اور قومیت تصویر سے میچ نہ ہو۔''

''تم فکر مت کرو یہ اپنا کام ہے۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ ''پچاس ہزار نکالو۔''

''پچاس ہزار وہ کس بات کے؟''

''ایڈوانس۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ہر پاسپورٹ کے دس ہزار ایڈوانس۔''

''یہ تو چالیس ہزار ہوئے۔'' میں نے غور کیا۔ ''پچاس کس خوشی میں مانگ رہے ہو۔''

''دس ہزار اس کے خلاف کچھ نہ کرنے کے۔'' اس نے منا بھائی کی طرف اشارہ کیا۔ ''لیکن فکر مت کرو کل رقم آٹھ لاکھ روپے ہی ہوں گے۔''

''اور فرض کرو کہ کام نہ ہوا تو؟''

''تو یہ پچاس ہزار واپس ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے ہمارے ساتھ چلو رقم دیتا ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم کہیں نہیں جائے گا۔ پیسہ ادھر ہی لے گا۔''

''اور پاسپورٹ کہاں ملیں گے؟''

''وہ بھی ادھر ہی ملے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''باقی رقم اس وقت ملے گی جب پاسپورٹ مل جائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے پھر پچاس ہزار کے ساتھ آ جانا۔'' اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں بیتو اور منا بھائی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''کیا خیال ہے یہ پچاس ہزار لے کر نو دو گیارہ تو نہیں ہو جائے گا۔''

''اپن کیا کہہ سکتا ہے۔ ایک نمبر کا حرامی ہے پر یہ اس کا مستقل ٹھکانہ ہے۔'' اس نے دبے لہجے میں کہا۔

جب ہم نیچے پہنچے تو اسی لمحے تین افراد اندر آئے ان میں سب سے آگے طویل قامت نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجندر کی کھولی کہاں ہے؟'' اس نے مقامی زبان استعمال کی تھی اور منا بھائی نے بے ساختہ اسے بتا دیا کہ وہ تیسری منزل پر ہوتا ہے۔ وہ دندناتے ہوئے اوپر چلے گئے۔ میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''یہ کیا پوچھ رہا تھا؟''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''وہ راج کا پتا پوچھ رہے تھے۔''

''اور اس نے بتا دیا۔'' بیتو نے مجھے آگاہ کیا۔

''یہ اس کے دشمن تو نہیں رہے تھے۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ مجھے راج کی فکر نہیں تھی بلکہ اپنے کام کی فکر تھی۔ اگر وہ ان لوگوں کو ہاتھوں مارا جاتا یا زخمی بھی ہو جاتا یا وہ اسے اغوا کر کے لے جاتے تو میرا کام کون کرتا۔ اگر یہ ان تین میں سے کوئی ایک کام کرنے آئے تھے تو ان کو روکنا ضروری تھا۔

''ان کو دیکھنا ہوگا۔'' بیتو بولا اس کے ذہن میں بھی وہی خدشہ آیا تھا۔ ہم گلی میں نکل کر ایک جگہ رک گئے۔ یہ ایک چھوٹی سی بغلی گلی تھی۔ یہاں ہم کسی کی نظر میں آئے بغیر راج کی بلڈنگ کی نگرانی کر سکتے تھے۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد راج ان تینوں کے نرغے میں اندر سے برآمد ہوا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کے ساتھ مار پیٹ ہوئی ہے۔ اس سے صحیح سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ آج راج کا برا دن تھا۔ پہلے اسے ہم نے پیٹا اور اب ان نو واردوں نے مارا تھا۔

''یہ کون ہو سکتے ہیں؟'' میں نے منا بھائی سے پوچھا۔

''اپن کو کیا پتا یہ کیا لفڑا ہے؟'' اس نے کہا۔ ''اس حرامی کا اکیلا اپن دشمن تھوڑی ہے۔''

وہ ہماری طرف ہی آ رہے تھے اور میں نے فوری فیصلہ کیا۔ ایک بار راج ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا تو ہمیں پاسپورٹ کے لیے پھر کسی کو تلاش کرنا پڑتا اور یہ آسان کام نہیں تھا یہ تو ہماری خوش قسمتی کہ ہمیں منا بھائی مل گیا تھا اور اس نے ہمیں پولیس چوکی کی طرف بھیجنے کا جو دھوکا کیا تھا وہ الٹا اس کے گلے پڑ گیا تھا اور ہمیں اس سے فائدہ ہی ہوا تھا۔ ہمیں رقم مل گئی، پھر منا بھائی مل گیا۔ اس کے توسط سے جاناں بائی کے کوٹھے کی لگژری رہائش مل گئی اور اب ایک کام کا آدمی بھی مل گیا تھا لیکن یہ کام کا آدمی خطرے میں تھا اور اسے بچانا ضروری تھا۔

ان تینوں نے راج کو یوں نرغے میں لے رکھا تھا جیسے ان کو خطرہ ہو وہ ابھی دھواں بن کر غائب ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک یقیناً مسلح تھا اس کا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں تھا۔ بیتو نے میرا ارادہ بھانپ لیا تھا اور اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ''کیا کرنا ہے؟''

میں نے بیتو کو سرگوشی میں کہا۔ ''میں کوٹ والے کو سنبھالوں گا اور تم باقی دو کو ہینڈز اَپ کرنا کوشش کرنا کہ گولی نہ چلانی پڑے۔''

بیتو نے سر ہلایا اور پستول نکال لیا۔ جیسے ہی وہ لوگ گلی کے پاس سے گزرنے لگے میں نے سب سے پیچھے کوٹ والے کے سر پر پستول کا دستہ مارا اور بیتو نے یہی سلوک اس کے ساتھ کیا جس نے راج کو دبوچ رکھا تھا۔ مبہ اشیخ رتو فوراً ہی خواب و خیال کی دنیا میں کھو گیا تھا لیکن بیتو نے جس کے سر پر وار کیا تھا وہ سخت جان تھا۔ وہ کراہ کر جھکا اور واحد بچ جانے والے نے اپنی بیلٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ میں نے پستول اس کے سر پر رکھ دیا وہ فوراً ساکت ہو گیا۔ بیتو نے اپنے شکار پر دوسرا وار کیا اور وہ اس بار سرد آہ بھر کر اپنے ساتھی کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی لیٹ گیا۔ وہ تنہائی نفری سے محروم ہونے کے بعد بچ جانے والے نے عافیت اسی میں سمجھی کہ ہتھیار ڈال دے۔ اس نے ہاتھ اوپر کر لیے لیکن میرا اسے جنگی قیدی بنانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے سر کو بھی بجایا اور وہ بھی نیچے گر گیا۔ یہ سارا عمل مشکل سے ایک منٹ میں ہو گیا۔ تینوں افراد برابر برابر پڑے تھے اور راج دم بخود سا ہمیں دیکھ رہا تھا۔

''تم..... یہ کیا کیا؟''

''یہاں سے نکلو۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''میرا خیال ہے ان کے اور ساتھی بھی ہیں۔''

یہ سنتے ہی راج ہمارے ساتھ چلنے پر تیار ہو گیا تھا لیکن بیتو نے مجھ سے کہا۔ ''وہ بھاگ گیا۔''

میں نے چونک کر گلی میں دیکھا تو منا بھائی غائب تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور جتنی دیر تک ہم راج کے دشمنوں سے نمٹتے رہے اسے غائب ہونے کا موقع مل گیا۔ وہ شاید اسی بغلی گلی میں کہیں آگے نکل گیا تھا۔ اور اس کے پیچھے جانا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ کہیں کا کہیں نکل گیا ہو گا۔ میں نے راج کو کھینچا۔ ''اس پر لعنت بھیجو اور یہاں سے نکلو ایسا نہ ہو کہ ہم بھی گھر جائیں۔''

راج نے اپنے لباس پر صرف ایک صدری نما چیز پہن رکھی تھی۔ وہ ہمارے ساتھ گھسیٹ رہا تھا اس کے پاؤں میں کہیں چوٹ آئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ کون تھے؟''

''میرے دشمن۔'' اس نے جامع جواب دیا۔

''کس وجہ سے؟''

''اس سے تمہیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ بولا۔

اس وقت تو میں نے کچھ نہیں کہا لیکن جب ہم ٹیکسی تک پہنچے اور اس میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے تو میں نے پھر اس سے یہی سوال کیا اس نے ناگواری سے کہا۔ ''میں بتا چکا ہوں تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میں نے اس کی پسلی سے پستول نکالا۔ ''تعلق ہے ہم تم سے ایک بڑا کام کروانے جا رہے ہیں اور ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے ساتھ مزید کتنے چکر لگے ہوئے ہیں؟''

''یہ میرے کاروباری دشمن ہیں۔'' اس نے ہچکچا کر جھوٹ کہا۔

''کاروبار حریف مار ڈالتے ہیں۔ یہ اغوا کرنے کا چکر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔''

''وہ مجھ سے کچھ باتیں اگلوانا چاہتے تھے۔'' اس نے جواب دیا۔

اگرچہ صاف لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے لیکن فی الحال میں نے اسے مزید کریدنے سے گریز کیا۔ میں نے بات بدل دی۔ ''میرا خیال ہے تمہارا یہ ٹھکانہ تو گیا؟''

''میرے پاس کئی ٹھکانے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا یہ دشمن وہاں تک نہیں پہنچ سکتے؟''

''نہیں وہ بہت خفیہ ہیں۔ میرے دوست بھی ان کے بارے میں نہیں جانتے ہیں۔''

''یعنی اگر ہم تمہارے ساتھ رہیں تو ہمیں بھی کوئی تلاش نہیں کر سکے گا۔'' میں نے کہا تو وہ چونکا۔

''میرے ساتھ..... وہ کیوں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اول تو یہ کہ ہمارے پیچھے بھی کچھ دشمن ہیں۔ منا بھائی ان کو لے کر سیدھا وہاں آئے گا جہاں ہم رکے ہیں۔ دوسرے ہم تمہاری حفاظت کر سکتے ہیں۔''

''مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔''

''لیکن ہمیں تو تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اب ہم تم سے کام لینے کے لیے کہاں آئیں گے۔''

''کام میں ابھی نہیں کر سکتا ہوں۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔ ''مجھے یہیں اتار دو۔''

اب تک میں شرافت سے بات کر رہا تھا۔ اس بار میں نے اس کے پیٹ کہنی ماری۔ وہ کراہ کر جھکا تو یہی کہنی اس کے منہ پر رسید کی۔ میں نے ہاتھ ہلکا رکھا تھا کہ وہ کہیں اپنے دانت یا ناک کے بانسے سے نہ محروم ہو جائے۔ وہ کراہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کی کراہ سن کر چونکا اور اس نے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی تو بیتو نے کہا۔

''آگے دیکھو..... کسی کھائی میں مت اتر جانا۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے کہا۔

''تمہاری ماں کا شادی۔'' بیتو غرایا۔ ''اب پیچھے دیکھا تو بھیجا نکال دوں گا۔''

ڈرائیور یہ سنتے ہی سیدھا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا جب ہم منا بھائی کے بجائے راج کو ساتھ لائے تھے۔ بیتو کے لہجے سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ ہم کچھ ٹیڑھے لوگ تھے اور ہمارے کسی معاملے میں مداخلت کرنے کے بجائے اسے ڈرائیونگ پر توجہ دینی چاہیے۔ میری کارروائی نے راج کو بھی سمجھا دیا تھا کہ ہم کس حد تک جا سکتے تھے۔ میں نے کہا۔

''تم نے کیا ہمیں اپنا باڈی گارڈ سمجھا ہے جو تم کو بچا کر لا رہیں۔ ہماری طرف سے تم جہنم میں جاؤ ہمیں اپنے کام سے مطلب ہے اس لیے ان لوگوں سے تم کو بچایا اور اگر تم اسے ہماری بیوقوفی سمجھ رہے ہو تو ابھی واپس چلتے ہیں تمہیں ناک آؤٹ کر کے اسی جگہ پھینک دیں گے اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں بھوکے بھیڑیوں کی طرح تلاش کر رہے ہوں گے۔''

راج خاموش رہا تو میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''ٹیکسی واپس موڑ لو ہمیں وہیں جانا ہے۔''

ڈرائیور ٹیکسی موڑنے لگا تھا کہ راج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''اچھا مجھے منظور ہے۔''

''گڈ..... لیکن کیا منظور ہے؟''

''یہی کہ تم کو اپنے ساتھ رکھوں گا اور تم کو مطلوبہ چیزیں بنا کر دوں گا۔'' اس نے ڈرائیور کے سامنے پاسپورٹ کہنے سے گریز کیا۔

میں نے ڈرائیور کو سیدھا چلنے کو کہا۔ ''اب تم آئے نا راہ راست پر۔''

''تم لوگ کون ہو یہاں کے تو نہیں ہو؟'' راج نے پہلی بار پوچھا۔

''غیر ضروری تجسس مت کرو۔'' میں نے کہا اور بیتو سے بولا۔ ''ہم جاناں بائی کے ہاں صرف پانچ منٹ کے لیے رکیں گے اتنی دیر میں جا کر ان دونوں کو اور سامان لے آنا۔''

بیتو نے سر ہلایا۔ جب تک ہم واپس جاناں بائی کے کوٹھے تک پہنچے تاریکی چھانے لگی تھی۔ شام ہوتے ہی سورج بہت تیزی سے ڈھل گیا تھا۔ ٹیکسی کوٹھے کے سامنے رکی اور بیتو اتر گیا۔ میں نے ڈرائیور کو ایک نوٹ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔ ''کچھ دیر اور رکنا ہوگا ہمیں یہاں سے ایک اور جگہ جانا ہے۔''

''جی صاحب۔'' اس نے فرماں برداری سے کہا۔ ایک تو اسے کرایہ توقع سے زیادہ مل رہا تھا اور دوسرے اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہم اپنی بات کس طرح منواتے تھے۔ نوٹ بہرحال مار سے کہیں بہتر تھے بلکہ بہتر ہی بہتر تھے۔ بیتو ان لوگوں کو سامان سمیت دس منٹ میں لے آیا۔ راج کو بیتو کے ساتھ آگے فٹ کر دیا وہ اس طرح کہ راج ڈرائیور اور بیتو کے درمیان میں تھا۔ سادھنا اور وسیم سامان سمیت میرے ساتھ آ گئے۔ وسیم سمجھ گیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اس نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ابھی کچھ پوچھنے سے گریز کیا تھا لیکن سادھنا نے اندر بیٹھتے ہی مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

''یہاں سے کیوں اور کہاں جا رہے ہیں..... ایسی کیا آفت آ گئی.....؟ اتنی اچھی جگہ ہے۔''

''صبر صبر..... اتنی جلدی کیا منزل پر پہنچ جائیں تو بتاتا ہوں۔'' میں نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا تو اس کی زبان کو ذرا قرار آیا تھا۔ سادھنا اور وسیم راج کے بارے میں جاننے کے لیے بے قرار تھے میں نے وسیم کو پشتو میں مختصر الفاظ میں ساری کہانی سنائی۔ ''اب یہ مل گیا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اسے ہی پکڑ لیتے ہیں۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا منا بھائی ویسے بھی اب بے کار تھا۔ کام کا مرغا یہ ہے۔'' وسیم نے راج کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے راج سے پوچھا۔ ''تم کو انگریزی آتی ہے؟''

''ایک دم فرسٹ کلاس۔'' اس نے کام چلاؤ انگریزی میں جواب دیا۔

''ٹیکسی اپنے ٹھکانے سے کچھ دور رکوا لینا۔ جہاں سے ہم سامان سمیت پیدل تمہارے گھر تک جا سکیں سمجھ گئے؟''

''سمجھ گیا۔'' اس نے کہا۔

اتفاق سے راج کا یہ ٹھکانہ اسی علاقے میں تھا اس نے ٹیکسی ایک اوپر جاتی سڑک کی طرف موڑنے کو کہا اور پھر ایک جگہ رکنے کو کہا۔ ہم سب وہاں نیچے اتر آئے۔ یہ جگہ اتنی آباد نہیں تھی دور دور اکا دکا گھر نظر آ رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو ایک نوٹ اور دیا اور اسے بیتو سے کہلوایا کہ وہ آج کی سواری کے بارے میں کسی نہ کہے تو بہت سکھی رہے گا۔ اس نے جواب دیا۔

''کیسا سواری صاحب۔''

اس کے جانے کے بعد میں نے راج سے کہا۔ ''اب کہو کہاں جانا ہے؟''

اس نے ذرا بلندی کی طرف ایک چھوٹے سے خوشنما بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی بیرونی روشنیاں جل رہی تھیں۔ ''وہاں جانا ہے۔''

''کیا وہاں کوئی رہتا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میری ملازمہ ہے۔ کھانا بناتی ہے اور دوسرے کام کرتی ہے۔''

''کیا اس کی رہائش یہیں ہے؟''

''ہاں لیکن اس کا گھر بھی پاس ہی گاؤں میں ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں یہاں صرف آرام کرنے آتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔''

''ہم سامان اٹھا کر اوپر کی طرف بڑھ گئے بنگلے تک جانے کے لیے ایک چھوٹی سی پگڈنڈی تھی۔ جس کے آس پاس اس موسم میں بھی سبز گھاس تھی۔ اس علاقے میں بجلی تھی۔ شاید اس لیے کہ یہ امرا کا علاقہ تھا۔ راج نے گیٹ کے ساتھ لگا کال بیل کا بٹن دبایا تو فوراً ہی اندر سے ایک عورت نکلی۔ اس نے گیٹ سے آ کر جھانکا اور راج کو دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر نمستے اور مزید کچھ کہا۔ اسے دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ راج یہاں کس قسم کا آرام کرنے آتا ہوگا۔ عورت تقریباً تیس برس کی قبول صورت اور گدرائے بدن کی تھی۔

راج ہمیں لے کر اندر آ گیا۔ اتنی دیر میں میں فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ عورت یہاں نہیں رہے گی۔ میں نے راج سے کہا۔ ''اسے چھٹی دے دو۔ یہ گھر چلی جائے۔''

وہ چونکا۔ ''کیوں؟''

''کیا تم اپنی ملازمہ کے سامنے اپنی عزت کروانا چاہتے ہو؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔ ''سوال کیوں کر رہے ہو؟''

''یہ یہاں کام کرتی ہے۔'' وہ کمزور لہجے میں بولا۔

''ہمیں اس کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا کام ہم خود کر سکتے ہیں اور ویسے بھی ہمارا یہاں کوئی لمبا چوڑا رکنے کا ارادہ نہیں ہے۔ جتنی جلدی تم ہمارا کام کر دو گے اتنی جلدی ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔''

وہ ہونٹ چبانے لگا اور ایک موقع پر مجھے لگا جیسے وہ پھٹ پڑے گا اور میری بات ماننے سے انکار کر دے گا۔ وہ شریف آدمی نہیں تھا اس لیے کسی کے احکامات پر عمل کرنا اس کے لیے بہت مشکل کام تھا۔ مگر اس نے خود پر قابو رکھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہم اس پر مکمل طور پر حاوی تھے اور اپنی ہر بات اس سے منوا سکتے تھے۔ بلکہ میں نے متبادل بھی سوچ لیا تھا کہ اس کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو ہم نے منا بھائی کے ساتھ کیا تھا۔

یہ بات وہ بھی سمجھتا تھا اس نے گہری سانس لے کر اپنی خادمہ سے مقامی زبان میں چھٹی کر کے گھر جانے کو کہا وہ ذرا حیران ہوئی تھی کیونکہ اس کا کام تو راج کے آنے کے بعد شروع ہوتا تھا اور باقی وقت وہ چھٹی پر ہوتی تھی۔ یہ شاید پہلا موقع تھا جب راج نے اسے اپنی موجودگی میں چھٹی کر کے جانے کو کہا۔ ملازمہ اس بات پر حیران تھی۔ اس نے راج سے کچھ کہا تو وہ اپنی مخصوص آواز میں غرایا تھا۔ ملازمہ سہم گئی اس نے سر ہلایا اور وہاں سے چلی گئی۔ راج بگڑے لہجے میں بولا۔

''اب مجھ سے گھر کا کام کرنے کو مت کہنا مجھے کھانا بنانا نہیں آتا ہے۔''

''ہمیں تمہارے ہاتھ کا کھانا چاہیے بھی نہیں۔'' سادھنا بولی۔ ''ہمیں بھوک لگے گی تو خود بنا لیں گے۔''

''مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔'' وسیم نے پیٹ پر ہاتھ مار کر اعلان کیا۔ سادھنا نے اسے گھورا۔

''ابھی ایک گھنٹے پہلے چائے کے ساتھ جو اتنا سارا کھایا تھا۔''

''وہ کھانا تھوڑی تھا۔'' وسیم نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ ''کھانا تو الگ ہوتا ہے۔''

بیتو ملازمہ کے ساتھ دروازے تک گیا اور دروازہ اندر سے بند کر کے آ گیا۔ راج نے ایک کمرے میں جانے کی کوشش کی تھی کہ میں نے اسے روک دیا۔ ''مجھے وہاں ایک کام ہے۔'' اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے جو کرنا ہے ہمارے سامنے کرو گے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہمیں کیا پتا کہ اندر جا کر کوئی گن نکال لو اور بلاوجہ مارے جاؤ۔''

''تم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے بے شک تم نے یہاں دس جگہ اسلحہ چھپا رکھا ہو۔'' وسیم نے کہا اور اسے بیگ میں موجود خودکار رائفلوں کا نظارا کرایا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

''تم لوگ دہشت گرد ہو؟''

میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کی ناک سے ناک ملا کر کہا۔ ''نہیں دوسروں کو نقصان پہنچانا ہمارا پیشہ نہیں ہے لیکن کوئی ہمارے خلاف کچھ کرتا ہے تو ہم اسے بخشتے نہیں ہیں۔ اس لیے آئندہ ہمیں دہشت گرد مت کہنا سمجھ گئے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''سمجھ گیا..... لیکن مجھے کپڑے تو بدلنے دو۔''

''چلو میرے ساتھ۔'' میں نے اسے کمرے کی طرف دھکیلا۔

اس کا بیڈ روم بڑے شاہانہ انداز میں سجا تھا۔ ایک نرم و ملائم بستر والے بیڈ کے ساتھ الماری، ڈریسنگ ٹیبل اور ایک انٹرٹینمنٹ ٹرالی بھی تھی جس میں بڑے سائز کے ٹی وی کے ساتھ سیٹلائیٹ ڈش ریسیور، ڈی وی ڈی پلیئر، میوزک سسٹم اور بے شمار سی ڈیز و ڈی وی ڈیز رکھی تھیں۔ ٹرالی کے دائیں بائیں دو بڑے اسپیکرز تھے۔ فرش پر دبیز قالین تھا اور کھڑکی پر حریری پردے تھے۔ اس نے اپنی عیاشی کے اڈے کو پوری طرح سجا رکھا تھا۔ ایک خستہ حال عمارت کی تیسری منزل پر واقع ایک گندی کھولی میں پڑے راج کو دیکھنے والے کبھی سوچ بھی نہیں سکتے ہوں گے کہ وہ ایسے کسی حسین بنگلے کا مالک بھی ہو سکتا ہے اس کے دشمن اسے اس کی کھولی والی جگہ جیسے کسی گندے علاقے میں تلاش کر سکتے تھے لیکن ان کا دھیان نہیں جا سکتا تھا۔ وہ یہاں بالکل محفوظ تھا جب تک کہ بد قسمتی اس کا راز نہ فاش کر دیتی۔ ہم اس جگہ کے بارے میں جان گئے تھے لیکن ہم کل چلے جاتے اور اس کا راز راز ہی رہتا بشرطیکہ وہ خود کوئی احمقانہ حرکت نہ کرتا۔ اس نے الماری کھولنا چاہی لیکن میں نے اسے روک دیا۔

''ایک منٹ میرے چاند..... پہلے مجھے دیکھنے دو۔''

''اس میں کچھ نہیں ہے۔'' اس نے جز بز ہو کر کہا۔

''تمہاری زبان کا اعتبار ہوتا تو وہیں نہ بیٹھا رہتا۔'' میں نے الماری کھولی۔ اس کا معائنہ کیا۔ اندر کچھ دراز یں تھیں لیکن ان میں کوئی ہتھیار نہیں تھا البتہ کچھ سامان عیاشی تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ راج بغیر فیملی کے ہی فیملی پلاننگ کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ کپڑے تھے۔ سوٹ، مقامی لباس اور نائٹ ڈریس سب کچھ تھا۔ اس کا ذوق بہت اچھا تھا مجھے حیرت ہوئی کہ اس ذوق کا آدمی اس گندی سی کھولی میں کس طرح پڑا رہتا تھا۔ اس نے اپنے لیے لباس نکالا اور بولا۔

''مجھے نہانا اور اپنے زخموں کو دیکھنا ہے۔''

میں نے باتھ روم کا معائنہ کیا۔ وہاں نہ تو کوئی ایسی چیز تھی جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کے چھوٹے سے روشن دان سے نکل سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اسے اجازت دے دی۔ وہ اندر چلا گیا۔ ویسے باتھ روم بھی خاصا شاہانہ تھا۔ میں بستر پر لیٹ گیا۔ ٹی وی کے ساتھ سیٹلائیٹ ڈش سسٹم بھی تھا میں نے ٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وی آن کر کے چینل لگایا۔ اس سسٹم میں زیادہ تر مغربی چینلز تھے اور ان میں بھی موویز چینلز کی بھرمار تھی۔ ایک دو دوسرے چینلز تھے وہ میرے کام کے نہیں تھے۔ میں نے ٹی وی بند کر دیا۔ راج تسلی سے نہا رہا تھا اور وہ پورے ایک گھنٹے بعد اندر سے نکلا تھا لیکن اب اس کی حالت خاصی بہتر ہو رہی تھی۔ اس نے نہ صرف نہالیا تھا بلکہ شیو بھی بنالی تھی۔ اپنے زخموں کی سکائی بھی کر لی تھی۔ اور پتلون اور شرٹ میں کسی قدر معقول لگ رہا تھا لیکن اس کے چہرے سے بدمعاشی کی چھاپ کسی صورت نہیں جا سکتی تھی۔ وہ ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

''اب بولو..... کیا کہتے ہو؟''

''ہمیں پاسپورٹ چاہئیں جلد از جلد۔''

''اس کے لیے تم کو مجھے پوری رقم دینا ہوگی اور یہاں میرا انتظار کرنا ہوگا۔'' وہ بولا۔

''مجھے بے وقوف مت سمجھو۔'' میں نے کہا۔ ''تم کو پوری رقم دے دوں اور تم غائب ہو جاؤ۔''

''میں یہاں سے کہاں جاؤں گا۔'' اس نے ہاتھ پھیلائے۔ ''یہ میری پراپرٹی ہے اس کی مالیت آٹھ لاکھ سے کہیں زیادہ ہے۔''

''بکو مت، تم بھاگ جاؤ گے تو کیا ہم یہ بنگلہ لے جا کر اپنا نقصان پورا کریں گے اور اتنا تو تم بھی سمجھ گئے ہو کہ ہم پولیس کے پاس نہیں جا سکتے۔''

''یہاں بیٹھے بیٹھے میں تم لوگوں کے لیے پاسپورٹ کیسے بنا دوں؟''

''یہاں نہیں بنا سکتے تو وہاں لے چلو جہاں بنا سکتے ہو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں تم کو وہاں نہیں لے جا سکتا۔ کام تو کسی صورت نہیں ہوگا میں مفت میں مارا جاؤں گا۔''

''تب تم کوئی حل سوچو لیکن یہ بات بھول جاؤ کہ ہم تم کو پوری رقم دے دیں گے۔''

''اب پوری رقم کے بغیر بات نہیں بنے گی کیونکہ میں اپنے ٹھکانے سے نکل گیا ہوں اس لیے مجھے استعمال شدہ پاسپورٹ اسی صورت میں ملیں گے جب میں ان کی پوری ادائیگی کر دوں گا۔''

''پاسپورٹ تم کہاں سے لیتے ہو؟''

''ایک گینگ ہے اس کا کام ہی یہاں آنے والے سیاحوں سے کسی طرح ان کے پاسپورٹ حاصل کرنا ہے۔ وہ یہ پاسپورٹ آگے بیچ دیتے ہیں۔ کیونکہ اصلی یورپی یا امریکی پاسپورٹ ہوتا ہے اس لیے بہت مہنگا بکتا ہے۔''

''ہمیں امریکی یا یورپی نہیں بلکہ ایشیا کا پاسپورٹ ہی چاہیے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس میں یہ شرط نہیں رکھی جا سکتی ہے۔ بس عمر اور قومیت کا فرق دیکھنا پڑتا ہے اور میں اسی حساب سے پاسپورٹ لے لیتا ہوں۔''

''یعنی میں پچاس برس کا اور کوئی افریقی مبوتو نہیں ہو سکتا۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

''بالکل یہ بہت نازک کام ہے اور اس میں ذرا سی غلطی کام تمام کرا دیتی ہے۔'' اس نے سر ہلایا اور مجھ سے کہا۔ ''کیا مجھے پینے کی اجازت ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ضرور لیکن اعتدال میں رہ کر پینا۔''

اس نے کچن میں رکھے فریج سے وہسکی کی ایک بوتل نکالی اور گلاس سمیت کمرے میں آ گیا۔ سادھنا اور بیتو کچن میں کھانے پینے کے سامان کا جائزہ لے رہے تھے اور وسیم کہیں غائب تھا۔ راج ایک کرسی پر ٹک گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''اگر تم پوری رقم نہیں دے سکتے تو آدھی دے دو باقی میں اپنی گڈول پر کام نکال لوں گا۔''

''گڈول ایک مجرم کی؟'' میں ہنسا۔

''بالکل اسی کام میں تو گڈول چلتی ہے کیونکہ کوئی حکومت اور کوئی عدالت ہمارے کاموں میں ضمانت نہیں دیتی ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''لیکن میں بے وقوف نہیں ہوں۔ یہ گڈول کا معاملہ ان لوگوں کے درمیان ہوتا ہے جو ایک جیسے حیثیت رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کا گلا دبوچنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ہمارا اور تمہارا معاملہ الگ ہے۔''

''یعنی تمہیں خطرہ ہے کہ میں آدھی رقم لے کر بھی بھاگ سکتا ہوں۔''

''مجھے خطرہ نہیں یقین ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے۔'' میں نے کہا۔ ''تمہاری جگہ اگر میں بھی ہوں تو ایک بار یہاں سے نکلنے کے بعد واپس نہ آؤں۔''

اس نے بے بسی سے ہاتھ پھیلائے۔ ''تب میں کیا کر سکتا ہوں؟''

میں کچھ سوچ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''جب تم کوئی پاسپورٹ لاتے ہو تو اسے تبدیل کیسے کرتے ہو؟''

''اس کام کے لیے میرے پاس یہاں تمام ضروری چیزیں ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''بنگلے کے ایک کمرہ اسی کے لیے مخصوص ہے اور وہاں مینا بھی نہیں جا سکتی ہے۔''

''مینا کون..... ملازمہ؟''

''ہاں..... وہ آج تک اس کمرے میں نہیں گئی ہے اسے نہیں معلوم کہ میں وہاں کیا کرتا ہوں۔''

''مجھے وہ کمرہ دکھاؤ؟''

وہ چوکنا ہو گیا۔ ''تم دیکھ کر کیا کرو گے؟''

''سوال نہیں..... جو کہا ہے وہ کرو۔'' میں نے کھردرے لہجے میں کہا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی بادلِ ناخواستہ کھڑا ہوا اور مجھے لے کر اوپری منزل پر ایک مقفل کمرے میں آیا۔ اوپر بھی تین کمرے تھے اور ان میں سے اس کے کام کا تھا۔ اس کے پاس اس کی چابی تھی۔ اندر سے یہ کمرہ کسی فوٹو لیب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایک طرف جدید ترین کمپیوٹر اور اس کے آلات رکھے تھے جیسے اسکینر اور پرنٹر وغیرہ۔ میری توجہ ایک طرف دیوار میں لگے چھوٹے سے سیف کی طرف گئی۔ میں نے اشارہ کیا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''لوگ سیف میں کیا رکھتے ہیں؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مال و دولت اور ایسی چیزیں جو وہ کسی اور کی نظروں میں آنے سے بچانا چاہتے ہوں لیکن مجھے شبہ ہے کہ اُنے اس میں اور بھی کچھ چھپا رکھا ہے۔''

''کیا چھپا رکھا ہے؟''

''وہ پاسپورٹ اسی سیف میں ہیں جن کو تم خریدنے کی بات کر رہے ہو۔''

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔''نہیں میرے پاس کوئی پاسپورٹ نہیں ہے۔''

راج جب میں نے تم سے پاسپورٹ بنوانے کو کہا تھا تو تم نے پورے اعتماد سے مجھے کہا تھا کہ تم بنا دو گے۔ یہ دعویٰ تم اسی صورت میں کر سکتے تھے جب تمہارے پاس ایسے پاسپورٹ ہوں جو ہم سے میچ کرتے ہوں۔''

''میں پاسپورٹ کہیں اور سے حاصل کرتا ہوں۔''

''اس وقت تم نے مجھے یہ بات نہیں بتائی تھی۔''

''میں ابھی بھی نہیں بتاتا لیکن تمہارے سامنے مجبور ہوں۔''

''تب یہ سیف کھول کر دکھا دو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''اس میں میری تمام عمر کی کمائی ہے اگر وہ تم لے گئے تو؟''

''کیا تمہاری زندگی اس کمائی سے زیادہ اہم ہے۔''میں نے پستول سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں کیونکہ دولت کے بغیر میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔''اس نے صاف گوئی سے کہا۔''دولت ہے تو میں ہوں۔ اگر دولت نہ رہی تو میرا جینا بھی بے کار ہے۔''

''تم خود کو قابلِ رحم حد تک ڈی گریڈ کر رہے ہو۔''میں نے اس سے کہا۔ اس نے سر ہلایا۔

''ہاں میں اسی قابل ہوں۔ میں صحیح معنوں میں انسان ہی نہیں ہوں۔ میں صرف ایک خواہش ہوں۔''

مجھے حیرت ہوئی تھی۔''تم پڑھے لکھوں جیسی بات بھی کر سکتے ہو؟''

''ہاں میں تعلیم یافتہ ہوں۔ میں نے گریجویشن کیا ہے ماسٹر کرنے کا ارادہ تھا لیکن پھر میرا سہارا میری ماں مر گئی اور مجھے اپنے جینے کا سامان خود کرنا پڑا تھا۔ کچھ عرصے شرافت سے زندگی گزارنے.....''

''مجھے تمہاری دکھ بھری فلمی کہانی سے کوئی مطلب نہیں ہے۔''میں نے ہاتھ اوپر کیا۔''مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے پاسپورٹ کیسے مل سکتے ہیں۔ کیونکہ جب تک مجھے پاسپورٹ نہیں ملیں گے تمہاری گلوخلاصی ممکن نہیں ہے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت بھی نہیں ہے۔''

اس نے شانے اچکائے۔''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کام کیسے ہوگا اب تم مجھے جانے کی اجازت نہیں دو گے تو میں کام نہیں کر سکوں گا۔''

اس دوران میں وسیم بھی وہاں آ گیا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔''ذرا اسے قابو کرنا۔''

وسیم نے اچانک اسے عقب سے جکڑا تو وہ مچلنے لگا تھا۔ میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیوں کا گچھا نکال لیا تھا۔''یہ کیا کر رہے ہو؟''اس نے کہا۔

''اگر تم شرافت سے مان جاتے تو مجھے یہ کام نہیں کرنا پڑتا۔''میں نے کہا اور چابیوں کا معائنہ کیا۔ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چابی مجھے ذرا مشکل اور کسی قیمتی چیز کی لگی تھی۔ میں اسے لے کر سیف کی طرف بڑھا تھا کہ وسیم نے کہا۔ ''ایک منٹ جناب پہلے دیکھ لیں اس میں کوئی ٹریپ تو نہیں ہے۔''

''تم نے اچھا یاد دلایا۔ کیوں مسٹر راج سیف میں کوئی ٹریپ ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''تب پہلے تم اسے ہاتھ لگاؤ گے۔'' وسیم نے اسے سیف کی طرف دھکیلا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی تھی کیونکہ وسیم نے اسے اتنی زور سے دھکا دیا تھا کہ وہ خود کو سیف سے ٹکرانے سے نہیں روک سکتا تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑا تو وہ رکا تھا۔ اس ایک لمحے میں اس کی حالت بری ہو گئی تھی۔

''اب بولو کوئی ٹریپ ہے یا نہیں؟''

وہ کانپ رہا تھا۔ ''اسس..... میں کرنٹ ہے۔''

''اسے آف کرو۔'' میں نے کہا۔ تو اس نے سوئچ بورڈ پر لگا ایک بٹن لگاتار تین بار دبایا اور پھر سیف کے ساتھ ایک ریک میں کہیں رکھا چھوٹا سا ٹیسٹر اٹھا کر سیف چیک کیا۔ کرنٹ بند ہو گیا تھا لیکن میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس سے ٹیسٹر لے کر سوئچ بورڈ میں چیک کیا تو وہ جل اٹھا تھا اس کا مطلب تھا کہ ٹیسٹر ٹھیک کام کر رہا تھا۔ میں نے اس کے سامنے چابیوں کا گچھا لہرایا۔ ''اس میں سے سیف کی چابی کون سی ہے۔''

راج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ''یہ سامنے سے ابھری چابی ہے اسے پہلے تین بار دائیں طرف گھماؤ اور پھر تین بار بائیں طرف تو سیف کھل جائے گا۔''

میں نے ایسا ہی کیا تو سیف کھل گیا تھا۔ اندر میری توقع کے عین مطابق کئی درجن پاسپورٹ رکھے تھے اور ان کے علاوہ کئی طرح کی کرنسیاں گڈیوں کی صورت میں تہہ در تہہ رکھی تھیں۔ راج کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار کر رونے پر غور کر رہا ہے۔ ہم نے نہ صرف اس کا جھوٹ پکڑ لیا تھا بلکہ اب اس کی ساری دولت بھی ہمارے قبضے میں تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''اگر ہم تم پر اعتبار کرتے تو مارے جاتے۔''

اس نے مجھ سے نظریں ملائے بغیر کہا۔ ''اب تم کیا کرو گے؟''

''مجھے کیا کرنا چاہیے تمہارے خیال میں؟''

''تم مجھ سے کام کرواؤ گے۔ پھر میری ساری دولت قبضے میں لو گے اور مجھے قتل کر کے چلے جاؤ گے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم جیسا آدمی یہی سوچ سکتا ہے لیکن میری یا میرے ساتھیوں کی یہ سوچ نہیں ہے۔ ہمیں تمہاری دولت سے کوئی مطلب نہیں ہے بلکہ تم معاوضہ مانگو تو ہم وہ بھی دیں گے۔ بس تم ہمیں پاسپورٹ بنا کر دو اور ہم چلے جائیں گے۔''

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے سیف کے اندر سے سارے پاسپورٹ نکال لیے اور اسے دوبارہ لاک کر کے چابی اس کی طرف اچھال دی۔ ''ہمیں صرف ان سے مطلب ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو بعد میں تم نہ صرف میری ساری رقم چھین لو گے بلکہ دھوکا دینے پر مجھے مار دو گے۔''

''یعنی تم تسلیم کر رہے ہو کہ تم سزا کے مستحق ہو۔'' میں نے طنز کیا۔ ''بہر حال ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''ہمیں تم کو دھوکا دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جب کہ ہم یہ کام تم سے گن پوائنٹ پر کروا سکتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کوئی ہاتھ آئی اتنی بڑی دولت کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ سیف میں میرے اندازے کے مطابق ڈالرز، پاؤنڈ اور یورو کی صورت میں کوئی ایک کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم تھی۔ نیپالی اور بھارتی کرنسی اس کے علاوہ تھی۔ نیپال میں بھارت کی کرنسی عام چلتی ہے اور اسے ہر جگہ قبول کیا جاتا ہے۔ میں نے راج سے کہا۔

''اس کی ایک ہی صورت ہے کہ تم چابی کہیں چھپا دو جہاں اسے ہم تلاش نہ کر سکیں۔''

''اس گھر میں۔'' اس نے کہا۔

''ہاں..... لیکن کوئی حماقت کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

اس کا بنگلہ چھوٹا تھا لیکن اتنا چھوٹا بھی نہیں تھا کہ وہ چابی جیسی چھوٹی چیز کہیں چھپاتا اور ہم اسے آسانی سے تلاش کر لیتے۔ اس نے اس بات میں بھی شک کیا۔ ''تم مجھے چابی چھپانے دو گے؟''

''ہاں..... اور اب تم نے کوئی بکواس کی تو وہی ہو گا جس کا خدشہ تم ظاہر کر چکے ہو۔'' میں نے غرا کر کہا۔

''او کے مجھے منظور ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

میں نے پاسپورٹ اپنی جیب میں رکھے۔ ''ہم سب باہر چلے جائیں گے اور اگر تم دس منٹ میں باہر نہیں آئے یا تم نے کوئی حرامی پن کیا تو ہم ان پاسپورٹوں سمیت یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔''

اس کی حالت غیر ہو گئی کیونکہ ان پاسپورٹوں کی مالیت اتنی ہی تھی جتنی کہ اس کی تجوری میں رکھی کرنسی کی۔

''میں کوئی حرامی پن نہیں کروں گا۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''اسی میں تمہاری عافیت ہے۔'' میں نے کہا اور ہم باہر آئے۔ میں نے سادھنا اور بیتو کو بھی مکان سے باہر چلنے کو کہا تو وہ حیران ہوئے تھے۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے راج سے کہا۔ ''فرار کی کوشش مت کرنا ہم مکان کے چاروں طرف ہوں گے۔''

ہم باہر آئے تو وسیم اور سادھنا بہت پریشان تھے۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ ''یہ آپ کیا کیا..... اسے موقع مل جائے گا ہمارے خلاف کچھ کرنے کا۔''

''میں اس کی وضاحت بعد میں کروں گا لیکن پہلے چاروں طرف پھیل جاؤ تاکہ وہ فرار کی کوشش نہ کرے اور اپنے تحفظ کا خیال رکھنا ممکن ہے وہ کہیں چھپا ہوا کوئی ہتھیار نکال لے۔''

ہم فوری طور پر مکان کے چاروں طرف اس طرح پھیل گئے تھے کہ راج ہماری نظر میں آئے بغیر نکل نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ فائر کرتا تب بھی ہم محفوظ تھے لیکن اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی اور دس منٹ بعد باہر آ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے آواز دی۔ ''تم لوگ کہاں ہو آ جاؤ۔''

ہم اندر آئے اور راج کی تلاشی لی۔ اس کے پاس کچھ نہیں تھا چابیوں کے گچھے سے تجوری کی چابی غائب تھی۔ ''گڈ تو تم اب ہمارا کام کرنے کو تیار ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن معاوضہ؟''

''وہ ابھی لے لو۔'' میں نے جیکٹ سے پاسپورٹ نکالے۔ ''ان میں سے ہمارے کام کے پاسپورٹ نکال کر باقی تمہارے۔''

اس کا منہ اتر گیا تھا۔ ''تم نے تو رقم دینے کی بات کی تھی۔''

''تم کچھ زیادہ ہی پھیل رہے ہو۔'' وسیم نے اسے گھورا۔ ''ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔''

''اچھا تم لوگ فی پاسپورٹ دو لاکھ نہیں تو ایک لاکھ تو دے دو۔'' اس نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ ''یہ پاسپورٹ مجھے اتنے کے پڑے ہیں۔''

''چلو لے لینا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن کام اے ون ہونا چاہیے۔''

وہ کھل اٹھا تھا۔ ''مجھے تمہاری زبان کا اعتبار ہے۔ اور کام کی تم فکر مت کرو آج تک میں جتنے پاسپورٹ میں تبدیلی کی ہے وہ کم سے کم نیپال میں نہیں پکڑا گیا۔''

''بس تو تم کام شروع کر دو۔''

اس نے ہمیں غور سے دیکھا اور بولا۔ ''بہتر ہوگا پاسپورٹ منتخب کرنے میں تم لوگ بھی میری مدد کرو۔''

''یہ کام میں اور وسیم کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''میں اور بیتو کیوں نہیں؟'' سادھنا نے کہا۔

''تم دونوں کچن میں جا کر ہمارے لیے کھانے کا انتظام کرو۔''

راج نے سر ہلایا۔ ''کچن میں ہر چیز ملے گی۔''

''لیکن خیال رہے ہم کوئی گوشت والی چیز نہیں کھا سکتے۔'' میں نے سادھنا کو یاد دلایا۔ گوشت وہ بھی نہیں کھاتی تھی ایک بار ہم نے اسے زبردستی کھلایا تھا اس وقت اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ البتہ بیتو کو مسئلہ نہیں تھا وہ گوشت کھاتا تھا اور راج کے فریج میں موجود گوشت کھا سکتا تھا۔ وہ اور سادھنا کچن میں چلے گئے۔ میں اور وسیم راج کے ساتھ پاسپورٹس کا معائنہ کرنے لگے۔ ان میں زیادہ تر بھارتی اور یورپی پاسپورٹ تھے۔ ایک اسپینش باشندے فیومیگولیف کا پاسپورٹ نکال لیا وہ وسیم سے حیرت انگیز طور پر مشابہہ تھا۔ اس کے بعد دوسرا پاسپورٹ سادھنا کے لیے ایک بھارتی عورت کا نکلا۔ اس کا چہرہ تو سادھنا سے مختلف تھا لیکن عمر بائیس برس تھی اور وہ دلی کی رہائشی تھی۔ میں نے راج سے پوچھا۔ ''تم نے پاسپورٹ کس سے حاصل کیا؟''

''اسی گینگ سے جس کا ذکر کیا تھا۔'' وہ بولا۔

''یہ لڑکی اب کہاں ہوگی؟''

''اپنے ملک میں۔'' اس نے کہا۔ ''تم شاید سمجھ رہے ہو کہ اس لڑکی کو ہلاک کر کے اس کا پاسپورٹ حاصل کیا گیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے سنا ہے کہ یہاں ایسا ہوتا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہوتا ہے لیکن بہت کم، زیادہ تر لوگ خود پاسپورٹ بیچ دیتے ہیں اور اپنے سفارت خانوں سے نیا بنوا لیتے ہیں۔ تم خود سوچو کہ اتنے سیاح یہاں مرنے لگیں تو یہاں کون آنا پسند کرے گا ہمارا تو کاروبار ہی ختم ہو جائے گا۔''

وہ درست کہہ رہا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نیپال میں سیاحوں کے ساتھ واردا تیں نہیں ہوتی تھیں مگر ان کا تناسب کم تھا۔ حکومت بھی سیاحوں کے تحفظ کے لیے حساس ہے اور مقامی لوگ بھی اس معاملے میں احتیاط برتتے ہیں کیونکہ ان کا کاروبار سیاحوں کی آمد سے مشروط ہے۔ نیپال صنعت اور زراعت کے لحاظ سے پسماندہ ملک ہے۔ یہاں معمولی درجے کی صنعتیں ہیں اور تقریباً ساری صنعتی مصنوعات بھارت سے آتی ہیں۔ اب چین کی طرف سے بھی آنے لگی ہیں لیکن بھارتی مصنوعات ہی ہیں۔ زراعت کا شعبہ محدود ہے کیونکہ زمین بہت کم ہے اور موسم بہت سخت اس لیے کھانے پینے کی زیادہ اشیاء باہر سے ہی آتی ہیں۔ صرف ایک سیاحت ہے جس سے اس ملک کا کاروبار چلتا ہے۔ اس لیے حکومت سے لے کر عام افراد اور حتیٰ کہ ماؤنسٹ گوریلوں کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ سیاحوں کے لیے کوئی مسئلہ نہ ہو۔ ہمالیہ کا فطری حسن دیکھنے کے لیے ہر سال لاکھوں سیاح دنیا بھر سے نیپال کا رخ کرتے ہیں اور نیپال کو سیاحت کی انڈسٹری سے اربوں ڈالرز کا زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی آمدنی سے یہ ملک چل رہا ہے۔ اس چھوٹے سے ملک میں دنیا کی دس بلند ترین چوٹیوں میں سے سات چوٹیاں بہ شمول ماؤنٹ ایورسٹ کے ہیں۔ ہمالیہ کا اصل گھر نیپال ہی ہے۔

راج کے پاس کوئی تیس کے قریب پاسپورٹ تھے۔ ان میں سے اس نے دو نکال لیے یہ وسیم اور سادھنا کے لیے تھے لیکن میرے اور بیتو کے لیے کوئی موزوں پاسپورٹ نہیں نکلا تھا۔ عمروں کا اور قومیت کا مسئلہ آ رہا تھا۔ اگر ہم خطرہ مول لیتے تو یہ ممکن تھا کہ نیپال سے نکل جاتے لیکن کہیں اور پکڑے جانے کا امکان تھا۔ میں نے راج سے کہا۔ ''کام پکا کرنا ہے، کچا کام نہیں چاہیے۔''

''تب مجھے جا کر تم دونوں کے لحاظ سے پاسپورٹ لانے ہوں گے۔'' اس نے کہا۔ ''تم جانے دو گے نہیں۔''

سچی بات ہے کہ اس کے تعاون کے باوجود میں اس پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''پہلے یہ پاسپورٹ تو تیار کرو۔''

''آجاؤ۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے اور وسیم کو اپنے خاص کمرے میں لایا اور اس نے پہلے وسیم کی ایک ڈیجیٹل کیمرے سے تصویر لی۔ پھر اسے کمپیوٹر میں ڈال اور اس کا بیک گراؤنڈ اور کچھ دوسری چیزیں ڈیولپ کر کے اسے پاسپورٹ سائز میں پرنٹ کر لیا۔ اس کے پاس تصویروں والا خاص کاغذ بھی تھا۔ تصویر نکال کر اس نے پاسپورٹ کو ایک مشین میں ڈالا اور اس کی مدد سے اس پر لگی تصویر کو الگ کرنے لگا یہ بہت نازک اور احتیاط والا کام تھا کیونکہ ذرا سی بے احتیاطی سے پاسپورٹ پر نشان آ جاتا اور وہ مشکوک ہو جاتا۔ اس لیے راج کسی آئی سرجن کی سی احتیاط اور مہارت سے اس پر کام کر رہا تھا۔ اس نے تصویر الگ کرنے میں کوئی آدھا گھنٹہ لگا دیا تھا لیکن تصویر اتنی صفائی سے الگ ہوئی تھی کہ لگ رہا تھا کہ ابھی پاسپورٹ پر تصویر لگائی ہے۔ اس نے یہ کام مکمل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے کچھ دیر آرام کیا اور ایک گلاس برانڈی کا پیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''یہ بہت مشکل کام ہے میں اسے کر کے تھک جاتا ہوں۔''

''دو نمبر کام آسان نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''دنیا والے بلا وجہ تم لوگوں کو حرام خور کہتے ہوں گے۔''

اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور اپنا گلاس ختم کرنے میں لگ گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے وسیم کی تصویر لی اور اسے ایک مشین کی مدد سے پاسپورٹ پر چسپاں کرنے لگا۔ یہ کام بھی کم محنت والا نہیں تھا کیونکہ بالکل درست جگہ تصویر لگانی تھی اور ملی میٹر کے دسویں حصے کا فرق بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس مقصد کے لیے مشین استعمال کی جا رہی تھی تاکہ تصویر اپنی جگہ ہی بیٹھے راج اپنی آنکھ پر ایک محدب عدسہ لگائے یہ کام کر رہا تھا۔ تصویر فٹ ہونے میں بھی کوئی نصف گھنٹا ہی لگا تھا۔ اس کے بعد پاسپورٹ ایک اور مشین سے گزارا گیا تو بالکل اصل حالت میں آ گیا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس پر سے تصویر الگ ہوئی ہے۔

''اس کی مدد سے یورپ یا امریکہ کا سفر نہیں کرنا۔'' راج نے کہا۔

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''کیونکہ وہاں بننے والے پاسپورٹوں پر لگی تصویر پر ایک خاص نظر نہ آنے انک سے پرنٹ ڈالا جاتا ہے جو صرف خاص روشنی میں نظر آتا ہے۔ اب اس تصویر پر وہ انک پرنٹ نہیں ہے اس لیے یہ پکڑا جائے گا۔''

''ایشیا میں استعمال کے لیے کیسا رہے گا؟''

''ایشیا اور افریقہ میں استعمال کرو۔ آسٹریلیا اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی خطرناک ہے۔''

ہمیں اصل میں پاکستان تک جانا تھا اس لیے اس بات کی پروا نہیں تھی مجھے معلوم تھا کہ وطن عزیز میں دو نمبر پاسپورٹ بھی آسانی سے چل جاتے ہیں اور تقریباً بڑے آدمی کے پاس ایک سے زیادہ پاسپورٹ ہیں۔ اب شاید سختی ہوئی ہے۔ وسیم اپنا کام کرا کے چلا گیا اور اس نے سادھنا کو بھیج دیا۔ جسے یہ فکر تھی وہ تصویر میں کیسی نظر آئے گی کیونکہ سیدھی کچن سے آ رہی تھی لیکن میں نے اسے کیمرے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ ''تم فکر مت کرو کوئی کسر رہ گئی تو وہ کمپیوٹر سے پوری ہو جائے گی۔''

سادھنا کا پاسپورٹ بھی ایک گھنٹے میں تیار ہو گیا تھا۔ راج کا تھکن سے برا حال تھا۔ اس نے کہا۔ ''اب تم لوگوں کے پاسپورٹ پر میں کل ہی کام کروں گا۔''

''وہ دیکھ لیں گے۔'' میں نے کہا۔ سادھنا نے جاتے ہوئے اطلاع دی تھی کہ کھانا تیار ہے۔ ہم ڈائننگ روم میں آئے۔ راج بھی کھانے کی میز پر آ گیا تھا۔ سادھنا اور بیتو نے مل کر چاولوں اور سبزیوں کی مدد سے کچھ ایجاد کیا تھا۔ چاول زیادہ گل گئے تھے اور حلوہ نما لگ رہے تھے اور سبزیاں کچی حالت میں ان پر پڑی تھیں۔ میرے اور وسیم کے یقیناً بارہ بج گئے تھے۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے سادھنا سے کہا۔

''سبزی پلاؤ.....'' وہ فخر سے بولی۔ ''میں نے بنایا ہے۔''

''اور تم نے کیا بنایا ہے؟'' میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے دانت نکال کر کہا۔ ''ہم اپنے لیے سینڈوچ بنایا۔ دیدی نے روک دیا کوئی اور نہیں کھائے گا۔ اس لیے صرف اپنے واسطے بنایا۔''

میں نے سرد آہ بھر کر وسیم کی طرف دیکھا اور پلیٹ میں نکالنے لگا۔ وسیم نے مرے انداز میں میری تقلید کی۔ سادھنا ہم دونوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''کیا اچھا نہیں بنا ہے؟''

''ابھی سے کیسے بتا سکتے ہیں۔'' وسیم نے بھنا کر کہا۔ ''حلق سے نیچے تو اترنے دو۔''

سادھنا افسردہ ہوگئی۔ ''مجھے پتا ہے مجھے کھانا بنانا نہیں آتا، کبھی بنایا ہی نہیں تھا لیکن اب میں سیکھ لوں گی۔''

''کوئی بات نہیں انسان ہر کام آہستہ آہستہ ہی سیکھتا ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور پہلا نوالہ منہ میں رکھا۔ صورت کے مقابلے میں ذائقہ برا نہیں تھا لیکن اس چیز کو دیر تک کھانا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ وسیم نے مشکل سے آدھی پلیٹ ختم کی اور میں نے جیسے تیسے اپنی پلیٹ ختم کر دی۔ بیتو دور بیٹھا اپنے بنائے ایگ پنیر سینڈوچ کھا رہا تھا اور یقیناً ہمارے مقابلے میں زیادہ فائدے میں رہا تھا۔

''یہ کیا بس اتنا؟'' سادھنا کا اترا چہرہ مزید اتر گیا تھا۔

''میرا تو پیٹ بھر گیا۔'' میں نے کہا۔

''اور میری تو نیت بھی بھر گئی۔'' وسیم نے اعلان کیا۔ اس پر سادھنا نے اپنا نیپکن میز پر پھینکا اور روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ میں نے پر ملامت نظروں سے وسیم کو دیکھا۔

''اسے رلا دیا۔''

''میں نے صرف سچ کہا تھا۔'' وہ بولا۔

''اب جا کر اسے مناؤ بے چاری نے پہلی بار باقاعدہ کچھ بنایا تھا۔ اس کا دل رکھنے کے لیے تعریف کر دیتے۔''

''اچھا۔'' وسیم نے سر کھجایا اور اٹھ کر چلا گیا۔ راج مسکرا رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔

''تمہیں اس لڑکی کا بہت خیال رہتا ہے یہ تمہاری.....''

''بہن کی طرح ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''اگر حالات نے موقع دیا تو یہ اس سے شادی کرے گی۔''

''یہ ابھی سے اچھا شوہر ثابت ہو رہا ہے۔'' راج ہنسا

''ہاں روٹھنے منانے کی پریکٹس شروع ہوگئی ہے۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر فریج کھولا۔ اندر مزید ڈبل روٹی اور انڈے تھے۔ جب تک وسیم سادھنا کو منا کر لایا میں سینڈوچز تیار کر کے کھا چکا تھا۔ سادھنا کو وسیم کے جھوٹ پر اب تک یقین نہیں آیا تھا۔

''میں نے سچ مچ اچھا بنایا ہے۔''

''ہاں وہ تو تمہارے جانے کے بعد اس پلاؤ کی خوبیاں سامنے آئیں اور ہم نے مزید کھایا۔'' وسیم بولا

''کہاں کھایا۔'' سادھنا نے ڈش کا معائنہ کیا جس میں اتنے ہی چاول تھے۔

''نہیں غور سے دیکھو ہم نے کھایا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور اب کافی مل جائے تو اس شاندار ڈنر کا سواد دوبالا ہو جائے۔''

''میں ابھی بناتی ہوں۔'' سادھنا نے خوش ہو کر کہا اور ہم سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ عورت بھی خدا نے کیا مخلوق بنائی ہے جس گھر یا خاندان میں شامل ہوتی ہے اس کے رشتوں کا محور بن جاتی ہے وہ گھر کا موڈ بن جاتی ہے وہ ہنستی ہے تو گھر ہنستا ہے وہ روتی ہے تو گھر اداس ہو جاتا ہے۔ رات خاصی ہو چکی تھی۔ اور ہم نے راج کی استراحت کے لیے وہ کمرہ منتخب کیا جس میں اس کا لیب تھی۔ اس میں چھوٹا سا واش روم تھا اور آمد و رفت کے لیے بس ایک دروازہ تھا جسے باہر سے لاک کر دیا جاتا تو اسے اندر سے نہیں کھولا جا سکتا تھا۔

''مجھے بیڈ روم میں سونے دو۔'' اس نے کہا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''راج تم جانتے ہو تمہاری دنیا میں الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے ہمیں مجبور مت کرو۔'' میں نے کہا تو وہ بادلِ خواستہ اندر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسے کمرے میں بند کر کے ہم سونے کی تیاری کرنے لگے۔ راج والا بیڈ روم کیونکہ بہ غرض عیاشی تھا اور وہاں دیواروں پر بڑے رومانوی قسم کے مناظر تھے اس لیے سادھنا نے وہاں سونے سے انکار کر دیا۔ وہ بیڈ روم وسیم اور بیتو کے حصے میں آیا۔ سادھنا کے لیے اوپر کا گیسٹ روم چنا گیا اور میں نے اپنے لیے لاؤنج میں آتش دان کے سامنے منتخب کی تھی۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ سوتے میں بھی پوری طرح محتاط رہنا ہے اور سب اپنے پاس اسلحہ رکھیں گے۔ بنگلے کے تمام دروازے لاک کر دیے گئے تھے۔ میں نے اپنے پاس رائفل رکھی تھی۔

میں سو گیا تھا لیکن یہ پچھلی بار کی طرح مدہوشی کی نیند نہیں تھی بلکہ میرے حواس آس پاس کے ماحول کو چیک کر رہے تھے اس لیے اچانک میری آنکھ کھلی تو فوراً ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا میری آنکھ شاید کسی آواز کی بنا پر کھلی تھی۔ میں نے جلدی سے رائفل اٹھالی۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا کچھ دیر سن گن لینے کے بعد میں اوپر کی طرف بڑھ گیا۔ بہت آہستگی کے ساتھ میں نے راج والے کمرے کا لاک کھولا اور اندر جھانکا۔ وہ اپنے لحاف میں لپٹا بے خبر سو رہا تھا اور باقاعدہ خراٹے لے رہا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نیچے آیا۔

نیچے بھی سب سکون تھا لیکن میری آنکھ بلا وجہ نہیں کھلی تھی کوئی چکر تھا۔ میں نے وسیم اور بیتو والے کمرے میں بھی جھانکا۔ وہ سو رہے تھے لیکن میں دروازہ بند کرنے لگا تو وسیم کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چونک کر اٹھا تھا لیکن مجھے دیکھ کر پستول نیچے کر دیا۔ ''خیریت آپ اس وقت.....؟''

''مجھے کوئی آہٹ سنائی دی تھی۔'' میں نے کہا اور باہر آ گیا اب میرا رخ مکان کے سامنے والے حصے کی طرف تھا۔ وسیم بھی میرے پیچھے آیا۔ ہم داخلی دروازے کے پاس آئے تھے تو ایسی آہٹ ہوئی جیسے کوئی تیزی سے بھاگا ہو۔ میں نے جلدی سے ایک طرف کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو ایک سایا کرائا کی باڑھ کے پیچھے غائب ہوتا نظر آیا۔ وسیم نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

''باہر کوئی ہے۔'' اس نے کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔

''ایک منٹ۔'' میں نے کہا۔ اسی لمحے کوئی چیز سن سے دروازے میں سوراخ کرتی گزر گئی۔ میں اور وسیم بے ساختہ نیچے گرے تھے۔ باہر سے کسی نے ۔۔ آواز فائر کیا تھا اور پھر مستقل فائر ہونے لگے۔ ہم جان بچانے کے لیے رینگتے ہوئے دروازے اور کھڑکیوں سے دور ہونے لگے۔ فائر کرنے والے کئی تھے کیونکہ دروازے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑکیوں سے بیک وقت گولیاں گزر رہی تھیں۔ شیشے چھن چھنا کر ٹوٹ رہے تھے۔ فائرز کی آواز تو نہیں آ رہی تھی لیکن دوسرا شور خاصا تھا۔ دیواروں کی محفوظ آڑ میں آنے کے بعد میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''یہ راج کے دشمن ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''شاید اسے ختم کرنے آئے ہیں۔''

''ماؤنسٹ بھی ہو سکتے ہیں۔'' میں نے ایک اور خیال ظاہر کیا۔

''وہ اس طرح دبے قدموں حملہ نہیں کرتے۔'' وسیم نے اختلاف کیا۔ اندر سے بیتو اور پھر کی سادھنا کی آوازیں آنے لگیں وہ ہمیں پکار رہے تھے۔ وسیم نے چلا کر کہا۔ ''ادھر مت آنا اور کھڑکیوں سے دور رہو۔''

''وسیم بھائی یہ کیا چکر ہے؟'' بیتو بولا۔

''کچھ لوگ باہر سے بے آواز فائر کر رہے ہیں۔'' وسیم نے بتایا۔ ''نیچے رہو اور اپنے ہتھیار نکال لو۔''

''شوبی کہاں ہے؟'' سادھنا نے پوچھا۔

''میں بھی یہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں جواب دینا چاہیے یا نہیں کیونکہ ہمارے ہتھیاروں کی آواز دور تک جاتی اور یہ ویسے بھی پہاڑی علاقہ تھا جہاں آواز گونجتی ہے۔ پولیس آواز سن کر آ سکتی تھی اور ہم پولیس کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے فائر کرنے کے بجائے چلا کر کہا۔ ''تم لوگ کون ہو اور اس طرح حملہ کرنے کی وجہ؟''

میں نے یہ جملہ انگریزی اور اردو دونوں میں کہا تھا۔ اس کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا۔ باہر سے کسی نے چلا کر کہا۔ ''تم جو کوئی ہو ہمیں صرف راج سے مطلب ہے۔'' بولنے والا انگریزی بول رہا تھا اور اس کی انگریزی امریکہ کے کالوں کی طرح بگڑی ہوئی تھی

''کیوں؟''

''اس سوال کا جواب مت مانگو۔'' بولنے والا غرایا۔ ''یہ بتاؤ راج کو باہر بھیج رہے ہو یا نہیں۔''

''اگر ہم راج کو تمہارے حوالے نہ کریں تو؟''

''اس صورت میں ہم اسے لے جائیں گے یا اس مکان کو اڑا دیں گے۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ہمیں بہر صورت راج یا اس کی لاش درکار ہے۔''

وہ راج کے جانی دشمن لگ رہے تھے۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''اب کیا کریں۔ یہ تو راج کو لیے بغیر جاتے نظر نہیں آ رہے ہیں۔''

مجھے خیال آیا کہ راج کو ان کے حوالے کر کے اپنی جان چھڑائی جا سکتی تھی۔ مگر پھر مجھے شرم آنے لگی کچھ بھی سہی وہ ہمارے کام تو آ رہا تھا۔ میں نے سوچ کر کہا۔ ''ہم اسے تمہارے حوالے نہیں کر سکتے؟''

''اس صورت میں تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔'' اس نے دھمکی دی۔ ''شاید تم اسے ہماری دھمکی سمجھ رہے ہو لیکن ہمارے پاس آگ لگانے والے بم ہیں۔ ایک منٹ کے اندر یہ پورا بنگلہ شعلوں میں گھرا ہوگا اور کوئی نہیں بچ کر نکل سکے گا۔''

''شہباز صاحب یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں اگر ان کے پاس فاسفورس بم ہیں تو آگ اتنی تیزی سے لگے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں نکلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''باہر تو ان کی فائرنگ کا نشانہ بن جائیں گے۔''

''تب کیا کریں راج کو ان کے حوالے کر دیں یہ اس کے خون کے پیاسے لگ رہے ہیں۔'' میں نے کسی قدر برہمی سے کہا۔

''آپ جذباتی ہو رہے ہیں..... اسے مرنا تو ہے اکیلے نہیں تو ہمارے ساتھ مارا جائے گا اور اس نے ہم پر کوئی ایسا احسان نہیں کیا ہے بلکہ موقع پر وہ ہمیں ان کے سامنے دھکیلنے سے گریز نہیں کرتا۔''

میں نے سوچا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ ہم اسے باہر دھکیل دیں اور پھر ہماری بلا سے اس کے ساتھ کچھ بھی ہوتا رہے؟''

''اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارے ساتھ بھی یہی ہو سکتا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''جو لوگ سائیلنسر لگی رائفلیں رکھ سکتے ہیں ان کے لیے فاسفورس بم حاصل کرنا کون سا مشکل کام ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وسیم کی بات ماننا ہی پڑے گی میں ایک راج کو بچانے کے اپنے سمیت ان سب کی قربانی نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے سر ہلایا اور چلا کر بولا۔ ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہم راج کو تمہارے حوالے کر دیں تو تم ہم سے تعرض نہیں کرو گے؟''

''ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم کون ہو اور کس لیے یہاں ہو لیکن اگر تم راج کو بچانے کی کوشش کرو گے تو ہم تمہیں بھی اپنا دشمن سمجھیں گے اور پھر تم کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

میں ابھی تک فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''تم یہیں رکو میں آتا ہوں۔''

باہر والے نے کہا۔ ''تمہارے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔''

میں رینگتا ہوا اس کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا۔ وہاں بیتو اور سادھنا ایک طرف بیٹھے تھے۔ انہوں نے سب سن لیا تھا بیتو بولا۔ ''شوبی اس کو مار دو ان کے سر۔''

''تم لوگ بھی ہوشیار رہنا۔'' میں نے کہا اور اوپر آیا۔ راج کے کمرے کا دروازہ لاک تھا لیکن یہ بات تو یقینی تھی کہ اسے ہنگامے کا پتا چل گیا ہوگا لیکن میں نے لاک کھولا تو وہ بدستور لحاف لپٹا سو رہا تھا۔ شاید اس نے زیادہ ہی پی لی تھی۔ میں اندر آیا اور اس کی طرف بڑھا تھا کہ میرے سر سے کوئی چیز آ کر لگی۔ مجھے چکر آ گیا تھا اور اسی چکراتے ذہن کے ساتھ میں نے راج کی مشتعل آواز سنی۔

''مجھے ان لوگوں کو دینے آیا ہے..... میں تجھے بتاتا ہوں..... تجھے ساتھ لے کر مروں گا۔'' اس نے کہتے ہوئے دوسرا وار کیا اور میں نیچے گر گیا۔

○.....❖.....○

اس بار میں وار سے بچنے کے لیے گرا تھا اور گرنے کی وجہ سے میری بچت ہو گئی کیونکہ راج کا وار میرے سر پر اتنی قوت سے نہیں لگا تھا اور میں قالین پر پڑے پڑے اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا پہلا وار زور کا تھا لیکن دوسرے کی شدت گرنے کی وجہ سے کم ہو گئی تھی۔ میں اوندھے منہ پڑا تھا اور میری رائفل میرے تلے دب گئی تھی۔ راج نہایت مکار ثابت ہوا تھا۔ اس نے حملہ آوروں کا شور سن لیا تھا اور جان لیا تھا کہ اب وہ مارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا۔ ہم اپنی جان بچانے کے لیے اسے حملہ آوروں کے حوالے کر دیں گے جو اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ اس لیے اس نے چالاکی سے کام لیا۔ اس نے میرے آنے سے پہلے میرے استقبال کی تیاری کر لی تھی۔ اس نے لحاف کو اس طرح کر دیا جیسے وہ اس میں لپٹ کر سو رہا ہو اور خود دروازے کے پیچھے میرا استقبال کرنے کے لیے موجود تھا۔ بدقسمتی سے اس کمرے سے خطرناک چیزیں ہٹاتے وقت ہم پیپر ویٹ کو بھول گئے تھے اور راج نے اسے ہی میرے سر پر استعمال کیا تھا جس کے بعد مجھے رات میں سورج نظر آ گیا تھا۔

راج دو وار کر کے میری طرف سے مطمئن تھا اور میرے نیچے سے رائفل نکالنے کی کوشش کرنے لگا اگر وہ اس روز تیسرا وار کر دیتا تو شاید ہماری کہانی اسی بنگلے میں ختم ہو جاتی لیکن خدا کو ابھی ہمیں زندہ رکھنا مقصود تھا۔ راج کے چھوٹے سے جسم میں زیادہ جان نہیں تھی لیکن اس وقت خود اس کی جان پر بنی تھی اس لیے وہ رائفل ہتھیانے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا اور میں فی الحال نہ تو مزاحمت کے قابل تھا اور نہ ہی میرا مزاحمت کرنے کا ارادہ تھا کیونکہ میں خود کو بے ہوش ظاہر کر رہا تھا۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ میں بے ہوش نہیں ہوں تو وہ مجھے سچ مچ بے ہوش کر دیتا اور ان حالات میں بے ہوشی ہمیشہ کی نیند میں بدلنے کا امکان بہت زیادہ تھا۔ راج نے کسی نہ کسی طرح میرے نیچے دبی رائفل نکال لی تھی۔ میں نے مزاحمت نہ کر کے جان کا خطرہ مول لیا تھا اور عین ممکن تھا کہ وہ رائفل ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے مجھے شوٹ کرتا لیکن شکر ہے اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ وہ فائرنگ کر کے دوسروں کو چونکانا نہیں چاہتا تھا۔ یہی سوچ کر میں نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ رائفل بدست دروازے کی طرف بڑھا اور اس سے باہر جھانکا تھا۔ اس نے پیپر ویٹ میرے پاس ہی پھینک دیا تھا۔

حالات نے مجھے سخت جان بنا دیا تھا اور اب چوٹوں کا مجھ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا جیسے مستقل نشہ کرنے والوں کی طلب ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے اور پہلے جتنی مقدار ان کی طلب نہیں مٹا پاتی ہے اسی طرح اب معمول کی چوٹ مجھ پر اثر نہیں کرتی تھی۔ میں نے جلد خود پر قابو پا لیا تھا اور جیسے ہی راج دروازے سے نکلا میں بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ رائفل کے علاوہ میرے پاس پستول تھا۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے کمرے میں جگ میں موجود یخ بستہ پانی سر پر ڈالا اس سے میرے ذہن پر طاری ہونے والی رہی سہی دھند بھی غائب ہو گئی تھی۔ اب میں تکلیف کے باوجود پوری طرح چاک و چوبند تھا۔ میں نے باہر جھانکا۔ راج نظر نہیں آیا مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی وہ سامنے والے دشمن کی طرف متوجہ تھے اور وہ راج کے خطرے سے بے خبر تھے۔ وہ ان پر عقب سے حملہ کر سکتا تھا۔ سادھنا اور بیتو تو سامنے لاؤنج میں تھے البتہ وسیم کسی قدر محفوظ پوزیشن میں تھا۔

باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں سیڑھیوں تک آیا۔ راج یہاں سے بھی نیچے جا چکا تھا۔ اب وہ نیچے تھا میں نے سیڑھیوں کے ساتھ پوزیشن سنبھال لی اور چلا کر وسیم سے کہا۔ ''راج نیچے ہے اس نے مجھ سے رائفل چھین لی ہے۔''

''آپ کہاں ہیں؟'' وسیم چلایا۔

''میں اوپر ہوں راج نیچے آ گیا ہے۔''

''بیتو سادھی تم کہاں ہو؟'' اس بار وسیم فکرمند لہجے میں بولا۔

لیکن ان کی طرف سے جواب نہیں آیا۔ بات واضح تھی۔ راج نے ان پر قابو پا لیا تھا۔ ''وسیم لگتا ہے وہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حرامزادے کے قبضے میں ہیں۔"

"ہاں یہ میرے قبضے میں ہیں۔" راج کی آواز آئی۔ وہ شاید بیڈروم کی طرف تھا۔ وہ نیچے آیا ہوگا اور اس نے بیتو اور سادھنا کو یرغمال بنا کر بیڈروم میں مورچہ جما لیا تھا۔ میں سیڑھیوں سے نیچے آیا لیکن لاؤنج میں آنے سے گریز کیا۔ بیڈروم سے پورا لاؤنج صاف نظر آتا تھا۔ وسیم اپنی جگہ جما ہوا تھا۔ اگر وہ وہاں سے ہٹتا تو امکان تھا کہ باہر موجود حملہ آور اندر گھس آتے اور ہم دو طرف سے گھر جاتے۔ میں نے صورت حال پر غور کیا اور راج سے کہا۔

"راج باہر تمہاری جان کے دشمن ہیں۔ انہوں نے مجھ سے تمہیں حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا میں نے پہلے انکار کیا تھا لیکن جب انہوں نے پورے بنگلے کو آگ لگانے کی دھمکی دی تو میں مجبور ہو گیا۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" راج بولا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم نے میرے ساتھیوں کو جو یرغمال بنایا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تمہارے دشمن ہر قیمت پر تمہیں لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ اگر ان کو ہمیں مارنا پڑا تو وہ یہ بھی کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو میں تم لوگوں کو بچانے کے لیے خود کو ان کے حوالے کر دوں؟" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اگر تم نے ایسا نہ بھی کیا تو بھی وہ ایسا ہی کریں گے۔"

"معاف کرنا میں پاگل نہیں ہوں۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔ "میں کسی صورت خود کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔"

باہر موجود حملہ آوروں کا صبر جواب دے رہا تھا ان کی طرف سے پہلے بے آواز گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی اس کے بعد وارننگ دی گئی۔ "پانچ منٹ پورے ہو گئے ہیں۔"

وسیم نے چلا کر کہا۔ "راج نے ہمارے دو ساتھیوں کو اسلحے کے زور پر یرغمال بنا لیا ہے اور وہ خود کو تمہارے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہے۔"

"اس صورت میں تم بھی مارے جاؤ گے۔" باہر سے فیصلہ کن لہجے میں کہا گیا۔ "اب صرف تین منٹ کی مہلت ہو گی اگر راج ہمارے پاس نہیں آیا تو ہم اس بنگلے کو آگ لگا دیں گے۔"

ہماری جان پر بن گئی تھی۔ اندر راج بیتو اور سادھنا کو یرغمال بنائے بیٹھا تھا اور دوسری طرف اس کے دشمن بنگلے کو آگ لگانے کی دھمکی دے رہے تھے۔ بلکہ وہ تین منٹ بعد بنگلے کو آگ لگانے والے تھے۔ مجھے کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ میں نے سوچا اور چلا کر راج سے کہا۔ "سنو میں تمہارے پاس آ رہا ہوں گولی مت چلانا۔"

"آ جاؤ لیکن خیال رہے تمہارے ساتھیوں کی زندگی میری انگلی کی جنبش پر ہے۔"

میں نے پستول عقب میں پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر لاؤنج میں آیا بیڈروم کا دروازہ کھلا تھا بیتو اور سادھنا ایک دوسرے سے پشت لگا کر کھڑے تھے اور راج نے سادھنا کے سینے پر رائفل کی نال رکھی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔ "تم میرے اندازے سے زیادہ سخت جان ہو۔" اس کا انداز تعریفی تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کی بات نظر انداز کر کے کہا۔ ''راج تم نے ان لوگوں کی وارننگ سن لی ہے تین منٹ پورے ہوتے ہی یہ بنگلے کو آگ لگا دیں گے۔ پھر تم بھی مرو گے اور ہم بھی مارے جائیں گے۔''

''مجھے جل کر مرنا منظور ہے لیکن خود کو ان کے سپرد نہیں کر سکتا۔''

''راج اگر ہم بچ گئے تو تمہیں چھڑانے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔'' میں نے اسے پیش کش کی۔ ''دوسری صورت میں سب مارے جائیں گے۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اول تو یہ مجھے ویسے ہی مار دیں گے۔ دوسرے اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے بچانے کی کوشش کرو گے؟''

''اگر انہوں نے مارنا ہوتا تو انتظار نہ کرتے۔ ہمارے سوتے میں خاموشی سے بنگلے کو آگ لگا دیتے اور جو باہر نکلنے کی کوشش کرتا اسے گولیوں سے بھون دیتے۔ یہ تم سے کچھ چاہتے ہیں اس لیے ہمیں مارنے سے گریز کر رہے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''تب تم ان سے بارگننگ کر کے زندہ رہ سکتے ہو۔''

اس بار اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ جلاد ہیں ایک بار میں ان کے قبضے میں چلا گیا تو یہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میرے لیے زبان بند رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔''

''لیکن تم زندہ تو رہو گے۔ اس دوران میں ہم تمہیں بچانے کی کوشش کریں گے۔''

''تمہیں کیا پتا کہ میرے دشمن کون ہیں؟''

''یہ بات تم ہمیں بتاؤ گے۔ ان کے ممکنہ ٹھکانوں کے بارے میں بتاؤ گے جہاں ہم تمہیں تلاش کر سکیں۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''راج جلدی فیصلہ کر لو اگر انہوں نے آگ لگانے والے بم مار دیئے تو پھر موت ہی ہمارا مقدر بنے گی۔''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم میری مدد کرو گے؟''

''ہم مسلمان ہیں اللہ کو مانتے ہیں اور اسی کی قسم کھاتے ہیں۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں مسلمان اللہ کو مانتے ہیں۔''

''بس تو میری بات کا اعتبار کرو۔''

اس نے سوچا اور رائفل سادھنا کے سینے سے ہٹا کر میری طرف بڑھا دی۔ ''یہ رانا چندر باز کے آدمی ہیں وہ میرا دشمن ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ کھٹمنڈو کے شمال میں بدھ کے بڑے مندر میں ہے۔''

''بدھ کا بڑا مندر کیا یہ کوئی جانی پہچانی جگہ ہے؟''

''ہاں سب کو پتا ہے رانا وہیں ہوتا ہے۔''

''لو ایک اور رانا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''ہم بم پھینکنے والے ہیں۔'' باہر سے دھمکی دی گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے راج کو بازو سے پکڑ کر کھینچا اور اسے باہر لے جانے لگا۔ اور ساتھ ہی اسے مشورہ دیا۔ ''اپنا رویہ شریفانہ رکھنا اور ہو سکے تو رو گڑ گڑا لینا تاکہ زیادہ دیر زندہ رہو۔''

''تم مجھے بچانے آؤ گے نا؟'' اس نے پُر امید لہجے میں کہا۔ اس نے رائفل میرے حوالے کر کے اپنی کشتیاں جلا لی تھیں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ مضبوط اعصاب کا آدمی تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو مرنے مارنے پر تل جاتا۔ وہ زندگی کے لیے آخری حد تک چانس لینے کو تیار تھا۔

''میں کوشش کروں گا۔ کم سے کم بڑے مندر تک آؤں گا۔'' میں نے کہا۔ اور لاؤنج کے آخری سرے تک پہنچ کر بلند آواز سے کہا۔ ''ہم راج کو تمہارے حوالے کر رہے ہیں۔''

''اسے باہر بھیج دو ہم اسے لے کر چلے جائیں گے۔'' باہر سے آواز آئی۔ اب تک ایک ہی آدمی بولتا رہا تھا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''راج کیا تمہارا کوئی اور ٹھکانہ ہے؟''

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ایک خفیہ جگہ ہے۔ اسی پہاڑی کے دوسری طرف اترو تو تمہیں صنوبر کا بہت بڑا سا درخت نظر آئے گا وہ ایک ہی درخت ہے اس کے نیچے شمالی طرف ایک جھاڑی ہو گی۔ جھاڑی کے نیچے موجود پتھر ہٹاؤ گے تو خفیہ ٹھکانے میں داخل ہو جاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے اب جاؤ۔'' میں نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔ راج کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ یہ لوگ اس کی جان کے گاہک تھے اور کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ باہر نکلتے ہی اسے گولیوں سے چھلنی کر دیتے۔ مگر راج کو جانا تو تھا۔ وہ متذبذب کھڑا تھا کہ وسیم نے اچانک اسے پیچھے سے دھکا دیا اور وہ چیخ مار کر برآمدے میں جا گرا تھا۔ فوراً ہی کراٹا کی باڑھ کے عقب سے رائفلیں جھانکنے لگیں اور کسی نے چلا کر مقامی زبان میں کچھ کہا۔

''یہ راج کو ہاتھ اٹھا کر آگے آنے کو کہہ رہے ہیں۔'' بیتو نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے ان کا راج کو یہیں مارنے کا ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ راج اٹھ کر لرزتے قدموں سے آگے بڑھا اور گیٹ سے نکلتے ہی اسے تین افراد نے گھر لیا اور گھسیٹ کر ساتھ لے جانے لگے تھے۔ ذرا آگے جاتے ہی وہ تاریکی میں غائب ہو گئے تھے۔ مجھے بنگلے کے اطراف میں اور کوئی نظر نہیں آیا تھا ایسا لگ رہا تھا بس یہی تین لوگ تھے۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کیا۔ ''ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہو گا۔''

''وسیم بھائی تجوری کا دولت۔'' بیتو بولا۔

''منے وہ تم تلاش کرتے رہنا ہم جا رہے ہیں۔'' وسیم نے اس سے کہا۔

''ہم کہہ رہا ہے کہ ہم کو پتا ہے اس نے چابی کہاں رکھا ہے۔''

''بیتو فضول باتیں کرنے کے بجائے یہاں سے نکلو۔'' اس بار میں نے اسے ڈانٹا تو اس کا منہ لٹک گیا تھا۔

''ہم تو سب کے بھلے کے لیے کہہ رہا تھا۔''

اسے راج کی دولت کا افسوس کرتے چھوڑ کر ہم نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کیا اور پھر عقبی دروازے سے باہر نکل آئے تھے۔ اس طرف تاریکی تھی۔ یہ اچھی بات تھی۔ بیتو جھنجھلایا ہوا تھا اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ لوگ اتنا جلدی کیوں نکلا ابھی ہم آرام سے اس کی تجوری سے رقم نکال سکتا تھا۔''

''تمہیں رقم کی کیوں پڑی ہے؟'' سادھنا بولی۔ ''ہماری پاس دولت کم تو نہیں ہے۔''

''بولو مت خاموشی سے چلو'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو وہ چپ گئے تھے۔ تاریکی میں جب ہم درختوں میں داخل ہوئے تو میں نے کسی قدر سکون محسوس کیا تھا اتنی عجلت میں بھاگنے کی وجہ میری چھٹی حس کا الارم تھا۔ مجھے لگا کہ ہم جلد از جلد یہاں سے نہیں نکلے تو کسی مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اگلے پانچ منٹ میں ہم خاصی بلندی پر آ گئے تھے اور یہاں سے راج کا بنگلہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ایک بار میں نے مڑ کر دیکھا۔ ابھی تک کچھ نہیں ہوا تھا۔ بنگلہ کسی قدر تاریکی میں تھا اور اتنی بلندی سے صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں سر واپس گھمانے والا تھا کہ اسی لمحے بنگلے کے دائیں پہلو سے ایک بہت بڑا شعلہ نکلا اور فوراً ہی دھماکے کی مدھم آواز سنائی دی تھی۔ اس شعلے نے چند سیکنڈ کے اندر بنگلے کے بڑے حصے کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔

''میرے خدا۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم بروقت نکل آئے۔''

''یہ کیا تھا؟'' سادھنا بولی۔

''میرا خیال ہے وہ فاسفورس بم لگا گئے تھے ٹائم بم تھا جو اپنے وقت پر پھٹ گیا۔''

اب بیتو شرمندہ ہو رہا تھا اگر ہم اس کے کہنے کے مطابق راج کی دولت کے چکر میں پڑ جاتے تو امکان یہی تھا کہ ہمیں بنگلے سے نکلنے کی مہلت بھی نہیں ملتی اس نے میری طرف دیکھا۔ ''سوری شوبی بھائی۔''

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ ''سوری کی بات نہیں ہے بس ایک بات یاد رکھا کرو۔ ہمارا مقصد اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے ورنہ دولت تو تم ہمارے پاس آتے جاتے دیکھ چکے ہو۔ رانا دیاس نے جو رقم دی تھی۔ وہ ہمارے مقدر میں نہیں تھی وہ چھن گئی اور جو ہمارے مقدر میں تھی وہ ہم کو مل گئی۔ پچیس لاکھ چھن گئے تو ہمیں اس سے کہیں زیادہ رقم مل بھی گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم زندہ رہیں تو دولت اسی طرح آتی جاتی رہے گی۔ ساری دنیا کی دولت بھی مل کر ہماری زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں ہو سکتی ہے کیا سمجھے؟''

''دولت کے پیچھے مت بھاگو۔'' وسیم نے بھی کہا۔ ''دولت خود تمہارے پیچھے آئے گی۔''

بیتو نے منہ بنایا۔ ''وسیم بھائی آپ نے کل رات ہم کو چابی تلاش کرنے کا بولا تھا۔''

''وہ تو میں نے وقت گزاری کے لیے کہا تھا۔'' وسیم ڈھٹائی سے بولا۔ ''مجھے کیا معلوم تھا تم سچ مچ تلاش کرنے لگ جاؤ گے۔''

''ویسے چابی کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

بیتو نے ہاتھ آگے جس پر چابی تھی۔ وہ میں نے اس سے لے کر جیب میں رکھ لی۔ نیچے راج کا بنگلہ مکمل طور پر آگ کی لپیٹ آ گیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی راکھ ہی بچے گی۔ ہم پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ اس کی چوٹی کچھ ہی اوپر تھی۔ رات کے تین بج رہے تھے اور ابتدائی سرگرمی کے بعد سردی ہمارا مزاج پوچھ رہی تھی۔ دوسری طرف نیچے اترنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ اب شعلے اتنے بلند تھے کہ میلوں دور سے دیکھے جا سکتے تھے۔ مجھے راج کی قسمت پر افسوس ہوا اگر وہ بچ بھی گیا تو اس کا سارا اثاثہ جل کر خاک ہونے والا تھا۔ وہ عملاً فٹ پاتھ پر آ جاتا لیکن وہ زندہ بچ جاتا یہی اس کے لیے بہت تھا۔ دوسری طرف تاریکی تھی اور ہم نے راستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھنے کے لیے ٹارچیں روشن کر لیں۔

سادھنا نے اپنی شال کس کر لپیٹ لی۔ شال اس نے راج کے گھر میں سے اٹھائی تھی۔ ہم بھی سردی محسوس کر رہے تھے لیکن اس کی وجہ سے رک نہیں سکتے تھے۔ اس طرف پہاڑی کی ڈھلان دور تک پھیلی تھی اور زیادہ تر چھی ہونے کی وجہ سے اس پر راستے ناپید تھے۔ اس لیے ہمیں بہت محتاط ہو کر اترنا پڑ رہا تھا۔ ابھی تک ہمیں صنوبر کا بڑا سا درخت نظر نہیں آیا تھا۔ شاید وہ نیچے کہیں تھا۔ ترچھی ڈھلان پر بعض جگہ راستے ناپید تھے اور ہمیں درختوں اور جھاڑیوں کا سہارا لے کر اترنا پڑ رہا تھا۔ پھر بیتو نے درخت دیکھ لیا۔

''وہ رہا۔'' اس نے اشارہ کیا۔

نیم تاریکی میں ایک بڑا سا درخت ڈھلان کے آخری حصے میں تھا اور اس ڈھلان پر اتنا بڑا درخت اور کوئی نہیں تھا۔ ہم اس کے پاس پہنچے اور ٹارچ کی روشنی میں اس جھاڑی کو تلاش کرنے لگے جس کے نیچے راج نے خفیہ ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ وہ بہت محتاط تھا اس کے ذہن میں تھا کہ اس کے دشمن اس بنگلے تک بھی آ سکتے تھے اس لیے اس نے پاس ایک اور ٹھکانہ بنا لیا تھا تاکہ بہ وقت ضرورت یہاں پناہ لے سکے لیکن اسے موقع نہیں ملا تھا اور جن دشمنوں سے وہ بچتا پھر رہا تھا وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور یہ ٹھکانہ اب ہمارے کام آنے والا تھا۔

بیتو نے جھاڑی اور پھر اس کے نیچے خفیہ جگہ کا راستہ بھی تلاش کر لیا تھا یہ ایک بڑا سا پتھر تھا جو بہ ظاہر زمین میں پیوست تھا لیکن جب بیتو نے اسے ایک خاص انداز میں گھمایا تو یہ اپنی جگہ سے سرک گیا اور اتنا بڑا راستہ بن گیا جس میں مناسب جسامت کا آدمی بھی آسانی سے اندر جا سکتا تھا۔ وسیم نے ٹارچ سے روشنی ڈالی اور بولا۔

''نیچے سیڑھیاں ہیں۔''

یہ فولادی سیڑھی تھی۔ ڈنڈے والی سیڑھی جو سیدھی نیچے جا رہی تھی۔ پہلے بیتو اندر گیا اور اس نے اطلاع دی۔ ''ادھر چھوٹا سا غار ہے۔''

میں نے وسیم سے کہا۔ ''تم دونوں باہر ہی رکو میں جاتا ہوں۔''

مجھے خدشہ تھا کہ کہیں اندر گیس یا اس قسم کی کوئی خطرناک چیز نہ ہو۔ راج کا یہ ٹھکانہ نہ جانے کس قسم کا تھا۔ میں نیچے اترا۔ اندر اترتے ہی میں نے محسوس کر لیا کہ وہاں گھٹن نہیں تھی اور کہیں سے تازہ ہوا کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا دس بائی پندرہ فٹ کا قدرتی کمرہ تھا جسے تراش کر کمرے کی شکل دی گئی تھی اور راج نے اس کی دیوار پر چونا بھی پھیر رکھا تھا یہ ایسی جگہ تھی جیسا کہ کوئی عارضی ٹھکانہ ہو سکتا تھا۔ وہاں دو کمبل تھے ایک طرف انگیٹھی رکھی تھی جس میں جلانے کے لیے لکڑی کا کوئلہ تھا۔ ایک ڈبے میں دلیہ تھا اور چینی پتی کے ساتھ خشک دودھ بھی تھا۔ کچھ چاول بھی رکھے تھے۔ بس زندہ رہنے کا سامان تھا۔ اس نے وہاں بس انتہائی ضرورت کا سامان رکھا تھا۔ مگر تمام ہی چیزیں بنا استعمال کیے پڑی تھیں۔

''لگتا ہے اسے یہ جگہ استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا۔'' بیتو بولا۔

''ہاں یہاں سردی بھی اتنی نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اچانک مجھے اوپر سے روشنی لہراتی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے اس طرف ٹارچ کا رخ کیا تو چھت کے پاس مجھے آڑا ترچھا سوراخ نظر آیا تھا۔ شاید تازہ ہوا یہیں سے آتی جاتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ خطرے کی بات نہیں ہے اور وسیم و سادھنا کو بھی نیچے بلا لیا۔ وسیم نے نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتے ہوئے پتھر کو بند کر کے اور کھول کر دیکھا اور پھر نیچے آیا تھا۔ اس نے تعریفی نظروں سے جگہ کو دیکھا۔

''کیا زبردست جگہ ہے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس جھاڑی کے نیچے کوئی غار ہے۔''

''لیکن یہ غار ہمارا مقبرہ شریف بھی بن سکتا ہے۔'' میں نے کمبل پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ کیسے جناب؟'' وسیم چونکا۔

''تم راج کو بھول رہے ہو۔ اسے اس کے دشمن لے گئے ہیں اور جب وہ اسے نچوڑیں گے تو وہ سب بک دے گا۔ اس ٹھکانے کے بارے میں بھی بتا سکتا ہے۔''

''تب ہم نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔''

''نہیں صبح تک خطرہ نہیں ہے۔ ہمیں اس وقت تک کسی پناہ گاہ کی ضرورت ہے اس کے بعد یہاں سے نکل جائیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''بہتر ہے ہمیں اس وقت تک آرام کر لینا چاہیے۔''

وسیم میرے ساتھ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ زیر زمین ہونے کی وجہ سے یہ جگہ معقول حد تک گرم تھی۔ اس لیے گزارا تھا۔ سادھنا نے دونوں کمبل فرش پر بچھا دیئے۔ بیتو بولا۔ ''کسی ایک آدمی کو اوپر بھی رہنا چاہیے۔ اگر دشمن آ گئے تو ہم بے خبری میں گھر جائیں گے۔''

اس کی تجویز اچھی تھی اور کیونکہ اس نے دی تھی اس لیے اسے ہی پہلے اوپر بھیج دیا۔ اس نے جانے سے پہلے ایک نمائشی احتجاج کیا تھا اور پھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وسیم نے کہا۔ ''اب راج تو گیا ہاتھ سے، باقی دو پاسپورٹ کہاں سے بنوائیں گے؟''

''ابھی راج زندہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ ہمارے کام آ سکتا ہے۔''

وسیم نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''آپ کا مطلب ہے آپ اسے چھڑانے کی کوشش کریں گے؟''

''ہاں کیونکہ میں نے قسم کھا کر اس سے وعدہ کیا تھا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''وہ مجبوری تھی۔''

''بے شک مجبوری تھی لیکن یار مجھے اس پروردگار کی قسم توڑنا اچھا نہیں لگ رہا جو کتنی بار ہمیں موت کے منہ سے بچا کر لایا ہے۔ آگے بھی وہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے لیکن پہلے مجھے دو کام کرنے ہیں۔ ایک تو تم لوگوں کے لیے آج ہی کسی فلائٹ میں نشست کا انتظام کرنا اور.....''

''ہم آپ کے بغیر نہیں جائیں گے۔'' وسیم نے میری بات کاٹی۔

''شوبی یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سادھنا جو ہماری بات سن رہی تھی درمیان میں بولی۔ ''اگر وسیم تیار بھی ہو جائے گا تو میں نہیں جاؤں گی۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' میں نے برہمی سے کہا۔ ''کیا ہم کسی تقریب میں یا سیاحتی ٹور پر آئے ہیں جو ایک ساتھ آئے ہیں اور ایک ساتھ ہی واپس جائیں گے۔ ہم بہت مشکل میں ہیں اور جو اس مشکل سے نکل جائے اسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔''

''اور آپ دونوں؟'' وسیم نے دبے لہجے میں کہا۔ وہ میرے موڈ سے سمجھ گیا تھا کہ میں اس معاملے میں بحث نہیں چاہتا تھا اور میں نے فیصلہ سنا دیا تھا۔ اس کا اشارہ میری اور بیتو کی طرف تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پہلے ہم راج کو آزاد کرانے کی کوشش کریں گے۔ اور اگر وہ آزاد ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ کسی اور کی مدد سے پاسپورٹ بنوا کر یہاں سے نکلیں گے۔''

''میں تو کہتا ہوں راج کی فکر چھوڑیں۔'' وسیم نے دبی زبان میں کہا۔

''ہاں نا اس کے دشمن کتنے طاقتور ہیں۔'' سادھنا بھی بولی۔ ''ایسے لوگوں کو دشمن بنانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''تم لوگ فکر مت کرو، آگ میں کودنے کا شوق مجھے بھی نہیں ہے۔'' میں نے ان کو تسلی دی۔ ان دونوں کے پاسپورٹ تیار تھے اور ان کے لیے نیپال سے کہیں جانا مسئلہ نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ دبئی کے لیے نیپال سے ویزہ لے کر جانا ضروری تھا یا یہیں سے ویزہ لگوانا پڑتا۔ یہ ہمیں یو اے ای کے سفارت خانے سے پتا چل سکتا تھا۔ ہم اونگھنے لگے دو گھنٹے بعد وسیم اوپر چلا گیا اور اس نے بیتو کو نیچے بھیج دیا اس دوران میں مجھے نیند آ گئی تھی۔ میرے سر کا درد بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ ایک تو سر پر لگنے والی ضربیں زوردار نہیں تھیں دوسرے میں اس قسم کے معاملات میں کچھ ڈھیٹ ہو گیا تھا۔ وسیم نے مجھے نہیں اٹھایا تھا۔ سورج نکل آیا تو میں خود جاگ گیا تھا۔ بیتو نے کچھ دلیہ اور چائے وغیرہ بنا لی تھی۔ دلیہ بالکل سادہ تھا بیتو نے ساس میں چینی ڈال کر اسے کسی حد تک کھانے کے قابل بنا دیا تھا۔ پھر بھی اسے کھانا آسان نہیں تھا۔ کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار کر اور چائے پی کر ہم یہاں سے چلنے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ چائے البتہ بہت اچھی تھی راج نے کوئی اعلیٰ درجے کی پتی رکھی تھی۔

''موسم برف باری والا ہو رہا ہے۔'' وسیم نے بتایا۔ ''صبح تو بہت زیادہ سردی ہو گئی تھی۔''

''مجھے کیوں نہیں اٹھایا؟''

''آپ کے سر پر چوٹ تھی میں نے سونے دیا اب کیسا لگ رہا ہے۔''

''بہتر ہے یار اب تو عادی ہو گئے ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔

ہم باہر آئے اور اس جگہ کو ویسے ہی بند کر دیا۔ آسمان پر سرمئی بادل جمع ہو رہے تھے اور موسم واقعی برف باری والا لگ رہا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اس طرف سے نہیں جانا تھا۔ راج کے بنگلے کے آس پاس پولیس کی موجودگی عین ممکن تھی اور ہمیں پوچھ گچھ کے لیے روک لیا جاتا تو بلاوجہ مشکل میں پڑ جاتے۔ میں نے سوچا کہ اسی پہاڑی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم آگے سے گھوم کر سڑک پر نکل جاتے۔ میں نے ان لوگوں کو بتایا تو انہوں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ ہمارے پاس اسلحہ بھی تھا اور اسے لے کر دن دھاڑے گھومنا خطرناک تھا۔ رائفلیں چھپانا مشکل تھا اس لیے ان کو بیگوں میں رہنے دیا اور پستول اپنے پاس رکھ لیے۔ اب ہمارے پاس دو خودکار رائفلیں تھیں، ایک شاٹ گن تھی اور دو پستول تھے۔ اسلحے کے لحاظ سے صورتِ حال تسلی بخش تھی۔

پہاڑی سے گھوم کر سڑک تک آنے میں بہت وقت لگا تھا ہم کوئی دو گھنٹے تک مسلسل چلتے رہے تھے اور اس وقت سب بیتو کے شکر گزار تھے جس نے صبح دلیہ کھلا دیا تھا ورنہ ہم شاید راستے میں گر جاتے سڑک تک آتے آتے سب کا بھوک سے برا حال ہو گیا تھا۔ بیتو نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ''اپنے کو بہت بھوک لگی ہے۔''

''وہ تو ہمیں بھی لگی ہے۔'' وسیم بولا۔ ''لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے اس سڑک پر کوئی ریستوران نہیں ہے۔''

''ہاں کھانے پینے والی جگہیں تو شہر کے پاس ہی ملیں گی۔'' میں نے کہا اور پیدل مارچ شروع کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم تو آرام سے میرا ساتھ دے رہا تھا لیکن سادھنا اور بیتو کو بھاگنا پڑ رہا تھا۔ سادھنا جھنجھلا کر بولی۔ ''اف کیا مصیبت ہے کیا پولیس پیچھے لگی ہے۔''

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ ''سادی نے ابھی سے ہمارے محاورے بولنا شروع کر دیئے۔''

میں نے دانت نکالے۔ ''اچھی لڑکیوں کی یہی نشانی ہوتی ہے سسرال جانے سے پہلے ہی وہاں کی زبان بولنا شروع کر دیتی ہیں۔''

''میں کچھ نہیں سن رہی۔'' سادھنا نے ہانک لگائی۔

وسیم نے چاروں طرف دیکھا۔ ''کوئی آواز آئی تھی۔ آپ نے بھی سنی؟''

''وسیم بھائی ابھی دیدی نے پستول نکال کر گولی چلایا تو آپ کو آواز بالکل صاف آئے گا۔'' بیتو ہانپتے ہوئے بولا۔

وسیم نے اسے گھورا۔ ''تم ابھی سے ایک ناہنجار سالے ثابت ہو رہے ہو۔''

''ناہنجار کیا ہوتا ہے وسیم بھائی۔'' بیتو نے پوچھا۔ ''سالے کا مطلب تو ہم سمجھتا ہے۔''

''ناہنجار کا مطلب ہے بہت سمجھا ہوا اور شریف آدمی۔'' وسیم نے سوچ کر کہا۔

''اچھا اچھا۔'' بیتو مطمئن ہو گیا۔ سادھنا البتہ وسیم کو گھور رہی تھی ناہنجار کا مطلب تو وہ بھی نہیں جانتی تھی لیکن وہ سمجھ گئی تھی کہ وسیم نے بیتو کو بے وقوف بنایا ہے۔ سڑک ویران تھی اور فی الحال کوئی گاڑی تو کیا انسان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی لمحے ہوا بالکل رک گئی اور آسمان سے چھوٹے چھوٹے روئی کے گالے گرنے لگے۔ سادھنا خوشی سے بولی۔ ''برف باری ہو رہی ہے۔''

''زیادہ خوش مت ہو۔'' وسیم بولا۔ ''ہم بے گھر پھر رہے ہیں۔ ابھی برف باری کے بعد ہوا چلے تو پتا چل جائے گا۔''

''مجھے کیا بتا رہے ہو میں جہاں رہتی تھی وہاں بھی چار مہینے تک برف پڑتی تھی۔'' سادھنا نے اسے گھورا۔ ''ابھی ہوا چلنے میں کم سے کم چوبیس گھنٹے ہیں۔''

بیتو نے فریاد کی۔ ''ہم بھوک سے فوت ہونے والا ہے۔''

''حالانکہ اپنا تیار کیا ہوا دلیہ سب سے زیادہ تم نے کھایا تھا۔'' سادھنا نے اسے یاد دلایا۔

''اچھا دوست تو یہیں سے الوداع۔'' وسیم نے زبردستی بیتو سے ہاتھ ملایا۔ ''یاد کریں گے کہ اپنا بھی ایک دوست تھا بے چارہ بھوک سے مر گیا۔''

بیتو خفا ہو گیا۔ ''اب ہم اتنا بھی کمزور نہیں ہے۔''

سادھنا نے ہماری توجہ ایک طرف سے اٹھتے دھویں کی طرف دلائی۔ ''ممکن ہے وہاں کوئی ہوٹل ہو۔''

''دل خوش رکھنے کو یہ خیال اچھا ہے۔'' وسیم بولا۔

''یہ دھواں کہاں سے اٹھتا ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''ممکن ہے یہ کوئی بھٹی ہو۔''

لیکن بالآخر وہ ایک چھوٹی سی ہوٹل ثابت ہوا تھا جس میں مزدور قسم کے لوگ کام پر نکلنے سے پہلے ناشتہ کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ہوٹل کے مالک نے فوری طور پر ایک میز خالی کرائی اور اس پر ناشتے میں مصروف لوگوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زبردستی دوسری میز پر منتقل کر دیا۔ میز پر موجود گندے دھبے چھپانے کے لیے اس نے ایک کسی قدر صاف ستھرا میز پوش نکال کر بچھا دیا۔ اس کا چھوٹا ایک غلیظ سے کپڑے سے کرسیاں جھاڑنے لگا۔ کرسیوں سے زیادہ گندہ تو وہ کپڑا تھا۔ مالک نے دانت نکال کر انکساری سے ہمارے آگے جھکا جا رہا تھا تو اس کی وجہ اس کا جذبہ مہمانی نہیں تھا بلکہ ہم حلیے سے کھاتے پیتے سیاح نظر آ رہے تھے اور اسے ہم سے رقم کی خوشبو آ رہی تھی۔ ہم سب کرسیوں پر گر گئے کیونکہ چل چل کر سب کا برا حال تھا۔ ہوٹل کے مالک نے ہم سے ناشتے کا پوچھا۔ اسلحے والا بیگ میں نے میز کے نیچے رکھ دیا اور انگریزی میں کہا۔

''انگلش میں بات کرو..... یا ہندی میں۔''

''انگلش ناؤ سر..... ویری لٹل لٹل۔'' ہوٹل کے مالک نے انگریزی بولنے کا عملی مظاہرہ کیا۔ ''واٹ یو وانٹ سر۔''

''کیا کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''انڈہ پراٹھا ملے گا، بریڈ بھی ملے گا دیسی مکھن کے ساتھ اور حلوہ پوری بھی ہے۔''

''حلوہ پوری۔'' وسیم چونکا۔ ''وہی لے آؤ۔''

''ایک منٹ پہلے ہم دیکھیں گے کہ تم حلوہ پوری کیسی بناتے ہو۔''

مالک نے فٹافٹ آٹے اور شکر سے بنا حلوہ لا کر دکھایا اور پاس ہی پوریاں کھاتے ایک شخص سے پوری بھی چھین لایا۔ وہ بے چاری مسکینی سے اپنی پوری کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ حلوہ اور پوری دونوں مناسب لگ رہے تھے اس لیے ہم نے حلوہ پوری کا آرڈر دے دیا۔ آدھے گھنٹے بعد ہم حلوے کے بجائے بھاجی سے ناشتہ کر رہے تھے۔ پوری سرسوں کے تیل میں تلی لیکن مزے کی تھی اور بھاجی کا ذائقہ بھی برا نہیں تھا کیونکہ ہم نے چکھ کر دیکھ لیا تھا۔ ڈٹ کر ناشتہ کرنے کے بعد ہم سب نے اپنی اپنی پسند کی چائے پی تھی۔ وسیم اور بیتو نے دودھ پتی کو ترجیح دی تھی جب کہ سادھنا اور میں نے سیاہ چائے پی تھی۔ ہوٹل کے مالک نے ہمارے اعزاز میں نیا ٹی سیٹ نکالا تھا اور چائے بھی سلیقے سے بنائی تھی۔

میرا خیال تھا کہ اس کے سلوک کی طرح بل بھی اسپیشل ہوگا مگر جب اس نے صرف نوے بھارتی روپے کا تقاضہ کیا تو ہم حیران رہ گئے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ہمارے ملک میں کس قدر مہنگائی ہے۔ اگر یہی ناشتہ ہم پاکستان کے کسی جھونپڑی ہوٹل میں کرتے تو کم سے کم دو سو روپے کا بل بنتا۔ میں نے اسے سو روپے کے ساتھ کچھ کھلے مقامی نوٹ بھی دیئے تو وہ خوش ہو گیا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھا۔

''یہاں کوئی ٹیکسی والا ملے گا جو ہمیں کھٹمنڈو لے جائے؟''

''کیوں نہیں ملے گا۔'' اس نے کہا اور اپنے چھوٹے سے مقامی زبان میں کچھ بولا۔ وہ غائب ہو گیا۔ اور ہم نے چائے کے دوسرے دور کا آرڈر دیا۔ کوئی بیس منٹ بعد وہ ایک نوجوان آدمی کے ساتھ آیا جس نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ ہوٹل کے مالک نے ہماری طرف اشارہ کیا۔ وہ ہمارے پاس آیا اور صاف ستھری انگریزی میں پوچھا۔

''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں سر؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمیں ایک ایسے ٹیکسی والے کی ضرورت ہے جو کھٹمنڈو اور اس کے آس پاس کے سارے علاقوں سے واقف ہو۔''

''میں ہر جگہ کے بارے میں جانتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن ایک مسئلہ ہے میرے پاس ٹیکسی نہیں ہے۔ اپنی کار ہے۔''

میں سمجھ گیا وہ چوری چھپے کار چلاتا ہوگا۔ یہاں بھی نجی کار کو ٹیکسی کے طور پر چلانا جرم ہوگا۔ میں نے کہا۔ ''ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا تم کیا لو گے؟''

''آپ کہیں جانا چاہتے ہیں یا گھومنا چاہتے ہیں۔''

''کئی جگہوں پر جانا ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ سارا دن بھی لگ سکتا ہے۔''

اس نے سوچا اور ہچکچا کر بولا۔ ''آپ ایک گھنٹے کا سو روپے دیں تو میں تیار ہوں۔''

''منظور ہے۔'' میں نے فوراً ڈن کر دیا۔ ''کار کہاں ہے تمہاری اور اس میں ڈکی ہے۔ ہمارے پاس سامان بھی ہے۔''

''ڈکی ہے میں دو منٹ میں لاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک انڈین ماروتی کار میں واپس آیا۔ یہ بہت پرانا ماڈل تھا۔ انڈیا میں برس ہا برس سے یہی ماڈل چل رہا تھا اب شاید کہیں اسے متروک کیا گیا تھا لیکن ہنوں نے گٹھلیوں کے دام کمانے کے لیے ان کاروں کو نیپال بھیج دیا تھا۔ کیونکہ مجھے انڈیا کے مقابلے میں یہ ماڈل نیپال میں زیادہ نظر آیا تھا۔ اس کی ڈکی میں ہم نے اپنے سامان کے بیگ رکھے۔ بیتو نے اسلحے والا بیگ ذرا زور سے رکھا تو آہنی آواز آئی تھی۔ نوجوان چونکا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''ہم نے یہاں کچھ پتھر کی مورتیاں لی تھیں وہ ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''کمار۔'' اس نے کہا تو سادھنا نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ ''گگن کمار مگر سب کمار کہتے ہیں۔''

''ہم گگن کہیں گے۔'' میں نے کہا اور ہم سب ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

''کہاں چلنا ہے سر؟''

''پہلے تم شہر تو چلو۔'' میں نے اسے ٹالا۔ پھر وسیم سے پشتو میں کہا۔ ''میں یو اے ای کے سفارت خانے جانے کا سوچ رہا ہوں۔ وہاں سے معلوم ہو جائے گا کہ تم دونوں کے لیے ویزے کی ضرورت ہے یا نہیں۔''

''کیا یہ آپ کا حتمی فیصلہ ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ہاں دو افراد اگر خطرے سے نکل جائیں تو اس میں کیا حرج ہے بعد میں، میں اور بیتو بھی آتے رہیں گے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔'' اس نے نیم دلی سے کہا۔ اس دوران کھٹمنڈو کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ عملی طور پر ہم شہر میں ہی تھے لیکن کسی مضافاتی علاقے میں تھے۔ میں نے گگن سے کہا۔ ''تم یو اے ای کا سفارت خانے جانتے ہو کہ کہاں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جانتا ہوں سر وہاں کام ہے؟''

''ہاں ہمیں یو اے ای کا ویزہ لگوانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں لیے چلتا ہوں سر۔ چھوٹا سا ہے۔''

میں خوش ہو کر بولا۔ ''ہمیں چھوٹے بڑے سے غرض نہیں ہے بس ویزہ لگنا چاہیے۔''

کوئی آدھے گھنٹے بعد اس نے کار ایک چھوٹی سی لیکن جدید طرز کی عمارت کے سامنے روک دی اس پر یو اے ای لکھا تھا۔ پتا نہیں یہ سفارت خانہ تھا یا اس سے نیچے درجے کا کوئی کونسل خانہ تھا کیونکہ یو اے ای کوئی بہت بڑا ملک نہیں ہے۔ جس کا سفارت خانہ دنیا کے ہر ملک میں موجود ہو۔ ہم نیچے اتر آئے البتہ بیتو کار میں رہا تھا۔ رقم تو ہم سب کے پاس تھی اور پستول کی حد تک اسلحہ بھی تھا لیکن سامان اور بڑا اسلحہ کار کی ڈکی میں تھا اور گگن وہ لے کر نو دو گیارہ ہو جاتا تو ہم مشکل میں پڑ جاتے۔ میں نے سادھنا اور وسیم سے کہا۔ ''تم دونوں کو سیاحوں کی حیثیت سے ویزے کی درخواست کرنا ہوگی۔ کیونکہ تم دونوں کا تعلق الگ الگ ملکوں سے ہے اس لیے تم دوست بن کر جا سکتے۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ گیا تو چلیں دوست۔'' اس نے سادھنا کی طرف دیکھا۔ وہ خفا نظر آنے لگی۔

''زیادہ بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''پلیز تم لوگوں کو فرینڈ نظر آنا چاہیے میاں بیوی نہیں۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو وہ ایک دوسرے کو گھورتے سفارت خانے کی عمارت میں چلے گئے۔ میں واپس آیا تو گگن بیتو سے بات چیت کی کوشش کر رہا تھا لیکن بیتو کو انگریزی نہیں آتی تھی اور شاید وہ ہندی سے بھی انجان بن گیا تھا۔ بیتو اس کے سامنے بولا نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے ڈرائیور کو ہندی بولتے بھی دیکھا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اسے انگریزی یا ہندی نہیں آتی ہے۔''

گگن چونک گیا پھر زبردستی مسکرایا۔ ''میں تو ایسے ہی بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

شاید اسے ہمارے بارے میں تجسس ہو رہا تھا۔ میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ ''بہتر ہے تم اپنے کام سے کام رکھو۔''

وہ فوراً مودب ہو گیا۔ ''یس سر آپ کو اب شکایت نہیں ہوگی۔''

میں نے محسوس کیا کہ بلاوجہ اس جگہ کھڑے ہونا بھی ٹھیک نہیں تھا اس لیے میں نے کچھ دور نظر آنے والے ایک دھنک کے ہوٹل میں رکنے کا سوچا۔ گگن کو اس طرف چلنے کو کہا۔ کار دیکھ کر وسیم اور سادھنا جان جاتے کہ ہم کہاں تھے۔ میں اور بیتو گگن کو بھی اندر لے آئے تھے۔ یہ اچھا ریستوران تھا میں نے اپنے لیے کافی اور ان دونوں کے لیے چائے کا آرڈر دیا۔ فی الحال کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ کافی اچھی تھی۔ اس کی مدد سے ہم نے یہاں نصف گھنٹہ گزار دیا تھا لیکن سادھنا اور وسیم ابھی تک نہیں آئے تھے۔ میں اور بیتو باری باری واش روم سے بھی ہو آئے تھے۔ چائے کافی کے دوسرے دور میں گگن سے معلومات حاصل کرنا شروع کی۔

''یہ بتاؤ کہ بدھا کا بڑا مندر کہاں ہے؟''

''بڑا مندر۔'' اس نے چونک کر کہا۔ اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا تھا۔ ''آپ کو وہاں کیا کام ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سیاحوں کو کسی ملک میں کیا کام ہوتا ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔ ''وہی کام ہمیں بھی ہے۔''

''میرا مطلب ہے سر کہ وہ سیاحوں کے لیے کوئی اچھی جگہ نہیں جرائم پیشہ افراد کا اڈہ ہے۔ جو مندر کی آڑ میں اپنا کام کرتے ہیں۔''

''میرے کچھ جاننے والے وہاں گئے تھے اور وہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ہم وہاں جانا چاہیں تو کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا۔''

''کچھ کہہ نہیں سکتے سر۔'' اس نے دبی زبان میں جواب دیا۔ ''وہ جگہ کچھ اچھی نہیں ہے۔''

''پھر بھی ہم اسے دیکھنا چاہیں گے۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''تم ہمیں وہاں لے جا سکتے ہو؟''

''لے جاؤں گا سر۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ شاید وہ وہاں جاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ مجرموں کے اڈے پر کون خوشی سے جانا چاہتا ہے۔ جب راج نے مجھے مندر کا بتایا تھا تب ہی میں سمجھ گیا تھا کہ اس کا دشمن رانا چندر باز مندر کی آڑ میں اپنا بدمعاشی کا کاروبار چلا رہا تھا۔ یہ وباء پورے برصغیر میں عام ہے انڈیا میں دیوی دیوتاؤں کے مندر اس کام میں استعمال ہوتے ہیں تو ہمارے ہاں نام نہاد ڈیرہ پیر مذہب کی آڑ میں غیر قانونی دھندے چلاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کی عوام مذہب کے معاملے میں حساس ہیں اس لیے ان مجرموں کے خلاف کارروائی بڑی آسانی سے لوگوں کو مشتعل کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب مذہب کی آڑ میں مجرموں نے مافیائیں قائم کر لی تھیں۔

چائے کافی کا دوسرا دور بھی ختم ہو گیا تھا اور ابھی تک سادھنا اور وسیم کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ مجھے فکر ہونے لگی تھی کہ اندر کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی تھی؟ بہرحال ہمارے پاس جعلی پاسپورٹ تھے اور ممکن ہے کوئی غلطی ہو گئی ہو لیکن اس صورت میں اب تک پولیس آ جاتی۔ جب دوسرا گھنٹہ بھی ختم ہونے لگا تو میرا صبر جواب دے گیا اور میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تم دونوں یہیں رکو میں ان کو دیکھ کر آتا ہوں یہ تو جا کر بیٹھ ہی گئے ہیں۔'' میں ریستوران سے نکل کر سفارت خانے کی طرف بڑھا تھا کہ وسیم اور سادھنا اندر سے برآمد ہوئے۔ ان کے مسکراتے چہرے دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا لیکن ہمیں غائب دیکھ کر ان کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ پھر وسیم نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ میری طرف آئے۔

''یہاں سے کیوں چلے گئے؟''

''سفارت خانے کے سامنے کھڑے ہونا ٹھیک نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اور تم دونوں کیا اندر جا کر سو گئے تھے۔''

''نہیں ویزے لگوا رہے تھے۔ اتنے فارم بھرنے پڑے اور اتنے سوالوں کے جواب دینے پڑے کہ بچپن سے لے کر گریجویشن کے امتحان تک میں بھی نہیں دیے ہوں گے۔''

''ویزے لگ گئے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''یہ تو اچھی بات ہے۔''

میں ان دونوں کو بھی ریستوران میں لے آیا۔ اب اتنی دیر گزرنے کے بعد کھانے کا وقت شروع ہو گیا تھا اس لیے ہم نے کھانے کا آرڈر دے دیا اور ویٹر سے کہا کہ وہ تسلی سے لے کر آئے ہمیں کھانے اور جانے کی کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلدی نہیں تھی۔ سگن کو ہم نے اپنے ساتھ بٹھا رکھا تھا اور جب بیتو نے ہم سے رواں اردو میں بات کی تو وہ حیران رہ گیا تھا۔

''تم ہندی جانتے ہو؟'' سگن نے گڑبڑا کر کہا۔

میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ ''اسے چھوڑو یہ بتاؤ کوئی ٹریول ایجنسی ہے جہاں سے دبئی تک کا ائیر ٹکٹ مل جائے؟''

''کئی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بس تو کھانا کھاتے ہی چلتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ کچھ زیادہ ہی جلدی کر رہے ہیں۔'' وسیم نے دبی زبان میں کہا۔ ''اور کہتے ہیں کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔''

''اس کے برعکس میں اس مقولے پر یقین رکھتا ہوں کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

کھانا آ گیا تھا اور ہم نے بارہ بجے ہی لنچ کر لیا تھا۔ یہ ضروری تھا کیونکہ اس کے بعد ایک طویل بھاگ دوڑ تھی اور نا معلوم اس دوران میں کھانا نصیب ہو بھی یا نہ ہو۔ کھانا کھاتے ہی ہم روانہ ہو گئے تھے۔ سگن ہمیں ایک ٹریول ایجنسی کے دفتر میں لایا۔ نیپال کیونکہ سیاحتی ملک ہے اس لیے یہاں قدم قدم پر اس قسم کی ایجنسیاں پائی جاتی ہیں جو ائیر ٹکٹ سے لے کر پہاڑوں پر جانے والی مہمات کا انتظام کرتی ہیں۔ وہاں سے ہمیں معلوم ہوا کہ اگلے دن دبئی جانے والی ایک پرواز میں دو سیٹیں تھیں لیکن میں آج کی کسی پرواز میں نشستیں چاہ رہا تھا اس لیے ان سیٹوں کو دو گھنٹے کے وقت میں ریزرو رکھ کر ہم نے ایک اور ٹریول ایجنسی کا رخ کیا اور وہاں خوش قسمتی سے اسی روز کی ایک پرواز پر دو ٹکٹ مل گئے تھے۔

اس سارے ریجن میں دبئی اب ایک جنکشن کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور آنے والی تقریباً تمام انٹرنیشنل فلائٹس دبئی میں ضرور رکتی ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں دبئی کی دو سیٹیں آسانی سے مل گئیں۔ ورنہ کراچی یا اسلام آباد کی سیٹیں ہمیں ایک ہفتے بعد کی بھی نہیں ملتیں۔ پرواز شام پانچ بجے کی تھی اور ابھی اس میں تین گھنٹے باقی تھے اور وسیم و سادھنا کو دو گھنٹے پہلے پہنچنا تھا۔ ہم نے فوراً ٹکٹ لیے اور ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہلکی برف باری بھی رک گئی تھی اس لیے امکان تھا کہ پرواز لازمی جائے گی۔ وسیم اور سادھنا اداس ہو رہے تھے لیکن میں ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ہنستا اور مسکراتا رہا تھا۔ ائیر پورٹ نظر آتے ہی سادھنا کا حوصلہ جواب دے گیا اور اس نے کار سے اترتے ہی رونا شروع کر دیا تھا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''کیا تم رخصت ہو کر سسرال جا رہی ہو؟''

''شوبی میں نہیں جا رہی۔'' اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اس نے میرا شانہ دبوچ لیا تھا۔

''گڑیا یہ ضروری ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم اس بات کو سمجھتی ہو ٹھیک ہے تمہارے جذبات تمہیں اجازت نہیں دے رہے لیکن خود سوچو ہمارا یہاں سے نکلنا کتنا ضروری ہے۔''

بات سادھنا کی سمجھ میں آ گئی اس نے سر ہلایا اور خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ وسیم کا چہرہ بھی اداس ہو رہا تھا۔ جب ہم ائیر پورٹ کے اندر جانے لگے تو میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم یہیں رکو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو میرا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ پہلے وسیم کے گلے لگا پھر سادھنا کو گلے لگایا۔ ''دیدی تم فکر مت کرو ممکن ہے ہم کل ہی آ جائے۔''

سادھنا کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ ''سچ تم لوگ کل آ سکتے ہو؟''

''کیوں جب تم تین گھنٹے کے اندر دبئی جا سکتی ہو تو ہم کیوں نہیں آ سکتے؟'' میں مسکرایا۔ ''بس اب چلو دیر ہو رہی ہے ایسا نہ ہو کہ بورڈنگ بند کر دی جائے۔''

کھٹمنڈو کا ائیر پورٹ خاص بڑا نہیں ہے۔ کم سے کم مجھے کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے ائیر پورٹس کے مقابلے میں چھوٹا لگا تھا۔ صفائی ستھرائی اور دوسرے انتظامات بھی خاص نہیں تھے۔ میں لاؤنج تک جا سکتا تھا۔ وسیم اور سادھنا نے کاؤنٹر پر جا کر ٹکٹ اور پاسپورٹ چیک کرایا جس کے بعد بورڈنگ کارڈ مل گیا تھا۔ ان کے پاس سامان تھوڑا ہی تھا اور ہم نے راستے میں ان کے سامان میں سے ہر مشکوک چیز نکال لی تھی۔ ائیر پورٹ آنے سے پہلے پستول وغیرہ بھی اسلحے والے بیگ میں ڈال دیئے تھے۔ میں نے وسیم کو دس ہزار ڈالرز دے دیے تھے۔ اسے سفیر کے تمام فون نمبر اور ای میل ایڈریس بھی دیا تھا۔ اس کے باوجود اگر اسے سفیر نہ ملتا تو وہ پاکستان کال کر کے ندیم سے ان کے نمبر لے سکتا تھا۔

''اگر سفیر نہ بھی ہوا تو تمہارے پاس رقم ہو گی۔ تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔'' میں نے کہا۔ وسیم اتنی دیر سے خاموشی سے سر ہلا رہا تھا اور شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہا تھا اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں اسے بالکل کسی دیہاتی کی طرح سمجھا رہا تھا جس کا بیٹا پہلی بار شہر جا رہا تھا۔ میں کھسیا کر خاموش ہو گیا تھا۔ سادھنا زور سے ہنسی۔

''شوبی آپ کے انداز سے لگ رہا ہے کہ آپ کا بیٹا کہیں جا رہا ہے۔ بے چارہ ناتجربے کار اور نوجوان۔''

''تمہیں کیا اعتراض ہے۔'' وسیم بولا۔ ''مجھے شہباز صاحب کی یہ بات اچھی لگی۔ میں وہاں جا کر پہلے سفیر سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھے مل جائے گا لیکن آپ دونوں کی خیریت میں کیسے معلوم کروں گا؟'' اس نے میری طرف دیکھا۔

''میرے پاس سفیر کے نمبرز ہیں۔'' میں نے کہا۔ پھر مجھے خیال آیا۔ ''اس سے ابھی رابطہ کر کے کیوں نہ دیکھیں۔''

ائیر پورٹ لاؤنج میں فون کال کی سہولت تھی اور اس کے لیے کارڈ بھی پاس سے کاؤنٹر سے دستیاب تھے۔ میں نے سفیر کا موبائل نمبر ملایا اور اس نے فوراً کال ریسیو کی۔ ''ہیلو کون بات کر رہا ہے۔''

''تمہارا باپ۔'' میں نے آواز بدل کر کہا۔

''وہ تو اپنی حویلی میں آرام سے بیٹھا ہے اسے نیپال جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کہا یقیناً اس نے نمبر سے جان لیا تھا کہ کال نیپال سے آئی تھی۔

''سفیر احمق کیا میری آواز نہیں پہچانتا۔'' اس بار میں نے اصل آواز میں کہا تو سفیر چلانے لگا تھا۔

''شوبی تو کہاں مر گیا تھا؟''

''بس یہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اور نام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ بیگم صاحبہ کہاں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں یہاں ہوں۔'' مونا نے اس سے موبائل چھین لیا۔ ''سچ آپ لوگ بہت ستاتے ہیں۔ سادی کہاں ہے اور وسیم بھائی کیسے ہیں۔''

''اف تم لوگ مروا دو گے۔'' میں نے کہا۔ ''سب یہیں ہیں۔ وسیم اور سادی دبئی کے لیے روانہ ہونے والے ہیں ایک گھنٹے بعد پرواز ہے۔''

''آپ اور بیتو کیوں نہیں؟''

''ہمارا انتظام نہیں ہو سکا۔'' میں نے کہا۔ سفیر نے اس سے موبائل واپس چھین لیا۔

''تم دونوں کیوں نہیں آ رہے ہو؟''

''یہ سب وسیم بتا دے گا۔ یہ بتا کہ راجا عمر دراز کی کوئی خبر ہے؟''

''نہیں..... میں نے اس کی رہائش بھی چھوڑ دی ہے۔ یہاں دبئی میں ایک عرب تاجر کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہوں الگ سے فلیٹ لے رکھا ہے۔ کیوں راجا کو کیا ہوا؟''

''یہ بھی وسیم بتائے گا اور ملک کی کوئی خیر خبر؟''

''خبر یہ ہے کہ اپنے مرشد صاحب الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں۔''

''حرامزادہ۔'' میں نے بے ساختہ گالی دی۔ ''وہ اب سیاست میں آ رہا ہے۔''

''ایسے لوگ تو سیاست کا رخ کرتے ہیں۔'' سفیر نے تلخی سے کہا۔ ''لیکن ایک اچھی خبر ہے۔ اس نے صلح کے لیے ندیم سے رابطہ کیا ہے۔ ندیم بھی ان دنوں بہت اوپر جا رہا ہے۔''

''کیا مطلب کیا اس نے مری میں گھر بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

''نہیں وہ سپریم کورٹ کا وکیل بن گیا ہے اور باقاعدہ لا فرم بنا لی ہے اس کے ساتھ دو بڑے وکیل اور آ گئے ہیں۔ چھ سات جونیئر وکیل ہیں۔ مزے ہو گئے ہیں سالے کے۔''

''یہ تو واقعی ترقی کر رہا ہے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ ''تو میرے کیسز کون دیکھے گا؟''

''اس کا تو باپ بھی دیکھے گا۔'' سفیر بولا۔

''اچھا کام کی بات سن۔ یہ دونوں تیرے پاس آ رہے ہیں۔ دو نمبر کاغذات پر تو سمجھ رہا ہے نا..... ان کو پاکستان بھیجنا ہے جہاں ان کے اصل کاغذات بنیں گے اور پھر یہ واپس آ جائیں گے۔''

''ہو جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے تو ایک آدمی سے بات بھی کر لی ہے۔ سادھنا کی وجہ سے کی تھی۔ وہی وسیم کا کام بھی کر دے گا۔''

فلائیٹ کا وقت ہو رہا تھا اس لیے میں نے کال بند کر دی۔ یہ دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا کہ بیتو اندر آ گیا تھا اور اسلحے والا بیگ بھی لے آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈیپارچر کا اعلان ہوا تو سادھنا پھر روتے ہوئے مجھ سے اور پھر بیتو سے لپٹ گئی۔ بمشکل اسے تسلی دے کر میں نے اندر بھیجا۔ جب تک وہ نظر آتے رہے ہم ہاتھ ہلاتے رہے تھے۔ پھر وہ طیارے کی طرف جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ وہ اتنے آرام سے اسلحے والا بیگ شانے سے ٹانگے ہوئے تھا جیسے اپنے گاؤں میں گھوم رہا ہو۔ میں نے اسے ڈانٹا

''احمق اس سمیت اندر آنے کا مطلب سمجھتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم نے سوچا کہ وسیم بھائی اور دیدی کے ایک بار پھر دیکھ لے۔'' اس نے منمنا کر کہا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''اب یہاں سے نکلو۔'' میں نے کہا۔ ائیر پورٹ کی حدود میں خطرہ تھا کیونکہ کوئی بھی مشکوک سمجھ کر بیگ چیک کرانے کا مطالبہ کر سکتا تھا اور ہم پھنس جاتے۔ اگرچہ ہمیں پکڑنا اتنا آسان نہیں تھا لیکن بلاوجہ کی بھاگ دوڑ مچ جاتی۔ میں اور بیتو باہر نکلے جب ہم پارکنگ میں پہنچے تو وہاں گگن نظر نہیں آیا تھا نہ اس کی کار دکھائی دے رہی تھی۔ ''یہ کہاں گیا؟'' میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

''پتا نہیں ہم اسے یہیں چھوڑ کر گیا تھا۔'' بیتو نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ جگہ کسی قدر ویران تھی جب کہ دوسرے حصوں میں خاصی گاڑیاں کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ اب یہ جاننا مشکل تھا کہ دوسری گاڑیوں میں گگن کی کار تھی۔ ممکن ہے کسی نے اسے یہاں سے ہٹا دیا ہو۔ اسے تلاش کرنے میں وقت لگ سکتا تھا اور میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

''کوئی اور دیکھو۔'' میں نے بیتو سے کہا۔

ہمیں پنڈ سے وارد ہونے والوں کی طرح منہ اٹھائے چاروں طرف دیکھتے ہوئے ایک سردار جی ہماری مدد کو لپکے۔ انہوں نے بالکل درست انداز لگایا تھا کہ ہمیں ٹیکسی کی ضرورت تھی۔ ہماری صورتوں سے وہ سمجھے تھے کہ ہمارا تعلق انڈیا سے ہے۔

''او جی کی ٹیکسی چائی دی اے۔''

''بالکل چائی دی اے سردار جی۔'' میں نے کہا اور سردار جی کا معائنہ کیا۔ وہ تقریباً چالیس برس کا تنومند سکھ تھا لیکن صورت سے شریف ہی لگ رہا تھا۔ ''سردار جی ہم ڈرائیور بک کرا کے لائے تھے۔ ادھر کھڑی تھی اس کی سفید ماروتی کار..... اس کا کچھ پتا ہے۔''

''ہمارا اس پر پیسہ نکلتا ہے۔'' بیتو نے دخل دیا کیونکہ ڈرائیور کا سن کر سردار جی کا جذبہ خدمت ماند پڑ گیا تھا۔ ''اس سے پیسہ لے کر پھر تمہارے ساتھ چلتا ہے۔''

سردار جی نے داڑھی کھجائی اور بولے۔ ''ادھر کھڑا تو تھا پھر کسی پولیس والے سے بات کر رہا تھا۔ وہی اسے لے گیا ہوگا۔''

سردار جی کی بات سن کر میرے اندر الارم بجنے لگا تھا۔ ''چلو دفع کرو اسے، تھوڑی رقم تھی۔ سردار جی ٹیکس لاؤ فٹافٹ۔''

سردار جی ٹیکسی لانے روانہ ہو گئے اور اسی لمحے مجھے گگن دو پولیس والوں کے ہمراہ ائیر پورٹ کی عمارت سے نکلتا نظر آیا تھا۔ جیسے میں نے اسے دیکھا اسی طرح اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اس نے پولیس والوں سے کچھ کہا اور وہ ہماری طرف لپکے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''ہوشیار ان سب کو یہاں لٹانا ہے بس شور نہ ہو۔''

بیتو اسلحے والا بیگ ایک کار کی آڑ میں کر کے اس سے پستول نکالنے لگا ایک اس نے مجھے تھما دیا اور دوسرا خود لے لیا۔ پولیس والے نہتے تھے اور گگن تو تھا ہی خالی ہاتھ۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''یہ لوگ ہیں ان کے پاس اسلحہ ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سنتے ہی میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور سر سے ایک بھرپور ٹکر اس کے منہ پر رسید کی اور وہ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا۔ اس دوران میں بیتو نے ایک پولیس والے کا سر بجایا اور وہ بھی گھگن کے ساتھ زمین پر دراز ہو گیا۔ دوسرے پولیس والے کو میں اسی صف میں لٹا دیا۔ اور ہاتھ جھاڑ کر چاروں طرف دیکھا کیونکہ یہ سب ایک کونے میں ہو رہا تھا اس لیے کسی نے نہیں دیکھا اور اگر کسی نے دیکھا بھی تھا تو انجان بن گیا کہ آج کل پرائے پھڈے میں کوئی ٹانگ نہیں اڑاتا ہے۔ اسی لمحے ایک نہایت خستہ حالی کلو کیب آ کر ہمارے پاس رکی اور اس سے سردار جی نے جھانکا۔ تین افراد کو جن میں دو پولیس والے بھی تھے ایک صف میں پڑے پا کر ان کے بارہ بج گئے تھے۔

''اے کی اے؟''

''اے کی اے؟'' میں نے آڑ میں پستول ان کی گردن پر رکھ کر جوابی سوال کیا تو سردار جی نے شاید سردی سے کانپنا شروع کر دیا۔

''پستول جی۔'' وہ منمنا کر بولے۔

''سردار جی تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ اصلی پستول ہے اور اس میں گولیاں بھی اصلی ہیں۔ اگر میں نے گولی ماری تو یہ تمہارے ایک کان سے گھس کر دوسرے کان سے نکل جائے گی۔''

''جی جی۔'' وہ رونے والے انداز میں بولا۔ ''میری چھوٹی سی بیوی اور چار بچے ہیں۔''

''بس۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''یعنی اگر تم اپنی کسی حرکت کی وجہ سے فوت ہو گئے تو نقصان صرف پانچ افراد کا ہو گا بلکہ چار بچوں کا، ماں کو ان کے لیے دوسرا باپ نہ سہی اپنے لیے دوسرا شوہر مل جائے گا۔''

''بالکل وہ تو پہلے ہی تیار ہے میں مروں تو وہ دوسرا ویا کرے اسے میری شکل کبھی پسند نہیں آئی۔'' سردار جی نے اپنی دکھی ازدواجی اسٹوری شروع کی تھی کہ میں نے اسے وہیں روک دیا۔ ''سردار جی باقی کہانی راستے میں سنانا۔''

سردار جی کے ایک بار پھر بارہ بج گئے تھے۔ ''راستے میں؟''

''تو کیا یہیں کھڑے رہنا ہے پولیس ہمارے ساتھ تمہیں بھی لے جائے گی یہ بتاؤ کوئی ایسا ہے جو تمہیں پولیس سے چھڑا سکے۔''

''سوائے واہ گورو کے کوئی نہیں ہے۔''

''بس تو یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔'' میں گھوم کر ان کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بیتو پہلے ہی سامان سمیت پچھلی نشست پر براجمان ہو گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے ایک طیارے کو فضا میں بلند ہوتے دیکھا۔ اس میں وسیم اور سادھنا سوار تھے۔ میں نے سرد آہ بھری اب نہ جانے ان لوگوں سے کب ملنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ جس قسم کی زندگی تھی اس میں ملک الموت سے ملاقات کا ہر وقت امکان رہتا تھا۔ سردار جی نے عجلت میں ٹیکسی نکالی اور ایک کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔ میں نے خود کو سنبھالا۔

''آرام سے سردار جی اتنی بھی جلدی نہیں ہے۔''

سردار جی کے ہاتھ لرز رہے تھے اور شاید انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ دہشت گردوں یا پیشہ ور قاتلوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ لگ گئے تھے جوان کا مرڈر مفت میں کرتے۔ انہوں نے تقریباً اپنی عمر کی ٹیکسی کو یوں چلانا شروع کیا جیسے انہوں نے یا ٹیکسی نے پی رکھی ہو۔ میں نے ان کو مزید تسلی دی۔

''ہم شریف لوگ ہیں۔''

اس نے فریادی نظروں سے میری طرف دیکھا اور نظروں میں سب کہہ دیا کہ اچھے شریف لوگ ہو تین بندے معہ دو پولیس والوں کے لمبے لٹا دیئے اور مجھے اغوا کر کے لے جا رہے ہو۔ یہ بات وہ زبان سے نہیں کہہ سکتے تھے۔ ''سنو سردار اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو جو ہم کہیں وہی کرنا۔'' بیتو نے اسے پیچھے سے دھمکی دی۔ ''ورنہ ہم بندہ مارنے میں زیادہ دیر نہیں لگاتے ہیں۔''

اس کا عملی نمونہ سردار جی دیکھ چکے تھے ان کو ٹیکسی لانے میں دو منٹ بھی نہیں لگے تھے اور اتنی دیر میں ہم نے تین بندے لٹا دیئے تھے۔ یہ سمجھ کر ان کی حالت مزید خراب ہو گئی کہ ہم نے ان تینوں کو قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ صرف بے ہوش تھے۔ سردار جی نے ٹیکسی سڑک کے کنارے روک دی اور کانپتے ہاتھوں سے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک چھوٹی سی شراب کی بوتل نکالی اور اس سے دو گھونٹ لیے۔ پھر خفت سے بولے۔

''گھر میں وہ بدبخت پینے نہیں دیتی ہے اس لیے باہر لگانی پڑتی ہے۔''

''کوئی بات نہیں لیکن اتنی مت پی جانا کہ ہمیں کہیں لے جا نہ سکو اور ہمیں تمہاری ٹیکسی خود لے جانی پڑے۔''

یہ سنتے ہی سردار جی نے بوتل بند کر کے واپس رکھ دی اور میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''گورو کی خاطر میرے تے رحم کرو۔''

''رحم ہی تو کیا ہے ورنہ تم زندہ کیسے ہوتے۔ اب ٹیکسی اسٹارٹ کرو اور یہاں سے چلو۔ پولیس آ گئی تو ہم کسی نہ کسی طرح نکل جائیں گے۔''

''میں مارا جاؤں گا۔'' اس نے مجھ سے اتفاق کیا اور ٹیکسی اسٹارٹ کر کے وہاں سے چل پڑا۔ ''جانا کہاں ہے جی؟''

''یہ تو تم بتاؤ؟''

سردار جی چونکے۔ ''کی مطلب جی۔''

''سردار جی بات یہ ہے کہ ہم یہاں اجنبی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''دو دن پہلے ہی یہاں آئے ہیں۔ اس لیے تم ہمیں کسی ایسی جگہ لے چلو جہاں ہم کچھ وقت سکون سے گزار سکیں۔''

''اپنے گھر لے چلو۔'' بیتو نے کہا۔

سردار جی گھبرا گئے۔ ''اتھے تے مینوں سکون نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں ہم بھی ذرا شور شرابے میں خوش رہتے ہیں۔''

سردار جی نے دیکھا جب ہم مُصر ہیں تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ ''نہیں میں تو انوں ادھر نہیں لے جا سکدا۔''

نیپال آ کر سردار جی ملی جلی پنجابی بولنے لگے تھے۔ کبھی اردو پر آ جاتے یا ہندی بولنے لگتے تھے۔ بہر حال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں ان کی بولیوں سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ میں نے پستول نکال کر سردار جی کے پہلو سے لگا دیا۔ ''تم انکار کی پوزیشن میں نہیں ہو۔''

سردار جی نے مجبوراً مجھ سے اتفاق کیا تھا۔ وہ شریف آدمی تھے گھر میں بیوی سے اور باہر ہم سے اتفاق پر مجبور تھے۔ اس نے فریاد کی۔ ''دیکھو جی میں تمہیں لے کر گیا تو میری گھر والی نے مجھے نہیں چھوڑنا ہے۔''

''وہ تمہیں پہلے ہی کب چھوڑتی ہے۔'' بیتو نے کہا۔

''سردار جی مرد بنو۔'' میں نے ان کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''اور کتنا بنوں۔'' اس نے ہماری بات کا غلط مطلب نکالا۔ ''چار بچے کافی نہیں ہیں۔''

''میرا مطلب ہے بیوی سے اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے پاؤں کی جوتی بنا کر رکھو۔'' میں نے بلا خوف وخطر مشورہ دیا کیونکہ سادھنا ساتھ نہیں تھی۔ ورنہ یہ مشورہ الٹا میرے گلے پڑ جاتا۔

''کوشش کیتی سی۔'' سردار جی نے سرد آہ بھری۔

''پھر کیا ہوا؟'' بیتو نے تجسس سے پوچھا۔

''اس نے جتی اٹھالی۔'' انہوں نے کہا۔ ''اب پھر اٹھالے گی کہ مفت کے پروہنے لے آیا۔

''تم فکر مت کرو ہم تمہارے گھر مہمان بن کر نہیں بلکہ گاہک بن کر جا رہے ہیں۔'' میں نے ان کو تسلی دی۔ ''ہم تمہیں رہنے اور کھانے پینے کے پیسے دیں گے۔''

یہ سن کر سردار جی کی کسی قدر تسلی ہوئی تھی۔ مزید تسلی کے لیے میں نے مقامی ہزار روپے اس کی جیب میں رکھ دیئے۔ ''یہ کافی ہیں؟''

سردار جی خوش ہو گئے تھے۔ ''جی بہت ہیں۔''

وہ واقعی سادہ آدمی تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کرتا۔ اس کا گھر کھٹمنڈو کی ایک کچی آبادی میں تھا اونچے نیچے راستوں پر کھلونوں کی طرح بکھرے مکانات پھیلے تھے، برف باری معمولی سی ہوئی تھی اور شہر میں تو پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔ ابھی ہوا بھی نہیں چلی تھی اس لیے موسم میں شدت نہیں آئی تھی۔ سردار جی نے ایک چھوٹی سے پہاڑی پر قبضہ کر کے اس طرح مکان بنا لیا تھا کہ وہ ایک منزلہ ہوتے ہوئے بھی تین منزلہ لگتا تھا۔ سامنے صحن تھا پھر ایک کمرہ تھا۔ اس سے اگلے کمرے میں جانے کے لیے کوئی سات فٹ سیڑھیاں چڑھنی پڑھتی تھیں اور اسی طرح تیسرا کمرا اس سے بلند تھا۔ تینوں کمروں تک جانے کے لیے سائیڈ سے ایک زینہ اوپر جا رہا تھا۔ اس کے سب سے اوپری حصے میں کچن اور باتھ روم وغیرہ تھے۔ اس طرح سردار جی نے ہوشیاری سے پہاڑی کاٹے یا ہموار کیے بغیر ایک مناسب قسم کا گھر بنا لیا تھا۔ البتہ سب سے نیچے صحن بنا لیا تھا جس میں وہ اپنی ٹیکسی کھڑی کرتا تھا حالانکہ وہ اسے کہیں بھی بلا خوف وخطر کھڑا کر سکتا تھا اس میں چرانے کے لائق کوئی چیز نہیں تھی۔

سردار جی کی بیوی خلاف توقع دبلی اور مسکین سی نظر آنے والی عورت ثابت ہوئی تھی۔ ان کے چار بچے دو سے سات سال تک کے تھے۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں، بچے چاروں پیارے تھے اور یقیناً اپنی ماں پر گئے تھے کیونکہ سردار جی کے نقوش تو سابق بھارتی کرکٹر بشن سنگھ بیدی جیسے تھے۔ انہوں نے ایک کونے میں لے جا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی بیوی سے کچھ کہا اور اس نے فوراً ہمارے لیے ایک کمرہ خالی کر دیا۔ کمرے میں فرش پر بھیڑ کی کھال کا بنا ایک موٹا سا نمدہ تھا لیکن یہ کسی ایک بھیڑ کی کھال سے نہیں بن سکتا تھا۔ ہم سامان رکھ کر لیٹ گئے۔ میں نے سردار جی کو راستے میں سمجھا دیا تھا کہ وہ کوئی حماقت کر کے اپنے گھر کو میدان جنگ بنانے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اس جنگ میں سب سے پہلے وہ اور اس کے بیوی بچے مارے جائیں گے۔ سردار جی نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ان کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ احتیاطاً میں نے ان کو ایک ہزار اور دے دیئے تھے تاکہ دل میں لالچ کا بسیرا رہے اور کوئی الٹا سیدھا خیال نہ آنے پائے۔ ائیر پورٹ سے فرار کے بعد اب سکون کا سانس لیا تھا تو وسیم اور سادھنا یاد آ گئے۔

بیتو اداس تھا۔ ''وسیم بھائی اور دیدی تو دبئی پہنچ گیا ہوگا؟''

''اتنی جلدی۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ''ابھی تو طیارے کو پرواز کیے ہوئے ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا ہے۔''

''پھر کتنی دیر میں پہنچے گا۔''

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کھٹمنڈو سے دبئی کا فاصلہ کتنا بنتا تھا اور یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ طیارے نے راستے میں کہاں کہاں رکنا تھا لیکن اتنا اندازہ تھا کہ اس سفر میں کم سے کم چار پانچ گھنٹے لگتے۔ اس وقت چھ بج رہے تھے اور باہر تاریکی چھانے لگی تھی۔ طیارے نے پانچ بجے پرواز کی تھی۔ رات دس بجے تک ہی دبئی پہنچتا۔ سردارنی ہمارے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔ ساتھ میں چھوٹے چھوٹے کشمیری کلچے نما کوئی چیز تھی۔ چائے اور کلچے دونوں مزے کے تھے۔ اگرچہ مجھے خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا لیکن میں نے سردار جی کو بھی شامل کر لیا اور اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی کہ انہوں نے کون سا مگ لیا اور ہم نے کون سا لیا۔ کلچے بھی مل جل کر کھائے تھے۔ میں نے سردار جی سے کہا۔ ''یار تم نے اپنی بیوی کو بلاوجہ بدنام کر رکھا ہے بے چاری سیدھی سی تو عورت ہے۔''

سردار جی نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ''نہ جی..... دیکھنے میں تو میری ٹیکسی بھی سیدھی سی لگتی ہے۔ پر میرے کو پتا ہے مینوں کتھوں تنگ کر دی اے۔''

میں نے سردار جی سے اتفاق کیا۔ ''یہ تو ہے جس کی جوتی ہوتی ہے اسے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے کہاں سے کاٹ رہی ہے۔''

''سونے جئی گل کیتی اے بادشاہو۔'' سردار جی متاثر ہو کر بولے۔ ''ہن دسو پروگرام کی اے۔''

''سردار جی پہلے تو تم اپنا نام بتاؤ۔''

''ویر سنگھ۔'' وہ جھینپ کر بولے۔ ''بڑا اوکھا ہو جاندا جے گھر والی بھی ویر کہندی اے۔''

میں ہنسا۔ ''ویر جی..... پروگرام یہ ہے کہ ہم آج رات یہیں رکیں گے اور کل ہمیں ایک جگہ جانا ہے تم ہمیں وہاں پہنچا دو تو تم فارغ ہو۔''

سردار جی پریشان ہو گئے تھے۔ ''آج رات.....''

''ہاں یار تم کو ادائیگی کریں گے۔''

''وہ تو گل نہیں ہے پر..... چھڈو جی خیر ہے۔''

''مسئلہ کیا ہے ویر جی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ مجھے گھر والی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔اس نے پھر کوئی گڑبڑ کر دی اے۔''

''اس نے یا تم نے؟'' میں نے غور کیا۔

وہ جھینپا۔''اک ای گل اے۔''

''تو لے جانا سردار جی۔''

''پر تسی ادھر گھر وچ.....'' سردار جی اپنی بات کہہ نہیں پا رہے تھے۔

میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے بچے ہمارے پاس چھوڑ کر جاتے ہوئے فکر مند تھے۔ ہم صورت سے شریف نظر آتے تھے لیکن تھے تو اجنبی۔ وہ کس طرح ہم پر اعتبار کر سکتے تھے۔ میں نے کہا۔''سردار تمہارے بچے ہمارے بچے ہیں اور یہ بالکل محفوظ رہیں گے۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔''

''بس کسی غلط حرکت کا مت سوچنا۔'' بیتو نے اسے خبردار کیا۔

سردار جی بادلِ ناخواستہ اپنی گھر والی کو لے کر روانہ ہوئے تھے اور احتیاطاً اپنی بچیوں کو ساتھ لے گئے تھے۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔لڑکے بڑے تھے۔ سات اور پانچ سال کے، کچھ دیر تو وہ ڈرے سہمے رہے پھر بیتو نے ان کو اپنے بیگ میں موجود کھانے پینے کی چیزیں نکال کر دیں تو ذرا بے تکلف ہو گئے۔ بچے ماں باپ کے برعکس واجبی سی پنجابی جانتے تھے اور نیپالی زبان روانی سے بولتے تھے۔ وہ دونوں اسکول جاتے تھے۔ کچھ دیر بعد بیتو ان کے ساتھ لڈو کھیل رہا تھا۔لڈو ایک یونیورسل کھیل ہے اور دنیا میں ہر جگہ ایک ہی طرح سے کھیلا جاتا ہے۔ بیتو دھاندلی کر رہا تھا۔مگر بچے بھی کم چالاک نہیں تھے وہ اسے پکڑ لیتے تھے اور پھر شور مچاتے تھے۔ میں ان کے شور کے باوجود اونگھ گیا تھا۔کل رات سے سونے کا موقع بہت کم ملا تھا۔ جب سردار جی آئے اور انہوں نے بچوں کو ڈانٹ کر بھگایا تو میری آنکھ کھل گئی۔ سردار جی پاس بیٹھ گئے۔

''دکھا دی گھر والی کو؟''

انہوں نے سر ہلایا۔''وہی بات نکلی۔''

''چلو اچھی بات ہے بچے تو گھر کی رونق ہوتے ہیں۔''

سردار جھنجھلا گئے تھے۔''او جی یہ رونق خر چا بھی تو بہت مانگتی ہے۔''

''وہ اوپر والا دیتا ہے۔'' میں نے کہا۔''یہ بتاؤ کہ کھانے میں کیا ہے کوئی گوشت والی چیز نہ ہو۔''

وہ چونکا۔''آپ ہندو ہو؟''

''نہیں مسلم ہیں۔'' میں نے بتایا۔

''اچھا اچھا پاکستانی ہو میں بھی کہوں تو اڈے لہجے وچ الگ کوئی گل اے۔ میرا پیو دی پاکستانی پنجاب سے آیا تھا۔ادھر لہور کار ہنے والا تھا۔ پورا گھر تھا پر کلا آیا۔''

''بس اس دور میں ایسی ہی کہانیاں جنم لے رہی تھیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔''پھر تم کہاں سے وجود میں آئے؟''

''ادھر امرتسر میں پتا جی نے دوسرا ویاہ کر لیا۔ پھر جب گولڈن ٹیمپل والا واقعہ ہوا تو میرے دو بھائی پولیس نے مار دیئے۔ مینوں دی تنگ کر دے سی تے میں ادھر نیپال آ گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شادی یہیں کی؟'' بیتو نے سوال کیا۔

''ہاں پرجنی شریکے کی دھی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''بھارت سے بیاہ کرلایا تھا۔''

سردار جی نے اپنی بیوی سے آلو کی ترکاری اور روٹی بنوائی تھی۔ ہم نے وہی کھائی۔ کھانا مزے کا تھا لیکن بیتو نے مشکل سے کھایا۔ اسے مرغن کھانے کی عادت ہوگئی تھی۔ کھانے کے بعد ہم اسی کمرے میں سوئے تھے۔ سردار جی نے عقل مندی کا ثبوت دیا اور بغیر ہمارے مطالبے کے خود سونے کے لیے اسی کمرے میں آ گئے تھے۔ میں نے اور بیتو نے طے کیا تھا کہ ہم باری باری جاگتے رہیں گے اور ایک دوسرے کو اٹھا کر سوئے گا۔ سردار جی نے ہمیں کمبل لا دیئے تھے اور گرمائش کے لیے کوئلے سے جلنے والی انگیٹھیاں پہلے جلا کر باہر رکھیں جب ان کا دھواں ختم ہوگیا تو وہ اسے اندر لے آئے تھے۔ رات گیارہ بجے مجھے خیال آیا کہ کہیں سے فون کر کے سفیر سے معلوم کروں کہ دیسم اور سادھنا خیریت سے پہنچ گئے ہیں لیکن پھر مجھے یہ بات بچکانہ سی لگی تھی۔ رات کے اس وقت نکلنا خطرے کو دعوت دینے والی بات تھی۔ یہ کام دن میں آسانی سے ہوسکتا تھا۔ اس لیے بلاوجہ خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔

مجھے راج کا خیال بھی تھا اور میرا ارادہ تھا کہ ہم کل بڑے مندر کی طرف جائیں گے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ جگہ کیسی تھی اور ہم کس طرح خطرہ مول لیے بغیر راج کے لیے کچھ کر سکتے تھے۔ پہلے بیتو جاگتا رہا تھا صبح چار بجے اس نے مجھے جگا دیا تھا۔ پانچ گھنٹے کی نیند نے مجھے تر و تازہ کر دیا تھا۔ بیتو سو گیا اور میں سردار جی کے خراٹے سنتا رہا تھا۔ سردی خاصی تھی لیکن گرم کمبل میں اتنی زیادہ نہیں لگ رہی تھی۔ چھ بجے سردار جی بیدار ہو گئے تھے اور جب وہ اٹھے تو میں نے بھی باتھ روم کا پوچھا۔ سردار جی مجھے اوپر لے کر آئے یہاں ایک لائن میں کچن لیٹرین اور غسل خانہ تھا۔ میں ضروریات اور منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو رجنی کچن میں گھسی ناشتہ بنا رہی تھی یہ سحر خیز لوگ تھے کیونکہ باہر ابھی روشنی نمودار ہو رہی تھی اور انہوں نے ناشتے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ میں سردار جی کے ساتھ واپس آیا تو وہ بولے۔

''میں ست وجے نکل جاندا آں۔''

''کوئی بات نہیں سردار جی آج چھٹی کرو۔'' میں نے کہا۔

''اچھا جی پر دھاڑی ماری جاسی۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

میں نے اسے تسلی دی۔ ''سمجھ لو تم ہمارے لیے بک ہو اور سات بجے سے ہم تمہیں فی گھنٹہ سو روپے کی ادائیگی کرتے رہیں گے۔ جب تک تم ہمارے ساتھ رہو گے۔''

''نیر ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہو کر بولے۔

ناشتے میں پراٹھے اور انڈوں کے آملیٹ کے ساتھ چائے تھے۔ ناشتہ کر کے سردار جی بچوں کو اسکول چھوڑنے چلے گئے۔ رجنی گھر میں رہی تھی۔ سردار جی دس منٹ میں آ گئے اور میں نے روانہ ہونے سے پہلے اسے ایک ہزار کا نوٹ اور دیا۔ ''یہ بھابی کے لیے۔''

نوٹ سردار جی نے فوراً اپنے بٹوے میں ڈال لیا۔ ہم باہر نکلے سامان ٹیکسی کی ڈکی میں رکھا۔ دو بیگ تھے ایک میں بیتو کے کپڑے اور چیزوں کے ساتھ اسلحہ تھا اور دوسرے میں میرا سامان تھا۔ سردار جی نے ٹیکسی اسٹارٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے سے پہلے میری طرف دیکھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ ''سردار جی ہمیں بدھا کے بڑے مندر تک جانا ہے جو کھٹمنڈو کے شمال میں ہے۔''

گگن کی طرح سردار جی بھی پریشان نظر آنے لگے۔ ''اتھے کیوں جانا اے جی؟''

''سردار جی یہ بتاؤ کہ ہم جیسے ٹورسٹ نظر آتے ہیں؟''

''آتے ہو جی۔''

''تو ٹورسٹ کسی تاریخی مقام پر کیوں جاتے ہیں؟''

''پر وہ کوئی تاریخی جگہ نہیں ہے جی۔''

''جب ہم نے سوچ لیا ہے کہ وہاں جانا ہے تو اس کے تاریخی ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔''

''پر اتھے تے بدماشاں دا اڈہ اے۔''

''اسی وی کوئی شریف نہیں ہیں۔''

سردار جی اس بات کے قائل بھی تھے۔ ہم نے کل ان کی آنکھوں کے سامنے تین افراد کو لمبا لٹا دیا تھا اور ان کو زبردستی ان کے گھر لے آئے تھے۔ مگر ان کو اصل خطرہ اپنی جان کا تھا کہ ممکن ہے ہم ان کو بڑے مندر سے واپس ہی نہ آنے دیں اور وہیں ان کے کریا کرم کا کچھ انتظام کر دیں۔ انہوں نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''

''سردار جی باقی لوگوں کے بھی کوئی بڑے بچے نہیں ہوتے چھوٹے ہی ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ٹیکسی چلاؤ۔''

''اس سے پہلے کہ ہم کچھ اور چلائیں۔'' بیتو بولا۔

سردار جی نے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی اور بولے۔ ''دیکھو یار وہ خطرناک جگہ ہے اور ادھر سب بدمعاش ہیں۔''

''تو کیا ہوا؟''

''آپ بھی ان کے جیسے ہو لیکن میں شریف بندہ ہوں؟''

''کیا مطلب ہم بدمعاش ہیں۔'' بیتو غرایا۔

''نہ جی آپ نے خود آکھیا سی۔'' سردار ویر سنگھ سہم گیا۔

''تو بس ہم جو کہتے رہیں اس پر عمل کرتے رہے تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''لیکن پہلے ہمیں کسی ایسی جگہ لے چلو جہاں سے ہم انٹرنیشنل کال کر سکیں اور وہاں کوئی ہماری باتیں بھی نہ سنے۔''

سردار جی ہمیں ایک ذرا پوش قسم کے کیفے کے سامنے لے آئے۔ ''ادھر ہے جی اسٹینڈرڈ کا پی سی او۔''

یہ اسٹینڈرڈ کا پی سی او ہمارے گلی محلے کے پی سی او سے اونچے اسٹینڈرڈ کا نہیں تھا۔ میں نے اس کے مالک سے منہ سے کہنے کے بجائے اس کے سامنے رکھی پرچی پر سفیر کا نمبر لکھا۔ اس نے نمبر دیکھ کر ملایا اور مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک کیبن میں جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے اندر جا کر ریسیور اٹھایا تو سفیر ہیلو ہیلو کر رہا تھا۔ ''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یار تم ٹھیک ہو نا؟'' سفیر میری پہچان کر بولا۔

''ہاں پہلا لشکر کامیابی سے پہنچ گیا کیا؟''

''ہاں وسیم یہ بیٹھا ہے اور وہ دونوں کچن میں ایک دوسرے کا دماغ کھا رہی ہیں۔''

''چلو تم دونوں عیش کرو ورنہ تم دونوں کا دماغ کھا تیں۔'' میں نے وسیم اور سادھنا کے پہنچ جانے کا سن کر سکون کا سانس لیا۔ ''تو نے پاکستان بات کی ہے؟''

''ہاں اس وکیل کی دم سے بات کی تھی۔ وہ کہہ رہا ہے سارے دیئ کو بھیج دوں سب کے کاغذات بنوا دے گا۔ یہ وسیم سے بات کر تیرے فراق میں اداس ہے۔''

کچھ دیر بعد وسیم آواز آئی۔ ''شہباز صاحب یار آپ کے بغیر مزہ نہیں آ رہا۔''

''ابھی سے میرے دوست ابھی تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں خیریت سے پہنچ گئے۔ اب پہلی فرصت میں وطن عزیز چلے جاؤ اور وہاں ندیم کی مدد سے کام کروا کے واپس آ جاؤ۔''

''سفیر کوشش کر رہا ہے۔ اصل میں مسئلہ سادی کا ہے اس کا پاسپورٹ مسئلہ ہے۔'' وسیم نے کہا تو مجھے یاد آ گیا۔ سادھنا کے پاس بھارتی پاسپورٹ تھا اور اسے اتنی آسانی سے پاکستان کا ویزہ نہیں ملتا۔ اور اگر وہ پاکستان جا کر غائب ہو جاتی تو ایک مسئلہ اور بن جاتا۔ میں نے کہا۔

''سفیر سے کہو کہ اس معاملے میں براہ راست ملوث نہ ہو کیونکہ ان دنوں سرحدوں پر ویسے ہی ٹینشن ہے اور کوئی دونوں ملکوں کا کوئی باشندہ دوسرے ملک میں جائے تو اس کی خصوصی نگرانی کی جاتی ہے۔ پھر کوئی مسئلہ ہو تو متعلقہ لوگ پھنس جاتے ہیں۔''

''میں نے اس سے یہی کہا ہے۔'' وسیم بولا۔ ''ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہاں بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو کھٹمنڈو میں کیا تھا۔ اس صورت میں سادی بھی جا سکے گی۔''

''گڈ یہی کرو تم لوگوں کے پاس رقم کی کمی نہیں ہے۔''

''مجھے آپ دونوں کی فکر ہے۔''

''یار جیسے تم نکل گئے اسی طرح ہم بھی آ جائیں گے۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن آپ راج والے معاملے میں ہاتھ ڈالیں گے تو نئے خطرے سامنے آ سکتے ہیں۔'' اس نے خدشہ ظاہر کیا۔ وہ مجھے جانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ میں راج والے معاملے میں پنگا لیے بغیر نہیں رہوں گا۔

میں ہنسا۔ ''ہم کچھ نہ بھی کریں تو خطرے سامنے آتے رہتے ہیں۔ تم فکر مت کرو میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''ابھی آپ کہاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک پی سی او سے بات کر رہے ہیں۔''

''زیادہ لمبی بات مت کریں۔'' وسیم نے مشورہ دیا۔ ''اب کہیں اور سے جا کر کال کریں۔''

وسیم کا مشورہ درست تھا میں پی سی او والے کو ادائیگی کر کے وہاں سے نکل آیا۔ بیتو جاننے کے لیے بے تاب تھا۔ ''کیا ہوا وہ دونوں پہنچے؟''

''ہاں یار اب ہم کہیں او، جا رہے ہیں۔'' میں نے کہا تو بیتو خوش ہو گیا۔ سردار جی ہماری باتیں سن رہے تھے انہوں نے کہا۔

''تسی موبائل کیوں نہیں لے لیتے۔''

میں نے اور بیتو نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ واقعی یہ بات تو ہمارے ذہن میں آئی نہیں تھی اور سردار جی کے ذہن میں آ گئی۔ پھر سردار جی ہمیں ایک مارکیٹ لے کر گئے جہاں موبائل دستیاب تھے اور یہ چور مارکیٹ تھی وہاں سے انہوں نے ہمیں دو موبائل دلوائے۔ پھر ایک جگہ سے ان کے لیے سمز لیں اور کارڈز لیے۔ اس وقت موبائل چارجز اچھے خاصے تھے اس لیے ہم نے بڑی تعداد میں کارڈ بھی لے لیے تھے۔ سمز ایکٹو کر کے اور ان میں بیلنس ڈال کر میں نے سب سے پہلے سفیر کا نمبر ملایا۔ اس نے فون ریسیو کیا۔

''یہ کون سا نمبر ہے؟''

''یار مت ماری گئی ہے ایک سردار جی نے عقل دی کہ موبائل لے لو اور مزے سے بات کرو۔''

سفیر نے افسوس کیا۔ ''لگتا ہے تیرا برا وقت آ گیا ہے جو سردار تجھے مت دے رہا ہے۔''

''بس ہر وقت منہ سے الٹی سیدھی نکالتے رہنا۔'' مونا کی آواز آئی اور حسبِ معمول اس نے دادا گیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سفیر سے موبائل چھین لیا۔ ''شوبی کیسے ہو تم؟''

''ویسا ہی۔''

''پلیز تم جلدی سے آ جاؤ سب جمع ہیں یہاں بہت مزہ آ رہا ہے۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''فی الحال تو نصیب میں دھکے ہیں۔''

مونا کے بعد سادی نے بات کی اور رونے لگی اسے پہلے میں نے اور پھر بیتو نے چپ کرایا۔ بیتو نے دیر تک بات کی اور میں خاموش ہو کر باہر کے نظارے دیکھتا رہا۔ سچی بات ہے کہ میں خود بھی اندر سے ان لوگوں کی کمی محسوس کر رہا تھا اور میرا بس چلتا تو میں اُڑ کر ان کے پاس پہنچ جاتا۔ میری ہدایت پر اب سردار جی بڑے مندر کی طرف جا رہے تھے۔ کھنڈر شہر ختم ہو گیا اور ویران نظر آنے والی سڑک بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ شہر سے نکلتے ہی سگنل ختم ہونے لگے تھے اور پھر رابطہ کٹ گیا۔ بیتو نے موبائل مجھے دے دیا۔ وہ بھی اداس ہو رہا تھا۔ سردار جی ڈرائیونگ کے دوران ہماری باتیں سنتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے سوال کیا۔

''اے تواڈے گھر والے نیں؟''

''ایسا ہی سمجھ لو یہ بتاؤ کہ بڑا مندر اب کتنا دور ہے؟''

''زیادہ دور نہیں اے بس کوئی دس ایک منٹ لگ سی۔''

''ہمیں مندر کے سامنے نہیں اس سے ذرا پہلے اترنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم ٹیکسی اس سے دور روکنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھ گیا جی۔''

کچھ دیر بعد ایک اونچی پہاڑی پر ایک مندر کے آثار نظر آنے لگے تھے اور اس کے نیچے ایک کچی آبادی نما بستی تھی۔ سردار جی نے مندر کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ اے وڈا مندر۔''

''یہ آبادی کیسی ہے؟''

''سب ایک نمبر دے بدمعاش ہیں۔ شراب، منشیات اور جوئے کے ساتھ عورت کا دھندہ بھی کرتے ہیں۔ پاس ہی گوروں کی خیمہ بستی ہے۔''

''گوروں کی؟'' میں نے دلچسپی سے کہا۔ ''وہ کیا کرنے آتے ہیں یہاں؟''

سردار جی نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولے۔ ''لو جی ان گوروں نے ہور کی کرنا ہے حرامزدگی کے سوا۔''

''تمہارا مطلب ہے منشیات کے چکر میں آتے ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اتنی گندی بدبو آتی ہے میں تے ٹیکسی وچ بھی نہیں بٹھاتا۔''

سردار جی کی ٹیکسی اور وہ خود بھی کچھ کم بدبودار نہیں تھے۔ جب وہ گوروں کو بدبودار قرار دے رہے تو اس کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کتنے بدبودار ہوں گے۔ میں نے سوچا اور کہا۔ ''سردار جی ہمیں گوروں کی بستی کے پاس اتار دینا۔''

''لو جی ادھر کیا کرنا ہے آپ نے؟''

''سوال نہیں۔'' میں نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔''

سردار جی نے یوں شانے اچکائے جیسے کہہ رہے ہوں کہ میری بلا سے جہنم میں جاؤ اور انہوں نے ہمیں گوروں کی خیمہ بستی کے پاس اتار دیا۔ میں نے ان کو دو گھنٹے کے حساب سے دو سو دیئے اور پھر مزید تین سو دیئے۔ ''سردار جی یہ منہ بند رکھنے کے۔''

''ورنہ ہم کسی اور طریقے سے بند کرنے آئیں گے۔'' بیتو نے اسے پستول کی جھلک دکھائی۔ ''تمہارا گھر ہم نے دیکھ لیا ہے۔''

سردار جی کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''میں کسی کو نہیں کہوں گا جی۔''

''بس سمجھ لینا تم ہم سے کبھی ملے ہی نہیں تھے۔'' میں نے کہا تو سردار جی نے ٹیکسی گھمائی اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے خیمہ بستی کی طرف دیکھا۔ وہاں رونق اور چہل پہل کم تھی۔ شاید بیشتر لوگ سو رہے تھے۔ میں حیران ہوا تھا محض منشیات کے لیے یہ لوگ موسم کی سختی جھیلتے ہوئے یہاں پڑے تھے۔ یہ جگہ کھٹمنڈو سے بلند تھی اور یہاں زیادہ سردی تھی۔ آس پاس زیادہ برف نظر آ رہی تھی۔ بیتو نے میری طرف دیکھا۔

''شوبی بھائی ادھر کیوں آیا ہے؟''

''یار یہ لوگ منشیات کے چکر میں یہاں آتے ہیں اور منشیات ان کو بستی سے ملتی ہو گی۔ ہم بھی یہاں آئے ہیں اور اب بستی میں جائیں گے تو کسی کو شک نہیں ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو نے سر ہلایا اس سے پہلے وہ کچھ کہتا کہ ایک شخص وہاں آیا۔ وہ مقامی تھا اور اس نے آتے ہی انگریزی میں کہا۔ ''تم گورا تو نہیں ہے۔''

''میں ہے یہ نہیں ہے۔'' میں نے بھی بگڑی انگریزی میں کہا۔ ''میں انٹونیو ہوں اور میرا تعلق اسپین سے ہے۔''

اسپین کے لوگ بالکل سفید نہیں ہوتے ہیں ان کا رنگ کسی قدر گندمی اور نقوش بھی گوروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے اس شخص نے مان لیا مگر وہ بیتو کی طرف سے مشکوک تھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''یہ میرا گائیڈ ہے۔''

''تم کو ادھر خیمہ چاہیے؟'' وہ کسی قدر مطمئن ہو گیا۔

''ہاں کوئی اچھا سا خیمہ دکھاؤ میں تم کو ڈالر دے گا۔'' میں نے گوروں کے سے بے فکرے انداز میں کہا تو اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ شاید وہ اس بستی کا مالک یا نگران تھا۔ وہ مجھے اور بیتو کو ایک نیلے رنگ کے بڑے سے خیمے کی طرف لایا اور اس کا کرایہ اس نے صرف دس ڈالرز روز کا بتایا۔ اتنے میں کھٹمنڈو میں کسی اچھے ہوٹل میں آرام دہ کمرہ مل سکتا تھا لیکن جو یہاں ملتا تھا وہ کھٹمنڈو کے کسی آرام دہ ہوٹل میں مشکل سے ملتا اس لیے گورے بخوشی دس ڈالرز روز کے دے کر یہاں خیمہ لینے کو تیار ہو جاتے تھے۔ کیونکہ میں گورا بنا ہوا تھا اس لیے میں بھی تیار ہو گیا تھا۔ خیمے کے اندر صرف ایک گھسا ہوا قالین تھا۔ صرف قالین پر سونا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے بستر کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔

''سلیپنگ بیگ ملتا ہے لیکن اس کا دو ڈالرز الگ سے دینا ہو گا۔''

میں اسے یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ میرے پاس کوئی بڑی رقم ہے اس لیے میں نے کچھ حجت کی تو وہ اسی کرائے میں دو سلیپنگ بیگز بھی دینے کو تیار ہو گیا تھا۔ کیونکہ ابھی کچھ نہیں کرنا تھا اس لیے ہم اپنے بیگ رکھ کر قالین پر دراز ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ کوہ پیماؤں والے خیمے تھے اور جب ان کو اندر سے زپ لگا کر بند کیا جاتا ہو گا تو باہر کے موسم کا اتنا اثر نہیں ہوتا ہو گا۔ نیپال کوہ پیماؤں کی جنت ہے اور ہر سال سینکڑوں کے حساب سے بین الاقوامی ٹیمیں یہاں مختلف چوٹیاں سر کرنے اور ٹریکس کرنے آتی ہیں۔ یہ اپنا سارا سامان باہر سے لاتی ہیں اور جاتے ہوئے بیشتر سامان اور خاص طور سے بھاری خیمے یہیں چھوڑ جاتی ہیں۔ یہ مجھے اسی قسم کے خیمے لگ رہے تھے اور اسی وجہ سے یہاں آنے والے رات آرام سے گزارتے تھے ورنہ عام خیمے اس سردی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جو اتنی بلندی پر پڑتی تھی۔ موسم اس وقت بھی ابر آلود ہو رہا تھا۔ اگر برف باری شروع ہو جاتی تو اس خیمہ بستی کو اجڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ بیتو کچھ سوچ رہا تھا اس نے کہا۔

''اگر ان لوگوں نے راج کا کام تمام کر دیا ہوا تو؟''

''یہ اب اس کی قسمت ہو گی لیکن ہم اپنی سی کوشش ضرور کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''شوبی بھائی اس کے دشمن اتنے اچھے نہیں لگ رہے تھے انہوں نے اب تک اپنا مقصد حاصل کر کے اسے مار دیا ہو گا۔'' بیتو بے چارہ میری خیر خواہی میں مجھے قائل کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

''تم فکر مت کرو میں کوئی قدم بنا سوچے سمجھے نہیں اٹھاؤں گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی بھائی تم سمجھ رہا ہے ہم شاید ڈر گیا ہے پر ہم کو تمہارا خیال ہے۔'' بیتو نے جلدی سے وضاحت کی۔

بیتو کی دلیری پر مجھے کوئی شبہ نہیں تھا۔ یہ جدوجہد ہماری تھی اور اس کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ ہمارا ساتھ دیتا۔ جب کمار اور سادھنا ہم سے الگ ہوئے تھے تب وہ بھی جا سکتا تھا لیکن اس نے میرا ساتھ دیا اور اب تک پوری استقامت سے میرا ساتھ دے رہا تھا کتنی بار اس نے ہمارے ساتھ موت کا سامنا کیا اور ایک بار تو فتح خان کے ہاتھوں مرتے مرتے بچا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''مجھے معلوم ہے یار مجھے کیوں بتا رہے ہو۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے ایک اور پاسپورٹ مل جاتا تو تم بھی یہاں سے جا سکتے تھے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم کو پاسپورٹ مل بھی جاتا تب بھی ہم آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاتا۔''

مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میرے ساتھیوں میں وہ واحد شخص تھا جس کا سارا ناطہ مجھ سے تھا۔ ویسے تو دیم جیسا جاں نثار دوست تھا۔ سفیر جیسا یار تھا لیکن ان سب کے دوسرے لوگوں سے بھی رشتے تھے۔ بیتو واحد فرد تھا جس کا صرف مجھ سے رشتہ تھا۔ وہ میرا سایا تھا جو کسی وقت بھی ساتھ نہیں چھوڑتا ہے اور کبھی جدائی کا اندھیرا آ بھی جائے تو روشنی ہوتے ہی لوٹ آتا ہے۔ بیتو کچھ دیر لیٹا رہا پھر باہر نکل گیا۔ میں نے موبائل دیکھے یہاں سگنل نہیں تھا۔ آج سے کوئی چھ سال پہلے اس خطے میں موبائل سروس کا آغاز تھا۔ بھارت اس معاملے میں خطے کے باقی ممالک سے آگے تھا اس لیے وہاں کئی کمپنیاں سروس دے رہی تھیں۔ اس کی مارکیٹ بھی بڑی ہے۔ جب کہ نیپال چھوٹا سا اور پسماندہ ملک ہے۔ اس لیے یہاں موبائل فون نیٹ ورک تو تھا لیکن اس کی رینج زیادہ نہیں تھی۔ شہر سے باہر سگنل نہیں آتے تھے۔

میں اونگھنے لگا تھا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ خیمے کے ادھ کھلے پردے کے پاس کوئی ہے۔ میں نے چونک کر دیکھا تو ایک لڑکی اندر جھانک رہی تھی۔ وہ سفید فام تھی اور خاصی دلکش تھی جیسی کہ گوریاں ہوتی ہیں۔ مگر اس کی آنکھوں کے گرد حلقے بتا رہے تھے کہ وہ منشیات کے زہر کی عادی ہے۔ مجھے متوجہ پا کر وہ ترغیب آمیز انداز میں مسکرائی۔ اس نے پہلے کسی یورپی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''انگلش..... ویری لٹل۔''

''گڈ..... کیا تم کو کسی ساتھی کی ضرورت ہے؟''

میں سمجھ گیا کہ وہ منشیات کے لیے جسم فروشی کرتی ہے اور میں اسے دفع ہو جانے کا کہنے والا تھا کہ مجھے خیال آیا کہ اگر وہ میرے ساتھ ہو تو میرے لیے آسانی ہو جائے گی۔ اس لیے میں نے سر ہلا دیا۔ ''ہاں ہے تو۔''

وہ فوراً اندر آ گئی۔ ''میں تمہاری بہترین ساتھی ثابت ہو سکتی ہوں۔'' اس نے بتایا کہ بہترین ساتھی کی حیثیت سے وہ میرے لیے کیا کر سکتی تھی اور اس کی باتیں سن کر مجھے سرد ترین موسم میں بھی پسینہ آ گیا تھا اور میں نے شکر ادا کیا کہ بیتو یہاں نہیں تھا اگرچہ اسے انگریزی نہیں آتی تھی لیکن اس لڑکی کا انداز بھی بہت کچھ سمجھا رہا تھا وہ بنا کسی جھجک اور شرم کے اپنے انداز سے بھی وضاحت کر رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اسے روکا۔

''مجھے اس قسم کے ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ مایوس ہوئی تھی۔ ''اچھا پھر تو تم نے میرا وقت ضائع کیا۔''

وہ شاید جرمن تھی لیکن بعد میں وہ سوئس ثابت ہوئی تھی۔ اس کی انگریزی بھی کام چلاؤ تھی۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احتیاطاً اس سے اسپینش کے بارے میں پوچھا اور جب اس نے انکار کیا تو میں نے بے دھڑک اسپینش ہونے کا اقرار کرلیا اور اپنا نام انٹونیو ہی بتایا۔ میں خیمے والے مقامی آدمی کو بھی یہی نام بتا چکا تھا۔

اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میرا نام این گروڈز ہے۔''

''این صحیح رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں میں اکیلا ہوں۔''

''میں نے بتایا تو ہے میں اچھی ساتھی ہوں.....''

اس نے پھر بتانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے بوکھلا کر اسے روک دیا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں کیا تم عورت کے قابل نہیں ہو۔'' اس نے بے تکلفی سے پوچھ لیا۔ اس بار میں بھنا گیا تھا۔

''تم سوالات کرنے کے بجائے یہ بتاؤ کہ تم لوگی کیا؟ میں کس قابل ہوں یا نہیں ہوں یہ میرا معاملہ ہے۔''

وہ مسکرائی۔ ''لگتا ہے تم برا مان ٹھیک ہے میں سمجھ گئی تمہیں سیکس سے دلچسپی.....''

''بس۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''اب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی ورنہ تم جا سکتی ہو۔''

''اوکے اوکے۔'' این جلدی سے بولی۔ ''اگر تم مجھے کھانے، پینے کے علاوہ بیس ڈالرز دو تو میں ہر وقت تمہیں کمپنی دے سکتی ہوں۔ تم جس وقت مجھ سے جو چاہو گے میں کروں گی۔''

میں نے افسوس سے اسے دیکھا، کون کہتا ہے کہ غلامی کا دور ختم ہو گیا ہے دو وقت کے کھانے اور بیس ڈالرز کے بدلے وہ میرا ہر حکم ماننے کے لیے تیار تھی۔ ''میں کھانا کھلا سکتا ہوں شراب یا کوئی منشیات میرے ذمے نہیں ہوگی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بیس ڈالرز پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

وہ خوش ہوگئی، شاید اسے توقع نہیں تھی کہ میں اتنی آسانی سے مان جاؤں گا۔ ''تو میں اپنا سامان لے آتی ہوں۔''

''تم کسی اور کے ساتھ ہو؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔ ''وہ تمہاری خاطر لڑنے تو نہیں آجائے گا۔''

''نہیں.....نہیں وہ بہت شریف آدمی ہے۔ بے چارے کے پاس رقم ختم ہوگئی ہے۔'' وہ بولی۔ ''تمہارا ہم وطن ہے۔''

یہ سن کر میرے ہوش اُڑ گئے تھے۔ اگر وہ رقابت میں نہ سہی میرے ہم وطن ہونے کا سن کر دوڑا چلا آتا تو میرا پول کھلنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا لیکن این جا چکی تھی۔ اس کے جاتے ہی بیتو آ گیا۔ ''شوبی بھائی یہ آوارہ عورت یہاں کیا کر رہی تھی؟'' اس نے خفگی سے کہا۔

مجھے شرارت سوجھی اور میں نے کہا۔ ''کچھ نہیں وہ مجھے دوستی کی پیش کش کر رہی تھی رقم کے عوض۔''

''آپ نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا نا؟'' وہ خوش ہو کر بولا۔

''نہیں اس کے برعکس میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی ہے۔ وہ بیس ڈالرز روزانہ اور کھانے کے عوض میرے ساتھ رہنے کو تیار ہوگئی ہے۔ اپنا سامان لینے گئی ہے۔''

بیتو نے پہلے حیرت سے مجھے دیکھا پھر ہنس دیا۔ ''شوبی آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتا ہے۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا وہ سچ مچ اپنا سامان لینے گئی ہے۔ وہ منشیات کی عادی ہے اور اس کا ذریعہ آمدنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہی ہے۔''

اس بار بیتو نے اندازہ لگالیا کہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ''شوبی بھائی کہیں آپ نے یہاں آ کر کچھ پی تو نہیں لیا ہے۔'' اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا اور منہ اٹھا کر بو سونگھنے کی کوشش کی۔ ''بو تو نہیں آ رہا ہے۔''

میں اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔ ''برخوردار تم کو کیا پتا اب تو بے بو بھی آ رہی ہے۔''

اسی دوران میں این ایک چھوٹا سا بیگ لے کر اندر آئی اور اس نے بیگ ایک طرف رکھ کر بے تکلفی سے بیتو کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ''ہیلو۔''

بیتو نے بادلِ ناخواستہ اس سے ہاتھ ملایا۔ ''ہیلو۔''

''بیتو یہ این ہے اور این یہ میرا دوست اور گائیڈ بیتو ہے۔''

بیتو کا شک اب کسی حد تک رفع ہو گیا تھا اور وہ دکھی نظر آ رہا تھا اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں کسی طوائف کے چکر میں پڑوں گا اور اسے باقاعدہ رقم دے کر ہائر کروں گا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''آپ وسیم بھائی اور دیدی کے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔''

''ہاں ان کے سامنے اس قسم کا کام ذرا مشکل تھا۔'' میں نے سر ہلایا۔

بیتو مشتعل ہو گیا تھا۔ ''شوبی بھائی ہم کو آپ سے یہ امید نہیں تھا۔''

''کیوں کیا میں انسان نہیں ہوں۔'' میں نے کہا تو بیتو غصے میں باہر چلا گیا۔ این ہماری باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''لگتا ہے تمہارا گائیڈ میرے آنے سے خوش نہیں ہے۔''

''تم اس کی فکر مت کرو۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم نشہ کون سا کرتی ہو؟''

''ہیروئن۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ادھر کھٹمنڈو میں سختی تھی لیکن یہاں کوئی نہیں پوچھا ہے۔''

''تمہارا ساتھی اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔''

''وہ جب تک میری ضرورت پوری کر رہا تھا اعتراض بھی کر سکتا تھا لیکن اب میں آزاد ہوں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ اس سردی میں بھی اس نے ایک ہلکی سی شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ اس لباس میں اس کے جسمانی خدوخال پوری طرح نمایاں تھے۔ اس نے اپنے بیگ سے تلاش کر کے ایک سگریٹ نکالی اور اسے ماچس سے سلگایا اس نے جلدی جلدی اس کے دو تین کش لیے اور پھر سگریٹ کو بجھا کر واپس رکھ لیا۔ اس کے بعد وہ آنکھیں بند کر کے قالین پر لیٹ گئی۔ میں بھی آرام کر رہا تھا۔ بس بیتو کہیں باہر بے چین پھر رہا تھا۔ مجھے لگا میں نے اس کے ساتھ زیادہ ہی مذاق کر لیا تھا اور یہ بات اس کی دل آزاری کا سبب بن رہی تھی۔ میں نے خیمے سے باہر جھانکا اور تھوڑا نکل کر بھی دیکھا لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ میں اس کی تلاش میں سامان چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ چوری ہو جانے سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ این بیگ میں موجود اسلحہ نہ دیکھ لے۔ میں واپس آ گیا۔ بیتو کا بیگ بھی یہیں تھا۔ این بے سدھ ہو کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کے پاس شاید ہیروئن سے بھرا یہی سگریٹ تھا جسے وہ کفایت شعاری سے استعمال کر رہی تھی۔

مجھے ابھی تک کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی تھی جس سے میں مندر میں راج کے ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر سکتا۔ دن میں یہ بستی سوئی ہوئی لگ رہی تھی شاید رات کو یہاں رونق شروع ہوتی تھی۔ دو بجے کے قریب این انگڑائی لے کر اٹھ گئی اور اس نے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''یہاں سے کھانے کو کہاں سے ملتا ہے؟''

''یہاں ایک ہوٹل ہے وہاں سے مل جاتا ہے۔''

میں نے اسے کچھ رقم دی۔ ''ایسا کرو تم لے آؤ اور خیال رکھنا کہ میں اور میرا ساتھی گوشت والی کوئی چیز نہیں کھاتے ہیں۔''

این نے سر ہلایا۔ ''تم دونوں ویجیٹیرین ہو۔''

''ایسا ہی سمجھو۔'' میں نے کہا تو وہ خیمے سے نکل گئی تھی۔ اب مجھے بیتو کی طرف سے فکر ہو رہی تھی۔ اسے غائب ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ اس دوران میں اسے آ جانا چاہیے تھا۔ شاید اس کا دماغ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ کچھ دیر میں این کھانا لے آئی۔ یہ روٹی اور بھاجی تھی ساتھ میں سوفٹ ڈرنک تھی۔ اس نے باقی رقم مجھے واپس کرنا چاہی تو میں نے اشارے سے کہا کہ وہ رکھ لے اس نے خوش ہو کر فوراً رقم جینز کی جیب میں رکھ لی۔ اس نے کھانا ایک اخبار پر لگایا اور ہم نے مل کر کھایا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے کھانے سے کوئی غرض نہیں تھا وہ بس زندہ رہنے کے لیے کھا رہی تھی اور زندہ اس لیے رہنا چاہتی کہ نشہ کر سکے۔

کھانے کے بعد بیتو کا حصہ سنبھال کر رکھ دیا تھا اور اب مجھے تشویش کے ساتھ اس پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ اسے اتنی غیر ذمے داری سے غائب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ این نے بھانپ لیا تھا کہ میں بیتو کی گم شدگی پر پریشان تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں اسے تلاش کر کے لاؤں۔''

''ہاں تم اس جگہ کے بارے میں جانتی ہو۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

این نے جماہی لی اور بولی۔ ''آج کے بیس ڈالرز دو۔ میں نے نشہ بھی لینا ہے۔''

''ڈالرز کے بجائے اتنی ہی مالیت کی مقامی کرنسی سے کام چلے گا؟''

''ہاں دے دو۔'' اس نے کہا۔

مجھے کسی قدر اندازہ ہو گیا تھا کہ مقامی روپے میں بیس ڈالرز کتنے بنیں گے میں نے اسے رقم دے دی اور وہ باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں کئی بار باہر آیا اور تا حد نگاہ بیتو کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ میری تشویش میں ایک خیال نے اضافہ کر دیا تھا کہیں وہ اپنے طور پر راج کا سراغ لگانے تو نہیں نکل گیا اور کسی مصیبت میں پھنس گیا ہو۔ یہ جگہ اس کے بالکل انجان تھی۔ این پانچ بجے آئی تھی اس نے مجھے دیکھتے ہی نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہارا ساتھی کہیں نظر نہیں آیا۔''

وہ اپنے لیے ہیروئن لے آئی تھی اور اس نے اسے احتیاط سے اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ ''تم کب سے ہیروئن کا نشہ کر رہی ہو؟''

''یہاں آنے کے بعد شروع کیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس سے پہلے کون سا نشہ کرتی تھیں؟''

''چرس اور کوکین۔'' اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم کو اندازہ ہے کہ یہ نشے اور خاص طور سے ہیروئن تمہیں کتنی تیزی سے ختم کر دے گی۔''

''اندازہ ہے لیکن پروا کسے ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی نچلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور خراب ماحول میں پلی بڑھی تھی۔ اس نے یہ بے راہ روی اپنے طرز حیات سے سیکھی تھی۔ وہ تباہی کے راستے پر جان بوجھ کر گامزن تھی۔ وہ اپنی مرضی کے راستے پر چلتے ہوئے خود کو فنا کرنا چاہتی تھی۔ ظاہر میرے لیکچر دینے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اور میں اسے لیکچر دینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے بجائے میں نے بہتر سمجھا کہ اس سے مندر اور اس کے ساتھ بچی بستی کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں۔

''ہیروئن تم نے کہاں سے لی ہے؟''

''یہاں بستی سے مل جاتی ہے۔''

میں نے حیرت ظاہر کی۔ ''اتنی عام ملتی ہے کہ کوئی بھی جائے اور لے آئے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ پوری بستی جرائم پیشہ افراد کی ہے وہاں کھلے عام سارے غیر قانونی کام ہوتے ہیں۔ ہر نشہ ملتا ہے اسلحہ بھی بکتا ہے۔''

''مندر کے پاس یہ سب ہو رہا ہے کیا حکومت کوئی نوٹس نہیں لیتی ہے۔'' میں نے انجان بن کر کہا۔

''مندر ہی اصل میں ان کا اڈہ ہے۔'' اس نے بتایا۔ وہاں سے سارے غیر قانونی کام چلائے جاتے ہیں۔ مندر کی وجہ سے حکومت ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی اور مقامی پولیس کو انہوں نے خرید رکھا ہے۔''

میرا بھی یہی اندازہ تھا۔ ''کیا سیاحوں کو مندر میں جانے کی اجازت ہے۔''

''اجازت تو ہے لیکن صرف مرکزی ہال تک اجازت ہے اس سے آگے کوئی غیر متعلقہ فرد نہیں جا سکتا ہے۔ وہاں بہت خطرناک نظر آنے والے لوگ ہوتے ہیں۔'' این بولی۔ ''سچ کہوں تو مجھے وہاں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔''

''تم جا چکی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ایک بار جا چکی ہوں مشیل کے ساتھ۔''

''مشیل کون ہے؟''

''میرا ساتھی تمہارا ہم وطن۔''

''تم نے اس سے میرا ذکر تو نہیں کیا؟''

''نہیں جب میں اپنا سامان لینے گئی تھی تو وہ غائب تھا۔ اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''میں اسپین سے اتنی دور کسی اسپینش سے ملاقات کرنے نہیں آیا ہوں یہ لوگ تو مجھے وہاں مل لیتے ہیں۔''

وہ مسکرائی۔ ''لگتا ہے تم تنہائی کی تلاش میں نکلے ہو۔''

''میں تبدیلی کی تلاش میں نکلا ہوں۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''تم اور مشیل مندر کیوں گئے تھے؟''

''پتا نہیں اصل میں مشیل وہاں کسی رانا چندر نامی شخص سے ملنے گیا تھا۔'' این نے بتایا تو میرے کان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑے ہو گئے تھے۔ راج کے اس جانی دشمن کا نام بھی یہی تھا۔ اور راج نے کہا تھا کہ وہ یہیں ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ راج کے یہاں ہونے کا بھی امکان تھا اگر وہ زندہ تھا۔"

"مشیل کی اس شخص سے ملاقات ہوئی تھی؟"

"ہاں لیکن وہ اندر کہیں ملے تھے میں ہال میں رہی تھی۔ وہاں موجود پجاری مجھے نظروں میں کھا جانے کی کوشش کرتے رہے تھے۔"

اب یہ شخص مشیل بھی میرے لیے اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ اسے رانا چندر باز تک رسائی حاصل تھی۔ اگر کوئی غیر قانونی چکر تھا تو مشیل دوبارہ بھی اس سے مل سکتا تھا۔ اور میں بھی اس کے ساتھ جا سکتا تھا لیکن یہ بیتو کہاں دفع ہو گیا تھا مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی اور میں اس کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ جب تاریکی چھا گئی اور باہر مشعلیں روشن ہونے لگیں تو میں نے باہر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب خیمہ بستی میں چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ سارا دن مردے کی طرح پڑے رہنے والے کلبلاتے ہوئے اپنے خیموں سے نکل رہے تھے۔

باہر جانے سے پہلے میں نے اسلحے والا وزنی بیگ اٹھا لیا تھا۔ اور بیتو کا بیگ وہیں چھوڑ دیا اس میں سوائے کپڑوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ باہر شدت کی سردی تھی اور شاید درجہ حرارت منفی میں جا چکا تھا۔ بستی میں جگہ جگہ الاؤ روشن کیے لوگ ان کے گرد تھے موسم کی سختی کو وہ آگ اور نشے سے کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ ترقی یافتہ ہی تھی۔ بس لمبے بالوں کی کمی تھی ورنہ وہ یہی ہی لگتے۔ جو منشیات کی تلاش میں دنیا کے اس دور دراز ملک چلے آئے تھے۔ یہ سب ان ملکوں کے باشندے تھے جو اس وقت دنیا کے امام ہیں جو دنیا کو تہذیب اور جمہوریت برآمد کرتے ہیں۔ مگر یہ نشے کے عادی افراد بتاتے ہیں کہ ان کے نظام میں خرابی ہے ورنہ نشہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے ملک سے ہزاروں میل دور چلا آئے۔ یہ سب ان کو اپنے ملک میں بھی دستیاب تھا اس کے باوجود یہ لوگ اس پسماندہ ملک میں اس موسم میں یوں موجود تھے کہ ان کو دیکھ کر ترس آتا تھا۔ یہ سب مایوس اور مرنے کے شوقین تھے کیونکہ یہ اس طرز زندگی کے ساتھ زندہ نہیں رہنا چاہتے تھے۔

خیمہ بستی کی طرح کچی آبادی میں بھی زندگی جاگ رہی تھی۔ سرد موسم کے باوجود ان لوگوں کی سرگرمیاں رات کو ہی ہوتی تھیں۔ رات کو ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا اور تاریکی بہت سارے جرائم کی پردہ پوشی کر دیتی ہے۔ اسلحے والا وزنی بیگ اٹھا کر گھومنا آسان نہیں تھا لیکن میں اسے کہیں چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ خیمہ بستی زیادہ بڑی نہیں تھی اور ایک گھنٹے کے اندر میں نے اس کے ایک ایک فرد کو دیکھ لیا تھا۔ بیتو وہاں نہیں تھا۔ این بور ہو رہی تھی جہاں کہیں یہ لوگ جمع ہو کر منشیات استعمال کر رہے تھے۔ این کے قدم وہیں رک جاتے تھے اور پھر مجھے اس کو آگے دھکیلنا پڑتا تھا۔ اس نے تنگ آ کر کہا۔

"کیا بات ہے تم کہیں رکتے کیوں نہیں ہو؟"

"مجھے اپنے ساتھی کی تلاش ہے۔"

"شاید وہ اس آبادی میں چلا گیا ہے۔" اس نے کچی آبادی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"تب میں اسے وہاں جا کر تلاش کروں گا۔" میں نے کہا۔

"سنو میں کچھ دیر کے لیے کہیں بیٹھ جاؤں۔" اس نے لجائے انداز میں کہا۔ "میں تھک گئی ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سمجھ رہا تھا وہ منشیات استعمال کرنے کے لیے بے چین تھی لیکن اگر میں اسے اجازت دے دیتا تو وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتی۔ جب کہ میں اسے ساتھ رکھنا چاہتا تھا ایک گوری کے ہوتے ہوئے میں زیادہ مشکوک نہیں رہتا۔ میں نے کہا۔ ''بس ذرا اس بستی میں اپنے ساتھی کو دیکھ لوں۔ اس کے بعد تم یہاں آ کر چند گھنٹے اپنی مرضی سے گزار سکتی ہو۔''

وہ مجھ سے رقم لے کر مجبور ہو گئی تھی۔ اس لیے میری بات ماننے پر مجبور تھی۔ وہ گھسٹنے کے انداز میں میرے ساتھ چل پڑی تھی۔ خیمہ بستی اور کچی بستی دونوں ذرا بلندی پر تھیں اور ان کے درمیان میں ایک گھاٹی تھی۔ آمد و رفت کے لیے اسے ہی استعمال کیا تھا اور وہاں کچرے کا بدبودار ڈھیر تھا۔ اس طرف روشنی کم تھی اس لیے ہمیں بچ کر چلنا پڑ رہا تھا اس کے باوجود کچرے سے ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ بمشکل ہم کچی بستی تک پہنچے۔ این بڑبڑا رہی تھی۔ اس کا نشہ اکھڑ رہا تھا اور اسے نشے کی طلب ہو رہی تھی۔ میں اسے تسلی دیتا اوپر تک لے آیا۔ راستہ بہت دشوار تھا اور بعض جگہ مجھے اسے اوپر چڑھانے کے لیے سہارا دینا پڑا تھا۔

کچی بستی میں سارے ہی مقامی تھے اور وہاں مشکوک قسم کی سرگرمیاں جا رہی تھیں۔ ایک طرف چند مقامی لڑکیاں اشتہار بنی کھڑی تھیں اور ان کے عقب میں گندی غلیظ کوٹھریاں تھیں۔ ایک شراب خانہ تھا اور باقی جگہوں پر بھی ایسی ہی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ہم بستی میں گھومنے لگے۔ لوگ ہمیں خشمگیں نظروں سے دیکھ رہے تھے لیکن کسی نے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ این نے منمنا کر کہا۔

''میں بہت تھک گئی ہوں۔''

ہم ایک جھونپڑی ہوٹل میں بیٹھ گئے۔ وہاں گندا فرنیچر تھا اور اندر دھواں بھرا ہوا تھا لیکن فضا باہر کے مقابلے میں گرم تھی اس لیے بے شمار لوگ تھے۔ مجھے اب تک بیتو یہاں بھی نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے گلاس میں پانی نکالا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کان میں انگریزی میں کہا۔ ''حشیش، ہیروئن، لڑکی۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے این کی طرف دیکھا۔ ''یہ تمہاری ساتھی ہے؟''

''ہاں یہ میرے ساتھ ہے۔''

''اس کو ایک رات کو دے گا۔ سو ڈالرز ملے گا۔''

ایک لمحے کو میرے سر کی طرف خون نے یلغار کی تھی۔ اور میں نے بڑی مشکل سے اس منحوس صورت کی گردن دبانے کی خواہش پر قابو پایا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا تھا وہ سمجھا کہ میں سو ڈالرز پر راضی نہیں ہوں۔ اس نے پیش کش بڑھا دی۔ ''اچھا ڈیڑھ سو امریکی ڈالرز اس سے زیادہ نہیں ملیں گے۔''

''دفع ہو جائے۔'' میں غرایا۔ تو وہ ڈر کر دور ہو گیا۔ پھر اس نے شانے ہلائے اور وہاں سے چلا گیا۔ این تجسس سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''کیا کہہ رہا تھا یہ؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے اسے ٹالا اور بیرے کو بلا کر انگریزی میں کھانے کا پوچھا۔ اس نے روانی سے کچھ مقامی کھانوں کے نام بتائے جو میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ این نے میری مدد کی اس نے دال، چاول اور بھاجی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منگوائی تھی۔ دال اور چاول دونوں پھیکے اور کسی حد تک بدذائقہ تھے لیکن بھاجی کے ساتھ کھانے کے قابل ہو گئے تھے۔ کھانا کھا کر ہم باہر آئے تو میں نے دیکھا کہ وہی شخص باہر منڈلا رہا تھا اور ہمیں دیکھ کر وہ انجان بن گیا لیکن جب ہم بستی میں گھوم پھر رہے تھے تو وہ ذرا فاصلہ رکھ کر ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔ این نے بھی محسوس کر لیا۔ اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''یہاں سے چلو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''فکر مت کرو میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''اگر کسی نے مجھے غائب کر دیا تو۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔ ''یہاں ایسی وارداتیں ہوئی ہیں۔ سفید فام لڑکیاں غائب ہو جاتی ہیں اور پھر ان کو اجتماعی زیادتی کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی رپورٹ بھی نہیں کرتا ہے۔ سچ بتاؤ یہ شخص تم سے کیا کہہ رہا تھا۔''

''یہ تمہارے عوض مجھے سوڈالرز دے رہا تھا ایک رات کے، میں نے انکار کیا تو اس نے ڈیڑھ سو ڈالرز کر دیئے تھے۔''

وہ ڈر گئی تھی۔ ''تم نے سچ مچ انکار کیا تھا نا..... یہ لوگ درندے ہیں میری ایک ساتھی ان کی درندگی کا نشانہ بن چکی ہے اور آج کل جرمنی کے ایک نفسیاتی اسپتال میں زیر علاج ہے۔''

میں نے اسے گھورا۔ ''اگر میں نے انکار نہ کیا ہوتا تو تم کو کیوں بتا رہا ہوتا۔''

''اوکے..... اب یہاں سے چلو۔''

''میرا ساتھی نہیں ملا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ممکن ہے وہ اپنے خیمے میں واپس آ چکا ہو۔'' اس نے کہا۔

میں سوچا کہ ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو اور اس کے ساتھ واپس آنے لگا تھا۔ گھاٹی میں حسب معمول بدبو اور کچرہ تھا۔ ایک جگہ این کا پاؤں پھسلا اور وہ لڑھکتی ہوئی نیچے جانے لگی۔ اس کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھی۔ میں سنبھل کر اس کے پیچھے جانے لگا لیکن جب میں گھاٹی کی تہہ تک پہنچا تو اس کی چیخیں رک چکی تھیں اور سب سے حیرت انگیز بات تھی کہ وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ اس جگہ کچرے کے بڑے بڑے انبار تھے۔ میں ان کے درمیان میں این کو آوازیں دیتا ہوا تلاش کرنے لگا تھا۔ این کی چیخیں سن کر خیمہ بستی سے کچھ لوگ بھاگے آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ ''یہاں کون عورت چلا رہی تھی؟''

''وہ میری ساتھی ہے ہم کچی بستی سے آ رہے تھے کہ وہ اوپر سے گر گئی لیکن اب وہ مل نہیں رہی ہے۔''

اوپر سے آنے والے اپنے ساتھ مشعلیں اور نارچیں لائے تھے۔ وہ ان کی روشنی میں این کو تلاش کرنے لگے۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے پوری گھاٹی کو چھان مارا تھا لیکن این کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کی گم شدگی حیرت انگیز ہی تھی کیونکہ وہ نیچے گری تھی آسمان کی طرف نہیں گئی تھی۔ اسے یہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے ایک پوچھنے والے کو این گروٹرڈ کا نام بتایا تو ایک شخص چونک کر سامنے آیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''صبح تک وہ میرے ساتھ تھی۔''

''اگر تم مشیل ہو؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تو این نے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی نے کہا ممکن ہے کہ وہ اوپر چلی گئی۔ ہم سب اوپر آئے لیکن این خیمہ بستی میں بھی نہیں تھی۔ مشیل اس کے لیے سب سے زیادہ مضطرب تھا اس نے کہا۔ ''تم بستی کی طرف کیوں گئے تھے؟''

''میرا ایک ساتھی جو مقامی ہے اور میرا گائیڈ بھی ہے وہ یہاں آ کر غائب ہو گیا تھا میں اسے تلاش کرنے گیا تھا۔''

مشیل نے ارد گرد دیکھا اور مجھے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ ''تم کہاں سے تعلق رکھتے ہو؟''

کیونکہ این یہاں نہیں تھی اس لیے میں بڑی آسانی سے امریکن بن گیا میرے پاس ڈالرز تھے ضرورت پڑنے پر میں ثابت کر سکتا تھا۔ اب میں انگریزی بھی امریکنوں کی طرح بگاڑ کر بول رہا تھا۔ میری طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے کہا۔ ''کیا کسی نے تم لوگوں کا تعاقب کیا تھا؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''صرف تعاقب نہیں کیا تھا بلکہ ایک شخص نے مجھے آفر بھی کی تھی کہ میں این کو ایک رات کے لیے اس کے حوالے کر دوں تو وہ اس کے بدلے مجھے سو ڈالرز دے گا میرے انکار پر اس نے رقم بڑھا کر ڈیڑھ سو ڈالرز کر دی تھی۔''

مشیل نے اضطراب سے کہا۔ ''وہ دبلا سا مقامی تو نہیں تھا۔ سرخی مائل بالوں والا۔''

میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ ''وہی تھا پھر جب ہم بستی میں اپنے ساتھی کو تلاش کر رہے تھے تو اس نے ہمارا تعاقب بھی کیا تھا لیکن وہ ہمارے قریب نہیں آیا تھا۔''

''یہ وہی ہے۔'' مشیل جوش سے بولا۔ ''اس نے مجھ سے بھی بات کی تھی لیکن میں نے اس کے منہ پر گھونسہ مارا تھا۔''

اگرچہ وہ اتنا غیرت مند لگ نہیں رہا تھا لیکن میں نے اس سے اتفاق کیا کہ اس نے ایسا ہی کیا ہوگا۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ این کی گمشدگی میں اس کا ہاتھ ہے۔''

مشیل نے ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا اور پھر دبے لہجے میں بولا۔ ''وہ شخص کچھ نہیں ہے اصل شخص رانا چندر باز ہے یہ اسی کا آدمی ہے۔ اگر این کو اغوا کیا گیا ہے تو یہ اسی شخص کا کام ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ این کو اصل میں رانا چندر باز نے اغوا کرایا ہے؟'' میں نے کہا۔

''ہاں مجھے پورا یقین ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا تم اس سے کبھی ملے ہو؟''

''ایک بار اس نے مجھے این کے سلسلے میں بلایا تھا۔ جب میں نے اس کے آدمی کے منہ پر گھونسہ مارا تھا اور پھر اس نے مجھے پیش کش کی تھی کہ اگر میں این کو اس کے حوالے کر دوں تو وہ مجھے منہ مانگی رقم دے گا۔''

مجھے اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ این اس کی محبوبہ نہیں تھی بس دونوں کا وقتی ضرورت کے تحت ایک ساتھ تھا۔ وہ رانا جیسے خطرناک آدمی کی پیش کش ٹھکرا رہا تھا جو این کو غائب بھی کر سکتا تھا اور این اس کی ذمے داری بھی نہیں تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر میرے پاس آئی تھی تو مشیل کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ ''تم نے انکار کر دیا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''شاید نہ کرتا کیونکہ این سے میرا ایسا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن مجھے ایک چیز نے روک دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔"

"کس چیز نے؟"

"این ایک بہت بڑے جرمن صنعت کار کی اکلوتی بیٹی ہے اس کا باپ ارب پتی ہے۔"

مجھے یقین نہیں آیا میلے کچیلے حلیے والی یہ لڑکی ایک ارب پتی صنعت کار کی بیٹی تھی اور وہ یوں پھر رہی تھی۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟"

اس نے سر ہلایا۔ "کارل گروٹرڈ جرمنی کے دس امیر ترین افراد میں سے ایک ہے۔ اس کا الیکٹرانکس اور آئرن مل کا بہت بڑا بزنس ہے۔"

"اور اس کی بیٹی ایسے پھر رہی ہے۔"

"یہ اس سے نفرت کرتی ہے، کیونکہ کارل اسے اس کی مرضی کی زندگی گزارنے کیا اجازت نہیں دیتا ہے۔ یہ عملاً قید رہتی ہے اور اس بار موقع پا کر گھر سے بھاگ نکلی۔ اس کے باپ نے کوشش کی اور اسے یہاں نیپال میں تلاش کر لیا۔ اس کے ایک آدمی نے مجھ سے رابطہ کیا تھا اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں این کو اپنے ساتھ رکھوں۔ اس کے بعد میں کیسے جرأت کر سکتا تھا کہ این کو میری وجہ سے کوئی نقصان ہو۔"

وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "اس صورت میں بہتر ہے تم اس کے باپ کو اطلاع کر دو کہ وہ غائب ہو گئی ہے وہ اتنا ہی دولت مند ہے تو اپنی بیٹی کو خود تلاش کروا لے گا۔"

"وہ تو کروا لے گا لیکن وہ مجھے نہیں چھوڑے گا اور تمہیں بھی نہیں چھوڑے گا۔"

"مجھے کیوں میں تو این کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"لیکن وہ جب غائب ہوئی تو تمہارے ساتھ ہی تھی۔"

"ہاں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھ پر اس کی کسی قسم کی ذمے داری آتی ہے۔" میں بولا۔ "البتہ میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اسے تلاش کرنے میں مدد دے سکتا ہوں۔"

مشیل نے پُر امید نظروں سے مجھے دیکھا۔ "وہ کیسے؟"

میں نے وضاحت کی۔ "تم نے بتایا کہ یہ کام رانا چندر باز کا ہے اور وہ مندر میں رہتا ہے تو این بھی وہیں ہو گی ہم اسے بازیاب کرانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔"

اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "تمہارا مطلب ہے کہ ہم مندر میں گھسیں گے۔"

"اس کے سوا اور کیا راستہ ہے ہمارے پاس۔" میں نے کہا۔ "یا تو تم این کے باپ کو بتا دو۔"

"نہیں۔" وہ کانپ گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی پریشان تھا اور شاید این کے باپ سے زیادہ معاملہ پولیس کے پاس جانے سے ڈر رہا تھا۔ ورنہ اس کا سیدھا راستہ تو یہی تھا۔ اگر وہ پولیس کے پاس جانے سے ڈر رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ کسی اور غیر قانونی کام میں ملوث تھا۔

"کارل کا آدمی کہاں ہے جس نے تم سے رابطہ کیا تھا؟"

اس سوال کا جواب دینے میں اس نے کچھ تامل کیا تھا۔ "وہ کل شام اسے کسی نے مار پیٹ کی زخمی کر دیا تھا اور وہ اس وقت اسپتال میں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہاں مارا پیٹا تھا؟''

''کھٹمنڈو میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ تو پولیس کیس ہو گیا۔''

''ہاں حملہ آور نے اس کی کئی ہڈیاں توڑ دی تھیں۔''

''کیا کارل کے پاس بس یہی ایک آدمی ہے؟''

''فی الحال تو یہی ہے اگر اس نے کسی اور کو روانہ نہ کر دیا ہو تو۔''

''اگر ہم نے این کو رانا چندر باز کے چنگل سے نہیں نکالا تو سمجھ سکتے ہو کہ وہ اس کا کیا حشر کرے گا۔''

مشیل پریشان نظر آنے لگا اس نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں۔ رانا چندر باز اور اس کے آدمی عورت کے معاملے میں درندے ہیں۔ وہ این کا برا حال کر دیں گے۔''

''تب ہمیں مندر میں جانا ہوگا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہاں جانا آسان نہیں ہے وہاں رانا کے درجنوں کے حساب سے مسلح ساتھی موجود ہوتے ہیں اور وہ کسی کو اندر جانے نہیں دیتے۔''

''ہم ان سے اجازت لے کر نہیں چھپ کر جائیں گے۔''

''چھپ کر کیسے جا سکتے ہیں؟'' اس نے دریافت کیا۔

''ایک بات بتاؤ..... جب این نیچے گری اور تم لوگوں نے اس کی چیخیں سنیں تو تم لوگ کتنی دیر میں نیچے آ گئے تھے؟''

''مشکل سے ایک منٹ لگا تھا کیونکہ ہم گھاٹی کے کنارے ہی بیٹھے تھے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کسی نے این کو اغوا کیا تو وہ اسے اٹھا کر اوپر لے گیا ہوگا۔ کچی بستی والی طرف؟''

''بالکل وہ اسی طرف لے گیا ہوگا۔ کیونکہ دوسری طرف سے تو ہم آ رہے تھے۔''

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کوئی انسان این کو لے کر اوپر جاتا تو وہ کتنی جلدی کرتا دو تین منٹ سے پہلے اوپر نہیں جا سکتا تھا۔ جب کہ اتنی دیر میں گھاٹی میں مشعلیں روشن ہو گئی تھیں۔ تو کیا این وہیں گھاٹی میں کہیں تھی مگر اوپر سے آنے والے نے چپہ چپہ چھان مارا تھا وہ کہیں نہیں مل تھی۔ مجھے اب خیال آ رہا تھا کہ جس وقت این نے گرتے ہوئے چیخیں ماری تھیں تو خیمہ بستی سے لوگ آ گئے تھے لیکن کچی بستی کی طرف سے کسی نے جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا تو کیا انہوں نے چیخیں نہیں سنی تھیں۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا این کی چیخیں تو دور تک سنائی دی گئی ہوں گی۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ بستی والوں کو ان چیخوں کی توقع تھی اس لیے کسی نے جھانک کر نہیں دیکھا۔

مشیل میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسے یہ بات بتاؤں یا نہیں۔ وہ مجھے کچھ مشکوک لگ رہا تھا اسے این کی پروا نہیں لگ رہی تھی اور وہ کسی وجہ سے ڈر رہا تھا۔ کارل سے ڈر مجھے مصنوعی لگا تھا۔ وہ اس بات پر بھی راضی نہیں تھا کہ ہم مندر میں جائیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ میں ظاہر کروں کہ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اس لیے میں نے بھی اچانک معاملے سے لاتعلقی اختیار کر لی۔ میں نے مشیل کی طرف دیکھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں بلاوجہ اس معاملے میں ملوث ہو رہا ہوں میری بلا سے این کے ساتھ کچھ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔"

"شاید ہمیں اس معاملے میں دخل دینا بھی نہیں چاہیے۔" اس نے فوراً میری تائید کی۔ اب میں سمجھا وہ اس بات پر پریشان تھا کہ کہیں میں معاملہ پولیس تک نہ لے جاؤں۔ اس لیے جب میں نے لاتعلقی اختیار کی تو اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اسے چھوڑ کر میں اپنے خیمے کی طرف بڑھ گیا مجھے یقین تھا کہ بیتو وہاں نہیں ملے گا اور واقعی ایسا ہی تھا۔ اب مجھے یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ بیتو کسی مشکل میں پھنس گیا ہے اس نے اپنے طور پر کچھ کرنے کی کوشش کی تھی اور کسی مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اس کا بیگ وہاں موجود تھا اور کسی نے اسے چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میرے بیگ میں اسلحہ موجود تھا اس میں دو رائفلیں اور دو ہی پستول تھے۔ میں نے ایک چھوٹی اے کے سیونٹی فور رائفل منتخب کی تھی۔ مشہور زمانہ بلکہ بدنام زمانہ کلاشنکوف نسل کی یہ تیسری رائفل ہے۔ کارکردگی اور مار میں یہ اپنی پیشرو رائفلوں سے بہتر ہے اور اس کا دستی نکال دیا جائے تو یہ بہت چھوٹی ہو جاتی ہے۔ میرے پاس جو رائفل تھی اس کا دستہ چھوٹا سا تھا اور میں با آسانی اسے اپنی جیکٹ میں چھپا سکتا تھا۔

اس کے ساتھ میں نے دونوں پستول رکھ لیے ان کے فاضل میگزینز جیکٹ کی جیبوں میں آ گئے تھے۔ دوسری رائفل میں نے بیگ میں رکھ دی تھی۔ شاٹ گن لے جانا بھی بے کار ہوتا اسے بھی بیگ میں چھوڑ دیا۔ میں بیگ نہیں لے جا سکتا تھا۔ یہ بوجھ بن جاتا اور پھر شاید میں یہاں واپس بھی نہیں آتا۔ اگر مجھے بیتو اور راج مل جاتے تو میں ان کو لے کر کھٹمنڈو کی طرف نکل جاتا۔ اب میں رات گہری ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

میں رات دس بجے باہر آیا۔ سردی عروج پر آ گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ وہاں منشیات کے عادی افراد بھی نشے میں بہت عروج پر محو پرواز تھے وہ پاگلوں کی طرح ہنس رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔ کہیں تکے بنائے جا رہے تھے جن کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں اس ٹولی کی طرف بڑھا جس میں مشیل تھا۔ قریب جانے کے بجائے میں نے دور سے دیکھا۔ مشیل ان لوگوں میں موجود تھا اور شاید وہ بھی نشے میں تھا کیونکہ وہ ذرا جھول رہا تھا۔ مگر ساتھ ہی وہ بار بار مڑ کر اوپر مندر کی طرف بھی دیکھتا تھا۔ میں ایک خیمے کی آڑ سے اس کی نگرانی کرنے لگا۔ نہ جانے کیوں مجھے پکا یقین تھا کہ اس کا اس سارے معاملے سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ وہ مجھے شروع سے مشکوک لگ رہا تھا۔ اس وجہ سے میں نے اس کی نگرانی کرنے کا سوچا تھا۔

اچانک مندر کی طرف سے ایک سبز رنگ کی لائٹ چمکی۔ اس کے بعد وہ وقفے وقفے سے چمکتی رہی۔ ایک بار مشیل نے پلٹ کر دیکھا اور چونک گیا مگر اس کے بعد وہ انجان بن گیا اور اس نے دوبارہ مندر کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے ایک منٹ بعد وہ اٹھا اور بہ ظاہر کسی حاجت کی وجہ سے گھاٹی کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی پتلون کی زپ کھول رہا تھا۔ میں اس سے ذرا فاصلے پر رہتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ گھاٹی کی طرف بڑھا۔ ایک خیمے کی آڑ سے اسے گھاٹی میں اترتے دیکھا۔ میں بھی کنارے پہنچا تو وہ کہیں کسی موزوں پوز میں بیٹھنے کے بجائے تیزی سے گھاٹی کے دوسرے سرے کی طرف جاتا نظر آیا۔ میں نے اس کے تعاقب میں جانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ مجھے معلوم تھا وہ کہاں جا رہا تھا کچھ دیر بعد وہ گھاٹی کا سرا چڑھ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں نیچے اترا اور اندازے سے اس جگہ تک آیا جہاں این گری تھی۔ میں ہر ممکن حد تک خاموشی سے حرکت کر رہا تھا اور میری کوشش تھی کوئی مجھے یہاں دیکھ نہ پائے۔ میرے پاس ایک چھوٹی ٹارچ تھی جس کی روشنی زیادہ دور نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتی تھی۔ اس کی مدد سے میں زمین کا معائنہ کرنے لگا۔

اصل میں مجھے شبہ تھا کہ اس گھاٹی میں کوئی خفیہ راستہ تھا جو اوپر کہیں جاتا تھا اور این کو اسی کی مدد سے یہاں سے لے جایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی ایسا طریقہ سمجھ نہیں آ رہا تھا جس کی مدد سے کوئی این کو سب کی نظروں میں آئے بغیر یہاں سے لے جا سکتا۔ کچرے کے ڈھیر چھپنے میں تو معاونت کر سکتے تھے لیکن اگر کوئی گھاٹی میں حرکت کرتا تو وہ نظر میں آ جاتا۔ مجھے زیادہ شبہ کچی بستی کی ڈھلان والی سمت پر تھا۔ اس طرف بعض جگہ سے ڈھلان بالکل سیدھی تھی اور کسی دیوار کی طرف اوپر چلی گئی تھی۔ یہاں جھاڑیاں اور درخت بھی خاصے تھے۔

ڈھلان میں ایک جگہ منتخب کر کے میں اوپر چڑھنے لگا۔ سہارے کے لیے میں جھاڑیاں پکڑ رہا تھا۔ گھاٹی کی تہہ سے کوئی بیس فٹ کی بلندی پر میں نے ایک جھاڑی پکڑی تو وہ اچانک ہی گھوم گئی تھی اور میں گرتے گرتے بچا تھا۔ تب میں دیکھا کہ جھاڑی ڈھلان پر جہاں لگی تھی وہاں اب ایک خلا تھا اور جھاڑی کو بڑی مہارت سے خلا کے اوپر ایک گھومنے والے دروازے میں اس طرح سے لگایا گیا تھا کہ باہر سے دیکھنے سے قطعی شبہ نہیں ہوتا تھا کہ جھاڑی مصنوعی تھی۔ اگر میری گرفت مضبوط نہ ہوتی تو شاید میں نیچے گر جاتا۔ میں نے حواس بحال رکھے اور پہلے ٹارچ سے اندر روشنی کی۔ میرا خیال تھا کہ اندر کوئی بڑا خلا ہو گا لیکن یہ تو بہت چھوٹی سی جگہ تھی۔

جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ اندر کوئی نہیں ہے تو میں جھاڑی کا سہارا لے کر اس خلا میں داخل ہوا۔ یہ چھوٹا سا کچا خلا تھا اس میں کھڑے ہونے کی جگہ بھی مشکل سے تھی۔ میں نے ٹارچ سے روشنی کی تو مجھے اوپر کی طرف ایک تنگ زینہ جاتا نظر آیا۔ اسے سیمنٹ سے لیپ پوت کر خود ہی بنایا گیا تھا کیونکہ اس کے بنانے میں اناڑی پن نمایاں تھا قدمچے چھوٹے بڑے اور ناہموار تھے۔ زینہ بھی خاصا سیدھا جا رہا تھا۔ میں اس پر چڑھنے لگا لیکن اس سے پہلے میں نے مصنوعی جھاڑی والا دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ اسے اندر سے بند کرنے والا کھٹکا تھا لیکن وہ شاید کھلا رہ گیا تھا اور اسی وجہ سے مجھے اس راستے کا سراغ مل گیا تھا۔

میں نے پستول نکال لیا تھا کیونکہ اس چھوٹی سی جگہ پر پستول ہی کارآمد ہو سکتا تھا۔ زینہ بہت بلندی پر کہیں نکل رہا تھا۔ میں جب جب روشنی کا رخ اوپر کرتا تو مجھے بل کھاتا زینہ ہی نظر آتا تھا۔ کئی جگہوں سے یہ زینہ گھوم رہا تھا۔ ایسی جگہوں پر رک کر میں سن گن لیتا تھا تاکہ بے خیالی میں کسی کے سامنے نہ جا نکلوں یا کسی ٹریپ میں پھنس جاؤں۔ مجھے بڑی حد تک یقین ہو چلا تھا کہ یہ راستہ مندر میں جا کر نکلتا تھا۔ کیونکہ اب میں بستی کی سطح تک تو پہنچ گیا تھا۔ جب کہ زینہ اس سے کہیں اوپر جاتا نظر آ رہا تھا۔ یہ خفیہ راستہ مجرمانہ سرگرمیوں اور بہ وقت ضرورت فرار کے لیے تھا اور مجھے تعجب تھا کہ انہوں نے اسے اتنی بے احتیاطی سے کیسے چھوڑ دیا تھا یہاں کسی نہ کسی کو پہرے پر ہونا چاہیے تھا اور پھر مجھے پہریدار بھی نظر آ گیا۔ میری خوش قسمتی کہ وہ سیڑھی پر بیٹھے بیٹھے ایک دروازے سے ٹیک لگائے سو رہا تھا اگر وہ جاگ رہا ہوتا تو ٹارچ کی روشنی دیکھ کر بہت پہلے ہوشیار ہو جاتا۔

پہریدار کا اطمینان بتا رہا تھا کہ اسے اس طرف سے کسی کے آنے کی توقع نہیں تھی لیکن آنے والا آ گیا تھا۔ اس جگہ ایک کم طاقت کا بلب جل رہا تھا۔ اس علاقے میں بجلی نہیں تھی۔ یقیناً یہ بلب کسی بیٹری یا جنریٹر کی مدد سے روشن تھا۔ میں نے پہریدار کو کوئی موقع دیئے بغیر ناک آؤٹ کر دیا۔ اس کے سر پر دو مرتبہ ضرب لگانے کا نتیجہ تسلی بخش نکلا تھا اور وہ بنا آواز نکالے بے ہوش ہو گیا تھا اس کے پاس ایک دیسی ساختہ پستول تھا جو میں نے نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زینے پر اچھال دیا اور وہ ٹن ٹن کی آواز کرتا نیچے گرنے لگا۔ پہریدار کے لیے بھی یہی سوچا تھا کہ اسے نیچے پھینک دوں مگر وہ انسان تھا صحیح سلامت نیچے نہیں جا سکتا تھا اس راستے پر اس کی ساری ہڈیاں پسلیاں برابر ہو جاتیں اور عین ممکن تھا وہ مارا جاتا۔ میرے دل نے گوارا نہیں کیا اس لیے میں نے اسے سیڑھی پر لٹا دیا۔

دروازہ کھلا تھا اس میں ایک ایسا کھٹکا لگا جو دونوں طرف سے کھولا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے کھینچا اور دروازہ کھول کر اس کی جھری سے اندر جھانکا مجھے ایک راہداری نظر آئی تھی لیکن کوئی آدمی نظر نہیں آیا اور نہ ہی کسی قسم کی آواز تھی۔ میں کچھ دیر سن گن لیتا رہا پھر باہر آیا یہ ایک راہداری تھی جس کے دوسری سمت ایک دروازہ تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں مندر میں آ چکا ہوں۔ یہ دروازہ کھولا تو سامنے ایک ہال تھا جس میں بے شمار ستون تھے اور ایک طرف دیوار کے ساتھ مہاتما بدھ کا مجسمہ رکھا تھا۔ یہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ میں پستول رکھا تھا لیکن رائفل جیکٹ تلے سے نکال کر شانے سے لٹکا لی اب میں دس سیکنڈ کے نوٹس پر اسے اتار سکتا تھا۔

میں ہال کے اندر آیا اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ مجھے اب کس طرف کا رخ کرنا چاہیے۔ اچانک ہی ایک طرف سے دو افراد کے بولنے کی آواز آئی اور میں لپک کر ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ یہ کوئی دو فٹ قطر کا ستون تھا جس کے پیچھے میں چھپ سکتا تھا۔ آنے والے دونوں افراد نے بدھ بھکشوؤں جیسا لباس پہن رکھا تھا لیکن ان کے ہاتھ میں شراب کی بوتلیں تھیں اور وہ نشے میں لگ رہے تھے۔ وہ مقامی زبان میں کچھ کہتے اندر ایک کمرے میں غائب ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی میں اس طرف بڑھا جہاں سے وہ آئے تھے۔

یہ ایک اور راہداری تھی اور اس میں دونوں طرف کمرے تھے۔ کمرے باہر سے بند تھے میں نے باری باری ان کو کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ تیسرا کمرہ کھولا تو مجھے اندر ایک آدمی فرش پر پچھی چٹائی پر اوندھے منہ پڑا نظر آیا۔ اس کی پشت زخموں سے بھری تھی اور اس نے اس سرد موسم میں صرف پتلون پہن رکھی تھی۔ میں دروازہ بند کر کے اندر آیا اور اس شخص کی طرف بڑھا۔ پہلے مجھے لگا وہ مر گیا ہے لیکن پھر اس کی پشت میں ہلکی سی جنبش نظر آئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے سیدھا کیا تو وہ بے ساختہ کراہا تھا اور یہ دیکھ کر مجھے دھچکا لگا کہ وہ راج تھا۔ صرف پشت نہیں اس کا پورا جسم ہی مار نے، کٹ لگانے اور جلانے کے زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ سیدھا کرنے سے اسے تکلیف ہوئی تھی لیکن وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنی سوج جانے والی آنکھیں کھولیں۔ کچھ دیر وہ مجھے یوں دیکھتا رہا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''تم آ گئے میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟''

''ہاں مجھے دیر ہوئی لیکن میں آ گیا ہوں۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''اب میں تم کو یہاں سے لے جاؤں گا۔''

وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔ ''نہیں میں مرنے والا ہوں۔ انہوں نے مجھ پر تشدد کی حد کر دی ہے۔''

وہ تو میں بھی دیکھ رہا تھا لیکن میرے حساب سے یہ سارے سطحی زخم تھے جو ہفتہ دس دن کے علاج کے بعد بھر جاتے۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''یہ سارے عام زخم ہیں بس ان کی تکلیف زیادہ ہے تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ یہ بتاؤ یہاں کتنے لوگ ہیں؟''

وہ دردناک انداز میں کراہا۔ ''بہت ہیں ایک درجن..... سے زیادہ ہیں۔ وہ سب ظالم ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے یہاں میرے ساتھی بیتو کو دیکھا ہے؟''

''نہیں میں تو کل سے اس جگہ پڑا ہوں انہوں نے پانی تک نہیں دیا ہے پلیز مجھے پانی پلا دو۔''

اس کے خشک ہونٹ بتا رہے تھے اسے واقعی بہت دیر سے پانی نہیں ملا تھا لیکن وہاں پانی نہیں تھا۔ میر نے کہا۔ ''میں تلاش کر کے لاتا ہوں۔''

میں باہر نکلا تو میرا خون کھول رہا تھا۔ بے شک راج کوئی اچھا آدمی نہیں تھا لیکن وہ انسان تو تھا۔ کسی انسان کے ایسا سلوک تو درندے بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر راج کے ساتھ یہ سلوک کرنے والے اس وقت میرے سامنے آ جاتے تو شاید میں ان کو شوٹ کر دیتا اور راج کی حالت دیکھ کر مجھے بیتو کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اگر وہ ان کے ہاتھ آ گیا تھا تو وہ اس کے ساتھ راج والا سلوک کر سکتے تھے۔ وحشی کر ہی میرا غصہ تیز ہو گیا تھا اگر انہوں نے بیتو کو ہاتھ بھی لگایا ہوا تو ان کی خیر نہیں ہو گی۔

اس راہداری کے باقی کمرے خالی تھے لیکن ایک کمرہ کھولا تو مجھے اندر بے پناہ اسلحہ رکھا نظر آیا۔ اس میں وستی بموں جیسا خطرناک اسلحہ بھی تھا۔ میں نے تین وستی بم اٹھا لیے تھے۔ یہ اصل میں تباہ کن گرینیڈ تھے۔ جنہیں ایک خاص رائفل پر لگا کر فائر بھی کیا جا سکتا تھا۔ یہ مجھے اچھی چیز مل گئی تھی۔ اتنا اسلحہ انہوں نے ایسے ہی کھلا رکھا ہوا تھا۔ شاید وہ بہت پُر اعتماد تھے کہ کوئی غیر اندر نہیں آ سکتا۔ دوسرے یہ وقت ضرورت فوری اسلحہ حاصل کرنے کے لیے اسے کھلا رکھنا ضروری تھا۔ لاک رکھنے کی صورت میں اسلحہ ضرورت کے وقت نہ ملے تو آدمی مارا جاتا ہے۔

اس راہداری سے آگے ایک چھوٹا سا ہال تھا مگر وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ اس ہال سے دو اطراف میں راہداریاں نکل رہی تھیں اور ایک طرف بڑا سا دروازہ لگا ہوا تھا۔ میں اس دروازے کے پاس پہنچا تو دوسری طرف سے کچھ لوگوں کے بولنے کی آواز آئی تھی۔ میں نے دروازے میں ذرا سی جھری کر کے جھانکا۔ مجھے سامنے ہی مشیل نظر آیا۔ وہ کھڑا تھا اور اس کے سامنے تخت پر ایک مکروہ صورت نیپالی بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے دل نے کہا وہی رانا چندر باز تھا۔ وہ کسی شہنشاہ کے انداز میں تخت پر اکڑ کر بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں شاید کوئی گلاس تھا۔ وہ مشیل سے انگریزی میں بات کر رہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے وہ کوئی عام ٹورسٹ ہے؟''

''ہاں مجھے یقین ہے۔ وہ ہمارے لیے کسی طرح خطرہ نہیں ہے۔'' مشیل نے جواب دیا۔ ''یہ بتاؤ میرے کام کا کیا بنا، مال کب ملے گا؟''

''مل جائے گا اتنی جلدی بھی کیا ہے؟'' رانا ایک خبیثانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''میں نے منگوایا ہے بس آنے والا ہے۔''

مشیل نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''تم ایک ہفتے سے یہی بات کر رہے ہو، میری ساری جمع پونجی ختم ہو چکی ہے اور ابھی مجھے واپس بھی جانا ہے، میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔''

''کام تو میرے آدمیوں نے کیا ہے۔'' رانا نے عیاری سے کہا۔ ''وہ اسے اٹھا کر یہاں تک لائے ہیں۔ یہ رسک تو میرا ہے کوئی گورا دنیا کے کسی کونے میں مشکل میں پڑ جائے تو ساری دنیا میں شور مچ جاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مگر اسے یہاں لانے والا تو میں تھا۔'' مشیل نے احتجاج کیا۔ ''ورنہ وہ اس ویرانے میں آنے کے لیے تیار نہیں تھی۔''

''میرا دماغ خراب مت کرو۔'' رانا کا لہجہ یک دم خراب ہو گیا تھا۔ ''تم سے کہہ دیا ہے مال ابھی آ رہا ہے۔ جب آ جائے گا تو میں تم کو بلا لوں گا اب دوبارہ اس طرف مت آنا۔''

''وہ شخص پولیس کے پاس جا رہا تھا لیکن میں نے اسے روک لیا۔'' مشیل کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔

''تو جانے دیتے، پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہے۔'' رانا نے کہا اور کسی کو اشارہ کیا ایک شخص سامنے آیا اور اس نے مشیل کا بازو پکڑا اور تقریباً کھینچ کر اسے وہاں سے لے جانے لگا۔ مشیل نے کچھ کہنا چاہا پر اسے موقع نہیں ملا تھا۔ ان لوگوں کی باتوں سے یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ این رانا کے پاس تھی اور مشیل نے اسے اپنے کسی مفاد کی تکمیل کے لیے اسے رانا کے حوالے کیا تھا لیکن رانا اب اسے بھی دھوکا دے رہا تھا اور اس کا مطالبہ پورا کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ بیتو کہاں تھا۔ اس نے اس طرح غائب ہو کر مجھے پریشان کر دیا تھا اور میں کوئی واضح لائحہ عمل تیار نہیں کر پا رہا تھا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بیتو کہاں تھا تو میں اسے اور راج کو لے کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ اب میں صرف راج کو لے کر یہاں سے نکلتا تو مجھے اس میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا یہ دو افراد کا کام تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے ایک قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں بے دھڑک اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں رانا تخت پر نیم دراز اب شراب نوشی میں مگن تھا۔ اس نے آہٹ سن لی تھی لیکن مڑ کر نہیں دیکھا اس کا خیال تھا کہ اس کا کوئی آدمی ہو گا۔ میں جس دروازے سے آیا تھا اسے اندر سے بند کر دیا تھا۔ کمرے کا دوسرا دروازہ شاید مندر کے باہر والے حصے کی طرف کھلتا تھا اور وہ بند نہیں تھا۔ میں نے رانا کے سر سے پستول لگایا تو وہ ساکت ہو گیا۔ پھر اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''کون ہو تم؟''

''فی الحال کچھ بھی ہاں یہ تم چاہو تو دوست یا دشمن بنا سکتے ہو۔'' میں نے سرگوشی میں کہا اور اس کا لباس ٹٹولنے لگا۔ اس کی ایک جیب سے چھوٹا سا پستول نکلا تھا وہ میں نے خالی کر کے ایک طرف اچھال دیا اور اس کے سامنے آ کر الٹے قدموں جا کر دوسرا دروازہ بھی اندر سے بند کر دیا۔ رانا مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''تو یہ تم ہو؟''

''تم مجھے جانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اب تم نیپال میں بھی مشہور ہو گئے ہو۔ یہاں بھی تمہاری تصویریں گردش کر رہی ہیں۔''

میں چونکا تھا میں سمجھ رہا تھا کہ وہ این اور مشیل کے حوالے سے جانتا ہے لیکن وہ بات کچھ اور کر رہا تھا۔ میں انجان بنا۔ ''کیا مطلب؟''

وہ مسکرایا۔ ''شہباز ملک انجان مت بنو تم سمجھ گئے ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بہت سارے لوگوں کو تمہاری تلاش ہے ان میں کچھ تمہارے دشمن ہیں اور کچھ تمہارے دوست ہیں۔ دونوں نے بھاری قیمت لگا رکھی ہے اس وجہ سے بہت سارے تمہاری تلاش میں ہیں۔''

میں حیران تھا کہ میری شہرت اس دور دراز علاقے تک پہنچ گئی تھی۔ مگر فی الحال میرا مسئلہ بیتو تھا اور پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں سے صحیح سلامت نکلنا تھا اس لیے میں نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ ''میرا ایک ساتھی بھی یہیں کہیں ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہارا ساتھی یہاں نہیں ہے۔ میرے آدمیوں نے اسے گھیرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔''

یہ بھی ایک اطلاع تھی کہ بیتو کی جھڑپ ہوئی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ وہ کہاں چلا گیا تھا وہ میرے پاس واپس کیوں نہیں آیا تھا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو میرا ساتھی تمہارے قبضے میں ہے۔''

''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس نے بے نیازی سے کہا۔ ''تمہارا ساتھی غائب ہے اور میرے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ جلد یا دیر سے وہ اسے تلاش کر لیں گے کیونکہ یہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''این گروڑ کا کیا معاملہ ہے؟''

''کچھ نہیں وہ مجھے پسند آ گئی تھی لیکن یہاں آنے کے لیے تیار نہیں تھی اس لیے مجھے اس آدمی کی مدد حاصل کرنا پڑی۔ اس کے عوض میں نے اسے دو کلوگرام ہیروئن دینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے تمہارا وعدہ پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے کمرے کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ مجھے رانا کا پُرسکون انداز پریشان کر رہا تھا۔ کیا اسے امید تھی کہ مجھ سے بچ جائے گا اور یہ امید کیوں تھی۔

وہ مسکرایا۔ ''دو کلوگرام ہیروئن یورپ میں بہت بڑی مالیت رکھتی ہے پھر اسے ایک خاص شکل میں ڈھالنے کا کام بھی مشکل ہوتا ہے۔''

''خاص شکل میں..... کیا مطلب؟''

''ہیروئن کو ایک خاص عمل سے گزار کر اس کا ٹھوس مجسمہ بنا لیا جاتا ہے اور دیکھنے میں یہ مجسمہ پتھر کا لگتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''اس طرح یہ با آسانی کسٹم سے گزر جاتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تم ہیروئن اسمگل کرتے ہو؟''

''تم جو چاہے سمجھ لو۔'' اس نے مکاری سے کہا۔ ''لیکن ہم صرف ہیروئن اسمگل نہیں کرتے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے تم اسلحہ بھی اسمگل کرتے ہو لیکن کہاں؟'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

اس نے اعتراف کرنے کے انداز میں سر ہلایا۔ ''ہاں ایسی بات ہے اور جہاں ضرورت ہوتی ہے ہم وہاں اسلحہ فراہم کرتے ہیں۔''

''جیسے ماؤنسٹوں کو؟''

اس نے منہ بنایا۔ ''مجھے ان سے نفرت ہے اور میرا بس چلے تو ایک ایک کو چن چن کر ماروں۔''

''اس ملک میں اسلحے کی سب سے زیادہ ضرورت ان کو ہوتی ہے اگر تم ان سے نفرت کرتے ہو تو کیا اسلحہ حکومت کو سپلائی کرتے ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں نے کہا نا جہاں ضرورت ہوتی ہے اسے سپلائی کرتا ہوں سوائے ماؤسٹوں کے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے غور کیا کہ اس علاقے میں اسلحے کی ضرورت اور کہاں ہو سکتی تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کے پاس جدید ترین مغربی ساختہ اسلحہ تھا۔ جیسا کہ میں ابھی کچھ دیر پہلے ایک کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ اچانک مجھے ان ہی دنوں تبت میں جاری شورش کا خیال آیا۔ کوئی ساٹھ سال پہلے چین نے تبت پر قبضہ کیا تھا اور ہندوستان کی سرحد تک آ گیا تھا۔ امریکہ اور یورپ کی نظروں میں چین کھٹک رہا تھا۔ اور اس کی حالیہ حیران کن معاشی، صنعتی اور فوجی ترقی نے ساری مغربی دنیا کو ایک خوف میں مبتلا کر دیا ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق چین دنیا کی دوسری بڑی معاشی قوت بن چکا ہے۔ بیس سال کے قلیل عرصے میں چین میں بسنے والے لوگوں کی فی کس آمدنی میں پانچ گنا اضافہ ہوا ہے۔ جب کہ اسی دوران میں مغربی ممالک کی فی کس آمدنی میں صرف بیس فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ پھر چین بڑی تیزی سے اپنی فوجی طاقت بڑھاتے ہوئے مغرب اور بالخصوص امریکہ کے سامنے ایک متبادل فوجی قوت کے طور پر سامنے آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگرچہ ابھی چین اور امریکہ کی فوجی قوت میں بہت فرق ہے لیکن معاشی فرق کی طرح یہ فرق بھی برق رفتاری سے کم ہو رہا ہے۔ سب سے بڑھ کر امریکہ کو پے در پے اقتصادی بحرانوں اور مستقل جنگی جنون نے کمزور کرنا شروع کر دیا ہے اور چین طاقت میں اضافے کی طرف گامزن ہے۔ اس کی کیفیت جوانی کی طرف بڑھتے شیر کی سی ہے جب کہ امریکہ ایک بوڑھا ہوتا شیر ہے جس کی طاقت رو بہ زوال ہے۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں دنیا کے سیاسی اور معاشی حالات پر غور کرنے کے لیے نہیں آیا تھا مجھے بیتو اور راج کی تلاش تھی۔ راج مل گیا تھا اور بیتو کو تلاش کرنا باقی تھا۔ اور نہ ہی میں رانا چندر باز سے ہیروئن اور اسلحے کی درآمد برآمد پر بات کرنے آیا تھا۔ مجھے اپنا کام کر کے جلد از جلد یہاں سے نکلنا تھا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ وہ گھٹے ہوئے جسم کا کسی قدر طویل قامت اور طاقتور شخص تھا لیکن میرا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''میرے ساتھ چلو۔''

''کہاں؟'' اس نے مزاحمت کی۔ ''میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ تمہیں پتا نہیں ہے یہاں چپے چپے پر میرے آدمی ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ میں تم کو یہاں سے لے جانے کی کوشش کروں گا تو وہ مجھے روکیں گے اور مجھے سب سے تمہارا کام تمام کرنا پڑے گا تو ٹھیک ہے پھر میں تم کو لے جانے کی زحمت کرنے کے بجائے یہیں شوٹ کر دیتا ہوں۔'' میں نے کہا اور پستول سیدھا کیا۔ میرا انداز اتنا فیصلہ کن تھا کہ اس کی حالت فوری طور پر خراب ہو گئی اور اس نے جلدی سے ہاتھ اوپر کیا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں چل رہا ہوں۔''

''گڈ اب آئے نا تم راہ پر۔ یہ بتاؤ کہ یہاں تمہارے کتنے آدمی ہیں لیکن خیال رہے کہ ایک غلط جواب پر تمہیں ایک ضرب سہنا ہوگی؟''

''دو درجن سے زیادہ آدمی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ مجھے مشیل اور این نے بتایا تھا کہ وہاں ایک درجن کے آس پاس مسلح افراد موجود رہتے ہیں اس کا جواب غلط ہو۔ مجھے ڈرانے کے لیے تھا اس لیے میں نے اچانک اس کے سر پر پستول کا دستہ مارا۔ ضرب بے ہوش کر دینے والی نہیں بلکہ تکلیف دینے والی تھی۔ اس نے کراہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر سر تھام لیا۔ کھال پھٹ جانے سے خون بہہ رہا تھا۔

''جواب غلط ہے مجھے درست تعداد کا علم ہے اس لیے پھر سے جواب دو۔'' میں نے کہا۔

''تم..... یہ سب کیوں کر رہے ہو؟''

اس بار میں نے پستول کی نال اس کی رخسار پر ماری۔ یہاں سے بھی کھال پھٹ گئی تھی اور خون نکل آیا۔

''سوال مت کرو میرے سوال کا جواب دو؟''

''یہاں میرے کل دس آدمی ہیں۔'' اس نے خون صاف کرتے اور اسی کا گھونٹ پیتے ہوئے جواب دیا۔

''گڈ اس بار تم نے درست جواب دیا ہے۔ اب سوال نمبر دو سنو، میرا ساتھی کہاں ہے؟''

اس نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے پستول بلند کیا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''میں سچ کہہ رہا ہوں اگر وہ یہاں ہوتا تو میں اتنا بے بس نہ ہوتا اگر تم مجھے مارتے تو میرے آدمی اسے مار دیتے۔''

اس کی بات قابلِ غور تھی۔ خود مجھے بھی لگ رہا تھا کہ بیتو اس کے پاس نہیں ہے لیکن وہ اس کے قبضے میں نہیں تھا تو پھر کہاں تھا اور میرے پاس کیوں واپس نہیں آیا تھا۔ ایک امکان تو یہ کہ مجھے خطرے سے دور رکھنے کے لیے وہ خود راج کی تلاش میں نکلا تھا اور مندر میں یا اس کے آس پاس تھا۔ مجھے راج اور این کو لے کر یہاں سے نکلنا تھا۔ مشیل نے اپنے مفاد کی خاطر این کو ان درندوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اگرچہ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی اور این نے خود بتا دیا کہ وہ چند ڈالرز کے لیے کسی کا ساتھ دینے کو تیار ہو جاتی تھی۔ وہ کوئی پاکباز اور شریف لڑکی نہیں تھی لیکن مجھے یہ گوارہ نہیں تھا کہ رانا چندر باز اور اس کے ساتھی اس پر ظلم کریں۔ وہ اس کی مستحق نہیں تھی۔ پھر وہ میرے ساتھ تھی جب غائب ہوئی تھی اور ایک طرح سے وہ میری ذمے داری بنتی تھی۔ مجھے علم تھا کہ وہ یہاں قید ہے اس لیے میں اسے نظر انداز کر کے یہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے رانا چندر باز کی طرف دیکھا جو ایک کپڑے سے اپنے زخموں کو صاف کر رہا تھا۔

''این کہاں ہے؟'' میں نے اچانک پوچھا تو وہ بدک گیا۔

''اس سے تمہیں کیا مطلب؟''

میں نے جواب میں اس کے سر پر پستول کی نال سے ایک ضرب اور لگائی۔ یہ ضرب بھی ایسی نہیں تھی کہ وہ بے ہوش ہو جاتا۔ البتہ اس بار وہ چکرا گیا تھا۔ وہ چکرا گیا تھا۔ ''اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ کیا مطلب ہے یا مزید سمجھاؤں۔ تمہارے آدمیوں نے این کو میرے پاس سے اغوا کیا ہے اس لیے میں اسے بھی لے کر جاؤں گا اگر وہ میرے ساتھ نہ بھی ہوتی تو میں اسے تم جیسے درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔''

اس نے خود کو سنبھال لیا اور بڑی مشکل سے بولا۔ ''یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو مجھے دشمن بنا کر۔ میرے دشمنوں کو نیپال میں کہیں پناہ نہیں ملتی ہے۔''

میں ہنسا۔ ''شکر ہے تم نے ساری دنیا کا ذکر نہیں کر دیا ورنہ مجھے سوچنا پڑتا۔'' میں نے کہتے ہوئے اچانک اس کے سر پر ایک وار کیا اور اس بار وہ نیچے گر پڑا تھا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ اٹھایا اور خون خوار لہجے میں بولا۔ ''تم نے میرے ساتھ اب تک کوئی دوستی نہیں دکھائی ہے۔'' میں نے اسے آگے دھکیلا۔ ''شرافت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

این تک میری رہنمائی کرو۔''

اس بار اس نے مزاحمت نہیں کی۔''وہ مندر کے اندر والے حصے میں ہے۔''

میں نے سوچا مندر کے اندر گھسنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے اسے حکم دیا۔''تمہارا کسی طرح اپنے ساتھیوں سے رابطہ تو ہوتا ہوگا۔ ان کو کہو کہ این کو یہاں لے آئیں۔''

اس نے جان لیا کہ میں این کو لیے بغیر نہیں جاؤں گا اس لیے اس نے بادلِ ناخواستہ بولا۔''مجھے خود جانا ہوگا کیونکہ اس کمرے کو صرف میں کھول سکتا ہوں۔''

''اس کی وجہ؟''

اس نے وضاحت کی۔''میرے سارے آدمی درندے ہیں خاص طور سے عورت کے معاملے میں اور میں ان پر بھروسہ نہیں کر سکتا ہوں۔ ایک بار ایک سفید لڑکی کو اغوا کے بعد میں نے ایسے ہی بند کروا دیا تھا تو اگلے دن اس کی لاش ملی تھی۔ میں بڑی مشکل میں پڑ گیا تھا۔''

''تب چلو اور کوئی حماقت مت کرنا ورنہ اس کا نتیجہ دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔ تم لوگ عورت کے معاملے میں درندے ہو اور میں مردوں کے معاملے میں درندہ ہوں اگر میری شہرت تم تک پہنچ گئی تو تم وجہ شہرت بھی جانتے ہو گے؟''

اس نے رک کر کہا۔''تم یہاں سے زندہ نہیں نکل سکتے۔''

''تم اس کی فکر مت کرو کہ میں یہاں سے زندہ نکل سکتا ہوں یا نہیں تم اپنی فکر کرو کہ تم زندہ رہتے ہو یا نہیں۔'' میں نے پستول اس کے سر سے لگا دیا تھا۔''کسی بھی ہنگامے کی صورت میں مارے جانے والے پہلے آدمی تم ہو گے اس لیے کوشش کرنا کہ کوئی ہنگامہ نہ ہو۔''

''میں کوشش کروں گا لیکن میں نے کہا نا میرے آدمی درندے ہیں۔''

بے بس اور خاص طور سے عورتوں پر ظلم کرنے سے کوئی درندہ نہیں بن جاتا ہے۔ آج اگر تمہارے آدمیوں نے مزاحمت کی تو ان کو پتا چل جائے گا کہ درندگی کیا ہوتی ہے؟''

رانا چندر باز خوف زدہ تھا۔ شاید اس کے ذہن میں ہوگا کہ اس کا کوئی ساتھی موقع سے فائدہ اٹھا کر میری آڑ میں اس کا صفایا نہ کر دے۔ جرائم پیشہ گروہوں میں یہ عام سی بات تھی۔ وہ مجھے اندر والے دروازے سے نکال کر مندر کے اندرونی حصے میں لے تھا۔ یہ مندر بہت بڑا تھا اور اس کے اندر کئی حصے تھے۔ ممکن ہے یہاں سے صرف حکامات دیئے جاتے ہوں۔ اور یہ بھی امکان تھا کہ یہاں منشیات اور اسلحہ ذخیرہ کیا جاتا ہو۔

میں نے باہر آنے کے بعد رائفل سنبھال لی تھی اور رانا چندر باز کی پشت سے رائفل لگی تھی۔ میں نے اسے خبردار کیا۔''یہ برسٹ موڈ پر ہے اور صرف انگلی دبانے سے تم پر لوک سدھار جاؤ گے۔''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔''میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔''

''اپنے آدمیوں کو روکنا بھی تمہاری ذمے داری ہے۔''

راستے میں دو افراد ملے تھے لیکن جب انہوں نے اپنے باس کو ہینڈز اَپ دیکھا تو وہ اس کے حکم پر خود بھی رضا کارانہ طور پر اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے میں نے باہر سے کنڈی لگا دی تھی اور ان کو دھمکی دی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باس کی جان عزیز ہے تو منہ بند کر کے بیٹھیں۔ کئی راہداریوں سے گزارنے کے بعد رانا مجھے این کے کمرے تک لایا جو سچ مچ مندر کے خاصے اندر واقع تھا۔ مگر اچھی بات یہ ہوئی کہ ان دو کے سواء مجھے اور کوئی نہیں ملا تھا۔ رانا چندر باز نے ایک چابی کی مدد سے دروازے پر لگا تالا کھولا۔ صرف تالا ہی نہیں بلکہ دروازہ اور اس کی کنڈی بھی خاصی مضبوط قسم کی تھی۔ اسے آسانی سے توڑنا ممکن نہیں تھا۔

میں رانا کے ساتھ اندر آیا تھا وہ ایک بستر پر لیٹی سو رہی تھی اور فی الحال ٹھیک ہی لگ رہی تھی۔ دروازے پر آہٹ سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ رانا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی تھی لیکن جب اس نے مجھے دیکھا تو خوشی سے کھل اٹھی تھی۔ وہ بستر سے اتری اور تقریباً اڑتی ہوئی میرے پاس آئی تھی۔ وہ آ کر مجھ سے لپٹ گئی اور میں اسے روک بھی نہیں سکا تھا۔ اس کی یلغار نے ایک لمحے کو مجھے بوکھلا دیا تھا اور رانا چندر باز نے اسی کا فائدہ اٹھایا۔ اس نے اچانک ہی مجھے اور این کو دھکا دیا اور کمرے سے نکل گیا یہی نہیں وہ جاتے جاتے باہر سے کنڈی بھی لگا گیا تھا میں نے ذرا تاخیر سے فائر کیا تھا اور پھر این بھی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی مجھے اس کا خیال بھی تھا۔ اس لیے گولی دروازے میں لگی تھی۔

''یہ تم نے کیا حماقت کی ہے۔'' میں نے برہمی سے کہا اور این کو دھکیل کر دروازے کی طرف لپکا۔ وہ باہر سے بند تھا میں نے این کی طرف دیکھا۔ ''تم نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ تمہیں نکالنے آیا تھا اور اب میں بھی پھنس گیا ہوں۔ تمہیں اندازہ ہے کہ اب ہمارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے؟''

این خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ ''سوری مجھے معلوم نہیں تھا میں تمہیں سامنے دیکھ کر خوشی میں سب بھول گئی تھی۔''

میں اس کے چچا کا بیٹا نہیں تھا جو وہ مجھے دیکھ کر اتنی خوش ہو گئی تھی۔ اس کی یہ حماقت مجھے مہنگی پڑنے والی تھی۔ رانا نکل گیا تھا اور اپنی سپاہ جمع کر کے آنے والا تھا لیکن اسے کچھ دیر لگتی اور میرے پاس یہی مہلت تھی۔ میں نے سوچا اور رائفل کا رخ دروازے کی طرف کر کے ایک چھوٹا برسٹ مارا میرا نشانہ دروازے کے باہر لگی کنڈی تھی۔ دوسرے برسٹ نے اس کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ این کا خوف سے برا حال تھا شاید اس نے زندگی میں پہلی بار کوئی خود کار رائفل چلتے دیکھی تھی اور وہ بھی اتنے پاس سے۔ بند کمرے میں اس کا شور کچھ زیادہ ہی محسوس ہوا تھا۔ این کی چیخ نکل گئی تھی اور اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' وہ چلائی۔

''یہاں سے نکلنے کی کوشش۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تمہیں پستول چلانا آتا ہے۔''

''ہاں آتا ہے۔'' اس نے سر ہلایا تو میں پستول اس کے حوالے کر دیا۔

''جو سامنے آئے اسے بلا تکلف شوٹ کر دینا ورنہ خود ماری جاؤ گی، سمجھ گئیں۔''

''میں کسی کو نہیں مار سکتی۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

لیکن میں نے اس کی بات نہیں سنی اسے سمجھانے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

ہم باہر نکلے تھے کہ مجھے کہیں سے کچھ افراد کے چلا چلا کر بولنے کی آواز آنے لگی اور لگ رہا تھا کہ وہ ہماری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف آ رہے ہیں۔ میں نے رائفل سامنے کر لی اور جیسے ہی سامنے سے پہلا مسلح بھگشو نمودار ہوا میں نے اسے گولی مار دی۔ اس سے زیادہ زور سے این نے چیخ ماری تھی۔

''یہ تم نے کیا کیا؟''

''اپنا دفاع..... اگر میں اسے نہیں مارتا تو وہ مجھے مار دیتا۔'' میں نے کہا اسی لمحے دوسرا نمودار ہوا لیکن میں این سے باتوں میں ذرا غافل ہو گیا تھا۔ اس نے آتے ہی عجلت میں فائر کیا اور گولی سنسناتی این کے پاس سے گزری تو اس نے بے ساختہ خود گولی چلا دی اور بھگشو سینہ تھام کر منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے مسکرا کر این کی طرف دیکھا۔ ''بالکل ایسے ہی میں نے بھی گولی چلائی تھی۔ اب اگر زندہ رہنا ہے تو ایسے ہی سامنے آنے والے ہر مسلح شخص کو شوٹ کرنا ہو گا لیکن خیال رہے مجھے ہی مت گولی مار دینا۔''

این خوف سے لرز رہی تھی۔ ''یہاں بہت سارے لوگ ہیں اور سب بہت خون خوار ہیں۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب تک ہمارے پاس اسلحہ ہے ہم ان پر حاوی ہیں۔ آؤ میرے ساتھ۔'' میں اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا۔ اس مندر کی وسعت کے لحاظ سے یہاں موجود افراد کی تعداد بہت کم تھی۔ رانا چندر باز نے بتایا تھا کہ اس کے دس ساتھی تھے۔ اگر اس سمیت ایک درجن بھی فرض کر لیے جاتے تو اب بھی دس باقی تھے۔ دس افراد سے جو ہر طرح کے اسلحے سے لیس تھے نمٹنا آسان کام نہیں تھا۔ میرے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ میں بہت تیزی سے حرکت کروں اور ان کے سنبھلنے سے پہلے خفیہ راستے تک رسائی حاصل کر لوں۔

این فکر مند تھی۔ ''ہم باہر کیسے جائیں گے سامنے سے نکلنا ممکن نہیں ہے؟''

''تم فکر مت کرو میں ایک خفیہ راستے سے واقف ہوں اور میں اسی راستے سے یہاں آیا ہوں۔''

مجھے معلوم تھا کہ مندر میں جانے والا خفیہ راستہ کہاں تھا لیکن اصل مسئلہ وہاں تک جانے کا تھا۔ مندر کی اندرونی ساخت اور راہداریاں ایک جیسی تھیں۔ پھر کمروں کے دروازے ایک جیسے تھے۔ مجھے بس سمت کا احساس تھا اور یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ ایک راہداری میں آتے ہی سامنے سے دو مسلح افراد نمودار ہوئے اور انہوں نے مشین گنیں اٹھا رکھی تھیں۔ انہوں نے مجھے اور این کو دیکھتے ہی چیخ کر مقامی زبان میں کچھ کہا اور اپنی مشین گنیں بیک وقت بلند کیں۔ اگر میں ان پر فائر کرتا بھی تو دونوں نہیں مارے جاتے اور بچ جانے والا برسٹ مارتا تو اس تنگ جگہ بچنے کا سوال مشکل تھا۔ میں نے بروقت فیصلہ کیا بلکہ حرکت کی اور این کو سمیٹتا ہوا دائیں طرف موجود کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اندر آنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ اتفاق سے یہ وہی کمرہ تھا جس میں راج پڑا تھا۔ وہ ابھی بھی چٹائی پر اوندھے منہ پڑا تھا۔

باہر سے دونوں مسلح افراد نے بیک وقت فائر کھول دیئے تھے ہمیں ایک لمحے کے تیسرے حصے کی تاخیر ہوتی تو ہم دونوں ہی مارے جاتے۔ وہ دونوں مسلسل فائرنگ کرتے ہوئے دروازے کی طرف آ رہے تھے اور گولیاں چوکھٹ سے ٹکرا کر اس کے پرخچے اڑا رہی تھیں۔ وہ دروازے تک آ جاتے تو اس کمرے میں ہمارے بچنے کی کوئی جگہ نہیں تھی وہ مشین گن اندر کر کے بیک وقت برسٹ مارتے تو کوئی نہ کوئی گولی کام کر جاتی۔ ان کے دروازے تک آنے سے پہلے کچھ کرنا ضروری تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سوچا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے وہ دستی بم نکالا جو میں نے یہیں سے لیا تھا۔ اس کی پن نکالی اور لیور کو دباتے ہوئے دل ہی دل میں تین تک گن کر دستی بم باہر اچھال دیا۔ فوراً ہی فائرنگ بند ہوگئی اور ان دونوں کے چلانے اور بھاگنے کی آواز آئی تھی مگر بم نے ان کو مہلت نہیں دی تھی۔ گرینیڈ پھینک کر میں نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور این نے پہلے ہی رکھ لیے تھے۔ اس کے باوجود دھماکے نے میرے اعصاب جھنجھوڑ دیئے تھے یہ بہت طاقتور گرینیڈ تھے۔ ایسا لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ باہر راہداری میں دھواں دھواں ہو رہا تھا میں نے باہر جھانکا۔ راہداری میں دونوں طرف کے کمروں کی دیواریں گر گئی تھیں۔ اور زمین میں بھی گڑھا پڑ گیا تھا۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر جلے گوشت کی بو بتا رہی تھی کہ دونوں مشین گن بردار گرینیڈ کا نشانہ بن گئے تھے۔

میں دیوار سے چپک کر ذرا آگے گیا اور مجھے دھوئیں کے پاس کسی کی نقل و حرکت محسوس ہوئی تھی۔ کوئی اس طرف آ رہا تھا میں نے رسک نہیں لیا اور نیم دائرے میں ایک بھرپور برسٹ مارا۔ چند چیخیں سنائی دی تھیں اور میں تیزی سے واپس کمرے میں آیا۔ دوسری طرف سے جوابی فائرنگ ہوئی تھی لیکن اتنی دیر میں میں اندر کمرے میں آ چکا تھا۔ این خوف زدہ سی بیٹھی تھی اور میری آہٹ محسوس کر کے اس نے بھڑک کر پستول سیدھا کیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

''یہ میں ہوں۔''

''باہر..... کیا ہوا ہے؟'' وہ سہمے انداز میں بولی۔

میرا اندازہ تھا کہ میرے کم سے چار دشمن اور کم ہوئے تھے اور درندگی کا دعویٰ کرنے والے رانا چندر باز اور اس کے ساتھیوں کو پتا چل گیا ہوگا کہ ان کا واسطہ کسی نرم بوٹی سے نہیں پڑا ہے۔ جسے وہ ایک لقمے میں نگل جائیں بلکہ ایک ایسی سخت ہڈی سے پڑا تھا جسے وہ نہ چبا سکتے تھے اور نہ سالم حلق سے اتار سکتے تھے۔ میں نے این سے کہا۔ ''اب ہمارے پانچ یا چھ دشمن باقی رہ گئے ہیں۔''

''اور باقی؟'' اس نے سہم کر پوچھا۔

''وہ اس دنیا سے جا چکے ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ اب مجھے یہ فکر تھی کہ یہاں سے کیسے نکلیں۔ باہر راہداری میں دھواں چھٹ چکا تھا۔ اور اب میں دیکھنے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن اس کوشش میں امکان یہی تھا کہ میرا سر باقی نہ رہے۔ رانا چندر باز اپنی باقی سپاہ کے ہمراہ گھیرا ڈال کر بیٹھا ہوگا اور ممکن ہے اس نے بستی سے اپنے آدمیوں کی تازہ کھیپ طلب کر لی ہو۔ بلکہ اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ میں نے باہر کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنی گھڑی اتاری اور اس کا پٹا تھام کر ڈائل دروازے سے ذرا باہر کیا اور ڈائل کے شیشے میں دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی کیونکہ فوراً ہی باہر سے ایک فائر ہوا اور گولی گھڑی کے بالکل پاس سے گزر گئی تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ باہر دشمن میرے انتظار میں تھے کہ میں اور این باہر نکلیں اور وہ اپنا کام کر گزریں۔ یقیناً اپنے ساتھیوں کی موت نے ان کو دیوانہ کر دیا تھا۔ مجھے زندہ چھوڑنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر ان کے پاس اور راستے بھی تھے وہ اندر آئے بغیر بھی ہمیں مار سکتے تھے۔ میں نے صرف تین گرینیڈ اٹھائے تھے اور ان کے پاس بے شمار تھے۔

اس کمرے میں دوبارہ آنے کے بعد مجھے راج کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ بے سدھ پڑا تھا۔ گھڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس کلائی سے باندھتے ہوئے میں نے پلٹ کر راج کی طرف دیکھا۔ این راج کے پاس بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ میں بھی راج کے پاس بیٹھا تو این نے میری طرف دیکھا اور بولی۔

''یہ مر چکا ہے۔''

یہ سن کر مجھے دھچکا لگا تھا۔ وہ زمین پر سیدھا پڑا تھا اور نہ جانے کب زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا کوئی چیز دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرائی اور ٹن ٹن کی آواز پیدا کرتی فرش پر رک گئی۔ وہ ایک گرینیڈ تھا اور ہمارے اور موت کے درمیان صرف چند لمحے کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ مجھے بچاؤ کے لیے جو کرنا تھا اسی دوران میں کرنا تھا اور کمرے میں گرینیڈ سے بچنے کے لیے کوئی آڑ نہیں تھی۔

میرے پاس چند لمحے تھے جن میں مجھے اپنے اور این کے بچاؤ کی کوشش کرنا تھی لیکن اس وقت میں نے جو کیا وہ سوچا سمجھا نہیں تھا۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں دماغ کے علاوہ بھی ایسی فیصلہ کرنے والی قوتیں موجود ہیں جن کا ابھی تک ادراک نہیں کیا گیا ہے جیسے آدمی کا ہاتھ کسی گرم یا نوکیلی چیز سے چھو جائے تو وہ سوچنے سے بھی پہلے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیتا ہے۔ اس ردِعمل میں دماغ کا کوئی کردار نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت میں نے جو کیا وہ شاید ایسا ہی ردِعمل تھا میں این کو لیتے ہوئے مردہ راج کی آڑ میں گرا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ این ننگے فرش پر پھسل کر آگے چلی گئی اور میں اس کے اوپر نہیں گرا تھا۔ اس طرح ہم دونوں ہی راج کی آڑ میں آ گئے تھے۔

جب دھماکہ ہوا تو راج کی لاش اُڑ کر مجھ سے ٹکرائی تھی۔ دھماکے کی شدت نے مجھے بہرہ کر دیا تھا اور مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین لرز رہی ہو۔ راج کی لاش کے بعد گرد و غبار اور سنگریزوں کا ایک بادل مجھ سے ٹکرایا تھا اور مجھے لگا جیسے میرے جسم میں گھس گیا ہو۔ مجھ سے سانس بھی نہیں لیا جا رہا تھا۔ این دیوانہ وار مجھ سے لپٹ گئی تھی اور مزید لپٹی جا رہی تھی اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بھی زندہ ہے اور میں کیونکہ سوچ رہا تھا اس لیے میں تو زندہ تھا۔ کمرے میں گرد و غبار کے ساتھ گرینیڈ کے آتش گیر مادے سے خارج ہونے والا زہریلا دھواں بھی بھر گیا تھا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن مجھے احساس تھا کہ میرا دشمن حرکت میں آ چکا ہوگا۔ گرینیڈ کے دھماکے میں وہ بالکل محفوظ رہا تھا اور اب یقیناً کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ خودکار رائفل کے چند برسٹ ہم دونوں کو ہمیشہ کی نیند سلانے کے لیے کافی ہوتے۔ میں اس بار بھی خودکار طور پر حرکت میں آیا اور میں نے جیکٹ کی جیب سے دوسرا گرینیڈ نکالا اور راج کی لاش کو ایک طرف دھکیل کر رینگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے پن نکالی اور تین تک گن کر گرینیڈ راہداری میں بائیں طرف لڑھکا دیا اور تیزی سے پلٹ کر واپس آیا۔ اس دھماکے کی آواز مجھے نہیں آئی تھی لیکن میں نے اس کے اثرات کو دروازے کے سامنے سے گزرتے دیکھ لیا تھا۔

مجھے تشویش ہونے لگی کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا کیا میرے کان کے پردے پھٹ گئے تھے اور میں ہمیشہ کے لیے بہرہ ہو گیا تھا۔ اب کمرے میں دھواں کسی قدر کم ہو گیا تھا اور راہداری دھواں دھار ہو رہی تھی۔ کمرے میں جس جگہ گرینیڈ پھٹا تھا وہاں فرش میں سوراخ ہو گیا تھا۔ مجھے اپنے جسم میں کہیں درد محسوس نہیں ہو رہا تھا اور کچھ دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ فرش سے اٹھ کر میں پہلے راہداری میں ایک برسٹ مارا اور پھر اس سوراخ سے نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا تو مجھے ایک کمرہ نظر آیا تھا۔ یہ نچلی منزل کا حصہ تھا اور خفیہ راستے تک جانے کے لیے مجھے نچلی منزل سے گزرنا ضروری تھا۔

ابھی تک میں اور این محصور تھے اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے اور اب قدرت نے خود میرے اور این کے لیے راستہ کھول دیا تھا۔ میں نے این کی طرف دیکھا وہ ابھی تک شاک میں تھی لیکن ہوش میں تھی میں نے اسے گھسیٹ کر ہاتھوں سے تھام کر نیچے لٹکایا اور جب وہ ممکنہ حد تک نیچے ہوگئی تو اسے چھوڑ دیا۔ وہ ہلکی سی ایک چیخ کے ساتھ نیچے جا گری تھی۔ اسی لمحے میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں نے تڑپ کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ دروازے کا سہارا لیے کھڑے شخص کی چلائی گولی اس جگہ لگی تھی جہاں کچھ دیر پہلے میں تھا۔ میں بال بال بچا تھا لیکن اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا کیونکہ میں اس کے سامنے تھا اور اس کے پستول کا رخ میری طرف ہی تھا۔ اس نے پستول سیدھا کیا اور پھر گولی چلا دی۔ میرے پاس بچنے کا موقع نہیں تھا اور میں موت کا سامنا کرتے وقت آنکھیں بند نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پستول کا رخ میرے سینے کی طرف تھا۔ اس نے ٹریگر دبایا لیکن گولی نہیں نکلی۔ اس نے دوبارہ کوشش کی اور اس کا نتیجہ بھی حسب سابق رہا تھا۔ اسے تیسرا موقع دینا حماقت ہوتی ممکن ہے گولی پستول میں پھنس رہی ہو اور بار بار کی کوشش سے چل جائے۔ میں نے رائفل سیدھی کی اور اسے شوٹ کر دیا۔ وہ راہداری میں جا گرا تھا۔ وہ گرینیڈ کے دھماکے میں زخمی ہوا تھا لیکن ہمت کر کے کسی طرح مجھ تک آ گیا تھا۔ اصل میں اسے موت یہاں کھینچ کر لائی تھی۔ ورنہ اسے گرینیڈ کے دھماکے میں جان بچ جانے پر شکر ادا کرتے ہوئے سر پر پاؤں رکھ کر یہاں سے بھاگنا چاہیے تھا۔

ابھی تک مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا لیکن جب میں نے اسے گولی ماری تو مجھے ہلکی سی آواز آئی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی تھی۔ میں مکمل طور پر بہرہ نہیں ہوا تھا شاید دھماکے کی شدت نے عارضی طور پر میری سماعت پر اثر ڈالا تھا۔ اب سماعت بحال ہو رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر راہداری میں دونوں طرف بنا دیکھے برسٹ مارے اور پھر جھانک کر دیکھا۔ یہاں بھی اب دھواں چھٹ رہا تھا اور مجھے راہداری میں بائیں طرف کم سے کم پانچ افراد کی لاشیں نظر آئی تھیں۔ ان میں سے تین تو واضح طور پر گرینیڈ کا شکار ہوئے تھے اور ان کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ ایک میری فائرنگ سے مرا تھا اور دوسرا جو خود مرنے کے لیے آیا تھا۔ یعنی ابھی چار یا پانچ افراد باقی تھے۔

میں پلٹ کر راج کی طرف آیا۔ گرینیڈ نے اس کی لاش کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اگرچہ ایسی لاشیں میرے لیے اجنبی نہیں تھیں لیکن اسے دیکھ کر مجھے کچھ ہونے لگا اور میں نے بے ساختہ پلٹ کر الٹی کر دی۔ راج برا آدمی سہی لیکن زندگی میں بھی ہمارے کام آیا تھا اور مرنے کے بعد بھی ہماری زندگی بچانے کا سبب بن گیا تھا۔ اگر درمیان میں اس کی لاش نہ ہوتی تو یہ حشر میرا ہوتا کیونکہ اس کے بالکل پیچھے میں تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بالکل بچ گیا تھا۔ نہیں اڑتے ٹکڑے اور سنگریزے ٹکرانے سے مجھے بھی زخم آئے تھے لیکن ان میں سے کوئی جان لیوا نہیں تھا اور نہ ہی مجھے نقل و حرکت سے روکنے والا کوئی زخم لگا تھا۔ چھوٹے موٹے زخم تھے جن کا مجھے اس وقت احساس بھی نہیں تھا۔

مجھے افسوس ہونے لگا تھا۔ جب میں نے دیکھا تھا تو راج کی حالت اگرچہ ایسی تھی کہ وہ قریب المرگ لگ رہا تھا لیکن مجھے امید نہیں تھی وہ اتنی جلدی مر جائے گا۔ شاید اسے بھوکا پیاسا بھی رکھا گیا تھا یا اسے کوئی شدید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندرونی چوٹ آئی تھی جس کی وجہ سے وہ زندگی ہار گیا۔ میں نے دکھ سے اس کی ادھڑی لاش کو دیکھا۔ میں اس کی خاطر یہاں تک آیا لیکن اس کی زندگی بس اتنی ہی تھی۔ اس نے مجھ سے پانی مانگا تھا اور میں اسے پانی بھی نہیں دے سکا تھا ایسے موقع پر انسان کو احساس ہوتا ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا بلکہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

میں پلٹ کر سوراخ تک آیا اور اس کا کنارہ پکڑ کر نیچے لٹک گیا تھا۔ فرش میرے پیروں سے کوئی تین فٹ نیچے تھا۔ میں نے کنارہ چھوڑ دیا اور نیچے گرا تو ایک طرف موجود این پھر بھڑک گئی۔ وہ ابھی تک دھماکے کے اثر میں تھی۔ میرے کودنے کی آہٹ پر اس نے پستول اٹھایا تھا لیکن پھر مجھے دیکھ کر نیچے کر لیا۔ میں نے پوچھا۔ وہ گرد و غبار سے ڈھک گئی تھی اور اس کے ہاتھ پیروں پر چھوٹے موٹے زخم نظر آ رہے تھے۔

''تم ٹھیک ہو نا؟''

وہ پہلی بار مسکرائی۔ ''ذرا اپنا حلیہ دیکھو۔'' اس نے ایک الماری میں لگے آئینے کی طرف اشارہ کیا جو گرد و غبار سے دھندلا گیا تھا۔ میں نے ہاتھ سے آئینہ صاف کیا تو مجھے ایک وحشی نظر آیا۔ جس کے چہرے پر خون کے دھبے اور جلنے کے نشانات تھے۔ پورا جسم گرد سے اٹ گیا تھا اور پائنچے کے پاس پتلون خون آلود ہو رہی تھی۔ میں نے پائنچہ اوپر کیا تو مجھے پنڈلی پر زخم نظر آیا۔ کوئی چیز لگ گئی تھی لیکن زخم اتنا گہرا نہیں تھا کہ اس پر کچھ باندھنے کی ضرورت پیش آتی۔ مجھے اس کا احساس بھی نہیں تھا، وہ تو خون دیکھا تو پتا چلا۔ مجموعی طور پر خاصے زخم تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی خطرناک نہیں تھا۔ میں نے ایک طرف پڑی چادر سے اپنا چہرہ اور ہاتھ صاف کیے۔ اس دوران میں، میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہم کہاں تھے اور ہمیں کس طرف کا رخ کرنا چاہیے تھا۔

''اب کیا کرنا ہے۔'' این نے مجھے سوچ میں گم پا کر پوچھا۔ ''وہ تو مر گیا۔'' اس نے کسی قدر تجسس سے پوچھا۔ ''وہ ہے کون؟''

میں چونک گیا تھا۔ ''ہے ایک جاننے والا۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ رانا چندر باز کے ساتھیوں تعداد خاصی کم کر دی ہے امید ہے آگے اتنی مزاحمت نہیں ہوگی۔''

مگر این سہمی ہوئی تھی۔ ''یہ بہت ظالم لوگ ہیں۔''

''انسان ظالم ہو مظلوم اسے مرنا ایک گولی سے ہوتا ہے۔ اس لیے تم گولی چلانے کے لیے تیار رہو۔'' میں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ میں نے کھولنے سے پہلے سن گن لی۔ پھر این کو سامنے سے ہٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی ایک طرف ہو کر دروازہ کھول دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ سامنے یا دائیں بائیں کوئی نہ کوئی مورچہ بند ہوگا۔ مگر فائر نہیں ہوا۔ میں نے چادر اٹھا کر اس کا اگلا حصہ کچھ ایسا بنایا جیسے کسی نے سر پر چادر لے رکھی ہو اور اسے دروازے سے ذرا سا باہر کیا۔ فوراً ہی ایک فائر ہوا اور چادر میں سوراخ ہو گیا۔ میرا اندیشہ درست نکلا تھا باہر میری جان کے دشمن مورچہ بند موجود تھے اور میں سر باہر نکالتا تو یہ سوراخ میرے سر میں ہوتا۔

''یہ کیا؟'' این سہم گئی۔ ''وہ لوگ باہر ہیں۔''

میں نے سر ہلایا۔ میرا ذہن تیزی سے اس صورتِ حال سے نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیونکہ یہاں سے نکلنے کا ایک ہی دروازہ تھا اور دوسرا چھت کا وہ سوراخ جس سے ہم یہاں آئے تھے لیکن اس سے واپس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی نہیں جا سکتے تھے۔ مجھے یقین تھا رانا چندر باز کے آدمی اوپر بھی مورچہ زن ہوں گے۔ ہم آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گئے تھے۔ اچانک رانا چندر باز کی آواز آئی۔

''شہباز ملک تم یہاں سے نکل کر نہیں جا سکتے اس لیے بہتر ہے خود کو میرے حوالے کر دو۔''

میں نے بلند آواز میں جواب دیا۔ ''رانا شاید اپنے سات آٹھ بندوں کی موت نے تم کو دیوانہ کر دیا ہے۔ میں خود کو تمہارے حوالے کر دوں تاکہ تم مجھے فوراً گولی مار دو۔''

''مجھے کرنا تو یہی چاہیے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن میں ایسا کروں گا نہیں۔''

''کیوں؟'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''کیا تم اچانک ہی سچ مچ کے بھکشو بن گئے ہو اور مجھے معاف کر دینے کو تیار ہو گئے ہو؟''

''ایسی بات نہیں ہے..... مجھ جیسے لوگ کبھی شریف نہیں بن سکتے لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔ تمہارے لیے بعض لوگوں نے بھاری رقم کا انعام رکھا ہے اور جو تمہیں ان کے حوالے کرے گا اسے دس لاکھ ڈالرز کا انعام دیا جائے گا۔''

میں حیران رہ گیا۔ ''دس لاکھ ڈالرز..... تم بکواس کرتے ہو مجھ جیسے معمولی شخص کے لیے بھلا دس لاکھ ڈالرز کون دے گا۔ اور میں تمہاری بات کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ ابھی میں پہلے گرینیڈ حملے اور اس کے بعد تمہارے ایک آدمی کے ہاتھ سے مرتے مرتے بچا ہوں۔ میں کیسے مان لوں کہ تم مجھے بخش دو گے؟''

''گرینیڈ میرے ایک آدمی نے مجھ سے پوچھے بغیر استعمال کیا تھا کیونکہ تم نے جو گرینیڈ مارا تھا اس میں اس کا بھائی مارا گیا ہے۔ پھر وہی تمہیں شوٹ کرنے گیا تھا اور مارا گیا۔ اگر وہ بچ جاتا تو میں خود اسے اس حکم عدولی کی سزا دیتا۔''

کیونکہ ساری بات انگریزی میں ہو رہی تھی اس لیے این بھی کسی حد تک سمجھ رہی تھی۔ اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ ''کیا یہ سچ کہہ رہا ہے..... تم پر اتنا بڑا انعام ہے تم میں ایسی کیا خاص بات ہے؟''

''یہ بکواس کرتا ہے مجھے گھیر کر سامنے لانا چاہتا ہے تاکہ آرام سے مار سکے۔''

''پھر بھی اس نے ایسی بات کیوں کی؟'' اس نے اصرار کیا۔

''بابا یہ دقیانوسی باتوں میں الجھنے کا نہیں ہے۔'' میں جھنجلا گیا۔ ''مجھے یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب سوچنے دو تمہارے ذہن میں کچھ آ رہا ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے ایسی باتوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اس لیے میں کوئی رائے نہیں دے سکتی۔''

خود میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ ہم اس صورتِ حال سے کیسے بچ کر نکلیں۔ ہمیں دروازے اور اوپر کے سوراخ دونوں طرف سے ہوشیار رہنا تھا۔ دشمن کسی بھی طرف سے وار کر سکتا تھا۔ میں نے این کو دروازے کی نگرانی کرنے کو کہا اور خود اوپر سوراخ پر نگران ہو گیا۔ میں نے پستول کا رخ بھی اوپر کر رکھا تھا۔ رانا چندر باز کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز ملک تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا، بے شک میرے چھ ساتھی مارے گئے ہیں لیکن کچھ ہی دیر میں بستی سے مزید لوگ آ جائیں گے اور تم کسی صورت یہاں سے نہیں نکل سکو گے۔ مقابلہ کرنے کی صورت میں موت تمہارا مقدر بنے گی۔''

''رانا چندر باز مجھے یہاں سے جانے دو میں وعدہ کرتا ہوں اس صورت میں تم اور تمہارے بقیہ ساتھی زندہ رہے گے۔''

اس نے قہقہہ مارا۔''اس حال میں بھی تم کو اتنی امید ہے؟''

''ہاں کیونکہ مجھے اپنے پیدا کرنے والے پر بھروسہ ہے اگر میری موت کا وقت نہیں آیا ہے تو تم بستی سے اپنے بدمعاش بلا لو یا سارے نیپال سے بدمعاشوں کو جمع کر لو، مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

''تمہاری یہ خوش فہمی کچھ دیر میں دور ہو جائے گی۔''اس نے کہا۔''اگر مجھے تم کو مارنا ہوتا تو میرے پاس گرینیڈز کی کمی نہیں ہے۔''

''مجھے معلوم ہے میں تمہارا اسلحہ خانہ دیکھ چکا ہوں۔ ویسے تم راج سے کیا چاہتے تھے جو تم نے اس پر اتنا غیر انسانی تشدد کیا تھا؟''

''غیر انسانی۔''وہ ہنسا۔''یہ تشدد میں انسانیت کہاں سے آ گئی؟''

''اس کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ تم لوگوں نے شاید اس پر تفریحاً تشدد کیا ہے۔''

''میرے ایک آدمی کی غلطی سے منشیات کی ایک کھیپ اس کے ہاتھ لگ گئی تھی اور اس نے وہ بیچ دی۔ بعد میں ہمیں نے معلوم کروالیا۔ ایسی باتیں چھپی نہیں رہتی ہیں۔ میں نے اس سے حرجانے کا مطالبہ کیا تو وہ مجھے ٹالنے لگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس سے دب کر بات کر رہا ہوں۔ جب اس نے شرافت سے نہیں مانی تو میں نے اسے اٹھانے کے لیے آدمی بھیج دیئے تھے۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ اصل میں تم ہو۔ ورنہ میرے آدمی تمہیں بھی نہیں چھوڑتے۔''

''فائدہ راج مر گیا تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔''

''جب اس کی لاش کسی سڑک سے ملے گی تو میرے مخالفوں کو احساس ہوگا کہ مجھ سے ٹکرانے کا کیا انجام ہو سکتا ہے۔''اس نے غرور سے کہا۔''اس نے میری دولت ہتھیائی تھی لیکن وہ اسے استعمال کرنے کے لیے زندہ نہیں رہا۔ کتے کی موت مر گیا۔''

رانا چندر باز سے باتیں کرنے کے دوران میرے کان دوسری آوازوں پر بھی مرکوز رہے تھے۔ بتدریج میری سماعت مکمل طور پر بحال ہو گئی تھی لیکن رانا چندر باز کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کے آدمی یا خاموش تھے یا ان کی تعداد کم ہو گئی تھی اور وہ دور تھے۔ میں نے سوچا کہ میں اچانک باہر نکل کر حملہ کروں تو ممکن ہے ان کے سنبھلنے سے پہلے ان سب کو مار گراؤں لیکن مجھے اپنا یہ خیال فلمی لگا تھا۔ صرف فلموں میں ایسا ہوتا ہے کہ ہیرو اچانک دھاوا بول دیتا ہے کشتوں کے پشتے لگا دیتا ہے۔ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ گولیاں اس کے آر پار سے گزر جاتی ہیں۔ مگر میں یہاں بیٹھا بھی تو نہیں رہ سکتا تھا۔ رانا چندر باز کے پاس مجھے یہاں سے نکالنے کے دس طریقے تھے اور میرے پاس یہاں سے نکلنے کا فی الحال ایک بھی طریقہ نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز ملک۔'' کچھ دیر بعد رانا چندر باز نے پھر کہا۔ ''اب تمہارے پاس صرف دو منٹ کی مہلت ہے۔ میرے ساتھی گیس بم لے آئے ہیں اور اگر تم ہتھیار ڈال کر باہر نہیں آئے تو یہ بم پھینک دیں گے۔''

''تم میرا خاتمہ کرنا چاہتے ہو تو گیس بم کے بجائے گرینیڈ کیوں نہیں پھینک دیتے ہو؟''

''اسی سے اندازہ لگا لو کہ میں تم کو زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔'' اس نے چالاکی سے کہا۔ ''اب بھی وقت ہے تکلیف اٹھائے بغیر ہتھیار ڈال دو۔''

میں نے چادر سے دو ٹکڑے پھاڑے جو وہاں پڑی تھی اور ایک طرف رکھی بوتل میں موجود پانی سے اسے اچھی طرح تر کر کے میں نے ایک ٹکڑا این کو دیا اور دوسرا خود منہ پر لپیٹ لیا۔ اگرچہ اس سے کچھ خاص فائدہ نہیں تھا۔ اگر وہ لعنتی گیس کا بم بھی مارتا تو اس محدود جگہ وہ بہت خطرناک ثابت ہوتا اور ہم اس سے بچ نہیں سکتے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی بے ہوش کر دینے والی گیس ہوتی تو اس سے بچت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا اس دوران میں رانا چندر باز نے باہر سے وارننگ دی۔

''ایک منٹ باقی ہے..... اور شاید تم اسے دھمکی سمجھ رہے ہو۔''

''نہیں میں جانتا ہوں جو لوگ گرینیڈ رکھ سکتے ہیں اور ان کے پاس دنیا کا جدید ترین اسلحہ ہو سکتا ہے ان کے لیے گیس بم حاصل کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''لیکن میں صرف اس وجہ سے خود کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ اگر تم مجھ پر قابو پانا چاہتے ہو تو انتظار مت کرو بم پھینک دو۔''

''فکر مت کرو وہ بھی پھینکتا ہوں۔'' اس نے کہا اور میں دروازے کے پاس بالکل تیار ہو گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ جیسے ہی بم اندر گرے گا میں اسے اٹھا کر واپس ارسال کر دوں گا۔ مگر وہ دشمن ہی کیا جو آپ کی توقع کے مطابق کام کرے۔ بم اوپر والے سوراخ سے اندر آیا تھا اور کمرے کے کونے میں گرا۔ اس سے تیزی سے گیس خارج ہو رہی تھی۔ این نے چیخ ماری اور میں اس کی طرف لپکا۔ بم لمبا سا پائپ کی شکل کا تھا۔ میں نے اسے دروازے سے باہر پھینکا تھا کہ اوپر سے دوسرا آ گیا اور اس بار کمرے میں اچھی خاصی گیس ہو گئی تھی۔ یہ آنسو گیس کے شیل تھے اور میری آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی۔ این ایک کونے میں منہ چھپائے کھڑی تھی۔ میں نے اسے ڈانٹا۔

''یہ کیا کر رہی ہو۔ ہوشیار رہو۔''

''ہوشیار رہنے سے کیا ہوگا؟'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''تم ان لوگوں سے بچنا نہیں چاہتی ہو۔ ابھی کچھ دیر میں تمہیں پتا چل جائے گا کہ تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔'' میں نے چڑ کر کہا اور اس دوران میں تیسرا شیل بھی اندر آ گرا تھا میں نے بیک وقت دونوں اٹھا کر باہر راہداری میں پھینک دیئے تھے۔ اس کے باوجود کمرے میں اتنی گیس آ چکی تھی کہ سانس کے ساتھ اندر جا رہی تھی۔ میرے حلق اور سینے میں بھی جلن ہونے لگی تھی۔ این کا برا حال تھا اور وہ کھانس رہی تھی۔ شاید اس نے کپڑا صحیح سے نہیں لیا تھا اور گیس زیادہ مقدار میں اس کے جسم میں جا چکی تھی۔ وہ زمین پر گر گئی۔ چوتھا شیل آ کر گرا تو مجھے اسے تلاش کرنے اور اٹھانے میں کچھ وقت لگا تھا۔ کمرہ اتنا دھواں دھار ہو گیا تھا کہ کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے بھی کھانسنا شروع کر دیا تھا اور مجھے خیال آیا کہ اس سے پہلے کہ میں بے ہوش ہو جاؤں مجھے باہر نکل کر ایک کوشش کرنی چاہیے۔ میں نے رائفل لی اور فرش پر رینگتا ہوا راہداری میں آیا۔ وہاں زیادہ گیس تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ چاروں شیل میں نے وہیں پھینک دیئے تھے۔ راہداری میں آ کر میری حالت مزید بری ہو گئی تھی۔ میں رینگتے اور کھانستے ہوئے آگے جا رہا تھا۔ اب وہاں سانس لینے کے لیے سوائے گیس کے کچھ نہیں تھا اور یہ گیس منہ کے راستے جسم میں اتر کر مجھے مفلوج کر رہی تھی۔ اس کے باوجود میں رینگتا رہا پھر میری ہمت جواب دے گئی اور میں وہیں بے ہوش ہو گیا۔ آخری احساس یہ تھا کہ کوئی میری طرف آ رہا ہے۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب مجھے ہوش آیا تو میں اس کمرے میں پڑا تھا جہاں میں نے پہلی بار ناچندر باز کو دیکھا تھا۔ اور میں اسی تخت نما چیز پر پڑا تھا جس پر رانا بیٹھا مے نوشی کر رہا تھا۔ رانا چندر باز سامنے کھڑا تھا اور مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میرا سر گیس کے اثر سے ابھی بھی چکرا رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ دو رانا چندر باز میرے سامنے کھڑے ہیں۔ پھر کسی نے میری ناک تلے امونیا کی شیشی رکھی اور اس کی تیز مہک مجھے تیزی سے ہوش کی دنیا میں لے آئی۔ اب تک میں دراز تھا اور حواس بحال ہوتے ہی اٹھ بیٹھا۔ میں نے رانا چندر باز سے کہا۔

''تو تم نے مجھ پر قابو پالیا۔ مجھے تعجب ہے تم نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا؟''

''میں ایسا ہی کرتا لیکن.....'' اس نے تلخی سے کہا اور رک کر ہونٹ کاٹنے لگا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''شوبی بھائی مطلب ہم سمجھاتا ہے۔'' شوبی کی آواز آئی اور میں اچھل پڑا تھا پھر وہ میرے عقب سے نکل کر خود سامنے آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خطرناک شاٹ گن تھی اور تب مجھے پتا چلا کہ میں رانا چندر باز کا قیدی نہیں تھا بلکہ وہ میرا قیدی تھا۔ اس کمرے میں ہم چار افراد تھے۔ چوتھی این تھی جو فرش پر بے ہوش پڑی تھی۔

''بیتو تم کہاں تھے؟'' میں نے تابی سے پوچھا۔

''ہم ادھر ہی تھا شوبی بھائی دور دور سے آپ کی نگرانی کر رہا تھا۔'' اس نے دانت نکالے۔ ''مگر جب آپ گھاٹی میں غائب ہوا تو ہم پریشان ہو گیا تھا۔''

''تمہارے غائب ہونے کی وجہ؟''

''ایک تو ہم صورت سے ادھر کا لگتا ہے اور آپ نہیں لگتا دوسرے ہم کو ادھر کا زبان آتا ہے۔ اس لیے ہم نے سوچا کہ آپ سے دور رہ کر کام کرے گا۔ ہم نے اس آدمی کو بھی دیکھ لیا تھا جو اس عورت کے پیچھے پڑا تھا۔ جب آپ غائب ہوا تو ہم اس کے پیچھے لگ گیا۔ ہم کو لگا تھا کہ اس عورت اور آپ کو مندر میں لایا گیا ہے لیکن یہاں بہت سخت پہرہ تھا ہم اندر نہیں جا سکتا تھا۔''

''پھر تم اندر کیسے آئے؟'' میں نے اس سے امونیا کی شیشی لی اور این کے پاس بیٹھ گیا۔ ''کیا بستی والوں کو پتا چل گیا تھا کہ مندر میں کیا ہو رہا ہے؟''

''ہاں مندر سے ایک آدمی آیا تھا لیکن کوئی آواز نہیں آیا تھا۔ وہ اسی آدمی کو لے گیا اور ہم ان کے پیچھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں آ گیا وہ تو ادھر آ کر پتا چلا کہ آپ نے کیا تباہی پھیلایا ہے۔"

این کی ناک سے چند لمحے کے لیے امونیا کی شیشی لگائی تو اسے بھی ہوش آ گیا تھا لیکن وہ کھانسنے لگی تھی۔ اس نے گیس کی خاصی مقدار جذب کر لی تھی۔ کھانسنے سے اس کے منہ سے کے پیلا مواد نکل رہا تھا میں نے اسے وہیں موجود بوتل سے پانی دیا۔ اسے پی کر اس نے الٹی کر دی۔ الٹی میں بھی ایسا ہی مواد نکلا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ "ہم کہاں ہیں؟"

"تم فکر مت کرو اب ہم محفوظ ہیں۔" میں نے اسے تسلی دی۔

الٹی کرنے کے بعد اس کی حالت بہتر ہو گئی اور وہ خود سے اٹھ کر تخت پر لیٹ گئی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ "اس کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

بیتو نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ "سب مارے گئے۔"

"سب؟" میں نے حیرت سے کہا

"ہاں بس یہی بچا تھا یا وہ جسے اس نے مدد کے لیے بستی بھیجا تھا لیکن اس کا بدقسمتی کہ وہاں اس کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا سوائے اس منحوس صورت والے کے۔ ان دونوں کو میں نے لٹا دیا۔"

"یعنی مار دیا۔"

"نہیں شوبی بھائی سلا دیا۔" بیتو نے دانت نکالے۔ "تھوڑا سر سہلا دیا تھا ان کا۔"

اب بیتو رانا چندر باز کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم نے گیس بم کیسے استعمال کیے جب تم اکیلے تھے۔"

"ان حرامیوں نے کیے تھے جو بستی سے آئے تھے۔" اس نے جلے بھنے انداز میں کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ کسی کو پیچھے لگا لائے ہیں۔"

میں ہنس دیا۔ "رانا جی جب کسی کی شامت آتی ہے تو ایسے ہی آتی ہے۔"

اس کا غصے سے برا حال تھا۔ "تم لوگوں نے مجھے تباہ کر دیا۔"

"ہم نے نہیں تمہارے اعمال نے۔"

وہ بھڑک گیا۔ "تم ایک ٹھکانے کو تباہ کر کے کیا سمجھتے ہو کہ رانا ختم ہو گیا نہیں ابھی رانا کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے۔"

"مجھے جاننے میں دلچسپی بھی نہیں ہے ہم جس آدمی کے لیے تمہارے پاس آئے تھے اسے تم نے مار دیا ہے۔"

بیتو اچھل پڑا۔ "اس نے راج کو مار دیا؟ ہم نے کہا تھا نا....."

میں نے بیتو کی بات کاٹی۔ "اس نے اسے بے پناہ اذیتیں دے کر ایک جگہ ڈال دیا تھا میں نے اسے زندہ دیکھا تھا لیکن بعد میں وہ مر گیا۔"

"رانا کا دشمن زیادہ دیر زندہ نہیں رہتا۔" اس نے غرور سے کہا۔

بیتو نے مشتعل ہو کر رانا کے پہلے سے زخمی سر پر مکا مارا اور وہ کراہ کر نیچے گر گیا بیتو گرج کر بولا۔ "کتے کا اولاد ابھی تم کو گولی مارے تو تم بھی مر جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس سے الجھنا بے کار ہے۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔'' میں نے بیتو سے کہا۔ مجھے خیال آ رہا تھا کہ اب کھٹمنڈو جانا خطرناک تھا کیونکہ ہم رانا کے طاقتور گروہ کو اپنا دشمن بنا چکے تھے اور اب میری آمد کا شہرہ نیپال میں بھی عام تھا اس لیے حکومت کے ادارے بھی میری تلاش میں ہو سکتے تھے لیکن اب سوال یہ تھا کہ ہم کہاں کا رخ کریں۔ نیپال کی سرحد پاکستان سے نہیں لگتی ہے بلکہ دونوں ملکوں کے درمیان کوئی چھ سات سو کلومیٹرز کا فاصلہ ہے اور یہ سارا فاصلہ ہمالیہ کے فلک بوس پہاڑوں اور دشوار گزار دروں سے گزرتا ہے۔ نیپال کے ایک طرف انڈیا ہے اور دوسری طرف چین ہے مگر چین اور نیپال میں دشوار ترین پہاڑ حائل ہیں اور صرف بھارت کی طرف سے راستے کھلے ہیں۔ جس کا بھارت پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس چھوٹے سے اور کمزور ملک پر اپنی دھونس جماتا ہے۔

نیپال ایک لمبا اور پتلا سا ملک ہے اور اس کی چوڑائی کہیں سے بھی ڈیڑھ سو کلومیٹرز سے زیادہ نہیں ہے جب کہ اس کی لمبائی کوئی آٹھ سو کلومیٹرز ہے۔ بھارت کی طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف چین تھا لیکن وہاں جانا ہی کسی جوکھم سے کم نہیں تھا۔ چین کے ساتھ طویل سرحد پر آمد و رفت کے لیے بس چند درے ہیں۔ یہ درے بھی سال کے چند مہینے ہی کار آمد رہتے ہیں اور برف باری شروع ہوتے ہی ان میں آمد و رفت بند ہو جاتی ہے۔ یہ سارا علاقہ اتنا دشوار گزار ہے کہ یہاں آج تک کوئی مستقل سڑک نہیں بن سکی ہے۔ مسلسل لینڈ سلائیڈنگ اور زلزلے ایسی ہر کوشش کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ صرف ایک سڑک ہے اور وہ شاہراہ قراقرم ہے جو چین اور پاکستان کو ملاتی ہے لیکن یہ بھی اتنی نازک ہے کہ معمولی سی لینڈ سلائیڈنگ اسے دنوں کے لیے بند کر دیتی ہے اور موسم سرما میں تو یہ بار بار بند ہوتی ہے۔ یہ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر درہ خنجراب سے گزرتی ہے اور یہاں درجہ حرارت سارے سال نکتہ انجماد کے پاس ہی رہتا ہے۔

مجھے کئی بار خیال آیا تھا کہ مجھے اور بیتو کو چین کی طرف جانا چاہیے لیکن میں اس مصیبت سے نکلنے کے لیے چین کی طرف جانے کا فیصلہ کرنا تو یہ مرحلہ بھی جان جوکھم سے کم نہیں تھا۔ برف باری یقینی تھی اور راستے میں آفتیں اور مشکلات ہمارا راستہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتیں۔ چین کا میرے ذہن میں اس وجہ سے بھی آ رہا تھا کہ چین پاکستان کا ایسا دوست ملک ہے جس نے پاکستان کے مفاد کا خیال اس کے بعض حکمرانوں سے بڑھ کر رکھا ہے۔ وہاں میرے ساتھ کم سے کم بھارت والا سلوک ممکن نہیں تھا۔ دوسری طرف بھارت اور چین کی دشمنی بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ میں نے بھارت میں جو کارنامے انجام دیئے تھے اس بات کا پورا امکان تھا کہ چین کے حکام کو ان کا علم ہو اور وہ میری مجبوری کو تسلیم کر لیں۔ ممکن مجھے چین کے پاکستانی سفارت خانے سے نیا پاسپورٹ مل جاتا اور میں بھی دبئی نکل جاتا۔ اگرچہ یہ مفروضات تھے ممکن ہے چینی حکام کا رویہ بھی سخت ہو جاتا لیکن دوسری طرف مجھے یقینی مشکل کا سامنا تھا میں بھارتی یا نیپالی حکومت کے ہاتھ آ جاتا تو اس کے بعد میری گلو خلاصی ناممکن تھی۔ تمام امکانات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے چین کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

رانا چندر باز اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور غور سے میری طرف دیکھ کر اپنے ممکنہ انجام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ تم سے کوئی سروکار نہیں رکھوں گا اور نہ تمہارے پیچھے آؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کچھ دیر پہلے میں نے یہی پیشکش تمہیں کی تھی اور تم نے اسے مسترد کر دیا تھا اور تم نے کیا مجھے احمق سمجھ رکھا ہے جو میں تم جیسے شخص کے الفاظ پر اعتبار کروں گا۔''

''تم جیسی کہو میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے ذہن میں اس سے بہتر گارنٹی ہے۔''

''کیسی گارنٹی؟''

''میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا تو تمہارا کوئی آدمی ہمارا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔''

''کہاں لے جاؤ گے؟'' وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''یہ تو جب ہم یہاں سے نکلیں گے تو پتا چل جائے گا لیکن یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی طاقتور اور پہاڑی راستوں پر چلنے والی فور وہیل ڈرائیو ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ایک جیپ ہے لیکن وہ نیچے بستی میں ہے۔ وہاں تک جانا ہوگا۔''

''ہم چلیں گے..... اور اس خیال میں مت رہنا کہ تمہارے آدمیوں کی کسی حماقت کے بعد زندہ رہنے والوں میں تم بھی شامل ہو گے اس لیے ان کو سمجھا دینا دور رہیں اور کوئی غلط حرکت نہ کریں۔''

''تمہیں کوئی نہیں روکے گا لیکن مجھے لے جانے کی صورت میں وہ لازمی تمہارا پیچھا کریں۔''

''میرا خیال اس کے برعکس ہے۔'' میں سکون سے کہا۔

بیتو ایک طرف مستعد کھڑا تھا میرا اسلحہ بھی اس کے پاس تھا اور ساتھ ہی اس نے میری رقم والی بیلٹ بھی سنبھال لی تھی یہ شاید ان لوگوں میں سے کسی نے کھول دی تھی۔ جنہوں نے مجھے وہاں سے اٹھایا تھا۔ بیتو نے مجھے بعد میں جو بتایا اس کے مطابق وہ ان دونوں افراد کا تعاقب کرتا مندر کے اندر پہنچنے میں کامیاب رہا تھا کیونکہ اس وقت نگرانی پر کوئی نہیں تھا لیکن اندر آنے کے بعد وہ راستہ بھٹک گیا اور اسے مجھ تک پہنچنے میں کچھ دیر ہوئی تھی اس دوران میں رانا چندر باز نے ان دونوں کی مدد سے گیس بم پھینک کر مجھے قابو کر لیا تھا۔ جس وقت رانا کے گرگے مجھے اور این کو قابو کر کے یہاں لائے تو بیتو نے ان کو قابو کر لیا اور اس کے بعد اس نے رانا چندر باز کو گن پوائنٹ پر رکھ لیا تھا۔ وہ اکیلا اور نہتا تھا اس لیے بیتو کے سامنے بے بس ہو گیا تھا۔ بیتو نے اس سے امونیا کی بوتل حاصل کی تھی اور ہمیں ہوش میں لانے میں کامیاب رہا تھا۔ میں نے بے ساختہ اس کی پیٹھ تھپکی۔

''شاباش..... اس کارنامے کے صلے میں تمہارے غائب ہونے کا قصور بھی معاف کیا جاتا ہے۔''

بیتو خوش ہو گیا۔ ''سچ شوبی بھائی ہم ڈر رہا تھا پہلی بار آپ سے مار کھائے گا۔''

''وہ بھی کھاؤ گے اگر تمہاری حرکتیں اسی طرح جاری رہیں۔'' میں نے اسے یقین دلایا پھر پوچھا۔ ''ایک بات بتاؤ مندر سے جو آدمی گیا تھا اس نے صرف اسی منحوس صورت سے بات کی تھی جسے لے کر وہ مندر میں آیا تھا؟''

بیتو نے سر ہلایا۔ ''مجھے یقین ہے اس نے صرف اسی سے بات کی تھی۔''

''تب کسی اور کو علم نہیں ہے کہ مندر میں کیا ہوا ہے۔'' میں اطمینان محسوس کیا۔ ''اس کا مطلب ہے ہم یہاں کچھ دیر گزار سکتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ کا حالت بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے میری طرف دیکھا۔''اور ابھی رات بھی ہے ہم صبح کے وقت نکلے تو ٹھیک رہے گا۔''

میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ہم رانا چندر باز کو مندر میں اس کے رہائشی حصے میں لائے اور اس کے ذاتی کمرے کی سجاوٹ اور وہاں موجود عیش وعشرت کے مناظر سے بھرپور تصاویر دیکھ کر میں اور بیتو دنگ رہ گئے تھے اور این باوجود اپنے کردار کے شرما گئی تھی۔ مجھے اس کمرے سے الجھن ہو رہی تھی اس لیے ہم دوسرے نشست گاہ والے کمرے میں آ گئے۔ وہاں کھانے پینے سے لے کر علاج تک تمام سہولتیں موجود تھیں۔ ہم نے رانا چندر باز کو باندھ کر قالین پر ڈال دیا اور پھر بیتو نے سب سے پہلے میری مرہم پٹی کی میرے کپڑے خراب ہو چکے تھے۔ اور کپڑوں والا بیگ خیمے میں تھا۔ اس کے بعد ہم نے پیٹ بھرا وہاں بہت کچھ تھا لیکن میں نے احتیاطاً صرف پھل اور ڈبل روٹی لی تھی۔ این نے مرہم پٹی کے بعد کافی بنائی تھی۔ وہاں بے شمار اقسام کی شرابیں بھی تھیں این نے ایک قیمتی شراب کی بوتل کھول لی تھی۔ رانا قالین پر پڑا بیک وقت این اور بوتل کو للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے خیال آیا کہ اس جگہ کی تلاشی لینی چاہیے۔ کھا پی کر میں رانا چندر باز کے بیڈروم میں آیا۔ وہاں ایک الماری تھی اور میری توجہ کا مرکز وہی تھی۔ الماری لاک تھی لیکن اس کا پٹ عام لکڑی کا تھا۔ میں نے چاقو کی مدد سے لاک توڑ دیا۔ اندر وہی سب تھا جو جرائم پیشہ افراد کے پاس ہوتا ہے۔ بے شمار اقسام کی کرنسی اور سونے کی بڑی مقدار بھی تھی۔ سونا بین الاقوامی کرنسی ہے اور غیر قانونی کام کرنے والے عام طور سے اسے استعمال کرتے ہیں۔ رانا چندر باز بھی ایسا ہی کرتا ہوگا۔ میں الماری کا معائنہ کر رہا تھا کہ این وہاں آ گئی۔ اتنی بڑی مقدار میں کرنسی اور سونا دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ حالانکہ مشیل کے مطابق وہ جرمنی کے ایک ارب پتی کی اکلوتی بیٹی تھی اور اس کے نزدیک اس دولت کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن دوسری طرف وہ بیس ڈالرز کے عوض کسی کی ہونے کو تیار ہو جاتی تھی۔ شاید اسی وجہ سے وہ حیران ہوئی تھی۔

''اتنی دولت.....'' اس نے سحر زدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں یہ ایک بڑی دولت ہے۔'' میں نے اتفاق کیا

اس نے للچائی نظروں سے اس دولت کو دیکھا۔''کیا میں اس میں سے کچھ لے سکتی ہوں؟''

اس کا خیال تھا کہ میں اس دولت کو ہتھیانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور وہ مجھ سے اپنا حصہ مانگ رہی تھی۔ جب کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے جواب دیا۔''کیوں نہیں تم چاہو تو ساری دولت لے سکتی ہو۔''

اس نے ناقابلِ یقین نظروں سے میری طرف دیکھا۔''تمہارا مطلب ہے میں یہ ساری کرنسی اور سونا لے سکتی ہوں؟''

''بالکل۔''

''تو کیا تم اس میں سے کچھ نہیں لو گے؟''

''نہیں۔'' میں نے اس بار بھی مختصراً جواب دیا۔

''مگر.....''

میں نے اس کی بات کاٹی۔''بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے یہ لینا ہے تو لے لو ورنہ جو دل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہے کرو اور ہاں یہاں سے نکلنے کے بعد ہمارے راستے جدا ہوں گے۔''

یہ سن کر وہ سہم گئی۔ ''نہیں یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔''

''تم پولیس کے پاس چلی جاؤ اور جرمن سفارت خانے کو اطلاع کر دو وہ تمہیں ان لوگوں سے بچا لیں گے۔''

''ہاں یہ ممکن ہے۔'' وہ خوش ہو گئی۔

''تمہارا اسپینش ساتھی مشیل بتا رہا تھا کہ تم ایک ارب پتی جرمن صنعت کار کی اکلوتی بیٹی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ درست ہے تم مشیل سے ملے تھے؟''

''اسی نے تو تمہیں دو کلو گرام ہیروئن کے بدلے رانا چندر باز کو فروخت کیا تھا۔''

وہ حیران ہوئی۔ ''مشیل نے..... لیکن وہ تو مجھ سے ہمدردی رکھتا ہے۔''

''معاف کرنا تم لوگوں میں اس قسم کے جذبات نہیں پائے جاتے ہیں۔''

اس نے میری بات پر غور کیا۔ ''تم لوگوں نے۔'' پھر وہ چونکی۔ ''مجھے یاد آیا رانا تمہیں کسی اور نام سے پکار رہا تھا۔ شاید شاباش کے نام سے۔''

''شہباز۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''اور میں یورپی نہیں ہوں سب کونٹینٹ کا رہنے والا ہوں۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''مجھے پہلے ہی شک تھا۔''

''لیکن اس بات کو اپنے تک محدود رکھنا بلکہ کوشش کرنا کہ مندر کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤ ورنہ تم بھی ایک لمبی انکوائری کے چکر میں پھنس سکتی ہو یہاں سے نکل کر سیدھا سفارت خانے جانا وہ لوگ تمہاری روانگی کا بندوبست کر دیں گے۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔'' اس نے سر ہلایا۔ اور وہاں کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگی جس میں یہ سارا سونا اور کرنسی آ سکے۔ بالآخر اسے ایک بڑا بیگ مل گیا اور اس نے ساری کرنسی اور سونا اس میں بھر لیا۔ ان سب چیزوں کا وزن کسی طرح دس کلو گرام سے کم نہیں تھا۔ مگر اسے شاید وزن محسوس بھی نہیں ہوا تھا۔ رانا کے ان کمروں میں اور کچھ خاص نہیں تھا اس کے کپڑے مجھے نہیں آ سکتے تھے اس لیے میں واپس نشست گاہ میں آ گیا۔ بیتو بھی پیٹ پوجا سے فارغ ہو چکا تھا۔ اس نے ڈکار لے کر اعلان کیا۔

''اب ہم چوبیس گھنٹے تک کھائے پیے بغیر بھی رہ سکتا ہے۔''

رات کے تین بج رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ کچھ دیر آرام کر لیا جائے کیونکہ یہاں سے نکلنے کے بعد نہ جانے کہاں جا کر آرام نصیب ہو۔ میں ایک کوچ پر لیٹ گیا تھا۔ این بھی بوتل نصف ختم کر کے ایک طرف بیٹھ کر اونگھنے لگی تھی اس نے بیگ ساتھ رکھا تھا۔ بیگ دیکھ کر رانا چندر باز کی آنکھوں میں شک آیا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ فی الحال اس نے صبر کر لیا تھا اور خود کو ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ میں لیٹتے ہی سو گیا تھا اور بیتو نے مجھے سونے دیا۔ اس نے پانچ کے بجائے مجھے چھ بجے اٹھایا اور میرے بیدار ہوتے ہی بھاپ اڑاتا کافی کا مگ میرے سامنے کر دیا۔

''شوبی بھائی اٹھ جاؤ اب جانا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیو میری جان۔'' میں نے مگ لیا اور اس سے رانا کا پوچھا۔ ''وہ کیا کر رہا ہے؟''

''ادھر لیٹا ہے ایک بار شور کیا تھا ہم نے چپ کرا دیا۔''

میں سوچنے لگا کہ اب ہمیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ مجھے بستی سے رانا چندر باز کی جیپ لے جانا خطرے سے خالی نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے بیتو سے بات کی تو اس نے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ادھر گوروں کی بستی میں مقامی ٹھیکیدار کے پاس کئی گاڑیاں ہیں ڈرائیور بھی ساتھ دیتا ہے۔ ہم وہاں سے کرائے پر لے لے گا۔''

''ڈرائیور کے ساتھ۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ ''لیکن اس صورت میں رانا چندر باز کو لے جانا مشکل ہو گا۔''

''نہیں ہو گا..... ڈرائیور بھی ہمارے سامنے رانا کی طرح بے بس ہو گا۔'' بیتو نے فوری حل پیش کر دیا۔ اس کا دماغ بھی چلنے لگا تھا۔

''اس صورت میں ہمیں سامنے کے بجائے خفیہ راستے سے جانا ہو گا تا کہ بستی میں کسی کو پتا نہ چلے۔''

بیتو کو تجسس تھا کہ خفیہ راستہ کہاں ہے؟ رانا چندر باز کو این کی نگرانی میں چھوڑ کر میں بیتو کو خفیہ راستہ دکھانے لے گیا اور پھر ہم نے اسلحے والے کمرے سے اپنے اسلحے کے لیے فاضل ایمونیشن حاصل کیا گرینیڈ بہت کارآمد ثابت ہوئے تھے میں نے ان میں سے نصف درجن گرینیڈ مزید اٹھا لیے تھے۔ باقی اسلحے کی ہمیں ضرورت نہیں تھی۔ بیتو نے کہا۔ ''ہمیں جانے سے پہلے یہ سب تباہ کر دینا چاہیے۔''

''وہ کیسے؟''

بیتو کو اس دوران میں یہاں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے جلانے والی لکڑیاں اور ایک کین مٹی کا تیل حاصل کیا اور پہلے لکڑیاں اسلحے والے کمرے میں رکھ کر گرینیڈ ان کے آس پاس رکھ دیے تھے پھر اس نے لکڑیوں کو مٹی کے تیل سے تر کیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ فی الحال نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور اسے اس کا کام کرتے چھوڑ کر میں واپس رانا چندر باز کے پاس آیا۔ میں نے اس کے پاؤں کھول دیے تھے۔ اس نے پہلی بار زبان کھولی۔

''سنو مجھے یہیں چھوڑ دو میں وعدہ.....''

''رانا اس کی ایک ہی صورت ہے میں تمہیں زندہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔'' میں پستول نکال کر اس کے سینے کی طرف رخ کیا۔ ''اب بولو تو تمہیں یہیں چھوڑ جاؤں؟''

اس نے شکست خوردہ انداز میں انکار کیا۔ ''ٹھیک ہے لیکن یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو تم پچھتاؤ گے۔''

''اللہ نے چاہا تو ایسا نہیں ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''اللہ۔'' وہ چونکا۔ ''کیا تم مسلمان ہو؟''

''ہاں میں مسلمان ہوں۔''

''کیا تمہارا تعلق کسی دہشت گرد.....''

میں نے اس بار پستول کی نال اس کے منہ میں رکھ دی۔ ''میرا کسی دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھ گئے۔''

وہ ڈر گیا تھا کہ ابھی گولی چل گئی تو اس کا بھیجا اُڑ جائے گا۔ اس نے جلدی سے سر ہلا کر مجھ سے اتفاق کیا۔ عام طور سے میں سیاست پر غور نہیں کرتا ہوں لیکن اس وقت مجھے شدت سے غصہ آ گیا تھا۔ ساری دنیا نے مل کر مسلمانوں کا ایک امیج بنا لیا تھا کہ اگر وہ اچھا مسلمان ہے تو اس کا تعلق لازمی طور پر کسی نہ کسی دہشت گرد تنظیم سے ہو گا یا وہ اس کا نظریاتی ہمدرد ہو گا۔ میں نے چند گہری سانسیں لے کر خود پر قابو پایا۔

''تم نے راستے میں کوئی غلط حرکت نہیں کرنی ہے ورنہ فوری مارے جاؤ گے۔''

''میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''این چلنے کی تیاری کرو۔'' میں نے این سے کہا۔ ''ہم تمہیں خیمہ بستی میں چھوڑ دیں گے۔''

وہ اپنے بیگ سمیت بالکل تیار تھی۔ میں ان دونوں کو لے کر خفیہ راستے کی طرف آیا تو راستے میں میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ بیتو نے ایک لمبی رسی لے کر اور اسے تیل میں تر کر کے خفیہ راستے تک بچھایا تھا۔ اب اسے آگ دکھائی جاتی تو دس سے پندرہ منٹ میں اسلحہ خانے میں موجود گرینیڈ پھٹ سکتے تھے۔ گرینیڈ اتنے تھے کہ یہ پورا مندر ہی تباہ ہو جاتا۔ مگر میں نے بیتو کو منع کر دیا۔ ''بیتو اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''مگر کیوں شوبی بھائی؟''

''ایک تو دھماکہ پولیس اور دوسری سیکورٹی ایجنسیوں کو اس طرف متوجہ کر دے گا اور دوسرے یہ ایک مندر بھی ہے۔''

''پر شوبی یہ مجرموں کا اڈہ ہے۔'' بیتو نے بے چینی سے کہا۔ وہ واضح طور پر اس جگہ کو تباہ کرنے کے لیے بے تاب تھا۔

''بے شک لیکن اس کی شہرت ایک عبادت گاہ کی سی ہے اور کسی عبادت گاہ کو میں تباہ نہیں کر سکتا۔''

شوبی نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''جیسا آپ کا مرضی شوبی بھائی۔''

میں اور بیتو اردو میں بات کر رہے تھے اس لیے رانا چندر باز اور این نہیں سمجھ سکے تھے۔ البتہ رانا تیل میں بھیگی رسی دیکھ کر کسی قدر سمجھ گیا تھا۔ اس کا رنگ بدل گیا تھا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''کیا تم میری جگہ کو تباہ کرنے جا رہے ہو؟''

''اگر تمہاری جگہ ہوتی تو میں یقیناً ایسا ہی کرتا مگر تمہاری خوش قسمتی ہے کہ یہ جگہ ایک مندر ہے۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''اگر مندر ہے تو تمہیں کیا؟''

''مسلمان کسی عبادت گاہ کو تباہ نہیں کر سکتا ہے۔ ہمیں سختی سے اس کام سے منع کیا گیا ہے۔''

وہ شاید کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن میرے پاس اس سے بحث کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اسے خفیہ راستے کی طرف دھکیلا۔ بیتو نے دروازہ کھولا۔ اس جگہ کے پہریدار کو میں نے بے ہوش کر دیا تھا لیکن لازمی بات ہے وہ بعد میں ان لوگوں کو مل گیا ہو گا۔ ہمارے پاس ٹارچز تھیں۔ سب سے آگے این تھی۔ اس کے بعد بیتو اور پھر رانا چندر باز تھا۔ سب سے آخر میں، میں تھا۔ ہم احتیاط سے سیڑھیاں اترنے لگے تھے۔ دو ٹارچز کی مدد سے راستہ پہلے کے مقابلے میں صاف نظر آ رہا تھا۔ دس منٹ بعد ہم نیچے تھے۔ اونچی ڈھلان سے چھلانگ لگا کر اترنا پڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔

خیمہ بستی پر سناٹا چھا گیا تھا اور وہاں جلنے والے الاؤ بھی بجھ چکے تھے۔ ساری رات منشیات اور شراب کا زہر اپنے اندر اتارنے والے اس زہر سے نڈھال ہو کر کہیں اندر خیموں میں جا چکے تھے۔ ہم اوپر کی طرف آنے لگے۔ رانا چندر باز نے ایک بار پھر کوشش کی۔ ''دیکھو تم مجھے چھوڑ دو ورنہ کسی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''تم فکر مت کرو ہمیں مشکلوں میں پڑنے کی عادت ہے۔'' میں نے اسے آگے دھکیلا۔ ''میرا تمہیں مارنے کا ارادہ نہیں ہے لیکن تم خود مرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا۔''

ہم خیمہ بستی میں داخل ہوئے۔ حسب توقع وہاں بالکل سناٹا اور تاریکی تھی۔ ہم اپنے خیمے تک آئے۔ میرا خیال تھا کہ ہمارا سامان غائب ہوگا لیکن اپنے بیگ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی تھی حتیٰ کہ میں جو فاضل اسلحہ چھوڑ گیا تھا وہ بھی بیگ میں موجود تھا۔ بیتو نے اندر آتے ہی رانا چندر باز کے پاؤں تو باندھے تھے ساتھ ہی ٹیپ لگا کر اس کا منہ بھی بند کر دیا۔ میں نے سب سے پہلے دوسرے کپڑے نکال کر پہنے۔ کیونکہ گرینیڈ دھماکے میں کپڑے خراب ہو گئے تھے۔ جیکٹ میرے پاس یہی تھی اس لیے مجبوری تھی سردی کی وجہ سے اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ این کا چھوٹا سا بیگ بھی وہیں تھا اور اس نے بلا تکلف ہمارے سامنے ہی کپڑے بدل لیے۔ میں اور بیتو جھینپ گئے تھے اور دوسری طرف دیکھنے لگے تھے جب کہ رانا چندر باز کی آنکھوں میں حسرت آ گئی تھی۔

بیتو نے میری طرف دیکھا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

''اس سے پہلے کہ اس کے آدمیوں کو پتا چلے کہ مندر میں کیا ہو چکا ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

بیتو نے سر ہلایا۔ ''میں دیکھتا ہوں کوئی گاڑی مل جائے۔''

بیتو کے جانے کے بعد میں نے این سے کہا۔ ''میں تمہیں یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ اور تم بھی آج ہی چلی جانا۔''

''تم مجھے ساتھ لے کر نہیں چلو گے؟''

''نہیں کیونکہ ہمیں کھٹمنڈو کی طرف نہیں جانا ہے۔ اس لیے اس جگہ سے ہمارے راستے الگ ہیں۔''

وہ الگ ہونے کا سوچ کر کچھ جذباتی ہو رہی تھی حالانکہ گورے ان تکلفات میں نہیں پڑتے ہیں۔ وہ برسوں کا ساتھ صرف ایک گڈ بائی میں نمٹا کر چل پڑتے ہیں۔ این اچانک میرے گلے لگ گئی اور اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' میں نے جلدی سے اسے الگ کیا۔ ''تم کہاں جاؤ گی؟''

اگرچہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ کہاں جاتی ہے لیکن میں نے وقت گزاری کے لیے اس سے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔ ''میرا ارادہ امریکہ جانے کا ہے۔''

''ان چیزوں کے ساتھ؟'' میں نے بیگ کی طرف دیکھا۔ ''کہیں تم کسی مشکل میں نہ پڑ جاؤ؟''

وہ مسکرائی۔ ''تم فکر مت کرو میں جانتی ہوں کہ مجھے ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ میں سب یہیں ڈالرز میں تبدیل کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔''

اس بار رانا نے نام سے آواز نکال کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ غالباً وہ اپنی 'محنت' کی کمائی یوں لٹتے دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تڑپ اٹھا تھا۔ میں نے اس کی خوں خاں کی طرف توجہ دیئے بغیر کہا۔ ''تم اپنے باپ کے پاس کیوں نہیں چلی جاتی ہو؟''

اس نے بلا تامل جواب دیا۔ ''مجھے اس سے نفرت ہے۔ وہ ایک ظالم شخص ہے جو میری ماں کو ساری عمر خون کے آنسو رلاتا رہا اور پھر اسے مار دیا یہ قتل اس نے بہت چالاکی سے کیا تھا۔''

میں حیران ہوا تھا۔ ''تمہارے باپ نے تمہاری ماں کو مار دیا تھا۔''

''ہاں یہ قتل میرے سامنے ہوا تھا اس نے گھر کی بالکونی سے ماں کو نیچے گرا دیا۔ وہ نشے میں تھی اور اسی وجہ سے پولیس نے اسے حادثہ قرار دیا تھا۔''

''تم نے یہ بات پولیس کو کیوں نہیں بتائی؟''

''میرا دماغ یہ منظر دیکھ کر خراب ہو گیا تھا اور مجھے ایک نفسیاتی کلینک میں داخل کرانا پڑا تھا۔ میرے باپ نے اسی بات کا فائدہ اٹھایا اور مجھے پاگل مشہور کر دیا۔ جب میں نے پولیس کو بتایا تو اس نے یقین نہیں کیا۔ میرا باپ زبردستی میرا نفسیاتی علاج کراتا رہا اور اس نے مجھے سچ مچ پاگل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اسی لیے تو میں گھر سے بھاگ نکلی۔''

''یعنی تمہارا باپ ایک خود غرض شخص ہے۔'' میں نے تبصرہ کیا۔ ''اور تم اس کی بالکل ٹھیک بیٹی ہو۔''

وہ چونکی۔ ''کیا مطلب؟''

''اگر ایسا باپ ہمارے ہاں ہوتو بھی اولاد سر جھکا کر اس کے مظالم سہتی ہے۔ یہ سب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو تم کر رہی ہو۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو یہ ہماری تہذیب کا ایک حصہ ہے۔''

''اسی لیے تم نے امریکہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں ڈر ہے کہ تمہارا باپ تم کو پھر پاگل خانے میں بند کرا دے گا۔''

''وہ ایسا ہی کرے گا۔ ابھی بھی وہ مجھے ایک نفسیاتی مریضہ کی حیثیت سے ہی تلاش کروا رہا ہے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''میں اس سے جتنا دور رہوں گی اتنا ہی محفوظ رہوں گی۔''

''میری اچھی تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا اور اسے بیس ڈالرز دیئے۔ ''یہ تمہارا آج کا معاوضہ۔''

وہ ہنسی۔ ''مذاق کر رہے ہو اب میرے پاس رقم کی کمی نہیں ہے۔''

''رکھ لو اور اس قسم کی دولت پر بھروسہ مت کرنا۔ یہ جس طرح اچانک آتی ہے اسی طرح اچانک چلی بھی جاتی ہے۔''

وہ سوچتی رہی پھر اس نے بیس ڈالرز لے لیے۔ ''مجھے ضرورت نہیں ہے لیکن تمہاری نشانی کے طور پر رکھ لیتی ہوں۔''

ہم بالکل تیار تھے۔ بیس منٹ بعد باہر کسی بھاری گاڑی کی آواز آئی اور فوراً ہی بیتو اندر آیا۔ ''تیار ہے سب؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''صرف مجھے اور رانا کو جانا ہے۔'' میں نے کہا اور این کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ یہیں رہے گی۔''

بیتو نے رانا کے ہاتھ پیر کھولے اور اس کے منہ سے ٹیپ ہٹایا اور پھر اس کے پہلو سے پستول لگا دیا۔

''چپ چاپ چلے گا اگر بولا تو یہ بھی بولے گا۔''

رانا شرافت سے اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ میں نے این کے گلے لگنے سے پہلے اس سے ہاتھ ملا لیا۔

''او کے پھر ملیں گے اگر خدا نے ملایا۔''

وہ ہنسی۔ ''تم لوگ ہر کام میں خدا کو ضرور شامل کرتے ہو۔''

میں طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''ابھی ہم مغرب جتنے طاقتور نہیں ہوئے ہیں اس لیے ہمیں خدا کی ضرورت ہے۔''

''میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔'' این نے کہا اور میرے ساتھ باہر آئی تھی۔ میں نے دونوں بیگز لے کر آیا تھا۔ بیتو ایک بڑی جیپ کی عقبی نشست پر رانا سمیت اس طرح بیٹھا تھا کہ رانا نے تقریباً رکوع کرنے والے انداز میں سر جھکا رکھا تھا۔ میں نے دونوں بیگز جیپ کے سب سے پچھلے حصے میں رکھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک خوش رو دبلا اور لمبا سا مقامی نوجوان بیٹھا تھا۔ اس نے جیپ کا انجن اسٹارٹ رکھا تھا۔ میں اس کے برابر میں آ گیا۔ عقب سے بیتو نے کہا۔ ''اس کا نام سالانگ ہے اور یہ گورکھا ہے۔ انگریزی جانتا ہے۔''

''تم نے اسے کہا جانے کو کہا ہے؟''

''ہمیں بھادگاؤں کی طرف جانا ہے۔''

میں چونکا۔ ''بھادگاؤں یہ کون سی جگہ ہے اور ہمیں گاؤں جا کر کیا کرنا ہے؟''

بیتو ہنسا۔ ''یہ گاؤں نہیں ہے درہ ہے ادھر سے چین کو راستہ جاتا ہے۔ ہم نے اس دوران بہت کچھ معلوم کیا ہے۔''

مجھے تعجب ہوا تھا کہ بیتو کو کیسے علم ہوا کہ میں نے چین کی طرف جانے کا سوچا تھا لیکن فی الحال اس موضوع کو میں نے یہیں رہنے دیا۔ میں ڈرائیور کی طرف متوجہ ہوا تو وہ مسکرایا تھا۔ ''دوست تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟''

''شمال کی طرف ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہے۔'' وہ بولا۔ ''میں جیپ چلا کر کماتا ہوں۔''

''بھادگاؤں کی طرف جانے والے راستے سے واقف ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن ابھی اس طرف نہیں جا سکتے ہیں کیونکہ راستے میں کئی جگہ لینڈ سلائیڈنگ ہوئی ہے راستے بند ہیں۔''

اس موسم میں یہ معمول کی بات تھی لیکن ہم نے جانا تھا۔ اس لیے میں نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں جہاں تک ممکن ہوا ہم جیپ پر جائیں گے۔''

اس نے ہمارا جائزہ لیا۔ ''صاحب آپ کے پاس ٹھیک لباس نہیں ہے۔ ابھی کچھ دور برف کا علاقہ شروع ہو جائے گا ادھر یہ لباس نہیں چلے گا۔''

''ہمارے پاس تو یہی لباس ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا یہاں کہیں سے مل سکتے ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''مل سکتے ہیں۔ یہاں ایک کوہ پیمائی کا سامان فروخت کرنے والا اسٹور ہے اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاس کوہ پیماؤں والے خاص لباس ہوتے ہیں۔"

"ہمیں وہی لے چلو۔" میں نے کہا۔ اس دوران میں وہ جیپ باہر سڑک تک لے آیا تھا۔ رانا بالکل شرافت سے بیٹھا تھا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ ہم سے الجھنے کا کیا انجام ہوا تھا اس کے سارے ساتھی جو چھٹے ہوئے بد معاش تھے مارے جا چکے تھے اور اس کا اڈہ تباہ ہو گیا تھا۔ بس وہ خود بچا تھا اور عافیت اسی میں سمجھ رہا تھا خود زندہ رہے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ اسے بھی مرنا پڑے۔ بیتو نے اسے سمجھا دیا کہ راستے میں کسی قسم کی گفتگو اس کی صحت کے لیے مضر ہو سکتی تھی اس لیے وہ سختی سے منہ بند کر کے بیٹھے۔ فی الحال وہ ایسا ہی کر رہا تھا۔

ہم جس سڑک پر سفر کر رہے تھے وہ نہایت خستہ حال تھی اور جیسے جیسے آگے جا رہے تھے اس کی خستہ حالی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے ٹھیک کہا تھا کچھ بلندی آتے ہی برف کا علاقہ شروع ہو گیا۔ یہاں بہت زیادہ برف پڑی تھی اور سردی میں نمایاں اضافہ ہوا تھا۔ بند جیپ میں بھی سردی لگ رہی تھی۔ رانا نے ہمارے مقابلے میں بہت ہلکے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس نے باقاعدہ کانپنا شروع کر دیا۔ سالا ننگ مجھے بتانے لگا۔

"اس بار شمال میں حالات زیادہ خراب ہیں۔ سردیاں وقت سے پہلے شروع ہو گئی تھیں اور اب برف باری اور بارش روز کا معمول ہے۔ راستے بند ہو گئے ہیں۔"

"تم کہاں سے ہو کر آئے ہو؟"

اس نے ایک مشکل سی جگہ کا نام لیا۔ "دو ہفتے پہلے اس طرف گیا تھا۔ اب جا رہا ہوں۔"

"میرے ساتھی نے تمہیں کہاں سے ہائر کیا تھا؟"

"یہیں اسی بستی سے۔" اس نے بتایا۔ "میں ایک امریکی کو یہاں چھوڑنے آیا تھا کہ آپ کے ساتھی نے روک لیا۔"

مجھے تعجب ہوا تھا۔ "تم شمال کی طرف جانے کے لیے تیار ہو گئے اس موسم میں؟"

وہ سنجیدگی سے بولا۔ "یہ تو میری قسمت ہے سر کیونکہ اس موسم میں کام کہاں ملتا ہے۔"

پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کے لیے سرما صرف موسم کی شدت کے لحاظ سے اذیت ناک نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ان کو معاشی لحاظ سے مفلوج کر دیتا ہے۔ بلندی کے لحاظ سے چار سے چھ مہینے تک کے لیے تمام کاروبار زندگی مفلوج ہو جاتا ہے۔ لوگ گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اشیائے صرف بھی دستیاب نہیں ہوتی ہیں۔ دوائیں اور دوسری ضروری اشیاء نایاب ہو جاتی ہیں کیونکہ آمد و رفت کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کوئی مرمت کا کام کرنا ہوتا ہے تو وہ بھی سرما کی آمد سے پہلے کر لیتا ہے۔ اکثر آبادی جاہل اور معاشی لحاظ سے کمزور ہے وہ اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ اپنے مسائل حل کریں دوسری طرف حکومت کو بھی ان کے مسائل حل کرنے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔

ترقی یافتہ ممالک نے اپنے سرما کے مسائل حل کر لیے ہیں۔ یورپ اور شمالی امریکہ کے سرد خطوں میں سرما بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی کوئی دوسرا موسم، راستے کھلے رہتے ہیں اور ضرورت کی تمام چیزیں دستیاب ہوتی ہیں۔ وہاں لوگ سردی کے امراض اور دوسری بیماریوں کا صرف اس لیے شکار نہیں ہوتے کہ ان کو تمام سہولتیں میسر ہیں اور اسپتال تک جانا آسان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس برصغیر کے پسماندہ پہاڑی علاقے جو ساری دنیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں آج بھی ترقی سے کوسوں دور ہیں۔ اس سفر کے دوران میں نے محسوس کیا کہ انڈیا کے شمالی علاقے سب سے بہتر حالت میں ہیں۔

اگرچہ وہاں بھی مقامی آبادی کے لیے کچھ نہیں کیا گیا ہے اور ان کی زمینوں اور خوب صورت مقامات پر انڈیا کے سرمایہ کار قابض ہو رہے ہیں لیکن سیاحت کے نکتہ نظر سے ہوٹلنگ اور آمد و رفت کے ذرائع کو بہت ترقی دی گئی ہے۔ پہاڑی سڑکوں کا معیار بہت اچھا ہے۔ اسی طرح پورے ہمالیہ کے دامن میں جا بہ جا خوش نما چھوٹے چھوٹے قصبے آباد کیے گئے ہیں جن میں میدانی علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے گرمائی بنگلے ہیں۔ یہ بات کم لوگوں کے علم میں ہے کہ ان قصبوں کے اصل باسیوں کو دور دراز کے جنگلوں میں دھکیل دیا گیا ہے۔ کسی زمین کے آبائی رہائشی کو اس جگہ سے بے دخل کرنا ایک سنگین جرم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ اور مزے کی بات ہے کہ جو دو ملک دنیا میں اس جرم کے سب سے بڑے ذمے دار ہیں یعنی بھارت اور اسرائیل وہی مغرب کے انسانی حقوق کے علم برداروں کی آنکھوں کا تارا ہیں۔ اسرائیل تقریباً پچاس لاکھ فلسطینیوں کو ان کی زمین سے بے دخل کر چکا ہے اور بھارت اپنے ہی ملک میں نچلی ذات کے کوئی دو کروڑ افراد کو مختلف وجوہات کی بناء پر ان کی آبائی زمینوں سے بے دخل کر چکا ہے۔ یہ سب افراد اب ایسی جگہوں پر رہنے پر مجبور ہیں جہاں انسانوں کے لیے بنیادی سہولتیں ہی نہیں ہیں۔ مزید ستم یہ کہ ان لوگوں کو متبادل جگہ جس کا وعدہ کیا گیا تھا وہ بھی نہیں دی گئی ہے۔ اس وقت مجھے صرف بیتو اور کمار کے قبیلے پر گزرنے والی آفت کا پتا تھا یہ تو بعد میں پتا چلا کہ پورے بھارت میں نچلی ذاتوں کے ساتھ یہی سلوک ہو رہا ہے۔

پاکستان میں صورتِ حال بہتر ہے اگرچہ شمالی علاقوں میں انفرا اسٹرکچر اتنا اچھا نہیں ہے لیکن مقامی آبادی کو کسی قدر سہولیات میسر ہیں اور سیاحت کے فروغ کے نام پر ان کو ان کے آبائی علاقوں سے بے دخل نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ صفائی ستھرائی اور آمد و رفت کی سہولتوں کے معاملے میں ہم ابھی بھارت سے کہیں پیچھے ہیں اور نیپال مجھے ان دونوں ملکوں سے کہیں زیادہ پسماندہ نظر آیا تھا۔ وہاں نہ عوام کا معیارِ زندگی اچھا تھا اور ان کو زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر نہیں تھیں اور نہ ہی وہاں انفرا اسٹرکچر کی حالت اچھی تھی۔ وہاں لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ اپنی زندگی کو برقرار رکھنا تھا اور اس کے لیے وہ خراب ترین حالات میں بھی کام کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

سالانگ ہمیں ایک چھوٹی سے بستی میں لایا۔ اس کا سڑک کے ساتھ والا حصہ مارکیٹ اور ہوٹلوں پر مشتمل تھا۔ یہاں سیزن میں سیاحوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی اور ان کا کام سیاحوں سے چلتا تھا۔ کوہ پیمائی کے سامان کا اسٹور ایک چھوٹی سی دکان میں تھا جس میں سامان ٹھونس کر بھرا ہوا تھا۔ دکان دار ایک چھوٹے قد کا تبتی نقوش والا نیپالی تھا جو بہترین انگریزی بول رہا تھا۔ میں نے ان پہاڑی لوگوں میں یہ بات بھی دیکھی تھی کہ اگر ان کا سیاحوں سے زیادہ پڑتا تھا تو ان کے بچے بھی انگریزی جانتے تھے۔

''ہمیں سردی سے بچانے والے لباس اور بلندی پر رات گزارنے کے لیے خیمے درکار ہیں۔'' میں نے دکان دار سے کہا۔

''ملے گا صاحب۔'' اس نے جواب دیا اور سب سے پہلے میری فرمائش پر اندر سے تین عدد گرم لباس لایا۔ یہ خاص فائبر سے بنی پتلون اور جیکٹ تھی جو منفی تیس ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت میں بھی انسان کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سردی سے بچاتا تھا۔ اس کے ساتھ خاص جوتے اور دستانے تھے۔ پھر ٹوپے اور سن گلاسز جو آنکھوں کو برف کی چمک سے محفوظ رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ میں نے ایک بڑا خیمہ لیا۔ جس میں تین افراد آسانی سے سما سکتے تھے۔ اس کے بعد خوراک اور ادویات لیں۔ میں راستے میں سفر کے لحاظ سے ہر ممکن چیز لے جانا چاہتا تھا۔ خاصا سامان ہو گیا تھا اور اس سب کی مالیت کوئی ایک ہزار ڈالرز کے مساوی ہو گئی تھی۔

دکان دار بہت خوش تھا کہ اس موسم میں ایک ہی دن میں اس کی اتنی سیل ہو گئی تھی کہ اس کا سارے سرما کا خرچ نکل آیا تھا۔ اس نے خوش ہو کر مجھے ایک چھوٹا سا اسٹوو اور دو لیٹر مٹی کے تیل کی بوتل تین بوتلیں تحفے میں دے دی۔ مجھے اس کا استعمال آتا تھا۔ کھانے میں نمیں نے ڈبا بند غذائیں لی تھیں۔ ان میں خاص طور سے بنائی ہوئی ہائی پروٹین غذائیں تھیں۔ اور حیرت انگیز طور پر اس دکان دار کے پاس دستیاب تھیں۔ یہ سارا سامان میں نے سالانگ کی مدد سے جیپ کے پچھلے حصے میں بار کیا اور میں نے اسے تین الگ الگ بیگز میں اس طرح پیک کروایا تھا کہ ہر بیگ میں مساوی وزن آ گیا تھا۔ بیگز بھی مجھے دکان دار نے دیئے تھے اور خاص کوہ پیماؤں والے مضبوط بیگز تھے۔ سب سے اہم چیز تین عدد گرم سلیپنگ بیگز تھے جن میں رات آرام سے گزرتی۔ دکان دار نے بتایا تھا کہ یہ منفی چالیس درجے میں بھی انسان کو گرم رکھتے تھے۔ کچھ برتن اور مگ لیے تھے۔ کافی بنانے کا سامان خاص طور سے لیا۔ رسیاں اور دوسرے اوزار تو لازمی تھے۔ ان کے بغیر پہاڑوں میں جانے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

جب تک میں اندر خریداری کرتا رہا تھا بیتو رانا چندر باز کے ساتھ باہر رہا تھا۔ میں واپس آیا تو میں نے رانا کو سیٹ سے سر ٹکائے محو خواب پایا تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے بیتو کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔ ''تھک گیا تھا اس لیے سو گیا ہے۔''

بیتو کا لہجہ بتا رہا تھا کہ یہ اس کی کارروائی تھی۔ رانا نے شاید موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور بیتو نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ شکر ہے وہاں رش نہیں تھا اور کسی کو جیپ اور اس میں سوار افراد سے دلچسپی بھی نہیں تھی اس لیے کسی نے رانا کے اس طرح سونے پر غور نہیں کیا تھا۔

قصبے سے نکلنے کے بعد بیتو اور میں نے ایک جگہ جیپ رکوا کر لباس بدل لیا۔ واقعی سردی ناقابلِ برداشت تھی کیونکہ یہ لباس پہننے کے بعد ہمیں سکون ملا تھا۔ یہاں درجہ حرارت منفی سے نیچے تھا اور اسی درجہ حرارت میں سالانگ ایک عام سی جیکٹ اور سوتی پتلون میں آرام سے جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے کوئی ایسی تکنیک اختیار کی تھی کہ انجن کی حرارت سے جیپ کا اندرونی حصہ بغیر ہیٹر کے ہی گرم ہو رہا تھا۔ آنے والے دو گھنٹوں میں ہم رانا چندر باز کی بستی سے خاصا دور نکل آئے تھے اور اب سڑک کے اطراف میں بس برف ہی برف تھی۔ سردی کی شدت میں ہر گزرتے میل کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا کیونکہ سڑک ہر میل کی چڑھائی کے دوران کوئی پانچ سو فٹ بلند بھی ہو رہی تھی۔ جیپ میں لگا آلٹی میٹر بتا رہا تھا کہ ہم سطح سمندر سے دس ہزار فٹ کی بلندی پر آ چکے تھے۔

میں نے اسنور سے ایک نقشہ بھی لیا تھا۔ یہ اس سارے علاقے کا بہت تفصیلی نقشہ تھا اور اسے خاص قسم کے پلاسٹک پیپر پر کسی یورپی سیاحتی ادارے نے شائع کیا تھا میں نے دیکھا تھا کہ مغرب کے لوگ اور ادارے ہمارے علاقوں سے اس طرح واقف تھے کہ ہم خود بھی اپنے علاقوں کو اس طرح نہیں جانتے تھے۔ یہ نقشہ اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک اور ثبوت تھا اس میں ایک ایک راستہ اور شمال کی طرف جانے والے درے نمایاں تھے۔ بھادگاؤں بھی اس نقشے میں موجود تھا۔ یہ چین کی طرف جانے والے اس تاریخی درے پر نیپال کی آخری آبادی بھی تھی۔ اس کے بعد برف زاروں پر مشتمل ویرانہ شروع ہو جاتا تھا۔ اس نقشے میں خاص بات یہ تھی کہ اس میں مقامات کی بلندی بھی بتائی گئی تھی اور اس کے مطابق چین جانے کے لیے ہمیں ایک انیس ہزار فٹ بلند درے کو عبور کرنا تھا۔ جو سارے سال برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ یعنی گرمیوں میں بھی اس کی برف نہیں پگھلتی ہے اور اس موسم میں اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہاں کا کیا حال ہوگا۔

راستہ بے حد خراب تھا لیکن سالانگ ہمیں بھادگاؤں کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچانے کے لیے اپنی سی پوری کوشش کر رہا تھا۔ پھر ایک جگہ لینڈ سلائڈنگ نے راستہ مکمل طور پر بند کر دیا تھا تو وہ بے بس ہو گیا۔ اس نے میری طرف معذرت خواہانہ نظروں سے دیکھا۔ ''صاحب اس سے آگے نہیں جا سکتا ہے۔''

''بھادگاؤں یہاں سے کتنا دور ہوگا؟''

میرے سوال پر اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔ ''ابھی آپ پیدل جاتے ہیں تو آپ کو کم سے کم چار گھنٹہ لگے گا۔ جیپ سے یہ راستہ آدھے گھنٹے میں طے ہو جاتا۔''

اب مسئلہ یہ تھا کہ رانا ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا۔ بیتو نے وارفیرن زیادہ ہی سخت کر دیا لیکن بیتو کے پاس اس کا علاج بھی تھا۔ اس نے امونیا کی شیشی نکالی اور سالانگ سے چھپا کر رانا کی ناک سے لگا دی۔ وہ کسمسا کر ہوش میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں جھپکا کر جاننے کی کوشش کی کہ کہاں ہے لیکن اس کے سوچنے سمجھنے سے پہلے بیتو نے اسے کھینچ کر جیپ سے اتار لیا تھا۔ اس نے مزاحمت کی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''بکومت۔'' بیتو غرایا اور اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ سالانگ اس بات پر ذرا حیران ہو رہا تھا۔ میں اس کی حیرانی پر توجہ دیئے بغیر سامان اتارتا رہا اور سارا سامان جیپ سے نکالنے کے بعد میں نے سالانگ کو اس کے طے شدہ معاوضے کی ادائیگی کی۔ پھر اسے سو ڈالرز مزید دیئے۔

''یہ تمہارا انعام ہے۔''

وہ خوش ہو گیا۔ ''شکریہ صاحب۔''

میں نے مزید ایک سو ڈالرز کا نوٹ دیا۔ ''اور یہ سب بھول جانے کے لیے ہے۔''

وہ حیران ہوا۔ ''کیا مطلب صاحب؟''

''تم بھول جاؤ گے کہ تم نے بڑے مندر کے پاس سے تین افراد کو اٹھایا تھا اور بھادگاؤں تک لائے تھے۔ تم کہو گے کہ تم کسی اور راستے سے واپس کھٹمنڈو جاؤ۔''

''مگر کیوں صاحب؟''

''سوال مت کرو۔'' اس بار میں نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو ورنہ اپنی کسی مشکل کے ذمے دار خود ہو گے اور ابھی کچھ عرصے تک بڑے مندر کی طرف آنے سے گریز کرنا۔ اب جاؤ۔''

وہ کنفیوز انداز میں جیپ میں بیٹھا اور اسے ریورس میں لے جانے لگا۔ اس جگہ سڑک اتنی تنگ تھی کہ جیپ موڑنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ خاصی دور جا کر اسے ایک جگہ ملی اور اس نے جیپ کو موڑا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رانا ایک طرف کھڑا سردی سے کانپ رہا تھا میں نے سب سے پہلے اسے بیگ سے گرم لباس نکال کر دیا۔ ساتھ میں جوتے اور دستانے بھی تھے۔ تمام چیزیں میں نے اندازے سے لی تھیں لیکن میرا اندازہ غلط نہیں نکلا تھا اور سب کو لباس اور جوتے تقریباً ٹھیک آئے تھے۔ رانا نے یہ لباس پہنا اور پھر بولا۔

''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

''تاکہ آرام سے تمہارا کریا کرم کر سکیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو۔'' میں نے جواب دیا تو اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

''تت..... تم مجھے مار دو گے؟''

''اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ایسا ہی کروں گا؟''

''کون سی بات؟''

''ہمیں چین جانا ہے۔''

''تو جاؤ میں نے کب منع کیا ہے؟''

میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہمیں تم وہاں لے کر جاؤ گے۔''

وہ بدکا۔ ''میں..... میں کیسے لے جا سکتا ہوں؟''

''کیونکہ تم ایک اسلحہ اسمگلر ہو اور مجھے یقین ہے تم تبت اور چین میں بھی اسلحہ اسمگل کرتے رہے ہو گے۔''

''اگر میں ایسا کرتا بھی رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں چین لے جا سکتا ہوں۔''

میں نے اپنا پستول نکال لیا۔ ''رانا چندر باز ایک بار اور سوچ لو تم ہمیں چین کی سرحد تک لے جا سکتے ہو یا نہیں۔'' میں نے پستول کا سیفٹی لاک ہٹا کر اس کا رخ رانا کی طرف کر دیا۔ ''تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے سوچنے کے لیے۔''

رانا نے جلد ہی سر ہلا دیا۔ ''لے جا سکتا ہوں لیکن کیا ضمانت ہے کہ تم پھر مجھے چھوڑ دو گے؟''

''کوئی ضمانت نہیں ہے۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ ''تم نے میرے ساتھ جو کرنے کی کوشش کی تھی اس کے بعد مجھے حق ہے تمہیں مار دوں اور اگر نہیں مارتا تو یہ مہربانی ہے اس لیے کوشش کرو کہ مجھے تمہاری کسی بات سے غصہ نہ آئے ورنہ میں تمہیں مار دوں گا۔''

وہ عیاری سے مسکرایا۔ ''مجھے مار دو گے تو چین کی سرحد تک کیسے جاؤ گے؟''

''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ ہم تمہارے محتاج ہیں تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ انڈیا سے یہاں تک ہم کسی کے سہارے نہیں آئے ہیں۔'' میں نے اسے گھورا۔ ''تمہارے بغیر ہمیں کچھ مشکل ہو گی لیکن ہم چین پہنچ سکتے ہیں۔''

رانا چندر باز نے سمجھ لیا تھا کہ اسے میری بات ماننا پڑے گی ورنہ میں سچ مچ بھی اسے مار سکتا ہوں۔ بیتو اب تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ میں رانا کو ساتھ لے کر کیوں جا رہا تھا۔ اس نے مجھے ایک طرف لے جا کر کہا۔ ''شوبی بھائی اسے لے جانے کا فائدہ..... یہیں ایک گولی مار کر چھوڑ جاؤ بہت سارے لوگوں کا بھلا ہو گا۔''

''میں اسے ایک خاص مقصد سے ساتھ لے جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور ایک بیگ اٹھا کر بیتو کی پشت پر لاد دیا۔ پھر دوسرا رانا کی کمر پر باندھا اور تیسرا خود اٹھا لیا۔ ہمارے کپڑے بھی اسی میں آ گئے تھے۔ اسلحے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دو رائفل اور دو پستول لے کر باقی اسلحہ گرینیڈ سمیت ایک بیگ میں ڈال کر ایک گہری کھائی میں پھینک دیا تھا مجھے امید تھی کہ یہاں یہ مدتوں دریافت نہیں ہوگا اور ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ فی الحال یہ سیدھا راستہ تھا اس لیے ہمیں رسوں اور دوسرے سامان کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔

روانہ ہونے سے پہلے میں نے رانا کے سامنے نقشہ رکھا اور اس سے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟''

اس نے نقشہ دیکھا اور بولا۔ ''راستہ ایک ہی ہے اس کے علاوہ ہر طرف اونچے ناقابلِ گزر پہاڑ ہیں۔''

''اس راستے پر کوئی سرکاری چوکی ہوگی؟''

''ہاں ہے لیکن ان کو ایک ہزار روپے دے دو تو وہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں لیکن موسم میں چوکی خالی ہوتی ہے۔'' رانا کے جواب سے واضح تھا کہ وہ اس راستے کے تمام نشیب و فراز سے واقف تھا۔

''چین کی سرحد پر بھی کوئی چوکی ہوگی؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''چین کی حدود میں پہاڑ بلند ہیں اور علاقہ بہت خراب ہے ان کی طرف کوئی چوکی تقریباً تیس میل بعد ہے۔''

''یعنی چین کی طرف زیادہ مواقع ہیں۔''

''ہاں وہاں زیادہ راستے ہیں لیکن چین میں داخل ہونا آسان نہیں ہوگا خاص طور سے اس موسم میں۔'' اس نے خبردار کیا۔

''کوئی بات نہیں دیکھا جائے گا اب چلو۔''

ہم سلائنڈنگ سے بند ہونے والی سڑک کے اوپر موجود برفانی ملبے پر سے گزرنے لگے۔ اس اونچے نیچے اور کھسکنے والے ملبے پر چلنا آسان نہیں تھا اس لیے ہماری رفتار بہت سُست تھی۔ مجھے تعجب تھا کہ کسی نے نہ تو رانا کو بڑے مندر کے علاقے میں چھڑانے کی کوشش کی اور نہ کوئی ہمارے تعاقب میں آیا تھا۔ شاید کسی کو پتا ہی نہیں چلا تھا کہ مندر میں کیا ہوا تھا اور رانا کہاں غائب تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہارے ساتھی تم سے اتنے بے خبر رہتے ہیں کہ ان کو پتا ہی نہیں ہے تم غائب ہو چکے ہو؟''

اس نے جواب دیا۔ ''میرے آدمی بلاوجہ کبھی مندر میں نہیں آتے ہیں بس جو اندر تھے وہی آتے جاتے ہیں باقیوں کو بنا اجازت آنا منع ہے۔''

''کیوں منع ہے؟''

''میں نے مندر کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہے وہاں منشیات اور اسلحہ ہوتا ہے اس لیے صرف بہت اعتماد کے لوگ ہی وہاں آتے جاتے ہیں۔'' اس نے وضاحت کی۔

''یہ احتیاط ہی تمہارے گلے پڑ گئی ہے۔''

''لیکن مجھے امید ہے اب تک بستی میں موجود میرے آدمیوں کو پتا چل گیا ہوگا۔'' اس کے لہجے میں امید آ گئی۔ ''انہوں نے میری تلاش شروع کر دی ہوگی۔''

''تو دعا کرنا وہ تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک نہ آئیں۔ ورنہ میں اپنا تو نہیں کہہ سکتا لیکن تم یقینی طور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر مارے جاؤ گے۔"

اس نے کچھ کہا نہیں اور سر جھکائے چلتا رہا تھا۔ بیتو سب سے آگے تھا اور اس کے بعد رانا تھا سب سے آخر میں، میں تھا۔ ملبے میں موجود گڑھوں سے بچنے کے لیے ہم نے اسٹکس لی تھیں لیکن صرف میرے اور بیتو کے پاس تھیں رانا کو ہم نے نہیں دی تھی کہ وہ موقع پا کر اس کا غلط استعمال بھی کر سکتا تھا۔ میں دشمن کو کمزور سمجھنے اور اس کی طرف سے غافل رہنے کا قائل نہیں تھا اللہ کی مہربانی کے علاوہ ایک سبب زندہ رہنے کا یہ بھی تھا۔ ہمیں سلائیڈنگ والی جگہ عبور کرنے میں دو گھنٹے لگ گئے تھے۔ نقشے کے مطابق بھادگاؤں سے پہلے ہمیں دو آبادیاں ملنا تھیں۔ ان میں سے ایک تو ملبے سے اترتے ہی نظر آ گئی تھی۔ یہ سڑک کے ساتھ ہی آباد ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس کے دائیں طرف کے اوپری حصے میں کچھ خوش نما مقامی طرز کے مکانات تھے۔ ان کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یہ امرا کے ہیں۔

ہم نے بڑے مندر میں کچھ کھایا پیا تھا اور اس سفر نے سب کے پیٹ مکمل طور پر خالی کر دیئے تھے۔ اس لیے رکنا لازمی تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ کھانا اس قصبے سے لیں گے اور اپنے پاس موجود خوراک آنے والے سفر کے لیے بچا کر رکھیں گے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ "ذرا دیکھنا یہاں کوئی ہوٹل ہے جہاں مناسب قسم کا کھانا مل جائے۔"

"ہوٹل ہے۔" بیتو سے پہلے رانا بولا۔ "لیکن فضول سا ہے اگر تم اچھا کھانا کھانا چاہتے ہو تو کسی گھر کا دروازہ بجاؤ۔ گھر والے تم کو کم قیمت میں اچھا کھانا دیں گے۔"

مجھے ذاتی طور پر بھی اس کا تجربہ تھا۔ نیپال میں عام لوگ اچھے اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ بے شک وہ رقم لے کر کھانا پینا اور رہائش فراہم کرتے ہیں مگر مہمان کی کھال نہیں کھینچتے اور اسے مناسب رقم کے بدلے بہت اچھی سہولیات دیتے ہیں۔ ہم آبادی کی طرف بڑھے تھے۔ ابھی ہم کچھ دور تھے کہ ایک مقامی عورت جنگل کی طرف سے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے نمودار ہوئی تھی۔ اس نے سر سے پاؤں تک ایک موٹا اونی فرغل پہن رکھا تھا اور اس کا چہرہ بھی مفلر میں چھپا تھا لیکن اپنی چال اور چستی سے وہ جوان لگ رہی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔

"اس سے بات کرو اگر یہ ہمیں کھانا مہیا کر دے؟"

بیتو نے اس آگے بڑھ کر اس سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بیتو کی زبان نہیں سمجھ پا رہی تھی اس نے جواب میں کچھ اور کہا جو بیتو کے سر پر سے گزر گیا اس نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا۔ "ہم نہیں سمجھا یہ کیا کہتا ہے۔"

رانا نے کہا۔ "ان کی زبان مختلف ہے اگر تم اجازت دو تو میں بات کروں مجھے ان کی زبان آتی ہے؟"

میں نے سوچا اور پھر اجازت دے دی۔ "لیکن کوئی احمقانہ بات کرنے کی کوشش مت کرنا..... میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہاں تم فکر مت کرو۔" اس نے جواب دیا اور عورت سے اس کی زبان میں بات کرنے لگا میں رانا کی بات سننے کے بجائے عورت کے انداز کا جائزہ لے رہا تھا اور مجھے لگا کہ رانا نے اسے کوئی چونکا دینے والی بات نہیں کہی تھی۔ عورت راضی ہو گئی کہ وہ ہمیں کھانا مہیا کرے گی۔ رانا نے مجھ سے کہا۔ "یہ مان گئی ہے سو روپے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مانگ رہی ہے۔"

بیتو نے فوراً سو روپے اس کے حوالے کر دیئے۔ میں نے رانا سے کہا۔ "یہ مان گئی ہے لیکن اس کے شوہر نے انکار کر دیا تو؟"

"اس کے شوہر انکار نہیں کریں گے؟" رانا نے کہا تو میں چونک گیا۔

"شوہر.....؟"

"ہاں اس کے دو شوہر ہیں۔ یہاں ایسا ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ اور میں بھی دیکھ چکا تھا کہ اس علاقے میں ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہاں بیوی خریدنا پڑتی ہے اور غریب لوگوں کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو تین یا زیادہ بھائی مل کر ایک عورت سے شادی کر لیتے ہیں اور وہی سب کی مشترکہ بیوی ہوتی ہے۔ یہ عورت بھی شاید اسی طرح کئی بھائیوں کی بیوی تھی۔ عورت روانہ ہوئی اور ہم اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔ عورت کا گھر بائیں طرف عام سی آبادی میں تھا ایک گھر کی چھت سے اتر کر ہم اس کے گھر کے احاطے میں آئے تھے۔ ایک چھوٹے سے دروازے سے اس کے گھٹے ہوئے تاریک گھر میں داخل ہوئے۔ گرمی سے بچنے کے لیے یہ لوگ اپنے گھروں کو ممکنہ حد تک بند کرتے ہیں اور ہوا کی آمد و رفت کا کوئی راستہ نہیں چھوڑتے ہیں۔

عورت کے دونوں شوہر اندر تشریف فرما تھے اور ایک ہی حقے سے شغل کر رہے تھے۔ میری توقع کے عین مطابق دونوں بھائی نکلے تھے اور ان کے آس پاس کوئی نصف درجن بچے کھیل رہے تھے جن کی عمریں دس سے دو سال تک تھیں۔ انہوں نے ہمیں سرسری نظروں سے دیکھا اور اپنے شغل میں لگ گئے۔ عورت نے اندر آتے ہی اطلاع دیا تھا کہ ہم مہمان تھے۔ ان لوگوں کے انداز سے صاف لگ رہا تھا کہ اس گھر کی بیشتر ذمے داری اس عورت کے شانوں پر تھی جو پہلے ہی دو شوہر اور ان کے مشترکہ طور پر چھ بچے پالنے کی ذمے داری پوری کر رہی تھی۔ اس نے ہمیں ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھایا اور کھانا بنانے چلی گئی۔ فوراً ہی اس کے بچے باری باری اندر آنا جانے لگے اور ہمیں محو استراحت دیکھ کر بلاوجہ کھلکھلانے لگے۔ رانا نے غرا کر ان سے کچھ کہا تو بیتو نے روک دیا۔

"بچوں سے آرام سے بات کرو۔"

رانا بھنایا ہوا تھا۔ "بکواس کر رہے ہیں۔"

"تو تمہاری عزت میں کون سی کمی آ رہی ہے۔" اس بار میں نے کہا۔ "آرام سے خاموش ہو کر بیٹھو۔"

ہمیں پر مشقت زندگی کی عادت پڑ گئی تھی اب کئی کئی دن بھاگ دوڑ میں رہنا اور کئی وقت کے بعد کھانا معمول بن گیا تھا۔ سفر ایسا مسلسل تھا کہ جب موقع ملا کھا لیا اور جب موقع ملا سو گئے لیکن پچھلے دو گھنٹے کا سفر ہمیں تھکا دینے والا ثابت ہوا تھا اور اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آنے والے مراحل ہمارے لیے توقع سے زیادہ مشکل ثابت ہوں گے۔ یہ بات بیتو بھی سوچ رہا تھا۔ وہ میرے پاس کھسک کر آیا۔

"قوی بھائی دو گھنٹے کے سفر میں اپنا انجر پنجر سب ڈھیلا ہو گیا ہے آگے کیا ہو گا۔"

"وہی ہو گا جو منظور خدا ہو گا۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "اب واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے ہمیں آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانا ہوگا۔'' پھر مجھے خیال آیا اور میں نے بیتو سے پوچھا۔'' تم نے سالانگ سیبھاد گاؤں کی بات کیوں کی تمہیں کیسے پتا چلا کہ میرا چین کی طرف جانے کا ارادہ ہے؟''

بیتو مسکرانے لگا تھا۔'' ہم آپ کو تھوڑا سمجھنے لگا اور پھر ہم کو بھی خیال آیا کہ ہم چین جا کر اس مصیبت سے نکل سکتا ہے اس لیے ہم نے سالانگ سے بھاد گاؤں چلنے کا کہا۔''

'' اور اگر میرا ایسا ارادہ نہ ہوتا تو کیا کرتے؟''

'' کوئی مسئلہ نہیں تھا ہم سالانگ کو پیسہ دے رہا تھا اسے کہیں بھی لے جاتا۔'' بیتو بولا۔

'' مجھے خوشی ہے اب تم نے اپنی ذہانت استعمال کرنا شروع کر دی ہے۔''

رانا چندر باز ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔'' تم لوگ بہت خطرناک علاقے کی طرف جا رہے ہو اور اس موسم میں تو وہاں قدم قدم پر موت گھات لگائے ہوتی ہے۔''

'' مجھے معلوم ہے اس کے باوجود ہم نے جانا ہے۔''

ظاہر ہے رانا ہماری فکر میں نہیں مرا جا رہا تھا۔ اسے اپنی فکر تھی کہ اگر قدرتی آفات سے بچ بھی گیا تو کیا ہم اسے بخش دیں گے۔ ایک گھنٹے بعد اس عورت نے ہمیں دال چاول اور بھاجی پر مشتمل کھانا دیا تھا۔ کھانا معمولی قسم کا لیکن لذیذ تھا اور ہمیں بھوک بھی لگی تھی۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو عورت کا ایک شوہر اٹھ کر ہمارے پاس آیا۔ اس نے پوچھا۔

'' تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟''

'' شمال کی طرف ٹریک کرنے۔'' میں نے رانا کے توسط سے جواب دیا۔

'' اس موسم میں؟'' وہ تعجب سے بولا۔

'' تمہیں اس سے کیا؟'' میں نے جواب دیا۔'' ہم اس موسم میں جائیں یا کسی بھی موسم میں جائیں؟''

میں نہیں چاہتا تھا کہ رانا اس سے زیادہ بات کرے اور اس دوران میں اسے کوئی بات کہہ دے اس لیے میں نے رانا کو اس سے بات کرنے سے منع کر دیا۔ عورت کا شوہر مسلسل بول رہا تھا۔ ایک بار اس نے کچھ کہا تو رانا نے میری طرف دیکھا۔'' یہ کہہ رہا ہے کہ اگر ہم اسے دو سو روپے دیں تو یہ ایک بھیڑ کا بچہ کاٹ کر اس کا گوشت ہمیں دے سکتا ہے۔''

اس آدمی کی بات میرے دل کو لگی تھی کیونکہ میں نے ٹن بند خشک گوشت بھی لیا تھا لیکن میں اس بارے میں مشکوک تھا کہ اسے کیسے کھاؤں کہیں حرام نہ ہو۔ اب میں اس شخص سے اپنے لیے گوشت لے سکتا تھا اور ٹن میں بند گوشت رانا اور بیتو کھا سکتے تھے۔ برفانی علاقوں میں سفر کے لیے گوشت کا استعمال لازمی ہوتا ہے ورنہ انسان کمزور ہو جاتا ہے اور آسانی سے سردی کا شکار ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ بھاد گاؤں سے نکلنے کے بعد ہمیں کئی دن تک ہمالیہ کے برفانی ویرانوں میں بھٹکنا پڑے گا۔ ہمارے پاس خوراک اور خاص طور سے گوشت کی بڑی مقدار ہونا ضروری تھی۔

'' ٹھیک ہے لیکن اس سے کہو کہ بھیڑ کا بچہ میں ذبح کروں گا باقی کام یہ کرے گا۔'' میں نے جواب دیا۔ رانا نے اس سے کہا تو وہ خوش خوش وہاں سے چلا گیا اور چند منٹ کے بعد ایک چھوٹا سا بھیڑ کا بچہ اٹھا لایا۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت کم عمر اور شاید بیمار تھا۔ اسی وجہ سے وہ اسے بیچ کر دام کھرے کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسے دو سو روپے دیئے اور اس نے مجھے ایک چھری مہیا کر دی۔ بھیڑ کا بچہ میں نے اس گھر کے اندر بنے باڑے میں ذبح کیا اور عورت کے شوہر نے آدھے گھنٹے میں اس کی کھال اتار کر اور گوشت بنا کر ایک پولی تھین میں ڈال کر میرے حوالے کر دیا۔ یہ مشکل سے تین ساڑھے تین کلوگرام گوشت تھا لیکن راستے میں میرے بہت کام آتا۔ اس سردی میں اس کا خراب ہونے کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔

کھا پی کر اور آرام کر کے ہم تازہ دم ہو گئے تھے۔ اس لیے گوشت لیتے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ نقشے کے مطابق بھاد گاؤں کے راستے میں آنے والی دوسری آبادی کوئی دس میل کے بعد تھی لیکن راستہ بہتر تھا اس لیے ہم ڈھائی گھنٹے بعد وہاں پہنچ گئے تھے۔ بھاد گاؤں کی آخری آبادی یہاں سے چھ میل دور تھی اور ہم تاریکی سے پہلے وہاں پہنچ سکتے تھے لیکن اس کے لیے ہمیں تیز چلنا تھا۔ رانا نے دبی زبان میں کہا۔

''میرا خیال ہے رات یہیں رک جاتے ہیں کل صبح یہاں سے سفر شروع کر سکتے ہیں۔''

میں نے اسے گھورا۔ اس کے ذہن میں شاید تھا کہ اس کے آدمی اسے تلاش کر رہے ہوں گے اور وہ کوشش کریں تو کل تک یہاں آ سکتے تھے۔ خود مجھے بھی یہی خدشہ تھا۔ اس لیے میں بہر صورت آج ہی کے دن بھاد گاؤں پہنچنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''نہیں ہمیں سفر جاری رکھنا ہے اور رات سے پہلے بھاد گاؤں پہنچ جانا ہے۔''

رانا نے بہانہ بنایا۔ ''میرے پاؤں میں تکلیف ہو رہی ہے۔''

میں نے اسے گھورا اور پھر بتایا۔ ''میرے پاؤں میں تم سے زیادہ تکلیف ہو رہی ہے۔ اس میں گرینیڈ کا ٹکڑا لگا تھا۔ اس لیے بکواس کرنے کے بجائے چلتے رہو۔''

بادلِ ناخواستہ اس نے مارچ شروع کر دی تھی۔ مگر اس کی رفتار سست تھی۔ بیتو نے یہ بات محسوس کر لی تھی اس نے اچانک رانا کو عقب سے لات ماری اور وہ منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ بیتو بولا۔ ''کتے کے بچے کیا کسی باغ کی سیر کر رہا ہے تیز چل۔''

رانا نے اٹھ کر اسے خون خوار نظروں سے دیکھا تو بیتو نے اسے دوسری لات ماری اور وہ پھر لڑھک گیا۔ ''ایسے کیا دیکھتا ہے انسان کا بچہ بن اور شرافت سے چل ورنہ اسی طرح لاتیں کھاتا رہے گا۔''

میں اس دوران میں آرام سے کھڑا رہا تھا بیتو رانا کے ساتھ بالکل ٹھیک کر رہا تھا۔ وہ لاتوں کا بھوت تھا اور میرے شریفانہ رویے سے شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر مجھ سے شکایت کی۔ ''تمہارا ساتھی میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہا ہے۔''

''یہ بہت رحم دلی دکھا رہا ہے ورنہ جب اسے غصہ آتا ہے تو یہ قتل سے کم بات نہیں کرتا ہے اور بعض اوقات تو میری بھی نہیں سنتا ہے اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہو تو وہی کرو جو یہ کہہ رہا ہے۔''

رانا سمجھ گیا کہ اسے وہی کرنا ہو گا جو ہم چاہتے ہیں۔ اس بار اس کی رفتار تیز تھی اور جس وقت تاریکی چھانے کو تھی ہم بھاد گاؤں پہنچ گئے تھے۔ یہ بہت چھوٹی سی آبادی تھی جو اس درے کی طرف جانے والے راستے پر تھی جو نیپال کو چین سے ملاتا تھا۔ اس کے بعد کوئی آبادی نہیں تھی۔ مشکل سے چند درجن گھر تھے جن میں سے کچھ ہی ایسے تھے جن میں جلنے والے چراغوں کی روشنی باہر آ رہی تھی۔ اس علاقے میں بجلی اور دوسری سہولیات کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی تصور نہیں تھا اور یہاں رہنے والے آج بھی دیسی زندگی گزار رہے تھے جیسی آج سے صدیوں پہلے گزارتے آئے تھے۔ البتہ سیاحوں اور کوہ پیماؤں کی آمد و رفت کی وجہ سے ان کی کمائی کے اور کئی راستے کھل گئے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ رات گزارنے اور کھانے کے لیے ہمیں کون سا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے اس بار رانا نے ہماری مدد کی۔ ''یہاں شوئینگ نامی ایک شخص ہے جو یہاں آنے والوں کو رات گزارنے کی جگہ بھی دیتا ہے اور کھانا بھی مہیا کرتا ہے۔''

''اس سے تمہاری جان پہچان ہے؟''

میرے اس سوال پر رانا محتاط ہو گیا۔ ''نہیں نہیں میں نے اس کے بارے میں سنا ہے۔''

''تب چلو اس کے گھر۔''

''مجھے کیا معلوم کہ اس کا گھر کہاں ہے؟'' وہ بولا۔ نہ جانے مجھے کیوں محسوس ہوا جیسے وہ اس بارے میں جھوٹ بول رہا ہے۔

''کوئی دروازہ بجاتے ہیں معلوم ہو جائے گا۔'' بیتو بولا۔ اس وقت شمال کی جانب سے یخ بستہ ہوا چلنے لگی تھی۔ ہم نے بستی کا آنے والا پہلا دروازہ بجایا اور بڑی دیر تک بجاتے رہے تب کہیں جا کر ایک آدمی باہر آیا تھا۔ وہ بوڑھا تو نہیں تھا شاید چالیس سال اس کی عمر تھی لیکن زندگی کی سختی نے اسے ساٹھ سال کے بوڑھے کا روپ دے دیا تھا۔ وہ کسی حد تک انگریزی سے واقف تھا اس لیے میں نے اس سے شوئینگ کا پتا پوچھنے کے بجائے رات گزارنے اور کھانے کا سوال کیا۔

''ہم تمہیں ادائیگی کریں گے۔''

ان لوگوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی سیزن میں تو ہر گھر ہی گیسٹ ہاؤس میں بدل جاتا ہوگا اس لیے وہ خوش ہو گیا اور ساتھ ہی حیران تھا کہ ہم اس موسم میں اس علاقے میں کیا کرنے آئے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ ہم ایک ٹریک کے لیے آئے تھے۔ وہ ہمیں اندر لے گیا۔ رانا کسی قدر مایوس نظر آیا کہ میں نے شوئینگ کا پوچھنے کے بجائے یہیں ڈیرہ جما لیا تھا۔ جوان بوڑھے کا نام شاید کائی چنگ تھا اس کے نقوش بھی چینی تھے۔ اندر اس کے ساتھ صرف ایک نوجوان لڑکی تھی۔

اس معاملے میں مجھے اتنے تجربات ہو چکے تھے کہ میں اب اس لڑکی کو اس بوڑھے کی بیٹی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا بلکہ مجھے یقین تھا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ حالانکہ وہ بہت پیاری سی اور مشکل سے پندرہ سولہ سال کی تھی۔ مگر یہاں کم سن لڑکیوں سے بوڑھوں کی شادی کا رواج عام ہے۔ کائی چیک کا مکان اندر سے صرف دو کمروں پر مشتمل تھا اور یہ دونوں کمرے کثیر المقاصد تھے۔ دونوں کمروں میں کھانا پکانے سے لے کر مویشی باندھنے تک تمام انتظامات تھے اور ہمیں جو کمرہ ملا تھا اس میں چھوٹی گائے پہلے ہی موجود تھی۔ یہ شاید یاک کی کوئی نسل تھی۔ ویسے پہاڑی جانور قد و قامت میں چھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ میں نے کائی چیک سے مطالبہ کیا۔

''اسے باہر نکالو۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''یہ شریف گائے ہے تم کو کچھ نہیں کہے گا۔''

''مجھے کچھ نہیں کہے گا لیکن یہ جو کرے گی اس کی بو کون برداشت کرے گا۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا اچھا نکالتا ہوں۔'' اس نے پہلے دانت نکالے اور پھر گائے نکال کر لے گیا۔ شکر ہے اس وقت تک گائے نے کچھ کیا نہیں تھا۔ وہاں ایک طرف زمین پر غالیچہ بچھا تھا۔ گزشتہ پانچ گھنٹے سے سفر کر کے ہم سب کا برا حال تھا۔ پھر یہ جگہ سطح سمندر سے کوئی بارہ ہزار فٹ بلند تھی اس لیے یہاں سانس لینے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ کوئی گھنٹہ بھر ہمیں سانس درست کرنے میں لگ گیا۔ رانا کا حالت زیادہ بری تھی کیونکہ وہ شراب کا عادی تھا اور شرابی کے پاس اسٹیمنا نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے۔ کائی چیک نے ہمیں کالی چائے فراہم کی اور ساتھ ہی واضح کیا کہ اس کا معاوضہ دینا ہوگا۔

''ہم تمہیں ہر چیز کا معاوضہ ادا کریں گے۔'' میں نے کہا اور سو روپے اسے ایڈوانس میں دے دیئے تو وہ مطمئن ہو گیا۔ ازراہ مہربانی اس نے ایک انگیٹھی بھی لا دی تھی جس میں حرارت کم اور دھواں زیادہ تھا۔ اس میں لکڑی کا ناقص کوئلہ تھا جو صحیح طرح سے کوئلہ بننے کے عمل سے نہیں گزرا تھا۔ یہ لوگ شاید انگیٹھی کو کھلی فضا میں جلانے کی عیاشی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کے لیے حرارت کا ایک ایک حصہ اہم تھا۔ اس لیے وہ انگیٹھی گھر میں سلگاتے تھے نتیجے میں وہ آگ کم دیتی تھی اور اس سے دھواں زیادہ خارج ہوتا تھا۔ ذرا سی دیر میں کمرہ دھواں دھار ہو گیا تھا لیکن سردی کی وجہ سے یہ دھواں برا نہیں لگ رہا تھا اور پھر اس کی وجہ سے ہوا کسی قدر بھاری ہو گئی تھی اور اسے کھینچنے کے لیے پھیپھڑوں کو زیادہ زور نہیں لگانا پڑ رہا تھا۔ رانا اور بیتو آپس میں بات کر رہے تھے۔ بیتو نے اسے کچھ بتایا تو وہ چونک گیا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ زور سے بولا۔

''آواز آہستہ رکھو۔'' میں نے غرا کر کہا۔

''یہ کہہ رہا ہے کہ وہ لڑکی این میری الماری سے ساری رقم اور سونا لے گئی ہے۔''

''ہاں لے گئی ہے پہلے تمہارا اس پر زور چلا تھا اور پھر اس کا زور چل گیا اور اس نے حساب برابر کر دیا۔'' میں نے کہا۔

''میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔'' رانا غصے سے ہانپنے لگا تھا۔

''جب تک تم واپس جاؤ گے وہ کسی پرواز پر یہاں سے جا چکی ہوگی۔'' بیتو نے کہا۔ رانا اسے گالیاں دینے لگا۔

''بری بات ہے مرد کے منہ سے عورت کو گالی اچھی نہیں لگتی ہے۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''خاص طور سے تم جیسے سور نامردوں کے منہ سے۔''

وہ چپ ہو کر ہونٹ کاٹنے لگا پھر بولا۔ ''یہ نقصان بھی مجھے تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ وہ ایک کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم تھی۔''

''ممکن ہے ہو۔'' میں نے اسی انداز میں کہا۔ ''اگر کبھی ہم پر قابو پا سکو تو وصول کر لینا۔''

''وہ جائے گی کہاں میں اسے ساری دنیا میں تلاش کر سکتا ہوں۔'' رانا زیر لب خود سے بولا۔ میں اس کی لن ترانیاں سننے کے بجائے دوبارہ لیٹ گیا اور بیتو سے کہا۔ ''جب کھانا آ جائے تو مجھے جگا دینا۔''

میرا ارادہ تھا کہ بیتو اور میں باری باری رات کو جاگ کر پہرہ دیں گے تاکہ رانا کوئی شرارت نہ کر سکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وجہ سے میں ابھی سو گیا تھا۔ تھکن اتنی تھی کہ نیند آنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ کوئی دو گھنٹے بعد بیتو نے مجھے اٹھا دیا۔ ''شوبی بھائی کھانا۔''

لڑکی کپڑا بچھا کر کھانا لگا رہی تھی۔ اس نے سبزیوں اور ابلے ہوئے انڈے کی مدد سے ایک سوپ نما چیز بنائی تھی اور ساتھ میں ایک روٹی نما چیز تھی۔ جب میں نے اسے کھایا تو ذائقے میں گندم کی روٹی ثابت ہوئی تھی لیکن صورت ایسی تھی جیسے مکئی کے آٹے سے بنائی گئی ہو۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ یہ گندم ہی تھی لیکن یہ قسم بہت بلندی پر کاشت ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ اچھا نہیں ہوتا لیکن یہاں کے لوگ مجبوراً اسے ہی کاشت کرتے ہیں اس بلندی پر گندم یا مکئی کی کوئی اور قسم نہیں اگ سکتی ہے۔ کھانا گزارے لائق تھا اور کچھ بھوک کی وجہ سے رغبت سے کھایا۔ رانا نے ہمارے مقابلے میں کم لیا تھا۔ اسے کچھ بے چینی ہو رہی تھی۔ کھانے کے بعد بھی وہ لیٹنے یا بیٹھنے کے بجائے کمرے میں ٹہلتا رہا تھا۔

''کیا بات ہے تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' میں نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے یونیورسل اشارہ کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے طلب ہو رہی ہے۔''

میں سمجھ گیا لیکن انجان بن کر بولا۔ ''کس چیز کی۔''

''شراب..... کی۔'' وہ جھنجھلا گیا تھا لیکن جلدی سے خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ''کیا یہاں سے مل سکتی ہے۔''

''ممکن ہے مل سکتی ہو لیکن تمہیں نہیں ملے گی۔''

''کیوں؟'' اس نے فریادی لہجے میں کہا۔

''مجھے شراب اور اس کے عادی افراد سے سخت نفرت ہے۔''

''لیکن میں اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔''

''تم چلو گے اور تم خود دیکھ لو گے۔ اب آرام سے لیٹ کر سونے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا۔ بادلِ ناخواستہ وہ اپنی جگہ آ لیٹا تھا۔ کائی چیک نے ہمیں کمبل یا رضائی نہیں دی تھی اور ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی ہمارے پاس سلیپنگ بیگز تھے جو بیک وقت بستر اور رضائی دونوں کا کام کرتے تھے۔ ہم نے وہی نکال لیے تھے۔ رانا اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا تھا۔ بیتو کھانا کھاتے ہی لیٹ گیا تھا۔ میں جاگ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد کائی چیک نے کمرے میں جھانکا اور پوچھا۔ ''چائے پیو گے؟''

چائے سے اس کی مراد وہی کالا اور تلخ مشروب تھا جو ہم نے یہاں آنے پر پیا تھا۔ یہ لوگ دودھ اور چینی استعمال نہیں کرتے تھے۔ میں نے سر ہلا دیا۔ ''لے آؤ۔''

مجھے جاگنے کے لیے اس کی ضرورت تھی۔ چند منٹ بعد وہ دو پیالے اٹھا لایا۔ وہ میرے سامنے غالیچے پر بیٹھ گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اب سوال کرے گا۔ اسے بھی تجسس تھا کہ ہم اس موسم میں بھاد گاؤں کی طرف کیوں جا رہے تھے۔ آپ نے اس ہوشیار گھوڑے کا قصہ ضرور سنا ہوگا جس کا مالک اسے نکی میں ڈال کر دوا پلانا چاہتا تھا اور گھوڑے نے پہلے پھونک ماردی۔ اس گھوڑے کی مانند میں نے کائی چیک سے سوال شروع کر دیئے اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے کہ وہ سوالات شروع کرتا۔

''تم کب سے اس علاقے میں ہو؟''

''میں پیدائشی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''اچھا۔'' میں نے سخت تعجب سے کہا۔ ''اتنے سرد علاقے میں بھی بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''بچے کہاں پیدا نہیں ہوتے؟''

''یہ تو ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''ممکن ہے کسی دن خبر آئے کہ کسی کوہ پیما خاتون نے ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر بچے کو جنم دیا۔''

اس نے زیادہ عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں ہو سکتا، ان گوروں کو ریکارڈ بنانے کا بڑا شوق ہوتا ہے ممکن ہے کوئی صرف ریکارڈ بنانے کے لیے یہ کام کر گزرے۔''

وہ بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''ہاں ہو تو سکتا ہے یہ گورے پاگل تو ہوتے ہیں۔''

''چھوڑو ان گوروں کو یہ بتاؤ تمہاری بیویاں کتنی ہیں؟''

''میری کوئی بیوی نہیں ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

میں چونکا۔ ''یہ لڑکی تمہاری بیوی نہیں ہے۔''

''یہ میری بیٹی ہے۔'' اس نے جز بز ہو کر کہا۔ ''اور میں تبتی یا نیپالی نہیں ہوں میرے آباؤ اجداد چین سے یہاں آباد ہوئے تھے۔ میں ہان نسل سے ہوں۔''

''معاف کرنا میں سمجھا تم بھی مقامی لوگوں کی طرح ہو جو یا تو چھ سات بیویاں رکھتے ہیں یا پھر ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے ہیں۔''

''ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''ہم چینی کئی شادیاں کر سکتے ہیں لیکن عام طور سے ایک ہی بیوی پر گزارا کرتے ہیں اور ہماری ہاں لڑکی خریدی یا بیچی نہیں جاتی ہے۔''

مجھے جان کر حیرت ہوئی کہ اس نیپالی گاؤں میں چینی نسل کے لوگ آباد تھے۔ انہوں نے زبان اور کسی حد تک مقامی ثقافت اپنا لی تھی لیکن چینی تہذیب کی خصوصیات بھی برقرار رکھی تھیں۔ وہ کسی زمانے میں ہمالیہ عبور کر کے اس طرف آ گئے تھے اور پھر جہاں ان کو آباد ہونے کے لائق پہلی زمین ملی وہ آباد ہو گئے۔ مقامی لوگوں سے میل جول اور دوسری تعلقات کی وجہ سے ان میں خاصی تبدیلی آئی تھی۔ وہ مجھے احمق سمجھ رہا تھا جسے دنیا کے بارے میں اتنا معلوم نہیں تھا اور میں بھی چاہتا تھا کہ وہ میرا دماغ نہ کھائے۔

''تم لوگ واپس اپنی پرانی سرزمین کی طرف جاتے ہو؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں کیونکہ ہمارے آباؤ اجداد وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اس سرزمین سے ہمارا تعلق اسی وقت ختم ہو گیا تھا۔ اب ہم نیپالی ہیں۔''

''اچھا تم لوگوں میں سے کوئی اس طرف جاتا ہے؟''

''ہاں ہم میں سے کئی افراد گائیڈ کا کام کرتے ہیں لیکن وہ بھی سیاحوں کو سرحد تک لے کر جاتے ہیں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آگے کوئی نہیں جاتا ہے۔''

اس کی بات سن کر مجھے ایک خیال اور آیا تھا۔ میرا اصل مقصد چین کی سرحد تک جانا تھا اور اس کا راستہ رانا جانتا تھا لیکن میں اس پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسلحہ چین بھی اسمگل کرتا تھا اور لازمی بات تھی کہ اس کے چین کے جرائم پیشہ افراد سے تعلقات تھے۔ وہ ہمیں بھٹکا کر کسی ایسی جگہ لے جا سکتا تھا جہاں ہم پھنس جاتے۔ اگر میں کائی چیک کے گاؤں سے کوئی گائیڈ لے لیتا تو مجھے رانا پر انحصار نہیں کرنا پڑتا اور وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میں اچھا معاوضہ دیتا تو کوئی نہ کوئی جانے پر راضی ہو جاتا۔

''گائیڈ اس موسم میں بھی جاتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اس موسم میں تو کوئی اس طرف نہیں جاتا ہے۔'' اس نے انکار کیا۔ ''تم لوگ کیوں اس طرف جا رہے ہو؟''

''ہمیں موقع اب ملا ہے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن اس وقت شمال بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ برفانی طوفان آتے ہیں۔ راستے ختم ہو جاتے ہیں۔'' اس نے خبردار کیا۔ ''گڑھے برف سے ڈھک جاتے ہیں اور جب کوئی اس پر سے گزرتا ہے تو گڑھے میں گر جاتا ہے۔''

''ہمارے پاس ایسے تمام خطروں سے نمٹنے کا سارا سامان ہے لیکن ہمیں راستوں کے لیے ایک گائیڈ کی ضرورت ہے۔''

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''اس موسم میں کوئی گائیڈ جانے کو تیار نہیں ہوگا۔''

''اگر اسے معمول سے دوگنا معاوضہ ملے تب بھی تیار نہیں ہوگا؟''

یہ سن وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔''

''تم۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''کیا تم بھاوگاؤں درے کی طرف جانے والے تمام راستوں سے واقف ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے کہا نا ہمارے ہاں اکثر لوگ گائیڈ ہوتے ہیں میں بھی کچھ عرصے پہلے تک گائیڈ کا کام کرتا تھا لیکن پھر کامی جوان ہوگئی اور میں نے باہر جانا چھوڑ دیا اس کی دیکھ بھال کرنے والا گھر میں کوئی نہیں ہے۔''

''تم اس کی شادی کیوں نہیں کر دیتے ہو؟''

''میں اسی کام کے لیے رقم جمع کر رہا ہوں میرے کچھ رقم ہوگئی ہے باقی ہو جائے تو آنے والے موسم میں اس کی شادی کر دوں گا۔''

''تبھی تم ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے ہو۔''

''ہاں اب مجھے رقم چاہیے۔''

''لیکن کامی گھر میں اکیلی رہ جائے گی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک دفعہ کی بات ہے اور پھر میں کسی کو بتا کر نہیں جاؤں گا اس موسم میں لوگ بلا ضرورت گھر سے نہیں نکلتے ہیں اس لیے کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔''

میں ہچکچا رہا تھا کیونکہ وہ کمزور صحت کا شخص تھا اور شمال میں سردی زیادہ ہوتی وہ برداشت نہیں کر پاتا تو ہمارے لیے مشکل ہو جاتی نہ ہم واپس آ سکتے تھے اور نہ اسے چھوڑ سکتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ''تم کمزور ہو کیا اس مشکل سفر کو برداشت کر لو گے؟''

وہ ہنسا۔ ''صاحب میں ادھر کا رہنے والا ہوں اور مجھے سردی سے کچھ نہیں ہوتا پھر میرے پاس سارا سامان بھی ہے۔ تم فکر مت کرو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

''تم معاوضہ کیا لو گے؟''

''گائیڈ دن کے حساب سے لیتا ہے ایک دن کا دو سو روپیہ لیتا ہے آپ نے دو گنا دینے کو کہا ہے۔''

''یعنی چار سو روپے روزانہ۔'' میں نے غور کیا اور ایک بار پھر میں حیران ہوا تھا۔ پاکستان میں ایک پورٹر یا گائیڈ ایک دن کا معاوضہ اس سے چار پانچ گنا زیادہ لیتا تھا اور دوسری سہولتیں الگ لیتا تھا۔ یہ بے چارے تو بہت کم معاوضہ لیتے تھے۔ میں نے منظور کر لیا۔ ''لیکن میں تمہیں روز کے حساب سے نہیں دوں گا بلکہ ایک ساتھ دو ہزار روپے دوں گا۔''

وہ خوش ہو گیا تھا کیونکہ یہ اس کی توقع سے زیادہ تھا۔ مگر پھر اسے خیال آیا۔ ''صاحب یہ تو پانچ دن کا معاوضہ بنتا ہے اگر زیادہ دن لگے تو.....''

''تو میں تمہیں زیادہ دوں گا یہ دو ہزار بھی پیشگی لے لینا لیکن میرا خیال ہے تمہیں تین چار دن سے زیادہ نہیں لگیں گے۔''

اس نے غور کیا۔ ''تمہیں جانا کہاں ہے صاحب؟''

''یہ بتاؤ کہ ہم یہاں سے چل کر چین کی سرحد تک کتنے دن میں پہنچ سکتے ہیں؟''

''زیادہ سے زیادہ دو دن میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''میرا اندازہ درست تھا تم چوتھے دن تک واپس آ جاؤ گے۔''

وہ چونکا۔ ''تو کیا آپ نے واپس نہیں آنا ہے؟''

''نہیں ہمیں سرحد پار کر کے چین جانا ہے۔''

وہ ڈر گیا۔ ''یہ تو جرم ہے صاحب ادھر پولیس پکڑ لیتی ہے۔''

''نہیں ہم چھپ کر نہیں جا رہے ہیں ہمارے پاس پاسپورٹ ہیں وہ دکھانے پر ہمیں چین میں داخل ہونے کا اجازت نامہ مل جائے گا۔''

وہ چپ ہو گیا لیکن مطمئن نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''کیا تمہارا ارادہ بدل گیا ہے؟''

''نہیں صاحب۔'' وہ بے دلی سے بولا۔ ''مجھے رقم کی ضرورت ہے میں ضرور چلوں گا۔''

''تم اس بات کا ذکر بھی کسی سے نہیں کرو گے، نہ ابھی اور نہ آنے کے بعد۔'' میں نے ذرا بدلے لہجے میں کہا تو وہ چونک گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں کروں گا صاحب۔''

''اس صورت میں ممکن ہے تم کو تمہارے طے شدہ معاوضے سے زیادہ ہی مل جائے۔'' میں نے اب اسے لالچ دیا۔ وہ رقم کے لیے ہی تو یہ سب کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ سونے کے لیے چلا گیا تو رانا کی سلیپنگ بیگ سے اس کی آواز آئی۔

''لگتا ہے تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے تبھی اسے ساتھ لے جا رہے ہو۔''

وہ جاگ رہا تھا اور ہماری ساری باتیں سن رہا تھا۔ ''فرض کرو ایسا ہی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

اس نے زپ ہٹا کر منہ باہر نکالا۔ ''اگر تمہیں یہ شخص چین کی سرحد تک پہنچا سکتا ہے تو مجھے لے جانا کیوں ضروری ہے؟''

''تم اتنے معصوم ہو کہ تمہیں اس سوال کا جواب ہی نہیں معلوم ہے۔ سانپ کو پٹاری میں کیوں بند رکھا جاتا ہے۔''

''تمہیں مجھ سے خطرہ ہے۔''

''جب تک ہم نیپال کی زمین سے نہیں نکل جاتے میں تمہیں آزاد نہیں کر سکتا اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

''ابھی بھی تم مجھے چھوڑ دو تو مجھے واپس آ کر اپنے آدمی لانے میں جتنا وقت لگے گا اتنی دیر میں تم آرام سے سرحد پار کر جاؤ گے۔''

''بکواس مت کرو۔ مجھے کیا معلوم کہ اس جگہ کے آس پاس بھی تم نے کوئی ٹھکانہ بنا رکھا ہے یا نہیں۔ جو سمگلنگ کرتے ہیں وہ سرحدوں کے پاس اپنے ٹھکانے ضرور بناتے ہیں۔''

اس کا رنگ بدل گیا تھا اور اس نے جلدی سے منہ اندر کر لیا۔ اس کے ردِعمل سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میری بات درست تھی۔ اگر میں اسے چھوڑ دیتا تو وہ چند گھنٹوں کے اندر آدمی اور اسلحہ حاصل کر کے ہمارا تعاقب کر سکتا تھا۔ رات کے بارہ بج گئے تھے۔ بیتو آٹھ بجے سویا تھا اور میں اسے دو بجے اٹھا دیتا اس کے بعد خود سو جاتا۔ صبح آٹھ بجے اٹھ کر ہم ناشتہ کرتے اور پھر روانگی کی تیاری شروع کر دیتے۔ نو بجے تک ہم یہاں سے روانہ ہو جاتے اس طرح ہمیں سفر کے لیے سارے دن میں آٹھ نو گھنٹے مل جاتے۔ کائی چیک نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم نو بجے روانہ ہو جائیں گے۔ دو بجے بیتو کو اٹھا کر میں اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا اور کچھ دیر میں سو گیا تھا لیکن یہ سکون والی نیند نہیں تھی۔ مجھے خواب آتے رہے اور خیالات بار بار نیند سے چونکاتے رہے تھے۔

کل مجھے اور بیتو کو ایک نامعلوم قسم کے برف زار میں سفر کرنا تھا جہاں بے شمار خطرات تھے اور پیچھے رہ جانے والے خطرات سے بچنے کے لیے میں نے یہ سفر کرنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا آنے والا دن ہمارے لیے کیا لے کر آتا۔ ہمارے پیارے دیئی میں ہمارا انتظار کر رہے تھے اور میری جان کے دشمن مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے انہوں نے میری قیمت بھی لگا دی تھی اور اس قیمت کی وجہ سے میرے لیے بے شمار خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ رانا چندر باز جیسا ویرانے میں بیٹھا بدمعاش تک مجھ سے واقف تھا اور اس جیسے نہ جانے کتنے میری تلاش میں تھے۔ میں واپس نہیں جا سکتا تھا۔ میری مہم جو طبیعت فطرت سے لڑ سکتی تھی اور انسانوں سے لڑتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے میں تھک گیا تھا اس لیے میں نے اس ویرانے کا رخ کیا تھا۔

آٹھ بجے بیتو نے مجھے اٹھا دیا۔ وہ بھی تازہ دم لگ رہا تھا اور شاید کہیں باہر فارغ بھی ہو کر آیا تھا میں نے والی چیک کی رہنمائی میں ایک قریبی ٹیلے کا رخ کیا جو اسی کام کے لیے مخصوص تھا اس لیے وہاں دماغ خراب لے والی بو تھی۔ واپسی میں کائی چیک نے گھر میں مجھے منہ ہاتھ دھونے کے لیے گرم پانی دیا تو میں خوش ہو گیا لما اچھی طرح منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے بیتو اور رانا چندر باز کے ساتھ ناشتہ کیا جو موٹے پراٹھوں اور لہ ہوئے انڈوں پر مشتمل تھا۔ ناشتے کے فوراً بعد ہم نے اپنا سامان اٹھایا اور اپنی پشتوں پر باندھ لیا۔ سب کے ھ میں کوئی تیس کلوگرام وزن آیا تھا۔ یہ وزن کم نہیں تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ پیشہ ور پورٹر اس سے زیادہ وزن اٹھا کر دشوار گزار برفانی ویرانوں میں سفر کرتے تھے۔

کائی چیک گرم لباس اور جوتے پہن کر تیار ہو کر آیا میں نے اسے بتا دیا تھا کہ اسے اپنے لیے ہر چیز خود ا ہو گی کیونکہ ہمارے پاس اپنے لیے سامان تھا البتہ میں نے اسے خوراک اور دوسری چیزوں کا معاوضہ دے دیا لما وہ اس سفر میں استعمال کرتا۔ یہ بھی میری ذمے داری بنتی تھی۔ جانے سے پہلے میں نے اسے دو ہزار بھی ہ ہے تھے۔ وہ خوش ہو گیا تھا اور بار بار چینی انداز میں جھک کر شکریہ ادا کر رہا تھا۔ نو بجے ہم اس کے گھر سے ا ئے۔ اس وقت آسمان پر گہرے سرمئی بادل جمع ہو رہے تھے یہ برف باری کی نشانی تھی۔ کائی چیک نے آ ان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"تین چار گھنٹے میں برف باری شروع ہو جائے گی ہمیں اس سے پہلے بلندیوں کی طرف جانا ہو گا ورنہ ا ے بند ہو جائیں گے۔"

میں نے اس سے اتفاق کیا اور ہم ہر ممکن تیزی سے شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔ پندرہ منٹ بعد ہم ایک ا لے درے سے گزر کر ایک لامتناہی حد تک پھیلے برف زار میں داخل ہو گئے تھے۔ آبادی پیچھے رہ گئی تھی۔ ا ی صرف ویرانہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ بارہ ہزار فٹ کی بلندی کے بعد ٹری لائن ختم ہو جاتی ہے یعنی اس بلندی ہ بعد کوئی درخت نہیں ملتا ہے اور صرف چھوٹی جھاڑیاں یا پودے ملتے ہیں۔ ان کی حد بھی سنو لائن تک ہوتی ۔ سولہ ہزار فٹ کی بلندی کے بعد مستقل برف کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں ندیوں میں کائی جیسے پودے ا جاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔ یہاں صرف ریت، چٹانیں اور برف ہوتی ہے۔ ہیبت ا ک گلیشیئرز کا خطہ بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ ابھی راستے میں سردی سے ٹھٹھرائے ہوئے چھوٹے درخت ا ہ ے نظر آ رہے تھے جنہوں نے برف کا چادر اوڑھ رکھی تھی۔

سب اپنے اپنے بیگز کے بوجھ تلے سر جھکائے خاموشی سے قدم اٹھا رہے تھے۔ آنے والے خطرات کا ا ب سب کو تھا۔ سامنے نظر آنے والے عظیم الشان پہاڑوں کے سامنے ہم چار انسانوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ہاڑ اپنے اندر آنے والوں پر ایک ہیبت سی طاری کر دیتے ہیں ان میں داخل ہونے والا کوئی انسان خوف کھائے ئے نہیں رہتا ہے اور جو کہتا کہ وہ نہیں ڈرتا تو وہ یقیناً جھوٹ بولتا ہے۔ اس وقت ہم سب ہی ڈرے ہوئے تھے اور ت احتیاط سے چل رہے تھے۔ کوہ پیمائی کی دکان میں مجھے ایک ہاتھ پر باندھنے والا آلٹی میٹر نظر آیا تھا میں نے وہ بھی لے لیا۔ اس وقت بھی وہ میری کلائی پر تھا اور اس کے مطابق ہم تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے اوپر جا چکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ بارہ بجے ہم چودہ ہزار فٹ کی بلندی بھی عبور کر چکے تھے اور تہہ در تہہ پہاڑوں کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں سوائے برف کے اور کچھ نہیں تھا۔ بیتو نے مجھ سے کہا۔

''اگر ہم ادھر مر جائے تو کسی کو ہمارا پتا بھی نہیں چلے گا۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''ایسا اکثر ہوتا ہے۔ پہاڑوں میں سفر کرنے والے کسی حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی لاشیں وہیں پڑی رہ جاتی ہیں جب برسوں بعد کسی کا اس طرف سے گزر ہوتا ہے تو ان کی لاشیں دریافت ہوتی ہیں۔''

بیتو مزید سہم گیا تھا۔ ''ہمارے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔''

''ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''موت تو شہر میں اپنے محفوظ گھر میں بیٹھے انسان کو بھی لے جاتی ہے۔ یہ تو ایک پُرخطر جگہ ہے لیکن اللہ سے بہتری کی امید رکھو اس نے پہلے بھی ہمیں بچایا ہے اور آگے بھی وہی بچائے گا۔''

ایک بجے ہم ایک بلند ٹیلے پر رکے تھے۔ اصل میں ہمیں اس پر چڑھ کر دوسری طرف اترنا تھا مگر دوسری طرف ایک طویل ڈھلان نظر آ رہی تھی جس میں بہ ظاہر کہیں ٹھہرنے کی جگہ نہیں تھی اس لیے طے ہوا کہ ہم دوپہر کا کھانا یہیں کھا لیتے ہیں۔ کھانا کیا تھا۔ کامی کی بنائی روٹی کے ساتھ اچار تھا۔ روٹی پتھر کی طرح سخت تھی اور اچار منجمد تھا وہ منہ میں جا کر پہلے پگھلتا تھا اور پھر اسے حلق سے اتارا جا سکتا تھا۔ اس علاقے میں کھانا بھی ایک قسم کی مشقت تھی۔ اوپر سے ہوا ہلکی ہونے سے ہمارا سانس مستقل پھولا رہنے لگا تھا۔ بولتے تھے تو دو جملوں کے بعد لازمی سانس کا وقفہ دینا پڑتا تھا۔ میں اور بیتو ٹیلے کی ڈھلان والے کنارے پر تھے۔ رانا چندر باز درمیان میں بیٹھا تھا اور کائی چیک اس بلند دیوار پر تھا جہاں سے اتر کر ہم آئے تھے۔ اچانک کائی چیک چونکا اور پھر اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔

''مجھے لگ رہا تھا تین یا چار افراد اس طرف آ رہے ہیں لیکن وہ ابھی دور ہیں۔''

میرا فکرمند ہونا لازمی تھا کیونکہ اس موسم میں یہاں کوئی اس وقت آ سکتا تھا جب ایسا کرنا انتہائی لازمی ہو جاتا۔ میں نے جا کر اوپر سے دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ ''کائی اس طرف تو کوئی نہیں ہے۔''

''ہے صاحب۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''وہ کبھی اوٹ میں چلے جاتے ہیں اور کبھی نظر آنے لگتے ہیں۔''

میں غور کرتا رہا چند منٹ بعد مجھے دور برف میں کچھ نکتے سے حرکت کرتے دکھائی دیئے اور ایک منٹ سے بھی کم وقت میں دوبارہ غائب ہو گئے تھے۔ مجھے کائی چیک کی بات درست لگی تھی ہمارے عقب میں کچھ لوگ آ رہے تھے۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کیوں آ رہے تھے لیکن میری چھٹی حس نے بتایا کہ معاملہ گڑبڑ تھا۔ رانا ہماری باتیں غور سے سن رہا تھا اور میں اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے تھے۔ شاید اسے امید بندھی تھی کہ آنے والے اس کے ساتھی تھے اور اسے تلاش کرتے ہوئے ہمارے تعاقب میں آ رہے تھے۔

ہمارے پاس سامان سے باہر صرف دو پستول تھے ایک بیتو کے پاس تھا اور دوسرا میرے پاس تھا رائفلیں ایک بیگ میں تھیں۔ میں نے کائی چیک کے سامنے اسلحہ ظاہر کرنے سے گریز کیا تھا تاکہ وہ ہمیں عام سیاح ہی سمجھتا رہے۔ ورنہ سیاحوں کے مسلح ہو کر گھومنے کا رواج نہیں ہوتا ہے۔ میں بیتو کے پاس واپس آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے لگ رہا ہے کہ رانا چندر باز کے آدمی پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے ہیں۔''

بیتو چونکا۔ ''مجھے پہلے خطرہ تھا اس کے آدمی ضرور آئیں گے۔ اسے یہیں چھوڑ دیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔ میں اسے چین لے جانا چاہتا ہوں۔''

بیتو نے مجھ سے سوال نہیں کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں اور میرے ساتھیوں کی یہ خوبی ہے جب وہ جان جاتے ہیں کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں تو وہ کیا اور کیوں نہیں کرتے ہیں۔ بیتو بولا۔ ''ٹھیک ہے شوبی بھائی، پر ان آنے والوں کا کیا کرنا ہے؟''

''اگر وہ رانا کے لیے آئے ہیں تو ہم ان کا صفایا کر دیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہم رائفلیں نکال لے؟''

''ہاں کچھ پتا نہیں کہ آنے والے کن ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔'' میں نے اسے اجازت دے دی۔ رائفلیں دونوں اس کے بیگ میں تھیں۔ بیتو رائفلیں نکالنے لگا۔ آنے والے اگر ہمارے تعاقب میں تھے تو ان کے لیے کوئی مشکل نہیں تھی کیونکہ برف پر ہم جا بہ جا اپنے نقش قدم چھوڑتے آئے تھے۔ ایک بات اور یقینی تھی کہ ان کی رفتار ہم سے تیز تھی کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کے اوپر کوئی ایک من کا بوجھ تھا اور وہ اس سے آزاد تھے۔ رانا غور سے ہمیں دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

''سنو مجھے یقین ہے آنے والے میرے آدمی ہیں۔ اگر تم مجھے آزاد کر دو تو میں وعدہ کرتا ہوں ان کو لے کر خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا۔ کوئی تمہارے پیچھے نہیں آئے گا۔''

''تم خاموشی سے بیٹھو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اگر یہ تمہاری آدمی ثابت ہوئے تو تمہیں کچھ اموات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

''مرنا مارنا ہمارے لیے کھیل ہے۔'' اس نے جرأت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔

''مرنا نہیں مارنا اور وہ بھی عام لوگوں کو جو اپنا دفاع نہیں کر سکتے ہیں۔'' میں نے طنز کیا۔ ''اگر تمہارے آدمیوں کو مرنا آتا ہوتا تو وہ اتنے اناڑی پن سے نہ مرتے۔''

کائی چیک نے اطلاع دی۔ ''اب وہ لوگ صاف نظر آ رہے ہیں۔''

میں نے جا کر اوپر سے دیکھا تو اس کی بات درست نکلی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی ایک میل دور تھے اور ان کی تعداد چار یا پانچ تھی۔ اس دوران میں بیتو رائفلیں نکال لایا اور اس نے ایک رائفل مجھے دے دی۔ کائی چیک چونکا۔ ''تم لوگوں کے پاس اتنا اسلحہ ہے۔''

''یہ حفاظت کے لیے ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم فکر مت کرو۔''

لیکن میری تسلی کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھا وہ مشکوک نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے رانا سے کہا۔ ''تم اوندھے منہ زمین پر لیٹ جاؤ جلدی۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی اور میں نے اپنا اور بیتو کا بیگ اس کی پشت پر رکھ دیا تھا اب وہ آسانی سے حرکت نہیں کر سکتا تھا اور ہم اس کی طرف سے مطمئن ہو کر آنے والوں کے خلاف کارروائی کر سکتے تھے۔ اب وہ نصف میل کے فاصلے پر تھے اور ان کی تعداد واضح طور پر پانچ تھی۔ کائی چیک کی نظریں زیادہ تیز تھی اور وہ کچھ بے چین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''آنے والوں میں ایک عورت بھی ہے۔''

میں چونکا۔ ''عورت..... تم کو کیسے پتا چلا؟''

''اس کی چال سے۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ درمیان میں ہے کبھی کبھی نظر آتی ہے۔''

میرے ذہن میں ایک خدشہ آیا تھا لیکن میں نے کائی چیک سے نہیں کہا۔ میں نے ایک طرف مورچہ جما لیا تھا اور مجھ سے دور بیتو نے اس طرح پوزیشن سنبھال لی تھی۔ اس طرح کہ آنے والے اس ڈھلان پر پوری طرح ہماری زد میں ہوتے۔ ہم بے برف کی مدد سے خود کو کیموفلاج کر لیا تھا۔ آنے والے ایک سو گز کی دوری تک آجاتے تو ہم سے نہیں بچ سکتے تھے۔ کائی چیک میرے ساتھ ہی لیٹا ہوا تھا۔ اچانک وہ اچھلا۔

''یہ..... یہ تو کامی ہے۔'' اس نے لرزتے لہجے میں کہا۔

مجھے اسی کا خدشہ تھا لیکن میں نے اسے تسلی دی۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔''

''نہیں اس نے جو لباس پہن رکھا ہے یہ میں ہی لایا تھا۔ وہ دیکھو سفید پتلون پر سرخ دھاریاں ہیں۔ اس نے جو جیکٹ پہن رکھی ہے شانے سے ادھڑ گئی تھی تو اس نے سیاہ اون کپڑے کا پیوند لگایا تھا۔''

لڑکی کے لباس میں یہ دونوں خصوصیات نمایاں تھیں۔ اب میں جان گیا کہ آنے والوں کو کیسے پتا چلا کہ ہم کہاں جا رہے تھے اور انہوں نے ہمارا بالکل درست پیچھا کیا تھا۔ وہ کائی چیک کے گھر پہنچے اور اس کی لڑکی سے سب معلوم کر لیا اور پھر اسے لے کر ہمارے پیچھے آئے تھے۔

''میری بیٹی۔'' کائی چیک جذباتی ہو کر اٹھنے لگا تھا کہ میں نے اسے روک لیا۔

''یہ کیا حماقت کر رہے ہو۔ ان کو نزدیک آنے دو۔''

''مجھے جانے دو۔'' اس نے مزاحمت کی۔ ''انہوں نے کامی کو پکڑ رکھا ہے۔''

''تمہارے جانے سے وہ اسے نہیں چھوڑ دیں گے۔'' میں نے اسے سختی سے روکا۔ ''اسے ہم چھڑائیں گے لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ تم آرام سے رہو اور ان کو خبردار مت کرو۔''

بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ دبک کر بیٹھ گیا۔ اس وقت میں یہی سمجھا تھا کہ وہ میری بات سمجھ گیا ہے۔ آنے والے کوئی دو سو گز دور تھے۔ میری توجہ کائی چیک کی طرف نہیں رہی تھی اس لیے جب وہ اچانک اٹھ کر بھاگا تو میں اسے روک نہیں سکا تھا اس نے برف کی دیوار پھلانگی اور دوسری طرف کود کر نیچے اترنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے مقامی زبان میں کچھ چلا شروع کر دیا تھا۔ بعد میں رانا نے مجھے بتایا کہ وہ کہہ رہا تھا۔ ''میری بیٹی کو چھوڑ دو۔''

کائی چیک کی آواز سن کر اور پھر اسے دیکھ کر آنے والے رک گئے تھے اور میں نے ان میں سے ایک کو اپنی رائفل اٹھاتے دیکھا میں نے جلدی سے اس کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی لیکن اس سے پہلے وہ کائی چیک پر گولی چلا چکا تھا۔ میرا نشانہ دوری کی وجہ سے خطا گیا اور اس کا نشانہ ٹھیک بیٹھا کیونکہ کائی چیک اتنی دیر میں خاصا نیچے جا چکا تھا۔ اسے گولی لگی تو وہ قلابازی کھا کر ڈھلان پر گرا اور کچھ دور لڑھکنے کے بعد ساکت ہو گیا۔ اس کی بیٹی چلائی تھی۔ اسے ایک آدمی نے پکڑ رکھا تھا اور وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں نے اور بیتو نے دوسروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی آنے والے میرے فائر سے ہوشیار ہو کر اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ انہوں نے چھوٹی موٹی آڑوں کی پناہ لے لی تھی۔ میں نے سر پر ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارا۔ کائی چیک خود بھی مارا گیا تھا اور ہمیں بھی مشکل میں ڈال گیا تھا۔ آنے والی ابھی ہماری حد سے کچھ دور تھے۔ وہ ہمیں پچیس قدم بھی آگے آجاتے تو ہم ان کو بچ کر جانے کا موقع نہیں دیتے۔

''بیتو کوشش کرو کہ ان کو انفرادی نشانہ بناؤ۔'' میں نے کہا۔ ''گولیاں ضائع مت کرنا۔''

بیتو نے سر ہلایا لیکن یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ میں اور بیتو دونوں ہی کوئی غیر معمولی نشانے باز نہیں تھے کہ دو سو گز کی دوری سے معمولی سے نظر آنے والے دشمن کو نشانہ بنا سکیں۔ میں نے رائفل کو سنگل موڈ پر کیا اور سب سے آگے موجود آدمی کو نشانہ بنانے کی کوشش کرنے لگا وہ برف کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے پیچھے اس طرح چھپا تھا کہ اس کے جسم کا معمولی سا حصہ نظر آرہا تھا۔ اس معمولی سے حصے کو نشانہ بنانا بہت مشکل کام تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ آنے والوں کے عزائم قاتلانہ تھے اور انہوں نے کائی چیک کو کوئی موقع دیئے بغیر گولی مار دی تھی۔ میں فائرنگ شروع کی اور بیتو بھی کوشش کرنے لگا اور برف پر فائرنگ کی آواز سے گونجنے لگا تھا۔ یہاں سردی کی وجہ سے برف سخت ہو رہی تھی ورنہ سنو سلائیڈنگ کا خطرہ تھا۔ کوئی ایک درجن گولیاں چلانے کے بعد بھی نتیجہ صفر تھا اور آنے والوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی تھی لیکن جس طرح وہ ہماری حد سے تقریباً باہر تھے اسی طرح ہم بھی ان کی حد سے دور تھے۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے سب سے آگے موجود شخص کے سامنے موجود برف کے ابھار کو نشانہ بنایا۔ اگر یہ صرف برف تھی تو گولی اس میں سے آسانی سے گزر سکتی تھی۔ میں نے کئی گولیاں چلائیں اور برف کا ٹیلہ اُڑ گیا تھا۔ اب اس کے پیچھے چھپا آدمی صاف نظر آنے لگا تھا۔ اسے بھی پتا چل گیا تھا کہ وہ نظر آرہا ہے اور اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی کہ بیتو نے اسے نشانہ بنا لیا دو گولیاں اس کی پشت میں اتر گئی تھیں وہ چیخ مار کر اوندھے منہ برف پر گرا اور کچھ دور پھسلنے کے بعد ساکت ہو گیا تھا۔ اس کے آس پاس پھیلتا خون دور سے بھی صاف نظر آرہا تھا میں نے بے ساختہ بیتو کو داد دی۔ ''شاباش برخوردار۔''

اب تین دشمن باقی تھے اور ان کو اپنے ساتھی کی موت نے دیوانہ کر دیا تھا انہوں نے بیک وقت ہماری طرف اتنی شدت سے فائرنگ کی تھی کہ میں اور بیتو تھوڑا پیچھے آگئے تھے۔ ہم نے جہاں مورچے بنا رکھے تھے وہاں کی برف اُڑ رہی تھی اور اس جگہ جیسے ایک چھوٹا سا برفانی طوفان آگیا تھا۔ رانا بیگز کے بوجھ تلے کسمسا رہا تھا۔ میں نے جھک کر کہا۔

''مبارک ہو تمہارا ایک اور مبینہ ساتھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔''

اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''نہ جانے وہ کون سے منحوس گھڑی تھی جب تم لوگ مندر کی طرف آئے تھے۔''

''یقیناً ہم بہت سے لوگوں کی شامت اعمال بن کر آتے ہیں۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا اور دوبارہ اوپر چڑھا۔ دشمن کا اشتعال کسی قدر کم ہو گیا تھا اور اس کی طرف سے فائرنگ میں کمی آگئی تھی غالباً انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ بے کار میں گولیاں ضائع کر رہے تھے اور ایمونیشن ان کے پاس یقیناً لامحدود نہیں تھا۔ مارا جانا والا سب سے آگے تھا اور اس کے بعد موجود شخص کوئی پانچ قدم کی دوری پر ایک بڑی آڑ میں تھا اور اس کا جسم نظر نہیں آرہا تھا۔ باقی دو نے بھی خود کو مناسب انداز میں چھپا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک نے لڑنی کو جمی قابو کر رکھا تھا کبھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھی وہ مزاحمت کرتی تو اس کی ایک جھلک نظر آتی تھی۔ مجھے افسوس ہوا اس کا باپ اس کی نظروں کے سامنے مارا گیا تھا۔ اور اب اس کا دنیا میں کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

میں نے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ فی الحال دونوں اپنے اپنے مورچوں میں محفوظ تھے۔ ہم اس لحاظ سے بہتر تھے کہ بلندی پر تھے اور اس لحاظ سے مشکل میں تھے کہ ہماری طرف ایک سیدھی ڈھلان تھی اگر ہم اس پر سفر شروع کرتے اور دشمن پیچھے سے آجاتا تو بلندی کی وجہ سے اس کی پوزیشن بہتر ہو جاتی اور ہمیں چھپنے کے لیے جگہ نہیں ملتی گویا ہم اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ دشمن کے عزائم جاننے کے لیے میں نے ڈائلاگ کا راستہ اپنانے کا فیصلہ کیا اور چلا کر بولا۔

''تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟'' میں نے انگریزی میں کہا تھا

جواب کچھ دیر بعد آیا تھا اور انگریزی میں آیا۔ ''ہم جو بھی ہوں ہمیں رانا چاہیے۔ اگر تم رانا چندر بازدے دو تو ہم خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔''

''اور اگر نہ دوں تو؟''

''تو تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔ یہ وہی تھا جو اب سب سے آگے ایک ابھار کے پیچھے روپوش تھا۔ ''رانا جی کو ہم لے کر جائیں گے۔''

''زندہ یا مردہ؟''

''بکو مت تم زیادہ دیر نہیں بچ سکو گے۔'' وہ بھڑک کر بولا۔

میں ہنسا۔ ''یہ بات تم کہہ رہے ہو جس کا ایک ساتھی مارا جا چکا ہے۔''

''ہمیں معلوم ہے تم اس جگہ سے نہیں نکل سکتے اگر تم اپنا مورچہ چھوڑو گے تو ہم اوپر آجائیں گے۔''

''تم بھی ساری عمر اس جگہ نہیں رہ سکتے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ہم انتظار کر سکتے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''ہمیں جلد مزید کمک مل جائے گی اور اس کے بعد ہم تمہارے یہاں سے نکلنے کا راستہ بند کر دیں گے۔''

یہ اطلاع تشویش ناک تھی اور وہ کیونکہ آبادی کی طرف سے آرہے تھے اس لیے اس کی بات کو جھوٹ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ عین ممکن ہے ان کے کچھ ساتھی کمک لینے روانہ ہو چکے ہوں اور ان کو آنے میں وقت لگتا لیکن وہ آسکتے تھے۔ جب کہ ہمیں نہ تو کہیں سے کمک مل سکتی تھی اور نہ ہی ہم اس جگہ کو چھوڑ کر جا سکتے تھے۔ میں نے سوچا اور پھر سر جھٹکا یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی بلکہ ہمارے لیے تو ہر گز بھی نئی بات نہیں تھا اگر دو چار دن کہیں اس قسم کی صورتِ حال سے دوچار نہ ہوں تو زندگی میں بے چینی سی محسوس ہونے لگتی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

''اب کیا کیا جائے۔''

بیتو میرے پاس کھسک آیا تھا۔ ''شوبی بھائی ہم نے پوچھا نہیں تھا کہ اس کو لے جانا کیوں ضروری ہے۔''

اس نے کچھ دور برف پر پڑے رانا کی طرف اشارہ کیا۔ ''لیکن اس کے بغیر ہم بہتر سفر کر سکتا ہے۔''

''اسے لے جانا لازمی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''سمجھ لو کہ اس کا جانا اتنا ضروری ہے جتنا کہ ہمارا جانا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے تب ہم اندھیرا ہونے پر نکل سکتے ہیں۔ ورنہ اس وقت تو ہم بہت آسانی سے ان کا نشانہ بن جائیں گے۔''

''میں کب تک اس طرح پڑا رہا ہوں گا۔'' رانا نے فریاد کی۔

''پڑے رہو۔'' بیتو غرایا۔ ''ورنہ ہمیشہ کے لیے پڑے جاؤ گے۔''

''میں اتنے بوجھ کے ساتھ پڑا رہا تو میرا جسم بے کار ہو جائے گا اور تمہیں مجھے مار کر ہی جانا پڑے گا۔'' وہ پھر بولا۔

میں نے سوچا وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ''بیتو اس پر سے بیگ ہٹا دو اگر ہمیں یہاں سے عجلت میں نکلنا پڑا تو اس کا جسم اس قابل نہیں رہے گا۔''

بادلِ ناخواستہ بیتو نے بیگز ہٹا دیئے اور ساتھ ہی اسے خبردار کیا۔ ''لیکن اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔''

رانا لیٹا رہا تھا۔ دن کے ڈھائی بج رہے تھے اور ڈھائی گھنٹے بعد یہاں اندھیرا چھانے لگتا۔ گویا ہمیں تین گھنٹے تک ان لوگوں کو روکنا تھا۔ اس کے بعد ہم یہاں سے نکل سکتے تھے۔ شروع میں نیچے موجود لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے ہم وقفے وقفے سے فائر کرتے رہے تھے لیکن چار بجے ہم نے خاموشی اختیار کر لی اور اوپر سے نگرانی کرنا بھی بند کر دی۔ کوہ پیمائی کے سامان کی دکان سے میں نے جو بیگز لیے تھے ان پر آئینے بھی لگے تھے۔ میں نے ان میں سے دو آئینے نکال کر برف میں اس طرح سیٹ کر لیے کہ مجھے اور بیتو کو سر نکالے بغیر بھی دوسری طرف کا منظر نظر آ رہا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہماری طرف سے خاموشی کے بعد ان کا ردِعمل کتنی دیر میں سامنے آتا ہے۔ رانا کو بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ زبان بند رکھے اور بولنے کی کوشش نہ کرے۔ کوئی ساڑھے چار بجے مخالف کیمپ میں بے چینی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ بار بار جھانک کر دیکھ رہے تھے اور ایک دو بار ہمیں آواز بھی دی تھی۔

میں نے بیتو کو اشارہ کیا کہ تیار رہے ممکن ہے وہ اوپر آنے کی کوشش کریں۔ پونے پانچ بجے جب سورج ڈوبنے کے قریب تھا تو ان میں سے ایک اپنی آڑ سے نکلا اور جھک کر دبے قدموں اوپر آنے لگا۔ وہ مجھے آئینے میں صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ پہلے اپنے ساتھی کی لاش کے پاس سے گزرا اور پھر کائی چیک کی لاش تک آیا تھا۔ میں اس کے مزید آگے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنا آگے کہ وہ پلٹ کر واپس نہ جا سکے اس کے ساتھی اپنی جگہوں پر دبکے منتظر تھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے میں نے بیتو کو اشارے سے بتایا کہ ایک اوپر آ رہا ہے اور ہمیں بیک وقت اسے نشانہ بنانا تھا۔ بیتو نے سر ہلایا وہ سمجھ گیا تھا۔

آنے والے کے پاس بھی رائفل تھی اور اس نے اسے یوں اٹھا رکھا تھا کہ فوراً فائر کر سکے اسے بھی اندازہ تھا کہ وہ کتنا بڑا خطرہ مول لے رہا تھا اگر ہم اسے دیکھ لیتے تو اس کا بچ کر واپس جانا بہت مشکل تھا۔ اس کے باوجود وہ اوپر کی طرف آ رہا تھا تو اپنے ساتھیوں کی نسبت دلیر تھا یا پھر مجبور تھا۔ اب وہ کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ میں نے آئینہ اس طرح نصب کیا تھا کہ اس کی چمک ان لوگوں کو متوجہ نہ کرے ویسے بھی سورج ہمارے دائیں طرف کسی قدر عقب میں تھا اور اس کی روشنی منعکس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

لیکن وہ تھوڑا سا اوپر آیا تھا کہ اسے کچھ نظر آ گیا یا اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا اور وہ اچانک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلٹ کر بھاگا۔ میں چلایا۔ ''بیتو وہ جا رہا ہے۔''

یہ کہہ کر میں نے اوپر ہوتے ہوئے بھاگتے شخص پر برسٹ مارا۔ وہ اس کی حد میں تھا اور اسی لمحے بیتو نے اس کا نشانہ لیا تھا اس کی پشت میں کئی گولیاں اتر گئی تھیں اور وہ اچھل کر برف پر گرا پھر لڑھکتا ہوا نیچے جانے لگا اگر وہ مرا نہیں تھا تب بھی شدید زخمی ضرور ہوا تھا۔ اس کے ساتھی اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے تھے لیکن ہم اپنے مورچوں میں محفوظ تھے ان میں سے کوئی چیخ چیخ کر مقامی زبان میں کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ یقیناً گالیاں دے رہا تھا۔ میں اور بیتو دونوں نیچے کی طرف متوجہ تھے اور اس لمحے ہم رانا کو عارضی طور پر بھول گئے تھے اور شاید اس نے محسوس کر لیا کہ یہی موقع تھا جس کا اسے بڑی دیر سے انتظار تھا۔ وہ دبے قدموں اٹھا اور پھر میری طرف جھپٹا اس نے عقب سے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ مجھے آخری موقع پر احساس ہوا اور میں نے پلٹنے کی کوشش کی تھی لیکن اسی لمحے وہ مجھ پر آ گرا۔ میں کنارے کے اوپر تھا اور یہاں سخت برف جمی ہوئی تھی۔

جب رانا نے مجھ پر چھلانگ لگائی تو اس کا وزن دوگنا ہو کر مجھ پر آیا یعنی برف کے کنارے پر آیا اور برف سخت ہونے کی وجہ سے دھنسی نہیں بلکہ کنارہ ہی ٹوٹ گیا۔ میں رانا سمیت ڈھلان پر لڑھک گیا تھا اور پھر تیزی سے نیچے جانے لگا تھا۔ رانا اتنا چالاک تھا کہ اس نے نیچے گرتے ہوئے بھی مقامی زبان میں چلا کر کچھ کہا۔ شاید اس نے اپنے ساتھیوں کو فائرنگ کرنے سے منع کیا تھا کیونکہ وہ انجانے میں فائرنگ کر دیتے تو میرے ساتھ وہ بھی مارا جاتا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ مجھے رائفل نہ استعمال کرنے دے اور ساتھ ہی لڑھکنے کا عمل بھی جاری رہے۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن رانا کی وجہ سے میں رک نہیں پا رہا تھا۔ ایک بار میری کہنی کے سامنے اس کا منہ آیا تو میں نے بلا تکلف اس کے منہ پر وار کیا اور اس کے کم سے کم دو دانت داغ مفارقت دے گئے تھے۔ اس کی چیخ بھی میری کہنی تلے دب گئی تھی۔

بیتو اوپر ہی رہا تھا اور اس نے باقی دو افراد پر فائرنگ جاری رکھی تھی تاکہ وہ اپنے مورچوں سے ہم پر فائر نہ کر سکیں۔ اسے خبر نہیں تھی کہ رانا کی وجہ سے ویسے ہی کوئی ہم پر فائر نہیں کر رہا تھا۔ لڑھکتے ہوئے ہم کافی چیک کی لاش کے پاس پہنچے تو میں نے اچانک ہاتھ بڑھا کر کافی چیک کی ٹانگ پکڑ لی اور میں ایک جھٹکے سے رکا تھا تو رانا مجھ سے ہوتا آگے گیا۔ اس نے مجھے لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس کے ہاتھ میں نہیں آیا تھا۔ رک جانے کے بعد جیسے ہی میرا موومینٹم ختم ہوا میں نے کافی چیک کی آڑ لی اور رائفل سیدھی کر کے رانا کے اس آدمی پر فائر کیا جو اپنی آڑ سے نکل کر مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس سے پہلے میری گولی اسے چھوتی اوپر سے بیتو نے فائر کیا اور میں نے کم روشنی میں بھی اس کے سر سے خون کا فوارہ بلند ہوتے دیکھا۔ وہ پلٹ کر گرا تھا اور ذرا مر گیا۔ اسے مرتے دیکھ کر رانا مارے دہشت کے رک گیا۔ اب وہ سنبھل کر خود سے نیچے جا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ اوپر کر لیے۔ ''مجھے مت مارنا۔''

میں نے رائفل اس کی طرف کر دی۔ ''اپنے ساتھی سے کہو ہتھیار پھینک کر سامنے آ جائے ورنہ تم مارے جاؤ گے۔''

میرے لہجے میں موجود سفاکی نے اسے ڈرا دیا تھا اس نے جلدی سے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''ہتھیار پھینک دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر اب اس کا ساتھی باغی ہو گیا تھا۔ اس نے آڑ سے کہا۔ ''میں پاگل نہیں ہوں جو مرنے کے لیے ہتھیار پھینک دو۔ میں اسے بھی مار دوں گا۔'' اس نے کہتے ہی میری طرف ایک برسٹ مارا لیکن میں کائی چیک کی لاش کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا گولیاں اسے لگی تھیں۔ اس موقع پر جو ہوا وہ میرے ساتھ رانا اور اس کے ساتھی کے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ کامی جواب تک خاموش تھی اور صدمے میں تھی اس سے اپنے باپ کی لاش کی یہ بے حرمتی برداشت نہ ہو سکی اور اس نے اچانک ہی رانا کے ساتھی پر حملہ کر دیا۔ اس نے عقب سے چٹ کر اس کا کان دانتوں سے پکڑ لیا تھا۔ اس افتاد اور پھر تکلیف سے بلبلا کر وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر وحشان پاگل سی کامی ایک جنونی کیفیت میں اس سے چمٹ گئی تھی۔ اس نے اس شخص کا کان تقریباً الگ ہی کر دیا تھا۔

وہ شخص تکلیف کی وجہ سے پاگل کتے کی طرح چلا رہا تھا اور کامی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا پھر اس نے کسی طرف کامی کا ایک بازو پکڑ کر اسے گھما کر برف پر دے مارا۔ اس وقت وہ میرے بالکل سامنے تھا اور اس کی رائفل گر چکی تھی۔ جب اسے احساس ہوا اور وہ واپس دوڑا تو میں نے اس کے پیروں کی طرف فائر کیا گولی بالکل پاس لگی تو وہ جلدی سے ساکت ہو گیا اور جسم اکڑا لیا تھا۔ میں نے اٹھنے کے بجائے لیٹے لیٹے اسے حکم دیا۔

''برف پر الٹے لیٹ کر اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو۔''

اور میری اس احتیاط نے بچا لیا اس نے چپکے سے اپنے لباس سے پستول نکال لیا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ میرے حکم کی تعمیل کی صورت میں وہ اسے استعمال نہیں کر سکے گا تو اس نے اچانک ہی میری طرف پستول کرتے ہوئے گولی چلا دی۔ کائی چیک کی لاش نے ایک بار پھر مجھے بچا لیا تھا۔ یہ گولی بھی اس کے مردہ جسم میں اتر گئی اور اگلے ہی لمحے بیتو نے اس کی کھوپڑی بھی اڑا دی تھی۔ یہ سب مشکل سے ایک منٹ میں ہو گیا تھا اور کسی کو سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ رانا چندر باز کا حوصلہ جواب دیا گیا تھا اور وہ بید مجنوں کی طرح لرز رہا تھا۔ اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''ماتما کے لیے مجھے مت مارنا۔''

میرا اسے مارنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن اس وقت مجھے شدت سے غصہ آ رہا تھا میں نے اچانک اس کے سر کے اوپر فائر کیا تو وہ دہشت سے چیخ مار کر نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں کھڑا ہوا اور اس دوران میں بیتو اوپر سے بھاگتا ہوا آیا تھا اور اس نے سب سے پہلے مارے جانے والے افراد کو چیک کیا کہ ان میں سے کوئی زندہ تو نہیں ہے لیکن وہ سب مر چکے تھے۔ میں کامی کی طرف بڑھا مارے جانے والے شخص نے اسے بے دردی سے پٹخا تھا اگرچہ وہ برف پر گری تھی لیکن برف بھی اتنی نرم نہیں تھی میں نے اسے سیدھا کیا اور اس کی نبض دیکھی۔ نبض دھیمی لیکن متواتر رفتار سے چل رہی تھی وہ شاید صرف دھچکے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ رانا بھی بے ہوش تھا۔ بیتو نے بے دردی سے اسے تھپڑ مارے اور وہ کچھ دیر کسمسانے کے بعد ہوش میں آ گیا تھا اس نے رونے والے انداز میں کہا۔ ''مجھے مت مارو۔''

مجھے شدت سے رانا پر غصہ آ رہا تھا۔ میں نے کامی کو ہوش میں لانے کے بجائے شانے پر ڈالا اور بیتو سے کہا۔ ''اس حرامزادے کو اوپر لے کر آؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کامی کو اوپر لے آیا اسے پلانے کے لیے پانی نہیں تھا صرف برف تھی میں نے وہی کامی کے ہونٹوں سے لگا دی۔ وہ بڑی پیاری اور معصوم نظر آنے والی لڑکی تھی اور مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ دنیا میں اپنے واحد رشتے سے بھی محروم ہو گئی تھی۔ کچھ برف پگھل کر اس کے منہ میں گئی تو وہ بھی ہوش میں آنے لگی۔ جیسے ہی اسے مکمل ہوش آیا وہ کسی وحشت زدہ ہرنی کی طرح چونک کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ یہ زبان مجھے تو کیا بیتو کی سمجھ میں بھی نہیں آتی ہے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بتایا کہ سب ٹھیک ہے اور اب کوئی دشمن باقی نہیں رہا ہے لیکن اسے دشمنوں کی نہیں اپنے باپ کی فکر تھی۔ وہ چیخ مار کر اٹھی اور ڈھلان سے نیچے کی طرف لپکی جہاں کائی چیک کی لاش پڑی تھی۔

میں نے اسے جانے دیا البتہ خود اس کے پیچھے آیا تھا۔ جب میں نیچے پہنچا تو وہ کائی چیک کی لاش کے پاس بیٹھی بلند آواز سے رو رہی تھی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ میں اسے زبان سے نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اس لیے بہتر تھا وہ رو کر اپنا دکھ ہلکا کر لے۔ اس لیے میں نے دوسرے معاملات پر توجہ دی۔ ایک طرف گڑھا سا تھا۔ یہ زیادہ گہرا تو نہیں تھا لیکن کام آ سکتا تھا۔ میں نے رانا کے ساتھیوں کی لاشیں کھینچ کر اس گڑھے میں ڈال دیں پھر ان کا اسلحہ جمع کیا اور وہ بھی اس گڑھے میں ڈال دیا۔ ایک بار مجھے خیال آیا کہ ان کی جیبوں کی تلاشی لوں لیکن پھر مجھے یہ بات بے کار لگی اور میں نے اس سے گریز کیا۔

پھر میں کامی کے پاس آیا اور اسے کائی چیک کی لاش کے پاس سے ہٹایا میں نے اسے اشاروں سے سمجھایا کہ میں کائی چیک کو بھی دفن کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سمجھ گئی اور اس نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ اس دوران میں تاریکی چھا گئی تھی اور بیتو اوپر سے کیروسین لیمپ روشن کر کے لے آیا۔ میں نے رانا کا پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''اسے باندھ کر ڈال دیا ہے۔''

کائی چیک کو میں نے اسی گڑھے میں ذرا الگ سے ہٹ کر دفن کیا تھا۔ ان پر اچھی طرح برف ڈال کر ہم اوپر آ گئے۔ اب آنے والے گرما سے پہلے ان لاشوں کے دریافت ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کامی نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن کبھی کبھی وہ سسکیاں لینے لگتی تھی۔ بیتو نے خیمہ لگایا اور سب سے پہلے اسٹوو جلا کر کافی بنانے لگا۔ کافی پی کر سب کی جان میں جان آئی تھی اور اسٹوو کی وجہ سے خیمے کے اندر کا ماحول کسی قدر گرم بھی ہوا تھا۔ پھر کھانا گرم کیا گیا۔ میں نے اپنے لیے بھیڑ کے گوشت کے ٹکڑے تلے اور ان پر ہلکا سا نمک چھڑک کر ایک ٹن مٹر کا کھول کر اس کے ساتھ کھایا۔ کھانے کے بعد پھر کافی کا دور چلا تھا۔ کھانے کے دوران بیتو نے رانا کے ہاتھ پیر کھول دیئے تھے۔ اس کے بعد اسے پھر باندھ دیا۔ اس نے معمولی سی مزاحمت کی تھی لیکن بیتو نے دو گھونسے مار کر اسے سیدھا کر دیا تھا۔ باندھے جانے کے بعد وہ پٹے ہوئے کتے کی طرح ایک طرف سر ڈال کر لیٹ گیا۔

میں کامی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب اس کا کیا کرنا ہے۔ ایک طرح سے وہ ہمارے سر آ گئی تھی اور ہم اسے اس ویرانے میں نہ تو چھوڑ کر جا سکتے اور اسے ساتھ لے جانا بھی مشکل تھا۔ اسے چھوڑنے کے لیے واپس جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات بیتو بھی سوچ رہا تھا اس نے اصرار کر کے کامی کو کچھ کھلایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی بھائی اس کا کیا کرنا ہے؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یار۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے واپس چھوڑنے تو نہیں جا سکتے۔'' بیتو نے بھی وہی کہا جو میرے ذہن میں تھا۔

''یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اول تو رانا کے گرگے وہاں ہوں گے اور دوسرے اب اس کا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف باپ تھا اب وہ بھی نہیں رہا ہے۔ میرا دل گوارا نہیں کر رہا ہے کہ اسے اکیلے واپس جانے کو کہوں۔''

بیتو کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے دبے لفظوں میں کہا۔ ''شوبی بھائی اگر ہم اسے ساتھ لے چلیں۔''

''لے جانے میں تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی حرج ہے لیکن ہم ایک اندھے راستے پر جا رہے ہیں اور کچھ نہیں معلوم کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا۔ کہیں یہ بے چاری اور مصیبت میں نہ پڑ جائے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ ہمیں چین میں پکڑ لیا گیا تو یہ بھی پکڑی جائے گی اور جیل جائے گی۔''

''بالکل ایسا ہی ہوگا۔ کسی کے ساتھ الگ سے نہیں ہوگا ہم سب بھگتیں گے۔'' میں نے سر ہلایا۔ بیتو چپ ہو کر پھر سے کافی بنانے لگا تھا۔ ہم نے خیمہ دوسری کی ڈھلان پر برف ہٹا کر اس طرح نصب کیا تھا کہ اس کے پھسلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ یہ خاصا بڑا خیمہ تھا ویسے تو تین افراد کے لیے تھا لیکن اس میں چار بھی آرام سے آ گئے تھے۔ کامی ویسے ہی دھان پان سی تھی۔ اگلو نما خیمے کی زپ بند کر لینے سے اب یہ مکمل طور پر بند ہو گیا تھا اور اسٹوو کی وجہ سے اندر سے گرم بھی ہو گیا تھا۔ کافی بنا کر بیتو نے اسٹوو بند کر دیا اور سارا سامان پھر سے پیک کر دیا۔

کامی اب سکون سے تھی میں نے بیتو سے کہا۔ ''اس سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ یہ کیا چاہتی ہے۔''

بیتو نے سر ہلایا اور اس کے ساتھ اشاروں کی زبان میں بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے رانا کا جائزہ لیا۔ بیتو نے اس کے ہاتھ پشت کی طرف کر کے باندھ دیئے تھے ساتھ ہی اس کے پاؤں بھی باندھے تھے اب وہ آزادی سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے شرافت سے کہا۔ ''مجھے سلیپنگ بیگ دے دو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آج تمہیں ایسے ہی سونا ہوگا۔ سلیپنگ بیگ اس لڑکی کو ملے گا جسے تم نے یتیم کر دیا ہے۔''

اس نے بے چینی سے سر پٹخا۔ ''مجھ سے سردی برداشت نہیں ہو رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں تم ٹھٹھر سکتے ہو لیکن مجھے یقین ہے تم سردی سے مرو گے نہیں۔''

رانا سمجھ گیا کہ اسے سلیپنگ بیگ نہیں ملے گا۔ اس لیے وہ خود میں سکڑ سمٹ کر سردی سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں ٹھیک کہا تھا کہ وہ ٹھٹھرے کا ضرور لیکن مرے گا نہیں۔ کیونکہ سردی ناقابل برداشت نہیں رہی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''میں سو رہا ہوں تم جاگتے رہنا اور کوشش کرنا کہ کامی سے اس کی مرضی معلوم کر لو لیکن اسے بتا دینا کہ اگر اس نے واپس جانا ہے تو اسے یہ سفر اکیلے کرنا ہوگا اور ہمارے ساتھ جانا چاہے تو آگے بھی بہت سارے خطرات ہیں مجھے چار گھنٹے بعد اٹھا دینا۔''

''ٹھیک ہے آپ سو جاؤ..... ہم اس کا بات کچھ کچھ سمجھنے لگا ہے۔'' بیتو نے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ یہ کام کچھ زیادہ ہی دل جمعی سے کر رہا تھا لیکن میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ میں اپنے سلیپنگ بیگ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھسا تو مجھے اندازہ ہوا کہ خیمے کی بند فضا میں بھی ٹھیک ٹھاک سردی تھی اور مجھے اب سکون آیا تھا۔ مجھے رانا کا خیال آیا لیکن میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا ہمارے پاس کل تین سلیپنگ بیگز تھے اور ان کے علاوہ اوڑھنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے ایک خیال اور آیا تھا جب ہم مزید بلندی کی طرف جائیں گے تب رانا رات کو کیسے گزارا کرے گا۔ درجہ حرارت ابھی بھی منفی دس کے پاس تھا اور مزید بلندی پر یہ گر کر منفی تیس سے منفی چالیس تک چلا جاتا۔ اس قیامت کی سردی کا مقابلہ انسان چلتے پھرتے تو کر سکتا تھا لیکن رات کے وقت اس میں بنا کسی چیز کے سونا اور خود سے سردی سے بچائے رکھنا ناممکن تھا میں اس بات پر غور کرتے کرتے سو گیا۔

بیتو نے مجھے چار کے بجائے چھ گھنٹے بعد جگایا تھا اس نے معذرت کی۔ ''شوبی بھائی..... اب ہم نیند سے مر رہا ہے اس لیے تم کو جگا دیا۔''

''احمق تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں جگایا۔'' میں نے سلیپنگ بیگ سے باہر آتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اندر کی گرمی سے مجھے خطرہ تھا پھر نیند نہ آ جائے۔ بیتو جلدی سے اپنے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا اور کام پہلے ہی سو رہی تھی۔ رانا بھی ایک طرف سکڑا سمٹا سو رہا تھا اور اس کی حالت بتا رہی تھی کہ سردی سے اس کا برا حال ہے۔ مجھے خیال آیا اور میں نے اسے جگایا۔

''تم میرے بیگ میں سو جاؤ۔''

وہ کچھ حیران ہوا تھا لیکن اسے موقع ملا تو اس نے سوال جواب میں وقت ضائع نہیں کیا تھا اور فوراً میرے سلیپنگ بیگ میں گھس گیا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے اسٹوو جلایا اور کافی بنانے لگا۔ اس دوران میں خیمے کی اندر کی فضا پھر سے کسی حد تک سرد ہو چلی تھی۔ اور گرم سلیپنگ بیگ سے باہر آنے کے بعد مجھے کچھ زیادہ ہی سردی لگ رہی تھی اس لیے جب میں نے اسٹوو جلایا تو جان میں جان آئی تھی۔ کافی کا گرم مگ لے کر میں ایک طرف بیٹھ گیا اور سوچوں کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا۔ مجھے اپنے احباب یاد آنے لگے تو دوسری طرف مجھے دشمنوں کا خیال بھی آیا تھا۔ میرے زندگی ان دو افراد سے عبارت تھی۔ میں دوستوں کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور دشمنوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا۔

پھر مجھے آنے والے وقت کا خیال آیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ چین میں غیر قانونی داخلے کے بعد ہمارا کیا ہو گا۔ ممکن ہے چینی حکام ہمارا کیس ہمدردی سے لیں اور یہ بھی امکان تھا کہ ہمیں سرد مہری سے کسی جیل میں ٹھونس دیا جائے۔ چین میں ہم کسی جرم میں ملوث نہیں تھے اور نہ ہی وہاں حکومت کو مطلوب تھے لیکن آج کل دہشت گردی کے نام پر مغرب، اسرائیل اور بھارت نے دنیا کو یرغمال بنا رکھا ہے اور اپنے کرتوتوں سے قطع نظر صرف امریکہ پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ ممکن ہے ہمارے چین میں داخلے کی صورت میں چین کی حکومت کو بھی ایسی کوئی صورت حال درپیش ہو اور وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے ہمیں نیپال یا بھارت کے حوالے بھی کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود ایک امید تھی کہ شاید ہمارے ساتھ ایسا سلوک نہ ہو۔

رات رینگ رینگ کر گزر رہی تھی۔ ہم جس جگہ تھے یہاں کسی جانور یا پرندے کا گزر نہیں تھا اس لیے باہر صرف ہوا کے سرسرانے کی آواز آ رہی تھی۔ رانا سمیت سب محو خواب تھے۔ میں سو نہیں سکتا تھا بعض اوقات ایک لمحے کی غفلت ہمیشہ کا پچھتاوا بن جاتی ہے۔ اس لیے میرا جاگتے رہنا ضروری تھا۔ نہ جانے کب صبح کی روشنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نمودار اور خیمے کی دیوار باہر سے روشن ہونے لگی۔ جب روشنی خاصی ہوگئی تو میں نے بیتو کو اٹھا دیا۔ آٹھ بج گئے تھے۔ رانا اور کامی بھی اٹھ گئے تھے۔ میں ناشتے کا سامان کرنے لگا۔ پاؤڈر دودھ میں پانی ڈال کر اسے گرم کیا اور پھر اس میں کارن فلیکس ڈال دیئے یہی سب کو دیا گیا۔ اس کے بعد کافی تھی۔ ناشتے کے فوراً بعد پیکنگ شروع ہوئی اور بیتو پیکنگ کا کام رانا سے لینے لگا۔

مجھے ایک خیال آیا اور میں کامی کے لباس کا جائزہ لیا۔ وہ گرم تھا لیکن اتنا بھی نہیں۔ لباس خاصا بوسیدہ تھا اور اس میں جا بہ جا پیوند بھی لگے تھے۔ بیتو نے اس سے جو بات کی تھی اس کے مطابق اس نے اکیلے واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے اب اسے ہمارے ساتھ سفر کرنا تھا۔ اسے بہتر لباس کی ضرورت تھی اور ہمارے پاس لباس نہیں تھے۔ میں نیچے آیا جہاں ایک ہی قبر میں کائی چیک اور اس کے قاتل دفن تھے۔ میں نے اس حصے سے برف ہٹائی جہاں کائی چیک دفن تھا۔ کائی چیک اور کامی کی جسامت تقریباً ایک جیسی تھی اور اس کا لباس بہت بہتر تھا۔ میں نے دل پر جبر کر کے کائی چیک کا لباس اتارا۔ سارے لباس کی ضرورت نہیں تھی میں نے صرف اس کی پتلون اور جیکٹ اتار لی۔ کامی کے لیے اسی کی ضرورت تھی۔ جیکٹ میں گولیوں کے سوراخ تھے لیکن خون زیادہ نہیں لگا تھا۔ جو لگا تھا وہ بھی میں نے صاف کر دیا اور پھر اوپر آیا۔ بیتو سارا سامان پیک کروا چکا تھا اور کامی ایک طرف بیٹھی تھی۔ میں نے اسے کائی چیک کا لباس دیا اور اشارے سے کہا کہ وہ اسے اپنے لباس سے بدل لے کیونکہ اس کا لباس بہت بوسیدہ ہے۔ باپ کے کپڑے پہچان کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پھر وہ ایک آڑ میں چلی گئی اور اس نے لباس بدل لیا۔

رانا اب فکر مند تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''دیکھو اب تم چین کی سرحد سے صرف ایک دن کی مسافت پر ہو مجھے واپس جانے دو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم ایک دن کی مسافت پر ہیں لیکن راستہ نہیں جانتے اور تمہارے بغیر بھٹک جانے کا امکان ہے اگر کائی چیک ہوتا تو شاید میں تم کو جانے بھی دیتا۔''

''اب تم مجھ پر اعتماد کر رہے ہو۔'' اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ''کل تک تو تم کائی چیک پر اعتماد کر رہے تھے۔ اگر میں تم کو غلط جگہ لے جاؤں تو؟''

''رانا چندر باز یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی بہت سارے لوگوں نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی لیکن ہم آج بھی زندہ ہیں۔ جب کہ دھوکا دینے والوں کی اکثریت اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ اگر تم بھی اپنا نام ان میں شامل کرانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

وہ چپ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے شک ہے تم مجھے زندہ واپس آنے نہیں دو گے۔''

''کیوں؟''

''بس مجھے لگ رہا ہے کل والے واقعے کے بعد تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میری قبر بھی ہمالیہ کی برف میں بنے گی۔''

''اگر تم میرے بارے میں جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ بلاوجہ انسان کی جان لینے پر یقین نہیں رکھتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہے وہ میرا بدترین دشمن کیوں نہ ہو میرے ہاتھ سے صرف وہی لوگ مارے گئے جو میری جان لینا چاہتے تھے یہی وجہ ہے میرے بہت سارے دشمن آج بھی زندہ ہیں اور وہی میری تلاش میں سرگرداں ہیں۔ حالانکہ مجھے کئی بار موقع ملا کہ میں ان سے چھٹکارا حاصل کرلوں۔"

رانا نے سر ہلایا۔ "میں جانتا ہوں لیکن میرے اندر سے کوئی کہہ رہا ہے کہ میں واپس نہیں آؤں گا۔"

"واپس تو ہم نے بھی نہیں آنا ہے۔" میں نے کہا اور آگے قدم بڑھا۔ "رفتار تیز رکھو آج ہمیں بہر صورت چین کی سرحد تک پہنچنا ہے۔"

لیکن تقریباً ایک من بوجھ کے ساتھ یہ خاصا مشکل کام تھا ہم کچھ دیر تو رفتار سے چلتے تھے لیکن پھر تھک کر رینگنے لگتے۔ کبھی بلندی آجاتی تھی اور کبھی نشیب میں اترنا پڑتا تھا جو اوپر چڑھنے سے زیادہ مشکل کام تھا۔ کامی کو کوئی سامان نہیں دیا تھا اور وہ خالی ہاتھ تھی لیکن سب سے زیادہ وہی تھک رہی تھی۔ وہ بار بار سانس درست کرنے کے لیے رک جاتی تھی اور بیتو اسے سہارا دینے کے لیے رک جاتا تھا۔ ایک بار وہ دونوں ذرا پیچھے رکے ہوئے تھے تو رانا نے ناگواری سے کہا۔

"اس لڑکی کو تم بلاوجہ لے آئے اسے وہیں سے واپس بھیج دیتے۔"

"وہ اکیلے جانے پر آمادہ نہیں تھی۔"

"تو کیا ہوا وہ تمہاری ذمے داری تو نہیں ہے۔"

"میں تم سے بحث نہیں کر رہا۔" میرا موڈ آف ہو گیا تھا۔ "مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا یہ میں ہی بہتر جانتا ہوں۔"

"میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہم اسی طرح رکتے رہے تو آج چین کی حد میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "آج نہ سہی ہم کل تو چین میں ہوں گے۔"

اس نے شانے اچکائے جیسے کہہ رہا ہو کہ میری بلا سے تم جہنم میں جاؤ۔ مجھے اب اطمینان ہو گیا کہ کوئی اگر ہمارے تعاقب میں بھی تھا تب بھی وہ یہاں تک ہمارا پیچھا نہیں کر سکتا تھا۔ کم سے کم ضروری سامان کے بغیر نہیں کر سکتا۔ دوپہر تک ہم نے کوئی بارہ میل کا فاصلہ مزید طے کر لیا تھا۔ کھانے کے بعد تازہ دم ہو کر ہم نے پھر سفر کا آغاز کیا۔ کامی اب پہلے سے زیادہ بہتر تھی اور وہ بیتو کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس کے غم کا اثر بھی کم ہو گیا تھا اور کبھی کبھی وہ ہنس دیتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ باپ کا غم وہ بیتو کی وجہ سے کسی قدر فراموش کر بیٹھی تھی۔ ویسے وہ حوصلے والی لڑکی تھی اور اس ویران اور دشوار گزار سفر میں پوری استقامت سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ میرے حساب سے ہم نے اچھا سفر طے کر لیا تھا اور خطرات کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ آج رات ہونے تک اگر ہم چین کی سرحد پار نہ بھی کر پاتے تب بھی ہم اس کے قریب ضرور پہنچ جاتے۔ اس کے بعد کی منزل آسان تھی۔

دو بجے ہم سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں سے سنو لائن شروع ہو جاتی ہے۔ یعنی اس بلندی پر سارے سال برف نہیں پگھلتی ہے۔ اسے ٹنڈرا کا علاقہ بھی کہتے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی کہ ہمیں صرف سردی سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا اور موسم خراب نہیں ہوا تھا۔ مجھے راستے میں بیتو سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے شام سے پہلے ایک جگہ ستانے کے لیے رکے تو میں نے اس سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''برخوردار کیا بات ہے کامی تم سے بہت مانوس ہوگئی ہے؟'' میرا لہجہ معنی خیز تھا۔ اس نے دانت نکالے۔

''بس شوبی بھائی ہم نے اس کا دکھ ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''بہت خوب کوشش کی ہے۔ زبان نہ جاننے پر یہ حال ہے۔ اگر جانتے تو نہ جانے بات کہاں تک جا چکی ہوتی۔''

بیتو جھینپ گیا۔ ''نہیں زبان تو ہم نے تھوڑا بہت سکھا دیا ہے۔ اے کامی ادھر آؤ۔''

بیتو نے پکارا تو وہ فوراً بھاگی آئی۔ ''کیا بات ہے؟'' اس نے اردو میں کہا تو میں حیران رہ گیا۔

''تمہیں تو اچھی اردو آ گئی ہے۔''

''نہیں شوبی بھائی..... اسے بس چند لفظ آیا ہے۔ جیسے آ جاؤ، چلے جاؤ اور کھا لو۔''

''کیا یہ اپنی خوشی سے ہمارے ساتھ جا رہی ہے؟''

''ہاں ہم نے اس سے معلوم کیا ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''یہ خوش ہے ہم نے اسے خطرے کا بھی بتایا لیکن اس کا سمجھ میں نہیں آیا۔''

''چلو جو ہمارے ساتھ ہوگا اس کے ساتھ بھی ہوگا۔''

بیتو تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ ''جینن میں بے شک ہم کو پکڑ لے لیکن کامی کو ہم سے الگ نہ کرے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے اسے گھورا تو وہ گڑبڑا گیا تھا۔

''ہمارا مطلب ہے کہ کامی کسی اور سے مانوس نہیں ہے اس لیے ہمارے ساتھ ٹھیک رہے گا۔''

کامی معصومیت سے منہ اٹھا کر ہمیں دیکھ رہی تھی۔ گفتگو میں بار بار اس کا نام آ رہا تھا اس لیے وہ اتنا تو سمجھ رہی تھی کہ بات اس کے بارے میں ہو رہی ہے۔ پھر بیتو نے مسکرا کر اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ فکر کی بات نہیں ہے تو وہ مطمئن نظر آنے لگی تھی مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ہم اس کے لیے بالکل اجنبی تھے اس کے باوجود اس نے کتنے اعتماد سے خود کو ہمارے سپرد کر رکھا تھا۔ شاید اس کی چھٹی حس نے بتا دیا تھا کہ اس کے لیے ہمارے دل میں کوئی برائی نہیں تھی۔ کم سن ہونے کے باوجود وہ جوان تھی اور جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کی مردوں کے بارے میں چھٹی حس بھی بیدار ہو جاتی ہے اور وہ مرد کے دیکھنے کے انداز سے جان جاتی ہے کہ وہ اس کے بارے میں کیسی سوچ رکھتا ہے۔

ستانے کے بعد ہم نے پھر سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے سفر دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ اگرچہ ابھی تک کوئی چوٹی ہماری راہ میں نہیں آئی تھی لیکن کئی ایسے پہاڑی کٹاؤ عبور کرنے پڑے تھے جن پر سفر کرتے ہوئے دانتوں میں پسینہ آ گیا تھا۔ جس وقت شام تیزی سے نزدیک آنے لگی تھی ہم کوئی سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر برف کی ایک دیوار پر سفر کر رہے تھے جس کے دونوں طرف دور تک پھیلی ڈھلان تھی۔ دیوار کی چوڑائی خاص نہیں تھی اور ذرا سی لاپروائی سے نیچے جانے کا پورا امکان تھا۔ ہمیں ہر قدم پھونک کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ ہوا کے ہلکے پن کا یہ عالم تھا کہ سانس مستقل پھولا ہوا تھا۔ بات کرنا بھی دشوار تھا۔

ایک جگہ بیتو نے رک کر تیزی سے غروب ہوتے سورج کی طرف دیکھا۔ ''شوبی..... بھائی..... اندھیرا ہونے والا ہے..... رات کدھر رکے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اس دیوار پر خیمہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ مجھے کچھ دور ایک ہموار سطح نظر آ رہی تھی اگرچہ وہ جگہ بھی دیوار کا حصہ تھی لیکن وہاں بہر حال خیمہ لگانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ہم ڈھلان سے نیچے اتر جاتے لیکن اس کام میں خطرہ بہت زیادہ تھا۔ عین ممکن تھا نیچے اترنے کے بعد اوپر آنے کا موقع ہی نہیں ملتا دوسرے ڈھلان پر بھی کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں خیمہ لگایا جا سکتا۔

''اس طرف چلو۔'' میں نے ہموار سطح کی طرف اشارہ کیا۔ ''ممکن ہے وہاں خیمہ لگا سکیں۔''

وہ جگہ بھی کوئی نصف میل دور تھی۔ ہمیں وہاں پہنچتے پہنچتے مزید نصف گھنٹہ لگ گیا تھا اور سورج تقریباً غروب ہو چکا تھا۔ یہ کوئی پانچ چھ گز لمبا چوڑا ہموار ٹکڑا تھا لیکن اس میں ہلکی سے ڈھلان تھی اور خیمہ پھسل جانے کا خطرہ تھا۔ اس دوران میں موسم بھی بدلنے لگا تھا اور آسمان پر بادل چھا رہے تھے ہوا تیز ہونے لگی۔ بیتو، میں رانا آنے والے طوفان سے پہلے خیمہ لگانے میں مصروف ہو گئے۔ اس بار ہم نے خیمے کو رسیوں اور لمبی کیلوں کی مدد سے برف سے باندھ دیا تاکہ تیز ہواؤں کے سبب خیمہ پھسلے نہیں۔ خیمہ بڑی مشکل سے لگا تھا اور ہم فوراً ہی سامان سمیت اس میں گھس گئے۔ سردی اور تھکن سے سب کا برا حال تھا۔ سامان رکھ کر اور سلیپنگ بیگز نکال کر بیتو نے سب سے پہلے اسٹوو جلایا اور ہم سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ خیمہ بند ہونے کی وجہ سے اندر دھواں بھر رہا تھا لیکن ہم خیمے کی زپ کھول کر اس حرارت کو ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت یہ حرارت ہمارے لیے دنیا کی سب سے قیمتی چیز تھی۔ جب خیمہ کسی قدر گرم ہوا اور ہماری جان میں جان آئی تو بیتو نے کھانا بنانے کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے ٹن نکالے اور گرم کر کے سب کو دیئے لگا۔ کامی نے فرائی آلو اور ساتھ میں مچھلی لی تھی۔ بیتو نے بھی اپنے لیے یہی نکالا تھا۔ رانا نے خشک گوشت لیا تھا۔ میرے لیے بیتو نے بھیڑ کے گوشت کے پارچے بھونے تھے۔ میں نے وہ کھائے اور آخر میں سب کے لیے گرم گرم کافی تھی۔ اس دوران میں برفانی ہواؤں نے خیمے کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ کافی بنا کر بیتو نے اسٹوو بجھا دیا تھا لیکن کیروسین لیمپ جلتا رہنے دیا تھا۔ بیتو اور کامی تو اپنے اپنے سلیپنگ بیگز میں گھس گئے تھے میں اور رانا ابھی باہر تھے۔ رانا نے حسرت سے سلیپنگ بیگ کی طرف دیکھا۔ آج سردی کل کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ میں نے سوچا کہ مجھے تو جاگنا تھا اس لیے رانا کو سلیپنگ بیگ دینے میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن پہلے میں اس سے کچھ بات کرنا چاہ رہا تھا۔

''تمہارے خیال میں چین کی سرحد یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''مجھے صحیح سے اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے ہچکچا کر جواب دیا۔ ''میں صرف دو بار اس طرف آیا ہوں اور وہ بھی گرمیوں میں..... اس وقت تو یہاں کچھ پتا ہی نہیں چل رہا ہے۔''

وہ صحیح کہہ رہا تھا پہاڑی علاقے سرما میں بالکل مختلف نظر آتے ہیں لیکن میں نے پھر پوچھا۔ ''تمہارا اندازہ تو ہوگا؟''

''شاید ہم سرحد کے بالکل پاس ہیں۔'' اس بار اس نے اعتماد سے جواب دیا۔ ''لیکن ہیں نیپال کی حدود میں ابھی ہم نے نیپال کی سرحد عبور نہیں کی ہے۔''

''یہاں نیپال کی بارڈر فورس ہوتی ہے؟''

''نہیں گرمیوں میں بارڈر فورس اس علاقے میں گشت کرتی ہے لیکن سردیوں میں کوئی اس طرف نہیں آتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔اس وقت یہاں قدم رکھنا خودکشی سمجھا جاتا ہے۔''

''لیکن ہم بھی تو یہاں ہیں۔'' میں مسکرایا۔

وہ سنجیدہ رہا تھا۔''شہباز ملک تم اور تمہارے ساتھی بہت خوش قسمت ہیں کہ اب تک کسی حادثے کا شکار نہیں ہوئے۔ ورنہ گرمیوں میں بھی اس علاقے کا یہ حال ہے کہ میرے جو ساتھی اس جگہ سفر کرتے ہیں ان کو کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا ہے اور میرے چار ساتھی اب تک یہاں مختلف حادثات میں مارے جا چکے ہیں۔''

اس نے یہ بات بھی درست کہی تھی میں اور میرے ساتھی خوش قسمت تھے کہ اب تک ہمیں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ ورنہ ہمالیہ تو حادثات کا گھر ہے یہاں اگلے پل کا پتا نہیں ہوتا۔ خاص طور سے برف والے علاقوں میں تو موت گھات لگا کر بیٹھی ہوتی ہے۔ کہیں برف تڑختی ہے اور آدمی کسی اندھے غار میں گر جاتا ہے۔ کہیں اچانک برف کے تودے آن گرتے ہیں اور کہیں لینڈ سلائیڈنگ ہو جاتی ہے۔ پھر سردی بھی کم خطرناک نہیں ہوتی ہے۔ اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ڈیتھ زون شروع ہو جاتا ہے۔ آدمی کسی وقت بھی ختم ہو سکتا ہے۔ اس کا دل رک جاتا ہے، پھیپھڑے اچانک جواب دے جاتے ہیں یا دماغ کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ ہر صورت میں آدمی لمحوں میں مر جاتا ہے۔ ایسی موت کے لیے کوئی وجہ ہونا ضروری نہیں ہے سپر فٹ کوہ پیما بھی ایسی موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

''تم سو جاؤ۔'' میں نے رانا سے کہا اور سلیپنگ بیگ کی طرف اشارہ کیا تو اس کی باچھیں کھل گئی تھیں اور وہ فوراً بیگ میں گھس گیا۔ میں نے کیروسین لیمپ اٹھا کر اپنے پاس کر لیا اور اس کی حرارت سے خود کو گرم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے اور ابھی بہت طویل رات باقی تھی اور سردی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔ باہر برفانی طوفان آ گیا تھا اور ہوائیں رہ رہ کر خیمے کو جھنجھوڑ رہی تھیں جیسے اسے کھائی میں گرا کر دم لیں گی۔ میں ان سب سے بے نیاز خود کو گرم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سردی جیسے رگ و پے میں گھسی جا رہی تھی۔ میں لیمپ کو منہ کے پاس کر کے اس کی گرمی سانسوں کے ذریعے اندر اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے باوجود ایسا لگ رہا تھا جیسے میں یخ بستہ پانی میں ڈوب گیا ہوں اور سانس کے راستے یہ پانی میرے پھیپھڑوں میں اتر رہا ہے۔ دو گھنٹے بعد میں نے مجبور ہو کر اسٹوو بھی جلا لیا تھا اور اس کی حرارت تاپنے لگا۔ اسٹوو نے خیمے کو گرم کیا تو مجھے کچھ سکون آیا تھا لیکن اسٹوو مستقل بھی نہیں جلا سکتا تھا کیونکہ ہمارے پاس مٹی کا تیل محدود تھا۔ دو دو لیٹرز کی تین بوتلیں تھیں جن میں سے ایک ختم ہو چکی تھی اور صرف دو باقی تھیں نہ جانے آگے ہمیں اور کتنا بھٹکنا پڑے۔ اس لیے جیسے ہی خیمہ ذرا گرم ہوا میں نے اسٹوو بند کر دیا۔

میں دو بیگز کے درمیان سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ میرے ذہن پر کہری چھا رہی تھی۔ شاید بے پناہ سردی میرے اعصاب بھی سن کر رہی تھی۔ مجھے احساس نہیں ہوا کہ کب میں غنودگی میں چلا گیا تھا۔ دوسروں کا حال بھی مجھ سے الگ نہیں تھا۔ بیتو اور رانا سوئے تو سوتے رہ گئے اور پھر صبح ہو گئی۔ میری نیند کسی قدر کم ہوئی تھی۔ اچانک میری چھٹی حس نے چونکایا اور میں اٹھ بیٹھا اسی لمحے باہر کسی نے حرکت کی تو برف سرکنے کی واضح آواز آئی تھی۔ باہر کوئی تھا۔ میں نے بیتو کا سلیپنگ بیگ ہلایا۔

''کیا..... کیا ہوا؟'' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شش..... باہر کوئی ہے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

اسی لمحے باہر سے کسی نے کسی نامانوس زبان میں چلا کر کچھ کہا اور ہم نے رائفل کا بولٹ کھڑکنے کی آواز سنی۔ رانا بھی ہڑبڑا کر اٹھا تھا اور پھر میں نے اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوتی دیکھی تھی۔ دشمن پیچھا کرتا ہم تک آ گیا تھا۔

○.....❖.....○

اس لمحے مجھے لگا کہ ہم نے جتنی کوشش کی تھی اور اپنی جان کی بازی لگا کر خطروں کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ وہ ساری کوشش رائیگاں گئی تھی اور خطرے پھر سے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ رانا کے آدمی تھے تو اس کے حیرت انگیز حد تک وفادار تھے اور اپنی جان کی بازی لگا کر انہوں نے اسے بچانے کے لیے ہمارا پیچھا کیا تھا۔ یہ سب سوچتے ہوئے اس سردی میں بھی میرا خون کھولنے لگا تھا۔ وہ یہاں تک آنے میں تو کامیاب رہے تھے لیکن ضروری نہیں تھا کہ اپنے باس کو زندہ لے جانے میں بھی کامیاب ہوتے۔ میں نے رانا کو گریبان سے پکڑ کر سلیپنگ بیگ سے باہر کھینچ لیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ میں نے سرگوشی میں پوچھا۔ ''یہ کون ہیں..... تمہارے آدمی؟''

مگر رانا چندر باز کا چہرہ اب دھواں دھواں ہو رہا تھا اس کے چہرے پر آنے والی ابتدائی مکروہ مسکراہٹ یوں غائب ہو گئی تھی جیسے سورج طلوع ہوتے ہی رات کی ظلمت غائب ہو جاتی ہے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ نیپالی نہیں ہیں۔''

''پھر کون ہیں؟'' میں نے سرگوشی میں پوچھا۔ ''مجھے دھوکا دینے کی کوشش مت کرو ورنہ سب سے پہلے تم مرو گے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر تھوک نگل کر بولا۔ ''میں سچ کہہ رہا ہوں یہ نیپالی نہیں ہیں۔ یہ چینی زبان بول رہے ہیں۔''

میں چونک اٹھا۔ ''چینی زبان..... یعنی ہم چین کی حدود میں ہیں؟''

رانا چندر باز مرجھا گیا تھا۔ ''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔''

رانا چندر باز کا خوف سمجھ میں آ رہا تھا وہ چینی حکومت کا مجرم تھا اور اگر وہ ان کے ہاتھ آتا تو اسے کم سے کم بھی ساری عمر کے لیے جیل میں ڈال دیتے ورنہ اسے پھانسی ہونے کا پورا امکان تھا۔ اس دوران میں باہر سے دوسری بار وارننگ دی گئی تھی۔ بولنے والے کے لہجے میں ایک مخصوص کرختگی تھی۔ بیتو اور کامی اپنے سلیپنگ بیگز سے باہر آ گئے تھے۔ بیتو گن اٹھانے لگا تھا تو میں نے اسے اشارے سے روک دیا اور بلند آواز سے انگریزی میں کہا۔ ''میں چینی زبان نہیں جانتا..... تم لوگ کون ہو اور ہمیں کیوں دھمکی دے رہے ہو؟''

باہر سے پھر چینی میں کچھ کہا گیا رانا بولا۔ ''یہ ہتھیار ڈال کر باہر آنے کو کہہ رہے ہیں۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم چینی جانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''تھوڑی بہت جانتا ہوں۔''

''ان سے پوچھو کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ چین کی بارڈر فورس کے لوگ ہیں۔'' اس نے مجبوراً بتا دیا یقیناً اس نے پہلے ہی یہ بات سن لی تھی لیکن مجھے بتانے سے گریز کر رہا تھا۔ ''یہ کہہ رہے ہیں کہ خیمے میں موجود ہر فرد ہاتھ اوپر کر کے باہر آ جائے ورنہ یہ فائر کھول دیں گے۔''

''ان سے کہو ہم باہر آ رہے ہیں۔''

لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتا بیتو نے اس کے سر پر رائفل کی نال رکھ دی۔ ''کوئی الٹا سیدھا بات مت کرنا ورنہ تم ضرور مارا جائے گا۔''

مجھے خیال نہیں رہا تھا کہ رانا شرارت بھی کر سکتا تھا وہ ان لوگوں سے کوئی غلط بات کہہ دیتا تو اس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑتا۔ بیتو نے بروقت اسے روک دیا تھا۔ میں نے بلند آواز میں کہا۔ ''ہم باہر آ رہے ہیں۔''

میں نے خیمے کی زپ کھولی تو باہر کچھ ہلچل مچی تھی۔ میں ایک لمحے کو رکا اور پھر ہاتھ اوپر کر کے باہر آ گیا۔ مجھے تو خیمے کے اندر سردی زیادہ لگ رہی تھی باہر آیا تو پتا چلا کہ اصل سردی تو یہاں ہے۔ موسم صاف ہو گیا تھا اور مشرق سے سورج ابھر رہا تھا اس کے باوجود فضا جیسے برف بن گئی تھی اور سانس لینے پر یہ برف جسم کے اندر جا رہی تھی۔ ہمارے خیمے کو نصف درجن چینیوں نے گھیر رکھا تھا اور انہوں نے چائنا ری پبلکن آرمی کی وردی پہن رکھی تھی کم سے کم وردیوں سے وہ چین کے فوجی ہی لگ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں موجود خودکار رائفلوں کا رخ خیمے کی طرف تھا۔ میں نے ہاتھ اوپر کیے کیے کہا۔

''میں پاکستانی ہوں اور صرف اردو یا انگریزی جانتا ہوں۔''

میں نے محسوس کیا کہ پاکستانی کے لفظ پر وہ چونکے تھے لیکن ان کے انداز میں کوئی نرمی نہیں آئی تھی وہ بدستور چوکنا تھے۔ میں نے اشارے سے بتایا کہ میرے تین ساتھی اور بھی ہیں۔ پھر میں نے بیتو سے کہا۔ ''پہلے رانا کو باہر بھیجو اور پھر اسلحہ چھوڑ کر خود بھی باہر آ جاؤ۔''

اس موقع پر رانا چندر باز نے حرامی پن کیا اور اس نے چلا کر چینی زبان میں کچھ کہا تو باہر موجود سپاہیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ میں نے ان کی سراسیمگی محسوس کر کے کہا۔ ''بیتو جلدی کرو..... اس حرامزادے کو باہر بھیجو..... اس نے کچھ ہو کو اس کی ہے۔''

بیتو نے بھی اس کی شرارت محسوس کر لی تھی اس نے لات مار کر رانا کو باہر پھینکا اور پھر خود بھی کامی کے ساتھ باہر آ گیا۔ وہ میرے ساتھ آ گیا اور ہم تینوں نے ہاتھ بلند کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔ صرف رانا برف پر ہاتھ نیچے کیے بیٹھا تھا سپاہی اس پر چلانے لگے اور شاید انہوں نے اسے شوٹ کرنے کی دھمکی دی تھی اس لیے وہ بڑی پھرتی سے سر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے فوری طور پر مزاحمت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک تو میں اپنے پلان کے مطابق چین تک پہنچنے میں کامیاب رہا تھا۔ دوسرے مسلح پیشہ ور فوج کا مقابلہ کرنا خودکشی ہوتی اس لیے میں چاہتا تھا کہ میں یا میرے ساتھیوں کے کسی انداز سے ان کو خطرہ محسوس نہ ہو۔ ورنہ وہ گولی چلانے میں دیر نہیں کرتے۔

چار سپاہیوں نے ہمیں گھیر لیا اور دو سپاہی خیمے کی طرف بڑھے انہوں نے احتیاط سے اندر جھانکا اور اپنے ساتھیوں کو خیمہ خالی ہونے کی اطلاع دی۔ انہوں نے ہمیں ہاتھ سروں پر رکھ کر نیچے بیٹھنے کا حکم دیا ہم نے حکم کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعمیل کی۔ انہوں نے پہلے ہماری تلاشی لی۔ ہمارے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا مگر جب خیمے کی تلاشی لی اور اس میں موجود اسلحہ دیکھا تو ان کے تاثرات بدل گئے تھے اور ہم یک دم ان کے نزدیک خطرناک قسم کے مجرم قرار پائے تھے۔ کیونکہ اس قسم کا اسلحہ کسی عام شخص کے پاس نہیں ہوسکتا تھا۔ انہوں نے پوری مستعدی سے ہم پر رائفلیں تان لی تھیں اور یوں چوکنا ہو گئے تھے کہ انہوں نے پلک بھی جھپکی تو ہم غائب ہو جائیں گے یا ان پر حاوی ہو جائیں گے۔ ان کے انداز میں پیشہ ور مستعدی تھی اور وہ یقیناً عام فوجیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تربیت یافتہ تھے تبھی اس مشکل ترین علاقے میں اور اس موسم میں یہاں گشت کر رہے تھے۔

ان کا کام ہمالیہ میں واقع نیپال اور چین کی سرحد کے ساتھ گشت کرنا تھا اور مجھے حیرت تھی کہ یہ لوگ اس موسم میں بھی اپنا کام کر رہے تھے۔ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر اور منفی پچیس ڈگری سینٹی گریڈ میں کھلی فضا میں پھرنا آسان کام نہیں تھا۔ انہوں نے ہمارا اسلحہ قبضے میں لے لیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے ہم سے اپنا خیمہ سمیٹنے کو کہا۔ میں نے ان کو اشارے سے بتایا کہ ہمیں ابھی ناشتہ کرنا تھا۔ اس موسم میں بھوک بہت لگتی ہے اور ہم سب کا بھوک سے برا حال تھا لیکن انہوں نے کوئی ردِعمل نہیں دکھایا تو مجبوراً ہمیں خیمہ سمیٹنا پڑا تھا۔ رانا چندر مجھ سے دور تھا ایک بار میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو ایک سپاہی نے مجھے سخت لہجے میں منع کر دیا۔ الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے تھے لیکن اس کے انداز سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ مجھے منع کر رہا ہے۔

ہم نے خیمہ اور دوسرا سامان باندھ کر ہم نے اپنے شانوں پر لادا اور چینی سپاہیوں کی نگرانی میں آگے روانہ ہوئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ہم ابھی برفانی ویرانے میں ہیں اور کسی آبادی تک پہنچنے میں کم سے کم ایک دن تو لگے گا لیکن کچھ دور چلنے کے بعد ایک بڑی ڈھلان آئی اور جب ہم نے اس سے اترنا شروع کیا تو دو گھنٹے میں پندرہ ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے آ گئے تھے۔ سورج نکل آیا تھا اور دھوپ کی وجہ سے سردی کی شدت میں کمی آئی تھی۔ پھر بلندی کم ہونے سے بھی فرق پڑا تھا اور اب ہم بہتر محسوس کر رہے تھے۔

مجھے لگا کہ رانا چندر باز نے راستے کے بارے میں ہم سے غلط بیانی کی تھی۔ یہ اتنا بڑا ویرانہ بھی نہیں تھا جس میں ہم کئی دن تک بھٹکتے رہتے۔ شاید وہ ہمیں ڈرا کر سفر سے باز رکھنا چاہتا تھا یا مایوسی کے جال میں پھنسانا چاہتا تھا۔ جب کہ یہاں چینی سپاہی گشت کر رہے تھے اور یقیناً ان کا بیس کیمپ آس پاس تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ دو گھنٹے بعد ہم چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور چین کی سرحدی فورس کی پہلی چوکی تک پہنچ گئے۔ یہ چوکی برف میں اس طرح پوشیدہ تھی کہ پہلی نظر میں تو اس کا پتا ہی نہیں چلا۔ پھر سرخ پرچم نے ہمیں چونکایا اور اس کے بعد کسی خفیہ چغی سے اٹھتا دھواں دکھائی دیا جس سے پتا چلا کہ ہم کسی چوکی کے پاس ہیں۔ یہ چوکی ایک ٹیلے میں اس طرح سے قائم تھی کہ اس کا دروازہ مشرق کی طرف تھا اور وہاں تک گھوم کر جانا پڑتا تھا۔ ہم گھوم کر اس فولادی دروازے کے سامنے پہنچے تو ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی یقیناً وہاں پر نگرانی کا کوئی خفیہ نظام بھی تھا آج کل نگران کیمرے گھروں میں عام ہوتے ہیں یہ تو ایک فوجی چوکی تھی اور یہاں اس قسم کے کیمرے لازمی ہونے چاہیے تھے جو آس پاس کی نگرانی کرتے۔ جیسے ہی ہم دروازے کے سامنے پہنچے وہ خود بہ خود کھل گیا۔

اندر کھولنے والا دکھائی نہیں تھا اور اسے کھولنے اور بند کرنے کا کوئی مرکزی نظام تھا۔ ہم اندر آئے یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور یہاں درجہ حرارت باہر سے بہت بہتر تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں گرم جیکٹیں لٹکی تھیں۔ یعنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر جانے والے یہاں سے گرم جیکٹ پہن کر جاتے تھے۔ اندر ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور سب سے پہلے ہمارا سامان لے لیا گیا۔ اس کے بعد ہمیں ایک اور کمرے میں لایا گیا اور یہاں ہماری ایک بار پھر تلاشی لی گئی تھی۔ اس کے بعد ہمیں ایک سیل میں دھکیل دیا گیا۔ اس چھوٹے سے کمرے میں ایک طرف لوہے کی سلاخوں کا بنا دروازہ تھا۔ ہمیں اس میں دھکیل کر باہر سے تالا لگا دیا گیا تھا۔

اندر درجہ حرارت صفر سے اوپر ہی تھا اور ہم سکون میں آ گئے تھے۔ اگرچہ ہم قید میں تھے اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے کیا ہوگا۔ اس کے باوجود میں خود کو پریشان محسوس نہیں کر رہا تھا۔ البتہ بیتو اور کامی سہمے ہوئے تھے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم پریشان ہو؟''

وہ زبردستی مسکرایا۔ ''پریشانی کا بات تو ہے شوبی بھائی۔ ہم تو عادی ہے لیکن یہ بے چارہ پہلی بار گھر سے نکلا۔'' اس نے کامی کی طرف دیکھا۔

''اس کی فکر مت کرو جو ہمارے ساتھ ہوگا وہی اس کے ساتھ ہوگا۔ بلکہ ممکن ہے اسے چینی نسل کا ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے اور یہ ابھی کمسن بھی ہے۔ اسے اس بات کی رعایت بھی ملے گی۔''

کامی ہمیں دیکھنے لگی شاید اسے اندازہ ہو گیا کہ ہم اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ بیتو اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ بھی مسکرانے لگی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ کامی بیتو سے کتنی مانوس ہو گئی تھی۔ اسے ہم روایتی اور آج کل زکام کی طرف نوجوان طبقے میں پھیل جانے والی محبت تو نہیں کہہ سکتے ہیں۔ بیتو کے بارے میں مجھے معلوم تھا اور کامی نے تو دنیا ہی نہیں دیکھی تھی لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے تھے۔ ان کے اندر کی کیمسٹری نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا تھا اور جب دو انسان اندر سے ایک ہو جائیں تو ان کے لیے زبان سے اظہار ضروری نہیں ہوتا ہے اور وہ بن کہے ایک دوسرے کی بات سمجھ جاتے ہیں۔

رانا چندرا ایک طرف ہراساں اور فکرمند بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم نے اپنی شرارت کا انجام بھی دیکھ لیا۔''

''اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔ ''کیسی شرارت؟''

پہلے میں نے سیل سے باہر گیلری میں جھانکا اور وہاں کسی کو نہ پا کر رانا کو گریبان سے پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔ ''تم نے ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور خود کسی بھی ممکنہ رعایت محروم کر لیا۔''

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''کیسی رعایت؟''

''تم کو جلد پتا چل جائے گا۔'' میں نے جھٹکا دے کر اس کا گریبان چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی بنچ پر بیٹھ گیا۔ اس سیل میں اوپر تلے چار بنچز تھیں۔ جن پر فوم کے گدے بچھے تھے اور پیروں کی طرف ایک ایک ہلکا کمبل رکھا تھا یعنی یہ باقاعدہ حوالات تھی۔ مجھے اس چوکی کے کچھ ہی حصے دیکھنے کا موقع ملا تھا لیکن مجھے لگا تھا کہ یہ خاصی بڑی تھی اور شاید کوئی چٹان کھود کر بنائی ہوئی تھی۔ ورنہ برف میں چوکی بنانا ممکن نہیں تھا۔ وہ بھی اس علاقے میں جہاں برف مستقل کھسکتی رہتی تھی۔ یہاں کوئی مستقل تعمیر ممکن نہیں تھی لیکن یہ چٹان شاید پہاڑ کا حصہ تھی اس لیے اس کے سرک جانے کا امکان نہیں تھا۔ میرا نہیں خیال تھا کہ اس جگہ بنجے چینی محافظ مل سکتے ہیں۔ اور مجھے عین ہمالیہ کے وسط میں چینیوں کو موجود پا کر حیرت ہوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر ہم اس علاقے میں بین الاقوامی سیاست کا کردار دیکھیں تو ہمالیہ میں چین کا فوجی کردار سمجھ میں آتا ہے۔ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور بن گیا۔ پھر نائن الیون کے بعد امریکہ کو موقع مل گیا کہ وہ مسلم دنیا پر حملے شروع کرے۔ وہ افغانستان میں آیا ہے تو برصغیر کا علاقہ یک دم بین الاقوامی سیاست کا مرکز بن گیا ہے اور خاص طور سے چین اور بھارت کے درمیان جو اچھے تعلقات پیدا ہو رہے تھے ان کو دھچکا لگا ہے۔ اس کے بعد سے چین نے بھارت کے ساتھ اپنی سرحد پر فوجی تنصیبات اور فوج کی تعداد میں ایک پالیسی کے تحت اضافہ کیا ہے۔ اس کا اندازہ مجھے ہمالیہ کے اس دور دراز خطے میں ایک چینی چوکی دیکھ کر ہوا۔ یہ خاصی بڑی چوکی تھی اور یہاں سے ہمالیہ کے اوپری حصوں تک نگرانی کی جاتی تھی۔ اس موسم میں بھی چینی اپنی سرحد کی حفاظت کے لیے مستعد تھے۔ نیپال سے چین کے اچھے تعلقات ہیں اس کے باوجود چین نے اس کی سرحد کو کھلا نہیں چھوڑا ہے اور اس کی یہاں موجودگی اس خطے میں جاری بین الاقوامی سیاست کی عکاسی کرتی ہے۔

ہمیں یہاں آئے ہوئے ایک گھنٹا ہوا تھا کہ ہمارے لیے ناشتہ آ گیا۔ ناشتے میں دلیہ، ابلا ہوا انڈہ اور سیاہ بغیر شکر کی چائے تھی۔ سب کو بھوک لگ رہی تھی اس لیے کسی نے ناشتے میں تکلف نہیں کیا تھا۔ ناشتہ لانے والا ایک نوعمر چینی لڑکا تھا ممکن ہے اس کی عمر زیادہ ہو کیونکہ چینی عمر کے معاملے میں چور ہوتے ہیں۔ اس نے مسکرا ناشتے کی ٹرے دروازے کے نیچے بنے خلا سے اندر کی اور انگلیوں کے اشارے سے بتایا کہ وہ دس منٹ بعد ٹرے واپس لینے آئے گا۔ اس کے جانے کے بعد بیتو نے مجھ سے کہا۔ ''ایسا لگتا ہے انہوں نے سرحد عبور کرنے کے جرم میں ہمیں قید کر دیا ہے۔''

''یہ ان کی سرحدی چوکی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے جلد ہمیں کسی کے سامنے پیش کیا جائے گا اور ممکن ہے مزید تفتیش کے لیے ہمیں کہیں اور بھیج دیا جائے۔''

''یہ بھی ممکن ہے یہ ہمیں اسمگلر سمجھ کر گولی سے اُڑا دیں۔'' رانا بولا۔ اس کا انداز ڈرانے والا تھا۔ ''چینی سرحدی نگران اکثر اسمگلروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔''

''شاید یہ ٹھیک ہی کرتے ہیں لیکن ہم اسمگلر نہیں ہیں ہمارے پاس سے اسمگلنگ کا کوئی سامان نہیں نکلا ہے۔''

میری بات پر وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''اسلحہ تو نکلا ہے۔''

''اسلحہ اس خطے میں عام ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا لیکن اندر سے میں متفکر ہو گیا تھا۔ پاکستان، بھارت اور چین تینوں ملکوں میں چین کی پالیسی سب سے سخت تھی اور یہاں معمولی جرائم پر بھی سخت سزاؤں کا رواج ہے جب کہ عدالتی نظام بھی آزاد نہیں ہے۔ سزا کے خلاف اپیل بھی ممکن نہیں تھی لیکن میں نے یہ فکر اپنے تاثرات سے ظاہر نہیں کی تھی رانا چندر باز بہت شاطر آدمی تھا اور وہ اپنی جان بچانے کی پوری کوشش کر رہا تھا اس کے لیے وہ کوئی بھی حربہ استعمال کر سکتا تھا۔

ناشتے کے ایک گھنٹے بعد دو مسلح سپاہی آئے اور انہوں نے سیل کا فولادی دروازہ کھول کر مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میرے ساتھ رانا اور بیتو بھی اٹھے تھے لیکن انہوں نے درشت انداز میں ان دونوں کو منع کر دیا اور صرف مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اٹھ کر باہر آیا تو انہوں نے دروازہ بند کر کے اسے لاک کر دیا اور مجھے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے کر ایک بڑے سے کمرے میں آئے جہاں چار پانچ میزیں لگی تھیں اور ان پر مختلف لوگ مصروف تھے۔ اکثر کمپیوٹر اور مواصلاتی آلات کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یہیں لایا گیا ہے لیکن کچھ دیر بعد مجھے اس بڑے کمرے کے ایک کونے میں بنے چھوٹے سے دروازے سے اندر لایا گیا۔ اس چھوٹے سے کمرے صرف ایک میز اور اس کے دونوں طرف ایک ایک کرسی تھی۔ مجھے ایک کرسی پر بٹھا کر وہ دونوں باہر چلے گئے تھے۔

میں سکون سے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے یہاں مجھے پوچھ گچھ کے لیے لایا گیا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر اور متوسم پیٹوں والا چینی اندر آیا۔ چینی فوج کی وردیوں پر لگے نشانات سے پتا نہیں چلتا تھا کہ کون کس رینک کا آدمی ہے لیکن اس شخص کو دیکھ کر مجھے لگا کہ وہ افسر تھا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گیا اور کچھ دیر میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔ پھر اس نے چینی لہجے میں انگریزی بولی۔ ''مجھے لیفٹننٹ زوہان ینگ کہتے ہیں۔''

میرا خیال تھا کہ دنیا میں سب سے بھیانک انگریزی ویسٹ انڈیز کے سیاہ فام بولتے ہیں لیکن اس روز مجھے پتا چلا کہ چینی بھی ان سے کم نہیں ہیں۔ پہلے تو میں سمجھا کہ وہ چینی بول رہا ہے اور میں اسے بتانے جا رہا تھا کہ مجھے چینی زبان نہیں آتی ہے۔ اچانک مجھے احساس ہوا اس نے انگریزی ہی بولی ہے اور ذرا غور کرنے پر میں اس کی بات کا مطلب بھی سمجھ گیا۔ میں نے نارمل قسم کی انگریزی میں جواب دیا۔

''مجھے شہباز ملک کہتے ہیں اور میرا تعلق پاکستان سے ہے۔''

نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ پاکستان کے نام پر اس کے سخت چہرے پر کچھ نرمی آئی تھی۔ شاید یہ میرا وہم تھا۔ اس نے میرے چہرے پر نظر جما کر کہا۔ ''تم کہتے ہو تمہارا تعلق پاکستان سے ہے لیکن تم نیپال سے سرحد عبور کر کے چین میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہو۔''

''اس کی وجہ ہے۔ میں نیپال میں اور اس سے پہلے انڈیا میں مقیم رہا ہوں۔ اگر تمہارے پاس وقت ہو تو میں اپنی کہانی سنا سکتا ہوں۔''

''کہانی میں ضرور سنوں گا لیکن چین کی سرحد عبور کرنے کی تمہارے پاس کوئی معقول وجہ ہو گی؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''ہاں مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھارتی خفیہ ایجنسیوں اور پولیس سے خطرہ لاحق تھا۔ وہ انڈیا سے ہمارے پیچھے لگی تھیں اور انہوں نے نیپال میں بھی مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک یا گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجبوراً مجھے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے چین آنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔''

اس کا چہرہ تن گیا تھا۔ ''تم جان بوجھ کر چین کی سرحد عبور کر کے آئے ہو؟''

''میں نے کہا نا ہمیں جان کا خطرہ تھا۔''

وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور اس نے مجھ سے کئی سوال اور بھی کیے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی اور میری گفتگو کہیں ریکارڈ ہو رہی تھی۔ پھر اس نے مجھ سے میری کہانی کے بارے میں پوچھا اور میں نے اختصار سے اور غیر ضروری واقعات یا جن سے میں اور میرے ساتھی گرفت میں آتے ان کو حذف کر کے اپنی کہانی سنا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ میں حادثاتی طور پر پاکستان سے بھارت میں داخل ہوا تھا اور اس کے بعد وہیں پھنسا رہا تھا لیکن میں نے یہ نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتایا کہ پاکستان میں، مَیں نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا اس دوران میں اس نے مجھ سے نہ تو کوئی سوال کیا تھا اور نہ ہی میری بات کاٹی تھی۔ جب میں نے اپنی کہانی مکمل کر لی تو اس نے کہا۔

''یہ تینوں تمہارے ساتھی ہیں؟''

''نہیں ان میں سے دو میرے ساتھی ہیں یعنی کم عمر لڑکا اور لڑکی، بلکہ لڑکی بھی میری ساتھی نہیں ہے۔ اس کا باپ چینی نژاد اور گائیڈ تھا وہ راستے میں مارا گیا اور یہ لڑکی ہماری ذمے داری بن گئی۔''

''چوتھا جو نیپالی ہے؟''

''وہ اصل میں میرا دشمن اور انڈیا کا ایجنٹ ہے۔ وہ چین کا بھی مجرم ہے اور چین میں سرگرم تبتی تخریب کاروں کو اسلحہ فراہم کرتا رہا ہے میں اسے تم لوگوں کے لیے لایا ہوں۔''

وہ چونکا۔ ''ہمارے لیے؟''

''ہاں یہ تم لوگوں کا مجرم ہے۔ جب تم اس سے تفتیش کرو گے تو یہ تمہاری معلومات میں بہت اضافہ کرے گا۔''

لیفٹننٹ زوہان کسی قدر پُرجوش نظر آنے لگا۔ ''تم نے پہلے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟''

''اس سے پہلے مجھ سے کسی نے پوچھا ہی نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں صرف ایک سرحدی چوکی کا نگران ہوں اور میں کسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ میں تمہیں اور دوسرے لوگوں کو آگے روانہ کر دوں گا۔ جہاں اعلیٰ حکام تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے۔''

اس نے مجھے واپس بھیج دیا۔ مجھے سیل تک لانے والے چینی سپاہی نے مجھے اندر بھیجنے کے بعد رانا کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ فکرمند ہو گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے کیوں بلایا جا رہا ہے؟''

میں استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ ''تمہیں کیوں نہیں بلایا جا سکتا ہے؟ تمہارے لیے بچ منٹ ڈے آ گیا ہے اسے ہماری زبان میں یوم حساب بھی کہتے ہیں۔''

رانا مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن سپاہی نے اسے باہر کھینچ لیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے جاتے ہوئے ہمیں یوں دیکھا جیسے ہم ہی اس پر آنے والی افتاد کے ذمے دار ہیں اور یہ ایک حد تک ٹھیک بھی تھا کہ اسے ہم ہی یہاں لائے تھے۔ بیتو اور کامی میرے لیے فکرمند تھے۔ بیتو نے کہا۔ ''آپ کے ساتھ کیا ہوا؟''

''یہ مجھ سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔'' میں نے اختصار سے اسے بتایا۔ کامی ہماری باتیں نہیں سمجھ رہی تھی لیکن وہ بھی پورے انہماک سے سن رہی تھی۔ میں نے کامی کے بارے میں کہا۔ ''اس کے بارے میں بھی بتا دیا ہے اس لیے امید ہے کم سے کم اس سے نرم سلوک کیا جائے گا اور ہمیں جلد یہاں سے کہیں اور روانہ کر دیا جائے گا۔''

''کہاں؟''

میں نے شانے اچکائے۔ ''کہیں بھی بھیج سکتے ہیں۔ ہم ان کے ہاتھ میں ہیں اور اپنے لیے بس اتنا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے ہیں کہ لیٹ کر سو جائیں۔"

میں سچ مچ لیٹ گیا اور پھر سو بھی گیا سفر کے دوران آرام کا صحیح سے موقع کم ہی ملا تھا۔ کئی گھنٹے بعد بیتو نے مجھے جگایا کہ کھانا آ گیا تھا۔ یہ چاول اور مچھلی کے شوربے پر مشتمل کھانا تھا اس کے ساتھ گرم کافی تھی۔ کھانا اچھی کوالٹی کا اور اچھی مقدار میں تھا۔ ہم نے پیٹ بھر کر کھایا اور میں پھر سو گیا تھا۔ اگلی بار میری آنکھ کھلی تو شام کے چھ بج رہے تھے اور میں خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ بیتو اور کامی اوپر نیچے کی برتھوں پر سو رہے تھے۔ مجھے باتھ روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے دروازہ بجایا اور دوسری بار بجانے پر ایک سپاہی سامنے آیا۔ میں نے چھوٹی انگلی سے یونیورسل اشارہ کیا اور وہ سمجھ کر واپس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک مسلح سپاہی نے آ کر دروازہ کھولا اور مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ مجھے ایک واش روم ایریا میں لایا جہاں لائن سے کئی واش روم تھے اور ساتھ میں نہانے دھونے کا بندوبست بھی تھا۔ سپاہی مجھے چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

یہ صاف ستھری اور بو سے پاک جگہ تھی۔ میں فارغ ہو کر واپس آیا تو سپاہی نے مجھے سیل تک پہنچا دیا۔ ان لوگوں کا رویہ شریفانہ اور انسانی تھا۔ اگر میں بھارت یا نیپال میں کسی سیکورٹی ادارے کے ہاتھ آ جاتا تو اس وقت غیر انسانی حالات سے گزر رہا ہوتا۔ خود وطن عزیز میں میرے ساتھ یہی سلوک ہو رہا ہوتا۔ میں نے محسوس کیا کہ چین صرف مادی لحاظ سے سپر پاور نہیں بنا تھا بلکہ انسانوں کے لیے اس کے رویے میں بھی بہتری آئی تھی۔ یعنی چینی اخلاقی لحاظ سے بھی ترقی کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد رات کا کھانا آ گیا تھا۔ میں نے بیتو اور کامی کو اٹھایا۔ رانا واپس نہیں آیا تھا اس کا مطلب تھا کہ اسے کہیں اور رکھا گیا تھا اور شاید اس سے تفتیش کی جا رہی تھی۔ کھانے کے بعد انہوں نے خود ایک بار ہمیں باتھ روم جانے کی اجازت دی تھی۔ انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ اب ہمیں صبح ہی واش روم جانے کی اجازت ملتی اس لیے سب نے اس موقع سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔

میں دن میں سو گیا تھا اس لیے رات دیر تک جاگتا رہا۔ کامی اور بیتو پھر سو گئے۔ نیند پوری ہونے کے بعد اب مجھے مستقبل کے اندیشے بھی ستانے لگے تھے کہ کل کیا ہو گا۔ اگرچہ چین کے عسکری حکام کا رویہ اچھا تھا لیکن پھر بھی میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ آنے والے دنوں میں ان کا ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ دو باتوں کا مجھے خاصی حد تک یقین تھا ایک تو ہمیں واپس بھارت یا نیپال کے حوالے نہیں کیا جائے گا اور دوسرا ہمیں غیر قانونی سرحد عبور کرنے کی سخت سزا نہیں دی جائے گی۔ مگر اس کا امکان تھا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ سزا ہو جائے اور اس سے بھی زیادہ خوفناک امکان یہ تھا کہ اس کے بعد ہمیں پاکستان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ جہاں پولیس میری منتظر تھی کہ کب میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ آؤں اور اسے مرشد سے وفاداری دکھانے کا موقع ملے۔ خاص طور سے اکرم مجھ سے خار کھائے بیٹھا ہو گا وہ میری وجہ سے معطل ہوا تھا۔ دوسرا خدشہ یہ تھا کہ بھارت میں ہونے والی کارروائیوں کا ملبہ بھی مجھ پر نہ گرے۔ میرا ارادہ تھا کہ اگر چینی حکام نے ہم پر کوئی فرد جرم عائد نہ کی تو میں پاکستانی سفارت خانے سے پاسپورٹ بنوانے کی کوشش کر سکتا تھا۔ بیتو کا مسئلہ ہوتا۔ وہ بھارتی شہری تھا لیکن ایسا شہری جو کسی صورت بھارت نہیں جا سکتا تھا۔ سب سے آسان کیس کامی کا تھا۔ چینی نسل سے ہونے کی وجہ سے امکان تھا کہ اسے چین کی شہریت یا کم سے کم وہاں رہنے کا اجازت نامہ مل جائے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے صبح کے قریب جا کر نیند آئی تھی اور کچھ دیر بعد ہمیں اٹھا دیا گیا۔ لیفٹننٹ زوہان خود ہمیں بتانے آیا تھا کہ ناشتے کے بعد ہماری روانگی تھی۔ اس چوکی میں وہی تھا جو انگریزی سمجھتا تھا۔ ناشتے کے بعد ہمیں سیل سے نکالا گیا رانا کو بھی وہیں لایا گیا تھا۔ اب تک ہمیں ہتھکڑیاں نہیں پہنائی گئی تھیں لیکن اس بار روانگی سے پہلے ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئی تھیں اور چوکی سے نکلنے کے بعد ہم پیدل ہی تھے۔ ہمارے ساتھ دو سپاہی تھے۔ ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا اور سپاہی بھی صرف ہتھیار بدست تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ ہمارا سفر زیادہ طویل نہیں ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ ایک گھنٹے بعد ہم ایک سڑک تک پہنچے جہاں ایک چھوٹا ٹرک اور چار مسلح سپاہی ہمارے منتظر تھے۔ ہمیں اس ٹرک میں سوار کیا گیا اور ساتھ آنے والے سپاہی واپس چلے گئے تھے۔ میں حیران ہوا تھا کہ چینیوں نے اتنے دشوار گزار علاقے میں پختہ سڑک بنالی تھی۔ یہ جگہ بھی سطح سمندر سے کوئی بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھی اور پورا علاقہ اونچے نیچے پہاڑوں پر مشتمل تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی ٹرک روانہ ہوگیا۔ سردی بے پناہ تھی اور ہم گرم کپڑوں میں بھی ٹھٹھر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہمالیہ کے اس طرف موسم بہت زیادہ سرد تھا۔ حالانکہ اگر طول البلد کے حساب سے دیکھا جائے تو ہم اسلام آباد کی سیدھ میں تھے لیکن بلندی اور وسط ایشیا کے میدانوں کی قربت کی وجہ سے یہاں سردی بے پناہ تھی۔

ٹرک میں چاروں سپاہی اس طرح بیٹھے تھے کہ وہ چاروں کونوں پر تھے اور ان کے درمیان دونوں طرف دو دو کر کے ہم بیٹھے تھے۔ ایک طرف میں اور رانا تھے دوسری طرف کامی اور بیتو بیٹھے تھے۔ انہوں نے ہمارے سامان میں سے کچھ بھی نہیں دیا تھا اسلحے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن ہمارے کپڑے اور رقم بھی انہوں نے ضبط کر لی تھی۔ یعنی اب ہم خالی ہاتھ تھے۔ بہر حال مجھے ان چیزوں کی اتنی پروا نہیں تھی اگر چینی ہمارے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھتے ہوئے ہمیں رہا کر دیتے تو یہ چیزیں بھی کہیں نہ کہیں سے مل ہی جاتیں۔ اصل اہمیت اس بات کی تھی کہ ہم زندہ سلامت اور آزاد رہیں۔

ہمیں بات کرنے کی اجازت نہیں تھی اس لیے خاموش بیٹھے گزرنے والے مناظر دیکھتے رہے تھے۔ بلندی تیزی سے کم ہو رہی تھی لیکن برف میں کمی نہیں آئی تھی چاروں طرف سفیدی چھائی ہوئی تھی۔ البتہ زمین کسی قدر ہموار ہوگئی تھی۔ راستے چوڑے اور موڑ کم ہو گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہم میدانوں کے قریب تھے۔ روانگی کے کوئی دو گھنٹے بعد ٹرک ایک بڑی وادی میں داخل ہوا اور مجھے لگا جیسے ہم کسی فوجی چھاؤنی میں آ گئے ہوں۔ بعد میں یہ جگہ ایک فوجی چھاؤنی ہی ثابت ہوئی تھی۔ یہاں دور تک فوجی بیرک نما عمارتیں ترتیب سے بنی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان میں چوڑے راستے تھے۔

جس وقت ٹرک اس چھاؤنی میں داخل ہو رہا تھا میں نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں آلٹی میٹر دیکھا۔ ہم نو ہزار فٹ سے کم بلندی پر آ گئے تھے مگر سردی اور برف میں کوئی کمی نہیں آئی تھی البتہ میں نے پہلی بار یہاں پر درخت دیکھے جنہوں نے برف کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ٹرک بیرک نما عمارتوں کے درمیان سے گزرتا ایک بڑی سی پختہ عمارت کے سامنے رکا اور ہمیں اترنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب تک ملنے والے سارے احکامات اشاروں سے تھے کیونکہ ان کی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ صرف رانا کو چینی زبان آتی تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ اسے چینی نہیں بلکہ تبتی آتی تھی۔ دونوں زبانوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ سندھی اور پشتو میں ہو سکتا ہے۔ سرحدی چوکی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجود لوگ زیادہ تر مقامی تھتی تھے اور وہ اپنی زبان بولتے تھے اس لیے رانا ان کی بات سمجھ لیتا تھا۔

ٹرک رکتے ہی کئی سپاہیوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ وہاں خاصی گہما گہمی تھی اور اپنے رقبے اور لوگوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ کوئی بڑا فوجی مستقر لگ رہا تھا۔ ہمیں نیچے اتارا گیا اور جو سپاہی نیچے موجود تھے وہ ہمیں اپنی نگرانی میں اس عمارت میں لے گئے۔ سب سے پہلے ہمیں ایک آرمی افسر کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے ہمارے بارے میں بریفنگ لی۔ اس کے بعد رانا کے بارے میں پوچھا اور اسے الگ کر کے کہیں لے جانے کا حکم دیا۔ رانا کو بھیجنے کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہوا اور اس نے میرا نام لیا۔

''شہباز ملک۔''

''یس سر۔'' میں نے کہا لیکن اس نے مزید کچھ نہیں کہا اور فون پر کسی سے بات کرنے لگا۔ وہ چھوٹی سی میز کے دوسری طرف بیٹھا تھا اور اس کمرے میں مزید کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ چند منٹ بعد ایک نوجوان چینی سادہ لباس میں اندر آیا۔ اس نے افسر سے کچھ کہا اور اس بات سن کر ہماری طرف متوجہ ہوا۔ اس نے شستہ انگریزی میں کہا۔

''مسٹر شہباز ملک، میجر آیون تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں تعاون کے لیے حاضر ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد سوال جواب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ وہی سوال کر رہا تھا جو مجھ سے زوہان نے بھی کیے تھے۔ یہ ان لوگوں کی تکنیک تھی ایک ہی سوال کو بار بار دھراتے رہو اگر آدمی جھوٹ بول رہا ہے تو کہیں نہ کہیں پھنس جائے گا۔ اس بار بھی میرے جوابوں کے نوٹس نہیں لیے جا رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ انٹرویو کہیں ریکارڈ ہو رہا تھا۔ میجر آیون خاص طور سے بھارت میں میری سرگرمیوں کے بارے میں متجسس تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ارونا چل دیش میں ہونے والی قبائلی بغاوت میں میرا کیا کردار تھا اور میں بچ بچا کر جواب دے رہا تھا میری کوشش تھی کہ میری ذات کسی طرح نمایاں نہ ہو اور میں کسی ایسی بات کا اقرار نہ کروں جس سے میں بعد میں پکڑا جاؤں۔ اگرچہ چین اور بھارت دو روایتی حریف ممالک ہیں لیکن آج کل کی سیاست میں کوئی نہ تو مستقل دوست ہوتا ہے اور نہ ہی مستقل دشمن ہوتا ہے۔ اس لیے میں کوئی قابلِ گرفت بات اپنے بیان میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو بعد میرے لیے مصیبت بن جائے۔

دو گھنٹے طویل اس انٹرویو میں اس نے مجھ سے تقریباً سب ہی پوچھ لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔ میرے ذہن میں ایک خدشہ تھا کہ کہیں بیتو سے بھی یہی سوالات نہ کیے جائیں اور وہ کچھ اور نہ بول جائے اس لیے جیسے ہی ہمیں ایک سیل میں بند کیا گیا میں نے سب سے پہلے اسے بتا دیا کہ میں نے انٹرویو میں کیا کیا کہا تھا اور اسے خاص طور سے ان حصوں کے بارے میں بتایا جو اس سے متعلق تھے۔ یعنی جب وہ میرے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ غور سے سنتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

''ہم سمجھ گیا شوبی بھائی۔''

''کوشش کرنا اپنا بیان ان باتوں تک محدود رکھنا اور کسی ایسی بات کا اقرار نہ کرنا جو تم کو کہیں عدالت میں پھنسا دے۔''

''آپ فکر مت کرو۔'' وہ اعتماد سے بولا۔ ''ہم دیکھنے میں بے وقوف لگتا ہے پر ہے نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی بات سے مجھے وسیم کا خیال آیا۔ اگر وہ ہوتا تو بیتو کی اس بات پر اسے چھیڑنے والا جملہ ضرور کستا۔ وسیم اور سادھنا کے بارے میں سوچتے ہوئے میں نے اپنے قید خانے کا جائزہ لیا۔ یہ سیل بھی چوکی والے سیل سے زیادہ مختلف نہیں تھا بس ایک فرق تھا کہ اس کے کونے میں ایک کموڈ اور واش بیسن بنا ہوا تھا گویا ہمیں باتھ روم کے لیے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ کموڈ ایک چھوٹی سی پلائی کے دیوار کے پیچھے تھا کہ آدمی خود کو بمشکل اس کے پیچھے چھپا سکے لیکن سب کچھ صاف ستھرا اور بو سے پاک تھا۔ اس سیٹ اَپ سے لگ رہا تھا کہ یہاں قیدیوں کو طویل عرصے کے لیے بھی رکھا جاتا ہوگا۔ تبھی یہاں پر کموڈ اور واش بیسن کی سہولت بھی دی گئی تھی۔

بیتو کامی کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس نے دو تین دن میں کامی کو خاصی حد تک اردو سکھا دی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملے بول سکتی تھی اور اپنا مطلب بیان کر سکتی تھی مگر اس کی اردو گرامر کی قید سے آزاد تھی۔ اس وقت بھی بیتو اسے سمجھا رہا تھا کسی کام کے لیے کیا کہتے ہیں۔ کامی ذہین لڑکی تھی اس لیے وہ بہت تیزی سے سیکھ رہی تھی۔ میں سو گیا اور شام کو اٹھا تو کچھ دیر بعد میرا بلاوا آ گیا تھا۔ دو سپاہی مجھے میجر آیون کے پاس لائے لیکن اس وقت وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے کمرے میں دو افسر اور بھی تھے اور چوتھا چینی ترجمان تھا۔ اس بار کمرے میں اضافی کرسیاں تھیں اور ایک کرسی مجھے بھی دی گئی۔ اس کے بعد سب کو بغیر اور دودھ اور چینی کی چائے دی گئی۔ فی الحال ان لوگوں کا انداز دوستانہ تھا۔

میجر آیون نے مجھ سے کہا۔ ''مسٹر ملک..... ہم نے تمہارے بیان کے بارے میں ابتدائی تحقیقات کی ہیں۔ ان کے مطابق تم انڈیا میں دہشت گردی کی کئی وارداتوں میں ملوث رہے ہو۔''

میرے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ آج کل اس لفظ کو ایک خاص مفہوم پہنا دیا گیا ہے۔ اگر مسلمان کسی ایسے کام میں ملوث ہو جس سے دوسرے کو نقصان ہو تو اس پر سیدھا سیدھا دہشت گردی کا الزام چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے کسی قسم کی تحقیقات کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی ہے جب کہ وہی فعل کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے سے تو اس کا باقاعدہ پس منظر جانا جاتا ہے۔ میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''یہ آپ اپنی معلومات بتا رہے ہیں یا اپنا خیال ظاہر کر رہے ہیں؟''

وہ میری بات سمجھ گیا۔ ''یہ ہماری معلومات ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے آپ مجھے دہشت گرد نہیں سمجھتے؟''

''فی الحال نہیں۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''یعنی آپ بعد میں سمجھ سکتے ہیں۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''میں نے کبھی کسی کو جان بوجھ کر نقصان نہیں پہنچایا ہے۔''

''یعنی تمہاری ذات سے دوسروں کو نقصان ہوا ہے؟'' یوآن کے ساتھ بیٹھے ایک افسر نے کہا اس کا رخ نہیں ہوا تھا۔

''اپنی جان کے دفاع کا مجھے حق ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھے بتایا جائے کہ میرے ساتھ آپ لوگوں کا سلوک کیا ہوگا؟''

''اس کا انحصار آنے والی معلومات پر ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں اپنا بیان دوبار دے چکا ہوں۔''

''ہم جتنی بار تم سے چاہیں بیان لے سکتے ہیں۔ تم اس کے لیے پابند ہو۔'' اس نے کھردرے انداز میں کہا۔

''ہاں آپ کو اس کا حق ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''اور میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیے جانے والے اچھے سلوک پر آپ کا شکر گزار بھی ہوں۔''

''ہم قیدیوں کے ساتھ بھی غیر انسانی سلوک کا قائل نہیں ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''تمہارے ساتھ ایک لڑکی ہے۔ تم نے اس کے بارے میں بیان دیا تھا کہ وہ نیپال میں رہنے والے ایک چینی نژاد باشندے کی بیٹی ہے؟''

''یہ درست ہے۔'' میں نے کہا۔ پھر میں نے اسے تفصیل سے کامی اور اس کے باپ کے بارے میں بتایا۔ یہ بھی کہ وہ کس طرح موت کا شکار ہوا اور اب اس لڑکی کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

''رانا چندر باز۔'' اس نے کہا۔ ''یہ تمہارے ہاتھ کیسے لگا اور تم کو کیسے پتا چلا کہ وہ چینی حکومت کا مجرم ہے۔''

میں رانا چندر باز کے بارے میں بتا چکا تھا۔ میں نے اس داستان میں مندر میں ہونے والی تباہی اور قتل و غارت گری خارج کر دی تھی اور کہانی اس طرح بنائی تھی کہ رانا چندر باز کے آدمی ہم پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے۔ مجبوراً اپنی جان بچانے کے لیے ہم نے رانا چندر باز کو یرغمال بنالیا اور اسے لے کر بچتے بچاتے فرار ہو کر چین کی سرحد کی طرف آ نکلے تھے۔ مگر رانا کے آدمیوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ مجبوراً ہمیں جان بچانے کے لیے چین میں داخل ہونا پڑا تھا۔ تاکہ رانا چندر باز کے آدمیوں سے پیچھا چھڑا سکیں۔ اگر ہم واپس جاتے تو ان کے ہاتھوں مارے جاتے۔ میری بات مکمل ہونے پر میجر آیون نے کہا۔

''تم ان لوگوں سے جان چھڑانے کے لیے رانا چندر باز کو اس کے آدمیوں کے حوالے کر سکتے تھے؟''

''اگر میں رانا کو ان کے حوالے کر دیتا تب بھی وہ ہماری جان نہیں چھوڑتے۔ دوسرے میں رانا کو چینی حکومت کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ چین پاکستان کا دوست ملک ہے اور ایک پاکستانی ہونے کے ناطے میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنے ملک کے دوستوں کے مفاد کا خیال رکھوں۔ مجھے رانا کے بارے میں پتا چلا ہے کہ اس کے بھارتی خفیہ ایجنسیوں سے رابطے ہیں اور وہ تبت میں اسلحہ اور دوسری چیزیں اسمگل کر کے یہاں موجود باغیوں کی مدد کر رہا ہے اور اس لحاظ سے وہ مغرب کا ایجنٹ بھی ہے۔''

میجر یوآن جو میری بار غور سے سن رہا تھا اس نے سر ہلایا۔ ''یہ درست ہے رانا چندر باز ایک خطرناک مجرم ہے اور یہ تبت میں اسلحہ اسمگل کرنے کے جرم میں چین کی حکومت کو مطلوب ہے۔ اس کی گرفتاری ہمارے لیے بہت اہم ہے۔''

''میں بتا چکا ہوں اس کو اتنی مشکل سے لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں اسے چین کی حکومت کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ میرا خیال ہے مغربی دنیا بھارت کی مدد سے چین کو غیر مستحکم کرنے کے لیے تبت میں سازشی عناصر کو اسلحہ اور تربیت فراہم کر رہی ہے۔ رانا اس سازش کا ایک مہرہ ہے اور یہ یقیناً چین میں سازشی عناصر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ مجھے یقین ہے آپ لوگوں کو اس سے تبت میں جاری شورش کے بارے میں گراں قدر معلومات ملیں گی۔"

میجر آیون نے سر ہلایا۔ "ہم اس سے تفتیش کر رہے ہیں اور اگر ہمیں اس سے مدد ملی تو تمہیں بھی اس کا کریڈٹ ملے گا۔"

میں خوش ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "میں اور میرے ساتھی چین کی حدود میں غیر قانونی داخلے کے علاوہ اور کسی جرم میں ملوث نہیں رہے ہیں۔ اور نہ ہی چین کو ہم سے کوئی خطرہ لاحق ہے بلکہ ہم چین کے خیر خواہوں میں سے ہیں اس لیے مجھے امید ہے چین کی حکومت ہمارے کیس پر ہمدردی سے غور کرے گی۔"

میجر آیون نے سر ہلایا لیکن اس نے زبان سے کوئی یقین دہانی نہیں کرائی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ کیس کی تحقیقات ابھی ابتدائی مرحلے میں تھیں اور اس کی مکمل تحقیق میں خاصا وقت لگ جاتا۔ تب تک ہمیں صبر و سکون سے انتظار کرنا تھا۔ میجر آیون کے ساتھ موجود افسران نے مجھ سے اسلحے کے بارے میں پوچھا کیونکہ یہ مخصوص قسم کا اسلحہ تھا جو تبت میں کئی جگہ پکڑا جا چکا تھا اور اس کے بارے میں چین کی حکومت کو شبہ تھا کہ مغربی ممالک نے خاص طور سے چین میں بغاوت کے لیے بھیجا تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ یہ اسلحہ ہم نے رانا اور اس کے ساتھیوں سے چھینا تھا۔ اس لیے رانا ہی اس اسلحے کے بارے میں بہتر بتا سکتا تھا۔

اس بار بیتو سے بھی پوچھ گچھ ہوئی تھی جب مجھے واپس سیل میں پہنچایا گیا تو وہ بیتو کو ساتھ لے گئے تھے۔ کامی اس وقت بے چین ہو گئی اور اس نے بیتو کے ساتھ جانا چاہا لیکن بیتو نے اسے سمجھا بجھا کر روک دیا۔ وہ بیٹھ تو گئی تھی لیکن اس کے واپس آنے تک بہت بے چین رہی تھی۔ بیتو کوئی ایک گھنٹے بعد واپس آیا تھا اور اس کے بعد وہ لوگ کامی کو لے گئے۔ کامی نے اس بار زیادہ مزاحمت کی تھی۔ وہ اکیلے جانے کے لیے تیار نہیں تھی اور بیتو سے لپٹ گئی تھی۔ بیتو نے بڑی مشکل سے اسے سمجھایا تھا کہ وہ صرف اس سے کچھ پوچھیں گے۔ مگر کامی بہت ڈری ہوئی تھی۔ جب وہ سپاہیوں کے ساتھ جا رہی تھی تو اس کی معصوم صورت رونے والی ہو گئی تھی۔

کامی کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے میں ہوئی تھی۔ یہ وقت بیتو نے ایسے کاٹا جیسے افریقہ سے تازہ تازہ وارد ہونے والا شیر پنجرے میں اپنا پہلا گھنٹا گزارتا ہے۔ آخر میں تو اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ کچھ دیر کامی اور نہ آتی تو وہ دروازے کی سلاخیں بجانا شروع کر دیتا اس سے زیادہ کچھ کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ کامی کے آنے پر اس نے سکون کا سانس لیا اور فوراً اس سے پوچھنے لگا کہ اس سے کیا پوچھ گچھ ہوئی تھی۔ وہ بے چاری بہت سہمی ہوئی تھی اور حسبِ استعداد بتاتی رہی۔ میں تو نہیں البتہ بیتو سمجھ گیا۔

"انہوں نے اس سے اس کے اور اس کے باپ کے بارے میں تصدیق کی ہے۔"

"ہمارے بارے میں کوئی سوال کیا ہے؟"

"بالکل کیا ہو گا..... لیکن یہ بتا نہیں پا رہی ہے اور پھر بے چاری ہمارے بارے میں جانتی ہی کیا ہے۔ اس نے تصدیق کر دی ہو گی کہ رانا اور اس کے آدمی ہمارے دشمن ہیں اور انہوں نے ہی اس کے باپ کو مارا تھا۔"

کامی کے ساتھ ہونے سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ اس نے ہمارے بیانات کی تصدیق کر دی تھی۔ یوں چینیوں کے نزدیک ہم اور معتبر ہو گئے تھے۔ اس روز کے انٹرویوز کے بعد پھر انہوں نے ہمیں نہیں بلایا اور آنے والے دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن ہم اسی سیل میں بند رہے۔ صرف کھانے کے وقت ہمیں کسی چینی کی صورت دکھائی دیتی تھی جو کھانا لے کر آتا تھا۔ وہ بھی سیل کا دروازہ نہیں کھولتا تھا بلکہ نیچے ایک خانے سے ٹرے اندر سرکا دیا کرتا تھا اور ہم کھانا کھا کر اسی خانے سے ٹرے باہر سرکا دیتے تھے۔

یہ سیل زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دس بائی سات فٹ کا تھا جس میں دونوں طرف دیوار کے ساتھ اوپر نیچے دو دو بستر بنے ہوئے تھے۔ بستروں پر فوم کا گدا تھا اور ایک ہلکا کمبل دیا ہوا تھا۔ کیونکہ اندر اتنی سردی نہیں تھی۔ یہاں پر سینٹرل ہیٹنگ کا کوئی نظام تھا۔ ہاں ایک تبدیلی ہوئی تھی۔ انٹرویوز سے اگلے دن ہمیں دوسرے کپڑے مہیا کیے گئے تھے اور نہانے کا موقع فراہم کیا تھا۔ یہ سیاہ رنگ کے گرم ٹراؤزر اور جرسیاں تھیں۔ گرم پانی سے نہا کر ہم نے لباس تبدیل کیے۔ ہمارے اتارے جانے والے کپڑے لے لیے گئے تھے۔ اس سردی میں کپڑے پسینے سے خراب نہیں ہوتے اور نہ ہی یہاں دھول مٹی تھی اس کے باوجود کئی دن سے ایک ہی لباس پہنے رہنے سے دل اکتا گیا تھا اس لیے کپڑے بدلے تو اچھا محسوس ہوا تھا۔ ہماری جیکٹیں بھی لے لی گئی تھیں ان کی جگہ ہمیں سرخ رنگ کی ہلکی مگر بہت گرم جیکٹیں دی گئی تھیں۔ ساتھ میں ہلکے اور کسی گرم میٹریل سے بنے جوتے بھی دیئے تھے گویا ہمارے پاس موجود ہر چیز انہوں نے لے لی تھی۔ نہانے کے دوران مجھے اور بیتو کو شیو بنانے کا موقع بھی دیا گیا تھا۔ میری شیو خاصی بڑھ گئی تھی۔ البتہ سر کے بال مناسب تھے۔ بیتو نے اپنے چہرے پر موجود ہلکا سا روں صاف کیا اور بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ ابتدائے محبت کی اولین نشانی یہ ہوتی ہے کہ انسان زیادہ خوب صورت نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ نہانے کے بعد نئے کپڑے پہن کر کامی اور بیتو نے غیر محسوس طریقے سے ایک دوسرے کو جس طرح خود کو دکھایا تھا اس سے مجھے لگا کہ معاملات کچھ زیادہ ہی آگے جا رہے تھے۔

مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بیتو اٹھارہ یا انیس برس کا تھا جب کہ کامی بھی کم سے کم پندرہ برس کی تھی اور جینیکی لحاظ سے دونوں بالغ ضرور تھے۔ شادی اور محبت کے لیے روز اول سے ایک ہی شرط ہے جس پر وہ پورا اترتے تھے۔ بالغ کے ساتھ عاقل ہونے کی شرط نہ جانے کس حکیم نے لگائی تھی کیونکہ محبت کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے یہ سراسر جذبات کا کھیل ہے۔ اس لیے بیتو اور کامی بھی ایک دوسرے کو پسند کر بیٹھے تھے تو اس میں خوب کی کوئی بات نہیں تھی۔

کامی کا معاملہ ہم سے الگ تھا۔ ایک تو وہ کم عمر تھی۔ دوسرے اس پر کوئی فرد جرم نہیں تھا اور تیسرے وہ چینی نسل تھی۔ اگر اس کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جاتا کہ اسے چین کی شہریت یا وہاں رکنے کا اجازت نامہ دیا جاتا ہے تو اس صورت میں ہم کیا کرتے۔ ہمارے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں تھا کہ ہم چینی حکام کو ان کا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرتے۔ ہم تو ان کے رحم و کرم پر تھے۔ اس لحاظ سے بیتو کا کامی کی طرف ایک حد سے زیادہ بڑھنا کسی صورت درست نہیں تھا۔ کم سے کم جب تک ہمارے بارے میں ایک فیصلہ نہیں کر لیا جاتا۔ مگر محبت یہ سب مجبوریاں کہاں سمجھتی ہے۔ یہ عام طور سے وہیں ہوتی ہے جہاں اسے نہیں ہونا چاہیے۔

آنے والی رات جب کامی سو گئی تھی میں اور بیتو جاگ رہے تھے تو میں نے اس سے کہا۔ ''برخوردار..... ایسا لگ رہا ہے تم کامی میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگے ہو؟''

اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ ''ایسا نہیں ہے شوبی بھائی..... بے چارا یتیم لڑکی ہے اس لیے ہم کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے ہمدردی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اگر چینی حکام نے کامی کو اپنی تحویل میں لے لیا تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''اپنی تحویل میں کیوں؟'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔''

''ہم اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ ان کی نسل سے تعلق رکھتی ہے اس لیے یہ اس کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہ یہاں رہ کر تعلیم حاصل کر سکتی ہے۔ چین ایک ترقی یافتہ ملک ہے یہاں اس کا مستقبل بہتر ہوگا۔ ہمارے ساتھ تو اسے صرف دھکے ملیں گے۔ سب سے اہم بات کہ ہم ان لوگوں کے سامنے بے بس ہیں یہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں قبول کرنا ہوگا۔''

بیتو گم صم سا ہو گیا تھا۔ اس نے شاید اب تک اس نکتہ نظر سے نہیں سوچا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ شاید اپنے طور پر سوچ کر بیٹھا ہوا تھا کہ کامی ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''بیتو ہمیں حقیقت کی دنیا میں رہنا چاہیے۔''

اس نے ملتجی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کامی ہمارے ساتھ رہے؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''بیتو میری اپنی بھی یہی خواہش ہے لیکن ہم بے بس ہیں اگر انہوں نے کامی کے بارے میں کوئی اور فیصلہ کر لیا تو ہم اسے تبدیل نہیں کرا سکتے۔''

بیتو کا منہ لٹک گیا تھا۔ مجھے اس کی صورت دیکھ کر ترس آ رہا تھا لیکن یہ اس کے لیے بہتر تھا وہ خود کو آنے والی صورت حال کے لیے تیار کر سکتا تھا۔ میں نے کہا کہ اس گفتگو کے بعد وہ کامی سے غیر محسوس انداز میں کھنچ گیا تھا اور اس سے پہلے کی طرح گھل مل کر بات نہیں کر رہا تھا۔ کامی اس کی رکھائی پر حیران اور آزردہ تھی۔ ان کو دیکھ کر مجھے بھی دکھ ہو رہا تھا۔ مگر یہی شاید ان دونوں کے لیے بہتر تھا۔

تیسرے دن صبح سویرے دو سپاہی ہمیں سیل سے نکالنے کے لیے آئے۔ انہوں نے اشارے سے مجھے اور بیتو کو باہر آنے کو کہا۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ ہمیں کہیں اور لے جایا جا رہا تھا کیونکہ ایک سپاہی نے ہمیں اپنی ساری چیزیں لینے کو کہا تھا۔ ہمارے پاس کچھ تھا ہی نہیں جو ہم لیتے۔ بیتو مضطرب ہو گیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''انہوں نے کامی کو ساتھ کیوں نہیں لیا ہے؟''

مجھے خود نہیں معلوم تھا میں نے جواب دیا۔ ''حوصلہ رکھو یار ابھی سب سامنے آ جائے گا۔''

دونوں سپاہی ہمیں میجر آیون کے دفتر میں لائے۔ وہاں میجر آیون اور مترجم ہمارے منتظر تھے۔ میجر آیون نے کہا۔ ''تم لوگوں کو یہاں سے منتقل کیا جا رہا ہے؟''

''کہاں؟'' میں نے پوچھا۔ ''اور ہماری ساتھی لڑکی کو کیوں نہیں بھیجا جا رہا ہے۔''

''اس کے بارے میں ہم نے تحقیق کر لی ہے۔ اس کا تعلق سچ مچ چینی نسل سے ہے اور اس کا تم لوگوں سے یا رانا چندر باز سے کوئی تعلق نہیں ہے اور کیونکہ وہ چینی نسل سے ہے اس لیے وہ چین کی شہریت حاصل کرنے کی حق دار ہے۔ اعلیٰ حکام نے اسے چین کی شہریت دینے اور اس کو تمام سہولیات دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کل وہ یہاں سے روانہ کر دی جائے گی۔''

بیتو انگریزی نہیں سمجھتا تھا لیکن اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بات کامی کے بارے میں ہو رہی ہے۔ جیسے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری اور میجر آیون کی گفتگو میں وقفہ آیا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی بھائی یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''بیتو انہوں نے کامی کو اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا ہے؟'' میں نے اسے بتایا تو وہ چیخ اٹھا تھا۔

''لیکن کیوں وہ ہمارے ساتھ ہے۔''

بیتو کے چلانے سے میجر آیون اور وہاں موجود ترجمان و سپاہی چوکنا ہو گئے تھے۔ میجر نے مجھ سے کہا۔ ''اس نوجوان کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟''

''ایک منٹ میجر میں تم کو بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور بیتو سے کہا۔ ''جذباتی مت ہو میں نے کہا تھا نا کہ ہم ان کے سامنے بے بس ہیں۔ میجر نے مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے کامی کو چین کی شہریت دینے کا فیصلہ کیا ہے اور وہ اب یہاں حکومت کی مدد سے تعلیم حاصل کرے گی۔ اسے کل یہاں سے بھیج دیا جائے گا۔''

''وہ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتی ہے؟'' بیتو نے ڈوبتے لہجے میں پوچھا

''دوست تم جانتے ہو ہم کیسی زندگی گزار رہے ہیں اور ہمارے اگلے پل کا کچھ پتا نہیں ہوتا ہے۔ کیا تم اس مشکل زندگی میں اس معصوم لڑکی کو ساتھ رکھنا پسند کرو گے یا اس کے لیے یہاں سکون سے زندگی گزارنا پسند کرو گے؟''

بیتو کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہتا ہے شوبی بھائی۔ ہم جذباتی ہو گیا تھا۔''

میں نے میجر آیون کی طرف دیکھا۔ ''میرا ساتھی لڑکی کے لیے پریشان ہے کہ اس کے ساتھ کوئی مس بی ہیو نہ ہو؟''

''تم اس کی فکر مت کرو۔'' میجر آیون نے مخصوص کھردرے انداز میں کہا۔ ''اس کی بہت اچھی دیکھ بھال ہو گی۔ بلکہ اس کی تعلیم اور تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے گی ممکن ہے مستقبل میں تم لوگ اس لڑکی سے ملو تو اسے مکمل طور پر بدلا ہوا پاؤ۔''

''مجھے بھی یہی امید ہے۔''

میجر آیون نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''تمہارا ساتھی اس لڑکی کے معاملے میں کچھ جذباتی ہو رہا ہے کیا یہ اسے پسند کرنے لگا ہے؟''

''پسند تو نہیں لیکن تم اسے ایک طرح کی وابستگی کہہ سکتے ہو جو ساتھ رہنے سے انسانوں میں آ جاتی ہے۔ اس نے میری بات سمجھ لی ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے یہ بھی نوجوان ہے اور ابھی اس کے سامنے ایک طویل زندگی پڑی ہے۔''

''ہمیں کہاں بھیجا جا رہا ہے؟''

''جب تم اپنی منزل پر پہنچو گے تو خود پتا چل جائے گا۔ ویسے اتنا بتا دوں کہ اب تمہیں سول حکام کے حوالے کیا جا رہا ہے اور وہی تمہارا فیصلہ کریں گے۔'' اس نے کہا اور ہمیں ساتھ لانے والے سپاہیوں کو کچھ ہدایات دینے لگا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوا میں نے کہا۔

''اگر اجازت ہو تو ایک سوال کر سکتا ہوں؟''

میجر آیون نے سر ہلایا۔ ''پوچھ سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''رانا چندر باز کا کیا ہوا؟''

''اسے فیڈرل انویسٹی گیشن ایجنسی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اب ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

بیتو نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی اس سے پوچھو کیا بعد میں ہم کامی سے مل سکتا ہے؟''

میں نے میجر آیون سے کامی سے ملنے کے بارے میں پوچھا اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

''میجر اتنے دن ساتھ رہنے کی وجہ سے ہمیں اس سے انسیت ہوگئی ہے اور اس وجہ سے ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اس کا فیصلہ اعلیٰ حکام ہی کریں گے۔'' اس نے انکار کیا اور نہ اقرار کیا۔ میں نے بیتو کو میجر کے جواب سے آگاہ کیا تو وہ مایوس نظر آنے لگا تھا۔

میجر آیون نے ہمیں رخصت کر دیا اور ہم نگران سپاہیوں کے ہمراہ باہر آئے تھے۔ ایک بڑی پک اَپ نما گاڑی میں سوار ہو کر ہم نزدیک واقع ایک ہیلی پیڈ پہنچے جہاں ایک بڑا ٹرانسپورٹر ہیلی کاپٹر کھڑا تھا اور اس کے پنکھے محوِ گردش تھے۔ ہیلی کاپٹر ابھی آیا تھا اس سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ وہ یقیناً ہمیں کے لیے سپلائی لائی گئی تھی۔ جب سامان اتار دیا گیا تو ہیلی کاپٹر میں ڈرم رکھے جانے لگے۔ ان میں شاید کچرا اور استعمال ہو جانے والی چیزیں تھیں۔ ان علاقوں میں کچرہ پھیلانے سے گریز کیا جاتا ہے۔ میں نے پاکستان کے شمالی علاقوں میں دیکھا ہے کہ مقامی سیاح اور ادارے بہت گندگی پھیلاتے ہیں جب کہ باہر سے آنے والے سیاح اور ٹریکرز اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کوئی گندگی یا آلودگی نہ پھیلے۔ بلکہ بہت سارے تو دوسرے کی پھیلائی ہوئی گندگی بھی سمیٹ کر واپس لے جاتے ہیں۔ ہر سال مغربی ممالک سے ایسی ٹیمیں آتی ہیں جن کا مقصد صرف شمالی علاقوں میں آلودگی کم کرنا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے علاقے ہیں اور ہمیں ان کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔ سارے شمالی علاقے میں آرمی کے سیٹ اَپ موجود ہیں اور اگر وہ چاہے تو ان علاقوں سے آلودگی کے خاتمے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

میں نے اس چینی آرمی ہیں کو بے حد صاف ستھرا پایا تھا۔ وہاں کاغذ کا ایک پرزہ یا ایک پلاسٹک شاپر نظر نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے عمارتیں بے حد سادہ بنائی تھیں اور کوشش کی تھی کہ وہاں کوئی غیر ضروری چیز نہ ہو۔ اس فوجی بیس تک آنے کے لیے سڑک تھی لیکن سڑک سے آنا جانا بہت مشکل اور وقت دائیدھن کا ضیاع والی بات ہوتی اس لیے ٹرانسپورٹ کا سارا دارومدار ہیلی کاپٹرز پر تھا۔ یہ بھی ایک مسافر اور سامان بردار ہیلی کاپٹر تھا اور ہمیں اس کے ذریعے کہیں بھیجا جا رہا تھا۔ سامان اس کے پچھلے حصے میں بار کیا گیا تھا اور بار کرنے کے بعد اسے باندھا گیا تا کہ دورانِ پرواز یہ وزنی سامان بے قابو ہو کر لڑھکتا نہ پھرے۔ سامان کے خانے کے بعد مسافروں کے بیٹھنے کے لیے تین نشستیں تھیں۔ سب سے پیچھے کی طرف رک پر ایک نشست تھی جس کی چوڑائی کم تھی اور اس پر صرف تین افراد آ سکتے تھے۔ اس لیے اس نشست پر ہمیں بھیج دیا گیا اور ہمارے ساتھ ایک سپاہی آ گیا تھا۔ اس دوران میں ایک جیپ آ کر وہاں رکی اور اس سے ایک افسر کی وردی میں ملبوس چینی اترا اس کے پاس ایک چھوٹا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سا بریف کیس تھا اور خاص بات یہ تھی کہ بریف کیس ایک چھوٹی سی لیکن مضبوط زنجیر کی مدد سے اس کی کلائی سے بندھا تھا اور جب تک اس زنجیر کو اس کی کلائی سے الگ نہیں کیا جاتا بریف کیس بھی اس سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ چار مسلح سپاہی بھی تھے۔ مجھے ایسا لگا جیسے آرمی افسر بریف کیس میں کوئی اہم سرکاری چیز لے جا رہا تھا جس کی حفاظت کے لیے اتنا بندوبست کیا گیا تھا۔ وہ اپنے چار محافظوں سمیت ہیلی کاپٹر کے درمیانی حصے میں آ گیا جس میں آمنے سامنے نشستوں پر سات آٹھ افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اس کے بعد کاک پٹ تھا۔ ہیلی کاپٹر کے دو پائلٹ تھے۔ یوں ہم دو سمیت کوئی دس افراد ہیلی کاپٹر میں سوار کر ہو گئے تھے۔ جیسے ہی سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے اور کاپٹر کے دونوں طرف کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ پائلٹ نے پرواز کا اشارہ دیا اور چند لمحے بعد اس نے کسی دیو ہیکل پرندے کی طرح زمین چھوڑ دی تھی۔

اس وقت موسم صاف تھا۔ صبح کے گیارہ بج رہے تھے اور سورج چمک رہا تھا پرواز کے لیے یہ اچھا موسم تھا۔ جب ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہم ہمالیہ سے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر ہی کسی کم بلند جگہ پر تھے کیونکہ شمال میں پھر بلند پہاڑ دکھائی دے رہے تھے۔ بلندی پر آنے کے بعد ہیلی کاپٹر نے شمال مغرب کا رخ کیا تھا اس کا اندازہ سورج کی پوزیشن سے ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں شمال مشرق کی طرف لے جایا جائے گا۔ جہاں تبت کے شہری علاقے ہیں لیکن چین ایک وسیع ملک ہے اور اس میں ہر مقام پر شہر آباد ہیں۔ اب تو مشرقی چین میں بھی جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے بہت ترقی ہو رہی ہے۔ اگرچہ مغربی سازشی طاقتیں کوشش کر رہی ہیں کہ ان مسلمانوں اور چینی حکومت کے درمیان کشیدگی برقرار رکھی جائے لیکن چین کی حکومت اس معاملے کو دانش مندی سے حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیونکہ اس وسیع خطے پر امریکہ کی نظریں مرکوز ہیں اور یہاں پر آئل اور گیس کے وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔ جس پر امریکہ اور دوسری مغربی طاقتوں کی رال ٹپک رہی ہے۔ چین بھی ان ذخائر تک رسائی چاہتا ہے۔ اور اس نے بنا کسی جنگ کے اس معاملے میں خاصی حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے۔ چین ایک طرف تو خود کو معاشی طور پر مضبوط سے مضبوط تر بنا رہا ہے۔ دوسری طرف اس نے اپنے وسائل محاذ آرائی میں ضائع نہیں کیے ہیں۔ اسی وجہ سے چین دنیا کی دوسری بڑی معاشی طاقت اور سب سے مضبوط معیشت ہے۔ حالیہ معاشی بحران نے جب ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا اور ہر ملک ہی کساد بازاری کا شکار ہوا۔ چین پر اس کا بہت زیادہ اثر نہیں ہوا ہے۔ چین کے فوجی اخراجات امریکہ کے کل فوجی اخراجات کا دسواں حصہ ہیں لیکن قیمتوں کے فرق کو دیکھا جائے تو چین اور امریکہ کے فوجی اخراجات میں ایک پانچ کا تناسب ہے۔ آنے والے دور میں جب چین دنیا کی سب سے بڑی معیشت بن جائے گا تو اس کے فوجی اخراجات بھی اسی تناسب سے ہوں گے۔ فی الحال امریکہ دہشت گردی کی جنگ کے نام پر اپنے شہریوں کی خون پسینے کی کمائی اسلحہ ساز اداروں پر فراخدلی سے لٹا رہا ہے لیکن امریکہ میں بڑھتی ہوئی کساد بازاری اس صورت حال کو زیادہ دیر برقرار رہنے نہیں دے گی اور جلد یا بدیر امریکہ کو ساری دنیا میں جاری اپنے بہت سارے فوجی آپریشن بند کرنا ہوں۔ اس فوجی انخلا کو آنے والے وقتوں میں صرف ایک طاقت بھر سکتی ہے اور وہ چین ہے۔ اسے ابھرنے اور نیا عالمی لیڈر بننے سے روکنے کے امریکہ اور مغربی ممالک ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اس کشمکش کے آثار آج کل کی سیاست میں نمایاں ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم جس ہیلی کاپٹر میں سوار تھے۔ یہ بلندی پر اڑنے والا طاقتور ہیلی کاپٹر تھا۔ اس کی رفتار بھی تیز تھی دیکھتے ہی دیکھتے ہم پہاڑوں کے درمیان پہنچ گئے۔ اب ہمارے چاروں طرف بلند برف پوش پہاڑ تھے۔ ان کے درمیان ہیلی کاپٹر کسی معمولی سے کھلونے کی طرح اُڑ رہا تھا۔ یہ ہیبت زدہ کرنے والا منظر تھا۔ یہ لوگ تو عادی تھے اور آئے دن اسی طرح سفر کرتے تھے لیکن میرے اور بیتو کے لیے یہ منظر نیا تھا۔ ہم اس کے سحر میں آ گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہیلی کاپٹر ایک خاص انداز میں اُڑ رہا تھا وہ بہ ظاہر آسان نظر آنے والے درے چھوڑ کر بلند پہاڑوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ اس وقت مجھے اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

بیتو بہت اداس تھا اس نے حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا لیکن اس کے لیے کاکی کو اس طرح چھوڑ کر آنا کہ وہ نہ تو اس سے الوداعی ملاقات کر سکا اور نہ ہی اسے دیکھ سکا۔ یقیناً بہت تکلیف دے تھا۔ وہ چپ چپ تھا اور جب ہیلی کاپٹر بلند ہوا تب بھی وہ باہر دیکھ رہا تھا میں نے اس سے بات کرنے سے گریز کیا مجھے یقین تھا وہ جلد خود کو سنبھال لے گا۔ نوعمری کی پسندیدگی میں جتنی شدت ہوتی ہے اتنی ہی جلدی اس کی شدت ختم بھی ہو جاتی ہے اس کی مثال سوڈے کے جھاگ جیسی ہے جو پوری شدت سے ابلتا ہے اور لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے۔

جیسے جیسے ہیلی کاپٹر مغرب کی طرف جا رہا تھا اس کی پرواز شمال کے بجائے مغرب کی طرف سیدھی ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے نقشہ تو نہیں دیکھا لیکن میرا اندازہ تھا کہ ہیلی کاپٹر کی پرواز بھارت کی کشمیر والی سرحد کے پاس تھی اس علاقے کو شاید لداخ کہتے ہیں اور اس پر بھی چین اور بھارت کا تنازعہ تھا۔ درحقیقت چین بھارت سرحدی تنازعہ پاکستان اور بھارت کے سرحدی تنازعات سے کہیں زیادہ گھمبیر اور پیچیدہ ہے۔ اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک ہزاروں میل لمبی سرحد میں جا بہ جا موجود ہے۔ بدقسمتی سے انگریز جاتے جاتے برصغیر میں سرحدی تنازعات کی ایسی فصل چھوڑ گیا تھا جس سے گزشتہ تریسٹھ سال سے مسلسل کشیدگی اور بدامنی کی فصل اگ رہی تھی۔ کیونکہ اس معاملے میں بھارت وہ فریق ہے جو اس خطے میں برطانیہ عظمیٰ کا جانشین تھا اس لیے فائدہ بھی سب سے زیادہ اس نے اٹھایا ہے۔ چین اور پاکستان سمیت علاقے کے دوسرے ممالک نقصان میں رہے۔ پاکستان کشمیر سے محروم ہوا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بھارت نے بنیادی کردار ادا کیا۔ چین کا اروناچل پردیش پر دعویٰ ہے اس کے علاوہ بھی دونوں ملکوں کی سرحد کوئی دو ہزار مقامات سے غیر واضح ہے اور اس پر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ متنازعہ علاقہ کوئی پانچ لاکھ مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ سکم اور بھوٹان کو بھارت عملاً ہضم کر چکا ہے۔ نیپال کی شہ رگ اس کے قبضے میں ہے اور سری لنکا میں خانہ جنگی کی آگ بھارت نے لگائی جس پر قابو پاتے پاتے اس چھوٹے سے ملک کی دس فی صد آبادی موت کی نیند سو گئی۔ یوں دیکھا جائے تو بھارت اس خطے میں بدامنی اور انارکی پھیلانے میں پیش پیش ہے اور وہ مغرب کے لیے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ میں ہیلی کاپٹر کی پرواز کے دوران یہی سب سوچ رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر میں سوار چینی آپس میں، مَیں مَیں کر رہے تھے۔ ویسے بھی بلند آواز میں بات کرنا چین کے لوگوں کی عادت ہے۔ جب دو جاننے والے آپس میں ملتے ہیں تو وہ زور سے بولتے ہیں۔ یہ ان کے ہاں محبت اور خلوص کا اظہار ہوتا ہے لیکن یہاں اونچی آواز میں بات کرنے کی سب سے بڑی وجہ ہیلی کاپٹر کے انجن کا بے پناہ شور تھا جو کان کے پردے میں سوراخ کیے دے رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں ہمارا دماغ خراب ہو گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ مگر مجبوری تھی جب تک یہ پرواز جاری تھی ہمیں برداشت تو کرنا ہی تھا۔ کچھ دیر بعد ہم اس شور کے عادی ہو گئے تھے۔

کوئی دو گھنٹے تک جاری رہنے والی پرواز کے بعد پہاڑوں کی بلندی کم ہونے لگی تھی مگر اب بھی تمام پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کی بلندی کم نہیں کی تھی اور اس کا مطلب تھا کہ ابھی سفر باقی تھا۔ جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے وہاں موسم صاف تھا لیکن جب ہم مغرب میں پہنچے تو یہاں بادل تھے اور حد نگاہ بہت کم تھی۔ ہوائیں بہت تیز تھیں اس کا اندازہ ہیلی کاپٹر کی کھڑکی سے ٹکرانے والے برف کے ذرات سے ہو رہا تھا۔ اچانک ہیلی کاپٹر لرز گیا اور بہت تیزی سے نیچے گیا تھا۔ سب کے دل دہل گئے تھے اور چیخ چیخ کر بات کرنے والے خاموش ہو گئے۔ باہر موجود تیز ہوا کے جھونکے تھے جو ہیلی کاپٹر کو بھی لرزا رہے تھے۔ موسم کے تیور ٹھیک نہیں تھے۔ مجھے تشویش ہونے لگی۔ کیا ان لوگوں کے پاس علاقے کے موسم کی رپورٹ نہیں تھی۔ ہمالیہ میں ایسے موسم میں پرواز بہت خطرناک کام ہے کیونکہ یہاں کسی ہنگامی صورت حال میں نہ تو لینڈنگ کی گنجائش ہوتی ہے اور اگر کریش ہونے والے جہاز یا ہیلی کاپٹر کا عملہ اور مسافر بچ بھی جائیں تو سردی اور بلندی ان کی جان لینے کے لیے کافی ہوتی ہے جب کہ اس علاقے میں امدادی سرگرمیاں بھی مشکل ہوتی ہیں۔

مجھے آگے والوں کا تو نہیں پتا تھا کیونکہ نشستوں کے درمیان اونچی پشت تھی جس سے دوسری طرف کا منظر نہیں آ رہا تھا لیکن ہمارے ساتھ جو چینی سپاہی تھا اس کی حالت خراب ہو گئی تھی اور وہ چینی زبان میں ڈرے ڈرے انداز میں کچھ کہنے لگا تھا۔ پہلے جھٹکے کے بعد جب کچھ دیر تک دوسرا جھٹکا نہیں لگا تو سب کی جان میں جان آئی تھی۔ اور وہ لوگ پھر سے آپس میں بولنے لگے تھے۔ مگر اسی وقت دوسرا جھٹکا لگا اور وہ اتنا شدید تھا کہ سب ایک دوسرے پر گر پڑے تھے۔ میرے اوپر سپاہی اور بیتو بیک وقت آن گرے تھے اور ان کا سارا زور مجھے برداشت کرنا پڑا تھا۔ سپاہی اب چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا شاید اپنے خدا کو یاد کر رہا تھا مجھے چینیوں کے مذہب کے بارے میں کچھ زیادہ پتا ہے بس اتنا معلوم ہے کہ وہ بدھ مت کو مانتے ہیں اور چین ایک کمونسٹ ملک ہے جہاں سرکاری طور پر خدا کی نفی کی جاتی ہے۔ مگر انسان کتنا بھی دہریہ کیوں نہ ہو جائے مصیبت میں اسے خدا یاد آ جاتا ہے۔ سپاہی جلد سنبھل گیا اور کاک پٹ کی طرف منہ کر کے چلانے لگا۔ آگے نشستوں پر موجود لوگ بھی چلا رہے تھے مگر پائلٹ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر ہیلی کاپٹر کو قابو کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ باہر موسم خراب ہوتا جا رہا تھا اور اب ہمارے چاروں طرف گھنے بادل تھے۔ اگر پائلٹ ہیلی کاپٹر کو اس طوفان میں سنبھالنے میں ناکام رہتے تو موت ہمارا مقدر بن جاتی۔ مجھے خود اس موقع پر خدا یاد آ گیا تھا۔

سپاہی آپس میں چلا چلا کر بات کر رہے تھے اور پائلٹ آپس میں چیخ و پکار کر رہے تھے۔ اب انجن کے شور سے زیادہ شور اس میں سوار انسانوں کا تھا۔ بیتو خود کو سنبھال رہا تھا اس کی سیٹ بیلٹ ڈھیلی پڑ گئی تھی جب کہ سپاہی کی سیٹ بیلٹ اس دھچکے سے ٹوٹ گئی تھی۔ مجھے زیادہ فکر عقبی حصے میں موجود وزنی سامان کی تھی اگر اس کو باندھنے والی رسیاں کھل جاتیں تو یہ سامان لڑھک کر ہم پر بھی آ گرتا۔ اچانک ہی کاپٹر کے انجن کی آواز بند ہو گئی اور وہ کسی پتھر کی طرح نیچے گیا تھا۔ لوگوں کی چیخیں نکل گئی تھیں اور میری چیخ یوں نہیں نکل سکی کہ دل اچھل کر حلق میں آن پھنسا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہیلی کاپٹر بھی کسی پہاڑی سے ٹکرائے گا اور پاش پاش ہو جائے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پائلٹ دیوانہ وار چلا رہے تھے اور شاید انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے لیکن ان کی کوشش ناکام جا رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہیلی کاپٹر ہزار فٹ نیچے آ گیا تھا اور جب مجھے بھی محسوس ہونے لگا تھا کہ اب ہیلی کاپٹر تباہی سے نہیں بچ پائے گا۔ گرنے کے دوران ہیلی کاپٹر دائرے میں گھوم رہا تھا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ہمیں چکر آنے لگے تھے۔ پائلٹوں کی کوششیں رنگ لائیں اور اس کے انجن معجزانہ طور پر اسٹارٹ ہو گئے۔ انجن کی آواز آئی تو سب کی جان میں جان آئی تھی۔ اب ہیلی کاپٹر گرنے کے انداز میں نیچے نہیں جا رہا تھا۔ بلکہ آہستہ سے نیچے جا رہا تھا۔ میری تشویش ابھی بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ انجن کی آواز میں پہلے جیسا شور اور گرج نہیں تھی۔ یہ دوہرے انجنوں والا ہیلی کاپٹر تھا اور شاید اس کا ایک ہی انجن اب کام کر رہا تھا۔ ایک انجن کی طاقت سے اس طوفان میں اسے اڑانا مشکل کام تھا اور پائلٹس اسی مشکل سے دوچار تھے۔ ہیلی کاپٹر بار بار اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

''شوبی بھائی یہ..... کیا ہو رہا ہے۔'' بیتو نے چلا کر پوچھا۔

''وہی جو تم بھی دیکھ رہے ہو۔'' میں نے جواب دیا۔ ''شاید ہیلی کاپٹر کریش ہو جائے تم اس کے لیے تیار رہنا۔''

''تو ہم مر جائے گا۔'' بیتو نے ہراساں لہجے میں کہا۔

''جب انسان کا وقت آتا ہے تو اسے مرنا پڑتا ہے۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''لیکن اللہ سے بہتری کی امید رکھو وہ ہمیں بچا لے گا۔''

کسی نے ہماری گفتگو پر توجہ نہیں دی کیونکہ سب کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ سپاہی اور دوسرے افراد چینی زبان میں چیخ چیخ کر بات کر رہے تھے۔ کیونکہ ہم سب سے پیچھے والی نشست پر تھے اور ہیلی کاپٹر بے قابو ہو کر گھومتا تھا تو مجھے لگتا تھا جیسے معدہ الٹ کر حلق میں آ جائے گا۔ اگرچہ ہیلی کاپٹر اب بہت تیزی سے نہیں گھوم رہا تھا لیکن پھر بھی اس کی رفتار خاصی تھی۔ بیتو کا برا حال ہو گیا اور اس نے الٹی کر دی تھی۔ اس کی الٹی کی چھینٹے اڑ کر ہم پر آئے تھے لیکن اس وقت کسی کو اس چیز کی پروا بھی نہیں تھی۔ الٹی کرنے کے بعد بیتو بے حال سا ہو گیا تھا اور اگر بیتو کی سیٹ بیلٹ نہ بندھی ہوتی تو وہ فرش پر گر جاتا وہ جھٹکوں کے ساتھ جھول رہا تھا۔

میں دروازے کے اوپر لگے شیشے سے نیچے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک دھند اور بادلوں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ پتا نہیں ہم پہاڑوں سے کتنا اوپر تھے۔ زمین کتنی نیچے تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ زمین سرے سے نظر ہی نہیں آتی اور ہیلی کاپٹر اس سے جا ٹکراتا کیونکہ یہاں دھند شدید تھی طوفانی ہوا نے اس دھند کو اڑانے کے بجائے اس کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔

اس موقع پر مجھے عجیب سا خیال آیا کہ رانا چندر باز جسے میں [illegible] اسی لیے لایا تھا کہ اسے چینی حکام کے حوالے کر دوں اور اسے اس کے جرائم کی سزا ملے۔ وہ تو کہیں زندہ [illegible] مجھے اپنی اور اپنے ساتھیوں کے بچ نکلنے کی امید تھی اور موت نے ہمیں کہاں گھیر لیا تھا اگر ہیلی کاپٹر کریش ہو جاتا تو اس بات کا امکان بہت کم تھا کہ ہم بچ سکیں۔ یہ فیصلہ [illegible] کرنا ہے کہ کس نے زندہ رہنا ہے اور کس نے مر جانا ہے۔ شاید ہمارا آخری وقت آ گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ سے دعا کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے معبود اگر میرا وقت آ گیا ہے تو میں تیری رضا میں راضی ہوں لیکن اگر میری زندگی ہے تو مجھے میرے پیاروں، میرے گھر والوں اور میرے دوستوں سے ضرور ملانا۔''

اسی لمحے ہیلی کاپٹر کو شدید ترین دھچکا لگا اور اس کے انجن کی آواز تبدیل ہو گئی۔ پھر ایک عجیب سی سنسناتی آواز آئی اور میری چھٹی حس نے بروقت اشارہ دیا اور میں نے اپنا اور بیتو کا سر نیچے کی طرف کر لیا۔ بیتو نیم غشی میں تھا الٹی اور ہیلی کاپٹر گھومنے سے اس کی حالت بری ہو گئی تھی اور اس کا سر بھی مجھے نیچے کرنا پڑا تھا۔ جیسے ہی ہم جھکے فوراً ہی کوئی چیز بائیں طرف سے ہیلی کاپٹر کا شیشہ توڑتی اندر آئی اور میں نے کسی کی لرزہ خیز چیخ سنی تھی۔ مجھے جاننے کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ کیا چیز تھی کیونکہ اس کے فوراً بعد ہیلی کاپٹر زمین سے ٹکرایا تھا۔

جب ہیلی کاپٹر زمین سے ٹکرایا تو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ یہ جھٹکا ایسا تھا کہ اس نے کچھ دیر کے لیے حواس ہی گم کر دیئے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے دائرے سے ناچنے لگے تھے۔ میرے کان چیخوں کی آواز سن رہے تھے اور ساتھ میں دھات رگڑنے کی آواز آ رہی تھی لیکن ہیلی کاپٹر کو اب مزید جھٹکے نہیں لگ رہے تھے۔ کچھ دیر میں نے سر جھٹک کر اپنے حواس بحال کیے۔ میں اپنی سیٹ سے بندھا بیٹھا تھا اور میرے برابر بیتو بے ہوش پڑا تھا جس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ میں نے بے تابی سے اسے آواز دی۔ ''بیتو..... تم ٹھیک ہو نا؟''

لیکن اس کی طرف سے جواب نہیں آیا تھا۔ کیبن کا حشر ہو گیا تھا اور کسی چیز کا پتا نہیں چل رہا تھا میں نے بمشکل خود کو سیٹ بیلٹ سے آزاد کیا اور بیتو کو ٹٹولا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا بلکہ بہہ کر جم رہا تھا اور اس کی نبض چل رہی تھی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ سپاہی ایک طرف عجیب سے انداز میں پڑا تھا لیکن فی الحال مجھے بیتو کی فکر تھی میں نے اس کی نبض دیکھی تو وہ ذرا سست لیکن تواتر سے چل رہی تھی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں نے سپاہی کا جائزہ لیا تو وہ آگے کی طرف جھکا ہوا تھا اور میں نے اس کو سیدھا کرنا چاہا تو اس کا اوپری دھڑ اس کی کمر سے الگ ہو کر فرش پر گر پڑا اور میں دنگ رہ گیا تھا۔ سپاہی کے جسم کے ٹکڑے ہو گئے تھے لیکن یہ کیسے ہوئے تھے اس وقت مجھے نہیں معلوم تھا۔

ہیلی کاپٹر یقینی طور پر کریش ہو چکا تھا۔ مگر کہاں اور کس جگہ یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ دوسرے لوگوں کا کیا حال تھا مجھے علم نہیں تھا۔ اگلی نشستیں کباڑ بن گئی تھیں اور میری طرف دروازے کے اوپر لگا شیشہ تاریک تھا۔ بلکہ شیشہ ٹوٹ گیا تھا میں نے ہاتھ مار کر دیکھا تو مجھے برف محسوس ہوئی تھی۔ اس طرف سے ہیلی کاپٹر برف میں دھنس گیا تھا۔ خوش قسمتی سے اس کے فیول ٹینک کو آگ نہیں لگی تھی ورنہ اب تک ہم جل کر مر چکے ہوتے۔ دوسری طرف سے ذرا روشنی آ رہی تھی۔ پچھلی اور اگلی نشست کے درمیان ذرا سا خلا بن گیا تھا میں نے اس خلا میں ہاتھ ڈالا تو میرا ہاتھ کسی نوکیلی سی چیز سے لگا اور میں نے ہاتھ اٹھایا تو وہ خون میں بھرا ہوا تھا۔ اگلی نشستوں پر موجود لوگوں کا حال اچھا نہیں تھا۔ ان میں کوئی شدید زخمی تھا کیونکہ خون بہت زیادہ تھا۔ ان میں سے کوئی چلا رہا تھا اور اس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ کوئی دوسرا بھی بول رہا تھا اور اس کی آواز ٹھیک لگ رہی تھی۔

میں نے دوسری طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ جام ہو رہا تھا۔ اس طرف کا شیشہ بھی سلامت تھا۔ شیشہ توڑنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا لیکن ہیلی کاپٹر سے نکلنا بھی ضروری تھا پتا نہیں یہ کس پوزیشن میں کھڑا تھا اور کسی پہاڑی کے کنارے تھا تو مزید نیچے لڑھک سکتا تھا۔ دروازہ کھولنے میں ناکامی پر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے چل کر کہا۔ ''دروازہ کھولو..... تم لوگ کیا کر رہے ہو؟''

میرا مقصد ان کو بتانا تھا کہ ہم بھی زندہ ہیں۔ تاکہ وہ نکل گئے ہیں تو ہمیں بھی نکالنے کی کوشش کریں۔ کچھ دیر بعد کسی نے آگے سے چینی زبان میں انکوائری کی۔ میں نے انگریزی میں بات کرنے کی استدعا کی لیکن وہ انگریزی نہیں جانتا تھا۔ میں جل کر رہ گیا ٹھیک ہے قومی زبان سے محبت اپنی جگہ لیکن بندے کو انگریزی بھی کچھ نہ کچھ تو آنی چاہیے۔ ورنہ دوسری قوم کے فرد سے بات کیسے ہو؟ بہر حال میرے بولنے کا اثر ہوا تھا اور وہ آگے سے کچھ کرنے لگا چیزیں ہٹانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں پلٹ کر بیتو کے پاس آیا اور اس کے چہرے تھپتھپاتے ہوئے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

جب خاطر خواہ ردِعمل نہیں ہوا تو میں نے ٹوٹے شیشے سے برف نکالی اور بیتو کے چہرے اور منہ پر ملنے لگا اس کا فوری ردِعمل ہوا اور وہ ہوش میں آنے لگا تھا۔ بیتو کو ہوش آیا تو اس نے روایتی سوال کیا۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''اسی دنیا میں ہو لیکن اس ہیلی کاپٹر سے نہ نکلے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے اس لیے یہاں سے نکلنے کی سوچو۔ میں بھی یہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور سامنے موجود ملبے کو ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی کوشش کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا خلا پیدا کیا اور اس کے دوسری طرف مجھے کسی کا جسم نظر آیا تھا میں نے اسے ہلایا لیکن وہ کسی لاش کی طرح بے جان پڑا تھا۔ میں اسے ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اسے ہٹاؤ تاکہ ہم نکل سکیں۔''

دوسری طرف موجود لوگ بھی کوشش کر رہے تھے لیکن لاشیں یا زخمی اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ نکل ہی نہیں پا رہے تھے۔

مجبوراً میں نے خلا میں سے پاؤں گزارا اور اس کے زور سے لاش کو دور ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس بار مجھے کامیابی ملی تھی اور سیٹ کے سامنے موجود لاش سرک گئی۔ میں اس خلا سے گزرنے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ آسان کام نہیں تھا کیونکہ خلا میری جسامت کے مقابلے میں کم تھا۔ مجھے جیکٹ کی وجہ سے بھی مشکل ہو رہی تھی میں نے جیکٹ اتار دی اور پھر کوشش کی تو اس بار کسی نہ کسی طرح نکل کر ہیلی کاپٹر کے کیبن کے سامنے والے میں آ گیا۔ اگرچہ اس دوران میں، میں تھوڑا بہت چھل گیا تھا لیکن جان کے مقابلے میں ان زخموں کی پروا کیسے ہو سکتی تھی۔ میں خون پر پھسلتا ہوا اگلے حصے میں پہنچا تھا اور یقیناً میرے کپڑے خون سے بھر گئے تھے۔ یہ تقریباً جم جانے والا خون تھا۔

اس حصے میں روشنی تھی کیونکہ یہاں دائیں طرف کے شیشوں سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ جب میں نے یہاں کا منظر دیکھا تو میرے رونگٹے جو پہلے ہی سردی کی وجہ سے کھڑے تھے بالکل ہی کھڑے ہو گئے۔ جس چیز نے کریش ہوتے ہیلی کاپٹر کا شیشہ توڑا تھا اور اندر آئی تھی وہ اصل میں اس کا ایک پرتھا جو زمین سے ٹکرا کر ٹیڑھا ہو گیا تھا اور گھوم کر کیبن میں گھس آیا تھا میں نے بروقت خود کو اور بیتو کو نیچے کیا تھا۔ ہمارے اوپر سے گھوم کر یہ پر جا کر اگلی نشست پر بیٹھے سپاہیوں کو لگا تھا اور اس نے چار افراد کو کاٹ کر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

سامنے والی نشست پر کاک پٹ کے عین پیچھے بریف کیس والا آرمی افسر بیٹھا تھا اور پر نے اسے دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حصوں میں تو تقسیم نہیں کیا تھا لیکن اس کی بھی جان لے لی تھی۔ وہ کوئی چھ سات انچ دائیں پہلو سے اس کے پیٹ اور سینے کے درمیانی حصے میں گھس گیا تھا اور وہ اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا تھا۔ کاک پٹ کا سامنے والا حصہ برف میں گھسا ہوا تھا اور مجھے ایک پائلٹ بھی اپنی نشست پر پھنسا دکھائی دیا۔ بچ جانے والا واحد فرد دوسرا پائلٹ تھا اور وہی مجھے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مرنے سے پہلے شور کرنے والا یقیناً آرمی انسٹرکٹر تھا۔ پائلٹ سخت دہشت زدہ تھا حالانکہ وہ سپاہی تھا اور دنیا کے دشوار ترین خطے میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا اسے مضبوط اعصاب کا ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اشارے سے اسے دروازہ کھولنے کو کہا۔ وہ اس کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے پلٹ کر بیتو سے کہا۔ "باہر نکلو اور میری جیکٹ مجھے دے دو۔"

اتنی سی دیر میں سردی نے میرا برا حال کر دیا تھا جب بند کیبن میں یہ حال تھا تو باہر نہ جانے کیا حال ہوتا لیکن ہمارا ہیلی کاپٹر سے نکلنا بھی ضروری تھا۔ تاکہ پتا چلتا کہ ہم کہاں اور کس پوزیشن میں تھے۔ بیتو کوشش کر کے کسی طرح اپنی جیکٹ میں ہی اس خلا سے نکل آیا تھا۔ اتنی سی دیر میں لاشوں سے بہنے والا خون مکمل طور پر جم چکا تھا۔ اس لیے کامی کے کپڑے خراب ہونے سے بچ گئے تھے۔

بیتو نے جب کیبن کا یہ منظر دیکھا اور دو حصوں میں تقسیم لاشوں پر نظر پڑی تو وہ خوف زدہ ہو کر رہ گیا تھا۔ بہر حال لاشیں اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھیں۔ کتنے ہی تو اس کے ہاتھ سے مارے جا چکے تھے اور وہ ہر طرح کی لاشیں دیکھ چکا تھا اس لیے اس نے جلد خود کو سنبھال لیا اور میری طرف دیکھا۔ "شوبی بھائی اب کیا کرنا ہے۔"

"سب سے پہلے تو ہمیں ہیلی کاپٹر سے باہر نکلنا ہے۔" میں نے کہا اور پائلٹ کے ساتھ دروازہ کھولنے کی کوشش میں شامل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد بیتو بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا اور ہم نے مل کر زور لگایا تو دروازہ کھول ہی لیا تھا۔ یہ سرکنے والا دروازہ تھا اور حادثے کی وجہ سے جام ہو رہا تھا بڑی مشکل سے ہم اسے فٹ بھر سرکانے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد یہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا لیکن باہر نکلنے کے لیے اتنا خلا بھی کافی تھا۔ دروازہ کھلتے ہی یخ بستہ ہوا کا جھونکا آیا تھا لیکن اس زندان سے راستہ پانے کی خوشی زیادہ تھی۔ جس میں اب لاشیں زیادہ تھیں۔

پہلے میں باہر نکلا۔ تیز ہواؤں کے ساتھ برف کے ذرات برس رہے تھے۔ جو براہ راست آنکھوں میں جا رہے تھے اور میرے پاس کوئی عینک نہیں تھی جو ان ذرات سے آنکھوں کو بچاتی۔ بہر حال کسی طرح ادھ کھلی آنکھوں سے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں ہیلی کاپٹر کریش ہوا تھا۔ یہ کسی اونچے برفانی ٹیلے کی جڑ تھی اور شکر ہے کہ یہاں ڈھلان نہیں تھی ورنہ کریش ہونے کے بعد بھی ہیلی کاپٹر رک نہیں سکتا تھا اور جو بچ گئے تھے وہ اس طرح مارے جاتے۔ اصل میں گرتے ہوئے ہیلی کاپٹر کا پنکھا اس ٹیلے کے اوپری حصے سے ٹکرایا تھا اور شاید اس تصادم نے ہیلی کاپٹر کے گرنے کی رفتار کم کر دی تھی۔ ہیلی کاپٹر اس [illegible] میں دھنس گیا تھا اور اس کا بایاں حصہ معہ کاک پٹ برف میں دھنس گیا تھا۔ ہمارے تین طرف بلند پہاڑ تھے اور ایک طرف کسی گلیشیر کی ڈھلان نظر آ رہی تھی۔ مگر یہ دھوکا بھی ہو سکتا تھا کیونکہ برف کے اڑتے ذرات کی وجہ سے سو گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ عین ممکن تھا کہ کچھ دور ہی کوئی اندھی کھائی منہ کھولے موجود ہوتی۔ اس علاقے میں قدم پھونک پھونک کر رکھنا لازمی تھا۔

نیچے والا پائلٹ ہیلی کاپٹر کے عقبی حصے کا معائنہ کر رہا تھا جہاں سے [illegible] اٹھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پائلٹ سے اشارے سے پوچھا کہ یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے۔ اس نے مجھے پاس بلا کر ہیلی کاپٹر کے عقبی حصے میں انجن کے پاس باڈی میں ایک سوراخ دکھایا۔ جس سے دھواں نکل رہا تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس جگہ سوراخ کیسے ہو گیا جب کہ باڈی کا باقی حصہ محفوظ تھا۔ میں نے پائلٹ سے اس سوراخ کے بارے میں پوچھا تو پہلے اس نے چینی زبان میں کچھ کہا اور جب میں نے نفی میں سر ہلایا تو وہ بولا

''میزائل.....لک.....اٹ از میزائل۔''

''میں دنگ رہ گیا تھا بھلا میزائل کہاں سے آ گیا۔ پائلٹ پاگل ہو گیا تھا جو اپنے ہیلی کاپٹر کی کریش لینڈنگ کی وجہ میزائل کو قرار دے رہا تھا۔ میں نے اشارے سے پوچھا کہ میزائل کہاں سے آیا تو اس نے جواب دیا۔

''انڈین میزائل.....''

میں اب بھی اس کی بات نہیں سمجھا تھا اس علاقے میں بھلا انڈیا والے کہاں سے آ گئے۔ میں نے پھر نفی میں سر ہلایا کہ میں اس کی بات نہیں سمجھا تو وہ ہیلی کاپٹر میں گھس گیا اور کچھ دیر بعد ایک چھوٹا سا مگر تفصیلی نقشہ لے آیا جو پلاسٹک پیپر پر بنا تھا اس نے اسے ہیلی کاپٹر کی باڈی پر جما کر انگلی کے اشارے سے مجھے بتایا کہ ہم کہاں تھے۔ اور انڈین میزائل نے ہیلی کاپٹر کو یہاں ہٹ کیا تھا۔ نقشہ چینی زبان میں تھا لیکن اہم جگہوں کے نام انگریزی میں بھی تھے اور میں دیکھا پائلٹ نے جس جگہ انگلی رکھی تھی وہ کشمیر میں چین اور بھارت کی سرحد کے پاس تھی اس جگہ کو لداخ کہتے ہیں۔ کشمیر میں لداخ وہ جگہ ہے جہاں بدھ مت کے ماننے والے اکثریت میں ہیں اور وہ پاکستان یا بھارت کے بجائے اپنا تعلق چین یا تبت سے جوڑتے ہیں۔ کارگل سے اوپر اس بلند ترین علاقوں میں لاکھوں بھارتی فوج تعینات ہے کیونکہ بھارت کو خطرہ ہے کہ چین کہیں اچانک حملہ کر کے لداخ پر قبضہ نہ کر لے۔

ہیلی کاپٹر شمال مغربی چین کے کسی شہر کی طرف جا رہا تھا اور لداخ کے پاس سے گزرتے ہوئے بھارت کی طرف سے اس پر میزائل فائر کیا گیا تھا جس نے انجن کو نقصان پہنچایا اور ہیلی کاپٹر کریش ہو گیا۔ انجن کے شور کے ساتھ طوفانی ہواؤں کا شور بھی ایسا تھا کہ مجھے بالکل اندازہ نہیں ہوا کہ کوئی میزائل آ کر ہیلی کاپٹر سے لگا تھا۔ اگر یہ میزائل باڈی کے اس حصے میں لگنے کے بجائے انجن کے ٹینک سے ٹکرا جاتا تو یقیناً اس وقت ہم ٹکڑوں کی صورت میں برف پر بکھرے ہوتے۔ پھر ہیلی کاپٹر میں سوار سات افراد مارے جا چکے تھے اور صرف تین بچے تھے۔ اب میں سمجھا کہ پائلٹ سیدھی وادیوں کو چھوڑ کر مشکل چوٹیوں کے پاس سے کیوں گزر رہا تھا۔ وہ بھارتی سرحد کے پاس جانے سے گریز کر رہا تھا۔ جب ہیلی کاپٹر کو دوسرا جھٹکا لگا تھا تو میں اسے بھی موسم کی خرابی سمجھا تھا۔ اصل میں اس وقت ہیلی کاپٹر کو میزائل نے آ کر نشانہ بنایا تھا۔

میں نے اشارے سے پوچھا کہ کہیں سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ پائلٹ نے جوابی اشارے سے بتایا کہ ہیلی کاپٹر کا ریڈیو اس حادثے میں تباہ ہو گیا تھا اور وہ کہیں سے مدد طلب نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک خوفناک انکشاف تھا۔ ہم میزائل حملے کے بعد ایک برف زار میں کریش لینڈنگ کے بعد بچ گئے تھے لیکن مدد نہ ملتی تو ہم مارے ہی جاتے۔ یہاں بے پناہ سردی تھی اور درجہ حرارت یقیناً منفی بیس پچیس ڈگری سینٹی گریڈ تھا۔ پھر یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں جس کے ساتھ برف کے باریک ذرات اڑ رہے تھے اور وہ چھروں کی طرح جسم کے کھلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حصوں پر آ کر لگ رہے تھے۔ ہم صرف ہیلی کاپٹر کے کیبن میں ہوا اور اڑتی برف سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ پائلٹ اب ایندھن کے ٹینک کا معائنہ کر رہا تھا کہ اس میں تو کہیں رساؤ نہیں ہوا تھا جو دھماکے کا سبب بن جائے۔ میں بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا اس نے اشارے سے بیتو کو کہا کہ وہ برف اٹھا اٹھا کر میزائل سے ہونے والے سوراخ میں ڈالے۔ شاید اس کا مقصد یہ تھا کہ اندر لگی آگ یا جو چیز بھی سلگ رہی تھی اور دھواں چھوڑ رہی تھی۔ بیتو سوراخ میں برف بھرنے لگا۔ ٹینک درست حالت میں تھا اور یہ بہت مضبوط اور موٹی چادر کا بنا ہوا تھا اس لیے اتنے شدید حادثے میں بھی سلامت رہا۔

میں نے کیبن کا معائنہ کیا اور محسوس کیا کہ لاشیں باہر نکالے اور اندر کی صفائی کیے بغیر ہم کیبن میں نہیں رہ سکتے تھے میں نے پائلٹ کو سمجھایا تو وہ میری بات سے متفق نظر آنے لگا۔ ہم تینوں مارے جانے والے چینیوں کی لاشیں ہیلی کاپٹر سے نکال کر برف پر رکھنے لگے۔ چار لاشیں تو دو دو حصوں میں بٹ گئی تھیں۔ عقبی طرف ہمارے ساتھ بیٹھے سپاہی کی لاش نکالنا ممکن نہیں تھا اس لیے اسے چھوڑ دیا۔ پھر آرمی افسر کی باری آئی۔ پر ابھی تک اس کے جسم میں اترا ہوا تھا اور اسے اس سے نکالنا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''تم اسے پکڑو میں پر کھینچتا ہوں۔''

بیتو نے سر ہلایا لیکن جیسے ہی اس نے آرمی افسر کا شانہ پکڑا اس کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں وہ زندہ تھا۔ ہم چونک گئے۔ پائلٹ بے تابی سے اس کے پاس آیا اور اس کچھ کہنے لگا لیکن آرمی افسر اس کی بات نہیں سن رہا تھا اس کی آنکھیں اپنی کلائی پر موجود بریف کیس پر مرکوز تھیں۔ وہ مجھے کچھ دیر کا مہمان لگ رہا تھا لیکن اس وقت بھی اسے اپنے فرض کا خیال تھا اور وہ بریف کیس کے لیے فکر مند تھا۔ اس نے بہت آہستہ سے پائلٹ سے کچھ کہا۔ پائلٹ نے سر ہلایا۔ دونوں گفتگو کر رہے تھے کہ آرمی افسر کے لیے وقت آ گیا اس نے ایک جھٹکا لیا اور ساکت ہو گیا۔ پائلٹ نے دکھی انداز میں اس کی کھلی رہ جانے والی آنکھیں بند کر دیں۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ مل کر اسے پر سے نکالا اور ہم اسے باہر لے آئے۔ برف پر لٹا کر پائلٹ نے اس کی کلائی سے بریف کیس نکالنے کی کوشش کی لیکن زنجیر بہت مضبوط تھی۔ اس نے آرمی افسر کی جیب کی تلاشی لی کہ شاید اس میں کہیں چابی ہو لیکن اس کے لباس سے کوئی چابی نہیں نکلی تھی بس ایک پرس تھا۔ پائلٹ نے اپنے ساتھیوں کے پرس اور دوسری چیزیں جمع کر لی تھیں۔ وہ اس نے سب ایک جگہ ڈال دیں شاید یہ سب ان لوگوں کے اہلِ خانہ تک پہنچانی تھیں۔

پائلٹ کو آرمی افسر نے مرنے سے پہلے یقیناً بریف کیس کے بارے میں کچھ کہا تھا اور اب وہ بریف کیس اس کی کلائی سے الگ کرنے کے لیے فکر مند تھا۔ وہ ایک عام سا پائلٹ تھا اور اس ہنگامی موقع پر اس کی عقل منتشر ہو گئی تھی اسے کچھ اور نہیں سوجھا تو اس نے آرمی افسر کا پستول نکالا اور فائر کر کے زنجیر توڑنے والا تھا کہ میں نے ایک خدشے کے تحت اسے روک دیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے اسے سمجھایا کہ اگر اس نے فائر کیا تو ممکن ہے دھماکے سے یہاں سنو سلائیڈنگ شروع ہو جائے اور ہم اس میں دفن ہو جائیں۔ زیادہ بڑا خطرہ یہ تھا کہ یہاں سے بھارت کی سرحد زیادہ دور نہیں تھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ بھارتی ہیلی کاپٹر کا ملبہ تلاش کر رہے ہوں۔ فائر کی آواز ان کی یہاں تک رہنمائی کر سکتی تھی۔ پائلٹ میری بات ذرا مشکل سے سمجھا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن اس کی سمجھ میں آ گیا اور اس نے فائر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

میں نے زنجیر کا جائزہ لیا۔ یہ اسٹیل کی ہلکی لیکن مضبوط زنجیر تھی اور مشکل سے ایک فٹ لمبی تھی۔ برف کیس دیکھنے میں تو لیدر لگ رہا تھا لیکن جب میں نے اسے اٹھایا تو پتا چلا کہ لیدر کور کے نیچے یہ کسی مضبوط دھات کا بنا تھا اور زنجیر اسی دھات بکس سے منسلک تھی۔ زنجیر کو اس دھاتی بکس سے الگ کرنا ممکن نہیں تھا۔ صرف فولادی کڑے کو آرمی افسر کی کلائی سے نکالا جا سکتا تھا۔ اور یہ بھی آسان کام نہیں تھا کیونکہ مرنے کے بعد ایک منٹ کے اندر وہ بالکل اکڑ گیا تھا۔ میں نے زور لگایا مگر کڑا اس کی کلائی سے نہیں اترا تھا۔ بیتو نے کہا۔

''میرا خیال ہے اسے کاٹنا پڑے گا۔''

میں سمجھا وہ زنجیر کاٹنے کی بات کر رہا ہے۔ ''ہمارے پاس لوہا کاٹنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔''

''میں لوہے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔''

بیتو کی بات میری سمجھ میں ذرا دیر سے آئی تھی۔ وہ آرمی افسر کی کلائی کاٹنے کو کہہ رہا تھا۔ سپاہیوں کے پاس فوجی خنجر تھے جو بہت آرام سے یہ کام کر سکتے تھے۔ میں نے سوچا اور پھر پائلٹ کو اشاروں میں سمجھایا کہ بریف کیس کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اسے خطرے کا احساس تھا کہ بھارتی اگر ہیلی کاپٹر کے ملبے کی تلاش میں نکلے ہوئے تو بریف کیس ان کے ہاتھ لگ سکتا تھا اور اس میں خدا جانے چین کے کون سے فوجی یا دوسرے راز تھے۔ جو دشمن کے ہاتھ لگ جاتے تو چین کو نقصان ہو سکتا تھا۔

ہم اندر آئے اور میں نے نقشہ سامنے رکھ کر پائلٹ سے پوچھا کہ اس جگہ سے چین کی نزدیک ترین جگہ کون سی ہو گی۔ جہاں ہم جا سکتے ہوں۔ اس نے نقشے پر جو مقام بتایا وہ اس جگہ سے کوئی پچاس میل مزید شمال مغرب میں تھا اور پچاس میل کا مطلب اس علاقے میں کم سے کم دو سو میل تھا اور اگر ہم فوری طور پر روانہ ہو جاتے تب بھی یہ فاصلہ طے کرنے میں چار پانچ دن لگ سکتے تھے۔ اس بات کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ کوئی امدادی ٹیم اس موسم میں اور اس علاقے میں ہم کو تلاش کر لے۔ اس لیے ہمیں ہی نکلنا تھا میں نے پائلٹ سے خوراک کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہیں سے ایک چھوٹا سا پیک نکالا۔ اس میں بسکٹ تھے۔ یہ شاید ہائی انرجی پروٹین بسکٹ تھے ایک بسکٹ ایک آدمی کی ایک وقت کی غذائی ضروریات پوری کر سکتا تھا اور اس پیک میں ایسے تیس بسکٹ تھے۔

میں نے پائلٹ کو سمجھایا کہ ہمیں فوری طور پر یہاں سے روانہ ہونا ہے ممکن ہے بھارتی ہیلی کاپٹر کا ملبہ تلاش کر رہے ہوں اور وہ یہاں پہنچ گئے تو ہم پکڑے جائیں گے۔ ہم نے ایسی چیزیں نکالنا شروع کر دیں جو راستے میں ہمارے کام آ سکتی تھیں ہیلی کاپٹر میں علاقے کی مناسبت سے ایمرجنسی پیک تھے۔ ان میں جیکٹیں اور کمبل تھے اس کے علاوہ ہوا بھرنے سے کھڑے ہو جانے والے خیمے تھے۔ سپاہیوں کا اسلحہ لیا۔ اس میں چینی ساختہ خود کار رائفلیں تھیں۔ اس کے علاوہ پستول اور چاقو بھی تھے۔ ہمیں برف اور اس کی چمک سے بچاؤ والی عینکیں بھی مل گئی تھیں جو آنکھوں کو مکمل طور پر کور کر لیتی ہیں۔ ہم نے اضافی جیکٹس پہن لیں کیونکہ موجودہ جیکٹیں اس قیامت خیز سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے ناکافی تھیں۔

بیتو جو سامان الٹ پلٹ رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی بھائی اچھا ہوا جو کاری ہمارے ساتھ نہیں آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ورنہ تو اس کا وہی ہوتا تو سپاہی کے ساتھ ہوا تھا۔ اگر کامی ہوتا تو وہ اس سپاہی کی جگہ بیٹھا ہوتا۔"

"بس اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اب وہ سکون سے ہوگی اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرے گی جیسے ہم ابھی دھکے کھانے کا آغاز کرنے والے ہیں۔"

اپنے اپنے کمبل اور خیموں کے پیک پشت پر باندھ کر ہم ہیلی کاپٹر سے باہر آئے۔ پائلٹ اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے سامنے افسردہ کھڑا ہو گیا اور اپنے رواج کے مطابق ان کے لیے دعا کرنے لگا۔ جب وہ فارغ ہوا تو میں نے اس کی طرف چاقو بڑھا دیا۔ وہ چاقو ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا شاید اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی لیکن میں نے اشارے سے کہا کہ اسے یہ کام کرنا ہی ہے یہ اس کا فرض ہے تو وہ بادلِ ناخواستہ حرکت میں آیا اور آری افسر کی لاش کے پاس بیٹھ گیا۔ میں اور بیتو وہاں سے ہٹ آئے تاکہ وہ بلا جھجک اپنا کام کر لے۔ کچھ دیر وہ آیا تو بریف کیس اس کے ہاتھ میں تھا لیکن وہ دکھی لگ رہا تھا۔ اپنے ہی ساتھی افسر کا ہاتھ کاٹنا آسان کام نہیں تھا۔ اس نے چاقو پھینک دیا تھا لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میں نے ایک اور چاقو بھی لے لیا تھا۔ میں نے اسلحے میں سے تین رائفلیں منتخب کی تھیں اور سپاہیوں کے پاس موجود تمام ایمونیشن لے لیا تھا۔ اگر کہیں کسی سے مقابلہ ہو جاتا تو ہم نہتے نہیں تھے۔

پائلٹ نے ایک پیک اور نکالا تھا اس میں کمپاس، بلند پیما اور ایک چھوٹا ریڈیو تھا جس سے محدود فاصلے پر رابطہ ممکن تھا۔ اس نے ریڈیو آن کر کے چیک کیا مگر اس پر کوئی سگنل نہیں آ رہا تھا۔ فولڈ ہو جانے والی اسکیس تھیں جو برف میں چھپے گڑھے جاننے کے لیے تھیں اور رسیاں جن کی مدد سے ہم نے ایک دوسرے کو آپس میں باندھ لیا تھا۔ یہ بھی ہیلی کاپٹر سے مل گئی تھیں۔ بیتو نے کافی کا ٹوٹ جانے والا تھرماس بھی لے لیا تھا۔ حالانکہ اس کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ یہاں پینے کے لیے پانی نہیں تھا اور اگر پیاس لگتی تو ہمیں برف منہ میں ڈال کر کام چلانا پڑتا۔

خوش قسمتی سے ہم تینوں کو معمولی نوعیت کے زخم آئے تھے۔ بیتو کے سر پر چوٹ آئی تھی اور میری کمر کسی چیز سے لگی تھی خون نہیں نکلا تھا مگر تکلیف اچھی خاصی تھی۔ پائلٹ کو بہ ظاہر کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ اگر ہیلی کاپٹر میں طبی امداد کا کوئی پیک موجود تھا تو سامان کے انبار میں غائب ہو گیا تھا اس لیے میں اور بیتو اپنی مرہم پٹی بھی نہیں کر سکے تھے۔ جب ہم روانہ ہوئے تو طوفان کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی ہوائیں بہت تند اور سرد تھیں۔ اور برف اُڑ رہی تھی۔ دستانے نہیں تھے اس لیے ہاتھ اکڑے جا رہے تھے۔ ہم شمال مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔

پائلٹ سب سے آگے چل رہا تھا وہ رک رک کر برف کی مضبوطی کا اندازہ کرتا تھا اور پھر قدم آگے بڑھاتا تھا۔ بیتو اس سے کوئی دس گز پیچھے تھا اور میں بیتو سے اتنے ہی فاصلے پر تھا۔ بیتو کچھ سوچ رہا تھا کیونکہ اس نے پلٹ کے مجھے نزدیک آنے کا اشارہ کیا میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے آہستہ سے کہا۔ "شوبی بھائی قدرت نے ہم کو چانس دیا ہے۔"

"کیسا چانس؟" میں نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا یہاں ہوا بہت ہلکی تھی اور اس میں سانس لینے کے لیے باقاعدہ زور لگانا پڑ رہا تھا۔

"اب ہم ان کا قیدی نہیں ہے ہم اپنی مرضی سے جا سکتا ہے۔" بیتو نے آگے جاتے پائلٹ کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشارہ کیا

''ہم کہاں جاسکتے ہیں؟''

اس سوال کا جواب بیتو کے پاس بھی نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں ایک طرف تو چین تھا اور دوسری طرف بھارت کی سرحد تھی بلکہ کشمیر کی سرحد تھی جس پر بھارت نے قبضہ کر رکھا ہے اس طرف جانا خودکشی کے برابر تھا۔ ہم بھارت سے تو بھاگ کر آئے تھے۔ چین میں ہمارے ساتھ اب تک اچھا سلوک ہی ہوا تھا اور امید تھی کہ چین کے حکام ہمارے کیس کو ہمدردی سے لیں گے اس لیے بیتو کی سوچ حقانہ تھی۔ ان حالات میں بہتر یہی تھا کہ ہم چین میں رہتے اور اپنے لیے بہتر امید رکھتے۔ اگر ہم فرار ہوتے اور بعد میں پکڑے جاتے جس کا بہت زیادہ امکان تھا تو ہم اپنے لیے ممکنہ رعایت سے محروم ہو جاتے۔ سوچتے ہوئے میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے کیونکہ ہم مشکل میں ہیں اور یہاں سے فرار ہونے کے بعد ہمارے پاس صرف ایک راستہ رہ جائے گا۔'' میں بولتے بولتے رکا کیونکہ پائلٹ ایک جگہ رک گیا تھا اور پھر وہ ہماری طرف آنے لگا۔ اس نے مجھے اشارے سے شمال کی طرف ایک پہاڑ کا بتایا اس کا مطلب تھا کہ ہم اسے عبور کرلیں تو پھر ہم اس سے آگے راستہ آسان تھا۔ وہ اس علاقے میں پرواز کرتا رہتا تھا اس لیے یہاں کی جغرافیائی ساخت سے باخبر تھا۔ اس نے بتایا کہ ہمیں شمال کی طرف جانا تھا میں نے سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ وہ پلٹ کر آگے جانے لگا۔ بیتو منتظر تھا کہ میں اپنی بات مکمل کروں۔

''ہم انڈیا کی طرف نہیں جاسکتے وہاں سے تو ہم بھاگ کر آئے ہیں اور فرار ہو کر ہم چینیوں کی ممکنہ ہمدردی سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ ہمارے لیے بہتر ہے کہ صبر کریں اور اچھے وقت کا انتظار کریں۔''

میں نے محسوس کیا کہ بیتو میرے جواب سے مایوس ہوا تھا لیکن اس نے بحث نہیں کی اور آگے بڑھ گیا۔ دیکھا جائے تو اس کا کہنا بھی درست تھا یہ ہمیں اچھا موقع ملا تھا لیکن حالات فی الحال فرار کے لیے سازگار نہیں تھے اور اس میں بہت زیادہ رسک تھا۔ ہم دس دس گز کے فاصلے سے ایک دوسرے کے پیچھے سفر کرنے لگے۔ پائلٹ برفانی علاقوں میں سفر کی تربیت حاصل کر چکا تھا کیونکہ وہ ماہرانہ انداز میں چل رہا تھا۔ میرے اور بیتو کے لیے بھی یہ علاقے اجنبی نہیں تھے۔ ہم اس سے پہلے بھی بہت بار برفانی علاقوں میں سفر کر چکے تھے۔ فرق صرف تھا تھا کہ اس سے پہلے ہم نے اتنی بلندی پر سفر نہیں کیا تھا۔ میری گھڑی میں موجود آلٹی میٹر کے مطابق ہم اس وقت پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور پہاڑ سر کرنے کے لیے ہمیں مزید بلندی پر جانا تھا۔

ہمارے جسم اور پاؤں مناسب انداز میں ڈھکے ہوئے تھے لیکن ہاتھ کھلے ہوئے تھے اور اس سردی میں فراسٹ بائٹ ہو جانا تعجب خیز نہیں ہوتا ہے۔ مجھے اپنے اور بیتو کے ہاتھوں کی فکر تھی پائلٹ کے ہاتھوں میں پھر بھی اس کے چمڑے کے فلائنگ گلوز تھے۔ ہم جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بھی نہیں چل سکتے تھے۔ کیونکہ ٹری تھامے ہوئے تھے۔ اس کا دستہ کسی قسم کے پلاسٹک سے بنا تھا لیکن وہ بھی برف کی طرح سرد ہو جاتا تھا۔ بار بار ہاتھ بدلنا پڑتا تھا۔

پائلٹ آگے ہونے اور برف کی جانچ کرنے کے باوجود ہم سے تیز چل رہا تھا اور ہمیں اس کا ساتھ دینے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ روانگی کے کوئی ایک گھنٹے بعد ہم اس پہاڑ کے دامن تک پہنچ گئے تھے۔ یہ پہاڑ کیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسا لگ رہا تھا جیسے برف کی چٹانوں کا ایک ڈھیر جمع کر دیا گیا ہو اور ذرا دور سے تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس پر چڑھنے کا راستہ کہاں ہے لیکن جیسے جیسے اس کے پاس جا رہے تھے اس کے خدوخال واضح ہوتے جا رہے تھے۔ خوش قسمتی سے یہاں برف میں گڑھے نہیں تھے۔ ورنہ ہم اتنی آسانی سے پہاڑ کے پاس نہ پہنچ پاتے۔ مگر ہمارے سفر کی مشکلات کا آغاز تو یہاں سے ہونا تھا کیونکہ ہمارے پاس کوہ پیمائی کا سامان نہیں تھا اور ہمیں اپنا بل بوتے پر اوپر جانا تھا۔

کچھ دیر تو ہم ہمت جمع کرتے رہے تھے کیونکہ اس تہہ در تہہ پہاڑ پر چڑھنے کے خیال سے دل بیٹھ رہا تھا۔ ہمیں کوئی دو ہزار فٹ کی بلندی سر کرنا تھی اس کے بعد ہم دوسری طرف اتر سکتے تھے۔ چڑھنے سے پہلے سب نے ایک ایک انرجی بسکٹ کھایا اور اس کا اچھا اثر ہوا تھا ہمارے اندر تو انائی آ گئی جو اوپر چڑھنے کے لیے درکار تھی۔ طوفان کا زور کیونکہ پہاڑ کے دوسری طرف سے تھا اس لیے یہاں ہواؤں کا زور نہ ہونے کے برابر تھا بلکہ ہم پہلی بار اس قابل ہوئے تھے کہ آس پاس کے ماحول کو صحیح سے دیکھ سکیں۔ سیڑھی نما گھومتے راستوں سے ہم پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ ابتدا میں تو چڑھائی اتنی مشکل نہیں تھی لیکن جیسے جیسے ہم اوپر جانے لگے چڑھائی دشوار ہوتی چلی گئی۔ کہیں کہیں تو ہمیں چاروں ہاتھ پاؤں استعمال کرنے پڑتے تھے اور یہ بہت اذیت ناک بات تھی۔ برف پر لگانے سے ہاتھ یوں ٹھنڈے پڑ جاتے جیسے ہمارے جسم کا حصہ ہی نہ ہوں۔

بلندی کی وجہ سے ہوا میں آکسیجن کا تناسب بھی کم ہو گیا اور ہمارے سانس پھولے ہی رہنے لگے تھے۔ بار بار سانس درست کرنے کے لیے رکنا پڑتا تھا۔ ابھی تک ہمیں اپنے علاوہ یہاں اور کوئی جاندار نظر نہیں آیا تھا۔ آسمان پر دبیز بادل تھے اور ان کی موجودگی میں کسی قسم کی امداد کی توقع محال تھی۔ یہاں صرف فضا سے مدد ممکن تھی اور اس موسم میں کوئی طیارہ یا ہیلی کاپٹر پرواز نہیں کر سکتا تھا۔

پائلٹ اوپر تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی عجلت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس قسم کی چڑھائی پر زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیتو اس کے پیچھے تھا اور ہم احتیاط سے چڑھ رہے تھے اس کے باوجود پائلٹ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ ہم اس سے دور ہو بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ہم سب ایک ہی رسی سے منسلک تھے۔ میں ایک چھوٹے سے گڑھے کو چھلانگ لگا کر پار کر رہا تھا کہ پائلٹ کی چیخ سنائی دی۔ میں نے اوپر دیکھا تو وہ نظر نہیں آیا۔ بیتو چلایا۔ ''رسی کھینچ رہی ہے وہ کہیں گر گیا ہے۔''

''بیتو خود کو روکے رکھو۔'' میں نے چلا کر کہا اور اپنی کمر سے بندھی رسی کھول کر ایک پتھر سے باندھ دی۔ پھر میں زوپر کی طرف بڑھا جہاں پائلٹ غائب ہوا تھا۔ بیتو درمیان میں ایک چٹان کے ساتھ پاؤں ٹکا کر کھڑا تھا۔ ''میں نے رسی باندھ دی ہے لیکن تم بھی اسے پکڑے رکھو۔''

میں اس جگہ آیا جہاں پائلٹ غائب ہوا تھا۔ وہاں برف میں گڑھا تھا اور رسی اس میں جا رہی تھی۔ میں نے دور سے چلا کر کہا۔ ''تم کہاں ہو؟''

جواب میں پائلٹ کی آواز آئی تھی ظاہر ہے وہ کہہ رہا تھا کہ میں یہاں ہوں۔ میں برف پر لیٹ گیا اور ذرا سا سرک کر گڑھے کے کنارے تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ برف کے نیچے کہاں کیا خلا تھا۔ اس پر بوجھ ڈالتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا میں تو کسی رسی سے بھی بندھا ہوا نہیں تھا۔ بیتو بھی خدشات کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اس نے چلا کر کہا۔ ''شوبی بھائی آگے مت جاؤ۔ ہم اسے مل کر باہر کھینچ لیتے ہیں۔''

''ایک منٹ مجھے اس کی پوزیشن دیکھ لینے دو پھر ہم کچھ کریں گے۔'' میں نے کہا اور آگے سرکنا جاری رکھا۔ احتیاطاً میں نے بھی رسی پکڑ لی تھی اگر میرے بوجھ سے برف ٹوٹ بھی جاتی تو میں کسی اندھے غار میں گرنے سے بس سکتا تھا۔ میں کنارے سے ذرا دور تھا تو مجھے لگا جیسے برف سرک رہی ہو میں فوراً ساکت ہو گیا لیکن جب برف نے مزید حرکت نہیں کی تو میں تھوڑا اور آگے کھسکا۔ اب میں اس پوزیشن میں تھا کہ پائلٹ کو دیکھ سکوں۔ وہ ایک چھوٹی سی لیکن گہری دراڑ میں پھنسا ہوا تھا۔ اس دراڑ کی تہہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اندر تاریک خلا تھا۔ پائلٹ کوئی پندرہ فٹ نیچے اس طرح پھنسا ہوا تھا کہ وہ خود سے اوپر نہیں آ سکتا تھا۔ اسے کھینچنا پڑتا۔ میں نے آواز دے کر اسے متوجہ کیا تو اس نے اوپر دیکھا۔ خوف سے اس کا چہرہ جیسے بگڑ گیا تھا۔ میں نے اشارے سے اسے بتایا کہ ہم اسے اوپر کھینچ لیں گے اور اسے خود بھی زور لگانا ہوگا۔ اسی صورت میں وہ اس دراڑ سے باہر نکل سکتا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔

میں واپس پیچھے کی طرف سرکا اور بروقت سرکا تھا کیونکہ اچانک ہی اس جگہ سے بھی برف گر گئی جہاں میں کچھ دیر پہلے تھا۔ مجھے پائلٹ کے بارے میں خدشہ ہوا کہ برف کہیں اس پر نہ گری ہو میں نے چلا کر کہا۔

''آر..... یو..... اوکے۔''

پائلٹ سمجھ گیا اس نے جواب دیا۔ ''آئی..... اوکے..... اوکے۔''

امریکن کلچر میں کوئی خوبی ہو نہ ہو لیکن اس کے بعض الفاظ بین الاقوامی بن گئے ہیں۔ جیسے اوکے..... ہیلو وغیرہ۔ میں پیچھے آیا اور بیتو کی کمر سے اس کی رسی کھولی اور پھر ہم دونوں مل کر رسی پر زور لگانے لگے۔ یہ خاصا مشکل کام تھا کیونکہ رسی کنارے سے اور پھر چٹانوں سے بھی رگڑ کھا رہی تھی اور ہمیں پائلٹ کو کھینچنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ شور مچاتا کہ کہیں پھنس گیا ہے۔ ہمیں اس نے اپنی بات سمجھانے کے لیے ''ناٹ اوکے'' کا لفظ بنا لیا تھا اور ٹھیک ہے کہنے کے لیے وہ اوکے کہتا تھا۔ کوئی دس منٹ کی مشترکہ جدوجہد کے بعد ہم اسے دراڑ سے نکالنے میں کامیاب رہے تھے۔ مگر اس جدوجہد نے ہمارا حشر کر دیا تھا اور ہمارے سانس کسی دھونکنی کی طرح چل رہے تھے۔

پائلٹ زخمی ہوا تھا اس کی دائیں کہنی دراڑ میں گرتے ہوئے رگڑ کھا کر زخمی ہوئی تھی اور کمر پر بھی چوٹ آئی تھی۔ اس کی کہنی پر اسی کے کمبل سے ایک پٹی پھاڑ کر باندھ دی اور کمر کی تکلیف کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں تھا اس لیے آگے روانہ ہو گئے۔ مشترکہ رسی نے پائلٹ کو دراڑ کے بالکل اندر جانے سے بچا لیا تھا ورنہ ہم اسے اندر سے نہیں نکال سکتے تھے۔ اب کے ہم روانہ ہوئے تو میں سب سے آگے تھا۔ پائلٹ درمیان میں اور بیتو سب سے پیچھے تھا۔ راستے کا فیصلہ مجھے کرنا ہوتا تھا اس لیے میں قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہا تھا ایک بار میں باحفاظت جس راستے سے گزر جاتا پیچھے ان دونوں کے لیے وہ راستہ محفوظ ہو جاتا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے کون سا قدم محفوظ ہے اور کون سا نہیں ہے۔ یہ رسک اب مجھے لینا تھا۔

رفتہ رفتہ ہم چوٹی کے پاس ہوتے جا رہے تھے۔ اور اسی حساب سے سردی اور ہوا کا ہلکا پن بڑھتا جا رہا تھا اوپر طوفان کا اثر بھی زیادہ تھا اور جب پہاڑ کے اس طرف یہ شدت تھی تو دوسری طرف اس کی شدت کا اندازہ لگایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا سکتا تھا۔ پہاڑ عبور کرنے کے بعد ہمیں طوفان کی صحیح شدت کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر ابھی پہلا مرحلہ چوٹی تک پہنچنے کا تھا۔ پائلٹ کی کمر کی تکلیف سفر کرنے کے دوران بڑھ گئی تھی اس کی چوٹ ٹھنڈی ہو کر اسے زیادہ اذیت دے رہی تھی جب اس کا درد حد سے بڑھنے لگتا تھا تو وہ رک جاتا اور اس کے ساتھ ہم بھی رک جاتے تھے اور وہ ہر دس قدم کے بعد رک جاتا۔ ایسے ہی ایک قیام کے دوران بیتو نے کہا

''اگر ہم اسی طرح رکتا رہا تو کبھی بھی اس جگہ نہیں پہنچ سکے گا جہاں یہ ہم کو لے جا رہا تھا۔''

''جب انسان وہاں نہیں پہنچ پاتا جہاں اسے جانا ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ قدرت نے اس کی منزل کہیں اور رکھی ہوتی ہے۔ اس لیے جب آدمی سفر کے لیے نکلتا ہے تو کہیں نہ کہیں پہنچتا ہی ہے۔'' میں نے سستاتے ہوئے کہا ''لیکن اگر تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ہم اسے چھوڑ جائیں یا کسی اور طرف سفر کریں تو یہ ممکن نہیں ہے۔''

پائلٹ ایک طرف ڈھلان سے ٹکا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اذیت کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا سفر کے قابل ہے اس نے سر ہلایا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی لیکن وہ باہمت شخص تھا اس لیے تکلیف کے عالم میں بھی سفر کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے۔ چوٹی سے کچھ پہلے اس کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ وہ لیٹ گیا تھا۔ اس کا رنگ مزید زرد پڑ گیا تھا اور ماتھے پر پسینے کے قطرے جم رہے تھے۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں رکنا ہوگا اس کی حالت مزید سفر کے قابل نہیں ہے۔''

''جیسے آپ کہیں۔'' بیتو بے دلی سے بولا۔ اسے پائلٹ یا شاید کسی بھی چینی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی کیونکہ ان لوگوں نے کامی کو اس سے دور کر دیا تھا۔ میں نے ایک کسی قدر ہموار جگہ پائلٹ کے لیے خیمہ لگا اور اسے اس میں لٹا دیا۔ یہ ایک لمبا سا اور سرو والے جھے سے کسی قدر گول ابھرا ہوا خیمہ تھا اس میں آدمی بس لیٹ سکتا ہے اٹھنے بیٹھنے کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ گرمائش کے لیے اس کا کمبل بھی اس کے جسم سے لپیٹ دیا تھا اور ساتھ ہی اسے ایک انرجی بسکٹ بھی کھلا دیا تھا۔ اس کا خیمہ ایک پتھر کے ساتھ اس طرح لگایا تھا کہ وہ پھسل کر نیچے نہ گرے۔ ہم بہر حال ایک پہاڑ پر تھے اور یہاں اس سے زیادہ ہموار جگہ ممکن نہیں تھی۔

اس دوران میں بیتو نے اپنی چھتری کی مدد سے برف کھود کر ایک چھوٹا سا غار بنا لیا تھا جس میں ہم دونوں بیٹھ سکتے تھے۔ یہ ہوا سے محفوظ تھا۔ ہم اس میں گھس کر بیٹھ گئے۔ بیتو نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ''شوبی بھائی..... اگر اس جگہ رات ہو گیا تو صبح یہاں سے ہمارا اکڑا ہوا لاش ملے گا۔''

دوپہر کے دو بج رہے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ چار بجے یہاں اندھیرا چھانا شروع ہو جائے گا اور پانچ بجے تک سفر کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ ان حالات میں اگر ہم چوٹی تک پہنچ کر دوسری طرف اترنا شروع بھی کر دیتے تو تاریکی ہوتے ہوتے کتنا نیچے جا سکتے تھے۔ جب کہ دوسری طرف طوفان کی شدت بھی بہت زیادہ تھی اس صورت میں ہمارے لیے بہتر یہی تھا کہ رات اسی ڈھلان پر گزاریں اور اگلی صبح چوٹی عبور کر کے دوسری طرف اتریں۔ یہ ٹھیک تھا کہ سردی رات کو زیادہ ہی ہو جاتی لیکن سردی تو دونوں طرف زیادہ ہی ہوتی۔ یہاں ہم کم سے کم طوفانی ہواؤں اور برف کے چھروں کی اڑتے ذرات سے تو محفوظ تھے۔

''میرا خیال ہے ہمیں یہیں رکنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''دوسری طرف بھی ہم زیادہ نیچے نہیں اتر سکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ اس سے پہلے ہی رات ہو جائے گی اور پھر اس طرف طوفان آیا ہوا ہے یہاں ہم طوفان سے تو بچے ہوئے ہیں۔"

بیتو نے مجھ سے اتفاق کیا۔ ہم نے مل کر رات گزارنے کے برف کے اس غار کو بڑا کیا۔ اب اس میں ہم تینوں کے خیمے آ سکتے تھے اور موسم کی سختی سے کسی قدر بچت ممکن تھی۔ پانچ بجے تک ہم بھی اپنے خیمے کھول کر ان میں گھس گئے تھے اور کمبل اوڑھ لیے تھے۔ تینوں خیمے بالکل پاس پاس تھے اور ہم نے غار کے آس پاس اضافی برف جمع کر کے اس کا دہانہ مختصر کر لیا تھا اس کے باوجود تاریکی ہوتے ہی ایسی شدت کی ٹھنڈ آئی کہ ہم کانپنے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد بیتو نے کہا۔

"شوبی بھائی ہم اندر سے بھی جم رہا ہے۔"

"اپنا بھی یہی حال ہے۔" میں نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن سردی نے آواز تک منجمد کر دی تھی۔

"صبح تک پتا نہیں کیا ہوگا؟"

"ایسے وقت کے لیے ہم کہتے ہیں۔ وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا؟"

"کیا مطلب شوبی بھائی؟"

میں اسے مطلب سمجھانے لگا اور وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "شوبی بھائی..... ایک سوال کرے آپ برا تو نہیں مانے گا؟"

"نہیں میں تمہاری بات کا برا نہیں مان سکتا۔"

اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے کبھی محبت کیا؟"

اس کے سوال نے ایک لمحے کو میرا دل روک دیا تھا۔ میں نے محبت کی تھی لیکن اس محبت سے اس قدر منہ چھپایا کہ اسے اپنے خیالوں تک سے نکال دیا اس کے بارے میں سوچنے سے بھی گریز کرتا تھا لیکن میں جانتا تھا اس محبت کو کبھی اپنے اندر سے نہیں نکال سکوں گا۔ یہ میرے وجود میں خون کی طرح گردش کرتی تھی اور روح کی مانند رہتی تھی۔ اگر کوئی اپنے خون کی گردش روک سکتا یا اپنے جسم سے روح نکلنے پر بھی زندہ رہتا تو میں بھی اس محبت کو اپنے وجود سے نکال سکتا تھا۔

جب میں نے ساحل کی محبت کے سامنے ہار مانی تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ جسے میں اپنا سمجھ بیٹھا تھا وہ میرے سامنے ایک اور روپ میں آئے گی۔ وہ میرے عزیز از جان بھائی کی بیوی بن جائے گی۔ وہ بھائی جس نے مجھے ہمیشہ اپنی سب سے اچھی چیز دی۔ بن مانگے دی اور پوری محبت سے دی لیکن وہ بھائی مجھ سے میری جان سے بھی زیادہ پیاری ہستی لے جائے گا میں نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ جو ہوا اس میں شاہد بھائی کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ تو اباجی کا فیصلہ تھا جس نے ہمیشہ کے لیے مجھے اور ساحل کو سولی پر ٹانگ دیا تھا

"شوبی بھائی۔" بیتو میرے بالکل پاس سے بولا تو میں چونک گیا تھا وہ اپنے خیمے سے نکل آیا تھا۔ "ہم اتنی دیر سے آپ کو آواز دیتا ہے۔ آپ سنتا کیوں نہیں ہے۔"

میں خیالوں میں اتنی دور نکل گیا تھا کہ بیتو کی آواز بھی مجھ تک نہیں آ رہی تھی۔ اسے خیمے سے باہر آنا پڑا تھا۔ "میں نے سنا نہیں تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ نے ہمارا سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''ہاں میں نے محبت کی ہے لیکن کس سے کی ہے یہ مت پوچھنا۔''

بیتو واپس اپنے خیمے میں گھس گیا تھا۔''ہم پوچھے گا نہیں لیکن ہم جانتا ہے۔''

میں حیران ہوا تھا۔''تم کو کیسے پتا چلا؟''

''ایک بار وسیم بھائی دیدی کو بتا رہا تو ہم نے بھی سن لیا۔ ان کو پتا نہیں تھا کہ ہم جاگ رہا ہے اور سن رہا ہے۔''

میں چپ ہو گیا۔ سچی بات ہے میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ بیتو بھی نہ بولے لیکن یہ خواہش پوری نہیں ہوئی تھی کچھ دیر بعد بیتو نے کہا۔''شوبی بھائی آپ پھر کبھی ان سے نہیں ملا؟''

''نہیں۔''

''اس بات کو کتنا سال ہو گیا ہے؟''

''پانچ چھ سال ہو گئے ہیں۔''میں نے آہستہ سے کہا۔

''اتنے عرصے سے آپ گھر نہیں گیا؟''بیتو کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''نہیں یار۔''میں نے بیزاری سے کہا تو بیتو سمجھ گیا کہ میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بھی خاموش ہو گیا لیکن زیادہ دیر نہیں رہا تھا البتہ اس نے موضوع بدل دیا تھا۔

''پتا نہیں دیدی اور دوسرا لوگ کیا کر رہا ہوں گا؟''

''مزے کر رہا ہو گا۔''میں بولا۔''دبئی میں بیٹھے ہیں سارے۔''

''وسیم بھائی اور دیدی نے پاکستان جانا تھا۔''

''ہاں لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اس میں بہت ساری دشواریاں ہیں اور شاید وہ ابھی تک دبئی میں ہی ہوں گے۔''

بیتو مجھ سے سفیر اور مونا کے بارے میں پوچھتا رہا۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ دونوں مجھے کس طرح ملے تھے۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے بالآخر نیند حاوی آنے لگی تھی۔ بند رہنے کی وجہ سے خیمے کے اندر کا ماحول بھی کسی قدر گرم ہو گیا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کسی قدر کم سرد ہو گیا تھا اور ہم نے کانپنا بند کر دیا تھا۔ پائلٹ پہلے ہی سو گیا تھا۔ اب وہ ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔ اس کے بعد بیتو نے خوفناک قسم کے خراٹے لینا شروع کیے اور مجھے اس کی وجہ سے سونے میں بڑی دشواری پیش آئی تھی۔ بہر حال آنکھ لگ ہی گئی تھی۔

آس پاس کے پہاڑوں میں کوئی چھوٹا موٹا ایوالانچ ہوا۔ یعنی برف گری تھی۔ اس کے گونجنے والے دھماکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ صبح نمودار ہونے والی تھی کیونکہ باہر ہلکی سی روشنی ہو چلی تھی۔ طوفان رک گیا تھا اور اب ہوا کے ہلکے سے سرسرانے کی آواز آ رہی تھی۔ جسم جیسے برف کا بن گیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ ہر چیز ہی برف ہو گئی ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے جسم کو حرکت دی اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ بیتو اور پائلٹ کے خراٹے رک گئے تھے اور دونوں جاگ رہے تھے۔ بیتو بھی باہر آیا اور اس کے بعد پائلٹ بھی کوشش کر کے باہر آ گیا اور اس کی حالت کل سے بہتر لگ رہی تھی۔ طوفان رکنے سے موسم بھی بہتر ہوا تھا اور کھلی فضا میں کچھ دیر چہل قدمی کر کے ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے سفر کے قابل ہو گئے تھے۔ بھوک کے مداوے کے لیے بسکٹ تھے۔ بسکٹ کھا کر ہم نے خیمے لپیٹے اور بیگ بنا کر پشت پر لاد لیے۔ اس دوران میں روشنی اتنی ہو گئی تھی کہ ہم سفر کر سکتے تھے۔ رات بھر کے آرام نے ہمیں تر و تازہ کر دیا تھا۔ پائلٹ کی تکلیف ختم نہیں ہوئی تھی لیکن اتنی کم ضرور ہو گئی تھی کہ وہ سفر کر سکتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد ہم چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔ اس وقت مشرق سے سورج اوپر آ چکا تھا اور اس کی کرنیں برفانی چوٹیوں کو جگمگا رہی تھیں۔ یہ سحر زدہ کر دینے والا منظر تھا۔ اگرچہ یہاں سانس لینے کے لیے ہوا بہت ہلکی تھی اور ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لیے دوسری طرف اترنا شروع کر دیا۔ اس طرف ڈھلان بہت وسیع اور جنوب سے شمال تک اس طرح پھیلی تھی کہ اس میں جا بجا ٹیلے بن گئے تھے۔ ہمیں ان ٹیلوں کے درمیان سے گزرنا تھا۔ اس کے بعد دور تک پھیلا برف زار تھا۔ ہمیں اس طرف سفر کرنا تھا۔

پائلٹ نے اشارے سے سمجھایا کہ ہمیں آج دور نظر آنے والی ایک چوٹی کے پاس پہنچنا تھا اس کے بعد امید تھی کہ ہم ریڈیو سے مدد مانگ سکیں۔ اس جگہ ریڈیو بے کار تھا۔ کوئی ایک ہزار فٹ نیچے آنے کے بعد راستہ بہتر ہو گیا تھا۔ ڈھلان کسی قدر سیدھی ہو گئی تھی اور یہاں برف بھی نرم تھی۔ گزشتہ دن آنے والے طوفان نے ہر طرف نرم برف کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ اس میں اترنا آسان تھا کیونکہ اس میں پاؤں پھسلتا نہیں تھا لیکن اس میں چھپے گڑھوں کا خطرہ زیادہ تھا۔

ہم نے اترنے کے لیے جنوبی ڈھلان منتخب کی تھی کیونکہ یہ آسان تھی شمالی ڈھلان مشکل تھی اور اس میں ٹیلے بہت زیادہ تھے۔ یہاں سے پائلٹ نے مجھے جنوب کی جانب ایک برفانی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''انڈیا.....اٹ.....از انڈیا۔''

اس کا مطلب تھا کہ اس طرف انڈیا تھا۔ یعنی کشمیر کا لداخ والا حصہ تھا اور یہ اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اگر انڈیا والے ہیلی کاپٹر گرانے کے بعد ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے تو ان کو زیادہ دور نہیں آنا پڑتا۔ نیچے اترتے اترتے ہم اس برفانی دیوار کے خاصے قریب آ گئے تھے۔ اس موقع پر میں نے پائلٹ سے نقشہ لے کر دیکھا تو مجھے یہ جان کر تعجب ہوا اس جگہ سے اسلام آباد اتنا ہی دور تھا جتنا اسلام آباد سے لاہور دور پڑتا تھا۔ میں نے نقشے پر غور کیا اور پائلٹ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمیں شمال کا رخ کرنا چاہیے کیونکہ مغرب کی سمت بھی بھارت آ جائے گا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور اشارے سے کہا کہ اس طرف چین کا حصہ ہے اور ہم بھارت سے دور رہیں گے۔ اگرچہ مجھے لگ رہا تھا کہ پائلٹ اس معاملے میں کسی قسم رلا پروائی سے کام لے رہا ہے لیکن میں نے اس پر زیادہ زور نہیں دیا تھا کیونکہ وہ اس علاقے کو بہتر جانتا تھا۔ وہ آئے دن اس جگہ پرواز کرتا رہتا تھا اور میں پہلی بار یہاں آیا تھا۔

اصل میں چین کے اس حصے میں لداخ والا حصہ اندر تک گھسا ہوا تھا اور اس کے تین اطراف چین آ جاتا تھا۔ اور یہاں ذرا سی بے احتیاطی یا نقشہ سمجھنے میں غلطی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آدمی کہیں کا کہیں پہنچ جاتا۔ ہیلی کاپٹر ہمیں چین کے انتہائی مغربی حصے کی طرف لے جا رہا تھا اور فاصلہ کم رکھنے کے لیے پائلٹس نے جو روٹ منتخب کیا تھا وہ لداخ کے بالکل پاس سے گزرتا تھا اور اسی وجہ سے بھارتیوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے میزائل مار کر ہیلی کاپٹر گرا دیا تھا۔ اگرچہ پائلٹ کے پاس نقشہ تھا اور وہ اسے سمجھنے کا ماہر بھی تھا لیکن ایک تو یہ برفانی علاقہ تھا جہاں سرحد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی نشاندہی ویسے ہی بڑا مشکل کام ہوتا ہے دوسرے یہ ایک متنازعہ سرحد تھی۔ بھارت اور چین دونوں میں سے کوئی بھی اس کا احترام نہیں کرتا تھا اس کا ثبوت بھارت کی جانب سے زد میں آنے والے ہیلی کاپٹر کو مار گرانا بھی تھا۔ حالانکہ ہیلی کاپٹر چین کے زیر کنٹرول علاقے میں اُڑ رہا تھا۔ ممکن ہے جیسے چین نے نیپال کے ساتھ خفیہ چوکی بنا رکھی تھی ایسی ہی کوئی چوکی بھارتیوں نے یہاں بنا رکھی ہو جس سے چین لاعلم ہو اور ہم اس کے آس پاس سے گزریں تو مشکل میں پڑ جائیں۔ اس وجہ سے میں چاہتا تھا کہ پائلٹ ہمیں شمال کی طرف لے جائے کیونکہ اس میں خطرہ کم تھا۔ اس کے برعکس پائلٹ مطمئن تھا کہ وہ بالکل درست سمت جا رہا ہے حالانکہ اس کے ساتھ سانحہ ہو چکا تھا۔ بھارتیوں نے اس کا ہیلی کاپٹر مار گرایا تھا اور اسے مزید محتاط ہونا چاہیے تھے۔

ڈھلان سے اترتے ہوئے راستہ ہمیں برف کی دیوار کے پاس لے جا رہا تھا کیونکہ یہاں شمال کی طرف جانے والا راستہ نہیں تھا۔ نیچے اترنے کے بعد ہمیں ایک طویل چکر لگا کر بائیں طرف جانا تھا۔ کوئی دو گھنٹے بعد ہم نیچے اترنے میں کامیاب رہے یہ بہت مشکل اور تھکا دینے والا سفر ثابت ہوا تھا۔ نیچے آتے آتے ہم تھکن سے چور ہو گئے تھے اس لیے فیصلہ کیا کہ کچھ دیر رک کر سستایا جائے اور کچھ پیٹ پوجا کی جائے۔ ایک طرف ٹیلے نظر آ رہے تھے ہم نے وہاں پہنچ کر رکنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی اس طرف دھوپ نہیں آئی تھی لیکن روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی۔ نیچے آنے سے سردی اور ہوا کا ہلکا پن دونوں کم ہوئے تھے۔ یہاں سانس لینے میں اتنی دشواری نہیں ہو رہی تھی یا ہم اس کے عادی ہو گئے تھے۔

سب نے ایک ایک بسکٹ کھایا۔ یہ اتنا مشکل قسم کا بسکٹ تھا کہ ایک ہی بڑی مشکل سے کھایا جاتا تھا۔ بہت پھیکا سا اور سخت مٹی جیسے مادے کا تاثر دیتا تھا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس میں ایک وقت کے کھانے کی مکمل غذائیت موجود ہوتی ہے۔ اسے کھانے کے بعد چھ سات گھنٹے تک دوبارہ بھوک نہیں لگتی ہے۔ یہ ہائی انرجی فیٹ، پروٹین اور منرلز کے ساتھ وٹامینز کا مرکب تھا جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ بیتو بہت حیران تھا۔ اس نے چلنے کے دوران مجھ سے پوچھا۔

''شوبی بھائی اتنا سا بسکٹ ایک وقت کا کھانا جیسا کیسے ہوتا ہے؟''

میں نے اسے سمجھایا۔ ''ہم جو کھانا کھاتے ہیں اس میں سے بھی ہمارا جسم تقریباً اتنا ہی حاصل کرتا ہے جتنا بڑا یہ بسکٹ ہے۔ باقی سارا پانی اور فضلے کی صورت میں ہمارے جسم سے نکل جاتا ہے۔ سائنس دانوں نے جسم کو درکار ساری چیزیں خالص کر کے اس بسکٹ کی صورت میں بنا دی ہیں اسے کھا کر ہمیں وہ سب مل جاتا ہے جو پورا کھانا کھانے کی صورت میں ملتا ہے۔ تم نے غور نہیں کیا کہ کل سے ہمیں حاجت محسوس نہیں ہوئی ہے۔''

''ہم سمجھ گیا..... جیسے پستول کی گولی وہ کام کرتی ہے جو پہلے بڑی چیزوں سے لیا جاتا تھا۔''

''شاباش۔'' میں نے داد دی۔ ''کیا مثال تلاش کی ہے منے؟''

''منے..... یہ تو ہم کو وسیم بھائی کہتا ہے۔''

''ہاں میرے لیے بھی تو منے ہی ہو۔ ہمارے ہاں منا چھوٹے لڑکے کو کہتے ہیں۔''

''لیکن میں چھوٹا نہیں ہوں۔'' اس نے اعتراض کیا۔

''ہاں معلوم ہے پچھلے ایک ہفتے میں تم خاصے بڑے ہو گئے ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''لیکن ہمارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے تو منے ہی ہو۔"

اس دوران میں ہم ٹیلوں تک پہنچ گئے تھے اور جس کو جہاں جگہ ملی بیٹھ کر سستانے لگا۔ پائلٹ بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ کل سے اب تک کے سفر میں اس نے تکلیف کے باوجود بریف کیس ایک لمحے کے لیے بھی خود سے جدا نہیں کیا تھا ابھی بھی وہ اسے سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔ بارہ تیرہ گھنٹے کے آرام سے اس کی حالت خاصی بہتر ہو گئی تھی اور آج سفر کے دوران وہ ایک بار بھی نہیں رکا تھا۔ البتہ اس کے چہرے سے تھکن اور تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے رائفل ایک طرف رکھی تھی۔

تکنیکی لحاظ سے میں اور بیتو اس کی حکومت کے قیدی تھے اور وہ اپنی حکومت کا نمائندہ تھا اس طرح ہم اس کے قیدی ہوئے تھے لیکن اس نے حقیقت تسلیم کر لی تھی۔ اس ویرانے میں ہم ایک جیسی پوزیشن میں تھے اور وہ ہم پر حکم نہیں چلا سکتا تھا اس لیے اس نے ہمیں مساوی تسلیم کر لیا تھا اس نے ہمارے اسلحہ لینے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور نہ ہی اپنے انداز سے کہیں ظاہر کیا تھا کہ اسے ہم پر کوئی شک ہے۔ ہمارے طرز عمل سے وہ مطمئن تھا کہ ہم اسے دھوکا دے کر نہیں ماریں گے۔ ہم نے اب تک اس کی مدد ہی کی تھی اور اسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ اگر ہماری نیت خراب ہوتی تو ہم بہت آسانی سے اسے چھوڑ کر جا سکتے تھے۔

وہ خاموش بیٹھا ہوا ستا رہا تھا کہ اچانک وہ چوکنا ہونے کے انداز میں کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا اس نے اپنی رائفل اٹھا لی تھی۔ مجھے اس کے انداز نے چونکا دیا اور میں نے اشارے سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ اس نے جوابی اشارے سے سمجھایا کہ آس پاس کوئی ہے۔ میں اور بیتو بھی چوکنا ہو گئے تھے اور ہم نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔ ابھی ہم کھڑے ہوئے تھے کہ ایک طرف سے فائر ہوا اور گولی ہمارے درمیان میں برف پر لگی۔ یہ وارننگ فائر تھا پھر کسی نے انگریزی میں کہا۔

"کوئی نہیں ہلے گا تم کو گھیر لیا گیا ہے۔"

بولنے والے کا لہجہ برصغیر کا تھا۔ یعنی جیسی انگریزی یہاں کے لوگ بولتے ہیں وہ ویسی انگریزی بول رہا تھا اور ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ پائلٹ ایک ٹیلے کی طرف لپکا۔ میں نے چیخ کر اسے روکنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی ایک برسٹ چلا اور پائلٹ زمین پر گر گیا۔ اس کی پشت سے خون پھوٹ نکلا تھا۔ اس کی پشت چھلنی ہو گئی تھی اور مجھے یقین ہے وہ گرتے ہی مر گیا تھا۔

"اپنے ہتھیار پھینک دو۔" وارننگ دینے والے نے پھر کہا۔

میں نے سوچا اور رائفل پھینک دی۔ میں نے بیتو کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ بھی رائفل پھینک دے۔ بیتو کسی قدر ہچکچایا پھر اس نے رائفل پھینک دی۔ اصل میں میرے اتنی جلدی ہتھیار ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ بولنے والا کوئی اور تھا اور جس نے پائلٹ کو شوٹ کیا تھا وہ کوئی اور تھا اور اس نے بالکل درست نشانہ لیا تھا۔ ایک ہلکے سے برسٹ نے اسے گرا دیا تھا ہمیں گھیرنے والے پیشہ ور لوگ تھے۔ ان سے مقابلہ ممکن نہیں تھا۔ خاص طور سے اس صورت میں جب وہ ہماری نظروں سے اوجھل تھے اور انہوں نے ہمیں مکمل طور پر نشانے پر لیا ہوا تھا۔

"ہاتھ اوپر کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔" بولنے والے نے حکم دیا۔ ہمیں تعمیل کرنا پڑے گی۔ اس کے فوراً بعد آس پاس برف کے ٹیلوں میں ہل چل مچی اور برف میں چھپے سفید لباس میں ملبوس افراد باہر نکل آئے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب مسلح تھے اور ان کی تعداد پانچ تھی۔ اور اپنے انداز سے وہ فوج کے کمانڈوز لگ رہے تھے۔ انہوں نے چہروں پر بھی ماسک لگا رکھے تھے اور ان کے خدوخال نظر نہیں آ رہے تھے لیکن مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھارتی تھے۔ ان میں سے دو نے ہماری مکمل تلاشی لی اور ایک پائلٹ کے پاس گیا اس نے جھک کر پائلٹ کی گردن پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''یہ مر گیا ہے؟''

''کوئی بات نہیں یہ دونوں تو زندہ ہیں۔'' ایک شخص نے کہا تو مجھے پتا چلا وہ ہمیں حکم دینے والا شخص تھا۔ انہوں نے سوائے سیاہ عینکوں کے ہر چیز بالکل سفید پہن رکھی تھی۔ حد یہ کہ ان کے ہاتھوں میں موجود رائفلوں پر بھی سفید کور چڑھے ہوئے تھے۔ اس اطمینان کے بعد کہ انہوں نے صورت حال پر قابو پا لیا ہے اپنے چہروں سے نقاب اور عینکیں ہٹا دی تھیں۔ برف میں چھپنے کے لیے یہ نقاب لازمی تھے ورنہ ان کے چہرے منجمد ہو جاتے۔ وہ نہ جانے کتنی دیر سے یہاں برف میں چھپے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں بالکل درست اندازہ لگایا تھا کہ ہیلی کاپٹر کے حادثے میں بچ جانے والے کس طرف کا رخ کریں گے اور وہ پہلے ہی وہاں گھات لگا کر بیٹھے تھے۔

بولنے والا ایک لمبا اور دبلا انڈین تھا اس خاصے موٹے لباس میں بھی اس کی صحت معمولی سی لگ رہی تھی لیکن اس کی آواز میں ایک خاص کھنک تھی اور اس کی سیاہ آنکھوں سے وحشت سی ٹپک رہی تھی۔ وہ میرے پاس آیا۔ اس نے میرے چہرہ پر نظریں گاڑ کر کہا۔ ''انگریزی جانتے ہو؟''

''ہاں جانتا ہوں؟'' میں نے جواب دیا۔

''اور تم جانتے ہو؟'' اس نے بیتو سے پوچھا۔

''یہ صرف ہندی جانتا ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے پلٹ کر اتنی تیزی سے مجھے لات ماری کہ مجھے بچنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے بوٹ کی ٹھوکر میرے سینے پر لگی اور میں الٹ کر گر پڑا تھا۔ فوراً ہی دو افراد نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اسی پوزیشن میں گھٹنوں کے بل کھڑا کر دیا۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''جب تم سے پوچھوں تو جواب دینا۔''

''یہ انگریزی نہیں سمجھتا اس لیے میں نے تم کو بتا دیا میں اس کے بارے میں بس اتنا ہی جانتا ہوں ورنہ یہ میرے لیے اجنبی ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا تھا اس کا رنگ سیاہی مائل سرخ تھا یا اس وقت سردی کی شدت سے ہو رہا تھا۔ ''یہ چینیوں کا علاقہ ہے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''ہم چین کے باشندے ہیں۔'' میں نے جھوٹ بولا۔ ''یہاں اپنے ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔''

''جھوٹ تم لوگ کہیں سے بھی چین کے لوگ نہیں لگتے۔''

''کیا چین میں صرف چپٹے نقوش اور زرد رنگت والے لوگ پائے جاتے ہیں؟''

اس نے پھر مجھے نظر جما کر دیکھا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو تمہارا تعلق ہند کے شمالی علاقے سے ہے اور ممکن ہے پنجاب سے ہو۔''

اس نے درست اندازہ لگایا تھا لیکن میں نے تصدیق یا تردید کرنے کے بجائے خاموشی بہتر سمجھی۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''یہ کون ہے؟''

''یہ اس ہیلی کاپٹر کا پائلٹ ہے جسے تم لوگوں نے مار گرایا ہے۔''

''ہم نے کون سا ہیلی مار گرایا ہے۔''

''تم انڈین ہو اور انجان بن رہے ہو لیکن تمہاری یہ کارروائی چھپی نہیں رہے گی جلد انڈیا کو جواب دینا ہوگا اور حساب بھی دینا ہوگا۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''کسی دوسرے ملک کی حدود میں اس کے طیارے کو مار گرانا سنگین بین الاقوامی جرم ہے۔''

وہ میری بات نظر انداز کر کے پائلٹ کی طرف بڑھ گیا اور اس نے پائلٹ کی لاش سیدھی کی پھر اس کے نیچے دبا بریف کیس کھینچ لیا۔ اس نے بریف کیس الٹ پلٹ کر دیکھا اس میں کہیں کوئی کھولنے والا کھٹکا نہیں تھا اور نہ ہی کسی قسم کا سوراخ تھا۔ وہ کچھ دیر اسے الٹتا پلٹتا رہا پھر میرے پاس آیا۔ ''اس میں کیا ہے؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نہیں جانتا۔''

''تم اس ہیلی کاپٹر میں تھے پھر کیسے نہیں جانتے؟'' وہ شک سے بولا۔

''یہ بریف کیس ایک اور شخص کے پاس تھا اور اس کا کڑا اس کی کلائی میں تھا وہ بھی حادثے میں مارا گیا اور اس نے اس کی کلائی کاٹ کر یہ بریف کیس نکال لیا۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے میں کیا بتا سکتا ہوں کہ اس کے اندر کیا ہے۔''

انہوں نے پائلٹ کی لاش کی تلاشی لے کر اس کی ہر چیز اپنے قبضے میں لے لی اور پھر اس کی لاش برف میں دبا دی۔ انہوں نے جی پی آر ایس پر اس جگہ کی پوزیشن نوٹ کر لی جہاں لاش چھپائی تھی اور اپنی آمد کے سارے نشان مٹانے لگے۔ انہوں نے خون آلود برف پر مزید برف ڈال دی اور وہاں بکھرے گولیوں کے خول تلاش کر کے اپنے ساتھ رکھ لیے۔ وہ مکمل پیشہ ور لوگ تھے اور ایک ایک چیز کا دھیان رکھ رہے تھے۔ دس منٹ کے اندر اپنی آمد کے سارے آثار مٹا کر وہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ بیتو نے عقل مندی کی تھی اور اس نے اب تک زبان نہیں کھولی تھی۔ اب وہ اپنے بارے میں کوئی کہانی سنانے کے لیے آزاد تھا اور میں اپنے بارے میں بتاتا تو ان لوگوں کو یقین کرنا پڑتا وہ ہمارے بیانات الگ الگ لے کر ہمارا جھوٹ نہیں پکڑ سکتے تھے۔

''چلو..... اب تم قیدی ہو اس لیے کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ مارے جاؤ۔'' وحشی آنکھوں والے نے کہا۔ وہ عام سے انداز میں بات کرتا تھا لیکن اس کے لہجے میں کہیں دھمکی چھپی ہوتی تھی۔ وہ ان کا سربراہ بھی تھا۔ انہوں نے آپس میں گفتگو کے دوران کسی کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ہمیں درمیان میں لے کر چلنے لگے تھے۔ تلاشی لیتے وقت انہوں نے ہمارے پاس موجود ہر چیز اپنے قبضے میں لے لی تھی۔ حد یہ کہ میری کلائی سے وہ نادر روزگار گھڑی بھی اتار لی تھی جو میں نے نیپال میں اس دکان سے خریدی تھی جہاں سے ہم نے گرم لباس اور کوہ پیمائی کا سامان لیا تھا۔ یہ گھڑی وقت کے علاوہ بلندی اور ماحول کا درجہ حرارت بھی بتاتی تھی۔

وہ ہمیں لے کر اس برفانی دیوار کی طرف بڑھے جس کے بارے میں پائلٹ نے بتایا تھا کہ اس کے پاس بھارت کا علاقہ ہے اور مجھے اس وقت بھی خطرے کا احساس ہوا تھا لیکن افسوس پائلٹ نے میری وارننگ پر توجہ نہیں دی تھی۔ اگر ہم اس طرف آنے کے بجائے دشوار راستے سے شمال کا رخ کرتے تو بھارتیوں سے مڈبھیڑ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے تھے۔ پائلٹ خود تو مارا گیا تھا اور ہمیں بھی مروا دیا تھا۔

وہ خود بھی تیز چل رہے تھے اور ہمیں بھی تیز چلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ شاید وہ جلد از جلد چین کے علاقے سے نکل جانا چاہتے تھے۔ موسم صاف ہو گیا تھا اور امکان تھا کہ چین کی جانب سے گم شدہ ہیلی کاپٹر کی تلاش کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ بلکہ مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ اب تک ہیلی کاپٹر کی تلاش کا کام شروع کیوں نہیں کیا گیا تھا۔ جب کہ اس میں یہ پُراسرار سا بریف کیس بھی تھا جو بھارتیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اگر اس میں چین کے خفیہ راز تھے تو اب تک ان کو اس کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دینا چاہیے تھا۔ میرے حساب سے تو چینی بالکل ٹھنڈے ہو کر بیٹھے تھے۔

بہرحال میرا مسئلہ یہ بریف کیس نہیں بلکہ اپنی اور بیتو کی سلامتی تھی۔ ہم جن سے بچ کر فرار ہوئے تھے اور اب کا دشوار گزار سلسلہ عبور کیا تھا ایک بار پھر ہم ان کی ہاتھ آ چکے تھے۔ اگر بھارتیوں کو میرے بارے میں علم ہو جاتا کہ میں کون ہوں اور اس بات کا پورا امکان تھا کہ ان کو علم ہو جائے گا کیونکہ جب بھارتیوں نے میری تصویریں نیپال تک پہنچا دی تھیں تو کیا اپنے آدمیوں کو میری صورت نہیں دکھائی ہو گی۔ اس لیے اس بات کا پورا امکان تھا کہ کسی جگہ پہنچتے ہی ان لوگوں کو پتا چل جاتا کہ میں بھارتی حکومت کو مطلوب ترین شخص ہوں اور اس کے بعد میری گلوخلاصی تقریباً ناممکن ہو جاتی۔

ان لوگوں کے نرغے میں چلتے ہوئے یہ سب میرے ذہن میں آ رہا تھا اور میں نے فرار کا سوچا تھا لیکن ان لوگوں نے جس طرح ہم پر نظر رکھی تھی اور وہ ایک محفوظ فاصلے سے ہمارے چاروں طرف چل رہے تھے مجھے کوئی چال مشکل لگ رہی تھی۔ ان کی سفاکی کا نمونہ میں دیکھ چکا تھا انہوں نے پائلٹ کو بلاتکلف شوٹ کر دیا تھا۔ اگر ہماری طرف سے مزاحمت ہوتی تو یہ ہمیں بھی شوٹ کر دیتے۔ شاید یہ اس علاقے میں اسی کام کے لیے موجود تھے کہ ہیلی کاپٹر کے حادثے میں بچ جانے والوں کو مار دیں یا گرفتار کر لیں تاکہ چین کی حکومت کو یہ بتانے کے لیے کوئی زندہ فرد نہ مل سکے کہ ان کے ساتھ ہوا کیا تھا اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کسی فرد کی گواہی نہ پیش کر سکے۔ کیونکہ ہیلی کاپٹر کا ملبہ مل جانے کے بعد چینی حکومت کے ماہرین تجزیہ کر کے جان سکتے تھے کہ اسے میزائل کا نشانہ بنایا گیا ہے اور میزائل بھارتی ساختہ تھا۔ کسی زندہ بچ جانے والے فرد کی گواہی سے چین کا کیس مضبوط ہو جاتا اور بھارتی اسی وجہ سے بچ جانے والوں کی تلاش میں تھے۔

میرے اور بیتو کے درمیان فاصلہ تھا اور پھر ہم اجنبی بھی بن گئے تھے اس لیے ہمارے آپس میں بات کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم اس برفانی دیوار کے پاس پہنچ گئے تھے اور اب اس پر چڑھائی کا مرحلہ تھا۔ ہم جس پہاڑ کو عبور کر کے آئے تھے اس کے مقابلے میں یہ دیوار آسان سی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد اسے عبور کر کے ہم بھارت کی حدود میں قدم رکھ چکے تھے اور میں نے دیکھا کہ اس طرف خشک پتھریلے پہاڑ تھے۔ ان کی بہت زیادہ ڈھلان کی وجہ سے برف ان پر نہیں ٹک پاتی تھی اور اتنی بلندی پر بھی یہ ننگے تھے لیکن ان کی بلندی چین کی طرف پائے جانے والے پہاڑوں سے کم تھی۔ آگے دور نشیب میں ڈھلان دکھائی دے رہی تھی۔ ان لوگوں کا بیس یہیں کہیں ممکن تھا۔

وہ پانچوں خاموشی سے اور آس پاس پر نظر رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ چین کی حدود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اتنے محتاط ہوں گے لیکن اپنی حدود میں آنے کے بعد بھی ان کی یہ احتیاط باقی رہی تھی۔ وحشی آنکھوں والا بار بار آسمان کی طرف دیکھتا تھا اور پھر ایک بار اس نے اوپر دیکھا اور تیز لہجے میں بولا۔ ''جہاز ہے..... لیٹ جاؤ..... جلدی۔''

انہوں دھکے دے کر ہمیں برف پر گرا دیا اور ہم میں سے ایک پردہ دو اس طرح گر گئے کہ ہمیں مکمل طور پر چھپا لیا تھا۔ ان کے بھاری بوجھ تلے دب کر میرے لیے حرکت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وحشی آنکھوں والا میرے اوپر ہی تھا میں نے کسمسا کر کہا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''خاموش پڑے رہو۔'' وہ میرے کان میں بولا۔ ''اوپر چینی جہاز ہے اس نے دیکھ لیا تو ہمارے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔''

اس وقت میرے کانوں نے کسی چھوٹے طیارے کی آواز سنی جو بتدریج قریب آ رہی تھی۔ اگر یہ چینی طیارہ تھا اور ممکن ہے یہ ہمارا نجات دہندہ بن جاتا۔ ان لوگوں نے چالاکی سے کام لیا تھا وہ سرتاپا سفید ہو رہے تھے اور سفید برف پر ان کو تلاش کرنا بھوسے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنے سے زیادہ مشکل کام تھا۔ میں نے اور بیتو نے سرخ رنگ کی جیکٹس پہن رکھی تھیں اور ہم آسانی سے نظر میں آ جاتے اس لیے یہ ہمیں الٹا کر خود ہمارے اوپر لیٹ گئے تھے اور ہمیں پوری طرح کور کر لیا تھا۔ میں نے ذرا سی مزاحمت کی تو وحشی آنکھوں والے نے میرے سر پر پستول رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد مجھے ساکت ہو جانا پڑا تھا۔

طیارے کی آواز کوئی دس منٹ تک آتی رہی یعنی وہ اس علاقے کا تفصیلی معائنہ کر رہا تھا اور اس کے بعد وہ واپس چلا گیا تھا۔ جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ طیارہ واپس چلا گیا ہے تب انہوں نے ہماری جان چھوڑی تھی اور ہم پر سے ہٹے تھے۔ کھڑے ہوتے ہی وہ روانہ ہو گئے۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنے چوکنا کیوں تھے۔ یہ جلہ چین اور بھارت کے درمیان نو مینز لینڈ تھی اور یہاں دونوں میں سے کوئی بھی آ سکتا تھا۔ جس طرح بھارتی دستہ اس علاقے میں موجود تھا اسی طرح چین کے آدمیوں کی یہاں موجودگی عین ممکن تھی اور اسی بنا پر بھارتی محتاط ہو کر سفر کر رہے تھے انہوں نے خود کو کیموفلاج کرنے کا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اس بار ہمارا سفر تیز تھا کیونکہ ہمیں سخت جمی ہوئی برف اور ہموار رستہ ملا ہوا تھا۔ ہم ایک گھنٹے میں اس برفانی دیوار سے کئی میل دور آ گئے تھے اور شاید ایک ہزار فٹ مزید نیچے آئے تھے کیونکہ سردی اور ہوا کے ہلکے پن میں کمی آئی تھی۔ میرا تجربہ تھا کہ ہوا کی یہ کیفیت دس ہزار فٹ کی بلندی کے آس پاس ہوتی ہے۔

اب ہم چھوٹے چھوٹے پتھریلے پہاڑوں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ یہ لوگ تو شاید اس طرح سفر کرنے کے عادی تھے اور ان کے انداز میں کہیں سے بھی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن مسلسل تین گھنٹے کے سفر نے میرا اور بیتو کا برا حال کر دیا تھا۔ میں نے وحشی آنکھوں والے سے کہا۔ ''کیا تم لوگ رک نہیں سکتے ہو اس رفتار سے تو ہم چند گھنٹے میں دہلی تک پہنچ جائیں گے۔''

اس نے مخصوص سرد نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''فکر مت کرو..... کچھ دیر بعد ہم اپنے مین پر ہوں گے اور ممکن ہے تم اس وقت پچھتاؤ کہ اتنی جلدی کیوں یہ سفر ختم ہو گیا۔''

''اگر تم ہمارے ساتھ کوئی مس بی ہیو کرنے کا سوچ رہے ہو تو یہ جینوا کنونشن کی خلاف ورزی ہو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جینوا کنونشن؟'' وہ طنزیہ انداز میں ہنسا۔ ''یہ کیا چیز ہوتی ہے؟''

''وہ ایک عالمی طاقت کا نمائندہ تھا جو جنگ میں سب جائز سمجھتی تھی اور اس کی جنگی اخلاقیات جینوا کنونشن سے نہیں بلکہ مشہور زمانہ دانشور چانکیہ کے ''سنہری اصولوں'' سے اخذ کی گئی تھیں۔ وہ اپنے قیدیوں کے ساتھ بد ترین سلوک کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرماتے تھے۔ اس کا مجھے ذاتی طور پر بھی تجربہ ہو چکا تھا۔ ویسے تو ہر ملک کے سرکاری حکام کا انسانیت سے واسطہ ذرا کم ہی ہوتا ہے لیکن بھارتی سرکار کی انسانیت تو شاید شیطان کو بھی شرما دے۔ جو ملک اپنے ہی شہریوں سے بہیمانہ سلوک کرے اور پوری پوری بستیوں کو صرف اس وجہ سے نیست و نابود کر دے کیونکہ ان میں بسنے والے کم تر ذات کے لوگ تھے۔ جہاں گجرات جیسے بڑے شہر میں لوگوں کا سرکاری سرپرستی میں قتلِ عام اور لوٹ مار ہو۔ اس ملک کے کسی ادارے سے میں کس طرح توقع کر سکتا تھا کہ وہ ہم سے اچھا سلوک کرے گا۔ میں ذہنی طور پر خود کو بدترین سلوک کے لیے تیار کرنے لگا تھا۔

یہ ہمیں چینی سمجھ رہے تھے یا کم سے کم چین کے آدمی سمجھ رہے تھے اس پر بھی وحشی آنکھوں والے نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ لوگ ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ اور جب ان کو پتا چلے گا کہ میں اصل میں شہباز ملک ہوں تو ان کا سلوک کچھ اور ہی ہو جائے گا۔ میں نے ان کو جو نقصان پہنچائے تھے اس کے بعد یہ میرے ساتھ دنیا کا بدترین سلوک کر کے بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔

ابھی تک انہوں نے مجھ سے یا بیتو سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ہمارا نام تک نہیں پوچھا تھا۔ انہوں نے جو بھی پوچھنا تھا وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر ہی پوچھنا تھا اور فی الحال ان کی توجہ اس بات پر تھی وہ صحیح سلامت اس جگہ سے نکل جائیں۔ میں باہر کا آدمی تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس علاقے میں ان دونوں ملکوں کے درمیان کیا کشیدگی جاری تھی لیکن وحشی آنکھوں والے اور اس کے ساتھیوں کا انداز بتا رہا تھا کہ یہاں کشیدگی بہت زیادہ تھی اور ہمہ وقت تصادم کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔

جب میں نے وحشی آنکھوں والے سے رکنے کے بارے میں پوچھا تھا اس کے بھی کوئی ایک گھنٹے بعد ہم ایک کچے راستے تک پہنچے جہاں ایک سفید ترپال سے ڈھکی ایک جیپ کھڑی تھی۔ انہوں نے اس کی ترپال اتاری اور اسے لپیٹ کر جیپ میں رکھ دیا۔ مجھے اور بیتو کو پیچھے اس کے فرش پر بٹھایا اور دو دو ہمارے دائیں بائیں سیٹوں پر بیٹھ گئے تھے۔ وحشی آنکھوں والے نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ فوری طور پر روانگی اختیار کرے گا لیکن اس کے بجائے اس نے ریڈیو پر کسی سے رابطہ کیا۔

''الفا ڈاگ.....ٹو.....الفا ڈوگ ٹو.....اوور۔''

وہ کچھ دیر یہ الفاظ دہراتا رہا پھر اسے جواب ملا۔ ''الفا ڈوگ ٹو.....ریسیو.....اوور۔''

''ہمیں تین ملے ہیں ایک مارا گیا دو پاس ہیں.....ہم بیس کی طرف جا رہے ہیں.....اوور۔''

''آسمان صاف ہے تم آ سکتے ہو اوور۔''

''اوور اینڈ آل۔''

وحشی آنکھوں والے نے کہہ کر ریڈیو بند کر دیا۔ وہ رپورٹ دے رہا تھا اور ساتھ ہی اس نے رپورٹ لی تھی۔ دوسری طرف سے اسے بتایا گیا تھا کہ آسمان صاف تھا یعنی اس علاقے میں کوئی چینی طیارہ نہیں تھا جو جیپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے خطرے کا باعث بنتا۔ وہ لوگ سچ مچ بہت محتاط تھے۔ اصل میں اتنی بلندی پر جنگ ہمیشہ بہت مشکل اور مہنگی ہوتی ہے اس میں جانی اور مالی نقصان برداشت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس علاقے میں استعمال ہونے والا سامان حرب بہت مہنگا ہوتا ہے اور یہاں لڑنے والے سپاہیوں کی تربیت بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی ہونے والے نقصان ہو نا برداشت نہیں کر پاتا ہے۔ مجھے سیاچین میں لڑنے والے ایک کیپٹن نے بتایا تھا کہ برفانی علاقوں اور خاص طور سے بلندی پر لڑی جانے والی جنگ عام جنگ سے دس گنا زیادہ مہنگی ہوتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے یہ لوگ بہت محتاط تھے اور ہر قدم دیکھ بھال کر اٹھا رہے تھے۔

وحشی آنکھوں والے نے جیپ آگے بڑھا دی۔ اتنی بلندی اور منفی دس بارہ درجہ حرارت میں یہ جیپ جتنی آسانی سے اسٹارٹ ہو گئی تھی اس سے اندازہ ہوتا کہ اس کا انجن غیر معمولی نوعیت کا تھا اور خاص طور سے بلند اور سرد علاقوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ ورنہ کسی عام گاڑی کا انجن چاہے وہ کتنی اچھی حالت میں ہو اس طرح اسٹارٹ نہیں ہوتا ہے۔ میں نے اسکردو سے اوپر بلندیوں کی طرف جانے والے راستوں پر آٹھ دس ہزار فٹ کی بلندی پر ڈرائیوروں کو اپنی گاڑیوں کے انجنوں کو اسٹارٹ کرنے کے لیے کیا کیا جتن کرتے دیکھا تھا۔ وہ اسٹوو انجن کے نیچے لگا کر اسے گرم کرتے ہیں جو بہت خطرناک کام ہے۔

ابھی جیپ مشکل سے سو گز دور گئی تھی کہ اس کا ریڈیو جاگ اٹھا اور کسی نے تیز لہجے میں کہا۔ ''الفا ڈوگ ٹو..... کاشن..... ایک چینی طیارے علاقے میں موجود ہے..... کاشن..... اوور۔''

''الفا ڈوگ ٹو..... میسج ریسیو..... اوور اینڈ آل۔''

وحشی آنکھوں والے نے نہایت پھرتی سے جیپ کچے راستے سے اتار کر ایک ٹیلے کے عقب میں کر دی لیکن اسے کسی قدر تاخیر ہو گئی تھی کیونکہ اسی لمحے آسمان پر ایک چھوٹا طیارہ نمودار ہوا اور اس نے جیپ کی طرف غوطہ لگایا تھا۔ جیپ کے روانہ ہوتے ہی طیارہ جس طرح نمودار ہوا تھا اس سے مجھے شبہ ہوا کہ چینیوں نے اس علاقے میں جاسوسی کا کوئی بندوبست کر رکھا تھا۔ ورنہ ابھی چند منٹ پہلے تک یہاں کوئی چینی طیارہ نہیں تھا۔ وہ اچانک کہاں سے آ گیا۔ جیپ رکتے ہی انہوں نے کھینچ کر مجھے اور بیتو کو نیچے اتارا۔ اسی لمحے میں نے طیارے کو جیپ کی سیدھ میں آتے دیکھا اور میری چھٹی حس سے نے کہا کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔ وحشی آنکھوں والے اور اس کے ساتھیوں نے بھی اندازہ لگا لیا تھا اور وہ جیپ سے دور ٹیلے کی آڑ میں بھاگے۔ میں نے طیارے کو راکٹ فائر کرتے دیکھا جو سنسناتے ہوئے جیپ کی طرف لپک رہے تھے۔ ظاہر ہے ان سب نے بھی دیکھ لیا تھا ہم سب سر پر پاؤں رکھ کر ٹیلے کی آڑ کی طرف بھاگے تھے۔ وہ سب بکھر گئے تھے جب کہ میں اور بیتو ایک ساتھ تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس موقع پر بھی انہوں نے ہماری طرف سے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ وہ ہم سے دور ہو گئے تھے کہ ہم میں سے کوئی موقع سے فائدہ اٹھا کر ان سے اسلحہ نہ چھین لے۔ ہم بمشکل ٹیلے کی آڑ میں پہنچے تھے کہ راکٹ آ کر ٹھیک جیپ سے ٹکرائے اور اس کے پرخچے اڑ گئے تھے آس پاس آگ اور دھواں پھیل گیا تھا میں اور بیتو زمین پر گرے تھے اور شاید اسی وجہ سے بچ گئے تھے۔ ہم سے آگے موجود شخص جیپ کے اڑتے ہوئے ٹکڑوں کی زد میں آ گیا تھا۔ میں نے اس کی چیخ سنی تھی لیکن اس کا انجام بعد میں دیکھا تھا۔ میں اور بیتو سر زمین میں گھسانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی لمحے طیارہ گرجتا ہوا ہمارے اوپر سے گزر گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ کوئی مخصوص جنگی طیارہ نہیں تھا بلکہ ایک چھوٹا جیٹ طیارہ تھا۔ اس قسم کے طیارے تربیت یا دیکھ بھال کی پرواز کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان میں راکٹ اور مشین گن جیسا چھوٹا اسلحہ لگایا جا سکتا ہے۔ چھوٹے موٹے مشن کے لیے موزوں یہ طیارے لاگت اور استعمال میں سستے پڑتے ہیں اس لیے ان کا استعمال دنیا کی ہر فضائیہ کرتی ہے۔ چین کی فضائیہ کے پاس بھی ایسے طیارے تھے اور وہ اس علاقے میں ان کو استعمال کر رہی تھی۔

جب مجھے محسوس ہوا کہ جیپ کا ملبہ اُڑنا بند ہو چکا ہے تو میں نے سر اٹھایا۔ عقب میں جہاں چند لمحے پہلے جیپ تھی اب وہاں ایک ادھورے ڈھانچے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں کانپ اٹھا اگر ہم جیپ میں ہوتے تو ہماری تو شاید بوٹی بھی نہ ملتی لیکن یہ آغاز تھا۔ طیارہ دوبارہ پلٹ رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر پر ہونے والے حملے چینیوں کی آتش غضب بھڑکا تھی۔ اور ان کی طرف سے یہ ردِعمل بالکل جائز تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ اس ردِعمل کا شکار ہم بھی ہو رہے تھے اور اس طیارے کے پائلٹ کو معلوم نہیں تھا کہ ہم انڈین نہیں تھے۔

مشاق پائلٹ نے بہت مہارت سے چھوٹی سی جگہ میں طیارے کو واپس پلٹایا اور جب تک ہم کھڑے ہوتے وہ گولیاں برساتا ہماری طرف آنے لگا تھا۔ اب ہم مخالف سمت بھاگے تھے۔ تب میں نے آگے جیپ کے اڑتے پرزوں کا شکار ہونے والے بھارتی کمانڈو کو دیکھا۔ بونٹ کا ایک ٹکڑا اس کی کمر میں گھس گیا تھا اور وہ یقیناً مر چکا تھا۔ ہم طیارے کی مشین گن سے بچنے کے لیے بھاگے تو وحشی آنکھوں والا اب ہمارے آگے تھا۔ اس کے ساتھ دو اور کمانڈو تھے۔ ایک مر چکا تھا دوسرا مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب ہمیں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور میں بیتو کا ہاتھ پکڑ کر بائیں طرف مڑ گیا اس طرف چند پتھر تھے ہم ان کے پیچھے پناہ لے سکتے تھے۔

وحشی آنکھوں والے نے محسوس کر لیا کہ ہم ان سے دور ہو رہے ہیں تو اس نے مڑ کر ہم پر فائر کرنے کی کوشش کی لیکن طیارہ اتنا قریب آ گیا تھا کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامع پہناتا تو خود مارا جاتا۔ وہ آگے بھاگا جب کہ میں اور بیتو پتھروں کی آڑ میں جا لیٹے۔ اسی وقت طیارہ گولیاں برساتا گزر گیا اور میں نے اس کے انجن کی گرج اور مشین گن کی تڑتڑاہٹ میں کچھ چیخیں بھی سنی تھیں۔ طیارے نے ہمارے بجائے سفید لباس والے بھارتی کمانڈوز کو نشانہ بنایا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تین تھے اور ہم دو، اس لیے پائلٹ نے زیادہ افراد کو نشانے بنانے کی کوشش کی تھی۔ جنگ اسکور کرنے کا نام بھی ہے جو زیادہ اسکور کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔

چند ثانیے محسوس کرتے ہی میں پتھروں کی اوٹ سے نکل کر اس طرف بھاگا جہاں میں نے کمانڈو کی لاش دیکھی تھی۔ اس سے پہلے وحشی آنکھوں والا یا اس کے ساتھی سنبھلتے میں کوئی ہتھیار حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ یہ مرو یا مر جاؤ والا مرحلہ تھا۔ اگر وحشی آنکھوں والا اور ہم طیارے کے حملے سے بچ جاتے تو وہ لازمی ہمیں مار دیتا۔ کم سے کم اس کا بہت زیادہ امکان تھا۔ میں خود کو اور بیتو کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بھارتی کمانڈو اوندھے منہ پڑا تھا اور اس کی رائفل اس کے نیچے دبی تھی۔ میں اسے اٹھانے کے بجائے اس کے برابر میں گر گیا اور اس حرکت نے مجھے بچا لیا تھا عقب سے کسی نے برسٹ مارا جو میرے اوپر سے گزر گیا تھا۔ میں نے پھرتی سے کمانڈو کی لاش کھینچ کر اپنے اوپر کر لی۔ دوسرا برسٹ اسے لگا تھا۔ مجھ پر وحشی آنکھوں والے نے فائرنگ کی تھی۔ مجھے اس کے دو ساتھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اکیلا کھڑا تھا اور جب طیارہ اس کے اوپر سے گزر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا تو اس نے مجھ پر فائر کھول دیا تھا۔

طیارہ آگے جا کر ایک بار پھر پلٹ رہا تھا ابھی اس کے پاس ایمونیشن اور ایندھن تھا اس لیے وہ شکار ادھورا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وحشی آنکھوں والے نے بھی محسوس کر لیا کہ طیارہ پلٹ کر آ رہا ہے اور وہ ایک طرف آڑ کی سمت بھاگا۔ میں نے کمانڈو کی لاش دھکیل کر اس کی رائفل اٹھائی اور اسے لے کر دوسری سمت بھاگا جہاں بیتو بھی چھپا ہوا تھا۔ جب تک میں اور وحشی آنکھوں والا اپنی اپنی آڑ تک پہنچے طیارہ آ گیا تھا اور وہ ہمارے اوپر سے گولیاں برساتا ہوا نکل گیا لیکن ہم دونوں ہی بچ گئے تھے۔

بیتو رینگتا ہوا میرے پاس آیا اور بولا۔ ''باقی دو بھی مارے گئے صرف یہی حرامی بچا ہے۔''

''ایک اور بھی تھا۔'' میں نے کہا۔

''اس کی لاش بھی ادھر پڑی ہے میں نے دیکھی ہے۔'' بیتو مسرت سے بولا۔ ''اللہ نے ہم کو بچا لیا ورنہ یہ ہمارا بہت برا حشر کرتا۔''

''یہ باقی ہے ابھی۔'' میں نے وحشی آنکھوں والے کی طرف اشارہ کیا۔

''ہم بھی کوئی گن لائے؟'' بیتو اٹھنے لگا

میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''تمہارا دماغ درست ہے وہ گھات لگائے بیٹھا ہے ہم میں سے جو سامنے آیا اسے شوٹ کر دے گا۔''

وحشی آنکھوں والا دوسری طرف موجود تھا کیونکہ ایک بار اس نے فائر بھی کیا تھا۔ بیتو رک گیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم طیارے پر نظر رکھو۔''

میری نظریں اس چٹان پر مرکوز تھیں جس کے پیچھے دشمن تھا۔ طیارے کی آواز پہلے دور گئی اور پھر معدوم ہو گئی۔ بیتو نے مطلع کیا۔ ''طیارہ چلا گیا جناب۔''

شاید طیارے کا ایندھن یا ایمونیشن ختم ہو گیا تھا اس لیے اس نے واپسی کی راہ اختیار کی۔ اب اس ویرانے میں صرف ہم تین بچے تھے۔ دشمن اکیلا تھا لیکن اسے یہ فائدہ تھا کہ وہ اپنی سرزمین پر تھا اور یہاں جو مدد آتی اس کے لیے آتی اور ہم مارے جاتے یا پکڑ لیے جاتے اور اس صورت میں بھی مارے جاتے۔ اس سے پہلے کہ یہاں مزید بھارتی سپاہ آتی ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''بس بھی یہی کہنے والا تھا۔''

میں نے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں ہم تھے۔ یہ ایک چھوٹے ٹیلے کے ساتھ چند چٹانیں تھیں اور ہم ان کی آڑ سے نکلتے تو فوراً دشمن کی زد میں آ جاتے۔ چاہے دائیں طرف سے نکلتے یا بائیں طرف سے۔ محفوظ طریقے سے نکلنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہم ٹیلے پر بھی نہیں چڑھ سکتے تھے کہ اس طرح بھی اس کی نظر میں آ جاتے۔ جب کہ وہ بڑی چٹان کی آڑ میں محفوظ بھی تھا اور اسے وہاں سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اسے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر اس کے ساتھی آ جائیں گے اور ہم پکڑے جائیں گے۔ ہمارے خلاف کچھ کرنے کے لیے اسے اپنی پناہ گاہ سے نکلنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مورچہ اور رائفل کی نال اس طرف جمائے بیٹھا تھا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا ردِعمل جاننے کے لیے ایک پتھر جو سر کے سائز کا تھا اٹھا کر ذرا سا اوپر کیا اور فوراً ایک گولی آ کر اس سے ٹکرائی اور جھٹکے سے پتھر میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ میں نے ہاتھ جھٹک کر ایک کلاسیکل پنجابی گالی دی۔

''حرامی کا نشانہ بہت اچھا ہے۔''

بیتو تشویش زدہ ہو گیا تھا اس نے کہا۔''شوبی بھائی اگر ہم اسی طرح بیٹھا رہا تو اس کا بھائی لوگ آ جائے گا اور ہم مارا جائے گا۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ تم نے اس کا نشانہ دیکھ لیا ہے ادھر ہم آڑ سے نکلے اور ادھر مارے جائیں گے۔''

بیتو نے وہ پتھر اٹھایا جس پر گولی لگی تھی اور سر ہلایا۔''اگر آڑ سے نکلا تو واقعی مارا جائے گا۔''

''اس لیے صبر سے بیٹھو اور انتظار کرو۔''میں نے کہا اور چٹان سے ٹیک لگا لی۔ اس کی جھریوں سے وہ بڑی چٹان نظر آ رہی تھی جس کے پیچھے وحشی آنکھوں والا چھپا تھا۔ شام ہونے والی تھی لیکن ابھی مکمل اندھیرا ہونے میں کم سے کم دو گھنٹے کا وقت تھا اور میرا اندازہ تھا کہ بھارتی امدادی دستہ رات ہونے سے پہلے آ جاتا یعنی ہمارے پھنسنے کا امکان بہت زیادہ تھا۔ اگر ہم اس سے پہلے کچھ نہیں کر پاتے تو مارے جاتے۔ میں نے اس سے بات کرنیکا سوچا اور بولا۔

''تم میری آواز سن رہے ہو؟''میں نے احتیاطاً انگریزی زبان میں ہی کہا تھا۔ اب تک میری اور بیتو کی جتنی گفتگو ہوئی تھی وہ سب تقریباً سرگوشیوں میں تھی اور اس کا امکان نہیں تھا کہ سوفٹ دور بیٹھا دشمن ہماری بات سن سکے گا۔

''ہاں سن رہا ہوں۔''اس نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنی اپنی راہ لیں اور ایک دوسرے کی جان لینے کی کوشش ترک کر دیں۔''

''مجھے یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔''اس نے بے نیازی سے کہا۔''کچھ دیر میں میرے لوگ آ جائیں گے۔''

''لیکن فرض کرو وہ اندھیرا ہونے تک نہ آ سکے تو کیا تم ہمیں روک سکو گے۔''

''اس خیال میں مت رہنا کہ تم اندھیرا ہونے پر فرار ہو جاؤ گے میرے پاس نائٹ ویژن گاگلز ہیں اور میں گھپ اندھیرے میں بھی تم کو اسی طرح شکار کر سکتا ہوں جیسے دن کی روشنی میں۔''

''لعنت ہو اس پر۔''میں نے زیرلب کہا۔

وہ کچھ دیر بعد بولا۔''اگر تم ہتھیار پھینک کر سامنے آ جاؤ تو تمہارے ساتھ رعایت ہو سکتی ہے۔''

''کیسی رعایت؟''

''میں تمہیں شوٹ نہیں کروں گا حالانکہ اس حملے میں میرے چار ساتھی مارے گئے ہیں۔''

''میں کسی انڈین کی بات پر اعتبار نہیں کر سکتا ہوں۔''میں نے انکار کر دیا۔

''مت کرو لیکن کچھ دیر بعد تم ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاؤ گے اور اگر اس وقت انکار کیا تو کتے کی موت مرو گے۔''اس نے لاپروائی سے کہا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کا ہاتھ اوپر ہے اور وہ ہماری بات ماننے کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجبور نہیں ہے۔ جب کہ ہم اس جگہ پھنس گئے تھے۔ ہم واقعی پھنس گئے تھے میں نے آہستہ سے بیتو سے کہا۔

''ہم رات ہونے پر یہاں سے نہیں نکل سکتے ہیں۔ اس کے پاس رات میں دیکھنے والی عینک ہے۔''

بیتو کے لیے اس قسم کی چیزیں عجوبہ نہیں رہی تھیں ہمارے ساتھ رہ کر اس نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی بھائی آپ ہم کو ایک کوشش کرنے دو۔'' اگر ہم ادھر سے نکل گیا تو اس کا توجہ بٹ جائے گا۔''

''نہیں ایسی کوئی کوشش بہت خطرناک ہو سکتی ہے اس میں جان جانے کا امکان زیادہ ہے۔ کچھ اور سوچو۔''

''بس تو ہمارے لیے یہ پتھر رہ جاتا ہے جب بھارتی فوج آئے گا تو ہم ان سے لڑے گا۔''

اس نے آس پاس بکھرے پتھروں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی بات نے مجھے چونکا دیا۔ یہ پتھر بھی ہمارے کام آ سکتے تھے۔ میں نے ایک درمیانے آلو کے سائز کا پتھر اٹھایا اس کا وزن کوئی آدھ کلوگرام تو تھا اور میں نے اسے تول کر پھینکا۔ بیتو نے دریافت کیا۔ ''شوبی بھائی یہ کیا کرتا ہے کیا وقت گزاری کرتا ہے۔''

''اس وقت زندگی اور موت کا مسئلہ ہے میں وقت گزاری کیسے کر سکتا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے جلدی سے معذرت کی۔

''سوری شوبی بھائی ہم مذاق کر رہا ہے۔''

''کوئی بات نہیں تمہاری بات سے مجھے خیال آیا کہ ہم ان پتھروں سے کام لے سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے پوچھا۔

''بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور ایک پتھر اٹھا کر اسے دشمن کے مورچے کی طرف اچھال دیا۔ پتھر کہیں دور گرا تھا لیکن بیتو میرا مقصد سمجھ گیا اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''واہ شوبی بھائی کیا ترکیب سوچی ہے۔''

''یہ ترکیب تمہاری بات سے ذہن میں آئی ہے۔'' میں نے پتھر اٹھایا۔ ''ہم بیک وقت اس کے مورچے پر پتھر پھینکیں گے۔ اگر اسے پتھر لگے تو وہ بدحواس ہو کر شاید باہر نکلنے کی کرے یا ہمیں موقع مل جائے۔''

''ٹھیک ہے لیکن پہلے ہم پتھر جمع کرے گا۔'' بیتو نے کہا اور آس پاس سے اس سائز کے پتھر جمع کرنے لگا جنہیں ہم آسانی سے سوفٹ دور تک پھینک سکیں جو کام گولی نہیں کر سکتی تھی یہ پتھر آسانی سے کر سکتے تھے۔ ذرا سی دیر میں بیتو نے درجنوں پتھر جمع کر لیے اور میں چٹان کی طرف رائفل کیے بیٹھا رہا مجھے خطرہ تھا کہ بیتو کہیں سے نظر آ گیا تو وہ اس پر گولی چلا دے گا لیکن بیتو نے خود بھی اس بات کا خیال رکھا تھا۔ وہ آڑ میں رہتے ہوئے پتھر جمع کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''ہمیں تیزی سے یکے بعد دیگرے پتھر پھینکنے ہیں تاکہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔'' میں نے کچھ پتھر اپنے پاس کر لیے اور کچھ بیتو کے پاس رہنے دیئے ہم الگ الگ زاویے سے پتھر پھینکتے تو اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ پتھر اسے جا لگے۔ نصف سیر وزنی پتھر سوفٹ کی دوری تک خاصا رفتار سے جا سکتا تھا اور کسی کو اس سے اچھی خاصی چوٹ آنے کا امکان تھا میں نے ایک دو تین کہہ کر پہلا پتھر پھینکا اور پھر بیتو نے پھینکا۔ اس کے بعد ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشین کی طرف پتھر پھینکنے لگے اور ہر ایک سیکنڈ میں ایک پتھر دشمن کے مورچے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے غالباً ہماری طرف سے کسی ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ بے فکری سے بیٹھا ہوا تھا۔ اسی بے فکری میں وہ نشانہ بن گیا کوئی چوتھا یا پانچواں پتھر جا کر اسے لگا تھا۔ اس نے چیخ کر گالی دی۔ اس سے ہمیں زیادہ بہتر طور پر اندازہ ہو گیا کہ وہ کہاں ہے۔ کوئی نصف درجن پتھر فی کس پھینکنے کے بعد ہم نے یہ سلسلہ روک دیا۔ وحشی آنکھوں والا چیخ کر بولا۔

''یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ؟''

''تمہیں سنگسار کر رہے ہیں۔'' میں نے لطف لینے کے انداز میں کہا۔ ''تم چاہو تو اسے ایکسر سائز بھی سمجھ سکتے ہو۔''

اس نے طیش میں آ کر ہماری طرف ایک برسٹ مارا لیکن ہم آڑ میں محفوظ تھے۔ وہ کچھ دیر تک گالیاں دیتا رہا پھر خاموش ہو گیا۔ دس منٹ تک سستانے کے بعد ہم نے دوبارہ سنگ باری شروع کی۔ بیتو نے اس دوران میں مزید پتھر جمع کر لیے تھے۔ اس بار ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ اس کی چیخ نہیں سنائی دی تھی۔ اس نے یا تو جگہ بدل لی تھی یا پھر پتھر کھا کر ہمیں دل ہی دل میں سنانے اکتفا کیا تھا۔ وہ جس چٹان کی آڑ میں اس کے پیچھے خاصی گنجائش تھی لیکن وہ اس کے بالکل پیچھے چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں وہ ہماری نگرانی کیسے کرتا اور پتھروں سے بچنے کے لیے اسے مکمل آڑ میں جانا پڑتا ہوگا۔ میرے ذہن میں ایک پلان تشکیل پانے لگا۔

''سنو میرا اندازہ ہے کہ یہ سنگ باری شروع ہوتے ہی چٹان کے بالکل پیچھے چلا جاتا ہوگا اور اس وقت ہم میں سے کوئی اس ٹیلے کے پیچھے جا سکتا ہے۔'' میں نے اپنے عقب میں موجود ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔

''اور اگر وہ اس کے باوجود آڑ میں نہیں جاتا تو؟''

بیتو کے اس خدشے کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا میں چاہتا تھا کہ ٹیلے کے عقب میں جا کر اس کے اوپر چڑھ کر وحشی آنکھوں والے کو نشانہ بنانے کی کوشش کروں وہاں سے مجھے بہتر زاویہ مل سکتا تھا اور بلندی پر ہونے کی وجہ سے میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ ''یہ خطرہ تو مول لینا ہوگا۔'' میں نے بیتو سے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم جائے گا۔'' اس نے سر ہلایا۔

''تم نہیں جاؤ گے میں جاؤں گا اور ٹیلے کے پیچھے سے چڑھ کر اسے نشانہ بنانے کی کوشش کروں گا۔''

''یہ کام تو ہم بھی کر سکتا ہے۔''

''نہیں تمہارا نشانہ اتنا اچھا نہیں ہے اس لیے مجھے ہی جانا ہوگا۔'' میں نے کہا اور اپنی جیکٹ اتارنے لگا۔ یہاں اگرچہ سردی کم نہیں تھی لیکن اوپر کے مقابلے میں خاصی کم ہو گئی تھی اس لیے میں کچھ دیر کے لیے اس کے بغیر بھی گزارا کر سکتا تھا لیکن پتھروں کی آڑ سے نکل کر ٹیلے کے پیچھے جانے سے پہلے میں نے وحشی آنکھوں والے پر کئی بار سنگ زنی کا فیصلہ کیا تاکہ اس کا ذہن کسی اور طرف نہ جائے اور اسے ایک دو پتھر اور لگ جائیں تو وہ مزید بدحواس ہو کر قوت فیصلہ کھو دے۔

اب ہم پانچ پانچ منٹ کے وقفے سے اس پر پتھر برسا رہے تھے ایک بار مجھے اس کی ہلکی سی چیخ سنائی دی تھی۔ اب میں نے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلی بار صرف بیتو نے پتھر برسانے تھے اور اسے یہ کام اتنی تیزی سے کرنا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ دشمن محسوس نہ کر سکے کہ پتھر برسانے والا ایک ہی ہے۔ میں نے کسی اسپرنٹر کی طرف شست لی اور جیسے ہی بیتو نے پتھر برسانا شروع کیے میں چند لمحے کے وقفے سے اٹھ کر بھاگا۔ ابھی میں چند قدم دور گیا تھا کہ ایک فائر ہوا۔ گولی میرے اوپر سے گزر گئی۔ میں اب بھاگتے ہوئے لہرا بھی رہا تھا۔ ٹیلے کے پاس پہنچتے ہوئے میں زمین پر گرا اور لڑھکتے ہوئے اس کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ اس وقت دشمن نے برسٹ مارا اسے رائفل کو برسٹ موڈ پر لانے میں چند لمحے کی دیر لگی تھی اور یہی تاخیر میری زندگی کی وجہ بن گئی۔ اگر اس کی رائفل شروع سے برسٹ موڈ پر ہوتی تو میرا بچنا محال تھا۔

''شوبی بھائی.....'' بیتو چلایا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اپنی جگہ سے مت نکلنا۔''

مجھے ڈر تھا کہ بیتو یہ سوچ کر مجھے گولی لگ گئی ہے کہیں پتھروں کی آڑ سے نہ نکل آئے۔ میں نے اٹھ کر ٹیلے کی آڑ سے وحشی آنکھوں والے کے مورچے پر لگاتار کئی گولیاں چلائیں۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ وہاں سے نکل کر پتھروں کی طرف آنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اسے معلوم تھا ہمارے پاس ایک رائفل ہے اور دوسرا آدمی نہتا ہے لیکن وہ اتنا بہادر نہیں تھا کہ اپنی جان کی بازی لگا کر مورچے سے باہر آتا۔ اس نے نزدیک سے آواز میں کہا۔

''تم کیا سمجھتے ہو اس ٹیلے کے پیچھے جانے سے تم بچ جاؤ گے۔''

میں نے جواب دینے کے بجائے ٹیلے کی بلندی کا جائزہ لیا وہ کوئی پچاس فٹ اونچا تھا اور اس طرف سے اس پر چڑھنا خاصا دشوار کام تھا۔ اس میں وقت لگتا اور اگر اسے کسی طرح اندازہ ہو جاتا کہ میں ٹیلے پر چڑھ رہا ہوں تو وہ اپنے مورچے سے نکل کر بیتو کو شوٹ کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ ٹیلے پر چڑھنے کے دوران میں، میں بیتو کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مجھے جو کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ میں نے ذرا پیچھے ہٹ کر جائزہ لیا۔ راستہ ایسا تھا کہ مجھے اوپر تک پہنچنے میں کم سے کم دو سے تین منٹ لگ جاتے اور یہ وقت خاصا تھا۔ میں نے آڑ کے پاس آ کر بیتو کو آہستہ سے آواز دی۔

''جی شوبی بھائی۔'' اس نے بھی آہستہ سے کہا۔

''سنو تم اس پر نظر رکھو اور اگر وہ ٹیلے کی آڑ سے نکلے تو مجھے فوراً خبردار کرنا میں اس کے اوپر جا رہا ہوں۔''

''آپ فکر مت کرو ہم آپ کو بتا دے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور اگر وہ مورچے سے نکلے تو مجھے خبردار کرنے کے ساتھ تم اس پر پتھر بھی پھینکنا اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا۔''

''آپ فکر مت کرو۔'' اس نے پھر کہا۔

لیکن میری تسلی نہیں ہو رہی تھی اور مجھے اس وقت لگا تھا کہ میں بہت بڑا رسک لے رہا ہوں۔ بیتو کی جان کے رسک پر اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کر رہا تھا اور اگر اس کوشش میں بیتو کو کچھ ہو جاتا تو میں یہ بازی جیت کر بھی ہار جاتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ یہ خطرہ مول لوں یا نہ لوں۔ میں نے ٹیلے کی اوٹ سے وحشی آنکھوں والے کے مورچے کی طرف دیکھا۔ اس وقت میں اس کے ذہن سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ صرف ایک نہتے دشمن کو ختم کرنے کے لیے اپنے مورچے سے نکلنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک طرف میرا ذہن کہہ رہا تھا کہ وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا جب کہ اسے کچھ دیر میں اپنے ساتھیوں کے آنے کا یقین تھا تو اس صورت میں اسے جان کا خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کا مسلح دشمن موجود ہوگا اور اس کا بات کا پورا امکان ہوگا کہ وہ اسے شوٹ کر دے لیکن دوسری طرف دل کہہ رہا تھا کہ اس کا چھوٹا سا بہت معمولی سا امکان موجود ہے کہ وہ میرے ٹیلے پر چڑھنے کے دوران اپنے مورچے سے باہر نکل کر بیتو کو مارنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس میں بیتو کے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ وہ نہ تو چھپ سکتا تھا اور نہ بھاگ سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا اور سوچے جا رہا تھا لیکن کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اور مجھے فیصلہ کرنا ہی تھا۔

آخر میں نے فیصلہ کر لیا مجھے اوپر جانا تھا۔ ٹیلے پر پتھر تھے اور میں چڑھتا تو یہ لازمی گرتے ان کی آواز سے وحشی آنکھوں والا جان جاتا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور اس وقت وہ اپنے مورچے سے نکل آتا اور ایسا ہی ہوا جیسے ہی پتھر گرنے کی آواز آئی وہ اپنے مورچے سے نکل کر ان پتھروں کی طرف لپکا جہاں بیتو چھپا ہوا تھا۔ میں بہت تیزی سے حرکت میں آیا تھا۔ پھر فضا میں ایک فائر کی آواز گونجی جو ایک چیخ کے ساتھ مدغم ہو گئی۔

O.....❖.....O

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائر کی آواز کے ساتھ ہی وحشی آنکھوں والا رک گیا تھا۔ وہ اپنے ٹیلے اور ان پتھروں کے بالکل درمیان میں تھا جن کے پیچھے بیتو چھپا تھا۔ پتھر گرنے کی آواز سنتے ہی وہ ٹیلے کے عقب سے نکل کر لپکا تھا اور میں نے جب فائر کیا تو وہ منجمد ہو گیا اس نے بے ساختہ چٹان کے اوپر دیکھا لیکن میں رائفل تانے چٹان کے کنارے موجود تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں یہاں ملوں گا۔ اس کی رائفل کا رخ نیچے تھا اور وہ جتنی دیر میں رائفل اوپر کرتا میں اسے شوٹ کر چکا ہوتا۔

''بیتو اپنی جگہ رہو۔'' میں نے پلک جھپکائے بنا کہا۔ ''اور تم رائفل پھینک دو۔''

اس نے ہاتھ نیچے کر لیا تھا۔ ''تاکہ تم مجھے شوٹ کر دو۔''

''اگر مجھے شوٹ کرنا ہوتا تو میں پہلی گولی میں تمہارا سر اُڑا دیتا۔'' میں نے کہا۔ ''وہ وارننگ شاٹ تھا۔''

وہ وقت گزاری کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''تم نے مجھے دھوکا دیا میں سمجھا تم چٹان پر چڑھ رہے ہو۔''

''جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں تین تک گنوں گا اور اس کے بعد تمہیں شوٹ کر دوں گا..... ایک..... دو۔''

اس نے تین کہنے سے پہلے رائفل پھینک دی اور ہاتھ اوپر کر لیے۔ ''لو پھینک دی۔''

''اسی طرح سر پر ہاتھ رکھے اوندھے منہ لیٹ جاؤ۔''

اس نے میرے اس حکم کی تعمیل بھی کی تھی۔ اب میں نے بیتو کو باہر آنے اور اس کی تلاشی لینے کو کہا۔ بیتو نے اس کی جامہ تلاشی لے کر ایک پستول اور ایک خنجر برآمد کر لیا۔ بیتو نے پستول اور رائفل اپنے قبضے میں لے لی تھی اور بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''اسلحے کا اتنا عادت ہو گیا ہے کہ اب کچھ نہ ہو تو لگتا ہے کپڑا نہیں پہنا ہے۔''

''اب تمہاری ستر پوشی ہو گئی۔''

وحشی آنکھوں والا نیچے لیٹا تھا۔ اس نے سر گھما کر کہا۔ ''میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''تم مجھے رنجیت کہہ سکتے ہو۔''

''او کے راجا رنجیت سنگھ اب تم پیدائشی حالت میں آ جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھا نہیں۔''

''میں کہہ رہا ہوں کھڑے ہو کر اپنے سارے کپڑے اتار دو۔''

وہ کھڑا ہو گیا لیکن کپڑے نہیں اتارے۔ ''اس موسم میں.....''

''صرف دو منٹ کے لیے اور اتنی دیر میں تم مر و گے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ وہ اتنی آسانی سے کپڑے اتارنے پر تیار نہیں ہوا تھا۔ بیتو نے اسے راضی کرنے کے لیے آزمودہ نسخہ آزمایا اور ایک پتھر اٹھا کر اسے دے مارا۔ وہ بلبلا گیا تھا۔ یہ کام ہم پہلے بھی کر چکے تھے اور اسی وجہ سے وہ قابو میں آیا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''جینوا کنونشن کی خلاف ورزی جس کے بارے میں تم جانتے ہی نہیں ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا اور بیتو نے دوسرا پتھر مارا۔ وہ بچنے کی کوشش میں نیچے گرا تھا۔ ''اگر تم نے کپڑے نہیں، مارے تو اسی طرح پتھر کھاتے رہو گے۔''

''او کے..... او کے۔'' اس نے ہاتھ اٹھایا اور پھر کپڑے اتارنے لگا اس نے جیکٹ اور گرم پتلون اتاری اس کے نیچے اس نے گرم اونی جرسی اور لیکن پہن رکھا تھا وہ بھی اتارا تو اس کے نیچے سوتی لیکن اور سوتی ٹی شرٹ تھی۔ مجھے اس کے پیٹ پر ابھار نظر آ گیا اور یہ ایک چپٹا سا خنجر ثابت ہوا تھا۔ مجھے کسی ایسے ہتھیار کی تلاش تھی۔ ایک تربیت کمانڈو کے پاس ایسے ہتھیار لازمی ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ وہ زیادہ خطرناک ہوتے ہیں بہ نسبت آتشیں ہتھیاروں کے۔ میں نے اشارہ کیا۔

''لاؤ یہ مجھے دے دو۔''

اس نے بادلِ ناخواستہ یہ خنجر بھی نکال کر مجھے دیا۔ یہ سراسک کے مضبوط گرفت والے دستے کا اور کوئی چھ انچ کے پھل کا بہت ہی مہلک خنجر تھا اور اس نے پیٹ پر اسے ایک باقاعدہ نیام میں رکھا تھا میں نے اس سے وہ نیام بھی اتروالی۔ خنجر مجھے پسند آ گیا تھا میں نے اس کی نیام اپنے پیٹ پر باندھ کر خنجر اس میں رکھ لیا۔ بیتو نے اس لیے کپڑوں کی تلاشی لے کر اسے کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔ اب اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ بیتو نے میری طرف دیکھا۔

''اب اس کا کیا کرنا ہے؟''

بیتو کے اس سوال پر میں نے کہا۔ ''یہ اس پر منحصر ہے اگر اس نے تعاون کیا تو ٹھیک ہے ورنہ اسے بھی پرلوک بھیج دیتے ہیں۔''

رنجیت ساکت کھڑا تھا اس نے کہا۔ ''میں اپنے دیش کے خلاف تم سے کوئی کوآپریٹ نہیں کروں گا۔''

''ہمیں تمہارے دیش سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ ہمیں اس جگہ سے جانا ہے۔''

اس نے شمال کی طرف اشارہ کیا۔ ''سرحد زیادہ دور نہیں ہے بس تمہیں پیدل دو تین گھنٹے تک چلنا پڑے گا۔''

''ہمیں اس طرف نہیں بلکہ کشمیر کی طرف جانا ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا تو اس کا منہ کھل گیا۔

''اس طرف..... لیکن کیوں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم سوال نہیں کر سکتے۔'' میں نے کھردرے انداز میں کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کشمیر تک پہنچانے کے لیے کیا کر سکتے ہو۔''

''میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔'' اس نے انکار کر دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بیتو سے پستول لیا۔ ''تب تم بے کار ہو۔''

میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا تھا کہ اس نے ہاتھ اٹھایا۔ ''میری بات سنو..... یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہیں اندازہ ہے یہاں سے کشمیر تک کتنی سخت چیکنگ سے گزرنا پڑے گا۔''

''اس صورت میں تو تم مزید بے کار ہو ہمیں خود کچھ کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا اور پستول کو لوڈ کیا۔

رنجیت کو موت سامنے نظر آئی تو اس کا سارا کمانڈو پن ہوا ہو گیا تھا اور وہ جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ایک کام ہو سکتا ہے۔ یہاں سے کچھ دور ایک ہیلی پیڈ ہے۔ وہاں ہر وقت ایک ہیلی کاپٹر موجود ہوتا ہے۔''

''اسے اُڑائے گا کون ہم میں سے کسی کو کاپٹر اُڑانا نہیں آتا ہے۔''

''وہ تو مجھے بھی نہیں آتا ہے لیکن وہاں پر پائلٹ ہوتا ہے۔''

اس معرکے کے دوران میں سوچ رہا تھا اور مجھے خیال آیا کہ ہمیں چین کی طرف واپس جانے کے بجائے یہاں سے پاکستان جانے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ چین میں کوئی یقینی صورتِ حال نہیں تھی اور ہمیں وہاں سزا بھی ہو سکتی تھی۔ یہاں سے کشمیر کی سرحد یعنی نام نہاد کنٹرول لائن تک کا سفر بہت زیادہ دشوار اور خطروں سے بھرا ہوا تھا لیکن خطرات ہمارے لیے کوئی نئے نہیں تھے۔ اس پورے سفر کے دوران میں اور میرے ساتھی خطروں سے ہی کھیلتے رہے تھے۔ یہ خدائے بزرگ و برتر کی ہم پر مہربانی تھی کہ اس نے ہمیں محفوظ رکھا اور سوائے میرے اور بیتو کے باقی سب یہاں سے نکل جانے میں کامیاب رہے تھے۔ اگر ہم کوشش کرتے اور ہماری قسمت میں وطن کی سرزمین تک پہنچ جانا لکھا ہوتا تو ہمیں پوری بھارتی فوج مل کر بھی نہیں روک سکتی تھی۔ چین نہ جانے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ چین حکام اگر ہمیں معاف کر بھی دیتے تو بھی وہ ہمیں پاکستان کے حوالے ہی کرتے اور ہم سیدھا پولیس کی تحویل میں پہنچ جاتے جو مرشد جیسے لوگوں کی مرید تھی۔ میں نے اپنے اس تبدیل شدہ منصوبے کے بارے میں بیتو سے بھی نہیں پوچھا ایک تو اس کا موقع نہیں تھا دوسرے مجھے پورا بھروسہ تھا کہ اگر میں دہکتے آتش فشاں میں چھلانگ لگانے کا فیصلہ کروں تو بیتو بلا جھجک میرا ساتھ دے گا۔

سوچتے ہوئے میں چونکا اور میں نے رنجیت سے کہا۔ ''بریف کیس کہاں ہے؟''

اس نے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے پیچھے پڑا ہے۔''

بیتو جا کر بریف کیس اٹھا لایا۔ اس مار ماری میں اسے نقصان نہیں ہوا تھا بس گرنے کی وجہ سے اس پر خراشیں آ گئی تھیں۔ وہ اہم چیز تھا اور اس کا سائز زیادہ نہیں تھا مشکل سے بارہ بائی آٹھ انچ لمبا چوڑا اور دو انچ موٹا بریف کیس تھا میں نے اس کی زنجیر فائر کر کے توڑ دی اور اسے جیکٹ کھول کر سینے پر رکھ کر زپ بند کر لی۔ اب یہ محفوظ تھا اور نقل و حرکت میں بھی کسی دشواری کا باعث نہیں بنتا۔ میں رنجیت کی طرف متوجہ ہوا۔ ''ہیلی پیڈ یہاں سے کتنا دور ہے؟''

''اس نے سوچا اور بولا۔ ''دو گھنٹے تک چلنا پڑے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہاں کتنے لوگ ہوتے ہیں؟''

''ایک وقت میں چھ ہوتے ہیں وہی ہمارا ہیں ہے۔ ہماری ٹیم بھی وہیں ہوتی ہے۔ جب کسی بھی مشن پر وہیں سے نکلتے ہیں اور وہیں واپس جاتے ہیں۔''

میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں اس طرح رنگ برنگ کپڑوں کے بجائے بھارتی فوج کی سفید وردی میں سفر کرنا چاہیے ایک تو ہم اس میں نظر نہیں آتے اور دوسرے موقع پڑنے پر ہم انڈین ہونے کا تاثر دے سکتے تھے۔ مارے جانے والے دو بھارتی کمانڈوز کی لاشوں کے ساتھ ان کے کپڑوں کا بھی حشر ہو گیا تھا لیکن دو جو گولیوں کا نشانہ بنے تھے ان کے لباس کسی قدر قابل استعمال تھے۔ سخت سردی کی وجہ سے خون بہت کم نکلا تھا اور فوری موت ہونے کی وجہ سے بھی خون باہر کے لباس تک نہیں آپایا تھا۔

بیتو کو رنجیت کے سر پر کھڑا کر کے میں نے مرنے والے کمانڈوز کا لباس اتارا۔ ایک کی جیکٹ پر خون لگا تھا اسے برف پر رگڑ رگڑ کر کسی قدر صاف کر دیا۔ دوسرے کے لباس پر معمولی سا خون تھا کیونکہ گولی نے اس کا سر کھول دیا تھا اور خون کے چھینٹے اُڑ کر لباس پر آئے تھے۔ مجھے ان کے سامنے والے لباس، جوتوں، گلوز اور ٹوپے کی ضرورت تھی۔ جس کا سر اُڑ گیا تھا اس کا ٹوپا بھی بے کار ہو گیا تھا۔ البتہ ایک اور کمانڈو کا ٹوپا استعمال کے قابل تھا۔

سائز میں فرق تھا لیکن مجبوری تھی میں نے اور بیتو نے جیسے تیسے یہ لباس پہن لیا جو مجھے کچھ چھوٹا اور بیتو کو کچھ بڑا تھا۔ ٹوپے، گلوز اور جوتے پہن کر ہم مکمل طور پر بھارتی کمانڈو لگنے لگے تھے اور ہماری صورتیں تو اس خطے والی تھیں۔ سن گلاس تھے لیکن ان کے پاس کوئی نائٹ ویژن نہیں تھا وہ صرف رنجیت کے پاس تھا جو میں نے اپنے قبضے لے لیا تھا۔ سورج تقریباً غروب ہو گیا تھا اور کچھ دیر میں اندھیرا ہونے والا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ اب تک امدادی بھارتی دستہ نہیں آیا تھا لیکن اس کا آنا یقینی تھا۔ ہمارے پاس دو راستے تھے ایک تو یہ کہ آنے والوں سے بچ کر نکل جائیں لیکن یہ کام بہت مشکل تھا اس طرف آنے کا راستہ ایک ہی تھا اور وہ راستے میں ہمیں لازمی ٹکراتے۔ دوسرا طریقہ یہ ہوتا کہ ہم ان کا سامنا کرتے اور پھر جو ہوتا دیکھا جاتا۔ میں نے دوسرا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور بیتو کو ایک طرف لے جا کر اس سے اس بارے میں پوچھا۔ وہ پُر جوش ہو گیا۔

''شوبی بھائی اب مزہ آئے گا۔''

''بس تو شکار کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' میں نے کہا اور واپس رنجیت کے پاس آیا۔ وہ گھٹنوں کے بل ہاتھ سر پر رکھ کر بیٹھا تھا اور میں نے بے خبری میں اس کے سر پر وار کیا۔ وہ ہلکی سی کراہ کے ساتھ لڑھک گیا تھا اس کے سر پر ٹوپی کی وجہ سے میں نے زیادہ طاقت سے وار کیا تھا۔ اس کی نبض ہلکی لیکن مستقل رفتار سے چل رہی تھی وہ کم سے کم دو گھنٹے کے لیے دنیا سے غافل ہو گیا تھا۔ میں نے اسے لاشوں کے درمیان اسے اس طرح لٹا دیا کہ وہ خود بھی لاش نظر آنے لگا تھا۔ اس دوران میں بیتو ٹیلے پر چڑھ کر جنوب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تو اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے اوپر سے دبی آواز میں کہا۔

''ایک چھوٹا سا ٹرک اس طرف آ رہا ہے۔''

میں واپس بھاگا اور دوسری رائفل اور اس کا ایمونیشن لے کر اس چٹان پر چڑھ گیا پہلے جس پر چڑھنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے رنجیت کو دھوکا دیا تھا۔ یہ کوئی پچیس تیس گز بلند تھی اور اس کے اوپر سے آس پاس کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ بیتو کے پاس تین رائفلیں اور ان کا فالتو ایمونیشن تھا۔ ان کمانڈوز کے پاس کوئی گرینیڈ نہیں تھا لیکن یہاں گرینیڈ کا کام بھی نہیں تھا۔ جب میں اوپر چڑھا اور لیٹ کر دیکھا تو ٹرک مجھے ایک موڑ سے آگے آتا نظر آیا۔ یہ چھوٹا فوجی ٹرک تھا جس کا پچھلا حصہ ترپال سے بند کیا گیا تھا۔ آگے دو افراد بیٹھے تھے۔ ٹرک تباہ شدہ جیپ سے کوئی پچاس گز دور رک گیا اور آگے بیٹھے دونوں افراد میں سے ایک اتر آیا اور اس نے چلا کر گالی دی۔

''اترو..... ماں کے.....''

ماں کے..... سارے اتر آئے اور ان کی تعداد ایک درجن تھی۔ یہ کمانڈوز نہیں تھے بلکہ عام سپاہی تھے البتہ وردی انہوں نے بھی گرم ہی پہنی تھی جس کا رنگ سرمئی تھا اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹی خودکار رائفلیں تھیں۔ افسر نے ان کو چاروں طرف پھیل کر دیکھنے کو کہا۔ وہ خود جیپ کی طرف آیا تھا۔ اس نے تباہ شدہ جیپ کا معائنہ کیا اور پھر وہاں بکھری لاشوں کو دیکھا۔ اس نے فوراً نوٹ کر لیا کہ ان میں ''قیدیوں'' کی لاشیں نہیں تھیں اور دو کمانڈوز بنا وردی کے تھے۔ اس نے چلا کر کہا۔

''ہوشیار یہاں دشمن موجود ہے۔''

اس دوران میں، میں رائفل کو سنگل موڈ پر لا کر ٹرک میں بیٹھے ڈرائیور کا نشانہ لے رہا تھا اس کی بات سنتے ہی میں نے گولی چلا دی۔ کوئی ستر گز کی دوری پر بھی نشانہ ٹھیک بیٹھا تھا اور میں نے ڈرائیور کو سیٹ سے اچھل کر ڈھیر ہوتے دیکھا۔ ونڈ اسکرین میں سوراخ ہو گیا تھا۔ فائر کی آواز گونجی تو آس پاس پھیلے سپاہیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ میں نے دوسرا نشانہ افسر کو بنایا جو جنگ سے زیادہ گالیاں دینے کا ماہر لگ رہا تھا اور اس وقت بھی گالیاں دینے میں مصروف تھا۔ گولی اس کی گردن میں اتر گئی اور اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی۔ مرنے سے پہلے وہ اپنی گردن سے نکلتے خون کے فوارے کو بند کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فائرنگ کی آواز سنتے ہی بیتو نے بھی فائر کھول دیا۔ ٹیلے کے دوسری طرف سے چیخیں سنائی دی تھیں۔ بیتو کا نشانہ بھی خالی نہیں گیا تھا۔ ٹیلے اور چٹان کے درمیان میں تین سپاہی آ گئے تھے۔ انہیں میں اور بیتو نظر نہیں آئے تھے اور ویسے بھی تاریکی چھا رہی تھی۔ پھر افسر کی موت نے ان کی دنیا ویسے ہی اندھیر کر دی تھی۔ جب انہیں کوئی نظر نہ آیا تو انہوں نے چاروں طرف اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی اور یہ برفانی ویرانہ شور قیامت سے گونج اٹھا تھا۔ میں نے رائفل کو خودکار موڈ پر کیا اور تینوں کو ایک برسٹ میں لٹا دیا۔ ان میں سے ایک بے ہوش رنجیت کے پاس کھڑا تھا اور اسے بچانے کے لیے مجھے خاصی جدوجہد کرنا پڑی تھی۔

اس دوران میں چند سپاہی بھاگ کر ٹرک کی طرف جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کو اس علاقے میں رہنے اور لڑنے کے لیے خاص تربیت دی گئی تھی لیکن یہ تو عام سپاہیوں سے بھی گئے گزرے تھے ان کا انداز نہایت ان پروفیشنل اور کسی طرح بھی دنیا کی ایک بڑی فوج کے شایان شان نہیں تھا۔ انہوں نے نہ مرنے والے کمانڈوز کو چیک کیا تھا اور لازمی بات ہے رنجیت کو دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ پھر وہ غیر محتاط انداز میں اس جگہ کی تلاشی لے رہے تھے۔ جب ہم نے فائرنگ کی تو انہوں نے صورتِ حال کو سمجھنے کے بجائے بدحواس ہو کر اندھا دھند فائرنگ کی ورنہ وہ آڑ لے کر اور صورتِ حال سمجھنے کے بعد کارروائی کرتے تو ہم خاصی مشکل میں پڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے۔

مجھے انسانوں کے قتلِ عام سے ہمیشہ کوفت ہوتی رہی ہے۔ چاہے وہ میرے جانی دشمن کیوں نہ ہوں اور اس وقت بھی مجھے دکھ ہو رہا تھا لیکن ساتھ ہی مجھے معلوم تھا اگر ان میں سے کوئی بچ گیا تو ہماری کشمیر کی طرف جانے کی کوشش کا راز فاش ہو جائے گا اور میں چاہتا تھا کہ یہ راز اس وقت تک نہ کھلے جب تک ہم کشمیر کی سرحد نہ عبور کر جائیں۔ جب میں نے تین سپاہیوں کو شوٹ کیا تو اسی دوران میں دو سپاہی اور وہاں آ گئے تھے اور انہوں نے بیک وقت چٹان کی طرف فائرنگ کی تھی لیکن میں اوپر ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔ میری جوابی کارروائی میں ایک مارا گیا اور دوسرا بھاگ کر چھوٹے پتھروں کی آڑ میں آیا جہاں بیتو بھی چھپا تھا اور بیتو نے ٹیلے کے اوپر سے اسے گولی مار دی۔ اس نے بھانک سی چیخ ماری اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ گولی اسے نہ جانے کہاں لگی تھی۔ وہ نہایت دردناک انداز میں چیخ و پکار کر رہا تھا۔ میں نے ایک ہلکا سا برسٹ مار کر اس کی مشکل آسان کر دی۔ یہ میرا ساتواں شکار تھا۔ یعنی نصف تو میں نے شکار کر لیے تھے اور باقی کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ ان میں سے کئی بیتو کے ہاتھ مارے جا چکے ہوں گے۔ جو باقی رہ گئے تھے وہ ٹرک کی طرف جانے کی کوشش کر رہے تھے ان میں سے ایک اور کو میں نے مار دیا۔ بیتو بولا۔ ''ادھر کوئی نہیں رہا ہے۔''

''ہوشیار رہو اور جس پر شبہ ہو رہا ہے اسے پھر شوٹ کر دو کوئی بچنے نہ پائے۔'' میں نے بلند آواز سے کہا اور اس دوران میں زمین پر پڑے سپاہیوں کا معائنہ کر رہا تھا میری بات پر دو کے جسموں میں حرکت ہوئی تھی یعنی وہ زندہ تھے اور پھر ان میں سے ایک اٹھ کر لنگڑاتا ہوا بھاگا تھا۔ میں نے اس پر لگاتار فائر کیے اور وہ اس بار لٹو کی طرح گھوم کر گرا تھا دوسرے کو بھی میں نے سر پر گولی ماری اور وہ ساکت ہو گیا۔ بیتو بھی فائر کر رہا تھا۔ میں نے بیتو کو آواز دی۔

''تم اس طرف آؤ میں نیچے آ کر ان لوگوں کو چیک کرتا ہوں۔''

بیتو میری طرف آ گیا اور میں چٹان سے اتر کر نیچے آیا تھا۔ آج کا دن یہاں بھارتیوں کے لیے بہت برا تھا ان کے انیس افراد موت کے گھاٹ اتر گئے تھے ان میں سے پانچ اعلیٰ درجے کے تربیت یافتہ کمانڈو تھے۔ اگرچہ انہوں نے ایک چینی ہیلی کاپٹر مار گرایا تھا لیکن آدمیوں کے لحاظ سے ان کا نقصان زیادہ ہو گیا تھا۔ میری طرف موجود افراد میں اب کوئی زندہ نہیں تھا۔ میں ٹیلے کے دوسری طرف آیا جہاں باقی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں ان میں سے بس ایک زندہ تھا اور وہ بھی کچھ دیر کا مہمان تھا۔ ٹرک ڈرائیور کی لاش اس کی سیٹ پر تھی۔ میں نے عقبی حصے کا معائنہ کیا۔ وہاں ایک بھاری مشین گن اس طرح لگی تھی کہ ضرورت پڑنے پر اسے ترپال ہٹا کر طیارہ شکن گن کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ مدد کے لیے آنے والے تمام بھارتی مارے جا چکے تھے اور اب خود اٹھائے جانے کے منتظر تھے۔ اس سے پہلے کہ ان کی مدد کے لیے کوئی اور دستہ آتا ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا لیکن جانے سے پہلے کچھ اور کام ضروری تھے۔

میں نے بیتو کے ساتھ مل کر ان سب کی لاشیں چٹانوں اور ٹیلے کے درمیان میں ڈال دیں جہاں سے یہ فوری طور پر کسی کو نظر نہیں آتیں۔ اس کے بعد میں نے بے ہوش رنجیت کو ٹرک کے پچھلے حصے میں ڈالا۔ وہ ابھی مزید ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے والا نہیں تھا۔ ڈرائیور کی لاش بھی ہٹا دی تھی اور اب ٹرک مجھے ڈرائیو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنا تھا۔ میرا پہلا مقصد اس علاقے سے نکلنا تھا۔ رنجیت نے بتایا تھا کہ ان کا بیس یہاں سے دو گھنٹے کی مسافت پر ہے اور چینی طیارے کے حملے کے بعد مدد دو گھنٹے بعد آئی تھی لیکن میرا دو گھنٹے تک ڈرائیو کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ یہ بھارتی فوجی علاقہ تھا اور یہاں کہیں بھی ہماری کسی اور بھارتی گشتی پارٹی سے مڈبھیڑ ہو سکتی تھی۔ اس لیے جیسے ہی مجھے ایک طرف چند ایسے ٹیلے نظر آئے جن کے پیچھے ٹرک چھپایا جا سکتا تھا میں نے ٹرک اس طرف موڑ دیا اور اسے دو ٹیلوں کے درمیان اس طرح روک دیا کہ وہ سڑک سے نظر نہیں آ سکتا تھا اس دوران میں رات مکمل ہو چکی تھی لیکن آسمان صاف تھا اور چاند طلوع ہونے والا تھا اس کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ میں اتر کر پیچھے آیا جہاں بیتو عیاشی کر رہا تھا یعنی بسکٹ کھاتے ہوئے کافی پی رہا تھا میں نے اس سے مگ چھین لیا۔

''بیٹے تو پیٹھ پیچھے یہ مزے ہو رہے ہیں۔''

بیتو نے دانت نکالے۔ ''ادھر اور بھی بہت کچھ ہے پر آپ نہیں کھائے گا۔''

اس کی مراد گوشت سے بے سینڈوچز سے تھے۔ چاکلیٹس کے علاوہ کوکیز بھی تھے۔ کافی کے لیے ایک بڑا سا تھرماس تھا۔ لگتا تھا کہ مدد کے لیے نہیں پکنک منانے کے لیے نکلے تھے۔ رنجیت ابھی تک بے ہوش تھا میں نے اس کی نبض دیکھی تو وہ مجھے نارمل لگی تھی۔ شاید وہ ہوش میں آنے والا تھا لیکن میں نے فرض کر لیا کہ وہ ہوش میں آ گیا ہے اور میں نے گرم کافی کا ایک قطرہ اس کی ناک پر ٹپکا دیا اور اس کے بے ساختہ ردِعمل نے بتایا کہ میرا اندازہ درست تھا میں ہنسا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اردگرد دیکھا۔

''ہم کہاں ہیں؟''

''جہاں ہمیں ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

ٹھک دیکھ کر اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی بے ہوشی کے دوران بہت کچھ ہو چکا تھا۔ ٹرک کے عقبی حصے میں ایک چھوٹا سا بلب روشن تھا اور مجھے امید تھی کہ اس کی روشنی ترپال سے باہر نہیں جا رہی ہو گی۔ رنجیت میرے اشارے پر اٹھ کر سامنے نشست پر بیٹھ گیا۔ یہاں دونوں طرف لکڑی کی نشستیں تھیں۔ رنجیت نے کچھ دیر بعد کہا۔

''تم نے مجھے بے ہوش کیوں کیا تھا؟''

''تاکہ ہم آنے والوں سے آرام سے نمٹ سکیں۔''

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے تم نے مدد کے لیے آنے والوں کو مار دیا؟''

''نہیں تو کیا ان کی دعوت کرتا۔'' بیتو نے اسے گھرکا۔ ''شکر کرو تم کو چھوڑ دیا۔''

''رنجیت سنگھ ان چکروں میں مت پڑو۔ اپنی جان کے بارے میں سوچو جو صرف ہم سے تعاون کر کے ہی بچ سکتی ہے۔''

رنجیت ایک ہوشیار کمانڈو تھا اور اسے معلوم تھا کہ اس ٹرک میں کتنے آدمی آ سکتے تھے اور ہم نہ صرف ان کی چیزوں بلکہ ٹرک پر بھی قابض ہو گئے تھے اس میں آنے والوں کا انجام سوچا جا سکتا تھا اور جب ہم اتنے لوگوں کو مار سکتے تھے تو اس اکیلے اور نہتے شخص کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''میں تم سے کیا تعاون کر سکتا ہوں؟''

''ہمیں ہیلی کاپٹر درکار ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ بیس پر ہے۔''

''تو ہمیں بیس لے چلو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''بیس کی کیمروں اور دوسرے آلات سے نگرانی ہوتی ہے تم دور سے دیکھ لیے جاؤ گے اور پھر لڑے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکتے۔اس دوران میں اندر والوں کو موقع مل جائے گا اور وہ آگے خبردار کر دیں گے۔''

''اگر ہم ٹرک میں ہوں تب بھی دیکھ لیے جائیں گے؟''

''ہاں وہاں کیمرے بہت طاقتور ہیں۔''

''تم نے یہ بات مجھے کچھ زیادہ ہی شرافت سے نہیں بتا دی ہے؟''میں نے حیرت سے کہا۔

''میں نے اس لیے بتا دیا کہ ایک بار تصادم ہوا تو تم مجھے سب سے پہلے مار دو گے۔''اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔''اور میں ابھی مرنا نہیں چاہتا ہوں۔''

''یہ تو ہے اور اس کا مطلب ہے تم عقل مند آدمی ہو۔''میں نے اس کی تائید کی۔''اس لیے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ ہم بنا خون وکشت بیس پر قابض ہو جائیں۔''

''اور کیا ورنہ تمہارا فائدہ کیا ہے؟''بیتو نے کہا۔اب وہ کوکیز کا صفایا کر رہا تھا۔ساتھ ہی اس نے ایک بلڈوج بھی تھام رکھا تھا کیونکہ اس کے لیے حلال حرام کا مسئلہ نہیں تھا اس لیے وہ پوری بے فکری سے کھا رہا تھا۔رنجیت سوچ میں پڑ گیا تھا۔میں نے اس سے کہا۔

''کیمرے اور دوسرے آلات بجلی سے چلتے ہیں؟''

''ہاں۔''

''بجلی کہاں سے آتی ہے؟''

''یہاں تک بجلی کی لائن آ رہی ہے۔''رنجیت نے بتایا۔

''اگر لائن بند ہو جائے تو پھر کیا ہوتا ہے؟''

''کچھ نہیں کیونکہ ہمارے پاس بجلی کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔بیٹری سے بس لائٹس جلتی ہیں۔''

''اس صورت میں کام بن سکتا ہے۔''میں نے سوچتے ہوئے کہا۔''لیکن جب یہ اتنا اہم بیس ہے کہ یہاں خاص طور سے جاسوسی کے آلات لگائے گئے ہیں تو اس میں جنریٹر بھی ہونا چاہیے جو لائن ٹرپ کرتے ہی خود بہ خود سپلائی شروع کر دے۔''

''جنریٹر ہے لیکن خراب ہے اور اس کا مکینک ابھی تک تو نہیں آیا تھا۔''

میں نے سوچا کہ مکینک آ گیا ہوا تو مسئلہ ہو جائے گا۔لائٹ نہیں جائے گی اور ہمارا منصوبہ فلاپ ہو جائے گا۔باہر چاند نکل آیا تھا یہ شاید سات یا آٹھ کا چاند تھا اور نصف ہونے کے باوجود روشنی اچھی خاصی تھی۔پھر رنجیت پر بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا وہ دشمن تھا اور اس کا بس چلتا تو ہمارے ٹکڑے کر دیتا۔وہ ہمارے لیے کتنا کارآمد تھا ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ٹرک میں رسی موجود تھی میں نے چاقو سے اس کے ٹکڑے کر کے رنجیت کے ہاتھ اور پیر باندھ دیئے اس نے مزاحمت نہیں کی تھی اور خاموشی سے خود کو بندھوا لیا۔وہ تختے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیلا تھا۔

''ہیں یہاں سے کتنا دور ہے؟''

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' اس نے کہا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' میں اسے ٹرک کے اگلے حصے میں لے آیا اس کے ہاتھ پیر بندھے تھے۔ میں نے اسے اپنے ساتھ والی نشست پر بٹھایا ٹرک اسٹارٹ کیا اور گھما کر اسے سڑک پر لے آیا۔ رنجیت نے غور سے اس جگہ کو دیکھا اور بولا۔

''ابھی ڈیڑھ گھنٹے کا سفر باقی ہے۔ ہمیں راستے میں ایک چیک پوسٹ بھی ملے گی۔''

''وہاں سے کیسے نکلیں گے؟''

''ان کا پاس ورڈ ہوتا ہے۔''

''پاس ورڈ کیا ہے؟''

''آج رات کا اس ٹرک کے ڈرائیور کے پاس ہوگا۔''

میں نے ٹرک روک دیا۔ ''تم اب بتا رہے ہو اس کا مطلب ہے تمہارے ذہن میں شرارت ہے۔''

''میں بے ہوش تھا اور مجھے کیا معلوم تھا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔'' اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''اب کیا ہوگا؟''

''پاس ورڈ لازمی ہے اس کے بغیر چیک پوسٹ سے نہیں گزر سکتے ہیں۔'' اس نے خبردار کیا۔

''کیا ہوا رک کیوں گئے؟'' عقب سے بیتو نے پکارا۔

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا تو بیتو اتر کر نیچے آ گیا تھا۔ میں نے اسے مسئلہ بتایا۔ اس نے رنجیت سے پوچھا۔

''چیک پوسٹ پر کتنے آدمی ہوتے ہیں؟''

''تین ہوتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''ان کی ڈیوٹی کب بدلتی ہے؟''

''مجھے صحیح سے نہیں معلوم لیکن صبح اور رات کو بدلتی ہے۔''

بیتو نے میری طرف دیکھا۔ ''پھر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ ''ہاں واقعی پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

رنجیت چونکا۔ ''تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟''

''تم ابھی دیکھ لو گے۔'' میں نے ٹرک آگے بڑھا دیا۔ ''چیک پوسٹ کتنی دیر کے بعد آئے گی؟''

''ابھی شاید دس کلومیٹر دور ہے آدھا گھنٹہ لگے گا۔''

سڑک بڑی تیزی سے نیچے جا رہی تھی اور میرا اندازہ تھا کہ ہم دس ہزار فٹ سے نیچے آ گئے تھے کیونکہ اب سانس لینا آسان لگ رہا تھا۔ رنجیت نے تصدیق کی۔ ''ہمارا ابھی آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔''

پچیس منٹ بعد میں نے ٹرک روک دیا اور بیتو کو آواز دی۔ اس نے پیچھے سے جھانکا۔ ''تیار رہنا..... میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے ٹرک استعمال کروں گا اور اس کے بعد رائفل سمجھ گئے؟''

بیتو ہنسا۔ ''کیوں نہیں..... ہم بالکل تیار ہے۔''

میں نے دوبارہ ٹرک چلا دیا۔ ایک جگہ بلندی پر پہنچ کر سڑک نیچے گئی تھی اور چیک پوسٹ میری نظر میں آ گئی۔ یہ سڑک کے کنارے لکڑی اور ٹین سے بنا ہوا ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس کے ساتھ سڑک پر بیریئر لگا تھا جس کے ساتھ ایک سپاہی کھڑا تھا۔ نیچے آتے ہوئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا تھا۔ جب میں نے ٹرک کا رخ خفیف سا چیک پوسٹ کی طرف کیا تب ہی رنجیت سمجھ گیا اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

جواب میں، مَیں نے الٹا ہاتھ گھما کر اس کے منہ پر مارا۔ ضرب غیر متوقع تھی اس لیے اسے چکر آ گیا تھا میرا مقصد اس کی کسی متوقع مزاحمت کو روکنا تھا کیونکہ وہ مزاحمت کرتا تو بندھے ہاتھ پیروں کے باوجود میرے لیے مشکلات پیدا کر سکتا تھا ٹرک کو حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ اس دوران میں چیک پوسٹ کوئی پچاس گز دور رہ گئی تھی۔ میں بتدریج رفتار بڑھاتے ہوئے ٹرک کا رخ چیک پوسٹ کی طرف کر رہا تھا۔ سپاہی جواب تک سکون سے کھڑا تھا۔ ٹرک کی رفتار دیکھ کر چوکنا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرنا شروع کیا۔ اب چیک پوسٹ تیس گز دور تھی۔ میں نے ایکسلریٹر دبایا اور ٹرک کسی درندے کی طرف غرا کر آگے لپکا میں نے اسٹیرنگ گھمایا اور ٹرک کا رخ چیک پوسٹ کی طرف کر دیا اور چلا کر بیتو سے کہا۔

''ہوشیار ہو جاؤ میں ٹرک چیک پوسٹ پر چڑھا رہا ہوں۔''

سپاہی اب شاید چلا رہا تھا اور شاید اپنے ساتھیوں کو خبردار کر رہا تھا کہ ایک شرابی ٹرک والا ان پر اپنا ٹرک چڑھانے والا تھا۔ مگر چیک پوسٹ کے اندر موجود سپاہی جب تک ہوشیار ہوتے ٹرک اس پر چڑھ گیا تھا۔ ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ ٹرک چیک پوسٹ کو روندتا ہوا گزر گیا۔ اندر موجود افراد نے مرتے ہوئے چیخ و پکار کی ہو گی لیکن انجن اور تصادم کے شور میں سنائی نہیں دی تھیں۔ چیک پوسٹ کو روندتے ہی میں نے ٹرک کا رخ دوبارہ سڑک کی طرف کر دیا تھا۔ سپاہی کا حال مجھے نہیں معلوم لیکن وہ ٹرک کے پیچھے دوڑا تھا۔ اچانک عقب سے ایک برسٹ چلا اور میں نے سائیڈ مرر میں سپاہی کو قلابازی کھا کر گرتے دیکھا۔ اسے یقیناً بیتو نے نشانہ بنایا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرا سر بھاری ہو رہا تھا اور مجھے متلی کا احساس ہونے لگا۔ میں نے کوشش کر کے بریک لگایا اور ٹرک کو سڑک میں روک لیا۔ میں نے دروازہ کھول کر سر نیچے کیا اور مجھے قے آ گئی تھی۔ میرا سارا کھایا پیا نکل گیا تھا۔ بیتو نیچے اتر آیا تھا اس نے تشویش سے کہا۔

''شوبی بھائی کیا ہوا؟''

میں گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ''بس یار متلی آ گئی تھی۔''

بیتو میرے لیے پانی لے آیا۔ پانی پی کر میری حالت بہتر ہوئی یہ کیفیت یقیناً اس قتل و غارت گری کا ردِعمل تھی جو گزشتہ چند گھنٹوں میں، مَیں نے کی تھی اور میرے اعصاب بوجھ تلے آ گئے تھے۔ وہ دشمن سہی لیکن انسان تھے۔ میں کوئی عادی مجرم یا قتل سے لطف اندوز ہونے والا نفسیاتی مریض نہیں تھا۔ اپنے دفاع میں کیے جانے والے قتل بھی میرے اعصاب کو ہلا رہے تھے۔ جب میری طبیعت سنبھل گئی تو میں نے رنجیت کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایکھا۔ وہ خاموش بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے تین آدمی اور مار دیئے۔''

''وہ میرے دشمن تھے اگر میں ان کو نہیں مارتا تو وہ مجھے مار دیتے۔''

''اس طرح تو میں بھی تمہارا دشمن ہوں اور تم مجھے بھی نہیں چھوڑو گے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اگر تم میرے لیے خطرہ بنے تو میں تمہیں بھی مار دوں گا۔'' میں نے کہا اور ٹرک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ سڑک ڈھلان کی طرف مائل تھی۔ ''بیس یہاں سے کتنا دور ہے؟''

''ابھی ایک گھنٹے کا راستہ اور ہے۔''

میں نے ٹرک کی رفتار بڑھا دی۔ ''مجھے بیس کے سامنے پہنچنے سے پہلے خبردار کر دینا۔ ایسا نہ ہو میں بے خبری میں اس کے سامنے جا نکلوں۔''

''وہ سڑک سے ذرا ہٹ کر ہے اور اسے کیموفلاج رکھا گیا ہے لیکن تم فکر مت کرو میں تمہیں اس کی حد میں داخل ہونے سے پہلے خبردار کر دوں گا۔''

''اسی بات کی تو فکر ہے کہیں تم ہی نہ مروا دو۔''

''میں مرنا نہیں چاہتا۔'' وہ بولا۔ ''میری پتنی ہے تین بچے ہیں۔ ان کا میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں زندہ رہوں گا تو وہ سکھی رہیں گے۔ میں مر گیا تو میری پتنی کو انہیں پالنا ہوگا۔ وہ پڑھی لکھی نہیں ہے لیکن بہت خوب صورت ہے۔''

میں اس کے خدشات سمجھ رہا تھا۔ ''جب تمہیں بیوی بچوں کا اتنا ہی خیال تھا تو فوج میں کیوں آئے؟''

''فوج میں پہلے آیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''شادی تو میری چار سال پہلے ہوئی ہے۔''

میں نے غور کیا۔ ''اس پر بھی تین بچے ہیں۔ پندرہ سال میں تم درجن تک پہنچا دو گے۔''

وہ ہنسا۔ ''بس جی ہمیں ہوش ہی نہیں رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے تین بچے ہو گئے۔''

''ٹھیک ہے تم ان کے لیے جینا چاہتے ہو اور میں بھی بہت سارے پیاروں کی وجہ سے مرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ مجھے مرنا پڑے اور اس سے پہلے میں تمہارے کریا کرم کا بندوبست کر جاؤں۔''

''میں تم سے مکمل تعاون کر رہا ہوں۔'' اس نے میری طرف دیکھا اور اچانک پوچھ لیا۔ ''کیا تم مسلمان ہو؟''

میں چونکا۔ ''تمہیں یہ خیال کیسے آیا؟''

''تمہاری زبان سے..... ایسی ہندی مسلمان بولتے ہیں۔''

''ایسی ہندی تو ایتابھ بچن بھی بولتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کیا وہ مسلمان ہے؟''

''وہ اس کی فلموں والی زبان ہے۔''

''غلط..... یہ اس کی گھر کی زبان ہے اس کا باپ اسی زبان میں شاعری کرتا تھا۔''

وہ کسی قدر حیران ہوا۔ ''تم چین میں رہ کر ہندی فلموں کے اداکاروں کے بارے میں اتنا جانتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا تعلق بنیادی طور پر برصغیر سے ہے اور چینی فوج میں ہمیں نے ملازمت کی ہے۔''

اس نے غالباً یقین نہیں کیا تھا لیکن میں اس کے یقین کا محتاج نہیں تھا۔ میری سے وہ کچھ بھی سوچتا رہتا۔ جھوٹ بولنے کا مقصد اسے اپنے بارے میں کنفیوز رکھنا تھا۔ کیونکہ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ میں پاکستانی ہوں تو اس کے جذبات بدل جاتے اور وہ اپنی جان پر کھیل کر مجھے مروانے یا پکڑوانے کی کوشش کرتا۔ دونوں ملکوں کے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں سخت جذباتی ہیں۔ وہ خاموش ہو گیا تھا اور میں دھیان سے ٹرک چلانے لگا کیونکہ جس جگہ سے ہم گزر رہے تھے یہاں ایک طرف دریا بہہ رہا تھا اور اس کے اوپر پہاڑ سے تنگ سڑک گزر رہی تھی۔ ذرا سی بے دھیانی سے ٹرک سڑک سے اتر کر دریا میں جا سکتا تھا۔

''تم کشمیر کیوں جانا چاہتے ہو؟''

''اس بات سے تمہارا تعلق نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''جہاں سے ہم آ رہے ہیں چین صرف دو گھنٹے کی مسافت پر تھا لیکن تم اس طرف جانے کے بجائے کشمیر جا رہے ہو جہاں تمہارے لیے صرف خطرہ ہے۔''

''تمہارے نے کہا نا اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس بار میرا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''دل یو شٹ اپ۔''

وہ شٹ اَپ ہو گیا تھا لیکن اس کے ذہن میں کیا تھا مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک موڑ کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کے بعد بیس کی حد شروع ہو جاتی ہے اور اس موڑ سے آگے جو گاڑی جاتی ہے وہ کیمروں کی زد میں آ جاتی ہے۔'' میں نے موڑ سے پہلے ہی گاڑی روک لی تھی۔ یہاں دریا کنارے سے دور چلا گیا تھا۔ اور سڑک کے ایک طرف پہاڑ تھا اور دوسری طرف ہموار زمین تھی۔

''بیس کس طرف ہے؟''

رنجیت نے ہموار زمین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس طرف ہے۔''

''اور بجلی کی لائن کہاں سے آ رہی ہے؟''

''پہاڑ کی طرف سے..... لیکن اس تک پہنچنے کے لیے ہمیں پہاڑ کے اوپر کی طرف سے جانا ہوگا۔ سڑک کی طرف سے گئے تو نظر میں آ جائیں گے۔''

یہ خطرہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ ''بیس کیموفلاج ہے تو بجلی کا پٹر کہاں چھپایا ہوا ہے؟''

''وہ بیس کے پیچھے ایک چھوٹے سے پیڈ پر ہے۔ پیڈ آدھا ڈھکا ہوا اور فضا سے بھی قریب آئے بغیر نظر نہیں آتا ہے۔''

''کیا چینی اس علاقے میں آتے ہیں؟''

''ہاں ان کے طیارے یہاں در اندازی کرتے ہیں لیکن پیدل پارٹیاں سرحد کے پاس ہی رہتی ہیں۔'' اس نے جواب دیا

میں نے پہلے اسے اترنے کو کہا اور پھر خود بھی نیچے اتر آیا۔ بیتو پہلے ہی نیچے تھا میں نے اسے رنجیت کی نگرانی کرنے کو کہا اور خود موڑ کی طرف بڑھا۔ یہاں ہم کسی کی نگاہ سے محفوظ تھے لیکن موڑ کے بعد نہیں کہا جا سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ موڑ کے پاس پہنچ کر میں سردترین زمین پر لیٹ گیا اور رینگ کر آگے جانے لگا۔ موڑ سے سر نکال کر میں نے میدان کی طرف دیکھا اور مجھے بیس نظر آ گیا۔ یہ مصنوعی بنایا ہوا ابھار تھا جو بہ ظاہر قدرتی ٹیلا لگ رہا تھا لیکن اس کے نیچے یقیناً فوجی بنکر تھا۔ میں نے یہاں سے پہاڑ کا معائنہ کیا۔ اس طرف ڈھلان کم تھی اور آسانی سے اوپر تک جا سکتے تھے جہاں لکڑی کے کھمبوں پر سے تار ہوتی بیس تک جا رہی تھی۔ مگر یہ جگہ بیس کے بالکل سامنے تھی اور اگر میں آگے جاتا تو یقیناً کیمروں کی زد میں آ جاتا۔ میں اسی طرح رینگ کر واپس آ گیا۔ رنجیت ٹھیک کہہ رہا تھا ہمیں اس پہاڑ کے اوپر چڑھ کر جانا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''تم یہیں رکو میں اوپر جا کر بجلی کی تار کاٹ کر آتا ہوں۔''

''ٹرک ادھر سے ہٹا دو۔'' بیتو نے مشورہ دیا۔ ''ادھر کبھی بھی کوئی آ سکتا ہے۔''

اس کی بات معقول تھی میں نے اسے اور رنجیت کو وہیں چھوڑا اور ٹرک کو واپس لے گیا اور کوئی دو سو گز پیچھے سڑک سے اتار کر کھڑا کر دیا اور اس کے ٹول بکس سے کٹر پلاس نکال لیا۔ میں واپس آیا تو بیتو رنجیت کو پہاڑ تلے لے آیا تھا وہ ایک دراڑ میں تھے۔ میں ان کو دیکھ رہا تھا کہ بیتو نے ہلکے سے آواز دی۔ ''ادھر.....''

میں دراڑ میں آ گیا۔ ''یہ اچھی جگہ ہے۔''

بیتو نے تار کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کس سے کاٹے گا۔''

''اس سے۔'' میں نے اسے کٹر پلاس دکھایا۔ اور روانہ ہو گیا۔ یہاں پہاڑ کی ڈھلان زیادہ ترچھی تھی اور پیروں کے ساتھ ہاتھوں کا استعمال بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی کوئی دو سو گز اوپر تھی اور مجھے وہاں تک پہنچنے میں نصف گھنٹہ لگا تھا۔ اوپر سطح ہموار تھی۔ بجلی کے کھمبے ذرا دور تھے۔ یہاں سے نیچے بیس صاف نظر آ رہا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیمرے کس حد تک کام کر رہے تھے لیکن احتیاطاً میں کنارے سے دور رہا تھا اور جہاں مجھے خدشہ تھا کہ نیچے سے دیکھ لیا جاؤں گا وہاں میں بیٹھ کر اور رینگ کر سفر کرتا تھا۔ بالآخر میں ایک کھمبے تک پہنچا۔ یہ دس فٹ اونچا موٹے بانس کا کھمبا تھا جسے زمین میں گاڑھ دیا گیا تھا۔ میں نے اسے ہلا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر پاؤں جماتا اوپر چڑھ گیا۔ کٹر پلاس پر موٹا برہنہ تار چڑھا ہوا تھا اس کے باوجود میرا دل تار کاٹتے ہوئے ایک لمحے کو دھڑکا تھا۔ دوسرے لمحے میں موٹی وائر کاٹ دی۔ پلاس سے ہلکی سی چنگاری اٹھی تھی اور کٹی وائر لہرا کر نیچے گر گئی تھی۔ میں نیچے اترا آیا لیکن واپس جانے کے بجائے میں پہاڑ کے کنارے رک کر بیس والوں کے ردِعمل کا انتظار کرنے لگا تھا۔ روشنی بہتر تھی لیکن جب میں نے نائٹ ویژن گاگلز لگائے تو منظر بالکل واضح نظر آنے لگا تھا۔

کچھ دیر بعد بیس کے ایک طرف ہلکی سی حرکت ہوئی اور زمین کا ایک حصہ اوپر اٹھ گیا انہوں نے بیس کو بہت مہارت سے کیموفلاج کیا ہوا تھا۔ والے حصے سے دو افراد باہر آئے انہوں نے سپاہیوں والی وردی پہن رکھی تھی لیکن ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے ایک نے ایک چھوٹا سا بکس اٹھا رکھا تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ وہ یقیناً بجلی منقطع ہونے کا سبب جاننا چاہتے تھے۔ وہ پہاڑ کی طرف آنے لگے۔

میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے پتا چلے گا کہ بیس میں بجلی بند ہو چکی ہے کیونکہ اوپر کہیں کوئی روشنی نہیں تھی۔ قدرت نے مدد کی اور ان دونوں کو بھیج دیا تھا۔ وہ سیدھی ڈھلان والی طرف سے آ رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ کس طرف سے اوپر آئیں گے اور پھر ایک مناسب جگہ مورچہ بنا کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ میرے پاس رائفل کے علاوہ پسٹل بھی تھا۔ خنجر میرے پیٹ سے بندھا تھا اور میں نے اسے بھی نکال لیا کیونکہ یہ واحد خاموش ہتھیار تھا۔ اس طرف راستہ اتنا آسان تھا کہ وہ دس منٹ میں اوپر پہنچ گئے، ان کے پاس بڑی طاقتور ٹارچ تھی۔ وہ کھمبوں پر بندھی تار کا معائنہ کر رہے تھے میں نے ان کو ذرا آگے نکل جانے دیا۔ اور جب وہ مجھ سے کوئی دس قدم دور چلے گئے تو میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''رک جاؤ حرکت مت کرنا تم میرے نشانے پر ہو۔''

وہ یک دم ساکت ہو گئے تھے۔ میں نے رائفل لوڈ کی۔ ان کے پاس بہ ظاہر ہتھیار نہیں تھے لیکن ممکن ہے ان کے پاس چھوٹے ہتھیار ہوتے۔ میں نے کہا۔ ''دونوں ہاتھ سروں پر رکھ کر اس طرف گھوم جاؤ۔''

اس بار بھی انہوں نے خاموشی سے حکم کی تعمیل کی۔ وہ عام سے سپاہی تھے اور ان کی شکلوں پر مظلومیت کا تاثر تھا وہ خاموش نگاہوں سے اپیل کر رہے تھے کہ میں ان کو مارنے سے گریز کروں۔ ویسے ان کو امید نہیں تھی کہ ان کو کوئی مسلح فرد مل جائے گا ورنہ وہ مسلح ہو کر آتے۔ انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے۔ جس نے ٹول بکس تھام رکھا تھا اس نے ٹول بکس نیچے رکھ دیا تھا۔ میں آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا۔ میں نے بلا تمہید سوال کیا۔

''بس میں مزید کتنے آدمی ہیں؟''

ٹول کٹ والے نے کہا۔ ''پانچ اور ہیں سرکار۔''

''ہمرا کوئی قصور نا ہی ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

میں نے محسوس کی کہ وہ باقاعدہ فوج کے سپاہی نہیں تھے بلکہ شاید سروسز سے تعلق رکھتے تھے۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا جب ان میں سے ایک الیکٹریشن اور دوسرا باورچی ثابت ہوا تھا اور ان کا تعلق نچلے طبقے سے تھا۔ انہوں نے میرے سوالوں کے فر فر جواب دیئے تھے۔ چند منٹ میں میرے سامنے جو تصویر آئی تھی اس کے مطابق بیس میں تین افسر اور دس سپاہی تھے۔ افسروں میں ایک رنجیت بھی تھا۔ باقی دو میں بیس کمانڈر موہن سنگھ اور احسن خان تھا۔ احسن خان پائلٹ تھا۔ ہیلی کاپٹر وہی اڑاتا تھا۔ امدادی پارٹی یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھاؤنی سے آئی تھی۔ البتہ رنجیت سنگھ کے ساتھی کمانڈز یہیں موجود ہوتے تھے اور وہ خاص مواقعوں پر یہاں سے نکلتے تھے۔ جیسا کہ چینی ہیلی کاپٹر مار گرانے کے بعد بھارتیوں نے ان کو بھیجا تھا۔

الیکٹریشن کرم چند نے تصدیق کی کہ بیس کی بجلی منقطع ہو گئی تھی اور وہاں موجود جنریٹر کی درستگی کے لیے ابھی تک مکینک نہیں آیا تھا اور اس سردی کے عالم میں ان کو باہر بھیج دیا گیا تھا کہ وہ جا کر دیکھیں بجلی کی تار میں کا کیا مسئلہ آیا ہے۔ مجھے خیال آیا اور میں نے پوچھا۔ ''یہ تار کہاں تک طویل ہے؟''

''بارہ کلو میٹر دور چھاؤنی سے آ رہی ہے۔''

''یعنی اگر تمہیں فالٹ نہ ملے تو تم بارہ کلو میٹرز دور تک جاتے۔''

''جانا پڑتا..... حکم حکم ہے۔'' کرم چند نے کہا۔ وہ دلی کا رہنے والا تھا جب کہ باورچی سندر داس لکھنو کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا جیسا کہ اس کی بولی سے ظاہر تھا۔ کرم چند کے جواب سے واضح کہ وہ صبح تک بھی واپس نہ جاتے تو کوئی فکر مند نہ ہوتا کیونکہ بارہ کلو میٹر طویل تار چیک کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں ان کا کیا کرتا تو میں نے ان کا یہ کیا کہ گر جانے والی تار کو دوسرے کھمبے سے کٹوایا اور اس سے ان دونوں کو باندھ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے اس سلسلے میں بھی پورا تعاون کیا تھا۔ آخر میں، مَیں نے ان کے منہ پر مضبوط ٹیپ چپکا دیا یہ ٹیپ مجھے ٹول سے ملا تھا۔ ان کی تلاشی لے کر میں نے ساری چیزیں نکال لیں اور پھر تار کے بچ جانے والے ٹکڑے سے ان کو پیٹھ سے پیٹھ ملا کر بھی باندھ دیا۔ ان کا سامان اور ٹول کٹ میں نے ایک گڑھے میں اچھال دیئے۔ مجھے امید تھی کہ گرم کپڑوں کی وجہ سے وہ صبح تک مرنے سے بچ جائیں گے اور صبح تک کوئی نہ کوئی مدد آ جائے گی۔

اس بار میں سیدھی ڈھلان والی سمت سے نیچے آیا تھا۔ اور سڑک کی طرف سے ہوتا موڑ پر پہنچا یہاں سے وہ جگہ تھوڑی سی دور تھی جہاں میں نے بیتو اور رنجیت کو چھوڑا تھا۔ دراڑ کے پاس آ کر میں نے بیتو کو آہستہ سے آواز دی۔ کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے زور سے آواز دی اور اس بار بھی جواب نہیں آیا تو میرا دل دھڑک اٹھا ہوا تھا۔ کوئی بات تھی میں رائفل سنبھالتا ہوا دراڑ کی طرف لپکا اور جب میں نے نیچے دیکھا تو مجھے بیتو اوندھے منہ پڑا نظر آیا تھا۔ رنجیت غائب تھا اور شاید آس پاس کہیں میرا منتظر تھا لیکن بیتو کو اس پڑے دیکھ کر میں تمام احتیاطوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کی طرف لپکا۔ میں نے بے تابی سے اسے سیدھا کیا اور اس کی نبض اور دل کی دھڑکن ٹٹولنے لگا۔ پھر اس کا دل دھڑکتا پا کر مجھے بے انداز خوشی ہوئی تھی ورنہ اسے یوں پڑے دیکھ کر میں نے خود کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ میں اسے دراڑ سے باہر لایا۔ میں ٹارچ لے آیا تھا اور اس کی روشنی میں معائنہ کرنے پر مجھے بیتو کی دائیں کنپٹی پر زخم کا نشان نظر آیا۔ وہ بے ہوش تھا لیکن اس کی نبض ٹھیک تھی۔ میں اسے جھنجھوڑنے اور اس کا منہ تھپتھپانے لگا۔ وہ شاید چند منٹ پہلے ہی بے ہوش ہوا تھا کیونکہ اس کی کنپٹی سے نکلنے والا ہلکا سا خون جما بھی نہیں تھا اور شاید چوٹ بھی اتنی شدید نہیں تھی۔ میری کوشش جلد رنگ لائی اور بیتو ہوش میں آنے لگا میں نے وہاں پڑی برف اٹھا کے اس کے زخم پر ملی تو اسے تیزی سے ہوش آ گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور بوکھلائی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔

''وہ کہاں ہے؟''

''یہی تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ اب تم کیسے ہو؟''

اس نے کنپٹی دبائی۔ ''ہم ٹھیک ہے حرامی نے اچانک ہی وار کیا۔''

بیتو کی رائفل غائب تھی اور یہ خطرناک بات تھی۔ ''اس نے کس چیز سے وار کیا؟''

''پتا نہیں کیسے ہاتھ کھول لیا اور پتھر ہاتھ میں دبا کر اچانک دے مارا، ہم کو لگا جیسے ہماری کھوپڑی میں روشنی کا آبشار کھل گیا ہو۔ حرامی نے ہمارا داؤ ہم پر لگا دیا۔''

میں نے آس پاس دیکھا۔ ''بیتو ہمیں جلدی بیس تک پہنچنا ہوگا اگر اس نے ایک بار وہاں پہنچ کر ان لوگوں کو خبردار کر دیا تو ہم نہیں گھس سکیں گے۔''

''میرا رائفل؟'' بیتو نے آس پاس دیکھا۔

''وہ لے گیا اور شکر کرو تمہاری رائفل سے تم کو گولی نہیں مار گیا۔''

ہم تیزی سے بیس کی طرف روانہ ہو گئے لیکن جیسے ہی ہم موڑ سے ذرا آگے نکلے بیس کی طرف سے کسی نے فائر کیا اور عجلت میں کیا یہ فائر ہمارے اوپر سے گزر گیا اور ہم تیزی سے واپس آئے۔ اگر ہم کچھ آگے نکل جاتے اور فائر کرنے والا ذرا صبر سے کام لیتا تو ہمیں آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس فائر سے ثابت ہو گیا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنجیت بیس تک پہنچ گیا تھا اور اس نے وہاں موجود افراد کو خبردار کر دیا تھا۔ ہم فائر کرنے والے کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ یقیناً بیکر میں ایسی جگہیں تھیں جہاں سے کسی آنے والے کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ بیتو پریشان تھا اس کی لمحاتی غفلت کی وجہ سے رنجیت ہاتھ سے نکل گیا تھا اور ہم پھنس گئے تھے۔

''اب کیا ہوگا شوبی بھائی۔'' اس نے پشیمانی سے کہا۔ ''یہ سب ہماری وجہ سے ہوا ہے۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو، کچھ نہ کچھ ہوگا یار۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا اور اسی لمحے مجھے ٹرک کا خیال آیا۔ اس کے عقبی حصے میں بھاری مشین گن نصب تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم یہاں رکو میں ٹرک لے کر آتا ہوں۔''

بیتو اچھل پڑا۔ ''اس کا تو خیال ہی نہیں آیا۔''

میں نے رائفل اسے دی۔ پستول میرے پاس تھا اور میں ٹرک لینے روانہ ہوگیا۔ ٹرک اپنی جگہ موجود تھا سب سے پہلے میں نے اندر گھس کر اس کی مشین گن کا جائزہ لیا۔ یہ بیلٹ بکس والی مشین گن تھی جو فکس اسٹینڈ پر نصب تھے اور اسٹینڈ کو بہ وقت ضرورت کھسکا کر ٹرک کے کنارے تک لایا جا سکتا تھا۔ میں نے مزید تلاشی لی تو ایک چھوٹا بکس نظر آیا۔ اسے کھولا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ اس میں دستی بم تھے اور بنکر جیسی کسی جگہ کی تباہی کے لیے ان سے زیادہ موزوں ہتھیار اور کوئی نہیں تھا۔ مشین گن اور دستی بموں کو کنارے پر رکھ کر میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ٹرک کو موڑ تک لایا۔ اس دوران میں ایک منصوبہ میرے دماغ میں تشکیل پا چکا تھا میں نے اتر کر بیتو سے پوچھا۔ ''اس ٹرک کو الٹا چلا سکتے ہو؟''

اس نے سوچا اور سر ہلا دیا۔ ''چلا سکتا ہے۔''

''بس تو اسے الٹا چلا کر بیس کے پاس لے جانا ہے۔''

''اور آپ کیا کرے گا؟''

''میں عقب میں موجود مشین گن چلاؤں گا اور دستی بم استعمال کروں گا۔''

''گرینیڈ بھی ہے؟'' بیتو خوش ہوگیا تھا۔

''ہاں ہم نے دیکھے نہیں تھے ایک بکس میں موجود تھے۔''

بیتو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور میں عقبی حصے میں سوار ہوگیا میں اوندھے منہ لیٹ گیا کیونکہ ٹرک کا کھلنے والا تختہ صرا ایک فٹ اونچا تھا یہ فولاد کی موٹی چادر سے بنا تھا اور فائرنگ سے یہی کسی قدر تحفظ دے سکتا تھا۔ بیتو ٹرک کو ریورس میں لے جانے لگا۔ یہ خاصا مشکل کام تھا۔ میں چلا چلا کر اسے بتا رہا تھا کہ ٹرک کو دائیں یا بائیں کرے۔ جیسے ہی ٹرک موڑ سے آگے آیا۔ بیس کی جانب سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی۔ وہ بھی ہمارے منتظر تھے۔

میں نے سر نیچے کر لیا تھا۔ بیتو مہارت سے ٹرک کو ریورس میں لے جا رہا تھا اور یہ یقیناً آسان کام نہیں تھا۔ جیسے جیسے ٹرک بیس کے پاس جا رہا تھا فائرنگ تیز ہوتی جا رہی تھی اور شاید وہ لوگ بھی میرا مقصد بھانپ گئے تھے تب ہی ٹرک کو بیس کے پاس آنے سے روکنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ کوئی گولی عقبی ٹائر میں لگی اور دھماکے سے ٹائر برسٹ ہوگیا لیکن کیونکہ پیچھے ڈبل ٹائرز کی جوڑی تھی اس لیے ٹرک پھر بھی چلتا رہا میں نے چلا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو سے کہا۔ ''رفتار تیز کرو۔''

اسی لمحے ٹرک کا دوسرا دایاں ٹائر بھی برسٹ ہو گیا اور وہ ایک طرف جھکنے لگا۔ ساتھ ہی اس کی رفتار بھی کم ہو گئی تھی۔ بیتو کو اسے سنبھالنے میں دشواری پیش آ رہی تھی یہاں زمین ہموار نہیں تھی اور ذرا سی بے احتیاطی سے ٹرک الٹ سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب حرکت میں آنے کا وقت آ گیا تھا میں نے لیٹے لیٹے مشین گن کا دستہ تھاما اور اسے اوپر کرتے ہوئے ایک برسٹ مارا۔ دوسری طرف اس کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا اور ایک لمحے کو فائرز رکے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ذرا اوپر ہو کر ایک طویل راؤنڈ چلایا۔ بنکر اب ٹرک سے کوئی تیس گز کے فاصلے پر تھا اور اتنے قریب سے بھاری مشین گن بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ سامنے وہ حصہ تھا جہاں سے میں نے ان دونوں کو نمودار ہوتے دیکھا تھا۔ جو اب اوپر بندھے پڑے تھے۔ میں نے اس جگہ کو نشانہ بنایا۔ پھر ایک دستی بم اس طرف اچھال دیا۔ اس دوران میں ایک طرف سے مجھ پر فائر ہوا میں بال بال بچا تھا۔ بم اچھال کر میں نیچے ہو گیا اور جب دھماکا ہوا تو ملبہ اُڑ کر ٹرک تک آیا تھا۔

''شوبی۔'' بیتو چلایا۔

''میں ٹھیک ہوں تم وہیں رہو۔'' میں نے بلند آواز سے کہا اور دوسرا بم اس طرف اچھال دیا جہاں سے مجھ پر فائر کیا گیا تھا۔ اس بار دھماکے کے ساتھ کسی کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ میں نے جھانک کر دیکھا جہاں پہلا بم مارا تھا وہاں خلا نمودار ہو گیا تھا جس کے اندر سے آگ کی روشنی جھلک رہی تھی بم نے اندر کہیں آگ لگا دی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہیلی کاپٹر کہیں عقب میں تھا اور محفوظ تھا اس لیے میں نے بلا تکلف دوسرا بم اس خلا میں پھینک دیا اور دھماکے نے بنکر کا سامنے والا حصہ اُڑا دیا تھا اور اب وہاں شدید آگ بھڑک رہی تھی۔ بنکر کی جانب سے فائرنگ بند ہو چکی تھی میں نے مشین گن سے ایک اور طویل برسٹ مارا اور پھر دستی بموں والا بکس اٹھا کر نیچے اتر آیا۔ میرے پاس صرف پستول تھا۔ اس کی اتنی اہمیت نہیں تھی اصل جنگ گرینیڈ نے لڑنی تھی۔ بیتو بھی نیچے اتر آیا۔ میں نے اس سے کہا۔

''میرا خیال ہے اس طرف جانا ہوگا۔'' میں نے بنکر کی عقبی سمت اشارہ کیا تھا۔

ہم اس طرف بڑھے تھے کہ مجھے بنکر میں ایک سوراخ نظر آیا اور میں نے اللہ کا نام لے کر ایک گرینیڈ اس میں بھی ڈال دیا۔ میں اور بیتو دھماکہ ہونے سے پہلے آگے کی طرف بھاگے۔ دھماکے نے زمین کو لرزا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ آوازیں اس چھاؤنی تک ضرور گئی ہوں گی جو یہاں سے بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور وہاں سے جلد اس کا کوئی ردِعمل سامنے آنے والا تھا اس سے پہلے ہمارا یہاں سے نکل جانا لازمی تھا۔ بنکر میرے اندازے سے بڑا تھا اور ہمیں گھوم کر اس کے عقب تک جاتے جاتے کچھ وقت لگا تھا۔ جیسے ہی ہم گھوم کر دریا کے پاس والے حصے تک پہنچے۔ ایک ہیلی کاپٹر ایک نیم پوشیدہ چھجے تلے کھڑا نظر آیا تھا۔ یہ شیشے کے کاک پٹ والا چھوٹا ہیلی کاپٹر تھا جس میں شاید چار افراد کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ اس طرف بنکر کی تعمیرات نمایاں تھیں۔ انہوں نے صرف سامنے کی طرف سے بنکر کو کیموفلاج کیا تھا۔ ہم ایک دیوار کی آڑ لے کر ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھے۔ بیتو نے آہستہ سے کہا۔

''اسے اُڑائے گا کون؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کاش میں جیمس بونڈ ہوتا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''یا کم سے کم اس کی طرف ہرفن مولا ہوتا تو اسے یوں چٹکی میں اُڑا لے جاتا۔''

ہیلی کاپٹر کے شیڈ تلے کوئی نہیں تھا اور اس طرف سے بنکر کے اندر جانے کا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں ابھی سوچ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اچانک ہی ایک طرف سے روشنی نمودار ہوئی۔ میں اور بیتو دیوار کے ساتھ لگ گئے تھے۔ کوئی کراہ رہا تھا اور ساتھ ہی گالیاں بھی دے رہا تھا۔ روشنی اس خلا سے آ رہی تھی جو دیوار میں نمودار ہوا تھا۔ میں نے بیتو کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ہم ذرا پیچھے سرک آئے کیونکہ ہم خلا سے خاصے قریب تھے۔ خلا سے تین افراد باہر آئے ان میں سے دو نے ایک کو سہارا دے رکھا تھا وہ یقیناً زخمی تھا۔ سہارا دینے والوں میں ایک رنجیت تھا اور وہ ہیلی کاپٹر کی طرف جا رہے تھے ان میں صرف رنجیت کے پاس رائفل نظر آ رہی تھی۔ میں نے بیتو سے رائفل لے لی اور ان کے پیروں کی طرف ہلکا سا برسٹ مارا اور بلند آواز سے کہا۔

''بس اب کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔''

میرے اس اعلان پر وہ تینوں ہی ساکت ہو گئے تھے۔ رنجیت نے آہستہ سے سر گھما کر میری طرف دیکھا اور بڑے صدمے سے کہا۔ ''تم؟''

''ہاں..... تم کیا سمجھتے تھے میں تمہیں جانے دوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''سب اپنے ہاتھ اوپر کر لو۔''

انہوں نے ہاتھ اوپر کر لیے زخمی کا ایک پاؤں متاثر تھا اور اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ پھر بھی اس نے ہاتھ اوپر کر لیے۔ رنجیت نے اپنی رائفل گرا دی اور تلخی سے کہا۔ ''اور کیا حکم ہے؟''

''تم میں سے پائلٹ کون ہے؟'' میں نے احسن خان کا نام لیے بغیر لیے کہا۔ کیونکہ ممکن ہے بعد میں اس کے لیے یہ بات مصیبت بن جاتی کہ ایک مبینہ دہشت گرد اس کا نام جانتا ہے لیکن اصل مشکل اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوتی۔ اس ملک میں مسلمان ہونا ہی اصل جرم ہے اور باقی باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

''میں ہوں۔'' زخمی کو سہارا دینے والے دوسرے کسی قدر لمبے اور دبلے لیکن خوب صورت جوان نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم ہمیں یہاں سے لے جاؤ گے۔'' میں نے کہا۔ ''کاپٹر میں بیٹھو اور اسے اسٹارٹ کرو۔''

احسن خان کچھ دیر ہمیں دیکھتا رہا پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں میں تمہیں لے جا سکتا۔''

''بکو مت۔'' بیتو آگے آیا۔ ''کیا تمہیں اپنی جان پیاری نہیں ہے۔''

''پیاری ہے لیکن میں اپنے ملک کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اگر تم راضی نہیں ہوئے تو ہم تمہیں مار دیں گے۔'' بیتو اس کے انداز پر مشتعل ہو گیا

''میں مرنے کے لیے تیار ہوں لیکن تمہاری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' احسن خان نے انکار کر دیا۔ وہ واقعی بے خوف نوجوان تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ رنجیت اور اس کا زخمی افسر اپنی ساتھی کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے انہیں احسن خان سے اس بات کی توقع نہ ہو۔ بھارت میں اگر مسلمان اپنے ملک سے وفاداری ثابت بھی کر دیں تو اسے بڑے تعجب کی بات سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بھارت کے اتنے ہی وفادار ہیں جتنے کے ہندو یا دوسرے لوگ ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد بھارت میں اب مسلمانوں کی تیسری اور چوتھی نسل رہ رہی ہے اس کے باوجود ان کی ملک سے وفاداری پر شک کو سوائے تعصب کے اور کیا کہا جا سکتا ہے اور آج بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کو ان کے بزرگوں کے کیے کی سزا دی جا رہی ہے۔ ہمارے نام نہاد دانشور جو بھارت کے سیکولرازم کے گن گاتے نہیں تھکتے ہیں۔ اگر وہ وہاں کے مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں خود بھارتی حکومت کی رپورٹس پڑھ لیں تو شاید ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ ان رپورٹس میں مسلمانوں کی حالت کو بھارت میں رہنے والے شودروں یعنی نچلی ذات کے ہندوؤں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔

میں نے کہا۔ ''تمہارا فیصلہ قابل تحسین ہے۔ ہر شخص کو اپنے ملک کا اتنا ہی وفادار ہونا چاہیے لیکن بات یہ ہے کہ ہمیں یہاں سے بہر صورت نکلنا ہے۔ اگر تم لوگوں نے تعاون نہیں کیا تو ہمیں مجبوراً تم سب کو مارنا پڑے گا۔'' میں نے بیتو سے رائفل لے لی۔ ''تمہارے پاس فیصلہ کرنے کے لیے صرف ایک منٹ ہے۔''

رنجیت اور اس کے افسر نے گھبرا کر احسن کی طرف دیکھا۔ ''خان یہ کیا کر رہے ہو یہ بہت ظالم ہے ہم سب کو مار دے۔''

میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔ ''خان.....؟ کیا یہ مسلمان ہے؟''

''ہاں میں مسلمان ہوں۔'' احسن خان نے فخر سے کہا۔

میں نے رنجیت کی طرف دیکھا۔ ''حیرت ہے میں تو سنا ہے بھارت کے مسلمان بھارت کے وفادار نہیں ہیں۔ یہ تو اپنی جان پر کھیلنے کو تیار ہے۔''

ان کے چہرے ان کی دلی کھسیاہٹ کے آئینہ دار بن گئے تھے۔ ''سب مسلمان ایسے نہیں ہوتے ہیں۔'' موہن سنگھ نے کہا۔

''اچھا اور دوسرے لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے ان میں سب بھارت سے سو فی صد وفادار ہوتے اور جب وفاداری دکھانے کا موقع آتا ہے تو اپنی جان کی پروا بھی نہیں کرتے۔''

میرے اس طنز اور سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کیونکہ اپنے رویے سے وہ خود ثابت کر چکے تھے کہ ان کو ملک کے مفاد سے زیادہ اپنی جان پیاری ہے۔ میں نے احسن خان کی طرف دیکھا۔ ''کیا کہتے ہو ایک منٹ پورا ہونے والا ہے۔''

''میں جواب دے چکا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''خان یہ ہمیں مار دیں گے۔'' رنجیت نے گھبرا کر کہا۔

''بے شک مار دیں ملک سے غداری کے مقابلے میں موت قبول ہے۔''

میں نے رائفل کو خود کار موڈ پر کیا تو رنجیت اور موہن بدحواس ہو گئے تھے۔ موہن سنگھ نے کہا۔ ''میں تمہارا سی او ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ان کی بات مانو۔''

احسن خان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''کیپٹن سر آپ مجھے دیس سے غداری کا حکم دے رہے ہیں۔''

''ہاں اور اس کی جواب دہی میں کروں گا۔'' موہن سنگھ بولا۔

احسن خان سوچ میں پڑ گیا تھا۔ فوج میں حکم ماننا سکھایا جاتا ہے اور یہ بنیادی تربیت ہوتی ہے۔ حکم پر سوچنے والے سپاہی کی فوج میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ یہ بنیادی تربیت احسن خان نے بھی حاصل کی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے کیپٹن سر۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا لیکن بیتو نے اسے روک لیا۔ پہلے اس نے خود اندر جا کر دیکھا کہ وہاں کوئی اسلحہ تو نہیں تھا۔ یہ چار نشستوں والا ہیلی کاپٹر تھا۔ اس میں پیچھے دو افراد کے بیٹھنے کے لیے دو سیٹیں تھیں۔ میں نے موہن سنگھ کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ احسن خان ایک سر پھرا جوان تھا اور اس کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ مارے جوش کے ہیلی کاپٹر کہیں گرا دے اور ہمارے ساتھ خود بھی مارا جائے۔ اسے موہن سنگھ ہی قابو میں رکھ سکتا تھا لیکن میں رنجیت کو ایسے چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا اور صرف رازداری کے نکتہ نظر سے مار دینا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے رنجیت سے کہا۔

''کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟''

''کیوں نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم ہم تمہیں یہاں باندھ کر ڈال جائیں گے صبح تک کوئی نہ کوئی آ جائے گا تم لوگوں کو آزاد کرانے کے لیے۔''

''ہم لوگوں کو.....؟'' رنجیت چونکا۔

''ہاں دو اوپر پہاڑی پر بھی بندھے پڑے ہیں۔'' میں نے کہا اور بیتو کو ہیلی کاپٹر میں رسی تلاش کرنے کو کہا۔ وہاں سے ایک چھوٹا سا لچھا مل گیا اور اس سے بیتو نے رنجیت کو مضبوطی سے باندھ دیا تھا اب وہ نہ خود کو آزاد کرا سکتا تھا اور نہ کہیں جا سکتا تھا۔ بیتو نے اسے باندھ کر پوچھا۔ جانے سے پہلے میں نے رنجیت سے سوال کیا۔

''میرے ساتھی بے ہوش کر کے تم نے مارا کیوں نہیں تھا؟''

رنجیت خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''میں ڈرتا تھا کہ گولی آواز سن کو تم آ جاؤ گے اور میں بھی مارا جاؤں گا۔'' اس نے میری طرف دیکھا۔ ''میں نے بھاگ جانا بہتر سمجھا۔''

''اس وجہ سے تم بچ گئے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر میرے ساتھی کو کچھ ہوتا تو آج تم میں سے کوئی زندہ نہ ہوتا۔''

موہن سنگھ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے زخمی ہونے کی وجہ سے نہیں باندھ رہا ہوں۔ اس لیے جب میں نے اسے بھی ہیلی کاپٹر میں بیٹھنے کو کہا تو وہ گڑبڑا گیا تھا۔ ''میں..... میں کیوں؟''

''تم مجھے اچھے لگے ہو اس لیے میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔'' میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ہیلی کاپٹر کی طرف دھکیل دیا۔

احسن خان ہیلی کاپٹر کے کل پرزے چیک کر رہا تھا جو پرواز سے پہلے معمول کا چیک اَپ تھا۔ میں اس کے پاس آیا۔ ''ایندھن کتنا ہے؟''

''ٹینک آدھا ہے۔''

''اسے فل کرو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

شیڈ تلے ایک طرف تیل کے چالیس چالیس لیٹرز کے کین رکھے تھے۔ احسن خان ان کو اٹھا کر ہیلی کاپٹر کے ٹینک میں ڈالنے لگا۔ کوئی آٹھ کین ڈالنے کے بعد ٹینک فل ہو گیا یعنی ہیلی کاپٹر کے ٹینک میں ایک وقت میں کوئی ساڑھے چھ سو لیٹرز تیل آ سکتا تھا۔ احسن خان نے میرے سوال پر بتایا کہ اب ہیلی کاپٹر ایک بار میں چار سو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کلومیٹرز کا فاصلہ طے کر سکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ کنٹرول لائن یہاں سے اتنے ہی فاصلے پر ہوگی۔ ہم ہیلی کاپٹر میں آ گئے اور احسن خان نے بسم اللہ پڑھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور فوراً ہیلی کاپٹر کے پنکھے گردش میں آ گئے تھے۔ ایک منٹ میں انجن پوری رفتار سے چلنے لگا تھا میں احسن خان کے ساتھ بیٹھا تھا جب کہ بیتو موہن سنگھ کے ساتھ پیچھے تھا۔

''ہیلی کاپٹر کی بلندی کم رکھنا اور پہاڑوں کے ساتھ ساتھ سفر کرنا۔'' میں نے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ ہم ریڈار پر آئیں۔''

''ریڈار سے بچنا مشکل ہے۔'' احسن خان نے کہا اور ہیلی کاپٹر اوپر اٹھا لیا۔ میں نے بھی ہیڈ فون لگا لیا تھا اس لیے ہمیں باتیں کرنے میں آسانی ہو رہی تھی ورنہ تو انجن کا شور کان میں سوراخ کرنے والا تھا۔ پیچھے بیتو اور موہن سنگھ کو یہ عذاب بھگتنا پڑ رہا تھا۔ میں نے تکلیف دہ سواریوں میں رکشے کے بعد ہیلی کاپٹر کو دوسرے نمبر پایا ہے۔ یہ شور زیادہ کرتا ہے اور رکشہ آپ کے تمام جوڑ ہلا دیتا ہے۔ میں نے احسن خان سے کہا۔

''اگر کنٹرول سے سوال کیا جائے تو تم بتاؤ گے کہ ہیں کمانڈر ایک حادثے میں شدید زخمی ہو گیا ہے اور اسے سری نگر کے ملٹری اسپتال لے جا رہے ہو۔''

''اس صورت میں مجھے پیشگی اطلاع دینی ہوگی۔'' اس نے کہا۔ ''ورنہ شک کی بنا پر مجھے اترنے کا حکم دیا جائے گا اور نہ ماننے کی صورت میں دس منٹ کے اندر کوئی جیٹ فائیٹر میرے چوپر کو مار گرائے گا۔''

میں نے سوچا اور فوری فیصلہ کیا۔ ''او کے تم اپنا ریڈیو بند کر دو۔''

''ریڈیو بند ہے۔'' اس نے پینل کی طرف اشارہ کیا۔

''گڈ اسے بند رہنے دینا اور ریڈار سے بچ کر سری نگر کی طرف پرواز کرو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ جنوب مغرب کی طرف کر لیا تھا اور پہاڑوں کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے لگا۔

''کارگل میں چوپر ریڈار پر آ جائے گا۔''

''پروا نہیں لیکن جہاں تک ممکن ہو اسے ریڈار سے بچاؤ ورنہ ہمارے ساتھ تم لوگ بھی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

احسن خان نے سر ہلایا اور ہیلی کاپٹر کو نیچی پرواز پر لے آیا۔ میں کنٹرول پینل پر نظر رکھے ہوئے تھا اور کمپاس بتا رہا تھا کہ احسن خان درست سمت میں پرواز کر رہا ہے۔ کبھی کبھی پہاڑوں کی وجہ سے پرواز کا رخ کچھ دیر کے لیے بدل جاتا تھا لیکن مجموعی طور پر رخ جنوب مغرب کی طرف ہی رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے کہا۔ ''اس بات کا انکشاف ہونے میں کتنا وقت لگے گا کہ ہیلی کاپٹر غائب ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اتنی جلدی انکشاف ممکن نہیں ہے کیونکہ ابھی تو چھاؤنی سے مدد بھی نہیں آئی ہو گی۔''

''چھاؤنی صرف بارہ کلومیٹر دور ہے۔''

''ہاں لیکن چھاؤنی کی طرف اس وقت تک کوئی حرکت نہیں ہو سکتی یہ جب تک ہائی کمان کی طرف سے حکم آ جائے۔ یہ جنگ کا علاقہ ہے اور یہاں عام فوجی قوانین نہیں چلتے۔ مجھے بھی لداخ سے نکلنے تک مارک نہیں کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا کیونکہ یہاں خفیہ نوعیت کے فوجی آپریشن ہوتے رہتے ہیں اور ہر کو ان کے بارے میں نہیں معلوم ہوتا ہے۔''

''یعنی جیسے ہی ہیلی کاپٹر جنگی زون سے باہر آئے گا اسے ٹریس کر لیا جائے گا۔''

''بالکل اور اس کے بعد ممکن ہے ہمیں جیٹ فائیٹر انٹرسیپٹ کر لیں۔''

احسن خان درست تجزیہ پیش کر رہا تھا۔ وار زون سے نکلنے کے بعد ہم خطرے کی حد میں آ جائیں گے اور کنٹرول لائن کے دونوں طرف ہمیں مار گرائے جانے کا خطرہ ہوگا۔ ''سری نگر تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا؟''

''کم سے کم دو گھنٹے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ممکن ہے زیادہ وقت لگ جائے کیونکہ ہم سیدھے نہیں جا رہے ہیں۔''

آدھے گھنٹے بعد ہم لداخ سے نکل آئے تھے اور کارگل کا مشہور زمانہ پہاڑی سلسلہ عبور کرنے کے قریب تھے۔ یہاں احسن خان کو ہیلی کاپٹر اوپر اٹھانا پڑا تھا اور چند منٹ بعد ہم دس ہزار فٹ کی بلندی پر دروں سے گزر رہے تھے یہاں نیچے گھنے جنگل تھے اور ان پر برف پڑی تھی۔ یہاں چند سال پہلے وہ جنگ لڑی گئی تھی جس نے دونوں ملکوں کو ایٹمی جنگ کے پاس پہنچا دیا تھا اور اگر دونوں ملکوں کے حکام اپنے حواس سلامت نہ رکھتے تو بہت بڑی بربادی ممکن تھی۔ اس جنگ میں دونوں ملکوں نے بہت نقصان اٹھایا تھا لیکن مجموعی طور پر بہتر ڈپلومیسی کی وجہ سے میدان بھارت کے ہاتھ رہا تھا اس نے کارگل اپنے قبضے میں رکھا اور ساری دنیا میں مظلوم بن گیا جب کہ پاکستان کا تاثر خراب ہوا تھا۔

کارگل کا پہاڑی سلسلہ پہلے پاکستان کے پاس تھا لیکن اکہتر کی جنگ میں جہاں ہم سے مشرقی پاکستان الگ ہو گیا وہیں کشمیر کے بہت سارے علاقے بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ ان میں ایک کارگل بھی ہے۔ کارگل اصل میں سیاچن گلیشیر کی کنجی ہے اور سیاچن شاہراہ قراقرم کے ساتھ ہے۔ دوسری طرف بھارت کا لداخ سے رابطہ بھی اسی پہاڑی سلسلے سے ممکن ہے کیونکہ سڑک یہاں سے جاتی ہے۔ اس سے کارگل کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ احسن خان ہیلی کاپٹر کو ممکنہ حد تک پہاڑوں کے قریب رکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں احسن خان سے پوچھا۔

''کنٹرول لائن یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''تقریباً پچاس کلومیٹرز۔'' اس نے جواب دیا۔ اور میں نے فوری فیصلہ کر لیا۔ میں نے اس سے کہا۔

''کاپٹر کا رخ کنٹرول لائن کی طرف کر لو۔''

احسن خان نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''تم پاگل ہو گئے ہو۔ ہمیں وہاں فوراً مار گرایا جائے گا۔''

''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ بولا لیکن وہ الجھن کا شکار تھا۔

''سنو ہمیں کنٹرول کے پار جانا ہے اور تم ہمیں اتار کر فوراً واپس آ سکتے ہو۔''

''اس علاقے میں کہیں اتنی ہموار جگہ نہیں ہے جہاں ہیلی کاپٹر اتر سکے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب تم کاپٹر کو اتنا نیچے لے جانا کہ ہم نیچے کود سکیں۔''

''اس میں بہت رسک ہے۔''

''یہ ہمارا رسک ہے۔'' میں سختی سے کہا۔ ''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو ورنہ ہم سب یہیں مارے جائیں گے۔''

بادلِ ناخواستہ اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ کنٹرول لائن کی طرف موڑ دیا۔ ''مجھے نہیں لگ رہا کہ ہم بچ سکتے ہیں۔ یہاں کنٹرول لائن کے دونوں طرف جگہ جگہ بنکر ہیں اور فوجوں کے پاس سام میزائل بھی ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے اب تم منہ بند کر کے اپنے کام پر توجہ دو کاپٹر کو زیادہ سے زیادہ نیچے رکھو۔''

احسن خان ہیلی کاپٹر کو مزید نیچے لے آیا تھا۔ ہم پہاڑوں سے لگ کر پرواز کر رہے تھے۔ اچانک کہیں سے ایک ٹریسر چھوٹا اور بلندی پر جا کر پھٹ گیا۔ ٹریسر ایک روشنی کرنے والا گرینیڈ ہوتا ہے اور یہ بہت تیز روشنی کے ساتھ جلتا ہے جس سے آس پاس کا ماحول روشن ہو جاتا ہے۔ اس وقت بھی پہاڑوں میں روشنی ہو گئی تھی۔ احسن خان نے تشویش سے کہا۔ ''چوپر کو دیکھ لیا گیا ہے۔''

''اگر نیچے سے میزائل حملہ ہو جائے تو کاپٹر میں بچاؤ کے لیے کیا چیز ہے؟''

''اس میں درجن بھر فائر گرینیڈ ہیں جو تیز حرارت پیدا کر کے میزائل کو بھٹکانے کا کام کرتے ہیں لیکن جدید میزائل ان سے کم متاثر ہوتے ہیں۔''

''ہم کنٹرول لائن سے کتنا دور ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی کوئی تیس کلومیٹرز دور ہیں۔''

ہیلی کاپٹر کی رفتار سو کلومیٹرز فی گھنٹہ سے زیادہ تھی اور اس رفتار سے یہ فاصلہ طے کرنے میں مشکل سے بیس منٹ لگتے لیکن یہ بیس منٹ بھی بہت زیادہ تھا۔ ہم دنیا کے خطرناک ترین علاقے میں داخل ہوئے تھے۔ پرواز کے لحاظ سے یہ پہاڑ بہت مشکل تھے اور یہاں فضا سے حملے کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کارگل جنگ کے آغاز میں یہاں لڑنے والے مجاہدین نے دو جدید مگ طیارے مار گرائے تھے اس کے بعد انڈین اپنی فضائیہ کو پیچھے لے گئے تھے اور پیدل سپاہ کو لڑائی میں جھونک دیا تھا جس نے بے پناہ نقصان اٹھانے کے بعد وہ بنکرز خالی کرائے تھے جن پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا تھا۔ جب بھارت نے یہاں دوبارہ قبضہ کیا تو انہوں نے نئے سرے سے بنکرز بنائے تھے اور دوسری طرف پاکستان نے بھی کنٹرول لائن پر بہت زیادہ سیکورٹی کر دی تھی۔ یہاں جگہ جگہ بنکر اور چیک پوسٹیں تھیں۔ ہیلی کاپٹر کی آواز نے یہاں موجود بھارتی سپاہ کو چوکنا کر دیا تھا اور وہ ٹریسر پھینک کر ہیلی کاپٹر کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کنٹرول پینل پر ایک چھوٹا سا بلب جلنے بجھنے لگا۔ ''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی ریڈیو سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''اسے کرنے دو..... اب لائن آف کنٹرول کتنی دور ہے؟''

''بیس کلومیٹرز۔'' اس نے جواب دیا اور اسی لمحے کنٹرول پینل پر ایک اور سرخ لائٹ جلنے بجھنے لگی تھی اور ساتھ ہی ایک آواز بھی آنے لگی تھی۔ احسن خان بدحواس نظر آنے لگا۔ اس نے چلا کر کہا۔ ''سام..... چوپر پر سام میزائل فائر کیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسن خان دائیں بائیں جھک کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم دائیں طرف دیکھو میں اس طرف دیکھتا ہوں۔''

میں نے ذرا جھک کر دیکھا تو مجھے دور ایک شعلہ سا لپکتا دکھائی دیا۔ میں نے احسن خان کو بتایا۔ ''میزائل ا میں طرف سے آرہا ہے۔''

اس نے فائر گرینیڈ کا سسٹم آن کیا اور ایک گرینیڈ اس طرف فائر کر دیا جس طرف سے میزائل آرہا تھا۔ ند لمحے بعد اس نے ایک گرینیڈ اور فائر اور اس کے کچھ دیر بعد تیسرا گرینیڈ بھی فائر کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے ہیلی ا ہار کی رفتار بھی تیز کر دی تھی۔ میں مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ میزائل اب نظر نہیں آرہا تھا۔ اچانک آسمان روشن ہو گیا۔ ا ن خان چلایا۔ ''وہ مارا گیا سالا۔''

میزائل کسی گرینیڈ سے ٹکرا گیا تھا۔ کنٹرول پینل پر جلنے بجھنے والی لائٹ بجھ گئی۔ یعنی اب کوئی میزائل فضا ں نہیں تھا۔ میں نے اور احسن خان نے اطمینان کا سانس لیا تھا لیکن یہ سانس زیادہ دیر برقرار نہیں رہا تھا کیونکہ ایک منٹ بعد ہی پینل پر وہی لائٹ پھر جلنے بجھنے لگی تھی۔

''پھر میزائل۔'' احسن خان نے کہا۔ ''لگتا ہے ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ چوپر ٹریپ ہو گیا ہے۔''

ہم پھر میزائل تلاش کرنے لگے اور اس بار یہ دائیں طرف سے آیا تھا۔ احسن خان نے گرینیڈ پوڈ کا رخ اس طرف کر کے یکے بعد دیگرے کئی گرینیڈ فائر کیے۔ اب ہم کنٹرول لائن سے دس کلومیٹرز دور رہ گئے تھے۔ اس بار بھی گرینیڈ نے ہمیں بچا لیا۔ میزائل کسی گرینیڈ سے جا ٹکرایا۔ احسن خان نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور بولا۔ ''لگتا ہے یہ لوگ پرانے روسی ساختہ سام استعمال کر رہے ہیں وہی اتنی آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔''

شاید بھارتی بنئے ہم پر جدید اور مہنگے میزائل استعمال کرنے سے ہچکچا رہے تھے اس کے بعد کوئی میزائل لائن نہیں ہوا تھا شاید ہم اس کی بنکر کی حد سے نکل گئے تھے جہاں سے میزائل فائر کیے جا رہے تھے۔ سام میزائل ہوشوالڈر فائرڈ ہوتے ہیں ان کی حد دس کلومیٹرز سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ احسن خان نے میری طرف دیکھا۔

''آگے زیادہ خطرہ ہے پاکستانیوں نے پاس زیادہ جدید میزائل ہیں جن سے جدید جنگی طیارے بھی نہیں بچ سکتے۔ کارگل جنگ میں ہمیں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔''

''تمہیں کنٹرول لائن کراس کر کے زیادہ دور نہیں جانا ہوگا پہلی مناسب جگہ دیکھتے ہی ہمیں اتار دینا۔''

وہ ہنسا۔ ''مناسب جگہ نام کی کوئی چیز یہاں نہیں ہے۔ اگر تم خودکشی کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں کیسے روک سکتا ہوں۔''

احسن خان ہیلی کاپٹر کو مزید نیچے لے آیا۔ اس کا مقصد شاید پاکستان کی طرف موجود ریڈار سے بچنا تھا۔ میرا خیال تھا ہم کنٹرول لائن کے پاس تھے اور احسن خان نے اس کی تصدیق کر دی۔ ''ہم شاید کنٹرول لائن کراس کر چکے ہیں کیونکہ میرا ریڈیو آن نہیں ہے اس لیے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے پاکستان کی جانب سے مجھے وارننگ دی جا رہی ہو اور میں نے جواب نہیں دیا تو مجھے مار گرایا جائے گا۔''

میں نے سوچا اور اسے ریڈیو آن کرنے کی اجازت دے دی اور کہا۔ ''اگر تمہیں وارننگ دی جا رہی ہو تو تم آلات کی خرابی کا بہانہ کر کے واپس جانے کو کہنا۔ اس دوران میں تمہیں ہم کو ڈراپ کرنے کا موقع مل جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔"

احسن خان نے ریڈیو آن کیا اور فوراً ہی وارننگ سنائی دی۔ "کاشن تم کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ فوراً واپس جاؤ.....اوور۔"

"میں آلات کی خرابی کی وجہ سے بھٹک کر اس طرف آ گیا ہوں۔" احسن خان نے میری ہدایت کے مطابق کہا۔ "مجھے بتایا جائے کہ میں کس طرف کا رخ کروں۔"

لیکن فوجی جذبہ خدمت سے سرشار نہیں بیٹھے ہوتے جو احسن خان کی پریشانی سن کر اسے گائیڈ کرنا شروع کر دیتے۔ دوسری طرف سے بنا کسی جذبے کے وارننگ دھرائی گئی اور کہا۔ "اگر تم دو منٹ کے اندر کنٹرول لائن کے دوسری طرف نہیں گئے تو تمہارا چوپر مار گرایا جائے گا۔ میں دھراتا ہوں دو منٹ کے اندر کنٹرول لائن کے دوسری طرف چلے جاؤ ورنہ چوپر مار گرایا جائے گا۔"

احسن خان نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو کا بٹن بند کر دیا۔ "سالا بات ہی نہیں سن رہا ہے۔ یہ سچ مچ دو منٹ میں مجھے مار گرائیں گے۔ تمہیں یہیں اترنا ہوگا۔"

میں نے نیچے دیکھا جہاں تاریکی میں کہیں کہیں برف کی سفیدی چمک رہی تھی۔ "ہم کنٹرول لائن کے کتنے اندر ہیں اور زمین تو نظر ہی نہیں آ رہی۔"

"میرا خیال ہے پانچ چھ کلومیٹرز اندر آ چکے ہیں۔" احسن خان نے پہلی کاپٹر نیچے لاتے ہوئے کہا۔ "میں ممکنہ حد تک کوشش کرتا ہوں آگے تمہاری قسمت۔"

میں نے سیٹ بیلٹ کھولی اور سر سے ہیڈ فون اتارتے ہوئے چلا کر بیتو کو آواز دی۔ "تیار ہو جاؤ ہمیں نیچے جانا ہے۔"

بیتو نے بھی اپنی سیٹ بیلٹ کھول دی اور آگے آیا۔ "کیا کہہ رہا ہے؟" اس نے میرے کان میں چلا کر پوچھا۔

"یہاں سے کودنا ہے کوئی رسی ہے؟"

بیتو نے پیچھے دیکھا اور اسے ایک عدد رسی کا لچھا اور مل گیا تھا میں نے اسے سیٹ کے ساتھ ایک کلپ سے باندھا اور سلائیڈنگ گلاس ڈور سرکاتے ہوئے رسی نیچے پھینک دی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی یخ بستہ ہواؤں کے طوفانی جھکڑ اندر آنے لگے تھے۔ میں نے احسن خان سے کہا۔ "کاپٹر کی سرچ لائٹ آن کرو۔"

اس نے سرچ لائٹ آن کی تو نیچے کا منظر کسی قدر بہتر اور خوفناک طور پر سامنے آ گیا تھا ہیلی کاپٹر ایک برفانی کھائی کے اوپر معلق تھا۔ زمین یہاں سے کم سے کم سو فٹ نیچے تھے اور میرے انداز کے مطابق رسی اتنی ہرگز نہیں تھی۔ پتا کتنی بلندی سے ہمیں نیچے گرنا پڑتا اور نیچے ہمارے نصیب میں نرم برف آتی یا برف سے ڈھکے پتھر ملتے۔ میں نے چلا کر اور اشارے سے بھی احسن خان کو ہیلی کاپٹر مزید نیچے لانے کو کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا کہ ہیلی کاپٹر مزید نیچے نہیں جا سکتا تھا اس نے ایک طرف برف سے ڈھکے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ جو کھائی سے خطرناک حد تک قریب تھے اور ہیلی کاپٹر کے پر ان سے ٹکرا سکتے تھے۔ میں نے نیچے کا جائزہ لیا اور پھر احسن خان کو ہیلی کاپٹر دائیں طرف کرنے کو کہا۔ اس بار وہ سمجھ گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احسن خان نے پرتعاون رویے کے باوجود میرے ذہن نے اسے دوست تسلیم نہیں کیا تھا وہ صرف اپنی اور موہن سنگھ کی جان بچانے کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کر رہا تھا۔ اس وقت بھی اسے یہاں سے بحفاظت نکلنے کی فکر تھی۔ اس لیے اس نے میرے حکم کو مان لیا۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹر دائیں طرف ڈھلان پر آیا میں نے بیتو کو نیچے جانے کا اشارہ کیا اور وہ بے جھجک کر رسی تھام کر نیچے اتر گیا تھا میں اسے نیچے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اچانک رسی ختم ہوئی اور بیتو لہراتا ہوا برف میں جا گرا۔ میرا دل ایک لمحے کو رک گیا تھا لیکن جب بیتو نے اٹھ کر اشارہ کیا تو میری جان میں جان آئی۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں نے احسن خان کی طرف دیکھا اور چلا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور رسی تھام کر نیچے کود گیا۔ رسی پتلی تھی اور میں تقریباً گرنے کی رفتار سے نیچے گیا تھا۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر نے اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں احسن خان کی بدنیتی کا عمل دخل تھا یا وہ اب یہاں سے نکل جانے کے لیے بے چین تھا اور اس نے میرے نیچے جانے کا انتظار کیے بغیر ہیلی کاپٹر کو اوپر اٹھانا شروع کر دیا۔ اس موقع پر میں نے اپنا سفر جاری رکھا اور ڈر کر رسی پر گرفت مضبوط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کوئی تیس فٹ کی بلندی سے رسی میرے ہاتھ سے نکل گئی اور میں تیر کی طرح برف کی طرف لپکا۔ تصادم کے زور کو کم کرنے کے لیے میں نے جسم سکیڑ لیا تھا۔ میں برف پر گرا اور اس میں دھنستا چلا گیا۔ چند لمحے ساکن پڑے رہنے کے بعد میں اٹھا اور اپنے جسم کا معائنہ کیا۔ خوش قسمتی سے اس جگہ نرم برف کا ڈھیر تھا جس نے میرے لیے فوم کا کام کیا تھا اور میں تیس فٹ کی بلندی سے گرنے کے باوجود کسی چوٹ سے محفوظ رہا تھا حتیٰ کہ خراش تک نہیں آئی تھی۔ بیتو میرے پاس بھاگا آیا تھا۔ اس نے مجھے پکڑ لیا۔

''شوبی بھائی آپ ٹھیک ہے؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔ تم ٹھیک ہو؟''

''ہم بھی بالکل فٹ فاٹ ہے۔'' اس نے چہک کر کہا اور میں نے برف پر ہی سجدہ شکر ادا کیا کہ اللہ نے ہمیں بحفاظت زمین تک پہنچا دیا ورنہ اس ویرانے میں تو کہیں طبی امداد کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔ بیتو چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ''یہ کون سی جگہ ہے؟''

یہ تو مجھے خود نہیں معلوم تھا لیکن ایک بات یقینی تھی کہ ہم کنٹرول لائن پار کر کے پاکستانی کشمیر میں تھے۔ میرے پاس ٹارچ اور رائفل تھی لیکن دونوں چیزیں مجھ سے الگ ہو کر برف میں گر گئی تھیں۔ بیتو کا پستول اس کے پاس تھا۔ میں نے کہا۔ ''رائفل اور ٹارچ تلاش کرو۔''

''ٹارچ یہ رہی۔'' اس نے مجھے ٹارچ دی۔ ''رائفل دیکھنا پڑے گا۔''

ہم نے مل کر تلاش کی تو کچھ دیر میں رائفل مل گئی۔ میں نے اسے چیک کیا وہ ٹھیک حالت میں تھی۔ سردی یہاں بھی بلا کی تھی اور درجہ حرارت یقیناً صفر سے دس پندرہ درجے سینٹی گریڈ نیچے تھا لیکن ہم مستقل کچھ عرصے سے اتنی یا اس سے بھی زیادہ سردی کا سامنا کرتے آئے تھے۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ احسن خان اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جا چکا تھا میں نے سوچا کہ وہ کنٹرول لائن پار کر چکا ہوگا اور اسی لمحے مجھے کہیں دور ہونے والے دھماکے کی ہلکی سی آواز آئی تھی۔ بے ساختہ مجھے خدشہ ہوا کہ شاید احسن خان کے ہیلی کاپٹر کو کنٹرول لائن کے ادھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یا دوسری طرف مار گرایا گیا تھا لیکن دھماکہ کسی اور چیز کا بھی ہو سکتا تھا۔

''شاید اسے مار گرایا۔'' بیتو بھی وہی سوچ رہا تھا۔

''اگر ایسا ہوا ہے تو مجھے افسوس ہے۔''

بیتو نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''اس نے آپ کو دھوکا دیا اور آپ کے اترنے سے پہلے ہیلی کاپٹر اوپر اٹھا لیا اور آپ افسوس کر رہے ہو۔''

''ہاں وہ اتنی بڑی سزا کا مستحق نہیں تھا۔ اگر ادھر گرا ہے تب بھی اور اگر اسے انڈیا والے حصے میں مار گرایا ہے تب بھی۔''

بیتو نے سر ہلایا اور اس موضوع پر بات کرنے کے بجائے بولا۔ ''ادھر سے نکلیں..... ابھی پاکستان کا فوجی ہمیں تلاش کر رہا ہوگا۔''

اس نے درست کہا تھا۔ اس موسم کے باوجود یہاں والے اتنے چوکس تھے کہ انہوں نے ہیلی کاپٹر کی مداخلت فوراً نوٹ کر لی تھی اور اسے وارننگ دینے لگے تھے اس کے بعد یقیناً کنٹرول لائن کے پاس رکی کی جاتی۔ ہمیں یہاں سے نکل جانا تھا۔ اگر ہمیں گرفتار کر لیا جاتا تو بلا تکلف ہمیں بھارتی جاسوس قرار دیا جاتا کیونکہ ہم بھارتی کمانڈوز کی وردیوں میں تھے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے بیتو سے کہا۔ ''وردی پر سے تمام نشانات ہٹا دو، جلدی کرو۔''

میں نے چاقو کی مدد سے اپنی اور بیتو کی وردی پر سے تمام نشانات ہٹا دیئے تھے۔ ٹوپی پر نشان کڑھے ہوئے تھے اور ان کو اتارنا ممکن نہیں تھا اس لیے ہم نے یہ کیا کہ ٹوپی الٹ کر پہن لی۔ اسلحہ بھی خطرناک ہو سکتا تھا کیونکہ یہ بھارتی ساختہ تھا لیکن ابھی ہم اسے نہیں پھینک سکتے تھے۔ ہم جس جگہ گرے تھے یہ ایک گڑھا تھا اور اس میں برف بھری تھی اسی وجہ سے ہماری بچت ہوئی ورنہ ایک آدھ ہڈی تو لازمی ٹوٹ جاتی۔ بڑی مشکل سے اس گڑھے سے باہر آئے۔ سمتوں کا درست اندازہ کرنے کے لیے چاند کی مدد لی جو اب مغرب کی طرف جھک رہا تھا اور میرے خیال میں تین چار گھنٹے بعد صبح ہو جاتی۔ اس کے بعد ہمارے لیے چھپنا مسئلہ ہو جاتا اور ہمیں تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہیے تھا۔

میں نے رخ مغرب کی طرف رکھا تھا کیونکہ اس صورت میں ہم یقینی طور پر کنٹرول لائن سے دور ہوتے جاتے جب کہ دائیں بائیں جانے کی صورت میں یہ کہنا مشکل ہوتا کہ ہم بھارت کی طرف تو نہیں جا رہے ہیں کیونکہ یہ لائن بہت پیچیدہ اور غیر واضح ہے۔ بہت سارے مقامات ایسے ہیں جہاں بھارت اور پاکستان دونوں طرف کے لوگ آتے جاتے ہیں اور کئی چشموں سے دونوں کے فوجی پانی لیتے ہیں۔ ہمارے لیے بہتر یہی تھا کہ یہاں سے ممکنہ حد تک دور نکل جائیں۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''ہم نے چاند کی سمت میں سفر کرنا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے پر کھانے کا کیا ہوگا؟'' اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''ہمارے پیٹ میں چوہا دوڑتا ہے۔''

''چوہا نہیں کئی چوہے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''تمہاری بات سن کر مجھے یاد آیا کہ میں بھی بھوکا ہوں۔''

''کہیں سے کھانے کو کچھ ملنا کا امید ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر یہاں پکڑے گئے تو لات کے ملنے کا تو بہت امکان ہے لیکن سچ مچ کھانے والی کوئی چیز ملنے کا فی الحال کوئی امکان نہیں ہے۔'' میں نے حقیقت بیان کی تو بیتو کا منہ اتر گیا تھا۔ گرم لباس نے ہمیں سردی سے تو بچا لیا تھا لیکن بھوک ایک مسئلہ تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم نو دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور اس بلندی پر کسی آبادی کا ملنا محال تھا۔ شاید ہمیں خاصا سفر کرنا پڑے تب کہیں جا کر کوئی آبادی ملتی اور اس موسم میں یہاں صرف کسی آبادی میں ہی کھانے کو کچھ مل سکتا تھا۔ بیتو خاموشی سے چل رہا تھا اچانک اس نے سوال کیا۔ ''شوبی بھائی آپ کا گھر یہاں سے کتنا دور ہے؟''

اس کے سوال نے اچانک ہی مجھے اس گھر میں پہنچا دیا جس کے بڑے سے صحن میں میرا بچپن اور جوانی کے دن گزرے تھے۔ جو میرے لیے اس دنیا میں سب سے بڑی پناہ گاہ تھا۔ اس گھر میں آج بھی میری ماں رہتی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ آج بھی میری راہ تکتی ہوگی۔ وہاں میرا باپ تھا پتھر کی طرح سخت، جس کے اندر میرے لیے محبت کا چشمہ تھا لیکن اس چشمے تک کبھی میری رسائی نہیں ہوئی تھی میری بہن اور بھائی تھے اور۔

''کیا سوچ رہا ہے شوبی بھائی کدھر ہے آپ کا گھر۔''

''یہ پاس ہے۔'' میں نے بے ساختہ ہاتھ آگے کیا اور پھر چونک گیا اب وہاں کچھ نہیں تھا ایک ویرانہ تھا اور ویرانوں میں گھر نہیں ہوتے۔ جیسے میرے اندر ایک ویرانہ بن گیا تھا اور اس میں گھر نہیں رہا تھا۔ بیتو نے میری کیفیت محسوس کر لی اور پھر اس نے دوبارہ سوال نہیں کیا تھا۔ ہم ایک درے سے گزر رہے تھے جس کے دونوں طرف بلند پہاڑ تھے اور ان پر گھنے درخت تھے۔ گرمیوں میں یہ علاقہ جنت نظیر بن جاتا ہوگا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ ہم آڑ میں رہیں اور کسی کی نظر میں نہ آئیں۔ یہ ممکن ہے اس علاقے میں ایسے کیمرے لگے ہوں جو رات میں دیکھتے ہوں اور ہم آسانی سے ان انفراریڈ کیمروں کا شکار بن سکتے تھے۔ اس طرح نائٹ ویژن سے بھی ہمیں با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

یہاں آرمی کے بنکرز کی موجودگی لازمی تھی اور یہ بنکرز عام طور سے پوشیدہ رکھے جاتے تھے۔ جیسے لداخ میں بھارتی فوج کا ہیں تھا۔ ہم بے خبری میں ایسے کسی بنکر سامنے جا نکلتے تو پکڑے جاتے۔ اس لیے درختوں کے نیچے سے گزر رہے تھے ٹارچ روشن کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا یہ تو اپنی موجودگی کی اطلاع آپ دینے والی بات ہوتی۔ بلندی کی وجہ سے ہلکی ہوا، سردی اور بھوک نے ہمیں نڈھال کر دیا تھا اور ہر آدھے گھنٹے بعد ہمیں آرام کے لیے رکنا پڑتا تھا۔ ہم ان پہاڑوں میں چیونٹی کی رفتار سے رینگ رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ کئی دن تک اسی جگہ رینگتے رہیں گے۔ کیونکہ منظر بدل نہیں رہا تھا۔ بیتو نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''ہم چل بھی رہا ہے یا بس ایسے ہی قدم اٹھا رہا ہے۔''

''ہم چل رہے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تم پہاڑی علاقے کے رہنے والے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ پہاڑی راستے کیسے دھوکا دیتے ہیں۔''

بیتو تھک گیا تھا وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اسے شاید پیاس لگ رہی تھی اس نے کچھ برف اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ تھکن سے میرا بھی برا حال تھا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹے سے ہم مسلسل حرکت میں تھے۔ آسمان پر روشنی نمودار ہو رہی تھی اور کچھ دیر میں صبح ہو جاتی اس سے پہلے میں اس درے سے نکل جانا چاہتا تھا اس کے اوپر پہاڑوں میں بنکرز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے تو ہم نظر میں آسکتے تھے۔ اس لیے چند منٹ بعد میں کھڑا ہو گیا۔ بیتو منمنایا۔ ''شوبی بھائی ہم مر جائے گا۔''

''نہیں مرے گا۔'' میں نے اسے کھڑا کر دیا۔ ''ہم خطرے کی حد میں ہیں اور یہاں سے نکل جانا لازمی ہے۔''

ہم پھر چلنے لگے کچھ دیر بعد مجھے لگا جیسے رائفل بھی میرے لیے بوجھ ہو رہی ہے۔ میں نے سوچا اب اس کی خاص ضرورت نہیں رہی تھی بلکہ اس کی وجہ سے ہم مشکل میں پڑ سکتے تھے میں نے رائفل پھینک دی۔ بیتو خوش ہو کر بولا۔ ''آپ نے اچھا کیا بلاوجہ کا بوجھ تھا۔''

''نہیں اچھا نہیں کیا۔'' میں نے رک کر رائفل اٹھائی اور اسے ایک چھوٹے سے گڑھے میں معہ اس کے اضافی میگزین ڈال کر اوپر سے برف ڈال دی اب یہ آنے والے گرمائی کے لیے یہاں چھپ گئی تھی۔ بیتو کے پاس پستول تھا اور کوئی خطرہ سامنے آتا تو ہم اس سے نمٹ سکتے تھے۔ ہم کچھ دیر کا آرام کر کر کے چلتے رہے۔ حتیٰ کہ صبح نمودار ہو گئی تھی۔ ہم درے کے آخری حصے میں تھے سامنے کچھ اونچی نیچی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں جو برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ پتا نہیں ہم کشمیر کے کس حصے میں تھے۔

اب تک نہ تو ہمیں کوئی بنکر یا فوجی چیک پوسٹ نظر آئی تھی اور نہ ہی کسی قسم کی نقل و حرکت دکھائی دی تھی۔ آبادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا میں نے سنا تھا کہ ان پہاڑوں پر صدیوں سے گوجر لوگ گرمیوں میں اپنے مویشی چرانے آتے تھے اور سرما میں نیچے چلے جاتے تھے انہوں نے پہاڑوں پر اپنے عارضی مکانات بنا رکھے ہوتے تھے۔ وہ خانہ بدوشی کے عادی تھے۔ نیچے بھی ان کے مکان عارضی ہوتے تھے اور وہ صدیوں سے اس طرح کی زندگی گزارتے آئے تھے لیکن مجھے یہاں ان کا کوئی عارضی ٹھکانہ بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے لائن آف کنٹرول ہونے کی وجہ سے وہ اب یہاں نہ آتے ہوں۔ اگر ہمیں ان کی کوئی ایسی عارضی رہائش گاہ جسے یہ بہک بھی کہتے ہیں مل جاتی تو ہم آرام کر سکتے تھے اور ممکن ہے وہاں ہمیں کھانے کو کچھ مل جاتا۔

درے سے نکل کر ہم پہاڑوں کی طرف بڑھے۔ یہ اصل میں جنگل تھے اور یہاں کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یعنی ایسے کچے راستے جو انسانوں کی آمد و رفت سے بن جاتے ہیں۔ روشنی ہونے کے بعد سردی کا احساس ذرا کم ہوا تھا حالانکہ سردی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ہم پہلی پہاڑی کے پاس پہنچے تھے تو بیتو نے اس کی ڈھلان کی طرف اشارہ کیا۔ ''شوبی بھائی ایسا لگ رہا ہے درختوں کے درمیان جھونپڑیاں ہیں۔''

میں نے غور سے دیکھا تو مجھے بھی ایسا ہی شبہ ہوا تھا۔ ''ہاں لگ تو رہا ہے آؤ اوپر چل کر دیکھتے ہیں۔''

ہم اوپر چڑھنے لگے اور ذرا دیر بعد ہم کوئی درجن گھروں پر مشتمل گوجروں کی ایک عارضی بستی میں کھڑے تھے۔ یہ سارے گھر کچی مٹی سے اور پتھر کی مدد سے بنائے گئے تھے۔ ان کی چھتیں لکڑی اور مٹی سے تیار کی گئی تھیں اور دروازے بس گزارے لائق تھے۔ برف باری سے بچانے کے لیے ان کی چھتیں ترچھی رکھی گئی تھیں۔ ہم پہلے گھر میں داخل ہوئے۔ یہ اندر سے خالی تھا۔ ان گھروں میں ویسے بھی کوئی فرنیچر نہیں ہوتا ہے۔ جب گوجر آتے ہیں تو وہ زمین پر خشک گھاس اور اس پر جانوروں کی کھالوں سے بنے نمدے بچھا کر رہتے ہیں۔ ضرورت کی ہر شے وہ ساتھ لاتے ہیں اور ساتھ لے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ گھر مکمل طور پر خالی تھے۔ البتہ وہاں زمین پر خشک گھاس بچھی تھی۔ میں اس پر ڈھیر ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم دیکھ کر آتا ہے شاید ادھر کھانے کو کچھ مل جائے۔''

''لیکن دور مت جانا اور ہوشیار رہنا ان پہاڑوں میں شیر اور چیتے پائے جاتے ہیں جو سردی سے بچنے کے لیے ان گھروں میں گھس آتے ہیں۔''

بیتو نے دانت نکالے۔''ہم کو مت ڈراؤ، ہم کو معلوم ہے وہ سردی میں نیچے چلا جاتا ہے۔''

بیتو چلا گیا۔ یہاں باہر کے مقابلے میں سردی کم تھی اور اگر ہم یہاں لکڑیاں جلا لیتے تو مزہ آجاتا لیکن ہم یہاں مزے کے لیے نہیں آئے تھے ہمیں کچھ دیر آرام کے بعد یہاں سے روانہ ہو جانا تھا۔ اب تک کوئی روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے میں مطمئن ہو گیا تھا کہ ہم نے کنٹرول لائن کے علاقے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

لیکن اس جگہ سکون سے کچھ وقت گزارنا ہمارے نصیب میں نہیں تھا۔ جب میں بیتو کو شیر یا چیتے سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دے رہا تھا تو میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں سچ مچ ایسی کوئی چیز پائی جا سکتی ہوگی۔ کیونکہ بیتو ٹھیک کہہ رہا تھا سردیوں میں شیر چیتے اتر کر نیچے پہاڑوں میں چلے جاتے ہیں۔ لوگوں نے اسلام آباد میں مارگلہ اور دامن کوہ تک میں چیتوں کو دیکھا ہے۔ مری اور اس کے گرد و نواح میں شیر اور چیتے تو میں نے خود بھی دیکھے ہیں۔

اچانک ہی کسی چیتے کی زبردست غراہٹ اور پھر پے در پے فائرز نے مجھے بوکھلا دیا تھا میں اٹھ کر باہر کی طرف بھاگا۔ بیتو میری طرف دوڑا آرہا تھا اور اس کے پیچھے ایک جوان اور قد آور چیتا دوڑ رہا تھا۔ وہ بیتو سے چند قدم ہی دور تھا اور لگ رہا تھا کہ ابھی بیتو کو پکڑ لے گا لیکن وہ بھاگتے بھاگتے گرا اور لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس کے حلق سے دردناک سے غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ بیتو کی چلائی گولیاں اسے گھائل کر چکی تھیں۔ بیتو رک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ اس کی سانس چڑھی ہوئی تھی اور خوف سے اس کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

''یہ کم..... بخت اندر..... چھپا بیٹھا تھا۔ جیسے..... ہی ہم..... اندر داخل ہونے لگا..... اس نے دھاڑ..... کر حملہ کر دیا..... ہم نے گولیاں چلائیں اور پھر..... بھاگا۔''

اس نے گولیاں شاید اضطراری طور پر چلائیں تھیں جو چیتے کو لگ بھی گئیں اور کارگر ثابت ہوئیں ورنہ اصل کام اس نے بھاگ کر کیا تھا۔ اس قسم کی صورتِ حال میں فرار ہی سب سے بہتر حل ہوتا ہے کیونکہ آپ جانور کو ہینڈز اَپ نہیں کرا سکتے اور نہ ہی وہ گولیاں کھا کر فوری طور پر مرتا ہے۔ وہ مرنے سے پہلے آپ کو مارنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اس لیے جب آپ کا سامنا کسی درندے سے ہو تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا ہی بہترین حکمت عملی ہوتی ہے۔ میں نے ذرا فاصلے سے چیتے کو دیکھا۔''کیا یہ مر گیا ہے؟''

''ہمارا خیال مر گیا ہے۔'' بیتو اب ذرا بہادر ہو رہا تھا اور اس نے جوتے سے چیتے کو ہلایا اسی لمحے چیتے نے ایک زبردست غراہٹ کے ساتھ اٹھنے کی کوشش کی اور ہم دونوں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ میں پہلے کمرے میں گھسا اور میرے پیچھے بیتو نے گھس کر لکڑی کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ چیتے کی آخری ہچکی تھی اس کے باوجود اس کی دہشت ہم پر سوار تھی۔ میں نے دروازے کی جھری سے جھانکا۔ اس بار چیتا چاروں ہاتھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے پڑا تھا اور یقیناً انتقال کر گیا تھا۔ میں نے بیتو کو بتایا لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ مکر کرتا ہے۔'' اس نے سہمے لہجے میں کہا۔ ''ابھی باہر جائے گا تو اٹھ جائے گا۔''

''ابھی دیکھ لیتے ہیں۔'' میں نے کہا اور دیوار سے ایک خاصے بڑے سائز کا پتھر نکال کر دروازہ ذرا سا کھولا اور چیتے پر دے مارا۔ اگر اس میں ذرا بھی جان ہوتی تو وہ یقیناً احتجاج کرتا۔ مگر وہ اسی طرح پڑا رہا تھا۔ میں نے بیتو کو بتایا کہ وہ مر گیا ہے لیکن بیتو ماننے کے لیے تیار نہیں بڑی مشکل سے میں نے اسے کمرے سے نکلنے پر آمادہ کیا۔ ''اب ساری عمر یہاں تو نہیں رہنا ہے اور ویسے بھی ہمیں جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہیے۔''

''ہاں یہاں ایسے اور بھی ہوں گے۔'' بیتو نے میری تائید کی۔

''اس وجہ سے نہیں برخوردار..... یہ جو تم نے فائرنگ کی ہے اس کی بازگشت یقیناً یہاں موجود چوکیوں تک گئی ہوگی اور جلد کوئی ہماری تلاش میں اس طرف آئے گا۔ اس سے پہلے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔''

بیتو شرمسار ہو گیا۔ ''یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں بس خود بہ خود فائر کر دیا۔''

''یہ تمہارا فطری ردِعمل تھا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''لیکن جانے سے پہلے ہمیں ایک کام کرنا ہوگا۔''

''وہ کیا؟''

میں نے اسے کام بتایا تو وہ بدک گیا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی تلاش کرتا یہاں آ جائے تب بھی اسے ہمارا سراغ نہ ملے اس لیے میں چیتے کی لاش چھپا کر جانا چاہتا تھا۔ بیتو اسے ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس لیے چیتے کی لاش ٹھکانے لگانے کا مجھے سرانجام دینا پڑا اور یہ کوئی مشکل بھی نہیں تھا۔ وہ جس کمرے کے سامنے مرا پڑا میں نے اسے گھسیٹ کر اسی کمرے میں گھاس تلے چھپا دیا اس کا وزن شاید ساٹھ ستر کلوگرام سے زیادہ نہیں تھا۔ یہ ایک عام سا پہاڑی چیتا تھا جو کسی زمانے میں ہمالیہ کے تمام سلسلوں میں عام ملتا تھا لیکن مسلسل شکار سے اس کی تعداد خاصی کم ہو گئی ہے اور ہم نے بچ جانے والوں میں ایک چیتا مزید کم کر دیا تھا۔ مجھے ایک خیال آیا کہ ہمیں رقم کی ضرورت تھی اور چیتے کی کھال اچھی قیمت میں بک جاتی ہے۔ اس کے عوض ہمیں دس پندرہ ہزار روپے ضرور مل جاتے لیکن ابھی اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم کھال اتارتے۔ اس لیے میں نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

اس دوران میں بیتو نے گولیوں کے خول جمع کر لیے اور خون کے نشانات مٹا دیئے۔ اب بہ ظاہر وہاں کچھ نہیں ہوا تھا۔ ہاں کوئی کھوجی آ جاتا تو وہ بتا سکتا تھا ورنہ عام آدمی نہیں جان سکتا تھا کہ یہاں کوئی آیا بھی تھا یا نہیں۔ اس کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سورج کی روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی۔ اس لیے ہم گھنے درختوں کے درمیان سے گزرنے لگے تھے۔ تاکہ دور سے نظر نہ آئیں۔ اگرچہ سورج نکلنے سے سردی کسی قدر کم ہوئی تھی لیکن میرے نکتہ نظر سے یہ بہتر نہیں تھا کیونکہ ابر آلود موسم حدِ نظر کم ہو جاتی ہے۔ سورج چمک رہا ہو تو دور کی چیزیں بھی صاف نظر آتی ہیں۔ میں اس چیتے کو کوس رہا تھا جس نے کچھ دیر ستانے کا موقع بھی چھین لیا تھا اور اپنی جان سے بھی گیا تھا۔

ایک پہاڑ سے اتر کر ہم آگے آئے تو ایک چھوٹا سا دریا راہ میں حائل تھا اس موسم میں اس میں پانی تو نہ ہونے کے برابر تھا لیکن جتنا بھی تھا وہ جان لیوا حد تک سرد تھا۔ اس میں اترنے کا مطلب سوائے نمونیے کے اور کچھ نہیں تھا۔ ہم دوسری طرف جانے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرتے ہوئے دریا کے ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔ کوئی ایک کلومیٹر نیچے آنے کے بعد ایک جگہ دریا پتھروں کے درمیان سے گزر رہا تھا اور ہم کوشش کرتے تو ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پتھروں پر پاؤں رکھتے دوسری طرف جا سکتے تھے۔ مجھے ہائی کنگ کا تجربہ تھا اس لیے میں آرام سے جا سکتا تھا مجھے بیتو کی فکر تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا خیال ہے برخوردار..... دریا عبور کر سکتے ہو۔''

بیتو نے جائزہ لیا اور سر ہلایا۔ ''کر سکتا ہے۔''

''تو آجاؤ لیکن ہر پتھر پر دیکھ بھال کر قدم رکھنا۔'' میں نے کہا اور ایک پتھر پر چڑھ گیا۔ پھر دوسرے پر چھلانگ لگائی۔ پانی کے درمیان ہونے کی وجہ سے پتھروں پر پھسلن تھی اور میرے قدم مشکل سے جمے تھے۔ دو پتھروں سے چھلانگ لگانے کے بعد میں دریا کے وسط میں پہنچ گیا میں نے مڑ کر دیکھا۔ بیتو اب پہلے پتھر پر کھڑا تھا اور اس کے چہرے سے خوف جھلک رہا تھا۔ پھر اس نے ہمت کر کے دوسرے پتھر پر چھلانگ لگائی اور پھسل کر گرتے گرتے بچا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ میں واپس آیا اور تیسرے پتھر پر کھڑے ہو کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''آجاؤ میں تمہیں پکڑ لوں گا۔''

اس نے چھلانگ لگائی اور میں نے اسے سنبھال لیا۔ پھر اگلے پتھر پر جا کر اسے بلایا۔ ایک ایک کر کے سارے پتھر پھلانگ کر ہم دوسرے کنارے پہنچ گئے۔ بیتو نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور بولا۔ ''شکر ہے آپ ساتھ ہے ورنہ ہم اکیلا کبھی اس طرف نہیں آ سکتا تھا۔''

میں نے دریا کا یخ بستہ پانی پیا اور بیتو کی طرف دیکھا۔ ''یہ بات مت کہو جب کوئی نہیں ہوتا تو انسان کے ساتھ اللہ ہوتا ہے اور وہی سب سے بڑا سہارا ہے۔''

بیتو نے عجیب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''آپ لوگ اللہ پر بہت بھروسہ کرتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں شاید تم کو ایک بار پہلے بھی کہہ چکا ہوں ہمارا اس کے بغیر گزارا نہیں ہے۔''

ہم آگے روانہ ہوئے۔ ''ہم نے دیکھا ہے جب آپ اس سے مانگتے ہوئے تو وہ دیتا ہے آپ کی مرضی پوری ہو جاتی ہے۔''

''یہ اس کی مہربانی ہے۔ ورنہ ہم اس سے مانگنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔''

بیتو کو تعجب ہوا۔ ''کیوں قابل نہیں ہے؟''

''کیونکہ ہم اسے مانتے ہیں لیکن اس کی نہیں مانتے۔'' میں نے ایک سرد آہ بھری جو اپنی ذاتی زندگی پر تھی اور ہم مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر بھی تھی۔ بیتو میری بات نہیں سمجھا تھا۔ یہ بات تو جانتے ہوئے خود ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو وہ بے چارہ جانتا ہی نہیں تھا اس کی سمجھ میں کہاں سے آتی۔ دریا ذرا آگے جا کر پہاڑی کے پیچھے غائب ہو رہا تھا اور جب ہم پہاڑی سے دوسری طرف اترے تو یہ دیکھ کر سر پیٹ لیا کہ دریا پھر راہ میں حائل تھا۔ وہ گھوم کر ہمارے سامنے آ گیا تھا اور ہم اسے عبور کرنے کے بجائے اس کے ساتھ چلتے رہتے تو راستہ خود مل جاتا۔ اب پھر اسے عبور کرنا تھا اور یہاں دریا کسی قدر شوریدہ سر ہو گیا تھا اس کا پانی زیادہ تندی سے بہہ رہا تھا۔ دریا میں پتھر بھی کم تھے۔ واپس جانے کے لیے ہم میں سے کوئی تیار نہیں تھا۔ بیتو نے کہا۔

''اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے ممکن ہے آگے سے یہ پھر گھوم جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی بات بھی قابل غور تھی اب ہم دریا عبور کرنے کی مشق تو نہیں کر سکتے تھے اور وہ بھی اس موسم میں۔ اس لیے میں نے بیتو سے اتفاق کیا اور ہم دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ اب بھوک اس مرحلے میں داخل ہو گئی تھی کہ انسان کھانے کی چیز کے بارے میں صرف دانتوں سے سوچتا ہے۔ یعنی بلا تکلف اسے کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بیتو دریا میں جھانکتا ہوا چل رہا تھا۔ میں نے پوچھا تو بولا۔

''ہم دیکھ رہا ہے شاید کوئی مچھلی مل جائے۔''

''اس موسم میں یہاں مچھلی کہاں ملے گی۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

مسلسل چلنے سے سردی کا احساس تو کم ہوا تھا لیکن بھوک کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی تھکن سے برا حال تھا۔ ایک جگہ تھک کر ہم ستانے کے لیے ایک چٹان پر لیٹ گئے جو دھوپ سے کسی قدر گرم ہو گئی تھی۔ بیتو نے وقت گزاری کے لیے کھانوں کی باتیں شروع کر دیں۔ ''شوبی بھائی آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے؟''

''پلاؤ اور تندور سے لگی روٹی کے ساتھ چنے کا سالن۔'' میں نے کہا۔ یہ دونوں کھانے بچپن سے میرے پسندیدہ تھے۔ گھر میں مرغ بھی پکا ہوتا تھا تب بھی میں ماں جی سے فرمائش کر کے چنوں کا سالن بنواتا تھا۔ ہمارے علاقے میں چاول کم کھائے جاتے ہیں اور جو کھائے جاتے ہیں وہ بھی بس ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن ماں جی کے ہاتھ کا بنا پلاؤ بھی لاجواب ہوتا ہے۔ بابا کے جو دوست شہروں سے آتے تھے وہ بھی ماں جی کا بنایا ہوا پلاؤ کھا کر حیران رہ جاتے تھے۔

''ادھر بنگال میں جو بریانی کھایا تھا۔'' بیتو نے پانی نگلتے ہوئے کہا جو کھانوں کے نام پر منہ میں آ رہا تھا۔

''پھر تکہ.....''

''بس کر یار پہلے ہی پیٹ میں کچھ ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

بیتو اوندھے منہ لیٹ گیا۔ ''کھانا تو ملتا نہیں ہے آپ کھانے کا بات بھی نہیں کرنے دیتا ہے۔''

میں نے جواب نہیں دیا۔ سورج ہمارے اوپر سے گزر کر مغرب کی طرف جا رہا تھا میرے اندازے کے مطابق چار بج رہے تھے اور یہاں ساڑھے پانچ بجے تک سورج غروب ہو جاتا اور چھ بجے اندھیرا چھا جاتا۔ اس لیے میں کھڑا ہو گیا۔ ''بس اب چلو۔''

بیتو ایسے ہی لیٹا رہا وہ دریا کے پار دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''شوبی بھائی وہ دیکھنا..... ادھر ایک گاؤں نظر آ رہا ہے پتا نہیں ہے یا ہمارا نظر کا دھوکا ہے۔''

میں نے اس کی بتائی سمت غور سے دیکھا لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ بیتو کی نظر تیز تھی۔ اس نے کہا۔ ''ہم کو وہاں گھر جیسے نظر آ رہے ہیں۔''

''ممکن ہے وہاں کوئی گاؤں ہو۔'' میں نے چٹان سے اتر کر کہا اور آگے چل پڑا۔ بیتو اتر کر میرے پیچھے آیا۔ دریا اب سیدھا تھا اور حیرت انگیز طور پر شمال کی طرف بہہ رہا تھا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد بیتو کی نظر درست ثابت ہوئی اور مجھے بہت چھوٹے سے گھر نظر آنے لگے۔ بیتو کو وہاں کچھ لوگ بھی چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔

اس موسم میں شمال کے لوگ گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور سوائے اشد ضرورت کے باہر نہیں نکلتے ہیں۔ سرما کے پانچ چھ مہینے وہ ایسے گھروں میں گزارتے ہیں جن میں ہوا کی آمد و رفت کا کوئی انتظام نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا ہے اور اندر ہمہ وقت چولہے سے اٹھنے والا زہریلا دھواں بھرا رہتا ہے لیکن وہ اس میں خوش ہوتے ہیں کیونکہ ایک تو اس دھوئیں میں ذرا حرارت ہوتی ہے اور دوسرے دھوئیں کی وجہ سے ہوا ذرا بھاری ہو جاتی ہے۔ ان کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی ہے کہ یہ زہریلا دھواں ان کی صحت کو کتنا نقصان پہنچا رہا ہے میں نے شمال میں بہت کم لوگوں کو صحت یاب دیکھا ہے حالانکہ قدرت نے ان کو دنیا کی صاف ترین ہوا سانس لینے کے لیے فراہم کر رکھی ہے۔ مگر وہ اپنے گھر کے دھوئیں میں خوش رہتے ہیں۔

مزید ایک گھنٹے بعد ہم گاؤں کے قریب پہنچ چکے تھے اور یہ دریا کی دوسری سمت میں ایک چھوٹی سی ڈھلان پر آباد تھا اور اس کے اوپر بہت اونچا برف اور جنگل سے ڈھکا پہاڑ تھا۔ دریا یہاں بھی شوریدہ سر تھا اور اسے عبور کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ لوگوں نے دریا عبور کرنے کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا ہوا ہے۔ شمالی علاقے میں جہاں پل نہیں ہیں وہاں مقامی لوگوں نے چھوٹے دریاؤں اور نالوں پر رسی کے جھولنے والے پل بنا رکھے ہی اور جہاں پل بنانے کی گنجائش نہیں ہے وہاں رسی اور چرخی کی مدد سے چیئر لفٹ بنا رکھی ہے لیکن یہ چیئر لفٹ ایسی ہوتی ہے کہ اس پر بیٹھ کر دریا عبور کرنے کے مقابلے میں پل صراط عبور کرنا زیادہ آسان لگتا ہے۔ ایک دو بار مجھے اتفاق ہوا ہے اور ہر بار چیئر لفٹ سے اترنے کے بعد میں نے تہیہ کر لیا کہ اب اس پر نہیں بیٹھوں گا۔ ایک بار یہ تجربہ دریائے ہنزہ پر ہوا تھا اور نیچے دریا کی لہریں دیکھ کر لگتا تھا ابھی لپک کر لے جائیں گی۔

لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ شاید گاؤں کے لوگوں کو دریا کے اس طرف کوئی کام نہیں تھا اس لیے انہوں نے دریا عبور کرنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ دریا کیسے عبور کیا جائے۔ یہاں تو پتھر بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ جو اکا دکا تھے ان پر سے دریا عبور کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ہاں کوئی ایک کلومیٹر پیچھے ایک جگہ تھی جہاں پتھر تھے اور شاید وہاں سے دریا عبور کرنا زیادہ آسان تھا۔ میں نے بیتو سے مشورہ کیا اور ہم واپس آئے۔ پندرہ منٹ بعد ہم اس مقام پر تھے جہاں دریا میں پتھر نظر آ رہے تھے اور ان پر چڑھ کر دریا عبور کرنا ممکن نظر آ رہا تھا لیکن ایک تو یہ پتھر چھوٹے تھے اور دوسرے ان کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''پہلے میں جاتا ہوں اگر میں دوسری طرف پہنچ گیا تو تم بھی آنا۔''

اس نے سر ہلایا لیکن وہ خوف زدہ لگ رہا تھا۔ میں نے پتھروں کو دیکھا اور ایک راستہ سوچ لیا۔ بیتو کو بھی سمجھا دیا کہ وہ پتھر ذہن میں رکھے جن سے میں چھلانگ لگا کر جاؤں گا۔ مگر شروع کے دو پتھر پھلانگنے کے بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ بہت مشکل تھا اور بیتو کے لیے تو بہت ہی مشکل تھا۔ بڑی مشکل سے میں دوسرے کنارے پہنچا اور راستے میں کوئی نصف درجن بار دریا میں گرتے گرتے بچا تھا۔ دوسرے کنارے پہنچ کر میں نے بیتو کو ہاتھ سے اشارہ کیا دریا کے شور میں کچھ کہنا ناممکن تھا۔ البتہ میں نے باچھیں پھیلا کر اور جسمانی تاثرات سے بیتو کو بتایا کہ دریا عبور کرنا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بھی ہنستے کھیلتے یہاں تک آ سکتا ہے لیکن ایک تو بیتو نے مجھے دریا عبور کرتے دیکھا تھا اور پھر دریا بھی اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ اس کا خوف زدہ ہونا برحق تھا۔ اگرچہ دریا مشکل سے کوئی بیس گز چوڑا تھا اور کہیں بھی پانی اتنا نہیں تھا کہ آدمی ڈوب سکے لیکن اس پانی کا درجہ حرارت منفی میں تھا اور اس میں بھیگنے کے بعد نمونیے سے لے کر فراسٹ بائٹ تک کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

بیتو خاصی دیر اس طرف کھڑا ہمت کرتا رہا میں نے اسے کوئی اشارہ نہیں کیا اور سکون سے انتظار کرتا رہا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ خود کو تیار کر لے۔ بالآخر اس نے ہمت کی اور پہلے پتھر پر پاؤں رکھا اور پانی میں گرتے گرتے بچا۔ حالانکہ اسے چھلانگ بھی نہیں لگانی پڑی تھی اور یہ بہت برا آغاز تھا۔ دوسرے پتھر پر تو بیتو تقریباً دریا برد ہو گیا تھا۔ نہ جانے کیسے دریا میں گرنے سے بچ گیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ وہ گیا تھا۔ بہر حال اس بار بچنے کا بیتو پر اچھا اثر ہوا اور اس میں اعتماد آ گیا۔ اس کے بعد اس نے کنارے تک کے پتھر کسی دشواری کے بغیر عبور کر لیے تھے اور دوسرے کنارے کے پاس آ گیا۔

''شاباش بیتو۔'' میں نے کہا اور یہ میری غلطی تھی اس وقت وہ کنارے سے پہلے آخری پتھر پر چھلانگ لگا رہا تھا۔ اس کی توجہ ایک لمحے کے لیے میری طرف گئی اور پتھر پر اس کا پاؤں صحیح انداز میں نہیں جما تھا۔ وہ لڑکھڑایا اور اگلے ہی لمحے پانی میں گر گیا۔ میں نے تیزی سے پتھر پر چھلانگ لگائی اور جھک کر بیتو کا ہاتھ پکڑ لیا وہ سر تک پانی میں گیا تھا اور یخ بستہ پانی نے اسے بدحواس کر دیا۔ اس نے ہاتھ پاؤں چلائے اور اگر میں نے خود کو مضبوطی سے پتھر پر نہیں جما رکھا ہوتا تو وہ مجھے بھی کھینچ لیتا۔ میں نے اسے اوپر کھینچنے کی کوشش کی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ پتھر پر گنجائش ہی نہیں تھی۔

''بیتو میری بات سنو۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''میں تمہیں کنارے کی طرف دھکیل رہا ہوں اس طرف جاؤ۔''

کئی بار دھرانے کے بعد بیتو کی سمجھ میں میری بات آئی تھی اور وہ کنارے کی طرف جانے کی کوشش کرنے لگا کنارہ یہاں سے چند گز دور تھا۔ میں نے اسے عقب سے دھکیلا اور پھر چھلانگ لگا کر کنارے پر پہنچا اور ہاتھ بڑھا کر بیتو کو کنارے پر کھینچ لیا۔ وہ مشکل سے ایک منٹ پانی میں رہا ہو گا لیکن اتنی سی دیر میں اس کی حالت بری ہو گئی تھی۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا اور اس کے منہ سے بے ساختہ آوازیں نکل رہی تھی۔ جیکٹ اور پینٹ واٹر پروف تھی لیکن بیتو نے جو اندر پہن رکھا تھا وہ تو واٹر پروف نہیں تھا اور وہ پانی میں بھیگ گیا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے برف پر گر گیا تھا۔

میں نے جیکٹ اور پتلون اتارنے میں اس کی مدد کی اور فوراً ہی اس کے بھیگے کپڑے اتار دیئے تھے۔ میں نے منہ پھیرا تو بیتو نے انڈر ویئر بھی اتار دیا اور اس کے بعد اس نے صرف جیکٹ اور پتلون پہن لی جو میں نے اچھی طرح جھاڑ دی تھی۔ اس کا میٹریل ایسا نہیں تھا جو پانی جذب کرتا۔ ان کو پہن کر بیتو کی حالت کسی قدر بہتر ہوئی تھی لیکن مجھے خدشہ تھا کہ سرد ترین پانی کا اس پر اثر نہ ہو جائے۔ اسے فوری طور پر گرمائش کی ضرورت تھی اور گرمائش صرف کسی گھر میں مل سکتی تھی۔ بیتو نے جوتوں میں موزے پہن رکھے تھے ان کو بھی اتار دیا۔ خالی جوتے پانی جھاڑ کر پہن لیے۔ میں نے اس کے کپڑے اور باقی چیزیں ایک گٹھری کی صورت میں باندھ لیں اور اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ لرزتے ہوئے بولا۔

''اوف..... شو..... بی..... ہم مر..... جا..... ئے..... گا..... بہت سردی..... لگ رہا..... ہے۔''

''مرد بن یار گاؤں کچھ دور ہے۔'' میں نے کہا اور اسے لے کر چلنے لگا۔ ''جسم کو زیادہ حرکت دو اس طرح جسم میں گرمی آئے گی۔''

بیتو جسم کو حرکت دے رہا تھا لیکن کسی مفلوج ہو جانے والے شخص کی طرح۔ اس کی کپکپی ہر گزرتے لمحے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھ رہی تھی اور یوں لگا جیسے اسے ہائپوتھرمیا ہو رہا ہے۔ اگر کوئی آدمی شدید سردی کا شکار ہو جائے تو اس کا جسم درجہ حرارت برقرار رکھنے میں ناکام ہو جاتا ہے اس کی ایک نشانی بے ساختہ کپکپانا ہے آدمی اپنی اس کپکپی پر قابو نہیں پا سکتا ہے۔ یہ کپکپی اصل میں جسم کا درجہ حرارت بڑھانے کی ایک کوشش ہوتی ہے۔ اس کے باوجود جسم کا درجہ حرارت نہ بڑھے اور گرتا جائے تو نوے درجے فارن ہائیٹ پر انسان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور ستاسی فارن ہائیٹ ہونے پر دل کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

اس تشویش ناک خیال نے مجھے پریشان کر دیا تھا اور میں بیتو کو حوصلہ دیتا اور عملاً اسے کھینچتا ہوا چلنے لگا کیونکہ اس سے اب چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ میں چاہتا تو اسے شانے پر بھی اٹھا سکتا تھا لیکن میں نے اسے چلنے دیا کہ اس کا جسم کچھ تو حرکت کر رہا تھا۔ یہ بھی سردی کے خلاف اس کی مزاحمت ہوتی کوئی دس منٹ بعد بیتو بے ہوش ہونے لگا۔ میں اسے جھنجھوڑ کر بیدار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کبھی کبھی میں اسے تھپڑ مارتا تو وہ چونک جاتا اور منمنا کر کہتا۔ ''شوبی..... کیوں..... مارتا ہے۔''

جھنجھوڑنے اور مارنے کے ساتھ میں اس سے بلند آواز سے باتیں کر رہا تھا تاکہ اس کا ذہن سونے نہ پائے۔ اب تک میں بے سروپا باتیں کر رہا تھا۔ اچانک مجھے کامی کا خیال آیا اور میں نے بیتو سے کہا۔ ''یار کامی کیا کر رہی ہوگی..... تمہیں یاد کرتی ہوگی۔''

کامی کے نام پر وہ چونکا تھا۔ ''کامی..... وہ..... مجھے یاد..... کرتی ہے۔''

''ہاں یار جب تم اسے یاد کرتے ہو تو وہ بھی تمہیں یاد کرتی ہوگی۔ اب ہم اسے یہاں بلا سکتے ہیں۔''

بیتو کا لہجہ ذرا جاندار ہوا۔ ''کیا چین والے اسے یہاں بھیج دیں گے؟''

''کیوں نہیں وہ ضرور کامی کو ہمارے حوالے کریں گے۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''اسلام آباد پہنچتے ہی سب سے پہلے میں یہی کام کروں گا اور پھر ہم کامی کو بھی اپنے پاس رکھ لیں گے۔''

''سچ۔'' بیتو نے خوش ہو کر کہا اور اچانک ہی ڈھیلا ہو گیا۔ میں نے اسے سنبھالا اور آواز دی لیکن وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ گاؤں ابھی کچھ فاصلے پر تھا اور بیتو کے لیے زندگی اور موت کا مرحلہ شروع ہو گیا تھا میں نے اسے شانے پر اٹھایا اور ہر ممکن تیزی سے گاؤں کی طرف بڑھنے لگا۔

دریا کے کنارے پتھروں کے ڈھیر تھے جن پر سے گزرنا آسان کام نہیں تھا۔ کئی جگہ برف کی وجہ سے پھسلن تھی اور کہیں برف کے ڈھیر اس طرح جمع تھے کہ ان میں پاؤں دھنس رہے تھے۔ بیتو بالکل بے جان انداز میں جھول رہا تھا۔ میں دوڑنے کے دوران اسے آواز دے رہا تھا لیکن اس کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ ہر ممکن تیزی کے باوجود مجھے گاؤں تک پہنچنے میں مزید دس منٹ لگ گئے اور میں نے سامنے آنے والے پہلے گھر پر زور سے دستک دی۔ اور پھر اس وقت تک دستک دیتا رہا جب تک کسی نے زور سے نہیں پکارا۔ چند لمحے بعد ایک باریش بوڑھے نے دروازہ کھولا اور مقامی زبان میں کچھ کہا۔ اس کی زبان نامانوس تھی۔ میں نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

''میرا ساتھی دریا میں گر گیا..... اسے سردی لگ گئی ہے۔''

بوڑھا الفاظ سے سمجھا یا نہیں لیکن بیتو کی حالت دیکھ کر ضرور سمجھ گیا اور اس نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بلا تکلف اندر داخل ہوگیا۔ بوڑھے نے دروازہ بند کر دیا اور مجھے ایک چھوٹے سے دروازے میں جانے کو کہا۔ میں بیتو سمیت اس میں داخل ہوا۔ اس کے لیے مجھے کبڑا ہونا پڑا تھا۔ یہ ایک چھوٹا ہوا گھٹا ہوا کمرہ تھا لیکن اس میں ایک انگیٹھی جل رہی تھی اور اس سے حرارت اٹھ رہی تھی جو اس وقت ہماری اور خاص طور سے بیتو کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے بیتو کو انگیٹھی کے بالکل پاس لٹا دیا اور اس کے ہاتھ سہلانے لگا۔ اتنی سی دیر میں وہ بالکل نیلا پڑ گیا تھا اور اس کی سانس بھی رک رک کر آ رہی تھی۔ ایک منٹ بعد بوڑھا آیا اور اس نے ایک بوتل اٹھا رکھی تھی جس میں کوئی تیل جیسی چیز تھی۔ اس نے خستہ حال اردو میں کہا۔

''اس.....کا کپڑا اتارو۔''

''اس نے بس یہی پہنا ہے۔''

''اتارو۔'' اس نے شدت سے اپنا مطالبہ دھرایا۔ مجبوراً میں نے بیتو کے کپڑے اتار دیئے۔ پھر جوتے بھی اتار دیئے اس کی برہنگی ڈھانپنے کے لیے بوڑھے نے ایک چھوٹا سا کپڑا ڈال دیا۔ پھر اس نے تیل کی شیشی سے تھوڑا سا تیل ہاتھ میں لے کر پہلے اسے بیتو کے سینے پر ملا اور اس وقت تک ملتا رہا جب تک اس کا سینہ سرخ رنگ کا نہیں ہوگیا۔ یہ کوئی حیرت انگیز تیل تھا جس نے بیتو کی کھال کو بالکل سرخ کر دیا تھا میں نے تشویش سے بوڑھے سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

لیکن وہ مجھ پر توجہ دیئے بغیر اپنے کام میں لگا رہا۔ سینے کے بعد اس نے بیتو کو الٹا کر کے پیٹھ اور کمر پر مالش کی اور یہاں سے بھی اس کا جسم سرخ ہوگیا تھا۔ پھر پیٹ، بازوؤں اور پیروں کی باری آئی۔ بوڑھا بہت احتیاط سے اور بہت تھوڑا سا تیل استعمال کر رہا تھا۔ مشکل سے اس نے بیتو کے پورے جسم پر ایک چھوٹا چمچ تیل لگایا ہوگا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا پورا جسم سرخ ہوگیا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کی سانس بھی بہتر چلنے لگی ہے۔ اس سے پہلے وہ رک کر اور کھینچ کر سانس لے رہا تھا۔ مالش مکمل کرنے کے بعد بوڑھے نے بیتو کو ایسے ہی رہنے دیا اور بوتل سینے سے لگائے واپس کہیں اندر چلا گیا۔ اس کے انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے بوتل میں بہت قیمتی چیز ہو۔

انگیٹھی میں شاید لکڑی کا کوئلہ دہک رہا تھا کیونکہ اس سے دھواں نہیں اٹھ رہا تھا اور اس کے بجائے ہلکی سی خوشبو آ رہی تھی۔ کمرے میں فرش پر بھیڑ کی کھال سے بنے نمدے بچھے تھے اور ان میں ایک خاص بو بس گئی تھی لیکن یہ بو ناگوار نہیں تھی اور کمرہ بھی صاف تھا۔ میں بیتو کے پاس لیٹ گیا۔ میری اپنی حالت بھی اچھی نہیں ہو رہی تھی۔ تھکن اور بھوک سے برا حال تھا لیکن امید تھی کہ اس بوڑھے کے گھر سے کھانے کو کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اس بار بوڑھا دس منٹ بعد آیا اور انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر وہ اس میں تھیلیوں سے نکال کر کچھ چیزیں انگاروں پر ڈالنے لگا اور اس کی وجہ سے انگیٹھی سے دھواں اور خوشبوئیں اٹھنے لگی تھیں۔ یہ دھواں سانس کے راستے اندر گیا تو ایسا لگا جیسے کوئی حرارت بھری چیز جسم میں جا رہی ہو۔ یہ بھی شاید بیتو کے لیے تھا کیونکہ وہ انگیٹھی کھینچ کر بیتو کے قریب لے آیا۔ جس کی حالت ہر گزرتے لمحے بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ بوڑھا اب کھسک کر میرے پاس آیا اور اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''حاسیب خان۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کا نام یقیناً حسیب تھا لیکن وہ اس طرح ادا کر رہا تھا کہ حاسیب سنائی دے رہا تھا۔

''ہم..... حاکیم ہے۔''

پہلے تو میں سمجھا کہ وہ یہاں کا حاکم ہے لیکن جب اس نے بیتو کی طرف اشارہ کر کے پھر بتایا تو میں سمجھ گیا کہ وہ حکیم تھا اور تبھی اس نے اتنی تیزی سے بیتو کا مسئلہ سمجھ کر اس کا علاج بھی شروع کر دیا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی کہ میں نے جس دروازے پر دستک دی وہ مقامی حکیم کا نکل آیا۔ میں نے اس سے زبان اور کچھ اشاروں کی مدد سے پوچھا کہ اس نے جس تیل سے میرے ساتھی کا علاج کیا ہے وہ اصل میں کیا چیز ہے۔ اس نے جو بتایا اس کے مطابق یہ ایک مقامی بوٹی کا تیل ہے اور اس میں شیر کی چربی ملی ہے پھر اس نے چند جناتی قسم کی چیزوں کے نام بتائے جن کو اس تیل میں حل کیا گیا تھا اور ان سب سے مل کر یہ معجزہ اثر تیل بنا تھا۔ ہر حکیم کی طرح وہ لفاظی کا ماہر تھا اور ایسا ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے یہ تیل بنی نوح انسانی کے تمام امراض جسمانی اور شاید روحانی کا بھی شافی اور تسلی بخش علاج ہے۔ وہ اس تیل کے اثرات پر ایک طویل مقالہ پیش کر رہا تھا۔ بمشکل اس کی تقریر ختم ہوئی تو میں مطلب کی بات پر آیا اور میں نے اس سے کہا۔

''ہم نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا ہے کیا کھانے کو کچھ ملے گا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ملے گا..... کیوں نہیں ملے گا..... اپنی بی بی سے بول کر آیا ہے۔''

اس کا مطلب تھا کہ اس نے اپنی بیوی کو کھانا تیار کرنے کا کہہ دیا ہے اور جلد کھانا ہمارے سامنے ہوگا۔ بیتو کی سانس اب بالکل ہموار ہوگئی تھی۔ حسیب نے بتایا کہ بیتو کا سرخ رنگ تیل میں شامل ایک بوٹی کی وجہ سے ہے اور جب وہ ہوش میں آجائے گا۔ تو کپڑے سے یہ رنگ صاف کر دیا جائے گا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم نے اسے کپڑے کیوں نہیں پہنانے دیئے؟''

''تاکہ اس کے اندر جانے والا سارا سردی نکل جائے۔'' اس نے وضاحت کی۔ مجھے اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس موسم میں تو سردی جسم میں گھستی ہے۔ ٹھیک ہے یہاں باہر کے مقابلے میں کم سردی تھی اور پاس ہی ایک انگیٹھی بھی جل رہی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اندر کا درجہ حرارت کوئی بیس پچیس درجے سینٹی گریڈ تھا۔ اندر بھی سردی کا اتنا اثر ضرور تھا کہ درجہ حرارت دس سے نیچے ہی تھا اور اس میں بیتو بنا کسی کپڑے کے پڑا تھا۔ حکیم حسیب کہہ رہا تھا کہ اس کے اندر سے سردی نکل جائے تب اسے کپڑے پہنانے ہوں گے۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''ابھی..... تم دیکھے..... گا۔'' اس نے رک رک کر کہا۔ اردو اسے درست نہیں آتی تھی اور وہ ایسے اردو بول رہا تھا جیسے آج کل کے گریجویٹ انگریزی بولتے ہیں۔ حسیب خان اٹھ کر اندر چلا گیا اور میں نے بیتو کی کلائی پکڑ کر اس کی نبض دیکھی۔ اس کی نبض ٹھیک چل رہی تھی اور مجھے یہ اطمینان ہوگیا کہ اب اسے کم سے کم ہائپو تھرمیا نہیں ہوگا۔ بلکہ میں نے محسوس کیا کہ اس کا ہاتھ یوں گرم ہو رہا تھا جیسے اسے تیز بخار ہو۔ میں نے اس کے پورے جسم کو چھو کر دیکھا۔ وہ ہر جگہ سے گرم ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کی جسمانی گرمی بڑھ رہی ہے۔ اس دوران میں حکیم آگیا اور اس کے پاس ایک جگ میں کوئی محلول تھا۔ بعد میں وہ چینی اور نمک کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محلول ثابت ہوا۔ اس نے جگ میرے پاس رکھ دیا اور پھر بیتو کا منہ کھول کر اس میں لکڑی کا ٹکڑا یوں پھنسا دیا کہ اس کا منہ کھلا رہا۔ حسیب نے مجھ سے کہا۔

''یہ شربت اسے تھوڑا تھوڑا پلانا ہے۔''

''یہ بہت گرم ہو رہا ہے۔'' میں نے اس کی توجہ بیتو کی حالت کی طرف دلائی۔

''ٹھیک ہے..... ابھی شربت پلاؤ۔'' اس نے لاپروائی سے کہا اور مجھے لکڑی کا ایک چمچ پکڑا دیا۔ مجبوراً میں نے محلول بیتو کے منہ میں ڈالنا شروع کر دیا۔ منہ کھلا ہونے کی وجہ سے مجھے کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ محلول آرام سے اس کے منہ میں جا رہا تھا۔ ابھی میں نے چند چمچ ڈالے ہوں گے کہ بیتو کا جسم یک دم پسینہ اگلنے لگا۔ اور پسینہ بھی ایسا جیسے اس کے جسم سے پانی نکل رہا ہوں۔ میں اس کے منہ میں محلول ڈال رہا تھا اور اس کا جسم پسینے کی صورت میں پانی کا اخراج کر رہا تھا۔ بیس منٹ میں، مَیں نے پورا جگ اسے پلا دیا اور اس دوران میں اس کے جسم نے کوئی دو جگ کے مساوی پسینہ اگل دیا ہوگا۔

حسیب خان آیا اور جگ لے گیا۔ اس کا انداز ایسا نپا تلا تھا کہ اسے معلوم تھا کس وقت کیا کرنا ہے اور کون سا کام کتنی دیر میں ہوگا۔ دو منٹ بعد وہ جگ بھر کر لایا اور ساتھ میں لکڑی کا ایک بڑا سا پیالہ لایا جس میں مختلف سبزیاں اور گوشت کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ اس نے پیالہ میرے سامنے رکھ دیا اور خود جگ اور چمچ لے کر بیتو کو محلول پلانے کی ڈیوٹی سنبھال لی۔ میں اس شوربے یا سوپ پر ٹوٹ پڑا تھا اس میں آلو، شلجم اور پیاز کی شناخت میں نے کر لی تھی۔ گوشت شاید بھیڑ کا تھا لیکن ساتھ ہی چند مقامی سبزیاں بھی پڑی تھی اور اس میں مکئی کا آٹا ڈال کر اسے گاڑھا کیا گیا تھا۔ یہ خوش ذائقہ اور طاقتور سوپ تھا جسے کھا اور پی کر میرے حواس بحال ہو گئے تھے۔ اس دوران میں حسیب خان نے بیتو کو پھر پورا جگ پلا دیا تھا اور اب اس کے جسم سے پسینہ نکلنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ میں نے بیتو کا ہاتھ چھوا تو وہ سرد ہو رہا تھا۔ اس کا درجہ حرارت معمول پر آ گیا تھا۔ حسیب خان جگ اور پیالہ واپس لے گیا۔ دس منٹ بعد وہ پیالہ اور ایک دوسرے پیالے میں گرم پانی اور ایک کپڑا لے آیا۔ اس نے سوپ کا پیالہ میرے سامنے رکھا اور بیتو کا جسم گرم پانی اور کپڑے کی مدد سے صاف کرنے لگا۔ اس نے بہت لگن اور محنت سے یہ کام کیا تھا۔ اس دوران میں جب تک میں نے سوپ کا یہ پیالہ بھی خالی کیا تو اس نے بیتو کا جسم مکمل طور پر صاف کر دیا تھا۔ میں جو بیتو کے اندر والے کپڑے لایا تھا وہ میں نے انگیٹھی کے پاس رکھ دیئے تھے اور وہ خاصی حد تک خشک ہو گئے تھے۔ میں نے پہلے بیتو کو وہی کپڑے پہنائے۔ پھر حسیب خان سے پوچھا۔

''کیا یہ گرم لباس بھی اسے پہنا دوں؟''

''نہیں..... اس کا ضرورت یہاں نہیں ہے۔''

بیتو اب تک بے ہوش تھا اور اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کی بے ہوشی گہری تھی۔ ''یہ ہوش میں کیوں نہیں آ رہا ہے؟''

''ابھی..... یہ سوتا ہے..... اسے سونے دو۔'' حسیب خان بولا۔ ''خود اٹھے گا..... تو ٹھیک ہوگا۔''

اس کا مطلب تھا کہ بیتو سو رہا تھا اور اس وقت اس کے لیے سونا ہی بہتر تھا جب وہ خود سے جاگ جاتا تو ٹھیک ہو جاتا۔ اب مجھے فکر لاحق ہو گئی تھی کہ حسیب خان ایک حکیم تھا اور ظاہر ہے یہ اس کا پیشہ تھا تو میں اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علاج کی ادائیگی کیسے کرتا۔ میری جیب بالکل خالی تھی۔ صرف ایک پستول تھا اور میں پستول سے اس نیک دل شخص کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتا تھا۔ ابھی تک مجھے اس کے گھر سے کوئی آواز نہیں آئی تھی اس لیے میں نے پوچھ لیا۔ ''کیا تم میاں بیوی اکیلے رہتے ہو؟''

''نہیں ہمارا بارہ بچہ بھی ہے۔'' اس نے باقاعدہ حساب لگا کر بتایا۔

''بارہ بچے۔'' میں دنگ رہ گیا۔ ''لیکن یہاں تو بالکل خاموشی ہے۔''

وہ مسکرایا۔ ''بچہ اپنا کام کر رہا ہے۔''

''کیا کام کر رہا ہے۔''

''ہمارا کام۔'' اس نے کہا اور پھر سمجھایا کہ وہ حکیم ہے جو جڑی بوٹیاں جمع کر کے لاتا ہے۔ ان کو کوٹنا چھاننا اور پیسنا ہوتا ہے۔ بعض کا سفوف بنتا ہے اور بعض کا مربہ اور بعض کا کشتہ نکالا جاتا ہے۔ یہ سارے کام اس کے بچے کرتے تھے۔ اس نے فخر سے بتایا کہ وہ اس پورے علاقے میں واحد اور سب سے کامیاب حکیم ہے۔ اس کی حکمت کا میں مشاہدہ تو کر چکا تھا۔ اگر میں بیتو کو کسی جدید ترین سہولتوں سے آراستہ اسپتال بھی لے جاتا تب بھی وہ اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہو سکتا تھا لیکن عام حکیموں کی طرح اس کا زور بھی سدا بہار جوانی کے لیے مخصوص کشتوں پر تھا۔ اس نے مجھے رازدارانہ انداز میں بتایا کہ اس علاقے کے تمام دولت مند اور پرہوس بڈھے اس کے مستقل گاہک تھے۔ ان گاہکوں کی وجہ سے اس نے تین شادیاں کی تھیں اور اس کے ذاتی ایک درجن بچے تھے۔ یعنی اس نے ٹھیک ٹھاک کمایا تھا۔ تین شادیاں کرنا اور درجن بھر بچے پالنا آسان کام نہیں ہوتا ہے۔

''ان کے کتنے بچے ہیں جن کے لیے تم کشتے بناتے ہو؟''

حسیب خان مسکرایا۔ ''وہ..... بچے کے لیے..... کشتہ نہیں لیتا ہے۔ جوانی کے لیے لیتا ہے۔''

باتوں کے دوران میں نے اس کے پہلے بچے کو دیکھا جو ایک چھوٹی سی تانبے کی ٹرے میں چائے لایا تھا۔ یہ بغیر دودھ اور چینی کی سبز چائے تھی۔ حسیب خان اب ہمارے بارے میں متجسس تھا اور مجھے اتنی مہلت مل گئی تھی کہ میں ایک اسٹوری بنا سکوں۔ میں نے اس سے کہا۔ ''میں جنگلات کا ٹھیکیدار ہوں اور اس علاقے میں جنگل کا ٹھیکہ لینا چاہتا ہوں۔''

حسیب خان خوش ہو گیا۔ ''یہ تو اچھا بات ہے..... ادھر کام نہیں ہے..... لوگوں کو کام ملے گا۔''

مجھے افسوس ہوا کیونکہ یہاں غربت اتنی شدید تھی کہ وہ اپنی قیمتی ترین چیز جنگل بھی اس کے لیے قربان کرنے کو تیار تھے۔ یہی جنگل تھے جو ان کے مویشیوں کی چراہ گاہ تھے اور یہیں سے وہ اپنے مکانات بنانے کے لیے لکڑی حاصل کرتے تھے۔ ان جنگلوں کی وجہ سے ان کے چشموں اور دریاؤں میں پانی آتا تھا۔ ان کی زمینیں زرخیز رہتی تھیں اور ان کے پہاڑ اپنی جگہ قائم رہتے تھے۔ جن علاقوں میں جنگل کٹ گئے تھے وہاں لینڈ سلائیڈنگ عام ہے اور پانی کے ذرائع تباہ ہو چکے ہیں۔ یہ بات مقامی باشندے بھی جانتے ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے جنگلوں اور زمینوں کا خیال بھی رکھتے ہیں لیکن باہر سے آنے والے ٹھیکیدار اور سیاحت کی صنعت سے وابستہ افراد مقامی ذرائع کو تباہ کر دیتے ہیں کیونکہ ان کو صرف نفع کمانے سے دلچسپی ہوتی ہے۔ لکڑی کی کٹائی کا ٹھیکا جسے ملتا ہے وہ قانون کے برعکس جنگل کو مکمل طور کاٹ ڈالتا ہے جب کہ درختوں کو چھوڑ چھوڑ کاٹنا چا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تا ہے تا کہ زمین بالکل خالی نہ ہو جائے۔ مگر محکمہ جنگلات کی ملی بھگت سے ٹھیکیدار پورا جنگل کاٹ دیتے ہیں اور خالی زمین پر شجر کاری بھی نہیں کی جاتی ہے۔ پنجاب اور سرحد میں تو نچلے پہاڑی جنگلات تقریباً تباہ ہو چکے ہیں البتہ بلندی پر موجود جنگلات کسی حد تک محفوظ ہیں۔

میں نے حکیم حسیب کو بتایا کہ میں اور میرا ساتھ یہاں آ رہے تھے کہ راستے میں جیپ خراب ہو گئی اور پھر برف باری کی وجہ سے ہمیں راستہ سمجھ میں نہیں آیا اس لیے ہم یہاں تین دن سے بھوکے پیاسے بھٹک رہے ہیں۔ حکیم نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''تم اس موسم میں کیوں آیا..... ادھر بہت حادثات ہوتا۔''

اس کا مطلب تھا کہ اس موسم میں یہاں بہت حادثات ہوتے تھے۔ میں نے جواب دیا۔ ''ہم اس موسم میں اس لیے آئے ہیں کہ دوسرے ٹھیکیداروں سے چھپ کر کام حاصل کر لیں۔''

''اچھا اچھا..... تم کدھر آیا ہے۔''

میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ کارگل کے بعد پاکستان والے کشمیر میں سب سے اہم قصبہ گل تری ہے۔ اس لیے میں نے بے دھڑک اس کا نام لے دیا۔ ''ہم گل تری تک آئے تھے اس سے آگے نکلے تو راستہ بھٹک گئے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''گل تری..... ادھر سے..... دو دن دور ہے۔''

اس کا مطلب تھا کہ دو دن کی مسافت پر تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''گاڑی پر یا پیدل؟''

اس نے تعجب سے کہا۔ ''اس موسم میں گاڑی کہاں ملے گا..... پیدل جاتا ہے۔''

گویا ہم یہاں سے نکلتے تو گل تری پہنچنے میں دو دن لگ جاتے۔ میں نے اس قصبے کے بارے میں سنا تھا کیونکہ یہاں سے ایک درے کے ذریعے گلگت اور بلتستان تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی۔ ایک زمانے میں یہ دونوں علاقے کشمیر کا حصہ شمار ہوتے تھے۔ اب بھی ان دونوں علاقوں کا رابطہ پاکستان سے ہی ممکن ہے۔ ہیسینڈ ے سے جب ینگ ہسبینڈ نے گلگت کی طرف سفر کیا تو اس نے ہی سب سے پہلے کنکورڈیا میں اترنے کے بعد ے ٹو کی چوٹی کی زیارت کی تھی اور وہ کے ٹو دیکھنے والا پہلا یورپی باشندہ تھا۔ اس نے جس درے میں سفر کیا وہ ر میں اس کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

گل تری سے مظفر آباد تک ایک طویل سفر تھا اور ہم اسی راستے سے اسلام آباد جا سکتے تھے لیکن پہلا مرحلہ تو ا تری تک رسائی کا تھا۔ حکیم حسیب اب ہمارے ساتھ ذرا اسپیشل پروٹوکول کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔ شاید اس ، کہ آنے والے دنوں میں علاقے کی معیشت ہمارے اردگرد گھومتی۔ (یعنی میرے دعوے کی روشنی میں)۔ نے کہا۔ ''ہم گھوڑا لا سکتا ہے..... اس پر آرام سے سفر کرو۔''

''یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''چل چل کر ہماری ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں۔''

''گھوڑا آرام سے جائے گا۔'' اس نے مجھے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ اس کا مطلب تھا کہ گھوڑا آرام سے لے جائے گا۔ فوراً ہی مجھے یاد آیا کہ میرے پاس تو حکیم کو ادا کرنے کے لیے رقم نہیں تھی میں ے کیسے افورڈ کرتا۔ ظاہر ہے گھوڑے کوئی مفت میں تو نہیں دیتا۔ میں نے کسی قدر تامل کے ساتھ پوچھا۔

''اس پر خرچا کتنا آئے گا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم اس کا فکر مت کرو۔'' حکیم نے فراخدلی سے کہا۔ ''بس جب تم ادھر آئے تو میرا خیال رکھنا۔''

''میں تمہارا خیال ضرور رکھوں گا۔'' میں نے پوری فراخدلی سے جھوٹا وعدہ کیا اور دل میں اس پر کسی قدر نادم بھی ہوا کیونکہ میرا اب اس طرف آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن مجبوری تھی اور اللہ بندے کی مجبوری معاف کرتا ہے۔ کچھ دیر بعد بیتو نے ہلنا شروع کر دیا تھا اور دس منٹ بعد وہ جاگ اٹھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ ''شوبی بھائی۔''

میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ''ہاں میری جان اب طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے نحیف لہجے میں کہا۔ ''ابھی کامی میرے پاس تھا۔''

وہ شاید خواب میں کامی کو دیکھ رہا تھا۔ ''تم نے خواب دیکھا ہے۔''

''نہیں کامی سچ مچ تھا۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''وہ بولا کہ ہم ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تم واقعی ٹھیک ہو گئے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''بھوک لگی ہے؟''

''بہت زیادہ۔'' وہ اٹھ بیٹھا۔

میں نے حکیم کی طرف دیکھا لیکن وہ جا چکا تھا۔ چند منٹ بعد وہ اسی سوپ کے ساتھ واپس آ گیا اور اس نے پیالہ بیتو کے سامنے رکھ دیا اور وہ بے تابی سے سوپ پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دو پیالے ختم کر کے اسے ذرا سکون ملا تھا۔ اس کے بعد حکیم حسیب خان نے اسے ایک سفوف پانی میں گھول کر دیا اور وہ پیتے ہی لیٹ کر ایک منٹ کے اندر اندر سو گیا۔ حسیب خان نے میری طرف دیکھا۔ ''ابھی اس کا..... سونا ٹھیک ہے۔''

میں نے جماہی لی اور اسے اشارہ کیا کہ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا اور اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں تم کو ابھی اوڑھنے کو دیتا ہوں۔''

وہ بھیڑ کی اون سے بنے دو بھاری کمبل لے آیا میں نے ایک کمبل بیتو پر ڈال دیا اور خود اس کے برابر میں لیٹ گیا۔ ذرا سی دیر میں نیند کی دیوی نے مجھے اپنے قبضے میں لے لیا اور میں چھتیس گھنٹے بعد موقع ملنے پر ایسا ٹوٹ کر سویا کہ پھر صبح مجھے حکیم نے ہلا کر جگایا تب میری آنکھ کھلی تھی۔ اس نے کہا۔ ''ابھی باہر روشنی کم ہے..... چلو۔''

میں سمجھ گیا وہ رفع حاجت کی بات کر رہا تھا۔ بیتو مجھ سے پہلے اٹھ گیا تھا۔ اس نے اپنا گرم لباس پہن لیا تھا اور میں نے پہلے ہی پہن رکھا تھا۔ ہم باہر آئے اور سردی نے ایسا حملہ کیا کہ بمشکل ایک چٹان کی آڑ میں فارغ ہوئے اور فوراً گھر میں واپس آ گئے۔ جہاں کچن سے اٹھنے والا دھواں بسا ہوا تھا۔ ناشتے کی تیاری ہو رہی تھی اور پہلی بار میں نے حسیب خان کے گھر میں بچوں کی آوازیں سنیں۔ البتہ اس کی تین عدد بیویاں اب بھی خاموش تھیں اور یہ خاصی حیرت انگیز بات تھی۔ یقیناً حسیب خان ایک منتظم شوہر تھا جس نے تین بیویوں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

حسیب خان ہمیں ناشتہ مہیا کر کے خود کہیں غائب ہو گیا تھا۔ ناشتہ مکئی کی موٹی سی روٹی اور اس پر پگھلتے ہوئے مکھن پر مشتمل تھا اور ساتھ میں سبز چائے کا بڑا سا پیالہ تھا۔ یہ سارے دن سفر کے لحاظ سے اچھا اور بھاری ناشتہ تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بیتو کو سمجھا دیا کہ میں نے حکیم کو کیا کیا بتایا ہے وہ بھی اس کا خیال رکھے اور پھر اس سے اصرار پر اسے کل کی رُوداد سنائی تھی کہ میں اسے کیسے لے کر یہاں تک پہنچا اور یہ ہماری خوش قسمتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ ہمیں اس ویرانے میں ایک حکیم بھی دستیاب ہو گیا تھا۔ جس کے پاس سردی کے شکار افراد کے لیے حیرت انگیز تیل تھا۔ بیتو کو اس تیل کے بارے میں تجسس ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

''کل جب مجھے ہوش نہیں رہا تو اس سے پہلے مجھے لگ رہا تھا کہ دنیا سے بس گزرنے والا ہے۔''

''تمہاری حالت سچ مچ خراب ہو گئی تھی۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تم جس طرح بے ہوش ہوئے تھے اس سے میں بھی پریشان ہو گیا تھا لیکن اللہ نے کرم کیا اور ہمیں حسیب خان مل گیا۔''

''یہ کہاں گیا ہے؟''

''میرا خیال ہے ہمارے لیے گھوڑوں کا بندوبست کرنے گیا ہے۔'' میں نے ناشتے کا خاتمہ کرتے ہوئے کہا۔

''شوبی بھائی ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں آگے کیسے سفر کرے گا؟''

''اب تک کیسے کیا ہے؟'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے ہی کرے گا۔''

میں نے بیتو کو تو جواب دے دیا تھا لیکن میں خود فکر مند تھا۔ یہ میرا اپنا ملک تھا اور یہاں میں کھل کر ویسے غیر قانونی حرکات نہیں فرما سکتا تھا جیسے بیرون ملک کرتا آیا تھا۔ اگر گل تری میں فون مل جاتا تو میں ندیم سے رابطہ کر سکتا تھا اور وہ میرے لیے کچھ نہ کچھ کرتا۔ بشرطیکہ رابطے کا کوئی ذریعہ مل جاتا۔ حکیم کچھ دیر میں آ گیا تھا اور اس نے آتے ہی خوش خبری سنائی۔

''گھوڑا مل گیا ہے۔''

''کیوں کیا گھوڑا کہیں غائب ہو گیا تھا؟'' بیتو نے پوچھا۔

''نہیں سفر کے لیے مل گیا ہے دو گھوڑا لوگ۔'' حکیم نے کہا اور دو انگلیوں سے اشارہ کر کے بھی بتایا۔

''گھوڑے کہاں ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ اب میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ان علاقوں ں کوئی اپنے آپ کو زیادہ دیر چھپا نہیں سکتا ہے اور اس سے پہلے کہ پولیس یا انتظامیہ تک بات پہنچتی میں یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ورنہ خاصی مشکل میں پڑ جاتے میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی جس سے ہماری شناخت وتی۔ پھر میں تو اس سرزمین کا باشندہ تھا۔ بیتو غیر ملکی تھا اور وہ پکڑا جاتا تو سیدھا جیل جاتا۔ پھر ہم بہت حساس اقے میں سب سے اہم بات تھی کہ بھارتی فوج کی وردیوں میں تھے۔ حسیب خان ایک عام آدمی تھا لیکن اگر ں کی جگہ کوئی سرکاری آدمی ہمیں دیکھتا تو وہ وردیوں کو شناخت کر سکتا تھا اور ہم مشکل میں پڑ جاتے اور پکڑے تے تو جاسوس قرار پاتے۔ ان دنوں سرحدوں پر دونوں ملکوں کی جانب سے فوج کا اجتماع تھا اور حالات سخت شیدہ تھے۔ وردیوں پر مجھے یاد آیا اور میں نے حسیب خان سے کہا۔

''کیا ہمیں دوسرے کپڑے مل سکتے ہیں۔''

وہ حیران ہوا۔ ''تمہارے پاس کپڑا ہے تو۔''

''ہاں وہ تو ہے لیکن اگر ہمیں ان گرم کپڑوں کے عوض دوسرے مل جائیں..... دیکھو یہ بہت قیمتی ہے۔''

یہ چیز حسیب خان کو بھی نظر آ رہی تھی کہ یہ بہت خاص قسم کا گرم لباس تھا اور اگر وہ اسے کسی ضرورت مند کو بیچتا تو اسے اچھی قیمت مل سکتی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ہم دیکھتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کچھ دیر بعد آیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا تھا لیکن وہ واپس آیا تو اس کے پاس ایک گٹھڑ تھا اور اس میں کئی طرح کے مقامی گرم لباس تھے۔ میں نے اپنے سائز کے لحاظ سے ایک گرم اونی پاجامہ اور ایک صدری منتخب کی تھی۔ بیتو کے حصے میں ایک سویٹر اور کسی سیاح کی گھسی ہوئی پتلون آئی تھی یہ کپڑے فوجی وردیوں جتنے گرم تو نہیں تھے لیکن ان سے کام چل سکتا تھا۔ حکیم حسیب کو تعجب ہو رہا تھا کہ ہم اتنے اچھے کپڑوں کے عوض کتنے معمولی سے کپڑے لے رہے تھے۔ میں نے ایک کہانی اور گڑھی اور اسے کہا۔

''حکیم تمہارا کوئی دشمن ہے؟''

اس نے سوچ کر جواب دیا۔ ''ادھر برابر والے گاؤں میں ایک حکیم دشمن ہے۔''

''بالکل ایسے ہی کچھ ٹھیکیدار ہمارے دشمن ہیں اور ممکن ہے وہ ادھر گل تری میں موجود ہوں اور ہمیں ان سے بچنے کے لیے لباس بدلنا ہے وہ ہمیں لباس سے پہچان لیں گے۔''

بات حسیب خان کی سمجھ میں آ گئی۔ اس سردی میں انسان منہ تو چھپا سکتا تھا لیکن وہ اپنا لباس تو نہیں چھپا سکتا تھا۔ اس نے ہمارے اتارے اوپری لباس گٹھڑ میں باندھے اور وہاں سے رخصت ہو گیا شاید وہ وہ کسی اور سے یہ لباس لے کر آیا تھا۔ لباس بدل کر ہم نے بہت فرق محسوس کیا تھا اب ہمارے سروں پر بھارتی فوج کے اونی ٹوپے بھی غیر اہم ہو گئے تھے اور ہم لباس سے مقامی لگ رہے تھے۔ ان خطرناک وردیوں سے جان چھوٹنے پر مجھے اطمینان ہوا تھا۔

بیتو نے کپڑے پہن کر کہا۔ ''شوبی بھائی ان کپڑوں میں تو ادھر سردی لگ رہا ہے باہر کیا حال ہوگا۔''

''بس یار ہمت سے کام لینا ایک دن میں ہم مزید نیچے جائیں گے تو سردی خود بہ خود کم ہو جائے گی۔''

اتنے میں حکیم حسیب آیا۔ ''تم چلنے کے لیے تیار ہے..... ایک آدمی تمہارے ساتھ جائے گا۔''

''یہ تو اچھی بات ہے کیونکہ ہم یہاں کے راستوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' میں نے کہا۔

حکیم حسیب نے سر ہلایا۔ ''تم ایسے نہیں جا سکتا..... ادھر راستہ بہت خراب ہے۔ وہ ماہر..... آدمی ہے۔''

ہم باہر آئے جہاں اب سورج کی روشنی نمودار ہو چکی تھی اور دو عدد گھوڑوں کے ساتھ ایک مقامی شخص ایک خچر پر سوار ہمارا منتظر تھا۔ حکیم حسیب نے اس کا تعارف کرایا۔ ''حشمت خان..... پر بالکل جاہل ہے..... اردو نہیں سمجھتا۔''

اردو تو صحیح سے حکیم حسیب کو بھی نہیں آتی تھی لیکن وہ کام چلا لیتا تھا۔ حشمت صرف مقامی زبان سمجھتا تھا یا اشاروں کی بین الاقوامی زبان جانتا تھا لیکن روانہ ہونے سے پہلے میں نے بیتو کو ایک طرف لے جا کر سمجھا دیا تھا کہ وہ احتیاطاً کوئی ایسی بات کہنے سے گریز کرے جو ہمارا بھانڈا پھوڑ دے خاص طور سے ماضی کا تو بالکل ذکر نہیں کرنا تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ حشمت خان اردو سے کس حد تک نابلد تھا۔

''میں سمجھ گیا۔'' بیتو بولا۔

حکیم حسیب سے گلے مل کر اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کسی جنگلات کے ٹھیکیدار کی اتنی اہمیت بھی ہو سکتی ہے۔ حکیم حسیب نے صرف اس وجہ سے ہمارے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا تھا۔ ورنہ کم سے کم گھوڑوں اور گائیڈ کا بلا معاوضہ بندوبست ناممکن تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم روانہ ہوئے تو حشمت اپنے خچر پر سوار آگے آگے تھا اور ہم اس کے پیچھے ہلکی رفتار سے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ یہ مقامی نسل کے چھوٹے اور کسی قدر کمزور گھوڑے تھے لیکن چلنے میں ٹھیک ٹھاک تھے اور جب ہم نے گاؤں سے نکل کر ایک راستہ پکڑا تو حشمت نے اپنے خچر کو دوڑانا شروع کر دیا اور ہمیں بھی اس کا ساتھ دینا پڑا تھا۔

یہاں راستے بھول بھلیوں کی طرح تھے اور کبھی ہم کسی پہاڑ پر چڑھ جاتے تھے اور کبھی کسی کھائی میں اتر جاتے۔ اچھے بھلے ایک سیدھے راستے پر چلتے چلتے اچانک کسی گھنے جنگل میں گھس جاتے جہاں درختوں کے نیچے برف تک نہیں ہوتی تھی۔ بہ ظاہر راستے نظر نہیں آ رہے تھے لیکن جب ہم کہیں قریب پہنچتے تو راستہ جیسے خود بہ خود نمودار ہو جاتا تھا۔ حشمت ایک ہوشیار قسم کا دبلا اور تیز نظر آنے والا شخص تھا جو کسی چالاک اور سبک رفتار گلہری کی چابک دستی سے اپنے جانے پہچانے راستے پر تیزی سے سفر کر رہا تھا۔ ہم جس رفتار سے چل رہے تھے ایسا لگ رہا تھا کہ دو دن کا پیدل سفر ہم ایک دن میں طے کر لیں گے لیکن روانگی کے کوئی چار گھنٹے بعد جب حشمت نے ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''گل تری..... گل تری۔''

میں پریشان ہو گیا تھا۔ یہ صرف ایک پہاڑ تھا اور ہمیں قصبے گل تری تک پہنچنا تھا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا اور اسے بتانے کی کوشش کی کہ ہمیں کہاں پہنچنا تھا۔ اس نے جواب میں زور و شور سے سر ہلایا اور اشارے سے ہی بتایا کہ گل تری اصل میں اس پہاڑ کے دوسری طرف ہے اور جب ہم اسے سر کر لیں گے تو گل تری میں داخل ہو جائیں گے۔

''تو پھر چلو۔'' میں نے گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ پہاڑ کسی قدر دشوار تھا ورنہ اب تک ہم نے بہت موزوں اور آسان راستوں پر سفر کیا تھا اور اس کا سارا کریڈٹ گائیڈ حشمت کو جاتا تھا۔ وہ بلا شبہ ان پہاڑوں کا کیڑا تھا اور اسے ایک ایک راستہ زبانی یاد تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کن راستوں سے ہم آسانی سے اور کم وقت میں گل تری تک پہنچ سکتے تھے۔ ایک گھنٹے بعد ہم پہاڑ کے اوپر تھے اور یہاں سے دوسری طرف دور تک پھیلا گل تری کا قصبہ دکھائی دے رہا تھا۔ بازار کھلا تھا اور قصبے میں سرد موسم کے باوجود چہل پہل تھی۔ مجھے ایک دو گاڑیاں بھی نظر آئی تھیں۔ حشمت نے کہا۔

''گل تری۔''

ہم صبح آٹھ بجے روانہ ہوئے تھے اور ایک بجے یہاں پہنچ گئے تھے۔ حشمت نے اشارے سے مجھے بتایا کہ اس نے ہمیں گل تری تک پہنچا دیا تھا اور اب وہ واپس جانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ رات سے پہلے گاؤں واپس پہنچ جاتا۔ میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ اور وہ گھوڑے لے کر رخصت ہو گیا۔ افسوس کہ میرے پاس کچھ تھا نہیں ورنہ میں حشمت کی اس کی خدمت کا صلہ ضرور دیتا۔ اس نے بھی کچھ نہیں مانگا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''سامنے ایک آبادی ہے اور یقیناً تمہیں بھوک لگی ہو گی لیکن افسوس کہ ہماری جیب میں کچھ نہیں ہے۔''

بیتو نے کہا۔ ''بھوک سے تو برا حال ہے لگتا ہے صبح ناشتہ کیا ہی نہیں تھا۔''

ہم نیچے اترنے لگے۔ گل تری ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور ایک زمانے میں اس کی اہمیت تھی لیکن اب اس کی اہمیت ختم ہو چکی تھی۔ سرکاری اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے یہاں اب زیادہ تر مقامی لوگ بستے ہیں۔ بازار میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ چہل پہل نہیں تھی اور اس کی وجہ سردی تھی۔ یہاں شاید ایک دو دن پہلے ہی برف باری ہوئی تھی اور سرد ہواؤں کا ہلکا سا اثر ابھی محسوس ہو رہا تھا۔ شمال میں جب برف باری کے بعد ہوا چلتی ہے تو سردی قیامت کی ہو جاتی ہے۔ ایسے میں کوئی باہر نہیں نکلتا ہے اور بیرونی سرگرمیاں اگلی برف باری تک کے وقفے میں ہوتی ہیں۔

ہم مقامی حلیے میں تھے اور چہرے سے بھی مقامی لگ رہے تھے اس لیے کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی تھی۔ بازار میں میری توجہ خان ہوٹل کے بورڈ نے اپنی طرف مبذول کرائی۔ میں نے بیتو کا ہاتھ تھاما اور اس ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔ بیتو نے بوکھلا کر مجھے روکنا چاہا۔ ''شوبی بھائی کیا کرتا ہے ہمارے پاس ادائیگی کا پیسہ کدھر ہے۔''

''یار آؤ میرے ساتھ۔'' میں نے کہا اور لکڑی کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ ایک طرف چھوٹے سے کاؤنٹر پر ایک پستہ قد آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے ہماری طرف دیکھا لیکن توجہ اس وقت دی جب ہم کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔

''کھانے کے لیے ادھر بیٹھو۔'' اس نے پشتو زدہ لہجے میں کہا۔

''یار اہم ادھر کھانا بھی کھائے گا۔'' میں نے بھی پشتو میں جواب دیا۔ ''لیکن پہلے ایک کام کرنا ہے۔''

وہ اپنی زبان سن کر خوش ہو گیا تھا۔ ''تم بھی خان ہے۔''

اس کی بات پر مجھے فتح خان یاد آ گیا جو اکثر مجھے شہباز خان کہتا تھا۔ میں نے گول مول انداز میں کہا۔ ''ایسا ہی سمجھ لو خان..... میرا نام شہباز ہے۔''

''ہم گل خان ہے۔'' اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر گلے لگ گیا۔ اس نے بیتو سے بھی ہاتھ ملایا اور ہم کو ایک الگ چھوٹے سے کمرے میں لے آیا۔ اس کے لیے خان ہونا بہت اہم بات تھی اور ہمارے ساتھ اس کے اچھے رویے کی وجہ یہی تھی۔ خیر یہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں ہے ہر شخص کو اپنا ہم قوم اچھا لگتا ہے۔ جس میں تقریباً کمرے کی سائز کی چارپائی بچھی تھی اور اس پر دبیز غالیچہ تھا۔ اس نے ہمیں یہاں بٹھایا اور کسی کو مقامی زبان میں کچھ کہا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوا۔ ''کہو یار اکیا بات ہے۔ تم ہمارا ہم وطن ہے۔''

کیونکہ وہ مجھے پٹھان اور ہم وطن سمجھ کر دل و جان سے تعاون پر آمادہ تھا اس لیے میں نے تردید کی حماقت نہیں کی کہ میں نہ تو اس کا ہم وطن تھا اور نہ پٹھان تھا۔ کچھ عجب نہیں تھا کہ اسے معلوم ہو جاتا کہ فتح خان نامی ایک خالص پٹھان میرا دشمن تھا تو وہ بھی دشمن بن جاتا۔ میں نے اسے بھی وہی کہانی سنا دی جو حکیم حسیب کو سنائی تھی۔

''بات یہ ہے کہ ہم ادھر آئے تھے۔ جنگل کا ٹھیکہ لینے لیکن راستے میں ڈاکو مل گئے۔ انہوں نے جیپ اور روپیہ پیسہ سب چھین لیا۔''

گل خان نے حیرت سے دیکھا۔ ''ادھر ڈاکو..... پر یہاں تو سب بہت شریف لوگ ہیں۔''

''ڈاکو باہر سے آئے تھے بلکہ ہمارے دشمن ہیں ہمیں ٹھیکہ لینے سے روکنا چاہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارا پیچھا کرتے آئے تھے اور لوٹ کر چلے گئے۔''

''ان کے باپ کا.....'' گل خان جوش میں آ گیا۔ ''ہم دیکھے گا وہ کیسے روکتا ہے۔''

''ابھی تو وہ واپس چلے گئے ہیں ان کا خیال تھا کہ ہم سردی اور بھوک سے فوت ہو جائیں گے۔'' میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا جوش ٹھنڈا کیا۔ ''بعد میں جب آئیں تو بے شک مت چھوڑنا۔''

''غلطی تمہارا بھی ہے دشمن رکھتا ہے اور اسلحہ نہیں رکھتا۔''

''نہیں پستول تھا۔'' میں نے اسے پستول نکال کر دکھایا۔ ''شکر ہے اس پر ان کا نظر نہیں پڑا ورنہ یہ بھی لے جاتے۔''

اس لطیفے پر گل خان نے مسکرانے کے بجائے عجیب سی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کیسا احمق آدمی ہے پستول ہوتے ہوئے بھی لٹ گیا۔ میں نے مذاق ختم کر کے وضاحت کی کہ دشمن کلاشنکوف سے مسلح تھے اور تین تھے ان کے سامنے یہ ننھا سا پستول کیا کرتا۔ ہاں اسے استعمال کرنے کی کوشش میں ہم مارے جاتے۔ ویسے انہوں نے اتنی تیزی سے کام کیا تھا کہ ہم کچھ بھی نہ کر سکے ایک منٹ کے اندر وہ گاڑی اور رقم چھین کر جا چکے تھے۔ اب گل خان نے افسوس کیا۔

''ان پر خدا کا لعنت ہو۔''

''آمین..... لیکن خان صرف لعنت کرنے سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کہا اب وہ ادھر آیا تو ہم تمہارے ساتھ اس سے لڑے گا اور اسے جہنم رسید کر دے گا۔''

''ایک بار پھر آمین..... پر خان مسئلہ فوری ہے ہمیں واپس جانا ہے۔''

''تم واپس جا سکتا ہے ابھی راستہ کھلا ہے۔''

''لیکن واپس جانے کے لیے رقم ضروری ہے اور ہماری ساری رقم ڈاکو لے گئے ہیں اب ہم بالکل خالی ہیں۔''

یہ سن کر گل خان کا جوش خاصی حد تک ٹھنڈا پڑ گیا کیونکہ کسی کے شانہ بشانہ جان دینا الگ بات ہے لیکن رقم دینا ایک الگ چیز ہے۔ اس نے جلدی سے کہا۔ ''وہ ٹھیک ہے پر یارا آج کل حالات بہت ٹائٹ ہیں۔''

''کوئی بات گل خان ہمیں بھی بس اتنی رقم کی ضرورت ہے کہ اپنے گھر پہنچ جائیں۔''

گل خان کی ہم وطنی بھی اب ماند پڑ گئی تھی۔ اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''خو یارا ہم کیسے بتائے ادھر ابھی کام بہت کم ہے۔''

''خان میں تم سے قرض نہیں مانگ رہا ہوں۔'' میں نے اس کا انداز محسوس کر کے اپنا لہجہ بدل لیا۔ ''تم یہ پستول خرید لو۔''

''اچھا۔'' اس کے لہجے میں اشتیاق آ گیا تھا۔ ''کتنے کا دے گا؟''

''دیکھ لو اصل امریکن پستول ہے..... مارکیٹ میں ڈیڑھ لاکھ سے اوپر کا ہے۔''

اس کا منہ لٹک گیا تھا۔ ''ڈیڑھ لاکھ..... اتنا تو ہم نہیں دے سکتا۔''

''تو یہاں کوئی اور خرید سکتا ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''اصل چیز ہے لوگ تو اس کے پیچھے مرتا ہے۔''

گل خان کو جب میں نے پستول دکھایا تھا تب ہی اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی اسے پستول پسند آیا تھا۔ میں نے اسی وجہ سے اسے پستول فروخت کرنے کی پیش کش کی تھی۔ میں نے انداز ایسا رکھا تھا کہ میں اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قیمتی پستول کو کم قیمت پر فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کسی اور خریدار کے نام پر گل خان کے چہرے پر مایوسی آ گئی تھی۔

''ادھر کوئی اور خریدار کہاں ملے گا۔''

''کیوں نہیں ملے گا جیسے تم مل گیا اس طرح اور بھی مل جائے گا۔'' میں نے کہا اور پستول واپس بیلٹ میں لگا لیا۔ اس دوران میں ایک لڑکا تھال میں قہوے کی پیالیاں لے آیا تھا۔ گل خان نے ہمیں قہوہ دیا جب کہ ہمیں بھوک لگ رہی تھی۔ ہم وطن سے محبت اپنی جگہ لیکن کاروبار اپنی جگہ تھا اس لیے اس نے کھانے کے وقت قہوہ منگوایا تھا۔ گل خان سوچ میں پڑا ہوا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پستول حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ قہوہ ختم کر کے اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

''ہم اسے لینا چاہتا ہے لیکن ہم اتنی قیمت نہیں دے سکتا۔''

''تم کتنی قیمت دے سکتا ہے؟''

''ہم اس کے پچاس ہزار دے سکتا ہے۔''

میں اچھل پڑا تھا۔ ''گل خان اپنی عقل کو ہاتھ مارو یارا..... ڈیڑھ لاکھ کا چیز تم پچاس ہزار میں مانگ رہا ہے۔''

''میرے پاس سے زیادہ رقم نہیں ہے۔''

میں نے اس سے بحث کی اور معاملہ بالآخر ستر ہزار پر طے پا گیا۔ میرے لیے تو پچاس بھی کافی تھے لیکن میں اسے یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں ہر قیمت پر پستول بیچنا چاہ رہا ہوں۔ معاملہ طے ہونے کے بعد میں نے اس کے ہوٹل کی سب سے بہترین ڈش کا آرڈر دیا۔ یہ بھنا ہوا مرغ تھا اس کے ساتھ تندوری نان تھے۔ کھانا آیا تو ہم نے ڈٹ کر کھایا۔ اور گل خان سے کہا کہ وہ بل رقم سے کاٹ لے۔ ساتھ ہی اسے اگلے دن کسی گاڑی کا بندوبست کرنے کو کہا۔ گل خان پستول ابھی لینے کے چکر میں تھا۔ اس نے مطالبہ کیا۔

''ٹھیک ہے سودا طے ہو گیا ہے اب تم پستول میرے کو دے دو۔''

لیکن میں نے انکار کر دیا۔ ''گل خان اصول کی بات ہے اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے۔''

''تم کو ہم پر اعتبار نہیں ہے؟'' اس نے کسی قدر خفگی سے پوچھا۔

''بات اعتبار کی نہیں اصول کی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم کاروبار کرتا ہے اور تم کو اچھی طرح پتا ہے اصول کیا ہوتا ہے۔''

بادلِ ناخواستہ گل خان نے میری بات مانی۔ اس کے جاتے ہی بیتو نے مجھ سے سرگوشی میں کہا۔ ''شوبی بھائی اس پر اعتبار مت کرنا اس کی آنکھوں میں شرارت ہے۔''

''تم فکر مت کرو، میں ایسے شرارتی لوگوں سے نمٹنا جانتا ہوں۔'' میں نے بیتو کو تسلی دی۔ ویسے یہ بات میں نے بھی محسوس کی تھی۔ وہ ایسا شخص تھا جو دولت کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس کے پاس چند ہزار نہیں تھے اور اب وہ ستر ہزار کا پستول خریدنے کو تیار ہو گیا تھا۔ وہ یہ ستر ہزار بچانے کے لیے کوئی شرارت بھی کر سکتا تھا۔ بیتو صحیح کہہ رہا تھا ہمیں بہت ہوشیار رہنا تھا۔ کھانے کے بعد بیتو نے سرہانے رکھا کمبل لیا اور وہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چارپائی پر دراز ہو گیا اور خراٹے لینے لگا تھا۔ میں جاگ رہا تھا۔ میں نے اپنے اوپر کمبل ڈال لیا اور اپنے آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنے لگا۔

گزشتہ کئی مہینے سے ایک مسلسل بھاگ دوڑ والی زندگی گزر رہی تھی۔ جب فتح خان سے بچنے کے لیے میں نے ایک خشک نہر کا راستہ اختیار کیا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں انڈیا پہنچ جاؤں گا اور وہاں اتنے طویل عرصے تک رہوں گا۔ صرف رہوا گا نہیں بلکہ میری ذات ہنگاموں کا مرکز بن جائے گی۔ بے شمار کردار ملیں گے اور پھر بچھڑ جائیں گے۔ ان میں صرف ایک شخص ایسا تھا جو اب میرے ساتھ تھا۔ اس نے زندگی اور موت کے ہر مرحلے میں پوری استقامت اور خلوص سے میرا ساتھ دیا تھا۔ وہ نہ میرا ہم وطن تھا اور نہ ہم مذہب تھا لیکن اب جیسے میرے وجود کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ یہ بیتو تھا۔ یوں تو سادھنا بھی تھی لیکن وہ لڑکی تھی اور اس نے میرا ساتھ نہیں چنا تھا بلکہ وسیم کو چن لیا تھا اور اب یقیناً اس کے ساتھ ایک پُرسکون زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ وسیم اس سے شادی کر کے پُرسکون ازدواجی زندگی بسر کرے۔

میری ذات سے وابستہ جھگڑے صرف میرے لیے تھے اور ان لوگوں کا ان جھگڑوں سے براہِ راست تعلق نہیں تھا۔ اگر یہ لوگ صرف میری حوصلہ افزائی بھی کرتے تو میں اکیلا بہت ساری چیزوں کا سامنا کر سکتا۔ میں نے محسوس کیا کہ وطن واپسی کے بعد بھی میرے لیے کوئی آسانی نہیں ہو گی۔ میرے خلاف مقدمات بدستور قائم تھے اور ان میں مزید کیا اضافہ ہوا تھا۔ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ عدالتوں نے میری عدم موجودگی میں میرے خلاف کوئی فیصلہ دے دیا تو میں بہت مشکل میں پڑ جاتا۔ گرفتاری میں دے نہیں سکتا تھا۔ ورنہ مرشد کے پالتو پولیس افسران مجھے ان کاؤنٹر بھی کر سکتے تھے۔ مرشد ان دنوں اس وقت کے حکمران کی پارٹی میں شامل ہو گیا تھا اور اب وہ سرکاری بیل تھا جو ہر قانون اور قاعدے سے ماورا تھا۔ اس کا سامنا کرنا پہلے سے زیادہ مشکل تھا اور میں اپنے ساتھیوں کو اس مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

میرے ساتھ جتنے کم لوگ ہوتے میں اتنی ہی آسانی سے مرشد کا سامنا کر سکتا تھا۔ میرے دوست مجھ سے الگ نہیں ہو سکتے تھے لیکن اگر وہ پس پردہ رہ کر میری مدد کرتے تو یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔ بہ نسبت اس کے وہ میدانِ عمل میں میرے ساتھ آتے اور ان پر بھی میرے دشمنوں کو کیس بنانے کا موقع ملتا۔ مجھے سوچوں میں کھوئے ہوئے آدھا گھنٹہ ہی نہیں ہوا تھا۔ بیتو نیند پوری کر کے اٹھ گیا اور اس نے مجھے ہلایا۔ ''شوبی بھائی کیا سوچتا ہے۔''

''کچھ نہیں یار تمہاری نیند پوری ہو گئی؟''

''ہاں اب آپ سو جاؤ ہم جاگتا ہے ہم میں سے ایک کا جاگنا بہت ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور لیٹ گیا۔ ذرا دیر بعد میں سو گیا تھا۔ مجھے بیتو نے کوئی دس بجے اٹھایا۔ وہ کھانا کھا چکا تھا۔ اس نے مجھے بتایا۔ ''ہم نے کھانا آٹھ بجے کھا لیا تھا۔''

میں نے انگڑائی لی۔ ''تو مجھے کیوں نہیں اٹھایا؟''

''ہم نے سوچا پہلے ہم کھانا کھائے گا اور آپ کا بول دیا کہ آپ گیارہ بجے کھاتا ہے۔''

میں سمجھ گیا کہ بیتو کا مقصد کیا تھا۔ وہ گل خان پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ کھانے میں کچھ ملا سکتا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لیے بیتو نے الگ الگ کھانے کی حکمت عملی اپنائی تا کہ وہ کوئی شرارت نہ کر سکے۔ میں نے بیتو کی پیٹھ تھپکی۔

''منے تم سیانے ہوتے جا رہے ہو۔''

وہ ہنسا۔''سب آپ لوگوں سے سیکھا ہے۔''

اب میں نے کھانے کا کہا۔ کھانا بنانے والا ملازم کب کا سو چکا تھا۔ یہاں تو لوگ گرمیوں میں بھی شام ڈھلے سو جانے کے عادی تھے۔ یہ تو سردی کا موسم تھا۔ گل خان نے اسے اٹھایا تو وہ جز بز ہوا تھا اس نے بادلِ ناخواستہ میرے لیے کھانا گرم کیا اور سامنے پٹخ کر پھر سونے کے لیے چلا گیا۔ جب تک میں کھانا کھاتا رہا بیتو مجھے اس دوران کی رُوداد سناتا رہا جب میں سو رہا تھا۔ وہ باہر بھی گیا۔ اس نے کہا۔

''یہ گل خان کسی چکر میں ہے کئی بار ہوٹل کے باہر گیا اور یوں گیا کہ ہمیں اس کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہو۔ میں نے کاؤنٹر خالی دیکھ کر پوچھا تو معلوم ہوا وہ کسی کام سے گیا۔''

''ممکن ہے سچ مچ کسی کام سے گیا ہو۔'' میں نے پانی پیا۔

''لیکن میرا چھٹا حس کہتا ہے وہ کسی چکر میں ہے۔''

''ہو گا یار اب سو جاؤ میں تمہیں چار گھنٹے بعد جگا دوں گا۔ ہم صبح سویرے یہاں سے نکل جائیں گے۔''

بیتو لیٹ گیا اور پھر سو گیا۔ میں جاگ رہا تھا۔ پیٹ بھر کر کھانے کا خمار چڑھ رہا تھا لیکن میں جاگتا رہا۔ اگر نیند کا غلبہ زیادہ ہونے لگتا تو میں باہر نکل کر ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں ٹہلنے لگتا تھا اور اس دوران میں مجھے اپنے گوڈے گٹے کرسیوں اور میزوں سے بچانے پڑتے تھے کیونکہ وہاں گنجائش بالکل نہیں تھی۔ وقت بہت سُستی سے رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ ہوٹل میں روشنی مٹی کے تیل کے لیمپ سے ہوتی تھی اور اس وقت ایک چھوٹا سا لیمپ روشن تھا۔ ایک ایسا ہی لیمپ ہمارے کمرے میں تھا۔ ڈائننگ ہال میں ایک سستی سی وال کلاک لگی تھی جس سے وقت کا پتا چل رہا تھا۔ چار بجے کے قریب میں کمرے میں آیا تا کہ بیتو کو جگا دوں اور خود سو جاؤں لیکن اسی وقت مجھے ہوٹل کے باہر سے کسی طاقتور انجن والی گاڑی کی آواز آئی اور پھر کوئی دروازہ بند کر کے گاڑی سے اتر آیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے دو آدمی آپس میں بات کر رہے ہوں۔ میں دبے قدموں ہال میں نکل آیا اور داخلی دروازے کے پاس آ کر کان لگائے۔ گل خان کسی سے بات کر رہا تھا پھر میں نے ایک آواز سنی۔

''تم کو یقین ہے یہ وہی ہے۔''

اس آواز کو سن کر میری رگوں میں کون سنسنا اٹھا تھا۔ یہ آواز میں لاکھوں میں الگ سے شناخت کر سکتا تھا۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے بے ساختہ پستول نکال لیا اور آنے والے کے استقبال کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ گل خان کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا اور اس نے اندر قدم رکھا میں نے پستول اس کے سر پر رکھ دیا۔ وہ یک دم ساکت ہو گیا تھا پھر اس نے سر گھما کر مجھے دیکھا اور لیمپ کی ہلکی روشنی میں بھی فوراً پہچان گیا تھا۔ ''شہباز خان۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں فتح خان..... میں شہباز ملک۔'' میں نے تلخ لہجہ میں کہا۔

''ہم نے ٹھیک کہا تھا نا۔'' گل خان خوش ہو کر بولا۔ ''یہ وہی ہے۔''

''تم مجھے کیسے جانتے ہو۔'' میں نے گل خان کو بھی گریبان سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

گل خان سہم گیا اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''فتح خان نے بتایا تھا۔ اس نے تمہارا تصویر بھی دکھایا۔''

''تم اس کے جاننے والے ہو؟'' میں نے گل خان کو گھورا۔

''یہ کل تمہارے آنے سے پہلے ادھر آیا تھا۔'' گل خان نے وضاحت کی۔ ''ہم پہلی بار اس سے ملا ہے۔''

''اب تم دوں میں قربت ہو جائے گی جب تم دونوں کی قبریں ایک ساتھ بنیں گی۔'' میں نے کہا۔

''شہباز خان..... خود کو ٹھنڈا کرو میں لڑنے کا واسطے نہیں تمہاری مدد کا واسطے آیا ہے۔''

''میں اور تم سے مدد لوں۔'' میں نے بھڑک کر فتح خان کی کنپٹی پر پستول کا دستہ رسید کیا۔ وہ کراہ کر جھکا تھا۔ میں نے اسے ایک کرسی پر دھکیل دیا۔ پھر میں نے گل خان کی طرف دیکھا۔ ''تم سے میں بعد میں نمٹوں گا ابھی تو تم شرافت سے ہاتھ اوپر کر کے ادھر دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔'' میں نے حکم دیا اور گل خان نے سعادت مندی سے اس کی تعمیل کی تھی۔ میں نے ایک جگ میں بچا پانی فتح خان کے منہ پر پھینکا اور وہ بلبلا گیا تھا۔ پانی بہت ہی ٹھنڈا تھا۔

''یہ کیا کرتا ہے؟''

''تمہارا باقاعدہ غسل میت تو شاید ہی ہو اس لیے اسے ہی اپنا آخری غسل سمجھو۔'' میں نے کہا اور اس کی جیکٹ کا کالر پکڑ کر پوچھا۔ ''فتح خان تمہیں میرے بارے میں کس نے بتایا ہے اور تم مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں کیسے آئے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس نے بتایا ہے۔'' اس نے گل خان کی طرف اشارہ کیا۔

''بکومت..... ہم پندرہ گھنٹے پہلے یہاں آئے ہیں اور تمہیں اطلاع ملی تو تم اتنی جلدی دوڑے آئے۔ نہیں تم پہلے سے یہاں تھے اور ہماری خاطر تھے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا سوال یہ ہے کہ تم کو کس نے بتایا کہ میں یہاں ہو سکتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں مانتا ہے کہ میں تمہاری تلاش میں ادھر آیا لیکن میرا کوئی برا ارادہ نہیں ہے۔''

میں طنزیہ انداز میں ہنسا۔ ''کوئی بھیڑیا کہے کہ میرا کسی بھیڑ کے بارے میں برا ارادہ نہیں ہے تو میں مان جاؤں گا لیکن تمہاری بات کا میں مر کر بھی یقین نہیں کر سکتا فتح خان میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''نہیں میری بات کا یقین کرو۔ میں تمہیں تلاش کر رہا ہوں اس سے پہلے کہ مرشد علی کے آدمی تم تک پہنچ جائیں۔''

میں چونکا۔ ''مرشد..... اس کے آدمی میری تلاش میں ہیں؟''

فتح خان نے سر ہلایا۔ ''ہاں اس کو پتا چل گیا ہے کہ تم ادھر کہیں ہے۔''

''لیکن کیسے؟''

''یہ ہم نہیں جانتا..... لیکن یہ بات ہمیں کل رات معلوم ہوئی اور ہم مظفر آباد کے راستے ادھر روانہ ہو گیا۔''

فتح خان بہت شریفانہ انداز میں بات کر رہا تھا اور اس نے اب تک کسی قسم کی مزاحمت بھی نہیں کی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے رام کرنے کا تہیہ کر کے آیا ہو۔ میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''کیوں کیا میں تمہارے چاچے کا پتر لگتا ہوں؟ جو تم میری فکر میں یہاں دوڑے آئے؟''

فتح خان خاموش رہا۔ وہ عیار آدمی بول کر پھنسنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ خاموش رہ کر اپنا کام نکالنا جانتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اب بھی ڈیوڈ شا کے لیے کام کر رہا تھا۔ یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی جب میں نے اسے نیپال اور بھارت کی سرحد پر آزاد کیا تھا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔ میں نے اسے وعدہ یاد دلایا۔ ''تم نے کہا تھا کہ اب تم میرا پیچھا نہیں کرو گے۔''

''وہ نیپال کی حد تک تھا۔'' فتح خان بولا۔ ''اب ادھر دوسرا جگہ ہے اور پھر میں تمہاری مدد کے لیے آیا ہے۔''

''اچھا تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟''

''سب سے پہلے میں تم کو یہاں سے نکال کر لے جاتا تا کہ مرشد علی کے آدمی تم تک نہ پہنچ سکیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے میں خود بھی ان سے بچ سکتا ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں بچ سکتے..... ان کو پولیس کی مدد بھی حاصل ہے وہ بھی تمہیں تلاش کر رہا ہے اور جب تم ملے گا تم کو مرشد کے آدمیوں کے حوالے کر دے گا۔''

''اگر میں پکڑا جاتا ہوں اور مجھے مرشد کے آدمیوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے تب بھی تمہارا کیا نقصان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟''

''میں نہیں چاہتا کہ تم مرشد کے ہاتھ لگے وہ تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں نے مان لیا تم مجھے مرشد سے بچانے کا عظیم مشن لے کر یہاں آئے ہو لیکن میرا سوال اب بھی وہی ہے۔ تم یہ تکلیف کیوں اٹھا رہے ہو جب کہ میں تمہارا دشمن ہوں۔''

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا تھا۔ شاید وہ اس سوال کا جواب دینا ہی نہیں چاہتا تھا اور مجھے کسی حد تک اس کا جواب معلوم تھا۔ باقاعدہ تفتیش کا نہ وقت تھا اور نہ موقع اس لیے میں نے موضوع بدل دیا۔ ''مرشد کو کیسے پتا چلا کہ میں اس علاقے میں ہوں؟''

''مجھے صحیح سے نہیں معلوم لیکن سنا ہے کہ اسے انڈیا سے اطلاع ملا ہے۔''

میں چونک گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ انڈیا والے جان گئے تھے کہ ہیلی کاپٹر میں نے اغوا کیا تھا اور اس میں سرحد پار کر گیا تھا مجھے ان کی پھرتی پر حیرت تھی انہوں نے اتنی تیزی سے یہ بات جان لی تھی لیکن مرشد کے علم یہ بات کہاں سے آئی۔ وہ ان دنوں حکومت میں شامل تھا اور اگر انڈیا کی طرف سے میرے بارے میں کوئی باضابطہ شکایت کی گئی تھی تو وہ اس کے علم میں آ سکتی تھی۔

''مرشد کو یہ بات سرکاری ذرائع سے معلوم ہو گئی۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن فتح خان تمہارے علم میں یہ بات کہاں سے آئی؟''

''میرے اپنے ذرائع ہیں۔'' اس نے گول مول انداز میں کہا۔ ''میں تم کو ادھر سے لے جا سکتا ہے اور مرشد سے چھپا کر رکھ سکتا ہے۔''

''یہ کام تو میں خود بھی کر سکتا ہوں اس کے لیے مجھے تمہارا احسان لینے کی کیا ضرورت ہے؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ ''تم نہیں بچ سکتا..... ابھی یہاں سے اسلام آباد تک ہر جگہ پولیس اور مرشد کا آدمی تم کو تلاش کرتا ہے۔ تم ہر جگہ نہیں بچ سکتا ہے۔''

''فتح خان کیا یہ تلاش اس سے بھی بڑی ہے جو انڈیا میں جاری تھی؟'' میں نے پوچھا تو فتح خان جھینپ گیا تھا۔

''وہ اور بات تھا۔''

''بات ایک ہی ہے مارنے والے سے بچانے والے کی ذات بڑی ہے اور میں نے اس ذات پر بھروسہ کیا ہے۔ مجھے تمہاری یا تم جیسے کسی شیطان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تم مرشد سے نہیں بچ سکے گا۔'' اس نے مجھے ڈرانے کی کوشش کی۔ ''تم اس کے ہاتھ آ گیا تو اس بار وہ تمہیں نہیں بخشے گا۔''

''اگر ایسا ہے تو بھی تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔ ''باہر جو گاڑی رکی ہے اس پر کیا تم آئے ہو؟''

''ہاں وہ ہمارا بجیرو ہے۔'' اس نے کہا۔

''بس تو ہم تمہارے ساتھ چل رہے ہیں۔'' میں نے کہا پھر مجھے خیال آیا۔ ''ہمارے بارے میں تمہیں گل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان نے اطلاع کی تھی؟"

"ہاں اس نے بتایا تھا۔" فتح خان بولا۔

"کیسے..... میرا مطلب ہے اس نے رابطہ کیسے کیا؟"

"میں زیادہ دور نہیں تھا اس نے آدمی بھیج کر اطلاع کر دیا۔"

"اب یہ میری تلاش میں سرگرداں مرشد کے آدمیوں کو بھی اطلاع دے سکتا ہے۔"

"یہ نہیں دے گا۔" فتح خان نے یقین سے کہا۔ "یہ میرے بارے میں جانتا ہے۔"

"پھر بھی اسے اپنی زبان میں سمجھا دو کہ یہ ہمارے جانے کے بعد آرام سے بیٹھے اور بلاوجہ کسی سے رابطہ کرنے سے گریز کرے۔"

فتح خان نے گل خان کو سمجھا دیا کہ اسے کیا کرنا تھا اور کیا نہ کرنا اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے میں نے گل خان سے کہا کہ وہ اپنے باورچی کو بیدار کرے اور اسے ناشتہ بنانے کا حکم دے کیونکہ ہم روشنی ہوتے ہی روانہ ہو جاتے۔ گل خان نے اپنے تنک مزاج باورچی کو اٹھایا اور وہ بھنبھناتا ہوا چولہے اور برتنوں کے ساتھ لگ گیا۔ میں نے فتح خان کی تلاشی لے کر اس کے پاس سے ایک عدد ماؤزر برآمد کر لیا تھا۔ اس نے اس پر بھی کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی وہ مسلح تھا اور اس کے باوجود اتنی شرافت سے پیش آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"شہباز خان میں قسم کھاتا ہے ابھی میں تمہارا دشمن نہیں ہے۔ ایک بار میں تیرے کو محفوظ جگہ پہنچا دے پھر اپنا حساب کتاب ہوگا۔"

"میرا خیال ہے تم نے میری قبر کے لیے جگہ منتخب کر لی ہے اور مجھے وہیں لے جانے آئے ہو۔" میں نے ماؤزر جیب میں رکھ لیا اور بلند آواز سے بیتو کو پکارا۔ "اٹھ جا ذرا خوردار دیکھو کتنے بڑے لوگ ہمیں خود لینے آئے ہیں۔"

چند لمحے بعد بیتو آنکھیں ملتا ہوا نمودار ہوا اور فتح خان کو دیکھ کر ساکت ہو گیا پھر اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ "شوبی بھائی ہم جاگ گیا ہے یا کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ ہم کو فتح خان کا منحوس صورت نظر آ رہا ہے۔"

"یہ خواب نہیں عزت مآب فتح خان خود ہیں۔"

"یہ کیسے یہاں تک آ گیا؟"

"وہ کہتے ہیں نا جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے آج کل گیدڑ جنگل کا رخ کرتے ہیں۔"

فتح خان کی صورت بتا رہی تھی کہ وہ خون کے گھونٹ پی رہا ہے۔ اس نے کہا۔ "دیکھو شہباز خان تم بے شک میرے کو قتل کر دو پر ایسا بے عزت مت کرو۔"

میں سنجیدہ ہو گیا۔ "اوہ ہاں میں بھول گیا تھا کہ تم ملک کی چند قابل احترام شخصیات میں سے ہو۔ خیر اس موضوع کو چھوڑ دیہ بتاؤ کہ ہم تمہارے ساتھ سفر کریں تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا۔"

"میں خود تمہیں لینے آیا تھا۔ یہاں سے کچھ دور میرے ساتھی موجود ہیں ان کے ساتھ ہم بحفاظت اسلام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آباد پہنچ جائیں گے۔"

میں چونکا۔ "اسلام آباد کیوں؟"

"تمہارے لیے وہیں ایک جگہ منتخب کی ہے جہاں نہ تو مرشد علی کی رسائی ہے اور نہ پولیس کی۔"

"لیکن تمہاری رسائی تو ہوگی اور یہ بھی کم خطرناک بات نہیں ہے۔"

"میں نے کہا نا میں ابھی تمہارا دوست ہوں اور....."

"فتح خان کیا تم مجھے بے وقوف یا مجبور سمجھ رہے ہو جو میں تمہاری بات پر اعتبار کرلوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "میرے لیے تم دشمن ہو اور میں تم سے ہمیشہ ہوشیار رہوں گا اس لیے بھول جاؤ کہ میں تم پر اعتبار کروں گا یا تمہارے پلان کے مطابق چلوں گا۔"

"تمہارا مرضی۔" اس نے بھنا کر کہا اور خاموش ہوگیا۔ اس دوران میں گل خان کے نک چڑھے باورچی نے بک بک پر گل خان کے ہاتھوں ایک زبردست تھپڑ کھانے کے بعد خاموشی سے ناشتہ تیار کردیا تھا اور میز پر لگا رہا تھا۔ ہم سب ایک ہی میز پر آ گئے اور ناشتہ کیا۔ گل خان ایک طرف بیٹھا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ہم اس قدر خطرناک لوگ نکلیں گے۔ اس نے ہمیں پکڑوانے کے لیے فتح خان کو بلایا تھا اور ہم نے اسے پکڑ لیا تھا اور زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ ہمارے سامنے سنسنا رہا تھا۔ ناشتے کے بعد میں نے گل خان سے کہا۔ "ستر ہزار روپے لاؤ۔"

فتح خان چونکا۔ "ستر ہزار کس لیے؟"

"یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔" میں نے کہا اور گل خان کی طرف دیکھا۔ "تم نے سنا نہیں۔"

وہ بے یقینی میں تھا۔ "تم پستول بیچ رہا ہے۔"

"ہاں اب مجھے یہ بھی مل گیا ہے۔" میں نے اسے فتح خان کا ماؤزر دکھایا۔ "دو دو پستول کیا کریں گے۔"

گل خان پریشان ہوگیا تھا اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہمارے سامنے فتح خان بھی مجبور تھا اور اس کی تو کوئی اوقات نہیں تھی اگر ہم ستر ہزار لے کر بھی اسے پستول نہ دیتے تو وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر وہ انکار کرتے ہوئے بھی ڈرا اس صورت میں ممکن تھا ہم اس کی تمام جمع پونجی نکلوانے پر تل جاتے۔ یقیناً اس کے پاس اس سے زیادہ رقم تھی۔ بادلِ ناخواستہ وہ اندر کہیں گیا اور چند منٹ بعد آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ہزار کے نوٹوں کی ایک چھوٹی سے گڈی تھی وہ اس نے میری طرف بڑھادی۔

"اب لاؤ پستول دو۔"

"اتنی جلدی کیا ہے گل خانا۔" میں نے کہا اور گڈی فتح خان کی طرف بڑھادی۔ "ذرا اسے گننا..... رقم پوری ہے۔"

فتح خان رقم گننے لگا اور میں نے ماؤزر بیتو کو تھمادیا۔ فتح خان نے سر ہلایا۔ "پورے ستر ہزار ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پستول ان لوڈ کیا اور اس کا میگزین نکال دیا۔ پھر میگزین سے گولیاں بھی نکال دیں اور پستول گل خان کو تھمادیا۔ وہ خوش ہوگیا کیونکہ شاید اسے بالکل بھی توقع نہیں تھی کہ میں اسے پستول دوں گا۔ میں نے فتح خان سے چلنے کو کہا۔ ہم باہر آئے۔ جہاں فتح خان کی پجیرو کھڑی تھی۔ میں نے پہلے اس کی تلاشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لی اور حسبِ توقع مجھے ڈیش بورڈ کے خانے میں ایک پستول مل گیا تھا اور عقبی نشست کے نیچے ایک چھوٹی کلاشنا گن بھی ملی تھی۔ فتح خان ایسا آدمی تھا جو ہاتھ روم جاتے ہوئے بھی پوری طرح مسلح ہونے کا قائل تھا۔

فتح خان یہ سب دیکھ رہا تھا اور غصے سے ہونٹ چبا رہا تھا۔ بیتو عقبی نشست پر آ گیا جب کہ میں فتح خان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ اسے کرنی تھی۔ اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور دھیمے لہجے میں بولا۔ ''یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو شہباز خان۔''

''خدا کے لیے۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔ ''یہ شہباز خان کی تکرار بند کرو اور جہاں تک میرے کچھ کرنے کا تعلق ہے تو میرا کیا میرے دشمنوں کو کبھی پسند نہیں آیا اور ظاہر ہے تم کو بھی پسند نہیں آئے گا۔''

اس نے جیپ آگے بڑھا۔ یہ مٹسوبشی کی شاندار گاڑی ہے جو پہاڑی راستوں پر سفر کرنے کے لیے بہترین ہے لیکن یہ گاڑی کچھ عرصے پہلے تک ہمارے ہاں دولت کا اسٹیٹ سمبل بنی ہوئی تھی۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے اور گل تری سے نکلتے ہی خراب راستہ شروع ہو گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس موسم کے باوجود یہ جیپ ہمیں پندرہ گھنٹے میں مظفر آباد کے راستے اسلام آباد پہنچا دے گی۔ فتح خان سمجھ گیا تھا کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گا اس لیے اب وہ خاموش تھا۔ ویسے بھی اس نے خود پنگا لیا تھا۔ میں نے اسے نہیں بلایا تھا۔ کوئی ایک گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد ایک سڑک آ گئی اور اس کے بعد سفر ذرا تیز رفتار ہو گیا تھا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔

''تم بھارت اور نیپال میں ہمارا پیچھا کرتے رہے تھے، کس کے لیے؟''

''تم جانتے ہو؟''

''میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔''

''ڈیوڈ شا کے لیے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اب بھی اس کے لیے کام کر رہے ہو؟''

''میں اس کے لیے مستقل کام کرتا ہوں لیکن تمہیں بچانے کی کوشش میں از خود کر رہا ہوں۔''

''اچھا۔'' میرا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ ''فتح خان ہمدردی کا یہ بیج تمہارے اندر کہاں سے آیا۔''

''میرے اندر تمہارے لیے ہمدردی نہیں ہے۔ بس میں چاہتا ہوں کہ تم مرشد علی سے محفوظ رہو۔''

''کیوں؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔'' اس نے گیئر بدلا۔

میں ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ فتح خان ان لوگوں میں سے تھا جو بنا مطلب کے اپنی مرتی ماں کے منہ میں پانی بھی نہیں ٹپکاتے ہیں۔ وہ میرے ساتھ بلا وجہ ہمدردی نہیں کر رہا تھا اس کے پس پشت کوئی اور چکر تھا۔ مجھے راجا عمر دراز کا خیال آیا۔ وہ رانا ویاس کے محل سے نکلنے کے بعد غائب ہو گیا تھا اور پھر اس کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔

''تمہیں راجا عمر دراز کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟''

''نہیں..... آخری بار بس اتنا پتا چلا تھا کہ وہ رانا ویاس کے محل سے نکلا ہے اور اس کے بعد اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نہیں مان سکتا۔ راجا عمر دراز خود غائب نہیں ہوا بلکہ اس کی گاڑی خالی ملی تھی اور وہ اپنے ڈرائیور اور محافظ سمیت غائب تھا۔ اس کا اور کون دشمن ہو سکتا ہے سوائے ڈیوڈ شا کے۔''

''ممکن ہے راجا کو ڈیوڈ شا نے ہی غائب کیا ہو لیکن اس بارے میں میرے کو کچھ نہیں معلوم ہے۔''

''تم بھی انڈیا میں تھے۔''

''ہاں لیکن میرے کو اس نے صرف تمہاری تلاش کے لیے بلایا تھا اور جب میں نے اسے جا کر بتایا کہ تم نیپال جا چکے ہو تو اس نے فوراً مجھے واپس بھیج دیا تھا۔''

''مرشد سے تمہارا تعلق کیسا ہے؟''

''ظاہر ہے وہ میرا دشمن نہیں ہے لیکن اب میں اس کے لیے کام نہیں کرتا ہے۔''

''یعنی اس سے تمہارا تعلق ضرور ہے اور اس کے مقابلے میں، میں تمہارا دشمن ہوں اور تم میرا ساتھ دے رہے ہو۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے؟''

میری بات پر اس نے پہلو بدلا اور کسی قدر ایکسلریٹر پر دباؤ ڈالا۔ ''ابھی یہ بات تم کو نہیں سمجھا سکتا۔''

میں مسکرایا۔ ''فتح خان یہ بات تم کبھی سمجھا نہیں سکتا ہے کیونکہ اس میں تمہارا کوئی مفاد ہے۔''

''اس میں ہمارا کیا مفاد ہو سکتا ہے؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا لیکن مفاد ہے ضرور ہے۔'' میں نے کہا۔ فتح خان اس وقت میرے قابو میں تھا اور میں اس سے ہر بات تو نہیں اگلوا سکتا تھا لیکن بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تم نے برٹ شا کا کیا کیا..... وہ ابھی تک تمہاری قید میں ہے؟''

''ہاں وہ میرا قیدی ہے۔''

''اس نے ہیروں کا پتا بتایا؟''

ہیروں کے ذکر پر فتح خان بل کھا گیا تھا۔ یہ ہیرے اس کی کمزوری بن گئے تھے اور صرف ان کی خاطر وہ برسوں سے ایک گورے اپنی قید میں رکھے ہوئے تھا۔ کتنی حیرت کی بات تھی کہ وہ اسی کے بھائی کے لیے کام کر رہا تھا۔ فتح خان نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ میں نے ذرا شریر لہجے میں اگلا سوال کیا۔ ''کیا ڈیوڈ شا کو معلوم ہے کہ اس کا بھائی تمہاری قید میں ہے؟''

''اسے معلوم ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ میں نے برٹ شا کو کہاں رکھا ہے۔''

''اس نے تم سے کبھی ہیروں کے بارے میں نہیں پوچھا؟''

''ڈیوڈ شا کو ہیروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''بکواس..... وہ کوئی سادھو سنت ہے جسے دولت سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''یہ سچ ہے اس نے کبھی ہیروں کے بارے میں نہیں پوچھا۔''

مجھے اس کے انداز سے اب الجھن ہونے لگی تھی۔ وہ بہت مربیانہ انداز میں میری ہر بات برداشت کر رہا تھا اور مجھ سے الجھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کے پس پشت کیا بات تھی۔ میں نے کہا۔ ''جب تمہیں مرشد کے بارے میں اس حد تک معلوم ہے کہ وہ مجھے تلاش کر رہا ہے تو یہ بھی علم ہو گا کہ ان دنوں وہ میرے خلاف کیا کر رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟''

''میں اس کے ذہن میں نہیں ہوتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ویسے وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن سے آدمی کو ہر بات کی توقع رکھنی چاہیے۔''

''دشمن تو تم بھی ہو۔''

''ہاں لیکن ہمارا تمہارا ویسا دشمنی نہیں ہے جیسا تمہارا اور مرشد کا ہے۔ سچی بات ہے کبھی کبھی میرے کو لگتا ہے کہ میرے دل میں اب تمہارے لیے پہلے جیسا دشمنی نہیں ہے۔''

''اس کی وجہ؟..... تم کسی کو اللہ واسطے معاف کرنے والے تو نہیں ہو۔''

''میں نے کہا ہم خود نہیں جانتا۔''

اس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔ ہم سفر کرتے ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے اور اچانک مجھے خیال آیا۔ ''تم نے اپنے کچھ آدمیوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ کہاں ہیں؟''

''وہ آگے ایک ہوٹل میں رکے ہیں۔''

''ان کو پتا کیسے چلے گا کہ تم اس طرف آ رہے ہو؟''

''وہ راستے کی نگرانی کر رہے ہیں۔'' فتح خان نے کہا۔ ''یہ جیپ ان کی نظروں میں آئے بغیر نہیں رہے گی۔''

''یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے جب تم ان سے کہو گے کہ وہ ہمیں جانے دیں تو وہ یقیناً انکار نہیں کریں گے۔ آخر تم ان کے باس ہو۔''

''وہ میرے ساتھ ہے پر میں ان کا باس نہیں ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''وہ اصل میں کسی اور کا آدمی ہے اور صرف ایک حد تک میرا بات مانتا ہے۔''

''کسی اور کا آدمی۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''یعنی تم جس کے لیے کام کر رہے ہو اس کے آدمی ہیں۔''

''میں کسی کے لیے کام نہیں کر رہا ہے۔'' وہ جھنجھلا گیا۔ ''مرشد کے آدمیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے میرے کو بندوں کی ضرورت تھی تو میں نے ایک شخص سے اس کے بندے لے لیے۔''

''تب وہ تمہارے بجائے اپنے باس کی کیوں مان رہے ہیں؟''

فتح خان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''تم سمجھنے کا کوشش کرو، جب میں نے اس آدمی کو تمہارے بارے میں بتایا تو اس نے بولا کہ تم کو اس کے پاس لائے اب میں اس کو انکار نہیں کر سکتا۔''

''لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے اور ویسے یہ ہے کون؟''

''تم اسے نہیں جانتے اس لیے بتانا بے کار ہے کبھی سامنے آیا تو تم خود دیکھ لے گا لیکن میں خدا کا قسم کھا کر کہتا ہے میں نے ایسا عجیب آدمی نہیں دیکھا وہ میرے کو راجا عمر دراز اور ڈیوڈ شا سے بھی زیادہ عجیب لگا۔ جب تم دیکھے گا تو خود جان لے گا۔''

''فتح خان۔'' میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فیصلہ کیا۔ ''مجھے اس شخص سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے تم کوئی اور راستہ پکڑ لو۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ادھر سے اور کوئی راستہ نہیں جاتا ہے۔"

"مجھے بے وقوف مت بناؤ..... میں برسوں سے ان علاقوں میں کام کر رہا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ راستے کہاں کہاں سے نکلتے ہیں۔"

فتح خان پریشان نظر آنے لگا۔ "اگر میں نے کوئی اور راستہ پکڑا تو میں مشکل میں پڑ جاؤں گا۔"

"تم مشکل میں پڑو گے نہیں، تم اس وقت مشکل میں ہو۔" میں نے کہا۔ "اگر میں تم کو یہاں اتار دوں اور خود جیپ لے جاؤں تو تم کیا کرو گے؟"

فتح خان مزید پریشان ہو گیا۔ "تم ایسا نہیں کرو گے۔"

"ٹھیک ہے میں ایسا نہیں کروں گا لیکن اس کے لیے ضروری ہے میں تم سے جو کہوں ویسا ہی کرو۔"

فتح خان سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔ "ایک راستہ ہے تو لیکن اس موسم میں بہت خراب ہو جاتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں راستہ بے شک کے ٹو سے گزرتا ہو لیکن ہم نے اسی طرف سے جانا ہے۔" میں نے کہا۔

"دو گھنٹے بعد ہمیں راستہ بدل دینا ہوگا۔" اس نے جیپ کی رفتار بڑھائی۔ "لیکن اس راستے پر کوئی مسئلہ ہو گیا تو ہم کسی سے مدد بھی نہیں لے سکتے۔"

"اس کی فکر بھی مت کرو۔" میں نے کہا۔ "اگر جیپ خراب ہو بھی گئی تو ہماری ٹانگیں بھی ہیں۔"

فتح خان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم ایک بار اس سے مل کر تو دیکھو وہ تمہارا دشمن نہیں ہے لیکن اگر ہم تمہیں لے کر اس کے پاس نہ پہنچا تو ہو سکتا ہے وہ تمہارا دشمن بن جائے اور اس جیسے شخص کو دشمن بنانا عقل مندی نہیں ہوگا۔"

"فتح خان وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے میں یہ جانے بغیر اس سے ملاقات نہیں کر سکتا اور تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ میرا دشمن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ دل میں میرے خلاف کوئی بات دبائے بیٹھا ہو اور جب میں اس کے ہاتھ آؤں تو وہ اپنی دشمنی کا غبار نکالے۔ میں تو اسے جانتا تک نہیں ہوں، تم خود سوچو ایسے شخص کے پاس جانا عقل مندی ہوگی۔"

"میں اسے جانتا ہوں۔" فتح خان نے کہا۔

"اور میں تمہیں جانتا ہوں اس لیے میں کسی صورت اس شخص کے پاس نہیں جا سکتا۔" میں نے صاف انکار کر دیا۔ "اب تم اپنی توجہ ڈرائیونگ پر رکھو اور یہ بھی یاد رکھنا میں تمہیں مارنا تو نہیں چاہتا لیکن تمہاری طرف سے کسی دھوکے کی صورت میں، میں بلا تکلف تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

"اور اگر شوبی نے معاف کر دیا تو ہم شوٹ کر دے گا۔" عقب سے بیتو نے کہا۔ "جب سے ہم نے ہمارے بارے میں سنا ہے تمہیں گولی مارنے کو دل چاہتا ہے۔"

"اپنے قد سے بڑی بات مت کرو۔" فتح خان نے جھنا کر کہا۔ "ابھی تم بچے ہو۔"

"یہ بچہ میرے ساتھ اس دوران میں کسی تجربے کار سپاہی کی طرح لڑتا رہا ہے۔" میں نے فتح خان سے کہا۔ "اور یہ بھی مت بھولو آدمی کتنا بڑا ہو جائے مرتا ایک گولی سے ہے جسے ایک بچہ بھی آسانی سے چلا سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

اس نے رشک سے میری طرف دیکھا۔ "شہباز خان تمہیں ساتھی بہت اچھا ملتا ہے جو تم پر جان بھی دیتا ہے۔"

"اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں بھی ان کے لیے جان دے سکتا ہوں۔ فتح خان اگر کوئی تمہارے لیے جان دینے کو تیار ہو جائے تو سمجھ لو تم بھی اس کے لیے جان دے سکتے ہو۔ اس دنیا میں ایسا کوئی فرد ہے جو تمہارے لیے جان دے سکے؟"

فتح خان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا اور جواب اس کی صورت پر تحریر تھا۔ اس دنیا میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو اس کے لیے جان دیتا۔ ایسی شخصیت صرف شینا کی تھی جسے فتح خان نے خود مار دیا تھا کیونکہ وہ فطرتاً ہر جائی عورت تھی جو دوسرے مردوں سے تعلقات قائم کرنے کی شوقین تھی لیکن محبت اس نے صرف فتح خان سے کی تھی۔ شاید اسے بھی شینا یاد آ گئی تھی۔ شینا کے بعد اسے ایسی کوئی شخصیت نہیں ملی تھی۔ مجھے اس غریب آدمی کی بیٹی یاد آئی جو فتح خان کے قبضے میں تھی اور اس نے اس سے زبردستی ایک نام نہاد نکاح پڑھوا لیا تھا جب وہ مجھے فتح خان کے ایک ٹھکانے سے ملی تو کئی مہینے کے حمل سے تھی اور اب تک تو اس کا بچہ بھی ہو گیا ہو گا۔ بعد میں اسے اور اس کے باپ کو راجا عمر دراز نے اپنے محل بھیج دیا تھا۔ وہ لڑکی کئی مہینے فتح خان کے قبضے میں رہنے کے بعد بھی اس سے شدید نفرت کرتی تھی اور فتح خان کا نام سن کر اس کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔ فتح خان کو شاید معلوم نہیں تھا کہ وہ اس کے بچے کی ماں بن چکی تھی یا اب اسے اس کی پروا نہیں تھی اس نے اپنا کام تو نکال لیا تھا۔

فتح خان کی بات سن کر مجھے اس شخص کے بارے میں تجسس ہو گیا تھا جس نے میری خاطر اتنا کیا تھا کہ فتح خان کو اپنے آدمی دے دیئے تھے اور وہ مجھے اپنے پاس بلوانا چاہتا تھا۔ ایک خیال تھا تو یہ تھا وہ شخص مرشد علی کا ہی کوئی چچہ ہو گا اور میرے لیے خاص طور سے اسے سامنے کیا جا رہا تھا۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کی کوئی چال تھی اور ان کی کوشش تھی کہ میں اس جال میں پھنس جاؤں لیکن میں اب کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے میری مشکلات میں اضافہ ہو اور میرے دشمنوں کو میرے خلاف مزید مقدمات بنانے کا موقع ملے۔ وہ یقیناً چاہتے تھے کہ میں اس دلدل میں اتنا دھنس جاؤں کہ ان کے سامنے ہتھیار ڈال کر رحم کی بھیک مانگوں یا یہ ملک ہی چھوڑ کر چلا جاؤں۔ ان کی فرعونیت کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ ایک عام شخص ان کے سامنے کھڑا ہو اور ان کی آنکھوں کی آنکھیں ڈال کر ان کو چیلنج کرے۔ ان کو قدم قدم پر شکست دے۔

مرشد علی کی انا پر سب سے بڑا زخم اس کا مفلوج پڑا بھائی تھا جو جوانی کے زعم میں کسی سانڈ کی طرح دندناتا پھر رہا تھا اور صرف ایک گولی نے اسے بستر پر پڑا ایک حقیر سا کیچوا بنا دیا تھا۔ مرشد علی نے اس کے لیے دنیا بھر سے ڈاکٹر بلوا لیے تھے لیکن وہ اسے اپنے پیروں پر نہیں کھڑا کرا سکا تھا۔ میری تمام مشکلات کا آغاز اسی شخص کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے موتا کے بارے میں غلیظ دعویٰ کیا تھا اور ہماری غیرت کو للکارا تھا۔

"مرشد کا بھائی زندہ ہے یا مر گیا؟"

فتح خان نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "وہ بے غیرت ہے اتنی آسانی سے نہیں مرے گا۔ ابھی تو دونوں بھائیوں میں جھگڑا چل رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کس بات پر؟''

''یہ کہ تم ابھی تک زندہ کیوں ہے۔''

''ہاں یہ فرعون سمجھتے ہیں کہ جینے کے حق صرف ان کو ہے اور باقی لوگوں کو ایسا کوئی حق نہیں ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''میں نے سنا تھا کہ مرشد نے اسے علاج کے لیے کہیں باہر بھیجا تھا؟''

''ہاں اصل میں مرشد نے اس سے جان چھڑایا تھا۔ اس نے حویلی کو عیاشی کا اڈہ بنا دیا تھا اور گھر والوں کی پروا بھی نہیں کرتا تھا۔''

''اس حالت میں عیاشی؟'' میں حیران رہ گیا تھا۔

''ہاں اس نے شہر بھر سے رنڈیاں جمع کر لیں اور وہ سارا دن اس کا دل بہلاتی تھیں۔''

میں بے ساختہ ہنسا۔ ''نہ سہی وصل تو حسرت ہی سہی۔''

فتح خان نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ظاہر ہے شعر و شاعری اس کے بس کی چیز نہیں تھی۔ میں نے کہا۔ ''ممکن ہے جلد اس کی مشکل آسان ہو جائے۔''

''شاید..... لیکن ابھی اس کا سب سے بڑا خواہش ہے کہ تم اور تمہارا ساتھی اس کے ہاتھ آ جائے اور وہ تم سب کو تڑپا تڑپا کر مارے۔''

''مجھے اندازہ ہے کہ اس نے کیا کیا پلان بنائے ہوں گے لیکن وہ اس ہستی کو بھول جاتا ہے جو اصل پلانر ہے اور اس کا کوئی پلان کبھی ناکام نہیں ہوتا ہے۔''

''وہ لوگ ایسی باتیں سوچتا ہی نہیں ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''وہ دوسروں کو انسان سمجھنے کے قائل ہی نہیں ہے۔''

''تم پھر بھی ایسے لوگوں کے لیے کام کرتے ہو؟'' میں نے طنز کیا۔ ''کیونکہ تم بھی ان کی طرح دوسروں کو انسان نہیں سمجھتے ہو۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے پر مجبوری انسان سے سب کراتا ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری اور بولا۔ ''کیا ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟''

''ہاں پوچھو کیونکہ تم نے بھی مجھے بہت بتایا ہے۔''

''کیا تم اس جنگ کو اب بھی جاری رکھنا چاہو گے؟''

''میں جنگ جاری رکھنا چاہتا ہوں؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''یہ میں تم سے سن رہا ہوں کہ میں جنگ جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ اول تو میں جنگ نہیں لڑ رہا ہوں صرف اپنا دفاع کر رہا ہوں کیونکہ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا اور دوسرے یہ فیصلہ مرشد اینڈ کمپنی کا ہے۔ وہ میری جان چھوڑ دیں تو ابھی یہ جنگ بند ہو جائے گی۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''وہ لوگ تمہیں اپنے سامنے جھکائے بغیر نہیں مانے گا۔''

''اور میں کسی کے سامنے جھک نہیں سکتا ہوں۔''

''تب تمہارے لیے سب سے بہتر ہے کہ یہ ملک چھوڑ کر چلے جاؤ اور پھر پلٹ کر مت آنا۔'' فتح خان نے سپاٹ سے لہجے میں مشورہ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کیسے ممکن ہے..... یہ میرا ملک ہے اور یہاں میرے پیارے ہیں میں ان کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟''

''تب یہ جنگ جاری رہے گی۔''

میں نے اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ یہ بتاؤ کہ ہوٹل کتنی دور ہے جہاں تمہارے ساتھی موجود ہیں؟''

''ابھی ایک گھنٹے کا سفر ہے۔''

سورج نکل آیا تھا اور برف سے ڈھکے پہاڑوں پر اس کی روشنی پھیل رہی تھی۔ سڑک مجموعی طور پر اچھی تھی اور کہیں کہیں اس پر زیادہ برف تھی ورنہ سڑک تقریباً صاف ہی تھی۔ کسی بھی برف باری کے بعد مقامی لوگ سڑکوں اور راستوں سے برف صاف کرتے ہیں تاکہ راستے کھلے رہیں اور سردیوں میں بھی ان تک رسد آتی رہے۔ ہم مسلسل نیچے آ رہے تھے اور اسی مناسبت سے موسم بہتر ہو رہا تھا۔ اب پہاڑوں پر سفیدی کی نسبت سبزہ زیادہ تھا اور یہاں درخت بھی بڑے تھے۔ جیسے جیسے ہم آگے جا رہے تھے مجھے لگ رہا تھا میں اپنے پیاروں کے پاس ہوتا جا رہا تھا۔ حالانکہ اسلام آباد میں صرف ندیم تھا اور گھر والے گاؤں میں تھے بھائیوں کی پوسٹنگ نہ جانے کہاں کہاں تھی اور جو لوگ ان دنوں میرے وجود کا حصہ رہے تھے وہ دبئی میں تھے اس کے باوجود یہ احساس بہت قوی تھا کہ میں اپنے پیاروں کے پاس جا رہا تھا شاید یہ اتنے دن وطن سے دور رہنے کا نتیجہ تھا۔

یہ نومبر کا آخری ہفتہ یا شاید دسمبر کا شروع تھا اور اس لیے بھی برف باری اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ مری اور اس جیسی بلندی والے علاقوں میں تو برف باری کا ابھی آغاز تھا۔ کچھ دیر بعد فتح خان نے کہا۔ ''ہوٹل والا جگہ آنے والا ہے۔''

''تم نے ابھی تک دوسرا راستہ کیوں نہیں اختیار کیا؟'' میں نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''وہ اس قصبہ سے پہلے آتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وادی نیلم سے گزرنے والا راستہ ان دنوں کھلا ہوتا ہے۔''

''ہاں لیکن وہاں گڑبڑ ہے بھارتی فوج فائرنگ کر رہی ہے اس لیے سڑک ٹریفک کا واسطے بند ہے۔''

میں مایوس ہوا تھا کیونکہ متبادل راستوں میں سب سے بہتر وہی تھا۔ سڑک اب ایک بلند پہاڑ کی طرف جا رہی تھی اور یہاں سے کچھ گھر نظر آنے لگے تھے۔ شاید اسی قصبے میں فتح خان کے آدمی مقیم تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ ''فتح خان یہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہیں اور تمہیں اکیلے کیسے جانے دیا؟''

''انہوں نے جانے نہیں دیا تھا بلکہ میں ان کو یہاں رکنے کا کہہ کر خاموشی سے نکل گیا تھا۔ میں تم تک پہلے پہنچنا چاہتا تھا۔''

''وہ کیوں؟''

''مجھے معلوم تھا کہ تم ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دو اور وہ تمہیں زبردستی لے جانے کی کوشش کریں گے اور اس کے نتیجے میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان ہو۔''

''تم نہیں چاہتے یا تمہارا گرو ڈیوڈ شا نہیں چاہتا ہے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے شانے اچکائے۔ ''چلو تم چاہو تو ایسا ہی سمجھ لو۔''

قصبہ اب نظر آنے لگا تھا اور ایک بلند جگہ پر ایک ہوٹل نما عمارت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے پستول نکال لیا۔ ''فتح خان یہ کیا..... ہم تو قصبے میں جا رہے ہیں؟''

''نہیں راستہ آ گیا ہے۔'' اس نے کہا اور جیپ کو ایک چھوٹے اور تنگ کچے راستے پر اتار دیا جو نشیب کی طرف جا رہا تھا۔ سڑک کے مقابلے میں یہ راستہ بہت ہی خراب تھا اور ابتدائی ڈھکوں سے پتا چل گیا تھا کہ آگے سفر کیسا گزرے گا۔ سب نے سیٹ بیلٹس باندھ لی تھیں۔ فتح خان مشاق ڈرائیور تھا لیکن اس کے لیے بھی اس راستے پر جیپ سنبھالنا مسئلہ ہو رہا تھا اس نے سڑک سے اتارنے سے پہلے فور وہیل گیئر لگا لیا تھا اس پر بھی جیپ بار بار قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ فتح خان کو جیپ قابو میں کرنے کے لیے پاور اسٹیرنگ سے بھی کشتی لڑنا پڑ رہی تھی۔

''یہ تھوڑا راستہ بہت مشکل ہے۔'' فتح خان نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''پھر ٹھیک ہو جائے گا۔''

لیکن ٹھیک راستہ آتے آتے ہمارے تمام جوڑ ہل چکے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ سب اپنی اپنی جگہیں چھوڑ چکے ہوں۔ گھٹنے ٹکرا ٹکرا کر دکھ گئے تھے۔ بیتو بھنا کر بولا۔ ''یہ تم کہاں لے جا رہے ہو؟''

فتح خان استہزائیہ انداز میں بولا۔ ''جہنم میں نہیں لے جا رہا تمہارے کو۔''

''وہاں تم جاؤ گے اپنے اعمال کی وجہ سے۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ سڑک سے اترنے کے بعد اس کے انداز میں کوئی تبدیلی آئی تھی اگرچہ اس کے ظاہری رویے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگا اس میں تبدیلی آئی ہے۔ جیپ مشکل راستے سے گزر کر ایک کسی قدر بہتر لیکن کچے راستے پر ہی آئی تھی۔ راستہ اب ایک بار پھر بلندی کی طرف جا رہا تھا اور اس کا جو رخ تھا وہ اسی سڑک کی طرف تھا جس سے ہم اتر کر آئے تھے۔ میں نے فتح خان سے پوچھا۔

''ہم اسی سڑک کی طرف جا رہے ہیں جہاں سے ابھی اتر کر آئے ہیں؟''

اس نے جواب دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا جیسے سوچ رہا ہو کہ انکار کرے یا اقرار کر لے اور اس کی اسی ہچکچاہٹ نے مجھے چوکنا کر دیا تھا اور میں نے پستول نکال کر فتح خان کے سر سے لگا دیا۔ ''جیپ روک دو۔''

''کیوں؟'' اس نے جیپ نہیں روکی بلکہ اس کی رفتار ہلکی سی بڑھا دی تھی۔

''سوال نہیں کرو جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' میرا لہجہ درشت ہو گیا تھا۔

''ورنہ تم مجھے گولی مار دو گے؟'' وہ ہنسا۔

''تم شاید اسے مذاق سمجھ رہے ہو۔ میں سچ مچ تمہیں گولی مار دوں گا۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

''مار دو۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''میں ویسے بھی مرنا چاہتا ہوں۔''

بہ ظاہر تو ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان پاگل ہو گیا ہو لیکن میری چھٹی حس نے بتایا کہ وہ شاطر کوئی چال چل گیا تھا۔ میں نے ماؤزر کا رخ کھڑکی کی طرف کر کے ٹریگر دبایا لیکن پستول سے کوئی گولی برآمد نہیں ہوئی تھی۔ بس ٹریگر دب کر رہ گیا۔ ماؤزر میں خرابی تھی۔ میں نے پلٹ کر بیتو سے پستول لیا اور اسے بھی فائر کر کے چیک کیا نتیجہ وہی نکلا تھا۔ میں سن رہ گیا تھا۔ فتح خان نے اتنے اطمینان سے جو اسلحہ ہمارے حوالے کر دیا تھا وہ ناکارہ تھا۔ فتح خان نے اس کا تصدیق بھی کر دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابھی تمہارا دل نہیں بھرا ہے تو شاٹ گن بھی دیکھ لو۔''

''فتح خان یہ سب کیا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔''

وہ پھر ہنسا۔ ''اور دشمن سے تم کیا توقع کرتا ہے پاگل کا بچہ۔''

فتح خان کی بات سن کر میں نے اس وقت جو حرکت کی تھی اس کی توقع کسی پاگل سے ہی کی جا سکتی تھی۔ میں نے اچانک گھما کر ماؤزر فتح خان کے سر پر رسید کیا اور اسے یقیناً دن میں تارے نظر آ گئے ہوں گے۔ جیپ ایک تنگ سے راستے پر چل رہی تھی اور ذرا سا گھومنے والا اسٹیرنگ اسے نشیب میں اتار دیتا۔ اس بات کا امکان تھا کہ ضرب کھا کر فتح خان کا ہاتھ بہک جائے اور ایک ضرب ہم سب کے خاتمے کا سبب بن جائے۔ اس کے باوجود میں نے یہ خطرہ مول لیا تھا۔ کیونکہ اب مجھے ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ فتح خان مجھے دشمنوں کی جھولی میں ڈالنے کے لیے لے جا رہا تھا۔ دشمن اوپر ہوٹل میں نہیں بلکہ اس راستے پر کہیں گھات لگائے بیٹھے تھے۔ اس لیے میں نے فوری فیصلہ کیا اور اس کے سر پر وار کر دیا۔ فتح خان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں چلتی جیپ میں ایسی حرکت کر سکتا تھا۔ وار کرتے ہی میں نے جیپ کا اسٹیرنگ راستے پر دائیں طرف موڑ دیا جہاں ایک ڈھلان نما دیوار تھی۔ دیوار سے رگڑ کھا کر جیپ کی رفتار سست ہوئی تو میں نے ذرا سا رک کر اس کے بریک پر پاؤں رکھ دیا اور ساتھ ہی چابی گھما کر انجن بند کر دیا۔

اس دوران میں فتح خان خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے ماتھے پر زبردست چوٹ آئی تھی لیکن ماتھے کی چوٹ عام طور سے آدمی کو بے ہوش نہیں کرتی ہے۔ فتح خان آگے کی طرف جھکا ہوا تھا اس بار ماؤزر میں نے اس کی گدی پر رسید کیا اور وہ اسٹیرنگ پر ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ اسی لمحے مجھے سامنے ذرا دور درختوں میں ہلچل محسوس ہوئی اور کم سے کم تین افراد وہاں سے بھاگتے ہوئے برآمد ہوئے ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا اور وہ جیپ کی طرف آ رہے تھے۔

یہ تھے فتح خان کے اصل ساتھی جو یہاں جال بچھائے ہمارا انتظار کر کے رہے تھے اور فتح خان کسی ہوشیار شکاری کی طرح ہمیں ہانکا کر کے یہاں لے آیا تھا۔ اس نے جھوٹ بولا تھا کہ اس کے ساتھی ہوٹل میں تھے اور ان کا تعلق کسی اور شخص تھا جسے مجھ سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ فتح خان کی اس مکر آمیز چال سے واضح تھا کہ وہ ابھی تک اپنے پرانے آقاؤں کے لیے ہی کام کر رہا تھا اور وہ مجھے ان کے لیے ہی لے جا رہا تھا۔ اب یہ ڈیوڈ شا بھی ہو سکتا تھا اور مرشد بھی۔ فتح خان کے ساتھیوں کو دیکھتے ہی میں اس کی سیٹ بیلٹ کھول دی اور چلایا۔

''بنتو اس سور کے بچے کو پیچھے کھینچ۔''

بنتو نے بے دردی سے اسے پیچھے کھینچ لیا اور میں نے فتح خان کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سیلف گھما کر انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ محض غرا کر رہ گیا۔ میں نے دوسری کوشش کی، اس بار انجن کچھ دیر کے لیے گھر گھرایا تھا اور تیسری کوشش میں وہ اسٹارٹ ہو گیا تھا۔ بھاگ کر آنے والے اب کوئی سو قدم دور تھے۔ مجھے ڈرائیونگ سیٹ پر دیکھ کر انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر جیپ کو ریورس گیئر لگایا اور جیپ کو پیچھے لے جانے لگا۔ فور وہیل ڈرائیو کی وجہ سے دشواری ہو رہی تھی اس لیے میں نے جیپ کو سادہ گیئر لگایا اور کسی قدر تیزی سے پیچھے لے جانے لگا تھا۔ ان لوگوں کی فائرنگ کارگر نہیں ہوئی تھی سوائے ایک گولی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے جو بونٹ پر لگی۔ اصل میں وہ بھاگ رہے تھے اور بھاگتے ہوئے اتنی دور نشانہ لینا یقیناً مشکل کام ہے۔

یہ راستہ ایسا تھا کہ یہاں جیپ کو گھمانے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اس لیے مجھے مسلسل ریورس میں ڈرائیونگ کرنا پڑ رہی تھی اور یہ بہت مشکل کام تھا۔ پھر راستہ جیپ کے لیے بہت دشوار تھا دوسری طرف وہ پیدل تھے اور ان کے لیے راستہ بہتر تھا۔ وہ دوڑے آ رہے تھے۔ ایک گولی ونڈ اسکرین پر لگی اور اس میں سوراخ کرتی نکل گئی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اس طرح ان سے چھٹکارا دشوار تھا۔ اب تک جیپ کو گھمانے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ تیزی سے قریب آ رہے تھے اب خطرہ تھا کہ گولی ہم میں سے کسی کو لگ سکتی تھی۔ بیتو خطرہ بھانپ کر نیچے ہو گیا تھا اور میں ہی سامنے تھا۔ اس لیے مجھے ہی زیادہ خطرہ تھا۔ بچت کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

ان سے بچنے کے لیے ہمیں خطرہ مول لینا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''نیچے لیٹ جاؤ۔''

بیتو چلایا۔ ''آپ کیا کرتا ہے؟''

''نیچے لیٹو۔'' میں نے دھاڑ کر کہا اور اچانک جیپ روک دی۔ اس کے بعد گیئر بدلا اور جیپ کو آگے بڑھایا۔ میں راستہ دیکھ چکا تھا اس لیے سر نیچے کرتے ہوئے میں نے جیپ کو دوڑایا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ قابو کرتے ہوئے میں گیئر بدل رہا تھا اور میرا پاؤں ایکسلریٹر پر تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا کیا ردعمل تھا کیونکہ گولیوں سے بچنے کے لیے میرا سر نیچے تھا۔ ایک گولی پھر ونڈ اسکرین میں سوراخ کرتی گزر گئی۔ اسکرین کا حشر ہو گیا تھا اور اب میں سر اٹھا بھی لیتا تو مجھے مشکل سے ہی کچھ نظر آتا۔ میرے کان فائرنگ کی آواز پر مرکوز تھے۔ جیسے ہی میں نے محسوس کیا کہ فائرنگ رک گئی ہے میں نے سر اوپر کیا۔ گولی کے سوراخ سے مجھے وہ تینوں اب آگے بھاگتے نظر آئے تھے۔ جیپ ان کے سر پر پہنچ گئی تھی۔

میں نے جیپ کی رفتار تیز کی اور ان میں جو سب سے پیچھے تھا اسے ٹکر ماری۔ ایک دردناک ہائے کے ساتھ وہ اچھلا اور کنارے سے نیچے گر گیا۔ آگے بھاگنے والوں نے بوکھلا کر فائرنگ کی لیکن جیپ قضا بن کر ان کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ جان بچانے کی اس ریس میں دوسرے نمبر پر موجود آدمی نے ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن ڈھلان ایسی تھی کہ وہ لڑھک کر واپس آ گیا اور جیپ کا پہیہ اس پر سے گزر گیا اس کی دل خراش چیخ نے کان جھنجھوڑ دیئے تھے۔ سب سے آگے والا اب اپنی رائفل پھینک کر جان بچانے کے لیے جان توڑ کر بھاگ رہا تھا۔

فتح خان کے ان ساتھیوں نے ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی تھی اور اس لیے وہ خود بھی کسی رعایت کے مستحق نہیں تھے۔ میں نے اس پر بھی جیپ چڑھا دی۔ ٹکر کھا کر وہ ہوا میں اچھلا اور ڈھلان پر جا گرا وہ دوبارہ راستے پر آیا تھا اور اس نے جیپ کو اپنے اوپر آتے دیکھ کر دونوں ہاتھ آگے کر لیے تھے لیکن میں نے بروقت جیپ روک لی۔ اگر میں بریک لگانے میں سیکنڈ کے دسویں حصے کی دیر کرتا تو جیپ کا ٹائر اس پر چڑھ جاتا۔ میں اترتے ہوئے بولا۔ ''بیتو پیچھے والوں کو دیکھو اور کوئی اسلحہ تلاش کرو۔''

بیتو میری بات مکمل ہونے سے پہلے جیپ سے اتر گیا تھا۔ میں آگے پڑے شخص کے پاس آیا۔ اس کی کمر پر شدید چوٹ آئی تھی اور فی الحال وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے ان درختوں کی طرف دیکھا جہاں سے یہ تینوں برآمد ہوئے تھے اور اس شخص سے پوچھا۔ ''تمہارے ساتھ اور کتنے آدمی ہیں؟''

''ہائے..... بس ہم تین ہے۔'' اس نے کراہ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کی تلاشی لی اس کے پاس مزید کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ پھر میں ذرا پیچھے آیا۔ اس کی رائفل بیتو نے اٹھالی تھی اور دوسرے سے اس کا ہتھیار لے رہا تھا۔ ایک منٹ کے اندر کایا پلٹ گئی تھی۔ تین میں سے دو زخمی تھے۔ ان کے مرنے کا امکان نہیں تھا البتہ تیسرا کہیں بہت گہرائی میں جا چکا تھا اور اس کے بارے میں کہنا مشکل تھا کہ وہ مر گیا تھا یا بچ گیا تھا۔ دوسرے کے پاس سے ایک ریوالور ملا تھا۔ میں نے جیپ کا معائنہ کیا۔ ونڈ شیلڈ تو بے کار ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی باڈی میں گولیوں کے سوراخ تھے لیکن انجن کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ جیپ چلنے کے قابل تھی۔ بیتو دوسرے کو کھینچ کر لے آیا۔ اس کا دایاں پاؤں پنڈلی سے جیپ چڑھنے سے ٹوٹ گیا تھا اور وہ کسی کتے کی طرح شور کر رہا تھا۔ بیتو نے اس کے شور سے متاثر ہوئے بغیر اسے لا کر اس کے ساتھی کے پاس پٹخا اور مجھ سے کہا۔

''دونوں حرامیوں پر ایک ساتھ گاڑی چڑھا دو۔''

''نہیں۔'' وہ دونوں بیک وقت چلائے تھے۔

میں نے سر ہلایا۔ ''ان کے ساتھ یہی کرنا چاہیے لیکن اگر یہ ہم سے تعاون کریں تو ان کو معافی دینے کا سوچا جا سکتا ہے۔''

''ہم تعاون کرے گا۔'' کمر پر چوٹ کھانے والا جلدی سے بولا۔ وہ خوب صورت نوجوان تھا جب کہ پنڈلی تڑوانے والا ادھیڑ عمر تھا۔

''تم کو کس نے اس کام کے لیے کہا تھا؟''

''کون سا کام؟'' نوجوان بولا۔

''ہمیں مارنے کا کام۔'' میں نے اس کی مضروب کمر پر ایک لات رسید کی تو وہ بلبلا گیا۔

''اس سے پوچھو جو جیپ میں ہے ہم اس کا نام نہیں جانتا۔''

''اس نے کیا کہا تھا؟''

''اس نے بولا کچھ لوگوں کو پکڑنا یا مارنا ہے۔''

اسی وجہ سے ان لوگوں نے ہم پر براہِ راست فائرنگ کی تھی۔ گویا میرا اندازہ درست تھا فتح خان میرے دشمنوں کے لیے ہی کام کر رہا تھا۔ میں نے ان لوگوں سے مزید سوالات کیے ان کا تعلق پشاور سے تھا اور فتح خان ان کو وہیں سے لایا تھا۔ اس نے سب کو دس دس ہزار دیئے تھے اور کامیابی کی صورت میں مزید بیس ہزار فی کس دینے کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنی جانوں کا سودا بہت سستے میں کر دیا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''ان لوگوں کو بھی اس حرامزادے کے ساتھ ڈالو راستے میں کسی آبادی میں پھینک جائیں گے۔''

بیتو کو ہدایت دے کر میں ونڈ شیلڈ کا معائنہ کرنے لگا اس کے ہوتے ہوئے ڈرائیونگ ناممکن تھی اور اسے اتار دیتے تو سرد ہوا سامنے سے براہِ راست لگتی لیکن ہوا برداشت کی جا سکتی تھی۔ بیتو نے نوجوان کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا اور جیپ کا پچھلا دروازہ کھولا اور پھر میں نے اس کی بوکھلاہٹ آواز سنی۔ ''وہ غائب ہے۔''

میں نے جلدی سے عقبی حصے میں جھانکا جہاں کچھ دیر پہلے فتح خان پڑا ہوا تھا اور اب خالی نشست منہ چڑا رہی تھی۔ وہ نہ جانے کس وقت ہوش میں آ گیا اور ہماری مصروفیات کا فائدہ اٹھا کر خاموشی سے جیپ سے اتر کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نو دو گیارہ ہو گیا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ بیتو نشیب میں جھانک رہا تھا لیکن فتح خان کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ یہاں چھپنے کے لیے بہت جگہیں تھیں۔ فتح خان کے لیے سب سے آسان کام یہ تھا کہ وہ کہیں چھپ جاتا اور ہمارے جانے کے بعد وہاں سے نکلتا۔ بیتو کا غصے سے برا حال تھا اس نے فتح خان کا غصہ ان لوگوں پر اتارا اور ان کو مارتے ہوئے کہا۔

''ان کو ادھر چھوڑ کر جائے گا یہ ادھر ہی مر جائے۔''

وہ دونوں بلبلا رہے تھے اور معافیاں مانگ رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''نہیں یار یہ ادھر مر جائیں گے ان کو اوپر سڑک پر چھوڑ دیں گے۔''

میں نے ونڈ شیلڈ اندر سے لات مار کر گرا دی اور اس کی کرچیاں صاف کیں اس دوران میں بیتو نے ان دونوں کو کسی نہ کسی طرح عقبی حصے میں ڈال دیا تھا دونوں نے بہت چیخ و پکار کی تھی۔ بیتو نے سارا ناکارہ اسلحہ بھی نشیب میں پھینک دیا اور اپنے پاس ان دونوں سے ملنے والے ہتھیار رکھے تھے۔ رائفل چھوٹی اور سنگل شاٹ کی تھی۔ اس کا ایک اضافی میگزین بھی نوجوان کے پاس سے ملا تھا۔ ریوالور کے اضافی شاٹس دوسرے کے پاس سے برآمد ہوئے تھے۔

چالاک فتح خان نے ہوش میں آنے کے بعد دیکھ لیا تھا کہ ہم اصل ہتھیاروں سے مسلح ہو گئے ہیں اس لیے اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ خاموشی سے وہاں سے نکل جائے۔ جیپ چلی تو سامنے سے بلا روک ٹوک آنے والی سرد ہوا نے چہرہ جما دیا تھا لیکن مجبوری تھی۔ بیتو کا بھی برا حال تھا وہ حال ہی میں ہائپوتھرمیا کا شکار ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اس نے کہا۔

''ایسے تو سفر نہیں ہو سکتا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اوپر پہنچ کر ہم کوئی اور ذریعہ اختیار کرتے ہیں۔''

اس طرف راستہ اتنا دشوار تھا کہ ہمیں اوپر پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا تھا ہمارا تو جوڑ جوڑ ہل گیا تھا زیادہ برا حال زخمیوں کا تھا۔ جھٹکوں سے ان کے زخم مزید تکلیف دے رہے تھے۔ ان کی چیخ و پکار سے تنگ آ کر بیتو نے ان کو جیپ سے اتار پھینکنے کی دھمکی دی تو وہ ذرا خاموش ہوئے تھے۔ اوپر پہنچنے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ قصبہ پیچھے رہ گیا تھا۔ اور یہ خاصا بڑا قصبہ تھا۔ میرا خیال تھا یہاں ہمیں کوئی گاڑی مل سکتی تھی۔ رقم ہمارے پاس تھی اور کوئی اور مسئلہ ہوتا تو اس کے لیے اسلحہ بھی تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''میں قصبے کی طرف جاتا ہوں۔ وہاں سے کوئی گاڑی مل جائے تو ہم یہ جیپ چھوڑ سکتے ہیں۔''

''جیپ کے ساتھ کھانے کو بھی کچھ مل جائے تو۔'' بیتو بولا۔ صبح کا بھاری ناشتہ اس سفر نے ہضم کر دیا تھا۔

میں نے جیپ سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک جگہ کھڑی کر دی۔ میں نے بیتو سے ریوالور لے لیا تھا۔ رائفل اس کے پاس تھی۔ میں نے قصبے کی طرف پیدل مارچ شروع کر دیا۔ آسمان صاف تھا اور امید تھی کہ صاف ہی رہے گا۔ مجھے قصبے تک پہنچنے میں پندرہ منٹ لگے تھے اور وہاں چھوٹے سے بازار میں چہل پہل تھی۔ لوگ خریداری کر رہے تھے میں نظر آنے والے پہلے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ یہ صاف ستھرا اور اچھی قسم کا ہوٹل تھا جو ظاہر ہے سیاحوں اور باہر سے آنے والے افراد کے لیے تھا۔ کاؤنٹر پر ایک نوجوان کھڑا تھا۔ میں اس کے پاس آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سر میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''مجھے تین افراد کے لیے کھانا پیک کروانا ہے اور یہاں کوئی گاڑی کرائے پر دستیاب ہو سکتی ہے۔''

''دونوں کام ہو جائیں گے سر آپ بیٹھیں۔'' اس نے ایک طرف موجود صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''اس دوران میں آپ کچھ پسند کریں گے؟''

میں خوش ہو گیا۔ ''بالکل اگر کافی مل سکتی ہے۔''

''ایک منٹ میں آ جائے گی سر۔''

یہ کوئی مہذب اور پڑھا لکھا نوجوان تھا جس نے میرے حلیے کے بجائے میری صورت سے جان لیا تھا کہ میں اس علاقے کا نہیں ہوں کسی شہر سے آیا ہوں اور مجھ سے اسی لحاظ سے پیش آیا تھا۔ کافی سچ مچ ایک منٹ بعد آ گئی تھی اور بہت اچھی تھی۔ یہاں بجلی تھی اور ہوٹل اندر سے آرام دہ تھا۔ کافی کے ساتھ آنے والے ویٹر نے مجھ سے کھانے کا پوچھا تو میرا خیال بدل گیا تھا میں نے کہا۔ ''کھانا اب یہیں کھائیں گے۔'' میں نے اسے آرڈر نوٹ کرا دیا۔

کافی کی ادائیگی کر کے میں نے نوجوان سے کہا۔ ''میں ابھی آدھے گھنٹے میں آتا ہوں اس دوران میں کھانا اور گاڑی دونوں تیار ملیں۔''

''گاڑی والے کو بلوا لیا ہے ویسے آپ کو کہاں جانا ہے؟''

''اسلام آباد۔'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ واپس جیپ تک آنے میں مزید دس منٹ لگے تھے کیونکہ میں نے رفتار دکھائی تھی اور بیتو کو لے کر واپس آنے پندرہ منٹ لگ گئے۔ ان دونوں کو معہ جیپ وہیں چھوڑ دیا تھا اب وہ خود جیسے چاہتے طبی امداد حاصل کرتے رہتے۔ میں نے راستے میں بیتو کو ہوٹل اور کھانے کے بارے میں بتایا تو وہ خوش ہو گیا تھا۔

''یہ اچھا ہوا ادھر آتے آتے کھانا ٹھنڈا پڑ جاتا۔''

''ادھر تو ہم خود ٹھنڈے پڑ رہے ہیں۔''

جب ہوٹل پہنچے تو کھانا تیار تھا اور گاڑی والا بھی آ گیا تھا لیکن پہلے ہم نے کھانے کو ترجیح دی۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے گاڑی والے سے بات کی یہ دیہاتی نظر آنے والا درمیانی عمر کا شخص تھا۔ اس کا نام عبدالقادر تھا۔ اس نے اسلام آباد تک لے جانے کے دو ہزار روپے مانگے جو میرے حساب سے کم تھے کیونکہ یہاں سے اسلام آباد تک پہنچنے میں کم سے کم چھ سات گھنٹے لگتے اور گاڑی ایندھن فاصلے کے لحاظ سے نہیں بلکہ وقت کے لحاظ سے کھاتی ہے۔ میں نے اسے کہا۔

''میں تم کو ڈھائی ہزار دوں گا لیکن آج رات تک اسلام آباد پہنچانا ہو گا۔''

''میں ضرور پہنچا دوں جناب۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔

ہوٹل کے واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر اور خود کو ممکنہ حد تک صاف کر کے ہم روانگی کے لیے تیار ہوئے۔ بل کے ساتھ میں نے نگڑی ٹپ بھی دی۔ ہم باہر آئے تو بیتو ایک دکان میں گھس گیا جس میں گرم کپڑے تھے اس نے ایک عدد جیکٹ اور ایک پتلون لی۔ میں نے بھی ایک اچھی قسم کی صدری لے لی کیونکہ اس کے نیچے رائفل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھی طرح چھپ رہی تھی۔ بیتو نے ایک عقل مندی اور کی اور اس نے جوتوں کی دکان سے جوتے بھی لے لیے ہمارے پیروں میں فوجی بوٹ تھے اور یہ دیکھنے والوں کو متوجہ کر سکتے تھے۔

جوتے اور کپڑے بدل کر حلیہ تو شاید نہیں بدلا لیکن ہمیں ذہنی سکون ملا تھا۔ یہ کام کرتے ہی ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور جب قصبے سے نکلنے والے تھے تو ایک چھوٹی پک اَپ میں وہی دونوں زخمی لدے نظر آئے ان کو قصبے کی طرف لایا جا رہا تھا۔ شاید اس پک اَپ والے نے ان کو سڑک کے کنارے کھڑی ٹریکٹر میں دیکھ لیا تھا اور ہمدردی میں ان کو اٹھا لایا تھا

جس کی پنڈلی ٹوٹی تھی وہ پک اَپ کے کیبن کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور کمر کی چوٹ والا کمر پکڑ کر لیٹا ہوا تھا۔ میں عبدالقادر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر تھا اور ٹوٹی پنڈلی والے نے مجھے دیکھ لیا۔ اس نے اچھل کر چیخ ماری اور میری طرف اشارہ کر کے کچھ ارشاد فرمایا لیکن اس سے زیادہ اسے موقع نہیں ملا کیونکہ دونوں گاڑیاں تیزی سے ایک دوسرے کے پاس سے گزر گئیں۔ ہم مخالف سمتوں میں جا رہے تھے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ پک اَپ رک رہی تھی لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا اول تو پک اَپ والا ہمارے تعاقب میں نہیں آتا کیونکہ وہ ستر ماڈل کی اس پرانی بیوک کو نہیں پکڑ سکتا تھا اور اگر آ جاتا اور پکڑ لیتا تو پھر ہم سے جان نہیں چھڑا سکتا تھا۔ الٹا ہم اسے پکڑ لیتے۔ اس لیے میں نے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا تھا۔

عبدالقادر کی توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی اور اس نے قصبے سے نکلتے ہی میرے کہے بغیر رفتار تیز کر دی تھی۔ پیٹ بھر کر کھانے اور خطرے کو پیچھے چھوڑ آنے کے بعد میں اب آرام کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ عبدالقادر نے اس گاڑی میں کوئی ایسا کام کیا تھا کہ ہیٹر چلائے بغیر کار کے انجن کی حرارت کار کو اندر سے گرم کر رہی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم آگے آ جاؤ میں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

''ہاں آپ نے رات کو بھی آرام نہیں کیا۔'' بیتو آگے آ گیا۔

کار کی نشست آرام دہ تو نہیں تھی لیکن خاصی بڑی تھی اور میں اس پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد ہچکولوں اور جھولوں نے لوری کا کام کیا اور میں سو گیا۔ اور جب میری آنکھ کھلی تو کار ایک جگہ رکی ہوئی تھی اور رات ہو چکی تھی۔ بیتو اگلی نشست پر اونگھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''ڈرائیور کہاں ہے؟''

''ریڈی ایٹر کے پانی لینے گیا ہے یہاں نیچے چشمہ ہے۔'' بیتو نے جواب دیا۔ کار سڑک کے کنارے رکی ہوئی تھی۔ ڈیش بورڈ میں ایک چھوٹی سی ڈیجیٹل کلاک لگی تھی اور اس کے مطابق شام کے سات بج رہے تھے۔ کچھ دیر بعد عبدالقادر نیچے سے ایک بڑی بوتل اٹھائے نمودار ہوا اور اس نے ہم سے کہا۔

''صاحب پانی پیے گا ادھر چشمے کا پانی بہت اچھا ہوتا ہے۔''

ہم نے پانی پیا جو یخ بستہ اور خوش ذائقہ تھا۔ اس نے بوتل سے ریڈی ایٹر بھرا اور ہم آگے روانہ ہوئے۔

''ابھی کتنا وقت اور لگے گا؟'' میں نے پوچھا۔ عبدالقادر نے جواب دیا۔ ''صاحب رات ہو گیا ہے کم سے کم چار گھنٹہ اور لگے گا۔''

''یعنی ہم رات گیارہ بجے تک اسلام آباد میں ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ تو اس نے سر ہلایا۔ رات ہو گئی تھی اور یہاں آسمان پر بادل بھی تھے جس سے ماحول دھندلا ہو رہا تھا۔ عبدالقادر نے اس وجہ سے بھی رفتار کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھی تھی۔ میں نے اس پر زور نہیں دیا۔ البتہ اسے نو بجے کے آس پاس کہیں کھانے کے لیے رکنے کو کہا۔ اس نے بتایا۔

''نو بجے تک ہم مظفر آباد میں ہوں گے وہاں آپ جہاں کہیں ادھر روک لے گا۔''

میں نے خوش ہو کر کہا اور اسے ایک اچھے ریستوران کا نام بتایا۔ ''اگر تم اس جگہ سے واقف ہو تو یہاں روک لینا۔''

''جانتا ہوں جی..... آپ فکر نہ کریں۔''

نیچے آنے سے سردی میں بھی اسی حساب سے کمی ہوئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ مظفر آباد تک موسم خوشگوار ہو جاتا۔ اب بیتو پیچھے چلا گیا تھا اور نشست پر دراز خراٹے لے رہا تھا۔ عبدالقادر خاموش اور اپنے کام سے کام رکھنے والا شخص تھا۔ اس نے کسی قسم کے تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا اور اس کی وجہ سے مجھے سوچنے کا موقع مل گیا۔ اسلام آباد چند گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ اسلام آباد پہنچ کر مجھے کیا کرنا تھا۔ سب سے پہلے مجھے ندیم کو کال کرنی تھی بلکہ مجھے مظفر آباد سے کال کرنی تھی کیونکہ ندیم کو ہی ہمارے لیے رہائش اور دوسرے انتظامات کرنے تھے۔ اس کے بعد مجھے وسیم اور سفیر سے رابطے کرنا تھا۔

سوچنے کے دوران میرا ہاتھ سینے سے لگے بریف کیس پر گیا تھا اور مجھے خیال آیا کہ مجھے اس کا بھی کچھ بندوبست کرنا تھا۔ اس سے چھٹکارے کے لیے سب سے آسان طریقہ تو یہ تھا کہ میں اسے چین کے سفارت خانے بھجوا دیتا لیکن اس کے بارے میں، میں آرام سے بھی فیصلہ کر سکتا تھا مجھے آگے پیچھے بہت کچھ سوچنا تھا۔ مجھے کامی کا خیال آیا تھا۔ وہ چین میں تھی اور ممکن ہے ہماری وجہ سے اس پر بھی کوئی مشکل آئی ہو۔ بہرحال ہم چینیوں کی قید میں تھے اور ان کے نزدیک اب ہم مفرور تھے۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد مظفر آباد شہر کے مضافات نظر آنے لگے تھے۔ عبدالقادر نے اس موسم میں بھی بہت اچھی اور تیز ڈرائیونگ کی تھی اور اس کی وجہ سے ہم اتنی جلدی یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ بیس منٹ بعد ہم اس ریستوران کے سامنے تھے جہاں کے لیے میں نے عبدالقادر سے کہا تھا۔ میں پہلے بھی یہاں کئی بار آ چکا تھا۔ یہ معیار کے لحاظ سے بہت اچھا ریستوران تھا۔ پارکنگ میں کار روک کر ہم نیچے اترے تو موسم مناسب حد تک سرد تھا۔ مظفر آباد میں اتنی ہی سردی گرمی پڑتی ہے جتنی کہ اسلام آباد میں پڑتی ہے۔ میں نے عبدالقادر سے کہا۔

''تم بھی آؤ۔''

وہ ہچکچایا۔ ''صاحب میں.....''

''ہاں تم بھی آؤ۔''

وہ اس پوش ریستوران میں جاتے ہوئے شرما رہا تھا لیکن میرے اصرار پر اسے ماننا پڑا تھا۔ ہم اندر آئے۔ سردی کے باوجود ریستوران کی رونق عروج پر تھی۔ ایک ہیڈ ویٹر نے ہمارا استقبال کیا۔ میں نے اس سے بوتھ کا کہا اور وہ ہمیں چار افراد کے لیے مخصوص بوتھ میں لے آیا۔ یہاں ہم دوسروں کی نظروں میں آئے بغیر آرام سے کھا پی سکتے تھے۔ اگرچہ یہاں کسی شناسا کے ملنے کا امکان کم تھا لیکن پھر بھی احتیاط لازمی تھی۔ کھانے کا کہہ کر میں اور بیتو باری باری واش روم ہو آئے۔ کھانا آنے تک وقت گزاری کے لیے چائے منگوالی اور چائے پی کر تازہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دم ہو گئے تھے۔

چائے لینے کے بعد میں ان دونوں کو بوتھ میں چھوڑ کر لاؤنج کی طرف آیا۔ وہاں فون بوتھ موجود تھا۔ اس زمانے میں کارڈ فون کا رواج تھا۔ میں نے کاؤنٹر سے ایک کارڈ خریدا اور ندیم کا نمبر ملایا۔ خاصی دیر بیل بجنے کے بعد اس نے فون اٹھایا تو لائن میں کھڑکھڑاہٹ کا بہت شور تھا۔ ندیم نے چلا کر پوچھا۔ ''ہیلو کون بول رہا ہے؟''

''تمہارا باپ۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرا باپ۔'' ندیم پھر چلایا۔ ''وہ تو دس سال پہلے گزر گئے اب پھر کہاں سے پیدا ہو گئے۔''

''ابے میں شہباز بول رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تو مجبوراً مجھے ذرا بلند آواز سے کہنا پڑا تھا۔ لاؤنج میں خاصے لوگ تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ہماری بات سنے۔ تیسری بار بتانے پر ندیم کی سمجھ میں آیا۔

''شہباز تو کہاں مر گیا تھا۔'' وہ چلایا تو میں نے خفگی سے کہا۔

''سالے وکیل کی اولاد آہستہ بول کیا مجھے بہرہ کرے گا۔ میں ابھی پاکستان آیا ہوں۔''

''پاکستان۔'' ندیم نے چلانا جاری رکھا۔ ''تو پاکستان سے بات کر رہا ہے۔ کہاں ہے تو؟''

''ابھی تو مظفر آباد میں ہوں کچھ دیر بعد اسلام آباد میں ہوں گا۔ تو ہمارے استقبال کے لیے تیار ہو جا۔''

''شہباز تو کہاں ہے مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا۔'' ندیم نے کہا۔ ''لائن میں بہت شور ہو رہا ہے۔''

''میں کہہ رہا ہوں دو گھنٹے بعد اسلام آباد میں ہوں گا تیرے پاس۔''

''اچھا..... اچھا..... ٹھیک ہے۔ بس تو جلدی سے آجا میں گھر پر ملوں گا اور دل مضبوط کر کے آنا..... خبر اچھی نہیں ہے تیرے لیے۔''

میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ ''ندیم کیا ہوا..... دبئی والے ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں وہ ٹھیک ہیں پر تیرے.....'' ندیم کی آواز اچانک ہی بے پناہ شور میں دب گئی میں زور سے بولا۔

''ہیلو..... ہیلو۔''

مگر شور اسی طرح رہا۔ میں نے کال کاٹ کر پھر ملائی لیکن اس بار لائن ملی نہیں تھی۔ وہاں ایک اور فون بوتھ بھی تھا میں نے اس میں کوشش کی لیکن اس میں لائن پر شور تھی اور کال نہیں مل رہی تھی۔ میں کاؤنٹر پر آیا اور ڈیسک کلرک کو بتایا تو اس نے کہا۔ ''اسلام آباد میں بارش ہو رہی ہے اس موسم میں فون لائنیں اکثر خراب ہو جاتی ہیں۔ آئی ایم سوری سر۔''

میں مایوس ہو کر بوتھ میں آ گیا جہاں کھانا لگ رہا تھا اور میں سوچتے ہوئے کھانے میں لگ گیا کہ ندیم مجھے کون سے بری خبر کے لیے تیار کر رہا تھا۔ میں بے دھیانی میں کھا رہا تھا۔ بیتو میرا مزاج آشنا ہو گیا تھا وہ سمجھ گیا کہ کوئی مسئلہ ہے۔ کھانے کے بعد جب عبدالقادر ہاتھ دھونے گیا تو اس نے پوچھا۔ ''شوبی بھائی کیا بات ہے آپ پریشان ہو گیا ہے۔''

میں نے اسے ندیم سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ ''اب مجھے فکر ہو رہی ہے کہ کہاں خیریت نہیں ہے۔ دبئی میں سب ٹھیک ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ کا گھر والا.....'' بیتو بولتے بولتے رک گیا کیونکہ عبدالقادر آ گیا تھا۔ یہی اندیشہ میرے دل میں بھی تھا۔ مجھے ماں جی اور اباجی کی فکر ہونے لگی تھی۔ اب میں جلد از جلد اسلام آباد پہنچ جانا چاہتا تھا۔ میں نے بل منگوایا اور بل ادا کیا۔ دس بجے ہم روانہ ہونے کے لیے تیار تھے۔ عبدالقادر ہمارے حسن سلوک اور ساتھ کھانا کھلانے پر بہت شکر گزار تھا۔

''اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''نہیں جی بات تو ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''لمبے سفر میں بعض لوگ خود کھانے چلے جاتے ہیں اور مجھے پوچھتے بھی نہیں ہیں میں ان کو گالیاں دیتا ہوں آپ نے ساتھ بٹھا کر کھلایا تو شکریہ کیوں نہ کہوں۔''

مجھے اس کی سادہ سی منطق پر ہنسی آئی تھی اور واقعی غور کرنے کی بات بھی تھی اگر ہمارے ساتھ کوئی برا کرے تو ہم جواب میں اسے سنانے میں دیر نہیں کرتے ہیں لیکن جب کوئی اچھا سلوک کرتا ہے تو اس کا شکریہ بھی بہت ہچکچا کر کرتے ہیں۔ ہم باہر آئے تو رات سرد ہو چکی تھی لیکن یہ سردی اس کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی جو ہم پیچھے دیکھ آئے تھے۔ جس میں ہڈیوں کا گودا بھی جمنے لگتا تھا۔ مجھے اور بیتو کو موسم خوشگوار لگ رہا تھا اور بیتو نے اپنی جیکٹ کے بٹن تک کھول دیے تھے۔ میری مجبوری تھی صدری میں کوئی بٹن نہیں ہوتا ہے۔ پھر اس کے نیچے رائفل بھی تھی اس لیے صدری پہنے رہنا میری مجبوری تھی۔

عبدالقادر کو پارکنگ ذرا دور ملی تھی اور ہم کار تک آئے۔ اندر بیٹھے اس دوران میں وہ کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر انجن میں کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ وہ کوشش کرتا رہا اور انجن جامد رہا۔ اس نے نیچے اتر کر بونٹ اٹھایا اور انجن دیکھنے لگا۔ کچھ دیر وہ ہاتھ مارتا رہا لیکن خرابی اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں بھی نیچے اتر آیا۔

''کیا ہوا عبدالقادر؟''

''پتا نہیں صاحب..... انجن میں کچھ مسئلہ ہو گیا ہے سامنے تو کچھ نظر نہیں آ رہا ہے مکینک کو بلانا پڑے گا۔''

''مکینک کہاں سے ملے گا؟''

''ادھر ہے ایک جگہ لیکن اس وقت تو کوئی مکینک بھی نہیں ملے گا صبح ملے گا۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''صاحب ایسا کرو آپ یہاں سے کوئی اور گاڑی کر لو۔''

''ایسا ہی کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ ممکن ہے ندیم سے میری بات نہ ہوئی ہوتی تو میں آرام سے بھی جا سکتا تھا لیکن اب میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح اُڑ کر ندیم کے پاس پہنچ جاؤں۔ میں سوچنے لگا کہ دوسری گاڑی کہاں سے ملے گی۔

عبدالقادر سمجھا کہ میں اس کے کرائے کے بارے میں سوچ رہا ہوں کیونکہ معاوضہ ہمیں اسلام آباد تک پہنچانے کا طے ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''دوسرا گاڑی والا جتنا مانگے..... اتنا میرے کرائے میں سے کاٹ کر مجھے دے دو۔''

''نہیں یار تمہارا قصور تو نہیں ہے۔'' میں نے اسے پورے ڈھائی ہزار ہی دیتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سے گاڑی کہاں سے ملے گی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ادھر تو کچھ نہیں صاحب۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔ اسے خلاف توقع پورا معاوضہ مل گیا تھا۔ ''آپ کو آگے جا کر دیکھنا ہوگا۔''

''چلو ٹھیک ہے ہم دیکھ لیں گے۔'' میں نے کہا۔

جس وقت عبدالقادر کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس دوران میں ایک جوڑا پارکنگ میں آ کر اپنی گاڑی کے پاس رکا۔ ان کی کار پاس ہی پارک تھی۔ مرد تقریباً چالیس برس کا صورت سے سنجیدہ اور تعلیم یافتہ نظر آتا تھا۔ اس کے ساتھ عورت جوان تھی اور میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ کار میں بیٹھ گئے مگر روانہ نہیں ہوئے تھے۔ وہ شاید عبدالقادر کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ جب عبدالقادر نے ناکامی کا اعتراف کر لیا اور میں نے اسے ادائیگی کر دی تو مرد اتر کر ہمارے پاس آیا۔

''اپنی پرابلم۔'' اس نے کہا۔

''کوئی خاص نہیں ہم نے اسلام آباد جانے کے لیے گاڑی ہائر کی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہاں خراب ہوگئی ہے۔''

''ہم بھی اسلام آباد ہی جا رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''سوری میں نے تعارف نہیں کرایا مجھے نجم ارسلان کہتے ہیں۔ میں اپنی سسرال سے واپس جا رہا ہوں۔''

''شہباز ملک۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ ''یہ شریف ہیں۔'' میں نے بیتو کی طرف اشارہ کیا۔ اس نام پر بیتو نے برا سا منہ بنایا۔ ''ہمارا آج رات اسلام آباد پہنچنا ضروری ہے۔''

نجم ارسلان مسکرایا۔ ''بس ملازمت پیشہ لوگوں کی یہی مجبوری ہے کل مجھے بھی دفتر جانا ہے۔ میں آپ دونوں کو لفٹ دے سکتا ہوں۔''

میں نے کار کی طرف دیکھا۔ ''آپ کو زحمت ہوگی آپ کی وائف بھی ساتھ ہیں۔''

''نہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ میں اکثر یہاں آتے جاتے لوگوں کو لفٹ دے دیتا ہوں۔ اس موسم میں آپ کو ٹیکسی بھی مشکل سے ملے گی اور آپ کہہ چکے ہیں کہ آپ کا اسلام آباد پہنچنا ضروری ہے۔''

مجھے تعجب تو ہوا تھا کہ وہ کتنے اعتماد سے دو اجنبی مردوں کو لفٹ دے رہا تھا جب کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔ اس نے میری سوچ بھانپ لی۔ ''آپ شاید سوچ رہے ہیں کہ بیوی کے ہوتے میں نے رات کے وقت آپ کو لفٹ کی پیش کش کیوں کی ہے؟''

''ہاں اور یہ سوچ فطری ہے کیونکہ عام طور سے ہمارے ہاں ایسا ہوتا نہیں ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''میں قیافہ شناس ہوں اور میں بتا سکتا ہوں کہ آپ کسی کو دھوکا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں کسی سے مس بی ہیو کرنا تو دور کی بات ہے۔ آیئے ابھی راستہ طویل ہے۔''

اس کی گاڑی بڑی اور لگژری قسم کی تھی۔ میں اور بیتو دائیں بائیں سے آئے اس دوران میں وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا تھا۔ میں اور بیتو بھی اندر آ گئے اور جب میں نے سامنے دیکھا تو پہلی بار مجھے گڑبڑ کا احساس ہوا۔ اگلی اور پچھلی نشستوں کے درمیان میں ایک شیشہ لگا تھا۔ میں نے ہاتھ مارا اور اسی دوران میں بیتو نے بھی محسوس کر لیا۔ ''یہ کیا ہے؟'' اس نے گھبرا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بیتو اترو ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔'' میں نے دروازہ کھولنے والا لیور پکڑ کر کھینچا لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ دوسری طرف بیتو کوشش کر رہا تھا اور اس دوران میں گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

''شوبی دروازہ تو کھلتا ہی نہیں ہے۔'' بیتو بولا۔

''یہ بھی نہیں کھل رہا۔'' میں نے کہا اور شیشہ نیچے کرنے والا ہینڈل گھمایا اور نتیجہ حسب سابق رہا یعنی شیشے نے بھی ٹس سے مس ہونے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے مکمل بندوبست کیا ہوا تھا۔ میں نے رائفل نکال کر اس کے دستے سے درمیانی شیشہ بجایا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

''تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' مرد کی آواز آئی۔ ''اس لیے آرام سے بیٹھو۔''

''آرام کے بچے میں کہتا ہوں گاڑی روکو ورنہ میں فائر کر دوں گا۔'' میں نے مشتعل ہو کر کہا تو وہ جلدی سے بولا۔

''ایسی غلطی مت کرنا۔ یہ شیشہ اور کھڑکیاں بلٹ پروف ہیں گولی پلٹ کر تمہیں یا تمہارے ساتھی کو لگ سکتی ہے۔''

میں رک گیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یہ شیشہ مجھے عام شیشے سے الگ لگا تھا۔ گولی چلانے میں خطرہ تھا۔ ''تم نے ہمیں اغوا کیوں کیا ہے؟''

''یہ اغوا نہیں ہے۔'' وہ بولا۔ ''تم اسے ایک طرح سے حفاظتی تحویل کہہ سکتے ہو۔''

''بھاڑ میں گئی تمہاری حفاظتی تحویل۔'' مجھے غصہ آ گیا۔ ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مرشد کے گرگے ہو۔''

''مرشد علی..... یہ کون ہے؟''

''تمہارا نانا جائز باپ۔'' میں نے کہا اور گاڑی کے اس حصے کا معائنہ کرنے لگا۔ میں نے عقبی شیشہ چیک کیا اور یہ مجھے نارمل لگا تھا۔ میں نے اس پر رائفل کا بٹ مارا تو اس پر ہلکی سی خراش آئی تھی۔

''اے رک جاؤ۔'' اس بار عورت کی آواز آئی تھی۔ ''ورنہ مجبوراً ہمیں تم کو بے ہوش کرنا پڑے گا۔''

''اس کے لیے تمہیں یہاں آنا پڑے گا۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''ممکن ہے تم اتنی حسین ہو کہ ہم تمہیں دیکھ کر بے ہوش ہو جائیں۔''

''نہیں اس کے لیے پیچھے آنا ضروری نہیں ہے۔'' عورت بولی آواز سے بھی وہ جوان لگ رہی تھی۔ میں نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر شیشے پر دوبارہ دستہ مارا اور شیشہ تڑخ گیا۔ میں نے تیسری بات اسے توڑنے کے ارادے سے ہاتھ بلند کر کے وار کرنا چاہا تو یک لخت مجھے لگا جیسے میرا ہاتھ بہت بھاری ہو گیا ہو اور جب میں نے وار کیا تو ہاتھ سلوموشن کے انداز میں گیا اور ایک پھسپھسا سا وار کیا تھا۔ میں نے ہاتھ پیچھے کیا تو وہ پیچھے ہی گرتا چلا گیا اور پھر میں خود بھی نشستوں کے سامنے موجود خلا میں گر گیا اور میرا سر نیچے کہیں ٹک گیا تھا مجھے لگا جیسے دنیا گھوم رہی ہے اور گاڑی باہر ہر کچھ دیر بعد گزرنے والی روڈ لائٹس جھلملانے لگی تھیں۔ پھر ان کی جھلملاہٹ بڑھتی چلی گئی اور مجھے کچھ ہوش نہیں رہا تھا اس لیے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ بیتو کا کیا حال ہوا تھا۔

○.....❖.....○

مجھے ہوش آیا تو میں کسی نرم سطح پر چت پڑا تھا اور میری نگاہوں کے سامنے سفید چھت تھی جس پر لگا فینسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹائپ کا پنکھا سا کت تھا کیونکہ یہ موسم پنکھے والا نہیں تھا۔ میرے اوپر ایک ہلکا کمبل پڑا تھا حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ کمرہ خوش گوار حد تک گرم تھا۔ کچھ دیر تو مجھے یاد ہی نہیں آیا کہ میں کون ہوں اور یہاں کیا کر رہا ہوں۔ پھر مجھے رفتہ رفتہ سب یاد آنے لگا۔ میں اور بیتو مظفر آباد سے نکلے تھے اور ہمیں ایک شخص نے دھوکے سے اپنی کار میں قید کر دیا تھا۔ بیتو کا خیال آتے ہی میں جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور بیتو مجھے برابر والے بستر پر لیٹا نظر آ گیا۔ اس نے سینے تک کمبل اوڑھ رکھا تھا اور خراٹے لے رہا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ کمرہ سادہ سا تھا اس میں دو بیڈ تھے جس پر کسی قدر موٹا فوم کا گدا تھا اور صاف ستھری چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ایک ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ جس پر ڈریسنگ ٹیبل والے لوازمات تھے۔ جب میں نے اس کے آئینے میں خود کو دیکھا تو چونک گیا کیونکہ میرے بال کاٹ کر چھوٹے کر دیئے گئے تھے اور چہرہ کلین شیو تھا۔ جسم کی حالت سے لگ رہا تھا کہ مجھے باقاعدہ غسل دیا گیا ہو اور کچھ ایسا ہی صاف ستھرا بیتو بھی ہو رہا تھا۔

مجھے یاد آیا کہ جب میں نے حواس کھوئے تو اس وقت میں گاڑی کا عقبی شیشہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسی دوران میں کسی وجہ سے بے ہوشی نے مجھ پر غلبہ پا لیا تھا۔ میں نے اس دوران میں کسی قسم کی بو بھی محسوس نہیں کی تھی اور نہ ہی ذہن پر کوئی ناگوار تاثر آیا تھا جیسا کہ گیس سے بے ہوش ہونے کی صورت میں ہوتا اور نہ ہوش میں آنے کے بعد آدمی اتنا پُرسکون ہوتا ہے کیونکہ گیس کے مضر اثرات اتنی آسانی سے زائل نہیں ہوتے ہیں۔ جب کہ میں خود اس طرح تازہ دم محسوس کر رہا تھا جیسے بھرپور نیند لینے کے بعد اٹھا ہوں۔ اگر نجم ارسلان نے کوئی گیس استعمال کی تھی تو وہ یقیناً کوئی جدید ترین گیس ہو گی کیونکہ میرے علم میں بے ہوش کرنے والی تمام گیسوں کے اثرات بہت برے ہوتے ہیں۔ اس سے میرے ذہن میں ایک خیال اور آیا کہ میں ڈیوڈ شا کے ہاتھ لگ گیا ہوں۔ وہ پہلی دنیا کا فرد ہے اور اس کے اس قسم کی چیزیں مہیا کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

اتنی ذہانت سے مجھے ٹریپ کرنا اور ایسے ذرائع استعمال کرنا مرشد جیسے بدمعاشوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ ننگی جارحیت دکھا سکتا تھا۔ فتح خان ڈیوڈ شا کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس نے پہلے اسے بھیجا اور اس کے بیک اَپ کے طور پر اس جوڑے کو بھیجا۔ جو کام فتح خان نہیں کر سکا وہ انہوں نے نہایت کامیابی سے کر لیا تھا۔ ان کو پتا تھا کہ ہم کس راستے سے آ سکتے ہیں اور انہوں نے پہلے ہی جال بچھا رکھا تھا۔ ممکن اس جوڑے کے علاوہ اور ٹیمیں بھی ہوں۔ انہوں نے مجھے ٹریس کیا اور نہایت کامیابی سے قابو کر لیا۔ جب انہوں نے مجھے اس ریستوران میں تلاش کر لیا تو سب سے پہلے عبدالقادر کی کار خراب کر دی اور پھر ہمیں اپنی کار میں اسلام آباد لے جانے کی پیش کش کی۔ میاں بیوی کو دیکھ کر ہم کسی شک میں نہیں پڑے تھے اور اب ان کے قابو میں تھے۔

مجھے جس طرح سے ہوش آیا تھا یہ بھی مرشد کا انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر وہ مجھے اٹھاتا تو مجھے اس طرح ہوش آتا کہ میں کہیں الٹا لٹکا ہوتا اور مرشد کے جلاد میری کھال اتارنے کے لیے تیار ہوتے۔ اتنی اچھی طرح ہوش نہیں آتا کہ میں ایک آرام دہ بستر پر لیٹا ہوتا۔ میرے جسم پر ایک موٹا سوتی پاجامہ اور پوری آستین کی ٹی شرٹ تھی۔ یہ بھی ہلکی سی گرم تھی لیکن باہر کے لیے زیادہ موزوں نہیں تھی۔ بستر کے ساتھ نرم چپل رکھی تھی اور سائز میرا ہی تھا۔ اتنا خیال تو آج کل بیویاں بھی نہیں رکھتی ہیں جتنا ان لوگوں نے کیا تھا۔ سرہانے تپائی پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر پیا حالانکہ مجھے پیاس نہیں لگ رہی تھی اور مرے کی بات تھی کہ بھوک بھی نہیں لگ رہی تھی۔ جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ میرے اندازے کے مطابق مجھے کم سے کم دس گھنٹے بعد ہوش آیا تھا ممکن ہے اس سے زیادہ وقت لگا ہو۔ خاص بات یہ تھی کہ چیزوں کا بریف کیس غائب تھا۔

لیکن اسی وقت مجھے ندیم سے ہونے والی گفتگو یاد آئی تو میں مضطرب ہو گیا۔ نہ جانے کون سی بری خبر میری منتظر تھی لیکن یہاں سے نکلے بغیر میں کچھ نہیں جان سکتا تھا اس لیے یہ بات ذہن سے نکال کر میں نے پہلے موجودہ حالات کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ کمرے میں کوئی گھڑی نہیں تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ کیا وقت ہوا ہے۔ کمرہ بند لیکن مکمل اے سی تھا اس لیے گھٹن کا نام و نشان نہیں تھا۔ کمرے کو اے سی نے گرم رکھا ہوا تھا۔ میں نے بیتو کا معائنہ کیا۔ وہ سو رہا تھا اور اس کی حالت بھی بالکل ٹھیک تھی۔ اس کی طرف سے اطمینان کے بعد میں حرکت میں آیا اور کمرے کا ایک دروازہ کھولا لیکن یہ واش روم ثابت ہوا تھا۔ واش روم بھی مکمل طور پر پیک تھا اور اس میں ایک طرف ایگزاسٹ لگا تھا اس کے علاوہ ایک معمولی سی جھری بھی نہیں تھی۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور دوسرے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ وہ خود بہ خود کھل گیا اور مجھے ایک دلکش صورت دکھائی دی۔

یہ چوبیس پچیس برس کی لڑکی تھی۔ کم سے کم اس کی جسامت لڑکیوں کی طرح تھی۔ اس نے ہلکے سے کپڑے کا کرتا اور چست جینز پہن رکھی تھی۔ کرتا ہلکے پن کا تاثر دے رہا تھا ورنہ اس میں جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بال پونی ٹیل کی صورت میں باندھ رکھے تھے اور اس کے چہرے ذرا شریر سا تاثر تھا اس لیے بھی وہ لڑکی لگ رہی تھی۔ اس نے بے تکلفی سے کہا۔ ''اٹھ گئے بہت دیر تک سوتے ہو۔''

''یہ تو سلانے والے پر ہے کہ وہ کتنی دیر کے لیے سلاتا ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''بائی دی وے ہم کہاں ہیں؟''

''ایک کمرے میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور یہ کمرہ کہاں ہے؟''

''ایک کوٹھی میں۔'' اس کا لہجہ مزید شریر ہو گیا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''اس طرح تو آخری پتا یہ دنیا ثابت ہو گی میں قصہ مختصر کرتا ہوں مجھے میرے میزبان کا نام بتا دو۔''

''پروفیسر نفیس برنی۔''

''یہ نام میرے لیے نیا ہے میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا، کیا یہ سچ مچ کے پروفیسر ہیں؟''

''جی بالکل سائیکولوجی میں اس ملک میں ان سے بڑا نام نہیں ملے گا۔'' لڑکی نے فخر سے کہا۔

''سائیکو۔'' میں نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ ''یعنی پاگلوں کے ڈاکٹر؟..... میں نے سنا ہے کہ یہ خود دھے پاگل ہوتے ہیں۔''

خلاف توقع لڑکی نے برا ماننے کے بجائے میری تائید کی۔ ''بالکل ہوتے ہیں ورنہ پاگلوں کا علاج کیسے کریں۔''

''لیکن مس.....''

''دونی۔'' اس نے تعارف کرایا۔ ''ویسے میرا نام دونیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ذرا عجیب تعارف نہیں ہے پہلے نک اور پھر اصل نام؟''

''میں بھی ذرا پاگل ہوں۔'' اس نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''ظاہر ہے ورنہ یہاں کیوں پائی جاتیں لیکن مس دونیا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ نہ تو میں پاگل نہ ہوں اور نہ میرا ساتھی پاگل ہے۔''

''ثابت کرو؟'' اس نے مطالبہ کیا۔

میں ذرا بوکھلا گیا۔ اگر میں پاگل ہوتا تو ایک منٹ میں ثبوت دے دیتا لیکن پاگل نہ ہونے کا ثبوت کیسے دیتے ہیں۔ ''یہ سوال عجیب نہیں ہے جیسے کسی سے کہا جائے کہ تم ثابت کرو کہ تم مجرم نہیں ہو۔''

''کوئی عجیب نہیں ہے۔ عدالت ملزم سے یہی تو کہتی ہے۔''

''لیکن عام آدمی سے ایسا سوال تو پاگلوں کے ڈاکٹر بھی نہیں کرتے ہیں۔''

''تم عام آدمی نہیں ہو جیسے میں عام لڑکی نہیں ہوں۔''

''عام نہیں ہو تو پھر کیا ہو؟''

''میں نے کہا نا میں بھی آدھی پاگل ہوں۔''

''لیکن لگتی تو نہیں ہو۔''

''اسی طرح تم بھی نہیں لگتے ہو لیکن ہو سکتا ہے پاگل ہو؟''

میں نے سوچ کر سوال کیا۔ ''اس کا پتا کیسے چلے گا کہ میں پاگل ہوں یا نہیں؟''

''گڈ اب کیا نا تم نے کام کا سوال..... اسی وجہ سے تو تم کو یہاں لایا گیا ہے۔''

''خوب۔'' میں مسکرایا۔ ''پروفیسر صاحب کا پریکٹس کرنے کا طریقہ کچھ منفرد نہیں ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تم ان سے ملنا پسند کرو گے؟''

''ضرور۔''

''تو آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے دروازے سے ہٹ کر کہا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔ ''اس کی فکر مت کرو یہ یہاں بالکل محفوظ ہے۔''

ہم ویسے بھی ان لوگوں کے رحم و کرم پر تھے۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ میں اور بیتو قید میں ہیں اور اس لڑکی کو سامنے کرنا بھی ان لوگوں کی کوئی چال تھی اگر میں اسے پکڑ لیتا تب بھی شاید یہاں سے رہائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ عام سی کوئی لڑکی لگتی تھی جس کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی تب ہی انہوں نے اسے یہاں بھیج دیا تھا۔ میں نے شانے اچکائے اور کہا۔ ''چلو لیکن جانا کہاں ہے؟''

''اسی کوٹھی میں۔'' اس نے جواب دیا۔ میں کمرے سے باہر آیا۔ یہ ایک راہداری تھی جس کے دونوں طرف دو دو کی قطار میں چار دروازے تھے۔ یہ شاید چار کمرے تھے۔ راہداری کے سرے پر لکڑی کا مضبوط دروازہ تھا۔ جس میں ذرا عجیب قسم کا تالا لگا تھا۔ دونیا نے اس کے پاس منہ کر کے کہا۔ ''دونیا۔''

اور تالا کھل گیا۔ یہ آواز پر کھلنے والا تالا تھا۔ مجھے تعجب نہیں ہوا کیونکہ آج کل ایسی چیزیں عام ہیں۔ ہم باہر آئے یہ کسی کوٹھی کا عقبی لان تھا ہم برآمدے سے گزرنے لگے۔ دن نکلا ہوا تھا لیکن آسمان پر بادل تھے اور ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں خنکی تھی میں ایک لمحے کو کانپ گیا لیکن یہ سردی ناقابلِ برداشت قسم کی نہیں تھی اس لیے جلد میں نارمل ہو گیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ کوٹھی کی دیواریں بہت اونچی تھیں اور ان پر خاردار تاروں کی باڑھ بھی لگی تھی۔ میں اچانک رک گیا۔ دونیا نے میری طرف دیکھا۔ ''رک کیوں گئے؟''

''مس دونیا میرے میزبان نے تمہیں اکیلا بھیج کر عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا اگر میں تمہاری گردن مروڑ دوں اور یہاں سے فرار ہو جاؤں؟''

وہ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوئی تھی۔ ''تم پہلا کام ضرور کر سکتے ہو لیکن دوسرا ممکن نہیں ہے۔ تم صرف لان پر قدم رکھ کر دیکھ لو۔''

میں نے اس کے مشورے پر عمل کیا اور ابھی دس سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک طرف سے ایک ڈوبر مین نسل کا کتا برآمد ہوا اور بنا بھونکے میری طرف لپکا۔ میں جلدی سے برآمدے میں واپس آیا تو اس نے دوڑنا موقوف کیا اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا۔ دونیا مسکرائی۔ ''لان پر بلا اجازت قدم رکھنے والے شخص کو یہ کتا چیر پھاڑ دیتا ہے۔''

میں نے جھرجھری لی۔ ''اور یہ اجازت کون دیتا ہے؟''

''پروفیسر برنی۔'' اس نے کہا۔ ''میں بھی لان پر نہیں جا سکتی ہوں۔''

مجھے اسی لمحے اس ان دیکھے پروفیسر برنی سے چڑ ہو گئی تھی۔ کتوں سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی ہے اور جو لوگ کتوں کو عزیز رکھتے ہیں وہ بھی کبھی مجھے اچھے نہیں لگے۔ اس تجربے کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اتنا اعتماد پروفیسر کس برتے پر دکھا رہا تھا۔ میں نے دونیا سے کہا۔

''تم نے کہا میں تمہیں قتل کر سکتا ہوں۔ اس کا مطلب ہے تمہاری زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''یہ تم سے کس نے کہا..... میں پروفیسر کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہوں۔''

''تبھی اس نے اتنے آرام سے تمہیں میرے پاس اکیلے بھیج دیا۔ میں قید میں ہوں اور جو شخص قید ہوتا ہے اس سے کسی بھی رویے کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے لیکن پروفیسر تمہارے بارے میں جانتے ہیں اور ان کو اعتماد ہے کہ تم ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔''

''میرا خیال ہے یہ اس کا اعتماد نہیں سنگ دلی ہے۔ اسے تمہاری جان کی کوئی پروا نہیں ہے۔''

وہ چلتے چلتے رکی اور مڑ کر میری طرف دیکھا۔ ''یہ تمہاری بہت سطحی سوچ ہے میں نے کہا نا پروفیسر کو میں بہت عزیز ہوں۔''

کچھ دور چلنے کے بعد اس نے کوٹھی کے اندر جانے والا ایک دروازہ کھولا اور ہم اندر آ گئے۔ یہ ایک چھوٹی سی نشست گاہ تھی اور اسے عبور کر کے ہم ڈائننگ ایریا میں پہنچے ایک وسیع و عریض میز موجود تھی۔ جس پر کم سے کم چالیس افراد کھانا کھا سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی میز بھی تھی۔ ہم ڈائننگ ہال سے بھی گزر کر سیڑھیوں پر آئے اور اوپر کی منزل تک پہنچے۔ ہم نے جتنا فاصلہ طے کیا تھا اس سے ظاہر تھا کہ یہ بہت بڑی کوٹھی تھی اس کا عقبی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لان ہی دو کنال سے زیادہ زمین پر تھا جب کہ کوٹھی اس سے کہیں بڑے رقبے پر بنی ہوئی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ پروفیسر اتنا ہی دولت مند ہے جو اس کوٹھی میں رہتا ہے یا یہ کوئی سیٹ اَپ ہے؟ مجھے دوسرا امکان زیادہ قابل قبول لگا تھا لیکن اصل حقیقت پروفیسر سے ملنے کے بعد ہی سامنے آتی۔ پروفیسر ایک اسٹڈی نما کمرے میں ہمارا منتظر تھا۔ اس وسیع کمرے میں چاروں طرف چھت تک بنی دیوار گیر الماریوں میں شاید لاکھ سے اوپر کتابیں تھیں۔ یہ ایک شاندار لائبریری تھی۔ پروفیسر میرے اندازے کے برعکس ایک عام سا شخص نکلا۔ اس کی صورت اسلام آباد کے ایک ٹی وی آرٹسٹ فاروق ضمیر سے ملتی تھی اس نے عینک بھی ویسی ہی لگا رکھی تھی۔ تھری پیس سوٹ میں وہ سچ مچ پروفیسر ہی لگ رہا تھا جو لیکچر دینے کے لیے تیار ہو۔ وہ ایک بڑی سی میز کے دوسری طرف بیٹھا تھا اور اس نے اٹھے بغیر کہا۔ ''خوش آمدید مسٹر شہباز ملک۔''

''میرے لیے یہاں موجودگی کوئی خوشی کی بات نہیں ہے۔'' میں نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''مہربانی فرما کر اس حرکت کی وجہ بیان کرو۔''

پروفیسر نے سر کے اشارے سے دونیا کو وہاں سے جانے کو کہا اور وہ خاموشی سے چلی گئی۔ پروفیسر نے سامنے رکھا پائپ اٹھا کر سلگایا اور مجھے بھی اشارے سے بیٹھنے کو کہا لیکن میں کھڑا رہا۔ ''شکریہ میں اس طرح زیادہ اچھا محسوس کر رہا ہوں۔''

''تمہارا رویہ بتا رہا ہے کہ تم خود کو محفوظ سمجھ رہے ہو۔'' اس نے میرا نفسیاتی تجزیہ شروع کر دیا تھا۔

''پروفیسر اس ملک میں ہزاروں قابل سائکاٹرسٹ ہیں اور اگر مجھے نفسیاتی تجزیے کی ضرورت پیش آئی تو میں ان میں سے کسی کے پاس جا سکتا ہوں۔ تم مطلب کی بات کرو۔''

ایک لمحے کو اس چہرے پر جھنجھلاہٹ نظر آئی لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پا لیا۔ اسے مزید طیش دلانے کے لیے میں نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں نے تمہیں اس طرح کیوں بلایا ہے؟''

میں نے شانے اچکائے۔ ''میں کیا کہہ سکتا ہوں..... اگر راہ چلتے کوئی پاگل ہو جانے والا کتا مجھے کاٹ لے تو میں علاج کے لیے اسپتال کی طرف بھاگنے کے بجائے کتے سے پوچھنے تو نہیں بیٹھ جاؤں گا کہ جناب نے یہ حرکت کیوں کی؟''

''وہ ایک حادثہ ہوتا.....''

''اسے بھی تم حادثہ ہی سمجھو انسانوں میں پاگل پن کتوں سے زیادہ خطرناک ہوتا۔ کتا نہیں جانتا کہ وہ کسی کو کیوں کاٹ رہا ہے لیکن انسان جانتا ہے۔''

ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں ستائش نظر آئی تھی۔ اس نے ٹھنڈے انداز میں اصرار جاری رکھا۔ ''لیکن یہ ایک منفرد بات ہے۔''

''انسانوں کے لحاظ سے نہیں پروفیسر، ایک ہزاروں گز کی کوٹھی میں رہنے والے ایک دولت مند شخص کے دماغ میں اچانک فتور آتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اس کے پاس سب کر گزرنے کی طاقت ہے۔ وہ دولت کے بل پر کچھ لوگوں کو ہائر کرتا ہے کہ جا کر فلاں شخص کو اٹھا لاؤ اور وہ جا کر اسے اٹھا لاتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ انسانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریبیز کی ایک قسم ہے۔ ریبیز کے جراثیم کتے کو پاگل کرتے ہیں لیکن یہ جرثومہ انسان کے دماغ میں جنم لیتا ہے۔ ہزاروں سال سے دولت مند اور صاحب اختیار لوگ اس جرثومے کا شکار ہو کر پاگل ہوتے آئے ہیں۔ وہ خود کو فرعون، نمرود اور نہ جانے کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر موت ایک جھٹکے میں ان کا سارا پاگل پن ختم کر دیتی ہے اور عام طور سے ان کا انجام کتے والا ہی ہوتا ہے۔"

"تم نے درست کہا لیکن کیا فرعون یا نمرود ہونا بری بات ہے۔ ہر چیز استعمال کے لیے ہوتی ہے اگر کوئی اپنی دولت یا اپنے اختیارات استعمال کرتا ہے تو اس میں تعجب کیوں؟"

"ہاں اس میں تعجب کی تو کوئی بات نہیں ہے لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تم سب سے دولت مند اور سب سے بااختیار نہیں ہو۔ کبھی ایک کتا بھی تم سے زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے۔"

"بات تمہاری ہو رہی ہے۔"

"تم نے فرعون اور نمرود کی بات کی تو میں نے وضاحت کر دی۔ اگر تم سیدھی طرح بات کرو تو مجھے نامعقول نہیں پاؤ گے لیکن مہربانی کر کے یہ نفسیاتی چکر بند کر دو۔ ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے میں تم سے مرعوب نہیں ہوں گا اور تم فالتو میں اپنی انرجی ضائع کرتے رہو گے۔"

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا تھا پھر اس نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ میں تمہیں نفسیاتی چکر دے رہا ہوں میں صرف تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا کیا اندازہ ہے؟"

"اگر تم سچ سننا چاہتے ہو تو میں تم کو مرشد کا ایک اسٹنٹ سمجھتا ہوں۔" میں نے جان بوجھ کر غلط بیانی کی اور ڈیوڈ شا کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔

"نہیں میرا مرشد سے جو تعلق ہے میں اس کے لیے یہ کام نہیں کر سکتا ہوں۔"

"مرشد سے تعلق ہے۔" میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ "کیسا تعلق ہے؟"

"وہ جو ایک دشمن کا اپنے دشمن سے ہوتا ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تم مرشد کے دشمن ہو اس لیے تم اس کے لیے یہ کام نہیں کر سکتے۔"

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔

"مرشد میرا بھی دشمن ہے اس صورت میں تمہارا یہ رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ پہلے تمہارے آدمیوں نے اغوا کر کے دوران مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔"

"جن احمقوں نے یہ کوشش کی تھی ان کی لاشیں ایک دو دن میں کہیں پڑی مل جائیں گی۔" اس نے کہا۔

"فتح خان نے ان کو کہا تھا کہ اگر میں قابو میں نہیں آؤں تو مجھے شوٹ کر دیا جائے اور فتح خان تمہارے لیے کام کر رہا ہے وہ تمہاری مرضی کے بغیر ایسی بات نہیں کہہ سکتا ہے۔"

"اگر فتح خان نے ان سے یہ بات کی ہے تو میں اسے بھی دیکھ لوں گا میں نے ہرگز تمہیں مروانے کی بات نہیں کی تھی۔" پروفیسر کے لہجے میں غصہ آ گیا تھا۔ فتح خان نے مجھے بتایا ہے کہ ان لوگوں نے از خود تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"وہ اپنی گردن بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے اور اگر اس نے ان تینوں کو مار دیا ہے تو اس کا مقصد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی ان کی زبان بند کرنا تھا ورنہ وہ تم کو بتا سکتے تھے کہ فتح خان نے اصل میں ان کو کیا حکم دیا ہے۔"

"میں نے کہا نا اگر فتح خان اس معاملے میں ملوث ہوا تو اسے بھی سزا ملے گی لیکن میں نے تمہیں صرف یہاں لانے کو کہا تھا وہ بھی بغیر کوئی نقصان پہنچائے۔"

"لیکن تم نے مجھے اغوا تو کرایا ہے۔"

"یہ کام میں نے مجبوری میں کیا ہے تم تازہ تازہ آئے ہو اور فی الحال کسی اجنبی پر اعتبار نہیں کر سکتے ہو۔ اگر میں تم سے براہ راست ملنے کی کوشش کرتا تو تم انکار کر دیتے اس لیے مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔"

میں طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "یعنی اب تم مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم میرے دشمن نہیں ہو بلکہ میرے خیر خواہ ہو۔ اتنے کہ اپنی خیر خواہی ثابت کرنے کے لیے مجھے اغوا تک کرا سکتے ہو۔"

"یہ سچ ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "مرشد علی تک تمہاری آمد کی اطلاع پہنچ گئی ہے اور اس کے آدمی سرگرمی سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔"

"اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم مرشد کے آدمی نہیں ہو اور سچ مچ اس کے دشمن ہو؟"

"اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم آرام اور سکون سے ہو اگر تم مرشد علی کے ہاتھ آجاتے تو تم سوچ سکتے ہو وہ تمہارے ساتھ کیا نہ کر گزرے گا اس کا بھائی پاگل ہو رہا ہے کیونکہ دنیا کے بہترین ڈاکٹرز نے اسے ناقابل علاج قرار دے دیا ہے۔"

"یہ کوئی چکر بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"کوئی چکر نہیں ہے بس اتنی بات ہے کہ تم اور میں مرشد علی کے دشمن ہیں اس لیے ہمیں دوست ہونا چاہیے۔"

"تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے یہ دوست بنانے والا تو نہیں ہے۔"

"میں نے کہا کہ یہ مجبوری تھی۔ میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں اور معذرت کرنے کو بھی تیار ہوں۔"

میں نے سوچا اور سر ہلایا۔ "او کے بات آگے بڑھانے کے لیے میں تمہاری بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ ذرا خوش ہوا۔ "یہ ہوئی بات اب ہم آگے بات کر سکتے ہیں لیکن کیا خیال ہے پہلے کچھ کھا لیا جائے۔"

"پہلے میرا ساتھی جاگ جائے۔"

"وہ جاگ گیا ہے اور اسے کھانا وہیں فراہم کر دیا جائے گا۔"

میں نے ناگواری سے کہا۔ "وہ میرا ساتھی ہے ملازم نہیں جو وہ مجھ سے الگ کھائے گا۔"

پروفیسر نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔" اس نے میز پر ایک فون نما آلے کا بٹن دبایا اور بولا۔ "دوسرے مہمان کو ڈائننگ ہال میں لے آؤ۔" اس نے بٹن چھوڑ کر میری طرف دیکھا۔ "وہ دس منٹ میں آجائے گا۔ کیا خیال ہے نیچے چلیں؟"

"ٹھیک ہے تب ہم بھی چلتے ہیں۔" میں نے کہا اور پھر مجھے خیال آیا۔ "میرے پاس ایک بریف کیس بھی تھا وہ کہاں ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ محفوظ ہے۔'' اس نے مبہم انداز میں کہا۔ ''ویسے اس میں کیا ہے؟''

''اسے کھولنے کی کوشش مت کرنا ورنہ وہ خود بھی ضائع ہو جائے گا اور کھولنے کی کوشش کرنے والے کو بھی ضائع کر دے گا۔''

پروفیسر نے چونک کر مجھے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ ہم نیچے آئے تھے۔ مجھے خاصی حد تک یقین ہو گیا تھا کہ یہ سیٹ اپ ڈیوڈ شا کا تھا۔ وہ کسی وجہ سے شروع سے مجھے اپنے قابو میں کرنے کی فکر میں رہا تھا اس کی ایک وجہ تو میرا بایاں ہاتھ تھا جو بدترین گینگرین کا شکار ہونے کے باوجود حکیم قادس کے بنائی دواؤں سے ٹھیک ہو گیا تھا جب کہ ڈاکٹرز نے اسے کاٹنے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ خود ان جادو اثر [illegible] کے چکر میں تھا جو زخم کو معجزاتہ انداز میں ٹھیک کر دیتی تھیں لیکن مجھے لگتا تھا اس کے علاوہ بھی کوئی وجہ تھی۔ یہ ڈیوڈ شا ہی تھا جس کی وجہ سے مرشد جیسا خون کا پیاسا بھی مجھے نظر انداز کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ کیونکہ وہ ڈیوڈ شا کا مرید تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ ڈیوڈ شا مجھ سے کیا چاہتا تھا۔

ہم پروفیسر کی کوٹھی کے عظیم الشان ڈائننگ ہال میں آئے۔ چھوٹی میز پر دوپہر کا کھانا لگایا جا رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم سولہ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش رہے تھے اور کوئی دوا انسان کو آٹھ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش نہیں رکھ سکتی ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم پر بعد میں بھی کوئی حربہ استعمال کیا گیا تھا۔ میں نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے پروفیسر سے اس جوڑے کے بارے میں سوال کیا جس نے ہمیں قابو کیا تھا۔ وہ مسکرایا۔

''وہ میاں بیوی ہیں اور بہت ہر فن مولا قسم کے لوگ ہیں میرے لیے کام کرتے ہیں۔''

''اگر تم ان سے کام لیتے ہو تو اس کا مطلب ہے تمہارے بہت سارے کام قانون سے ماورا ہوتے ہیں۔''

''اس ملک کا کوئی شہری یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ وہ سو فی صد قانون کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''پروفیسر یہ بات اگر کوئی جاہل جاگیردار یا رسہ گیر سیاست دان کہتا تو میں سمجھ بھی جاتا لیکن تمہارے منہ سے سن کر حیرت ہو رہی ہے۔''

اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ نظر آنے لگی تھی۔ ''مجھے بھی افسوس ہوتا ہے لیکن اس بات پر کہ میں نے بہت دیر سے یہ بات سمجھی۔ کاش میں پہلے سمجھ جاتا تو اپنی زندگی کے سب سے بڑے نقصان سے محفوظ رہتا۔''

''یہ صرف تمہاری سوچ ہے ورنہ جو تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے اس سے تم کسی صورت محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔''

''یہ سب ڈھکوسلہ ہے۔'' وہ ذرا بھڑکا۔ ''آدمی کو افیون کی گولی دے دو کہ تمہارے ساتھ جو ہوا ہے وہ خدا کی مرضی ہے۔''

''ایسا نہیں ہے کیونکہ جو تم کر رہے ہو وہ بھی خدا کی مرضی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ تمہارے جیسے لوگوں کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے جو حالات کے بگاڑ کا ذمے دار خدا کو قرار دیتے ہیں۔''

وہ ٹھنڈا ہوا تھا۔ ''میں خدا کو ذمے دار قرار نہیں دے رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''او کے تمہارے ساتھ جو ہوا اگر وہ خدا کی مرضی نہیں تھی تو کس کی مرضی تھی۔ تم کسے الزام دو گے۔''

''جس نے میرے ساتھ برا کیا اسے ذمے دار قرار دوں گا اور میں نے ایسا ہی کیا۔''

''یعنی تم نے اس سے بدلہ لے لیا؟''

میرے اس سوال پر پروفیسر کے شانے ڈھلک گئے تھے۔ ''نہیں میں اب تک ایسا نہیں کر سکا ہوں لیکن جلد میں اسے ایسا چرکا لگاؤں گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا اور اگر تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ تو یہ وقت بہت جلد آ جائے گا۔''

''تمہارا دشمن مرشد علی ہے؟''

''ہاں اس دنیا میں وہی میرا واحد دشمن ہے۔''

''ایسا مت کہو پروفیسر، تم اپنے سے اوپر دیکھ رہے کیونکہ تمہارا دشمن تم سے بالا دست ہے اور فی الحال تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہو، لیکن تم نے ان بہت سارے چھوٹے لوگوں کے بارے میں سوچا ہے جن کو تمہاری وجہ سے تکلیف ہوئی ہے اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔''

''ایسا کوئی فرد نہیں.....''

''پروفیسر۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''تم ان تین افراد کو بھول رہے ہو جن کو تمہارے حکم سے آج ہی مارا گیا ہے۔ کیا ان کے گھر والے تمہارے دشمن نہیں ہوں گے؟'' میرا لہجہ چبھتا ہوا ہو گیا تھا۔ ''تمہاری طرح وہ بھی اسے خدا کی مرضی کے بجائے تمہاری مرضی قرار دے رہے ہوں گے۔''

''انہوں نے ایک کام لیا تھا اور اسے صحیح طریقے سے نہیں کر سکے اس لیے وہ اس سزا کے مستحق تھے۔'' اس نے دلیل دی

''یہ ایک اور دھوکے والی بات ہے۔'' میں ہنسا۔ ''ایسا ہی کوئی دھوکا مرشد علی نے خود کو دے رکھا ہوا گا۔''

پروفیسر کا صبر رفتہ رفتہ جواب دے رہا تھا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم مرشد سے میرا موازنہ نہیں کر سکتے۔''

''میں کر بھی نہیں رہا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''لیکن ممکن ہے کوئی اور یہ موازنہ کر رہا ہو۔''

پروفیسر خاموش ہو گیا۔ اس دوران میں بیتو ایک ہٹے کٹے آدمی کے ساتھ اندر آیا اور اس کے تاثرات چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ وہ راضی خوشی نہیں آیا ہے۔ یہ آدمی اسے مجبور کر کے لایا ہے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر اطمینان آ گیا تھا اور وہ تیزی سے میرے پاس آیا تھا۔ ''شوبی بھائی آپ ٹھیک ہے؟..... یہ کون لوگ ہے؟..... ہمیں کیوں پکڑا ہے؟'' اس نے ایک سانس میں کئی سوال کر دیے تھے۔

''آرام سے یار..... آؤ بیٹھو..... کھانا لگ گیا ہے۔''

مجھے نارمل موڈ میں دیکھ کر بیتو سمجھ گیا کہ فی الحال تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میرے برابر میں آ کر بیٹھ گیا۔ ایک ملازمہ آ کر ڈشز لگا رہی تھی پھر اس نے ہمارے سامنے برتن رکھے اور پروفیسر نے کھانے کا آغاز کیا۔ میں نے ان ڈشز سے نکالا جن سے پروفیسر نے نکالا اور بیتو نے میری تقلید کی تھی۔ میں سمجھا کہ پروفیسر نے یہ بات نوٹ نہیں کی ہے لیکن میں بھول گیا تھا کہ وہ بہت عیار آدمی تھا۔ پھر نفسیات کا ماہر بھی تھا۔ کھانا خاموشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کھایا گیا تھا۔

کھانے کے بعد پروفیسر نے میری طرف دیکھا۔ ''کافی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میں کھانے کے بعد کافی نہیں لیتا۔'' میں نے طبیعت پر جبر کر کے کہا کیونکہ میں اس شخص پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میرے انکار پر وہ مسکرایا۔ ''تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے اور تمہیں ڈر ہے کہ میں کافی میں تم دونوں کو کچھ دے سکتا ہوں۔ اس وجہ سے تم نے صرف ان ڈشز سے کھانا لیا جن سے میں نے لیا تھا۔''

''کیا یہ اندیشہ غلط ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں تمہیں محتاط رہنا چاہیے لیکن میں تمہیں کچھ کیوں دوں گا؟''

''میں نہیں جانتا کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے اور اگر کوئی آسانی سے قابو میں آ رہا ہوں تو اس کے لیے تردد کون کرتا ہے۔ وہ مشہور ہے کہ گڑ سے مرنے والے کو زہر کون دیتا ہے۔''

''تمہاری مرضی ورنہ میں تمہاری تسلی بھی کرا دیتا۔'' پروفیسر نے رومال سے منہ صاف کیا۔

بیتو کے ساتھ آنے والا ہٹا کٹا آدمی وہیں موجود رہا تھا اور ایک طرف ہاتھ باندھے اس طرح ساکت کھڑا تھا جیسے پتھر کا بت ہو۔ اس کے کھڑے ہونے کا زاویہ ایسا تھا کہ وہ بیک وقت مجھ پر اور بیتو پر نظر رکھ سکتا تھا۔ وہ پروفیسر کا کوئی محافظ تھا میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرے ساتھی پر اس گوریلے کو کیوں مسلط کر دیا جب کہ میرے لیے تم نے وہ خوب صورت لڑکی بھیجی تھی۔''

''یہ اسی طرح قابو میں آتا۔'' پروفیسر نے جواب دیا۔ ''تم جس طرح قابو میں آ سکتے تھے میں نے وہ طریقہ اختیار کیا۔''

''اگر تم سمجھتے ہو کہ میں حسن پرست ہوں تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔''

''نہیں..... تم ایسے شخص ہو جو کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے ہو۔ اس لیے تمہارے لیے دوشیزہ کو بھیجا اور تمہارے ساتھی کے لیے جان کو بھیجا۔'' اس نے اپنے ہٹے کٹے گارڈ کی طرف دیکھا۔ میں اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہارا تعاون چاہتا ہوں۔''

''کیسا تعاون؟''

''مرشد کے خلاف تعاون۔''

''میرا نہیں خیال کہ مرشد کے خلاف ہمارا اتحاد اس کے لیے کوئی مسئلہ بنے گا کیونکہ اب وہ پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گیا ہے وہ حکومت میں بھی شامل ہو گیا ہے اور ایسے شخص کے خلاف ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''گویا تم میری تجویز سے متفق نہیں ہو؟''

''فی الحال میں کسی سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں ابھی پاکستان پہنچا ہوں اور مجھے بہت سارے معاملات دیکھنے ہیں لیکن تم میری راہ میں آ رہے ہو۔''

''میں تمہیں مرشد سے بچانا چاہتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس سے اب تک میں تمہاری مدد کے بغیر بھی بچتا آیا ہوں میرا اس ذات پر ایمان ہے جو سب بچانے والوں سے برتر ہے۔'' میرا لہجہ کسی قدر سخت ہو گیا۔ ''مہربانی کر کے تم اپنی بات کھل کر کر دیا ہمیں چلنے دو۔''

''اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ مناسب نہیں ہو گا۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ''تم دونوں کچھ دن یہاں رہو اور میری پیش کش پر غور کرو۔''

''یعنی تمہاری قید میں رہیں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''صاف کہو نا تم وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو ممکن ہے تمہارا باس مرشد ہو۔''

اس کے چہرے پر نفرت نظر آئی تھی اس نے کبیدہ لہجے میں کہا۔ ''تم مجھے اس سے بدتر گالی نہیں دے سکتے۔''

''او کے اب میں ایسی بات نہیں کہوں گا لیکن کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ مرشد سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟''

''ضرور لیکن ابھی نہیں رات کے کھانے کے بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔ فی الحال مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔'' اس نے نیپکن سے منہ صاف کیا اور کھڑا ہو گیا۔ ''جان ان کو ان کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔''

میں نے جان کی طرف دیکھا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا لیکن مہلک پستول نظر آیا تھا۔ اس نے پستول کی جنبش سے اشارہ کیا۔ پروفیسر تیزی سے وہاں سے جا چکا تھا۔ مجبوراً ہمیں جان کے اشارے پر حرکت میں آنا پڑا تھا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح نپی تلی حرکت کرتا تھا اور اس کا جسم جیسے ٹھوس فولاد کا بنا ہوا تھا۔ اس موسم میں بھی اس نے پتلی سی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جس میں اس کے مسلز نمایاں تھے۔ وہ ہمیں کمرے تک لایا اور ہمارے اندر جاتے ہی اس نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ بیتو نے میری طرف دیکھا۔

''شوبی بھائی ہمارا قسمت میں سکون نہیں ہے۔''

''فی الحال تو نہیں ہے۔'' میں بستر پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ ''یہ ایک نیا کردار میری کہانی میں شامل ہو گیا ہے۔''

بیتو نے دانت نکالے۔ ''آپ ڈرامہ بنا سکتا ہے..... اتنا سارا کردار ہے آپ کی کہانی میں۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''تمہیں ڈرامے کا کیا پتا؟''

''ہم کو دیدی نے بتایا..... وہ اسٹار پلس دیکھتا۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ بیتو جیسے فی وی نا آشنا کو بھی اسٹار پلس کا پتا تھا۔ بیتو نے مجھ سے پروفیسر کے بارے میں پوچھا اور میں جو جانتا تھا وہ اسے بتا دیا۔ اس نے حیرت سے کہا۔ ''مرشد کا دشمن ہے تو پھر ہم کو کیوں قید رکھا ہے؟''

''تاکہ ہم سے مرشد کے خلاف تعاون حاصل کر سکے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''قید رکھ کر؟''

''ہاں مرشد کا دشمن ہے تو اسی جیسی حرکت کرے گا۔''

''لیکن ہم بھی تو اس دشمن ہے ہم تو اس جیسا حرکت نہیں کرتا۔'' بیتو نے سادگی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''برخوردار ہم اس کے پائے کے حریف نہیں ہیں بلکہ اس سے بہت چھوٹے ہیں۔'' میں نے انہی انداز میں کہا۔ ''اس لیے ہم مرشد کے اعلیٰ مرتبے تک نہیں پہنچ سکتے لیکن یہ شخص اس کے پائے کا ہے اس لیے ویسی ہی حرکتیں کر سکتا ہے۔''

بیتو کچھ دیر اور میرا دماغ کھاتا رہا لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ میں کچھ سوچ رہا ہوں تو وہ خاموش ہو گیا میں سچ مچ پروفیسر پر غور کر رہا تھا۔ اس نے جس انداز سے ہمیں تلاش اور اغوا کرایا تھا وہ ایک مکمل پیشہ ور ٹیم ورک کا نتیجہ تھا۔ جب کہ دوسری طرف پروفیسر خود کو ایک عام آدمی کی نفسیات کا ماہر بنا کر پیش کر رہا تھا۔ اتنا تو میں نے جان لیا تھا کہ وہ ماہر نہیں تھا۔ اگر وہ کوئی ماہر نفسیات تھا بھی تو بہت معمولی درجے کا تھا۔ میں نے عام پر یکٹس کرنے والے ماہرین نفسیات کو اس سے کہیں زیادہ ذہین اور تیز پایا ہے۔ ممکن ہے وہ پڑھانے کے معاملے میں اچھا ہو۔

بہ ظاہر تو ہمیں مرشد کے خلاف اتحاد بنانے پر اکسا رہا تھا لیکن پس پردہ اس کا مقصد کچھ اور لگ رہا تھا یہ مقصد فی الحال میرے ذہن کی پہنچ سے باہر تھا لیکن جلد یا بدیر پروفیسر کو کھل کر سامنے آنا ہی پڑے گا۔ اب تک مجھے اس کوٹھی میں کل چار افراد نظر آئے تھے۔ یعنی دو نیا، جان، پروفیسر اور کھانا لگانے والی ملازمہ۔ ان کے علاوہ کوئی پانچواں فرد نظر نہیں آیا تھا اگر کسی کو فرد شمار نہ کیا جائے۔ اتنی بڑی کوٹھی میں کیا یہی افراد تھے؟ مجھے کوئی آواز بھی نہیں آئی تھی۔ میں نے تقریباً نصف کوٹھی دیکھ لی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہاں اور کوئی نہ ہو۔

بیتو پھر بستر پر لیٹ گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''شوبی بھائی ہم سفر کر کر کے تھک گیا ہے اس لیے آرام کرے گا؟''

''ضرور کرو۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر واش روم میں آیا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا کموڈ پر چڑھ کر ایگزاسٹ کا جائزہ بھی لے لیا لیکن وہ جس سوراخ پر لگا تھا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ میں کسی صورت اس سے نہیں گزر سکتا تھا۔ یعنی اس کمرے سے نکلنے کے لیے صرف ایک راستہ تھا کمرے میں آ کر دروازے کا معائنہ کیا۔ یہ مکمل طور پر ٹھوس لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اسے توڑنا شاید کسی پہلوان کے بس کی بات ہو تو ہو ہمارے بس سے باہر ہی تھی۔ ابھی میں دروازہ چیک کر رہا تھا کہ وہ پہلے کہ طرح اچانک کھل گیا اور اس بار بھی دروازے پر دو نیا نظر آئی تھی۔ میں پیچھے ہٹا تھا۔ وہ مسکرائی۔

''کیا تم باہر آنا چاہتے ہو؟''

''یہ ممکن ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں اگر تم باہر آنا چاہو تو آ سکتے ہو..... لیکن صرف تم۔''

''میرا ساتھی.....''

''شوبی آپ جاؤ۔'' عقب سے بیتو نے کہا۔ ''ہم کو نیند آ رہا ہے۔''

میں باہر آ گیا۔ دروازے میں باہر سے خود بہ خود لگ جانے والا لاک تھا اور اندر سوائے ایک ہینڈل کے کچھ نہیں تھا۔ میرے باہر آتے ہی دونیا نے دروازہ بند کر دیا۔ اس وقت وہاں کوئی اور نہیں تھا اور میں چاہتا تو دونیا کو دبوچ سکتا تھا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کی حفاظت کے لیے کوئی بیک اَپ تھا یا نہیں اور میں جلد بازی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدم اٹھا کر حالات کو اپنے لیے خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ فی الحال تو ایسا لگ رہا تھا کہ ہم پر بہت سخت پہرہ نہیں ہے۔ دونیا مجھے لے کر برآمدے میں آئی۔ ہلکی بارش ہو رہی تھی اور فضا نباتات کے خوشبو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ میں جب پہلی بار ہوش میں آنے پر واش روم کا دروازہ کھولا تھا تب دونیا آ گئی تھی اور اب بھی میں واش روم گیا تو دونیا آ گئی تھی۔ کیا اس میں کوئی چکر تھا۔ واش روم کا دروازہ کھولنے پر اسے خبر ہو جاتی تھی لیکن میں نے دونیا سے اس بارے میں کچھ پوچھا نہیں۔ اس کے بجائے میں نے پوچھا۔

''ہم اسلام آباد میں ہیں؟''

دونیا نے سر ہلایا۔ ''ہاں یہ اسلام آباد ہے۔''

''تم نے کہا تھا کہ پروفیسر ایک عظیم سائیکاٹرسٹ ہے لیکن وہ تو مجھے عام سا سائیکاٹرسٹ بھی نہیں لگا عظیم تو دور کی بات ہے۔''

دونیا کے چہرے پر ناگواری نظر آئی۔ ''تم ایک ملاقات میں ان کے بارے میں نہیں جان سکتے۔''

''اس کے برعکس میرا خیال ہے انسان جس کو ایک ملاقات میں نہیں جان سکے تو اسے سو ملاقاتوں میں بھی نہیں جان سکتا ہے۔ بائی دی وے پروفیسر کی مرشد سے دشمنی کی وجہ کیا ہے؟''

''یہ بات تمہیں پروفیسر ہی بتا سکتے ہیں۔''

بارش کے ساتھ سرد ہواؤں کے جھونکے بھی آ رہے تھے لیکن یہ ناقابلِ برداشت نہیں تھے۔ بس کبھی کبھی پھریری سی آ جاتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ دونیا کچھ بے چین سی تھی اور بار بار اپنی سنہری کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم نے پروفیسر کو تو منع کر دیا کیا میرے ساتھ کچھ پیو گے؟''

''کیوں نہیں بشرطیکہ کوئی حرام شے نہ ہو۔''

''میں چائے لاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور اٹھ کر تیزی سے اس دروازے میں غائب ہو گئی جس سے وہ مجھے پہلے بھی کوٹھی میں لے گئی تھی۔ مجھے اس کا انداز کھٹکا تھا اور ایک منٹ بعد میں بھی اٹھ کر اس دروازے کی طرف بڑھا۔ نشست گاہ سے گزر کر ڈائننگ ہال کی طرف آیا اور اس حصے میں جھانکا جہاں میرے خیال میں کچن ہونا چاہیے تھا۔ چائے وہیں بنتی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر میں وہ بے قدموں سامنے والے حصے میں آیا اس طرف بھی کوئی نہیں تھا۔ ایک راہداری سے گزر کر میں کوٹھی کے سامنے والے حصے میں جا نکلا تھا۔ یہاں ایک وسیع لان تھا اور دور چار دیواری کے ساتھ گیٹ نظر آ رہا تھا۔ اچانک ہی گیٹ کھلا اور ایک سوٹ پوش شخص اندر آیا وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کسی کو آواز دی۔ نام میری سمجھ میں نہیں آیا تھا بس آواز آئی تھی۔ پھر اس نے زور سے کہا۔ ''مراد..... او نامراد۔''

اس شخص کا انداز دیکھ کر مجھے خطرے کا احساس ہوا اور میں اندر کی طرف بھاگا۔ ڈائننگ ہال سے گزر کر نشست گاہ میں جانے کے لیے میں نے ایک دروازہ کھولا تو مجھے احساس ہوا میں نے غلط دروازہ کھول دیا تھا۔ میں پلٹ رہا تھا کہ دروازے کی اوٹ سے مجھے کسی کے پاؤں نظر آئے۔ جس کے پاؤں تھے وہ زمین پر دراز تھا اور میں نے اسے دیکھنے کے لیے پورا دروازہ کھولا اور وہ مجھے شاید مراد نظر آ گیا وہ ملیشیا کے شلوار سوٹ میں تھا اور زمین پر چت پڑا تھا اس کی کھلی آنکھیں چھت پر مرکوز تھیں اور ان میں حیرت منجمد تھی۔ میں نے دیکھتے ہی محسوس کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ اور اب میں تصدیق کرنے اندر جاتا تو یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہوتی۔ میں جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہتا تھا۔ پروفیسر نفیس برنی ایک جرائم پیشہ شخص نکلا تھا اس نے کسی اور کی کوٹھی استعمال کرنے کے لیے ایک غریب چوکیدار کا خون کر دیا تھا اس کی لاش کوٹھی میں ڈال کر مجھے اور بیتو کو یہاں چھوڑ کر خاموشی سے فرار ہو گیا تھا۔ اب اس سے پہلے کہ اصل مالک مجھے اور بیتو کو یہاں دیکھتا اور ایف آئی آر میں ہمارا نام آتا ہمیں یہاں سے نکل جانا تھا۔ میں آندھی طوفان کی طرح کمرے تک پہنچا اور دروازہ کھول کر بیتو کو آواز دی لیکن میں اندر نہیں گیا تھا بلکہ دروازہ پکڑے کھڑا رہا تھا۔ اگر میں اسے چھوڑ دیتا تو یہ خود بہ خود بند اور لاک ہو جانے والا دروازہ تھا۔ میں بیتو سمیت اس میں قید ہو جاتا۔ میں نے وہیں سے چلا کر کہا۔

''بیتو اٹھو ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

بیتو سوتے سے اچھل پڑا تھا۔ ''کیا ہوا؟''

''اصل مالک آ گیا ہے اور چوکیدار کی لاش کوٹھی میں پڑی ہے۔ یہ چادر اٹھاؤ اور واش روم کے دروازے کا ہینڈل صاف کر دو جلدی۔''

صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہوتے ہی بیتو تیزی سے حرکت میں آیا اور اس نے بستر سے چادر اٹھاتے ہوئے ہینڈل صاف کیا اور پھر میری طرف آیا میں نے چادر سے اس کمرے کے دروازے کے ہینڈل بھی صاف کیے پولیس کو میری انگلیوں کے نشانات نہیں ملنا چاہیے تھے ورنہ میں اس کیس میں بھی ملوث ہو جاتا۔ قتل اور اقدام قتل کے دو کیس مجھ پر پہلے سے تھے یہ تیسرا تیار ہو جاتا۔ مجھے اپنا یہ شبہ بھی درست نظر آنے لگا کہ یہ مرشد کا کوئی چکر تھا جو مجھے مزید پھنسوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہینڈلز صاف کر کے میں نے چادر سے دو پٹیاں پھاڑیں اور ان کو چہرے پر اس طرح لپیٹا کہ نقوش چھپ جائیں۔ بیتو نے میری تقلید کی تھی اور اب ہم باہر کی طرف بھاگے۔ برآمدے میں نکل کر میں بائیں طرف کا رخ کیا۔ برآمدہ گھوم کر کوٹھی کے بائیں پہلو کی طرف آ رہا تھا۔ اس طرف کوئی نہیں تھا۔

پروفیسر نے بے ہوشی کے دوران ہماری ساری چیزوں کے ساتھ وہ بریف کیس بھی ہتھیا لیا تھا جو ہم چین سے یہاں تک لائے تھے۔ لازمی بات تھی وہ بریف کیس بھی لے جا چکا تھا۔ مجھے اس کی فکر تھی لیکن اس سے کہیں زیادہ فکر مجھے اپنی اور بیتو کی زندگی اور آزادی کی تھی۔ اس کے لیے یہاں سے ہمارا نکلنا بہت ضروری تھا۔ ہم اگلے حصے میں جا نکلے۔ دیوار کے ساتھ کراٹا کی باڑھ تھی میں اور بیتو اس کی آڑ میں مین گیٹ کی طرف بڑھے۔ کوٹھی سے نکلنے کا واحد راستہ یہ گیٹ تھا ورنہ باقی اطراف میں کوئی دس فٹ اونچی دیوار تھی جس پر مزید تین فٹ کی خار دار تار کی باڑھ تھی۔ اسے اول تو پھلانگنا ناممکن تھا اور اگر کوشش کرتے تو کپڑے اور ہم خود بھی پھٹ جاتے۔ ابھی ہم گیٹ سے کچھ دور تھے کہ ایک جوان آدمی گیٹ سے اندر آیا۔ اس نے ڈرائیور کی وردی پہن رکھی تھی۔ اس نے گیٹ کا ایک پٹ کھولا اور باہر چلا گیا۔ ایک منٹ بعد وہ ایک پراڈو ڈرائیو کرتا اندر آیا اور اسے پورچ کی طرف لے گیا۔ گیٹ کھلا تھا۔ اگرچہ اس بات کا امکان تھا کہ ڈرائیور عقبی آئینے میں ہمیں نکلتے ہوئے دیکھ سکتا ہے لیکن ہمارے پاس یہاں سے نکلنے کا یہی ایک آسان موقع تھا اس کے بعد کوئی اور آ جاتا تو ہمیں فرار ہونے میں مشکل ہوتی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا تو اس نے سر ہلا کر اتفاق کیا اور ہم کراٹا کی باڑھ کے پیچھے سے نکل کر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ دوڑے تھے۔ بیتو نے عقل مندی کی کہ جاتے جاتے گیٹ کھینچ کر باہر سے بند کر دیا اور اس کی کنڈی بھی لگا دی۔ اب کم سے کم ڈرائیور گاڑی لے کر ہمارے پیچھے نہیں آ سکتا تھا۔

یہ ایک بڑی سڑک تھی۔ اصل میں یہ ایک گلی تھی لیکن پوش علاقے میں تھی اس لیے اتنی چوڑی تھی کہ عام علاقوں میں سڑکیں اتنی بڑی ہوتی ہیں۔ دونوں طرف دور تک کوٹھیاں تھیں۔ اگر ہم دوڑ لگاتے تو اس گلی سے نکلنے میں کئی منٹ لگ جاتے۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہ ایک کار گلی میں داخل ہوئی اور آ کر ہم سے کچھ دور رک گئی۔ باہر آتے ہیں بیتو اور میں نے منہ سے کپڑے کی پٹی اتار دی تھی۔ اس لیے کار میں موجود نوجوان ہمیں دیکھ کر چونکا نہیں تھا۔ بلکہ ہمیں پاس آتے دیکھ کر اس نے شیشہ نیچے کر دیا تھا۔ میں نے فوری فیصلہ کیا۔ اندر ہاتھ ڈال کر لاک کھولا اور دروازہ کھولتے ہوئے اسے نیچے کھینچ لیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' اس نے مزاحمت کی ناکام کوشش کی۔

''تمہاری کار چھین رہے ہیں۔'' میں نے کہا اور اسے گرین بیلٹ پر پھینک دیا۔ مجھے اطمینان تھا کہ اسے کوئی چوٹ نہیں لگے گی وہ دھان پان سا نوجوان تھا۔ اس دوران میں بیتو کھلے دروازے سے کار میں گھس گیا تھا اس کے بیٹھتے ہی میں بھی بیٹھ گیا اور دروازہ بند کر کے شیشہ چڑھا دیا۔ نوجوان اٹھ گیا تھا لیکن اس نے کار کی طرف آنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے خوف تھا کہ ہم مسلح ہوں گے اور اس کی مزاحمت کے جواب میں اسے شوٹ بھی کر سکتے تھے۔ یہ وڑتھی اور چندلا کھ کی کار کے مقابلے میں اسے اپنی جان زیادہ پیاری تھی۔ مجھے ایک خیال آیا اور میں نے شیشہ نیچے کیا تو وہ ڈر کر درخت کے پیچھے ہو گیا۔

''پولیس کو رپورٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری کار تمہیں جناح سپر مارکیٹ میں کہیں مل جائے گی۔''

''میرا موبائل تو دے دو۔'' اس نے درخت کے پیچھے سے کہا۔ تب میں نے ڈیش بورڈ پر ایک موبائل دیکھا۔ یہ اچھی قسم کا مہنگا موبائل تھا۔

''یہ موبائل بھی کار میں مل جائے گا۔'' میں نے کہا اور کار آگے بڑھا دی اور اسی لمحے میں نے وردی پوش ڈرائیور کو باہر آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اور نوجوان کی طرف لپکا جو درخت کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ وہ شاید اسے ہم میں سے ایک سمجھ رہا تھا۔ بہر حال اس کی وجہ سے ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ اسلام آباد کے چند پوش ترین علاقوں میں سے ایک تھا۔ میں نے مین روڈ پر آتے ہی موبائل سے ندیم کے گھر کا نمبر ملایا۔ فون اس کے کسی سپوت نے اٹھایا تھا۔ ''بیٹے آپ کے پاپا کہاں ہیں؟''

''وہ تو مما کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں۔'' بچے نے سمجھ داری سے کہا۔ ''آپ کون ہیں؟''

''میں آپ کا انکل ہوں آپ کو پاپا کا موبائل نمبر معلوم ہے؟''

''پہلے آپ نام بتائیں پھر میں آپ کو پاپا کا نمبر بتاؤں گا۔'' اس نے کہا۔ میں نے سوچا اور کہا۔

''میں آپ کا اصغر انکل بات کر رہا ہوں۔''

اصغر ندیم کا ایک دوست وکیل تھا۔ ''اچھا آپ اصغر انکل ہیں۔'' وہ بولا اور اس نے ایک نمبر بتایا۔ ''یہ پاپا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا نمبر ہے۔'' اس نے کہا۔

میں نے کال کاٹ دی اور ندیم کا نمبر ملانے جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے پولیس کا سائرن سنائی دیا۔ میں نے عقبی آئینے میں دیکھا۔ اسلام آباد پولیس کی ایک کار تیزی سے آ رہی تھی اور اس کی اوپر کی لائٹس بھی فلیش کر رہی تھی۔ سڑک پر اس وقت زیادہ گاڑیاں نہیں تھیں۔ میری رفتار زیادہ نہیں تھی اور اس کا بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ پولیس کو چند منٹ کے اندر اندر کار چھننے کی اطلاع مل گئی تھی اتنی تیزی تو ترقی یافتہ ممالک کی پولیس بھی نہیں دکھاتی ہے۔ میں نے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا اور کار کی رفتار ذرا بڑھا دی لیکن اس طرح سے نہیں کہ میں فرار ہوتا ہوا محسوس ہوں۔ کار کی رفتار تیز ہوتے ہی پولیس موبائل بھی تیز ہوئی تھی۔

''یہ ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔'' بیتو نے مڑ کر دیکھا۔

''پیچھے مت دیکھو ان کو شک ہو گا تو یقین ہو جائے گا۔'' میں نے کہا اور کار کو دامن کوہ کی طرف جانے والے راستے کی طرف موڑ دیا۔ اس سیدھی شاہراہ پر تو کہیں بچنے کی جگہ نہیں تھی پولیس کار ہمیں آلیتی۔ جب ہمارے ساتھ پولیس کار بھی اس طرف مڑی تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمارے پیچھے ہی آ رہی ہے۔ بارش رک گئی تھی لیکن آسمان پر ابھی بھی گہرے بادل تھے۔ شام کا وقت ہو چکا تھا اور کچھ دیر میں رات ہو جاتی۔ دامن کوہ سے پہلے آنے والی سڑک تک میں نے بہت تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کی تھی اور پھر دائیں طرف مڑ گیا۔ پولیس کار مستقل پیچھے لگی تھی لیکن گاڑیوں کی وجہ سے ہمارے زیادہ نزدیک نہیں آ سکی تھی۔ آگے ایک سگنل تھا جو زرد ہو چکا تھا اور سرخ ہونے والا تھا میں نے اچانک رفتار تیز کی اور کئی گاڑیوں کو خطرناک طریقے سے اوور ٹیک کرتا ہوا سگنل کے ریڈ ہونے سے پہلے اس سے گزر گیا۔ میرے گزرتے ہی سگنل سرخ ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ پولیس کار رک جائے گی لیکن اس نے تعاقب جاری رکھا تھا اور البتہ اسے گاڑیوں کے ہجوم سے نکل کر آنے میں دیر لگی تھی اور پھر کراسنگ میں بھی تاخیر ہوئی اس وجہ سے وہ کوئی فرلانگ بھر پیچھے رہ گئی تھی۔

''شکر ہے پیچھے رہ گئے۔'' بیتو نے کہا۔

لیکن میں جانتا تھا کہ اب بھی چھننے کا پورا امکان تھا۔ اگر یہ کار پیچھے نہ بھی آتی تو اب تک اس علاقے میں گشت کرنے والی تمام پولیس کاروں کو اس کار کا ماڈل اور نمبر بتایا جا چکا ہو گا۔ اور ہم آگے گھیرے جا سکتے ہیں۔ یہاں سے سپر مارکیٹ قریب تھی۔ میں نے کار کی رفتار نارمل کر لی تاکہ کوئی بلاوجہ متوجہ نہ ہو اور ایک بار پھر موبائل اٹھایا لیکن جیسے ہی میں نے ندیم کا نمبر ملانا چاہا۔ موبائل نے لو بیٹری کا سگنل دینا شروع کر دیا میں نے سگنل نظر انداز کر کے کال کرنا چاہی تو موبائل ہی آف ہو گیا۔ میں نے اسے ڈیش بورڈ پر پٹخ دیا۔ ''لعنت ہو۔''

''کیا ہوا؟'' بیتو بولا۔

''بیٹری ختم ہو گئی۔''

بیتو ڈیش بورڈ کی تلاشی لے رہا تھا کہ شاید وہاں سے کوئی کام کی چیز مل جائے لیکن ڈیش بورڈ میں نقدی یا ایسی کوئی قیمتی چیز نہیں تھی۔ لے دے کہ ایک موبائل ہی تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کی مالیت بیس ہزار سے زیادہ نہ ہو گی اور میں اسے بیچنے جاؤں گا تو مجھے دس تو مل ہی جائیں گے۔ لیکن جب میں نے جناح سپر مارکیٹ میں اپنی چھوٹی گلی میں کار روکی تو میں نے موبائل ڈیش بورڈ پر چھوڑ دیا۔ میرا دل نہیں چاہا تھا کہ میں یہ کام کروں۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اس نوجوان سے وعدہ کیا تھا کہ موبائل بھی کار میں چھوڑ دوں گا اس لیے میں نے ایسا ہی کیا چابی اور موبائل ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ کر کار کے دروازے لاک کر کے ہم نیچے اتر آئے تھے۔

ندیم کی رہائش آب پارہ میں تھی اور یہ جگہ کوئی سات کلومیٹر دور تھی لیکن جانا تو تھا۔ میں نے اور بیتو دونوں نے ہلکے کپڑے پہن رکھے تھے اور پیروں میں معمولی سی چپلیں تھیں۔ سردی لگ رہی تھی لیکن ابھی قابل برداشت تھی رات ہونے پر اس میں اضافہ ہوتا۔ بیتو نے دونوں ہاتھ بغل میں دیئے اور بولا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

''چلنا ہے برخوردار اور بہت لمبا چلنا ہے۔'' میں نے کہا ہم مارکیٹ سے باہر جا رہے تھے۔ اچانک وہی پولیس کار تیزی سے اس طرف آئی اور ہمارے برابر سے گزر گئی۔ وہ یقیناً ہمارے پیچھے آئی تھی اور ہم نے بروقت کار چھوڑ دی تھی۔ مارکیٹ باہر آ کر بیتو نے پروفیسر کے بارے میں پوچھا۔

''اس نے ہمیں پھنسانے کی کوشش کیوں کی؟''

برخوردار تمہیں اصل کہانی تو ابھی معلوم ہی نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اسے لاش کے بارے میں بتایا تو وہ اچھل پڑا تھا۔

''کوٹھی میں لاش تھی؟''

''ہاں اور امکان ہے کوٹھی کے چوکیدار کی تھی۔ اسے ان لوگوں نے مار کر ایک کمرے میں ڈال رکھا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے پروفیسر دھوکے باز ہے؟''

''اور قاتل بھی ہے وہ اس غریب کو باندھ کر ڈال بھی سکتا تھا لیکن اس نے اسے قتل کر دیا۔'' میں نے افسوس سے کہا۔

''اچھا ہوا وہ بھاگ گیا ورنہ ہمارے ہاتھ سے ضرور مارا جاتا۔''

بیتو ایک پُرجوش قبائلی نوجوان تھا اور مختصر سے عرصے میں اس نے بے پناہ قتل و غارت گری دیکھ لی تھی۔ خود اس کے ہاتھ سے نہ جانے کتنے افراد مارے جا چکے تھے۔ بھارت اور نیپال میں ہم اپنی جان بچانے کے لیے بے دریغ اسلحہ استعمال کرتے رہے تھے۔ شاید اس لیے بھی کبھی احتیاط نہیں کی یہ میرے ملک نہیں تھے اور مجھے وہاں سے نکلنا تھا لیکن پاکستان میرا ملک ہے اور یہاں مجھے احتیاط سے اپنا دفاع کرنا تھا میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے قانون کی گرفت میں آؤں۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''برخوردار اب مارا ماری کا وقت نہیں ہے یہاں مجھے ہر کام بہت احتیاط سے اور ہاتھ پاؤں بچا کر کرنا ہے میرے دشمن چاہتے ہیں کہ وہ مجھے مزید قانونی معاملات میں الجھا دیں۔ پروفیسر برنی بھی مجھے دشمن کا ایسا ہی لگا ہے۔ اس نے کتنی صفائی سے کام کیا اگر مجھے شک نہیں ہوتا اور میں خوش قسمتی سے لاش نہ دیکھ لیتا تو ممکن ہے اس وقت ہم پولیس کی تحویل میں ہوتے۔''

''آپ کہتے ہو نا مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔'' بیتو فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ہم سڑک کے ساتھ چل رہے تھے لیکن یہ راستہ بہت طویل ہو جاتا اس لیے میں نے آب پارہ مارکیٹ والا راستہ اختیار کیا جو شارٹ کٹ تھا اور اس میں کسی کی نظر میں آنے کا خطرہ بھی کم تھا میرے دشمنوں نے جس طرح مجھے آتے ہی الجھا لیا تھا اب مجھے مزید محتاط ہو جانا چاہیے تھا۔ گلیوں میں راستہ تو کم پڑتا ساتھ ہی یہاں پولیس سے سامنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے کا امکان بھی کم تھا۔

''یہ تو ہے لیکن پھر بھی یہ میرا ملک ہے اور یہاں رہنے والا ہر فرد میرا دشمن نہیں ہے اس طرح میں اس ملک کے قانون کا پابند ہوں۔''

بیتو کی سمجھ میں آیا یا نہیں آیا لیکن اس نے سر ہلا کر مجھ سے اتفاق کیا تھا ہم آب پارہ مارکیٹ کے علاقے میں داخل ہوئے یہاں رونق بہت زیادہ تھی۔ عام طور سے اسلام آباد ایک خاموش اور سنسان نظر آنے والا شہر ہے لیکن اس کے بعض علاقے ایسے ہیں جہاں ہمہ وقت رونق ہوتی ہے اور ان میں سے ایک آب پارہ مارکیٹ بھی ہے۔ پورے اسلام آباد اور اس کے آس پاس کے علاقوں سے متوسط طبقے کے لوگ جن کو راولپنڈی کی مارکیٹیں دور پڑتی ہیں خریداری کرنے یہاں آتے ہیں کیونکہ باقی مارکیٹیں بہت زیادہ مہنگی ہیں۔ ہم اس طرف چل رہے تھے جہاں سرکاری ملازمین کے لیے کوارٹرز ہیں اور سڑک پار مارکیٹ تھی۔ اچانک میں رک گیا۔ ایک کپڑوں کی دکان سے ایک شخص باہر آیا اور سڑک کے ساتھ کھڑی ہوئی پولیس موبائل کی طرف بڑھا۔ یہ پنڈی پولیس کی موبائل تھی۔ ایک لمحے کو مجھے لگا کہ میری آنکھوں کو دھوکا ہوا ہے لیکن جب وہ پولیس موبائل کی طرف بڑھا تو مجھے کوئی شک نہیں رہا تھا وہ اکرم تھا اے ایس آئی اکرم جو مرشد کا چمچہ خاص اور میرا جانی دشمن تھا اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ مجھے اپنے ہاتھ سے گولی مار سکے یا اپنے آقاؤں کی ہدایت کے مطابق مجھے زیادہ سے زیادہ اذیت کے ساتھ اس دنیا سے رخصت کرے۔

اکرم نے ہاتھ میں شاپرز اٹھا رکھے تھے جن میں یقیناً کپڑا تھا اس نے شاپرز ڈرائیونگ سیٹ کے برابر میں پھینکا اور خود موبائل اسٹارٹ کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ کرپٹ افسران کا منہ چڑھا گرگا دھڑلے سے سرکاری موبائل کو ذاتی استعمال میں لا رہا تھا۔ اس نے شلوار سوٹ پہن رکھا تھا۔ یعنی وہ ڈیوٹی پر نہیں تھا اور اسے کسی کا خوف بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے پوچھ سکتا ہے یا اس کی شکایت لگا سکتا ہے۔ اس کی شکایت کرنے والا خود پھنس جاتا۔

میں حیران ہوا تھا واپس آتے ہی مجھے نئے اور پرانے دشمن ملنے لگے تھے۔ پہلے فتح خان، پھر پروفیسر اور اب اکرم نظر آ گیا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ میں اسے چھیڑوں اور اسے اپنی صورت دکھا دوں لیکن فوراً مجھے عقل نے روک لیا۔ یہ آبیل مجھے مار والی بات ہوتی میں تو دشمنوں سے بھاگ رہا تھا اور یہاں ایک کو پیچھے لگانے کا خیال آ رہا تھا۔ اکرم نے موبائل اسٹارٹ کی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بیتو بھی رک گیا تھا اور اس نے اکرم میں میری دلچسپی محسوس کر لی تھی۔

''شوبی بھائی یہ کون ہے؟''

''ایک اور حرامزادہ ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کا نام اکرم ہے اور یہ میرے جانی دشمنوں میں سے ایک ہے۔''

بیتو نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے آپ کا دشمن ایک ایک کر کے سامنے آ رہا ہے اور ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔''

''فی الحال ان کا وقت نہیں آیا ہے۔'' میں نے مارچ پھر سے شروع کر دی۔ ''جب ان کا وقت آئے گا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ ایسے مرجائیں گے جیسے راج جیسا شخص کتنے عبرت ناک انداز میں مرگیا تھا۔''

بیتو نے سوچا اور قائل ہوکر بولا۔''یہ تو آپ ٹھیک بولا..... آپ کا دشمن اچانک ہی مرجاتا ہے۔''

میں نے تصحیح کی۔''میرا دشمن نہیں بلکہ ہر فرعون اسی طرح اچانک عبرت کا نشان بن کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ دوسرے فرعون اس سے سبق حاصل نہیں کرتے ہیں۔''

''شوبی بھائی کبھی کبھی ہم سوچتا کہ بھگوان نے یہ برا لوگ کیوں بنایا؟''

''بھگوان نے نہیں بنایا بلکہ انسان خود اچھا برا ہوتا ہے۔ وہ سب کو برابر کا موقع دیتا ہے۔ کچھ لوگ انسانوں کو اذیت دینے والے بن جاتے ہیں اور کچھ انسانوں کو آسانی دینے والے بن جاتے ہیں اکثر ایسے ہوتے ہیں جو کسی کو نہ اذیت دیتے ہیں اور نہ آسانی دیتے ہیں۔''

''پر یہ بڑا لوگ ہی کیوں برا بنتا ہے؟''

''نہیں چھوٹے طبقے سے تعلق رکھنے والے بھی کم نہیں ہوتے ہیں۔ فتح خان اور اکرم دونوں چھوٹے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔''میں نے تردید کی

ہم پیدل مارچ کرتے کرتے خاصا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ بیتو نے شکایت کی۔''ہمارا ٹانگ دکھ گیا ہے اتنا تو پہاڑ پر سفر کرتے ہوئے بھی نہیں دکھا تھا۔ ہم کہاں جارہا ہے؟''

''میرے ایک دوست ندیم کے گھر۔''میں نے کہا۔

''ندیم بھائی..... وہ وکیل؟''اس نے کہا۔

''ہاں وہی۔''

بیتو کسی فکر میں پڑ گیا۔''آپ کا دشمن جانتا ہے کہ وہ آپ کا دوست ہے؟''

''اچھی طرح جانتے ہیں۔''میں نے بتایا۔''وہ بے چارہ کئی بار میری وجہ سے مشکل میں بھی پڑ چکا ہے۔''

''تو یہ تو اچھا نہیں ہوگا کہ ہم اس کو جاکر خطرے میں ڈالے آپ کا دشمن یقیناً وہاں نگرانی کرتا ہوگا۔''

میں رک گیا۔ میں نے اس بارے میں تو سوچا ہی نہیں تھا کہ میرے دشمن بھی میری تلاش میں ہوں گے اور ان کو معلوم ہے کہ اس شہر میں ندیم ہی میرا سب سے بڑا ہمدرد اور دوست تھا۔ وہ یقیناً اس کے گھر کی نگرانی کر رہے ہوں اور منتظر ہوں گے کہ میں وہاں پہنچوں تو وہ مجھے دبوچ لیں یا اوپر پہنچا دیں۔ بیتو نے بروقت یہ بات کی تھی اگر ہم ندیم کے گھر پہنچ جاتے تو سوچنے کا وقت بھی کہاں ہوتا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

''تم نے بروقت خبردار اور پریشان کر دیا۔''

بیتو نے دانت نکالے۔''پریشان کیسے کر دیا؟''

''پریشان یوں کہ اب ہم کہاں جائیں گے۔ ندیم سے رابطہ کیسے کریں۔''

بیتو نے سوچا۔''ہاں ہمارے پاس تو ایک روپیہ بھی نہیں ہے انہوں نے سب نکال لیا۔''

''ہاں ستر ہزار ایسے ہی چلے گئے۔''میں نے سرد آہ بھری۔''خیر جس نے پہلے دیا تھا وہی اب بھی دے گا۔''

سورج غروب ہوگیا تھا اور تاریکی بہت تیزی سے چھائی تھی۔ اسٹریٹ لائٹس جل اٹھی تھیں لیکن ساتھ ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موسم دھند آلود ہونے لگا تھا اور دھند ذرا سی دیر میں خاصی ہو گئی تھی۔ دس گز دور کی چیز بھی مشکل سے نظر آ رہی تھی اور ساتھ ہی سردی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ ہم سڑک کے کنارے چل رہے تھے اور ہمیں خیال نہیں آیا تھا کہ ایسی دھند میں ہمیں فٹ پاتھ پر ہونا چاہیے تھا کیونکہ سڑک سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ سامنے سے ایک بھاری ٹرک آ رہا تھا اور وہ دھند کی پروا کیے بغیر دندناتا ہوا ہمارے پاس سے گزر گیا۔

اس ٹرک کے شور میں عقب سے آنے والی ایک چھوٹی سوئفٹ کار کا پتا ہی نہیں چلا تھا اور جب وہ سر پر آ گئی اور روشنی ہوئی تو مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا بیتو فٹ پاتھ کی طرف تھا اور میں نے اسے دھکا دیا خود میں بھی ساتھ ہی گیا تھا لیکن کار کا بونٹ میرے بائیں گھٹنے کے پاس لگا اور میں اچھل کر بیتو پر جا گرا تھا۔ ڈرائیور کو بھی احساس ہو گیا تھا اور اس نے بریک لگائی تھی اس کے باوجود کار خاصی رفتار سے ٹکرائی تھی اور میری ٹانگ میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی۔ بیتو پر گرنے کے بعد میں لڑھک کر فٹ پاتھ پر گرا تھا۔ اس دوران میں کار رک گئی اور اس سے اتر کر ڈرائیور ہماری طرف لپکا۔ اتفاق سے سڑک کے اس حصے میں اسٹریٹ لائٹ دور ہونے کی وجہ سے تاریکی کا راج تھا اور بمشکل ہی کچھ نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنا پاؤں تھام لیا تھا اور اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فریکچر تو نہیں ہوا ہے۔

''میرے خدا۔'' پاس سے ایک سریلی آواز آئی تھی۔ ''کس کو چوٹ لگی ہے؟''

عورت کی آواز سن کر بیتو بھی شاید دب گیا تھا ورنہ کوئی مرد ہوتا تو وہ اس سے بھڑ جاتا۔ وہ میرے پاس بیٹھا تھا۔ عورت بھی پاس آ گئی اس کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اس کے پاس سے بہت تیز پرفیوم کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''یہاں تو کچھ نظر نہیں آ رہا ہے ایک منٹ میں کار لاتی ہوں۔''

وہ واپس گئی اور کار ریورس کر کے لائی۔ اس کی ہیڈ لائٹ سے یہ جگہ روشن ہو گئی تھی وہ کار سے اتر کر آئی تو میں نے پہلی بار اسے دیکھا وہ تقریباً بتیس تینتیس برس کی دل کش اور ڈرامائی نظر آنے والی عورت تھی اس نے سیاہ رنگ کی ساڑھی اور جسم کا ہم رنگ بلاؤز پہن رکھا تھا۔ اور اسی وجہ سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ بلاؤز خاصا مختصر ہے۔ اس نے بیتو سے کہا۔ ''اسے کار میں لاؤ۔''

عورت سے بحث یا بات کرنے کا وقت نہیں تھا اور یہ بھی اس کی مہربانی تھی کہ وہ ٹکر مار کر فرار نہیں ہوئی تھی۔ بیتو نے سہارا دے کر مجھے کار کی عقبی نشست پر بٹھایا اس دوران میں میری پنڈلی والا حصہ سوجنے لگا تھا لیکن یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ فریکچر ہے یا نہیں ہے۔ میں نے پاؤں سیدھا رکھا تھا اور بیتو کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی یہ بات محسوس کر کے عورت نے بیتو کو آگے آنے کو کہا۔ وہ بہت پُر اعتماد عورت تھی جو رات میں دو مردوں سے اس طرح برتاؤ کر رہی تھی۔ اسے خوف نہیں تھا کہ ہم اس سے کوئی بدتمیزی کر سکتے تھے اور اس سے نقصان کا بدلہ لے سکتے تھے۔

''آئی ایم سوری مجھے بالکل اندازہ نہیں ہوا۔ اصل میں ٹرک والا بہت غلط طریقے سے جا رہا تھا اس سے بچنے کے لیے میں کنارے پر ہوئی تھی ورنہ اس موسم میں، میں ہمیشہ سڑک کے درمیان میں ڈرائیو کرتی ہوں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' میں نے درد برداشت کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا قصور تھا بھی تو آپ نے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلوک سے اس کی تلافی کر دی ہے۔"

"میں تم کو اسپتال نہیں لے جا سکتی ہوں پولیس انکوائری شروع ہو جاتی ہے لیکن میں گھر پر ڈاکٹر بلا لوں گی۔"

بیتو نے اس کے پاس موبائل دیکھ لیا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ ابھی ڈاکٹر کو بول دو۔"

"ہاں یہ تم نے اچھا مشورہ دیا ہے۔" عورت نے کہا اور موبائل اٹھایا اس نے کسی ڈاکٹر ریاض کو کال کی۔

"ریاض میں بات کر رہی ہوں شہلا..... ہاں گھر آ جاؤ ایک زخمی کو دیکھنا ہے..... پاؤں پر چوٹ آئی ہے..... نہیں..... تم آ کر دیکھ لینا۔" اس نے موبائل رکھ دیا اور بولی۔ "سوری میں نے بتایا نہیں میرا نام شہلا رضوی ہے۔"

"شبیر۔" میں نے کہا۔ "اور یہ شریف ہے۔"

میں نے بیتو کا منہ نہیں دیکھا تھا لیکن مجھے یقین تھا اس نے پھر برا سا منہ بنایا ہوگا۔ شہلا نے کار آب پارہ میں ایک پوش علاقے میں موڑی۔ "شبیر تم کیا کرتے ہو؟"

"میں ایک مل میں سپروائزر ہوں۔" میں نے کہا۔

"کہیں پاس رہتے ہو؟"

"نہیں فیض آباد میں رہتا ہوں یہاں ایک دوست سے ملنے آئے تھے اور واپس جا رہا تھا۔" میں خود کو اس سامنے عام سا آدمی بنا کر پیش کر رہا تھا۔ تاکہ وہ خاص طور سے ہماری طرف متوجہ نہ ہو۔ دو منٹ بعد اس نے کار ایک بنگلے کے سامنے روکی۔ ہارن پر چوکیدار نے دروازہ کھولا اور وہ کار اندر لے گئی۔ یہ دو کنال کی کوٹھی تھی۔ چوکیدار گیٹ بند کر کے آیا تو شہلا نے اترتے ہوئے اس سے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"دیکھو..... یہ آدمی زخمی ہے اسے احتیاط سے اندر گیسٹ روم میں لے آؤ۔" یہ کہہ کر وہ کھٹ کھٹ کرتی اندر چلی گئی اور اس نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں آتے ہی اس کے رویے میں ایک تبدیلی آئی تھی۔ راستے میں وہ میری جتنی ہمدرد بن رہی تھی اب اتنی نہیں رہی تھی۔ چوکیدار نے مجھے بیتو کے ساتھ سہارا دے کر گیسٹ روم تک پہنچایا۔ یہ ایک سادہ لیکن اچھے انداز میں سجا کمرہ تھا۔ مجھے بستر پر لٹا کر چوکیدار کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بیتو نے آہستہ سے کہا۔

"شوبی بھائی..... اس عورت کا انداز نہیں بدل گیا ہے؟"

"ہاں میں نے بھی محسوس کیا ہے۔" میں نے کہا۔ میں نے کوشش کر کے اپنی پاجامے نما پتلون کا پائنچہ اوپر کر لیا تھا۔ گھٹنے سے ذرا نیچے سے پنڈلی سوج گئی تھی اور اس پر چوٹ کا نیلگوں نشان نمایاں تھا۔ درد میں اضافہ ہوا لیکن اتنی دیر میں مجھے اس کی عادت ہو گئی تھی ویسے بھی چوٹیں اور دور میرے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں رہے تھے۔ بیتو نے مجھے وہیں موجود بوتل سے پانی پلایا۔ وہ بہت بے چین تھا اور شہلا سے جا کر بات کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے روک لیا۔ اس طرح کسی کے گھر میں گھومنا پھرنا درست نہیں تھا۔ کوئی بیس منٹ بعد شہلا ایک ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ اندر آئی اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چیک کر کے بتاؤ فریکچر تو نہیں ہے۔"

ڈاکٹر نے میری ٹانگ کا معائنہ کیا اور بولا۔ "فریکچر تو نہیں لگ رہا ہے لیکن صبح تک سوجن کم نہیں ہوئی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایکسرے کرنا پڑے گا۔"

شہلا سوچ میں پڑ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے سر ہلایا۔ "او کے ٹریٹ کرو صبح دیکھتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے میری ٹانگ پر ایک مرہم جیسی چیز لگا کر اوپر سے سخت بینڈیج کر دی۔ اس سے تکلیف بڑھ گئی تھی۔ جسے کم کرنے کے لیے اس نے مجھے ایک انجکشن دیا اور کچھ گولیاں کھلائیں۔ انجکشن لگتے ہی مجھے اپنی تکلیف میں کمی محسوس ہوئی تھی۔ ڈاکٹر ٹانگ سیدھی رکھنے کی ہدایت کر کے رخصت ہو گیا اور اس کے جانے کے بعد بیتو نے سرگوشی میں کہا۔ "شوبی بھائی کھانے کا کیا ہو گا؟"

"کچھ نہ کچھ تو ہو گا یار اگر خدا نے آج رات رزق نصیب میں رکھا ہے تو ضرور ملے گا۔" میں نے بے زاری سے کہا میرے ذہن پر ندیم سوار تھا اس کی بات نے مجھے بے چین کر دیا تھا اور جب تک میں اس سے ملاقات نہیں کرتا یہ بے چینی دور نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس چوٹ نے مجھے فی الحال اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں چھوڑا تھا۔

ابھی ہم بات کر رہے تھے کہ شہلا کمرے میں آئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "تم دونوں یہیں رکو اور کچھ دیر میں کھانا آ جائے گا۔ رات میں باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ رات کو باہر کتا ہوتا ہے اور وہ کسی بھی اجنبی پر حملہ کر دیتا ہے۔"

اس کی بات سن کر نہ جانے کیوں پروفیسر کا خیال آ گیا اس نے بھی ہمیں فرار سے روکنے کے لیے لان میں کتا رکھا ہوا تھا اور یہ بھی کتے سے ڈرا رہی تھی جب کہ اس کا مجھ سے ایسا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ ہم نے اسے نہیں کہا تھا وہ خود ہمیں اپنے گھر لائی تھی۔

میں نے اس سے کہا۔ "آپ ہمیں یہاں رکھنے کے بجائے اپنے ڈرائیور کے ذریعے میرے گھر بھیج دیں۔"

"ڈرائیور نہیں ہے وہ گیا ہوا ہے کل صبح تک آئے گا۔" اس نے کہا۔ "یہ کام کل سے پہلے نہیں ہو سکتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تب مجھے اپنے گھر والوں کو فون کر کے بتانا ہو گا۔ ورنہ وہ پریشان ہوں گے۔ اسے بھی اپنے گھر فون کرنا ہے۔"

"فون اوپر ہے تم نمبر بتا دو میں کہہ دیتی ہوں صبح تم کو گھر بھیج دوں گی ابھی ڈرائیور چھٹی پر گیا ہوا ہے۔"

میں نے اسے ندیم کا نمبر دیا۔ "یہ میرا بھائی ندیم بھٹی ہے آپ اسے اطلاع دے سکتی ہیں اور اگر وہ آ کر مجھے لے جانا چاہے تو اپنے گھر کا پتا دیجیے گا۔"

"او کے۔" اس نے نمبر نوٹ کر لیا اور وہاں سے چلی گئی۔ اس کی بات نامعقول نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ سچ نہیں کہہ رہی ہے اور وہ اس بہانے ہمیں یہاں روکنا چاہتی ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ کیوں روکنا چاہتی تھی۔ وہ کھانا بھجوانے کا کہہ کر چلی گئی۔ کمرے کے ساتھ واش روم تھا میں بیتو کی مدد سے واش روم سے ہو آیا۔ ویسے انجکشن لگنے کے بعد مجھے تکلیف اتنی نہیں ہو رہی تھی لیکن پھر بھی میں نے ٹانگ پر زور دینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گریز کیا تھا۔ کھانا آ گیا میں نے اور بیتو نے کھانا کھایا اور اس کے بعد جب ملازمہ برتن لے گئی میں نے بیتو سے کہا۔

''تم ذرا باہر جا کر دیکھو۔''

''کیا دیکھوں؟''

''مجھے لگ رہا ہے ہمیں یہاں قید کر دیا گیا ہے۔'' اس نے تعجب سے مجھے دیکھا۔

''ہم کو ایسا نہیں لگتا شوبی بھائی۔''

''لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ایسا ہی کچھ ہوا ہے۔ ایسا کرو تم ذرا باہر لان تک جا کر دیکھو اور اگر کتا نظر آئے یا تم پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو تم فوراً اندر آ جانا۔''

گیسٹ ہاؤس کوٹھی کے لان کے ساتھ ایسے تھا کہ اس کا کوٹھی کے اندر والے حصے سے کوئی تعلق نہیں بن رہا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی راہداری کے ساتھ دو کمرے تھے جن کی کھڑکیاں پہلو والے باغ میں کھلتی تھیں لیکن دروازے راہداری میں ہی کھلتے تھے۔ بیتو کو بھی کتے سے ڈر لگتا ہے لیکن میرے کہنے پر وہ باہر گیا اور فوراً ہی تیزی سے اندر آیا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

''ہم نے دروازہ کھولا تو باہر گدھے کے برابر کتا پہلے سے تھا۔''

''گدھے کے برابر کتا۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''کہیں گدھا ہی تو نہیں ہے۔''

''نہیں کتا ہی ہے۔'' بیتو نے یقین سے کہا۔ ''گدھا اتنا لمبا زبان نہیں نکال سکتا ہے۔''

گویا کتا ہماری نگرانی کے لیے گیسٹ ہاؤس کے دروازے پر ہی موجود تھا۔ یعنی شہلا نہیں چاہتی تھی کہ ہم رات کے وقت باہر نکلیں۔ اس کے رویے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آ رہی تھی۔ اسے خوف تھا کہ ہم باہر چلے گئے اور حادثے کے بارے میں کوئی رپورٹ وغیرہ کروا دی تو وہ پھنس جائے گی حالانکہ وہ ہمیں اپنی گاڑی میں ندیم کے گھر چھڑوا دیتی تب بھی میں اس کا احسان مند ہوتا۔ مگر شاید وہ کسی پر اعتماد کرنے والی عورت نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خود مختار عورت تھی اور اس کوٹھی میں اکیلی ہی رہتی تھی۔

''کیا یہاں سے باہر جانے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے؟''

بیتو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں بس ایک یہی راستہ ہے۔''

گویا ہم ایک طرح سے یہاں قید ہو گئے تھے۔ کتا یقینی طور پر ہماری نگرانی کے لیے باہر موجود تھا۔ اگر میں فٹ ہوتا تو شاید میں یہاں سے نکلنے کی سوچتا ہوں لیکن اس حالت میں میرا چلنا بھی محال تھا یہاں سے فرار کے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بیتو میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس حالت میں بھی یہاں سے فرار کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا۔ وہ مجھ پر کچھ اس طرح اعتماد کرتا تھا جیسے میں کوئی الہ دین کے چراغ کا جن تھا اور ہر مسئلے کا حل نکال سکتا تھا لیکن واقعتاً میں چراغ کا جن نہیں بلکہ ایک عام انسان ہوں۔ جب میں کسی معاملے میں مدافعت کرتا ہوں اور کسی کو نقصان پہنچانے کی نیت نہیں کرتا تو قدرت بھی میری مدد کرتی ہے ورنہ میں کوئی سپر مین نہیں ہوں جو ہر مسئلے سے نمٹ لوں اور میرا بال بھی بیکا نہ ہو۔

''شوبی بھائی اب کیا کرے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آرام یار۔'' میں نے بستر پر پھیل کر لیٹتے ہوئے کہا۔ ''کھا پی لیا ہے اب علاج بھی ہو چکا ہے تو صبح تک آرام کرتے ہیں۔''

''اس کے بعد؟'' بیتو بھی لیٹ گیا وہ سمجھ گیا کہ میرا ابھی کچھ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔''

''شہلا رضوی سے بات ہوتی ہے۔ ظاہر ہے وہ ہمیں یہاں ہمیشہ کے لیے تو قید نہیں کر سکتی ہے۔ صبح اگر اس ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ کوئی سیریس معاملہ نہیں ہے تو وہ ہمیں جانے دے گی۔ میرا خیال ہے اس نے اسی وجہ سے ہمیں روک کر رکھا ہے کہ کہیں ہم باہر جا کر اس کے خلاف رپورٹ نہ کروا دیں۔''

''یہ ہم پر اعتبار نہیں کر رہا ہے۔''

''ظاہر ہے وہ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہے اس لیے اعتبار بھی نہیں کر سکتی ہے۔ اگرچہ اس طبقے کے لیے لوگوں کے لیے یہ بڑا مسئلہ نہیں ہے لیکن شاید وہ کسی وجہ سے بات پو س تک نہیں لے جانا چاہتی ہے۔'' بیتو نے میری بات پر غور کیا۔ ''اس کا مطلب ہے یہ کوئی دو نمبر عورت ہے ورنہ پولیس سے کون ڈرتا ہے۔''

''ایسا نہیں ہے ہمارے ہاں جس نے کچھ نہ کیا ہو وہی سب سے زیادہ پولیس سے ڈرتا ہے لیکن تم ٹھیک کہہ رہے ہو یہ جس طبقے سے تعلق رکھتی ہے اس میں دو نمبر لوگ پولیس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

بیتو نے اندر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ ''اب کوئی اندر نہیں آ سکتا ہے۔ آپ سو جاؤ ہم جاگ رہا ہے۔''

انجکشن اور دوا لینے سے مجھے غنودگی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ سو جاؤں۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ذرا سی دیر میں، میں سو چکا تھا۔ اس کے بعد رات کسی وقت میری آنکھ کھلی تو میرا گلا خشک ہو رہا تھا اور مجھے شدید قسم کی پیاس لگ رہی تھی۔ درحقیقت پیاس کی وجہ سے میری آنکھ کھلی تھی۔ یہ دوا کا اثر تھا اینٹی بایوٹک دوائیں جسم میں گرمی پیدا کرتی ہیں جس کے اثر سے پیاس بہت زیادہ لگتی ہے۔ میں نے سرہانے رکھے جگ کو دیکھا تو اس میں پانی بہت کم تھا۔ اسے پی کر میری تسلی نہیں ہوئی تھی لیکن اب اور پانی نہیں تھا اس لیے میں صبر کر کے لیٹ گیا لیکن یہ چند گھونٹ پانی میری پیاس بجھانے کے بجائے بڑھانے کا سبب بن گیا تھا۔ چند منٹ میں پیاس کی شدت اتنی بڑھ گئی کہ میں بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

بیتو جو خود جاگنے کا کہہ کر مجھے سونے کا مشورہ دے رہا تھا اب خود خراٹے لے رہا تھا۔ میں نے اسے جگانے کا سوچا لیکن پھر ارادہ ملتوی کر کے خود بستر سے اتر آیا۔ سخت ہینڈ ٹیج کی وجہ سے میری ٹانگ بالکل سیدھی ہو رہی تھی۔ میں نے بستر کا سہارا لے کر پاؤں زمین پر رکھا تو میرا خیال تھا کہ گھٹنے میں تکلیف کی شدید لہر اٹھے گی۔ جیسا کہ رات سونے سے پہلے باتھ روم جاتے وقت اٹھی تھی لیکن اس وقت مجھے خاصا تعجب ہوا کہ گھٹنے میں کوئی تکلیف نہیں اٹھی۔ میں نے آزمانے کے لیے مزید دباؤ ڈالا تب بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں پورا کھڑا ہو گیا اور میں نے بستر کا سہارا چھوڑ دیا تھا۔ اس بار گھٹنے میں بہت معمولی سی تکلیف ہوئی تھی اور اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ میں نے چلنا شروع کیا تو اس میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ چند گھنٹے کے اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چوٹ اس حد تک درست ہو گئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی تھی۔

اس سے پہلے بھی کئی بار مجھے جب شدید چوٹ لگی تو وہ حیرت انگیز بہت جلدی ٹھیک ہو گئی یہ چوٹ بھی اسی طرح جلدی ٹھیک ہو گئی تھی۔ میں نے احتیاط بالائے طاق رکھ کر پٹی کھول دی اور اپنے گھٹنے کا معائنہ کیا۔ سوجن بہت معمولی سی رہ گئی تھی۔ جب کہ نیل بھی کم رہ گیا تھا۔ پٹی ایک طرف پھینک کر میں نے پھر چل پھر کر دیکھا۔ اس بار بھی درد نہ ہونے کے برابر تھا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کیوں کہ جیسا درد ہو رہا تھا اور گھٹنا جتنا سوج گیا تھا مجھے امید نہیں تھی کہ میں دو تین دن دے پہلے اپنے پیروں پر صحیح طریقے سے چل سکوں گا لیکن اب میری چوٹ تقریباً ٹھیک ہو گئی تھی اور میں آرام سے چل پھر رہا تھا۔

یہ سب حکیم قادس کے علاج کے بعد شروع ہوا تھا اس نے میرے ہاتھ کو ٹھیک کرنے کے لیے مجھے اتنی دوائیں دی تھیں کہ ان کا معجزاتی اثر مستقل ہو گیا تھا۔ اب مجھے کوئی تکلیف ہوتی تھی یا چوٹ لگتی تھی تو وہ غیر معمولی تیزی سے مندمل ہو جاتی تھی۔ ان میں گولیوں سے لگنے والے زخم بھی شامل تھے۔ میں نے واش روم کا رخ کیا اور ہیں کے نل سے گلاس بھر کر پیاس بجھائی۔ تب مجھے ذرا سکون ملا تھا۔ لگتا تھا ڈاکٹر نے مجھے بھاری اینٹی بایوٹک اور پین کلر دوائیں دی تھیں۔ جن کی گرمی سے میری پیاس بھڑک اٹھی تھی۔ واش روم بہت سرد ہو رہا تھا اس لیے میں جلدی سے کمرے میں آ گیا۔ کمروں میں شاید مرکزی گرمائش کا کوئی نظام کام کر رہا تھا اس لیے یہاں سردی کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔

میں واپس آ کر بستر پر لیٹ گیا تھا۔ بیتو بدستور خراٹے لے رہا تھا۔ فٹ پاتھ پر گرنے کے دوران میرے کپڑے کسی قدر خراب ہوئے تھے۔ میں نے واش روم میں پانی پینے کے بعد انہیں صاف کر لیا۔ میرا سر ہلکا سا بھاری ہو رہا تھا اور میرا خیال تھا کہ مجھے لیٹتے ہی نیند آ جائے گی لیکن کچھ دیر بعد بھی میں جاگتا رہا تھا۔ جب نیند نہیں آئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور میں نے پہلے راہداری میں دیکھا اس کے ایک طرف پائیں باغ میں کھلنے والی بڑی سی کھڑکی تھی لیکن اس سے باہر نکلنا ممکن نہیں تھا کیونکہ اس پر موٹی فولادی گرل تھی۔ دوسری طرف ایک دروازہ تھا جو لان میں کھلتا تھا۔ جس کے باہر بیتو نے کتا دیکھا تھا۔ میں نے بہت آہستگی اور احتیاط سے دروازہ کھولا۔ باہر لان میں روشنی تھی لیکن مجھے کتا کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ مگر اس کی آس پاس موجودگی یقینی تھی۔

میں نے سوچا اور ذرا سا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اس دوران میں، میں کسی قسم کی آواز کرنے سے گریز کیا تھا کیونکہ کتے کی سونگھنے کے ساتھ سننے کی حس بھی بہت تیز ہوتی ہے۔ رات کے اس سناٹے میں وہ معمولی سی آواز بھی سن سکتا تھا۔ میں دبے قدموں باہر آیا اور میں ہر طرف سے محتاط تھا کتا کسی طرف سے بھی آتا میں اسے دیکھ لیتا اور وہ کتنا ہی تیز کیوں نہ ہوتا اس کے آنے سے پہلے میں واپس اندر گھس کر دروازہ بند کر لیتا۔ گیسٹ ہاؤس کے دروازے کے ساتھ ہی کوٹھی میں اندر جانے والا ایک دروازہ تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ گیسٹ ہاؤس کو اس طرح بالکل الگ تھلگ کر دینے کا کیا مقصد تھا۔

میں نے آہستہ سے دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈالا اور یہ دیکھ کر مجھے ذرا حیرت ہوئی کہ وہ کھلا ہوا تھا۔ ایک طرف تو شہلا اتنی محتاط تھی کہ اس نے کتا ہماری نگرانی پر مامور کر دیا تھا تو دوسری طرف اس نے کوٹھی کا دروازہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھلا چھوڑ رکھا تھا لیکن اس کی ایک وجہ تو اس کا کتے کی وجہ سے اطمینان ہو سکتا تھا اور دوسری وجہ شاید اس کی نوکرانی کی غفلت ہو سکتی تھی۔ وہ ہمارے لیے کھانا اور پانی لے کر آتی تھی اس نے غلطی سے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔

یہ میرے لیے اچھا موقع تھا اور میں تیزی سے اندر گھس گیا۔ عقب میں دروازہ آہستہ سے بند کر کے میں سن گن لینے لگا۔ ایک تو مجھے کتے کی فکر تھی اگر اس نے آہٹ سن لی تو وہ بھونک بھونک کر بتا دیتا کہ کوئی کوٹھی کے اندر گھسا ہے۔ دوسرے مجھے اندر کسی کا سامنا ہونے کا خطرہ تھا۔ میرا اس طرح بنا اجازت کوٹھی میں گھسنا جرم کے زمرے میں آتا تھا۔ اگر میں پکڑا جاتا تو معاملہ یقیناً پولیس تک جاتا لیکن کچھ دیر تک مجھے اندر باہر سے کوئی آہٹ نہیں سنائی دی تو میں مطمئن ہو گیا۔ یہ جگہ ہال وے تھی۔ اس میں ایک راہداری کے ساتھ سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں اور اس کے بعد ایک ہال تھا جو یقیناً نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

میں نے سوچا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ شہلا کا بیڈ روم اوپر ہی ہو گا۔ اس کوٹھی سے باہر جانے کے لیے مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی۔ میں دبے قدموں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔ سیڑھیاں ایک چھوٹے سے لاؤنج میں نکلی تھیں جہاں ایک طرف بڑی اسکرین کا ایل سی ڈی رکھا تھا اور اس کے سامنے دو افراد کی گنجائش والا آرام دہ صوفہ رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک گلاس ٹاپ چھوٹی میز تھی۔ لاؤنج کے ساتھ تین طرف کمرے تھے اور چوتھی طرف ایک عدد ٹیرس تھا۔ جس پر چھت بھی تھی اور سامنے سے کھلا ہوا بھی تھا ٹیرس کی طرف والی دیوار مکمل شیشے کی تھی۔ لاؤنج کا معائنہ کر کے میں ایک کمرے کی طرف بڑھا تھا کہ میری نظر ایک طرف تپائی پر رکھے چھوٹے سے فون سیٹ پر پڑی۔ یہ اتنا چھوٹا تھا کہ ایک نظر میں تو اس کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ فون سیٹ ہے۔

مجھے اسی چیز کی تلاش تھی۔ میرے پاس ندیم کا نمبر تھا اور رات کے تین بجے وہ یقینی طور پر گھر میں موجود ہو گا میں اس سے رابطہ کر کے اس مصیبت سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تھا کہ شہلا کی آواز سن کر میں ساکت ہو گیا۔ اسپیکر کی کوالٹی اتنی اچھی تھی کہ ایک لمحے کو مجھے لگا کہ وہ میرے عقب میں کھڑی بول رہی ہے لیکن آواز فون سے ہی آئی تھی۔ شہلا کسی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔''

''میری جان دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا ہے۔'' ایک مردانہ آواز نے کہا لیکن اس کے لہجے میں الفاظ کے برعکس دھمکی تھی۔

''تم سمجھنے کی کوشش کرو اگر رضوی کو پتا چل گیا۔ وہ اس معاملے میں بہت سخت ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' مرد کا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔ اسے ایمان داری کا مرض ہے اور یہ ناقابلِ علاج ہو چکا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اسے معلوم ہی کیوں ہو گا؟''

''جب میں دو دن کے لیے گھر سے غائب ہوں گی تو اسے معلوم نہیں ہو گا؟'' شہلا نے بھنا کر کہا۔

''وہ تین دن کے لیے کراچی گیا ہے۔ پھر تمہیں صرف ایک دن کے لیے آنا ہے۔ اصل میں تمہیں بیگم صاحبہ کا کردار ادا کرنا ہے۔ جب کوٹھی مل جائے گی تو تمہارا کام ختم۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا سائن، میرا آئی ڈی کارڈ سب استعمال ہوگا اور جب تم غائب ہو جاؤ گے تو کوٹھی کا مالک میرے پاس دوڑا آئے گا۔''

''اس بار ایسا نہیں ہوگا۔''

''سوری نفیس میں تم سے بہت دھوکے کھا چکی ہوں اب مزید نہیں کھا سکتی۔''

میں چونکا تھا۔ مجھے مرد کا لہجہ پہلے ہی جانا پہچانا لگ رہا تھا شہلا نے اس کا نام لیا تو مجھے یاد آ گیا۔ وہ پروفیسر تھا اور اس کے ساتھ ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا۔ اگر شہلا کا پروفیسر سے کوئی تعلق تھا تو کیا اسے نہیں معلوم تھا کہ میں پروفیسر کی قید سے نکلا تھا۔ شہلا کی بات پر پروفیسر ہنسا۔

''لیکن تم مزید دھوکے کھانے سے انکار نہیں کر سکتی ہو؟''

شہلا کچھ دیر دانت پیستی رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''نفیس کاش کہ تمہارے پاس میری وہ تصویریں نہ ہوتیں تو میں تمہیں دیکھ لیتی۔''

''ہاں تم مجھے دیکھ سکتی ہو۔ تمہارا شوہر ایک بائیس گریڈ کا سرکاری افسر ہے اور تم خود ایک لینڈ لارڈ فیملی سے تعلق رکھتی ہو لیکن مکافات عمل دیکھو بعض اوقات تم جیسے فرعون بھی مجھ جیسے معمولی سے شخص کے سامنے عاجز ہو جاتے ہیں تو کل تم آ رہی ہو؟''

''ہاں آ رہی ہوں۔'' شہلا نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ ''لیکن میں ایک خود ایک چکر میں ہوں کل شام کلب سے آتے ہوئے ایک شخص میری کار سے ٹکرا گیا تھا میں اسے گھر لے آئی ہوں کہیں پولیس کے پاس نہ بھاگا جائے۔ اسے سے نجات حاصل کر کے آتی ہو۔''

''میں بارہ بجے تمہیں اس کوٹھی کے پاس ملوں گا۔''

شہلا نے اچانک فون رکھ دیا۔ پروفیسر نے بھی ریسیور رکھ دیا تھا اور میں ریسیور اٹھائے سوچ رہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے کہ ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے شہلا نمودار ہوئی۔ اندر کا موسم خوشگوار حد تک گرم تھا اور اس نے ایک نہ ہونے کے برابر نائٹی پہن رکھی تھی۔ وہ شاید کسی وجہ سے باہر آئی تھی کیونکہ مجھے دیکھ کر وہ بری طرح چونکی تھی اور اس کے چہرے پر بیک وقت تعجب اور خوف کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ اسی لمحے میں نے سیڑھیوں پر ایک گدھے کے برابر سیاہ کتا نمودار ہوتے دیکھا۔ اس کی کوئی فٹ بھر لمبی زبان بھیانک جبڑوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں دو طرف سے پھنس چکا تھا۔

اگر میں سوچنے میں ایک لمحہ ضائع کرتا یا کشمکش میں پڑتا تو یقیناً مارا جاتا۔ میں نے کتے کو دیکھتے ہی جست لگائی اور شہلا کو سمیٹتا ہوا اس کے کمرے کے دروازے میں گھس گیا۔ عقب سے کتا غراتا ہوا لپکا تھا لیکن میں اس سے پہلے ہی دروازہ بند کر چکا تھا۔ وزنی کتا کسی بگولے کی طرح دروازے سے ٹکرایا اور دروازہ ہل کر رہ گیا تھا۔ شکر ہے وہ بہت مضبوط ٹھوس لکڑی کا دروازہ تھا اگر ہلکا پلائی کا ہوتا تو کتا اسے توڑ چکا ہوتا۔ شہلا نے ٹکی صحیح ماری تھی لیکن میں نے اسے دوسری چیخ مارنے کا موقع نہیں دیا اور اس کا منہ بند کر دیا۔ کتا بھونکتے اور غراتے ہوئے دروازے سے ٹکرا رہا تھا۔ اس نے بجا طور پر محسوس کر لیا تھا کہ اس کی مالکن خطرے میں ہے۔

''شہلا..... اسے چپ کراؤ اور نیچے جانے کا حکم دو۔'' میں نے کہا۔ ''ورنہ تمہاری یہ نازک گردن ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منٹ میں ٹوٹ جائے گی۔"

شہلا نے جلدی سے سر ہلایا یعنی وہ میری بات ماننے کو تیار تھی پھر بھی اس کے منہ سے ہاتھ ہٹانے سے پہلے میں نے اسے وارننگ دی۔ "کسی کو آواز دینے کی کوشش مت کرنا ورنہ مدد کے لیے آنے والے کو صرف تمہاری لاش ملے گی۔"

مجھے کھڑا اور چلتا پھرتا بلکہ جنتیں لگاتا دیکھ کر شہلا پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی کیونکہ اس کے واقف کار ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ میرے گھٹنے میں فریکچر ہو گیا تھا اور صبح اس گھٹنے کا ایکسرے ہونا تھا۔ میں نے اس کا منہ چھوڑا تو اس نے سہمی آواز میں کتے کو ڈانٹا۔ "اسکوبی..... شٹ اَپ۔"

تو کتے کا نام اسکوبی تھا۔ کارٹون والے اسکوبی کی نسبت یہ بھیانک کتا تھا۔ مالکن کی آواز سن کر اس کی آواز بند ہو گئی۔ پھر شہلا نے اس سے کہا۔ "اسکوبی گو بیک ڈاؤن۔"

کتے کی سانسوں کی آواز آنا بھی بند ہو گئی۔ میں نے شک سے کہا۔ "کیا وہ سچ مچ نیچے چلا گیا ہوگا۔"

شہلا نے سہمی نظروں سے مجھے دیکھا۔ "تم اوپر کیسے آئے اور تمہارے تو پاؤں میں چوٹ تھی؟"

اس کا سوال نظر انداز کر کے میں نے کی ہول سے باہر دیکھا لاؤنج کا جو حصہ نظر آتا تھا اس میں تو کتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر ممکن ہے وہ کہیں آس پاس موجود ہو اور میرے باہر نکلتے ہی دبوچ لے۔ خیر اسے بعد میں دیکھا جا سکتا تھا پہلے تو اس کی مالکن کو دیکھنا تھا جو اس حلیے میں دیکھنے کے لائق تھی۔ میں نے اسے گھورا تو وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی اور دیگر استقسم کے خیالات اس کے چہرے کا رنگ اُڑانے لگے۔ وہ نہایت ناگفتہ بہ حلیے میں ایک اجنبی مرد کے سامنے موجود تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔

"میں نہایت شریف آدمی ہوں۔ میری ذات سے آج تک کسی خاتون کی عزت کو ذرا برابر نقصان نہیں ہوا ہے۔"

اسے ذرا تسلی ہوئی لیکن جان کی فکر تو پھر بھی باقی تھی۔ "تم اوپر کیسے آئے؟"

"مجھے اپنے دوست کو کال کرنا تھی اور خوش قسمتی سے میں چلنے پھرنے کے قابل بھی ہو گیا تھا لیکن پہلے تم بتا دو کہ ہمیں اس طرح کیوں قید رکھا ہے۔"

"نہیں تم لوگ کہاں قید ہو؟" وہ صاف مکر گئی۔

میں نے اسے گھورا۔ "میں خواتین کی عزت کرتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ان کو بالکل ہی معاف کر دیتا ہوں۔ خیر پہلے تم کچھ پہن لو اس کے بعد بات ہوتی ہے۔"

اس نے بستر کے ساتھ پڑا گاؤن اٹھا کر پہن لیا تھا۔ اب وہ پُر اعتماد تھی۔ "کسی کے گھر میں یا بیڈ روم میں گھسنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہمیں یہاں کیوں قید رکھا ہے۔ جھوٹ مت بولنا ابھی میں نے تمہیں کسی سے بات کرتے ہوئے سنا ہے تم اسے بتا رہی تھیں کہ تم نے ہمیں روک رکھا ہے۔"

"اگر تم نے یہ سن لیا ہے تو یہ بھی جان گئی ہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں روکا ہے میں پولیس کے چکر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں پڑنا چاہتی۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"حالانکہ تمہارا شوہر بائیس گریڈ کا سرکاری افسر ہے۔"

"ناصر ہی تو اصل مسئلہ ہے۔" اس کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ "اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میری کار سے کسی کو ضرب لگی ہے تو وہ خود ایف آئی آر درج کرا دے گا۔"

"اپنی بیوی کے خلاف؟"

"ہاں قانون کے آگے وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا ہے۔"

"ایسا سرکاری افسر ہمارے ہاں بھی پایا جاتا ہے؟"

"اسی وجہ سے زیر عتاب رہتا ہے نہ جانے وہ بائیس گریڈ تک کیسے پہنچ گیا۔" شہلا نے کہا۔

"اس کوٹھی میں تمہارے علاوہ اور کون ہے؟"

"ایک ملازمہ ہے اور اسی کا شوہر چوکیدار ہے۔ ڈرائیور دو دن کی چھٹی پر گاؤں گیا ہوا ہے وہ کل صبح واپس آ جائے گا۔"

"یہ میاں بیوی کہاں ہوتے ہیں؟"

"عقبی حصے میں سرونٹ کوارٹرز ہیں وہیں رہتے ہیں۔"

"یعنی اس عمارت میں کوئی اور نہیں ہے۔"

"نہیں..... ویسے تم اوپر کیسے آئے اسکوبی کے ہوتے ہوئے کوئی اس عمارت میں قدم نہیں رکھ سکتا ہے۔"

"اسکوبی کہیں اور تھا اس لیے مجھے مہمان خانے سے نکل کر یہاں آنے کا موقع مل گیا۔" میں نے کہا۔

"لیکن اس نے میری بو سونگھ لی یا آہٹ سن لی اور پیچھے آ گیا۔"

مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے وہیں موجود جگ سے پانی پیا اور شہلا کی طرف دیکھا۔ "اب تم کیا کرو گے؟"

"سب سے پہلے میں اپنے دوست کو کال کروں گا۔" میں نے کہا اور فون اٹھایا۔ "مہربانی کر کے بالکل خاموش بیٹھ جاؤ اور کوئی غلط حرکت مت کرنا ورنہ نتیجے کی ذمے دار خود ہو گی۔"

میں نے ندیم کا نمبر ملایا اور بیل جانے لگی لیکن دوسری طرف سے کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ ظاہر ہے رات کے اس پہر سب پڑے سو رہے ہوں گے۔ خاصی دیر بعد کسی نے کال ریسیو کی تو ساتھ ہی بے پناہ شور اٹھا تھا۔ کھڑکھڑاہٹ ایسی تھی کہ میں یہ بھی نہیں جان سکا کہ فون کس نے اٹھایا ہے۔ میں نے دوبارہ کوشش کی اس بار بھی وہی مسئلہ تھا۔ شور بے پناہ تھا ایسا لگ رہا تھا کہ خرابی ندیم کے گھر کی لائن میں تھی۔ پھر مجھے ندیم کے موبائل نمبر کا خیال آیا لیکن وہ مجھے یاد نہیں آیا میرے ذہن سے نکل گیا تھا میں یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

"تم کسے کال کر رہے ہو؟"

"ایک دوست کو۔" میں نے کہا۔ "میں اور میرا ساتھی اسی کے پاس جا رہے تھے جب تم نے بلا وجہ درمیان میں مداخلت کی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے مداخلت کی؟''

''ہاں کس کی کار نے مجھے ٹکر ماری تھی۔''

اس بار اس نے غور سے مجھے دیکھا۔''تم نے کہا تھا تم اور تمہارا ساتھی کسی مل میں ورکر ہیں لیکن تمہارا لہجہ کسی طرح بھی مزدوروں والا نہیں ہے۔''

''یہ بے کار کی بات ہے۔''میں نے کہا۔''یہ بتاؤ کہ نفیس کون ہے اور تم اس سے دب کر کیوں بات کر رہی تھیں۔''

''اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق بھی نکل آئے گا۔ یہ تصویروں کا کیا چکر ہے؟''

اس سوال پر اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔''مم..... میں نے کہا نا..... اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

اگر پروفیسر درمیان میں نہ آتا تو واقعی اس کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس کے درمیان میں آنے کے بعد یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اسے نظر انداز کر دیتا۔ البتہ میں شہلا پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں پروفیسر سے واقف ہوں۔''تعلق تو ہے تم نے مجھے میرے ساتھی سمیت بلا وجہ قید کر دیا اور ہم پر ایک خون خوار کتا مسلط کر دیا۔''

''دیکھو اگر تم کہیں جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں چھوڑ کر آ سکتی ہوں تمہیں رقم چاہیے تو وہ بھی مل جائے گی۔'' اس نے لالچ دی۔

''شکریہ ہم نے جانا ہوگا تو خود چلے جائیں گے۔''میں نے کہا۔''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

مجھ سے باتوں کے دوران شہلا غیر محسوس انداز میں سرہانے رکھے تکیے کی طرف سرک رہی تھی اور اس کی یہ حرکت مجھ سے پوشیدہ نہیں تھی لیکن میں انجان بنا رہا۔ تکیے کے نیچے یقیناً کوئی ہتھیار تھا ورنہ اس کے سرکنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔''میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور لاپروائی ظاہر کرنے کے لیے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اب اس کا ہاتھ تکیے سے کچھ دور تھا۔

''ٹھیک ہے مت بتاؤ..... لیکن کیا نفیس والی بات تمہارے شوہر کے علم میں ہے؟''

''وہ چونکی تھی اور پھر اس کا ہاتھ بہت تیزی سے تکیے کے نیچے گیا اور جب باہر آیا تو اس میں ایک چھوٹا سا ریوالور دبا ہوا تھا جو میں نے بہت آسانی سے چھین لیا اسے پتا بھی نہیں چلا تھا کہ میں کب اس کے عقب میں آ گیا تھا۔ وہ مچل کر میری طرف آئی اور میں ذرا چوکتا تو وہ میرا منہ نوچ لیتی اس کا واحد سہارا ابھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس کا غصے سے برا حال تھا اور اس کی زبان سے نکلنے والی گالیاں کسی صورت اس کی شخصیت سے میچ نہیں کر رہی تھیں۔ اس کا منہ بند کرنے کے لیے میں نے پرانا اور آزمودہ نسخہ آزمایا اور وہ تھپڑ کھا کر بستر پر گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''سوری..... اگر تم زبان سنبھال کر بات کرتیں تو میں ہاتھ اٹھانے پر مجبور نہ ہوتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم سب مرد کمینے ہوتے ہو۔'' اس نے روتے روتے کہا۔

''مجھے تسلیم ہے۔ سب تو نہیں لیکن اکثر کمینے ہی ہوتے ہیں۔''

''عورت کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہو۔''

''مجبوری نہیں کمزوری۔'' اس بار میں نے تصحیح کی۔ ''تصویروں والا معاملہ کسی مجبوری کا نہیں کمزوری کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔''

وہ چپ ہوگئی اور ٹشو سے آنکھیں صاف کرنے لگی اور پھر تلخ لہجے میں کہا۔ ''پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''سب سے پہلے مجھے نفیس کے بارے میں بتاؤ۔''

''یہ ایک نام نہاد پروفیسر ہے کسی زمانے میں کسی کالج میں پڑھاتا تھا پھر اپنی ایک طالبہ سے شادی کر لی جو عمر میں اس سے آدھی تھی۔ ایک دن لڑکی غائب ہوگئی اور بعد میں وہ مرشد ہاؤس سے برآمد ہوئی تھی۔''

میں انجان بن کر بولا۔ ''مرشد ہاؤس..... وہی مشہور سا سی پیر.....؟''

''وہی..... وہی۔'' اس نے کہا۔ ''نفیس کی بیوی نے بعد میں خودکشی کر لی تھی۔ یہ بھی سننے آیا ہے کہ پروفیسر نے اسے خود مار دیا تھا۔''

''اس کے بعد پروفیسر نے کیا کیا؟''

''وہ جرم کی راہ پر نکل گیا۔ اصل میں وہ شروع سے مجرمانہ ذہن رکھتا تھا اور اسے موقع مل گیا۔''

''وہ مرشد کا دشمن بن گیا ہوگا؟''

''ہاں لیکن وہ اسے کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔''

''اگر اس نے خود ہی اپنی بیوی کو مار دیا ہے تو اس کا مطلب ہے اسے اس سے بھی محبت نہیں تھی۔ تو کیا اس نے مرشد سے کک مکا نہیں کر لیا ہوگا؟''

شہلا کے چہرے پر نفرت آ گئی۔ ''وہ ایسا ہی ہے۔''

''تمہارا اس سے تعلق کہاں سے نکل آیا؟''

اس کا چہرہ ایک بار پھر زرد ہو گیا تھا۔ ''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی اس بات سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''لیکن یہ تو طے ہے کہ پروفیسر کے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جن سے تمہیں بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔''

''ہاں۔'' اس نے بادلِ ناخواستہ تسلیم کیا۔

''یہ چیزیں پروفیسر کے پاس کہاں سے آئیں؟''

اس نے نظریں چرائیں۔ ''میں یہ بھی نہیں بتا سکتی پلیز مجھے اس کے لیے مجبور مت کرنا۔''

''کوئی بات نہیں میں مجبور نہیں کر رہا لیکن یہ بات مجھے معلوم ضرور ہو جائے گی۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کیسے معلوم ہو جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس تم دیکھ لینا اور ہاں یہ پروفیسر ہے کہاں؟''

''مجھے نہیں معلوم..... کسی کال آفس سے فون کر رہا تھا اور کل اس نے مجھے ایک کوٹھی پر بلایا ہے جو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''خریدنا چاہتا ہے؟''

''اتنا بے وقوف نہیں ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''مجھے درمیان میں ڈال کر کرائے پر لے گا۔''

''اس کا مقصد کیا ہے؟''

''ظاہر ہے کوئی مجرمانہ مقصد ہی ہوگا لیکن مجھے اس بارے میں نہیں معلوم۔''

''کوٹھی کہاں ہے؟''

''اسلام آباد میں ہی ہے لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''مجھے اس شخص سے دلچسپی ہوگئی ہے۔ میں اس سے ملنا چاہوں گا۔'' میں نے کہا۔

''کیوں؟''

''بس دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے تم ایک عام آدمی ہو اور کبھی اس سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔''

''ممکن ہے تعلق پیدا ہو جائے۔''

''کوئی خاص بات ہے تم مجھے بتانا نہیں چاہ رہے ہو۔'' اس نے یقین سے کہا۔ میرے شریفانہ رویے کی وجہ سے وہ اب کسی قدر بے تکلفی سے بات کر رہی تھی اور اس کا خوف ختم ہو گیا تھا۔

''چلو ایسا ہی سمجھ لو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''مجھے بھوک لگی ہے کیا کھانے کو کچھ ملے گا۔''

''یہاں یہ پھل ہے ویسے کچن میں بہت کچھ ہے۔''

''کچن کہاں ہے؟''

''نیچے سیڑھیوں کے پاس جہاں سے تم اوپر آئے تھے۔''

''تب یہی ٹھیک ہے۔'' میں نے سیب اور انگوروں سے بھری ٹرے اٹھالی۔ رات کو میں نے پیٹ بھر کر کھایا تھا اس کے باوجود مجھے بھوک لگ رہی تھی شاید گھٹنے کے زخم کی وجہ سے کیونکہ جب حکیم قادس مجھے دوائیں استعمال کر رہا تھا تب بھی مجھے قیامت کی بھوک لگتی تھی اور میں جنوں کی طرح کھاتا تھا۔ اب بھی ان ہی دواؤں کا اثر تھا جو میری چوٹ اتنی جلدی ٹھیک ہوگئی اور اس کی وجہ سے مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں، میں نے پوری ٹرے صاف کر دی۔ وہ تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری خوراک اچھی ہے۔''

''نہیں عام حالات میں نارمل ہی کھاتا ہوں لیکن جب مجھے کوئی چوٹ یا زخم لگتا ہے تو میری بھوک کھل جاتی ہے۔''

''تم مجھے عجیب سے لگ رہے ہو۔ آج کل ایسے لوگ دیکھنے میں نہیں آتے ہیں۔''

''کیوں کیا میرے سر پر سینگ ہیں یا دم نکل آئی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مذاق نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ میں نے آج تک تم جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ میں کس لباس میں تمہارے سامنے آئی تھی تم نے مجھے دیکھا لیکن ایک بار بھی تمہاری نظر نہیں بہکی تھی۔''

''یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''میں عورت ہوں اور مرد کی نظر کو اس سے بھی زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔ تم نے مجھے غلط نظر سے نہیں دیکھا۔ بلکہ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تم سرے سے مجھے عورت ہی نہیں لے رہے ہو میں تمہارے لیے صرف ایک شخصیت ہوں اور تم میرے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہے ہو کہ میرا کیا کیا جائے؟''

''یہ تو ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تم یہ مت سمجھنا کہ میں کوئی مجرم ہوں اور تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کروں گا۔ جب تک تم خود کوئی حماقت نہیں کرو گی محفوظ رہو گی۔''

''سنو مجھ پر اعتماد کرو تم نیچے کمرے میں جاؤ اور آرام سے سو جاؤ صبح تم جہاں کہو گے میں وہاں پہنچا دوں گی۔''

اس سے پہلے میں کچھ کہتا، اچانک باہر سے ہارن کی آواز آئی۔ شہلا بری طرح چونکی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا اور اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ ''میرے خدا..... یہ ناصر کہاں سے آ گیا اسے تو دو دن بعد آنا تھا۔''

''ناصر تمہارا شوہر؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں وہی..... کسی سرکاری کام سے کراچی گیا تھا۔ اب کیا ہو گا؟''

میں سوچ رہا تھا اور میں نے مناسب سمجھا کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ ناصر سرکاری افسر تھا اور ہمیں یہاں پا کر پولیس بھی بلا سکتا تھا اور ہم نئی مشکل میں پڑ جاتے۔ میں نے شہلا سے کہا۔ ''تم ہمیں کسی کی نظر میں آئے بغیر باہر نکال سکتی ہو؟''

''ہاں لیکن ابھی تو تم گیسٹ ہاؤس میں جاؤ اور وہاں بالکل خاموش رہنا لائٹس بھی آف کر دینا۔''

ناصر کی کار گیٹ سے باہر تھی۔ ''گیٹ کون کھولے گا۔''

''چوکیدار وہ رات کو گیٹ کے پاس ہی سوتا ہے۔''

''تب جلدی کرو وہ اندر آنے والا ہو گا۔''

شہلا مجھے لے کر پھرتی سے نیچے آئی۔ اسکوبی لان میں تھا لیکن اس نے شہلا کو ساتھ دیکھ کر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور میں مہمان خانے میں داخل ہو گیا۔ شہلا باہر رہی تھی۔ میں نے اندر جاتے ہی لائٹس بند کر دیں۔ بیتو بدستور سو رہا تھا اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ میں کہیں باہر گیا تھا۔ میں نے ایک کھڑکی سے ذرا سا پردہ سرکا کر دیکھا۔ یہاں سے پورچ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ایک سیاہ کار آ کر وہاں رکی اور ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا ایک ادھیڑ عمر آدمی سوٹ میں ملبوس نیچے اترا۔ اس کی عمر شاید پینتالیس برس تھی اور وہ عمر میں شہلا سے کم سے کم بارہ تیرہ سال بڑا تھا لیکن جسمانی طور پر فٹ اور قبول صورت تھا اور سب سے بڑھ کر بائیس گریڈ کا افسر تھا۔ اس نے ڈرائیور سے کچھ کہا اور اپنا بریف کیس سنبھالتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ شہلا کہاں تھی۔ ناصر رضوی کے اندر جانے کے بعد میں نے کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا۔ دو بج چکے تھے لیکن اب سونے کا سوال ہی پیدا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہوتا تھا۔

شہلا کے پروفیسر سے تعلق کے انکشاف نے مجھے چونکا دیا تھا۔ اگرچہ پروفیسر اسے بھی بلیک میل کر رہا تھا لیکن شہلا اس تک رسائی کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی۔ پروفیسر نے میرے ساتھ جو کیا تھا اس کے بعد میں اسے آسانی سے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو گولی سے فرار کے بعد فی الحال میں نے اسے اپنے ذہن سے نکال دیا تھا لیکن اس کے شہلا سے روبط کے انکشاف کے بعد میں اسے نظر انداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر یہ میرے ذہن میں ابھی واضح نہیں تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ان حالات میں، میں شہلا پر اعتماد کرنے پر مجبور تھا۔

شہلا اور میری کوئی دشمنی نہیں تھی اس نے صرف اس وجہ سے مجھے اپنے گھر میں روک لیا تھا کہ میں اس کے خلاف پولیس میں رپورٹ نہ کرا دوں۔ اس کے علاوہ اس نے میرے اور بیتو کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کیا تھا۔ میں بستر پر دراز ہو گیا۔ اندر کمرے میں صرف ایک نائٹ بلب جل رہا تھا جس کی روشنی باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک ناصر خاص طور سے یہاں آ کر نہ دیکھتا تو اسے ہماری موجودگی کا علم نہ ہوتا۔ مجھے ملازمہ اور اس کے چوکیدار شوہر کا خیال آیا۔ شہلا کو ان پر اعتماد تھا کہ وہ اس کی مرضی کے بغیر اس کے شوہر کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ میں دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا اور اس وقت تک میں ہوشیار ہو جاتا۔ شاید اسی اطمینان کی وجہ سے مجھے نیند آ گئی۔






اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
آٹھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

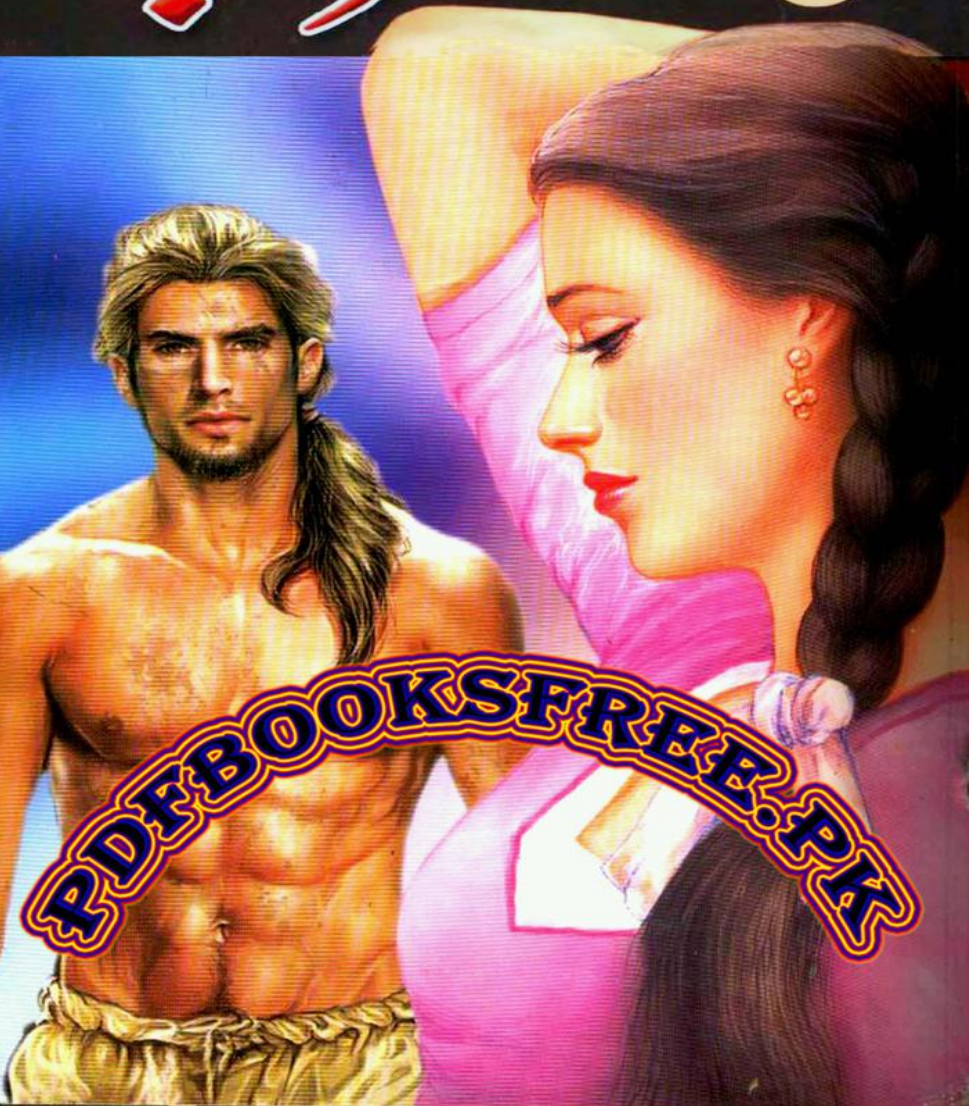
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

8



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

آٹھواں حصہ

کاشف زبیر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری آنکھ کھلی تو دروازے پر ہلکی سی لیکن مستقل دستک ہو رہی تھی۔ آنکھ اسی وجہ سے کھلی تھی۔ میں اٹھ کر دروازے تک آیا اور آہستہ سے پوچھا۔

"کون ہے باہر؟"

"میں ہوں۔" شہلا کی دھیمی آواز آئی۔ "دروازہ کھولو۔"

گھڑی میں صبح کے چھ بج رہے تھے۔ میں نے دروازہ کھول دیا اور شہلا عجلت میں اندر آئی۔ "اٹھو تم دونوں کو میرے ساتھ چلنا ہے۔"

اس دوران میں بیتو بھی اٹھ گیا تھا۔ شہلا کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "کیا ہوا شوبی بھائی؟"

"کچھ نہیں ہمیں یہاں سے جانا ہے۔" میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ "تمہارے شوہر کو شک تو نہیں ہوا؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں..... اصل میں وہ عجلت میں کچھ فائلز لینے آیا تھا اور صبح سویرے کی فلائٹ سے چلا گیا۔"

"تو پھر اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے ذرا آرام سے ناشتہ وغیرہ کر کے چلتے ہیں۔"

شہلا نے مجھے گھورا اس وقت اس نے ویلوٹ کا سادہ سوٹ پہن رکھا تھا گھر کے اندر اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں تھی لیکن باہر یقیناً خاصی سردی تھی۔ ہمارے لباس بھی عام سے تھے۔ پروفیسر بدبخت نے سب چھین لیا تھا۔ "ہم رک نہیں سکتے۔ ملازمہ اور اس کا شوہر میرے اعتماد کے ہیں لیکن ڈرائیور ناصر کا آدمی ہے وہ اسے بتا سکتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہمیں یہاں سے جانا ہو گا۔"

"ناصر اب کب آئے گا؟"

"کل واپس آئے گا، اب چلو۔" شہلا بہت بے تاب تھی۔

بیتو سمجھ گیا کہ اس کی نیند کے دوران میں کوئی ایسی تبدیلی آئی تھی جس کی وجہ سے شہلا مجھ سے اس طرح بے تکلفی سے بات کر رہی تھی لیکن اس نے سوال نہیں کیا۔ میں نے کہا۔ "چلو ہم تو تیار ہیں۔ ویسے دو گرم چادریں مل سکتی ہیں؟"

ہاں میں لے آئی ہوں اور وہ ریوالور مجھے واپس کر دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سوچا اور ریوالور اپنے کرتے کے دامن سے صاف کر کے اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔ ''بہت چالاک ہو۔''

''بننا پڑتا ہے۔'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔

''تم رکو اور واش روم سے فارغ ہو جاؤ تب تک میں آتی ہوں۔'' شہلا کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بیتو کے پوچھنے سے پہلے اسے رات کا احوال بتا دیا اور شہلا کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے باتھ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب تک بیتو بھی وہاں سے ہو آیا شہلا آ گئی۔ اس نے دو گرم چادریں میری طرف بڑھا دیں۔ ''زیادہ گرم تو نہیں ہیں لیکن گزارا ہو جائے گا۔''

''ہو جائے گا ویسے تم ہمیں کہاں لے جا رہی ہو؟''

''میں تمہیں کسی سڑک تک چھوڑ دوں گی۔ وہاں سے تم جہاں جانا چاہو۔''

میں چونکا۔ ''یعنی تم ہمیں جانے کی اجازت دے رہی ہو۔''

''اور کیا میں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے رکھنا ہے کیا؟'' وہ چڑچڑے پن سے بولی۔

''اگر تم سڑک کے بجائے ہمیں آب پارہ میں اتار دو؟'' میں نے کہا۔ ''وہاں سے ہمیں آسانی ہو جائے گی۔''

''نہیں مجھے مخالف سمت میں جانا ہے۔'' اس نے انکار کر دیا۔ ''میں تمہیں سڑک تک اتار سکتی ہوں۔''

میں نے ایک چادر بیتو کی طرف بڑھا دی۔ اس نے میرے پاؤں کا معائنہ کیا۔ ''اب آپ بالکل ٹھیک چلتا ہے۔''

''ہاں میرے پاؤں کی چوٹ ٹھیک ہو گئی ہے۔''

بیتو کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی وہ اس سے پہلے بھی کئی بار مجھے حیرت انگیز طور پر زخموں اور چوٹوں سے ٹھیک ہوتے دیکھ چکا تھا۔ البتہ شہلا کی حیرت بجا تھی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے کہا۔ ''میں نے رات تمہارا گھٹنا دیکھا تھا۔ یہ اتنی جلدی کیسے ٹھیک ہو گیا کیا تم نے کوئی دوا لی ہے؟''

''نہیں دوا تو وہی لی تھی جو ڈاکٹر نے دی تھی۔''

''پھر اتنی جلدی کیسے ٹھیک ہو گیا؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے اسے ٹالا۔ ''ممکن ہے چوٹ اتنی شدید نہ ہو جتنی شروع میں لگ رہی تھی۔

شہلا کو عجلت تھی اس لیے اس نے سوال جواب میں مزید وقت ضائع نہیں کیا اور ہم اس کی کار میں بیٹھ کر لوشی سے باہر آ گئے۔ صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی اور فضا پر ابھی دھند حاوی تھی۔ اس لیے شہلا سست روی سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ کل رات وہ تیز رفتاری کے چکر میں ایک حادثہ کر بیٹھی تھی۔ کوئی دس منٹ بعد اس نے کار ایک سڑک کے کنارے روک دی اور اپنے پرس سے سو کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میری طرف بڑھائی۔

''یہ رکھ لو..... اسے ہونے والی تکلیف کا ازالہ سمجھ لو یا جو تمہاری مرضی ہو۔ یہاں سے تم کو کوئی سواری مل جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے گڈی لے لی۔ اس میں کم سے کم چار ہزار روپے تھے اور رقم کی ہمیں اشد ضرورت تھی۔

''شکریہ۔''

''بس اب اتر جاؤ۔'' شہلا نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اسے بہت جلدی ہو۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ پروفیسر کے پاس تو نہیں جا رہی تھی۔ میں اور بیتو نیچے آئے اور اس نے فوراً کار آگے بڑھا دی۔ بیتو نے میری طرف دیکھا۔

''اب کیا کرنا ہے شوبی بھائی۔''

اس وقت میں کشمکش میں تھا اور ایک ٹیکسی نے آکر میری کشمکش کا خاتمہ کر دیا۔ سواری نظر آتے ہی میں نے شہلا کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ٹیکسی خود آکر ہمارے پاس رکی اور اس کے ڈرائیور نے سر نکال کر کہا۔

''بھاجی کتھے جانا اے؟''

میں بیتو سمیت عقبی نشست پر آ گیا۔ ''یار آگے ایک سیاہ ہنڈا اکارڈ جا رہی ہے۔ اس کے پیچھے چلنا ہے۔''

ڈرائیور نے پلٹ کر دیکھا۔ ''بھاجی کی مسئلہ اے؟''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے یار۔'' میں نے کہا اور سو سو کے تین چار نوٹ اس کی گود میں ڈال دیئے۔ ''جلدی کرو کہیں وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔''

نوٹوں کی جھلک نے ڈرائیور کی زبان بند کر دی تھی اور اس نے عجلت میں ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ اس وقت سڑک صاف تھی۔ میں نے اسے رفتار تیز کرنے کو کہا کیونکہ شہلا کی کار خاصی آگے جا چکی تھی۔ یہ اسلام آباد کی مرکزی شاہراہ تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ شہلا کہیں اور نہ مڑ جائے لیکن ڈرائیور نے تیز رفتاری سے دو منٹ میں اس کی کار کو جا لیا تھا۔ وہ کار کے پاس پہنچا تو میں نے اشارہ کیا۔ ''یہی کار ہے بس مناسب فاصلے سے اس کے پیچھے رہو۔''

''بھاجی ابھی بتا دو کوئی چکر تو نہیں ہے۔ میں غریب آدمی ہوں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔'' ڈرائیور نے لجاہت سے کہا۔

''اول تو کوئی خطرناک چکر نہیں ہے دوسرے ہم کسی کا نقصان نہیں کرتے ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

دھند کی وجہ سے کار کے اندر بیٹھی شہلا واضح نظر نہیں آ رہی تھی ورنہ ٹیکسی والا مزید شک میں پڑ جاتا۔ نوٹوں نے اس کی زبان بند کر دی تھی لیکن اسے شک تھا کہ ہم ٹھیک لوگ نہیں تھے۔ پھر ہم نے گرم چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور ان کے نیچے تو ایل ایم جی بھی چھپائی جا سکتی تھی۔ ذرا آگے جا کر شہلا کی کار راولپنڈی جانے والی سڑک پر گھوم گئی۔ مجھے یاد تھا کہ اس نے اسلام آباد کا ذکر کیا تھا۔ پروفیسر یہیں کسی کوٹھی کے چکر میں تھا اور اسے کرائے پر حاصل کرنے کے لیے شہلا کو آگے کر رہا تھا۔ شہلا ایک اعلیٰ سرکاری افسر کی بیوی تھی اور اس کی ضمانت سب مان لیتے۔

کوئی دس منٹ بعد کار سٹلائیٹ ٹاؤن میں داخل ہوئی جو امرا کی آبادی ہے۔ اس وقت سورج کی روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی اور فضا میں چھائی دھند تیزی سے تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔ اب ٹیکسی ڈرائیور کو کار میں بیٹھی شہلا کی جھلک دکھائی دی۔ وہ چونکا۔ ''یہ تو کوئی خاتون ہے جی۔''

''ہاں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم اپنے کام سے کام رکھو۔ تمہیں پورا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معاوضہ مل جائے گا۔''

اب اسے ہمارے بارے میں پختہ شبہ ہو چکا تھا کہ ہم ٹھیک لوگ نہیں ہیں۔ ممکنہ طور پر جرائم پیشہ ہیں اور یقیناً مسلح بھی ہیں اسی خیال نے اس کی گھگی باندھ دی تھی اور میری بات سن کر وہ بلا چوں چرا ہ کیے ڈرائیو کرنے لگا۔ روشنی ہونے کی وجہ سے میں نے اسے دونوں گاڑیوں میں فاصلہ زیادہ کرنے کو کہا۔ اس نے ٹیکسی کو مزید پیچھے کر لیا۔ شہلا سست روی سے کار ڈرائیو کر رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کسی خاص پتے کی تلاش ہو۔ ایک جگہ رک کر اس نے ایک کوٹھی کے چوکیدار سے کچھ پوچھا بھی تھا اور پھر آگے بڑھ گئی۔ اس کے کچھ دیر بعد وہ ایک کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ یہ سیٹلائیٹ ٹاؤن کا بھی انتہائی پوش علاقہ تھا اور یہاں کوئی کوٹھی دو کنال سے کم کی نہیں تھی۔ صاف ستھری کشادہ سڑکیں اور کھمبوں پر اس وقت بھی اسٹریٹ لائٹس جل رہی تھیں۔ گرین بیلٹ ہری بھری تھی۔ ہر کوٹھی کے ساتھ ساتھ الگ سے گرین بیلٹ تھی۔ شہلا کار سے اتری اور اس نے گیٹ کے ساتھ لگی کال بیل بجائی۔

''ٹیکسی پیچھے روک دو۔'' میں نے ڈرائیور سے کہا۔ وہ ٹیکسی گلی کے کونے پر لے آیا۔ میں نے اترتے ہوئے بیتو سے کہا۔ ''تم یہیں رکو میں ابھی آتا ہوں۔''

''بھاجی مینوں جانے دو۔'' ٹیکسی والے نے دبی زبان میں کہا۔

''اوئے مرا کیوں جاتا ہے۔ تھوڑا انتظار کر لے ہمیں واپس بھی جانا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا خیال رکھنا۔'' میں نے بیتو سے کہا تو اس نے چادر کے نیچے یوں ہاتھ مارا جیسے کوئی ہتھیار چھپا رکھا ہو۔

''آپ فکر نہ کرو۔''

میں ذرا آگے آیا اور درختوں کی آڑ لے کر اس کوٹھی کی طرف بڑھنے لگا۔ جس میں شہلا گئی تھی۔ وہ اندر جا چکی تھی۔ میں گیٹ تک پہنچا اور اندر جھانکا تو شہلا ایک چوکیدار نما شخص کے ساتھ نظر آئی۔ مرد نے ملیشیا کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ شہلا اس سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کوٹھی کا مالک سات بجے یہاں ملے گا لیکن وہ اب تک نہیں آیا۔ اب تو ساڑھے سات بج رہے ہیں۔''

''بس بیگم صاحبہ وہ آنے والا ہے۔'' چوکیدار نے جواب دیا۔ ''آپ کے لیے ڈرائنگ روم کھول دیتا ہوں آپ ادھر آرام سے بیٹھو۔''

شہلا نے سوچا اور سر ہلا دیا۔ ''ٹھیک ہے کھولو یہاں سردی بہت ہے۔''

اس نے اپنے بدن سے چپکے ویلوٹ کے سوٹ پر کچھ اور نہیں لیا تھا اور ایسے ہی چلی آئی تھی اس لیے سردی تو لگنا تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ چوکیدار حریص نظروں سے اس کے جسمانی نشیب و فراز کا جائزہ لے رہا تھا اور اس کا انداز مجھے بے حد مشکوک لگا تھا۔ وہ شہلا کو لے کر کوٹھی کی طرف بڑھا۔ گیٹ اور عمارت کے درمیان میں لوٹی سوفٹ کا لان تھا۔ اس کے بعد ٹیرس تلے کار پورچ تھا۔ چوکیدار نے کار پورچ کے سامنے دو پٹوں والا دروازہ کھولا اور شہلا کو اندر لے گیا۔ اب میرے لیے موقع تھا میں گیٹ پھلانگ کر اندر جا سکتا تھا۔ یہ گیٹ مشکل سے چھ فٹ اونچا تھا اور اس پر کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن اس سے پہلے میں اپنے ارادے کو عملی جامع پہناتا بائیں طرف کہیں سے دو افراد نکل کر تیزی سے کوٹھی کی طرف گئے۔ حلیے سے وہ بھی نچلے طبقے کے لگ رہے تھے لیکن وہ پورچ والے دروازے سے اندر جانے کے بجائے کوٹھی کی بغلی سمت سے اندر کہیں غائب ہو گئے۔ ان کا انداز چوروں والا تھا۔ میرا شک مزید بڑھ گیا تھا۔ چوکیدار اور ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی اور نہ جانے وہ کس کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ ممکن ہے وہ پروفیسر کے آلہ کار بن گئے ہوں۔ ان کے لیے لاکھ روپے بھی بڑی رقم ہو سکتی تھی اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔

ان کے اندر غائب ہونے کے بعد میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر گیٹ کے بجائے اس کے پاس موجود درخت تک آیا۔ گیٹ کھلی جگہ تھا اور سامنے کوٹھیوں سے صاف نظر آتا اس لیے میں نے گیٹ کے بجائے درخت کے ساتھ دیوار پھلانگنے کو ترجیح دی۔ یہ کوئی آٹھ فٹ اونچی تھی لیکن درخت کی وجہ سے کام آسان ہو گیا تھا۔ اس کے تنے پر پاؤں جماتے ہوئے میں نے اچھل کر دیوار پکڑ لی اور اس پر چڑھ کر اندر کودنے سے پہلے میں نے چادر اتار کر کمر سے لپیٹ لی تھی۔ یہ حرکت کرنے میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ میں آرام سے اندر نرم گھاس پر کود گیا اور پھر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا کوٹھی کی طرف جانے لگا۔

میں کھلی جگہ میں تھا اور کوئی سامنے سے نکل آتا یا اندر سے جھانک لیتا تو میں فوراً نظروں میں آ جاتا لیکن اتنا خطرہ تو مول لینا تھا اور ویسے بھی میرا خیال تھا کہ کوئی اندر سے نہ تو نکلے گا اور نہ ہی جھانکے گا۔ میں دائیں طرف سے کوٹھی کی عمارت تک پہنچا اور اس طرف موجود باغ کے ساتھ عمارت کا معائنہ کیا۔ اس میں ایک ہی دروازہ تھا اور تمام کھڑکیوں پر فولادی گرل تھی میں نے دروازے پر طبع آزمائی کی۔ وہ اندر سے بند نکلا میں عمارت کے عقب میں جا نکلا۔ ایک دروازہ یہاں بھی تھا اور یہ بھی بند نکلا تھا۔ اب میرے پاس سوائے سامنے والے دروازے سے اندر جانے کے اور کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ وہ بھی بند نکلتا تو میں کسی صورت اندر نہیں جا سکتا تھا۔ میں گھوم کر سامنے پورچ والے دروازے تک آیا اور جب میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی تو میری مایوسی بڑھ گئی۔ یہ بھی بند تھا اور اب اندر جانے کے لیے کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نہیں جان سکتا تھا کہ اندر شہلا پر کیا گزر رہی تھی۔ وہ خیریت سے تھی یا ان تین مردوں کے نرغے میں اس کی جان و آبرو خطرے میں تھی۔

میں ذرا پیچھے آیا اور اوپر والی منزل کا جائزہ لیا۔ یہ بہت اوپر تھی اور کوئی ایسا ذریعہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس کی مدد سے میں اوپر تک جا سکتا۔ ستون اور دیواریں بالکل سپاٹ تھیں۔ کوٹھی کے بائیں طرف ایک لمبا سا باغ تھا اور گیٹ کے ساتھ ہی نیچی چھت والا ایک کمرہ بنا ہوا تھا یہ شاید چوکیدار کے لیے تھا اور وہ دو افراد اسی سے نکل کر عمارت کے اندر گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ چوکیدار ان کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ اس سے ملے ہوئے تھے۔ یہ جان کر مجھے شہلا کی عافیت مزید خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ میں نے چوکیدار کے کمرے کی طرف دیکھا تو مجھے اس کے ساتھ ہی ایک سیڑھی نظر آئی۔ یہ ایک ایسی سیڑھی تھی جو تہہ ہو کر چھوٹی ہو جاتی اور اس کے دو طرف کھلنے والے پایوں کی مدد سے اسے کہیں بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں نے قریب سے اس کا معائنہ کیا۔ یہ آٹھ فٹ اونچی تھی لیکن اس کی دوسری تہہ بھی کھول دی جاتی تو یہ سولہ فٹ لمبی سیڑھی بن جاتی اور یہ آرام سے دوسری منزل تک پہنچ سکتی تھی۔ میں اسے سامنے والے ٹیرس تک لایا اور اسے کھول کر اوپر دیوار سے ٹکایا۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب بھی ٹیرس کی دیوار کے سرے تک نہیں پہنچی تھی لیکن اس سے کام چل سکتا تھا۔

میں اوپر پہنچا تو ٹیرس کی دیوار میرے ہاتھ سے کوئی دو فٹ اوپر تھی۔ اب میں نے خطرہ مول لیا اور صرف دیوار پر ہاتھ جما کر سیڑھی کے آخری تختوں پر قدم رکھنے لگا تھا۔ اگر سیڑھی سرک جاتی تو میں آرام سے کوئی سولہ فٹ نیچے جا پڑتا اور پختہ فرش میری کئی ہڈیاں اور پسلیاں برابر کر دیتا لیکن خیریت رہی اور میرا ہاتھ منڈیر تک جا پہنچا اس پر ہاتھ جما کر میں نے خود کو اوپر کیا اور ٹیرس میں کود گیا۔ اس طرف جو کمرہ تھا اس کی کھڑکیاں اور دروازہ ٹیرس میں ہی کھل رہا تھا۔ میں نے دروازہ دیکھا وہ لاک تھا لیکن ایک کھڑکی کا پٹ کھلا رہ گیا تھا اور اس میں گرل بھی نہیں تھی۔ میں آرام سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک شاندار قسم کا بیڈ روم تھا اور یقیناً کسی عیاش آدمی کا تھا کیونکہ وہاں لائف سائز برہنہ مجسمے تھے اور دیواروں پر موجود مصوری کے نمونوں کو صرف فحاشی قرار دیا جا سکتا تھا۔ ایک خوب صورت آرٹ اتنا گھٹیا استعمال افسوس ناک ہی تھا۔ میں باہر نکلنے والے دروازے تک پہنچ گیا۔ اب تک مجھے کہیں سے کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

میں کمرے سے نکل کر ایک وسیع لاؤنج میں آیا جس کی کھڑکیاں دائیں طرف کے باغ کی سمت کھل رہی تھیں۔ ایک طرف سے کشادہ سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں لیکن نیچے جانے سے پہلے میں نے اوپر کی تلاشی لینا مناسب سمجھا۔ بیڈ روم میں مجھے کچھ نہیں ملا تھا۔ مجھے کسی ہتھیار کی تلاش تھی لیکن وہاں سوائے ایک پھل کاٹنے والی معمولی سی چھری کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے اسے ہی اٹھا لیا۔ اوپر لاؤنج کے ساتھ ایک چھوٹا بیڈ روم اور بھی تھا لیکن یہ معمولی انداز میں سجا تھا۔ اوپر کوئی نہیں تھا شہلا اور وہ تینوں یقیناً نیچے ہی تھے۔ میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ یہاں بھی پُراسرار قسم کی خاموشی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کس طرف کا رخ کروں کہ مجھے ایک ہلکی سی نسوانی چیخ سنائی دی۔ پھر کم سے کم دو مرد وحشیانہ انداز میں ہنسے اور میں نے سمت کا تعین کر لیا کہ آوازیں کس طرف سے آ رہی تھیں۔ میں اس طرف بڑھا اور ایک دروازے کے سامنے پہنچ گیا آوازیں اس طرف سے ہی آ رہی تھیں۔ شہلا چیخی اور اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے۔ اب بات میری برداشت سے باہر تھی۔ میں نے دروازہ چیک کیا وہ کھلا تھا اور میں نے اسے ایک ٹھوکر کے ساتھ کھولا۔

یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جس کے بیشتر حصے میں سوائے ایک دبیز قالین کے اور کچھ نہیں تھا۔ یہ بھی شاید فرشی نشست روم تھا۔ وہ سب وسط میں تھے اور شہلا کو قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو کسی شیرنی کی طرح مچل رہی تھی۔ جسمانی طور پر وہ کمزور نہیں تھی بلکہ مضبوط اور ٹھوس جسم کی مالک تھی شاید وہ باقاعدگی سے ورزش یا تیراکی کرتی تھی۔ وہ ان کے قابو میں نہیں آئی تھی لیکن انہوں نے اس کے لباس کا حشر نشر ضرور کر دیا تھا۔ قمیص تو تقریباً غائب تھی۔ اس کے باوجود وہ جی داری سے اپنا دفاع کر رہی تھی اور میرا اندازہ تھا کہ یہ سلسلہ کوئی دس منٹ سے جاری تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اندر آتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ جس وقت میں اندر آیا ناکامی پر جھنجھلایا ہوا ایک ان سے تھپڑ مار رہا تھا اور اس کے ساتھیوں نے شہلا کے ہاتھ پاؤں قابو کر رکھے تھے اگرچہ ان کو اس میں مکمل کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

دھڑام سے دروازہ کھلا اور میں اندر آیا تو وہ چونک کر اٹھے تھے۔ ان میں سے ایک غراتا اور بھونکتا ہوا میری طرف لپکا۔ ''اوئے کون ہے تُو تیری تو.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اتنا ہی کہہ سکا تھا اس کے آگے کے باقی الفاظ دانتوں سمیت اس کے پیٹ میں اتر گئے تھے۔ میر کا گھونسہ ایسا ہی زور دار تھا اور وہ اپنے ایک ساتھی پر جا گرا جو شہلا کے پاؤں پکڑے بیٹھا تھا۔ وہ اس کے ساتھ لڑھک گیا اور شہلا کو موقع مل گیا اس نے پہلے سر سے چوکیدار کی ناک کو نشانہ بنایا اور اس کے ساتھ ہی اس کے بال پکڑ کر سر اپنی طرف کھینچا تھا۔ چوکیدار کراہ کر الٹ گیا۔ مشتعل شہلا نے اٹھتے ہی اس کے جسم کے درمیان کو پاؤں کا نشانہ بنایا۔ اس کی ٹھوکر بالکل درست مقام پر اور پوری قوت سے لگی تھی۔

''ہائے..... ماں۔'' چوکیدار چلایا اور پیٹ پکڑ کر لوٹنے لگا۔

''ماں کے.....'' شہلا نے اسے ٹھوکریں مارنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس بار وہ اس کے منہ کو نشانہ بنا رہی تھی۔ اسے چوکیدار کے ساتھ مصروف چھوڑ کر میں باقی دو کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے ایک اپنی قمیص کی طرف لپکا تھا جس میں شاید کوئی ہتھیار تھا اور میں اسے موقع دیئے بغیر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ میرا گھٹنا اس کے منہ پر لگا تو وہ قمیص اٹھانے کی حسرت لیے پیچھے الٹ گیا۔ جس کے منہ پر میں نے گھونسہ مارا تھا وہ ابھی تک اپنے دانتوں کو رو رہا تھا۔ منہ پر گھٹنا کھانے والے نے اس کی خاندانی تاریخ بعض ناپاک جانوروں کے ساتھ غلط ملط کرتے ہوئے چیخ کر کچھ کرنے کو کہا۔

''دیکھتا کیا ہے مار دے حرامی کو۔''

میں نے پہلے مشورہ دینے والے کو گردن سے دبوچا اور گھما کر ایک طرف دیوار پر دے مارا۔ وہ دھماکے کے ساتھ دیوار سے ٹکرایا اور وہیں گر گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے مر چکا ہو۔ یہ دیکھ کر دانتوں کو رونے والی کی گھگی بندھ گئی تھی۔ میں نے جسے دیوار پر مارا تھا اس کا وزن کم سے کم ستر کلوگرام تھا اور میں نے اسے کھلونے کی طرح اٹھا کر مارا تھا۔ دوسرے نے ہاتھ اٹھا دیئے لیکن میں اسے معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ شہلا بری سہی لیکن ایک عورت تھی اور عورت کے ساتھ یہ سلوک کرنے والے مجھے دنیا میں سب سے زیادہ برے لگتے ہیں۔ میں نے اس کا اٹھا ہاتھ پکڑا اور اسے بھی کھینچ کر دیوار پر دے مارا۔ وہ بھی ایک دردناک کراہ کے ساتھ اپنے ساتھی پر ڈھیر ہو گیا۔ چوکیدار کو شہلا پہلے ہی ادھ موا کر چکی تھی اس کے پیروں نے چوکیدار کا ناک منہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ ایک جنونی کیفیت میں اسے ٹھوکریں مار رہی تھی۔

''بس کرو۔'' میں نے اس کا بازو پکڑا تو اس نے مجھے بھی خون خوار نظروں سے دیکھا اور جھٹکا دے کر بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن میری گرفت اتنی کمزور نہیں تھی۔

''چھوڑو وحشی۔'' وہ کراہی۔ ''تم یہاں کیسے آئے؟''

''میں تمہارا تعاقب کرتا یہاں آیا ہوں۔ میں پانی لاتا ہوں جب تک تم اپنا حلیہ درست کرو۔'' میں نے چادر اتار کر اسے دے دی اور کمرے سے باہر آیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ہوش میں آ چکی ہے۔ اس لیے میں اس کی طرف سے مطمئن تھا اور اصل غلطی میں نے چھری وہاں چھوڑ کر کی۔ پانی مجھے کچن سے ملا تھا اور میں بوتل سمیت آ رہا تھا کہ مجھے کمرے سے کسی کے غرارے کرنے جیسی آواز آئی۔ میں بے ساختہ بھاگا۔ کمرے کے اندر بہت خوفناک منظر تھا۔ شہلا نے چوکیدار کی گردن چاقو سے کاٹ ڈالی تھی اور غرارے جیسی آواز اس کے کٹے گلے سے خون کے فوارے کے ساتھ نکل رہی تھیں۔ اس کا گلا کاٹنے کے دوران خود شہلا خون میں نہا گئی تھی لیکن اسے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اس نے میری دی ہوئی چادر تک لینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ مجھے کمرے میں آتا دیکھ کر وہ چونکی اور باقی دو افراد کی طرف لپکی لیکن اس سے پہلے وہ ان میں سے کسی پر چھری آزماتی میں نے اس کا چھری والا ہاتھ قابو کر لیا۔ اس نے بل کھا کر مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کا ہاتھ قابو میں رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی کنپٹی پر گھونسہ مارا اور وہ میرے ہاتھوں میں جھول گئی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے چاقو نکال کر اسے نیچے لٹا دیا۔ چوکیدار کا جسم نزع کے عالم میں جھٹکے کھا رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ بس چند لمحے کا مہمان ہے۔ باقی دو بھی بے ہوش تھے یا بے ہوش بنے ہوئے تھے۔ میں نے ان کا معائنہ کیا اور پھر ایک ایک ہاتھ ان کے سروں پر بھی جما دیا اس طرح ان کی بے ہوشی ذرا طویل ہو گئی تھی۔

میں نے شہلا کی چیتھڑے ہو جانے والی قمیص سے اس کا جسم صاف کیا اور اب اسے لے کر یہاں سے نکلنا تھا۔ اس حالت میں لے جانا ممکن نہیں تھا۔ میں اوپر والے بیڈ روم میں آیا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں مجھے نسوانی ملبوسات مل جائیں گے۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا ایک الماری میں کئی طرح اور سائز کے کپڑے موجود تھے۔ میں نے اندازے سے ایک سوٹ نکالا اور نیچے آیا۔ لباس تبدیل کرانا میرے بس سے باہر تھا اس لیے میں نے ٹھنڈا پانی شہلا کے منہ پر چھڑکا۔ اس کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا اور وہ ہوش میں آنے لگی لیکن اسے پوری طرح ہوش میں آنے میں کئی منٹ لگ گئے تھے۔ وہ آنکھیں کھول کر خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''شہلا اٹھو شاباش ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔'' میں نے اس کے گال تھپتھپائے تو وہ اٹھ بیٹھی پہلے اس نے خود کو دیکھا اور خود میں سمٹ گئی۔ میں نے جلدی سے اسے چادر اوڑھا دی۔ اب اس نے چوکیدار کی لاش دیکھی جو لمبی گردن کے ساتھ مرا پڑا تھا اس کا منہ بھیانک انداز میں کھلا تھا اور آنکھوں کے ڈیلے اوپر چڑھ کر سفید ہو گئے تھے۔ شہلا خوف زدہ نظر آنے لگی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یہ تم نے کیا ہے۔''

''مم..... میں نے؟'' وہ ہکلائی۔

''شہلا ان باتوں کا وقت نہیں ہے جلدی سے کپڑے پہنو اور یہاں سے نکلو اس سے پہلے کہ کوئی آ جائے۔''

بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ واش روم میں گھس گئی۔ میں نے اس شخص کے انگلیوں کے نشانات چاقو پر مٹا دیے اور چاقو کمرے میں ایک ایسی جگہ ڈال دیا جہاں سے وہ فوری طور پر کسی کی نظر میں نہ آ سکے۔ ان دونوں کو ہوش آنے سے پہلے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ شہلا چند منٹ میں نکل آئی۔ میرا لایا سوٹ اس کے لیے ڈھیلا اور پھنسا ہوا تھا لیکن برا نہیں لگ رہا تھا کیونکہ آج کل اس قسم کے لباس عام ہیں جن میں پہننے والی کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

''اپنے کپڑے بھی رکھ لو یہاں کچھ نہیں چھوڑنا۔''

اس نے اپنے کپڑے سمیٹ لیے تھے اور ان کو چادر میں باندھ لیا۔ ہم باہر آئے کیونکہ یہ قتل کا معاملہ تھا اس لیے جہاں جہاں میرے ہاتھ لگے تھے میں نے وہ جگہیں ممکنہ حد تک صاف کر دیں۔ شہلا غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم باہر آئے اور میں نے سیڑھی کو اٹھا کر اسی جگہ رکھا۔ شہلا جھنجھلا گئی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو یہاں سے نکل چلو۔''

''ضرور چلتے ہیں لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ یہاں کیا ہوا تھا؟''

''کچھ نہیں مجھے اکیلا دیکھ کر چوکیدار اور اس کے ساتھیوں کی نیت خراب ہوگئی اور وہ مجھے دھوکے سے اندر لے گئے۔''

''تم یہاں کیوں آئی تھیں؟''

''اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''خوب میں نے آکر تمہیں ان درندوں سے بچایا جو دوسری صورت میں تمہاری آبروگی تکا بوٹی کر دیتے اور پھر تمہاری زخم زخم لاش کسی ویرانے میں پھینک آتے یا اسی کوٹھی میں دفن کر دیتے۔'' میں نے طنز کیا۔

''اس کے لیے میں تمہاری شکر گزار ہوں۔'' وہ ذرا نادم ہوئی۔

''یہ وہی کوٹھی ہے جو تم پروفیسر کے لیے کرائے پر لینا چاہتی ہو؟''

وہ سمجھ گئی کہ اس معاملے میں مجھے بے وقوف نہیں بنا سکے گی مجبوراً اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں یہ وہی کوٹھی ہے۔''

''لیکن وہ تو اسلام آباد میں تھی۔''

''ہاں لیکن اس کے مالک کا ارادہ بدل گیا یا پروفیسر کا ارادہ بدل گیا تو اس نے مجھے اس کوٹھی کو لینے کو کہا۔''

''یعنی تمہیں پروفیسر نے یہاں بھیجا ہے؟'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''کیا یہ اس کی حرکت نہیں ہو سکتی ہے؟''

''نہیں یہ ان لوگوں کی اپنی حرکت ہے۔'' شہلا کے لہجے میں طیش آ گیا تھا۔ ''جس حرامی نے منصوبہ بنایا تھا۔ تو میں نے ذبح کر دیا۔''

میں مسکرایا۔ ''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم جیسی حسین عورت اندر سے اتنی سفاک نکلے گی۔''

''اپنی عزت بچانے کے لیے مجھے حق حاصل ہے کہ میں کسی کو قتل کر دوں۔'' وہ بولی۔

''تمہاری عزت کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

وہ بھڑک گئی۔ ''ان غلیظ لوگوں نے ذرا سی دیر میں میرے کانوں میں جو گندگی ڈالی تھی اور جو حرکتیں کی تھیں وہ کسی طرح آبروریزی سے کم نہیں تھیں وہ میرے مجرم بن چکے تھے کاش میں بقیہ دو کا گلا بھی کاٹ سکتی۔''

''فکر مت کرو بچیں گے وہ بھی نہیں۔ میں نے ان میں سے ایک کے انگلیوں کے نشانات چاقو پر ڈال دیئے ہیں اور چاقو وہیں چھوڑ آیا ہوں پولیس کو جب ملا پھندا ان کے گلے میں فٹ کر دے گی۔''

وہ خوش ہوگئی۔ ''یہ تم نے اچھا کیا اب یہاں سے نکل چلو۔''

ہم باہر آئے اس کی کار پاس کھڑی تھی اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اس کا پرس اور اس میں موجود چیزیں محفوظ رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ اچانک اس نے دروازہ کھولا اور منہ نیچے کر کے الٹی کر دی۔ اس کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ اس نے طیش میں آ کر ایک اضطراری قتل کر دیا تھا اور اب اس کے اثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ میں نے اس کی پشت سہلائی۔ اس نے ڈیش بورڈ پر رکھی پانی کی بوتل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکلی کی اور چند گھونٹ لے کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ڈرائیونگ مجھے کرنے دو۔'' میں نے کہا تو وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر سرک آئی میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار گلی کے سرے کی طرف بڑھا دی جہاں ٹیکسی کھڑی تھی۔ ٹیکسی کے پاس پہنچتے ہی مجھے گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا میں کار سے اتر کر اس کی طرف لپکا۔ عقبی سیٹ سے بیتو غائب تھا اور ڈرائیور آگے لڑھکا ہوا تھا میں نے اس کا معائنہ کیا۔ اس کے سر پر گومڑ تھا اور وہ بے ہوش تھا۔ میں واپس آیا تو شہلا پریشان تھی۔

''کیا ہوا؟''

''ہم جس ٹیکسی میں آئے تھے اس کا ڈرائیور بے ہوش ہے اور میرا ساتھی غائب ہے۔'' میں نے کہا اور پانی کی بوتل اٹھا کر ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کے منہ پر پانی ڈالا اور پھر اسے تھپڑ مارے۔ ان کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا اور وہ ہوش میں آنے لگا۔ اس نے بڑبڑا کر کہا۔

''میکوں ٹھنڈ لگ ویسی۔''

''اٹھو۔'' میں نے اسے جھنجھوڑا۔ ''تم گھر میں نہیں ہو۔''

اس بار وہ پوری طرح ہوش میں آ گیا تھا۔ اس نے وحشت سے چاروں طرف دیکھا۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''تم ٹیکسی میں ہو میرا ساتھی کہاں ہے جسے میں یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''بکواس مت کرو تمہیں کیسے نہیں معلوم۔'' میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر ٹیکسی سے باہر کھینچ لیا۔

''شرافت سے بتاتے ہو یا.....''

وہ عام آدمی تھا جسے اپنی جان اور مال دونوں پیارے ہوتے ہیں کیونکہ اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہوتا ہے۔ وہ کانپنے لگا تھا۔ ''میں..... سس..... سچ کہتا ہوں جی مجھے نہیں معلوم۔''

''تب میرا ساتھی کہاں گیا؟'' میں نے دھاڑ کر پوچھا

اب وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ ''کوئی دو بندے آئے سی..... تے میرے سر تے کچھ مار یا سی..... فیر مینوں ہوش نہ رہا۔'' اس نے ملی جلی پنجابی اور اردو میں کہا۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا اور میں اس کے جواب سے مطمئن نہیں تھا۔ میں نے مزید سوالات کیے اور اس سے جو تصویر سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ اچانک ہی دو افراد عقب کی طرف سے آئے۔ اس سے پہلے ٹیکسی والا یا بیتو ہوشیار ہوتے وہ دائیں بائیں سے دروازہ کھول کر ٹیکسی کی عقبی نشست پر گھسے اور اس سے پہلے کہ ٹیکسی ڈرائیور انہیں دیکھ پاتا ان میں سے کسی نے اس کے سر پر کچھ مارا اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اسے نہیں معلوم کہ کیا ہوا تھا۔

''یہ دیکھو میرا سر پھاڑ دیتا۔'' اس نے سر ملاحظے کے لیے پیش کیا۔

اس نے اپنے سر کی پڑی تھی اور مجھے بیتو کی۔ یقیناً ڈرائیور کو بے ہوش کرنے والے اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن کہاں اور کس لیے لے گئے تھے؟ یہ سوال پریشان کن اور لاجواب تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیزی سے شہلا کی کار کی طرف واپس آیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور وہاں سے نکل گیا۔

''کیا بات ہے؟'' شہلا نے پوچھا۔

''کچھ لوگ ٹیکسی والے کو بے ہوش کر کے میرے ساتھی کو لے گئے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کون لوگ ہو سکتے ہیں؟''

''یہ بتاؤ کیا پروفیسر نے بھی یہاں آنے کو کہا تھا؟ دیکھو غلط مت بولنا یہ میرے ساتھی کی زندگی کا سوال ہے۔''

وہ ہچکچائی پھر اس نے کہا۔ ''ہاں..... اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ آئے گا۔''

''اس کا مطلب ہے میرے ساتھی کو پروفیسر لے گیا ہے۔''

شہلا کو کسی قدر تعجب ہوا۔ ''پروفیسر..... لیکن اسے تمہارے ساتھی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟''

''کیونکہ وہ اس کوٹھی کے قریب موجود تھا میرا خیال ہے پروفیسر کو شک ہو گیا اور وہ اسے لے گیا۔''

''بات عقل میں نہیں آ رہی ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''سوال وہی ہے کہ پروفیسر کو اس کے بارے میں کیا معلوم اور وہ اسے کیوں لے جائے گا؟''

''وہ بہت چالاک آدمی ہے اور ٹیکسی کی موجودگی سے کھٹک گیا ہو؟''

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تمہیں کیسے پتا کہ وہ چالاک آدمی ہے؟''

''تم نے تو بتایا ہے وہ جس طرح تمہیں بلیک میل کر رہا ہے اس طرح کوئی بے وقوف نہیں کر سکتا ہے۔'' میں نے بات بنائی اگرچہ شہلا بالکل بھی مطمئن نہیں تھی وہ بہت ذہین عورت تھی۔

''چلو مان لیا کہ پروفیسر کسی وجہ سے تمہارے ساتھی کو اغوا کر کے ساتھ لے گیا ہے اور اس میں اس کا کوئی مفاد بھی ہوگا تو اب کیا ہو سکتا ہے؟''

''مجھے پروفیسر کا پتا درکار ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں اس کے بارے میں بالکل نہیں جانتی کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔''

''لیکن تمہارا اس سے رابطہ تو ہوتا ہے۔''

''ہاں میرے پاس ایک موبائل نمبر تو ہے لیکن اس کی مدد سے اس کا سراغ تو نہیں لگ سکتا۔''

''یہ بھی بہت ہے تم اس سے رابطہ کرو۔''

''میں اس سے رابطہ کر کے کیا کہوں؟''

میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ پروفیسر آیا تھا تو وہ یقیناً جان چکا ہے کہ تم کوٹھی میں داخل ہوئی تھیں اور خاصی دیر اندر رہی تھیں۔ اس لیے اب تمہیں اداکاری سے کام لینا ہوگا۔ تم اسے کال کر کے کہو کہ تم کوٹھی آئی تھیں اور وہاں کوئی نہیں تھا بیل بجانے کے بعد تم دروازہ کھلا دیکھ کر اندر چلی گئیں مگر اندر کوئی نہیں تھا اور کوٹھی بند تھی اس لیے تم واپس جا رہی ہو۔''

''یہ میں اس سے کہہ دوں گی اس کے بعد؟''

''اس کے بعد تم اس سے ملنے کو کہو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر اس نے انکار کر دیا تو؟''

''کیا تم اسے کسی طرح مجبور نہیں کر سکتیں؟''

''میں تو خود اس کے سامنے مجبور ہوں۔'' وہ تلخ انداز میں ہنسی۔ ''اسے کس طرح مجبور کر سکتی ہوں۔''

''تم اس سے کہہ سکتی ہو کہ اس کوٹھی سے متعلق بہت اہم بات معلوم ہوئی ہے اور وہ تم اسے دو بدو ہی بتا سکتی ہو۔''

''وہ بہت چالاک آدمی ہے اور پھر تمہارا ساتھی اس کے قبضے میں ہے تو وہ اس سے سب معلوم کر چکا ہو گا۔''

''میرے ساتھی سے زبان کھلوانا اتنا آسان نہیں ہے۔''

''تم اس کے بارے میں نہیں جانتے وہ اس معاملے میں پورا شیطان ہے اس کے پاس نہ جانے کیسی دوائیں ہیں اگر وہ کسی آدمی کو کھلا دی جائیں تو اس کی قوتِ ارادی بالکل ختم ہو جاتی ہے اور پھر اس سے جو کہا جائے وہ وہی کرتا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' میں نے کہا۔ مجھے وہ میاں بیوی یاد آ گئے جو ہمیں اغوا کر کے لائے تھے اور انہوں نے ہم پر کوئی گیس آزمائی تھی۔ ''پھر بھی تم کوشش تو کرو۔''

اس نے پرس سے موبائل نکالا اور پروفیسر کا نمبر ملایا۔ خاصی دیر بعد اس نے کال ریسیو کی۔ ''میں بات کر رہی ہوں وہاں گئی تھی لیکن وہاں تو کوئی نہیں ہے۔ مین گیٹ کھلا ہے اور کوٹھی اندر سے بند ہے۔''

میں نے کان موبائل کے قریب کیا تو شہلا نے میری سہولت کی خاطر اسپیکر فون آن کر دیا۔ پروفیسر کہہ رہا تھا۔ ''واقعی کیا تم اندر گئی تھیں؟''

''ہاں..... میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گی؟''

''تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟''

''نہیں تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟''

''تم نے اسپیکر آن کیا ہوا ہے۔''

''ہاں ٹریفک کا شور ہے اس لیے صاف سنائی نہیں دے رہا تھا اس لیے آن کیا ہے۔'' شہلا نے ذہانت سے بات بنائی۔ ''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کیوں؟''

''میں روز روز کے اس چکر کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔ تم وہ تصویریں میرے حوالے کر دو۔''

''اتنی آسانی سے۔'' پروفیسر ہنسا۔ ''ویسے تم کو پریشانی کیا ہے میں نے تمہیں کبھی ناجائز تنگ نہیں کیا ہے۔''

''میں دو مرتبہ خودکشی کرتے کرتے رہ گئی اور تم کہتے ہو تم نے مجھے تنگ نہیں کیا ہے۔'' شہلا کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ ''تم ایک چیز طے کر لو کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اور پھر وہ تصویریں میرے حوالے کر دو۔''

''کیا تم صرف اس لیے مجھ سے ملنا چاہتی ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں اور اگر آج تم نے مجھ سے ملاقات نہیں کی تو میں پھر کسی صورت تمہارے کام نہیں آؤں گی۔''

''تم مجھے انکار نہیں کر سکتی ہو۔''

''کر سکتی ہوں اگر میں خودکشی کر لوں تو کیا تم میری لاش سے اپنے مطالبات منواؤ گے۔''

پروفیسر کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا تھا پھر اس نے پوچھا۔''اس وقت تم کہاں ہو؟''شہلا نے اپنی لوکیشن بتائی۔''او کے تم مری ہائی وے پر آ جاؤ بھارہ کہو کی آبادی دیکھی ہے؟''

''ہاں لیکن مجھے سڑک سے اترنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔''

''دائیں طرف جو پہاڑی ہے اس پر آ جاؤ۔ یہ بازار سے پہلے آتی ہے۔ پہاڑی پر ایک چھوٹی سی کوٹھی ہے۔ سڑک کے ساتھ ہے اس کے گیٹ پر سورج کی شبیہ بنی ہے۔ دائیں طرف ہے۔''

''میں آ رہی ہوں۔''شہلا نے کہا اور کال کاٹ دی اور مجھ سے کہا۔''ڈرائیونگ مجھے دو۔''

''یہ کسی چکر میں ہے۔''میں نے ڈرائیونگ سیٹ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔''ورنہ تمہیں اتنی آسانی سے اپنا پتا نہیں بتاتا۔''

''پہلے تم پتا معلوم کرنا چاہ رہے تھے اور جب اس نے بتا دیا ہے تو شک کر رہے ہو۔''وہ اکتائے انداز میں بولی اس نے کار آگے بڑھا دی تھی۔''ویسے تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''اگر میرا ساتھی اس کے پاس ہے تو اسے چھڑانا چاہوں گا۔''میں نے بے نیازی سے کہا۔''ورنہ اس سے مجھے اور کیا مطلب ہو سکتا ہے؟''

شہلا نے مجھے شک سے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں اس نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ گزشتہ رات بارش ہوئی تھی اور اسی وجہ سے ندیم کا فون خراب تھا۔ آب پارہ کے پاس سے گزرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ ندیم کے پاس سے ہوتا ہوا جاؤں۔ اس کے پاس میرے لیے کوئی اہم خبر تھی لیکن دل پر جبر کر کے میں نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ ابھی بیتو کی بازیابی میرے لیے سب سے اہم تھی۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل تھا کہ بیتو کے اغوا میں پروفیسر ہی ملوث تھا لیکن میرا شک اس پر جا رہا تھا کیونکہ ایک تو وہ اس کوٹھی کی طرف آتا اور دوسرے وہ بیتو کا صورت آشنا تھا۔ اس نے ٹیکسی میں اسے دیکھا تو موقع سے فائدہ اٹھا لیا اور جب تک میں باہر آتا وہ اسے لے کر جا چکا تھا۔ بیتو اس کے لیے کوئی اہم شخصیت نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ میرا ساتھی تھا اور یقیناً پروفیسر اس کی مدد سے مجھ پر دباؤ ڈالتا۔

''تم نے بتایا کہ پروفیسر کی بیوی مرشد ہاؤس سے بازیاب ہوئی تھی۔''

''اسے بازیابی نہیں کہہ سکتے کیونکہ پولیس نے چھاپہ نہیں مارا تھا بلکہ کسی کے توسط سے مرشد سے بات ہوئی تھی اور پروفیسر کی بیوی اور چند دوسری طالبات کو وہاں سے رہائی ملی تھی۔ وہ سب مرشد اور اس کے ساتھیوں کی درندگی کا شکار ہو چکی تھیں۔ ایک لڑکی تو بعد میں تاب نہ لاتے ہوئے اسپتال میں چل بسی تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق اسے ایک درجن سے زیادہ افراد نے زیادتی کا نشانہ بنایا تھا لیکن رپورٹ دبا دی گئی تھی۔''

''ظاہر ہے معاملہ مرشد جیسے عزت مآب کا تھا۔''میں نے تلخی سے کہا۔

''پروفیسر کی بیوی دو دن بعد اپنے بیڈ روم میں پنکھے سے لٹکی پائی گئی تھی۔ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور بقول پروفیسر کے وہ راتوں کو اٹھ کر چیخیں مارتی تھی۔"

"جب اس کی بیوی کی لاش ملی تو خود پروفیسر کہاں تھا؟"

"اُس وقت وہ کالج میں تھا۔"

"تب اس پر شک کیوں کیا جاتا ہے؟"

"اس کی بیوی کی موت صبح کسی وقت ہوئی تھی لیکن پولیس کو اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملا تھا۔"

"اس کے بعد پروفیسر نے نوکری چھوڑ دی؟"

"ہاں اور وہ مرشد سے انتقام لینے کے چکر میں پڑ گیا۔"

"یہ کیسا انتقام ہے جس کا نشانہ مرشد کے بجائے دوسرے لوگ بن رہے ہیں۔"

"کبھی کبھی مجھے بھی شبہ ہوتا ہے کہ پروفیسر ڈرامہ کر رہا ہے اور وہ مرشد سے ملا ہوا ہے۔"

"تم پروفیسر کو کیسے جانتی ہو؟"

"وہ اس کالج میں پروفیسر تھا جہاں میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔" وہ پہلو بدل کر بولی۔

"تمہاری تصویریں اس کے ہاتھ کیسے لگیں؟"

"میں نہیں جانتی..... لیکن اگر وہ تصویریں منظر عام پر آ گئیں تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی اور شاید مجھے خودکشی کرنا پڑے۔" وہ روہانسے لہجے میں بولی۔

"کالج کے بعد بھی پروفیسر سے تمہارا تعلق رہا تھا؟"

"نہیں میں تو اس کی اسٹوڈینٹ بھی نہیں تھی سائیکولوجی میرا مضمون نہیں تھا۔"

"پھر تم اس کے چنگل میں کیسے پھنسیں؟"

اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ "پلیز یہ مت پوچھو یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا میں خود سامنا نہیں کر سکتی ہوں۔ کسی اور کو بتانا ناممکن ہے۔"

"پروفیسر بلیک میلر بھی ہے؟"

"کم سے کم میرے لیے تو ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "کسی اور کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ پروفیسر بلیک میل کرتا ہے یا نہیں۔"

اس نے اپنے پھٹ جانے والے لباس کو ایک کچرے کے ڈبے میں ڈال دیا۔ اس کے جسم پر کسی اور کا لباس تھا اور وہ اس میں بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں ایک جگہ رکوں گی اور کپڑے بدل کر آ جاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی..... ویسے اگر مجھے بھی کوئی گرم چیز مل جائے تو کیا بات ہوگی۔"

اس نے سر ہلایا۔ "میں دیکھوں گی۔"

اس نے گاڑی مری روڈ کے ساتھ ایک علاقے کی طرف موڑ دی۔ یہ اسلام آباد کی عام سی آبادی تھی۔ اس نے گاڑی ایک چھوٹی سی کوٹھی کے سامنے روک دی اور اتر کر کال بیل بجائی۔ کچھ دیر بعد ایک بچے نے جھانکا۔ اس نے اس سے کچھ کہا اور وہ اسے اندر لے گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شہلا کو اچھی طرح جانتا ہو۔ شہلا مشکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دس منٹ میں واپس آ گئی اور اب اس کے جسم پر ایک مناسب قسم کا لباس تھا جو اسے پورا بھی آ رہا تھا۔ اصل میں وہ بہت خوش بدن عورت تھی اور ایسی عورتیں اگر اپنے ناپ سے ہٹ کر کوئی لباس پہن لیں تو وہ فوراً محسوس ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کوئی بھی لباس اس پر برا نہیں لگتا تھا۔ اس نے ایک شاپر بھی اٹھا رکھا تھا۔ کار میں بیٹھتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور ہم روانہ ہو گئے۔

''یہاں کون رہتا ہے؟''

''میری ایک دوست ہے، کالج کے زمانے کی ہے اور اتفاق سے ہم دونوں کا ناپ ایک ہے۔ میں اسی کا سوٹ پہن کر آئی ہوں۔''

''اسے شک نہیں ہوا کہ تم اس طرح کیوں آئی ہو اور کار میں تمہارے ساتھ کون ہے؟''

''ہوا تھا لیکن فی الحال میں اسے ٹال آئی ہوں بعد میں کوئی کہانی بنا کر اسے سنا دوں گی۔'' شہلا نے کہا اور ایک کچرے دان کے پاس سے گزرتے ہوئے ساتھ لایا شاپر اس میں ڈال دیا۔ ''سوری تمہارے لیے مجھے کوئی گرم چیز نہیں مل سکی ہے۔''

''میرا مقدر۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''شہباز۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم ایک معمولی مل ورکر ہو۔''

''اس میں یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے؟''

''تم نے جس ہوشیاری سے میرا تعاقب کیا اور پھر اس کوٹھی میں گھس کر مجھے بچا لائے۔ میں نے ایک آدمی کو تمہارے سامنے قتل کر دیا اور تم نے اس کا ذرا سا اثر بھی نہیں لیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تمہارے لیے یہ معمول کی بات ہو۔''

''اس میں کون سی خاص بات ہے۔ میرے وطن میں قتل و غارت گری عام ہو گئی ہے اور میں بھی اس ملک کا رہنے والا ہوں۔''

''پھر بھی تمہارا انداز نارمل تھا۔ اور تم نے کتنے سکون سے مجھے سنبھالا میرے لیے لباس تلاش کر کے لائے۔ پھر چاقو پر سے میری انگلیوں کے نشان مٹا کر دوسرے آدمی کی انگلیوں کے نشان ڈالے۔ جب ہم باہر نکلے تب بھی تمہیں کوئی جلدی نہیں تھی اور تم نے اطمینان سے مجھ سے بات کرنے کے بعد وہاں سے نکلے تھے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ہاں تم یہ کہہ سکتی ہو کہ میرے اعصاب مضبوط ہیں۔''

''دوسرے تم نے کسی بھی معاملے میں پولیس کا نام تک نہیں لیا۔ تمہارا ساتھی غائب ہے اور تم خود اسے چھڑانے جا رہے ہو۔ پروفیسر ایک جرائم پیشہ شخص ہے اور اس کے پاس بدمعاشوں کی ایک فوج ہے تم اس سے کس طرح مقابلہ کرو گے؟''

وہ بڑی ذہانت سے صورتِ حال کا تجزیہ کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''تمہارا مطلب ہے مجھے پولیس کے پاس بھاگے جانا چاہیے تھا۔''

''ہاں ان حالات سے پولیس بہتر طور پر نمٹ سکتی ہے۔''

''اس کے برعکس پولیس اتنی دیر کر دے گی کہ میرے ساتھی کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ تمہیں پروفیسر سے بہت دلچسپی ہے اور تم اس بارے میں جانتے بھی ہو۔''

''اگر ایسا ہے تو اس سے صورت حال پر کیا فرق پڑتا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اگر تم کچھ جانتے ہو تو مجھ سے کیوں چھپا رہے ہو؟''

''تم بھی مجھ سے چھپا رہی ہو میں نے تو اس بارے میں تجسس نہیں کیا۔'' میں نے کہا تو وہ لاجواب نظر آنے لگی۔

''سوری شاید تمہیں برا لگا۔''

''نہیں لیکن اس وقت میں اپنے ساتھی کے لیے پریشان ہوں اور کسی اور معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

بھارہ کہو کی آبادی قریب تھی۔ میری دیکھی بھالی تھی اور میں کئی بار یہاں آچکا تھا۔ اس لیے جب بائیں طرف اوپر پہاڑی پر جانے والی سڑک آئی تو میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے یہاں اتار دو۔''

اس نے کار روک دی۔ ''کیوں؟''

''یہاں سے میں خود چلا جاؤں گا لوکیشن میں نے سمجھ لی ہے اور اب تم واپس جا سکتی ہو۔''

اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔ ''لیکن میں پروفیسر سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''ان حالات میں تمہاری اس سے ملاقات اچھی نہیں ہوگی ممکن ہے وہاں کوئی ہنگامہ ہو اور تم بلاوجہ اس میں ملوث ہو جاؤ۔''

ہنگامے کا سن کر وہ کسی قدر سہم گئی تھی اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں واپس چلی جاتی ہوں۔''

''ایک منٹ مجھے پروفیسر کا نمبر دے دو۔'' میں نے کہا۔

وہ ہچکچائی۔ ''یہ مناسب نہیں ہوگا اگر پروفیسر کو شک ہو گیا تو میں مشکل میں پڑ جاؤں گی۔''

''تم فکر مت کرو تمہارا نام کہیں نہیں آئے گا یہ میرا وعدہ ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر سرد آہ بھر کر بولی۔ ''میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ مرد ذات پر کبھی بھروسہ نہیں کروں گی لیکن تم نے میری عزت اور جان بچائی ہے اس لیے میں تم پر بھروسہ کروں گی۔''

''اللہ نے چاہا تو تمہیں اس پر افسوس نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا اس نے ایک چٹ پر پروفیسر کا نمبر لکھ کر مجھے دے دیا اور کار واپسی کے لیے موڑ لی۔

○.....❖.....○

اس کے جانے کے بعد میں اوپر کی طرف جانے کے بجائے پہلے بازار کی طرف بڑھ گیا۔ دس بج رہے تھے اور بازار کھل گیا تھا مجھے کپڑوں کی تلاش تھی اور اس کے لیے مجھے خاصا آگے جانا پڑا تھا۔ یہ ایک شاپنگ سینٹر تھا جو صرف کپڑوں کے لیے مخصوص تھا۔ زیادہ تر بچگانہ اور زنانہ کپڑوں کی دکانیں تھیں لیکن کچھ شاپس پر مردانہ پڑے بھی دستیاب تھے۔ میں نے ایک عام سی پتلون اور قمیص لی۔ اس کے ساتھ ایک جیکٹ لی۔ میرے پیروں میں چپل تھی۔ ایک شوز شاپ سے جوتے لیے اور وہیں پہن لیے۔ جوتے میں نے ایسے لیے تھے جن میں مجھے بھاگ دوڑ میں دشواری نہ ہو۔ شہلا کی دی ہوئی رقم کام آرہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک پی سی او سے میں نے ندیم کو کال کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا نمبر بدستور خرابی کا شکار تھا۔ لائن میں شور بہت آ رہا تھا۔ اس کے گھر نہ جانے میں ایک رکاوٹ میرے دشمن تھے۔ مجھے خاصی حد تک یقین تھا کہ میری واپسی کے بارے میں جان کر انہوں نے ندیم کے گھر کی نگرانی شروع کر دی ہوگی۔ میں وہاں جاتا اور پکڑا جاتا یا وہ پولیس کو اطلاع کر دیتے۔ دونوں صورتوں میں، میں مشکل میں پڑ جاتا۔ اس وجہ سے میں ندیم سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس وقت میں نے خود کو کمزور محسوس کیا۔ میرے دست و باز و وسیم اور سفیر مجھ سے دور تھے۔ بیتو غائب تھا اور امکان یہ تھا کہ دشمن کے قبضے میں تھا۔ میں اکیلا پھر رہا تھا۔ سڑک پر چلتے ہوئے میرا ذہن سوچوں میں اتنا گم تھا کہ کئی بار میں گاڑی کے سامنے آتے آتے بچا۔ ڈرائیوروں نے سر نکال کر مجھے باتیں سنائیں تھیں۔ پھر میں نے خود کو سنبھال لیا اور سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔ ایک جگہ ایک شخص دھاری دار اور خانوں والی گرم چادریں بیچ رہا تھا جیسا کہ نچلے طبقے کے لوگ پہنتے ہیں۔ میں نے بھی ایک چادر لے کر اس طرح اوڑھ لی کہ اس میں میرا چہرہ بھی چھپ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد میں پہاڑی پر جانے والی سڑک پر تھا۔ یہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اصل میں یہ پہاڑی بلکہ اس جیسی اور پہاڑیاں امراء نے لے لی تھیں اور یہاں اپنے عالی شان گھر بنوا لیے تھے۔ اب تو یہاں زمین کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے ورنہ ایک زمانے میں یہاں لوگوں نے زمین تقریباً مفت لے لی تھی۔ جب عالیشان بنگلے بنے تو زمین کی قیمت خود بہ خود بڑھ گئی اور اب یہاں عام طبقے کا فرد مشکل سے ہی زمین لے سکتا ہے۔

جیسے جیسے سڑک اوپر جا رہی تھی آس پاس کا منظر واضح ہوتا جا رہا تھا۔ بھارہ کہو مری ٹول پلازہ سے چند کلومیٹرز پہلے ایک دلکش پہاڑی سلسلے میں آباد ہے اور یہ پہاڑیاں مرگلہ کی پہاڑیوں سے جا کر مل جاتی ہیں۔ اس لیے یہاں فطری حسن کی کمی نہیں ہے۔ اب تو یہاں مری ہائی وے کے ساتھ نت نئی آبادیاں اور اپارٹمنٹس بن رہے ہیں۔ میری نظر اس کوٹھی کو تلاش کر رہی تھی جس کے گیٹ پر سورج کی شبیہ بنی تھی اور بقول پروفیسر کے وہ اسی کوٹھی میں مقیم تھا۔

تقریباً نصف کلومیٹر اوپر جانے کے بعد مجھے مطلوبہ کوٹھی نظر آ گئی۔ اگرچہ اسے کوٹھی کہنا درست نہیں تھا یہ مشکل سے چھ سات مرلے پر بنا ایک مکان تھا جو سامنے سے خاصا اسٹائلش تھا اور شاید اسی مناسبت سے پروفیسر نے اسے کوٹھی کہا تھا۔ میں رکنے کے بجائے سامنے سے اسے دیکھتا ہوا گزر گیا اور آگے جہاں اس طرف پہلی گلی آئی میں اس طرف مڑ گیا تھا۔ اس طرف آنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ یہاں مکانوں کی پشتیں آپس میں ملی ہوئی تھیں اور یہ جاننا خاصا مشکل تھا کہ پروفیسر والا مکان اس گلی کے کس مکان کے پیچھے تھا۔ ایک خالی پلاٹ آیا اور میں نے اس کے ساتھ لگنے والے مکان پر غور کیا۔ مجھے لگا کہ یہ وہی مکان تھا کیونکہ اس کی باہر سے کلر اسکیم وہی تھی جو سامنے کی طرف سے تھی۔ عقب سے اس کی دیوار کوئی آٹھ فٹ اونچی تھی لیکن اس پر کوئی گرل وغیرہ نہیں تھی۔ میں نے آس پاس دیکھا۔ یہاں سناٹا تھا اور کوئی آتا جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ آگے ایک مکان پر ایک لڑکی دھل جانے والے کپڑے خشک ہونے کے لیے لٹکا رہی تھی لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ میں پلاٹ میں آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ذرا دور سے بھاگ کر چھلانگ لگائی اور میرے دونوں ہاتھ دیوار پر جا ٹکے اس دوران میں میرا جسم دیوار سے ٹکرایا تھا لیکن میں نے چوٹ برداشت کر لی۔

کچھ دیر میں اسی طرح لٹکا رہا پھر میں نے خود کو اوپر کھینچا۔ دوسری طرف ایک چھوٹا سا صحن تھا جسے واشنگ ایریا بھی کہہ سکتے ہیں اور اس طرف دو دروازے اور دو کھڑکیاں کھل رہی تھیں۔ میں دیوار پر چڑھا اور بے آواز اندر کود گیا۔ اندر کیونکہ فرش اونچا تھا اس لیے بلندی صرف چھ فٹ تھی اور مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ نیچے کودتے ہی میں جھک گیا کیونکہ ایک کھڑکی کھلی تھی اور اگر کوئی دوسری طرف کمرے میں موجود ہوتا تو میں اسے نظر آجاتا۔

میں کچھ دیر خاموشی سے سن گن لیتا رہا لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ سناٹا طاری تھا۔ شاید اس طرف کوئی نہیں تھا۔ پھر میں نے کھلی کھڑکی سے اندر جھانکا۔ یہ ایک سادہ سا بیڈ روم تھا جس میں ایک بیڈ اور ایک ڈریسنگ ٹیبل کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ البتہ دوسرے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو وہ کھلا ہوا تھا اور اس کی کھڑکی اندر سے بند تھی اس لیے یہ کہنا مشکل تھا کہ اندر کوئی ہے یا نہیں ہے۔ اللہ کا نام لے کر میں نے دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔ اس کمرے کو خالی پا کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ شاید فرشی نشست گاہ تھی یا کئی طرح سے استعمال ہونے والا کمرہ تھا کیونکہ یہاں پر ایک قالین بچھا ہوا تھا کمبل اور ساتھ میں تکیے پڑے تھے۔ ایک تکیے کے نیچے سے کالی سی دھاتی چیز جھانک رہی تھی میں نے اسے نکالا تو میرے شک کی تصدیق ہوگئی۔ یہ ماؤزر پستول تھا۔ اصل کی چینی نقل لیکن بہت اچھی قسم کی نقل تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے نوے فی صد یقین ہو گیا کہ اس مکان میں پروفیسر اپنے آدمیوں سمیت موجود ہے ورنہ اس پستول کا کیا جواز ہو سکتا تھا۔ پستول لوڈ تھا میں نے اس کا سیفٹی کیچ ہٹایا اور اندر کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر مجھے دوسری طرف سے کسی کے آہستہ سے بولنے کی آواز آئی لیکن وہ آہستہ سے نہیں بول رہا تھا بلکہ بند کمرے میں سے اس کی آواز کم آرہی تھی۔ میں نے دروازے سے کان لگا دیئے اور مجھے پروفیسر کی آواز شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

''شہلا تم اب تک پہنچیں کیوں نہیں؟''

وہ یقیناً فون پر بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے..... تم مجھے بتا تو سکتی تھیں..... نہیں مجھے تمہاری ضرورت ہے..... اوہ نہیں بابا ان معنوں میں نہیں..... ویسے بھی اب تم میں رکھا ہی کیا ہے۔ ہاں مجھے کسی بڑے مکان کی فوری ضرورت ہے..... میں اس حرامزادے سے رابطہ کر رہا ہوں لیکن اس کا موبائل بند جا رہا ہے..... ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... میں دیکھتا ہوں۔'' پروفیسر کا لہجہ بیزار ہو گیا تھا اور پھر اس نے فون بند کر کے کسی سے پوچھا۔ ''وہ آیا کہ نہیں؟''

''آنے والا ہے۔'' مجھے جان کی آواز آئی۔ پروفیسر کا روبوٹ نما باڈی گارڈ تھا۔ ''راستے میں ہے۔''

''اس نے شور تو نہیں مچایا۔ کیا نام ہے اس کا؟..... ہاں بیتو۔''

''نہیں سکون سے ہے۔'' جان نے جواب دیا۔

''ویسے میں اسے لانے کا مقصد نہیں سمجھ سکی۔'' اس بار دونیا کی آواز آئی۔ ''اصل آدمی تو شہباز ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں لیکن وہ اس طرح سے قابو میں نہیں آئے گا اسے قابو کرنے کا سب سے آسان طریقہ ہے اس کے کسی ساتھی کو قابو کرلو اس کی خاطر وہ ہر بات ماننے کو تیار ہو جائے گا۔''

''کوٹھی سے تو وہ نکل بھاگنے میں کامیاب رہا اور اس نے چالاکی سے کام لے کر اپنے نشانات بھی صاف کر دیئے پولیس کو وہاں سے کچھ نہیں مل سکا۔''

''ہاں لیکن ایک بار مجھے ناکامی ہوئی ہے بار بار نہیں ہوگی۔'' پروفیسر نے یقین سے کہا۔ ''میں جلد اس جن کو قابو کر کے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کروں گا اور وہ میرے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔''

دونیا ہنسی۔ ''اس معاملے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ دوسروں کو قابو کرنا آپ کو خوب آتا ہے۔ ویسے شہباز سے آپ کیا کام لیں گے؟''

''اس حرامزادے نے مجھے دھوکا دیا ہے۔'' پروفیسر مشتعل ہو گیا۔ ''وہ ڈیل کر کے مکر گیا ہے اب میں اسے مزہ چکھاؤں گا۔''

''اسی لیے آپ شہباز کو اپنے قابو میں کرنا چاہ رہے ہیں؟'' دونیا بولی۔

''ہاں وہ مرشد کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ جب وہ میرے قابو میں ہوگا اور میں اس کے ساتھیوں کو بھی بلوا لوں گا تو دیکھوں گا مرشد کیسے میری بات نہیں مانتا ہے۔''

''مرشد بہت ضدی اور کمینہ شخص ہے۔'' دونیا نے کہا۔ ''اس پر ذرا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے لیکن جب اس کی دکھتی رگ میرے قابو میں آئے گی تو وہ میری ہر بات مانے گا۔ اصل مسئلہ پولیس کا ہے ایک بار میری اس سے جان چھوٹ جائے تو میں مرشد کے ساتھ وہ کر گزروں گا جس کا اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔'' پروفیسر کا لہجہ سفاک ہو گیا تھا۔

''باس وہ دو گھنٹے بعد ہوش میں آ جائے گا۔'' جان نے کہا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے۔''

''اسے پھر انجکشن فائیو دے دینا۔'' پروفیسر نے یقیناً بیتو کے لیے ہدایت کی تھی۔ اسے ان لوگوں نے بے ہوش کر کے رکھا ہوا تھا۔ میں نے جو سنا تھا اس سے میرے کئی خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ پروفیسر کا مرشد سے کوئی تعلق ہے اور میرا شبہ درست نکلا تھا۔ وہ اس کا دشمن بھی تھا لیکن اس سے کوئی فائدہ اٹھانے کی فکر میں بھی لگا ہوا تھا۔ شاید وہ خود پر قائم پولیس کیس ختم کرانا چاہتا تھا۔ مرشد ان دنوں حکومت میں شامل تھا اور اس کے لیے اس قسم کے کام مشکل نہیں تھے لیکن اس نے پروفیسر کو دھوکا دیا اور اب پروفیسر مجھ سے راہ و رسم بڑھا کر مرشد کو مجبور کرنا چاہتا تھا۔

لیکن یہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ مجھے قابو کس طرح کرے گا اگر وہ بیتو کو قید رکھ کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتا تھا تو یہ حرکت بچگانہ تھی کیونکہ میں اس کی بات مان بھی لیتا تو موقع کا منتظر ہوتا اور جیسے ہی مجھے موقع ملتا میں بیتو کو نکال لے جاتا۔ پروفیسر کے منصوبے لمبے چوڑے تھے اور وہ میرے ساتھ میرے ساتھیوں کو بھی قابو کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ جان شاید کمرے سے باہر چلا گیا تھا کیونکہ میں نے دونیا کی آواز سنی۔

''پروفیسر کیا خیال ہے؟'' اس کا لہجہ معنی خیزیت سے بھرپور تھا اور آواز کا لوچ اور نغمگی خود بتا رہی تھی کہ اس نے پروفیسر سے کس خیال کا پوچھا ہے لیکن پروفیسر کا ردِعمل سرد تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لگتا ہے تمہیں پھر سے طلب ہونے لگی ہے۔''

دونیا مایوس ہوئی تھی۔''نہیں یہ بات نہیں ہے میں تو.....''

''ڈیئر میں نے دنیا دیکھی ہے اور تمہیں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر تمہیں اپنی طلب سے مطلب نہ ہو تو تم پہلی فرصت میں مجھے چھوڑ جاؤ۔''

دونیا بولی تو اس کی آواز میں شکست خوردگی تھی۔''جب اتنا جانتے ہو تو میری طلب کے لیے مجھے اتنا کیوں تڑپاتے ہو؟''

اس وقت میرا ذہن کسی اور قسم کی طلب کی طرف گیا تھا لیکن پروفیسر کے جواب نے معاملہ کلیئر کر دیا۔

''ابھی احتیاط کی ضرورت ہے مجھے دوا بنانے میں کچھ وقت لگے گا اور اس کے لیے کسی پُرسکون جگہ کی ضرورت ہے۔ اسٹاک کم ہے اگر تم نے احتیاط نہیں کی تو خود مشکل میں پڑ جاؤ گی۔''

''میں خود..... پر قابو رکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا پلیز پوری نہیں تو آدھی گولی دے دو۔'' دونیا التجائی لہجے میں بولی۔''میں مر رہی ہوں۔''

''اوکے۔'' پروفیسر نے کچھ دیر بعد کہا۔''میں ابھی آدھی گولی دوں گا لیکن تم کل سے پہلے پھر نہیں مانگو گی۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں۔'' دونیا نے جلدی سے کہا۔

مجھے یہ جان کر دکھ ہوا تھا کہ دونیا جیسی جوان اور بہ ظاہر پڑھی لکھی نظر آنے والی لڑکی کسی منشیات کی لت کی وجہ سے پروفیسر جیسے شخص کے آگے مجبور تھی اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ پروفیسر کی داشتہ بھی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ دیکھنے میں بالکل بھی کسی ایسے نشے کی عادی نہیں لگتی تھی۔ اس کے برعکس وہ تر و تازہ اور زندگی سے بھرپور نظر آتی تھی۔ انسان کو اپنا عادی بنا لینے والا ہر نشہ سب سے پہلے اس کی تازگی چھین لیتا ہے۔ پروفیسر شاید اس کمرے سے کہیں اور گیا تھا۔ دونیا اس کمرے کی طرف آئی جہاں میں موجود تھا۔ آہٹ سن کر میں نے دروازے کے پیچھے پوزیشن سنبھال لی تھی۔ ہینڈز اَپ کرانے کا وقت نہیں تھا۔ جیسے ہی وہ اندر آئی میں نے اس کی گردن پر ہاتھ مارا اور پھر اسے پکڑ لیا ورنہ وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر رہی تھی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے میں نے اسے ایک طرف اس طرح لٹا دیا جیسے وہ آرام کر رہی ہو اور اس کے سر کے نیچے ایک تکیہ بھی رکھ دیا۔

یہ مکان اندر سے گرم نہیں تھا پھر بھی یہاں سردی اتنی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے دونیا نے وہی مختصر سی ہلکے پرزے کی شرٹ اور بہت چست جینز پہن رکھی تھی۔ میرا ارادہ پروفیسر کے آنے کی صورت میں اسے بھی دونیا کے برابر میں لٹانے کا تھا۔ اس کے بعد میں بیتو کو لے کر یہاں سے نکل جاتا۔ اس لیے جب دروازے پر آہٹ ہوئی تو میں بالکل تیار تھا۔

مگر اس بار میرا اندازہ غلط نکلا وہ پروفیسر نہیں بلکہ جان تھا۔ وہ اندر آیا اور میں نے اس کی گردن پر وار کیا۔ وہ باڈی بلڈر جیسا طاقتور جسم کا مالک تھا اور اس کا قد کم سے کم بھی چھ فٹ چار انچ تھا اس لیے میرا وار اس کے شانے پر لگا اور وہ بے خبری میں مجھ سے ذرا سا لڑکھڑا کر آگے چلا گیا تھا۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی میں نے پستول نکالا اور اسے جان سے مارنے کا ارادہ کر کے اس پر آزمانے کی کوشش کی۔ مگر اتنی دیر میں وہ ہوشیار ہو گیا تھا اس نے جھکائی دی اور پستول کا دستہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شانے پر لگا۔ اس نے اپنی بائیں کہنی پیچھے کی طرف اچھالی جو میرے سینے سے ٹکرائی اور مجھے لگا جیسے میرا سانس رک گیا ہو میں دروازے سے ٹکرایا اور دروازہ بند ہو گیا۔

میں نے سنبھل کر اسے لات ماری اور یہ میری غلطی تھی۔ اس نے میری ٹانگ پکڑ لی اور مجھے آگے کی طرف کھینچا۔ میں پشت کے بل گرا اور سر بچانے کی کوشش میں پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا لیکن اس سے پہلے جان میرے جکڑے پاؤں سے کوئی فائدہ اٹھاتا میں نے دوسری لات اس کے گھٹنے پر ماری۔ وہ لڑکھڑایا میں نے دوسری ضرب لگائی تو وہ نیچے گرا تھا۔ حیرت انگیز طور پر اس نے کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔ ورنہ وہ شور کرتا تو پروفیسر یا اس کے دوسرے ساتھی اس کی مدد کو آ سکتے تھے۔ شاید اسے خود پر اعتماد تھا کہ وہ مجھے قابو کر لے گا۔ گرنے کے باوجود اس نے میری ٹانگ نہیں چھوڑی تھی بلکہ اسے بغل میں دبا کر اس پر زور دے رہا تھا۔ یہ وہی ٹانگ تھی جس پر شہلا کی کار سے چوٹ آئی تھی اور جب اس نے اسے دبایا تو مجھے شدید تکلیف نے تڑپا دیا تھا۔ میں نے گھوم کر پاؤں پر دباؤ کم کرنے کے ساتھ دوسرے پاؤں سے اسے ضرب لگانے کی کوشش کی لیکن یہاں گنجائش کم تھی اس وار کا اس پر خاص اثر نہیں ہوا۔ میں نے دوبارہ لات ماری اور تیسری بار مارنے پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی میں نے اپنی ٹانگ چھڑا کر اسے پیروں پر رکھتے ہوئے اچھال دیا اور وہ بے ہوش پڑی دونیا پر جا گرا تھا۔

اپنے وار میں ناکامی نے اسے مشتعل کر دیا تھا اور وہ غراتا ہوا اٹھا تو اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا۔ اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ اگر وہ میرے اوپر گرتا تو اس کے وزن سے میرا حشر ہو جاتا لیکن میں نے بر وقت کروٹ لی اور وہ میرے برابر میں گرا۔ اس سے پہلے وہ اٹھتا میں نے دوبارہ کروٹ لی اور اس پر سوار ہو گیا۔ عقب سے ہاتھ ڈال کر اس کا خنجر والا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اٹھنے کے لیے زور لگا رہا تھا ساتھ ہی خنجر والا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت بھی اس نے منہ سے آواز نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں اسے اپنے وزن تلے دبائے رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا کیونکہ وہ دیو زاد ایک بار اٹھ جاتا تو اسے قابو کرنا مشکل ہو جاتا۔

جان کو قابو کرنے کے چکر میں، میں اپنے عقب سے غافل ہو گیا تھا اور مجھے نہیں معلوم کہ کب پروفیسر اندر آیا اور اس نے خاموشی سے میری گردن میں انجکشن اتار دیا۔ میں تڑپا اور فوراً ہی سن ہو کر نیچے گر پڑا۔ میرا جسم مکمل طور پر بے حس تھا لیکن میرے حواس بحال تھے۔ جان حیران ہوا تھا کہ میں اچانک کیسے گر گیا۔ وہ اٹھا اور پروفیسر نے آہستہ سے کہا۔

''بس اب ضرورت نہیں ہے یہ مقلوج ہو گیا ہے۔''

پروفیسر نے ہاتھ میں تھامی سرنج کو احتیاط سے کیپ لگا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور جھک کر دونیا کا معائنہ کیا۔ ''یہ بے ہوش ہے۔''

''اس نے کیا ہے۔'' جان نے مجھے پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ ''مجھے بھی کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''تم نے آواز کیوں نہیں نکالی؟''

''میں نے سوچا میں اسے قابو کر لوں گا۔''

''تمہیں مجھے خبردار کرنا چاہیے تھا۔'' پروفیسر کا لہجہ سرد ہو گیا۔

''سوری باس۔'' جان نے شرمندگی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان دونوں کو اٹھا کر لڑکے والے کمرے میں لاؤ۔'' پروفیسر نے حکم دیا اور وہاں سے چلا گیا۔ میں قالین پر کروٹ کے بل بے حس و حرکت پڑا تھا۔ بیتو کو چھڑانے آیا تھا اور خود پھنس گیا تھا۔ جان نے میرا معائنہ کیا اور پہلے دونیا کو اٹھا لیا۔ اسے اٹھانے میں جان نے خاصا اشتیاق دکھایا۔ اسے کہیں چھوڑ کر وہ مجھے لینے آیا اور مجھے بے زاری سے بوری کے انداز میں شانے پر لاد لیا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لایا جہاں لائن سے کئی چھوٹے بیڈ بچھے تھے اور بیتو بھی وہیں موجود تھا۔ اس کے برابر والے بیڈ پر دونیا دراز تھی اور اس کے برابر میں مجھے لٹا دیا گیا۔ پروفیسر بیتو کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دونیا کا معائنہ کیا اور اسے ایک انجکشن دیا اور پھر میری طرف آیا اس نے ذرا جھک کر کہا۔

''شہباز مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم یہاں آ جاؤ گے۔ یقیناً یہاں کا پتا تمہیں شہلا نے دیا ہے۔ اس سے میں بعد میں نمٹوں گا۔''

میں نے بولنے کی کوشش کی اور ناکام رہا پروفیسر نے بھانپ لیا اس نے کہا۔ ''میں نے تمہیں جو انجکشن دیا ہے اس کے اثر سے تم کم سے کم چار گھنٹے مفلوج رہو گے اور دو گھنٹے سے پہلے بات نہیں کر سکو گے۔ اس لیے تم ابھی آرام کرو میں بعد میں بات کروں گا ابھی تو میں شہلا کو بلاتا ہوں۔''

پروفیسر کمرے سے چلا گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ میرا سر سیدھا تھا اور میں اپنی مرضی سے سر گھما کر دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتا تھا اس لیے صرف چھت تکتا رہا۔ میرا دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی کئی بار ایسی صورت حال کا شکار ہو چکا تھا جب میرے دشمنوں نے مجھے جسمانی طور پر مفلوج کر دیا تھا اور میں اپنی قوت ارادی سے کام لے کر بچ نکلنے میں کامیاب رہا تھا۔

اس وقت بھی مجھے خیال آیا اور میں نے اپنی سوچیں اس بات پر مرکوز کر دیں کہ میں اپنے جسم کو حرکت دے سکتا ہوں۔ یہ آسان کام نہیں ہوتا ہے لیکن لگاتار کوشش سے میں خیال کو مرکوز کرنے میں کامیاب رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کتنی دیر گزری تھی سب سے پہلے میں نے اپنے منہ کو قابو کرنے کی کوشش کی اور بڑی دیر بعد میں ہونٹوں کو حرکت دینے میں کامیاب رہا۔ مجھے خوشی ہوئی تھی کہ میں پروفیسر کے حربے کا توڑ کرنے میں کامیاب رہا تھا اس کا دعویٰ تھا کہ میں دو گھنٹے سے پہلے نہیں بول سکتا تھا لیکن میں بول سکتا تھا اپنی مدہم آواز میں میں خود سنی تھی۔ اس کے بعد میں نے اپنے سر کو حرکت دینے کی کوشش شروع کر دی۔

نہ جانے پروفیسر نے مجھے کون سی دوا انجکٹ کی تھی۔ میں نے آج اس کی اور دونیا کی جو باتیں سنی تھیں ان سے لگ رہا تھا کہ پروفیسر دواؤں اور کیمیائی ایجنٹس کا ماہر تھا اس کے پاس کوئی ایسا نشہ تھا جس کی مدد سے اس نے دونیا اور شاید جان کو بھی اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ پھر یہ دوا جس نے مجھے سن کر دیا تھا۔ مجھے پروفیسر کی بات یاد آئی تھی وہ نشہ تیار کرنا تھا اور غالباً اسی کام کے لیے اسے کوئی بڑی جگہ درکار تھی۔ اس نے شہلا کو اس کوٹھی کے حصول کے لیے آگے کیا تھا لیکن جب شہلا وہاں پہنچی تو مالک کا ارادہ کسی وجہ سے ملتوی ہو گیا اور چوکیدار اور اس کے ساتھیوں نے رال شہلا پر ٹپک گئی تھی۔ ان کا مذموم ارادہ میری مداخلت سے ناکام ہو گیا اور چوکیدار مارا گیا جب کہ ساتھی اور کوٹھی کا مالک یقیناً مصیبت میں پڑنے والے تھے۔

مجھے افسوس ہوا کہ میری وجہ سے شہلا بھی پروفیسر کے عتاب کا شکار ہونے والی تھی۔ پروفیسر کے پاس اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی کچھ ایسی تصاویر تھیں کہ جن کے ہوتے وہ پروفیسر کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی اگر وہ اسے یہاں آنے کا حکم دیتا تو اسے تعمیل کرنا ہی پڑتی۔ ساتھ ہی مجھے پروفیسر پر حیرت تھی ایک طرف تو اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ اسے ملک میں میرے داخلے کا علم تھا اور اس نے فوری طور اپنے آدمیوں کو میرے استقبال کے لیے روانہ بھی کر دیا تھا تو دوسری طرف وہ کسی معقول ٹھکانے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا جہاں وہ سکون سے کچھ کام کر سکے اور اس پر بھی اس کے ارادے مجھے اور میرے ساتھیوں کو قابو کر کے مرشد سے کوئی ڈیل کرنے کے تھے۔ یہ ڈیل پہلے ہو کر مرشد کی بدعہدی کی نظر ہو چکی تھی اور اس بار پروفیسر میری مدد سے اس ڈیل کو پایا تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اپنے دشمن سے وہ کیا چاہتا تھا میں اس سے بے خبر تھا۔

میری کوشش مسلسل جاری تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا سر ہل رہا ہے اور وہ واقعی ہل رہا تھا میں نے اسے دو نیا اور بیتو کی طرف گھمایا۔ مجھے دو نیا نظر آنے لگی۔ وہ چت لیٹی تھی اور اس کا سینہ بڑی آہستگی سے اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ اس سے پرے بیتو تھا اور وہ بھی بے ہوش تھا۔ میں نے کوشش کر کے سر سیدھا کر لیا۔ اب میں ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کر رہا تھا اور میری کوشش جاری تھی کہ دروازہ کھلا اور پروفیسر اندر آیا میں یک دم ساکت ہو گیا اور اپنا سر اور آنکھیں سیدھی کر لی تھیں۔ پروفیسر میرے قریب آیا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

''میں نے شہلا کو کال کر دی ہے وہ یہاں آنے والی ہے۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ میں شاید اسے مار دوں گا یا اسے کوئی سخت جسمانی سزا دوں گا۔ نہیں میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔'' اس نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر بولا۔ ''میں اسے صرف ایک گھنٹے کے لیے جان کے حوالے کر دوں گا۔ تم نے دیکھا ہے وہ دیو ہے اور پھر عورتوں کا دیوانہ بھی ہے۔ وہ ایک گھنٹے میں شہلا کا وہ حشر کرے گا جو وہ ایک سال بعد بھی نہیں بھول سکے گی۔''

فی الحال تو مجھے شہلا کے بجائے اپنی فکر تھی۔ اس لیے میں نے پروفیسر کی بکواس پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ کچھ دیر میرے پاس بیٹھا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا گیا اور اس کے جاتے ہی میں نے اپنی کوشش پھر سے شروع کر دی۔ اس بار مجھے ہاتھ ہلانے میں کامیابی ہوئی تھی۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی کیونکہ مجھے انجکشن لگے صرف ایک گھنٹہ ہوا تھا اور اس دوران پروفیسر کے دعویٰ کے برعکس میں نے نہ صرف بولنے میں کامیابی حاصل کی تھی بلکہ کسی حد تک اپنا جسم بھی ہلانے لگا تھا اور اگر میں اسی طرح کوشش جاری رکھتا تو وقت سے پہلے اپنے جسم پر قابو پا سکتا تھا۔

اگلی بار پروفیسر کوئی نصف گھنٹے بعد آیا تھا۔ وہ خوش نظر آ رہا تھا اور اس نے مجھے مطلع کیا۔ ''شہلا آ گئی ہے اور میں اسے ایک گھنٹے کے لیے جان کے حوالے کر آیا ہوں۔ یہ ایک گھنٹہ اسے ایک سال کے برابر لگے گا۔'' وہ پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ''شہباز ملک تم سوچ رہے ہو گے کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں۔ تو اب میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں۔ جب دن کی روشنی میں مرشد کے غنڈے میری بیوی کو اٹھا کر لے گئے اور اسے بے حرمت کر کے واپس کیا تو میں نے اس وقت سوچ لیا تھا کہ اب میں عام آدمی کی زندگی بسر نہیں کروں گا بلکہ مرشد بنوں گا میں کسی کو اپنے ساتھ زیادتی کی اجازت نہیں دوں گا۔

پروفیسر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر بولا۔ ''میں اصل میں ایم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایس سی تھا اور میں نے کیمیا کے بعض شعبوں میں بہت اچھا کام کیا تھا لیکن جب بیرون ملک سے آنے والی اسکالرشپ مجھے ملنے کے بجائے ایک سرکاری افسر کے نالائق بیٹے کو مل گئی تو میں نے بددل ہو کر یہ شعبہ چھوڑ دیا اور سائیکلوجی کی طرف آ گیا۔ اس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے میں نے کالج میں نوکری کر لی۔ پھر میں جرم کی راہ پر نکلا۔ ایم ایس سی کے دوران میں نے کچھ کیمیائی مرکبات ایجاد کیے تھے جو انسانی جسم پر حیرت انگیز اثر کرتے تھے۔ میں نے ان مرکبات سے کام لیا۔ ان میں ایک نشہ ہے جو ایک بار اسے استعمال کر لیتا ہے وہ فوراً اس کا عادی بن جاتا ہے اور یہ بہ ظاہر آدمی کی صحت پر برا اثر نہیں ڈالتا ہے۔ اس کا کوئی ذائقہ، بو اور رنگ نہیں ہے۔ یہ نشے میں ہیروئن سے بہتر ہے لیکن یہ ہیروئن کی طرح تباہ کار نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا بھی جسم پر اثر ہوتا ہے لیکن بہت کم اگر اسے مسلسل کئی سال استعمال کیا جائے تب کہیں جا کر اس کے مُضر اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔

مزے کی بات ہے اسے بنانے کے لیے ہیروئن اور کوکین کی طرح خاص خام مال کی ضرورت نہیں پڑتی ہے جو آسانی سے نہیں ملتے ہیں اور ساری دنیا میں ان کی کاشت پر پابندی ہے۔ بلکہ یہ چند عام دستیاب کیمیائی مرکبات کی مدد سے تیار کیا جاتا ہے۔ اسے گولی، انجکشن اور گیس تینوں صورتوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر میں یہ نشہ مغرب تک لے جاؤں تو یہ ہیروئن اور کوکین کو پیچھے چھوڑ دے گا اور میں چند سالوں میں دنیا کا امیر ترین آدمی بن جاؤں گا کیونکہ مغرب میں نشے کا کاروبار ایک ہزار ارب ڈالرز سالانہ کا ہوتا ہے۔ یہ نشہ سوائے میرے کوئی تیار نہیں کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس کے اجزاء عام ہوتے ہیں لیکن اسے تیار کرنا آسان نہیں ہے۔

جب میں نے اپنی بیوی کا انتقام لینے کی کوشش کی تو جلد مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں مرشد جیسے آدمی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہوں۔ اس لیے میں نے اس سے سمجھوتہ کر لیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھے دس کروڑ روپے دے دے تو میں اپنی بیوی والا واقعہ بھول جاؤں گا۔ مرشد مان گیا لیکن یہ اس کی چال تھی۔ اس نے دس کروڑ روپے دینے کے بجائے پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا اب صورت حال یہ ہے کہ مجھے رقم کی ضرورت ہے اور مجھ پر جو کیسز ہیں ان کو ختم ہونا چاہیے۔ یہ دونوں کام مرشد کر سکتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کی ہے۔

وہ میری طرف جھکا۔ ”مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن میں کیا کروں میرے لیے سب سے اہم اپنا مفاد ہے۔ جب جان شہلا سے نمٹ لے گا تو میں اسے یہاں چھوڑ کر تمہیں اور تمہارے ساتھی کو لے جاؤں گا۔ شہلا بعد میں خود یہاں سے چلی جائے گی۔ میں مرشد سے بات کر کے اس کے سامنے اپنے مطالبات رکھوں گا اور جیسے ہی میرا کام ہو گا میں تم دونوں کو اس کے حوالے کر کے یہاں سے نکل جاؤں گا۔“

وہ مزید بکواس کرتا رہا تھا اور مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اتنا بے غیرت نکلے گا اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ اس نے مرشد سے اپنی بیوی کی آبرو اور زندگی دونوں کا سودا کر لیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اب تک اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا۔ مرشد نے اسے دھوکا دیا تھا اور وہ خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ میرا سودا کر کے مرشد سے اپنا مفاد حاصل کر لے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ مرشد کس قدر عیار شخص تھا۔ وہ کبھی اسے دس کروڑ نہیں دے گا اور نہ ہی اس پر سے کیس ختم کرائے گا ہاں وہ اسے ایسا کرنے کا دھوکا ضرور دے سکتا ہے اور جیسے ہی پروفیسر اس کے قابو میں آئے گا وہ اسے دوسری دنیا کا راستہ دکھائے گا۔ مجھے افسوس ہوا میں پروفیسر کو جتنا گھٹیا سمجھ رہا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھٹیا ثابت ہوا تھا اور وہ جتنا گھٹیا تھا اس سے کہیں زیادہ احمق ثابت ہوا تھا جو مرشد جیسے شخص کو ٹھگنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ میرا جسم کسی قدر میرے قابو میں آتا جا رہا ہے لیکن میں پروفیسر کے سامنے حرکت کر کے اسے چوکنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ مجھے پھر انجکشن لگا کر سن کر دیتا۔ میں دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ بکواس بند کرے اور یہاں سے دفع ہو جائے لیکن فی الحال اس کا جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور وہ جان کو اپنے ارمان دل کھول کر نکالنے کا موقع دے رہا تھا۔ حالانکہ جتنی دیر گزر چکی تھی اسے اپنے ارمان نکالنے کا کافی موقع مل چکا تھا مجھے شہلا کی تقدیر پر افسوس ہوا تھا۔ ابھی چند گھنٹے پہلے میں نے اسے تین افراد سے بچایا تھا اور اب وہ ایک اور مرد کے جبر کا شکار ہو گئی تھی۔ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ میں تو اپنی مدد نہیں کر سکتا تھا اس کی کیا کرتا۔

بات کرتے ہوئے پروفیسر چونکا اور اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''اوہ..... کافی وقت ہو گیا ہے۔ ابھی ہمیں یہاں سے جانا بھی ہے۔''

وہ اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے جسم ہلانے کی کوشش کی اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ میں اپنے ہاتھ ہلانے پر قادر ہو گیا تھا۔ اگرچہ یہ حرکت معمولی تھی اور ابھی مجھ میں اتنا قابو نہیں آیا تھا کہ میں ہاتھ اٹھا سکتا لیکن میں نے پروفیسر کے دعوے کے برعکس دو گھنٹے میں اپنے جسم کو ہلانا شروع کر دیا تھا۔ سر تو میرا دونوں طرف آسانی گھوم رہا تھا۔ پروفیسر کو گئے ہوئے تقریباً دس منٹ ہونے کو آئے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو میں ساکت ہو گیا۔ آنے والا پروفیسر ہی تھا لیکن اس کی حالت عجیب سی تھی۔ چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا اور قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فوراً ہی اس کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔

یہ تباہ حال شہلا تھی۔ جس کے بکھرے بال اور خراشوں سے بھرا چہرہ بتا رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے تک اس پر کیا گزر رہی تھی لیکن اب وہ اس پوزیشن میں تھی اپنی عزت کے مجرموں سے بدلہ لے سکے۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبی نال والا پستول تھا اور اس کا رخ پروفیسر کی طرف تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی تھی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کمرے کے باہر کوئی انقلاب آ گیا تھا۔

پروفیسر نے اس کی طرف دیکھا اور گلا صاف کر کے بولا۔ ''شہلا جو کچھ ہوا وہ ایک غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔''

''غلط فہمی۔'' شہلا نے دانت پیس کر کہا اور اچانک فائر کر دیا۔ میں اچھل پڑا تھا پہلے میں سمجھا اس نے پروفیسر کو شوٹ کر دیا ہے لیکن گولی پروفیسر کی ران میں لگی تھی اور وہ فرش پر گر کر کراہنے لگا۔ گولی چلنے کی آواز نہیں آئی تھی اس کا مطلب تھا کہ پستول پر سائلنسر لگا تھا۔ میرا اچھلنا شہلا نے نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ پروفیسر کی طرف ہی متوجہ رہی۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''یہ غلط فہمی تھی جو تُو نے مجھے اس درندے کے حوالے کر دیا تھا۔''

''میں نے اسے یہ سب کرنے کو نہیں کہا تھا۔'' پروفیسر رو دینے والے انداز میں بولا۔ ''تم نے اچھا کیا جو اسے شوٹ کر دیا ورنہ میں خود اسے یہی سزا دیتا۔''

تو شہلا نے جان کو مار دیا تھا اور شاید اسی وجہ سے پروفیسر کی گھگی بندھی ہوئی تھی کیونکہ جان اس کا دست و بازو تھا۔ اس کے بغیر وہ نہتا تھا۔ وہ خود مار دھاڑ والا شخص نہیں تھا اور صرف ذہنی برتری رکھتا تھا۔ شہلا نے ایک نظر ہم سب کو دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''انہیں کیا ہوا ہے؟''

''یہ سب ایک دوا کے اثر سے مفلوج پڑے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' شہلا نے اپنے اوپر قابو پا لیا تھا۔ اس نے بے ترتیب سے انداز میں سوٹ پہنا ہوا تھا جو کئی جگہ سے مسک گیا تھا۔ ''پروفیسر اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو مجھے وہ تصویریں اور ان کے نیگٹیو دے دو۔''

''وہ یہاں نہیں ہیں ایک محفوظ مقام پر رکھے ہیں۔'' پروفیسر نے کراہ کر کہا۔ وہ نیچے پڑا تھا اس لیے مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔

''کہاں پر ہیں تم بتا دو میں حاصل کر لوں گی۔''

''تم نہیں حاصل کر سکتیں۔ وہ ایک بنک لاکر میں ہیں جہاں میں اپنی تمام اہم چیزیں رکھتا ہوں۔''

''اس کی چابی کہاں ہے؟''

''چابی میرے پاس ہے لیکن میں نے کہا نا کہ لاکر سے صرف میں نکال سکتا ہوں۔''

شہلا نے پستول ایک طرف رکھا اور پروفیسر کی تلاشی لے کر وہ چابی برآمد کر لی۔ ''تم فکر مت کرو میں اس لاکر سے نکال لوں گی چاہے اس کے لیے مجھے وہاں ڈکیتی کیوں نہ مارنی پڑے۔ اب مجھے معلوم کرنا ہے تم سچ کہہ رہے ہو یا نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' پروفیسر کی خوف زدہ آواز آئی۔

اس کے بعد شہلا نے اس سے سچ معلوم کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ اتنا خوفناک نکلا کہ میرے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس نے پروفیسر کے دوسرے پاؤں پر بھی گولی ماری اور پوچھا۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو؟''

پروفیسر دھاڑیں مار کر رونے لگا تھا۔ ''ہاں..... ہاں..... کتیا یہ سچ ہے۔''

شہلا نے اس کے ہاتھ میں گولی ماری پھر دوسرے ہاتھ میں پھر ایک شانے میں اور پھر دوسرے شانے میں ہر بار وہ ایک ہی سوال کرتی اور پروفیسر ایک ہی جواب دیتا تھا۔ دوسرے شانے میں گولی لگنے کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ یہ سب مجھے نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میں نے بعد میں دیکھا۔ اس دوران میں، مَیں نے خود کو بالکل ساکت رکھا۔ تاکہ شہلا کو شک نہ ہو کہ میں کچھ دیکھ یا سن رہا ہوں۔ جب پروفیسر بے ہوش ہو گیا تو وہ میرے پاس آئی اور اس نے میرا معائنہ کیا پھر بولی۔

''شہباز مجھے یقین نہیں ہے کہ تم بے ہوش ہو۔ میرا خیال ہے تم ہوش میں ہو اور سب سن رہے ہو۔'' اس نے مجھے ذرا سا ہلایا۔ ''دل تو کرتا ہے کہ تمہیں بھی موت کی نیند سلا دوں کیونکہ آج میرے ساتھ جو ہوا ہے اس میں تمہارا ہاتھ بھی ہے تم نے پروفیسر کو بتایا تھا کہ میں نے تمہیں یہاں کا پتا دیا ہے لیکن کیا کروں مجھے تمہارا صبح کا احسان یاد آ رہا ہے۔ اس لیے تمہیں چھوڑ رہی ہوں۔ ہوش میں آتے ہی یہاں سے چلے جانا اور اس کے بعد کبھی میرے سامنے مت آنا۔''

شہلا کی سفاکی کا نمونہ میں صبح دیکھ چکا تھا اور ابھی جو اس نے کیا تھا اس کے بعد اس میں کیا شک تھا کہ وہ مجھے بھی قتل کر سکتی تھی لیکن یہ اس کی عنایت تھی کہ وہ ایسا نہیں کر رہی تھی۔ اس نے جھک کر ایک بار مجھے غور سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا اور مجھے آنکھیں ساکت رکھنے میں بڑی دشواری پیش آئی تھی کیونکہ جسم کو ساکت رکھنا آسان ہوتا ہے لیکن آنکھوں کو ساکت رکھنا بہت مشکل کام ہوتا ہے خاص طور سے جب کوئی آنکھوں میں جھانکے تو یہ بے ساختہ ردعمل ظاہر کر دیتی ہیں۔

شہلا اٹھی اور کمرے سے نکل گئی اس نے پروفیسر پر مزید کوئی گولی نہیں چلائی تھی۔ اس کے جاتے ہی میں نے خود کو حرکت میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ جان مارا جا چکا تھا اور پروفیسر بھی شاید مر گیا تھا یا مرنے کے قریب تھا لیکن دونیا زندہ تھی اور میرے حساب سے جلد ہوش میں آنے والی تھی اس لیے میں اس کے ہوش میں آنے سے پہلے یا کسی اور کے آنے سے پہلے بیتو سمیت یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اب مجھے اپنے ہاتھ پر اتنا قابو آ گیا تھا کہ میں اسے اونچا کر سکتا تھا اور میرے پیر بھی ہلنے لگے تھے۔

شہلا کو گئے ہوئے نصف گھنٹہ ہونے کو آیا تھا اور وہ یقیناً یہاں سے جا چکی تھی اس نے آج کے دن میں تین افراد کو اس دنیا سے رخصت کر دیا تھا اور میں نے آج تک اتنی مرد مار عورت نہیں دیکھی تھی۔ میری خوش قسمتی کہ میں اس کا چوتھا شکار بننے سے بچ گیا تھا۔ اب میں اتنی حرکت کر سکتا تھا کہ اٹھ کر بیٹھ جاؤں۔ میں بڑی مشکل سے بستر پر اٹھ کر بیٹھا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ ابھی مجھے اپنے جسم پر قابو کرنے کے لیے مزید آدھا گھنٹہ درکار تھا۔ اٹھ کر بیٹھنے پر مجھے پروفیسر کی حالت نظر آئی اس کے جسم سے بے تحاشہ خون نکل کر فرش پر پھیل گیا تھا اور وہ اس خون میں ساکت پڑا تھا۔ اس کا سانس رکا ہوا لگ رہا تھا اور بہ ظاہر وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔

دونیا کی کراہ نے مجھے چونکا دیا۔ وہ ہوش میں آ رہی تھی اور میری حالت ابھی ایسی نہیں تھی کہ میں اس پر قابو پا سکتا الٹا وہ مجھے ہوش میں پا کر لٹا دیتی۔ میں نے سوچا اور دوبارہ بستر پر لیٹ کر ہاتھ پاؤں اور سر سیدھا کر لیا۔ میں ایک بار پھر خود کو ہوش و حواس سے بیگانہ ثابت کر رہا تھا۔ دونیا کچھ دیر کراہتی رہی اور پھر اٹھ بیٹھی۔ اس کے بعد جیسے ہی اس کی نظر پروفیسر کی لاش پر گئی اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ بستر سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی۔

''میرے خدا۔'' اس نے سسکی لی۔ ''یہ کیا ہو گیا..... اب کیا ہو گا؟''

میں اس کی حالت سمجھ رہا تھا اسے پروفیسر کے مرنے کا غم نہیں تھا بلکہ اس نشے سے محرومی کا غم تھا جو پروفیسر اسے مہیا کرتا تھا۔ اس نے شاید پروفیسر کی نبض دیکھی اور زیر لب بولی۔ ''مر گیا..... ذلیل بالکل مر گیا..... اب مجھے گولی کون دے گا۔''

پھر ایسی آوازیں آئیں جن سے لگا کہ وہ پروفیسر کی لاش کی تلاشی لے رہی ہے۔ اسے گولی مل گئی تھی اس نے کلکاری ماری۔ ''ہاں ہے..... یہاں ہے..... جھوٹ بولتا تھا کمینہ پوری شیشی ہے۔''

اسے پروفیسر کے پاس سے نشے کی گولیوں کی پوری شیشی مل گئی تھی۔ وہ اس کی مزید تلاشی لے رہی تھی پھر اس نے حیرت سے کہا۔ ''لاکر کی چابی کہاں ہے؟''

گویا اسے بھی لاکر کا علم تھا۔ ''میرے خدا سب اسی میں تو ہے۔'' وہ کراہی۔ اس کے حواس ابھی تک قابو میں نہیں آئے تھے ورنہ اسے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ پروفیسر کو اس انجام تک کس نے پہنچایا تھا۔ میں دعا کر رہا تھا کہ وہ میری طرف متوجہ نہ ہو اور یہاں سے چلی جائے۔ میری خواہش پوری ہوئی وہ اٹھی اس نے ایک نظر مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور بیتو کو دیکھا اور کمرے سے نکل گئی۔ وہ بھی یہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھی اس لیے ہماری طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اس کے جاتے ہی میں اٹھ بیٹھا اب مجھے انجکشن لگے کوئی تین گھنٹے ہونے کو آرہے تھے اور اس کا اثر بڑی حد تک زائل ہو گیا تھا لیکن میری جسمانی حرکات فی الحال سُست تھیں اور یہاں سُستی کا مطلب موت تھا اس لیے مجھے جلد از جلد اپنے جسم پر مکمل کنٹرول حاصل کرنا تھا۔ میں کھڑا ہوا تو میرا جسم ڈگمگایا لیکن میں گرا نہیں تھا۔

میں نے حرکت شروع کی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر کسی روبوٹ کے انداز میں چلنے لگا۔ میں سب سے پہلے دروازے تک گیا اور اسے اندر سے بند کر لیا اب کوئی اندر نہیں آ سکتا تھا۔ اس کے بعد میں کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ اسی اثنا میں بیتو بھی ہلنے لگا۔ اسے بھی ہوش آ رہا تھا۔ یہ اچھی بات تھی۔ کچھ دیر میں ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا جتنی دیر کرتے خطرہ اتنا ہی زیادہ ہوتا۔ جیسے جیسے میں جسم کو حرکت دے رہا تھا میرا خود پر قابو بڑھ رہا تھا۔ وہاں ایک طرف میز پر جگ میں پانی موجود تھا میں نے اس سے پانی پیا تو میری حالت اور بھی بہتر ہوئی تھی۔ پھر میں نے بیتو کے منہ میں پانی ٹپکایا تو اس کی جسمانی حرکات بڑھ گئی تھیں۔ میں چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد ہوش میں آ جائے۔ میں نے کچھ پانی اس کے منہ پر بھی چھڑکا تھا۔ اس کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا تھا اور دس منٹ میں بیتو مکمل ہوش میں آ گیا میں نے اسے ہونٹ پر انگلی رکھ کر بولنے سے منع کیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور آس پاس دیکھا۔ ''ہم کدھر ہے؟''

''تمہیں یاد ہے تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

اس نے ذہن پر زور دیا۔ ''ہاں ہم ٹیکسی میں تھا کہ دو آدمی اندر گھس آیا ایک نے ڈرائیور کے سر پر کچھ مارا اور دوسرے نے ہم کو کچھ چھو دیا پھر ہم کو ہوش نہیں رہا۔''

''تم نے ان کی شکلیں دیکھی تھیں؟''

اس نے انکار کیا۔ ''نہیں دونوں نقاب پوش تھا پر ایک بہت بڑا سا تھا جس نے ڈرائیور کے سر پر کچھ مارا تھا۔''

میرا اندازہ تھا کہ یہ کارروائی خود پروفیسر اور جان نے کی تھی وہ نقاب لگا کر ٹیکسی میں گھسے تھے اور پروفیسر نے بیتو کو انجکشن لگا کر بے ہوش کر دیا تھا۔ پھر اسے یہاں لے آئے تھے۔ میں اپنے جسم پر سو فی صد قابو نہیں لیکن نوے فی صد کنٹرول حاصل کر چکا تھا اور بیتو بھی فٹ تھا وہ ویسے بھی دوا کی مدت پوری کر کے بیدار ہوا تھا اس لیے چاک و چوبند تھا وہ اٹھا تو اسے پروفیسر کی لاش دکھائی دی۔

''یہ مر..... گیا؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں اور ابھی وقت نہیں ہے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے اس سے پہلے کہ کوئی اور مصیبت آ جائے۔'' میں نے کہا اور کمرے کا معائنہ کیا لیکن وہاں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا۔ یہاں سے نکل کر ہی کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہمیں رقم کی ضرورت پڑ سکتی تھی میں نے دل پر جبر کر کے پروفیسر کی لاش کی تلاشی لی اور اس کا بٹوا نکال لیا۔ دل ہی دل میں اس سے معذرت بھی کی تھی کیونکہ وہ پہلے ہی دو بار تلاشی کے عمل سے گزر چکا تھا اور پھر اس جہان سے گزر گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پروفیسر کے پرس میں ہزار اور پانچ سو کے نوٹوں کی صورت میں خاصی موٹی رقم تھی میں نے رقم نکال کر اپنی جیب میں رکھی اور بٹوے کا معائنہ کیا۔ اس میں ایک اے ٹی ایم کارڈ بھی تھا اور میرے لیے بے کار تھا اس کے علاوہ اس میں کام کی اور کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے پرس پر سے انگلیوں کے نشان صاف کر کے اسے پروفیسر کی لاش کے پاس پھینک دیا اس کے بعد میں نے کمرے میں جہاں جہاں میرا ہاتھ لگا تھا اس جگہ کو بھی صاف کر دیا اور دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ کمرہ ایک نشست گاہ میں کھلتا تھا یہ عجیب سا مکان تھا جس میں اندر ہی اندر کمرے بنے تھے ایک کمرے کا دروازہ دوسرے میں کھلتا تھا اور دوسرے کا تیسرے میں۔ میں نشست گاہ میں آیا تو مجھے دونیا کی آواز آئی وہ کسی سے بات کر رہی تھی۔ میں چوکنا ہو گیا یہاں کوئی اور بھی تھا۔ میں نے بیتو کو اسی جگہ رکنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھا نشست گاہ ایک طرف کھلے دروازے سے کسی اور کمرے سے ملا تھا میں نے پردے کے کنارے سے اس طرف جھانکا تو مجھے ڈائننگ میز نظر آئی۔ یہ کچن کے ساتھ کھانے والا حصہ تھا۔

دونیا کسی سے موبائل فون پر بات کر رہی تھی۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ میں دبے قدموں اس کی طرف بڑھا۔ ''او کے آئی ایم ویٹنگ..... بٹ بی کوئیک..... او کے۔'' اس نے کہا اور جیسے ہی موبائل بند کیا میں نے عقب سے ہاتھ ڈال کر اس کی گردن جکڑ لی۔ اس نے تڑپ کر خود کو چھڑانا چاہا لیکن وہ بس تڑپ کر رہ گئی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس سے موبائل چھین لیا۔ اس کا ہاتھ ڈائننگ ٹیبل پر رکھی چھری کی طرف گیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی میں نے اسے پیچھے کھینچ لیا اور نشست گاہ میں لے آیا۔ وہ خود کو چھڑانے کے لیے زور لگا رہی تھی میں نے اس پر توجہ دیے بغیر بیتو سے کہا۔ ''دیکھو مکان میں کوئی اور ہے..... کوئی ہتھیار دیکھو اور باہر کا دروازہ بند کر دو۔''

بیتو سر ہلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میں نے دونیا سے کہا۔ ''شور کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ نقصان ہوگا۔ پولیس آ گئی تو ہم دونوں خسارے میں رہیں گے اس لیے شور کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

اس نے سر ہلا کر اپنی آمادگی کا اظہار کیا تو میں نے اسے آزاد کر دیا۔ اس نے اپنی گردن سہلاتے ہوئے خون خوار نظروں سے مجھے دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولی۔ ''یہاں بیٹھ جاؤ۔'' میں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ابھی تم کس سے بات کر رہی تھیں؟''

''میرا ایک دوست ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ یہاں آ رہا ہے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں مجھے کسی کی مدد کی ضرورت ہے اس لیے میں نے اسے بلایا ہے۔''

''جان کہاں ہے؟''

''وہ مر چکا ہے۔'' اس نے یوں سرسری سے انداز میں کہا جیسے جان کہیں چلا گیا ہے اور ابھی آ جائے گا۔

''پروفیسر بھی مر چکا ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے دیکھ لیا ہے۔''

''تمہیں افسوس نہیں ہوا ویسے تو تم اس کی بہت وفادار بنتی تھیں۔''

''یہ سارے معاملات زندگی تک چلتے ہیں اب وہ مر چکا ہے اور اسے میری وفاداریوں کی ضرورت نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"پھر بھی وہ تمہارا محبوب بھی تو تھا۔" میں نے طنز کیا۔ "کیونکہ وہی تمہیں نشہ بنا کر دیتا تھا۔"

وہ چونکی۔ "تم جانتے ہو؟"

"بہت اچھی طرح بے بی۔" میں نے کہا۔ "تم مجھے بے وقوف مت بناؤ پروفیسر ایک مجرم شخص تھا اور تم اس کی ساتھی ہو۔ اس کے تمام جرائم میں برابر کی شریک ہو اور تمہیں پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے۔"

وہ فکر مند ہو گئی۔ "تم ایسا نہیں کرو گے۔"

"ہاں میں ایسا نہیں کروں گا بشرطیکہ تم میرے چند سوالوں کا جواب دو۔" میں نے کہا۔

اس دوران میں بیتو آ گیا وہ ایک ڈبل روٹی کا ٹکڑا کھا رہا تھا اور اس نے منہ چلاتے ہوئے رپورٹ دی۔

"یہاں اور کوئی نہیں ہے ایک کمرے میں دیوزاد کی لاش پڑا ہے بالکل ننگا، ہم نے باہر کا دروازہ بند کر دیا ہے۔"

"گڈ اب تم وہ بریف کیس تلاش کرو جو ان لوگوں نے ہم سے چھین لیا تھا۔"

"وہ بریف کیس یہاں نہیں ہے۔" دونیا نے کہا۔

"تم اس کی بات پر دھیان مت دو، جا کر تلاش کرو اور ہاں اگر کچھ ڈبل روٹی ہے تو مجھے بھی دو میرا بھوک سے دم نکلنے والا ہے۔"

بیتو نے مجھے ڈبل روٹی کے کئی ٹکڑے لا دیئے جنہیں میں بے تابی سے ایسے ہی نگلنے لگا۔ شام کے چار بج رہے تھے اور میں نے آخری کھانا شہلا کے گھر میں رات کو کھایا تھا۔ اس لیے پیٹ میں دوڑنے والے چوہے ریس لگانے میں حق بجانب تھے۔ دونیا میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"اگر وہ بریف کیس یہاں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے؟"

"پروفیسر نے ایک بینک لاکر لے رکھا ہے اور وہ بریف کیس بہت ساری دوسری چیزوں کی طرح اس میں ہے۔"

"مزید کن چیزوں کے ساتھ؟"

"بہت کچھ ہے، پروفیسر کی بنائی دواؤں اور اس نشے کے فارمولے ہیں اس کی کمائی ہے اور بھی بہت کچھ ہوگا جس کے بارے میں سوائے پروفیسر کے کوئی نہیں جانتا ہے۔"

"اگر وہ لاکر پروفیسر کا تھا تو اسے سوائے اس کے اور کوئی نہیں کھول سکتا ہے؟"

"ہاں اسے سوائے اس کے اور کوئی نہیں کھول سکتا ہے۔" دونیا کے لہجے میں مایوسی آ گئی۔

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ اگر یہ درست تھا کہ بریف کیس لاکر میں تھا اور اس کی چابی یقیناً شہلا لے جا چکی تھی تو اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ بریف کیس مجھے واپس مل سکے۔ اگرچہ وہ براہ راست میری ذمے داری نہیں تھا لیکن کیونکہ وہ میرے پاس سے غائب ہوا تھا اس لیے میں کسی حد تک خود کو ذمے دار محسوس کر رہا تھا۔ اس بریف کیس کو حاصل کر کے چینی حکومت تک پہنچا کر میں اپنی ذمے داری سے سبک دوش ہو سکتا تھا لیکن فی الحال یہ کام مشکل لگ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے تم پڑھی لکھی ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں میں نے گریجویشن کیا ہے۔''

''پروفیسر کے چکر میں کیسے آئیں؟''

''میں نہیں جانتی لیکن اس نے کہیں مجھے دیکھ لیا تھا اور پھر اس نے مجھے اس نشے کا عادی بنا دیا اور تب سے میں اس کے ساتھ ہوں۔''

''تمہارے گھر والے؟''

''ماں باپ مر چکے ہیں ایک بھائی تھا وہ کہیں باہر نکل گیا اب میرا اس دنیا میں سوائے پروفیسر کے کوئی نہیں تھا۔''

''اب تو وہ بھی نہیں رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کچھ دیر پہلے تم نے ایک دوست کا ذکر کیا تھا۔''

''ہاں وہ مجھے پسند کرتا ہے پہلے بھی مجھے ساتھ رہنے کی آفر کر چکا ہے لیکن میں نے اسے ٹال دیا تھا۔ اب میرے پاس اس کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے۔''

''تم نے پروفیسر کے ساتھ رہ کر کچھ جمع کیا ہے؟''

اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ''وہ ہمیں صرف استعمال کرتا تھا کچھ دیتا نہیں تھا۔ ویسے بھی اس کے منصوبے بہت لمبے چوڑے تھے اور وہ ان کو پورا کیے بغیر مر گیا۔''

''اس نے جو کمایا وہ کہاں رکھا ہے؟''

''وہ اپنے ساتھ کچھ نہیں رکھتا تھا اس کا سارا سرمایہ بینک لاکر میں محفوظ ہے۔''

بیتو نے نصف گھنٹے میں پورے مکان کی تلاشی لے لی لیکن اسے نہ تو بریف کیس ملا اور نہ ہی کوئی اور کام کی چیز ملی تھی۔ اسلحہ سارا شہلا ساتھ لے گئی تھی کیونکہ وہاں پر کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا۔ یقیناً شہلا کا ارادہ یہ اسلحہ ضائع کرنے کا تھا۔ کیونکہ یہاں چھوڑنے کی صورت میں شاید اس کا شہلا سے کوئی تعلق ثابت کیا جا سکتا تھا۔ بیتو نے اس دوران میں مجھے کھانے پینے کی کچھ چیزیں اور بھی لا دی تھیں۔ میں نے دونیا سے پوچھا۔

''پروفیسر یہاں سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا اس کا کوئی اور ٹھکانہ بھی ہے؟''

''مجھے اس بارے میں نہیں معلوم۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ممکن ہے اس کا کوئی اور ٹھکانہ ہو جہاں وہ جا رہا ہو۔''

''وہ ہمیں بھی لے جا رہا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں معلوم ہے تمہاری بے ہوشی کے دوران یہاں کیا ہوا ہے؟''

نہیں بھلا مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔''

بیتو آ گیا تھا میں نے اسے اور دونیا کو ایک ہی بار ساری کہانی سنائی۔ دونیا کی آنکھیں پھیل گئی تھیں یہ جان کر کہ جان اور پروفیسر کو شہلا نے قتل کیا ہے اور وہی پروفیسر کے بینک لاکر کی چابی لے گئی تھی اس نے بے ساختہ اسے گالی دی۔ ''کتیا کہیں کی۔''

''پروفیسر نے اس کے ساتھ بہت غلط کیا تھا۔ کوئی عورت اپنی بے حرمتی برداشت نہیں کرتی ہے۔''

''وہ کون سی پاکباز تھی؟'' دونیا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کا کردار اپنی جگہ لیکن کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس پر جبر کرے۔ کیا تم یہ بات برداشت کرو گی؟'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا

وہ کچھ دیر بعد بولی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن وہ لاکر کی چابی کیوں لے گئی ہے؟''

''اس لاکر میں اس کی تصویریں ہیں جن کی مدد سے پروفیسر اسے بلیک میل کر رہا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''لیکن وہ لاکر تو نہیں کھول سکتی ہے۔''

''وہ تو تم بھی نہیں کھول سکتی ہو لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں اس کی بڑی فکر ہے۔'' میں نے طنز کیا اور کھڑا ہو گیا۔ ''تیار ہو جاؤ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''میں کیوں؟'' وہ سہم گئی تھی۔

''میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ یہ بتاؤ یہاں کوئی گاڑی ہے؟''

''ہاں سامنے سفید رنگ کی سوک کار کھڑی ہے۔'' اس نے کہا۔

''تم ہمارے ساتھ چلو گی۔''

''مجھے کیوں لے جا رہے ہو؟'' اس نے مزاحمتی لہجے میں کہا۔

''مجھے شبہ ہے کہ تم نے مجھ سے بہت کچھ چھپایا ہے۔ ویسے یہاں رکنا بے کار ہے شہلا نے کہیں سے پولیس کو کال کر دی تو وہ آنے والی ہو گی۔''

دونیا جانے کے لیے راضی نہیں تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ ہمارے آگے مجبور ہے۔ گاڑی کی چابیاں جان کے پاس سے برآمد ہوئی تھیں۔ شہلا نے اسے گردن پر گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ امکان یہی تھا کہ وہ پستول جان کا تھا جس سے شہلا نے اس کی اور پروفیسر کی جان لی تھی۔ ہم سامنے والے دروازے سے باہر آئے۔ دونیا نے اپنا پرس ساتھ رکھنے کی اجازت مانگی تھی جو میں نے پرس کا معائنہ کر کے دے دی اس میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتی۔ میں نے اس کا موبائل بھی واپس کر دیا تھا جب تک وہ اس سے کال نہیں کرتی ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

کار پرانی تھی لیکن بہت اچھی حالت میں تھی۔ بیتو نے مکان کا دروازہ بند کر کے باہر ایک عدد تالا لگا دیا جو اسے اندر کہیں سے ملا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''اس کی چابی کہاں ہے؟''

بیتو نے دانت نکالے۔ ''ہم کو کیا پتا یہ تالا کھلا ملا تھا ہم نے لگا دیا اب جس نے اندر جانا ہو وہ چابی تلاش کر لے۔''

تالے کی وجہ سے پروفیسر اور جان کی لاشیں فوری دریافت ہونے کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔ ہاں کوئی خاص طور سے پولیس کو اطلاع کرتا تو اور بات ورنہ جب تک ان لاشوں کی بو نہیں پھیلتی کسی کو پتا بھی نہیں چلتا کہ ۱۰/۱۱ عدد لاشیں موجود ہیں۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ میرا ارادہ ندیم کے گھر جانے کا تھا اور پھر اس سے اس کے پہاڑی کاٹیج کی چابی لے کر ہم وہاں چھپ سکتے تھے لیکن میں ندیم کے گھر براہِ راست نہیں جانا چاہتا تھا۔ ایک جگہ بڑا کا بورڈ دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر بیتو نے کہا۔ ''شوبی بھائی ہم کو بھوک لگا ہے۔''

''اور وہ جو ابھی کھایا تھا؟''

''وہ تو کب کا ہضم ہو گیا۔'' اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''ایسا لگ رہا ہے ہم نے کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔''

میں نے گاڑی پزا شاپ کی طرف موڑ دی اور اس سے کچھ پہلے روک دی۔ میں نے بیتو کو چند بڑے نوٹ دیئے۔ ''دو بڑے پزے اور کولڈ ڈرنک لے آنا اور ہاں یہاں کم سے کم بولنا ورنہ لوگ تمہارے بولنے کے انداز سے چونک جائیں گے۔''

''آپ فکر مت کرو ہم جان گیا ہے ادھر کس طرح سے بولنا ہے۔'' وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولا اور پزا شاپ کی طرف بڑھ گیا۔ دونیا میرے برابر میں بیٹھی تھی اور باہر نکل کر اسے سردی لگ رہی تھی۔ اس نے منمنا کر کہا۔

''سنو تمہارا کام ہو گیا ہے اب مجھے جانے دو میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے مزید کچھ نہیں ہے۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے تم اس بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔ ہم کہیں سکون سے بیٹھیں تو تم سے بات ہوتی ہے۔ اس وقت تک تمہاری یادداشت بھی بہتر ہو جائے گی۔''

''تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔'' اس نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔ ''ابھی میں شور مچا دوں تو تم نکل بھی نہیں سکو گے۔''

''میں نکل جاؤں گا۔'' میں نے کہا اور اچانک اس کی گردن دبوچ لی۔ ''لیکن اس سے پہلے میں تمہارا کام تمام کر جاؤں گا۔ تمہیں مرنے میں چند سیکنڈ بھی نہیں لگیں گے جب تمہاری گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔''

میں نے اس کی گردن ہلکا سا جھٹکا دے کر چھوڑ دی اتنی دیر میں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور سانس رک گئی تھی۔ پاس کھڑی ایک کار میں ایک معمر جوڑے نے یہ منظر دیکھا لیکن انہوں نے کوئی مداخلت نہیں کی بلکہ میں نے دیکھا کہ بڑے میاں کچھ سرد آہیں بھر رہے تھے اور غالباً پچھتا رہے تھے کہ انہوں نے اپنی زوجہ سے جوانی میں یہ سلوک کیوں نہیں کیا۔ اگر ان کو عمر قید ہوتی تب بھی وہ اب تک آزاد ہو چکے ہوتے۔ جب کہ بڑی بی مجھے غلط نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور اگر بڑے میاں نے ان کو روک نہ رکھا ہوتا تو وہ اب تک شور مچا چکی ہوتیں۔ دونیا خاموشی سے اپنی گردن سہلا رہی تھی اور اس نے سمجھ لیا تھا میں صرف دھمکی نہیں دے رہا تھا بلکہ سچ مچ بھی ایسا کر سکتا تھا اس لیے عافیت اسی میں تھی کہ وہ چپ کر کے بیٹھی رہے۔

بیتو دس منٹ بعد لوٹ آیا تھا اور اس نے کولڈ ڈرنک کے ساتھ پیک کافی بھی لے لی تھی۔ یہ کاغذی کپوں میں تھے جن کو اوپر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس کا کور اتار کر کافی پی جا سکتی تھی۔

''یہ کام کیا ہے تم نے برخوردار۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

بیتو عقبی نشست پر بیٹھا تھا۔ ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور کچھ دیر بعد ایک پارک کے ساتھ کھڑی گاڑیوں میں اپنی گاڑی بھی کھڑی کر دی۔ جب میں نے پزے کا پہلا ٹکڑا لیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں کس قدر بھوکا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے جو کھایا تھا اس کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ دونیا نے کچھ لینے سے انکار کر دیا۔ کھا پی کر ہم نے کافی لی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر تازہ دم ہو کر روانگی کے لیے تیار ہوئے۔ میں نے گاڑی کا رخ ندیم کے گھر کی طرف کر دیا تھا۔ راستے میں بیتو سے کہا۔

''میں تم کو ندیم کے گھر سے کچھ دور اتار دوں گا اور وہاں سے تم پیدل اس کے گھر تک جاؤ گے۔ اندر جانے سے پہلے تم آس پاس کا جائزہ لو گے۔''

بیتو نے سر ہلایا۔ ''ہم سمجھ گیا ادھر دشمن گھات لگا کر بیٹھا ہوگا۔''

''غالب امکان یہی ہے اور وہ تمہیں نہیں پہچانتا ہے۔ اس لیے میں تمہیں بھیج رہا ہوں۔''

بیتو نے دکھی لہجے میں کہا۔ ''وضاحت کیوں کرتا ہے شوبی بھائی تم بے خٹک ہم کو آگ میں کود جانے کا کہو ہم پلٹ کر نہیں پوچھے گا تم نے ایسا کیوں کہا ہے۔''

''میں جانتا ہوں لیکن میں اپنے ساتھیوں کی جانیں خود سے قیمتی سمجھتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ میرا حکم ہے اگر تم کوئی خطرہ دیکھو تو فوراً واپس آ جانا۔''

''ہم ایسا ہی کرے گا لیکن آپ ندیم بھائی کو فون کر کے دیکھ لو ہو سکتا ہے اس کا فون ٹھیک ہو گیا ہو۔''

''نہیں آج صبح بھی میں نے کوشش کی تھی لیکن فون ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

میں نے گاڑی ندیم کی گلی سے پہلے روک لی۔ ''وہ سامنے جس گلی کے کونے پر کھمبا ہے اس میں الٹے ہاتھ پر ساتواں مکان ہے۔ ساتواں یاد رکھنا کیونکہ ندیم کو اپنے مکان کا رنگ ہر سال بدلنے کا خبط ہے اس سال نہ جانے کون سا رنگ کرایا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔'' بیتو نے کہا اور نیچے اتر گیا۔ وہ ٹہلتا ہوا گلی کی طرف بڑھا اور پھر گلی میں غائب ہو گیا۔ دونیا اب تک خاموش بیٹھی تھی بولی۔

''تمہارا یہ ساتھی تم سے بہت محبت کرتا ہے۔''

''میرے تمام ساتھی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اگرچہ میں اتنی محبتوں کے قابل نہیں ہوں۔''

''شاید اسی وجہ سے تم کامیاب رہتے ہو اور ناکامی تمہارے دشمنوں کے حصے میں آتی ہے۔'' وہ بولی۔

''میں کئی برسوں سے پروفیسر کے ساتھ ہوں اور شاذ ہی اس نے کسی معاملے میں ناکامی کا منہ دیکھا ہو لیکن تم سے ٹکرانے پڑتے ہی تقدیر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ اور اس کا باڈی گارڈ دونوں ایک عورت کے ہاتھوں مارے گئے۔''

''شاید ایسا ہی ہو لیکن یہ بات ذہن نشین کر لو کہ پروفیسر اور جان کی موت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں اور ویسے بھی میں جان چکی ہوں کہ تم بلاوجہ کسی کی جان نہیں لے سکتے اور تمہارے ہاتھ سے ہمیشہ وہی مرتے ہیں جنہوں نے تمہیں مارنے کی کوشش کی ہو۔ میں نے درست کہا نا؟''

''ہاں اکثر لوگ میرے ہاتھ سے ہنگامی حالات میں مارے گئے ہیں لیکن تم اس سے یہ نتیجہ مت نکالنا کہ میں کسی کو ارادتاً قتل نہیں کر سکتا ہوں۔ ضرورت پڑنے پر میں بالکل ایسا بھی کر سکتا ہوں۔'' میں نے اسے خبردار کیا

''سنو۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''تم نے مجھ سے جو پوچھنا ہے ابھی پوچھ لو میں اپنے ماں باپ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی اور پھر تم مجھے جانے کی اجازت دے دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دونیا یہ کام جلدی کا نہیں ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں آرام سے تم سے اس بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم یہ مت سمجھنا کہ میں تم پر تشدد کروں گا لیکن تم نے غلط بیانی کی تو مجھے معلوم ہو جائے گا۔''

اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ ''اس کا مطلب ہے تم مجھے ابھی جانے کی اجازت نہیں دو گے؟''

''ہاں۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''فی الحال اسے بھول جاؤ۔''

بیتو کو گئے ہوئے دس منٹ سے اوپر ہو گیا تھا اور اتنی دیر میں اسے آ جانا چاہیے تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ بیتو ندیم کے لیے اجنبی تھا اور وہ آسانی سے اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے سورج غروب ہو چکا تھا اور فضا میں نا۔ یکی پر پھیلا رہی تھی۔ مزید دس منٹ بعد مجھے شک ہونے لگا کہ بیتو کسی مشکل میں پھنس گیا ہے اور آدھا گھنٹا گزرنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ بیتو کسی ٹریپ میں آ چکا ہے۔ میں نے دونیا سے کہا۔

''نیچے اترو۔''

''کیوں؟''

''سوال مت کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

ہم گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ میں دونیا کے ساتھ گلی کے کونے کی طرف بڑھا۔ میں نے دونیا کا ہاتھ پکڑ لیا تھا کہ کہیں وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر فرار نہ ہو جائے۔ وہ بادلِ ناخواستہ میرے ساتھ کھنچی چلی آ رہی تھی۔ میں نے گلی کے کونے سے جھانکا مجھے گلی میں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ کچھ دیر معائنہ کرنے کے بعد میں گلی میں داخل ہو گیا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی بیتو یا کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ دس بارہ سال کے دو کھلنڈرے بچے ابھی تک گلی میں فٹ بال سے کھیل رہے تھے۔ میں ندیم کے گھر تک آیا۔ یہ دس مرلے کے پلاٹ تھے اور یہاں گلیاں بھی کشادہ تھی۔ میں نے گیٹ کے اوپر سے جھانکا۔ پورچ میں کوئی نہیں تھا البتہ ندیم کی کار کھڑی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ گھر پر ہی تھا۔ ندیم کا بل آدمی تھا اور اسے گلی کے کونے تک بھی جانا ہوتا تھا تو وہ کار ضرور نکالتا تھا۔ میں نے پہلے بیل بجانے کا سوچا لیکن پھر ارادہ ملتوی کر کے دروازہ چیک کیا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ میری چھٹی حس خطرے کا الارم بجانے لگی تھی۔ بیتو اندر گیا اور غائب تھا۔ ندیم کی کار کھڑی تھی اور اس کے قیامت خیز بچے یوں چپ تھے جیسے سو رہے ہوں حالانکہ وہ سب کو سلا کر سوتے تھے اور بحالت بیداری ایک منٹ کو بھی چپ نہیں بیٹھتے تھے۔ بے چاری ندیم کی بیوی ان سے عاجز رہتی تھی۔ پہلے چار تھے اور آخری اطلاعات کے مطابق ان میں مزید ایک کا اضافہ ہو گیا تھا۔

دشمن یقینی طور پر اندر تھا اور ایسے میں سامنے سے جانا خود کو دشمن کے سامنے پیش کرنے کے مترادف تھا میں نے پیچھے ہونا چاہا تھا کہ میری پشت سے کوئی چیز آ لگی اور کسی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اندر چلو..... یہ شاٹ گن ہے۔''

وہ نہ جانے کہاں سے آیا تھا اور اس نے مجھے ہینڈز اَپ کرا لیا تھا۔ اس وقت دشمن مجھ سے زیادہ چالاک ثابت ہوا تھا وہ سکون سے ندیم کے گھر میں میرا انتظار کر رہا تھا اور اسے معلوم تھا کہ میں یہاں ضرور آؤں گا۔ البتہ میں یہ نہیں جان سکا کہ مجھے ہینڈز اَپ کرانے والا گلی میں کہاں چھپا تھا کیونکہ گلی میں کوئی نہیں تھا۔ اور اس دوران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں میری نگاہیں مسلسل دائیں بائیں دیکھتی رہی تھیں۔ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے بجائے اس سے پوچھ لیا۔

''تم آئے کہاں سے ہو دائیں طرف سے یا بائیں طرف سے اور کس رفتار سے آئے ہو میں تمہیں بالکل نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''میں پیچھے سے آیا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ جو اس گھر کے سامنے کھنڈرا سوزوکی کھڑی ہے میں اس میں تھا۔ اب اندر چلو اور مجھے مجبور مت کرنا میں گولی چلاتے ہوئے بالکل نہیں ہچکچاؤں گا۔''

مجبوراً میں نے اندر قدم رکھا سہمی ہوئی دونیا میرے ساتھ تھی۔ جیسے ہی ہم اندر آئے سامنے سے ایک مسلح شخص اور نمودار ہوا تھا اور اس نے بھی چھوٹی نال کی لیکن جدید ترین شاٹ گن تھامی ہوئی تھی۔ اس نے آگے آنے کا اشارہ کیا اور مجھے لانے والے شخص سے کہا۔ ''اس کی تلاشی لو۔''

اس نے عقب سے ہاتھ مار کر میرے جسم کا جائزہ لیا اور بولا۔ ''اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''لڑکی کی تلاشی بھی لو۔'' اندر سے آنے والے نے حکم دیا۔

اس نے دونیا کی تلاشی ذرا تفصیل سے اور ذرا دیر تک لی۔ ''نہیں جی اس کے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔''

''چلو اندر۔'' اب کے اس نے مجھ سے کہا۔

''کیا تم مرشد کے کتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

ایک لمحے کو اس کے چہرے پر غیض و غضب کے آثار نظر آئے تھے لیکن پھر اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔

''تمہیں جلد پتا چل جائے گا ہم کس کے کتے ہیں۔''

عقب والے نے رائفل کی نال سے مجھے دھکا دیا۔ ''چل اندر بڑا آیا مرشد کا سگا۔''

اس کے الفاظ سے مجھے یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کا مرشد سے کوئی تعلق نہیں تھا کیونکہ اس کے آدمی مر کر بھی اس کی شان میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتے تھے۔

○.....❖.....○

میں اندر داخل ہوا اور ٹھٹک گیا۔ کیونکہ نشست گاہ میں سامنے ہی صوفے پر فتح خان بیٹھا بڑے اسٹائل سے پیگ لگا رہا تھا اس کے عقب میں دو مسلح افراد اور کھڑے تھے۔ کمرے میں ایک طرف بیتو دونوں ہاتھ سر پر رکھے کھڑا تھا اور بہ ظاہر ٹھیک نظر آ رہا تھا اس کے پیچھے بھی ایک مسلح شخص موجود تھا۔ میں ابتدائی شاک سے سنبھل کر آگے بڑھا۔

''مبارک ہو۔'' میں نے سرسری سے انداز میں کہا۔

''کس بات کا؟''

''اب تم کام کرنے والوں سے ترقی کر کے باس وغیرہ بن گئے ہو اور تمہاری جگہ یہ لفنگے کام کر رہے ہیں۔'' میں نے حقارت سے کہا۔ ''لیکن کیا اس سے تمہاری اصلیت بدل جائے گی۔''

میرے عقب میں کھڑے آدمی نے اشتعال میں آ کر کوئی حرکت کرنا چاہی لیکن فتح خان نے اسے روک دیا اس نے غصے میں دھاڑ کر کہا۔ ''یہ کیا حرکت ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حرامی بکواس کر رہا ہے۔''

''اس کا زبان چل رہا ہے اس لیے تمہارا ہاتھ چلنے کو بے تاب ہے۔'' فتح خان نے زہریلے انداز میں کہا۔

''ایسے آدمی کا میرے پاس کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس سے رائفل لے لو اور تم گاڑی میں بیٹھو۔''

یہ وہی تھا جو مجھے ہینڈز اَپ کرا کے لایا تھا اور اب ذلت کے ساتھ واپس جا رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے فتح خان سے کہا۔ ''ندیم اور اس کے گھر والے کہاں ہیں؟''

وہ مسکرایا۔ ''وہ لوگ کہیں گیا ہوا ہے۔''

''بکواس..... اس کی کار یہاں کھڑی ہے۔''

''وکیل صاحب کا پریکٹس اور بچہ لوگ دونوں بڑھ رہا ہے اس لیے نیا گاڑی لینا پڑا۔ اس میں گیا ہے تم کو یقین نہیں ہے تو گھر دیکھ لو۔''

میں نے سچ مچ گھر دیکھ لیا۔ ندیم اور اس کی فیملی سچ مچ یہاں نہیں تھے لیکن اس سے میری تسلی نہیں ہوئی تھی فتح خان ان کو کہیں اور بھی بھیج سکتا تھا۔ فتح خان نے کہا۔ ''اوہ یار ایقین کرو وہ گیا ہوا ہے۔ تبھی ہم اتنے مزے سے یہاں بیٹھا ہوا ہے۔''

میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''اس حرکت کا مطلب؟ کیا تم اب بھی پروفیسر کے لیے کام کر رہے ہو۔''

اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''اس کا بات مت کرو وہ ایک گھٹیا آدمی ہے۔''

''اچھا پہلے تو تم اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔'' میں نے طنز کیا۔

''اس وقت میرے کو اس کے بارے میں پتا نہیں تھا وہ بالکل بکواس آدمی ہے۔''

''تو چلو یہ بتا دو کہ اب تم کس بکواس آدمی کے لیے کام کر رہے ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''میں اب کسی کے لیے کام نہیں کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''میں تمہیں لے جانے آیا ہوں۔''

''کہاں اور کیوں؟''

''یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے گلا اس اپنے ایک آدمی کو تھما دیا۔ جسے رخصت کر دیا تھا اس کے علاوہ بھی فتح خان کے ساتھ چار آدمی تھے۔ فتح خان خود بھی مسلح تھا۔ ہم باہر نکلے تو فوراً گلی کے سرے سے ایک پرانے ماڈل کی اسٹیشن ویگن آئی اور ہم سب اس میں سوار ہو گئے اس میں گنجائش خاصی ہوتی ہے۔ اور کھڑکیوں پر پردے تھے اس لیے باہر سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ فتح خان ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پیچھے کوئی سیٹ نہیں تھی بلکہ فرش ہی سیٹ تھا۔ اس پر ایک خستہ حال قالین بچھا تھا اور اس پر ہم گھس گھسا کر بیٹھ گئے۔ چار مسلح افراد میرے، بیتو اور دو دنیا کے دونوں طرف تھے اور ہم ان کے نرغے میں تھے۔

''تم کب واپس آئے؟'' میں نے فتح خان سے پوچھا۔

''دو دن ہوئے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تمہیں پروفیسر کی دوسری ٹیم نے پکڑ لیا ہے اور پھر تم اس کی قید سے فرار ہو گیا ہے۔''

''فرار نہیں ہوئے تھے بلکہ اس نے مجھے ایک غریب چوکیدار کے قتل کے جرم میں پھنسانے کی کوشش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔''میں نے تلخی سے کہا۔''مجھے شبہ ہے وہ مرشد کا دشمن نہیں بلکہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔''

خلاف توقع فتح خان نے میری تائید کی۔''میرے کو بھی یہی شبہ ہے اور اسی لیے میں نے اس کے لیے مزید کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

''پروفیسر کا کہنا تھا کہ تمہارے ساتھ آنے والے تین آدمیوں نے مجھے قتل کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ ان کا ذاتی فعل تھا اور اس نے مجھے مارنے کا حکم نہیں دیا تھا۔''

''یہ درست ہے یہ ان تین احمقوں کا اپنا فیصلہ تھا اور تم نے اس کا اچھا سزا دیا اب سب اسپتال میں رہے گا تین چار مہینے تک۔''

''کیا ان کو پروفیسر کے حکم سے قتل نہیں کیا تم نے؟''

فتح خان اس الزام پر بدمزہ ہوا۔''اپنے آدمیوں کو کون اتنا اتنا بات پر قتل کرتا ہے اور یہ کوئی آسان کام ہے کیا؟''

''پروفیسر نے تو یہی کہا تھا۔''

''جھوٹ بولتا ہے وہ تخم خنزیر۔'' فتح خان بھڑک گیا۔

''اب تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔

''جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔'' اس نے کہا۔''تم اطمینان رکھو مجھ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

گزشتہ کچھ عرصے سے فتح خان کا رویہ خاصا بدلا ہوا تھا اور وہ مسلسل مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا اب وہ میرا دشمن نہیں رہا ہے۔ بھارت میں بھی اس نے میرے ساتھ نرم رویے کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔''ٹھیک ہے میں تمہاری بات مان لیتا ہوں لیکن اس کے لیے یوں میرا تعاقب کرنے اور اتنے لاؤ لشکر کے ساتھ میرے دوست کے گھر قبضہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''مجبوری تھا دوست..... تمہارا سراغ نہیں تھا پر اتنا معلوم تھا کہ تم ادھر ہی آئے گا۔''

اسٹیشن ویگن نہ جانے کن راستوں پر دوڑتی رہی۔ ایک بار ایسی بو آئی جیسے پاس پانی کا کوئی ذخیرہ ہو۔ ہر جھیل اپنی ایک مخصوص مہک ہوتی ہے۔ پھر جنگلی نباتات کی بو آنے لگی۔ ہم آبادی سے نکل آئے تھے کیونکہ وہاں روشنیاں بھی نہیں تھیں۔ پر ویگن کسی احاطے میں داخل ہوئی ایک منٹ کے لیے دروازہ کھلوانے کو رکی تھی۔ پھر چل تو سب اتر آئے۔ فتح خان نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔''ان کو اندر لے جاؤ اور کوئی غلط حرکت نہیں کرے دے نام کھال اتار دے گا۔''

نہ جانے اس نے یہ دھمکی کس وجہ سے دی تھی۔ بہرحال اس کے آدمی ہمیں گھیر کر ایک چھوٹی سی عمارت کے اندر لے آئے۔ یہ ایک بڑا سا احاطہ تھا جس کی دیوار کچی تھی اور اس میں کئی چھوٹی چھوٹی عمارتیں بنی تھیں۔ یہ عمارتیں لکڑیوں سے بنی تھیں اور ان پر سیمنٹ کی شیٹیں تھیں۔ ہمیں جس کمرے میں لایا گیا اس میں کئی چارپائیاں بچھی تھیں۔ جن پر روئی کے گدے اور دیسی ساختہ اون سے بنے کمبل پڑے تھے۔ ہمیں اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ یہ لکڑی کے تختوں سے بنا مضبوط دروازہ تھا۔ میں ایک چارپائی پر دراز ہو گیا۔ بیتو بھی بے فکر تھا کہ اس نے آئے دن ایسے حالات سے گزرتے تھے بلکہ کچھ دن دشمنوں سے واسطہ نہ پڑے تو طبیعت بے لطف سی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو جاتی تھی۔

البتہ دونیا سخت متوحش تھی۔ ایک تو اس کا اس قسم کے حالات سے زیادہ واسطہ نہیں پڑا تھا دوسرے وہ لڑکی تھی اور اسے خدشہ تھا کہ یہاں اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کیا جائے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''آرام سے بیٹھ جاؤ۔''

وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''کس بات سے؟''

''یہ لوگ میرے ساتھ کیا کریں گے؟''

''یہ بات تو یہی لوگ بہتر بتا سکتے ہیں۔ ویسے کوئی اپنے دشمن یا قیدی کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے اس کا تو تمہیں بھی اچھی طرح اندازہ ہوگا۔'' میں نے ہلکا سا طنز کیا۔ اس پر وہ دوسری چارپائی پر جا بیٹھی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

''برخوردار تم کیسے ان کے ہاتھ آئے؟''

''جیسے آپ آیا۔'' وہ مسکرایا۔ ''گلی خالی دیکھ کر ہم مزے سے اندر آ گیا اور گیٹ سے اندر جھانک رہا تھا کہ پیچھے سے آ کر ایک آدمی نے ہم کو ہینڈز اَپ کرا لیا اور پھر اندر لے آیا۔ ادھر فتح خان بیٹھا تھا۔''

''اس نے تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک تو نہیں کیا؟''

''نہیں بس ہم کو ایک کونے میں کھڑا کر دیا۔''

کمرے میں ایک ہی دروازہ تھا اور ایک ہی کھڑکی تھی۔ دونوں بند تھے۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی کھولی تو باہر سے سرد ہوا اندر آئی تھی میں نے جلدی سے اسے بند کر دیا۔ ویسے اس میں خاصی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک آدمی نے اندر جھانکا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

''خان تم کو بلا رہا ہے۔''

خان سے مراد یقیناً فتح خان تھی۔ اس کے ساتھیوں میں سارے مقامی لوگ تھے وہ واحد خان تھا۔ میں باہر آیا تو اس آدمی نے دروازہ بند کر دیا اور مجھے اسی عمارت کے دوسرے کمرے میں لایا۔ یہ ذرا بہتر طریقے سے سیٹ تھا اس میں ایک دیسی ساخت بھاری مسہری اور اس کے ساتھ بھدی سی ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ ایک طرف ایک صوفہ سیٹ لگا تھا اور فتح خان صوفے پر براجمان تھا۔ اس وقت بھی وہ وہسکی سے شغل کر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان بھی ہے۔

''بیٹھو شہباز خان۔'' اس نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

میں بیٹھ گیا۔ فتح خان کے پاس بہ ظاہر کوئی ہتھیار نہیں تھا اور نہ ہی کمرے میں کوئی اور تھا۔ یہ فتح خان کی طرف سے مجھ پر اعتماد کا مظاہرہ تھا ورنہ فتح خان بھی جانتا تھا کہ وہ خالی ہاتھ میرا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح بلانے کا مقصد کچھ خاص ہی ہوگا۔

''تم کیا پیئے گا؟''

''اگر ممکن ہو تو چائے یا کافی منگوا دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان نے آواز دی۔ ''او مرجانا..... کدھر مر گیا ہے؟''

جواب میں ایک دبلا سا آدمی اندر آیا۔ ''جی خان جی۔''

''اچھا سا چائے بنا کر لاؤ..... جلدی۔''

وہ چلا گیا تو فتح خان نے اپنے لیے دوبارہ گلاس میں وہسکی ڈالی۔ میں نے بہت کم اسے پیتے دیکھا تھا اور اس طرح تو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چند منٹ میں چائے آ گئی۔ دبلا آدمی میرے سامنے کپ رکھ کر چلا گیا۔ فتح خان اپنی بات کہنے کے لیے بے تاب تھا اس نے پہلو بدلا۔

''شہباز خان تم جانتا ہے آج میں تم سے کیا کہنے والا ہوں؟''

''نہیں میں نجومی نہیں ہوں۔'' میں نے چائے چسکی ذائقہ اچھا تھا۔

''اگر میں کہوں کہ تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں؟''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''تمہاری اور میری فطرت بالکل الگ ہے اور ہمارے درمیان دوستی ممکن نہیں ہے۔ ہاں میں تم سے بارہا پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمارے درمیان دشمنی بھی نہیں ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم نے اچھا کیا جو صاف بات کر دیا۔ اب سنو میرا مرشد سے دشمنی ہو گیا ہے۔''

''اس میں تعجب کی بات تو نہیں ہے کیونکہ تم دونوں کا ساتھ اصل میں مفاد کے لیے تھا اور کسی مفاد کے ٹکراؤ پر تم میں دشمنی ہو سکتی ہے لیکن میں پھر صاف گوئی سے کہوں گا مجھے اس بات پر اعتبار نہیں آیا ہے۔''

''جلد آ جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''یہ سچ ہے مرشد اب میرا دشمن ہے۔ اگرچہ وہ میرے پیچھے تو نہیں ہے۔ جیسا تمہارے پیچھے ہے لیکن اسے موقع مل گیا تو وہ مجھے پکڑ لے گا۔''

میں نے اس کے الفاظ پر غور کیا۔ ''پکڑ لے گا مارے گا نہیں۔''

فتح خان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''شہباز خان تم ذہین آدمی ہے تم سمجھ سکتا ہے مرشد میرے کو کیوں پکڑے گا اور مارے گا کیوں نہیں۔''

اس کی ایک ہی وجہ میری سمجھ میں آتی تھی۔ ''ہیروں کا معاملہ ہے وہی برٹ شا والے؟''

''تم واقعی ذہین ہے۔'' فتح خان نے خوش ہو کر کہا۔ ''خدا تمہارا بھلا کرے یہی بات ہے۔''

''مرشد تم سے کیا چاہتا ہے۔ ہیرے تمہارے پاس ہیں؟''

فتح خان کا منہ لٹک گیا۔ ''نہیں..... وہ خانہ خراب ابھی تک پاگل بنا ہوا ہے۔''

''میرا تو خیال ہے وہ سچ مچ پاگل ہو گیا ہے تم سوچو کہ کوئی اتنے عرصے تک ایک جگہ قید رہے تو کیا پاگل نہیں ہو جائے گا؟''

''تم ان خانہ خراب گوروں کو جانتا نہیں ہے۔'' فتح خان نے جواب دیا۔ ''وہ اپنے مطلب کے لیے پاگل بن بھی سکتا ہے اور پاگل بنا بھی سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے؛ ہیرے تمہارے ہاتھ نہیں لگے ہیں لیکن کیا مرشد یہ بات جانتا ہے کہ برٹ شا تمہارے قبضے میں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں یہ بات تو ڈیوڈ شا بھی نہیں جانتا ہے لیکن مرشد کو کسی طرح پتا چل گیا کہ ہیرے مل سکتے ہیں بس وہ میرے پیچھے پڑ گیا۔''

''اس نے تم سے براہ راست ہیرے طلب کر لیے؟''

''نہیں لیکن اس نے دوسرا طریقہ استعمال کیا تھا۔ اس کے آدمیوں نے میرے کو اٹھا لیا۔ کئی دن ایک جگہ بند کر کے مجھے مارتے رہے اور ہیروں کا پوچھتے رہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ مرشد کے آدمی ہیں؟''

''بس پتا چل گیا۔'' فتح خان نے کہا اور اپنی بائیں ہاتھ کی آستین الٹ کر اوپر کی۔ نصف کلائی سے کہنی تک ہاتھ جگہ جگہ سے کاٹنے اور جلانے کے نشانات سے بھرا ہوا تھا۔ ''ایسا ہی نشان ہمارا پشت اور پیروں پر بھی ہے۔ ایک دن موقع پا کر ہم بھاگ نکلا۔''

''تم نے مرشد سے اس حرکت کا جواب طلب نہیں کیا؟''

''نہیں ہم نے اسے مکاری کی مار مارنے کا سوچا ہے۔ میں نے اسے کچھ نہیں کہا اور یہی بتایا کہ نامعلوم لوگ ہم کو اٹھا کر لے گیا تھا لیکن اس کے بعد ہم اس کی طرف سے محتاط ہو گیا۔ اس کا سارا لوگ جو ہمارے ساتھ تھا ان کو دور کر دیا۔ اِدھر سے اپنا لوگ بھرتی کیا۔''

''یہ سب تمہارے اعتماد کے بندے ہیں۔''

''پورا تو نہیں لیکن ہم کو بھروسہ ہے کوئی دھوکا دینے سے پہلے کئی بار سوچے گا۔ مرشد کا کوئی آدمی نہیں ہے۔''

''تم مرشد سے دور ہو گئے ہو کیا وہ کھٹک نہیں جائے گا؟''

''کھٹک تو جائے گا لیکن وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔'' فتح خان مسکرایا۔ ''اس کا بدمعاش لوگ میرے سامنے کچھ نہیں ہے۔ وہ بس دھوکا دے سکتا ہے۔''

''تم نے مرشد کو چھوڑ دیا تو کیا اب ڈیوڈ شا سے بھی تمہارا کوئی رابطہ نہیں ہے؟''

''نہیں ابھی تو نہیں ہے۔ وہ میرے سے کام لیتا ہے۔ جب ضرورت پڑتا ہے تو کال کرتا ہے ورنہ پوچھتا بھی نہیں ہے۔''

''مرشد نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تم نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی؟''

''ابھی تو نہیں میں نے کہا نا میں اسے مکاری کی مار مارے گا۔'' فتح خان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ابھی تو وہ میری طرف سے ہوشیار ہے۔''

''ابھی تو وہ حکومت میں بھی ہے۔ تم نے کچھ کیا تو تمہارے لیے مصیبت بن سکتی ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ بات بھی ہے..... پر ابھی میں اسے کچھ کہے گا تو بات بے کار ہو گی۔ جب وہ کسی مسئلے میں ہو گا اور تب میں کچھ کرے گا تب مزہ آئے گا۔''

''چلو میں نے مان لیا کہ تمہاری اور مرشد کی دشمنی ہو گئی ہے اور تم اس پر وار کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں ہو لیکن سوال یہ ہے کہ تم نے مجھے کیوں پکڑا ہے اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے عجیب سے انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''شہباز خان چاہتا تو تم سے دوستی کرنا ہے پر تم مانے گا نہیں۔ اس لیے میں نے تیرے کو بلا کر سارا معاملہ سامنے رکھ دیا۔ اب میرا حساب الگ ہے اور مرشد کا حساب الگ ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ اس کی بات کے پس پشت کوئی خاص وجہ تھی۔ وہ ایسے ہی یہ بات نہیں کر رہا تھا لیکن وہ مجھے فی الحال اصل بات بتا بھی نہیں رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ آئندہ مرشد میرے خلاف کوئی کارروائی کرے تو تمہیں اس سے الگ سمجھا جائے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں یہی کہہ رہا ہوں۔''

میں نے شک سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم نے مجھ سے صرف یہ کہنے کے لیے اتنی زحمت کی ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو میں چاہتا ہوں تم اپنے دشمنوں کی فہرست سے میرا نام نکال دو۔''

''میرے دشمنوں کی کوئی فہرست نہیں ہے کیونکہ میں نے کسی سے دشمنی نہیں پالی ہے میں نے جب بھی کچھ کیا ہے صرف اپنے دفاع میں کیا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''میں جانتا ہے تم ایک اچھا آدمی ہے کتنی بار موقع ملنے پر بھی تم نے اپنا دشمن کو معاف کر دیا۔ مجھے معاف کر دیا۔''

میں حیران تو تھا ہی لیکن ساتھ ہی فکر مند بھی تھا۔ فتح خان کا رویہ معمول سے بالکل ہٹ کر تھا۔ میرا یہ احساس قوی ہوتا جا رہا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی خاص بات ہے۔

''ٹھیک ہے اب بات صاف ہو گئی ہے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو قید میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ تم ہمیں جانے کی اجازت دو۔''

''یہ لڑکی کون ہے؟''

میرا خیال تھا کہ وہ دونیا کے بارے میں جانتا ہو گا جیسے دونیا اس کے بارے میں جانتی تھی۔ اس کی بات نے مجھے حیران کیا لیکن یہ حیرت میں نے اپنے انداز سے ظاہر ہونے نہیں دی تھی۔ ''یہ ایک لڑکی ہے۔''

''وہ تو ہے پر کون ہے؟''

''فتح خان اس سے تمہارا تعلق نہیں ہے۔'' میں نے کسی قدر کھردرے لہجے میں کہا۔ ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''کون سی بات کا؟'' وہ انجان بنا

میں نے تحمل سے اپنی بات دھرائی۔ ''اگر تمہاری مجھ سے کوئی دشمنی نہیں ہے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو جانے دو۔''

''اتنی جلدی کیا ہے تم کچھ دن آرام سے یہاں رہو۔ ابھی تم ملک میں آیا ہے۔''

''میرے آرام کی تم فکر مت کرو یہ بتاؤ کہ تم مجھے جانے دے رہو ہو یا نہیں؟'' میں نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔

''اگر میں تیرے کو کچھ دن کے لیے روک لے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو اس کا مطلب ہوگا کہ تم اب تک جھوٹ بولتے آئے ہو۔ مجھ سے تمہاری دشمنی برقرار ہے۔''

''نہیں شہباز خان ایسا بات نہیں ہے میں تو تمہارے خیال سے تمہیں روک رہا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ابھی بہتر ہے تم دو تین دن اِدھر رکے پھر تم جدھر کہے گا اُدھر چھوڑ دے گا۔''

''میں تمہارا محتاج نہیں ہوں۔'' میں نے ناگواری سے کہا۔ ''میں تمہاری بات پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں جب تک تم مجھے یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دو گے۔''

میری بات سن کر وہ کشمکش میں پڑ گیا تھا۔ میری چھٹی حس ایک بار پھر خبردار کرنے لگی تھی کہ کوئی خاص بات ہے اور فتح خان مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا اور بولا۔ ''شہباز خان تمہیں کچھ دن یہاں رکنا ہوگا۔''

میرے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ''فتح خان یہ کہو کہ تم مجھے نیا دھوکا دینا چاہ رہے تھے لیکن اب میں تمہیں اچھی طرح جان گیا ہوں میں تمہارے کسی دھوکے میں نہیں آؤں گا۔''

''تم جلد جان جائے گا کہ فتح خان نے تم کو دھوکا نہیں دیا وہ تمہارا مخلص ہے۔''

''تم شاید اس لفظ کے معنی سے بھی واقف نہیں ہو۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کہا نا ابھی تم نے یقین نہیں کیا ہے لیکن جلد تم جان جائے گا۔'' فتح خان نے کہا اور بلند آواز میں بولا۔ ''لطیف خاناں ادھر آؤ۔''

وہی مسلح آدمی اندر آیا جو مجھے فتح خان کے پاس لایا تھا۔ ''جی خان؟''

''اسے لے جاؤ اور خیال رکھنا۔''

''جی خان..... آؤ جی۔'' لطیف نے مجھ سے کہا۔

''ایک منٹ۔'' میں نے کہا۔ ''فتح خان مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔''

فتح خان نے میری طرف دیکھا اور پھر لطیف کو واپس جانے کا اشارہ کیا وہ باہر چلا گیا۔ ''ہاں بولو۔''

میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔ ''میں جب سے پاکستان آیا ہوں مجھے لگ رہا ہے یہاں میری غیر موجودگی میں کوئی بات ہوئی ہے۔ میرے حوالے سے کوئی بری خبر ہے لیکن یہ خبر مجھ سے چھپی ہوئی ہے میں نے کئی بار ندیم سے رابطہ کرنا چاہا لیکن اس سے رابطہ نہیں ہوا۔ اب مجھے لگ رہا ہے تم بھی یہ بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔''

فتح خان نے گہری سانس لی اور سوچنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر کشمکش کے آثار نمایاں تھے۔ پھر اس نے کہا۔ ''شہباز خان خبر تو واقعی ہے اور تمہارے لیے برا ہے۔''

''کیا خبر ہے؟''

''سچی بات ہے میں سناتے ہوئے ڈرتا ہے۔''

''تم مجھ سے کیوں ڈر رہے ہو کیا اس خبر کی وجہ تم ہو؟''

''نہیں میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن پھر بھی ڈر لگتا ہے کہیں تم میرے کو اس کا ذمے دار نہ سمجھ لے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فتح خان تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو مجھے اصل بات بتاؤ۔'' میں نے کہا تو میرے لہجے میں جھنجلاہٹ در آئی تھی۔ ''وہ بری خبر کیا ہے؟''

''آرام سے آرام سے شہباز خان۔'' اس نے کہا۔ ''خبر تمہارے بھائی شاہد کے حوالے سے ہے۔''

میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ ''کیا..... کیا ہوا شاہد بھائی کو؟''

فتح خان کچھ دیر مجھے غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''دس دن پہلے کوہاٹ سے آتے ہوئے کسی نے اسے گاڑی میں شوٹ کر دیا۔ وہ وہیں مر گیا تھا۔''

فتح خان کے الفاظ جیسے گولیوں کا برسٹ بن کر میرے جسم سے ٹکرائے تھے۔ اور میں کسی بگولے کی طرف اس پر جا گرا میں نے ایک جنون کے عالم میں اس کی گردن دبوچ لی تھی اور شاید چلا بھی رہا تھا۔ فتح خان کی آنکھوں میں موت نظر آنے لگی اور پھر کسی نے عقب سے میرے سر پر وار کیا۔ میری آنکھوں کے سامنے یک دم ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔ اس اندھیرے کے پیچھے سے فتح خان کا قہقہہ سنائی دیا تھا۔

○.....❖.....○

میں نہ جانے کتنی دیر دنیا و مافیہا سے بے خبر رہا تھا۔ میرے سر کی ضرب شدید تھی۔ بے ہوش ہوتے وقت مجھے لگا تھا جیسے میرے سر کے ٹکڑے ہو گئے ہوں۔ یقیناً فتح خان کی جان خطرے میں دیکھ کر اس کے کسی آدمی نے عقب سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ فتح خان نے بات ہی ایسی کی تھی جس کے بعد میں اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ شاہد بھائی مجھ سے سات سال بڑے تھے۔ بھائیوں میں اتنی عمر کا فرق خاص نہیں ہوتا ہے لیکن نہ جانے کیا بات تھی میں جس قدر شجاع بھائی کے نزدیک اور بے تکلف تھا شاہد بھائی سے میری وہ بے تکلفی نہیں تھی۔ مجھے یاد ہے بچپن میں وہ شاید ہی کبھی میرے ساتھ کھیلے ہوں اور نہ ہی ہماری کوئی مشترکہ سرگرمی تھی۔ جب میں بہت چھوٹا تھا۔ شاید تین سال کا تب شاہد بھائی کیڈٹ اسکول چلے گئے تھے اور پھر صرف چھٹیوں میں گھر آتے تھے وہ بھی کم دنوں کے لیے کیونکہ گرمیوں کی چھٹی میں اسکول کی جانب سے کوئی پروگرام ہوتا تھا جس میں سارے لڑکے کہیں گھومنے پھرنے جاتے تھے۔ پھر وہ سردیوں کی چھٹی میں آتے تھے اس میں بھی انہیں گھر میں رکنے کا موقع کم ملتا تھا۔

لیکن کیڈٹ اسکول اور کالج میں تو شجاع بھائی بھی پڑھے تھے بلکہ وہ میری پیدائش سے پہلے ہی چلے گئے تھے۔ وہ بھی اسی طرح گرمی اور سردی کی چھٹیوں میں گھر آتے تھے۔ مگر مجھے انہوں نے ہمیشہ وقت دیا۔ وہ میرے ساتھ کھیلتے تھے اور مجھے گھمانے پھرانے لے جاتے تھے۔ گاؤں کی نہر میں تیراکی کرنا انہوں نے سکھایا۔ پھر مطالعے کا شوق ان کی وجہ سے ہوا۔ پہاڑوں پر جانا ان کی وجہ سے ہوا۔ میری زندگی پر شجاع بھائی کی چھاپ جتنی گہری ہے شاہد بھائی کی چھاپ اتنی ہی کم ہے۔

یہ نہیں ہے کہ شاہد بھائی مجھ سے یا میں ان سے محبت نہیں کرتے تھے محبت تو اتنی ہی تھی لیکن نہ جانے کیا بات ہم دونوں میں کچھ جھجک تھی۔ جو ہمیں آپس میں گھلنے ملنے اور ایک ہونے سے روکتی تھی۔ بھائیوں والی محبت کے باوجود ہم ایک دوسرے سے دور دور تھے۔ شاید قدرت ہمیں اس آنے والے امتحان کے لیے تیار کر رہی تھی جس سے ہمیں گزرنا ہی تھا۔ سویرا جو میرے زندگی میں محبت کا سویرا بن کر آئی تھی۔ وہ میرے بھائی کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سب بابا کا کرنا تھا انہوں نے صرف ضد میں آ کر یہ فیصلہ کیا تھا کیونکہ میں نے ان کی حکم عدولی کی تھی۔ انہوں نے مجھے سویرا سے محروم کر دیا۔ ورنہ وہ کم سے کم اتنا تو جانتے تھے کہ میں سویرا کو پسند کرتا ہوں۔ البتہ انہوں نے میری پسند کو عام بازاری محبت سمجھا تھا اور ایک بار مجھے سویرا سے دور رہنے کی وارننگ بھی دی تھی۔ پھر جب میں حویلی میں نہیں تھا تو سویرا کا رشتہ شاہد بھائی سے طے کر دیا گیا۔ ان دنوں میں ماسٹر میں مصروف تھا۔ جب مجھے یہ اطلاع ملی تب ہی میں نے حویلی نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس پر آج تک قائم تھا مجھے نہیں معلوم کہ کن حالات میں سویرا اور شاہد بھائی کا رشتہ طے ہوا لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ سوفی صد بابا کی ضد کا نتیجہ ہوگا کیونکہ ماں جی نہ سہی صغراں آپا تو جانتی تھیں کہ میں سویرا کو پسند کرتا ہوں اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ انہوں نے بابا کو بتانے کی کوشش کی ہوگی اور بابا اپنی ضد پر اڑے رہے ہوں گے۔

یوں شاہد بھائی اس ہستی کے مالک بن بیٹھے جسے میں نے جسم و جان کی تمام شدتوں سے چاہا لیکن خدا کی قسم اس کے باوجود میرے دل میں شاہد بھائی کے لیے کہیں ہلکا سا میل بھی نہیں آیا۔ ایک تو وہ اس معاملے میں بے خبر تھے ورنہ کسی صورت اس شادی پر رضامند نہ ہوتے۔ دوسرے وہ میرے بھائی تھے۔ جب مجھے سویرا اور شاہد بھائی کا خیال آتا میرے دل سے دونوں کی خوشیوں کے لیے دعا نکلتی تھی۔

ہوش میں آتے ہی مجھے سب سے پہلا خیال شاہد بھائی کا آیا تھا اور میں نے تڑپ کر سوچا کہ کاش فتح خان نے بکواس کی ہو۔ وہ میرا دشمن تھا اور دشمن ذہنی اذیت پہنچانے کے لیے ایسی باتیں کرتا ہے لیکن ساتھ ہی میرے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا فتح خان نے جھوٹ نہیں کہا تھا اس کا انداز مجھے اذیت دینے والا نہیں تھا بلکہ وہ پریشان تھا کہ مجھے یہ خبر کس طرح سنائے اور جب میں نے خود پوچھا تو اس نے مجبوراً اگل دیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد میں نے آنکھ کھولنے کی کوشش نہیں کی۔ پہلے میں نے آس پاس کے ماحول کو محسوس کیا۔ میں ایک نرم بستر پر لیٹا ہوا تھا اور سر میں معمولی سی تکلیف تھی۔ یعنی مجھے بہت اچھا ٹریٹ کیا گیا تھا اور فتح خان کا گلا دبانے کی سزا نہیں دی گئی تھی۔ میرا گلا خشک ہو رہا تھا اور سردی کی وجہ سے میرا جسم ہلکے کمبل تلے تھا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا کم سے کم میں نے محسوس نہیں کیا تھا۔ اس لیے میں نے آنکھیں کھول دیں اور پھر مجھے شدید جھٹکا لگا۔

○.....❖.....○

جب میں چھوٹا تھا تو بابا نے حویلی کی مرمت اور آرائش کرائی تھی۔ اس آرائش میں چھت پر پلاسٹر آف پیرس کے بنے ہوئے نقش و نگار بھی شامل تھے۔ اس زمانے میں اس کا رواج شہروں میں بھی بہت کم تھا۔ دیہات میں تو اس کے بارے میں کوئی جانتا ہی نہیں تھا لیکن بابا نے یہ کام کروایا تھا لوگ دیکھتے اور حیران ہوتے تھے۔ میرے کمرے کی چھت پر جو نقش و نگار تھے وہ میری پسند کے تھے۔ رات جب میں سونے کے لیے لیٹتا تو ہلکی روشنی میں یہ نقش و نگار بہت دل فریب لگتے تھے اور میں ان کو دیکھتے دیکھتے نیند کی گہرائیوں میں کھو جاتا۔

آج آنکھ کھلتے ہی مجھے چھت پر وہ نقش و نگار دکھائی دیئے تھے۔ کیا میں حویلی میں تھا؟ میں نے سوچا اور پھر سر گھما کر دیکھا۔ یہ میرا ہی کمرہ تھا اور سب کچھ ویسا ہی تھا۔ شیشم کی الماری اور ڈریسنگ ٹیبل جسے منظور پانے بنایا تھا۔ منظور پا بالکل اَن پڑھ اور اپنے آپ میں مگن رہنے والا شخص تھا ذات کا ترکھان تھا لیکن اس کی اہمیت اتنی تھی کہ بڑے بڑے ملک اور خان اسے ساتھ بٹھاتے تھے اور اس سے کام کرانے کے لیے منہ مانگا معاوضہ دینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو تیار رہتے تھے لیکن وہ موڈی آدمی تھا۔ جب دل ہوتا تو کام لیتا ورنہ انکار کر دیتا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی ہاں کو نہ میں نہیں بدل سکتی تھی۔ ایک بار ایک مقامی زمیندار ملک عادل نے اس کے انکار کو اَنا کا مسئلہ بنا لیا اور اپنے آدمیوں سے منظور پا پر تشدد بھی کرایا تھا لیکن اس کا ردِعمل اتنا شدید ہوا تھا کہ ملک عادل نے بعد میں خود منظور پا سے معافی مانگی تھی۔ حالانکہ نہ تشدد کا اس پر اثر ہوا تھا اور نہ ہی اس معافی کا ہوا تھا۔ اصل میں وہ تھوڑا سا مجذوب بھی تھا اور اس کی زبان میں ایسی بات تھی کہ جو کہتا وہ خدا پورا کر دیتا تھا۔ اس وجہ سے لوگ اس سے ڈرتے بھی تھے اور اس کا احترام بھی کرتے تھے۔ کسی نے اس سے کام کرانا ہوتا تھا تو پورے ادب و احترام کے ساتھ درخواست کرتا تھا اور ساتھ ہی منظور پا کو خوش کرنے کی کوشش بھی کرتا تھا اس پر بھی وہ انکار کر دیتا تو کام کرانے کا خواہش مند اسے اپنی بدنصیبی سمجھتا تھا۔

منظور پا کے ہاتھوں میں اللہ نے ایسی کاری گری رکھی تھی کہ وہ ٹیڑھی میڑھی لکڑی سے ایسا فرنیچر تراشتا تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جائیں اور مزے کی بات تھی کہ وہ نہ تو کہیں سے ڈیزائن لیتا تھا اور نہ ہی سوچتا تھا کہ چیز کیسی بنانی ہے لیکن جب چیز بنتی تھی تو وہ کوئی شاہکار ہوتا تھا۔ چند معمولی اوزاروں سے منظور پا کام کرتا تھا اور اکیلا ہی کرتا تھا۔ کبھی کبھی ایک آدھ مددگار رکھ لیتا تھا جب کام بھاری ہوتا تھا۔ جب وہ کسی کے کام کے لیے راضی ہو جاتا تو اسے دو چیزیں درکار ہوتی تھیں ایک لکڑی اور دوسرا اس لکڑی سے کیا بنایا جانا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے کام میں کسی کی معمولی سی مداخلت بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اوزاروں کے علاوہ باقی سارا سامان کام کرانے والے کو مہیا کرنا پڑتا تھا۔

جب بابا نے حویلی کی آرائش کرائی تو انہوں نے نیا فرنیچر بنوانے کا فیصلہ بھی کیا۔ خاص طور سے ہم بھائیوں اور صفراں آپا کے کمروں کا سارا فرنیچر نئے سرے سے بنوانے کا سوچا اور منظور پا سے درخواست کی۔ اس نے انکار کر دیا۔ بابا کو مایوسی ہوئی۔ انہوں نے پھر کوشش کی تھی لیکن حسبِ توقع منظور پا کی ناں ہاں میں نہ بدلی۔ اس لیے بابا نے علاقے میں کام کرنے والے دوسرے کاریگروں سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ حویلی میں ایک بہت پرانا شیشم کا درخت تھا۔ شاید سو سال پرانا تھا۔ ایک بار شدید آندھی آئی تو یہ گر پڑا اور پھر اپنی جگہ پڑے پڑے خشک ہو گیا۔ بابا نے اس کی خشک لکڑی نکلوا کر رکھ لی تھی اور اب اسی سے فرنیچر بنوانے کا ارادہ تھا۔

جب مجھے پتا چلا کہ منظور پا نے انکار کر دیا ہے تو مجھے غصہ آیا تھا کیونکہ اس نے میرے اسکول کے ایک ساتھی لڑکے کے گھر میں فرنیچر بنا کر دیا تھا اور وہ فرنیچر مجھے بہت پسند آیا تھا میری خواہش تھی کہ منظور پا ہمارے لیے بھی فرنیچر بنائے۔ جب مجھے اس کے انکار کا پتا چلا تو اگلے روز میں اسکول سے اس کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ منظور پا کا ڈیرہ گاؤں سے ذرا باہر نہر کنارے تھا اور کچی جھونپڑی پر مشتمل تھا۔ حیرت انگیز بات تھی کہ ہر قسم کا فرنیچر بنانے والے منظور پا کی جھونپڑی میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ چٹائی پر سوتا تھا اور اس کی ساری چیزیں تھیلوں اور مٹی کے برتنوں میں رکھی تھیں۔ صندوق تک نہیں تھے اس کی جھونپڑی میں۔ وہ اس وقت بھی اپنی چٹائی پر لیٹا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ منظور پا کی سب سے بڑی تفریح سگریٹ نوشی تھی اور وہ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ دھوئیں میں اُڑا دیا کرتا تھا۔

"کی اے پتر۔" اس نے مجھے جھونپڑی کے دروازے پر دیکھ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''منظور پا میں ایاز ملک کا بیٹا شہباز ملک ہوں۔''

''اچھا جی فیر۔'' وہ لیٹے لیٹے بولا۔ وہ کوئی پچاس برس کا استخوانی بدن کا جھری دار شخص تھا جھریاں صرف اس کے چہرے پر ہی نہیں بلکہ پورے بدن پر تھیں۔ میں اندر آیا۔

''منظور پا میں چاہتا ہوں تم ہمارا فرنیچر بناؤ۔''

''اوئے کاکے میں تیرے باپ کو نا کر چکا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''میرے باپ کو کی ہے لیکن یہ تو میں کہہ رہا ہوں۔''

وہ اٹھ بیٹھا اور اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''کاکے تُو مجھے کام دے رہا ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے جرأت کر کے کہا۔ ''اگر تم کر دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔''

وہ چند لمحے نظریں جما کر مجھے دیکھتا رہا۔ ''کاکے معاوضہ دے گا۔''

''ہاں جو تم مانگو گے۔'' میں نے کہا۔

''منظور پا نے آج تک کسی سے کچھ نہیں مانگا جس نے جو دیا لے لیا تُو بھی جو مرضی ہو دے دینا۔''

میں خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ منظور پا اتنی آسانی سے مان جائے گا مجھے تو سرے سے امید ہی نہیں تھی۔ منظور پا درست کہہ رہا تھا کہ اس نے آج تک کسی سے معاوضہ نہیں مانگا تھا۔ جو لوگ دیتے چپ کر کے بے نیازی سے لے لیتا تھا۔ ایسا بھی ہوا کہ کئی مہینے تک کام کرا کے کسی نے اسے چند سو پکڑا دیئے تو اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا اور کسی نے ایک مہینے کے کام کے اسے ہزاروں دے دیئے تو اس نے بنا کسی شکریے کے جیب میں رکھ لیے۔ میں نے اس سے کہا۔

''چلو ابھی چلو۔''

''چلتا تو ہوں لیکن بتا دوں جو دینا ہے تُو نے دینا ہے تیرے باپ سے کچھ نہیں لینا اس سے لے کر دے گا تب بھی نہیں لوں گا۔''

میرا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''پر چاچا میں کہاں سے دوں گا ابھی تو میں کماتا نہیں ہوں۔''

''اس کی فکر نہ کر تُو جو دے گا لے لوں گا لیکن دینا تو اپنے پاس سے ہے۔''

میں دس سال کا تھا اور اتنی عمر میں کہاں سے کما سکتا تھا۔ بہر حال یہ مسئلہ بعد میں حل کیا جا سکتا تھا اس لیے میں نے ہامی بھر لی اور اسے حویلی لے آیا۔ بابا اور دوسروں کو پتا چلا تو وہ حیران رہ گئے۔ بابا نے کہا۔ ''منظور پا تُو نے مجھے تو صاف انکار کر دیا تھا اور میرے بیٹے کی مان گیا۔''

منظور پا نے چٹکی سی راکھ جھاڑی اور ایک کش لے کر بولا۔ ''ملک صاحب بندے بندے کی بات ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے لیے اندر سے ناں نکلتی ہے تو ناں کر دیتا ہوں اور بعض کے لیے ہاں نکلتی ہے تو ہاں کہہ دیتا ہوں۔''

بابا کے لیے یہی کافی تھا کہ منظور پا مان گیا تھا اس لیے انہوں نے زیادہ بحث نہیں کی ورنہ کوئی ان کے سامنے ان کی اولاد کو زیادہ اہمیت دے تو وہ اسے اپنی توہین سمجھتے تھے۔ منظور پا نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ کام ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے نہیں میرے لیے کر رہا ہے اس لیے وہ اس سے کچھ نہیں سکتے ہیں۔ اس کی یہ بات بھی مان لی گئی اور اس نے فرنیچر بنانا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے اس نے صغراں آپا کے کمرے کا فرنیچر بنانا شروع کیا۔ تین مہینے میں اس نے پورے گھر کا فرنیچر بنا دیا تھا اور جب اس نے کام مکمل کر لیا اور میں نے اپنی ساری جمع پونجی نکالی تو وہ کل سترہ روپے اور آٹھ آنے تھی۔ اس وقت مجھے روزانہ کی جیب خرچی ایک روپیہ ملتی تھی اور میں اس میں سے کبھی پچیس پیسے اور کبھی پچاس پیسے بچا کر اپنے مٹی کے گلے میں ڈال دیتا تھا۔ اس وقت بابا کا خیال تھا کہ معاوضہ وہی دیں گے۔ اس لیے جب انہوں نے ایک لفافے میں منظور پا کو معاوضہ دینا چاہا تو اس نے بے نیازی سے لفافہ واپس کر دیا۔

''ملک صاحب میں نے آپ کا کام نہیں کیا ہے تو معاوضہ آپ سے کیوں لوں؟''

''تو کس کا کام کیا ہے؟''

''کاکے شہباز کا وہی معاوضہ دے گا۔''

بابا ہنسے وہ اسے مذاق سمجھ رہے تھے۔ ''یہ کہاں سے دے گا؟''

''جہاں سے بھی دے اور جتنا بھی دے بس اسی سے لینا ہے۔''

بابا نے مجھے بلا لیا۔ ''شہباز پتر یہ تجھ سے معاوضہ مانگ رہا ہے۔'' وہ اب بھی مذاق کے موڈ میں تھے لیکن جب میں نے ساڑھے سترہ روپے نکال کر منظور پا کو دیئے تو اس نے جیب میں ڈالے اور کھڑا ہو گیا۔

''اچھا جی سلاماں لیکم۔''

اس سے پہلے بابا یا کوئی اسے روکتا وہ جا چکا تھا تین مہینے کی صبح شام محنت کا معاوضہ صرف ساڑھے سترہ روپے۔ کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ بعد میں بابا نے اسے رقم دینے کی کوشش کی لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور اس کا یہ انکار کبھی اقرار میں نہیں بدلا تھا۔ الماری اور ڈریسنگ ٹیبل دیکھ کر مجھے یہ سب یاد آ گیا۔ یہ دونوں چیزیں آج بھی اس طرح چمک رہی تھیں جیسے آج ہی بنی ہوں۔ ان کے ساتھ میرا بیڈ، ایک رائٹنگ ٹیبل اور اس کے ساتھ دو کرسیاں اور ایک کتابوں کا ریک بھی بنا تھا میں نے سر گھما کر کتابوں کے ریک طرف دیکھنا چاہا تو میری نظر کرسی پر لیٹی اور بے خبر سوتی ایک نوجوان لڑکی پر گئی۔ میں کچھ دیر اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ صغراں آپا پھر سے کمسن ہو گئی ہوں اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں شمی کو دیکھ رہا تھا۔ پانچ چھ سال میں وہ بالکل ہی بدل گئی تھی۔ جب میں نے اسے آخری بار دیکھا تھا تو وہ بارہ تیرہ سال کی شوخ و شنگ بچی تھی جو پوری حویلی میں دوڑتی اور شور کرتی پھرتی تھی۔ اس وقت وہ بہت دبلی سی اور چھوٹی سی تھی۔ گاؤں کی عام لڑکیوں کے برعکس اس پر بارہ تیرہ سال کی عمر میں نوجوانی نہیں آئی تھی۔ وہ اس وقت بھی بچی لگتی تھی لیکن اب اس کا روپ بدل گیا تھا۔ قد ماشاءاللہ اچھا نکالا تھا اور جسامت بھی بڑی ہو گئی تھی۔ وہ دوپٹہ لیے سو رہی تھی اور ظاہر ہے وہ کب سے میرے پاس بیٹھی تھی تب ہی تھک کر سو گئی تھی۔

اس کا مطلب ہے میں حویلی میں تھا لیکن یہاں تک کیسے آیا مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ یہ کام شاید میرے دشمنوں کا تھا یا شاید فتح خان جیسے دشمنوں کا۔ میں نے سرہانے رکھے جگ سے گلاس میں پانی نکال کر پیا۔ میرے خشک گلے کو تری مل گئی تھی۔ میں نے شمی کو جگانے کا سوچا لیکن میری ہمت نہیں ہوئی میں اس وقت کو ٹالنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتا تھا جب فتح خان کی بدخبری کی تصدیق ہو جاتی۔ اس وقت میری خواہش تھی کہ کاش یہ خبر ہمیشہ خبر ہی رہے اور کبھی اس کی تصدیق نہ ہو۔ میں دوبارہ بستر پر لیٹ کر چھت کو گھورنے لگا۔ کمرے سے باہر بالکل سناٹا تھا جس میں کبھی کبھی واہمے نما سرسری سی آوازیں آتی تھیں جن کے بارے میں آدمی کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ آوازیں سچ ہیں یا اس کا وہم ہیں۔ میرا جسم بالکل سن ہو رہا تھا ممکن ہے یہ کسی دردکش انجکشن کا اثر ہو یا اس اطلاع کا جو مجھے فتح خان نے دی تھی۔ میں ساکت لیٹا تھا کہ دروازے کی طرف سے آہٹ ہوئی میں نے سر گھما کر دیکھا۔

وہ سویرا تھی چوکھٹ سے ٹکی ہوئی ستے ہوئے چہرے اور سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، سفید مخصوص لباس میں جو ہمارے ہاں عورت کو اس کے شوہر کے مرنے پر پہنا دیا جاتا ہے۔ وہ کمزور لگ رہی تھی۔ اس کے کھلے لمبے بال دوپٹے سے بغاوت کر کے اس کی کمر سے نیچے آ رہے تھے۔ میں ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر مجھے شمی کے ملنے کی آواز آئی میں نے اس کی طرف دیکھا وہ جاگ رہی تھی اور میں نے پھر دروازے کی طرف دیکھا تو چوکھٹ خالی تھی۔ شمی جاگ گئی تھی اس نے مجھے بیدار دیکھا تو بے تابی سے میری طرف آئی۔

''شمی۔''

میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے سمیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ وہ سسک سسک کر رونے لگی۔ سویرا کی حالت اور شمی کا رونا دیکھ کر میرا رہا سہا شک بھی باقی نہیں رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کب میں بھی رونے لگا۔ شمی نے روتے ہوئے کہا۔ ''شاہد ماموں.....''

''بس اب کچھ نہیں کہنا۔'' میں مارے وحشت کے اٹھ بیٹھا۔ شمی میرے شانے سے سر ٹکائے دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ اس کی دھاڑیں سن کر صغراں آپا، ماں جی اور شجاع بھائی کی بیوی عائشہ بھابی آ گئیں تھیں۔ وہ سب ہی مجھ سے چمٹ گئی تھیں اور کمرہ آہ بکا سے گونج اٹھا تھا خاص طور سے ماں جی کی حالت خراب تھی۔ وہ بے ہوش ہونے لگیں تو میں نے جلدی سے ان کو پانی پلایا۔ شاہد بھائی کی وفات نے جیسے ان کو نچوڑ دیا تھا۔ صغراں آپا جب بیوہ ہو کر آئیں تو ان کی آنکھیں اکثر نم اور سوجی رہتی تھیں پھر رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے غم پر قابو پا لیا تھا۔ مگر آج پھر ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھی۔ عائشہ بھابی بھی غمگین تھیں لیکن انہوں نے خود کو سنبھال رکھا تھا۔ درحقیقت اس کڑے وقت میں انہوں نے ہی سب کو سنبھالا تھا۔ وہ میرے ماموں کی بیٹی تھیں۔ اور سسرال میں ان کا رویہ مثالی تھا۔ بڑی بہو ہونے کے ناطے انہوں نے از خود بہت ساری ذمے داریاں اپنے شانوں پر لے لی تھیں۔ شادی کے بعد وہ شجاع بھائی کے ساتھ چلی گئی تھیں لیکن تب بھی وہ سال میں چار پانچ مہینے حویلی میں گزارتی تھیں اور انہوں نے شادی کے بعد کچھ عرصے میں سب کو اپنا اتنا عادی بنا لیا تھا کہ جب وہ حویلی میں نہ ہوتیں تو سب کو حویلی سنسان لگتی تھی۔

پانی پی کر ماں جی کی حالت ذرا سنبھلی تو انہوں بھرائی آواز میں کہا۔ ''شہباز تو کہاں چلا گیا تھا۔''

''میں نے کہاں جانا تھا ماں جی یہیں تھا۔'' میں نے سر اس کی آغوش میں رکھ دیا۔ جو دنیا میں میری سب سے بڑی جائے پناہ تھی۔ ''میں دور ہو کر بھی آپ کے پاس تھا۔''

''لیکن شاہد..... تو چلا گیا..... ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر۔'' ماں جی پھر رونے لگیں۔ اور سب ان کو سنبھالنے لگے۔ صغراں آپا اب رونے کے بجائے بار بار مجھے پیار کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس اب میں تجھے جانے نہیں دوں گی۔''

کمرے میں سب آ گئے تھے سوائے بابا، شجاع بھائی اور سویرا کے۔ آنے والوں میں دو لڑکے بھی تھے ایک چار سال کا اور دوسرا شاید دو سال کا تھا۔ چھوٹا والا عائشہ بھابی کے پہلو سے لگ کر کھڑا تھا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ ''یہ دونوں.....؟''

''شجاع کے بیٹے ہیں۔'' صغراں آپا نے بالترتیب بڑے اور چھوٹے کا تعارف کرایا۔ ''یہ شعیب ہے اور یہ شبیر۔''

میں نے ان کو پاس بلایا تو وہ جھجک کر چلے آئے اور پھر میرے سینے سے لگ گئے تھے۔ دونوں بہت پیارے سے اور شرمائے ہوئے تھے ماں کے کہنے پر انہوں نے بڑی مشکل سے سلام کیا۔ شجاع بھائی باپ پر گئے تھے ذرا کھڑے نقوش اور ہلکا سانولا رنگ لیکن دونوں بیٹے بھابی پر گئے تھے جس کے نقوش صحیح اور رنگ گلابی تھا۔ میں ان کی طرف دیکھا۔ ''شکر ہے میرے بھتیجے آپ پر گئے ہیں۔''

بھابی شرما گئیں۔ ''سب یہی کہتے ہیں۔''

''اور شمی کتنی بڑی ہو گئی ہے۔'' میں نے شمی کی طرف دیکھا۔

''آپ نے دیکھا بھی تو کتنے عرصے بعد ہے۔'' شمی بولی۔ ''آپ مجھے بہت یاد آتے تھے۔''

''بس تم یاد کرتی تھیں اور کوئی یاد نہیں کرتا۔'' میں نے بے خیالی میں کہا میرا ذہن سویرا کی طرف چلا گیا تھا۔

''نہیں تو سب یاد کرتے تھے۔ نانی، امی، ماموں اور سب۔'' شمی نے جواب دیا۔

''بابا، شجاع بھائی کہاں ہیں؟''

''وہ قبرستان گئے ہیں۔'' صغراں آپا بھرائی آواز میں بولیں تو ماں جی اور عائشہ بھابی کے ضبط کے بندھن پھر ٹوٹ گئے تھے اور اس بار شمی اور بچے بھی رونے لگے تھے۔ شاید میں بھی رو رہا تھا۔ اس رونے دھونے کا اثر یہ ہوا کہ میرے اندر کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ اب میں جاننے کے لیے بے چین تھا کہ شاہد بھائی کے ساتھ کیا ہوا تھا لیکن میں ان میں کسی کے سامنے یہ بات نہیں پوچھ سکتا تھا۔ ماں جی نے ہمت کر کے خود کو سنبھالا ہوا تھا ورنہ وہ اپنے بچوں سے جنون کی حد تک محبت کرتی تھیں۔ ان کی سب سے واضح محبت شجاع بھائی کے لیے تھی لیکن شاہد بھائی بھی ان کے کم لاڈلے نہیں تھے۔ دراصل ماں جی ایک ایسی ماں تھیں جن کے سامنے ان کا جو بچہ ہوتا وہ اس معاملے واری جاتی تھیں اور بچہ سمجھتا کہ وہ اسے ہی سب سے زیادہ چاہتی ہیں۔ میں باہر جانے کے لیے اٹھا تو ماں جی نے مجھے پکڑ لیا اور بے قراری سے بولیں۔

''شہباز کہاں جا رہا ہے؟''

''ماں جی میں یہیں ہوں۔'' میں نے ان سے کہا۔ ''حویلی میں ہی رہوں گا ذرا دیکھوں بابا آ گئے ہیں یا نہیں۔''

ماں جی اور باقی وہیں رہ گئے تھے لیکن شمی سمجھ گئی کہ میں کس لیے باہر جا رہا ہوں۔ ویسے بھی وہ جوان اور سمجھدار ہو گئی تھی۔ وہ میرے پیچھے آئی۔ ''شعیبی آپ سویرا مامی سے ملنا چاہتے ہیں؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں وہ کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں ہیں۔'' شمی نے بتایا۔ ''شاہد ماموں والا کمرہ ہے۔''

میں سمجھ گیا تھا میں شاہد بھائی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا دروازہ بند تھا میں نے دستک دی تو اندر سے سویرا کی آواز آئی۔ ''آجائیں۔''

میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو وہ چادر اوڑھے بستر پر دوزانوں بیٹھی تھی۔ اس نے گھونگھٹ نکال لیا تھا۔ گویا وہ جانتی تھی کہ میں تھا۔ میں تذبذب کھڑا تھا کہ اسے کیا کہوں۔ رشتے میں وہ میری بھابی تھی اگرچہ اب یہ رشتہ نہیں تھا لیکن ہمارے معاشرے میں ایسے رشتے آدمی کے جیتے مرنے سے مشروط نہیں ہوتے ہیں۔ بھابی بھائی کے مرنے کے بعد بھابی ہوتی ہے لیکن سویرا سے میرا ایک تعلق اور بھی تھا۔ میں اس کا نام لینا چاہتا تھا اور میرے منہ سے یہ نام نکل نہیں رہا تھا۔ سویرا خاموش بیٹھی تھی۔

آخر میں ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے ہمت کر کے کہا۔ ''سویرا..... مجھے شاہد بھائی کا بہت دکھ ہے۔''

وہ سسکیاں لینے لگی۔ میں بے قرار ہو گیا۔ ''پلیز سویرا ردمت۔''

''میں..... ایک بار..... پھر..... اجڑ گئی۔'' اس نے رک رک کر کہا۔ ''میرے..... نصیب میں..... سوائے..... آنسوؤں کے..... اور کیا ہے؟''

''میں جانتا ہوں یہ دکھ بہت بڑا ہے میں نے بھائی کھویا ہے لیکن تم نے جیون ساتھی کھو دیا ہے پر اب سوائے صبر کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔''

وہ خود پر قابو پانے لگی۔ شادی کے پانچ سال بعد بھی اس کا جسم ویسا ہی چھریرہ سا تھا۔ وہ سسکی لیتی تو پوری لرز جاتی تھی۔ اس نے آنسو صاف کیے اور پہلی بار میری طرف دیکھا۔ ''آپ دوبارہ نہیں آئے، شاہد اور سب آپ کو بہت یاد کرتے تھے۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن بابا کے ڈر سے کوئی میرا نام بھی نہیں لیتا ہوگا۔''

''ایسا نہیں ہے وہ بھی آپ کو یاد کرتے تھے بس سب کے سامنے ذکر نہیں کرتے تھے۔''

میں بابا کی فطرت سے واقف تھا وہ بلا کے ضدی اور انا پرست تھے۔ میں نے ہچکچا کر کہا۔ ''کیا شاہد بھائی کو علم تھا کہ ہم ایک دوسرے کو.....؟'' میں کہتے کہتے رک گیا۔

''نہیں کم سے کم شادی کے وقت ان کو علم نہیں تھا لیکن بعد میں مجھے کبھی کبھی شبہ ہوتا کہ وہ جان گئے تھے۔'' سویرا نے آہستہ سے کہا۔

''شبہے کی وجہ؟''

''بس ان کا رویہ بعض اوقات عجیب سا ہو جاتا تھا مجھے کبھی کچھ نہیں کہا لیکن وہ بہت چپ ہو جاتے تھے۔''

''شاید وہ اسے خود پر بوجھ سمجھتے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''شاہد بھائی ایسے ہی انسان تھے وہ اپنے اندر کی بات بہت کم ہی کسی سے شیئر کرتے تھے۔

''تم دونوں کے تعلقات ٹھیک تھے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نارمل تھے جیسے عام میاں بیوی کے ہوتے ہیں۔'' وہ بولی۔ ''لیکن خدا گواہ ہے شادی کے بعد میں نے ان کو ہی اپنا سب کچھ سمجھا تھا اور باقی سب بھول گئی تھی۔''

''میں..... شاید ایسا نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اب حویلی کا رخ نہ کروں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن سویرا خدا گواہ ہے میں نے ہمیشہ تمہارے اور شاہد بھائی کی خوشیوں کے لیے دعا کی ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' سویرا نے کہا۔

میں نے سوچا کہ شاہد بھائی کے ساتھ ہونے والے واقعے کے بارے میں اس سے پوچھوں لیکن پھر یہ مناسب نہیں لگا تھا۔ اس کے بجائے میں نے پوچھا۔ ''میں حویلی کیسے آیا؟''

''مجھے نہیں معلوم شاید کوئی کال آئی تھی شجاع بھائی جا کر آپ کو کہیں سے لائے تھے۔ یہ آج صبح کی بات ہے۔''

میں فتح خان کے پاس گزشتہ شام تھا گویا رات ہی میں مجھے حویلی پہنچا دیا گیا تھا اور اب اگلے دن کی شام ہو رہی تھی۔ سویرا عدت میں تھی اور حویلی کا فرد ہونے کے باوجود میرا زیادہ دیر اس کے کمرے میں بیٹھنا مناسب نہیں تھا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''اب میں چلتا ہوں۔''

وہ بے قرار ہو گئی۔ ''کہاں..... کیا حویلی سے جا رہے ہیں؟''

''نہیں فی الحال تو نہیں ابھی بابا کا موڈ دیکھوں گا۔ ویسے تم لوگوں کو پتا تو ہو گا کہ میرے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے اور میں پولیس کو مطلوب ہوں؟''

''ہاں معلوم ہے کچھ لوگ آپ کے دشمن بن گئے ہیں۔ ایک بار وہ لوگ حویلی آئے تھے بابا اور شاہد سے ملے تھے۔''

''کون تھے؟''

''ان میں ایک مرشد علی نامی آدمی بھی تھا اس نے بڑا عجیب سا لباس پہن رکھا تھا۔''

میں حیران ہوا مرشد علی یہاں آیا تھا۔ ''یہ کب کی بات ہے؟''

''شاید دو مہینے ہو گئے ہیں۔''

''اس کی بابا سے کیا بات ہوئی تھی؟''

''پتا نہیں..... میں نے شاہد سے بھی پوچھا تھا لیکن وہ ٹال گئے۔''

مرشد علی حویلی تک آ گیا تھا۔ اس اطلاع کے بعد شاہد بھائی کی موت مجھے مشکوک لگنے لگی تھی۔ میں کمرے سے باہر آیا تو شمی میری منتظر تھی۔ میں نے اس سے شجاع بھائی اور بابا کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔ ''ابھی نہیں آئے ہیں۔''

''میرے بارے میں حویلی والوں کے علاوہ کوئی جانتا ہے کہ میں یہاں ہوں؟''

''نہیں میرا خیال ہے کوئی نہیں جانتا ہے کیونکہ شجاع ماموں نے سختی سے کہا ہے آپ کی یہاں موجودگی کے بارے میں باہر کے کسی فرد سے ایک لفظ نہیں کہنا ہے۔ شجاع ماموں آپ کو دکھانے کے لیے ڈاکٹر بھی کہیں دور سے لائے تھے اور ابھی جاتے ہوئے کہہ کر گئے ہیں کہ آپ کو باہر نکلنے سے منع کیا جائے۔'' شمی نے پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رپورٹ دی اور بولی۔ ''شمی آپ ایسا کریں نہالیں میں آپ کے لیے کھانے کو کچھ لاتی ہوں۔''

شمی نے کہا تو مجھے احساس ہوا کہ مجھے بھوک لگی تھی لیکن حالات نے مجھے اس کی طرف توجہ دینے نہیں دی تھی۔ میں کمرے میں آیا تو بھابی اور صغراں آ جا چکی تھیں۔ ماں جی بستر پر بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔

''شہباز اپنے بھائی کے لیے دعا نہیں کرے گا۔'' ماں جی نے کہا تو میں شرمندہ ہو گیا۔ میں بھائی کا سوگ منا رہا تھا اور اب تک اللہ سے اس کی مغفرت کی دعا نہیں مانگی تھی۔ میں ماں جی کے پاس دوزانوں بیٹھ کر شاہد بھائی کے لیے دعا کرنے لگا۔ جب تک میں نے دعا مانگی شمی نے میرے کپڑے نکال دیئے تھے۔

''شمی آپ نہانے جائیں۔''

شمی کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی وہ صرف جسمانی طور نہیں بلکہ ذہنی طور پر بھی بڑی ہو گئی تھی اسے ذمے داریاں نبھانا آ گئی تھیں۔ میں نے اس کے بال بکھیرے۔ ''شمی لگتا نہیں ہے تو وہی والی شمی ہے۔''

میں بچپن میں اس کے بال بکھیر دیتا تھا اور وہ بہت شور مچاتی تھی کوئی اس کے بالوں کو چھیڑے اسے بالکل گوارا نہیں تھا۔ ابھی بھی اسے پسند نہیں تھا اس نے منہ بنایا۔ ''آپ بالکل نہیں بدلے۔''

کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ سوائے اس کے کہ حویلی کا ایک فرد کم ہو گیا تھا اور ایک فرد آ گیا تھا۔ آنے والی کی کمی پوری ہونے والی نہیں تھی اور جانے والے کی کمی بھی پوری نہیں ہوتی۔ میرا سر پھٹا نہیں تھا اس لیے نہانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں نہا کر اور کپڑے بدل کر آیا۔ یہ میرا ایک پرانا شلوار سوٹ تھا جو اب تک اس طرح سنبھال کر رکھا تھا کہ نیا ہی لگ رہا تھا۔ صرف کپڑے ہی نہیں میرے کمرے کی ایک ایک چیز اسی طرح سلیقے اور طریقے سے صاف ستھری حالت میں موجود تھی۔ شمی ٹرے میں کھانا لے آئی تھی۔ ساتھ میں پانی کا جگ اور گلاس بھی تھا۔

''میرے کمرے کی دیکھ بھال کون کرتا رہا ہے؟''

''سویرا مامی۔''

میں کھاتے کھاتے رک گیا۔ ''لیکن یہاں کی حالت سے تو لگ رہا ہے کہ شاید اس کمرے کی دن میں دو بار صفائی کی جاتی تھی۔''

شمی نے کن انکھیوں سے ماں جی کی طرف دیکھا جو سورہ یٰسین پڑھ رہی تھیں اور آہستہ سے بولی۔ ''سویرا مامی روز کئی کئی گھنٹے یہاں رہتی تھیں۔''

میرے جانے کے بعد بھی سویرا نے میرے کمرے کو غیر آباد رہنے نہیں دیا تھا۔ مجھے ایک خیال آیا۔ ''وہ شاہد بھائی کے ساتھ پوسٹنگ والی جگہ نہیں رہتی تھی۔''

''نہیں شادی کے بعد وہ ایک بار بھی ان کے ساتھ نہیں گئی تھیں۔ شاہد ماموں حویلی آتے تھے۔''

یہ میرے لیے انکشاف تھا کہ سویرا ایک بار بھی شاہد بھائی کے ساتھ رہنے نہیں گئی تھی اور وہی حویلی آتے تھے۔ اگلا سوال کرتے ہوئے میں جھجک گیا۔ ''شاہد بھائی کی..... کوئی اولاد؟''

''نہیں قدرت نے ان کو اولاد نہیں دی۔'' شمی نے افسردگی سے کہا۔ ''سویرا مامی کو اولاد کی بہت خواہش تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سرد آہ بھری۔ ''بعض لوگوں کے نصیب میں خوشیاں کم ہوتی ہیں۔''

شمی خاموش ہوگئی پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ ''شمیم آپ واپس نہیں جائیں گے نا؟''

''ابھی سے کیا کہہ سکتا ہوں گڑیا۔'' میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ میں نے سچ کہا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس حویلی میں میرا کیا مقام تھا میں خود نہیں آیا تھا بلکہ مجھے یہاں پہنچایا گیا تھا۔ مجھے پہنچانے والے کون تھے اور ان کے عزائم کیا تھے میں اس سے بالکل بے خبر تھا۔ پھر میں پولیس کو مطلوب مجرم تھا اور اگر پولیس کو یہاں میری موجودگی کا پتا چل جاتا تو وہ مجھے گرفتار کرنے آجاتی۔ میں جن حالات سے گزر رہا تھا۔ یہ مشکل ہی تھا کہ میں کسی جگہ ٹک کر بیٹھ سکوں۔ میرے دشمن جس طرح میرے ملک میں آتے ہی میرے خلاف سرگرم عمل ہو گئے تھے اس سے صاف ظاہر تھا وہ مجھے چین سے بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ میں نے کھانا کھا لیا تو شمی برتن اٹھا کر لے جانے لگی۔ اس نے پوچھا۔

''آپ کے لیے چائے یا کچھ اور لاؤں۔''

''چائے لے آؤ۔'' میں نے کہا۔ ماں جی بدستور سورہ یٰسین پڑھنے میں مصروف تھیں۔ میں لیٹ کر ان کو دیکھنے لگا۔ یہ چہرہ مجھے پورے پانچ سال بعد دیکھنے کو ملا تھا۔ ایک بار سورہ مکمل کر کے انہوں نے میری طرف دیکھا اور پھر جھک کر میرا ماتھا چوم لیا۔

''شہباز تجھے ماں کی یاد بھی نہیں آئی؟''

''کیوں نہیں آئی ماں جی۔ میں کیا بتاؤں آپ اور سب کے لیے کتنا تڑپتا تھا لیکن آ نہیں سکتا تھا۔''

''آ نہیں سکتا تھا لیکن خیریت کی اطلاع تو دے سکتا تھا۔''

''وہ تو میں ہر ہفتے شجاع بھائی کو کال کرتا تھا۔''

''مجھے تو نہیں کی نا..... صرف تیری خاطر حویلی میں فون لگوایا۔ جب اس کی گھنٹی بجتی تو مجھے لگتا کہ تیرا فون ہے۔''

میں عرقِ ندامت میں غرق ہونے لگا تھا۔ شجاع بھائی نے مجھے حویلی کا نمبر دیا تھا اور میں نے کئی بار کال کرنے کا سوچا بھی تھا لیکن پھر میری ہمت جواب دے جاتی تھی اور میں تین سال میں ایک بار بھی فون نہیں کر سکا تھا۔ فون کی تار کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلے سے ہمارے گھر تک آ رہی تھی۔ ملکوال میں آج بھی گیس نہیں آئی تھی اور فون بھی بہت مشکل سے لگتا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے کہا۔

''ماں جی کیا کہوں سوائے اس کے کہ میں ہوں ہی نا خلف۔''

''نہیں تُو میرا بہت پیارا بیٹا ہے۔'' ماں جی نے پھر ماتھا چوم لیا۔ ''میں تو تجھے بتا رہی تھی کہ تیرا کتنی بے تابی سے انتظار کیا ہے۔ میں نے ہی نہیں سب نے۔''

''میں جانتا ہوں ماں جی لیکن بدقسمتی کے ساتھ کچھ مجبوریاں بھی تھیں۔''

''میرے بچے تُو کن چکروں میں پھنس گیا ہے۔ چھوڑ ان کو۔''

''ماں جی میں تو چکروں کو چھوڑتا ہوں لیکن چکر مجھے نہیں چھوڑتے ہیں میرے دشمن بن جانے والے لوگ بہت طاقتور اور فرعون ذہنیت رکھتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اللہ نے ہر فرعون کے لیے موسیٰ اتارا ہے۔ اللہ نے چاہا تو دشمن نامراد رہے گا۔''

''ماں جی آپ میرے لیے دعا کریں۔'' میں نے کہا۔ ''جو کام دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی وہ ماں کی دعا کر دیتی ہے۔''

''میں تیرے لیے ہر وقت دعا کرتی ہوں میری کوئی نماز تیرے لیے دعا سے خالی نہیں جاتی ہے۔''

''یہی وجہ ہے کہ دشمن بہت زبردست ہونے کے باوجود میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا ہے۔'' میں نے یقین سے کہا۔

''شہباز اگر تُو راستی اور حق پر ہے تو کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔''

شمی چائے لے آئی۔ اس نے کپ مجھے تھما کر کہا۔ ''تایا اور ماموں آ گئے ہیں۔''

بابا آ گئے ہیں۔'' میں کپ رکھ کر اٹھ گیا۔ ''پہلے ان سے مل لوں۔''

میں حویلی کے مردانے کی طرف آیا۔ بابا وہیں ہوتے تھے لیکن جب میں وہاں پہنچا تو بابا وہاں نہیں تھے۔ صرف شجاع بھائی تھے۔ میں ان کو دیکھتے ہی ان کی طرف لپکا اور پھر ان سے لپٹ کر بچوں کی طرح سسک سسک کر رونے لگا۔ ابھی تک مجھے غم منانے کے لیے کوئی شانہ نہیں ملا تھا۔ ماں جی، صغراں آپا، بھابی اور سویرا تو خود کمزور تھیں مجھے کیا سہارا دیتیں۔ شجاع بھائی مجھ سے بڑے اور میرا سہارا تھے۔ اس لیے میں کمزور پڑ گیا۔ وہ مجھے سینے سے لگائے تھپکتے رہے اور رفتہ رفتہ میری سسکیاں رک گئیں۔ شجاع بھائی بھی غم سے نڈھال تھے۔ شاہد بھائی کی حویلی میں اگر کسی سے بے تکلفی تھی تو وہ شجاع بھائی تھے۔ ان کا غم بھی اس لحاظ سے سوا تھا۔ ان سے الگ ہو کر مجھے بابا کا خیال آیا۔

''شجاع بھائی بابا کہاں ہیں؟''

''اپنے کمرے میں۔'' وہ بولے۔

''میں ان سے وہیں مل لیتا ہوں۔''

''شہباز۔'' شجاع بھائی کسی قدر تذبذب کے ساتھ بولے۔ ''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ہوا انہیں؟'' میں بے قرار ہو گیا تھا۔ ''میں دیکھتا ہوں جا کر۔''

انہوں نے مجھے ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔ ''شہباز ابھی وہ کسی سے نہیں مل سکتے ہیں۔ ان کو آرام کی ضرورت ہے۔''

میں کچھ دیر ان کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر میں نے کہا۔ ''کسی یا صرف مجھ سے نہیں ملنا چاہتے ہیں۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''بابا آج بھی میری صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔''

''شہباز تم غلط سمجھ رہے ہو۔'' شجاع بھائی نے آہستہ سے کہا۔ ''تم نہیں جانتے یہاں کیا ہوتا رہا ہے۔''

''میں واقعی نہیں جانتا۔ ابھی چند دن پہلے میں ملک سے باہر تھا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ بولے۔ ''تمہارے بارے میں ایک فائل بن چکی ہے۔ اس میں بیرون ملک کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے سارے کارنامے درج ہیں۔''

''آپ لوگ بہت کچھ جانتے ہیں۔''

شجاع بھائی نے سر ہلایا۔''نہ صرف بیرون ملک بلکہ اندرون ملک بھی تمہارے بارے میں فائل میں بہت کچھ درج ہے۔''

''تب آپ جانتے ہیں میں بے گناہ ہوں۔''

''اس کے لیے مجھے کسی فائل کی ضرورت نہیں ہے۔''شجاع بھائی نے سگار سلگایا۔''تم میرے بھائی ہو اور میں تم کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن اصل مسئلہ قانون کا ہے۔''

''قانون کے رکھوالوں نے مجھے مجرم بنا دیا ہے۔''میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔''کیونکہ وہ مرشد جیسے کرپٹ سیاستدانوں کے غلام ہیں۔''

شجاع بھائی فکرمند تھے۔''تمہاری غیر موجودگی میں ہم کوشش کر رہے تھے کہ قانونی مسائل کا حل نکل آئے اس صورت میں مرشد سے بات کرنا آسان ہوتا لیکن اس کے لیے ضروری ہے پہلے تم عدالت کے سامنے پیش ہوتے۔''

''میں گرفتاری کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''میں نے بایاں ہاتھ آگے کیا۔''ایک بار پکڑے جانے پر انہوں نے مجھے اس ہاتھ سے تقریباً محروم کر دیا تھا وہ خدا کو اسے بچانا منظور تھا ورنہ ڈاکٹر اسے کاٹنے کی تیاری بھی کر چکے تھے۔اب میں ان کے ہاتھ آتا ہوں تو وہ پہلے تو اپنا حساب برابر کریں گے اور اس کام میں پولیس ان کی مددگار ہو گی۔''

''مرشد علی کچھ عرصے پہلے یہاں آیا تھا۔اس وقت میں جرمنی میں تھا بابا اور شاہد سے ملاقات ہوئی تھی۔''

میرا دل دھڑک اٹھا مجھے پہلے ہی پتا چل گیا تھا کہ مرشد یہاں حویلی میں آیا تھا لیکن میں نے ظاہر نہیں کیا۔''کیوں آیا تھا وہ؟''

شجاع بھائی نے بجھ جانے والا سگار پھر سلگایا۔''وہ صلح کی بات کرنے آیا تھا لیکن اس کی پہلی شرط یہ تھی کہ تم خود کو پولیس کے حوالے کر دو۔''

''اس کا اصل مقصد یہی ہے کہ میں کسی طرح ایک بار پولیس کی تحویل میں آجاؤں جہاں وہ اپنے زر خریدوں کی مدد سے مجھے اپنی مرضی کے سلوک کا نشانہ بنا سکے۔''

''شاہد نے بھی اس سے یہی کہا تھا۔''شجاع بھائی بولے۔''اس پر اس کی مرشد سے تلخ کلامی ہوئی تھی اور مرشد نے اسے بھی دھمکیاں دی تھیں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا پھر میں نے سوال کیا۔''شاہد بھائی کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''وہ ان دنوں کوہاٹ میں تھا۔ایک ہفتے کی چھٹی پر گھر آنے کے لیے روانہ ہوا تھا لیکن وہ گھر نہیں پہنچا۔ پولیس کو اس کی باڈی سڑک کے ساتھ اس کی کار میں ملی تھی۔ظاہر ہے ڈکیتی کی واردات لگ رہی تھی۔''

''پولیس کا کیا کہنا ہے؟''

''اس نے نامعلوم ڈاکوؤں کے خلاف رپورٹ درج کی ہے کیونکہ شاہد کے پاس سے اس کا بٹوہ، گھڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور موبائل غائب تھا۔''

''نامعلوم ڈاکو۔'' میں نے تلخی سے سوچا۔ ''اس کیس کی تفتیش کو ہائی پولیس کر رہی ہے؟''

''بالکل واردات ان کے علاقے میں ہوئی تھی۔''

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''شجاع بھائی آپ نے سوچا کہ یہ کام مرشد کا ہو سکتا ہے۔''

انہوں نے سر ہلایا۔ ''امکانات پر غور کیا ہے۔ میں نے براہِ راست تو نہیں لیکن ایک رپورٹ انگ سے کرائی ہے کہ ان دنوں کچھ لوگ ہمارے خاندان کے دشمن ہو رہے ہیں اور یہ کارروائی ان کی ہو سکتی ہے۔ رپورٹ کے ساتھ تمہارے وکیل ندیم کی جانب سے فراہم کردہ دستاویزات بھی لگائی ہیں۔''

''اس کا فائدہ؟''

''بظاہر تو نہیں ہے لیکن ان لوگوں پر دباؤ بڑھانے کے کام آئے گی۔''

''یہ لوگ سرے سے قانون کو مانتے ہی نہیں ہیں۔''

''ایسا نہیں ہے شہباز قانون کی چکی سست ضرور چلتی ہے لیکن ایک بار کوئی اس کی گرفت میں آ جائے تو اس کی گلوخلاصی مشکل ہو جاتی ہے۔''

''پتا نہیں بھائی۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''میں نے تو ان لوگوں کو ہر غیر قانونی کام کر کے صفائی سے بچتے دیکھا ہے۔''

''اتنی مایوسی ٹھیک نہیں ہے انصاف مشکل سے ملتا ہے لیکن ملتا ضرور ہے۔ اس پر میرا ایمان ہے بشرطیکہ آدمی ہمت نہ ہارے۔''

''میں یہاں تک کیسے پہنچا؟''

''تمہارے بارے میں ایک فون کال سے اطلاع آئی تھی۔ تم ملک وال سے کچھ دور ایک سڑک کے کنارے موجود ہو۔ میں اور بابا فوراً روانہ ہوئے اور تم سچ مچ ہمیں سڑک کے کنارے بے ہوش مل گئے تھے۔ ہم بروقت پہنچے ورنہ وہاں جمع ہونے والے لوگ تمہیں اسپتال لے جانے والے تھے۔''

''فون کہاں سے آیا تھا؟''

''حویلی کے فون پر ایک نزدیکی پی سی او سے کال کی گئی تھی لیکن پی سی او والا کال کرنے والے کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا تھا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں جس شخص کے قبضے میں تھا اس نے کچھ کام نہیں کیا ہے۔''

شجاع بھائی نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے ان کو فتح خان کے بارے میں بتایا۔ ''وہ انتہائی شاطر آدمی ہے۔''

''اس کے بارے میں سنا ہے۔ یہ اونچے درجے کا جرائم پیشہ ہے اور سیاسی لوگوں کے لیے کام کرتا ہے۔''

''یہ مرشد اور ایک غیر ملکی ڈیوڈ شا کے لیے کام کرتا رہا ہے لیکن اب اس کا دعویٰ ہے کہ اب وہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اس نے یہی کہنے کے لیے مجھے اٹھایا تھا اور غالباً اپنی نیک نیتی ثابت کرنے کے لیے مجھے حویلی تک پہنچوا دیا لیکن مجھے اس کی بات کا ایک فی صد بھی یقین نہیں ہے اس میں بھی ضرور اس کی کوئی چال ہوگی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممکن ہے وہ اس طرح تمہیں یہاں سے گرفتار کرانا چاہتا ہو۔'' شجاع بھائی نے کہا۔ ''لیکن پولیس نے کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کی تو مجھے اطلاع ہو جائے گی۔''

میں ہچکچایا۔ ''پھر بھی میرا حویلی میں موجود ہونا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ میں ایک مطلوب مجرم ہوں اور یہاں پولیس ریڈ کی صورت میں بدنامی ہوگی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن بابا چاہتے ہیں کہ تم فی الحال حویلی میں رکو۔''

''اور وہ خود مجھ سے ملنا نہیں چاہتے ہیں۔''

''میں نے کہا نا اس معاملے میں کچھ مسائل ہیں۔''

''شجاع بھائی میں بے شک بابا کو معتوب سہی لیکن ہوں تو ان کا بیٹا کیا مجھے معلوم کرنے کا حق نہیں ہے کہ میری ذات سے وابستہ یہاں کیا مسائل ہیں؟''

شجاع بھائی سوچ میں پڑ گئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''اصل میں شاہد کی ڈیتھ کے دو دن بعد بابا کو ایک کال آئی تھی اور کال کرنے والے نے دھمکی دی تھی کہ اب بھی تمہیں قابو نہیں کیا گیا تو ہمیں مزید صدموں کے لیے تیار رہنا ہوگا۔''

میرا خون کھولنے لگا تھا۔ اس گفتگو کے بعد میرے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ شاہد بھائی کے قتل کے پیچھے کون لوگ تھے اور اب وہ ذلالت پر اُتر آئے تھے۔ میں نے دانت پیسے۔ ''شجاع بھائی میں نے کبھی جان بوجھ کر قانون ہاتھ میں نہیں لیا لیکن اب لگ رہا ہے مجھے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہوگا۔''

''احمقانہ باتیں نہ کرو۔'' وہ سرد لہجے میں بولے۔ ''ہم شریف لوگ ہیں اور وہ بدمعاش ہیں ہم ان کا مقابلہ ان کی سطح پر آ کر نہیں کر سکتے ہیں۔''

''آپ نہیں کر سکتے لیکن میں اس دوران میں جو دیکھ چکا ہوں اور جو بھگت چکا ہوں۔ اب میں ان کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

''دیکھو یہ صرف ایک مفروضہ ہے کہ شاہد کے قتل میں مرشد ملوث ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔''

''تب آپ بتائیں شاہد بھائی کا اور کون دشمن ہو سکتا ہے۔''

''کیا تم دعوے سے کہتے ہو کہ تمہارا دشمن صرف مرشد ہے؟''

''دشمن تو اور بھی ہیں لیکن وہ سب اسی کے آدمی ہیں اور ان میں سے کوئی اس حد تک نہیں جا سکتا ہے۔ پھر مرشد کے بھائی نادر کو نقصان ہوا ہے وہ ریڑھ کی ہڈی میں گولی لگنے کی وجہ سے مکمل طور پر معذور ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس میں بھی میرا قصور نہیں تھا لیکن یہ فرعون صفت لوگ مجھے ذمے دار قرار دے کر میرے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اس بات کا پورا امکان ہے کہ یہ مرشد کی کارروائی ہے اور اس نے اس کے لیے وقت بھی ایسا منتخب کیا جب میں کئی مہینے بعد وطن واپس آیا۔''

''پھر بھی ہمیں اس معاملے میں سکون سے انتظار کرنا چاہیے۔'' شجاع بھائی نے اصرار کیا۔

''باوجود اس کے کہ وہ دھمکی دے چکے ہیں۔'' میں نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔

''دھمکی دینے والے کا مطالبہ تھا کہ تمہیں حویلی تک محدود کر دیا جائے۔ اس صورت میں وہ مزید کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کارروائی نہیں کرے گا۔''

تو اس لیے بابا مجھے حویلی میں نہ دور رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے سوچا لیکن دشمن کی یہ چال مجھے اپنے اندر کئی معنی سمیٹے ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔ آخر ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر میں حویلی محدود ہو جاتا تو اس سے کیا ہوتا؟ کیا اس سے دشمن کے کسی معاملے میں اسے مدد ملتی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں اس دوران میں آزادانہ گھوموں پھروں۔ اس لیے اس نے مجھے حویلی تک پہنچا دیا تھا لیکن بیتو کو اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ وجہ صاف ظاہر تھی اگر میں پھر بھی اس کے عزائم کو ناکام بنا کر حویلی سے نکل جاتا تو وہ بیتو کو استعمال کر سکتے تھے اور میں بیتو کی جان بچانے کے لیے ان کی بات ماننے پر مجبور ہو جاتا۔ میں نے شجاع بھائی سے پوچھا۔

''کیا میرے ساتھ کوئی اور نہیں تھا؟''

''نہیں تم اکیلے ملے تھے۔'' انہوں نے جواب دیا۔

واپس آنے کے بعد حالات اتنی تیزی سے بدل رہے تھے کہ مجھے سکون سے سوچنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ اور شاید دشمن بھی ایسا ہی چاہتا تھا۔ شاہد بھائی کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ تاکہ میں ذہنی طور پر منتشر رہوں اور سوچ سمجھ کر کچھ کرنے کے قابل نہ رہوں لیکن ساتھ ہی اس نے یہ غلطی کی تھی کہ مجھے حویلی بھیج دیا تھا۔ بے شک حالات مشکل سہی اور شاہد بھائی کے بچھڑنے کا دکھ الگ تھا لیکن حویلی کے ماحول نے مجھے وہ چیز لوٹا دی تھی جس کے لیے میں پانچ برس سے ترس رہا تھا لیکن بابا کا رویہ مجھے ڈرا رہا تھا میں نے آہستہ سے کہا۔

''شجاع بھائی کیا بابا شاہد بھائی کی موت کا ذمے دار مجھے سمجھ رہے ہیں؟''

''نہیں ایسی بات نہیں ہے لیکن وہ کسی سوچ میں ہیں اور تم جانتے ہو بابا اپنی سوچ کسی کو نہیں بتاتے ہیں۔''

''تب آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں سوچ رہے ہیں؟''

''میری ان سے اس موضوع پر بات ہو چکی ہے۔ بابا نہ جانے کیوں تم سے کترا رہے ہیں لیکن اس کی وجہ بہرحال یہ نہیں ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ کوئی بھی فیصلہ یا کام سکون سے سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ میں نے تمہارے وکیل ندیم بھٹی کو اطلاع کر دی ہے وہ شاید ایک آدھ دن میں حویلی کا چکر لگائے گا۔''

''اس نے مجھے شاہد بھائی کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی لیکن اتفاق سے میں نے جب اس سے بات کرنا چاہی تو کوئی نہ کوئی رکاوٹ سامنے آ گئی۔ آخر میں اس کے گھر گیا تو وہاں فتح خان میرا منتظر تھا۔''

''تم نے کھانا کھایا؟''

''جی کھا لیا۔'' میں نے کہا۔ ''میں شاہد بھائی کی..... قبر پر جانا چاہتا ہوں۔''

''فی الحال یہ مناسب نہیں ہے۔'' وہ بولے۔ ''حویلی میں تمہاری موجودگی ایک راز ہے اگر تم باہر نکلے تو ایک گھنٹے میں پورے گاؤں کو تمہاری موجودگی کا پتا چل جائے گا۔''

''عام لوگوں کو پتا چلنے یا نہ چلنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''اوہ یار تم جانتے نہیں ہو گاؤں کے لوگوں کی نیچر..... ایک ایک بندہ پوچھنے آ جائے گا کہ تم کہاں تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا کرتے رہے۔ کچھ لوگ پولیس والے معاملات سے بھی باخبر ہیں۔"

شجاع بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے، اس بارے میں، مَیں نے سوچا نہیں تھا کہ پورا گاؤں جانتا ہوگا کہ میں پانچ برس سے گاؤں نہیں آیا تھا اور اس کی کئی وجوہات تھیں۔ لوگ ان وجوہات کی جڑوں تک جانے کے لیے بے چین ہوں گے۔ میرا حویلی میں روپوش رہنا ہی مناسب تھا جب تک میں یہاں سے چلا نہیں جاتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے فتح خان نے یہاں بھجوایا تھا تو اسے اس سے کیا غرض تھی کہ میں حویلی تک محدود رہوں یا نہ رہوں اور اگر وہی دھمکی دے رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ شاہد بھائی کی موت میں اس کا ہاتھ تھا۔ گویا فتح خان نے مرشد علی سے الگ ہونے کے بارے میں جو کہا تھا وہ ایک دھوکے سے زیادہ نہیں تھا۔

اگر مجھے یہاں تک بھیجنے میں فتح خان کا ہاتھ نہیں تھا اور اس کے پس پشت مرشد تھا تو اس کی یہ حرکت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ میرے خون کا پیاسا تھا اور ایک بار میں اس کے ہاتھ آجاتا تو وہ مجھے پُرعذاب طریقے سے قتل کرنے کے بعد بھی مطمئن نہ ہوتا۔ اس نے مجھے حویلی کیوں بھیج دیا تھا۔ سوچ سوچ کر میرے سر میں درد ہونے لگا تھا لیکن یہ گورکھ دھندا میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ شجاع بھائی مجھے بغور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"تم فکر مت کرو اور ابھی آرام کرو میں دیکھ رہا ہوں تمہاری صحت بہت گر گئی ہے۔"

"کیسے آرام کروں یقین کریں اس چکر میں پھنسنے کے بعد شاید ہی مجھے کبھی سکون سے چوبیس گھنٹے گزارنے کا موقع ملا ہو۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"شہباز ابھی تمہارے بڑے موجود ہیں اور ہم تمہارے مسئلے کا حل نکال لیں گے۔" شجاع بھائی نے پھر سگار سلگایا۔ "اگر تم پہلے مجھ سے رابطہ کر لیتے تو شاید خرابی اس حد تک نہیں آتی۔"

میں ان کو کیا بتاتا کہ میں نے اس چکر سے بچنے کی کس حد تک کوشش کی تھی لیکن مرشد، نادر ٹولہ مجھے کیے بعد دیگرے پھنساتا رہا کیونکہ وہ بلاوجہ مجھ سے دشمنی پر اتر آئے تھے۔ میرا اور ان کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ سفیر، ندیم اور مونا میرے ساتھ نہ کھڑے ہو جاتے اور بعد میں راجا صاحب اور وسیم جیسے دوست مدد کو نہ آتے تو میں شاید اب تک اپنی قبر میں خاک ہو چکا ہوتا۔ سب سے بڑھ کر قدرت نے مجھے ان لوگوں سے مقابلے کا حوصلہ دیا اور میں نے ان کے سامنے ہار نہیں مانی لیکن کسی بھی موقع پر میں نے ان سے از خود الجھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ خود ہی اب تک شکاری کتوں کی طرح میرا پیچھا کرتے رہے تھے اور کہیں مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیا تھا۔ انہوں نے خود بھی نقصان اٹھایا۔ نادر زندگی بھر کے لیے معذور ہو کر بستر تک محدود رہ گیا تھا اور میں اپنے کاروبار سے محروم ہو کر در بدر پھر رہا تھا۔ اگرچہ مالی طور پر میں نقصان میں نہیں رہا تھا۔ انڈیا سے ملنے والے ہیروں کی مالیت ایک کروڑ ڈالرز کے لگ بھگ تھی اور وہ سفیر کے پاس موجود تھے۔ پاکستانی کرنسی میں ان کی مالیت اس وقت کوئی پچپن چھپن کروڑ بنتی تھی اور اگر میں اس کا تیسرا حصہ بھی لیتا تو یہ میرے کاروبار کی کل مالیت سے کئی گنا زیادہ تھا لیکن اس سے کہیں زیادہ قیمتی میں وہ اپنی زندگی کھو چکا تھا جس نے مجھے کسی حد تک سنبھال لیا تھا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ حویلی بھیجنے میں میرے دشمنوں کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ میرے دوست تتر بتر ہو چکے تھے۔ راجا صاحب انڈیا میں غائب تھے اور پھر ان کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ سفیر اور مونا دبئی میں تھے اور شادی کر چکے تھے۔ پھر وسیم اور سادھنا بھی ان کے پاس چلے گئے۔ باقی رہ گئے تھے میں اور بیتو تو اب بیتو بھی غائب تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ یقیناً فتح خان کے قبضے میں تھا اور مرشد یا کسی اور کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ بیتو کی گمشدگی، مجھے حویلی بھیجنا، اور میرے گھر والوں کو شاہد بھائی کے قتل کے بعد دھمکانا ظاہر کرتا تھا کہ میرے دشمن منظم اور آپس میں ملے ہوئے تھے۔ وہ پروفیسر کی صورت میں ایک نیا مہرہ سامنے لائے تھے لیکن اس کی قضا آئی تھی وہ اپنی حرکتوں کی نظر ہو گیا تھا۔ دو نیا بھی فتح خان کے قبضے میں تھی۔

پھر مجھے چین سے ساتھ آنے والے بریف کیس کا خیال آیا۔ میں اسے اکثر بھول جاتا تھا۔ وہ بریف کیس پروفیسر کے کسی بینک لاکر میں تھا اور اس کی چابی شہلا اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ وہ کسی اور طریقے سے بینک لاکر کو کھولنے کا ارادہ رکھتی تھی کیونکہ اس میں وہ تصاویر بھی تھیں جن کی مدد سے پروفیسر اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ اگر وہ لاکر کھول لیتی تو یقیناً بریف کیس بھی اس کے ہاتھ آ جاتا۔ اس بریف کیس میں کیا تھا میں نہیں جانتا تھا لیکن چین میں اسے جس طرح ایک اعلیٰ افسر حفاظت سے لے کر جا رہا تھا اس سے پتا چلتا تھا اس میں کوئی بہت اہم چیز یا دستاویز تھی۔ میری براہ راست ذمے داری تو نہیں بنتی تھی لیکن میں سمجھتا تھا کہ ایک دوست ملک ہونے کے ناطے اور ہر مشکل گھڑی میں پاکستان کے ساتھ کھڑے ہونے کی وجہ سے میرا فرض بنتا تھا کہ میں چین کے مفاد کا بھی اسی طرح خیال رکھوں جس طرح اپنے ملک کے مفاد کا خیال رکھ سکتا ہوں۔ اگر میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے وطن کو کوئی نقصان ہو رہا ہے اور میں اسے روک سکتا ہوں تو میں لازمی طور پر اسے روکوں گا۔ اس لیے وہ بریف کیس واپس حاصل کرنا اور اسے چین کے سفارت خانے کے حوالے کرنا میں اپنی ذمے داری سمجھ رہا تھا۔

اس موقع پر میں نے وسیم اور سفیر کی کمی شدت سے محسوس کی۔ وہ دونوں میرے دو بازو تھے جن کے ہوتے ہوئے میرا بوجھ بہت ہلکا ہو جاتا تھا۔ اب میں اکیلا اتنے سارے معاملات سے نہیں نمٹ سکتا تھا۔ شجاع بھائی تھے لیکن ان کو میرے ہر معاملے کا اور میرے دشمنوں سے جاری جنگ کے ہر پہلو کا علم نہیں تھا۔ میں ان سے اس سلسلے میں بات بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ ایک ذمے دار فوجی افسر تھے جو ایک حد سے آگے جا کر میری مدد نہیں کر سکتے تھے ان کے نزدیک قانون اور اس کی برتری اہم تھی جب کہ میرے دشمن قانون سے بالکل ماورا تھے اور ان سے لڑنے اور اپنی جان بچانے کے لیے مجھے بھی قانون کے راستوں سے ہٹ کر سفر کرنا پڑتا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں حویلی بھیجنے اور بابا کی تحویل میں دینے کا مقصد یہی تو نہیں ہے کہ دشمن مجھے بے دست و پا کرنا چاہ رہا تھا اور اس دوران میں وہ اپنے کسی مقصد کی تکمیل کے بعد دوبارہ مجھ سے نمٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ شجاع بھائی میری طویل خاموشی سے کچھ اور سمجھے۔

''میرا خیال ہے اب تم آرام کرو۔ میں بھی کل سے تھک گیا ہوں۔ تم جانتے ہو ہمارے ہاں دسواں بیسواں نہیں ہوتا پھر بھی بہت لوگ آئے تھے اور آج بھی کئی ملنے والے تھے۔''

''ٹھیک ہے آپ آرام کریں۔'' میں نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف آیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا میں نے ماں جی کے کمرے میں جھانکا تو سب کے ساتھ سویرا کی جھلک بھی نظر آئی تھی میں پلٹ کر جانے لگا تو عائشہ بھابی نے دیکھ لیا۔ وہ میرے پیچھے آئیں۔ ''شہباز کہاں جا رہے ہو؟''

میں رک گیا۔ ''کہیں نہیں.....''

''تو اندر آؤ نا۔'' انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''ہم تو تم سے بات کرنے اور تمہارے پاس بیٹھنے کو ترس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے ہیں۔''

میں ہچکچایا۔''وہ سویرا ہے.....''

''تو کیا ہوا تم تو اپنے ہو پردہ تو باہر والوں سے ہوتا ہے آؤ۔'' وہ مجھے پکڑ کر اندر لے آئیں۔ سویرا نے پہلے کی طرح ہلکا سا گھونگھٹ کر لیا تھا۔ میں ماں جی کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اب پہلے سے بہتر نظر آ رہی تھیں۔ ویسے بھی آج شاہد بھائی کے انتقال کو بارہ دن ہو گئے تھے اور اللہ انسان کو صبر دے دیتا ہے۔ آج بھی رونا دھونا شاید میری آمد کی وجہ سے تھا۔ ماں جی نے میری طرف دیکھا۔

''کتنا کمزور ہو گیا ہے تُو۔''

''نہیں ٹھیک تو ہوں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں لگتا ہے تُو صحیح سے کھاتا ہے اور آرام کرتا ہے۔''

شمی بولی۔''شیو بھی لگتا ہے آپ نے کئی دن سے شیو بھی نہیں بنائی۔''

میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔''ان دنوں تو سانس لینے کا موقع بھی مشکل سے ملتا ہے۔ شیو کہاں سے کرتا۔''

''چلیں پھر شیو کر لیں۔'' شمی بولی۔

''میرے پاس شیونگ کا سامان نہیں ہے۔''

''آپ نے شاید واش روم میں غور سے نہیں دیکھا وہاں پر ہر چیز ہے۔'' شمی نے کہا۔''آیئے میں آپ کو دکھاؤں۔''

''اتنی جلدی کیا ہے تجھے؟'' آپا نے اسے گھورا۔''ابھی تو آیا ہے میرا بھائی اسے سانس تو لینے دے۔''

شمی نے منہ بنایا۔''مجھے یوں اچھے نہیں لگ رہے ہیں۔''

میں خود وہاں سے اٹھنا چاہ رہا تھا۔ سویرا بیٹھی تھی اور مجھے لگ رہا تھا کہ میری موجودگی سے کچھ بے چین ہے وہ بالکل ساکت اور خاموش تھی۔ شاید وہ میری آمد سے گھبرا گئی تھی۔ اس لیے جب شمی نے اصرار کیا تو میں کھڑا ہو گیا۔''میں شیو کر ہی لوں ورنہ یہ چڑیل مانے گی نہیں۔''

شمی نے منہ بنایا۔''میں چڑیل ہوں۔''

''ہاں بچپن سے چڑیل ہو یاد نہیں مجھے کیسے سارا دن چمٹی رہتی تھیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ہم دونوں وہاں سے نکل آئے۔

''اچھا۔'' شمی نے اشتیاق سے کہا۔''امی بتاتی ہیں کہ میں آپ کو اسکول بھی نہیں جانے دیتی تھی۔''

میں مسکرایا۔''ہاں ان دنوں کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں جب تم آئیں تو اسکول کی گرمیوں کی چھٹیاں تھیں اور تم اس وقت مشکل سے دو سال کی تھیں۔ تم فوراً مجھ سے مانوس ہو گئیں اور پھر سارا دن میری گود میں رہا کرتی تھیں۔ اسکول کھلے تو تم نے مجھے اسکول جانے ہی نہیں دیا اور اتنا ہنگامہ کیا کہ میں تین چار دن مزید چھٹی کے مزے لیتا رہا تھا۔ چھٹیوں کے بعد اسکول جانا سب سے مشکل کام تھا۔''

''پھر اگلے سال آپ کیڈٹ اسکول چلے گئے۔ میرے ساتھ کتنا کم رہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے گہری سانس لی۔ ''مگر یا ان دنوں تو میں خود بھی اپنے ساتھ نہیں ہوتا تھا اپنے وجود کا ایک حصہ حویلی میں چھوڑ جاتا تھا۔ تم سب کی یاد آتی تھی۔''

''مجھے بھی آپ کی بہت یاد آتی تھی۔'' اُس نے واش روم میں آئینے کے پیچھے لگی چھوٹی سی کیبنٹ کھولی جس میں شیو کا مکمل سامان تھا۔ ''بس اب آپ جلدی سے شیو کر لیں۔''

میں نے بڑھی شیو پر ہاتھ پھیرا۔ ''لیکن مزہ اس طرح زیادہ آ رہا ہے۔''

''کوئی نہیں جی۔'' اس نے مجھے شیونگ کا سامان تھمایا۔ ''اب آپ جلدی سے تیار ہو کر آ جائیں۔ میں آدھے گھنٹے بعد کھانا لگا دوں گی۔ آج میں نے آپ کا پسندیدہ پلاؤ بنایا ہے۔''

میں واش روم میں آیا میں نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ کسی زمانے میں سادہ سا واش روم اب جدید ترین شہری اسٹائل کے ٹائلز اور بیسن سمیت بہترین مکسچر سے بالکل بدل گیا تھا۔ بس اس میں ہاتھ ٹب کی کمی تھی۔ ورنہ ڈبلیو سی کے ساتھ کموڈ بھی لگا ہوا تھا۔ میں نے شیو کی اور پہلی بار سکون سے آئینے میں دیکھ کر کیا۔ واقعی میں بہت بدل گیا تھا۔ بھاگ دوڑ بے آرامی اور ایک مسلسل اعصاب کشیدہ زندگی نے اپنے سارے اثرات میرے چہرے پر چھوڑے تھے۔ ستا ہوا چہرہ اور آنکھوں کے گرد ہلکے آ گئے تھے۔ رنگ ہلکا ہو گیا تھا۔ چہرے پر لگنے والی کچھ چوٹوں کے نشان ابھی بھی باقی تھے اور سر کے بال کسی قدر بے ترتیب ہو گئے تھے۔ آخری بار مجھے نیپال میں بال بنوانے کا موقع ملا تھا جہاں ایک انڈین نژاد طوائف کے کوٹھے پر ایک لڑکی نے بڑی مہارت سے میرے بال تراشے تھے۔ شیو کر کے میں باہر آیا تو شمی نے میرے لیے ہاف سویٹر نکال دیا تھا کیونکہ سردی واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔ اگرچہ میں اب تک جتنی سردی بھگتتا ہوا آیا تھا اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں تھی اور مجھے موسم خوشگوار لگ رہا تھا لیکن بہر حال سردی کا موسم آ گیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ بابا کھانے کے کمرے میں آئیں گے لیکن جب میں وہاں پہنچا تو سب تھے سوائے بابا کے۔ شمی اور عائشہ بھابی کھانا لگا رہی تھی۔ بعد میں ماں جی اور سویرا بھی آ گئی تھیں۔ میں نے ماں جی سے بابا کا پوچھا۔ وہ چپ ہو گئیں پھر آہستہ سے بولیں۔

''آج کل وہ اپنے کمرے سے کم نکلتے ہیں کھانا بھی وہیں کھاتے ہیں۔''

''میری وجہ سے؟''

''نہیں تیری وجہ سے کیوں؟'' ماں جی نے جلدی سے تردید کی ان کا انداز ایسا تھا جیسے مجھ سے زیادہ وہ خود کو یقین دلانا چاہ رہی تھیں۔

''ماں جی میں بچہ نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں بابا نے آج تک مجھے معاف نہیں کیا ہے۔''

ماں جی نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''تو اپنے باپ کو جانتا ہے نا؟''

میں ماں جی کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر اس بات پر گھٹ رہی تھیں لیکن مجھے وہ اس گھٹن سے بچانا چاہتی تھیں۔ صرف ان کی خاطر میں نے موضوع بدل دیا۔ ''شمی کہہ رہی تھی آج اس نے پلاؤ بنایا ہے مجھے تو آپ کے ہاتھ کا کھانا تھا۔''

''میں ضرور بناتی پر جوڑوں کے نامراد درد نے کسی کام جوگا نہیں چھوڑا ہے۔'' ماں جی نے ٹھنڈی سانس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لی۔

''جوڑوں کا درد کب ہوا آپ کو؟'' میں پریشان ہو گیا تھا۔

''تین سال پہلے شروع ہوا تھا پھر بڑھتا گیا۔ شجاع مجھے آرمی کے اسپتال لے گیا تھا۔ علاج کرایا تو چلنے پھرنے کے قابل تو ہوں لیکن کوئی کام نہیں ہوتا ہے۔''

میں نے پہلی بار غور سے دیکھا ماں جی کی کلائیوں اور ٹخنوں پر ہلکی ہلکی سوجن تھی۔ ان کو یقیناً کوئی کام کرتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی ہو گی۔ سویرا سن رہی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ماں جی کو کام کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم ہیں نا۔''

''ہاں اللہ رکھے تم سب کو۔'' ماں جی بولیں۔ ''لیکن بندے کے اپنے ہاتھ پاؤں بھی چلنے چاہئیں ورنہ وہ بے کار ہو جاتا ہے۔''

''اتنا تو چلتی پھرتی ہیں پھر ڈاکٹر کی بتائی ایکسرسائز الگ کرتی ہیں بس کام نہیں کرتیں لیکن اس سے زیادہ ہی محنت کر لیتی ہیں۔''

سویرا دھیمے لہجے میں سنبھل کر بول رہی تھی۔ پتا نہیں وہ اسی طرح بولنے لگی تھی یا میرے سامنے ایسے بات کرتی تھی۔ شمی اور عائشہ بھابی کھانا لگا چکی تھیں۔ آپا اور شجاع بھائی بھی آ گئے۔ بابا کا کھانا ان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ سب نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ شمی نے پلاؤ واقعی لاجواب بنایا تھا بالکل ماں جی کے ہاتھ کا ذائقہ پایا تھا میں نے تعریف کی تو وہ خوش ہو گئی۔ اس نے چہک کر کہا۔

''کل میں آپ کو دال چاول بنا کر کھلاؤں گی۔''

آپا نے اسے گھورا۔ ''پھر چاول..... تُو چاولوں کے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہے۔ وزن بڑھ جائے گا۔''

''ٹھیک تو ہے آپا بلکہ دبلی ہے۔ اچھا ہے کچھ وزن بڑھ جائے گا۔''

''دیکھا سب مجھے دبلا کہتے ہیں بس آپ ہی مجھے موٹا سمجھتی ہیں۔'' شمی نے منہ بسور کر کہا۔ وہ واضح طور پر چاولوں کی شوقین تھی۔ یہ سچ ہے کہ پاکستان کی آب و ہوا چاول اگانے کے لیے تو موزوں ہے لیکن چاول یہاں کے لوگوں کے لیے مناسب خوراک نہیں ہے کیونکہ یہ انسان کو موٹا کرتا ہے۔ البتہ یہی چاول ایشیا کے استوائی اور بارانی علاقوں میں عام خوراک ہے۔ جیسے بنگلہ دیش، برما، انڈونیشیا، فلپائن، چین، تھائی لینڈ اور ویت نام جیسے ممالک کے لوگ دنیا میں فی کس سب سے زیادہ چاول استعمال کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ موٹے نہیں ہوتے ہیں۔ پلاؤ کے ساتھ سلاد بھی حلوہ بھی تھا۔ شجاع بھائی اور عائشہ بھابی تھکے ہوئے تھے اور پھر شاید انہوں نے کچھ اور کام بھی نمٹانے تھے اس لیے وہ کھانا کھاتے ہی اٹھ گئے تھے۔ برتن شمی اور سویرا نے اٹھائے تھے۔ آپا نے سویرا کو منع بھی کیا تھا لیکن وہ نہیں مانی۔ ماں جی بھی اٹھ گئیں۔ انہوں نے مجھے پیار کیا۔

''پتر اب سوؤں گی تہجد کے لیے اٹھنا ہو گا۔''

''جی ماں جی۔'' میں نے کہا اور ان کے ساتھ ان کے کمرے تک آیا تھا۔ ماں جی لیٹ گئیں تو میں کمرے سے نکل آیا۔ آپا اپنے کمرے میں تھیں اور شمی و سویرا کچن میں تھیں میں نے موقع غنیمت جانا اور بابا کے کمرے کی طرف آیا۔ بابا اور ماں جی کی الگ کمروں نہیں رہتے تھے۔ بلکہ ماں جی والا کمرہ ہی اصل میں بابا کا کمرہ تھا۔ بابا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس کمرے میں تھے وہ مردانے میں ان کے لیے مخصوص تھا۔ میں بابا کے کمرے تک آیا۔ میں نے دستک دی تو اندر بابا کی آواز آئی۔

''کون ہے؟''

''بابا میں ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا تو اندر خاموشی چھا گئی تھی بابا نے پھر کچھ کہا اور نہ دروازہ کھولا یا مجھے اندر آنے کی اجازت دی۔ میں نے کچھ دیر انتظار کے بعد کہا۔ ''بابا میں آپ کو اپنی شکل دکھانے نہیں آیا ہوں میری صرف اتنی گزارش ہے کہ جب تک میں یہاں ہوں میں اپنے کمرے میں محدود رہتا ہوں اور کھانا بھی وہیں کھاؤں گا میری وجہ سے آپ باقی گھر والوں کو اپنی ذات سے محروم نہ کریں۔''

میں کہہ کر واپس آنے لگا تو میں نے سویرا کی جھلک دیکھی وہ تیزی سے واپس جا رہی تھی۔ شاید وہ کسی وجہ سے بابا کے کمرے کی طرف آ رہی تھی۔ میں نے اسے روکنے کا سوچا لیکن مجھے برسوں پرانی وہ بات یاد آ گئی جب میں نے سویرا سے بات کرنے کی کوشش کی تھی اور بابا نے آدھی ادھوری بات سن کر مجھ پر فیصلہ لگا دیا تھا اور شاید آج تک وہ اپنی اس رائے پر قائم تھے۔ میں آج بھی ان کی نزدیک ایک غلط انسان تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے کمرے میں آ جاؤں۔ حالانکہ اس وقت میرا دل کر رہا تھا کہ برسوں پہلے کی طرح ایک بار پھر خاموشی سے حویلی سے نکل جاؤں۔ میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ حویلی میں سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ اس سے زیادہ سناٹا میرے اندر تھا۔

میں نے دیکھا کہ اب کوئی ملازمہ نہیں تھی ورنہ جب میں چھوٹا تھا تو حویلی میں دو مستقل ملازمائیں اور ایک ملازم فضل کام کرتا تھا لیکن شاید اتنی خواتین کی موجودگی میں ملازموں کو رکھنا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا اور فضل کو بھی شاید اسی وجہ سے نکال دیا گیا تھا۔ بہر حال شمی اور ماں جی کی دونوں بہوؤں نے گھر بہت اچھی طرح سنبھال رکھا تھا۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ دونوں ملازمائیں آتی تھیں لیکن میری آمد کے بعد ان کو عارضی طور پر چھٹی دے دی گئی تھی۔ البتہ فضل کا انتقال ہو گیا تھا اس کا اپینڈکس پھٹ گیا تھا اور جب تک بابا اسے شدید بارش میں نزدیکی اسپتال تک لے جاتے زہر اس کے جسم میں پھیل گیا تھا۔ مجھے جان کر افسوس ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد شمی نے کمرے میں جھانکا تو میں سویا بن گیا تھا۔ اس وقت میں کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میرا خیال تھا کہ شاید اگلے دن میری بات کا کوئی نتیجہ نکلے گا اور بابا شاید کمرے سے باہر آ جائیں لیکن ان کی روٹین وہی رہی تھی۔ مجھے پہلے بھی اس کا تجربہ ہو چکا تھا کہ بابا غیر جذباتی انا پرست تھے۔ اگر وہ کسی بات پر قائم ہو جاتے تو کوئی کسی طرح سے ان کو ان کی بات سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ دنیا میں واحد ماں جی ایک ہستی تھیں جن کے آگے وہ نرم پڑ جاتے تھے اور اپنی ضد چھوڑ دیا کرتے تھے لیکن ایسا بھی عام قسم کے معاملات میں ہوتا تھا۔ اگر کبھی کوئی خاص بات ہوتی تو ماں جی بھی ان سے بات کرنے سے گریز کرتی تھیں اس طرح ایک رویہ بن گیا تھا کہ بابا کی بات یا فیصلے کے آگے کسی نے چوں بھی نہیں کرنی ہے اور شاید اسی وجہ سے بابا اپنی بات کے خلاف کچھ برداشت نہیں کرتے تھے۔

شروع کے تین دن میرا اور سویرا کا سامنا کم ہوا تھا۔ وہ صرف کھانے کے وقت ہی اپنے کمرے سے باہر آتی تھی۔ حالانکہ شمی اور باقی سب اسے باہر لانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اکثر ان کی یہ کوشش ناکام رہتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاں اگر ماں جی کہتیں تو وہ باہر آ جاتی تھی لیکن ماں جی بھی ایسا کم ہی کرتی تھیں۔ یوں بابا اور سویرا دو ایسی ہستیاں بن گئے تھے جو اس حویلی میں ہوتے ہوئے بھی مجھ سے دور تھے۔ ان کی ذات میرے لیے شجر ممنوعہ بن گئی تھی۔

ماں جی اور آپا زیادہ تر اپنے معمولات میں ہوتی تھیں۔ ماں جی کو نمازوں اور اپنے کاموں کے بعد جو وقت ملتا تھا اس میں درود وظائف کرتی تھیں اور آپا حویلی کے کاموں میں رہا کرتی تھیں۔ ان کے ذمے تمام کاموں کی نگرانی تھی۔ کام زیادہ تر شمی، عائشہ بھابی اور سویرا کرتے تھے یا نوکرانیاں تھیں لیکن ان دنوں نوکرانیوں کی چھٹی تھی اور سویرا عدت میں تھی اس لیے شمی اور عائشہ پر کام کا بوجھ زیادہ تھا جسے وہ پیشانی پر بل لائے بغیر ہنسی خوشی پورا کرتی تھیں۔

میں ان دنوں میں حویلی کی عمارت سے باہر نہیں نکلا تھا۔ حد یہ کہ صحن تک میں نہیں گیا تھا لیکن مجھے کچھ باتوں کا علم ہوا تھا ایک تو حویلی کی حفاظت اور نگرانی کے لیے تین مسلح گارڈز رکھے گئے تھے۔ یہ گارڈز شجاع بھائی نے کسی اچھی سکیورٹی کمپنی سے بلوائے تھے اور سابق آرمی کمانڈوز تھے۔ دوسرے حویلی کی چار دیواری اونچی کرا کے اس پر خاردار تار کی دوہری باڑ لگا دی گئی تھی۔ اس سے پہلے حویلی کہ دیوار صرف چھ فٹ اونچی تھی۔ اب اسے نو فٹ اونچا کر دیا گیا تھا۔ مین گیٹ پر نئی فولادی شیٹ اور اینگل آئرن ویلڈ کرا کے اسے مزید مضبوط کر دیا گیا تھا۔ گیٹ سے اندر مردانے تک ایک انٹر کام سسٹم تھا۔ اس کا ایک ایکس ٹینشن اندر بھی تھا۔ اگر کوئی باہر سے آتا تو پہلے اندر اس کی اطلاع کی جاتی تھی۔ یہ انتظامات بتاتے تھے کہ بابا اور بھائیوں نے مرشد علی کی دھمکیوں کو سنجیدگی سے لیا تھا لیکن اس بزدل شخص نے وہاں وار کیا جہاں بابا یا بھائیوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ ان چند دنوں میں، میں نے اس معاملے پر جتنا بھی سوچا تھا میرا یقین بڑھتا جا رہا تھا کہ شاہد بھائی کا قتل مرشد کے اشارے پر ہوا تھا۔ اس کے پاس اس کام کے لیے بدمعاشوں کی کمی نہیں تھی۔

تنہائی میں جب میں اس معاملے پر سوچتا تھا تو مجھے غصے کے ساتھ بے بسی کا احساس بھی ہوتا تھا۔ مرشد ایک طاقتور شخص تھا اور براہ راست اس سے صرف دو تین بار ہی میرا سامنا ہوا تھا۔ اب تک میں اس کے چیلوں اور بدمعاشوں سے نمٹتا آیا تھا اس کی اصل طاقت یہی بدمعاش اور چیلے تھے ورنہ وہ بذات خود کچھ بھی نہیں تھا۔ میں ایک ہاتھ سے اس کی موٹی گردن توڑ سکتا تھا لیکن مرشد اپنے درجنوں محافظوں کے حصار میں محفوظ تھا اس لیے وہ خود کو کسی کے خلاف کچھ بھی کرنے کے لیے آزاد سمجھتا تھا۔ اسے خوف نہیں تھا کہ کوئی اس کی سطح پر آ کر اس کے خلاف کچھ کرنا بھی چاہے تو کامیاب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ اپنے حفاظتی حصار میں محفوظ تھا۔ میں کوشش بھی کرتا تو شاید اس حفاظتی حصار کو توڑ کر اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن خاص بات یہ تھی کہ میں نے آج تک ایسا سوچا ہی نہیں تھا۔ میں تو ایک مدافعانہ جنگ لڑ رہا تھا کیونکہ اس میں خطرہ میرے اور میرے ساتھیوں کی جان کو تھا اس لیے میں نے کبھی مرشد یا دوسرے دشمنوں کے خلاف جارحانہ کارروائی نہیں کی تھی۔

شاہد بھائی کے قتل نے مجھے بتایا کہ دشمن اب میری اور میرے دوستوں کی ذات سے آگے جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ اتنے بے خوف تھے کہ انہوں نے ایک آرمی آفیسر کی جان لینے سے گریز بھی نہیں کیا تھا۔ ان کی بے خوفی اور دلیری کی انتہا تھی کہ یہ کام انہوں نے دن دیہاڑے اور ایک مصروف شاہراہ پر کیا تھا۔ شجاع بھائی کو پولیس اکاؤنٹری کی رپورٹ مل رہی تھی اس کے مطابق کچھ افراد نے ایک سیاہ بڑی جیپ کو شاہد بھائی کی گاڑی کا تعاقب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے اسے روکتے دیکھا تھا لیکن انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ گاڑی روکنے والوں نے سوار کے ساتھ کیا کارروائی کی ہے۔ ان افراد کو پولیس نے ٹول پلازہ کے ریکارڈ کی مدد سے ڈھونڈ نکالا تھا لیکن صاف لگ رہا تھا ان کی گواہی کسی کام کی نہیں تھی کیونکہ انہوں نے نہ تو کسی ملزم کو دیکھا تھا اور نہ گاڑی کا نمبر نوٹ کیا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ اس ہائی وے پر دونوں طرف ٹول ٹیکس والوں کے پاس اس دن کسی سیاہ بڑی جیپ کا ریکارڈ موجود نہیں تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ کہیں اور سے ہائی ... پر آئی تھی اور اس میں سوار افراد اپنا کام کر کے اسی راستے سے واپس چلے گئے تھے۔ موٹروے کے علاوہ پاکستان کی ہر سڑک کھلی ہوتی ہے اس پر کہیں سے بھی آنا جانا ممکن ہے۔

تیسرے دن شام کے وقت ندیم آیا تھا۔ میں کمرے میں لیٹا اس دن کا اخبار دیکھ رہا تھا کہ مجھے اس کی آمد کی اطلاع ملی۔ میں مردانے کی نشست گاہ میں آیا تو ندیم صوفے پر بیٹھا تھا مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کر گلے لگ گیا۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی وہ بنا کہے ہی میرے دکھ میں شامل تھا۔ پھر ہم بیٹھ گئے۔

''میں نے تجھے بتانے کی کوشش کی تھی لیکن بدقسمتی سے جتنی بار بات ہوئی فون لائن خراب تھی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''پھر تجھ تک پہنچنے میں بھی کئی رکاوٹیں آ گئی تھیں۔''

میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ پاکستان آنے کے بعد مجھ پر کیا گزری اور جب میں نے اسے اس کے گھر کے بارے میں بتایا جہاں سے مجھے اور بیتو کو دونیا سمیت اغوا کیا گیا تھا تو وہ چونک گیا۔ ''میرے گھر سے لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟''

''تو بیوی بچوں سمیت کہیں باہر تھا۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں یاد آیا۔ مجھے ایک پارٹی میں جانا تھا میں نے سوچا اکیلا کیوں بور ہوں بیوی بچوں کو بھی لے گیا تھا لیکن میں تین گھنٹے سے زیادہ نہیں رکا تھا۔''

''اتنا وقت کافی تھا اتفاق سے میں بھی اسی دوران میں وہاں پہنچ گیا اور ان کو موقع مل گیا مجھے قابو کرنے کا۔'' میں نے بتایا۔ ''لیکن اگر تو آ جاتا تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ تجھے بھی قابو کر لیتے۔''

''اتنا آسان نہیں ہوتا ایک وکیل سے پنگا لینا۔ انہوں نے چالاکی سے کام لیا میرے آنے سے پہلے ہی رخصت ہو گئے اور جاتے جاتے سب کچھ صاف بھی کر گئے تھے۔''

''یعنی تجھے بالکل شک نہیں ہوا کہ تیرے پیچھے کوئی کارروائی ہوئی ہے؟''

''شک ہوتا تو میں نے مقامی پولیس کو ہلا نہ دیا ہوتا۔ خاص طور سے میری گلی کے لیے رات کو ایک پولیس موبائل چکر لگاتی ہے۔''

''کیا فائدہ ہوا انہوں نے دن میں کارروائی ڈال دی۔'' میں نے سر ہلایا۔

''خیر چھوڑ اسے، سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنے کا فائدہ؟'' ندیم نے کہا۔ ''یہ بتا یہاں کیا صورت حال ہے؟''

''اچھی نہیں ہے۔ بابا کی صورت ابھی تک نہیں دیکھی ہے لیکن میرے دشمن مجھے ان کی کسٹڈی میں دے گئے ہیں۔''

''یعنی فی الحال تو حویلی سے باہر نہیں جا سکتا۔'' ندیم نے میری بات پر غور کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں تُو اسے اخلاقی دباؤ سمجھ سکتا ہے میرے دشمن سمجھتے ہیں کہ وہ طاقت کے بل پر مجھے نہیں روک سکتے ہیں اس لیے انہوں نے یہ حربہ استعمال کیا ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن سوال یہ ہے کہ میرے دشمن مجھے حویلی میں کیوں قید رکھنا چاہتے ہیں؟''

''اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے ان دنوں الیکشن قریب ہیں اور مرشد اس بار ایم این اے کی سیٹ کے لیے انتخاب لڑ رہا ہے۔''

''حیرت ہے وہ تو دوسروں کو لڑاتا ہے اس بار خود کھڑا ہو رہا ہے؟'' میں نے کہا۔

''ہاں سنا ہے وہ سرکاری پارٹی کی طرف سے لڑ رہا ہے اس اور اس کا ارادہ مذہبی امور کی وزارت حاصل کرنے کا ہے۔ اس نے اسی شرط پر سرکاری پارٹی میں شمولیت اختیار کی ہے۔'' ندیم نے بتایا۔ ''اس صورت میں اس کی کوشش ہے کہ کوئی پھڈے والی بات نہ ہو۔ جب سے الیکٹرانک میڈیا آیا ہے سیاست دانوں کے کرتوت بے نقاب ہونے لگے ہیں اور سب اس میڈیا سے ڈرتے ہیں۔''

''مرشد جیسے لوگ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔''

''تجھے اندازہ نہیں ہے پچھلے ایک دو سال میں میڈیا بہت بڑی طاقت بن کر ابھرا ہے اور اب اس سے سب ڈرتے ہیں۔''

''یعنی مرشد مجھے حویلی میں قید کر کے سکون سے اپنی الیکشن مہم چلانا چاہتا ہے؟''

''بالکل اور معاملہ صرف ایک سیٹ کا نہیں ہے۔ مرشد اینڈ پارٹی اس علاقے میں کم سے کم دو قومی اور پانچ صوبائی نشستوں پر اثر و رسوخ رکھتی ہے۔ یہاں جاہل ووٹروں کی بڑی تعداد ہے جو مرشد کے اشارے پر آنکھ بند کر کے شیطان کو بھی ووٹ دے سکتی ہے۔''

''جب وہ الیکشن جیت جائے گا اور سرکاری پارٹی میں باضابطہ طور پر شامل ہو کر مزید طاقتور ہو جائے گا تو اسے میرے خلاف کارروائی سے کون روک سکے گا؟''

''کوئی بھی نہیں۔'' ندیم نے صاف گوئی سے کہا۔ ''فی الحال وہ ذرا مجبور ہے لیکن بعد میں اسے ایسی کوئی مجبوری بھی لاحق نہیں رہے گی۔''

''گویا میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا تو اس کے مقصد کی تکمیل ہو جائے گی۔''

ندیم نے میری طرف دیکھا۔ ''تُو کیا کر سکے گا؟''

''میرا حویلی میں طویل مدت تک قیام کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن ابھی میں دشمن کی خواہش کے مطابق یہیں رہوں گا۔''

''میرا بھی یہی مشورہ ہے۔ اگر پولیس نے تیرے خلاف کارروائی کرنا بھی چاہی تو وہ براہِ راست نہیں کر سکتی ہے کیونکہ مقامی پولیس میں تیرے خلاف کوئی کیس نہیں ہے۔ تجھے گرفتار کرنے کے لیے پولیس راولپنڈی سے آئے گی تیرے خلاف سارے کیس وہیں کے ہیں۔''

''میں اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہتا ہوں لیکن مجھے یقین ہے فی الحال میرے دشمن بھی مجھے پولیس کے حوالے کر کے اور رکھنا چاہتے ہیں ورنہ میری آنکھ حویلی میں نہیں کسی تھانے میں کھلتی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے سفیر کی کال آئی تھی۔ میں نے اسے تیرے بارے میں بتا دیا ہے۔'' ندیم بولا تو میں چونک گیا۔ ان لوگوں کے بارے میں تو پوچھنا بھول ہی گیا تھا۔

''ان کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟''

''وسیم کا معاملہ تو سیٹ ہے وہ مقامی شہری ہے لیکن اس کے ساتھ جو خاتون ہے اس کا معاملہ ذرا پیچیدہ ہے کیونکہ وہ دشمن ہوش وخرد ایک دشمن ملک سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے لیے جعلی کاغذات بنوانے ہوں گے تب ہی وہ اس ملک میں آسکے گی۔''

''تو بنوالے۔''

ندیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بیٹے یہ اتنا آسان نہیں رہا ہے جب سے شناختی دستاویزات کی تیاری کمپیوٹرائزڈ ہوئی ہے اس قسم کے معاملات بہت مشکل ہو گئے ہیں۔''

''مشکل ہوں یا آسان یہ کام تو کرنا ہی ہے۔'' میں نے زور دیا۔

''یار اتنی جلدی مت کرو مجھے اس بارے میں ذرا سوچنے دو پھر میں کوئی معقول مشورہ دے سکوں گا۔ فی الحال وہ دبئی میں آرام سے ہیں ان کو وہاں آرام سے رہنے دو۔''

''یار میں وسیم اور سفیر کے بغیر خود کو ادھورا سمجھ رہا ہوں۔''

''تو ان کو یہاں بلانے کے بجائے تو خود ان کے پاس کیوں نہیں چلا جاتا۔''

''قانونی طریقے سے یہ ممکن نہیں ہے۔''

''چل غیر قانونی طریقے سے سہی۔ دو تین کے مقابلے میں ایک فرد کے جعلی کاغذات تیار کرانا آسان ہے۔''

''تیرا مطلب ہے آئی ڈی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں میں اس بارے میں معلوم کر رہا ہوں۔ جیسے ہی کوئی محفوظ طریقہ نظر آیا میں تیرے کاغذات تیار کرادوں گا اور تُو.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ہاتھ سے ہوائی جہاز اُڑنے کا اشارہ کیا۔ ''سفیر وہاں کوئی سیٹ اَپ بنا رہا ہے۔''

''سیٹ اپ؟'' میں سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں شاید کسی بزنس کے چکر میں ہے سنا ہے تم لوگ اب کنگلے نہیں رہے ہو کہیں لمبا ہاتھ مارا ہے؟''

میں نے ندیم کو بھارت کے دنوں کی مختصر روداد کے ساتھ ہیروں کے بارے میں بتایا۔

''ایک کروڑ ڈالرز مالیت کے ہیرے۔'' وہ دنگ رہ گیا تھا۔ ''یہ رانا ویاس نے تجھے بے وقوف تو نہیں بنایا ہے ممکن ہے ہیرے اس سے زیادہ مالیت کے ہوں۔''

''ممکن ہیں ہوں لیکن ہمارے پاس بھاگتے بھوت کی لنگوٹی کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ ویسے ایک کروڑ ڈالرز کم نہیں ہوتے ہیں۔''

''دو یا دس کروڑ ڈالرز سے کم ہی ہوتے ہیں۔'' ندیم بولا۔

مجھے بیتو کا خیال آیا۔ ''یار تُو بیتو کے بارے میں معلوم کر..... کہیں وہ پولیس کے ہاتھ نہ آ گیا ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے بھی یہی خیال ہے اسے پولیس کے حوالے کر کے تیرے دشمنوں نے اس سے اپنی جان چھڑالی ہو گی۔ اس کے پاس کوئی شناختی دستاویز نہیں ہے اور اگر اس نے پولیس کی مار کی تاب نہ لا کر اپنی اصلیت بتا دی ہو گی تو اس وقت کسی ایجنسی کی تحویل میں ہو گا۔''

''اگر پولیس نے اسے کسی ایجنسی کی تحویل میں دیا ہو تو کیا اس کا ریکارڈ ہو گا؟''

''مشکل ہے کیونکہ اس قسم کے کیسز کی صورت میں ریکارڈ صاف کر دیا جاتا ہے ورنہ عدالت میں کیس جانے کی صورت میں پولیس مشکل میں پڑ جاتی ہے۔''

''چل تو پھر بھی اس بارے میں معلوم کر اور بیتو کہیں ہے تو اسے دماغی مریض وغیرہ بنا کر وہاں سے نکلوانے کی کوشش کر۔''

''میں کوشش کروں گا۔'' ندیم نے سر ہلایا۔ پھر اس نے اپنے بریف کیس سے ایک چھوٹا سا خاکی لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ''یہ تیرے لیے ہے اسے بعد میں آرام سے دیکھنا اور کوشش کرنا کہ کسی کی نظر نہ پڑے۔''

میں نے لفافہ لے کر جیب میں ڈال لیا۔ لفافے میں ایک چھوٹی چوکور چیز تھی اور اس کے علاوہ بھی کچھ تھا۔ میں نے پوچھا نہیں۔ پھر ندیم نے ایک عدد نوٹوں کی گڈی برآمد کی۔ یہ ہزار کے نوٹ تھے۔ ''یہ ایک لاکھ روپے ہیں۔ سفیر نے کچھ رقم بھیجی ہے۔''

میں نے گڈی بھی لے لی۔ ''تجھ سے اگر فوری رابطہ کرنا ہو تو؟''

''لفافے میں موجود چیز سے تجھے سب مل جائے گا۔''

ندیم جانے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا اس دوران میں اس نے صرف ایک گلاس سادہ پانی اور ایک کپ چائے لی تھی۔ میں نے کھانے پر رکنے کو کہا۔ ''اتنی جلدی کیا ہے؟''

''جلدی ہے۔'' اس نے گھڑی دیکھی۔ ''ابھی رات سے پہلے گھر پہنچنا ہے اور پھر بیتو کے لیے کچھ اور یاں ہلانی ہیں۔''

''ٹھیک ہے جیسے ہی اس کے بارے میں معلوم ہو مجھے ضرور مطلع کرنا۔'' میں نے کہا اور اسے مردانے سے باہر تک چھوڑنے کے لیے آیا۔

''اب میں یہاں نہیں آؤں گا سب جانتے ہیں میں تیرا وکیل ہوں۔''

''جن کے لیے اس بات کی اہمیت ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ میں یہاں ہوں۔''

''پھر بھی تجھے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

ندیم کو رخصت کر کے میں کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ شمی مل گئی۔ ''آپ کے دوست کہاں گئے؟ ماں جی نے ان کے لیے کھانا بنوالیا ہے۔''

''اسے جلدی تھی واپس اسلام آباد جانا تھا۔'' میں نے کہا مجھے لفافہ دیکھنے کی جلدی ہو رہی تھی اس لیے میں نے شمی سے کہا۔ ''میں تھک گیا ہوں ذرا آرام کروں گا۔''

وہ شوخی سے مسکرائی۔ ''آپ کا مطلب ہے کہ آپ کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بہت چالاک ہوگئی ہے۔'' میں نے اس کے بال چھیڑے اور کمرے کی طرف بڑھ گیا عقب سے اس کی خفگی آمیز چیخ سنائی دی تھی۔ بچپن میں جب اس کے بال چھیڑتا اور ان کو بکھیر دیتا تو وہ اسی انداز میں چیخ مارتی تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور سب سے پہلے لفافہ کھول کر دیکھا۔ اندر سے ایک سیل فون نکلا تھا۔ یہ ایک چھوٹا لیکن طاقتور بیٹری والا سیل فون تھا۔ ندیم نے ڈبا پیک لیا تھا اور کھول کر مجھ تک لایا تھا۔ میں نے اسے آن کیا اور اس کی فون بک دیکھی حسب توقع اس میں ندیم اور سفیر کے نمبرز تھے۔ ندیم موبائل اسی مقصد کے تحت لایا تھا۔ لفافے میں ایک عدد چار جر تین مختلف موبائل کمپنیوں کی سمز اور ان سمز کے ہزار والے دو دو کارڈز تھے۔ میں نے ایک سم لگائی اور اس کے سگنل چیک کیے اس کے سگنل کمزور تھے اور بار بار غائب ہو رہے تھے۔ دوسری سم کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا البتہ تیسری سم کی کارکردگی بہتر تھی۔ میں نے کارڈ لوڈ کیا اور سب سے پہلے ندیم کا نمبر ملایا۔

''تُو نے موبائل ایکٹو کر لیا۔'' اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ ''جب ضرورت ہو مجھے کہہ دیا کر میں تجھے کارڈ نمبر ایس ایم ایس کر دوں گا۔''

''شکریہ یار تُو نے واقعی کام کا کام کیا ہے۔''

''بیٹے میں ہمیشہ کام کا کام کرتا ہوں۔''

''جیسے بچہ سازی۔'' میں بولا۔ ''جب تیرے گھر آؤ ایک نئے نمونے کا اضافہ ہوتا ہے۔''

''پانچ ہو گئے ہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''گھر والی سے کہا ہے کہ بس کرو، میں وکیل ہوں بادشاہ نہیں ہوں آج کل تو بادشاہ بھی اتنے بچے افورڈ نہیں کر سکتے ہیں لیکن وہ مانتی ہی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے تو بچے اور کیس سنبھال اور جاتے ہی بیتو کو تلاش کرنا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے جلدی سے موبائل آف کر کے لفافے میں ڈالا اور لفافے کو الماری میں رکھ دیا پھر دروازہ کھولا تو سامنے شمی کھڑی تھی اور مشکوک انداز میں گھور رہی تھی۔

''شمی آپ کسی سے بات کر رہے تھے؟''

میں مسکرایا۔ ''خود سے بات کر رہا تھا..... اکیلے رہ رہ کر عادت سی پڑ گئی ہے۔''

شمی نے پھر کچھ کہا تو نہیں لیکن اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی شفاف بھوری آنکھوں میں شک برقرار تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''آپ کو شجاع ماموں بلا رہے ہیں۔ ضروری بات ہے۔''

میں سمجھ گیا تھا کہ وہ ندیم اور میری ملاقات کا احوال جاننا چاہتے ہیں۔ میں نے شمی سے کہا۔ ''ایک منٹ میں آتا ہوں۔''

میں نے لفافہ الماری میں ذرا اندر کر کے رکھا کیونکہ شمی کپڑے رکھتی اور نکالتی تھی۔ وہ بے تکلفی سے میری الماری کھول لیتی تھی۔ اس کی نظر لفافے پر پڑ جاتی تو وہ اسے بھی دیکھتی اور ابھی میں موبائل کی موجودگی چھپانا چاہتا تھا۔ میں منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر باہر آیا۔ شمی جا چکی تھی میں شجاع بھائی کے کمرے کی طرف آیا۔ وہ بستر پر دراز تھے۔

''آؤ شہباز۔'' انہوں نے کہا اور پاؤں سمیٹ لیے میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی شجاع بھائی آپ نے مجھے یاد کیا ہے؟''

انہوں نے سر ہلایا وہ سگار پی رہے تھے اور کسی قدر پریشان نظر آرہے تھے۔ میں خاموش رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد بولے۔ ''کل رات بابا کو ایک کال آئی۔''

''کیسے..... میرا مطلب ہے فون لائن تو.....''

''ایکسٹینشن بابا کے کمرے میں ہے۔'' شجاع بھائی بولے تو میرے ذہن گھنٹی سی بجی۔ یہ انتظام کیا میری خاطر تھا کہ میں آزادی سے فون استعمال نہ کرسکوں۔

''کال کس نے کی تھی؟''

''کسی نامعلوم شخص نے۔'' وہ بولے۔ ''اس نے بابا کو دھمکی دی کہ وہ ایک بیٹے سے محروم ہو چکے ہیں اور اگر شہباز حویلی سے باہر نکلا تو وہ بھی مارا جائے گا۔''

میں مسکرایا۔ ''بابا نے اس شخص سے پوچھا نہیں کہ اسے ان سے ایسی کیا ہمدردی ہے جو وہ ان کے دوسرے بیٹے کو بچانا چاہتے ہیں۔''

''معاملہ تمہارا ہے۔'' شجاع بھائی نے سگار کا گہرا کش لیا تو کمرے میں اس کی غیر محسوس خوشبو پھیل گئی۔ ''وہ چاہتے ہیں تم کسی صورت حویلی سے باہر نہ جاؤ۔''

''یہ تو واضح ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کو مجھ سے کوئی ہمدردی ہے۔ فی الحال میرا باہر جانا ان کے مفاد میں نہیں ہے۔''

''اس کی وجہ؟''

''الیکشن۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مرشد اور اس کے آدمی اس بار الیکشن میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ میں باہر آؤں اور ہنگامے ہوں تو اس کی الیکشن مہم خراب ہو۔''

شجاع بھائی نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''کیا تم اس کی الیکشن مہم خراب کرسکتے ہو؟''

''میں نہیں وہ خود کرے گا۔ میں باہر جاؤں گا تو اس کے گرگے میرا پیچھا کریں گے اور اس دوران میں جو ہنگامے ہوں گے اس کا اثر اس کی ذات پر بھی پڑے گا۔''

شجاع بھائی سوچ میں پڑ گئے۔ وہ میری بات سمجھ رہے تھے۔ میں نے کھل کر نہیں کہا تھا لیکن میرا مطلب یہی تھا کہ جب دشمن میرے پیچھے پڑے گا تو مجھے اپنا دفاع کرنا ہوگا اور اس دوران میں کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ ''شہباز میرا خیال ہے تمہیں فی الحال حویلی سے نکلنے سے گریز کرنا چاہیے۔''

''آپ کا خیال ہے یا بابا کا؟'' میں نے مؤدبانہ انداز میں پوچھا۔

''بابا کا بھی یہی خیال ہے۔''

''مجھے کب تک حویلی میں رہنا ہوگا؟''

''جب تک شاہد کے قاتلوں کا سراغ نہیں لگ جاتا۔''

''معاف کیجئے گا شجاع بھائی اس ملک میں کبھی اندھے قتل کا سراغ لگا ہے۔ یہاں تو وزیراعظم کے قاتل نہیں پکڑے جاتے سرِعام ان کو موت کے گھاٹ اتار کر خاموش کردیا جاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا مطلب ہے شاہد کے قاتل کبھی نہیں پکڑے جائیں گے۔''

''بہت مشکل ہے کیونکہ قانون ان کو پکڑنا ہی نہیں چاہے گا۔''

''پھر کون پکڑے گا؟''

''اگر اللہ نے موقع دیا تو میں ان کو پکڑوں گا ان سے حساب لوں گا۔''

''فرد کے انصاف لینے کا کوئی تصور نہیں ہے۔'' شجاع بھائی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ایسا صرف قبائلی معاشروں میں ہوتا ہے۔''

''ہمارا ملک قبائلیت سے بھی بدتر حالت میں ہے وہاں آدمی اپنے زور بازو پر بھروسہ کر سکتا ہے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''لیکن اس مہذب معاشرے میں لوگوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر درندوں کے سامنے ڈال دیا جاتا ہے اور وہ اپنی مدافعت میں کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔''

''تم درست کہہ رہے ہو لیکن اس مسئلے کا یہ حل نہیں ہے۔ ہمیں بالآخر قانون کی راہ اپنانا ہوگی۔''

''درست ہے لیکن انصاف نہیں ملے گا۔ انصاف صرف صاحب اختیار کو ملتا ہے۔''

''ایسا نہیں ہے شہباز معاشرہ رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہا ہے اس تبدیلی کی رفتار سست ہے لیکن ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ تبدیلی سب کو محسوس ہوگی۔''

میں سوچ رہا تھا کہ شجاع بھائی مجھے قائل کر رہے تھے کہ میں حویلی میں رک جاؤں اور جب تک ان کی اور بابا کی طرف سے اجازت نہ ملے میں باہر نکلنے کا سوچوں بھی نہیں۔ جب کہ میرے دشمن بھی یہی چاہتے تھے۔ عجیب بات تھی میرے جان کے گاہک اور میری جان کے خیر خواہ ایک ہی انداز میں سوچ رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''شجاع بھائی آپ کے خیال میں کیا اس مسئلے کا حل یہی ہے؟''

وہ چونکے۔ ''تو تمہارا خیال کیا مختلف ہے؟''

''جی ہاں، کیونکہ میرا خیال ہے کہ دشمن کبھی آپ کا بھلا نہیں چاہ سکتا ہے۔ اس معاملے میں بھی اس کا مفاد ہے اور جیسے ہی اس کا مفاد پورا ہوگا وہ پوری قوت سے حرکت میں آجائے۔ اس وقت وہ مجھ سے کوئی رعایت نہیں کرے گا اور اسے معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں۔''

شجاع بھائی نے سر ہلایا۔ ''اتنا تو میں بھی سمجھ رہا ہوں لیکن فی الحال کوئی خطرہ نہیں ہے اس لیے تم یہاں رہ سکتے ہو اس دوران میں ہم مل کر کوئی تدبیر سوچ سکتے ہیں۔''

''دشمن بے وقوف نہیں ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ مجھے یہاں بھیج کر مطمئن نہیں ہوگا بلکہ میری نگرانی کا کوئی نہ کوئی بندوبست کیا ہوگا۔''

''وہ بھی دیکھ لیں گے۔ حویلی میں تم محفوظ ہو یہاں تین افراد حفاظت کے لیے موجود ہیں اور کم سے کم دو افراد مستقل پہرے پر ہوتے ہیں لیکن ان کو بھی تمہاری موجودگی کا علم نہیں ہے۔''

''یہ آپ کے اعتماد کے لوگ ہیں؟''

''ہاں میرا ایک واقف کار کرنل ان دنوں اسلام آباد میں سکیورٹی ایجنسی چلا رہا ہے یہ بندے وہیں سے آئے ہیں سب اس کے چنے ہوئے لوگ ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پنے ہوئے لوگ بھی بک جاتے ہیں۔'' میں نے دبی زبان میں کہا۔''خیر آپ کو اعتماد ہے تو ٹھیک ہو گا۔''

''ان کے ہوتے ہوئے کوئی حویلی میں نہیں گھس سکتا ہے۔'' شجاع بھائی نے اعتماد سے کہا۔''باقی معاملات میں دیکھ رہا ہوں تم مجھ پر بھروسہ رکھو ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم کسی سے رابطہ بھی نہیں کرو گے۔'' شجاع بھائی نے اگلا مطالبہ کیا۔ وہ رفتہ رفتہ کھل رہے تھے۔

''کسی سے کیا مراد ہے ندیم جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں؟''

''کسی سے مراد تمہارے وہ دوست اور ساتھی ہیں جو اس لڑائی میں تمہارے شانہ بہ شانہ رہے ہیں۔'' شجاع بھائی نے واضح کیا۔''ان کی یہاں موجودگی تمہارے دشمنوں کو اکسا سکتی ہے اور بابا حویلی یا گاؤں میں کوئی ہنگامہ برداشت نہیں کریں گے۔''

''شاہد بھائی کا قتل میرے آنے سے پہلے ہو چکا تھا۔'' میں نے ان کو یاد دلایا۔''گویا میں یہاں ہوں یا نہ ہوں میرے دشمنوں کو چین نہیں ہوگا اور میں ان سے کسی رعایت کی توقع بھی نہیں کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں تمہاری کیفیت سمجھ رہا ہوں لیکن میں جو کہہ چکا ہوں اسے بابا کا حکم سمجھنا۔'' شجاع بھائی کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔''اور تم جانتے ہو بابا اپنے حکم کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتے ہیں۔''

''جی بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔'' میرے انداز میں ہلکی سی تلخی آ گئی تھی۔''میں بابا کی بات کا خیال رکھوں گا۔''

شجاع بھائی نے میرے اندر موجود کبیدگی کو محسوس کر لیا تھا اس لیے انہوں نے موضوع بدل دیا۔''کل میں اور عائشہ جا رہے ہیں۔''

''کیا چھٹی ختم ہو گئی ہے؟''

انہوں نے سر ہلایا۔''ہاں بچوں کے اسکول بھی کھلے ہوئے ہیں۔ ان کا کافی حرج ہو چکا ہے۔''

میں نے کمرے میں آتی عائشہ بھابی کی طرف دیکھا۔''میں بدنصیب انسان ہوں جو اتنے اچھے لوگوں سے دور ہوں۔''

''ایسا مت کہو۔'' وہ بولیں۔''اگر تم نے ہمیں مس کیا تو ہم نے تمہیں اس سے کئی گنا زیادہ مس کیا ہے اس حویلی میں اور ہماری زندگی میں شاید ہی کوئی پل ایسا ہو جب ہمیں تمہاری یاد نہ آتی ہو۔ شادی کے بعد میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا ہے لیکن تمہارا اتنا ذکر سنا اور کیا ہے کہ تم ایک لمحے کو بھی نامانوس نہیں لگے۔ یوں لگا جیسے ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہتے آئے ہو۔''

''اب آپ چلے جائیں گے اور حویلی سونی ہو جائے گی۔''

''اللہ نہ کرے۔ یہاں سب ہیں، ثمی، باجی، بابا، ماں جی اور.....سویرا بھی ہے۔''

''ہم بھی دو مہینے بعد چکر لگائیں گے۔'' شجاع بھائی بولے۔''مجھے ایک ایکسرسائز پر کوئٹہ جانا ہے۔ عائشہ اور بچے یہاں آ کر چھوڑ جاؤں گا بچوں کے اسکول بھی بند ہو جائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو مہینے، میں نے سوچا اس کا مطلب تھا کہ کم سے کم دو مہینے مجھے رکنے کا ارادہ تو تھا ویسے بھی الیکشن میں ابھی چار مہینے تھے۔ جب سانپ کے کینچلی بدلنے کا وقت آتا ہے تو وہ سُست اور کمزور ہو جاتا ہے اس وقت اس کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی ایسی جگہ جا کر چھپ جائے جہاں اس کے دشمن اس تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور وہ آرام سے کینچلی بدل کر دوبارہ سے طاقتور اور چست ہو جائے۔ مرشد کے کینچلی بدلنے کا وقت تھا اور وہ اس وقت خود کو کمزور پا رہا تھا اس لیے اس کی کوشش تھی کہ مجھ جیسے دشمن سے دور رہے جواب پہلے کی طرح کمزور نہیں رہا تھا بلکہ میں نے بھارت اور پھر نیپال میں اپنے دشمنوں کے ساتھ جو کیا تھا اس نے یقیناً مرشد کا دل دہلا دیا تھا اور وہ مجھے خود سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ میری خوش فہمی نہیں تھی۔ مرشد کبھی بھی مجھ سے غافل نہیں رہا اور اسے ڈیوڈ شا اور فتح خان کے توسط سے میرے بارے میں معلومات ملتی رہی تھیں کہ میں کیا کارنامے انجام دے رہا ہوں۔ ایک ملک کی مسلح فوج سے اُس کی سرزمین پر لڑنا خودکشی سے کم نہیں ہوتا ہے لیکن میں یہ بھی کر گزرا۔ چھوٹے موٹے معرکے تو لاتعداد تھے۔ جن میں خدا نے ہر بار مجھے سُرخروئی عطا کی۔ مرشد کے علم میں یہ سب آتا رہا تھا۔ اسے یقیناً احساس ہو گیا تھا کہ جس شخص کو وہ ایک معمولی بزنس مین سمجھ رہا تھا اس کی کرم نوازیوں کے بعد وہ معمولی بزنس مین نہیں رہا تھا اب میں جانوں کا تاجر بن گیا تھا اور زندگیوں کا سودا کرتا تھا۔ مرشد جیسا بزدل اور حفاظتی حصاروں میں رہنے کا عادی بھلا ایک ایسے دشمن سے سامنا کرنے کو کیوں تیار ہوتا جو آگ و آہن کے میدان سے گزرنا سیکھ گیا ہو۔

میں سوچ رہا تھا اس دوران میں شمی اور باجی بھی آ گئیں۔ سویرا ماں جی کے پاس تھی۔ وہ دونوں عائشہ بھابی کا ہاتھ بٹانے لگیں۔ ان کا سامان خاصا تھا۔ شجاع بھائی آرمی جیپ میں واپس جاتے۔ ان کو لینے ان کا اردلی آنے والا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ نے راستے میں حفاظت کے لیے کوئی محافظ لیا ہے؟''

انہوں نے سر ہلایا۔ ''میرے پاس پسٹل ہے اور نواز ایس ایم جی کے ساتھ آئے گا۔ وہ تربیت یافتہ آدمی ہے۔''

''پھر بھی آپ محتاط رہیے گا اور کوشش کریں گے ذرا دن چڑھے روانہ ہوں۔''

''ہم صبح نو بجے نکلیں گے۔'' وہ بولے۔

شجاع بھائی ان دنوں سرگودھا میں تھے۔ میانوالی سے دو گھنٹے کا سفر تھا۔ اس لیے زیادہ فکر کی بات نہیں تھی لیکن مرشد جیسے کمینے دشمنوں سے انسان ہر بات کی توقع کر سکتا ہے۔ اتنا تو مجھے یقین تھا کہ وہ الیکشن کے بعد پوری قوت سے میرے خلاف حرکت میں آئے گا اور اس وقت وہ صرف مجھے نہیں بلکہ مجھ سے متعلق ہر فرد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ شاہد بھائی کا قتل اس کی ایک مثال تھی۔ یہ قتل اس نے صرف ہمیں خوف زدہ کرنے کے لیے کرایا تھا۔ شجاع بھائی اور بابا اس کے دباؤ میں آ گئے تھے اور اب ان کو میری خاندان کے باقی افراد کی فکر تھی۔

یہ صرف مرشد کی ایک چال تھی۔ اس نے ایک تیر سے کئی شکار کیے تھے۔ اس نے اپنے بھائی کا بدلہ معہ سود کے لے لیا تھا۔ اس نے مجھے سزا دی تھی اور میرے گھر والوں کو ڈرا کر مجھے حویلی میں قید کرا دیا تھا اس طرح اس نے اس سردرد سے بھی نجات حاصل کر لی تھی۔ پھر جب اسے میری ضرورت پڑتی تو میں حویلی میں اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دستیاب ہوتا لیکن ساتھ ہی مجھے شک تھا کہ مرشد اتنی پلاننگ سے کام کر سکتا تھا۔ یقیناً اس پلاننگ کے پیچھے فتح خان اس کے اعزازی والد ڈیوڈ شا کا ہاتھ تھا۔ فتح خان بہ ظاہر مرشد سے کم رتبہ اور حیثیت کا آدمی تھا لیکن اس نے اپنی ذہانت اور بے خوفی سے ڈیوڈ شا کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ فتح خان اور ڈیوڈ شا میرے دشمن ہوتے ہوئے بھی میرے خون کے پیاسے نہیں تھے۔ جیسا کہ فتح خان نے بھی کہا تھا کہ وہ اب میرا دشمن نہیں ہے۔ اسی طرح ڈیوڈ شا مجھے مارنے کے بجائے مجھ سے کام لینے میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔

لیکن عجیب بات تھی کہ مرشد میری جان کا دشمن تھا اور فتح خان بھی ایک زمانے میں میرے خون کا پیاسا رہا تھا۔ اگرچہ آج کل وہ مجھے اپنے بے ضرر ہونے کا یقین دلانا چاہ رہا تھا اور اپنی دشمنی سے دستبردار ہو چکا تھا لیکن میں اس شاطر پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ فتح خان کسی لومڑی کی طرح مکار اور کسی لکڑ بھگے کی طرح سفاک تھا۔ لکڑ بھگا اس وقت اپنے شکار پر جھپٹتا ہے جب وہ اس کے سامنے بے بس ہو چکا ہو۔ مگر میں نے بہت کم ان دونوں دشمنوں سے خوف محسوس کیا تھا لیکن ڈیوڈ شا ایک ایسا شخص تھا جس سے میں ان دونوں سے زیادہ خطرہ محسوس کرتا تھا۔ میرا اس سے تین چار مرتبہ ہی سامنا ہوا ہے لیکن میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ اندر سے انتہائی سرد مزاج اور سفاک انسان ہے۔ ایک ایسا شخص جو برسوں پرانے دوست کو قتل کر کے اس کی لاش کے پاس بیٹھ کر کھانا بھی کھا سکتا ہے اور سکون سے سو بھی سکتا ہے۔

مجھے حویلی میں قید کرنے کا منصوبہ ممکنہ طور پر ڈیوڈ شا یا فتح خان کا تھا اور مرشد کسی وجہ سے ان کی بات ماننے پر مجبور تھا۔ اس نے مجھے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن جہاں اس کا داؤ چلا اس نے کام کر دیا۔ یعنی شاہد بھائی کا قتل۔ اب وہ سکون سے انتظار کر رہا تھا کہ کب الیکشن میں کامیابی حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد اپنی باقی حسرتیں نکالے گا۔ یہ سارے امکانات میرے ذہن میں موجود تھے۔ جب تک میں حویلی سے نکل کر میدان عمل میں نہیں آتا مجھے درست طور پر معلوم نہیں ہوتا۔

رات کے کھانے کے بعد شجاع بھائی اور عائشہ بھابی کچھ دیر ہم سب سے بات کرتے رہے تھے پھر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ انہوں نے صبح جلدی اٹھ کر جانا تھا۔ ماں جی ویسے ہی جلدی سو جانے کی عادی تھیں اور باجی بھی اپنے کام نمٹا کر سونے چلی جاتی تھیں۔ شمی اور سویرا کو اتنی جلدی نیند نہیں آتی تھی اس لیے وہ رات ذرا دیر تک جاگتی تھیں لیکن گیارہ بجے تک حویلی کا ہر فرد سو چکا ہوتا تھا۔ میں گیارہ بجے اپنے کمرے میں آیا۔ اس وقت تک سب کمروں کی روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر کے موبائل نکالا اور اسے آن کیا۔ میں نے پہلے ندیم کو کال کی۔

''کیا بات ہے تجھے چین نہیں ہے۔'' اس نے میری آواز سن کر کہا۔

''ایک بات تجھ سے پوچھنا بھول گیا تھا۔ نادر علی کا کیا ہوا؟''

''میں بھی بتانا بھول گیا تھا۔ اسے علاج کے لیے دبئی بھیجا تھا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ واپس آ گیا تھا اور یہاں کسی نیم حکیم کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس نے اسے ایسے کشتے کھلائے کہ اس کا کولیسٹرول لیول بہت بڑھ گیا اور اب اسے فالج بھی ہو گیا ہے۔ اس کا جسم مکمل طور پر مفلوج ہو چکا ہے اور وہ بات بھی بڑی مشکل سے کرتا ہے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔'' ندیم نے تفصیل سے بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی۔ ''یہ کب کی بات ہے؟''

''شاید ایک مہینہ ہوا ہے۔'' ندیم نے کہا۔ ''تُو کیوں پوچھ رہا ہے لعنت بھیج اس پر۔''

''ہاں بھیج دی۔'' میں نے بے خیالی میں کہا اور فون بند کر دیا۔ اب کوئی شک نہیں رہا تھا۔ ایک مہینہ پہلے نادر علی فالج کا شکار ہوا اور شاید اس کی صحت یابی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ ایسے میں مرشد کا غیض و غضب کا شکار ہونا لازمی تھا۔ میں اس کی دسترس سے دور تھا۔ سفیر، مونا اور وسیم بھی اس کی پہنچ میں نہیں تھے اس لیے اس کے اندھے انتقام کا رخ میرے گھر والوں کی طرف مڑ گیا۔ مرشد کی کمینگی اور خباثت پر مجھے پہلے بھی شک نہیں رہا تھا وہ ہر حد سے گزر جانے والا شخص تھا جس کے لیے اپنی ذات کے علاوہ کسی چیز کی اہمیت نہیں تھی۔ میرے جبڑے بھنچ گئے تھے اور میں نے اتنی سختی سے موبائل فون پکڑ رکھا تھا کہ اگر یہ مضبوط دھات کا نہ ہوتا تو یقیناً میری گرفت میں چرمرا جاتا۔ اچانک اس کی بیل بجی تو میں چونکا تھا اور میرا جسم نرم پڑ گیا۔ میں نے اسکرین پر آنے والا نمبر دیکھا۔ یہ باہر ملک کا تھا اور کوڈ شاید یو اے ای کا تھا لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو کون بات کر رہا ہے؟''

''شوبی..... میں سفیر بات کر رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے کسی نے کہا لیکن مجھے اس کی آواز اجنبی سی لگی تھی۔

''ہاں سفیر ہی ہے؟''

''ہاں یار۔'' اس نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے میری جان۔''

وہ یقیناً شاہد بھائی کا افسوس کر رہا تھا۔ میں نے سرد آہ بھری۔ ''ہاں یار ہونے والی بات کو کون روک سکتا ہے۔''

''یہ یقیناً اسی حرامزادے کا کام ہوگا؟'' سفیر اب خود پر قابو پا چکا تھا۔

''لگتا تو ایسا ہی ہے لیکن کنفرم نہیں ہے۔ تُو کہاں سے بات کر رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو سفیر یہی کہتا کہ منہ سے بات کر رہا ہوں تُو کہاں سے بات کرتا ہے لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا وہ میرے بھائی کی تعزیت کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''دبئی میں ہوں میں نے یہاں کا بزنس ویزہ لے لیا ہے اور ساتھ ہی مکان بھی خرید لیا۔ اب میں یہاں بلا کھٹکے رہ سکتا ہوں۔''

''یہ تُو نے اچھا کیا۔'' میں خوش ہو گیا۔ ''وسیم اور سادی کا کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں..... فی الحال تو جیسے آئے تھے ویسے ہی چل رہا ہے۔ میں نے ان کے سلسلے میں ندیم سے بات کی تھی۔ اس کا کہنا ہے ان کا پاکستان آنا مناسب نہیں ہے خاص طور سے سادی کا تو بالکل مناسب نہیں ہے۔ تُو سمجھ رہا ہے نا؟''

''ہاں ندیم آیا تھا آج، مجھے بھی یہی مشورہ دیا ہے اور میں اس سے متفق ہوں۔''

''لیکن میں متفق نہیں ہوں۔'' وسیم کی آواز آئی۔ ''میں ہر صورت آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔''

''یہ مناسب نہیں ہوگا۔''

''مناسب غیر مناسب کا مجھے نہیں پتا۔'' وسیم کا لہجہ فیصلہ کن ہو گیا۔ ''لیکن میں اب آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا۔"

"یار یہاں صورتِ حال الجھ گئی ہے اور جب تک یہ واضح نہ ہو جائے تمہارا یا کسی کا یہاں آنا ٹھیک نہیں ہو گا۔"

"شہباز صاحب مجھے یقین ہے آپ اس وقت خطرے میں ہیں۔"

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے لیکن میں پہلے خطرے کی نوعیت سمجھنا چاہتا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرے گھر والے پہلے ہی ناقابلِ تلافی نقصان اٹھا چکے ہیں اور میں اس نقصان میں مزید اضافہ نہیں چاہتا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی سمجھ رہا ہوں۔" وسیم کے جذباتی لہجے میں نرمی آئی تھی۔

"اس لیے میں جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن شہباز صاحب آپ سے دوری برداشت نہیں ہوتی ہے۔" وسیم نے بے بسی سے کہا۔

"مجھے یقین ہے ہم بہت جلد ایک ساتھ ہوں گے۔ ابھی تو مجھے بیتو کو بھی تلاش کرنا ہے۔"

"بیتو کہاں ہے؟" وسیم چونک گیا۔

میں نے اسے تفصیل سے خود پر گزرنے والی سنائی۔ "بیتو کے بارے میں مجھے یقین ہے وہ فتح خان کے قبضے میں ہے۔"

"لیکن اسے بیتو کو قبضے میں رکھنے سے کیا ملے گا؟"

"غالباً وہ بیتو کو قبضے میں رکھ کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے کہ میں حویلی سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کروں۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"کیا آپ کو اس سلسلے میں کوئی دھمکی ملی ہے؟"

"نہیں مجھے تو براہِ راست کسی نے دھمکی نہیں دی ہے لیکن میرے والد اور بھائی سے جن لوگوں نے بات کی ہے انہوں نے بھی بیتو کے حوالے سے دھمکی نہیں دی ہے۔"

"تب ممکن ہے بیتو کو فتح خان نے اپنے کسی مقصد کے تحت روک لیا ہو۔" وسیم بولا۔

"ممکن ہے لیکن نہ جانے کیوں میری چھٹی حس خبردار کر رہی ہے کہ معاملہ یہی ہے۔ بہرحال دیکھتے ہیں۔"

وسیم کے بعد مونا اور سادی نے بھی بات کی اور ظاہر ہے ان کی تمام گفتگو انتہائی جذباتی اور بغیر سر پیر کے تھی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ میں یا تو ان کے پاس آجاؤں یا وہ پاکستان آرہی ہیں۔ مونا نے رو کر کہا۔ "پلیز شوبی ہم تمہیں بہت مس کر رہے ہیں۔"

"مس تو میں بھی کر رہا ہوں لیکن کیا کر سکتے ہیں۔ تم حالات جانتی ہو میں قانونی طریقے سے نہیں آسکتا ہوں اور غیر قانونی مناسب نہیں ہوگا۔"

"ہم تو آسکتے ہیں۔"

"یہ جاننے کے باوجود کہ میرے دشمن حد سے آگے بڑھ رہے ہیں۔" مجھے کسی قدر غصہ آگیا۔ "اب میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مزید کوئی نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہ میرا حکم ہے میری مرضی کے بغیر کوئی معمولی سی حرکت بھی نہیں کرے گا۔"

سفیر نے اپنے فون کا اسپیکر آن کر دیا تھا اس لیے سب سن رہے تھے۔ جب میں نے کہہ کر بات ختم کر دی تو وہ سب اپنی سنانے لگے۔ سفیر نے جو بزنس ویزہ لیا تھا اس کی بنیاد پر وہ مزید چار افراد کو باہر سے بلا سکتا تھا اس لیے اس نے وسیم اور سادی کو ویزہ دلوا دیا تھا اور اب وہ آرام سے بنا کسی کھٹکے کے دبئی میں رہ سکتے تھے۔ سفیر نے وقت گزاری کے لیے کام بھی شروع کر دیا تھا۔ اس نے کچھ پاکستانی فرم سے رابطہ کر لیا تھا اور پاکستان سے تازہ سبزیاں اور پھل منگوا کر دبئی کی مارکیٹ میں فراہم کر رہا تھا۔ پاکستان میں اس کے کاروباری ساتھی اس کے چچا زاد بھائی تھے اس لیے اسے کوئی خدشہ بھی نہیں تھا۔ اس نے دو سودوں میں اچھا خاصا کما لیا تھا۔

"یوں سمجھ لیں کہ اتنا کما لیا ہے کہ چھ مہینے بیٹھ کر آرام سے کھا سکتے ہیں۔"

سفیر نے مکان دبئی کی ایک مضافاتی بستی میں چھوٹا سا دو منزلہ مکان لے لیا تھا جس میں چار بیڈ روم ایک ڈرائنگ روم اور ایک لاؤنج تھا۔ ایک بیڈ ڈرائنگ اور لاؤنج معہ کچن کے نیچے تھا جب کہ تین بیڈ روم اوپر تھے ان کے ساتھ ایک اوپن ٹیرس تھا۔ یہ مکان سفیر کو پانچ لاکھ درہم میں ملا تھا اور اس نے مزید کوئی ایک لاکھ درہم خرچ کر کے اسے شاندار طریقے سے فرنش بھی کر لیا۔ مونا اور سفیر کی شادی کو دو مہینے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ میں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے تم لوگوں کی طرف سے ابھی کوئی خوشی کی خبر نہیں آئی ہے۔"

اس سوال پر سفیر نے قہقہہ مارا کیونکہ مونا اٹھ کر بھاگ گئی تھی۔ پھر سادی نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ ان کے جانے کے بعد سفیر نے کہا۔ "تیرا دماغ خراب ہے۔ شادی کرنے کا اور یہاں گھر لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم نے نارمل زندگی شروع کر دی ہے۔ تُو جانتا ہے شادی میں نے گناہ کا امکان ختم کرنے کے لیے کی ہے اور گھر لینا مجبوری ہے۔ ورنہ تیرے بغیر ہم نارمل زندگی کا سوچ ہی نہیں سکتے ہیں۔ بچے وغیرہ کا ابھی کوئی امکان نہیں ہے۔"

"سفیر میرے چکر میں تُو اپنی خوشیوں کو پس پشت مت ڈال....." میں نے کہنا چاہا تو سفیر نے فون وسیم کو تھما دیا۔

"اب تم بات کرو یہ بہک رہا ہے۔"

وسیم نے فون لیا۔ "یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں شہباز صاحب آپ کے بغیر کوئی بھی نارمل زندگی کا سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔"

میں اور وسیم کچھ دیر بات کرتے رہے پھر خدا حافظ کہہ دیا۔ دبئی سے کال بہت مہنگی پڑتی ہے۔ اگرچہ سفیر کو رقم کا مسئلہ نہیں تھا لیکن پھر بھی فضول خرچی سے گریز ضروری تھا۔ موبائل فون آف کر کے میں نے اسے الماری میں مخصوص جگہ چھپا دیا۔ بستر پر دراز ہو کر میں کروٹیں بدلتا رہا خاصی دیر بعد جا کر نیند آئی تھی۔ مجھے سردی نہیں لگ رہی تھی اس لیے میں نے کمبل نہیں لیا رات کسی وقت سردی لگی تو میں سکڑ سمٹ کر لیٹ گیا۔ نیند میں مجھے کمبل کا خیال نہیں آیا پھر میں نے محسوس کیا کہ کسی نے بہت آہستہ سے کمبل میرے اوپر کر دیا تھا۔

اچانک میری آنکھ کھلی تو میں نے سویرا کو پاس دیکھا تھا۔ اس کے سنہری ہاتھ میرا کمبل درست کر رہے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے حیران ہو کر کہا۔ ''تم اس وقت یہاں.....؟''

گھڑی رات کے تین بجا رہی تھی۔ سویرا گھبرا گئی۔ ''وہ میں یہاں سے گزر رہی تھی تو.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑی اور جانے لگی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں نے تم سے کوئی وضاحت نہیں مانگی ہے۔''

اس نے سہمی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں مجھے جانے دیں کوئی آ گیا تو.....؟''

لیکن میں نے اس کی کلائی نہیں چھوڑی تھی۔ میں اٹھ بیٹھا۔ ''سویرا تم مجھ سے کیوں کتراتی ہو؟''

وہ ہلکی سی مزاحمت کر رہی تھی میرا سوال سن کو اس کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ ''آپ نے ایسا کیوں کہا؟''

''یہ سچ ہے۔''

''یہ سچ نہیں ہے لیکن آپ خود سوچیں کہ کیا آپ سے ملنا مناسب ہے صغراں آپا، ثمی اور عائشہ بھابی ہمارے تعلق کے بارے میں جانتی ہیں۔''

''ماں جی اور بابا؟''

''مجھے نہیں معلوم..... لیکن شاید وہ بھی جانتے ہیں۔''

میں نے اس کا ہاتھ پکڑے رکھا۔ ''سویرا تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا؟''

''میرا مستقبل؟'' اس نے جیسے خود سے کہا اور پھر بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''میرا مستقبل کیا ہے۔ میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے۔'' میں نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔ ''تم ایک خود مختار عورت ہو۔ اب تم نادان اور کمسن نہیں ہو جس پر بابا اپنی مرضی مسلط کر دیں۔''

''وہ آج بھی مجھ پر اختیار رکھتے ہیں۔'' سویرا نے تردید کی۔ ''وہ میرے بارے میں کسی بھی فیصلے کے مجاز ہیں۔''

''یہ درست کہہ رہی ہے۔'' اچانک بابا کی آواز آئی اور ہم دونوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا وہاں بابا کھڑے شرر بار نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

اسی لمحے میری آنکھ کھل گئی۔ کھڑکی سے آتی دھوپ بتا رہی تھی کہ صبح ہو چکی تھی اور میرے جسم پر کمبل پڑا تھا۔ وہ سب خواب تھا لیکن جسم پر پڑا کمبل خواب نہیں تھا۔ کوئی رات کو آیا تھا اور اس نے مجھ پر کمبل ڈالا تھا۔ میں نے بستر پر ایک نگ جیسا نظر آیا۔ یہ شیشے کا سبز نگ تھا اور کسی زیور سے نکلا تھا۔ میں نے اٹھا کر اسے جیب میں ڈال لیا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جاؤ۔'' میں نے بلند آواز سے کہا تو ثمی اندر آئی۔

''گڈ مارننگ شیمی۔'' اس نے مسکراتے لہجے میں کہا۔ ''آج تو آپ لمبی تان کر سوتے رہے۔''

''ہاں شاید کئی دن کی تھکن اتر رہی تھی۔'' میں نے کہا۔

''آپ فریش ہو جائیں میں ناشتہ لاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ باقی لوگ ناشتہ کر چکے تھے۔ سردی ہو یا گرمی حویلی میں ناشتہ صبح سویرے کر لیا جاتا تھا۔ بابا اور ماں جی تو فجر کی نماز کے بعد ہی ناشتہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر لیتے تھے۔ اس وقت ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے۔ مجھے شجاع بھائی کا خیال آیا اور واش روم سے نکل کر میں ان کے کمرے میں آیا تو وہ بھابی اور بچوں سمیت جانے کے لیے بالکل تیار تھے۔ انہوں نے مجھے گلے لگایا۔ ''اپنا خیال رکھنا اور حویلی سے باہر مت جانا۔''

''آپ فکر مت کریں آپ بھی پہنچ کر اطلاع کر دیجئے گا۔'' میں نے کہا۔ بھابی سے سلام دعا کر کے میں نے بچوں کو پیار کیا۔ چند منٹ بعد شجاع بھائی روانہ ہو گئے۔ میں ان کو مردانے تک چھوڑنے آیا۔ وہاں وہ کچھ دیر کے لیے بابا کے کمرے میں گئے اور پھر باہر نکل گئے۔ ان کا اردلی سامان پہلے ہی جیپ پر بار کر چکا تھا۔ ماں جی، آپا اور شمی کے ساتھ سویرا بھی انہیں رخصت کرنے آئی تھی۔ ان کے جانے پر سب اداس تھے اور پھر یہ اداسی سناٹا بن کر حویلی میں پھیل گئی سب اپنے اپنے حصوں کی طرف چلے گئے۔ میں نے سویرا کو دیکھا تو حسبِ معمول اس نے چادر سے خود کو پوری طرح لپیٹ رکھا تھا۔ میں نے شمی سے کہا۔

''ناشتہ ماں جی کے کمرے میں لا دو۔''

میں ماں جی کے ساتھ آ گیا۔ وہ شجاع بھائی کے جانے سے اداس تھیں۔ انہوں نے گہری سانس لی۔ ''یہ اولاد بھی کیا ہوتی ہے، دکھ زیادہ دیتی ہے اور سکھ کم دیتی ہے۔''

''یہ شاید فطرت کا قانون ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ماں باپ اولاد کو سکھ دیتے ہیں لیکن اولاد ان کو دکھ ہی دیتی ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے میرے بچے اس معاملے میں بہت اچھے ہیں لیکن اولاد کے دکھ بھی تو اپنے ہوتے ہیں۔'' ماں جی نے کہا اور چادر سے آنکھ صاف کرنے لگیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''ماں جی کیا بابا کو بھی ہمارے دکھ کا احساس ہوتا ہے؟''

ماں جی نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''کیوں نہیں ہوتا آخر وہ تم لوگوں کے باپ ہیں۔''

''ماں جی مجھے تو ایسا نہیں لگتا ہے۔''

''شہباز بکواس نہ کر۔'' ماں جی کو غصہ آ گیا تھا۔ ''تو ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا وہ تو اولاد سے ایسی محبت کرتے ہیں کہ اس کے لیے جان بھی دے دیں۔''

''تب وہ مجھ سے کیوں نہیں ملتے؟''

''یہ تو وہی جانتے ہیں۔'' ماں جی کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ ''لیکن یہ خیال دل سے نکال دے کہ وہ تجھ سے محبت نہیں کرتے ہیں۔''

میں دل میں سوچ کر رہ گیا کہ نہ جانے یہ کیسی محبت ہے جو وہ چھ سال بعد بھی میری صورت دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ شمی ناشتہ لے آئی اور میں کھانے لگا لیکن میرا دل بجھ گیا تھا میں نے چند لقمے لے کر ہاتھ کھینچ لیا۔ ماں جی نے کہا۔ ''شہباز اتنا سا کیوں کھایا ہے صحیح سے کھا پتر۔''

''بس ماں جی بھوک نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''شمی مجھے چائے کمرے میں لا دو۔''

''ابھی لائی۔''

میں باہر راہداری میں آیا اور سویرا کے کمرے کے سامنے سے گزرنے لگا تو رک گیا۔ دروازہ ذرا سا کھلا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور سویرا آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی۔ اس کے ہلکے براؤن رنگ کے لمبے اور گھنے بال کمر سے بھی نیچے آ رہے تھے۔ وہ برش پھیر رہی تھی تب میری نظر اس کی کلائی میں موجود کنگن پر گئی جس میں سبز رنگ کے نگ لگے تھے۔ مجھے اس نگ کا خیال آیا جو صبح بستر پر ملا تھا میں نے اسے جیب سے نکالا۔ یہ بالکل ویسا ہی تھا جیسے نگ سویرا کی کلائی کے کنگن میں لگے تھے۔

میں اندر داخل ہوا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر کرسی پر رکھا دوپٹہ سر پر ڈال لیا۔ ''آپ.....؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا اور اس کے پاس آ گیا۔ ''رات کوئی میرے کمرے میں آیا تھا۔''

اس کا رنگ بدلا تھا لیکن وہ انجان بن کر بولی۔ ''کون آیا تھا؟''

''آیا تھا کوئی بنا اجازت کے اس لیے میں نے بھی اندر آتے ہوئے اجازت نہیں چاہی۔''

اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ ''آپ کے کمرے میں بنا اجازت کے آنے والے نے غلط کیا لیکن اس کمرے میں آنے کے لیے آپ کو کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

''جو آیا تھا اسے بھی اجازت کی ضرورت نہیں ہے لیکن افسوس وہ رات کو بالکل خاموشی سے آیا اور بنا احساس دلائے چلا گیا لیکن جاتے جاتے ایک نشانی چھوڑ گیا تھا۔''

وہ فکر مند ہو گئی۔ ''کیسی نشانی؟''

میں نے اس کا ہاتھ اٹھایا اور اس کی گلابی ہتھیلی پر سبز نگ رکھ دیا۔ ''یہ نشانی.....''

اس کی آنکھیں جھک گئی تھیں اور میں کمرے سے نکل آیا۔ شمی چائے سمیت کمرے میں تھی اس نے شوخی سے کہا۔ ''آپ کہاں رہ گئے تھے؟''

''ایک جگہ رک گیا تھا۔'' میں نے اس سے کپ لے لیا۔ میرے کمرے کی کھڑکی عقبی صحن کی طرف کھلتی تھی جہاں شہتوت اور نارنگی کے چند چھوٹے درخت تھے اور سردی میں ان کے پتے جھڑ رہے تھے۔

''کہاں رک گئے تھے؟''

''سویرا کے کمرے میں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

شمی بستر پر تکیہ گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ اس نے جھجک کر کہا۔ ''شیبی آپ کو پتا ہے میں آپ کے اور سویرا مامی کے بارے میں جانتی ہوں؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''ہاں معلوم ہے۔''

''جب سویرا مامی اور شاہد ماموں کی شادی ہوئی تو میں چھوٹی تھی اور اس وقت بہت خوش تھی مجھے کچھ معلوم ہی نہیں تھا پھر کچھ عرصے پہلے میں نے امی اور سویرا مامی کی باتیں سن لیں اور تب مجھے پتا چلا کہ وہ آپ سے..... میرا مطلب ہے آپ کو پسند کرتی تھیں۔ تب مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ہمارے نصیب میں ملنا نہیں تھا۔''

''ہاں لیکن شیبی اب ان کو آپ کی ضرورت ہے۔'' شمی نے ہمت کر کے کہا۔ ''آپ ان کو سہارا دے سکتے ہیں۔''

''گڑیا ابھی تو میں خود بے سہارا ہوں میرے پیروں تلے زمین نہیں ہے اور خلا میں ہاتھ پاؤں مار رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔"

"پھر بھی آپ ان کو سہارا دے سکتے ہیں۔" شمی نے اصرار کیا۔ "آپ ان کو تسلی تو دے سکتے ہیں وہ اس تسلی کے سہارے ہمیشہ آپ کا انتظار کر سکتی ہیں۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا کبھی سویرا سے تمہاری بات ہوئی ہے؟"

"نہیں یہ میں اپنی طرف سے کہہ رہی ہوں اور میں جانتی ہوں وہ بھی ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں گی۔" شمی نے یقین سے کہا۔ "پلیز شمیم آپ ایک بار ان سے بات کر کے تو دیکھیں۔"

میں نے سوچا کہ شمی ٹھیک کہہ رہی ہے مجھے ایک بار سویرا سے بات تو کر کے دیکھنا چاہیے۔ ٹھیک ہے ابھی میرے حالات خراب تھے۔ میں پولیس کو مطلوب تھا اور دشمن میرے پیچھے پڑا ہوا تھا لیکن ایسا ہمیشہ تو نہیں ہوتا مجھے خدا سے امید تھی کہ وہ میرے دن بدلے گا اور ایک بار پھر پہلے کی طرح آزادی اور بے فکری سے اپنی مرضی کی زندگی گزار سکوں گا۔ تب تک سویرا میرا انتظار کر سکتی تھی۔ مگر یہ تو اس صورت میں ممکن تھا جب وہ میرے لیے دل میں وہی جذبہ رکھتی ہو جو شادی سے پہلے تھا۔ درمیان میں چھ طویل سال آ چکے تھے اور سویرا ایک شادی شدہ عورت بن گئی تھی۔ اس دوران میں اس نے پوری وفاداری کے ساتھ شاہد بھائی کا ساتھ نبھایا تھا۔ کیا اس کے دل میں میرے لیے پرانا جذبہ باقی تھا۔

شمی غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "شمیم آپ بے فکر رہیں عورت کبھی بھی اپنی پہلی محبت فراموش نہیں کرتی ہے۔ بدلے حالات میں وہ اسے کسی خزانے کی طرح دل کی گہرائیوں میں دبا دیتی ہے لیکن اس سے دستبردار نہیں ہوتی ہے۔"

میں نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ "تجھے ان معاملات کا اتنا سینس ہے۔"

وہ شرما گئی تھی۔ "میں بھی تو لڑکی ہوں اور مجھے معلوم ہے لڑکیاں کس طرح سوچتی ہیں۔ آپ سویرا امامی سے بات کریں۔"

"اگر اس نے انکار کر دیا تو.....؟"

"وہ کبھی انکار نہیں کریں گی اور اگر انہوں نے ایسا کیا بھی تو یہ انکار دل سے نہیں ہوگا۔ آپ ان کو قائل کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کی بات مان جائیں گی۔"

سویرا کے انداز سے مجھے بھی لگا تھا کہ وہ اس مشکل وقت میں میری طرف سے کسی سہارے کی منتظر ہے اس نے ایک بار مجھے کھو دیا اور اب کھونا نہیں چاہتی تھی۔ میں شمی کی بات پر غور کرتا رہا۔ لڑکیاں اٹھارہ انیس برس کی عمر میں کتنی میچور ہو جاتی ہیں مجھے اس کا اندازہ شمی کی باتوں سے ہوا تھا۔ اس نے وہ سب محسوس کر لیا جو دوسرے محسوس نہیں کر سکے تھے یہی نہیں اس نے جرأت کر کے مجھ سے بات بھی کر لی تھی۔ میں نے کپ رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔ "چڑیل اب تیرا بھی بندوبست کرنا ہوگا تُو بڑی سیانی ہو گئی ہے۔"

"جی نہیں میں نے نانو سے وعدہ لیا ہے وہ مجھے ماسٹر کرنے دیں گے اور اس کے بعد ہی میرے بارے میں سوچیں گے۔"

میں ہنسا۔ "میں نے ٹھیک کہا نا تُو بڑی سیانی ہو گئی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نانو میری ہر بات مانتے ہیں۔'' اس نے فخر سے کہا۔

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔'' کاش وہ میری بھی بات مان لیتے۔''

''آپ کی بھی مانیں گے۔''

''پتا نہیں وہ وقت کب آئے گا۔''

''آجائے گا پہلے آپ مامی سے تو بات کریں۔'' اس نے اصرار کیا۔

''اوکے اس بارے میں سوچوں گا۔'' میں نے کہا۔''میرے کپڑے نکال دو میں نہانے جارہا ہوں۔''

حویلی میں گیس نہیں تھی۔ ایل پی جی کا سلنڈر استعمال ہوتا تھا اور اکثر چیزیں تندور اور اس کے ساتھ لکڑیوں والے چولہے پر بنتی تھیں۔ گرم پانی کے لیے باہا نے ایک بھٹی لگوائی تھی۔ اوپر ٹنکی سے گرم پانی کی لائن اس بھٹی سے گزرتی تھی جس سے پانی گرم ہو جاتا تھا۔ اسے گیزر کا متبادل کہہ سکتے ہیں۔ اس بھٹی میں لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔ میں نے واش روم میں جا کر پانی کھولا۔ کیونکہ پانی بہت زیادہ بھی گرم ہو جاتا تھا اس لیے اس سے براہِ راست نہانا ممکن نہیں تھا۔ پہلے بالٹی یا ٹب میں ملا کر معتدل بنانا پڑتا تھا تب کہیں جا کر یہ نہانے کے قابل ہوتا تھا۔ شمی نے کپڑے استری کر کے باہر لٹکا دیئے تھے۔

میں کپڑے بدل رہا تھا کہ اچانک الماری سے موبائل فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور میں الماری کی طرف لپکا۔ چھپی جگہ سے لفافے سے موبائل نکالا تو اس پر کسی اجنبی نمبر سے کال آرہی تھی میں نے جلدی سے کال ریسیو کی اور دھیمی آواز میں بولا۔

''کون ہے؟''

''میں ندیم بات کر رہا ہوں۔'' ندیم کی آواز آئی۔''یہ میرے دفتر کا نمبر ہے۔''

میں نے سکون کا سانس لیا ورنہ نمبر دیکھ کر میں خدشے کا شکار ہو گیا تھا کہ میرے دشمنوں کو شاید اس نمبر کا سراغ مل گیا تھا۔''ہاں کیا ہوا بیتو کا پتا چلا؟''

''نہیں یار کل سے اسی کام میں لگا ہوا ہوں۔ میرے قابلِ اعتماد ذرائع نے بتایا کہ اس حلیے یا نام والا کوئی نوجوان پولیس کی تحویل میں نہیں آیا ہے۔''

''ممکن ہے مرشد اینڈ کمپنی نے اسے غائب کر دیا ہو؟'' میں نے فکر سے کہا۔''تُو جانتا ہے پولیس میں ان کا کھانچہ فٹ ہے۔''

''نہیں بیٹے کھانچے میرے بھی کم نہیں ہیں۔ ہر تھانے میں مخبر رکھا ہوا ہے یہ مجھے کام کی اطلاع دیتے ہیں۔''

''ایجنسی کا معاملہ بھی نہیں ہے؟''

''اگر براہِ راست کسی ایجنسی نے اٹھا لیا ہو تو میں کہہ نہیں سکتا ہوں لیکن پولیس نے اسے کسی ایجنسی کے حوالے بھی نہیں کیا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے وہ ابھی تک فتح خان کی تحویل میں ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔

''میں بڑی دیر سے کوشش کر رہا تھا لیکن تیرا نمبر بند جا رہا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بند ہی رکھتا ہوں آئندہ کال مت کرنا میں دن میں خود دو تین بار تجھے کال کرلوں گا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر فون بند کر دیا۔ مجھے یاد تھا کہ آخری بار استعمال کے بعد میں نے موبائل بند کر دیا تھا پھر اسے آن کس نے کیا؟ میرا ذہن شمی کی طرف گیا تھا اس نے ابھی میرے کپڑے نکالے تھے اور شاید اس نے موبائل دیکھ لیا تھا۔ یعنی اب میرے پاس موبائل کی موجودگی راز نہیں رہی تھی لیکن ابھی یہ راز شمی تک محدود تھا اگر وہ اسے اپنے تک رکھتی تو مسئلہ نہیں تھا لیکن بابا تک بات پہنچ جاتی تو شاید مسئلہ بن جاتا۔

میں شمی کی تلاش میں باہر آیا۔ آپا نے بتایا کہ وہ اپنے کمرے میں تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دی اور اندر آیا تو وہ کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر چونکی اور پھر خوش ہوگئی۔'' آپ پہلی بار میرے کمرے میں آئے ہیں شیبی۔''

''شمی کی بچی یہ بتاؤ یہ الماری کی تلاشی کس خوشی میں لیتی ہو۔''

وہ گھبرا گئی۔''نہیں میں..... نے تلاشی نہیں..... لی تھی۔ وہ..... ازار بند نہیں..... مل رہا تھا تو اس کی..... تلاش میں اس خانے میں ہاتھ مارا تھا۔'' اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

''پھر تم نے موبائل آن کر دیا؟'' میں نے کہا۔

اس نے سر جھکا لیا۔''ہاں وہ میں دیکھ رہی تھی تو آن ہوگیا۔'' وہ شرمندہ نظر آنے لگی۔'' سوری شیبی آپ کو برا لگا؟''

''نہیں برا تو نہیں لگا لیکن میں نے موبائل سب سے چھپا رکھا ہے اب تم یہ بات خود تک محدود رکھو گی۔''

''پکا وعدہ..... آپ کی قسم کسی کو نہیں بتاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے اور دوبارہ موبائل بھی آن نہیں کرو گی؟''

''موبائل بھی آن نہیں کروں گی۔'' اس نے وعدہ کیا۔''اب تو آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔''

''ہاں اب نہیں ہوں لیکن یہ معافی فری میں نہیں ہے۔''

وہ میرا مطلب سمجھ گئی۔'' آپ جو کہیں گے وہ بنا کر کھلاؤں گی۔''

''تم نے جو پہلے دن پلاؤ بنایا تھا۔''

''سچ۔'' وہ خوش ہوگئی۔''میں آج ہی بناتی ہوں۔''

شمی چاول کی شوقین تھی اور میرے بہانے اسے بھی کھانے کا موقع مل جاتا۔ وہ فوراً اٹھ گئی۔ میں اپنے کمرے میں آیا تو مطمئن تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شمی کسی کو یہ بات نہیں بتائے گی۔ مجھے نیند آرہی تھی اس لیے میں پھر سو گیا۔ مسلسل طویل عرصے تک آرام کی طلب اب پوری ہو رہی تھی۔ میں سو کر اٹھا تو شام کے پانچ بج رہے تھے اور مجھے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ میں باہر آیا تو کچن والے حصے میں کچھ تلنے کی خوشبو آرہی تھی میں نے جھانک کر دیکھا تو شمی سموسے تل چکی تھی اور پکوڑے تل رہی تھی۔

''واہ تو یہ کام ہو رہا ہے۔'' میں اندر آگیا۔

''آپ کے لیے ہو رہا ہے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا اور نہ دوپہر کا کھانا کھایا۔'' اس نے پکوڑے اتارتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور پلاؤ؟''

''وہ اس کے بعد تیار کروں گی۔''

اس نے چٹنی کے ساتھ گرما گرم سموسے اور پکوڑے میرے سامنے رکھے اور میں وہیں کچن میں چوکی پر بیٹھ کر کھانے لگا۔ بھوک میں یہ اور بھی مزہ دے رہے تھے۔ اس دوران میں آپا، ماں جی اور سویرا بھی وہیں آ گئے تھے۔ اس دن سویرا ذرا تیار ہو کر آئی تھی۔ اس نے ہلکا نیلا لباس پہن رکھا تھا اور ہاتھوں میں کنگن کی جگہ اس کی سونے کی چوڑیاں تھیں۔ ہمارے خاندان میں ہندووانہ رسم و رواج کے برعکس بیوائیں صرف چند دن کا سوگ مناتی ہیں اور اس کے بعد واپس اپنی معمول کی زندگی میں لوٹ آتی ہیں۔ ماں جی نے سویرا کی بلائیں لیں۔

''میری دھی کتنی سوہنی لگ رہی ہے۔ تُو نے کان کیوں خالی رکھے ہیں؟''

''بُندے اندر رکھے تھے وہ کل نکال لوں گی۔'' سویرا نے جواب دیا۔

''کل تُو ریشمی لباس پہنے گی۔'' ماں جی نے اسے حکم دیا۔

''جی ماں جی۔''

حویلی میں صرف صبح اور رات کی چائے کا رواج تھا لیکن شمی نے میرے لیے چائے بنا دی۔ ''کیسے بنے سموسے اور پکوڑے؟''

''لاجواب۔'' میں نے رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''چڑیل تُو سب بہترین بناتی ہے۔ مجھے یقین ہے شادی کے چند سال بعد تیرا شوہر کولیسٹرول کا مریض بن جائے گا۔''

''جی نہیں۔'' شمی شرما گئی۔

''کیا نہیں؟'' میں نے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

وہ چمک کر بولی۔ ''جناب بھول رہے ہیں آپ کے بھی کچھ راز ہیں میرے پاس.....''

''اچھا بابا تم تو بلیک میلنگ پر اتر آئی ہو حالانکہ نہ تو بلیک ہو اور نہ میل۔''

ماں جی سمجھیں نہیں اور سادگی سے بولی۔ ''کالی اور میلی تو میری دھی ہو نہیں سکتی صفائی کا بہت خیال رکھتی ہے۔''

اس پر سب ہی ہنس پڑے تھے اور ماں جی خفا ہو گئیں۔ ''لو کیا میں نے لطیفہ سنایا ہے۔''

''نہیں ماں جی ہمیں تو شمی پر ہنسی آ رہی ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ویسے یہ اتنی صاف بھی نہیں رہتی ہے۔ یاد ہے بچپن میں کتنی مشکل سے نہانے کے لیے تیار ہوتی تھی پکڑ پکڑ کر لانا پڑتا تھا۔''

شمی نے منہ بسورا۔ ''وہ بچپن کی بات تھی۔ اب میں بہت صفائی پسند ہو گئی ہوں۔''

آپا نے سر ہلایا۔ ''ہاں کہو تو دوسرے تیسرے دن اب بھی نہا لیتی ہے۔''

ہم سب پھر ہنسے تو اس نے احتجاج کیا۔ ''جی ایسی بات نہیں ہے امی تو بس میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔''

اسی ہنسی مذاق میں سموسے اور پکوڑے ختم ہوئے۔ یہاں آنے کے بعد میں نے پہلی بار سویرا کو ہنستے سنا تھا۔ جب وہ ہنستی تو جیسے کانچ کی گولیاں فرش پر بکھر جاتی تھیں۔ شجاع بھائی اور بھابی و بچوں کے جانے کی اداسی ٹل گئی تھی۔ رات تک سب نے بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ پہلے ماں جی کمرے میں گئیں پھر آپا گئیں اور پھر سویرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور شمی بھی اٹھ گئے تھے۔ میں نشست گاہ میں بیٹھا رہا تھا۔ ابھی کمروں میں روشنیاں تھیں اور کھٹ پٹ کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ میں انتظار کرتا رہا کہ روشنیاں بجھ جائیں اور آوازیں سناٹے میں بدل جائیں۔ ساڑھے گیارہ بجے تک روشنیاں بند ہو گئیں اور آوازیں بھی معدوم ہو گئیں تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے میں آیا۔ واش روم کی چھت اور اوپر کی چھت میں ایک چھوٹا سا خلا تھا۔ اس قسم کے خلا عام طور سے فالتو سامان رکھنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جب میں یہاں تھا تو اپنی ایسی اشیا بکسوں میں بھر کر یہیں رکھتا تھا۔ دروازہ اندر سے بند کر کے میں نے دوچھتی کے پٹوں کے نیچے کرسی رکھی اور اس کی مدد سے اوپر چڑھ گیا۔

دوچھتی میں سامان بھرا ہوا تھا اور اس پر جمی گرد بتا رہی تھی کہ برسوں سے اس دوچھتی میں کسی نے جھانکا بھی نہیں ہے۔ مجھے اطمینان ہوا اور نہ خدشہ تھا کہ اس دوران میں کسی نہ کسی نے سامان کو چھیڑا ہو گا۔ وہاں ایک چھوٹی سا چرمی کیس رکھا تھا۔ اس پر بھی مٹی کی موٹی تہہ موجود تھی۔ میں نے اسے باہر نکالا اور پھر نیچے اتر آیا۔ کیس پر سے مٹی کی تہہ صاف کر کے میں نے اس کو کھولا۔ اس میں میری کچھ خاص چیزیں تھیں۔ ان میں ایک فوجی ساختہ خنجر جو کوئی فٹ بھر لمبا تھا اور چمڑے کی نیام میں تھا۔ کچھ اور چیزیں بھی تھیں لیکن میری توجہ کا مرکز وہ دوربین تھی جو میں نے پشاور میں ایک شخص سے خریدی تھی۔ یہ خنجر بھی اسی سے لیا تھا۔ وہ افغان جنگ کا سامان فروخت کرتا تھا۔ دوربین اور خنجر دونوں روسی ساختہ تھے۔ دوربین کی خاص بات یہ تھی کہ یہ نائٹ ویژن بھی تھی۔ میں نے دونوں چیزیں نکالیں اور کیس واپس دوچھتی میں رکھ کر اسے بند کر دیا۔

کپڑے اور لائٹ آئل کی مدد سے میں نے دونوں چیزیں صاف کیں اور یہ یوں جگمگانے لگیں جیسے ابھی بن کر تیار ہوئی ہوں۔ خنجر میں نے الماری میں رکھ دیا۔ پھر گرم چادر لی اور کمرے سے نکل کر حویلی کے عقبی حصے میں آیا یہاں چھت پر جانے والا زینہ تھا میں چھت پر آیا۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا اور اب مجھے گرم چادر میں بھی سردی لگ رہی تھی بہر حال یہ ناقابلِ برداشت نہیں تھی۔ چادر سیاہ رنگ کی تھی اور اس میں دور سے نظر آنے کا امکان نہیں تھا ویسے بھی یہ بغیر چاند کی تاریک رات تھی۔ میں نے دوربین آنکھوں سے لگائی۔ اس کے عام شیشوں سے تو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن جب میں نے اسے نائٹ ویژن موڈ پر کیا تو پورا ماحول ہلکے ہرے رنگ میں نظر آنے لگا تھا۔ ہر چیز اپنی حرارت کے لحاظ سے کم یا زیادہ نظر آ رہی تھی۔

نائٹ ویژن دوربین یا آلات اصل میں انفرا ریڈ لہروں کی مدد سے کام کرتے ہیں۔ ان کے مخصوص لینس انفرا ریڈ لہروں کو دیکھ لیتے ہیں جو اجسام سے حرارت کے حساب سے خارج ہوتی ہیں۔ جو جسم زیادہ حرارت خارج کرتے ہیں وہ زیادہ واضح نظر آتے ہیں۔ حویلی کے سامنے ایک کھلا میدان تھا۔ یہ بھی ہماری ملکیت تھا۔ اس میں جا بجا برگد، نیم اور شیشم کے درخت لگے تھے۔ دائیں اور بائیں کھیت تھے۔ یہ مشترک تھے یعنی ہماری خاندانی ملکیت تھے اور اس میں بابا کے چچا زاد بھائیوں کا حصہ بھی تھا۔ عقب میں ایک ریتیلا میدان تھا جس میں جھاڑ جھنکاڑ اُگا ہوا تھا اور یہ کاشت کے قابل نہیں تھا۔ اس زمین کا حویلی کے ساتھ لگا حصہ ہماری ملکیت تھا اور کبھی بابا نے یہاں زمین ٹھیک کرا کے کینو کا باغ لگانے کا سوچا تھا لیکن پھر ان کو فرصت نہیں ملی۔ اس لیے یہاں اب بھی جھاڑ جھنکاڑ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس جھاڑ جھنکاڑ کے درمیان ایک چھوٹا سا برساتی نالہ ہے جو بارش کے پانی کو آگے نہر تک پہنچا دیتا ہے۔ اس میدان میں یہ نالہ جھاڑیوں میں اس طرح رُوپوش تھا کہ اس کا پتا بھی نہیں چلتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔

میں نے پہلے حویلی کے سامنے والے حصے کا جائزہ لیا۔ فوراً ہی مجھے دو روشن جسم نظر آئے یہ گارڈ تھے جو حویلی کے مین گیٹ پر چوکس موجود تھے۔ ان میں سے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا گیٹ کے آس پاس ٹہل رہا تھا جب کہ تیسرا یقیناً اس وقت آرام کر رہا تھا۔ پھر کرسی پر بیٹھا ہوا گارڈ اٹھا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ گشت لگا رہا تھا۔ شجاع بھائی نے ٹھیک کہا تھا یہ پیشہ ور اور چوکس گارڈ تھے جو اپنی ڈیوٹی پوری مستعدی سے سر انجام دے رہے تھے۔ سامنے میدان میں کوئی شخص نہیں تھا ورنہ وہ لازمی دوربین میں نظر آ جاتا بے شک وہ کسی آڑ میں کیوں نہ ہوتا۔

میں نے دائیں بائیں کا جائزہ لیا۔ اس طرف گندم کے کھیتوں میں کچھ جانور ضرور دکھائی دیئے تھے مگر کوئی انسان نہیں تھا۔ پھر میں عقب میں واقع جھاڑ جھنکاڑ سے بھرے میدان کی طرف آیا اور یہاں مجھے فوراً ہی کچھ دھبے نظر آ گئے لیکن ان کی ساخت ایسی تھی کہ یہ جاننا مشکل ہو رہا تھا وہ انسان تھے یا جانور تھے۔ اگر انسان تھے تو گول مول ہو کر بیٹھے تھے۔ ان دھبوں کی تعداد چار تھی اور یہ حویلی سے کوئی پچاس گز دور تھے۔ میں دوربین ان پر جما کر کھڑا ہو گیا۔ کبھی کبھی ان میں حرکت کا احساس ہوتا تھا لیکن وہ بھی اپنی جگہ جمے ہوئے تھے۔ کوئی دس پندرہ منٹ میں ان روشن دھبوں کو دیکھتا رہا۔ اگر وہ انسان تھے تو اس سردی میں اس ویرانے میں بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا ہاں جانور یہاں ضرور پناہ لے سکتے تھے۔ یہاں گیدڑ اور لومڑیاں عام ملتی ہیں اور وہ اسی طرح جھاڑیوں میں ٹھکانہ بنا کر رہتے ہیں۔

میں نے کچھ دیر بعد باقی میدان کا جائزہ لیا لیکن اس کے سوا اور کہیں روشن جسم نہیں تھے۔ جب ان جسموں نے نصف گھنٹے تک کوئی حرکت نہیں کی تو مجھے یقین آ گیا کہ یہ جانور تھے۔ جانور ہی اتنی ثابت قدمی سے ایک جگہ بیٹھ سکتے ہیں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں واپس نیچے آ گیا۔ میرا مقصد ان لوگوں کو تلاش کرنا تھا جو حویلی کی نگرانی کر رہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ حویلی یعنی میری نگرانی کی جا رہی تھی کہ میں حویلی سے نکل نہ جاؤں اور میرے دشمنوں کے عزائم خاک میں مل جائیں۔ میں خاموشی سے حویلی کے اندر آیا اور اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ سویرا کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میرے قدم رک گئے۔ اندر سے سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ بہت دھیمی تھیں لیکن سردی کے سناٹے میں واضح سنائی دے رہی تھیں۔ ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ میں گزر جاؤں لیکن میرے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

میں نے ہاتھ آگے بڑھایا اور دستک دینے کے بجائے ہینڈل گھمایا دروازہ کھلا ہوا تھا میں آہستہ سے اندر آیا تو سویرا بستر پر کروٹ کے بل سمٹی حالت میں لیٹی ہوئی دھیمی آواز میں سسکیاں بھر رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ جاگ رہی ہو گی لیکن جب میں گھوم کر سامنے آیا تو اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ نیند میں تھی۔ اس کی سسکیوں میں ایسا درد تھا کہ میرا دل کٹنے لگا۔ وہ بن ماں کی بچی تھی ابھی کمسن تھی کہ باپ بھی چل بسا اور رشتے دار اس کی دولت اور جائیداد کی وجہ سے چاروں طرف سے مردار خور گدھوں کی طرح جمع ہونے لگے۔ سویرا کے باپ کو پہلے ہی اندازہ تھا اس لیے اس نے بابا کو سویرا کا گارجین مقرر کر دیا۔ اس پر سویرا کے رشتے داروں نے بہت شور مچایا تھا لیکن وہ بابا کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سویرا ہمارے ہاں آئی تو ایک ڈری سہمی اور اعتماد سے محروم ہستی تھی لیکن رفتہ رفتہ حویلی کے اپنائیت سے پر ماحول نے اسے سنبھال لیا۔ ماں جی اسے بیٹی کی طرح چاہتی تھیں تو بابا اسے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ آپا اور ہم سب اس سے محبت اور ہمدردی رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے جلد خود کو سنبھال لیا اور پورے اعتماد سے حویلی کے ماحول میں رچ بس گئی۔ چند سال بعد وہ شاید بھول بھی چکی تھی کہ اس سے ہمارا کوئی خون کا رشتہ نہیں ہے۔ پھر میرے اور اس کے درمیان ایک لطیف اور خوب صورت تعلق پروان چڑھنے لگا۔ دل کا یہ رشتہ وقت گزرنے کے ساتھ پختہ ہوتا گیا۔

مگر ملن ہماری قسمت میں نہیں تھا ایک معمولی سے واقعے نے بات کو یوں بگاڑا کہ پھر یہ سنور نہ سکی۔ بابا نے ضد میں آکر ایک ایسا فیصلہ کیا جس نے میری اور سویرا کی راہیں جدا کر دی تھیں۔ اس وقت مجھے لگا تھا کہ یہ راہیں ہمیشہ کے لیے جدا ہو چکی ہیں لیکن شاہد بھائی کی ناگہانی موت نے صورت حال بدل دی تھی۔ میں بستر کے کنارے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ ایک مونا کھیں لیے لیٹی تھی جو اوپری جسم سے سرک گیا تھا لیکن خدا گواہ ہے ایک لمحے کو بھی میرے ذہن میں کوئی ایسا خیال نہیں آیا تھا جس پر مجھے خود سے شرمندہ ہونا پڑتا۔ میں اس کے معصوم چہرے کو تک رہا تھا۔ اس کی سسکیاں مدہم ہوتے ہوتے تھم گئیں۔ میں نے جھک کر آہستہ سے اس کا کھیس درست کیا اور پھر اس کے رخسار پر موتیوں کی طرح آنسو صاف کیے۔ پاؤں کی طرف ایک تہہ شدہ کمبل بھی تھا لیکن اسے کھولنے کی صورت میں سویرا کی آنکھ بھی کھل سکتی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے اس وقت یہاں اپنے کمرے میں دیکھے۔ اس لیے میں نے کھیس درست کیا اور دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ عقب سے سویرا کی غنودہ آواز آئی۔

''شہباز آپ.....؟''

میں نے مڑ کر دیکھا وہ اٹھ گئی تھی اور حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں واپس آیا۔ ''ہاں میں..... تمہارے کمرے کے پاس سے گزر رہا تھا کہ تمہارے سسکیاں لینے کی آواز آئی تو بے چین ہو کر اندر چلا آیا۔ پھر تم چپ ہو گئیں تو واپس جا رہا تھا۔''

''آپ کو وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اٹھ بیٹھی۔ ''میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کو اس کمرے میں آنے کے لیے کبھی بھی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

میں مسکرایا۔ ''اس لیے میں اندر آ گیا۔''

اس نے کھیس اپنے گرد لپیٹتے ہوئے دونوں گھٹنے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیے۔ اس کی بکھری زلفیں اس کے شانوں پر پریشان تھیں۔ اس لمحے وہ مجھے کسی اور دنیا کی مخلوق لگی تھی۔ میں بے ساختہ اس کے سامنے بستر کے پاس فرش پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ میری نظروں کو محسوس کر کے اس کے رخسار دہکنے لگے تھے۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر سرگوشی میں کہا۔

''سویرا.....''

''جی۔''

''سویرا کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں درمیان میں جدائی کے آنے والے سالوں کو بھول جائیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو ممکن نہیں ہے۔ یہ سارا وقت ایک ٹھوس حقیقت کی طرح ہمارے اردگرد موجود ہے۔''

''لیکن ہم تو اسے بھول سکتے ہیں۔'' میں نے اصرار کیا۔ ''کچھ دن پہلے تک میرا اور تمہارا رشتہ بالکل مختلف تھا اور میں تمہارے بارے میں سوچتے ہوئے بھی گھبراتا تھا لیکن اب حقائق بدل چکے ہیں۔''

''لیکن پہلے اور اب میں بہت فرق ہے۔'' اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ ''چھ سال پہلے میں ایک نوجوان لڑکی تھی اور میرے دل میں صرف آپ تھے۔ آج میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ میں نہ تو نوجوان ہوں اور نہ ہی کنواری ہوں۔''

''پلیز سویرا۔'' میں بے تاب ہو گیا۔ ''تم میرے لیے اپنی ذات کو اتنے معمولی پیمانوں سے مت ناپو۔ تم اور تمہاری ہستی ان سب باتوں سے بہت بلند ہے۔ میرے دل میں تمہارے لیے چھ سال پہلے جو کچھ تھا اس میں کوئی کمی نہیں آئی ہے ہاں اضافہ ضرور ہوا ہے۔ میرے جذبوں کو کنوارے اور کمسن جسم کی نہیں تمہاری ضرورت ہے۔''

''کیا یہ ممکن ہے؟'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں ممکن ہے۔'' میرا لہجہ تیز ہو گیا۔

''ایک بار پہلے بھی یہ ناممکن ہو چکا ہے۔''

''اس وقت کی بات اور تھی۔ جو ہوا اتنا اچانک تھا کہ میں اور تم کچھ کر ہی نہیں سکے لیکن اب نہ تو تم وہ سویرا ہو جس کے ساتھ اپنی مرضی کی جا سکے اور نہ میں وہ شہباز ہوں جو اپنی محبت چھن جانے کو برداشت کر جائے۔''

سویرا کی آنکھوں میں غرور آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ مسکراہٹ بتا رہی تھی اسے میری بات کا یقین تھا لہ اب میں اسے کسی اور کا ہونے نہیں دوں گا۔ اس نے کسی قدر شوخی کے ساتھ کہا۔ ''کیا کر لیں گے آپ؟''

''اگر ایسی کوئی صورتِ حال ہوئی جس میں تمہیں مجھ سے ایک بار پھر دور کرنے کی کوشش کی گئی تو میں تمہیں لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں آپ ایسا کر سکتے ہیں آپ طاقتور اور مرد ہیں لیکن کیا آپ نے سوچا کہ میں ایک کمزور عورت ہوں جسے حالات مجبور کر دیتے ہیں۔''

''اب تمہاری طاقت میں ہوں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''اگر آپ میرے ساتھ ہیں تو میں طوفانوں کے سامنے بھی کھڑی ہو سکتی ہوں۔''

''بس مجھے تمہاری یہی یقین دہانی چاہیے۔''

''لیکن شہباز آپ جن حالات سے گزر رہے ہیں وہ کب تک ٹھیک ہوں گے۔'' وہ بے چین ہو گئی۔

''یہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا ممکن ہے چند مہینے میں سب ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کئی سال لگ جائیں۔''

''کئی سال۔'' وہ بجھ گئی تھی۔ ''شہباز میں اتنا طویل انتظار کیسے کروں گی۔''

''تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''میری خاطر کرنا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر اوپر کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ''ٹھیک ہے میں آپ کی خاطر انتظار کروں گی۔''

میرا دل چاہا کہ ان آنسوؤں کو سمیٹ لوں یہ قیمتی موتی یوں بے قدر نہ ہوں لیکن میں دل مسوس کر رہ گیا۔ سویرا ابھی عدت میں تھی اور جب تک اس کی عدت ختم نہیں ہو جاتی میں اسے چھونے کا مجاز نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ روتی رہی اور میں اس کے پاس بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں نے آپ کی مشکلات کے بارے میں جو سنا ہے مجھے لگتا ہے وہ اصل سے بہت کم ہے کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ آپ پر کیا گزری ہے؟''

''کیوں نہیں بتاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''ایسے نہیں آپ کرسی پاس کر لیں۔ یوں مت بیٹھیں۔'' اس نے کہا تو میں نے کرسی کھینچ لی اور اسے اپنی داستان سنانے لگا۔ سویرا کی آنکھوں کی حیرت بتا رہی تھی کہ اسے اس بارے میں بہت کم پتا تھا جیسے جیسے میری کہانی آگے بڑھ رہی تھی اس کی حیرت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس میں نت نئے کرداروں کی شمولیت اسے سوالات پر اکساتی تھی۔ پھر ایمن شا کا ذکر آیا تو وہ چوکنا ہو گئی۔

''یہ کون ہے؟''

''یہ ایک انگریز برٹ شا کی بیٹی ہے تمہیں یاد ہو گا جب میں گھر سے بھاگ نکلا تھا اور شمال کی ایک وادی چلا گیا تھا یہ مجھے وہاں ملی تھی۔''

''اس وقت تو آپ نے بتایا نہیں تھا۔''

''اس وقت تم سے فرصت سے بیٹھ کر بات کرنے کا موقع کب ملا تھا۔'' میں نے کہا۔

''تو یہ آپ سے دوبارہ ملی؟''

میں نے ایمن کے حوالے سے کہانی میں مناسب تبدیلی کر دی تھی اور اصل بات گول کر گیا تھا لیکن سویرا کی مخصوص نسوانی حس نے بھانپ لیا تھا کہ ایمن کے معاملے میں دال میں بہت کچھ کالا ہے۔ اگرچہ میں نے کبھی ایمن میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ اس کی دلکشی نے مجھے متاثر کیا تھا لیکن بس اس حد تک جیسے کوئی تر و تازہ کھلا ہوا گلاب کسی دیکھنے والے کو متاثر کرتا ہے اور وہ اسے نظر و دل میں سراہتا ہے اور بس۔ اس سے آگے کا میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ البتہ ایمن کے بارے میں مجھے سخت شبہ تھا کہ وہ مجھ میں دلچسپی رکھتی ہے۔ بہ ظاہر تو وہ ڈیوڈ شا کی وجہ سے میرے ساتھ تھی کیونکہ ڈیوڈ شا اس کے باپ کی میراث ہڑپ کر کے اس کا دشمن بن گیا تھا لیکن مجھ سے تعلق میں اس کے دل کے معاملات بھی شامل تھے۔

میں نے سر ہلایا۔ ''کئی بار ملی..... لیکن یہ ملاقاتیں ہمیشہ ہنگامی حالات میں ہوتی رہی ہیں۔''

''ہنگامی حالات۔'' سویرا نے پوچھا۔ ''باوجود اس کے کہ وہ آپ کے پیچھے پاکستان اور پھر انڈیا چلی آئی۔''

''میرے پیچھے نہیں اپنے کام کے سلسلے میں۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''وہ ایک ماحولیاتی سیحانی بھی ہے۔''

میری کہانی آگے بڑھی اور اس میں سادی کا ذکر شامل ہوا تو سویرا نے اسے خاص اہمیت نہیں دی البتہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بارے میں سوالات ضرور کیے، مونا کے بارے میں وہ پہلے بھی جانتی تھی۔ اسے مونا اور سفیر کی شادی کا سن کر خوشی ہوئی تھی۔ راجا عمر دراز اور اس سے منسوب پُراسرار وادی سویرا کی دلچسپی کی چیزیں نہیں تھیں اس لیے میں نے ان کا ذکر محدود رکھا لیکن اسے مرشد اور فتح خان کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔ ان کی سفاکیاں سن کر وہ کسی قدر خوف زدہ ہوگئی تھی۔ ''اتنے خطرناک لوگ ہیں یہ.....؟'' اس نے جھرجھری لی۔

''اس سے بھی زیادہ یوں سمجھ لو کہ ان کی درندگی کے سامنے درندے بھی شرمائیں۔''

میں نے اسے سب بتا دیا تھا۔ جب میں چپ ہوا تو اس نے کہا۔ ''شہباز مجھے ایک خیال آرہا ہے..... کہیں یہ حقیقت تو نہیں کہ شاہد.....''

وہ کہتے ہوئے رک گئی تھی لیکن میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا میں نے سر ہلایا۔ ''مجھے بھی مضبوط شبہ ہے۔ شاہد بھائی کے قتل میں مرشد ملوث ہے۔ وہ مجھ سے بدلہ لینے کے لیے پاگل ہو رہا ہے اور فی الحال اس نے اشارہ کیا ہے کہ وہ میرے اور میرے گھر والوں کے بارے میں کیا عزائم رکھتا ہے۔''

سویرا سہم گئی۔ ''اس کا مطلب ہے ہم سب خطرے میں ہیں۔ آپ، بابا، شجاع بھائی اور باقی سب۔''

''ہاں سب خطرے میں ہیں۔''

''تو ہم اس سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟''

''یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ ابھی تو مجھے اس سے شاہد بھائی کا حساب لینا ہے۔''

''آپ اس سے لڑیں گے۔'' وہ پریشان ہوگئی۔ ''نہیں وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

میں مسکرایا۔ ''تو میں اب تک کیا کرتا آرہا ہوں اس سے لڑ ہی رہا ہوں اور تم فکر مت کرو میں اس کے لیے تر نوالہ نہیں ہوں بلکہ اب وہ مجھ سے ڈر رہا ہے۔ اسی لیے تو مجھے حویلی میں قید کرایا ہے۔''

''حویلی میں قید؟'' وہ چونکی تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا میں بے ساختہ اس کے سامنے یہ بات کہہ گیا۔

''میرا مطلب ہے اس نے مجھے حویلی بھجوایا ہے۔''

''نہیں شہباز آپ نے جو کہا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کیا آپ پر بابا یا شجاع بھائی کی طرف سے کوئی پابندی ہے؟''

میں نے گہری سانس لی۔ وہ مجھے جانتی تھی اور میں اس سے جھوٹ کہتا تو وہ پکڑ لیتی۔ اس لیے میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کیا اور اسے سب بتا دیا وہ دم بخود سے سن رہی تھی۔ اس نے تڑپ کر کہا۔

''آپ کے ساتھ یہ سلوک کیوں؟''

''کیونکہ دشمن نے دھمکی دی ہے اور میرے خیال میں فی الحال مجھے حویلی سے نہیں نکلنا چاہیے۔''

''لیکن دشمن کو معلوم ہو کہ آپ کہاں ہیں تو یہ بھی تو اچھی بات نہیں ہے آپ پولیس کو بھی مطلوب ہیں۔''

اس نے ذہانت سے نکتہ اٹھایا۔

''ابھی مجھے خطرہ نہیں ہے۔ ہاں جب الیکشن ہو جائیں گے تب وہ میرے خلاف حرکت میں آجائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ کو اس سے پہلے اپنی حفاظت کا بندوبست کر لینا چاہیے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''یہ سب میرے ذہن میں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم اس بارے میں فکر مت کرو۔''

''آپ مجھ سے ایسا نہیں کہہ سکتے کہ میں آپ کے بارے میں فکر نہ کروں جب تک میں زندہ ہوں آپ کے بارے میں فکر کروں گی۔''

حویلی آنے کے بعد میں سویرا سے بہت کم ملا تھا اور جتنی بار بھی ملاقات ہوئی تھی میں نے محسوس کیا کہ وہ شاہد بھائی کے بارے میں بات کرنے سے گریز کرتی ہے۔ پہلے میرا خیال تھا شاید وہ میری وجہ سے ایسا کرتی ہے لیکن اب میرا خیال بدل گیا تھا میں نے محسوس کیا کہ اس کے اور شاہد بھائی کے تعلقات ویسے نہیں تھے جیسے عام میاں بیوی کے ہوتے ہیں۔ اسے ان کی موت کا دکھ تھا لیکن اس کے انداز میں سوگ نہیں تھا۔ ابھی مجھے موقع ملا تھا تو میں نے پوچھ لیا۔

''سویرا ایک سوال ہے اگر تم جواب دینا پسند کرو؟''

''آپ ایسا مت کہیں میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے سکتی ہوں۔'' اس نے مجھے زخمی نظروں سے دیکھا۔

''تمہارے اور شاہد بھائی کے تعلقات کیسے تھے؟''

وہ ایک لمحے کو چپ ہو گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ٹھیک تھے لیکن آپ نے کیوں پوچھا؟''

''کیونکہ مجھے محسوس ہوا ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی گڑبڑ تھی لیکن خیر تم جواب نہیں دینا چاہتیں تو.....''

''یہ بات نہیں ہے۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''میں نہیں چاہتی کہ آپ میری تکلیف میں شامل ہوں۔''

''کیونکہ جب میں ہر چیز میں تمہارا ساتھی ہوں تو تمہارے دکھ مجھ سے الگ کیوں ہوئے۔''

اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''وہ کچھ اچھی یادیں نہیں ہیں۔ بس ایک ہی بات ان میں اچھی ہے ان کے بارے میں کسی اور کو بالکل نہیں معلوم ہے مجھے حیرت ہے آپ نے چند دنوں میں یہ بات جس طرح محسوس کر لی جو دوسرے برسوں میں نہیں جان سکے تھے؟''

''شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک شاہد بھائی تھے تب تم دونوں مکمل اداکاری سے کام لیتے ہو گے لیکن ان کے بعد تم نے اداکاری سے کام لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اسی سے مجھے احساس ہو گیا۔''

''ہاں یہ سچ ہے شاہد کے بعد میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور اپنا رویہ نارمل کر لیا۔'' سویرا نے اعتراف کیا۔ ''لیکن یہ بات کسی اور نے محسوس نہیں کی۔''

''شاید اس لیے کہ گھر والے غم کا شکار تھے یا انہوں نے محسوس کیا تب بھی ظاہر ہونے نہیں دیا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' وہ بے خیالی میں بولی۔ ''شادی کے شروع دنوں میں شاہد کا رویہ ایک عام محبت کرنے والے شوہر کا سا تھا۔ ان دنوں وہ گلگت پوسٹنگ پر تھے اور وہاں کے سخت موسم کی وجہ سے انہوں نے مجھے ساتھ رکھنے سے گریز کیا تھا میں حویلی میں رہی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ایک بار بھی شاہد بھائی کے ساتھ نہیں رہیں؟''

''میری خواہش تھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا گلگت میں تو موسم کی وجہ سے انکار کیا تھا۔ ایک سال بعد ان کے رویے میں اچانک تبدیلی آئی تھی۔''

''کیسی تبدیلی؟''

سویرا کی رنگت ذرا سرخ ہوئی تھی۔ ''انہوں نے..... مجھ سے گریز کرنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے میں نے غور نہیں کیا لیکن دوبارہ وہ کئی دن کے لیے گھر آنے کے باوجود مجھ سے گریزاں رہے تو میں کھٹک گئی تھی۔ بہ ظاہر سب کے سامنے وہ ایک اچھے محبت کرنے والے شوہر رہا کرتے تھے لیکن کمرے کی تنہائی میں آتے ہی وہ مجھ سے بیگانہ ہو جاتے تھے۔''

''تم نے ان سے وجہ پوچھی؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''جب انہوں نے دوسری بار بھی ایسا ہی کیا تو میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ میں نے شکوہ کیا کہ وہ بلاوجہ مجھ سے کیوں گریز کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مگر میں مطمئن نہیں تھی۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی مجھ سے گریز نہیں کیا تھا۔ جب میں نے پھر پوچھا تو انہوں نے بہت رکھائی سے کہا۔

''سویرا ہماری زندگی کی گاڑی جس طرح چل رہی ہے اسے اسی طرح چلنے دو۔''

میں حیران ہوئی۔ ''لیکن کیوں آپ کے اس رویے کی کوئی وجہ تو ہوگی؟''

''کوئی وجہ نہیں ہے اور برائے مہربانی اب مجھ سے اس موضوع پر بات مت کرنا۔'' انہوں نے کہہ کر بات ختم کر دی۔

''تم نے دوبارہ نہیں پوچھا؟''

''پوچھا کئی بار پوچھا لیکن ہر بار ان کا رویہ پہلے سے زیادہ خراب ہوتا گیا اور آخری بار انہوں نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا اور بہت خراب لہجے میں کہا کہ ان کی یہی مہربانی کافی ہے کہ وہ مجھے بیوی بنا کر رکھے ہوئے ہیں اگر میں نے ان کو مجبور کیا تو وہ مجھے طلاق دے دیں گے۔''

میں حیران ہوا تھا۔ ''شاہد بھائی نے تمہیں طلاق کی دھمکی دی تھی تم نے یہ بات گھر میں کسی کو بتائی نہیں؟''

''میں کیسے یہ بات کہتی جب کہ سب کے سامنے ان کا رویہ مجھ سے بہترین ہوتا تھا۔ وہ میرے لیے ڈھیروں چیزیں لاتے تھے اور میرا ایسا خیال رکھتے تھے جیسے کوئی محبت کرنے والا شوہر رکھتا ہے۔'' سویرا نے افسردگی سے کہا۔ ''کوئی میری بات کا یقین نہیں کرتا۔''

''تمہارے خیال میں شاہد بھائی کے اس رویے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟'' میں نے غور سے سویرا کو دیکھا۔

''میری سمجھ میں ایک ہی وجہ آتی تھی۔ شاید ان کو کسی طرح میرے اور آپ کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا۔ گھر میں آپا اور ماں جی اس بات سے واقف تھے۔ ماں جی کو شبہ تھا لیکن آپا کو یقینی طور پر علم تھا کیونکہ وہ بعض اوقات اس حوالے سے مجھے چھیڑتی بھی تھیں۔''

''جب بابا نے تمہاری اور شاہد بھائی کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا تو آپا یا ماں جی نے ان کو بتایا نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے آپا نے بات کی تھی لیکن بابا فیصلہ کر چکے تھے۔''

''ہاں جب وہ فیصلہ کر لیں تو وہ پتھر پر لکیر ہو جاتا ہے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ ''چاہے اس کی وجہ سے ان کی اولاد کی زندگی اجڑ جائے۔''

''پلیز شہباز۔'' سویرا نے التجا کی۔ ''جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب اس پر اپنا موڈ مت آف کریں۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''کوشش تو کرتا ہوں لیکن کیا کروں انسان ہوں نا ماضی کی یادوں کی تلخی جاتی نہیں ہے۔''

سویرا کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ ''اس کے بعد میرے اور شاہد کے تعلقات کبھی معمول پر نہیں آئے وہ دن بدن مجھ سے بیگانہ ہوتے چلے گئے تھے۔''

''گھر میں کسی نے اس بات کو محسوس نہیں کیا؟''

''نہیں جب شاہد کسی کو احساس ہونے نہیں دیتا تو میں نے بھی سوچ لیا کہ اپنی طرف سے کسی کو احساس ہونے نہیں دوں گی۔ میں بھی ان کی طرح اداکاری پر اتر آئی تھی۔ سب کے سامنے میں بھی محبت کرنے والی اور شوہر کا خیال رکھنے والی بیوی بن کر رہتی تھی اور جب کمرے میں آتی تو ان سے لاتعلق ہو جاتی تھی۔''

میرے ذہن میں ایک سوال آیا لیکن میں کرتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ ''سویرا کیا شاہد بھائی تمہارے پاس نہیں آتے تھے میرا مطلب ہے.....؟''

اس کی آنکھیں جھک گئیں لیکن اس نے جواب دیا۔ ''آپ کا اندازہ درست ہے۔ پہلے سال جب ان کا رویہ تبدیل ہوا تو اس کے بعد وہ پھر میرے پاس نہیں آئے تھے۔''

میں حیران رہ گیا تھا۔ سویرا پانچ سال سے شاہد بھائی کے ساتھ ایسے ہی رہ رہی تھی۔ یہ ایک عورت کی ہمت و برداشت سے کہیں زیادہ تھا اور اس دوران میں اس نے ایک بار بھی کسی سے شکایت نہیں کی۔ خاموشی سے اپنی فطرت کو کچلتی رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''تم نے خود پر یہ ظلم کس طرح برداشت کیا؟''

''میں نہیں جانتی شاید شاہد کی طرح میں بھی اندر سے پتھر کی ہو گئی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کئی بار مجھے خیال آیا کہ میں کم سے کم ماں جی کو بتا دوں، لیکن پھر میری ہمت نہیں ہوئی۔''

''تم نے اچھا کیا ماں جی اس بات کو برداشت نہیں کر پاتیں۔''

''وہ تو دن رات ہماری خوشیوں اور اولاد کے لیے دعا مانگتی تھیں۔''

''کبھی ایسا ہوا کہ تمہیں شاہد بھائی کی باتوں سے کچھ اندازہ ہوا ہو کہ وہ ہمارے بارے میں جان گئے تھے۔''

''نہیں انہوں نے مجھ سے کبھی اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔'' سویرا نے نفی میں سر ہلایا۔

''اب یہ ماضی کا باب ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''اسے بند ہو جانا چاہیے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے تلخ یادوں کو بھول جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔''

میں کھڑا ہو گیا۔ ''رات بہت ہو گئی ہے۔''

سویرا بستر سے اتر آئی تھی۔ ''شہباز میں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اگر آپ مجھ سے بات نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے تو شاید میں ایک دو دن میں سب کو بتا بھی دیتی۔''

''تم کہاں جاتیں؟''

''اپنے ماں باپ کے گھر، ان کا سب کچھ مجھے مل گیا ہے۔ میرے آبائی گھر اور زمینوں کی دیکھ بھال بھی بابا کرتے ہیں۔''

''اور اب.....؟''

اس کے لبوں پر حیا آمیز مسکراہٹ آ گئی تھی۔ ''اب مجھے کہاں جانا ہے اب یہی میرا گھر ہے۔''

سویرا مجھ سے کچھ دور تھی۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور میں نے وہاں بابا کو کھڑے دیکھا۔ ان کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کا رخ میری طرف تھا۔ سویرا نے چونک کر دیکھا اور پھر تیزی سے میرے سامنے آ گئی۔ بابا کے چہرے پر شدید غصہ تھا اور میں جانتا تھا وہ غصے میں اپنے حواس کھو بھی سکتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کا پستول والا ہاتھ بلند ہونے لگا تھا اور سویرا میرے آگے ڈھال بنی ہوئی تھی۔

بابا ساکت کھڑے تھے ان کا ہاتھ ضرور اٹھا تھا لیکن پستول کا رخ ہماری طرف نہیں ہوا تھا۔ اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ ان کے غصے کی وجہ کچھ اور ہے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز میرے ساتھ آؤ۔''

''بابا ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' سویرا تڑپ کر آگے گئی۔ وہ کچھ اور سمجھی تھی۔

''سویرا اندر جاؤ اور دروازہ اندر سے بند رکھنا۔'' بابا نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شہباز تم نے سنا نہیں۔''

میں کسی کھلونے کی طرح حرکت میں آیا تھا۔ سویرا نے مجھے روکنا چاہا تو میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم پریشان مت ہو معاملہ کچھ اور ہے اور دروازہ اندر سے بند کر کے بیٹھنا جب تک میری یا بابا کی آواز نہ سنو ہرگز مت کھولنا سمجھ گئیں۔''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی لیکن وہ ابھی بھی خوف زدہ تھی۔ البتہ جیسے ہی میں باہر آیا اس نے عقب سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ بابا کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئے ان کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا اور میں ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ پستول بدستور ان کے ہاتھ میں تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہاں تو بابا نے اپنے کمرے کا دروازہ مجھ پر بند کر رکھا تھا بلکہ کمرے سے ہی باہر نہیں آتے تھے اور اب مجھے خود لے کر جا رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے کے دروازے پر رکے اور مڑ کر میری طرف دیکھا۔

''حویلی کے عقبی طرف کچھ لوگ ہیں اور وہ حویلی میں گھسنے کی فکر میں ہیں۔''

میں حیران ہوا جو بات مجھے چھت پر جانے کے باوجود معلوم نہیں ہوئی تھی وہ بابا کو کمرے میں بیٹھے کیسے معلوم ہوگئی۔ میں نے ان سے سوال کیا۔ ''آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''اندر آؤ۔'' وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولے۔ میں ان کے پیچھے اندر آیا اور فوراً سمجھ گیا کہ بابا کو باہر موجود لوگوں کی آمد کا کیسے پتا چلا تھا۔ وہاں کمرے میں چار عدد مانیٹرز رکھے تھے جن سے کوئی درجن بھر سی ٹی ایکس کیمرے منسلک تھے اور یہ کیمرے حویلی کے چاروں طرف کا منظر دکھا رہے تھے ان میں رات میں دیکھنے کی صلاحیت تھی کیونکہ عقبی طرف تاریکی تھی اس کے باوجود وہاں موجود چار افراد صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مسلح تھے اور انہوں نے حویلی کی دیوار پھلانگنے کی تیاری بھی مکمل کر لی تھی۔ ان کے پاس رسیاں اور آنکڑے دکھائی دے رہے تھے۔

''یہ عام چور یا ڈاکو نہیں لگ رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ظاہر ہے وہ اس طرح سے تیاری کر کے نہیں آتے ہیں۔'' بابا نے خشک لہجے میں کہا۔ گزشتہ پانچ سال میں وہ بوڑھے ضرور ہوئے لیکن ان کی صحت اور دم خم میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ انہوں نے مجھے اتنے عرصے بعد بھی دیکھ کر کوئی جذباتی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

''گیٹ پر موجود محافظوں کو ان کی خبر ہے؟''

''بالکل ہوگی کیونکہ چوکیدار والے کمرے میں بھی ایسا ہی نظام لگایا گیا ہے دونوں کو ایک کیمرے اور مائیک سے آوازیں پہنچتی ہیں۔''

''تب ان سے رابطہ کر کے معلوم کریں کہ وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے معلوم کرلیا ہے وہ ان کو پکڑنے کے لیے جال بچھا رہے ہیں۔''

''کیا تینوں پیچھے کی طرف ہیں؟'' میں نے مضطرب ہو کر کہا۔

''اتنے بے وقوف نہیں ہیں ان میں سے دو پیچھے ہیں اور دو سامنے ہیں۔'' بابا بولے۔

''کوئی ایک گھنٹہ پہلے میں نے حویلی کی چھت سے رات میں دیکھنے والی دوربین کی مدد سے دیکھا مجھے عقبی میدان میں چار جاندار دکھائی دیئے تھے لیکن میں ان کو جانور سمجھا تھا۔''

''شاید وہ یہی تھے۔'' بابا نے ان کی طرف اشارہ کیا جو اب رسی میں بندھا آنکڑا دیوار کی طرف اچھال رہے تھے۔ ان کی کوشش کامیاب رہی اس سے لگ رہا تھا وہ اپنے کام میں ماہر تھے۔ ان میں سے ایک دیوار پر چڑھا اور وہ کیمرے کی حد سے نکل گیا اس پر بابا نے ایک بٹن دبایا اور اسکرین پر دوسرے کیمرے سے منظر دکھائی دینے لگا تھا وہ شخص دیوار پر چڑھ گیا تھا۔ پھر اس نے نیچے والوں کو کلیئر کا سگنل بھیجا اور نیچے اتر گیا۔ اس نے اترنے کے لیے دوسری رسی استعمال کی تھی۔ اس کے اترتے ہی دوسرا چڑھنے لگا تھا۔

''دونوں گارڈز کہاں ہیں؟'' میں نے اضطراب سے کہا۔

''سکون سے رہو وہ یہیں ہیں۔''

''یہ اندر آ گئے تو سکون نہیں رہے گا۔'' میں نے رسی چڑھنے والے کی طرف اشارہ کیا۔ مگر بابا نے کوئی جواب نہیں دیا اس کا مطلب تھا وہ اپنے حفاظتی انتظامات سے مطمئن تھے۔ اس دوران میں دو افراد اندر آ چکے تھے اور تیسرا چڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اندر اتر گیا اور اس کے ایک منٹ بعد چوتھا بھی اندر آ چکا تھا انہوں نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور اگر نائٹ ویژن کیمرہ نہ ہوتا تو وہ کسی صورت نظر نہ آتے۔ نیچے آنے کے بعد وہ دم سادھ کر دیوار کے پاس بیٹھ گئے تھے میں نے بابا کی طرف دیکھا۔

''یہ تو اندر آ گئے ہیں آپ کے گارڈز کیا کر رہے ہیں؟''

''دیکھتے جاؤ۔'' بابا بولے۔

اتنے میں آنے والوں نے خاموشی سے اندازہ لگایا کہ کسی کو ان کی آمد کی خبر نہیں ہوئی ہے تو انہوں نے آگے بڑھنے میں آنے کا فیصلہ کیا۔ جیسے ہی وہ چاروں دیوار سے ذرا آگے ہوئے۔ اچانک صحن میں فرش میں بچھے پتوں میں حرکت ہوئی اور کوئی شے ان کو سمیٹتی ہوئی دیوار کی طرف کھینچ کر لے گئی۔ وہ اس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے تھے۔ اسی لمحے ایک طرف سے تیز روشنی ہوئی اور اسپیکر سے کسی کی مدہم آواز نکلی۔ ''خبردار اپنے ہتھیار پھینک دو ایک بھی ہلا تو سب مارے جائیں گے۔''

بولنے والے یہاں سے نظر نہیں آ رہے تھے لیکن جال میں جکڑے جانے والوں نے ان کو دیکھ لیا تھا اور انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اپنے ہتھیار پھینک دیں۔ میں نے جال میں سے ان لوگوں کو پستول اور ریوالور نکالتے دیکھا لیکن ان کو پھانسنے والے گارڈز اتنے بے وقوف نہیں تھے کہ اس جال میں آ کر ان کے سامنے آ جاتے انہوں نے جال کے پاس کوئی چیز پھینکی اور اس میں سے دھواں نکلنے لگا۔ ان میں سے کسی نے چیخ کر گالی دی اور کچھ بولنے کی ان کو مہلت نہیں ملی تھی کیونکہ دھویں نے آناً فاناً جال میں پھنسے لوگوں کو گھیر لیا تھا اور وہ کھانسنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ ایس ایس جی کے تربیت یافتہ لوگ ہیں۔'' بابا نے فخر سے کہا۔

میری نظر اسکرین پر مرکوز تھی۔ تین چار منٹ بعد دھواں چھٹا تو وہ سب جال میں بے حال پڑے تھے اگر وہ ہوش میں بھی تھے تو ان میں ہلنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ کچھ دیر بعد دو افراد سامنے آئے اور ان لوگوں کو جال کھول کر نکالا۔ کیونکہ یہاں جال کو ہوا میں کھینچنے کا انتظام نہیں تھا اس لیے اس کا لیور دیوار کے ساتھ لگا تھا جیسے ہی ان لوگوں نے جال کے ٹریپ پر پاؤں رکھا وہ ان سب کو سمیٹتا ہوا دیوار سے جا لگا۔ بے ہوش اور بے دم افراد کے پاس سے مزید ہتھیار نکلے تھے۔ یہ سب کر کے ان کے ہاتھ پشت پر کر کے ان میں ہتھکڑی ڈالی اور پھر ان کو باری باری اٹھا کر لے جانے لگے۔ اس دوران میں بابا دوسری اسکرینوں پر بھی نظر رکھے ہوئے تھے شاید ان کو خدشہ تھا کہ ان کے علاوہ بھی مزید کچھ لوگ نہ ہوں جو اندر آنے کی کوشش کر رہے ہوں لیکن اور کسی طرف سے کوشش نہیں ہوئی تھی۔

''یہ کہاں لے جائے گئے ہیں؟''

''نیچے تہہ خانے میں۔'' بابا نے کہا۔ ''تم یہیں رکو میں ان کو دیکھ کر آتا ہوں۔''

''میں بھی چلوں۔'' میں نے ان کے واضح حکم کے باوجود پوچھا۔

''نہیں تمہارا ان لوگوں کے سامنے آنا مناسب نہیں ہے۔'' انہوں نے کہا اور کمرے سے نکل گئے۔ میں سوچتا رہ گیا کہ میرا کن لوگوں کے سامنے آنا مناسب نہیں تھا حویلی کے گارڈز یا پکڑے جانے والے لوگوں کے سامنے آنا ٹھیک نہیں تھا۔ میں چینل بدل بدل کر دیکھنے لگا حویلی کے اندر اور باہر کوئی ایک درجن کیمرے لگے تھے جن کے ساتھ مائیک بھی تھے اور ان کی مدد سے پوری حویلی کی ایک جگہ بیٹھے بیٹھے نگرانی کی جا سکتی تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ بابا کی کمرے میں رہنے کی یہی وجہ تو نہیں تھی لیکن مجھ سے گریز کی کیا وجہ تھی کیونکہ ابھی بھی وہ مجھے اس کمرے میں لائے تھے۔ بہرحال جو بھی تھا جلد سامنے آ جاتا۔ کیونکہ بابا ایک بار میرے سامنے آ چکے تھے اور میں ان سے بات کر سکتا تھا۔

بابا نصف گھنٹے بعد آئے تھے۔ انہوں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ان چاروں کو تہہ خانے میں باندھ دیا گیا ہے۔''

''اب ان کا کیا کرنا ہے؟''

''پہلے ان سے پوچھنا ہے کہ یہ حویلی میں کیوں داخل ہوئے اور پھر ان کو پولیس کے حوالے کر دینا ہے۔''

''میں ان کے سامنے تو جا سکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں ان کے سامنے جا سکتے ہو۔'' بابا نے سر ہلایا۔ ''میں نے گارڈز کو واپس ان کی ڈیوٹی پر بھیج دیا ہے۔''

اب مجھے پتا چلا کہ بابا اور شجاع بھائی حویلی کی حفاظت کے سلسلے میں اتنے مطمئن کیوں تھے۔ انہوں نے جدید ترین کیمرہ سسٹم لگوایا تھا اور گارڈز بھی تربیت یافتہ تھے۔ میں دروازے کی طرف بڑھا اور پھر رک گیا۔ ''کیا مجھے آپ کے کمرے میں آنے اور آپ سے بات کرنے کی اجازت ہے؟''

''ہاں اب تم آ سکتے ہو۔'' وہ بنا کسی تاثر کے بولے۔ میں گہری سانس لے کر کمرے سے نکل گیا۔ پہلے میں سویرا کے کمرے کی طرف گیا وہ جاگ رہی تھی کیونکہ پہلی دستک کے جواب میں اس نے پوچھ لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون ہے؟''

''سویرا میں ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ وہ بے تاب تھی۔

''سب خیریت ہے نا بابا نے آپ کو کچھ کہا تو نہیں؟''

''نہیں بابا نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ حویلی میں کچھ لوگوں نے گھسنے کی کوشش کی تھی لیکن اب حالات قابو میں ہیں پھر بھی تم دروازہ اندر سے بند کر کے سونا۔''

اس نے اطمینان کا سانس لیا پھر چونک کر مشکوک لہجے میں کہا۔ ''کہیں آپ مجھے بہلا تو نہیں رہے ہیں۔''

میں نے اس کی شفاف آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں تم سے جھوٹ کہہ سکتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر کہا۔ ''نہیں۔''

''بس اب سو جاؤ میں یہی بتانے آیا تھا۔'' میں نے کہا اور واپس مڑ ۔ حویلی تک جانے کے لیے بائیں طرف سے راستہ تھا اور اس کے لیے مجھے باہر صحن میں نکلنا پڑتا لیکن جب میں باہر جانے والے دروازے کے پاس پہنچا تو مجھے وہاں ایک نیا دروازہ دکھائی دیا تھا اور یہ دروازہ جس طرف تھا اس طرف تہہ خانے کی دیوار ہونی چاہیے تھی۔ دروازہ کا مضبوط فولادی کنڈہ اندر سے بند تھا۔ میں نے اسے کھولا تو میرا اندازہ درست نکلا یہ تہہ خانے میں جانے کے لیے حویلی کے اندر سے ایک نیا راستہ بنایا گیا تھا۔ اس کی سیڑھیاں کچھ الگ سے تھیں جو ذرا نیچے جا کر پرانی سیڑھیوں سے مل جاتی تھیں۔ میں ان سے نیچے اترا اور تہہ خانے میں آیا۔ جہاں تیز روشنی میں وہ چاروں کھڑے ہوئے زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ اس طرح کے ان کے ہاتھ اور پاؤں چاروں الگ الگ زنجیروں سے بندھے تھے۔ ان کے لیے ان زنجیروں کو کھولنا ناممکن تھا۔ اتنی دیر میں وہ کسی قدر ہوش میں آ گئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ باہوش شخص گورا چٹا اور چیچک کے داغ والا تھا اس کی عمر تیس بتیس تھی اور ان میں سب سے زیادہ دم خم والا وہی لگ رہا تھا میں سیدھا اس کی طرف گیا۔ اس کے لمبے بال مٹھی میں جکڑے تو وہ کراہا تھا اس نے گالی دی۔ ''چھوڑ مجھے.....''

میں نے زیادہ زور سے جھٹکا دیا تو وہ چلا اٹھا تھا۔ ''اب گالی مت دینا۔'' میں نے اسے خبردار کیا اور اس کے بال چھوڑ دیئے پھر اسی طرح باقی تین افراد کو بھی ان کے بال جھنجھوڑ کر ہوش میں لے آیا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ وہ پوری طرح ہوش میں آ گئے ہیں تو میں ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''ہاں تو بولو تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''

چیچک کے داغ والا ڈھٹائی سے بولا۔ ''کسی نے نہیں ہم ڈاکو ہیں ڈاکا مارنے آئے تھے تم لوگوں نے پکڑ لیا اب پولیس کے حوالے کر دو۔''

''کیوں پولیس تمہاری ماسی کی پتر ہے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''بہت جلدی ہے پولیس میں جانے کی؟''

''ہاں تم ہمیں قید نہیں رکھ سکتے۔''

''کیوں نہیں رکھ سکتے اور چاہیں تو تمہیں مار کر اسی تہہ خانے میں دفن بھی کر سکتے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ پہلے ہی یہاں کتنے بندے دفن ہیں۔'' میں نے بے نیازی سے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ چیچک کے داغ والا تو نہیں لیکن باقی تین اس بات سے خوف زدہ نظر آنے لگے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زیادہ بڑھک نہ مار۔'' چیچک زدہ نے خود بڑھک ماری۔ ''ہمیں کوئی مائی کا لال قید نہیں رکھ سکتا۔''

''اچھا تو کیا یہاں تم اپنی بہن کا ولیمہ کھانے آئے ہو؟'' میں نے طنز کیا۔ ''یہ زنجیریں تمہاری خاطر کے لیے لٹکائی ہیں؟''

''تم ہمیں روک نہیں سکتے ہمارے ساتھی جلد آ کر ہمیں چھڑا لیں گے۔'' اس کا حوصلہ ابھی تک برقرار تھا۔

''کون مرشد علی یا اس کے کٹنے؟''

وہ فوراً انجان بن گیا۔ ''کون مرشد.....؟''

''تمہاری ماں کا خصم اور تمہاری بہن کا یار۔'' میں نے جان بوجھ کر کہا اور اس کا حسبِ خواہ نتیجہ نکلا اس نے طیش میں آ کر کہا۔

''بکواس بند کر اگر مرشد بادشاہ کے بارے میں ایک لفظ کہا تو.....''

''تو کیا کر لو گے تم؟'' میں نے اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ ''ویسے کتنی جلدی تم نے اپنے مجازی باپ کو پہچان لیا۔''

وہ اب خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جھنجھلا رہا تھا۔ غصے میں آ کر اس نے اپنا راز خود فاش کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم ہم سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے، چاہے قتل کر دو یا پولیس کے حوالے کر دو۔''

''بس اتنی سی سزا۔'' میں نے طنز کیا۔ ''میرے پاس اس سے کہیں بہتر تجاویز ہیں تم لوگوں کے لیے۔ نمبر ایک تم سب کا ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک پاؤں کاٹ کر کہیں پھینک دیا جائے۔''

اس بار ایک نوجوان بولا۔ وہ سیاہ رو اور دبلا سا تھا لیکن تھا وہ بھی پورا تربیت یافتہ۔ میں ان لوگوں کی پھرتی اور مہارت دیکھ چکا تھا مجھے یقین تھا کہ یہ مرشد کے کمانڈو دستے کے خاص اراکین تھے جو اس سے پہلے بھی اس کے لیے متعدد قسم کی خدمات انجام دے چکے ہوں گے اسی بنا پر اس خاص مہم کے لیے ان کا انتخاب کیا گیا تھا۔ سیاہ رو نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

میں نے اس کا گلا دبوچ لیا۔ ''میں اس سے بھی زیادہ کر سکتا ہوں تم نے ابھی میری دوسری تجویز سنی نہیں ہے یہ زیادہ آسان ہے۔ تمہاری آنکھوں اور کان میں ایسڈ ڈال دوں گا۔ ایسڈ کے بارے میں جانتے ہو نا تم اندھے ہو جاؤ گے تمہاری آنکھیں ہمیشہ کے لیے آپس میں چپک جائیں گی اور دنیا کا کوئی ڈاکٹر ان کو ٹھیک نہیں کر سکے گا۔ تمہارے کانوں میں ڈالی گئی ایسڈ تمہیں ساری عمر کے لیے بہرہ کر دے گی۔ ذرا سوچو صرف دس روپے کی جنس تمہیں ہمیشہ کے لیے ان نعمتوں سے محروم کر دے گی۔ باقی عمر تاریکی اور سناٹے میں رہو گے۔''

''اس کی بکواس مت سنو۔'' چیچک زدہ نے انہیں للکارا۔ ''یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہمارے سر پر مرشد کا سایہ ہے۔''

''وہ مرشد جو اپنے بھائی کو نہیں بچا سکا۔'' میں نے حقارت سے کہا۔ ''وہ تمہیں کیا بچائے گا۔''

''تم کچھ بھی کہو ہم میں سے کوئی زبان نہیں کھولے گا۔'' چیچک زدہ بولا۔ ''تمہارا جو جی چاہے دل کرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہو۔''

میں نے باقی تینوں کی طرف دیکھا۔ ''تم نے سن لیا تمہارے ساتھی نے اجازت دے دی ہے کہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کروں اب تم مجھ سے کوئی شکایت مت کرنا۔''

''تم ہمارے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے۔'' سیاہ رو بولا۔

میں واپس اوپر آیا۔ مجھے یاد تھا کہ گھر میں اوزار اور مرمت میں کام آنے والی اشیا کہاں رکھی جاتی تھیں مجھے حسبِ توقع وہاں سے اطلی تو نہیں لیکن ایک اسی طرح کا سلوشن مل گیا اس کے ساتھ ایک مضبوط ٹیپ کا رول بھی مل گیا۔ میں دونوں چیزیں لے کر نیچے آیا۔ میرے ہاتھ میں سلوشن کی ٹیوب دیکھ کر ان کے چہروں کے رنگ اُڑ گئے تھے میں سیدھا چیچک زدہ کے پاس گیا وہ مرشد کی چمچہ گیری کر رہا تھا اور میں نے پہلے اسے سبق سکھانے کا فیصلہ کیا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ مرشد نے ان کو کس مقاصد کے تحت بھیجا تھا اگر میں پوچھ گچھ کے روایتی طریقے اختیار کرتا تو اس میں دیر بھی لگتی اور چیخ و پکار بھی زیادہ ہوتی۔ میں نے ٹیپ کا ایک سرا اس کے منہ پر رکھا اور اس کی مزاحمت کے باوجود اسے لپیٹ دیا۔ دو تین بار لپیٹنے پر اس کا منہ مکمل طور پر بند ہو گیا تھا۔ اب وہ صرف ناک سے آواز نکال سکتا تھا۔ باقی تین دہشت زدہ انداز میں یہ کارروائی دیکھ رہے تھے میں ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''اس نے اجازت تم لوگوں کے بارے میں دی تھی لیکن میں نے سوچا پہلے اس کی قوت برداشت آزما لوں اگر یہاں ناکام رہا تو تم تین ہو نا۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے سلوشن کی ٹیوب سنبھالی اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر جکڑ کر ٹیوب کا سرا اس کے بائیں کان میں گھسیڑ دیا۔ اس نے مزاحمت کی لیکن ناکام رہا اور جیسے ہی میں نے دبائی اس میں سلوشن نکل کر اس کے کان میں جانے لگا۔ وہ ناک سے آوازیں نکالتے ہوئے سر جھٹک کر سلوشن نکالنے کی کوشش کر رہا تھا میں نے ٹیوب رکھی اور اس کا سر پکڑ کو دائیں طرف جھکا دیا تا کہ سلوشن پوری طرح اس کے کان میں چلا جائے۔ یہ بہت تیزی سے خشک ہوتا تھا اور ایک منٹ کے اندر اس کا بونڈ فولاد کی طرح مضبوط ہو جاتا تھا کم سے کم ٹیوب پر یہی لکھا تھا۔ میں نے اسے چھوڑا تو اس کی آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

''آدمی ایک کان سے بھی اتنا ہی سن لیتا ہے جتنا کہ دو کانوں سے سنتا ہے۔ اس لیے تمہارے دوسرے کان میں بھی سلوشن ڈالنا ہو گا۔''

اس پر وہ پاگلوں کی طرح سر ہلانے لگا میں سمجھا شاید وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہے اور میں ٹیپ اتارا تو وہ چیخ چیخ کر مجھے گالیاں دینے لگا۔ میں نے ٹیپ دوبارہ لگا دیا۔ اس بار بلا تکلف اس کے دوسرے کان میں بھی سلوشن ڈال دیا۔ اس کا سر کچھ دیر دبا کر رکھا جیسے چپل یا جوتے کے تلے میں سلوشن لگا کر کچھ دیر اسے دبا کر رکھتے ہیں۔ وہ سر ہلانے کی پوری کوشش کر رہا تھا لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ جب میں نے اسے چھوڑا تب بھی وہ سر گھما گھما کر گویا کانوں میں ڈالا جانے والا سلوشن نکالنے کی کوشش کر رہا تھا ظاہر ہے وہ اندر جم چکا تھا اس کا نکلنا آسان ہی نہیں تھا۔ باقی تین خاصی دہشت کے عالم میں یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔

''اب باری ہے تمہاری آنکھوں کی۔'' میں نے چیچک زدہ سے کہا لیکن اس نے سنا نہیں وہ سر گھما رہا تھا۔ ''لگتا ہے کہ یہ تو گیا۔'' میں نے سیاہ رو کی طرف دیکھا۔ اب تم کیا کہتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں..... میں کیا کہوں؟'' اس نے ہکلا کر کہا۔

''یہی کہ اپنے کان اور آنکھوں میں سلوشن ڈلوانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''نہیں۔'' وہ لرز اٹھا۔

''تب مجھے بتاؤ مرشد نے تم چاروں کو یہاں کیوں بھیجا؟''

''انہوں نے.....''

میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ ''اتنی عزت سے اس شیطان کا نام مت لو۔ اس نے کہو۔''

اس نے خون کے گھونٹ پی کر کہا۔ ''ا نے ہمیں تمہیں اٹھانے کے لیے بھیجا ہے۔''

اگرچہ اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ اس نے جھوٹ بولا۔ چیچک زدہ اب جس طرح پھٹی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا صاف لگ رہا تھا وہ سننے کی صلاحیت کھو چکا تھا۔ میں نے اسے آواز دی لیکن اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ میں نے سیاہ رو سے کہا۔ ''تم سچ نہیں بول رہے ہو کیا تم دونوں میں سے کوئی سچ بولنا چاہے گا؟''

لیکن وہ خاموش رہے تھے۔ میں نے چیچک زدہ کو پوری طرح قربانی کا بکرا بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس بار میں نے بے رحمی سے اس کی آنکھوں میں سلوشن ڈال دیا۔ اگرچہ اس کے لیے مجھے خاصی جدوجہد کرنا پڑی وہ آنکھیں کھولنے کے لیے آمادہ نہیں تھا مگر میں نے کسی نہ کسی طرح یہ کام کر لیا وہ مرشد کے خاص گرگوں میں سے تھا اور میرے نزدیک کسی رعایت کا مستحق نہیں رہا تھا۔ کانوں میں ڈالے جانے کی صورت میں اسے اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی لیکن جب یہی سلوشن میں نے اس کی آنکھوں میں ڈالا تو اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا۔ اس نے منہ بند ہونے کے باوجود ناک سے ایسا واویلا مچایا تھا کہ باقی تین کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ جب میں نے اسے چھوڑا تو وہ نیم غشی کی کیفیت میں تھا۔

''بولو اب کیا کہتے ہو۔ سچ بولنا ہے یا میں تم لوگوں کے ساتھ بھی یہی کام کروں۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' ان میں سے سب سے عمر رسیدہ کی ہمت جواب دے گئی وہ تقریباً چالیس سال کا صحت مند آدمی تھا اس نے اپنے کھچڑی ہو جانے والے بالوں کو مہندی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں گندی سی تھیں جیسے ان میں کیچڑ بھرا ہو۔

''تم لوگ کس لیے آئے تھے یہاں؟''

''ہم تمہاری حویلی سے.....''

''بلا خاموش رہ۔'' سیاہ رو نے اسے للکارا۔ وہ ابتدائی خوف سے سنبھل گیا تھا۔

''ایک منٹ۔'' میں نے اس شخص کو خاموش رہنے کو کہا اور سیاہ رو کے پاس آیا۔ اس کے منہ پر بھی ٹیپ لپیٹا اور پھر دوبارہ عمر رسیدہ کے پاس آ گیا۔ ''ہاں اب بولو۔''

''مجھے یہاں سے ہٹا لو میں ان کے سامنے نہیں بتا سکتا۔''

''ان کی فکر مت کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ کسی کو بتانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ یہاں سے صرف وہی زندہ سلامت جائے گا جو سچ بولے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمیں فاضلی نے حکم دیا تھا کہ تمہاری حویلی سے سویرا نامی ایک عورت کو اٹھانا ہے وہ.....'' اس کا باقی جملہ منہ میں رہ گیا تھا بلکہ کچھ دانتوں کے ساتھ حلق میں اتر گیا تھا۔ میرا گھونسہ اس کے منہ پر پڑا تھا اس نے ہلبلا کر کہا۔ ''میرا قصور کیا ہے میں تو سچ بتا رہا ہوں۔''

''بکواس مت کرو میرے گھر سے عورت اٹھانے آئے ہو اور اپنا قصور پوچھ رہے ہو۔'' میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''مجھے افسوس ہو رہا ہے میں نے تم لوگوں کے ساتھ بہت نرم سلوک کیا ہے۔ تم کسی نرمی کے مستحق نہیں تھے۔''

''پھر بھی جناب ہم نے کچھ کیا تو نہیں ہے۔'' اس نے خون تھوک کر کہا۔ میں خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ فاضلی کون ہے؟''

''مرشد کا قریبی آدمی ہے۔''

''تو یوں کہو نا یہ کام مرشد نے دیا تھا۔''

''ہم تو جی اتنی اوپر پہنچ نہیں رکھتے ہیں ہمیں فاضلی ہی حکم دیتا ہے۔''

میں نے کوئی ایک گھنٹے تک ان لوگوں سے سوالات کیے۔ باقی دو فرفر جواب دے رہے تھے۔ فاضلی نامی شخص نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ حویلی میں گھس کر سویرا اور ممکن ہو تو شمی کو بھی اٹھا لے جائیں۔ وہ ایک بڑی بند کیبن والی جیپ میں یہاں آئے تھے۔ جیپ بھی عقبی میدان سے پرے درختوں کے درمیان کھڑی تھی۔ وہ جس راستے سے آئے تھے اپنا مشن مکمل کر کے اسی راستے سے واپس چلے جاتے۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ ان ہی زنجیروں کو ان کے گلوں میں لپیٹ کر اس وقت تک بل دیتا رہوں جب تک ان کا دم نہ نکل جائے۔ ممکن ہے میں ایسا ہی کرتا لیکن گزرے وقت نے مجھے ٹھنڈے دماغ سے کام لینا سکھا دیا ہے۔ میں نے باقی دو کے منہ بھی ٹیپ لگا کر بند کیے اور اوپر آیا۔ بابا اپنے کمرے میں جاگ رہے تھے اس لیے ہلکی سی دستک کے جواب میں ان کی آواز آئی۔

''آجاؤ۔''

میں اندر داخل ہوا اور ان کو تہہ خانے کی ساری رُوداد سنا دی۔ سلوشن والی کارروائی کا سن کر انہوں نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا البتہ سویرا اور شمی کے بارے میں مرشد کے عزائم سن کر ان کی آنکھوں میں سرخی جھلکنے لگی تھی۔ میں نے ساری بات بتا کر پوچھا۔ ''ان کا کیا کرنا ہے؟''

''ان حالات میں ان کو حویلی میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔''

''میں کہیں جا کر ان کو ٹھکانے لگا آتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ بابا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے کہیں پھینک آتا ہوں۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''ان کی جیپ بھی عقبی میدان میں کھڑی ہے۔''

''تمہارا حویلی سے نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔'' وہ تشویش سے بولے۔

''کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ میں ایک گھنٹے میں ان کو کہیں پھینک آؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' انہوں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد انکار کر دیا۔ ''میں شجاع سے بات کرتا ہوں وہی ان کا کچھ کرے گا۔''

بابا نے کمرے میں موجود فون سے بات کرنا چاہی لیکن میں نے ان کو روک دیا۔ ''بہتر ہے موبائل سے بات کریں فون لائن بہت لمبی ہے اسے کہیں سے بھی ٹریپ کیا جا سکتا ہے۔''

بات بابا کی سمجھ میں آ گئی تھی انہوں نے موبائل پر شجاع بھائی سے رابطہ کی اور ان کو ساری صورت حال بتائی۔ شجاع بھائی بھی تشویش زدہ ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے جب بات گھر کی عزت پر آئے تو آدمی کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ شجاع بھائی نے بابا کو تسلی دی اور کہا کہ وہ چند گھنٹے میں ان لوگوں کا کچھ بندوبست کرتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ مجھے ان کو کہیں لے جانے کا موقع ملا تو میں مرشد کے لیے ان کو ایک پیغام عبرت بنا دوں گا لیکن بابا مجھے حویلی سے باہر جانے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھے۔ اس لیے میں نے یہیں کارروائی کا فیصلہ کیا۔ صبح قریب تھی میں پھر تہہ خانے میں آیا۔ عمر رسیدہ سمیت باقی تین افراد کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو میں چیچک زدہ کے ساتھ کر چکا تھا۔ تہہ خانہ ان کی ناک سے کی جانے والی آہ و بکا سے گونج اٹھا تھا میں نے کام کرنے سے پہلے ان سے کہا۔

''شکر کرو کہ یہاں سے زندہ جا رہے ہو اور اپنے باپ مرشد کو بھی بتا دینا اب بات دور تک جائے گی اس کے خاندان تک۔''

پھر میں اوپر آ گیا۔ بابا مجھے راستے میں مل گئے۔ ''تم کہاں سے آ رہے ہو؟''

''تہہ خانے سے۔'' میں نے جواب دیا۔

وہ چونکے۔ ''تم نے کچھ اور تو نہیں کیا؟''

''باقی تین بھی بہرے اور اندھے ہو چکے ہیں۔'' میں نے بتایا تو بابا کچھ دیر مجھے گھورتے رہے پھر بولے۔

''تم معاملات کو پھیلا رہے ہو۔''

''معاملے کو مرشد پھیلا رہا ہے میں صرف اسے جواب دے رہا ہوں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''شجاع کی کال آئی تھی اس نے معاملہ گارڈز کے سپرد کر دیا ہے۔ میں ان کو ان کے سپرد کرنے جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلا آیا۔ ساری رات جاگنے کے بعد بھی مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ مرشد کے اس نئے حرامی پن نے مجھے پریشان کر دیا تھا اب اس کی نظر حویلی کی عورتوں پر آ گئی تھی۔ یہ اس کا نیا پینترا تھا۔ اس طرح وہ مجھے اپنے سامنے جھکانا چاہتا تھا۔ میں نے گرم پانی سے غسل کیا اور پھر لیٹا تو نیند آ گئی لیکن یہ پریشان سی نیند تھی میں ایک بار چونک کر اٹھا تو عقبی صحن سے سورج کی روشنی کھڑکی کے راستے اندر آ رہی تھی۔ مجھے کسی نے جگایا نہیں تھا اس کا مطلب تھا کہ کسی نے منع کیا تھا ورنہ شمی مجھے اتنی آسانی سے کہاں سونے دیتی۔ سر بھاری ہو رہا تھا میں باہر آیا تو شمی اور سویرا کچن میں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ماں جی کہاں ہیں؟''

''کمرے میں رات طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' شمی نے بتایا۔ ''جوڑوں میں درد ہو رہا تھا۔''

''اچھا میں دیکھ کر آتا ہوں۔''

''ابھی سو رہی ہیں۔'' شمی بولی۔ ''میں دو منٹ پہلے آئی ہوں۔''

سویرا بولی۔ ''آپ کے لیے ناشتہ نکالوں۔''

''نہیں موڈ نہیں ہے ایسا کرو ایک کپ چائے دے دو، ویری ہاٹ اینڈ اسٹرانگ۔''

لیکن سویرا نے میری فرمائش اَن سنی کر کے میرے سامنے ایک گلاس گرم دودھ کا رکھ دیا میں نے احتجاج کیا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''ابھی یہی ملے گا۔'' سویرا نے کہا۔ ''چائے میں کچھ دیر میں بناتی ہوں۔''

اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ مجھے یہ دودھ پینا ہی تھا۔ میں نے مجبوراً گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ ابھی دودھ ختم کیا تھا کہ اس نے ہاٹ پاٹ سے گرم روٹی اور مکھن کا پیالہ سامنے رکھ دیا۔ ''یہ میں نہیں کھا سکتا۔'' میں نے صاف انکار کر دیا۔

سویرا کھڑی ہو گئی اور اس نے شمی سے کہا۔ ''ان کو چائے بنا دو۔''

شمی ہم دونوں کی اس نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہی تھی اس نے انجان بن کر کہا۔ ''کن کو چائے بنا دوں۔''

''ان کو۔'' سویرا نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

''ان سے کہو چائے پھپی بنائیں گی۔'' میں نے بھی ان ڈائریکٹ کہا۔

''ان سے کہو اگر یہ روٹی اور مکھن کھائیں گے تو میں چائے بنا دوں گی۔''

''یہ آپ دونوں براہِ راست بات کیوں نہیں کر رہے۔ مجھے کیوں درمیان میں ڈالا ہوا ہے۔''

''بھئی سمجھا کرو۔'' میں نے کہا۔ ''یہ ابھی میرے لیے نامحرم ہے۔''

''تو کب تک محرم بن جائیں گے۔'' شمی نے شوخی سے کہا لیکن جب سویرا نے اسے گھورا تو اس کی سٹی گم ہو گئی اسے اپنے جملے کا احساس کچھ دیر سے ہوا تھا اور پھر وہ وہاں سے بھاگ گئی۔ میں روٹی اور مکھن کھانے لگا۔

''پاگل ہے۔'' سویرا نے جھینپ کر کہا۔

''ہاں لیکن سوال چبتے کا کر گئی ہے۔'' میرا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''نامحرم کب محرم بنے گا۔''

''میرا خیال ہے اب مجھے بھی جانا چاہیے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر اسے خیال آیا۔ ''رات کیا ہوا تھا؟''

''یہ میں چائے پیتے ہوئے بتاؤں گا۔'' میں نے دوسرے لفظوں میں اس سے رکنے کا مطالبہ کر دیا۔ وہ کسمسائی۔

''یہ مناسب نہیں ہے۔ کام کی بات اور ہے لیکن اس طرح بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔ آپا یا ماں جی آ سکتی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیسی تمہاری مرضی۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے تم جاؤ میں چائے کے لیے شمی سے کہہ دوں گا۔''

''نہیں چائے تو میں بناؤں گی۔'' اس نے چولہے پر پانی رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے بتایا نہیں کہ رات کیا ہوا تھا؟''

''کچھ لوگوں نے حویلی میں گھسنے کی کوشش کی تھی۔ گارڈز نے ان کو للکارا تو وہ بھاگ نکلے۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں نا؟''

''ہاں کیوں تمہیں کوئی شک ہے؟''

''پھر آپ رات بھر کیوں جاگتے رہے؟''

''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''آپ کی آنکھیں بتا رہی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ہاں وہ نیند نہیں آئی تھی اس واقعے کے بعد۔'' میں نے بہانہ کیا۔

''بابا نے آپ سے کیا کہا؟''

''کس بارے میں؟''

''یہی کہ وہ آپ سے کیوں نہیں مل رہے ہیں؟''

''انہوں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اگر باہر سے گھسنے والوں کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ رات بھی مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتے۔'' میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''بابا اتنے سخت نہیں ہیں۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''سویرا وہ میرے باپ ہیں اور میں ان کی سختی اور نرمی کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

سویرا مجھے چائے دے کر چلی گئی تھی میں چائے لے کر عقبی صحن میں آیا جہاں دھوپ پوری طرح پھیل گئی تھی اور میں نے دیوار کا معائنہ کیا جہاں رات کو جال لگایا گیا تھا یہاں دیوار میں ایک مضبوط فولادی حلقہ تھا۔ دن کے اوقات میں گارڈز اس طرف نہیں آتے تھے اس لیے میں بلا خوف و خطر کھلے میں چلا آیا تھا۔ یہاں دیوار صرف نو فٹ اونچی تھی اور اس پر خاردار تار بھی نہیں تھی تب ہی وہ چاروں آسانی سے اندر آنے میں کامیاب رہے میں نے بابا سے اس طرف بھی دیوار اونچی کر کے باڑھ لگانے کو کہنے کا سوچا۔ ٹھیک ہے وہ کیمروں کی مدد سے نگرانی کر سکتے تھے لیکن اگر دشمن بڑی تعداد میں اندر آنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر اس کی چلے گی۔ اس لیے دشمن کو اندر آنے سے روکنا ہی اہم تھا۔ میں معائنہ کر رہا تھا کہ شمی باہر آئی اس نے آہستہ سے کہا۔

''آپ کو بابا اندر بلا رہے ہیں یہاں مزدور کام کرنے کے لیے آنے والے ہیں۔''

میں اس کے ساتھ اندر چلا آیا۔ ''مزدوروں نے کیا کرنا ہے؟''

''پتا نہیں یہ تو آپ بابا سے پوچھیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ہم راہ داری میں تھے اور اس نے کسی کو نہ پا کر پوچھا۔ ''کیا آپ کی اور سویرا امی کی کل کوئی ملاقات ہوئی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے کیسے اندازہ لگایا؟''

''کیونکہ آج آپ دونوں کے بات کرنے کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔ کل تک آپ دونوں بہت تکلف سے بات کرتے تھے اور آج بے تکلفی تھی۔''

''ہاں سویرا سے بات ہوئی ہے لیکن تم یہ بات کسی کو بتاؤ گی نہیں۔''

''ارے آپ کیا سمجھتے ہیں میرے دل میں نہ جانے کتنے راز دفن ہیں۔'' اس نے فخر سے کہا۔ ''بائی دی وے یہ ملاقات جس نے برف پگھلائی کب ہوئی تھی؟''

''زیادہ جاسوس بننے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے اسے کپ تھمایا اور بابا کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنی آرام کرسی پر بیٹھے مانیٹرز دیکھ رہے تھے۔ میرے سلام کا جواب دے کر انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں نے سوچا کہ حویلی کی دیوار اونچی کرادوں اور اس طرف بھی باڑھ لگوادوں۔'' انہوں نے عقبی صحن کا منظر دکھانے والے مانیٹر کی طرف اشارہ کیا۔

''اتفاق سے جب آپ نے مجھے بلایا تو میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ سکیورٹی سسٹم اچھا ہے لیکن اصل میں کسی کو اندر آنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہیے۔''

انہوں نے سر ہلایا۔ ''ان چاروں کو یہاں سے کوئی سو کلومیٹرز دور ایک سڑک پر ان کی جیپ سمیت چھوڑ دیا گیا ہے اور میرا خیال ہے اب تک وہ مرشد تک پہنچ چکے ہوں گے۔ تم نے ان کے ساتھ جو کیا اس کے بعد ان کو پولیس کے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ورنہ یہ مرشد کے خلاف اچھا کیس بن سکتا تھا۔''

''ان کی زبان کھلوانے کے لیے مجھے ان میں سے ایک کے ساتھ یہ سلوک کرنا پڑا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''پھر ان کا منصوبہ جان کر میں نے سب کے ساتھ یہی کیا۔ وہ اسی سلوک کے مستحق تھے۔''

''تم نے ٹھیک کیا لیکن یہ شخص اچانک معاہدے کی خلاف ورزی پر کیوں اتر آیا ہے۔'' بابا کے لہجے میں تشویش آ گئی۔

''کیونکہ اس کا کوئی دین ایمان نہیں ہے۔ یہ بدترین قسم کا وعدہ خلاف اور خود کو فرعون سمجھنے والا شخص ہے۔ میں سانپ یا بچھو پر بھروسہ کرنا پسند کروں گا بہ نسبت مرشد کے۔''

''میں بھی اسے ایسا ہی شخص سمجھتا ہوں لیکن وہ طاقتور اور بدمعاش ہے ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔''

''کر سکتے ہیں بابا میں یہ بات گزشتہ چھ مہینے میں بے شمار بار ثابت کر چکا ہوں۔ مرشد اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی کرم نوازیوں کی وجہ سے میں کیا بن چکا ہوں اس لیے اس نے ڈر کر مجھے آپ کی مدد سے حویلی میں محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''اگر وہ تم سے ڈرتا ہے تو اسے حویلی بھجوانے کی کیا ضرورت تھی وہ تمہیں.....'' بابا نے بات ادھوری چھوڑ دی لیکن میں سمجھ گیا۔

''اگر وہ مجھے مروا دیتا تو اس کے لیے بھی زندگی آسان نہیں رہتی۔ بابا میں اکیلا نہیں ہوں میرے ساتھ بہت سارے جان نثار ہیں۔ جہاں تک لڑنے مرنے کا معاملہ ہے وہ میرے سامنے نہیں آ سکتا ہے لیکن وہ بزدل آدمی اپنے اثر و رسوخ کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ مجھے پولیس کیس میں الجھا رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بزدل شخص کمینہ ہوتا ہے۔'' بابا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔''اس سے ڈرنا چاہیے۔''

''جی بابا میں بھی اسی بات کا قائل ہوں لیکن اس سے ڈر کر اس کے آگے سر جھکانے کا قائل نہیں ہوں۔''

''یہ سر جھکانا نہیں ہے۔'' بابا نے پاؤں پٹخ کر کہا۔''یہ مصلحت ہے۔''

''بابا وہ صرف مہلت حاصل کر رہا ہے کیونکہ الیکشن سر پر ہیں۔ بلکہ آپ نے دیکھ لیا اس نے کیا حرکت کی ہے ایسے شخص سے کسی قسم کی امید رکھنا خود کو دھوکا دینا ہے۔''

شاید بابا بھی اسی نہج پر سوچ رہے تھے۔''تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

''آپ مجھے یہاں سے جانے دیں۔'' میں نے کہا۔''میں مرشد کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں صلح پسند ہوں لیکن صلح اس کی شرائط پر نہیں ہوگی۔''

بابا سوچ میں پڑ گئے پھر انہوں نے گہری سانس لی۔''تمہیں معلوم ہے کہ جب وہ کچھ عرصے پہلے حویلی میں آیا تھا تو اس نے ہمیں کیا دھمکی دی تھی؟''

''نہیں مجھے اس بارے میں شجاع بھائی نے نہیں بتایا۔''

''اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں نے تمہیں نہیں روکا تو عنقریب میں اپنے ایک بیٹے سے محروم ہو جاؤں گا۔ اس وقت میں سمجھا کہ وہ تمہارے حوالے سے دھمکی دے رہا ہے۔''

''اس لیے آپ نے اس کی پروا نہیں کی۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''بکواس مت کرو۔'' بابا برہم ہو گئے۔''تم بھی میری اولاد ہو اور مجھے تمہاری بھی فکر ہے لیکن تم اس وقت کہاں تھے اور کیا کرتے پھر رہے تھے مجھے نہیں معلوم تھا اس لیے میں نے اس سے کہہ دیا کہ میں تمہیں نہیں روک سکتا ہوں اور وہ شاہد سے الجھتا ہوا چلا گیا تھا۔''

''پھر شاہد بھائی کو قتل کر دیا گیا۔ یہ اسی کا کام ہے۔'' میں جذباتی ہو گیا۔''ابھی مجھے اس سے شاہد بھائی کا حساب بھی لینا ہے۔''

''نہیں ہم بدمعاش نہیں ہیں۔ میں نے قانونی راستہ اختیار کیا ہے۔ مرشد کے خلاف ایف آئی آر درج کرا دی ہے۔''

میں چونکا۔''یہ بات میرے علم میں نہیں ہے۔''

''یہ کام تمہارے آنے سے ایک دن پہلے کیا گیا تھا۔''

اب میں سمجھا کہ مرشد نے یہ قدم کیوں اٹھایا تھا۔''اس کے خلاف قانونی حربے بے کار ہیں وہ سیاست دان ہے اس ایف آئی آر کو بھی اپنے مقصد کے لیے استعمال کر لے گا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔''اب ہمیں بہت محتاط ہونا پڑے گا۔ آپ حویلی میں محافظ بڑھا دیں اور حویلی کے لوگ خاص طور سے عورتیں باہر جانے سے گریز کریں۔''

''صغراں کے شوہر کی برسی ہے وہ جانے پر ضد کر رہی ہے۔''

''انہیں سمجھائیں۔'' میں نے کہا۔''اس وقت عورتوں کا حویلی سے نکلنا بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ نہ کرے اگر آنے والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو ہم خود سے بھی سامنا کرنے کے قابل نہیں رہتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے صغراں کو سمجھایا ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ اس کے دیور خود اسے لے جائیں گے وہ اپنے ساتھ مسلح بندے بھی لائیں گے۔''

''کب جانا ہے؟''

''دو دن بعد۔'' بابا نے کہا۔

''تب میں بھی جاؤں گا۔''

''نہیں تمہاری یہاں موجودگی کا کسی کو علم نہیں ہے۔'' انہوں نے انکار کر دیا۔ ''ویسے بھی میں حویلی میں تمہاری موجودگی ضروری سمجھتا ہوں۔''

میں نے سوچا اور بابا کی بات مان لی۔ ''ٹھیک ہے ویسے آپا کے سسرال والے اچھے قابلِ اعتماد لوگ ہیں۔ کون کون جائے گا؟''

''تمہاری ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور سویرا عدت میں ہے۔ شمی اور صغراں ہی جائیں گے۔'' بابا نے کہا۔ ''ویسے تم بات کر کے دیکھو میرا دل بھی نہیں مان رہا ہے۔''

میں نے آپا سے بات کی تو انہوں نے کہا۔ ''شہباز سال میں ایک ہی تو موقع آتا ہے جب میں سسرال جاتی ہوں وہ لوگ کتنا بلاتے ہیں۔ شمی سے اتنا پیار کرتے ہیں اور پھر مجھے لگتا ہے جیسے شفیق کی روح وہاں ہوتی میرا اور اپنی بیٹی کا انتظار کرتی ہے میں کیسے نہ جاؤں۔'' آپا کی آواز بھیگنے لگی تھی۔

''میرا یہ مطلب نہیں ہے آپا آپ جانتی ہیں میرے دشمن آج کل حویلی کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگوں کو معمولی سا نقصان ہو خاص طور سے شمی کو۔''

''میں نے رفیق بھائی سے کہا ہے وہ عتیق اور معین کے ساتھ مسلح بندے بھیجیں گے۔''

شفیق بھائی کے ایک ہی بڑے بھائی ہیں رفیق اور عتیق و معین ان کے بیٹے ہیں۔''

''تب ٹھیک ہے اگر یہ نہ آتے تو میں آپ دونوں کے ساتھ چلتا۔'' میں نے کہا۔

''بابا نے تجھے سب سے چھپا رکھا ہے۔'' آپا بولیں۔ ''تیرا سامنے آنا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''وہ کب آئیں گے؟''

''کل شام آئیں گے اور رات یہیں رکیں گے پرسوں صبح ہمیں ساتھ لے جائیں گے۔''

''یہ ٹھیک ہے دن میں اور صبح نکلنا بہتر رہے گا۔'' میں مطمئن ہو گیا۔

اس شام تک حویلی کی عقبی دیوار دس فٹ تک اونچی ہو گئی تھی اور اس پر خاردار باڑھ بھی لگ گئی تھی۔ اب اسے پھلانگنا آسان کام نہیں تھا۔ شام تک مستری کام کر کے اور اپنا سامان سمیٹ کر رخصت ہو گئے تھے۔ یہاں میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا میں نے بابا سے کہا تو انہوں نے مجھے ایک شاٹ گن دے دی۔ ان کو اس کا لائسنس ملا ہوا تھا یہ جدید ساخت کی چھوٹی رشین ری پیٹر تھی۔ اس کا شاٹ بیس فٹ کے فاصلے سے آدمی کے سینے میں دس انچ قطر کا سوراخ کر سکتا تھا۔ اور بیس گز کے فاصلے سے آدمی کی کھوپڑی اُڑا سکتا تھا۔ تینوں محافظ جدید ترین اسلحے سے لیس تھے ان کے پاس غیر روایتی اسلحہ بھی تھا اور اس کا ایک مظاہرہ میں گزشتہ رات دیکھ چکا تھا۔ اس لیے مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی اتنی آسانی سے حویلی میں نہیں گھس سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے شام اور رات کو موبائل کی مدد سے پہلے دبئی اور پھر ندیم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس روز سگنل کا مسئلہ آ رہا تھا۔ مجھے بیتو کی فکر بھی تھی کہ وہ کہیں سے ملا یا نہیں۔ حویلی میں آنے کے بعد بہ ظاہر میں اپنی زندگی میں مگن ہو گیا تھا لیکن مجھے اپنے ساتھیوں کا خیال تھا۔ خاص طور سے بیتو کا اور ساتھ ہی مجھے اندر سے اطمینان تھا کہ فتح خان اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا اور وہ پھر مجھ سے ملے گا۔ ماں جی کی طبیعت خراب تھی لیکن شام تک خاصی بہتر ہو گئی تھی اس لیے میں ان کے پاس بیٹھا رہا۔ وہ مجھے بچپن کے وہ قصے سناتی رہیں جو میری یادداشت میں تازہ تھے لیکن ان کے منہ سے ان باتوں کو سننے کا الگ ہی مزہ تھا۔ خاص طور سے شمی کا جوش و خروش دیکھتے ہوئے۔ وہ ماں جی سے کرید کرید کر میرے بچپن کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ میں نے تنگ آ کر اس کے بال کھینچے۔

''چڑیل تجھے میرے بچپن سے کیوں اتنی دلچسپی ہو رہی ہے؟''

''تو پھر کس کے بچپن سے ہونی چاہیے؟'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''کسی اور کے آخر تجھے کسی کے سر مونڈھنا ہے۔''

''آپ تو نا بس۔'' اس نے کھسیا کر کہا اور وہاں سے اٹھ کر بھاگی تو میرے قہقہے نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

آپا مسکرانے لگیں۔ میں نے آپا سے کہا۔ ''اس کے بارے میں کچھ سوچا ماشاللہ خاصی بڑی ہو گئی ہے۔''

''اس سال بی اے کا امتحان دے گی۔ اس کے بعد اس کے رفیق بھائی سے بات کرتی ہوں۔''

''ان سے کیوں؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''پاگل اس کے وارث وہ ہیں ادھر تو یہ امانت ہے۔ اس کے بارے میں فیصلہ ان کا حق ہے۔''

''لیکن آپ ماں ہیں۔'' میں نے اعتراض کیا۔ ''اور ہم بھی غیر نہیں ہیں۔''

''صغراں ٹھیک ہے کہہ رہی ہے پتر..... بچہ تو دادکے کا ہوتا ہے چاہے نانکے کے ہاں پلے بڑھے۔'' ماں جی نے بھی کہا۔

''پھر رفیق بھائی شمی کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہتے ہیں۔'' آپا بولیں

''چلیں ٹھیک ہے آپ لوگوں نے سوچا ہے تو ٹھیک ہی سوچا ہو گا۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔

رات کو سب جلدی سونے کے لیے اٹھ گئے تھے کیونکہ اس رات سردی زیادہ ہو گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سردی کی تازہ لہر آئی ہو اور ماں نے میرے کمرے میں بھاری کمبل رکھوا دیا تھا۔ شمی مجھے کافی دینے آئی تو کمبل بھی لے آئی تھی۔ تازہ دھل کر اور دھوپ کھا کر اس سے نرمی گرمی اور خوشبو کی لپیٹ سی آ رہی تھی۔ یہ بھیڑ کے بچے کے اون سے بنا نفیس کمبل تھا جو دس سال پہلے آیا تھا اور آج بھی ویسا ہی نیا تھا۔

''پتا ہے میرا اس کمبل پر دل آ گیا تھا لیکن نانی نے دینے سے انکار کر دیا کہ یہ آپ کا ہے۔'' شمی نے بتایا۔

''آپا بتا رہی تھیں کہ تم بی اے کا امتحان دینے والی ہو۔''

''پارٹ ون کا۔'' اس نے بتایا۔ ''شاید ابھی جاؤں تو دادا جان کے پاس رہ جاؤں کیونکہ مجھے کالج لانے لے جانے کا ذمہ..... عتیق کا ہے۔''

عتیق کا ذکر کرتے ہوئے اس کی زبان میں جو ایک جھجک سی آئی تھی اس نے مجھے چونکا تھا۔ کیا یہ جھجک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتفاق تھی یا کوئی خاص بات تھی۔ عتیق کو میں نے آخری بار چھ سال پہلے اس وقت دیکھا تھا جب آپا کو ان کے سسرال چھوڑنے گیا تھا۔ عتیق اس وقت سولہ سال کا نوجوان تھا اور شاید فرسٹ ایئر میں آ گیا تھا۔ اب تو وہ کوئی بائیس سال کا ہوتا۔ اس وقت کا مجھے دبلا اور لمبا ہو جانے والا لڑکا یاد تھا جس کے براؤن بال اس کی سفید پیشانی پر بکھرے رہا کرتے تھے۔ وہ خوش شکل تھا اور اب مزید وجیہہ ہو گیا ہو گا۔

''کالج کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سرگودھا میں۔'' اس نے بتایا۔ ''صبح جاؤں گی اور پیپر دے کر دوپہر تک واپس آ جاؤں گی۔''

آپا کے سسرالی گاؤں سے سرگودھا کا فاصلہ دو گھنٹے کا تھا اور گاڑی اچھی ہو تو پونے دو گھنٹے سے زیادہ نہیں لگتے تھے۔ مجھے فکر ہونے لگی کہ شمی روز آئے جائے گی اور موجودہ حالات میں یہ بالکل مناسب نہیں تھا لیکن ابھی پیپرز میں وقت تھا اور دوسرے اس موضوع پر میں بابا یا آپا سے ہی بات کر سکتا تھا شمی سے کچھ کہنا بے کار تھا۔ مجھے نیند آنے لگی تو وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اگلی صبح میری آنکھ فجر کے وقت کھل گئی تھی اور میں نے اٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر سو گیا۔ پھر شمی نے اٹھایا۔

''اٹھ جائیں شیبی۔ آج مجھے بہت سارے کام ہیں ناشتہ کر لیں۔''

''کیوں کیا کام ہیں؟'' میں نے انگڑائی لے کر پوچھا۔

''شام کو آنے والوں کے لیے ابھی سے تیاری کرنی ہے۔ میں آپ کو ناشتہ کرا دوں پھر شام کے کھانے کی تیاری شروع کروں گی۔''

میں بستر سے نیچے اتر آیا۔ ''بس آدھے گھنٹے میں آیا۔''

میں غسل اور شیو وغیرہ سے فارغ ہو کر کچن میں آیا تو شمی میرا ناشتہ بنانے میں لگ گئی۔ سویرا اور آپا دوپہر اور رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ دوپہر میں ساگ بن رہا تھا جب کہ شام کے لیے اہتمام تھا۔ میں ناشتہ کرنے لگا۔ اب مجھے ایک ہی جیسے معمولات سے بوریت ہونے لگی تھی۔ چند دن پہلے تک جیسی ہنگامہ خیز زندگی تھی اس کے بعد یہ پُرسکون زندگی بہت سُست لگ رہی تھی۔ آپا نے بھانپ لیا۔

''کیا بات ہے شہباز چپ چپ سے ہو۔''

''ہو سکتا ہے کوئی یاد آ رہا ہو۔'' سویرا نے کہا۔

''اسے کون یاد آ سکتا ہے۔'' آپا معنی خیز انداز میں بولی۔ ''سامنے موجود لوگوں کو کون یاد کرتا ہے۔''

سویرا نے جھینپ کر رخ پھیر لیا۔ میں مسکرایا۔ ''یہ تو ہے لیکن بہت سارے لوگ ہوتے ہیں جو دور رہ کر یاد آتے ہیں۔''

اس بار سویرا نے چونک کر میری طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں نے ایک لمحے میں سوال کیا کہ مجھے کون یاد آ رہا ہے۔ یہی سوال آپا نے زبان سے کیا۔ میں اس بار سنجیدگی سے بولا۔ ''کچھ لوگ ہوتے ہیں جو دور رہ کر یاد آتے ہیں۔''

اس بار سویرا خفا ہو گئی۔ ناراضگی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ میں دل ہی دل میں مسکرایا۔ اس کے ذہن میں یقیناً ایمن کا خیال آیا تھا جب کہ میں بیتو اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناشتے کے بعد میں اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ بابا نے کئی طرح کے اخبارات اور رسائل لگوا رکھے تھے لیکن اخبار آنے میں دیر ہو جاتی تھی۔ گاؤں میں اخبار کوئی دس بجے آتا تھا۔ راولپنڈی سے شائع ہونے والے ایک اخبار نے اطلاع دی کہ مرشد اپنی انتخابی مہم کے سلسلے میں میانوالی کے بعض نزدیکی علاقوں کا دورہ کرنے والا تھا جو اس کے حلقہ انتخاب میں آتے تھے۔ اصل میں وہ بیک وقت دو سیٹوں پر الیکشن لڑ رہا تھا۔ ایک راولپنڈی میں اس کا آبائی حلقہ تھا اور دوسرا یہ حلقہ تھا جہاں اس کے مرید خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ میں نے خبر غور سے پڑھی۔ وہ دو دن بعد اس طرف آ رہا تھا۔ اخبارات میں سیاسی تجزیہ نگاروں کا کہنا تھا کہ مرشد کی دونوں نشستوں سے فتح یقینی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی ان نشستوں سے صرف اس کے حمایت یافتہ امیدوار ہی کامیاب ہوتے تھے اور اس بار وہ خود ان سے کھڑا ہو رہا تھا۔

ایک رپورٹ نے میری توجہ کھینچ لی تھی جس میں مرشد کے کسی وظیفہ خوار نے دروغ گوئی کے نئے ریکارڈ قائم کرتے ہوئے کہا کہ بعض سیاسی مخالفین اور اسٹیبلشمنٹ کی طاقتیں مرشد کے سیاسی کیریئر میں مزاحم ہو رہی تھیں اور جب سے اس نے سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا تھا اس کے یکے بعد دیگرے مختلف معاملات میں الجھایا جا رہا ہے۔ خبر میں ایک سکہ بند دہشت گرد (خاکسار) کی طرف بھی اشارہ تھا جس نے مرشد اور اس کے خاندان کے لوگوں پر قاتلانہ حملے کیے تھے اور ایسے ہی ایک حملے میں مرشد کا چھوٹا اور نیک نفس بھائی گولیوں کا نشانہ بن کر عمر بھر کے لیے معذور ہو چکا تھا۔ یہ شب بیدار نوجوان اپنے خاندانی مریدوں اور علاقے میں بے حد مقبول تھا۔ (ظاہر ہے اس کے کرتوت شب بیداری سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا نشانہ آس پاس والے ہی بنتے تھے تو وہ ان میں 'مقبول' کیوں نہیں ہوگا) دیگر اخبارات کے سیاسی تجزیوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ مرشد نے میڈیا میں خاصی سرمایہ کاری کی تھی لیکن سوائے چند بکاؤ لوگوں کو چھوڑ کر اکثر صحافیوں کا قلم اس کے خلاف تھا۔ انہوں نے اسے کرپٹ اور ظالم فطرت کا آدمی قرار دیا تھا جو آبائی گدی پر قابض ہو کر لوگوں کی جہالت اور توہم پرستی کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ انہوں نے ڈھکے چھپے انداز میں اس کے جرائم پر سے پردہ اٹھایا تھا اور ساتھ ہی حالیہ کچھ عرصے میں شہر میں ہونے والی بعض وارداتوں کا تعلق بھی مرشد اینڈ پارٹی سے جوڑا تھا۔ ایک تیز طرار صحافی نے تو ڈیوڈ شا کو بھی کھوج نکالا تھا اور اس نے لکھا تھا کہ حکومت نوش لے کہ ایک بدنام زمانہ شخص جو دوسرے ملکوں میں حکومتوں کے تختے الٹنے میں ملوث رہا ہے وہ مرشد سے کس لیے ملتا ہے۔ یہ معاملہ اس صورت میں مزید اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ مرشد نے سیاست میں آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں نے سرد آہ بھر کر اخبار رکھ دیا۔ جہاں حکومت کے لوگ ایسے افراد کو وی آئی پی مہمان کا پروٹوکول دے رہے ہوں جو حکومتوں کے تختے الٹنے میں معروف ہوں وہاں مرشد سے کون پوچھے گا کہ اس نے ڈیوڈ شا سے کس خوشی میں ملاقات کی۔

مجھے بیتو کی فکر زیادہ محسوس ہونے لگی تھی اس لیے میں نے ندیم کو کال کرنے کا فیصلہ کیا اور کمرے میں آیا۔ میں نے موبائل نکال کر آن کیا تو خوش قسمتی سے اس میں سگنل آ رہے تھے میں نے ندیم کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے نام لینے سے گریز کیا۔

''ہاں بول کیا حال ہیں۔'' ندیم بھی یوں بولا جیسے اس کے آس پاس کوئی ہو۔

''بیتو کا کچھ پتا چلا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں لیکن کل میں گھر پر نہیں تھا تو ایک لڑکا آیا تھا اس نے مجھ سے ملنے کو کہا تھا۔ میں نے چوکیدار رکھ لیا ہوا ہے۔ اس نے اسے مشکوک سمجھ کر بھگا دیا بعد میں اس نے مجھے بتایا تو اس کا حلیہ وہی ہے جو تُو نے بنتو کا بتایا ہے۔''

میں مضطرب ہو گیا۔ ''وہ پھر نہیں آیا؟''

''نہیں لیکن میں نے چوکیدار سے کہہ دیا ہے وہ آئے تو اسے روک کر مجھے اطلاع دے۔''

''جیسے ہی وہ تجھ سے رابطہ کرے مجھے ضرور بتانا۔'' میں نے کہا پھر اسے حویلی میں گھسنے والوں کا احوال بتایا۔ ''ان کے بارے میں اخبار میں کچھ نہیں آیا ہے۔''

''وہ بہت حرامی آدمی ہے سب صاف کر گیا ہو گا کیونکہ پولیس میں جانے کی صورت میں بات کھل جاتی اور ابھی وہ اس چکر میں ہے کہیں کوئی معاملہ اوپر نہ آنے پائے۔''

''بابا نے شاہد بھائی کے قتل کی ایف آئی آر میں مرشد کا نام دے دیا ہے۔''

ندیم چونکا۔ ''یہ کب کی بات ہے؟''

''میرے یہاں آنے سے ایک دن پہلے کی۔''

''یہ برا ہوا میرا خیال ہے بھیجے جانے والے بندے اسی ایف آئی آر کا نتیجہ ہے۔''

''لیکن مرشد اوچھے پن پر اتر آیا میں اسے اس کے سکوں میں ادائیگی کرنے کا سوچ رہا ہوں۔''

''وہ ہمیشہ سے اوچھا آدمی ہے تُو کوئی فیصلہ جذبات میں آ کر مت کر جو کر خوب سوچ سمجھ کے کر۔'' ندیم شاید کہیں باہر انٹ آیا تھا کیونکہ اب وہ کھل کر بات کر رہا تھا اور کسی سڑک کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

○.....❖.....○

''میں جو کروں گا سوچ سمجھ کے ہی کروں گا۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں موبائل رکھنے جا رہا تھا کہ مجھے اچانک راجا عمر دراز کا خیال آیا اور مجھے پھر اس کے ایک خاص آدمی عبداللہ کا خیال آیا جو اس کی لاہور والی کوٹھی میں ہوتا ہے۔ اتفاق سے اس کا نمبر مجھے یاد آ گیا تھا کیونکہ وہ ایزی نمبر تھا۔ مجھے یقین سے یاد نہیں تھا لیکن میں نے ملانے میں حرج نہیں سمجھا کہ زیادہ سے زیادہ رانگ نمبر مل جائے گا۔ میں نے نمبر ملایا اور چند لمحے بعد کال ریسیو کر لی گئی۔ ''ہیلو کون بات کر رہا ہے۔''

''عبداللہ؟'' میں نے پوچھا۔

''جی میں بات کر رہا ہوں۔'' اس نے میری آواز پہچاننے کی کوشش کی۔ ''آپ کون ہیں؟''

''میں شہباز بات کر رہا ہوں۔''

''شہباز صاحب۔'' اس کے لہجے میں خوشی آ گئی تھی۔ ''آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔ میں نے آپ کے بارے میں آخری بار سنا تھا کہ آپ کہیں نیپال میں ہیں۔''

''میں واپس آ گیا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''راجا صاحب کے بارے میں کوئی خبر ہے؟''

''آپ کو نہیں معلوم؟'' اس نے کسی قدر حیرت سے کہا۔

''کیا نہیں معلوم؟'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''راجا صاحب خیریت سے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی وہ ٹھیک ہیں اور واپس اپنے آبائی محل میں آ چکے ہیں لیکن ان دنوں وہ کسی سے نہیں مل رہے ہیں۔''

راجا عمر دراز کی واپسی کی خبر میرے لیے خوش کن تھی۔ یعنی وہ بھی انڈیا سے زندہ سلامت آ گیا تھا۔ ''کیا راجا صاحب یہاں آئے تھے؟''

''نہیں ان کے بارے میں صرف خبر آئی ہے کہ وہ اپنے محل میں موجود ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''بیگ صاحب یہیں تھے جب ان کو اطلاع ملی تو وہ محل کی طرف روانہ ہو گئے۔''

''راجا صاحب کے ساتھ حکیم بھی ہے؟''

''نہیں مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''میرے لائق کوئی خدمت؟''

''مجھے محل کا فون نمبر مل سکتا ہے؟''

''جی بالکل مل سکتا ہے۔ بیگ صاحب جاتے ہوئے کہہ گئے تھے کہ جیسے ہی آپ کے بارے میں کوئی خبر آئے ان کو مطلع کیا جائے۔'' عبداللہ نے کہا اور مجھے محل کے فون نمبرز لکھوائے۔ پھر اس نے وسیم اور سفیر کے بارے میں پوچھا۔

''یہ پوری پارٹی آج کل دبئی میں ہے۔''

''شہباز صاحب میرے لائق کوئی خدمت؟'' اس نے پھر پوچھا۔

مجھے خیال آیا کہ وہ اس صورتِ حال میں میری مدد کر سکتا تھا وہ تجربے کار اور بہادر آدمی تھا۔ ''یہ بتاؤ کہ کیا تم راولپنڈی آ سکتے ہو؟''

''آ سکتا ہوں لیکن بیگ صاحب سے اجازت لینا پڑے گی۔'' اس نے کہا۔ ''خیر یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ راجا صاحب کے نزدیک آپ کی جو اہمیت ہے مجھے یقین ہے اجازت مل جائے گی۔''

''میرا ایک ساتھی راولپنڈی میں غائب ہے۔ وہ میرے ساتھ ہی فتح خان کے قبضے میں چلا گیا تھا اور میں چھوٹ گیا۔ شاید وہ بھی اس کی قید سے فرار ہو گیا ہے اسے تلاش کرانا ہے۔''

''میں آپ کو ایک گھنٹے بعد بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''تم کال مت کرنا میں خود ایک گھنٹے بعد کال کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور رابطہ ختم کر دیا۔ یہ خبر خوش آئند تھی کہ راجا عمر دراز واپس گیا تھا۔ اب میں جاننے کی فکر میں تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں نے محل کا ایک نمبر ملایا جو حسبِ توقع سیکرٹری بیگ نے اٹھایا تھا۔

''بیگ صاحب میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے نام بتانے سے گریز کیا لیکن وہ آواز سے پہچان گیا۔

''اوہ آپ۔'' اس نے محتاط انداز میں کہا۔ ''کہیے کیسے مزاج ہیں؟''

''ٹھیک..... راجا صاحب سے بات ہو سکتی ہے؟''

''راجا صاحب کی طبیعت علیل ہے۔'' اس نے اسی انداز میں کہا۔

''دوسرے لفظوں میں ان سے بات نہیں ہو سکتی ہے۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''اسی طرح اس پر بھی بات نہیں ہو سکتی ہے کہ راجا صاحب کی واپسی کن حالات میں ہوئی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ سمجھدار ہیں فون پر اس قسم کی گفتگو مناسب نہیں ہوتی ہے۔'' بیگ نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے راجا صاحب تک میری مزاج پرسی اور نیک تمنائیں پہنچا دیجئے گا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ مجھے غصہ آ رہا تھا سیکرٹری بیگ ہمیشہ سرکاری اسٹائل میں رہتا تھا اور اس کے نزدیک کوئی چیز ٹاپ سیکرٹ سے کم نہیں ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ میرا غصہ سرد ہونے لگا۔ وہ بے چارہ بھی ملازم ہی تھا اور وہی کرتا تھا جو راجا کی مرضی ہوتی تھی۔ راجا کی اپنی ذہنیت ایسی تھی وہ حکمران کلاس کا آدمی تھا جو عام آدمی سے فاصلہ رکھنا پسند کرتا ہے اور میں اس کے کتنا ہی نزدیک سہی تھا تو عام آدمی۔ ایک گھنٹے بعد میں نے عبداللہ کو کال کی۔ مجھے امید تھی کہ بیگ کی جانب سے اسے اس کی حد میں رہنے کا حکم ملا ہوگا لیکن اس نے گرم جوشی سے کہا۔

''میری بیگ صاحب سے بات ہوگئی ہے اور ان کا حکم ہے کہ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔''

''میں ان کا شکر گزار ہوں۔'' میں نے ظاہر کرنے سے گریز کیا کہ میری بیگ سے بات ہو چکی ہے۔ ''یہ بتاؤ کہ راولپنڈی میں تمہارے پاس کتنے کام کے آدمی ہیں۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''کیوں نہیں جناب۔'' اس نے چہک کر کہا۔ ''وہاں راجا صاحب کا خاص آدمی منظور ہے۔ وہ میرا گرائیں ہے۔ سابق ایس ایس جی ہے اور میں نے ہی اسے وہاں رکھوایا ہے بہت جی دار اور یاروں کا یار ہے۔ اس کے ساتھ دو تین آدمی ہوں گے۔ اگر زیادہ افراد کی ضرورت ہے تو میں لاہور سے لے آتا ہے۔ میں نے راجا صاحب کے حکم پر کام کے کوئی نصف درجن بندے رکھے ہیں۔ خود ان کو تربیت دی ہے۔''

''فی الحال ان کی ضرورت نہیں ہے بس تم آ جاؤ۔ اسلام آباد والی کوٹھی میں قیام ہے نا؟''

''جی شہباز صاحب۔'' اس نے تصدیق کی۔ ''سامان بھی ہر قسم کا مل جائے گا۔ ایک مہینے پہلے میں نے خود خریداری کی ہے۔ آپ کا دل خوش ہو جائے گا دیکھ کر۔''

میں سمجھ گیا سامان سے اس کی کیا مراد تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ راجا عمر دراز نے شہروں کے حوالے سے اپنی کوئی خاص پلاننگ کی تھی اور وسیم جیسے آزاد لوگوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنی فورس تیار کر رہا تھا۔ عبداللہ اسی کا ذکر کر رہا تھا۔ اس کے پاس کم سے کم دس لڑاکے تھے اور یہ معقول تعداد تھی اگر مجھے ضرورت پڑتی تو میں بالکل بے یار و مددگار نہیں تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا کہ وہ فوری طور پر اسلام آباد کے لیے روانہ ہو جائے اور وہاں پہنچ کر مجھے اس نمبر پر ایس ایم ایس کر دے۔ میں موبائل رکھ کر باہر جا رہا تھا کہ مجھے کھڑکی سے عقبی صحن میں بابا کی جھلک دکھائی دی وہ تعمیر ہونے والی دیوار کا معائنہ کر رہے تھے۔ میں بھی باہر نکل آیا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا۔

''میں نے ان تینوں میں سے ایک کو ساتھ بھیجنے کا سوچا ہے یہ صغراں اور شمی کو پہنچا کر واپس آ جائے گا۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا ہے۔''

''ہوں..... تمہارے پاس موبائل کہاں سے آیا؟'' انہوں نے اچانک پوچھا۔ میں ایک لمحے کو چپ ہو گیا تھا اس کا مطلب تھا کہ انہوں کھڑکی سے دیکھ لیا تھا۔

''ندیم نے لا کر دیا تھا۔'' میں نے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا۔

''یعنی تمہارے اپنے ساتھیوں سے رابطے ہیں؟''

''جی لیکن آپ فکر مت کریں میں کوئی قدم آپ کے علم میں لائے بغیر نہیں اٹھاؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مہربانی پتر۔'' وہ تلخ انداز میں بولے۔ ''شاید تمہیں اب بوڑھے باپ پر رحم آنے لگا ہے۔''

''پلیز بابا آپ میرے لیے محترم ترین ہیں۔'' میں نے التجا کی۔

''تبھی تم میرا فیصلہ میرے منہ پر مار کر چلے گئے تھے۔''

میں نے بے بسی سے ان کو دیکھا اتنے سالوں بعد بھی ان کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ ''بابا میں فوج میں نہیں جانا چاہتا تھا۔''

''اس لیے تم گھر سے چلے گئے۔''

''میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''اس وقت تمہارے پاس یہ دلیل تھی ایسی کسی دلیل کے سہارے تم کسی دن یہاں سے چلے جاؤ گے۔ شہباز میں تمہارا باپ ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں تم وہی کرتے ہو جو تمہارے دل میں آتا ہے۔''

''شاید اس معاملے میں آپ پر گیا ہوں۔'' میں نے بے ساختہ کہا تو بابا نے تڑپ کر میری طرف دیکھا اور پاؤں پٹختے ہوئے اندر چلے گئے۔ مجھے لگا ایک بار پھر مجھ پر ان کے سامنے آنے پر پابندی لگ جائے گی لیکن دوپہر کے کھانے پر وہ پہلی بار دسترخوان پر موجود تھے اور ماں جی ان کو دیکھ کر کھلی جا رہی تھیں۔ ان کے لیے خود پلیٹ میں ساگ اور روٹی نکالی تھی۔ اصرار کر کے کھلا رہی تھیں۔

''لیں نا ملک صاحب اتنے دن سے برائے نام ہی کھا رہے تھے میں نے خود بنایا ہے۔''

ماں جی نے جوڑوں کی تکلیف کے باوجود بابا کے لیے خود ساگ بنایا تھا۔ کیونکہ وہ ان کے ہاتھ کا بنا ساگ پسند کرتے تھے۔ بابا کے طفیل میں نے بھی اتنے عرصے بعد ماں جی کے ہاتھ کا ساگ کھایا تھا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی تھی کہ ماں جی نے اتنے عرصے بعد آنے والے بیٹے کے لیے کچھ نہیں بنایا تھا لیکن شوہر چند دن دسترخوان سے دور رہا تو وہ بے قرار ہو کر خود میدانِ عمل میں اتر آئیں۔ اس روز مجھے احساس ہوا کہ میاں بیوی کا رشتہ کس قدر انوکھا اور عجیب ہوتا ہے۔ اگر اس میں محبت ہے تو اس کے آگے کسی رشتے کی اہمیت نہیں رہتی ہے اور اگر محبت نہیں ہے تو میاں اور بیوی کی آپس میں کوئی حیثیت نہیں رہتی ہے۔ دوسرے مجھے ماں جی کی بابا سے محبت کا صحیح معنوں میں اندازہ ہوا تھا۔ کھانے کے بعد جب بابا چلے گئے تو میں نے ماں جی کو چھیڑا۔

''بابا کی اتنی ناز برداری اور بیٹا اتنے دن بعد آیا ہے اور اسے پوچھا ہی نہیں۔''

ماں جی مسکرائیں۔ ''ہاں نا وہ میرے سر کا سائیں ہے۔ اس کے آگے کسی کی اہمیت نہیں ہے۔''

''ہم بھی تو اولاد ہیں۔''

''ہاں لیکن کس سے ملی ہے مجھے یہ اولاد۔'' ماں جی نے کہا۔ ''یہ مان، یہ مرتبہ، یہ عزت سب تیرے بابا کے دم سے ہے خدا مجھے ان کے سامنے اٹھا لے کیونکہ ان کے بغیر میری زندگی کچھ نہیں ہے۔''

''اللہ آپ دونوں کا سایا ہمارے سروں پر رکھے۔'' میں نے دل سے کہا۔ میں کمرے میں آیا تو شمی میرے کپڑے رکھ رہی تھی۔ یہ سارے نئے کپڑے تھے۔ میں نے تعجب سے کہا۔ ''یہ کہاں سے آئے؟''

''امی نے شبیر سے منگوائے ہیں۔ فضل کا بیٹا ہے۔ شہر میں منڈی میں کام کرتا ہے کبھی کبھی سلام کرنے آجاتا ہے اور اگر کچھ منگوانا ہو تو وہ لا دیتا ہے۔ امی نے اس سے منگوائے ہیں۔ سائز بالکل آپ کا ہے میں دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکی ہوں۔"

یہ دو شلوار سوٹ تھے اور دو پینٹ شرٹس تھیں ایک فل سویٹر، ایک ہاف سویٹر، ایک گرم جیکٹ اور ایک گرم چادر تھی۔

"آپا آپ نے تو بہت کچھ منگوالیا۔"

"کہاں چند سوٹس تو ہیں۔" اس نے کہا۔

"پاگل تم لڑکیوں کو سوٹ ہمیشہ کم لگتے ہیں ہم تو ملنگ لوگ ہیں۔"

"میں آپ کے لیے یہ والا نکال رہی ہوں۔" اس نے آسمانی شلوار سوٹ سامنے کیا۔ "آپ شام کو پہنیے گا۔"

"ٹھیک ہے استری کر کے لے آنا۔" میں نے کہا۔ میں منتظر تھا کہ وہ کمرے سے نکلے تو میں موبائل نکالوں لیکن وہ جانے کے موڈ میں نہیں لگ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ تین چار دن کے لیے جا رہی تھی اور میرے ساتھ وقت گزارنا چاہتی تھی۔ اس لیے میں مجبوراً اس سے بات کرتا رہا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ نکلی تو میں نے کمرہ اندر سے بند کر کے اور کھڑکی پر پردہ کر کے موبائل نکالا اور اس پر دیکھا تو عبداللہ کا ایس ایم ایس موجود تھا۔ مجھے حیرت ہوئی ابھی تین گھنٹے پہلے اس سے بات ہوئی تھی اور وہ اسلام آباد والی کوٹھی میں پہنچ گیا تھا۔ ایس ایم ایس میں اس نے یہی اطلاع دی تھی۔ میں نے اسے کال کی۔

"تم اتنی جلدی پہنچ گئے۔"

"جناب ہم ایمرجنسی میں کام آنے والے بندے ہیں اس لیے ہر کام ایمرجنسی میں کرتے ہیں میں آپ سے بات کرتے ہی نکل گیا تھا۔ موٹروے کے راستے آنے میں ڈھائی گھنٹے لگے۔ ابھی پہنچا ہوں اور آپ کو ایس ایم ایس کیا تھا کہ آپ کی کال آ گئی۔"

"گڈ یہاں کی کیا پوزیشن ہے؟"

"بندے مجھ سمیت پانچ ہیں۔ یعنی کام کے بندے اور سامان تو ہر طرح کا ہے۔"

"عبداللہ اسلام آباد میں ایک عورت ہے شہلا رضوی۔" میں نے اسے شہلا رضوی کی کوٹھی کا پتا بتایا۔ "اس کی نگرانی کرنی ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے اور دوسرے وہاں میرے ایک ساتھی کو تلاش کرنا ہے اس کا نام بیتو ہے۔" میں نے اسے بیتو کا حلیہ بتاتے ہوئے کہا۔ "یہ سمجھ لو کہ یہ میرے لیے دیسم اور سفیر کی طرح ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" اس نے مستعدی سے کہا۔ "میں ابھی سے نکل جاتا ہوں۔ منظور کے پولیس والوں سے بھی کچھ رابطے ہیں ہم تھانوں میں بھی چیک کرا لیتے ہیں۔"

"یہ اچھا ہوگا کیونکہ راولپنڈی ڈویژن میں کوئی سو سے اوپر تھانے ہوں گے ان سب میں پتا کرانا ہوگا۔"

"میں منظور سے کہتا ہوں وہ ابھی سے اس کام میں لگ جاتا ہے میں شہلا رضوی کو دیکھتا ہوں۔ یہ کیسی عورت ہے؟"

"بہ ظاہر دشمن نہیں ہے لیکن میرے کچھ مرحوم دشمنوں سے اس کے روابط رہے ہیں اور مرنے والوں کا تعلق مرشد سے تھا۔ اس لیے تم اس کو بھی میرا دشمن سمجھ سکتے ہو۔ اس کے پاس ایک بریف کیس ہے بلکہ وہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بینک لاکر میں ہے جو مرنے والے کا ہے اور یہ اس لاکر کی چیزیں ہتھیانا چاہ رہی ہے اس لیے یہ بینک کے چکر لگا رہی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں تم اس کی چھپ کر نگرانی کراؤ اور جب یہ بینک لاکر سے چیزیں نکال لے تو اس میں موجود سلور دھات کا بنا بریف کیس تم حاصل کر لو۔''

''میں سمجھ گیا بریف کیس میں کیا ہے؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا یہ میرے پاس کسی کی امانت ہے اور خیال رکھنا اسے کھولنے کی کوشش مت کرنا ممکن ہے اس میں دھماکہ خیز مادہ یا زہریلی گیس ہو۔''

''میں خیال رکھوں جناب۔'' اس نے کہا۔ ''جیسے ہی میرے پاس کوئی کام کی خبر آئے گی میں آپ کو ایس ایم ایس کر دیا کروں گا۔''

''نہیں اب تم مجھے کال بھی کر سکتے ہو لیکن صرف ضرورت کے وقت۔'' میں نے کہا۔

کال کاٹ کر میں نے دبئی میں سفیر کے گھر کا نمبر ملایا لیکن اس پر بیل جا رہی تھی اور کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے گھر پر کوئی نہ ہو۔ شاید وہ سب کہیں گھومنے پھرنے گئے تھے۔ دبئی گھومنے پھرنے کے لحاظ سے ایک بین الاقوامی مرکز بن گیا ہے۔ یہاں گھومنے پھرنے اور تفریح کی اتنی جگہیں بن گئی ہیں کہ آدمی روز ایک تفریح گاہ میں جائے تو سال بعد بھی اسے کسی جگہ دوبارہ جانے کا اتفاق نہ ہو۔ صحرا میں رہنے والوں نے صرف امن و امان اور انصاف مہیا کر کے ساری دنیا کا پیسہ اپنا کھینچ لیا ہے۔ دبئی میں تیل نہیں نکلتا ہے لیکن اپنی تجارتی پالیسیوں کی وجہ سے یہ متحدہ عرب امارات کی خوش حال ترین ریاست بن گئی ہے اور اس نے تیل رکھنے والی ریاستوں ابوظہبی اور شارجہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

صبح تک مجھ پر جو بوریت طاری ہو رہی تھی اب کسی حد تک اس کا ازالہ ہو گیا تھا۔ شاید اس لیے اب میں بے کاری والی کیفیت سے نکل آیا تھا عبداللہ سے رابطہ کر کے میں ایک بار پھر متحرک ہو گیا تھا۔ بے شک میں آرام سے بیٹھا تھا لیکن میں نے ذہن میں جو جو کام سوچ رکھے تھے ان پر کام شروع ہو گیا تھا۔ خاص طور سے مجھے بیتو کی فکر تھی۔ ندیم نے بتایا تھا کہ وہ آزاد ہے اور اس نے ندیم سے رابطے کی کوشش کی تھی لیکن کسی وجہ سے دوبارہ اس کے پاس نہیں گیا تھا۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی تھیں اول وہ پھر سے دشمن کے ہاتھ لگ گیا ہے یا دشمن ندیم کے گھر کے آس پاس اس کی تاک میں ہے اور وہ اس طرف آنے سے گریز کر رہا ہے۔ عبداللہ کے اسلام آباد پہنچنے سے میری تشویش میں خاصی کمی واقع ہوئی تھی۔

کچھ دیر میں شمی نے کمرے میں جھانکا اور مجھے اطلاع دی۔ ''وہ لوگ آ گئے ہیں۔''

''کون لوگ؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔

''وہی..... عتیق بھائی اور معین بھائی۔'' اس نے جھجک کر کہا۔

میں تیار ہو کر نشست گاہ میں آیا تو وہاں دونوں بابا کے ساتھ موجود تھے۔ عتیق نے حیرت اور خوشی سے کہا۔ ''سرپرائز..... شہباز بھائی۔'' وہ میرے سینے سے لگ گیا۔ ''کیسے ہیں آپ؟''

''ٹھیک ہوں اور تم سناؤ۔'' میں نے گرم جوشی سے کہا۔ پھر معین سے ملا۔ وہ بڑا تھا لیکن خاموش طبع تھا اس کے ملنے میں اتنی گرم جوشی نہیں تھی لیکن عتیق میرے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ بابا کچھ دیر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر حال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احوال لیتے رہے پھر اٹھ کر اندر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی عتیق نے بے تکلفی سے کہا۔ ''شہبی بھائی آپ کہاں تھے۔ سچ آپ سے ملنے کا بہت شوق رہا ہے۔''

''یار میں خود سے نہیں مل پا رہا ہوں ان دنوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم سناؤ آج کل کیا کر رہے ہو؟''

''میں انجینئرنگ پڑھ رہا ہوں۔ ٹیکسلا یونیورسٹی سے۔''

''کون سا ڈیپارٹمنٹ ہے؟''

''پیٹرولیم میں۔''

''اچھا شعبہ ہے کون سے سمسٹر میں ہو؟''

''بس آخری شروع ہونے والا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''آج کل کچھ دن کے لیے گھر آیا ہوں۔''

عتیق پہلے کے مقابلے میں کسی قدر صحت مند ہو گیا تھا لیکن اس کے چہرے کی تازگی اور چمک اسے ا جوان بنا رہی تھی۔ وہ مجھے اسی لمحے پسند آ گیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ شمی کے لیے وہ مناسب رہے گا۔ اگر آپا سے کہوں تو وہ اپنے جیٹھ سے بات کر سکتی تھیں۔ معین باہر موجود آنے والے افراد کو دیکھنے گیا تھا تو عتیق کو موقع مل گیا وہ میرے مزید نزدیک آ گیا اور آہستہ سے بولا۔ ''شہباز بھائی آپ کی کچھ لوگوں سے دشمنی ہو گئی ہے؟''

''ہاں یار۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کچھ ہیں نسلی اصلی کمینے جو بلاوجہ ہی پیچھے پڑ گئے ہیں۔''

''اور میں نے سنا ہے آپ انڈیا بھی ہو آئے ہیں؟''

''بہت ساری جگہوں پر گھوما ہوں کبھی تم فرصت سے آؤ تو تم کو تفصیل سے بتاؤں گا۔''

''آج رات یہیں رکیں گے تو فرصت ہی فرصت ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''پلیز شہباز بھائی مجھے آپ کے بارے میں جاننے کا شوق ہے۔''

''ٹھیک ہے برخوردار میں تمہیں بتاؤں گا لیکن ابھی تم صغراں آپا اور شمی سے مل لو۔ فریش ہو جاؤ۔''

اسی اثنا میں شمی آئی اور اس نے عتیق سے کہا۔ ''آپ کو امی بلا رہی ہیں۔''

اس وقت میں نے شدت سے محسوس کیا کہ شمی نے اسے عتیق بھائی نہیں کہا تھا۔ دوسرے اس کا لہجہ پُرتکلف تھا اور تیسرے میرے سامنے وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہے تھے۔ حالانکہ وہ سگے چچا زاد تھے۔ عتیق اٹھ کر شمی کے ساتھ اندر چلا گیا اور میں مسکرایا۔ شاید وہ پہلے ہی ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے۔ کیونکہ پردے والی بات نہیں تھی اس لیے وہ بے تکلف زنانے میں چلا گیا تھا۔ اس دوران میں معین آ گیا اور میں اس کے ساتھ بیٹھا رہا تھا کوئی ایک گھنٹے بعد عتیق بھی اندر سے آ گیا۔ معین نے گریجویشن کر کے تعلیم چھوڑ دی تھی اور اب زمینوں پر رفیق بھائی کا ہاتھ بٹا رہا تھا لیکن عتیق کا ارادہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا تھا اور وہ انجینئرنگ کے اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر جانا چاہتا تھا۔

رات کے پُرتکلف کھانے کے بعد محفل جمی تھی لیکن پھر معین تھکن کا کہہ کر سونے چلا گیا۔ آپا اور دوسرے بھی اٹھ گئے تھے۔ آپا نے کل سفر کے لحاظ سے تیاری کرنی تھی۔ عتیق میرے ساتھ میرے کمرے تک چلا آیا وہ میرے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ جان چھڑانے کے لیے اسے اپنی مختصر سی ٹوپا پوگرافی سنا دوں لیکن اس مختصر آٹوبایوگرافی کو اس نے سوالات کر کر کے خاصا طویل کر لیا تھا۔ جب تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اسے اپنے بارے میں بتاتا رہا شمی وقفے وقفے سے کمرے میں جھانکتی رہی تھی اور چائے پانی کا پوچھتی رہی۔ وہ جب کمرے میں آتی تو عتیق کے چہرے پر ایک چمک اور رونق آجاتی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اس کا پورا وجود شمی کی طرف متوجہ ہے۔ بڑی مشکل سے رات ایک بجے تک میری داستان ختم ہوئی تو وہ پُر جوش لہجے میں بولا۔

''کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا۔''

''نہیں تم یہیں ٹھیک ہو۔ تمہاری ایک نارمل لائف ہے اور آدمی کے پاس نارمل لائف ہونا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کی قدر مجھ سے پوچھو۔''

''لیکن کس قدر ایڈونچرس لائف بھی ہے۔'' اس نے رشک سے کہا اور پھر منہ بنا کر بولا۔ ''ایک ہم ہیں یونیورسٹی اور پھر حویلی اور پھر یونیورسٹی، اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔''

''ہوگا برخوردار..... ضرور ہوگا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''بس ذرا شادی ہو جانے دو پھر دیکھنا لائف کتنی ایڈونچرس ہو جائے گی۔ شاید اس وقت سکون کو ترسو گے۔''

شمی اس وقت چائے کے کپ لینے آئی تھی۔ یہ بات سن کر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی اور عتیق کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر وہ بمشکل سونے گیا مجھے بھی شدت سے نیند آرہی تھی اس لیے میں بھی لیٹ کر سو گیا۔ صبح جلدی اٹھنا تھا کیونکہ نو بجے تک آپا اور دوسرے ناشتہ کر کے روانہ ہو جاتے۔ عتیق اور معین بڑی پجیرو جیپ لائے تھے اور ساتھ میں دو مسلح محافظ تھے۔ خود ان کے پاس بھی اسلحہ تھا۔ ہمارے علاقے میں اسلحہ ایک لازمی چیز ہے ہر شخص استعمال کرنا جانتا ہے۔ صبح شمی نے مجھے اٹھایا۔

''اٹھ جائیں شیبی ناشتہ ٹھنڈا ہونے والا ہے۔''

ناشتہ اندر ہی تھا۔ میں منہ ہاتھ دھو کر باہر آگیا۔ آپا اور شمی تیار ہو گئے تھے۔ ناشتہ کرتے کرتے ساڑھے آٹھ بج گئے اور پھر سامان جیپ میں رکھا جانے لگا۔ میں باہر نہیں جا سکتا تھا اس لیے عتیق اور معین سے نشست گاہ میں الوداعی ملاقات کر لی۔ شمی میرے گلے لگ گئی۔ ''آپ فکر مت کرنا میں جلدی آجاؤں گی۔''

''اسی بات کی تو فکر ہے۔'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ مارا۔

وہ منہ بنا کر بولی۔ ''اتنا تنگ ہیں مجھ سے تو ہمیشہ کے لیے چلی جاتی ہوں۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں تجھے ہمیشہ کے لیے بھیج دوں۔''

آپا آرہی تھیں انہوں نے سن لیا۔ ''کہاں بھیج رہا ہے ہمیشہ کے لیے میری بیٹی کو؟''

''جہاں ایک دن ہر بیٹی کو جانا ہوتا ہے۔''

''شیبی آج کل آپ کے ذہن میں بس یہی سوار ہے۔'' شمی بولی۔

''تیرا ماما ہے اسے فکر نہیں ہوگی۔'' آپا نے اس کے تیز لہجے پر اسے ڈانٹا۔ باقی سامان رکھا جا چکا تھا۔ آپا اور شمی مجھ سے مل کر رخصت ہو گئے۔ نو بجے جیپ حویلی سے نکل چکی تھی۔ میں نے عتیق اور معین سے ان کے موبائل نمبر لے لیے تھے۔ میں نے عتیق سے کہا۔ ''گھر پہنچتے ہی مجھے کال کر کے اطلاع کرنا اور راستے میں محتاط رہنا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے کہا۔ ان کے ساتھ ایک گارڈ بائیک پر جا رہا تھا۔ ان کو حویلی تک بحفاظت پہنچا کر وہ واپس آ جاتا۔ ان کے جانے کے بعد میں ماں جی کے پاس آ بیٹھا جو بیٹی کے جانے سے اداس تھیں حالانکہ آپا چند دن کے لیے گئی تھیں۔ آج ان کی تکلیف کم تھی۔ سویرا بھی آ گئی تھی۔ وہ ماں جی سے باتیں کرنے لگی تو میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا میں نے ایک بار پھر سفیر کو دبئی میں کال کرنے کی کوشش کی۔ اس بار بھی بیل جاتی رہی اور کسی نے فون ریسیو نہیں کیا۔ مجھے تشویش ہونے لگی کوئی روز تو باہر نہیں جاتا اور فون خراب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے سفیر کے موبائل نمبر پر کوشش کی لیکن وہ گزشتہ روز کی طرح بند جا رہا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ یہ بے سبب نہیں تھا کوئی چکر ضرور تھا۔ مجھے خیال آیا کہ سفیر کے گھر فون کر کے معلوم کروں لیکن اس کے آبائی گھر کا نمبر میرے پاس نہیں تھا۔ پھر میں نے عبداللہ کو کال کی۔

''کیا حال احوال ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم نے شہلا رضوی کا گھر تلاش کر لیا ہے اور دو آدمی مستقل وہاں نگرانی پر ہیں۔''

''گڈ..... شہلا کیا گھر میں ہے؟''

''جی شہباز صاحب اور وہ کل رات سے گھر سے نہیں نکلی ہے۔''

''اس کی نگرانی جاری رکھو اور بیتو کا پتا چلا؟''

''نہیں۔'' اس کا جواب حسبِ توقع تھا۔ ''منظور کی مدد سے میں نے راولپنڈی ڈویژن کے تمام تھانوں میں معلوم کرا لیا ہے اس حلیے اور نام کا کوئی نوجوان کسی تھانے میں نہیں ہے۔''

''پولیس والے ٹہلانے کے ماہر ہوتے ہیں۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔ ''اگر کسی خاص مقصد سے پکڑا ہے تو وہ اسے ظاہر نہیں کریں گے۔''

''منظور کا سالا اسپیشل برانچ میں ڈی ایس پی ہے اور اس کی پہنچ اوپر تک ہے اس کے توسط سے معلوم کرایا ہے۔''

''تب ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''امکان یہی ہے کہ بیتو آزاد ہے اور مجھ سے رابطے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسا کرو تم ایک آدمی ندیم کے گھر کی نگرانی پر لگا دو اور ہاں یہ دیکھو ندیم کے گھر کی نگرانی کوئی اور تو نہیں کر رہا ہے؟''

''میں دیکھ لوں گا ویسے یہ ندیم صاحب کہاں ہوتے ہیں؟''

میں نے اسے آب پارہ میں ندیم کے گھر کا پتا بتایا اور فون بند کر دیا۔ پھر میں نے آج کے اخبارات دیکھے جو کچھ دیر پہلے ہی آئے تھے۔ مجھے مرشد سے متعلق خبروں کی تلاش تھی۔ آج بھی اس کے جلسے کی خبریں تھیں۔ تجزیوں میں اس کے حق اور مخالفت میں کالموں کا بازار گرم تھا۔ اہم خبر یہ تھی کہ آج مرشد کی ایک مقامی سیاست دان ملک قادر بخش سے ملاقات طے تھی۔ ملک قادر اس سیٹ پر مرشد کا پرانا حریف تھا اور اب دونوں حریف آپس میں دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے تھے۔ ملک قادر بخش میانوالی کا ایک بڑا زمیندار تھا اور اس کا خاندان غداروں کے اس ٹولے سے تعلق رکھتا تھا جس نے انگریزوں کی جی حضوری کر کے زمینیں حاصل کی تھیں۔ ایک کالم میں ملک قادر کے بارے میں انکشاف تھا کہ کچھ عرصے پہلے یہ اسلام آباد کے ایک نائٹ کلب سے چھاپے کے دوران گرفتار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا تھا لیکن پھر اوپر کے دباؤ کی بنا پر اسے چھوڑ دیا گیا البتہ اس واقعے کی خبر معہ ویڈیو کے ٹی وی پر آ چکی تھی۔

حکمران پارٹی میں ہونے کی وجہ سے ملک قادر کوئی سیٹ نہ رکھتے ہوئے بھی وفاقی حکومت میں مشیر بنا ہوا تھا اور وزیروں کے برابر مزے کر رہا تھا۔ مرشد بھی حکمران پارٹی میں شامل ہو گیا تھا اس لیے شاید دونوں میں مفاہمت ہو رہی تھی۔ مرشد کو اس علاقے سے کامیابی کے لیے ملک قادر کا تعاون درکار تھا۔ کیونکہ وہ اس کی مخالفت پر اتر آتا تو اپوزیشن کو اس کا فائدہ ہو سکتا تھا۔ مرشد بہر صورت قومی اسمبلی کی یہ دونوں نشستیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد ہی وہ حکومت سے مذاکرات کر کے اپنی مرضی کی وزارت حاصل کر سکتا تھا۔

○.....❖.....○

بارہ بجے تک اخبارات پڑھ کر میں نے پھر سفیر کے دونوں نمبر ملائے اس بار بھی وہی جواب تھا ایک پر بیل جا رہی تھی اور دوسرا بند پڑا تھا۔ مجھے آپا اور شمی کا خیال آیا اب تک انہیں اپنی منزل پر پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن عتیق یا معین کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ میں نے عتیق کا نمبر ملایا لیکن وہ آؤٹ آف سگنل تھا یہی جواب معین کے موبائل سے بھی آ رہا تھا۔ میں بابا کے پاس آیا۔

''آپا اور شمی کے پہنچ جانے کی کوئی خبر آئی ہے؟''

''نہیں۔'' بابا بولے۔ ''میں خود بھی اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ تم نے فون کیا؟''

''عتیق اور معین کو کال کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کے موبائل آؤٹ آف سگنل ہیں ان کے گھر کا نمبر مجھے نہیں معلوم ہے۔''

بابا کو گھر کا نمبر معلوم تھا انہوں نے وہاں کال کی اور رفیق بھائی سے بات کی لیکن آپا اور شمی ابھی وہاں نہیں پہنچے تھے۔ سفر مشکل سے ڈھائی گھنٹے کا تھا اور اب تک ان کو پہنچ جانا چاہیے تھا اگر حالات ٹھیک رہتے۔ اتنی دیر کا مطلب تھا کہ راستے میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔ بابا نے فون بند کر کے میری طرف دیکھا۔ ''ممکن ہے ٹائروں یا گاڑی کا مسئلہ ہوا ہو۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے جواب دیا لیکن میری چھٹی حس رہ رہ کر اشارہ دے رہی تھی کہ کوئی چکر تھا۔ میں صحن میں آیا اور پھر معین اور عتیق کے نمبروں پر کال ملانے کی کوشش کرنے لگا لیکن نمبر آؤٹ آف رینج تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں بابا کے پاس آیا۔

''بابا جو گارڈ گیا ہے اس کے پاس بھی موبائل ہو گا اس سے بات کریں۔''

بابا کے پاس اس کا نمبر نہیں تھا لیکن وہ انہوں نے گیٹ پر اس کے ساتھیوں سے بات کر کے لے لیا۔ ں نے نمبر نوٹ کر کے اسے کال کی اور بیل جاتے سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن بیل جاتی رہی اور اس نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔ ایک دفعہ کٹ گیا تو میں نے دوبارہ نمبر ملایا۔ اس بار بھی بہت دیر تک بیل جاتی رہی۔ ہر دل ڈوبنے لگا کوئی گڑبڑ تھی ورنہ کسی سے تو رابطہ ہوتا۔ میں مایوس ہو کر کال کاٹنے والا تھا کہ دوسری طرف سے ال ریسیو کر لی گئی۔ عقب میں شور ہو رہا تھا۔

''ہیلو کیا ہوا میں حویلی سے بات کر رہا ہوں۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم لوگ ابھی تک پہنچے نہیں۔''

''جناب کہاں سے پہنچیں یہاں ہم گھر گئے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں کہاں..... کس جگہ ہو تم؟''

''سرگودھا روڈ پر جناب..... شہر سے بارھویں میل پر۔'' اس نے جواب دیا۔ ''عتیق صاحب کو گولی لگی ہے دشمن بہت ہیں۔''

''کیا؟'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''ساتھ جانے والی عورتیں کہاں ہیں؟''

''وہ گاڑی میں ہیں لیکن دشمن نے گھیر لیا.....'' اس نے اتنا کہا تھا کہ اچانک کال کٹ گئی۔ میں نے دوبارہ نمبر ملایا لیکن اس بار جواب نہیں آ رہا تھا مطلوبہ نمبر بند ہونے کی خبر سنائی جا رہی تھی میں نے زیر لب گالی دی اور بابا سے کہا۔ ''گڑبڑ ہے ان لوگوں کو سرگودھا روڈ پر کہیں دشمنوں نے گھیر لیا ہے عتیق کو گولی لگی ہے۔''

بابا کھڑے ہو گئے۔ ''صغراں..... شمی۔''

''وہ گاڑی میں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''گارڈز اُن سے مقابلہ کر رہا ہے لیکن وہ کہہ رہا ہے حملہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔''

''یا اللہ..... میرے بچے۔'' بابا نے کہا اور میں کمرے سے نکل آیا۔ میں نے عبداللہ سے رابطہ کیا۔

''عبداللہ تم کہاں ہو؟''

''اسلام آباد۔'' اس نے میرے لہجے سے اندازہ لگا لیا کہ خیریت نہیں ہے۔ ''کوئی مسئلہ ہے؟''

''ہاں تم اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ سرگودھا کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ جلد از جلد وہاں پہنچ کر مجھے کال کرنا میں پھر تمہیں بتاؤں گا۔ مکمل سامان کے ساتھ ہونا۔''

''میں نکل رہا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

بابا باہر آ گئے تھے۔ ''شہباز کس سے بات کر رہے ہو؟''

''بابا مجھے جانا ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''کہاں؟''

''جہاں ان لوگوں پر حملہ ہوا ہے۔'' میں نے وحشت زدہ ہو کر کہا۔ میرا دل یہ سوچ کر بیٹھا جا رہا تھا کہ دشمن اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب رہا تھا۔ اس نے بالآخر میرے گھر کی عزت کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ ''مجھے گاڑی کی چابی دیں۔''

''لیکن شہباز.....'' بابا نے کہنا چاہا۔

''بابا۔'' میں چیخ اٹھا۔ ''آپ چابی دے رہے ہیں یا میں ایسے ہی چلا جاؤں۔''

بابا کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے مجھے اپنی پرانی ملٹری ماڈل کی جیپ کی چابی لا دی۔ یہ جیپ بابا کی لاڈلی تھی اور وہ جدید ترین گاڑی کو بھی اس کے سامنے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے اسے بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ میں نے شاٹ گن لی اور بابا سے ان کا پستول بھی لے لیا اور باہر کی طرف لپکا۔ بابا میرے ساتھ باہر آئے تھے۔ گارڈز مجھے دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔

''تم دونوں چوکس رہو یوں سمجھ لو کسی بھی وقت یہاں حملہ ہو سکتا ہے۔''

''ہم چوکس ہیں۔'' ان میں سے ایک بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں سے جانے والوں پر حملہ ہوا ہے تمہارا ساتھی ان سے مقابلہ کر رہا تھا پھر میرا فون پر اس سے رابطہ ختم ہو گیا۔''

''ہم بھی اسے تلاش کر رہے ہیں۔''

میں نے جیپ باہر نکالی اور طوفانی رفتار سے روانہ ہو گیا۔ سڑک تک میں پھر ذرا قابو میں رہا تھا لیکن پکی سڑک آنے کے بعد میں نے جیپ یوں چلائی کہ دیکھنے والوں نے مجھے شرابی اور دیوانہ نہ جانے کیا کیا سمجھا ہو گا۔ میں ان کو کیا بتاتا کہ میری کیا حالت ہو رہی تھی۔ مجھے صرف آپا اور شمی کا خیال تھا اور تیسرا نام میرے ذہن میں مرشد کا آ رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا اگر آپا یا شمی کو ذرا بھی نقصان ہوا تو کل کے اخبارات میں میرے یا مرشد دونوں میں سے کسی ایک کے مارے جانے کی اطلاع ہو گی۔ میرے جبڑے بھنچے ہوئے تھے دونوں ہاتھ سختی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ میرا ذہن کہیں اور تھا اور میں قطعی لاشعوری طور پر ڈرائیو کر رہا تھا۔ کتنی بار جیپ دوسری گاڑیوں سے ٹکراتے ہوئے بچی تھی۔ کئی ایک سے چھوتی ہوئی گزر گئی تھی لیکن مجھے نہ تو احساس ہوا اور نہ میں نے رفتار کم کی تھی۔ سڑک پر آنے کے بعد اس کی رفتار کہیں بھی سو سے کم نہیں ہوئی تھی۔

گارڈ نے مجھے جو جگہ بتائی تھی وہ حویلی سے دو گھنٹے کی مسافت پر تھی۔ موبائل بج رہا تھا لیکن میں نے نہیں سنا بعد میں پتا چلا کہ عبداللہ مجھے کال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اسلام آباد سے روانہ ہو گیا تھا۔ وہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ سرگودھا میں کہاں میرا انتظار کرے۔ اچانک میری نظر پاس سے گزرتی ایک جانی پہچانی عمارت پر پڑی تو میرے ذہن کو جھٹکا لگا تھا میں منزل سے قریب تھا اور تب میں نے گھڑی دیکھی۔ مجھے حویلی سے نکلے سوا گھنٹے ہونے کو آیا تھا۔ میں حیران ہوا مجھے لگا میں ابھی چند منٹ پہلے روانہ ہوا تھا اور اتنا وقت بھی گزر گیا۔ یہ قدرت کا احسان تھا کہ اس نے میرا مشکل ترین وقت یوں کاٹ دیا کہ مجھے اس کے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔

اچانک مجھے کچھ دور ایک ہجوم نظر آیا اس میں پولیس والے نمایاں تھے۔ میرا پاؤں بے اختیار بریک پر گیا۔ میرے دل نے کہا یہی جگہ تھی جہاں گاڑی پر حملہ ہوا تھا۔ میں نے جیپ ذرا دور روک دی اور اتر کر ہجوم کی طرف بڑھا۔ لوگ زیادہ نہیں تھے کیونکہ آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی یہ یہاں سے گزرنے والے تھے جو تماشہ دیکھنے رک گئے تھے۔ میں لوگوں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھا تو مجھے سب سے پہلے ایک بائیک اور اس کے آس پاس خاصی مقدار میں خون نظر آیا۔ عتیق اور معین کی جیپ ذرا آگے تھی اور اس کی باڈی میں کئی سوراخ نظر آ رہے تھے لیکن جیپ خالی نظر آ رہی تھی۔ وہاں موجود لوگوں میں نہ تو زندہ اور نہ کوئی مردہ تھا جو میرے لیے شناسا ہوتا۔ میں نے خود پر قابو پاتے ایک شخص کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''یہاں کیا ہوا ہے؟''

اس نے مجھے دیکھا اور یوں بھڑک کر پیچھے ہوا جیسے اس نے کسی درندے کو دیکھ لیا۔ شاید میرے تاثرات کچھ ایسے ہو رہے تھے۔ ''آپ کون ہو جی؟''

''مجھے بتاؤ۔'' میں نے کہا تو میرے لہجے میں غراہٹ آ گئی تھی۔

''وہ جی یہاں پر اس جیپ کو کچھ لوگوں نے روک لیا پھر بہت فائرنگ ہوئی۔''

''جیپ میں موجود لوگ کہاں گئے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پتا نہیں جی۔'' اس نے کہا۔ ''یہ تو پولیس کو پتا ہوگا۔ انہوں نے آ کر سب کو پیچھے کر دیا تھا۔''

''کوئی ہلاک یا زخمی ہوا تھا؟''

''ہوا ہوگا۔'' اس نے اس بار جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔ ''مجھے کیا معلوم۔''

مجھے لگا کہ وہ شخص اس واقعے کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا لیکن کسی خوف سے بتانے سے گریز کر رہا تھا۔ میں نے آس پاس دیکھا۔ سب ہی حادثے کے منظر کی طرف متوجہ تھے۔ وہاں پولیس کی خاصی نفری تھی تین چار گاڑیاں بھی موجود تھیں اور ایسا لگ رہا تھا کہ واقعے کے کچھ دیر بعد ہی پولیس یہاں آ گئی تھی اور اس نے زخمیوں اور ہلاک ہونے والوں کو اسپتال روانہ کر دیا تھا۔ آپا اور شمی کہاں تھیں یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں کسی پولیس والے سے نہیں پوچھ سکتا تھا میں پولیس کو مطلوب تھا اور میری تصویر ان کے ذہنوں میں محفوظ ہو سکتی تھی۔ میں یہ خطرہ نہیں مول لے سکتا تھا اس لیے میں نے اس شخص سے معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنا پستول قمیص کی جیب سے اس کی پسلیوں سے لگا دیا۔

''یہ پستول ہے اگر آواز نکالی تو کسی کی مدد آنے سے پہلے مر جاؤ گے۔''

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا لیکن اس نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا اور آہستہ سے بولا۔ ''کک..... کیا چاہتے ہو؟''

''یہاں سے چلو مجھے تم سے صرف کچھ پوچھنا ہے لیکن تم نے مزاحمت کی تو اپنے نقصان کے خود ذمے دار ہو گے۔''

وہ قربانی کے جانور کی طرح میرے ساتھ کھنچا چلا آیا تھا۔ میں اسے جیپ تک لایا اور اندر دھکیل دیا۔

''بیٹھو۔''

''آپ نے کہا تھا مجھ سے پوچھیں گے جی۔'' اس نے منمنا کر کہا۔ ''آپ تو مجھے لیے جا رہے ہیں۔''

''پوچھوں گا یہاں سے تو چلیں۔'' میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے واپس گھما لی اور کچھ دور آنے کے بعد درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف موڑ دی۔ یہاں جیپ روکی تو وہ خوف زدہ نظر آنے لگا تھا۔ میں نے اسے نیچے اترنے کا اشارہ کیا وہ لرزتے قدموں سے نیچے اترا۔

''مجھے نہ مارنا میرے چھوٹے بچے ہیں۔''

''ان کی ماں ہے۔'' میں نے لہجے کو بے رحمانہ بناتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہے۔''

''جوان ہے تو پال لے گی۔ تمہاری کمی اتنی محسوس نہیں ہوگی لیکن تم زندہ رہ سکتے ہو مجھے تم سے صرف چند سوال کرنے ہیں۔''

''پوچھیں جی۔'' اسے آخری بات سے حوصلہ ہوا تھا۔

''تم کہاں رہتے ہو؟''

''پاس ہی گاؤں ہے میرا ناصر آباد۔''

''وقوعے والی جگہ کیا کر رہے تھے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کچھ نہیں جی کچھ دور رہٹ پر بیٹھا تھا جب یہ سب ہوا۔" اُس نے کام کی بات بتا دی میں یہی جاننا چاہ رہا تھا کہ اس نے کتنا کچھ دیکھا ہے۔

"خوب اگر تم یہیں تھے تو تم نے سب اپنی آنکھ سے دیکھا ہوگا۔"

اس کا رنگ اُڑ گیا اس نے جلدی سے کہنا چاہا۔ "سب تو نہیں....."

میں نے پستول اس کے سر سے لگا دیا۔ "لگتا ہے تم کو اپنے بچوں کی پروا نہیں ہے تم ان کو جلدی یتیم کرنا چاہ رہے ہو۔"

وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ "مینوں اللہ دی قسم....."

"قسمیں مت کھاؤ۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ تم یہاں ہو اور تم نے سب کچھ اپنی آنکھ سے نہ دیکھا ہو۔"

"میں نے دیکھا ہے۔" اس نے بادلِ ناخواستہ اقرار کیا۔ "لیکن انہیں معلوم ہو گیا تو وہ میرے بیوی بچوں کو بھی مار دیں گے۔"

"کون؟"

"شریف بدمعاش جی۔ وہ بہت ظالم ہے۔"

مجھے بالکل ہنسی نہیں آئی تھی شریف بدمعاش کا نام سن کر۔ "میں بھی کم ظالم نہیں ہوں۔ یہ کام شریف بدمعاش کا ہے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "وہ خود نہیں تھا لیکن اس کے بندے تھے سارے۔"

"ہوا کیا تھا؟"

"پتا نہیں میں تو فائرنگ سن کر چونکا تھا۔ اُدھر رہٹ کے پاس چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ اُدھر دیکھا تو وہ بڑی سی گاڑی کو گھیر کر اس پر فائر کر رہے تھے۔ گاڑی سے بھی فائر ہو رہے تھے۔ پھر اُدھر سے ایک موٹر سائیکل والا آیا اور اس نے شریف کے دو بندے مار گرائے۔ انہوں نے اس پر بھی فائرنگ کی۔ وہ گر گیا اور اپنی موٹر سیکل کی آڑ سے ان لوگوں پر فائر کرنے لگا۔ پھر اسے گولی لگ گئی اور وہ وہیں لیٹ گیا۔"

میرا دوران خون تیز ہونے لگا تھا وہ چپ ہوا تو میں نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔ "آگے بولو رکو مت۔"

"پھر گاڑی سے فائرنگ بند ہو گئی۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ "شریف کے آدمی آگے آئے تو اچانک ایک آدمی نے گاڑی سے نکل کر ان پر فائرنگ کی اور شریف کے دو آدمی مارے گئے لیکن انہوں نے اسے بھی مار دیا۔"

"وہ آدمی کیسا تھا؟" میں نے پوچھا۔ "حلیہ کیسا تھا؟"

"جی کالے رنگ کے شلوار قمیص میں تھا موٹا سا اور پکے رنگ والا۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا وہ عتیق یا معین نہیں تھے بلکہ ان کا کوئی محافظ تھا۔ "بولتے رہو۔"

"دو بندے مرے تو وہ واپس بھاگے تھے اور پھر پولیس کی ایک گاڑی آ گئی اور وہ سب بھاگ نکلے۔"

"اور گاڑی والے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان کا پتا نہیں وہ شاید گاڑی میں ہی تھے۔ میں تو پولیس کو دیکھتے ہی بھاگ گیا تھا۔ شریف کے آدمی تو ان کے ہاتھ آتے نہیں وہ آس پاس موجود لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے۔''

''بکو مت تم وہاں موجود تھے۔''

''وہ تو جی میں بعد میں آیا تھا۔'' اس نے چالاکی سے کہا۔ ''جب اور لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔''

''یعنی تم نے نہیں دیکھا کہ گاڑی والوں کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''میرا خیال ہے ان کو پولیس والے لے گئے ہوں گے۔'' اس نے کہا اور اس کی بات درست ہی تھی۔ میں نے موبائل نکالا اور رفیق بھائی کے گھر کا نمبر ملایا۔ وہاں ایک ملازم نے کال ریسیو کی۔ میرے پوچھنے پر اس نے کہا۔

''ان کو جی اسپتال سے کال آئی تھی وہ چلے گئے ہیں۔''

''میری کسی سے بات کراؤ میں صغراں آپا کا بھائی بول رہا ہوں۔''

صغراں آپا کے نام نے کام کیا اور کچھ دیر اشفاق بھائی لائن پر تھے وہ رفیق بھائی کے چچا زاد تھے۔

''اشفاق بھائی میں شہباز بات کر رہا ہوں رفیق بھائی کون سے اسپتال گئے ہیں؟''

''سرگودھا ڈسٹرکٹ اسپتال۔'' انہوں نے کہا۔

''صغراں آپا اور شمسہ بھی وہیں ہیں؟''

''پتا نہیں تم ایسا کرو رفیق بھائی کے نمبر پر کال کر لو۔'' انہوں نے کہا اور نمبر بتایا۔ میں نے یہ نمبر ملایا لیکن بج جا رہا تھا۔ مجھے کسی قدر اطمینان ہوا تھا کہ حملہ آور اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

''شریف بدمعاش۔'' میرے دانت بھنچ گئے تھے۔ ''یہ کہاں ہوتا ہے؟''

''اسی سڑک پر ذرا آگے اس کا ڈیرہ ہے۔''

''ذرا اس کا جغرافیہ بتانا اور ڈرو مت اول میں کسی کو بتاؤں گا نہیں اور دوسرے آج شریف اور اس کا ٹولہ اس دنیا میں نہیں رہے گا۔'' میں نے کہا۔

''یہ جی بڑا ذلیل شخص ہے کسی کی عزت اور مال اس سے محفوظ نہیں ہے۔'' وہ شخص پھٹ پڑا تھا۔ ''ہر برا کام کرتا ہے، شراب کی بھٹی چلاتا ہے چرس ہیروئن بیچتا ہے، لوگوں کے جانور اٹھاتا ہے، ان کی عورتیں اٹھا لیتا ہے اس کے کوئی درجن مقدمات ہیں لیکن آج تک پولیس نے اسے گرفتار نہیں کیا ہے۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''تم بھی اس سے زخم کھائے ہوئے لگتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''دس سال پہلے میری بہن غائب کر دی تھی اس نے، آج تک اس کا کچھ پتا نہیں چلا جی۔''

''تم نے اس کے خلاف رپورٹ نہیں کی تھی؟''

''میرے باپ نے کی تھی۔'' اس نے تلخی سے کہا۔ ''وہ آج اپنی قبر میں پڑا ہے۔''

میں نے ملائمت سے کہا۔ ''تم سے غیرت مند تو تمہارا باپ نکلا اپنی عزت پر جان قربان کر دی اور تم اب بے غیرتی کے ساتھ زندہ ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو کیا کرتا باپ کی طرح مر جاتا۔ باقی بہنوں اور ماں کا کیا ہوتا ان کا ایک ہی سہارا ہوں۔''

''سہارا اللہ ہوتا ہے۔ تم اس کی آڑ میں اپنی بزدلی نہیں چھپا سکتے۔ تمہاری بہن کی عزت اور باپ کا قاتل اب بھی زندہ ہے اور تمہارے سامنے ہے۔ تم نے اس کے خلاف کچھ نہیں کیا۔''

''میں..... میں کیا کر سکتا ہوں میں ایک کمزور آدمی ہوں۔'' اس کا سر جھک گیا تھا۔

میں نے اس مزید شرمندہ کرنے سے گریز کیا اور رفیق بھائی کا نمبر ملایا اس بار بیل جانے لگی۔ انہوں نے کال ریسیو کی۔ ''میں شہباز بات کر رہا ہوں۔ سب ٹھیک ہیں نا؟'' میں نے ان کی آواز سنتے ہی بے تابی سے کہا۔

''شکر ہے خدا کا صغراں اور شمی محفوظ ہیں۔''

''شکر اللہ کا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لیا پھر مجھے عتیق کا خیال آیا۔ ''رفیق بھائی عتیق کیسا ہے؟''

''آپریشن تھیٹر میں ہے اس کے پیٹ میں گولی لگی ہے۔'' وہ نارمل لہجے میں بولے۔ ''ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''رفیق بھائی مجھے بہت افسوس ہے۔'' میری آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ ''میں ابھی آتا ہوں۔''

''نہیں تم مت آؤ یہاں پولیس ہے۔'' ان کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔ ''ایسا کرو تم میرے گھر چلے جاؤ شمی اور صغراں کو میں نے وہیں بھیج دیا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں وہیں آتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ اور کال کاٹ کر عبداللہ کا نمبر ملایا۔ ''تم کہاں ہو؟''

''میں سرگودھا پہنچ گیا ہوں۔''

''واپس آؤ میں تیرھویں میل پر ہوں بائیں طرف دیکھتے رہنا ایک مزار ہے اس کے اوپر سرخ رنگ کا بڑا سا جھنڈا ہے۔ اس سے آگے درختوں کا ایک جھنڈ ہے میں وہاں منتظر ہوں۔''

''میں دس منٹ میں آ رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

میں اس شخص کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''محمود جی۔'' اس نے کہا۔ ''آپ شریف بدمعاش کے دشمن ہو جی؟''

''میں ہر شریف بدمعاش کا دشمن ہوں ویسے اس کا نام عجیب سا ہے شریف بھی اور بدمعاش بھی۔''

''نام کا شریف ہے اور ذات کا بدمعاش ہے۔'' اس نے تشریح کی۔

''تم نے کہا اس کا ڈیرہ یہاں سے کچھ دور ہے؟'' میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

''ہاں جی بس کوئی دو میل ہو گا۔'' اس نے شہر کی طرف جانے والے راستے کی طرف اشارہ کیا۔

''تم ہمیں اس کے ڈیرے تک لے جاؤ گے۔'' میں نے کہا تو وہ بدک گیا۔

''میں جی وہ کیوں؟''

''کیوں کیا نہیں بس تمہیں لے کر جانا ہے۔ اس کے بعد تم آزاد ہو گے جہاں چاہے جا سکتے ہو۔''

''نہیں جی اسے پتا چلا تو وہ مجھے مار دے گا۔''

''مرنا تم نے ایک نہ ایک دن ہے تو بہادری سے کیوں نہیں مرتے کب تک بزدلوں کی طرح زندہ رہو گے؟'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''تم نے صرف شریف کا اڈہ دکھانا ہے سامنے نہیں آنا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ مجھے لے جاؤ گے اور اس کا کوئی نہ کوئی آدمی دیکھ لے گا۔ پھر وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔''

''وہ چھوڑنے کے لیے بچے گا تو چھوڑے گا نا۔'' میں نے اس لہجے میں کہا کہ وہ تھرا اُٹھا تھا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر مزید کچھ نہیں کہا۔ چند منٹ بعد ایک لینڈ کروزر آ کر سڑک کے کنارے رکی اور اس سے عبداللہ اترا تھا میں نے اسے شناخت کر لیا تو درختوں سے آگے آ کر اسے اشارہ کیا اور وہ گاڑی سمیت میرے پاس پہنچ گیا۔ اس نے لینڈ کروزر درختوں کے عقب میں روکی اور نیچے کود کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

''کہاں تھے شہباز صاحب، آپ کو دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں۔''

''اب دیکھ لیا تم نے ابھی مزید دیکھو گے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ بتاؤ اسلحہ کتنا ہے؟''

''چار خود کار رائفلیں ہیں۔ دو شاٹ گن ہیں۔ ماؤزر پستول ہیں۔ ایک ورجن گرینیڈ ہیں اس کے علاوہ اسموک گرینیڈ ہیں۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت ہے۔''

''نہیں کافی ہے..... یہ بتاؤ مرنے مارنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

اس نے میرے لہجے میں خون کی پیاس محسوس کر لی تھی۔ ''خیریت شہباز صاحب آپ نے کبھی اس لہجے میں بات نہیں کی؟''

''اس سے پہلے دشمن نے میرے گھر والوں پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش بھی نہیں کی اسے بتانا ہے کہ میں اس کے لیے آ سکتا ہوں اور دوسرے ایک بدنہاد اور ناسور کو اس دنیا سے رخصت کرنا ہے۔''

''میں اور میرے ساتھ تین ساتھی بالکل تیار ہیں۔'' عبداللہ نے لینڈ کروزر کی طرف دیکھا۔ میں نے محمود کو پاس بلایا۔ وہ عبداللہ اینڈ پارٹی کو دیکھ کر مزید سہم گیا تھا۔

''تم نے شریف کا ڈیرہ اندر سے دیکھا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ کھیتوں کے درمیان ہے۔ اس تک جانے کا صرف ایک راستہ ہے باقی ہر طرف پانی والی زمین ہے جس میں گاڑی دھنس جاتی ہے۔ اندر سامنے بڑا احاطہ ہے اس کے درمیان میں ایک صحن ہے اور اس کے دونوں طرف عمارتیں ہیں۔'' دائیں والی عمارت شریف کی ہے اس میں اس کے آدمی بھی بلا اجازت نہیں جا سکتے ہیں۔ وہ سب بائیں طرف والی عمارت میں رہتے ہیں۔''

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''میں دو دن وہاں رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''شریف کے آدمی مجھے شبہ میں پکڑ کر لے گئے تھے۔''

''کیسے شبہ میں؟''

''ان کا کہنا تھا کہ میں نے چوہدری عارف کو بتایا کہ اس کی قیمتی بھینسیں شریف کے ڈیرے پر ہیں۔''

''ان لوگوں کا شبہ اتنی آسانی سے رفع نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے اپنا کرتا کمر سے اوپر کر دیا اس کی پشت مارنے، جلانے اور کاٹنے کے زخموں سے بھری ہوئی تھی۔

''اس وقت تک میں سیدھا نہیں لیٹ سکا تھا مرنے والا ہو گیا تھا تب انہوں نے مجھے چھوڑا۔'' وہ تلخ انداز میں بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ نے میرے اشارے پر اسے اپنے آدمیوں کے حوالے کیا اور خود میرے ساتھ ذرا دور آ گیا۔

''اس نے جو بتایا ہے اس کے مطابق شریف کا ڈیرہ بڑا محفوظ ہے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔

''آپ مجھے پوری بات بتا سکتے ہیں؟''

عبداللہ کے کہنے پر میں نے اسے پوری کہانی شروع سے اب تک سنائی۔ مرشد کا سن کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''یہ حرامزادہ ابھی تک آپ کے پیچھے پڑا ہوا ہے؟''

''یہی حرامزادہ میرے پیچھے پڑا ہے اس کے علاوہ کوئی بھی میرا ایسا دشمن نہیں ہے حد یہ کہ فتح خان نے بھی دشمنی سے دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے۔''

''جہاں تک میں فتح خان کے بارے میں جانتا ہوں وہ کسی کو معاف کرنے والا شخص نہیں ہے۔''

''ہاں اس کی دستبرداری کا یقین تو مجھے بھی نہیں ہے کیونکہ میں اس کی تحویل میں تھا اور یقیناً اسی نے مجھے حویلی بھجوایا ہے۔''

''آپ نے بتایا ہے کہ حملے میں شریف کے آدمی بھی مارے گئے ہیں یا زخمی ہوئے ہیں اس کا مطلب ہے اس کے اڈے پر سخت ٹینشن ہو گی اور وہ لوگ بہت چوکنا ہوں گے۔''

''امکان تو یہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس صورت میں وہاں کھلا حملہ ممکن نہیں ہے۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ مجھے مایوسی ہونے لگی۔

''یعنی کام نہیں ہو سکتا ہے؟''

''آپ کا حکم ہے تو کام ضرور ہو گا۔ بس ذرا خطرہ مول لینا پڑے گا اور کچھ چکر چلانا ہو گا۔''

''کیسا چکر اور خطرے کی نوعیت کیا ہو گی۔''

''میرے پاس پولیس وردیاں رکھی ہیں ایک جگہ سے مل رہی تھیں میں نے لے لیں۔ اس میں ایس ایس پی کے عہدے کی وردی بھی ہے۔ اگر ہم پولیس کے بھیس میں جائیں تو ہمیں اندر جانے کا راستہ تو مل جائے گا۔''

اس کی بات میرے دل کو لگی تھی۔ میں نے اس سے وردیاں نکالنے کو کہا۔ یہ اصلی وردیاں تھیں اور ان پر نشانات بھی موجود تھے۔ ایس ایس پی کی وردی میرے ناپ کی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ میرے بال پولیس اسٹائل میں نہیں تھے۔ ''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کسی بھی دکان سے مشین سے دس منٹ میں بال بن جائیں گے۔'' عبداللہ نے کہا۔

ذرا سی بحث کے بعد منصوبہ تیار ہو گیا۔ میری جیپ پر جعلی پولیس نمبر پلیٹ لگا دی جائے گی اور کسی زمانے میں ایسی جیپیں پولیس کے زیر استعمال ہوتی تھیں۔ فلیش لائٹ سامنے لگانے سے یہ مکمل پولیس جیپ نظر آنے لگتی۔ میں نے حیرت سے کہا۔ ''لگتا ہے تم مکمل تیاری کے ساتھ نکلے تھے۔''

''ہمارے کام میں ایسا ہی ہونا چاہیے۔'' وہ مسکرایا۔

باقی افراد کو وہیں چھوڑ کر ہم سرگودھا کے ایک بازار تک گئے۔ عبداللہ مجھے ایک باربر شاپ پر چھوڑ کر کچھ چیزیں لینے چلا گیا اور اس کی واپسی تک میں نے بال بنوا کر شیو اور شمپو بھی کروا لیے۔ اب میں ایس ایس پی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کردار ادا کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ عبداللہ نے وردی پریس کروالی تھی اور کہیں سے وہ مخصوص چھڑی بھی لے آیا تھا جو ایس ایس پی اور اس سے اوپر کے عہدے کے لوگ اپنے اختیارات کی نمائش کے لیے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ ہم واپس پہنچے تو شام قریب تھی میں نے ایک بار پھر رفیق بھائی کو کال کر کے عتیق کے بارے میں پوچھا۔ آپریشن کر کے گولی نکال دی گئی تھی اور اسے خون دیا جا رہا تھا لیکن ڈاکٹر اس کی حالت کے بارے میں کچھ بتانے سے گریز کر رہے تھے۔ میں نے بابا کو کال کی اور گھر میں خیریت کا پوچھا۔ بابا نے بتایا کہ وہاں سب ٹھیک تھا۔ شجاع بھائی نے اس واقعے کا سن کر اسی ایجنسی کی طرف سے مزید گارڈز بھیج دیئے تھے۔ میں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ مرشد دو طرف کارروائی نہ کرے۔ اس کے پاس مرنے مارنے والوں کی کمی نہیں تھی۔

''میرا خیال ہے ہم سورج ڈوبنے کے بعد وہاں پہنچتے ہیں۔'' عبداللہ نے مشورہ دیا۔ اس کا مشورہ ٹھیک تھا اس لیے میں نے مان لیا۔ ویسے بھی اب اس میں کچھ ہی وقت رہ گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ رفیق بھائی کے گھر فون کر کے آپا سے بات کر لوں لیکن میری ہمت نہیں ہوئی۔ مجھے شمی کا خیال بھی آ رہا تھا۔ ہم نے تیاری مکمل کر لی تھی۔ باقی سب نے بھی پولیس کی وردیاں پہن لی تھیں۔ اسلحہ ہمارے پاس غیر سرکاری تھا لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں تھی آج کل پولیس والوں کے پاس سب سے زیادہ غیر قانونی اسلحہ نظر آتا ہے۔ میں ایک انسپکٹر کو جانتا ہوں جس کو اس بات پر فخر ہے کہ اس کے پاس مشہور زمانہ اصلی اسمتھ اینڈ ولسن پسٹل ہے جس کی مالیت پاکستانی کرنسی میں کوئی پانچ لاکھ روپے بنتی ہے۔ اس لیے ہمارے پاس اس اسلحے کی موجودگی کا جواز تھا۔ ویسے بھی ایس ایس پی اپنے علاقے کا بادشاہ ہوتا ہے۔

محمود ابھی تک ہمارے پاس تھا اور میں نے اس کے بارے میں نہیں سوچا تھا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ آخر میں نے اسے یہیں باندھ کر ڈال جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ اس جیسے شخص کا کوئی بھروسہ نہیں تھا وہ شریف کو اطلاع بھی دے سکتا تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا تو وہ بولا۔ ''میرے پاس زیادہ بہتر حل ہے ایک انجکشن دیتا ہوں یہ دو گھنٹے کے لیے سو جائے گا۔ اسے سڑک کے کنارے ڈال دیں گے کوئی نہ کوئی اسے دیکھ لے گا۔''

''یہ مناسب رہے گا۔'' میں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ مجھے خدشہ تھا اسے یہاں ڈالا تو کہیں کوئی سانپ یا بچھو نہ کاٹ لے۔ سڑک کے کنارے اسے مدد مل جائے گی لیکن جب اسے دبوچ کر انجکشن لگایا جا رہا تھا تو وہ یوں مچل رہا تھا جیسے ہم اسے زہر کا انجکشن دے رہے ہیں۔ انجکشن لگتے ہی وہ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اسے لینڈ کروزر میں ڈال دیا۔ طے یہ ہوا تھا کہ جیپ میں ہم چار افراد جائیں گے۔ عبداللہ کا ایک ساتھی لینڈ کروزر سمیت پیچھے رہے گا اور اس سے ریڈیو کے ذریعے رابطہ رہے گا اور ضرورت پڑنے پر اسے طلب کیا جا سکتا تھا۔ عبداللہ کے تینوں ساتھی سابق کمانڈوز تھے اور اپنے کام میں ماہر تھے۔ ہر قسم کا اسلحہ استعمال کر سکتے تھے اور ہر قسم کے حالات سے نمٹ سکتے تھے۔

سورج ڈوبتے ہی ہمارا قافلہ روانہ ہو گیا۔ سڑک پر آنے کے بعد ہم نے شہر کا رخ کیا کیونکہ شریف کا ڈیرہ اسی سمت میں تھا کوئی دو میل جانے کے بعد مطلوبہ عمارت نظر آ گئی۔ یہ ایک بڑا بلند احاطہ تھا جس پر خاردار تار بھی لگی تھی اور اندر باہر کی طرف طاقتور سرچ لائٹس لگی تھیں جن کو سورج ڈوبتے ہی جلا دیا گیا تھا۔ احاطے تک ایک ہی راستہ جا رہا تھا۔ یہ باقی زمین سے کوئی پانچ چھ فٹ اونچا تھا اور اس کے آس پاس ساری زمین نیچی تھی۔ اصل میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راستہ اور احاطے کی زمین اوپر اٹھائی ہوئی تھی۔ پاس کی زمین پر شاید باقاعدگی سے پانی چھوڑا جاتا تھا کیونکہ اس نے دلدل کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس میں نہ صرف گاڑیاں نہیں چل سکتی تھیں پیدل نقل وحرکت بھی مشکل تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ شریف چالاک آدمی تھا اس نے اپنے ڈیرے کی حفاظت کے انتظامات کر رکھے تھے لیکن جب موت آتی ہے تو ساری چالاکی دھری رہ جاتی ہے۔

○.....❖.....○

میری جیپ جب ڈیرے کی طرف جانے والے راستے پر مڑی تب ہی اسے دیکھ لیا گیا تھا کیونکہ جیپ کے پاس پہنچنے سے پہلے اندر سے ایک مسلح شخص نکل آیا۔ جیپ قریب آنے پر اسے احساس ہوا کہ یہ پولیس کی ہے تو وہ محتاط ہو گیا۔ ڈرائیو عبداللہ کر رہا تھا۔ میں اس کے برابر والی نشست پر ایس ایس پی کے کروفر سے اکڑا بیٹھا ہوا تھا۔ جب مسلح شخص عبداللہ کے پاس آیا تب بھی میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''جی صاحب؟'' اس نے عبداللہ سے پوچھا۔

''صاحب کو شریف سے ملنا ہے۔'' عبداللہ نے بھاری لہجے میں کہا اس نے اے ایس آئی کی وردی پہن رکھی تھی جب کہ پیچھے بیٹھے دونوں نے کانسٹیبل والی وردیاں پہن رکھی تھیں۔

''شریف اندر نہیں ہے۔'' اس نے صفائی سے جھوٹ بولا۔

''اس سے کہو اگر میں واپس چلا گیا تو شریف بہت بڑی مشکل میں پھنس جائے گا میں ڈی آئی جی آفس سے آیا ہوں۔''

مسلح شخص نے غور سے میری وردی کے نشانات دیکھے اور بولا۔ ''میں اندر بولتا ہوں۔''

''صرف پانچ منٹ انتظار کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا۔'' میں نے اسی لہجے میں اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ اندر چلا گیا اس کے جاتے ہی گیٹ اندر سے بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد پھر گیٹ کھلا اور اس بار دو افراد باہر آئے ایک تو وہی تھا۔ دوسرا ایک لمبا اور دبلا لیکن گورا چٹا نوجوان تھا۔ اس نے اپنے بال شانوں تک بڑھا رکھے تھے۔ اس نے میری طرف آ کر کہا۔ ''حکم سرکار۔''

''مجھے صرف شریف سے بات کرنی ہے۔'' میں نے سرد لہجہ اپنایا۔ ''اگر وہ نہیں ملنا چاہتا تو میں واپس جا رہا ہوں۔ واپس چلو۔'' میں نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

''اتنی جلدی کیا ہے سرکار یہاں تک آئے ہیں تو اندر چلیں کچھ خاطر تواضع ہو جائے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے لیکن ممکن ہے صبح تک تم سب کی خاطر تواضع کہیں اور ہو رہی ہو۔''

نوجوان چونکا تھا۔ اسی لمحے کسی نے اسے گیٹ سے پکارا۔ عبداللہ نے جیپ اسٹارٹ کی تو وہ جلدی سے بولا۔ ''ایک منٹ سرکار..... بس ایک منٹ۔'' وہ گیٹ کی طرف گیا اور فوراً واپس آ گیا۔ ''آپ اندر آ جائیں ایس ایس پی صاحب شریف صاحب اندر موجود ہے۔''

''ابھی تک تو وہ نہیں تھا۔'' میں نے طنز کیا۔ ''گیٹ کھلواؤ۔''

''جیپ یہیں چھوڑ دیں سرکار۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''لگتا ہے تمہارا شریف صاحب سنجیدہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جیپ اندر جائے گی یا میں واپس جاؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔''

میرے فیصلہ کن لہجے کی اداکاری نے اسے قائل کرلیا کہ یہ کوئی سرپھرا ایس ایس پی ہے اور سچ مچ واپس چلا جائے۔ وہ ایک بار پھر ہدایات لینے گیٹ تک گیا۔ شاید وہاں سے اندر تک کوئی مواصلاتی رابطہ تھا۔ اس بار وہ ذرا دیر سے آیا اور گیٹ کھلنے لگا۔ اس نے پاس آکر معذرت سے کہا۔ ''اِدھر حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ ابھی چند گھنٹے پہلے سڑک پر مار دھاڑ ہوئی ہے۔''

''مجھے سب معلوم ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور عبداللہ کو جیپ آگے بڑھانے کا اشارہ کیا اس کے ساتھ ہی ہم سب کے اعصاب تن گئے تھے۔ ہم دشمن کی کھچار میں داخل ہو رہے تھے اور ہم وہاں مذاکرات کرنے نہیں جا رہے تھے۔ وہاں موت کا کھیل ہونا تھا اور موت کسی کو بھی ساتھ لے جا سکتی تھی۔ اس لیے ہم ذہنی طور پر تیار ہو گئے تھے میں نے چلنے سے پہلے عبداللہ سے کہا تھا۔ ''دیکھو یہ میری ذاتی لڑائی ہے اور تمہارا اس میں شامل ہونا لازمی نہیں ہے۔''

''شہباز صاحب۔'' عبداللہ کا لہجہ شکایتی ہو گیا۔ ''کیا میں بھول سکتا ہوں جو وقت میں نے لاہور میں آپ کے ساتھ گزارا تھا۔ آپ کے ساتھ میں آگ میں بھی کود سکتا ہوں۔''

''تمہارا جذبہ قابلِ ستائش ہے لیکن تم راجا عمر دراز کے ملازم ہو اور ممکن ہے وہ تمہارے کسی ایسے تعاون کو پسند نہ کریں۔''

''مجھے پروا نہیں ہے زیادہ سے زیادہ مجھے ملازمت سے نکال دیا جائے گا تو مجھے اس کی پروا کبھی نہیں رہی ہے۔''

''پھر بھی تم ایک بار سوچ لو۔'' میں نے اصرار کیا۔

''سوری شہباز صاحب میں نہیں سوچ سکتا۔'' وہ مسکرایا۔ ''کیونکہ اپنا دماغ میں لاہور میں چھوڑ آیا ہوں۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ایسے جان نثار دوستوں کے ہوتے ہوئے اگر میں خدا سے مرشد جیسے دشمن کا شکوہ کروں تو یہ میری طرف سے کفرانِ نعمت ہوتا۔ اب ہم شریف کے ڈیرے میں تھے۔ جیسے ہی جیپ اندر آئی عقب میں گیٹ بند کر دیا گیا تھا۔ عبداللہ نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جیپ پارکنگ کے اس گوشے میں روکی جہاں نیم کے درخت تلے روشنی سب سے کم تھی اور یہ جگہ گیٹ کے بھی پاس تھی۔ عبداللہ نے آہستہ سے کہا۔

''اگر فرار کا موقع ہو تو گیٹ کو گرینیڈ سے اُڑا دینا۔''

''یس سر۔'' عقب سے جواب آیا اور ہم نیچے اتر آئے۔ میرے پاس دو عدد پستول اور عبداللہ کے پاس دو کاربائنل کے علاوہ پستول بھی تھا۔ وردیوں کے نیچے ہم نے چھوٹے اور کم فاصلے پر کام کرنے والے ریڈیو بھی پہن رکھے تھے۔ ایک سیکنڈ میں ہم ان کو کان سے لگا سکتے تھے اور مخصوص فریکوینسی پر پہلے سے سیٹ تھے ہم پانچوں آپس میں بیک وقت رابطہ کر سکتے تھے۔ دبلا اور گورا نوجوان ہمارے پاس آیا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

''ایس ایس پی صاحب صرف آپ اندر جا سکتے ہیں۔''

''نہیں یہ بھی ساتھ جائے گا۔'' میں نے انکار کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دیکھئے شریف صاحب نہیں مانیں گے۔'' اس نے التجا کی۔

اس سے پہلے میں کچھ کہتا عبداللہ نے کہا۔ ''میں باہر ہی رک جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے لیکن تم ملاقات کی جگہ تک ساتھ چلو۔'' میں نے کہا۔ دبلا نوجوان ہمیں لے کر دائیں طرف والی عمارت کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک دروازہ کھولا اور مجھ سے کہا۔ ''شریف صاحب اندر ہیں یہاں سے آگے آپ اکیلے ہی جائیں گے۔''

عبداللہ وہیں رک گیا۔ میں اندر بڑھا تو دبلا نوجوان میرے ساتھ تھا یہ اچھا ہوا کہ ان میں سے کسی نے اب تک ہم سے کوئی شناختی کاغذ یا کارڈ نہیں مانگا تھا کیونکہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ باہر سے عام سی نظر آنے والی عمارت اندر سے خاصی پوش ثابت ہوئی تھی اور ایک نشست گاہ نما کمرے میں ایک بنی سنوری قیامت میری منتظر تھی۔ قیامت میں نے اسے یوں کہا کہ وہ بے پناہ متناسب جسم رکھتی تھی اور اس نے اسے نمایاں کرنے کا مناسب بندوبست بھی کر رکھا تھا۔ البتہ اس کے چہرے میں سوائے گورے رنگ کے اور کوئی بات نہیں تھی۔ کھڑے اور کھردرے نقوش تھے مگر یہاں اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہی کون ہوگا۔

''آؤ سرکار بسم اللہ۔'' اس نے لہک کر کہا۔

''شریف کہاں ہے؟''

''صاحب جی اندر ہیں۔'' اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں نشست گاہ میں تین دروازے کھل رہے تھے۔ اس نے درمیان والے دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا اور میرے سرد رویے کو دیکھتے ہوئے وہ محتاط ہوگئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اندر ایک چھوٹا کمرہ نشست گاہ کی طرح سجا ہوا تھا اس میں ایک بیش قیمت صوفہ سیٹ اور شیشے کی میز تھی۔ ایک صوفے سے ایک ادھیڑ عمر شخص اٹھا اور اس نے نہایت تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملانے کی کوشش کی لیکن میں نے ہاتھ آگے نہیں کیا اور سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''شریف؟''

اس کی بھنویں سکڑ گئیں وہ گول پھولے ہوئے چہرے کا مالک تھا اس کی چھوٹی آنکھیں گالوں میں دھنسی ہوئی تھیں اور رنگت سیاہی مائل تھی۔ اس کی آنکھوں میں شک آ گیا تھا۔ ''جناب ایس ایس پی صاحب مجھے نہیں پہچانتے۔''

''اس کی دو وجوہات ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ایک تو یہ کہ میں یہاں نیا ہوں اور دوسرے آدمی اپنی موت کو پہلی بار اس وقت دیکھتا ہے جب وہ اس کے سامنے آتی ہے۔''

اس کے چہرے پر خوف نمودار ہوا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ زبان کھولتا میں پستول نکال چکا تھا اور نہایت سُرعت سے اس کے عقب میں پہنچ گیا مجھے خدشہ تھا کہ اس کا کوئی محافظ ہماری باتیں نہ سن رہا ہو اور وہ دخل درمعقولات کرے۔ اس سے پہلے وہ سنبھلتا میں پستول اس کی پشت سے لگا چکا تھا۔ ''شریف کسی کو بلانے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تم پر انا للہ ہی پڑھ سکے گا۔''

اس نے دونوں ہاتھ اوپر کر لیے تھے اور ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ ''تم ایس ایس پی نہیں ہو تو پھر کون ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جلد تمہیں بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اسے شانے سے پکڑ کر ایک چھوٹے صوفے میں بٹھا دیا۔ ''یہ بتاؤ یہاں اور کتنے آدمی ہیں؟''

''بہت ہیں۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری یہ شاید اس کی عادت تھی۔ ''تم بچ کر نہیں نکل سکتے۔''

میں جتنی آسانی سے شریف تک پہنچ گیا تھا اور اسے قابو کر لیا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں اپنا فیصلہ بدل لیا۔ اندھی قتل و غارت گری مجھے کبھی پسند نہیں رہی اور نہ ہی میں کوئی منتقم مزاج شخص تھا۔ شمی اور صفراں آپا کی گاڑی پر حملے کا جان کر میرے اندر جو انتقامی جذبات پیدا ہوئے وہ ان کے محفوظ ہونے کا سن کر خاصی حد تک کم ہو چکے تھے۔ میں نے اس سے کہا۔

''شریف میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے اور نہ ہی میرا تم کو مارنے کا ارادہ ہے بشرطیکہ تم خود نہ مرنا چاہو۔''

اس کی چھوٹی سؤر جیسی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی تھی۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ اگر تم نے یا تمہارے آدمیوں نے مزاحمت کی تو مجبوراً مجھے یہاں تمہاری لاش چھوڑ کر جانا ہوگا۔''

''مجھے کیوں لے کر جانا چاہتے ہو اپنے ایس ایس پی صاحب۔'' اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ''ابھی تک وہ ہتھکڑی نہیں بنی جو شریف کے ہاتھوں میں ڈالی جائے۔''

''بکواس مت کرو، ہمارے پاس ہتھکڑیاں بھی بہت ہیں اور تمہاری گردن میں ڈالنے کے لیے رسیاں بھی کافی ہیں۔ اس لیے شرافت سے کھڑے ہو جاؤ۔'' میں نے جان بوجھ کر پولیس والے انداز میں کہا۔

''پر میرا قصور ایس ایس پی صاحب؟'' وہ فکر مند نظر آنے لگا۔

''میرے ساتھ چلو سب معلوم ہو جائے گا۔'' میں نے اسے گردن سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ وہ خاصا تنومند آدمی تھا لیکن اس وقت بالکل ڈھیلا ہو رہا تھا۔ وہ مجھے سچ مچ ایس ایس پی سمجھ رہا تھا۔ اگرچہ میرا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا اگر مجھے مک مکا کرنا تھا تو اس کے لیے یہی جگہ بہتر تھی اور اگر اسے گرفتار کرنا تھا تو صرف تین آدمیوں کے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔ مگر اسے شک نہیں ہوا تھا کہ میں جعلی ایس ایس پی ہوں۔ میں نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا تو دروازہ کھلا اور وہی دبلا نوجوان اندر آیا۔ یہ صورت حال شاید اس کے لیے غیر متوقع تھی ایک لمحے کے لیے اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

''یہ کیا ایس ایس پی صاحب؟''

''میں شریف کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ یہ کل صبح تک آ جائے گا لیکن کسی نے راستہ روکنے کی کوشش کی تو میں اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔''

''اگر میں مر گیا تو کیا یہاں سے بچ کر نکل جاؤ گے؟'' اپنے آدمی کو سامنے دیکھ کر شریف نے بہادر بننے کی کوشش کی تھی۔

''کیوں نہیں..... تمہیں کیا معلوم اس وقت کتنی پولیس فورس تمہارے اڈے کے چاروں طرف موجود ہے اور ان کو صرف ایک قتل کی ضرورت ہے۔'' میں نے دبنگ لہجے میں کہا اور شریف کو پستول کی نال سے آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھکیلا۔ ''باہر چلو۔''

دبلا اور گورا نوجوان پیچھے ہٹنے لگا تھا اس کا فکرمند ہونا لازمی تھا کیونکہ وہی ہمیں اندر لایا تھا۔ بڑی نشست گاہ میں وہی خادمہ تھی۔ میرے حساب سے وہ خادمہ ہی تھی لیکن شریف کو ہینڈز اَپ دیکھ کر اس نے ہلکی سی چیخ ماری۔ ''یہ کیا ہے شریف؟''

''نازاں تم اندر جاؤ۔'' شریف نے سخت لہجے میں کہا۔

''کوئی اندر نہیں جائے گا۔'' میں نے نازاں کو روک دیا۔ ''تم بھی باہر چلو۔''

''اسے جانے دیں ایس ایس پی صاحب..... یہ میری گھر والی ہے اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق تو نہیں ہے لیکن اندر جا کر اس نے بلاوجہ اِدھر اُدھر فون کرنے شروع کر دیئے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''اپنے ایس ایس پی صاحب اگر کوئی گل بات کرنی ہے تو اِدھر بھی ہو سکتی ہے۔'' شریف بولا غالباً اپنے آدمیوں کے سامنے یوں مجبور بن کر جاتے ہوئے اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔ ''مجھے میرے آدمیوں کے سامنے یوں ذلیل کرنا ضروری تو نہیں ہے۔''

''بالکل ضروری نہیں ہے۔ اگر تم شرافت سے میرے ساتھ چلو۔'' میں نے اسے دھکیلنا جاری رکھا۔ ''اگر تم نے کوئی اُڑی دکھائی تو شرمندگی بہت زیادہ ہوگی تم اپنے آدمیوں کے سامنے مار بھی کھاؤ گے۔''

وہ بھڑکا تھا لیکن پستول کے سامنے بالکل مجبور تھا۔ اسی حالت میں ہم صحن میں آئے تو عبداللہ چوکنا۔ اس نے ہماری سے رائفل سنبھال لی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میرے اندر جانے کے کچھ دیر بعد ہی قتل و غارت گری شروع ہو جائے گی لیکن اس کے بجائے میں شریف کو ہینڈز اَپ کرا کے لے آیا تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''یہ ہمارے ساتھ جائے گا اور کسی نے روکنے کی کوشش کی تو اس کی لاش یہاں چھوڑ کر جانی ہے۔''

اس احاطے میں شریف کے کوئی سات آٹھ مسلح ساتھی موجود تھے اور وہ صورتِ حال دیکھتے ہی اپنے ہتھیار سنبھال چکے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے اور عبداللہ نے بیک وقت شریف پر اسلحہ تان لیا تھا۔ عبداللہ نے چیخ کر کہا۔ ''خبردار اگر کسی نے گولی چلائی ورنہ سب سے پہلے یہ مرے گا۔''

''شریف اپنے آدمیوں کو حکم دو اسلحہ پھینک دیں اور ایک طرف ہو جائیں۔'' میں نے حکم دیا لیکن شریف خاموش رہا تھا۔ اس بار میں نے زبان کے بجائے ہاتھ سے کام لیا اور اس کی کمر پر عین گردے کے مقام پر پستول کے دستے سے ضرب لگائی۔ وہ کراہا تھا میں پھنکار کر بولا۔ ''شاید تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ اپنے آدمیوں سے بولو اسلحہ ڈال کر ایک طرف ہو جائیں جلدی۔''

شریف اپنے آدمیوں کو غلیظ گالیوں سے نوازتے ہوئے ایک طرف ہونے کو کہہ رہا تھا۔ مجبوراً وہ اپنا اسلحہ صحن کے وسط میں پھینک پھینک کر ایک طرف ہونے لگے۔ عبداللہ کے دونوں ساتھی بھی آ گئے تھے اور چار مسلح افراد کے سامنے وہ سب بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ انہوں نے دونوں عمارتوں کی تلاشی لے کر اندر موجود افراد کو بھی باہر جمع کیا۔ یہ کل دس افراد تھے اور ان میں دو زخمی بھی تھے۔ یہ یقیناً دوپہر میں ہونے والی کارروائی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شامل تھے۔ان سب کو ایک الگ کمرے میں ڈال کر اس کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا۔اب وہ کسی کی مدد کے بغیر باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ان میں نازاں بھی تھی۔یعنی مسز شریف اور میں دیکھ رہا تھا کہ اسے شریف کی کوئی پروا نہیں تھی کیونکہ اس کے چہرے پر فکر کی پرچھائیں تک نہیں تھی۔ان سب کو کمرے میں بند کرنے کے بعد عبداللہ کے آدمیوں نے احاطے میں موجود تمام گاڑیوں کے ٹائرز پنکچر کر دیئے یوں ہمارے پیچھے بھی کسی کے آنے کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔

شریف اب سچ مچ پریشان اور خوف زدہ دکھائی دے رہا تھا جب اسے جیپ میں بٹھایا تو اس نے پوچھ لیا۔''تم اصلی پولیس والے ہو؟''

میں ہنسا۔''بہت دیر میں خیال آیا تمہیں۔''

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ عبداللہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رسید کیا۔''خاموش ہو کر بیٹھ۔''

ہاتھ کھا کر وہ دبک گیا تھا۔گیٹ کے نگران بھی بند کیے جا چکے تھے اس لیے گیٹ بھی خود کھولنا اور بند کرنا پڑا تھا۔عبداللہ کا تیسرا ساتھی لینڈ کروزر سمیت سڑک پر ہمارا منتظر تھا۔اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی اور یہ معرکہ آسانی سے سر ہو گیا تھا۔کچھ آگے نکلنے کے بعد میں نے عبداللہ سے کہا۔''اگر تمہارے پاس بے ہوشی والا انجکشن ہے تو اسے دے دو۔''

عبداللہ نے ایک جگہ گاڑیاں رکوائیں اور پھرتی سے شریف کو وہی انجکشن دے دیا جو اس نے محمود کو دیا تھا۔پھر اسے لینڈ کروزر میں منتقل کر دیا۔فی الحال یہاں ٹریفک نہیں تھا اس لیے ہم نے پولیس کی وردیاں اتار دیں اور اپنے عام کپڑوں میں آ گئے۔میں نے بابا کی جیپ سے پولیس سائرن ہٹا دیا اور عبداللہ کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔''اسے اپنے آدمیوں کے ساتھ اسلام آباد بھیج دو اور تم میرے ساتھ چلو۔''

''ٹھیک ہے جان شیر اسے واپس لے جائے گا۔''عبداللہ نے ایک ساتھی کی طرف دیکھا۔''اسے کوٹھی کے تہہ خانے میں ڈلوا دینا اور کسی کو اس کے قریب آنے مت دینا۔''

''میں سمجھ گیا صاحب۔''جان شیر نے کہا۔

''اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پیچھے ترپال تلے ڈال دو۔''عبداللہ نے اسے حکم دیا جس کی تعمیل کی گئی اور اس کے فوراً بعد جان شیر اسے لے کر روانہ ہو گیا۔عبداللہ اور اس کے دونوں ساتھی میرے ساتھ جیپ میں آ گئے اور میں رفیق بھائی کی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ان کا گاؤں سرگودھا سے کوئی دس میل آگے اسی سڑک پر تھا۔اس لیے دونوں گاڑیاں مخالف سمتوں میں گئی تھیں۔رات کا وقت ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ پریشانی ہوئی تھی لیکن پھر میں نے راستہ تلاش کر لیا اور ہم ایک گھنٹے بعد حویلی پر تھے۔صغراں آپا کا سسرال بڑی زمیندار فیملی تھا۔ان کی کوئی ہزار ایکڑ زمین تھی اس لحاظ سے وہ بڑے زمیندار تھے اور اسی لحاظ سے ان کی حویلی بھی بڑی اور شاندار تھی۔

جیسے ہی میں نے حویلی کے سامنے جیپ روکی۔ایک نوجوان لپک کر آیا۔اس نے آہستہ سے کہا۔''شہباز بھائی؟''

''ہاں۔''میں نے بھی اسی کی طرف آہستہ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے ساتھ اندر آیئے۔''

''یہ میرے ساتھی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ بالکل فکر مت کریں۔'' نوجوان نے کہا۔ ''میں آپ کو اندر پہنچا کر ان کو بھی دیکھتا ہوں ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

میں اس کے ساتھ اندر آیا۔ وہ مجھے ایک چھوٹے دروازے سے اندر لے گیا تھا جہاں کسی اور سے سامنا نہیں ہوا تھا میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے دوسروں کی نظروں سے بچانے کے لیے ایسا کر رہا تھا راستے میں نوجوان نے اپنا تعارف کرایا۔ وہ اشفاق بھائی کا بیٹا منہاس تھا۔ ''عتیق کی حالت کیسی ہے؟''

''ابھی تک ویسی ہی ہے۔'' وہ افسردہ ہوگیا۔ ''ڈاکٹر کہہ رہے ہیں اگر کل صبح تک ہوش آ گیا تو.....'' وہ بولتے ہوئے چپ ہوگیا۔ بات واضح تھی اگر عتیق کو کل صبح تک ہوش نہیں آتا تو اس کی جان خطرے میں پڑ جاتی۔ میرا دل کٹنے لگا۔ اتنا خوب صورت نوجوان میری وجہ سے بستر مرگ پر آ گیا تھا۔ منہاس مجھے ایک کمرے میں لایا۔ ''آپ یہاں بیٹھیں میں چاچی کو بتاتا ہوں۔''

چاچی سے مراد صغراں آپا تھیں۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد صغراں آپا اور ان کے ساتھ شمی اندر آئی۔ شمی کا ستا ہوا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کرب کی کن منزلوں سے گزر رہی ہے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی لپکی اور میرے بازو سے سر رکھ کر رونے لگی۔ میں نے اس کا سر تھپکا۔ ''شمی میری جان مت رو..... اللہ سے دعا کرو وہ سب ٹھیک کرے گا۔''

صغراں آپا بھی روتی رہی تھیں ان کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ''یہ کیا ہوا؟''

''چوٹ آئی ہے لیکن معمولی سی ہے۔''

میں شمی اور آپا کو لے کر بیٹھ گیا۔ ''آپا راستے میں کیا ہوا تھا؟''

''پتا نہیں..... جب ہم سرگودھا کے پاس پہنچے تو گاڑی کا ٹائر پنکچر ہوگیا بہت دیر اسے ٹھیک کرنے میں لگی۔ کچھ آگے گئے تو ٹائر پھر پنکچر ہوگیا اور جیسے ہی ہم رکے ان لوگوں نے گھیر لیا۔ انہوں نے فائرنگ شروع کر دی تھی۔ عتیق اور معین نے ہمیں نیچے سیٹوں پر گرا دیا اور خود حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کرنے لگے۔''

''آپ کے ساتھ دو گارڈز بھی تھے۔''

''ان میں سے ایک تو فوراً گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔'' آپا نے افسردگی سے کہا۔ ''دوسرا عتیق اور معین کے ساتھ مل کر مقابلہ کر رہا تھا پھر بابا کا بھیجا گارڈ بھی آ گیا لیکن حملہ آور بہت زیادہ تھے۔ دوسرا گارڈ بھی باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ بابا کا گارڈ زخمی ہوا تھا۔''

''عتیق کیسے زخمی ہوا؟''

''دو حملہ آور گاڑی کے پاس آ گئے تھے عتیق نے ان کو روکا تو اس دوران میں اسے گولی لگ گئی لیکن اس نے کسی کو بتایا نہیں وہ تو شمی نے دیکھ لیا اس کا کرتا سرخ ہو رہا تھا۔''

شمی پھر سسکنے لگی۔ میں نے اس کا سر تھپکا۔ ''چپ کر میری گڑیا مجسس شخص کی یہ کارستانی ہے وہ اس وقت میرے قبضے میں ہے میں اس سے عتیق کی تکلیف کا مکمل حساب لوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپا چونک گئیں۔ ''مرشد؟''

''نہیں آپا اس کا گرگا ہے میں اسی وجہ سے دیر سے آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''حملہ آور کیسے بھاگے؟''

''عتیق کی فائرنگ سے ان کے دو آدمی زخمی ہوئے تھے پھر وہاں ایک پولیس کی گاڑی آ گئی۔ اسے دیکھ کر وہ بھاگ نکلے۔'' آپا نے وہی بتایا جو محمود مجھے پہلے بتا چکا تھا۔

''پولیس نے ان کا پیچھا نہیں کیا؟''

''نہیں وہ جاتے جاتے بھی فائرنگ کر رہے تھے اس لیے پولیس وین نے ان کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔'' آپا نے کہا۔ ''شکر ہے وہ نہیں گئے ورنہ ہماری مدد کون کرتا۔ جیسے ہی معین نے ان کو بتایا کہ گاڑی میں رفیق بھائی کی فیملی ہے انہوں نے ہماری مدد کی اور پولیس موبائل میں ہمیں اسپتال کے لیے روانہ کر دیا ہماری گاڑی تو خراب ہو گئی تھی۔''

''بابا نے جو گارڈ ساتھ کیا تھا اس کی حالت کیسی ہے؟''

''اسے بھی دو گولیاں لگی تھیں جب میں اسپتال سے آ رہی تھی تو اسے آپریشن کے لیے لے جا رہے تھے۔''

آپا کو زخم کی وجہ سے پین کلر دی ہوئی تھی اور ان سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا اس لیے وہ اٹھ کر اندر چلیں۔ ان کے جاتے ہی شمی نے روتے ہوئے سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔ ''شعیب..... عتیق۔'' اس کے لہجے میں فریاد آ گئی۔

''اسے کچھ نہیں ہو گا گڑیا۔'' میں نے اس کا سر تھپکا۔ ''اللہ سے اس کی صحت کے لیے دعا کرو۔''

''اگر..... اسے کچھ ہوا تو میں.....'' شمی کہتے کہتے رک گئی۔ ''تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

''اس میں تیرا قصور نہیں ہے۔''

''میرا ہی قصور ہے۔'' شمی پھر رونے لگی۔ ''وہ مجھے لے جانے آئے تھے۔ ایک آدمی نے کہا کہ اگر وہ مجھے باہر بھیج دیں وہ کسی کو کچھ نہیں کہیں گے اور صرف مجھے لے کر چلے جائیں گے۔''

میرا خون کھولنے لگا تھا۔ ''گڑیا تم بس اللہ سے عتیق کی صحت مانگو۔ ان لوگوں کو میں دیکھ لوں گا۔ ان سے ایسا حساب لوں گا کہ یہ قبر میں بھی بلبلاتے رہیں گے۔''

شمی روتی رہی اور میں اسے تسلی دیتا رہا۔ میں رشتے میں اس ماموں تھا لیکن ہمارے درمیان دوستی بھی تھی۔ اس لیے وہ میرے سامنے کھل کر روتی تھی۔ میں نے اسے کہا۔ ''اب مت رو اور جا کر آپا کو دیکھو۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں کسی کو بھیجتی ہوں۔''

''اگر رفیق بھائی مصروف نہ ہوں تو ان کو بھیج دینا اور کسی کو مت بھیجنا۔''

رفیق بھائی کچھ دیر میں آ گئے تھے۔ جوان بیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا اس کے باوجود وہ حوصلے کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میں ان سے گلے ملا۔ ''شہباز تمہیں بہت یاد کیا۔''

''اور ملاقات بھی ہوئی تو کس موقع پر۔'' میں پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''کاش ہم کسی خوشی کے موقع پر ملے ہوتے۔''

''خوشی کا موقع بھی آئے گا یار۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں خود کو خطا کار محسوس کر رہا تھا یہ میری دشمنی کی آگ تھی جو ان کے خاندان تک چلی آئی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''رفیق بھائی مجھے افسوس ہے یہ سب میری وجہ سے.....''

''اوئے نہیں یار۔'' انہوں نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''تیرا کیا قصور ہے اور مجھے تو اپنے بیٹے پر فخر ہے اس نے گھر کی عزت بچاتے ہوئے گولی کھائی ہے۔ میرا پتر شیر ہے۔''

''بے شک۔'' میں نے دل سے کہا۔ ''اللہ اسے لمبی عمر دے۔''

رفیق بھائی نے بتایا کہ ڈاکٹر نے کل دوپہر تک کا وقت دیا تھا اگر اس دوران میں عتیق کو ہوش آجاتا تو اس کی حالت خطرے سے باہر آجاتی۔

''ورنہ؟'' میں نے فکر سے پوچھا۔

رفیق بھائی نے گہری سانس لی۔ ''اس سے آگے ڈاکٹر کچھ نہیں کہتے ہیں۔''

''آپ نے پولیس رپورٹ کرائی؟''

''ہاں کرائی لیکن نامعلوم حملہ آوروں کے خلاف۔''

''یہی درست ہے لیکن جس نے یہ کام کیا ہے اس وقت وہ میرے قبضے میں ہے۔''

رفیق بھائی چونکے۔ ''تمہارے قبضے میں؟''

میں نے ان کو مختصراً شریف بدمعاش کے بارے میں بتایا۔ گاڑی پر حملہ اس کے آدمیوں نے کیا تھا اور وہ عورتوں کو لے جانے آئے تھے۔ رفیق بھائی کو تعجب ہوا تھا کہ میں نے اتنی جلدی ذمے دار کو تلاش کر کے اسے اٹھوا بھی لیا تھا۔ ''میرے کچھ ساتھی اور ہمدرد ہیں بس ان کی مدد سے یہ کام کیا ہے وہ فی الحال اسلام آباد میں ہے اور وہاں اس سے پوچھ گچھ کی جائے گی تاکہ اسے مرشد کے خلاف گواہ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔''

''میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس حملے کے پیچھے ملک عارف کا ہاتھ ہے۔'' رفیق بھائی بولے تو میں چونک گیا۔

''ملک عارف سے آپ کی کیا دشمنی ہے؟''

''سیاسی معاملہ ہے ہم دونوں الگ الگ پارٹیوں کے ہی ہیں اور یہ ٹسل بہت عرصے سے جاری ہے لیکن ان دنوں وہ زوال پر اتر آیا ہے اور اس نے سرگودھا میں میرے ایک قیمتی پلاٹ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس پر جھگڑا چل رہا ہے۔''

''ملک عارف نے میرے دشمن مرشد علی سے اتحاد کر لیا ہے۔ آج مرشد اس کے گھر آیا ہے اور کل وہ میانوالی میں جلسہ کرے گا۔'' میں نے انہیں بتایا۔

''تب میرا اندازہ درست بھی ہو سکتا ہے۔'' رفیق بھائی نے سر ہلایا۔ ''ملک عارف یہاں کے اکثر بدمعاشوں اور رسہ گیروں کا سرپرست ہے اور ممکن ہے اس معاملے میں اس نے مرشد کی مدد کی ہو۔''

''ہو سکتا ہے کہ وہ ملک عارف کے لیے بھی کام کرتا ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ شریف کے مرشد سے ذاتی تعلقات ہیں تب ہی وہ اتنی تیزی سے حرکت میں آگیا تھا۔''

''ممکن ہے۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے کہا۔ رفیق بھائی کچھ دیر میرے پاس بیٹھے تھے پھر باہر چلے گئے کیونکہ حملے کا سن کر بہت لوگ ملنے کے لیے آرہے تھے۔ میں نے بابا کو کال کی اور ان کو بتایا کہ میں رفیق بھائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گھر ہوں۔ بابا نے کہا۔

''شجاع کے بھیجے ہوئے دو گارڈ اور آ گئے ہیں۔ جو زخمی ہوا تھا اس کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔''

''شکر ہے۔'' میں نے سکون کا سانس لیا۔

''مرشد کا فون آیا تھا۔'' بابا نے کہا تو میں چونک گیا۔

''کیا کہہ رہا تھا حرام.....'' میں بولتے بولتے رک گیا کیونکہ آج تک بابا کے سامنے منہ سے گالی نکالنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

''چالاکی دکھا رہا تھا۔ حملے کے بارے میں انجان بن گیا اور جب میں نے بتایا تو افسوس کرنے لگا۔''

''آپ نے کیا کہا؟''

''یہی کہ وہ افسوس نہ کرے اس کے لیے افسوس کرنے کے ابھی بہت سارے مواقع آئیں گے۔''

''آپ نے اسے بالکل ٹھیک جواب دیا۔ فون کس وقت آیا تھا؟''

''ابھی شام سات بجے۔'' بابا نے بتایا تو میں چونک گیا۔ شریف کو اٹھائے جانے کے فوراً مرشد نے بابا کو کال کی تھی۔

''کیا میرے بارے میں پوچھ رہا تھا؟''

''ہاں میں نے کہا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور تم سو رہے ہو۔''

''اس نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی جس سے پتا چلے کہ اسے حویلی سے باہر میری موجودگی کا علم ہے؟''

''نہیں لیکن مجھے شبہ ہے اسے پتا چل گیا ہے۔''

بابا سے بات کر کے میری تشویش میں اضافہ ہو گیا تھا۔ میں نے عبداللہ کا نمبر ملایا۔ وہ رفیق بھائی کے مہمان خانے میں ساتھیوں سمیت رکا ہوا تھا اور ان کو کھانا وغیرہ دے دیا گیا تھا۔ میں نے اس سے شریف کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔ ''وہ منزل پر پہنچ گیا ہے اور وہاں محفوظ ہے۔''

''اس کی کڑی نگرانی کرنی ہے۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ مرشد کے لیے اہم آدمی ہے۔'' میں نے عبداللہ کو مرشد کی کال کے بارے میں بتایا۔

''شہباز صاحب یہیں ہے کیا خیال ہے اسے کوئی چیرا نہ لگایا جائے۔''

''کیا یہ مناسب ہو گا۔'' میں اس کی بات سمجھ گیا۔ ''ہمارے پاس مل ملا کر چار بندے ہیں اور اس کے ساتھ محافظوں کی فوج ہوتی ہے۔''

''اس کے محافظ بھی اسی کی طرح ہوں گے دو غلے اور بزدل۔ وقت پر پیٹھ دکھانے والے۔''

''تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

''کل یہ جلسہ کرنے جا رہا ہے وہاں کچھ نہ کچھ.....''

''نہیں وہاں لوگ ہوں گے۔''

''اچھا جلسہ گاہ کی طرف جاتے ہوئے کچھ کیا جائے۔''

''اس میں بھی خطرہ ہے پولیس مستعد ہو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابھی تو وہ کہیں محفوظ ہوگا۔'' عبداللہ کو مایوسی ہوئی تھی۔ ''راستے میں ہی کوئی کارروائی کی جا سکتی ہے۔''

''میں سوچتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ اس دوران میں منہاس مجھے بلانے آیا اندر کھانا لگ گیا تھا۔ کیونکہ ہم ایک ہی خاندان کی طرح تھے اس لیے پردے کا مسئلہ نہیں تھا۔ رفیق بھائی کے والد اور والدہ محبت سے ملیں۔ وہ آج بھی صغراں آپا کو اپنی بہو سمجھتے تھے اور ان کا ہر موقع پر خیال رکھتے تھے۔ اتفاق سے پورے خاندان میں شمی ہی واحد لڑکی تھی باقی سب کے لڑکے تھے۔ اس لیے شمی سب کی لاڈلی تھی۔ کھانا سوگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد رفیق بھائی نے مجھ سے آہستہ سے کہا۔

''سونامت مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''مجھے ویسے بھی نیند نہیں آئے گی۔'' میں نے کہا۔

شمی میرے لیے اس کمرے میں چائے لے آئی جہاں مجھے رات گزارنی تھی۔ وہ افسردہ تھی لیکن اس نے خود کو خاصی حد تک سنبھال لیا تھا چائے دے کر وہ چلی گئی کیونکہ عتیق کی صحت یابی کے لیے گھر میں آیت کریمہ پڑھا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رفیق بھائی آ گئے۔

''شہباز وہ بندہ کہاں ہے جسے تم نے پکڑا ہے؟''

''وہ یہاں نہیں ہے میں نے اسے اسلام آباد بھیج دیا ہے۔''

''اگر میں کہوں کہ وہ مجھے درکار ہے؟''

میں کچھ دیر ان کی بات پر غور کرتا رہا پھر میں نے کہا۔ ''رفیق بھائی آپ میرے بڑے بھائی کی طرح ہیں اور آپ کا کہا سر آنکھوں پر..... لیکن کیا میں اس کی وجہ پوچھ سکتا ہے۔''

ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ اندر سے بہت ضبط کر رہے ہوں۔ وہ بولے تو ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''شہباز اگر میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو میں اسے اپنے ہاتھ سے ماروں گا۔''

''رفیق بھائی آپ ایک اچھے انسان ہیں اور ان جیسوں سے نمٹنے کا کام مجھ پر چھوڑ دیں۔ دوسرے مجھے اس سے معلوم کرنا ہے کہ اس نے کس کے اشارے پر یہ کام کیا ہے۔''

''یہ تو واضح ہے۔''

''ہاں لیکن اس سے اگلوانا ہی اہم نہیں ہے اسے مرشد کے خلاف استعمال بھی کرنا ہے اور اس کام میں خاصی محنت کرنا ہوگی۔ میں نے اپنے ان چار ساتھیوں کی مدد سے اسے اس کے اڈے سے اٹھایا ہے جہاں اس کے ایک درجن مسلح اور چھٹے ہوئے بدمعاش موجود تھے۔''

''پھر بھی اگر اسے مارنے کا موقع آیا تو میں اسے اپنے ہاتھ سے مارنا چاہوں گا۔''

''اللہ کرے ایسا موقع نہ آئے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن خدانا خواستہ ایسی کوئی بات ہوئی تو وہ آپ کے ہاتھ سے ہی مرے گا۔''

رفیق بھائی نے گہری سانس لی۔ ''بس میں تم سے یہی وعدہ لینا چاہتا تھا۔ اب تم سو جاؤ تھک گئے ہو گے۔'' رفیق بھائی چلے گئے تھے۔ میں نے سونے کا ارادہ کیا اور پھر ترک کر دیا۔



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وقت ہم میانوالی کی ایک ویران سڑک پر موجود تھے۔ میرے ساتھ عبداللہ اور اس کے دونوں ساتھی تھے۔ عبداللہ نے کہیں سے ایک نئی ٹویوٹا وین اٹھائی تھی۔ یہ بہترین حالت میں تھی کیونکہ ہم جو کرنے آئے تھے اس میں اپنی گاڑی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ گاڑی اٹھانے کا آئیڈیا عبداللہ نے دیا تھا اور عمل بھی اس نے کیا۔ وہ ایک کوٹھی کے سامنے موجود یہ نئی کار لے آیا تھا۔ بابا کی جیپ سے سارا اسلحہ اور دوسری چیزیں اس میں منتقل کیں اور ہم سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہو گئے۔ رات سرد تھی لیکن ہمیں بند کار میں اس کا اتنا احساس نہیں تھا۔ ہمیں ملک عارف کے گھر کا علم نہیں تھا لیکن اخبارات سے جلسہ گاہ کا علم ہوا تھا اور یہ معلوم تھا کہ مرشد کا قافلہ اسی راستے سے گزر کر جلسہ گاہ کی طرف جائے گا۔ سورج نکلنے تک ہم اس جگہ پہنچ گئے تھے۔

''جگہ ایسی ہو جہاں سے کام کے بعد ہمیں نکلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔'' میں نے عبداللہ سے کہا۔

''آپ فکر نہ یہ خالد خان اسی علاقے کا رہنے والا ہے۔'' اس نے اپنے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کیا اور یہ یہاں کے چپے چپے سے واقف ہے۔ اس نے ایک جگہ کا بتایا ہے۔''

ہم سات بجے اس جگہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹی سی سڑک تھی جو نہر کے کنارے کنارے چل رہی تھی۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''میں بھی یہاں سے واقف ہوں یہ میانوالی کی سڑک نہیں ہے۔''

''آپ دیکھتے جائیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''اس کا کہنا ہے وہ جگہ دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔''

سردی کی وجہ سے نہر کے نسبتاً گرم پانی سے بھاپ اٹھ رہی تھی اور بعض جگہ تو لوگ اشنان بھی کر رہے تھے۔ پھر نہر اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان سے گزرنے لگی۔ ان ٹیلوں کی وجہ سے سڑک کبھی نہر کے بالکل پاس آجاتی تھی اور کبھی دور چلی جاتی تھی۔ پھر خالد خان نے کار ایک جگہ روکنے کو کہا۔ وہ کار سے اتر کر سڑک کے ساتھ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ یہ کوئی چالیس پچاس فٹ بلند ٹیلا تھا اور اس پر چڑھنا آسان نہیں لگ رہا تھا خالد اوپر گیا تو میں بھی نیچے اتر آیا دو گھنٹے سے بیٹھے بیٹھے جسم بند سا ہو گیا تھا میں اس کے جوڑ کھولنے لگا۔

میں نے ٹیلے کی طرف دیکھا اور پھر خود بھی اوپر چڑھ گیا۔ خالد اوپر سے سامنے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ٹیلے کی بالکل جڑ سے نہر لگ کر بہہ رہی تھی اور حیرت انگیز بات تھی کہ نہر کے اس پار بھی سڑک تھی۔ یہاں سے سڑک ذرا گہرا موڑ کاٹ رہی تھی۔ خالد نے کہا۔ ''یہ سڑک ہے میانوالی کی اور مرشد یہاں سے گزر کر جلسہ گاہ تک جائے گا۔''

میں حیران رہ گیا تھا میں شاید سینکڑوں مرتبہ یہاں سے گزرا تھا لیکن میں نے نہر پار ٹیلوں کے بارے میں نہیں سوچا تھا کہ ان کے اس طرف بھی کوئی سڑک ہوگی۔ ٹیلے اور نہر کے پار سڑک کوئی سو فٹ کی دوری پر تھی اور درخت نہ ہونے کی وجہ سے بالکل صاف نظر آرہی تھی۔ میں نے خالد خان کا شانہ تھپکا۔ ''تم نے کمال کر دیا کتنی کام کی جگہ ہے۔ اپنا کام کرو اور مزے سے ٹہلتے ہوئے چلے جاؤ۔''

''نہر کی وجہ سے کوئی اس طرف نہیں آسکے گا اور نہ ہی جوابی حملہ کر سکے گا۔'' خالد خوش ہو کر بولا۔ سورج نکل آیا تھا اور اس کی روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی لیکن صبح کی دھند کی وجہ سے دھوپ میں تیزی نہیں تھی۔ میں نیچے آیا اور عبداللہ سے کہا۔

''تمہارے آدمی نے بہترین جگہ تلاش کی ہے۔ اگر ہم کامیاب رہے تو مرشد کو کبھی نہ بھولنے والا سبق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملے گا۔''

''اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔'' اس نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''ہمیں یہ کار کسی ایسی جگہ چھپانی ہوگی جہاں سے فرار کے وقت ہمیں آسانی سے مل جائے اور سڑک سے کسی کی نظر بھی اس پر نہ پڑے۔''

''یہ کام تم کرو اور اسلحے والا بیگ نکال دو۔'' میں نے کہا اور اوپر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسلحے کا بیگ خالد اور اس کا ساتھی عباس لے آئے تھے۔ میں نے ٹیلے پر اُگی ہوئی جھاڑیوں کے درمیان ایک موزوں جگہ چنی اور یہاں بیٹھ گیا۔ رات نیند نہ لینے کی وجہ سے سر ہلکا سا بھاری ہو رہا تھا لیکن مجھے معلوم تھا یہ بھاری پن اس وقت ختم ہو جائے گا جب میں دو کپ سیاہ گرم کافی کے پیوں گا۔ کافی عبداللہ کہیں سے بنوا کر اور تھرماس میں بھروا کر لایا تھا ساتھ میں وہ کھانے کے لیے بسکٹ اور چپس بھی لے آیا تھا۔ خالد اسلحے کے بعد کھانے پینے کا سامان بھی اوپر لے آیا تھا۔ عبداللہ کچھ دیر میں آیا اور اس نے ذرا دور ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں نے کار اس کے پیچھے چھپا دی ہے۔''

''کہیں کوئی اور نہ اس کا معائنہ کر لے۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں کر سکتا میں نے اسے جھاڑیوں میں اس طرح چھپایا ہے کہ شاید ہی کسی کو نظر آئے۔''

ہم نے کافی بسکٹ اور چپس سے ناشتہ کیا۔ اس کے بعد بیگ سے خود کار رائفلیں نکالیں۔ یہ سنگل موڈ پر دو سو گز تک آسانی سے مار کر سکتی تھیں اور روسی ساختہ ان رائفلوں کی ایکوریسی بھی اچھی تھی۔ امکان تھا کہ مرشد کے قافلے میں کوئی نصف درجن گاڑیاں ہوں گی۔ اور ہمیں ان میں سے سب سے اہم نظر آنے والی گاڑی کو نشانہ بنانا تھا۔ ہمیں ڈرائیور کو نہیں بلکہ گاڑیوں کے ٹائروں کو نشانہ بنانا تھا۔ طے ہوا کہ ہم سب ہی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ماہر نشانے باز کوئی بھی نہیں تھا۔ البتہ ہم اناڑی بھی نہیں تھے۔ درست نشانہ لگانے کے تمام اصول جانتے تھے۔

''عبداللہ تم اور خالد آگے والی گاڑی کو نشانہ بناؤ گے جب وہ موڑ مڑ رہی ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''آگے پیچھے کے ٹائر آپس میں خود بانٹ لو تاکہ ایک پر ہی نشانہ نہ لگے۔ میں اور عباس اس کے پیچھے آنے والے گاڑی کو نشانہ بنائیں گے۔ یہ بات یقینی ہے وی آئی پی گاڑیوں میں مرشد خود ہوگا یا اس کے محافظ ہوں گے۔ اگر کسی انسان کا نشانہ لو تو نچلے جسم کا لینا سمجھ گئے۔''

سب نے سر ہلایا تھا۔ پھر ہم نے اپنی اپنی جگہیں چن لیں میں اور عباس ذرا نچلی پوزیشن پر چلے گئے جب کہ عبداللہ اور خالد ذرا اوپر تھے یوں ہم پھیل کر مؤثر فائر کر سکتے تھے۔ عبداللہ کے سامان میں دو عدد دوربینیں بھی تھیں۔ ان میں ایک میرے پاس اور دوسری عبداللہ کے پاس تھی۔ خالد نے ایک سوال اٹھایا تھا کہ اس کا کیسے پتا چلے گا کہ جو قافلہ آ رہا ہے اس میں مرشد ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا۔

''اول تو قافلے پر اس جماعت کے پرچم ہوں گے جس کی طرف سے مرشد الیکشن لڑ رہا ہے دوسرے یہاں سے اور کوئی وی آئی پی قافلہ گزرنے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے باوجود کسی غلطی کی صورت میں بھی زیادہ نقصان نہیں ہوگا کیونکہ ہمارا کسی کو جان سے مارنے کا ارادہ نہیں ہے۔''

وہ میری بات سمجھ گئے تھے۔ جب بھی سڑک پر بیک وقت ایک سے زیادہ گاڑیاں نمودار ہوتی تھیں تو ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوربین آنکھوں سے لگا لیتے تھے۔ سورج رفتہ رفتہ اوپر آ رہا تھا اور اسی تناسب سے دھند اور سردی میں بھی کمی واقع ہو رہی تھی۔ کیونکہ ہم سب نے عام سے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس لیے اچھا محسوس کرنے لگے۔ جلسے کا وقت دوپہر کا تھا اس لیے امکان یہی تھا کہ مرشد وہاں بارہ بجے تک پہنچ جائے گا اور اس کا مطلب تھا کہ وہ دو گھنٹے پہلے روانہ ہوگا۔ دس بجے ہم سب مستعد ہو گئے۔ سڑک کے موڑ میں کام کا ٹکڑا صرف کوئی ایک سو گز کا تھا اس سے پہلے اور اس کے بعد ہماری رائفلیں غیر مؤثر ہو جاتیں۔ ہمیں جو کرنا تھا اسی ٹکڑے میں کرنا تھا اور میں نے اپنے موبائل کی اسٹاپ واچ چلا کر دیکھا۔ کوئی بھی درمیانی اور طاقتور انجن والی گاڑی اس ٹکڑے سے صرف تیس سیکنڈ میں گزر جاتی تھی گویا ہمارے پاس کارروائی کے لیے اتنا ہی وقت تھا۔

دس بج کر دس منٹ پر سڑک پر ایک بڑا قافلہ نمودار ہوا دوربین سے اس میں کم سے کم دس گاڑیاں نظر آئی تھیں اور خاص بات یہ تھی کہ تمام گاڑیوں پر اس سیاسی پارٹی کے جھنڈے لہرا رہے تھے جس کی طرف سے مرشد الیکشن لڑ رہا تھا۔ سب سے آگے ایک شہ زور کھلی پک اَپ تھی جس میں مرشد کے مسلح محافظ سوار تھے اور وہ اسلحے کی نمائش کرتے آ رہے تھے۔ اس کے بعد دو اور چھوٹی پک اَپس تھیں جن میں مرشد کے جاہل مرید بھرے ہوئے تھے۔ پھر ایک ڈبل کیبن پک اَپ تھی اس میں بھی عقبی کھلی جگہ میں مسلح افراد دکھائی دے رہے تھے اور پھر لگاتار تین سیاہ رنگ کی وی آئی پی گاڑیاں تھیں ان میں سے کسی ایک میں مرشد ہو سکتا تھا۔

''تینوں وی آئی پی گاڑیوں کو نشانہ بنانا ہے۔'' میں نے فوراً فیصلہ کیا۔ ''پہلے آگے پیچھے والی گاڑیوں کو نشانہ بنانا ہے اور پھر درمیان والی کو، سب سمجھ گئے۔''

''یس سر۔'' سب نے بیک وقت کہا۔

ہم لوگوں نے فائر کرنے کے لیے بہترین پوزیشن لی تھی۔ میں نے دل میں کہا۔ مرشد علی تم بھی کیا یاد کرو گے آج تک میں دفاعی جنگ لڑتا آیا جس میں سب سے اہم اپنی جان بچانا تھا لیکن آج تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں تمہارے راستے پر بھی چل کر دیکھوں۔ آگے والی گاڑیاں موڑ کے پاس آ گئی تھیں اور پھر وہ موڑ سے گزر گئیں وی آئی پی گاڑیاں نزدیک آ گئی تھیں جیسے ہی وہ مخصوص ٹکڑے میں پہنچیں میں نے پیچھے والی گاڑی کے اگلے ٹائر کا نشانہ لیا۔ پہلے عبداللہ نے فائر کیا اور کے فوراً بعد خالد نے فائر کیا۔ میں نے اور عباس نے بیک وقت فائر کیے تھے۔ فضا دھماکوں سے گونج اٹھی اور مجھے خوشی ہوئی جب میں نے دونوں گاڑیوں کو لڑکھڑاتے دیکھا۔ میرا نشانہ خطا گیا تھا اس لیے میں نے دوبارہ نشانہ لیا اور لگاتار دو گولیاں چلائیں کوئی گولی کارآمد بیٹھی اور گاڑی کا اگلا ٹائر بھی برسٹ ہو گیا اور وہ لڑکھڑا کر رک گئی۔ اگلی والی پہلے ہی رک گئی تھی اور بیچ والی ان دونوں کے درمیان میں پھنس گئی تھی پھر اس کے ڈرائیور نے اسے نکالنے کی کوشش کی اس نے آگے والی گاڑی کو ٹکر ماری اور راستہ بنا لیا۔

''مرشد درمیان والی میں ہے۔'' میں نے کہا اور اس کے ٹائروں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی باقی سب کی گولیوں کا رخ بھی اسی طرف ہو گیا تھا اس لیے اس کے ٹائر تباہ ہونے میں ایک منٹ بھی نہیں لگے تھے وہ بھی لڑکھڑا کر رک گئی۔ اس دوران میں آگے اور پیچھے محافظوں سے بھری گاڑیاں بھی رک گئی تھیں اور پہلے تو ان کو سمجھ نہیں آیا کہ فائر کہاں سے ہو رہے تھے پھر کسی تجربے کار نے بھانپ لیا کہ فائرنگ ٹیلے سے کی جا رہی تھی اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیخ کر دوسروں کو بتایا تو شاید ایک درجن سے بھی زیادہ خود کار ہتھیاروں کے دہانے ٹیلے کی طرف کھل گئے تھے لیکن یہاں ہم بالکل محفوظ تھے۔ میں نے ایک لمبے چوڑے پہلوان نظر آنے والے آدمی کے پیروں کا نشانہ لیا۔ اس نے بہت بڑی گن اٹھا رکھی تھی۔ گولی اس کے پاؤں میں کہیں لگی اور وہ تیورا کر گرا۔ اس دوران میں میرے ساتھیوں نے دو شکار اور کر لیے تھے یہ بھی زخمی ہوئے تھے۔

آگے والی گاڑیاں آگے نکل گئی تھیں اور موڑ سے پیچھے رہ جانے والی گاڑیاں ریورس ہو رہی تھیں۔ البتہ دو آئی پی گاڑیاں پھنس کر رہ گئی تھیں کیونکہ اس جگہ سڑک کی چوڑائی کم تھی اور دوسرے سب کے دائیں طرف کے تمام ٹائرز برسٹ ہو چکے تھے اور یہ بہت بھاری گاڑیاں تھیں اس طرح نہیں چل سکتی تھیں۔ ان گاڑیوں سے بھی محافظ اتر آئے تھے اور مرشد کے لیے اپنی جان پر کھیل رہے تھے۔ پھر میں نے درمیان والی گاڑی سے ایک سنہری لہراتے لبادے کی جھلک دیکھی۔ میرے دل نے کہا وہ مرشد تھا اور گاڑی سے اتر آیا تھا۔ اس کے خیال میں یہ قاتلانہ حملہ تھا اور اس کی گاڑی سے نکل جانے میں ہی عافیت تھی۔ میں نے رائفل سنہری لبادے پر مرکوز کر لی لیکن اسے کئی افراد نے چاروں طرف سے اس طرح گھیرا ہوا تھا کہ وہ مشکل سے نظر آ رہا تھا۔

''بزدل۔'' میں نے زیر لب کہا اور ان چار پانچ افراد کے پیروں کا نشانہ لے کر لگاتار گولیاں چلائیں اس کا خاطر خواہ اثر ہوا دو افراد تو گرے اور باقی مرشد کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ وہ اپنے جبہ اور دستار سمیت اکیلا رہ گیا تھا۔ کوئی سو گز کے فاصلے سے مجھے اس کے چہرے پر خوف و ہراس صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کے پیروں کے پاس فائر کیا۔ مٹی اڑی تو وہ اچھل کر پیچھے ہٹا اور بدحواسی میں نیچے گر گیا۔ اس کی دستار اتر گئی تھی اور جبہ بھی مٹی سے خراب ہو گیا تھا لیکن وہ ان سب چیزوں کی پروا کیے بغیر اتنی تیزی سے بھاگا کہ میں اس کی پھرتی پر حیران رہ گیا تھا۔ وہ آگے ایک گاڑی کی اوٹ میں چلا گیا اور ہمارا کام ختم ہو گیا۔ میں نے کہا۔

''ساتھیوں چلو واپس۔''

عبداللہ خاموش تھا اور اس کے ساتھی ناخوش تھے کیونکہ میں نے سامنے آئے دشمن کو چھوڑ دیا تھا اور دشمن کے ساتھیوں کو موقع ملتا تو وہ ہمیں ہرگز نہ چھوڑتے لیکن انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ہم سارا اسلحہ اور سامان سمیٹ کر نیچے آئے اور اس ٹیلے کی طرف دوڑ لگا دی جہاں عبداللہ نے گاڑی چھپائی تھی۔ گاڑی پر سے جھاڑیاں صاف کرنے میں ایک منٹ لگا اور اس دوران میں عبداللہ نے سامان ڈکی میں ڈال دیا اور دوسرے منٹ میں ہم وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ ابتدائی بیس منٹ عبداللہ نے بہت تیز ڈرائیونگ کی تھی پھر اس نے رفتار کم کر لی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

''شہباز صاحب یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔''

''نہیں بہت کچھ ہوا ہے۔''

''دشمن کا کوئی آدمی نہیں مرا۔'' خالد نے عقب سے شکوہ کیا۔

''ہمارا مقصد مارنا نہیں تھا صرف دہشت زدہ کرنا اور مرشد کو یہ بتانا تھا کہ وہ ہمیں ترنوالہ مت سمجھے۔''

''جناب اس واقعہ کے بعد وہ اور بھی محتاط ہو جائے گا۔''

''وہ ہمیشہ سے بہت محتاط رہنے والا آدمی ہے۔'' اس بار میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اسے اچھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح جانتا ہوں اور مجھے معلوم ہے اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔"

میرے لہجے اور بات پر وہ خاموش ہو گئے تھے۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ میں نے ان کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ وہ میرے ملازم نہیں تھے بلکہ رضا کارانہ طور پر اپنی حیثیت سے بڑھ کر میرا ساتھ دے رہے تھے اور مجھے ان کے ساتھ اس طرح سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں نے کچھ دیر بعد نرم لہجے میں کہا۔ "تم لوگوں نے غور نہیں کیا وہ ایک سیاسی جلسے سے خطاب کرنے جا رہا تھا اور اب وہ اس واقعے کو کس طرح استعمال کرے گا۔ وہ اسے سیاسی چپقلش قرار دے گا۔ اگر ان میں سے کوئی مر جاتا تو معاملہ مزید سنگین ہو جاتا۔ مرشد کی تو خواہش ہو گی کہ اس کے ساتھیوں میں سے چند ایک کی لاشیں گریں اسے ان پر سیاست چمکانے کا موقع ملے۔ دوسرے ہم کوئی پیشہ ور قاتل نہیں ہیں اور نہ ہی مجرمانہ ذہن رکھنے والے لوگ ہیں ہم کسی کو صرف اپنے دفاع میں مار سکتے ہیں اس طرح پلان بنا کر کسی کو قتل کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا ہے۔

"آپ کو ہمارے سامنے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عبداللہ بولا۔ "آپ ہمارے باس ہیں۔"

"میں نے کبھی اپنے ساتھیوں میں خود کو باس نہیں سمجھا۔ یہ میرے ساتھیوں کی نوازش ہے کہ وہ مجھے بڑا رکھتے ہیں لیکن تم میرے ساتھی ہو۔"

"نہیں آپ نے ٹھیک کہا۔" اس بار عبداللہ کا لہجہ نارمل ہو گیا تھا۔ "ہم جذباتی ہو گئے تھے۔ واقعی نہ ہم جرائم پیشہ ہیں اور نہ ہی پیشہ ور قاتل۔"

"شکر ہے تم میری بات سمجھ گئے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "میں مرشد کو احساس دلانا چاہتا ہوں کہ وہ دشمنی میں حد رکھے ورنہ حد میں بھی پھلانگ سکتا ہوں۔ شریف کی گمشدگی کے بعد یہ اس کے لیے دوسرا دھچکا ہے۔"

"یہ اتنی آسانی سے سمجھنے والی چیز نہیں ہے۔"

"ہاں لیکن پہلے کسی نے اسے اس انداز میں سمجھانے کی کوشش بھی نہیں کی ہو گی۔" میں مسکرایا۔

"اب کہاں چلنا ہے جناب؟" عبداللہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس کار سے چھٹکارا پا لینا چاہیے۔ ایسا کرو تم مجھے اسپتال کے پاس اتارو اور اس کار کو صاف کر کے کہیں چھوڑ دینا۔ خود ٹیکسی کر کے رفیق بھائی کی حویلی چلے جانا۔"

"ٹھیک ہے۔" عبداللہ نے سر ہلایا تھا۔ دو گھنٹے بعد ہم سرگودھا کے اس اسپتال کے سامنے رکے جہاں عتیق داخل تھا۔ مجھے یاد تھا کہ ڈاکٹروں نے آج اس کے بارے میں حتمی طور پر بتانا تھا۔ میں نے کار سے اترتے ہوئے دعا کی کہ عتیق کو ہوش آ گیا ہو۔ عبداللہ مجھے چھوڑ کر آگے چلا گیا تھا۔ میں نے اس سے ایک پستول لے لیا تھا۔ گھر سے لایا اسلحہ میں نے رفیق بھائی کے گھر میں آپا کے پاس رکھوا دیا تھا تاکہ ہم کہیں پکڑ میں آئیں تو اس اسلحے کی وجہ سے بابا کو مشکل نہ ہو کیونکہ اس کا لائسنس ان کے نام پر تھا۔

میرے ذہن میں رات کو یہ خیال آیا اصل میں تو عبداللہ نے اس طرف توجہ دلائی تھی لیکن میں نے ذرا دیر سے سوچا۔ پھر میں نے موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ مجھے ہر بار تو نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ مرشد کہاں ہے اور کیا کرنے جا رہا ہے۔ میں نے رات ہی کو عبداللہ کو حویلی کے باہر بلوا لیا اور پھر ہم نے سارا منصوبہ طے کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور عبداللہ اسی وقت گاڑی کا بندوبست کرنے روانہ ہو گیا تھا وہ ایک گھنٹے میں کار سمیت آ گیا اور ہم صبح پانچ بجے روانہ ہو گئے۔ اور چند گھنٹوں میں اپنا منصوبہ کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ عبداللہ میری امن پسندی سے خوش نہیں تھا لیکن مجھے اس کی خوشنودی سے زیادہ اپنے حالات کو دیکھنا تھا میں بے دریغ قتل و غارت گری کر کے قانون کا مجرم نہیں بن سکتا تھا۔

○.....❖.....○

عبداللہ کے جانے کے بعد میں اسپتال کے اندر آیا۔ میں نے ریسیپشن سے ایمرجنسی کے بارے میں پوچھا۔ مجھے بتایا کہ اس کے لیے مجھے باہر سے جانا ہوگا۔ مجبوراً میں باہر آیا اور گھوم کر ایمرجنسی والے دروازے سے اندر گیا۔ استقبالیہ پر موجود شخص نے مجھے عتیق کے بارے میں بتایا۔

''وہ بیڈ نمبر بارہ پر ہے۔''

میں اندر آیا تو مجھے راہداری میں ہی رفیق بھائی، معین اور شمی نظر آ گئے ان کے ساتھ ایک ڈاکٹر کھڑا ہوا تھا اور اس نے کچھ کہا تو شمی نے اپنا سر تھام لیا اور پھر چکرا کر گرنے لگی تھی۔ رفیق بھائی نے اسے سنبھالا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ کیا ڈاکٹر نے عتیق کے بارے میں کوئی بری خبر سنا دی تھی۔

میں تیزی سے رفیق بھائی کے پاس آیا وہ نیم بے ہوش شمی کو وہیں پڑی بنچ پر لٹا رہے تھے۔ ان کا چہرہ بھی ستا ہوا تھا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز تم.....''

''رفیق بھائی عتیق کیسا ہے؟''

''اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اب تک ہوش نہیں آیا ہے۔'' وہ افسردگی سے بولے۔

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟''

''ڈاکٹر مایوس ہو رہے ہیں۔''

معین شمی کو پانی پلا رہا تھا اور کچھ پانی اس کے چہرے پر بھی چھڑکا تھا۔ وہ ہوش میں آنے لگی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ ''شمی..... عتیق۔''

میں نے اس کا سر تھپکا۔ ''شمی اللہ نے چاہا تو وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ جلد ہوش میں آ جائے گا۔''

''لیکن اگر.....'' شمی بولتے بولتے رک گئی تھی۔ یہ سوال تو سب کے ذہن میں تھا کہ اگر عتیق کو ہوش نہیں آیا تو کیا ہوگا لیکن اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ رفیق بھائی کسی اور ڈاکٹر سے بات کرنے چلے گئے تھے۔ میں شمی کے پاس بیٹھا اسے تسلی دیتا رہا تھا اور اس دوران میں کچھ سوچ بھی رہا تھا۔ شمی حوصلے کا مظاہرہ کر رہی تھی یا معین اور میرے سامنے بکھرنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس کے رویے نے عتیق کے لیے اس کی چاہت کے جذبوں کو عیاں کر دیا تھا میں نے اس سے پوچھا۔

''تم اسپتال کیسے آئیں؟''

''تایا جی نہیں لا رہے تھے لیکن میں ضد کر کے آ گئی۔'' وہ بولی۔ ''میں عتیق کو دیکھنا چاہتی تھی۔''

''آپا کہاں ہیں؟''

''گھر میں..... ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی تو دوائی لے کر سو گئیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دس پندرہ منٹ بعد رفیق بھائی واپس آئے۔ انہوں نے کہا۔ ''یہاں کے ڈاکٹروں نے مایوسی ظاہر کر دی ہے۔ اسے اسلام آباد لے جانے کو کہا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے کہا۔ ''انسان کی کوئی بات حرفِ آخر نہیں ہوتی ہے۔ ممکن ہے اسلام آباد میں عتیق کی بہتر ٹریٹ منٹ ہو سکے۔''

رفیق بھائی نے سر ہلایا۔ ''میں نے ایمبولینس کا کہہ دیا ہے۔ ایک ڈاکٹر بھی ساتھ جائے گا۔''

''تایا جی میں بھی جاؤں گی۔'' شمی بولی۔

''نہیں تیرا زیادہ باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے تُو جانتی ہے یہ اسی وجہ سے.....'' رفیق بھائی بولتے بولتے رک گئے۔ شاید وہ کہنا چاہ رہے تھے کہ شمی کی وجہ سے عتیق اس حال کو پہنچا تھا لیکن ان کا انداز یقیناً الزام دینے والا نہیں تھا۔ ان کا کہنا درست تھا۔ احتیاط بہتر تھی۔ میں نے ان کی تائید کی۔

''رفیق بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرے دشمن انسان نہیں ہیں وہ ایک ناکام کوشش کے بعد آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔''

''بس اب تم گھر جاؤ۔'' رفیق بھائی نے کہا اور معین سے کہا۔ ''تم اور شمی گھر جاؤ اور صغیر کو بھیج دینا۔ وہ میرے ساتھ جائے گا۔''

صغیر ایک طرح سے رفیق بھائی کا پی اے تھا۔ وہ اسے ہمہ وقت ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ معین شمی کو لے کر چلا گیا اور میں وہیں رکا رہا تھا۔ رفیق بھائی نے پہلی بار غور سے مجھے دیکھا۔ ''تم کچھ بدلے ہوئے ہو؟''

''ہاں میں نے بالوں کا اسٹائل بدل لیا ہے۔'' میں جواب دیا۔ ''کیا میں آپ کے ساتھ چلوں؟''

''نہیں تم یہیں رکو اور ہاں مجھے اپنے اسلام آباد والے بندوں کا پتا اور نمبرز دے دو ہو سکتا ہے ان سے کام پڑ جائے۔''

''وہ یہیں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کے گھر ہیں آپ ان کے ساتھ چلے جائیں وہ بہت تربیت یافتہ محافظ بھی ہیں آپ کو فالتو بندے نہیں لے جانا پڑیں گے اسلام آباد کے بہت سارے معاملات یہی دیکھ لیں گے۔''

انہوں نے میرا مشورہ مان لیا اور میں نے عبداللہ کو کال کر کے اسے ساتھیوں سمیت صغیر کے ساتھ اسپتال آنے کو کہا۔ رفیق بھائی نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز تمہارے آنے سے مجھے سہارا ملا ہے۔''

''ایسا نہ کہیں اور آپ اکیلے تو نہیں ہیں اشفاق بھائی اور ان کے بیٹے بھی تو ہیں۔''

''اشفاق۔'' انہوں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''آج کل تو اپنے بھی اپنے نہیں ہیں۔''

''رفیق بھائی کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' میں نے پوچھا۔ ''مجھے بھی اشفاق بھائی کا انداز کچھ روکھا لگا ہے۔''

''انہوں نے سر ہلایا۔ ''یہ زمین جائیداد کا چکر برا ہوتا ہے۔ اشفاق نے اپنی زمین الگ کر لی ہے اور اب شمی کے حصے پر بھی اس کی نظر ہے۔''

مجھے تعجب ہوا۔ ''شمی کے حصے پر نظر..... وہ کیسے؟''

''وہ چاہتا ہے کہ شمی کی شادی اس کے کسی بیٹے سے کر دی جائے تاکہ اس کا حصہ بھی اس کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آجائے۔''

''رفیق بھائی میں نے کبھی زمین جائیداد اور دولت کو اہمیت نہیں دی اس لیے میں آپ کو اس سلسلے میں کوئی مشورہ بھی نہیں دے سکتا لیکن جہاں تک شمی کا تعلق ہے اس کی خوشی عتیق ہے اور میرے خیال میں ان کی خوشی کے سامنے ایسی ہزاروں زمینوں کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

''یہی تو میں نے بھی اس سے کہا ہے لیکن وہ اس بات کو سمجھتا نہیں ہے شمی کے معاملے میں وہ ضد پر آ گیا ہے۔''

''پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''ظاہر ہے شمی کے بڑے آپ لوگ بھی ہیں اور اس کے لیے فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔''

''اباجی معاملہ سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ایک دو دن میں خاندان والے مل کر بیٹھنے والے تھے لیکن یہ سانحہ پیش آ گیا۔''

''رفیق بھائی میرا دل کہتا ہے کہ عتیق ٹھیک ہو جائے گا اور شمی اس کی دلہن ہی بنے گی۔''

''ان شاء اللہ..... میرے بچوں کی خوشی میری اصل خوشی ہے۔''

کچھ دیر میں عبداللہ اور اس کے ساتھی آ گئے تھے۔ وہ اپنی گاڑی میں آئے تھے۔ جس میں وہ اسلام آباد سے یہاں آئے تھے۔ میں نے اسے رفیق بھائی کے ساتھ جانے کو کہا۔ ''وہاں بھی رفیق بھائی تم سے رابطہ رکھیں گے اور تم نے ان کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں شہباز صاحب۔'' عبداللہ نے کہا اور میرے سینے سے لگ گیا۔ ''ایک بار پھر معذرت۔''

''کس بات پر؟'' میں انجان بنا۔

''آپ جانتے ہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''بندہ بشر ہوں غلطی ہو جاتی ہے۔''

''کوئی بات نہیں یار..... غلطیاں تو مجھ سے بھی ہوتی ہیں۔'' میں نے کہا۔ اس دوران میں عتیق کو ایمبولینس میں شفٹ کیا جا رہا تھا میں نے اسے دیکھا۔ اس کا خوب صورت چہرہ زرد ہو رہا تھا اور یہ زردی میرے دل کو کاٹنے لگی۔ میں نے دل میں کہا۔ ''مرشد اگر اسے کچھ ہوا تو تمہارے اوپر میرا قرض بہت زیادہ بڑھ جائے گا۔''

وہ سب چلے گئے تو میں نے بابا کی جیپ لی اور سرگودھا شہر کی سڑکوں پر گھومنے لگا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے ایک پی سی او کال کر کے پہلے راولپنڈی میں مرشد ہاؤس کے فون نمبر لیے اور پھر ان کو ٹرائی کرنے لگا۔ ایک فون کسی نے ریسیو کیا اور کرخت لہجے میں بولا۔ ''کون ہے کس سے بات کرنی ہے؟''

''تمہارے باپ مرشد سے۔'' میں نے کہا۔

''ادئے کون ہے تُو.....'' اس نے چیخ کر کہا۔

''میں خود کو تمہاری ولدیت میں شامل نہیں کرنا چاہتا اس لیے مجھے مرشد کا نمبر دو اس سے ضروری بات کرنی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ادب سے نام لے مرشد بادشاہ کا۔''

''اچھا۔'' میں ہنسا اور نہایت ادب سے مرشد کو چند ناقابلِ بیان خطابات دیئے۔ اس پر اس کا چیلا آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ میں نے کال کاٹ کر پی سی والے لڑکے سے دوبارہ ملانے کو کہا اور رابطہ ہوتے ہی کہا۔ ''اپنی بکواس بند کرو اور مجھے مرشد کا نمبر دو اگر اسے بعد میں معلوم ہوا کہ میری کال آئی تھی اور تم نے نمبر نہیں دیا تو تم اس کے سالے بھی بن جاؤ گے۔ کوئی نہ کوئی بہن تو ہو گی نا تمہاری۔''

''اوئے تیری تو.....'' اس نے میری بات کا اثر لیے بغیر اپنی بکواس جاری رکھی۔

''لگتا ہے تم مرشد کے سالے بن چکے ہو اور اسی وجہ سے اتنا بھونک رہے ہو۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر لڑکے سے دوسرا نمبر ملانے کو کہا۔ اتفاق سے وہ فارغ ہو گیا تھا اور اس بار کسی شائستہ سے آدمی نے فون اٹھایا۔ مجھے حیرت ہوئی اور میں نے پہلے تصدیق کی۔

''تم مرشد ہاؤس سے ہی بات کر رہے ہو؟''

''جی جناب۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ کون ہیں؟''

''مرشد کا دشمن نمبر ون۔'' میں نے جواب دیا۔ ''حیرت ہے اس نے اتنے مہذب ملازم بھی رکھے ہیں ابھی دوسرے نمبر پر تو کوئی کتا بھونک رہا تھا۔''

''دشمن۔'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''مرشد صاحب کے؟''

''کیوں تمہارا آقا کیا شرافت کا پتلا ہے اس کے دشمن نہیں ہو سکتے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں جناب ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ سنبھل کر بولا۔ ''آپ ان سے کیوں بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''بہت ضروری بات ہے یوں سمجھ لو کہ اس کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔''

''ٹھیک ہے آپ دس منٹ بعد کال کر لیں میں ان سے پوچھ کر رکھتا ہوں۔ آپ کا نام کیا ہے؟''

''شہباز ملک۔'' میں نے کہا اور فون رکھ کر پی سی او والے لڑکے کو ادائیگی کر کے باہر آ گیا۔ دس منٹ بعد میں شہر سے باہر جا چکا تھا اور ایک جھگی ہوٹل کے ساتھ بنے پی سی او سے مرشد ہاؤس کال کی۔ میں نے پی سی او کے مالک کو سو کا نوٹ دے کر وہاں سے جانے کا حکم دیا تو اس نے بلا تامل تعمیل کی تھی۔ نمبر اسی نستعلیق شخص نے اٹھایا تھا اور میری آواز سن کر بولا۔

''میں لائن ملا رہا ہوں آپ مرشد صاحب سے بات کر لیں۔''

''اس کا مطلب ہے مرشد واپس آ گیا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ فوراً ہی مرشد لائن پر آ گیا اور اس نے میری بات سن لی تھی۔

''شہباز ملک۔'' اس نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔ ''تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''مرشد۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم معاملے کو بڑھا رہے ہو۔ مجھ پر تمہارا قرض بڑھتا جا رہا ہے۔ آج جو ہوا وہ ادائیگی کے طریقہ کار کی وضاحت تھی۔ امید ہے تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں ادائیگی کیسے کروں گا۔''

''تم نے جو کیا اس کا نتیجہ تمہارے سارے خاندان کو بھگتنا پڑے گا۔''

''مرشد بات خاندان تک آئی ہے تو میں اس حد تک گیا ہوں ورنہ تم جانتے ہو میں اب تک دفاعی پوزیشن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں رہا ہوں اور میں نے کبھی تمہارے خلاف کوئی قدم از خود نہیں اٹھایا۔ مگر اب تم نے مجبور کر دیا ہے۔''

''تم تسلیم کرتے ہو کہ مجھ پر حملہ تم نے کیا ہے؟''

''میں ایسی کوئی بات کیسے تسلیم کر سکتا ہوں۔'' میں اس کی چالاکی سمجھ گیا وہ یقیناً اس گفتگو کو ریکارڈ کر رہا تھا۔ ''البتہ میں نے سنا ہے کہ آج کسی سیاسی جلسے کے لیے جاتے ہوئے تم پر حملہ ہوا ہے۔ ممکن ہے یہ تمہارا اپنا سیاسی اسٹنٹ ہو اور تم اپنے مخالفوں پر الزام لگا رہے ہو۔''

''یہ کام تمہارا ہے.....''

''میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تم کار سے اتر کر بھاگے تو تمہاری دستار عزت زمین پر پڑی رہ گئی تھی؟''

''شہباز۔'' وہ کٹ کھنے انداز میں بولا۔ ''میں تمہارے ساتھ اس سے بھی برا کروں گا جو تم نے میرے آدمیوں کے ساتھ کیا ہے؟''

''کیا کیا ہے؟''

''ان کی آنکھیں اور کان بے کار ہو گئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''کوئی بات نہیں تمہارے مرید ویسے بھی اندھے اور بہرے ہیں۔ اگر سچ مچ ہو گئے تب بھی کوئی خاص فرق تو نہیں پڑتا ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے جس نے بھی یہ کام کیا ہے بالکل ٹھیک کیا ہے اور آئندہ بھی تمہارا جو آدمی اس کے ہاتھ آئے گا شاید وہ بھی اسی طرح اندھا اور بہرہ ہو کر واپس ملے۔ تمہیں پتا ہے اس شخص نے ان کو گونگا کیوں نہیں کیا ان کے منہ میں زبان کیوں چھوڑ دی؟''

''کیوں؟'' اس نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔

''تاکہ وہ تمہیں گالیاں دے سکیں۔ کیونکہ ان کی اس حالت کے اصل ذمے دار تم ہی ہو۔''

شہباز۔'' اس نے اچانک لہجہ بدل لیا۔ ''دیکھو اس طرح لڑائی جھگڑے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ہمیں مل کر بات کرنی چاہیے۔''

''میں تم جیسے آدمی کے ساتھ مل بیٹھنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی غلیظ سؤر کے ساتھ بیٹھ جاؤں اور دعا کرو کہ میرا اور تمہارا سامنا نہ ہو ورنہ شاید وہ تمہارا آخری لمحہ ہو۔''

''اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی تمہیں عقل نہیں آئی۔'' وہ فوراً اپنی اصلیت پر واپس آ گیا تھا۔ ''ابھی تمہارا ایک بھائی اور خاندان کے کچھ لوگ باقی ہیں۔''

''مرشد تمہارے خاندان کے کچھ لوگ بھی ہوں گے۔ ان کا حساب بھی کر لینا۔'' میں نے کہا اور فون رکھ دیا۔ بے شک یہ پی سی او ایک سڑک پر تھا لیکن اتنی لمبی بات کرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ میرا مقصد مرشد کو یہ جتانا تھا کہ مجھے کمزور نہ سمجھے اور آج اس کا آخری دن بھی ہو سکتا تھا۔ میرا فائر اس کے پیروں کے پاس لگنے کے بجائے اس کے سینے میں بھی اتر سکتا تھا۔ میں جیپ میں بیٹھا اور فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ پی سی او کے مالک نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی اس کا مطلب تھا کہ میں نے سو روپے سے کم کی بات کی تھی۔ میرا ارادہ اب حویلی جانے کا تھا۔ میں نے موبائل سے بابا کا نمبر ملایا۔

''بابا میں گھر آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''کوئی اور مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں شمی اور صغراں کہاں ہیں؟''

''فی الحال وہ وہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کچھ عرصے ان کو وہیں رہنے دیا جائے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' بابا نے میری تائید کی۔ ''لیکن تم حویلی آجاؤ۔''

''ٹھیک ہے میں کچھ دیر میں آرہا ہوں۔''

''ایک منٹ شہباز۔'' بابا بولے تو میں رک گیا انہوں نے کچھ دیر توقف کے بعد کہا۔ ''شہباز میں چاہتا ہوں تم سویرا سے اکیلے میں مت ملا کرو۔''

میں ایک لمحے کو سن ہو گیا تھا۔ پھر میرا خون سر کی طرف جانے لگا اور میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''بابا کیا آپ کے نزدیک میں اب بھی اچھے کردار کا آدمی نہیں ہوں۔''

''یہ بات نہیں ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے۔ ''لیکن ہماری ایک تہذیب اور اخلاقیات ہے۔ سویرا عدت میں ہے اور کسی نامحرم سے اس کا ملنا ٹھیک نہیں ہے۔ تم گھر کے فرد ہو اس لیے تم سے پردہ تو نہیں کر سکتی ہے لیکن تمہارا اس سے اکیلے میں ملنا اور خاص طور سے اس کے کمرے میں جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

میرا اشتعال کم ہونے لگا تھا اور بابا کی بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''بابا میں خود بھی اس معاملے میں بہت خیال رکھتا ہوں اور میں نے کبھی جان بوجھ کر سویرا سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ اس رات بھی اتفاق سے میں اس کے کمرے کی طرف جا نکلا تھا۔''

''شہباز مجھے تم پر اعتماد ہے۔''

''مہربانی ہے آپ کی۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ پھر میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ان کو نکلے ہوئے دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔

''تم لوگ کہاں ہو؟''

''ہم پہنچنے والے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''رفیق صاحب کو اسپتال پہنچا کر میں کوٹھی چلا جاؤں گا۔''

''تم نے اس آدمی سے رپورٹ لی جو شہلا رضوی کی نگرانی کر رہا ہے؟''

''نہیں اس چکر میں مہلت نہیں ملی۔ جاتے ہی یہ کام کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کال ختم کر کے ندیم کا نمبر ملایا اور اس سے حال احوال لیا اس کے پاس کوئی نئی تازی نہیں تھی میں نے اسے بتایا کہ مرشد کے ساتھ میں نے اور اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ ندیم فکرمند ہو گیا۔

''شہباز یہ ٹھیک نہیں ہے۔ مرشد پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ طاقتور ہو گیا ہے۔ جب سے اس نے حکومت میں شمولیت اختیار کی ہے۔ وہ انتظامیہ کی مدد بھی حاصل کر سکتا ہے۔''

''وہ بے شک ساری دنیا کی مدد حاصل کر لے لیکن اس نے مرنا ایک گولی سے ہے اور یہ بات میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دی ہے۔''

''تیری مرضی بھائی۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''لیکن بھائی مروا مت دینا میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور مزید ایک کا اضافہ ہونے والا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم وکیل کیس سے گھبراتے نہیں ہو چاہے عدالت کا ہو یا گھر کا۔'' میں نے ہنس کر کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر مجھے دبئی والی پارٹی کا خیال آیا اور میں نے سفیر کے گھر کا نمبر ملانا چاہا تو موبائل سے سگنل ہی غائب ہو گئے میں شہر سے دور نکل آیا تھا۔ بھاگ دوڑ میں مجھے کھانے کا خیال نہیں رہا تھا اور اب بھوک لگ رہی تھی۔ شام کے سائے دراز ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس وقت ہوٹلوں میں کوئی ڈھنگ کی چیز نہیں ملتی اور دوسرے گھر اب کچھ ہی دور تھا میں آدھے گھنٹے میں پہنچ جاتا تو سویرا کے ہاتھ کا بنا ہوا کھا سکتا تھا۔ سویرا کا خیال آیا تو میں اس کے بارے میں سوچنے لگا اور آس پاس سے ایسا بے خبر ہوا کہ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ کب ایک سیاہ کار میری جیپ کے پاس آ گئی۔ وہ بہت تیزی سے اوورٹیک کرتی ہوئی میرے پاس سے گزری تو میں چونکا تھا۔ اس کے باوجود شاید میں توجہ نہ دیتا لیکن میں نے دیکھا کہ کار کی نمبر پلیٹ غائب تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ یہاں میرے دشمنوں کی کمی نہیں تھی اور میں نے شریف بدمعاش کے گروپ کو بھی دشمن بنا لیا تھا۔ وہ یقیناً میری تلاش میں ہوں گے اور مجھے تلاش کر لینا کوئی ناممکن نہیں تھا کیونکہ میں کھلے عام گھوم ہی رہا تھا۔ سیاہ کار بہت تیز رفتاری سے آگے نکل گئی۔ میں نے بھی رفتار بڑھائی لیکن اس کے پاس جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں اسے نظر میں رکھ رہا تھا۔ میری چھٹی حس اس کے بارے میں خبردار کرنے لگی تھی۔ کچھ آگے ایک چھوٹی سے نہر تھی اور سڑک پل سے گزر رہی تھی۔

پل کے پاس پہنچتے ہی سیاہ کار نے پرشور بریک لگائے لگا اور ذرا گھوم کر اس طرح رکی کہ سڑک کسی حد تک بلاک ہو گئی تھی۔ فوراً ہی اس سے تین افراد نکلے اور انہوں نے پوزیشن سنبھال لی۔ وہ خود کار رائفلوں سے مسلح تھے میں نے خطرہ بھانپتے ہوئے جیپ کو پوری بریک لگا دی اور اسے ذرا موڑتے ہوئے روک لیا لیکن اتنی دیر میں وہ میری طرف اپنے ہتھیاروں کے دہانے کھول چکے تھے۔ میں جیپ رکتے ہی نیچے کود گیا اس کے باوجود ایک گولی میرے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی تھی۔ ایسا لگا جیسے کوئی انگارہ چھو گیا ہو۔ میرے پاس پستول تھا اور شاٹ گن سیٹ کے نیچے رکھی تھی۔ میں نے پستول نکال لیا اور جیپ کے دوسری طرف زمین پر بیٹھتے ہوئے اپنے شانے کا زخم دیکھا۔ سویٹر اور قمیص ادھڑ گئی تھی اور اس سے سرخی جھلک رہی تھی میں نے ٹٹولا تو میری انگلیاں بھی خون سے بھر گئیں لیکن زخم معمولی سا تھا۔ اس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد میں ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اس دوران میں کئی گولیاں آ کر جیپ کی باڈی سے ٹکرائی تھیں اور بابا جان کی چہیتی جیپ مزید مجروح ہو گئی تھی۔ میں نے پستول چیک کیا اور بونٹ والے حصے سے ذرا ہاتھ نکال کر ان کی طرف چار پانچ گولیاں چلائیں۔ میں نے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی تھی تین خود کار رائفلوں کا سامنا کرنا ایسی حماقت ہوتی جس کا صلہ فوری طور پر گولیوں کی صورت میں مل سکتا تھا۔ میری جوابی کارروائی کا خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ افراتفری میں کار کے پیچھے بھاگے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ فلمی انداز میں سامنے کھڑے تھے۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ذرا سر نکالا اور ان کی طرف مزید کئی گولیاں چلائیں۔ ظاہر ہے اس اندھا فائرنگ میں نشانہ لینا ممکن نہیں تھا۔ پستول کا میگزین ختم ہو گیا تھا اسے تبدیل کرنے کے ساتھ میں نے سیٹ کے نیچے سے شاٹ گن نکال لی۔ اب میں اطمینان بخش طور پر مسلح تھا۔

جیسے ہی وہ دوسری طرف گئے انہوں نے اپنی رائفلوں کا رخ جیپ کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیئے اور اس وقت تک دبائے رکھے جب تک ان کے میگزین ختم نہیں ہو گئے۔ جیپ پر گولیاں یوں برس رہی تھیں جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برسات میں اولے گرتے ہیں۔ دوسری طرف کے دونوں ٹائرز برسٹ ہو گئے اور یقیناً باڈی بھی چھلنی ہو گئی ہو گی لیکن دوسری طرف میں محفوظ تھا۔ پہلے ایک کی رائفل خالی ہوئی اور ایک سیکنڈ بعد دوسرے کی بھی خالی ہو گئی اور تیسرے سیکنڈ میں تیسرا بھی خالی رائفل لیے بیٹھا تھا۔ میں اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔

پہلے مجھے ان لوگوں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہوئی تھی۔ یہ ایک معروف شاہراہ ہے۔ بے شک اس وقت یہاں کوئی اور گاڑی نہیں تھی لیکن کوئی گاڑی کسی وقت بھی اور کسی طرف سے آ سکتی تھی۔ مگر ان کا اطمینان بتا رہا تھا کہ ان کو کسی کی پروا نہیں ہے اور اگر کسی نے دخل در معقولات یا نامعقولات کیا تو وہ اس سے نمٹ سکتے تھے۔ ان میں پولیس بھی شامل ہے لیکن اس قسم کے معاملات میں ہماری پولیس سے زیادہ ذہین اور کوئی نہیں ہے۔ جہاں دو گروہ جدید اسلحے کے ساتھ آپس میں گولیوں کا تبادلہ خیال کر رہے ہوں وہاں سے ہماری پولیس کم سے کم دو تین کلومیٹرز کے فاصلے پر چلی جاتی ہے تاکہ اسے فائرنگ کی آواز بھی نہ سنائی دے اور وہ حلفیہ بیان دے سکے کہ اس نے فائرنگ کی آواز نہیں سنی۔ باقی عوام کی ان کو پروا نہیں تھی۔ وہ ان کی بلا سے بھاڑ میں جائے۔

لیکن جب انہوں نے ایک ساتھ ہی اپنی رائفلوں کے میگزین ختم کر لیے تو وہ مجھے لاپروا ہی نہیں احمق بھی لگے تھے۔ تجربے کار لوگ کبھی ایسی حماقت نہیں کرتے ہیں۔ انہوں نے جس طرح بدحواس ہو کر فائرنگ کی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ میری مزاحمت ان کے لیے غیر متوقع تھی اور وہ یہ سوچ کر آئے تھے کہ میں ان کی طرف سے حملہ ہوتے ہی رضاکارانہ طور پر ہتھیار ڈال دوں گا یا فوت ہو جاؤں گا۔ جب میں نے ان کی توقع کے خلاف اینٹ کا جواب پتھر سے دیا تو وہ بوکھلا گئے تھے۔ اسی بوکھلاہٹ میں انہوں نے دھڑا دھڑ اکر فائرنگ کی تھی۔

جیسے ہی فائرنگ تھمی میں جیپ کی آڑ سے نکل آیا اور میں نے پہلا شاٹ اس کو مارا جو سامنے کھڑا میگزین تبدیل کر رہا تھا۔ گولی اس کے شانے پر لگی اور اس نے بازو کو تقریباً الگ کر دیا تھا۔ دوسرے کو بھی میں نے بازو پر گولی مارنا چاہی تھی لیکن اس نے حرکت کر کے خود کو زندگی سے محروم کر لیا وہ دائیں طرف جھکا اور اس کا سر شاٹ گن کی مہلک گولی کی زد میں آ گیا۔ اس کا سر نصف سے زیادہ اُڑ گیا تھا۔ تیسرے نے اس دوران میں کسی نہ کسی طرح اپنی رائفل کا میگزین بدل لیا تھا لیکن اسے استعمال کرنے کی حسرت لیے وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ گولی اس کے شانے اور گردن کو ادھیڑتی ہوئی گزر گئی تھی اور وہ زمین پر گر کر اپنی گردن سے نکلنے والے خون کے فوارے کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا بچنا محال نظر آ رہا تھا۔ جس کا بازو اُڑ گیا تھا وہ دوسرے ہاتھ سے خون روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے لات مار کر اس کی رائفل دور پھینک دی۔ اس نے دہشت زدہ ہو کر کہا۔

''مجھے مت مارنا۔''

''کیوں؟'' میں نے شاٹ گن کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ ''تم لوگ کیا مجھے پھول پیش کرنے آئے تھے؟''

''نہیں۔'' وہ رونے والے انداز میں بولا۔ اس کی تکلیف یقیناً بڑھ گئی تھی۔

''کس کے آدمی ہو تم سب؟''

''شریف کے..... ہم اسے تلاش کر رہے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ وہ بدستور خون روکنے کی کوشش کر رہا تھا پھر وہ تیورا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ میں واپس جیپ کی طرف آیا۔ اس کی باڈی میں مختلف جگہوں پر کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کم دو درجن سوراخ ہو گئے تھے۔ دونوں ٹائرز برسٹ ہو گئے تھے اور اب ان کو بدلنا لازمی تھا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر جیک نکال کر اس طرح لگایا کہ جیپ اس طرف سے اٹھ گئی۔ خوش قسمتی سے جیپ میں دو عدد اسپیئر تھیں اور میں نے باری باری دونوں کو بدل دیا۔ اس کام میں مشکل سے دس منٹ لگے تھے۔ جیک ہٹا کر میں نے اس امید میں اگنیشن کی چابی گھمائی کہ انجن کو کوئی نقصان نہ ہوا ہو اور جب انجن جھرجھری لے کر اسٹارٹ ہو گیا تو مجھے ناقابلِ بیان سی خوشی ہوئی تھی۔ میں نے ذرا سی جگہ سے جیپ نکالی اور روانہ ہو گیا۔ اس دوران میں دونوں جانب سے کئی گاڑیاں آئیں مگر جنگ و جدل اور خون و کشت کے آثار دیکھ کر درمیان سے واپس چلی گئیں۔ میں نے بھی کوئی نشان نہیں چھوڑا تھا اس لیے امید تھی کہ پولیس حویلی کا رخ نہیں کرے گی۔ شریف کے آدمیوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور میرے پیچھے آئے تھے۔ انہوں نے مجھے پل پر روک لیا اور ایک طرح سے یہ اچھا ہوا ورنہ وہ میرا تعاقب کرتے حویلی تک بھی جا سکتے تھے۔ مرشد کے لیے یہ ایک اور جھٹکا ہو گا۔

میں آدھے گھنٹے بعد حویلی پہنچ گیا تھا۔ جیپ اور اس کی حالت دیکھ کر گارڈ نے گیٹ کھولنے کے بجائے پہلے انکوائری اور جب تک اسے میری صورت واضح نہیں دکھائی دی اس نے گیٹ نہیں کھولا تھا۔ میں اندر آیا تو گارڈ نے فکرمندی سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہوا سر؟''

''حملہ۔'' میں نے ایک لفظ میں جواب دیا اور جیپ کو اس کے شیڈ کی طرف لے گیا۔ شاید بابا کو اطلاع مل گئی تھی اس لیے وہ میرے اترنے سے پہلے آ گئے اور انہوں نے جیپ کا حشر دیکھ لیا تھا۔

''شہباز یہ کیا ہوا ہے؟''

''راستے میں ان لوگوں نے حملہ کیا جنہوں نے کل آپا کی گاڑی پر حملہ کیا تھا۔''

''یہ کیا؟'' اب انہوں نے میرا زخمی شانہ بھی دیکھ لیا۔

''کچھ نہیں معمولی سا زخم ہے۔''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ بولے اور مجھے اندر لے گئے۔ اپنے کمرے میں آتش دان کے سامنے انہوں نے میری قمیص اتروائی اور شانے کے زخم کا معائنہ کیا اور پھر اسے روئی اور ڈیٹول سے صاف کیا۔ زخم کسی قدر لمبا تھا اور کچھ گہرا بھی تھا اس لیے اس پر چپکانے والی پٹی نہیں لگ سکتی تھی۔ بابا نے زخم خشک کرنے والا پاؤڈر چھڑک کر اوپر سے ایک چکنی پٹی رکھ کر ٹیپ لگا دیا۔ انہوں نے یہ اچھا کیا کہ ماں جی یا سویرا کو نہیں بتایا تھا ورنہ انہوں نے رونا دھونا شروع کر دینا تھا۔ قمیص پر خون کے دھبے لگے ہوئے تھے اس لیے اسے پہننے کے بجائے میں نے بابا کی دی ہوئی گرم چادر لے لی۔

''ہاں اب بتاؤ کیا ہوا تھا؟'' انہوں نے پوچھا۔

میں نے ان کو تفصیل سے بتایا کہ راستے میں مجھ پر کس طرح قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور اگر قسمت ساتھ نہ دیتی تو ابھی ان کی جگہ میری لاش وہاں سڑک پر پڑی ہوتی۔ بابا تشویش زدہ ہو گئے تھے۔ میں سمجھا کہ اس حملے کی وجہ سے ہوئے لیکن انہوں نے کہا۔ ''شہباز مجھے لگتا ہے تم کو پھنسانے کی سازش کی گئی ہے۔''

''کیا مطلب بابا؟''

''تم نے شاٹ گن استعمال کی ہے اور اس کا لائسنس میرے نام پر ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چونکا اور بابا کی بات سمجھ گیا۔ ''لیکن ہمارے ہاں گولیوں سے ہتھیار کا سراغ لگانے کا نظام کہاں ہے؟''

''وہ تو ہے لیکن ایسا عام معاملات میں نہیں کیا جاتا ہے تم جانتے ہو جب اوپر سے دباؤ آتا ہے تو ہماری پولیس سب کر گزرتی ہے۔ وہ لاشوں سے گولیاں حاصل کر کے ان کا موازنہ میری شاٹ گن سے کروا سکتے ہیں۔''

ہر ہتھیار کی گولی الگ سے شناخت کی جا سکتی ہے کیونکہ جب گولی نال سے گھومتی ہوئی نکلتی ہے تو اس پر کچھ مخصوص نشانات پڑ جاتے ہیں۔ ایسا ہر بار ہوتا ہے اس لیے یہ پتا چلانا آسان ہے کہ مطلوبہ ہتھیار کون سا ہے جس سے گولی چلائی گئی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں قانونی ہتھیاروں کا ریکارڈ اس لحاظ سے بھی رکھا جاتا ہے اور کسی واردات میں قانونی ہتھیار استعمال ہو تو اس کا پتا چل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں ایسا ریکارڈ نہیں رکھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں تو فنگر پرنٹ جیسا عام سا کام بھی صحیح سے نہیں ہوتا ہے لیکن اگر شاٹ گن کی گولیوں کا موازنہ بابا کی شاٹ گن سے کر لیا جاتا تو پتا چل جائے گا کہ فائر اسی سے ہوئے ہیں۔

''بابا شاٹ گن غائب کرنا ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''بلکہ ممکن ہو تو اس کی چوری کی رپورٹ لکھوا دیں۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں نہ صرف شاٹ گن بلکہ جیپ کی بھی۔'' انہوں نے کہا اور کھڑے ہو گئے۔ ''میں خود جا رہا ہوں۔''

میں ان کے ساتھ باہر تک آیا۔ ''شجاع بھائی کے بھیجے اضافی گارڈ کہاں ہیں؟''

''یہیں ہیں وہ رات کو ڈیوٹی پر آ جائیں گے۔'' بابا نے کہا۔ انہوں نے جیپ شیڈ سے نکالی اور اکیلے جانے لگے تھے لیکن میں نے اصرار کر کے ایک گارڈ ان کے ساتھ کر دیا۔ میں اندر آیا تو ماں جی اور سویرا کو پتا چل گیا تھا کہ میں آ گیا ہوں وہ اندر بے تابی سے میری منتظر تھیں اور انہوں نے اندر آتے ہی مجھے گھیر لیا۔

''پتر شہباز..... اب عتیق کیسا ہے؟'' ماں جی نے پوچھا۔ ''صغراں ٹھیک ہے نا؟''

''جی ماں جی۔'' میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ سویرا ان کے پیچھے بیٹھی تھی۔ ''عتیق کی حالت ٹھیک نہیں ہے رفیق بھائی اسے اسلام آباد لے گئے ہیں وہاں کسی اسپتال میں داخل کرا دیا ہے۔''

''خدا خیر کرے۔'' ماں جی نے کہا۔ ''تو نے دوپہر میں کھانا کھایا؟''

''نہیں..... لیکن بھوک نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور یہ سچ تھا۔ راستے میں پیش آنے والے واقعے نے ویسی بھوک اُڑا دی تھی۔

''نہیں تو کھانا کھا لے۔'' ماں جی نے کہا۔ ''سویرا کھانا نکال دے۔''

''جی ماں جی۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''ماں جی میں ذرا کپڑے تبدیل کر لوں۔'' میں بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ میں کمرے کی طرف آیا تو پیچھے سے سویرا بھی آ گئی۔

''آپ کی شرٹ کہاں ہے؟''

میں حیران ہوا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نے شرٹ نہیں پہنی ہے؟''

''بس ہو گیا۔'' وہ جھینپ کر بولی۔ ''لیکن آپ نے بتایا نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ راستے میں ایک حادثہ ہو گیا تھا اس میں شرٹ خراب ہو گئی تو وہ میں نے اتار دی تھی کہ ماں جی پریشان نہ ہوں۔''

''کیا آپ زخمی ہیں؟'' اس نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

''معمولی سا زخم ہے۔'' میں نے اسے ٹالا۔ ''ایسا کرو کھانا یہیں لے آؤ۔''

وہ جھجکی پھر اس نے کہا۔ ''آپ مجھے دکھا سکتے ہیں؟''

''سویرا خاص نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''اب تم جاؤ تاکہ میں چینج کر سکوں۔''

وہ کمرے سے چلی گئی میں نے محسوس کیا کہ میرے انکار سے اسے دکھ ہوا تھا لیکن مجھے بابا کی بات یاد آ گئی تھی۔ انہوں نے صحیح کہا تھا ہمارا انتہائی میں ملنا ٹھیک نہیں ہے۔ کم سے کم جب تک وہ عدت میں ہے۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر دوسرے کپڑے نکال کر پہنے اس دوران میں سویرا کھانا لے آئی تھی۔ اس نے کھانا گرم کیا تھا۔ روٹیاں ذرا باسی لیکن مزے کی لگیں۔ سویرا میرے پاس رکنا چاہتی تھی لیکن میں اس کی خواہش سے انجان بن گیا تو وہ چلی گئی۔ کھانے کے بعد میں نے رفیق بھائی کو کال کی۔ عتیق کو اسلام آباد کے ایک بہترین نجی اسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا اور وہاں اس کے کچھ ٹیسٹ کیے جا رہے تھے۔ پھر صفراں آپا اور شمی سے بات کی۔

جب میں حویلی میں آیا تو سورج ڈوبنے کو تھا اور اب تاریکی چھا چکی تھی۔ گارڈز کو میرے وجود کا علم ہو گیا تھا اس لیے میں نے حویلی کا چکر لگایا اور نئے آنے والے گارڈز سے ملا۔ وہ بھی اسی فرم کے تھے اور یہ سب تربیت یافتہ گارڈز تھے۔ ان کی مستعدی میں دیکھ چکا تھا۔ اگر آپا لوگوں کے ساتھ جانے والا گارڈ اپنی جان پر کھیل کر مزاحمت نہ کرتا تو شاید حملہ آور کامیاب ہو جاتے۔ زخمی ہونے والے گارڈ کو بھی اسلام آباد منتقل کر دیا گیا تھا اور اس کی حالت بہتر تھی۔

بابا دو گھنٹے بعد آئے تھے اور انہوں نے جیپ اور شاٹ گن کی چوری کی رپورٹ درج کرا دی تھی۔ یہ کام انہوں نے کل کی تاریخ میں کرایا تھا اور ظاہر ہے اس کے لیے سکہ رائج الوقت استعمال کیا تھا۔ وہ تھکے ہوئے تھے اس لیے رات کا کھانا جلد کھا کر سو گئے تھے۔ مجھے بھوک نہیں تھی اس لیے میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔ شمی اور آپا کے جانے کے بعد حویلی میں سناٹا سا تھا۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا اور بور ہو رہا تھا۔ میں نے سفیر کا دبئی والا نمبر بھی ملا کر دیکھا کہ شاید اب اس سے بات ہو جائے لیکن بات نہیں ہو سکی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں حویلی میں بے دست و پا بیٹھا ہوں میرے تمام دوست مجھ سے دور تھے اور کوئی مسئلہ ہوتا تو مجھے کہیں جانے میں گھنٹوں لگ جاتے تھے۔ مجھے اصل میں اسلام آباد میں ہونا چاہیے کیونکہ سارے معاملات وہیں چل رہے تھے اور یہاں کچھ بھی نہیں تھا لیکن میں بابا کی اجازت کے بغیر نہیں جانا چاہتا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ فی الحال وہ مجھے اجازت نہیں دیں گے۔

دس بجے عبداللہ کا فون آ گیا۔ ''شہباز صاحب ایک اہم خبر ہے؟''

''بیتو کے بارے میں؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں شہلا رضوی کے بارے میں وہ ایک نجی بینک کے چکر لگا رہی ہے اور اس نے وہاں اکاؤنٹ بھی کھول لیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہاں اس نے کوئی لاکر بھی لیا ہے؟''

''اس کا علم نہیں ہے میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے کہا۔''میں نے اپنا ایک آدمی مستقل رفیق صاحب کے ساتھ لگا دیا ہے۔''

''گڈ۔'' میں نے کہا۔''یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اس بینک میں نفیس برنی نامی شخص کا کوئی لاکر اور اکاؤنٹ ہے یا نہیں۔''

''میں معلوم کرتا ہوں۔''

''مرشد یا فتح خان کی کوئی خبر ہے؟''

''نہیں ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوا ہے۔''

''مرشد کے آدمیوں میں فاضلی نامی ایک شخص ہے اس کے بارے میں معلوم کرانے کی کوشش کرو۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا۔''بیگ صاحب کا آپ کے لیے پیغام ہے کہ آپ محل کے نمبروں پر راجا صاحب سے بات کر سکتے ہیں۔''

گویا راجا صاحب یا بیگ کے خیال میں مجھ سے رابطہ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ میں نے تلخی سے سوچا۔ پہلے میں نے سوچا کہ میں کال نہیں کروں گا راجا عمر دراز کے پاس میرا موبائل نمبر پہنچ گیا ہوگا اور وہ چاہیں تو خود کال کر لیں لیکن پھر میں نے کال کرنے کا فیصلہ کیا۔ راجا عمر دراز کا رویہ کیسا ہی سہی وہ بہر حال میرا محسن بھی تھا۔ اب بھی اس کے آدمی بے لوث میرے کام آ رہے تھے۔ میں نے محل کا نمبر ملایا۔ کسی ملازم نے اٹھایا۔ میں نے اپنا نام بتاتے ہوئے بیگ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اتنا تو مجھے پتا چل گیا تھا کہ محل کے پروٹوکول کے مطابق راجا سے صرف بیگ ہی رابطہ کر سکتا تھا۔

''شہباز صاحب۔'' بیگ نے حسبِ معمول محتاط اور مشکوک لہجے میں کہا۔''کیسے ہیں آپ؟''

''اللہ کا شکر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔''مجھے عبداللہ کا پیغام ملا ہے۔''

''جی راجا صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے تھے لیکن ابھی تو وہ سونے کے لیے چلے گئے ہیں اور ان سے صبح ہی بات ہو سکے گی۔''

''ٹھیک ہے میں صبح بات کر لوں گا۔'' میں نے کہا اور فون بند کرنے والا تھا کہ مجھے خیال آیا۔''بیگ صاحب ایک بات بتا سکتے ہیں کہ راجا صاحب جب باہر سے واپس آئے تو اکیلے تھے یا ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا اور آپ مجھے ٹالنے کے بجائے بلا تکلف جواب دینے سے انکار کر سکتے ہیں۔''

میری اس بات پر وہ شاید کھسیا گیا تھا۔''میں آپ کو کبھی ٹالنے کی کوشش نہیں کرتا ہوں اور آپ کے سوال کا جواب ہے ہاں راجا صاحب کے ساتھ ایک آدمی تھا۔''

''کون؟''

''حکیم قادس۔'' اس نے جواب دیا۔

''شکریہ بیگ صاحب۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ مجھے خیال آیا کہ کوئی نہ کوئی اہم بات ہوئی ہے۔ حکیم قادس ڈیوڈ شا کے قبضے میں تھا اور وہ اب آزاد ہے۔ راجا عمر دراز انڈیا میں پُراسرار طور پر غائب ہو گیا تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب وہ بھی واپس آ گیا ہے۔ اس دوران میں وہ کہاں رہا اور حکیم قادس اس کے ہاتھ کیسے لگا؟ میں جاننے کے لیے بے چین ہو گیا تھا اور راجا عمر دراز بھی شاید اسی سلسلے میں مجھ سے رابطہ کرنا چاہ رہا تھا۔

○.....❖.....○

میں سوچوں میں گم تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میں دروازہ کھولے بغیر جان گیا کہ وہ سویرا تھی لیکن اس وقت کیوں آئی تھی جب ساری حویلی سو چکی تھی۔ اس نے دستک بہت آہستہ سے دی تھی۔ اگر سناٹا نہ ہوتا تو مجھے سنائی بھی مشکل سے دیتی۔ کچھ وقفے کے بعد اس نے دوبارہ دستک دی تو میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

''آ جاؤ۔''

دروازہ کھلا اور وہ اندر آ گئی۔ اس نے چائے کا مگ تھام رکھا تھا۔ وہ جھجک کر بولی۔ ''مجھے پتا ہے..... آپ رات سونے سے پہلے..... چائے لیتے ہیں تو میں.....''

''شکریہ۔'' میں مسکرایا۔ ''آؤ اندر آ جاؤ۔''

''نہیں..... یہ مناسب نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''میرا اتنے رات گئے آپ کے کمرے میں آنا مناسب نہیں ہے۔''

میں اٹھ کر دروازے تک چلا آیا اور اس سے مگ لے لیا۔ ''تم نے ٹھیک کہا۔ اخلاق اور تہذیب کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ سویرا اب مجھے احساس ہوتا ہے تم میری محبت ہی نہیں میرا فخر بھی ہو۔''

وہ شرمیلے انداز میں مسکرا دی۔ ''مجھے بھی آپ پر فخر ہے۔ اب میں جاؤں؟''

''خدا حافظ۔'' میں نے جواب دیا تو وہ چلی گئی۔ شمی کے نہ ہونے کی وجہ سے اس نے شمی کی ذمے داریاں بھی سنبھال لی تھیں لیکن بہت مناسب اور باوقار انداز میں۔ میں نے درست کہا تھا مجھے اس سے محبت ہی نہیں اس پر فخر بھی تھا لیکن اس کی ایک لمحے کی جھلک اور ان چند باتوں نے میری ساری بوریت دور کر دی تھی میں نے چائے پی اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ صبح میری آنکھ کھلی تو فجر کا وقت ہو رہا تھا مسجد سے اذان کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ جب میں حویلی میں تھا تو پانچ وقت خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتا تھا لیکن بعد میں یہ فرض بھولتا چلا گیا۔ اب بھی حویلی میں آنے کے بعد مجھے یہ بھولا سبق یاد آیا تھا لیکن فرض میں پھر بھی کوتاہی ہو جاتی تھی۔ اس وقت اذان کی آواز سنی تو بے ساختہ گرم بستر سے اٹھ گیا اور وضو کر کے باہر آ گیا۔ ماں جی ہمیشہ اپنے کمرے سے باہر نماز پڑھتی تھیں۔ کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اپنے کمرے میں ان کو سستی آ جاتی تھی اور نماز کے بعد وہ وظائف اتنی دل جمعی سے نہیں کر پاتی تھیں۔ میں ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی نماز پڑھ رہی تھی۔ سلام پھیر کر انہوں نے پیار سے مجھے دیکھا۔

''پترا اٹھ گیا ہے؟''

''جی ماں جی۔'' میں نے کہا۔ ''اب میں نماز پڑھوں گا۔''

ماں جی نے جائے نماز میرے سپرد کر دی اور میں نماز پڑھنے لگا۔ ماں جی وظائف کرنے میں لگ گئیں۔ میں نماز سے فارغ ہوا تو انہوں نے مجھ پر پھونکیں ماریں۔ ''اللہ ہمیشہ کامیاب کرے، اپنے حفظ و امان میں رکھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ماں جی مجھے یقین ہے یہ آپ کی دعائیں ہیں جو ہر مشکل وقت میں میرے کام آتی ہیں۔''

''ماں ہوتی کس لیے ہے پتر۔'' وہ بولیں۔ ''اب مجھے صغراں اور شمی کا خیال پریشان کر رہا ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں وہ وہاں بالکل محفوظ ہیں میں خود دیکھ کر آیا ہوں رفیق بھائی نے حفاظت کا پورا بندوبست کر رکھا ہے۔''

''پر شہباز ایسا کب تک چلے گا۔ آخر یہ دشمنی کب ختم ہوگی۔''

''میں نہیں جانتا ماں جی۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''میں نے اسے شروع نہیں کیا اس لیے اسے ختم کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتا ہوں۔''

''یہ موا مرشد کیا چاہتا ہے؟''

''ماں جی وہ میرا سر اپنے سامنے جھکا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ ''وہ خود کو خدا سمجھتا ہے۔''

''نعوذ باللہ۔'' ماں جی بولیں۔ ''ایسا کمینہ آدمی ہے۔''

''آپ کی سوچ سے بھی زیادہ..... اب وہ میرے خاندان کے پیچھے ہے۔ پہلے جان کے درپے تھا اور اب عزت کے پیچھے بھی پڑ گیا ہے۔''

''ایسے کمینوں سے آدمی کو دور رہنا چاہیے۔''

''ہاں ماں جی لیکن آدمی کیا کرے جب کمینے خود ہی پیچھے پڑ جائیں اور اپنی طاقت کے زعم میں فرعون بن جائیں۔''

ماں جی کچھ دیر سوچتی رہیں پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''پتر ایسے لوگوں کا پوری استقامت سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ یہ بھی جہاد ہے۔''

''میں یہی کر رہا تھا ماں جی اور جب میرے دشمن نے دیکھا کہ وہ مجھ پر قابو نہیں پا سکتا ہے تو اس نے حویلی پر وار کیا اور پھر بابا کو مجبور کر دیا کہ وہ مجھے یہاں نظر بند کر دیں۔''

ماں جی نے حیرت سے کہا۔ ''تجھ سے کس نے کہا کہ تو حویلی میں قید ہے؟''

''خود بابا نے..... مرشد نے ان کو دھمکی دی ہے کہ اگر میں حویلی سے باہر نکلا تو اس خاندان کے دوسرے لوگوں کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی ہے۔''

''نعوذ باللہ یہ تو سچ مچ خدا بننے کی کوشش کر رہا ہے۔'' ماں جی کو غصہ آ گیا تھا۔ ''اور یہ ملک صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ بیٹوں کو فوج میں اس لیے بھیجنا چاہتے ہیں کہ وہ کمینوں کے سامنے سر جھکا دیں۔ اس سے تو بہتر تھا وہ تم لوگوں کو چوڑیاں پہنا کر گھر بٹھا دیتے۔''

ماں جی کا ردِعمل میرے لیے حیران کن تھا۔ جو بات بابا کو کرنی چاہیے تھی وہ ماں جی کر رہی تھیں۔ جب کہ مجھے ان سے ایسی توقع نہیں تھی۔ وہ ماں تھیں اور اولاد کی تکلیف کے خیال سے ماں تڑپ اٹھتی ہے۔ انہوں نے کہا ''میں آج ہی ملک صاحب سے بات کرتی ہوں۔''

''ماں جی میں نے بابا کو یہی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ دشمن کے مقابلے میں گھر بیٹھ جانے سے دشمنی ختم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہو جاتی ہے۔ اگر دشمنی مال و دولت کی وجہ سے ہو تو انسان اس سے دستبردار ہو سکتا ہے لیکن دشمن آپ کی جان یا عزت مانگ رہا ہو تو اس کے سامنے ہتھیار کیسے ڈالے جا سکتے ہیں اور مرشد نے اپنے معاہدے کا پاس نہیں کیا۔ پہلے اس کے آدمی حویلی میں گھستے ہوئے پکڑے گئے۔ وہ شمی اور سویرا کو اٹھانے آئے تھے پھر انہوں نے آپا اور شمی کو لے جانے والی گاڑی پر حملہ کیا لیکن بابا اب بھی مجھے حویلی سے نکلنے اور کچھ کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

میری بات نے ماں جی کا غصہ مزید بڑھا دیا تھا وہ بولیں۔ ''میں ابھی ملک صاحب سے بات کرتی ہوں۔''

ماں جی بابا کے کمرے کی طرف گئی تھیں۔ ان کو معلوم تھا کہ بابا اس وقت نماز پڑھ کر چہل قدمی کر رہے ہوں گے۔ گرمیوں میں وہ باہر صحن میں یہ کام کرتے تھے لیکن جب موسم سرد ہو جاتا تو وہ اپنے کمرے میں چہل قدمی کر لیا کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد سویرا وہاں آ گئی۔

''آپ کو بابا نے طلب کیا ہے۔'' وہ کچھ پریشان لہجے میں بولی۔ ''کیا آپ کی بابا سے کوئی بات ہوئی ہے؟''

''بابا سے ماں جی کی بات ہوئی ہے۔'' میں نے کہا اور اسے مختصراً ماں جی سے ہونے والی بات بتائی۔ وہ مزید پریشان ہو گئی۔

''اب کیا ہوگا اگر بابا اور ماں جی میں لڑائی ہو گئی۔''

''نہیں ہوگی۔'' میں مسکرایا۔ ''کیونکہ ماں جی جس موڈ میں گئی ہیں بابا ہتھیار ڈال دیں گے۔''

سویرا کی پریشانی کسی قدر کم ہوئی تھی۔ ''ہاں وہ ماں جی سے محبت بہت زیادہ کرتے ہیں۔''

''تم فکر مت کرو۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔''

بابا کے کمرے میں بابا اپنے بستر پر سر جھکائے بیٹھے تھے اور ماں جی ان کے سامنے کھڑی تھیں۔ میں کمرے میں آیا تو بابا نے میری طرف دیکھا۔ ''اوئے شہباز اپنی ماں سے کیا کہہ دیا ہے یہ اتنا غصہ کر رہی ہے۔'' الفاظ کے برعکس بابا کا لہجہ غصے والا نہیں تھا میں نے سکون کا سانس لیا۔

''بابا جو بات میں آپ سے کہہ رہا ہوں اور آپ نہیں مان رہے وہی میں نے ماں جی سے کہی ہے۔''

''آپ خود انصاف سے کام لیں ملک صاحب۔'' ماں جی بولیں۔ ''آپ نے میرے بچوں کو بچپن میں مجھ سے دور فوج میں کیوں بھیجا تھا۔ اس لیے نا کہ یہ ملک کی حفاظت کریں اور اس پر کوئی خدانخواستہ برا وقت آئے تو اپنی جانیں قربان کر دیں تو آج اس گھر پر برا وقت آیا ہے تو آپ ان بیٹوں کو بزدلی کا سبق دے رہے ہیں۔ بیٹے ہوتے کس لیے ہیں۔ گھر پر قربان ہونے کے لیے نا؟''

''او بھلئی لوکے یہ دوسرا معاملہ ہے۔'' بابا دبے لہجے میں بولے۔

''کیسے دوسرا معاملہ ہے۔'' ماں جی بپھر کر بولیں۔ ''کیا فائدہ ہوا آپ کو اسے گھر میں بند کرنے کا دشمن نے دو بار وار بھی کر دیا۔ وہ تو اللہ کا کرم رہا کہ اس نے دونوں بار منہ کی کھائی لیکن اگر وہ ایک بار بھی کامیاب ہو جاتا تو ہم تو جیتے جی مر جاتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بابا زچ ہو رہے تھے۔ ''تو تم کیا چاہتی ہو اسے لڑنے مرنے اور دشمنی بڑھانے کے لیے آزاد چھوڑ دوں۔''

''بابا میں نے کبھی دشمنی بڑھانے والا کوئی کام نہیں کیا بلکہ مرشد اور اس کے ساتھیوں کو بہت رعایت دیتا رہا ہوں بہت بار میرے اختیار میں تھا کہ ان کو مار دوں لیکن میں نے ان کو چھوڑ دیا۔''

''یہ میرا پتر ہے ملک صاحب۔'' ماں جی نے فخر سے کہا۔ ''کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور نہ کبھی کسی کے ساتھ غلط کرتا ہے۔ اس کا دشمن ایک کمینہ اور کم ظرف آدمی ہے اُس سے مقابلے میں اِس کا ساتھ دیں اِس کے ہاتھ پاؤں نہ باندھ کر بٹھائیں۔''

''بابا آپ مجھ پر اعتماد تو کریں۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''میں نے مرشد کے آگے سر نہیں جھکانا ہے لیکن اس حویلی میں قید کر کے آپ اس کی مدد کر رہے ہیں۔ وہ میرے خوف سے آزاد ہو گیا ہے۔''

بابا سوچنے لگے ان کے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔ وہ شاہد بھائی کو گنوا چکے تھے۔ ماں جی ان کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کے پاس چلی گئیں۔ ''ملک صاحب میں ماں ہوں اور آپ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آپ اولاد کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ خدا نہ کرے ان کو کچھ ہو لیکن ایسی ذلت سے جینے سے بہتر عزت سے مر جانا ہے۔''

بابا نے گہری سانس لی۔ ''جیسی تیری مرضی شہباز کی ماں۔''

''نہیں جی.....'' چند لمحے پہلے شیرنی کی طرح بپھری ماں جی فوراً نرم پڑ گئیں۔ ''فیصلہ تو آپ نے کرنا ہوتا ہے لیکن میرا آپ پر اتنا حق تو ہے کہ میں آپ کے کسی فیصلے کو غلط محسوس کروں تو احتجاج کر سکوں۔''

اس بار بابا مسکرائے تھے۔ ''کیوں نہیں تجھے تو اس سے زیادہ حق ہے اور اولاد پر تو ماں کا حق زیادہ ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے شہباز کو میری طرف سے اجازت ہے۔''

''شکریہ بابا۔'' میں کھل اٹھا تھا۔ ''اللہ نے چاہا تو آپ کو کبھی میری طرف سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔''

''اگر ہوئی بھی تو ماں باپ کس لیے ہوتے ہیں۔'' بابا نے کہا۔ ''تمہیں میری جس مدد کی ضرورت ہو تم مجھ سے کہہ سکتے ہو۔''

بابا میں ایک عادت تھی کہ وہ اگر کسی فیصلے کو تبدیل کرتے تھے تو اس تبدیلی کو پوری طرح نبھاتے تھے۔ میں نے کہا۔ ''نہیں بابا مجھے بس آپ کی تائید اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

''لیکن تمہیں رقم کی ضرورت تو ہو گی۔'' ماں جی بولیں۔ ''تیرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔''

''نہیں ماں جی اللہ کے فضل سے میرا بزنس بہت اچھا چل رہا تھا۔ بزنس تو ختم ہو گیا ہے لیکن اب بھی بینک میں میرے لاکھوں روپے پڑے ہیں۔ پھر بیرون ملک میری بڑی رقم ہے۔''

بابا چونکے۔ ''بیرون ملک کہاں ..... میرے علم کے مطابق تمہارا سارا کاروبار ملک میں ہے۔''

''آپ کو کیسے پتا چلا بابا؟'' میں نے کہا تو وہ گڑبڑا سے گئے تھے۔

''بس پتا ہے۔''

مجھے لگا جیسے بابا چھپا رہے ہوں وہ میرے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔ میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بابا انڈیا میں مجھے ایک جگہ سے بڑی تعداد میں قیمتی ہیرے ملے تھے۔ وہیں ایک شخص نے مجھ سے یہ خرید لیے اور مجھے ایک بین الاقوامی بینک اکاؤنٹ کھلوا کر رقم اس میں ڈال دی۔ ایک کروڑ ڈالرز میں اس نے یہ ہیرے لیے تھے۔''

''ایک کروڑ ڈالرز کے ہیرے۔'' بابا فکر مند ہو گئے اور ماں جی نے غور سے مجھے دیکھا۔

''پتر یہ ہیرے کہاں سے آئے؟''

''ماں جی میں نے کسی کا حق نہیں مارا۔ وہاں بھی کچھ مرشد جیسے لوگ ہیں یہ ہیرے ان کے تھے اور پھر وہ بھی اس دنیا میں نہیں رہے تو ہیرے مجھے مل گئے۔'' میں نے جلدی سے وضاحت کی۔

''تب ٹھیک ہے۔'' ماں جی مطمئن ہو گئی تھیں۔ میں نے فخر محسوس کیا تھا۔ یہ میرے ماں باپ تھے ان کی تربیت نے مجھے اچھے برے کی تمیز سکھائی تھی اور آج جب کہ میں ایک ہنگامی دور سے گزر رہا تھا تب بھی ان کو سب سے زیادہ فکر یہی تھی کہ میں کوئی غلط کام نہ کروں۔ ماں جی نے مجھ سے کہا۔

''پتر وہ پیسے تو بینک میں ہیں اور تو پولیس کی وجہ سے بینک نہیں جا سکتا ہے پھر رقم کیسے لیتا ہے؟''

''میں نے ندیم کو کچھ سادہ چیک دے رکھے ہیں مجھے جتنی ضرورت ہوتی ہے اس سے لے لیتا ہوں اور وہ چیک سے نکلوا لیتا ہے۔ ویسے ماں جی اللہ کا بڑا احسان ہے۔ اس جنگ میں میں اکیلا نہیں ہوں میرے بہت سارے ہمدرد اور مددگار ہیں۔ سب سے بڑھ کر میں راستی پر ہوں اس لیے مجھے یقین ہے اللہ میرے ساتھ ہے۔''

بابا اور ماں جی مجھے درمیان میں لے کر بیٹھ گئے تھے۔ بچپن سے لے کر اب تک میں نے ماں باپ کے ساتھ اتنا اچھا وقت نہیں گزارا جتنا کہ اس وقت گزارا تھا۔ ماں جی تو خیر میرے لیے سراپا محبت تھیں لیکن بابا کی محبت کا اس دن صحیح معنوں میں اندازہ ہوا۔ شاید اولاد ماں باپ کی محبت کے بارے میں کبھی صحیح اندازہ لگا ہی نہیں سکتی ہے جوان کے دل میں اولاد کے لیے ہوتی ہے۔ میں بھی شاید کبھی اس محبت کو سمجھ نہیں سکا تھا۔ پھر ماں جی نے اچانک کہا۔ ''ملک صاحب آپ نے شہباز کو بتایا کہ ہم نے اس کے اور سویرا کے بارے میں کیا سوچا ہے۔''

میرا دل دھڑکا تھا اور گلا یک دم خشک ہو گیا تھا میں نے بے ساختہ بابا کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''نہیں میں نے ابھی نہیں بتایا ہے۔ ذرا سکون مل جائے تو بتاتا ہوں۔''

''ملک صاحب بے سکونی میں تو ایسی خبر زیادہ سکون دیتی ہے۔'' ماں جی نے اصرار کیا۔ ''آپ بتا دیں۔''

''چل یہ بات بھی تیری۔'' بابا ہنس کر بولے۔ ''شہباز ہم نے سوچا ہے کہ جب سویرا کی عدت ہو جائے گی تو تیرا اور اس کا رشتہ کر دیں گے لیکن اس کے لیے پہلے تم دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔''

''شہباز اور سویرا کبھی انکار نہیں کریں گے۔'' ماں جی نے یقین سے کہا۔ ''بے شک آپ پوچھ کر دیکھ لیں؟''

''بابا میں آپ سے اور ماں جی سے چھپاؤں گا نہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں سویرا کو شروع سے پسند کرتا تھا لیکن جب وہ میرے بھائی کی بیوی بن گئی تو میرے لیے قابلِ احترام ہستی بن گئی اور خدا گواہ ہے پھر میں نے اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں لیکن اب وہ میرے بھائی کی بیوہ ہے اور میں نے اس سے بات کی ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بھی اس حویلی سے نہیں جانا چاہتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" بابا بولے۔ "اسی وجہ سے میں نے یہ فیصلہ کرنے کا سوچا ہے۔ ایک بار مجھ سے غلطی ہوگئی تھی اور اب میں اسے دوہرانا نہیں چاہتا۔"

"لیکن بابا ابھی اس کام میں وقت ہے خدا کرے یہ معاملہ نمٹ جائے تو میں....."

"نہیں میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ یہ معاملہ نمٹے یا نہیں، سویرا کی عدت ختم ہوتے ہی میں تم دونوں کا نکاح کروادوں گا اور ہو سکے تو تمہیں کہیں باہر بھی بھیج دوں گا۔" بابا نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"بابا میں آپ سب کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "بس آپ مجھ سے یہی بات مت کیجئے گا۔"

"پتر ضد نہ کر۔" ماں جی نے کہا۔ "اگر سانپ سے مقابلہ ہو تو اس کے سامنے سے ہٹ جانا چاہیے۔"

"ماں جی مجھے بھی بارہا یہ خیال آیا لیکن مجھے لگا ایک تو میں اس کے سامنے سے ہٹ کر اپنی شکست تسلیم کر لوں گا۔ دوسرے میں کہیں باہر چلا جاؤں اور وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکے تب بھی میرے پیارے تو یہاں ہیں وہ ان کے خلاف کچھ بھی کر سکتا ہے۔ شاہد بھائی والے واقعے سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔"

"خیر یہ ایک تجویز ہے۔" بابا نے کہا۔ "تم اس پر بعد میں غور کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے میں غور کروں گا اور اپنے دوستوں سے بھی مشورہ لوں گا۔" میں نے سر ہلایا۔

جیپ میں نے ایک اعتماد کے آدمی کو بننے کے لیے دے دی ہے اگر تم جانا چاہو تو میں کوئی گاڑی منگوا دیتا ہوں۔"

"بہتر ہو کہ کسی جاننے والے سے گاڑی لینے کے بجائے کوئی ٹیکسی یا پرائیویٹ کار منگوالیں وہ ڈرائیور سمیت چوبیس گھنٹے میرے پاس رہ سکتی ہے اور جب ضرورت نہیں ہوگی تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔"

"میں یہی کرتا ہوں یہاں ایک دو لوگ ہیں جو رینٹ پر کار دینے کا کام کرتے ہیں۔"

"کار کے بجائے کوئی جیپ منگوالیں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی بات کر لیتا ہوں۔"

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور سویرا نے اندر جھانکا۔ "ناشتہ تیار ہے آپ لوگ آجائیں۔"

"بیٹا جی ناشتہ ہوتا رہے گا لیکن تم ادھر آؤ تم سے ایک بات کرنی ہے۔" بابا نے کہا۔ میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"میں نہانے جا رہا ہوں۔"

جب میں کمرے سے نکل رہا تھا تو سویرا بابا کی پاس جا بیٹھی تھی۔ "جی بابا حکم کریں۔"

اس سے آگے میں سن نہیں سکا تھا اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ مجھے بابا کا سوال بھی معلوم تھا اور سویرا اس کا کیا جواب دے گی میں یہ بھی جانتا تھا۔ اس کی تصدیق ناشتے کے دسترخوان پر سویرا کے کھلے ہوئے چہرے سے ہو گئی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ پھرتی سے اٹھی اور وہاں سے چلی گئی میں نے انجان بن کر پوچھا۔ "اسے کیا ہوا ماں جی جو مجھے دیکھ کر یوں بھاگی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماں جی مسکرائیں۔ ''پاگل تیرے بابا نے اس سے بات کر لی ہے اور اس نے ہاں کہہ دی ہے تو وہ تیرے سامنے کس طرح رہ سکتی ہے۔''

میں نے اس بارے میں تو سوچا ہی نہیں تھا کہ ایک بار اس کی اور میری بات طے ہو گئی تو وہ میرے لیے شجر ممنوعہ بن جائے گی۔ اس سے بات کرنا تو ایک طرف رہا وہ اس جگہ بھی نہیں بیٹھ سکے گی جہاں میں ہوں گا۔ ماں جی مسکرا رہی تھیں۔ شاہد بھائی کے صدمے کے بعد ان کے لیے شاید یہ پہلی خوشی کی بات تھی۔ میں نے سر کھجایا۔

''یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔''

''شہباز جب سویرا اور شاہد کی بات طے ہوئی تو اس وقت مجھے علم نہیں تھا۔ صغراں جانتی تھی لیکن وہ باپ کے ڈر سے چپ رہی۔''

''بابا بھی جانتے تھے۔''

''ہاں انہوں نے بعد میں مجھے بتایا تھا لیکن اس وقت وہ تمہاری پسند کو عام سی بات سمجھے تھے۔ نوجوان اس عمر میں ایسی پسند رکھتے ہیں۔''

''لیکن میں نے کبھی سویرا کے لیے ایسی پسند نہیں رکھی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس کا اندازہ مجھے اور تیرے بابا کو بعد میں ہوا تھا لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔''

''شاید اس معاملے میں میرا مقدر ہی خراب تھا۔'' میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

''نہیں پتر وہ تیرے نصیب میں ہے لیکن ذرا دوسرے انداز میں۔'' ماں جی نے سمجھایا۔ ''اب اس بات کو دل سے نکال دے اور آنے والے وقت کا سوچ۔''

مجھے ایک خیال آیا۔ ''بابا شادی کیوں کرنا چاہ رہے ہیں جب کہ وہ جانتے ہیں میرے حالات کیا ہیں۔''

''شاید اس لیے کہ شادی کے بعد تُو باہر جانے کے لیے تیار ہو جائے۔ تیرے بابا نے ندیم سے بھی بات کی اس کا بھی یہیں کہنا ہے کہ یہاں تیرے مسائل سمیٹنے کے لیے سالوں چاہئیں۔''

''لیکن نہ جانے کیوں میرا دل نہیں مانتا ماں جی۔ یہ ملک میرا بھی تو ہے ایک ذلیل شخص کی وجہ سے میں کیوں اسے چھوڑ کر جاؤں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''آخر جنگل میں تو جانور رہتے ہیں۔ کوئی اس وجہ سے نہیں جاتا کہ اسے درندوں کا خوف ہوتا ہے۔''

''پتر جنگل کا بھی قانون ہے جو اللہ نے بنایا ہے۔ اس وجہ سے کوئی جانور جنگل چھوڑ کر نہیں جاتا۔ اللہ نے انسانوں کے لیے بھی قانون بنایا ہے لیکن انسانوں نے اسے چھوڑ کر اپنے قانون بنا لیے ہیں۔ یہ جنگل کے قانون سے بدتر ہیں۔ وہاں کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوتی ہے اور ہمارے ہاں انصاف نہیں رہا ہے۔''

گھر میں رہنے والی ماں جی بھی یہ بات محسوس کرتی تھیں کہ اس ملک میں انصاف نہیں رہا ہے اور اسی وجہ سے جسے موقع ملتا ہے وہ ملک چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ جو ایک بار چلا جاتا ہے وہ چاہنے کے باوجود واپس نہیں آ سکتا ہے۔ جو رہنے کے ارادے سے واپس آتا ہے وہ چند دن میں گھبرا کر واپس جانے کی سوچتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ سہولیات کی عدم دستیابی نہیں بلکہ انصاف کی عدم فراہمی ہے۔ یہاں اگر ایک طاقتور شخص کسی کمزور انسان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے پڑ جائے تو اس کے لیے کہیں جائے اماں نہیں رہتی ہے۔ اس جنگ میں نقصان ہمیشہ کمزور کو اٹھانا پڑتا ہے اور اسے انصاف نہیں ملتا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ میرا اور مرشد علی کا بھی تھا۔ اس کے بھائی نادر کی وجہ سے ایک بے مقصد لڑائی کا آغاز ہوا جس کے پیچھے ہٹ دھرمی اور انا کے کچھ نہیں تھا۔ نادر کو اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا جب کہ مجھے اپنے کاروبار اور پھر اپنے بھائی سے محروم ہونا پڑا تھا۔ اس جنگ میں نہ جانے کتنے متعلقہ اور غیر متعلقہ لوگ مارے جا چکے تھے جن کی گنتی بھی مجھے یاد نہیں تھی۔

مرشد ایک طاقتور گدی نشین تھا جو سیاست میں بھی اتر آیا تھا۔ اسے پولیس اور انتظامیہ کی حمایت حاصل تھی اور اس نے ان کو پوری طرح میرے خلاف استعمال کیا تھا۔ میرے ساتھ میرا خدا تھا اور اس کے کچھ بندوں کا سہارا تھا جو میں مرشد کے خلاف ڈٹا ہوا تھا۔ حالات نے مجھے سخت جان بنا دیا ہے لیکن دیکھا جائے تو اب بھی میرا اور مرشد کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں اس کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اس سے مصالحت کا مطلب تھا کہ میں خود کو بے دست و پا کر کے اس کے آگے پیش کر دوں اور وہ جو چاہے سلوک کرے۔ معافی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اگر میں اس کے ہاتھ آ جاتا تو وہ مجھے بدترین انداز میں موت کے سپرد کرتا۔ وہ نہایت عیار اور سفاک شخص ہے جو بس موقع کا منتظر ہے۔ قارئین نے ڈسکوری یا نیشنل جیوگرافک ٹی وی چینلز پر جانوروں کی فلموں میں ایک گیدڑ کے سائز کا دھبے دار جانور دیکھا ہو جسے انگریزی میں ہائنا اور اردو میں لکڑ بھگا کہتے ہیں۔ یہ نہایت ڈھیٹ، سفاک اور چالاک جانور ہے۔ یہ ہمہ وقت اس تاک میں رہتا ہے کہ اسے کہیں سے آسان کھانا مل جائے۔ اس کے لیے یہ شیروں اور چیتے کے قبیل کے درندوں سے ان کا شکار چھیننے سے بھی دریغ نہیں کرتا ہے۔ کوئی کمزور جانور اس کے ہاتھ لگ جائے تو یہ اسے چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے۔ اگر کوئی بڑا جانور اس کے نرغے میں آ جائے تو یہ اسے بھی مارنے سے گریز نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی جانور کہیں دلدل میں پھنس جائے تو یہ اس کے مرنے کا انتظار کیے بغیر اسے کھانا شروع کر دیتا ہے لیکن خود کسی طاقتور جانور کے ہاتھ آ جائے تو ایسی چیخ و پکار مچاتا ہے جیسے دنیا میں اس سے زیادہ مظلوم اور کوئی نہیں ہے۔ جانوروں میں یہ سب سے گھٹیا فطرت رکھتا ہے۔ جب بھی میں مرشد کے بارے میں سوچتا تو میرے ذہن میں لکڑ بھگا آ جاتا ہے۔ وہ بالکل اس جانور کی سی فطرت رکھتا تھا۔

ماں جی کی طرف سے حوصلہ افزائی اور بابا کی اجازت نے میرا دل بڑا کر دیا تھا اور اب میں مرشد سے بہتر طور پر نمٹ سکتا تھا۔ ماں جی نے ماں ہونے کے باوجود حیرت انگیز حوصلے کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے مرشد کے سامنے ڈٹ جانے کا حکم دیا تھا۔ جب کہ وہ شاہد بھائی کی جدائی کا صدمہ ابھی سہہ رہی تھیں۔ یہ ماں جی کی عظمت تھی کہ وہ اپنی اولاد کو ظلم کے خلاف ڈٹ جانے کا کہہ رہی تھیں جب کہ مائیں ایسی صورت میں معافی تلافی کرنے کی بات کرتی ہیں۔ جن لوگوں کی ایسی مائیں ہوتی ہیں وہی تاریخ میں اپنا کوئی مقام بناتے ہیں۔

دوپہر کو ایک درمیانے سائز کی پرانی ہڈ والی جیپ حویلی میں آ گئی تھی۔ بابا نے اسے میانوالی سے بلوایا تھا کیونکہ یہاں سے کسی کو بلاتے تو وہ لازمی مجھ سے واقف ہوتا۔ اس کا ڈرائیور اور مالک ایک دبلا اور کسی قدر طویل قد کا لمبے بالوں والا نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر خشخشی سی داڑھی تھی اور اس کا نام ایاز حمید تھا۔ میں اس سے ملا اور اسے بتایا کہ اسے مستقل بنیادوں پر رہنا ہوگا۔ اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''مسئلہ نہیں ہے جی۔ دن کے ہزار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں گے اور کہیں آنا جانا ہو تو تیل آپ ڈلواؤ گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم یہیں رکو گے۔ رات کو گارڈز کے کمرے میں سو جانا اور کھانا تم کو حویلی سے ملا کرے گا۔''

گارڈز کے لیے بابا نے یہ کیا تھا کہ قریب زمین پر کام کرنے والے ایک مزدور کو ٹھیکہ دے دیا تھا اور وہ تین ٹائم ان کے لیے گھر سے پکوا کر لے آتا تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ملازمہ اور دوسرے افراد کو میری وجہ سے حویلی میں آنے سے روک دیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ جب مجھے ضرورت ہوگی تب ہی حویلی سے نکلوں گا۔ ابھی میں مرشد کو ایک سبق دے چکا تھا اور محاذ پر فی الحال امن لگ رہا تھا لیکن شام کے وقت بابا نے عجلت میں مجھے بلایا۔

''شہباز جانے کی تیاری کر لو۔ تم نے آدھے گھنٹے کے اندر یہاں سے نکل جانا ہے۔''

میرا ماتھا ٹھنکا۔ ''خیریت بابا.....؟''

''ابھی اطلاع آئی ہے کہ پولیس حویلی آ رہی ہے۔'' بابا نے کہا۔ ''شاید تمہیں گرفتار کرنے اور شاٹ گن کی تفتیش کرنے آ رہے ہیں۔''

میں نے بابا سے نہیں پوچھا کہ ان کو کس طرح پتا چلا کہ پولیس آ رہی ہے۔ میں اندر کی طرف لپکا اور پہلے ماں جی کو بتایا کہ میں جا رہا ہوں۔ وہ حوصلے سے بولیں۔ ''جاؤ پتر اللہ اپنی امان میں رکھے۔''

میں کمرے میں آیا۔ اپنا سامان اور چند ضروری چیزیں بیگ میں رکھیں اور اس دوران میں گارڈ کو پیغام بھیج دیا کہ وہ ایاز کو تیاری کا کہہ دیں۔ ابھی میں سامان رکھ رہا تھا کہ سویرا کمرے میں آئی۔ ''آپ جا رہے ہیں؟''

''ہاں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے تھے۔ ''اتنی جلدی..... پھر نہ جانے کب آئیں گے۔''

''جب تقدیر لائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''سویرا بابا نے تم سے بات کر لی ہے اور مجھے معلوم ہے تم نے ہاں کی ہے لیکن تم جانتی ہو نا میں کس راستے پر چل رہا ہوں کسی وقت بھی کا تب تقدیر میری زندگی کا آخری سانس لکھ سکتا ہے اور تم.....''

اس نے تڑپ کر اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا۔ ''منہ سے اچھی بات نکالیں۔ اور کچھ بھی ہو جائے یہ زندگی اب آپ کے نام پر ہے۔''

میں نے دل پر جبر کر کے اس کا ہاتھ چومنے سے گریز کیا اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔ ''تب مجھے روکر نہیں مسکرا کر جانے کی اجازت دو۔''

وہ یوں مسکرائی کہ آنسو مسلسل گر رہے تھے۔ ایسا لگا جیسے بارش بھی ہو رہی ہو اور دھوپ نکل آئے۔ ''آپ آئیں گے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''میں آپ کے لیے دعا کروں گی۔''

''مجھے سب سے زیادہ اسی چیز کی ضرورت ہے۔'' میں نے یقین سے کہا۔ اسی لمحے کمرے کے باہر سے بابا کی آواز آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز۔''

اور میں بیگ اٹھا کر باہر کی طرف لپکا۔ شاید بابا جان گئے تھے کہ سویرا میرے کمرے میں ہے اس لیے انہوں نے انجان بن کر ہمیں شرمندہ ہونے سے بچالیا تھا۔ ''جی بابا؟''

''وقت نہیں ہے پولیس کسی وقت بھی یہاں پہنچنے والی ہے۔'' وہ بولے۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

ہم باہر صحن میں آئے۔ بابا نے ایک پستول اور اس کے چند میگزین میرے حوالے کیے۔ ''یہ غیر قانونی ہے اور یہ.....'' انہوں نے ایک پاؤچ مجھے تھما دیا۔ ''اس میں کچھ رقم ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے بابا۔''

''رکھ لو۔'' وہ تحکمانہ انداز میں بولے۔

ایاز نے جیپ اسٹارٹ کر رکھی تھی۔ میں نے دونوں چیزیں جیب میں رکھیں۔ بابا کے گلے لگا اور بیگ جیپ کے پیچھے رکھ کر خود ایاز کی برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے میرے بیٹھتے ہی جیپ چلا دی تھی اور وہ تیز رفتاری سے گیٹ سے نکلتی چلی گئی۔ عقبی آئینے میں بابا کھڑے دکھائی دیئے لیکن جیسے ہی جیپ نے کچے پر ٹرن لیا حویلی کا منظر غائب ہو گیا۔ میں نے سرد آہ بھری۔ کتنے سالوں بعد میں اس گوشہ عافیت میں آیا تھا اور اب جا رہا تھا تو مجھے لگا جیسے میں یہاں بس کچھ دیر ہی رکا ہوں۔ ایاز نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''صاحب کہاں جانا ہے۔''

میں نے ابھی سوچا نہیں تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے ایاز نے کہا تو مجھے خیال آیا۔ میں نے کہا۔ ''جانا ہمیں مین روڈ کی طرف ہے لیکن کوئی اور راستہ نہیں ہے اس طرف جانے کا؟''

''ہے جناب۔'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور جیپ کو ذرا آگے ایک اور کچے راستے پر گھما دیا۔ مجھے یاد آیا کہ یہ راستہ ایک اور گاؤں سے گزر کر مین روڈ تک جاتا تھا۔ اگرچہ کچھ طویل تھا لیکن یہ اس راستے سے خاصا الگ تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس پر مجھے پولیس یا دشمن کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پولیس کی اطلاع دشمن نے مجھے حویلی سے نکالنے کے لیے خود پہنچائی ہو۔ اس لیے متبادل راستہ اختیار کرنا ہی بہتر تھا۔

''تم کہاں رہتے ہو؟'' میں نے ایاز سے پوچھا۔ مقصد وقت گزاری تھی۔ ابھی تاریکی میں کچھ وقت تھا اور جب تک ہم مین روڈ تک پہنچتے تاریکی چھا جاتی۔

''سرگودھا میں جناب۔''

''اگر میں تم کو اسلام آباد لے جاؤں تو تمہیں انکار تو نہیں ہوگا۔''

''بھلے پورا پاکستان گھمائیں۔'' اس نے اسٹیئرنگ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''اپنی تو روزی یہی ہے۔ کام ملتا کس کو برا لگتا ہے۔''

''گڈ تو اب تم میرے ساتھ ہو۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ جیپ کس کنڈیشن میں ہے؟''

''ظاہری حالت آپ دیکھ رہے ہیں باقی انجن کی حالت دیکھ لیں گے ویسے میں خود مکینک ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''پڑھے لکھے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا۔ ''گریجویٹ ہوں فرسٹ ڈویژن میں کیا تھا۔''

میں نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تو پھر یہ کام کیوں کر رہے ہو؟''

''آپ کا مطلب ہے کہیں کلرکی کیوں نہیں کر رہا؟'' اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ''نہیں جناب میں یہ کام اس لیے نہیں کر رہا ہوں کہ مجھے نوکری نہیں ملی بلکہ اس لیے کر رہا ہوں کہ مجھے یہ کام پسند ہے۔ میں نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد صرف اس لیے مکینک کورس بھی کیا ہے۔''

''شکر ہے مجھے ایک آدمی تو ایسا ملا جس نے تعلیم نوکری کے لیے حاصل نہیں کی ہے خود میری سوچ بھی یہی ہے۔''

''آپ نے تو یونیورسٹی میں بھی پڑھا ہو گا؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں ماسٹر کیا ہے لیکن کچھ عرصے پہلے تک ایک ٹورسٹ ایجنسی چلا رہا تھا۔ شمالی علاقوں میں سیاحوں کے لیے ٹور بناتا تھا۔''

''کچھ عرصے پہلے تک۔'' اس نے میرے الفاظ پر غور کیا۔ ''اب نہیں کرتے؟''

''نہیں۔''

''اگر برا نہ مانیں تو پوچھ سکتا ہوں کہ یہ کام کیوں چھوڑ دیا۔''

''چھوڑا نہیں دشمنوں نے چھڑوا دیا۔ اب ان سے جنگ چل رہی ہے۔ جب جنگ چل رہی ہو تو کاروبار کہاں چلتا ہے۔''

''اوہ۔'' اس نے افسوس کیا اور گیئر بدل کر بولا۔ ''یہ دشمنی بڑی نامراد چیز ہے بندے کا سب کھا جاتی ہے۔''

''وہ اور دشمنی ہوتی ہے۔ زر، زن اور زمین والی..... لیکن یہ ایک الگ دشمنی ہے۔ یہ زبردست اور ایک عام آدمی کے درمیان دشمنی ہے۔''

اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔ ''اس میں عام آدمی کون ہے؟''

''جو اس وقت تمہارے ساتھ بیٹھا ہے۔''

''زبردست کون ہے؟''

''ہے ایک فرعون صفت شخص۔'' میں نے کہا۔ ''میں تمہیں بتا دوں کہ میرے ساتھ ہونے کی صورت میں تمہاری زندگی کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ ابھی کل ہی میں ایک حملے میں مرتے مرتے بچا ہوں۔''

''موت سے آدمی کی کہیں بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''آپ بے فکر رہیں آپ پہلے آدمی نہیں ہیں جس نے میری خدمات حاصل کی ہیں اور اس کی کسی سے دشمنی بھی ہو۔''

''پھر بھی تم سوچ لینا اور منزل مقصود پر پہنچا کر تم چاہو تو اپنا راستہ پکڑ لینا۔''

''کام پکڑنے کے بعد میں نے کبھی سوچا نہیں ہے ہاں آپ کا جب دل چاہے مجھے فارغ کر دینا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

ہم آدھے گھنٹے کے بجائے ایک گھنٹے بعد مین روڈ پر پہنچے تھے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اندر کی لائٹ بند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کردو..... یہاں کچھ گدھ میری تلاش میں گھوم رہے ہوں گے۔''

اس نے لائٹ بند کردی۔ ''اگر ان کو آپ کی اتنی ہی تلاش ہے تو وہ گاڑی روک بھی سکتے ہیں۔''

''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا ورنہ میرے ساتھ تم مفت میں مارے جاؤ گے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''کسی قسم کے ناکے کی صورت میں تم فرار کی کوشش کرو گے۔''

''ٹھیک ہے جی۔'' اس نے مین روڈ پر پہنچ کر جیپ روک لی۔ ''اب بتائیں کس طرف جانا ہے؟''

اسلام آباد کی طرف۔'' میں نے کہا اور اس نے جیپ اس طرف موڑ دی۔

''ڈھائی گھنٹے لگ سکتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''آج کل سڑک بن رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ چھ بجنے والے تھے یعنی ہم ساڑھے آٹھ بجے تک اسلام آباد پہنچ سکتے تھے۔ ''ویسے تم اسلام آباد سے واقف ہو۔''

''مکمل طور پر جناب آپ صرف پتا بتا دیں آپ کو وہاں پہنچا دوں گا۔'' اس نے یقین سے کہا

''تب تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''مجھے ایک ایسے بندے کی اشد ضرورت ہے۔''

''آپ چاہیں تو سو جائیں میں اسلام آباد پہنچ کر آپ کو جگا دوں گا۔'' اس نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو جلدی تو نہیں ہے؟''

''نہیں تم آرام سے چل سکتے ہو۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن میرا آرام کرنے کا موڈ نہیں ہے۔ راستے میں کھانے کے لیے کہیں رکنا ہوگا۔ کوئی اچھی جگہ ذہن میں ہے؟''

''ہاں ادھر سڑک پر کئی اچھے ریستوران مل جاتے ہیں۔''

''بس تو ساڑھے سات بجے کے بعد کہیں روک لینا۔'' میں نے کہا اور جیپ کے باہر دیکھنے لگا۔ ایاز زیادہ بولنے والا آدمی نہیں تھا۔ مجھے ایسے لوگ اچھے لگتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایسے لوگ کھلتے بھی ہیں خاص طور سے جب آپ بات کرنا چاہ رہے ہوں اور وہ نپے تلے جواب دے رہے ہوں۔ میں حویلی سے نکل کر خوش نہیں تھا مجھے کچھ فرسٹریشن تھی۔ میری نظر میں رہ رہ کر سویرا کا روتا ہوا چہرہ آ رہا تھا۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ کوئی مجھ سے بات کرے اور ایاز زیادہ بات کرنے والا آدمی نہیں تھا۔

میانوالی سے گزرتے ہوئے مجھے خیال آیا۔ ابھی موبائل پر سگنل تھے اور میں بات کر سکتا تھا۔ میں نے بابا کا نمبر ملایا۔

''شہباز کہاں ہو تم؟'' بابا نے بے قراری سے پوچھا۔

''بابا میں ایک دوسرے راستے سے مین روڈ پر پہنچ چکا ہوں اور اب اسلام آباد جا رہا ہوں۔''

''شکر ہے۔'' وہ بولے۔ ''پولیس والے ابھی گئے ہیں۔ انہوں نے رائفل اور جیپ کا پوچھا تو میں نے ایف آئی آر کی فوٹو کاپی دکھا دی۔ وہ خاموشی سے واپس چلے گئے۔''

''آپ نے پوچھا نہیں کہ ان کو اطلاع کیسے ملی؟''

''نہیں بے کار کی بات ہوتی۔ یہ نچلی سطح کے لوگ ہوتے ہیں جن کا کام حکم کی تعمیل کرنا ہوتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ یقیناً مرشد یا اس کے مقامی ساتھی ملک عارف کا کام ہے۔''

''ملک عارف۔'' بابا نے تلخی سے کہا۔ ''یہ شخص ویسے ہی ہم سے خار کھاتا ہے کیونکہ پچھلے الیکشن میں ساری برادری نے اس کے مخالف کو ووٹ دیئے تھے۔''

''آپ فکر مت کریں بابا موقع ملا تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔''

الوداعی کلمات کہہ کر میں نے کال کاٹ دی اور عبداللہ کا نمبر ملایا۔

''شہباز صاحب کہاں ہیں آپ؟''

''میں اسلام آباد آ رہا ہوں۔''

''ریئلی۔'' وہ خوش ہو گیا۔ ''پھر یہیں آیئے گا۔''

''ہاں پتا بتاؤ۔''

''میں آپ کو ایس ایم ایس کرتا ہوں۔'' اس نے کہا اور پوچھا۔ ''ابھی کہاں ہیں؟''

''میانوالی میں ہوں۔'' میں نے بتایا۔ ''کوئی نئی خبر آئی ہے؟''

''خبر بھی ہے اور ساتھ میں کچھ تصویریں بھی ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ آتے ہیں تو آپ کو دکھاتا ہوں۔''

''ممکن ہے مجھے آنے میں کچھ دیر ہو جائے میں پہلے اسپتال جاؤں گا۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر مجھے سفیر اور مونا کا خیال آیا۔ ان کی طرف سے اتنی طویل خاموشی مجھے پریشان کر رہی تھی۔ کئی دن سے ان سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی پیغام ملا تھا۔ میں نے پھر کوشش کی اور اس بار بھی بیل جاتی رہی تھی۔ مجھے خدشات ستانے لگے تھے۔ اگرچہ دبئی کا شمار امن و امان کے لحاظ سے دنیا کے محفوظ ترین شہروں میں ہوتا ہے اور یہاں جرائم کا تناسب بہت کم ہے لیکن انسان کے ساتھ کہیں بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مرشد کے ہاتھ ان دنوں بہت لمبے ہو رہے تھے اور وہ دبئی میں بھی کارروائی کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یہ کام ناممکن نہیں تھا اور پھر وہاں مونا بھی تھی۔ جس کے پیچھے یہ دونوں بھائی ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے۔ آخر اتنے دن سے رابطہ نہ ہونے کی اور کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ اگر ان کا فون خراب تھا تو دبئی کے سارے فون تو خراب نہیں ہو گئے تھے۔ پھر کیا وجہ تھی جو انہوں نے مجھے کال نہیں کی تھی۔ بہر حال وقت آنے پر اس کا پتا چل ہی جاتا۔

''جناب کچھ آگے ایک بہت اچھا ریستوران آنے والا ہے۔'' ایاز نے آگاہ کیا۔ میں چونک گیا۔ ابھی سات بجے تھے اور سوچوں میں خاصا وقت گزر گیا تھا۔ ''اس کے بعد اگلا اچھا ریستوران خاصی دیر بعد آئے گا۔ اس لیے میں نے سوچا آپ کو بتا دوں۔''

''ٹھیک ہے گاڑی یہاں روک لینا۔'' میں نے سر ہلایا۔

چند منٹ بعد جیپ سڑک کے کنارے ایک ریستوران کی طرف مڑ گئی۔ یہ چمکتے نیون سائن اور باہر سے اچھی ڈیکوریشن کے ساتھ مناسب قسم کا ریستوران لگ رہا تھا۔ باہر کوئی ایک درجن گاڑیاں پارک تھیں۔ ایاز نے جیپ پارکنگ میں روک دی۔ میں اترا تو وہ بیٹھا رہا تھا۔ میں نے کہا۔

''تم بھی آؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ٹھیک ہوں جناب اسلام آباد پہنچ کر کھالوں گا۔''

''میں اکیلا نہیں کھاتا اگر کوئی میرے ساتھ ہو۔''

''میں ڈرائیور ہوں جناب۔'' اس نے دبی آواز میں کہا۔

''تو کیا ہوا میں بھی کوئی صاحب نہیں ہوں آجاؤ۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا تو وہ بادلِ ناخواستہ جیپ سے اتر آیا تھا۔

''آپ کا بیگ لے لوں کیونکہ یہ کھلی جیپ ہے۔''

''لے لو چند جوڑے ہیں لیکن یار لوگ یہ بھی نہیں چھوڑتے ہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔ اس نے بیگ نکال لیا اور میرے پیچھے آنے لگا۔ ریستوران اندر سے بھی پالش اور چمکتا دمکتا تھا۔ ہیڈ ویٹر نے مجھ سے مہذب انداز میں پوچھا۔ ''آپ کتنے آدمی ہیں سر؟''

''دو۔'' میں نے جواب دیا تو اس نے ایک طرف میری رہنمائی کی۔

''آپ اس طرف آجائیں سر۔'' اس نے ہماری اس حصے کی طرف رہنمائی کی جہاں دو تین اور چار افراد کے لیے مخصوص میزیں تھیں۔ میں اور ایاز ایک میز پر آگئے تھے۔ ایک ویٹر نے فوراً مینو لا کر رکھ دیا اور پھر منرل واٹر کی بوتل لے آیا۔ میں نے مینو دیکھا اور دو آدمیوں کے لیے کھانے کا آرڈر دے دیا۔ ریستوران میں کوئی بیس پچیس افراد بیٹھے تھے اور یہ سب ذی حیثیت اور معزز نظر آنے والے لوگ تھے۔ اس سے پتا چل رہا تھا کہ اس ریستوران کی شہرت اچھی ہے اور اچھے لوگ یہاں آنا پسند کرتے ہیں۔ ہم جس جگہ بیٹھے تھے وہاں سے ایاز کی جیپ صاف نظر آرہی تھی۔ میں نے کھانا سے پہلے سوپ کا آرڈر دیا تھا وہ فوری سرو ہوگیا اور ہم سوپ پینے میں لگ گئے۔ موسم کے لحاظ سے یہ اچھا لگا تھا۔

سوپ پیتے ہوئے میری نظر باہر کی طرف گئی۔ ایک بڑی سیاہ کار پارکنگ میں آئی اور تیز رفتاری کی وجہ سے رکتے رکتے وہ ایاز کی جیپ سے ٹکرا گئی تھی۔ تصادم شدید نہیں تھا لیکن دونوں گاڑیوں کو کچھ نہ کچھ نقصان ہوا تھا۔ آواز اندر تک آئی تھی۔ ایاز نے سر گھما کر دیکھا اور بے ساختہ کھڑا ہوگیا۔

''لعنت ہو۔'' اس نے غرا کر کہا اور باہر کی طرف لپکا۔ میں بھی سوپ چھوڑ کر اس کے پیچھے آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی باہر نکلا تھا اٹھتے ہوئے میں نے احتیاطاً اپنا بیگ اٹھا لیا تھا اور یہ احتیاط کام آئی۔ اس وقت تک سیاہ کار جو مرسیڈیز تھی اس سے ایک موٹا سا اور چھوٹے قد کا آدمی نکلا۔ اس نے شاندار قسم کے کپڑے کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا اور اوپر واسکٹ تھی۔ بس سر پر نہرو کیپ کی کمی تھی ورنہ وہ بالکل کوئی بھارتی نیتا لگ رہا تھا۔ اس نے باہر نکلتے ہی دھاڑنا شروع کر دیا۔

''کس..... کی ہے یہ جیپ..... میری گاڑی کا بیڑا غرق کر دیا۔''

اتنے میں ایاز وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے جیپ کا معائنہ کیا۔ پھر عقب سے لگی تھی اس لیے ایک بیک لائٹ ٹوٹی تھی اور باڈی پر ہلکا سا ڈینٹ آگیا تھا۔ اس نے موٹے آدمی کی طرف دیکھا۔ ''بیڑا غرق میری جیپ کا کیا اور شور کر رہے ہو۔''

موٹے آدمی کے ساتھ دو مسلح محافظ بھی اترے تھے۔ ایاز کی بات سن کر ان میں سے ایک کتے کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غراتا اس کی طرف لپکا۔ ''زبان چلاتا ہے ملک صاحب کے سامنے..... تیری تو.....'' اس نے گھما کر اپنی رائفل کا بٹ ایاز کو مارنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے بعد جو ہوا وہ دوسروں کے ساتھ میرے لیے بھی حیرت انگیز تھا۔ ایاز نے آرام سے اس کا وار خالی کیا اور اس کا ایک بازو پکڑ کر اسے یوں گھمایا کہ اس کا سارا زور اپنے بازو پر آیا اور جب ایاز نے اسے اچانک روکا تو زور کی وجہ سے اس کی کہنی کی ہڈی ایک چٹخارے دار آواز کے ساتھ ٹوٹی اور محافظ بلبلا کر اپنی ساری گل فشانی بھول گیا تھا۔ ابھی وہ اپنی کہنی کا ماتم کر رہا تھا کہ ایاز نے اس کی کمر پر ٹانگ مار کر اسے دوسرے محافظ پر پھینک دیا جو اپنی رائفل سیدھی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دونوں الجھ کر گر پڑے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتے ایاز نے موٹے کو گردن سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور سر کی بھرپور ٹکر اس کی ناک پر رسید کی۔ اس تصادم نے اس کی ناک کو متاثر کیا تھا کیونکہ اس نے بلبلانے کی آواز نکالی تھی۔

''یہ میری گاڑی کے ڈینٹ کا جواب ہے۔'' ایاز نے کہا اور موٹے کو گھما کر اس کی گردن جکڑ لی۔ اس دوران میں اس کے دونوں پالتو سنبھل چکے تھے اور انہوں نے رائفلیں تان لیں۔ ایاز مسکرایا۔ ''ملک صاحب اپنے کتوں کے ہاتھ مرنے کا پہلے بھی کبھی تجربہ ہوا ہے؟''

ظاہر ہے اسے ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا اور اس وقت اس کی جان پر بنی تھی۔ اس کی سانس رک رہی تھی۔ ایاز نے گرفت ذرا ڈھیلی کی اور اس سے کہا۔ ''ان پلوں کو بول..... ہتھیار پھینک دیں۔ ان کے ہاتھوں میں چوڑیاں اچھی لگیں گی۔''

ملک نے ان دونوں کے خاندان سے اپنی ناجائز رشتے داری قائم کرتے ہوئے ان کو ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا اور انہوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی تھی۔ ایاز نے ان کی خالی ہاتھ سے جو مرمت لگائی تھی وہی ان کے لیے کافی تھی۔ ملک نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا حالانکہ اس کے ارنا بھینسے جیسے جسم میں خاصی جان لگتی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایاز کے ہلکے جسم میں اتنی جان اور چستی ہوگی۔

''جیپ کا نقصان کون پورا کرے گا۔'' ایاز نے پوچھا۔

''تم مجھے جانتے نہیں ہو۔'' موٹا کسمسایا۔

''اگر میں تمہاری گردن توڑ دوں تو کل کے اخبار میں یقیناً تمہارا نام آئے گا۔'' ایاز نے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کوئی توپ چیز تھا۔ یہ تو خیر اس کے حلیے اور کارے بھی ظاہر تھا۔ ایاز ایک غریب ڈرائیور تھا اور وہ کسی مشکل میں پڑ سکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''بس چھوڑ دو یار۔''

ایاز نے ایک جھٹکا دے کر اس کی گردن چھوڑ دی۔ ''آپ کے کہنے پر چھوڑ رہا ہوں ورنہ اس سے اپنا نقصان نکلوا کر چھوڑتا۔''

موٹا گردن مسلنے لگا پھر اس نے خون خوار نظروں سے ایاز کی طرف دیکھا۔ ''اوئے تو نے ملک عارف سے پنگا لے کر اچھا نہیں کیا ہے۔''

میں چونکا تھا۔ ''تم ملک عارف ہو..... اس علاقے کے ایم پی اے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں..... ابھی تم دونوں کو پتا چل جائے گا۔ میرے محافظ پیچھے رہ گئے تھے وہ آنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے ہوں گے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا کیونکہ اسی لمحے سڑک سے ایک لینڈ کروزر ریستوران کی طرف مڑتی دکھائی دی۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ ہم مشکل میں پڑنے والے تھے اور میں نے تیزی سے پستول نکال کر ملک عارف کی کمر پر رکھ دیا لیکن اس طرح کہ کسی اور کو نظر نہ آئے اور آہستہ سے کہا۔ ''ملک جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کرو ورنہ تمہارے مرنے کا بھی کسی کو پتا نہیں چلے گا یہ پستول بے آواز ہے۔''

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا اور اس نے بھی آہستگی سے کہا۔ ''تم نہیں جانتے کہ تم کس سے ٹکر لے رہے ہو؟''

''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اب شرافت سے جیپ کی طرف چلو اور اپنے آدمیوں سے کہو اسی جگہ رک کر تمہارا انتظار کریں تم ضروری کام سے ہمارے ساتھ جا رہے ہو۔''

وہ خاموش رہا تو میں پستول کا دباؤ بڑھا دیا۔ مجبوراً اس نے کہا۔ ''میں ان لوگوں کے ساتھ جا رہا ہوں تم یہیں رک کر میرا انتظار کرو۔''

اگر ملک عارف کا لہجہ چیخ چیخ کر نہ کہہ رہا ہوتا کہ اسے زبردستی لے جایا جا رہا ہے تب بھی اس کے آدمی احمق نہیں تھے جو صورتِ حال کو نہ سمجھتے۔ وہ جان گئے تھے کہ دال میں کالا ہی کالا ہے۔ ان کا شیر کی طرح دھاڑنے والا آقا اچانک بلا وجہ بکری کی طرح منمنانے نہیں لگا ہے۔ میں نے ایاز سے کہا۔ ''جیپ نکالو ہم ملک صاحب کو ذرا گھما پھرا کر لاتے ہیں۔''

ایاز نے جیپ نکالی اور اس سے پہلے کہ ملک کی محافظ فورس پارکنگ میں داخل ہوتی میں نے ملک کو بھی جیپ میں دھکیل دیا تھا لیکن جب ایاز نے جیپ باہر نکالنا چاہی تو لینڈ کروزر راستے میں آ گئی تھی۔ میں نے ملک عارف سے کہا۔ ''اپنے آدمیوں سے کہو راستہ چھوڑ دیں اور پیچھے آنے کی کوشش نہ کریں اس صورت میں تم ایک آدھ گھنٹے میں صحیح سلامت واپس آ جاؤ گے دوسری صورت میں ہمیں تمہاری لاش یہیں چھوڑ کر جانی پڑے گی۔ اب بولو کیا کہتے ہو۔''

''تم کیا سمجھتے ہو اس صورت میں تم بچ جاؤ گے؟''

''شاید نہیں اور شاید بچ جائیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ایک بات یقینی ہے تم اس دنیائے رنگ و خوشبو کو چھوڑ کر جہنم رسید ہو جاؤ گے۔'' میں نے اس بار پستول نکال کر اس کی موٹی گردن میں دھنسا دیا۔ ''ملک عارف مجھے مجبور مت کرو۔''

میری لہجے میں موجود سفاکی محسوس کر کے اس کی تھرتھری چھوٹ گئی تھی اور اس نے جلدی سے سر ہلایا۔ ''میں کہتا ہوں۔''

''اور ان کو یہ بھی سمجھا دینا کہ ہمارے پیچھے آنے کی حماقت مت کریں یہ تمہاری صحت کے لیے مُضر ہو گا۔''

ملک عارف نے اپنے انداز میں اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا کہ وہ دخل اندازی سے پرہیز کریں اور اس کی واپسی کا انتظار کریں۔ مجبوراً ہمارے راستے سے لینڈ کروزر ہٹا لی گئی تھی۔ ایاز نے جیپ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ اتنی آسانی سے ماننے والی مخلوق نہیں ہے۔ وہ پیچھے آ سکتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آئیں گے تو خود بھگتیں گے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔

عقب میں تاریکی میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ایاز سے کہا۔ ''جیپ کی تمام لائٹس بند کر دو۔''

''بریک لائٹ تو بند نہیں ہو سکتی۔'' اس نے جواب دیا اور باقی لائٹس بند کر دیں۔ ملک عارف کسمسایا۔

''تم لوگ مجھے کیوں لے جا رہے ہو؟''

''تمہاری کار نے جیپ کو ٹکر ماری ہے ذرا اس کا حساب کتاب کرنا ہے۔'' میں نے سنجیدہ لہجے میں مذاق کیا۔

''بس اتنی سی بات؟'' وہ بے یقینی سے بولا۔ ''یہ بات تو تم وہاں بھی کر سکتے تھے؟''

''اور تمہارے آدمی ہمیں اتنی آسانی سے جانے دیتے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''نہیں ملک صاحب حساب ذرا لمبا ہے۔''

''دیکھو یار اگر تمہیں کچھ چاہیے تو لے لو اور مجھے جانے دو۔'' اب وہ فکر مند ہو کر منت سماجت پر اتر آیا تھا۔ میں اس کی باتوں پر توجہ دینے کے بجائے عقب میں دیکھ رہا تھا اور جب مجھے کوئی گاڑی نظر نہیں آئی تو میں نے ایاز سے کہا۔

''جیپ کہیں کچے پر اتار لو اور جگہ ایسی ہو کہ سڑک سے نظر نہ آئے۔''

اس نے چند لمحے بعد جیپ کچے میں اتار کر ایک دیوار جیسی جگہ کے پیچھے روک لی تھی۔ میں نیچے اتر آیا اور ملک عارف کو بھی کھینچ لیا۔ میرا موڈ دیکھ کر اس پر لرزہ سا طاری ہو رہا تھا۔ ایاز نے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال لی تھی اور پھر اس نے بھی کہیں سے ایک پستول برآمد کر کے مجھے حیران کر دیا تھا۔ میں نے ملک سے کہا۔ ''دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر نیچے بیٹھ جاؤ اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتے ہو تو مانگ لو۔''

''تت..... تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟'' اس کی آواز بھی لرزنے لگی۔ ''میرا قصور کیا ہے..... اگر جیپ کو نقصان ہوا ہے تو.....''

''وہ مذاق تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اب بات ہو گی مرشد اور تمہارے تعلق کی۔''

وہ بری طرح چونکا تھا۔ پھر اس نے مجھے دیکھا۔ ''تم کون ہو؟''

''شہباز ملک..... تم مجھے یقیناً جانتے ہو گے۔''

اس نے سر ہلایا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ''میں تم کو جانتا ہوں۔''

''تب یہ بھی جانتے ہو گے کہ مرشد میرا بدترین دشمن ہے۔''

''ہاں اس کے قافلے پر تم نے حملہ کیا تھا۔''

''درست ہے..... اور میرے گھر کی گاڑی پر شریف بدمعاش کے آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ شریف بدمعاش کو کس نے اس کام کا حکم دیا تھا۔''

''میں نے نہیں دیا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''شریف اور مرشد کا آپس میں براہ راست رابطہ ہے۔''

''یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ شریف کا اصل میں کس سے رابطہ ہے کیونکہ شریف میرے پاس ہے اور جلد اس کی اسٹوری سامنے آ جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملک عارف خوف زدہ ہو گیا تھا پھر اس نے ہمت کر کے کہا۔ ''ایک بدمعاش کے بیان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔''

''ہاں عدالت میں شاید نہ ہو لیکن اگر یہی بیان میڈیا پر آجائے تو اس کی بہت زیادہ اہمیت ہو جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس سے پہلے تمہیں مجھ کو جواب دینا ہوگا۔ مرشد سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''پارٹی کا تعلق ہے۔ ہم دونوں ایک ہی پارٹی سے ہیں۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

''لیکن مرشد یہاں تم سے ملنے آیا تھا کس لیے؟''

''سیاسی معاملہ ہے۔ وہ اس علاقے سے الیکشن لڑ رہا ہے۔ اسے میری مدد کی ضرورت ہے۔''

''سیاسی معاملہ ہے یا کوئی اور چکر ہے۔'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''مرشد بہت بڑا چکر باز ہے۔ وہ تمہیں بھی مروا سکتا ہے۔ وہ سیاسی آدمی نہیں ہے بس ضرورت کے تحت سیاست میں منہ مار رہا ہے لیکن تم خاندانی سیاست دان ہو۔ میرا مطلب ہے کہ انگریزوں کی چاکری کر کے تمہارے بزرگوں نے جاگیریں بنا لیں اور سیاست ان کا پیشہ بن گیا۔ تمہارے لیے بلاوجہ کی دشمنیاں خطرناک ہوں گی۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''مطلب یہ کہ مرشد سے میری دشمنی ہے اور تمہیں اس نے یقیناً بتایا ہوگا اور تم نے اسے اپنے تعاون کا یقین دلایا ہوگا لیکن اس نے تمہیں میرے بارے میں پورا سچ نہیں بتایا ہوگا۔ تم سرکار کے آدمی ہو ذرا میرے بارے میں انٹیلی جنس رپورٹ لے لینا اس سے تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے گی کہ تم نے میرے راستے سے ہٹ رہنا ہے۔ باقی تو تمہیں معلوم ہوگا ہی کہ مرشد جلسہ چھوڑ کر کیوں بھاگا ہے اور شریف غائب ہے۔ تمہیں بھی کتنی آسانی سے اٹھالایا ہوں۔''

''میں..... میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''یہ میرا وعدہ.....''

''ملک عارف۔'' میں نے لہجے کو خوفناک بنایا۔ ''وعدہ مجھ سے نہیں خود سے کرو کیونکہ اس کی خلاف ورزی کا خمیازہ بھی تم خود بھگتو گے اور چند دن میں تمہیں اس کا پتا بھی چل جائے گا۔'' میں نے کہتے ہوئے اچانک اس کی گدی پر پستول کا دستہ مارا وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر گیا۔ میں نے اس کی قمیص تھام کر اسے آرام سے گرنے دیا ورنہ اس کا منہ ناک برابر ہو جاتا۔

''اس کا کیا کرنا ہے؟'' ایاز نے پوچھا۔

''کچھ نہیں پڑا رہنے دو ہوش میں آکر خود ہی اپنے آدمیوں کو تلاش کر لے گا۔''

ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ مجھے ایاز سے کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ موقع کی نزاکت محسوس کر کے اس نے جیپ کو پوری رفتار سے دوڑایا تھا اور کوئی دو کلومیٹرز کے بعد اسے ایک ذیلی سڑک پر گھما دیا۔ میں نے کہا۔ ''یہ کوئی متبادل راستہ ہے؟''

''نہیں متبادل تو نہیں ہے لیکن میں نے اسے بنا دیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کچھ سفر ایک نالے میں کرنا پڑے گا۔''

مجھے بھی اندازہ تھا کہ ایک ایم پی اے کا اغوا معمولی بات نہیں تھی اور اب تک پولیس حرکت میں آچکی ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی اور اگر ایاز اسی سڑک پر سفر جاری رکھتا تو پولیس کہیں نہ کہیں ہمیں روک لیتی۔ مجھے اس کی حاضر دماغی اور قوت فیصلہ نے متاثر کیا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی بروقت فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ سڑک خاصی خراب تھی لیکن جیپ کی وجہ سے سفر میں کوئی مشکل نہیں تھی۔ البتہ رات کا کھانا رہ گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اب کھانے کا موقع کہاں ملے گا؟''

''جہاں نصیب میں ہوگا لیکن اس سڑک پر مشکل ہے البتہ جب ہم اسلام آباد کے قریب پہنچ جائیں گے تب کچھ نہ کچھ ملنے کا امکان ہے۔''

''اور اس میں کتنا وقت لگے گا؟''

''شاید ایک گھنٹہ اور لگ جائے۔ یعنی ہم رات ساڑھے نو بجے اسلام آباد میں ہوں گے۔'' اس نے رفتار ذرا سست کی۔ ''ویسے جانا کہاں ہے؟''

میں نے اسے عبداللہ کا ایس ایم ایس دکھایا۔ ''یہاں جانا ہے۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور توجہ سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ یہ پوٹھوہار ریجن کا علاقہ تھا اور یہاں زمین بہت زیادہ اونچی نیچی تھی۔ سڑک بھی اسی حساب سے اوپر نیچے ہو رہی تھی لیکن اصل مرحلہ اس وقت آیا جب ایاز نے جیپ ایک برساتی نالے میں گھسا دی۔ یہ بہت مشکل جگہ تھی اور یہاں کوئی بہت مضبوط فور وہیل ڈرائیو ہی چل سکتی تھی۔ ایاز کی جیپ واقعی بہترین تھی اس کا اندازہ مجھے اس سفر میں ہو گیا۔ نالے کا راستہ کوئی دس منٹ جاری رہا لیکن اسے پار کر کے ہم اسلام آباد کی طرف جانے والی ایک بہترین سڑک پر آ گئے اور کوئی آدھے گھنٹے بعد شہر کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ ایاز نے آہستہ سے کہا۔

''لیں جی ہم پہنچ گئے۔''

''ویسے تو پولیس سے اتنی مستعدی کی امید نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے اسلام آباد پولیس کے پاس تمہاری جیپ کا نمبر آ گیا ہو۔ آخر معاملہ ایک ایم پی اے کا ہے۔''

''نہیں اس کا امکان نہیں ہے۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''کل تک میں اس کا بندوبست کر لوں گا۔''

''کیسا بندوبست؟''

''بس کر لوں گا۔'' اس نے گول مول سے انداز میں کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ بتانا نہیں چاہ رہا ہے۔

راجا عمر دراز کی یہ کوٹھی دوسری تھی۔ ایف سیکٹر میں یہ ایک چھوٹی لیکن خوبصورت کوٹھی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ راجا عمر دراز کی خاص رہائش گاہ کو اب اس قسم کے کاموں کے لیے استعمال نہیں کیا جا رہا تھا۔ مین گیٹ پر عبداللہ خود میرا منتظر تھا۔ اس نے گیٹ کھلوایا اور ہم اندر پہنچ گئے۔ مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد اس نے ایاز سے ہاتھ ملایا اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''یہ ایاز ہے میں نے جیپ سمیت ہائر کیا ہے اب یہ ساتھ رہے گا۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''میں انتظام کرتا ہوں۔''

''مجھے جیپ کا کچھ کام کرنا ہے۔'' ایاز بولا۔ ''کیا میں یہاں کام کر سکتا ہوں؟''

''یہاں نہیں اندر گیراج ہے وہاں کر سکتے ہو۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''تم رکو میں آتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایا زاب جیپ کی فکر میں لگ گیا تھا اور عبداللہ مجھے اندر لے آیا۔ شاید آج بارش ہوئی تھی کیونکہ موسم نہایت سرد ہو گیا تھا اور یہاں مجھے زیادہ سردی لگ رہی تھی۔ کوٹھی اندر سے سینٹرلی ہیٹ لگ رہی تھی کیونکہ بہ ظاہر کوئی آتش دان یا ہیٹر نہیں لگا تھا لیکن اندر کا درجہ حرارت معقول تھا۔ عبداللہ مجھے ایک نشست گاہ میں لایا۔ ''آپ کیا لینا پسند کریں گے؟''

''چائے یا کافی میں سے جو مل جائے۔'' میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس نے انٹرکام پر کسی کو کافی کا کہا اور مجھ سے بولا۔ ''میں آپ کے ڈرائیور کا بندوبست کر کے آتا ہوں۔''

وہ کوئی دس منٹ بعد واپس آیا۔ ''آپ نے کہا تھا کہ پہلے اسپتال جائیں گے؟''

''ہاں ارادہ تو یہی تھا لیکن راستے میں ایک مسئلہ ہو گیا۔'' میں نے اسے ملک عارف سے ملاقات کے بارے میں بتایا۔ ''دل تو چاہ رہا تھا کہ اسے بھی یہیں لے آؤں لیکن وہ ایم پی اے ہے۔ اس کی تلاش میں ہنگامہ ہو جاتا۔''

''یہ واقعی تشویش والی بات ہے۔ اس کی جیپ کا نمبر لازمی پولیس کے پاس آ جائے گا۔''

''وہ کہہ تو رہا ہے کہ اس کے پاس کوئی حل ہے۔''

''خیر دیکھ لیں گے یہاں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''آپ فرمائیں کھانے میں کیا پسند کریں گے؟''

''کچھ بھی ہو یار..... بس صحیح سے بنا ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے کسی خبر اور کچھ تصویروں کا ذکر کیا تھا؟''

''ہاں میرا جو آدمی شہلا رضوی کی نگرانی کر رہا ہے وہ کیمرے سے تصویریں بھی لیتا رہتا ہے۔ کل رات اس نے شہلا رضوی کے گھر کی بالکونی میں آنے والے چند افراد کی تصویریں لی تھیں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ کسی نے اندر سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور بالکونی میں پکڑا گیا۔ دو افراد اسے بالکونی سے پکڑ کر اندر لے جا رہے ہیں۔''

عبداللہ ایک لیپ ٹاپ لے آیا اور آن کر کے اسے میرے سامنے میز پر رکھ دیا۔ اس دوران میں ایک نوجوان آ کر خاموشی سے کافی اور اس کے لوازمات کی ٹرے رکھ گیا تھا۔ عبداللہ نے کافی بنا کر مجھے دی۔ کمپیوٹر آن ہو گیا تو اس نے ایک فولڈر کھولا جس میں چند تصویریں تھیں۔ ''یہ سب بہت تیزی سے ہوا اور اسے زیادہ اور وضاحت سے تصویریں لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔''

اس نے ایک تصویر کھولی۔ اس میں ایک شخص بالکونی کی ریلنگ پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور دو افراد عقب سے اسے روک رہے تھے۔ میرا دل دھڑک اٹھا۔ رات کا وقت تھا اور تصویر بھی واضح نہیں تھی لیکن مجھے لگا جیسے بالکونی سے کودنے کی کوشش کرنے والا بیتو ہے۔ دوسری تصویر میں دونوں آدمی اسے کھینچنے میں کامیاب رہے تھے اور تیسری اور چوتھی تصویر میں وہ اسے اندر لے جا رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی تصویر اتنی واضح نہیں تھی کہ میں اس کا چہرہ دیکھ سکتا لیکن اس میں بیتو کی جھلک آ رہی تھی۔ میں نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

''کیا کوٹھی میں لوگوں کی آمد و رفت جاری ہے؟''

''زیادہ نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس شخص کو بھی شاید کسی گاڑی میں بند کر کے وہاں لایا گیا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ میرے آدمی نے اسے وہاں لائے جاتے نہیں دیکھا۔''

''یہ ممکنہ طور پر میرا ساتھی بیتو ہے۔ یہ بتاؤ کہ بینک والا معاملہ کہاں تک پہنچا؟''

''میں نے ایک آدمی سے بات کی ہے۔ وہ اسی بینک میں کام کرتا ہے لیکن برانچ مختلف ہے اس لیے معلوم کرنے میں وقت لگ رہا ہے۔ کل پتا چل جائے گا کہ نفیس برنی نامی شخص کا اس برانچ میں اکاؤنٹ اور لاکر ہے یا نہیں ہے۔''

مجھے سفیر اور دوسروں کا خیال آیا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ میرے ساتھی وسیم سمیت دبئی میں ہیں۔''

''جی آپ نے بتایا تھا۔''

''لیکن تین دن سے میرا ان سے رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے گھر کے نمبر پر کال ریسیو نہیں ہو رہی ہے۔''

''پتا کیا ہے؟'' عبداللہ نے کہا۔

''پتا نہیں صرف فون نمبر معلوم ہے۔''

نمبر دے دیں اس سے بھی کام چل جائے گا۔'' عبداللہ نے کہا میں نے اسے نمبر دیا تو اس نے اسی وقت کسی کا نمبر ملایا اور رابطہ ہوتے ہی کہا۔ ''عبداللہ بات کر رہا ہوں ایک فون نمبر لکھو۔'' عبداللہ نے اسے نمبر لکھوایا۔ ''ٹھیک ہے اب اس نمبر کے پتے پر جا کر کنفرم کرو کہ یہاں موجود لوگ وہیں مقیم ہیں یا کہیں اور چلے گئے ہیں..... ہاں ایمرجنسی ہے مجھے ایک گھنٹے میں رپورٹ کرو۔'' اس نے موبائل رکھ کر مجھ سے کہا۔ ''یہ دبئی میں راجا صاحب کا آدمی ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں بھول گیا تھا کہ سفیر اور مونا کو راجا صاحب نے دبئی بھیجا تھا۔''

''جی لیکن شاید انہوں نے اپنا کوئی سیٹ اَپ کر لیا تھا۔'' عبداللہ اٹھتے ہوئے بولا اس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔ ''جب تک کھانا تیار ہو رہا ہے آپ فریش ہو جائیں۔''

وہ مجھے ایک چھوٹے لیکن سجے ہوئے بیڈ روم میں لایا۔ ''میرا بیگ جیپ میں ہے وہ منگوا دو۔''

عبداللہ بیگ لے کر آیا اور بولا۔ ''یہ کوئی جن ٹائپ کا آدمی ہے اپنی جیپ کھول کر بیٹھا ہے اور خود اس کی مرمت کر رہا ہے۔''

''کچھ ایسا ہی ہے شاید..... میں نے اسے ہائر کیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اسے کھانا دینا اس نے بھی نہیں کھایا ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں اب یہ میری ذمے داری ہے۔ ویسے اگر کام کا آدمی ہے تو ہم رکھ لیتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''تم دیکھ لو ابھی تو یہ یہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کام کا نہ نکلے تو فارغ کر دیں گے۔''

میں فریش ہو کر باہر آیا تو عبداللہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تھی۔ میں اس کے ساتھ ڈائننگ روم میں آیا۔ اسی نوجوان نے کھانا لگایا تھا۔ شاید وہ باورچی تھا لیکن دیکھنے میں کوئی بے فکرا اور کھلنڈرا قسم کا نوجوان لگ رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے عبداللہ سے پوچھا۔ ''یہ کک ہے؟''

''آل راؤنڈر ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''کھانا بنانے سے لے کر گاڑی چلانے تک سارے کام کرتا ہے۔ یوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھ لیں کہ اس کی وجہ سے یہاں دو ملازموں کی بچت ہوتی ہے۔ ایک گارڈ ہے جو باہر گیٹ پر ہوتا ہے رات کو وہ اپنے کوارٹر میں سونے چلا جاتا ہے اور رکھوالی کے لیے کتے کھول دیے جاتے ہیں۔''

''تمہارے باقی ساتھی کہاں ہیں؟''

''یہیں..... لیکن وہ نیچے تہہ خانے میں ہوتے ہیں۔ شریف کو بھی وہیں رکھا ہے۔''

''اس نے کچھ بتایا ہے؟''

''نہیں..... کچھ ہلکا پھلکا کام کیا ہے لیکن ابھی اس پر صحیح سے محنت نہیں کی ہے۔'' عبداللہ نے بتایا۔ اس کے بعد ہم خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ ایاز کا کھانا اسے گیراج میں ہی دے دیا تھا۔ یہ اس کی خواہش تھی۔ اس کے لیے اوپر ایک کمرہ کھول دیا تھا۔ باہر سے آنے والے غیر متعلقہ لوگ اوپر ٹھہرائے جاتے تھے۔ کھانے کے بعد عبداللہ نے مجھے کوٹھی دکھائی اور پھر تہہ خانے میں لایا۔ یہ خفیہ قسم کا تہہ خانہ تھا اور اس تک رسائی کے لیے کچن سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہاں الماریاں بنی ہوئی تھیں اور ایک پٹ سے گزرنے پر تہہ خانے کا راستہ آجاتا تھا۔ ہم نیچے آئے۔ شروع میں ایک راہداری تھی جس کے دونوں طرف دو کمرے تھے۔ پھر ایک مضبوط دروازہ آیا۔

شریف کو اسی دروازے کے اندر ایک چھوٹے سے پنجرے نما کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ پنجرے میں ایک بستر اور ایک کموڈ معہ واش بیسن کے تھا۔ یعنی اسے باہر نکالنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔

''یہاں تو سارا انتظام کیا ہے تم نے۔''

''نہیں یہ کوٹھی اسی طرح ملی تھی بس تبدیلیاں کرائیں اور تہہ خانے کو خفیہ کر دیا۔''

شریف مجھے دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا اور اس نے سلاخیں تھام کر کہا۔ ''تم..... تم جعلی ایس ایس پی بنے تھے۔''

''ہاں تم نے ٹھیک پہچانا۔''

''تم مجھ سے مرشد یا کسی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔'' اس کا لہجہ حقارت آمیز ہو گیا۔

''ابھی تو تم سے پوچھا ہی نہیں ہے۔'' میں نے کہا اسی وقت عبداللہ کے موبائل نے بیل دی تو وہ معذرت کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

''شریف۔'' میں پنجرے کے پاس گیا۔ ''تمہارے آدمیوں نے اس گاڑی پر حملہ کیا جس میں میرے خاندان کی عورتیں سفر کر رہی تھیں اس حملے میں دو محافظ ہلاک اور ایک زخمی ہوا۔ میرا ایک رشتے دار شدید زخمی ہے۔ صرف اس حملے کی بنا پر تم واجب القتل ہو۔''

اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔ ''تو مجھے قتل کیوں نہیں کر دیا؟''

''سچی بات ہے جب میں نے تمہارے اڈے کا رخ کیا تو میرے سر پر خون سوار تھا لیکن تمہاری خوش قسمتی کہ میرا اشتعال کم ہو گیا اور میں تمہیں صرف اٹھا لایا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اب تمہارے ساتھ جو ہو گا وہ بہت سکون اور آرام سے ہو گا۔''

وہ فکر مند ہوا تھا مگر اس کی ڈھٹائی برقرار رہی۔ ''کیا کرو گے زیادہ سے زیادہ مجھے قتل کر دو گے۔''

''اگر تم مرنا چاہو گے تو یہ بھی ممکن ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو زندہ بھی رہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے ہو اور کوئی جلدی نہیں ہے تم آرام سے سوچ سکتے ہو۔'' میں کہہ کر باہر کی طرف آیا۔ عبداللہ بات مکمل کر کے اندر آ رہا تھا وہ مجھے راستے میں مل گیا۔ میں نے اس کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ خبر اچھی نہیں ہے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''وہ سب تین دن سے گھر سے غائب ہیں۔ پڑوسیوں میں کسی نے ان کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی کو ان کے بارے میں معلوم ہے۔''

''کوئی حادثہ؟''

''میں نے اس زاویے سے بھی معلوم کرنے کو کہا ہے۔ اس نے کچھ مہلت مانگی ہے کل صبح تک معلوم کر کے بتائے گا۔''

میری فکر بڑھ گئی تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تھی ورنہ اس طرح سے کون غائب ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی مرضی سے کہیں تھے تو کم سے کم مجھ سے رابطہ کر سکتے تھے۔ بہرحال صرف پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو میرے اور عبداللہ کے بس میں تھا وہ ہم کر رہے تھے۔ ہم اوپر نشست گاہ میں آئے۔ عبداللہ کے علم میں تھا کہ میں سرحد پار کر گیا تھا لیکن اسے اس بارے میں زیادہ نہیں پتا تھا کہ میں وہاں کیا کرتا رہا تھا۔ اس کا اشتیاق دیکھ کر میں نے اسے اپنا مختصر سفرنامہ سنایا۔ جب میں خاموش ہو کر کافی ختم کرنے لگا تو اس نے کہا۔

''حیرت انگیز جناب..... میں نے کسی ایک فرد کی ذات سے متعلق اتنے واقعات نہیں سنے ہیں۔''

''مجھے خود اب یہ خواب و خیال لگتا ہے۔ اس پورے سفر میں ایک دن بھی سکون سے گزارنے کو نہیں ملا۔''

''اب مجھے بیتو کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا ہے اور آپ بے فکر رہیں اسے تلاش کرنا اب میری ذمے داری ہے۔''

''تمہاری اب یہاں کیا حیثیت ہے؟'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میرا مقصد یہ جاننا ہے کہ میرے چکر میں تم اپنے کاموں سے نہ رہ جاؤ۔''

''بیگ صاحب نے مجھے لاہور اور اسلام آباد میں راجا صاحب کی تمام جائیداد اور امور کا نگران بنا دیا ہے میں براہِ راست بیگ صاحب کو جواب دہ ہوں۔''

''مبارک ہو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن یہ سب تم اپنی صوابدید پر کر رہے ہو یا اس کے لیے بیگ صاحب سے اجازت لی ہے۔''

''آپ کے معاملے میں بیگ صاحب کی ہدایت واضح ہے کہ آپ کے ہر معاملے کو راجا صاحب کا معاملہ سمجھا جائے۔''

مجھے حیرت ہوئی تھی کہ بیگ نے یہ بات کی تھی کیونکہ مجھے بعض اوقات لگتا تھا کہ وہ میرے اور راجا عمر دراز کے تعلق کو پسند نہیں کر رہا ہے۔ یہ حیرت میں نے خود تک محدود رکھی تھی اور عبداللہ کے سامنے ظاہر نہیں کی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''اب تم آرام کرو اور اگر کوئی خاص بات معلوم ہو تو مجھے فوراً اطلاع کرنا۔ بے شک سوتے سے اٹھا دینا۔''

''ٹھیک ہے جناب۔'' اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اپنے کمرے میں آیا اور فون کر کے پہلے بابا کو اپنی خیریت کی اطلاع دی اور پھر رفیق بھائی کو کال کی۔ ''عتیق کی حالت کیسی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ویسی ہی ہے۔'' انہوں نے گہری سانس لی۔ ''اب تک اسے نہ تو ہوش آیا ہے اور نہ اس کے وائٹل سائن میں کوئی بہتری آئی ہے۔''

''رفیق بھائی اللہ نے چاہا تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''بس اسی آس پر اس کے ساتھ بیٹھا ہوں۔'' انہوں نے کہا۔

''آپ کہاں رکے ہیں؟''

''ایک دوست ہیں ان کے گھر رکا ہوں۔ تمہارے آدمی نے جو گارڈ دیا تھا اسے میں نے عتیق کے پاس چھوڑ دیا ہے۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا ہے۔ میری کسی خدمت کی ضرورت ہو تو ضرور کہیے گا۔''

''بس تم دعا کرو میرا بیٹا ہوش میں آ جائے۔''

''ان شاء اللہ۔'' میں نے کہا۔ ''شمی اور آپا آپ کے ہاں ہیں۔ میں چاہتا ہوں فی الحال وہ وہیں رہیں۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں میں نے حویلی کی سکیورٹی بڑھا دی ہے۔ وہ وہاں محفوظ ہیں۔''

رفیق بھائی سے بات کر کے میں نے ان کی حویلی کا نمبر ملایا اور شمی سے بات کرنے کو کہا وہ کچھ دیر بعد لائن پر آ گئی۔ ''شمی کیسے ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں تم اور آپا کیسے ہیں؟''

''ہم بھی ٹھیک ہیں لیکن عتیق.....'' اس کا لہجہ نم ناک ہو گیا۔

''اللہ اسے ٹھیک کرے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟''

''میری ابھی رفیق بھائی سے بات ہوئی ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ حالت میں تبدیلی نہیں آئی ہے لیکن اس کے علاج کی کوشش جاری ہے۔ یہاں زیادہ سہولتیں اور بہتر ڈاکٹرز ہیں۔''

''شمی میں وہاں نہیں آ سکتی؟''

''نہیں گڑیا..... یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ابھی تمہارا اور آپا کا وہاں سے نکلنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔''

کچھ دیر شمی سے بات کر کے میں نے فون بند کر دیا۔ آپا جلد سو جانے کی عادی تھیں اور وہ سو چکی تھیں۔ بیلفرلی ہیٹ ہونے کی وجہ سے اندر کا درجہ حرارت خوشگوار تھا لیکن پھر بھی بیڈ کے ساتھ ہلکا کمبل موجود تھا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی لیکن میں پھر بھی لیٹ گیا اور اپنے دشمنوں اور اپنے پیاروں کے بارے میں سوچتے سوچتے مجھے نیند آ ہی گئی تھی۔ رات کچھ بے چین سی گزری لیکن جب صبح آنکھ کھلی تو ذہن اور جسم تازہ ہو رہے تھے۔ میں نے اٹھ کر دیکھا۔ سورج نکلنے والا تھا اور صبح دھند آلود تھی۔ میں سویٹر پہن کر باہر آ گیا۔

سردی شدت کی تھی لیکن ہوا میں ایک تازگی محسوس کی جا سکتی تھی۔ میں کوٹھی کے چھوٹے سے لان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واک کرنے لگا۔ گارڈ اپنی ڈیوٹی پر واپس آ گیا تھا اور اس نے کتے بند کر دیئے تھے۔ ایاز شاید ابھی تک سو رہا تھا۔ سورج نکلا تو دھند تیزی سے غائب ہو گئی تھی۔ روشنی ہونے پر میں اندر آیا۔ عبداللہ جاگ گیا تھا یا پہلے کا جاگا ہوا تھا۔ پھر آل راؤنڈر نوجوان منیر آیا اور اس نے ناشتے کے بارے میں پوچھا اور ناشتہ بنانے چلا گیا۔

''دبئی سے کوئی خبر آئی ہے؟'' میں نے عبداللہ سے پوچھا۔

''ابھی تک تو نہیں آئی ہے لیکن ناشتہ کر کے میں کال کرتا ہوں۔''

میں بیک وقت تین چار معاملات میں الجھا ہوا تھا۔ ایک طرف بیتو کی گمشدگی اور تلاش کا معاملہ تھا تو دوسری طرف سفیر اینڈ وسیم پارٹی کی پُراسرار گمشدگی تھی۔ مرشد کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ عتیق زندگی اور موت کی کش مکش میں تھا اور دشمن کا ایک اہم مہرہ شریف بدمعاش میرے قابو میں تھا۔ ان سارے معاملات میں یہ واحد بہتری تھی۔ شبیر نے ناشتہ بنایا اور میز پر لگانے لگا۔ اس دوران میں اخبار آ گئے تھے میں نے فوری طور پر پہلے علاقائی خبریں چیک کیں لیکن عارف ملک کے اغوا اور بازیابی کی خبر فرنٹ پیج پر تھی اور اس نے خاصا ہنگامہ کیا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر اس نے میرا نام لینے کے بجائے اسے اپنے سیاسی مخالفین کی کارروائی قرار دیا تھا۔ مرشد کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی سوائے ایک خبر کے کہ اس کا منسوخ شدہ سیاسی جلسہ اب ایک ہفتے بعد اسی مقام پر ہونا طے پا گیا تھا۔ مرشد سے مجھے یاد آیا اور میں نے عبداللہ سے کہا۔

''میں نے تمہیں مرشد کے خاص آدمی فاضلی کے بارے میں بتایا تھا اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

''نہیں..... میں نے اپنے آدمیوں کے بجائے پولیس میں موجود اپنے گاؤں والے سے مدد مانگی ہے۔ اگر اس کا کوئی پولیس ریکارڈ موجود ہے تو اس کے بارے میں لازمی پتا چل جائے گا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے..... ابھی مجھے اسپتال جانا ہے جہاں عتیق داخل ہے۔''

''آپ خود جائیں گے یا میں لے چلوں۔''

''میں خود جاؤں گا تم کسی گاڑی کا بندوبست کر دو۔''

''ایک وٹز یہاں موجود ہے۔''

''وہی ٹھیک رہے گی۔'' میں نے کہا۔ ناشتہ کر کے میں گیراج میں آیا جہاں ایاز ناشتے سے پہلے اپنی جیپ کے ساتھ الجھا ہوا تھا۔ اس نے پچھلا حصہ جہاں رگڑ لگی تھی اتار دیا تھا اور اب اس کا ڈینٹ ٹھیک کر رہا تھا۔

''یہ کام تو کسی ورکشاپ میں بھی ہو سکتا ہے۔''

اس نے کپڑے سے ہاتھ صاف کیا۔ ''نہیں میں اس کے سارے کام خود کرتا ہوں۔''

میں نے اسے پانچ ہزار دیئے۔ ''یہ رکھ لو اگر مزید ضرورت ہو تو کہہ دینا۔''

''شکریہ جناب۔'' اس نے نوٹ جیب میں ڈال لیے۔ ''کہیں جا رہے ہیں؟''

''ہاں میں باہر جا رہا ہوں۔ ملک عارف نے ملبہ سیاسی مخالفین پر ڈال دیا ہے لیکن اندرون خانہ ہماری تلاش جاری ہو گی اس لیے کچھ دن باہر نکلنے سے گریز کرو۔''

''کچھ دن۔'' وہ مسکرایا۔ ''میں آج شام کو باہر جاؤں گا اور کسی کا باپ مجھے نہیں پکڑ سکے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس سے بحث نہیں کی تھی۔ عبداللہ نے مجھے کار کی چابی لا دی۔ راستے میرے جانے پہچانے تھے اس لیے اسپتال تک بنا کسی سے پوچھے ہی پہنچ گیا تھا۔ راستے میں رفیق بھائی کو کال کی تو ان کا نمبر انگیج جا رہا تھا۔ راستہ زیادہ نہیں تھا میں بیس منٹ میں پہنچ گیا لیکن جب اسپتال کے ریسپشن پر پہنچا اور وہاں موجود شخص سے کہا۔

''مجھے عتیق نامی ایک نوجوان کو دیکھنا ہے وہ یہاں آئی سی یو میں داخل ہے۔''

''سوری سر۔'' اس نے معذرت کی۔ ''رفیق صاحب کی غیر موجودگی میں کسی کو انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔''

میں مایوس ہوا تھا لیکن پھر مجھے عبداللہ کے آدمی کا خیال جو یہاں موجود تھا۔ ''یہاں ایک گارڈ ہے وہ مجھے پہچانتا ہے۔''

اس نے پھر انکار کر دیا۔ ''میں معافی چاہوں گا سر لیکن رفیق صاحب کی واضح ہدایات ہیں کہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی عتیق نامی مریض کے کمرے میں نہیں جا سکتا ہے۔''

○.....❖.....○

میں نے محسوس کیا کہ اسپتال والے اس معاملے میں سخت تھے اس لیے میں بحث کرنے کے بجائے باہر آ گیا۔ رفیق بھائی کو دوبارہ کال کی لیکن ان کا نمبر پھر انگیج جا رہا تھا نہ جانے کس سے اتنی لمبی بات کر رہے تھے۔ میں مایوس ہو کر وقت گزاری کے لیے باہر نکل آیا اور کار میں بیٹھ گیا۔ پھر مجھے خیال آیا۔ شہلا رضوی کا گھر یہاں سے کچھ ہی دور تھا اور میں وہاں کا ایک چکر لگا سکتا تھا۔ بہ ظاہر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا لیکن ہو سکتا تھا کہ کوئی فائدہ نکل ہی آئے۔ میں نے سوچا اور کار کا رخ اس طرف موڑ دیا۔ راستے میں ایک جگہ کچھ ٹھیلے والے سامان بیچ رہے تھے۔ ان میں مجھے سن گلاسز اور اونی ٹوپیاں نظر آئیں۔ میں نے کار روک کر ایک ایسی ٹوپی لی جو ذرا لمبی تھی اور اسے سر پر فولڈ کر کے پہنا جاتا۔ اس کے ساتھ میں نے ایک بڑے سائز کا سن گلاس اور پاس ہی ٹھیلے سے ایک چھوٹی سی قینچی لی۔

ذرا ایک آگے ایک سنسان جگہ کار روک کر میں نے ٹوپی کو کھول کر پہنا اور پھر اس پر آنکھوں کی جگہ والے حصے کاٹ دیے۔ اب پہن کر دیکھا تو ٹوپی نقاب بن گئی تھی اور اسے فولڈ کر کے پہنا جاتا تو پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ اس کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہے۔ سن گلاس عام حالات میں چہرہ چھپانے کے لیے بہترین تھے۔ میں نے سن گلاس پہن لیے۔ اسلام آباد ایک سنسان شہر ہے لیکن اس کے پوش علاقے تو ویران محسوس ہوتے ہیں۔ یہاں نہ لوگوں کی آمد و رفت ہوتی ہے اور نہ ہی گلیوں میں کوئی نظر آتا ہے۔ شہلا رضوی کا گھر ایسی ہی جگہ تھا۔ میں پہلے بھی یہاں آ چکا تھا۔ میں نے کار کوٹھی سے ذرا پہلے روک دی اور خود پیدل آگے بڑھا۔ مجھے اس شخص کی تلاش تھی جو عبداللہ کی طرف سے یہاں نگرانی پر مامور تھا۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جتنا کیمرے سے ریکارڈ کیا تھا اپنی آنکھوں سے یقیناً اس سے زیادہ ہی دیکھا ہوگا لیکن گلی کے دوسرے سرے تک جانے کے باوجود مجھے کوئی آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔

''تمہارا آدمی جو شہلا رضوی کے گھر کی نگرانی کر رہا ہے اس وقت کہاں ہے؟''

''کیوں کیا ہوا جناب؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں یہیں موجود ہوں اور وہ مجھے نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''ایک منٹ میں کال کر کے بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ دی۔ ایک منٹ بعد میرے موبائل پر کال آئی۔ عبداللہ ہی تھا۔ ''وہ یہیں ہے۔ آپ شہلا رضوی کی کوٹھی کے سامنے دیکھیں ایک بڑا سا درخت ہے۔ شاید پیپل کا ہے وہ اس پر موجود ہے۔ وہاں سے وہ بہتر طریقے سے اور کسی کی نظر میں آئے بغیر نگرانی کر سکتا ہے۔''

میں حیران ہوا تھا۔ ''اس سے کہو مجھے اس نمبر پر کال کرے۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ ایک منٹ بعد اجنبی نمبر سے کال آئی میں نے ریسیو کی۔ ''کون بات کر رہا ہے؟''

''سر میں شبیر ہوں پیپل کے درخت سے، حکم فرمائیں۔''

''تم نے تصویریں کس وقت لی تھیں؟''

''رات کوئی دو بجے کے قریب۔''

''یعنی اس بات کو تقریباً تینتیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔'' میں نے گھڑی دیکھی۔ ''کیا تم نے اس کے بعد اس شخص کو دیکھا یا کوٹھی میں کوئی اور مشکوک سرگرمی دیکھی؟''

''نہیں جناب۔'' اس نے کہا۔ ''اس کے بعد نہ تو وہ شخص نظر آیا اور نہ ہی کوٹھی میں کوئی سرگرمی نظر آئی ہے۔''

''شہلا رضوی کہاں ہے؟''

''وہ کوٹھی کے اندر ہے وہ کل شام کو کہیں گئی تھی اس کے بعد رات کو دیر سے واپس آئی ہے۔''

''تم نے اس کا پیچھا نہیں کیا؟''

''نہیں کیونکہ جب سے میں نے تصویریں لی ہیں عبداللہ صاحب نے مجھے مستقل کوٹھی کی نگرانی کرنے کا حکم دیا ہے۔''

''ٹھیک ہے یہ میرا نمبر بھی نوٹ کر لو۔ اب تم کسی بھی معاملے میں عبداللہ کے ساتھ مجھے بھی رپورٹ دو گے یا مجھے بتاؤ گے کہ تم نے عبداللہ کو رپورٹ دے دی ہے۔''

''ٹھیک ہے سر۔''

میں نے فون بند کیا۔ شہلا رضوی میری توقع سے بڑھ کر تیز طرار عورت ثابت ہو رہی تھی۔ اگر بھاگنے کی کوشش کرنے والا بیتو نہیں تھا تب بھی اس نے کسی کو تو قید کر رکھا تھا۔ یہ کام اس نے دیدہ دلیری سے اپنی کوٹھی میں کیا ہوا تھا اور اسے اپنے شوہر کا خوف بھی نہیں تھا۔ ممکن رضوی کہیں دورے پر گیا ہوا ہو لیکن اسے کس کی مدد حاصل تھی وہ صرف اپنے بل بوتے پر تو کسی کو اس طرح قید نہیں رکھ سکتی تھی۔ فرار ہوتے آدمی کو دو افراد نے ناکام بنا کر قابو کیا تھا یعنی اسے کم سے کم دو افراد کی مدد حاصل تھی۔ میں اس بارے میں سوچ رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ مجھے اندر گھس کر دیکھنا چاہیے۔ اگر بیتو ہوا تو معلوم ہو جائے گا۔ جیسے جیسے میں اس پر سوچتا رہا مجھے یہ خیال اچھا لگا۔ اندر جانے میں خطرہ تھا لیکن میں نے کس موقع پر خطرے کا سامنا نہیں کیا۔ میری تو زندگی ہی خطرات کا دوسرا نام بن گئی تھی۔ میں نے موبائل نکال کر شبیر کا نمبر ملایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی سر؟'' اس نے پوچھا۔

''کوٹھی میں موجود کتا اس وقت کہاں ہوتا ہے؟''

''وہ دن میں کہیں بند کر دیا جاتا ہے میں نے اسے ہمیشہ رات میں آزاد دیکھا ہے اور اس وقت کوئی باہر نہیں آتا ہے۔ کتا صرف چوکیدار اور شہلا رضوی سے مانوس ہے۔''

''یعنی دن کے وقت وہ بند ہوتا ہے؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میں نے یہی دیکھا ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''سنو مجھے اندر جانا ہے۔ تمہارے پاس موبائل کا ہینڈ فری ہے؟''

''سر میں اس ورثت پر مستقل ہینڈ فری لگا کر ہی رکھتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''گڈ..... بیٹری کا مسئلہ تو نہیں ہے؟''

''نہیں ابھی نصف ہے اور میرے پاس دو اضافی بیٹریاں ہوتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے میں اندر جانے سے پہلے تمہیں کال کروں گا اور تم مجھے گائیڈ کرو گے۔''

''میں سمجھ گیا سر۔''

میں نے کال کاٹ کر موبائل میں ہینڈ فری لگا اور اسے جیب میں رکھ لیا اب میں اسے ہاتھ میں لیے بغیر بھی استعمال کر سکتا تھا۔ کوٹھی کے سامنے والے حصے میں چوکیدار تھا۔ اس لیے میں نے عقبی راستہ اختیار کیا۔ پیچھے والی گلی چھوٹی تھی اور شاید استعمال بھی نہیں ہوتی تھی لیکن شہلا رضوی والی کوٹھی کے عقب میں مکمل خاردار تار تھی اور میں اس جگہ سے اندر جانے کی کوشش کرتا تو کپڑوں کے ساتھ خود بھی پھٹ جاتا۔ اس لیے میں نے آسان راستہ استعمال کیا اور برابر والی کوٹھی کی نیچی دیوار پھلانگ کر آرام سے اندر چلا گیا۔ پھر میں نے شبیر کو کال کی۔

''میں تمہارے دائیں طرف والی کوٹھی میں ہوں۔ یہاں سے شہلا کی کوٹھی میں جاؤں گا۔ ذرا اس کا معائنہ کرو سامنے کوئی ہے؟''

وہ دوربین سے دیکھ رہا تھا۔ ''نہیں سامنے کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔''

اس کوٹھی میں پیچھے کی طرف چھوٹی گلی تھی اور یہ گلی دونوں طرف سے گھوم کر سامنے والے حصے میں جا رہی تھی۔ میں شہلا والی کوٹھی کی طرف آیا۔ چلنے کے دوران میں آہستہ سے بات کر رہا تھا پتا نہیں اس کوٹھی میں کون کہاں ہو اور میری آواز سن لے۔

''چوکیدار کہاں ہے..... کوئی اور نظر آ رہا ہے؟''

''چوکیدار گیٹ پر ہے اور لان یا کوٹھی کے سامنے والے حصے میں کوئی نہیں ہے۔''

''میں دیوار پھلانگ رہا ہوں اگر کوئی اس طرف آئے تو مجھے خبردار کرنا۔'' میں نے کہا اور دیوار پر ہاتھ جما کر آرام سے اوپر چڑھ گیا اور پھر نیچے اتر گیا۔ اس جگہ سے کوٹھی کا کنارہ چند فٹ کے فاصلے پر تھا میں جلدی سے بغلی گلی میں آ گیا۔ شبیر نے کہا۔ ''آپ نظر آ رہے ہیں باقی سب کلیئر ہے۔''

''اوپر والی منزل؟''

''کوئی نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بغلی گلی میں دبے قدموں آگے بڑھا یہاں تمام کھڑکیاں مکمل طور پر بند تھیں اور اگر کھلی بھی ہوتیں تب بھی میں اندر نہیں جا سکتا تھا۔ ان پر فولادی گرل تھی۔ ایک دروازہ آیا میں نے اسے آزمایا لیکن وہ اندر سے بند نکلا تھا۔ اس گلی میں یہی ایک دروازہ تھا۔ پھر میں پیچھے آ گیا۔ یہاں صرف کھڑکیاں تھیں اور دروازہ کوئی نہیں تھا۔ بنانے والے نے کچھ زیادہ ہی محفوظ کوٹھی بنائی تھی۔ بالآخر میں گھومتا ہوا بائیں طرف کی بغلی گلی میں آ گیا۔ یہاں بھی صرف ایک دروازہ تھا اور وہ بھی اندر سے بند تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ شہلا رضوی پوری طرح محتاط تھی۔ اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ سامنے والے حصے سے اندر جاتا لیکن اس کے لیے میرا سامنے آنا ضروری تھا۔ یہ حصہ چوکیدار کی نظر میں تھا۔

''چوکیدار کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''گیٹ کے اندر اس کے ساتھ ہی ٹہل رہا ہے۔''

''اسے کچھ دیر کے لیے باہر نہیں نکالا جا سکتا ہے؟''

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' شبیر نے کہا میں گلی کے سرے تک آ گیا تھا اور یہاں سے مجھے چوکیدار نظر آ رہا تھا۔ اگر وہ اس طرف دیکھتا تو میں بھی اسے نظر آ سکتا تھا۔ اس لیے میں نے ٹوپی کھینچ کر چہرے پر کر لی۔ اب دیکھنے والا کوئی شخص مجھے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ گیٹ اس جگہ سے کوئی سو فٹ دور تھا پھر بھی میں نے ٹن کی ہلکی سی آواز سن لی تھی۔ ایسا لگا جیسے کوئی پتھر گیٹ سے ٹکرایا ہو۔ چوکیدار نے اس پر فوری ردِعمل ظاہر کیا تھا اور وہ چھوٹا ذیلی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

''جلدی جناب..... وہ باہر ہے۔'' شبیر کی آواز آئی لیکن میں اس سے پہلے ہی حرکت میں آ چکا تھا۔ میں سامنے والے داخلی دروازے کی طرف دوڑا اور میں دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ کھلا ہو ورنہ میں اندر کیسے جاتا اور چوکیدار بھی ایک منٹ سے زیادہ باہر نہیں رکتا۔ میں دوڑ کر ٹیرس کے نیچے برآمدے میں آیا اور بڑے سے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ اسے کھلا پا کر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ مجھے شبیر کی آواز آئی۔

''وہ گیٹ کے اندر جا رہا ہے۔''

میں بلا تکلف اندر داخل ہو گیا اور اس دوران میں نے پستول بھی نکال لیا تھا۔ یہ سامنے والا حصہ تھا جہاں ایک بار میں مہمان خانے سے نکل کر داخل ہوا تھا مہمان خانہ اس کے برابر میں تھا۔ یہ ایک وسیع ہال میں کھلتا تھا جس میں ایک طرف سے سیڑھیاں اوپر جا رہی تھی۔ نیچے نشست گاہ، کھانے کا کمرہ اور دوسری جگہیں تھیں۔ بیڈ روم اوپر ہی تھے۔ میں نے پہلے نیچے دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں ہال میں ایک طرف موجود دروازے تک آیا اور میں نے اسے کھول کر اندر دیکھا۔ یہ کھانے کا کمرہ تھا اور اس کے برابر میں کچن تھا۔ ہال کے دوسری طرف کئی کمرے تھے جن میں اسٹڈی اور شاید ٹی وی لاؤنج بھی تھا۔ میں اس طرف آیا اور یہاں بھی دیکھ لیا لیکن یہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ سب اوپر تھے۔

اوپر جانے والا راستہ ذرا خطرناک تھا کیونکہ اگر کوئی اوپر سے اچانک آ جاتا تو میرے لیے چھپنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں نے اوپر جانے سے پہلے شبیر سے کہا۔ ''اگر یہاں ان لوگوں سے مڈبھیڑ ہو گئی تو تم میری کیا مدد کر سکو گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سامنے سے آسکتا ہوں یا جیسا آپ حکم کریں؟''

''اگر یہاں مقابلے کی صورت حال ہوئی تو تم چوکیدار کو قابو کرو گے۔ اسے مارنا مت جب تک ناگزیر نہ ہو۔''

''ٹھیک ہے جناب۔''

میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگا۔ اس وقت میں بہت محتاط تھا۔ میرے قدم بے آواز اٹھ رہے تھے اور میرے کان اوپر سے آنے والی آوازوں پر لگے تھے۔ مگر اوپر سناٹا تھا۔ میں نے لاؤنج میں قدم رکھا تو تمام دروازے بند تھے۔ اوپر میرے حساب سے تین بیڈروم تھے۔ ایک شہلا کا تھا اور باقی دو یقیناً دیگر استعمال کے لیے ہوں گے۔ لاؤنج بھی خالی تھا۔ میں نے پہلے شہلا کے بیڈروم کے علاوہ دوسرے بیڈروم دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ ایک کے دروازہ ہینڈل گھمایا وہ کھلا تھا۔ میں نے بہت آہستہ سے اسے کھولا۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ اسی لمحے شہلا کے بیڈروم سے کسی کے کھنکارنے کی آواز آئی اور آواز مردانہ تھی۔ میں تیزی سے کمرے میں داخل ہو گیا اور دروازہ آہستہ سے بند کر لیا۔ یہ شہلا کے بیڈروم کے برابر والا کمرہ تھا۔ اس کا ایک دروازہ دوسری طرف بھی کھلتا تھا۔ میں اس دروازے تک آیا اور کان لگا دیئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا شوہر گھر میں ہی تھا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے شہلا کی غنودہ سی آواز سنی۔

''چپ.....'' مرد نے کہا۔ ''ادھر کوئی ہے۔''

مجھے اپنے کانوں پر شبہ ہوا تھا۔ یہ فتح خان کی آواز تھی لیکن نہیں فتح خان یہاں کہاں سے آ گیا۔ میں نے جھک کر کی ہول سے جھانکا۔ شہلا بولی۔ ''تمہیں وہم ہوا ہے۔''

''چپ کر..... کانچی۔'' فتح خان نے اس بار اسے گندی گالی دی تھی۔ ''وہ تمہارا باپ شہباز خان کو کم نہیں سمجھو۔ وہ کہیں بھی پہنچ سکتا ہے۔''

''تو رفع ہو کر دیکھو۔'' شہلا نے بھنا کر کہا۔ ''میری نیند کیوں حرام کر رہے ہو۔''

''کتیا بھونکتی جا رہی ہے۔'' فتح خان نے غالباً اسے تھپڑ رسید کیا تھا کیونکہ آواز کچھ ایسی ہی آئی تھی۔ فتح خان کی اس بیڈروم میں موجودگی اور شہلا سے اس کی گفتگو نیز تھپڑ سے مجھے بہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ ان میں تعلقات کہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ شہلا رضوی ایک بہت بڑے سرکاری افسر کی بیوی اور خود بھی بے حد حسین و جمیل عورت تھی۔ فتح خان نہ صرف عمر میں اس سے بڑا اور رتبے میں اس سے چھوٹا تھا پھر شکل پر بھی پھٹکار برستی تھی۔ شہلا نے کیا دیکھ کر خود کو اس کے سپرد کیا تھا۔ میں ساکت ہو کر ان کی باتیں سن رہا تھا۔ فتح خان کو یہاں موجود پا کر مجھے حیرت ہوئی تھی لیکن اب میں اس بات کا عادی بھی ہو گیا تھا وہ ہمیشہ مجھے غیر متوقع طور پہ ٹکراتا تھا۔ شاید یہی خیال اس کا میرے بارے میں بھی ہو کہ میں اسے ہمیشہ سرپرائز دیتا ہوں اور ابھی بھی اسے یہی خدشہ تھا لیکن سوال یہ تھا کہ خدشہ کیوں تھا۔ میں یقیناً بلاوجہ اس کے پیچھے نہیں آ سکتا تھا۔

معاملہ صاف تھا۔ بیتو فتح خان کے قبضے میں تھا اور فتح خان شہلا رضوی کے پاس موجود تھا۔ اس لیے شبیر نے جس آدمی کی فرار کے وقت تصویر لی تھی وہ بیتو ہی تھا۔ البتہ ایک بات سوال طلب تھی کہ فتح خان شہلا رضوی تک کیسے پہنچا۔ جہاں تک اس کے بیڈروم تک رسائی کی بات ہے تو یہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ فتح خان یہ کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسلحے کے زور پر با آسانی کر سکتا تھا۔ اس کی فطرت کا یہ پہلو پوشیدہ نہیں تھا وہ عورتوں کا شائق تھا اور اس سے پہلا تعارف بھی اسی وجہ سے ہوا تھا۔ شینا اس کی منظور نظر تھی حالانکہ وہ کسی اور کی بیوی تھی۔ پھر اس نے ایک غریب اور معصوم لڑکی کو اغوا کر کے اس سے زبردستی نکاح پڑھوالیا اور وہ بمشکل اس کے چنگل سے نکلی تھی۔ اب وہ ایک اور شادی شدہ عورت شہلا کے بیڈ روم میں موجود تھا۔ عورتوں کے محاذ پر اس کی فتوحات کا دائرہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا کیونکہ میں یا کوئی اس کے تمام کرتوتوں سے واقف نہیں تھا۔

میں نے بیڈ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ فتح خان یقیناً باہر آیا تھا اور اس بات کا امکان تھا کہ وہ مسلح تھا اور یقیناً ان کمروں میں بھی آتا۔ میں دروازہ اندر سے بند نہیں کر سکتا تھا ورنہ پکڑا جاتا۔ یہاں چھپنے کے لیے سوائے باتھ روم کے اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں نے چھپنے کے بجائے سامنا کرنے کا فیصلہ کیا اور دروازے کے پیچھے کھڑا ہو گیا لیکن فتح خان کمروں کی طرف آنے کے بجائے سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ مجھے ایک خیال آیا اور میں نے شہلا کے بیڈ روم میں کھلنے والا دروازہ چیک کیا۔ وہ کھلا ہوا تھا اور میں نے بہت آہستگی سے اسے کھولا۔ اگر شہلا جاگ رہی تھی اور اس کی نظر اس طرف ہوتی تو وہ یقیناً چوکنا ہو جاتی لیکن فتح خان کے مقابلے میں اسے قابو کرنا زیادہ آسان تھا۔ میں نے اندر کمرے میں جھانکا تو شہلا بیڈ پر کمبل میں روپوش نظر آئی تھی اور وہ اگر سو نہیں رہی تھی تب بھی غنودگی میں تھی۔ میں دبے قدموں اس کے پاس پہنچا اور کمبل ذرا سا سرکا کر اس کا جائزہ لیا اور پھر اس کی گدی پر نپا تلا ہاتھ مارا اور وہ وہیں ساکت ہو گئی۔ میں نے اس کی نبض دیکھی اور نبض دیکھنے کے لیے مجھے کمبل ہٹانا پڑا تھا۔ میں نے بے ساختہ لاحول پڑھی۔ جو رہا سہا شک تھا وہ اسے دیکھ کر دور ہو گیا تھا۔ میں نے اسے کمبل سے کھینچ کر نیچے قالین پر ڈالا اور پھر رول کر کے اسے بیڈ کے نیچے کر دیا۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ موسم سرد تھا لیکن اندر کا درجہ حرارت معتدل تھا اس لیے میں نے اسے ڈھانپنے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ بستر کی چادر ٹھیک کی اور خود اس کی جگہ لیٹ گیا۔ میں نے دل میں کہا۔

"فتح خان آج کے سرپرائز کو تم بھی یاد کرو گے۔"

وہ کوئی دس منٹ بعد آیا تھا۔ شبیر میرے ساتھ لائن پر تھا لیکن وہ عقل مند تھا اس نے ایک بار بھی مجھے خود سے مخاطب نہیں کیا تھا۔ میں نے موبائل کے تمام فیچرز کو سائلنس پر لگا دیا تھا یعنی اب وہ بے آواز تھا۔ فتح خان نے اندر آ کر کسی کو ایک شاندار گالی دی۔ "..... کا بچہ سوتا ہے مگر انی اس کا باپ کرے گا۔"

میرا دل دھڑک اٹھا نگرانی سے کیا مراد تھی۔ کیا بیتو یہیں تھا اور یہیں تھا تو مجھے کیوں نظر نہیں آیا اور پھر اس سوال کا جواب الہام کی طرح میرے ذہن میں آیا تھا کہ بیتو یقیناً مہمان خانے میں قید تھا اور فتح خان کے آدمی اس کی نگرانی کر رہے تھے اسے خطرہ تھا کہ کہیں بیتو فرار نہ ہو جائے یا کہیں میں اسے چھڑا کر نہ لے جاؤں۔ فتح خان میری طرف آیا اور اس نے اس بار گالی سے بھی زیادہ واہیات بات کی تھی۔ اگر شہلا ہوش میں ہوتی تو اس کی بات سن کر بھی بے ہوش ہو سکتی تھی لیکن بے ہوش فتح خان ہوا تھا۔ جیسے ہی اس نے کمبل سرکایا۔ میرا ہاتھ حرکت میں آیا اور پستول کا دستہ اس کی کنپٹی پر لگا۔ ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں حیرت منجمد ہو گئی تھی پھر وہ میرے اوپر ہی لڑھک گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے ایک طرف دھکیلا اور اٹھ بیٹھا۔ میں نے پہلے اس کی نبض دیکھی۔ وہ کم سے کم ایک گھنٹے کے لیے دنیا کے جھمیلوں سے آزاد ہو گیا تھا لیکن میں اس پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ بارہا اسی طرح میرے قابو میں آیا تھا اور موقع ملتے ہی فرار ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے شہلا کی شال کے ٹکڑے کیے اور اس سے فتح خان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور باقی بچ جانے والی چادر اس کے منہ میں ٹھونس دی تھی۔ اس کے بعد میں باہر آیا اور نیچے کا رخ کیا۔ شبیر لائن پر تھا میں نے پوچھا۔ ''چوکیدار کہاں ہے؟''

''گیٹ پر۔'' اس نے کہا۔ ''ایک آدمی باہر آیا تھا اور مرکزی دروازے کے برابر ایک دروازے میں گیا اور پھر واپس چلا گیا تھا۔''

''میں جانتا ہوں اب وہ میرے قابو میں ہے۔''

''اس کے بعد ایک اور شخص اندر گیا ہے۔'' شبیر نے بتایا اور میں سیڑھیاں اترتے اترتے رک گیا۔

''کتنی دیر ہوئی ہے؟'' میں نے آواز دھیمی کر لی۔

''پانچ منٹ ہوئے ہیں۔''

''تم کو مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا۔'' میں نے برہمی سے کہا اور پستول سامنے کر لیا۔ اندر آنے والا یقیناً فتح خان کا آدمی تھا۔ میں دبے قدموں نیچے آنے لگا۔ شبیر نے ندامت سے کہا۔

''میں سمجھا کہ آپ کو پتا ہو گا۔''

''مجھے نہیں معلوم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب میں چپ رہوں گا لیکن تمہیں کوئی بات کہنی ہو تو فوراً کہنا۔''

''ٹھیک ہے جناب۔''

میں ہال میں آیا تو کچن کی جانب سے کھٹر پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ شخص کسی کام سے کچن میں آیا تھا۔ میں نے ڈائننگ روم میں جھانکا۔ وہ میری طرف پشت کیے چولہے پر کچھ بنا رہا تھا میری ناک نے چائے کی خوشبو محسوس کی اور میں دبے قدموں اندر آ گیا۔ کیتلی سے سیٹی کی سی آواز نکل رہی تھی اس لیے اسے میری آمد کا پتا نہیں چلا۔ میں نے اسے گردن سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور نیک لاک میں پھنسا لیا۔ اس نے تڑپ کر ٹراؤزر کی جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن میں نے اس کا ہاتھ باہر نکلتے ہی پستول چھین لیا۔ وہ اچھا صحت مند نوجوان تھا لیکن میری گرفت میں صرف پھڑ پھڑا سکتا تھا میں نے آہستہ سے کہا۔

''اگر تم اسی طرح زور لگاتے رہے تو اپنی گردن ٹوٹنے کے ذمے دار خود ہو گے۔''

وہ ساکت ہو گیا۔ اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے اس کا پستول چولہے کے پیچھے پھینک دیا اور اپنا پستول اس کے سر سے لگا دیا۔ ''میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں لیکن غیر ضروری حرکت اور بولنے سے پرہیز کرنا۔''

اس نے سر ہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کی تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ سیدھا ہو کر اپنی گردن مسلنے لگا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''کون ہو تم اور اندر کیسے آئے؟''

''سوال مجھے کرنا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''تم لوگوں کا قیدی کہاں ہے؟''

''کون قیدی؟'' اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔

''وہ جسے تم لوگوں نے بھاگتے ہوئے بالکونی سے پکڑا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بری طرح چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کیا۔ ''بکواس کرنے کے بجائے میرے سوال کا جواب دو اور اس امید میں مت رہنا کہ کوئی تمہاری مدد کو آئے گا۔ فتح خان اوپر بے ہوش پڑا ہے۔''

اس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔ اس بار اس نے شرافت سے جواب دیا۔ ''وہ گیسٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں قید ہے۔''

''وہاں اور کتنے لوگ ہیں؟''

''ایک اور ہے۔'' اس بار بھی اس نے سچ بولا اور میں نے اس کے انعام میں اس کے سر پر ایک عدد ضرب لگائی اور وہ کراہ کر فرش پر لڑھک گیا۔ اس کی بے ہوشی کو طویل کرنے کے لیے مجھے دوسری ضرب لگانی پڑی تھی۔ کیونکہ اس نے اس نے ہڈ والا اوپر پہن رکھا تھا اس لیے پہلی ضرب زیادہ زوردار نہیں تھی۔ میں نے اس کا اوپر اتارا اور خود پہن لیا۔ اب اگر چوکیدار مجھے دیکھتا تو فتح خان کا آدمی ہی سمجھتا۔ میں نے چولہا بند کیا اور باہر آیا۔ اپنا چہرہ میں نے ہڈ میں ہی رکھا تھا۔ مہمان خانے میں داخل ہو کر میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ یہاں کل چار کمرے تھے۔ بیتو ان میں سے کسی ایک میں قید تھا اور کسی ایک میں فتح خان کا دوسرا آدمی تھا۔ اس نے خود بتا دیا کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سن لی تھی اور بلند آواز سے بولا۔

''کہاں مر گیا ہے چائے کب لائے گا۔''

میں اس کمرے کی طرف بڑھا اور رخ پھیر کر اندر داخل ہوا وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ فتح خان نے یقیناً ان کی کلاس لی تھی کیونکہ وہ بیتو کی نگرانی کرنے کے بجائے سو رہے تھے۔ اوپر کی وجہ سے وہ مجھے اپنا ساتھی سمجھا تھا البتہ جب میں اس کے قریب آیا تو وہ میری پتلون اور جوتے دیکھ کر چونکا اور اس کا ہاتھ تیزی سے سرہانے رکھے ہتھیار کی طرف گیا تھا لیکن میں نے اس کے ہاتھ پر لات ماری اور اس کی پیش قدمی رک گئی۔ اس نے ایک اذیت بھری آواز کے ساتھ اپنی ٹوٹ جانے والی کلائی پکڑ لی تھی۔ میں نے بالوں سے کھینچ کر اسے نیچے گرایا اور پستول اس کے سر پر مار کر اسے بھی لمبا لٹا دیا۔ میں کسی کے ساتھ رعایت کے لیے تیار نہیں تھا۔ فتح خان جیسے شخص کے ساتھیوں کو لازمی خطرناک ہونا چاہیے تھا۔

میں باہر آیا اور کمروں کے دروازے چیک کیئے ان میں سے ایک لاک نکلا تھا۔ میں واپس بے ہوش ہونے والے کے پاس آیا اور اس کی جیب کی تلاشی لی۔ چابی اس کے پاس نہیں تھی وہ مجھے ایک طرف دیوار کے ساتھ کی ہولڈر پر لٹکی ملی۔ اسے لے کر واپس آیا اور بیتو کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بستر پر سکڑا سمٹا لیٹا ہوا تھا اس سردی میں اس کے پاس اوڑھنے کے لیے کچھ نہیں تھا اور اس کی صحت بہت کمزور لگ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کھانے پینے کو ٹھیک سے نہیں ملا تھا۔ میرا خون کھولنے لگا۔ اس کے ساتھ قید میں برا سلوک ہوا تھا۔ میں نے اپر او پر کیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے رخسار پر ہاتھ پھیر کر اسے آواز دی۔ ''بیتو..... میری جان۔''

وہ نیند میں کسمسایا۔ ''شوبی.....''

''میں ہوں بیتو..... اٹھ جاؤ۔'' اس بار میں نے اسے سہلایا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور مجھے بے یقینی سے دیکھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ سچ مچ شوبی بھائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے یا ہم پھر خواب دیکھ رہا ہے؟''

''بیتو تم جاگ رہے ہو میں تمہیں لینے آیا ہوں اٹھ جاؤ۔''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ ''آپ شوبی ہے۔'' اس نے بمشکل کہا۔ اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ مجھ سے لپٹا تو مجھے محسوس ہوا کہ اس کا جسم بہت کمزور ہو گیا ہے اس کی ہڈیاں محسوس کی جا سکتی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ''بیتو یہ تمہیں کیا ہوا؟'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''ان حرامزادوں نے کھانا پانی بند کر دیا ہے۔ دو دن سے نہ کھانے کو دیا ہے اور نہ پینے کو۔''

میرا خون ایک بار پھر کھولنے لگا تھا۔ فتح خان بالآخر اپنے مخصوص گھٹیا پن پر اُتر آیا تھا۔ ''دو دن سے کیوں؟''

اس نے وضاحت کی۔ ''ہم نے ادھر سے فرار کا کوشش کیا تھا۔ پکڑا گیا تو فتح خان نے ہمارا کھانا پینا بند کر دیا۔'' بیتو کا لہجہ دکھی ہو گیا تھا۔ کھانا اس کی کمزوری تھی اور وہ بھوکا نہیں رہ سکتا تھا۔

''بیتو فکر مت کرو فتح خان میرے قبضے میں ہے اور جلد وہ تمہاری جگہ بھوک پیاس برداشت کرے گا۔'' میں نے اسے بتایا۔

''وہ آپ کے قبضے میں ہے۔'' بیتو نے مسرت سے کہا۔ ''اب ہم اس سے بدلہ لے گا۔''

''بالکل لے گا لیکن ابھی یہاں سے نکلنے کا سوچو۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں فتح خان کے علاوہ دو آدمی اور ملے ہیں میں نے ان کو بھی بے ہوش کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ اور تو کوئی نہیں ہے؟''

''ہم نے بس یہی دو دیکھا ہے، اس کے علاوہ بھی ہے تو ہم کو نہیں معلوم ہے۔''

''تم چل پھر سکتے ہو؟''

''ہم بالکل ٹھیک ہے۔'' وہ بستر سے اتر آیا۔ اس سرد موسم میں اس نے ایک ہلکی جرسی کی شرٹ اور سوتی ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ وہ نیچے اترا تو اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی لیکن وہ سنبھل گیا۔ ''دیکھا بالکل ٹھیک ہے۔''

''میرا خیال ہے یہاں سے نکلنے سے پہلے تمہاری پیٹ پوجا کا کچھ بندوبست کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا اور شبیر سے بولا۔ ''باہر کی کیا پوزیشن ہے؟''

بیتو بھونچکا رہ گیا۔ ''کیا..... کیا بولتا شوبی بھائی۔''

''یار تم سے نہیں کہہ رہا۔'' میں نے اسے ایئر فون دکھایا۔ ''باہر ایک ساتھی ہے اس سے بات کر رہا ہوں۔''

''پوزیشن کلیئر ہے سر۔'' شبیر نے کہا۔

''میں نے اندر ٹیک اوور کر لیا ہے۔ یہاں سے کچھ لوگوں کو منتقل کرنا ہے جلد از جلد۔''

''میں سمجھ گیا سر۔'' اس نے کہا۔ ''میں باس سے بات کرتا ہوں۔''

''نہیں باس سے بات کرنے کا وقت نہیں ہے میں چوکیدار کو قابو کرتا ہوں اور تم اندر آ جاؤ۔''

''ٹھیک ہے جناب۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اپر اوپر کیا بیتو مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''شوبی بھائی بہت اچھے لگ رہے ہو صحت خوب بنالی ہے۔''

''ہاں یار اب تک گھر میں تھا اس لیے خوب مزے کیے۔ سمجھ لو دو دن پہلے تک آرام ہی کر رہا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''بیتو اب تمہیں قیدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ میں تمہیں بہ ظاہر کوٹھی کے اندر لے جاؤں گا اور تم باہر نکل کر نیچے گر پڑو گے جیسے بے ہوش ہو گئے۔ واور میں مدد کے لیے چوکیدار کو بلالوں گا۔''

''ہم سمجھ گیا..... اس طرح آپ اسے بھی قابو کر لے گا۔''

''بالکل کیونکہ اس کوٹھی میں بس وہی قابو میں نہیں ہے۔ اس کے بعد ہمیں روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔''

''ہم تیار ہے۔'' اس نے کہا۔

میں پہلے دوسرے کمرے میں آیا اور یہاں موجود شخص کو باندھ دیا۔ میں اب کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا ان میں سے ایک بھی ہوش میں آجاتا تو ہم مشکل میں پڑ جاتے اور پھر اسے بیتو والے کمرے میں ڈال دیا۔ میں اور بیتو باہر آئے۔ بیتو آگے تھا اور میں اسے دھکیل رہا تھا۔ بیتو نے اداکاری شروع کر دی اور اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ مہمان خانے سے باہر نکلتے ہی وہ لان پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ اس کا انداز بالکل فطری تھا اور ایک لمحے کو مجھے خدشہ ہوا کہ وہ سچ مچ نہ بے ہوش ہو گیا ہو۔ میں نے جھک کر آہستہ سے کہا۔

''بیتو ٹھیک ہونا؟''

''جی شوبی بھائی آپ چوکیدار کو بلاؤ۔'' اس نے آنکھیں کھولے بغیر دھیمی آواز میں کہا۔ میں نے اسے ہلایا جلایا اور پھر گیٹ کی طرف دیکھا۔ چوکیدار اس طرف متوجہ نہیں تھا اس لیے میں بیتو کے پاس بیٹھ گیا اور اسے ہلانا جاری رکھا۔ جب تک کہ چوکیدار نے ہماری طرف نہیں دیکھ لیا۔ وہ چونکا اور پھر بغیر بلائے ہی ہماری طرف آنے لگا۔ پاس آکر اس نے برہمی سے کہا۔

''یہ کیا حرکت ہے ادھر کیا کر رہے ہو؟..... کوئی دیکھ لے تو مصیبت بن جائے گی۔''

''یہ۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''بے ہوش ہو گیا ہے۔''

چوکیدار تقریباً چالیس بیالیس برس کا تنومند شخص تھا اور وہ جیسے ہی بیتو کی طرف جھکا میں نے بلا تکلف اس کی گدی پر پستول کا دستہ رسید کیا اور وہ بیتو پر ہی ڈھیر ہو گیا تھا۔ بیتو نے اسے ایک طرف دھکیلا۔ یہ اس روز میرا پانچواں شکار تھا۔ میں نے اسے گھسیٹا اور اسے بھی لے جا کر اس کمرے میں ڈال دیا جس میں بیتو کو قید کیا ہوا تھا۔ اب کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''جا کر گیٹ کھول دو تاکہ باہر والا ساتھی اندر آجائے اور اسے یہ چابی دے دینا۔'' میں نے کار کی چابی دی۔ پھر شبیر سے کہا۔ ''گلی کے سرے پر ونز کار کھڑی ہے اسے کوٹھی کے اندر لے آؤ۔''

''یس سر۔'' اس نے جواب دیا اور میں نے اس بار کال کاٹ دی۔ میرے موبائل کی بیٹری بہت کم رہ گئی تھی اور کسی ہنگامی موقع پر یہ جواب بھی دے سکتی تھی۔ بیتو گیٹ کی طرف چلا گیا اور میں اندر آیا۔ سیڑھیوں سے اوپر آیا اور بیڈ روم میں دیکھا۔ فتح خان بے ہوش پڑا تھا لیکن جب میں نے بستر کے نیچے دیکھا تو شہلا غائب تھی۔ میرے اندر فوراً خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ وہ میری توقع کے برخلاف جلدی ہوش میں آگئی تھی اور یہاں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکل چکی تھی۔ وہ کمرے سے نکل گئی تھی یا یہیں کہیں چھپی ہوئی تھی؟ مجھے علم نہیں تھا۔

میں نے پستول نکال لیا اور کمرے کا جائزہ لیا لیکن وہ یہاں نہیں تھی۔ میں نے واش روم میں بھی دیکھا۔ اسی لمحے مکان کے باہر سے کسی گاڑی کا انجن غرایا اور میں ٹیرس کی طرف لپکا۔ جیسے ہی میں ٹیرس میں آیا مجھے ایک کار نکل کر گیٹ کی طرف جاتی دکھائی دی۔ بدقسمتی سے بیتو نے بڑا والا گیٹ کھول دیا تھا اور شہلا اسے ٹکر مار کر پورا کھولتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ بیتو چھلانگ لگا کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو وہ بھی کار کی زد میں آ جاتا۔ اب یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ شہلا باہر جا کر یقیناً کوئی کارروائی کرتی۔ فی الحال تو وہ میرے چنگل سے نکل کر بھاگی تھی۔ باہر جا کر وہ پولیس کو بھی کال کر سکتی تھی ان لوگوں کے بارے میں اس کے لیے کوئی کہانی بنانا مشکل نہیں تھا اور پولیس بھی اس کی بات مانتی کہ وہ ایک بڑے بیوروکریٹ کی بیوی تھی۔

میں تیزی سے واپس بیڈ روم میں آیا اور فتح خان کو اٹھا کر اپنے شانے پر ڈال لیا۔ کم بخت کا وزن خاصا تھا حالانکہ دیکھنے میں وہ اتنا وزنی نہیں لگتا تھا۔ میں اسے نیچے لایا۔ اس کے چیلوں کو لے جانا بے کار تھا۔ جیسے ہی میں باہر آیا۔ گیٹ سے شبیر کار لے آیا تھا اس نے بالکل ٹیرس کے سامنے روکی۔ میں نے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے فتح خان کو اندر ڈالا اور بیتو کو جلدی آنے کا اشارہ کیا وہ گیٹ کی طرف سے آ رہا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی شبیر نے کار چلا دی اور بیتو کے پاس پہنچ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ بیتو اندر آ گیا۔ اس دوران میں میں نے فتح خان کو سیٹوں کے درمیانی خلا میں ٹھونس دیا تھا اور خود اس کے اوپر پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا۔ اب جب تک کوئی بالکل پاس آ کر نہیں دیکھتا اسے فتح خان نظر نہیں آتا۔

''ایسی سڑکوں سے گزرنا جہاں ٹریفک کم ہو۔'' میں نے شبیر سے کہا۔

''جی جناب۔'' وہ بولا۔

''تم نے شہلا کو کار میں جاتے دیکھا؟''

وہ چونکا۔ ''کیا وہ نکل گئی؟''

''ہاں وہ اپنی گاڑی میں نکل بھاگی ہے۔''

''نہیں میں نے اسے نہیں دیکھا شاید وہ دوسری طرف سے نکل گئی ہو۔'' شبیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کیا اس کا پیچھا کرنا ہے؟''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ کہیں نہیں جائے گی صرف عارضی طور پر بھاگی ہے۔ واپس یہیں آئے گی۔'' میں نے فتح خان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اصل آدمی یہ ہے سمجھ لو اس کا ہاتھ آنا ہماری بہت بڑی کامیابی ہے۔''

''شوبی بھائی آپ کا قسمت اچھا ہے۔'' بیتو نے مڑ کر کہا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا چند دن سے قسمت مجھ پر مہربان تھی پہلے شریف نامی اہم مہرہ ہاتھ آیا اور اب فتح خان ہاتھ آ گیا تھا۔ میں نے بیتو سے پوچھا۔ ''فتح خان نے تمہیں اپنے قبضے میں رکھا تھا؟''

''ہاں ہم کو نہیں معلوم کہ وہ آپ کو کدھر لے گیا تھا جب آپ واپس نہیں آیا تو ہم نے بہت ہنگامہ کیا تھا۔ یہ حرامی ہم کو پٹواتا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہلا کی کوٹھی میں کیسے آئے؟''

''یہ تو ہم کو نہیں معلوم لیکن آپ دونیا کو بھول رہا ہے وہ بھی فتح خان کے قبضے میں تھا اس نے شہلا کا بتایا ہو گا۔''

میں چونک گیا بیتو درست کہہ رہا تھا۔ شہلا تک فتح خان کی رہنمائی دونیا نے کی ہوگی اور جب اسے پتا چلا ہوگا کہ شہلا بلیک میلنگ کا شکار ہو کر پروفیسر کے سامنے مجبور تھی تو اس نے بھی شہلا سے فائدہ اٹھانے کا سوچا ہو گا۔ فتح خان جیسے لوگ موقع سے اور خاص طور سے دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے سے کبھی نہیں چوکتے ہیں۔ وہ اس سے کس طرح فائدہ اٹھا رہا تھا یہ تو میں خود بھی دیکھ چکا تھا۔ مجھے فتح خان اور مرشد کے تعلقات کے بارے میں علم نہیں تھا۔ فتح خان مجھے اس بارے میں جو بتاتا رہا ہے میں نے کبھی اس پر یقین نہیں کیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ فتح خان کی گمشدگی کا مرشد پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس کے لیے کام نہیں بھی کر رہا تھا تب بھی وہ مرشد کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔

شبیر میری ہدایت کے مطابق سنسان سڑکوں پر کار گھما رہا تھا اور اسی وجہ سے ہم خاصے لمبے روٹ سے کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''ایک بڑا شکار ہاتھ لگا ہے اسے ساتھ لا رہا ہوں۔ استقبال کی تیاری کرو۔''

عبداللہ نے پوچھا نہیں۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں ساتھ لانے والے کے لیے بھی ایسا انتظام چاہ رہا ہوں جیسا کہ شریف کے لیے کیا تھا۔ جب گاڑی کوٹھی میں داخل ہوئی تو عبداللہ منتظر تھا۔ اس کے ساتھ منیر تھا۔ عبداللہ نے بے ہوش فتح خان کو دیکھا اور پھر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ فتح خان کو نہیں پہچانتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''یہ فتح خان ہے۔''

''فتح خان۔'' اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''سچ میں۔''

''سو فی صد۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ اب اسے اندر لے جاؤ اور فوراً بند کر دو۔ میری طرح یہ بھی فرار کا ماہر ہے اور جب تک میں نہ آؤں کوئی اس کے قریب نہ جائے۔''

عبداللہ چونکا۔ ''آپ کہیں جا رہے ہیں؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''عتیق کو دیکھنے جا رہا ہوں۔ صبح اسے دیکھنے گیا تھا لیکن اسپتال والوں نے رفیق بھائی کی غیر موجودگی میں دیکھنے کا اجازت نہیں دی۔ اب جا کر دیکھتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ دبئی سے کوئی خبر آئی؟''

''ہاں..... راجا صاحب کے آدمی نے وہاں سے کنفرم کر لیا ہے کسی ایسے حادثے کی رپورٹ نہیں آئی ہے جس میں ان ناموں والے افراد شامل ہوں۔''

بیتو چونکا۔ ''دبئی..... ادھر کیا ہوا ہے؟''

''وہ لوگ چار دن سے غائب ہیں گھر خالی ہے اور کچھ پتا نہیں کہ کہاں چلے گئے ہیں۔'' میں نے بتایا۔ ''اب ان کی تلاش بھی کی جا رہی ہے۔''

بیتو کا چہرہ ستا گیا تھا اور اس پر چند لمحے پہلے جو خوشی تھی وہ معدوم ہو گئی۔ ''ہم تو سمجھا کہ صرف ہم مشکل میں ہے اور باقی آرام سے ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں یار ہمارے مقدر میں آسانی کہاں ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اب تم آرام سے کھا پی کر جان بناؤ اس کے بعد میدان عمل میں آجانا۔''

''کیا کس میدان میں آجانا؟'' بیتو سمجھا نہیں۔

''برخوردار کام پر واپس آجانا۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''اچھا.....اچھا ہم سمجھا نہیں تھا۔''

شبیر منتظر تھا کہ اسے مزید ہدایات دی جائیں۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم واپس جاؤ اور کوٹھی کی نگرانی جاری رکھو۔''

''ٹھیک ہے آپ مجھے راستے میں کسی ایسی جگہ اتار دیجئے گا جہاں سے رکشہ ٹیکسی مل جائے۔ میری بائیک وہیں رہ گئی ہے۔''

فتح خان کو عبداللہ اور منیر اندر لے گئے تھے۔ میں نے شبیر سے کہا۔ ''ٹھیک ہے آجاؤ.....تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہے؟''

اس نے اپنی شرٹ اوپر کر کے دکھائی۔ اس کی بیلٹ کے ساتھ ایک چھوٹا سا پستول لگا ہوا تھا۔ ہم روانہ ہو گئے۔ میں نے اسے ایک ایسی جگہ اتارا جہاں سے وہ ٹیکسی لے سکتا تھا۔ اس کے بعد میں اسپتال کی طرف روانہ ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ عتیق کو اٹینڈ کرنے والے ڈاکٹر سے اس کے بارے میں تفصیلی بات کرلوں کہ اس کے ساتھ مسئلہ کیا تھا اور اسے ہوش کیوں نہیں آرہا تھا لیکن اس تک رسائی کے لیے رفیق بھائی کی موجودگی لازمی تھی اس لیے میں نے ان کو کال کی۔ اس بار ان کا نمبر مل گیا۔

''رفیق بھائی میں اسپتال جارہا ہوں صبح بھی جا چکا ہوں لیکن اسپتال والے آئی سی یو میں آپ کی موجودگی کے بغیر جانے نہیں دے رہے۔''

''مجھے پتا چلا تھا میں نے وہاں بتا دیا ہے اب تم جاؤ گے تو نہیں روکا جائے گا لیکن کیا تمہارے پاس شناختی کارڈ ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے تب تم وہاں پہنچ کر مجھے کال کر دینا۔''

''میں پہنچ کر کال کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ اپنا چہرہ غیر نمایاں کرنے کے لیے میں نے ٹوپی کے بجائے سن گلاس پہن لیا۔ اسپتال کی پارکنگ میں کار کھڑی کر کے میں آئی سی یو کی طرف آیا۔ استقبالیہ پر وہی آدمی تھا۔ میں نے اس سے عتیق کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھ سے شناختی کارڈ مانگا۔ ''سوری وہ میں بھول گیا ہوں لیکن میں عتیق کے والد سے بات کرا دیتا ہوں۔'' میں نے رفیق بھائی کا نمبر ملایا۔ ''رفیق بھائی میں یہاں اسپتال میں ہوں۔''

''میری ریسیپشن سے بات کراؤ۔''

میں نے موبائل آدمی کی طرف بڑھا دیا۔ ''بات کریں۔''

اس نے موبائل لے لیا اور میں نے آس پاس دیکھا۔ آئی سی یو ہونے کی وجہ سے یہاں عام آمد و رفت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھی۔صرف ڈاکٹرز اور نرسیں آجا رہے تھے۔میرے سامنے سے ایک ڈاکٹر گزرا۔مجھے تھوڑا سا عجیب سا لگا تھا۔کیونکہ وہ صرف کوٹ کی حد تک ڈاکٹر نظر آرہا تھا۔اس کے بال لمبے اور شانوں تک آرہے تھے۔رنگ سیاہی مائل سرخ اور داڑھی بھی بڑھی ہوئی تھی۔اس کے ہاتھ یا گلے میں کچھ نہیں تھا۔بہرحال یہ ایسی اہم بات نہیں تھی کیونکہ آج کل ہر شعبے میں ہر طرح کا آدمی نظر آتا ہے۔اگر وہ ریچھ نظر آرہا تھا تو ضروری نہیں تھا کہ وہ ڈاکٹر نہ ہو۔استقبالیہ کا آدمی رفیق بھائی سے بات کر کے مطمئن ہو گیا تھا۔اس نے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔

''ٹھیک ہے آپ جا سکتے ہیں لیکن خیال رکھیے گا۔دس منٹ سے زیادہ نہیں رکنا ہے اور کوئی شور نہ ہو۔''اس نے شائستگی سے کہا۔''کمرہ نمبر بائیس ہے۔سامنے دائیں طرف واقع ہے۔''

''شکریہ۔''میں نے موبائل جیب میں رکھ لیا۔''میں خیال رکھوں گا۔''

میں آگے بڑھ گیا۔بائیں طرف جنرل وارڈ تھا اور دائیں طرف پرائیویٹ رومز تھے اور مجھے بائیس نمبر تلاش کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کیونکہ عبداللہ کا آدمی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔یہ ان میں سے ایک تھا جو عبداللہ کے ساتھ میانوالی سے آئے تھے۔یہاں دکھاوے کے لیے اس نے گارڈ کی وردی پہن رکھی تھی۔وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔میں اس کے پاس پہنچا اور اس سے کہا۔

''مجھے اندر جانا ہے۔''

لیکن وہ حرکت کرنے کے بجائے اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا تھا۔مجھے اس کا انداز غیر فطری لگا تھا۔میں نے جھک کر اسے دیکھا تو وہ بالکل ساکت تھا۔اس کی ٹوپی ماتھے پر آگے تک آرہی تھی۔میں نے اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا۔''تم سن نہیں رہے ہو۔''

وہ یک دم گرا تو میں نے بمشکل اسے سنبھالا تھا۔وہ بے ہوش تھا یا پھر..... میں نے خدشے کے ساتھ اس کی ٹوپی اوپر کی تو اس کے عین ماتھے پر چھوٹا سا سوراخ نظر آیا جس سے ذرا سا خون نکل کر اس کی آنکھوں تک آیا ہوا تھا۔کسی نے بڑے سوئے نما چیز سے اس کے ماتھے پر وار کیا تھا اور وہ شاید فوراً ہی مر گیا تھا۔اچانک مجھے عتیق کا خیال آیا اور میں پستول نکالتے ہوئے کمرے کے اندر گھسا۔مجھے وہی لمبے والوں والا ڈاکٹر عتیق کے بیڈ کے دوسری طرف کھڑکی کے ساتھ کھڑا نظر آیا اس نے عتیق کے منہ سے آکسیجن ماسک اتار دیا تھا اور وہ بے ہوشی میں اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا۔

میں نے اسے دیکھتے ہی پستول والا ہاتھ سیدھا کیا تھا لیکن اس سے پہلے میں اس پر گولی چلاتا وہ ناقابلِ یقین پھرتی سے حرکت میں آیا اور سیکنڈ سے بھی پہلے وہ کھڑکی کا شیشہ توڑتے ہوئے باہر جا چکا تھا۔اس پر گولی چلانے کو بے کار سمجھتے ہوئے میں نے بھاگ کر عتیق کے منہ سے نکل جانے والا ماسک دوبارہ لگایا اس کا جسم سانس کے لیے اینٹھ رہا تھا جیسے ہی ماسک اس کے منہ پر لگا اس کے جسم کی اینٹھن کم ہونے لگی تھی۔پھر میں نے ایمرجنسی کال کا بٹن دبایا اور پھر کھڑکی سے باہر جھانکا۔لمبے بالوں والا لان کے دوسری طرف چھوٹی سی چار دیواری کے پار جا چکا تھا۔مجھے اس کی ہلکی سی جھلک نظر آئی تھی۔اس طرف پارکنگ تھی۔میں نے ایک نظر عتیق کو دیکھا اور کھڑکی سے کود گیا۔

ایک تو مجھے اس شخص کے پیچھے جانا تھا جو ڈاکٹر کے بھیس میں قاتل نکل آیا تھا۔دوسرے میرا یہاں رکنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پ خطرناک ہوسکتا تھا۔ ایمرجنسی میں ڈاکٹر اور نرس آتے اور گارڈ کی موت کا راز بھی کھل جاتا اس کے بعد میرا یہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا۔ اگر گارڈ کی موت کے شبہے میں مجھے نہ بھی گرفتار کیا جاتا تب بھی پولیس بغلیں جالے میں حق بجانب ہوتی کیونکہ میں اُسے دیگر بے شمار کیسز میں مطلوب تھا۔ میں باہر کودتے ہی لان پر دوڑا ا، ایمرجنسی میں اس چھوٹی سے دیوار کے پاس تھا۔ مجھے لمبے بالوں والا گاڑیوں کے درمیان بھاگتا ہوا نظر آ رہا تھا میں بھی دیوار پھلانگ کر اس کے پیچھے بھاگا۔

مجھے ایک فی صد بھی شبہ نہیں تھا کہ وہ عتیق کو مارنے آیا تھا اور اس کام کے لیے اس کو مرشد نے بھیجا تھا۔ ل کے معاملے میں وہ کامیاب نہیں ہوا تھا کم سے کم عتیق کی حالت بہتر ہونے لگی تھی لیکن عبداللہ کا ساتھی اپنی ان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

لمبے بالوں والے قاتل کی چالاکی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ اس نے ڈاکٹر کا کوٹ استعمال ا۔ ایک اسپتال میں ڈاکٹر سب سے کامن ہوتے ہیں اور سفید کوٹ دیکھ کر ہر آدمی سمجھ جاتا ہے کہ کوٹ والا ا لہ ہے۔ پھر اسپتال کا عملہ بھی صورت پر غور نہیں کرتا ہے اور غیر متعلقہ شخص بھی آرام سے کہیں بھی جا سکتا ہے۔ ا کہ یہ شخص عتیق کے کمرے کے سامنے جا پہنچا۔ اس کے بعد اس نے شاید اندر جانے کے لیے عبداللہ کے ا کو موت کے گھاٹ اتار دیا کیونکہ وہ اسے اندر جانے کی اجازت نہیں دے رہا ہوگا۔ وہ ایک تربیت یافتہ ا ایس ایس جی تھا۔ اسے اتنی آسانی سے مار دینا قاتل کی صلاحیتوں کو ظاہر کرتا تھا۔ اس نے نہ جانے کون سا ھیار استعمال کیا تھا۔ جس سے اس کے ماتھے میں سوراخ ہو گیا تھا۔

میں جب پارکنگ میں گاڑیوں کے درمیان میں پہنچا تو لمبے بالوں والا نہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ غائب ہو گیا تھا۔ میں بے قراری سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس دوران میں اسپتال میں ہنگامے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ لان پر چند افراد بھاگ دوڑ کر رہے تھے اور کسی کے چلانے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا ا پھر ایہاں سے نکل جانا بہتر تھا کچھ دیر اور ہوتی اور پولیس آ جاتی تو میں مشکل میں پڑ جاتا۔ گرفتاری تو میں کسی صورت نہیں دیتا لیکن اس کے لیے مجھے کچھ ہنگامے اور مار دھاڑ کرنا پڑتی۔

میں اپنی کار کی طرف لپکا۔ کار میں بیٹھتے ہی اسے اسٹارٹ کیا اور پارکنگ سے نکالنے لگا۔ اس دوران میں ا ال کے محافظ بھاگتے ہوئے باہر آ گئے تھے اور وہ یقیناً قاتل کی تلاش میں تھے۔ استقبالیہ پر موجود فرد نے ان کو ں بتایا ہوگا کہ اس حلیے کا ایک شخص خصوصی اجازت کے بعد عتیق کے کمرے کی طرف گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی ا ہنگامہ شروع ہو گیا اس لیے لازمی بات ہے وہی قاتل تھا۔ میں نے سن گلاس اتار دیے اور ٹوپی سر پر پہن ل۔ ایک دوڑتے ہوئے محافظ نے میری طرف دیکھا لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اسے ایک سن گلاس پہنے شخص کی تلاش تھے۔ میں آرام سے کار سمیت اسپتال سے نکل آیا تھا۔ پھر مجھے رفیق بھائی کا خیال آیا۔ میں نے ان کو کال کی۔

"رفیق بھائی یہاں ایک ہنگامہ ہو گیا ہے۔"

"کیا ہوا ہے؟"

میں نے ان کو مختصراً بتایا کہ کس طرح ایک جعلی ڈاکٹر نے عتیق کا آکسیجن ماسک ہٹا کر اسے مارنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کی تھی لیکن میں بروقت وہاں پہنچ گیا اور مجھے دیکھ کر قاتل کھڑکی سے نکل کر فرار ہو گیا۔ میں نے عتیق کا آکسیجن ماسک واپس لگا دیا تھا اور ہنگامی مدد کا بٹن دبا دیا تھا۔'' آپ اسپتال فون کر کے معلوم کریں اور اس بات سے انکار کر دیجئے گا کہ آپ نے فون پر کسی کو عتیق کو دیکھنے کی اجازت دی ہے۔ میری بات سمجھ رہے ہیں نا آپ؟''

''ہاں میں سمجھ گیا ہوں۔'' بیٹے کے بارے میں سن کر وہ بے چین ہو گئے تھے اور انہوں نے کال کاٹ دی اب وہ یقیناً اسپتال فون کرنے والے تھے۔ میں نے گہری سانس لی اور سامنے دیکھنے لگا۔ اسی لمحے عقبی نشست سے ایک چہرہ ابھرا اور لمبے بالوں والا سامنے تھا۔ اس کا ہاتھ اٹھا جس میں پستول تھا۔

○.....❖.....○

اس کی منحوس صورت کے ساتھ ہی پستول بھی نظر آیا تھا اس لیے میں نے کوئی حرکت کرنے سے گریز کیا۔

''تم ذلیل..... شخص۔''

وہ مسکرایا۔'' ہاں..... قسمت دیکھو شہباز ملک..... میں نے چھپنے کے لیے جو گاڑی چنی وہ تمہاری نکلی۔''

''تم مجھے جانتے ہو؟''

''تمہیں کون نہیں جانتا۔'' اس نے کہا اور حکم دیا۔'' گاڑی مری بائی وے کی طرف موڑ لو۔''

مری بائی وے یہاں سے خاصے فاصلے پر تھی اس لیے میں نے اطمینان محسوس کیا۔ ابھی میرے پاس خاصا وقت تھا۔ اس نے اسپتال سے ذرا دور آتے ہی پستول میرے سر پر رکھ دیا اور بولا۔'' اپنا پستول اور موبائل میرے حوالے کر دو۔''

میں نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔'' تمہیں مرشد نے بھیجا ہے؟''

''کون مرشد؟'' اس نے انجان بننے کی کوشش کی۔

''اپنے والد ثانی سے اتنے بے خبر ہو تم؟''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔'' بکواس مت کرو۔''

میں ہنسا۔'' تب تم بھی انجان مت بنو۔ مرشد تمہارا آقا ہے افسوس کہ اس کی طرح اس کے آدمیوں میں بھی جرأت نہیں ہے۔''

''جرات کی بات مت کرو۔ ابھی تم مجھے جانتے نہیں ہو۔'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

''ہاں تمہاری جرأت میں نے خود ملاحظہ کی ہے ایک بے بس نوجوان کو مارنے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''مجھے اس کا حکم دیا گیا تھا؟'' اس نے گویا صفائی پیش کی۔

''گویا تم مرشد کے اشارے پر دم ہلانے والے کتے ہو۔'' میں نے اسے اشتعال دلانے کی کوشش کی لیکن وہ خاموش رہا۔ غالباً وہ مجھ سے اچھی طرح واقف تھا اس لیے اشتعال میں آنے سے گریز کر رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی جو اتفاق سے اس کے ہاتھ لگی تھی۔ اگر وہ مجھے مرشد کے حوالے کر دیتا تو مرشد اسے سر آنکھوں پر بٹھاتا۔ اس لیے وہ میری طرف سے پوری طرح ہوشیار تھا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہیں میرے نام سے کیا ہے؟'' وہ کھردرے لہجے میں بولا۔

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ کون ہے جس نے مجھے اتنی آسانی سے قابو میں کرلیا۔ وہ کام کیا جو مرشد کی ساری فوج مل کر بھی نہیں کرسکی۔''

وہ میری باتوں میں آگیا۔ ''میرا نام فاضلی ہے۔ میں مرشد علی کا خاص آدمی ہوں۔''

میں چونکا۔ ''تم فاضلی ہو؟''

''ہاں تم میرے بارے میں جانتے ہو؟''

''خاص نہیں بس نام سنا ہوا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ اب مری ہائی وے کچھ دور تھی اور ہم اسلام آباد کے ایک پُر رونق علاقے سے گزر رہے تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ اسلام آباد کی اہم ترین شاہراہیں بھی خالی نظر آتی تھیں لیکن اب آبادی بڑھنے کے ساتھ یہ شہر بھی پر ہجوم ہوگیا ہے۔ اہم شاہراہوں کے علاوہ عام سڑکوں پر بھی خاصا ہجوم نظر آنے لگا ہے لیکن اس وقت مجھے مرشد کے اس چیچہ خاص کی فکر تھی۔ وہ مجھے مرشد کے کسی ٹھکانے کی طرف لے جارہا تھا اور ایک بار میں وہاں پہنچ جاتا تو گلوخلاصی مشکل ہو جاتی اس لیے مجھے جو کرنا تھا راستے میں ہی کرنا تھا۔ پُر ہجوم سڑک پر کچھ کرنے کا موقع تو مل جاتا لیکن اس کے بعد پولیس سے بھی نمٹنا پڑتا۔ میں پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ میری نظر فیول گیج کی طرف گئی۔ اس کا کانٹا آخری سرے سے کچھ پیچھے تھا میں نے فاضلی سے کہا۔

''پیٹرول بھروانا ہے۔''

''بھروالو لیکن کوئی غلط حرکت مت کرنا۔'' اس نے مجھے خبردار کیا۔

''کوئی غلط حرکت کرکے میں نے خود پھنسنا ہے کیا؟'' میں بولا۔ ''اگر تم مجھے جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ پولیس مجھے تلاش کررہی ہے۔''

''جانتا ہوں اور اسی لیے تمہیں پولیس سے بچا کر لے جارہا ہوں۔'' اس نے دانت نکال کر کہا لیکن یہ مسکراہٹ نہیں تھی بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ کسی بھیڑیئے نے دانت نکالے تھے۔ وہ مجھے کسی ہمدردی کی وجہ سے پولیس سے بچا کر نہیں لے جارہا تھا بلکہ مرشد علی کے لیے لے جارہا تھا اور وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتا اس کا مجھے اچھی طرح علم تھا۔ میں نے نظر آنے والے پہلے پیٹرول پمپ پر گاڑی روک لی۔ دن کا وقت تھا اور وہاں اچھی خاصی لائن لگی تھی۔ فاضلی نے دھیمی آواز میں پھر مجھے خبردار کیا۔

''کوئی چکر مت کرنا ورنہ میں گولی چلانے میں دیر نہیں کروں گا۔''

میں خاموش رہا۔ اب تک میں مرشد کے حوالے سے جتنے لوگوں سے ملا تھا ان میں سب سے خطرناک مجھے یہی شخص لگا تھا۔ اس کی پھرتی اور حاضر دماغی میں خود دیکھ چکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ مرشد کے پاس ایسے لوگ بھی تھے۔ حالانکہ اس میں حیرت کی بات نہیں تھی ایسے لوگ دولت کے لیے سب کرتے ہیں اور مرشد کے پاس دولت بے حساب تھی۔ اپنے بے شمار ناکارہ بندے آزمانے کے بعد اسے شاید عقل آگئی تھی اور اب اس نے کچھ کام کے آدمی بھی رکھ لیے تھے اور ان میں ایک فاضلی بھی لگ رہا تھا میں نے اچانک پوچھا۔

مرشد کے لیے کب سے کام کررہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دو سال.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ میں نے پھر نہیں پوچھا کیونکہ میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے منہ سے اقرار کر لیا تھا۔ اس دوران میں میری باری آ گئی تھی اور میں نے پیٹرول بھرنے والے کو چابی دیتے ہوئے کہا۔ ''ٹنکی فل کر دو۔''

اس نے ڈھکن کھولا اور پائپ لگا دیا۔ فاضلی میری پشت سے لگا ہوا تھا تا کہ پستول پیٹرول بھرنے والے کو نظر نہ آئے حالانکہ رنگین شیشوں کے پیچھے ویسے بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چند منٹ میں ٹینک فل کر کے پیٹرول بوائے نے رقم لی اور بقایا لینے کے لیے جا رہا تھا کہ فاضلی نے عقب سے کہا۔ ''باقی تم رکھ لو۔''

پیٹرول بوائے کا منہ کھل گیا تھا کیونکہ میں نے اسے ہزار کا نوٹ دیا تھا اور پیٹرول شاید چھ سو کا تھا۔ میں نے بادلِ ناخواستہ فاضلی کی تائید کی۔ ''ٹھیک ہے تم رکھ لو۔''

''اب چلو۔'' فاضلی نے حکم دیا تو میں نے کار آگے بڑھا دی۔ ''تم نے کچھ زیادہ ہی دریا دلی نہیں دکھائی ہے۔''

''ہاں کیونکہ شاید پھر تمہیں اس رقم کی ضرورت نہ ہو۔''

کچھ دیر بعد ہم راول ڈیم چوک پر تھے۔ مری ہائی وے ویسے تو راولپنڈی سے شروع ہو جاتی ہے لیکن اصل مری ہائی وے یہاں سے شروع ہوتی ہے اور بھارہ کہو کے بعد مارگلہ کی پہاڑیاں آ جاتی ہیں اور یہ سلسلہ بتدریج بلند ہوتے ہوتے مری کے پہاڑوں سے جا ملتا ہے۔ فاضلی نے حکم دیا۔ ''دائیں طرف مڑ جاؤ۔''

دائیں طرف سڑک پنڈی کی طرف بھی جاتی تھی اور پھر ایک راستہ معروف چک شہزاد کی طرف نکلتا ہے۔ یعنی وہ علاقہ جہاں سی ڈی اے نے پولٹری اور فش فارمنگ کے لیے زمین مخصوص کی تھی لیکن وہاں بااثر سیاست دانوں اور امرا نے اس زمین پر قبضہ کر کے اپنے محلات اور فارم ہاؤسز بنا لیے اور اب ان سے یہ علاقہ جنت نظیر بن گیا ہے کیونکہ یہاں سرکاری خرچ پر ہر وہ سہولت مہیا کی گئی ہے جو اسلام آباد میں ان لوگوں کو میسر ہیں۔ فاضلی مجھے ان دو جگہوں میں سے کہیں لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کی توقع کے برخلاف میں نے کار کو سیدھا رکھا اور اس کی رفتار بھی تیز کر دی۔

''یہ کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے غرا کر کہا۔

''جہاں میری مرضی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''گاڑی واپس کرو ورنہ.....''

''ورنہ تم مجھے گولی مار دو گے۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''میں سچ مچ گولی مار دوں گا۔'' اس نے کہا اور پستول میرے سر سے لگا دیا۔

''تو مار دو لیکن مرشد کو کیا جواب دو گے۔ اسے میری لاش درکار ہوتی تو تم مجھے اسپتال سے نکلتے ہی گولی مار چکے ہوتے۔''

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہیں ہر قیمت پر زندہ لے کر جاؤں گا اگر تم نے گاڑی نہیں موڑی تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔''

''ضرور کر دو۔'' میں نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ گاڑی اب ساٹھ میل فی گھنٹے کی رفتار سے جا رہی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو اس سڑک پر خاصی زیادہ تھی کیونکہ یہاں موڑ تھے اور سامنے سے گاڑیاں آ رہی تھیں۔

''رفتار کم کرو۔'' پہلی بار اس کے لہجے میں اضطراب محسوس ہوا۔

''جیسا تم کہو۔'' میں نے رفتار مزید بڑھا دی اور اسپیڈو میٹر کی سوئی ستر کے آس پاس لرزنے لگی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے ابھی سامنے سے کوئی گاڑی آ جائے تو.....'' اس نے کہنا چاہا کہ سامنے سے ایک چھوٹا ٹرک نمودار ہوا۔ یہاں سڑک مڑ رہی تھی اس لیے جب ٹرک نظر آیا تو فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔ میں نے رفتار کم کیے بغیر کار کو بائیں طرف کاٹا اور ٹرک والے نے دائیں طرف کاٹا اور دونوں ایک دوسرے کو تقریباً چھوتے ہوئے گزر گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے بمشکل کار کو ڈھلان پر چڑھنے سے روکا اور سڑک پر سیدھا کیا لیکن اس دوران میں کار کی رفتار ایک بار بھی کم نہیں کی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے۔'' اس نے چلا کر کہا۔ ''ابھی مارے جاتے۔''

''مارا تو اس صورت میں بھی جاؤں گا جب تمہارے ساتھ جاؤں گا تو کیوں نہ اپنے ساتھ ایک دشمن کو لے کر مروں۔'' میں نے کہا اور رفتار مزید بڑھا دی اور اب سوئی اسی پر تھی۔ وٹز چھوٹی کار ہے لیکن اس کا پک اَپ اور روڈ گرپ بہت اچھی ہے۔ یہ رفتار تو کشادہ اور سیدھی ہائی وے پر بھی کم ہوتی ہے لیکن اس سڑک پر تو خودکشی کے مترادف تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ فاضلی خوف زدہ ہو گیا تھا اس نے ایک دہشت کے عالم میں پستول میری گردن سے لگایا۔ اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔

''رفتار کم کرو ورنہ میں تم کو گولی مار دوں گا۔''

''اس کے بعد ہم دونوں ایک ساتھ مریں گے تمہارا کیا خیال ہے اگر میں مر گیا تو کار بچ جائے گی۔'' میں نے پُرسکون انداز میں کہا لیکن اندر سے میں بھی ڈر گیا تھا۔ وہ گولی چلا سکتا تھا۔ میں نے رفتار بتدریج کم کر لی تھی اور اب یہ ستر پر آ گئی تھی۔ بہرحال وہ لمحہ گزر گیا جب وہ ڈر کر مجھے شوٹ کر سکتا تھا۔ اس کی عقل میں بات آ گئی تھی کہ اگر اس نے مجھے مار دیا تو اتنی رفتار پر کار کے حادثے میں اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے اس نے گولی چلانے سے گریز کیا۔ اس نے پستول کا دباؤ کم کر دیا اور آہستہ سے بولا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں کسی قیمت پر مرشد کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا ہوں۔''

''اس کا حکم ہے کہ تمہیں زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے لیکن اگر تم ہاتھ نہ آؤ تو تمہیں مار دیا جائے۔''

''تم کوشش کر سکتے ہو لیکن اس کے بعد تم بھی نہیں بچ سکو گے۔''

''ٹھیک ہے میں تمہیں ابھی شوٹ نہیں کرتا ہوں لیکن کار کہیں نہ کہیں تو روکو گے۔''

بھارہ کہو کی آبادی آ گئی تھی۔ یہاں ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے رفتار ذرا کم کرنا پڑی تھی لیکن یہ اتنی بھی کم نہیں تھی کہ اسے کچھ کرنے کا موقع ملتا۔ آبادی کے پاس سے گزرتے ہی میں نے رفتار پھر بڑھا دی تھی۔ ''ابھی میرے پاس کوئی دو گھنٹے کے سفر کا ایندھن ہے اس سے پہلے میں کہیں نہیں رکوں گا۔''

''اس سڑک پر کئی جگہیں ایسی آئیں گی جہاں تمہیں رکنا پڑے گا۔''

''جب وہ آئیں گی تو دیکھا جائے گا۔'' میں نے لاپروائی سے کہا مگر میں فکرمند ہو گیا تھا یہ ڈرامہ زیادہ دیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلنے والا نہیں تھا۔ واقعی میں کہیں نہ کہیں رکنے پر مجبور ہو جاتا اور اس کے بعد یہ مجھے شوٹ بھی نہ کرتا تب بھی بے ہوش کر سکتا تھا اور اس کے بعد میں اس کے قبضے میں ہوتا یعنی مرشد کے قبضے میں چلا جاتا اور اس سے بچنے کے لیے میں اتنے جتن کر رہا تھا۔ ''ویسے اگر میں اس سے پہلے ہی گاڑی کسی کھائی میں گرا دوں تو؟''

اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''تم مجھے خودکشی کرنے والے تو نہیں لگتے۔''

اس کی بات درست تھی میرے دشمن بھی جانتے تھے کہ میں آخری دم تک مقابلہ کرنے والا شخص ہوں اور خودکشی نہیں کر سکتا۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے دیکھتے ہیں ہم میں سے کون جیتا ہے۔''

وہ عقب میں پوری طرح ہوشیار تھا اور جب میں نے رفتار بڑھائی تو اس نے سیٹ بیلٹ باندھ لی تھی۔ میں نے بھی سیٹ بیلٹ باندھی ہوئی تھی۔ مارگلہ کی پہاڑیاں شروع ہو گئی تھیں اور خطرناکی میں یہ مری کے پہاڑوں سے کم نہیں ہیں بلکہ ان سے زیادہ ہی ہیں کیونکہ مری میں درختوں کی بہتات ہے اور اکثر سڑکوں کے کنارے درخت ہیں اگر کوئی گاڑی سڑک سے اترے تو یہ درخت اسے کھائی میں گرنے سے بچاتے ہیں مارگلہ کی پہاڑیاں درختوں سے خالی ہیں اور سینکڑوں فٹ کی گہرائی تک کوئی روک نہیں ہے اگر گاڑی یہاں سے نیچے جائے تو اسے روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ یہاں سڑک پہاڑوں کے ساتھ چلتی ہے اور کشادہ ہونے کے ساتھ حدِنظر بھی ہے یعنی سامنے سے آتی گاڑی دور سے نظر آ جاتی ہے البتہ کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں حدِنظر محدود ہو جاتی ہے اور سامنے سے آتی گاڑی کا پتا نہیں چلتا ہے۔ ایک ایسے ہی مقام پر اچانک سامنے سے ایک بڑی بس نمودار ہوئی اور سڑک پر گنجائش کم تھی میں نے بے ساختہ بریک لگائی اور تصادم سے بچنے کے لیے کار کو کچے میں اتار لیا۔ بس برابر سے دھواں اُڑاتی گزر گئی تھی۔ اس دوران میں رفتار بہت کم رہ گئی تھی اور کار نے ڈھلان سے رگڑ بھی کھائی تھی۔ فاضلی اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ میں دھچکے سے آگے گیا اور جب واپس پیچھے آیا تو اس نے میرے سر پر اپنا پستول آزمایا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا۔ میں سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے دوسرا وار کیا اور دل کے ساتھ میرا ذہن بھی تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ آخری خیال یہ تھا کہ اب ہوش آیا تو اگلی دنیا میں یا مرشد کے عقوبت خانے میں ہوں گا۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رفتہ رفتہ میرے حواس بحال ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں گہرے تاریک سمندر سے سطح پر آ رہا ہوں۔ یہ بے ہوشی بھی عجیب شے ہے جب یہ حواس پر قبضہ کرتی ہے تو ہر بار انسان ہوش میں آتے ہوئے کچھ نیا محسوس کرتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میرے سر میں قیامت کا درد ہوگا۔ کیونکہ فاضلی نے نہایت بے دردی سے وار کیے تھے۔ میرا سر یقیناً پھٹ گیا تھا لیکن میں سکون کی کیفیت میں تھا۔ اس سے مجھے شبہ ہوا کہ میں اس دنیا سے گزر گیا تھا۔ اس دنیا میں میرے لیے بھلا سکون کہاں تھا۔ میں ایک صاف ستھرے لیکن سادہ بستر پر لیٹا تھا اور میرے جسم پر میرا ہی لباس تھا۔ اس کمرے میں سوائے اس بستر کے اور کچھ نہیں تھا۔ میرے سر پر خاصی پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں اور اس کا مطلب تھا کہ میرا سر اچھا خاصا پھٹا تھا۔ کمرہ بتا رہا تھا کہ یہ قید خانہ ہے ورنہ نارمل کمرے میں کچھ فرنیچر تو ہوتا ہے۔ چھت پر ایک بلب جل رہا تھا اور کمرے میں سردی کا احساس بہت کم تھا۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ اتنے سکون کی وجہ یہ تھی میرا باقاعدہ علاج ہوا تھا اور مجھے کوئی طاقتور درد کش دوا دی گئی تھی جس کی وجہ سے مجھے درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اپنا بازو دیکھا تو مجھے نس میں انجکشن کا نشان نظر آیا۔ میرا لباس پورا تھا البتہ جوتے غائب تھے۔ میں نے جھک کر بستر کے نیچے دیکھا تو مجھے ایک لمحے کو چکر آ گیا تھا۔ جوتے بستر کے نیچے نہیں تھے۔ میرا خالی پیٹ بتا رہا تھا کہ میں کم سے کم دس بارہ گھنٹے سے بے ہوش تھا۔ جب میں اسپتال سے نکلا تھا تو ایک بج رہا تھا اور دو بجے میں نے ہوش و حواس کی دنیا کو خیر باد کہا تھا۔ اس لحاظ سے رات کے بارہ تو بج چکے تھے۔

اس بند کمرے میں پتا نہیں چل رہا تھا کہ باہر رات تھی یا دن اور نہ ہی یہاں کوئی گھڑی لگی تھی۔ میری کلائی سے گھڑی اتار لی گئی تھی۔ موبائل پہلے ہی فاضلی نے لے لیا تھا۔ اب پرس بھی غائب تھا ان لوگوں نے سوائے تن کے کپڑوں کے اور کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ میں نے پٹی کو چھوا تو سر میں درد کی لہر اٹھی اور اس نے مجھے سمجھا دیا کہ درد کا عفریت رخصت نہیں ہوا ہے سر میں موجود ہے۔ میں سیدھا لیٹ گیا۔ میں نے دروازہ چیک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ میں مرشد کے قبضے میں آ چکا تھا لیکن اس نے مجھے اس طرح آرام سے کیوں رکھا تھا اور میرے علاج معالجے کی زحمت کیوں اٹھا رہا تھا یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔

رفتہ رفتہ میرے حواس مکمل طور پر میرے قابو میں آ گئے لیکن میں لیٹا رہا میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ ممکن ہے یہاں میری نگرانی کے لیے کوئی کیمرہ ہو اور ان کو پتا چل جائے کہ مجھے مکمل ہوش آ گیا ہے۔ میں ان کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ردِعمل جاننا چاہتا تھا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد دروازے پر آہٹ ہوئی اور میں بے ہوش بن گیا۔ دروازہ کھلا اور کچھ افراد اندر آئے۔ آنے والوں میں سے ایک نے میری نبض دیکھی اور بولا۔ ''نبض تو ٹھیک چل رہی ہے اسے اب تک ہوش میں آجانا چاہیے۔''

''تب کیا معاملہ ہے ڈاکٹر اسے ہوش کیوں نہیں آ رہا؟'' میں نے مرشد علی کی آواز سنی تو میرا دل چاہا کہ بے ہوشی ختم کر کے اس کی گردن دبوچ لوں۔ میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا تھا۔

''میں نے پہلے بھی کہا تھا اسے اسپتال لے جائیں شاید کیس سیریس ہے۔'' ڈاکٹر دبے لہجے میں بولا۔ ''ویسے تو وائٹل سائن ٹھیک ہیں لیکن دماغ کی چوٹ کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے۔''

اب میری سمجھ میں آیا کہ میری اتنی دیکھ بھال کیوں ہو رہی تھی۔ فاضلی نے جو وار کیے تھے ان کا اثر زیادہ تھا اور شاید مجھے ہوش نہیں آیا تھا۔ اس لیے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ مرشد نے ڈاکٹر کی بات پر کہا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے ورنہ تم کو کیوں بلاتا۔''

''میں کوشش کر رہا ہوں۔'' ڈاکٹر عاجزی سے بولا۔ ''ابھی انجکشن دیتا ہوں اور پھر بھی ہوش نہیں آیا تو یہ معاملہ میرے بس سے باہر سمجھیے گا۔''

اس نے کوئی انجکشن نکالا اور اس کی سوئی میرے بازو میں ٹھونک دی۔ ''اس کا ردِعمل چند منٹ میں ظاہر ہو جائے گا۔''

''مجھے معلوم نہیں تھا یہ بندہ اتنا نازک نکلے گا۔'' فاضلی کی آواز آئی۔

''بکو مت۔'' مرشد نے خفگی سے کہا۔ ''میں نے خود دیکھا اس کا سر بری طرح پھٹ گیا تھا اور تم کو جس کام سے بھیجا تھا وہ بھی نہیں کر سکے۔''

''اس کی وجہ بتا چکا ہوں۔'' فاضلی دبے انداز میں بولا۔ وہ ڈاکٹر کے سامنے اس موضوع پر بات نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ڈاکٹر کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ باہر کا آدمی تھا۔ خود مرشد کو بھی احساس تھا اس لیے اس نے زیادہ نہیں کہا۔ اب وہ خاموشی سے انجکشن کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے یہ سن کر اطمینان محسوس کیا تھا کہ عتیق محفوظ تھا اور فاضلی نے اس کی جان لینے کی جو کوشش کی تھی وہ ناکام رہی تھی۔

جب ڈاکٹر نے میرے بازو میں انجکشن لگایا تھا اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب مجھے ہوش میں آجانا چاہیے ورنہ یہ ڈاکٹر نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کرتا اور کون کون سے انجکشن میرے جسم میں گھونپتا رہتا۔ کوئی پانچ چھ منٹ بعد میں نے چہرے کے عضلات کو ہلانا شروع کر دیا جیسے میں نیند سے جاگ رہا ہوں اور چند منٹ بعد میں نے سر بھی ہلانا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اسے ہوش آ رہا ہے جناب۔''

ان لوگوں کا صبر آزمانے کے لیے میں کچھ دیر کو ساکت ہوا تھا۔ فوراً ہی مرشد کی اضطرابی آواز آئی۔ ''یہ تو پھر بے ہوش ہو گیا۔''

''نہیں یہ عارضی کیفیت ہے۔'' ڈاکٹر نے یقین سے کہا۔ ''اصل میں چوٹ بہت گہری ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں فاضلی کو برا بھلا کہا جس نے نہ جانے میرے سر کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ چند منٹ بعد میں نے دوبارہ حرکت شروع کر دی اور اس بار آنکھیں بھی کھول دیں لیکن ساکت پڑا رہا اور چھت کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھورتا رہا۔ ڈاکٹر نے میری آنکھوں میں اپنی ٹارچ سے روشنی ڈالی اور بولا۔ ''آنکھ کی پتلیاں ردِعمل دکھا رہی ہیں۔''

اس بار مرشد سامنے آیا اور ذرا جھک کر بولا۔ ''شہباز ملک۔''

میں سپاٹ سے انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ مرشد نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ ''یہ اس طرح کیوں دیکھ رہا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم جناب۔'' ڈاکٹر نے کسی قدر بے زاری سے کہا پھر میری طرف جھکا۔ ''تمہیں اپنا نام یاد ہے۔''

''نام۔'' میں نے خواب ناک لہجے میں کہا۔ ''میرا نام کیا ہے؟''

''میرا خیال ہے اس کی یادداشت عارضی طور پر متاثر ہوئی ہے۔'' ڈاکٹر نے میری اداکاری سے متاثر ہو کر فوراً مجھے سرٹیفکیٹ دیا۔ فاضلی جو مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے مرشد سے کہا۔

''مجھے تو ڈرامہ لگ رہا ہے۔''

اپنا سرٹیفکیٹ جھٹلائے جانے پر ڈاکٹر نے اسے خفگی سے دیکھا۔ ''ڈاکٹر میں ہوں یا تم ہو؟''

''تم سے ایک بندہ ہوش میں نہیں آ رہا تھا تم کس قسم کے ڈاکٹر ہو؟''

''لڑو مت۔'' مرشد نے رعب سے کہا اور ڈاکٹر سے بولا۔ ''اگر اس کی یادداشت گم گئی ہے تو اسے بحال کرو۔''

''جناب دنیا کی کوئی دوائی یا علاج ابھی تک گم ہونے والی یادداشت کے سلسلے میں کارگر نہیں ہوئی ہے اسے رفتہ رفتہ سب یاد آئے گا۔''

''یا فلمی انداز میں اس کے سر پر ویسے ہی چوٹ لگائی جائے گی اور اس کی غائب ہونے والی یادداشت واپس آ جائے گی۔'' فاضلی نے طنز کیا۔

''لگتا ہے تم اسے مارنا چاہتے ہو۔'' ڈاکٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''اس کا سر نازک ہو رہا ہے اور اس پر مزید کوئی چوٹ جان لیوا بھی ہو سکتی ہے۔''

خدا نے اس ڈاکٹر کی صورت میں میرے لیے رحمت کا فرشتہ بھیج دیا تھا جس نے فی الحال مجھے مرشد اور اس کے گرگوں کے عتاب سے بچا لیا تھا۔ اس نے مرشد سے کہا۔ ''جناب اس کے ساتھ ذرا سا برا سلوک نہ صرف اسے مار سکتا ہے بلکہ اس کے ذہن پر اتنا بڑا اثر بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے یادداشت یا ذہنی توازن کھو سکتا ہے۔''

مرشد اس دوران میں میرا معائنہ کر رہا تھا اور میری کوشش تھی کہ میرے چہرے پر تاثرات یا جذبات کی ہلکی سی رمق بھی نہ آئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مرشد عیار ترین شخص تھا اور وہ میرے ذرا سے تاثر سے بھانپ جاتا کہ میں ڈرامہ کر رہا تھا اس لیے میں معصومانہ صورت بنا کر لیٹا رہا۔ کمرے میں سوائے ان تین افراد کے اور کوئی نہیں آیا تھا۔ جب ڈاکٹر چپ ہوا تو اس نے سب کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ ان کے جانے کے بعد دروازہ بند ہو گیا۔ نگرانی کے خوف سے میں ایسے ہی لیٹا رہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ سب دوبارہ آئے۔ فاضلی نے آتے ہی کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ ڈرامہ کر رہا ہے آپ کے عتاب سے بچنے کے لیے۔''

''اگر یہ ڈرامہ کر رہا ہے تو میں ڈاکٹری چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔'' ڈاکٹر نے برافروختہ ہو کر کہا۔

''بکومت۔'' فاضلی جارحانہ انداز میں بولا۔ ''یہ ابھی بولے گا۔''

مرشد ایک طرف خاموش کھڑا تھا۔ فاضلی نے اچانک پستول نکال لیا پستول دیکھ کر ڈاکٹر تیزی سے اس کی طرف جھپٹا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو تم میرے سامنے ایک مریض کو نہیں مار سکتے۔''

''ہٹ جاؤ سامنے سے۔'' فاضلی نے ڈاکٹر کو دھکیلنے کی کوشش کی لیکن وہ چٹان کی طرح اس کے سامنے ٹ گیا تھا۔

''آپ دیکھ رہے ہیں جناب؟'' اس نے چلا کر مرشد سے کہا۔

''ٹوہٹتا ہے یا پہلے تیرے سر میں سوراخ کروں۔'' فاضلی نے پھنکار کر کہا اور ڈاکٹر کے اوپر سے پستول کا رخ میری طرف کر دیا اور میرا جسم تن گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے روکنے کی کوشش کی اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ فاضلی کے ہاتھ سے پستول نکلا اور اچھل کر بستر پر میرے پاس آ گرا۔ مرشد ابھی تک کچھ کرنے کے بجائے خاموشی سے میرا جائزہ لے رہا تھا اور پستول جب میرے پاس آ کر گرا تب بھی اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا اور اس کی اسی حرکت نے میرا ہاتھ پستول پھوٹنے سے بچا لیا۔ میری چھٹی حس نے مجھے بروقت خبردار کیا اور میں پستول اٹھاتے اٹھاتے رک گیا تھا۔ اس کے بجائے میں نے خوف زدہ نظروں سے پستول کی طرف دیکھا اور یوں اس سے ذرا دور سرک گیا جیسے یہ پستول کے بجائے کوئی بچھو ہو جو مجھے ڈنک مارنے والا ہو۔ فاضلی نے ڈاکٹر کو ایک طرف دھکیلا اور لپک کر پستول اٹھا لیا۔ میں نے دیکھا ڈاکٹر فاتحانہ انداز میں مسکرایا تھا اس نے مرشد کی طرف دیکھا تو اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور پھر وہ تینوں خاموشی سے باہر چلے گئے۔ میں نے گہری سانس لی۔ یہ ان لوگوں کا ڈرامہ تھا جس میں فاضلی اور ڈاکٹر اداکار تھے اور اس ڈرامے کا اسکرپٹ رائٹر اور ہدایت کار مرشد علی تھا۔ پستول یقیناً خالی تھا اور فاضلی نے جان بوجھ کر میری طرف پھینک دیا تھا تاکہ پتا چلے کہ میری یادداشت سچ مچ گم گئی ہے یا میں ان کو دھوکا دے رہا ہوں۔

سچی بات تھی کہ میں جب ہوش میں آیا تو میرے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں تھا کہ میں یادداشت گم ہونے کا ڈرامہ کروں گا لیکن اس کی راہ خود ان لوگوں نے مجھے سجھائی تھی اور پھر میرا امتحان لے کر انہوں نے مجھے مزید پکا کر دیا تھا۔ پھر مرشد کا رویہ بھی معنی خیز تھا۔ اسے میری یادداشت سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ اسے تو شادیانے وغیرہ بجانے چاہیے تھے کہ میں اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو مرشد مجھ سے معلوم کرنا چاہتا ہو لیکن حالات کے بارے میں کیا کہا جا سکتا تھا۔ ممکن ہے کوئی ایسی بات ہوئی ہو جس کی وجہ سے مرشد اب میرے بارے میں فکرمند تھا۔ دوسری صورت میں مجھے اس کے جلادوں کا سامنا کرنا ہوتا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ میں اداکاری جاری رکھوں گا۔ میں ذہنی طور پر خود کو مضبوط کرنے لگا اور ان ممکنہ اقدامات کا سوچنے لگا جو مرشد میری یادداشت کی بحالی کے لیے کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے ذہنی بحالی کا انجکشن دیا تھا اور اس کے بعد درد کش دوا کا اثر کم ہو رہا تھا جس سے سر کی تکلیف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اب رہ رہ کر ٹیسیں اٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھیں۔ ایسی ہی کچھ ٹیسیں پیٹ میں بھی اٹھ رہی تھیں کیونکہ مجھے کھانا کھائے بہت دیر گزر چکی تھی۔ ان تینوں کے جانے کے کوئی ایک گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور ایک شخص اندر آیا۔ اس نے ایک چھوٹا سا ڈونگہ اٹھا رکھا تھا اس نے وہ لا کر بستر پر میرے پاؤں کے پاس رکھ دیا اور بدتمیزی سے بولا۔

''لے کھالے۔''

میں نے اٹھ کر دیکھا تو اس میں سادہ دال اور چاول تھے۔ ساتھ میں ایک چمچ تھا۔ میں نے انہیں چکھ کر دیکھا۔ بدذائقہ تھے لیکن بہرحال کھانے کے قابل تھے اس لیے میں نے کسی نہ کسی طرح انہیں حلق سے اتار لیا۔ اس دوران میں ڈونگہ لانے والا وہیں موجود رہا تھا وہ کوئی نچلے درجے کا ملازم تھا جسے بے دھڑک میرے پاس بھیج دیا گیا تھا اگر میں اسے مار بھی دیتا تو مرشد کا کچھ نہ جاتا۔ میں نے کھانے کے دوران اس سے پوچھا۔

''یہ کون سی جگہ ہے اور وہ کون ہے جس نے سر پر پگڑی پہنی ہوئی ہے؟''

''تو جہنم میں ہے۔'' اس نے پھر بدتمیزانہ لہجے میں کہا۔ ''وہ موت کا فرشتہ ہے۔''

''اور تم جہنم کے فرشتے ہو؟''

''بکواس نہ کر جلدی کھا کر دے تیرے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو یہاں کھڑا رہوں۔''

میں نے ڈونگہ خالی کر دیا اس نے لپک کر ڈونگہ اٹھایا اور دروازے پر دستک دی۔ باہر سے دروازہ کھلا اور وہ باہر چلا گیا۔ پیٹ میں کچھ گیا تھا تو اس کی ٹیسیں تو معدوم ہوگئی تھیں لیکن سر کی ٹیسوں میں اضافہ ہو رہا تھا میں نے مناسب سمجھا کہ آنکھ بند کر کے لیٹ جاؤں لیکن فی الحال سکون سے لیٹنا میرے مقدر میں نہیں تھا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور فاضلی اندر آگیا اس نے میرے پاس آ کر دھیمے لہجے میں کہا۔ ''شہباز تم مرشد کو بے وقوف بنا سکتے ہو مجھے نہیں۔''

''کیوں نہیں بنا سکتا۔'' میں نے خلوص سے کہا۔ ''اگر تم چاہو تو تمہیں بھی بنا سکتا ہوں۔ ویسے یہ مرشد کون ہے؟''

''تمہارا باپ ہے۔''

''میرا باپ ہے۔'' میں نے الجھ کر کہا۔ ''لگتا تو نہیں ہے۔''

فاضلی شاید سوچ کر آیا تھا کہ اسے میرے ڈرامے کی اصلیت سامنے لانی ہے اس لیے اس نے مجھے ذہنی طور پر اذیت دینے کے لیے بکواس شروع کر دی۔ میں پہلے ہی اس مرحلے کے لیے تیار تھا اس لیے نارمل ردِعمل کے بجائے میں نے حالات کی مناسبت سے احتجاج کیا۔ ''اے تم مجھے گالیاں کیوں دے رہے ہو؟''

اس پر اس نے مزید بکواس کی اور ان میں بعض باتیں ایسی تھیں کہ میرے لیے خود پر قابو پانا مشکل ہوگیا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا سر توڑ دوں لیکن اس کے بجائے میں نے اسے ایک بے بس شخص کے انداز میں کلاسیکل گالیاں دیں اور اس کا صبر جواب دے گیا۔ وہ غرا کر میری طرف آیا تھا کہ دروازہ کھلا اور مرشد نے اسے آواز دی۔ ''واپس آجاؤ۔''

فاضلی اپنے آقا کے حکم پر دم دبا کر باہر چلا گیا اور اس کے فوراً بعد ڈاکٹر اندر آیا اس نے میرے سر کی ڈریسنگ کھول کر دیکھی اور زخم کی بحالی سے مطمئن ہو کر اس پر معمول کی پٹی کر دی۔ اس فلمی اسٹائل کی پٹی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نجات پا کر میں نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔ اس نے زخم خشک کرنے والا پاؤڈر لگایا اور اوپر سے چپکنے والی پٹی لگا دی تھی۔ پھر اس نے مجھے دو عدد انجکشن دیئے جن میں سے ایک اینٹی بایوٹک تھا اور دوسرا یقیناً مسکن تھا کیونکہ جیسے ہی اس نے انجکشن لگایا مجھے غنودگی آنے لگی اور اس کے باہر جانے سے پہلے میں سو چکا تھا۔

میں سو کر اٹھا تو خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی میرے پیٹ میں دباؤ بتا رہا تھا کہ جلد مجھے فراغت کے لیے کچھ کرنا ہوگا میں نے اٹھ کر دروازہ بجایا اور اس وقت تک بجاتا رہا جب تک دوسری طرف سے کسی نے سخت لہجے میں نہیں کہا۔ ''بہرہے کیوں شور کر رہا ہے؟''

''مجھے باتھ روم جانا ہے۔''

''کچھ دیر رک جا۔'' باہر والے نے کہا اور کوئی دس منٹ بعد دروازہ کھل گیا، باہر دو مسلح افراد موجود تھے۔ ان میں ایک بولنے والا بھی تھا اس کا انداز مجھے اس کے بولنے سے ہوا۔ اس نے باہر آنے کو کہا اور میں باہر آ گیا وہ مجھے اس کمرے سے ذرا دور ایک چھوٹے سے اور غلیظ لیٹرین تک لائے۔ میں دل پر جبر کر کے اندر گیا اور یہ سوچ کر گیا کہ اب کم سے کم چوبیس گھنٹے سے پہلے یہاں نہیں آؤں گا۔ مجھے جس کمرے میں رکھا گیا یہ لیٹرین اس سے باہر راہداری کے آخری سرے پر تھا۔ میری یہ خواہش پوری نہیں ہوئی کہ میں اپنے قید خانے کا محل وقوع جان سکوں لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگا جیسے میں زیر زمین کسی جگہ قید ہوں۔ مرشد مجھے کسی کھلی جگہ رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا جہاں سے میں فرار ہو جاؤں اس نے مجھے قید رکھنے کے فول پروف انتظامات کیے ہوں گے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ میں موقع ملتے ہی فرار ہو جاؤں گا۔

اس ڈرامے کے باوجود صورت حال نہایت سنگین تھی۔ پاکستان آنے کے بعد میری ساری جدوجہد کا نکتہ نظر مرشد سے بچنا تھا ایک بار میں اس کی گرفت میں آ جاتا تو میرا کھیل تقریباً ختم ہو جاتا میں آزاد رہ کر ہی اس کے خلاف کچھ کر سکتا تھا اور اسے مجبور کر سکتا تھا۔ میں اس کی گرفت میں آ گیا تھا اور اب میرے ساتھ کیا ہونا تھا یہ صرف خدا ہی جانتا تھا۔ لیٹرین سے آتے ہی ڈاکٹر دوبارہ آ گیا تھا اس نے میرا معائنہ کیا اور میرے بازو میں پھر ایک انجکشن لگایا اور سر پر نئی پٹی کر کے رخصت ہو گیا میں نے اس سے کئی سوالات کیے لیکن اس نے ہر سوال کا خاموشی سے جواب دیا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے پھر دال چاول کا کھانا مہیا کیا گیا اور یہ کھانا بتانے کے لیے کافی تھا کہ مرشد کے دل میں میرے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں تھا وہ کسی مجبوری کی وجہ سے فی الحال سختی سے گریز کر رہا تھا۔ وہ وجہ بھی جلد سامنے آ جاتی۔

مجھے عبداللہ کا خیال آیا اس نے غائب ہونے کے بعد مجھے تلاش کرنے کی کوشش کی ہوگی اور اگر اسے خالی گاڑی مل گئی ہوگی تو اسے معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں دشمن کے ہتھے چڑھ گیا ہوں۔ کھانا دینے والا کچھ دیر بعد واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں زنجیر تھی اور اس میں ہاتھ میں بند ہو جانے والی ہتھکڑی تھی۔ اس نے زنجیر دیوار میں لگے کنڈے سے منسلک کی اور پھر اس کا کڑے والا سرا میری کلائی میں ڈال دیا۔ اب میں بیڈ پر لیٹ سکتا تھا لیکن اس کے آخری سے تک ہاتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ زنجیر کوئی تین فٹ لمبی تھی اور میری آزادی محدود ہو گئی تھی۔ جب وہ اپنا کام کر کے گیا تو اس کے جاتے ہی مرشد علی آ گیا تھا۔ اس نے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ انتظام کیا تھا کیونکہ اس کے ساتھ کوئی محافظ نہیں تھا جو اس کو بچاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز ملک۔'' اس نے مجھ سے محفوظ فاصلے پر کھڑے ہو کر کہا۔ ''میرا خیال ہے تم اداکاری کر رہے ہو۔''

میں خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر کہا۔ ''مجھے فتح خان چاہیے۔''

''تو لے لو۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ تمہارے پاس ہے۔''

''میں کسی فتح خان کو نہیں جانتا۔''

''بکواس مت کرو تم جانتے ہو۔'' وہ غرانے لگا تھا۔ ''ابھی میرے جلاد جب تمہارے جسم سے بوٹی بوٹی کر کے گوشت اتارنا شروع کریں گے تو تمہیں سب یاد آ جائے گا۔''

اگر میں کہوں کہ اس کی دھمکی نے مجھے خوف زدہ نہیں کیا تو یہ غلط ہے۔ اس کے قبضے میں تھا اور اس کے پاس سچ مچ کے جلادوں کی کمی نہیں تھی۔ اس کے ایک اشارے پر میرے ساتھ اس سے کہیں زیادہ برا ہو سکتا تھا لیکن میں نے اپنا تاثر برقرار رکھا تھا۔ میں اسے یوں دیکھتا رہا جیسے اس کی دھمکی میرے سر سے گزر گئی ہو۔ میرا رویہ اس بچے جیسا تھا جسے سانپ ایک خوب صورت جانور لگتا ہے اور وہ اس کی ہلاکت خیزی سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے میں نے شکایتی انداز میں کہا۔ ''یہ دیکھو مجھے باندھ دیا ہے۔''

مرشد علی بھنا گیا تھا۔ ''ابھی تمہارے ساتھ جو ہوگا تم باندھنا بھول جاؤ گے۔''

میں کسمسایا۔ ''تم کون ہو میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو؟''

''شہباز ملک میں نہیں مان سکتا کہ سر کی ایک معمولی سی چوٹ نے تمہاری یادداشت چھین لی ہے۔ مجھے یقین ہے تمہیں سب یاد ہے بس تم ڈرامہ کر رہے ہو لیکن یاد رکھو تم اس طرح بچ نہیں سکو گے۔ ابھی تمہیں دکھایا جائے گا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو سکتا ہے اور پھر تمہارے پاس صرف ایک دن کی مہلت ہوگی۔''

مرشد نے کہا اور اپنی عبا لہراتا ہوا کمرے سے رخصت ہو گیا۔ میں اس کے آخری الفاظ پر غور کر رہا تھا مجھے کچھ دکھایا جانا تھا۔ کیا دکھانے کے لیے کہیں لے جایا جاتا۔ میرے اندر امید جاگی تھی اس صورت میں مجھے فرار کا موقع مل سکتا تھا لیکن مجھے باہر نہیں نکالا گیا۔ اس کے بجائے کچھ دیر بعد مرشد کے دو تنومند آدمی ایک دبلے اور کمسن لڑکے کو لے کر اندر گھس آئے۔ لڑکا رو رہا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ان لوگوں سے رحم کی اپیل کر رہا تھا لیکن اس کو لانے والے گونگے اور بہرے جلاد تھے وہ نہ کسی کی فریاد سنتے تھے اور نہ کسی بات کا جواب دیتے تھے انہوں نے لڑکے کو باندھ کر اوندھے منہ فرش پر لٹا دیا اور اس کے جسم پر موجود چیتھڑا کپڑے الگ کر کے اسے بالکل برہنہ کر دیا۔

میرا دل اندر سے جلنے لگا تھا اور مجھے لگا جیسے ابھی کوئی خوفناک منظر میرے سامنے آنے والا ہو لیکن جو منظر سامنے آیا وہ میری سوچ سے بھی زیادہ خوفناک تھا۔ لڑکے کو لانے والے جلادوں نے اسے بے بس کر کے فرش پر ڈال دیا اور اس کے بعد ان میں سے ایک باہر جا کر دو ڈنڈے لے آیا۔ ان میں سے ایک لڑکے کی کمر پر بیٹھ گیا اور دوسرے نے فوراً ہی ڈنڈہ گھما کر لڑکے کے تلوے پر مارا اسے خبر ہی نہیں تھی اور ہڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ لڑکے نے فلک شگاف چیخ ماری تھی۔ وہ تڑپا لیکن اس کے اوپر بیٹھا شخص کم سے کم بھی سو کلو گرام وزنی تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارنے والے نے فوراً دوسرا وار کیا اور لڑکے کا دوسرا پاؤں بھی ٹخنے سے توڑ دیا اس بار لڑکے کی چیخیں نہیں رکی تھیں اور پھر وہ مستقل چیختا چلا گیا۔ کیونکہ ڈنڈے والا مستقل اس کے پیروں پر ڈنڈے مار رہا تھا۔ میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''حرامیوں یہ کیا کر رہے ہو؟''

لیکن وہ بہرے تھے یا بہرے بنے رہے۔ دونوں کی مکمل توجہ اپنے کام کی طرف تھی۔ بیٹھنے والے نے لڑکے کو مکمل طور پر قابو کر رکھا تھا وہ تڑپ بھی نہیں سکتا تھا جب کہ دوسرا مشینی انداز میں اپنا کام کر رہا تھا وہ ایسے روبوٹ بنے تھے جن میں انسانی حس نہیں ہوتی ہے۔ ان کو پتا نہیں ہوتا کہ وہ جس چیز کو توڑ پھوڑ رہے ہیں وہ کوئی ناکارہ مشین ہے یا انسان ہے۔ ایسا ہی رویہ ان کا بھی تھا۔ میرا چیخنا چلانا وہ کیا سنتے ان پر تو لڑکے کی چیخوں کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ڈنڈے والے نے لڑکے کے پیروں کی بیشتر ہڈیاں توڑ دیں تھیں اور اب اسے چھوڑ بھی دیا جاتا تب بھی وہ نہیں ہل سکتا تھا۔ دوسرا جلاد اس پر سے اٹھ گیا اور اس نے دوسرا ڈنڈا سنبھال لیا۔ میرا دل لرزنے لگا کہ ابھی نہ جانے اور کیا کچھ دیکھنا پڑے گا۔ لڑکا ہوش میں تھا اور مار میں وقفہ آیا تو وہ کراہ رہا تھا۔ اس دوران میں، مَیں بھی ان کو اور ان کے آقا کو گالیاں دیتا رہا تھا لیکن میں نے ایک بار بھی مرشد یا کسی کا نام لینے کی غلطی نہیں کی تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ مجھے یہ سب دکھانے کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ میں جذبات میں آ کر کھل جاؤں اور دوسرے مجھے پتا چل جائے کہ مرشد میرے ساتھ کیا کچھ کروا سکتا تھا۔

وہ دونوں دوسرے مرحلے کی تیاری کر رہے تھے اور اس دوران میں وہ لڑکے کو اوپری جسم پر ڈنڈوں سے ہلکی چوٹیں لگا رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے لڑکے کی کمر پر ضرب لگائی۔ وہ تڑپا اور پھر فلک شگاف انداز میں چیخنے لگا۔ جلاد نے پھر ضرب لگائی اور اس کے ساتھ ہی دوسرا بھی شامل ہو گیا۔ دونوں باری باری اسے ضربیں لگا رہے تھے۔ وہ اسے مار رہے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ وہ بے ہوش بھی نہ ہونے پائے اس کے لیے وہ اسے نازک جگہ ضرب لگانے سے گریز کر رہے تھے۔ ان کا نشانہ زیادہ تر گوشت اور ہڈیاں تھیں۔ اس کے پیروں کی ہڈیاں درجنوں جگہوں سے ٹوٹ گئی تھیں اور اس کی جان بچ بھی جاتی تب بھی اس کی ہڈیوں کو دنیا کا کوئی آرتھو پیڈک سرجن ٹھیک نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ اس کی کمر اور شانوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اس کے شانوں کی ہڈیاں بھی توڑ دی تھیں۔ لڑکا ابھی ہوش میں تھا لیکن اس میں چیخنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی وہ سسک رہا تھا۔ جلادوں کے ہاتھ رک گئے۔

''ظالموں بس کرو کیا اسے مارو گے؟'' میں نے چلا کر کہا۔

ظالموں پر میری آواز کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ اب وہ نئے زاویے سے لڑکے پر ستم کا نیا پہاڑ توڑنے جا رہے تھے انہوں نے اسے سیدھا کیا۔ ایک جلاد نے ڈنڈا بلند کر کے پوری طاقت سے اس کے گھٹنے پر مارا۔ اس کی ہڈی پیچھے سے ٹوٹ چلی تھی اس بار سامنے والی چپنی بھی چکنا چور ہو گئی۔ لڑکے کی سسکی ذرا تیز ہوئی تھی۔ وہ نیم غشی میں تھا اور اس سے پہلے وہ مرجاتا جلاد اسے زیادہ سے زیادہ تکلیف دینا چاہتے تھے۔ وہ پے در پے اس پر ڈنڈے برسانے لگے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر ڈنڈے اس کے جسم سے ٹکرانے اور اس کی دھیمی کراہوں کی آوازیں تو میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں میں کانوں پر ہاتھ رکھ کر ان آوازوں کی شدت کم کر سکتا تھا لیکن انہیں مکمل طور پر نہیں روک سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ جانے کب ہوا لڑکا مر گیا اور یہ اس کے مردہ جسم پر مشق ستم کرتے رہے۔ اس کی ایک ایک ہڈی توڑ دی۔ اس کا سر پاش پاش کر دیا۔ اس کا گوشت ڈنڈے سے یوں کوٹ کر قیمہ کر دیا جیسے دھوبی ڈنڈے سے کپڑے کا میل کچیل نکالتا ہے۔ کمرے میں خون کے چھینٹے ہی چھینٹے تھے اور جہاں لڑکے کی لاش تھی وہاں زمین پوری اس کے لہو سے سرخ ہو گئی تھی۔ جب جلادوں نے اپنا کام کر لیا تو وہ لڑکے کی لاش ایسے ہی چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔ میرا دماغ گھوم رہا تھا اور مجھے شدید قسم کی متلی محسوس ہو رہی تھی۔ میں دیر سے آنکھیں بند کیے بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھ کھولی۔ میرے سامنے تصور سے بھی زیادہ بھیانک منظر تھا۔ لڑکے کے جسم کو لاش کہنا بھی درست نہیں تھی وہ تو کچلی اور مسلی ہوئی چیز تھی۔ جس کا ایک عضو بھی صحیح سلامت نہیں تھا۔ اس کا سر خون، گوشت، ہڈیوں اور مغز کا ایک ملغوبہ بن گیا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے مجھے متلی کا احساس ہوا اور میں نے منہ بستر سے نیچے کرتے ہوئے الٹی کر دی اور ایک دو لمحے کو مجھے چکر آ گیا تھا نہ جانے کیسے میں بستر سے نیچے گرنے سے محفوظ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے شدت سے کمزوری کا احساس ہوا تھا۔

میں سمجھتا تھا کہ حالات نے مجھے سخت جان بنا دیا ہے میں نے اتنی لاشیں اور اتنے پامال جسم دیکھے تھے کہ اب انسان کو اس روپ میں دیکھنا میرے لیے مشکل نہیں رہا تھا لیکن اس ایک منظر نے میری ساری خوش فہمی دور کر دی تھی۔ میں بالکل بھی سخت جان نہیں تھا۔ ایک معمولی لڑکے کی کچلی مسلی لاش نے میری اندر کی کمزوری کو ایک جھٹکے سے نکال کر باہر کھڑا کر دیا تھا۔ میں بالکل بھی مضبوط نہیں تھا۔ میں کتنی دیر بستر پر پڑا ہانپتا رہا اور خود سے لڑتا رہا۔ میرا مقابلہ ایسے لوگوں سے تھا جو کسی انسان کو اتنی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ میں کس طرح ان لوگوں سے لڑ سکتا تھا اس دن پہلی بار مجھے خیال آیا کہ میری مرشد علی سے لڑائی بے سود ہے۔ میں کسی طور بھی اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

دروازہ کھلا کچھ لوگ اندر آئے وہ پہلے لاش کسی تھیلے میں ڈال کر لے گئے کسی نامعلوم مدفن میں ڈالنے کے لیے اس کے بعد صفائی کرنے والے آئے انہوں نے فرش پر پانی مار کر لڑکے کا خون اور جسم کی باقیات صاف کیں۔ دس پندرہ منٹ میں کمرہ دھو دھلا کر بالکل صاف کر کے وہ واپس چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھ کھولی۔ لڑکے کی لاش اٹھائی جا چکی تھی لیکن میرے ذہن نے مجھے دکھایا کہ لاش وہیں پڑی ہے۔ میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر بعد کھولیں تو کمرہ صاف تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ چند منٹ پہلے تک میں جو دیکھتا رہا تھا وہ ہوا ہی نہیں تھا۔ میں نے خود کو تسلی دی کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور میں نے خواب دیکھا تھا۔

لیکن میرے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا یہ خواب نہیں تھا ابھی میرے سامنے ایک جیتا جاگتا انسان بہت اذیت سے اپنی زندگی سے محروم کیا گیا تھا۔ ایک بار میں نے ایک ناکارہ ہو جانے والی کار کو کرشر میں ڈال کر اسے اسکریپ کرتے دیکھا تھا۔ اس نے کار کی صورت ختم کر کے اسے ایک دھاتی بکس کی شکل دے دی گئی تھی۔ اس انسان کے ساتھ بھی اسے ہی ہوا تھا اسے اس کی انسانی صورت سے محروم کر کے گوشت اور ہڈیوں کا ایک ڈھیر بنا دیا تھا۔ میرے دماغ کے سیلف ڈیفنس سسٹم نے اس وقت مجھے سوچنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا تھا ورنہ میں شاید ہمیشہ کے لیے نہیں تو عارضی طور پر ضرور پاگل ہو جاتا۔ نہ جانے کتنی دیر میں اسی طرح خالی ذہن کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھا تھا جب مرشد علی اندر آیا اور میں نے اسے سچ مچ اجنبی نظروں سے دیکھا تھا۔ چند لمحے تک تو مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون تھا اور پھر میں نے اسے پہچانا۔

''تم..... تم نے ایسا کیوں کیا؟''

''کیا..... کیوں کیا؟'' اس نے انجان بن کر پوچھا۔

میں دکھی ہو رہا تھا۔ ''اس بے چارے لڑکے کا کیا قصور تھا وہ تو شاید پندرہ سولہ برس کا تھا؟''

''ہاں یہی عمر تھی اس کی۔'' مرشد نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''لیکن اس کی کم عمری سے اس کے جرم پر کوئی فرق نہیں آتا تھا۔''

''کیا کیا تھا اس نے.....؟''

''اس حرامزادے نے سرِعام سب کے سامنے مجھے گالیاں دی تھیں۔'' مرشد کا چہرہ یہ کہتے ہوئے بگڑ گیا تھا۔ اگرچہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے نزدیک یہ کتنا بڑا جرم تھا یہ فرعون صفت لوگ تھے جو اس زمین پر خود کو خدا سمجھتے تھے لیکن میں نے حیرانی کا اظہار کیا۔

''صرف گالیاں دینے پر تم نے اسے اتنی سفاکی سے مروا دیا۔ ایسا تو درندے بھی نہیں کرتے ہیں۔''

اس نے بدمزگی سے مجھے دیکھا۔ ''اس کے کیے کی یہ سزا بہت کم ہے کاش کہ میں اسے سب کے سامنے یہ سزا دلواتا۔ جن کے سامنے اس نے مجھے گالیاں دی تھیں۔''

''وہ بے چارہ غریب اور معمولی سا لڑکا لگ رہا تھا وہ تمہیں کیسے گالیاں دے سکتا تھا۔''

''اس نے دی تھیں میرے منہ پر دی تھیں۔ اس کا خیال ہے کہ اس کی ماں کے اغوا اور آبروریزی میں میرا ہاتھ تھا۔''

''تو تمہارا ہاتھ نہیں تھا؟'' میں نے سادگی سے پوچھا تو اس کے چہرے پر ایک عیارانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''اگر تھا بھی تو یہ اتنی بڑی بات تو نہیں تھی اور اس کی ماں کون سی پارسا تھی۔ علاقے کے ہر آدمی سے اس نے یاری لگا رکھی تھی لیکن جب اس کی لاش ملی تو اس کا پلا مجھ پر بھونکنے چلا آیا۔''

بات واضح تھی۔ اس لڑکے کی ماں مرشد اور اس کے آدمیوں کی چیرہ دستی کا نشانہ بنی تھی۔ پھر انہوں نے اسے قتل بھی کر دیا۔ اس پر لڑکے نے غم و غصے سے پاگل ہو کر مرشد کو سب کے سامنے گالیاں دیں۔ وہ بے چارہ یہی کر سکتا تھا اور اسے بھی معلوم تھا کہ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوگا۔ گویا اپنی ماں کی موت اور بے آبروئی کا ممکنہ حد تک بدلہ لینے کے لیے وہ اپنی جان پر کھیل گیا تھا۔ مرشد نے اس کی موت سے دو فائدے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ایک تو اسے مروا کر اپنے انتقامی جذبات کی تسکین کر لی اور دوسرے اس نے مجھے بھی بتا دیا کہ اگر میں راہِ راست پر نہ آیا تو وہ میرے ساتھ بھی ایسا کر سکتا تھا۔

''تم لوگ جرائم پیشہ ہو۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''لوگوں کو مارتے اور اغوا کرتے ہو۔''

''بکو مت۔'' وہ بولا۔ ''ہم عزت دار گدی نشین ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''عزت دار لوگ ایسی حرکتیں نہیں کرتے ہیں۔ تم تو مجھے کوئی سکہ بند بدمعاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگ رہے ہو۔"

"چلو ایسا ہی سہی..... تم نے دیکھ لیا کہ میں اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے کس حد جا سکتا ہوں۔ مجھے ہر صورت فتح خان چاہیے۔"

"تم نے پہلے بھی اس کا ذکر کیا تھا یہ شخص کون ہے اور تمہیں کیوں چاہیے؟"

"میرا اس سے ایک کام ہے۔" اس نے مبہم انداز میں کہا۔ "شہباز ملک....."

میں نے اس کی بات کاٹی۔ "کیا میرا نام شہباز ہے؟"

"ہاں تمہارا نام شہباز ہے۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"اور تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام..... ہے۔" اس بار اس نے بے قابو ہو کر اپنے لیے ایک ناپاک نام تجویز کیا میں ہنس دیا تھا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہی بات جب اس لڑکے نے کہی تو تم نے اسے مروا دیا۔"

مرشد شاید پچھتا رہا تھا کہ وہ میرے سامنے یوں بے قابو کیوں ہوا میں اس کا دشمن تھا اور وہ میرے سامنے ذرا رکھ رکھاؤ سے رہنا چاہتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس رکھ رکھاؤ کی اس نے خود ایسی کم تیسی کر دی تھی۔ اب وہ پھر سے اپنا نقاب اوڑھنے کی فکر میں تھا۔ میں نے اس کی چٹکی لی۔ "کیا میں سب کے سامنے تمہیں اسی نام سے پکاروں تو تم میرے ساتھ بھی یہی سلوک کرواؤ گے؟"

اس نے آہستہ سے کہا۔ "میرا نام مرشد علی ہے۔"

"مرشد علی..... یہ سچ ہے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں یاد ہے لیکن تمہارا طرز عمل بتا رہا ہے کہ ہم آپس میں دشمن ہیں۔"

اس نے سر ہلایا۔ "ہاں تم میرے بدترین دشمن ہو اور تم نے مجھے شدید نقصان پہنچائے ہیں۔ یقین کرو تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کا وجود میرے کتوں کے معدے میں جا کر ہضم ہو چکا ہوتا۔"

"لیکن تم نے میرے ساتھ مہربانی کی اور مجھے اب تک زندہ رکھا ہے۔" میں نے طنز کیا۔ "اگرچہ میں یادداشت کھو چکا ہوں لیکن عقل نہیں کھوئی ہے۔ تم بے سبب کسی پر مہربانی کرنے والے شخص نہیں ہو۔"

"تم نے ٹھیک کہا۔" اس کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ "مجھے تم سے ایک کام ہے اور اگر تم میرا کام نہیں کرتے ہو تو تم میرے لیے بے کار ہو اس صورت میں، میں تمہیں نادر کے حوالے کر دوں گا۔"

"نادر کون..... یہی منحوس صورت جلاد جنہوں نے اس لڑکے کو قتل کیا ہے؟" میں نے انجان بن کر کہا۔

اپنے بھائی کی شان میں گستاخی پر اس کا چہرہ پھر بگڑ گیا تھا لیکن اس نے خود پر قابو پا کر میری معلومات میں اضافہ کیا۔ "نادر میرا بھائی ہے جو تمہاری وجہ سے ہمیشہ کے لیے معذور ہو کر بستر پر پڑ گیا ہے۔"

"میری وجہ سے کیوں؟" میں نے معصومیت سے پوچھا۔

"تم نے اس پر فائر کیا تھا جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی متاثر ہوئی اور اس کا جسم مفلوج ہو گیا۔ اب اسے ڈاکٹروں نے مکمل طور پر جواب دے دیا ہے اور ابھی اسے معلوم نہیں ہے کہ تم میرے قبضے میں آ گئے ہو ورنہ وہ آسمان سر پر اٹھا لے گا اور مجھے تمہاری جان بچانا دشوار ہو جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''خوب یعنی تم میری جان بچانا چاہتے ہو؟'' میں نے طنزیہ لہجہ برقرار رکھا۔

''یہ حقیقت ہے میں تم سے دشمنی ختم کرنا چاہ رہا ہوں۔''

''نادر کے ہوتے ہوئے؟''

''ہاں اس کا مسئلہ نہیں ہے میں اسے باہر بھیج دوں گا وہ اب وہیں رہے گا اور اس کی جتنی بھی زندگی ہے وہ عیاشی سے گزارے گا پھر اسے تمہاری پروا نہیں ہوگی میں اسے بتاؤں گا کہ میں نے تمہیں مار دیا ہے تو وہ اس بات پر یقین کر لے گا۔''

''لیکن سوال وہی ہے تم مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو جب کہ تم یہ کام سج بج کر سکتے ہو بلکہ اپنے معذور بھائی کے ہاتھ سے کروا سکتے ہو۔ وہ بھی خوش ہو جائے گا۔''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں مجھے فتح خان چاہیے۔''

''یہ کون ہے اور اس کا مجھ سے کیا تعلق ہے؟''

''یہ تمہارا دشمن اور میرا ساتھی ہے اور اس وقت تمہارے قبضے میں ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تو کیا میں بھی تمہاری طرح کا کوئی گینگسٹر ہوں۔ میں بھی دشمنوں کو اغوا کرتا ہوں۔''

''تم اس معاملے میں مجھ سے بہت آگے ہو۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''یہ تو میری قسمت ہے کہ تم میرے آدمی کے ہاتھ اتفاق سے آ گئے۔''

''ٹھیک ہے میں مان لیتا ہوں کہ فتح خان میرے پاس ہے لیکن میں نے اسے کہاں رکھا ہے مجھے بالکل نہیں معلوم ہے۔ مجھے اس بارے میں کچھ بھی یاد نہیں ہے۔''

''مجھے شک ہے تم یادداشت غائب ہونے کا ڈھونگ رچا رہے ہو۔'' اس نے ایک بار پھر صاف گوئی سے کہا۔

''لیکن یہ حقیقت ہے مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا۔ ''شہباز تمہارا یہ ڈراما زیادہ دیر نہیں چلے گا۔''

''نہیں اسٹار پلس سے آنے والے سوپ ڈرامے تو بہت طویل عرصے تک چلتے ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''تمہیں اسٹار پلس یاد ہے۔'' اس نے طنز کیا۔

''پتا نہیں بہت ساری باتیں یاد ہیں۔ بس اپنے بارے میں بھول گیا ہوں۔''

وہ جانے کے لیے مڑا اور رک کر بولا۔ ''شہباز ملک اس پر سنجیدگی سے سوچنا، تمہارے پاس وقت کم ہے۔ بہتر ہے میری بات مان لو اور فتح خان کو میرے حوالے کر دو تو میں تمہیں جانے دوں گا۔''

''تمہاری بات سے لگ رہا ہے فتح خان تمہیں ساتھی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے کسی مطلب سے واپس چاہیے۔''

''اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور حسب عادت لہراتا ہوا کمرے سے رخصت ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ میں بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اکیلے ہوتے ہی مجھے پھر اس مظلوم لڑکے کی یاد آئی جس کی ماں اس سے چھین لی گئی تھی اور جب اس نے قاتلوں کو گالیاں دیں تو انہوں نے اسے بھی عبرت ناک انداز میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مجھے آج بھی حیرت ہوتی ہے وہ سب میں نے کس طرح برداشت کیا اور مرشد کے ساتھ نارمل ہو کر بات کرتا رہا تھا۔ یہی نہیں میں نے اپنی اداکاری بھی برقرار رکھی تھی اور مرشد کا شک رفتہ رفتہ کم ہونے لگا تھا۔ جب وہ مجھے دھمکی دے کر گیا تھا تب بھی اس کے لہجے میں سختی نہیں تھی۔ یعنی اس کا امکان کم تھا کہ مجھے اس کی طرف سے کسی تشدد آمیز کارروائی کا نشانہ بننا پڑے۔ اصل خطرہ یہ تھا کہ نادر کو میری یہاں موجودگی کا علم ہو جاتا تو وہ یقیناً پاگل ہو جاتا اور ممکن ہے اس کی ضد کے آگے مرشد مجبور ہو جاتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مرشد کیوں فتح خان کو اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک ممکنہ وجہ تو یہ ہو سکتی تھی کہ پرانا ساتھی ہونے کے ناطے مرشد اسے میری قید سے چھڑانا چاہتا تھا لیکن یہ وجہ میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ مرشد تعلق پالنے والوں میں سے نہیں تھا۔ فتح خان اہم شخص سہی لیکن مرشد کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اگر وہ میری قید میں تھا تو مرشد کو اس سے کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے تھی اور اگر وہ اسے آزاد کرانے کی کوشش کرتا تو کم سے کم میری قیمت پر آزاد کرانے کی کوشش نہ کرتا کیونکہ میں اس کے لیے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ میں اس کے لیے ایک ایسا دشمن بن چکا تھا جو اب اسے براہِ راست ناقابلِ تلافی قسم کے نقصانات پہنچا سکتا تھا اور میں اسے اس کا عملی مظاہرہ کر کے بھی دکھا چکا تھا۔

دوسرا خیال یہ تھا کہ مرشد علی ان ہیروں کے چکر میں ہے جو ایک طرح سے فتح خان کے قبضے میں تھے۔ کیونکہ ان ہیروں کے بارے میں دنیا کا ایک ہی شخص جانتا تھا کہ وہ کہاں موجود ہیں۔ یعنی برٹ شا اور یہ برٹ شا اس وقت فتح خان کی قید میں تھا۔ شاید اس بات کا مرشد علی کو بھی علم تھا اور اب وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح فتح خان سے برٹ شا کو حاصل کر لے اور پھر ان ہیروں تک رسائی حاصل کرے جن کی مالیت آج سے بارہ سال پہلے بھی کوئی پچیس کروڑ ڈالرز تھی اور اب اس مالیت میں یقیناً کئی گنا اضافہ ہو گیا ہو گا اگر پاکستانی روپوں میں ان کی قیمت نکالی جاتی وہ دسیوں ارب روپے میں جاتی۔ آج سے کوئی پانچ سال پہلے جب مہنگائی کا آغاز تھا۔ لاکھ کی نہ سہی لیکن کروڑ اور ارب کی اہمیت ہوتی تھی۔

مرشد کتنا ہی دولت مند سہی لیکن دولت کی اہمیت اس کے نزدیک کسی مفلس سے بھی زیادہ تھی۔ اسے دولت کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کی ہوس ضرور تھی اور ہیرے سب کو للچاتے ہیں۔ میری سمجھ میں یہ ایک وجہ آ رہی تھی جس کے لیے مرشد علی فتح خان کو اپنے قبضے میں لینے کے لیے بے چین تھا اور اس کے لیے مجھ جیسے دشمن کو بھی رعایتیں دے رہا تھا۔ اگرچہ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ فتح خان کو حاصل کر کے بھی مجھے چھوڑے گا۔ فی الحال تو وہ مجھ سے فتح خان کو حاصل کرنا چاہتا تھا اور وہ ایک بار اس کے قبضے میں آ جاتا تو وہ میرے ساتھ کچھ بھی کرنے کے لیے آزاد ہوتا۔

وقت گزرتا گیا۔ کھانا لانے والے نے حسبِ معمول مجھے دال چاول مہیا کیے۔ ان کا معیار گھٹیا تھا اور اپنے لیے کوئی بھی اس طرح کا کھانا نہیں بناتا ہے۔ مجھے لگا جیسے یہ جگہ کوئی جیل تھی اور یہاں کھانے کا یہی مینو تھا۔ تین ٹائم یہی ملتا تھا۔ تیسری بار ڈاکٹر کوئی دس بارہ گھنٹے بعد آیا تھا اس نے میرے زخم کا معائنہ کیا اور کسی قدر حیران ہو کر بولا۔ ”یہ تو تقریباً بھر گیا ہے اب اس پر پٹی لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''انجکشن کی بھی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''تمہاری مرضی۔'' اس نے کہا اور زخم پر دوا لگا کر رخصت ہو گیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ میرے زخم اتنی جلدی کیوں بھر جاتے تھے۔ شاید وہ اسے قدرتی طور پر ایسا سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ یہ ان دواؤں کی وجہ سے تھا جو حکیم قادس نے مجھے ہاتھ بچانے کے لیے بے تحاشہ کھلائی تھیں اور ان کے اثر سے میرے گہرے زخم بھی حیرت انگیز طور پر جلدی بھر جاتے تھے۔ جب کھانے والا دن میں تیسری بار کھانا دینے آیا تو میں نے اس سے کہا۔

''کیا بات ہے یہاں کا مینو یہی ہے رات میں بھی یہی کھانا۔''

''تو تمہارے لیے ککڑ بنائیں۔'' اس نے بگڑ کر کہا۔ وہ مخنی سا لیکن بدتمیز قسم کا شخص تھا اور شاید یہاں قیدیوں سے اسی طرح بات کرنے کا عادی تھا۔ بہرحال اس کی بات سے تصدیق ہو گئی تھی کہ رات ہو چکی ہے۔ ان کی قید میں مجھے یہ دوسری رات تھی۔ اس نے دال چاول کا ڈونگہ میرے سامنے رکھا تو میں نے اس کی گردن دبوچی اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کی آواز تو کیا سانس بھی رک گئی تھی اور آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ اس نے ہاتھ پاؤں مارے تو میں نے اسے یوں پھنسا لیا کہ اس کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔

''تم مجھے جانتے نہیں ہو ابھی میں گلا دبا کر تمہیں مار دوں تو مرشد مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ اس لیے میرے ساتھ احتیاط سے بات کیا کرو، سمجھ گئے؟''

میری گرفت نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ واقعی مر کر ہی اس سے نکل سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے سر ہلایا۔ میں نے کہا۔ ''اب مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے اگر تم نے درست جواب دیئے تو ٹھیک ہے ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔''

اس نے پھر جلدی سے سر ہلا کر مجھے تعاون کا یقین دلایا۔ میں نے گرفت ذرا نرم کی لیکن اتنی کہ وہ صرف بول سکے میں نے چلانے کی گنجائش نہیں رکھی تھی پھر بھی اسے خبردار کر دیا۔ ''آواز بس اتنی ہو کہ میرے کانوں تک آجائے اس سے آگے نہ جائے۔''

''تم..... کیا پوچھنا..... چاہتے ہو؟'' اس نے سہمی آواز میں کہا۔

''یہ جگہ کہاں ہے؟''

''مرشد بادشاہ کا ڈیرہ ہے۔'' اس نے کہا۔

میرا خیال تھا کہ شاید میں مرشد ہاؤس میں ہوں لیکن یہ کسی ڈیرے کا ذکر کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ کہاں ہے؟''

اس نے مجھے جو محل وقوع بتایا یہ مارگلہ کی پہاڑیوں میں اسلام آباد کی حدود سے باہر کوئی جگہ تھی۔ یہ ان کا آبائی گھر تھا لیکن اب یہ خاندان راولپنڈی میں مرشد ہاؤس میں رہتا تھا اور اس آبائی جگہ کو دوسرے کاموں کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ ''قید خانہ کہاں ہے؟''

''حویلی کے نیچے تہہ خانے میں۔'' اس نے بتایا۔ ''لیکن ادھر سے کوئی فرار نہیں ہو سکتا ہے۔ بہت سارے پہریدار ہیں اور باہر کتے ہیں۔ جس کو نہیں پہچانتے اسے چیر پھاڑ دیتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا یہ اندازہ درست نکلا تھا کہ کوئی جیل تھی جس میں مرشد کے محتوبین رکھے جاتے تھے اور ان پر تشدد اور سختیاں کی جاتی تھیں۔ اگر یہ مشہور جگہ تھی تو یقیناً دوسرے لوگوں کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس آدمی سے ممکنہ حد تک معلومات حاصل کر کے اسے چھوڑ دیا اور چھوڑنے سے پہلے اسے سمجھایا۔ ''اس واقعے کا کسی سے ذکر مت کرنا ورنہ مرشد کو پتا چل گیا کہ تم نے مجھے یہ سب بتایا ہے تو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک.....''

''نہیں جی۔'' اس نے لرز کر کہا۔ ''میری زبان بند رہے گی آپ بھی مت بتانا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''

''میں کیوں بتانے لگا۔ اب تم جاؤ۔''

وہ چلا گیا اور میں نے دال چاول سے ڈنر کیا۔ ابھی دو دن پہلے تک میں راجا عمر دراز کی کوٹھی میں شاندار قسم کے کھانے کھا رہا تھا لیکن یہ میری زندگی کا ایک سائیکل تھا کبھی مزے اور کبھی سزا۔ مرشد نے مجھے کل تک کی مہلت دی تھی۔ اگرچہ یہ تو مشکل تھا کہ وہ میرے ساتھ وہی سلوک کرتا جو اس مظلوم لڑکے کے ساتھ کیا لیکن مجھ پر تشدد تو کیا جا سکتا تھا اور وہ اس معاملے میں اتنا مجبور بھی نہیں تھا۔ بس وہ اس وجہ سے رکا ہوا تھا کہ میری اداکاری نے اسے شک میں ڈال دیا تھا۔ اگر میں سچ مچ سب بھول چکا تھا تو مجھ پر تشدد بھی بے سود ہوتا۔ اس کے باوجود مرشد کی احتیاط مجھے حیران کر رہی تھی۔

رات سکون سے گزری اور صبح سویرے جیل کے نگران خود مجھے اس لیٹرین میں لے گئے جہاں جانے کا سوچ کر میری روح فنا ہو رہی تھی اور جانا مجبوری تھی۔ میں رات سے برداشت کر رہا تھا اور اب معاملہ برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ شکر ہے یہ خود آ گئے ورنہ اب میں دروازے تک نہیں جا سکتا تھا جو دروازہ بجا کر ان کو متوجہ کروں۔ یہ لوگ بھی شاید اسی وجہ سے قیدیوں کو بہت کم کھانا پانی دیتے تھے تاکہ اخراج کا مسئلہ دیر سے پیدا ہو۔ تین وقت چھوٹی پلیٹ کے مساوی دال چاول دیئے جاتے تھے اور ہر بار ساتھ میں ایک گلاس پانی ملتا تھا۔ اس کے باوجود چوبیس گھنٹے میں ایک بار تو لیٹرین جانا لازمی ہوتا تھا۔

ویسے پانی کی یہ مقدار اس مقدار سے بہت کم تھی جو ایک آدمی کو چوبیس گھنٹے میں درکار ہوتی ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس جیل میں چند مہینے گزارنے والے شخص کو لازمی طور پر گردے کا تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا۔ پھر کھانے کی مقدار اتنی کم تھی کہ کھانے سے سیری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور مشکل سے ایک گھنٹے بعد پھر بھوک لگ جاتی تھی۔ مجھے دو دن میں خاصا فرق محسوس ہونے لگا تھا جو لوگ یہاں مہینے یا اس سے زیادہ عرصے سے ہوں گے ان کا وزن بہت کم ہو گیا ہوگا۔ مرشد کو چاہیے تھا یہاں سلمنگ کلینک کھول لیتا اور لوگوں سے اچھی خاصی فیس بھی وصول کر لیتا لیکن یہ صرف ایک طنزیہ خیال تھا جو میرے ذہن میں آ گیا تھا۔

میں منتظر تھا کہ مرشد آئے گا لیکن دوپہر ہو گئی اور پھر شام ہو گئی لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ شاید وہ کہیں پھنسا ہوا تھا اور اس وجہ سے یہاں نہیں آ پایا تھا۔ یہاں بھی وہ شاید صرف میری خاطر آیا ہوگا۔ ورنہ اس کا بیشتر وقت تو مرشد ہاؤس میں گزرتا تھا۔ مرشد تو نہیں آیا لیکن رات کے کھانے میں میرے ساتھ ہاتھ دکھا دیا گیا۔ جیسے ہی میں نے ڈونگا ختم کیا یک لخت کمرہ میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا تھا اور میں کوشش کے باوجود خود کو نہ سنبھال سکا میں بستر پر ہی لڑھک گیا تھا۔ دال چاول میں شامل دوا یقیناً زود اثر تھی۔ مجھے زیادہ دیر سوچنے کی مہلت بھی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملی تھی۔

○.....◆.....○

میری آنکھ کھلی تو پہلا احساس شدید سردی کا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ درجہ حرارت نکتہ انجماد سے گر گیا تھا اور سردی کی شدت رگ و پے میں گھسی جا رہی تھی۔ میں بے ساختہ اٹھ بیٹھا تھا۔ یہ ایک پتھر کی دیواروں پر مشتمل کمرہ تھا جس میں ایک طرف فولادی دروازہ لگا تھا اور اس کے مخالف سمت دیوار میں کوئی دس فٹ کی بلندی پر روشن دان تھا اس میں شیشہ لگا تھا اور باہر ہلکی سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ یعنی دن نکل آیا تھا لیکن ابھی صبح کا آغاز تھا۔ میں نے چند گہرے سانس لیے تو مجھے ہوا بھی ہلکی محسوس ہوئی تھی اور اس میں نباتات کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ یعنی میں کسی بلند مقام پر تھا۔ کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی میں فرش پر ایک بھورے اور موٹے سے کمبل پر پڑا تھا اور اس کے علاوہ میرے جسم پر صرف میرے کپڑے تھے۔ اگرچہ یہ بھی گرم کپڑے تھے لیکن سردی جس حساب سے تھی اس حساب سے گرم نہیں تھے۔ یہ اسلام آباد کی سردی کے لحاظ سے تھے اور یہاں تو مری جیسی سردی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کمبل اٹھا کر اپنے گرد لپیٹ لیا اور دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔ شکر ہے یہاں میرے پیروں میں میرے جوتے تھے مجھے یہاں لانے سے پہلے پہنا دیئے تھے ورنہ میرے پاؤں ٹھٹھر جاتے۔

کچھ دیر میں جسم ذرا گرم ہوا تو میں نے اٹھ کر دروازہ بجایا۔ فولاد برف سے بھی زیادہ سرد ہو رہا تھا۔ اس پر ہاتھ لگتا تو باقاعدہ تکلیف ہوتی تھی لیکن یہ کام کرنا تھا۔ چند لمحے بعد باہر سے کسی نے کہا۔ ''کیا بات ہے؟''

''میں سردی سے مر رہا ہوں۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''مجھے یہاں سے نکالو۔''

''شکر کرو اندر صرف سردی ہے باہر آ گئے تو اندر جانے کی آرزو کرو گے۔'' اس آدمی نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ لہجے وہ پڑھا لکھا اور کوئی اہم شخص لگ رہا تھا۔

''میں کہاں ہوں؟''

''جہنم میں اور جلد یہاں تمہاری قبر بنے گی اس لیے سردی کے بجائے منکر نکیر کی فکر کرو۔'' اس نے کہا اور پھر اس کی آواز نہیں آئی تھی میں اسے پکارتا رہا۔ تھک ہار کر میں واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا۔ یہاں فضا میں ایسا سناٹا تھا جیسے آس پاس کوئی ذی روح نہ ہو۔ جب کہ مرشد کے آبائی حویلی والے قید خانے میں ایسا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ شاید یہ کوئی ویران جگہ تھی لیکن مرشد نے مجھے یہاں کیوں منتقل کیا۔ کیا میری وہاں موجودگی سے اسے کوئی پریشانی ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے وہ مجھے بلاسبب تو یہاں منتقل نہیں کر سکتا تھا۔ باہر روشنی تیز ہو رہی تھی یعنی سورج نکل آیا تھا۔ صبح ہونے کے ساتھ ہی صبح سے منسلک مخصوص مسائل بھی سر اٹھا رہے تھے اور میں نے ایک بار پھر دروازہ بجایا اور اس وقت تک پیٹتا رہا جب تک اس آدمی کی آواز نہیں سنائی دی۔

''کیا ہے؟'' اس نے دھاڑ کر کہا۔ دروازے کو اس بار میں نے جوتے سے بجایا تھا اور اس کی آہنی آواز نے میرا دماغ بھی خراب کر دیا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے کیا مسئلہ تھا۔ اس نے کہا۔ ''کمرے کے ایک کونے میں دیکھو فرش میں ایک پتھر الگ سے نظر آئے گا اسے ہٹاؤ اس کے نیچے سوراخ ہے جو کرنا ہے اس میں کر لو۔''

میں بھنا گیا تھا۔ ''دھونے کے لیے پانی تو چاہیے ہوگا۔''

اس پر کچھ دیر بعد جب میں کمرے کے اس پتھر کا معائنہ کر رہا تھا اس پر درمیان میں چھوٹا سا لوہے کا کڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا تھا جس سے اس پتھر کو اٹھایا جا سکتا تھا کہ دروازے کا نچلا حصہ ذرا سا کھلا اور اس سے ڈیڑھ لیٹر والی کولڈ ڈرنک کی بوتل اندر آئی جس میں تقریباً برف نما پانی تھا۔ یورپ اور دنیا کے دوسرے سرد علاقوں میں لوگوں میں سردی کی وجہ سے طہارت کا رواج نہیں ہے وہ کاغذ سے کام چلا لیتے ہیں لیکن ہم مسلمان اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قطب شمالی یا قطب جنوبی پر بھی ہمیں صفائی کے لیے پانی درکار ہوتا ہے۔ اگر برف نما پانی کے بجائے برف بھی ہوتی تب بھی میں اسے ضرور استعمال کرتا۔ اگرچہ میرا برا حال ہو گیا تھا لیکن اس سے صفائی کا جو احساس ہوا اس کی بات ہی الگ تھی۔ پتھر بہت صفائی سے اس سوراخ پر لگا تھا اس لیے کمرے میں ذرا بھی بو نہیں تھی میں نے پتھر دوبارہ اپنی جگہ لگا دیا اور کمبل اوڑھ کر خود کو گرم کرنے لگا کیونکہ ذرا سی دیر میں صرف ہاتھ اور بعض مخصوص مقامات پر پانی لگنے سے جسم کی ساری حرارت زائل ہو گئی تھی اور میں کوئی ایک گھنٹہ کمبل میں رہا تب کہیں جا کر جسم پہلے کی طرح گرم ہوا تھا۔ پھر سورج بلند ہونے سے پہلے جیسی سردی نہیں رہی تھی اس لیے میں نے کمبل ایک طرف رکھا اور ورزش کرنے لگا۔ دس پندرہ منٹ تک ورزش کرنے سے جسم تو گرم ہو گیا لیکن ساتھ ہی پیٹ میں بھوک کی اینٹھن بھی شروع ہو گئی تھی۔ پہلے قید خانے میں کم مقدار میں سہی لیکن باقاعدگی سے کھانے کو مل جاتا تھا یہاں کا کچھ پتا نہیں تھا اس لیے میں نے پھر دروازہ بجایا اور اس بار وہ پوچھے بغیر سمجھ گیا تھا۔ جب میں تھک ہار کر کمبل پر جا بیٹھا تو دروازے کا نچلا خانہ کھلا اور اس سے ایک چھوٹی سی پلاسٹک ٹرے اندر آئی اس میں مکئی کی موٹی روٹی اور ایک چائے کا پیالہ تھا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ جب تک میں دروازے کے پاس پہنچا خانہ بند ہو گیا تھا۔ یہ الگ سے ایک پلیٹ لگی تھی جو باہر کی طرف کھلتی تھی اور اسے باہر سے کنڈی لگا کر بند بھی کیا جا سکتا تھا کیونکہ جب میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی تو پلیٹ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔ اگر یہ کھلی بھی ہوتی تو میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ یہ مشکل سے چھ انچ چوڑی اور ایک فٹ لمبی تھی۔

مکئی کی روٹی نے تو شکم سیری کی تھی لیکن چائے کی گرمی نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا۔ میں نے کھا پی کر خدا کا شکر ادا کیا جو اس عالم میں بھی بندے پر مہربان تھا۔ جب میں ناشتہ کر رہا تھا تو خانہ کھلا اور اس میں سے ڈیڑھ لیٹر والی ایک بوتل اور اندر آئی اور اس آدمی نے باہر سے کہا۔ ''یہ پینے کے لیے ہے۔ برتن اور خالی بوتلیں اس خانے کے پاس رکھ دینا میں اٹھا لوں گا۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ اس معاملے میں بہت محتاط تھا۔ جب میں خانے سے دور ہوتا تھا تب ہی وہ خانہ کھولتا تھا۔ اگرچہ میں اس خانے سے باہر صرف اسی صورت میں جا سکتا تھا جب میں کوئی بلا ہوتا۔ کوئی انسان چاہے وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اس خانے سے کسی صورت نہیں نکل سکتا تھا۔ شاید اسے خوف تھا کہ چیز رکھنے یا نکالنے کے دوران میں میں اس کا ہاتھ نہ پکڑ لوں کیونکہ اسے ہاتھ تو بہرصورت اندر لانا پڑتا تھا اور میں اس بات سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ جب میں ناشتہ کر کے برتن رکھنے گیا تو میں نے اس خانے کا معائنہ کیا اور مجھے خیال آیا کہ اسے کس طرح پتا چلتا ہے کہ میں دروازے سے دور بیٹھا ہوں اور وہ خانہ کھول کر چیز اندر ڈال دیتا ہے۔ میں نے باریک بینی سے دروازے کا جائزہ لیا تو مجھے اس کے درمیان میں موجود باریک سوراخ نظر آ گئے تھے جن سے کمرے میں جھانکا جا سکتا تھا اور وہ ان سے جھانک کر دیکھ لیتا تھا کہ میں دور دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ تب وہ پھرتی سے خانہ کھولتا اور چیز اندر رکھ کر فوراً خانہ بند کر دیتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنی احتیاط کی ایک ہی وجہ میری سمجھ میں آتی تھی کہ وہ اس جگہ اکیلا تھا اور اسے میرے بارے میں اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا اس لیے وہ بہت محتاط تھا مجھے کوئی ایسا موقع نہیں دینا چاہتا تھا جس سے مجھے فرار میں مدد مل جائے۔ میں نے پانی کی بوتل پاس رکھ لی یہ مختلف کولڈ ڈرنک کی بوتل تھی اس لیے پینے اور طہارت کے پانی کی بوتلیں آپس میں ملنے کا امکان نہیں تھا ویسے وہ بوتل میں نے سوراخ والے پتھر کے ساتھ ہی رکھ دی تھی۔ کھانا کر میں پھر کمبل میں لپٹ کر لیٹ گیا تھا اور میں نے کمبل یوں لپیٹ لیا تھا کہ میں اس میں پوری طرح چھپ گیا تھا لیکن میں نے ایک جھری چھوڑ دی تھی جس سے مجھے دروازے کا نچلا حصہ نظر آ رہا تھا۔ کوئی دس منٹ بعد اس نے خانہ کھولا اور ناشتے کے برتن باہر کھینچ لیے اور خانہ بند کر دیا۔ اس کام میں اسے مشکل سے دس سیکنڈ لگے ہوں گے اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اسے اس کام میں مہارت تھی۔ شاید وہ پہلے بھی یہاں قیدیوں کی میزبانی کرتا رہا تھا۔

دن چڑھنے کے ساتھ سردی کا احساس کم ہوتا جا رہا تھا۔ میں کمبل میں لپٹ کر سو گیا تھا۔ پھر میری آنکھ خانے کے بند ہونے کی آواز سے کھلی میں نے کمبل سے جھانکا تو مجھے ایک پلاسٹک کا پیالہ نظر آیا اس میں چمچ بھی تھا اور اس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ میں جلدی سے اس کے پاس چلا آیا۔ مجھے خاص بھوک نہیں تھی لیکن اس پیالے سے اٹھتی گرمی بڑی قیمتی تھی میں نے پیالہ کمبل کے اندر کر لیا اور اس گرمی سے لطف اندوز ہونے لگا۔ پیالے میں سادہ دلیہ تھا جس میں ہلکا سا نمک مرچ ڈال دیا گیا تھا اور یہ تقریباً بے ذائقہ تھا لیکن اس دال چاول سے بہت اچھا تھا جو مجھے پہلے قید خانے میں ملتا تھا۔ جب دلیہ کسی قدر ٹھنڈا ہو گیا تو میں نے اسے کھا لیا۔ خالی پیالہ واپس دروازے کے پاس رکھ دیا جو باہر موجود شخص نے اچانک ہی اٹھا لیا لیکن اس نے خانہ فوراً بند نہیں کیا تھا بلکہ اس نے کوئی چیز اور اندر رکھی اور پھر خانہ بند کیا تھا۔ اس بار میں نے پھرتی دکھائی لیکن جب تک خانے تک پہنچا وہ بند ہو گیا تھا۔ میں اس چیز کو دیکھ کو حیران رہ گیا۔ یہ ایک موبائل فون تھا۔ میں نے اسے اٹھایا۔ یہ آن تھا بیٹری پوری تھی اور خاص بات یہ تھی کہ اس پر سگنل بھی آ رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ میں شہر سے دور بالکل ہی کسی ویران جگہ نہیں تھا بلکہ شہر کے پاس ہی تھا۔ میں نے اس پر ایک نمبر ملا کر دیکھا لیکن آگے سے ریکارڈ آواز نے بتایا کہ بیلنس نہیں ہے۔ میں واپس آ کر کمبل میں گھس گیا میری سمجھ میں آ رہا تھا کہ یہ موبائل کس لیے مجھے دیا گیا ہے فوراً ہی اس کی تصدیق بھی ہو گئی اور بیل بجی۔ میں نے نمبر دیکھا اور اسے ذہن نشین کر کے کال ریسیو کی۔

''شہباز ملک۔'' دوسری طرف سے مرشد کی آواز آئی۔ ''میرا خیال ہے تم آرام سے ہو گے۔''

''ہاں جتنا کوئی قیدی آرام سے ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے مجھے یہاں سوائے سردی کے اور کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔''

''تم میری مہربانی کو کہاں مانو گے؟'' اس نے طنز کیا۔

''بات یہ ہے مرشد کہ شیطان کی مہربانی اس کا دھوکا ہوتی ہے اور اس کی آڑ میں وہ انسان سے اس کی سب سے قیمتی چیز چھین لیتا ہے۔ تم شیطان تو نہیں ہو لیکن اس کے چھوٹے موٹے چیلے ضرور ہو۔ اس لیے مجھے بیوقوف مت بناؤ اور کام کی بات کرو۔''

''تمہارے انداز سے تو لگ رہا ہے تمہیں سب یاد آ گیا ہے۔'' اس نے عیاری سے کہا۔ ''تبھی تم میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں اتنی روانی سے تبصرہ کر رہے ہو۔''

مجھ سے غلطی ہوئی تھی اصل میں موبائل دیکھ کر میں حیران ہوا تھا اور یہ بات بھول گیا تھا کہ میری یادداشت گم ہے لیکن میں اتنی آسانی سے اس بات کا اقرار کس طرح کر سکتا تھا اس لیے میں نے فوراً جواب دیا۔

''بے شک مجھے پچھلی باتیں یاد نہیں ہیں لیکن تم نے اپنا تفصیلی تعارف کرا دیا ہے۔''

''یعنی تم اپنی بات پر قائم ہو خیر مجھے بھی جلدی نہیں ہے۔''

''یہ بتاؤ کہ مجھے یہاں کیوں منتقل کیا ہے؟''

''اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو میں نے تمہارے لواحقین سے رابطہ کر لیا ہے۔''

''میرے لواحقین۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''کون..... کس سے رابطہ کیا ہے؟''

''ایک تو تمہارا چچا خاص وکیل ہے۔ ندیم اس سے رابطہ کیا تھا اور پھر اس کے توسط سے اس راجا کے بچے سے رابطہ کیا تھا۔''

''ان سے کیا بات ہوئی ہے؟''

''فی الحال تو ان کو یہ بتایا ہے کہ تم میرے پاس ہو اور جب مجھے فتح خان مل جائے گا تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

''مجھے یہاں بھیجنے کی دوسری وجہ کیا ہے؟''

''جو عمارتیں میری ملکیت ہیں ان کے آس پاس مشکوک افراد نظر آنے لگے تھے اور ایک کار کو روکنے کی کوشش کی تو اس میں موجود افراد نے میرے آدمیوں پر فائرنگ کر دی اور فرار ہو گئے۔ اس واقعے میں میرے دو آدمی ہلاک ہوئے ہیں۔''

''تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ یہ کارروائی میری خاطر کی گئی ہے تمہارے اور دشمن بھی تو ہوں گے۔ دوسرے وکیل تو سمجھ میں آتا ہے یہ راجا کون ہے۔''

''ہے ایک نام نہاد راجا..... تمہاری ہمدردی میں کچھ زیادہ ہی آگے آ گیا ہے۔'' مرشد کا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔ ''ابھی میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی ہے لیکن جس دن.....''

''مرشد تم فضول باتیں کرنے کے بجائے ان سے بات کرو اپنے آدمی کو حاصل کر لو اور میری جان چھوڑ دو۔''

''فکر مت کرو۔'' اس نے برا مانے بغیر کہا۔ ''جیسے ہی مجھے فتح خان ملے گا میں تم کو چھوڑ دوں گا۔''

''تب تم مجھ سے کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ جب کہ میں کچھ نہیں جانتا کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ درست بھی ہے یا نہیں اور تم میری یادداشت غائب ہونے کا کتنا فائدہ اٹھا رہے ہو۔''

''میں تم کو خبردار کر رہا ہوں اس جگہ سے فرار کا خیال بھی مت لانا ایسی کسی کوشش کا مطلب موت بھی ہو سکتی ہے۔''

''میں ڈر گیا۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''اور کچھ.....؟''

اس نے بھنا کر فون بند کر دیا۔ مجھے لگا جیسے مرشد مجھے مرعوب کرنے کے لیے احمقانہ حرکتیں کر رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے مجھے بے ہوش کروا کے یہاں منتقل کیا تھا حالانکہ یہ کام وہ ہوش میں بھی کرا سکتا تھا۔ باہر موجود شخص ہماری باتیں سن رہا تھا اس لیے جیسے ہی میں خاموش ہوا اس نے دروازہ بجایا۔

''موبائل خانے کے پاس رکھ دو۔''

''کس خوشی میں۔'' میں نے موبائل کا جائزہ لیا۔ ''یہ میرے پاس ہی مناسب ہے۔''

''تم شرافت سے دیتے ہو یا.....''

''تم لینے کے لیے اندر آ جاؤ گے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''صبح سے تمہاری بہادری کے مظاہرے دیکھ رہا ہوں۔''

''اگر تم نے موبائل یہاں نہیں رکھا تو میں تمہارا کھانا اور پانی بند کر دوں گا۔'' اس نے دھمکی دی۔

''شوق سے کر دو۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے اب بیٹھے رہو کھانے اور پانی کے بغیر۔'' اس نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ مرشد کے آدمی بھی اس کی طرح حماقتیں کرنے کے ماہر لگ رہے تھے۔ اول تو اسے موبائل دینا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہ مجھے ہینڈ فری پکڑا دیتا اور میں اس سے بات کر لیتا۔ ہینڈ فری میرے کسی کام کا نہیں تھا اور مجھے واپس کرنا ہی پڑتا لیکن موبائل کیوں واپس کرتا۔ جب کہ مجھے اس سے ایک امید کی کرن نظر آئی تھی کہ شاید اس کی مدد سے میں اپنے ساتھیوں سے رابطہ کر سکوں۔ اس زمانے میں موبائل کمپنیز نے لون کی سہولت متعارف نہیں کرائی تھی۔ جس سے آدمی لون لے کر آرام سے بات کر سکتا ہے۔ یہ عام سا موبائل تھا جس میں اسکرین بھی بلیک اینڈ وائٹ ہوتی ہے بس یہ موبائل والا کام خوب کرتا ہے۔ اس دور دراز پہاڑی علاقے میں بھی اس کے سگنل آ رہے تھے۔

شام قریب تھی اور سردی میں اب اضافہ ہو رہا تھا۔ میں کمبل میں لپٹ کر بیٹھ گیا تھا لیکن صاف لگ رہا تھا کہ رات بہت مشکل گزرے گی۔ سردی شدت اختیار کر جائے گی۔ ابھی تو اسلام آباد میں بھی بغیر ہیٹر کے گزارا نہیں تھا یہاں تو درجہ حرارت لازمی نکتہ انجماد سے نیچے چلا جاتا ہو گا۔ سورج غروب ہوا اور رات ہو گئی۔ موبائل کے مطابق ابھی پانچ بج رہے تھے۔ پہاڑی علاقے میں ویسے بھی تاریکی تیزی سے آتی ہے۔ اسی حساب سے سردی کی شدت میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا تھا۔ میں سر بھی کمبل میں کر کے خود کو گرم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اچانک موبائل کی بیل بجی تو میں اچھل پڑا تھا۔ دوسری طرف مرشد تھا۔ اس نے بلا تمہید کہا۔

''تم نے ابھی تک موبائل واپس نہیں کیا؟''

''اگر موبائل میرے پاس رہتا ہے تو اس کا تمہیں کیا نقصان ہے؟''

''مجھے کوئی نقصان نہیں ہے لیکن تمہیں کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ موبائل اسے واپس کر دو۔''

''سوری مرشد میں اسے اپنے پاس رکھوں گا بلکہ تم ایسا کرو مجھے کچھ بیلنس بھجوا دو تا کہ میں تم سے بات کر کے وقت گزاری کر سکوں۔''

''شہباز۔'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ ''تم اپنی مشکلات میں اضافے کے خود ذمے دار ہو گے۔ بعد میں مجھ سے کوئی شکایت نہ کرنا۔''

میں نے اس کے لہجے پر غور کیا۔ اس کے ذہن میں یقیناً کوئی ایسا عمل تھا جس سے وہ مجھے نقصان کر سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا یا مجھ سے موبائل واپس لے سکتا تھا۔ مجھے ایک موقع بھی نظر آیا تھا اور اگر میں ضد کرتا تو شاید اس موقع سے محروم ہو جاتا۔ میں نے جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے میں موبائل واپس کر دیتا ہوں لیکن اپنے آدمی سے کہو میرے ساتھ ذرا بہتر سلوک کرے اگر مجھے یہاں انگیٹھی مہیا کر دے تو میں سردی میں ٹھٹھرنے سے بچ سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں اس سے کہہ دیتا ہوں۔'' اس نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔ ''تم موبائل اسے واپس کرو۔''

میں نے جا کر دروازہ بجایا۔ ''موبائل لے لو۔''

میں نے موبائل وہیں رکھ دیا لیکن میں خود واپس نہیں گیا بلکہ دروازے کے پاس کھڑا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی آواز آئی۔ ''تم اپنی جگہ واپس جاؤ۔''

میں پیچھے ہٹا اور طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تم کچھ زیادہ ہی محتاط نہیں ہو؟''

اس نے جواب دیے بجائے پھرتی سے خانہ کھول کر موبائل باہر نکال لیا اور پہلی بار میں نے اس کا ہاتھ دیکھا۔ میں دم بخود رہ گیا تھا۔ کیونکہ ہاتھ سو فی صد نسوانی تھا لیکن جو شخص باہر سے بولتا تھا اس کا لہجہ تو خالص مردانہ سے کچھ زیادہ ہی تھا تو کیا یہ اس عورت کی آواز تھی۔ ایسا ہوتا ہے کہ بعض عورتوں کی آواز مردانہ قسم کی ہوتی ہے اور اسی طرح بعض مردوں کی آواز میں نسوانیت پائی جاتی ہے۔ خانے سے جس ہاتھ نے موبائل اٹھایا تھا وہ میدے کی طرح سفید اور نرم و نازک سا تھا۔ انگلیاں گول اور ہتھیلی گداز تھی۔ ایسا ہاتھ عورت کا ہی ہو سکتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے وہ بہت محتاط تھی اور اسے خوف تھا کہ خانے سے چیزیں اندر باہر کرتے ہوئے میں اس کا ہاتھ نہ پکڑ لوں۔ خانے کے تختے کے باہر چٹخنی لگی تھی جسے سرکا کر تختہ بند کر دیا جاتا تھا اور میں اسے کھول کر باہر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد خانہ کھلا اور اس سے رات کا کھانا اندر آیا۔ ٹرے میں آلو گوشت اور موٹی روٹی تھی۔ کئی دن کے بعد مجھے ڈھنگ کا کھانا صحیح مقدار میں ملا تھا اور یہ شاید موبائل واپس کرنے کا انعام تھا۔ کھانے کے ساتھ پانی کی تازہ بوتل بھی تھی کیونکہ صبح ملنے والی بوتل میں نے خالی کر دی تھی۔ ساتھ ہی طہارت والی بوتل بھی خالی ہو گئی تھی۔ میں نے وہ بھی دے دی تھی لیکن وہ واپس نہیں ملی تھی۔ جب میں کھا چکا اور میں نے برتن واپس رکھ دیے تو اس نے برتن اٹھانے کے ساتھ پانی کی دوسری بوتل بھی اندر کر دی تھی۔ یعنی وہ میرا خیال رکھ رہی تھی۔ اس بار بھی میں نے دیکھ لیا کہ ہاتھ عورت کا تھا۔ دروازے کے عین اوپر ایک بلب لگا تھا۔ شام ہوتے ہی وہ بلب آن ہو گیا تھا یعنی یہاں لائٹ تھی۔

اس جگہ دن میں بھی سناٹا ہی رہتا تھا لیکن رات کو یہ سناٹا اس قدر شدید ہو گیا کہ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے اس دنیا میں اب کوئی باقی نہیں رہا ہے بس میں ہوں اور اس ویران جگہ قید ہوں۔ ایک بار میرے دل میں آئی کہ میں دروازہ بجا کر اس مردانہ آواز والی عورت کو پکاروں لیکن پھر میں نے خود کو روک لیا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے خود کو کمبل میں لپیٹ لیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اگرچہ جب میں نے مرشد علی سے انگیٹھی کا مطالبہ کیا تھا تب ہی مجھے یقین تھا وہ یہ بات نہیں مانے گا اور عورت نے مجھے انگیٹھی فراہم نہیں کی تھی۔ شاید اس وجہ سے بھی کہ اس چھوٹے سے خانے سے کوئی انگیٹھی اندر نہیں آ سکتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سناٹا شدید ہونے کی وجہ سے میری سماعت بہتر انداز میں کام کرنے لگی تھی۔ کئی بار مجھے محسوس ہوا کہ کوئی دروازے تک آیا ہے اور میرا معائنہ کر کے چلا گیا ہے۔ رات دس بجے ایک بار خانہ کھلا اور اس میں سے چائے کا بھاپ اُڑاتا پیالہ اندر آیا۔ خانہ بند ہونے کے بعد میں نے پیالہ اٹھالیا۔ مجھے جو برتن بھی دیا جاتا تھا وہ بہت ہلکے پلاسٹک کا ہوتا تھا جس سے میں کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یہ پیالہ بھی اتنا ہلکا تھا کہ چائے کی تپش اس سے باہر آ کر ہاتھوں کو لگ رہی تھی لیکن اس موسم میں یہ گرمی بھلی لگ رہی تھی۔ چائے اچھی بنی تھی اور اس میں دودھ اور چینی دونوں کم تھے۔ چائے پی کر میں نے خالی پیالہ دروازے کے پاس رکھ دیا۔ اس بار میں کمبل میں لیٹا تو مجھے نیند آ گئی تھی۔

صبح چھ بجے روشنی نمودار ہونے لگی تھی اور سردی بدستور غضب کی تھی۔ کمبل کو گول مول کر کے پوری طرح اوڑھ لینے کے بعد بھی سردی لگ رہی تھی۔ سات بجے سورج کی روشنی روشن دان پر نظر آئی۔ یعنی یہ حصہ مشرق کی طرف تھا۔ آٹھ بجے دروازے کا خانہ کھلا اور کھولنے سے عورت نے یقیناً جھانک کر دیکھ لیا ہوگا کہ میں کمبل میں لپٹا بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ اندر ڈال کر ناشتے کی ٹرے رکھی اور جیسے ہی اس نے یہ کام کیا میں نے اس کی کلائی تھام لی۔ اس نے تڑپ کر کلائی چھڑانے کی کوشش کی لیکن اتنی دیر میں میری گرفت اتنی سخت ہو چکی تھی کہ اس کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں اور اس کے منہ سے تیز کراہ نکلی تھی اور یہ کراہ سو فی صد نسوانی تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ مزید اندر رک لیا اور اس نے بلبلا کر کہا۔

"چھوڑ میرا ہاتھ۔"

"واہ اب تم بالکل عورت والے لہجے میں بول رہی ہو۔"

"میں کہہ رہی ہوں میرا ہاتھ چھوڑو۔" اس نے خود پر قابو پا لیا تھا اگرچہ میری سخت گرفت سے اسے تکلیف ہو رہی تھی لیکن اس کے لہجے سے اس کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اب کلائی تک اندر تھا اور وہ یقیناً فرش پر لیٹ گئی تھی۔ دودھ ایسا سفید ہاتھ جس میں ہلکی سی گلابیت کی آمیزش تھی اور بہت خوب صورت اور سڈول نسوانی ہاتھ تھا یقیناً اس ہاتھ کی مالکہ بھی اتنی ہی حسین ہوگی لیکن فی الحال مجھے اس کی خوب صورتی سے زیادہ اپنی آزادی کی فکر تھی۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے بھی اسے پکڑ لیا اور سفاکی سے بولا۔ "مجھے لگ رہا ہے تم کوئی حسین اور نازک عورت ہو لیکن میں تم پر ذرا بھی ترس نہیں کھاؤں گا اور تمہارا یہ ہاتھ جسم سے الگ کر دوں گا۔"

"نہیں۔" وہ کانپ گئی تھی۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہ بتاؤ تمہارے علاوہ اور کتنے لوگ ہیں یہاں؟"

"کوئی نہیں بس میں ہوتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے دروازہ کھولو میں اس قید خانے سے آزادی چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں نہیں کھول سکتی اس کے دروازے پر تالا لگا ہے اور چابی میرے پاس نہیں ہے۔" وہ جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔ "خدا کے لئے میرا ہاتھ چھوڑ دو مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

میں نے ہاتھ چھوڑنے کے بجائے اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ "جھوٹ مت بولو، جب یہاں سب تم کر رہی ہو تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے اس تالے کی چابی تمہارے پاس نہ ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کراہنے لگی تھی۔ ''میں..... سچ کہہ رہی ہوں۔''

''میں نہیں مان سکتا۔ تم نے میری گرفت سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں طاقتور شخص ہوں اور میں سچ کہہ رہا ہوں تمہارا ہاتھ الگ کردوں گا۔''

''میں بھی سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ لہجے سے وہ تعلیم یافتہ اور ذہین لگ رہی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ مرشد نے مجھے اس کی قید میں رکھوایا تھا اور وہ یہاں اکیلی میری نگرانی کررہی تھی۔

''اوکے چابی تمہارے پاس نہیں ہے تو پھر کس کے پاس ہے؟''

''کسی کے پاس نہیں ہے۔ ایک اور جگہ رکھی ہے میں اسے ہر وقت لے کر نہیں گھوم سکتی ہوں۔''

میں نے ایک لمحے کے لیے اپنی گرفت نرم نہیں کی تھی حالانکہ میری انگلیاں اس کی نرم جلد میں گڑی جا رہی تھیں اور یقیناً ان جگہوں پر گہرے نشان بن گئے تھے۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''زرین۔'' اس نے جواب دیا۔

''زرین یہ جگہ کہاں ہے؟''

''مری ٹول پلازہ سے ذرا آگے ہے۔''

''تب یہ جگہ یقیناً ویران ہوگی تم اکیلی یہاں کیسے رہ رہی ہو؟''

''میں بالکل اکیلی نہیں ہوں۔ اس جگہ کا ایک چوکیدار بھی ہے لیکن وہ کوٹھی سے باہر ہوتا ہے اسے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ چوکیداری کے علاوہ سامان بھی لاتا ہے۔''

''مرشد سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

میرے اس سوال پر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اس نے مجھے یہاں رکھا ہوا ہے۔''

اس کا جواب واضح نہیں تھا لیکن اس کا مطلب شاید یہ تھا کہ مرشد نے اسے اپنی داشتہ بنا کر رکھا ہوا ہے اور اس کا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں وہ واضح بتا سکتی تھی لیکن ایک یہی ایسی بات ہے جو عورت بتاتے ہوئے ہچکچاتی ہے چاہے وہ کتنی بے باک کیوں نہ ہو۔ سچی بات ہے یہ بات سن کر مجھے صدمہ ہوا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ خوب صورت عورت تھی بلکہ اس لیے کہ وہ عورت تھی اور مرشد نے اس کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ میں نے اس سے اس بارے میں مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

''زرین اگر مجھے آزادی نہیں ملے گی تو میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

''تم کب تک مجھے اس طرح پکڑ کر بیٹھے رہو گے۔'' اس نے گویا مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''جلد یا چوکیدار یا مرشد کو میری غیر موجودگی کا علم ہو جائے گا۔''

''تم نے کہا کہ چوکیدار کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے؟''

''ہاں مرشد نے اس پر پابندی لگا رکھی ہے۔'' اس نے ذرا بدلے انداز میں کہا جیسے یہ بات اسے ناگوار گزرتی ہو۔

''یعنی اسے تم پر اعتبار نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر تم اسے جانتے ہو تو وہ ایسا شخص ہے جو اپنی ماں پر اعتبار نہ کرے۔'' اس کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ ''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ مجھے یرغمال بنا کر مرشد کو کسی طرح مجبور کر دو گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں اس کی غلام ہوں اور میری اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔''

''لہجے سے تم پڑھی لکھی لگتی ہو؟''

''میں نے انٹر تک کالج سے تعلیم حاصل کی ہے۔ پھر بابا کی طبیعت خراب رہنے لگی تو میں اس کے پاس یہاں آ گئی۔''

''بابا..... یہاں کیا کرتا تھا؟''

''وہ مرشد کی اس کوٹھی کا چوکیدار تھا لیکن بابا نے کبھی مجھے یہاں آنے کی اجازت نہیں دی تھی میں گاؤں میں اپنی موسی کے پاس رہتی تھی۔''

''جب تم یہاں آئیں تو پھر کیا ہوا؟''

''کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''مرشد نے بابا کی چھٹی کر دی اور مجھے ملازم رکھ لیا۔ بابا میں انکار کی مجال نہیں تھی۔ پھر شاید اسی صدمے نے اس کی جان لے لی۔ تب سے میں یہاں ہوں۔''

''مرشد نے یہاں قید خانہ بھی بنوایا ہے؟''

''نہیں یہ پیچھے کا ایک کمرہ تھا۔ پھر اس نے اس پر لوہے کا دروازہ لگا دیا اور دوسرے کچھ انتظامات کیے اور اس کے بعد کبھی کبھی وہ کسی کو یہاں بھیج دیتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے یوں سمجھ لو کہ تم یہاں چھٹے یا ساتویں قیدی ہو۔''

ہمارے درمیان گفتگو اسی طرح جاری تھی۔ میں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور وہ اسے کھینچ رہی تھی۔

''مجھ سے پہلے جو قیدی یہاں آئے ان کا کیا ہوا؟''

''ان میں سے کچھ تو واپس چلے گئے اور کچھ.....'' وہ کہتے ہوئے رک گئی۔ میں نے پوچھا۔

''ہاں کچھ کا کیا ہوا؟''

''ان کا مجھے نہیں معلوم۔'' وہ پریشان ہو گئی۔ ''میں تم سے پہلے ہی بہت باتیں کر چکی ہوں اگر مرشد کو پتا چل گیا تو وہ نہ جانے میرے ساتھ کیا کرے گا۔''

''یقیناً اچھا نہیں کرے گا۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''زرین اگر تم چاہتی ہو کہ مرشد تمہاری کھال نہ اتارے تو تمہیں میرے ساتھ پورا تعاون کرنا ہوگا۔''

''کیسا تعاون؟''

''مجھے یہاں سے آزاد کراؤ۔''

''کیسے اور تمہارا کیا خیال ہے اگر میں نے تمہیں آزاد کرا دیا تو مرشد مجھے بخش دے گا۔''

''تم اسے بتا سکتی ہو میں نے تمہیں کس طرح مجبور کیا۔''

''وہ کسی کی مجبوری سنتا اور مانتا ہے؟''

مجھے دل میں تسلیم کرنا پڑا کہ مرشد واقعی کسی کی مجبوری ماننے والا شخص نہیں تھا۔ اگر اس کے کسی آدمی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غلطی ہو جائے تو وہ اسے لازمی سزا دیتا ہوگا۔ معاف کرنا اس کی سرشت میں نہیں ہے۔ میں سوچ رہا تھا۔ ''سنو تم کسی طرح چوکیدار کو یہاں بلا سکتی ہو؟''

''نہیں میں نے کہا نا اسے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''ہنگامی حالات میں بھی نہیں؟''

''کیا مطلب؟''

''دیکھو اگر تم چلاؤ تو کیا وہ تمہاری آواز سن کے بھی باہر بیٹھا رہے گا؟''

''نہیں..... شارق فوراً اندر آ جائے گا۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔

اس نے جس طرح شارق کا نام لیا تھا اور اس کے بارے میں اظہار خیال کیا تھا۔ مجھے لگا ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق تھا۔ میں نے انجان بن کر کہا۔ ''کیوں اسے تم سے ایسی کیا ہمدردی ہے جو وہ تمہاری آواز سن کر فوراً دوڑا آئے گا؟''

''سب مرشد کی طرح سنگ دل نہیں ہوتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ اس کا ایک مطلب تو عام تھا لیکن ایک مطلب یہ بھی تھا کہ مرشد اس سے متاثر ہوئے بغیر اسے صرف اپنی داشتہ بنائے ہوئے تھا لیکن شارق اسے پسند بھی کرنے لگا تھا لیکن یہ اندازہ تھا جو غلط بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''شارق کو آواز دو۔''

''نہیں۔'' وہ بولی۔ ''اسے اس معاملے میں شامل نہ کرو ورنہ مرشد کا عتاب اس پر بھی آئے گا۔''

''فی الحال تم مرشد کے بجائے میرے عتاب کی فکر کرو۔ اگر مجھے آزادی نہ ملی تو تمہارا ہاتھ تمہارے جسم سے ضرور آزاد ہو جائے گا۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تمہیں شاید غلط فہمی ہے کہ میں نرم دل ہوں۔ کیا مرشد نے تمہیں میرے بارے میں بتایا نہیں ہے؟''

''بتایا ہے۔'' وہ کراہی۔ ''مرشد نے بتایا تھا تم بہت سفاک انسان ہو اور اگر تمہیں موقع مل گیا تو تم مجھے قتل بھی کر سکتے ہو۔''

''اس نے درست کہا ہے اپنی آزادی کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں اب تم اسے آواز دے رہی ہو یا.....'' میں نے اس کا ہاتھ ذرا سا مروڑا تو اس نے بے ساختہ چیخ ماری تھی۔ ''یہ صرف نمونہ ہے اگر میں نے تمہارا ہاتھ اوپر کی طرف کھینچ لیا تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔''

''نہیں خدا کے لیے۔'' وہ رونے والے انداز میں بولی۔ ''تم جیسا کہو گے میں کروں گی لیکن میں تمہیں آزاد نہیں کرا سکتی۔ یہ میرے بس میں نہیں ہے۔''

''بالکل ہے تم شارق کو آواز دو اور اس سے چابی منگوا کر تالا کھول دو۔''

''شاید میری آواز اس تک نہ پہنچے۔''

''زرین مجھے مجبور مت کرو تمہارا ہاتھ توڑنے سے پہلے میں صرف یہ چھوٹی انگلی توڑ دوں تو تمہارا واویلا سن کر خود مرشد دوڑا آئے گا۔'' میں نے کہا اور تجربے کے طور پر اس کی چھوٹی انگلی پکڑ کر پیچھے کی طرف کی تو وہ چلا اٹھی تھی۔ ''شاباش اسی طرح چیخو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شارق۔'' اس نے چلا کر کہا۔

''ذرا زور سے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''شارق۔'' اس بار اس نے سچ مچ پورا زور لگایا اور اس کا نتیجہ بھی حوصلہ افزا رہا۔ باہر سے کسی مرد کے چلانے کی آواز آئی۔

''زرین۔''

''شارق جلدی آؤ۔'' زرین چلائی۔

اس کے بعد کچھ دیر دونوں فلمی اسٹائل میں چلا چلا کر ایک دوسرے کا نام پکارتے رہے۔ پھر شارق نے آگاہ کیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے وہ کیسے آئے؟ زرین نے اسے دیوار پھلانگ کر آنے کا مشورہ دیا۔ ایک منٹ بعد شارق اندر آ گیا تھا اس کی آواز پاس سے آئی تھی۔ ''تم کہاں ہو؟''

''میں یہاں قیدی والے کمرے کے پاس ہوں اس نے مجھے پکڑ لیا ہے۔ کمرے کے تالے کی چابی لیتے آؤ۔''

یہ سن کر شارق تیزی سے اندر آیا اور زرین کو میری گرفت میں دیکھ کر مضطرب ہو گیا اس نے مجھے دھمکی دی۔ ''چھوڑ اسے ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''کیسے؟..... میں تو اندر ہوں اور اگر تم نے کسی طرح سے گولی مار بھی دی تو اس وقت تک میں اس کا ہاتھ توڑ چکا ہوں گا۔''

''شارق.....اس کی بات مان لے۔'' زرین رونے لگی۔ ''مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔''

حالانکہ میں نے اسے مضبوطی سے ضرور پکڑا تھا لیکن اب میری گرفت تکلیف دینے والی نہیں تھی۔ یہ بات غالباً اس نے شارق کو متاثر کرنے کے لیے کہی تھی اور وہ فوراً متاثر ہو گیا اس نے گھبرائے انداز میں کہا۔ ''اسے چھوڑ دو میں چابی لا رہا ہوں۔''

''ایک منٹ رکنا تم مجھے کس چیز سے گولی مار رہے تھے؟''

''میرے پاس پستول ہے۔''

''وہ پستول زرین کے حوالے کر دو اور زرین تم پستول مجھے دو گی۔''

''میں پستول نہیں دے سکتا۔'' شارق نے کچھ دیر توقف کے بعد کہا۔

''تم نے مجھے کیا بے وقوف سمجھا ہے۔ اگر پستول تمہارے پاس ہو گا تو مجھے تالا کھولتے ہی گولی نہیں مار دو گے۔ شرافت سے پستول زرین کو دے دو ورنہ.....'' میں نے بات ادھوری چھوڑ کر زرین کا ہاتھ ذرا کھینچا تو اس نے ایسی چیخ ماری کہ میرے کان بھی جھنجھنا گئے تھے۔ شارق جلدی سے بولا۔

''اچھا میں دیتا ہوں۔ اسے تکلیف مت دو۔''

میں نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ ان دونوں میں کوئی چکر تھا اور شارق اگر صرف چوکیدار ہوتا تو اسے زرین کی اتنی پروا نہیں ہوتی جب کہ اسے مرشد کا خوف زیادہ ہونا چاہیے تھا لیکن اس وقت میری ساری حسیات ان پر مرکوز تھیں کہ کسی طرح میں پستول حاصل کر کے تالا کھلوا لوں اس کے بعد ہی یہاں سے میری آزادی کی راہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہموار ہو سکتی تھی۔ شارق کی بات سن کر میں محتاط ہو گیا تھا میں نے زرین سے کہا۔

''پستول نال سے پکڑ کر اندر کرنا اور کوئی چکر مت چلانا ورنہ تم بھگتو گی۔''

لیکن اس کی جان پر بنی تھی۔ اس نے شرافت سے پستول نال سے پکڑ کر اندر کی اور میں نے جلدی سے اس پر قبضہ کر لیا۔ پستول لوڈ تھا اور بہترین قسم کا ہتھیار تھا۔ میں نے اس کا رخ ایک طرف کر کے فائر کر دیا۔ بند کمرے میں اس کا دھماکہ بم سے کم نہیں تھا کچھ دیر کے لیے میرے کان بند ہو گئے تھے پھر زرین کے چلانے کی آواز آئی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''چیک کر رہا ہوں کہ یہ کام کرتا ہے یا نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اب شارق سے کہو چابی لا کر تالا کھول دے۔''

''وہ چابی لینے گیا ہے۔'' زرین بولی۔ میں نے گرفت دوبارہ نرم کر دی تھی۔ اب وہ سکون سے تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تم بہت ظالم آدمی ہو تمہیں عورت پر رحم نہیں آتا ہے۔''

''آتا ہے لیکن خود پر زیادہ آتا ہے۔ ویسے یقین کرو مجھے خود بھی کسی عورت کو تکلیف دیتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے لیکن اس وقت مجبوری ہے۔''

''مرشد کو کسی عورت کو تکلیف دیتے ہوئے بالکل رحم نہیں آتا ہے۔''

''وہ مرشد ہے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا اسی لمحے شارق چابی لے آیا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

''میں نے دروازہ کھول دیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''زرین کو چھوڑ دو۔''

''شاباش اب تم اوندھے منہ زمین پر لیٹ جاؤ۔'' میں نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ ''دروازے کے بالکل سامنے لیٹنا۔ اگر مجھے تم نظر نہیں آئے تو اس کی سزا زرین کو ملے گی۔''

''میں لیٹ گیا ہوں۔'' شارق نے کہا تو میں نے ذرا سا دروازہ کھولا اور وہ سامنے نظر آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ سامنے ہی پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے زرین کا ہاتھ چھوڑا اور پھرتی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ یہ مختصر سی راہداری تھی۔ زرین اپنا ہاتھ تھامے دیوار سے لگی کھڑی تھی اور شارق فرش پر اندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ میں زرین کو دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بہت حسین ہو گی لیکن وہ بہت ہی حسین ترین عورت تھی۔ بلکہ اسے عورت کہنا بھی درست نہیں تھا۔ وہ عمر کے لحاظ سے لڑکی تھی مشکل سے بائیس برس کی ہو گی۔ شہابی رنگت اور سر سے پاؤں تک جیسے کسی سانچے میں ڈھالی گئی تھی۔ اس نے سردی کی مناسبت سے ویلویٹ کا سوٹ اور اوپر سویٹر پہن رکھا تھا۔ سویٹر اس کو بالکل فٹ تھا اور اس کی نازک بدنی کو ظاہر کر رہا تھا وہ میری نظر محسوس کر کے شرما گئی تھی لیکن اس نے شارق کی وجہ سے سوال کسی اور طرح کیا۔

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''پہلے تو رہائی چاہتا تھا۔'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ صیاد ایسا ہو گا تو کبھی رہائی کی خواہش نہ کرتا۔''

زرین کا چہرہ مزید گلابی ہو گیا تھا۔ ہر حسین عورت کی طرح اس نے میرے الفاظ کو نذرانہ حسن سمجھ کر قبول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر لیا تھا اور اس کا بالکل بھی برا نہیں منایا تھا۔ البتہ نیچے لیٹے شارق نے برا منایا تھا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔

''اب تم جا سکتے ہو؟''

شارق بھی کم عمر نوجوان تھا۔ اس کی عمر چوبیس سے زیادہ نہیں تھی اور وہ چھریرے جسم کو اچھے نقوش کا حامل لڑکا تھا۔ اگرچہ وہ کسی طرح زرین کے لائق نہیں تھا۔ اس کی جہالت اس کے چہرے پر لکھی تھی جب کہ زرین تعلیم یافتہ بھی تھی۔ شاید مرشد جیسے خبیث آدمی کی قید نے اسے شارق کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ میں نے اس کی کمر پر پاؤں رکھا۔

''برخوردار مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے یہ مجھے تم نہیں بتاؤ گے۔ ابھی تو تم اٹھ کر اندر جاؤ۔'' میں نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں اندر؟'' اس نے یوں تعجب سے کہا جیسے یہ کوئی ناقابلِ یقین بات ہو۔

''ہاں تم اب اٹھ جاؤ۔''

وہ اٹھ گیا اور اس نے زرین کی طرف دیکھا۔ ''تم ہم دونوں کو یہاں بند کر جاؤ گے؟''

میں نے محسوس کیا اس کے لہجے میں خوف کے بجائے دلچسپی تھی جیسے زرین کے ساتھ قید ہونا بھی کوئی خوش کن بات ہو۔ ''تم دونوں کو نہیں صرف تمہیں۔'' میں نے کہا اور اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا اور اس سے پہلے وہ سنبھلتا میں نے لات مار کر اسے اندر کیا اور دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ وہ تڑپ کر واپس آیا اور دروازہ پیٹنے لگا۔ ''دروازہ کھولو۔''

میں نے تالا لگا کر چابی اپنے قبضے میں لے لی۔ زرین سہمے انداز میں یہ سب دیکھ رہی تھی۔ میں نے شارق کو کہا۔ ''ذرا دیر آرام سے بیٹھو، جاتے ہوئے میں تمہیں آزاد کر جاؤں گا۔''

لیکن اس نے شور جاری رکھا۔ میں نے زرین کو وہاں سے چلنے کا اشارہ کیا۔ راہداری کے آخر میں دروازہ تھا اور یہ دروازہ قید خانے کا تھا گویا یہ بس اسی مقصد کے لیے تھی۔ دروازے کے دوسری طرف ایک خوب صورت نشست گاہ تھی جس میں وال ٹو وال دبیز قالین بچھا تھا اور برمانیک کا فرنیچر تھا۔ مرشد علی کی کسی رہائش گاہ کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ذرا دیر میں، میں نے زرین کے ساتھ ساری کوٹھی دیکھ لی تھی۔ یہ زیادہ بڑی نہیں تھی مشکل سے ایک کنال رقبے پر تھی جس میں اس کا بڑا سا لان اور گیراج بھی شامل تھا۔ کوٹھی میں تین بیڈ روم تھے اور ایک سرونٹ کوارٹر بھی تھا۔ شارق کی رہائش کوٹھی کے باہر مین گیٹ کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھی۔ جس سے کوٹھی کے اندر صرف ایک کھڑکی کھلتی تھی۔ گویا مرشد نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ چوکیدار اپنی مرضی سے کوٹھی کے اندر نہیں آ سکتا تھا۔ اس کے باوجود مجھے حیرت تھی کہ اس نے کس طرح زرین جیسی خوب صورت عورت کو اس ویرانے میں ایک چوکیدار کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ میں نے لان پر نکل کر دیکھا آس پاس کوئی اور عمارت نہیں تھی۔ میں نے زرین سے پوچھا۔

''یہاں آس پاس کوئی آبادی ہے؟''

''ہاں ادھر ہمارا گاؤں ہے؟''

میں چونکا۔ ''ہمارا کیا شارق بھی تمہارے گاؤں کا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں وہ میرے چچا کا لڑکا ہے۔''

ایک لمحے کو مجھے طیش آیا تھا وہ بے غیرت اس کا چچازاد تھا اور مرشد کے لیے چوکیداری کر رہا تھا جو اس کی چچازاد بہن کو داشتہ بنائے ہوئے تھا۔ زرین کو دیکھنے سے پہلے مجھے جو تھوڑا بہت شک تھا اب وہ بھی نہیں رہا تھا مرشد جیسے عیاش کے لیے ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ زرین جیسی حسین لڑکی کو چھوڑ دیتا۔ کوٹھی ذرا بلندی پر تھی اور مجھے کوشش کے باوجود مری شاہراہ نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے زرین سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے سامنے پہاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کے پیچھے ہے۔''

گویا مری شاہراہ وہاں سے کوئی تین چار کلومیٹرز کے فاصلے پر تھی۔ میں نے کوٹھی کے آس پاس کا معائنہ کیا۔ اس کے تین طرف ڈھلان تھی اور چوتھی طرف آمدورفت کے لیے سڑک بنی تھی یہ پتھروں سے بنائی سڑک تھی جو مرشد نے شاید خود بنوائی تھی۔ زرین توقع کر رہی تھی کہ میں اب رخصت ہو جاؤں گا لیکن اس کی توقع کے خلاف میں کوٹھی کے اندر آ گیا۔ میں نے اس سے موبائل فون کا پوچھا۔ ''تمہارے پاس موبائل فون ہوگا؟''

''بس وہی ہے جو تم کو دیا تھا۔''

''لیکن اس میں تو بیلنس ہی نہیں ہے۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''شارق کے پاس ہے؟''

''پتا نہیں ویسے میں نے کبھی دیکھا نہیں۔'' اس نے کہا۔

میں اسے لے کر اندر آیا اور شارق سے پوچھا۔ ''تمہارے پاس موبائل ہے؟''

''نہیں غریب آدمی موبائل کہاں رکھے۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''غریب آدمی موبائل نہ سہی لیکن غیرت ضرور رکھے۔'' میں نے اسے جواب دیا اور زرین کو لے کر باہر آ گیا۔ میں نے ایک لمحے کو بھی اسے اپنی نظروں سے اوجھل ہونے نہیں دیا تھا۔ ''کچن کہاں ہے مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

زرین مجھے کوٹھی کے بہترین کچن میں لے آئی یہاں تمام جدید سہولتیں تھیں۔ جن میں مائیکرو ویو اوون اور ایل پی جی سلینڈر بھی شامل تھا۔ وہاں پکانے کے لیے بہت کچھ تھا لیکن میں اب جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا اس لیے میں نے اس سے انڈے ابالنے اور ساتھ میں چائے بنانے کا حکم دیا۔ وہ کام میں لگ گئی اور میں ایک طرف کرسی پر ٹک گیا تھا۔

''تم کب سے مرشد کے پاس ہو؟''

وہ میرے سوال میں چھپے معنی کو سمجھ گئی تھی کیونکہ اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا لیکن یہ شرم نہیں تھی بلکہ خفت تھی۔ اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ ''دو سال سے ہوں۔''

''تم نے کبھی اس کی قید سے آزاد ہونے کی کوشش کی یا سوچا یا پھر اس قید میں خوش ہو؟''

اس نے تڑپ کر میری طرف دیکھا اور مجروح لہجے میں بولی۔ ''کوئی عورت ایسی قید میں خوش ہو سکتی ہے۔''

''یہاں تمہارا گاؤں ہے تمہارے رشتے دار ہیں ان کے ہوتے ہوئے مرشد نے تم پر کس طرح قبضہ جما

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا ہے۔''

''وہ سب بے غیرت ہیں۔ مرشد سے ڈرتے ہیں۔'' اس نے نفرت سے کہا۔ ''میرے چچازاد بھائی کو تم نے دیکھ لیا ہے۔''

''میں نے محسوس کیا ہے وہ تم میں دلچسپی رکھتا ہے۔''

''ہاں رکھتا تو ہے لیکن وہ بھی مرشد سے ڈرتا ہے۔''

''اگر وہ تم سے سچ مچ کی محبت کرتا ہے تو اسے اب تک مرشد کو قتل کر دینا چاہیے تھا۔''

''ہمارے ہاں کوئی مرشد یا اس کے کسی معمولی آدمی کے لیے بھی اس طرح نہیں سوچ سکتا ہے۔'' وہ بے دلی سے بولی۔

''وہ تمہیں لے کر بھاگ تو سکتا تھا؟''

زرین ہچکچائی پھر اس نے کہا۔ ''میں نے کئی بار اس سے کہا لیکن وہ نہیں مانتا ہے اس کا کہنا ہے اس ملک میں ہم کہیں بھی مرشد سے محفوظ نہیں ہوں گے۔ وہ ہر جگہ ہمیں تلاش کر لے گا۔''

''بکواس کرتا ہے وہ..... مرشد کوئی خدا ہے نعوذ باللہ..... جو اس کی پہنچ ہر جگہ ہو۔ میری اس سے دشمنی ہے لیکن وہ آج تک میرا کیا بگاڑ سکا ہے۔''

وہ خاموشی سے کام کرتی رہی شاید اسے بھی احساس تھا کہ شارق اسے بے وقوف بنا رہا تھا اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کی کوشش کر رہا تھا۔ زرین اس کے لیے ایک رشتہ نہیں بلکہ صرف ایک حسین عورت تھی جو اس کے آقا کی داشتہ تھی اور خوش قسمتی سے آقا نے اسے اس کی چوکیداری پر مامور کر دیا تھا اور وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر تقرب لگانا چاہتا تھا۔ بہرحال یہ ان لوگوں کا مسئلہ تھا اور میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ زرین نے انڈے ابال کر میرے سامنے رکھ دیئے اور میں ان کو نگلنے لگا اس دوران میں چائے بھی تیار ہو رہی تھی۔ جب تک میں نے چار عدد انڈے نوش جاں کیے چائے بھی آ گئی اور میں اس کے گرم گرم گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔ زرین مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''تم مجھے یونہی چھوڑ جاؤ گے؟''

''تو پھر کیسے چھوڑ کر جاؤں؟''

''مجھے ساتھ لے چلو..... یہاں مرشد میری کھال اتار دے گا۔ وہ بہت ظالم آدمی ہے ایسے ایسے ظلم کرتا ہے کہ میں مرنے کے قریب ہو جاتی ہوں اور ایسا وہ پیار میں کرتا ہے جب سزا دے گا تو.....''

''مس زرین یہ میرا مسئلہ نہیں ہے تم اسے جو چاہے بتا سکتی ہو۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''خدا کے لیے۔'' وہ گڑگڑائی۔ ''میں سچ کہہ رہی ہوں وہ بہت ظالم ہے۔ میں تمہیں اس کے ظلم کے نشانات دکھاؤں۔''

''نہیں..... نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا لیکن وہ اس سے پہلے ہی اپنا سویٹر اتار چکی تھی اور پھر اس نے رخ پھیرتے ہوئے اپنی قمیص بھی اوپر کر دی۔ مخمل کی قمیص تلے سے اس کی کھال بھی مخملی نکلی تھی لیکن اس پر مرشد کی وحشتوں کے نشان پوری طرح نمایاں تھے۔ یہ جلانے، کاٹنے اور بھنبھوڑنے کے نشانات تھے جو بتا رہے تھے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک صاحبِ اختیار مرد ایک مجبور عورت کے ساتھ کیا کر سکتا ہے۔

"پلیز شرٹ نیچے کر لو۔" میں نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔ "تمہیں مرشد کی بربریت بتانے کے لیے اپنا بدن دکھانے کی ضرورت نہیں ہے اس کی درندگی کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

اس نے قمیص نیچے کر لی اور بھیگے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اس سے زیادہ گہرے زخم میرے سامنے والے جسم پر ہیں۔"

میں نے گہری سانس لی اور کسی قدر درشت لہجے میں بولا۔ "میں نے کہا نا تمہیں یہ سب دکھانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ بتانے کی ضرورت ہے صرف یہ کہہ دینا کافی ہے تم مرشد کی داشتہ ہو۔"

وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔ مجھے بھی اپنے الفاظ کی بے رحمی کا احساس ہوا۔ میں نے معذرت کر لی۔ "معاف کرنا..... اصل میں میں اس مزاج کا آدمی نہیں ہوں۔ مجھے عورت کی عزت کرنا سکھایا گیا ہے۔"

"تب تم مجھے اس جہنم سے نکال کر نہیں لے جا سکتے؟" اس نے سویٹر پہنتے ہوئے التجا کی۔

"میں کہاں لے جا سکتا ہوں۔ میں تو خود در بدر پھر رہا ہوں اور تم نے خود کوشش کیوں نہیں کی؟"

"میں اکیلی عورت کہاں جا سکتی ہوں اور تم دیکھ رہے ہو مقدر نے مجھے کیسا بنایا ہے کیا میں کہیں مردوں سے بچ کر سکون سے رہ سکتی ہوں۔ اگر میں یہاں سے بنا سوچے سمجھے نکل جاتی تو آج ایک مرشد کے بجائے نہ جانے کتنے مرشدوں کا شکار ہوتی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو جب تک تقدیر تمہارے لیے آسانی نہیں کرتی ہے تمہیں یہیں رہنا چاہیے۔"

"بس یہی سوچ کر یہاں سے نہیں نکلی لیکن اب تم ایک امید بن کر آئے ہو۔ تم مرشد کے دشمن ہو، طاقتور بھی ہو تم مجھے پناہ دے سکتے ہو۔ تم یقین کرو میں دو وقت کے کھانے اور تن کے کپڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گی۔ میں ملازمہ بن کر رہ لوں گی۔"

"زرین میں تمہیں نہیں لے جا سکتا۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ابھی مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کہاں جاؤں گا۔ تمہیں بچانے کے لیے میں یہ کر سکتا ہوں کہ تم دونوں کو بند کر جاؤں۔"

"شارق کے ساتھ۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "نہیں..... میں اس کے ساتھ بند ہونا پسند نہیں کروں گی۔"

"وہ تمہارا چچازاد بھائی ہے۔"

"بے شک ہے لیکن وہ میرے لیے اچھے ارادے نہیں رکھتا ہے ابھی تک تو اسے مرشد کا خوف اور میرا رویہ مجبور کرتا رہا ہے لیکن اگر میں اس کے ساتھ بند ہوئی تو شاید وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے۔"

پہلے میرا خیال تھا کہ زرین نے مرشد کے دیئے موقع سے فائدہ اٹھا کر چوکیدار سے تعلقات قائم کر رکھے تھے لیکن اب مجھے پتا چلا کہ وہ اندر سے شریف عورت ہی ہے۔ مرشد سے تعلق اس کی مجبوری ہے اور اس سے اس کی شرافت پر کوئی حرف نہیں آتا ہے اور اسی وجہ سے وہ شارق میں دلچسپی لینے کے باوجود اس سے وہ تعلق قائم کرنے کو تیار نہیں تھی جس کی ہمارا معاشرہ اور مذہب اجازت نہیں دیتا ہے۔ اپنی عزت کے خوف سے وہ یہاں رہنے اور شارق کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہونے کو تیار نہیں تھی۔ میں تذبذب میں تھا کہ اس کی بات کا کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دوں۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کے سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ میں نے چائے کا مگ نیچے رکھا اور کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی اس نے سمجھ لیا کہ میں اسے نہیں لے جا سکتا تھا اور نہ اس کی کوئی اور مدد کر سکتا تھا۔

''مجھے افسوس ہے زرین میں چاہنے کے باوجود تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا ہوں۔''

وہ میرے ساتھ باہر تک آئی۔ ''تو کیا تم مجھے ایسے ہی چھوڑ جاؤ گے؟''

''ہاں تو کیسے چھوڑ کر جاؤں؟''

''تم مجھے باندھ جاؤ تا کہ مرشد کو کسی حد تک یقین دلا سکوں کہ میں نے اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ تعاون نہیں کیا تھا بلکہ مجبوری میں کیا تھا۔''

''ٹھیک ہے ویسے تمہاری ہاتھ کا نیل بھی یہ بتانے کے لیے کافی ہے۔''

''مرشد جیسے شخص کے لیے کافی نہیں ہے۔''

میں اسے اندر لایا اور اس کے اپنے دوپٹے سے اس کے ہاتھ اور پیر باندھ دیئے۔ یہ کام خاصا مشکل تھا کیونکہ دوپٹہ بھی ریشمی تھا اور اس کی جلد بھی اس لیے گرہ مضبوطی سے نہیں آ رہی تھی اور میں زیادہ کس کر نہیں باندھنا چاہتا تھا اسے تکلیف ہوتی۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے دوران میں اس کے قریب ہوا تو اس کی جسمانی کشش واضح ہونے لگی تھی اور میں گھبرا رہا تھا بہر حال کسی نہ کسی طرح میں نے اسے باندھ ہی دیا۔ میرا ارادہ تھا کہ یہاں سے نکلنے کے بعد کسی محفوظ مقام پر پہنچ کر مرشد کو کال کر کے بتا دوں گا کہ میں اس کے آدمیوں کو بے بس کر کے نکل آیا ہوں۔ زرین کو باندھ کر میں نے کہا۔ ''بس کچھ دیر برداشت کر لو، پھر مرشد کے آدمی آ کر تمہیں آزاد کر دیں گے۔''

''ہو سکتا ہے زندگی کی قید سے ہی آزاد کر دیں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔ ''ویسے بھی مرشد کا دل اب مجھ سے بھر گیا ہے اور ایسا لگ رہا ہے وہ مجھ سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔''

''مرشد جیسے لوگ کسی کا لحاظ نہیں کرتے ہیں۔ اگر اس نے تم سے جان چھڑانی ہوتی تو وہ اب تک یہ کام کر چکا ہوتا۔ ویسے میرا نہیں خیال کہ وہ کبھی تمہیں چھوڑنا پسند کرے گا۔''

''کیوں؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔

''کیونکہ میں نے دنیا بھر کی عورتیں دیکھی ہیں لیکن تمہاری جیسی خوب صورت عورتیں بہت کم دیکھی ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی شخص تم سے جان چھڑانا چاہے گا چاہے وہ مرشد جیسا عیاش ہی کیوں نہ ہو۔''

وہ شرمائی تھی اور پھر بولی۔ ''لیکن مرشد انسان نہیں ہے جو کسی عورت کی خوب صورتی سے ہمیشہ کے لیے متاثر ہو جائے۔ وہ ایک ایسا درندہ ہے جسے گوشت کھانے سے مطلب ہے اور اس کا دل بہت جلد بھر جاتا ہے۔''

میں نے اس بارے میں اس سے بحث نہیں کی کیونکہ ایک تو بندے کو مرد عورت کے تعلقات کا صرف جانی کلامی علم تھا اور اس کی باریکیوں کا تو بالکل پتا نہیں تھا دوسرے میں مرشد کے بارے میں یقیناً اتنا نہیں جانتا جانتا کہ یہ عورت یا لڑکی جانتی تھی۔ میرا کام ہو چکا تھا اس لیے میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ ''مجھے امید ہے مرشد تمہارے ساتھ برا سلوک نہیں کرے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ بے وقوف نہیں ہے۔'' زرین نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ''وہ جان جائے گا کہ میں نے تمہیں کس طرح آزاد کرایا اور اس کے بعد وہ شاید مجھے معاف نہ کرے تم اس کے لیے بہت اہم آدمی ہو۔''

یہ تو میں بھی جانتا تھا کہ میں مرشد کے لیے کتنا اہم تھا اور میرے فرار کے بعد اس کا عتاب یقیناً ان دونوں پر نازل ہوتا۔ خاص طور سے زرین اس کے غصے کا نشانہ بنتی کیونکہ اسی نے شارق کو آواز دے کر باہر سے بلوایا تھا۔ جس کے بعد میں آزاد ہو گیا۔ میں تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ میرے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا کہ پہلی فرصت میں یہاں سے نکل بھاگو لیکن دوسری طرف میرا ضمیر اس مجبور اور مظلوم عورت کو اس طرح چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا جو بعد میں یقینی طور پر اس کے عتاب کا نشانہ بنتی لیکن میں اسے ساتھ لے کر کہاں پھرتا۔ اچانک مجھے خیال آیا میں اسے عبداللہ والی کوٹھی میں رکھوا سکتا تھا اگر عبداللہ اسے ملازم نہ بھی رکھتا تو اسے کہیں اور ملازمت دلوا سکتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اس کی بندشیں کھول دیں اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''میں نے فیصلہ بدل دیا ہے اب تم میرے ساتھ چل رہی ہو میں کوشش کروں گا کہ تمہیں کہیں نوکر رکھوا دوں۔''

''سچ۔'' وہ خوش ہو گئی۔

''ہاں لیکن اس سے آگے میری ذمے داری نہیں ہو گی۔ مرشد سے بچنا بھی تمہارا کام ہو گا۔''

''مجھے منظور ہے ایک بار اس جہنم سے نکل جاؤں تو سب کر لوں گی بس مجھے کھڑے ہونے کے لیے پاؤں بھر زمین چاہیے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ زیادہ ہی خوش فہم ہو رہی تھی۔ ہمارے معاشرے میں اگر عورت کسی مرشد سے نہ بھی چھپ رہی ہو تب بھی اس کے لیے اکیلے زندگی گزارنا بہت مشکل کام ہے خاص طور سے جب وہ زرین کی طرح بے پناہ حسن بھی رکھتی ہو لیکن یہ سب بعد کے معاملات تھے۔ ابھی تو یہاں سے نکلنا تھا۔ اسے کھولنے کے بعد میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''اپنی جو چیزیں لینی ہیں ساتھ لے لو۔''

وہ لپک کر ایک کمرے میں گئی میں اس کے پیچھے تھا اگرچہ میں نے اس کی مدد کا فیصلہ کیا تھا لیکن ابھی میں اس پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اس نے ایک الماری کھولی اور اس میں موجود سارے کپڑے نکالنا شروع کر دیئے۔ میں نے بوکھلا کر کہا۔

''اوہ بی بی یہ کیا کر رہی ہو..... بس ضرورت کے چند کپڑے رکھ لو۔''

''اس پر جب اس نے ضرورت کے کپڑے نکالنا شروع کیے تو میں نے جھینپ کر رخ دوسری طرف کر لیا۔ اس نے ایک چھوٹا بیگ نکالا اور اس میں ساری چیزیں بھر لیں۔ اس نے چپل پہن رکھی تھی میں نے اشارہ کیا۔ ''اگر مضبوط جوتے ہیں وہ پہن لو کیونکہ ہمیں پیدل جانا ہو گا۔''

اس نے جوتے نکال کر پہن لیے۔ ہم باہر آئے تو اس نے شارق کے بارے میں پوچھا۔ ''اس کا کیا ہو گا؟''

''کیا اسے بھی لے کر چلنا ہے؟'' میں بھنا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں..... میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' وہ میرے لہجے سے ڈر گئی۔ اس بار میں نے نرمی سے کہا۔

''اسے یہاں کچھ نہیں ہوگا۔ جلد یہاں سے کوئی آ کر اسے نکال لے گا آگے اس کی قسمت کہ مرشد اسے معاف کرتا ہے یا نہیں۔''

شارق کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ تھا اس لیے وہ اس کے بارے میں فکر مند ہو رہی تھی لیکن اس نے مجھ سے دوبارہ نہیں کہا۔ ہم باہر آئے اور ابھی ہم لان میں گیٹ سے دور تھے کہ مجھے سڑک پر ایک بڑی گاڑی مڑتی دکھائی دی۔ خطرے کے احساس کے ساتھ میں نے زرین کی طرف دیکھا تو وہ خود بھی پریشان لگ رہی تھی۔ اس نے میرے سوال کرنے سے پہلے کہا۔ ''یہ مرشد کے لوگ ہیں میں اس گاڑی کو پہچانتی ہوں۔''

اب سامنے سے جانا ممکن نہیں رہا تھا اول تو ان کی نظر سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے دوسرے سڑک پر پکڑے جانے کا زیادہ امکان تھا۔ ''اس جگہ سے نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے؟''

''نہیں تین طرف ڈھلان ہے اور اس سے اترنا بہت مشکل کام ہے۔'' اس نے انکار کیا لیکن میں اس سے پہلے بھی اس قسم کے مشکل کام کرتا رہا تھا۔ میں نے پہلے گیٹ کو اندر سے بند کیا اور پھر اس کے ساتھ کوٹھی کے عقبی حصے میں آیا۔ یہاں دیوار کے پاس کچھ زمین تھی لیکن اس کے بعد ڈھلان ایسے نیچے گئی تھی کہ بس اللہ ہی اللہ تھا۔ میں نے زرین سے کہا۔ ''تم اس ڈھلان سے اتر سکتی ہو؟''

''میں کوشش کرتی ہوں۔'' اس نے ڈر کر کہا۔

''بس تو چلو۔'' میں نے اس کا بیگ دیوار کے دوسری طرف پھینک دیا اور پھر اسے کمر سے پکڑ کر اوپر اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کی مخملی قمیص اور جلد نے پھسل کر یہ کوشش ناکام بنا دی میں نے خفیف ہو کر گھوڑا بننا منظور کیا اور اس سے کہا۔ ''میری کمر پر چڑھ کر دوسری طرف کود جاؤ۔''

وہ دیوار پر چڑھ گئی لیکن دوسری طرف نہیں اتری اسے ڈر لگ رہا تھا میں دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کودا اور پھر سہارا دے کر اسے بھی اتار لیا۔ جب اس نے پہلی بار عملی طور پر اس ڈھلان کو دیکھا تو اترنے سے صاف انکار کر دیا۔ 'میں اس سے نہیں جا سکتی۔''

''اگر تم نہیں گئیں تو یہیں رکو میں جا رہا ہوں۔ بعد میں مرشد اور اس کے جلادوں کو جواب دیتی رہنا۔''

مرشد اور اس کے جلادوں کے تصور نے اسے لرزا دیا تھا اور اس کا انکار فوراً اقرار میں بدل گیا۔ ''میں چلتی ہوں۔''

''شاباش۔'' میں نے اس کا بیگ اٹھا لیا۔ ''میرے پیچھے آؤ اور آواز مت نکالنا بے شک کھائی میں بھی گر جاؤ۔''

میں نیچے اترنے لگا۔ یہ ڈھلان دیکھنے میں خطرناک لگ رہی تھی درحقیقت اتنی خطرناک نہیں تھی کیونکہ اس میں پتھر بھی ابھرے ہوئے تھے اور جھاڑیاں بھی تھیں جن کو پکڑ کر آرام سے نیچے اترا جا سکتا تھا لیکن یہ آسانی تو میرے لیے تھی کیونکہ مجھے اس قسم کی ڈھلانوں پر چڑھنے اور اترنے کا وسیع تجربہ تھا۔ زرین کو اس قسم کا تجربہ نہیں تھا اگرچہ وہ ایک پہاڑی گاؤں کی رہنے والی تھی لیکن اس نے شاید ہی کبھی ایسی ڈھلان پر قدم رکھا ہو اور اس نے فوراً اس کی تصدیق بھی کر دی۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کبھی ایسی پہاڑی سے نہیں اتری۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ''یہ اتنی بھی مشکل نہیں ہے۔''

''لیکن اس نے فوراً پھسل کر میری بات کو غلط ثابت کیا وہ میرے پاس سے ہوتی نیچے جا رہی تھی کہ میں نے اسے پکڑ لیا۔ ورنہ اس کا سفر دو ڈھائی سو فٹ سے پہلے رکنے والا نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے چیخ ضبط کی اور مجھ سے لپٹ کر تھر تھر کانپنا شروع کر دیا۔ ''میں..... میں نہیں اتر سکتی۔''

''تم اتر سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا میں تم کو سہارا دیتا ہوں۔''

اب میں خود اترنے کے ساتھ اسے بھی سہارا دے رہا تھا نتیجے میں میری رفتار نصف بھی نہیں تھی۔ بہر حال اب میں کیا کر سکتا تھا یہ مصیبت میں نے خود گلے لگائی تھی۔ مصیبت صرف گلے لگنے سے مطمئن نہیں تھی بلکہ ذرا سا لڑکھڑاتے ہی وہ پیر تسمہ پا کی طرح مجھ سے چمٹ جاتی تھی اور ہر بار مجھے لاحول ولاقوۃ کا ورد کرنا پڑتا تھا۔ اسے احساس بھی نہیں تھا لیکن مجھے تو تھا۔ شاید اللہ نے ہر مرد کے اندر عورت کو محسوس کرنے کی ایسی حس رکھی ہے جو موت کے منہ میں بھی کام کرتی رہتی ہے۔ میرے اندر بھی یہ برابر کام کر رہی تھی اور زرین کے ساتھ تو کچھ زیادہ ہی کام کر رہی تھی۔ زرین کا بیگ میرے لیے مشکل کر رہا تھا کیونکہ اس کا لٹکانے والی صرف ایک بیلٹ تھی جس سے اسے شانے سے لٹکایا جا سکتا تھا۔ اگر اس کے پشت پر لٹکانے والے اسٹرپ ہوتے تو میرے لیے بہت آسانی ہو جاتی۔ ایک مشکل جگہ سے اترتے ہوئے زرین لڑکھڑائی تو میں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی اور بیگ میرے شانے سے پھسل کر نیچے جانے لگا۔ اگر میں اسے روکنے کی کوشش کرتا تو زرین نیچے جاتی اس لیے میں نے بیگ گرنے دیا اور زرین کو پکڑ لیا۔ اس نے فریاد کی۔ ''میرا بیگ.....''

''شکر کرو بیگ کی جگہ تم نہیں گئیں۔'' بیگ لڑھک کر ایک ایسی جگہ اٹک گیا تھا جہاں سے اسے حاصل کرنا بہت مشکل تھا۔ اس دوران میں دشمن کنارے تک آ گیا۔ ابھی ہم نصف راستے پر تھے یعنی کوئی ڈیڑھ سو فٹ نیچے آئے تھے کہ اوپر سے کسی کے چلانے کی آواز آئی۔ ''اوئے میدے ادھر تھلے دیکھ.....''

''کتھے تھلے۔'' میدے نے چلا کر کہا۔ ''اتھے آ کر مرنا اے۔''

''موت تجھے آ رہی ہے کام کرتے ہوئے۔'' پہلے والے نے کہا۔ ''دیکھ ادھر اپنی بے بے دے یار نوں۔''

زرین نے بلاوجہ لرزنا شروع کر دیا۔ ''ان کو پتا چل گیا ہے وہ آ رہے ہیں۔''

''ابھی اوپر ہیں اور ہم ان کو نظر نہیں آ رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن جلدی اترو اگر ان کی نظر پڑ گئی تو وہ پکڑنے کے بجائے اوپر سے گولی مار دیں گے۔''

اس بار ہم ذرا تیزی سے نیچے گئے کیونکہ ڈھلان کسی قدر بہتر ہو گئی تھی اور زرین بھی اب خود اتر رہی تھی۔ اس لیے مزید پانچ منٹ بعد ہم نیچے پہنچ گئے تھے اور اسی لمحے اوپر موجود افراد کی نظر میں آ گئے۔ انہوں نے چلانے کے ساتھ فائرنگ بھی شروع کر دی تھی۔ تین سو فٹ کی دوری کچھ خاص نہیں ہوتی ہے لیکن خوش قسمتی سے ان کے پاس رائفلیں نہیں تھیں۔ ان کے پاس پستول اور شاٹ گن تھیں جن کی مار زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہم نیچے تھے اور گولیاں بلندی کی وجہ سے مہلک ثابت ہو سکتی تھیں۔ میں نے زرین سے کہا۔ ''بھاگو۔''

اور ہم بھاگے میں نے خیال رکھا کہ ہم اس رخ سے بھاگیں کہ مری شاہراہ کی طرف نکلیں۔ کہیں مارگلہ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہاڑیوں میں نہ بھٹکتے رہ جائیں۔ یہ مارگلہ کا کوئی حصہ تھا۔ مارگلہ اگرچہ اونچائی میں زیادہ بلند نہیں ہے لیکن یہ راولپنڈی اور ہزارہ کے وسیع حصوں میں پھیلا ہوا ہے۔ مرشد علی کی کوٹھی کے آس پاس بلندی زیادہ ہونے کی وجہ سے موسم بے پناہ سرد تھا لیکن یہ اونچائی اتنی بھی نہیں تھی کہ یہاں برف باری ہوتی۔ سبزہ اگرچہ مرجھایا ہوا تھا لیکن یہاں سبزہ موجود تھا۔ جب کہ مری اور اس کے آس پاس کے پہاڑ یقیناً برف سے ڈھک چکے تھے۔

سورج نکلا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے سردی کی شدت کم ہوئی تھی لیکن یہ سورج فی الحال مصیبت بھی بن گیا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے ہم دور سے بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ کچھ دور نکلنے کے بعد ہم گولیوں کی زد سے نکل گئے تھے لیکن مرشد کے گرگوں کو یہ پتا چل گیا تھا کہ ہم کہاں تھے۔ اب وہ یقیناً ہمارے پیچھے آتے۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو ان کے لیے مجھے پکڑنا آسان نہیں ہوتا بلکہ امکان تھا کہ میں پیچھے آنے والوں کو پکڑ لیتا۔ مگر زرین کی وجہ سے مجھے مشکل ہو رہی تھی۔ رفتار سُست تھی اور اگر تعاقب کرنے والے ہمیں گھیر لیتے تو زرین کی وجہ سے ان سے مقابلہ بھی مشکل ہو جاتا۔ میرے پاس صرف شارق سے چھینا ہوا پستول تھا۔ پیچھے آنے والے دانتوں تک مسلح ہوتے۔ ہماری عافیت اسی میں تھی کہ پیچھے آنے والوں سے آگے رہیں۔

زرین بار بار لڑکھڑا ہی تھی اور ایک دو بار وہ گری بھی تھی۔ دوسری بار گری تو اس کے گھٹنوں پر چوٹ آئی تھی۔ اس وقت تو مجھے پتا نہیں چلا لیکن جب ایک ڈھلان سے اسے سہارا دے کر اتار رہا تھا تو میری نظر اس کی گھٹنوں کے پاس نمودار ہونے والے خون کے دھبوں پر گئی۔ ''تم زخمی ہو؟''

''ہاں معمولی زخم ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

رکنے اور اس کے زخم دیکھنے کا وقت نہیں تھا اس لیے ہم چلتے رہے۔ میں خود بھی تیز چل رہا تھا اور جہاں وہ سُست ہوتی اسے بھی کھینچنے لگتا اس لیے ہم کچھ دیر بعد مرشد علی کی کوٹھی سے دور نکل آئے۔ ایک بار میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے کوٹھی نظر نہیں آئی تھی۔ میرا سانس ہموار تھا اور میں صرف ذرا زور سے سانس لے رہا تھا لیکن زرین کی حالت بری تھی اسے سانس ہی نہیں آ رہا تھا اور اس کا سینہ دھونکنی کے طرح ہو رہا تھا ایک جگہ وہ رک گئی۔

''اب..... مجھ سے..... نہیں..... چلا..... جا رہا۔'' اس نے رک رک کر کہا۔

کیونکہ مجھے عقب میں آنے والوں کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا اس لیے میں نے رک جانا مناسب سمجھا لیکن کھلی جگہ کے بجائے میں زرین کو ایک جھاڑی کی اوٹ میں لے آیا۔ کچھ دیر میں اس کی سانس بہتر ہوئی تو اس نے کہا۔ ''میں تمہارے لیے بھی مصیبت بن گئی ہوں۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''نہیں اگر میں نہ ہوتی تو تم کہیں نکل چکے ہوتے۔ تمہاری سانس بالکل ٹھیک ہے اور میرا حال دیکھ رہے ہو۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ میرے بچ نکلنے یا نہ نکلنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میرے جواب سے اس کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ ''یعنی تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے؟''

''ظاہر ہے ورنہ تم کو وہاں سے لے کر کیوں نکلتا میں کوئی فیصلہ کر کے اسے ترک کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے یقیناً مرشد کو بہت پریشان کیا ہوا ہے؟''

''یہ تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ وہ میرے پیچھے پاگل ہو جائے گا جب اسے اطلاع ملے گی کہ میں ایک بار پھر اس کی گرفت سے نکل گیا ہوں۔''

''تم پہلے بھی اس کے ہاتھ آ چکے ہو؟'' زرین نے حیرت سے کہا۔

''کئی بار اور ہر بار فرار میں کامیاب رہا۔''

''تم قسمت والے ہو ورنہ میں نے بڑے بڑوں کو مرشد کے سامنے مجبور ہی دیکھا ہے۔ اسی کوٹھی میں اسلام آباد کا ایک بڑا سرکاری افسر بھی قید ہو کر آیا تھا اور وہ مرشد کے سامنے روتا گڑگڑاتا تھا۔ اس نے مرشد کا کوئی کام کرنے سے انکار کر دیا۔ مرشد نے اسے اغوا کروا لیا اور وہ اس سے کتے جیسا سلوک کرتا تھا۔ کام تو اس نے کسی اور سے کروا لیا تھا لیکن اس افسر کو سزا بھی دی۔''

''اس کا کیا ہوا؟''

''مجھے نہیں معلوم لیکن اسے کوٹھی سے زندہ سلامت ہی لے جایا گیا تھا۔ مجھے کوٹھی سے باہر کی باتوں کا علم نہیں ہوتا ہے۔''

''مرشد پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گیا ہے لیکن ایسے لوگوں کے بارے میں میرا ایمان ہے کہ یہ کتنے ہی طاقتور ہو جائیں۔ ایک پل کی مار ہوتے ہیں۔ وہ پل جو ان کی موت کا ہوتا ہے اور جسے یہ کسی صورت ٹال نہیں سکتے۔'' میں نے کہتے ہوئے جھاڑی کے باہر کا معائنہ کیا اور یہی چیز کام آ گئی۔ مرشد کے آدمی نیچے آ چکے تھے اور ہمارے رکنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ خاصے قریب آ گئے تھے۔ میں نے زرین کو جھاڑی کے اندر کھینچ لیا اور سرگوشی میں کہا۔

''کوئی حرکت مت کرنا اور نہ آواز نکالنا وہ قریب آ گئے ہیں۔''

دہشت اور پکڑے جانے کے خوف سے زرین کی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئی تھیں لیکن وہ میری ہدایت کے مطابق ساکت اور خاموش ہو گئی۔ یہ زیادہ بڑی جھاڑی نہیں تھی لیکن اس کے ایک طرف چٹان تھی ہم جھاڑی اور چٹان کے درمیان میں تھے۔ میں نے زرین کو اندر کر دیا اور خود سامنے والے حصے میں تھا اگر کوئی اس طرف آ جاتا اور جھاڑی کے اندر جھانکتا تو میں بلا تامل اسے شوٹ کر دیتا۔ ان کی آوازیں قریب آ گئی تھیں۔

''اوئے وہ تو ادھر نہیں ہیں۔'' میدے کو پکارنے والے اور مجھے اس کا والد قرار دینے والے نے کہا۔

''اتنی جلدی وہ کہیں نہیں جا سکتے۔'' مجھے فاضلی کی آواز آئی تو میرا دل رک گیا۔ عام لوگوں کی بات الگ تھی میں ان سے آسانی سے نمٹ سکتا تھا لیکن فاضلی بہت تیز بندہ تھا اور اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ میری وجہ سے مرشد نے فوری طور پر اسے روانہ کیا تھا لیکن اسے کیسے اندازہ ہوا کہ میں قید سے نکل گیا ہوں؟ اس سوال کا فوری جواب بھی مل گیا۔ شارق کی آواز آئی۔ ''تم لوگوں نے آنے میں دیر کی ورنہ میری کال ملتے ہی چل پڑتے تو اسے نکلنے کا موقع نہ ملتا۔''

''بکواس نہ کر۔'' فاضلی نے اسے لتاڑا۔ ''تجھے معلوم ہے کہاں سے آئے ہیں۔ اور تُو نواب کا بچہ کیا کر رہا تھا۔ تجھے اس کام کے لیے رکھا گیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا کیا قصور ہے اگر زرین کو کچھ ہو جاتا تو مرشد بادشاہ نے مجھے نہیں چھوڑنا تھا۔''

''وہ تو اب بھی نہیں چھوڑے گا۔ تجھے معلوم ہے کون بندہ کوٹھی سے فرار ہوا ہے۔ اگر زرین اس کے ساتھ نہ بھاگتی تو مرشد اسے بھی نہیں چھوڑتا۔ بہر حال اب تُو تیار ہو جا۔''

میں نے اپنی حماقت پر خود کو دل میں سنائیں۔ مجھے شارق کی بات پر یقین کرنے کے بجائے اس کی تلاشی لینی چاہیے تھی۔ اس کے پاس موبائل فون تھا اور اس نے مرشد کو اطلاع دے دی۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ فاضلی اور اس کے ساتھی دیر سے آئے تھے کیونکہ اسے کمرے میں بند کرنے کے بعد بھی میں کوئی پون گھنٹہ کوٹھی میں رہا تھا لیکن میری قسمت اچھی تھی ورنہ میں دوبارہ وہیں پکڑا جاتا۔ اب بھی صورتِ حال اچھی نہیں تھی۔ آس پاس دشمن پھیلے ہوئے تھے اور وہ جھاڑیوں کی تلاشی لے رہے تھے لیکن ان کا زور دوسری طرف ڈھلان پر واقع جھاڑیوں کی طرف تھا اس طرف اتفاق سے یہ ایک ہی بڑی جھاڑی تھی اس لیے ان کے خیال میں ہم یہاں چھپنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ہم نے کوشش بھی نہیں کی تھی ہم تو یہاں سستانے کے لیے رکے تھے۔ فاضلی اور شارق کو اتنے قریب پا کر زرین کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ وہ چٹان اور میرے درمیان گھسی جا رہی تھی۔ میں نے پستول بالکل تیار کر لیا تھا اگر ان میں سے کوئی اس جھاڑی کی طرف آتا تو فوراً آں جہانی ہو جاتا۔ مجھے فاضلی کو مار کر زیادہ خوشی ہوتی۔ اس نے عتیق کو مارنے کی کوشش کی تھی اور مرشد کے آدمیوں میں وہ مجھے سب سے زیادہ خطرناک لگا تھا۔ اگرچہ فتح خان اس سے زیادہ خطرناک تھا لیکن وہ مرشد علی کا خاص آدمی نہیں تھا بس اس کے لیے کام کرتا تھا اور فاضلی اس کے لیے کام کرتا تھا ایسے شخص سے جلد از جلد چھٹکارا ہی ٹھیک تھا۔

لیکن ان دونوں یا میری قضا نہیں آئی تھی اس لیے وہ وہاں سے ہٹ کر آگے جانے لگے۔ ان کے ساتھ کم سے کم نصف درجن افراد تھے۔ اتنے لوگوں سے مقابلہ نہایت دشوار تھا وہ بھی صرف ایک پستول کے ساتھ۔ اس لیے میری کوشش تھی کہ ایسی نوبت نہ آئے۔ مگر ساتھ ہی مجھے یقین تھا کہ وہ اس جھاڑی کی تلاشی بھی ضرور لیں گے۔ زرین پشت سے مجھ سے اس طرح چپکی ہوئی تھی کہ جیکٹ کے باوجود میں اس کے وجود کی نرمی اور لطافت محسوس کر رہا تھا اس میں نہ اس کا قصور تھا اور نہ میرا کیونکہ یہاں جگہ ہی اتنی تھی۔ پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''مجھے لگ رہا ہے ادھر چٹان میں خلا ہے۔''

''کہاں؟'' میں نے سر گھما کر دیکھنے کی کوشش کی لیکن جھاڑی کے اس حصے میں روشنی نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''میرا ہاتھ چلا گیا تھا اس خلا میں۔'' اس نے وضاحت کی۔ ''شکر ہے میری چیخ نہیں نکلی۔''

خواتین کو بلاوجہ بھی چیخ مارنے کی عادت ہوتی ہے اور وہ بھی ایک خاتون تھی۔ میں نے اسے ایک طرف کرنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش میں جھاڑی ہلنے لگی اور میں یک دم ساکت ہو گیا۔ جھاڑی ہلانے کا مطلب آبیل مجھے مار کہنا تھا۔ دوسرے فوراً متوجہ ہو جاتے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم پیچھے ہو کر اس خلا کا جائزہ لو۔''

''نہیں۔'' اس نے منمنا کر کہا۔ ''اس میں کوئی کیڑا یا چوہا ہو گا۔''

''تو وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''مجھے جانے کے لیے تم پر سے گزرنا پڑے گا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس دوران میں جھاڑی ہلی تو ان لوگوں کو پتا چل جائے گا اور وہ ہمیں یہیں گولی مار دیں گے۔"

"تم مجھ پر سے گزر جاؤ۔" اس نے اجازت دے دی۔ مجبوراً مجھے اس پر سے جانا پڑا تھا۔ یہ بڑا صبر آزما مرحلہ تھا کیونکہ ایک طرف مجھے جھاڑی کو ہلنے سے بچانا تھا تو دوسری طرف اس کے نرم و نازک جسم کو اپنے اور چٹان کے بیچ میں پسنے سے بھی محفوظ رکھنا تھا لیکن میری اولین ترجیح جھاڑی سے بچنا تھا اس لیے سارا ستم اسے برداشت کرنا پڑا۔ وہ صبر سے برداشت بھی کر رہی تھی لیکن بعض نازک مقامات پر اس کی ہلکی سی کراہ بھی نکل جاتی تھی۔ خدا خدا کر کے میں اس پر سے گزر کر چٹان کے دوسری طرف پہنچا اور اس خلا میں جھانکا تو پہلے مجھے مایوسی ہوئی تھی یہ اتنا چھوٹا لگ رہا تھا کہ اس میں ہمیں تو کیا شاید زرین بھی نہیں جا سکتی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے میں جسم کو توڑ مروڑ کر اس خلا میں داخل ہوا۔ جسم [illegible] وں میں بری طرح پھنس رہا تھا۔ رگڑ سے کپڑے پھٹ رہے تھے اور جہاں جسم تھا اس کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ خلا تنگ تھا لیکن اس میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ میں نے ممکن حد تک اندر ہو کر زرین کو آواز دی۔

"تم بھی آ جاؤ لیکن بہت تنگ جگہ ہے۔"

وہ آئی اور میری نسبت وہ آسانی سے اس خلا میں سما گئی۔ ایک تو اس کا جسم چھریرا تھا دوسرے اس میں لچک زیادہ تھی۔ چٹان میں یہ سوراخ صدیوں سے جاری موسمی تغیرات کی وجہ سے ہوا تھا۔ سردی، گرمی بارش اور کبھی کبھی کی برف باری سے چٹان پھیل اور سکڑ کر ٹوٹتی رہی اور بالآخر اس میں خلا بن گیا جو وقت کے ساتھ ساتھ چوڑا ہوتا چلا گیا تھا۔ فطری علاقوں میں زمین اور چٹانوں کے اس قسم کے سوراخوں میں چھوٹے جانور اور حشرات الارض رہتے ہیں۔ ظاہر ہے یہاں پر بھی تھے۔ کچھ دیر بعد زرین نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔

"میرے پاؤں پر کچھ چل رہا ہے۔"

میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور تسلی دی۔ "لال بیگ ہوگا۔"

میری توقع کے عین مطابق اس نے چیخ مارنے کی کوشش کی لیکن میں پہلے ہی ہاتھ رکھ چکا تھا۔ خواتین کی دنیا میں لال بیگ، چھپکلی اور چوہے سے بڑا درندہ کوئی نہیں ہے۔ میں نے بڑی بڑی بہادر خواتین کو جو اپنے مجازی خدا سے بھی نہیں ڈرتی ہیں ان کی دہشت سے تھر تھر کانپتے دیکھا ہے۔ اور اگر میں زرین کا منہ چھوڑ دیتا تو اس نے چیخیں مار کر سب کو بلا لینا تھا۔ یقیناً لال بیگ کے علاوہ بھی اس کے جسم پر مزید کیڑے مکوڑے چل رہے ہوں گے جو میرے جسم پر بھی چل رہے تھے۔ خلا تنگ ہونے کی وجہ سے میرا اس کے منہ پر جما ہاتھ کہنی سے ایک نامناسب مقام پر ٹکا ہوا تھا اور میں شرمندہ ہو رہا تھا اسے اس کا ہوش بھی نہیں تھا کہ میری کہنی کہاں ہے۔

میرے کان باہر سے آتی آوازوں پر لگے تھے اور اب اس جھاڑی کی باری آ گئی تھی۔ وہ لوگ اسے کھنگال رہے تھے۔ یہ میدے اور شیدے قسم کے لفنگے تھے جو کام کم کر رہے تھے اور ان کی زبان زیادہ چل رہی تھی اور جو گفتگو وہ اس وقت کر رہے تھے اس کا ایک لفظ بھی اشاعت کے قابل نہیں تھا۔ وہ ذہنی طور پر دیوالیہ لوگ تھے۔ میرا غصے سے برا حال تھا کیونکہ میرے ساتھ ایک عورت بھی کھڑی یہ سب سن رہی تھی اور بات بھی اس کے بارے میں تھی۔ کاش کہ میں اکیلا ہوتا تو ان کی زبانیں کھینچ لیتا۔ زرین بھی کیڑے مکوڑوں کا خوف بھول گئی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر وہ دونوں اپنے اندر کی غلاظت باہر نکالتے رہے۔ جب وہ دفع ہوئے تو میں نے سکون کا سانس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا۔تب مجھے احساس ہوا کہ زرین رو رہی تھی۔ میں نے ہاتھ اس کے منہ سے ہٹالیا۔

''مجھے افسوس ہے۔''

''تمہیں کیوں افسوس ہے۔'' اس نے تلخی سے کہا۔''میں ہوں ہی اس قابل.....''

''فضول باتیں نہ کرو اگر تم اس قابل ہوتیں تو کیا میں تم کو ایسے لیے لیے پھر رہا ہوتا۔ میں نے تم میں کچھ دیکھا ہے تب ہی اپنی جان کی پروا کیے بغیر تمہیں ساتھ لیا ہے۔ یہ بھونکنے والے کتے ہیں ان کی پروا کرو گی تو زندگی حرام ہو جائے گی۔'' میں نے کسی قدر برہمی سے کہا۔

''سچ کہہ رہے ہو کیا تمہارے نزدیک میں اچھی عورت ہوں۔''

''اتنی ہی اچھی جتنی کہ وہ عورت ہو سکتی ہے جسے سوائے اس کے باپ، بھائی اور شوہر کے کسی نے نہ دیکھا ہو۔تمہارے ساتھ جو ہوا اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔ اگر پاگل کتا آدمی کو کاٹ لے تو قصور آدمی کا ہوتا ہے یا کتے کا۔''

میری باتوں سے اس کی اعصابی کشیدگی کم ہونے لگی تھی ورنہ ان حرامزادوں کی باتیں سن کر وہ ہسٹریا کے قریب پہنچ گئی تھی اور اگر وہ کچھ دیر اور یہاں رہتے تو شاید اسے دورہ پڑ جاتا لیکن اب یہ ہسٹریا اشکوں میں ڈھل کر بنا کسی شور کے نکل رہا تھا۔ وہ میرے شانے سے سر ٹکائے بے آواز روتی رہی اور میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتا رہا کہ اس نے مجھے توفیق دی میں ایک عورت کو ظلم اور ناانصافی کے ماحول سے نکال سکوں۔ ہم کوئی نصف گھنٹہ اس چٹانی خلا میں رہے تھے اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ فاضلی اور اس کی پارٹی دفع ہو گئی ہے تو میں نے پہلے زرین کو نکلنے کو کہا۔ وہ آرام سے نکل گئی۔ اصل مشکل مجھے پیش آئی تھی۔ میری جیکٹ دو جگہ سے پھٹ گئی اور جسم پر کئی خراشیں آ گئی تھیں۔ زرین کو کم رگڑ کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن حالت اس کی بھی زیادہ اچھی نہیں تھی۔ اس کا سویٹر اور شانے سے قمیص پھٹ گئی تھی۔ ایک کہنی سے خون جھلک رہا تھا۔ ابھی ہم جھاڑی میں ہی تھے میں نے زرین سے کہا۔''تم یہیں رکو میں ذرا باہر کا جائزہ لے لوں۔ اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو میں ان لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے دور نکل جاؤں گا اور اگر میں تم سے بچھڑ جاؤں تو تم اسلام آباد کے پتے پر پہنچ جاؤ گی؟''

اس نے سر ہلایا۔''کوشش کروں گی۔ کیا تم مجھے چھوڑ جاؤ گے؟''

''نہیں میں احتیاطاً کہہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور پھر اسے عبداللہ کی کوٹھی کا پتا یاد کرایا۔ جب اس نے ذہن نشین کر لیا تو میں نے اس سے کہا۔

''تم شہر پہنچنے کے بعد کسی بھی ٹیکسی یا رکشے میں بیٹھ کر یہاں پہنچ سکتی ہو تمہیں صرف پتا بتانا پڑے گا۔''

''لیکن میرے پاس رقم نہیں ہے۔''

''اس کی فکر مت کرو۔ وہاں پہنچ کر تم صرف میرا نام لو گی۔ میں ہوں یا نہ ہوں تمہیں وہاں پناہ مل جائے گی۔''

''کیا تم مجھے چھوڑ کر بھاگنے کی سوچ رہے ہو؟'' وہ رو دینے والے لہجے میں بولی۔

''نہیں بابا میں حفظ ماتقدم کے طور پر کہہ رہا ہوں۔''

''کیا کس کا کہہ رہے ہو؟'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''احتیاطاً'' میں نے مختصراً کہا اور جھاڑی سے باہر نکل آیا۔ سورج خاصا بلند ہو گیا تھا اور اس کی روشنی میں دور تک صاف نظر آ رہا تھا۔ اگر کوئی اس جگہ کی کہیں سے چھپ کر نگرانی کر رہا تھا تو میں کہہ نہیں سکتا تھا لیکن سامنے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ جگہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک کسی قدر چوڑی گھاٹی کی صورت میں تھی۔ آگے جا کر یہ ایک پہاڑی ڈھلان پر ختم ہو رہی تھی۔ جس کے پار میرے اندازے کے مطابق مری شاہراہ کو ہونا چاہیے تھا اور اگر وہ وہاں نہ بھی ہوتی تو ہمیں اس جگہ سے تو نکلنا تھا۔ ہم جتنا مرشد علی کی کوٹھی سے دور جاتے اتنا ہی محفوظ ہو جاتے۔ میں نے اسے آواز دی۔

''باہر آ جاؤ۔''

زرین باہر آئی اور ہم تیزی سے آگے روانہ ہو گئے۔ اتنی دیر کے آرام نے اسے تازہ دم کر دیا تھا۔ اس لیے وہ پوری طرح میرا ساتھ دے رہی تھی۔ میں تیز قدمی کر رہا تھا اور اسے میرا ساتھ دینے کے لیے بھاگنا پڑ رہا تھا۔ مگر وہ احتجاج کیے بغیر بھاگ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا اس زحمت سے وہ مستقل طور پر ایک بڑے عذاب سے بچ جائے گی۔ جو مرشد کی صورت میں اس کی زندگی پر مسلط تھا۔ ہم کوئی نصف گھنٹے تک بھاگتے رہے اور اس کے بعد زرین کی ہمت جواب دے گئی اور وہ ہانپتے ہوئے رک گئی۔

''مجھے کچھ دیر سانس لینے دو۔''

''لے لو لیکن ہم پانچ چھ منٹ سے زیادہ نہیں رک سکتے۔''

زرین کا جسم اس دوران میں ٹیون ہو گیا تھا اور وہ پہلے سے بہتر لگ رہی تھی اس بار اس کا سانس بھی جلد معمول پر آ گیا اور ہم نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ اس بار ہم سامنے نظر آنے والی چوٹی کے دوسری طرف اترنے والی ڈھلان پر رکے تھے۔ یہاں سے مارگلہ کے پہاڑ دور تک پھیلے نظر آ رہے تھے لیکن مری ہائی وے نظر نہیں آئی شاید وہ مزید کسی پہاڑی کے دوسری طرف تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کا سلسلہ پیر سہاوا کی طرف جاتا تھا لیکن ہم اتنا طویل سفر نہیں کر سکتے تھے۔ شہر تک رسائی کے لیے سب سے قریبی راستہ مری ہائی وے ہی تھا لیکن مجھے خدشہ تھا کہ مری ہائی وے پر مرشد کے آدمی ہماری تاک میں ہوں گے اور ممکن ہے پولیس کو بھی ہمارے بارے میں بتا دیا گیا ہو۔ اس صورت میں مری ہائی وے کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں تھا اور جانا بھی ضروری تھا۔

''سڑک کہاں ہے؟'' زرین ایک اور پہاڑی دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''میرا خیال ہے اس پہاڑی کے پار ہے۔''

''یعنی ایک پہاڑی اور.....'' وہ کراہی۔ اس نے اپنا پھٹا سویٹر کسی طرح سے اوپر کر لیا تھا۔

''جانا تو ہے ورنہ تم جانتی ہو ان پہاڑوں میں رات ہو گئی تو کل صبح ہماری لاشیں ملیں گی اکڑی ہوئی۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو۔'' اس نے جھرجھری لی۔ ''رات کو بہت زیادہ سردی ہو جاتی ہے۔''

''اس لیے چلنا شروع کر دو تاکہ رات سے پہلے کسی جگہ پہنچ جائیں۔'' میں نے کہا اور ڈھلان سے اترنا شروع کر دیا۔ وہ میرے پیچھے آ رہی تھی۔ اب وہ ان راستوں کی عادی ہو چلی تھی اور آسانی سے چل رہی تھی مجھے صرف مشکل مقامات پر اسے سہارا دینا پڑتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ خود میرے لیے مشکل مقام یہی ہوتا تھا۔ مسلسل سفر نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا اس کے باوجود اس کی کشش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ میں کوشش کرتا تھا کہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے قریب جانے سے گریز کروں لیکن اس سفر میں ایسا ممکن نہیں تھا۔ دوپہر تک ہم ڈھلان سے اتر آئے تھے اور اگلی پہاڑی کی ڈھلان چڑھ رہے تھے۔ پھر مجھے ایک نالا سا نظر آیا۔ جس نے پہاڑ کو کاٹ کر اپنا راستہ بنا لیا تھا اور اس سے گزر کر ہم آسانی سے دوسری طرف جا سکتے تھے۔ میں نے اس کے بارے میں بتایا تو زرین خوش ہو گئی تھی کیونکہ اس کوہ پیمائی سے اس کی جان جا رہی تھی لیکن نالے میں جانے کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا تھا کیونکہ ایسا ممکن تھا آگے کہیں یہ بند ملے اور ہمیں پلٹ کر واپس آنا پڑے۔ مگر زرین کی حالت کے پیشِ نظر میں نے نالے کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اس کا رخ بتا رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں سے یہ مری ہائی کے نیچے سے گزرے گا۔ موسم خشک ہونے کی وجہ نالے میں پانی نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لیے اس میں سفر کرنا مشکل نہیں تھا۔ ہم اس میں اترے تو یک دم ہی آس پاس کے سارے مناظر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یعنی اب ہم بھی دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ نالا شارٹ کٹ نہیں تھا کیونکہ یہ بہت گھوم پھر کر جا رہا تھا لیکن اس میں ہم نسبتاً آسانی سے سفر کر سکتے تھے۔ البتہ جہاں کہیں پتھر تھے وہاں ذرا مشکل آ رہی تھی لیکن نالے کے کنارے ریتیلے تھے اور اس میں سفر کرنا کوہ پیمائی کرنے کی نسبت آسان ہی تھا۔ جہاں کہیں نالے کی گہرائی زیادہ تھی وہاں پانی جمع تھا اور ہم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔ سرد موسم کے باوجود اتنی مشقت کرنے سے پیاس لگنا لازمی تھی۔

ہمیں چلتے ہوئے دو گھنٹے ہو گئے تھے اور سورج سر پر سے گزر کر اب مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ زرین ایک بار پھر تھکنے لگی اور اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اب مجھ سے مزید نہیں چلا جا رہا ہے۔''

''ہمت کرو ہمیں شام سے پہلے پہلے اس نالے سے نکلنا ہے ورنہ اس میں رات ہو گئی تو سوچو سردی سے کیا حال ہو گا۔''

''کچھ دیر تو رک جاؤ۔'' اس نے التجا کی تو میں نے سر ہلایا اور ایک طرف نالے کے اندر آگے درخت کے تنے سے ٹک گیا۔ وہ سامنے دھوپ میں ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ وقت گزاری کے لیے وہ مجھ سے میرے بارے میں پوچھنے لگی اور میں حتی الامکان جھوٹ بولے بغیر اس کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد میں نے اسے اٹھا دیا۔ اس نے کہا۔ ''ابھی ہمت نہیں ہو رہی ہے۔''

درحقیقت یہ مشکل سفر اس کے لیے بہت زیادہ مشکل تھا۔ وہ نازک اندام عورت تھی جسے اب مشقت کرنے کی عادت بھی نہیں رہی تھی۔ دو سال سے وہ مرشد کی کوٹھی میں پُرآسائش اور آرام کی زندگی گزارتی رہی ہے۔ اس لیے یہ اچانک مشقت اس کے لیے کچھ زیادہ ہی ثابت ہوئی تھی۔ مجھے اس پر ترس آ رہا تھا لیکن میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''بس بہت آرام ہو گیا۔ اب چلو ہمیں رات سے پہلے کسی ٹھکانے پر پہنچنا ہے۔''

وہ بادلِ ناخواستہ چلنے لگی اس کا انداز خود کو گھسیٹنے والا تھا۔ میں نے سہارا دینے کے لیے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔ شاید میرے سخت لہجے پر ہوا تھا۔ پر میں انجان بنا چلتا رہا کم سے کم اس طرح وہ چل تو رہی تھی۔ اگر میں اس سے نرمی سے بات کرتا تو وہ پھر بیٹھ جاتی۔ شام تیزی سے قریب آ رہی تھی۔ دسمبر کے آخر میں اس علاقے میں سورج پانچ بجے ہی ڈوب جاتا ہے۔ پہاڑوں میں رات اور بھی پہلے اتر آتی ہے۔ کوٹھی میں مجھے موبائل لینے کا خیال نہیں آیا تھا ورنہ اس سے وقت دیکھا جا سکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت چار بج رہے تھے۔ نالے کے اندر سے روشنی غائب ہو چکی تھی اور جہاں دونوں طرف سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھاڑیاں جھکی ہوئی تھیں وہاں تو تاریکی آ چکی تھی۔ یہ نالا شیطان کی آنت کی طرح چلا جا رہا تھا اور اب تک نہ تو کوئی پل آیا تھا اور نہ آس پاس کوئی آبادی محسوس ہوئی تھی۔ زرین نے خاصی دیر بعد کہا۔

''یہ نالا کب ختم ہوگا؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ میں بھی اب نالے سے نکلنے کا سوچ رہا تھا کیونکہ اس میں بالکل اندھیرے تھے اور پھر باہر پھیلتی تاریکی کا اثر اندر کہیں زیادہ تھا اور صاف لگ رہا تھا کچھ دیر میں نالا اندھیرے میں ڈوب جائے گا اور ہم اس میں ٹھوکریں کھاتے پھریں گے۔ ''میرا خیال ہے ہمیں نالے سے نکلنا چاہیے۔''

وہ خوش ہوگئی۔ ''یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ یہاں سے نکلیں گے تو کوئی راستہ نظر آئے گا۔''

ایک نسبتاً کم ترچھی ڈھلان سے میں پہلے خود اوپر چڑھا اور پھر زرین کو ہاتھ سے پکڑ کر اوپر کھینچ لیا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ ''تم تھکے ہوئے ہو لیکن کتنی آسانی سے مجھے اوپر کھینچ لیا۔''

''اتنا نہیں تھکا ہوں کیونکہ گزشتہ کچھ عرصے سے زندگی اسی طرح بھاگ دوڑ میں گزر رہی ہے اب میں عادی ہو گیا ہوں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا اور آس پاس دیکھا۔ ہم نہ جانے کہاں نکل آئے تھے۔ یہاں چھوٹے بڑے ٹیلے تھے جن کے درمیان سے نالا گھومتا ہوا جا رہا تھا اور دور پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ مری شاہراہ مغرب کی طرف ہونی چاہیے تھی۔ میں نے ڈوبتے سورج کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہمیں اس طرف جانا ہوگا۔''

خوش قسمتی سے ہم مغرب والی سمت نالے سے باہر آئے تھے ورنہ ہمیں ایک بار پھر نالے میں اتر کر اسے کراس کرنا پڑتا۔ زرین کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ خود میری حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ مگر میں نے اس سے سچ کہا تھا اب میں ایسے حالات کا عادی ہو گیا تھا۔ میں جلد از جلد کسی ایسی جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں میں عبداللہ سے رابطہ کر سکتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ میں مرشد کی قید سے نکل آیا ہوں اور وہ فتح خان کو اس کے حوالے نہ کرے۔ اول تو مجھے یقین تھا کہ عبداللہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ جب تک وہ اس کی تصدیق نہیں کر لے گا کہ میں قید میں ہوں یا نہیں اور دوسرے وہ اپنی صوابدید پر فتح خان کو نہیں چھوڑ سکتا تھا جب تک میں یا راجا عمر دراز اسے واضح حکم نہ دیں۔ پھر بھی میں اس سے رابطہ کر لینا چاہتا تھا۔ زرین کچھ دیر بعد رک گئی۔ اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

''اب نہیں چلا جا رہا مجھے لگ رہا ہے میں گر جاؤں گی۔''

سورج غروب ہو چکا تھا اور تاریکی تیزی سے چھا رہی تھی ہم بالکل نہیں رک سکتے تھے۔ مجبوراً میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے سہارا دیا۔ میں اس سے جتنا دور رہنا چاہ رہا تھا قدرت مجھے اتنا ہی پاس لا رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ میں اس کی کشش کا اسیر ہو گیا تھا اور اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے جب سے اس کی کشش کو محسوس کیا تھا میں اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ میں بندہ بشر ہوں اور میں نے کبھی اس معاملے میں لاپروائی نہیں کی۔ کیونکہ عورت کے معاملے میں انسان اسی وقت ٹھوکر کھاتا ہے جب وہ اس کی طرف سے لاپروا ہو جاتا ہے۔ اس کے لمس سے ایک لمحے کو میرا وجود سنسنا اٹھا تھا۔ شاید اس کی نسوانی حس نے اسے میرے احساسات سے آگاہ کر دیا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز تم بہت اچھے انسان ہو۔''

''نہیں میں صرف انسان ہوں اور انسان خطا کا پتلا ہے۔''

''نہیں تم اچھے انسان ہو۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''اتنی دیر سے میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم نے مجھے چھوا بھی ہے لیکن ایک بار بھی تم نے مجھے غلط نظروں سے نہیں دیکھا۔''

''ایسا نہیں ہے میں نے تمہیں پسند کی نظر سے تو دیکھا ہے۔'' میں نے شرارت سے کہا۔ وہ شرمائی۔

''مجھے معلوم ہے کوئی شخص مجھے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ ہی نہیں سکتا۔'' اس کے لہجے میں یقین آ گیا۔ اسے اپنی خوب صورتی کا بہ خوبی علم تھا۔ ''تم نے مجھے پسند کی نظر سے ضرور دیکھا ہے لیکن اس مردانہ نظر سے نہیں دیکھا جو صرف عورت کا جسم دیکھتی ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' میں نے کہا۔ ''میرے پاس وہ نظر ہے بھی نہیں..... نہیں میں شاید غلط کہہ گیا ہوں۔ وہ نظر تو ہر مرد کے پاس ہوتی ہے لیکن شریف مرد کے پاس صرف ایک عورت کے لیے ہوتی ہے جو اس کی بیوی ہوتی ہے اور بدمعاش کے پاس ہر عورت کے لیے ہوتی ہے۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں تم ایک اچھے انسان ہو۔''

اگرچہ میری اس قسم کی گفتگو سے ذرا کوفت ہوتی ہے لیکن زرین کو یہ گفتگو اچھی لگ رہی تھی اور اس کا مورال بڑھانے کے لیے میں اس سے بات کر رہا تھا۔ اس کا اچھا اثر نکلا بہت سارا راستہ ان ہی باتوں میں گزر گیا اور اس دوران میں تاریکی چھا چکی تھی۔ اسی لحاظ سے سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہمیں سڑک مل گئی۔ نظر نہ آنے کے باوجود اس سے گزرنے والی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کا انعکاس بتا رہا تھا کہ سڑک کس طرف ہے۔ میں نے زرین کو اس بارے میں بتایا تو وہ باتیں بھول کر سڑک تک جانے کے لیے بے تاب ہو گئی تھی۔ ہمارے قدم تیز ہو گئے۔ سڑک تک پہنچنے کی بے تابی اور پھر تاریکی نے ہمیں زمین کی طرف سے لاپروا کر دیا تھا۔ اس لاپروائی کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑا تھا۔ چلتے ہوئے میرا پاؤں کسی چیز میں گیا اور کھٹ کی آواز کے ساتھ مجھے لگا جیسے میرا پاؤں کسی مگرمچھ کے جبڑے میں آ گیا ہو۔ ہلکی سی چیخ کے ساتھ میں نے پاؤں چھڑانے کی کوشش کی لیکن نیچے گر گیا۔ زرین نے چیخ ماری۔

''شہباز کیا ہوا؟''

میں اس چیز کو ٹٹول رہا تھا اور میرے بدترین خدشات درست ثابت ہو رہے تھے۔ میرے پاؤں کو ایک شکنجے نے جکڑ لیا تھا۔ اس کا فولادی جبڑا میرے پاؤں کو ٹخنے سے ذرا اوپر سے پکڑے ہوئے تھا اور اس کے دندانے میرے پاؤں میں اتر گئے تھے۔ اس سے خون رس رہا تھا۔ مجھے ہڈی کا تو نہیں معلوم تھا لیکن تکلیف شدت کی تھی۔ زرین نیچے بیٹھ کر ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے دہشت زدہ ہو کر پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''شکاری پھندا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ چابی سے کھلتا ہے۔''

''چابی کہاں ہے؟'' اس نے بوکھلا کر پوچھا۔

''اس کے پاس جس نے..... اسے لگایا ہے۔'' میں نے تکلیف برداشت کرتے ہوئے کہا۔ ''زرین سڑک کچھ دور ہے تم جا کر مدد لا سکتی ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اکیلے.....'' وہ ڈر گئی تھی۔

''ہاں تو کیا لشکر بھیجوں تمہارے ساتھ۔'' میں جھنجھلا گیا تھا۔ اصل میں یہ حادثہ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ کچھ دیر کے لیے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ شاید اس وجہ سے بھی میں زرین سے سخت لہجے میں بات کر گیا تھا۔ وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی پھر کھڑی ہو گئی۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں نے احمقانہ بات کی تھی۔ میں جا کر کسی کو مدد کے لیے لاتی ہوں۔''

''لیکن احتیاط سے کوئی اور مسئلہ نہ بن جائے۔'' میں نے اسے سمجھایا اور وہ سمجھ کر تلخی سے بولی۔

''میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ میرے پاس گنوانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔''

اس سے پہلے میں اسے کچھ کہتا وہ سڑک کی طرف بڑھ گئی۔ میں موسم کی مناسبت سے ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اتنی دیر میرے ساتھ رہ کر وہ مجھ سے اینچ ہو گئی تھی اس لیے زود رنج دکھا رہی تھی۔ سڑک یہاں سے پاس تھی لیکن نظر نہیں آ رہی تھی البتہ اب گاڑیوں کی روشنیوں کے ساتھ ان کی آوازیں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے ٹٹول کر پھندے کا جائزہ لیا۔ اس علاقے میں لومڑیاں اور گیدڑ عام ملتے ہیں اور مقامی لوگ ان کی کھال کے چکر میں اس قسم کے پھندے ان جگہوں پر لگا دیتے ہیں جہاں ان جانوروں کا گزر ہوتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ پھندہ ایسی جگہ نہ ہو جہاں سے انسانوں کا گزر ہوتا ہے۔ یہ جگہ بھی ایسی ہی تھی یہاں سے لوگوں کا گزر نہیں تھا بس میں شامت کا مارا یہاں سے گزرا اور اس مصیبت میں پھنس گیا۔ پھندہ وزنی نہیں تھا شاید دو کلوگرام کا ہو گا لیکن یہ زنجیر کے ساتھ زمین سے منسلک تھا اور میں اس زنجیر کو نہیں نکال سکتا تھا۔

زرین سڑک کی طرف چلی گئی تھی کیونکہ اس کا ہیولہ نظر آنا بند ہو گیا تھا۔ مجھے خدشہ ستانے لگا۔ زرین غیر معمولی حسین تھی اور اس ویرانے میں وہ کسی اوباش کو روک لیتی اور اس کی نیت زرین پر خراب ہو جاتی تو یہ نیا مسئلہ بن جاتا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کاش میں اسے پستول دے دیتا۔ اگرچہ اسے چلانا نہیں آتا تھا۔ البتہ اس کی زرین کے ہاتھ میں موجودگی بڑے بڑوں کو نیت کی خرابی سے باز رکھ سکتی تھی۔ مگر اب وہ جا چکی تھی اور میں اسے آواز دے کر بھی نہیں بلا سکتا تھا۔

کبھی کبھی انسان کچھ سوچتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔ ابھی مجھے خیال آیا تھا کہ سڑک کی طرف سے زرین کی چیخ سنائی دی۔ چیخ نسوانی تھی اس لیے میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ زرین کی چیخ ہے۔ میں نے چلا کر پوچھا۔

''زرین کیا ہوا ہے؟''

جواب میں اس کی دوسری چیخ سنائی دی اور اس کے چند لمحے بعد اس کا ہیولہ نمودار ہوا وہ تاریکی اور نا ہموار زمین کی پروا کیے بغیر دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ پھر اس کے پیچھے دو مرد انہ ہیولے نمودار ہوئے۔ میں نے پستول نکال لیا اور ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ وہ زرین کے بالکل پیچھے تھے اور اگر میں گولی چلاتا تو زرین کو لگنے کا امکان تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے ڈری ڈری آوازیں نکال رہی تھی جب کہ اس کے پیچھے آنے والے اسے رکنے کو کہہ رہے تھے۔ ان کا انداز ڈرانے والا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہ رہے تھے۔ زرین ان سے آگے تھی اور اس کی رفتار بھی خوف نے تیز کر دی تھی۔ اس کے پیچھے آنے والے اس سے دور تھے اور شاید سست بھی تھے لیکن زرین کی بدقسمتی کہ اس کا پاؤں کہیں اٹکا اور وہ قلابازی کھا کر گری۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی یا میں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے تعاقب میں آنے والوں پر گولی چلاتا انہوں نے زرین کو چھاپ لیا تھا۔ اس نے چیخ ماری۔

''چھوڑو مجھے۔''

''ایسے کیسے چھوڑ دیں تجھے۔'' ان میں سے ایک بولا لہجے سے وہ نشے میں لگ رہا تھا۔ ''کتنے دنوں بعد تو ایسا مال ملا ہے۔''

''یار مزے آجائیں گے۔'' دوسرے کی ابھی سے باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں زرین سے چمٹے ہوئے تھے اور شاید اس کی مزاحمت سے بھی لطف اٹھا رہے تھے۔ ابھی تک ان کی نظر مجھ پر نہیں گئی تھی۔ زرین نے پھر چیخ ماری۔

''شہباز..... مجھے بچاؤ۔''

''اوئے یہ شہباز کون ہے؟'' پہلا والا چونکا۔

انہوں نے پہلی بار آس پاس کا معائنہ کیا تو ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ دوسرے نے پہلے والے سے کہا۔

''اسے قابو کر میں اسے دیکھتا ہوں۔''

میں نے اب تک گولی نہیں چلائی تھی کیونکہ وہ زرین کے پاس تھے اور اس تاریکی میں نشانہ چوک جانے کا امکان تھا۔ اس لیے میں خون کھولنے کے باوجود صبر سے ان کے زرین سے الگ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ دوسرا میری طرف آنے لگا۔ اس موقع پر زرین نے حماقت کی۔ اس نے چلا کر کہا۔ ''شہباز ان کو گولی مار دو۔''

''اوئے یہ مسلح ہے۔'' دوسرا بولا اور پلٹ کر بھاگا تھا کہ میں نے عقب سے اس پر فائر کیا۔ گولی اس کے جسم کے درمیانی حصے میں اتر گئی تھی۔ وہ چیخ مار کر گرا اور زمین پر تڑپنے لگا۔ جس نے زرین کو پکڑ رکھا تھا۔ اس نے اسے چھوڑ دیا اور بے ساختہ سڑک کی طرف بھاگا۔ اسے اپنے ساتھی کا خیال بھی نہیں رہا تھا۔ میں نے اس پر گولی چلانے سے گریز کیا کیونکہ پھر زرین درمیان میں آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر میری طرف بھاگی اور پاس آتے ہی لپٹ گئی۔ میرا پاؤں ہلا تو میں کراہا تھا۔

''میرا پاؤں.....''

اس نے میری بات سنی نہیں وہ کانپتے ہوئے بولی۔ ''تم نے مجھے ان درندوں سے بچا لیا۔''

''ان میں سے ایک مارا گیا ہے۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''اس کا ساتھی جا کر پولیس کو بلا لائے گا۔''

پولیس کا سن کر وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ ''پولیس تو مرشد کی ساتھی ہے وہ ہمیں اس کے حوالے کر دے گی۔''

''سنو ہمیں پولیس یا کسی اور کے یہاں آنے سے پہلے نکلنا ہوگا۔''

اس ایک تجربے کے بعد وہ سہم گئی تھی اس نے سڑک کی طرف جانے سے انکار کر دیا۔ ''میں اب نہیں جاؤں گی۔''

''پلیز زرین ہمت کرو۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''ضروری نہیں ہے سب بدمعاش ملیں۔ اچھے لوگ بھی تو ہوتے ہیں۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے رونا شروع کر دیا۔ ''یہ دنیا اتنی گندی کیوں ہے۔ عورت کو دیکھا سے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی خیال کیوں آتا ہے۔"

اب میں اسے دنیا اور خاص طور سے مردوں کی دنیا کے بارے میں نہیں سمجھا سکتا تھا۔ "زرین پلیز میری حالت کا خیال کرو۔ میرا پاؤں پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ تمہیں دنیا کی پڑی ہے۔ ایسا کرو یہ پستول رکھو اور اگر اس بار کوئی بدمعاشی دکھانے کی کوشش کرے تو اسے شوٹ کر دینا۔"

اس نے پستول لے لیا۔ اس دوران میں جب اسے سمجھا رہا تھا تو ہماری توجہ گولی کھا کر گرنے والے کی طرف نہیں رہی تھی اور وہ اس وقت خاموشی سے وہاں سے کھسک گیا۔ اس کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ جب میں نے اس طرف دیکھا تو وہ غائب تھا۔ میں نے اضطراب سے کہا۔ "زرین وقت کم ہے جلدی کرو ورنہ ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

پستول لینے کے باوجود اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ سڑک کی طرف جائے۔ میں نے اس کا ہاتھ دبایا۔ "زرین شاباش ہمت کرو، تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ مرشد سے جان بچانی ہے تو تمہیں ہمت کرنا ہی ہوگی۔"

اس نے سر ہلایا۔ "میں..... میں کوشش کرتی ہوں۔"

وہ سڑک کی طرف چلی گئی۔ اس بار اس کی چال میں تیزی کے بجائے ہچکچاہٹ تھی۔ ابھی چند لمحے پہلے اس نے مردوں کا ایک اور روپ دیکھا تھا اور مجھے اس کی اندر کی کیفیت کا اندازہ تھا اس کے باوجود وہ بہت ہمت کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اسی لمحے مشرق سے چاند نے سر اٹھایا۔ یہ چھٹی ساتویں کا چاند تھا یعنی آدھا تھا اور اس کی روشنی بہت زیادہ نہیں تھی لیکن جتنی بھی تھی اس سے کم سے کم آس پاس کا منظر صاف نظر آنے لگا تھا۔

مجھے دبئی والوں کا خیال آیا۔ وہ غائب تھے اور اب میں بھی غائب ہو گیا تھا۔ میرے دشمن میری قید میں تھے اور میں ان کی قید میں چلا گیا تھا۔ قدرت مہربان ہوئی تو قید سے نکل گیا تھا لیکن اب اس پھندے میں آن پھنسا تھا۔ سوچتے سوچتے میں چونکا نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ زرین کو گئے ہوئے کم سے کم ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اب تک اسے واپس آ جانا چاہیے تھا لیکن وہ نہیں آئی تھی۔ ایک بار مجھے خیال آیا کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے لیکن میں نے فوراً اس خیال کو مسترد کر دیا کیونکہ جہاں تک میں نے اسے سمجھا تھا وہ مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔ وہ یقیناً کسی مشکل میں پڑ گئی تھی۔

کچھ دیر اور گزری اور مجھے لگا کہ مجھے اپنے لیے خود ہی کچھ کرنا تھا۔ میں نے پھندے کا جائزہ لیا۔ یہ مضبوط لوہے کا تھا اور بغیر چابی یا آری کے اسے کھولنا ناممکن تھا۔ میں نے زنجیر کا جائزہ لیا جو زمین میں گڑی ہوئی تھی اور اسے کھینچ کر نکالنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش میں پھندہ ہلا تو مجھے تکلیف سے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا اور میں نے بے ساختہ پھندہ لگانے والے کی شان میں اعلیٰ درجے کی گستاخیاں کیں۔ اس کا زاویہ بدلا اور یہ ایک اور تکلیف دہ مرحلہ ثابت ہوا لیکن اس سے میں اس پوزیشن میں آ گیا کہ بغیر پھندہ ہلائے زنجیر کھینچ سکوں۔ میں نے آزاد پاؤں زمین پر ٹکایا اور زنجیر کو زور سے کھینچا اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ زنجیر آسانی سے نکلتی چلی گئی تھی۔ ظاہر ہے لگانے والے نے اسے لوہڑی یا گیدڑ کی طاقت کے لحاظ سے زمین میں لگایا ہوگا کہ وہ پھندے میں پھنسنے کے بعد اسے کھینچ کر نہ لے جائیں۔ میری طاقت ان سے زیادہ ہی تھی اس لیے زنجیر نکل آئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھندہ زنجیر سمیت کوئی تین کلوگرام وزنی ہوگا۔ میں نے سیدھا ہو کر اسے اوپر کیا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ میرے پاؤں پر زور آ رہا تھا اگر ہڈی کو نقصان ہوا ہوتا تو اس پاؤں پر زور ڈالنا ناممکن تھا لیکن جب میں نے قدم آگے بڑھایا تو ٹیس اٹھی تھی۔ میں نے برداشت کرتے ہوئے چند قدم اٹھائے اور اس کے بعد تکلیف قابلِ برداشت ہو گئی تھی لیکن یہ اتنی بھی قابلِ برداشت نہیں تھی۔ بس اتنا تھا کہ میں رک نہیں رہا تھا اور سڑک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب قدم بڑھاتا تو زنجیر چھنکتی تھی۔ اس ویرانے میں ایسی آوازیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں اور بے خبر افراد اسے آسانی سے کسی چڑیل کے پازیب کی آواز سمجھ سکتے تھے۔ میں نے سڑک کی طرف دیکھا۔ میں قدم قدم کر کے سڑک کی طرف جا رہا تھا۔ چاند نکل آنے سے راستہ نظر آنے لگا تھا اور اب میرا پاؤں کسی گڑھے میں جانے کا امکان نہیں تھا۔ شام ہونے کے بعد مری ہائی وے پر ٹریفک کم ہو گیا تھا اور وقفے کے بعد کسی گاڑی کی روشنی نمودار ہوتی تھی۔

رک رک کر اور تکلیف برداشت کرتا میں کسی طرح ہائی وے تک پہنچ ہی گیا تھا۔ میرے دل میں کہیں امید تھی کہ شاید زرین مجھے سڑک پر مل جائے لیکن جب میں سڑک تک پہنچا تو مجھے دھچکا لگا تھا۔ زرین وہاں نہیں تھی۔ دونوں طرف کوئی سو گز تک سڑک صاف نظر آ رہی تھی اور اس پر کوئی ذی روح نہیں تھا۔ سوائے میرے، میں نے چلا کر زرین کو آواز دی۔

"تم کہاں ہو؟"

لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ میں نے کئی بار اسے آواز دی اور جب کوئی ردِعمل نہیں ہوا تو میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر غلط گاڑی کو روک بیٹھی تھی اور گاڑی والوں نے اس بار اسے فرار کی مہلت نہیں دی تھی۔ یقیناً اسے پستول استعمال کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ وہ اس میں اناڑی تھی اور اگر دوسرے کھلاڑی تھے تو انہوں نے با آسانی اس پر قابو پا لیا ہوگا۔ میں نے مایوسی سے سر جھٹکا اس عورت کی قسمت خراب تھی۔ اسے مرشد کے قبضے سے نکال کر لایا تو وہ کسی اور مرشد کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ میں نے سر جھٹک کر سڑک کی طرف دیکھا۔ مجھے امید تھی کہ یہاں سے کوئی نہ کوئی گاڑی گزرے گی جس میں مجھے لفٹ مل جائے گی۔ مگر ابھی کوئی گاڑی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میری قسمت کہ جب سڑک سے دور تھا تو گاڑیاں گزر رہی تھیں اور جب یہاں تک آیا تو کوئی گاڑی نہیں تھی۔

○.....❖.....○

زرین غائب تھی لیکن میں اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا اس لیے میری توجہ اب اپنی طرف تھی مجھے کسی سے مدد حاصل کر کے یہاں سے نکلنا تھا اس کے بعد ہی میں زرین کے لیے کچھ کر سکتا تھا ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ وہ کہیں مرشد علی کے آدمیوں کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئی ہے لیکن اس صورت میں وہ مجھے بھی تلاش کرنے آتے۔ انہیں اصل میں تو میری تلاش تھی۔ زرین تو ان کو خود مل جاتی اور نہ بھی ملتی تو مرشد کو یقیناً اس کی اتنی پروا نہیں ہوتی۔ البتہ میرے لیے وہ پاگل ہو رہا ہوگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مری والی سائیڈ سے ایک گاڑی کی روشنیاں نمودار ہوئیں۔ گاڑی دیکھ کر میں نے زور و شور سے ہاتھ ہلائے اور جب گاڑی قریب آئی تو آواز بھی دی تھی۔

"اے..... رکو..... میری مدد کرو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی اور وہ زن سے میرے پاس سے گزر گئی تھی۔ مایوسی کے ساتھ میں نے ان کی سنائیں۔ مگر اسی لمحے گاڑی کے بریک پُرشور انداز میں چرچرائے۔ وہ رکی اور پھر ریورس ہو کر تیزی سے واپس آئی میں نے پُرامید نظروں سے گاڑی کی طرف دیکھا۔ وہ میرے پاس آ کر رکی۔ اس کا پچھلی نشست والا شیشہ نیچے ہوا۔ اندر تاریکی تھی اور اس تاریکی سے ایک جانی پہچانی آواز آئی۔ ''آہا..... شہباز صاحب۔''

مجھے لگا جیسے میں مایوسی کے اندھیرے میں ڈوب گیا ہوں۔ جن کی قید سے فرار کے بعد ان سے بچنے کے لیے میں نے اتنی جدوجہد کی تھی اور تقریباً کامیاب بھی ہو گیا تھا تو عین موقع پر جب منزل دو چار ہاتھ لب بام رہ گئی تھی اچانک میری کمند ٹوٹ گئی۔ گاڑی سے آنے والی آواز فاضلی کی تھی اور اس نے فوراً مجھے خبردار کیا تھا۔ ''کوئی غلط حرکت مت کرنا شہباز تم میرے پستول کی زد پر ہو۔''

میں کوئی غلط حرکت کر بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے لیے میرے پاس ہتھیار ہونا ضروری تھا اور پستول میں نے زرین کو دے دیا تھا۔ اگر پستول نہ ہوتا تب بھی میں ان لوگوں کی قید میں جانے سے بچنے کے لیے کچھ نہ کچھ کر گزرتا لیکن اس پھندے کے ساتھ میں دو قدم صحیح سے چل نہیں سکتا تھا۔ فرار کی کوشش کہاں سے کرتا۔ میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''میں غلط حرکت کر بھی نہیں سکتا ہوں ویسے اس وقت میں خود کو وہ کھوتا محسوس کر رہا ہوں جو اپنی جگہ آ کھڑا ہوا ہو۔ یعنی جتھے دی کھوتی اوتھے آن کھلوتی۔''

یہ بڑی جیپ تھی جس میں آگے پیچھے نشستوں کے علاوہ عقب میں بھی خاصی جگہ ہوتی ہے۔ اس میں فاضل چیزیں اور اسٹپنی رکھی جاتی ہے لیکن اس کی حالت اچھی نہیں تھی لگتا تھا اسے رگڑا جاتا تھا۔ فاضلی گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ ''حیرت ہے تمہیں اس عالم میں بھی شوخیاں سوجھ رہی ہیں۔'' پھر اس کی نظر نیچے گئی۔ ''یہ کیا ہے تمہارے پاؤں کے ساتھ؟''

''خود دیکھ لو..... اس کی وجہ سے بھاگ نہیں سکتا ورنہ تمہارا باپ بھی مجھے نہیں پکڑ سکتا تھا۔''

فاضلی نے ٹارچ سے روشنی ڈالی اور ہنسا۔ ''صحیح پھنسے تم اور بھاگے بھی خوب تھے۔''

''اپنے مرشد کا کیا حال ہے؟''

''تمہارے فراق میں برا ہے۔'' اس نے طنز کیا۔ ''ملنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔''

میں نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ فاضلی مرشد کے لیے اس طرح عزت و احترام سے بات نہیں کرتا تھا جیسے مرشد کے دوسرے چیلے کرتے تھے۔ شاید وہ اس کے کچھ زیادہ ہی قریبی لوگوں میں سے تھا۔ فاضلی نے مجھ سے کہا۔ ''اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لو۔''

وہ ابھی تک میری طرف سے پوری طرح محتاط تھا اور اس نے ایک حد سے زیادہ نزدیک آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بہت شاطر تھا اور میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ میں نے ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ ''اور کوئی حکم؟''

اس نے میرے عقب میں آ کر میری تلاشی لی لیکن میرے پاس کچھ ہوتا تو برآمد ہوتا۔ اس دوران میں جیپ کی درمیانی نشستوں سے دو مسلح افراد اتر آئے تھے اور انہوں نے مجھے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ ان کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے کے بعد فاضلی نے نیچے بیٹھ کر پھندے کے ساتھ نہ جانے کیا کیا کہ وہ ایک لمحے میں کھل گیا اور میرا پاؤں اس کی گرفت سے آزاد ہوا تو مجھے ناقابلِ بیان راحت ملی تھی۔ حالانکہ پاؤں کا زخم اپنی جگہ تھا لیکن شکنجے کی اذیت ختم ہوگئی تھی۔ میں نے فاضلی سے پوچھا۔

''تم نے کس طرح کھولا؟''

''اس سے۔'' اس نے تار کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا سامنے کر دیا۔

''یعنی اس میں دسترس ہے۔'' میں ہنسا۔

''اب چلو۔'' اس نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

''چل اوئے۔'' ایک مسلح شخص نے مجھے دھکا دیا۔

میں نے اب تک زرین کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ جس طرح ان لوگوں نے مجھے پالیا تھا اسی طرح زرین بھی ان کے ہتھے چڑھ سکتی تھی۔ فاضلی نے بھی مجھ سے زرین کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ اسے یقیناً میرے ساتھ زرین کی تلاش بھی ہوگی اور ممکن ہے وہ بھی ان کے ہاتھ آگئی ہو۔ میں نے آگے جانے کے بجائے اپنے قدم زمین پر جما لیے تھے اس لیے دھکے کے باوجود آگے نہیں گیا۔ مسلح شخص مشتعل ہوگیا تھا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''چلتا ہے یا.....؟''

''فاضلی اپنے کتوں کو روکو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں مزاحمت نہیں کر رہا ہوں لیکن مجھے ایک سوال کا جواب چاہیے؟''

''پوچھو۔'' خلافِ توقع فاضلی نے شرافت سے کہا۔

''زرین کہاں ہے؟''

''اسے کہاں ہونا چاہیے؟'' فاضلی کا لہجہ معنی خیز ہوگیا تھا۔

میرے جسم میں سرد سی لہر دوڑ گئی تھی۔ فاضلی کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ اس کے پاس زرین کے بارے میں کوئی خاص خبر ہے۔ ''میرا خیال ہے وہ تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے۔''

''میرے تو نہیں ان لوگوں کے ہاتھ لگی تھی۔'' اس نے اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''ورنہ اس کا اتنا برا حال نہیں ہوتا۔ بہرحال اسے بعد میں تو یہ سزا ملنا تھی۔''

''کیا.....کیا مطلب؟''

''مرشد نے اس کے لیے اپنے آدمیوں سے کہا تھا کہ جو بھی اسے پکڑیں گے وہ ان کو انعام میں دی جائے گی۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''وہ اسی گاڑی میں ہے دیکھنا چاہتے ہو اسے؟''

''فاضلی کیا کیا ہے تمہارے آدمیوں نے اس مظلوم عورت کے ساتھ؟'' میرے اندر آتش فشاں سر اٹھانے لگا تھا لیکن میرا لہجہ اس کی چوٹی پر جمی برف کی طرح سرد تھا۔

''تم دیکھنا چاہتے ہو؟'' وہ بولا۔ ''شاد اسے دکھا دو۔''

ایک مسلح آدمی نے مجھے رائفل کی نال سے دھکیلا وہ مجھے جیپ کے پچھلے حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں جیپ کے پچھلے دروازے کے سامنے رکا تو اس نے کہا۔ ''رک کیوں گئے اسے کھول کر دیکھ لو۔'' اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لہجے میں خباثت تھی۔ ''تمہیں مزہ آجائے گا۔''

میں نے ہچکچاتے ہوئے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور جیسے ہی دروازہ کھلا زرین مجھے سامنے تڑی مڑی حالت میں نظر آئی تھی۔ اس کے جسم پر نا کافی اور پھٹا ہوا لباس تھا۔ جہاں جہاں سے اس کا بدن جھلک رہا تھا وہاں صرف لہو کے داغ تھے۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ ان درندوں کے ہاتھوں اس پر کیا گزری تھی۔ میرا خیال ہے کہ میں بہت ٹھنڈے دماغ کا آدمی ہوں اور کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے نتائج پر اچھی طرح غور کرنے کا عادی ہوں لیکن اس وقت میرا فیوز اُڑ گیا اور میں نے جو کیا سوچے سمجھے بغیر کیا۔ میں بہ ظاہر جذباتی ہو کر زرین کی طرف جھکا تھا لیکن اس دوران میں میری لات پیچھے کھڑے شخص کی رانوں کی درمیان لگی۔ اس وار میں میری ساری طاقت کے ساتھ میرا سارا غصہ بھی تھا اور وہ دھاڑ مار کر پیچھے جا گرا تھا اس سے پہلے وہ اٹھتا اور مجھ پر اپنی رائفل آزماتا یا فاضلی اور اس کا دوسرا ساتھی گاڑی کے پیچھے آتے، میں اندر گھسا اور عقبی دروازہ بند کر کے لاک کر دیا اس کے بعد بہت تیزی سے درمیانی نشست کے دونوں دروازے بھی لاک کر دیئے تھے۔ کیونکہ گاڑی کے شیشے سیاہ تھے اس لیے باہر والوں کو پتا نہیں چل رہا تھا کہ میں اندر کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ درمیانی نشست کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس دوران میں، مَیں درمیانی نشست سے ہوتا ہوا اگلی نشست تک آ گیا تھا۔ فاضلی کے ساتھی نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی اور یہ سوچ کر کی کہ یہ دروازہ بھی لاک ہے لیکن دروازہ کھلا تھا اور جب اس نے کھینچا تو پوری قوت سے باہر گیا اور رہی سہی کسر میں نے لات مار کر پوری کر دی۔ دروازہ غیر متوقع طور پر اسے لگا اور وہ پیچھے جا گرا۔ اس دوران میں میرے ہاتھ ڈیش بورڈ کے خانے کو ٹٹول رہے تھے اور حسبِ توقع مجھے اس میں سے ایک ہتھیار مل گیا۔ یہ ریوالور تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے بھی اندر سے لاک کر لیے تھے۔ اچانک فائر ہوا اور گولی کھڑکی کے شیشوں سے گزر گئی۔ میں بال بال بچا تھا اور ڈیش بورڈ پر قدم جماتے ہوئے میں نے خود کو درمیانی نشست پر پھینکا تھا اگر میں ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو دوسرا فائر مجھے چاٹ جاتا۔ یہ پستول کا فائر تھا اور پستول فاضلی کے پاس تھا۔ اس کے چلانے کی آواز آ رہی تھی اور وہ اپنے دونوں ساتھیوں کی خواتین سے اپنے ناجائز رشتے جوڑ رہا تھا۔

میرے آگے پیچھے ہونے کے دوران جیپ بری طرح ہل رہی تھی اور ان کو اندازہ نہیں تھا کہ میں اس میں کہاں تھا۔ فاضلی اور اس کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ میں جیپ لے کر فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ درمیانی نشست پر آتے ہی میں نے ریوالور کا رخ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف کر دیا اور جیسے ہی کسی کا سایا کھڑکی پر نمودار ہوا میں نے بلا تکلف اسے گولی ماری دی تھی۔ گولی شیشہ کراس کرتی اس کے سر پر لگی اور وہ غائب ہو گیا۔ اس فائر نے باہر والوں کو پاگل کر دیا تھا اور انہوں نے جیپ کے درمیانی اور اگلے حصے پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ان کے خیال میں، مَیں آگے کہیں تھا جب کہ اس شخص کو شوٹ کرتے ہی میں پچھلے حصے میں آ گیا تھا جہاں زرین بے ہوش پڑی تھی۔ مجھے مجبوراً اس کے کومل وجود پر آنا پڑا تھا یہاں اتنی گنجائش نہیں تھی۔ دوسرے اس وقت میں زندگی اور موت کے معرکے سے گزر رہا تھا اور کوئی لمحہ جاتا تھا کہ میری زندگی کا چراغ گل ہو جاتا۔ ایک آدمی کم ہونے کے باوجود باہر والوں کا پلہ بھاری تھا۔ میرے ہاتھ زرین کو ٹٹول رہے تھے۔ باہر سے فاضلی کے چلانے کی آواز آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز باہر آجاؤ ورنہ کتے کی موت مرو گے۔''

مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ میں باہر آیا تو وہ مجھے کتے کی موت مار دیں گے۔ میں زرین کو ہٹا کر ٹٹول رہا تھا پھر میرے ہاتھ میں وہ چیز آگئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ یہ ایک بھاری پانا تھا جو ٹائر کے نٹ کھولنے اور بند کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ میں نے اسے کھینچ کو ڈیش بورڈ پر مارا اور خاصی بلند آواز آئی تھی۔ فاضلی کا ساتھی چلایا۔

''استاد حرامی اگے اے۔''

آواز سے مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے۔ میں نے عقبی دروازہ کھولا اور نیچے لڑھک گیا۔ اس کی چلائی گولی ٹائر کے پاس زمین پر لگی تھی اور اس سے پہلے وہ شاٹ گن کا رخ دوبارہ میری طرف کرتا میں نے اسے بھی گولی ماردی۔ وہ ایک جھٹکے سے سڑک پر گرا اور ساکت ہو گیا۔ اسے شوٹ کرتے ہی میں گھوم کر جیپ کے دائیں طرف والے حصے میں آگیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ فاضلی کہاں تھا۔ میں نے کھڑے ہونے کی حماقت نہیں کی تھی۔ اس کے بجائے میں نے لیٹ کر جیپ کے نیچے سے جھانکا لیکن مجھے اس کے پاؤں نظر نہیں آئے تھے۔ وہ سڑک سے اتر کر کہیں جھاڑیوں میں گھس گیا تھا۔ مجھے خطرے کا احساس ہوا اور میں دوبارہ عقبی حصے سے جیپ کے اندر گھس گیا۔ جیسے ہی میں نے دروازہ بند کیا ایک گولی آکر اس پر لگی تھی میرا اندازہ درست نکلا تھا فاضلی اپنے ساتھیوں کو مرتے دیکھ کر جھاڑیوں میں گھس گیا تھا۔ میں تیزی سے جیپ کے اگلے حصے کی طرف آیا۔ سڑک کا یہ ڈھلان تھا اور جیپ کے ہینڈ بریک لگے تھے میں نے گیئر نیوٹرل کرتے ہوئے ہینڈ بریک کھینچ دیا تھا۔ جیپ ڈھلان پر رینگنے لگی۔

فاضلی نے جیپ کو رینگتے دیکھا تو اس نے بے ساختہ کئی فائر کیے لیکن اس نے سڑک پر آنے کی حماقت نہیں کی۔ میں اسٹیرنگ سنبھالنے کے ساتھ اس خانے میں گولیاں تلاش کر رہا تھا جس سے ریوالور برآمد ہوا تھا۔ بالآخر مجھے ایک چھوٹا سا ڈبا مل گیا جس میں ریوالور کی گولیاں تھیں میں نے اس کے خالی ہو جانے والے خانے دوبارہ لوڈ کر لیے۔ جیپ کی چابیاں اگنیشن میں لگی تھی۔ کچھ آگے آتے ہی میں نے چابی گھما کر انجن اسٹارٹ کیا اور گیئر تبدیل کرتے ہوئے ایکسلریٹر دبایا۔ ابھی تک میں نشستوں کے نیچے تھا اور میں نے اوپر ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ فاضلی نے جیپ اسٹارٹ ہوتے دیکھی تو دیوانہ ہو گیا اس نے اپنے پستول کا بقیہ میگزین خالی کر دیا اور جذباتی ہو کر سڑک پر آگیا تھا۔ موڑ پاس آتے ہی میں ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔

زندگی میں شاید ہی کبھی میں نے اتنی تیزی سے زندگی و موت کا کھیلا تھا۔ میں اپنے پاؤں کے زخم کے باوجود کسی مشین کی طرح حرکت میں آیا تھا اور اب میں جیپ کو دور لے جا رہا تھا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے پاؤں میں شدید تکلیف ہو رہی ہے لیکن ابھی اس کی طرف توجہ دینے کا وقت نہیں آیا تھا۔ مجھے قدرت نے ایک موقع اور دیا تھا اور میں اسے پوری طرح استعمال کرنا چاہتا تھا۔ قدرت بار بار موقع نہیں دیتی ہے۔ درحقیقت میں نے جان پر کھیل کر یہ موقع حاصل کیا تھا۔ میرے مقابل تین چھٹے ہوئے اور مسلح بدمعاش تھے اور میں اکیلا اور نہتا تھا۔ ذرا سی غفلت اور سستی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ان کے بجائے میری لاش سڑک پر پڑی ہوتی۔ موڑ مڑتے ہی میں نے سر اوپر کر لیا اور جیپ کا ایکسلریٹر دبایا۔ اس نے چیتے کی طرح جست بھری اور میں نے بمشکل اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سڑک سے اترنے سے روکا۔ ظاہری حالت سے قطع نظر اس کا انجن اور سسپنشن بہت اچھی حالت میں تھا۔ میں جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہتا تھا کیونکہ اس سیدھی سڑک پر مجھے گھیرنا بہت آسان تھا۔ فضلی کے پاس موبائل کی موجودگی یقینی تھی۔ وہ دوسروں کو اطلاع کر دیتا تو وہ آگے ناکا لگا کر بیٹھ جاتے اور مجھے پکڑ لیتے۔ اس جیپ سے چھٹکارا ضروری ہو گیا تھا۔ پھر ٹول پلازہ بھی آجاتا اور اسے کراس کرنا تھا۔ میری حالت تو خراب تھی ساتھ ہی گاڑی میں زخمی اور بے ہوش زرین بھی تھی اور اگر کسی کی نظر پڑ جاتی تو ایک الگ مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ اس کا سب سے اچھا حل یہ تھا کہ میں گاڑی بدل لیتا۔

قدرت بعض اوقات کیسے آدمی کی مدد کرتی ہے۔ ادھر میرے ذہن میں خیال آیا اور ادھر ایک پلیا سے گزرتے ہوئے مجھے سڑک کے کنارے ایک سرخ کار دکھائی دی اس کے سوار فی الحال پل کی منڈیر پر بیٹھے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ دونوں کم عمر تھے اور شاید حال ہی میں گرفتار محبت ہوئے تھے اور ظالم سماج سے چھپ کر اس ویرانے میں ڈیٹ پر آئے ہوئے تھے۔ میں نے فوری فیصلہ کیا اور جیپ ان کے پاس روک دی۔ اس سے پہلے وہ چونکتے میں نے نیچے اتر کر ریوالور نکال لیا۔ ریوالور دیکھتے ہی ان کی حالت خراب ہو گئی۔ لڑکا ہکلایا۔

''کیا..... کیا چاہتے ہو تم؟''

''تمہاری مدد۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میرے ساتھ ایک زخمی عورت ہے اور میرے دشمن پیچھے ہیں۔ وہ اس جیپ کو پہچانتے ہیں تم مجھے اپنی کار میں شہر تک پہنچاؤ گے۔''

لڑکا اسمارٹ اور چھریرے جسم کا تھا۔ لڑکی کی عمر انیس برس سے زیادہ نہیں تھی اور اس نے چست جینز پر چست تر سویٹر پہن رکھا تھا، نقوش معمولی تھے لیکن رنگ گورا چٹا تھا اور باقی کسر اس نے اپنی اداؤں سے پوری کر لی تھی۔ لڑکے کا رنگ مزید اڑ گیا تھا اس نے ڈر کر کہا۔

''دشمن.....''

''ہاں اور بہت خون خوار قسم کے دشمن ہیں۔ کیا تم بھی ان کے ہاتھ فوت ہونا چاہتے ہو۔''

''نن..... نہیں۔''

''تب آؤ۔'' میں نے ریوالور سے اشارہ کیا تو وہ بادل ناخواستہ حرکت میں آیا تھا۔ میں نے اسے جیپ کے پیچھے پڑی زرین کو دکھایا۔ ''اسے اپنی کار میں منتقل کرو۔''

اس نے دلچسپی سے زرین کو دیکھا۔ حالانکہ اس کی حالت عبرت ناک ہو رہی تھی لیکن لڑکے نے صرف اس کا عورت ہونا دیکھا۔ میں نے اس کی گدی پر ہاتھ مارا اور دھاڑ کر کہا۔ ''کیا یہ تمہاری گم شدہ ماں ہے جو اتنے غور سے دیکھ رہے ہو اٹھاؤ اسے۔''

اس نے زرین کو اٹھایا اور اپنی کار کی عقبی نشست پر لا کر لٹا دیا۔ اس کی کار کی ڈکی میں ایک ترپال تھی وہ میں نے زرین پر ڈلوا دی تاکہ وہ باہر سے نظر نہ آئے۔ لڑکی اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی اور میں لڑکے کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ میں نے ان دونوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تھا اور ممکنہ حد تک ان کو خوف زدہ رکھا تھا تاکہ وہ کوئی غلط حرکت کرنے کا مت سوچیں میں نے کار کے آگے بڑھنے کے بعد کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارے لیے صرف آدھے گھنٹے کی پریشانی ہے اس کے بعد تم جانے کے لیے آزاد ہو گے لیکن کسی حماقت کے نتیجے میں یہ پریشانی بہت بڑھ سکتی ہے اس لیے جیسا میں کہوں ویسا ہی کرتے رہو۔''

''ہم کوئی حرکت نہیں کریں گے۔'' لڑکی نے سہمے انداز میں کہا۔

''تمہارے پاس کوئی کھانے پینے کی چیز ہے؟''

لڑکی نے عقب سے ایک بسکٹ میری طرف بڑھا دی اس میں ایک زنگر برگر اور ساتھ میں کولڈ ڈرنک تھی۔ میں خوش ہو گیا تھا۔ صبح کا ناشتہ فرار کے چکر میں رہ گیا تھا اور سارا دن صرف دھکے کھانے کو ملے تھے۔ میں نے برگر کھایا اور کولڈ ڈرنک کا ٹن کھول لیا۔ پھر میں نے لڑکے سے اس کا موبائل فون طلب کیا۔ اس پر ابھی سگنل نہیں آئے تھے وہ کہیں بھارہ کہو کے پاس جا کر ملے تھے۔ مجھے عبداللہ کا نمبر یاد تھا۔ میں نے کال ملائی اور میری آواز سن کر وہ اچھل پڑا تھا۔ ''شہباز صاحب آپ کہاں ہیں آپ کے غائب ہونے پر یہاں بہت ہنگامہ ہے۔''

''فی الحال میں مری روڈ پر ہوں۔ ایک کار میں بھارہ کہو سے ذرا آگے آ چکے ہیں تم مجھے کہاں سے پک کر سکتے ہو میرے ساتھ ایک زخمی اور بے ہوش عورت بھی ہے۔''

وہ میرا مطلب سمجھ گیا تھا۔ ''آپ اسلام آباد میں داخل نہ ہوں بلکہ راول ڈیم کی طرف جائیں میں وہاں آ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے کوئی بات ہو تو مجھے اسی نمبر پر رنگ کرنا۔'' میں نے فون بند کر دیا اور لڑکے سے کہا۔ ''راول ڈیم کی طرف چلو۔''

''اس وقت۔'' وہ ڈر گیا تھا۔

''جب اس وقت تم لوگ اس ویرانے اور تاریکی میں جا سکتے ہو تو راول ڈیم تک جاتے ہوئے کیوں جان جا رہی ہے۔''

''دیکھو تمہیں جو چاہیے لے لو اور ہمیں جانے دو۔'' لڑکے نے رو دینے والے لہجے میں کہا تو میں نے بڑی مشکل سے اسے جھانپڑ مارنے کی خواہش پر قابو پایا تھا۔ اسے نظر نہیں آ رہا تھا کہ میں کوئی ڈاکو نہیں تھا۔

''بکواس کرنے کے بجائے ڈرائیو کرو اور رفتار ذرا تیز کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ اس نے رفتار تیز کر دی۔ مجھے زرین کی فکر ہو رہی تھی اگرچہ اس کی حالت خطرے سے باہر تھی لیکن پھر بھی اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ مجھے خیال آیا اور میں نے دوبارہ عبداللہ کو کال کی۔ ''کسی ڈاکٹر کا بندوبست کر کے رکھنا۔''

''آپ بے فکر رہیں میں یہ کام پہلے ہی کر چکا ہوں اور اس وقت راستے میں ہوں آپ پارکنگ میں رکیے گا، گاڑی کیسی ہے؟''

''سرخ رنگ کی ہنڈا اکارڈ ہے نئے ماڈل کی ہے۔''

''میں دیکھ لوں گا۔'' اس نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔

''آپ کسی اور کو بلا رہے ہیں؟'' لڑکے نے ہمت کر کے پوچھا۔

''ہاں راول ڈیم سے تم جانے کے لیے آزاد ہو گے۔''

کوئی پندرہ منٹ بعد ہم ڈیم کے پاس تھے۔ یہاں کئی ایک تفریح گاہیں ہیں لیکن موسم اور رات ہونے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنا پر وہ سب ویران پڑی تھیں۔لڑکے نے کار پارکنگ میں روک دی۔اس وقت وہاں سوائے چند ایک گاڑیوں کے اور کچھ نہیں تھا۔عبداللہ کو آنے میں کچھ وقت لگتا۔ میں اتر کر پچھلی سیٹ پر آیا۔لڑکی کو میں نے آگے بھیج دیا تھا۔ ان دونوں کے پاس بہ ظاہر کچھ نہیں تھا۔ اس لیے میں مطمئن تھا کہ وہ کوئی غلط حرکت نہیں کریں گے۔ زرین نشست پر نیم دراز تھی۔ تر پال اسے گرم بھی رکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی نبض دیکھی۔ وہ بہتر تھی۔ پھر میں نے اس کے منہ میں تھوڑی سی کولڈ ڈرنک ڈالی۔اس کا ردِعمل حوصلہ افزا تھا۔وہ چونکی اور پھر کراہی تھی۔ میں نے اس کا گال تھپکا۔

''زرین آنکھ کھولو.....شاباش۔''

میں مسلسل اسے پکارتا رہا۔آخر اس نے آنکھیں کھول دیں۔لڑکے نے اندر کی لائٹ جلا دی تھی۔زرین کچھ دیر مجھے خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر اس نے چیخ ماری اور مجھ سے لپٹ گئی۔لڑکا بوکھلا گیا تھا۔

''کیا.....کیا ہوا؟''

''زرین.....یہ میں ہوں.....اب تم محفوظ ہو۔''

وہ لرز رہی تھی۔''وہ.....وہ لوگ.....''

''وہ سب جہنم رسید ہو چکے ہیں۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔''تمہارے جسم پر لگنے والے ایک ایک زخم کا حساب معہ سود لیا ہے۔''

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔''تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہم اس جگہ سے دور نکل آئے ہیں لیکن تم کہو تو تمہیں واپس لے جا کر ان کی لاشیں دکھا دوں۔ اگر وہاں پولیس نہ آ گئی ہوئی تو وہیں پڑی ہوں گی۔''

زرین کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی۔''مجھے یقین ہے تم سچ کہہ رہے ہو۔''

اس گفتگو کے دوران آگے موجود لڑکے اور لڑکی کی حالت پھر خراب ہونے لگی تھی۔ یہ سن کر کہ میں کئی افراد کو جہنم رسید کر کے آیا ہوں۔ان کی موجودگی محسوس کر کے زرین سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی میں نے اسے کولڈ ڈرنک کا ٹن تھما دیا۔وہ بے تابی سے اسے پینے لگی تھی۔ بہ ظاہر اس کی حالت بہت خراب لگ رہی تھی لیکن اس کے سارے زخم سطحی تھے۔اس لیے جب اس نے محسوس کیا کہ وہ محفوظ ہے تو اس کی حالت بہت تیزی سے سنبھل گئی تھی۔ یہاں چاروں طرف تاریکی تھی۔اس میں کہیں روشنی چمکی اور ایک منٹ بعد ایک وین آ کر وہاں رکی تھی۔اس سے عبداللہ اترا تھا۔ میں نے لڑکے اور لڑکی سے کہا۔

''نیچے اتر آؤ۔''

''کیوں اب ہمیں جانے دو۔''

''بحث مت کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو وہ بادلِ ناخواستہ نیچے اتر آئے۔ میں بھی نیچے آیا۔عبداللہ تیزی سے میرے پاس آیا اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''شکر ہے آپ سلامت ہیں۔''

''ہاں ہمیں فوری روانہ ہونا ہے۔'' میں نے کہا اور زرین کو کار سے اتارا۔وہ کمزور ہو رہی تھی اسے وین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے عقبی حصے میں بٹھایا پھر میں نے لڑکے سے کہا۔ ''تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ ابھی آدھے گھنٹے میں جو ہوا وہ بھول جاؤ۔''

''میں بالکل بھول جاؤں گا۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔

''اگر تم نے کسی کو بتایا تو مشکل میں تم پڑو گے میں نے تمہارا نمبر نوٹ کرلیا ہے۔'' میں نے غلط بیانی کی۔

''اس کی مدد سے تمہارا پتا چلانا مشکل نہیں ہے۔''

''یہ کسی کو نہیں بتائے گا۔'' اس بار لڑکی نے کہا۔ ''اگر اس نے ایسا کیا تو میں دوبارہ اس کی صورت نہیں دیکھوں گی۔''

''اتنی سخت سزا دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں مسکرایا اور وین میں آ گیا۔ وین میں عبداللہ کے علاوہ ایاز بھی تھا۔ مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔ میرا نہیں خیال تھا کہ وہ اب عبداللہ کے پاس ہوگا میرا خیال تھا کہ وہ واپس جا چکا ہوگا۔ عبداللہ میرے اور اس کے درمیان میں آ گیا تھا۔

''اسلام وعلیکم شہباز صاحب۔'' ایاز نے کہا۔

''وعلیکم اسلام۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھے تم کو دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے میرا خیال تھا کہ تم.....''

''واپس جا چکا ہوں گا۔'' اس نے میرا جملہ مکمل کیا۔ ''میرا ارادہ تو یہی تھا کہ آپ سے اجازت لوں کیونکہ بہ ظاہر آپ کو میری خدمات کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب آپ غائب ہوئے تو میں رک گیا۔''

''اب یہ ہمارا ساتھی ہے۔'' عبداللہ نے مجھے آگاہ کیا۔ ''میں نے اسے اپنی ٹیم میں شامل کرلیا ہے۔''

''مجھے خوشی ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔

میرے بیٹھتے ہی ایاز نے وین آگے بڑھا دی تھی۔ زرین اب تک حوصلے کا مظاہرہ کر رہی تھی لیکن جب اسے تحفظ کا احساس ملا تو کمزوری پھر غالب آ گئی اور وہ سو گئی یا شاید غشی میں تھی۔ عبداللہ نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اس کے بارے میں گھر پہنچ کر بتاؤں گا لیکن فی الحال اتنا جان لو کہ یہ بھی مرشد کی زخم خوردہ ہے۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''کیا اس کے ساتھ کسی نے مس بی ہیو کیا ہے؟''

''کم سے کم دو افراد نے اور میں ان کو جہنم رسید کر کے آیا ہوں۔''

''مرشد نے آپ کے وکیل ندیم سے رابطہ کیا تھا اس نے آپ کے بدلے فتح خان کو مانگا تھا۔ ندیم صاحب کو ان سارے معاملات کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے راجا صاحب سے رابطہ کیا اور اس کے بعد معاملات انہوں نے سنبھال لیے تھے۔''

''مذاکرات کہاں تک پہنچے تھے؟''

''راجا صاحب نے صاف انکار کر دیا تھا کہ فتح خان ہمارے پاس نہیں ہے۔''

''شکر ہے ورنہ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم لوگ بوکھلا کر اس کا مطالبہ نہ مان لو۔''

''ہمیں آپ کی پروا بہت ہے لیکن ہم بے وقوف نہیں ہیں اگر بات طے ہوتی تو آپ کے توسط سے ہوتی۔ ویسے یہ مرشد کی طرف سے آپ کے بدلے فتح خان کو مانگنے کی تک سمجھ میں نہیں آئی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سچی بات ہے کہ میں خود بھی اس بات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکا۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کا تعلق ان ہیروں سے ہے جن کے بارے میں صرف فتح خان جانتا ہے۔''

''کیسے ہیرے؟'' عبداللہ کے انداز میں تجسس آ گیا تھا۔ میں نے اسے مختصراً اُن ہیروں کے بارے میں بتایا جو راجا عمر دراز کی وادی سے کچھ دور ایک ویرانے میں پہاڑوں میں کہیں دفن تھے اور ان کی مالیت اتنی زیادہ تھی کہ ہمارے ملک میں امیر ترین شخص بھی ان کی قیمت ادا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے برٹ شا کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس سے بات لمبی ہو جاتی۔

''مرشد کا راجا صاحب سے رابطہ تمہارے توسط سے تھا؟''

''نہیں میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہوا مجھے بیگ صاحب کے توسط سے ان باتوں کا علم ہوا۔'' اس نے بتایا۔ اب مجھے بیگ یا راجا عمر دراز سے معلوم کرنا پڑے گا کہ ان کی مرشد سے کیا گفتگو ہوئی ہے اور دونوں کو رازداری کا مرض ہے۔ بہرحال یہ بعد کا مسئلہ تھا۔ میری پھٹی ہوئی جیکٹ کو دیکھ کر عبداللہ نے اپنی جیکٹ دینے کی پیش کش کی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ وین کے اندر ہیٹر آن تھا اس لیے سردی بہت کم رہ گئی تھی۔ اسی لیے مجھے زرین کی طرف سے اطمینان تھا۔ اس کا سویٹر غائب تھا اور لباس بھی پھٹ گیا تھا۔ ذہنی اور جسمانی تکلیف کے ساتھ سردی بھی اس کے لیے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ وین کے ہیٹر سے اسے یقیناً سکون ملا ہوگا۔ ہم ابھی راجا صاحب کی کوٹھی سے دور تھے۔ میں تھکن محسوس کر رہا تھا اور آرام کرنا چاہ رہا تھا پھر مجھے خیال آیا اور میں نے عبداللہ سے کہا۔

''میرا موبائل تو مس ہے تمہارے پاس ندیم کا نمبر ہے؟''

''ہاں ہے جناب۔'' اس نے مجھے اپنے موبائل سے نمبر ملا کر دیا۔

''کیا میرے گھر والوں یا دوسرے لوگوں کو میری گمشدگی کا علم ہے؟''

''میں اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''اس بارے میں ندیم صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔''

بیل جا رہی تھی پھر ندیم نے کال ریسیو کی۔ ''کون ہے بھائی؟''

''میں بات کر رہا ہوں نام مت لینا۔'' میں نے کہا۔

''ابے تم بچ کر آ گئے پھر یار ابھی تک دشمنوں کی قید میں ہو۔''

''ڈھیٹ ہڈی ہیں بھائی..... لیکن تم نے یہی واویلا کرنا ہے کہ میں غائب ہوں۔''

''اس کی فکر مت کر میں نے پہلے ہی نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی آر کٹوا دی ہے۔''

''میرے گھر والوں میں سے کسی نے رابطہ کیا؟''

''ہاں تیرے ابا اور بھائی سے رابطہ ہے۔''

''دبئی والوں کی کوئی خبر؟''

''نہیں بھائی سب باجماعت غائب ہیں۔'' اس نے بھنا کر کہا۔ ''میں نے ایک جاننے والے کے توسط سے وہاں ایئرپورٹ ریکارڈ چیک کرایا ہے اس دوران میں وہ دبئی سے بائی ایئر باہر نہیں گئے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس تو اپنا کام کر۔''

''اپنا کام کہاں سے کروں، تیرے کاموں سے فرصت ملے تو کروں نا.....'' اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے فون بند کر دیا۔ پھر میں نے بابا کو کال کی انہوں نے بے تابی سے کال ریسیو کی۔

''بابا میں بات کر رہا ہوں۔''

''تم ٹھیک تو ہو نا؟'' انہوں نے نام لینے سے گریز کیا۔

''جی بابا..... میں نے صرف آپ کو اطلاع دینے کے لیے کال کی ہے اور عتیق کے بارے میں کوئی خبر ہے؟''

''اس کی حالت ویسی ہی ہے۔'' انہوں نے مایوسی سے کہا۔ ''اللہ اس کو صحت دے۔''

''آمین۔'' میں نے کہا۔ ''میں رفیق بھائی کو کال کروں گا۔''

فون بند کر کے میں نے موبائل عبداللہ کے حوالے کر دیا۔ اس نے جیب سے ایک اور موبائل نکالا۔

''جب تک آپ کوئی دوسرا موبائل لیں یہ رکھ لیں۔''

مجھے موبائل کی ضرورت تھی اس لیے میں نے لے لیا۔ ''فتح خان اور شریف ٹھیک ہیں؟''

''جی میں نے شریف پر محنت کی ہے اور اس نے خاصا کچھ اگلا ہے۔ البتہ فتح خان کو نہیں چھیڑا ہے۔''

''تم نے ٹھیک کیا ہے۔ شہلا کے بارے میں معلوم کیا؟''

''وہ اسی دن گھر واپس آ گئی تھی لیکن اس نے پولیس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ البتہ چوکیدار بدل دیا ہے۔''

''میرا خیال ہے پرانا آدمی اب قابلِ اعتبار نہیں رہا ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''بیتو کیسا ہے؟''

''بے تاب ہے اگر میں اسے نہ روکتا تو وہ آپ کی تلاش میں نکل چکا ہوتا۔ فی الحال میں نے اسے عتیق کی حفاظت کے لیے اسپتال میں چھوڑ دیا ہے۔''

''یہ تم نے اچھا کیا وہ اس کام کے لیے بہترین آدمی ہے۔''

''جب میں نے اسے بتایا کہ وہ آپ کا رشتے دار ہے تو وہ خود بے چین ہو گیا تھا۔''

ایاز خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دنیا کا ہر شخص کوئی ایک کام پرفیکشن سے کرتا ہے۔ ایاز ڈرائیونگ کے معاملے میں پرفیکٹ تھا۔ جب وہ کوئی گاڑی ڈرائیو کر رہا ہوتا تو ایسا لگتا کہ گاڑی اس کے جسم کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ کوئی نصف گھنٹے بعد ہم راجا صاحب کی کوٹھی پہنچ گئے۔ وہاں ایک ڈاکٹر ہمارا منتظر تھا۔ عبداللہ زرین کو اٹھا کر اندر لے گیا اور ایاز نے مجھے سہارا دینا چاہا لیکن میں نے منع کر دیا۔ ''اب ایسا بھی زخمی نہیں ہوں یار۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اندر آیا تو عبداللہ اس کمرے کے باہر تھا جس میں ڈاکٹر زرین کو دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر کے ساتھ ایک نرس بھی تھی۔ ڈاکٹر کوئی پندرہ منٹ بعد آیا اور اس نے زرین کے بارے میں کہا۔ ''شاک میں ہے لیکن زیادہ نہیں ہے جسمانی طور پر کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔ میں نے اسے اعصاب کو سکون دینے والی دوا اور کچھ طاقت والی دوائیں دی ہیں۔ آرام کرے گی تو زخم دو دن میں ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''ان کو بھی دیکھ لیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

ڈاکٹر نے میرے پاؤں کے زخم کا معائنہ کیا۔ اس نے اس کی ڈریسنگ کی اور مجھے دو عدد انجکشن لگائے۔ اس نے کوئی تشویش ظاہر نہیں کی تھی اس کی مطلب تھا کہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میرے پاؤں کی ہڈی کو نقصان نہیں ہوا۔ جسم پر چھوٹی موٹی خراشیں تھیں لیکن یہ ایک دو دن میں خود ٹھیک ہو جاتیں۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے۔ اس دوران میں منیر چائے اور ری فریش منٹ کا سامان لے آیا تھا کیونکہ ابھی ساڑھے سات بجے تھے اور رات کے کھانے میں کچھ وقت تھا۔ مجھے زرین کا خیال تھا لیکن اس سے پہلے مجھے ایک ضروری کام کرنا تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔

''کوئی ایسی سم ہے جو تمہارے یا کسی جاننے والے کے نام پر نہ ہو؟''

''کئی ہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''ہمارے کام میں اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔''

عبداللہ نے مجھے ایک سم دی اور میں نے اسے اپنے موبائل میں لگایا۔ مجھے وہ نمبر یاد تھا جس سے مرشد نے مجھے قید میں فون کیا تھا اور میں نے نمبر ملایا تو چند لمحے بعد کسی دوسرے آدمی کی آواز سنائی دی۔ ''مجھے مرشد علی سے بات کرنی ہے۔''

''آپ کون بول رہے ہیں؟'' دوسری طرف سے محتاط انداز میں پوچھا گیا مجھے یہ وہی شائستہ آدمی لگا جس سے پہلے بھی ایک بار میری بات ہو چکی تھی۔

''شہباز ملک۔''

یہ سنتے ہی اس نے موبائل مرشد کو دے دیا تھا۔ میرا اندازہ درست تھا یہ نمبر مرشد کے پاس رہتا تھا۔ اس نے حیرت سے کہا۔ ''شہباز تمہیں یہ نمبر کہاں سے ملا؟''

''بس مل گیا۔ مرشد میں نے صرف ایک بات کہنے کے لیے کال کی ہے۔ اب میرے یا میرے لوگوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ تمہاری طرف سے کوئی شرارت نہیں ہونی چاہیے ورنہ میں فتح خان کو مار کر اس کی لاش تمہیں بھیج دوں گا۔ تم یہ بھی جانتے ہو شریف میرے پاس ہے اور اس نے کئی انکشافات کیے ہیں مجھے مجبور مت کرنا کہ میں ان انکشافات کو کسی ٹی وی چینل کو بھیج دوں۔''

''شہباز.....'' اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے کال کاٹ دی اور موبائل بند کر کے سم نکال لی تھی۔ میں نے احتیاطاً یہ سم اپنے پاس رکھ لی تھی۔ چائے اور ری فریش منٹ سے انصاف کرتے ہوئے میں نے عبداللہ سے زرین کے بارے میں پوچھا۔

''نرس اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔'' عبداللہ نے تجسس سے کہا۔ ''آپ نے اس کے بارے میں بتانے کا کہا تھا۔''

''ہاں یہ مرشد کی ایک قیدی تھی۔ اس نے اسے اپنی ایک پہاڑی کوٹھی میں رکھا ہوا تھا۔ پھر اس نے مجھے بھی وہیں بھیج دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے جہاں رکھا ہوا تھا وہ جگہ بہت بڑی جیل تھی۔''

عبداللہ مسکرایا۔ ''اسے ہم نے یہ کام کرنے پر مجبور کیا تھا۔''

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''تم نے؟''

''ہاں..... جب آپ غائب ہوئے اور مرشد نے راجا صاحب سے رابطہ کیا تو میں نے اپنے آدمیوں سمیت مرشد علی کے تمام ممکنہ ٹھکانوں کی نگرانی شروع کر دی۔ پھر میں نے اس کو دھمکانے کے لیے ان ٹھکانوں پر ہلکے پھلکے حملے کیے اور ان سے ڈر کر اس نے آپ کو وہاں سے منتقل کر دیا ہوگا۔''

''بالکل یہی بات ہوگی۔ جہاں میں قید تھا وہاں یہ لڑکی اور اس کا ایک کزن نگران تھے۔''

''لڑکی آپ کے ساتھ کیوں نکل آئی؟''

''پہلے تو میں نے اسے قیدی بنا لیا تھا لیکن جب اس نے مرشد کی قید سے رہائی چاہی تو میں مجبوراً اسے ساتھ لے آیا۔ میرے فرار کی سزا اسے ملتی اور میرے ضمیر نے یہ بات گوارا نہیں کی تھی۔''

عبداللہ ہنسا۔ ''آپ کو وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ اسے کیوں لائے ہیں۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔''

میرا پیٹ کسی حد تک بھر گیا تھا۔ صفائی ستھرائی اور خراب کپڑے بدلنے کے بعد میں خود کو پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔ میں اس کمرے کی طرف آیا جہاں زرین تھی۔ میں اندر آیا تو زرین کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ جب عبداللہ نے اسے گاڑی سے اتارا تھا تو وہ تباہ حال اور اجڑی ہوئی لگ رہی تھی۔ لباس تار تار تھا اور پورا بدن خراشوں اور زخموں سے بھرا ہوا لگ رہا تھا۔ چہرہ بھی کئی جگہ سے زخمی تھا لیکن اس وقت وہ صاف ستھرے لباس اور چہرے کے ساتھ بستر پر نیم دراز بالکل بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ نرس نے اس کے بال تک صاف کر کے ان کو سلیقے سے باندھ دیا تھا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا پاجامہ اور اسی رنگ کا آدھی آستین کا کرتا پہن رکھا تھا۔ اندر کا درجہ حرارت خوشگوار حد تک گرم تھا اس لیے اندر گرم کپڑوں کی ضرورت نہیں تھی۔ لباس کسی قدر ڈھیلا سا تھا لیکن وہ اس میں بھی اس کی جسمانی دل کشی نمایاں تھی۔ عملی طور پر وہ عورت تھی لیکن اس کی جسمانی ساخت لڑکیوں کی سی نازک اور ہلکی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ چونک کر اٹھ گئی۔ پھر اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ میں نے نرس کی طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سسٹر پلیز لیو روم۔''

نرس خاموشی سے باہر چلی گئی۔ نرس کے جاتے ہی زرین بستر سے اتر کر میرے گلے لگ گئی اور رونے لگی۔ میں ایک لمحے کو بوکھلا گیا۔ ''کیا ہوا؟''

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ ''تم نہیں جانتے کہ کیا ہوا ہے؟''

پھر میں نے اس کا شانہ تھپکا اور اسے بستر پر بٹھا دیا۔ ''میں جانتا ہوں اور مجھے ساری عمر اس بات کا افسوس رہے گا کہ میرے ہوتے ہوئے بھی تم کچھ درندوں کا نشانہ بنیں لیکن میں ان سے تمہارا بدلہ لے چکا ہوں۔''

''یہی بات مجھے سنبھالے ہوئے ہے ورنہ شاید میں مر جاتی۔'' اس نے آنسو صاف کیے۔ ''جب میں سڑک کی طرف آئی تو کوئی گاڑی نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے میں ایک طرف چلنے لگی۔ میں کچھ دور گئی ہوں گی کہ ان دونوں نے اچانک جھاڑیوں سے نکل کر مجھے پکڑ لیا۔ مجھے پستول استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ پھر وہ مجھے کھینچ کر جھاڑیوں میں لے گئے اور.....'' وہ چپ ہو کر ہونٹ کاٹنے لگی۔ آگے کہنے کی ضرورت نہیں تھی اس کی حالت میں دیکھ چکا تھا۔ پھر اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

''میں تم کو کہاں ملی؟''

''وہ تمہیں گاڑی میں ڈال کر لے جا رہے تھے اور اتفاق سے میں بھی پھندے سمیت کسی طرح سڑک تک پہنچ گیا۔'' میں نے کہا اور پھر اسے بقیہ رُوداد کسی قدر اختصار کے ساتھ سنائی لیکن وہ درمیان میں سوال کر کے خود تفصیل معلوم کرتی رہی۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں کہ میں نے کس طرح ان لوگوں پر قابو پایا تھا اور اس کے دونوں مجرموں کو جہنم رسید کیا تھا۔ جب میں چپ ہوا تو اس نے سرد آہ بھری۔

''کاش میں تم سے الگ نہ ہوتی تو مجھے یہ سب نہ دیکھنا پڑتا۔''

میں نے اسے تسلی دی۔ ''زرین تمہارا زخم بڑا ہے لیکن وقت کے ساتھ بھر جائے گا۔ اللہ نے چاہا تو اب تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور تم بالکل محفوظ رہو گی۔''

اس نے مجھے دیکھا۔ ''تمہارے ساتھ؟''

اس لمحے مجھے اس کی آنکھوں میں ایک سوال سا محسوس ہوا تھا۔ وہ میرے ساتھ خود کو محفوظ سمجھ رہی تھی۔ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا اس لیے میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''میرے پاس نہیں..... البتہ یہاں تم محفوظ ہو۔''

اس کی آنکھوں کا سوال بجھ گیا تھا۔ ''یہاں کا مجھے نہیں معلوم لیکن جب تم میرے پاس ہوتے ہو تو میں خود کو محفوظ سمجھتی ہوں۔ اب بھی میں کچھ دیر کے لیے تم سے دور ہوئی اور ان درندوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔''

''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''اس ڈاکٹر نے کچھ دوائیں دی ہیں ان کے بعد سے مجھے سکون محسوس ہو رہا ہے ورنہ میرا دل چاہ رہا تھا میں مر جاؤں۔''

''زرین میری ایک بات یاد رکھنا..... ظالم کی وجہ سے اپنی جان گنوانے والے دنیا کے بزدل ترین لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کچھ کرنا ہے تو ان ظالموں کا مقابلہ کرو اگر تم اپنا بدلہ نہ لے سکو تب بھی اتنا ہوگا کہ کچھ دوسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگ ظلم سے بچ جائیں گے۔ ورنہ تمہارے مرنے سے کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اپنی زندگی کو کارآمد بناؤ اسے بے کار میں ضائع کرنے کا مت سوچو۔''

اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ ''میں ان لوگوں کا کیا بگاڑ سکتی ہوں؟''

''یہ تو وقت بتائے گا۔ ابھی تم آرام کرو اور اپنے آنے والے وقت کے بارے میں سوچو۔''

اس نے مجھے دیکھا۔ ''مجھے اکیلا مت چھوڑو مجھے نیند نہیں آئے گی اور سوچیں مجھے پاگل کر دیں گی۔''

میں صرف اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ اپنے اندر سے کس ٹوٹ پھوٹ سے گزر رہی تھی۔ ''میں ڈاکٹر سے کہتا ہوں وہ تمہیں کوئی نیند کی دوا دے دے گا تمہارے لیے آرام کرنا بہت ضروری ہے۔''

زرین کا انداز اگرچہ فرار کے بعد سفر میں بھی خاصا بدل گیا تھا وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی اٹیچ ہو رہی تھی۔ عام طور سے کوئی عورت کسی اجنبی مرد سے اس طرح منسلک نہیں ہوتی ہے لیکن ابھی اس کا انداز بہت زیادہ بدل چکا تھا اور وہ واضح طور پر میرے ساتھ کی طلب گار لگ رہی تھی۔ جب کہ اس کی مدد کرتے وقت میں نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ میری مدد ایک حسین عورت کے لیے نہیں تھی بلکہ ایک مظلوم کے لیے تھی۔ اگر زرین کی جگہ کوئی مرد ہوتا اور وہ بھی اسی طرح میری مدد کا مستحق ہوتا تو میں کرتا۔ میں کھڑا ہوا تو اس نے مجھے دیکھا اور بستر پر دراز ہو گئی۔

میں باہر آیا اور نرس سے کہا۔ ''اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے اسے کوئی خواب آور دوا دے دو۔''

نرس نے سر ہلایا۔ ''میں ڈاکٹر سے پوچھتی ہوں۔''

''اسے کھانے کو کیا دیا ہے؟''

''فی الحال اسے صرف سوپ دیا ہے۔'' نرس نے بتایا۔ ''ڈاکٹر نے اسے ٹھوس غذا دینے سے منع کیا ہے۔''

''اس کا پورا خیال رکھنا۔'' میں یہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ چائے اور کھانے کی دوسری چیزیں لینے کے بعد مجھے بھوک نہیں تھی۔ اس لیے میں لیٹ گیا۔ مسلسل بھاگ دوڑ کی تھکن اب محسوس ہو رہی تھی اس لیے میں لیٹنے کے کچھ دیر بعد سو گیا۔ بعد میں منیر نے بتایا کہ وہ مجھے کھانے کے لیے بلانے آیا تھا لیکن مجھے بے خبر سوتا دیکھ کر واپس چلا گیا۔

میں صبح اٹھا اور ناشتے سے پہلے زرین کو دیکھا۔ وہ دوا کے زیر اثر ابھی تک سو رہی تھی۔ نرس ڈیوٹی آف کر کے جا چکی تھی۔ اسے مزید دیکھ بھال کی ضرورت نہیں تھی۔ عبداللہ کہیں گیا ہوا تھا اور ایاز اپنی چیتی جیپ کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ ناشتے کے بعد میں لان پر نکل آیا اور موبائل پر رفیق بھائی سے رابطہ کیا۔ ''شہباز تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟'' انہوں نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ ''اسپتال میں کیا ہوا تھا؟''

''رفیق بھائی مجھے دشمن اغوا کر کے لے گیا تھا جس نے عتیق کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔'' میں نے کہا اور ان کو مختصراً اپنے حالات سنائے اور پھر عتیق کے بارے میں پوچھا۔ ''اب اس کی طبیعت کیسی ہے؟''

''مقامی ڈاکٹر اس کے بارے میں مایوس ہیں۔ میں نے ایک ماہر باہر سے بلوایا ہے۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ ''وہ آج شام آ رہا ہے۔''

''میرے ساتھی بیتو کے علاوہ بھی کوئی گارڈ رکھا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں میں نے ایک مقامی ایجنسی سے تربیت یافتہ گارڈ منگوالیا ہے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا ہے لیکن مجھے بڑی حد تک یقین ہے اب میرے دشمن یہ حرکت دوبارہ نہیں کریں گے۔ ان کی کچھ دکھتی رگیں میرے قابو میں بھی آگئی ہیں۔''

''شریف کی بات کر رہے ہو؟''

''نہیں شریف سے بڑھ کر ایک بدذات ہے اور میرے دشمنوں کا اہم ترین مہرہ ہے۔'' میں نے کہا اس دوران میں میرا ذہن کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔ مجھے کوئی چیز اندر سے چبھ رہی تھی لیکن پوری طرح ذہن میں بھی نہیں آرہی تھی۔ پھر وہ چیز اچانک ہی ذہن میں آگئی میں نے رفیق بھائی سے کہا۔ ''اگر میں آپ سے کہوں کہ عتیق کو اسپتال سے یہاں ایک جگہ منتقل کر کے اس کا علاج کیا جائے تو آپ مان جائیں گے۔''

''میں سمجھا نہیں..... کیا کوئی اور اسپتال ہے؟'' انہوں نے کہا۔

''نہیں جہاں میں ہوں وہیں لا کر عتیق کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ میں جس کے گھر میں ہوں اس کا ایک ذاتی معالج ہے اور اس کے عجیب طریقہ علاج کا میں خود مشاہدہ کر چکا ہوں۔ ڈاکٹروں نے گینگرین کی وجہ سے میرے بائیں ہاتھ کو کلائی سے کاٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور مجھے آپریشن تھیٹر سے نکال کر لایا گیا تھا۔ اس شخص نے میرے بے جان ہو جانے والے ہاتھ کا علاج کیا اور اب میرا ہاتھ تقریباً ٹھیک ہے۔''

''یہ شخص کون ہے؟''

''اس کے بارے میں، میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا لیکن آپ اپنا ذہن بنالیں اور شام کو جو ماہر آرہا ہے اس کی رائے بھی لے لیں۔ یہ بتائیں کہ بیتو سے بات ہو سکتی ہے؟''

''نہیں ابھی میں اسپتال سے دور ہوں جا کر اس سے تمہاری بات کراتا ہوں۔ ماہر آجائے تو اس سے بات کر کے تم سے رابطہ کرتا ہوں۔'' رفیق بھائی بولے۔ ''تمہارا یہی نمبر ہے؟''

''نہیں لیکن ابھی یہ نمبر بھی میرے پاس ہے۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے اندر جا کر منیر سے عبداللہ کے بارے میں پوچھا۔

''وہ کہاں گیا ہے؟''

''مرنے والے گارڈ کی لاش اس کے گاؤں بھیجنے گئے ہیں۔'' منیر نے بتایا۔ وہ بھی غم زدہ تھا کیونکہ مرنے والا اس کا ساتھی بھی رہا تھا۔ میں اس گارڈ کو بھول گیا تھا جسے فاضلی نے مار دیا تھا۔ اگر وہ کل رات جھاڑیوں میں نہ بھاگ جاتا تو میں شاید اس کا حساب بھی برابر کر کے آتا۔ بہرحال ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ میں نے فتح خان کے بارے میں سوچا کہ اس سے ملاقات کر لی جائے۔ میں نے منیر سے کافی کا کہا اور کچن کے خفیہ دروازے سے گزر کر نیچے تہہ خانے میں آگیا۔ جہاں فتح خان اور شریف قید تھے۔ دونوں الگ الگ پنجروں میں تھے۔ شریف کسی جانور کی طرح ٹہل رہا تھا اور فتح خان کمبل میں لپٹا خراٹے لے رہا تھا۔ تہہ خانہ سینٹرلی ہیٹ نہیں تھا۔ اس لیے یہاں اوپر سے زیادہ سردی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے شریف کو نظر انداز کیا اور فتح خان کے پاس آیا۔

''فتح خان۔'' میں نے آواز دی تو اس کے خراٹے رک گئے تھے۔ پھر اس نے کمبل سے منہ نکالا اور مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

''شہباز خان۔''

''شہباز ملک۔'' میں نے اسے ٹوکا۔

''ایک ہی بات ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''اس بار ہم پھیر میں آ گیا۔''

''فتح خان اس بار تم برے پھیر میں آئے جن پر تمہارا تکیہ تھا اب وہی تمہارے دشمن بن گئے ہیں۔''

''کون لوگ؟'' اس نے انجان بن کر کہا۔ ''فتح خان کسی پر تکیہ نہیں کرتا ہے۔''

''وہ لوگ جن کی اب تک تم چاکری کرتے آئے ہو فتح خان اب وہ تمہیں پکڑنا چاہتے ہیں۔'' میں نے طنز کیا۔

''فتح خان کسی کی چاکری نہیں کرتا ہے بس اپنا مطلب نکالتا ہے۔''

''اس کا تمہیں جلد پتا چل جائے گا۔'' میں ایک کرسی کھینچ کر اس کے پنجرے کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ آٹھ بائی پانچ فٹ کا مضبوط فولاد سے بنا پنجرہ تھا جس میں ایک بستر، ایک کموڈ اور ایک چھوٹا سا واش بیسن بھی تھا۔ شریف بھی ایک ایسے ہی پنجرے میں تھا اور یہ پنجرے عبداللہ نے خاص طور سے اس تہہ خانے میں بنوائے تھے ایک تو ان سے قیدیوں پر ہر وقت نظر رکھی جا سکتی تھی دوسرے کسی بھی کام کے لیے ان کو پنجرے سے باہر نکالنا نہیں پڑتا تھا۔ فتح خان کمبل لپیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ ''مرشد علی سے تمہاری لڑائی کس بات پر ہوئی ہے؟''

''مرشد علی سے ہمارا کوئی لڑائی نہیں ہے۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔ میں مسکرایا۔

''یعنی اگر میں تمہیں مرشد کے حوالے کر دوں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

فتح خان ایک عیار آدمی تھا اس کے چہرے سے ذرا بھی فکر نہیں جھلک رہی تھی۔ ''بے شک کر دو۔''

''فتح خان یہ میرا معاملہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارا اور مرشد کا معاملہ ہے۔ اس لیے اسے چھوڑتے ہیں اور اب ذرا کام کی بات ہو جائے۔ یہ بتاؤ کہ تم شہلا رضوی کے گھر اور اس کے بیڈ روم میں کیا کر رہے تھے؟''

وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔ ''تم نے دیکھا تھا۔ میں تم کو بستر پر دیکھ کر حیران ہوا تھا۔''

''او کے یہ بیڈ روم والا معاملہ بھی چھوڑتے ہیں اب یہ بتاؤ کہ تم اس کے گھر میں کیا کر رہے تھے اور بیتو کو کیوں یرغمال بنایا ہوا تھا جب کہ مجھے تم مرشد کی ہدایت کے مطابق میری حویلی بھیج چکے تھے۔''

''یہ کام میں نے مرشد کے کہنے پر نہیں کیا تھا۔'' اس نے انکار کیا۔ ''وہ تو تمہیں مانگ رہا تھا۔''

''یہ سفید جھوٹ ہے۔ میں کسی صورت تمہاری بات پر اعتبار نہیں کر سکتا۔''

''مت کرو، جو حقیقت ہے وہ میں نے بتا دیا۔ مرشد نے تم کو مانگا پر میں نے نہیں دیا اور تم کو تمہاری حویلی بھیج دیا۔''

''شہلا رضوی سے تمہاری جان پہچان کہاں سے نکل آئی جو بڑھ کر بیڈ روم تک جا پہنچی؟''

''دونیا نے بتایا اور جب میں اس کے پاس پہنچا تو اسے خوب پایا۔ کتنے عرصے بعد ڈھنگ کا عورت ملا تھا وہ بھی تمہارے چکر میں ہاتھ سے نکل گیا۔'' اس نے افسوس سے کہا۔

''فتح خان مجھے بے وقوف مت بناؤ، تم شہلا کے گھر صرف اس لیے نہیں جا سکتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے طنزیہ انداز میں مجھے دیکھا۔ ''تو پھر تم بتا دو میں کیوں گیا تھا؟''

''تم اس لیے شہلا رضوی کے گھر پہنچے اور اس پر اور اس کے گھر پر قابض ہوئے کہ تمہیں پروفیسر کے بینک لاکر میں محفوظ بلیک میلنگ اسٹف چاہیے۔''

''چلو اگر ایسا ہے تو تم کو کیا؟''

''مجھ کو یہ کہ تم نے بیتو کو کیوں پکڑ رکھا تھا اور دوسرے مجھے بھی اس اسٹف سے دلچسپی ہوگئی ہے۔''

''بیتو تم کو مل گیا ہے اور اگر تم کوشش کرے تو بینک لاکر سے یہ چیز بھی لے سکتا ہے اب میرا درمیان میں کوئی تعلق نہیں بنتا ہے۔''

''معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے فتح خان جتنا تم بنا کر پیش کر رہے ہو۔ دونیا کہاں ہے؟''

''مر گیا۔'' فتح خان کا لہجہ سپاٹ ہوگیا۔ ''اس نے فرار کا کوشش کیا تھا چھت سے گر کر اس کا گردن ٹوٹ گیا۔''

مجھے بھی دونیا سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے دلچسپی اس بات سے تھی کہ فتح خان شہلا رضوی کے گھر میں کیا کر رہا تھا اور اس نے شہلا رضوی کو کس طرح قابو کیا؟ جب کہ وہ ایک اعلیٰ بیوروکریٹ کی رہائش گاہ تھی فتح خان نہ صرف اس کے بیڈ روم میں دندنا رہا تھا بلکہ اس نے بیتو کو بھی وہیں قیدی بنا کر رکھا تھا۔ اسے اور شہلا رضوی کو کوئی خوف نہیں تھا۔ فتح خان مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''کیا بات ہے تم کو میرا بات کا یقین نہیں آیا؟''

میں ہنسا۔ ''پوچھنا اس دن جب مجھے تمہاری کسی بات کا یقین آ جائے۔ ابھی تو میں کسی بات پر یقین نہیں کروں گا۔ جب تک میں اپنے طور پر تصدیق نہ کر لوں۔''

''تم کیسے تصدیق کرے گا؟''

''فتح خان کیا تم نہیں جانتے کہ کسی قیدی کے الفاظ کی تصدیق کس طرح کی جاتی ہے۔''

اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آ گئی۔ ''اگر تم کو یہ شوق ہو رہا ہے تو یہ بھی پورا کر لو۔ تم کو پتا چل جائے گا فتح خان مارتا ہے تو مار کھانا بھی جانتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں فتح خان۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اگرچہ تم میرے دشمن ہو لیکن اعتراف ہے کہ تم حوصلہ مند آدمی ہو۔ شاید جسمانی تشدد بھی تم کو سچ بولنے پر مجبور نہ کر سکے لیکن اگر میں کچھ اور کروں تب تم کیا کرو گے۔''

''تم کیا کرے گا؟''

''مثلاً میں برٹ شا کو اس قید خانے سے نکال لاؤں جہاں تم نے اسے قید کر رکھا ہے۔''

پہلی بار اس کے چہرے پر تشریش کے آثار نظر آئے۔ ''تم کو کیا پتا وہ کہاں ہے؟''

''یہ مت پوچھو..... فتح خان میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ تم برٹ شا کو مارو گولی مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن مجھے یہ تو معلوم ہے کہ اس نے ہیرے کس علاقے میں چھپائے ہیں اگر میں چاہوں تو وہ ہیرے خود بھی تلاش کر سکتا ہوں۔ اگر کرنا چاہتا تو اب تک کر چکا ہوتا۔''

''تب تم نے کیا کیوں نہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیونکہ مجھے یہ ہیرے نہیں چاہئیں۔تم ان کے لیے اتنے سالوں سے ہلکان ہو رہے ہو لیکن تمہیں بھی نہیں ملے ہیں۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے تمہارے مفادات سے کوئی غرض نہیں ہے۔ پر تم مجھے کہیں چوٹ کرنا چاہو تو میں برداشت نہیں کروں گا اور پھر تمہیں نقصان ہوگا۔دشمنی میں آدمی ہر حربہ استعمال کرتا ہے۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی وہ میری ہر بات سمجھ رہا تھا۔اس دوران میں منیر اوپر سے کافی لے آیا اور میں کافی پیتے ہوئے فتح خان کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔''تم نہیں جانتا میں نے برٹ شا کو کہاں رکھا ہے؟''

''یہ بات تم اس وقت کہتے اچھے لگو گے جب میں برٹ شا کو لانے میں ناکام رہوں۔ اگر تم کہو تو میں اسے زیادہ سے زیادہ تین دن میں لے آؤں گا اتنا وقت بھی خراب راستوں کی وجہ سے لگے گا۔''

فتح خان پھر سوچ میں پڑ گیا لیکن وہ شاطر آدمی تھا سمجھ گیا کہ میں بلاوجہ چیلنج کرنے والا آدمی نہیں ہوں اس لیے اس بار اس نے جلدی جواب دیا۔''ٹھیک ہے شہباز خانا..... پوچھو تم کیا پوچھنا چاہتا ہے؟''

''تم شہلا رضوی کے گھر کس طرح پہنچ گئے؟''

''بہت آسانی سے دونیا کے پاس وہ تصویر ہے جس سے پروفیسر شہلا کو بلیک میل کر رہا تھا وہ میں نے لے لیا اور شہلا میرا بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔''

''لیکن اس نے تمہیں کوٹھی میں کیسے جگہ دے دی۔ اسے اپنے شوہر کا خوف نہیں رہا؟''

''اس کا اپنے شوہر سے علیحدگی ہو گیا ہے۔'' فتح خان نے انکشاف کیا۔''اب وہ اس کوٹھی میں اکیلا رہتا ہے۔''

میں چونکا۔''کوٹھی اس کے شوہر کی نہیں ہے؟''

''نہیں شہلا کا ہے وہ خود بھی بہت دولت مند ہے۔خوب صورت بھی ہے تم نے دیکھا تو ہوگا۔'' فتح خان کے لہجے میں خباثت آ گئی۔''اگر میرے پاس اس کا تصویر نہ ہوتا تو وہ میرے کو منہ لگاتا؟''

''یہی تو میں حیران تھا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔''لیکن فتح خان میں یہ نہیں مان سکتا کہ تم صرف بلیک میلنگ اسٹف کے چکر میں ہو۔''

''تب تم بتاؤ کہ اور کیا چکر ہو سکتا ہے؟''

مجھے شبہ تھا کہ دونیا نے فتح خان کو اس بریف کیس کے بارے میں بتایا تھا جو چینی حکومت کی امانت تھا۔ وہ بریف کیس پروفیسر نے مجھ سے ہتھیا لیا تھا اور اب وہ اس کے لاکر میں محفوظ تھا۔ فتح خان کو اس کی بھنک پڑ گئی تھی۔ اور وہ اس کے چکر میں تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''پروفیسر کا لاکر کس بینک میں ہے؟''

فتح خان نے خلاف توقع مجھے شرافت سے بینک کا نام اور برانچ کا پتا بتا دیا۔ میں نے دوسرا سوال کیا۔''تم لوگوں نے لاکر سے چیزیں نکالنے کا کوئی نہ کوئی پروگرام تو بنایا ہوگا؟''

اس بار وہ چالاکی سے بولا۔''موقع ہی نہیں ملا..... شہلا کو دیکھ کر میں سب بھول گیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان عورت کا شوقین تھا لیکن میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ اس میں کھو کر اپنا مقصد بھول جائے۔ چاہے وہ شہلا جیسی حسین عورت ہی کیوں نہ ہو۔ فتح خان نے یقیناً کچھ نہ کچھ سوچا ہوگا۔ بہرحال میں نے اس سے بحث نہیں کی۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''اب تم آرام کرو۔ اگرچہ تم نے جیتو کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی تمہیں یہاں کوئی اضافی تکلیف نہیں دی جائے گی۔''

''اس نے مجبور کیا تھا اس میں بہت انرجی ہے اس لیے وہ فساد کرتا رہتا تھا۔'' فتح خان نے وضاحت کی۔ ''ورنہ میرے کو اچھا نہیں لگتا کہ قید میں آدمی سے برا سلوک کرے۔''

میں اوپر آیا تو عبداللہ آ گیا تھا۔ ''میں نے شیر خان کی لاش اس کے گاؤں بھجوا دی ہے۔''

''اس کے قاتل کی قسمت اچھی تھی وہ بال بال بچ گیا ورنہ میں اس کی لاش بھی وہیں چھوڑ کر آتا۔''

''کوئی بات نہیں جناب..... یار زندہ صحبت باقی۔ اسے بھی دیکھ لیں گے میری خواہش ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے جہنم رسید کروں۔''

''دبئی والوں کے بارے میں کچھ پتا چلا؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔ عبداللہ چونکا۔

''ہاں یاد آیا، کل رات دبئی سے کال آئی تھی۔ پتا چلا ہے کہ ہاربر سے ایک لانچ ہائر کرائی گئی تھی جس میں دو مرد اور دو خواتین سمندر میں گئے تھے لیکن لانچ واپس نہیں آئی۔ دبئی پولیس کے پاس ان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کی جا چکی ہے۔''

میرا دل دھڑکا تھا۔ ''کیا لانچ کے ساتھ کوئی ڈرائیور بھی تھا؟''

''نہیں لانچ خالی لی گئی تھی اور اس کا دو دن کا پیشگی کرایہ بھی دیا جا چکا تھا۔''

''کیا ان کے نام معلوم ہوئے ہیں؟''

''ہاں جس نے لانچ ہائر کی ہے اس کا نام سفیر شایان ہے۔''

اس بار میرا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔ بالآخر میرے پیاروں کا کچھ سراغ لگا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بری خبر تھی کہ لانچ غائب تھی اور ان لوگوں کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ آخر وہ کہاں گئے تھے؟ ''لانچ کتنے دن پہلے ہائر کی گئی تھی؟''

''دو ہفتے ہو گئے ہیں۔'' عبداللہ نے بتایا۔

دو ہفتے پہلے وہ کہاں جانے کے لیے نکلے تھے۔ اگر ان کا مقصد سمندر کی سیر تھی تو ان کا کچھ نہ کچھ سراغ تو ملتا۔ دبئی کے آگے خلیج کا سمندر اتنا بڑا نہیں ہے کہ وہاں جا کر کوئی بالکل ہی غائب جائے۔ لانچ اگر ڈوب بھی گئی ہو تو اس کا کچھ نہ کچھ سراغ تو ملتا۔ سمندر میں لاشیں غائب نہیں ہوتی ہیں۔ میرا دل ماننے کو تیار نہیں تھا کہ میرے ساتھی یوں دنیا سے جا سکتے ہیں۔ وسیم اور سفیر دونوں آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھے۔ مونا اور سادھنا بھی مشکل حالات میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ ایسے لوگ حادثوں کا شکار نہیں ہوتے ہیں۔ یہ حادثوں سے بچ نکلتے ہیں۔ عبداللہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

''اللہ سے اچھی امید رکھیں شہباز صاحب۔''

''اس سے اچھی امید ہی ہے اور میرے ساتھی بھی باحوصلہ ہیں۔ وہ موت سے اتنی آسانی سے ہار ماننے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے نہیں ہیں۔''

''میرا خیال ہے وہ کسی وجہ سے اس طرح دبئی سے نکلنے پر مجبور ہوئے ہیں۔'' عبداللہ نے سوچتے ہوئے کہا تو میں چونک گیا۔

''ہاں وجہ تو ہے، سادھنا کے پاس پاکستانی پاسپورٹ نہیں ہے اور وہ سیدھے راستے سے یہاں نہیں آ سکتی ہے۔''

''تب وہ کسی غیر قانونی طریقے سے یہاں آنے کے لیے روانہ ہوئے ہوں گے۔''

''لیکن ان کو اس طرح آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' مجھے غصہ آنے لگا۔ ''جب میں نے ان کو آنے سے منع کیا تھا۔''

عبداللہ خاموش رہا پھر مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا ابھی کچھ معلوم نہیں تھا اور میں نے فیصلہ بھی کر دیا کہ وہ کسی غیر قانونی راستے سے پاکستانی آنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اگر وہ اس طریقے سے روانہ ہوئے تھے تب بھی ان کو اب تک یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور عبداللہ سے بیتو کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کب تک اسپتال میں رہے گا۔''

''کچھ دیر میں میرا ایک آدمی وہاں پہنچ جائے گا اور بیتو آ جائے گا۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔

''کس کے ساتھ؟''

''ایاز کے ساتھ، اس کے آنے سے یہ بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے ورنہ جتنے لوگ ہیں اتنی گاڑیاں استعمال کرنا پڑتی ہیں آنے جانے کے لیے۔'' عبداللہ نے بتایا۔ ''بیتو کچھ دیر میں آ جائے گا۔''

''مجھے ایک اہم معاملے میں راجا صاحب سے بات کرنی ہے۔''

عبداللہ نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''تو آپ کو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''پوچھ نہیں رہا ہوں، مجھے نمبر چاہیے۔''

''اوہ میں بھول گیا تھا آپ کا موبائل مس ہو گیا ہے۔'' اس نے ندامت سے کہا۔ پھر اس نے اپنی جیب سے ایک موبائل فون برآمد کیا۔ ''یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔ آپ کا پرانا نمبر بھی نکلوا دیا ہے۔''

''یہ تم نے اچھا کیا۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''کتنے کا لیا ہے؟''

''شرمندہ مت کریں شہباز صاحب، یہ آپ کے دوست کی طرف سے تحفہ ہے۔''

''شکریہ دوست لیکن اس قسم کے تکلف مت کیا کرو۔''

یہ اس وقت کا جدید ترین کلر اسکرین موبائل تھا جس میں کیمرے کے علاوہ بھی کئی خصوصیات تھیں۔ میرے نمبر کی سم واپس مل گئی تھی لیکن میرے بہت سارے اہم نمبر غائب تھے۔ اب مجھے وہ پھر سے جمع کرنا تھے۔ میں نے راجا صاحب کے محل کا نمبر ملایا۔ نمبر مجھے عبداللہ نے بتایا تھا لیکن بیل جا رہی تھی اور کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ عبداللہ بولا۔ ''میرا خیال ہے موسم کی خرابی سے محل کی فون لائن خراب ہو گئی ہے۔''

''پھر رابطے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے۔''

''میرے ساتھ آیئے۔'' اس نے کہا اور مجھے کوٹھی کے ایک کمرے میں لایا۔ اس میں دو عدد کمپیوٹر لگے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس کے متعلق کئی آلات تھے۔ ان میں ایک ٹیلی فون نما آلہ بھی تھا۔ عبداللہ نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سیٹلائیٹ انٹرنیٹ کے ذریعے استعمال ہونے والا فون ہے۔ ایسا ہی ایک فون راجا صاحب کے محل میں ہے اگر رابطے کے دوسرے ذرائع ناکام ہو جائیں تب بھی یہ کام کرتا رہتا ہے۔''

''اسے صرف مخصوص حالات میں استعمال کیا جاتا ہوگا؟''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''جی..... کیونکہ اس سے کی جانی والی کال نہایت مہنگی پڑتی ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ صرف رابطے کی خاطر ایک کمرشل سیٹلائیٹ کا ایک دو طرفہ چینل کرائے پر حاصل کیا ہوا ہے۔''

عبداللہ نے کام ملائی اور حسبِ معمول پہلے بیگ سے رابطہ ہوا۔ ''میں عبداللہ بات کر رہا ہوں جناب..... شہباز صاحب راجا صاحب سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔''

دوسری طرف سے سن کر عبداللہ نے فون میری طرف بڑھا دیا۔ ''کیا حال ہیں شہباز صاحب؟''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''راج صاحب سے کس سلسلے میں بات کرنی ہے؟''

میں نے سوچا اور اسے بتا دیا۔ ''مجھے اپنے ایک بہت قریبی عزیز کے لیے حکیم قادس کی خدمات چاہئیں۔''

بیگ نے کچھ دیر توقف کیا۔ ''آپ دس منٹ رکیں میں راجا صاحب سے رابطہ کراتا ہوں۔'' اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ میں نے بھی فون رکھ دیا۔ وہاں انٹرنیٹ دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ میں نے ایک کمپیوٹر کے سامنے کرسی سنبھال لی اور اپنا ای میل اکاؤنٹ چیک کیا۔ اس میں ڈھیر ساری میلز جمع ہو گئی تھیں اور ان میں سب سے زیادہ ایمن کی تھیں۔ میں نے اس کی تین دن پہلے بھی آنے والی میل چیک کی۔ اس نے لکھا تھا۔

''شہباز تم کہاں ہو، تم مجھے بہت یاد آتے ہو۔ کیا تم مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔ میرے پاس ڈیوڈ شا سے متعلق کچھ معلومات ہیں۔''

نیچے اس نے اپنا نمبر دیا ہوا تھا۔ میں نے وہ نمبر اپنے موبائل میں نوٹ کر لیا۔ اس کے چند سابقہ میلز اسی طرح کی تھیں۔ اس دوران میں فون کی بیل بجی اور عبداللہ نے کال ریسیو کی اور فون میری طرف بڑھا دیا۔ دوسری طرف راجا تھا۔ سلام دعا کے بعد اس نے کام کی بات کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔ ''حکیم قادس کی مدد تمہیں کس سلسلے میں درکار ہے؟''

میں نے اسے عتیق کے بارے میں بتایا۔ ''وہ میرا عزیز بھی ہے اور میری بھانجی کا ہونے والا شوہر بھی ہے۔ ڈاکٹروں نے اسے جواب دے دیا۔''

''اگرچہ میں نے حکیم کو اب محل سے نہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن معاملہ تمہارا ہے اس لیے میں اسے بھیج دیتا ہوں۔ البتہ اسے آنے میں وقت لگے گا۔ راستے بہت خراب ہیں۔''

''ہیلی کاپٹر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا کیونکہ مجھے امید نہیں تھی کہ راجا عمر دراز اتنی آسانی سے مان جائے گا۔ وہ حکیم قادس کو قیمتی متاعِ حیات کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ ایک بار پہلے بھی جب حکیم میرے علاج کی خاطر اسلام آباد آیا تھا تو ڈیوڈ شا اسے اغوا کر کے لے گیا تھا اور وہ خاصے عرصے غائب رہا تھا مجھے نہیں معلوم کہ راجا عمر دراز نے اسے دوبارہ کیسے حاصل کیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہیلی کاپٹر سے بہت آسانی ہو جائے گی بشرطیکہ موسم صاف ہو۔ میرے محل میں ہیلی کاپٹر اترنے کی جگہ ہے۔''

''ٹھیک ہے میں پروگرام طے کر کے آپ کو بتاتا ہوں۔''

''خیال رکھنا جس کا علاج کرانا ہو اسے اسپتال سے دور رکھنا۔ حکیم دنیا میں سب سے زیادہ اسپتال اور ڈاکٹروں سے چڑتا ہے۔''

''یہ تو ہمارے اطبا کی خاص بات ہے۔'' میں ہنسا۔ ''اچھا ایک سوال کر سکتا ہوں۔''

''پوچھو برخوردار تمہیں کسی بھی معاملے میں مجھ سے کچھ بھی پوچھنے کی اجازت ہے؟'' اس نے فراخدلی سے کہا۔

''ڈیوڈ شا کے بارے میں آپ کی تازہ ترین معلومات کیا ہیں؟''

''دو ہفتے پہلے وہ انڈیا سے واپس چلا گیا۔ اس کے بعد وہ کہاں ہے مجھے علم نہیں ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''بس ایسے ہی خیال آ گیا تھا۔ وہ پاکستان میں نہیں ہے لیکن اس کے چیلے سرگرم عمل ہیں۔''

''وہ اس کے چیلے نہیں ہیں۔ جب اس کا کام نکل جاتا ہے تو وہ پلٹ کر بھی انہیں نہیں پوچھے گا۔''

''مجھے حیرت ہے مرشد جیسا طاقتور اور بارسوخ شخص اس کے آگے پیچھے دم ہلاتا پھرتا تھا۔''

''ہم اب بھی گوروں سے مرعوب ہیں۔'' راجا عمر دراز کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ ''یہی وجہ ہے مرشد اس کے سامنے دست بستہ رہتا تھا۔''

راجا عمر دراز نے درست کہا تھا۔ ہمارا حکمران طبقہ آج بھی ذہنی طور پر انگریزوں کا غلام ہے۔ اس کا مظاہرہ کچھ عرصے پہلے ملکہ برطانیہ کے دورہ پاکستان کے موقع پر کیا گیا تھا جب ہمارے حکمران بڑھ چڑھ کر ملکہ کے حضور عقیدت کا اظہار کر رہے تھے اور اسے آج بھی اپنا حکمران قرار دے رہے تھے۔ کچھ رسمی باتوں کے بعد میں نے فون رکھ دیا اور عبداللہ سے کہا۔

''اس کوٹھی میں ایک جگہ مخصوص کر دو۔ عتیق یہیں آئے گا اور اس کا علاج ہو گا۔'' ابھی میری بات ختم ہوئی تھی اور عبداللہ کچھ کہنے جا رہا تھا کہ بیتو اندر آیا اور مجھ سے چمٹ گیا۔

''یہ کیا شوبی بھائی..... ہم آیا تو آپ غائب ہو گیا۔''

''بس اب تم مت غائب ہو جانا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ دو دن میں اس کی صحت خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ آرام اور خوراک نے اس پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ اس نے شکوہ کیا۔

''ہم آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا پر عبداللہ بھائی نے کچھ کرنے ہی نہیں دیا۔''

''مثلاً کیا کرنا چاہتے تھے؟''

''ہم اس حرامی کے گھر میں گھس کر اسے گولی مار دینا چاہتا تھا۔'' اس کا اشارہ یقیناً مرشد کی طرف تھا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے وہ بزدل سات پردوں میں بیٹھتا ہے۔''

''پردوں میں۔'' بیتو نے تعجب سے کہا۔ ''وہ تو یہاں کا عورت کرتا ہے بلکہ ہم نے دیکھا عورت بھی کم کرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"مطلب یہ کہ محافظوں کے حصار میں ہوتا ہے۔" میں نے وضاحت کی۔ "عبداللہ نے تمہیں ٹھیک روکا اور آئندہ بھی ایسی کوئی صورت حال پیش آئے تو تم وہی کرنا جو عبداللہ کہے۔"

"جیسا آپ کہو۔" اس نے سعادت مندی سے جواب دیا۔ پھر بولا۔ "وسیم بھائی اور سادھنا دیدی کا کچھ پتا چلا؟"

"ہاں بس اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ دبئی سے کشتی لے کر سمندر میں گئے تھے اور پھر کشتی واپس نہیں آئی۔ یہ دو ہفتے پہلے کی بات ہے۔"

"شاید وہ پاکستان آنے کے لیے نکلا ہو۔" بیتو نے امید سے کہا۔

"لیکن بہت دیر نہیں ہوگئی۔"

"ہم کو بھی تو انڈیا سے اِدھر آنے میں کتنا دیر لگا۔ اُدھر تو درمیان میں سمندر بھی ہے۔"

"انڈیا میں ہماری جان کو خطرہ تھا اور وہ دبئی میں سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔"

"پھر بھی وہ آجائے تو اچھا ہے ہم کو بہت یاد آتا ہے۔" بیتو بولا۔ پھر اسے خیال آیا۔ "آپ کیسے نکلا اس کے پاس سے؟"

عبداللہ کھڑا ہوگیا۔ "آپ لوگ گپ شپ کریں اور مجھے اجازت دیں کچھ کام نمٹالوں۔"

"ضرور۔" میں نے کہا اور بیتو کو لے کر اپنے کمرے میں آگیا۔ دوپہر کے کھانے میں کچھ وقت تھا۔ میں نے اسے اپنی روئیداد سنائی وہ زرین کے بارے میں سن کر چونکا اور پھر بولا۔

"شوبی بھائی کیا بات ہے آپ جہاں جاتا ہے کوئی نہ کوئی مظلوم لڑکی مل جاتا ہے۔" پھر اس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔ "دیدی، کامی اور اب یہ زرین بی بی۔"

اصل تعداد اس سے زیادہ ہی تھی لیکن میں نے بیتو کو ٹوکا نہیں۔ "کیا کروں یار خود مل جاتی ہیں۔ اور مظلوم مردوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ اصل میں، مَیں خود مظلوم ہوں اس لیے مجھے ملتے بھی مظلوم ہیں اب اس میں مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی ہوتی ہیں۔"

"ہم جانتا ہے..... آپ اپنا گھر گیا تھا گھر والا کیسا ہے؟"

میں نے اسے گھر والوں کے بارے میں بتایا تو وہ پُرجوش ہوگیا۔ "شوبی بھائی ہم بھی ملے گا اُن سے۔"

"بس یار کچھ سکون مل جائے تو تمہیں لے کر چلتا ہوں یہاں تو میری جان کے دشمن آتے ہی میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"آپ فکر مت کریں ان سب کا ایسی کم تیسی ہوگا۔" بیتو نے یقین سے کہا۔ "آپ کا دشمن کو ہمیشہ کتے کی موت مرتے دیکھا ہے۔"

"ہاں لیکن مرنے سے پہلے وہ مجھے نقصان تو کر جاتا ہے۔" میں نے گہری سانس لی۔ مجھے شاہد بھائی کی یاد آگئی۔ بیتو میرے چہرے سے سمجھ گیا تھا۔

"ہم کو آپ کے بھائی کا سن کر افسوس ہوا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''فتح خان نے.....اس نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کو آپ کے گھر بھیج دیا ہے پر ہم کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ ہم نے بہت ہنگامہ کیا اس پر وہ حرامی ہم کو بہت پٹوایا۔ دو بار ہم نے بھاگنے کا کوشش کیا پر پکڑا گیا۔''

''تمہارا بھاگنا ہی تو کام آیا۔'' میں نے کہا۔ ''جب تم گیلری سے کودنے کی کوشش کر رہے تھے تو عبداللہ کے آدمی نے تمہاری تصویریں لے لی تھیں اور ان سے مجھے معلوم ہوا کہ تم شہلا کی کوٹھی میں ہو ورنہ میں تو دوسرے چکر میں اس جگہ کی نگرانی کروا رہا تھا۔''

''جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے کیا کیا؟''

''میں نے اندر گھسنے کا فیصلہ کیا اور خدا کی مہربانی سے کامیاب بھی رہا لیکن فتح خان کی اندر موجودگی نے مجھے حیران کر دیا تھا۔''

بیتو بولتے ہوئے جھجکا۔ ''وہ شہلا کے ساتھ ہی سوتا تھا۔''

''میں نے اسے وہیں سے پکڑا ہے۔''

بیتو نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''ہم کو معلوم نہیں تھا وہ کردار کا اتنا برا عورت نکلے گا۔''

''وہ مجبور تھی فتح خان کے ہاتھ وہ تصویریں آ گئی ہیں جو پروفیسر کے پاس تھیں ان کی وجہ سے شہلا اس کی ہر بات ماننے پر مجبور تھی۔ وہ فتح خان کے سامنے بھی مجبور ہو گئی۔''

''پر اس کا ایسا تصویر تھا تب ہی تو وہ مجبور ہوا نا؟'' بیتو نے دبے انداز میں کہا۔

''ہاں یار انسان خطا کا پتلا ہے اس سے بھی غلطی ہوئی ہو گی۔'' میں نے موضوع بدل دیا۔ ''اسے چھوڑ دو یہ بتاؤ کہ تمہاری صحت اب کیسی ہے؟''

اس نے ہاتھ پھیلائے۔ ''آپ دیکھ رہا ہے بالکل ٹھیک ہے۔''

''ممکن ہے عتیق کو اسپتال سے یہاں منتقل کرنا پڑے اور اس دوران میں دشمنوں کی طرف سے مداخلت ہو سکتی ہے۔''

''ہم سب اس کی حفاظت کرے گا۔''

''دوسرے دشمنوں کو اس جگہ کا علم نہیں ہونا چاہیے۔''

''آپ ہم سے جو کہے گا ہم وہ کرے گا۔''

دروازے پر دستک ہوئی ایاز کھانا لگنے کی اطلاع دینے آیا تھا۔ صبح کا ناشتہ ہضم ہو چکا تھا اس لیے ہم کھانے والے کمرے میں آ گئے۔ کھانے کے بعد بیتو سونے چلا گیا کیونکہ وہ رات سے جاگ رہا تھا۔ میں کمرے میں آ گیا میرا ارادہ اب ایمن کو کال کرنے کا تھا۔ مجھے تجسس تھا کہ اس کے پاس ڈیوڈ شا کے بارے میں کون سی اہم معلومات ہیں۔ کمرے میں ایک فون ایکسٹینشن تھا میں نے اس سے ہی کال کی۔ دوسری بیل پر ایمن نے فون اٹھا لیا اور وہ بولی تو اس کی آواز پُرجوش ہو رہی تھی۔ شاید اس نے پاکستان کا کوڈ دیکھ لیا تھا اور اسے امید تھی کہ یہ میری کال ہو گی۔

''ہیلو کون بول رہا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز بات کر رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ظالم آدمی..... تمہیں میرا ذرا بھی خیال نہیں آتا۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''نہیں آتا تو ہے۔'' میں نے ندامت سے کہا کیونکہ یہ سچ نہیں تھا۔

''جھوٹ مت بولو..... جب تمہیں مجھ سے کوئی خاص بات کرنی ہوتب ہی تم رابطہ کرتے ہو۔''

''ایسا نہیں ہے کیونکہ مجھے سکون کا سانس بہت کم ملتا ہے۔ پچھلے کچھ عرصے سے گھر کے حالات بھی ٹھیک نہیں ہیں۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

اگرچہ میرا ارادہ تو نہیں تھا لیکن جب میں نے بتانا شروع کیا تو اس نے سوال کر کے خود داستان طویل کر لی تھی۔ شاہد بھائی کا سن کر اسے بھی افسوس ہوا تھا اور جب میں نے سویرا کا ذکر کیا تو اسے ذرا چپ لگی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ جب میں نے سویرا سے اس کا ذکر کیا تھا تو اسے بھی کچھ دیر کے لیے ایسی ہی چپ لگ گئی تھی۔ عورتوں کے اندر ایسی حس ہوتی ہے جو ان کو بتا دیتی ہے کہ جسے وہ چاہتی ہیں اسے کوئی دوسری عورت بھی چاہتی ہے۔ سویرا اور میری بات الگ تھی۔ یہ وہ محبت تھی جسے ہم نے روز اول سے خالص محبت سمجھا تھا لیکن برسوں پہلے جب ایمن نے مجھ میں دلچسپی ظاہر کی تھی تو میں اسے اس کے معاشرے کی مخصوص ذہنیت سمجھا تھا جس میں جنس کی آزادی ہے۔ دوسرے میں نے کئی بار اس کی جان اور عزت دونوں کو بچایا تھا تو میں اس کے رویے کو شکر گزاری بھی سمجھ رہا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب اس کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس کے جذبے کو پہلے سے کہیں بڑھ کر پایا تھا۔ رفتہ رفتہ میں جان گیا تھا کہ وہ مخصوص مغربی محبت نہیں تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ایمن اور سویرا دونوں ایک دوسرے سے کھنچتی تھیں۔

''وہ کیسی ہے۔'' ایمن نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ٹھیک ہے ان دنوں عدت گزار رہی ہے۔''

''عدت کیا ہوتی ہے؟''

میں نے اسے بتایا کہ عدت کیا ہوتی ہے۔ ''اس کے بعد عورت دوسری شادی کرنے کے لیے آزاد ہوتی ہے۔''

اس کے لیے شاید اب سویرا کا ذکر ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا اس لیے اس نے موضوع بدل دیا۔ ''میں نے میل میں ڈیوڈ کا ذکر کیا تھا؟''

''ہاں تم اس کے بارے میں کیا بتانا چاہ رہی تھیں؟''

''نہیں پہلے تم بتاؤ کہ اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''دو ہفتے پہلے تک وہ انڈیا میں تھا اور اب شاید انگلینڈ میں ہے۔''

''درست ہے اور ان دنوں ہمارے خاندانی پیلس میں ہے۔ وہ پیلس جو اصل میں میرے باپ کا ہے۔''

''چیز کسی کی نہیں ہوتی ہے۔'' میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''آدمی صرف سمجھتا ہے کہ یہ چیز اس کی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ بھی یہی سمجھتا ہے۔'' ایمن کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''اس کے ساتھ عجیب واقعہ ہوا ہے شاید قدرت نے اسے سزا دی ہے۔''

''کیا ہوا ہے اس کے ساتھ؟''

''اس کا بایاں ہاتھ کلائی سے کہنی تک آبلوں سے بھر گیا ہے اور سنا ہے کوئی علاج اس پر کارگر نہیں ہو رہا ہے۔''

''کوئی بیماری ہے؟''

''شاید..... یا پھر اسے قدرت کی طرف سے سزا ملی ہے۔''

''حیرت ہے کیا تم لوگ ان چیزوں کو مانتے ہو؟''

''کیوں نہیں..... مزے کی بات بتاؤں میں نے مشرق اور افریقہ کا بڑا حصہ دیکھا ہوا ہے لیکن جتنی توہم پرستی مغرب میں اتنی شاید ہی ان پسماندہ سمجھے جانے والے علاقوں میں ہو۔''

''تمہیں کیسے علم ہوا؟''

''خاندان کی ایک تقریب میں ڈیوڈ شا بھی شریک تھا اور وہاں اس نے ایک لارڈ کو یہ بات بتائی تھی اتفاق سے میں ان دونوں کے پاس تھی اس لیے میں نے سن لیا۔ ڈیوڈ نے ہاتھ پر سفید کپڑا لپیٹ رکھا تھا اس لیے آبلے نظر نہیں آ رہے تھے اور نہ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ تکلیف میں ہے۔''

''ایمن وہ بہت عجیب اور پُراسرار سا شخص ہے۔ میرا خیال ہے اس نے اپنی تکلیف چھپائی ہے ورنہ ایک آبلہ کم تکلیف نہیں دیتا ہے اور اس کا ہاتھ آبلوں سے بھرا ہوا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' وہ بولی۔ ''پھر میں نے اس معاملے کی باقاعدہ کھوج کی تھی۔ یہ بیماری یا تکلیف وہ انڈیا سے لایا تھا لیکن انڈیا میں اسے یہ بیماری کس طرح لگی یہ میں نہیں جان سکی۔''

''شاید میں جان سکتا ہوں۔'' میں نے سوچ کر کہا۔

''وہ کیسے؟''

میں نے اسے راجا عمر دراز کی گمشدگی اور پھر اس کی اچانک واپسی کے بارے میں بتایا۔ ''خاص بات یہ ہے کہ حکیم قادس ڈیوڈ شا کے قبضے میں تھا اور وہ راجا عمر دراز کے ساتھ واپس آیا ہے۔''

''راجا نے تمہیں اس بارے میں نہیں بتایا؟''

''نہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے انڈیا میں کیا ہوا ہوگا؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے الٹا اس سے سوال کیا۔

''وہی جو تمہارا ہے۔'' وہ ہنسی۔

''کھیلو نہیں کھل کر بتاؤ پھر میں تمہیں اپنا خیال بتاؤں گا۔''

''میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اس پُراسرار وادی کی طرف گیا تھا جہاں کبھی میرا دادا ولیم شا گیا تھا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے دوسری طرف راجا عمر دراز بھی اس وادی کے عشق میں گرفتار ہے اور وہ کلکتہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک غائب ہوگیا تھا میرا خیال ہے وہ بھی وادی کی طرف گیا تھا یا اس کا کہیں ڈیوڈ شا سے ٹکراؤ ہوا اور راجا نے حکیم کو واپس حاصل کرلیا اور اسے لے کر پاکستان آگیا۔''

''لیکن تم ڈیوڈ شا کے زخموں کو کیا کہو گے؟''

''اس بارے میں مجھے راجا عمر دراز ہی بتا سکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں اس سے پوچھوں گا۔''

''یہ شخص مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔'' ایمن خفا ہوگئی تھی۔ ظاہر ہے جس کی وجہ سے اس کا باپ گم ہوا اور ابھی تک لاپتا تھا وہ اسے کیسے پسند کرسکتی تھی۔

''مجھے اندازہ ہے لیکن راجا عمر دراز اتنا برا آدمی نہیں ہے۔''

''مجھے بھی معلوم ہے لیکن نہ جانے کیوں جب اس کا خیال آتا ہے تو مجھے غصہ آنے لگتا ہے۔''

میں نے موضوع بدل دیا۔ ''آج کل تم کیا کر رہی ہو؟''

''میں نے چینل چھوڑ کر ایک گروپ جوائن کرلیا ہے جو ماحول اور جانوروں کے بارے میں ڈاکومینٹریز بناتا ہے۔''

''تم کہیں گئیں نہیں۔''

''نہیں لیکن تم کہو تو پاکستان آجاؤں۔''

''نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ابھی یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں۔''

''کس کے ملک کے یا تمہارے؟'' اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''دونوں کے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اچھا میرا نمبر نوٹ کرلو۔''

اس نے میرا بتایا ہوا نمبر نوٹ کیا۔ ''جس نمبر سے بات کر رہے ہو یہ کہاں ہے؟''

''یہ ایک فلکسڈ فون ہے میرا نمبر موبائل ہے اگر کوئی مسئلہ نہ ہو تو یہ تمہیں ہمیشہ میرے پاس ملے گا۔''

کچھ دیر بات کرنے کے بعد میں نے فون بند کردیا۔ اگرچہ اس نے کوئی خاص اطلاع نہیں دی تھی۔ ڈیوڈ شا کا زخمی ہونا اتنا اہم نہیں تھا۔ بعض اوقات انسان کو ایسی بیماری ہو جاتی ہے جو آسانی سے ٹھیک نہیں ہو جاتی ہے لیکن اسے پُراسرار کہنا ٹھیک نہیں ہوتا ہے۔ ایمن کا انداز ایسا تھا جیسے وہ ڈیوڈ شا کی بیماری کو کچھ ایسے معنوں میں لے رہی تھی۔ فی الحال کرنے کو کچھ نہیں تھا اس لیے میں نے فون ڈائریکٹری لی اور اس سے شہلا رضوی کا نمبر تلاش کیا۔ اتفاق سے گھر کا نمبر اس کے نام ہی تھا۔ میں نے یہ نمبر اپنے موبائل سے ملایا۔ کچھ دیر بعد کسی عورت نے اٹھایا لیکن وہ شہلا نہیں تھی۔

''مجھے شہلا سے بات کرنی ہے۔''

''آپ کا نام کیا ہے؟'' عورت نے پوچھا شاید وہ ملازمہ تھی۔

''شہباز ملک۔'' میں نے سوچ کر نام بتا دیا۔ یقیناً اسے میرے بارے میں علم ہوگیا ہوگا۔ اس لیے میں نے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ شہلا کچھ دیر بعد لائن پر تھی۔

''تم شہباز ملک ہو؟''

''ہاں کیا تمہیں شک ہے؟'' میں نے طنز کیا۔ ''کہو [illegible] کہ میں [illegible] تمہیں کس حال میں بے ہوش کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اور مجھے نہیں معلوم ہوش میں آنے کے بعد تم لباس پہن کر بھاگی تھیں یا ایسے ہی نکل گئی تھیں۔''

''او کے میں نے مان لیا۔'' اس کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ ''کیوں فون کیا ہے؟''

''فتح خان میرے پاس ہے۔''

''تو میں کیا کروں؟''

''فتح کان کے پاس تمہارے کچھ فوٹو گرافس ہیں۔''

''وہ یقیناً تمہارے پاس آ گئے ہوں گے اور اب تم بھی مجھے بلیک میل کرنا چاہ رہے ہو گے۔'' اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

''اول تو وہ ابھی فتح خان کے پاس ہیں اور دوسرے اگر وہ میرے پاس ہوتے تب بھی میں کم سے کم کسی عورت کو بلیک میل کرنے والا شخص نہیں ہوں وہ بھی اتنے گھٹیا انداز میں۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔

وہ کچھ دیر کو چپ ہوئی۔ ''ٹھیک ہے پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

''کیا تم وہ تصویریں حاصل کرنا چاہتی ہو؟''

''اس کا مطلب ہے تصویریں تمہارے پاس ہیں؟'' اس نے فوراً کہا۔ ''میرا کہنا ٹھیک تھا۔''

''تم جو چاہے سمجھتی رہو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''تم نے جواب نہیں دیا؟''

''کیوں نہیں حاصل کرنا چاہوں گی۔ ان کے لیے تو میں پروفیسر جیسے ذلیل شخص کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہی اور اس جنگلی نے مجھے حاصل کر لیا جسے میں اپنے پاس بھی دیکھنا پسند نہ کروں۔'' اس کا اشارہ فتح خان کی طرف تھا۔ میں ہنسا۔

''ابھی تم اس جنگلی کی اصلیت سے واقف نہیں ہو یہ بہت اونچے درجے کا جرائم پیشہ ہے اور اس کے قبضے میں کروڑوں ڈالرز مالیت کے ہیرے ہیں۔''

''کروڑوں ڈالرز کے ہیرے؟'' اس نے شک سے کہا۔ ''دیکھنے میں تو وہ بالکل ایسا نہیں لگتا ہے۔''

''میں نے کہا نا اس کے ظاہر پر مت جاؤ۔ میرے سوال کا جواب اب نہیں ملا ہے۔''

''ہاں میں ہر قیمت پر وہ تصویریں چاہتی ہوں چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔''

''میں تمہیں فتح خان سے تصویریں دلوا سکتا ہوں لیکن اس کے بدلے تمہیں میرا کام کرنا ہو گا۔''

''تم فتح خان کو درمیان کیوں لا رہے ہو اگر تم براہِ راست بھی کہو تو میں تمہاری بات مانوں گی۔'' اس نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا۔

''اگر میرے پاس ہوتی تو میں شاید تم سے بات کرنے کے بجائے ان کو جلا دیتا لیکن یہ سچ ہے وہ فتح خان کے پاس ہیں۔ البتہ میں تمہارے لیے ان کو حاصل کر سکتا ہوں۔''

وہ خاموش رہی پھر بولی۔ ''کیا چاہتے ہو تم؟''

''جس بینک میں پروفیسر کا لاکر ہے تم وہاں لاکر توڑنے کا منصوبہ بنا رہی تھیں میں چاہتا ہوں تم اس منصوبے پر عمل کرو۔''

''کیوں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیونکہ ایک تو میں ایسا چاہتا ہوں۔ اس میں میرا ایک بریف کیس ہے جو پروفیسر نے ہتھیا لیا تھا اور دوسرے ممکن ہے ان تصویروں کی اور کاپیاں یا نیگیٹوز ہوں۔ فتح خان کے پاس صرف تصویریں ہو سکتی ہیں۔''

''ہاں اس کے پاس صرف تصویریں تھیں۔'' اس کا لہجہ تشویش زدہ ہو گیا تھا۔

''تب ان کے نیگیٹو یقیناً پروفیسر نے لاکر میں رکھے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''شہلا یہ ہم دونوں کا مفاد ہے۔ کہ اس لاکر سے یہ چیزیں لازمی حاصل کرنی ہیں۔''

''لیکن یہ کام فتح خان کو کرنا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے تصویریں بھی دے دے گا اور میرے لیے لاکر کی چیزیں بھی حاصل کر لے گا۔''

''فتح خان انتہائی ناقابلِ اعتبار آدمی ہے۔ اس کے وعدے کا کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ صرف مطلب براری کے لیے تمہاری کوٹھی میں براجمان تھا اور دوسری بات یہ کہ جب تمہیں یقین تھا کہ تمہاری تصویریں اصل میں فتح خان کے پاس ہیں تو تم کو لاکر سے کیوں دلچسپی تھی؟''

''وہ..... میں.....'' وہ بولتے بولتے رکی۔ ''تم کو اس سے کیا؟''

میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''مجھے تو اس سے کچھ نہیں ہے لیکن لگتا ہے تم پروفیسر کی سیٹ سنبھالنا چاہتی ہو۔ ورنہ تمہیں اس بلیک میلنگ اسٹف سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اتنی رحم دل تم ہو نہیں کہ ان چیزوں کو ضائع کر دو یا ان کے اصل مالکوں کو لوٹا دو۔''

''شہباز اگر فتح خان تمہارے قبضے میں ہے تو پلیز اس سے میری تصویریں نکلوا دو۔''

''یہ کام میں کر لوں گا لیکن تمہیں بینک والے معاملے میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

''میں کمزور عورت تمہارا کیا ساتھ دے سکتی ہوں۔''

''تمہاری کمزوری میں پروفیسر کے گھر میں دیکھ چکا ہوں جب تم نے بے دردی سے اسے قتل کیا تھا۔ شہلا اپنی مطلب براری کے لیے تم کچھ بھی کر سکتی ہو۔''

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' اس کا لہجہ شکست خوردہ ہو گیا تھا۔

''تم نے اس دوران میں یقیناً بینک پر ہوم ورک کر لیا ہوگا مجھے وہ ہوم ورک چاہیے۔ ساتھ میں تمہاری عملی مدد بھی درکار ہوگی۔''

''میں عملی مدد نہیں کر سکتی۔''

''شہلا مجھے بے وقوف مت سمجھو۔ میں جانتا ہوں تم جیسی عورتیں فتح خان کی محتاج نہیں ہوتی ہیں اور تم نے یقیناً اس سلسلے میں بھی بندوبست کر رکھا ہوگا۔ وہ تو درمیان میں فتح خان آ گیا ورنہ اب تک تم کام دکھا چکی ہوتیں۔''

''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''فتح خان نے مجھے اس برانچ کا نام اور پتا بتا دیا ہے۔ اگر وہاں کوئی ایڈونچر ہوا تو پولیس سیدھے تمہارے گھر آئے گی۔''

وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی تھی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میں نے کہا نا میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسی میں تمہاری بہتری ہے۔'' میں نے کہا۔ میں نے اسے اسی لیے فون کیا تھا۔ کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ وہ کہیں کوئی چکر چلا کر بینک لاکر تک رسائی حاصل کر لے گی اور اس کی ساری چیزیں اس کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ مجھے باقی چیزوں کی پروا نہیں تھی لیکن بریف کیس لازمی چاہیے تھا۔ وہ مجھے اپنے اوپر ایک ذمے داری محسوس ہوتا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اسے چین کی حکومت تک لازمی پہنچاؤں گا۔ فون بند کرنے سے پہلے میں نے اسے ایک بار پھر خبردار کیا۔

''تم یہ مت سمجھنا کہ میری لاعلمی میں کچھ کر لو گی۔ یقین کرو ذرا سی غلطی تمہیں اس شہر اور اس ملک میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گی۔''

''نہیں۔'' وہ لرزتی آواز میں بولی۔ ''میں کچھ نہیں کروں گی۔''

یہ معاملہ اہم تھا لیکن فی الحال اس سے بھی زیادہ اہم معاملے میری توجہ کا مرکز تھا اس لیے میں نے اسے کچھ عرصے کے لیے سرد خانے میں ڈالنے کی خاطر شہلا کو فون کیا تھا۔ یہ جان کر کہ فتح خان اور اس کے توسط سے اس کی تصویریں میرے قبضے میں ہیں۔ اب وہ مجھے ڈبل کراس کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر میں نے زرین کو جا کر دیکھا وہ اب بھی سو رہی تھی شاید ڈاکٹر اس کی جسمانی توانائی بحال کرنے اور اس کی ذہنی حالت کو اعتدال پر رکھنے کے لیے اسے مسلسل خواب آور دوا دے رہے تھے اور میرے خیال میں یہ ایک لحاظ سے ٹھیک تھا۔ نرس پھر آ گئی تھی۔ وہ زرین کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا اور وقت گزاری کے لیے ٹی وی لگا لیا۔ شام کے قریب عبداللہ دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا۔

''شہباز صاحب کیا عتیق کو یہاں آج منتقل کرنا ہے؟''

''نہیں یہ کام اس کے باپ کی رضامندی اور حکیم قادس کے یہاں آنے کے بعد کیا جائے گا تاکہ اس کا فوری علاج شروع کیا جائے۔ تم نے دیکھا ہوگا وہ انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں ہے اور وہ زیادہ دیر ان مشینوں یا دیکھ بھال کے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''حکیم قادس کو لانے کے لیے ہیلی کاپٹر ہائر کرنا ہوگا؟''

''لازمی بات ہے۔ کیا تمہاری نظر میں کوئی ایسا ہیلی کاپٹر اور پائلٹ ہے جو اس موسم میں پہاڑوں میں جا سکے۔''

''بالکل ہے کیا اس سے بات کر لوں؟''

''کر لو لیکن وقت کا مت طے کرنا البتہ اسٹینڈ بائی پر رکھ لینا۔ اگر رات میں پرواز کرنے والا ہیلی کاپٹر ہو تو بہتر ہوگا۔''

''میں کوشش کرتا ہوں لیکن رات میں پرواز کرنے والا ہیلی کاپٹر مشکل سے ملے گا۔''

''ابھی تو تم دیکھو..... میں رفیق بھائی سے بات کرتا ہوں۔''

عبداللہ چلا گیا۔ میں رفیق بھائی کا نمبر ملانے لگا۔ مجھے خدشہ تھا کہ شاید وہ حکیم قادس کا تجربہ کرنے پر آمادہ نہ ہوں کیونکہ اس میں ناکامی کا نتیجہ جوان بیٹے سے محرومی کی صورت میں نکل سکتا تھا۔ بہرحال میں ان کے سامنے تجویز رکھنا چاہتا تھا۔ انہوں نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''رفیق بھائی میں شہباز بات کر رہا ہوں۔ ماہر نے عتیق کو دیکھ لیا؟''

''ہاں ابھی دیکھ کر گیا ہے۔'' انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

''اس نے کیا کہا ہے؟''

''وہی جو مقامی ماہر کہہ رہے ہیں۔'' رفیق بھائی کا لہجہ بھرا گیا۔ ''کوئی امید نہیں ہے۔''

''رفیق بھائی ڈاکٹروں کے بس میں اتنا ہی کچھ ہے۔ میں نے آپ سے ایک حکیم کا ذکر کیا تھا۔''

''یہ ڈاکٹر کا کیس ہے کوئی حکیم اس معاملے میں کیا کر سکتا ہے۔'' انہوں نے بجھے انداز میں کہا۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا وہ عام معالج نہیں ہے اس نے میرا وہ ہاتھ کٹنے سے بچا لیا تھا جسے ماہرین بھی بچانے سے معذرت کر چکے تھے اور اسے بچانے کے لیے تمام جتن کر لیے گئے تھے۔''

''ہاتھ کی بات الگ ہوتی ہے۔ یہاں اس کی زندگی خطرے میں ہے۔''

''پلیز رفیق بھائی آپ ایک بار اسے آزما کر تو دیکھیں۔'' میں نے التجا کی۔ ''اس صورت میں کیا حرج ہے جب کہ ڈاکٹرز پہلے ہی ناامیدی ظاہر کر چکے ہیں۔''

''شہباز بے شک ڈاکٹر جواب دے چکے ہیں لیکن ابھی عتیق میرے سامنے تو ہے مجھے ڈر ہے کسی تجربے میں یہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے نہ چھن جائے۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''رفیق بھائی میرا ایمان ہے زندگی اور موت اور خدا کے ہاتھ میں ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے میں ایسے حالات سے گزرا ہوں کہ اس پر ایمان اور بھی بڑھ گیا ہے۔ اللہ کا نام لیں اور ہمت کریں۔ میں نے حکیم کے لیے بات کر لی ہے۔ کل صبح وہ ہیلی کاپٹر سے اسلام آباد آ سکتا ہے۔''

''کہاں سے آ سکتا ہے؟''

میں نے ان کو راجا عمر دراز کے بارے میں بتایا۔ ''وہ اس کا ذاتی معالج ہے۔''

''اگر وہ بھی کچھ نہ کر سکا تو.....؟''

''رفیق بھائی میں آپ کو اتنا کمزور نہیں سمجھتا ہوں۔ آپ ہمت کریں آگے جو اللہ کی رضا ہو۔''

خلاف توقع وہ جلد مان گئے۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو شہباز زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اپنی سی کوشش کریں گے اور اس کی رضا میں راضی رہیں گے۔''

''رفیق بھائی میں انتظامات کرتا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو کل تک وہ معالج یہاں ہوگا اور اس کی رضا ہوگی تو عتیق بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

رفیق بھائی سے بات کر کے میں نے عبداللہ کو بتایا۔ ''کیا حکیم قادس کل صبح تک آ سکتا ہے؟''

''میں نے ہیلی کاپٹر ہائر کر لیا ہے لیکن یہ صرف دن میں اور صاف موسم میں پرواز کر سکتا ہے۔ یہاں کسی نجی ایئر کلب میں ایسا ہیلی کاپٹر نہیں ہے جو رات اور خراب موسم میں بھی پرواز کر سکے۔''

''یعنی کل دن میں موسم کا ٹھیک ہونا بھی شرط ہے؟'' میں نے سوچ کر کہا۔

''جی..... ویسے پائلٹ ماہر آدمی ہے۔ پندرہ سال سے ناردرن ایریاز میں ٹورسٹ لے کر جاتا رہا ہے۔''

''یہ اچھا ہے وہ وہاں کے چپے چپے سے واقف ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ نے کوٹھی کا ایک بڑا کمرہ دکھایا جس میں عتیق کو رکھا جا سکتا تھا۔ میں نے اس کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ اسپتال جا کر دیکھے کہ عتیق کے ساتھ کون کون سی مشینیں آئیں گی اور ان کی سیٹنگ کیا کرنا ہوگا۔ تاکہ کل صبح اسے منتقل کرنے سے پہلے یہاں تمام انتظامات مکمل ہو جائیں۔ عبداللہ کے جانے کے بعد میں نے آپا کو کال کی۔ آپا موبائل استعمال کرنا نہیں جانتی تھیں ان کا موبائل ہمیشہ شمی کی تحویل میں ہوتا تھا۔ اس وقت بھی کال اس نے ریسیو کی۔

''شمی کہاں غائب تھے آپ؟'' وہ چیخ اٹھی تھی۔ ''میں آپ کے نمبر پر مسلسل کال کر رہی تھی اور وہ بند جا رہا تھا۔''

''کیونکہ میں خود بند تھا۔'' میں نے دل میں سوچا اور منہ سے بولا۔ ''بس گڑبڑ کچھ مسئلے تھے۔''

''عتیق کیسا ہے؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔ ''رفیق تاؤ سے پوچھو تو وہ کچھ بتاتے نہیں ہیں۔''

''اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''لیکن اب اس کا علاج ایک اچھا معالج کرے گا وہ کل صبح یہاں آجائے گا اور عتیق کو اس کوٹھی میں منتقل کر دیا جائے گا جہاں میں مقیم ہوں۔''

''کیسا معالج ہے؟''

میں نے شمی کو حکیم قادس کے بارے میں بتایا تو وہ پُرجوش ہو گئی تھی۔ ''شمی مجھے یقین ہے اس کے علاج سے عتیق بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''ان شاء اللہ۔'' میں نے کہا۔ ''آپا سے بات کراؤ۔''

آپا سے بات کر کے میں نے فون بند کر دیا۔ بیتو سو رہا تھا۔ اس لیے میں کوٹھی کے جمنازیم میں آ گیا اور ورزش کرنے لگا۔ زندگی ایک مسلسل بھاگ دوڑ میں گزر رہی تھی اور میرا جسم چست تھا لیکن باقاعدہ ورزش کی بات الگ ہوتی ہے اور جب میں نے دو گھنٹے جمنازیم میں گزارے تو مجھے اپنی کمزوریوں کا علم ہوا۔ خاص طور سے میرا اسٹیمنا بہت کم ہو گیا تھا۔ پہلے میں بہت دیر ورزش کر کے بھی نہیں تھکتا تھا لیکن اس دن ذرا دیر بعد ہانپنے لگتا تھا۔ نہا دھو کر میں فریش ہوا اور بیتو کے کمرے میں جھانکا۔ وہ کمبل میں لپٹا ہوا جاگ رہا تھا۔

''کیا بات ہے برخوردار اٹھنے کا موڈ نہیں ہے؟''

''آپ بھی یہیں آجاؤ۔'' اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے انٹرکام پر چائے اور کھانے کے لیے کچھ لانے کو کہا۔ ''آپ کیا کرتا رہا؟''

میں نے اسے مختصراً بتایا کہ میں کیا کرتا رہا تھا۔ شہلا کا سن کر اس نے سر ہلایا۔ ''آپ نے ٹھیک کیا، ہم نے ایسا بدمعاش عورت زندگی میں نہیں دیکھا۔ وہ تو گھر میں بھی آدھے ادھورے کپڑے پہن کر گھومتا تھا اور اس کو بالکل شرم نہیں آتا تھا۔''

''مجھے خطرہ ہے کہ وہ خود لاکر میں رکھا سامان نکالنے کے لیے کوئی کارروائی نہ کر گزرے اور وہ بریف کیس ہمارے ہاتھ سے نکل جائے جو ہمارے پاس کسی کی امانت ہے۔''

''ایک بار وہ اور فتح خان ہمارا سامنے بات کر رہا تھا۔ شہلا اسے کہہ رہی تھی کہ اس نے پورا منصوبہ بنا لیا ہے اور وہ آرام سے بینک لاکر سے سامان نکال سکتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فتح خان نے کیا جواب دیا؟''

بیتو نے سوچ کر کہا۔ ''اس نے اسے ٹال دیا تھا لیکن ہم کو لگ رہا ہے کہ فتح خان کو لا کر اور اس کے سامان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ شہلا کو بے وقوف بنا رہا تھا۔''

میں نے حیرت سے بیتو کو دیکھا۔ ''منے تم تو بہت ہوشیار ہو گئے ہو؟''

وہ مسکرایا۔ ''آپ کا بات سن کر ہم کو وسیم بھائی یاد آ گیا وہ بھی ہم کو منا کہتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم لوگوں کو اس حد تک سمجھنے لگے ہو۔''

''اس کا وجہ ہے شوبی بھائی، آپ کے ساتھ رہ کر ہم لوگوں کو سمجھنے لگا ہے اب ہم منا نہیں رہا ہے۔''

''وہ تو میں نیپال اور چین کے سفر کر دوران ہی سمجھ گیا تھا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا تو بیتو جھینپ گیا تھا۔ میں نے کامی کا حوالہ دیا تھا۔ بیتو اور کامی اس سفر میں ایک دوسرے کے بہت پاس آ گئے تھے۔ اگر چہ اسے مخصوص طرز کی محبت تو نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن وہ اسی قسم کی کوئی انسیت تھی جو قدرت نے ان کے دلوں میں ڈالی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے دور ہو کر افسردہ اور پریشان تو نہیں تھے کیونکہ نوعمری کی محبت ایسی ہوتی ہے جب تک پاس ہوتے ہیں تو اس میں پہاڑی ندیوں جیسی شدت ہوتی ہے اور جب دور ہوئے تو سارا ابال ختم ہو جاتا ہے۔ بیتو اور کامی کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اس کے باوجود کچھ نہ کچھ یادیں تو باقی ہوتی ہے۔

''شوبی بھائی آپ کا کیا خیال ہے وسیم بھائی لوگ کہاں سے پاکستان آ سکتا ہے؟'' بیتو نے سوال کیا اور میں چونک گیا تھا۔ میں نے اس بارے میں سوچا نہیں تھا۔ اگر وہ دبئی سے قانونی طریقے سے نہیں آ سکتے تھے تو پھر وہ کون سا راستہ اختیار کرتے جہاں سے آسانی سے سرحد عبور کر کے پاکستان آ سکتے تھے۔ اس دوران میں منیر چائے اور دوسرے لوازمات لے آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یار کوئی ایسا نقشہ ہے جس میں پاکستان اور اس کے آس پاس کے ممالک کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہو۔''

''ابھی لایا جناب۔'' اس نے کہا اور ایک منٹ بعد چکنے کاغذ پر پرنٹ ہوا ایک تفصیلی نقشہ لا دیا جو برصغیر، افغانستان، ایران اور مشرق وسطیٰ پر مشتمل تھا اس میں چھوٹے چھوٹے شہروں، ریل لائنوں اور سڑکوں کی وضاحت تھی۔ میں نے اسے بستر پر بچھایا۔ ہم اس پر جھک گئے۔ دبئی پاکستان سے زیادہ دور نہیں۔ یہ کراچی سے اتنا ہی دور جتنا لاہور ہے اور اسلام آباد اس سے زیادہ دور پڑتا ہے۔ گوادر تو بالکل برابر میں رکھا ہے۔ پھر میری توجہ ایران کے نقشے کی طرف چلی گئی۔ میں نے سمندر کے راستے سے دیکھا۔ دبئی سے صرف سو میل کے فاصلے پر ایران کا وہ جزیرہ ہے جس پر عرب ملکوں سے بنا کسی ویزے کے جا سکتے ہیں اور اس جزیرے پر یو اے ای کا کونسل خانہ بھی ہے جو ویزہ جاری کرتا ہے اس لیے جب کسی کو دبئی میں نئی ملازمت ملتی ہے یا اسے اپنا ویزہ بڑھوانا ہوتا ہے تو وہ واپس اپنے ملک جانے کے بجائے اس جزیرے تک چلا جاتا ہے اور وہاں سے ویزہ لگوا کر آرام سے واپس آ جاتا ہے۔ جزیرے کی آبادی کو مشترکہ طور پر دونوں ملکوں کی شہریت حاصل ہے۔

اگر میں وسیم اور سفیر کی جگہ ہوتا تو پاکستان کی حدود میں غیر قانونی داخلے کے لیے کیا کرتا؟ میں نے سوچا اور نقشے کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد سب سے آسان روٹ مجھے سمجھ میں آ گیا تھا۔ دبئی سے نکلنے کے بعد اس ایرانی جزیرے تک رسائی اصل کام تھا کیونکہ یہاں سے ہی غیر قانونی سفر کا آغاز ہو جاتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اس کے بعد ایران تک رسائی ذرا مشکل کام تھا کیونکہ لازمی بات ہے۔ عرب ممالک سے قربت اور بین الاقوامی سیاسی حالات کے تناظر میں ایرانی اس سرحد کی سختی سے نگرانی کرتے ہوں گے اور یہاں سے کسی بھی شخص کے لیے بنا کاغذات کے ایران کی سرزمین پر داخل ہونا آسان نہیں ہوگا۔

بیتو غور سے نقشہ دیکھ رہا تھا اور ظاہر ہے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کیونکہ ایک تو اسے پڑھنا نہیں آتا تھا دوسرے اسے دنیا کے بارے میں اتنا پتا نہیں تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''شوبی بھائی دبئی کہاں ہے۔''

میں نے اسے نقشے پر انگلی رکھ کر سمجھایا۔ ''یہ دبئی ہے اور یہ اس کے برابر میں ایران ہے اور یہ ایران کے برابر میں پاکستان ہے۔''

بیتو نے غور کیا۔ ''یہ درمیان میں سمندر ہے۔''

''ہاں یہ سمندر ہے۔''

بیتو نے انگلی سے لکیر کھینچ کر کہا۔ ''ان کا پاکستان آنے کا سب سے آسان راستہ یہ ہے۔''

مجھے ایک بار پھر اس کی سمجھ بوجھ پر حیرت ہوئی کیونکہ اس نے ٹھیک وہی روٹ بتا دیا تھا جو میں نے سوچا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ جزیرے سے وہ بندر عباس جانے کے بجائے اس سے ذرا جنوب مشرق میں واقع میناب یا ایران کے بالکل جنوب میں واقع چھوٹے ساحلی شہر جاسک تک جانے کی کوشش کریں گے جو آبنائے ہرمز کے بالکل دہانے پر ہے لیکن یہ جزیرے سے خاصا دور ہے اور ان کو دوبارہ سمندر میں خاصا طویل سفر کرنا پڑتا اور سمندر کا سفر خطرے سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں خشکی پر چھپ کر اور تیزی سے سفر کیا جا سکتا ہے۔ واضح رہے یہ دنیا کا مصروف ترین سمندر ہے اور یہاں انٹرپول سمیت بے شمار ممالک کی بحری ایجنسیاں سرگرم عمل رہتی ہیں اور ذرا سے شک پر جہازوں اور کشتیوں کو روک کر ان کی تلاشی لی جاتی ہے۔ اس لیے میرے حساب سے ان لوگوں کو میناب جانا چاہیے تھا یہ شہر یا قصبہ سمندر سے کچھ فاصلے پر ہے۔ اس کے بعد یہاں سے سب سے آسان روٹ صحرا سے گزرتے ہوئے زاہدان کے راستے پاکستانی بلوچستان میں تافتان کے راستے آسانی سے داخل ہوا جا سکتا تھا کیونکہ یہ علاقہ کھلا ہوا تھا۔ اب یہاں بھی سرحد پر رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں اور سکیورٹی فورسز کا پہرہ بھی سخت ہو گیا ہے لیکن اس وقت تافتان کھلی سرحد تھا اور سرحد کے دونوں طرف سے لوگ آسانی سے آتے جاتے تھے۔ اس کے مقابلے میں گوادر کی سرحد دور بھی تھی اور وہاں سرحد عبور کرنا بھی اتنا آسان نہیں تھا۔ پھر اس کے بعد کراچی تک اور اس سے آگے اسلام آباد تک کا سفر بھی بہت طویل ہو جاتا اس کے مقابلے میں تافتان سے کوئٹہ اور وہاں سے سڑک کے راستے اسلام آباد تک آنا مشکل نہیں تھا۔ میری معلومات کے مطابق وسیم کے اس علاقے میں اسمگلروں سے تعلقات بھی رہے ہیں جب وہ باقاعدہ ایک جرائم پیشہ گروپ چلا رہا تھا جو اپنی خدمات خطیر معاوضے کے عوض امرا کو فراہم کرتا تھا۔ میں نے بیتو کو بتایا کہ اس کا اندازہ تقریباً درست تھا اور اگر وہ غیر قانونی راستے سے سرحد پار کر کے ملک میں آنا چاہتے تھے تو اس کے لیے سب سے آسان راستہ یہی تھا۔

''لیکن وہ اپنے طور پر یہ کام نہیں کر سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''انہوں نے یقیناً کسی ایسے شخص کی خدمات حاصل کی ہوں گی جو یہ کام کرتا ہوگا یعنی انسانوں کو اسمگل کرنے کا اور اس کی مدد سے وہاں سے نکلے ہوں گے۔''

''تب وہ اب تک پہنچے کیوں نہیں؟'' بیتو نے پوچھا۔

یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی۔ اگر سب ٹھیک رہا تھا تو ان کو سرحد عبور کر کے زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے میں اس طرف آ جانا چاہیے تھا جب کہ ان کو دبئی سے نکلے دو ہفتے ہو چکے تھے۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ ان کو غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور وہ ایران میں کہیں پھنس گئے تھے کیونکہ دبئی سے ان کی کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سفیر نے یہ حماقت کیوں کی۔ وہ اور مونا اچھے بھلے دبئی میں موجود تھے اور اب ان کا داخلہ بھی وہاں ممکن نہیں تھا۔ ابھی تو پولیس کو نہیں معلوم تھا لیکن جلد ان کے بارے میں علم ہو جاتا اور اس کے بعد ان کا ویزہ کینسل ہو جاتا اور آئندہ وہ اس پاسپورٹ پر دبئی میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ وسیم کے پاس بھی اس کا پاکستانی پاسپورٹ آ جاتا اور سادھنا کو بھی کسی نہ کسی طرح پاکستان لایا جا سکتا تھا تو انہوں نے اتنا مشکل اور غیر قانونی طریقہ کیوں استعمال کیا تھا جس میں پکڑے جانے کے خطرات بھی بہت زیادہ تھے۔

بیتو کچھ سوچ رہا تھا پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''شوبی بھائی ایک بات کہے آپ ہم کو ڈانٹے گا تو نہیں۔''

''کہو۔'' میں نے کہا ویسے مجھے اندازہ تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

''اگر ہم ایران جا کر ان کی مدد کرے۔ میرا مطلب ہے میں اور آپ جا کر۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے اسے نرمی سے کہا۔ ''اول تو یہ صرف ایک اندازہ ہے کہ وہ اس طرح سے دبئی سے نکلے ہوں گے۔ دوسرے اگر وہ اس طرح بھی نکلے ہیں تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت وہ کہاں ہیں۔ جہاں جا کر ہم ان کی مدد کر سکیں۔''

''گویا ہم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہے۔''

''عملی طور پر کچھ نہیں کیا جا سکتا ہے البتہ ان کے لیے دعا کی جا سکتی ہے کہ خدا ان کو ہر مشکل سے محفوظ رکھے۔''

''کیا خدا ہمارا دعا سنے گا؟''

''کیوں نہیں وہ سب کا خدا ہے اور سب کی سنتا ہے۔''

''تب ہمارا اس سے دعا ہے کہ وہ سب کو خیریت سے رکھے اور جلد ہمارے پاس لے آئے۔''

جب میں بیتو سے بات کر رہا تھا تو اوپر سے پُرسکون تھا لیکن اندر سے میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ اگر وہ لوگ کسی مشکل میں نہیں تھے تو ان کو لازماً اب تک آ جانا چاہیے تھا۔ ورنہ ہم سے رابطہ لازمی کرنا چاہیے تھا۔ سفیر اور وسیم کو بھی اندازہ تھا کہ اتنے دنوں سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے میں اور بیتو ان کی طرف سے پریشان ہوں گے۔ اصل پریشانی یہ تھی کہ ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں تھے صرف اندازہ لگا سکتے تھے۔ ایک بے بسی کا احساس تھا۔ میں ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا اور مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ کرنا کیا ہے۔ اس موقع پر سوائے انتظار کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنتو چائے اور کھانے کی چیزوں کے ساتھ مگن ہو گیا تھا میں نے صرف چائے لی تھی۔ عبداللہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ہیلی کاپٹر سمیت سارے انتظامات اُسے ہی کرنا تھے۔ اس نے مجھے ساتھ لے جانے سے بھی انکار کر دیا تھا اس کا کہنا تھا کہ اب میری پاکستان میں موجودگی سب پر واضح ہو گئی تھی اور میں پولیس کو مطلوب تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ پولیس کے مخبر اسپتال کے آس پاس موجود ہوں اور مجھے دیکھتے ہی پولیس آن موجود ہو۔ عبداللہ کا کہنا تھا کہ اب مجھے اپنے حلیے میں تبدیلی لانی تھی۔ فی الحال مجھے باہر جانے سے گریز کرنا تھا۔

عبداللہ رات تک واپس آیا تھا اور اس نے آتے مجھے اطلاع کر دی تھی وہ نشست گاہ میں میرا منتظر تھا۔

''سب انتظام ہو گیا ہے۔ عتیق کے جسم سے تین اہم مشینیں منسلک ہیں۔ ایک جو اس کے دل کی دھڑکن کو چلا رہی ہے دوسری اسے سانس دلانے والی مشین اور تیسری اس کے گلے سے بلغم صاف کرنے والی مشین لگی ہے ان تینوں کا مستقل لگے رہنا لازمی ہے اس کے علاوہ اسے خون اور ڈرپ کے ذریعے طاقتور ادویات بھی دی جا رہی ہیں۔ جو اسے زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔''

''یہ سب یہاں آئیں گی؟''

''جی جناب یہ سب اس کے ساتھ ہی یہاں منتقل ہوں گی ان کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔''

''حکیم قادس کو کب لانا ہے؟''

''صبح سورج نکلتے ہی ہیلی کاپٹر روانہ ہو جائے گا کیونکہ صبح کے وقت میں ان علاقوں میں موسم بہتر ہوتا ہے۔ امید ہے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر کاپٹر حکیم کو لے کر واپس اسلام آباد آ جائے گا۔''

''یعنی کل صبح کے کسی وقت عتیق کو یہاں منتقل کیا جا سکتا ہے؟'' میں نے امید سے کہا۔

''ان شاء اللہ۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔

''لیکن اس کی حفاظت کا بندوبست بھی کرنا ہو گا۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے مرشد کو خبردار کر دیا ہے اب اس کی طرف سے کسی حرکت کا مطلب کھلی جنگ ہو گا لیکن وہ کتے کی دم ہے اور اس کی طرف سے کسی بھی حرکت کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''میں نے اس پہلو سے بھی سوچا ہے۔ عتیق کو لانے والی ایمبولینس میں دو گارڈز ہوں گے اور اس کے علاوہ ایک کار پیچھے ہو گی جس میں مجھ سمیت چار افراد ہوں گے۔ جب ہم اس علاقے میں آئیں گے تو کوشش ہو گی کہ کسی تعاقب کرنے والے کو ایمبولینس کے پیچھے نہ آنے دیں۔''

''اس جگہ کا خفیہ رہنا ضروری ہے۔''

''یہی میں نے بھی سوچا ہے۔''

''میں بھی ساتھ جاؤں گا۔''

''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''اس میں بہت خطرہ ہے۔''

''اگر میں بھیس بدل لوں؟''

''آپ کے دشمن بہت ہوشیار ہیں۔ وہ صرف شکل سے نہیں بلکہ بہت ساری چیزوں سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ ہی ہیں۔ دوسرے مجھے شبہ ہے کہ جب میں عتیق کو لے کر آ رہا ہوں گا تو تعاقب کے ساتھ پولیس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مدد سے ہمیں روک کر تلاشی بھی لی جائے گی اور جس پر شبہ ہوا پولیس اسے گرفتار کر سکتی ہے۔ آپ جانتے ہیں پولیس کس کے پیچھے آ سکتی ہے۔ آپ کل والے ہنگامے کو بھولے ہوئے ہیں۔ اس میں دو افراد مارے گئے تھے اور اس وجہ سے پولیس بھی الرٹ ہو گی۔''

مجھے مایوسی ہوئی تھی۔ اگرچہ میں اس کوٹھی میں بند نہیں تھا لیکن باہر نہ جانے کی اختیاری پابندی بھی مجھے کھل رہی تھی۔ میں شاید عتیق کو لانے کے بہانے باہر جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ دیکھا جائے تو اس کی ضرورت نہیں تھی بلکہ میری موجودگی کئی طرح کے مسائل پیدا کر سکتی تھی۔ عبداللہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں نے صرف تجویز دی ہے ورنہ یہاں کے اصل انچارج آپ ہیں۔''

''میں جانتا ہوں یار لیکن تم نے ٹھیک مشورہ دیا ہے میرا تم لوگوں کے ساتھ ہونا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔''

''ویسے ایک صورت ہو سکتی ہے۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''اگر آپ بائیک پر اور حیلمٹ میں ہوں اور ہم سے دور ہوں تو کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' میں خوش ہو گیا۔ ''عبداللہ یو آر گریٹ۔''

''ناچیز خادم ہے آپ کا۔'' اس نے انکساری سے کہا۔

''بائیک ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بالکل گیراج میں ایک بہترین ون ٹو فائیو کھڑی ہے۔''

''ٹھیک ہے تب ٹیسٹ میں ابھی کر لیتا ہوں۔'' میں کھڑا ہو گیا۔

''چابی بائیک میں لگی ہے اور اس کے کاغذات ٹنکی کے نیچے والے خانے میں ہیں لیکن آپ کے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہے اس لیے ذرا احتیاط کیجئے گا۔ اسلام آباد پولیس فوراً روک لیتی ہے۔''

''میں خیال رکھوں گا۔'' میں نے جواب دیا اور اٹھ کر کمرے کی طرف آیا۔ مجھے جیکٹ لینی تھی کیونکہ باہر سردی بہت غضب کی تھی۔ زرین کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے میرا سامنا اسے چیک کرنے والے ڈاکٹر سے ہو گیا۔ وہ اسے دیکھ کر نرس سمیت نکل رہا تھا۔ میں رک گیا۔

''اب طبیعت کیسی ہے اُس کی؟''

''شی از آل رائٹ اب ان کو علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ دو دن دوا اور لینی ہے اور کچھ زخموں کو دوا لگانی ہو گی۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''اب میری یا نرس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تھینک یو ڈاکٹر۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور کمرے میں داخل ہوا زرین سرہانے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ ایک دن کے بھرپور آرام، علاج اور خوراک نے اسے بالکل بدل دیا تھا۔ آج شاید اس نے غسل بھی کیا تھا کیونکہ اس کے براؤن بالوں میں ریشم جیسی چمک نظر آ رہی تھی۔ جلد چمک رہی تھی اور آنکھوں کی فسوں خیزی بھی لوٹ آئی تھی۔ نصف آستین سے جھانکتے بازو پھر سنہری رنگ کے ہو گئے تھے۔ میں ایک لمحے کو دنگ رہ گیا۔ وہ کہیں سے بھی وہ زرین نہیں لگ رہی تھی جیسے زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔ مجھے یوں یک ٹک دیکھتے ہوئے اس کا رنگ سرخ ہو گیا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یوں کیوں دیکھ رہے ہو؟''

میں چونکا اور جھینپ گیا لیکن میں نے اسے بتایا نہیں کہ میں اس کے حسن کی سحر انگیزی سے نہیں بلکہ ایک دن میں اس کی رعنائی لوٹ آنے سے دم بخود تھا۔ میں اس کی گزشتہ حالت کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا اور اگر وہ خود بھی بھول گئی تھی تو یہ اچھی بات تھی۔ ''آج تم الگ ہی لگ رہی ہو۔''

''ہاں کل کے مقابلے میں بہت مختلف ہوں۔'' اس نے سادگی سے کہا۔ ''لیکن تم صبح سے آئے نہیں۔''

''میں صبح اور پھر دوپہر میں آیا تھا لیکن دونوں بار تم سو رہی تھیں۔''

''ہاں یہ مجھے نیند کی دوا دے رہے تھے آج دوپہر میں لینے سے انکار کر دیا لیکن رات والی دوا کا کچھ اثر تھا۔''

میں کرسی لے کر بستر کے پاس بیٹھ گیا۔ ''اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''بہت اچھا۔'' اس نے کسمسا کر کہا۔ ''لیکن میں ایک ہی جگہ بندرہ کر تنگ آ گئی ہوں۔''

یہی حالت میری بھی تھی میں نے اس سے کہا۔ ''میں باہر جا رہا ہوں چلو گی؟''

وہ کھل اٹھی۔ ''ہاں چلوں گی لیکن میرے پاس کپڑے نہیں ہیں۔''

وہ بدستور پاجامے اور آدھی آستین کے کُرتے میں تھی جو مشکل سے اس کی رانوں تک آ رہا تھا۔ اصل میں یہ مریضوں کے لیے مخصوص لباس تھا۔ واقعی اسے کپڑوں کی ضرورت تھی۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''یار زنانہ کپڑے ہیں؟''

عبداللہ ہنسا۔ ''یہاں زنانہ کپڑوں کا کیا کام جناب۔''

''اچھا کوئی چھوٹے سائز کی جیکٹ ہو تو وہ لے آؤ۔ اور ہاں جوتے بھی۔''

''کہاں لاؤں؟''

''زرین والے کمرے میں۔''

عبداللہ خود نہیں آیا لیکن اس نے منیر سے یہ دونوں چیزیں بھیج دیں۔ جیکٹ چھوٹی تھی اس کے باوجود وہ زرین کو ڈھیلی تھی اور جوتے بھی آرام سے آ گئے تھے۔ وہ جھینپ رہی تھی۔ ''ایسے لے کر جاؤ گے مجھے باہر؟''

''تو کیا ہوا؟ کسی اچھے اسٹور سے کپڑے لے کر تم وہیں بدل لینا۔ تم رکو میں رقم لے آؤں۔''

میری ساری چیزیں معہ موبائل اور پرس مرشد کے گرگوں نے ہتھیا لیے تھے لیکن بابا کی دی ہوئی رقم کا پاؤچ اتفاق سے میں کمرے کی الماری میں چھوڑ گیا تھا اس لیے وہ رقم محفوظ تھی اور یہ کوئی چالیس ہزار روپے تھے۔ میں نے رقم نکالی اور واپس آیا تو زرین تیار تھی۔ مجھے اس کے اعصاب کی مضبوطی پر رشک آیا۔ ایک دن پہلے وہ اندوہناک صورت حال سے دوچار ہوئی تھی۔ اس کا جسم ہی نہیں روح بھی زخمی ہوئی تھی لیکن اس نے بہت تیزی سے خود کو سنبھال لیا تھا۔ یہ تو یقینی تھا کہ وہ ابھی پوری طرح سنبھلی نہیں تھی لیکن یہ بات بھی بڑی تھی کہ وہ حوصلے سے دوبارہ نارمل زندگی کی طرف آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا باہر چلنے پر آمادہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

ہم گیراج میں آئے۔ وہاں بائیک تھی لیکن ہیلمٹ ایک ہی تھا اور مجھے دو چاہیے تھے۔ دوسرا ہرفن مولا منیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مل گیا۔ یہ زرین کے لیے تھا۔ وہ ہیلمٹ پہننے کے لیے تیار نہیں تھی لیکن میں نے اسے سمجھایا۔ ''یہ ضروری ہے باہر ہر نظر تم پر لازمی جائے گی اور اگر ان میں کوئی مرشد کا چیلا نکل آیا تو ہم مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔''

''تو کیا ہوا تم ہو نا میرے ساتھ۔'' اس نے ناز سے کہا۔

''اس سے بھی زیادہ ضروری بات ابھی بائیک پر سردی لگے گی۔ ہیلمٹ سے کسی حد بچاؤ گا۔''

اس دلیل نے اسے قائل کر لیا تھا۔ اس نے ہیلمٹ پہن لیا۔ نیچے سوائے جیکٹ کے سردی سے بچاؤ کے لیے اور کچھ نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خواتین کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف کر کے بیٹھے گی لیکن وہ مردوں والے انداز میں بیٹھی تھی۔ میں نے کہا۔ ''یہ کس طرح بیٹھ رہی ہو؟''

''میں تو اسی طرح بیٹھتی ہوں۔'' اس نے جواب دیا اور دونوں ہاتھ میری کمر میں ڈال کر جکڑ لیے۔ ''اب چلو۔''

بادلِ ناخواستہ میں نے بائیک باہر نکالی۔ وہ جان بوجھ کر اس انداز میں مجھ سے چپک کر بیٹھی تھی کہ دو عدد جیکٹس کے باوجود اس کے وجود کی نرمی اور گدازیت مجھے محسوس ہو رہی تھی لیکن جیسے ہی بائیک گیٹ سے باہر آئی وہ لرز کر مجھ سے مزید چپٹ گئی تھی۔ ''میرے خدا اتنی سردی.....'' وہ چلائی۔

''تم ابھی تک اندر کے گرم ماحول میں رہی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''کچھ دیر برداشت کرو ابھی سب سے پہلے کہیں سے کپڑے لیتے ہیں۔''

وہ کانپ رہی تھی۔ جناح سپر مارکیٹ یہاں سے پاس ہی تھی اور وہاں ایسے گارمنٹس اسٹور تھے جہاں ہر قسم کے کپڑے مل سکتے تھے اور وہاں ٹرائی روم میں کپڑے بھی تبدیل کیے جا سکتے تھے۔ زرین سے سردی برداشت نہیں ہو رہی تھی حالانکہ وہ اس سے کہیں زیادہ سرد علاقے سے آئی تھی لیکن بائیک پر سردی کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی خود میرے ہاتھ بھی خالی ہونے کی وجہ سے سن ہوئے جا رہے تھے۔ دس منٹ بعد جناح سپر مارکیٹ آئی تو ہم دونوں کی جان میں جان آئی تھی میں نے بائیک ایک گارمنٹس اسٹور کے سامنے روکی اور زرین سے کہا۔

''ابھی ہیلمٹ مت اتارنا۔''

''تم کہو تب بھی نہ اتاروں۔'' اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ ''میں نے سوچا بھی نہیں تھا شہر میں بھی اتنی سردی ہو گی۔''

ہم جلدی سے اس اسٹور میں گھس گئے جو اندر سے گرم تھا اور یہاں زرین کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے ہیلمٹ اتار دیا اور پھر جب بال جھٹکے تو اسٹور میں موجود ہر فرد کی نظر اس کی طرف ہو گئی تھی۔ وہ مضمحلہ خیز حلیے میں بھی دلکش لگ رہی تھی۔ اسے لوگوں کی نظروں کا سامنا کرنے کی عادت نہیں تھی اس لیے وہ کسی قدر نروس نظر آنے لگی۔ میں اسے لے کر لیڈیز والے کارنر کی طرف بڑھا۔ وہاں صرف خواتین ملبوسات تھے۔ زرین خوش نظر آنے لگی اور فوراً ہی اس نے اپنے لیے کپڑے پسند کرنا شروع کر دیئے۔ سب سے پہلے اس نے ایک ویلوٹ ٹ منتخب کیا۔ یہ ڈبل شیٹ کا ٹراؤزر اور پورے آستین کا چھوٹا کرتہ تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

''یہ لے لوں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا جو دل چاہے لے لو۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تم اپنے لیے کپڑے لو جب تک میں ذرا اپنے لیے کچھ لے لوں۔''

وہاں سیلز گرل تھی لیکن زرین نے مجھ سے کہا۔ ''مجھے کپڑے پہن کر بھی دیکھنا ہیں۔''

''یہاں ٹرائی روم ہے؟'' میں نے سیلز گرل سے پوچھا۔

''یس سر۔'' اس نے جواب دیا۔

''پلیز اسسٹ ہر۔'' میں نے کہا اور مردوں والے سیکشن کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں میں نے اپنے لیے کچھ گرم کپڑے لیے میرے پاس ان کی کمی تھی۔ جیکٹ صرف ایک تھی۔ پھر دستانے اور موزے لیے۔ یہ ساری چیزیں لے کر ان کو چیک کرایا اور ادائیگی کر کے خواتین والے حصے کی طرف آیا تو زرین نظر نہیں آئی میں نے سیلز گرل سے پوچھا تو اس نے کہا۔

''آپ کی مسز اندر ٹرائی روم میں ہیں۔''

ٹرائی روم پاس ہی تھا۔ میں انتظار کرنے لگا لیکن جب دس منٹ گزر گئے تو میں نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے فوراً کھول کر باہر جھانکا۔

''کیا سارے کپڑے چیک کر رہی ہو؟''

''ہاں تو اور کیا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''بس میں ابھی آئی۔''

زرین نے تمام سوٹ سلے سلائے لیے تھے اور اب ایک ہوشیار خاتون کی طرح تمام کپڑوں کو پہن کر چیک کر رہی تھی کہ ان میں کوئی خامی یا فٹنس کا مسئلہ تو نہیں ہے۔ میں سچ مچ کسی بے بس شوہر کی طرح اس کا انتظار کرنے لگا۔ سیلز گرل مسکرا رہی تھی اور اسے دکھانے کے لیے میں بھی جبراً مسکرا رہا تھا لیکن اسی دوران میں ایک ایسی شخصیت اندر آئی جسے دیکھ کر میں جبراً مسکرانا بھی بھول گیا تھا اور یہ شخصیت ایس آئی اکرم چشتی کی تھی۔ جب میں انڈیا نہیں گیا تھا تو اس سے کئی بار ٹکراؤ ہوا تھا۔ واپس آنے کے بعد بھی یہ ایک بار مجھے نظر آیا تھا اور میں چاہنے کے باوجود اس سے دو دو ہاتھ نہیں کر سکا تھا۔ آج بھی یہ نہایت غلط موقع پر اندر آیا تھا اور میں کسی صورت اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگرچہ میرے پاس پستول تھا اور اس کی ایسی عادت ہو گئی تھی کہ اب کوئی ہتھیار پاس نہ ہو تو لگتا تھا کہ لباس میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ میں نے آتے ہی عبداللہ سے ایک پستول لے لیا تھا اور وہ اس وقت بھی میرے پاس تھا۔ اگر میں نہتا بھی ہوتا تو اکرم چشتی جیسا شخص مجھے مجبور نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ پولیس والا تھا اور اس سے ٹکراؤ کے بعد میرا فرار مشکل ہو جاتا۔ اسلام آباد کی پولیس بہت مستعد تو نہیں ہے لیکن یہ پھر بھی پاکستان کے دوسرے صوبوں کی پولیس سے بہتر تھی اور اسے گاڑیاں اور آلات بھی بہتر ملے تھے۔ اکرم چشتی سیدھا بچوں والے سیکشن کی طرف گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ پولیس کی وردی میں تھا۔ میں نے جلدی سے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔ بچوں کا سیکشن ذرا دور تھا اور وہاں سے اکرم مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اگر اس بد بخت کو کسی نسوانی ملبوس کی ضرورت پڑ جاتی تو وہ اس طرف کا رخ بھی کر سکتا تھا۔ اس صورت میں اس کا مجھ سے سامنا لازمی تھا۔ میں یہاں ہیلمٹ بھی نہیں پہن سکتا تھا کیونکہ اس طرح میں بلا وجہ مشکوک ہو جاتا۔ میں نے دوبارہ دروازے پر دستک دیا۔ اس بار زرین نے ذرا سا کھولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا بات ہے ایک منٹ کی تو بات ہے۔''

''تمہارا ایک منٹ مہنگا پڑ جائے گا۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''میرا ایک دشمن یہاں آ گیا ہے۔ اگر اس کی نظر پڑ گئی تو ہم پھنس جائیں گے۔''

زرین کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''مرشد کا آدمی ہے؟''

''یہی سمجھو..... پولیس کا بندہ ہے۔''

''بس میں آتی ہوں۔'' اس نے کہا اور دروازہ بند کر دیا لیکن اسی لمحے میں نے اوپر لگے ایک آئینے میں اکرم چشتی کو لیڈیز سیکشن کی طرف آتے دیکھا۔ میرے پاس صرف ایک لمحہ تھا اور اگر اکرم اس طرف آ جاتا تو مجھے دیکھ لیتا یہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں نے سوچا اور دوسرے لمحے ٹرائی روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ زرین نے چیخ مارنے کے لیے منہ کھولا تھا لیکن میں نے بروقت اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ مجھے دیکھ کر اس کے تاثرات نارمل ہوئے تو میں نے ہاتھ ہٹا کر سرگوشی میں کہا۔

''وہ بدبخت اسی طرف آ گیا ہے۔''

ابھی تک میں نے اس کی طرف غور سے نہیں دیکھا تھا لیکن چند لمحے بعد مجھے احساس ہوا کہ وہ کس حال میں تھی اور میں نے بوکھلا کر منہ پھیر لیا۔ ''سوری مجھے پتا نہیں تھا۔''

وہ بھی جھینپ کر جلدی سے جامے میں آنے لگی۔ جب اس نے شرٹ پہن لی تو میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ شرمائی ہوئی لگ رہی تھی۔ ''زرین میری بات سنو۔ شاید سیلز گرل نے مجھے اندر آتے نہیں دیکھا ورنہ وہ مجھے روکنے کی کوشش کرتی۔ دوسرے وہ ہمیں میاں بیوی سمجھ رہی ہے۔ اس لیے ممکن ہے اس بات کو نظر انداز کر دے۔''

''میاں بیوی۔'' وہ مزید شرما گئی۔

''میری بات پوری سنو۔ ممکن ہے اب وہ یہاں آئے اور مجھے نکالنا چاہے تو تم اسے روکو گی اور کہو گی کہ تم نے مجھے کسی معاملے میں مدد کے لیے اندر بلایا ہے۔''

''کس معاملے میں؟''

''بابا کسی بھی معاملے میں..... کچھ بھی کہہ دینا۔'' میں نے جھنا کر کہا۔

میرا خدشہ فوراً ہی درست نکلا تھا۔ سیلز گرل نے محسوس کر لیا تھا کہ میں بھی ٹرائی روم میں ہوں اور وہ باہر تک آئی تھی اس نے دروازہ بجایا۔ زرین نے میرے اشارے پر ذرا سا دروازہ کھولا۔

''یس؟''

''سوری میڈم..... آپ کے ہسبینڈ بھی اندر آ گئے ہیں یہ ہمارے رول کے خلاف ہے لیڈیز ٹرائی روم میں کوئی مرد نہیں جا سکتا۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا۔'' زرین نے گھبرائے بغیر سکون سے کہا۔ ''اصل میں مجھے ان کی مدد کی ضرورت تھی اس لیے میں نے ان کو اندر بلا لیا۔''

''ٹھیک ہے اب میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ پلیز ان کو باہر بھیج دیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے زرین کو اشارہ کیا کہ وہ بحث جاری رکھے تاکہ اکرم چشتی یہاں سے دفع ہو جائے۔ اس سیکشن میں تین سیلز گرل تھیں اور مجھے امید تھی کہ یہ کسٹمر کو چھوڑ کر نہیں آئی ہوگی۔ دوسرے وہ اتنی آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی کہ دروازے سے بالکل لگے کھڑے ہونے پر بھی مجھے مشکل سے سنائی دے رہی تھی۔ ''اس میں حرج ہی کیا ہے آخر یہ میرے شوہر ہیں اور بس ایک منٹ کی تو بات ہے۔''

سیلز گرل نے زیادہ بحث بھی مناسب نہیں سمجھی۔ بہرحال کسٹمر از آل ویز رائٹ والا محاورہ ان کو اچھی طرح یاد ہوتا ہے۔ ''او کے لیکن زیادہ دیر مت کیجئے گا۔''

ٹرائی روم میں چھت پر تیز روشنی والے بلب تھے اور تین طرف آئینے لگے تھے جب کہ چوتھی طرف ملبوسات ٹانگنے کے لیے ہینگرز لگے تھے۔ زرین نے وہی لباس پہن لیا تھا۔ جو اس نے سب سے پہلے لیا تھا۔ اس نے خود کو نمایاں کیا۔ ''کیسی لگ رہی ہوں؟''

میرے کان باہر کی آوازوں پر مرکوز تھے۔ اکرم چشتی کی منحوس آواز یہاں تک آ رہی تھی۔ وہ کوئی اچھا نئے فیشن کا لباس لینا چاہ رہا تھا۔ میں نے بے خیالی میں کہا۔ ''ہاں ٹھیک لگ رہی ہو۔''

وہ خفا ہوگئی۔ ''دیکھے بغیر ٹھیک لگ رہی ہوں۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ عام طور سے ریڈی میڈ ملبوسات ہماری خواتین پر فٹ نہیں آتے کیونکہ وہ مروجہ فٹنس کے معیار سے کہیں دور جا چکی ہوتی ہیں اور پھر وہ یہ ملبوسات لے کر اپنے ٹیلرز کے پاس دوڑی جاتی ہیں جو ان کو پھر سے ان کے سائز کا کرتے ہیں لیکن زرین کا جسم متناسب اور معیار پر پورا اترتا تھا اس لیے اسے یہ لباس اس طرح فٹ آ گیا جیسے خاص طور سے اس کے لیے سلا گیا ہو۔ ٹراؤزر اور کرتہ اس کے تناسب پر ڈھل گیا تھا۔ کرتے کا گریبان کسی قدر کشادہ تھا اور اوپر سے ڈھلان بدن سنہری گھاٹی کو چھپا رہا تھا۔ میں نے سر ہلایا۔

''اچھی لگ رہی ہو لیکن اس میں تمہیں سردی نہ لگ جائے۔''

''ابھی مجھے سویٹر بھی لینا ہے۔'' اس نے کہا۔ اس نے چار پانچ سوٹ لیے تھے۔

''وہ بھی لے لینا اسے دفع ہو جانے دو اور تم مزید کپڑے لے لو۔''

''اتنے کافی ہیں۔'' اس نے شاپرز اٹھا کر دکھایا۔ ''میں زیادہ کپڑے نہیں رکھتی ہوں بس اچھے ہونے چاہئیں۔''

اس نے ایک شاپر ذرا پیچھے رکھا تھا لیکن میں نے دیکھ لیا تھا اس میں خواتین کی مخصوص اشیا تھیں۔ میں نے ذرا سا دروازہ کھولا اور باہر جھانکا۔ اکرم چشتی ابھی تک کاؤنٹر پر موجود تھا۔ سیلز گرل مضطرب تھی اور بار بار ٹرائی روم کی طرف دیکھ رہی تھی مجھے لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر صبر نہیں کرے گی اور پھر اس طرف آئے گی۔ دوسری طرف اکرم چشتی جانے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر سیلز گرل دوبارہ اپنے کاؤنٹر سے نکلی اور ٹرائی روم کی طرف آنے لگی۔

''شامت آ رہی ہے۔'' میں نے زرین سے کہا۔ ''کیا تم کچھ کر نہیں سکتیں۔''

اس نے شوخی سے مجھے دیکھا۔ ''کر تو سکتی ہوں اگر تم کہو تو.....''

اس کا انداز سراسر وال میں کالا والی بات تھی لیکن اس وقت میں پھنسا ہوا تھا اور مجھے اس مشکل سے نکلنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ ''تو کہہ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں باہر جا رہی ہوں اور جب جھگڑا ہو تو تم موقع پا کر نکل جانا۔''

''اور تم؟''

''میں آ جاؤں گی۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''مجھے رقم دے کر جاؤ ابھی ادائیگی کرنی ہے۔''

میں نے اسے جیب میں موجود ساری رقم دیدی۔ اس نے رقم ایک شاپر میں ڈالی اور باہر نکل گئی۔ سیلز گرل راستے میں تھی اس نے کسی قدر برہمی سے کہا۔ ''آپ کے ہسبنڈ ابھی تک باہر نہیں آئے۔''

''وہ میرا سامان لا رہے ہیں۔'' زرین کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ اس نے بعد زرین نے اکرم چشتی کی موجودگی سے انجان بنتے ہوئے سیلز گرل سے خواتین کے زیر جامے مانگے اور اس کے بعد اس نے اکرم چشتی کو دیکھنے کو ''دیکھ'' لیا اور اس نے چیخ ماری۔ ''یہ اکیلا آدمی یہاں خواتین کے سیکشن میں کیوں ہے؟''

''تمہیں کیا ہے؟'' اکرم چشتی نے حسب توقع اکھڑ لہجے میں کہا۔ زرین اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''تمہیں شرم نہیں آتی ہے اس حصے میں آتے ہوئے۔''

اکرم چشتی پکا پولیس والا تھا اور اس کی زبان بھی پولیس والی تھی۔ اس نے بدتمیزی کی اور زرین نے ہنگامہ کر دیا۔ اس دوران میں اکرم نے بعض ایسی باتیں کیں جو میری برداشت سے باہر تھیں اور چپکے سے باہر جاتے ہوئے میرا دل چاہا کہ پلٹ کر اس کی گردن مروڑ دوں لیکن اس صورت میں زرین کی کوشش ناکام ہو جاتی جو وہ صرف میری خاطر کر رہی تھی۔ اس نے اتنا ہنگامہ کر دیا تھا کہ سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور میں با آسانی باہر نکل آیا۔ میں نے ہیلمٹ پہنا اور بائیک اسٹور کے سامنے سے ہٹا کر ذرا دور چلا گیا۔ شیشوں کے پیچھے سے میں دیکھ رہا تھا کہ اسٹور کا منیجر اور دوسرے ملازم جمع ہو گئے تھے اور وہ شاید اکرم چشتی کو اس کی بدزبانی پر سمجھا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ بکتا جھکتا اندر سے نکلا اور ایک نئے ماڈل کی ٹویوٹا کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ایک ایس آئی کے ٹھاٹ دیکھنے والے تھے۔ اس کی تنخواہ میں بائیک بھی نہیں آ سکتی تھی اور وہ دس لاکھ کی کار میں گھوم رہا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں اندر کی طرف لپکا۔

زرین سرخ چہرے کے ساتھ اپنے شاپرز لے کر باہر آ رہی تھی اس نے میرے شاپرز بھی اٹھا لیے تھے جو میں اندر ہی بھول آیا تھا۔ میں نے اس سے شاپرز لے لیے۔ اس نے باہر آتے ہی شوخی سے کہا۔ ''کیسا رہا؟''

''شاندار..... تم نے اپنی اداکاری سے مجھے حیران کر دیا۔''

''تو اب کوئی انعام ملنا چاہیے۔'' اس کا لہجہ مزید شوخ ہو گیا تھا۔

''آؤ کچھ کھاتے ہیں۔'' میں نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔ ''لیکن نہیں پہلے تمہارے لیے جوتے اور اوپر پہننے کو کچھ لیتے ہیں۔''

ہم ایک شوز اسٹور میں داخل ہوئے اور یہاں زرین نے اپنے لیے کئی طرح کے جوتے اور گھر میں پہننے والی چپلیں لیں۔ اس کے بعد ایک گرم کپڑوں کی دکان سے اس نے سویٹر اور شال لی اور پھر ہم ایک اوپن ایئر ریستوران کے اندر والے حصے میں کیبن میں آ بیٹھے۔ سامان خاصا ہو گیا تھا اس لیے ایک بیگ بھی لے لیا تھا جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سب ڈال لیا۔ شاپنگ اور اکرم چشتی سے نہ ہونے والے ٹکراؤ کے بعد مجھے بھوک لگنے لگی تھی۔ زرین نے سموسہ اور چاٹ منگوائی۔ میں نے برگر اور فنگر فرائی منگوائے۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ اکرم چشتی سے ناگوار ملاقات کے باوجود زرین بہت خوش تھی۔ اس نے اچھا وقت گزارا تھا اور شاید یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح سے شاپنگ کے لیے نکلی تھی۔ مرشد نے اسے محبوبہ بنا کر رکھا ہوا لیکن عملاً اس کا مرتبہ کنیز والا تھا جسے جو دیا جاتا وہ بھیک اور عطیہ ہوتا۔ اس نے کوئی خوشی نہیں دیکھی تھی جو اس جیسی حسین عورت کا حق ہوتا ہے۔ میں نے اسے برابر کا انسان سمجھتے ہوئے اس سے برتاؤ کیا۔ اس کے ناز اٹھائے اور اسے مان و مرتبہ دیا۔ یہ خوشی اس کے چہرے اور وجود سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''اتنی سردی ہے اور تم اتنی کھٹی چیزیں کھا رہی ہو بیمار مت ہو جانا۔''

''آج میں اتنی خوش ہوں کہ بیمار ہونا تو ایک طرف رہا میں اس کے لیے مرنے کو بھی تیار ہوں۔''

''ایسی باتیں مت کرو میرا دل کہتا ہے تم ابھی بہت عرصے تک زندہ رہو گی اور بہت ساری خوشیاں حاصل کرو گی۔''

اس نے چمکتی مسکراتی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ ''سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں کیونکہ تم ایک حوصلہ مند اور مضبوط لڑکی ہو۔''

''نہیں میں تم سے ملنے سے پہلے ایسی نہیں تھی جب تم سے ملی تو مجھے لگ رہا ہے میں بدل گئی ہوں۔''

''ایسا نہیں ہے کوئی کسی سے مل کر نہیں بدلتا ہے ہاں وہ خود کو دریافت کر لیتا ہے یہ سب تمہارے اندر پہلے سے موجود تھا بس تم نے اسے دریافت کر لیا ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' وہ بولی۔ ''شہباز ایک بات پوچھوں تم سے؟''

''ہاں پوچھو؟''

''میں تمہیں کیسی لگتی ہوں؟''

''تم..... تم مجھے اچھی لگتی ہو؟'' میں اس سوال کے لیے تیار نہیں تھا۔

''کتنی اچھی لگتی ہوں؟''

''اب یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ کتنی اچھی لگتی ہو۔''

میرے جواب سے وہ کچھ مایوس ہوئی تھی لیکن کچھ دیر بعد پھر چہکنے لگی۔ کھانے کے بعد اس نے آئس کریم منگوائی تھی۔ میں نے اپنے لیے کریم کافی منگوائی۔ اس نے پوچھا۔ ''تم آئس کریم کیوں نہیں لے رہے؟''

''اتنی سردی میں آئس کریم..... نہیں بابا تم ہی کھاؤ۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اب جلدی کرو رات خاصی ہو گئی ہے۔''

''کیوں کیا تم شادی شدہ ہو جو بیوی کا ڈر ہے؟'' وہ ہنسی۔

''یہ بات نہیں ہے میں وہ شامت کا مارا ہوں، حادثے جس کی تلاش میں رہتے ہیں ابھی تم نے دیکھا کہ کچھ دیر کے لیے باہر آئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دشمن سے سامنا ہو گیا وہ تو تمہاری حاضر دماغی کام آئی ورنہ شاید سب چھوڑ کر بھاگنا پڑتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ یک دم سنجیدہ ہوگئی۔ ''میں نے نہ جانے کیسے یہ سب کر لیا لیکن مجھے اس شخص سے بہت خوف آ رہا تھا اس کی زبان ہی نہیں نظریں بھی بہت گندی تھیں۔''

''میں جانتا ہوں یہ واقعی بہت گھٹیا شخص ہے ایک بار تو میرا دل چاہا تھا کہ پلٹ کر آؤں اور اس کی گردن مروڑ دوں۔''

''تم نے اچھا کیا ورنہ میری کوشش رائیگاں جاتی اور ہم اتنا اچھا وقت نہیں گزار سکتے تھے۔'' اس نے آئس کریم ختم کرتے ہوئے کہا۔

میں نے بل کی رقم ادا کی اور ہم باہر آئے۔ میں احتیاطاً باہر آنے سے پہلے ہیلمٹ پہن لیتا تھا اور زرین نے باہر آنے کے بعد ہیلمٹ پہنا۔ بیگ کی وجہ سے آسانی ہوئی تھی ورنہ اتنا سامان بائیک پر لے جانا مسئلہ بن جاتا۔ زرین نے سویٹر پہن لیا تھا اس لیے اسے اب اتنی سردی نہیں لگنی چاہیے تھی اس کے باوجود وہ مجھ سے لگ کر بیٹھی تھی۔ میں ذرا آگے ہوا لیکن اس نے مزید سرک کر میری دور ہونے کی کوشش ناکام بنا دی۔

''ذرا پیچھے ہو کر بیٹھو۔''

''پیچھے ہو کر سردی لگتی ہے۔'' وہ بولی۔

میں نے بائیک آگے بڑھا دی۔ اکرم چشتی سے ٹکراؤ کے بعد مجھے خطرہ تھا کہ کوئی اور مصیبت نہ نازل ہو جائے لیکن خیریت رہی اور ہم باعافیت کوٹھی پہنچ گئے۔ اندر جاتے ہوئے کوئی نہیں ملا تھا اس لیے میں نے اپنے کمرے کا رخ کرنا چاہا لیکن زرین نے روک لیا۔ ''اپنی چیزیں نہیں لو گے۔''

''وہ میں بعد میں لے لوں گا۔'' میں نے کہا میں اس وقت اس کے کمرے میں نہیں جانا چاہ رہا تھا۔

''آؤ نا۔'' اس نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھام کر اندر کھینچ لیا۔ ''تم نے میری شاپنگ دیکھ لی اب اپنی بھی دکھاؤ۔''

''میں نے کیا شاپنگ کرنی ہے بس ضرورت کی چند چیزیں لی ہیں۔''

اس نے بیگ سے شاپرز نکال کر بیڈ پر پھیلا دیے تھے۔ ''آؤ بیٹھو نا کھڑے کیوں ہو؟ میں چائے منگواتی ہوں۔'' اس نے کہا اور انٹر کام پر منیر کو چائے کا کہا وہ اس وقت بھی کام پر موجود تھا۔ چائے کا کہہ کر زرین نے میرے کپڑے نکال کر دیکھے۔ پھر اسے خیال آیا۔

''تم نے انعام والی بات کا جواب نہیں دیا۔''

''کیسا انعام؟''

''جو میں نے تمہیں اس خبیث سے بچایا تھا۔''

''اس کا انعام تمہیں یوں مل گیا کہ تم نے باقی وقت کو انجوائے کیا۔''

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ ''تم خود کو بچا رہے ہو؟''

میں مسکرایا۔ ''آج کے دور میں کون خود کو نہیں بچاتا ہے۔''

وہ بدستور میری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ ''مجھ سے بچ نہیں سکتے۔''

''یہ تو وقت بتائے گا۔'' میں نے کہا۔ اسی اثنا میں منیر نے دروازے پر دستک دی۔ زرین نے آنے کو کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور وہ ٹرے سمیت اندر آیا۔ اس نے پوچھا۔

''آپ کھانا کب کھائیں گے؟''

''ہم کھانا کھا کر آئے ہیں۔'' زرین بولی۔

''میں سونے جا رہا ہوں کوئی اور چیز درکار ہے تو بتا دیں؟''

''نہیں اور کچھ نہیں چاہیے تم جا کر سو جاؤ۔'' میں نے کہا۔

اندر خوشگوار گرمی تھی اس لیے زرین نے سویٹر اتار دیا۔ میں نے جلدی جلدی چائے پی اور اپنا سامان سمیٹ کر شاپرز میں ڈالا۔ اس نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔ ''اتنی جلدی کیا ہے کیا کچھ دیر میرے پاس بیٹھ نہیں سکتے۔''

''بیٹھ تو سکتا ہوں لیکن زرین اس وقت رات ہو گئی ہے اور اب میرا جانا بہتر ہے۔''

''کیا تمہیں کسی کا خوف ہے؟''

''نہیں مجھے کسی کا خوف نہیں ہے لیکن کسی عورت کے کمرے میں کسی ایسے مرد کا دیر تک رہنا مناسب نہیں ہے جس سے اس کا کوئی رشتہ نہ ہو۔''

''میں تمہیں غیر نہیں سمجھتی۔'' اس کا لہجہ جذباتی ہو گیا تھا۔

''تم ایسا سمجھتی ہو لیکن دوسرے تو ایسا نہیں سمجھتے ہیں اور زرین وہ میری بہت عزت کرتے ہیں۔''

وہ بجھ گئی تھی۔ ''تو تمہارے خیال میں، مَیں تمہاری عزت کے لیے خطرہ ہوں کیونکہ میں ایک بے آبرو عورت ہوں۔''

''تم غلط سمجھ رہی ہو۔''

''نہیں میں ٹھیک سمجھ رہی ہوں۔'' اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔ ''تم نے مجھے ترس کھا کر پناہ دی ہے لیکن تمہارے نزدیک میں ایک بری عورت ہوں۔''

''تم اس وقت جذباتی ہو کر غلط سوچ رہی ہو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''کیا تم نے میرے یا کسی اور کے انداز میں اپنے لیے کوئی غلط بات محسوس کی ہے۔''

''نہیں۔'' اس کی آواز دھیمی پڑ گئی تھی۔

''تو اس کی وجہ یہی ہے کہ میں اور سب تمہاری عزت کرتے ہیں اور جہاں تک عزت و آبرو کا تعلق ہے تو تم کسی طرح ان عورتوں سے کم نہیں ہو جو اپنے گھروں میں رہتی ہیں۔''

''سچ میں تم ایسا سمجھتے ہو؟'' اس نے کسی قدر شک سے کہا۔ ''جب کہ تم میرے بارے میں سب جانتے ہو؟''

''تمہارے بارے میں جانتا ہوں تب ہی تو تمہیں اچھا سمجھتا ہوں۔ اگر تم بری عورت ہوتیں تو مرشد کے ساتھ مزے کی زندگی چھوڑ کر نہ نکل آتیں جب کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ مستقبل میں تم کس طرح زندگی گزارو گی اور تمہارا گزارا کیسے ہو گا؟''

''یہ تو مجھے اب بھی نہیں معلوم ہے۔'' وہ افسردہ ہو گئی۔ ''تم نے میرے لیے جو کیا ہے وہ تمہاری مہربانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے لیکن تم ہمیشہ کے لیے میری ذمے داری تو نہیں اٹھا سکتے۔''

''اگر میرے حالات اجازت دیتے تو میں یہ کام بھی کر سکتا تھا۔'' میں کہتے ہوئے کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھ کر میرے پاس چلی آئی۔ اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''تم نے میرے لیے جتنا کیا ہے میں اس کے لیے بھی تمہاری شکر گزار ہوں۔''

''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں نے جو کیا وہ اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''شہباز ایک بات سچ سچ بتاؤ گے؟''

''میں کوشش کروں گا۔''

''کیا میرا ایک حسین عورت ہونا تمہارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے؟''

''یہ تم نے کیسے محسوس کیا۔ تم ایک خوب صورت عورت ہو اور یہ بات کوئی مرد محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''تب تمہاری آنکھوں اور تمہارے انداز سے اس کا اظہار کیوں نہیں ہوتا؟'' اس نے شکوہ کیا۔

''کیونکہ میرے نزدیک عورت کا حسن ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی کھلا ہوا پھول یا فطرت کا کوئی دل کش نظارا، اس سے ہٹ کر میں عورت کو صرف عورت سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہیں اس نظر سے کیوں نہیں دیکھتا ہوں جس نظر سے ایک مرد کسی عورت کو دیکھ سکتا ہے تو میں معذرت چاہوں گا میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا رخسار چھوا۔ ''شہباز تم بہت اچھے انسان ہو۔''

''شاید..... لیکن میں بننے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔''

''نہیں تم اچھے آدمی ہو۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''ایک سوال اور کرنے کی اجازت ہے؟''

''پوچھو؟'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''لگتا ہے آج رات سوال جواب میں گزر جائے گی۔''

''نہیں بس یہ آخری سوال ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''شہباز کیا تم کسی کو چاہتے ہو؟''

''تمہیں یہ سوال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''پہلے میرے سوال کا جواب دو۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''پھر بتاتی ہوں۔''

''ہاں چاہتا ہوں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''اب تم بتاؤ کہ یہ سوال کیوں کیا؟''

''کیونکہ آج میں نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا۔'' اس نے رخ دوسری طرف کر لیا لیکن مجھ سے دور نہیں ہوئی تھی وہ اتنے پاس تھی اس کے بدن سے اٹھتی مسحور کن مہک محسوس کر رہا تھا۔ یہ اس کی اپنی خوشبو تھی کیونکہ اس نے کوئی پرفیوم استعمال نہیں کیا تھا۔ ''میں نے جب تمہارے پاس ہونے کی کوشش کی تمہارا ردِعمل ایسا ہو جاتا جیسے تم کوئی دیوار ہو جس سے میں سر ٹکرا سکتی ہوں لیکن اس میں کوئی راہ تلاش نہیں کر سکتی ہوں۔''

''تم نے درست اندازہ لگایا۔'' میں نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔ ''تمہارے سحر میں کوئی کمی نہیں ہے۔''

میں اس کے پاس سے گزرا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ باہر نکل کر میں نے ایک گہری سانس لی اور سوچا۔ ''لو میاں بنا کسی فتنے فساد کے ایک چکر سے بچ نکلے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○.....❖.....○

زرین کا رویہ شام سے بدلا ہوا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ وہ مجھ سے وابستہ توقعات پوری نہ ہونے کے بعد ایک زبردست جذباتی بحران کا شکار ہونے والی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس بحران کا نتیجہ کیا نکلتا لیکن خدا جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے میں نے اسے سخت رویے سے پیچھے نہیں دھکیلا بلکہ نرمی سے اپنی جگہ کھڑا رہا تھا اور بالآخر زرین خود سمجھ گئی کہ میں اس کی توقعات پوری نہیں کر سکتا ہوں۔ وہ اتنی ذہین بھی تھی کہ اس نے اس کی وجہ بھی جان لی اور میں وضاحتیں کرنے سے بچ گیا۔ میں کمرے میں آیا تو وہاں بیتو موجود تھا۔ اس نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''شوبی بھائی کہاں سے آ رہا ہے؟''

''مارکیٹ گیا تھا۔'' میں نے شاپرز ایک طرف رکھ دیئے۔ ''تم سوئے نہیں۔''

''سارا دن تو سوتا رہا تھا اب نیند اتنی جلدی کہاں آئے گا۔''

واش روم سے آ کر میں نے جیکٹ اور جوتے اتارے اور بستر پر گر گیا۔ ''آپ نے کھانا بھی باہر کھایا ہے؟''

''ہاں برخوردار۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ویسے تم یہ پوچھنا چاہ رہے ہو کہ میں کس کے ساتھ گیا تھا تو تمہیں معلوم ہے۔''

وہ کھسیا گیا۔ ''ہمارا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''اب مطلب جو بھی رہا ہو۔'' میں نے کمبل اوپر کھینچ لیا۔ ''تم شوق سے جاگتے رہو لیکن مجھے صبح جلدی اٹھنا ہے۔''

''صبح کوئی خاص بات ہے؟'' اس نے تجسس سے کہا۔

''کل عتیق کو اسپتال سے یہاں لانا ہے اور کل ہی حکیم قادس آ رہا ہے۔''

''ہاں ہم کو پتا ہے۔''

''یہ بات دشمن بھی جانتے ہیں اور وہ اس میں گڑبڑ کر سکتے ہیں اور اس کوٹھی کا پتا چلانے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔ ان کو ان دونوں کاموں سے روکنا ہے۔''

''یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تب ہم کیا کر سکتا ہے؟''

''ہم یہ کر سکتا ہے کہ کل دشمن کو کوئی حرکت نہ کرنے دے۔''

''ہم اسپتال جائے گا؟''

میں سوچ چکا تھا۔ ''نہیں ہم اسپتال نہیں جائیں گے بلکہ دور رہ کر نگرانی کریں گے۔''

''وہ کیسے؟''

''بائیک پر۔'' میں نے کہا۔ ''اس لیے اب جا کر سو جاؤ تا کہ صبح تازہ دم ہو۔ پتا نہیں کس وقت میدانِ عمل میں آنا پڑے۔''

بیتو سر ہلاتا ہوا رخصت ہو گیا اور میں نے موبائل میں صبح سات بجے کا الارم لگایا کیونکہ گزشتہ کچھ عرصے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے میری صرف سوچ کر وقت پر اٹھنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی تھی۔ حکیم قادس کی دی ہوئی دواؤں نے مجھ میں یہ صلاحیت بیدار کر دی تھی کہ میں اپنی مرضی سے سو جاتا تھا اور جو وقت سوچ کر سوتا تھا اس پر خود بہ خود میری آنکھ کھل جاتی تھی لیکن اب ایسا نہیں ہوتا تھا اگر مقررہ وقت پر جاگنے کا کوئی بندوبست نہیں ہوتا تھا تو میں سوتا رہ جاتا تھا۔ صبح بھی الارم نے مجھے بیدار کیا تھا۔ میں نے اٹھ کر پہلے نماز پڑھی اور پھر باہر آیا۔ نشست گاہ میں عبداللہ موجود تھا۔ وہ کسی سے موبائل فون پر بات کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے میں آٹھ بجے تک آتا ہوں۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ کر موبائل رکھ دیا۔ ''صبح بخیر جناب۔''

''صبح بخیر..... کوئی تازہ احوال؟''

''ہیلی کاپٹر پائلٹ نے موسم کی رپورٹ لے لی ہے موسم کلیئر ہے ہم آٹھ بجے پرواز کر سکتے ہیں اور کوئی مسئلہ نہیں ہوا تو ساڑھے نو بجے تک واپس آ سکتے ہیں۔''

''یہاں کے انتظامات مکمل ہیں؟''

''بالکل مکمل ہیں۔ میں آتے ہی عتیق کو اسپتال سے لینے چلا جاؤں گا۔ آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

''میں اور بیتو بائیک پر ہوں گے اور دور سے نگرانی کریں گے اگر کوئی راستے میں آیا اور اس نے روکنے یا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو ہم اسے روکیں گے۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' عبداللہ مطمئن ہو گیا۔ ''ورنہ میں اس طرف سے فکر مند تھا میرے پاس موجود آدمیوں میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ از خود کوئی فیصلہ کریں۔ اس کام کے لیے آپ سے بہتر کوئی آدمی نہیں ہے۔''

''ہمیں اسلحہ اور مواصلاتی آلات درکار ہیں جو چھوٹے ہوں اور آپس میں سب کو منسلک رکھ سکیں۔''

''میرے پاس موجود ہیں۔ میں منیر سے کہہ دوں گا وہ آپ کو اسلحہ دکھا دے گا اور چھوٹے ہیڈ سیٹ دے گا۔ باقی آپ خود دیکھ لیجئے گا۔''

عبداللہ کو جلدی تھی کیونکہ اسے ہیلی کاپٹر کے ساتھ جانا تھا اس لیے وہ چلا گیا۔ بیتو اٹھ کر آ گیا تو ہم نے ناشتہ کیا اور ناشتے کے بعد منیر نے مجھے ایک کمرے میں موجود اسلحہ دکھایا۔ اس میں خود رائفلوں سمیت ہر قسم کا اسلحہ تھا لیکن میں نے پستول کے ساتھ دو عدد دھوئیں کے بم لے لیے تھے۔ منیر نے بتایا کہ یہ بنا کسی آواز کے پھٹتے ہیں اور چند سیکنڈ کے اندر دو سو مربع فٹ کی علاقے کو دھوئیں سے بھر دیتے ہیں۔ بیتو کو ان کا استعمال نہیں آتا تھا اس لیے اس کے لیے نہیں لیے۔ دو پستولوں کے دو دو اضافی میگزین بھی لیے تھے اور یہ سب ہمارے لباس میں آسانی سے آ سکتا تھا۔ فرار اور کسی کو تعاقب سے روکنے کے لیے دھوئیں کے بم بہترین ہتھیار تھے۔

زرین ابھی سو رہی تھی۔ میں نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔ ''کون؟''

''شہباز۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اب اٹھ جاؤ۔''

''اندر آ جاؤ۔'' وہ بولی۔

میں اندر داخل ہوا تو وہ بدستور کمبل میں روپوش تھی۔ اس کی نیند شاید پوری نہیں ہوئی تھی اس نے موندی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنکھوں سے دیکھا۔ ''اتنی صبح کیوں اٹھ گئے؟''

''مجھے ایک کام سے جانا ہے۔''

وہ چونک گئی۔ ''کہاں جارہے ہو؟''

''مرشد کے آدمیوں نے میرے گھر کی ایک گاڑی پر حملہ کیا تھا اس میں میرا ایک رشتے دار زخمی ہو گیا تھا۔ اسے آج اسپتال سے یہاں کوٹھی میں لانا ہے۔''

''وہ ٹھیک ہو گیا ہے؟''

''نہیں لیکن اس کا اب یہیں علاج ہو گا۔'' میں نے کہا۔

وہ اٹھ بیٹھی اور کمبل ایک طرف کر دیا۔ گزشتہ رات اس نے جو کپڑے لیے تھے ان میں ایک نائٹ سوٹ بھی تھا۔ لائنوں والا یہ سوٹ اسے اچھا لگا تھا اور اس وقت وہ یہی سوٹ پہنے ہوئے تھی اور اس ڈھیلے ڈھالے لباس میں بھی اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''شہباز اگرچہ میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن مجھے اس طرح سے یہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔''

''تو تم کیا چاہتی ہو؟''

''تم نے کہا تھا مجھے جاب دلا دو گے تو یہیں جاب دلا دو میں کچھ بھی کر لوں گی۔ صفائی کا کام بھی کر لوں گی۔''

''تم اس لیے نہیں ہو کہ صفائی کے کام کرو اور یہاں تمام کام کرنے والے موجود ہیں۔''

''تب میں کیا کروں؟''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''دیکھو شاید آج سے یہاں اچھے خاصے لوگ آجائیں گے اور اس وقت کام کرنے والوں کی کمی ہو گی۔ تم یہاں نگرانی کر سکتی ہو۔ گھر کا نظام چلا سکتی ہو۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے تذبذب سے کہا۔

''دیکھو تمہیں ایک کوٹھی میں رہنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کا مکمل تجربہ ہے تم اس تجربے کو یہاں استعمال کر سکتی ہو۔ میں منیر سے کہتا ہوں فی الحال وہ بے چارہ اکیلا ہی سب کرتا ہے تم اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ گی تو اس کا بوجھ بھی ہلکا ہو گا۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' وہ خوش ہو گئی۔ ''میں بھی مصروف ہو جاؤں گی۔''

''بس تو تم تیار ہو کر آجاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''یوں سمجھ لو کہ آج سے تمہاری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔''

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ ''وہ تو کل رات شروع ہو گیا تھا جب میں تمہارے ساتھ شاپنگ پر گئی تھی۔ اس وقت مجھے لگا جیسا میرا بھیانک ماضی صرف ایک خواب ہے۔''

''اسے خواب سمجھ کر ہی بھول جاؤ۔'' میں نے کہا اور اس کے کمرے سے نکل آیا۔ منیر نشست گاہ میں رات کے برتن سمیٹ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم یہاں سارے کام اکیلے کرتے ہو کوئی مددگار کیوں نہیں رکھ لیتے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ جانتے ہیں ہم کس قسم کے لوگ ہیں۔ ہم کسی کو رازدار نہیں بنا سکتے۔'' وہ بولا۔ ''کیا آپ کو میری خدمت میں کسی قسم کی کمی محسوس ہوئی ہے؟''

''نہیں یار تم تو مجھے جن لگتے ہو ہر کام کر رہے ہوتے ہو لیکن میرا خیال ہے تمہیں ایک مددگار کی ضرورت ہے۔''

''کیا آپ کسی کو رکھنا چاہتے ہیں۔''

''ان معنوں میں نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ زرین ایک مظلوم عورت ہے اور وہ معمول کی زندگی کی طرف آنا چاہتی ہے اسے مصروفیت چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس کوٹھی میں کچھ کام سنبھال لے لیکن اس کا درجہ ملازم کا نہیں ہوگا۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔'' منیر نے سر ہلایا۔ ''آپ کی ساتھی ہونے کی وجہ سے وہ قابلِ اعتماد بھی ہیں۔ میں اس معاملے کو دیکھ لوں گا۔''

''گڈ..... اب اسے دیکھنا تمہاری ذمے داری ہے۔''

کچھ دیر میں زرین بھی آ گئی۔ ناشتے کے لیے وہ براہِ راست کچن میں چلی گئی تھی۔ ناشتے کے بعد اس نے آ کر مجھے بتایا۔ ''میری منیر سے بات ہو گئی ہے۔ اب میں کچن کے معاملات دیکھوں گی اور گھر کا باقی کام وہ کرے گا۔''

''گڈ لیکن یاد رکھنا تم اس گھر میں ملازمہ نہیں ہو تمہارا درجہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ شہباز مجھے حیرت ہوتی ہے یہ تمہاری کتنی عزت کرتے ہیں اور تمہارا ذکر یوں کرتے ہیں جیسے تم ان کے لیے کوئی بہت اعلیٰ و ارفع ہستی ہو۔''

''بس یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ ورنہ بندہ کسی قابل نہیں ہے۔''

''خیر ایسا نہیں ہے تم میں کوئی بات ہے جو میں نے کسی دوسرے شخص میں محسوس نہیں کی ہے۔''

''اب تم مطمئن ہو؟''

''ہاں۔'' وہ بولی اور چلی گئی۔ کچھ دیر بعد بیتو آ گیا۔

''شوبی بھائی ہم نے کب جانا ہے؟''

''جب عبداللہ حکیم قادوں کو لے کر آ جائے گا۔'' میں نے گھڑی دیکھی ساڑھے دس بجنے والے تھے۔ ''وہ بس آ رہا ہوگا۔''

بیتو ابھی سے تیار تھا۔ اس نے کپڑے اور جوتے بھی پہن لیے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہارے پاس کوئی موبائل نہیں ہے؟''

اس نے ایک موبائل دکھایا۔ ''عبداللہ بھائی نے دیا ہے۔''

''تم نے مجھے بتایا نہیں اور نہ ہی نمبر دیا۔'' میں نے اپنا موبائل نکال کر اس کا نمبر لیا۔ اسی لمحے گیٹ کی طرف سے ہارن کی آواز آئی تھی۔ میں نے کھڑکی سے جھانکا وین اندر آ رہی تھی اس کا مطلب تھا کہ عبداللہ آ گیا تھا۔ وہ عبداللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ حکیم قادوں اپنے مخصوص چغے میں اور اپنے دواؤں کے بکسے سمیت وین سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اترا تھا۔ میں باہر آیا۔ حکیم قادس مجھے دیکھ کر چونکا اور اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔

''اس کا ترجمان کہاں ہے؟'' میں نے عبداللہ سے پوچھا۔ ''اس کی زبان کون سمجھے گا؟''

''میں راجا صاحب کی زبان جانتا ہوں۔'' عبداللہ مسکرایا۔

حکیم قادس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں سمجھا کہ وہ ہاتھ ملانے کو کہہ رہا ہے لیکن جب میں نے دایاں ہاتھ بڑھایا تو اس نے اسے نظر انداز کر کے اس نے میرا بایاں ہاتھ تھام لیا جس کا اس نے کبھی علاج کیا تھا۔ اس نے غور سے ہاتھ کا معائنہ کیا پھر اسے سونگھا اور مجھے شبہ ہوا کہ وہ ابھی اسے چکھ کر بھی دیکھے گا لیکن خیریت رہی اس نے ایسا کرنے سے گریز کیا۔ اندر سے منیر برآمد ہوا اور اس نے حکیم قادس کا بکسا سنبھال لیا اور پھر اسے اندر لے گیا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔

''بس اب چلنے کی تیاری کرو۔''

عبداللہ نے موبائل پر کسی سے رابطہ کیا۔ ''کیا کر رہے ہو تیار ہو پوری طرح؟''

دوسری طرف سے جواب سن کر اس نے موبائل بند کر دیا۔ ''وہ آ رہے ہیں آپ نے اپنی پسند کا اسلحہ لے لیا؟''

''ہاں میں اور بیتو پوری طرح تیار ہیں ہم بائیک پر ہوں گے اور تم لوگوں سے ذرا فاصلے پر رہیں گے لیکن ریڈیو نہیں ہیں۔''

''وہ میرے پاس ہیں۔'' اس نے وین سے ایک بیگ سے دو عدد ہیڈ سیٹ نکالے۔ یہ بہت مختصر سے الیف ایم ہینڈ پر کام کرنے والے دو طرفہ ریڈیو تھے۔ ''ان کی رینج نصف کلومیٹرز ہے۔ ان کو کان پر پہن لیں اور جب بات کرنی ہو تو اس کے کان والے حصے پر ہاتھ رکھ لیجیے گا۔''

اس نے مجھے اور بیتو کو ہیڈ سیٹ دیئے اور ہم نے ان کو تجربہ کر کے بھی دیکھ لیا۔ یہ بہترین کام کر رہے تھے اور جب ہم نے اوپر ہیلمٹ پہنے تو ان کا پتا بھی نہیں چلتا تھا۔ اس دوران میں اندر سے عبداللہ کے تین افراد نکل آئے تھے ان میں سے دو تو وہی تھے جو اس کے ساتھ سرگودھا بھی آئے تھے ایک نیا تھا اور چوتھا فرد ایاز تھا۔ وین وہی ڈرائیو کرتا۔ ان کے آتے ہی ہم روانہ ہو گئے تھے۔ میں نے بائیک کچھ پیچھے رکھی تھی اور جب اسپتال کے پاس پہنچے تو میں جان بوجھ کر مزید پیچھے ہو گیا۔ میں نے اسپتال میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں باہر ہی رک گیا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ تم مرشد کے آدمیوں کے لیے اجنبی ہو۔ تم سڑک کے دوسری طرف جاؤ اور دیکھو اگر کوئی مشکوک فرد یا گاڑی نظر آئے۔''

بیتو سڑک پار کر کے دوسری طرف چلا گیا۔ اس نے ہیلمٹ اتار دیا تھا لیکن میں نے پہن کر رکھا کیونکہ میرے پاس بائیک تھی۔ میرا انداز ایسا تھا جیسے مجھے کسی کا انتظار ہے۔ ہیلمٹ کی وجہ سے ایک مجبوری تھی کہ میں اسے ہٹائے بغیر کسی سے کچھ نہیں سکتا تھا۔ البتہ مجھے دوسروں کی بات سنائی دیتی۔ مگر فی الحال سب خاموش تھے۔ عبداللہ وین سمیت اسپتال کی پارکنگ میں جا چکا تھا۔ مجھے رفیق بھائی کا خیال آیا لیکن میں نے رابطے سے گریز کیا اس وقت وہ عتیق کو اسپتال سے ریلیز کرا رہے ہوں گے۔

اسپتال کے باہر اس سڑک پر کئی گاڑیاں تھیں لیکن مجھے ان میں کوئی بھی گاڑی مشکوک نہیں لگی تھی۔ یہ سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالی تھیں اور نہ ہی آس پاس کوئی مشکوک فرد نظر آ رہا تھا۔ شاید سب سے مشکوک فرد میں خود ہی تھا جو بلاوجہ یہاں رکا ہوا تھا۔ کوئی دس منٹ بعد بیتو کی آواز آئی۔ ''شوبی بھائی اس طرف کوئی ایسا بندہ نہیں جس پر ہم شک کریں۔''

میں نے ہیلمٹ اتارا اور ہیڈ سیٹ پر ہاتھ رکھا۔ ''یہاں بھی کوئی نہیں ہے لیکن اپنا کام جاری رکھو۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا۔ میں نے سوچا جب ہیلمٹ اتار ہی دیا ہے تو عبداللہ سے اندر کی پوزیشن پوچھ لوں۔ ''عبداللہ اندر کیا ہو رہا ہے؟''

''عتیق کو ایمبولینس میں منتقل کرنے کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''میرا اندازہ ہے ہم دس منٹ میں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ باہر کی کیا پوزیشن ہے؟''

''اگر دشمن نے یہاں گھات لگا رکھی ہے تب بھی نظر نہیں آ رہا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''سڑک کے دوسری طرف بھی کوئی نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے مطلع صاف ہے۔'' عبداللہ نے کہا اور میں نے ہیلمٹ پہن لیا۔ عبداللہ کے برعکس میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ مطلع اتنا صاف بھی نہیں ہے جتنا کہ نظر آ رہا ہے۔ جب عبداللہ کے بتائے ہوئے دس منٹ پورے ہونے کا وقت آیا تو میں نے ایک بار پھر ہیلمٹ اتار کر بیتو کو پکارا۔

''بیتو آ جاؤ جانے کا وقت ہو گیا ہے۔''

فوراً ہی سڑک کے دوسری طرف سے بیتو نمودار ہوا اور وہ گرین بیلٹ عبور کرتا ہوا میری طرف آیا۔ اسی لمحے اسپتال کے گیٹ سے پہلے ایک بڑی ایمبولینس نمودار ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور بیتو اچک کر پیچھے بیٹھ گیا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''عبداللہ سے پوچھو وہ کہاں ہے؟''

بیتو نے یہ سوال کیا تو اس کا جواب آیا۔ ''میں وین میں ہوں کیونکہ ایمبولینس میں ڈاکٹر ہے اور ایک نرس ہے۔ انہوں نے رفیق صاحب کے علاوہ کسی اور کو ایمبولینس میں جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے۔''

''اوکے..... لیکن ایمبولینس کے بالکل ساتھ رہنا۔''

''آپ بے فکر رہیں۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''ہم پوری طرح ہوشیار ہیں۔''

ایمبولینس کی رفتار کچھ تیز ہوئی اور وہ ذیلی سڑکوں سے گزرتی مین روڈ پر آ گئی۔ یہ سڑک راولپنڈی کی حدود سے گھومتی ہوئی دوبارہ اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوتی تھی۔ کچھ آگے جا کر یہ راولپنڈی کی حدود میں داخل ہو گئی۔ یہاں ایمبولینس کی رفتار مزید بڑھی تھی۔ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کی وین ایمبولینس سے کوئی بیس گز پیچھے تھے۔ ایمبولینس کو اس سڑک پر سیدھے ہی جانا تھا۔ اس لیے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا کہ ڈرائیور اسے کسی اور طرف موڑ سکتا ہے۔

اچانک ہی ایمبولینس ایک ذیلی سڑک پر مڑ گئی۔ ساتھ ہی اس کی رفتار بھی بہت تیز ہو گئی تھی۔ میرے کان میں عبداللہ کی اضطراری آواز آئی۔ ''یہ کیا..... ایمبولینس کو اس طرف نہیں جانا ہے۔''

خطرہ سامنے آتے ہی میں نے ہیلمٹ اتار کر پھینک دیا اور ہیڈ سیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے عبداللہ سے کہا۔ ''ایمبولینس کو روکو میرا خیال ہے اسے ہائی جیک کر لیا ہے۔''

''یہی بات ہے۔'' عبداللہ نے کہا وین موڑ مڑ رہی تھی اور وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی اس کی رفتار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھی تیزی آئی تھی۔ میں نے بائیک کو ایکسلر یٹر دیا۔ اسی لمحے عبداللہ کے چلانے کی آواز آئی۔ ''لعنت ہو یہ کیا ہو رہا.....'' اس کی آواز اچانک بند ہو گئی تھی۔

''عبداللہ کیا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا لیکن اس کی طرف سے جواب نہیں آیا اور اس کی وجہ بھی موڑ مڑتے ہی نظر آ گئی تھی۔ وین لڑکھڑا کر رک رہی تھی اور میری نظر سڑک پر بچھے ٹائر کلر پر گئی تھی۔ میں نے بے ساختہ بائیک کا رخ سڑک کے ساتھ کچے کی طرف کر دیا لیکن بدقسمتی سے ٹائر کلر کچے تک چلے گئے تھے اور بچاتے ہوئے بھی بائیک کا پہیہ اس پر چڑھ گیا۔ ایک دھماکے سے ٹائر پھٹا اور بائیک لڑھک گئی۔ بیتو پہلے ہی اچھل کر الگ ہو گیا تھا بائیک گری تو میں بھی الگ ہو گیا۔ چند قلابازیاں کھا کر میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ وین رک گئی تھی اور ہماری نظروں کے سامنے ایمبولینس تیز رفتاری سے جا رہی تھی اور اسے روکنے کے لیے ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے بے بسی سے اسے دیکھا میری مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ دشمن کامیاب رہا تھا اس نے وہاں سے وار کیا جہاں سے ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اسی لمحے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

○.....❖.....○

میں نے شانے پر ہاتھ رکھنے والے کو دیکھا۔ وہ بیتو تھا اس نے تشویش سے کہا۔ ''شوبی بھائی آپ ٹھیک ہے؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں چوٹ تو نہیں آئی ہے؟''

''نہیں بس کہنی چھل گیا ہے۔'' اس نے اپنی کہنی دیکھی جس سے خون جھلک آیا تھا۔ عبداللہ کے آدمی بہت تیزی سے حرکت میں آئے تھے اور وہ اس وقت وین کے ٹائر بدل رہے تھے۔ احتیاطاً انہوں نے چار اسپیئر ٹائرز رکھے تھے۔ عبداللہ ان کو کام کرتا چھوڑ کر میری طرف آیا۔ اس کے چہرے پر ندامت تھی۔ اس نے شرمندگی سے کہا۔

''شہباز صاحب میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ دشمن اس طرف سے وار کر جائے گا۔ میں نے ایمبولینس ڈرائیور کو چیک نہیں کیا تھا۔''

''اس طرف تو میرا دھیان بھی نہیں گیا تھا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''دشمن ہمیشہ اس جگہ سے وار کرتا ہے جہاں سے اس کی توقع نہیں ہوتی ہے۔''

''یہ مرشد علی کا کام ہے؟''

خود میرے ذہن میں بھی یہی نام تھا اور کسی حد تک اس کی وجہ بھی سمجھ آ رہی تھی۔ ورنہ مرشد نے متیق کو مروانے کی کوشش کی تھی۔ اتنی مہارت سے یہ کام مرشد کے آدمیوں میں صرف ایک شخص کر سکتا تھا۔ یہ شخص فاضلی تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''مجھے بھی یہی شبہ ہے۔''

بیتو ٹائر کلر کا معائنہ کر رہا تھا یہ لوہے کا ایک کھل جانے والا پٹا تھا جس میں سامنے کی طرف نکلے لوہے کے نوکیلے دندانے تھے جن پر گاڑی کا ٹائر چڑھتا تو یہ اسے کاٹ کر رکھ دیتے تھے۔ اسے رول کر کے رکھا جاتا ہے اور جب ضرورت ہوتی ہے تو اسے سڑک پر پھیلا دیتے ہیں۔ ''یہ کس نے ادھر ڈالا؟''

''یہ ایمبولینس گزرنے کے بعد کسی نے ڈالا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ورنہ ایمبولینس کے ٹائرز بھی پھٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے۔''

''یہ ایمبولینس سے ہی پھینکا گیا ہے۔'' عبداللہ نے انکشاف کیا۔''یہ بنڈل کی طرح سڑک پر گرا اور خود بخود کھل کر سڑک پر پھیل گیا۔''

عبداللہ کی بات سن کر میں نے ٹائر کلر کا معائنہ کیا۔ اس میں ہر جوڑ پر ننھے اسپرنگ لگے تھے جیسے ہی اسے سڑک پر چھوڑا جاتا یہ خود بہ خود پھیل جاتا۔ اسی وجہ سے ایمبولینس والے کو رکنے یا خود اسے سڑک پر بچھانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اس نے چلتی گاڑی سے اسے گرا دیا اور جب تک یہ پھیلتا وہ گزر گیا تھا۔ ایاز کو موقع ہی نہیں ملا کہ بریک لگا کر وین اس سے بچا لیتا۔ ٹائر کلر نے وین کے چاروں ٹائر تباہ کر دیئے تھے۔

''ایمبولینس میں کون کون تھا؟''

''ڈرائیور، رفیق صاحب، ایک نرس اور ایک ڈاکٹر۔'' عبداللہ نے بتایا۔ میں نے رفیق بھائی کا نمبر ملایا لیکن اس پر بیل جاتی رہی اور انہوں نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بے بس کر دیئے گئے تھے۔''رفیق بھائی کال ریسیو نہیں کر رہے ہیں۔'' میں نے عبداللہ سے کہا۔''ہمیں ان کے پیچھے جانا ہوگا۔''

عبداللہ کے آدمیوں نے بہت تیزی سے کام کیا تھا لیکن پھر بھی انہیں دس منٹ لگ گئے تھے اور اتنی دیر میں ایمبولینس کا دور نکل جانا یقینی تھا۔ پھر بھی ہم وین ٹھیک ہوتے ہی اس طرف روانہ ہو گئے تھے۔ کچھ آگے گئے تو سڑک دو حصوں میں بٹ گئی ایک راستہ اسلام آباد کی طرف جاتا تھا اور دوسرا راولپنڈی کے کسی نواحی حصے کی طرف جا رہا تھا اب سوال یہ تھا کہ ایمبولینس کس راستے پر گئی تھی۔ اس دوران میں عبداللہ نے کوٹھی پر کال کر کے منیر سے گاڑی منگوائی تھی۔ وہ اس سے رابطے میں تھا۔ مگر اسے آنے میں دیر لگتی۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔''ہمیں ایک گاڑی کا بندوبست کرنا ہوگا۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے کہا۔

ہماری بائیک وہیں رہ گئی تھی۔ اس کا ٹائر مکمل طور پر ناکارہ ہو گیا تھا اور اسے اٹھا کر وین میں بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ میں نے ایاز کو گاڑی روکنے کو کہا اس نے گاڑی روکی تو میں اترتے ہوئے بولا۔''تم اسلام آباد کی طرف جاؤ میں اس راستے پر دیکھتا ہوں۔''

''لیکن آپ پیدل ہیں؟'' عبداللہ نے تشویش سے کہا۔

''تم فکر مت کرو میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔''

''ہم بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔'' بیتو نیچے اتر آیا اور عبداللہ کے اشارے پر ایاز نے گاڑی چلا دی تھی۔ میں اور بیتو پیدل ہی نواحی علاقے کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑے۔

''ہم پیدل کیسے تلاش کرے گا؟'' بیتو نے سوال کیا۔

''یہ تو میں نے سوچا نہیں۔''

''ایک بات کرے..... جو پہلا گاڑی نظر آئے اسے چھین لے، بعد میں واپس کر دے گا۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے لیکن اس سڑک پر کوئی گاڑی بھی نظر نہیں آ رہی ہے۔'' میں نے کہا ہی تھا کہ سامنے دور سے ایک بائیک نمودار ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آ گیا گاڑی۔'' بیتو خوش ہو کر بولا۔ اس نے پستول نکال لیا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو وہ آدھے راستے سے بھاگ جائے گا۔'' میں نے اسے ٹوکا تو اس نے پستول والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ بائیک والا سکون سے چلا آ رہا تھا اور اسے پتا ہی نہیں تھا کہ اس کی کیا کمبختی آنے والی ہے۔ جب وہ دس بارہ قدم دور رہ گیا تو ہم دونوں اچانک سڑک پر آ گئے اور پستول سامنے کر لیے اس نے پوری بریک لگائی اور بائیک ہم سے فٹ بھر دور رکی۔

''اندھے ہو دکھ نہیں رہے.....'' اس نے جھنجھلا کر کہنا چاہا کہ اس کی نظر پستولوں پر پڑی اور اس کی گھگی بندھ گئی۔ ''تت.....تم ڈاکو ہو۔''

میں نے اسے کھینچ کر بائیک سے اتار لیا اور بیتو نے بائیک سنبھال لی۔ ''ہاں ہم ڈاکو ہیں اور ہمیں یہ بائیک چاہیے۔''

''لے لو بس مجھے مت مارنا۔'' اس نے التجا کی۔ ''میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''

''چلو بچوں کی وجہ سے تم کو چھوڑ دیتے ہیں بلکہ بائیک بھی مل جائے گی اگر تم کل شام کو اسی سڑک پر چکر لگاؤ تو۔'' میں نے بائیک اسٹارٹ کر کے کہا۔ میں بائیک آگے بڑھانے والا تھا کہ مجھے خیال آیا اور میں رک گیا اس کی طرف دیکھا تو وہ ڈر گیا کہ بائیک کے بعد اب پرس اور شاید موبائل کی بھی باری ہے۔

''تم نے آتے ہوئے کسی ایمبولینس کو جاتے ہوئے دیکھا ہے؟''

اس نے فوراً سر ہلایا۔ ''جی وہ آگے گئی تھی۔''

یہ سنتے ہی میں نے بائیک کو ایکسلریٹر دیا اس اطلاع نے مجھے پُرجوش کر دیا تھا۔ میں نے وقت پوچھنے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا کیونکہ ایمبولینس کو گئے ہوئے زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ ہو سکتے تھے۔ میں نے بائیک کو اس کی اوقات سے زیادہ تیزی سے دوڑایا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی رفتار ستر میل سے اوپر چلی گئی تھی۔ یہ دس سال پرانی سی ڈی سیونٹی تھی مگر اس کا انجن اچھی حالت میں تھا۔ اس لیے دو افراد کو لے کر بھی وہ ستر سے اوپر کی اسپیڈ پر جا رہی تھی۔ بیتو نے مجھے کمر سے جکڑ لیا تھا۔ ابھی ہم دو کلومیٹر دور گئے ہوں گے کہ مجھے سڑک کے کنارے تین افراد دکھائی دیئے۔ دو کے سفید لباس دور سے نظر آ رہے تھے اور قریب آنے پر مجھے رفیق بھائی بھی نظر آ گئے۔ وہ اتنے بدحواس تھے کہ انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہیں جب تک میں نے بائیک ان کے بالکل پاس لے جا کر نہیں روک دی۔ پھر وہ چونکے۔

''رفیق بھائی وہ کس طرف گئے ہیں۔'' میں نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے پوچھا۔

''شہباز۔'' وہ بے تابی سے بولے۔ ''وہ میرے بیٹے کو لے گئے ہیں۔''

''کون تھا؟''

''ایک لمبے بالوں والا ڈرائیور تھا اور اس نے اس جگہ ایمبولینس روک کر ایک اور آدمی کو بٹھایا اور ہمیں نیچے اتار دیا۔'' وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولے۔ ڈاکٹر اور نرس کی ابھی تک ہوائیاں اڑی ہوئی تھی۔

''اسی سڑک پر گئے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں اسی سڑک پر۔'' وہ بولے۔ ''دس منٹ ہوئے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بیتو تم یہیں رکو اور عبداللہ کو اطلاع کرو۔'' میں نے بیتو سے کہا اور اس کے اترتے ہی میں نے بائیک دوڑا دی تھی۔ ایمبولینس زیادہ تیز نہیں چل سکتی تھی کیونکہ سڑک کی حالت اچھی نہیں تھی اور عتیق کے جسم سے مشینیں بھی منسلک تھیں لیکن وہ دشمن تھے ان کو عتیق کی جان سے زیادہ فکر اپنے بحفاظت نکل جانے کی ہوگی۔ میں سڑک کی خرابی کے باوجود بائیک کو پوری رفتار سے دوڑا رہا تھا اور میری بے قراری ہیں ایمبولینس کا کوئی نشان تلاش کر رہی تھیں لیکن دس منٹ اور کوئی بارہ تیرہ کلومیٹرز گزر جانے کے باوجود بھی مجھے ایمبولینس نظر نہیں آئی تھی۔ اس سڑک کے دائیں بائیں کئی سڑکیں نکلی تھیں لیکن میں اس امید پر اسی سڑک پر رہا کہ شاید ایمبولینس بھی یہیں ہو میری امید پوری نہیں ہوئی تھی۔ ایمبولینس یقیناً کسی اور راستے سے نکل گئی تھی۔ رفیق بھائی نے لمبے بالوں والے کا حوالہ دے کر میرے شک کی تصدیق کر دی تھی یہ فاضلی کا کام تھا اور اس نے بہت چالاکی سے سارا منصوبہ بنایا تھا۔ اس میں فرار کے روٹ کا خاص خیال رکھا تھا۔ میں نے عبداللہ سے موبائل پر رابطہ کیا۔

''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''میں اسی سڑک پر آ رہا ہوں۔ منیر گاڑی لے آیا ہے۔''

''ایک بائیک میرے پاس ہے۔ کیا تمہارے آدمی اس علاقے سے واقف ہیں؟''

''کسی حد تک۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

''میں اسی سڑک پر کوئی دس بارہ کلومیٹر آگے جا چکا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''سائیں بائیں کم سے کم نصف درجن راستے نکل رہے ہیں۔''

''میں آ رہا ہوں آپ آخری ذیلی سڑک تک آ جائیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''منیر سے اس علاقے کا نقشہ بھی منگوایا ہے۔''

''رفیق بھائی واپس آ گئے؟''

''ہاں وہ مل گئے ہیں۔'' عبداللہ نے بتایا۔

میں واپس آیا اور دائیں طرف جانے والی پہلی سڑک کے ساتھ رک گیا۔ عبداللہ کوئی دس منٹ بعد نمودار ہوا۔ وہ کار میں تھا اور اس کے ساتھ منیر تھا۔ اس نے بتایا کہ دو ٹیمیں بنا دی تھیں جو اس علاقے میں ایمبولینس کو تلاش کر رہی تھی۔ ایک وہ تھا اور دوسرا میں ہمیں آگے کی سڑکوں پر تلاش کرنا تھا۔ عبداللہ کا ایک ساتھی میرے ساتھ آ گیا اور میں اسی سڑک پر آگے روانہ ہو گیا۔ کوئی پانچ منٹ بعد ایک چھوٹا سا اینٹیں بنانے والا بھٹا آیا اور اس کے پاس ایک ڈھابہ تھا۔ وہاں چار پانچ افراد بیٹھے تھے میں نے بائیک وہاں روکی۔

''تم لوگوں نے یہاں سے کوئی ایمبولینس گزرتے دیکھی ہے؟'' میں نے سلام کے بعد پوچھا۔

''نہیں جی یہاں سے کوئی ایمبولینس نہیں گزری ہے۔'' ڈھابے کے مالک نے بتایا۔ وہ گزشتہ ایک گھنٹے سے اسی جگہ تھا اور کوئی ایمبولینس یہاں سے گزرتی تو اسے لازمی نظر آتی۔ اس کے یقین سے بتانے پر میں لوٹ آیا اور عبداللہ کو کال کر کے اس راستے کے کلیئر ہونے کا بتایا۔ ایک گھنٹے میں ہم نے اس سڑک کے دائیں بائیں نکلنے والی تمام سڑکوں کو چھان مارا تھا لیکن ایمبولینس کا کہیں سراغ نہیں لگا تھا اور لگ بھی جاتا تو بے کار تھا کیونکہ وہ مرشد کے کسی خفیہ ٹھکانے پر پہنچ چکی ہوگی۔ ہم واپس مین روڈ کے سنگم پر پہنچے جہاں سے ایمبولینس نے غلط سمت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موڑ لیا تھا۔ رفیق بھائی نڈھال کھڑے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے آئے۔

''شہباز یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''رفیق بھائی حوصلہ رکھیں میرے ساتھ آئیں۔'' میں نے کہا۔

''میرے بیمار بیٹے کو اس طرح اغوا کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔'' وہ چیخ اٹھے۔

''ان کا ایک ہی مقصد ہے مجھے اپنے سامنے مجبور کرنا اور عتیق کی بحفاظت واپسی کے لیے میں ان کا ہر مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''لیکن یہ مسئلہ یہاں سڑک پر حل نہیں ہو گا آیئے میرے ساتھ۔''

نصف گھنٹے بعد ہم کوٹھی میں تھے۔ عبداللہ اور اس کے ساتھی ابھی باہر تھے۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ مرشد سے خود رابطہ نہیں کروں گا لیکن رفیق بھائی کی حالت دیکھ کر میں نے اپنا فیصلہ بدل لیا تھا۔ وہ اتنے مضطرب تھے کہ جیسے عتیق سے پہلے خود جان سے گزر جائیں گے۔ اس سے پہلے میں نے مشکل ترین مراحل میں بھی ان کو اتنا پریشان نہیں دیکھا تھا۔ میں نے مرشد کا مخصوص موبائل نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے اسی نستعلیق قسم کے ملازم نے کال ریسیو کی تھی۔

''مجھے مرشد سے بات کرنی ہے فوراً۔''

میرے لہجے میں کوئی ایسی چیز تھی کہ اس نے کچھ کہے بغیر موبائل مرشد کو دے دیا۔ ''شہباز ملک۔'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔ ''میں تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔''

''مرشد اس کا حساب بعد میں ہو گا کہ تم نے کیا کیا ہے ابھی مجھے عتیق واپس چاہیے۔''

''تمہیں معلوم ہو گا کہ عتیق کس قیمت پر مل سکتا ہے۔'' وہ بھی فضول بات کرنے کے بجائے موضوع پر آ گیا۔

''فتح خان تمہیں مل جائے گا لیکن عتیق کو تم فوراً واپس کرو اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اس کی حالت بالکل ویسی ہی ہے اور وہ محفوظ ہے ہاں اگر مجھے فتح خان نہ ملا تو میں اس کی زندگی کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں۔''

''فتح خان تمہیں مل جائے گا۔''

''ملے گا نہیں اس کا ہاتھ کے ہاتھ تبادلہ ہو گا۔'' مرشد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''جلدی تمہیں ہے مجھے نہیں۔''

''مجھے منظور ہے یہ تبادلہ کہاں ہو گا؟'' میں نے بحث نہیں کی۔

''یہ میں تمہیں دس منٹ بعد اسی نمبر پر بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ دی۔ میں نے رفیق بھائی کی طرف دیکھا۔

''آپ فکر نہ کریں عتیق اسی کے پاس ہے اور ٹھیک ہے۔''

''وہ دشمن ہے اور میرا بیٹا اسی کی وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے۔''

''ہاں لیکن اس کا ایک آدمی میرے پاس ہے اور وہ ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دس منٹ امید و یاس کی کیفیت میں گزر گئے اور بیل بجی تو میں نے کال ریسیو کی دوسری طرف مرشد ہی تھا۔ ''شہباز..... تبادلہ میری بتائی جگہ پر ہوگا تمہارے ساتھ صرف فتح خان آئے گا۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے انکار کیا۔ ''میرے ساتھ میرے محافظ بھی ہوں گے۔''

''او کے لیکن ایک گاڑی سے زیادہ نہ ہو۔'' خلاف توقع اس نے بحث کیے بغیر کہا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ہر قیمت پر جلد از جلد فتح خان کو اپنی تحویل میں دیکھنا چاہ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''مجھے شریف بھی چاہیے۔''

''تم انکار کر چکے ہو کہ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ ملک عارف کا بندہ ہے۔''

''میں اسی کے لیے مانگ رہا ہوں۔'' مرشد بولا۔ ''شریف کو دے کر میں اسے اپنا احسان مند بنا لوں گا۔''

''اگر میں شریف کو دینے سے انکار کروں تو؟''

''تو تبادلہ نہیں ہوگا۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے سوچا مجھے شریف سے کچھ اگلوانے کی ضرورت نہیں تھی اور اگر میں اس سے کوئی بیان حاصل کر بھی لیتا تو اسے عدالت میں اس کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا تھا اس لیے اگر میں شریف کو اس کے حوالے کر بھی دیتا تو مجھے کوئی نقصان نہیں تھا جہاں تک شریف سے نمٹنے کا تعلق تھا تو ان سے بعد میں بھی نمٹا جا سکتا تھا۔ میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے لیکن اب دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

''دیر نہیں ہوگی۔ تم اسی موبائل کے ساتھ جی ٹی روڈ پر آ جاؤ اور میرے آدمی کہیں روک کر تبادلہ کر لیں گے۔''

''اگر سگنل پرابلم ہوا تو؟''

''نہیں ہوگا تب ہی تمہیں جی ٹی روڈ پر بلایا ہے۔''

''عتیق ایمبولینس میں ہے؟''

''ہاں اسے چھیڑنے سے گریز کیا ہے تمہارا ڈاکٹر اتار دیا تھا لیکن ایک ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔'' مرشد نے مجھے تسلی دی۔ ''بس اب تم نکل جاؤ جتنی جلدی کرو گے تمہارا آدمی اتنی جلدی واپس مل جائے گا۔''

میں نے کال کاٹ کر عبداللہ کو کال کی وہ واپس آ رہا تھا جب تک وہ کوٹھی میں داخل ہوتا میں نے اسے صورت حال بتا دی تھی۔ اس نے فوراً کہا۔ ''شہباز صاحب آپ کا جانا ٹھیک نہیں ہے؟''

''کیوں؟''

''کیونکہ آپ کو دیکھ کر وہ کوئی شرارت بھی کر سکتا ہے اور دوسرے آپ کو پولیس سے خطرہ ہے۔ آپ کی وجہ سے عتیق کی بحفاظت واپسی خطرے میں پڑ جائے گی۔''

''تب کون جائے گا؟''

''میں جاؤں گا۔'' عبداللہ نے نشست گاہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اس نے کال کاٹ دی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے ساتھ تین ساتھی ہوں گے اور ہم فتح خان اور شریف کو لے جا سکتے ہیں۔ آپ نہیں ہوں گے اور اگر اس نے کوئی پلان بنایا بھی ہوگا تو وہ پھر اس پر عمل درآمد نہیں کرے گا۔"

عبداللہ کی بات درست تھی۔ "لیکن جب تک یہ معاملہ نمٹ نہیں جائے گا میں ٹینشن میں رہوں گا۔"

"آپ بے فکر رہیں میں مستقل آپ سے رابطے میں رہوں گا۔" اس نے مجھے تسلی دی۔ "میں اپنے آدمیوں کو تیار کرتا ہوں اور ان دونوں کو اندر سے نکالتا ہوں۔"

"خیال رکھنا وہ اس جگہ کو دیکھنے نہ پائیں۔"

"آپ بے فکر رہیں۔" عبداللہ کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ رفیق بھائی کسی قدر تعجب سے دیکھ رہے تھے انہوں نے کہا۔

"شہباز تمہارے ساتھی عجیب سے ہیں میں نے کسی کو کسی کے لیے اتنا بے لوث کام کرتے نہیں دیکھا ہے۔"

"رفیق بھائی یہ سب اللہ کی مہربانی ہے ورنہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں بھی ان کے لیے اتنا ہی بے لوث ہوں۔"

"میں نے بھی یہی محسوس کیا ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔ "پھر بھی آج کل ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں جو کسی دوسرے کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دیں۔"

"مجھے خوش قسمتی سے ایسے لوگ ملتے رہے ہیں شاید اس لیے کہ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو میری جان لینا چاہتے ہیں۔"

میں جانے سے پہلے ایک بار فتح خان سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نیچے تہہ خانے میں آیا جہاں عبداللہ کے آدمی فتح خان اور شریف کو ان کے پنجروں سے نکال کر ہتھکڑیاں پہنا چکے تھے اور ان کی آنکھوں، چہروں پر غلاف چڑھا دیئے گئے تھے۔ میں نے اپنی موجودگی ظاہر کیے بغیر عبداللہ کو اشارہ کیا کہ وہ شریف کو یہاں سے لے جائے۔ عبداللہ نے سر ہلایا اور شریف کو لے کر اپنے آدمیوں سمیت وہاں سے چلا گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے فتح خان سے کہا۔ "فتح خان تم جانتے ہو تم کو کہاں بھیجا جا رہا ہے؟"

"شہباز خانا۔" اس نے گہری سانس لی۔ "ہم کو ادھر تمہارا موجودگی محسوس ہو رہا تھا۔ ہاں میرے کو لگ رہا ہے کوئی خاص بات ہے تم مجھے مرشد کے حوالے کرنے جا رہا ہے؟"

میں اس کے اندازے پر ششدر رہ گیا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے بالکل ٹھیک خبردار کیا تھا۔ "ہاں میں تمہیں اس کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں۔"

وہ چونکا۔ "تم مجبور ہے؟"

"مرشد نے اس لڑکے کو اٹھوالیا ہے جو اسپتال میں تھا اور اس کی حالت خراب ہے۔"

"وہ ایسا ہی آدمی ہے اس سے کچھ بھی توقع کیا جا سکتا ہے۔" فتح خان نے کہا۔ "کیا اس نے لڑکے کے بدلے میرا اور شریف کا مطالبہ کیا ہے؟"

"ہاں اس نے تمہیں اور شریف کو مانگا ہے اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں اسے دینے پر مجبو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔"

"تم مجھے اپنا قیدی بنا کر رکھنا چاہتے ہو؟" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"نہیں میں محسوس کر رہا ہوں مرشد کی نیت تمہارے بارے میں ٹھیک نہیں ہے۔"

"نہ ہو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ "ہم اس سے نمٹنا جانتا ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ فتح خان بہرصورت میری قید سے نکلنے پر خوش تھا اور وہ مرشد کو اپنے لیے زیادہ خطرناک تصور نہیں کر رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ بیٹا جب تم اس کے ہاتھ آؤ گے تو تمہیں پتا چلے گا۔ فتح خان بھی میرا دشمن تھا لیکن مرشد کے مقابلے میں اس کی دشمنی کی نوعیت بہت ہلکی اور مختلف تھی۔ اس لیے اسے مرشد کے حوالے کرتے ہوئے میرا دل نہیں مان رہا تھا۔ میں اسے اوپر لایا۔ منہ پر غلاف ہونے کے سبب وہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کہاں سے گزر رہا ہے۔ یہ غلاف اس کوٹھی سے باہر جانے کے بعد بھی اس کے منہ سے نہیں اتارا جاتا۔ اسے کوٹھی کے پورچ میں لا کر میں نے عبداللہ کے حوالے کیا اور بولا۔

"اس کا خاص خیال رکھنا یہ فرار ہونے کا ماہر ہے کئی بار میری قید سے پہلے بھی فرار ہو چکا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں جناب صرف اس کی روح ہی ہماری قید سے نکل سکتی ہے۔"

"فتح خان میری خواہش ہے تم مرشد کی قید میں نہ رہو لیکن اگر ایسا ہوا اور تمہیں کوئی تکلیف برداشت کرنا پڑی تو تم مجھے دوش نہیں دے سکتے کیونکہ میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا ہے اور میں مجبوراً تمہیں اس کے حوالے کر رہا ہوں۔"

"تم فکر مت کرو ہم تم کو دوش نہیں دے گا۔" فتح خان بولا۔

عبداللہ کے آدمیوں نے ان کو وین کے پچھلے حصے میں فرش پر ڈال دیا تھا۔ یہاں وہ نہ تو باہر سے نظر آتے اور نہ ہی وہ باہر دیکھ سکتے تھے اگر ان کی آنکھیں کھلی ہوتیں۔ میں نے اپنا موبائل بھی عبداللہ کے حوالے کر دیا اور اسے مرشد کا نمبر بتا دیا جس پر وہ اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔ عبداللہ اور اس کے تین ساتھی پوری طرح مسلح تھے اور کسی قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ پانچواں شخص ایاز تھا اس کے پاس بھی ہتھیار تھے اور میں خود دیکھ چکا تھا لڑنے کے معاملے وہ کسی سے کم نہیں تھا۔ روانگی سے پہلے مجھے ایک خیال آیا اور میں عبداللہ کو ایک طرف لے گیا اور آہستہ سے بولا۔

"بیتو کو ساتھ لے جاؤ اور اگر مرشد دھوکا کرے تو شریف کو زندہ مت چھوڑنا اور فتح خان کو آزاد کر دینا۔"

"میں سمجھ گیا جناب اور بیتو کی موجودگی سے ہمیں مزید طاقت ملے گی آجاؤ یار۔" اس نے بیتو سے کہا اور دونوں وین میں سوار ہو گئے۔ وین اسٹارٹ تھی۔ وہ کوٹھی کے گیٹ سے نکل گئی اور گیٹ بند ہو گیا۔ رفیق بھائی اندر نشست گاہ میں خاموش بیٹھے تھے۔ ان کا چہرہ حزن و ملال کی تصویر بنا ہوا تھا اولاد کا دکھ وہی جان سکتا ہے جو خود صاحب اولاد ہو۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ "شہباز میرا بیٹا آجائے گا؟"

"ان شاء اللہ۔" میں نے یقین سے کہا۔ "رفیق بھائی اللہ کو اس کی زندگی منظور ہے تب ہی تو اس نے اتنی خراب حالت میں بھی اسے زندہ رکھا اور آئندہ بھی وہی اسے محفوظ رکھے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کے چہرے پر امید نظر آئی تھی۔ ''ہاں ڈاکٹر بھی یہی کہہ رہے ہیں انہوں نے اس حالت میں مریضوں کو بچتے نہیں دیکھا ہے اور وہ حیران ہیں کہ عتیق کس طرح اب تک سروائیو کر رہا ہے۔''

''یہی میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ آپ خدا سے اس کی زندگی کے لیے دعا کرتے رہیں اور باقی خدا پر چھوڑ دیں۔''

اس دوران میں منیر آ کر ہمارے لیے چائے اور کھانے پینے کے کچھ لوازمات رکھ گیا تھا دوپہر کے کھانے میں ابھی وقت تھا۔ میں نے رفیق بھائی کو چائے بنا کر دی۔ انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ''شہباز اس وقت مجھ سے کچھ نہیں کھانا جائے گا۔''

میں نے اصرار نہیں کیا خود میرا بھی یہی حال تھا۔ ''وہ شخص آ گیا ہے جسے عتیق کا علاج کرنا ہے۔''

رفیق بھائی چونکے۔ ''کہاں ہے؟ مجھے اس سے ملواؤ۔''

''آپ چائے پی لیں ویسے آپ اس سے بات نہیں کر سکتے کیونکہ وہ سوائے اپنی مخصوص زبان کے اور کوئی زبان نہیں بول سکتا ہے۔ یہاں صرف عبداللہ اس کی زبان جانتا ہے۔''

''اور وہ عتیق کا علاج کرے گا؟'' انہوں نے تعجب سے کہا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''اس ہاتھ کے علاج کی طرح۔'' میں نے اپنا بایاں ہاتھ ان کے سامنے کیا۔ ''ڈاکٹر اسے کاٹنے کی تیاری کر رہے تھے جب مجھے اسپتال سے اغوا کر کے لایا گیا اور اس حکیم نے میرے ہاتھ کا علاج کیا تھا۔ اس وقت میں خود بھی مایوس تھا لیکن میرا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ پھر اس نے میرے سامنے ایک آدمی کے سر میں لگنے والی چوٹ کو ٹھیک کیا اگر کچھ دیر کی دیر ہوتی تو اندرونی جریان خون سے اس کا دماغ متاثر ہوتا اور وہ مر جاتا یا ہمیشہ کے لیے معذور ہو جاتا۔ یہ کام اس نے بغیر کسی آپریشن کے صرف چیرے لگا کر کیا اور ڈاکٹرز اس کام کے لیے آدمی کا پورا سر کھول دیتے ہیں۔''

رفیق بھائی متعجب تھے۔ ''شہباز اگر تمہارے علاوہ کسی اور نے مجھے بتایا ہوتا تو میں کبھی اس بات پر یقین نہ کرتا۔''

''خود میں نے نہ دیکھا ہوتا یا مجھ پر نہ گزری ہوتی تو میں بھی یقین نہ کرتا اور آپ کو سن کر تعجب ہو گا کہ میں بہت عرصے پہلے بھی اس شخص کے زیر علاج رہ چکا ہوں جب اس نے میری ادھڑی ہوئی کھال صرف چوبیس گھنٹے میں ٹھیک کر دی تھی۔''

میرا مقصد رفیق بھائی کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے ساتھ ان کا دھیان بھی بٹانا تھا۔ ''لیکن عتیق کے زخم دوسری نوعیت کے ہیں۔'' وہ کسی قدر مایوسی سے بولے۔ ''کیا یہ حکیم ان کو ٹھیک کر سکتا ہے؟''

''دیکھیے اصل میں زندگی اور موت دینے والا اللہ ہے لیکن میں نے اس کے طریقہ علاج کو مؤثر پایا۔ چاہے زخم کی نوعیت کچھ بھی ہو۔''

عبداللہ کو نکلے ہوئے بیس منٹ ہونے کو آئے تھے اور میرا خیال تھا کہ وہ جی ٹی روڈ تک پہنچ گیا ہو گا۔ میں نے اس کے نمبر پر گھر کے فون سے کال کی۔ ''تم کہاں ہو؟''

''ہم جی ٹی روڈ پر چڑھ چکے ہیں۔'' اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا مرشد کی طرف سے فون آیا؟"

"نہیں۔"

"تب تم اسے کال کر کے بتاؤ کہ تم جی ٹی روڈ پر پہنچ چکے ہو۔"

"آپ لائن پر رہیں میں اسے کال کرتا ہوں۔" عبداللہ نے کہا اور میرے موبائل سے مرشد کو کال کرنے لگا۔ رابطہ ہونے پر اس کی آواز آئی۔ "میں شہباز صاحب کا آدمی بات کر رہا ہوں مرشد علی سے بات کراؤ..... ہاں میں شہباز صاحب کا آدمی بات کر رہا ہوں..... وہ کیوں نہیں آئے اس سے تمہیں مطلب نہیں ہونا چاہئے..... تمہیں اپنے آدمی چاہئیں وہ لو اور ہمارا آدمی ہمارے حوالے کرو زندہ سلامت ..... اسے تم نے اغوا کیا ہے اس لئے اس کی سلامتی کی ذمے داری بھی تم پر ہے اگر اسے کچھ ہوا تو میں بھی دو لاشیں تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

عبداللہ اس سے بات کر کے لائن پر آیا۔ "خبیث مجھے کہہ رہا تھا کہ اگر عتیق زندہ رہا تو اسے ہمارے حوالے کر دوں گا۔"

"یہ شیطان صفت آدمی ہے تم لوگ پوری طرح محتاط رہنا اور تم نے اسے ٹھیک دھمکی دی ہے۔ اس کی کوئی بات مت ماننا۔"

"میں سمجھ گیا ہوں میں اسے ہینڈل کر لوں گا لیکن اگر اس نے دھوکا کیا تو؟"

"تو تم اس سے نبٹنے کے لئے پوری طرح آزاد ہو۔" میں نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا۔"

مرشد نے کیا کہا ہے؟"

"اس کے آدمی ایمبولینس لے کر پہلے ہی جی ٹی روڈ پر آ گئے ہیں اور اس کا کہنا ہے کہ جہاں مجھے ایمبولینس سڑک سے ذرا ہٹ کر نظر آئے گی میں وہیں رک کر ایمبولینس اور قیدیوں کا تبادلہ کر لوں۔"

○.....❖—.....○

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ لبوں تک زنجیر آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
Email:alimian_publications@yahoo.com

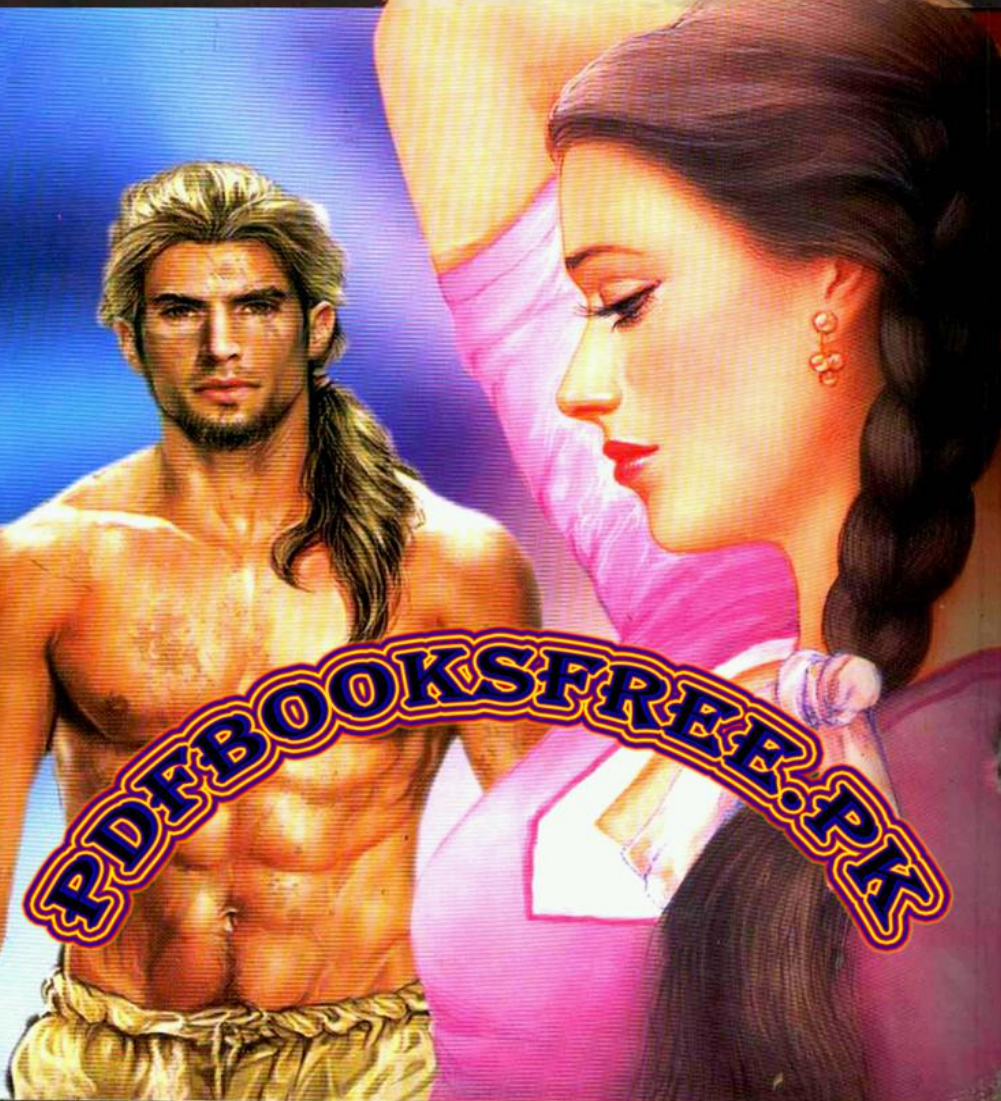
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

9



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

نواں حصہ

کاشف زبیر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں عبداللہ سے بات کر کے واپس نشست گاہ میں آیا تو رفیق بھائی فون پر اسپتال کے کسی اہم فرد سے بات کر رہے تھے۔ "دیکھیں جی میرا تو اپنا بیٹا غائب ہے اور وہ آپ کی ایمبولینس سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لئے آپ ایسی بات نہ کریں اور پولیس میں رپورٹ کرانا آپ کا فرض ہے۔"

انہوں نے موبائل بند کر دیا۔ "ہسپتال والے تھے؟"

انہوں نے سر ہلایا۔ "وہ میرے پیچھے پڑے ہیں کہ ایمبولینس واپس کرنا میری ذمے داری ہے اور ابھی تک اس کی چوری کی رپورٹ بھی درج نہیں کرائی ہے۔"

"رفیق بھائی میرا مشورہ ہے آپ جا کر تھانے میں رپورٹ لکھوا دیں۔"

"کس کے خلاف؟"

ان کے سوال پر اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آیا اور میں نے کہا۔ "جس شخص نے ایمبولینس کا اغوا کیا ہے اس کا نام فاضلی ہے اور وہ مرشد علی کا اہم ترین آدمی ہے۔ آپ اس کے خلاف رپورٹ لکھوا دیں اس سے مرشد علی پر بھی دباؤ آئے گا۔"

"میں ایسا ہی کرتا ہوں لیکن پہلے عتیق واپس مل جائے۔"

"ہاں یہ کام اس کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "ویسے ضروری نہیں ہے کہ عتیق کے بازیابی کے بارے میں بتایا جائے۔ مل جانے کے بعد بھی اسے گم شدہ ظاہر کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں ایسا کیا جا سکتا ہے۔" وہ بے دلی سے بولے۔ "تمہارے آدمی کہاں تک پہنچ چکے ہیں؟"

"وہ جی ٹی روڈ پر ہیں اور مرشد سے بات ہو چکی ہے۔"

"کاش کہ میں ان کے ساتھ جاتا۔" وہ بے چین ہو گئے۔

"نہیں آپ کا جانا مناسب نہیں تھا اگر مرشد کوئی وعدہ خلافی کرے گا تو میرے آدمی اس سے ہتھیاروں کی زبان میں بات کریں گے۔ وہاں کسی دوسرے شخص کی موجودگی ان کو مشکل میں ڈال دے گی"

اسی لمحے زرین نشست گاہ میں آئی۔ اکیلے میں وہ مجھ سے بے تکلف ہوتی تھی لیکن دوسروں کے سامنے وہ محتاط بن جاتی تھی۔ "شہباز صاحب آپ کی کال آئی ہے۔"

میں اس کے ساتھ فون والے کمرے میں آیا۔ اس نے آہستہ سے پوچھا۔ "وہ شخص کون ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری بہن کے دیور ہیں۔ ان کا بیٹا زندگی وموت کی کشمکش میں ہے اور اس کا یہاں لاکر علاج کیا جانا ہے۔''

''لیکن اسے تو مرشد کے آدمی لے گئے ہیں۔''

''عبداللہ اور دوسرے گئے ہیں۔ مرشد کے کچھ آدمی میرے قبضے میں تھے اور وہ اس کے بدلے ان کو چاہتا تھا۔''

''تم نے اس کے آدمی دے دیئے؟''

''ہاں وہ عبداللہ کے ساتھ ہیں۔ جب مرشد کے آدمی عتیق کو حوالے کردیں گے تو ان کو مرشد کے آدمیوں کے سپرد کردیا جائے گا۔'' میں نے سر ہلایا اور فون اٹھالیا۔ ''ہاں عبداللہ کیا ہوا؟''

''ایمبولینس نظر آگئی ہے۔ ہم سڑک کے کنارے ہیں میرا ایک آدمی دیکھنے گیا ہے۔''

''وہ عتیق کو پہچانتا ہے نا؟''

''ہاں وہ اسے پہچانتا ہے۔''

''ٹھیک، جب وہ ایمبولینس تمہارے حوالے کردیں تب فتح خان اور شریف کو ان کے حوالے کرنا۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اب میں یہاں مصروف ہوں اس لیے آپ لائن پر رہیں۔''

وہاں بہت اہم معاملہ تھا اس لیے میں نے عبداللہ کو اس کا کام کرنے دیا۔ رفیق بھائی بھی آگئے تھے۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے بتایا۔ ''ان کو ایمبولینس مل گئی ہے لیکن ابھی تبادلہ ہونا باقی ہے۔''

اسی لمحے عبداللہ کی آواز آئی۔ ''میرے آدمی نے اوکے کا اشارہ دیا ہے۔ ایمبولینس میں عتیق ہے اور ٹھیک ہے۔ اب ان کا آدمی آکر فتح اور شریف کو دیکھے گا۔''

''اب تم ڈیل نمٹاؤ اور جب کام کرکے نکل جاؤ تو تب مجھ سے بات کرنا۔'' میں نے کہا۔

''یس سر۔''

میں نے رفیق بھائی کو تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا۔ بیٹے کے زندہ سلامت ہونے کا سن کر ان کے مرجھائے چہرے پر رونق آگئی تھی۔ ''اللہ کرے تمام معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ جائے۔''

''ان شاءاللہ۔'' میں نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں عبداللہ نے کہا۔

''شہباز صاحب مرشد آپ سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔ آپ رفیق صاحب کے نمبر سے اسے کال کرلیں۔''

میں نے ریسیور دوسرے کان سے لگایا اور رفیق بھائی سے موبائل لے کر مرشد علی کا نمبر ملایا۔ میری آواز سن کر اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''واہ ملک صاحب میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم خود ہو گے۔''

''تم غلط سمجھنا چھوڑ دو مرشد۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا تھا نا کہ کوئی غلط حرکت نہ کریں ورنہ بعد میں پچھتاتے ہی رہیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی غلط حرکت نہیں ہوگی۔'' اس نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ ''میں نے صرف اس لیے تم سے بات کی ہے کہ بتا دے غلط بندے سے تو نہیں ہو رہا ہے۔''

''بندہ صحیح ہوتا ہے بس اس کے اعمال بھی ٹھیک ہونے چاہئیں۔''

''میرا خیال ہے تمہارا بندہ تمہارے آدمیوں کے پاس آ گیا ہے۔''

میں نے عبداللہ سے تصدیق چاہی۔ اس نے بتایا۔ ''جی جناب ان لوگوں نے ایمبولینس میرے آدمیوں کے حوالے کر دی ہے وہ اسے چیک کر رہے ہیں۔''

''چیک کر رہے ہیں کس لحاظ سے؟''

''جناب اس میں کوئی گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے کوئی بم لگایا جا سکتا ہے یا گاڑی میں تکنیکی مسئلہ کیا جا سکتا ہے۔ دشمن سے تو کوئی بعید نہیں ہے۔ اس لیے میں چیک کرا رہا ہوں۔''

میں سن ہو کے رہ گیا تھا میں نے اس نکتہ نظر سے تو سوچا نہیں تھا اگر مرشد کے آدمی ایمبولینس میں کوئی بم لگا کر ہمارے حوالے کر دیتے تو پتا بھی نہ چلتا اور راستے میں بم بلاسٹ ہو جاتا یا گاڑی میں کوئی گڑبڑ کر دیتے جس سے وہ حادثے کا شکار ہو جاتی تو ہم مرشد کو الزام دے بھی نہیں سکتے تھے۔ میں نے کہا۔ ''عبداللہ یہ تم نے اچھا کام کیا ہے۔ اس میں کتنی دیر لگے گی؟''

''دس منٹ لگ سکتے ہیں۔ ایک انجن اور بریک چیک کر رہا ہے اور دوسرا آلے کی مدد سے بم کا پتا لگا رہا ہے۔''

''تم نے ابھی فتح خان اور شریف کو ان کے حوالے نہیں کیا ہے؟''

''نہیں میں نے مرشد کے آدمیوں سے کہہ دیا ہے جب تک میں مطمئن نہیں ہو جاتا میں بندے ان کے حوالے نہیں کروں گا۔''

عبداللہ مجھے ہوئے انداز میں کام کر رہا تھا اس لیے اسے ہدایات دینا بے کار تھا۔ ''گڈ اپنا کام کر کے جیسے ہی روانہ ہو مجھے انفارم کر دینا۔'' میں نے کہا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

''تمہیں پتا چل گیا ہوگا کہ میرے آدمی احمق نہیں ہیں اور وہ ایمبولینس کو چیک کر کے ہی فتح خان اور شریف کو تمہارے حوالے کریں گے۔''

''ایمبولینس میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔'' اس نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ ''شہباز میں بالکل فیئر ہو کر یہ ڈیل کر رہا ہوں۔ اگر مجھے ہر صورت فتح خان درکار نہ ہوتا تو شاید میں یہ کام نہیں کرتا۔''

''میں جانتا ہوں تمہیں۔'' میں نے طنز کیا۔ ''مرشد کوئی ایسا کام مت کرنا جس پر تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے۔''

''شہباز۔'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ ''اگر میں شرافت سے پیش آ رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے تم میرے سر پر چڑھ کر مجھے دھمکیاں دینا شروع کر دو۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

رفیق بھائی بے تابی سے منتظر تھے کہ میں فون پر بات ختم کروں تو وہ مجھ سے صورتِ حال معلوم کریں لیکن رشد سے رابطہ ختم ہوتے ہی میں نے فون سنبھال لیا۔ اس پر عبداللہ موجود تھا۔ آخر اس کی آواز آئی۔ ''شہباز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب آپ لائن پر ہیں؟''

''ہاں میں لائن پر ہوں۔''

''میرے آدمیوں نے ایمبولینس کلیئر کر دی ہے کوئی چکر نہیں ہے۔ اب ہم یہاں سے نکل رہے ہیں۔''

''فتح خان اور شریف کو ان کے حوالے کر دیا؟''

''نہیں یہ تبادلہ سڑک پر ہوگا۔ وہ وہیں وین میں ایاز اور بشیر کی نگرانی میں ہیں۔''

''بس تو نکلو یہاں سے۔'' میں نے کہا۔ ''گڑبڑ کا امکان اسی وقت ہو سکتا ہے۔ مرشد جیسے آدمی پر کسی صورت بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔''

عبداللہ اور اس کے آدمی پوری طرح چوکنا تھے اس لیے اس نے سڑک سے ہٹ کر فتح خان اور شریف کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مرشد کی طرف سے پانچ افراد تھے اور وہ سب بھی پوری طرح مسلح تھے یعنی دونوں پارٹیاں برابر کی تھیں اور تصادم کسی کے مفاد میں نہیں تھا۔ اگر مرشد نے کوئی الگ سے گھات لگا رکھی تھی تو اس کا کہا نہیں جا سکتا تھا لیکن موجودہ سیٹ اَپ میں امکان تھا کہ عبداللہ عتیق کو لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ پانچ منٹ بعد اس نے بتایا۔

''میں نے فتح خان اور شریف کو ان کے حوالے کر دیا ہے اور ان کی گاڑی انہیں لے کر روانہ ہو گئی ہے ہم بھی سڑک پر آ گئے ہیں۔''

''تعاقب کا خاص خیال رکھنا۔ یہ ہمارا ٹھکانہ جاننے کی پوری کوشش کریں گے۔''

''آپ بے فکر رہیں اگر کسی نے تعاقب میں آنے کی کوشش کی تو اس کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا۔ ان کا جوتا ان کے سر ماروں گا۔''

میں چونکا۔ ''مطلب؟''

عبداللہ ہنسا۔ ''میں نے ٹائر کلر بیلٹ اٹھائی تھی اور اس وقت وہ میرے پاس ہے۔''

میں بھی ہنس دیا تھا۔ عبداللہ صحیح معنوں میں حاضر دماغ آدمی تھا۔ اس نے ہر پہلو سے سوچ کر رکھا تھا۔

''تمہیں کتنی دیر لگے گی؟''

''شاید آدھا گھنٹا..... کوٹھی کے پاس آ کر میں دیکھوں گا کہ کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے ہم انتظار کر رہے ہیں اگر کوئی ہنگامی صورت حال ہو تو تم رفیق بھائی کے موبائل پر کال کرنا۔'' میں نے کہا اور فون رکھ دیا۔ رفیق بھائی سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ان کو بتایا۔ ''وہ لوگ عتیق کو لے کر روانہ ہو گئے ہیں۔''

''کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے؟''

''زیادہ سے زیادہ پون گھنٹہ لگے گا۔''

''عتیق کی حالت کیسی ہے؟''

''عبداللہ نے دیکھا ہے اس کے وائٹل سائن ویسے ہی ہیں۔ یعنی خطرے کی حد میں نہیں ہیں۔''

میں اور رفیق بھائی نشست گاہ میں آئے میں نے ان سے کھانے کو کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹھے بھی نہیں اور بے چینی سے ٹہلتے رہے تھے۔ خود میں بھی بے چین تھا۔ اپنے معاملات میں، میں پُرسکون رہنے کا عادی ہوں اور ایک حد سے زیادہ پریشان نہیں ہوتا ہوں بلکہ جو چیز میرے بس میں نہ ہو اسے خدا پر چھوڑ دیتا ہوں۔ البتہ یہ معاملہ ایسا تھا کہ میں چاہنے کے باوجود خود کو پُرسکون نہیں رکھ پا رہا تھا۔ رفیق بھائی کو اندر گھٹن ہو رہی تھی انہوں نے کہا۔ ''آؤ یار باہر لان میں چلتے ہیں۔''

ہم باہر لان میں آئے۔ تین بجے تھے لیکن دھوپ ڈھلنے لگی تھی اور اس میں تمازت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی لیکن پھر بھی یہ اچھی لگ رہی تھی۔ کوٹھی میں اس وقت ایک گارڈ اور منیر تھے۔ عبداللہ نے اس جگہ کے لیے زیادہ گارڈز نہیں رکھے تھے۔ کیونکہ اس جگہ کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ راجا صاحب کی ہے اور یہاں ہم لوگ موجود ہیں لیکن ایک بات یقینی تھی کہ اگر میں نے اس جگہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر رکھا تو جلد یا بدیر یہ جگہ دشمن کی نظر میں آ جائے گی اور میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں سوچ رہا تھا کہ جب عتیق یہاں آ جائے گا تو میں اس جگہ سے کہیں اور منتقل ہو جاؤں گا اور وہیں سے دشمنوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں جاری رکھوں گا۔ عتیق کو علاج کے لیے اور حکیم قادس کو علاج کرنے کے لیے پُرسکون ماحول کی ضرورت تھی۔

ٹہلتے ہوئے میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ نصف گھنٹہ گزر گیا تھا۔ میں نے رفیق بھائی سے ان کا موبائل لے کر عبداللہ کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''کہاں ہو تم لوگ؟''

''آپ کا اندازہ درست تھا مرشد کے آدمی ہمارے پیچھے تھے ان سے ابھی جان چھڑائی ہے بس پانچ منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔''

''او کے آؤ تو بات کرتے ہیں۔'' میں نے کہا اور موبائل رفیق بھائی کو واپس کر دیا۔ ''وہ پانچ منٹ میں آنے والے ہیں۔''

چار منٹ گزرنے کے بعد میں نے گیٹ پر موجود گارڈ کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا اور اس نے گیٹ کھول دیا۔ فوراً ہی پہلے سیاہ وین اور پھر عتیق کو لیے ایمبولینس اندر آئی تھی۔ رفیق بھائی اس کے رکنے سے پہلے اس کی طرف لپکے تھے۔ انہوں نے اس کا عقبی دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ میں ان کے پیچھے تھا۔ اندر عتیق اسٹریچر پر ساکت لیٹا تھا۔ ایک لمحے کو میرا دل دھک سے رہ گیا کیونکہ اس کا سینہ ساکت ہی لگا تھا لیکن پھر قریب سے دیکھنے پر وہ آہستہ سے ڈوبتا ابھرتا نظر آیا۔ اس کے جسم سے لگی مشینیں اس کی سانس اور دل کو چلا رہی تھیں۔ یہ ساری مشینیں اس کے اسٹریچر سے منسلک تھیں۔ وین سے بیتو، عبداللہ اور اس کے ساتھی بھی اتر آئے تھے۔ عبداللہ نے کہا۔

''ہمیں ایمبولینس کو ابھی کہیں چھوڑنا بھی ہے۔ عتیق کو فوراً اندر لے جانا ہے۔''

اسی دوران میں گیٹ کھلا اور وہی ڈاکٹر اندر آیا جس نے مجھے دیکھا تھا۔ وہ ایمبولینس میں چڑھ گیا اور اس نے عتیق کا معائنہ کیا۔ اسے یقیناً عبداللہ نے بلایا تھا۔ اس نے معائنے کے بعد کہا۔ ''اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے لیکن فوری طور پر کوئی خطرہ بھی نہیں ہے۔''

''اسے اندر لے جانا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''اسے پورے یونٹ کے ساتھ اندر لے جانا ہوگا۔ اس دوران میں کسی مشین کا کنکشن رکنا نہیں چاہیے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر نے خبردار کیا۔

اسٹریچر کے ساتھ مشینوں کو چلانے کے لیے بیٹریز بھی لگی تھیں یہ ایک خاص قسم کا پورا یونٹ تھا۔ عبداللہ کے آدمیوں نے ڈاکٹر کی زیرِ نگرانی عتیق کو ایمبولینس سے نکال کر اس خاص کمرے میں منتقل کر دیا جہاں حکیم قادس کو اس کا علاج کرنا تھا۔ یہاں یو پی ایس اور بستر کا بندوبست تھا اس لیے اسٹریچر اور اس کی بیٹریز کی ضرورت نہیں تھی ان کو واپس ایمبولینس میں ڈال کر ایازا ایمبولینس کو کہیں چھوڑنے چلا گیا تھا۔ حکیم قادس کو اطلاع کر دی تھی کہ اس نے جس مریض کا علاج کرنا ہے وہ آ گیا ہے۔ وہ اپنا بکس سنبھالے آموجود ہوا۔ اس نے سب سے پہلے تو کمرے میں اتنے افراد کی موجودگی پر ناک بھوں چڑھائی اور ایک مختصر تقریر کی عبداللہ نے اس کا ترجمہ کیا۔

''حکم کا مطالبہ ہے کہ غیر متعلقہ لوگ باہر چلے جائیں۔''

کمرے میں صرف چار افراد تھے یعنی ڈاکٹر، میں، رفیق بھائی اور عبداللہ تھے میں نے کہا۔ ''اسے بتاؤ کہ ایک لڑکے کا باپ ہے۔ باقی ہمیں تو یہ جانتا ہے۔''

حکیم قادس کو بتایا کہ تیسرا فرد مریض کا باپ ہے تو اس کا اعتراض کم ہوا تھا۔ یعنی اس نے دوبارہ کچھ نہیں کہا۔ البتہ اس کا منہ بنا رہا تھا۔ اسے اصل اعتراض ڈاکٹر کی موجودگی پر تھا۔ اس نے عتیق کا معائنہ کیا اور اس کی نبض دیکھی۔ پھر اس کی آنکھ کی پتلی اور منہ کھول کر اس کی زبان بھی دیکھی تھی۔ پھر اس نے عبداللہ سے مطالبہ کیا۔

''اس کے جسم سے لگی مشینیں الگ کر دی جائیں۔''

عبداللہ نے اسے بتایا کہ عتیق ان مشینوں کے سہارے ہی زندہ تھا اگر مشینیں الگ کر دی جاتیں تو اس کی زندگی کو خطرہ تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو یہ بات بتائی۔ اس نے کہا۔ ''مجھے شک ہے یہ شخص اس لڑکے کو مار نہ ڈالے۔''

''نہیں۔'' رفیق بھائی بولے۔ ''یہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟''

عبداللہ نے انہیں بے بسی سے دیکھا۔ ''سر میں کیا کہہ سکتا ہوں یہ معالج ہے اور علاج کے لیے یہ جو کہے وہ کرنا پڑے گا۔''

''مشینیں الگ کرنے سے اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی ہے۔'' ڈاکٹر نے پھر خبردار کیا۔

حکیم قادس نے محسوس کر لیا کہ ڈاکٹر اس کی مخالفت کر رہا ہے اور اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ عبداللہ اسے سمجھانے لگا اور میں نے محسوس کیا کہ معاملہ خرابی کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے ڈاکٹر اور رفیق بھائی کو باہر چلنے کو کہا۔ ہم باہر آئے اور میں نے رفیق بھائی کو سمجھایا۔ ''دیکھیں یہ جو کہہ رہا ہے اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہو گی۔ یہ اپنے کام کا ماہر ہے اور یہ عتیق کی زندگی سے کھیلنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ یہ کچھ کر سکے گا۔'' ڈاکٹر نے تلخ لہجے میں کہا۔

میں نے نرمی سے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب ضروری نہیں ہے ساری سائنسی ریسرچ آپ ڈاکٹر حضرات نے کر رکھی ہو دنیا میں اس فیلڈ میں اور بھی لوگوں نے ریسرچ کر رکھی ہے۔''

''تب آپ کی مرضی۔'' اس نے پاؤں پٹخ کر کہا۔

''ایک منٹ ڈاکٹر صاحب آپ کو یہاں معاونت کے لیے بلایا ہے۔ اعتراض کرنے کے لیے نہیں۔'' اس بار میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''آپ کا کام کسی ہنگامی صورتِ حال میں عتیق کو طبی امداد مہیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنا ہے۔ پلیز اپنا کام کیجئے۔"

بادلِ ناخواستہ ڈاکٹر نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔"

میں نے رفیق بھائی کی طرف دیکھا۔ "آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اسے اپنا کام کرنے دیں۔ میرا خیال ہے آپ باہر بیٹھیں کیونکہ ہوسکتا ہے اس علاج کے دوران میں کچھ مشکل مراحل پیش آئیں۔ آپ ان کو نہ دیکھ سکیں۔"

رفیق بھائی سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے میں باہر رکتا ہوں۔"

میں ڈاکٹر کے ساتھ اندر آیا۔ "ڈاکٹر اس کے جسم سے مشینیں ہٹا دو۔" میں نے کہا اور عبداللہ سے بولا۔ "حکیم کو بتا دو کہ مشینیں ہٹانے کے ری ایکشن سے نمٹنے کے لیے تیار رہے۔"

عبداللہ نے اس سے کہا تو اس نے سر ہلایا۔ "فکر مت کرو میں اپنا کام کرنا جانتا ہوں۔"

حکیم جو کہتا تھا عبداللہ اس کا فوراً ترجمہ کر دیتا تھا۔ ڈاکٹر عتیق کے جسم سے منسلک مشینوں کو الگ کرنے لگا اور جیسے ہی اس نے دل اور سانس چلانے والی مشینیں ہٹائیں۔ اس کی سانس رکنے لگی تھی اور دل کی دھڑکنیں رکنے لگی تھیں۔ حکیم قادس سامنے آیا اور اس نے عتیق کی نبض دیکھی اور پھر اس نے پہلے سے نکالی ایک چھوٹی سی شیشی کھول کر اسے عتیق کی ناک کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ شاید ڈاکٹر یا عبداللہ کے لیے حیرت انگیز ہو لیکن میرے لیے یہ بات نئی نہیں تھی۔ عتیق کے سانس لینے کا انداز بہتر ہونے لگا تھا اور مشین پر اس کے دل کی دھڑکن بھی بہتر ہو رہی تھی۔ حکیم نے عبداللہ کو سامنے آنے اور اس شیشی کو تھامنے کو کہا اور پھر اپنا بکس ٹٹولا جو دیکھنے میں کسی زنبیل سے کم نہیں تھا۔ پھر اس نے ایک چھوٹا سا ڈبا نکالا اور پھر عتیق کے سینے کو دل والی جگہ سے ننگا کر دیا اور عین دل کے مقام پر اس ڈبے سے گریس نما ایک چیز نکالی کر انگلی سے اس کی مالش کرنے لگا۔ حکیم کا انداز انتہائی احتیاط والا تھا جیسے اس کی انگلی پر لگا مرہم نہ ہو کوئی خطرناک مادہ ہو جو ذرا سی بے احتیاطی سے اسے یا عتیق کو کوئی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ وہ تھوڑی سی مالش کرتا اور اس کے بعد عتیق کی نبض دیکھتا۔ حالانکہ اس کی دل کی دھڑکن اور نبض سامنے لگے مانیٹر پر صاف نظر آ رہی تھی لیکن حکیم کو اول تو اس کا پتا نہیں تھا اور اگر اسے پتا بھی ہوتا تب بھی وہ اس کے بجائے اپنے طریقہ کار پر عمل کرتا۔ میں دیکھ رہا تھا جیسے جیسے وہ اس گریس نما مرہم کی مالش کر رہا ہے عتیق کے دل کی دھڑکن بہتر ہوتی جا رہی تھی اور کوئی دس منٹ بعد وہ تقریباً نارمل تک آ چکی تھی جب کہ مشین پر لگے ہونے کے باوجود عتیق کی دھڑکن نارمل نہیں تھی۔ پہلی بار میں نے عتیق کے چہرے پر سرخی آتے دیکھی تھی۔ جب حکیم مطمئن ہو گیا تو اس نے مالش بند کر دی اور عتیق کی قمیص اس کے سینے پر برابر کر دی۔ میں نے عبداللہ کے توسط سے اس سے پوچھا۔

"اب کیا کرو گے؟"

حکیم نے حسبِ عادت ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس کا خلاصہ عبداللہ نے یوں پیش کیا۔ "ابھی کچھ نہیں کرنا ہے۔ جب تک اس کا سانس اور دل کی دھڑکن اپنے طور پر نہیں چلتی ہے جب یہ از خود چلنا شروع ہو جائے گی۔ تب اس کے زخموں کا علاج کروں گا۔"

یہ اس کا اپنا طریقہ علاج تھا۔ بہرحال اس نے ایسا کر دکھایا تھا جو دوسروں کو مطمئن کرنے کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضرورت سے زیادہ کافی تھا۔ عتیق جو آدھے گھنٹے پہلے مشین کے ساتھ بمشکل سانس لے رہا تھا۔ اب وہ مشین کے بغیر بہتر انداز میں سانس لے رہا تھا اور اس کے دل کی دھڑکن بھی نارمل ہو چکی تھی میں نے کہا۔ ''اس کی سانس اور دل دونوں نارمل ہو چکے ہیں پھر تم علاج کب شروع کرو گے؟''

حکیم نے جواب دیا۔ ''ابھی یہ معمول پر نہیں ہے بلکہ دوا کے سہارے اس کی کارکردگی بہتر ہوئی ہے۔ ابھی اسے از خود یہ دونوں کام کرنے کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔''

''اس میں کتنا وقت لگے گا؟''

''کم سے کم دو دن۔'' حکیم قادس نے بتایا۔

ڈاکٹر دم بخود سا عتیق کی بدلتی حالت دیکھ رہا تھا۔ غالباً اس نے سوچ لیا تھا کہ یہ کارٹون نظر آنے والا شخص اس نوجوان کی جواں مرگی کا باعث بنے گا اور اس وقت وہ اپنی برتری جتا سکے گا لیکن یہ تو اس نے سوچا نہیں تھا کہ دو معمولی سی دواؤں سے عتیق کی حالت اس قدر بہتر ہو جائے گی کہ وہ مشینوں کے بغیر بھی سانس لے سکے گا۔ میں نے رفیق بھائی کو اندر بلایا تو وہ بھی عتیق کی حالت دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔ حکیم قادس نے عبداللہ کو حکم دیا کہ اس کا بوریا بستر اسی کمرے میں منتقل کر دیا جائے وہ اب عتیق کے ساتھ ہی قیام کرے گا۔

''جب تک اس کا علاج جاری رہے گا میں یہیں رکوں گا۔''

''کیا میرا بچہ ٹھیک ہو جائے گا؟'' رفیق بھائی نے اس سے عاجزی سے پوچھا۔

''کیوں نہیں..... مجھے امید ہے اگر خدا نے اس کی مزید سانسیں رکھی ہیں تو چار یا پانچ دن بعد یہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' حکیم نے جواب دیا۔

''لیکن یہ ہوش میں کیوں نہیں آ رہا ہے؟''

''یہ ہوش میں آ سکتا ہے لیکن ابھی اس کے زخم اس کے لیے بہت تکلیف دہ ہیں اور یہ تکلیف اس کی جان لے سکتی ہے اس لیے یہ بے ہوش ہے۔ میں اسے ہوش میں لا سکتا ہوں لیکن ابھی اسے ہوش میں لانا مناسب نہیں ہوگا۔ جب میں اس کا علاج شروع کروں گا تو پھر اس کی تکلیف کم ہو جائے گی اور تب میں اسے ہوش میں لاؤں گا۔''

عتیق کو ڈرپ کی مدد سے خوراک اور طاقتور دوائیں دی جا رہی تھیں لیکن اب اس کا علاج ایک حکیم کر رہا تھا۔ رفیق بھائی نے اس کی خوراک کے بارے میں پوچھا۔ ''تم فکر مت کرو یہ میرا ذمہ ہے بس جو میں کہوں وہ مجھے مہیا کر دو۔''

''تمہیں کیا چاہیے؟'' رفیق بھائی نے پوچھا۔

جواب میں حکیم قادس نے ایک لمبی چوڑی فہرست عبداللہ کو لکھوائی۔ اس نے مطالبہ کیا کہ یہ ساری چیزیں اسے جلد از جلد فراہم کی جائیں۔ ان میں سے بعض چیزوں کے نام تو ایسے تھے کہ میں نے کبھی نہیں سنے تھے۔ حکیم قادس نے کہا کہ یہ چیزیں کسی اچھے پنساری کی دکان سے مل جائیں گی۔ ان میں سے اکثر جڑی بوٹیاں تھیں۔ ظاہر ہے ایک حکیم جڑی بوٹیوں سے علاج کرے گا۔ حکیم قادس کا سامان اسے اسی کمرے میں مہیا کر دیا گیا تھا اور عبداللہ۔ نمیر کو سامان لانے کے لیے روانہ کیا۔ کچن مکمل طور پر زرین نے سنبھال لیا تھا اور نمیر کو اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف سے تقریباً بے فکر کر دیا تھا اور وہ باہر کے کام بھی کر سکتا تھا۔ جب یہ معاملات نمٹ گئے۔ عتیق بحفاظت واپس آ گیا اور حکیم قادس نے اس کا علاج بھی شروع کر دیا تھا تو مجھے پہلی بار بھوک کا احساس ہوا۔ شام ہو چکی تھی اور میں نے صرف صبح ناشتہ کیا تھا۔ میں کچن میں آیا جہاں زرین رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی شکوہ کیا۔

''تم تو مجھے بھول ہی گئے ہو۔''

''میں تو کھانے کو بھی بھولا ہوا تھا۔ ابھی یاد آیا جب میں بھوک سے فوت ہونے والا ہو رہا ہوں۔'' میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔'' وہ فکر سے بولی۔ ''تم نے مجھ سے کیوں نہیں کہا۔''

''ہوش ہی نہیں تھا۔'' میں نے کہا اور اسے مختصراً حالات بتائے۔ ''اس بار مرشد کا داؤ چل گیا لیکن زندگی رہی تو اس کا حساب بھی برابر کر دوں گا۔''

''نوڈلز بنا دوں کھانے میں تو ابھی وقت ہے۔''

''کچھ بھی بنا دو۔''

اس نے نوڈلز کا پیکٹ کھولا اور پانی ابلنے کے لیے رکھ دیا۔ ''فتح خان تمہارے لیے اہم تھا لیکن تم نے اپنے آدمی کے بدلے اسے مرشد کے حوالے کر دیا۔''

''ہاں میں اس لڑکے پر ایسے دس فتح خان قربان کر سکتا ہوں۔''

''اگر مرشد مجھے مانگ لیتا تب؟'' اس نے اچانک سوال کر دیا جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ میں خاموش رہا تو اس نے پھر کہا۔ ''اگر وہ مجھے مانگتا تو کیا تم مجھے اس کے حوالے کر دیتے؟''

''ایسا ممکن نہیں ہے مرشد بھی یہ بات سمجھتا ہے اس لیے اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے ایک اور ساتھی کو بھی مجھ سے مانگ لیا لیکن اس نے تمہارے بارے میں کوئی بات نہیں کی کیونکہ اسے معلوم ہے میں اس کی یہ بات نہیں مانوں گا۔''

''چاہے وہ اس لڑکے کو قتل بھی کر دیتا؟''

''زرین جو ہوا نہیں اس کے بارے میں بات کرنے کا کیا فائدہ؟'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں ایسی کسی آزمائش سے بچا لیا۔''

اس نے کھولتے پانی میں نوڈلز ڈالے اور سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو جس آزمائش میں ہم پڑے نہیں اس کے بارے میں بات کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔ بس میرے ذہن میں خیال آ گیا تھا۔''

زرین نے ایک سادہ سا لباس پہن رکھا تھا جو میں نے اسے نہیں دلایا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ کپڑے تم نے خود لیے ہیں؟''

وہ مسکرائی۔ ''نہیں منیر کے پاس تھے۔ چند مہینے پہلے اس کی ماں اس کے پاس رہنے آئی تھی تو وہ اپنے دو سوٹ یہاں بھول گئی تھی۔ اتفاق سے میرے ناپ کے نکل آئے۔ میں کام کرتے ہوئے انہیں استعمال کرتی ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارے پاس رقم ہے؟''

''ہاں تم نے جو دی تھی وہ رکھی ہے۔ کہو تو لا دوں۔''

''نہیں اپنے پاس رکھو اب وہ تمہاری ہے۔''

''اور تم؟'' اس نے نوڈلز کا پیالہ میرے سامنے رکھا۔ ساتھ میں اس کا مسالہ بھی تھا لیکن اسے میں نے ایک طرف کر دیا۔ میں سادہ ہی کھاتا۔

''مجھے ضرورت نہیں ہے اور جب ضرورت پڑے گی تو خدا کہیں نہ کہیں سے انتظام کر دے گا۔'' میں نے کہا اور کھانا شروع کر دیا۔ کچن میں قورمے اور بریانی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ زرین نے میرے کہے بغیر کافی کا پانی رکھ دیا اور کافی کا ڈبا نکالا۔

''یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔''

''ہاں یہ سب بہت اچھے ہیں۔'' میں نے تائید کی۔

''منیر مجھ سے احترام سے پیش آتا ہے۔ عبداللہ بہت کم بات کرتا ہے لیکن میں نے کبھی اس کے انداز میں اپنے لیے حقارت محسوس نہیں کی۔''

میں کھاتے کھاتے رک گیا۔ ''تمہیں یہ خدشہ کیوں ہوا کہ عبداللہ یا کوئی بھی تمہیں حقیر سمجھے گا۔''

وہ پیٹھ موڑ کر پتیلی میں چمچ چلانے لگی۔ ''یہ لوگ جانتے ہیں کہ میرا ماضی کیا ہے؟''

''ہاں لیکن ان میں سے کوئی تمہیں اس معاملے میں قصوروار نہیں سمجھتا ہے بلکہ یہ تمہاری مزید عزت کرتے ہیں کہ تم نے مرشد جیسے طاقتور شخص کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔''

اس نے مڑ کر دیکھا۔ ''سچ کہہ رہے ہو؟''

''میرے الفاظ کی تصدیق میرے ساتھیوں کا رویہ بھی کرتا ہے۔''

اس نے سوچا۔ ''ہاں یہ تو ہے یہ سب مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آتے ہیں۔''

''بس تو تم اس معاملے میں بے فکر رہو۔ تم ہمارے لیے ایک بہت اچھی اور پاکباز عورت ہو۔'' میں نے کہا اور پیالہ خالی کرنے میں لگ گیا۔ پھر مجھے بیتو اور رفیق بھائی کا خیال آیا وہ بھی صبح سے بھوکے تھے۔ زرین نے مجھے بتایا کہ بیتو اچھی طرح کھا پی کر سونے کے لیے جا چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ایسا کرو دو کافی اور ساتھ میں کچھ بسکٹس وغیرہ نشست گاہ میں لے آؤ۔''

میرا اندازہ درست نکلا رفیق بھائی وہیں تھے اور فون پر گھر میں کسی سے بات کر رہے تھے۔ ''ہاں اب خاصی بہتر ہے..... بس اللہ سے دعا کرو وہ صحت مند ہو کر آئے..... ہاں تاؤ کی جان..... اب بہتر ہے وہ..... نہیں تم یہاں نہیں آسکتیں..... تم بس اس کے لیے دعا کرو..... ہاں شہباز یہیں ہے لو بات کرو۔'' رفیق بھائی نے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ دوسری طرف شمی تھی۔

''ہیلو گڑیا کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔'' وہ بے تابی سے بولی۔ ''شمی رفیق تایا سے بات کر کے مجھے وہاں آنے کی اجازت دلوا دیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو ممکن نہیں ہے بلکہ اگر یہ اختیار میرے پاس ہوتا تب بھی میں تمہیں اجازت نہ دیتا۔'' میں نے کہا۔
''یہ سمجھ لو کہ عتیق ابھی اسپتال میں ہے اور اسپتال میں ایک سے زیادہ افراد کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔''
''آپ بھی تو ہیں وہاں؟''
''ہاں لیکن یہاں کوئی لڑکی یا عورت نہیں رک سکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے عتیق کی جلد ری کوری کی امید ہے۔''
''سچ مچ؟'' وہ خوش ہوگئی۔ ''اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔''
''یہ بات اس حکیم نے کی ہے جس نے میرا ہاتھ ٹھیک کیا تھا۔''
''تو میں نہیں آسکتی؟'' وہ مایوس ہوئی۔ میں نے اسے تسلی دی اور سمجھا کر موبائل واپس رفیق بھائی کو دے دیا۔ انہوں نے بات کر کے کال ختم کی تو میں نے ان سے کہا۔
''رفیق بھائی آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔''
''بھوک نہیں ہے یار۔'' وہ بولے۔
''دیکھیں اب ایک امید نظر آرہی ہے اس لیے آپ اتنا پریشان نہ ہوں۔''
زرین کافی اور بسکٹس لے آئی۔ میں نے رفیق بھائی کو مجبور کیا۔ انہوں نے کافی کے ساتھ کچھ بسکٹ لیے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''یہ حکیم کیا چیز ہے؟''
''آپ نے دیکھا اس نے صرف دو معمولی سی چیزیں استعمال کیں اور عتیق کو مشینوں کے سہارے سے نجات مل گئی۔''
''میں نے ایک ہفتے میں پہلی بار اس کے چہرے پر سرخی دیکھی ہے۔''
''ان شاء اللہ..... وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں نے کافی کا کپ رکھا۔ منیر اندر آیا اس نے ایک بڑا سا تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ اس نے تھیلا دکھاتے ہوئے اطلاع دی۔
''ساری چیزیں مل گئی ہیں۔''
''شکر ہے۔'' رفیق بھائی خوش ہو کر بولے۔ ''حکیم انتظار کر رہا ہے ان چیزوں کا۔''
منیر تھیلا لے کر اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے آکر مجھ سے کہا۔ ''آپ کو حکیم صاحب بلا رہے ہیں۔''
عتیق کے کمرے میں حکیم قادس کے ساتھ عبداللہ بھی موجود تھا کیونکہ ترجمانی کے فرائض اسے ہی انجام دینے تھے۔ میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''حکیم صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔''
''میں حاضر ہوں۔''
حکیم نے کہا۔ ''میں تمہارا ہاتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔''
میں نے ایک نظر عتیق کو دیکھا۔ وہ بستر پر دراز تھا اور اس کا سینہ پہلے سے زیادہ بہتر انداز میں حرکت کر رہا تھا۔ چہرہ بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ زندگی والا لگ رہا تھا۔ میں حکیم قادس کے سامنے قالین پر بیٹھ گیا اور وہ میرے بائیں ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے دبا کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ پھر اس نے اسے سونگھا اور اپنے بکس سے وہی سبز رنگ کا لیپ نکال کر ذرا سا میری کلائی کے پاس لگا دیا۔ اس نے عبداللہ سے کہلوایا۔ ''اسے کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر لگا رہنے دو چھیڑنا نہیں۔''

میں وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ عبداللہ ایک طرف کھڑا تھا۔ حکیم قادس نے اس کے لائے تھیلے کو فرش پر بچھی اپنی چادر پر الٹ دیا اور اس میں سے چیزوں کو نکال کر ان کا معائنہ کرنے لگا۔ جو چیز اسے ٹھیک لگ رہی تھی وہ ایک طرف رکھتا جا رہا تھا اور جس پر اسے اعتراض تھا اسے وہ عبداللہ کو دے کر مزید ہدایات بھی دے رہا تھا۔ چیزوں کی چھان پھٹک کا کام مکمل کر کے اس نے میرے ہاتھ کا معائنہ کیا اور پھر لیپ کو ذرا گیلا پا کر اسے چھیڑا نہیں۔ اس نے کوٹنے اور چھاننے کے لیے کچھ چیزیں بھی منگوائی تھیں اور آنے والی جڑی بوٹیاں لے کر ان کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد منیر لکڑی کے کوئلے سے جلنے والی ایک چھوٹی لیکن ذرا جدید قسم کی انگیٹھی لے آیا۔ کوئلے اچھی طرح دہکے ہوئے تھے اور ان سے ذرا سا دھواں نہیں اٹھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ حکیم نے انگیٹھی کیوں منگوائی ہے کیونکہ سینٹرلی ہیٹنگ کی وجہ سے اندر سردی نہ ہونے کے برابر تھی لیکن کچھ دیر بعد اس نے اس انگیٹھی پر مٹی کی ایک چھوٹی سی ہانڈی رکھی اور پھر اس میں پانی بھر کر اس میں کچھ جڑی بوٹیاں ڈال دیں۔ عبداللہ نے کہا۔

''جناب یہ چیزیں دوبارہ لانی ہیں میں منیر کو دے کر آتا ہوں۔''

اب حکیم کچھ چیزوں کو لے کر ان کو کونڈی میں کوٹنے کی تیاری کر رہا تھا اور یہ سارے کام وہ خود کر رہا تھا اس نے کسی کی مدد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اپنے سارے کام وہ خود کرتا تھا اسے کسی اور کے کام پر اعتبار نہیں تھا۔ عبداللہ چلا گیا اور ترجمے کی ضرورت نہیں تھی ورنہ حکیم اسے جانے نہ دیتا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد اس نے میرے ہاتھ کا معائنہ کیا۔ لیپ خشک ہو گیا تھا۔ اس نے اسے احتیاط سے اتارا اور اپنے پاس موجود ایک مخملی تھیلی میں ڈال لیا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ میں نے اشارے سے پوچھا کہ میں جاؤں تو اس نے سر ہلا کر مجھے اجازت عطا فرما دی۔

میں باہر آیا۔ عبداللہ نے اس بار منیر کو بھیجنے کے بجائے خود جانا مناسب سمجھا تھا اور اس نے زرین سے کہہ دیا تھا کہ اس کی آمد کا انتظار کیے بغیر کھانا لگا دے کیونکہ ہم صبح سے بھوکے تھے۔ میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کچھ دیر میں زرین نے اندر جھانکا۔ ''شہباز کھانا تیار ہے۔''

''شکر ہے۔'' میں فوراً اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ ''میں تو بھوک سے فوت ہونے والا تھا۔''

''یہ کارٹون کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔ ''جو اس لڑکے کا علاج کر رہا ہے۔''

''حکیم قادس نام ہے اس کا اور اس کے حلیے پر مت جاؤ ایسے باکمال لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں یوں سمجھ لو کہ یہ مُردے میں جان ڈال دیتا ہے۔''

زرین نے منہ بنایا۔ ''مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ مجھے یوں دیکھتا ہے جیسے مجھ سے کوئی دشمنی ہے۔''

ظاہر ہے اسے کہاں پسند ہوتا۔ میں نے دیکھا تھا کہ حکیم عورتوں سے چڑتا ہے۔ شاید اس نے زرین سے بھی کچھ کہا تھا اور پھر وہ اسے نظر انداز بھی کرتا تھا۔ کوئی عورت نظر انداز کیا جانا برداشت نہیں کرتی ہے چاہے نظر انداز کرنے والا حکیم قادس جیسا ستر سالہ بوڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس سے چڑ رہی تھی۔

''وہ عورتوں کو پسند نہیں کرتا ہے اس سے دور رہنا۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے بھی وہ حکیم ہے اس کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرناک زہر بھی ہوتے ہیں۔''

''مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اس بڈھے کھوسٹ کے پاس گھسنے کا۔'' زرین نے تنک کر کہا اور کچن کی طرف چلی گئی۔ ڈائننگ روم میں میز پر منیر کھانا لگا رہا تھا اور رفیق بھائی وہاں آ گئے تھے۔ منیر نے ان کے لیے ایک کمرہ کھول دیا تھا۔ ان کے پاس سامان نہیں تھا کیونکہ ان کا تھوڑا بہت سامان ان کے واقف کار کی کوٹھی میں تھا۔ اب وہ وہاں نہیں جا سکتے تھے۔ ایاز ایمبولینس ایک ویران مقام پر چھوڑ آیا تھا اور اس نے فون کر کے اسپتال والوں کو اطلاع کر دی تھی کہ ان کی ایمبولینس کہاں کھڑی ہے اور وہ وہاں سے اسے لے سکتے ہیں۔ اس طرح یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا امید تھی کہ اسپتال والوں کو ان کی ایمبولینس مل جائے گی تو وہ اس کو مزید نہیں کھینچیں گے۔ رفیق بھائی اسپتال کے تمام واجبات پہلے ہی ادا کر چکے تھے۔ اگر ان کو کپڑوں کی ضرورت ہوتی تو وہ میرے کپڑے بھی پہن سکتے تھے۔ ان کا اور میرا ناپ ایک ہی تھا۔ دوسری ضروریات کی تمام چیزیں بھی اس کوٹھی میں موجود تھیں اور ان کو کسی چیز کے لیے یہاں سے باہر جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کھانے کے بعد انہوں نے ایک نظر عتیق کو دیکھا اور سونے چلے گئے وہ صبح سے نہیں بلکہ کئی دن سے بے آرام تھے اور عتیق کی طرف سے آج ان کو کچھ اطمینان ہوا تھا۔

عبداللہ سامان لے کر آ گیا تھا اور اس بار حکیم قادس نے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا کہ وہ کھانے کے بعد مجھ سے نشست گاہ میں ملے۔ حکیم قادس نے اشیا گھونٹنے اور ابالنے کا عمل جاری رکھا تھا۔ جب ہم گئے تو کمرے میں ہلکی سی بھاپ کے ساتھ جڑی بوٹیوں کی خوشبو بھی رچی ہوئی تھی۔ رفیق بھائی کو ان کے کمرے تک چھوڑ کر میں واپس نشست گاہ میں آیا۔ عبداللہ یقیناً کھانے میں مصروف تھا میں نے انٹرکام پر کچن میں رابطہ کیا تو وہاں زرین موجود تھی۔

''کافی مل سکتی ہے؟''

''کیوں نہیں تم ایسے کیوں پوچھ رہے ہو۔ تم تو حکم دیا کرو۔''

''جب بغیر حکم کے کام چل رہا ہے تو حکم دینے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے ہنس کر کہا اور انٹرکام رکھ دیا۔ وہ دس منٹ بعد کافی کے ساتھ نشست گاہ میں چلی آئی۔ میں نے اسے دیکھا۔ ''تمہیں یہ تو بتایا نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں پھر تم یہاں کیسے آ گئیں؟''

اس نے کافی کی ٹرے سامنے رکھی۔ ''وہ ایسے کہ آدھی کوٹھی میں تمہیں دیکھنے کے بعد یہاں آئی ہوں۔''

''تو مجھ سے انٹرکام پر پوچھ لیتیں؟''

وہ شرمندہ ہو گئی۔ ''وہ مجھے استعمال کرنا نہیں آتا ہے بے چارے منیر نے دو تین بار سمجھایا بھی لیکن میں بس ہال سن لیتی ہوں کسی کو کال کر نہیں سکتی اس سے۔''

''اس میں شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے اگر تمہیں کوئی کام نہیں آتا ہے اور تمہیں اس پر شرمندگی محسوس ہوتی ہے تو تمہیں اسے سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی۔ ''کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسا کروں؟''

''فرض کرو اگر میں چاہتا ہوں تو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو میں کروں گی۔'' اس نے بنا ہچکچائے کہا۔ ''جو تم چاہو گے یا کہو گے میں ضرور کروں گی۔''

''میں تمہاری بہتری چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم کھڑی کیوں ہو بیٹھو۔''

وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔ ''شہباز نہ جانے کیوں میں تمہارے ساتھ خود کو محفوظ سمجھتی ہوں اور اگر میں سوچوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو مجھے لگتا ہے جیسے میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی۔''

''زرین تم خود بہت مضبوط عورت ہو.....''

''نہیں۔'' اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں مضبوط نہیں ہوں اگر تم میرے ساتھ نہ ہوتے تو مجھ پر جو گزری تھی شاید میں صدمے سے مر جاتی لیکن تم نے مجھے زندہ رکھا۔''

''اگر ایسا ہے کہ تم مجھ سے قوت پاتی ہو تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔''

''کمال تو ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے تم جیسا آدمی نہیں دیکھا جو مجھے دیکھے اور اس کی آنکھوں میں گندنہ آئے۔''

میں ہنس دیا۔ ''کیونکہ تم نے ابھی تک مرشد اور اس کے آدمیوں جیسے لوگ ہی دیکھے ہوں گے۔ ورنہ مجھ جیسے لوگ بہت ہیں۔ بہر حال یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔ فی الحال تم یہ جان لو کہ شاید میں جلد یہاں سے چلا جاؤں۔''

''کہاں؟'' اس نے بے ساختہ کہا۔

''کہیں بھی..... اصل میں یہ جگہ بہت اہم ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے یہ دشمنوں کی نظر میں آئے۔ یہاں تم ہو اور عتیق کا علاج بھی ہو رہا ہے اگر دشمن کو اس جگہ کا پتا چل گیا تو سب غیر محفوظ ہو جائیں گے۔''

''تم کہاں جاؤ گے؟''

''میں اپنی سرگرمیاں کہیں اور سے بھی جاری رکھ سکتا ہوں۔''

''نہیں یہ جگہ محفوظ ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''اگر تم جانے کا فیصلہ کر چکے ہو تو میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

''بابا تم جیسے پیاروں کو محفوظ کرنے کے لیے میں یہاں سے جا رہا ہوں اور تم کہہ رہی ہو کہ میرے ساتھ چلو گی۔''

''میں خود کو تمہارے ساتھ محفوظ سمجھتی ہوں۔''

''تم ایسا سمجھتی ہو لیکن خود سوچو کہ اگر کوئی مشکل مرحلہ آ گیا تو میں دشمن سے لڑوں گا یا اس سے تمہیں بچانے کی کوشش کروں گا۔ میرے اور بھی بہت سارے پیارے ہیں لیکن ان کو بچانے اور اپنی توجہ ایک طرف رکھنے کے لیے میں نے ان کو باہر بھیج دیا۔''

''تم سفیر، مونا، وسیم اور سادھنا کی بات کر رہے ہو۔'' اس نے کہا۔

''تمہیں ان کے بارے میں کس نے بتایا؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بیتو نے وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ بالکل سادہ سا اور جیسے دنیا دیکھی نہ ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ ایسا ہی ہے لیکن بے وقوف نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' وہ ہنسی۔ ''بہت چالاک ہے میں نے بڑی مشکل سے اس سے یہ سب اگلوایا ہے۔ میں جب اس سے تمہارے بارے میں کوئی بات کرتی تو وہ موضوع بدل دیتا۔''

''پھر بھی اس نے سب تو بتا دیا۔''

''لیکن یہ نہیں بتایا کہ تم کس سے محبت کرتے ہو یا کوئی تم سے محبت کرتا ہے۔''

''یہ تو تم مجھ سے بھی پوچھ سکتی ہو۔ میں اپنے تمام ساتھیوں سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔''

''میں اس محبت کی بات کر رہی ہوں جو کسی ایک عورت سے کی جاتی ہے۔''

''تم کیوں جاننا چاہتی ہو؟'' میرا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی سخت ہو گیا تھا۔ وہ سہم گئی۔

''بس مجھے خواہش ہوئی تو میں نے پوچھ لیا کیا تمہیں برا لگا۔''

''نہیں۔'' میں نے گہری سانس لے کر اپنے اوپر قابو پایا۔ حالانکہ اس میں غصے والی کوئی بات نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس پر غصہ آ گیا تھا۔ ''ہاں مجھے محبت ہے لیکن کس سے ہے یہ مت پوچھنا۔''

''کیوں؟'' اس کے انداز میں مایوسی کی ہلکی سی جھلک نظر آئی تھی۔

''بس فی الحال میں خود بھی اسے یاد نہیں کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کافی کا خالی مگ اسے پکڑا دیا۔ ''تم بھی صبح سے کام میں لگی ہو اب آرام کرو جا کر۔''

وہ مسکرانے لگی۔ ''تم مجھے ٹال رہے ہو۔''

''نہیں سچ میں خود بھی تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ اب آرام کروں گا۔''

اسی لمحے عبداللہ نشست گاہ میں داخل ہوا۔ ''واہ کافی۔'' اس نے چہک کر کہا۔ ''ایک کپ مجھے مل سکتا ہے۔''

''میں لاتی ہوں۔'' زرین بولی اور مجھ سے پوچھا تو میں نے سر ہلایا۔

''ہاں ایک کپ چلے گا تم کافی بہت اچھی بناتی ہو۔''

''کھانے کی طرح۔'' عبداللہ نے میری تائید کی۔ ''منیر بھی اچھا بناتا ہے لیکن جب سے زرین بنا رہی ہیں کھانے کا ذائقہ ہی الگ محسوس ہونے لگا ہے۔''

زرین کھل اٹھی تھی۔ ''شکریہ۔''

اس کے جانے کے بعد میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''یار یہ مظلوم اور بہت اچھی عورت ہے۔ میں چاہتا ہوں اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ بن جائے۔''

''یہی اس کے لیے سب سے بہتر ہوگا کیونکہ بہر حال یہ ہمیشہ یہاں تو نہیں رہ سکتی اور آپ جانتے ہیں ہم سب شریف ہی ہیں پھر بھی صرف ایک عورت کا اس کوٹھی میں رہنا مناسب نہیں ہے وہ بھی.....'' عبداللہ کہتے کہتے رک گیا لیکن میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اس کا اشارہ زرین کے بلاخیز حسن کی طرف تھا۔

''تمہاری نظر میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس کے ماضی اور اس کی ذات سے لاحق خطرات کو نظر انداز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے اس سے شادی کر لے۔"

"میرا خیال ہے کوئی نہ کوئی مل جائے گا لیکن کیا یہ راضی ہو جائے گی؟"

"میرے خیال میں تو ہو جانا چاہیے اسے خود بھی پتا ہو گا کہ یہ اس طرح اکیلی نہیں رہ سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے تب میں اس بات کا دھیان رکھوں گا۔" عبداللہ نے کہا۔ "پھر بھی آخری فیصلہ اسے ہی کرنا ہو گا۔"

"ظاہر ہے وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔"

"آپ نے مجھے کسی خاص وجہ سے بلایا ہے؟" عبداللہ کام کی بات پر آ گیا۔

"ہاں عبداللہ یہ کوٹھی اسلام آباد میں ہمارا اہم ٹھکانہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہم اسے عمومی استعمال نہ کریں کیونکہ اس طرح دشمن اس کے بارے میں جان سکتے ہیں۔"

عبداللہ سمجھ گیا۔ "آپ چاہتے ہیں ہم اپنی سرگرمیاں کہیں اور منتقل کر دیں؟"

"بالکل..... ہم کسی اور جگہ سے بھی اپنی کارروائیاں جاری رکھ سکتے ہیں۔"

"لیکن جناب کسی اور جگہ ہمیں یہ ساری سہولتیں میسر نہیں ہوں گی۔"

"میں جانتا ہوں ہم ذرا مشکل سے گزارا کر سکتے ہیں بلکہ میں بلاوجہ تمہیں شامل کر رہا ہوں۔ اصل میں، میں خود کہیں اور جانا چاہتا ہوں۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں صرف آپ کے جانے سے یہ جگہ محفوظ ہو جائے گی؟"

"خاصی حد تک کیونکہ دشمن اصل میں تو میری تلاش میں ہیں اگر میں یہاں نہیں ہوں گا تو اس کا امکان کم ہے کہ وہ اس جگہ کو قابلِ توجہ سمجھیں۔"

"ایسا نہیں ہے اب وہ سب کو آپ کا ساتھی سمجھ کر برابر کی توجہ دیں گے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم کسی قیمت پر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے اس لیے ہم بھی آپ جتنے دشمن ہیں۔"

"ٹھیک ہے فی الحال اس تجویز کو ایک طرف رکھو اور یہ بتاؤ کہ اسلام آباد یا راولپنڈی کے علاقے میں راجا صاحب کی کوئی اور جائیداد ہے؟"

"بس وہی کوٹھی ہے جس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ راجا صاحب کی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے ہمیں متبادل ٹھکانے بنانا ہوں گے۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "دو تین دن میں تم ان شہروں میں متوسط درجے کی آبادی میں دو مکان تلاش کرو۔ چھوٹے ہوں اور قیمت بھی زیادہ نہ ہو۔ ہمیں متبادل ٹھکانے تیار رکھنے چاہئیں۔"

"مجھے آپ کی تجویز سے اتفاق ہے۔" اس نے کہا۔ "میں کل سے یہ کام شروع کر دوں گا۔"

عبداللہ نے بتایا کہ اس نے رات اور دن میں گارڈز کی تعداد دوگنی کر دی ہے کیونکہ اب خطرہ زیادہ ہے اور سب مستقل طور پر مسلح رہتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ رات کو بیتو اور ایاز پہرہ دیں گے اس لیے وہ کام سے آنے کے بعد فارغ ہو کر سونے کے لیے چلے گئے تھے۔ چوکیداری کے علاوہ بھی عبداللہ نے کچھ الیکٹرانک آلات بھی لگوائے تھے۔ اگر کوئی کوٹھی کی دیواریں پھلانگتا تو اندر الارم بج جاتا۔ اس کے علاوہ کیمرے بھی تھے جن سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوری کوٹھی کی نگرانی کی جا سکتی تھی۔ ان کیمروں کا کنٹرول کمپیوٹر والے کمرے میں تھا۔ زرین کافی لے آئی تھی اور ہم نے خاموشی سے کافی ختم کی۔ کچھ دیر بعد عبداللہ سونے کے لیے چلا گیا۔ میں بھی سونے کا سوچ رہا تھا لیکن پہلے میں نے ایک نظر عتیق کو دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہاں رفیق بھائی پہلے سے موجود تھے اور اس کے بستر کے پاس کھڑے تھے۔ حکیم قادس ایک طرف زمین پر قالین پر اونی کمبل لیے سو رہا تھا۔ عتیق کا سانس پہلے سے زیادہ ہموار لگ رہا تھا۔

''یہ پہلے سے بہتر ہے۔'' رفیق بھائی نے آہستہ سے کہا۔

''اللہ نے چاہا تو یہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اس حکیم سے کون پوچھے کہ عتیق کا علاج اب کس مرحلے میں ہے؟''

''میرا خیال ہے شاید یہ کل تک عتیق کا باقاعدہ علاج شروع کرے اور کچھ نہ کچھ تو یہ اس دوران میں بھی کرتا رہا ہوگا تبھی عتیق کی حالت پہلے سے بہتر لگ رہی ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''آئیں اب آپ بھی سوئیں۔'' میں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اس طرح جاگ کر آپ خود بیمار پڑ جائیں گے۔''

وہ میرے ساتھ آئے اور میں ان کو چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ جسمانی اور ذہنی تھکن بہت زیادہ تھی لیکن جب سونے کے لیے لیٹا تو نیند ایک بار پھر میری آنکھوں سے غائب ہو گئی۔ مجھے مونا، سفیر، وسیم اور سادھنا کا خیال آیا اور ذہن سے چپک گیا۔ دن بھر مصروفیات کے دوران میں ان کے بارے میں سوچنے سے بچا رہتا تھا لیکن جہاں سونے کے لیے لیٹتا تھا وہیں ان کا خیال آن موجود ہوتا، اتنا تو مجھے یقین تھا کہ وہ اب دبئی میں نہیں تھے بلکہ وہاں سے پاکستان آنے کے لیے روانہ ہو چکے تھے لیکن اب وہ کہاں تھے اور کن حالات سے دوچار تھے میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور یہی لاعلمی میرے لیے باعثِ اذیت تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی میں خیالوں سے نکلا۔

''کون ہے آ جاؤ؟''

دروازہ کھلا اور زرین اندر آئی۔ اس نے شب خوابی کا آرام دہ لباس پہن لیا تھا اور یہ ڈھیلا ہونے کے باوجود اس پر اچھا لگ رہا تھا۔ میں اسے دیکھ کر چونک گیا۔ اتنی رات گئے اس کا میرے کمرے میں آنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا میں نے محسوس کیا کہ وہ سنجیدہ ہو رہی تھی میں اٹھ گیا۔ ''کیا ہوا زرین خیریت ہے۔''

وہ قریب آئی اور کچھ دیر کھڑی اپنے گلابی ہونٹ دانتوں سے کاٹتی رہی پھر بولی۔ ''میں یہ کہنے آئی ہوں کہ تمہیں یا کسی اور کو میرے مستقبل کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے میں سمجھ گیا کہ اس نے میری اور عبداللہ کی بات سن لی تھی۔ ''کیوں ضرورت نہیں ہے؟''

''کیونکہ میں اپنی زندگی خود گزارنا چاہتی ہوں اور گزار بھی سکتی ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن کیا تمہارے خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ تمہارے مستقبل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بارے میں فکر مند ہوں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ وہ بدستور ہونٹ کاٹتی رہی۔

''تمہیں ہے یہ حق لیکن کسی اور کو نہیں ہے۔''

''عبداللہ مجھ سے الگ نہیں ہے۔''

''وہ تمہارا ساتھی ہے لیکن اس کا ساتھ یقیناً محدود ہوگا تم اس سے ہر بات تو نہیں کرتے ہوگا۔ کیا تم نے کبھی عبداللہ سے اس لڑکی کے بارے میں بات کی ہے جس سے تم محبت کرتے ہو؟''

''نہیں اور اس کی ضرورت یوں نہیں پڑی کہ وہ کبھی میرے معاملات میں شامل نہیں ہوئی ہے لیکن تم یہاں ہو اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ یہ کوٹھی اصل میں راجا صاحب کی ہے اور عبداللہ یہاں ان کے تمام معاملات کا نگران ہے اس لیے اگر کوئی کوٹھی میں ہے تو وہ اس کے بارے میں بات کر سکتا ہے۔''

''وہ صرف میرے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بات کر سکتا ہے۔'' زرین کا لہجہ تیز ہو گیا۔ ''لیکن اسے میرے مستقبل کے بارے میں بات کرنے کا حق نہیں ہے۔''

''زرین تم غصے میں ہو۔ اس نے یقیناً حق کا نہیں کہا ہے اس بے چارے نے صرف اہل رائے دی ہے یقین کرو کوئی تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا ہے۔'' میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

اس کا غصہ کسی قدر ٹھنڈا بھی ہوا تھا۔ وہ بستر کے کنارے تک گئی۔ ''اگر تم یہ بات کرتے تو میں بالکل برا نہیں مناتی کیونکہ تمہیں یہ حق ہے۔''

''دیکھا جائے تو مجھے بھی یہ حق نہیں ہے۔ بہرحال میں عبداللہ کو بھی منع کر دوں گا۔ اور یہ بات تم مجھ سے اسی وقت کر سکتی تھیں۔''

''میں انتظار کر رہی تھی کہ سب اپنے کمرے میں چلے جائیں تو میں تمہارے پاس آؤں۔''

میں ہچکچایا۔ ''زرین یہ اچھی بات نہیں ہے اگر کسی نے تمہیں میرے کمرے میں آتے یا جاتے دیکھ لیا تو وہ کیا سوچے گا؟''

''کیوں تم تو کہتے ہو یہ تمہارے ساتھی ہیں؟'' اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''ہاں یہ میرے ساتھی ہیں اور مجھ پر پورا اعتماد کرتے ہیں لیکن میں ایسی کوئی حرکت کیوں کروں جس سے ان کے اعتماد کو ٹھیس لگے یا وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔''

''ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔ ''میں تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ میں اس وقت تک یہاں ہوں جب تک تم ہو اور میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''میں تمہیں نہیں لے جا سکتا۔''

''اس صورت میں، میں کہیں اور چلی جاؤں گی۔''

''زرین تم جذباتی ہو رہی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تم جانتی ہو کہ تم سمیت ہم سب کتنے مشکل حالات سے گزر رہے ہیں اور ہم سب ہی خود کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ان حالات میں کسی جذباتی فیصلے کا نتیجہ سوائے مزید پریشانی کے اور کچھ نہیں نکلے گا۔''

''میں تمہیں بتا چکی ہوں اگر یہاں سے کہیں جاتے ہوئے تم مجھے لے کر نہیں گئے تو میں خود یہاں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلی جاؤں گی۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور کمرے سے چلی گئی۔ میں نے سر تھام لیا۔ یہ ایک نئی مشکل تھی۔ اگرچہ میرا یہاں سے فوری جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جب تک کوئی معقول ٹھکانہ نہ مل جاتا۔ مگر زرین ابھی سے رکاوٹ بن رہی تھی۔ اسے میں مرشد کی کوٹھی سے نکال کر لایا تھا اور دیکھا جائے تو اب وہ میری ذمے داری بنتی تھی جب تک اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ بن جائے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی اور میری مشکلات سے قطع نظر کر کے جذباتی انداز میں فیصلے سنانا شروع کر دے۔ میں فکر میں پڑ گیا تھا۔ اگر زرین اچانک یہاں سے چلی جاتی۔ ایک تو وہ خود مشکل میں پڑ جاتی دوسرے اگر وہ دوبارہ مرشد کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ اس جگہ کے بارے میں جان جاتا۔ بہرحال ابھی فوری کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ زرین کے آنے کا ایک فائدہ ہوا تھا کہ میرا ذہن بٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی تھی۔

○.....❖.....○

صبح عبداللہ نے دروازے پر دستک دی۔ ''آ جاؤ۔'' میں نے بستر سے پکارا تو عبداللہ نے اندر جھانکا۔

''اٹھ جائیں جناب حکیم قادس عتیق کا علاج شروع کرنے والا ہے۔''

''یہ تو اچھی خبر ہے اس کا مطلب ہے وہ اس کی رسپائری سسٹم سے مطمئن ہو گیا ہے۔'' میں نے اٹھ کر باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔'' اس نے کہا اور چلا گیا۔ میں نے گرم پانی سے غسل کیا اور تازہ دم ہو کر کچن میں آ گیا۔ زرین ناشتہ بنا رہی تھی۔ اس نے مجھ سے میری پسند پوچھی۔ اس کے لہجے میں رات والی تلخی نہیں تھی۔ میں اپنی پسند بتائی۔ ''جلدی مل جائے تو اچھا ہے مجھے جا کر عتیق کو دیکھنا ہے۔''

''میں بھی چل سکتی ہوں؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''چل تو سکتی ہو لیکن وہاں حکیم قادس ہو گا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''وہ تمہیں پسند نہیں ہے۔''

''بالکل بھی نہیں۔'' وہ فوراً دست بردار ہو گئی۔ اس نے مجھے ناشتہ بنا کر دیا اور ناشتہ کر کے میں نے چائے کا کپ لیا اور عتیق کے کمرے کا رخ کیا جہاں حکیم قادس اس کے علاج کی تیاری کر رہا تھا۔ یعنی وہ مطمئن تھا کہ عتیق کا دل اور سانس از خود چلنے کے قابل ہو گئے تھے ورنہ اس سے پہلے وہ مشینوں اور پھر حکیم کی دواؤں کے سہارے چل رہے تھے۔ حکیم قادس نے اس دوران میں اس کا کچھ نہ کچھ علاج جاری رکھا تھا اور اس وجہ سے عتیق از خود سانس لینے اور اس کا دل از خود دھڑکنے کے قابل ہو گیا تھا۔ عتیق کو اس کے حکم پر اٹھا کر فرش پر بچھی ایک سادہ سی چادر پر لٹا دیا گیا تھا اور اس کا اوپری جسم ننگا تھا نیچے اس نے صرف ایک پاجامہ پہن رکھا تھا۔ وہاں عبداللہ اور منیر کے علاوہ رفیق بھائی بھی تھے۔ حکیم قادس نے ان کی طرف دیکھ کر کچھ کہا۔ عبداللہ نے ترجمہ کیا۔ ''یہ کہہ رہا ہے لڑکے کا زخم کھولنا ہو گا اس لیے رفیق صاحب باہر چلے جائیں تو بہتر ہو گا۔''

لیکن رفیق بھائی تے جانے سے انکار کر دیا۔ ''اب میں اتنا بھی کمزور نہیں ہوں اس سے کہو اپنا کام کرے۔''

عبداللہ نے حکیم تک رفیق بھائی کی بات پہنچائی تو اس نے سر ہلایا اور عتیق کے پیٹ پر بندھی پٹی کھولنے لگا۔ زخم ابھی ہرا تھا کیونکہ پٹی سے سرخی جھلک رہی تھی۔ حکیم نے قینچی سے پٹی کاٹی اور پھر اسے اتارنے لگا۔ نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے زخم پر رکھی چکنی پٹی نکلی تھی۔ ڈاکٹروں نے اچھا خاصا بڑا آپریشن کیا تھا کیونکہ عتیق کے پیٹ پر درجن سے بھی زیادہ ٹانکے لگے تھے۔ ٹانکوں کے ساتھ جڑا زخم ابھی کچا تھا اور اس سے سرخی جھلک رہی تھی۔ حکیم قادس نے اپنے ایک دیسی اوزار سے ٹانکے کاٹنے شروع کیے تو رفیق بھائی نے تشویش سے کہا۔ ''اس سے کہو کہ کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔''

''رفیق بھائی یہ اپنا کام جانتا ہے شاید اسی لیے یہ آپ کو باہر جانے کو کہہ رہا تھا۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''آپ بے فکر رہیں کم سے کم اس کے ہاتھوں عتیق کو کوئی نقصان نہیں ہوگا اللہ نے چاہا تو فائدہ ہی ہوگا۔''

ہم سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے اس کے باوجود حکیم قادس نے ہمیں گھور کر دیکھا تھا۔ منیر کمرے سے چلا گیا تھا اور عبداللہ دور ہٹ گیا تھا عتیق کے پاس صرف میں اور رفیق بھائی تھے۔ ٹانکے کاٹ کر حکیم نے ایک چمٹی نما اوزار سے زخم کی کھال کو پکڑ کر جدا کیا اور اب وہ عتیق کا پیٹ کھولنے جا رہا تھا۔ یہ خاصا خوفناک منظر تھا اور میں نے رفیق بھائی کے چہرے پر لرزتے تاثرات دیکھے۔ میں نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ ''رفیق بھائی بہتر ہوگا آپ باہر آ جائیں۔ آپ کی یہاں موجودگی حکیم پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے اور شاید اس صورت میں یہ اپنا کام صحیح طور سے نہیں کر سکے گا۔''

رفیق بھائی سے بیٹے کی حالت برداشت نہیں ہو رہی تھی اس لیے انہوں نے میری بات مان لی اور باہر چلے گئے۔ اس دوران میں حکیم قادس عتیق کا پیٹ کھول چکا تھا اور اس کے اندر جھانک رہا تھا۔ زخم سے خون بہنے لگا تھا۔ اصل میں یہ کچا زخم تھا کیونکہ ابھی بھرا ہی نہیں تھا اور ذرا سا چھیڑتے ہی اس سے خون بہنے لگا تھا لیکن حکیم قادس خون سے لاپروا نظر آ رہا تھا اس نے خون روکنے کی کوشش نہیں کی۔ پھر اس نے اپنی انگلیاں زخم میں ڈالیں اور اندر کچھ ٹٹولنے لگا۔ یہ بڑا خوفناک منظر تھا۔ زخم اور لاشیں میرے لیے کوئی اجنبی چیز نہیں ہیں۔ میں ہر طرح کے کٹے پھٹے انسانی جسم دیکھ چکا تھا لیکن اپنے ایک پیارے کے زخم دیکھنا واقعی دنیا کا دشوار ترین کام ہے۔ عتیق سے میرا کوئی براہ راست تعلق نہیں تھا لیکن شمی کی وجہ سے عتیق سے مجھے دلی لگاؤ ہو گیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ شمی اور عتیق ایک ہو جائیں کیونکہ ان کی اپنی خواہش بھی یہی تھی۔

اس جگہ معدہ اور شاید دوسرے اہم اعضا ہوتے ہیں۔ جہاں حکیم قادس انگلیاں ڈال کر ٹٹول رہا تھا۔ شاید اس طرح وہ زخم کا اندازہ لگا رہا تھا۔ میں زخم کے بجائے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور مجھے اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ عتیق کے زخم کی حالت اچھی نہیں تھی۔ آخر حکیم نے زخم سے انگلیاں نکال لیں۔ اس نے ایک صاف کپڑے سے انگلیاں صاف کیں اور پھر کسی دوائی سے تر کپڑے سے عتیق کا زخم صاف کرنے لگا۔ اس کپڑے پر لگی دوائی کا حیرت انگیز اثر سامنے آیا۔ جہاں جہاں سے زخم صاف ہو رہا تھا وہاں سے خون بہنا بند ہو رہا تھا اور زخم کا منہ آپس میں ملتا جا رہا تھا۔ اگرچہ یہ ویسے بند نہیں ہو رہا تھا جیسے ٹانکوں سے بند تھا لیکن اب یہ پہلے کی طرح کھلا ہوا نہیں تھا۔ یہ کام کرنے اور خون مکمل طور پر صاف کرنے کے بعد حکیم نے ایک مرتبان نکالا اور اس میں سے وہی مخصوص سبز رنگ کا جانا پہچانا پتلا مرہم نکال کر عتیق کے زخم پر ڈال دیا اس نے اسے چھونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ لکڑی کے چمچ سے زخم پر ٹپکا رہا تھا۔ جب مرہم نے پوری طرح زخم کو ڈھک دیا تو اس نے ایک صاف کپڑا اس پر ڈال دیا۔ پھر اس کے اشارے پر عبداللہ نے عتیق کا جسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ہلکے کمبل سے ڈھک دیا تھا۔

''اس کی حالت کیسی ہے؟'' میں نے حکیم سے پوچھا۔ عبداللہ نے اسے سوال بتایا اور پھر اس کا جواب مجھ تک پہنچایا۔

''اچھی نہیں ہے زخم اندر سے بہت خراب ہو چکا ہے۔''

میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ ''کیا یہ ٹھیک ہو جائے گا؟''

''میں کوشش کروں گا۔'' حکیم قادس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''اگر یہ لڑکا مجھے چار دن پہلے ملا ہوتا تو اب تک یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوتا لیکن اب اس کا علاج بہت مشکل کام ہے۔''

''لیکن تم کوشش تو کرو گے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میری پوری کوشش ہوگی اور میں ایک نئی دوا آزما کر دیکھوں گا لیکن اس کے لیے لڑکے کے باپ کی اجازت چاہیے ہوگی۔''

''کیسی اجازت؟''

''دوا نئی ہے اور اس کا نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے لڑکا صحت یاب ہو جائے لیکن اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ زخم نے اس کی آنتوں، معدے اور جگر کو متاثر کیا ہے۔''

حکیم اپنی انگلیوں سے یہی ٹٹول کر دیکھ رہا تھا کہ زخم کی خرابی کہاں تک پہنچی ہے۔ یہی کام ڈاکٹر طویل اور پیچیدہ قسم کے ٹیسٹ کرانے کے بعد بتاتے ہیں۔ بہر حال مسئلہ اس وقت عتیق کی زندگی کا تھا میں نے حکیم قادس سے کہا۔ ''تم اس کی جان بچانے کی پوری کوشش کرو تم جانتے ہو میں راجا صاحب کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہوں یوں سمجھ لو تمہیں اس نوجوان کی نہیں میری جان بچانی ہے۔''

جب عبداللہ نے اس تک میری بات پہنچائی تو اس کے چہرے پر تعجب نظر آیا تھا شاید اسے اندازہ نہیں تھا کہ میں عتیق کے بارے میں ایسی بات کروں گا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا لیکن مجھے ایک آدمی مستقل چاہیے اور مزید اشیا درکار ہوں گی۔''

''تم جو مانگو گے تمہیں ملے گا۔ اگر یہ لڑکا ٹھیک ہو گیا تو میں اور اس کا باپ تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔''

انعام کی بات سن کر حکیم قادس خوش ہوا تھا لیکن اس نے کہا۔ ''اگر یہ لڑکا ٹھیک ہو جائے تو میرے لیے یہی سب سے بڑا انعام ہوگا میں نے آج تک اتنی خراب حالت والے کسی مریض کا علاج نہیں کیا ہے۔''

''تم اس ڈرائیور کو بھول رہے ہو جس کے سر پر چوٹ لگی تھی اور اگر تم اس کا علاج نہ کرتے تو وہ کچھ دیر کا مہمان تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا تو وہ مسکرانے لگا۔

''وہ بات اور تھی تازہ تازہ چوٹ تھی اس لیے میں نے اس کا علاج کر دیا۔ اس میں خاصی دیر ہو گئی ہے۔'' اس نے عتیق کی طرف دیکھا۔ ''پھر بھی میں کوشش کروں گا۔''

''تم ابھی سے کوشش شروع کر دو اور جو چیز چاہیے وہ بتا دو۔''

''میں چیزیں لے آتا ہوں۔'' عبداللہ نے اس سے بات کر کے کہا۔ ''مددگار کے طور پر منیر کو اس کے ساتھ لگا دیتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حکیم عبداللہ کو بتانے لگا کہ اسے کیا کیا لانا تھا۔ وہ اپنی نوٹ بک میں ان چیزوں کے نام اور مقدار درج کرنے لگا۔ میں نے ایک نظر عتیق کو دیکھا اور باہر آ گیا۔ رفیق بھائی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے انہوں نے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز کیا کہہ رہا ہے حکیم؟''

''اس نے امید دلائی ہے۔'' میں نے صاف بتانے سے گریز کیا۔ ''اس کا کہنا ہے کہ زخم پرانا ہو گیا ہے اس لیے اس کے علاج میں ذرا مشکل ہو گی لیکن وہ پوری کوشش کرے گا۔''

''عتیق بچ جائے گا نا؟'' وہ ڈوبتے لہجے میں بولا۔

''کیوں نہیں رفیق بھائی۔'' میں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اللہ نے چاہا تو وہ ضرور صحت یاب ہو گا۔ آپ دعا کریں گھر میں بھی سب سے دعا کرنے کو کہیں کیونکہ دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کے لکھے کو نہیں ٹال سکتی ہے۔''

ان کی آنکھوں میں نمی تھی لیکن وہ بہادری سے اپنے آنسو پی رہے تھے۔ انہوں نے ایک نظر عتیق کو دیکھا اور پھر میرے ساتھ نشست گاہ میں آ گئے۔ ان کا دھیان بٹانے کے لیے ٹی وی لگا دیا تھا۔ اس دوران میں بیتو بھی آ گیا۔ سلام دعا کے بعد اس نے عتیق کا احوال پوچھا تو میں نے اسے بتایا۔ اس نے فوراً کہا۔ ''منیر کو چھوڑو ہم حکیم کے ساتھ کام کرے گا۔ ہم کو پتا ہے اس قسم کا لوگ کس طرح کام چاہتا ہے۔ اپنے قبیلے میں کچھ دن ہم نے ایک حکیم کے ساتھ کام کیا ہے۔''

''اگر تم نے ناشتہ نہیں کیا ہے تو ناشتہ کر کے فوراً حکیم کے پاس پہنچ جاؤ شاید اسے ابھی سے مدد کی ضرورت ہے۔''

''ہم ناشتہ کر کے آ رہا ہے۔ زرین دیدی بہت اچھا کھانا بناتا ہے۔'' بیتو نے جاتے ہوئے کہا۔

''شہباز یہ لڑکی کون ہے؟'' رفیق بھائی نے پہلی بار زرین میں دلچسپی لی تھی۔

''یہ بھی مرشد کی زخم خوردہ ہے۔'' میں نے رفیق بھائی کو تفصیل سے زرین کے بارے میں بتایا۔ وہ اس سے متاثر ہوئے تھے۔

''واقعی بہت بہادر لڑکی ہے ورنہ کوئی عام لڑکی ہوتی تو ذہنی توازن کھو چکی ہوتی اور پھر خوش قسمت بھی ہے کہ اسے تم مل گئے ورنہ کسی اور کے ہاتھ لگ جاتی تو اسے مزید برے حالات سے گزرنا پڑتا لیکن شہباز کیا یہ اس طرح صرف مردوں کے درمیان میں رہ سکتی ہے۔''

''یہی فکر مجھے بھی ہے لیکن فی الحال میں اسے کہیں بھیج بھی نہیں سکتا ہوں۔ میں اسے مرشد کے چنگل سے نکال کر لایا ہوں اس لیے یہ میری ذمے داری ہے۔''

''تم نے ٹھیک کیا ہے لیکن کیا تم ان حالات میں یہ ذمے داری اٹھا سکتے ہو جب کہ دشمن خود تمہارے پیچھے ہے۔ وہ تمہارے خاندان والوں پر حملے کر رہا ہے؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''آپ نے ٹھیک کہا ہے لیکن جہاں تک ذمے داری اٹھانے کی بات ہے تو جب تک یہ میرے بس میں ہے میں اسے ضرور اٹھاؤں گا۔ ہاں جب میرے بس سے باہر ہو گا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رفیق بھائی نے سوچا۔ ''اگر تم چاہو تو میں اسے حویلی بھیج سکتا ہوں وہاں یہ آرام سے رہے گی۔''

''مجھے اس سے پوچھنا پڑے گا۔'' میں نے دبے لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ وہ جن حالات سے گزری ہے اس نے زرین کو حساس بنا دیا ہے اور کب کون سی بات اس کے دل کو لگ جائے یہ کہنا مشکل ہے۔''

''ٹھیک ہے تم جس طرح مناسب سمجھو اس معاملے کو ڈیل کرو میری پیش کش موجود ہے۔ اسلام آباد میں ان کے لیے خطرہ ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں لیکن فی الحال وہ ہم سب کے ساتھ خود کو محفوظ سمجھ رہی ہے۔''

رفیق بھائی ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے اور میں اپنے کمرے کی طرف آیا۔ میں نے کئی دن سے حویلی کال نہیں کی تھی اور نہ ہی ندیم سے بات کی تھی۔ میں نے پہلے حویلی کال کی۔ بابا نے کال ریسیو کی سلام دعا کے بعد انہوں نے عتیق کا احوال دریافت کیا میں نے اس بارے میں بتایا پھر ماں جی سے بات ہوئی۔ میں سویرا کے بارے میں معلوم کرنا چاہ رہا تھا لیکن میری زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ ماں جی سے بات کر کے میں نے فون بند کیا تھا کہ بیل بجی اور ایک اجنبی نمبر آیا۔ میں سوچ میں پڑ گیا تھا کوئی میرے اس نمبر کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ پہلے میں نے کال ریسیو نہ کرنے کا سوچا لیکن پھر ریسیو کر ہی لی کہ نہ جانے کون ہو اور کیا اہم بات ہو۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے ایک ہلکی نسوانی آواز نے کہا تو میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔

''سویرا۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''تم.....''

''شہباز۔'' اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔ ''آپ یہاں سے جانے کے بعد مجھے بھول گئے۔''

''خدا کی قسم ایسا نہیں ہے تمہارا خیال تو پل سے جاتا نہیں ہے لیکن میں تم سے کیسے رابطہ کرتا، تم جانتی ہو بابا ماں جی اسے اچھا نہیں سمجھتے کہ میں تم سے فون پر بات کر رہا ہوں۔ ابھی تم عدت میں ہو اور ابھی رابطہ کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں لیکن کم سے کم مجھے آپ کی خیریت کی اطلاع تو ملنی چاہیے۔''

''وہ مل گئی۔'' میں ہنسا۔ ''تم نے یہ نمبر کیسے حاصل کیا؟''

''چالاکی سے۔'' وہ بھی ہنسی۔ ''ماں جی نے بات کر کے مجھے موبائل دیا کہ بابا کو واپس کر دوں تو میں نے ان میں سے نمبر دیکھ لیا۔''

''تمہارے پاس موبائل ہے یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا۔''

''موبائل میرے پاس نہیں ہے۔ آپا کا ایک سیٹ خراب ہو گیا تھا تو انہوں نے دوسرا منگوا لیا۔ یہ بھی ٹھیک کرا لیا اور اسے گھر چھوڑ گئی تھیں میرے پاس ہی ہوتا ہے۔ یہ نمبر بھی آپا کا ہے۔''

''اب تم موبائل لے لو۔''

''ہاں میں بھی سوچ رہی ہوں لیکن شرم آتی ہے کہیں ماں جی یا بابا یہ نہ سمجھیں کہ آپ سے بات کرنے کے لیے موبائل لیا ہے۔''

''اب حویلی آیا تو میں خود لے آؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں ابھی نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پھر کب؟''

''وہ جب عدت ختم ہو جائے گی تب۔'' اس نے شرما کر کہا۔ ''اب میں فون بند کر رہی ہوں۔''

بات ہو چکی تھی اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اسے خدا حافظ کہا اور فون بند کر دیا۔ قدرت کبھی کبھی کیسے نواز دیتی ہے میرا سویرا سے بات کرنے کو دل چاہا اور اس نے خود کال کر لی۔ میں نے ندیم کا نمبر ملایا۔ میری آواز سن کر وہ چلایا۔ ''ابے میری جان کے دشمن کہاں غائب ہے؟''

''چلا مت میرے دشمن سن لیں گے اور تیری جان کے دشمن بھی بن جائیں گے۔''

''تو اب کون سے کم ہیں۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''زندگی حرام کر دی ہے تم سب نے مل کر میری.....''

اس کی بات سن کر میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ وہ سب کا ذکر کر رہا تھا کیا اسے کہیں سے اطلاع ملی تھی۔ ''کن سب کی بات کر رہا ہے؟''

''وہی تیرے یار اور ان کی ہوتیاں سوتیاں ہیں، کل سفیر کا فون آیا تھا۔''

''سفیر کا۔'' میں نے بمشکل کہا۔ ''کہاں تھا کیا کہہ رہا تھا؟''

''یہیں پاکستان آن مرے ہیں سب اور ابھی بتایا نہیں کہہ رہا تھا سرپرائز دوں گا۔'' ندیم سخت مشتعل تھا۔ ''حرامزادے یہاں کے حالات نہیں جانتے جو سرپرائز دینے چلے آئے۔ ایسا نہ ہو وہ مرشد ان سب کو سرپرائز دے۔ سر ہی توڑ دے سالوں کا۔''

''ندیم بکواس بعد میں کرنا پہلے بتا کیا کہہ رہا تھا سفیر پاکستان میں کہاں ہے؟''

''مجھے کیا پتا کراچی سے خیبر تک کہیں بھی ہو سکتے ہیں۔''

''فون کیا تھا تو کہیں کا نمبر تو آ رہا ہو گا؟'' میں نے جھنا کر کہا۔ ''وہ دیکھا تھا یا تُو عقل کے ساتھ آنکھ سے بھی اندھا ہو گیا تھا اس وقت۔''

''سالے نے بات ہی دو منٹ کی اور نمبر موبائل کا تھا مجھے کیا پتا کہ کس شہر یا جگہ سے بات کر رہا تھا۔''

''تو نے اس نمبر پر ٹرائی نہیں کیا۔''

اس بار ندیم جھنا گیا۔ ''بالکل ہی عقل سے پیدل نہیں ہوں کوشش کی تھی لیکن نمبر بند جا رہا ہے۔''

''مجھے نمبر بتاؤ۔''

اس نے نمبر بتایا۔ اس خبر نے میرے اندر ایک لہر سی دوڑا دی تھی کہ سفیر اور دوسرے پاکستان آ چکے تھے لیکن اس نے ندیم سے یہ ادھورا رابطہ کیوں کیا تھا اور وہ کیا اچانک آ کر مجھے سرپرائز دینا چاہ رہے تھے، مگر سوال یہ تھا کہ ان کو یہاں کے حالات کا کیا علم تھا اور دوسرے وہ پاکستان آ کر مجھے کہاں تلاش کرتے۔ ندیم کی بات درست لگ رہی تھی کہ کہیں مرشد ہی ان کو سرپرائز نہ دے دے۔ وہ ان دنوں بہت تیز جا رہا تھا اور اس نے بڑی کامیابی سے فتح خان کو واپس حاصل کر لیا تھا۔ اگرچہ اس کا رویہ مفاہمانہ تھا لیکن یہ اس کی چال بھی ہو سکتی تھی۔ ندیم نے مجھے نمبر بتایا۔

''میں تیرا نمبر کل سے ملا رہا ہوں اور وہ بند جا رہا ہے۔''

''موبائل مس ہو گیا تھا بلکہ مرشد کے قبضے میں جا چکا ہے یہ دوسرا نمبر ہے اسے نوٹ کر لے اور اب مجھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس پر رابطہ کرنا۔'' میں نے کہا۔ ''ایک نیک کام کر یہ دیکھ کہ میرے بینک اکاؤنٹس میں کتنی رقم ہے اور وہ مجھے کتنی جلدی مل سکتی ہے۔''

''اندازاً کوئی پندرہ لاکھ سے اوپر رقم ہے اور وہ تجھے تین دن میں مل سکتی ہے۔ میرے پاس تیرے دیئے ہوئے چیک ہیں میں ان کی مدد سے رقم اپنے اکاؤنٹس میں ٹرانسفر کر کے تجھے کیش دے سکتا ہوں لیکن تجھے فوری ضرورت ہے تو مجھ سے لے لے۔''

''نہیں فوری ضرورت نہیں ہے اور لگتا ہے تیری پریکٹس اچھی چل رہی ہے تبھی اتنی فراخدلی دکھا رہا ہے۔''

''بس تم جیسے کمینوں کی دعائیں ہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''اگر جلدی نہیں ہے تو دو دن میں بتاتا ہوں تیرے اکاؤنٹس میں موجود رقم کتنی ہے لیکن تجھے کرنا کیا ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے کچھ مستقل ٹھکانے بنا کر رکھوں۔''

''کیا تو خریدنے کے بارے میں سوچ رہا ہے؟''

''ہاں۔''

''احمق نہ بن اگر تجھے ٹھکانوں کی ضرورت ہے تو کرائے پر لے لے اسلام آباد راولپنڈی میں بے شمار مکانات کرائے پر خالی ہیں۔ تُو براہِ راست اسٹیٹ ایجنٹس سے بات کر اور وہ تجھے مکان دلوا دیں گے تجھے مالک مکان کا سامنا کرنے یا کسی قسم کی ضمانت بھرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ بس چھ مہینے کا کرایہ دے اور چابی حاصل کر لے۔''

''یہ تو اچھا آئیڈیا ہے۔'' مجھے اس کی بات پسند آئی تھی۔

''مکان خریدنے اور بیچنے کے چکر میں کہاں پڑے گا۔ ویسے بھی تیرے دشمن سائے کی طرح پیچھا کرتے ہیں کسی ایک ٹھکانے تک پہنچ جائیں تو وہاں سے فوراً نو دو گیارہ ہو جا۔ چند مہینے کے کرائے کا نقصان ہوگا وہ بھی بعد میں وصول کر سکتا ہے۔''

''بس تو یہ کام تیرے ذمے ہے۔ دونوں شہروں میں کم سے کم ایسے دو ٹھکانے تلاش کر۔'' میں نے فوراً کہا۔

''اوہ بھائی میں نے تجویز پیش کی تھی۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔ ''میں اپنی تجویز واپس لیتا ہوں۔''

''بکواس نہ کر دوستوں کا کام کرتے ہوئے تجھے موت آ رہی ہے۔''

''اچھا یار کر دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''اگر ان کی طرف سے کوئی اطلاع آئے تو مجھے بھی بتانا میرا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم لوگوں کا کچھ نہیں جائے گا میرے چار موجود اور پانچویں آنے والے کو کون پالے گا۔''

''پل جائیں گے یار تُو فکر کیوں کرتا ہے سب بانٹ لیں گے آپس میں۔''

''اور میری بیوی کا کیا ہوگا؟'' اس نے بھنا کر کہا۔

''اس کا بھی کوئی ٹھکانہ کر دیں گے۔ بس تُو میرا کام کر۔'' میں نے کہا اور فون بند کر کے وہ نمبر ملایا جو ندیم نے دیا تھا لیکن نمبر بند جا رہا تھا۔ نہ جانے سفیر نے کس نمبر سے کال کی تھی اگر اس نے کسی سے لے کر یہ کال کی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تب بھی فون بند ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اتنی احتیاط اور ایمرجنسی کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی کہ ملک میں آتے ہی وہ لوگ کسی مشکل کا شکار ہو گئے تھے جس طرح میں نے ان کی آمد کا اندازہ لگا لیا تھا اسی طرح یہ کام دشمن بھی کر سکتا تھا اور شاید اس کے آدمی پہلے ہی ان راستوں پر ناکے لگا کر بیٹھے تھے جہاں سے میرے ساتھی ملک میں داخل ہو سکتے تھے اور اگر ان کا دشمن سے ٹکراؤ ہو چکا تھا تو اس احتیاط کی وجہ سمجھ میں آ رہی تھی۔ ممکن ہے سفیر کے پاس فی الحال موبائل نہ ہو اور صرف سم ہو جسے اس نے کسی دوسرے کے موبائل میں استعمال کیا ہو۔ اب اس کے پاس موقع نہیں تھا کہ وہ کال کر سکتا یا کسی اور طریقے سے ندیم سے رابطہ کر سکتا۔ مجھے افسوس ہو رہا تھا میں نے پہلے ہی ندیم سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ عبداللہ گیا ہوا تھا وہ آتا تو میں اس کی مدد سے اس فون کے بارے میں معلوم کر سکتا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ یہ اسی کمپنی کی سم تھی جس کی میرے پاس تھی اور میں ہیلپ لائن سے بات کر کے کم سے کم یہ معلوم کر سکتا تھا کہ یہ نمبر کہاں کا تھا۔ میں نے ہیلپ لائن کال کی اور آپریٹر سے نمبر کے بارے میں پوچھا۔

''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ نمبر ملک کے کس حصے میں جاری ہوا ہے؟''

''یہ کوئٹہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں کی سیریل کا نمبر ہے۔'' آپریٹر نے بتایا۔

''یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس نمبر سے آخری کال کب اور کہاں سے کی گئی ہے؟''

''سوری یہ معلومات راز ہوتی ہیں اور ہمیں بھی نہیں معلوم کہ کال کب اور کہاں سے ہوتی ہے۔'' آپریٹر نے معذرت کی۔

''شکریہ۔'' میں نے فون بند کر دیا۔ یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ سفیر اور دوسرے اس وقت کوئٹہ یا بلوچستان میں کہیں تھے یا پھر اسلام آباد آ چکے تھے کیونکہ ندیم سے سفیر کا رابطہ ہوئے چوبیس گھنٹے گزرنے والے تھے اور اتنی دیر میں آدمی کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ میں باہر آیا جہاں ایاز گیٹ کے پاس کرسی ڈالے بیٹھا تھا میری معلومات کے مطابق اس نے رات کو ڈیوٹی دی تھی اور بیتو بھی ڈیوٹی پر رہا تھا اور دونوں ہی جاگ رہے تھے میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم لوگ رات بھر کے جاگ رہے ہو نیند نہیں آ رہی؟''

ایاز مسکرایا۔ ''جاگنا بھی کوئی کام ہے جناب..... نیند اس وقت آتی ہے جب جسم تھکن سے چُور ہو جاتا ہے۔''

''تمہیں یہ جاب اچھی لگی ہے؟''

''تب ہی تو یہاں رکا ہوں ورنہ مجھے کسی ایک جگہ ٹک کر کام کرنا پسند نہیں ہے۔ ان لوگوں سے میرا مزاج مل گیا ہے۔''

''کوئی تنخواہ طے ہوئی ہے؟''

بتا دیں گے عبداللہ صاحب وہ لے لیں گے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''بس اپنا اور جیپ کا کام چلتا رہے باقی سب خیر ہے۔''

''بس تو خوش رہو۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''لیکن یاد رکھنا کوئی زبردستی والی بات نہیں ہے جب تمہارا دل چاہے تم چھوڑ کر جا سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ پر بھی کوئی مجبوری نہیں ہے جب دل چاہو کہہ دینا میں چلا جاؤں گا۔''

''میں کسی کو خود سے الگ کرنے والا شخص نہیں ہوں۔''

''میں بھی کسی کو چھوڑ کر نہیں جاتا۔'' وہ مسکرایا۔ ''شہباز صاحب پہلی بار تو اپنے مطلب کے لوگ ملے ہیں میں چھوڑ کر جانے والا نہیں ہوں۔''

''میرے کچھ اور ساتھی ہیں جو آنے والے ہیں ابھی وہ کہیں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔''

''آپ حکم کریں تو ان کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔''

''وہ یہاں نہیں ہیں بلوچستان یا کسی اور جگہ ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم تیار رہنا ممکن ہے ان کو لینے یا ان کی مدد کے لیے جانا پڑے۔''

اسی اثنا میں ہارن بجا اور گارڈ نے جھانک کر گیٹ کھول دیا۔ عبداللہ کی گاڑی اندر آئی تھی۔ یہ منی چیری کار تھی۔ عبداللہ سامان لے آیا تھا۔ ہارن سن کر منیر باہر آیا اور سامان کے تھیلے نکالنے لگا۔ عبداللہ نے اس سے کہا۔ ''ان کو حکیم صاحب والے کمرے میں پہنچا دو۔''

منیر سامان لے کر چلا گیا۔ عبداللہ میری طرف آیا۔ ''کوئی نئی پیش رفت ہوئی ہے؟''

''عتیق کے معاملے میں تو نہیں لیکن میں نے ندیم سے بات کی ہے کل اسے سفیر کی کال آئی تھی وہ پاکستان آ گئے ہیں۔''

''یہ تو اچھی خبر ہے۔''

''اتنی بھی اچھی نہیں ہے اس کے بعد سے ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ جس نمبر سے سفیر نے کال کی تھی وہ کوئٹہ کا ہے اور مستقل بند جا رہا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے انہوں نے پاکستان میں آتے ہی سم لے لی تھی۔ نمبر کیا ہے؟''

میں نے اسے نمبر دیا۔ ''اس کمپنی میں میرا ایک جاننے والا کام کرتا ہے میں اس سے بات کرتا ہوں۔''

عبداللہ نے موبائل نکال کر اس شخص کو کال کی۔ ''لطیف صاحب میں عبداللہ بات کر رہا ہوں..... جی اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں..... ہاں سب خیریت ہے بس آپ سے ایک کام پڑ گیا ہے..... جی ایک نمبر ہے اس کے بارے میں انفارمیشن چاہئیں..... نمبر لکھ لیں..... معلوم یہ کرنا ہے کہ نمبر کب ایشو ہوا اور آخری بار کہاں سے استعمال ہوا تھا..... جی مشکل تو ہے لیکن آپ کے لیے کیا مشکل ہے جناب۔''

اس نے فون بند کر کے میری طرف دیکھا۔ ''وہ کہہ رہا ہے کہ ذرا مشکل کام ہے لیکن وہ کوشش کرے گا اصل میں اس قسم کا ریکارڈ سینٹرلی ہوتا ہے اور ہر آدمی کی اس تک رسائی نہیں ہوتی ہے۔''

''اگر وہ کہہ رہا ہے کہ وہ کوشش کرے گا تو اس کا مطلب ہے یہ کام اس کے اختیار میں ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن کوئی رکاوٹ بھی ہو سکتی ہے تبھی اس نے گنجائش رکھی ہے۔''

ہم اندر آئے۔ حکیم قادس عبداللہ کے لائے سامان کا معائنہ کر رہا تھا اور اس نے کچھ کہا۔ عبداللہ نے اسے جواب دیا تو وہ سر ہلانے لگا۔ عبداللہ نے بتایا کہ ایک شے مطلوبہ مقدار میں نہیں تھی۔ یہ اتنی ہی ملی تھی لیکن عبداللہ مزید کے لیے کہہ آیا تھا اور رقم بھی دے آیا تھا باقی مقدار شام تک مل جاتی۔ اتنی دیر میں حکیم نے کمرے میں مزید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو کوئلے سے چلنے والی انگیٹھیاں منگوائی تھیں اور ان پر مختلف چیزیں مٹی کی ہانڈیوں میں ابل رہی تھیں اور ان سے بخارات اٹھ کر کمرے کی فضا کو دھند آلود کر رہے تھے لیکن یہ دھند کثیف نہیں تھی بلکہ اس میں ایک کیف آور خوشبو تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ تمام انگیٹھیاں عتیق کے آس پاس تھیں اور ایسا لگ رہا تھا جیسے حکیم ان نباتات کے بخارات اسے دے رہا ہو۔ بیتو نے اس کی ہدایت پر کمرے میں ہوا کی آمد و رفت کے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ کھڑکیوں اور روشن دان کو مکمل طور پر بند کر دیا تھا اور اگر کہیں سوراخ تھا تو اسے ٹیپ لگا دیا تھا۔ دروازے کے نیچے موٹا کپڑا لگا کر اسے بھی سیل کر دیا تھا۔ اس کے باوجود اندر گھٹن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ حکیم یقیناً سانس کے ذریعے اسے کوئی دوا دینے کی تیاری کر رہا تھا کیونکہ اس نے ایک لکڑی اور ربر کا بنا کیف نما آلہ بھی نکالا تھا جس کا اگلا سرا انسان کے منہ سے لگایا جا سکتا تھا۔ عتیق سمیت وہاں پانچ افراد تھے۔ حکیم نے عبداللہ سے کچھ کہا۔ اس نے بتایا۔

''یہ کہہ رہا ہے کہ کوئی دو افراد باہر چلے جائیں۔''

عتیق کا علاج ہو رہا تھا اور حکیم قادس اس کا علاج کر رہا تھا اور بیتو اس کا نائب بنا ہوا تھا۔ اس لیے مجھے اور عبداللہ کو باہر جانا پڑا تھا۔ ہمارے باہر آتے ہی بیتو نے دروازہ پوری طرح بند کر دیا تھا۔ بیتو نے بعد میں انکشاف کیا کہ وہ حکیم قادس کی زبان کسی حد تک سمجھتا ہے کیونکہ وہ بھی پہاڑی علاقے کا رہنے والا تھا اور اس کی زبان پاکستان میں ہمالیہ کے علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں سے ملتی جلتی تھی۔ رفیق بھائی بھی باہر موجود تھے انہوں نے پوچھا۔

''حکیم کیا کر رہا ہے؟''

''وہ شاید عتیق کو سانس کے راستے بخارات دے رہا ہے کیونکہ اس نے پورا کمرہ سیل کر دیا ہے اور ہمیں بھی باہر نکال دیا ہے۔''

رفیق بھائی نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن تم لوگ میرے بچے کے لیے جو کر رہے ہو اس کا احسان میں ساری عمر بھی نہیں اتار سکوں گا۔''

''رفیق بھائی۔'' میں نے شکوہ کیا۔ ''عتیق صرف آپ کا ہی بیٹا نہیں ہے آپا اور شمی کے ناطے وہ میرا بھی بہت کچھ لگتا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انسان کے دل میں اتر جاتے ہیں عتیق بھی ان میں سے ایک ہے۔''

''میں جانتا ہوں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ آج کا انسان کسی کے لیے اتنی بے غرضی سے کام نہیں کرتا ہے جیسے تم لوگ کر رہے ہو۔''

''میری غرض تو واضح ہے۔ عتیق شمی کا دلہا بنے یہ میری سب سے بڑی غرض اور خواہش ہے۔''

''میری بھی یہی خواہش ہے۔'' وہ بولے۔ ''بس میرا بچہ ایک بار زندگی کی طرف لوٹ آئے تو میں اس سے وابستہ تمام خوشیاں پوری کروں گا۔''

''اللہ نے چاہا تو ایسا ضرور ہوگا۔'' میں نے کہا۔ رفیق بھائی وہیں کمرے کے پاس کرسی ڈال کر بیٹھ گئے تھے میں اور عبداللہ باہر آئے۔ مجھے خیال آیا۔ میں نے اس سے پوچھا نہیں تھا کہ اس کا تعاقب کس نے کیا تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے کس طرح تعاقب کرنے والے سے پیچھا چھڑایا تھا جب وہ عتیق کو لے کر آ رہا تھا۔ وہ ہنسا۔ ''ایک کار پیچھے لگ گئی تھی۔ رش میں تو پتا نہیں چلا لیکن جب سنسان سڑکوں پر آئے تو واضح ہو گیا۔ مزید پکا کرنے کے لیے میں نے وین اور ایمبولینس کو بلا وجہ سڑکوں پر گھمایا۔ پھر میں نے اس کے راستے میں وہی ٹائر کلر پھینک دیا۔ اگر رفتار زیادہ ہوتی تو کار الٹ بھی سکتی تھی لیکن اس کی بچت ہو گئی۔

''وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے جہاں تم نے ٹائر کلر پھینکا تھا؟''

''کوئی ایک ڈیڑھ کلومیٹر ہو گی۔''

''یہ کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ جب کہ یہاں آنے والی سڑکیں بھی بس دو ہیں۔ وہ اس علاقے کو فوکس کر کے تلاش کر سکتے ہیں۔''

''میرے خیال میں تو ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''دشمن کو کبھی کمزور مت سمجھو اور کوئی کام نہ ممکن نہیں ہوتا ہے اگر آدمی اسے کرنے کا ارادہ کر لے تو۔''

''پھر بھی یہ جگہ وہاں سے بہت دور ہے۔'' عبداللہ نے اصرار کیا۔

''ہو سکتا ہے لیکن اگر دشمن کئی گاڑیوں کے ساتھ آس پاس کی آبادیوں میں چکر لگانا شروع کر دے تو صرف گیٹ سے جھانکنے پر اسے وین نظر آ جائے گی اور اس کا نمبر ان کے پاس ہو گا۔''

عبداللہ تشویش زدہ ہو گیا۔ ''نمبر کی تو خیر ہے جب بھی کسی خاص کام سے نکلتے ہیں تو نمبر ہر بار مختلف ہوتا ہے لیکن وین تو وہی ہے۔ میں اسے گیراج میں کھڑا کروا دیتا ہوں۔''

''بالکل اور اپنے گارڈ سے کہو کہ گلی سے گزرنے والی گاڑیوں پر نظر رکھے۔ خاص طور سے ایسی گاڑیوں پر جو گیٹ کے سامنے رکیں اور ان میں موجود افراد کوٹھی کا معائنہ کریں۔ اگر کسی پر شک ہو تو فوراً تم کو اطلاع دے۔''

''میں کہہ دیتا ہوں۔'' اس نے سر ہلایا اور گیٹ کی طرف چلا گیا۔ عبداللہ کا رویہ بھی ٹھیک تھا کیونکہ وہ خاص آدمی ہوتے ہوئے بھی اب تک زیادہ تر عام زندگی گزارتا رہا ہے۔ جب کہ میں عام آدمی ہونے کے باوجود مسلسل ایک خاص اور فکر مند زندگی بسر کر رہا تھا اس لیے معمولی سی بات بھی میرے ذہن کو کھٹکتی تھی جو کسی دوسرے کے لیے بالکل عام سی بات ہوتی تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ اکثر جس بات پر میں کھٹک جاتا تھا وہ درست ثابت ہوتی تھی۔ اس وقت بھی میرے ذہن میں اچانک خیال آیا تھا کہ عبداللہ نے تعاقب کرنے والی گاڑی سے کہاں پیچھا چھڑایا تھا۔ اس نے جو بتایا تھا وہ میرے لیے فکر مندی کی بات تھی اگرچہ عبداللہ کے لیے اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی لیکن جب وہ گیٹ سے واپس آیا تو پریشان لگ رہا تھا اس نے آتے ہی کہا۔

''شہباز صاحب ایسا لگ رہا ہے آپ کی بات درست ہونے والی ہے۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے ایک کار میں سوار دو افراد نے گیٹ کے سامنے رک کر گارڈ سے ایک پتا دریافت کیا ہے۔ پتا پچھلی گلی کا ہے لیکن گارڈ کا کہنا ہے کہ وہ کوٹھی کے اندر جھانک رہے تھے۔ جب گارڈ نے ذرا سخت لہجے میں ان سے بات کی تو وہ واپس گئے تھے۔''

''شاید یہ مرشد کے آدمی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''گارڈ کو وہ پتا یاد ہے جو وہ پوچھ رہے تھے اور کیا اس وقت وین یہیں کھڑی تھی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دوسرے سوال کا جواب ہے ہاں وین یہیں کھڑی تھی اور پہلے سوال کا میں معلوم کر کے آتا ہوں۔''

''ایک منٹ اگر گارڈ کو پتا یاد ہے تو منیر کو بھیج کر اس گھر سے معلوم کرو کہ ابھی ان کے باہر سے دو افراد ایسی گاڑی میں آئے ہیں؟''

عبداللہ گیٹ کی طرف چلا گیا اور کچھ دیر بعد اندر سے منیر نکل کر گیٹ کی طرف گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ گارڈ کو پتا یاد تھا اور اب منیر معلوم کرنے جا رہا تھا۔ اگر آنے والے مرشد کے آدمی تھے تو اس کا مطلب تھا کہ ہم سب شدید خطرے میں تھے۔ عبداللہ گیٹ کی طرف سے آ گیا تھا۔ میں نے کہا۔

''اس سے پہلے منیر آئے تم احتیاطی تدابیر کر لو اور سب مسلح ہو جائیں۔ گارڈ سے کہو گیٹ کو پوری طرح بند کر دے اور اگر تم نے کوٹھی کے باہر کیمرے لگا رکھے تو ان کو پوری طرح سے فعال کر دو اور کوئی نہ کوئی ان کی مستقل نگرانی کرے۔''

''باہر صرف ایک کیمرہ ہے جو گیٹ پر سامنے آنے والے کو دکھاتا ہے۔''

''کیا دو کیمرے ایسے لگ سکتے ہیں جو گلی کو دائیں بائیں سے دکھائیں؟''

''لگ سکتے ہیں کیونکہ اتفاق سے گھر کے بالکل سامنے کھمبا ہے۔ اس پر لگائے جا سکتے ہیں۔''

''تب فوری یہ کام کروا گر خطرہ نہ بھی ہوا تو بعد میں کام آئیں گے۔''

عبداللہ اندر گیا۔ کوٹھی میں سامان سارا تھا۔ وہ اندر سے دو عدد مزید چھوٹے نگرانی کرنے والے کیمرے نکال کر لایا۔ وائرنگ کے لیے سوئچ مین گیٹ کے اندر لگا تھا یہاں سے کیمروں کو بجلی اور ڈیٹا کورڈ کا کنکشن دیا جا سکتا تھا۔ دس منٹ بعد منیر آ گیا تھا اور اس نے جو بتایا اس سے میرے خدشات کو مزید تقویت ملی تھی۔ اس گھر والوں نے انکار کیا تھا کہ ان کے ہاں کسی نے آنا تھا یا اس حلیے اور گاڑی والے دو افراد آئے تھے۔ عبداللہ کمپیوٹر کا ماہر تھا وہ خود یہ کام کر رہا تھا۔ منیر سے رپورٹ میں نے لی تھی۔ میں گیٹ کی طرف کم ہی جاتا تھا کیونکہ میرا چہرہ دشمنوں کے لیے سب سے زیادہ مانوس تھا اور وہ میری تلاش میں ہی اس طرف آتے۔ عبداللہ نے اپنا کام آدھے گھنٹے میں نمٹا لیا تھا۔ وہ اندر آیا۔

''اب ان کیمروں کو کمپیوٹر سے منسلک کرنا ہوگا۔''

اس کے پاس سی سی ٹی وی سے زیادہ جدید سسٹم تھا کیونکہ اس میں کیمروں کی تعداد محدود ہو جاتی ہے جب کہ کمپیوٹر سے منسلک ہونے کی صورت میں کیمروں کی تعداد محدود نہیں تھی۔ عبداللہ نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بتایا کہ ان دو کیمروں کے اضافے سے کیمروں کی کل تعداد پندرہ ہو جائے گی۔ اس نے کمپیوٹر آن کیا اور اس میں کیمروں کی سیٹنگ کرنے لگا۔ یہ ذرا بڑا اور طاقتور کمپیوٹر تھا جو بیک وقت کئی کام کر سکتا تھا، اس زمانے میں پینٹیم فور کمپیوٹرز آ گئے تھے لیکن یہ ان سے بھی آگے کی کوئی چیز تھا۔ عبداللہ نے بتایا کہ یہ خصوصی کمپیوٹر اور اس کے لوازمات کوئی پانچ لاکھ روپے میں آئے تھے۔ کمپیوٹر آن کر کے اس نے کیمرے اس میں انسٹال کیے اور ان کی کارکردگی چیک کرنے لگا۔ کیمروں کا رزلٹ اچھا تھا۔ ان میں زوم نہیں تھا لیکن ان کی تصویر بہت واضح تھی۔ گلی میں ایک کار داخل ہوئی تو پچاس فٹ کے فاصلے سے اس کا نمبر صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ کوٹھی گلی کے وسط میں تھی اور دونوں طرف کوئی دو سو فٹ کی گلی تھی۔ کیمروں سے دونوں طرف گلی بالکل واضح دکھائی دے رہی تھی اور اب کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاڑی نظروں میں آئے بغیر نہ تو یہاں آ سکتی تھی اور نہ یہاں سے جا سکتی تھی۔ ایک کیمرہ گیٹ پر لگا تھا۔ چھ عدد کوٹھی کے چاروں طرف باہر لگے تھے اور باقی کیمرے اندر لگے تھے۔ ایک آدمی یہاں بیٹھ کر آرام سے پوری کوٹھی اور اس کے آس پاس کی نگرانی کر سکتا تھا۔ بتیس انچ کے ایل سی ڈی مونیٹر پر بیک وقت چھ کیمروں کی تصویریں دیکھی جا سکتی تھیں اور ایک سوفٹ ویئر کی مدد سے مانیٹر پر خود بہ خود کیمرے بدلتے رہتے تھے اور نگرانی کرنے والے کو مینوئلی بدلنا نہیں پڑتے تھے البتہ وہ کوئی خاص کیمرہ مانیٹر پر رکھنا چاہتا تو اسے بس ایک بٹن دبانا پڑتا۔ عبداللہ نے منیر کو بلا لیا تھا۔

''خودکار رائفلیں نکالو۔''

''کتنی؟'' اس نے پوچھا۔

''چار عدد مزید نکال لو۔'' عبداللہ نے اسے بتایا۔ کوٹھی میں چار عدد گارڈز تھے۔ وہ پوری طرح مسلح تھے۔ یہ چار عدد رائفلیں یقیناً میرے، بیتو، ایاز اور عبداللہ کے لیے تھیں۔ منیر سمیت نو مسلح افراد کسی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی تھے لیکن اس کے لیے ضروری تھا ہم پہلے سے تیار ہوں۔ عبداللہ کے ساتھی عام طور سے تہہ خانے میں رہتے تھے اور وہاں سے صرف ضرورت کے وقت ہی باہر آتے تھے لیکن اس وقت عبداللہ نے ان کو اوپر بلوا لیا اور ان کی ڈیوٹیاں کوٹھی کے مختلف حصوں میں لگا دیں۔ طے ہوا کہ چار افراد مستقل پہرے پر رہا کریں گے اور آٹھ آٹھ گھنٹے بعد ان کی ڈیوٹی بدلتی رہے گی۔ چار میں سے دو ہمہ وقت گیٹ پر رہا کریں گے اور باقی دو کوٹھی کے اندر گشت کرتے رہیں گے خاص طور سے پچھلے حصے پر نظر رکھیں گے کیونکہ اس طرف ایک چھوٹی سی گلی تھی اور دیوار کوئی دس فٹ اونچی اور خاردار باڑھ سے ڈھکی تھی۔ اس طرف سے کسی کا آنا آسان نہیں تھا لیکن زیادہ مشکل بھی نہیں تھا خاص طور سے ان لوگوں کے لیے جو اندر داخل ہونے کا فیصلہ کر لیں۔ عبداللہ نے دو کیمرے اس طرف کی نگرانی کے لیے بھی لگا رکھے تھے۔ پھر کوٹھی کے اس حصے سے عمارت کے اندر براہِ راست داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایک راستہ دائیں طرف باغ کے ساتھ کچن میں داخلے کا تھا۔ اس پر بھی فولادی جالی والا دروازہ تھا۔ ایک راستہ سامنے کی طرف سے تھا۔ ان کے علاوہ عمارت میں کسی جگہ سے داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔ بشرطیکہ کوئی گرل یا کھڑکی نہ توڑ دی جائے اور یہ آسان کام نہیں تھا۔ اس لحاظ سے کوٹھی بہت محفوظ تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے دشمن اندر گھسنے کی کوشش کرے گا؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے وہ اس کے بجائے کوئی ایسا حملہ کرے گا جس میں یہاں تباہی پھیلانے کے لیے اسے اندر آنے کی ضرورت نہ پڑے۔'' میں نے سوچ کر جواب دیا۔ ''اس کی کوشش ہوگی ہمیں یہاں سے نکالے اور کہیں باہر گھیرے۔''

''اس صورت میں ہماری حکمتِ عملی کیا ہونی چاہیے۔''

''عبداللہ میرا خیال ہے مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ میں یہاں نہیں ہوں گا تو اس کا امکان کم ہے دشمن یہاں حملہ کرے۔''

''اسے بھلا کیسے پتا چلے گا کہ آپ یہاں نہیں ہیں؟''

''اس کی بھی کوئی تدبیر کی جا سکتی ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''فی الحال تم ایک کام کرو۔ اپنے آدمیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سے دو کو کوٹھی کے آس پاس رہنے کو کہو۔ وہ نظروں سے اوجھل رہیں اور کسی بھی حملے کی صورت میں وہ عقب سے حملہ آوروں پر حملہ کر سکتے ہیں۔''

''یہ ہو سکتا ہے۔'' عبداللہ بولا۔

''بس تو اس پر بھی عمل کرو۔ اگر مرشد جان گیا ہے کہ میں یہاں ہوں یا یہ جگہ میرا ٹھکانہ ہے تو وہ یہاں آج رات ہی حملہ کرا سکتا ہے۔ اگر آج رات سکون سے گزر جائے تو سمجھ لو کہ اسے یقین نہیں ہے۔''

عبداللہ کو کمپیوٹر اور کنٹرول سسٹم کے ساتھ الجھا چھوڑ کر میں باہر آیا۔ مجھے بیتو سے بات کرنی تھی اور وہ حکیم کے پاس تھا میں کمرے تک آیا تو وہ بدستور سیل تھا اور رفیق بھائی باہر بیٹھے تھے۔ میں ان سے بات کر رہا تھا کہ زرین نے گیلری میں جھانکا اور مجھے متوجہ پا کر اشارہ کیا۔ رفیق بھائی اسے نہیں دیکھ سکے تھے میں ان سے معذرت کر کے زرین کے پیچھے آیا۔ وہ گیلری کے باہر میری منتظر تھی۔ اس نے میرا بازو پکڑا۔

''میرے ساتھ آؤ۔''

''کہاں؟''

وہ میرا سوال سنے بغیر مجھے اپنے کمرے کی طرف لے آئی۔ دروازہ بند کر کے اس نے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''کیا ہو رہا ہے؟'' میں انجان بنا۔

''منیر نے تہہ خانے سے رائفلیں نکالی ہیں اور گارڈز بھی اوپر آ گئے ہیں۔ کوئی خطرے کی بات ہے؟''

''کیسا خطرہ؟''

''مجھے لگ رہا ہے جیسے کچھ ہوا ہے۔'' وہ فکر مند تھی۔ ''کیا آس پاس مرشد کا کوئی آدمی نظر آیا ہے۔''

میں اس کے انداز ے پر ایک لمحے کے لیے حیران ہوا تھا۔ ''ایسی بات نہیں ہے یہ سب احتیاطی تدبیر کے طور پر کیا جا رہا ہے۔''

''تو پہلے کیوں نہیں کیا تھا؟''

''بابا ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کل سے سب کتنا بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔''

''سب تو نہیں بس عبداللہ لگا ہے۔ ہاں باقی سب ابھی کچھ دیر پہلے حرکت میں آئے ہیں۔'' اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ ''شہباز تم ٹھیک کہہ رہے ہو نا؟''

''فرض کرو اگر یہاں مرشد کے آدمیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ بھی ہے تب بھی تم کیا کر سکتی ہو۔''

''اس صورت میں مجھے بھی کوئی ہتھیار دو۔''

''تمہیں چلانا آتا ہے۔''

''خود کار چلانا کون سا مشکل کام ہے۔'' اس نے تلخی سے کہا۔ ''میں کسی صورت دوبارہ مرشد کے پاس نہیں جاؤں گی۔''

''تم فکر مت کرو تم یہاں محفوظ ہو جب تک ہم زندہ ہیں تمہیں ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

زرین کی آنکھوں سے نمی جھلکنے لگی تھی۔ ''میں جانتی ہوں اور تم لوگوں کے ساتھ خود کو محفوظ بھی سمجھتی ہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن ماضی کی یادیں میرا پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں رات کو خوابوں میں ڈراتی ہیں اور جب ڈر کر میری آنکھ کھل جاتی ہے تو میں خود کو بہت اکیلا محسوس کرتی ہوں۔"

"تم اکیلی نہیں ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"شہباز۔" اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا۔ "مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھو گے۔ کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑو گے نا؟"

"جب تک میرے بس میں ہوا۔" میں نے خلوص سے کہا۔ "لیکن بندہ بشر ہوں۔ ممکن ہے کبھی حالات کے آگے مجبور ہو جاؤں۔"

"اس صورت میں شاید میں زندہ نہ رہوں۔"

"تم بار بار مرنے کا کیوں سوچتی ہو؟"

"کیونکہ ان چند دنوں کو چھوڑ کر مجھے اپنی زندگی صرف غلاظت کا ڈھیر لگتی ہے اور میں اس ڈھیر میں واپس نہیں جانا چاہتی ہوں۔"

"تمہیں کوئی جانے بھی نہیں دے گا۔" میں نے کہا۔ "اب ساری فکریں چھوڑو اور کافی بنا کر پلاؤ۔ میں نے بہت کم لوگوں کو اتنی اچھی کافی بناتے دیکھا ہے۔"

"مرشد کو کافی پسند ہے اور وہ جب آتا تھا مجھ سے بار بار بنواتا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں اچھی کافی بنانے لگی تھی۔ جو ہوتا ہے اچھا ہی ہوتا ہے اب میں تم کو کافی بنا کر دے رہی ہوں۔"

ان دو دنوں میں وہ مزید نکھر گئی تھی۔ جسم اور اس کے ساتھ اس کی روح کے گھاؤ بھی خاصی حد تک بھر گئے تھے۔ چہرے پر آنے والے نیل مٹ چکے تھے۔ ان دو دنوں میں اس کی صحت بھی بہتر ہوئی تھی اور اتنی تیزی سے میں نے کسی کی صحت بہتر ہوتے نہیں دیکھی تھی۔ میں کمرے سے جانے لگا تو اس نے عقب سے آواز دی۔

"اے سنو۔"

میں پلٹا۔ "ہاں کہو۔"

"میں کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے شرمیلے انداز میں پوچھا۔ اس نے سیاہ ٹراؤزر کے ساتھ گلابی رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی اور یہ کسی قدر اس کے بدن پر چست تھی اس لیے اچھی لگ رہی تھی اور اصل میں تو خوب صورت وہ تھی اس لیے ہر لباس اس پر اچھا لگتا تھا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور بولا۔ "اچھی لگ رہی ہو۔"

"صرف اچھی؟" اس نے شکوہ کیا۔

میں مسکرایا۔ "نہیں بہت اچھی لگ رہی ہو لیکن اب یہ مت پوچھنا کہ کتنی اچھی لگ رہی ہو میں بتا نہیں سکوں گا۔"

"آج میں کوئی خاص چیز بنانا چاہ رہی ہوں تم اپنی پسند بتاؤ گے؟"

"ہاں کیوں نہیں بہت دن ہو گئے پلاؤ کھائے ہوئے اور ساتھ میں چکن کارن سوپ بھی مل جائے تو کیا بات ہو گی۔"

"اللہ تمہاری پسند کتنی سادہ ہے۔" وہ ہنسی۔ "میں نے محسوس کیا ہے تم کھانے میں سادہ چیزیں پسند کرتے ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں اصل میں تو میں دیہاتی آدمی ہوں اس لیے سادہ کھانے پسند کرتا ہوں۔''

''میں ابھی بناتی ہوں۔'' اس نے کچن کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔ ''کافی کہاں دوں تم کو؟''

''کمپیوٹر والا کمرہ دیکھا ہے وہاں لے آنا۔''

عبداللہ اپنا کام کر چکا تھا۔ اس نے اپنا ایک آدمی بھی نگرانی کے لیے بلوالیا تھا اور اسے بتا رہا تھا کہ کون سا کیمرہ کس طرح سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اب یہاں چوبیس گھنٹے کوئی نہ کوئی نگرانی کے لیے موجود رہا کرتا۔ میں نے وہ نمبر ملایا جو سفیر کے پاس ہو سکتا تھا لیکن وہ بدستور بند جا رہا تھا۔ زرین کافی لائی۔ میں کافی لے کر عتیق کے کمرے کے باہر آیا۔ دروازہ کھل گیا تھا کیونکہ رفیق بھائی اندر تھے۔ میں بھی اندر آ گیا۔ حکیم قادس اپنا کام مکمل کر کے دوائیں رکھ رہا تھا اور اس نے انگیٹھیاں بجھا دی تھیں۔ کھڑکیوں کی سیل کھول دی تھی تا کہ کسی قدر تازہ ہوا اندر آئے میں نے سوالیہ نظروں سے بیتو کی طرف دیکھا۔ وہ میرے پاس آیا۔

''حکیم نے کچھ بتایا نہیں پر اس کے انداز سے لگتا ہے کہ یہ مطمئن ہے۔''

''اس نے کیا کیا تھا؟''

''عتیق بھائی کے منہ پر وہ آلہ لگا کر جڑی بوٹیوں کا بھاپ دیا تھا۔ بہت دیر تک دیا۔ پھر اس کا زخم صاف کر کے دیکھا اور دوبارہ مرہم لگایا تھا۔''

''اسے کچھ کھانے کو دیا ہے؟''

''ہاں ایک سبز سوپ نما چیز پلایا ہے۔'' بیتو نے سر ہلایا۔ ''اس کا کہنا ہے اس سے عتیق بھائی کا پیٹ بھی بھرے گا اور اس کا کمزوری بھی دور ہو گا۔''

''حکیم سے پوچھو کہ یہ عتیق کی حالت سے کس حد تک مطمئن ہے؟''

بیتو نے اس سے سوال کیا اور پھر مجھے بتایا۔ ''اس کا کہنا ہے پہلا مرحلہ اچھا ہوا ہے اب یہ شام کو دوسرا علاج کرے گا۔''

''دوسرا علاج؟''

''مطلب یہ کہ دوسرا مرحلہ شروع کرے گا۔'' بیتو نے دانت نکالے۔

حکیم قادس بوڑھا آدمی تھا اگرچہ اس کی صحت اچھی تھی لیکن پھر بھی وہ جوان آدمی کی طرح محنت نہیں کر سکتا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹے کی مشقت نے اسے تھکا دیا تھا۔ سامان سمیٹ کر اس نے اپنا بستر سنبھالا اور لیٹ کر سو گیا۔ ایک منٹ میں اس کے ہلکے خراٹے کمرے میں گونجنے لگے تھے۔ عتیق اسی طرح فرش پر لیٹا ہوا تھا اور اس کے نیچے ایک معمولی سا کھیس بچھا ہوا تھا اور اوپر ایک ہلکا کمبل تھا۔ اندر سردی کم تھی لیکن اتنی کم بھی نہیں تھی کہ فرش پر لیٹ کر اور ہلکے کمبل سے کام چل جاتا۔ یقیناً حکیم نے کسی خاص وجہ سے اسے سرد فرش پر لٹایا تھا۔ ہم باہر آ گئے۔ بیتو تھک گیا تھا اور اسے حسبِ معمول بھوک بھی لگ گئی تھی اس لیے وہ کچن کی طرف چلا گیا۔ واپسی پر وہ خوش تھا۔

''آج تو زرین دیدی اسپیشل کھانا بنا رہا ہے۔''

''کس خوشی میں؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔

''آج اس کا جنم دن ہے۔'' بیتو نے بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''واقعی؟'' میں چونکا۔ ''تمہیں کس نے بتایا؟''

''دیدی نے..... وہ دکھی تھا ہم نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا جنم دن ہے اور کسی نے اسے پیدا ہونے کا بدھائی نہیں دیا۔''

مجھے بیتو کی بات پر ہنسی آگئی۔ ''کوئی بات نہیں ابھی جا کر اسے پیدا ہونے کی بدھائی دے دیتے ہیں۔''

بیتو سنجیدہ ہو گیا۔ ''شوبی بھائی کیا کسی کو جنم دن کا مبارک خالی ہاتھ دیا جاتا ہے۔''

''نہیں لیکن اسے کیا دوں؟''

''کچھ تو دو نا۔'' اس نے اصرار کیا۔

''فی الحال تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور کچن کی طرف آیا۔ زرین تن دہی سے کھانے کی تیاری میں مگن تھی۔ اچانک میری نظر کچن سے باہر باغ کی طرف گئی اور میں دبے قدموں زرین کے پیچھے سے گزر کر باغ میں آیا۔ کچھ دیر بعد میں واپس اندر آیا تو زرین مجھے دیکھ کر چونکی۔

''تم۔''

''ہاں میں۔'' میں نے کہا اور ہاتھ آگے کر دیا۔ ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

وہ پھول دیکھ کر خوش ہو گئی۔ ''تھینک یو۔'' اس نے پھول لیے۔ ''تمہیں یقیناً بیتو نے بتایا ہوگا۔''

''ہاں تم نے اسے بتایا اور اس نے مجھے بتایا ویسے تم مجھے براہِ راست بھی تو بتا سکتی تھیں۔''

اس نے رخ موڑ لیا۔ ''تمہارے خیال میں بیتو کو اس لیے بتایا تھا کہ وہ تمہیں بتا دے۔''

''یقین تو نہیں لیکن شک ہے۔''

''کیا تمہیں برا لگا ہے؟''

''اگر مجھے برا لگا ہوتا تو میں تمہیں تحفے میں پھول پیش نہ کرتا۔''

''نہیں مجھے لگ رہا ہے تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگی ہے۔''

''ایسا نہیں مس زرین..... اگر تمہاری سال گرہ ہے اور تم نے بتا دیا ہے تو اس میں کیا برائی ہے۔ بلکہ اچھا ہے نا تمہاری سال گرہ سیلی بریٹ کر لیں گے۔''

وہ خوش ہو گئی۔ ''باہر چل کر؟''

میں ہچکچایا۔ ''اگرچہ باہر جانا خطرے سے خالی نہیں ہے لیکن تمہاری یہ خواہش ہے تو ہم باہر بھی جا سکتے ہیں۔''

وہ مرجھا گئی۔ ''خطرہ ہے تو پھر رہنے دو۔''

مجھے افسوس ہوا یہ بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ''نہیں ہم جا سکتے ہیں۔''

''تم نے کہہ دیا یہی کافی ہے۔'' اس نے ایک طرف چھلکا اتار کر رکھی پیاز کترنا شروع کر دی۔

''اب شاید تمہیں میری بات بری لگی ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیا۔

''نہیں تو۔'' اس نے آنکھیں صاف کیں۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ابھی حالات باہر جانے کے لیے ٹھیک نہیں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر وہ یوں شدت سے کاموں میں مصروف نظر آنے لگی جیسے اسے وہاں میری موجودگی کی خبر ہی نہ ہو اور میں کچن سے نکل آیا۔ مجھے جھنجھلاہٹ ہونے لگی تھی۔ یہ لڑکی میرے ساتھ نارمل انداز میں کیوں نہیں پیش آ رہی تھی ضروری ہے کہ بلاوجہ کی جذباتیت شامل کی جائے اور عام سی بات کو بھی پیچیدہ بنا کر پیش کیا جائے۔ شاید وہ جن اذیتوں سے گزر کر آئی تھی انہیں بھلانے کے لیے میرے ساتھ یوں پیش آ رہی تھی۔ اسے سہارے کی ضرورت تھی اور ضروری نہیں ہے کہ سہارا صرف جسمانی ہو۔ اس سے کہیں زیادہ ضرورت انسانوں کو نفسیاتی اور ذہنی سہارے کی ہوتی ہے۔ زرین کو بھی نفسیاتی سہارے کی ضرورت تھی اور کیونکہ یہاں اس سے سب سے قریب میں تھا اس لیے وہ یہ سہارا مجھ سے چاہتی تھی۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ کچھ دیر بعد بیتو نے جھانکا۔

''شوبی بھائی کھانا لگ گیا ہے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا مجھے سچ مچ بھوک نہیں تھی۔ حالانکہ زرین نے میری فرمائش پر پلاؤ بھی بنایا تھا۔ بیتو شانے اچکا کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد ہی زرین نازل ہو گئی۔

''تم کھانے پر کیوں نہیں آ رہے ہو؟''

''ابھی بھوک نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے میں نے اتنی محنت سے کس کے لیے بنایا ہے۔''

''کھانے والے اتنے سارے لوگ ہیں۔''

''لیکن تم نہیں کھاؤ گے تو میری محنت کا صلہ تو نہیں ملے گا۔'' اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔ ''کیا تم مجھ سے اس حد تک چڑنے لگے ہو کہ میرے ہاتھ کا بنا کھانا بھی نہیں کھانا چاہتے۔''

میں کسی قدر بوکھلا گیا کیونکہ وہ رونے کا اسٹارٹ لینے والی تھی۔ ''ارے بابا..... یہ بات نہیں ہے۔''

''یہی بات ہے۔'' اس نے رونا شروع کر دیا۔

''اف..... زرین پلیز..... کوئی آ جائے گا۔'' میں نے اسے چپ کرانے کے زبانی جتن شروع کیے۔ پھر عملی اقدامات پر آنا پڑا اور وہ سب کرنا پڑا جو ایک آدمی کو ایک روتی عورت کو چپ کرانے کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ خدا خدا کر کے وہ چپ ہوئی اور پھر مسکرانے لگی۔ اسے مسکراتے دیکھ کر میں جھینپ گیا۔ پھر جلدی سے کہا

''شکر ہے تمہارے چہرے پر مسکراہٹ تو نظر آئی۔ بڑے جتن کرنے پڑے ہیں۔''

اس بار وہ شرما گئی۔ ''تم نا.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''کیا میں؟''

''بدتمیز۔'' اس نے کہا اور کمرے سے تقریباً بھاگ گئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس دوران میں کوئی وہاں آیا نہیں تھا ورنہ اسے اچھے خاصے سین دیکھنے کو مل جاتے اور میری ساری ساکھ خاک میں مل جاتی۔ اگرچہ میری نیت بالکل درست تھی اور اس میں کہیں بھی خرابی نہیں تھی۔ میں صدق دل سے اس کی بہتری کے لیے کوشش کر رہا تھا اور اس بار یہ کوششیں عملی حدود میں داخل ہو گئی تھیں۔ خاتون نے جاتے جاتے بدتمیز کا خطاب دے کر تسلیم کر لیا تھا کہ میری کوششیں اثر انگیز تھیں۔ میں مسکراتے ہوئے باہر آیا اور وہاں بیتو کو موجود پا کر گڑبڑا گیا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بیتو تم.....؟''

''شوبی بھائی ابھی دیدی کسی گائے کی طرح بھاگ کر گیا ہے۔''

''ہاں.....وہ مجھے نہیں معلوم۔''

اس نے شک سے دیکھا۔''ابھی کمرے سے نکلا ہے آپ بھی ادھر سے آرہا ہے اور آپ کو نہیں معلوم؟''

''میرا مطلب یہ ہے برخوردار کہ مجھے اس کے گائے کی طرح فرار کی وجہ نہیں معلوم ہے۔''

بیتو معنی خیز انداز میں مسکرایا لیکن اس نے کچھ نہیں کہا۔ میں نے اسے گھورا تو وہ جلدی سے سیدھا ہو گیا۔

''وہ آپ کو عبداللہ بھائی تلاش کرتا ہے، کھانے کا واسطے۔''

میں ڈائننگ روم میں آیا۔ وہاں کھانے کی میز پر عبداللہ کے ساتھ رفیق بھائی بھی تھے۔ ہم نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ زرین نے واقعی دل لگا کر پلاؤ اور دوسری چیزیں تیار کی تھیں۔ وہ ہمارے ساتھ نہیں کھاتی تھی لیکن آج اس کی سال گرہ تھی اور اگر وہ ہمارے ساتھ کھانا کھاتی تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا میں نے بیتو سے کہا۔

''زرین کو بلا لو وہ ہمارے ساتھ کھانا کھائے گی۔''

''ہم ابھی بلاتا ہے۔'' بیتو خوش ہو گیا تھا۔ وہ گیا اور تقریباً زبردستی زرین کو لے آیا۔ وہ جھینپ رہی تھی۔ اس نے منمنا کر کہا۔

''میں الگ سے کھالیتی۔''

''تم الگ بھی کھا سکتی ہو لیکن آج تمہاری برتھ ڈے ہے اس لیے سب کے ساتھ کھانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔'' میرے بجائے عبداللہ نے کہا تو وہ ایک کرسی پر ٹک گئی۔ اس نے تھوڑا سا کھایا اور کھڑی ہو گئی۔

''آپ لوگ کھائیں مجھے کچھ دوسرے کام بھی ہیں۔''

میں نے یا کسی نے اصرار نہیں کیا تھا اس لیے وہ چلی گئی۔ جب ہم نے کھانا کھا لیا تو منیر نے آکر برتن اٹھائے اور میز صاف کی۔''آپ ابھی یہیں رکیں۔'' اس نے کہا۔

''کیوں کوئی خاص آئٹم بھی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

منیر نے سر ہلایا۔''بالکل ہے.....بہت خاص آئٹم ہے۔''

کچھ دیر بعد زرین طشتری میں بڑا سا کیک اٹھا کر لائی۔ یہ پائن ایپل کریم چاکلیٹ کیک تھا اور یقیناً گھر میں بنا تھا۔ اس نے میز پر لا کر رکھا۔ میں نے حیرت سے کہا۔''تم نے خود بنایا ہے؟''

''ہاں میں نے خود بنایا ہے۔'' وہ فخر سے بولی۔

''یہ تو بالکل بیکری کا کیک لگ رہا ہے۔'' رفیق بھائی نے بھی تعریف کی۔

''آپ سب کھا کر بتائیں کہ کیسا ہے؟''

''وہ بھی بتاتے ہیں لیکن پہلے تم اسے کاٹو۔'' عبداللہ بولا۔ اس نے ایک چھری زرین کی طرف بڑھا دی۔ جب سے عبداللہ نے مجھ سے زرین کے مستقبل کے بارے میں کی تھی اور اس نے سن لی تھی تب سے وہ عبداللہ سے کچھ کھنچ گئی تھی۔ اس بار بھی اس نے عبداللہ کی طرف دیکھے بغیر بادلِ ناخواستہ انداز میں اس سے چھری لی اور کیک پر رکھ کر اسے کاٹ دیا۔ ہم سب نے پہلی برتھ ڈے ٹو یو گایا۔ پھر اس نے کیک کے پیس کر کے سب کو سرو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیے۔ میں نے اسے چکھا اور بے ساختہ کہا۔

''کیک سچ مچ بہت مزے کا ہے۔''

''سچ میں؟'' زرین خوش ہوگئی تھی۔

''سو فی صد سچ ہے۔''

پھر بیتا اور اس کے بعد سب نے تعریف کی تھی۔ کیک خاصا بڑا تھا اور ہم سب نے بمشکل اس کا چوتھائی حصہ کھایا تھا لیکن ابھی کھانے والے بہت تھے۔ منیر اور دوسرے لوگ اپنی ڈیوٹیوں کے لحاظ سے باری باری کھاتے تھے۔ زرین باقی کیک لے گئی۔ کچھ دیر بعد میں اسے کافی کا کہنے گیا تو وہ کچن میں نہیں تھی اور منیر برتن دھو رہا تھا۔ میں نے زرین کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا۔ ''اپنے کمرے میں ہوں گی۔ صبح سے کام کر رہی تھیں میرا خیال ہے اب آرام کر رہی ہوں گی۔''

''تب تم فارغ ہو کر کافی بنا دینا۔'' میں نے کہا اور زرین کی کمرے کی طرف آیا۔ دستک کے جواب میں اس نے پوچھا۔

''کون ہے؟''

''شہباز۔''

''آجاؤ۔'' اس کی آواز آئی میں اندر داخل ہوا تو وہ بستر پر نیم دراز تھی۔ اس نے کہا۔ ''تم کو اس کمرے میں داخل ہونے کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے کسی خاتون کے کمرے میں داخل ہونے کے لیے اس کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''سوری تمہارے لیے کافی بنانے کا خیال نہیں رہا۔''

''کوئی بات نہیں ویسے بھی تم صبح سے مصروف تھیں اور تھک گئی ہوگی۔ اس لیے ٹھیک ہے۔''

''بیٹھو۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا

''تم نے صبح سے کھانا بھی نہیں کھایا۔''

''بس دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''لگتا ہے تمہاری افسردگی کسی اور طریقے سے دور کرنا پڑے گی۔''

''ہرگز نہیں۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''اب تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔''

مجھے احساس ہوا کہ وہ کیا سمجھ رہی ہے۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میرا مطلب ہے ہم کہیں باہر چلتے ہیں رات کے کھانے پر۔''

''سچ میں۔'' وہ خوش ہوگئی پھر اسے یاد آیا۔ ''لیکن ابھی حالات باہر نکلنے کے لیے ٹھیک نہیں ہیں۔''

''تم اس کی فکر مت کرو اگر تم تیار ہو تو ہم چلتے ہیں۔''

''میں تو دل و جان سے تیار ہوں۔'' وہ بستر سے اتر آئی۔ ''میں ابھی سے تیاری کرتی ہوں۔''

''اتنی جلدی۔'' میں نے گھڑی دیکھی جس میں ساڑھے تین بج رہے تھے۔

''ہاں ہم سیر بھی کریں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اتنی سردی میں آؤٹ ڈور تو مشکل ہے کسی اچھے اور بڑے ہوٹل میں چلتے ہیں۔''

''جیسے تمہاری مرضی لیکن مجھے تیاری میں اتنا وقت تو لگ جائے گا۔'' اس نے کہا اور میری طرف دیکھا۔ ''پلیز تم بھی اچھے کپڑے پہن لو۔''

''ان کپڑوں میں کیا برائی ہے؟''

''نہیں کوئی دوسرے۔'' اس نے مچل کر کہا۔ ''تم صبح سے یہی کپڑے پہن کر گھوم رہے ہو۔''

''اوکے میں دیکھتا ہوں لیکن میرے پاس یہاں زیادہ کپڑے نہیں ہیں۔''

''ایسے نہیں لے سکتے جیسے مجھے دلائے تھے۔ وہیں چینج کر لینا۔''

''میرے ساتھ ناپ کا مسئلہ ہو جائے گا۔ تمہاری طرح مثالی فگر تو ہیں نہیں کہ سوٹ بالکل فٹ آئے۔''

وہ شرمائی۔ ''ٹھیک ہے پھر جو اچھا لگے وہ پہن لو لیکن بائیک پر نہیں جائیں گے۔''

''بالکل بھی نہیں..... اس دن میری بھی قلفی جم گئی تھی۔ یہاں کئی گاڑیاں ہیں ان میں سے کوئی لے لیں گے۔'' میں دروازے کی طرف بڑھا۔ ''بس تم تیار ہو جاؤ۔''

میں باہر آیا اور ندیم سے رابطہ کیا۔ ''کیا حال ہیں یار۔'' میں نے اس کی آواز سن کر کہا۔ ''مجھے فوری طور پر پچاس ہزار کی ضرورت ہے۔''

''پچاس ہزار اس وقت کہاں سے لاؤں؟''

''جیسے کہیں سے بھی لے آ..... اور میں شام چھ بجے سپر مارکیٹ میں ملوں گا۔''

''تُو باہر آئے گا۔'' وہ چونکا۔ ''لگتا ہے تیرے دل میں اندر ہونے اور اکرم چشتی سے خاطر تواضع کرانے کا ارمان مچل رہا ہے۔''

''اس کی کیا مجال جو مجھے ہاتھ لگائے۔'' میں نے حقارت سے کہا۔

''ہاں وہ ڈنڈوں اور لتر سے تیری تواضع کرے گا۔'' ندیم نے مجھ سے اتفاق کیا۔ ''ہاتھ تو بالکل نہیں لگائے گا۔''

''پچاس ہزار تیار کر کے لانا۔'' میں نے اس کی بات اَن سنی کر کے کہا۔ ''میں انتظار کروں گا۔''

گھر سے میں جتنی رقم لایا تھا وہ خرچ ہو چکی تھی اور باقی زرین کو دے دی تھی اب اس سے واپس مانگتے ہوئے شرم آ رہی تھی اسی طرح عبداللہ سے کہنا بھی مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جب کہ میرے بینک اکاؤنٹس میں لاکھوں کی رقم موجود تھی۔ اس لیے میں نے ندیم سے کہہ دیا۔ میں عتیق کے کمرے کی طرف آیا تو پتا چلا کہ حکیم قادس نے اس کے علاج کے دوسرے مرحلے کا آغاز کر دیا ہے اور کمرہ ایک بار پھر اندر سے سیل کر دیا گیا تھا۔ اس لیے اب کوئی اندر نہیں جا سکتا تھا اور نہ باہر آ سکتا تھا۔ میں اپنے کمرے میں آیا۔ پینٹ شرٹ نکالی اور اس کے ساتھ جیکٹ لے لی۔ میں تیار ہو رہا تھا کہ عبداللہ دستک دے کر اندر آیا۔ وہ مجھے دیکھ کر چونکا۔

''کیا آپ کہیں جا رہے ہیں؟''

''ہاں میں زرین کو باہر لے جا رہا ہوں۔''

عبداللہ ایک لمحے کو چپ ہوا تھا جیسے میری بات سے متفق نہ ہو۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز صاحب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ رسکی کام ہوگا۔"

"میری تو پوری زندگی ہی رسک ہے یار۔" میں ہنسا۔ "اب میں اس ڈر سے گھر میں تو نہیں بیٹھ سکتا۔"

"دوسرے باہر دھند شروع ہوگئی ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔" میں خوش ہوگیا۔ "اب کسی کے لیے مجھے دیکھنا اور تعاقب کرنا مشکل ہوگا۔"

"لیکن اس موسم میں ڈرائیونگ مشکل ہوتی ہے۔"

"اس پر آدھا شہر اس وقت باہر نکلا ہوا ہوگا۔" میں نے جیکٹ پہنی۔ "کوٹھی میں گاڑیاں کتنی ہیں؟"

عبداللہ سمجھ گیا تھا کہ میں نہیں رکوں گا اس لیے اس نے بادلِ ناخواستہ بتایا۔ "تین گاڑیاں ہیں۔ ان میں صرف چیری ایسی ہے جو دشمنوں کی نظروں سے محفوظ ہے۔"

"اس کے بجائے ایاز کی جیپ بہتر رہے گی۔" میں نے کہا۔

"ہاں اسے بھی ساتھ لے جائیں تو بہتر رہے گا۔" عبداللہ نے فوراً کہا۔ "ایک سے دو بھلے ہوں گے۔"

مجھے خیال آیا کہ شاید زرین اسے پسند نہ کرے کہ میں اسے لے جا رہا ہوں اور ساتھ میں ایک آدمی اور بھی ہو۔ بے شک وہ ڈرائیور ہی کیوں نہ ہو۔ "نہیں ایاز کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس صورت میں چیری بہتر رہے گی چھوٹی کار ہے اور نمایاں نہیں ہوتی ہے۔ ایاز کی جیپ نمایاں بہت ہوتی ہے۔"

ایاز کی جیپ نمایاں ہوتی تھی اور زیادہ آرام دہ بھی نہیں تھی جیپ ویسے بھی آرام دہ سواری نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے عبداللہ کی بات مان لی۔ اس نے مجھے پوری طرح مسلح ہو کر جانے کا مشورہ دیا تھا۔

"میرے پاس پستول ہے۔"

"نہیں میں عقبی سیٹ کے ساتھ پائیدان پر رائفل اور فالتو میگزین رکھ دیتا ہوں۔ خدانا خواستہ کوئی مشکل پیش آئی تو اسلحہ ہی سب سے زیادہ کام آتا ہے۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ منیر نے آکر چائے کافی کا پوچھا۔ وہ چائے اچھی بناتا تھا اس لیے میں نے اسے چائے کا کہہ دیا۔ عبداللہ نے بتایا کہ رفیق بھائی ابھی ایاز کے ساتھ کہیں گئے تھے اور وہ چھ بجے تک آنے کو کہہ گئے ہیں۔ میں ذرا فکرمند ہوا۔ "ان سے رابطہ ہے۔"

"جی ہاں اور وہ بالکل خیریت سے ہیں۔" عبداللہ میری تشویش بھانپ گیا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے راجا صاحب کی کال آئی تھی انہوں نے حکیم قادس سے بات کی ہے۔"

"کیا بات ہوئی ہے؟"

"ایک تو انہوں نے عتیق کی کنڈیشن دریافت کی ہے اور دوسرے اس کے ہر ممکن علاج کا حکم دیا ہے۔ وہ آج رات آپ سے بات کریں گے۔ ان کا کہنا ہے دس بجے ان کا فون آئے گا۔"

"اس وقت تک میں واپس آجاؤں گا ورنہ میرا موبائل نمبر ان کو دے دینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"کوٹھی کے آس پاس مزید کوئی مشکوک سرگرمی نظر آئی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، صبح سے اب تک امن ہے۔ ان کار سواروں کے علاوہ کوئی نہیں آیا۔''

''ممکن ہے وہ مرشد کے آدمی نہ ہوں لیکن احتیاط بہتر ہے۔''

عبداللہ ایک خاص مقصد سے کمرے میں آیا تھا اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ''یہ آپ کے لیے ہے؟''

''اس میں کیا ہے؟''

''کچھ رقم ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے.....'' میں نے کہنا چاہا۔

''یہ بات آپ راجا صاحب سے کہیے گا ان کا کہنا ہے ان کی طرف آپ کا کچھ حساب نکلتا ہے اور یہ رقم اسی حساب میں ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا راجا صاحب پر ایسا کوئی حساب نہیں نکلتا ہے۔''

''یہ تو میں نہیں جانتا لیکن ان کا کہنا ہے کہ ہیروں کا کچھ معاملہ تھا اور اگر آپ رقم لینے سے انکار کریں تو آپ کو رانا ویاس کا حوالہ دیا جائے۔ اصل میں یہ رقم انہوں نے بھیجی ہے۔''

میں کنفیوژ ہو گیا کیونکہ رانا ویاس کو میں نے ہیرے فروخت کیے تھے لیکن ان کی کل رقم وہ بینک میں ادا کر چکا تھا۔ پھر یہ کون سا حساب رہ گیا تھا۔ بہر حال عبداللہ محض رقم دینے کے لیے راجا عمر دراز کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے لفافہ لے کر کھولا اور حیران رہ گیا۔ اس میں پانچ ہزار کے نوٹوں والی دو گڈیاں تھیں۔ اس وقت پانچ ہزار کے نوٹ نئے نئے آئے تھے اور یہ دس لاکھ کی رقم تھی۔

''تم جانتے ہو یہ کتنی رقم ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آج ہی کوریئر سے پارسل آیا ہے جس میں یہ لفافہ بھی تھا۔''

میں نے ایک گڈی نکالی۔ ''یہ پانچ ہزار کی ہے اور ایسی دو گڈیاں ہیں۔ یعنی کل دس لاکھ روپے ہیں۔''

روپے کی بے قدری تو اس وقت بھی تھی لیکن اتنی نہیں تھی جتنی کہ آج ہے۔ عبداللہ ذرا حیران ہوا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ میں نے گڈی سے دس عدد نوٹ نکالے اور باقی گڈی لفافے میں ڈال کر عبداللہ کے حوالے کر دی۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔ ''میں اس کا کیا کروں جناب؟''

''رکھ لو مجھے ضرورت ہو گی تو تم سے لے لوں گا۔'' میں نے کہا اور لفافہ اسے تھما دیا۔ میرا کام ہو گیا تھا اس لیے عبداللہ کے جانے کے بعد میں نے ندیم کو کال کی۔ ''اب رقم مت لا..... ضرورت نہیں ہے۔''

''ضرورت کی اولاد۔'' وہ بھنا گیا تھا۔ ''ابھی میں اتنی سردی میں جا کر دو اے ٹی ایمز سے رقم نکلوا کر لایا ہوں۔''

''چل ٹھیک ہے بیوی بچوں کو شاپنگ کرا دے میری طرف سے۔''

''تو سچ مچ کہہ رہا ہے؟'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''ہاں یار تیری فیسیں بھی تو دینی ہیں۔''

''بکواس نہ کر ورنہ یہی نوٹ تیری.....'' اس نے گرم ہو کر کہا اس کی باقی بات ناقابلِ اشاعت سمجھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے۔ میں ہنسا۔

''اچھا اچھا..... زیادہ مت تپ..... میرا کچھ صدقہ خیرات نکالنے کا ارادہ ہو رہا ہے اور تُو بہت مستحق ہے۔''

اس سے پہلے کہ ندیم مزید گالیاں دیتا میں نے فون بند کر دیا۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور زرین اندر آئی۔ اس نے کھلتے سرخ رنگ کا شلوار سوٹ اور اوپر آتشیں رنگ کا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ کپڑے جیسے اس کے تناسب کو سامنے رکھ کر سیئے گئے تھے اور رہی سہی کسر سوئیٹر نے پوری کر دی تھی جو شاید ناپ سے ذرا کم تھا اور جان بوجھ کر کم لیا گیا تھا۔ میں چند لمحے کے لیے مبہوت رہ گیا۔ میری محویت دیکھ کر وہ شرمائی۔

''کیسی لگ رہی ہوں۔''

''ماشاءاللہ..... چشم بدور..... سبحان اللہ..... وغیرہ وغیرہ۔''

''میرا مذاق اُڑا رہے ہو؟'' وہ خفا ہو گئی۔ ظاہر عربی میں اس کی استعداد زیادہ نہیں تھی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''ارے نہیں میں تو تعریف کر رہا ہوں۔''

''یہ چشم دور کا کیا مطلب ہے؟'' اس نے شک سے پوچھا۔

میں نے سر کھجایا۔ ''میرا خیال ہے چشم سے دور ہونا..... لیکن صحیح سے مجھے بھی نہیں معلوم۔''

اس تشریح نے اسے مزید خفا کر دیا۔ ''یعنی میں تمہاری آنکھ سے دور ہو جاؤں؟''

''اوہ بی بی یہ میرا مطلب نہیں ہے۔ میں کوئی اردو کا ماہر نہیں ہوں میرا خیال ہے اصل مطلب کچھ اور ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''اب تم ایک لفظ کے پیچھے اپنی شام مت غارت کرو۔''

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیوں کیا شام صرف میری ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے آنکھیں چرائیں۔ ''میری بھی ہے اور اب چلو۔''

کمرے سے نکلنے سے پہلے میں نے پستول اور اس کے دو عدد اضافی میگزین جیکٹ میں رکھ لیے۔ کچھ عرصے پہلے میں نے بال بنوائے تھے اور پھر شیو بھی کئی دن کی بڑھی ہوئی تھی اس لیے میں اپنے معمول کے حلیے سے ذرا مختلف نظر آ رہا تھا۔ زرین دیکھ رہی تھی اور سمجھتی تھی کہ یہ پستول میری زندگی کا ایک لازمی جزو ہے اس لیے اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ گیراج سے چیری کار نکلوا کر ہم روانہ ہوئے۔ میں نے اسلام آباد کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔ شدید دھند کی وجہ سے میں رینگنے کی رفتار سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ زرین اب تک خاموش تھی۔ اس نے اچانک پوچھا۔

''شہباز ایک بات سچ سچ بتاؤ گے؟''

''اگر بتا سکا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''کیونکہ ہر بات بتانے والی نہیں ہوتی ہے۔''

''میں جانتی ہوں میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم میرا اتنا خیال کیوں رکھتے ہو؟''

میں نے سوال پر غور کیا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارا اتنا خیال کیوں رکھ رہا ہوں؟''

''یہی تو میں جاننا چاہ رہی ہوں..... آخر کیوں؟''

''دیکھو بی بی میرے پاس کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اول تم ایک مظلوم عورت ہو اور میں عورت کی عزت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے والا شخص ہوں، دوم تم بے پناہ حسن رکھتی ہو اور میں ایک حسن پرست مرد ہوں، سوم تم میرے دشمن سے تعلق رکھتی ہو اور میں تمہیں اس کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ان میں سے کوئی بات نہیں ہے۔" وہ بولی۔

میں ہنسا۔ "اس کا مطلب ہے ان سب وجوہات پر غور کر چکی ہو تب کیا جاننا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ تم میرا اتنا خیال کیوں رکھ رہے ہو؟"

"اس کی بڑی سادہ سی وجہ ہے۔ تم جینا چاہتی ہو اس لیے میں تمہارا خیال رکھ رہا ہوں۔ اگر تم میں جینے کی امنگ ہی نہ ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تو کیا میں تمہیں اچھی نہیں لگتی ہوں؟"

"کیوں نہیں اچھی لگتی ہو؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم اچھی نہ لگتیں تو تمہیں ساتھ لیے کیوں گھوم رہا ہوتا؟"

"میرا مطلب ہے تم اس لیے میرا خیال نہیں رکھتے ہو کہ میں تمہیں اچھی لگتی ہوں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اس لیے تمہارا خیال رکھتا ہوں کہ تم مجھے عورت کی حیثیت سے اچھی لگتی ہو تو تمہارا خیال کسی حد تک ٹھیک بھی ہے اور کسی حد تک غلط بھی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ کوئی مرد تمہارے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے اور میں بھی ایک مرد ہوں لیکن تم برا مت ماننا میں نے تم سے زیادہ حسین عورتیں بھی دیکھی ہیں اور ان میں سے کچھ میری دشمن تھیں۔ میں نے ان میں سے کسی کو مارا نہیں لیکن اگر میری جان پر بن آتی تو میں یہ سوچے بغیر ان کو مار دیتا کہ وہ دل کش عورت ہیں۔"

"فرض کرو میں تمہاری دشمن بن جاؤں تو کیا تم میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرو گے؟"

"شاید۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر چہ کسی عورت پر ظلم کرنا مجھے سخت ناپسند ہے لیکن مجبوری ہوئی تو میں ایسا بھی کر گزروں گا۔"

اس نے جھرجھری لی۔ "مجھے معلوم ہے تم سخت بھی بہت ہو اور شکر ہے میرا اور تمہارا دشمنی کا رشتہ نہیں ہے۔"

میں نے موضوع بدل دیا۔ "تمہارے رشتے داروں میں کوئی بہن بھائی نہیں ہے؟"

"نہیں میں بابا کی ایک ہی بیٹی تھی۔" اس نے افسردگی سے کہا۔ "بابا کے علاوہ سب سے قریبی رشتے دار میرے چچازاد ہیں اور ان میں سے ایک شارق کا رویہ تم دیکھ چکے ہو۔ وہ بے حیائی سے اس شخص کی نوکری کر رہا ہے جس نے مجھے داشتہ بنا کر رکھا ہوا تھا۔"

"یعنی اگر تم اپنے گھر کی طرف واپس نہ جاؤ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے؟"

"نہیں مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ پھر واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ واپس جانے کا مطلب مرشد کے ہاتھ آجانا ہوگا۔"

"امید رکھو ایک دن مرشد کے خوف سے بھی نجات ملے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اپنی زندگی میں تو مجھے یہ امید نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے امید ہے۔'' میں نے کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ اب ہم ایک مین روڈ پر تھے جہاں تیز روشنی والے بلب لگے تھے۔ اس وجہ سے دھند کا اثر کم ہو رہا تھا۔ پھر ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد ہم ہوٹل میں تھے۔ باہر کی بے پناہ کی سردی کے مقابلے میں ہوٹل کے لاؤنج میں خوش گوار گرمی تھی۔ شام ساڑھے چھ بجے وہاں خاصی چہل پہل تھی۔ زرین پہلی بار کسی ایسی جگہ آئی تھی اس لیے وہ کسی قدر نروس نظر آنے لگی۔ اپنے لحاظ سے وہ بہت تیار ہو کر آئی تھی لیکن جب اس نے وہاں موجود خواتین کی تیاری اور ملبوسات دیکھے تو اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

''اللہ، ان عورتوں کو شرم نہیں آتی ایسے لباس پہنتے ہوئے؟'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''یہ اس ملک کا اوپری طبقہ ہے اور یہاں یہ کسی قدر جائز ہے۔'' میں نے ایک کونا منتخب کر کے اس کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ یہاں ایک گلاس ٹاپ میز کے دونوں طرف دو چھوٹے صوفے رکھے تھے۔ ''آؤ یہاں بیٹھتے ہیں۔''

زرین نے چاروں طرف دیکھا۔ وہاں لوگ بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ وقت گزار رہے تھے یا کچھ پی رہے تھے۔ اس نے کہا۔ ''یہ کیسا ہوٹل ہے یہاں لوگ کھا نہیں رہے؟''

''یہ ہوٹل کی لابی ہے۔ ڈائننگ ہال اندر ہے۔ ابھی ڈنر میں وقت ہے اس لیے میں یہاں آ گیا۔''

''مجھے یہاں اچھا نہیں لگ رہا ہے۔'' وہ بولی۔

''اس کے علاوہ صرف سوئمنگ پول ہے لیکن تم وہاں نہیں جا سکو گی۔'' میں نے کہا۔ ''سب سے بہتر جگہ یہی ہے اور تم آس یاس توجہ مت دو بس یہ دیکھو کہ ہم یہاں ہیں اور تمہاری برتھ ڈے سلی بریٹ کرنے آئے ہیں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے میں کوشش کرتی ہوں۔''

میں نے ویٹر کو اشارہ کیا اور پھر اس سے اورنج جوس منگوایا۔ اگرچہ موسم سرد تھا لیکن یہاں اورنج جوس بہت اچھا ہوتا تھا۔ اکثر سردیوں میں، میں، سفیر اور مونا یہاں آتے تھے۔ زرین نے کہا۔ ''اتنی سردی میں جوس؟''

''ابھی تم دیکھنا اگر پسند نہ آئے تو کچھ اور منگوا لینا۔''

جوس زرین کو پسند آیا تھا۔ ہم وہاں ایک گھنٹہ رہے پھر ڈائننگ ہال میں آ گئے۔ زرین وہاں خوش تھی۔ ماحول اچھا تھا اور ایک طرف آرکسٹرا ہلکی موسیقی بجا رہا تھا۔ زرین نے فرمائش کر کے کئی دھنیں بجوائیں۔ نو بجے تک ہم ڈنر کر چکے تھے اور زرین پہلے سے زیادہ خوش تھی۔ اس نے کچھ دیر اور رکنے کو کہا۔ ہم پھر لاؤنج میں آ گئے۔ ڈنر کا وقت ہونے کی وجہ سے وہاں رش کم ہو گیا تھا۔ زرین نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''شہباز میں شاید ہی زندگی میں اتنی خوش ہوئی ہوں۔''

''مجھے یقین ہے آگے زندگی میں تمہارے لیے اس سے بھی زیادہ خوشیاں منتظر ہوں گی۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس کہہ سکتا ہوں یوں سمجھ لو کہ یہ میری نیک تمنا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''گھر چلنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''کچھ دیر اور رکو نا۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''مجھے یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''تمہاری مرضی آج تو نکلے ہی تمہارے لیے ہیں۔'' میں نے کہا اور اس بار ویٹر سے چائے کا کہا۔ ہوٹل میں ایک چھوٹا سا شاپنگ سینٹر بھی تھا۔ چائے پی کر ہم وہاں آئے۔ زرین نے منع کیا۔

''مجھے کچھ نہیں لینا ہے۔''

''تم چپ کرو۔'' میں نے کہا اور اس کے لیے کچھ پرفیوم اور کاسمیٹکس لی۔ ہر عورت کی طرح اسے بھی ان چیزوں کی خواہش تھی اگرچہ اسے خاص ضرورت نہیں تھی۔ خدا نے اسے ویسے ہی حسین بنایا تھا۔ وہ خوش ہو گئی۔ میں نے سامان پیک کرایا اور شاپر اسے تھمایا۔ ''یہ میری طرف سے تمہاری سالگرہ کا گفٹ ہے۔''

''شکریہ۔''

رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے اور ہوٹل کے اندر زندگی عروج پر تھی لیکن ہم تھک گئے تھے اس لیے واپسی کا فیصلہ کیا۔

○.....❖.....○

باہر آئے تو مجھے دیکھ کر پارکنگ اٹینڈینٹ نے کار لانے کو کہا۔ ہم انتظار کرنے لگے۔ یہاں بے پناہ سردی تھی اور اگر تیز روشنیاں نہ ہوتیں تو آس پاس کا منظر بھی دھند کی وجہ سے غیر واضح ہو جاتا۔ کچھ دیر میں کار آ گئی اور اٹینڈنٹ نے چابی مجھے دی۔ ہم کار میں بیٹھ رہے تھے کہ لابی کا گلاس ڈور کھلا اور اس میں کوئی باہر آیا میں نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھا تو مجھے جھٹکا لگا تھا۔ وہ فاضلی تھا۔ مرشد کا گرگائے خاص اور وہ میری طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

میں نے کار کا ایکسلریٹر دبا دیا تھا۔ فاضلی پیچھے رہ گیا اور اسے دیکھنے کے چکر میں کار ان رکاوٹوں سے ٹکراتے ٹکراتے بچی جو گیٹ کے ساتھ کھڑی کی گئی تھیں۔ ان رکاوٹوں کا مقصد کسی گاڑی کو براہِ راست دندناتے ہوئے اندر آنے سے روکنا تھا اور یہ انتظام یقیناً دہشت گردی کی وارداتوں کی روک تھام کے لیے تھا۔ فاضلی کو دیکھ کر میرا ذہن اسی میں الجھ گیا تھا اور مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کار رکاوٹ کی طرف جا رہی ہے۔ زرین نے ہلکی سی چیخ ماری اور میں نے گاڑی بروقت روک لی۔

''کیا ہے تمہارا دھیان کہاں ہے؟''

''زرین بی بی گڑبڑ ہو گئی ہے۔'' میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ ''دشمن نے دیکھ لیا ہے اور مرشد کا گرگائے خاص فاضلی ہوٹل میں بہ نفس نفیس موجود ہے۔''

زرین کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''میرے خدا..... اب کیا ہو گا؟''

میں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فاضلی کے اس طرح باہر آ کر مجھے اپنی صورت دکھانے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ اگر اسے یا اس کے ساتھیوں کو میرا تعاقب ہی کرنا تھا تو یہ کام چھپ کر زیادہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ باہر اتنی دھند تھی کہ مجھے تعاقب کا پتا بھی نہ چلتا۔ جیسے ہی میری کار ہوٹل سے باہر نکلی دائیں طرف سڑک پر موجود کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن ہوئیں اور میں نے بے ساختہ کار بائیں طرف گھما دی۔ مجھے اسی طرف جانا تھا لیکن ساتھ ہی مجھے گڑبڑ کا پھر احساس ہوا۔ اس طرح میری گاڑی دیکھتے ہی کسی دوسری گاڑی کا ہیڈ لائٹس آن کرنا مجھے خبردار کرنے کے مترادف تھا۔ گویا مجھ سے کہا جا رہا تھا کہ دشمن پیچھے ہے بھاگو۔

جس گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن ہوئیں تھیں وہ مناسب فاصلے اور رفتار سے میرے پیچھے آنے لگی۔ میں جس طرح بار بار عقبی آئینے میں دیکھ رہا تھا زرین سمجھ گئی۔ ''ہمارا پیچھا کیا جا رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے۔''

وہ روہانسی ہوگئی۔ ''یہ میری وجہ سے ہوا ہے نہ میں ضد کرتی اور نہ ہم یوں دشمن کی نظروں میں آتے۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ یہ تو قسمت میں لکھا تھا۔ شکر کرو کہ دشمن ہمارے ٹھکانے سے واقف نہیں ہے۔''

''یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟''

''انہوں نے ہمیں یہیں دیکھا ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں بھگاتے ہوئے ہمارے ٹھکانے تک لے جائیں۔ اس طرح اپنی صورت دکھانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے۔''

''تب ہم کیا کریں؟''

''کوٹھی کی طرف نہیں جانا ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور کار کو اچانک ہی بائیں طرف جانے والی ایک سڑک پر گھما دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دھند کے باوجود رفتار تیز کر دی تھی۔ فوراً ہی عقب سے آنے والی گاڑی بھی اسی سڑک پر گھوم گئی اور اس کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔ میں نے زرین سے کہا۔ ''سیٹ بیلٹ باندھ لو۔''

''یہ کیسے باندھتے ہیں۔'' اس نے سیٹ بیلٹ دیکھی۔

میں نے سڑک سے نظر ہٹائے بغیر ہاتھ بڑھا کر بیلٹ کھینچی اور زرین کے گرد باندھ دی۔ ''اس طرح باندھتے ہیں۔''

''میں سمجھ گئی۔'' اس نے نکال کر پھر سے بند کی۔

یہ چھوٹی کار تھی اور اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہو سکتی تھی جب کہ تعاقب کرنے والی گاڑی بڑی اور طاقتور تھی۔ ذرا سی دیر میں اس نے ہمیں آلیا تھا اور اب کچھ دور تھی لیکن اس نے اوور ٹیک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وجہ صاف ظاہر تھی ان کا مقصد ہمیں پکڑنا نہیں بلکہ تعاقب کر کے ہمارا ٹھکانہ دیکھنا تھا۔ زرین بہت خوف زدہ تھی وہ پہلے بھی مرشد اور اس کے آدمیوں کی درندگی سہہ چکی تھی اس نے مڑ کر دیکھا۔

''ان سے پیچھا چھڑاؤ۔''

''مشکل ہے ہماری کار چھوٹی ہے رفتار میں اس گاڑی کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔'' میں نے ایکسلریٹر کو مزید دبایا لیکن کار پہلے ہی اپنی حد رفتار پر دوڑ رہی تھی۔ اس سے زیادہ تیز رفتاری اس کے لیے ممکن نہیں تھی۔ دوسری طرف دھند بھی تھی۔ اگرچہ سڑک کے کنارے کھمبوں پر تیز روشنیوں والے بلب جل رہے تھے مگر ان کی روشنی بھی ناکافی تھی۔ یہ سڑک آگے جا کر مری روڈ سے مل جاتی تھی۔ کیونکہ سڑک ون وے تھی اس لیے سامنے کی طرف سے بھی ٹریفک آ رہا تھا۔ کئی بار گاڑیاں بہت پاس سے گزر گئی تھیں۔ زرین خوف زدہ تھی۔ ایک بار مخالف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمت سے آنے والی گاڑی کار کو تقریباً چھوتی ہوئی گزری تو زرین کی چیخ نکل گئی تھی۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

''شہباز آرام سے۔''

''کیسے آرام سے..... ان لوگوں سے پیچھا نہیں چھڑانا ہے کیا؟''

اس وقت میرا یہی خیال تھا کہ دشمن مجھے خوف زدہ کر کے کوٹھی کی طرف جانے پر مجبور کر رہا ہے لیکن اچانک ہی سڑک پر ایک بڑے سائز کا آئل ٹینکر اس طرح کھڑا نظر آیا کہ سڑک سے گزرنے کا راستہ ہی باقی نہیں رہا تھا۔ تب میری سمجھ میں ان کا پلان آ گیا۔ وہ جان بوجھ کر مجھے اس طرف لائے تھے اور یہاں ان کا جال میرا منتظر تھا۔ سڑک پر دائیں طرف ایک گرین ڈھلان تھی اور کار اس پر کسی صورت نہیں چڑھ سکتی تھی کیونکہ سبزے کو عوام سے بچانے کے لیے کنارے پر فولادی گرل لگا دی گئی تھی جب کہ بائیں طرف جنگل تھا۔ اسلام آباد میں اس قسم کے جنگل جا بہ جا موجود ہیں اور یہ خاص طور سے اگائے گئے ہیں۔ ایسے کچھ جنگل راولپنڈی کی حدود میں بھی آ جاتے ہیں یہ ایسا ہی ایک جنگل تھا۔ میں نے سوچا اور فوری فیصلہ کیا۔ میں نے کار یک دم ہی جنگل کی طرف موڑ دی۔ سڑک کے کنارے بنے برساتی پانی کی نکاسی کے چھوٹے سے نالے گزرتے ہوئے کار کو زبردست جھٹکے لگے تھے اور وہ کسی طرح اس سے گزر گئی تھی۔ اب کار درختوں کے درمیان دوڑ رہی تھی۔ زبردست جھٹکوں نے زرین کے حواس چند لمحے کے لیے گم ہو گئے تھے اس نے چلا کر کہا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''دشمن سے پیچھا چھڑانے کی کوشش۔'' میں نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔ ''خود کو قابو میں رکھو۔''

کار کے اس طرف گھومتے ہی تعاقب میں آنے والی گاڑی بھی جنگل کی طرف گھوم گئی تھی لیکن یہاں اسے اپنے بڑے حجم کا نقصان ہوا تھا۔ کچھ دور آنے کے بعد وہ درختوں میں پھنس گئی اور اسے راستے کی تلاش میں ریورس ہونا پڑا تھا۔ زرین نے گھوم کر دیکھا اور خوشی سے بولی۔ ''وہ واپس جا رہے ہیں۔''

''وہ واپس نہیں جا رہے بلکہ گھوم کر آئیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''لو ہم بھی پھنس گئے۔''

سامنے درخت آپس میں اس طرح ملے ہوئے تھے کہ اس میں سے کار تو کیا بائیک بھی نہیں گزر سکتی تھی۔ واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں تھا مجھے یقین تھا کہ تعاقب کرنے والے اب پیدل آ رہے ہوں گے۔ میں نے عقبی نشست کے نیچے رکھی خود کار رائفل اور اس کے تین اضافی میگزین اٹھائے۔ پھر ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا اور اس میں موجود کار کے کاغذات بھی نکال لیے۔ ''نیچے اترو۔''

زرین نیچے آ گئی۔ باہر بلا کی سردی تھی اور درختوں کے درمیان نمی کی وجہ سے دھند بھی بہت زیادہ تھی۔ چند قدم کے فاصلے پر بھی کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اور یہ اس لحاظ سے اچھی بات تھی کہ ہمیں دشمن سے بچنا تھا۔ میں نے زرین کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھنے لگا۔ ذرا آگے جا کر میں نے اندازے سے اپنا رخ سڑک کے متوازی کر لیا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ دشمن کہیں پیچھے تھا لیکن بہت دور بھی نہیں تھا کیونکہ اس کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے زرین سے کہا۔ ''بے شک ہم آہستہ چلیں لیکن کوئی آواز مت کرنا خاص طور سے چیخ وغیرہ مارنے سے گریز کرنا۔''

''وہ کیوں؟'' اس نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیونکہ خواتین کی سریلی آواز بہرے مردوں کو بھی بہت دور سے متوجہ کر لیتی ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اب مہربانی کر کے چپ کر جاؤ اور میرا بازو تھامے رکھنا۔''

میں تاریکی اور دھند کی وجہ سے بہت دیکھ بھال کر قدم آگے بڑھا رہا تھا کیونکہ یہاں کوئی گڑھا یا کوئی پتھر ہونا عین ممکن تھا۔ زرین مجھ سے لگی میرے بالکل پیچھے تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے منمنا کر کہا۔ ''مجھے سردی لگ رہی ہے۔''

''اسی طرح چلتی رہیں تو سردی کا احساس کم ہو جائے گا۔''

اس نے کچھ دیر بعد پھر کہا۔ ''مجھے ڈر بھی لگ رہا ہے۔''

''اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔''

یہاں درخت ترتیب سے لگے تھے یعنی یہ باقاعدہ جنگل تھا اور اس کی پرورش میں انسانی ہاتھوں کا عمل دخل تھا یہی وجہ تھی کہ یہاں زمین ہموار تھی اور درخت ایک مخصوص فاصلے پر لگے تھے ان کی وجہ سے ہمیں حرکت کرنے میں آسانی ہو رہی تھی۔ اچانک عقب سے بڑی ٹارچوں کی روشنیاں لہرانے لگیں۔ دشمن پورے انتظامات کے ساتھ آ رہا تھا اس نے دھند اور تاریکی کا بندوبست کر لیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس رفتار سے چلتے رہے تو جلد ہی تعاقب کرنے والے ہم تک پہنچ جائیں گے کیونکہ وہ روشنی کی وجہ سے زیادہ تیزی سے سفر کر رہے تھے۔ پھر ایک بار تو روشنی خاصی قریب پڑی تھی۔ اگر ہم کچھ درختوں کی آڑ میں نہ ہوتے تو یقیناً روشنی کی زد میں آ جاتے۔ زرین سہم کر بولی۔ ''وہ پاس آ گئے ہیں۔''

''تیز چلو اور بولو مت۔'' میں نے کہا اور اس کا بازو تھام لیا کیونکہ اس کا امکان تھا کہ وہ تیز رفتاری کی وجہ سے کہیں گر نہ جائے۔ میرے سہارے کے باوجود وہ بمشکل ہی چل رہی تھی مگر میں نے رفتار کم نہیں کی تھی۔ رفتار تیز ہونے اور خاموشی سے سفر کرنے کی وجہ سے بالآخر ہم نے دشمن کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اب روشنیاں دور لہرا رہی تھیں اور ان کی آوازیں بھی معدوم ہو گئی تھیں۔ زرین کراہنے لگی۔

''اب مجھ سے نہیں چلا جا رہا میرے پاؤں بھی زخمی ہو گئے ہیں۔''

''کیوں؟'' میں رک گیا۔

''سینڈلز نہیں ہیں۔''

میں نے اس کے پیروں کی طرف دیکھا۔ ''سینڈل کہاں گئے؟''

اس نے جل کر جواب دیا۔ ''اگر پہنے رہتی تو کیا اس رفتار سے یہاں چل سکتی تھی؟''

اس نے ہائی ہیل سینڈل پہنے تھے اور ان کے ہوتے ہوئے اس جنگل میں بھاگنے تو کیا چلنے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے پیروں میں بہترین جوتے تھے جو مجھے مدد دے رہے تھے۔ اس لیے میں بلا تکان چلتا رہا میں نے ندامت سے کہا۔ ''سوری مجھے خیال نہیں رہا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے بیٹھ کر اپنے پیروں کو ٹٹولا۔ یہاں اتنی روشنی نہیں تھی کہ سب صاف نظر آتا۔ اس نے سسکی لی۔ ''زخم ہو گئے ہیں۔''

میں نے اس کے پیروں کو چھو کر دیکھا۔ دونوں پاؤں زخمی تھے اور ان سے خون رس رہا تھا۔ میں نے دل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی دل میں اس کی ہمت کی داد دی ان زخموں کے ساتھ اور پھر اس سردی میں اس کے لیے ننگے پاؤں چلنا یقیناً دشوار کام تھا۔ ہم دشمن سے دور ضرور نکلے تھے لیکن اتنی دور نہیں تھے کہ آرام سے بیٹھ جاتے۔ میں نے تجویز دی۔

''تم میری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ۔''

''نہیں۔'' وہ شرمائے لہجے میں بولی۔ ''اچھا نہیں لگے گا۔''

''بابا اس وقت مسئلہ اچھا لگنے یا نہ لگنے کا نہیں ہے۔ دشمن پاس ہے اور ہمیں دور جانا ہے۔''

میرے سمجھانے پر وہ بادلِ ناخواستہ راضی ہوئی اور میری پیٹھ پر اس طرح سوار ہو گئی جیسے بچے ہوتے ہیں۔ سہارے کے لیے میں نے اس کے دونوں پاؤں کہنیوں میں پھنسا لیے تھے۔ وہ جھینپ کر ہنسی۔ ''اس وقت میں خود کو بچہ سمجھ رہی ہوں۔''

''بچہ ہی سمجھتی رہنا۔'' میں نے چلنے کا آغاز کیا۔ ''اور مہربانی کر کے میرے شانے پکڑو۔ اس طرح گردن پکڑی تو کچھ دیر بعد تم مجھے اٹھا کر لے جا رہی ہو گی۔''

اس نے جلدی سے شانے پکڑ لیے۔ ''تم نے کتنے آرام سے مجھے اٹھا لیا ہے حالانکہ میرا اچھا خاصا وزن ہے۔'' وہ میرے کان میں بولی۔ ''کچھ مہینے پہلے میں نے وزن کیا تھا تو پچپن کلو گرام تھا۔''

''وزن کیوں کرایا تھا؟ تم کو اوور ویٹ کا مسئلہ تو نہیں ہے۔''

''وہ ایک مسئلہ تھا اس کے لیے لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔'' اس نے جھینپے انداز میں بتایا۔ ''اسی نے وزن کیا تھا۔ یعنی میرا وزن ڈیڑھ من تو ہے اور تم نے آسانی سے اٹھا رکھا ہے۔''

''اس طرح کسی کو اٹھانا آسان ہو جاتا ہے۔'' میں نے تکنیکی وجہ بیان کی تو وہ ہنسی۔

''تم یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ میرا وزن پھول سا ہے۔''

ممکن ہے میں شاعرانہ موڈ میں ہوتا تو کہہ بھی دیتا لیکن اس وقت ناہموار جنگل میں اسے اٹھا کر یوں چل رہا تھا کہ عقب میں دشمن تھے اور سامنے کا کچھ پتا نہیں تھا۔ اس لیے شاعرانہ خیال آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''چپ کیوں ہو گئے؟''

''شش..... مجھے لگ رہا ہے کوئی پاس ہی ہے۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''تم بھی چپ رہو۔''

یہ بات میں نے اسے چپ کرانے کے لیے کہی تھی لیکن وہ سچ مچ سہم گئی اور زبان بند کر کے مجھ سے چمٹ گئی۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ دشمن ہماری تلاش میں بھٹک کر کہیں دور جا چکا تھا۔ میں مطمئن ہو گیا تھا کہ اب وہ ہمیں نہیں پا سکتا ہے لیکن اس وقت اچانک ہی وہ ہوا جو میں نے سوچا نہیں تھا۔ میری پتلون کی جیب میں رکھے موبائل کی بیل بجی اور بدقسمتی سے اس کی بیل خاصی لاؤڈ تھی۔ اس سناٹے میں اس کی آواز دور تک گئی اور دشمن تک چلی گئی کیونکہ میں نے دور کسی کے چلانے کی آواز سنی اور پھر یہ آوازیں قریب آنے لگیں۔ میں بوکھلاہٹ کے عالم میں زرین کو سوار کیے ہوئے موبائل نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر یہ ممکن نہیں ہو رہا تھا اور بیل تھی کہ مستقل بجے جا رہی تھی اور دشمن کو ہمارا پتا دے رہی تھی۔ مجبوراً میں نے اسے تقریباً نیچے گرا دیا اور جلدی سے جیب سے موبائل نکال کر اسے آف کر دیا۔ کال ریسیو کرنے کا وقت نہیں تھا۔ میں نے زرین کو دوبارہ پیٹھ پر سوار کیا اور آگے کی طرف بھاگا۔ وہ میرے کان میں منمنائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ مصیبت بھی ابھی آنی تھی۔"

"مجھے خیال نہیں رہا ورنہ اس کی بیل پہلے ہی آف کر دیتا۔" میں ہانپتے ہوئے بولا۔

"مجھے نیچے اتار دو میں خود چلوں گی۔"

میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ اسے لے کر بھاگنا نہایت دشوار کام تھا اور اگر میں اسی طرح سفر جاری رکھتا تو دشمن جلد یا بدیر مجھے آلیتا۔ میں نے اسے نیچے اتار دیا۔ "ہمت کرو اگر یہاں سے نکل گئے تو پھر شاید ان لوگوں سے بچ جائیں۔"

ایک بار پھر بھاگنے سے ہم نے دشمن کو کہیں دور چھوڑ دیا تھا۔ میں نے زرین کو نیچے اتار دیا اور وہ ہمت کر کے میرے ساتھ بھاگنے لگی لیکن جب اس کے پاؤں کے زخم زمین پر لگتے تھے تو اس کی کراہ نکل جاتی تھی۔ اچانک مجھے سامنے کی طرف روشنی دکھائی دی تھی۔ شاید اس طرف کوئی آبادی تھی۔ "زرین آگے روشنی ہے۔"

روشنی کا سن کر اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ اس نے زخموں کی پروا کیے بغیر رفتار تیز کر دی۔ کچھ دیر بعد ہم ایک سڑک کے کنارے تھے جس کے پاس ایک نسبتاً اونچی زمین پر ایک عام سی بستی تھی۔ یعنی یہ نہ تو نچلے طبقے کی آبادی تھی اور نہ اوپری طبقے کی۔ کچھ درمیانی قسم کی آبادی تھی۔ زرین خوش ہو گئی۔ "یہاں ہمیں مدد مل سکتی ہے۔"

لیکن میں نے سڑک پار کرنے سے پہلے اطمینان کر لیا کہ وہاں دشمن کی طرف سے کوئی گھات لگا کر تو نہیں رکھی گئی تھی۔ ممکن ہے ہمیں پہلے کی طرح ہشکا کر ایک خاص گھیرے میں لایا جا رہا ہو لیکن مجھے سڑک پر دور تک کوئی مشکوک فرد یا گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں لیکن یہ عام گاڑیاں تھیں اور ان کا پیچھے لگے دشمن سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا تو میں نے زرین کو اشارہ کیا۔

"اب چلو۔"

ہم نے دوڑ کر سڑک کراس کی اور ایک گلی میں گھس گئے۔ اس میں پکی سڑک تھی اس لیے زرین کو ننگے پاؤں چلنے میں دشواری نہیں ہو رہی تھی پھر بھی زخموں میں تکلیف تو ہو رہی ہو گی۔ اس نے چلتے چلتے مڑ کر دیکھا اور اضطراب سے بولی۔ "وہ بھی آ گئے ہیں۔"

مرشد کے گرگے سڑک پار کر کے آبادی کی طرف آ رہے تھے۔ شکر ہے گلی میں زیادہ روشنی نہیں تھی ورنہ ہم فوراً ان کی نظروں میں آ جاتے۔ احتیاطاً ہم ایک دیوار کے ساتھ چپک گئے۔ زرین نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کہیں پناہ لینی ہو گی۔"

میں نے انکار کر دیا۔ "اس وقت کسی کا دروازہ بجانے کا مطلب ہے اہلِ خانہ سے پہلے انجانے دشمنوں کو متوجہ کر لینا۔"

"دروازہ بجانے کی کیا ضرورت ہے۔ دیوار پھلانگ کر اندر چلے جاتے ہیں اور جب یہ چلے جائیں گے تو ہم بھی نکل سکتے ہیں۔"

"اگر اس دوران میں مکان میں رہنے والوں نے دیکھ لیا اور شور کر دیا تو؟"

"تمہارے پاس پستول ہے رائفل ہے کوئی ان کے ہوتے ہوئے کیسے شور کر سکتا ہے۔"

"ہم قائل ہوئے۔" میں نے کہا رائفل اسے پکڑائی اور دیوار کے اوپر ہاتھ جماتے ہوئے ذرا اچک کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا۔ یہ چھوٹا سا صحن تھا اس کے آگے برآمدہ تھا جس پر فولادی گرل لگی تھی۔ مکان چھوٹا لیکن اچھا بنا ہوا تھا۔ دیوار مشکل سے ساڑھے چھ فٹ اونچی تھی۔ میں آرام سے اس پر چڑھ گیا، دیوار پر بیٹھ کر میں نے پہلے رائفل لی اور پھر زرین کو ہاتھ سے پکڑ کر اوپر کھینچ لیا۔ دیوار پر بیٹھ کر وہ گھبرا گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دیوار کو پکڑ کر لیا اور سہمے لہجے میں بولی۔

"میں گر جاؤں گی۔"

"مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھو۔" میں نے کہا اور آرام سے اندر اتر گیا۔ میری کوشش تھی کہ کوئی آواز نہ ہو جو کسی کو متوجہ کرے لیکن شاید مکان میں کوئی نہیں تھا جو متوجہ ہوتا۔ میں نے زرین کا پاؤں پکڑ کر کھینچا تو وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ نیچے گری میں نے آرام سے اسے بازوؤں میں سنبھال لیا اور سرگوشی کی۔ "ہاں اب لگا کچھ پھول سا وزن۔"

"بناؤ مت۔" وہ ہنسی۔ "جب کمر پر سوار تھی تب کہتے نا۔"

"تب تو دم نکل رہا تھا۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "اب چپ رہنا میں ذرا مکان کا معائنہ کر لوں۔"

مکان کے سامنے والے حصے میں پورا صحن تھا۔ اس کے بعد دائیں بائیں دو کمرے تھے اور ان کے درمیان میں ایک چھوٹا سا برآمدہ تھا اور اس میں شاید غسل خانہ اور لیٹرین تھا۔ فولادی گرل پر تالا لگا ہوا تھا۔ ایک طرف سے سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ میں زرین کو وہیں چھوڑ کر اوپر آیا۔ یہاں سے مجھے اندازہ ہوا کہ مرشد کے آدمی آبادی کی کئی گلیوں میں پھیل کر ہمیں تلاش کر رہے تھے۔ میں نے چھت سے دوسری طرف جھانکا تو پچھلے حصے میں کچا صحن تھا جس میں پھولدار پودے لگے تھے۔ کمرے دو ہی تھے۔ میں واپس آیا تو زرین صحن میں کھلنے والے ایک کمرے کے دروازے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ وہ اسے کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"

"دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس نے کہا۔ "سردی اب ناقابلِ برداشت ہو رہی ہے۔"

وہ اپنے ہیئر کلپ سے دروازے کا لاک کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے کلپ لینا چاہا۔ "یہ تم سے نہیں کھلے گا....."

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ہلکی سی کلک کی آواز آئی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ "کھل گیا۔"

واقعی دروازے کا تالا کھل گیا تھا۔ میں حیران ہوا۔ "تمہیں یہ کام بھی آتا ہے۔"

"اب آ گیا ہے۔" اس نے دروازہ کھولا۔ "فلموں اور ڈراموں میں چوروں کو ایسا کرتے دیکھا ہے خود پہلی بار کوشش کی ہے۔"

ہم اندر آ گئے لیکن میں نے لائٹ جلانے سے پہلے کھڑکی کے پردے اچھی طرح برابر کر دیئے۔ کمرہ خاصا بڑا تھا اور شاید بیڈ روم تھا۔ وہ بھی کسی خاتون کا کیونکہ روشنی کرتے ہی کچھ ایسی اشیا نظر آئیں کہ ہم دونوں ہی جھینپ گئے تھے۔ میں نے بوکھلا کر زرین سے کہا۔ "میں دوسرا کمرہ دیکھتا ہوں۔"

میں برآمدے میں کھلنے والے دروازے سے باہر آیا۔ یہ کھلا تھا شاید گرل بند کرنے کے بعد اسے بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ میں نے دوسرے کمرے میں جھانکا۔ یہ نشست گاہ تھی اور جنہیں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیٹرین اور باتھ روم سمجھ رہا تھا وہ واش روم اور کچن نکلے تھے۔ پورا گھر بہترین انداز میں بنا تھا۔ ماربل فلور تھا۔ کچن اور واش روم میں ٹائلز لگی تھیں اور فرنیچر بھی بہترین تھا۔ مکان کی حالت بتا رہی تھی کہ یہ استعمال میں تھا اور اہلِ خانہ کچھ دیر کے لیے کہیں گئے تھے۔ یہاں شاید ایک عورت یا جوڑا رہتا تھا کیونکہ وہاں کسی بچے کا سامان نظر نہیں آیا تھا۔ میں واپس بیڈ روم میں آیا تو زرین مذکورہ اشیا کہیں چھپا چکی تھی اور خود بستر پر بیٹھی اپنے زخمی پیروں کا معائنہ کر رہی تھی۔ باہر کے مقابلے میں بند کمرے میں سردی خاصی کم تھی۔ میں نے زخم دیکھے یہ معمولی سے تھے کانٹے اور نوکیلے پتھروں سے آئے تھے۔ اگر احتیاط کی جاتی تو ایک دو دن میں بھر جاتے۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں کہیں دوا جیسی چیز نظر نہیں آئی تھی میں نے باتھ روم میں بھی دیکھ لیا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر ٹشو اور ٹیلکم پاؤڈر کا ڈبا تھا۔ میں نے ٹشو سے زخم صاف کیے اور ان پر ٹیلکم پاؤڈر چھڑک دیا۔ زرین نے کہا۔

''بہتر ہے روشنی بجھا دو یہ ہلکے پردے ہیں ان سے روشنی باہر نظر آئے گی۔ اگر ہماری طرح کسی نے دیوار سے جھانک لیا تو اسے نظر آئے گی اور باہر گیٹ پر تالا لگا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا اور روشنی بند کر کے عبداللہ کو کال کرنے کے لیے جیب سے موبائل نکالنا چاہا تو پتا چلا کہ جیب میں تو موبائل ہی نہیں ہے۔ میں نے جلدی سے ساری جیبیں دیکھیں پھر جیکٹ بھی چیک کر لی لیکن موبائل کہیں تھا۔ شاید وہ واپس رکھتے ہوئے نیچے گر گیا تھا اور جلدی میں مجھے احساس نہیں ہوا تھا۔ زرین میری حرکت دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''موبائل غائب ہے۔'' میں نے موسم کی مناسبت سے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کہیں گر گیا ہے۔''

''اوہ اب عبداللہ سے کس طرح رابطہ کرو گے؟''

''اللہ مالک ہے۔'' میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

''سنو مجھے لگ رہا ہے کہ یہاں کوئی اکیلی عورت رہتی ہے۔''

''یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا۔''

زرین جواب دیتے ہوئے ذرا جھجکی۔ پھر اس نے کہا۔ ''وہ اپنے مخصوص استعمال کی چیزیں جس طرح لاپروائی سے پھینک کر گئی ہے اس سے اندازہ ہوا ہے۔''

میں نے دوسرے زاویے سے دیکھا۔ ''ممکن ہے یہاں اکیلی عورت کے بجائے کوئی میاں بیوی رہتے ہوں؟''

''نہیں اگر ایسا ہے تو وہ بہت بے شرم عورت ہے۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے سامنے اس طرح سے رہ سکتی ہے۔''

وہ بے چاری شرم کی وجہ سے کھل کر نہیں کہہ پا رہی تھی لیکن میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ واقعی کوئی عورت اس طرح سے اپنے شوہر کے سامنے نہیں رہ سکتی تھی۔ اپنی ذاتی استعمال کی چیزیں یوں لاپروائی سے پھینک دینا کسی اکیلی رہنے والی عورت کا کام ہو سکتا تھا۔ بہر حال ہم یہاں خاتونِ خانہ کے بارے میں بحث کرنے نہیں آئے تھے بلکہ دشمن سے چھپ کر یہاں آئے تھے۔ جیسے ہی خطرہ ٹلتا ہم بھی یہاں سے رخصت ہو جاتے۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے میں نے زیادہ توجہ نہیں دی لیکن زرین کو اس کے بارے میں سخت تشویش ہو رہی تھی۔ یہ خواتین کا خاصہ ہے اگر ان کو کسی دوسری عورت کے بارے میں تجسس لاحق ہو جائے تو جب تک یہ تجسس رفع نہیں ہوتا ان کو چین نہیں آتا ہے۔

''اگر یہ اکیلی ہے تو کرتی کیا ہے؟''

''ہمیں اس سے کیا کہ وہ کیا کرتی ہے؟'' میں نے نرمی سے کہا۔

''نہیں سوچو نا اگر وہ اکیلی ہے تو کس طرح رہتی ہے۔''

میں ہنسا گیا۔ ''شاید وہ کچھ دیر میں آجائے گی تب تم اس سے پوچھ سکتی ہو۔''

ابھی الفاظ میرے منہ میں تھے کہ باہر گھر کے گیٹ پر آہٹ ہوئی اور پھر کسی عورت کی ہلکی سی ہلسی سنائی دی۔ میں نے پھرتی سے اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ کوئی مین گیٹ پر لگا تالا کھول رہا تھا۔ کمرے میں چھپنے کے لائق کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اندر آتے میں نے زرین کو اشارہ کیا اور ہم تیزی سے برآمدہ عبور کر کے نشست گاہ میں گھس گئے۔ جیسے ہی میں نے دروازہ بند کیا۔ باہر گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا تھا اور ایک نسوانی آواز آئی۔ ''اندر آجاؤ۔''

''یہ تمہارا گھر ہے؟'' اس بار کسی مرد نے کہا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں تھا۔ کم سے کم آواز سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔

''ہاں۔'' عورت ہلکے سے ہلسی۔ ''اور آج رات کے لیے تمہارا بھی ہو گیا ہے لیکن میں معاوضہ پیشگی لیتی ہوں۔ صبح تم نے خالی جیب دکھا دی تو میں کیا کروں گی۔''

میں دروازہ سے لگا دم بخود کھڑا تھا اور اس مختصر سی گفتگو نے ان سارے سوالوں کا جواب دے دیا تھا جو زرین اور کسی حد تک میرے ذہن میں بھی کلبلا رہے تھے۔ زرین مجھ سے لگ کر کھڑی تھی اور اتنی دم بخود تھی کہ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ مجھ سے لگ کر کھڑی ہے۔ جب مرد اور عورت اندر بیڈ روم میں چلے گئے تو اس نے میرے کان میں کہا۔ ''ہائے یہ اتنی بری عورت نکلی، میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''ہمیں اس سے کیا؟'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''ابھی ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ تب یہ جانے اور اس کے اعمال جانیں۔''

میں نے اسے کہہ تو دیا تھا کہ ہمیں اس سے کیا لیکن مرد نے اندر آتے ہی جس بے تابی کا مظاہرہ کیا تھا اس کے بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ دس فٹ دور دوسرے کمرے میں پیدا ہونے والی ساری آوازیں یہاں تک آرہی تھیں۔ مجھے سخت سردی میں بھی پسینہ آگیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ زرین کا حال بھی مجھ سے الگ نہیں ہوگا۔ شاید اسی وجہ سے وہ مجھ سے الگ ہو گئی تھی۔ شکر ہے یہاں اندھیرا تھا اور ہمیں ایک دوسرے کے تاثرات نہیں دیکھنا پڑے تھے۔ میرا دوران خون تیز ہو رہا تھا اور میں ان کو لگام دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں دخل در معقولات کرتا عورت نے خود ہی مرد کو روک دیا۔

''اتنے بے صبرے کیوں بن رہے ہو ساری رات پڑی ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے کھانا کھانے دو۔ شام سے اس موسم میں ماری ماری پھر رہی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے تو صرف پیاس لگ رہی ہے جو شراب سے اور تمہارے.....'' مرد نے جواب دیا اور اس کی باقی بات ناقابلِ بیان تھی۔ میں نے سنی تو ظاہر ہے زرین نے بھی سنی ہوگی۔ میں نے دل ہی دل میں اسے گالیوں سے نوازا۔ بہرحال عورت کچن میں آ گئی۔ اس نے برآمدے کی لائٹ جلا دی تھی۔ اب کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ زرین میرے پاس آئی اور اس نے گھبرائی آواز میں سرگوشی کی۔ ''پلیز اس جگہ سے چلو۔ یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔''

میں بھی یہاں نہیں رکنا چاہتا تھا لیکن باہر جان اور آزادی کے دشمن گھوم رہے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے باہر جانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ دبا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور نشست گاہ کا ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ عورت کچن میں تھی اور سردی کی وجہ سے اس نے دروازہ بھیڑ رکھا تھا بس ذرا سی جھری تھی۔ میں دبے قدموں کچن تک آیا۔ جھری سے اندر جھانکا تو وہ پیٹھ دروازے کی طرف کیے چولہے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ وہ متناسب جسم کی جوان عورت تھی۔ اس موسم میں بھی اس نے سلیولیس قمیص پہن رکھی تھی جس میں اس کی گوری بانہیں نمایاں تھیں۔ اس کے براؤن بال جُوڑے کی صورت میں بندھے ہوئے تھے۔ میں خاموشی سے اندر داخل ہوا اور اچانک عقب سے اس کی گردن کو بازو کے شکنجے میں لے لیا۔ اس نے تڑپ کر خود کو چھڑانا چاہا لیکن میری گرفت سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ خود کیا اس کی آواز تک نہیں نکلی تھی۔ میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''مزاحمت مت کرو ورنہ تمہاری گردن ٹوٹ جائے گی اور تم ایک منٹ میں مر جاؤ گی۔''

اس کا جسم کسی قدر ڈھیلا ہوا تھا لیکن اس نے مزاحمت ترک نہیں کی تھی۔ مجبوراً مجھے اس کی کنپٹی پر ایک ہلکا ہاتھ رسید کرنا پڑا تھا اور وہ نیم بے ہوش ہو کر میرے بازو میں جھول گئی۔ میں اسے اٹھا کر نشست گاہ میں لے آیا اور صوفے پر ڈال دیا۔ زرین نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔ ''اسے کیوں لے آئے ہو؟''

''اس کی نگرانی کرو۔'' میں نے پستول اسے تھما دیا۔ ''اگر ہوش میں آنے لگے تو اس کے سر پر ایک وار کر دینا۔''

''اس کے سر پر؟'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔

''ہاں اور احتیاط سے کرنا ورنہ یہ مر بھی سکتی ہے۔''

زرین کو یقیناً اس عورت سے نفرت محسوس ہو رہی تھی لیکن اس پر وار کرنے کے خیال سے اس کا دم خشک ہو گیا تھا اس نے پستول واپس مجھے تھما دیا۔ ''اپنے پاس رکھو کہیں غلطی سے چل نہ جائے۔''

''تمہاری مرضی۔'' میں نے پستول واپس رکھ لیا۔ میں اس عورت کو اس لیے لایا تھا کہ اسے اور مرد کو اگلے مرحلے کے آغاز سے روکا جائے۔ نہ جانے ہمیں کتنی دیر یہاں رکنا پڑے اور اس دوران میں ان لوگوں کی حرکتیں قابلِ برداشت نہیں تھیں۔ نشست گاہ میں تاریکی تھی اس لیے مجھے عورت کو تفصیل سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ مجھے مرد کی فکر تھی میں نے بیڈ روم میں جھانکا۔ مرد بستر پر نیم دراز تھا اور ایک بوتل سے براہِ راست پی رہا تھا وہ یقیناً بلانوش تھا۔ اس کی نظریں دروازے کی طرف نہیں تھیں لیکن تمام حسیات عورت کی طرف ضرور تھیں۔ وہ کچھ دیر تو صبر کرتا رہا پھر اس نے آواز دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ماہا جی آ بھی جاؤ۔''

ماہا جی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ یہ اچھا خوش شکل اور جوان آدمی تھا۔ جب ماہا جی کی طرف سے جواب نہیں آیا تو وہ اٹھا اور جھومتے ہوئے دروازے کی طرف آیا۔ میں پیچھے ہوا اور آہستہ سے واش روم کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اسی لمحے وہ باہر آیا اور قدرتی طور پر اس کا دھیان روشن کچن کی طرف گیا تھا جیسے ہی وہ ادھر آگے نکلا میں نے عقب سے اس کی گدی پر وار کیا اور وہ بھی بے ہوش ہو گیا۔ کیونکہ میں نے عقب سے مارا تھا اس لیے اسے منہ کے بل گرنے سے روکنا ممکن نہیں تھا اس لیے جب سیدھا کرنے پر اس کی ناک سے خون نکلتا دکھائی دیا تو مجھے افسوس ہوا تھا۔ میں اسے بھی کھینچ کر نشست گاہ میں لے آیا جہاں صوفے پر پڑی ماہا جی کسمسا رہی تھی۔ زرین پریشان تھی کہ اب کیا کرے۔ میں نے روشنی کر کے ماہا جی کا معائنہ کیا وہ صورت و جسم کی اچھی تھی۔ رنگ بھی گورا تھا لیکن اس کے کرتوت کالے تھے اور ان کا اثر اس کے خدوخال پر بھی ہوا تھا۔ ان میں بے حیائی کا تاثر جیسے منجمد ہو گیا تھا۔ چند منٹ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور ہمیں دیکھا۔ اس سے پہلے وہ چیخ مارتی میں نے پستول کی نال اس کے کھلے منہ میں رکھ دی۔

''آواز نکلی تو یہ چل جائے گا۔''

ڈر کے مارے اس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ اس نے سر ہلا کر بتایا کہ وہ آواز نہیں نکالے گی۔ اس کی آنکھیں چیخ چیخ کر التجا کر رہی تھیں کہ پستول اس کے منہ سے نکال لیا جائے۔ ذرا سی دیر میں اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ مجھے لگا کہیں اسے ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے۔ پھر بھی میں نے اسے خبردار کیا۔ ''کوئی آواز نہ نکلے ورنہ تمہیں مرنے میں بس ایک سیکنڈ لگے گا۔''

''میں..... آواز..... نہیں..... نکالوں گی۔'' اس نے رک رک کر کہا۔ اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔ اس نے زرین کو دیکھ لیا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''ماہا..... سب ماہا جی کہتے ہیں۔''

''سب کون؟..... تمہارے گاہک؟''

اس کا رنگ سرخ ہوا تھا۔ ''آپ جانتے ہو جی؟''

''ہم تمہارے آنے سے پہلے سے یہاں موجود ہیں۔'' میں نے اسے جتایا کہ ہم سب سن اور جان چکے ہیں۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟''

''کچھ نہیں باہر سردی بہت ہے اس لیے ہم یہاں کچھ دیر رکیں گے اور پھر چلے جائیں گے۔''

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''تم چور نہیں ہو؟''

''چور کسی عورت کو لے کر آتے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں کیوں نہیں آتے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میں خود ایسے ہی ایک گروہ کے ساتھ کام کر چکی ہوں وہ مجھے آگے رکھتے تھے اور میری وجہ سے لوگ ان کے دھوکے میں آ جاتے تھے اور وہ گھروں میں گھس کر سب لوٹ لیتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔"

"مال و دولت بھی..... اور عزت بھی۔" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"جو لوگ تم جیسی عورت کو استعمال کرتے ہوں گے ان کے اخلاق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "میں نے اسی وجہ سے ان کا ساتھ چھوڑا تھا۔ انہوں نے ایک ریٹائرڈ کرنل کی کمسن بیٹی کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی تھی۔ وہ شاید چودہ پندرہ برس کی تھی۔"

"لہٰذا تمہارا ضمیر جاگ گیا۔" میں طنز کیا۔ "اس لیے تم نے ان کا ساتھ چھوڑ کر اپنا الگ سے دھندہ شروع کر دیا۔"

"ہاں میں کسی کو دھوکا تو نہیں دیتی ہوں۔" وہ بھڑک اٹھی۔ "اپنا جسم بیچتی ہوں اور اس کا معاوضہ لیتی ہوں۔"

میرا ہاتھ اٹھا تھا لیکن پھر میں نے خود کو روک لیا۔ وہ مجھے رکتا دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرانے لگی جیسے کہہ رہی ہو بس اتنے ہی مرد ہو۔ وہ اٹھ بیٹھی تھی اور جیسے ہی اس کی نظر بے ہوش مرد پر گئی۔ اس کی مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ اس نے پھر سہم کر میری طرف دیکھا۔ "اسے مار دیا ہے تم نے؟"

"نہیں مارا تو نہیں ہے بس بے ہوش ہے ابھی دو ڈھائی گھنٹے میں ہوش میں آ جائے گا۔" میں نے کہا۔

وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ہم اس سے کیا چاہتے تھے۔ کیونکہ میں نے اس کے سوال کا جواب غلط دیا تھا۔ میں نے زرین کی طرف دیکھا۔ "اب کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم جا کر دیکھو کچن میں چائے کافی بنانے کا سامان ہو گا۔"

زرین جانا نہیں چاہتی تھی ماہا جی کے ساتھ مجھے اکیلا چھوڑ کر، اس لیے منہ بنا کر گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے عورت سے انٹرویو کا آغاز کیا۔ "تم یہاں رہتی ہو یا یہ تمہارا عارضی ٹھکانہ ہے؟"

"میں یہاں رہتی ہوں۔"

"یہ ایک عام سی آبادی ہے اور یہاں اس قسم کی سرگرمیاں چھپی نہیں رہتی ہیں۔ اس صورت میں لوگ تمہیں کیسے برداشت کر رہے ہیں؟"

"یہاں کوئی کسی کی طرف توجہ نہیں دیتا ہے۔" اس نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔

"تم سچ نہیں کہہ رہی ہو۔" میں نے غور سے اسے دیکھا۔ "اس قسم کے کام عام طور سے کسی طاقتور شخص کی سرپرستی کے بغیر نہیں ہوتے ہیں۔"

وہ ہچکچائی پھر اس نے گہری سانس لی۔ "مجھے کسی کی سرپرستی کی ضرورت نہیں تھی اس سے پہلے میں آنٹی رشید کے ساتھ تھی۔"

میں چونکا آنٹی رشید ایک جانا نام پہچانا نام تھا اور وہ اسلام آباد اور راولپنڈی کی ہائی سوسائٹی میں معروف تھی۔ اس کا لڑکیاں سپلائی کرنے کا کاروبار تھا اور بڑی بڑی شخصیات اس کی سرپرستی کرتی تھیں۔ وہ خود سکہ بند طوائف تھی اور کسی زمانے میں شیدا اس کے نام سے مشہور تھی لیکن جب اس نے اپنا بزنس اعلیٰ پیمانے پر شروع کیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیداں سے آنٹی رشید ہوگئی۔ مجھے تعجب ہوا۔ ''جب تم اس کے ساتھ کام کرتی تھیں تو الگ کیسے ہوئیں؟''

آنٹی رشید کے بارے میں مشہور تھا کہ کوئی لڑکی جو ایک بار اس کے چنگل میں پھنس جائے تو وہ مرہی نکل سکتی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ ''میں خود سے نہیں نکلی اور نہ ہی نکلنا چاہتی تھی۔ یہ تو سارا اکرم چشتی کا حرامی پن ہے۔''

اگر وہ صوفے کے کشن تلے سے پستول نکال کر مجھے گولی مار دیتی تب بھی مجھ پر وہ اثر نہیں ہوتا جو اس کی بات سن کر ہوا تھا۔ ''اکرم چشتی سے کیا تعلق ہے تمہارا؟''

وہ جہاندیدہ عورت تھی تاڑ گئی کہ میں اکرم چشتی سے ناواقف نہیں ہوں۔ ''تم جانتے ہو اسے؟''

''میرے سوال کا جواب دو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''وہی جو کسی غلام کا آقا سے ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب تم اس کی غلام ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ باقاعدگی سے آنٹی رشید کی کوٹھی پر آتا تھا۔ وہیں اس نے مجھے دیکھا اور آنٹی رشید سے مانگ لیا۔''

''اور اس نے تمہیں اس کے حوالے کر دیا؟''

''نہیں وہ اتنی آسانی سے ماننے والی عورت نہیں تھی۔ پہلی بار اکرم نے میرے سامنے ہی اس سے مطالبہ کیا تھا لیکن آنٹی رشید نے اسے بے عزت کر دیا تھا۔ میں بھی خوش ہوگئی تھی کیونکہ اس شخص کے ساتھ رات گزارنا ہی بڑا عذاب تھا اس کے ساتھ مختتل رہنے کے خیال سے میں کانپ گئی تھی اس لیے جب آنٹی رشید نے انکار کیا تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔''

''لیکن اب تم اکرم چشتی کے ساتھ ہو۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''پتا نہیں اس نے کون سا جیک لگایا کہ دو دن بعد ہی آنٹی رشید نے مجھے اس کے حوالے کر دیا۔''

''تم نے انکار نہیں کیا؟''

اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آگئی۔ ''میں پہلے آنٹی رشید کی زرخرید تھی اسے کیسے انکار کر سکتی تھی۔''

''اکرم چشتی نے تمہیں یہاں رکھا ہوا ہے؟''

''نہیں پہلے وہ مجھے فتح جنگ لے گیا تھا۔ دو مہینے اس نے وہاں رکھا پھر اس محلے میں لے آیا۔ اس نے مجھے دھندا کرنے کی اجازت دی ہوئی ہے اور ہر ہفتے مجھ سے بیس ہزار روپے لیتا ہے۔ ہفتے کی رات میں اس کے لیے مخصوص ہوتی ہوں اس دن کسی گاہک کو یہاں نہیں لا سکتی۔''

اب میری سمجھ میں آیا کہ محلے والے کس طرح ٹھنڈے پیٹوں ماہا جی کو برداشت کر رہے تھے۔ اس کی پشت پر اکرم چشتی جیسے افسران کے منہ چڑھے پولیس مین کا ہاتھ تھا۔ ''پھر بھی یہاں کسی نے تو احتجاج کیا ہوگا؟''

''مسجد کے ملاں نے کیا تھا۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔ ''دو دن حوالات میں رہ کر آیا تو باتھ روم میں بیٹھتے ہوئے بھی ہائے ہائے کرتا تھا۔ اس کے بعد کسی کی جرأت نہیں ہوئی۔''

''تم اکرم کو ہفتے کے بیس ہزار دیتی ہو تو کیا اتنا کما لیتی ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر ہو ہی جاتے ہیں۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''اگر کم پڑ جائیں تو اگلے ہفتے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ اصل میں دھندے میں مندہ آ گیا ہے۔''

''اچھا میں نے تو سنا ہے کہ اس روشن خیالی کے دور میں اگر کوئی بزنس چل رہا ہے تو وہ یہی ہے۔''

''اسی وجہ سے تو دھندہ مندہ ہو گیا ہے۔ اب تو شریف گھرانوں کی لڑکیاں میدان میں اتر آئی ہیں۔ انہوں نے ہمارا کام بھی خراب کر دیا ہے۔ ہزار دو ہزار میں مان جاتی ہیں۔''

وہ درست کہہ رہی تھی غربت اور مہنگائی کے ہاتھوں تنگ آ کر شریف گھروں کی لڑکیاں اور عورتیں بھی اس گندی دلدل میں اتر گئی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے گھر والوں کو بھوک اور بیماری کے ہاتھوں مرتے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ ملازمتوں کے لحاظ سے بھی ماحول پہلے سے بہت بدل گیا تھا اور سوائے چند اچھی جگہوں کو چھوڑ کر لڑکیاں اور عورتیں جہاں جاب کرنے جاتی ہیں ان کو بطور ورکر نہیں بلکہ بطور عورت ٹریٹ کیا جاتا ہے۔ ہم بہ حیثیت مجموعی عورت کے لیے عزت و احترام چھوڑتے جا رہے ہیں اور نئی نسل خاص طور سے اس چیز سے بے شعور ہے۔ زرین چائے بنا کر لے آئی تھی۔ اس دوران میں، میں نے بے ہوش شخص کو ایک طرف کونے میں ڈال دیا تھا۔ زرین نے کپ میری طرف بڑھایا وہ صرف دو کپ بنا کر لائی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''یہاں سے کب چلو گے؟''

''جب مجھے اطمینان ہو جائے گا کہ دشمن اب باہر ہماری گھات میں نہیں ہے۔''

میری بات پر عورت چونکی۔ ''وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہیں؟''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''کن لوگوں کی بات کر رہی ہو؟''

''جنہوں نے ہمیں روکا تھا اور اس شخص کی گاڑی میں جھانک کر بھی دیکھا تھا۔'' اس نے بے ہوش مرد کی طرف اشارہ کیا۔

اس کی بات میں مجھے سب سے زیادہ قابلِ توجہ لفظ گاڑی کا لگا تھا۔ زرین نے بھی سن لیا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''ان کے پاس گاڑی ہے۔''

''میری نہیں اس شخص کی ہے۔'' ماہا نے جلدی سے تردید کی۔

''کسی کی بھی ہو گاڑی تو گاڑی ہوتی ہے۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر بے ہوش مرد کی تلاشی لی۔ اس کی جیب سے چابیوں کے ساتھ ایک عدد موبائل فون بھی نکلا تھا۔ میں خوش ہو گیا۔ ''موبائل بھی ہے اس کے پاس۔''

''اب ہم بات کر سکتے ہیں۔'' زرین خوش ہو گئی تھی۔

مجھے عبداللہ کا نمبر یاد تھا لیکن جب میں نے ڈائل کیا تو آگے سے ریکارڈ آواز نے بتایا۔ ''اس کال کے لیے آپ کے پاس بیلنس نہیں ہے۔''

''بیلنس نہیں ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''گاڑی ہے اور کال گرل کے ساتھ رات گزارنے کے لیے رقم بھی ہے لیکن موبائل میں بیلنس نہیں ہے۔''

''اس کے پاس بھی تو موبائل ہو گا۔'' زرین نے ماہا کی طرف دیکھا۔

''میرے پاس موبائل ہے لیکن خراب ہو گیا ہے کل گر گیا تھا تب سے آن نہیں ہوا ہے۔'' اس نے اطلاع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی۔ ''تم چاہو تو دیکھ سکتے ہو میرے بیڈ کے ساتھ پڑا ہے۔''

یہ قسمت کی خرابی تھی۔ میرا موبائل گر گیا تھا۔ ایک موبائل ٹھیک ملا تو اس میں بیلنس نہیں تھا اور دوسرا موبائل خراب تھا۔ بہرحال ایک عدد گاڑی مل گئی تھی اور اس کی مدد سے ہم یہاں سے نکل سکتے تھے۔ اکرم چشتی کا سن کر میں فکرمند ہوا تھا لیکن ماہا نے بتایا تھا کہ وہ صرف ہفتے کی رات اس کے پاس آتا تھا اور آج جمعرات تھی۔ یعنی بہ ظاہر اس کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ماہا مجھے غور سے دیکھ رہی تھی اور زرین اس پر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی اس کا خیال تھا کہ ماہا جی مجھے تاڑ رہی تھی۔

''تم اکرم چشتی کو کیسے جانتے ہو؟''

''جان پہچان تو اس سے پرانی ہے۔'' میں نے کہا تو یک دم اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا وہ سمجھی کہ شاید میں اکرم چشتی کا واقف کار ہوں اور اس نے مجھ سے جو کہا ہے اب وہ اکرم چشتی کو بتا دوں گا۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''خدا کے لیے یہ سب باتیں اکرم کو مت بتانا ورنہ وہ میری کھال ادھیڑ دے گا۔''

میں تو خود اس فکر میں تھا کہ کس طرح اسے منع کروں کہ وہ بعد میں اکرم چشتی سے ہمارا ذکر نہ کرے۔ اس نے یہ بات کر کے میری مشکل آسان کر دی تھی۔ ''ٹھیک ہے اگر تم کہتی ہو تو نہیں کروں گا بلکہ سرے سے ہی نہیں کہوں گا کہ میں یہاں آیا تھا اور تم سے ملاقات کی تھی لیکن یہ تعاون ایک شرط پر ہو گا۔''

''کیسی شرط؟''

''شرط یہ ہے کہ میں اس شخص کی گاڑی لے جاؤں گا۔''

''یہ مجھے نہیں چھوڑے گا؟''

''تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ یہ ابھی ہوش میں آ جائے گا۔ ہم جاتے ہوئے تمہیں باندھ جائیں گے اور تم اسے بتا سکو گی کہ گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے اور اسے بے ہوش کر کے تمہیں باندھ گئے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ کبھی تسلیم نہیں کرے گا اور بات پولیس تک چلی جائے گی۔''

''میرا نہیں خیال کہ بدنامی کے ڈر سے یہ پولیس تک جائے گا۔''

''یہ چلا جائے گا کیونکہ یہ پولیس کا بھی باپ ہے۔ اینٹی کرپشن میں کام کرتا ہے۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''مجھے بھی رگڑ دے گا۔''

''او کے تب میں اسے بھی لے جاؤں گا اور تم بعد میں کہہ سکتی ہو کہ تمہیں کچھ نہیں معلوم تم کچن میں تھیں کہ کسی نے عقب سے وار کر کے تمہیں بے ہوش کر دیا اور تمہیں ہوش آیا تو وہ اپنی گاڑی سمیت غائب تھا بلکہ تم چاہو تو اسے بھی الزام دے سکتی ہو کہ یہ کام اس کا ہے۔''

ماہا جی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ زرین نے مجھے گھورا۔ ''تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔'' میں نے اسے آنکھ ماری تو وہ مجبوراً چپ ہو گئی ورنہ مجھے لگ رہا تھا کہ وہ مایا اکرم چشتی کے بارے میں بھی زبان کھول دے گی۔ ماہا دل ناخواستہ مان گئی۔ وہ مجبور تھی انکار نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کا خدشہ دور نہیں ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم اس کے بارے میں جانتے نہیں ہو بڑا حرامی بندہ ہے۔ آنٹی رشید کے پاس دو بار میرے ساتھ رات گزار چکا ہے اور آج مجھے دیکھ کر رک گیا اور پھر یہاں تک آ گیا۔''

''تم فکر مت کرو میں اسے اپنی زبان میں سمجھاؤں گا تو یہ یہاں کا رخ نہیں کرے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''بس تم اپنی زبان اس معاملے میں بند رکھنا اور یہ پھر بھی تنگ کرنے آ جائے تو اکرم کو بتا دینا ہمارا ذکر کیے بغیر وہ خود اس کا بندوبست کر لے گا۔''

میں نے آدمی کا پرس چیک کیا اس میں اس کے شناختی کارڈ کے ساتھ ادارے کا کارڈ بھی تھا اور کوئی بیس ہزار کی رقم بھی تھی۔ جو ظاہر ہے اس کے لیے ریزگاری کے برابر تھی۔ اینٹی کرپشن کا آدمی اس قسم کے شوق اسی صورت میں رکھ سکتا ہے جب وہ اپنے عہدے کو کیش کرائے اور رشوت لینے والوں کے لیے اتنی رقم معمولی حیثیت رکھتی ہے۔ میں نے یہ نوٹ نکال کر ماہا جی کو تھما دیے۔

''یہ رکھ لو۔''

''نہیں۔'' اس نے سہمے انداز میں کہا۔

''ابھی آتے ہوئے تو تم اس سے کہہ رہی تھیں کہ تمہیں پیشگی ادا کرے بعد میں ہری جھنڈی نہ دکھا دے۔''

''وہ مذاق تھا میں نے بتایا نا اسے جانتی ہوں۔''

''تم فکر مت کرو یہ رقم بھی ہمارے کھاتے میں جائے گی یہ تم سے اس کا حساب لینے نہیں آئے گا۔'' میں نے اصرار کیا تو اس نے بیس ہزار روپے لے لیے اور جیسے ہی اس نے رقم ہاتھ میں لی میں نے اس کی کنپٹی پر پھر ہاتھ مارا اور وہ بے ہوش ہو کر لڑھک گئی۔ اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ میں اتنا مہربان ہونے کے بعد اس کے ساتھ یہ سلوک کروں گا۔ زرین کے لیے بھی یہ بات غیر متوقع تھی۔

''یہ کیا کیا؟''

''بے ہوش..... تاکہ یہ ہماری روانگی میں دخل اندازی نہ کرے۔'' میں نے اس کی نبض ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ''اب تم ذرا ہمت کرو اور چھت پر جا کر آس پاس کا معائنہ کرو کہ ہمارے دشمن ہیں یا دفع ہو گئے؟''

''اس میں ہمت کی کیا بات ہے؟''

''باہر سردی بہت ہو گئی ہے۔''

وہ ایک منٹ بعد آئی تو کانپ رہی تھی۔ ''تم نے ٹھیک کہا ہے باہر سردی بہت ہے لیکن ایک اچھی بات ہوئی ہے دھند مزید شدید ہو گئی ہے اور اگر ہم نکلیں گے تو کسی کی نظر میں نہیں آئیں گے۔''

میں نے بے ہوش مرد کے ہاتھ پاؤں ماہا جی کی شال کے ٹکڑے کر کے باندھے۔ اس کے کارڈ کے مطابق اس کا نام شاہین خان تھا۔ پہلے میں نے باہر جا کر گلی کا معائنہ کیا۔ واقعی دھند اتنی شدید ہو گئی تھی کہ دس فٹ سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ صورتِ حال اچھی تھی۔ میں نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا۔ یہ نئے ماڈل کی ہنڈا اکارڈ تھی۔ اس وقت اس کی قیمت دس لاکھ سے کچھ اوپر ہی تھی۔ اینٹی کرپشن کا ایک معمولی اہلکار ایسی قیمتی کار میں گھوم رہا تھا تو ملک میں کرپشن کی حالت کا اندازہ خود ہی لگایا جا سکتا ہے۔ میں اسے اٹھا کر لایا اور کار کے پچھلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حصے میں ڈال دیا۔ زرین فرنٹ سیٹ پر آئی اور میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ انجن اسٹارٹ کر کے میں نے سب سے پہلے فیول کا جائزہ لیا۔ ٹنکی تین چوتھائی بھری تھی۔ میں نے کار آگے بڑھا دی۔ ہیڈ لائٹس فل کرنے پر بھی دس گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا ایسے میں کار کو تیس میل سے اوپر نہیں چلایا جا سکتا تھا جب تک کوئی ہنگامی حالت نہ ہوتی۔ گلیوں سے میں سست روی سے گزر رہا تھا اور کسی بھی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ پستول میرے ہاتھ میں تھا اور رائفل میرے زانوؤں پر رکھی تھی۔ مین روڈ پر آنے کے بعد صورتِ حال بہتر ہوئی کیونکہ وہاں تیز روشنیاں جل رہی تھیں۔ زرین آگے پیچھے دیکھ رہی تھی۔

''شکر ہے یہاں کوئی نہیں ہے۔''

''لیکن میرا نہیں خیال ہے انہوں نے اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑا ہوگا۔'' دھند شیشے پر جم رہی تھی اسے صاف کرنے کے لیے میں نے وائپر چلا دیئے اور ساتھ ہی کار کا ہیٹر آن کر دیا۔ باہر ایسی سردی تھی جیسے درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے آ گیا ہو۔ کار فریز رہی ہوئی تھی ہیٹر چلا تو جان میں جان آئی۔ زرین نے پوچھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''فی الحال تو کہیں نہیں۔'' میں نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ابھی تک کوئی گاڑی نظر نہیں آئی تھی لیکن میرے اندر کہیں یہ بات موجود تھی کہ دشمن نے اتنی آسانی سے میری جان نہیں چھوڑی ہے کیونکہ میرے پیچھے فاضلی تھا اور وہ اب تک ملنے والے دشمنوں میں سب سے شاطر ثابت ہو رہا تھا۔ اگرچہ میں ابھی تک اس کے شر سے بچا ہوا تھا پھر اس نے عتیق کو مارنے کی کوشش کی تو وہ بھی ناکام رہی تھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ میں اب تک درست طور پر نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس نے مجھے اپنی صورت کیوں دکھائی تھی۔ جہاں تک تعاقب کر کے ہمارا ٹھکانہ دیکھنے کی بات تھی تو وہ خاموشی سے تعاقب کر کے بھی دیکھ سکتا تھا اور بعد میں اس پر دھاوا بھی بولا جا سکتا تھا۔ اس طرح مجھے خبردار کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟

میں نے مری روڈ کا رخ کیا ہوا تھا وہاں سے میں واپس گھوم کر عبداللہ کی کوٹھی کی طرف جا سکتا تھا۔ ذرا آگے جا کر یہ سڑک ایک کراسنگ سے گزر رہی تھی۔ جیسے ہی کار کراسنگ سے آگے آئی دائیں طرف سے کسی بڑی گاڑی کا انجن غرایا اور تیز ہیڈ لائٹس روشن ہوئیں۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں نے بے اختیار ایکسلریٹر دبا دیا۔ کار کی رفتار تیز ہوئی تو عقب سے آنے والی بڑی جیپ بھی تیزی سے پیچھے آئی۔ زرین نے بھی بھانپ لیا۔

''یہ شاید ہمارے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔''

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ اس وقت کار کی رفتار کوئی چالیس میل فی گھنٹہ تھی اور دھند دیکھتے ہوئے یہ رفتار بھی زیادہ تھی۔ مگر جیپ تیزی سے پیچھے آ رہی تھی۔ اس لیے مجھے رفتار بڑھانی پڑی تھی۔ رات کوئی ایک بجے سڑکیں سنسان تھیں اس لیے تیز رفتاری میں ٹریفک رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا لیکن سامنے سے اچانک کوئی گاڑی آ جاتی تو حادثے سے بچنا مشکل ہو جاتا کیونکہ سڑک ون وے تھی۔ میں نے کار کو ممکنہ حد تک بائیں طرف کر لیا۔ مری روڈ تک جانے سے پہلے میں اس جیپ سے جان چھڑا لینا چاہتا تھا۔ مگر اس سیدھی سڑک پر پیچھا کہاں چھڑاتا؟ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر میں رفتار بڑھاتا تب بھی اس جیپ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا تھا وہ رفتار میں کار سے کم نہیں تھی بلکہ شاید بہتر تھی۔ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا تھا کہ وہ مستقل کار کے قریب آ رہی تھی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کوشش کے باوجود درمیانی فاصلہ بڑھانے میں ناکام رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس سیدھی سڑک پر اس جیپ سے پیچھا چھڑانا بہت دشوار تھا مجھے لازمی کوئی اور راستہ پکڑنا تھا۔ میں نے آغاز میں غلطی کر دی تھی اور اسی سڑک پر نکل آیا تھا۔ حالانکہ مجھے آبادی میں سے گزر کر کوئی دوسری سڑک تلاش کرنی چاہیے تھی۔ اصل میں، میں نے پہلے یہ آبادی دیکھی ہی نہیں تھی اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس میں دوسری طرف سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں۔ شاید اسی وجہ سے میں نے لاشعوری طور پر اس طرف جانے سے گریز کیا تھا۔ اب مجھے خیال آ رہا تھا کہ میں نے غلطی کی ہے۔ میں نے پستول نکالتے ہوئے زرین سے کہا۔

''سیٹ بیلٹ باندھ لو۔''

''میرے خدا۔'' وہ کراہی لیکن اس نے سیٹ بیلٹ باندھ لی تھی۔ میں نے غیر محسوس انداز میں کار کی رفتار سُست کرنا شروع کی اور زرین کو اسٹیرنگ سنبھالنے کو کہا۔ ''کیا میں اسٹیرنگ پکڑوں؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔

''تو اور کیا کہہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور پاؤں سیٹوں کے درمیان پھنساتے ہوئے دروازہ کھول کر نصف جسم باہر نکالا۔ دروازوں کے درمیان والے حصے پر الٹا ہاتھ جماتے ہوئے میں نے جھک کر پستول سے جیپ کے اگلے ٹائروں کا نشانہ لیا اور پھر لگاتار فائر کرنے لگا۔ شور میں مجھے زرین کے چلانے کی آواز آئی تھی لیکن میں سمجھ نہیں سکا۔ البتہ خطرے کے احساس نے مجھے سیدھا ہونے پر مجبور کیا۔ میں نے پورا میگزین خالی کر دیا تھا اور مجھے اس کا نتیجہ بھی نہیں معلوم تھا۔ جیسے ہی میں اندر ہوا کوئی چیز پوری قوت سے کار کے کھلے دروازے سے ٹکرائی اور وہ ایک دھماکے سے بند ہوا۔ میں بال بال بچا تھا اگر مجھے سیدھا ہونے میں ایک سیکنڈ کے دسویں حصے کی دیر ہوتی تو دروازہ مجھے لگتا اور اگر میں بدستور باہر ہوتا تو دروازہ مجھے درمیان سے کاٹ کر رکھ دیتا۔ زرین ابھی تک چیخ رہی تھی اور اس نے اسٹیرنگ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

''پلیز چپ ہو جاؤ میں بچ گیا ہوں۔'' میں نے زور سے کہا تو وہ چونکی اور چلائی۔

''تم سن نہیں رہے تھے سامنے سے گاڑی آ رہی تھی۔''

''فائرنگ کے شور میں سنائی ہی نہیں دیا۔'' میں نے اسٹیرنگ سنبھالا اور عقب میں دیکھا۔ دروازہ کو ٹکر مارنے والی گاڑی تو غائب ہو چکی تھی لیکن جیپ بدستور پیچھے تھی اور اب ذرا محفوظ فاصلے پر چلی گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میری ایک گولی بھی نشانے پر نہیں بیٹھی تھی۔ میں کوئی اچھا نشانے باز نہیں تھا۔ میرے مقابلے میں وسیم کا نشانہ اچھا تھا اور بیتو کا بھی اچھا تھا۔ اس لیے جب کوئی گولی نشانے پر نہیں لگی تو مجھے تعجب نہیں ہوا تھا۔ ویسے بھی مجھے پستول سے نشانہ لینے میں ہمیشہ مشکل ہوتی تھی اس کے مقابلے میں رائفل سے میرا نشانہ کہیں بہتر تھا۔ کار کے دروازے کا یقیناً حشر ہو گیا تھا اور شاید اب اسے کھولنے میں بھی دشواری ہوتی۔ بہرحال میرا مقصد پورا ہو گیا تھا میں جیپ کو ذرا فاصلے پر رکھنا چاہتا تھا۔ وہ دور ہو گئی تھی اور اب مجھے کہیں سلپ ہونے کا موقع ملتا تو میں اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یہاں اسلام آباد میں گلیاں سیدھی اور بڑی ہیں اور ان میں کسی کو چکر دینا مشکل کام تھا میں اس بڑی جیپ کو صرف تنگ گلیوں والے کسی علاقے میں چکر دے سکتا تھا۔ زرین اب تک کانپ رہی تھی۔

''اللہ..... اگر تمہیں سیدھا ہونے میں ایک لمحے کی دیر ہوتی تو.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو کیا ہوتا؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''میرا سر۔'' وہ خفا ہوگئی۔ ''تمہیں احساس ہی نہیں ہے تم پر کتنا بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا ہے۔''

''لیکن ہوا تو نہیں ہے اور جو نہیں ہوا اس کا رونا رونے سے فائدہ۔''

اس نے منہ پھیر لیا گویا بالکل ہی خفا ہوگئی تھی۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''اسے چیک کرو یہ ہوش میں نہ آجائے۔ ابھی تو ایک ہی مصیبت پیچھے لگی ہے۔''

وہ مزید خفا ہوگئی۔ ''میں مصیبت ہوں؟''

''اوہ بابا تمہیں نہیں ان لوگوں کو کہہ رہا ہوں جو پیچھے ہیں۔''

اس نے مڑ کر اسے چیک کیا اور ٹٹولتے ہوئے بولی۔ ''یہ کیسے پتا چلے گا کہ یہ ہوش میں ہے یا نہیں۔''

یہ تو میں نے سوچا نہیں تھا کہ اگر وہ ہوش میں ہوا تو زرین کس طرح پتا چلائے گی کہ وہ ہوش میں ہے یا نہیں۔ اسے نبض سے یہ بات جاننا تو ایک طرف رہا نبض تلاش کرنی بھی نہیں آتی تھی لیکن اس نے معلوم کرلیا کہ وہ ہوش میں ہے یا نہیں۔ شاہین خان ہوش میں آگیا تھا اور دم سادھے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے جان لیا تھا کہ وہ کسی خطرناک آدمی کے ہاتھ لگ گیا ہے اس لیے مکر کیے پڑا تھا لیکن جب زرین اس کے پاس آئی تو اس کی عقل گھاس چرنے چلی گئی اور اس نے بے اختیار اسے دبوچ لیا۔ زرین نے چیخ ماری اور اپنے بازو اس سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اسے پچھلی نشست پر کھینچ رہا تھا۔ میں اس افتاد کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ زرین کی چیخ پر میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

''یہ ہوش میں ہے۔'' وہ بولی۔ ''مجھے پکڑ.....لیا ہے۔''

میں نے اسے واپس کھینچنے کی کوشش کی لیکن ڈرائیونگ کرتے ہوئے یہ کام مشکل تھا۔ میں نے کار کی رفتار کم کی اور زرین سے کہا۔

''پستول دے رہا ہوں اس حرامزادے کے سر میں سوراخ کردو۔''

میری دھمکی کا خاطر خواہ ردِعمل ہوا اور اس نے فوراً زرین کو چھوڑ دیا اور گھگھیائے انداز میں بولا۔ ''مجھ سے غلطی ہوئی پلیز مجھے گولی مت مارنا۔''

لیکن زرین اتنی مشتعل تھی کہ اس نے چھوٹتے ہی مجھ سے پستول مانگا۔ ''دو مجھے میں اسے شوٹ کردوں گی۔''

لیکن پستول کے بجائے میں نے اسے اسٹیرنگ تھما دیا اور خود گھوم کر پچھلی نشست کی طرف آیا۔ مجھے دیکھ کر شاہین خان اپنی جگہ سمٹ گیا تھا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا اور سر کی ایک بھرپور ٹکر اس کی پہلے سے زخمی ناک پر رسید کی تو وہ ایک آہ بھر کر دوبارہ بے ہوش گیا تھا اس نے نہ جانے کیسے اپنے ہاتھ پاؤں بھی کھول لیے تھے۔ میں واپس ڈرائیونگ پر آیا۔ زرین اب خوش تھی۔

''تم نے بالکل ٹھیک کیا اس عالم میں بھی بدمعاشی سے باز نہیں آیا تھا۔''

شاہین خان نے یقیناً اس کے ساتھ کچھ چھیڑ چھاڑ کی تھی جس پر وہ مشتعل تھی میں نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو وہ بہت دنوں تک اپنی ناک کو روتا رہے گا اگر زندہ بچ گیا تو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زرین چونکی۔ ''تم نے ایسا مارا ہے؟''

''نہیں یہ تو میں حالات کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ ابھی کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہم بھی بچتے ہیں یا نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ بی بی کہ میں نے پستول سے فائر کیے اور ممکن ہے وہ جواب میں بم ماریں اور ہم دوسری دنیا کو سدھار جائیں۔ جب ہم مریں گے تو یہ کیسے بچ سکتا ہے۔''

زرین نے پیچھے دیکھا۔ ''ویسے یہ ہے تو اسی قابل۔''

''سیٹ بیلٹ پھر باندھ لو۔'' میں نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ جیپ اب قریب آنے سے گریز کر رہی تھی۔ میں نے پستول میں دوسرا میگزین لگایا اور عقبی آئینے میں دیکھ رہا تھا کہ جیپ سے فائر ہوا اور گولی کار کی باڈی میں کہیں ٹن سے لگی۔ شاید ٹائر کا نشانہ لینے کی کوشش کی گئی تھی۔ زرین نے ہلکی سی چیخ ماری۔ میں کار لہرانے لگا اگرچہ اس دھند میں یہ بہت خطرناک ہو سکتا تھا۔ سامنے سے کوئی گاڑی اچانک آ جاتی تو بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس پہلے فائر کے بعد عقب سے رہ رہ کر فائر کیے جانے لگے اور یہ رائفل کی آواز تھی اور شاید اسلام آباد کا علاقہ ختم ہو گیا تھا اور یہ اسی وجہ سے اتنی بے فکری سے فائرنگ کر رہے تھے۔ اسلام آباد میں پولیس کا خوف ہوتا۔ کچھ دیر میں مری روڈ آ گئی اور میرا مری کی طرف جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے پہلے کٹ سے کار کو واپس شہر کی طرف موڑ لیا لیکن میں مری روڈ پر ہی رہا تھا۔ جیپ مستقل مزاجی سے پیچھے لگی تھی مری روڈ پر آنے کے بعد اس سے فائرنگ رک گئی تھی۔ کیونکہ یہاں ہائی وے پولیس ہوتی ہے۔ میں اب جیپ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اور اس سڑک پر یہ کام مشکل تھا۔ اس لیے جیسے ہی مجھے بائیں طرف ایک سڑک نکلتی نظر آئی میں نے کار اچانک اس پر موڑ دی۔ جیپ والوں کے لیے یہ غیر متوقع تھا۔ مگر اسے پیچھے آنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ میں نے زرین کی طرف دیکھا۔

''تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

مجھے معلوم تھا کہ اس سڑک پر آتے ہی وہ مجھے روکنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ زرین میری کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی اور مجھے جو کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔ میں نے رفتار کم کی اور اچانک بریک لگا کر کار اس طرح گھما کر روک لی کہ ڈرائیونگ سیٹ کا رخ جیپ کی طرف ہو گیا میں نے شیشہ پہلے ہی نیچے کر لیا تھا اور کار کے رکتے ہی جیپ کا نشانہ لے کر فائر کرنے لگا۔ میری کوشش تھی کہ اس کا کم سے کم ایک ٹائر برسٹ ہو جائے۔ جیپ پہلے بھی کچھ زیادہ دور نہیں تھی اور جب میں نے کار روکی تو وہ اور بھی پاس آ گئی تھی۔ جب میں نے فائرنگ شروع کی تو وہ مشکل سے تیس گز دور تھی اس کی رفتار بھی کم ہوئی اور جب فائرنگ کی تو اس کے ڈرائیور نے بریک لگا دی تھی۔ میں نے لگاتار فائر کرتے ہوئے ذہن میں گولیوں کا حساب بھی رکھ رہا تھا اور آخری دو فائر میں نے جیپ کی ونڈ اسکرین پر کیے جو بالکل سامنے آ گئی تھی۔ اس کے ساتھ میں نے کار کا ایکسلریٹر دبایا اور کار جست لگا کر سڑک سے اتر گئی۔ اگر اسے سڑک سے اترنے میں ایک لمحے کی تاخیر ہوتی تو جیپ اس سے ٹکرا جاتی۔ کار کچے میں گئی اور بری طرح اچھلنے لگی لیکن میں نے اس کی رفتار کم نہیں کی تھی۔ کیونکہ عقب سے فائرنگ کا شور سنائی دے رہا تھا۔ جیپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والوں نے خود کار رائفلوں کے منہ کھول دیئے تھے اور ان کی تعداد یقیناً تین تو تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ جیپ کا کیا حال ہوا تھا لیکن اس میں سوار لوگ بالکل محفوظ رہے تھے اس کا ثبوت ان کی طرف سے جوابی کارروائی تھی۔ میں کار کو قابو کرتے ہوئے سڑک پر واپس لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زرین سر کو دونوں ہاتھوں سے چھپاتے ہوئے آگے جھک گئی تھی۔ برسنے والی گولیوں میں سے کئی کار کی باڈی سے لگی تھیں لیکن معجزانہ طور پر اس کے ٹائر اور شیشے محفوظ رہے تھے۔ میں اپنے اوسان بحال رکھ کر کار کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو کئی بار تو الٹتے الٹتے بچی تھی۔ اس وقت بھاگ نکلنے کے چکر میں ایکسلریٹر پورا دبا رکھا تھا۔

پھر نہ جانے کیسے کار واپس سڑک پر آ گئی۔ اس وقت رکی جیپ کوئی سو گز پیچھے رہ گئی تھی لیکن اس کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ سڑک پر آتے ہی میں نے رفتار بڑھا دی کیونکہ اب بھی ہم فائرنگ کی زد میں تھے اور کسی وقت بھی کوئی گولی کام تمام کر سکتی تھی۔ سڑک پر آنے کے بعد رفتار کوئی پچاس میل فی گھنٹہ ہوئی تھی اور یہ کوئی زیادہ رفتار نہیں ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے ایک تو رات کا وقت تھا اور دوسرے دھند تھی۔ تیسری بدقسمتی اس گولی کی صورت میں نازل ہوئی جس نے دائیں طرف کا عقبی ٹائر پھاڑ دیا۔ کار بری طرح بے قابو ہوئی اور میں اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ الٹ گئی۔ میں نے اور زرین نے سیٹ بیلٹ باندھ رکھی تھی اس لیے ہم الٹنے پلٹنے سے محفوظ رہے تھے۔ مگر کار قلابازیاں کھا رہی تھی۔ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن جب ایک چھپاکا ہوا اور کار میں پانی بھرنے لگا تب پتا چلا ہم کسی جوہڑ یا نالے میں جا گرے تھے۔ اوسان بحال ہوتے ہی زرین نے چیخ ماری اور میں نے اپنی سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے کہا۔

''سیٹ بیلٹ کھولو۔''

''مجھ سے نہیں کھل رہی ہے۔'' اس نے کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں پستول اور رائفل تلاش کر رہا تھا۔ رائفل نہ جانے کہاں چلی گئی تھی لیکن خوش قسمتی سے پستول میری جیکٹ کی جیب میں تھا۔ اس کی طرف سے اطمینان کرنے کے بعد میں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ وہ تصادم کی وجہ سے تباہ ہو گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ شاید کھلنے سے انکار کر دے لیکن جب میں کوشش کی تو وہ کھل گیا اور فوراً ہی یخ بستہ پانی کا ریلا اندر آیا۔ زرین نے ایک چیخ اور ماری تھی۔ وہ اب تک اپنی بیلٹ نہیں کھول سکی تھی۔

''مجھ سے بیلٹ نہیں کھل رہی۔''

''آرام سے رہو میں دیکھتا ہوں۔''

میں نے کوشش کی اور اس کوشش میں کئی صبر آزما مرحلوں سے گزرنا پڑا کیونکہ اس کے جسم کو چھوئے بغیر اسے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ بیلٹ کھلی تو میں باہر آیا۔ یہاں پانی کوئی چار فٹ تھا اور یہ ایک برساتی نالہ تھا جس میں اچھا خاصا پانی بہہ رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ پہاڑوں میں کہیں بارش ہوئی تھی۔ شکر ہے کار پانی میں الٹی نہیں گری تھی ورنہ ہمارے لیے بچ نکلنا آسان نہ ہوتا نالے میں کوئی دو ڈھائی فٹ پانی بہہ رہا تھا جب کہ یہاں شدید دھند تھی۔ باہر آتے آتے ہم دونوں بری طرح بھیگ گئے تھے اور سردی سے برا حال تھا۔ زرین نے تو باقاعدہ کانپنا شروع کر دیا۔

''اف..... اتنی..... سر..... سردی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمت کرو ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔'' میں نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر نالے کی دیوار پر چڑھنا شروع کیا۔ میں نے لاشعوری طور پر مخالف سمت کا رخ کیا تھا۔ دشمن پیچھے تھے۔ ان کی گاڑی خراب ہوئی تھی لیکن وہ ٹھیک تھے اور سب دانتوں تک مسلح تھے۔ یقینی بات تھی کار کا حادثہ انہوں نے اگر دیکھا نہیں تھا تب بھی سنا ضرور ہوگا اور وہ اس طرف دوڑے آ رہے ہوں گے۔ میں ان کی آمد سے پہلے اس نالے سے نکل جانا چاہتا تھا اسی لیے بھیگ جانے کے باوجود یہاں سے نکلنے کی کوشش میں تھا۔ زرین کو کھینچنا پڑ رہا تھا۔ سردی کے موسم میں سرد پانی کتنی تیزی سے جسم کی حرارت کھا جاتا ہے اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتے ہیں جن کا ایسے حالات سے واسطہ پڑا ہو ایسا لگ رہا تھا جیسے ہاتھ پاؤں بے کار ہوئے جا رہے ہیں۔ ہم کسی نہ کسی طرح نالے کی دیوار چڑھ کر اوپر آ گئے تھے۔

''مجھ سے..... نہیں چلا جا رہا۔'' زرین لرزتے ہوئے بولی۔

''کیا تم پھر مرشد اور اس کے درندہ صفت آدمیوں کے ہاتھ آنا چاہتی ہو؟'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ زیادہ کانپ کر بولی۔ ''اس سے بہتر ہوگا تم مجھے یہیں گولی مار دو۔''

''اس سے بہتر یہ نہیں ہے کہ ہم دونوں جان بچانے کی کوشش کریں اور آخر تک مقابلہ کریں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے۔''

''بس تو چلنا شروع کر دو۔ چلو گی تو سردی کی شدت بھی کم ہو جائے گی۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ اسی لمحے نالے کے دوسری طرف سے کسی کے چلانے کی آواز آئی۔

''اوئے گڈی اتھے اے..... اوتھے کی ویکھ رہا اے۔''

''وہ آ گئے۔'' میں نے کہا اور زرین کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا وہ میرے ساتھ گھسیٹ رہی تھی۔ خود میری حالت بھی اچھی نہیں تھی لیکن ایک تو مجھے اس قسم کے حالات کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا۔ دوسرے میں مرد تھا اس لیے مجھے مجبوراً ہمت دکھانا تھی۔ دھند اور تاریکی میں راستے کا بالکل پتا نہیں چل رہا تھا اور ہم اندازے سے چل رہے تھے اس لیے ہر چند قدم کے بعد لڑکھڑاتے یا گرتے تھے۔ پیروں تلے موجود زمین سے انداز ہو رہا تھا کہ ہم کسی ڈھلوانی علاقے میں تھے جہاں زمین کی شکل قدرت تراشتی ہے اور اس میں قدرتی ناہمواری اور کھردرا پن تھا۔ زرین ہر کچھ دیر بعد اعلان کرتی تھی کہ اب اس سے نہیں چلا جا رہا ہے اور میں اسے بس چند قدم اور کا دلاسہ دے کر آمادہ سفر رکھتا تھا۔ اس طرح گرتے پڑتے اور رکتے ہوئے ہم اس جگہ سے خاصی دور نکل آئے تھے یعنی اتنی دور نکل آئے تھے کہ دشمن کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ دور ہو گیا تھا ممکن ہے وہ بنا آواز کے ہمارا تعاقب کر رہا ہو۔ کیونکہ گرنے اور لڑکھڑانے کے دوران میں زرین چیخ مارے بغیر نہیں رہتی تھی اور عین ممکن ہے یہ چیخیں تعاقب کرنے والوں کے لیے اس تاریکی میں مشعل راہ کا کام کر رہی ہوں۔ میں زرین کو چپ بھی نہیں کرا سکتا تھا وہ اس وقت اپنے پورے حواس میں ہی نہیں تھی اور پھر اچانک ہی وہ بوری کی طرح لڑھک گئی۔ اگر میں اسے پکڑ نہ لیتا تو وہ اس ڈھلان پر نہ جانے کہاں نکل جاتی جس پر ہم اتر رہے تھے۔

''زرین..... زرین۔'' میں نے اسے جھنجھوڑا پھر منہ پر ہلکے سے تھپڑ مارے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اس کا چہرہ برف کی طرح سرد ہو رہا تھا۔ سردی کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا تھا کہ دھند کا جو حصہ زمین پر گر رہا تھا وہ برف کی طرح جمتا جا رہا تھا اور ہمارے پیروں تلے کرچ کرچ کی آواز کر کے ٹوٹ رہا تھا۔ زرین مکمل طور پر بے ہوش ہو گئی تھی۔ اب اسے شانے پر اٹھائے بنا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ اسے اٹھا کر میں پھونک پھونک کر ڈھلان سے اترنے لگا کیونکہ اب گرنے بلکہ لڑھکنے کی گنجائش بھی نہیں تھی ہم گرتے تو بہت بری طرح گرتے۔

خدا خدا کر کے میں اس ڈھلان سے نیچے آنے میں کامیاب رہا اور اب ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ جنگل سے مراد یہ ہے کہ وہاں درخت تھے اور جنگل کے انداز میں تھے۔ میں ٹٹول ٹٹول کر راستہ بنا رہا تھا۔ اچانک میرے ہاتھ کے سامنے ایک دیوار آ گئی۔ یہ کچی مٹی سے بنی دیوار تھی۔ اس دیوار کو محسوس کر کے مجھے کتنی خوشی ہوئی تھی میں بتا نہیں سکتا تھا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور بالآخر ایک خلا تک پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا کہ یہ شاید دروازہ ہو گا لیکن گرے ملبے نے بتایا کہ یہاں سے دیوار ہی گر گئی تھی۔ میری خوشی ماند پڑنے لگی۔ کیا یہ کوئی ویران گھر تھا۔ میں ٹٹول کر احاطے کے اندر آیا۔ تب کسی قدر اندازہ ہوا کہ یہ واقعی ویران مکان تھا۔ احاطہ زیادہ بڑا نہیں تھا اور اس کے وسط میں ایک چھوٹی سی کچی کوٹھری بنی ہوئی تھی جس کے چاروں طرف صحن تھا۔ کوٹھری کا دروازہ ٹوٹ کر باہر جھول رہا تھا۔ یہاں دھند کی شدت کم تھی اس لیے اتنا تو نظر آ رہا تھا۔ میں زرین کو لیے ہوئے کوٹھری کی طرف بڑھا اور اسے دیوار کے ساتھ زمین پر لٹا دیا۔ پھر میں اندر داخل ہوا۔ میرے پاس روشنی کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا اس لیے مجھے جو دیکھنا تھا اپنے ہاتھوں کی مدد سے دیکھنا تھا۔

لیکن ہاتھ سے پہلے میرے پیروں نے دیکھ لیا۔ یہ ایک خستہ حال چارپائی تھی اور میں ٹکرا کر اس پر ڈھیر ہوا تو یہ ٹوٹ گئی تھی۔ سہارا لے کر بمشکل اس سے اٹھا تھا۔ پھر دیواروں کو ٹٹول رہا تھا کہ ایک طاق میں ہاتھ گیا اور اس سے ایک چیز آواز پیدا کرتی نیچے گری۔ میری باچھیں کھل گئی تھیں یہ ماچس کی آواز تھی۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر اسے تلاش کیا اور ہاتھ میں آتے ہی بیتابی سے ایک تیلی جلائی۔ روشنی کیسی نعمت ہوتی ہے اس کا صحیح معنوں میں اندازہ اس رات ہوا تھا۔ ایک معمولی سی تیلی نے کس طرح تاریکی کو روشنی میں بدل دیا تھا۔ میں نے اس روشنی میں کوٹھری کا معائنہ کیا۔

یہ بمشکل دس بائی دس فٹ کی کوٹھری تھی اور اس میں سوائے اس ٹوٹ جانے والی خستہ حال چارپائی کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے آس پاس دیکھا کہ روشنی کے لیے وہاں کچھ ہو لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔ البتہ کچی زمین پر خشک گھاس اور چند لکڑیاں پڑی تھیں۔ تیلی بجھ گئی تو دوسری جلائی اور جلدی سے کچھ گھاس ایک طرف جمع کر کے اسے آگ دکھائی۔ خشک گھاس نے فوراً آگ پکڑ لی پھر میں نے چند لکڑیاں آپس میں ملا کر مشعل بنائی اور اسے آگ دکھائی۔ جب یہ جل اٹھی تو اسے دیوار میں سوراخ میں لگا دیا۔ یہ کام کر کے میں باہر آیا جہاں زرین دیوار سے لگی بے سدھ پڑی تھی۔ اسے اٹھا کر اندر لایا اور احتیاط سے ٹوٹی چارپائی پر لٹا دیا۔ ذرا سی دیر میں اس کا چہرہ نیلا پڑ گیا تھا۔ اسے سردی لگ گئی تھی اور نمونیا بھی ہو سکتا تھا اور اسے حرارت پہنچانے کی اشد ضرورت تھی۔

چارپائی کے دو عدد پائے ٹوٹ گئے تھے اور میں نے ان کو آسانی سے چارپائی سے الگ کر لیا۔ پھر کوشش کر کے ان کے مزید دو ٹکڑے کیے اور گھاس جمع کر کے اسے آگ دکھائی اور اس پر ٹوٹے پائے ڈال دیئے۔ آگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو بجھنے سے روکنے کے لیے مجھے کوٹھری سے چن چن کر گھاس کے تنکے الاؤ میں ڈالنا پڑے تب کہیں جا کر لکڑی نے آگ پکڑی تھی۔ میں نے چارپائی کھینچ کر الاؤ کے قریب کر دی تا کہ زرین کو زیادہ سے زیادہ حرارت ملے۔ باہر سے آتی یخ ہوا کو روکنے کے لیے کوٹھری کا دروازہ کسی نہ کسی طرح اس کی چوکھٹ میں فٹ کر دیا تھا کہ نہ تو باہر سے ہوا آ سکے اور الاؤ کی روشنی بھی باہر نہ جا سکے۔ لکڑیوں کو صحیح سے آگ لگی تو کوٹھری اندر سے گرم ہونے لگی تھی۔ اس دوران میں، میں زرین کے ہاتھ اور پاؤں سہلاتا رہا تھا تا کہ اسے گرمائش پہنچے۔ اس کے چہرے کی نیلاہٹ کم ہوئی تھی لیکن وہ ہوش میں نہیں آ رہی تھی۔ اس کے کپڑے بہت زیادہ بھیگے تھے کیونکہ سوئیٹر اور لباس نے خاصا پانی جذب کر لیا تھا۔ میں نے اس کا سوئیٹر اتار دیا اور اسے الاؤ کے پاس چارپائی سے لٹکا دیا۔ اپنی جیکٹ اتار کر اسے خشک کرنے لگا۔ پتلون بھی بھیگ گئی تھی لیکن اسے نہیں اتار سکتا تھا۔ الاؤ کی گرمی اور میری کوشش رنگ لائی اور کچھ دیر بعد زرین کراہنے لگی۔ وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔

''زرین..... شاباش آنکھیں کھولو۔''

اس نے آنکھیں کھول دیں اور کچھ دیر مجھے غور سے دیکھتی رہی پھر اس نے پوچھا۔ ''ہم کہاں ہیں؟''

''ایک ویران مکان ہے یہاں بس یہی کوٹھری ہے۔ شاباش اٹھ کر آگ کے پاس آؤ تا کہ گرمائش مل سکے۔''

آگ کا سن کر وہ بے تابی سے اٹھی تھی۔ اس نے چارپائی سے جھک کر دونوں ہاتھ آگ کے اوپر کر دیئے۔ میں نے اس کے ہوش میں آنے پر سکون کا سانس لیا تھا اگر اب ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑتا تو زرین کو اٹھانے کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ اس بات کا بہت زیادہ امکان تھا کہ جس طرح ہمیں یہ مکان مل گیا تھا اسی طرح ہمارے دشمن بھی یہاں آ جائیں۔ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتے تھے۔ جیکٹ خشک کر کے میں نے قمیص اتاری اور جیکٹ پہن کر اسے خشک کرنے لگا۔ میں نے زرین کی طرف دیکھا۔

''سنو تم قمیص اتار کر سوئیٹر پہن کر اپنی قمیص خشک کر لو۔''

وہ ہچکچائی۔ ''نہیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔''

''نہیں یہ موقع ہے ممکن ہے ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑے اس لیے جو ہو سکتا ہے وہ کر لو میں دوسری طرف منہ کر لیتا ہوں۔''

میں نے دوسری طرف منہ کیا تو اس نے قمیص اتار کر کسی قدر سوکھ جانے والا سوئیٹر پہن لیا۔ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو ہنسی آ گئی۔ صرف سوئیٹر اور شلوار میں وہ عجیب سی لگ رہی تھی۔ وہ کھسیا گئی۔ ''ہنس کیوں رہے ہو، کیا بری لگ رہی ہوں؟''

''بری تو نہیں لیکن عجیب سی لگ رہو۔''

وہ خفا ہو گئی اور چپ کر کے قمیص خشک کرنے لگی۔ اس دوران میں میری قمیص خشک ہو گئی تھی میں نے اسے پہن لیا۔ اب صرف پتلون بھیگی ہوئی تھی اور وہ بھی آگ اور جسم کی گرمی سے کسی قدر خشک ہو چلی تھی۔ کچھ دیر میں اس نے قمیص خشک کر لی تو میں نے دوبارہ منہ پھیرا اور اس نے سوئیٹر تلے قمیص پہن لی۔ سردی کا اثر کم ہوا تو اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موڈ خوشگوار ہونے لگا۔

''شکر ہے یہ ٹھکانہ ملا ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا سردی کے ہاتھوں میری موت ہونے والی ہے۔''

''بس یہ اللہ کا احسان ہے وہ اپنے بندوں کا اتنا امتحان لیتا ہے جتنی ان میں برداشت ہوتی ہے۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔''میں نے دیکھا ہے تم اللہ کا بہت ذکر کرتے ہو۔''

''ہاں لیکن اتنا نہیں جتنا کرنا چاہیے۔''

''تم مذہبی خیالات رکھتے ہو۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔''شاید اسی لیے میری قربت تم پر اثر نہیں کرتی ہے۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔''کیا مطلب؟''

''میں تمہارے ساتھ ہوتی ہوں لیکن تم میری طرف توجہ نہیں دیتے ہو۔''

''توجہ سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''میرا مطلب ہے.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی پھر اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔''میں بتا نہیں سکتی لیکن بس اتنا کہہ سکتی ہوں کہ اگر میں کسی اور کے ساتھ ہوتی تو وہ مجھ سے یوں پیش نہ آتا۔''

''کیا تمہیں میرے رویے سے کوئی تکلیف ہے؟''

''نہیں.....نہیں مجھے تو تمہارا رویہ بہت اچھا لگتا ہے۔ سچی بات ہے تم میری جتنی عزت کرتے ہو میں خود کو اتنی عزت کے قابل نہیں سمجھتی ہوں۔ تم مردوں کی وہ قسم ہو میرا جس سے پہلی بار واسطہ پڑا ہے۔'' اس کا لہجہ کسی قدر تلخ ہو گیا تھا۔''ورنہ تم سے پہلے جو مرد ملے.....''

''فی الحال اس بحث کو یہیں چھوڑ دو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ درحقیقت میں بور ہو رہا تھا۔ وہ پہلے بھی کئی بار اس قسم کی باتیں کر رہی تھی۔ اصل بات یہ تھی اس سے میرا رویہ ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس بے نیازی کی عادی نہیں تھی۔ کوئی عورت نہیں ہوتی ہے خاص طور سے جب وہ زرین کی طرح حسین اور دل کش بھی ہو۔ ممکن ہے وہ عام حالات میں مجھے ملی ہوتی تو میں اسے اتنی آسانی سے نظر انداز نہیں کر پاتا لیکن اس وقت میں جن حالات سے گزر رہا تھا اس کی طرف توجہ دینا ممکن نہیں تھا۔ وہ غور سے میرے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا کہ مجھے بے وقت کی راگنی اچھی نہیں لگی ہے۔

''شاید تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگی۔''

''زرین تم میرے لیے عورت سے زیادہ ایک مخلص ساتھی ہو جیسے بیتو ہے یا عبداللہ ہے یا میرے دوسرے ساتھی ہیں اور میں تم کو ایک ساتھی کے طور پر دیکھتا ہوں۔ اگر تمہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے تو میں صرف معذرت کر سکتا ہوں۔''

اس نے سر جھکا لیا۔ پھر اس نے سسکی لی تو میں چونکا۔''تم رو رہی ہو..... کیوں؟''

''میرے مقدر میں ہی رونا ہے۔'' اس نے بے دردی سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔''شاید تم بھی بے زار ہوتے جا رہے ہو؟''

''اوہ بی بی۔'' میں نے زچ ہو کر کہا۔''یہ کون سا موقع ہے اس بحث کا جب کہ دشمن پاگل کتے کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماری تلاش میں ہے۔"

اس بار وہ چپ ہوگئی۔ پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی اور اس نے مجھ سے کون کون سی توقعات وابستہ کر لی تھیں جب کہ میں اسے کئی بار بتا چکا تھا کہ میں اسے عورت کی نظر سے دیکھتا ہی نہیں ہوں۔ پھر وہ بار بار یہ موضوع کیوں چھیڑ دیتی تھی؟ شاید وہ اپنی نسوانی فطرت سے مجبور تھی جو مرد کی توجہ حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔ اس میں جنس کے جذبے کا لازمی عمل دخل نہیں ہوتا ہے۔ ایک بیٹی اپنے باپ کی ایک بہن اپنے بھائی کی اور ایک ماں اپنے بیٹے کی توجہ بھی اسی طرح چاہتی ہے۔ جیسے ایک عورت ایک چاہنے والے مرد کی توجہ چاہتی ہے۔

○.....❖.....○

لکڑیاں اب انگاروں میں بدل رہی تھیں لیکن انہوں نے کچھ دیر کے لیے کوٹھری میں حرارت بھر کر ہمیں زندگی بخش دی تھی اور ہم پھر سے جی اٹھے تھے۔ گرمی نے ہمارے لباس تقریباً خشک کر دیئے تھے۔ صرف میری پتلون کے پائنچے ذرا نم رہ گئے تھے۔ میں نے جوتے اور موزے اتار کر خشک کر لیے تھے۔ دیوار میں لگی مشعل بھی بجھنے کے قریب تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی صبح کے چار بج رہے تھے لیکن سردی کے دن تھے اس لیے سورج کوئی ساڑھے سات بجے نمودار ہوتا اور دھند کی وجہ سے روشنی نو بجے سے پہلے نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے انگاروں کی طرف دیکھا۔ یہ زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی گھنٹے میں ٹھنڈے پڑ جاتے۔ میں نے چارپائی کا جائزہ لیا اور پھر اس کا ایک پایہ الگ کیا لیکن یہ مضبوط تھا اور اس کے ٹکڑے کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے اسے سالم ہی انگاروں پر رکھ دیا دوسرا پایہ الگ کرنے سے چارپائی کی چوکھٹ زمین سے لگ گئی اور اب اس پر بلا خوف و خطر لیٹا جا سکتا تھا۔ میں نے زرین سے کہا۔

"تم کچھ دیر آرام کر لو۔"

"اور تم؟"

"میں سوچ رہا ہوں باہر کا ایک چکر لگا آؤں ممکن ہے دشمن آس پاس ہو اس صورت میں ہم یہیں گھر سکتے ہیں۔ تم ذرا دروازہ پکڑ کر رکھنا ورنہ اندر کی ساری گرمی نکل جائے گی۔"

میں نے دروازہ کھول کر زرین کو پکڑا دیا۔ اس نے اسے بند کر دیا۔ باہر آتے ہی لرز اٹھا تھا۔ شکر ہے اب کپڑے خشک تھے ورنہ پھر سے برا حال ہو جاتا۔ میں نے دبے قدموں احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چکر لگا اور سن گن لینے کی کوشش کی کیونکہ نظر تو کچھ نہیں آ رہا تھا۔ احاطے اور اس کے آس پاس سوائے مچھروں اور دوسرے رات کو الاپ کرنے والے کیڑوں کی آوازوں کے کوئی آواز نہیں تھی۔ میں واپس آ گیا۔ "فی الحال خطرہ نہیں ہے، تم کچھ دیر کے لیے سو جاؤ۔" میں نے دروازہ فکس کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے نیند نہیں آئے گی۔" زرین چارپائی پر لیٹ گئی۔

"سونے کے بجائے جسم اور ذہن کو آرام پہنچانے کی کوشش کرو۔"

اس نے یہی کیا تھا نتیجے میں کچھ ہی دیر میں اس کے سریلے خراٹے سنائی دینے لگے۔ میں الاؤ کے پاس بیٹھ گیا۔ دوسرے پائے نے آگ پکڑ لی تھی اور اس کے پاس سے حرارت کی فرحت بخش لپٹیں آ رہی تھیں۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے علاوہ ایک پایہ اور بھی تھا اور ان کی مدد سے ہم رات سکون سے گزار سکتے تھے۔ بشرطیکہ دشمن دخل در نامعقولات کر کے ہمیں اس پناہ گاہ سے بے دخل نہ کر دیتا۔ میں نے دیوار سے ٹیک لگا لی اور سر گھٹنوں میں دے کر آرام کرنے لگا۔ پھر شاید مجھے بھی نیند آ گئی تھی یا یہ غنودگی تھی۔ میں کچھ دیر کے لیے آس پاس سے بے خبر ہو گیا تھا۔ اچانک میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں چونک کر بیدار ہو گیا۔ شاید میں نے کوئی آہٹ سنی تھی۔ الاؤ جل رہا تھا میں نے تیزی سے اس پر مٹی ڈالی اور آگ بجھ گئی لیکن انگاروں کی مدہم روشنی باقی تھی میں نے تیزی سے آگے ہو کر زرین کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا۔ وہ تڑپ کر جاگ گئی تھی۔

''آرام سے۔'' میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''آواز مت نکالنا یہاں کوئی ہے۔'' میں نے اس کا منہ چھوڑا تو وہ بولی۔

''کون ہے؟''

''باہر کوئی ہے۔'' میں نے کہا اور دبے قدموں دروازے تک آیا۔ اس سے لگ کر میں نے سانس روک لی اور اپنی تمام تر توجہ سماعت پر لگا دی۔ اس کا صلہ بھی فوری ملا۔ باہر کسی نے بہت آہستہ سے کچھ کہا۔ آواز انسان کی تھی۔ جملے غیر واضح تھے لیکن اس سے یہ ثبوت مل گیا کہ میری چھٹی حس نے ٹھیک خبردار کیا تھا۔ زرین اٹھ کر میرے ساتھ آ کر کھڑی ہو گئی اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''میرا خیال ہے وہ اندر ہیں؟'' اس بار الفاظ سنائی دیئے۔

''ابھی دیکھ لیتے ہیں۔'' دوسرے آدمی نے کہا تو میں نے زرین کو کوٹھری کے گوشے میں دھکیل دیا اور پستول نکال لیا۔ موقع کی نزاکت دیکھ کر وہ کونے میں دبک گئی تھی۔ میں آنے والوں کے استقبال کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ حسب توقع ان میں سے کسی نے دروازے کو لات ماری اور وہ سیدھا الاؤ کے اوپر جا پڑا۔ اس کے تلے انگاروں کی روشنی دب گئی تھی۔ یہ رحم اور مروت کا موقع نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ آگے کیا اور سامنے والے کو شوٹ کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اسے گولی کہاں لگی تھی لیکن اس کی چیخ میں موت کا کرب رچا ہوا تھا۔ اس کے گرتے ہی میں نے عقب میں اس کے ساتھی پر لگاتار دو فائر کیے اور اس کی ہلکی سی کراہ سنائی دی وہ واپس بھاگا تھا۔

میں گولیاں ضائع نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ آخری میگزین تھا۔ یہ ختم ہو جاتا تو میں خالی ہاتھ رہ جاتا۔ بھاگنے والے نے ذرا پیچھے جا کر دروازے کی طرف اندھا دھند فائرنگ کی تھی۔ اس نے اپنے ساتھی کی پروا بھی نہیں کی تھی۔ جب اس نے فائرنگ روکی تو میں نے بیٹھ کر لاش ٹٹولی اور اسے اندر کھینچ لیا۔ اس کے لباس کی تلاشی لی۔ جلد مجھے مطلب کی چیز مل گئی یہ ایک عدد ریوالور اور اس کی گولیوں کا پاؤچ تھا۔ میں نے اسے نکال لیا۔ مزید تلاشی لی تو ایک عدد ٹارچ بھی مل گئی۔ میں نے ٹارچ کا منہ اپنی ہتھیلی سے دبایا اور بٹن دبایا تو وہ روشن ہو گئی۔ اس کے ساتھی کے پاس پستول تھا۔ جس جیب میں ٹارچ تھی اسی سے اس کا پرس بھی ملا تھا یہ سب میں نے جیکٹ میں رکھ لیا۔ اب مجھے اس کے ساتھی کی فکر تھی کہ وہ کہاں تھا اور اس نے خود اپنی نشانی دہی کر دی۔

''اوئے جیرے۔'' کسی نے دور سے چلا کر کہا۔ ''فائر کس نے کیتے؟''

''جیرا مارا گیا ہے۔'' اس کے ساتھی نے چلا کر کہا اور مجھے اس کی کمین گاہ کا پتا چل گیا۔ میں نے پستول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس طرف سیدھا کیا اور باقی گولیاں اس پر چلا دیں۔ تیسری چوتھی گولی پر اس کی کرب ناک چیخ سنائی دی۔ میں نے زرین کو پکارا۔

"آجاؤ..... یہاں سے نکلنا ہے۔"

وہ بھاگ کر آئی اور ہم کوٹھری سے نکل آئے۔ میں نے ٹوٹی دیوار کا رخ کرنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ اس کے بجائے میں نے سامنے والے رخ سے پہلے زرین کو دیوار پر چڑھایا اور پھر خود بھی کود کر دوسری طرف آ گیا۔ میں نے ٹارچ روشن نہیں کی تھی کیونکہ آس پاس آہٹیں بتا رہی تھیں کہ دشمن کے مزید آدمی آ گئے تھے۔ روشنی کرنے کا مطلب ان کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا میں نے آہستہ سے زرین سے کہا۔ "میرے پیچھے رہو اور کوئی آواز مت نکالنا۔"

گزشتہ چند گھنٹے کے تجربات سے زرین نے بہت کچھ سیکھا تھا اور اب وہ سنبھل کر اور دبے قدموں چل رہی تھی سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس نے اپنی آواز کو قابو میں رکھا تھا۔ میرا بازو پکڑنے کے باوجود وہ کئی مقام پر لڑکھڑائی تھی اور مجھے لگا تھا کہ وہ ابھی چیخ مارے گی لیکن اس نے خود پر قابو رکھا اور کوئی آواز نکالنے سے گریز کیا۔ واحد سوال اس نے میرے کان میں گھس کر یہ کیا تھا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"مجھے بھی نہیں معلوم۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

کچھ دیر بعد ہم درختوں میں تھے اور یہاں سفر کرنا آسان تھا کیونکہ درختوں کو سہارے کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا تھا اور سنبھل کر قدم بڑھائے جاتے تو منہ کے بل گرنے کا امکان کم تھا۔ دھند تو شاید کم ہوئی تھی لیکن کہرا گر رہا تھا۔ ہمارے لباس کا اوپری حصہ بھیگتا جا رہا تھا۔ مگر یہ بارش میں بھیگنے سے مختلف تھا۔ اس کا اثر ہمارے جسموں تک نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد زرین نے کہا۔ "ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم بلندی کی طرف جا رہے ہیں۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ واقعی ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم بلندی کی طرف جا رہے ہیں۔ ہم مارگلہ کے پہاڑوں سے زیادہ دور نہیں تھے اور ممکن ہے یہ بھی مارگلہ کا کوئی حصہ ہو۔ اس پہاڑی سلسلے نے اسلام آباد اور راولپنڈی کو کسی سانپ کی طرح اپنے بلوں میں جکڑ رکھا تھا اور یہ کئی جگہوں پر موجود تھا۔ درحقیقت یہ پورا علاقہ کسی قدر میدانی ہے اور یہاں پہاڑ صرف مارگلہ کے ہیں ورنہ اصل پہاڑی سلسلے تو آگے ملتے ہیں جن میں ہزارے کا پہاڑی علاقہ اور پھر مری کی پہاڑیاں ہیں۔ مارگلہ کی وجہ سے ہی اسلام آباد کا موسم خوش گوار ہے۔ یہ جنوب کی گرم میدانی ہواؤں سے اس خطے کو بچاتے ہیں اور ان پہاڑوں کی وجہ سے یہاں بارش کا تناسب بھی زیادہ ہے۔ عین اسلام آباد میں دامن کوہ سے اوپر چلے جائیں تو تقریباً تیرہ سو میٹرز کی بلندی پر گرمی میں بھی موسم بہت خوش گوار ملتا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی نے ان پہاڑوں پر اثر ڈالا ہے اور اب یہ پہلے کی طرح سرسبز اور شاداب نہیں رہے ہیں۔ پھر تعمیراتی کاموں کے لیے ان سے پتھر بھی نکالے جاتے ہیں اور بے گھر افراد نے چٹانیں کاٹ کر ان میں گھر بھی بنا لیے ہیں۔

شاید میں اصل موضوع سے بھٹک کر کہیں اور نکل گیا کیونکہ میں خود بھٹک رہا تھا۔ اس وقت پانچ بج رہے تھے صرف بیس منٹ پہلے ہم سکون سے ایک [illegible] رہے تھے اور اب سردی میں بھٹکتے پھر رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ سمت اور منزل کا کچھ نہیں پتا تھا اور معلوم نہیں تھا کہ کس طرف جا رہے ہیں۔ اب ڈھلان واضح ہو گئی تھی۔ ہم واقعی بلندی کی طرف جا رہے تھے اور یہ تشویش ناک بات تھی کیونکہ بلندی کی طرف جانے کا مطلب تھا زیادہ سردی کا سامنا کرنا لیکن ہم واپس نہیں جا سکتے تھے کیونکہ مرشد کے آدمی یقینی طور پر ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ میری رہی سہی خوش فہمی اس وقت دور ہو گئی تھی جب وہ اس کچے مکان تک چلے آئے تھے۔ فاضلی بڑی ہوشیاری سے اپنے آدمیوں سمیت میرے پیچھے تھا۔ مجھے یقین تھا وہ اس وقت بھی ہمارا پیچھا کر رہا ہوگا۔ اس میں چالاکی کے ساتھ صبر اور حوصلہ بھی تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس جیسا شخص مرشد جیسے گھٹیا آدمی کا گرگا بنا ہوا تھا۔ جو انسانوں کو تو دھوکا دے رہا تھا۔ نعوذ باللہ بزعم خود خدا کو بھی دھوکا دے رہا تھا۔ اس کی ایک ہی وجہ میری سمجھ میں آتی تھی کہ مرشد کے پاس دولت کی طاقت تھی اور وہ فاضلی جیسے لوگوں کی خدمات حاصل کر سکتا تھا۔

''میں تھک گئی ہوں۔'' زرین نے آہستہ سے کہا۔

''ابھی چلتی رہو کیونکہ اس تاریکی میں ہم ان سے جتنا دور نکل جائیں اچھا ہے روشنی میں ان کی نظر میں آنے کا امکان ہوگا۔''

''میں سمجھتی ہوں لیکن مجھے لگ رہا ہے جیسے میرے پیروں میں اب جان باقی نہیں رہی ہے۔'' وہ تھکے لہجے میں بولی۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی وہ ایک نازک عورت تھی جس کا اس قسم کی بھاگ دوڑ سے ایک ہی بار واسطہ پڑا تھا اور وہ بھی جب میرے ساتھ مرشد کی کوٹھی سے فرار ہوئی تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ کچھ دیر کے لیے رک جائیں۔

''ٹھیک ہے لیکن ہم دس منٹ رکیں گے اور اپنا سانس بحال کرنے کے لیے جان بوجھ کر تیز اور گہرے سانس لو اس سے تھکن جلد اتر جائے گی۔''

د۔ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس طرح سانس لینے لگی جیسے پرانی فلموں میں ہیروئن بلا وجہ محض جذبات ظاہر کرنے کے لیے گہرے گہرے سانس لیتی تھیں۔ پانچ منٹ میں اس کی حالت بہتر ہو گئی تھی اور اس نے خوش ہو کر کہا۔ ''تم نے بہت اچھا طریقہ بتایا ہے۔ اب میں بہت کم تھکن محسوس کر رہی ہوں۔''

''اگر انسان درست انداز میں سانس لیتا رہے تو اسے تھکن بہت کم محسوس ہوتی ہے۔ اب تم چلنے کے دوران میں بھی اسی طرح سانس لیتی رہنا۔ اس سے تھکن کم ہوگی۔''

''ٹھیک ہے۔''

''بس تو پھر اٹھ جاؤ۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ہم پھر چلنے لگے۔ مجھے خیال آیا کہ ہم خاصی دور نکل آئے تھے اور دشمن آس پاس نہیں تھا اگر میں ٹارچ روشن کر لیتا تو ہم راستہ بہتر طور پر دیکھ کر تیز رفتاری سے چل سکتے تھے۔ میں نے ٹارچ روشن کر لی۔ اس کی روشنی محدود کرنے کے لیے میں نے اس کے آگے ہاتھ رکھ لیا تھا اور انگلیوں سے تھوڑی سی روشنی نکل رہی تھی۔ جس سے سامنے زمین نظر آ رہی تھی اب ہم بہتر چلنے لگے۔ زرین نے عقب سے کہا۔ ''شکر ہے تم نے روشنی کی لیکن یہ ٹارچ کہاں سے آئی؟''

''مرنے والے کی جیب سے نکلی تھی۔''

''شہباز جب تم مجھ سے بات کرتے ہو یا کوئی سلوک کرتے ہو تو تمہارے انداز میں اتنی نرمی ہوتی ہے لگتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی نہیں ہے کہ تم کسی کے ساتھ ذرا سا بھی برا سلوک کر سکو گے لیکن جب دشمن سے نمٹتے ہو تو ایسے درشت بن جاتے ہو کہ مجھے بھی تم سے خوف آنے لگتا ہے۔ تم نے کتنے آرام سے ان دونوں کو مار دیا۔''

''تم میری دوست ہو اور وہ میرے دشمن تھے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''دوست اور دشمن سے سلوک میں فرق تو فطری بات ہے یہ تمہیں عجیب کیوں لگ رہا ہے؟''

''بس جب میں تمہارا یہ رویہ دیکھتی ہوں تو مجھے عجیب ہی لگتا ہے۔''

''یہ شاید میری قسمت بھی ہے کیونکہ ہر شخص کو وہ سب دیکھنے کو نہیں ملتا ہے جو مجھے دیکھنے کو ملتا ہے اور نہ ہی مجھ جیسے حالات سب کو پیش آتے ہیں۔''

صبح ہونے کے ساتھ ساتھ دھند کی شدت میں کمی آ رہی تھی اور اس کی سیاہی اب سفیدی میں بدلنے لگی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حدِ نظر بہتر ہوئی تھی۔ روشنی کے باوجود چند گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب چھ بجنے والے تھے۔ چلتے رہنے سے سردی کا احساس کم ہوا تھا۔ پھر بھی ہم ٹھٹھرے جا رہے تھے۔ مگر جب نالے میں گر کر بھیگے تھے تب کے مقابلے میں حالت بہت بہتر تھی۔ زرین میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے چلنے کے دوران میں گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس لیے اب اسے پہلے جیسی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن وہ اس مسلسل سفر سے بے زار ضرور ہو گئی تھی اس نے پوچھا۔ ''ہم کب تک چلتے رہیں گے؟''

''جب تک کسی منزل تک نہ پہنچ جائیں۔'' میں نے منطقی جواب دیا۔ ''ویسے تم کیا چاہتی ہو؟''

وہ رک کر ایک درخت سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگی۔ ''میں چاہتی ہوں کہ مجھے ایک کمرہ اور ایک گرم بستر مل جائے اور میں اس پر لیٹ کر کبھی نہ اٹھنے کے لیے سو جاؤں۔''

''یہ تو موت کی خواہش ہے۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

''ہاں اتنا کچھ دیکھ لیا ہے کہ اب بس موت باقی رہ گئی ہے۔''

''ہر مصیبت زدہ یہی سمجھتا ہے کہ اس نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے اور اب صرف موت باقی ہے۔'' میں نے ایک اور سچائی بیان کی۔ ''میرا خیال ہے جلد تمہاری یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔''

وہ چونکی۔ ''موت کی؟''

''نہیں گرم بستر کی۔'' میں نے چلنا شروع کر دیا۔ ''چلو کیونکہ یہ خواہش صرف چلنے سے پوری ہو گی۔''

اس وقت ہم شاید تین ہزار فٹ کی بلندی کے آس پاس تھے کیونکہ یہاں برف نظر آ رہی تھی شدید سردی میں ان پہاڑوں پر بھی برف باری ہوتی ہے لیکن یہ ہر سال نہیں ہوتی ہے تین چار سال بعد ہوتی ہے۔ اس سال سردی غیر معمولی تھی اس لیے اس بلندی پر برف پڑی تھی۔ یہ برف شاید چوبیس گھنٹے کے دوران پڑی تھی کیونکہ اس بلندی پر برف زیادہ دیر نہیں رہتی ہے اور سورج کی روشنی میں فوراً ہی پگھل جاتی ہے۔

''گرم بستر نہ سہی موت ہی آ جائے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

''اتنی مایوسی اچھی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''انسان کو ہر حال میں مثبت انداز میں سوچنا چاہیے۔''

''سب تمہاری طرح مضبوط نہیں ہوتے ہیں۔''

میں نے ایسے ہی ایک بات کہی تھی اور مجھے اندازہ نہیں تھا کہ منہ سے نکلی یہ بات جلد اسی طرح پوری ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گی۔ ساڑھے چھ بجے کے قریب روشنی نمودار ہونے لگی تھی اور اب کسی قدر نظر آ رہا تھا میں نے ٹارچ بند کر دی کیونکہ احتیاط کے باوجود اس کی روشنی کو دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس جگہ درخت فطری انداز میں لگے تھے اور یہاں انسانوں کی مداخلت کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ گویا ہم سچ مچ کے جنگل سے گزر رہے تھے۔ مارگلہ کے بہت سارے حصے آباد ہیں لیکن اس کے بہت سارے حصے غیر آباد بھی ہیں خاص طور سے جو شہر سے دور ہیں وہ زیادہ تر ویران ہیں۔ ان پہاڑوں میں اسلام آباد بننے سے پہلے بہت سارے گاؤں تھے جو اب رفتہ رفتہ ختم ہوتے جا رہے ہیں یا شہری آبادی ضم ہو چکے ہیں۔ روزگار کی نوعیت کی تبدیلی نے بہت ساری آبادیوں کو ختم کر دیا ہے۔

''یہ آواز کیسی ہے؟'' زرین نے کہا۔

میں خیالوں میں گم تھا اس لیے میں سن نہیں سکا تھا اس لیے جب اس نے توجہ دلائی تو میں چونکا۔ کان لگانے پر واقعی ایک گنگناتی آواز محسوس ہوئی اور چند لمحوں میں دماغ نے اس آواز کو شناخت کر لیا۔ میں نے کہا۔

''یہ کسی گاڑی کی آواز ہے۔''

''اور پاس ہی کوئی سڑک بھی ہے۔'' زرین جوش سے بولی۔

''سڑک کا تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''کسی گاڑی کے انجن کی اتنی ہموار آواز صرف سڑک پر ہوتی ہے۔''

اس نے ٹھیک کہا تھا۔ ''واہ تم نے ذہانت کی بات کی ہے۔ آؤ اب دیکھتے ہیں کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔''

آواز اوپر سے آ رہی تھی۔ ہم تیزی سے آگے بڑھے۔ کچھ آگے گئے تو درخت چھدرے ہونے لگے تھے اور ان کی جگہ جھاڑیاں نمودار ہو رہی تھیں۔ زمین بھی ہموار ہونے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد ہم ایک سڑک کے کنارے تھے۔ پہاڑوں میں بل کھاتی یہ سڑک نشیب سے آ رہی تھی اور بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آگے کون سا پہاڑی مقام تھا لیکن نیچے یہ سڑک یقینی طور پر اسلام آباد یا راولپنڈی جاتی تھی۔ میں نے زرین کی طرف دیکھا۔

''مبارک ہو کم سے کم ایک سڑک تو ملی۔''

وہ کراہی۔ ''اب اس پر چلنا پڑے گا۔''

''تب ہی تو اپنی منزل تک پہنچیں گے۔ گرم بستر والی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''کہیں دشمن اس سڑک پر گھات لگا کر نہ بیٹھا ہو۔''

اس کی بات قابلِ غور تھی لیکن اس وجہ سے ہم یقیناً یہاں پہاڑوں میں بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ ''ہمیں نیچے جانا ہے۔'' میں نے کہا اور سڑک پر مارچ شروع کر دی۔ وہ میرے پیچھے لپکی۔

''اے رکو..... اس طرح کہاں بھاگ رہے ہو؟''

''بھاگ کہاں رہا ہوں۔'' میں نے اسی طرح لمبے ڈگ بھرتے ہوئے کہا۔ ''اسے چلنا کہتے ہیں۔''

وہ جھنجھلا گئی۔ ''تمہارے لیے کہتے ہوں گے مجھے تو بھاگنا پڑ رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھی بات ہے اس طرح تمہارے جسم میں گرمی آئے گی۔''

''تب تم چلتے رہو۔'' وہ سڑک کے کنارے ایک گرے درخت کے تنے پر بیٹھ گئی۔ ''میں یہیں رکتی ہوں۔''

میں اچھے موڈ آ گیا تھا۔ ''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی..... گھر پہنچ کر اسی پتے پر خط لکھ دوں گا۔''

میرا خیال تھا کہ مجھے آگے جاتا دیکھ کر وہ اٹھ کر آ جائے گی لیکن وہ بیٹھی رہی۔ میں رکا تھا اسی لمحے سامنے سے ایک گاڑی نمودار ہوئی۔ جب وہ پاس آ گئی تب اس کی آواز آئی تھی اور صورت بعد میں دکھائی دی۔ نیچے شاید ہمیں اسی گاڑی کی آواز آئی تھی۔ یہ جدید قسم کی بڑی اور لگژری کار تھی۔ میں نے جیکٹ کی جیب میں ریوالور پر گرفت مضبوط کر لی۔ اگرچہ اس کا امکان کم تھا کہ فاضلی اور اس کے ساتھی ایسی لگژری کار میں ہمیں تلاش کریں لیکن امکان تو تھا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے نتیجے میں کار کی رفتار کم ہوئی اور پھر وہ پاس آ کر رک گئی۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ کا شیشہ نیچے ہوا اور اس میں سے ایک ادھیڑ عمر لیکن مہذب اور پڑھے لکھے نظر آنے والے شخص نے میری طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے نوجوان؟''

''سر ہمیں لفٹ چاہیے میں اور میری بیوی رات سے اس علاقے میں بھٹک رہے ہیں ہماری کار ایک نالے میں گر گئی تھی۔''

''تمہاری بیوی؟'' اس نے آس پاس دیکھا۔ اسی لمحے اس کی نظر سامنے سے آتی زرین پر گئی۔ کار دیکھ کر وہ اٹھ آئی تھی۔ ''اوہ آئی سی..... میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''ہمیں اسلام آباد جانا ہے۔''

''سوری میں وہیں سے آ رہا ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے آگے جانا ہے۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''یہ سڑک ایبٹ آباد کی طرف جاتی ہے مری اور دوسرے علاقوں سے بھی لنک کرتی ہے۔ اسی پر میری کوٹھی ہے اور میں وہاں جا رہا ہوں۔''

میں مایوس ہوا۔ ''یعنی آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔''

''نہیں میں اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں اور بعد میں میرا ملازم تم کو ذرا آگے ایک بازار تک چھوڑ دے گا وہاں سے تمہیں اسلام آباد جانے کے لیے ٹیکسی یا پرائیویٹ کار مل جائے۔''

''آپ کی کوٹھی کتنی دور ہے؟''

''یہاں سے کوئی آدھے گھنٹے کی مسافت پر ہے اور بازار اس سے پندرہ منٹ کی مسافت پر ہے۔''

میں نے ذہن میں حساب کتاب کیا۔ صبح کے سات بجے اور اس موسم میں اس سڑک پر کوئی اور سواری ملنا مشکل تھا اور ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں آئے تھے ممکن تھا کہ فاضلی اور اس کے آدمی یہاں بھی ہمیں تلاش کر رہے ہوں۔ اس لیے میں نے ایک یقینی نظر آنے والے موقع کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح ہمیں جانے اور واپس آنے میں کوئی دو ڈھائی گھنٹے لگ سکتے تھے لیکن ہم آرام سے واپس آ سکتے تھے اور ہمیں اس موسم میں یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھٹکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے کہا۔ ''میں شکر گزار ہوں گا سر اگر آپ ہمیں لفٹ دے سکیں۔''

''تب آ جاؤ۔'' اس نے بٹن دبا کر دوسرے دروازے اَن لاک کر دیئے۔ میں اس کے برابر آ گیا اور زرین پیچھے بیٹھ گئی۔ اس نے شیشہ بند کیا تو اندر ہیٹر کی حرارت بھرنے لگی اور چند سیکنڈ کے اندر درجہ حرارت بہت خوش گوار ہو گیا تھا۔ یہ واقعی بہت لگژری اور آرام دہ کار تھی۔ مرد نے قیمتی اوورکوٹ پہن رکھا تھا اور وہ یقیناً دولت مند آدمی تھا۔

''سوری میں نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔ مجھے ڈاکٹر توفیق شاہ کہتے ہیں۔''

''شہباز احمد اور یہ میری مسز ہیں۔'' میں نے کہا۔

اس نے عقبی آئینے میں دیکھا اور مسکرایا۔ ''تم یقیناً خوش قسمت ہو ینگ مین، میں نے بہت کم لوگوں کی بیویوں کو اتنا خوب صورت پایا ہے۔''

وہ یقیناً مغربی انداز کا پروردہ تھا جس کے نزدیک دوسرے کی بیوی کے حسن کی تعریف کرنا بھی اخلاق میں شامل ہے۔ میں بھی اخلاقاً مسکرایا۔ ''ہاں اس لحاظ سے میں خوش قسمت ہوں۔''

زرین جس نے ڈاکٹر کی بات پر برا سا منہ بنایا تھا میری بات پر کھل اٹھی۔ ڈاکٹر توفیق اس پہاڑی سڑک پر بہت احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا اور اس کی ساری توجہ سڑک پر تھی اگرچہ وہ مجھ سے بھی بات کر رہا تھا۔ ''کیا کرتے ہو؟''

''ایک ٹریولنگ ایجنسی چلاتا ہوں۔'' میں نے اپنا پرانا کاروبار بتایا۔

''اس موسم میں کہاں نکلے ہوئے تھے؟''

''دھند کی وجہ سے راستہ بھٹک کر غلط سڑک پر نکل گئے تھے پھر حادثہ پیش آ گیا اور اس کے بعد دیر تک جنگل میں بھٹکتے رہے۔''

''سردی بہت تھی حیرت ہے تم لوگ ٹھیک ٹھاک لگ رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے تم دونوں میں سردی برداشت کرنے کی صلاحیت ہے۔''

''شاید آپ ہمارا طبی تجزیہ کر رہے ہیں؟'' میں ہنسا۔

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ درست ہے..... آج کل ہمارے لوگوں کی قوتِ مدافعت بہت کم ہو گئی ہے خاص طور سے موسم کی سختی برداشت کرنے کی صلاحیت کم ہو گئی ہے۔ میں نے یہاں بہت کم لوگوں کو صحت کے معیار پر پورا اترتے پایا ہے۔''

''آپ کی باتوں سے لگتا ہے کہ آپ کہیں باہر سے آئے ہیں؟''

اس نے تعریفی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے ینگ مین..... میں چار سال پہلے ہی آیا ہوں۔''

''جنرل ڈاکٹر ہیں؟''

''نہیں وائرولوجی کا ماہر ہوں۔ یہاں صحت کے پروجیکٹس پر کام کر رہا ہوں۔''

''میرا خیال ہے ہماری حکومت کو اس قسم کے ماہرین کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے سادہ سے لہجے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کہا۔

وہ مسکرایا۔ ''درست کہہ رہے ہو لیکن میں حکومت کے لیے نہیں صحت سے متعلق ایک غیر ملکی این جی او کے پروجیکٹ پر یہاں کام کر رہا ہوں۔''

''اب مجھے حیرت ہے کسی غیر ملکی این جی او کو ہماری صحتوں سے کیا دلچسپی پیدا ہو گئی ہے؟''

''اصل میں یہ این جی او یہاں موجود ایسے وائرسز پر تحقیق کر رہی ہے جو یہاں بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔''

''یعنی آپ ان بیماریوں کا توڑ تلاش کر رہے ہیں؟''

''بالکل۔''

''اس کے بعد اس توڑ کو کسی بین الاقوامی دوا ساز ادارے کو فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی بنی مہنگی دوائیں یہاں بکیں گی؟''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اگر ایسا بھی ہے تو اس میں کیا برائی ہے بے شک مہنگی سہی لیکن مرض کی دوا تو ملے گی۔''

''اس میں واقعی خرابی تو کوئی نہیں سوائے اس کے کہ کہیں یہ وائرس مغرب کی کسی تجربہ گاہ میں جنم لے کر تو یہاں نہیں آیا ہے؟''

وہ ہنس دیا۔ ''ینگ مین لگتا ہے تم ہالی ووڈ کی اس موضوع پر بنائی جانے والی فلمیں شوق سے دیکھتے ہو ریزڈینٹ ایول فیم ٹائپ؟''

''میں نے ایسی کوئی فلم نہیں دیکھی ہے لیکن میں مغربی ذہنیت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔''

''ہم بہر حال ایسا نہیں کر رہے ہیں۔'' اس نے بات ختم کرنے کے انداز میں کہا۔ پھر اس نے سامنے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ''اگر تم کبھی میری لیب میں آؤ تو میں تمہیں دکھاؤں گا کہ ہم کس طرح کام کرتے ہیں۔''

میں نے اس سے کارڈ لیا جس پر ایک دائرہ بنا تھا اور اس دائرے کو متعدد لکیروں نے کراس کیا تھا۔ اس پر صرف ڈاکٹر توفیق کا نام اور اس کا موبائل نمبر لکھا تھا۔ میں نے اسے جیب میں رکھ لیا۔ ''میں کوشش کروں گا۔''

''تمہیں وائرولوجی سے دلچسپی ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے سچائی سے کہا۔ ''لیکن اس بارے میں تھوڑا بہت پڑھا ہے۔''

''آنے والی دنیا میں یہ اہم ترین مضمون ہو گا اور وہی ملک سپر پاور بنے گا جو اس علم میں سب سے زیادہ ماہر ہو گا یا جس کے پاس اس علم کے سب سے زیادہ ماہر ہوں گے۔''

''صحت سے متعلق ایک مضمون سے کسی ملک کے سپر پاور بننے کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔''

''وائرس۔'' اس نے پُر خیال انداز میں کہا۔ ''وائرس مستقبل میں سب کچھ ہوں گے۔ یہ توانائی پیدا کریں گے۔ یہ ہمارا برقی نظام چلائیں گے۔ یہی الیکٹرانک نظاموں اور خاص طور سے نیٹ ورکنگ پر انحصار کرنے والی چیزیں چلائیں گے جیسے انٹرنیٹ اور موبائل سروس وغیرہ..... یہ ہمارے لیے انزائم بنائیں گے یہ دوائیں بنائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔''

''اور بذات خود یہ تباہ کن ہتھیار ہوں گے۔'' میں نے اس کی بات مکمل کی۔ ''حیرت ہے آپ نے وائرس پر تحقیق کے اس شعبے کا ذکر تو کیا ہی نہیں جس پر نام نہاد امن پسند اور انسانی حقوق کے علم بردار ممالک اربوں ڈالرز خرچ کر رہے ہیں۔''

''کیونکہ میں وائرس کے اس استعمال کو پسند نہیں کرتا ہوں۔'' اس کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔

''آپ کے پسند یا ناپسند کرنے سے یہ حقیقت بدل نہیں جائے گی ڈاکٹر۔ وائرسز پر تحقیق کا نوے فیصد حصہ ان خفیہ پروجیکٹس کی صورت میں ہے جنہیں مغربی حکومتیں براہِ راست مدد دے رہی ہیں اور ان میں کام کرنے والے لوگ بھی ان کے اصل مقاصد سے بے خبر ہیں۔''

اس نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''تم کہہ رہے ہو تم نے اس بارے میں بہت تھوڑا سا پڑھا ہے۔''

''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں تم نے ٹھیک کہا ہے لیکن ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔''

''یہی تو مصیبت ہے ہم کچھ کر نہیں سکتے حد یہ کہ ان لوگوں کو آئینہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ ہمارے اندر اتنی جرأت نہیں ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا۔'' وہ بولا اور پھر موضوع بدل دیا۔ ''لو ہم پہنچنے والے ہیں۔''

تب میں نے پہلی بار دیکھا ہم خاصی بلندی پر آ گئے تھے اور یہاں ہر طرف برف بکھری ہوئی تھی۔ دیودار اور چیڑ کے بلند قامت درخت تھے جن کی شاخیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یہاں سڑک تنگ تھی اور بار بار بل کھا رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم چھ ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر آ گئے تھے۔ ڈاکٹر کی گاڑی بہت طاقتور خاص پہاڑی سڑکوں پر خراب موسم میں سفر کے لیے موزوں تھی۔ اس لیے اس میں سفر کا پتا ہی نہیں چلا تھا یہاں آبادی نہیں تھی اور نہ ہی راستے میں کوئی بازار نظر آیا تھا۔ گویا یہ سڑک آباد علاقوں سے کٹ کر گزر رہی تھی۔ لازمی بات تھی یہاں ذرائع زندگی کی دستیابی بھی مشکل تھی لیکن ڈاکٹر دولت مند آدمی تھا وہ یہاں تمام سہولتیں مہیا کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے ہم چھ ہزار فٹ کی بلندی تک آ گئے ہیں؟''

ڈاکٹر توفیق نے تصدیق کی۔ ''یہاں بلندی چھ ہزار دو سو فٹ ہے اور میری کوٹھی اس سے مزید دو فٹ بلند ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے اچانک کار پہاڑ کی طرف گھمائی۔ پہلے تو ایسا لگا جیسے کار ڈھلان پر چڑھ جائے گی لیکن پھر مختصر سی سڑک نظر آئی جو اوپر جا رہی تھی اور اس پر پرائیویٹ کی تختی لگی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس سڑک کے دونوں طرف خاردار تاریں لگی ہیں۔ ڈاکٹر نے میری توجہ نوٹ کر لی تھی اس نے وضاحت کی۔

''یہاں اکثر جانور آ جاتے تھے جو کئی بار میری یا کسی دوسرے کی گاڑی تلے آ کر کچلے گئے ان کو روکنے کے لیے یہ باڑھ لگائی گئی ہے۔''

کچھ دیر میں کار ایک گیٹ کے سامنے رکی۔ فولادی گیٹ بند تھا۔ ہارن کی آواز پر ایک شخص نے چھوٹی سی کھڑکی سے باہر جھانکا اور پھر خود نکل کر باہر آیا۔ ڈاکٹر نے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا اور مسلح گارڈ نے جھک کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی صورت دیکھ کر اطمینان کیا تھا۔ اس دوران میں ڈاکٹر نے گیٹ کھولنے سے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ گارڈ واپس گیا اور اس نے گیٹ کھول دیا۔ یہ کسی برقی طریقے سے کھلنے والا گیٹ تھا۔ جس کا کنٹرول گارڈ کی چھوٹی سی چوکی میں تھا۔ جو گیٹ کے ساتھ ہی تھی۔ سردی کی وجہ سے گارڈ نے مکمل گرم لباس پہن رکھا تھا۔ کار اب ایک پتھریلی سڑک پر سامنے موجود چھوٹی سی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے کہا۔

''آپ کا گارڈ زیادہ ہی محتاط ہے آپ کو دیکھے بغیر اس نے دروازہ نہیں کھولا۔''

''ہاں اس کا کام یہی ہے۔ صرف کار سے پتا نہیں چلتا کہ اندر کون ہے۔'' اس نے کار پورچ میں روک دی۔ کوٹھی احاطے سے مزید بلند تھی اور اس کے چاروں طرف صنوبر، چنار اور چیڑ کے درخت لگے تھے۔ کوٹھی کی عمارت بہت بڑی نہیں تھی اور شاید کل دو سو مربع گز پر پھیلی ہوئی تھی۔ جب کہ کوٹھی کا احاطہ کم و بیش ایکڑ رقبے پر محیط لگ رہا تھا۔ یہ جگہ اسلام آباد سے کوئی ایک گھنٹے کی مسافت پر تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ ڈاکٹر توفیق روز اسی طرح آتا جاتا تھا اور اس وقت وہ کہاں سے آ رہا تھا۔ بہر حال یہ اس کا ذاتی مسئلہ تھا۔ اس نے ہمیں یہاں تک لفٹ دے دی تھی ہمارے لیے یہی کافی تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''لفٹ کا بہت شکریہ..... آپ مہربانی کر کے ہمیں بازار بھجوا دیں۔''

''اتنی جلدی کیا ہے۔ تم دونوں میرے ساتھ ناشتہ کر کے جاؤ گے۔'' اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میں بھی نیچے اتر آیا تھا۔ ''آپ کی اتنی مہربانی کافی ہے۔ آپ اجازت دیں۔''

''او کے اگر تم ناشتہ نہیں کرنا چاہتے تب بھی میرے ساتھ ایک کپ کافی تو لینا ہو گی۔''

اس نے کافی کا نام لے کر مجھے لپکا دیا تھا۔ رات بھر دھکے کھانے اور سردی برداشت کرنے کے بعد کافی کا نام ایسا نہیں تھا جسے نظر انداز کیا جا سکتا۔ پھر ڈاکٹر مجھے عام آدمی لگا تھا اور مجھے اس سے خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا اس لیے میں مان گیا۔ ''آپ نے کیا کہہ دیا ہے اب رکنا پڑے گا۔''

وہ ہنسا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا تم کافی کے شوقین ہو ویسے زیادہ دیر نہیں لگے گی اور میرا کک کافی کا جواب بناتا ہے آؤ اندر۔''

وہ ہمیں لے کر عمارت میں داخل ہوا جو باہر کی سردی کے مقابلے میں اندر سے گرم تھی ایسا لگ رہا تھا یہاں گرمائش کا مرکزی نظام لگا ہوا تھا۔ عمارت بہت آراستہ اور جدید انداز کی تھی۔ داخلی دروازے کے ساتھ ہی ایک چھوٹی نشست گاہ تھی۔ ڈاکٹر ہمیں وہیں لے آیا۔ اس نے پہلی بار غور سے ہمیں دیکھا۔ ہمارا حلیہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

''لگتا ہے رات تم لوگوں نے برا وقت گزارا ہے۔ اگر تم چاہو تو ری فریش ہو سکتے ہو۔''

''اگر منہ ہاتھ دھونے کو مل جائے تو۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

زرین نے جھرجھری لی۔ ''لیکن پانی گرم ہو اتنی سردی میں، میں سرد پانی سے منہ نہیں دھو سکتی۔''

''آپ بے فکر رہیں مسز شہباز۔'' ڈاکٹر توفیق نے مہذب لہجے میں کہا۔ ''یہاں آپ کو تمام سہولتیں میسر ہوں گی۔ واش روم یہ برابر میں ہے۔'' اس نے کمرے میں موجود ایک چھوٹے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ دونوں ری فریش ہو جائیں تب تک میں کافی بنوا لیتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ہمیں وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ لیڈیز فرسٹ کے اصول کے تحت زرین پہلے گئی تھی۔ وہ کوئی پانچ منٹ بعد آئی تو تر و تازہ اور خوش لگ رہی تھی۔ ''بہت صاف ستھرا واش روم ہے اور تمام چیزیں بھی ہیں میں نے تو کپڑوں پر لگی مٹی بھی صاف کر لی ہے۔''

''میں ابھی آتا ہوں۔'' میں نے واش روم کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔ رات بھر سردی میں بھٹکنے سے دوسرے کچھ مسائل بھی پیدا ہو گئے تھے ان کو حل کر کے طبیعت کو بڑی فرحت ملی تھی۔ پھر گرم پانی سے منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں لباس اور سر کے بال بھی صاف کر لیے۔ وہاں لیکوڈ واش کی سہولت بھی تھی۔ اس سے آسانی رہی تھی۔ جب میں باہر آیا تو سچ مچ خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت میں ڈاکٹر کا بہت شکر گزار تھا۔ اگر وہ ہمیں باہر سے رخصت کر دیتا تو یہ سہولت کئی گھنٹے بعد ملتی۔ زرین صوفے پر بیٹھی وہاں میز پر رکھے میگزینز میں سے ایک کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ یہ انگریزی کے مختلف میگزین تھے جو حالات حاضرہ سے لے کر سائنس تک کے بارے میں تھے۔ زرین نے مجھے دیکھا تو میگزین رکھ دیا۔

''شکر ہے ہمیں ڈاکٹر مل گیا ورنہ ویسے ہی حلیے میں پھر رہے ہوتے۔''

میں بھی صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ ''ہاں یہ ہے لیکن ابھی واپسی کا کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے سا سفر ہے اس کے بعد ہی کہیں جا کر سکون کا سانس ملے گا۔''

''ممکن ہے یہ ہمیں یہاں روک لے۔'' زرین نے امید سے کہا۔ ''کچھ دیر آرام کر لیں تو پھر سکتے ہیں۔''

''اتنا پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے اسے گھورا۔ ''تم بھول رہی ہو کہ میں نے تمہیں بیوی ظاہر کیا ہے اور یہاں رکنے کی صورت میں یہ ہمیں ایک ہی کمرہ دے گا۔''

''تو کیا ہوا؟'' اس نے شوخی سے کہا۔ ''کیا ایک کمرے میں تمہیں کچھ ہو گا۔''

''احتیاط بہتر ہے بی بی۔'' میں نے شانے ہلائے۔

''کیوں کیا میں تمہیں کھا جاؤں گی۔'' وہ خفا ہو گئی۔

میں مسکرایا۔ ''نہیں ایسی بات تو نہیں ہو لیکن کسی عقل مند نے کہا ہے ایسی حسین عورت سے اکیلے میں ڈرنا چاہیے جب وہ آپ کے ساتھ اکیلے رہتے ہوئے نہ ڈرے۔''

اس نے منہ بنایا۔ ''وہ عقل مند نہیں کوئی احمق ہو گا۔''

''درست فرمایا وہ عقل مند یہ خاکسار ہی ہے۔''

اس سے پہلے میں کچھ کہتا ڈاکٹر توفیق اندر آ گیا۔ اس نے اوور کوٹ اتار دیا تھا اور اس وقت نفیس قسم کے تھری پیس سوٹ میں تھا۔ ''میں نے کافی کا کہہ دیا ہے۔ کچھ دیر ہو گی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''دس پندرہ منٹ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''میرا تو مشورہ ہے کہ آج رک جاؤ کیونکہ ابھی موسم کی رپورٹ دیکھی ہے۔ اس سارے علاقے پر گہرے بادل ہیں اور کسی وقت بھی برف باری شروع ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں کوئی ٹیکسی والا جانے کو تیار نہیں ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو بری خبر ہے۔'' میں نے فکر مند ہو کر کہا۔ ''لیکن ہم کوشش کریں گے۔''

''ڈاکٹر۔'' زرین نے پہلی بار اسے مخاطب کیا تو اس کے ساتھ میں بھی چونک گیا۔ ''آپ کی رہائش یہاں ہے اور کام اسلام آباد میں ہے تو آپ روز کیسے آتے جاتے ہیں۔ خاص طور سے جب موسم خراب ہو۔''

وہ مسکرایا۔ ''اچھا سوال ہے مسز شہباز..... اس کا جواب میری گاڑی ہے یہ خاص طور سے ایسے علاقوں میں سفر کے لیے بنائی گئی ہے اور یہ برف پر بھی چل سکتی ہے۔ اس لیے خراب ترین موسم میں بھی مجھے یہاں آنے جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ہے۔''

''شہر سے اتنی دور رہنے کی وجہ؟''

''مجھے یہ جگہ اچھی لگتی ہے۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔ ''ورنہ خوب صورت تو اسلام آباد بھی ہے۔''

سفید لباس میں ملبوس ایک صاف ستھرا شخص کافی کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آیا اس کا لباس جدید شیف انداز کا تھا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی۔ ٹرے میں کافی کے تمام تر لوازمات تھے۔ ایک چھوٹی ٹرے میں سینڈوچز بھی تھے ڈاکٹر نے معذرت کرنے کے انداز میں کہا۔ ''تم نے ناشتے سے منع کر دیا تھا اس لیے میں نے سینڈوچز بنوا لیے۔''

شیف نے پلیٹوں میں سینڈوچز سرو کیے اور جب میں نے پہلا سینڈوچ کھایا تو مجھے احساس ہوا کہ میں کس قدر بھوکا تھا۔ اس کے بعد میں بلا تکلف پلیٹ صاف کر گیا میں نے زرین کے گھورنے کی پروا بھی نہیں کی تھی۔ خود اس نے بھی تین چوتھائی پلیٹ صاف کر دی تھی۔ شیف وہیں موجود تھا اس نے سکون سے انتظار کیا اور جب ہم نے پلیٹیں واپس رکھیں تو اس نے کافی سرو کی۔ ڈاکٹر نے سینڈوچ نہیں لیے تھے لیکن اس نے کافی لی تھی۔ سینڈوچز اچھے خاصے تھے اور ان کو کھا کر پیٹ کافی حد تک بھر گیا تھا۔ خاص طور سے زرین کی آنکھوں میں نیند کا خمار بھی آ گیا تھا۔ خود میں بھی سستی محسوس کر رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کافی لے کر سستی دور ہو جائے گی۔ پہلے گھونٹ نے بتا دیا تھا کہ کافی نہایت اعلیٰ درجے کی تھی اور بنائی بھی بہترین تھی۔ میں نے تعریف کی تو ڈاکٹر توفیق خوش ہو گیا۔

''میں اسپیشل منگواتا ہوں۔ یہ نیس کیف کا لگژری برانڈ ہے عام مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہوتا ہے۔ خاص گاہکوں کو براہِ راست فراہم کیا جاتا ہے۔''

شیف کافی دے کر رخصت ہو گیا تھا۔ گفتگو پھر موسم کی طرف مڑ گئی تھی اور ڈاکٹر توفیق نے دوبارہ تجویز پیش کی۔ ''تم دونوں یہاں رک کیوں نہیں جاتے، میرے پاس ایک اضافی بیڈ روم ہے اور اتفاق سے اس میں ڈبل بیڈ ہے۔''

میں ہچکچایا۔ ''آپ کو زحمت ہو گی۔''

''بالکل بھی نہیں بھلا مجھے کیوں زحمت ہونے لگی اگر تم دونوں ایک آدھ دن یہاں رک جاتے ہو۔''

میں سوچ میں تھا کہ زرین نے کہا۔ ''اگر ڈاکٹر اتنے اصرار سے کہہ رہے ہیں تو رک جاتے ہیں۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا کیونکہ اس نے ڈاکٹر کو شروع میں ناپسند کر دیا تھا اور اب وہ اس کی بات کی حمایت کر رہی تھی۔ جب کہ میں یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے بہانہ کیا۔ ''ہمارے پاس کپڑے نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔"

"کپڑے بھی یہاں مل سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا۔ "تمہارا اور میرا سائز ایک ہی ہے اس لیے چل جائیں اور ان کو شاید میری وائف کے کپڑے آ جائیں۔"

"آپ کی وائف؟..... وہ یہاں نہیں ہیں؟" زرین نے پوچھا۔

"نہیں اپنے ماں باپ کے گھر کراچی گئی ہیں میری سسرال وہیں ہوتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "تو آپ دونوں رک رہے ہیں جب تک موسم بہتر نہیں ہو جاتا؟"

میں نے سر ہلا دیا۔ "ٹھیک ہے ہم موسم بہتر ہونے تک یہاں رک جاتے ہیں۔"

"گڈ۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "میں آپ کے لیے بیڈ روم کھلوا دیتا ہوں۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے زرین کی طرف دیکھا۔ "ہم یہاں کیوں رک رہے ہیں؟"

"اس نے اتنے خلوص سے کہا ہے۔"

میں قائل ہو گیا واقعی ڈاکٹر توفیق نے بہت خلوص سے کہا تھا پھر مجھے خیال آیا۔ "لیکن ہمیں ایک ہی بیڈ روم میں رہنا ہو گا۔"

"تو کیا ہوا؟" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "ہم کوئی نوعمر تو نہیں ہیں جو تنہائی پا کر بہک جائیں۔ اور کیا کل رات ہم اس کوٹھری میں اکیلے نہیں تھے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب میں نے اپنا لباس بھی اتار دیا تھا۔"

میں خفیف ہو گیا۔ "یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔"

"کیوں کیا غلط کہہ رہی ہوں۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ "جب میں قمیص اتار رہی تھی اور تم نے منہ دوسری طرف کر لیا تھا تو تمہارے دل میں خیال آیا تھا کہ میری طرف دیکھو۔"

میں بوکھلا گیا تھا۔ "بالکل بھی نہیں..... اور پلیز اب چپ کر جاؤ اگر کسی نے سن لیا تو جان جائے گا ہم میاں بیوی نہیں ہیں۔"

وہ شرارتی انداز میں ہنس کر چپ ہو گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس قسم کی گفتگو کیوں کر رہی تھی۔ یہ ٹھیک ہے وہ مجھ سے قریب تھی اور کسی قدر کھل کر بات بھی کر لیتی تھی لیکن اس وقت اس کا انداز بہت زیادہ کھلا ہوا تھا۔ وہ صوفے سے سر ٹکا کر نیم دراز ہو گئی۔ "مجھے تھکن محسوس ہو رہی ہے۔"

گزشتہ رات کی بھاگ دوڑ اور بے آرامی کے بعد بہترین ناشتہ، کافی اور ایک آرام دہ بستر کا آسرا پا کر آدمی کو تھکن ہی محسوس ہو سکتی تھی۔ مگر وہ جس طرح لیٹی تھی اس کا جسم نمایاں ہو رہا تھا میں نے اس پر سے نظر ہٹا لی۔ خود میں بھی تھکن محسوس کر رہا تھا لیکن اب مجھے فکر ہو رہی تھی کہ اس کے ساتھ ایک ہی کمرے میں سونا پڑے گا۔ چند منٹ بعد ڈاکٹر توفیق اندر آیا۔

"آ جاؤ میں نے بیڈ روم کھلوا دیا ہے۔ میرا خیال ہے تم دونوں تھک گئے ہو؟"

مجھے ذرا خفت ہوئی تھی کیونکہ ڈاکٹر کو دیکھ کر بھی زرین نے اپنا انداز تبدیل نہیں کیا تھا اور اسی طرح نیم دراز رہی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "زرین آؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کاہلی سے اٹھی اور جسم کھولنے کے انداز میں انگڑائی لی۔ ڈاکٹر کچھ دیر کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا تھا اور مجھے زرین پر غصہ آنے لگا وہ کیوں ایسی حرکتیں کر رہی تھی۔ اسے احساس نہیں تھا کہ اس نے چست سوئیٹر پہن رکھا تھا جس میں اس کا شباب بہت نمایاں تھا۔ پھر ڈاکٹر نے اس پر سے نظریں ہٹالیں۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ ہمیں نشست گاہ سے باہر راہداری میں لایا اور جہاں راہداری بائیں طرف مڑ رہی تھی وہیں بیڈ روم تھا۔ یہ خاصا پُرتعیش اور سجا ہوا بیڈ روم تھا جس پر درمیانے سائز کا ڈبل بیڈ تھا اور اس پر ڈبل پلائی کا ایک ہی بڑا سا کمبل پڑا تھا۔ اندر کا درجہ حرارت موزوں تھا اس لیے یہ کمبل بھی کام دیتا، مسئلہ یہ تھا کہ کمبل ایک ہی تھا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''تمہارے لیے اپنا ایک سلیپنگ سوٹ نکالا ہے اور ان کے لیے اپنی وائف کا نائٹ سوٹ نکالا ہے کیونکہ گھر میں پہننے والے سارے کپڑے میری وائف اپنے ساتھ لے گئی ہیں اور اب اس کے صرف پارٹی ڈریس ہیں۔''

''کوئی بات نہیں ویسے بھی ہمیں سونا ہے۔'' زرین نے بے تکلفی سے کہا۔ ''نائٹ سوٹ بھی چلے گا۔''

''میں ابھی لاتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

''زرین یہ تم کیا کر رہی ہو؟'' ڈاکٹر کے جاتے ہی میں نے اس سے دانت پیس کر کہا اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''کیا کر رہی ہوں؟''

''تم نے اس کے سامنے انگڑائی لی کیا کوئی عورت کسی غیر مرد کے سامنے اس طرح کرتی ہے۔''

''سوری مجھے خیال نہیں رہا۔'' وہ شرمندہ ہوگئی۔

''او کے..... اب خیال رکھنا کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے اسے شک ہو جائے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے فرماں برداری سے کہا تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ شاید رات بھر کی بھاگ دوڑ، سردی اور پھر تھکن نے اس کے ذہن پر اثر ڈالا تھا اور وہ کچھ دیر کے لیے بے خود ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر ڈریسنگ ٹیبل پر دو عدد شب خوابی کے لباس لے آیا۔ وہ اس نے ایک طرف دیوار کے ساتھ ہینگ کر دیئے اور بولا۔ ''اگر تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف انٹرکام پر ایک نمبر بٹن دبا کر کہہ دینا۔'' اس نے بیڈ کے ساتھ دراز پر رکھے انٹرکام کی طرف اشارہ کیا پھر ہنسا۔ ''رات کا وقت تو گزر گیا ہے اس لیے گڈ مارننگ۔''

اس کی بات پر مجھے خیال آیا۔ ''ڈاکٹر آپ صبح آرہے تھے کیا آپ کی نائٹ شفٹ تھی؟''

''نہیں میں کل صبح گیا تھا پھر ایک کام ذرا طول کھینچ گیا اور رات مجھے لیب میں رکنا پڑا تھا اس لیے صبح آف کر دیا۔''

اس کے جانے کے بعد میں نے مردانہ نائٹ سوٹ اٹھا کر باتھ روم کا رخ کیا۔ یہ بڑا لگژری قسم کا باتھ تھا جس میں نہانے کے لیے ٹب بھی تھا۔ پانی گرم آرہا تھا اور میرا دل مچل اٹھا اس لیے میں نے لباس اتار کر ایک طرف رکھا اور شاور کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ گرم پانی سے غسل نے میل کچیل اور گرد مٹی کے ساتھ جیسے تھکن بھی نچوڑ لی تھی اور اب میں خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ تولیہ سے خود کو خشک کر کے میں باہر آیا تو زرین خفا بیٹھی تھی۔

''اتنی دیر لگا دی..... مجھے بھی چینج کرنا ہے۔'' پھر وہ چونکی۔ ''تم نہا کر آئے ہو۔''

''ہاں مزے کا گرم پانی آرہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب میں بھی نہاؤں گی۔'' اس نے باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ اس کے جاتے ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''شیف سر۔'' باہر سے آواز آئی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے کہا۔ ''اگر آپ کو اپنے کپڑے دھلوانے ہیں تو مجھے دے دیں ایک گھنٹے میں واپس مل جائیں گے۔''

''ایک منٹ۔'' میں نے کہا اور دروازہ بند کر کے باتھ روم تک آیا اور آہستہ سے دستک دی۔

''کیا ہے؟'' زرین بولی۔

''اپنے کپڑے دے دو دھلنے کے لیے دینے ہیں۔ یہاں باہر رکھ دو میں لے لوں گا۔''

''شکر ہے۔'' وہ بولی۔ ''ورنہ مجھے تو اب ان سے گھن آ رہی ہے۔''

اس نے ذرا سا دروازہ کھولا اور کپڑے مجھے تھما دیئے۔ اگرچہ یہ صرف اوپری لباس تھا لیکن پھر بھی میں نے تسلی کر لی۔ اپنے اور زرین کے کپڑے شیف کو دیئے اور کہا۔ ''جلدی نہیں ہے جب ہم سو کر اٹھ جائیں تب تم دے سکتے ہو۔''

دروازہ بند کر کے میں نے بیڈ کی طرف دیکھا۔ ایک بیڈ پر ہم دونوں نہیں سو سکتے تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا لیکن کمبل بھی ایک ہی تھا۔ اندر سردی کم تھی لیکن اتنی کم بھی نہیں تھی کہ ہم میں سے کوئی کمبل کے بغیر گزارا کر سکتا۔ بہرحال ابھی تو زرین باتھ روم میں تھی اس لیے میں کمبل میں لپٹ کر لیٹ گیا۔ مجھے ذرا تعجب ہوا تھا کہ کہاں تو ہم دو گھنٹے پہلے جنگل میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور اس وقت زرین نے گرم بستر کی خواہش کی تھی اس کی خواہش کچھ زیادہ ہی پوری ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر کا رویہ ہمارے ساتھ اتنا اچھا تھا کہ ہم اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گئے۔ مجھے واحد پریشانی زرین کے ساتھ ایک کمرے میں ہونے کی تھی۔ ایسی بات نہیں تھی کہ مجھے خود پر اعتماد یا قابو نہیں تھا لیکن میں نے کبھی خود کو اتنا مضبوط نہیں سمجھا کہ اس قسم کی آزمائش میں بلا خوف اتر جاؤں۔ میں ایک عام گناہ گار انسان ہوں اگرچہ جان بوجھ کر گناہ کرنا مشکل ہی سہی لیکن خطا تو ہو سکتی ہے اور جب معاملہ ایک عورت بلکہ حسین ترین عورت کا ہو تو خطا کا امکان بڑھ جاتا ہے اور میں اس خطا سے بچنا چاہتا تھا۔

زرین نے خاصی دیر لگا دی تھی۔ وہ نہا کر باہر آئی اس نے ڈاکٹر کی بیوی کا نائٹ سوٹ پہن لیا تھا۔ یہ ایک ریشمی کپڑا تھا اور اسی کپڑے کا پاجامہ تھا جو کسی قدر ڈھیلا تھا لیکن اس کے بدن کے تناسب پر یوں ڈھلک رہا تھا کہ ساخت کا حصہ بن گیا تھا اور کہیں کہیں سے گیلا ہو کر چپک بھی رہا تھا۔ میں کچھ دیر کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا تو وہ شرما کر ہنسی۔ ''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''عاشی نہیں کیا دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تم اس وقت ہوش ربا لگ رہی ہو۔''

وہ خوش ہو گئی۔ اس نے رقص کے انداز میں گھوم کر خود کو دکھایا۔ ''کیسے اچھی لگ رہی ہوں؟''

''ہر طرح سے۔'' میں نے گھبرا کر اس پر سے نظریں ہٹا لیں۔ اس وقت میرے اندر ایک ابال سا آ رہا تھا۔ پھر میں بستر سے اٹھ گیا۔ ''آؤ تم لیٹ جاؤ۔''

''اور تم؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں یہاں نیچے لیٹ جاؤں گا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''سردی ہے تم بغیر کمبل کے اس ہلکے سے قالین پر نہیں لیٹ سکتے۔''

''تب کیا کریں..... کمبل بھی ایک ہے۔''

وہ ہچکچائی پھر بولی۔ ''تم بھی بستر پر آ جاؤ۔''

میں لرز گیا۔ ''زرین یہ ممکن نہیں ہے میں ایک کمزور انسان ہوں اور کسی آزمائش میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

وہ میرے پاس آ گئی۔ ''کیسی آزمائش؟''

میں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم جانتی ہو۔''

اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔ ''شہباز میں نے تم کو کبھی غیر نہیں سمجھا۔''

میں چاہنے کے باوجود اس کی بانہیں خود سے دور نہیں کر سکا تھا اس کا آتشیں بدن میرے جسم کو چھو رہا تھا۔

''لیکن ہم میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔''

''ایک تعلق تو ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

اس کے لمس نے میرے اندر موجود ابال کو مزید تیز کر دیا تھا۔ ''زرین تم کیا چاہتی ہو؟''

''میں تمہارے اور اپنے درمیان تمام پردے گرا دینا چاہتی ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور اپنا سر میرے سینے پر رکھ لیا۔ میرے اندر کا ابال بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے تو اس کا بدن کانپ اٹھا تھا اور وہ جیسے مجھ میں جذب ہونے لگی۔ میرے ہاتھ اس کے ریشمی شانوں سے پھسلتے ہوئے اس کی کمر تک آ گئے۔ میرے اندر جذبات مچلنے لگے تھے۔ میں نے کبھی عورت کے حوالے سے خود کو اس طرح کشمکش میں محسوس نہیں کیا تھا۔ زرین کا موج در موج وجود میرے ہوش و حواس پر چھا رہا تھا۔ اس سے پہلے بارہا حسین ترین عورتوں نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے کبھی ان کے معاملے میں ایسی بے بسی محسوس نہیں کی تھی اور مجھے لگ رہا تھا کہ میں اندر سے زرین کے آگے ہتھیار ڈالتا جا رہا تھا۔ اس نے سر اٹھایا اور مدہوش انداز میں میری آنکھوں میں دیکھا۔ اس کا چہرہ اتنا قریب تھا کہ اس کی سانسیں میری سانسوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

''شہباز۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

اس سے پہلے کہ میں بالکل اختیار کھو دیتا اور جذبات کی رو میں بہہ جاتا اس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے مجھے زرین نے نہیں بلکہ سویرا نے پکارا ہے۔ سویرا..... یہ نام ذہن میں آتے ہی میرے پورے وجود کو شدید ترین جھٹکا لگا تھا اور اس جھٹکے نے زرین کو یوں مجھ سے الگ کر دیا جیسے وہ میرے جسم سے لپٹا کوئی شہتیر تھا۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز کیا ہوا ہے؟''

''مجھے نہیں تمہیں کچھ ہوا ہے۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''خود کو سنبھالو۔''

''نہیں میں خود کو سنبھالتے سنبھالتے تھک گئی ہوں۔'' اس نے جذباتی انداز میں کہا اور میری طرف بڑھی۔ میں بے ساختہ پیچھے ہٹ گیا۔

''زرین ہوش میں آؤ۔''

''پلیز شہباز..... پلیز۔'' اس نے پھر میرے پاس آنے اور مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی۔ ''مجھے تمہاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضرورت ہے۔"

میں کوشش کے باوجود اسے خود سے لپٹنے سے نہیں روک سکا تھا۔ اس کا لمس ملا تو ایک بار پھر میرے جذبات بے قابو ہونے لگے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ اس بار جذبات میں شدت بہت زیادہ تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اس کا سر اوپر کیا اور اس سے پہلے وہ کچھ سمجھتی اس کی کنپٹی پر ہاتھ مارا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ بے ہوش ہو کر میرے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔ جیسے ہی وہ بے ہوش ہوئی میرے جذبات بھی اعتدال پر آنے لگے تھے۔ میں گہرے سانس لیتے ہوئے خود پر قابو پاتا رہا اور جب میں اعتدال میں آ گیا تو زرین کو اٹھا لیا۔ اسے بستر پر لٹا کر پہلے اس کی نبض چیک کی۔ نبض سست تھی لیکن خطرے والی بات نہیں تھی۔ میرے نپے تلے وار نے اسے چند گھنٹوں کے لیے بے ہوش کر دیا تھا۔ ساکت لیٹے ہوئے بھی اس کی دل کشی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ نشیب و فراز اور پیچ و خم ویسے ہی دل فریب تھے لیکن اب یہ میرے جذبات میں تحریک پیدا نہیں کر رہے تھے۔ اصل تحریک زرین کے وہ جذبات اور احساسات تھے جنہوں نے مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اب وہ بے ہوش تھی اور اس کے جذبات اور احساسات بھی بے ہوش ہو چکے تھے۔ میں نے اسے کمبل اوڑھا دیا اور خود بیڈ کے سرہانے سے سر ٹکا لیا۔

مجھے کل رات کی بھاگ دوڑ نے اس قدر نہیں تھکایا تھا جتنا ذرا سی دیر کی جذباتی کشمکش نے تھکا دیا تھا۔ میں بیڈ کے دوسرے کنارے پر لیٹ گیا اور کمبل کا دوسرا سرا اوڑھ لیا۔ زرین کے بے ہوش ہونے کے باوجود میں نے احتیاط رکھی تھی کہ میں اس سے دور رہوں۔ میں لیٹا اور کچھ دیر میں سو گیا تھا۔ حیرت انگیز طور پر مجھے بہت اچھی اور گہری نیند آئی تھی۔ میں ساڑھے نو بجے سویا تھا اور جب میری آنکھ کھلی تو چار بج رہے تھے۔ میں نے زرین کی طرف دیکھا وہ کروٹ لے کر لیٹی ہوئی تھی میں نے آہستہ سے اس پر سے کمبل سرکایا اور اس کی گردن پر نبض دیکھی۔ نبض بالکل درست تھی یعنی اب وہ بے ہوش نہیں تھی بلکہ سو رہی تھی۔ پھر میں نے اس کی کنپٹی چیک کی اس پر کوئی نشان نہیں تھا لیکن ضرب والی جگہ پر ہلکا سا ابھار تھا۔ میں اٹھ کر باتھ روم میں آیا اور وہاں دیوار میں لگے ریک کو چیک کیا اس میں کئی طرح کی دوائیاں تھیں ان میں اندرونی چوٹ پر لگانے والا ایک زود اثر بام بھی تھا۔

بام لا کر میں نے زرین کی کنپٹی پر اس کی مالش کی۔ چوٹ والی جگہ تکلیف ہوئی تو وہ سوتے میں کسمسائی تھی لیکن اس کی نیند نہیں ٹوٹی تھی یہ اچھی بات تھی وہ جتنی دیر سوتی سر کی تکلیف اتنی ہی کم ہو جاتی۔ بام لگا کر میں نے دوبارہ اسے کمبل اوڑھا دیا تھا۔ شام کا وقت ہو چلا تھا۔ میں باہر آیا بیڈ روم کے ساتھ ہی نشست گاہ تھی اور اس سے آگے کا حصہ میں نے نہیں دیکھا تھا میں سوچ رہا تھا کہ اس طرف جاؤں یا نہ جاؤں۔ اچانک ہی سامنے سے ڈاکٹر توفیق نمودار ہوا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔

"کیا حال ہیں ینگ مین نیند ٹھیک سے آئی..... بلکہ ٹھیک آئی ہو گی تم جوان لوگ جب چاہا لیٹ کر سو گئے۔ یہ تو ہم جیسے لوگوں کا مسئلہ ہے نیند کو دس طریقوں سے بہلا کر بلاتے ہیں۔"

"آپ بوڑھے نہیں ہیں۔"

وہ مجھے نشست گاہ میں لایا۔ "میری عمر باون سال ہے۔"

دیکھنے میں وہ چالیس سے زیادہ کا نظر نہیں آتا تھا لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں تھی ایک تو وہ دولت مند تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور دوسرا ڈاکٹر تھا اسے اپنی اصل عمر سے کم نظر آنا ہی تھا۔ میں نے اس سے موسم کے بارے میں پوچھا تو اس نے نشست گاہ کی کھڑکی سے پردے ہٹا دیئے۔ ''خود دیکھ لو۔''

باہر برف باری جاری تھی اور یہ شدید برف باری تھی اس میں چند گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے مایوسی ہوئی۔ ''یعنی ہم آج نہیں جا سکیں گے؟''

''آج بھی اور شاید کل بھی مشکل ہے جب تک سڑکوں سے برف نہیں صاف کر دی جائے گی۔''

میں سوچ رہا تھا۔ ''اگر ہم ہمت کر کے نکل جاتے تو شاید اب تک اسلام آباد میں ہوتے۔''

''ہاں ہو سکتا ہے لیکن میرے گارڈ کا کہنا ہے اس وقت آج سڑک سے کوئی گاڑی نہیں گزری ہے۔''

''لیکن کل آپ تو جائیں گے۔''

''تم بھول رہے ہو کل ہفتہ ہے اور میری ہفتہ اتوار چھٹی ہوتی ہے اب میں پیر کی صبح جاؤں گا۔''

''اگر آپ اپنی گاڑی میں ہمیں بھیج دیں تو.....''

''سوری فور دس..... میں اپنی گاڑی کسی ملازم کو نہیں دیتا ہوں یہی وجہ ہے میں نے ڈرائیور نہیں رکھا ہے۔ ویسے تمہیں مسئلہ کیا ہے؟''

''پیچھے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔

''ماں باپ؟''

''ہاں اور دوسرے بھی ہیں۔''

''افسوس کہ یہاں موبائل سروس نہیں ہے ورنہ تم اطلاع کر سکتے تھے۔''

''آس پاس لینڈ لائن ہے؟''

''نہیں..... اس پورے علاقے میں مہینوں تک کہیں فون نہیں ہے۔'' اس نے اس بار بھی نفی میں جواب دیا۔ مجھے تعجب ہوا آج کے دور میں اس جیسا آدمی بغیر رابطے کے کس طرح اتنی دور ویران جگہ رہ رہا تھا۔ اس نے شاید بھانپ لیا تھا کہ میں کیا سوچ رہا تھا اس نے کہا۔ ''میں اس معاملے میں ذرا پرانی سوچ رکھتا ہوں۔ آخر آج سے دس سال پہلے بھی تو لوگ موبائل فون کے بغیر رہ رہے تھے۔ تو اب بھی رہ سکتے ہیں۔''

میں اس کی بات کا قائل ہو گیا۔ ''ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں انسان واقعی آج بھی ان چیزوں کے بغیر رہ سکتا ہے۔''

''ہاں۔'' وہ خوش ہو گیا۔ ''اس لیے میں بغیر کسی بھی اضافی آلے کے سکون سے یہاں رہ رہا ہوں اور مجھے تین سالوں میں کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ میرا خیال ہے تمہیں بھوک لگ رہی ہو۔''

مجھے واقعی بھوک لگ رہی تھی اور ابھی ساڑھے چار بجے تھے یقیناً کھانے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے انٹر کام پر شیف سے چائے کے ساتھ کچھ لانے کو کہا۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ''اگر اجازت ہو تو کچھ ذاتی نوعیت کے سوال کر سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔

''تمہاری شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا سوال غیر متوقع تھا اس لیے میں جواب دیتے ہوئے ذرا ہچکچایا۔ ''تین سال..... شاید سوا تین سال۔''

وہ مسکرایا۔ ''اگر یہی سوال تمہاری مسز سے کیا جاتا تو انہیں مہینے اور دن بھی یاد ہوتے۔''

میں خفیف ہو رہا تھا۔ ''مردوں کو اس قسم کی باتیں کہاں یاد رہتی ہیں۔''

''بچے ہیں؟'' اس نے اگلا سوال کیا۔

''نہیں۔''

''فیملی پلاننگ؟''

''نہیں قدرت کی طرف سے ہے۔'' میں نے کہا۔

''ڈاکٹر کو دکھایا؟''

''بہت..... لیکن آپ اس بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں آپ کا تعلق گائنی سے تو نہیں ہے۔''

وہ مسکرایا۔ ''تم نے ٹھیک کہا لیکن ڈاکٹر ہوں نا..... جہاں صحت کے حوالے سے کوئی بات معمول سے ہٹ کر نظر آتی ہے تو اس میں دلچسپی لیتا ہوں اگر تم نے برا مانا ہے تو معذرت چاہوں گا۔''

''میں نے برا نہیں مانا۔'' میں نے نرمی سے کہا اور موضوع بدل دیا۔ ''آپ کا شیف ہمارے کپڑے لے گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ایک گھنٹے میں دھل جائیں گے۔''

''بالکل ایک گھنٹے میں دھل گئے ہوں گے یہاں لانڈری کا جدید ترین سسٹم نصب ہے۔''

''غالباً بجلی کا بھی ذاتی سسٹم ہے میں نے ان علاقوں میں شاذ ہی وولٹیج اتنا اچھا اور ہموار دیکھا ہے۔''

''ہاں یہاں سیلف پاور سسٹم ہے۔ تم کہو تو کپڑے منگوا دوں۔''

''جی کمرے میں بھجوا دیں میں زرین کو بھی اٹھا دوں۔''

''میں بھیجتا ہوں۔'' اس نے کہا تو میں کمرے میں آیا۔ زرین بدستور سو رہی تھی۔ میں نے اسے ہلایا۔

''اٹھ جاؤ بہت دیر سو لیا۔''

وہ کچھ دیر کسمساتی رہی پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی چہرے پر الجھن کے تاثرات تھے۔ میں نے نرمی سے پوچھا۔ ''تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''اس نے ماتھا سہلایا۔ ''ٹھیک ہوں لیکن میں کب سوئی؟''

''نہا کر آنے کے کچھ دیر بعد سو گئی تھیں۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' اس نے بے یقینی سے کہا پھر چونک گئی۔ ''میرے خدا مجھے یاد آ گیا۔''

''اگر تمہیں کچھ یاد آ گیا ہے تو بہتر ہے اسے بھول جاؤ۔''

اس کا چہرہ لال ہو گیا تھا اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ ''شہباز مجھے یقین نہیں آ رہا ہوں میں اتنی بے شرم ہو گئی تھی۔''

''میں نے کہا نا اسے بھول جاؤ۔''

''کیسے بھول جاؤں۔'' وہ رونے لگی۔ ''تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کچھ نہیں سوچ رہا ہوں اور میں نے کہا نا تم بھی اسے بھول جاؤ۔''

اس نے ایک بار پھر بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔''تم سچ کہہ رہے ہو تم مجھے بری عورت نہیں سمجھ رہے ہو؟''

''بری عورت نہیں ہوتی ہے اصل میں آدمی برا ہوتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دینے کے لیے کہا۔''اگر تم نے کچھ برا کیا تو میں بھی تو اس میں شریک تھا۔''

''لیکن تم نے خود پر قابو رکھا۔'' اس نے سر تھام لیا۔''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔''

''کچھ نہیں ہوا تھا میرا خیال ہے تھکن، سردی اور جذباتی دباؤ کا اثر ہو گیا تھا تمہارا رویہ کوئی غیر معمولی نہیں تھا۔''

''تم اسے غیر معمولی رویہ نہیں سمجھتے؟''

''ہاں کیونکہ میرے خیال میں بنیادی طور پر ہم انسان ہیں اور انسان غلطی کا پتلا ہوتا ہے۔ غلطی کرنا اس کی فطرت ہوتی ہے۔ ہاں جب وہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہونا چھوڑ دے تب وہ انسان نہیں رہتا ہے شیطان بن جاتا ہے۔ تم شرمندہ ہو اس کا مطلب ہے تم ایک انسان ہو۔''

''اس کا مطلب ہے تم مجھے برا نہیں سمجھ رہے؟'' اس کا لہجہ پھر بھیگنے لگا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''زرین تم بہت اچھی عورت ہو۔ یہ بات میں اس لیے کہہ سکتا ہوں کہ تم دن رات میرے ساتھ رہی ہو اور میں نے تمہیں بہت اچھی طرح پرکھ لیا ہے۔''

''لیکن آج جو ہوا.....''

''میں نے کہا نا وہ جذباتی دباؤ کا نتیجہ تھا اور کوئی بات نہیں تھی۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔''مجھے تو تمہارے ساتھ کیے جانے والے سلوک کا افسوس ہو رہا ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔''تم مجھے قتل کر دیتے تو خدا کی قسم بروز قیامت میں تمہیں اپنا خون معاف کر دیتی۔ یہ تو میری حرکت کی بہت معمولی سی سزا ہے لیکن شہباز مجھے ایک بات کہنے کی اجازت دو۔''

''تمہیں مجھ سے کچھ کہنے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔''میں کیا کروں..... میں نے جان کر کچھ نہیں کیا ہے..... لیکن میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میں نے دنیا میں کسی سے محبت کی ہے تو وہ تم ہو۔''

''یہ میرے لیے اعزاز ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔''

اس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اوپر کیا۔''سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں اور میں فخر سے اس محبت کو قبول کرتا لیکن تم جانتی ہو میں پہلے ہی کسی کی محبت کا اسیر ہوں کسی کو ہو چکا ہوں۔''

اس نے آنسو صاف کیے۔''میں جانتی ہوں اور میرے لیے یہی کافی ہے کہ تم میری قدر کرتے ہو۔''

دروازے پر دستک ہوئی۔ میں اٹھ کر باہر جھانکا شیف سلیقے سے تہہ کیے ہوئے کپڑے لیے کھڑا تھا اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کپڑے میری طرف بڑھا دیئے۔ ''سرد کپڑے لیں۔''

''ٹھیک ہوں گے۔'' میں نے لے لیے۔ ان میں میری جیکٹ اور زرین کا سوئیٹر بھی تھا۔ میں نے سامان اور ریوالور پہلے ہی الگ کر لیا تھا وہ بستر کے تکیے کے نیچے تھا۔ میں کپڑے لایا اور بستر پر رکھ دیئے۔

''جلدی سے چینج کر لو ڈاکٹر نشست گاہ میں ہمارا انتظار کر رہا ہے۔''

''شکر ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ورنہ یہ نائٹ سوٹ تو بہت واہیات ہے۔''

''لیکن تم پر اچھا لگ رہا ہے۔'' میں نے اپنے کپڑے لے کر باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

کپڑے بدل کر میں نے جیکٹ پہنی اور ریوالور اور دوسرا سامان اس کی جیبوں میں رکھ لیا۔ زرین لباس بدل کر آئی۔ اس نے پہلے دونوں نائٹ سوٹ سلیقے سے ہینگر پر کر کے لٹکا دیئے اور پھر اپنا سوئیٹر پہنا۔

''یہ تو اس نے پہلے سے بھی اچھا کر دیا۔'' اس نے کہا۔ میں نے جو تے صاف کر لیے تھے اس نے بھی اپنے جوتے صاف کیے یہ اس نے ماہا جی کے گھر سے پار کیے تھے اس کے اپنے سینڈل تو بھاگنے میں رہ گئے تھے۔

''پاؤں کے زخم کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں معمولی سی تکلیف ہے۔'' اس نے کہا لیکن میں نے زخم دیکھے اور پھر ان پر زخم خشک کرنے والا پاؤڈر چھڑکا یہ بھی مجھے باتھ روم میں ملا تھا۔ ہم نشست گاہ میں آئے تو چائے اور کھانے کا سامان لیے شیف ہمارا منتظر تھا۔ اس نے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب ذرا مصروف ہیں انہوں نے کہا ہے آپ ان کا انتظار مت کریں اور چائے لے لیں۔''

یقیناً ڈاکٹر چاہتا تھا کہ ہم بلا تکلف کھائیں پئیں اس لیے اس نے ساتھ بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔ واقعی ہم اس کے سامنے شاید اس طرح سے نہیں کھا سکتے تھے جس طرح اس کی غیر موجودگی میں کھایا پیا تھا۔ زرین نے ایک پیسٹری لیتے ہوئے کہا۔ ''ڈاکٹر بہت مہذب آدمی ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں کوکیز سے انصاف کر رہا تھا۔ ''لیکن اس نے ایک بری اطلاع دی ہے۔ ہم پیر سے پہلے یہاں سے نہیں جا سکتے کیونکہ برف صاف ہونے تک عام ٹریفک نہیں چلے گا اور خود ڈاکٹر پیر والے دن اسلام آباد جائے گا۔''

''واقعی تب ہم پیر سے پہلے نہیں جا سکتے لیکن باہر موسم کیسا ہے؟''

میں نے پردہ ہٹا کر اسے جمع ہونے والی برف دکھائی۔ برف باری رک گئی تھی لیکن سیاہ بادل جمع تھے اور مزید برف باری کا پورا امکان تھا۔ اگر مزید برف باری ہو جاتی تو راستے یقیناً پیر سے پہلے صاف نہیں ہوتے اور پیر والے دن ہم ڈاکٹر کے ساتھ بھی جا سکتے تھے۔ زرین نے اپنے اور میرے لیے تازہ چائے نکالی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز تمہیں کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں ہو رہی ہے؟''

''کیسی غیر معمولی بات؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہی ہمارا رویہ..... ہم کوئی پہلی بار تو کہیں اکیلے نہیں رہے ہیں پھر اس طرح بے قابو کیوں ہو گئے؟''

اس کی بات قابلِ غور تھی۔ واقعی ہم کبھی اس طرح بے قابو نہیں ہوئے بلکہ میں نے تو سرے سے زرین کے لیے کوئی جذبہ محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ جب کہ آج میں اس حد تک بے قابو ہو گیا تھا کہ اگر قدرت مدد نہ کرتی تو میں گناہ کر بیٹھتا۔ اگر بات صرف زرین کی ہوتی تو میں اسے اس کی جذباتی کیفیت قرار دے سکتا تھا لیکن میں بھی اسی جذباتی کیفیت کا شکار تھا۔ مجھے کیا ہوا تھا لیکن میری سمجھ میں اس کی وجہ نہیں آ رہی تھی۔ میں نے زرین کی طرف دیکھا۔ ''تمہارے خیال میں اس کی کوئی وجہ ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے تمہیں چاہا ہے لیکن کبھی تمہارا ساتھ نہیں چاہا۔'' وہ کہتے ہوئے شرمائی۔ ''لیکن آج میں ایسا چاہ رہی تھی۔ شکر ہے تم نے خود پر قابو رکھا۔''

''ہاں خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں بچا لیا۔''

زرین پھر سوچ میں گم ہو گئی لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتی ڈاکٹر وہاں آ گیا۔ ''کیا حال ہیں ری فریش ہو گئے۔''

میں نے خالی ہو جانے والی پیالی میز پر رکھی۔ ''ڈاکٹر اتنی اچھی میزبانی کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔''

''ارے نہیں..... شرمندہ مت کرو میں نے کیا کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں جلد تمہارے گھر نہیں پہنچا سکتا۔''

''اگر آج رات مزید برف باری نہ ہوئی تو ہم کل کوشش کر سکتے ہیں۔''

''اگر تمہارے خیال میں جانا بہت ضروری ہے تو تمہاری مرضی ویسے میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ جب اس سڑک پر برف پڑی ہو تو اس پر ہر گاڑی سفر نہیں کر سکتی ہے۔''

''مجھے بھی لگ رہا ہے ہمیں پیر والے دن جانے کا موقع ملے گا۔''

''مے بی۔'' وہ کھڑے کھڑے بولا۔ ''اصل میں میں اپنا کچھ کام نمٹا رہا ہوں اور اسے چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔ اگر تم لوگ اجازت دو تو میں یہ کام نمٹا لوں۔''

''کیوں نہیں ڈاکٹر۔'' مجھ سے پہلے زرین نے کہا۔ ''آپ اپنا کام کریں۔''

''کھانا ٹھیک آٹھ بجے لگے گا تب تک آپ چاہیں تو ٹی وی سے دل بہلا سکتے ہیں۔'' اس نے ایک طرف رکھے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس میں دو چینل والا ڈش ریسیور ہے۔''

''شکریہ ڈاکٹر۔'' میں نے کہا۔

''مائی پلیژر۔'' اس نے کسی قدر خم کھا کر کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ میں نے ٹی وی کے ساتھ رکھے ریموٹ سے اسے آن کیا۔ اس میں بہت سارے چینلز تھے لیکن ان میں مقامی چینلز کی تعداد کم تھی میں نے خبروں والا ایک چینل لگایا۔ اتفاق سے اس میں موسم کا حال بتایا جا رہا تھا۔ اسلام آباد کے آس پاس پہاڑوں میں شدید برف باری جاری تھی اور موسم کے مزید سرد ہونے کی پیشین گوئی کی جا رہی تھی۔ یہ ڈائریکٹ سیٹلائیٹ چینلز تھے اس لیے خراب موسم کے باوجود ان کی کوالٹی بہت شاندار تھی۔ میں کچھ دیر چینلز گھماتا رہا۔ زرین کو ٹی وی سے خاص

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلچسپی نہیں تھی اس لیے وہ صوفے سے سر ٹکا کر اونگھنے لگی تھی۔ میں نے نیشنل جیوگرافک لگایا تو اتفاق سے وہاں سے ایمن کا پروگرام آ رہا تھا جو اس نے ہمالیہ کے علاقوں پر تیار کیا تھا۔ یہ پرانا پروگرام تھا اور پھر سے نشر کیا جا رہا تھا۔ میں پروگرام دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ زرین نے میری دلچسپی کو نوٹ نہیں کیا ہوگا لیکن وہ دیکھ رہی تھی اس نے اچانک کہا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''کون سی لڑکی؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔

''جس کا پروگرام تم اتنی دلچسپی سے دیکھ رہے ہو ورنہ اس سے پہلے تم صرف چینل گھما رہے تھے۔''

پہلے میں نے سوچا اسے ٹال دوں لیکن پھر مجھے یہ عجیب سا لگا۔ زرین سے میرا ایسا کوئی تعلق نہیں تھا کہ میں کسی دوسری عورت سے اپنے تعلق کو اس سے چھپاتا۔ ایمن کے بارے میں تو سویرا کو بھی بتایا تھا۔ ''اس کا نام ایمن ہے۔''

وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔ ''کون ایمن؟''

میں نے اسے ایمن کے بارے میں مختصر بتایا۔ وہ غور سے سنتی رہی میں نے یہ بتایا کہ ایمن سے میری دوستی ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ وہ مجھ میں دلچسپی لیتی ہے اور ایک موقع پر تو محبت کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ زرین نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''صرف دوستی ہے؟''

''ہاں تم جان گئی ہو کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں۔''

''تمہارے بارے میں تو اچھی طرح جانتی ہوں میں اس کی بات کر رہی ہوں۔ کیا یہ تمہیں صرف دوست سمجھتی ہے؟''

''اس کا کہنا تو یہی ہے باقی دل کا حال صرف خدا جانتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے یہ خیال کیوں آیا کہ وہ دوستی سے ہٹ کر بھی کچھ دلچسپی رکھتی ہے۔''

''بس مجھے لگا۔'' اس نے پُرخمار نظروں سے میری طرف دیکھا۔ پھر اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''شہباز تم میں نہ جانے کیا بات ہے۔ میں کبھی دل کے ہاتھوں اس طرح مجبور نہیں ہوئی۔''

میں چونک گیا اس کا ہاتھ گرم ہو رہا تھا۔ ''تمہارا ہاتھ گرم ہے تمہیں بخار تو نہیں ہے۔''

''پتا نہیں لیکن جسم میں بہت پیاری سی گرمی محسوس ہو رہی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ میں نے اس کی نبض دیکھی جو معمول سے ذرا تیز تھی۔

''میرا خیال ہے تمہیں بخار ہی ہو رہا ہے۔''

''شاید۔'' اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر کے سر صوفے سے ٹیک لیا۔

''زرین اٹھو تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''مجھ سے نہیں اٹھا جا رہا۔'' اس نے آنکھیں بند کیے ہوئے کہا۔ ''تم مجھے بستر تک لے چلو۔''

ذرا سی دیر میں اس کا جسم تپنے لگا تھا اور شاید وہ واقعی اٹھ نہیں پا رہی تھی میں نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا وہ کھڑی بھی نہیں ہو رہی تھی اس کا سارا بوجھ مجھ پر آ گیا تھا۔ شاید یہ رات بھر سردی میں بھٹکنے اور سرد ترین پانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھیگنے کا ردِعمل تھا جو ذرا دیر سے ظاہر ہوا تھا۔ میں اسے کمرے میں لایا اور بستر پر لٹا کر کمبل اوڑھا دیا۔ اس پر غشی سی طاری وہ رہی تھی میں نے جلدی سے انٹر کام اٹھا کر ایک نمبر دبایا۔

''یس سر؟''

''میری وائف کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ ان کو تیز بخار ہو گیا ہے۔''

''میں ڈاکٹر کو انفارم کرتا ہوں سر۔'' اس نے مشینی انداز میں کہا اور انٹر کام بند کر دیا۔ باتھ روم کی میڈیسن کیبنٹ میں تھرمامیٹر بھی رکھا تھا میں نے اس سے زرین کا بخار چیک کیا۔ اسے ایک سو دو بخار ہو رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں اتنا تیز بخار ہونا خطرے کی علامت تھی۔ کوئی پانچ منٹ بعد ڈاکٹر توفیق دستک دے کر اندر آیا اس نے ڈاکٹروں والا مخصوص بیگ اٹھا رکھا تھا۔ سب سے پہلے اس نے زرین کا بلڈ پریشر اور درجہ حرارت چیک کیا۔ پھر اسٹیتھو اسکوپ سے اس کی سانس دیکھی۔ زرین ہوش میں تھی لیکن اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ میں نے پوچھا۔

''اسے کیا ہوا؟''

''میرا خیال ہے موسم کا اثر ہے لیکن سانس کلیئر ہے۔ انفکشن کے آثار نہیں ہیں البتہ احتیاط نہ کی گئی تو نمونیا کا خطرہ ہے۔'' ڈاکٹر توفیق نے کہا اور بکس سے ایک انجکشن نکال کر سرنج میں بھرا اور اسے زرین کے بازو میں انجکٹ کر دیا۔ ''میں نے انجکشن دے دیا ہے ایک سے دو گھنٹے میں بخار اتر جائے گا۔''

میں نے سکون کا سانس لیا کہ کوئی تشویش کی بات نہیں تھی۔ ''شکر ہے آپ موجود ہیں ورنہ.....''

''ڈونٹ وری اور ابھی انہیں آرام کرنے دو۔'' اس نے بیگ بند کیا۔ ''تم میرے ساتھ آؤ ایک بات کرنی ہے۔''

وہ مجھے نشست گاہ میں لے آیا۔ ''کوئی خاص بات ہے ڈاکٹر؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''آئی تھنک شی از ان ہائی فرٹائل ڈیز۔''

''جی۔'' میں اس کے جملے پر ششدر رہ گیا تھا۔

''سوری ٹو سے لیکن یہ اہم ہے۔ میرا خیال ہے ان کی حالت اسی وجہ سے اتنی جلدی خراب ہوئی ہے۔ اسے نارمل بخار نہیں کہہ سکتے ان دنوں میں عورت کا جسم ویسے ہی گرم ہو جاتا ہے اور اسے اپنے مرد کی قربت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اگر کسی وجہ سے یہ قربت نہ ملے تو بخار سچ مچ بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کے ساتھ ہوا ہے۔''

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی بات کا کیا جواب دوں کیونکہ میں زرین کا شوہر تو نہیں تھا اور وہ مجھے ازدواجی زندگی کی باریکیاں سمجھا رہا تھا آخر میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''میں یہ سب باتیں سمجھتا ہوں لیکن آپ جانتے ہیں ہم ایک پریشان کیفیت میں گھر سے دور ہیں اور ہمارے گھر والوں کو ہمارے بارے میں علم نہیں ہے اس لیے ہمارا دھیان کسی اور طرف کس طرح جا سکتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اب یہاں رکنا تمہاری مجبوری بن گیا ہے اور جب تم رک رہے ہو تو بہتر ہے اپنی بیوی کی طرف اس لحاظ سے توجہ دو۔ اس سے وہ جلدی کور کر لے گی میری بات سمجھ رہے ہو نا۔'' اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی ٹھیک ہے۔'' میں نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

وہ سمجھ گیا کہ میں اب اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ ''او کے ایک گھنٹے میں اگر بخار نہ اترے تو مجھے پھر بتانا۔''

''ٹھیک ہے۔''

میں کمرے میں آیا تو زرین شاید سو گئی تھی کیونکہ کمرے میں اس کی گہری سانسوں کی گونج بسی ہوئی تھی۔ میں اس کے پاس کرسی لے کر بیٹھ گیا تھا۔ بخار کی حدت سے اس کا گلابی چہرہ آتشیں رنگ اختیار کر گیا تھا۔ مجھے عبداللہ اور دوسرے لوگوں کا خیال آیا جو یقیناً ہمیں تلاش کر رہے ہوں گے لیکن ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہم کہاں تھے میں نے عبداللہ والی گاڑی چھوڑتے ہوئے اس کے کاغذات نکال لیے تھے تاکہ دشمن گاڑی کی مدد سے اس کا پتا نہ چلا سکے۔ گاڑی کے نمبر معلوم کرنے میں کچھ دیر لگتی مجھے امید تھی کہ اگر عبداللہ یا راجا عمر دراز کے کسی اور ملازم کے نام پر بھی یہ گاڑی تھی تب بھی اس کا پتا کوٹھی کا نہیں ہوگا۔ پھر مجھے شاہین خان کا خیال آیا جسے میں ہم نالے میں ڈوبی کار میں چھوڑ آئے تھے لیکن مجھے امید تھی کہ وہ ڈوب کر نہیں مرا ہوگا۔ اول تو وہ غیرت مند نہیں تھا اور دوسرے نالے میں اتنا پانی نہیں تھا۔ ہاں سردی سے اکڑ کر مر جائے تو الگ بات تھی لیکن اس کا امکان بھی کم تھا کیونکہ اس کے ہاتھ پاؤں اب آزاد تھے اور نالے کا سرد پانی اسے ہوش میں لے آیا ہوگا اس لیے وہ کار سے تو نکل گیا ہوگا۔ بشرطیکہ کار الٹنے پلٹنے میں اس کی کوئی ہڈی نہ ٹوٹ گئی ہو یا وہ فاضلی کے ہاتھ نہ آ گیا ہو۔ اگرچہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ظاہر ہے فاضلی اس کی بات پر اتنی آسانی سے یقین نہیں کرے گا۔ وہ اس سے اپنے طریقے سے پوچھے گا اور شاہین خان صاحب کو یقیناً عبرتناک حالات سے گزرنا پڑا ہوگا۔ بہرحال وہ میری طرف جہنم میں جاتا۔

زرین سو رہی تھی اور اب میرے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا اس لیے میں سوچنے لگا۔ اب تک مجھے حالات کے تجزیے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نہیں جان سکا تھا کہ خاموشی سے میرا پیچھا کرنے یا مجھے دبوچ لینے کے بجائے فاضلی اور اس کے ساتھی مجھے بھگاتے کیوں رہے تھے۔ انہوں نے یقینی طور پر سڑک تک میرا پیچھا کیا ہوگا جہاں ہمیں خوش قسمتی سے ڈاکٹر توفیق مل گیا اور اس نے ہمیں لفٹ بھی دے دی۔ یہی نہیں وہ پوری طرح ہماری مدد پر آمادہ تھا لیکن اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ مجھے اس کی بات مان کر رکنا نہیں چاہیے تھا بلکہ اسی وقت اپنی راہ لینی چاہیے تھی۔ اس وقت ہم اسلام آباد میں ہوتے لیکن رکنے کی وجہ سے ہم کئی دن کے لیے اس جگہ پھنس کر رہ گئے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اتنی آسانی سے ڈاکٹر کی بات کیوں مان لی۔ پھر زرین جس نے شروع میں اسے ناپسند کیا تھا وہ بھی اس کی تجویز کی تائید کرنے لگی تھی اور یوں ہم نے جانے کے بجائے رکنے کا فیصلہ کیا تھا۔

پھر میرے اور زرین کے ساتھ جو ہوا تھا وہ بھی کچھ کم انوکھا نہیں تھا۔ یہ درست ہے اس وقت حالات دوسرے ہو گئے تھے۔ زرین کو خود پر قابو نہیں رہا تھا اور وہ مجھے بھی بے قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ مجھے کیا ہوا تھا اور میں کیوں اس طرح بے قابو ہوا تھا۔ میں اپنی کیفیت کو معمول کے مطابق نہیں سمجھ رہا تھا۔ یہ غیر معمولی کیفیت تھی۔ پھر زرین کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ اپنی سابقہ کیفیت پر شرمندہ تھی۔ تب اس کی یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالت کیوں ہوئی تھی؟ اس قسم کے سوالات میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ کیا یہ ان حالات کا نتیجہ تھا جن سے ہم گزر رہے تھے یا اس میں کچھ اور عوامل کارفرما تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں چونکا تھا۔

''کون ہے؟''

''سر۔'' باہر سے شیف کی آواز آئی۔ میں نے اٹھ کر باہر دیکھا۔ ''سر کھانا لگنے میں کچھ وقت ہے اس دوران میں آپ چائے، کافی یا کچھ اور لینا پسند کریں گے؟''

''کافی لے آؤ..... اگر پہلے جیسی ہو؟''

وہ پہلی بار مسکرایا۔ ''آپ کو میری کافی ہر بار ایک جیسی ملے گی سر۔''

میں نے کافی کا کہا تو وہ کچھ زیادہ ہی خوش ہو گیا تھا حالانکہ میں نے اسے ہمیشہ سپاٹ سی صورت کے ساتھ دیکھا تھا۔ پہلی بار کچھ تاثرات نظر آئے تھے۔ میرے کافی پینے سے اسے کون سی خوشی مل گئی تھی۔ میں نے اندر آتے ہوئے سوچا۔ میں نے زرین کا بخار چیک کیا۔ اسے انجکشن لگے نصف گھنٹہ ہونے کو آیا تھا لیکن بخار کی شدت میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا اس کا چہرہ ویسے ہی سرخ ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر توفیق نے ایک گھنٹے بعد مطلع کرنے کو کہا تھا۔ میں پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھیں۔ دس منٹ بعد دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی اور شیف نے کافی، ٹرالی اندر کر دی۔ وہ ٹرالی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میں نے اپنے لیے کافی بنائی تھی اور اسے لے کر کرسی کی طرف آیا تھا کہ اچانک زرین کھانسنے لگی اور ایسا لگا جیسے اسے الٹی ہو رہی ہو۔ میں کپ رکھ کر اس کے پاس آیا۔

''کیا ہوا..... کیسا محسوس ہو رہا ہے؟''

''پیاس لگ رہی ہے اور متلی کی کیفیت ہو رہی ہے۔'' اس نے کمزور سی آواز میں کہا۔ ذرا سی دیر میں جیسے غنودگی چھا گئی تھی۔ میں نے سرہانے رکھے جگ سے اس کے لیے پانی نکالا لیکن پانی پیتے ہی اسے الٹی آئی تھی۔ وہاں ٹشو پیپر بن تھا میں نے وہی اس کے سامنے کر دیا۔ وہ الٹی کر کے نڈھال سی ہو کر پڑ گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز ایسا لگ رہا ہے جیسے میری جان نکل رہی ہو۔''

''بخار میں ایسا ہی ہوتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ڈاکٹر توفیق نے تمہیں انجکشن دیا ہے کچھ دیر میں تم بہتر محسوس کرو گی۔''

''نہیں۔'' وہ تکیے پر سر پٹختے ہوئے بولی۔ ''میں اچھا محسوس نہیں کر رہی ہوں پلیز مجھے یہاں سے لے چلو۔''

''اس وقت ہم کہیں نہیں جا سکتے ہیں۔ تم جانتی ہو باہر موسم بہتر نہیں ہے۔''

اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز مجھے لگ رہا ہے اگر میں یہاں رہی تو مر جاؤں گی۔''

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے ایسے خیالات آ رہے ہیں۔ تم سونے کی کوشش کرو۔''

''میں نہیں سو سکتی۔'' اس نے اپنا سینہ مسلتے ہوئے کہا۔ ''ایسا لگ رہا ہے جیسے اندر آگ بھر گئی ہے مجھے پانی دو۔''

میں نے اسے پھر پانی دیا اس بار اسے الٹی نہیں آئی تھی اور وہ نڈھال سی لیٹ گئی۔ میں نے اس کا درجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حرارت لیا۔ اس بار بخار ایک سو تین تھا۔ انجکشن دیئے ہوئے پون گھنٹہ ہو گیا تھا لیکن اب تک اس کی حالت میں بہتری کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ لیٹنے کے کچھ دیر بعد زرین پھر غشی کی کیفیت میں چلی گئی تھی۔ میں نے اس کا دہکتا ہوا چہرہ دیکھا اور بے چین ہو کر انٹر کام اٹھا کر ایک نمبر دبایا لیکن دوسری طرف سے بیل جانے کے بجائے مجھے ڈاکٹر توفیق کی آواز سنائی دی۔

''تم اپنا کام دھیان سے نہیں کر رہے ہو۔''

''ڈاکٹر میں پوری توجہ سے کام کرتا ہوں لیکن یہ نہ جانے کیسے ہو گیا۔'' شیف کی آواز آئی۔ ''میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ پوری خوراک زرین کی پیالی میں کیسے شامل ہو گئی تھی۔''

''اس کی حالت خراب ہو رہی ہے اور شاید اسے مزید ٹریٹ منٹ کرنا پڑے۔'' ڈاکٹر توفیق کا لہجہ الزام دینے والا ہو گیا۔ ''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے ڈاکٹر۔'' شیف کا لہجہ سپاٹ ہو گیا تھا۔ ''اب غلطی نہیں ہو گی۔''

''تم نے شہباز کو مزید خوراک دے دی ہے؟''

''ہاں ابھی کافی میں شامل کر کے دے کر آیا ہوں۔'' شیف نے جواب دیا۔ ''آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ اس نے کافی لی ہے یا نہیں۔''

میں یہ گفتگو سن رہا تھا اور میرا ذہن تیزی سے اس کا تجزیہ کر رہا تھا اور مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ ڈاکٹر ہمارے خلاف کسی قسم کی سازش کر رہا تھا اور اس نے ہمیں کافی اور چائے میں کوئی چیز دی تھی۔ شیف کی غلطی سے اس چیز کی ساری مقدار زرین کی چائے میں شامل ہو گئی تھی اور وہ بیمار ہو گئی تھی جب کہ مجھے بھی اب کافی میں وہی چیز ملا کر دی جا رہی تھی۔ جب شیف نے مجھے دیکھنے والی بات کی تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے اس کی بات کا مطلب تھا کہ یہاں کہیں کیمرہ یا کیمرے لگے تھے اور ڈاکٹر براہِ راست ہمیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے بہت آہستہ سے انٹر کام کا ریسیور واپس رکھ دیا اور بہت پھرتی سے کافی کا کپ ڈسٹ بن میں خالی کر دیا اور اس کے بعد ایسا تاثر دیا جیسے میں کپ سے کافی پی رہا ہوں۔ مجھے امید تھی کہ ڈاکٹر نے مجھے کپ ڈسٹ بن میں خالی کرتے نہیں دیکھا ہو گا۔ کپ ختم کرنے کی اداکاری کرنے کے بعد میں نے ڈسٹ بن اٹھایا اور اسے باتھ روم میں لے کر پھینک دیا۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پتا نہیں میری قسمت میں کیا تھا جو بھی ملتا تھا وہ کوئی انوکھا اور بالعموم خبیث آدمی یا عورت ہی نکلتا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شریف نظر آنے والا ڈاکٹر توفیق ہمارے خلاف کوئی سازش کر رہا ہوگا۔ میں اور وہ پہلی بار ملے تھے اور ہمارے درمیان کوئی دشمنی نہیں تھی اس کے باوجود وہ ہمارے خلاف کچھ کر رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ سازشی مزاج کا شخص تھا اور اپنے کسی مفاد کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں کوئی دوا دینا چاہی تھی جو شیف کی غلطی سے ساری زرین کے حصے میں آ گئی اور اس کے اثر سے وہ بیمار ہو گئی تھی۔ میں ڈسٹ بن پھینک کر اور اسے صاف کر کے کمرے میں آیا اور ایک بار پھر انٹر کام اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

''یس سر؟'' شیف نے کہا۔

''ڈاکٹر سے کہو کہ زرین کی طبیعت پہلے سے زیادہ خراب ہو گئی ہے۔''

''میں کہتا ہوں سر۔'' اس نے کہا۔

انٹر کام رکھ کر میں نے جیب میں موجود ریوالور چھوا اور آنے والے وقت کے لیے تیار ہونے لگا۔ میں نے دل میں سوچا۔ اس سے پہلے بھی میں بہت سے خبیثوں اور سازشیوں سے نمٹ چکا تھا تو ایک اور سہی۔ زرین بے سدھ پڑی تھی۔ میرے اندر ابال سا آنے لگا۔ میں نے سوچ لیا کہ اگر زرین کو کچھ ہوا تو ڈاکٹر کو بہت برے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے جیب میں ریوالور پر گرفت مضبوط کر لی تھی اور بلند آواز سے کہا۔ ''آ جاؤ۔''

دروازہ کھلا اور ڈاکٹر مسکراتے ہوئے اندر آیا تھا۔ اس نے اپنا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر میری ریوالور پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور پھر میں نے ہاتھ باہر نکال لیا۔ زرین کو دیکھنے سے پہلے اس نے مجھ سے کہا۔ ''تم بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔ میں نے بتایا ہے کہ اس کی طبیعت کوئی خاص خراب نہیں ہے۔''

''طبیعت تو خراب ہے اس نے الٹی بھی کی ہے اور سینے میں جلن کی شکایت بھی کر رہی تھی اور جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں یہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہے۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' اس نے کہا اور زرین کا معائنہ کرنے لگا۔ اس نے بخار دیکھا اور پھر بلڈ پریشر لیا۔ میں نے نوٹ کیا کہ اس کا بلڈ پریشر لو ہو رہا تھا۔ یہ ستر اور سو تھا۔ اس نے اپنے بیگ سے ایک انجکشن اور برآمد کیا اور اسے سرنج میں بھرنے لگا۔ انجکشن کی شیشی پر کوئی نام یا لیبل نہیں لگا تھا۔ یہ صرف شیشی تھی۔ میں نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ڈاکٹر یہ کیسا انجکشن ہے۔''

''یہ بخار اور تکلیف کو کم کرنے والا انجکشن ہے۔'' اس نے مبہم انداز میں کہا۔

''پھر بھی اس کا کوئی نام تو ہوگا۔ اس کی تو شیشی پر بھی کچھ نہیں لکھا ہے۔ میں نے آج تک کسی انجکشن کی شیشی ایسی نہیں دیکھی ہے۔''

میری جرح پر اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے تاثرات نظر آئے تھے۔ ''میں ڈاکٹر ہوں..... مجھے اس دوا کا علم ہے۔''

''صرف وائرلوجسٹ۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اور میرا خیال ہے آپ باقاعدہ پریکٹس بھی نہیں کرتے ہیں۔''

وہ خود پر قابو پانے لگا۔ ''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' میں مسکرایا۔ ''میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ آپ کے دیئے ہوئے انجکشن کا اس پر اچھا اثر نہیں ہوا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آپ جو انجکشن اب دے رہے ہیں اس کا کوئی فائدہ ہوگا۔''

''تم چاہتے ہو میں اسے انجکشن نہیں دوں۔''

''میں چاہتا ہوں آپ اس کا صحیح علاج کریں۔ مجھے یہ بے نام دوا کا انجکشن مشکوک لگ رہا ہے۔''

''میرے پاس یہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی ایسا انجکشن نہیں ہے جو میں اسے دے سکوں۔'' اس نے جھنجلائے انداز میں کہا۔

''تب اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے سرنج بیگ میں ڈال دی۔

''ٹھیک ہے اگر تم اپنی بیوی کا علاج نہیں کرانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی لیکن اس کی حالت مزید خراب ہوئی تو تم مجھے الزام نہیں دے سکو گے۔''

''اس کی حالت کیوں خراب ہوگی۔'' میرا لہجہ چبھتا ہوا ہو گیا۔ ''آپ کا کہنا ہے اسے کوئی بیماری نہیں صرف موسم کا اثر ہے۔''

وہ چونکا پھر اس نے جلدی سے کہا۔ ''وہ تو ہے لیکن علاج کرنا ہے تب ہی یہ ٹھیک ہوگی۔''

''میرے خیال میں اس کی جو کیفیت تھی وہ پیناڈول یا ڈسپرین کی دو گولیوں سے بھی ٹھیک ہو سکتی تھی۔''

''اگر تمہارے خیال میں ایسا ہو سکتا ہے؟'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ ''تب میں تمہیں ڈسپرین اور پیناڈول مہیا کر دیتا ہوں تم اس کا علاج کر لو۔''

''ڈاکٹر اس کی طبیعت اب سچ مچ خراب ہے۔'' میں نے کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں۔ اسے اس کی اصلیت بتا دوں یا نہیں اور اگر میں اسے اس کی اصلیت بتا دیتا ہوں تو کیا یہاں سے ہمارا نکلنا ممکن ہوگا۔ خاص طور سے اس صورت میں جب زرین نیم بے ہوش تھی اپنے قدموں پر کھڑی ہونے کے قابل بھی نہیں تھی۔ دوسری طرف میں ڈاکٹر کے سامنے خاصی حد تک کھل گیا تھا اور اس وقت میں اسے جانے دیتا تو ممکن ہے وہ پھر ہاتھ نہ آتا اور ہم پر کوئی اور حربہ استعمال کرتا۔ میں نے سوچا اور فوری فیصلہ کیا۔ یہ موقع پھر میرے ہاتھ نہیں آتا۔ میں نے اچانک ہی ریوالور نکال کر اس پر تان لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ڈاکٹر مجھے افسوس ہے تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو تم ہمارے خلاف کوئی سازش کر رہے ہو۔''

ریوالور دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا تھا لیکن اس نے حوصلے سے تردید کی۔ ''میرا خیال ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے؟''

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے کیونکہ میں اتفاق سے انٹر کام پر تمہاری اور تمہارے شیف کی باتیں سن چکا ہوں اور اس کے بعد مجھے کوئی شبہ نہیں رہا ہے کہ تم ہم پر کسی دوا کا تجربہ کر رہے ہو۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''بہر حال ایک بات تمہارے ذہن میں بیٹھ چکی ہے۔''

''بالکل تم اسے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہو۔''

''او کے اس صورت میں تم کیا چاہتے ہو؟''

''ہم یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس وقت جانا ممکن نہیں ہے تم موسم دیکھ رہے ہو اور پھر رات کا وقت ہو گیا ہے۔''

''بالکل ممکن ہے کیونکہ یہاں ایک ایسی گاڑی اور اس کا ڈرائیور موجود ہے جو ایسے موسم میں سفر کا بہت تجربہ رکھتے ہیں۔''

''میں نہیں جا سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اس کے ہوتے ہوئے تم انکار نہیں کر سکتے ہو۔'' میں نے ریوالور ہلایا۔ ''کیا کر سکتے ہو؟''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو کسی کو اس طرح ہتھیار سے دھمکانا جرم ہے۔''

''اور جو تم کر رہے ہو اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ ''اگر کیا ہے تب بھی تم ثابت نہیں کر سکتے ہو۔''

''ڈاکٹر توفیق تم مجھے ابھی جانتے نہیں ہو۔'' میرا لہجہ بدل گیا۔ ''مجھے کہیں کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر زرین کو تمہاری وجہ سے کچھ ہوا تو سمجھ لو تمہاری جان بخشی نہیں ہو گی۔''

''تم مجھے دھمکا نہیں سکتے ہو۔''

''او کے میں صرف تین تک گنوں گا اس دوران میں تم نے ہمیں لے جانے کی حامی نہ بھری تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا اور اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔'' میں نے ریوالور اس کے سر پر رکھ دیا۔ ''ایک.....دو.....تین.....''

اس نے میرے لہجے سے اندازہ کر لیا کہ میں بالکل سنجیدہ ہوں اور تین کہنے کے بعد اسے شوٹ کر دوں گا اس لیے اس نے تین کہتے ہی ہتھیار ڈال دیئے اور شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ ''ٹھیک ہے میں تیار ہوں، لیکن یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''میں اکثر اچھا نہیں کرتا ہوں۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''لیکن ان لوگوں کے لیے جو میرے ساتھ اچھا نہیں کرتے ہیں۔ بس اب چلنے کی کرو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسے ہی؟'' اس نے اپنے عام سے کپڑوں کی طرف دیکھا۔

''تم نے شادی میں نہیں جانا ہے، اس لیے ایسے ہی چلو۔''

''باہر سردی بہت ہے۔''

''اس کے لیے تم اپنا اوور کوٹ لے سکتے ہو، آخر تمہیں گاڑی کی چابیاں بھی تو لینی ہوں گی۔''

اس نے سوچا اور سر ہلا دیا، وہ سمجھ گیا کہ فی الحال میرے سامنے مجبور ہے اور اسے میری ہر بات ماننا پڑے گی۔ ''ٹھیک ہے چلو۔''

میں اس کے ساتھ جانے لگا تھا کہ مجھے خیال آیا۔ ''ایک منٹ رکو اور دونوں ہاتھ اوپر کرلو۔''

اس کا چہرہ جس طرح بگڑا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے پاس کچھ تھا اور جب اس نے بادلِ ناخواستہ تلاشی دی تو اس کے پاس سے ایک عدد چھوٹا سا پستول برآمد ہوا تھا۔ وہ میں نے اپنی جیکٹ میں رکھ لیا۔

''تم نے دیکھ لیا تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے ہو اس لیے آگے بھی کوئی چالاکی مت دکھانا ورنہ عین ممکن ہے وہ تمہاری آخری چالاکی ہو۔''

''میں کوئی بدمعاش یا مجرم نہیں ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اس پستول کے ہوتے ہوئے بھی۔'' میں نے طنز کیا۔ ''اب تم اپنی شرافت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے بجائے چل پڑو۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اسے اس کے کمرے میں لایا۔ اس نے وہاں سے اپنا اوور کوٹ اور کار کی چابیاں لیں اور ہم واپس زرین کے پاس آئے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اسے اٹھاؤ۔''

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''میں اسے اٹھاؤں؟''

''تو اور کیا کہہ رہا ہوں۔'' میں نے اسے گھورا۔ ''اٹھاؤ اسے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

مجبوراً اس نے زرین کو اٹھایا، وہ بدستور نیم غشی میں تھی۔ ہم باہر آنے لگے۔ حیرت انگیز بات تھی کہ ابھی تک کسی طرف سے مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ شاید کیمرے سے دیکھنے کا نظام صرف ڈاکٹر کے پاس تھا اور شیف یا کوئی دوسرا فرد اس نظام تک رسائی نہیں رکھتا تھا یا رکھتا تھا تب بھی وہ اس سے دور تھا۔ اس کے باوجود میں پوری طرح محتاط تھا اور آس پاس نظر رکھے ہوئے تھا۔ ہم باہر نکلے جہاں برف باری رکنے کے بعد ہلکی لیکن یخ ترین ہوا چل رہی تھی۔ گرم کپڑوں میں بھی میں ایک بار لرز اٹھا تھا۔ زرین کا پتا نہیں تھا کیونکہ وہ بے ہوش تھی۔ کار پورچ میں موجود تھی۔ یہ جگہ مین گیٹ سے نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے ڈاکٹر سے چابی لے کر کار کا عقبی دروازہ کھولا اور ڈاکٹر سے زرین کو اندر لٹانے کو کہا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور میری طرف دیکھا۔ ''شہباز اب بھی وقت ہے.....''

''وقت ہی نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''خاص طور سے تمہارے پاس، مجھے ذرا سا بھی خطرے کا احساس ہوا تو میں تمہیں شوٹ کردوں گا اس لیے جلد از جلد یہاں سے نکل چلو۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''جیسی تمہاری مرضی میں نے تمہیں سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے۔''

اس کے لہجے سے مجھے خطرے کا احساس ہوا تھا لیکن اس سے پہلے میں کچھ سوچتا یا کچھ کرتا مجھے لگا میری پشت میں کوئی تیز اور نوکیلی چیز اتر گئی ہے، مجھے جھٹکا لگا اور میں نے ریوالور کا رخ ڈاکٹر کی طرف کرنے کی کوشش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ اس کے کسی آدمی نے چھپ کر مجھے بے آواز ہتھیار سے نشانہ بنالیا ہے لیکن جب میں نے حرکت کرنا چاہی تو میرے جسم نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ میرے ہاتھ منجمد ہو گئے تھے پھر میرے گھٹنوں نے میرا بوجھ سنبھالنے سے انکار کر دیا تھا اور میں دھڑام سے نیچے گر گیا اور ڈاکٹر نے اطمینان سے جھک کر میرے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ شاید گولی کسی مہلک جگہ لگی تھی اور میری جان نکل رہی تھی۔ اس کے ہاتھ ہی میرے ذہن پر دھند سی چھانے لگی تھی۔ میں نے اس دھند سے نکل کر شیف کو سامنے آتے دیکھا اس نے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی اور موٹے دہانے والی بندوق تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''ان دونوں کو اندر لے آؤ..... بیسمنٹ میں اور نمبر چار میں ڈال دینا۔''

ڈاکٹر کے آخری الفاظ بگڑ گئے تھے اور بمشکل سمجھ میں آئے۔ پھر وہ چلا گیا۔ میں نہیں دیکھ سکا کہ وہ کہاں گیا کیونکہ میں ساکت پڑا تھا اور سر بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ دھند کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے شیف کو اپنی طرف جھکتے دیکھا اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ دھند پوری طرح مجھ پر حاوی ہو گئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کتنی دیر بے ہوش رہا تھا لیکن جب مجھے ہوش آیا تو مجھے اپنا جسم و ذہن بہت ہلکے پھلکے محسوس ہو رہے تھے۔ جسم میں درد کا نام و نشان نہیں تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ میں بچ گیا تھا اس وقت تو میری جان نکل رہی تھی۔ شاید آپریشن کر کے گولی نکال دی گئی اور مجھے بھاری مسکن دوا دی گئی تھی جس کے اثر سے درد بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ یہ سفید چھت اور دیواروں والا کمرہ تھا۔ میں ایک فولاد سے بنے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا جیسا کہ اسپتال میں ہوتا ہے۔ میرا جسم اب حرکت کر سکتا تھا کیونکہ میں نے نظر گھما کر دیکھا تو فوراً ہی مجھے زرین نظر آ گئی وہ برابر والے بیڈ پر لیٹی تھی۔ اس کے جسم پر اس کا لباس نہیں تھا بلکہ اس کے بجائے اسے ایک ہلکے نیلے رنگ کا کرتہ اور پاجامہ پہنا دیا گیا تھا۔ اس قسم کا لباس عام طور سے اسپتال میں داخل ہونے والے مریضوں کو پہنایا جاتا ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ معمول پر آ گیا تھا یعنی اب اس کی طبیعت ٹھیک تھی۔ مگر وہ بے ہوش تھی۔ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی۔

''زرین..... اے تم سن رہی ہو؟''

لیکن اس کے جسم میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی چہرے پر کوئی تاثر آیا تھا ایسا لگ رہا تھا وہ مکمل طور پر بے ہوش تھی۔ میں نے دو تین بار اسے آواز دی۔ پھر میری توجہ اس کے دائیں ہاتھ کے ساتھ بندھی چمڑے کی بیلٹ کی طرف گئی۔ یہ بیڈ کے ساتھ منسلک تھی اور شاید زرین کا بایاں ہاتھ بھی اسی طرح بندھا ہوا تھا وہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر مجھے اس کے پیروں میں بھی ایسی ہی بیلٹیں بندھی نظر آئیں۔ ہمارے ساتھ یہ کیا ہو رہا تھا اور کون کر رہا تھا۔ میں نے سوچا تو مجھے ڈاکٹر کا خیال آیا اور میں ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا لیکن نہیں میں اٹھا نہیں تھا بلکہ میں نے کوشش کی تھی اور تب انکشاف ہوا کہ میرے ہاتھ اور پیر اسی طرح بیلٹ سے بندھے ہوئے تھے اور میں حرکت نہیں کر سکتا تھا صرف میرا سر آزاد تھا۔ البتہ منہ کھلا ہوا تھا اور پہلے میں نے چیخ چیخ کر ڈاکٹر کو گالیاں دینے کا سوچا لیکن پھر میں نے خود کو روک دیا اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس سے بہتر تھا کہ میں یہاں سے رہائی کی کوئی تدبیر کرتا۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا مشکل سے دس بائی دس کا اور اس میں [illegible] ان دو عدد بیڈز کے اور کچھ نہیں تھا۔ ہاں دو عدد ڈرپ اسٹینڈ تھے لیکن ان پر کچھ نہیں تھا۔ کمرے میں [illegible] دروازہ تھا نہ کوئی کھڑکی تھی اور نہ ہی کوئی روشن دان تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب سے پہلے تو میں نے ہاتھوں میں بندھی بیلٹوں کی مضبوطی کا جائزہ لیا اور ان سے زور آزمائی کی۔ جلد ہی تسلیم کرنا پڑا کہ یہ بیلٹیں بہت مضبوط تھیں اور ان کو توڑنا میرے بس سے باہر تھا۔ اس زور آزمائی کے دوران میں جسم میں درد محسوس کرنے کی کوشش کرتا رہا اگر مجھے گولی لگی تھی تو لازمی زخم میں ٹیسیں اٹھنی چاہیے تھی لیکن ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا تھا۔ شاید مسکن دوا بہت تیز تھی یا پھر مجھے گولی نہیں لگی تھی۔ میں نے یاد کیا کہ بے ہوش ہوتے وقت میں نے کیا محسوس کیا تھا تو مجھے لگا وہ گولی نہیں تھی۔ گولی کا زخم میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس کی تکلیف اور درد کا مجھے بہ خوبی علم تھا وہ تکلیف بالکل الگ تھی۔ کیا مجھ پر ڈارٹ گن آزمائی گئی تھی جو دوا والا بلٹ فائر کرتی ہے اور اس کی سوئی جسم میں پیوست ہو کر دوا انجکٹ کر دیتی ہے۔ میں نے شیف کے پاس عجیب سی ساخت کی بندوق بھی دیکھی تھی۔ یقیناً اس سے ڈارٹ فائر کیا گیا تھا۔

زور آزمائی کے دوران میں نے دیکھا کہ میرے جسم پر بھی وہی کسی قدر ریشمی اور ڈھیلا سا لباس تھا جو زرین نے پہن رکھا تھا۔ سردی کے موسم کے لحاظ سے یہ بالکل ناکافی تھا لیکن یہاں درجہ حرارت خوش گوار تھا۔ مجھے ڈاکٹر کے آخری الفاظ یاد آئے جو اس نے شیف سے کہے تھے کہ ہمیں بیسمنٹ کے نمبر چار میں پہنچا دیا جائے۔ یعنی ہم کسی تہہ خانے میں تھے اور یہ تہہ خانہ یقیناً اس کوٹھی میں تھا۔ مجھے کوٹھی کی ساخت یاد آئی۔ یہ عین بیچ سے اوپر تک کسی چھوٹی پہاڑی کی طرح پھیلی تھی اور یقیناً اس کی اوپری عمارت ایک دھوکا تھی اس کی اصل عمارت تہہ خانے میں تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس تہہ خانے کی کئی منزلیں ہوں۔ ان چند منٹوں میں میرے ذہن نے تجزیہ کر لیا تھا اور اس تجزیے کے مطابق میں فی الحال بالکل بے بس تھا اور سوائے آنے والے حالات کے انتظار کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سر گھما کر ایک بار پھر زرین کی طرف دیکھا۔

"زرین..... ہوش میں آؤ..... زرین۔"

میں کچھ دیر اسے مستقل پکارتا رہا لیکن اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور وہ بے ہوش تھی۔ تنگ آ کر میں نے کوشش ترک کر دی اور خود کو ذہنی انتشار سے بچانے کے لیے ایک سانس کی مشق کرنے لگا۔ اس سے مجھے سکون ملا تھا اور میں آنکھ بند کر کے لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ کوئی اندر آیا تھا اور میرے پاس آیا۔ میں ساکت لیٹا رہا تھا۔ آنے والے نے کلائی پکڑ کر میری نبض دیکھی اور چند لمحے بعد ڈاکٹر کی آواز آئی۔

"شہباز مجھے معلوم ہے تم ہوش میں آ گئے ہو۔"

میں نے آنکھ کھولی۔ "ہاں میں ہوش میں ہوں لیکن افسوس کہ تمہاری گردن نہیں توڑ سکتا میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔"

وہ ڈاکٹر کا مخصوص سفید کوٹ پہن کر کھڑا تھا۔ میری بات سن کر بھی اس کا چہرہ تاثرات سے عاری رہا تھا۔

"تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"سکون اور بے حسی..... کیا مجھے کوئی سن کرنے والی یا مسکن دوا دی گئی ہے؟"

"نہیں یہ اس دوا کا اثر ہے جو ڈارٹ کی مدد سے تمہارے جسم میں اتاری گئی تھی یہ اتنی زود اثر ہے کہ سیکنڈ میں انسانی جسم کو مفلوج کر دیتی ہے اور دس سیکنڈ کے اندر وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گویا میرا اندازہ درست تھا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا اور سر سے اپنے بندھے جسم کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا مقصد ڈاکٹر؟''

''ابھی تو نہیں لیکن جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''البتہ تم بے فکر رہو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس لیے آزاد ہونے کی بے سود کوشش میں اپنی توانائیاں ضائع مت کرنا۔''

''تم نے جس طرح ہمیں قید کیا پھر کسی دوا کا تجربہ کیا اور پھر دھوکے سے بے ہوش کر کے یہاں تک پہنچا دیا ہے اس کے بعد میں کس طرح تمہارے الفاظ پر یقین کر سکتا ہوں؟''

''تمہاری مرضی۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''مت یقین کرو لیکن ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔''

''میری بیوی کی طبیعت کیسی ہے یہ مکمل طور پر بے ہوش ہے۔''

''اب یہ ٹھیک ہے اور اسے ذہنی الجھن سے بچانے کے لیے میں نے بے ہوش رکھا ہے لیکن دو گھنٹے میں جاگ جائے گی اور تب تم اسے سمجھا سکو گے کہ وہ بلاوجہ کے شور شرابے سے گریز کرے۔''

''کیا اس نے شور کیا تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ تعاون پر آمادہ نہیں تھی اس لیے مجبوراً اسے بے ہوش کرنا پڑا۔ بہرحال اب یہ ٹھیک ہے۔''

''ڈاکٹر تم نے ہمیں کون سی دوا دی تھی جس کا سارا ڈوز زرین کی چائے میں چلا گیا تھا اور اس کے اثر سے وہ بیمار پڑ گئی تھی۔''

''یہ ایک مخصوص دوا ہے اس کے اثر سے انسان کی قوت ارادی غیر محسوس انداز میں ختم ہو جاتی ہے اور وہ دوسروں کی بات یوں مانتا ہے جیسے یہ اس کا اپنا خیال ہو۔ تم نے محسوس نہیں کیا کہ تم اور تمہاری بیوی میری باتیں کتنی آسانی سے مان رہے تھے جب کہ عام حالت میں تم لوگ میری یہ باتیں کسی صورت نہیں مانتے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا جب میں اس کی نہ ماننے والی باتیں بھی آسانی سے مانتا جا رہا تھا تب میرے لاشعور میں یہ بات کھٹک رہی تھی اور مجھے اپنی فرماں برداری پر تعجب ہو رہا تھا۔ تو یہ وجہ تھی میں نے سوچا اور پھر مجھے ایک خیال آیا۔ ''کیا اس دوا کے اثر سے انسان میں جنسی تحریک بھی پیدا ہوتی ہے؟''

''اسی وجہ سے مجھے آسانی ہوئی تھی کہ تم میاں بیوی ہو اور اگر تمہیں ایسی تحریک محسوس ہوگی تو تم اسے فطری خیال کرو گے۔''

میں اندر سے چونک گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جب ہمارے کمرے میں کیمرہ تھا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ہماری باتیں سنی جا رہی ہوں اور اس صورت میں ان کو پتا چل جانا چاہیے تھا کہ ہم میاں بیوی نہیں تھے لیکن ڈاکٹر کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اسے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ یعنی جب مجھ پر اور زرین پر دوا کا اثر ہو رہا تھا اور میں اسے رد کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو وہ حصہ فلکٹر کسی وجہ سے دیکھ یا سن نہیں سکا تھا۔ اس کی وجہ فنی بھی ہو سکتی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ ڈاکٹر اس وقت کنٹرول روم میں موجود نہ ہو۔ معاملہ صاف ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اور زرین بچے رہے تھے۔ حالانکہ اس قسم کی دواؤں کے اثر کے خلاف مزاحمت کرنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ یہ خدا کا احسان تھا کہ اس نے ہمیں ہمیشہ کی شرمندگی سے بچا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ڈاکٹر کیا تم کوئی نفسیاتی مریض ہو یا انسانیت سے عاری شخص جو دوسروں کو اپنے تجربات کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔''

وہ مشتعل ہوئے بغیر اطمینان سے بولا۔ ''تم جو چاہے سمجھ سکتے ہو۔ اب تم آرام کرو۔''

میں کسمسایا۔ ''اے سنو..... ہمیں اس طرح باندھ کر رکھا ہے کیا ہمیں کچھ ضروریات نہیں ہوں گی۔''

''فی الحال نہیں ہوں گی۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''لیکن تم فکر مت کرو جب تمہیں کوئی ضرورت محسوس ہوگی تو تمہیں کھول دیا جائے گا۔''

وہ کہہ کر کمرے سے چلا گیا۔ میں اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ دروازے کے دوسری طرف کا منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ ہم ایک اور مصیبت میں پھنس چکے تھے اگرچہ یہ مرشد نامی مصیبت کا تسلسل نہیں تھا۔ یقیناً ڈاکٹر کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے کسی مفاد کے لیے ہمیں استعمال کرنا چاہ رہا تھا۔ اگرچہ اس نے مجھے تسلی دی تھی کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوگا لیکن میں اسے طفل تسلی سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اجنبی ہونے کے باوجود ہمارے خلاف سازش کر کے اور پھر اس طرح قید کر کے اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ دشمن تھا۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ابھی وقت کیا ہوا تھا اور میں کتنی دیر بے ہوش رہا تھا۔ میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا لیکن اس وقت مجھے بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی اب یا تو میں زیادہ دیر بے ہوش نہیں رہا تھا یا اس دوا کے اثر نے بھوک کو مٹا دیا تھا یا پھر مجھے بے ہوشی کے دوران میں کسی اور طریقے سے طاقت کی کوئی دوا دی گئی تھی۔ مجھے اپنی توانائیوں میں بھی کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

میں جس بستر پر لیٹا تھا اس پر زیادہ موٹا گدا نہیں تھا یہ چار انچ موٹا تھا اور بس اتنا نرم تھا کہ چبھ نہیں رہا تھا۔ میں سر ٹکا کر سوچنے لگا۔ ڈاکٹر کی مہربانیوں کے پس پشت یہ چکر تھا۔ نہ جانے وہ ہم پر کس قسم کا تجربہ کرنا چاہ رہا تھا۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا پھر میں زرین کی کراہ سن چونکا۔ وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ میں نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے گداز ہونٹ نیم وا تھے۔ بہ ظاہر ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی غلط حرکت کی گئی تھی اور نہ ہی میں نے ڈاکٹر کو اس قسم کا آدمی محسوس کیا تھا جو عورتوں میں دلچسپی لیتا ہو اس نے زرین کو بالکل معمول کے مطابق لیا تھا اس کے باوجود وہ بے ہوشی کی حالت میں اس کے قابو میں تھی اور وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کرنے کے لیے آزاد تھا۔

''زرین۔'' میں بلند آواز سے کہا۔ ''تم میری آواز سن رہی ہو؟''

وہ چونکی اور اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں چند لمحے خالی سی رہی تھیں پھر ان میں شناسائی کی چمک ابھری اور اس نے کہا۔ ''شہباز ہم کہاں ہیں؟''

''ہم ڈاکٹر کی قید میں ہیں، تمہیں یاد ہے تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی اور تم الٹی کر کے بے سدھ ہو گئی تھیں؟''

اس نے سوچا اور پھر سر ہلایا۔ ''ہاں..... اتنا تو یاد ہے لیکن اس کے بعد کیا ہوا تھا؟''

''کیا تمہیں یاد نہیں ہے؟''

''نہیں اس کے بعد بالکل یاد نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بالکل ٹھیک لگ رہی ہے۔'' اس نے کہا اور اس دوران میں اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اس نے اٹھنے اور آزاد ہونے کی کوشش کی پھر ناکام ہو کر بولی۔ ''یہ..... یہ کیا ہے؟''

''ہم اس وقت ڈاکٹر کی قید میں ہیں وہ کمینہ دشمن نکلا ہے۔''

زرین گھبرا گئی تھی۔ ''مرشد کا آدمی؟''

''بہ ظاہر تو ایسا نہیں لگ رہا ہے لیکن کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''اس نے اس طرح کیوں باندھ رکھا ہے۔'' اس نے ایک بار پھر ہاتھ آزاد کرانے کی کوشش کی۔ میں نے اسے روکا۔

''بے کار ہے تمہارے ہاتھ دکھ جائیں گے۔ یہ بہت مضبوط بیلٹس ہیں۔''

لیکن زرین نے ہاتھ نکالنے کی کوشش ترک نہیں کی تھی۔ وہ پریشان اور مشتعل ہو رہی تھی اور دبی آواز میں ڈاکٹر کو گالیاں بھی دے رہی تھی۔ میں نے پھر منع نہیں کیا اور خاموشی سے اسے جدوجہد کرتے دیکھ رہا پھر وہ تھک گئی۔ اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز کچھ کرو۔''

''فی الحال تو کچھ نہیں کر سکتا میں بھی تمہاری طرح بے بس ہوں۔ میں نے ان کی سازش کے بارے میں جان لیا تھا اور اس کے بعد تمہیں لے کر فرار کی کوشش کی تھی لیکن کوشش ناکام رہی۔''

''کیسی سازش؟'' وہ چونکی۔

میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ میں نے کس طرح ڈاکٹر اور شیف کی باتیں انٹر کام پر سن لی تھیں اور پھر اس کے علاج کے بہانے ڈاکٹر کو بلا کر ہینڈ اَپ بھی کر لیا تھا لیکن کمند اس وقت ٹوٹ گئی جب دو چار ہاتھ لب بام رہ گئے تھے۔ ''پتا نہیں اس بد بخت شیف نے کس دوا کی گولی ماری کہ میں فوراً ہی بے حس ہو گیا تھا اور چند سیکنڈ کے اندر بے ہوش بھی ہو گیا۔''

''اسے کیسے پتا چلا کہ تم نے ڈاکٹر کو ہینڈ اَپ کرا لیا ہے؟''

''میرا خیال ہے یہاں کیمرے اور مائیک لگے ہیں اور اس نے کیمرے پر دیکھ لیا تھا پھر چھپ کر مجھ پر وار کر دیا۔''

میں نے زرین کو پہلے دی جانے والی دوا کے بارے میں نہیں بتایا جو انسان کی قوت ارادی ختم کرتی ہے اور اس کے ضمنی اثرات میں جنسی جذبات کی تحریک بھی شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس طرح بات کھلتی اور اگر وہ یہاں کی باتیں سن رہے تھے تو ان کو پتا چل جاتا کہ ہم میاں بیوی نہیں ہیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ بات ان کو معلوم بھی نہ ہو۔ زرین سوچ رہی تھی اس نے کہا۔ ''کیا یہاں بھی کیمرے اور مائیک ہوں گے؟''

''بالکل یہ ہماری ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوں گے۔'' میں نے زور دے کر اور زرین کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔ پتا نہیں وہ سمجھی یا نہیں سمجھی تھی۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں اس کے منہ سے نہ نکل جائے کہ ہم میاں بیوی نہیں ہیں۔ اگرچہ اس سے ہماری جو حالت تھی اس پر خاص فرق نہیں پڑتا لیکن دشمن سے جو بات چھپائی جا سکتی ہے اسے چھپانا چاہیے نہ جانے کب اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔'' زرین نے روہانسے لہجے میں کہا۔ ''پلیز ان سے کہو ہمیں بے شک اس کمرے میں بند کر دیں لیکن یوں باندھ کر نہ لٹائیں۔''

''تمہاری طبیعت خراب ہو رہی ہے؟''

''نہیں مجھے اس طرح بندھے ہونے سے وحشت ہو رہی ہے اور میرا دل چاہ رہا ہے چیخ چیخ کر رووں۔''

''تو رو ممکن ہے اس کا کوئی اثر ہو جائے۔'' میں نے اسے اجازت دے دی۔ اس نے سچ مچ بلند آواز سے رونا شروع کر دیا اور ساتھ ہی چلانے لگی۔

''ہمیں کھول..... جانوروں کی طرح باندھ رکھا ہے..... تم لوگ سن رہے ہو..... کتو کمینو.....'' وہ گالیوں پر اتر آئی تھی۔ دوسری خواتین کی طرح اس کی آواز بہت ہائی پچ تھی اور یقیناً دور تک سنائی دے رہی ہوگی۔ اگرچہ یہاں مائیک نہیں لگے تھے تب بھی اس کمرے سے باہر سنائی دے رہی ہوگی لیکن کسی طرف سے کوئی ردِعمل نہیں ہوا تھا۔ چند منٹ بعد زرین تھک گئی تھی۔ اب وہ خاموشی سے رو رہی تھی اور میں نے اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی میں چاہتا تھا اس کے دل کا غبار نکل جائے اور وہ پُرسکون ہو جائے۔ کوئی دس پندرہ منٹ بعد وہ چپ ہو گئی۔ پھر اس نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔ ''تم نے مجھے چپ نہیں کرایا۔''

''میں چاہتا ہوں تم اپنا دل ہلکا کر لو ورنہ اس طرح سوچیں انسان کو پاگل کر دیتی ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''اب میں بہتر محسوس کر رہی ہوں۔''

''زرین اپنا حوصلہ بلند رکھو..... خدا نے چاہا تو ہم یہاں سے نکل جائیں گے اور یہ ہمیں قید نہیں رکھ سکیں گے لیکن یہ کام اپنے وقت پر اور اس صورت میں ہوگا جب ہم حوصلہ رکھیں اور مایوسی کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔'' اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ پھر اچانک اسے خیال آیا۔ ''میرا لباس کس نے تبدیل کیا ہے؟''

''ظاہر ہے ان ہی لوگوں نے۔'' میں نے جواب دیا اور کوشش کی کہ میرے لہجے سے اشتعال جھلکے تاکہ وہ سن رہے ہوں تو ان کو میرا لہجہ ایک باغیرت شوہر کا لگے۔ زرین کا شرم اور غصے سے برا حال ہو گیا اور اس بار اس نے ذرا زیادہ وزنی گالیاں ان لوگوں کو دی تھیں۔

''ذلیل، کمینے۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولی۔ ''میرے ہاتھ آزاد ہوں اور یہ میرے سامنے آ جائیں تو ان کی آنکھیں نوچ لوں۔''

''حوصلہ رکھو ہمیں بھی موقع ملے گا۔''

''شہباز یہ کیا چاہتے ہیں؟'' زرین کا لہجہ تشویش زدہ ہو گیا۔ ''انہوں نے کیوں اس طرح ہمیں باندھ رکھا ہے۔''

اس کا جواب تو تھا کہ شاید صورت سے نفیس نظر آنے والا یہ خبیث ڈاکٹر ہمیں کسی تجربے کی بھینٹ چڑھانا چاہتا تھا لیکن میں نے زرین سے نہیں کہا۔ ''پتا نہیں ان کے کیا مقاصد ہیں۔''

''شہباز میری طبیعت جو خراب ہوئی تھی اس کی وجہ بھی یہی ڈاکٹر ہوگا میرا خیال ہے اس نے کھانے یا پینے کی کسی چیز میں مجھے کچھ دیا تھا جس سے میری طبیعت خراب ہو گئی اور اس کا مقصد بہرصورت ہمیں یہاں روکنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے اور جب اس نے دیکھا کہ اس کا بھانڈہ پھوٹ گیا ہے تو یہ کھل کر سامنے آ گیا اور اس نے دھوکے سے ہمیں قابو کر کے اس طرح یہاں قید کر دیا ہے۔''

''کاش کسی طرح میرا ایک ہاتھ آزاد ہو جائے۔'' اس نے پھر کوشش شروع کر دی۔ یہ بکل اور سوراخ رکھنے والی بیلٹیں تھیں۔ جو سخت موٹے اور مضبوط ترین چمڑے سے بنی تھیں ان کو کلائی کی موٹائی کے لحاظ سے بڑھایا جا سکتا تھا اور یہ بالکل سخت بھی نہیں ہوتی تھیں کہ دوران خون روک دیں۔ ان میں ذرا گنجائش رکھی جاتی تھی لیکن اس کے علاوہ یہ پھیلنے کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں رکھتی تھیں اور ان کے ساتھ کتنی زور آزمائی کر لی جاتی یہ ٹس سے مس بھی نہ ہوتیں۔

''زرین تمہارا ہاتھ زخمی ہو جائے گا۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''لیکن یہ ڈھیلی نہیں ہوں گی۔ انہوں نے یہ انتظام عارضی طور پر نہیں کیا ہے بلکہ یہ پہلے سے ہے۔''

زرین نے کوشش ترک کر دی اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''تمہارا مطلب ہے یہ ہم سے پہلے دوسرے لوگوں کو بھی یہاں قید کر چکے ہیں؟''

''ظاہر ہے ورنہ تم دیکھو یہ خاص طور سے مضبوط فولادی پائپس سے تیار کرائے بیڈ ہیں جو عام نظر نہیں آتے ہیں۔ ان پر بیلٹس لگانے کی جگہ ہے اور یہ خاص لوگوں کو بے بس کر کے لٹانے کے لیے تیار کیے گئے ہیں اور یہ فوری نہیں بن سکتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' اس کا لہجہ ڈوبنے والا ہو گیا تھا۔ ''اس کا مطلب ہے یہ مجرم ذہن لوگ ہیں جو انسانوں کو قید کر کے نہ جانے ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟''

میں خود کو ذہنی طور پر بدترین حالات کے لیے تیار کر رہا تھا لیکن یہ بات زرین کو نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ نازک عورت تھی اور ان حالات کی عادی بھی نہیں تھی اگر اسے احساس ہو جاتا کہ اس کے ساتھ کوئی برا سلوک ہونے والا ہے تو وہ پہلے ہی حوصلہ ہار جاتی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اسے اچھی امید دلائی جائے۔ ''بہتری کی امید رکھو۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''ہمارا سب سے بڑا اور واحد سہارا خدا ہے۔''

''ہاں ان حالات خدا کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''صرف ان حالات میں نہیں بلکہ کسی بھی حالت میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں بچا سکتا ہے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''یہ بتاؤ تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟''

''کیوں کیا ہمارے لیے کھانا لگایا جانے والا ہے؟'' اس نے طنز کیا۔

''کھانے کا تو نام مت لو۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''لیکن تم نے محسوس نہیں کیا ہم نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا اس کے باوجود مجھے بھوک نہیں لگ رہی ہے۔''

اس نے غور کیا۔ ''ہاں بھوک تو مجھے بھی نہیں لگ رہی ہے۔ اگر ہم چند گھنٹے بھی بے ہوش رہے ہیں تب بھی ہم کو بھوک تو لگنا چاہیے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہیں بھوک محسوس نہیں ہو رہی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''ممکن ہے ہمیں بے ہوشی کے دوران طاقت کی کوئی دوائی دی گئی ہو۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''اس وجہ سے ہمیں بھوک اور پیاس محسوس نہ ہو رہی ہو۔''

''اس مہربانی کی وجہ؟''

''اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے اگر ہمیں باقاعدہ خوراک دی جائے تو واش روم کا مسئلہ بھی پیدا ہوگا اور کھانا کھلانے کے لیے بھی کھولنا ہوگا جب یہ کسی صورت ہمیں کھولنا نہیں چاہتے ہیں۔ انجکشن یا کسی اور ذریعے سے طاقت کی دوا دے کر انہوں نے یہ مسئلہ حل کر لیا ہے اگر ہم ان سے پانی مانگیں گے تو یہ پانی بھی نہیں دیں گے۔''

''پانی مانگنا تو الگ رہا یہ ہماری بات ہی نہیں سن رہے ہیں۔''

''دو گھنٹے پہلے ڈاکٹر آیا تھا اور اس نے کہا ہے کہ اس کا مقصد ہمیں نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ جلد ہمیں پتا چل جائے گا کہ اس نے ہمیں یہاں کیوں قید کر رکھا ہے۔''

زرین کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ ''شہباز مجھے لگ رہا ہے تم اس مسئلے کو بہت کم کر کے دکھا رہے ہو ورنہ میرے اندر سے کوئی کہہ رہا ہے کہ ہمارے ساتھ بہت خوفناک بات ہونے والی ہے۔''

''فی الحال اس مسئلے پر مت سوچو کیونکہ ہم آنے والے وقت سے بے خبر ہیں اور اس کے بارے میں جتنا سوچیں گے ہمارا دماغ اتنا ہی الجھتا جائے گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''اس لیے بہتر ہے اس میں زیادہ دماغ مت کھپاؤ۔''

''کیا کروں اس حالت میں ایسی ہی سوچیں آ سکتی ہیں۔''

''پھر بھی اپنے ذہن کو قابو میں رکھو۔''

''گھر والے ہمیں تلاش کر رہے ہوں گے؟'' اس نے عبداللہ یا کسی کا نام لیے بغیر کہا۔

''بالکل وہ ہماری تلاش جاری رکھے ہوں گے اور مجھے یقین ہے جلد یا بدیر وہ یہاں آنے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔''

زرین نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ یہاں بھی آ سکتے ہیں؟''

''تم جانتی تو ان کو..... وہ کہیں بھی پہنچ سکتے ہیں۔'' میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''اور ایک بار وہ یہاں پہنچ تو دیکھ لینا ان سب کی ایسی کم تیسی کر کے رکھ دیں گے۔''

زرین کی سمجھ میں نہیں آیا تھا اس نے کہا۔ ''تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو ان کو بھلا کیا پتا؟''

''تم دیکھ لینا۔'' میں نے یقین بھرے انداز میں کہا۔ میری نظر دروازے کی طرف تھی اور میری توقع کے مطابق کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ڈاکٹر اندر آیا۔ اسے دیکھتے ہی زرین اہل پڑی تھی اس نے بے نقط سناتے ہوئے کہا۔

''ذلیل شخص تمہاری جرأت کیسے ہوئی ایک اجنبی عورت کا لباس تبدیل کرنے کی؟''

''خاتون..... خاتون۔'' ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''مجبوری تھی لیکن ہم نے تمہیں ایک مریض کے طور پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا ہے اور یقین کرو تمہیں اس حوالے سے ذرا بھی نقصان نہیں ہوا ہے۔"

"نقصان نہیں ہوا ہے۔" زرین زہریلے انداز میں بولی۔ "ایک عورت کو بے لباس کر کے کہتے ہو کہ اسے کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔"

ڈاکٹر نے شانے اچکائے۔ "مرضی تمہاری..... مت یقین کرو۔ فی الحال تمہیں یہ سوچنا چاہیے کہ اب کیا ہوگا؟"

زرین کی زبان رک گئی تھی اور اس نے خوف زدہ نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔ "کیا کرو گے تم لوگ ہمارے ساتھ؟"

"اس کا جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔" وہ بولا اور اس نے جھک کر زرین کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تمہارا علاج کر دیا گیا ہے اور اب تم بالکل ٹھیک محسوس کر رہی ہو گی؟"

"مجھے بیمار بھی تم نے کیا تھا۔"

"مجھے اعتراف ہے۔" وہ بولا پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "تمہارے ایسے کون سے ساتھی تھے جو تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ سکتے ہیں؟"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہمارے کچھ ساتھی ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"میں نے تمہارے منہ سے سنا ہے۔"

"یعنی جب میں کہہ رہا تھا تو تم دروازے کے باہر موجود تھے۔" میں نے مزید بھولپن سے پوچھا تو وہ چڑ گیا۔

"تم اتنے بے وقوف نہیں ہو جتنا کچھ خود کو ظاہر کر رہے ہو۔"

"او کے تم بتا دو تم کو کس طرح پتا چلا؟"

"یہاں خفیہ مائیک لگے ہیں اور تمہارے سانس لینے کی آواز بھی ہم سن سکتے ہیں۔"

"یعنی ہم میں سے کوئی سانس روک لے تو تم سمجھ جاؤ گے کہ وہ اس دنیا سے گزر گیا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "ڈاکٹر تمہارے ذہین ہونے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔"

ڈاکٹر کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا اور وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے اشتعال دلا رہا ہوں۔ اس نے میری طرف جھکتے ہوئے ذرا پھنکار کر کہا۔ "تم بہت شوخ ہو رہے ہو اور بالکل بھول گئے ہو کہ اس وقت تم میرے قبضے میں بالکل بے بس ہو میں تم دونوں کے ساتھ جو چاہوں کر سکتا ہوں۔"

"میں ڈر گیا۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن سوال یہ ہے کہ اگر میں شوخی نہ دکھاؤں تو کیا تب بھی تم میرے خلاف کچھ نہیں کرو گے اور ہمیں جانے کی اجازت دے دو گے؟"

"نہیں یہ کسی صورت ممکن نہیں ہے۔" اس نے انکار کر دیا۔ "لیکن تمہاری زبان آوری کا صلہ تمہیں اضافی تکلیف کی صورت میں مل سکتا ہے۔"

زرین خوف زدہ ہو گئی۔ "شہباز خدا کے لیے اس کے منہ مت لگو۔"

میں زرین کا خوف سمجھ رہا تھا۔ وہ عورت تھی اور اسے خوف تھا کہ یہ لوگ کہیں اس سے کوئی زیادتی نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں۔ میں اور وہ بالکل بے بس تھے۔ اگر وہ کچھ کرنے پر اتر آتے تو ہم ان کو نہیں روک سکتے تھے۔ میں نے زرین کی طرف دیکھا۔ ''اگر ہم ان کے منہ نہ لگیں تب بھی انہوں نے ہمارے خلاف جو کرنا ہے وہ تو کریں گے۔''

''کرنے دو۔'' زرین نے التجا کی۔ ''لیکن ابھی اس کے منہ مت لگو۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر میں اپنی بیوی کی بات نہیں ٹال سکتا اس لیے میں نے جو جملے بازی کی ہے اسے ریکارڈ سے ہذف کر سکتے ہو۔''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا پھر جھٹکے سے مڑ کر چلا گیا۔ شاید وہ اس رویے کا عادی نہیں تھا جو میں نے اس کے ساتھ برتا تھا وہ بھول گیا تھا کہ مجھ سے میرے ساتھیوں کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ میری کوشش تھی کہ اس کی زبان سے اگلوا سکوں کہ وہ ہمارے ساتھ کیا کرنا چاہتا تھا میرا خیال تھا وہ اشتعال میں آ کر کہہ جائے گا لیکن اس نے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا لیکن یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کمرے میں مائیک لگے تھے اور یہاں بولا جانے والا ایک ایک لفظ کہیں اور سنا جا رہا تھا۔ البتہ ڈاکٹر نے کیمرے کا ذکر نہیں کیا تھا تو اس کا امکان تھا کہ یہاں کیمرے نہیں تھے۔ اگر ہم خاموشی سے کچھ کرتے تو ان کو خبر نہ ہوتی۔ اگرچہ ابھی ہم کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں نے چرمی بیلٹوں اور ان فولادی پائپوں کا جائزہ لیا جن سے یہ بیلٹس منسلک تھیں۔ پاؤں والی بیلٹس اس طرف فولادی پائپ سے منسلک تھی جب کہ ہاتھوں والی بیلٹس دائیں بائیں بستر کے ساتھ لگے فولادی پائپوں سے بندھی ہوئی تھیں اور ان کو اوپر آنے سے روکنے کے لیے اوپر اور نیچے کے پائپوں میں چھوٹے پائپ جوڑے ہوئے تھے۔ اس لیے میرے یا زرین کے لیے ممکن نہیں تھا کہ ہم ہاتھ اوپر لا سکیں۔ یہ اہتمام شاید اس لیے کیا گیا تھا گو کوئی منہ کی مدد سے بیلٹ کے بکل کا ہک نکالنے کی کوشش نہ کرے۔ گویا انہوں نے ہر زاویے سے اس بات کا سدباب کر لیا تھا کہ کوئی اس بیڈ کی قید سے آزاد نہ ہو سکے۔ صرف ہمارے سر آزاد تھے اور وہ بھی کسی حد تک اوپر اٹھانے کے لیے۔

''شہباز۔'' زرین نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا یہ ہم پر ڈاکٹری کا کوئی تجربہ کرے گا؟''

''کیا کہہ سکتے ہیں۔ میں نے کہانیوں میں پڑھا ہے اور فلموں میں بھی دیکھا ہے کہ اس قسم کے نفسیاتی مریض ڈاکٹر ہوتے ہیں جو زندہ انسانوں پر تجربات کرتے ہیں لیکن دیکھا پہلی بار ہے۔''

زرین ڈر گئی۔ ''یعنی یہ ہم پر تجربہ کر سکتا ہے؟''

''ہمیں بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔ ''ممکن ہے اس کے مقاصد کچھ اور ہوں۔''

''کہیں یہ مرشد.....''

''نہیں۔'' میں نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میرا نہیں خیال کہ اس کا تعلق اس سے ہے اور اب تم چپ کر کے آرام کرو۔''

زرین سمجھ گئی کہ اس کی بے احتیاطی مجھے پسند نہیں آئی ہے۔ وہ مرشد کا ذکر کرنے جا رہی تھی۔ ڈاکٹر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا لیکن وہ بار بار ہم سے اس کا نام سنتا تو شاید اسے تشویش لاحق ہو جاتی۔ زرین نے معذرت خواہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور خاموش ہو گئی۔ مجھے ہوش میں آئے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ در مجھے ڈارٹ گن کے ذریعے جو دوا دی گئی تھی اس کا اثر اب ختم ہو رہا تھا تو جسم سے سن کرنے والی سکون آور کیفیت بھی ختم ہو رہی تھی درد جاگ اٹھا تھا یہ درد دو جگہوں پر تھا ایک پشت میں جہاں ڈارٹ آ کر لگی تھی اور دوسرا بازو میں جہاں یقیناً انجکشن لگا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ زرین کو یہی دوا دی گئی تھی یا اسے کسی عام خواب آور دوا کے زیر اثر رکھا گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''تمہیں بازو میں کہیں تکلیف ہو رہی ہے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''پہلے نہیں ہو رہی تھی لیکن اب ہونے لگی ہے جیسے بازو میں انجکشن لگایا گیا ہو۔''

''میری بھی یہی کیفیت ہو رہی ہے۔''

''اس سے مجھے لگ رہا ہے کہ یہ ہم پر کوئی تجربہ کرنے والا ہے ورنہ اسے ہمارا اتنا خیال رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟''

زرین کا خیال درست لگ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اس بات کا پورا خیال رکھا تھا کہ ہم کمزور نہ ہوں۔ بلکہ سچی بات ہے مجھے اپنے اندر اضافی توانائی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید وہ ہمیں طاقتور دوا انجکشن کے ذریعے دے چکا تھا۔ اس کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ ہم جسمانی طور پر کمزور نہ ہوں اور وہ ہم پر کوئی تجربہ کر سکے۔ پتا نہیں ہم کس جنونی کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر کمرے میں آیا۔ وہ ایک ٹرالی دھکیل کر لایا تھا جس پر انجکشن اور مختلف چیزیں رکھی تھیں۔

''یہ کس لیے لائے ہو؟'' میں نے پوچھا۔ مجھے فکر ہوئی تھی اور زرین بھی خوف زدہ نظر آنے لگی تھی۔

''تم دونوں کو خوراک دینی ہے۔'' اس نے ایک بڑے سائز کی شیشی اٹھائی جس میں زرد سیال بھرا ہوا تھا۔ ''اس کا ایک پچاس ملی لیٹر کا انجکشن تمہیں آنے والے بارہ گھنٹے کے لیے بھوک پیاس کی ضرورت سے بے نیاز کر دے گا۔''

''ہم یہ انجکشن نہیں لیں گے۔'' میں نے کہا۔

''میں بھی نہیں لوں گی۔'' زرین بولی۔

''تم انکار نہیں کر سکتے ہو۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''لیکن پہلے مجھے تمہارا بلڈ سیمپل لینا ہے۔'' اس نے ایک خالی سرنج اٹھائی۔

میں کسمسایا۔ ''تم چاہتے کیا ہو؟''

''میں نے کہا نا تمہیں مجھ سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

''بھاڑ میں گئی تمہاری یقین دہانی۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''تم میرے جسم سے ایک قطرہ خون نہیں نکال سکتے ہو۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر زرین کی طرف بڑھا۔ وہ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر سہم کر سمٹنے لگی لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندھے ہونے کی وجہ سے اس کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے آرام سے آدھی آستین کے نیچے سے اس کا سنہری بازو پکڑا اور سرنج کی سوئی اس کی ابھری رگ میں داخل کر دی۔ اس نے سسکی لی لیکن مزاحمت نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر نے آدھی سرنج بھر لی تھی۔ پھر اس نے سرنج واپس کھینچ کر اس کا بازو روئی سے صاف کر کے روئی کو کچھ دیر تک دبا کر رکھا۔ پھر میری طرف دیکھا۔ ''اب تمہاری باری ہے۔''

''میں اتنی آسانی سے تمہیں اپنے جسم سے خون نہیں نکالنے دوں گا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''اگر آسانی سے نہیں دو گے تو مشکل سے دو گے۔'' اس نے کہا۔ ''کیا تم پسند کرو گے میں تمہاری بیوی کو بے لباس کر دوں؟''

''نہیں۔'' زرین چلائی۔ ''اگر تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو.....''

''تو تمہارا شوہر توپ چلا دے گا اور مجھے اُڑا دے گا۔'' اس نے ہنس کر زرین کی بات کاٹی اور اس کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

''ٹھیک ہے ذلیل آدمی تم جو چاہے کرو۔''

وہ میری طرف آیا۔ ''اب کی نا تم نے عقل کی بات ویسے مجھے خود بھی یہ دھمکا دے کر کوفت ہوئی ہے لیکن اس کام کے لیے تم نے مجھے مجبور کیا ہے۔''

''بہتر ہو گا تم اپنا کام کرو۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''فضول باتوں سے گریز کرو۔''

''تم میرے قبضے میں ہو اور تمہیں میری بات سننا ہو گی۔''

''بولتے رہو۔'' میں نے یوں کہا جیسے اسے بھونکتے رہنے کا مشورہ دے رہا ہوں۔ اس نے میرا بازو پکڑ کر نس ابھاری اور ٹرالی سے دوسری سرنج اور روئی اٹھائی اس نے جگہ صاف کی اور پھر سرنج نس میں اتار دی۔ اس نے اتنا ہی خون نکالا جتنا کہ زرین کا نکالا تھا۔ اس نے دونوں سرنجیں ٹرالی پر برابر برابر رکھیں تھیں جس سرنج سے زرین کا خون نکالا تھا اس کے اندر سکشن ربڑ سیاہ رنگ کا تھا اور جس میں میرا خون تھا اس کا ربر سبز رنگ کا تھا۔ اس کے بعد اس نے طاقت والے انجکشن کی شیشی اٹھائی اور اسے ہلایا۔ پھر اس نے ایک اور سرنج لی اور چھوٹا انجکشن اٹھا کر اس کی سیل توڑی اور اس کی دوا سرنج میں بھر کر اسے طاقت کے انجکشن کی شیشی میں منتقل کر دیا۔ اس کے اوپر ربر کی مخصوص سیل تھی جس سے سرنج کی سوئی گزر جاتی ہے۔ اس نے سرنج خالی کر کے ایک بار پھر شیشی کو ہلایا اور پھر ایک بڑے سائز کی سرنج اٹھا کر دوا اس میں منتقل کرنے لگا۔ ساری دوا اس نے سرنج میں منتقل کر دی۔ اس کے بعد پہلے زرین کی طرف گیا اور سوئی اس کے بازو میں اتار دی یہ گوشت میں لگنے والا انجکشن تھا جو بہت تکلیف دیتا ہے اسی لیے زرین کی کراہ نکل گئی تھی۔ نصف سرنج اس کے بازو میں خالی کر کے اس نے سوئی نکال لی اور اس جگہ ایک چھوٹا سا ٹیپ لگا دیا تا کہ دوا دباؤ کی وجہ سے باہر نہ نکل جائے۔ وہ میری طرف آیا تو میں نے پوچھا۔

''تم نے طاقت کے انجکشن میں دوسری دوا کون سی ڈالی ہے؟''

''یہ نیند کی دوا ہے۔ تمہارا سو جانا بہتر ہے ورنہ یہ انجکشن درحقیقت بہت تکلیف دیتا ہے اور یہ تکلیف تین چار گھنٹے سے پہلے نہیں جاتی ہے۔ اسے برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا ہے تو بہتر ہے یہ وقت سو کر گزار لیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے۔"

"اس طرح تمہیں بھی نگرانی کے چکر سے نجات مل جائے گی۔" میں نے طنز کیا۔

"چلو ایسا ہی سمجھ لو۔" اس نے مسکرا کر کہا اور سوئی میرے بازو کے پٹھے میں اتاری۔ بڑی سائز کی سوئی کی تکلیف خاصی تھی لیکن جب اس نے دوا انجکٹ کرنا شروع کی تو کوشش کے باوجود میں اپنی کراہ نہیں روک سکا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے ڈاکٹر نے دوا نہیں کوئی زہر انجکٹ کر دیا ہے۔ مجھے تعجب ہوا کہ زرین کس طرح یہ تکلیف برداشت کر رہی تھی لیکن میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بند تھیں اور سر ڈھلکا ہوا تھا۔ صاف لگ رہا تھا وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر نے تصدیق کی۔ "وہ سو چکی ہے۔ یہ دوا صرف ایک منٹ میں اثر کرتی ہے۔"

جب تک ڈاکٹر نے پوری سرنج میرے بازو میں خالی کی تو میرا سر چکرانے لگا تھا اور آخری احساس یہ تھا کہ وہ انجکشن والی جگہ پر ٹیپ لگایا جا رہا تھا اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔ اگلی بار میں جاگا تو وہی کمرہ تھا اور وہی منظر تھا حد یہ کہ زرین اسی طرح سو رہی تھی۔ شاید میں پہلی بار بھی اس کے مقابلے میں جلد ہوش میں آ گیا تھا لیکن میں نے آنکھیں کھولنے یا کوئی آواز نکالنے سے گریز کیا جس سے ان کو پتا چل جائے کہ میں ہوش میں آ گیا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی ہماری دیکھ بھال کے لیے آتا ہے اس لیے دل پر جبر کر کے ساکت پڑا رہا تھا جیسے بدستور سو رہا ہوں۔

اس طرح ساکت لیٹنا آسان کام نہیں تھا۔ یہ میرا اندازہ تھا لیکن یہ کام دشوار ہوگا لیکن اتنا دشوار ہوگا یہ مجھے اُس روز پتا چلا تھا۔ ہوش میں ہوتے ہوئے خود کو بے ہوش ظاہر کرنا بہت مشکل ثابت ہوا تھا اور وہ بھی ایک ایسے کمرے میں جہاں زرین کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ کئی بار میرا دل چاہا کہ ہلوں لیکن دل پر جبر کر کے لیٹا رہا۔ وقت رو رو کر گزر رہا تھا۔ خدا خدا کر کے دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور میں بے ہوشوں کی طرح گہرے سانس لینے لگا۔ اگرچہ خدشہ تھا کہ ڈاکٹر پہلے کی طرح نبض دیکھ کر جان جائے گا کہ میں بے ہوش نہیں ہوں۔ پھر بھی میں بے ہوشی کی اداکاری جاری رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے امید تھی اس طرح مجھے کچھ پتا چلے گا کہ ہمیں یہاں اس طرح قید کیوں رکھا گیا تھا اور ہم پر کیا تجربہ کیا جانے والا تھا۔ قدموں کی آہٹ بتا رہی تھی کہ آنے والے دو ہیں۔ پہلے مجھے شیف کی آواز آئی۔ "کیا یہ بے ہوش ہیں؟"

"ہاں ابھی دوا کا اثر ہوگا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"لیکن یہ پہلے بھی ہوش میں آ گیا تھا۔" شیف بولا اس کا اشارہ یقیناً میری طرف تھا۔

"اس وقت دوا ڈارٹ گن سے دی گئی تھی۔ تم جانتے ہو ڈارٹ گن سے دوا پوری طرح جسم میں انجکٹ نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے اسے وقت سے پہلے ہوش آ گیا تھا۔"

"ڈارٹ گن میں دوا معمول سے زیادہ ہوتی ہے۔" شیف نے اصرار جاری رکھا۔ اگرچہ وہ ڈاکٹر کا ماتحت بھی تھا تو خاصا منہ چڑھا ماتحت تھا میں نے دل ہی دل میں اسے سنائیں وہ ڈاکٹر کا ذہن مشکوک کر رہا تھا کہ میں ہوش میں آ گیا تھا۔ "انجکشن میں نپی تلی مقدار دی جاتی ہے۔"

"یہ بات میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔" ڈاکٹر نے ناگواری سے کہا۔ "دو گھنٹے میں ان کی بلڈ رپورٹ آ جائے گی اس کے بعد ان کو چیمبر میں منتقل کرنا ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''منتقلی ہوش میں ہوگی یا اسی حالت میں؟''

''میرا خیال ہے اسی حالت میں بہتر رہے گی۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''نہ جانے کیوں مجھے یہ آدمی شہباز خطرناک لگ رہا ہے۔''

''عام سا آدمی ہے..... ممکن ہے کسی طرح جرم سے تعلق ہو یا کوئی دشمنی کا چکر ہو اس وجہ سے مسلح پھر رہا ہو لیکن آپ نے دیکھا تھا کتنی آسانی سے میرے قابو میں آ گیا تھا۔''

''ڈارٹ گن سے تو تم ہاتھی بھی قابو کر سکتے ہو۔'' ڈاکٹر نے طنز کیا تو وہ کھسیا کر چپ ہو گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ شیف ڈاکٹر کا ماتحت ضرور تھا لیکن اس کی بھی کوئی حیثیت تھی۔ اس نے موضوع بدل دیا۔

''آپ کا کیا خیال ہے ان کی بلڈ رپورٹ ٹھیک ہوگی؟''

''جیسی ان کی عمومی صحت ہے اس لحاظ سے تو ٹھیک ہونی چاہیے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''فرض کریں ایسا نہیں ہوا تو؟''

''اگر ایسا نہیں ہوا تو تمہارا کام بڑھ جائے گا۔'' ڈاکٹر کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ''ان کو ڈسپوز آف کرنا ہوگا۔''

میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ ہمیں ٹھکانے لگانے کی بات کر رہا تھا۔ یعنی وہ ہمیں کسی صورت چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ شیف بولا۔ ''کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ تو بعد میں بھی کرنا ہوگا..... آدمی اتنی آسانی سے نہیں ملتے ہیں..... شاہ صاحب بھی آنے والے ہیں۔ ان کو پروگریس چاہیے۔''

''اس معاملے میں ہم مجبور ہیں پچھلے تین تجربات ناکام گئے ہیں مطلوبہ صحت کے لوگ نہیں ملے اور جو دو ملے تھے ان پر تجربہ ناکافی رہا ہے۔''

میری خواہش تھی کہ وہ تجربے کی نوعیت یا اس شاہ صاحب پر روشنی ڈالیں جس کا ذکر شیف نے کیا تھا لیکن انہوں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا اور اپنے کچھ معاملات پر بات کرنے لگے اور اس جگہ کے انتظامی امور پر تبادلہ خیال کیا جانے لگا۔ شیف کسی سامان کے بارے میں بتا رہا تھا جس کی عنقریب یہاں ڈلیوری کی جانے والی تھی۔ ڈاکٹر اسے کہہ رہا تھا کہ وہ سارا کام اپنی نگرانی میں کرائے کیونکہ آنے والا سامان بہت قیمتی اور حساس نوعیت کا ہے۔ ''پچھلی مرتبہ تمہاری لاپروائی کی وجہ سے کیمیکلز کے دو قیمتی ڈرم ضائع ہو گئے تھے۔''

''مجھے کیا معلوم تھا کہ لانے والے اس قدر احمق ہوں گے کہ ڈرم اتار کر سیدھا کھڑا کرنے کے بجائے ان کو لٹا دیں گے اوپر سے گیٹ کے گارڈ نے گیٹ بند ہی نہیں کیا تھا ڈرم لڑھک کر باہر جا گرے۔'' شیف نے اپنی صفائی پیش کی۔

''اسی وجہ سے کہہ رہا ہوں بے شک کئی گھنٹے لگ جائیں لیکن ایک ایک چیز اپنی نگرانی میں اتروا کر اندر پہنچانا۔ اپنی غیر موجودگی میں سب کو سختی سے منع کر دینا کہ کوئی چیز چھیڑنے سے گریز کریں۔''

''ٹھیک ہے جناب میں ایسا ہی کروں گا۔'' شیف نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔ ''یہ بتائیں کہ اب کیا کرنا ہے؟''

''بلڈ رپورٹ آتے ہی ان کو چیمبر میں منتقل کر دو تاکہ کام شروع کیا جا سکے۔'' ڈاکٹر نے اسے حکم دیا اور پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔ ان کے کہے ہوئے تمام الفاظ میرے ذہن میں محفوظ ہو گئے تھے اور میں ان کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تجزیہ کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی محفوظ جگہ منتقل کر کے مجھے اور زرین کو کسی تجربے کا نشانہ بنایا جانے والا تھا۔ چیمبر سے مراد ایک ایسی جگہ جگہ یا خانہ ہے جس میں باہر سے کوئی چیز اندر نہ جا سکے اور اندر سے کچھ باہر نہ آ سکے۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے کچھ اور لوگوں کو پکڑ کر اسی طرح اپنے غیر انسانی تجربے کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی لیکن ان کی بلڈ رپورٹ ٹھیک نہیں آئی تھی اس لیے ان کو مار کر کہیں دفن کر دیا گیا۔ ان کو شاید دو افراد اپنے مطلب کے ملے تھے لیکن وہ تجربے کے لیے ناکافی تھے۔ اب ہماری باری تھی۔

ایک اور اہم بات کسی شاہ صاحب کا ذکر تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ڈاکٹر توفیق ہی اصل آدمی ہے اور وہی سب کچھ کر رہا ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شاہ صاحب بھی ہے اور وہی اس مکروہ کھیل کا اصل کردار ہے۔ ہمارے ملک میں سائنسی اور خاص طور سے طبی تحقیق کا یہ حال ہے کہ اعلیٰ درجے کی یونیورسٹیز اور تجربہ گاہوں میں بھی کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ نجی طور پر تحقیق کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس تحقیق کے لیے نہ تو سرمایہ میسر تھا اور نہ ہی اس کا آگے کوئی صلہ ملنے کا امکان ہوتا ہے لیکن اس جگہ یہ کام کر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈاکٹر کو کہیں سے سرمایہ مل رہا تھا۔ وائرس پر تجربات کرنا سستا کھیل نہیں ہے اس میں کروڑوں نہیں اربوں روپے درکار ہوتے ہیں۔ شاید ڈاکٹر کو کہیں باہر سے پیسہ مل رہا تھا تب ہی تو یہ کام ہو رہا تھا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کیمرے لگے ہیں یا نہیں۔ میں اب تجربہ کر کے دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے جسم کو حرکت دی اور آنکھیں کھول کر دیکھا۔ زرین بدستور بے ہوشی والی کیفیت میں گہرے سانس لے رہی تھی۔ اس کا سینہ ڈوب ابھر رہا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ لوگ انسانیت کے مجرم سہی لیکن انہوں نے اب تک زرین کو غلط نظر سے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی غلط حرکت کی تھی۔ ایسا شاید اس تجربے کے لیے بھی تھا جس میں انہیں مکمل طور پر صحت مند اور فٹ افراد درکار تھے۔ اگر وہ زرین کے ساتھ کوئی زیادتی کرتے تو اسے جسمانی اور ذہنی نقصان ہو سکتا تھا اور یہ بات ان کے تجربے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی۔ بہرحال وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ زرین بچی ہوئی تھی۔

مجھے اس مظلوم عورت کی تقدیر پر افسوس ہو رہا تھا جس نے کوئی خوشی نہیں دیکھی تھی۔ جوان ہوتے ہی مرشد جیسے درندے کے ہتھے چڑھ گئی اور اب تک اس کی قید میں تھی۔ اس کی قید سے چھوٹی تب بھی اس کے مصائب کم نہیں ہوئے تھے۔ مرشد کے آدمیوں نے اسے بے آبرو کیا اور اب بھی وہ میرے ساتھ اس مشکل میں موجود تھی۔ اگرچہ یہاں وہ اکیلی نہیں تھی جو مجھ پر گزرتی وہی اس پر گزرتی۔ اس کے باوجود میں محسوس کرتا تھا کہ اس مشکلات میں اس کا حصہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ صرف اس لیے یہاں پھنس گئی تھی کہ میرے ساتھ تھی۔

میں نے اپنا دایاں ہاتھ کھینچ کر چمڑے کی بیلٹ سے نکالنے کی کوشش کی۔ یہ کوشش میں پہلے بھی کر چکا تھا اور اسی وقت مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کام ممکن نہیں ہے لیکن اب میں اسے ایک نئے زاویے سے دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ کو اوپر تنک لانے سے روکنے کے لیے فولادی پائپوں کے درمیان میں ایک چھوٹا سا فولاد کا ٹکڑا رکاوٹ کے طور پر لگایا گیا تھا اور یہ ٹکڑا مجھے کمزور لگ رہا تھا۔ میں بیلٹ کے فولادی کڑے کو کھینچ کر اس ٹکڑے تک لایا اور پھر زور لگایا۔ یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ مناسب زاویہ نہیں بن رہا تھا میں بیڈ پر چت لیٹا ہوا تھا اور جب میں نے ہاتھ اوپر کھینچنے کے لیے زور لگایا تو ردِعمل میں میرا جسم نیچے کی طرف جانے لگا اور میں سرک کر وسط بیڈ تک آ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیڈ کوئی ساڑھے چھ فٹ لمبا تھا اور پاؤں کی طرف والے فولادی پائپ مزید دور تھے جب میں نے ان پر پاؤں ٹیک کر خود کو مزید نیچے جانے سے روکا تو پاؤں کے درمیان میں لگا ٹکڑا تقریباً میری کلائی کے ساتھ آ گیا تھا اور اس صورت میں ہاتھ کو اوپر کی طرف کھینچنا بہت ہی دشوار تھا۔ لمبائی کے تناسب سے بیڈ کی چوڑائی زیادہ یعنی پانچ فٹ تھی اس میں چار فٹ کا گدا تھا اور پھر چھ چھ انچ کے خلا کے بعد فولادی پائپ تھے۔ اگرچہ اس طرح قید کرنے والوں کو انجکشن اور دوسری طبی امداد دینے میں دشواری ہو سکتی تھی کیونکہ اسپتال میں بیڈ بس اتنے چوڑے ہوتے ہیں کہ مریض ان پر آرام سے لیٹ سکے اور ان کو آسانی سے طبی امداد دی جا سکے لیکن یہاں مریضوں کا علاج نہیں کرنا تھا بلکہ ان کو قید رکھنا مقصود تھا۔ اس لیے بیڈ کو جان بوجھ کر چوڑا رکھا گیا تھا تاکہ باندھا جانے والا شخص منہ سے اپنے ہاتھ کی بیلٹ کھولنے کی کوشش نہ کرے۔

اس کے باوجود میں نے یہ کوشش کی تو میرے لمبے قد کی وجہ سے منہ بیلٹ کے بکل کے پاس تو پہنچ گیا تھا لیکن میں دانتوں سے بیلٹ کو گرفت نہیں کر سکا تھا۔ اس دوران میں یہ انکشاف ہوا کہ بیڈ کے وسط میں آ جانے کے بعد میں اب اٹھ کر بیٹھ سکتا تھا اگرچہ اس طرح میرے دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے لیکن بہرحال میں بیٹھ گیا تھا۔ مگر بیٹھ کر بھی کوشش کر لی پر بات نہیں بنی۔ اتنی دیر میں کوئی نہیں آیا تھا۔ میرے کان دروازے کی طرف سے آنے والی آہٹوں پر مرکوز تھے۔ اچھی بات یہ تھی کہ بیڈ پر کوئی چادر نہیں تھی ورنہ اس جدوجہد میں وہ سمٹ چکی ہوتی اور کوئی آ جاتا تو پھر میں ساکت ہو کر لیٹتا تب بھی ان کو معلوم ہو جاتا کہ میں ہوش میں ہوں۔ میں نے انتہائی حد تک کوشش کر لی لیکن میرا منہ بکل کو نہیں چھو سکا تھا یہ تو دو چار ہاتھ لب بام سے بھی کم تھا۔ ایک دو انچ کا فاصلہ رہ جاتا تھا میرے منہ اور بکل کے درمیان۔

جب میں تھک گیا تو لیٹ گیا۔ بکل کھولنے کی کوشش کے دوران میں خیال رکھا کہ آواز نہ ہو۔ مگر کچھ نہ کچھ آوازیں پیدا ہوئی تھیں۔ خاص طور سے پائپ میں پڑے کے حرکت کرنے سے آہنی آواز سے پیدا ہوتی رہی تھی۔ اس کے باوجود ان کی طرف سے کوئی ردِعمل نہیں ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ڈاکٹر نے مائیک کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا تھا۔ مائیک اتنا طاقتور نہیں تھا کہ معمولی آواز بھی کیچ کر لیتا۔ وہ صرف انسانی آوازوں کو واضح طور پر سنواتا ہوگا۔ دوسرے انسان بے ہوشی یا نیند کے دوران میں بھی تھوڑی بہت حرکت کرتا ہے اور اس دوران میں آہنی کڑے کی آواز پیدا ہوتی ہوگی۔ شاید اس لیے بھی انہوں نے کڑا کھٹکنے کی آواز پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں تھا۔

ان لوگوں کا منصوبہ سننے کے بعد میرے اندر بے چینی سے بھر گئی تھی۔ وہ ہمیں کسی غیر انسانی تجربے کی بھینٹ چڑھانے جا رہے تھے اور اگر میں اسی طرح پڑا رہتا تو وہ کامیاب ہو جاتے۔ اس بات کا پورا امکان تھا کہ اس تجربے کی کامیابی یا ناکامی کی صورت میں ہمیں موت ملے گی۔ اگر اس آنے والی موت سے بچنا تھا تو کچھ نہ کچھ کرنا تھا اس قید سے آزاد ہونا تھا۔ میں نے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پھر کوشش شروع کی۔ میں الٹے ہاتھ والی بیلٹ کو جھٹکے دے دے کر ڈھیلا کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ میرا منہ دائیں طرف کی بیلٹ تک پہنچ جائے لیکن یہ نہایت اعلیٰ درجے کا سخت چمڑہ تھا جس میں پھیلنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ الٹا میرا ہاتھ اس کی رگڑ سے زخمی ہونے لگا تھا۔ مگر مجال ہے جو بیلٹ کی گرفت ذرا سی بھی نرم پڑی ہو۔ اب میں بستر پر یوں بیٹھا تھا کہ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں ہاتھ دائیں بائیں بندھے ہوئے تھے اور پاؤں سامنے بندھے ہوئے تھے۔

گزشتہ چوبیس گھنٹے میں میرے منہ میں خوراک کا ایک ذرہ اور پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گیا تھا۔ اس کے باوجود نہ تو مجھے بھوک لگ رہی تھی اور نہ ہی پیاس کا خاص احساس تھا۔ بس معمولی سا گلا خشک ہو رہا تھا اور پیاس ناقابلِ توجہ تھی۔ انجکشن سے بھوک کا مسئلہ حل ہونا سمجھ میں آتا ہے لیکن پیاس کو یہ کس طرح ختم کر سکتا تھا کیونکہ جسم معمول کے مطابق پانی استعمال کرتا ہے اور گردے خاص طور سے سب سے پانی استعمال کرتے ہیں۔ عین ممکن ہے ڈاکٹر نے کوئی ایسی دوا انجکشن میں شامل کی ہو جس سے گردے اپنا فنکشن روک دیں اور انسان کو دیر تک پیاس محسوس نہ ہو۔ ورنہ نارمل میں انسان کو اتنی دیر میں پیاس لگ ہی جاتی ہے بے شک موسم سرد کیوں نہ ہو جب کہ یہاں تو موسم سرد بھی نہیں تھا۔

میں کوئی تدبیر سوچ رہا تھا کہ کسی طرح ایک ہاتھ کی بیلٹ کھل جائے۔ ان لوگوں کو گئے ہوئے ایک گھنٹہ ہونے کو آیا تھا اور ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ہمارے خون کی رپورٹ دو گھنٹے میں آجائے گی اور اس کے بعد ہماری قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ گویا اب ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔ مجھے جو کرنا تھا اسی ایک گھنٹے میں کرنا تھا۔ میں نے ایک بار پھر کوشش کی اور اپنا سارا زور لگا دیا۔ میرا بایاں ہاتھ بالکل پیچھے چلا گیا تھا اور میرا منہ دائیں ہاتھ کے بکل تک رسائی کی انتہائی کوشش کر رہا تھا۔ اس بار میرے دانتوں نے بکل کو چھو لیا تھا لیکن اسے گرفت میں نہیں لے سکے تھے۔ میں نے خود کو اتنا کھینچ لیا تھا کہ جب میں نے سیدھا ہونا چاہا تو کسی اسپرنگ کی طرح واپس گیا اور سنبھلتے ہوئے بھی سجدے کے انداز میں اپنے پیروں پر گر گیا۔ میں پہلے ہی پالتی مار کر بیٹھا ہوا تھا اس لیے منہ سیدھا پیروں سے لگا اور تب مجھے اپنی عقل پر ماتم کرنا پڑا۔

میں ہاتھ کے بکل تک پہنچنے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا جب کہ پیر کے بکل تک پہنچنے کا مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا جو میرے منہ کے بالکل سامنے تھا۔ کسی قدر دقت سے سہی لیکن میرا منہ یہاں تک جا تو رہا تھا۔ میں نے جھک کر دانت سے پکڑ کر رنگ سے بیلٹ کو نکالنے کی کوشش کی اور تھوڑی میں اسے نکال لیا اب اگلا مرحلہ اسے بکل سے نکالنے کا تھا اور یہ مشکل کام تھا۔ میں نے کوشش شروع کر دی۔ بیلٹ کے سرے کو دانتوں سے پکڑ کر اوپر کھینچنے لگا۔ میری کوشش تھی کہ ایک بار بکل کا ہک سوراخ سے نکل جائے تو وہ دوبارہ سوراخ میں نہ جانے پائے۔ بالآخر میں اس کوشش میں بھی کامیاب رہا اور ہک نکل گیا۔ اب آخری مرحلہ بیلٹ کو بکل سے نکالنے کا تھا ہک نکل جانے کے بعد یہ کام آسان ثابت ہوا تھا۔

دس منٹ کے اندر میں اپنے دونوں پاؤں آزاد کرا چکا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں آزاد ہونے میں کامیاب رہا تھا ابھی ہاتھ آزاد کرانے تھے اور یہی اصل مرحلہ تھا۔ منہ سے تو ہاتھوں کی بیلٹ کو ابھی کھولنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے بیڈ کی ساخت پر غور کیا پھر ہاتھ سے ٹٹول کر گدے کی موٹائی دیکھی۔ یہ کوئی چار انچ موٹا اور بہت سخت گدا تھا اور اس کے نیچے سہارا دینے کے لیے فولادی پٹیاں لگی تھیں۔ گدا بستر سے الگ کیا جا سکتا تھا۔ اگر گدا الگ ہو جاتا تو میں نیچے ہونے کی وجہ سے اپنا منہ بکل تک لے جا سکتا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اپنے نیچے سے گدا کیسے نکالوں۔ یہ کام بالکل بھی آسان نہیں تھا۔ اس کی موٹائی اتنی تھی کہ اسے موڑنا بھی ممکن نہیں تھا۔

ذرا غور کرنے کے بعد میں نے پاؤں والی طرف سے اسے ہاتھوں سے ممکنہ حد تک اٹھایا لیکن اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ ممکن نہیں تھا کیونکہ گدے پر تو میں خود بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق ہماری بے ہوشی کا وقت ختم ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی رہ گیا تھا۔ یعنی زرین کو ابھی ہوش میں آنے میں اتنا وقت تھا اور میں اس سے دو گھنٹے پہلے ہی ہوش میں آ گیا تھا۔ میں اسے آواز نہیں دے سکتا تھا ورنہ وہ لوگ سن لیتے اور جان جاتے کہ میں وقت سے پہلے ہوش میں آ گیا ہوں۔ اب میرے پاس انتظار کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا زرین ہوش میں آتی تب ہی کچھ کیا جا سکتا تھا۔

مجھے ایک خیال آیا اور میں نے بیٹھے بیٹھے بیڈ کو جھٹکا دیا تو وہ اس طرح ہلا جیسے اس کے نیچے پہیے ہوں۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ تمام پہلوؤں کا خیال رکھنے والے اس معاملے میں مار کھا گئے تھے انہیں اپنے قیدیوں کو پہیوں والے بستر نہیں دینے چاہیے تھے۔ میں نے زرین کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں اسے پکارا۔ ''زرین ہوش میں آؤ پلیز اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے ہوش میں آؤ۔''

زرین بے ہوش تھی یا گہری نیند میں تھی اس کے بدن کے دل کش زاویے سانس کی آمد و رفت کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہے تھے۔ اپنے طور پر میں نے جتنی کوشش کرنی تھی وہ کر لی تھی۔ ہاں دعا کر سکتا تھا اور دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی بد بخت نہ آ جائے اور میری ساری محنت پر پانی پھر جائے۔ وقت سُست روی سے گزر رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق دو گھنٹے گزر چکے تھے یا گزرنے والے تھے اور میں زرین کے چہرے پر نظر جما کر بیٹھا تھا۔ خدا خدا کر کے اس کے تاثرات بدلنے لگے اور وہ چونکنے اور ہلنے جلنے لگی تھی۔ اسے مزید متوجہ کرنے کے لیے میں نے کراہنا شروع کر دیا جیسے آدمی نیند میں کراہتا ہے۔ ویسے میرا بازو جہاں ڈاکٹر نے بڑا انجکشن ٹھونکا تھا ابھی بھی اچھا خاصا درد ہو رہا تھا اور اس تکلیف سے کراہنے میں حق بجانب تھا۔

آخر زرین نے آنکھیں کھول دیں اور میری طرف دیکھا۔ میں نے اشارے سے اسے تعجب کا اظہار نہ کرنے کو کہا تھا لیکن اسے حسبِ معمول ہوش میں آنے کے بعد کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''شہباز.....''

''ہاں میں ہوں۔'' میں نے جلدی سے کہا اور اشارے سے اسے منع کیا شاید اسی لیے وہ بولتے بولتے رک گئی۔

''تم.....''

''میں ٹھیک ہوں تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔''

''درد تو مجھے بھی ہے لیکن یہ غنیمت ہے کہ اب تک زندہ ہیں پتا نہیں ہم کن درندوں کے چنگل میں پھنس گئے ہیں۔'' یہ جملہ میں نے بلند آواز سے کہا اور اس دوران میں بستر کے پاؤں والے طرف سے کود کر نیچے اتر گیا۔ میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ میرے دونوں ہاتھ بندھے تھے مگر اکڑوں ہو کر میرے پاؤں فرش پر ٹک گئے تھے میں نے جھک کر دیکھا۔ بیڈ کے نیچے پہیے لگے تھے۔ عمل کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے گھوم کر زرین کو سر کے اشارے سے سمجھانے کی کوشش کی کہ میں بیڈ کھینچ کر اس کے پاس لاؤں گا اور وہ بلند آواز سے بات کرے تاکہ بیڈ کے کھینچنے سے جو آواز ہو وہ ان لوگوں کے کانوں تک نہ جائے۔ کئی بار سمجھانے پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز..... یہ ہمیں مار دیں گے۔''

''حوصلہ رکھو زرین..... اللہ ہمیں محفوظ رکھے گا۔'' میں نے بیڈ کھسکانا شروع کر دیا۔ یہ آسان کام نہیں تھا کیونکہ بیڈ خاصا وزنی تھا اور پہیوں کے باوجود اسے سرکانا آسان نہیں تھا۔ میں جھٹکے دے دے کر اسے کھسکا رہا تھا اور اس دوران میں میرے ہاتھوں پر بے پناہ دباؤ آ رہا تھا۔ بائیں کلائی پہلے ہی زخمی تھی اور اب اس سے خون نکلنے لگا تھا۔ سخت چمڑے کی رگڑ نے کھال اتار دی تھی۔ میرے اور زرین کے بستر کے درمیان مشکل سے دو فٹ کا فاصلہ تھا لیکن یہ فاصلہ کم کرنے میں مجھے کئی منٹ لگ گئے اور جب دونوں بیڈ آپس میں ملے تو مجھے بے پناہ خوشی ہوئی۔ زرین رو کر اور بول کر میری مدد کر رہی تھی اور میں بھی حتی الامکان آوازیں نکال رہا تھا۔ اس طرح اگرچہ ان کے کانوں تک دوسری آوازیں جانے کا امکان کم تھا لیکن یہ امکان تھا کہ ہمیں ہوش میں پا کر وہ یہاں آ جائیں۔ زرین کسی حد تک سمجھ گئی تھی کہ میں کیا کر رہا تھا لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ میں نے اشارے سے اسے اٹھنے کو کہا۔ وہ نہیں سمجھی اور کئی بار سمجھانے پر بھی نہیں سمجھی تو مجبوراً مجھے منہ سے کہنا پڑا تھا۔

''تم اٹھ کر بیٹھ سکتی ہو۔ اس طرح تمہیں شاید سکون ملے گا۔''

''کیسے بیٹھوں؟''

''جیسے میں بیٹھا ہوں۔ دیکھو یہ بیلٹیں تمہیں بستر پر قید رکھ سکتی ہیں لیکن تم ہاتھ آگے کر کے بیٹھ سکتی ہو۔''

لیٹے لیٹے اس کا جسم اکڑ گیا تھا اس لیے وہ بڑی مشکل سے بیٹھی۔ اس دوران میں، میں واپس بیڈ پر آ گیا تھا اور میں نے بائیں ہاتھ والی بیلٹ پیچھے کی۔ زرین نے دیکھ لیا کہ میری کلائی سے خون رس رہا ہے اس نے بے ساختہ کہا۔ ''تمہارے ہاتھ سے خون نکل رہا ہے۔''

میں نے جلدی سے اسے اشارے سے مزید بولنے سے روکا کیونکہ اس نے صرف ہاتھ کا ذکر کیا تھا اس لیے میں نے بات بنائی۔ ''ہاں پتا نہیں اس جاہل ڈاکٹر نے کیسے انجکشن دیا تھا ابھی تک خون رس رہا ہے۔'' کہتے ہوئے میں اس کی طرف جھکا اور اسے بھی اشارے سے اپنے طرف آنے کو کہا۔ اس طرح کوشش کر کے ہمارے سر ایک دوسرے سے کوئی ایک فٹ کے فاصلے پر رہ گئے تھے۔ میں نے بنا آواز کے ہونٹوں کی مدد سے کہا۔

''ہاتھ میری طرف کرو۔''

کئی بار کہنے پر وہ سمجھ گئی اور اس نے جھک کر اپنا دایاں ہاتھ میرے بائیں ہاتھ کی طرف بڑھا دیا۔ اگرچہ اس کا قد و قامت مختصر تھا لیکن اسے اپنے لچکیلے جسم کا فائدہ تھا اور وہ آسانی سے میری طرف جھک گئی لیکن کلائی تو اتنی ہی آ سکتی تھی جتنی کہ بیلٹ نے اجازت دی ہوئی تھی۔ اس کا ہاتھ بمشکل میرے ہاتھ تک آیا تھا۔ میں نے ہاتھ ممکن حد تک آگے کیا اور زرین کی بیلٹ کا بکل تھام لیا۔ اس وقت مجھے جو خوشی ہوئی وہ میں بیان نہیں کر سکتا ہوں میری دو گھنٹے کی محنت رنگ لانے والی تھی۔ میں نے بیلٹ پکڑ کر رنگ سے نکالی اور پھر اسے بکل کے ہک سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اس کا ہک سختی سے پھنسا ہوا تھا اور اسے شاید انگلیوں سے نکالنے کی ضرورت تھی اور میں بیک وقت دونوں کام نہیں کر سکتا تھا یعنی بیلٹ کو تھامے رکھوں اور اس کا ہک بھی نکالوں۔ مجھے زرین کی مدد کی ضرورت تھی۔ میں نے اشارے سے اسے سر آگے لا کر بیلٹ کا سرا دانتوں سے پکڑنے کو کہا۔ وہ سمجھ کر جھکی اور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار بھی اسے بدن کے لچکیلے ہونے کا فائدہ ہوا اس نے آسانی سے گردن موڑ کر بیلٹ کا سرا دانتوں سے تھام لیا۔ میں نے بیلٹ چھوڑی اور انگلیوں سے ہک کو کھینچ کر نکالنے کی کوشش کرنے لگا لیکن ہک زیادہ سختی سے پھنسا ہوا تھا میں نے زرین کو بیلٹ کھینچنے کو بھی کہا اس نے زور لگایا اور پھر میں نے پوری قوت سے ہک کھینچا اور وہ بیلٹ سے نکل گیا۔ اسے گھما کر پیچھے کیا کہ وہ پھر بیلٹ کے کسی سوراخ میں نہ چلا جائے اور بیلٹ بکل سے نکال دی۔ ایک ہاتھ آزاد ہوتے ہی زرین تیزی سے حرکت میں آئی اور اس نے گھوم کر اپنے بائیں ہاتھ کو بھی آزاد کرالیا۔ پھر اس نے واپس گھوم کر میرا بایاں ہاتھ آزاد کرایا۔

اس وقت مجھے ناقابلِ بیان خوشی ہوئی اور فوراً ہی یہ خوشی کافور بھی ہوئی کیونکہ دروازے کے باہر آہٹ ہوئی تھی کوئی اندر آرہا تھا۔ آنے والا میرا ہاتھ کھلنے سے پہلے آجاتا تو اسے میرے خلاف کارروائی کا موقع مل جاتا۔ ڈاکٹر یا شیف کے پاس ہتھیار بھی ہو سکتے تھے اور اگر وہ دروازہ ہی باہر سے بند کر دیتے تو ہم پھر قید ہو کر رہ جاتے۔ ایک بار قید کرنے کے بعد ہم پر قابو پانے کے دس طریقے تھے۔ آنے والے کے اندر آنے سے پہلے ہی مجھے کچھ کرنا تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی میں بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا تھا۔ میں نے دائیں ہاتھ کی بیلٹ بھی کھولی اور اسی اثنا میں دروازے کا ہینڈل گھوما تھا۔ میرے پاؤں پہلے ہی آزاد تھے اس لیے ہاتھ کھلتے ہی میں نے بستر سے چھلانگ ماری اور اُڑتا ہوا کھلنے والے دروازے سے ٹکرایا۔ مجھے شیف کی ایک جھلک نظر آئی جو اندر آرہا تھا۔ اس نے ناقابلِ یقین نظروں سے مجھ دیکھا تھا اور اس کے فوراً بعد بند ہوتا دروازہ اس کے منہ سے ٹکرایا تھا۔ میرے کانوں نے اس کی کرب ناک چیخ سنی تھی۔

دروازے سے ٹکراتے ہوئے میں فرش پر گرا اور اسی رفتار سے اٹھا تھا۔ یقیناً مجھے بھی چوٹیں آئی تھیں لیکن یہ اس وقت کبھی نہیں والا معاملہ تھا اس لیے مجھے چوٹوں کا احساس بھی نہیں تھا۔ میں نے ایک طرف ہوتے ہوئے دروازہ کھولا اور کھڑے ہو کر نکلنے کے بجائے فرش پر سلپ ہوتا ہوا باہر آیا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ باہر موجود شیف یا کسی اور شخص کے پاس کوئی ہتھیار ہوگا۔ اگر میں کھڑے ہو کر باہر آتا تو گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔ اس لیے میں فرش پر پھسلتا ہوا باہر نکلا۔

لیکن مجھے کسی گولی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ سامنے شیف فرش سے اٹھ رہا تھا اور اس کا منہ خونم خون ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر ایک طرف موجود تھا اور یہ کمرہ ایسا تھا جیسا کسی آپریشن روم کا ہوتا ہے وہاں چاروں طرف سرجری کے آلات اور اوزار سجے ہوئے تھے۔ ایسی ٹرالیاں تھیں جن رادویات اور دوسرا سامان رکھ کر لایا اور لے جایا جاتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ڈاکٹر جلدی سے ایک ایسی ٹرالی کے پیچھے ہو گیا تھا۔ اتفاق سے شیف اور وہ دونوں نہتے تھے کیونکہ اگر ان کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ اسے نکالنے کی کوشش ضرور کرتے۔ مگر شیف زمین سے اٹھ رہا تھا اور ڈاکٹر نے اپنے دفاع کے لیے ایک کٹر اٹھا لیا تھا جس سے آپریشن کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر کو دیکھ کر میرا دماغ گھوم گیا تھا اور میں زمین سے اٹھ کر غراتا ہوا ڈاکٹر کی طرف لپکا تھا لیکن شیف نے بروقت مداخلت کی اور میرے پاؤں کے آگے ٹانگ کر دی میں اس سے الجھ کر گرا تو وہ عقب سے مجھ پر سوار ہو گیا اور میری گردن پر گھونسے بازی کی مشق کرنے لگا۔ اس کے ہاتھوں میں بہت جان تھی اور وہ یقیناً لڑنے مرنے کے فن سے واقف تھا کیونکہ اس کے قیامت خیز گھونسے میرے گردن پر برس رہے تھے اور پھر اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاک کر ایک گھونسہ سر پر مارا اور سر فرش سے ٹکرایا۔ اس دوہرے تصادم نے چند لمحوں کے لیے میری آنکھوں تلے اندھیرا طاری کر دیا تھا

کمرے کا دروازہ بہت زور سے شیف کے منہ پر لگا تھا۔ اس چوٹ نے اسے مشتعل کر دیا تھا اور وہ ایک انتقامی جذبے کے ساتھ میرے خلاف کارروائی کر رہا تھا اور اسی انتقامی جذبے کی وجہ سے اس نے حماقت کی تھی۔ بجائے اس کے کہ میرا سر دو تین بار مزید فرش سے ٹکراتا اس نے میرے بال ہاتھ میں جکڑ کر سر اوپر کیا اور میرے کان میں غرایا۔ ''اب پتا چلا کس سے ٹکر لی ہے؟''

میرا سر بال کھنچنے سے کسی قدر گھوم گیا تھا اور آنکھ کے گوشے سے مجھے ڈاکٹر اپنی طرف جھپٹتا دکھائی دیا اس کے ہاتھ میں دھاتی پائپ جیسی کوئی شے تھی۔ وہ اس نے گھما کر میرے سر پر مارنے کی کوشش کی۔ اس کی کوشش سے شیف بے خبر تھا۔ اس لیے جب میں نے اچانک کروٹ لی تو وہ اس طرف ہو گیا جہاں سے ڈاکٹر وار کر رہا تھا۔ اس نے ہاتھ گھما دیا تھا اور اسے روکنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے جو وار میری کھوپڑی پر پڑنا چاہیے تھے وہ شیف کی گردن پر پڑا اور میں نے ہڈی ٹوٹنے کی آواز سنی۔ شیف کے منہ سے نکلنے والی چیخ ادھوری رہ گئی تھی اور فوراً ہی اس کا جسم بے جان سا ہو کر مجھ پر گرا اور بری طرح لرزنے لگا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ عالم نزع میں پھڑک رہا ہو۔ میرا سر ابھی تک چکرا رہا تھا اور شاید ماتھے سے لہو بھی بہہ رہا تھا۔

اس سے پہلے ڈاکٹر دوسرا وار کرتا میرا اٹھ جانا ضروری تھا۔ میں نے وزنی شیف تلے بمشکل کروٹ لی جو جلد لاش میں بدلنے والا تھا اور جیسے ہی اسے اپنے اوپر سے جھٹکا میں نے دونوں ہاتھ دفاع کے لیے سامنے کر لیے تھے لیکن مجھے جھٹکا لگا۔ ڈاکٹر وہاں نہیں تھا۔ شیف کو خود پر سے ہٹانے میں مجھے مشکل سے پانچ سیکنڈ لگے تھے اور اتنی دیر میں وہ غائب ہو گیا تھا لیکن وہ گیا کہاں تھا؟ میں نے کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ اس میں داخل ہونے والا دوہرے پٹوں پر مشتمل چوڑا دروازہ تھا جیسا کہ آپریشن روم میں ہوتا ہے اور ایک چھوٹا سا دروازہ ایک اور طرف تھا۔ اس طرف جانا مشکل تھا کیونکہ درمیان میں بہت کچھ پڑا ہوا تھا۔ دوہرے پٹوں والا دروازہ خود بہ خود بند ہو جاتا تھا اور وہ بالکل ساکت تھا اگر ڈاکٹر اس سے نکلا ہوتا تو یقیناً وہ ہل رہا ہوتا۔ میری نظر اس دروازے کی طرف گئی جس سے میں نکلا تھا۔ کیا ڈاکٹر اس میں گھس گیا تھا لیکن کیوں؟

اس سوال کا جواب مجھے زرین کی چیخ نے دیا اور میں اچھل کر اندر کی طرف بھاگا تھا۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی میں ساکت ہو گیا کیونکہ ڈاکٹر نے زرین کو عقب سے یوں جکڑ رکھا تھا کہ اس کا دایاں بازو زرین کی گردن پر تھا اور اس میں تیز دھار سرجری والا چاقو تھا۔ مجھے معلوم تھا اس کی دھار ریزر سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے اور ڈاکٹر کو صرف اپنے ہاتھ کو معمولی سی جنبش دینا تھی اور زرین کی گردن کٹ جاتی۔ ڈاکٹر نے کچھ نہیں کہا تھا بس خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا تھا۔

''ڈاکٹر اسے چھوڑ دو۔'' میں نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں تم سے کوئی تعرض نہیں کروں گا بس اسے لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟''

''اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ تم اسے قتل کر دو لیکن کیا اس کے بعد تم میرے ہاتھ سے بچ جاؤ گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممکن ہے نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''مگر کیا تم اپنی بیوی کی موت برداشت کرلو گے؟''

''تم اس کے اور میرے ساتھ جو کرنے جا رہے ہو وہ ہماری موت ہی ہے تو میں تمہیں کیوں چھوڑوں کیونکہ دوسری صورت میں بھی موت ہمارا مقدر ہوگی۔''

''شہباز۔'' زرین بولی۔ ''اس کی بات پر توجہ مت دو یہاں سے نکل جاؤ۔''

میں نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ''تم نے سن لیا یہ بھی جانتی ہے کہ تم ہمیں نہیں چھوڑو گے۔ اس لیے میں آخری بار کہہ رہا ہوں اسے چھوڑ دو۔''

''اگر ساؤنڈ سسٹم خراب نہ ہوتا تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔'' اس نے جیسے خود سے کہا۔

''ڈاکٹر تم وقت ضائع کر رہے ہو۔'' میں نے اسے للکارا اور آگے بڑھا تھا۔ ''اسے چھوڑ دو اسے مار کر تم نہیں بچ سکو گے۔ دوسری صورت میں، میں تمہیں یہاں سے یرغمال بنا کر لے جاؤں گا اور باہر نکلتے ہی چھوڑ دوں گا اس کے بعد تم اپنی جان بچا کر کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہو گے۔''

وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ''سچ میں..... کیا ایسا ہی ہوگا؟''

''ہاں یہ میرا وعدہ ہے۔'' میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

زرین چلائی۔ ''شہباز اس کی بات کا اعتبار نہ کرو اور اسے پکڑ لو میری پروا مت کرو۔''

''اگر اس نے مجھے پکڑا تو تم مر جاؤ گی۔'' اس نے زرین کے سر کو جھٹکا دیا اور سانپ کی طرف پھنکار کر بولا تھا۔ ''کیا کہتے ہو شہباز اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا دیکھ سکتے ہو؟''

''دیکھ سکتا ہوں۔'' میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ ''کیونکہ یہ میری بیوی نہیں ہے صرف دوست ہے اور مجھے اس کے مرنے کا دکھ ہوگا لیکن میں پاگل نہیں ہوں گا۔''

اسے جھٹکا لگا تھا لیکن اس نے زرین پر اپنی گرفت نرم نہیں کی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''چلو گرل فرینڈ ہی سہی..... لیکن کیا تم اسے مرتا دیکھ سکو گے اپنی وجہ سے جب کہ تم اس کی جان بچا سکتے تھے۔''

''شہباز یہ وقت گزار رہا ہے اس کے ساتھی یہاں آ جائیں گے اور.....'' اس کی بات چیخ سے ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دی تھی اور زرین کی گردن پر کٹ آ گیا تھا ایک لمحے کو میرا دل رک گیا تھا کہ اس نے زرین کی گردن پر چاقو پھیر دیا ہے لیکن یہ معمولی سا کٹ تھا جس سے ذرا سا خون بہہ نکلا تھا ڈاکٹر نے زرین سے کہا۔

''پتا چلا کہ گردن پر معمولی سا کٹ لگے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے اور اگر پوری گردن کٹ جائے تو کتنی تکلیف سے جان نکلتی ہے اس بارے میں تم کچھ نہیں جانتی ہو۔''

''شہباز..... پلیز۔'' زرین نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ ''یہاں سے چلے جاؤ۔''

''ڈاکٹر میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔'' میں نے مزید ایک قدم بڑھایا تو بیڈ کے پاس آ گیا تھا۔ اب مزید آگے جانے کی گنجائش نہیں تھی۔ درحقیقت میں کسی صورت زرین کو یوں مرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دوسری طرف مجھے قدرت نے جو موقع دیا تھا اس سے دست بردار ہونے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔ مجھے اتنے قریب دیکھ کر ڈاکٹر چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''بس اب تم نے آگے آنے کی کوشش کی تو میں بلا تاخیر اسے مار دوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تذبذب میں آ گیا ڈاکٹر کے عزائم سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی دھمکی پر عمل کر گزرے گا۔ کیونکہ اسے یقین نہیں تھا کہ میں اسے معاف کروں گا۔ اسی چکر میں وہ قیمتی لمحات گزر گئے جن کو میں اپنی اور زرین کی آزادی کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔ اچانک مجھے عقب سے آہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی زرین بھی چلائی۔ ''شہباز..... ہوشیار۔''

لیکن ہوشیار ہونے کا وقت گزر گیا تھا جب تک میں پلٹ کر دیکھتا کوئی سخت چیز میرے سر سے ٹکرائی۔ وار کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ یک لخت میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا اس اندھیرے میں، میں نے زرین کی چیخ سنی اور پھر ڈاکٹر کا قہقہہ سنائی دیا تھا اس نے کسی سے کہا۔ ''جانی تم نے خوب کام کیا ہے۔''

''کام ابھی مکمل نہیں ہوا ہے ڈاکٹر۔'' جانی نے جواب دیا اور اسی چیز سے میرے سر پر پھر ضرب لگائی اور اس بار میں ناک آؤٹ ہو گیا۔ اگر میں تذبذب میں پڑنے کے بجائے کوئی کارروائی کر گزرتا تو شاید وہ نہ ہوتا جو بعد میں ہوا تھا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے مجھے شدت سے افسوس ہوا تھا میں نے وقت گنوا دیا تھا۔

○.....❖.....○

مجھے ہوش آیا تو پہلا احساس سردی کا تھا میں منہ کے بل لیٹا ہوا تھا اور میرا رخسار سرد فرش پر رکھا تھا اور اس کی ٹھنڈک براہ راست مجھے لگ رہی تھی۔ میرا سر دُکھ رہا تھا۔ یہ دکھن ایسی تھی جیسے درد پوری کھوپڑی میں تیر رہا ہو کبھی ایک جگہ جاتا تھا اور کبھی دوسری جگہ جاتا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تب بھی سر میں شدت کا درد اٹھا تھا میں نے آنکھیں بند کر لیں اور درد کے کم ہونے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ کچھ دیر تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا اور میں کہاں تھا؟ پھر رفتہ رفتہ مجھے یاد آنے لگا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا اور بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے زرین کی چیخ سنی تھی۔

زرین کا خیال آتے ہی میں ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا اور سر کے درد نے ایسا کوندا مارا کہ ایک لمحے کو میں پھر بے ہوش سا ہو گیا تھا۔ اس جھٹکے نے جسم ہی سن کر دیا تھا۔ کچھ دیر بعد میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے زرین کو کچھ فاصلے پر فرش پر پڑے پایا۔ اس کے جسم پر صرف ایک لبادے نما لباس تھا جو مشکل سے اس کی رانوں تک آ رہا تھا۔ اس کے نیچے کچھ بھی نہیں تھا کیونکہ لبادہ باریک تھا اور اس میں اس کے جسم کا ایک ایک نقش واضح ہو رہا تھا۔ میرے منہ سے بے ساختہ گالی نکل گئی تھی اور پھر میری نظر خود پر گئی۔ میرے جسم پر صرف ایک کسی قدر لمبی نیکر تھی جو گھٹنوں سے ذرا اوپر ختم ہو رہی تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے ایک طرف دیوار میں گول دروازہ لگا تھا۔ پورا کمرہ بالکل سفید تھا۔ حد یہ کہ فولادی دروازہ بھی سفید تھا۔ یہ مشکل سے آٹھ بائی آٹھ کا کمرہ تھا جس کی ساخت چوکور کے بجائے ہشت پہلو تھی اور اس کی اٹھی ہوئی چھت میں سفید شیشے کے پینل کے پیچھے کوئی تیز روشنی والا بلب لگا تھا کیونکہ یہاں اتنی روشنی تھی کہ زمین پر چلنے والی معمولی سی چیونٹی بھی صاف نظر آتی۔ اگرچہ وہاں چیونٹی نہیں تھی۔ ہشت پہلو دیواروں کا اوپری حصہ بھی چھت کی نوک تک ہشت پہلو ہو کر جا رہا تھا یعنی چھت سیدھی نہیں تھی اور روشنی اسی نوک سے پھوٹ رہی تھی۔ بہت عجیب سا کمرہ تھا اور اس کا معائنہ کرتے ہوئے اچانک مجھے ایک دہشت ناک خیال آیا۔ کہیں یہ وہی چیمبر تو نہیں تھا جس میں مجھے اور زرین کو ڈالا جانا تھا۔ سر درد کے علاوہ جسم میں عجیب سی اینٹھن بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں ٹھیک نہیں ہوں میرے جسم کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔ زرین بے سدھ پڑی تھی اور اس بار بھی مجھے اس سے پہلے ہوش آ گیا تھا۔

فرش ٹھنڈا تھا لیکن اتنا بھی ٹھنڈا نہیں جتنا مجھے ہوش میں آتے ہوئے محسوس ہوا تھا۔ کمرہ سرد تھا اور یہ سردی قابلِ برداشت تھی۔ صرف نیکر میں بھی میں اسے برداشت کر سکتا تھا لیکن ہمیں یہاں کیوں ڈالا گیا تھا اور ڈاکٹر نے ہمارے ساتھ کیا کیا تھا؟ میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن سر کے درد نے مجھے روک دیا۔ ایسا شدید چکر آیا تھا کہ میں دوبارہ بیٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے اپنا سر ٹٹولا جو پشت کی جانب سے دو مقام سے زخمی تھا۔ اس سے پہلے سامنے ماتھے پر بھی چوٹ لگی تھی ان سے خون نکل کر جم گیا تھا اور خاص بات یہ تھی کہ زخموں کو صاف کرنے یا ان کی مرہم پٹی کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ شاید غصے میں ڈاکٹر نے ہمیں اسی حالت میں اپنے تجربے کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اٹھنے کے بجائے زمین پر بیٹھے بیٹھے کھسک کر زرین کے پاس پہنچا اور اس کا سر سہلایا۔

''زرین.....زرین۔''

میری آواز کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا ایسا لگ رہا تھا اس بار بھی میں جلدی ہوش میں آ گیا تھا اور اس پر یقیناً کوئی دوائی استعمال کی گئی تھی جس کے اثر سے وہ دیر سے ہوش میں آتی۔ بے ہوشی میں اسے لاپروائی سے لا کر یہاں ڈال دیا گیا تھا اور ڈالنے والوں کو اس کے لباس کی پروا نہیں تھی اس کا لبادہ ایک طرف سے ذرا اوپر ہو رہا تھا۔ میں نے اسے سیدھا کر کے لٹایا اور اس کا لبادہ کھینچ کر ممکن حد تک اس کی ٹانگوں پر کر دیا لیکن یہ ابھی بھی اس کے گھٹنوں سے اوپر ہی تھا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پتا نہیں ڈاکٹر نے ہمارے کپڑے کیوں چھین لیے تھے۔ اس کا مقصد طبی تھا یا پھر وہ ہمیں ذہنی اذیت دینا چاہتا تھا۔

اس ذرا سی محنت نے مجھے تھکا دیا تھا اور مجھے ایک بار پھر احساس ہوا کہ میرے ساتھ کچھ ہوا تھا کیونکہ یہ کمزوری نہیں تھی بلکہ ایسا لگ رہا تھا میں بیمار ہوں۔ پورے جسم میں ہلکی سی تکلیف تھی۔ منہ کا ذائقہ خراب تھا اور متلی کی سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ ایسی کیفیت میں نے اس وقت محسوس کی تھی جب مجھے ملیریا ہوتا تھا لیکن اب تو اس بات کو بھی برسوں گزر چکے تھے۔ میں ذرا پیچھے سرکا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہ چیمبر مکمل طور پر بند تھا لیکن اس کے باوجود یہاں گھٹن کا نام و نشان نہیں تھا اور ہوا میں ہلکی سی کسی جراثیم کش دوا کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے زرین کی طرف دیکھا۔ وہ بلاشبہ ان حسین ترین عورتوں میں سے تھی جن کو میں نے اب تک دیکھا تھا۔ دل کش ترین نقوش، آنکھیں، ریشمی بال، نازک سی گلابی جلد اور سانچے میں ڈھلا ہوا بدن، لیکن میں نے اسے ان تمام حسین ترین عورتوں کی طرح بدقسمت بھی پایا تھا۔ قدرت نے اسے حسن اور سراپا فراخدلی سے دیا تھا لیکن جہاں خوشیوں کا تعلق تھا تو اس کا کوٹا بہت ہی کم تھا۔ اس سے کہیں کم صورت بلکہ بعض بدصورت عورتیں اس سے کہیں زیادہ خوشیاں پا لیتی ہیں۔ شاید یہ قدرت کا اندازِ توازن ہے وہ کسی کو کہیں زیادہ دے دیتی ہے تو کہیں اس کا حصہ کم کر دیتی ہے۔ اس نے محبت کی تو ایک ایسے شخص سے جو کسی صورت اس کا نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کا دنیا میں کوئی قریبی رشتہ نہیں ہے کوئی گھر نہیں ہے۔ جوانی کے قیمتی سال اس نے مرشد جیسے خبیث شخص کی قید میں گزار دیئے اور اب یہاں اور ایک شخص کی بدفطرتی کا نشانہ بنی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے سر کا درد کم ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے پہلی بار صورتِ حال کا جائزہ لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیمبر کی ساخت بتاتی تھی کہ اس میں نگرانی کے لیے یقیناً کیمرے اور مائیک لگے ہوں گے۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ''ڈاکٹر توفیق کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔''

کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''مجھے معلوم ہے تم کسی مانیٹر کے سامنے بیٹھے ہمارا معائنہ کر رہے ہو گے۔ شاید تمہیں تعجب ہو گا کہ میں اس صورت حال میں بھی تم کو گندی گالیوں سے کیوں نہیں نواز رہا ہوں تو اس کی دو وجوہات ہیں ایک میری اپنی عزت اصل میں میری اپنی نظر میں ہے اور میں سوچ سمجھ کر گالی دینے سے گریز کرتا ہوں ہاں منہ سے بے اختیار نکل جائے تو الگ بات ہے۔ دوسرے میں تمہیں گالیوں کے قابل بھی نہیں سمجھتا ہوں۔ تم سن رہے ہو نا؟'' آخری جملے پر میں چیخ اٹھا تھا۔ شاید جسم کی طرح میرے اعصاب بھی بیمار پڑ گئے تھے۔

''ہاں سن رہا ہوں۔'' ڈاکٹر کی آواز آئی۔ ''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟''

''یہ جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا لیکن فی الحال تمہارا بے خبر رہنا ضروری ہے۔''

''تم نے ہمیں بیمار کرنے والی کوئی دوا دی ہے؟'' میں نے اپنے اندر سے ابھرتے خوف پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ میں ہر مصیبت کا مقابلہ کر سکتا تھا لیکن اپنے جسم میں گھس آنے والے کسی بیماری کے عفریت کا کیسے مقابلہ کرتا جب کہ یہ عفریت قدرت کی طرف سے نہیں تھا بلکہ جان بوجھ کر میرے جسم میں داخل کیا گیا تھا۔

''تم چاہو تو ایسا ہی سمجھ لو۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا اس سے ہماری موت بھی ہو سکتی ہے؟''

''اگر تم اس کے خلاف لڑو تو شاید ایسا نہ ہو۔'' اس نے چالاکی سے واضح جواب دینے سے گریز کیا تھا لیکن اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے ہماری موت کا سامان ہمارے جسم میں داخل کر دیا تھا اور اب ہمارے مرنے کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر اس کے خاندان کی خواتین سے ناجائز رشتوں کا اعلان کروں لیکن یہ بلاوجہ کی جذباتیت ہوتی جس کا اسے کوئی نقصان نہیں تھا اور مجھے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس لیے میں خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ اس وقت مجھ سے بات کر رہا تھا اور اس سے فائدہ اٹھا کر میں اس سے کچھ نہ کچھ اگلوا سکتا تھا۔

''تم نے ہمارے کپڑے کیوں اتار لیے؟''

''کیونکہ اس تجربے کے اثرات تمہارے جسم پر بھی ظاہر ہوں گے اور وہ دیکھنا ضروری ہے۔ میں چاہتا تو تم دونوں کو مکمل طور پر برہنہ کر دیتا لیکن مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی اس لیے میں نے کچھ لباس رہنے دیا۔''

''میں تمہارا یہ احسان مرنے کے بعد بھی نہیں بھولوں گا۔'' میرا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔ ''میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟ لیکن یہ ضرور پوچھوں گا کہ ہم پر جو تجربہ کیا گیا ہے اس کے مکمل اثرات کتنی دیر میں ظاہر ہوں گے؟''

''تمہیں انجکشن دیئے ہوئے بارہ گھنٹے گزر چکے ہیں اور ابھی تمہیں مزید بارہ گھنٹے انتظار کرنا پڑے گا اس کے بعد ہی اس کے اثرات ظاہر ہوں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا یہ ممکن ہے کہ ہم پر اثرات نہ ہوں؟''

''ہو بھی سکتا ہے کیونکہ جسم کی قوت مدافعت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے، بعض اوقات یہ نزلے زکام سے بھی ہار مان جاتا ہے اور بعض اوقات ایڈز کا وائرس بھی اس پر اثر نہیں کرتا ہے۔ کئی افراد ایسے ہیں جن کے خون میں ایچ آئی وی پوزیٹو نکل آیا تھا لیکن وہ اس کے ساتھ برسوں زندہ رہے اور ان کو ایڈز کا مرض لاحق نہیں ہوا۔''

''کیا تم نے ہم پر کسی ایسے ہی وائرس کا تجربہ کیا ہے؟'' مجھے یہ سوال کرتے ہوئے ایک بار پھر اپنے خوف سے لڑنا پڑا تھا۔

''میں نے کہا نا تم اس مرحلے پر کچھ بھی سمجھنے کے لیے آزاد ہو۔ ابھی میں تم کو نہیں بتا سکتا کہ تم پر کیا تجربہ کیا گیا ہے کیونکہ اس سے ممکن ہے تجربے کے پیرامیٹر درست طور پر سامنے نہ آئیں۔''

میں نے چیمبر کی طرف دیکھا۔ ''اس جگہ کی ساخت بتاتی ہے کہ اسے اس لیے بنایا گیا ہے کہ یہاں موجود کوئی چیز باہر نہ جا سکے اور ظاہر ہے تم لوگ جراثیم پھیلنے سے روکنا چاہتے ہو۔ یعنی ہمیں کسی ایسے وائرس سے انفیکٹ کیا گیا ہے جو ہوا کے ذریعے بھی پھیل سکتا ہے۔''

اس بار اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے اسے دو تین بار پکارا مگر وہ غائب ہو گیا تھا۔ غالباً اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا ہے۔ اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ مجھ پر غصہ نہیں تھا کہ میں نے آزاد ہونے کی کوشش کی اور اس کے ایک آدمی کو اس کے ہاتھوں ہی مروا دیا تھا یا اسے غصہ تھا تو اب رفع ہو چکا تھا کیونکہ اسے ہمارے ساتھ جو کرنا تھا وہ اس نے کر دیا تھا۔ اچانک زرین کی مدہم آواز آئی۔

''شہباز بے کار ہے۔''

وہ ہوش میں آ گئی تھی اور ساکت لیٹی تھی میں بے ساختہ اس پر جھکا۔ ''زرین کیا محسوس ہو رہا ہے؟''

''جسم میں درد اور متلی کی کیفیت۔'' اس نے کمزور لہجے میں کہا۔ ''شہباز ایسا لگ رہا ہے اس ذلیل شخص نے ہمیں کوئی جان لیوا بیماری لگا دی ہے۔ اب ہم نہیں بچ سکیں گے۔''

''زرین جان لینا اور دینا اللہ کا کام ہے اگر ہماری زندگی ہے تو اس جیسے ہزاروں لوگ مل کر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں۔ اس لیے مایوس مت ہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔''

''وہ تو ہے۔'' وہ پھیکے انداز میں مسکرائی۔ ''اس نے اس بے کار زندگی میں تم جیسے شخص سے ملوا دیا۔ یہ اس کا احسان ہے لیکن شہباز کوئی میرے اندر سے کہہ رہا ہے میرا آخری وقت آ گیا ہے۔''

''خدا نہ کرے۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''زرین تمہیں بہت عرصے زندہ رہنا ہے۔''

''نہیں بہت عرصے زندہ رہ لی۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''اب بس ایک آخری خواہش ہے۔''

''وہ کیا؟''

''اگر میری عمر کا کچھ وقت باقی ہے تو میری خدا سے دعا ہے کہ وہ تمہیں مل جائے اور تم یہاں سے زندہ نکل جاؤ۔''

''میں نہیں جانتا کہ میں کتنا عرصے زندہ رہوں گا لیکن زرین جب تک زندہ رہا تمہیں ضرور یاد رکھوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مسکرائی۔ ''میرے لیے یہی کافی ہے۔''

میں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ ''فرش بہت سرد ہے تم دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ۔''

چیمبر میں سردی کا ذرا دیر سے اندازہ ہوا تھا یا ڈاکٹر نے ایسا کوئی کام کیا تھا جس سے یہاں سردی میں اضافہ ہوا تھا کیونکہ اچانک ہی مجھے اور زرین کو سردی لگنے لگی تھی۔ اس نے شکایت بھی کی تھی لیکن جب میں نے اسے فرش سے اٹھانا چاہا تو وہ بولی۔

''مجھ میں بیٹھنے کی ہمت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر ایک کام کرتے ہیں۔'' میں نے کہا اور یہ کیا کہ خود دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اس کی پشت اپنے سینے سے لگا کر اسے سہارا دے دیا۔ وہ خوش ہوگئی تھی۔ ''یہ تم نے اچھا کیا؟''

''کیا اچھا کیا؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''اس طرح ہی سہی اور سہارا دینے کے بہانے ہی سہی، مجھے تمہارا لمس تو ملا۔'' وہ جان بوجھ کر اس طرح بیٹھ گئی کہ اس کا جسم مجھ سے زیادہ سے زیادہ لگنے لگا اور حسرت سے بولی۔ ''کاش یہ کوئی اور موقع ہوتا۔''

میں نے اس کے گرد بازو حمائل کر لیے۔ ''کیسا موقع؟''

اس نے سر گھما کر مجھے دیکھا۔ ''کوئی اور موقع..... کوئی بھی ہوتا بس ہم یہاں نہ ہوتے۔''

''اگر ہم یہاں نہ ہوتے تو شاید ایک ساتھ بھی نہ ہوتے۔ قدرت نے ہمیں اسی جگہ ایک دوسرے کے ساتھ رکھنا تھا۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' وہ بولی۔ ''اب میری خواہش ہے کہ مجھے اسی حالت میں موت آجائے۔''

''مرنے کی باتیں کرنے کے بجائے جینے کی بات کرو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم جانتی ہو میں امید پرست آدمی ہوں اور مجھے آخری وقت تک حوصلہ رکھنا پسند ہے۔''

''میں جانتی ہوں لیکن میں ایسی نہیں ہوں میں بہت چھوٹے دل کی اور جلد ہمت ہار جانے والی لڑکی ہوں۔''

''میرے حساب سے تو تم بہت ہمت والی اور بہادر لڑکی ہو۔''

''کاش کہ میں ہوتی۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

میں نے اس کی چپکنے کی کوششوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا کیونکہ اس سرد چیمبر میں ہمیں حرارت کی ضرورت تھی اور وہ ایک دوسرے سے ہی مل سکتی تھی۔ اس نے ایک پاؤں اٹھا کر میرے پاؤں پر رکھ لیا تھا اور شاید ڈاکٹر کو ہمارا یہ پوز بہت رومانٹک لگ رہا ہو لیکن یہ ہم ہی جانتے تھے کہ اس کا رومان سے کوئی واسطہ نہیں تھا کم سے کم میرے ذہن میں دور دور تک ایسا کوئی تصور نہیں تھا۔ اس وقت زرین میرے لیے ایک حسین عورت نہیں بلکہ صرف ایک ساتھی تھی جو اس مصیبت میں میرے ساتھ شریک تھی اور ہم ایک دوسرے کی مدد سے اپنے مصائب کسی قدر کم کر سکتے تھے۔ اس کی جگہ کوئی مرد ساتھی ہوتا تب بھی ہم اسی طرح ایک دوسرے سے لپٹ کر خود کو گرم کرنے کی کوشش کرتے۔ نہ جانے چیمبر سرد ہو گیا تھا یا بیماری کے اثر سے ہمیں سردی لگ رہی تھی۔ زرین کچھ دیر تو پشت لگا کر لیٹی رہی پھر گھوم کر میرے سینے پر سر رکھ لیا اور آہستہ سے گنگنائی۔ ''شہباز تم بہت اچھے ہو..... وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت خوش نصیب ترین ہوگی جس کا تم نصیب ہو گے۔''

''میں اتنا اچھا بھی نہیں ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔''صرف اچھا بننے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''وہی تو اچھا ہوتا ہے جو اچھا بننے کی کوشش کرتا ہے اور وہ برا ہوتا ہے جو اچھا بننے کی کوشش نہیں کرتا۔''

''یہ تو تم نے بہت گہری بات کی ہے۔''

''جب موت سامنے ہوتی ہے نا تو انسان کے آگے سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور وہ ایسی ہی گہری باتیں کرتا ہے۔''

''تم اتنی ناامیدی کی باتیں مت کرو۔''

''میں ناامیدی کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ مجھے تو کوئی امید ہی نہیں تھی اس کے باوجود خدا نے مجھے اتنا دے دیا۔''

''اب چپ کر کے کچھ دیر آرام کرو تمہاری سانس پھول رہی ہے۔'' واقعی اس کی سانس پھول رہی تھی اور کچھ ہی باتیں کر کے وہ یوں ہانپنے لگی تھی جیسے میل بھر کی دوڑ لگائی ہو۔ نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ یہ پھول جیسا بدن جلد مٹی کے ڈھیر میں بدل جائے گا اور جب یہ خیال میرے ذہن میں آیا تو میں لرز اٹھا تھا۔ زرین نے محسوس کر لیا۔

''کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں سردی لگ رہی ہے۔''

''میرے یوں لگ کر بیٹھنے کے بعد بھی؟'' اس نے لہجے میں شوخی لانے کی کوشش کی۔''ایسے تو میں کسی برف کی سل کے ساتھ بیٹھ جاؤں تو وہ بھی گرم ہو جائے۔''

''باتیں نہیں۔''

اس نے سرد دوبارہ سینے پر ٹکا لیا۔''تمہیں میرا ایسی باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا ہے نا۔''

''ہاں مجھے واقعی اچھا نہیں لگتا ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔''کیونکہ میرے لیے تم ایک عورت یا بدن نہیں ایک ساتھی اور ایک شخصیت ہو۔''

''مجھے معلوم ہے میں تو بس تمہیں چھیڑنے کے لیے ایسا کرتی ہوں۔''

''مجھے بھی معلوم ہے تم چھیڑنے کے لیے ایسا کرتی ہو اس لیے میں تمہیں کچھ کہتا نہیں ہوں۔''

''شہباز مجھ پر تمہارا بہت سارا قرض جمع ہو گیا ہے کاش میں تمہیں آزاد کرا سکتی تو اپنی جان دے کر بھی آزاد کرا دیتی۔''

''مجھے تمہاری جان کی نہیں زندگی کی ضرورت ہے۔''

''زندگی اب رہی کہاں ہے؟'' اس نے حسرت سے کہا۔''تمہارے لیے اس کی قدر اب ایک کھوٹے سکے جتنی بھی نہیں رہی ہے۔''

''پلیز ایسی باتیں مت کرو۔'' میں نے اس سے التجا کی۔''میرے نزدیک تمہاری بہت قدر ہے اور یہ کبھی بھی ختم نہیں ہوگی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور میری درخواست ہے مجھے بولنے دو۔'' اس نے کہا اور پھر بولنے لگی۔ لایعنی اور بے معنی باتیں، اپنے بچپن کے قصے اور باتیں، جب وہ آزاد تھی اور اس کے وجود پر کسی کا تسلط نہیں تھا۔ ''پتا ہے تیرہ سال کی عمر میں، میں نے اچھا خاصا قد کاٹھ نکال لیا تھا پوری جوان لڑکی لگتی تھی۔ ویسے بھی پہاڑوں میں لڑکیاں جلدی جوان ہو جاتی ہیں۔ گاؤں کا شاید ہی کوئی ایسا لڑکا ہو جو میرا دیوانہ نہ ہو اور مجھے اس وقت پتا ہی نہیں تھا کہ محبت اور خاص طور سے جنسِ مخالف کی محبت کیا ہوتی ہے۔''

''اس وقت تم بہت چھوٹی تھیں۔''

''ہاں لیکن بے وقوف تھی کیونکہ میرے جتنی عمر والی لڑکیاں جو بہ ظاہر جوان بھی نہیں تھیں مجھ سے کہیں زیادہ جانتی تھیں۔ جب ہم لڑکیاں ملتی اور چپکے چپکے ایسی باتیں کرتیں تو مجھے ان پر بالکل یقین نہیں آتا تھا کہ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے پتا چل گیا اور جب مرشد کی نظر بد پڑی اور مجھے اس کی کوٹھی میں آنا پڑا تو ایک ہی رات میں جو اس کے ساتھ گزاری میں سب جان گئی تھی۔'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''مرشد کے جو مجھ پر قرض ہیں ان میں تمہارا قرض بھی شامل ہو گیا ہے اور اگر قدرت نے موقع دیا تو میں یہ قرض بھی اس سے وصول کروں گا۔''

''میری خواہش ہے کاش ایسا ہی ہو۔'' وہ مدہم آواز میں بولی اور پھر آنکھیں بند کر کے سر سینے پر رکھ لیا۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔ کچھ دیر میں وہ سو گئی تھی۔ میں بھی چاہتا تھا کہ وہ سو جائے۔ یوں مل کر بیٹھنے سے ہمارے جسم کسی قدر گرم ہوئے تھے اور سردی کا احساس کم ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ زرین کا جسم اتنا گرم نہیں تھا جتنا اسے ہونا چاہیے تھا شاید اس کی حرارت ضائع ہو رہی تھی۔

''یہ عورت تمہیں بہت چاہتی ہے؟'' اچانک ڈاکٹر کی مدہم آواز آئی۔

''شاید۔'' میں نے جواب دیا۔

''شاید نہیں یقیناً۔'' زرین نے آنکھیں موندے موندے کہا۔ ''اپنی جان سے زیادہ۔''

ڈاکٹر ہنسا۔ ''سنا تم نے..... اور تم کہہ رہے ہو شاید..... مجھے افسوس ہے تم دونوں ایک ساتھ یہاں ہو۔''

''تو ہمیں کہاں ہونا چاہیے تھا؟''

''کسی اچھے سے مکان میں جہاں تم ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارتے۔''

''اس سے کہو یہ ممکن نہیں ہے۔'' زرین نے اسی انداز میں کہا۔ ''اس لیے ہم یہاں ہیں۔''

''سنو ڈاکٹر..... ایک درخواست ہے اگر تم مان لو تو؟''

''کہو۔''

''اس کے لیے کوئی مکمل لباس مہیا کر دو۔''

''اس سے مت کہو۔'' زرین نے آنکھیں کھول کر کہا۔ ''اس سے لباس مانگنے سے بہتر ہے میں بے لباس رہوں۔''

''یہاں سردی بڑھ رہی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

وہ تڑپ کر بولی۔ ''غلط تم اس لیے اس سے لباس مانگ رہے ہو کہ تمہیں میرا اس طرح نیم عریاں رہنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گوارا نہیں ہے لیکن یقین کرو اس کی اور اس کے آدمیوں کی حیثیت میرے لیے جانوروں سے زیادہ نہیں ہے۔ جیسے کسی جانور کے سامنے مجھے لباس میں ہونے یا نہ ہونے سے کسی فرق نہیں پڑتا ہے۔ بالکل ایسے مجھے یہ سب محسوس ہو رہے ہیں۔ مجھے ان لوگوں سے بالکل بھی شرم نہیں آ رہی ہے۔"

"زرین لیکن مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔

"لیکن مجھے اچھا لگ رہا ہے۔" ڈاکٹر کی آواز آئی۔ وہ زرین کی بات سن کر طیش میں آ گیا تھا۔ "اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اس کو یہ لباس بھی کیوں دیا۔ اگر اس چیمبر کو کھولا جا سکتا تو میں یہ کپڑا بھی اتروا لیتا۔" وہ کمینگی پر اتر آیا۔

"فی الحال تو کوئی یہاں آیا تو وہ اپنے کفن دفن کا بندوبست کر کے آئے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"وہ آئیں گے اور تمہاری لاشوں کو کہیں دفنائیں گے اور تم سے میرا وعدہ ہے۔" اس نے زرین سے کہا۔ "تمہاری لاش بھی بے لباس ہی دفن کراؤں گا۔"

"بھونکتے رہو کتے کی طرح۔" زرین نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں ذرا سی بات کر کے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمودار ہو گئے تھے اور رنگت میں گلابیت کے بجائے کسی قدر سفیدی آ گئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "شہباز مجھے سردی لگ رہی ہے۔"

"ڈاکٹر تم نے چیمبر کا درجہ حرارت کم کیا ہے؟"

"نہیں۔" وہ بولا۔ "اس پر اثر ہو رہا ہے اس لیے سردی لگ رہی ہے۔"

"ڈاکٹر مجھے خالی دھمکیاں دینا پسند نہیں ہیں لیکن قسم سے میرا وعدہ ہے اگر تم میرے قابو میں آ گئے تو میں تمہیں اپنے ہاتھ سے ماروں گا اور تم آسان موت نہیں مرو گے۔"

وہ ہنسا۔ "تم سے پہلے بھی کئی لوگ اس قسم کی باتیں کر چکے ہیں اور اس وقت ان کی لاشیں بھی قبروں میں گل سڑ چکی ہوں گی۔"

"یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ میں اپنا وعدہ پورا کر سکوں گا یا میری لاش بھی قبر میں پڑی ہو گی۔"

"تم خود کو لاش سمجھ سکتے ہو۔" اس نے پہلی بار کھل کر کہا۔ "تم دونوں کے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"اگر ہمیں علاج میسر آ جائے تب.....؟" میں نے اسے ٹٹولا۔ "میرا مطلب ہے آج کل سوائے کینسر اور ایڈز کے ہر مرض کا علاج ممکن ہے۔"

"تب بھی نہیں۔" وہ بولا۔ "اگر میں تم کو بچانا چاہوں تب بھی نہیں بچا سکتا۔"

"انسان اور خدا میں یہی فرق ہوتا ہے۔"

"مجھے فضول بحث میں مت الجھاؤ۔" وہ خشک انداز میں بولا۔ "میں وہ کر رہا ہوں جو کر سکتا ہوں اور ان کاموں کے بارے میں کبھی نہیں سوچا جو میں نہیں کر سکتا ہوں۔"

"تمہارے نزدیک انسانوں کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے؟"

"صرف اتنی کہ وہ میرے کام آتے رہیں۔"

"کچھ لوگ یقیناً تمہارے کام آ رہے ہیں پر تم کس کے کام آ رہے ہو؟" میرا لہجہ چبھتا ہوا ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کسی کے لیے کام نہیں کر رہا ہوں اس پروجیکٹ کا سربراہ میں ہوں۔'' اس نے کہا تو اس کا لہجہ اعتماد سے خالی تھا۔

''تب یہ شاہ صاحب کون ہے جس کا شیف نے حوالہ دیا تھا؟''

یہ سن کر ڈاکٹر کو چپ لگ گئی تھی اور اس کے بعد اس نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ زرین بولی۔

''بے کار ہے یہ کتا چپ رہے گا۔''

''تم جاگ رہی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''جسم میں تکلیف بڑھ رہی ہے اس تکلیف میں کیسے سو سکتی ہوں۔''

''زرین مجھے بہت افسوس ہے میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

''یہ جو کر رہے ہو اس سے زیادہ مجھے کچھ چاہیے بھی نہیں..... ہاں ایک فرمائش ہے اگر تم مانو تو..... لیکن تم انکار کر دو گے تب بھی مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا۔''

میں کسی حد تک سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا فرمائش کر سکتی ہے۔ میں نے کہا۔ ''میں مانوں گا تمہاری ہر بات مانوں گا۔''

''شہباز مجھے پیار کرو۔'' اس نے جھجک کر اور شرما کر کہا۔

میں کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ ''بس اتنی سی فرمائش؟''

''یہ میرے لیے اتنی سی نہیں ہے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔ ''میری زیست کا حاصل ہوگا۔''

میں نے اسے سہارا دے کر سیدھا بٹھایا اور اس کا زرد پڑ جانے والا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ سرد اور بے جان ہو رہا تھا پھر میں اس کے ہونٹوں پر جھک گیا وہ بھی اس کی طرح سرد اور بے جان ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں جب میں اس سے جدا ہوا تو اس نے آنکھیں کھولیں ان میں آنسو چمک رہے تھے۔

''شہباز تھینک یو۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اسے دوبارہ خود سے لپٹا کر لٹا لیا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ سے اس امر کی معافی مانگی مجھے امید ہے کہ وہ معاف کر دے گا۔ کیونکہ میری نیت میں کھوٹ نہیں تھا۔ زرین کو روتے دیکھ کر مجھے اپنا اندر پگھلتا ہوا محسوس ہوا تھا اور پھر یہ لاوا آنسو بن کر آنکھوں سے پھوٹ نکلا۔ میرے آنسو اس کی گردن پر گرے تو وہ چونک گئی۔

''شہباز تم رو رہے ہو؟'' وہ بے قرار ہو گئی۔

''نہیں۔'' میں نے آنکھیں صاف کیں۔ ''بس ایسے ہی پانی آ گیا تھا۔''

''شہباز تم روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے مرد مردوں کو رونا نہیں چاہیے۔''

''کیا مرد انسان نہیں ہوتے ہیں؟''

''ہوتے ہیں لیکن مرد رونے لگے تو اس دنیا کا نظام کون چلائے گا۔ رونا شکست اور آخری وقت کی علامت ہے۔''

''یہ وہ رونا نہیں ہے۔ میرے اندر ایک بوجھ سا آ گیا ہے شاید وہی پانی بن کر آنکھوں سے بہہ نکلا تھا اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ٹھیک ہوں۔''

زرین نے مجھ سے جدا ہونے کی کوشش کی۔ ''تم کب سے اس طرح بیٹھے ہو تھک گئے ہو گے۔''

''نہیں ابھی میں نہیں تھکا ہوں۔'' میں نے اسے روک دیا۔ ''جب تھکوں گا تو تمہیں بتا دوں گا۔''

''وعدہ کرو جب تھکو گے تو بتا دو گے۔'' اس نے کہا۔ ''پھر میں تم کو اپنے زانوں پر لٹاؤں گی۔''

''تم بیٹھ نہیں سکتی ہو۔''

''میں بیٹھ جاؤں گی تمہاری خاطر..... پلیز اسے بھی میری ایک چھوٹی سی خواہش سمجھ لو۔''

میں نے بادلِ ناخواستہ سر ہلایا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس کی یہ خواہش پوری ہو سکے گی۔ میں دیکھ رہا تھا اس کی حالت تیزی سے خراب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ مجھ پر نیم دراز تھی تو اس کے لیے بھی میں نے اسے سہارا دے رکھا تھا ورنہ وہ یوں بھی نہیں لیٹ سکتی تھی۔ میرے ذہن نے آنے والے لمحات کو قبول کر لیا تھا اس لیے میں بہت زیادہ تشویش میں تو نہیں تھا لیکن نہ جانے کیوں زرین کی حالت اتنی تیزی سے خراب ہوتے دیکھ کر مجھے اب فکر ہونے لگی تھی۔ اس خبیث شیطان صفت ڈاکٹر نے نہ جانے ہمیں کس بیماری کا جرثومہ لگا دیا تھا جو اتنی سرعت کے ساتھ ہمیں اندر سے تباہ کر رہا تھا۔ ہمیں جاگے ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس دوران میں، میں نے اپنی حالت میں اتنی زیادہ ابتری محسوس نہیں کی تھی لیکن میرے مقابلے میں زرین کی حالت تیزی سے بگڑتی جا رہی تھی اور اس کے واضح آثار اس کے وجود پر بھی نمایاں ہونے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں اندر دھنسنے لگی تھیں اور رنگت سفید ہوتی جا رہی تھی۔ وہ کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

جب ڈاکٹر چپ ہوا تو مجھے لگا جیسے وہ اب ہمیں نہیں دیکھ رہا ہے لیکن وہ موجود تھا اور ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کی آواز آئی۔ ''میں دیکھ رہا ہوں اپنی ساتھی کی نسبت تمہاری توانائی ابھی برقرار ہے۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''ویسے بھی اس کی طبیعت پہلے بھی خراب تھی۔''

''نہیں میں نے اس کا علاج کر دیا تھا اور یہ بالکل ٹھیک ہو گئی تھی۔ تم دونوں کی بلڈ رپورٹ بھی صحت مند ہے۔''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے تمہارے اندر قوتِ مدافعت زیادہ ہے۔''

''ڈاکٹر تمہیں اس کا کیا فائدہ ہے؟ میرا مطلب ہے تم یہ سب مالی مفاد کے لیے کر رہے ہو یا اپنی کسی ذاتی تسکین کے لیے۔''

''مالی مفاد کے لیے۔'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''تب تم بین الاقوامی طاقتوں کے ایجنٹ ہوئے کیونکہ جہاں تک میرے علم میں ہے ہمارے ہاں اس قسم کے انسانیت سوز تجربات نہیں ہوتے ہیں۔''

''تم نے درست کہا..... لیکن میں ایجنٹ نہیں ہوں میں آزادانہ کام کر رہا ہوں مجھے رقم کے عوض یہ پروجیکٹ ملا ہوا ہے۔ پروجیکٹ دینے والوں کو صرف نتیجہ درکار ہے۔''

''کیا یہ کوئی بایولوجیکل ویپن پروجیکٹ ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا ہی ہے لیکن اس کی تفصیل مت پوچھنا وہ میں کسی کو نہیں بتا سکتا اپنے سائے کو بھی نہیں۔''

''تمہاری مرضی..... لیکن یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم اپنے معاملات میں خود مختار ہو۔''

وہ چونکا۔''کیا مطلب؟''

''جب تم نے ایک بار ان لوگوں کے لیے کام کرنے کی ہامی بھر لی تو اب ان کے غلام ہو۔''

''یہ بکواس ہے۔'' وہ ذرا بھڑکا تھا۔

میں آہستہ سے ہنسا۔''اگر ایسا ہے تو کبھی کسی موقع پر ان کو انکار کر کے دیکھنا..... اس وقت تمہیں پتا چلے گا تم کتنے مجبور اور بے بس ہو۔ شاید ہم سے بھی زیادہ بے بس ہو۔''

''ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

میں کچھ سوچ رہا تھا۔''جب تم اس قسم کے بایولوجیکل وپین پر کام کرتے ہو تو تمہارا مقصد ان کو اتنا طاقتور بنانا ہوتا ہے کہ کسی دوا یا علاج سے پہلے آدمی مر جائے میں نے ٹھیک کہا؟''

''تم نے ٹھیک کہا ہے۔''

''لیکن ساتھ ہی ان کا توڑ بھی تو تیار کیا جاتا ہوگا کیونکہ بایولوجیکل ہتھیار استعمال کے بعد ختم نہیں ہوتے ہیں بلکہ یہ پھیلتے ہیں اور اپنی تباہ کاری کا دائرہ وسیع کرتے ہیں۔''

''درست ہے جب ان کو تیار کیا جاتا ہے تو ان کا توڑ بھی تیار کیا جاتا ہے تاکہ جب ان سے کام لے لیا جائے تو ان کو ختم کیا جا سکے۔'' اس نے تسلیم کیا۔

''یعنی تمہارے پاس اس جرثومے کا علاج ہے جو ہمیں لگایا گیا ہے؟''

''علاج نہیں توڑ ہے۔'' اس نے تصحیح کی۔''ایک بار یہ انسان کو لگ جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ہاں اسے پہلے ختم کیا جا سکتا ہے۔ ویسے اس کے علاج پر بھی کام جاری ہے لیکن فی الحال اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔''

اس کی بات سن کر مجھے مایوسی ہوئی تھی۔ اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہاں ہم اس کی قید میں تھے اور اسے کسی طرح اپنے علاج پر مجبور نہیں کر سکتے تھے اگر اس بیماری کا کوئی علاج ہوتا تب۔ اس کا جواب سن کر میرا دل ڈوبنے لگا تھا کیا اس بار موت سچ مچ آنے والی تھی۔ اس سے پہلے بارہا ایسا ہوا جب موت بالکل سامنے تھی اور اس سے ملاقات کا یقین بھی ہو جاتا تھا لیکن اس وقت بھی میرے اندر کی وہ کیفیت نہیں ہوتی تھی جو میں اس وقت محسوس کر رہا تھا۔ پہلے حالات کتنے ہی بدترین کیوں نہ ہوتے بچنے کا موہوم سا سہی لیکن امکان باقی ہوتا تھا۔ اب تو وہ موہوم سا امکان بھی باقی نہیں رہا تھا۔

ڈاکٹر نے تسلیم کر لیا تھا اس نے ہمیں ایسا جرثومہ لگا دیا تھا جس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ اگر اسی وقت سے ہمیں دنیا کے بہترین ڈاکٹر اور بہترین طبی سہولتیں بھی میسر آ جاتیں تب بھی بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے اندر مایوسی محسوس ہوئی تھی لیکن میں اس حالت میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہتا تھا کیونکہ مایوسی کفر ہے۔ اپنی توجہ اس کیفیت سے ہٹانے کے لیے میں نے ڈاکٹر سے بات جاری رکھی۔

''ڈاکٹر یہ کام تو ترقی یافتہ ممالک کی انتہائی خفیہ تجربہ گاہوں میں کیے جاتے ہیں پھر ایک ایسے ملک میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان پر کام کیوں کیا جا رہا ہے جو تیسری دنیا میں ہے اور یہاں امن و امان کی صورتِ حال بھی تسلی بخش نہیں ہے۔''

''اس کی کئی ایک وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو بین الاقوامی طور پر بایولوجیکل ویپن پر تین ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں راز داری ایک مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ اب میڈیا بہت تیز اور جدید طریقوں سے لیس ہو گیا ہے وہ اندر کی خبریں نکال لاتا ہے۔ دوسرے دنیا میں اب تعلیم عام ہو گئی ہے اور خاص طور سے سائنس کے ماہر ہر ملک میں ملتے ہیں۔ تیسری وجہ ان ممالک کا کرپٹ سسٹم ہے جو اس قسم کے پروجیکٹس کو سہارا دیتا ہے۔''

''ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم لوگوں کو تجربات کے لیے زندہ انسان بھی مل جاتے ہیں جن کے بارے میں بعد میں کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے اور ان کے والی وارثوں کی کہیں شنوائی بھی نہیں ہوتی ہے۔''

''درست ہے۔'' اس نے ایک بار پھر بلا جھجک تسلیم کر لیا۔ ''اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے اور مقامی طور پر پروجیکٹ دینے والے مغربی ممالک ہر ذمے داری سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔''

''درست۔'' میرے انداز میں تلخی آ گئی۔ ''ان کے صرف ڈالرز خرچ ہوتے ہیں اور جان ہماری جاتی ہے۔ پھر مستقبل میں یہ ہتھیار ہم پر ہی تو استعمال ہونے ہیں۔ اس لیے وہ ان کا تجربہ بھی ہم پر ہی کر رہے ہیں۔ کیا تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا کہ تم کن لوگوں کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہو جو تمہیں کیڑے مکوڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں۔''

''مجھے ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں ہے۔'' ڈاکٹر کے لہجے میں لاپروائی آ گئی۔ ''مجھے اس کام کا جو معاوضہ مل رہا ہے اس سے میں بہت مطمئن ہوں۔''

''شاید تم سوچ رہے ہو اس دولت سے لطف اندوز ہو سکو گے لیکن مجھے نظر آ رہا ہے تم مرتے دم تک ان لوگوں کی غلامی کرو گے اور تم ان کو انکار نہیں کر سکتے کیونکہ یہ تمہیں بلیک میل کریں گے اور تمہاری دولت بھی ضبط کر لیں گے۔''

وہ کچھ دیر چپ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ''اول تو ایسا نہیں ہو گا اور جب ایسا ہو گا تو دیکھا جائے گا۔''

''او کے تم اتنے خوش فہم ہو تو ٹھیک ہے، ویسے ہم پر جس جرثومے کا تجربہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً ابھی مکمل ہلاکت خیز نہیں ہوا ہے۔''

''نہیں ہلاکت خیز تو ہو گیا ہے لیکن یہ جان لینے میں بہت وقت لگاتا ہے۔ انسان ایک ہفتے میں جا کر مرتا ہے اور بایولوجیکل پیمانے پر یہ وقت بہت زیادہ ہے اور اس میں دشمن کو جوابی کارروائی کرنے کا بہت سارا وقت مل جاتا ہے۔''

''یعنی تمہارے آقا چاہتے ہیں کہ انسان جھٹ پٹ مر جائے؟''

''اس قسم کے ناقابلِ علاج جرثومے جو یقینی موت کا سبب بنتے ہیں وہ دیر لگاتے ہیں۔ ایسے بایولوجیکل ایجنٹ بھی ہیں جو گھنٹوں میں جان لے لیتے ہیں۔ مگر وہ خود بھی کمزور ہوتے ہیں اور بہت آسانی سے ختم ہو جاتے ہیں ان کو پھیلنے سے روکنا بھی آسان ہوتا ہے جب کہ دیر سے جان لینے والے ایجنٹس خود بہت مضبوط اور سرعت سے پھیلنے والے ہوتے ہیں اگر ایک بار یہ فضا میں آزاد ہو جائیں تو ان کو روکنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بہرحال یہ ٹیکنیکل چیزیں ہیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ یوں سمجھ لو کہ سو فی صد محفوظ بایولوجیکل ویپن بنانا تقریباً ناممکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے کیونکہ ان کی تباہ کاری کا دائرہ لامحدود ہوتا ہے یہ سرحد پار کر کے اس ملک میں بھی پہنچ سکتا ہے جس نے اسے استعمال کیا ہو۔"

"اس کے باوجود ان کی تیاری کا کام پورے زور و شور سے جاری ہے۔"

"ہاں کیونکہ طاقتور بننے کا خناس انسان کے ذہن سے کبھی نہیں نکل سکتا ہے اور اس کے لیے وہ پوری دنیا کی تباہی قبول کرنے کو بھی تیار ہے۔" اس نے سچ بیانی کی۔

میں اس موضوع سے اب بور ہو گیا تھا لیکن ساتھ ہی اس سے بات بھی جاری رکھنا چاہتا تھا اس لیے میں نے پوچھا۔ "ہم سے پہلے تم کتنے لوگوں کو اس جرثومے کا نشانہ بنا چکے ہو؟"

"صرف دو افراد کو۔" اس نے جواب دیا۔ "کیونکہ باقی افراد صحت کے معیار پر پورے نہیں اترے تھے۔"

"وہ کتنے دن زندہ رہے تھے؟" میں نے دل کڑا کر کے پوچھا۔

"پانچ دن، لیکن میں اس سے مطمئن تھا اس لیے جرثومے کو مزید طاقتور بنایا گیا ہے اور تم دونوں کو اسی طاقتور جرثومے سے انفیکٹ کیا گیا ہے۔"

"اس کے وقت کے بارے میں کیا اندازہ ہے؟"

"تین دن۔" اس نے پھر صاف گوئی سے جواب دیا اور پھر اضافہ کیا۔ "زیادہ سے زیادہ۔"

"تم نے کہا تھا کہ علامات چوبیس گھنٹے میں ظاہر ہوں گی۔ اس میں کتنا وقت رہ گیا ہے؟"

"چھ گھنٹے۔" اس نے بتایا تو میں حیران ہوا تھا یعنی ہمیں ہوش میں آئے ہوئے چھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دو تین گھنٹے پہلے ہوش میں آئے تھے۔ میرے سر کا زخم اب بہتر حالت میں دکھن ہو رہی تھی لیکن پہلے جیسی نہیں تھی۔

"ہاں چھ گھنٹے بعد اس کے آثار نمایاں ہوں گے اور ایسا ہونے کے بعد صرف اڑتالیس گھنٹے کا وقت باقی رہ جائے گا۔"

"یعنی کل چون گھنٹے؟"

"ہاں تمہاری زندگیاں بس اتنی باقی رہ گئی ہیں۔" وہ بے رحمانہ انداز میں بولا۔ "ویسے میں دیکھ رہا ہوں تمہاری حالت اتنی خراب نہیں ہے تم اندر سے کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"درد اور عجیب سی اینٹھن محسوس ہو رہی ہے اور یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میری حالت بہتر ہے۔ میں بہر حال زرین کے مقابلے میں ایک سخت جان مرد ہوں۔"

"تمہاری باتوں کے دم خم سے، لیکن ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو بہر حال تمہاری مدد سے مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ سخت جان لوگوں پر یہ کتنی دیر میں اثر کرتا ہے۔"

میں نے تلخی سے کہا۔ "ڈاکٹر انسان بہت سخت جان ہوتا ہے اسے مارنے کے کتنے ہی طریقے ایجاد کر لیے جائیں تب بھی یہ زندہ رہنے کا راستہ تلاش کر لیتا ہے۔"

"لیکن اس چیمبر میں زندہ رہنے کا کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔ یہاں سے صرف تمہاری روحیں نکل سکتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔'' اس نے پرغرور انداز میں کہا۔

''تم سے پہلے بھی کئی ایسے دعوے کرنے والے گزرے ہیں۔''

''دیکھتے ہیں تمہاری زندگی کب تک برقرار رہتی ہے۔''

''جب تک خدا چاہے گا تب تک تو برقرار رہے گی۔'' میں نے یقین سے کہا تھا۔

ڈاکٹر سے بات کرنے کے بعد مجھے اپنی کیفیت جاننے کا خیال آیا اور میں نے آہستہ سے زرین کو فرش پر لٹا دیا وہ سو رہی تھی یا غشی میں چلی گئی تھی۔ اسے لٹا کر پیروں پر اس کا لبادہ ٹھیک کیا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ مجھے اس میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی پہلے بھی شاید جب میں نے کھڑا ہونے کی کوشش کی اور مجھے چکر آنے لگے تھے تو اس کی وجہ سر کی چوٹ تھی نہ کہ انفلشن تھا۔ میں نے چہل قدمی کی۔ جسم میں درد ہو رہا تھا لیکن یہ بہت زیادہ بے چین کرنے والا نہیں تھا۔ میرے مقابلے میں زرین کی حالت بہت تیزی سے خراب ہوئی تھی۔ اس کا چہرے کا رنگ اب مردے جیسا سفید ہو گیا تھا اور آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ وہ ان اٹھارہ گھنٹوں میں اس حد تک کمزور ہو گئی تھی کہ اس وقت بے ہوشی کی نیند سو رہی تھی۔ اچانک ڈاکٹر نے کہا۔

''اسے جگاؤ۔''

''نہیں اسے سونے دو۔'' میں نے اختلاف کیا۔

''بکو مت جگاؤ اسے۔'' وہ غرایا۔

''مگر کیوں؟''

''یہ میرا حکم ہے اسے جگاؤ۔''

''کیا تم مجھے اس کام کے لیے مجبور کر سکتے ہو؟''

''میں یہ کام خود کر سکتا ہوں۔'' اس نے کہا اور کچھ دیر بعد چیمبر میں کسی بڑے کتے کے بھونکنے کی بھیانک آواز گونجی۔ یہ آواز اتنی تیز تھی کہ اس نے کان کے بجائے دل پر اثر کیا تھا اور ایک لمحے کو میں بھی اچھل پڑا تھا۔ زرین نے سوتے سے چیخ ماری اور اچھل کر بیٹھ گئی۔ میں اس کے پاس آیا تو وہ مجھ سے لپٹ گئی اس کا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔ کتے کے بھونکنے کی آواز مسلسل آ رہی تھی اور جیسے کان کے پردے پھاڑ رہی تھی۔ میں نے چلا کر کہا۔

''کتے اپنی آواز بند کر۔''

لیکن ڈاکٹر نے اسپیکر پر اپنی ریکارڈنگ جاری رکھی تھی۔ زرین نے دونوں ہاتھوں سے کان دبا لیے تھے۔ بھونکنے کی آواز جیسے مجسم ہو کر چیمبر میں گھس رہی تھی۔ زرین خود بھی چیخ رہی تھی اور اس کے بدن کی لرزش بڑھتی جا رہی تھی پھر جیسے اچانک آواز شروع ہوئی تھی اسی طرح اچانک رک گئی۔ خاموشی ہوئی تو چند لمحے آواز دل و دماغ میں گونجتی رہی تھی یہ بہت بھیانک تجربہ تھا اس سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آواز انسان کے اعصاب پر اتنا خوفناک اثر ڈال سکتی ہے۔ زرین کو کچھ دیر میں احساس ہوا کہ آواز رک گئی ہے اس نے کان سے ہاتھ ہٹا لیے اور چیخ چیخ کر ڈاکٹر کو گالیاں دینے لگی۔ میں اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ بڑی مشکل سے چپ ہوئی تھی۔ اس کا جسم اب تک لرز رہا تھا اور منہ سے آدھی ادھوری گالیاں نکل رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بی ایزی..... بی ایزی۔'' میں اسے تھپک رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر کی آواز آئی۔ ''کیسا رہا یہ تجربہ؟''

میرے منہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی چند کلاسک گالیاں نکل گئی تھیں پھر میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''تم نہایت ذلیل انسان ہو..... انسانیت سے گرے ہوئے۔''

''تم کچھ بھی کہہ لو لیکن تمہیں اندازہ ہو گیا ہے اس چیمبر میں تمہیں میری ہر بات ماننا ہو گی۔ جب تک تمہارے جسموں میں روح ہے ورنہ میں تمہاری زندگی کو اسی طرح عذاب بنا سکتا ہوں۔ یہ مت سمجھنا میرے پاس صرف آواز کا عذاب ہے۔ میں چاہوں تو اس چیمبر کا درجہ حرارت منفی بیس ڈگری سینٹی گریڈ یا پچاس درجے سینٹی گریڈ کر سکتا ہوں اور یہ دونوں تم برداشت نہیں کر سکو گے۔''

''اس صورت میں تمہارے تجربے کے پیرامیٹرز بگڑ سکتے ہیں۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟''

''نہیں۔'' وہ پھر ہنسا۔ ''لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے ایک نمونہ تم نے دیکھ لیا ہے۔''

''تم کیوں چاہتے ہو کہ یہ جاگتی رہے۔''

''سونے سے انسان کے جسم میں تبدیلی آتی ہے اور اس کی قوتِ مدافعت بڑھ جاتی ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ سو کر وقت گزارو۔''

''کیا مطلب ہم جب تک زندہ ہیں ہمیں جاگتے رہنا ہو گا؟''

''ہاں یہ بہت ضروری ہے۔ تم دونوں آرام کر سکتے ہو لیکن سونے کی کوشش نہیں کرو گے اور اگر سوئے تو میں یہ آواز دوبارہ کھول دوں گا۔''

''ٹھیک ہے اس عذاب سے بچنے کے لیے ہم پوری کوشش کریں گے لیکن ہم نیند کے آگے بے بس بھی ہو سکتے ہیں۔''

''صرف چند گھنٹے کی بات ہے اس کے بعد تمہیں خود نیند نہیں آئے گی۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''میں نہیں جاگ سکتی۔'' زرین بولی۔ ''مجھے لگ رہا ہے میرے جسم سے جان نکل رہی ہو۔''

''یقیناً تمہیں ایسا ہی محسوس ہو رہا ہو گا لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں یہ صرف آغاز ہے۔'' اس معنی خیز انداز میں کہا۔ ''آگے تمہیں اس سے کہیں زیادہ تکلیف سہنا پڑے گی۔''

''خدا کے لیے کیا تم چپ نہیں رہ سکتے۔'' میں نے کہا۔ ''اس طرح ذہنی اذیت دینے کا مقصد''

''یہ..... ثابت کرنا..... چاہتا ہے..... یہ نہایت گھٹیا..... اور ذلیل شخص..... ہے۔'' زرین نے رک رک کر کہا۔ اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ''حالانکہ..... اسے ثابت کرنے..... کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تم مجھے کچھ بھی کہہ لو اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' ڈاکٹر نے پُرسکون آواز میں کہا۔ ''مجھے صرف اپنے تجربے سے دلچسپی ہے۔''

''شاید تم نے اپنی ماں پر بھی کوئی تجربہ کیا ہو گا۔ تمہاری بہن اور شاید بیٹی بھی ہو گی ان کو اپنے تجربات میں استعمال کر لو۔'' زرین مشتعل ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زرین پلیز چپ ہو جاؤ۔'' میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''اس شخص کو گالیاں دے کر ہم سوائے اپنی اذیت میں اضافے کے اور کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔''

وہ رونے لگی۔ ''اس نے ہمیں اس حال کو پہنچا دیا ہے اور ہم اسے گالیاں بھی نہ دیں۔''

''اس کا کوئی فائدہ جو نہیں ہے۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''ورنہ گالیاں تو مجھے بھی بہت آتی ہیں۔''

ڈاکٹر ہنسا۔ ''مجھے لگتا ہے تم میرے جیسا ذہن رکھتے ہو کوئی کام بے فائدہ نہیں کرتے ہو۔''

میں نے بھڑک کر کہا۔ ''خدا کے لیے مجھے کوئی گندی گالی دے لو لیکن خود سے مت ملاؤ..... بے شک کسی ناپاک جانور سے ملا دو۔''

اس کی ہنسی کافور ہو گئی اور اس نے خشک انداز میں کہا۔ ''بہت بول رہے ہو جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔''

زرین دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس نے دونوں پاؤں موڑ کر زانوں سامنے کیے ہوئے تھے۔

''مت لگو اس سور کے منہ تم لیٹ جاؤ کب سے مجھے لیے بیٹھے تھے۔''

میں ہچکچایا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''پلیز۔'' اس نے التجا کی۔ ''میں صرف تمہارے لیے اس طرح بیٹھی ہوں۔''

میں دیکھ رہا تھا وہ بہت مشکل سے بیٹھی تھی اور یقیناً میرے لیے بیٹھی تھی۔ وہ ہماری موت کو سامنے دیکھ رہی تھی اور مرنے سے پہلے میرے حوالے سے اپنے دل کی خواہشات پوری کر لینا چاہتی تھی۔ میں فرش پر بیٹھا اور پھر اس کے زانوں پر سر رکھ لیا۔ اس کے مرجھا جانے والے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ اس نے ذرا جھک کر سرگوشی میں کہا۔ ''شہباز..... آئی لو یو۔''

''میں جانتا ہوں..... اور میں تمہاری محبت کا احترام کرتا ہوں۔''

وہ ہنسی۔ ''چالاک آدمی صرف احترام کرتے ہو۔''

''ہاں کیا احترام کافی نہیں ہے؟''

''نہیں..... یہ کافی سے بہت زیادہ ہے سچ تو یہ ہے کہ میں اس لائق نہیں ہوں۔''

''ایسا مت کہو تم قابلِ احترام ہو۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''کیا تم سچ مچ ایسا ہی سمجھتے ہو؟''

''ہاں تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

میرے خفا لہجے پر وہ ہنسی۔ ''مجھے یقین ہے میں تو بس چھیڑ رہی تھی۔''

''تم ایسا مت سوچا کرو۔''

''اب سوچنے کے لیے رہ کیا گیا ہے۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔ ''تم نے سنا یہ منحوس کیا کہہ رہا ہے ہمارے پاس گھنٹوں کا وقت رہ گیا ہے۔''

''زرین زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ڈاکٹر کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس لیے یہ مت سوچو کہ ہمارے پاس وقت ہے یا نہیں۔''

''میں اس کی وجہ سے یہ بات نہیں کہہ رہی ہوں میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میرے اندر سے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہہ رہا ہے میرا آخری وقت آ گیا ہے اور یہ بات میں نے ابھی نہیں اس وقت محسوس کر لی تھی جب اس نے مجھے کوئی دوا دی تھی اور میری طبیعت خراب ہوئی تھی۔"

"ہمارے مقدر میں جو لکھ دیا گیا ہے وہ تو ہو کر رہے گا تو ہم پہلے سے سوچ سوچ کر خود کو ٹینشن کیوں دیں؟"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس کا لہجہ تھک گیا۔ "لیکن کیا کروں انسان ہوں نا۔"

میں دیکھ رہا تھا اس کے لیے اس انداز میں بیٹھنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ میرے سر کا بوجھ اس کی گداز رانوں پر تھا اور اسے برداشت کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "مجھے اٹھنے دو تم تھک رہی ہو لیٹ جاؤ۔"

"نہیں لیٹے رہو۔" وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ "تم میرے پاس لیٹے ہو مجھے سکون مل رہا ہے۔"

"زرین اس طرح تمہاری طبیعت اور خراب ہو جائے گی۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہونے دو اب طبیعت ٹھیک رکھ کر کرنا بھی کیا ہے۔" وہ ضدی انداز میں بولی۔ "پلیز مجھے خوش ہونے دو۔"

بادلِ ناخواستہ میں نے سر ہلایا۔ "جیسے تم خوش رہو۔"

"تمہیں میری خوشی کی پروا ہے؟"

"ہاں اسی لیے تو جیسے تم کہہ رہی ہو میں کر رہا ہوں۔"

"تب مجھے ایک بار اور پیار کرو۔ بس ایک بار اس کے بعد میں پھر نہیں کہوں گی۔"

"تم جتنی بار کہو گی اتنی بار کروں گا۔" میں نے اس کا چہرہ اپنی طرف کر لیا۔ اس کے گرم آنسو میرے چہرے کو بھگو رہے تھے۔ اس کے ہونٹ پہلے سے زیادہ خشک، سرد اور مرجھائے ہوئے ہو رہے تھے لیکن آنسوؤں کی گرمی اس کا ازالہ کر رہی تھی۔ اچانک اسے کھانسی آئی اور اس نے سر اوپر کر لیا۔ کھانسی بے قابو سی تھی اور میں جلدی سے اٹھ گیا۔ اسے تھام کر اس کی پشت سہلائی اور اسی لمحے اسے شدت کی کھانسی آئی تھی۔ اس نے ہاتھ منہ پر رکھ لیا تھا اور جب ہاتھ ہٹایا تو وہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ وہ چیخ اٹھی۔ "شہباز..... یہ دیکھو..... میرے منہ سے خون آ رہا ہے۔"

خون دیکھ کر میرا دل ایک لمحے کو رکا تھا اور پھر میں نے چیخ کر ڈاکٹر کو آواز دی۔ "تم کہاں ہو؟"

"میں یہاں موجود ہوں۔" اس کی آواز آئی۔

"زرین کے منہ سے خون آ رہا ہے۔"

"میں دیکھ رہا ہوں۔" وہ ناگواری سے بولا۔ "چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ علامات کا آغاز ہو گیا ہے۔"

"آگے کیا ہو گا؟"

"مزید خون آئے گا..... صرف منہ سے نہیں بلکہ ہر جگہ سے نکلے گا۔"

"کمینے آدمی تم نے ہمیں کون سا وائرس لگایا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب بتانے میں حرج نہیں ہے۔ یہ ڈیڈلی ایبولا وائرس ہے۔ ایک بار یہ کسی شخص کو لگ جائے تو اس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے صرف تقدیر ہی اسے بچا سکتی ہے۔ میں نے اس پر کام کیا اور اسے انسانوں کے لیے مزید مہلک بنا دیا۔ پہلے یہ ایک ہفتے میں جان لیتا تھا اور اس کا شکار بعض اوقات بچ بھی جاتا تھا لیکن اب یہ صرف تین دن میں جان لیتا ہے اور جسے ایک بار لگ جائے اس کے بچنے کا امکان لاکھ میں سے ایک بھی نہیں رہتا ہے۔''

''کاش تم ایک بار میرے ہاتھ آجاؤ۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے اس چیمبر کی دیواریں اور دروازہ اتنا مضبوط ہے کہ کوئی ہاتھی بھی اسے نہیں توڑ سکتا اور تم اس کی نہیں اپنی فکر کرو۔ ابھی تم میں علامات نمودار نہیں ہوئی ہیں لیکن اس میں زیادہ دیر بھی نہیں ہے۔''

میں زرین کو سنبھالنے لگا جو کھانس کھانس کر بے حال ہوئی جا رہی تھی اور ہر بار کھانسنے پر اس کے منہ سے خون کے چھینٹے اُڑتے تھے۔ جو اس کے اور میرے لباس اور فرش کو سرخ کر رہے تھے۔ ''زرین کھانسی روکنے کی کوشش کرو۔''

''نہیں..... رک..... رک..... رہی۔'' وہ کھانسی کے دوران میں بولی۔ ''شہباز میں نے کہہ تھا نا کہ میں نہیں بچوں گی۔''

میں اس کی پشت سہلانے لگا۔ اس چیمبر میں ہم گنی پگ کی طرح قید تھے۔ گنی پگ ان سفید چوہوں کو کہتے ہیں جن پر لیبارٹریز میں مختلف تجربات کیے جاتے ہیں۔ یہاں کھانا تو ایک طرف پانی کا بھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ڈاکٹر کہہ چکا تھا کہ یہ چیمبر صرف ہماری لاشیں اٹھانے کے لیے کھولا جائے گا۔ بڑی مشکل سے زرین کی کھانسی قابو میں آئی لیکن اس دوران میں اس کے منہ سے ڈھیروں خون نکل چکا تھا۔ اور وہ کھانس کھانس کر بے حال ہو گئی تھی۔ اس کا لبادہ سامنے سے خون سے سرخ ہو رہا تھا اور فرش پر بھی جا بہ جا خون نظر آ رہا تھا۔

میں نے ایبولا وائرس کے بارے میں سنا تھا کہ اس کا تعلق بنیادی طور پر افریقہ سے ہے اور وہیں سے یہ ساری دنیا میں پھیلا ہے۔ جیسے ایڈز کا وائرس افریقہ سے پھیلا ہے اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ دونوں وائرس اصل میں تخلیق کیے گئے تھے اور مغرب کی تجربہ گاہوں میں ان کو ناقابلِ شکست بنا کر افریقہ میں انسانوں پر ان کے تجربات کیے گئے تھے اور وہیں سے یہ ساری دنیا میں پھیل گئے تھے۔ ڈاکٹر نے اس شک کی تصدیق کر دی تھی۔ جب اس وائرس کو یوں بایولوجیکل ویپن میں تبدیل کیا جا رہا تھا تو یہ بھی ممکن تھا کہ کسی زمانے میں اسے سچ مچ کسی لیبارٹری میں تخلیق کیا گیا ہو۔

زرین کی حالت بتا رہی تھی کہ وائرس نے اس پر پوری طرح اثر کر لیا تھا اور اس کی خوفناک علامات نمایاں ہو رہی تھیں۔ یہ وائرس بخار اور شدید درد پیدا کرتا ہے اور بالآخر اندرونی و بیرونی جریان خون کا سبب بنتا ہے اور مریض کا اسی وجہ سے انتقال ہو جاتا ہے۔ زرین کو بخار نہیں ہوا تھا لیکن درد والی کیفیت تھی اور اب جریان خون شروع ہو گیا تھا۔ اس کا آغاز منہ سے خون آنے سے ہوا تھا۔ کھانسی رکنے کے بعد وہ نیم غشی کی حالت میں آ گئی تھی میں اسے بازوؤں میں لے کر بیٹھ گیا۔

''ڈاکٹر تم انسانیت کے مجرم ہو اور مجھے یقین ہے تم بچ گے نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔'' اس نے رعونت بھرے انداز میں کہا۔ ''میں نے پہلے ہی بہت کما لیا ہے اور اس پروجیکٹ کی تکمیل پر مجھے ایک بڑی رقم ملے گی۔ اس کے بعد میں یہاں نہیں رہوں گا۔ میری ساری دولت سوئیس بینکوں میں ہے اور میں یورپ میں مزے سے رہوں گا۔''

''شاید ایسا ہی ہو لیکن ڈاکٹر اگر ایسا نہیں ہوا اور تم یہیں مکافاتِ عمل کی گرفت میں آ گئے تو تم نے سوچا ہے وہ تمام دولت ایسے ہی پڑی رہ جائے گی؟''

''میں بے کار کی باتیں نہیں سوچتا ہوں۔'' اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''ویسے تم سے بات کر کے مزہ آ رہا ہے اس سے پہلے جو دو افراد اس چیمبر میں ڈالے گئے تھے وہ بالکل جاہل دیہاتی تھے اور مرنے سے پہلے دن رات مجھے گالیاں دیتے رہے تھے۔''

''میری تعلیم نے مجھے کیا فائدہ دیا کہ میں دل کی بھڑاس بھی نہیں نکال سکوں گا اور مر جاؤں گا۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''مجھ سے اچھے تو وہ جاہل رہے جو تمہیں گالیاں دے کر مرے۔''

''ایک نے تو میرا دماغ اتنا خراب کر دیا تھا کہ میں چیمبر میں گھس کر اسے شوٹ کرنے والا تھا۔''

''حالانکہ میرا نہیں خیال کہ تمہارے اندر اتنی غیرت باقی ہو گی کہ تم کسی کی گالیوں سے بدمزہ ہو سکو۔''

''تم چاہو تو ایسا بھی کہہ سکتے ہو۔'' وہ اپنے تجربے کو خون رنگ لاتے دیکھ کر خوش تھا اس لیے اس کا موڈ اچھا تھا۔

میری حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے میرا جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا لیکن زرین کی حالت دیکھنے اور ڈاکٹر کی باتیں سننے کے بعد ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے جلد تلے کوئی گرم گرم سی چیز سرسرا رہی ہو۔ کیا مجھے بھی اندرونی جریان خون شروع ہو گیا تھا؟ میں نے اپنے ہاتھ کا معائنہ کیا لیکن اس کی کھال پر ایسی کوئی علامت نہیں تھی۔ اندرونی جریان خون کی اولین علامت کھال پر نمودار ہونے والے سرخ دھبے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی دھبے زرین کے ہاتھ پر نمودار ہو رہے تھے۔ میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی اس لیے میں نے ہاتھ سے زرین کا منہ صاف کیا جو خون آلود ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے تم چپ کیوں ہو گئے ہو؟'' ڈاکٹر نے مزہ لینے والے انداز میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ ہماری اور خاص طور سے زرین کی حالت دیکھ کر خوش ہو رہا ہو۔ ''یہ اس وقت بھی خاصی خوب صورت لگ رہی ہے۔'' اس نے زرین کے بارے میں اکسانے والے انداز میں کہا۔ میں اس بار بھی خاموش رہا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''میں نے اتنی حسین عورتیں بہت کم دیکھی ہیں افسوس میں یہ ذوق نہیں رکھتا ہوں۔ ورنہ ممکن ہے اس چیمبر میں آنے سے پہلے یہ کچھ وقت میرے بیڈ روم میں گزارتی۔''

میری جلد تلے سرسراہٹ بڑھ رہی تھی اور سرسرانے والی چیز میں حدت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر اس کے بعد بھی دیر تک بکواس کرتا رہا تھا اور اس نے مجھے اکسانے کے لیے بعض ناقابلِ برداشت قسم کی باتیں بھی کی تھیں لیکن میں خاموش رہا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تقدیر نے موقع دیا تو ایک بار ہی بولوں گا ورنہ یونہی چپ کر کے مر جاؤں گا۔ اس روز میں نے جانا کہ انسانیت دشمنی کوئی جرم نہیں بلکہ ایک سنگین نفسیاتی مرض ہے اور اس مرض میں مبتلا آدمی بہ ظاہر کتنا ہی پڑھا لکھا، مہذب اور شائستہ نظر آئے اصل میں وہ نفسیاتی مریض ہوتا ہے اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعلیم اور شخصیت اس کے پردے ہوتے ہیں جن کے پیچھے وہ اپنا مرض چھپاتا ہے۔ ان میں اور پاگلوں میں ایک فرق ہوتا ہے کہ پاگل شعوری نفسیاتی مریض ہوتا ہے اور یہ لاشعوری مریض ہوتے ہیں اپنے مرض کے بارے میں خود بھی نہیں جانتے ہیں۔ یہ خود کو دماغی طور پر صحت مند خیال کرتے ہیں لیکن درحقیقت یہ شدید قسم کے نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔

زرین کی ناک سے بھی خون آنے لگا تھا۔ یہ قطرہ قطرہ کر کے ٹپک رہا تھا جسے میں ہاتھ سے صاف کرتا تھا اور ہاتھ زمین پر صاف کرتا تھا۔ بے حد سفید چیمبر میں خون کی سرخی نمایاں ہو رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کتنا وقت گزر گیا تھا۔ ڈاکٹر تھک ہار کر چپ ہو گیا تھا۔ ایک بار اس نے شاید خاموشی کی سزا دینے کے لیے کتے کی آواز سنوائی تھی لیکن اب یہ آواز نہ تو زرین پر اور نہ ہی مجھ پر اثر کر رہی تھی۔ جب اس نے ریکارڈنگ روکی تو میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اس سے اچھی اس کتے کی آواز تھی اسے سن کر کم اذیت ہوئی تھی لیکن میں یہ بھی نہیں کہہ سکا تھا۔ زرین کو ایک بار پھر کھانسی کا دورہ پڑا تھا اور اس بار بھی اس کے منہ سے بہت سارا خون آیا تھا۔ ناک سے آنے والے خون کی مقدار بھی بڑھ گئی تھی۔

زرین کے ہاتھ اور ٹانگوں پر دھبے نمودار ہو رہے تھے۔ اس کی گلابی جلد جو پہلے سفید ہوئی تھی اب سرخ دھبوں سے داغ دار ہوتی جا رہی تھی۔ کھانسی کے دوسرے دورے کے بعد وہ ہوش میں آ گئی تھی لیکن اس میں بولنے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی جب کوشش کرتی تو اس کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلتے تھے۔ موت کی زردی اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔ میں نے اسے بولنے سے منع کر دیا اور پہلے کی طرح بازوؤں میں لے کر بیٹھ گیا۔ وہ شدید تکلیف میں تھی کیونکہ اس کا جسم رہ رہ کر کانپ اٹھتا تھا اور اس کے منہ سے ضبط کے باوجود کراہیں نکل رہی تھیں۔ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ اپنی موت سے پہلے بے بسی سے اسے مرتا دیکھتا رہوں۔ بہت دیر بعد جا کر اسے ذرا سکون ملا تو وہ سو گئی تھی۔ نہ جانے یہ سکون بھی کیسے ملا کیونکہ اس کی حالت تو ہر گزرتے لمحے خراب ہی ہو رہی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ ہمیں انفیکٹ ہوئے ایک دن سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ اس چیمبر میں دن رات کا کوئی تصور نہیں تھا یہاں مستقل طور پر تیز روشنی تھی اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے وقت کا اندازہ لگایا جا سکتا۔ بس ایک اندرونی گھڑی کہہ رہی تھی کہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ علامات ظاہر ہونے کا وقت چوبیس گھنٹے بعد کا تھا لیکن زرین میں یہ علامات پہلے نمودار ہو گئی تھیں اور مجھ میں ابھی تک نمودار نہیں ہوئی تھیں۔ زرین کا جسمانی دفاعی نظام مضبوط نہیں تھا اس نے وائرس کے آگے جلدی ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ میرا جسم مضبوط تھا اور ابھی تک اس خوفناک جرثومے سے لڑ رہا تھا لیکن کب تک؟ بالآخر وہ حاوی ہو ہی جاتا کیونکہ یہاں علاج تو ایک طرف رہا کھانا پانی بھی میسر نہیں تھا۔ چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد جسم کچھ نہ کچھ کمزور ہوا تھا اور اس طرح وائرس کے لیے آسانی پیدا ہو رہی تھی۔ مستقل بیٹھے رہنے سے میرا جسم تھکنے لگا تھا اور اب میں زرین کو پہلے کی طرح لے کر نہیں بیٹھ سکتا تھا اس لیے میں اسے لے کر فرش پر دراز ہو گیا۔ وہ سو رہی تھی اور حرکت سے اس کی نیند خراب ہو گئی تھی اور اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ''شہباز تم کیسے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے جواب دیا لیکن اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی اس نے ذرا اٹھ کر میرے چہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جسم کا معائنہ کیا اور دوبارہ لیٹ گئی۔

''شکر ہے تم میں علامات نظر نہیں آ رہی ہیں۔''

''کب تک نظر نہیں آئیں گی۔ میں ذرا مضبوط ہوں اس لیے اس بیماری کا دیر سے نشانہ بنوں گا۔''

''نہیں تم بچ جاؤ گے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''پتا ہے میں نے ابھی خواب میں بھی دیکھا ہے۔''

''کیسا خواب..... کیا دیکھا ہے؟''

''بہت اچھا اور بہت مزے کا خواب ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''اور یقین کرو اسے دیکھنے کے بعد میرا درد کم ہو گیا ہے۔''

وہ جس کیفیت میں تھی ایسے میں انسان کا دماغ اسے بچے کی طرح بہلاتا ہے۔ انسان کو خواب دکھاتا ہے شاید اسے بھی دماغ نے کوئی ایسا ہی خوش کن خواب دکھایا تھا میں نے کہا۔ ''یہ تو اچھی بات ہے۔''

''پتا ہے میں نے کیا دیکھا۔'' وہ پُرجوش ہو گئی۔ ''میں نے ایک بہت بڑی وادی دیکھی جس میں پہاڑ، درخت، پودے اور زمین ہر چیز نور کی بنی تھی اور میں وہاں اکیلی ہوں۔ وہ جگہ اتنی خوب صورت تھی ایسا لگا جیسے میں مرنے کے بعد جنت میں آ گئی ہوں۔ میں وادی کے بالکل سامنے ہوں لیکن جب میں اس میں جانے کی کوشش کرتی ہوں تو میرے قدم رک جاتے ہیں۔'' وہ چپ ہو کر سانس درست کرنے لگی مارے جوش کے وہ نان اسٹاپ بول رہی تھی اس لیے سانس پھولنا لازمی تھا مجھے تو تعجب ہوا کہ اس حالت میں وہ بول کیسے رہی ہے؟ جب کہ پہلے اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ سانس بحال کر کے اس نے پھر بولنا شروع کیا۔ ''میں نے پوچھا کہ مجھے کیوں نہیں جانے دیا جا رہا ہے تو ایک آواز آئی۔ ابھی تمہارے آنے کا وقت نہیں آیا ہے۔ میں نے پوچھا کیوں تو اس آواز نے بتایا کہ میں ابھی زندہ ہوں اس لیے یہاں نہیں آ سکتی۔ ہاں جب میں مر جاؤں گی تو یہاں آؤں گی۔ یقین کرو یہ سن کر میں مرنے کے لیے بے تاب ہو گئی تھی۔ میں اس وادی میں داخل ہونے کے لیے دس بار مرنے کو بھی تیار ہو گئی تھی۔ وہ جگہ اتنی خوبصورت تھی۔''

''تم نہیں مرو گی۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی۔ ''شہباز اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ میں بہت گناہ گار ہوں لیکن اس خواب کو دیکھنے کے بعد مجھے یقین آ گیا ہے کہ خدا نے مجھے معاف کر دیا ہے۔''

''زرین یہ صرف ایک خواب ہے.....''

اس نے میری بات کاٹی۔ ''نہیں یہ صرف ایک خواب نہیں ہے شہباز میں نے جو دیکھا ہے مجھے یقین ہے یہ خواب نہیں ہے اور میں نے تم کو پورا تو سنایا ہی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے سناؤ۔''

''نہیں۔'' اس نے مچل کر کہا۔ ''پہلے تم مانو یہ خواب نہیں ہے۔''

''اچھا بابا میں نے مان لیا تم نے جو دیکھا ہے وہ خواب نہیں بلکہ سچ ہے۔'' میں مسکرایا۔ ''تم بالکل بچوں کی طرح ضد کر رہی ہو۔''

''ہاں میں وہاں خود کو بچی ہی محسوس کر رہی تھی جو اپنے گھر آ گئی ہو۔ شہباز وہاں اتنا سکون اور قرار تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تمہیں لفظوں میں نہیں بتا سکتی۔ جو میرے سوالوں کا جواب دے رہا تھا وہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا لیکن مجھے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی اتنی شفیق اور محبت بھری آواز میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی۔ میں نے اسے خود پر گزرنے والی سنائی اور اس شخص کی شکایت کی تو اس نے مجھے تسلی دی تھی کہ دنیا میں، میں نے جو گزاری ہے اس کے صلے میں مجھے یہ جگہ دی جائے گی۔ پھر میں نے تمہارے بارے میں پوچھا۔"

"میرے بارے میں؟" میں چونک گیا۔

"ہاں میں نے تمہارے بارے میں پوچھا تو پتا ہے اس شخص نے کیا جواب دیا؟"

"نہیں مجھے کیسے پتا ہوگا۔"

"اس نے کہا ابھی تمہارا وقت نہیں آیا ہے اور اس دنیا میں شہباز کو ابھی بہت سارے کام کرنے ہیں۔"

"اچھا۔" میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے تعجب کا اظہار کیا۔ ورنہ مجھے ذرا بھی شک نہیں تھا کہ اس نے خواب دیکھا ہے اور خواب میں انسان وہی دیکھتا ہے جو اس کے لاشعور میں ہوتا ہے۔ "اس شخص نے جو شاید کوئی فرشتہ تھا ایسا کہا؟"

"ہاں وہ کوئی فرشتہ ہی تھا اس وقت مجھے خیال نہیں آیا لیکن ابھی تم نے کہا ہے تو مجھے خیال آ رہا ہے وہ واقعی کوئی فرشتہ تھا اور اس نے ایک بہت عجیب سی بات کی اس نے کہا شہباز کو وہ شخص بچائے گا جسے وہ اپنا دشمن سمجھتا ہے اور پھر تم میرا بدلہ لو گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ڈاکٹر کا ذکر آنے پر میرا خون کھول اٹھا تھا اسے جہنم رسید کرنے کے لیے اگر مجھے مرشد سے ہاتھ ملانا پڑتا تو میں اس کے لیے بھی تیار تھا۔ ایسا شخص مرشد ہی تھا جسے میں اپنا دشمن سمجھتا تھا پھر مجھے خیال آیا کہ میں جذباتی ہو کر زرین کے خواب کو سچ سمجھ رہا تھا حالانکہ خواب تو صرف خواب ہوتا ہے۔ زرین نے غور سے مجھے دیکھا۔

"تمہیں میری بات پر یقین نہیں آ رہا ہے نا؟"

"نہیں تو....." میں گڑبڑا گیا۔

"نہیں یہی بات ہے اور تم کیا کوئی بھی سنے تو مرنے سے پہلے اسے میرا دماغی ہذیان ہی سمجھے گا لیکن شہباز نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا ہے ایسا ہی ہوگا۔"

"مجھے یہ تو یقین ہے کہ خدا تمہارے ساتھ بہت اچھا کرے گا کیونکہ تم نے زمانے کے مظالم برداشت کیے ہیں اور خود کسی پر ظلم نہیں کیا ہے لیکن اس پر یقین نہیں آ رہا....."

"کہ تم بچ جاؤ گے؟"

"ہاں۔" میں نے سر ہلایا۔

"جب کہ میری خواہش ہے کہ میرے خواب کا پہلا حصہ درست ہو یا نہ ہو لیکن دوسرا حصہ ضرور ٹھیک ہو۔"

"ایسا کوئی امکان نہیں ہے کہ میرا کوئی جانی دشمن مجھے بچا لے اور خود میرا ضمیر بھی گوارا نہیں کرے گا کہ اپنے دشمن سے مدد مانگوں۔"

"ممکن ہے یہ ڈاکٹر بچا لے۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "یہ بھی تو ہمارا دشمن بنا ہوا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''دشمنی انسان سے کی جاتی ہے اور یہ شخص انسان نہیں ہے۔''

''اس طرح دیکھا جائے تو مرشد بھی انسان نہیں ہے لیکن تم اسے دشمن سمجھتے ہو۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''مجھ سے بہتر کون جانتا ہوگا کہ اس کے انسان نما جسم میں کس قدر حیوانیت بھری ہوئی ہے۔''

زرین بات کر رہی تھی اچانک میری نظر اس کے پیروں کی طرف گئی وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس کی رانوں کے پاس فرش پر خون جمع ہو رہا تھا یہ تازہ خون تھا جو اس کے جسم سے خارج ہو رہا تھا۔ میری نظر اور چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ چونکی اور پھر اس نے بھی خون دیکھ لیا۔ وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہوئی تب اسے پتا چلا کہ اس کے جسم کے نیچے خاصی مقدار میں خون جمع ہو چکا تھا اور اس کا مسلسل اخراج جاری تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے پیروں کے درمیان گیا اور جب اس نے ہاتھ باہر نکالا تو وہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے جسم کے دوسرے حصوں سے بھی خون کا اخراج شروع ہو گیا تھا اور یہ مقدار میں بہت زیادہ تھا۔

''شہباز۔'' اس نے سسکی لی۔ ''میں مرنے والی ہوں۔''

میں لرز اٹھا۔ ''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔''

اس نے خون آلود ہاتھ اوپر کیا۔ ''یہ دیکھو..... اب نیچے سے بھی خون آ رہا ہے۔ اسی رفتار سے خون بہتا رہا تو میں کتنی دیر زندہ رہوں گی۔'' وہ رونے لگی اور میں تھکے انداز میں اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ سوائے زبانی تسلی اور جسمانی سہارے کے میں اسے کچھ نہیں دے سکتا تھا اور نہ ہی اس کے لیے کچھ کر سکتا تھا۔ زرین نے جلد خود پر قابو پا لیا وہ ذہنی طور پر مرنے کے لیے تیار ہو گئی تھی اور پھر اس خواب نے بھی اس کے ذہن پر اچھا اثر ڈالا تھا وہ سمجھ رہی تھی کہ دنیاوی تکلیف کے بدلے خدا نے اسے معاف کر دیا ہے اور دوسری دنیا میں ایک اچھی زندگی اس کی منتظر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ تکلیف اور کمزوری کے باوجود اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اچانک اس نے کہا۔

''شہباز کیا وجہ ہے کہ اب تک تمہارے جسم پر علامات نمودار نہیں ہوئی ہیں؟''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں اندر سے تکلیف اور بے چینی والی کیفیت تو مجھے بھی ہو رہی ہے۔''

''لیکن چوبیس گھنٹے سے کہیں زیادہ وقت گزر چکا ہے اور اس کا کہنا ہے اتنی دیر میں علامات لازمی نمودار ہو جائیں گی۔''

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔

وہ میری طرف جھکی اور بہت آہستہ سے بولی۔ ''ممکن ہے تم پر اس کا جان لیوا اثر نہ ہوا ہو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے..... ڈاکٹر نے اس وائرس کو اتنا خطرناک بنا دیا ہے کہ یہ آدمی کی جان لیے بغیر نہیں رہتا۔''

''یہ درست کہہ رہا ہے۔'' ڈاکٹر کی آواز آئی۔ ''دیر سے سہی لیکن اس پر اثر ہوگا۔ جیسے تم پر وقت سے پہلے ہو گیا اس پر.....''

''اپنی بکواس بند کرو۔'' زرین نے مشتعل ہو کر کہا۔

''آرام سے تمہیں پھر کھانسی نہ آ جائے۔''

''اب تو تمہاری دوسری جگہوں سے بھی خون آنے لگا ہے۔'' ڈاکٹر نے اذیت دینے والے انداز میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ اس سے پہلے زرین اس پر کوئی ردِعمل ظاہر کرتی میں نے اس سے کہا۔

''زرین بھونکنے دو اسے اس پر توجہ دینے کا مطلب ہے قدرت نے ہمیں جو مہلت دی ہے اس قیمتی وقت میں سے اسے حصہ دیں اور یہ شخص اس قابل نہیں ہے اس لیے اس کی بات سنو ہی مت۔''

زرین نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو..... واقعی ہمارے پاس بہت کم وقت رہ گیا..... نہیں ہمارے نہیں صرف میرے پاس اور میں اس کا ایک ایک لمحہ تمہارے نام کرنا چاہتی ہوں۔''

مسلسل خون نکلنے سے زرین کا منہ اور ناک سوج گئی تھی اور آنکھیں جن کے گرد پہلے حلقے تھے اب متورم ہوگئی تھیں۔ اس کی رنگت زیادہ سفید ہوگئی تھی اور اس پر نمودار ہونے والے خونی دھبے بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ چند گھنٹوں کے اندر وہ بدل کر رہ گئی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا یہ وہی حسین اور دل کش زرین ہے جسے دیکھ کر مجھ جیسے مضبوط آدمی کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی تھی۔ بیماری اور اس کے اثرات نے اس کی ساری دل کشی چھین لی تھی۔ اس کی کھلی رانیں سرخ دھبوں سے بھر گئی تھیں اور ممکن ہے کوئی اور دیکھتا تو اسے ان سے گھن آتی۔

موت میرے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے میں نے اس سے پہلے بھی بے شمار انسانوں کو بے شمار طریقوں سے مرتے دیکھا تھا۔ ان میں انسانی لاشوں کا حشر بھی دیکھا تھا لیکن زرین جس طرح لمحہ بہ لمحہ مر رہی تھی اسے دیکھنا بہت مشکل کام تھا۔ شدید تکلیف اور کمزوری کے باوجود اس نے خود کو سنبھال رکھا تھا اور حوصلے سے آنے والی موت کا سامنا کر رہی تھی اس کے باوجود میرے لیے بہت دشواری تھی۔ اس روز میں نے جانا کہ موت کے سامنے انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، امیر، غریب، فقیر، بادشاہ، گناہ گار اور ولی اللہ سب موت کے سامنے آ کر برابر ہو جاتے ہیں۔ اسے کوئی پروا نہیں ہوتی کہ وہ جسے لے جا رہی ہے اس کی دوسروں کے لیے کیا حیثیت ہے اور وہ کسی کے لیے کتنا ضروری ہے۔ زرین میرے شانے سے سر ٹکائے مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''تم دکھی ہو رہے ہو؟''

''نہیں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''موت ایک حقیقت ہے آج ہم نے اور کل دوسروں نے مر جانا ہوتا ہے۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

''جب موت آتی ہے تو کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔'' اس نے ایک آفاقی حقیقت سادہ سے انداز میں بیان کر دی۔ ''ڈاکٹر، علاج اور دوائیں خود کو تسلی دینے والی بات ہیں اگر آدمی کی موت نہیں آئی ہے تو ان چیزوں کے بغیر بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

''ہاں ہو تو جاتا ہے لیکن ان چیزوں کی بھی اہمیت ہے لوٹ پوٹ کر الٹا سیدھا ٹھیک ہونے اور ایک باقاعدہ علاج سے ٹھیک ہونے میں فرق ہوتا ہے۔''

''وہ تو ہے لیکن اس میں اصل اہمیت زندگی کی ہے۔''

''میرے نزدیک اصل اہمیت اس کی ہے کہ آپ زندگی گزارتے کس طرح ہیں۔''

''شہباز تمہاری سوچ بہت وسیع ہے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی میں بہت چھوٹی سوچ والی عورت ہوں اور یقین کرو میں نے زندگی اور موت کے بارے میں ساری عمر اتنا نہیں جانا ہے جتنا ان چند گھنٹوں میں جان گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔''

اس کی سانس پھر پھولنے لگی تھی اور اس کے لہجے میں کمزوری غالب آتی جا رہی تھی۔ وہ تھک کر چپ کر گئی۔ میں نے اس کی کمر کے نیچے ہاتھ ڈال کر اسے مزید سہارا دیا تھا۔ اس کا خون جا بہ جا میرے جسم پر لگا تھا اور اب مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ اس کا لبادہ جو پہلے آف وائٹ رنگ کا تھا اب خون سے مکمل طور پر سرخ ہو گیا تھا۔ بازو اور ٹانگیں مکمل طور پر دھبوں سے بھر گئی تھیں اور ان میں سے بعض دھبوں سے تو خون بھی رس رہا تھا۔ اس کا جریان خون انتہا کو پہنچ رہا تھا اور وہ کسی اسپتال میں ہوتی تو اب تک اسے کئی بوتل خون دیا جا چکا ہوتا۔

میں اسے لیے بیٹھا رہا اور جب تھک جاتا تو لیٹ جاتا تھا۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا تھا شاید دو دن ہو چکے تھے۔ یہ بات مجھے ڈاکٹر بتا سکتا تھا اور اس سے بات کرنے یا اس کی آواز سننے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اس کی آواز سنائی دی تو میں خود پر ضبط کھو دوں گا اور وہ کچھ کہوں گا جو میں اپنی زبان سے کہنا نہیں چاہتا تھا۔ زرین کے جسم کے نچلے حصے سے خون کا اخراج مسلسل جاری تھا اور وہ جہاں بیٹھی تھی وہ ساری جگہ خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ اسے زیادہ دیر والی کھانسی تو نہیں آئی تھی لیکن جب بھی کھانستی تو منہ سے خون کے چھینٹے اُڑتے تھے۔ میں نے کہا۔

''تم سو جاؤ۔''

''شاید نیند نہ آئے۔''

''کوشش تو کرو۔'' میں نے اصرار کیا۔

اس نے انکار کر دیا۔ ''نہیں میں جب تک زندہ ہوں جاگتی رہنا چاہتی ہوں۔ اندر سے مجھے تکلیف ہے لیکن تمہاری قربت میں بہت سکون مل رہا ہے اگر میں سو گئی تو اس سکون سے محروم رہ جاؤں گی اس لیے مجھے جاگتے رہنے دو۔''

''یہ جھوٹ کہہ رہی ہے اس وقت آدمی شدید اذیت میں ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔ وہ مسلسل ہم پر نظر رکھے ہوئے تھا اور ہماری باتیں سن رہا تھا۔ زرین نے آنکھیں بند کیے کیے پوچھا۔

''یہ کتا بھونکا ہے یا ڈاکٹر بولا ہے۔''

''ایک ہی بات ہے۔''

''اس سے کہو یہ لیلیٰ بننے کا ناٹک بند کر دے۔'' ڈاکٹر کا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔ ''تم کو بتائے کہ یہ کتنی تکلیف محسوس کر رہی ہے۔''

''تم کچھ بھی کہتے رہو لیکن حقیقت یہ ہے مجھے زیادہ تکلیف نہیں ہو رہی ہے۔'' زرین نے جواب دیا۔ ''میں نے سنا ہے کہ موت سے زیادہ تکلیف دہ چیز اور کوئی نہیں ہوتی ہے لیکن اگر یہ موت کی تکلیف ہے تو زیادہ نہیں ہے۔ اس میں تو میں بہت آرام سے مر سکتی ہوں۔''

''میں یقین نہیں کر سکتا کہ تم کو کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے بے یقینی سے کہا۔ ''میں نے اس وائرس کے شکار افراد کو مستقل سکون آور دواؤں کے زیر اثر رکھے دیکھا ہے ان سے اس کی اذیت برداشت نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان کا پورا جسم زخمی ہو جاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کی حالت دیکھ کر تمہیں اندازہ نہیں ہو رہا کہ اس کا پورا جسم زخمی ہو چکا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اسی وجہ سے تو مجھے حیرت ہے۔''

''تمہیں حیرت ہوگی کیونکہ انسان کی قوتِ برداشت کے بارے میں بہت کم جانتے ہو۔ تم اسے اپنے پیمانے سے دیکھ رہے ہو کہ اگر ایسی تکلیف تم کو ہو تو تم اسے برداشت نہیں کر سکو گے۔''

''تم میں بیماری کی علامتیں نمودار نہیں ہوئی ہیں۔'' اس کا لہجہ تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ ''پہلے جن دو افراد پر اس کا تجربہ کیا گیا تھا ان میں سے ایک کی صحت تم سے بھی اچھی تھی اس کے باوجود اس میں علامات چوبیس گھنٹے میں نمودار ہو گئی تھیں۔''

''یہاں کتنا وقت گزر چکا ہے؟''

''دو دن اور دو گھنٹے۔''

''آج ہمیں یہاں تیسرا دن ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں یہ مرنے کے قریب ہے اور تم ٹھیک نظر آ رہے ہو۔''

زرین ہماری باتیں سن رہی تھی اور خوش نظر آ رہی تھی اس نے کہا۔ ''میں نے ٹھیک کہا تھا نا تم بچ جاؤ گے۔''

''فرض کرو ڈاکٹر اگر وائرس نے مجھ پر اثر نہیں کیا تو؟''

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' اس نے کہا لیکن اس کا لہجہ یقین سے عاری تھا۔ ''یہ وائرس اتنا خطرناک کہ اس سے بچنا ناممکن ہے۔''

''یہ تو تمہارا خیال ہے۔''

''میرا خیال نہیں۔'' وہ بھڑکا تھا۔ ''یہ حقیقت ہے۔''

زرین سے اب بیٹھا نہیں جا رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز مجھے لٹا دو۔''

''فرش سرد ہے۔''

''اس کے باوجود لٹا دو۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''مجھ سے بالکل بیٹھا نہیں جا رہا ہے۔''

اس کے اصرار پر میں نے اسے فرش پر سیدھا لٹا دیا۔ اس کے منہ، ناک اور کان سے سیاہی مائل خون رس رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم میں تازہ سرخ خون باقی نہیں رہا ہے۔ اس کا سانس بھی مدہم ہو گیا تھا اور سانس لینے کے لیے اسے باقاعدہ زور لگانا پڑ رہا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز میرا آخری وقت آ گیا ہے۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''ایسی باتیں مت کرو تم.....''

''مجھے جھوٹی تسلی مت دو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ شہباز میری دو باتیں مانو گے؟''

''اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور مانوں گا۔''

''جب تم بچ جاؤ اور حالات بھی تمہارے قابو میں ہوں تو مجھے اپنے ہاتھ سے دفن کرنا۔''

میں کانپ گیا تھا لیکن اس سے وعدہ کر چکا تھا اس لیے سر ہلا دیا۔ ''ٹھیک ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور دوسری خواہش یہ ہے کہ میری قبر گم نام ہو اس کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو۔''

''میں کوشش کروں گا۔''

''یہ دونوں لازمی خواہشیں نہیں ہیں اگر تم کو مشکل ہو یا تم کو مناسب نہ لگے تو جیسا مناسب ہو ویسا کرنا۔''

وہ آہستہ آواز میں جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔ اس کی سانس اب پھول نہیں رہی تھی بلکہ وہ سانس ہی بہت کم لے رہی تھی۔

''جیسا تم نے کہا ہے میں ویسا کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔''

''شکریہ..... مجھے یقین ہے تم ایسا کرو گے اب میں مرجانا چاہتی ہوں۔'' اس نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں میں اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیے دوزانو اس کے پاس بیٹھا تھا۔ اب اس کے مساموں سے بھی خون رسنے لگا تھا اور یہ مرض کی انتہا تھی جس کے بعد صرف موت کا مرحلہ رہ جاتا تھا۔ اس کا چہرہ سوج گیا تھا اور آنکھیں بھی اندرونی جریان خون سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے شکایت کی تھی کہ اسے ٹھیک سے نظر نہیں آرہا ہے۔

''تم آنکھیں بند کر لو۔''

اس نے فرماں برداری سے آنکھیں بند کر لیں اور بولی۔ ''شہباز تم مجھے پسند کرتے ہو؟''

''میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔''

''مجھے یاد رکھو گے۔''

''میں تمہیں بھولوں گا تو یاد کروں گا۔''

اس کے سوج جانے والے ہونٹ ذرا سے پھیلے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا اس نے مسکرانے کی کوشش کی ہے۔

''اب میں سکون سے مر سکوں گی۔''

○.....❖.....○

اس کی حالت دیکھ کر میرے اندر سے کسی نے کہا کہ اب اسے مرجانا چاہیے۔ وہ اگرچہ ظاہر نہیں کر رہی تھی لیکن وہ اذیت میں تھی۔ جس لمحے میں نے سوچا اسی لمحے اس کا جسم ایک دو لمحے کو اینٹھا اور پھر نرم پڑ گیا۔ مجھے ذرا دیر سے احساس ہوا کہ اس کا سینہ ساکت ہو گیا تھا۔ وہ مر گئی تھی۔ میں نے سینے پر سر رکھ کر اس کی دل کی دھڑکن دیکھنا چاہی لیکن وہاں خاموشی چھا چکی تھی۔ بدن کا پنجرہ روح کے پنچھی سے خالی ہو گیا تھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا وہ اتنی خاموشی سے مر گئی تھی۔ پھر جب یقین آیا تو میں نے جھک کر اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھ دیئے۔

''زرین مجھے معاف کر دینا میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ میں تو شاید اپنے لیے بھی کچھ نہ کر سکوں۔''

''یہ مر گئی ہے۔'' میں سیدھا ہوا تو ڈاکٹر کی آواز گونجی۔ ''اسے مرنے میں دو دن دو گھنٹے اور چالیس منٹ لگے۔''

''میرے بارے میں کیا خیال ہے؟'' مجھے اپنی آواز کا سکون اجنبی لگا تھا جیسے یہ میری نہیں کسی اور کی آواز ہو۔ ''میں کب تک مروں گا؟''

''مجھے یقین ہے تمہارا نمبر جلد آجائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دعا کرو ایسا ہی ہو ڈاکٹر ورنہ تمہارے لیے بہت برا ہوگا۔''

''تم اگر نہ بھی مرو تو.....'' ڈاکٹر کہتے کہتے رک گیا پھر اس کی حیرت زدہ آواز آئی۔ ''سر یو آر.....؟''

''یس آئی ایم.....وائس ہیپنڈ ہیر از۔'' ایک آواز آئی اور میں اسے پہچان کر دنگ رہ گیا تھا۔

ایسا لگا جیسے زرین کی موت کے صدمے اور مرض نے میرے جسم و ذہن پر قبضہ کر لیا تھا اور میری سماعت متاثر ہونے لگی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے ڈیوڈ شا کی آواز سنی ہو۔ اس ڈیوڈ شا کی آواز جو کچھ عرصے پہلے تک میرے پیچھے پڑا تھا اور جس نے انڈیا میں بھی مجھے قابو کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کام کے لیے خاص طور سے اس نے پاکستان سے فتح خان کو انڈیا بلوایا تھا اور اسے بدمعاشوں کی ایک پوری ٹیم ہائر کر کے دی تھی اس کے باوجود وہ مجھے پکڑنے میں ناکام رہا تھا لیکن اس کے بعد اچانک ہی خاموش ہو گیا تھا۔ ممکن ہے راجا عمر دراز سے اس کا ٹاکرا چل رہا ہو لیکن وہ مجھے اپنے آس پاس محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے اچانک ہی غیر متوقع طور پر اس کی آواز سن کر مجھے اپنی سماعت پر شک ہوا تھا۔ کیا وہ ڈیوڈ شا ہی تھا؟

''سر کام جاری ہے۔'' ڈاکٹر کی مؤدبانہ آواز آئی۔ ''ان دونوں پر تجربہ کیا ہے۔ لڑکی مر چکی ہے۔ وقت دو دن، دو گھنٹے اور چالیس منٹ رہا ہے۔ البتہ مرد ابھی زندہ ہے۔''

میں سر جھکائے بیٹھا تھا اس لیے آنے والا میری صورت نہیں دیکھ پا رہا تھا اس نے پوچھا۔ ''ہو از ہی؟''

اس بار کوئی شک نہیں رہا تھا۔ وہ ڈیوڈ شا ہی تھا میں نے اس کی آواز پوری توجہ سے سنی تھی اور میرے دماغ نے تصدیق کی تھی آواز ڈیوڈ شا کی ہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ''اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے تم خود دیکھ سکتے ہو میں کون ہوں اور تمہاری یادداشت کمزور نہیں ہے تو مجھے پہچان بھی سکتے ہو۔''

''شہباز؟'' ڈیوڈ شا کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''تم..... یہاں؟''

''آپ اسے جانتے ہیں سر؟'' مجھے ڈاکٹر کے لہجے میں گھبراہٹ محسوس ہوئی تھی۔

''ہاں میں اسے جانتا ہوں۔'' ڈیوڈ شا کا لہجہ شاک سے گزرنے کے بعد دوبارہ سرد ہو گیا تھا میں نے اسے ہمیشہ اسی لہجے میں بات کرتے سنا تھا اس کے انداز میں شاذ ہی جذبات کی رمق آتی تھی۔ ''کیا یہ بھی انفلوئنڈ ہے؟''

''یس سر یہ اور لڑکی مجھے ساتھ ہی ملے تھے اور میں نے ان کو ایک ساتھ انجکشن دیا ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''کہاں ملے تھے؟''

''راستے میں..... میں اسلام آباد سے آ رہا تھا۔''

''یہ طریقہ بہت رسکی ہے۔''

''میں جانتا ہوں سر لیکن موقع ملا تو میں نے فائدہ اٹھا لیا۔''

ڈیوڈ شا کے ذہن میں کیا تھا اس کا اندازہ مجھے کیا اس کے سامنے موجود ڈاکٹر توفیق کو بھی نہیں تھا۔ ڈیوڈ شا نے مجھ سے پوچھا۔ ''شہباز تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''اگر تمہاری مراد اس مرض کی علامات سے ہے تو تم خود بھی دیکھ سکتے ہو میں اندر سے بہتر محسوس نہیں کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا ہوں۔"

"اس کی قوتِ برداشت حیرت انگیز ہے سر، دو دن گزرنے کے بعد بھی اس میں علامات نمودار نہیں ہوئی ہیں۔"

"میرا خیال ہے علامات نمودار بھی نہیں ہوں گی۔" ڈیوڈ شا بولا۔

"یہ ممکن نہیں ہے سر..... وائرس اس کے جسم میں ہے۔ دیر سے لیکن اس پر بھی اثر....."

"تم اسے نہیں جانتے ہو۔" ڈیوڈ شا نے اس کی بات کاٹی۔ "یہ بتاؤ اسے چیمبر سے نکالا جا سکتا ہے؟"

"ہاں اگر احتیاط کے ساتھ نکالا جائے۔" ڈاکٹر نے ہچکچا کر کہا۔ "لیکن سر اس کی کیا ضرورت....."

"تب اسے باہر نکالو اور اس کا معائنہ کرو۔"

ڈاکٹر توفیق پریشان ہو گیا تھا۔ "کیا ایسا کرنا مناسب ہو گا سر۔ میرا مطلب ہے اٹ از ٹو ڈینجرس اینڈ رسکی۔"

"ہاں یہ میرا حکم ہے اگر یہ بچ سکتا ہے تو اسے ہر قیمت پر بچانا ہے۔"

اس بار ڈاکٹر توفیق کی الرٹ آواز آئی۔ "یس سر آئی ٹرائی مائی بیسٹ فار ہم۔"

میں پیچھے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور میری نظر زرین پر مرکوز تھی۔ وہ زمین پر سیدھی دراز تھی۔ اس کے خون آلود ہاتھ پاؤں پھیلے ہوئے تھے اس نے خواب دیکھا تھا کہ ایک دشمن میری جان بچائے گا تو کیا اس کا خواب سچ ثابت ہونے والا تھا۔ وہ خود جان سے گزر گئی تھی اور مجھے زندگی کی نوید سنا گئی تھی اس کے ہونٹ سرخ ہو رہے تھے اور مجھے لگا جیسے اس وقت اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی آئی تھی جیسے کہہ رہی ہو، دیکھا میں نے کیا کہا تھا تم کو کچھ نہیں ہو گا تم بچ جاؤ گے۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا کیا ڈیوڈ شا تمہارا دشمن نہیں ہے۔ میں نے گہری سانس لے کر دل میں کہا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ میں نے ذرا آگے ہو کر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

اچانک مجھے لگا کہ میرا سر چکرا رہا ہے تب میں نے آس پاس دیکھا۔ فرش کے پاس دیوار سے بخارات اٹھ رہے تھے۔ چیمبر میں یقیناً کوئی گیس چھوڑی تھی۔ اس کے اثر سے میرا سر چکرانے لگا تھا میں نے اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن نہیں اٹھ سکا اور پھر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے ڈیوڈ شا کی ہدایت پر عمل شروع کر دیا تھا۔ مجھے یہاں سے نکالا جانا تھا اور اس کے لیے سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ مجھے بے ہوش کر دیا جائے۔ اتنا تو وہ بھی سمجھتا تھا کہ ہوش میں ہونے کی صورت میں، میں اندر آنے والے کسی آدمی کو نہیں چھوڑوں گا چاہے وہ کتنا ہی مسلح ہو کر کیوں نہ آئے۔ اس لیے چیمبر سے نکالنے کا سب سے آسان طریقہ یہی تھا کہ پہلے مجھے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک بیڈ پر اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ ٹخنوں سے گردن تک میرا جسم چار مضبوط ترین بیلٹوں سے بندھا ہوا تھا۔ بیڈ کے چاروں طرف پلاسٹک کی نیم شفاف چادریں لٹک رہی تھیں جیسی کہ قرنطینہ میں رکھنے والے مریضوں کے بیڈ کے گرد لگائی جاتی ہیں تاکہ مرض کا چھوت باہر نہ جانے پائے۔ میرے جسم سے کچھ آلات منسلک تھے جو مانیٹر پر میرے دل کی دھڑکن، نبض اور بلڈ پریشر بتا رہا تھا۔ میرا جسم اور ذہن سکون والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیفیت میں تھا ایسا لگ رہا تھا کہ بے ہوشی کے دوران مجھے کوئی ایسی دوا دی گئی تھی جس سے مجھے جسم کا درد محسوس نہیں ہو رہا تھا ورنہ بے ہوش ہونے سے پہلے مجھے درد محسوس ہو رہا تھا۔

درد کے ساتھ ہی بھوک اور پیاس کا بھی کوئی احساس نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش کی لیکن بندشیں بہت سخت اور مضبوطی سے بندھی تھیں۔ اس بار ڈاکٹر نے پہلے کی طرح ڈھیلا بندوبست نہیں کیا اگرچہ وہ بندوبست بھی اچھا تھا لیکن عام آدمیوں کے لیے میرے جیسے آدمی نے اس کا توڑ نکال لیا تھا۔ اس لیے اس نے پہلے سے زیادہ محفوظ انتظام کیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ کون سی جگہ تھی وہی تہہ خانہ تھا یا مجھے کہیں اور منتقل کر دیا گیا تھا یا سرے سے اس کوٹھی سے کہیں اور لے جایا گیا تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا کہ یہ جگہ اسی تہہ خانے میں تھی۔

اگر میں یہاں تھا تو زرین بھی یہیں موجود تھی۔ اس کا خیال آتے ہی میرا دل بوجھل ہونے لگا تھا۔ میں نے اس کی موت کی حقیقت کو قبول کر لیا تھا لیکن ساتھ ہی میں اس کے لیے شدید دکھ محسوس کر رہا تھا۔ وہ ان چند بدنصیب ترین افراد میں سے تھی جن سے میں ملا تھا۔ زندگی میں اسے کوئی خوشی کوئی رشتہ نہیں ملا اور اب ایک ظالم نے اس سے اس کی زندگی بھی چھین لی تھی۔ پتا نہیں ان لوگوں نے اس کی لاش کا کیا ہوگا؟ امکان تو یہی تھا کہ اسے کسی طرح سے ضائع کر دیا ہوگا کیونکہ اس سے دوسروں کو انفکشن کا پورا خطرہ ہوتا ہے۔ اس وائرس کی تباہ کاری میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے صرف دو دن میں زرین کی جان لے لی تھی۔ میرے جسم میں بھی وائرس موجود تھا۔ اگرچہ اس نے ابھی تک مجھے متاثر نہیں کیا تھا ورنہ میرے مساموں سے بھی خون نکلنا شروع ہو چکا ہوتا۔ میں نہیں جانتا کہ میں وائرس سے متاثر کیوں نہیں ہوا تھا۔ وہاں مکمل خاموشی تھی اور پلاسٹک کے پردوں کے باہر کہیں کوئی ہلکی روشنی والا انرجی سیور روشن تھا اور اس کی روشنی پردوں سے جھلک کر اندر آ رہی تھی۔ ماحول پُراسرار سا نیم تاریک تھا۔ یہاں بھی وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میں کچھ دیر خاموشی سے لیٹا رہا تھا پھر میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''یہاں کوئی ہے؟''

کوئی جواب نہیں ملا اس لیے میں نے سوال کو ایک ناقابلِ اشاعت لفظ کے ساتھ دھرایا۔ اس کا مثبت ردِعمل ہوا تھا اور چند منٹ بعد کہیں دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور چند لمحے بعد ایک طرف سے پردہ ہٹا اور ایک شخص اندر آیا۔ آنے والے نے سر سے پاؤں تک مخصوص قسم کا سفید لباس پہن رکھا تھا اس کے چہرے پر ماسک اور آنکھوں والی جگہ شیشہ تھا۔ اس کی شکل نہیں پہچانی جا رہی تھی لیکن جب وہ بولا ڈاکٹر توفیق ثابت ہوا تھا۔

''شہباز ملک کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''یہ تو تم بہتر جانتے ہو گے ڈاکٹر تم ہو اور دوسرے میں اس وقت وہ سکون محسوس کر رہا ہوں جو کسی دوا سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اصل حالت کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

ماسک کے پیچھے سے اس کی آواز پُرشور سانسوں میں دب رہی تھی شاید یہ کسی قسم کا فلٹر تھا اور اس سے ہوا کھینچنا پڑتی تھی۔ شور اسی وجہ سے پیدا ہو رہا تھا۔ ''حیرت انگیز تم انفکٹڈ نہیں ہوئے ہو حالانکہ تم کو بھی اسی مقدار میں انجکشن دیا تھا جتنا اس لڑکی کو دیا تھا۔''

اس کی بات سن کر مجھے کوئی خوشی یا ردِعمل محسوس نہیں ہوا تھا میں اندر سے پُرسکون رہا تھا۔ ''تم نے بھی سنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگا جب اس نے مجھے اپنا خواب سنایا تھا کہ میرا ایک دشمن مجھے بچائے گا؟''

''ہاں مجھے حیرت ہے۔ اس نے درست کہا تھا اب میں تمہاری جان بچانے پر مجبور ہوں۔''

میں ہنسا۔ ''اول تو تم میری جان نہیں بچا رہے ہو کیونکہ میں وائرس سے متاثر نہیں ہوا ہوں دوسرے میرے دشمن تم نہیں ہو۔ وہ دشمن ڈیوڈ شا ہے۔ اور وہ مجھے وائرس سے نہیں اصل میں تم سے بچا رہا ہے کیونکہ اگر میں انفکٹڈ نہ بھی ہوتا تو تم مجھے نہیں چھوڑتے اور کسی دوسرے طریقے سے مار دیتے۔''

''وہ تمہارے دشمن ہیں؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''تب انہوں نے تم کو بچانے کا حکم کیوں دیا ہے؟''

''یہ بات تو تم اس سے جا کر پوچھو۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے کیا تم ڈیوڈ شا کے لیے کام کرتے ہو؟''

''میں تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔'' اس نے انکار کر دیا۔

''مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں ڈیوڈ شا جہاں بھی ہوتا ہے کمانڈر وہی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ سیٹ یقینی طور پر اس کے لیے کام کر رہا ہے۔''

''تم جو چاہے سمجھتے رہو۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور مڑ کر عقب میں موجود ٹرالی سے ایک سرنج اٹھائی۔ اس میں دوا پہلے سے موجود تھی۔ اس نے سرنج سے ہوا نکالی اور میرے بندھے بازو پر انگلیاں مار مار کر نس ابھارنے لگا۔ اس کے ہاتھوں پر بھی دستانے تھے۔ وہ مکمل حفاظتی بندوبست کے ساتھ آیا تھا۔

''یہ کیسا انجکشن ہے؟''

''یہ وائرس کا توڑ ہے اسے ختم کرتا ہے۔''

''لیکن تم تو کہہ رہے ہو کہ میں انفکٹڈ نہیں ہوں۔''

''وائرس تمہارے جسم میں موجود ہے اس نے تمہیں متاثر نہیں کیا ہے لیکن کسی دوسرے کو لگ گیا تو وہ ضرور جان سے جائے گا اس لیے اسے ختم کرنا ضروری ہے۔ یہ انجکشن وائرس کو ختم کرنے کے لیے ہے۔'' اس نے کہا اور سوئی میری نس میں اتار دی۔ اس نے اسپرٹ لگی روئی سے جگہ کو صاف کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ انجکشن دینے کے بعد اس نے کچھ نہیں کیا اور خالی سرنج پلٹ کر ٹرالی پر رکھ دی۔ پھر گھوم کر میری طرف جھکا۔ ''تم حیرت انگیز آدمی ہو اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں قید میں رکھ کر اس وائرس کے مزید تجربات کرتا۔''

''لیکن یہ تمہارے بس میں نہیں ہے۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔ ''ویسے تمہیں یاد ہے میں نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا۔''

''مجھے یاد ہے لیکن مجھے امید نہیں ہے تم اسے پورا کر پاؤ گے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''یہ امید تمہیں کیوں ہے؟'' میں نے غور کیا۔ ''تمہارے خیال میں اب بھی امکان ہے کہ میں اس وائرس کا شکار بن جاؤں؟''

''امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''ہاں اس کا امکان ہے کہ تم پر توڑ کام نہ کرے اور وائرس اگر ختم نہیں ہوا تو کبھی نہ کبھی تم پر اثر کرے گا۔''

''لیکن اس صورت میں تم اپنے آقا کو کیا جواب دو گے جس نے مجھے ہر صورت بچانے کا حکم دیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں خدا تو نہیں ہوں جو کسی کو مارنا یا بچانا میرے اختیار میں ہو۔'' وہ عیاری سے بولا۔ ''اگر میری کوشش کے باوجود تم نہ بچ سکے تو میرا قصور نہیں ہوگا۔''

''لیکن جب میں اور زرین ڈیتھ چیمبر میں تھے تب تو تم سمجھ رہے تھے کہ ہماری زندگی اور موت تمہارے اختیار میں ہے؟''

''اس وقت تھی اب نہیں ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ وہ جانے کے لیے مڑا تھا کہ میں نے اس سے سوال کیا۔

''کیا ایک انجکشن سے یہ وائرس میرے جسم سے ختم ہو جائے گا؟''

''نہیں اس کے لیے تمہیں مزید چار انجکشن اور دینا ہوں گے۔ ایک تمہیں بے ہوشی کے دوران دیا جا چکا ہے۔ ممکن ہے اس دوران میں تمہاری طبیعت خراب ہو لیکن تمہیں برداشت کرنا ہوگا کیونکہ تکلیف سے بچانے کے لیے تمہیں کوئی پین کلر نہیں دیا جا سکتا ہے۔''

''لیکن ابھی تو مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی ہے۔''

''تم اسی دوا کے زیر اثر ہو جو تمہیں چیمبر میں اور اس سے پہلے بلٹ کے ذریعے دی گئی تھی۔'' اس نے کسی قدر فخریہ انداز میں کہا۔ ''یہ خاص دوا میری اپنی ایجاد ہے۔ اسے کسی بھی طرح انسانی جسم میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ ٹھوس صورت میں منہ سے کھلائی جا سکتی ہے۔ مائع صورت میں انجکٹ کی جا سکتی ہے اور گیس کی صورت میں دی جا سکتی ہے اور اتفاق سے تمہیں تینوں صورتوں میں دی جا چکی ہے۔''

مجھے زرین کا خیال آ رہا تھا۔ ''تم نے میری ساتھی کی لاش کے ساتھ کیا کیا؟''

''جلا دیا۔'' اس نے نارمل انداز میں بتایا۔ ''اس قسم کی انفکٹڈ ڈیڈ باڈیز کو جلا دیا جاتا ہے۔''

مجھے یہی خدشہ تھا۔ اس سے کچھ کہنا بے کار تھا کیونکہ وہ انسانی حس سے عاری شخص تھا وہ کسی کے لیے کسی دوسرے آدمی کے جذبات کو کیا سمجھتا۔ وہ پردے سے باہر نکل رہا تھا کہ میں نے اسے روکا۔ ''ایک بات اور بتاتے جاؤ..... ڈیوڈ شا سے ملاقات ہو سکتی ہے یا نہیں؟''

''میں ان سے کہہ دیتا ہوں۔ اب ان کی مرضی کہ وہ تم سے ملتے ہیں یا نہیں۔'' اس نے جاتے ہوئے کہا۔ وہ ٹرالی سمیت کمرے سے چلا گیا تھا۔ یہ کوئی کمرہ تھا جسے شاید ائیر ٹائٹ طریقے سے بند کیا ہوگا تاکہ میرے جسم میں موجود ابیولا وائرس کسی صورت باہر نہ نکل سکے۔ ڈاکٹر توفیق نے کہا تھا کہ وائرس کے توڑ والے انجکشن سے مجھے تکلیف ہوگی۔ پھر مجھے اس کے لہجے سے شرارت کی بو آ رہی تھی۔ شاید میرے معاملے میں وہ ڈیوڈ شا کو بھی بے وقوف بنا رہا تھا اس کا مجھے چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ ایک بار میں اس کے قبضے سے نکل جاتا تو اس کی خیر نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا میں اسے کسی صورت نہیں بخشوں گا۔ فی الحال تو میں بے بسی سے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اپنی مرضی سے اپنا ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ مگر مجھے خدا پر بھروسہ تھا میں فی الحال بے بس تھا آنے والا وقت میرا ہوگا اور تب میں اس وقت کا ازالہ کر سکوں گا۔ مجھے صبر و تحمل سے اس وقت کا انتظار کرنا تھا۔

کچھ دیر بعد مجھے جسم میں بے چینی محسوس ہوئی۔ سکون والی کیفیت ختم ہو رہی تھی۔ شاید انجکشن کا اثر ہو رہا تھا۔ میں اس سے پوچھنا بھول گیا تھا کہ انجکشن کتنی دیر بعد لگے گا۔ کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ بے ہوشی کے دوران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہی مجھے ایک انجکشن دیا جا چکا تھا۔ اور ہوش میں آنے کے بعد دوسرا انجکشن دیا گیا تھا۔ شاید ہر چھ گھنٹے بعد انجکشن دیا جاتا تھا۔ اس صورت میں مکمل کورس تیس گھنٹے میں ختم ہو جاتا جس میں سے شاید چودہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ یعنی مزید سولہ گھنٹے بعد اس بات کا پتا چل جاتا کہ میرے جسم سے وائرس ختم ہوا ہے یا نہیں۔ اگر ڈاکٹر مجھے اس کے توڑ کا انجکشن ہی دے رہا تھا تو۔ کیونکہ اس سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے مجھے توڑ کے بجائے کچھ اور دے رہا ہو۔ ڈیوڈ شاباس سہی لیکن وہ ان معاملات کا ماہر تو نہیں تھا۔ مگر دوسرے معاملات کی طرح میں اس معاملے میں بھی بے بس تھا۔ یعنی ڈاکٹر توفیق کے اوپر تھا وہ میرے ساتھ کچھ بھی کرنے کے لیے آزاد تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس بے چینی میں اضافہ ہوتا چلا گیا تھا اور ایسی ہی کیفیت محسوس ہونے لگی تھی جیسی ہوش میں آنے کے بعد ڈیتھ چیمبر میں محسوس ہوئی تھی۔ کیا ڈاکٹر نے مجھے دوبارہ وائرس لگایا تھا بجائے اس کا توڑ لگانے کے۔ جسم میں بھینچا ہوا درد ہو رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی جسم کھینچ رہا ہو۔ کبھی کبھی موسم سرما کے آغاز میں جب موسم بدلتا تھا تو مجھے ہلکا سا بخار ہو جاتا تھا اور اس میں کچھ ایسی ہی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ جب حویلی میں تھا تو موڈ بہت خراب ہو جاتا تھا اور اس وقت میں کمرے میں پڑا رہتا تھا لیکن جب اسلام آباد میں اکیلا ہو گیا تو ایسے وقت میں کہیں ڈرائیو پر نکل جاتا۔ ایک بار مونا کے گھر چلا گیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ آئندہ جب بھی مجھے ایسا محسوس ہو تو میں اس کے گھر چلا آیا کروں وہ میری دیکھ بھال کرے گی لیکن میں نے اس کی پیش کش سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ نہ جانے کیوں مجھے اچھا نہیں لگتا تھا۔ شاید اس لیے کہ مونا اکیلی رہتی تھی اور میں تعلق میں رکھ رکھاؤ کا قائل ہوں۔ اس لیے میرے دل میں اس کے لیے کتنے ہی برادرانہ جذبات سہی میں نے کبھی اس کے گھر بلا وجہ جانے یا وہاں دیر تک رکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ وہ پاگل لڑکی مجھے بالکل بھائیوں کی طرح چاہتی تھی۔ پھر بھی میرا اور اس کا خون کا رشتہ نہیں تھا اور جہاں تعلق منہ بولے رشتوں کا ہو وہاں آدمی کو رکھ رکھاؤ کا خیال رکھنا چاہیے ورنہ اس سے بہت خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

جسم میں بے چینی سے مجھے اپنا موسمی بخار اور اس سے مونا یاد آ گئی۔ پھر سب یاد آنے لگے۔ سفیر، وسیم، سادھنا اور بیتو یاد آئے۔ پھر وہ یاد آئی جس کی یاد دل میں ایسے رہتی تھی جیسے جسم میں روح رہتی ہے۔ میں اتنے دن سے غائب تھا نہ جانے ان سب پر کیا گزر رہی ہو گی۔ اگر سفیر اور وسیم آ گئے تھے تو وہ پاگلوں کی طرح مجھے تلاش کر رہے ہوں۔ بیتو تو سچ مچ پاگل ہو گیا ہو گا کیونکہ اس کا کہنا تھا اب اس دنیا میں اگر اس کا کوئی تھا تو وہ میں تھا۔ عبداللہ کے خصوص پر مجھے کوئی شبہ نہیں تھا وہ میرے لیے میرے ساتھیوں سے کم پریشان نہیں ہو گا لیکن وہ ایک ملازم تھا اور اس کے کندھے پر بہت ساری ذمے داریوں کا بوجھ تھا اسے میری فکر کے ساتھ ان سے بھی عہدہ برا ہونا تھا۔

جب آدمی تنہا ہو اور کچھ کرنے کے لائق نہ ہو تو اپنے پیاروں کے بارے میں سوچنے سے بہتر کوئی کام نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس کے مقدر میں جو لکھا جا چکا ہے وہ تو ہونا ہوتا ہے۔ تقدیر کے آگے آدمی بے بس ہوتا ہے اگر اس قید خانے میں میری موت لکھی تھی تو اسے آنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ اس لیے اس کے یا آنے والے وقت کے بارے میں سوچنا بے کار تھا۔ میں سوچتا رہا اور سب کو یاد کرتا رہا۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ بھی مجھے یاد کر رہے ہوں گے۔ میں اس وقت چونکا جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ مجھے حیرت ہوئی کیا تیسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انجکشن کا وقت ہو گیا تھا؟ ابھی زیادہ وقت تو نہیں گزرا تھا۔ کم سے کم مجھے تو ایسا ہی لگ رہا تھا کہ ڈاکٹر کو گئے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی ہے۔ وہ ٹرالی سمیت آیا تھا یعنی انجکشن کا وقت ہو گیا تھا۔ اس نے پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔

''کیا حال ہیں؟''

''میرے جسم میں درد اور بے چینی ہو رہی ہے۔ کہیں تم نے پھر مجھے وائرس والا انجکشن تو نہیں دیا ہے؟''

''میرے بس میں ہوتا تو یہی کرتا۔'' اس نے میری طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ ''لیکن باس کا حکم ہے اس لیے مجبور ہوں۔''

''تم اپنے باس کو بے وقوف بھی تو بنا سکتے ہو۔ ڈیوڈ شا ان معاملات کا ماہر نہیں ہے۔ اگر تم اسے بے خبری میں رکھ کر مجھے توڑ کے بجائے کوئی اور انجکشن دے دو تو اسے کیا پتا چلے گا؟''

اس نے سرنج تیار کی ہوئی تھی۔ ''تم نہیں جانتے ہو باس ماہر نہیں ہے لیکن اسے ان چیزوں کے بارے میں بہت زیادہ معلوم ہے۔ کوئی اسے بے وقوف سمجھنے یا بنانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

میرے ذہن میں وائرس کے بارے میں ایک سوال دیر سے کلبلا رہا تھا موقع ملنے پر میں نے ڈاکٹر سے پوچھ لیا۔ ''ایبولا وائرس کس طرح پھیلتا ہے؟''

''یہ انسان سے انسان کو لگتا ہے۔ یعنی کوئی انفکٹ شخص کے پاس جائے اور اسے چھوئے تب لگ سکتا ہے۔ مریض نے جس چیز کو چھوا ہو اس سے بھی لگ جاتا ہے۔ اس طرح انتقال خون سے بھی لگتا ہے۔''

''انسانی جسم میں یہ کہاں کہاں ہوتا ہے؟''

''سارے جسم میں ہوتا ہے۔ خون میں، تھوک میں اور حد یہ کہ جسم کی سطح پر بھی پایا جاتا ہے۔ کسی کو چھونے سے بھی لگ جاتا ہے۔'' اس نے کہا اور سرنج میری نس میں داخل کر دی۔ سرنج خالی کر کے اس نے واپس ٹرے میں رکھی۔ ''لیکن اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ تم سے یہ وائرس مجھے لگ سکتا ہے تو تم سو فیصد غلط سوچ رہے ہو کیونکہ اس لباس میں، میں مکمل محفوظ ہوں اور یہاں سے باہر جانے کے بعد اوزون اسپرے سے اس لباس کو صاف کیا جاتا ہے۔ یعنی تم سے کسی کو انفکشن لگنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''اس وضاحت کا شکریہ ویسے مجھے کوئی خیال نہیں آیا کہ میں تمہیں انفکشن لگا سکتا ہوں۔ یہ تمہارے اپنے دل کا چور ہے۔''

اس بار وہ زیادہ دیر نہیں رکا تھا اور میں نے بھی اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ واپس چلا گیا۔ اب میرا جسم ایک شدید قسم کے بے چین کرنے والے درد کا شکار ہو گیا تھا۔ شاید یہ وائرس کے توڑ کا اثر تھا جو میرے جسم پر مرتب ہو رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی جب اس وائرس کا توڑ تھا تو اسے مریضوں پر کیوں استعمال نہیں کیا جا رہا تھا۔ میں نے ایبولا وائرس کے بارے میں سنا ہے کہ عام طور سے اس کا اس وقت معلوم ہوتا ہے جب آدمی وائرس کا شکار ہو چکا ہوتا ہے لیکن اس کا کوئی نہ کوئی ٹیسٹ بھی تو ہوتا ہو گا جس سے پتا چل جاتا ہو گا کہ آدمی کو وائرس لگ گیا ہے لیکن ابھی متحرک نہیں ہوا ہے۔ اس وقت اس توڑ سے علاج کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر توفیق اب مجھے انجکشن دے رہا تھا اسی طرح کسی اور مریض کو بھی دیئے جا سکتے تھے لیکن میں نے ایسی کوئی بات نہیں سنی تھی کہ ایبولا وائرس کا کوئی توڑ ایجاد ہو گیا ہے ایڈز کے وائرس کی طرح اس سے بھی صرف احتیاط سے بچاؤ ممکن تھا ایک بار یہ کسی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسم میں داخل ہو گیا تو اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ اگر بندے کی قسمت میں مزید زندہ رہنا ہے تو بچ جائے گا ورنہ انا للہ۔

درد اب جسم ٹوٹنے اور تڑخنے کی حد تک پہنچ گیا تھا اور میں ہلنا چاہتا تھا لیکن اتنی مضبوطی سے بندھا تھا کہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ کچھ دیر تو میں برداشت کرتا رہا پھر میں نے چلا کر کہا۔ ''ڈاکٹر حرامزادے مجھے کھولو..... میرا جسم ٹوٹ رہا ہے۔''

ظاہر ہے کوئی جواب نہیں آیا اور میں نے بلند آواز سے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ میں چلا رہا تھا اور سر پٹخ رہا تھا کیونکہ تکلیف میری برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ مگر میری اس چیخ و پکار کا ڈاکٹر یا کسی اور پر کوئی اثر نہیں تھا۔ ان کے پاس میری اس تکلیف کا کوئی علاج نہیں تھا یا پھر ایک دشمن کی حیثیت سے وہ میری اس کیفیت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ مجھے دونوں باتیں درست لگ رہی تھیں۔ مسلسل چیخنے سے میرا گلا بیٹھ گیا تھا اور اب بیٹھی بیٹھی سی بے سری آواز نکل رہی تھی۔ پھر میں نے نڈھال ہو کر سر ڈال دیا تھا۔ ویسے تو پہلے بھی سر ہلانے کے قابل نہیں تھا۔ تکلیف تھی کہ اس کی شدت بڑھتی جا رہی تھی لیکن مجھ میں اب چیخنے کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ جسم کے رگ پٹھے بالکل یوں کھنچ رہے تھے جیسے میں ہیروئن کا عادی ہوں اور مجھے بہت دیر سے نشہ نہ ملا ہو۔ میں یوں گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے ہوا میں آکسیجن کی کمی ہو گئی ہو اور مجھے ہوا سے آکسیجن کشید کرنے کے لیے اتنی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔

جیسے تکلیف بڑھی تھی اسی طرح اس میں رفتہ رفتہ کمی ہونے لگی تھی اور نہ جانے کس وقت جا کر اس میں اتنی کمی آ گئی کہ اب میں ذرا سکون میں تھا۔ شاید انجکشن کا اثر کم ہو گیا تھا اور اس خیال سے میں کانپ اٹھا تھا کہ کچھ دیر میں مجھے ایک اور انجکشن دیا جائے گا اور مجھے پھر اسی اذیت سے گزرنا پڑے گا۔ میں نے پہلے کبھی ایسی تکلیف برداشت نہیں کی تھی۔ جب تکلیف کم ہوئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا اور میرا لباس اس سے بھیگا ہوا تھا۔ پسینہ خارج ہونے سے جسم میں پانی کی کمی ہوئی تو گلا خشک ہو گیا اور وہ ویسے ہی چیخنے سے بیٹھا ہوا تھا اب خشک ہو کر زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔ ان لوگوں نے گزشتہ تین چار دن سے مجھے کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں دیا تھا اور اس کی جگہ انجکشنوں اور شاید ڈرپ سے کام چلا رہے تھے لیکن اب مجھے شدت سے پانی کی خواہش محسوس ہو رہی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ مجھے پانی ملنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

اگرچہ یہاں سردی کی شدت نہیں تھی لیکن کمرے کو گرم بھی نہیں کہا جا سکتا تھا وہاں ایک قسم کی خنکی تھی اور اس خنکی نے میرا جسم رفتہ رفتہ خشک کر دیا لیکن گلے کی خشکی برقرار رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کیفیت میں، میں نے کئی گھنٹے گزار دیئے تھے اور اگلے انجکشن کا وقت قریب آ گیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا جب کچھ دیر بعد دروازہ ایک بار پھر کھلا تھا اور ڈاکٹر ٹرالی سمیت اندر آیا۔ اس نے پردہ ہٹایا اور اندر جھانک کر خوش مزاجی سے بولا۔ ''کیا حال ہیں دوست؟''

جواب میں، میں نے اسے وہ سب سنایا جو میں سنا سکتا تھا۔ حالانکہ میری آواز بیٹھی ہوئی تھی اور مجھ سے ٹھیک سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا لیکن میں نے دل کی بھڑاس نکال کر دم لیا تھا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ پھر اس نے ٹرالی سے وہی بڑی سی سرنج اٹھائی اس میں طاقت کا انجکشن موجود تھا۔ اس نے وہ میرے بازو میں گھونپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔ یہ بہت سخت انجکشن تھا لیکن اس کی سختی اس تکلیف کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی جو کچھ دیر پہلے میں نے برداشت کی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ وہی انجکشن میرے جسم میں انجکٹ کرے گا اور مجھے پھر اسی اذیت سے گزرنا پڑے گا۔

''مجھے انجکشن مت لگاؤ۔'' میں نے کسمسا کر کہا۔

''یہ ضروری ہے ورنہ وائرس ختم نہیں ہوگا۔'' اس کے لہجے میں ہمدردی نہیں بلکہ خباثت تھی۔

''بکواس مت کرو، تم اس طرح مجھے اذیت دے رہے ہو۔''

اس نے میری بات اَن سنی کر دی اور خاموشی سے میری نس تلاش کرنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ وائرس سے بچنے کے لیے یہ انجکشن ضروری تھا اس کے باوجود میں انجکشن سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر مجھے جکڑنے والی بیلٹ اتنی سخت تھی کہ میں ہل بھی نہیں سکتا تھا اس لیے مزاحمت بیکار گئی اور اس نے باآسانی انجکشن میری نس میں لگا دیا۔ اب مجھے تکلیف برداشت کرنا ہی تھی۔ وہ مسکرایا۔ ''مجبوری ہے دوست۔''

میں نے اس کی مجبوری کو بھی سنا ئیں اور بولا۔ ''ذلیل آدمی تم مجھے پانی تو دے سکتے ہو؟''

''شاید میں دے دیتا لیکن تمہاری اس بدزبانی کی سزا یہ ہے کہ تمہارا پانی بند ہے لیکن فکر مت کرو تم مرو گے نہیں البتہ پانی کی کمی سے اس انجکشن کی تکلیف یقیناً بڑھ جائے گی۔''

یہ سن کر میں لرز اٹھا تھا۔ ''ڈاکٹر..... میری بات سنو میں نے جو کہا وہ غصے میں کہا۔''

''ہاں ورنہ تمہارا ایسا کہنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' اس نے طنز کیا۔ ''ٹھیک میں مان لیتا ہوں کہ تم نے غصے میں کہا ہے لیکن کم سے کم اس انجکشن کی تکلیف تمہیں ایسے ہی برداشت کرنا ہوگی اور اگلی بار تمہارا رویہ بہتر رہا تو میں تمہیں پانی بھی دوں گا۔''

وہ بات مکمل کرتے ہی وہاں سے چلا گیا تھا اور میں اسے گالیاں دیتا رہ گیا۔ اس بار تکلیف کا آغاز تیزی سے ہوا تھا اور شاید انجکشن لگنے کے ایک گھنٹے کے اندر ہی مجھے تکلیف ہونے لگی تھی۔ ایک بار پھر میرا جسم اینٹھ رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا ریشہ ریشہ الگ ہو جائے گا۔ جب جسم اینٹھتا تو لگتا کہ یا تو بیلٹ ٹوٹ جائے گی یا میری کھال پھٹ جائے گی لیکن دونوں میں سے کوئی کام نہیں ہوا تھا۔ اس بار ایک اچھی بات ہوئی کہ تکلیف نے میرا دماغ ماؤف کر دیا تھا اور کچھ دیر کے لیے میں تکلیف سے غافل ہو گیا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اس کی طرف سے مکمل غافل ہوا تھا بلکہ اس کا احساس باقی تھا۔ خاص طور جب اندر سے شدید اینٹھن ہوتی تو میں ایک دو لمحے کے لیے غفلت سے نکل آتا تھا اور یہ ایک دو لمحے ہی قیامت بن جاتے تھے۔

جب مجھے مکمل ہوش آیا تو اس بار بھی جسم پسینے میں شرابور تھا اور حلق میں کانٹے سے اُگ آئے تھے۔ پیاس کی شدت ایسی تھی کہ اب تکلیف اس کے مقابلے میں کم ہو گئی تھی۔ بلکہ تکلیف سچ مچ کم ہو گئی تھی۔ شاید انجکشن کا اثر کم ہو رہا تھا۔ میں سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ مجھے جتنی آکسیجن کی ضرورت تھی میرے پھیپھڑے اتنی آکسیجن ہوا سے کشید نہیں کر پا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ میرا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا۔ کمرے کی خنکی نے پسینہ خشک کر دیا تھا لیکن پیاس کی شدت مزید بڑھ گئی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میرے جسم میں پانی کم ہوتا جا رہا تھا اور شاید ڈی ہائیڈریشن کا آغاز ہو گیا تھا۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا لیکن کم ہوتی تکلیف بتا رہی تھی کہ انجکشن کا اثر ختم ہو رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور پانچویں انجکشن کا وقت قریب آ رہا ہے۔

اس خیال سے میرا رواں رواں لرز نے لگا تھا اور اب مجھ میں ڈاکٹر کو گالیاں دینے کی سکت بھی نہیں تھی۔ اس لیے دل ہی دل میں ڈیوڈ شا کو سنا رہا تھا جیسے اگر مجھ کو بچانا تھا تو اس جلاد ڈاکٹر کے حوالے کرنے کی کیا ضرورت تھی لیکن یہ اس کی مجبوری تھی کیونکہ وائرس کا توڑ ڈاکٹر ہی کر سکتا تھا۔ میری سانس بھی اب معمول پر آتی جا رہی تھی اور مجھے ڈاکٹر کا انتظار تھا۔ تکلیف میں کمی ہوئی تھی لیکن کبھی کبھی جسم میں کھنچاؤ ہوتا تھا۔ اس وقت جھٹکا سا لگتا تھا ایسا لگتا تھا کہ درد کا عفریت اندر چھپا بیٹھا تھا اور وہ جھٹکا دے کر مجھے یاد دلاتا تھا کہ وہ گیا نہیں بلکہ اندر موجود ہے اور نیا انجکشن لگنے کے بعد وہ نئے سرے سے مجھے چھٹی کا دودھ یاد دلائے گا۔

جب ڈاکٹر ٹرالی سمیت اندر آیا تو میرے جسم کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس نے پردہ ہٹا کر مجھے دیکھا۔ پھر تیزی سے اندر آیا۔ اس نے میری کیفیت جاننے کے لیے مانیٹر کی طرف دیکھا۔ جس پر دل اور نبض کی کیفیت نارمل تھی۔ ''کیا ہو رہا ہے تمہیں؟'' اس نے جھک کر پوچھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ درحقیقت مجھ میں جواب دینے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ اس نے تشویش سے میری طرف دیکھا اور اگلا انجکشن لگانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے ٹرالی سے سرنج اٹھائی اور میرے بازو پر نس ابھارنے لگا۔ اس بار پانی کی کمی کی وجہ سے اسے دشواری پیش آئی تھی۔ خون میں پانی کی کمی سے نسیں دب جاتی ہیں اور آسانی سے نہیں ملتی ہیں لیکن اس نے انجکشن لگا دیا اس کے بعد اس نے ٹرالی سے ایک بوتل اٹھائی اور اس نے سائفن آگے کیا تو میرا منہ بے اختیار کھل گیا تھا۔ اس نے سائفن سے میرے منہ میں پانی کی پھواریں مارنی شروع کر دیں۔ ٹھنڈے پانی کا ذائقہ میرے منہ میں آیا تو میں جیسے پھر سے جی اٹھا تھا لیکن اس نے کوئی آدھا پون گلاس پانی دینے کے بعد بوتل واپس کھینچ لی۔

''بس اتنا کافی ہے ورنہ یورین کا مسئلہ ہو جائے گا اور فی الحال تم کو کھولنا ممکن نہیں ہے۔''

''تم اس کی فکر مت کرو مجھے پانی دو۔'' میں نے پہلی بار کچھ کہا۔

''سوری۔'' اس نے انکار میں سر ہلایا۔

''پانی دو۔'' میں نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔ ''مجھے کچھ ہو رہا ہے..... کینے پانی دے.....''

اچانک میرے جسم کو جھٹکے لگنے لگے اور میرا سر خود بہ خود اوپر اٹھنے لگا لیکن میرے گلے پر بھی بیلٹ بندھی تھی اور اس بیلٹ نے میرا سر مزید اوپر اٹھنے سے روک دیا تھا۔ اس کے باوجود میرا جسم اٹھنے کے لیے زور لگا رہا تھا اور نتیجے میں بیلٹ میرے لیے پھندہ بن گئی تھی اور میری سانس رکنے لگی تھی۔ ڈاکٹر نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر اسے واپس تکیے پر دبانے کی کوشش کی تھی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ مضبوط آدمی تھا اس کے باوجود وہ ایک ہاتھ سے زور لگا کر میرا واپس نیچے نہیں کر سکا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میرا سر واپس نہیں جا رہا ہے اور میری سانس رک گئی ہے۔ یقیناً میرا چہرہ بھی سرخ ہو گیا ہوگا۔ اس لیے میری سانس بحال کرنے کے لیے مجبوراً اس نے دوسرا ہاتھ بھی میرے چہرہ پر رکھ کر پوری قوت سے نیچے دبایا۔ اس کام کے لیے اس نے پوری قوت استعمال کی تھی اس لیے جب اچانک ہی میرا سر ڈھیلا پڑ گیا تو وہ بھی بے اختیار آگے جھکا تھا اور اسی وقت اس کا ایک ہاتھ میرے منہ کے پاس آیا تھا۔ میں نے منہ کھول کر اس کا ہاتھ دانتوں میں چبا لیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی اور اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی لیکن میری گرفت اتنی ہلکی نہیں تھی میرے دانت ربر کے دستانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گزر کر اس کی کھال میں اتر گئے تھے اور میں نے اپنے منہ میں خون کا ذائقہ محسوس کیا تھا۔ اس بار اس کے منہ سے زیادہ طویل چیخ نکلی تھی اور یہ تکلیف کی وجہ سے نہیں تھی کیونکہ اس میں اذیت سے زیادہ خوف تھا۔

اس نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ میرے منہ سے واپس کھینچا اور میں نے اسے اچانک چھوڑ دیا۔ وہ سنبھل نہیں سکا تھا اور پلٹ کر پیچھے جا گرا تھا۔ میں نے منہ میں آیا اس کا خون تھوکا اور اپنا سانس بحال کرنے لگا۔ سچ مچ سانس رکنے سے میری حالت اچھی نہیں رہی تھی۔ میں لمبے سانس لے رہا تھا۔ ڈاکٹر فرش سے اٹھا تو کم روشنی میں بھی اس کے چہرے پر دہشت صاف نظر آئی تھی۔ مارے خوف کے اس سے بولا نہیں جا رہا تھا ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے اس نے بہت تیزی سے جان لیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا اور آگے کیا ہونے والا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ دبا رکھا تھا۔ اس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے گہرے سانس لیتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

''کیا خیال ہے ڈاکٹر میرے تھوک میں وائرس ہوگا یا نہیں؟''

''ذلیل شخص۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''تم نے..... مجھے انفکٹ..... کر دیا ہے۔''

''اچھا..... محض کاٹنے سے تم انفکٹڈ ہو گئے ہو؟'' میں نے پھر تھوکا خون کا ذائقہ ابھی تک آ رہا تھا۔ ''ہاں اگر میرے تھوک میں ایبولا وائرس باقی ہوگا تو وہ یقیناً تمہارے جسم میں داخل ہو چکا ہے۔ تم جانتے ہو میں نے جہاں کاٹا ہے وہ جگہ نس والی ہے اور اگر تم چاہو تو اپنا ہاتھ جسم سے الگ کر دو لیکن خون کی روانی کے ساتھ وائرس تمہارے جسم میں پھیل چکا ہوگا۔''

وہ کانپنے لگا تھا۔ ''بکواس کرتے ہو تم اتنی جلدی یہ نہیں ہو سکتا ہے۔''

''افسوس تم ڈاکٹر ہو کر اور جانتے بوجھتے ایسی بات کر رہے ہو۔'' میں ہنسا۔ ''اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے اگر تھوک میں وائرس تھا تو تم اس کا شکار ہو چکے ہو۔''

یہ بات وہ لاشعور میں تسلیم کر چکا تھا لیکن اس کا شعور ماننے سے انکاری تھا۔ وہ اچانک ہی پاگلوں کی طرح گالیاں دینے لگا..... ''تو کیا..... سمجھتا ہے..... کے، تُو بچ جائے گا..... نہیں تجھے ابھی جہنم رسید کرتا ہوں۔''

اس نے پلٹ کر ٹرالی سے وہی سرنج اٹھائی جس سے مجھے انجکشن لگایا تھا۔ شاید اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی لیکن ایک بندھے ہوئے بے بس آدمی کو اس سے بھی قتل کیا جا سکتا تھا۔ وہ اسے میری آنکھ میں گھونپ دیتا تو اس کی سوئی دماغ تک پہنچ جاتی اور میں ایک لمحے میں مر جاتا۔ یہی شاید اس نے سوچا تھا۔ وہ میری طرف پلٹا تو اس کا چہرہ خوف و دہشت اور انتقام کے جذبے نے بگاڑ کر رکھ دیا تھا اور لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی سوبر اور خوش شکل نظر آنے والا شخص تھا (کم سے کم ظاہری طور پر نظر آتا تھا۔) اب اس کی وہ نقاب بھی جیسے اتر گئی تھی اور اس کی اصل صورت سامنے آ گئی تھی۔ اس نے غراتے ہوئے کہا۔ ''میں مروں نہ مروں لیکن تم اب نہیں بچو گے۔''

''اگر اللہ کی طرف سے میری موت کا وقت آ گیا ہے تو میں راضی بہ رضا ہوں۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''تمہاری موت کا وقت آ گیا ہے۔'' وہ بولا اور اس نے سرنج ذرا بلند کی۔ اسے درست نشانہ لینا تھا۔ میں نے ڈر جانے والے انداز میں چہرہ اس کے ذرا پاس کیا اور اس نے پوری قوت سے سرنج میری آنکھ میں گھونپنے کی کوشش کی۔ میں نے چہرہ نہیں ہٹایا تھا۔ اور جب سوئی میرے چہرے سے چند انچ کے فاصلے پر تھی تو میرا سر کسی کھنچے اسپرنگ کی طرح مخالف سمت میں گیا اور سوئی میرے چہرے کو چھوتی تکیے میں اتر گئی۔ میں سیکنڈ کے سویں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھبے کے فرق سے بچا تھا۔ اندازے کی ذرا سی غلطی مجھے کم سے کم میری آنکھ سے محروم کر دیتی۔ اس سے پہلے کہ وہ سرنج واپس کھینچتا میں نے دوبارہ سر واپس اس طرف کیا اور اس کے ہاتھ پر مارا۔ میں نے پوری قوت استعمال کی تھی سر پر چوٹ تو آئی لیکن اس ٹکر سے سرنج کی سوئی ٹوٹ کر تکیے میں رہ گئی تھی۔ اس نے چلا کر گالی دی اور اسی ہاتھ سے میرے سر پر مکا مارا۔ چوٹ تو خاص نہیں تھی لیکن ہونٹ پھٹ گیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا اس نے بے کار ہو جانے والی سرنج پھینک دی اور خون خوار لہجے میں بولا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو کہ اس طرح بچ جاؤ گے؟''

''شاید نہیں..... لیکن میں تمہیں اتنی آسانی سے اپنی جان لینے بھی نہیں دوں گا۔''

''میں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا۔'' اس نے کہا اور میرے سرہانے والی طرف بیڈ کے نیچے گھس کر کچھ کرنے لگا۔ مجھے اس وقت سمجھ میں آیا جب میرے گلے پر بندھی بیلٹ سخت ہونے لگی۔ اسے یقیناً کسی میکنزم سے سخت اور ڈھیلا کیا جاتا تھا کیونکہ یہ لمحہ بہ لمحہ سخت ہوتی جا رہی تھی۔ چند سیکنڈ میں یہ اتنی سخت ہو گئی تھی کہ میرا سر تکیے میں پیوست ہو گیا تھا اور گلے پر اس کی گرفت کی وجہ سے میرے لیے سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا۔ وہ باہر آیا اور میرا معائنہ کر کے زہریلے لہجے میں بولا۔ ''کیسا محسوس ہو رہا ہے؟''

ظاہر ہے میں جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میرے لیے سانس لینا محال ہو رہا تھا بولنا تو بالکل ہی ممکن نہیں تھا۔ اس نے بیلٹ اس طرح سخت کی تھی کہ میری سانس بہت مشکل سے آ رہی تھی۔ میں بہت زور لگا کر ہوا کھینچ رہا تھا۔ ایک منٹ میں میرے پھیپھڑے ہوا کی کمی سے پھٹنے لگے تھے۔ وہ ہوا کھینچنے کے لیے پورا زور لگا رہے تھے اور اس زور میں میرا جسم بھی شامل ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر توفیق اب دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ آکسیجن کی کمی سے میرا سر چکرانے لگا تھا اور حواس جواب دے رہے تھے۔ دو منٹ بعد پھیپھڑے جیسے پھٹنے کے قریب آ گئے تھے اور منہ ہوا کے لیے کسی مچھلی کی طرح کھلا ہوا تھا۔

''تم زیادہ سے زیادہ چند منٹ زندہ رہ سکتے ہو۔'' اس نے میرے پاس آ کر کہا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے مرنے سے پہلے تم بہت ساری اذیت برداشت کرو گے۔''

اذیت میں تو میں اس وقت بھی تھا اور اس سے پہلے بھی بہت تکلیف جھیل چکا تھا لیکن اس کی تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے اپنا زخمی ہو جانے والا ہاتھ دیکھا اور بولا۔ ''اس وقت تم نے ڈرامہ کیا تھا اب تم سچ مچ مر رہے ہو۔''

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ موت اب کچھ دور رہ گئی تھی۔ میرے کانوں نے شاید فرشتے کے قدموں کی چاپ سنی تھی لیکن نہیں وہ فرشتہ نہیں تھا کیونکہ فرشتے انگریزی نہیں بولتے ہیں۔ میرے چکراتے ذہن نے زبان شناخت کی تھی لیکن بولنے والا کیا کہہ رہا تھا وہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ مگر اس کے فوراً بعد ہی میری گردن پر سخت بیلٹ کی گرفت ڈھیلی پڑی اور میں دیوانہ وار سانس لینے لگا۔ میرے حواس بحال ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔ تب میں نے ڈاکٹر توفیق کو ساکت کھڑے دیکھا اور اس کے عقب میں کوئی شخص ویسا ہی حفاظتی لباس پہنے کھڑا تھا۔ وہ بولا تو اس بار میں نے پہچان لیا وہ ڈیوڈ شا تھا اور ڈاکٹر توفیق سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے افسوس ہے لیکن تمہیں اب سب سے الگ کرنا ہوگا۔''

''نہیں سر۔'' ڈاکٹر گڑگڑایا۔ ''آپ مجھے بچا سکتے ہیں۔''

''اگر وائرس نے اتنی دیر میں تم پر اثر نہیں کیا ہے تو تم بچ جاؤ گے لیکن اتنا تو تم بھی جانتے ہو علاج کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے تمہیں الگ رکھنا لازمی ہے ورنہ یہ تم سے دوسروں کو بھی لگ سکتا ہے۔"

"پلیز سر۔" ڈاکٹر چلایا۔ "میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"کوئی نہیں مرنا چاہتا ہے لیکن موت بہرحال آتی ہے۔ اب تم چل رہے ہو یا میں تمہیں شوٹ کر دوں۔"

ڈیوڈ شا نے اتنے آرام سے کہا جیسے اس سے کھانے کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہا ہو۔ میں جانتا تھا وہ اتنے ہی ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا۔ ڈاکٹر تو فیق کو سچ مچ گولی مار سکتا تھا۔ شاید یہ بات ڈاکٹر بھی جانتا تھا اس لیے وہ بلا چوں چرا کیے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ڈیوڈ شا نے پردے کے اندر آنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ باہر ہی رہا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ "شہباز تم ٹھیک ہو؟"

"مہربانی ہے تمہاری۔" میں نے بیٹھی طنزیہ آواز میں کہا۔ "ویسے تم نے آتے آتے کچھ زیادہ ہی دیر نہیں کی؟"

"ہاں یہ لباس پہننے میں کچھ دیر لگی۔" اس نے کہا اور ڈاکٹر سمیت رخصت ہو گیا تھا۔ مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا ایک تو گلے پر بیلٹ کی سخت گرفت نے نرخرے کو بری طرح متاثر کیا تھا اور دوسرے انجکشن کی تکلیف کا آغاز ہو گیا تھا۔ میں ساکت لیٹ گیا۔ کئی بار کے تجربے کے بعد میں کسی حد تک اس تکلیف کا عادی ہو چلا تھا لیکن جیسے جیسے یہ عروج پر جانے لگی ویسے ویسے تکلیف ایک بار پھر میری برداشت سے باہر ہونے لگی تھی اور کچھ دیر بعد میں کراہنے لگا تھا۔ اس تکلیف کی وجہ سے مجھے پتا نہیں چلا کہ کب دروازہ کھلا اور ڈیوڈ شا اندر آیا تھا اس نے مخصوص حفاظتی لباس پہن رکھا تھا۔ جب اس نے ٹرالی ہلائی تو میں چونکا تھا۔ وہ پردہ ہٹا کر اندر آ گیا اور اس نے ایک سرنج اٹھا رکھی تھی۔

"کیا..... تم..... مجھے زہر..... دے رہے ہو؟" میں نے رک رک کر کہا۔

"اگر زہر دینا ہوتا تو میں تم کو بچانے کی کوشش کیوں کرتا۔" اس نے سرنج سے ہوا کے بلبلے خارج کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے میں نے ڈاکٹر پر اعتماد کیا اور اس نے تم کو جان بوجھ کر اذیت دینے کے لیے پین کلر نہیں دیا۔"

میں چونکا اور پھر چلا کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھے وائرس کے توڑ والا انجکشن ہی دے رہا تھا مجھے شک ہوا تھا کہ وہ الٹا مجھے مزید وائرس انجکٹ کر رہا ہے۔"

"نہیں وہ تمہیں اس کا توڑ ہی دے رہا تھا لیکن اس کے ساتھ پین کلر نہیں دے رہا تھا اس وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔"

"تب تو میں نے اس کے ساتھ بہت کم کیا ہے۔" میں نے کہا۔ "ایسی تکلیف میں نے کبھی نہیں برداشت کی ہے۔"

"میں تمہیں انجکشن دے رہا ہوں تم سو جاؤ گے اور آخری انجکشن تمہیں نیند کے دوران میں دے دیا جائے گا اور ڈاکٹر اپنی حرکت کا شکار ہوا ہے اگر وہ تمہیں بے ہوشی کا انجکشن دے دیتا تو اس انجام کو نہ پہنچتا۔" اس نے اطمینان سے کہا ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے ڈاکٹر کے بارے میں کوئی فکر یا افسوس نہیں تھا حالانکہ وہ اس کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس نے انجکشن میرے بازو میں داخل کر دیا۔ اسے نس میں لگانا ضروری نہیں تھا۔ میں نے خوش ہو کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھا۔

''وہ وائرس کا شکار ہو چکا ہے؟''

''نانوے فی صد امکان ہے۔ اگرچہ اس کا توڑ ہے لیکن یہ بھی زیادہ کارآمد نہیں ہے۔''

''تب یہ مجھ پر کیسے اثر کرے گا؟''

ڈیوڈ شا کسی قدر جھک کر بولا۔ ''شہباز میں نے سوائے تمہارے اور کسی شخص کو اس موت کے وائرس سے بچتے نہیں دیکھا ہے۔ جنوبی افریقہ میں اس توڑ کا تجربہ کیا جا چکا ہے اور جن سات افراد کے جسم میں وائرس پایا گیا تھا ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا تھا۔''

میرے ذہن پر دھند طاری ہونے لگی تھی۔ اس سے لڑتے ہوئے میں نے کہا۔ ''لیکن میں نے سنا ہے کہ اس کے شکار افراد بچ بھی جاتے ہیں؟''

''وہ عام ایبولا وائرس ہوتا ہے اور اسے خاص طور سے تجربہ گاہ میں طاقتور بنایا گیا ہے۔ اس کی تباہ کاری تم دیکھ چکے ہو۔''

''یعنی ڈاکٹر کے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''وہ ایک عام آدمی ہے اور اس بات کا امکان نہیں ہے۔''

''مجھ میں کیا خاص بات ہے۔'' دھند گہری ہوتی جا رہی تھی۔

''تم بھول رہے ہو تمہیں حکیم قادس نے وہ خصوصی دوائیں استعمال کرائی ہیں جن میں وہ جزو ہے جو برف والے نے خاص طور سے تمہارے لیے دیا تھا۔''

مجھے جھٹکا لگا تھا۔ ''تت..... تم اس بارے میں جانتے ہو؟''

''میں بہت کچھ جانتا ہوں۔'' اس نے میرا شانہ تھپکا۔ ''اب سو جاؤ امید ہے تم چوبیس گھنٹے میں بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے اور پھر تم سے اس موضوع پر تفصیل سے بات ہوگی۔''

میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اسے برف والے کے بارے میں کیسے علم ہوا لیکن وہ چلا گیا تھا۔ انجکشن کی دوا نے میرے حواس پر پوری طرح قبضہ کر لیا تھا اور میں سوچتے سوچتے سو گیا کہ جو بات راجا عمر دراز نے صرف مجھے بتائی تھی وہ ڈیوڈ شا کے علم میں کس طرح آئی تھی۔ راجا عمر دراز نے بتایا تھا کہ اس پُراسرار وادی میں برف میں رہنے والے بوڑھے نے اسے خاص طور سے میرے لیے وہ پتھر دیا جس کا سفوف دواؤں میں شامل ہو کر ان کو معجزہ صفت بنا دیتا تھا۔ یہ میری پیدائش سے بہت پہلے کی بات ہے بلکہ اس وقت تو والد صاحب بھی بچے تھے۔ ڈیوڈ شا یہ بات کس طرح جانتا تھا؟ میں سو گیا اور اس کے لیے ڈیوڈ شا کا شکر گزار تھا اگر وہ مجھے بے ہوشی کا انجکشن نہ دیتا تو مجھے آخری دو انجکشنوں کی تکلیف برداشت کرنا پڑتی۔ اسی بے ہوشی کے دوران مجھے آخری انجکشن بھی دے دیا گیا تھا۔

○.....❖.....○

جب مجھے ہوش آیا تو جسم میں بے چینی اور تکلیف والی کیفیت کا نام و نشان نہیں تھا لیکن مجھے معلوم تھا اس دوا کا اثر ہوش میں آنے کے بعد بھی کچھ دیر قائم رہتا تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے اپنی اصل کیفیت کا پتا چلتا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدستور اسی بیڈ پر تھا اور میرا جسم اسی طرح بیلٹوں سے بندھا ہوا تھا لیکن اس بار ہوش میں آنے کے بعد مجھے ایک مسئلہ شروع ہو گیا تھا میرے مثانے میں دباؤ بن رہا تھا اور مجھے جلد یا بدیر باتھ روم جانا تھا ورنہ میں بستر سے ہی باتھ روم کا کام لینے پر مجبور ہو جاتا۔ یہ تو میں بتانا بھول گیا تھا کہ یہاں لانے سے پہلے مجھے صاف کر کے اسپتال والے کپڑے پہنا دیئے گئے تھے کیونکہ میری لمبی نیکر اور جسم زرین کے خون سے بھر گیا تھا۔

زرین کا خیال آتے ہی میرے دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔ وہ خوش ادا اور گل بدن اب مٹی میں مل چکی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ اسے جلا کر خاکستر کر دیا گیا تھا کیونکہ لاش میں موجود وائرس کو ختم کرنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔ اس کے مقدر میں یہی لکھا تھا۔ مجھے ایک بار پھر اس کا آخری خواب یاد آ گیا۔ اس نے کہا تھا کہ دنیا میں اس کی تکالیف کے صلے میں خدا نے اسے معاف کر دیا تھا اور دوسرے جہان میں اسے اس کا بہت اچھا صلہ ملے گا میں نے دل سے دعا کی کہ اس کا خواب مکمل طور پر سچ ثابت ہو کیونکہ میرے معاملے میں تو وہ سچ ہی ثابت ہوا تھا۔

میرے دشمن ڈیوڈ شانے ڈاکٹر سے میری جان بچائی تھی۔ اس سے زیادہ خوشی مجھے اس بات کی تھی کہ ڈیوڈ شانے ڈاکٹر کی طرف سے ناامیدی ظاہر کی تھی۔ وہ اس کا یہاں ایک اہم مہرہ تھا اور وہ اسے بچانے کی پوری کوشش کرتا اگر اس کے بس میں ہوتا۔ ڈیوڈ شا کا یہ ایک نیا روپ میرے سامنے آیا تھا۔ اس کے بارے میں ایک صحافی نے رپورٹ دی تھی کہ وہ مغربی طاقتوں کا ایک اہم مہرہ ہے اور افریقہ کے کئی ممالک میں انتشار پھیلا کر خانہ جنگی کرانے میں اس کا مرکزی کردار رہا ہے اور اس کی ملک میں آمد خالی از علت نہیں ہے۔ میں اس رپورٹر سے متفق تھا اگرچہ وہ راجا عمر دراز کی وجہ سے بھی یہاں آیا ہو گا تاکہ اس سے وہ تصویر اور پتھر حاصل کر سکے لیکن اس کے ساتھ اس کے دیگر کچھ مقاصد اور بھی ہوں گے۔ ممکن ہے وہ براہ راست سیاسی مقاصد لے کر نہ آیا ہو لیکن اس کی آمد کو نیک شگون نہیں قرار دیا جا سکتا تھا۔

میں نے اس جگہ جو دیکھا تھا وہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ بڑی طاقتیں اس سرزمین کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہی تھیں کیونکہ دنیا بلکہ تیسری دنیا کے اور کسی ملک میں ان کو وہ سہولتیں اور آزادیاں حاصل نہیں تھیں جو یہاں انہیں فراخدلی سے دے دی گئی تھیں۔ مجھے ڈاکٹر کی بات پر پہلے بھی شک تھا وہ اس پروجیکٹ کو اپنا قرار دے رہا تھا لیکن اس قسم کے پروجیکٹ بیرونی سرپرستی کے بغیر کام نہیں کر سکتے ہیں اور اصل میں تو اس کی ضرورت بھی ان ملکوں کو ہے جو کسی بھی ایجاد کا سب سے پہلے جنگی استعمال سوچتے ہیں۔ موت کی نیند سلا دینے والے جراثیموں کو بایولوجیکل ہتھیاروں میں تبدیل کرنا بھی مغرب کا ایجنڈہ ہے لیکن وہ اس کا الزام تیسری دنیا کے ممالک پر لگا کر ان پر حملے کرتے ہیں۔ ڈیوڈ شا یہ کام اپنے طور پر بھی کر سکتا تھا کیونکہ اس کے پاس وسائل اور ٹیکنالوجی تھی یا پھر کسی بڑی طاقت کے لیے بھی کر سکتا تھا جو اس سے یہ ہتھیار خرید سکتی تھی۔

اچانک مجھے ایک خیال اور آیا۔ میں جان چکا تھا کہ ڈیوڈ شا یہاں کیا کر رہا تھا تو کیا وہ مجھے چھوڑنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا؟ مگر جب میں نے ذرا گہرائی سے سوچا تو مجھے اپنا خیال مہمل لگا تھا۔ میں بھلا اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ میں صرف اس ٹھکانے کو جانتا تھا اور یہ بھی اس کا نہیں تھا۔ ڈاکٹر سے اس کا تعلق ثابت کرنا بھی مشکل تھا اور وہ ڈاکٹر کے مرنے کے بعد اسے بھی بھٹی میں جلا کر راکھ کر دیتا اور اس کے بعد سارے نشانات مٹا کر یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جا سکتا تھا۔ کسی چیز سے اس کا تعلق ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا اور ثابت بھی اس صورت میں ہوتا جب وہ کسی معاملے میں پکڑا جاتا اور یہاں تو اس پر فردِ جرم بھی عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔ گویا ڈیوڈ شا کو اگر مجھ سے کوئی خطرہ تھا تو وہ براہ راست تھا۔ میں اسے نقصان پہنچا سکتا تھا اور اس کے لیے اس جگہ کو صاف کر کے چھوڑ جانا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

مجھے ہوش میں آئے ہوئے کوئی ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اور اب میرے مثانے کا دباؤ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ ''کوئی ہے۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''مجھے باتھ روم جانا ہے.....ارے کوئی ہے۔''

میں وقفے وقفے سے چیخ و پکار کر رہا تھا اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا مگر پھر جو ہوا وہ میرے لیے خاصا غیر متوقع تھا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک شخص مخصوص لباس میں اندر آیا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں ابھی تک کلیئر نہیں ہوا تھا۔ شاید اس کے لیے کوئی خاص ٹیسٹ کرنا تھا جو ابھی تک نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے ایک مخصوص برتن اٹھا رکھا تھا۔ وہ پردے کے اندر آیا تو میں اس کا ارادہ بھانپ گیا۔ ''اے اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے کھول دو۔''

لیکن اس نے ان سنی کر کے میرا پاجامہ نیچے سرکایا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میری گفتار بے کار ثابت ہوئی تھی۔ اس نے اپنا کام کر کے میری طرف دیکھا یعنی اب میں اپنا کام کر سکتا تھا۔ مجبوری تھی اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا مجھے اسی برتن میں فارغ ہونا پڑا۔ بہر حال اس سے میرا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ اس نے احتیاط سے برتن اٹھایا اور واپس چلا گیا۔ جانے سے پہلے اتنی مہربانی کی تھی کہ میرا پاجامہ اوپر کر دیا تھا۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ڈیوڈ شا آ گیا۔

''کیا حال ہے کیسا محسوس ہو رہا ہے؟''

''سکون کی کیفیت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''شاید ابھی تک دوا کا اثر ہے؟''

''نہیں دوا کا اثر اب تک ختم ہو چکا ہوگا۔ اگر تم درد یا بے چینی محسوس نہیں کر رہے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وائرس ختم ہو چکا ہے۔''

''اس کا پتا کیسے چلے گا؟''

''اس کے لیے تمہارا ایک بلڈ ٹیسٹ ہوگا۔'' اس نے کہا اور ایک خالی سرنج لی۔ ''مجھے تمہارا بلڈ سمپل لینا ہے۔''

''لے لو میں تمہیں روک نہیں سکتا ہوں۔'' میں نے سر ہلایا۔

اس نے سرنج میری نس میں داخل کر کے خون کا نمونہ لیا۔ ''دو گھنٹے میں اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔''

''اس کے بعد کیا ہوگا؟''

''اس کے بعد تمہیں اوزون سے غسل دیا جائے گا اور پھر تم کلیئر ہو جاؤ گے۔'' اس نے جواب دیا اور وہاں سے چلا گیا۔ ڈاکٹر کے نہ ہونے کی وجہ سے اسے سارا کام خود کرنا پڑ رہا تھا۔ میں متجسس تھا کہ ڈیوڈ شا مجھ پر اتنا مہربان کیوں تھا لیکن میں نے اس سے پوچھا نہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ تھیلے میں جو بھی بلی ہے جلد باہر آ جائے گی۔ میں جس بستر پر لیٹا ہوا تھا وہ شاید چمڑے کا تھا اسی طرح تکیہ بھی چمڑے کا تھا۔ کپڑوں کے مقابلے میں چمڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جراثیم صاف کرنا آسان ہوتا ہے۔ اوزون آکسیجن کی ایک قسم ہے۔ یہ جرثوموں کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اور خاص طور سے بیکٹریا اور وائرس اس سے فوراً ختم ہو جاتے ہیں لیکن اس سے انسانوں یا بڑے جانداروں کو نقصان نہیں ہوتا ہے۔ آج کل اسپتالوں اور اس قسم کی دوسری جگہوں پر جہاں جراثیم لگنے کا خطرہ ہوتا ہے صفائی کے لیے اوزون کو استعمال کیا جاتا ہے اس کی خشک پھوار تمام اقسام کے جرثوموں کو ختم کر دیتی ہے۔ دیگر جراثیم کش کے مقابلے میں یہ سستی پڑتی ہے اس کے سائیڈ ایفکٹ بھی نہیں ہوتے ہیں اور یہ ماحول کے لیے بھی بہتر ہے کیونکہ کرہ ہوائی میں اوزون کی موجودگی ہمیں سورج سے آنے والی مضر تابکاری سے محفوظ رکھتی ہے لیکن ہم نے اپنی اس محافظ گیس کو بے دریغ آلودگی پیدا کر کے ختم کرنے کے قریب پہنچا دیا ہے۔ ڈیوڈ شا کا مجھے ایسا ہی غسل دینے کا ارادہ تھا۔

میں صبر سے انتظار کرتا رہا اور تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد دو افراد اسی حفاظتی لباس میں اندر آئے اور خاص بات یہ تھی کہ دونوں مشین گنوں سے مسلح تھے۔ ان میں سے ایک میرے سرہانے ذرا فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور دوسرے نے میرے جسم سے بیلٹس کھولنا شروع کیں۔ آخری بیلٹ کھولتے ہوئے اس نے مجھے وارننگ دی۔

''کوئی غلط حرکت مت کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔''

بولنے والے کا لہجہ مقامی اور صاف تھا شاید وہ پڑھا لکھا تھا۔ مجھے کھولتے ہی وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اور اپنی مشین گن مجھ پر تان لی۔ ڈیوڈ شا نے انہیں میرے بارے میں کچھ زیادہ بریف کر دیا تھا اور وہ ڈرے ہوئے لگ رہے تھے۔ میں پہلے اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر بستر سے نیچے اتر آیا۔ انہوں نے پردے ہٹا دیئے تھے۔ اب یہاں زیادہ روشنی تھی۔ انہوں نے اشارے سے مجھے کمرے سے باہر چلنے کو کہا۔ مستقل بندھے رہنے سے میرا جسم سن ہو گیا تھا پھر دواؤں اور وائرس کا اثر بھی ہوا تھا اور میں کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے بمشکل بستر سے نیچے آیا تھا۔ چند لمحے تو مجھے زمین پر اپنے قدم جمانے میں لگے تھے۔ میرے پاس پیروں میں پہننے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ میری حالت کے باوجود وہ میری طرف سے پوری طرح محتاط تھے۔ ایسا لگ رہا تھا وہ مجھے کوئی موقع نہیں دینا چاہتے۔ میں اس کمرے سے باہر آیا تو دوسرا کمرہ بالکل خالی نکلا تھا اور اس میں چھت سے ایک شاور نما چیز لگی تھی۔ مجھے کھولنے والے نے حکم دیا۔

''اس کے نیچے کھڑے ہو جاؤ۔''

میں نے حکم کی تعمیل کی اور فوراً ہی شاور سے کوئی چیز پھوار کی طرح برسنے لگی۔ مخصوص بو بتا رہی تھی کہ یہ اوزون تھی۔ یہ تقریباً گیس کی حالت میں تھی کیونکہ اس سے جسم یا لباس پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا۔ میں کوئی پانچ منٹ اس شاور کے نیچے رہا تھا۔ اس کے بعد باری باری دونوں مسلح افراد اس شاور کے نیچے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا تھا کہ اب جراثیم باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں رہا ہے۔ پھر وہ مجھے اگلے کمرے میں لائے۔ یہاں لباس تبدیل کیے جاتے تھے اور وہاں مجھے ایک عدد برقی بھٹی بھی نظر آئی تھی۔ مجھے کھولنے والے نے اگلی ہدایت دی۔

''اپنا یہ لباس اتار کر بھٹی میں ڈال کر جلا دو اور یہ دوسرا لباس پہن لو۔'' اس نے ایک طرف رکھے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس میں پوری آستین کی ٹی شرٹ تھی اور سیاہ رنگ کا ٹراؤزر تھا۔ دونوں گرم کپڑے سے بنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ میں مجبور تھا کیونکہ وہ میری طرف پوری طرح نگران تھے اور میں ان سے کہتا بھی کہ بھائی صاحب ذرا منہ دوسری طرف کرلو تو وہ یقیناً یہ بات نہ مانتے اس لیے میں نے رخ بدل کر لباس اتارا اور اسے بھٹی میں ڈال کر اس کا بٹن دبا دیا۔ دوسرے کپڑے پہن کر اب میں باہر جانے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ یہ تو واضح تھا کہ میری رپورٹ کلیئر آئی تھی۔ ورنہ مجھے باہر نکالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ تینوں کمرے ایک لائن سے تھے اور میں جس کمرے میں تھا وہ سب سے آخر میں تھا۔ ہم تیسرے کمرے سے باہر آئے تو ایک گیلری میں تھے اور بالآخر یہ بھی اسی کوٹھی کا تہہ خانہ ثابت ہوا تھا۔ کوٹھی اندر سے اوپر کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑی تھی اور اس کے شاید کئی فلور تھے کیونکہ ہم سیڑھیاں چڑھ کر ایک اور فلور تک آئے اور اب بھی ہم تہہ خانے میں ہی تھے۔

اب میں بہتر محسوس کر رہا تھا۔ حرکت کرنے اور شاید کپڑے تبدیل کرنے سے یہ بہتری آئی تھی۔ سب سے اہم بات تھی کہ میں ایک خوف والی کیفیت سے نکل آیا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک دروازے کے سامنے روکا اور پھر دستک دی۔ چند لمحے بعد دروازہ کھل گیا۔ سامنے ڈیوڈ شا کھڑا تھا۔ اس نے ایک طرف ہو کر مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کسی دوست کو اندر آنے کو کہہ رہا ہو۔ اس کے انداز میں اب لاپروائی تھی۔ میں اندر داخل ہوا تو اس نے دروازہ بند کر دیا اور دونوں مسلح افراد باہر ہی رہ گئے تھے۔ میں نے حیرت سے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔

''تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا ہے؟''

وہ اعتماد سے آگے بڑھ گیا اور ایک جھولنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے برابر میں تپائی پر ایک بوتل اور ایک عدد جام رکھا تھا۔ اس نے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بیٹھو۔'' اس نے میرے سوال کا جواب دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ میں کرسی پر آ گیا۔ ''تمہاری رپورٹ آ گئی ہے تم کلیئر ہو۔''

''شکریہ۔'' میں نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔

اس نے اپنے لیے بوتل سے ایک جام بنایا اور میری طرف دیکھا۔ ''تم نہیں پیتے ہو۔ تمہارے لیے کیا منگواؤں؟''

مجھے بھوک نہیں لگ رہی تھی اس لیے میں نے کافی کا کہہ دیا۔ اس نے تپائی سے ایک چھوٹا سا واکی ٹاکی اٹھا کر کسی سے کافی لانے کو کہا۔ پھر میری طرف دیکھا۔ ''اگر چاہو تو کچھ کھانے کے لیے بھی منگوا لو۔''

''کوئی ہلکی چیز منگوا لو۔''

اس نے واکی ٹاکی پر یہی کہہ دیا۔ پھر اسے واپس تپائی پر رکھ دیا لیکن میں نے نوٹ کیا کہ اس نے اس کا بٹن نہیں دبایا تھا یعنی رابطہ برقرار تھا۔ اسے مجھ پر مکمل اعتماد نہیں تھا وہ صرف ظاہر کر رہا تھا۔ چند منٹ میں کافی اور کچھ بسکٹ آ گئے۔ مجھے اس وقت کسی ایسی ہی چیز کی ضرورت تھی اس لیے میں نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا اور پلیٹ صاف کر دی۔ جب تک میں بسکٹ کھاتا رہا ڈیوڈ شا مے نوشی میں مصروف رہا تھا لیکن وہ بہت کم پی رہا تھا اتنی دیر میں اس نے مشکل سے آدھا پیگ ختم کیا تھا۔ جب میں کافی کا مگ سنبھالا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا۔

''تم سوچ رہے کہ میں نے تم کو کیوں بچایا جب کہ تم مجھے دشمن سمجھتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا تم دشمن نہیں ہو؟'' میں نے سادگی سے دریافت کیا۔

''ان معنوں میں نہیں جن معنوں میں لوگ ایک دوسرے سے دشمنی کرتے ہیں۔''

''یعنی تمہاری مجھ سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔ بس بعض جگہوں پر میں تمہارے مفادات کے آڑے آتا ہوں۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟''

''ہاں یہی بات ہے۔'' اس کا لہجہ پُرسکون رہا تھا۔ ''حالانکہ تم اسے غلط سمجھ رہے ہو۔''

''کیا میرے سمجھنے سے کچھ ہوتا ہے۔''

''بہت کچھ ہوتا ہے اگر تم سمجھو تو۔'' اس نے کرسی جھلاتے ہوئے کہا۔ ''شہباز ملک میں صاف بات کرنا پسند کرتا ہوں۔''

''میں بھی صاف بات سننا پسند کرتا ہوں بغیر کسی لگی لپٹی کے۔''

''مجھے تمہارا تعاون درکار ہے۔'' اس نے کہا۔

''کس معاملے میں؟''

''مجھے اس وادی تک جانا ہے۔''

''میں اسے ایک فضا سی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا ہوں۔'' میں نے بھی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ ''جس چیز کو میں اہمیت نہیں دیتا ہوں اس کی طرف جانے کی کوشش بھی نہیں کروں گا۔''

''تم راجا عمر دراز کے ساتھ جانے کے لیے تیار تھے؟''

''درست ہے لیکن تم جانتے ہو راجا عمر دراز کی بات الگ ہے۔''

''ٹھیک ہے میں تمہارے لیے ایک دشمن ہوں اور تم آسانی سے میرے لیے کام کرنے پر آمادہ نہیں ہو گے۔''

''مشکل سے بھی نہیں۔'' میں نے تصحیح کی۔

''ایسا مت کہو انسان بعض اوقات مجبور بھی ہو جاتا ہے۔'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔ میں مسکرایا۔

''ہاں میں سمجھ رہا ہوں کہ انسان مجبور بھی ہو جاتا ہے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اگر ایسا ہوا بھی تو یہ بالکل عارضی ہو گا اور میں موقع ملنے پر وہی کروں گا جو ڈاکٹر توفیق کے ساتھ کیا ہے۔''

''میں تم کو اس انداز میں مجبور کرنے کی بات نہیں کر رہا ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''مجھے گھٹیا انداز پسند نہیں ہے۔''

''او کے تم جس طرح چاہو مجھے مجبور کر سکتے ہو۔'' میں نے فراخدلی سے کہا۔ ''تب فیصلہ ہو جائے گا۔''

''فی الحال تم آرام کرو۔'' اس نے کہا۔ ''پھر تم سے بات ہو گی۔''

''یعنی ابھی مجھے تمہاری قید میں رہنا ہو گا؟''

''ہاں چاہو تو ایسا کہہ لو بعض معاملات طے کیے بغیر میں تم کو آزاد نہیں کر سکتا ہوں۔''

''میری ساتھی کے بارے میں ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ اس کی لاش جلا دی گئی ہے؟''

''ہاں مجبوری تھی کیونکہ وہ انفکٹڈ لاش تھی۔ اسے جلا دینا ہی بہتر تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ دشمن تھے ان سے کسی اچھائی کی توقع ویسے بھی نہیں کی جا سکتی تھی پھر منطقی لحاظ سے انہوں ٹھیک کیا تھا۔ مجھے افسوس ہوا تھا کہ میں زرین کی آخری خواہش پوری نہیں کر سکا تھا۔ ڈیوڈ شا مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے بھانپ لیا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ ''کیا تم اپنی ساتھی کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتے ہو؟''

''اب یہ کہاں ممکن رہا ہے اس کی لاش ہی باقی نہیں ہے۔'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔

''یہ ممکن ہے۔ اب اس کا جسم راکھ کی صورت میں ہے۔ اس نے خواہش کی تھی کہ تم اسے دفنا دو اور کسی اور کو اس کے جائے مدفن کا علم نہ ہو تو تم اس کی یہ دونوں خواہشیں پوری کر سکتے ہو۔''

''اس کی راکھ دفنا کر؟'' میں نے اس کی بات پر غور کیا

''ہاں راکھ بھی تو اس کے جسم کی ہے اور اگر تم لاش بھی دفناتے تو کچھ عرصے بعد وہ خود مٹی میں مل جاتی۔ اس لیے کیا فرق پڑتا ہے۔''

اس کی بات قابلِ غور تھی راکھ بھی زرین کی تھی اور میرے لیے اسے خود دفنانا اور اس طرح دفنانا کہ کسی اور پتا نہ چلے بہت آسان ہو گیا تھا لیکن یہ کام میں ڈیوڈ شا کی قید سے رہائی کے بعد ہی کر سکتا تھا۔ میں نے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے اس کی راکھ میرے حوالے کر دو۔''

''تمہیں مل جائے گی۔'' اس نے کہا۔ ''میں چھ گھنٹے بعد تم سے بات کروں گا۔ اس دوران میں تم سوچ سکتے ہو۔''

''کیا سوچ سکتا ہوں؟''

''یہی کہ تم دوبارہ اپنی پرانی نارمل زندگی میں واپس جانا چاہتے ہو یا نہیں۔'' ڈیوڈ شا نے کہا اور میری طرف دیکھے بغیر انٹر کام اٹھا کر کسی سے بولا۔ ''کم ان اینڈ گیٹ ہم۔''

اس کی بات سن کر مجھے جھٹکا لگا تھا۔ یہ خواب تو میں اس وقت سے دیکھ رہا تھا جب سے اس مصیبت میں پڑا تھا۔ پرانے دن سراب بن کر رہ گئے تھے ان کی جھلک تو نظر آتی تھی لیکن وہ حقیقت میں نہیں تھے۔ پھر جب سویرا سے ملا اور اس سے تجدید تعلق ہوا تو یہ خواہش مزید شدت اختیار کر گئی تھی۔ مگر اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اگرچہ میں نے مرشد اور دوسرے دشمنوں کے معاملے میں بہت ساری کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ ان کو بہت سارے نقصان پہنچائے تھے اور ان کے بہت سارے عزائم کو ناکام بنایا تھا لیکن جہاں تک میرے مسائل کا تعلق تھا تو ان میں کوئی کمی نہیں آئی تھی بلکہ اضافہ ہی ہوا تھا اور دشمنوں میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ مرشد پہلے سے زیادہ خطرناک ہو گیا تھا اب وہ سیاستدان بھی تھا اور حکومت کا ممبر بھی تھا۔ گویا پہلے کریلا تھا تو اب نیم چڑھا بھی ہو گیا تھا۔

مجھے اپنے مسائل کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح مرشد کو یہ جنگ ختم کرنے پر آمادہ کر سکوں جس میں اس کا بھائی اپنی صحت سے اور میرا بھائی جان سے ہاتھ گنوا چکا تھا۔ مگر اس کی طرف سے ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ وہ اس جنگ کو ختم کرنے پر آمادہ ہے۔ اس کے بجائے وہ اسے پھیلا کر میرے خاندان تک لے آیا تھا۔ طاقت حاصل کر کے وہ فرعون بن گیا تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ بالکل ہی فرعون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بن گیا تھا۔ میں کسی فلم کا کوئی اَنا کا مارا ہیرو نہیں ہوں جو دشمن سے ہر قیمت پر جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے اگر میرا دشمن مجھے آبرومندانہ طور پر زندہ رہنے دیتا ہے تو میں بھی اسے چھوڑنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا کیونکہ معاملہ صرف میری ذات کا نہیں تھا بلکہ مجھ سے منسوب میرے ساتھیوں اور میرے خاندان کا بھی تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میری پرانی زندگی واپس ملنے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے جب ڈیوڈ شا نے یہ بات کہی تو میں چونک گیا اور اندر سے کچھ بے تاب ہو گیا تھا۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے لیکن وہ اپنے آدمیوں کو حکم دے کر میری طرف سے بے نیاز بن گیا تھا۔

فوراً ہی دروازہ کھلا اور وہی دونوں مسلح افراد نظر آئے تھے۔ میں کمرے سے باہر آ گیا ان کو معلوم تھا کہ مجھے کہاں پہنچانا تھا مجھے اسی فلور ایک کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں سوائے ایک مضبوط دروازے کے اور کوئی کھڑکی یا روشن دان تک نہیں تھا۔ دروازے پر اوپر والے حصے میں ایک چوڑی پٹی میں صرف شیشہ لگا تھا جس سے اندر یا باہر دیکھا جا سکتا تھا۔ کمرے میں فرش پر فوم کا گدا پڑا تھا اور اس کے ساتھ ہلکا کمبل تھا۔ وہاں ایک عدد پانی کی بوتل پہلے سے موجود تھی۔ ڈیوڈ شا کے سامنے میں خود کو سنبھالے ہوئے تھا ورنہ بیماری اور پھر اس کے علاج کے ساتھ مسلسل بندھے رہنے اور بے آرامی سے میرا جسم ٹوٹ رہا تھا اور مجھے شدت سے چند گھنٹے آرام کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں پانی پی کر جیسے ہی بستر پر لیٹا نیند نے مجھے دبوچ لیا تھا اور میں ہر بات سے غافل ہو کر گہری نیند سو گیا تھا۔ حد یہ کہ میں نے پھر ڈیوڈ شا کی بات پر بھی غور نہیں کیا تھا حالانکہ جس وقت اس نے مجھ سے یہ بات کی تھی مجھے جھٹکا سا لگا تھا اور میں جاننے کے لیے بے تاب ہو گیا تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہو گا۔ میں بے خبر سوتا رہا تھا اور شاید سوتا ہی رہتا اگر مجھے جگایا نہ جاتا۔ جگانے والے نے کمبل ہلایا تھا۔

''اٹھو نواب کے بچے کیا یہاں سونے آئے ہو؟''

میں اٹھ بیٹھا تھا جگانے والا وہی مشین گن بردار تھا لیکن اب اس کے پاس مشین گن نہیں تھی۔ اس کے ساتھی کے پاس تھی۔ وہ میرے لیے کھانا لایا تھا۔ ٹرے میں ایک بڑے سائز کا پیالہ رکھا تھا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی یہ نمکین دلیہ تھا کیونکہ اس میں گوشت کی بوٹیاں اور سرخ مرچ پاؤڈر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جاگنے کے بعد مجھے بھوک کا احساس ہوا تھا یعنی اب میں رفتہ رفتہ نارمل ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے جگانے والے کی طرف دیکھا اور چھوٹی انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔ ''مجھے باتھ روم بھی جانا ہے۔''

''پہلے کھا لو پھر تمہیں ایک ساتھ ہی لے جائیں گے چھوٹا بڑا ایک ساتھ کر لینا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور باہر چلا گیا۔ دلیہ گرم لیکن کسی قدر پھیکا تھا۔ اسے حلق سے اتارنا آسان نہیں تھا لیکن میں جانتا تھا کہ یہ قوت بخش چیز ہے اور میری توانائی جلد بحال کر دے گا۔ اس لیے میں نے پورا پیالہ کسی نہ کسی طرح حلق سے اتار لیا تھا۔ پانی کی بوتل خالی کر کے میں ایک بار پھر بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ اب مجھے ان کی آمد کا انتظار تھا کہ وہ مجھے باتھ روم لے جائیں لیکن وہ ایک گھنٹے بعد آئے جب میں خود بے تاب ہو کر دروازہ بجانے والا تھا۔ دونوں میں سے اب تک ایک ہی نے مجھ سے بات کی تھی اور اس وقت بھی وہی اندر آیا تھا۔ یہ لمبے قد اور فوجیوں جیسے مختصر بالوں والا جوان آدمی تھا۔ اس کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ وہ تربیت یافتہ ہے لہجے سے وہ پوٹھوہار کا رہنے والا لگتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چلو تم کو صاحب نے بلایا ہے۔''

''لیکن پہلے مجھے باتھ روم جانا ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ایمرجنسی ہے۔''

اس نے واکی ٹاکی پر ڈیوڈ شا کو میری ایمرجنسی کی اطلاع دی اور اس سے تازہ ترین ہدایات حاصل کیں۔

''چلو لیکن زیادہ دیر مت کرنا۔''

''چلو تو.....'' میں نے بے تابی سے کہا کیونکہ اتنے دن بعد پیٹ میں کھانا گیا تھا تو وہ کچھ گڑبڑ اگیا تھا اور گڑگڑ کر رہا تھا۔ باتھ روم اسی حصے میں تھا۔ وہاں سے فارغ ہوتے ہی مجھے سیدھا ڈیوڈ شا کے پاس پہنچایا گیا تھا۔ اس بار بھی دونوں افراد باہر ہی رہے تھے۔ دروازہ ڈیوڈ شا نے خود کھولا تھا وہ نائٹ گاؤن میں تھا اور آرام کے موڈ میں تھا لیکن اس وقت اس کے پاس مے نوشی کے لوازمات نظر نہیں آرہے تھے۔ اس کے بجائے اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی اور جب اس نے کتاب تپائی پر رکھی تو میں نے دیکھا یہ انگریزی زبان میں آسٹرولوجی کے موضوع پر تھی۔ اس کا نام تھا ''اے بریف ہسٹری آف آسٹرولوجی۔''

''تمہیں اس قسم کے موضوعات سے دلچسپی ہے؟'' میں نے کتاب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں..... تمہیں بھی رہے؟''

''نہیں لیکن میں نے اس بارے میں تھوڑا بہت پڑھ رکھا ہے۔''

''بیٹھو۔'' اس نے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے صرف اس موضوع سے دلچسپی ہی نہیں ہے میں اس کا ماہر بھی ہوں۔''

''اوہ۔'' میں ہنسا۔ ''گویا تم کوئی بھی کام کرنے سے پہلے ستاروں اور قدرت کے اشارے دیکھتے ہو گے۔ شگون تلاش کرتے ہو گے۔''

''شگون کیا؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''سائن۔''

''ہاں ایسا ہوتا ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔

''لیکن تم نے محسوس تو کیا ہو گا کہ سب کچھ کرنے کے باوجود بہت سارا ایسا کچھ نہیں ہو پاتا ہو گا جو تم چاہتے ہو؟''

''ہاں ایسا ہوتا ہے۔'' اس کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ ''اسی کا نام تقدیر ہے۔''

''تم تقدیر کو مانتے ہو؟''

''ہاں لیکن اس طرح نہیں جس طرح تم مانتے ہو۔'' اس نے جواب دیا۔

''کس طرح۔'' میں نے ذرا چبھتے انداز میں کہا۔

''یعنی جو تمہاری مرضی کے مطابق کرے اس تقدیر کو مانتے ہو اس میں اپنا عمل دخل دیکھنا چاہتے ہو؟''

''تم چاہو تو ایسا بھی سمجھ سکتے ہو۔'' اس نے کسی قدر اکتائے انداز میں کہا۔ ''بہرحال یہ ایک لمبی بحث ہے۔ اسے کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ تم نے میری بات پر غور کیا تھا؟''

''کون سی بات پر؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا چہرہ ایک لمحے کو سرخ ہوا تھا لیکن اس نے خود پر قابو رکھا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنی پرانی نارمل زندگی میں واپس جانا چاہتے ہو؟''

''ظاہر ہے کیوں نہیں جانا چاہوں گا۔'' میں نے سرد انداز میں کہا۔ ''لیکن کیا یہ ممکن ہے۔ ایک طرف مرشد جیسا طاقتور شخص میرا دشمن ہو رہا ہے۔ پولیس مجھ پر مقدمات بنا کر شدومد سے مجھے تلاش کر رہی ہے اور شاید میں بھارتیوں کو بھی مطلوب ہو گیا ہوں۔ تمہارے پاس کیا الہ دین کا چراغ ہے جو میرے اتنے سارے مسائل حل کر دے گا۔''

''تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''اگر تم چاہو تو یہ سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اس دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں ہے اگر آدمی کرنا چاہے تو۔''

''میں کیوں نہیں چاہوں گا؟'' میں نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔ ''تمہارے خیال میں کیا میں اس زندگی کا عادی ہو گیا ہوں جس میں ہمہ وقت مار دھاڑ اور قتل و غارت گری جاری رہتی ہے؟''

''نہیں میرا اندازہ ہے تم اس زندگی سے بالکل خوش نہیں ہو حالانکہ تم نے بڑی کامیابی سے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا دفاع کیا ہے۔ خاص طور سے تم نے انڈیا میں جو کیا ہے وہ تو کسی تربیت یافتہ کمانڈو کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔''

''میں نے وہاں جو کیا وہ صرف اپنے دفاع میں کیا۔'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔ ''میرا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں تھا۔''

ڈیوڈ شا میرے انداز پر مسکرایا۔ ''تم ڈر رہے ہو کہ شاید یہاں تمہاری باتیں ریکارڈ ہو رہی ہیں؟''

''اگر ہو بھی رہی ہیں تب بھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔''

''لیکن تم اعتراف کر چکے ہو کہ ڈاکٹر کو تم نے انفیکٹڈ کیا ہے۔'' وہ معنی خیزی سے بولا۔

''میں نے ایسا کوئی اعتراف نہیں کیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے وہ کہاں ہے؟''

''اسے دیکھنا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے سر ہلایا۔

وہ کھڑا ہو گیا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

ہم کمرے سے باہر آئے جہاں دونوں گارڈز مستعد کھڑے تھے۔ جب ہم آگے بڑے تو وہ ہمارے پیچھے تھے۔ وہ یقیناً ڈیوڈ شا کے محافظ تھے اور اسے کسی بھی وقت اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔ مجھے یقین تھا جب ڈیوڈ شا کمرے میں میرے ساتھ ہوتا تھا تب بھی وہ صرف ایک آواز دے کر انہیں بلا سکتا تھا۔ اسے اعتماد تھا کہ میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے سو بار سوچوں گا کیونکہ اگر میں اسے مار دیتا یا خالی ہاتھوں قابو کر لیتا تب بھی میرے لیے اس جگہ سے نکلنا بہت مشکل تھا۔ پھر ڈیوڈ شا مجھے سمجھتا تھا اور اسی بنا پر وہ پُر امید تھا کہ میں کوئی غلط قدم اٹھا کر اپنے لیے مشکلات پیدا نہیں کروں گا۔

ایسا نہیں تھا کہ میں اندر سے بالکل پُرسکون تھا۔ میرے اندر مختلف ابال تھے۔ خاص طور سے زرین اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے ساتھ جو ہوا تھا اور ہمیں جس طرح ننگِ انسانیت تجربے کا نشانہ بنایا گیا۔ زرین نے کس طرح سسک سسک کر میرے سامنے جان دی تھی۔ جب یہ سب مجھے یاد آتا تو میرے اندر کا ابال تیز ہو جاتا تھا لیکن اس ابال کو میں نے اپنے اندر محدود رکھا تھا اور اس کا اثر میری ظاہری شخصیت پر نہیں آیا تھا۔ تجربات نے مجھے سکھا دیا تھا کہ ٹھنڈے لوہے پر چوٹ بے کار ہوتی ہے۔ ہاں جب گرم ہو تو ذرا دیر مت کرو اور دوسرے میرا خدا پر یہ پختہ ایمان ہے کہ وہ موقع ضرور دیتا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا انصاف کرنے والا ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی ظلم ہو اور خدا اس کا بدلہ لینے کا موقع نہ دے۔ بس ضرورت ذرا صبر کی ہوتی ہے۔

ڈیوڈ شا مجھ سے ذرا آگے تھا۔ اسی گیلری میں گھوم کر ہم ایک چھوٹے سے کمرے میں آئے۔ یہاں میز پر چھوٹے چھوٹے کئی ایل سی ڈی مانیٹرز رکھے تھے اور یہ سب ایک کمپیوٹر سے منسلک تھے۔ ان پر اس چیمبر کی مختلف زاویوں سے ویڈیو دکھائی جا رہی تھی جہاں میں نے اور زرین نے دو ہولناک دن گزارے تھے۔ اگرچہ مجھے توقع تھی کہ وہاں مجھے ڈاکٹر نظر آئے گا اس کے باوجود وہ نظر آیا تو میں چند لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ انسان کی کیا اوقات ہے اور مکافاتِ عمل کتنی تیزی سے اس کے سامنے آجاتا ہے اس بارے میں وہ کبھی نہیں سوچتا ہے خاص طور سے جب وہ حالات پر حاوی ہو۔ یہ سوچیں اسے اس وقت آتی ہیں جب حالات اس پر حاوی ہو جاتے ہیں اور جو ان چیزوں کو پہلے سوچ لے وہی اچھا انسان ہوتا ہے۔ مگر دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور ڈاکٹر، مرشد اور ڈیوڈ شا جیسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر نے ہمارے جسموں پر لباس چھوڑا تھا لیکن اس کے آقا عالی مرتبت نے ایک انڈویئر کا بھی تکلف نہیں کیا تھا اور ڈاکٹر اسی حالت میں چیمبر میں پڑا تھا جس حالت میں اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ وہ ایک دیوار سے لگا اور خود کو سمیٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ ڈیوڈ شا میز کے سامنے رکھی واحد کرسی پر بیٹھ گیا میں اس کے پیچھے کھڑا تھا اور میرے پیچھے اس کے دونوں محافظ تھے۔ ڈیوڈ شا نے ایک مانیٹر کے کیمرے کو زوم کیا اور وہ ڈاکٹر توفیق کو بہت قریب سے دکھانے لگا۔ یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ اس کے عریاں جسم پر جا بہ جا دیسے ہی سرخ دھبے نمودار ہو رہے تھے جیسے کہ زرین کے بدن پر آئے تھے۔ وہ جس طرح ہاتھوں کو حرکت دے رہا تھا۔ لگتا تھا اس کے اندر درد اور بے چینی کا آغاز ہو گیا تھا۔ ڈیوڈ شا نے آہستہ سے کہا۔

''صرف بیس گھنٹے میں اس کا یہ حال ہو گیا ہے اور یہ شاید دو دن بھی زندہ نہ رہے۔''

''خالق اپنی تخلیق کا نشانہ بن رہا ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''تم سے ایک سوال ہے۔ جب مغربی طاقتوں کے پاس دنیا کو مٹانے کے لیے کافی سے زیادہ ہتھیار موجود ہیں تو اس قسم کے ہتھیار بنانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''یہ تو ان ملکوں کے کرتا دھرتا ہی بتا سکتے ہیں۔'' اس نے لاپروائی سے شانے اچکا کر خود کو اس پروجیکٹ سے الگ کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ڈیوڈ شا ایسی باتیں تم ان کے سامنے کیا کرو جو تم کو نہیں جانتے ہیں میں تمہارے بارے میں سب کچھ تو نہیں لیکن بہت کچھ جان چکا ہوں۔ ڈاکٹر صرف ایک کارکن تھا یہ اس کا پروجیکٹ نہیں تھا۔''

''مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا کا لہجہ حسبِ معمول سپاٹ ہو گیا۔ ''میں صرف مُدل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مین ہوں اور ڈاکٹر ان لوگوں کے درمیان معاملات طے کراتا ہوں جو اس سے کام لے رہے تھے تم چاہو تو یہ بات ڈاکٹر سے بھی پوچھ سکتے ہو۔ یہ اب تمہارے ہر سوال کا جواب دے گا۔''

''میں کس طرح بات کر سکتا ہوں؟''

ڈیوڈ شا نے سامنے رکھے کی بورڈ کا ایک بٹن دبایا اور مائیک میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے مائیک پکڑ کر کہا۔ ''ڈاکٹر تو نیق تم میری آواز سن رہے ہو؟''

وہ بری طرح چونکا۔ ''شہباز تم کنٹرول روم میں ہو؟''

''ہاں اور تم اس چیمبر میں ہو جہاں سے بقول تمہارے آدمی مر کر ہی نکلتا ہے لیکن میں اس میں سے زندہ نکل آیا اور اب تم یہاں ہو۔''

وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔ ''مجھے معلوم ہے میں تمہاری طرح خوش قسمت نہیں ہوں اور یہاں سے میری لاش ہی باہر جائے گی لیکن کیا تم مجھ پر طنز کر رہے ہو؟''

''نہیں میں حالات بدل جانے پر اپنی اوقات بھولنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔''

''پوچھو۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''اگر میں جانتا ہوں تو بتا دوں گا۔''

موت کو سامنے دیکھ کر اس کے سارے کس بل نکل گئے تھے۔ ''ڈاکٹر تم یہ پروجیکٹ کن لوگوں کے لیے کر رہے ہو؟''

''میں نہیں جانتا ہوں یہ ایک نجی امریکی کمپنی ہے۔ میرا ان لوگوں سے تعارف ڈیوڈ شا نے کرایا تھا اور اسی نے معاملات طے کرائے تھے۔''

''تمہارے ذمے کیا کام لگایا گیا تھا؟''

''ایبولا وائرس کو اتنا طاقتور بنانا کہ جسے لگ جائے وہ کسی صورت موت سے نہ بچ سکے اور تین دن کے اندر مر جائے۔''

''تم نے اپنا کام خوب کیا ہے ڈاکٹر۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''میں اس کا عینی گواہ ہوں۔ آدمی صرف دو دن میں مر جاتا ہے۔ تمہیں اس کا معاوضہ کیا ملا؟''

''ویسے ایک لاکھ ڈالرز ماہانہ اور تمام اخراجات اور سامان امریکی کمپنی کے ذمے تھا اور پروجیکٹ کی کامیابی کی صورت میں مجھے ایک کروڑ ڈالرز اور امریکہ یا یورپ کے جس ملک کی چاہتا شہریت مل جاتی۔''

''افسوس کہ اب تم کو نہ ایک کروڑ ڈالرز ملیں گے اور نہ ہی کسی ملک کی شہریت ملے گی۔ تم نے کیا پایا اپنے بے گناہ ہم وطنوں کا خون کر کے؟''

''مجھے معلوم ہے میں نے سب کھو دیا ہے لیکن زندگی ایک جوا ہے اس میں انسان پاتا ہے تو کھوتا بھی ہے۔''

''وہ انسان ہونے کی حیثیت سے کھوتا اور پاتا ہے لیکن تم نے انسانیت کی تمام حدیں پار کر لی تھیں۔''

''شاید میں اسی کی سزا بھگت رہا ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میں نے تمہارے اور تمہاری ساتھی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ جو کیا اس کا مجھے افسوس ہے۔"

میں نے گہری سانس لی۔ "ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا۔"

ڈیوڈ شا نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اسے اردو آتی تھی لیکن اتنی نہیں آتی تھی کہ غالب کی شاعری سمجھ لیتا جو آج کل اردو بولنے اور پڑھنے والوں کو بھی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ میں نے اسے ممکنہ حد تک اس کا ترجمہ کر کے بتایا۔ وہ مسکرانے لگا۔ "تمہاری زبان کے شاعر بھی غضب کی بات کر جاتے ہیں۔"

"شاعر کسی بھی زبان کے ہوں وہ غضب کی بات ہی کرتے ہیں۔ ایک مصرع میں پوری کیفیت اور کہانی بیان کر دیتے ہیں۔" میں نے کہا اور پھر ڈاکٹر کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ وائرس کا شکار ہو چکا ہے اور اس کی موت یقینی ہے؟"

"تقریباً اتنی ہی جتنی کہ ہزار فٹ کی بلندی سے گرنے والے کی ہو سکتی ہے۔"

"لیکن بعض اوقات بلندی سے گرنے والے بچ جاتے ہیں۔"

"ہاں میں نے بھی سنا ہے لیکن اس کا بچنا ناممکن سمجھ لو۔" ڈیوڈ شا نے مضبوط انداز میں کہا۔ "یوں سمجھ لو کہ دنیا کا کوئی بایولوجیکل ہتھیار اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا کہ یہ وائرس بن گیا ہے۔"

"تب تم اسے مار کیوں نہیں دیتے اس طرح سسک سسک کر مرنے کے لیے کیوں یہاں ڈالا ہے؟"

"میں اس وائرس کی تباہ کاری اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "ویسے کیا تمہاری خواہش نہیں ہے کہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھو۔"

"میں ایسی خواہش کیوں کروں گا؟"

"اس نے تمہیں اور تمہاری ساتھی کو انفکٹ کیا تھا۔"

"اس صورت میں تو مجھے موقع ملنے پر پہلے تمہاری گردن توڑنی چاہیے تھی اصل کرتا دھرتا تو تم ہو۔"

"میں صرف درمیان کا آدمی ہوں اور میری گردن توڑنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"تم فکر مت کرو میں نے جب یہ کام کرنے کا ارادہ کیا تو اسے دنیا کا مشکل ترین کام سمجھ کر کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے میرا خیال ہے ڈاکٹر کا کام مکمل ہو چکا ہے اور اس وائرس کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو اسے ایک ہتھیار کی صورت میں بدل سکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو بلکہ وائرس ان تک پہنچ چکا ہے۔" ڈیوڈ شا نے مانیٹر کی طرف دیکھا اور ڈاکٹر کی طرف اشارہ کیا۔ "تم چاہتے ہو اسے کسی اور طریقے سے مار دیا جائے؟"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔ میں نے صرف یہ کہا کہ اسے سسک سسک کر مرنے کے لیے یہاں کیوں ڈالا گیا ہے جب کہ یہ تو تمہارا اپنا آدمی ہے۔"

"ہمارا آدمی تھا۔" ڈیوڈ شا نے سرد لہجے میں کہا۔ "اب یہ بے کار ہو چکا ہے۔"

"اس لیے تم نے مناسب سمجھا کہ اسے تجربے میں استعمال کر لیا جائے۔"

اس نے میرے طنز کا اثر لیے بغیر شانے اچکائے۔ "اس میں حرج ہی کیا ہے اسے مرجانا تو ہے۔ تب کیوں نہ وائرس کی تباہ کاری کی مزید تصدیق کر لی جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے پہلے میں کچھ کہتا ڈاکٹر کو اچانک کھانسی آنے لگی اور پھر اس کے منہ سے خون کے چھینٹے اُڑ اُڑ کر سفید فرش کو سرخ کرنے لگے تھے۔ اسے بہت جلدی اندرونی جریان خون شروع ہو گیا تھا۔ میں ایک لمحے کو اندر سے ڈر گیا تھا اگر یہ وائرس کسی بھی طریقے سے عام لوگوں میں پھیل جائے تو یہ چیچک اور طاعون کی طرح لوگوں کا صفایا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ان دونوں بیماریوں نے آج سے دو سو سال پہلے تک دنیا میں تباہی مچا رکھی تھی اور ان کے ہاتھوں ہر سال دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں لاکھوں افراد موت کی آغوش میں چلے جاتے تھے پھر ان بیماریوں کا علاج اور ویکسین نکل آئی تھی اور اب دنیا میں ان بیماریوں کا نام ونشان نہیں تھا۔

لیکن یہ قدرتی بیماریاں تھیں اور ان کا علاج بھی قدرت نے خود سمجھا دیا تھا۔ اب جدید سائنس کی مدد سے تجربہ گاہوں میں بیماریوں کے عام سے جرثوموں کو طاقتور اور ناقابلِ شکست بنا کر ان سے بایولوجیکل ہتھیار تیار کیے جا رہے تھے۔ اگر یہ جرثومے حادثاتی طور پر بھی پھیل جاتے تو ان سے پھیلنے والی تباہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود بڑی طاقتیں اور کچھ ایسے ممالک جو بڑی طاقت بننے کا بخار رکھتے تھے اس قسم کے ہتھیاروں کی تیاری کر رہے تھے اور ان کو کوئی پروا نہیں تھی کہ اس قسم کے ہتھیاروں کو محفوظ طریقے سے رکھنا کتنا مشکل کام ثابت ہو سکتا ہے۔ ان کے حادثاتی طور پر لیک ہو جانے، چوری ہو جانے اور دہشت گردوں کے ہاتھ لگ جانے کا کس قدر امکان تھا۔

کیونکہ میں نے ڈاکٹر کو آنے والی خوفناک موت سے نجات دلانے کے لیے کسی اور طریقے سے مارنے کی تجویز کی ذمے داری لینے سے انکار کر دیا تھا اس لیے ڈیوڈ شانے چالاکی سے اس معاملے کو گول کر دیا اور مجھے لے کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ یہ کوئی بہت آراستہ پیراستہ کمرہ نہیں تھا لیکن وہاں مناسب فرنیچر اور اس کی ضرورت کا سامان موجود تھا۔ اس میں ایک جدید قسم کا لیپ ٹاپ بھی تھا جو ایک میز پر رکھا تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ وہ اپنی پیش کش کے بارے میں مزید کیا کہتا ہے۔ میں اس کے زیادہ کھلنے کا منتظر تھا کہ اس کے ذہن میں اصل میں کیا ہے۔ وہ خود تو کرسی پر بیٹھ گیا تھا لیکن اس نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش نہیں کی تھی۔ اس لیے میں ذرا پیچھے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر جھولنے کے بعد اس نے کہا۔

''شہباز میں بہت کم کسی کو آفر کرتا ہوں لیکن تمہیں میں نے آفر کی ہے اب اس سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔''

''اس آفر کے لیے میں شکر گزار ہوں۔'' میں سادگی سے کہا۔ ''لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم میرے اتنے سارے مسائل حل کر کے مجھے میری پہلے والی زندگی لوٹانے کی بات کس طرح کر رہے ہو۔''

''اس معاملے میں تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہیے۔''

میں ہنسا۔ ''ڈیوڈ شا کیا تم نے مجھے کوئی عقل سے پیدل تیسری دنیا کا پٹھو حکمران سمجھ رکھا ہے جو میں تم پر اعتماد کروں۔''

اس کے چہرے کے زاویے ایک لمحے کو بگڑے تھے۔ ''تب تم کیا چاہتے ہو؟''

''اگر تم کوئی سنجیدہ پیش کش کرنا چاہتے ہو تو اسے تفصیل کے ساتھ سامنے رکھو تب ہی بات ہو سکتی ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے غور سے دیکھتا رہا پھر یک دم مسکرایا۔ ''میں تمہیں تیسری دنیا کا کوئی پٹھو حکمران نہیں سمجھ رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں تم یقیناً ان سے کہیں زیادہ ذہین ہو۔ اس لیے تمہیں سمجھنا چاہیے کہ مجھ پر اعتماد کے سوا تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"او کے فرض کرلو میں تم پر اعتماد کر لیتا ہوں اور مان لیتا ہوں کہ تم وہی کرو گے جو کہہ رہے ہو اس کے بعد کیا ہوگا تم مجھے رہا کردو گے؟"

"فوری طور پر تو یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے انکار کر دیا۔ "ویسے بھی اگر تمہیں مرشد سے اپنے معاملات طے کرنے ہیں تو تمہارا اور اس کا آمنے سامنے ہونا ضروری ہے۔"

"ڈیوڈ شا اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ مرشد اس معاملے میں تمہاری بات سچ سچ مان لے گا تو تم غلطی پر ہو جو شخص خدا کو دھوکا کی کوشش کرتا ہے وہ تمہیں کہاں خاطر میں لائے گا؟"

"میں خدا نہیں ہوں۔" ڈیوڈ شا کا انداز سپاٹ ہو گیا۔ "یہ بات مرشد بھی اچھی طرح جانتا ہے وہ مجھ سے بگاڑ نہیں کر سکتا کیونکہ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔"

"یعنی تم ایک طرح سے اپنی ضمانت دے رہے ہو لیکن فرض کرو کہ کل کو تم انتقال کر جاتے ہو کیونکہ ایک تو تمہاری عمر کوئی پچپن کے آس پاس ہے اور پندرہ بیس سال مزید زندہ رہ سکو گے۔ ممکن ہے اس سے پہلے ہی مر جاؤ۔ تم جس فیلڈ میں ہو اس میں انسان بستر پر کم ہی مرتا ہے۔ تب تمہاری ضمانت کہاں رہے گی؟"

"میرا تعلق ایک معزز لارڈ فیملی سے ہے اور میری ضمانت کو تم ہمیشہ کے لیے سمجھ سکتے ہو۔"

ڈیوڈ شا یا تو خود بھولا بن رہا تھا یا مجھے بھولا سمجھ رہا تھا۔ کیونکہ امکان یہی تھا کہ وہ مجھے بھولا سمجھ رہا ہے اس لیے میں نے بھولا بننے کا فیصلہ کر لیا۔ "یعنی ایک طرح سے سرکاری ضمانت دے رہے ہو۔ اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔"

وہ خوش ہوا تھا۔ "تمہارے پاس سوچنے کے لیے وقت ہے۔"

اس کے حکم پر مجھے میرے قید خانے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں کوئی چھ سات گھنٹے سویا تھا میری نیند کی ضرورت پوری ہو گئی تھی۔ اب میں اپنے جسم کو جانچنا چاہتا تھا۔ میں نے ہلکی پھلکی ورزش سے آغاز کیا اور پھر کچھ سخت ورزشیں کیں۔ اس سے میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سانس بھی بے ترتیب ہوئی تھی لیکن یہ جان کر مجھے سکون ملا تھا کہ میری جسمانی کارکردگی میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا۔ اگر پہلے یہ سوتھی تو اب یہ نوے ضرور تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وائرس اور اس کے توڑ کے استعمال نے مجھے نقصان نہیں کیا تھا۔ کارکردگی میں کمی کی وجہ بھی مستقل آرام تھا۔ میں تقریباً ایک ہفتے تک لیٹا رہا یا بندھا پڑا رہا تھا۔ اس لیے کچھ نہ کچھ فرق تو پڑنا تھا۔ پانی کی بوتل ایک بار پھر بھر دی گئی تھی لیکن کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا سوائے صبر کے پھل کے۔ ورزش کر کے میں نے کچھ دیر آرام کیا اور دوبارہ ورزش کی۔ جب کرنے کو کچھ نہ ہو تو انسان کو یہ دو کام کرنے چاہئیں ایک تو سو جائے اور دوسرے ورزش کرے۔

اگلی بار مجھے کوئی چھ سات گھنٹے بعد کھانا ملا اور اس بار بھی دلیہ اور اس میں گوشت تھا۔ اس بار نمک مرچ کسی قدر بہتر تھا اور مقدار زیادہ تھی۔ کیونکہ مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے زہر مار نہیں کرنا پڑا۔ کھانے کے بعد مجھے ایک بار واش روم جانے کا موقع ملا اور پھر میں سو گیا۔ دن رات کا کچھ پتا نہیں تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات ہوگئی ہے۔ میں دیر تک سویا تھا اور اس بار بھی مجھے جگایا گیا تھا۔ یہ وہی لمبا پوٹھوہاری تھا۔

''تمہیں صاحب نے بلایا ہے۔''

میں نے انگڑائی لی۔ ''صبح سویرے ناشتے کے بغیر صاحب کا منہ دیکھنا پڑے گا۔''

''بکومت۔'' وہ غرایا۔ ''صاحب کے لیے ادب سے بات کرو۔''

''کیوں کیا وہ تمہارا مجازی باپ ہے؟'' میں نے پوچھا تو وہ توقع کے عین مطابق طیش میں آ گیا تھا اور اس نے میری طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن اس کے ساتھی نے روک لیا۔

''چھوڑ اسے.....بس لے کر چل۔''

اسے بھی عقل آ گئی تھی۔ اس نے پیچھے ہٹ کر مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اس کے ساتھی سے کہا۔

''اچھا ہوا تم نے اسے روک لیا ورنہ میں اسے بتا دیتا میں اس کے مجازی باپ سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔''

''بکواس کرنے کے بجائے اب چل دو ایسا نہ ہو صاحب کا موڈ خراب ہو جائے۔'' دوسرے گارڈ نے خبردار کیا۔ ''اس کا موڈ پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔''

ڈیوڈ شا کا موڈ واقعی خراب لگ رہا تھا اور وہ تیار تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے کہیں سے آیا تھا یا کہیں جانے کی تیار تھا۔ اس نے مکمل سوٹ کے اوپر بھاری اوور کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس بار دونوں مسلح افراد میرے ساتھ ہی اندر آ گئے تھے۔ مجھے لگا کہ کوئی بات ہوئی تھی۔ کیونکہ ڈیوڈ شا تو نہیں لیکن باقی دونوں کچھ پریشان اور عجلت میں محسوس ہو رہے تھے اس کا اظہار ان کی جسمانی حرکات سے ہو رہا تھا۔ ڈیوڈ شا نے بلا تمہید کہا۔

''شہباز کیا یہاں تمہارے کچھ مددگار ہیں؟''

''ہاں ہو بھی سکتے ہیں لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں۔'' میں نے شانے ہلائے۔ ''کیوں کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے۔''

''شاید ہمیں یہاں سے جانا پڑے۔'' اس نے کہا اور اچانک ایک پستول کوٹ سے نکال کر مجھ پر تان لیا اور اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''اسے باندھ دو۔'' پھر مجھ سے کہا۔ ''شہباز کوئی غلط حرکت مت کرنا ورنہ میں گولی چلاتے ہوئے پروا نہیں کروں گا۔''

لمبا پوٹھوہاری ہاتھ اور پیروں میں پہنانے والی ہتھکڑی لے کر آگے آیا۔ میں نے ہاتھ آگے کر دیئے اور اس نے ان میں یہ ہلکی پھلکی لیکن بہت مضبوط ہتھکڑیاں ڈال دیں۔ پھر دوسری ہتھکڑی جو اصل میں بیڑی تھی اس نے میرے پیر میں ڈال دی۔ میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''کیا کسی نے مجھے رہا کرانے کی کوشش کی ہے۔''

ڈیوڈ شا نے جواب دینے کے بجائے وا کی ٹاکی پر کسی سے پوچھا۔ ''صفائی کر دی ہے؟ کوئی نشان باقی نہیں رہنا چاہیے۔''

دوسری طرف سے سن کر اس نے وا کی ٹاکی بند کر کے جیب میں ڈال لیا اور میز سے اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر اسے لیدر کیس میں ڈالا اور میرے ساتھ آنے والوں حکم دیا۔ ''اسے گاڑی میں لے جاؤ۔''

اب یہ واضح ہو گیا تھا کہ وہ یہاں سے کہیں جا رہے تھے۔ شاید یہاں سے سارے نشانات مٹا دیئے گئے تھے جن سے پتا چلتا کہ اس کوٹھی میں کیا ہو رہا تھا۔ ممکن ہے ان نشانات میں ڈاکٹر بذات خود بھی ہو کیونکہ اس کا اتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلدی مرنے کا امکان کم تھا مگر وہ اسے زندہ بلکہ لاش کی صورت میں بھی چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے اور اسے یقیناً بھٹی میں ڈال کر راکھ میں تبدیل کر دیا گیا ہوگا۔ اس سے پہلے وہ دونوں مجھے باہر لے جاتے میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔ ''تم نے کہا تھا کہ زرین کی راکھ میرے حوالے کرو گے۔''

ڈیوڈ شا ایک لمحے کو ٹھٹکا جیسے یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ پھر اس نے پلٹ کر الماری کھولی اور اس میں ایک پاؤچ نکال کر میری طرف اچھال دی یہ اچھی قسم کے چمڑے سے بنی پاؤچ تھی۔ میں نے کیچ کر کے اس میں موجود راکھ محسوس کیا۔ دکھ کی وہ کیفیت جو میں بھول رہا تھا ایک بار پھر مجھ پر حاوی ہونے لگی۔ زندہ اور زندگی سے بھرپور زرین اب ایک مٹھی خاک میں بدل گئی تھی ہر انسان کا بالآخر یہی مقدر ہوتا ہے۔ میں نے گہری سانس لی اور پاؤچ کو ٹراؤزر کی جیب میں رکھ کر ڈیوڈ شا سے کہا۔

''اس کے لیے میں سچ مچ تمہارا شکر گزار ہوں۔''

اس نے سر ہلایا اور کہا۔ ''ناؤ گو۔''

اس کے دونوں محافظ مجھے پہلے کوٹھی میں اوپر لائے۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا صبح کا وقت تھا اور سورج بلند ہو رہا تھا۔ اندر کی گرمی اور عام کپڑوں کی وجہ سے باہر آتے ہی میں سردی سے لرز اٹھا تھا۔ برف باری جاری رہی تھی اور وہاں ہر طرف برف کے انبار لگے تھے اور اب ہوا چل رہی تھی اس کی کاٹ کسی ریزر سے کم نہیں تھی جہاں جہاں سے جسم کھلا تھا اس پر کسی ریزر کی طرح اپنی دھار آزما رہی تھی۔ پھر پورچ میں کھڑی ایک بڑی گاڑی تک لائے۔ اس کے تین حصے تھے۔ سامنے ڈرائیونگ کمپارٹ میں آگے پیچھے نشستیں تھیں اور پیچھے کا حصہ بالکل الگ اور بند ہونے والا تھا۔ اس کے دوہرے دروازے عقب میں کھلتے تھے۔ اس میں صرف فرش تھا۔ انہوں نے مجھے اس میں دھکیل دیا اور پھر دروازے بند کر دیئے۔ اندر کوئی ہینڈل نہیں تھا جس سے دروازے کھولے جاتے۔ روشنی بھی نہیں تھی دروازے کے اوپر لگے سیاہ شیشوں سے کسی حد تک روشنی آ رہی تھی لیکن ان کے پار دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ڈیوڈ شا نے کس وجہ سے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی ورنہ اسے ایک اچھے خاصے محفوظ ٹھکانے کو یوں چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی۔

میرے اندر امید کی کرن چمکی تھی شاید میرے ساتھیوں نے اس کوٹھی کا سراغ لگا لیا تھا لیکن اس سے پہلے وہ یہاں کوئی کارروائی کرتے ڈیوڈ شا نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ انہوں نے کوئی ناکام کارروائی کی ہو اور اس کے بعد انہوں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا ہو۔ کیونکہ ان کو عجلت تھی لیکن ایسا نہیں تھا کہ باہر کہیں محاصرہ ہو۔ وہ بنا کسی خوف کے جا رہے تھے۔ البتہ جانے سے پہلے وہ سارے نشانات مٹا رہے تھے اور اس کام میں یقیناً دیر لگتی۔ میں نے دیکھا تھا پورچ میں ڈاکٹر کی شاندار کار نہیں تھی اسے شاید پہلے ہی یہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔

مجھے اس جگہ بند کر کے دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔ کیونکہ آس پاس بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔ کیونکہ یہ جگہ چھوٹی سی تھی اس لیے میں نے پشت دیوار سے ٹیک کر دونوں پاؤں دروازے سے لگا کر زور ڈالا لیکن دروازے بہت مضبوط اور خاص طور سے اسی لیے بنائے گئے تھے کہ زور ڈالنے پر بھی نہ کھلیں۔ میرے پاس وقت تھا اور ان کی آمد سے پہلے میں کوشش کر سکتا تھا۔ دوسری بار میں نے خود کو ذرا آگے کھسکایا اور کمر کے ساتھ ہاتھ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوار سے ٹیک کر دروازے پر دباؤ ڈالا مگر اس بار بھی دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے اندر باہر دونوں طرف سے فولاد کی موٹی چادر سے بنایا گیا تھا تھک ہار کر میں نے کوشش ترک کر دی۔ کوئی پندرہ یا بیس منٹ بعد میں نے ڈیوڈ شا کی آواز سنی۔ وہ کسی سے پوچھ رہا تھا۔ ''وائرز چیک کیے؟''

''یس سر۔'' جواب دینے والا غیر ملکی لگا تھا لیکن وہ انگریز نہیں تھا۔ ''آپ جانتے ہیں میں کام سے مطمئن ہونے والا نہیں ہوں۔ تمام چیزیں اچھی طرح چیک کی ہیں۔''

''سنو اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم یہاں آنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔'' ڈیوڈ شا نے اسے خبردار کیا۔

''اب نہیں کہا جا سکتا ہے کہ باہر وہ لوگ ہیں یا نہیں۔''

''آل از اوکے سر۔'' دوسرے نے مختصر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے چلو۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ اس پر دوسرے آدمی نے کسی سے پوچھا۔

''راستہ کلیئر ہے؟'' مجھے دوسرے آدمی کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ وہ شاید کہیں دور تھا اور اس سے وائی ٹاکی پر رابطہ تھا۔ غیر ملکی نے پھر کہا۔ ''اوکے راستہ کلیئر دیکھ کر ہمارے پیچھے آنا اور کچھ دور رہنا اگر کوئی روکنے کی کوشش کرے تو اس سے نمٹنا۔''

کچھ دیر میں سب گاڑی میں آ گئے تھے اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ گیٹ سے نکل کر گاڑی غیر متوقع طور پر دائیں طرف مڑی تھی یعنی وہ بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ جب کہ میں وہ سوچ رہا تھا کہ گاڑی نیچے کی طرف جائے گی۔ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی یقیناً گھات سے فکرمند تھے جو کسی نے لگا رکھی تھی اور ڈیوڈ شا کا غیر ملکی ساتھی اسی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ گھات لگانے والوں کو چکما دینے کے لیے وہ الٹی سمت میں گئے تھے۔ یقیناً وہ آگے سے کسی راستے سے گھوم کر اسلام آباد کی طرف جاتے لیکن فی الوقت وہ اس سے دور جا رہے تھے۔ وین کا یہ خانہ بھی سرد خانہ بنا ہوا تھا اور یہاں گرمی نہیں تھی جب کہ اس قسم کی گاڑی میں ہیٹر لازمی تھا۔ اگر ہیٹر آن تھا تب بھی اس کا اثر پیچھے تک نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال یہ خانہ بند ہونے کی وجہ سے میں سرد ہوا سے محفوظ تھا۔ سردی سے بچنے کے لیے میں خود میں سمٹ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی چلنے کے بعد سے اگلے حصے سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی یا تو سب خاموش بیٹھے تھے یا پھر انجن کی آواز سے ان کی آوازیں دب گئی تھیں۔

جب گاڑی باہر نکلنے لگی تو مجھے امید تھی کہ کچھ دھوم دھڑکا ہو گا اور شاید باہر موجود ان کے دشمن اور شاید میرے ہمدرد کوئی کارروائی کریں لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اور گاڑی مزے سے نکلتی چلی گئی تھی۔ دس پندرہ منٹ میں کچھ نہیں ہوا تو میری امیدیں بھی دم توڑ گئی تھیں کیونکہ اتنا لمبا گھات لگانا ممکن نہیں تھا۔ بے شک یہ پہاڑی علاقہ تھا لیکن یہاں راستوں کی کمی نہیں تھی اور نکلنے کے لیے کئی راستے تھے۔ اگر کسی نے ان لوگوں کو روکنا تھا تو اسے کوٹھی کے پاس ہی گھات لگانی پڑتی۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈیوڈ شا کا اندیشہ غلط تھا یا وہ بروقت وہاں سے نکل آیا تھا۔

اب تک گاڑی اوپر کی طرف جا رہی تھی اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کا رخ بدل گیا اور پھر وہ نیچے جانے لگی۔ مری اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں اوپر جاتے ہوئے بھی بعض مقامات پر گہرائیاں آتی ہیں جن میں گاڑیاں نیچے اترتی ہیں لیکن یہ بہت مختصر دورانیے کی ہوتی ہیں۔ جب کہ چڑھائیاں زیادہ آتی ہیں اور گاڑیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا منہ اکثر راتوں کو رونے والے کتے کی طرح اوپر کی طرف رہتا ہے۔ جب کہ واپسی کے سفر میں گاڑی کا منہ زمین سونگھتے کتے کی طرح نیچے کی طرف ہوتا ہے۔ جب گاڑی کا رخ مستقل نیچے کی طرف رہا تو میں سمجھ گیا کہ اب وہ اسلام آباد جا رہے تھے۔ زرین کی راکھ والا پاؤچ میرے ٹراؤزر کی جیب میں تھا۔ میں نے اسے نکال کر دیکھا۔ پاؤچ کے اندر سچ مچ راکھ تھی۔ اس سے جلی ہڈیوں والی بو آ رہی تھی۔ پتا نہیں مجھے اس راکھ کو کہیں دفن کرنے کا موقع بھی ملتا یا نہیں۔ کم سے کم جب تک میں ڈیوڈ شا کی قید میں تھا تب تک تو یہ کام محال تھا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر اسے واپس جیب میں رکھ لیا۔

گاڑی کا سفر کوئی ایک گھنٹے جاری رہا تھا اور جیسے جیسے یہ نیچے جا رہی تھی سردی کا اثر بھی کم ہوتا جا رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم یقیناً اسلام آباد یا راولپنڈی پہنچ چکے تھے کیونکہ سردی تھی لیکن اس کی کاٹنے والی کیفیت باقی نہیں رہی تھی۔ اس دوران میں، میں نے غور کیا تھا کہ ڈیوڈ شا مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتا تھا۔ وہ اس وادی تک جانا چاہتا تھا جو ہمالیہ میں کہیں ناقابلِ گزر قسم کے پہاڑوں کے بیچوں بیچ تھی اور ایک خاص دھند اسے دنیا والوں کی نظروں سے محفوظ رکھے ہوئے تھی۔ راجا عمر دراز وہاں جا چکا تھا اور اس کا وہی حال تھا کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔ ممکن ہے ڈیوڈ شا بھی وادی یاترا کر آیا ہو۔ ویسے وہ ایک حیرت انگیز جگہ ہے اور اس کے بارے میں سن کر ہی آدمی کو اسے دیکھنے کی خواہش ہو جاتی ہے۔ کئی بار مجھے بھی خیال آیا کہ اس وادی کو دیکھنا چاہیے۔ مگر فی الحال دوسری مشکلات اتنی تھیں کہ ان سے عہدہ برا ہونا جان جوکھم سے کم نہیں تھا وادی تک سفر کا پنگا لینے کا ارادہ نہیں تھا۔ یعنی میں راضی خوشی اس طرف جانے کے لیے تیار نہیں تھا ہاں کوئی زبردستی لے جاتا تو الگ بات تھی۔ ڈیوڈ شا یہی کوشش کر رہا تھا۔

نیچے آنے کے بعد گاڑی مشکل سے دس منٹ بعد کہیں رک گئی۔ وہ لوگ نیچے اترے اور میں نے ڈیوڈ شا کو کہتے سنا۔ ''اسے اندر لے آؤ۔''

''یس سر۔'' غیر ملکی نے کہا۔ اس کے ایک منٹ بعد گاڑی کا دروازہ کھلا اور اچانک نیم تاریکی سے روشنی ہوئی اور بہت تیز روشنی ہوئی تو آنکھیں چکا چوند ہو گئی تھیں۔ سامنے تین افراد کھڑے تھے لیکن عقب میں سورج ہونے کی وجہ سے وہ صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے آنکھوں کے سامنے ہاتھ کر لیا تھا۔ ''باہر آؤ۔'' غیر ملکی نے اپنی بگڑی انگریزی میں کہا۔

میں اسی طرح ہاتھ سامنے کیے ہوئے نیچے اتر آیا تھا۔ اب کسی قدر بہتر دکھائی دے رہا تھا۔ غیر ملکی سانولے رنگ کا اور کسی قدر موٹے نقوش والا نکلا تھا۔ وہ مقامی لگتا تھا لیکن مقامی نہیں تھا۔ ہمارے ہاں انگریزی اس طرح نہیں بولی جاتی ہے جس طرح وہ بول رہا تھا شاید وہ اسپینش تھا۔ باقی دو وہی مقامی افراد تھے۔ میں نے اس جگہ کا معائنہ کیا۔ یہ ایک بڑی کوٹھی تھی۔ جس کے چاروں طرف اونچی چار دیواری تھی۔ گیٹ سے ایک اور گاڑی اندر آئی تھی اور گیٹ بند کیا جا چکا تھا۔ اس گاڑی سے بھی تین مسلح افراد اترے تھے۔ شاید یہ وہی پارٹی تھی جسے ممکنہ اسپینش نے ریکی اور حفاظت پر مامور کیا تھا اور وہ ڈیوڈ شا کی گاڑی کے پیچھے پیچھے آئے تھے۔ ان میں سے ایک گیٹ کی طرف چلا گیا تھا اور باقی دو ہماری طرف آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے ممکنہ اسپینش آدمی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مارشل صاحب اب کیا حکم ہے؟''

مارشل نے ان سے کہا۔ ''تم چاروں کوٹھی کے باہر اور چھت پر رہو گے۔ کم سے کم ایک آدمی چھت پر رہے لیکن مسلح اور نمایاں نظر نہ آئے۔ میری بات سمجھ رہے ہو؟''

مقامیوں میں شاید اسی کی انگریزی اس قابل تھی ورنہ کوئی اور مارشل کی بات سمجھنے کے قابل نہیں تھا ویسے اس کی انگریزی خود انگریزوں کی سمجھ میں بھی مشکل سے آتی۔ ''جی صاحب سمجھ گیا۔'' مقامی نے کہا۔

''چلو۔'' مارشل نے میری طرف دیکھا اور اندر کی طرف اشارہ کیا اور میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے ساتھ اندر کی طرف چل پڑا پیروں میں پڑی بیڑی کی گنجائش بس اتنی تھی کہ میں چھ سات انچ کے قدم اٹھا سکتا تھا۔ ہم اس کوٹھی کے پورچ میں تھے اور مارشل مجھے سامنے کے بجائے ایک بغلی دروازے سے اندر لایا۔ مقصد یہی تھا کہ میں سامنے والا حصہ نہ دیکھ سکوں۔ مارشل کے پاس بہ ظاہر کوئی اسلحہ نہیں تھا لیکن اس کا مسلح ہونا یقینی تھا شاید اسے اعتماد تھا کہ وہ میرے لیے خالی ہاتھ بھی کافی تھا جب کہ میرے ہاتھ پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے۔ دو طویل راہداریاں طے کرنے کے بعد وہ مجھے ایک کمرے میں لایا جہاں صرف ایک عدد صوفہ سیٹ تھا اور وہاں ڈیوڈ شا موجود تھا۔ اس نے اوور کوٹ اتار دیا تھا یہاں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے اشارے پر میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ مارشل میرے عقب میں موجود رہا تھا۔

''وہاں وقت نہیں تھا۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''ہمیں جلدی میں نکلنا تھا۔ اس لیے تم سے پوچھنے کا موقع نہیں ملا۔ یہاں تمہارے کتنے ساتھی ہیں؟''

''صرف تین ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اگر تم میرے حالات سے واقف ہو تو تمہیں پتا ہو گا کہ میرے اصل ساتھی دبئی میں ہیں۔''

''وہ اب دبئی میں نہیں ہیں بلکہ میری اطلاعات کے مطابق ایران کے راستے پاکستان آ چکے ہیں۔'' اس نے کہا تو میں دنگ رہ گیا تھا میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں اس کی معلومات حیرت انگیز طور پر اپ ڈیٹ تھیں اور جو بات مجھے معلوم تھی بالکل وہی بات اسے بھی معلوم تھی لیکن میں نے اپنی حیرت ظاہر نہیں کی۔

''میں اس سے بے خبر ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''کیا اس کوٹھی پر کسی نے حملہ کیا تھا؟''

''نہیں لیکن کچھ مشکوک افراد وہاں منڈلا رہے تھے اور جب کوٹھی کے گارڈ نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو وہ فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہو گئے۔''

''ممکن ہے وہ کوئی عام جرائم پیشہ ہوں اور لوٹ مار کے چکر میں ہوں۔''

''ہو سکتا ہے۔'' ڈیوڈ شا نے تسلیم کیا۔ ''لیکن اگر وہ تمہارے ساتھی تھے اور دوبارہ وہاں جائیں گے تو ان کو وہاں کچھ نہیں ملے گا۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اس کوٹھی کی جگہ اب جلے ہوئے ملبے کے سوا کچھ نہیں ہو گا اور اسی ملبے میں ڈاکٹر کی راکھ شدہ لاش بھی ہو گی۔''

''تو تم نے نشان مٹانے کے لیے اس پوری کوٹھی کو تباہ کر دیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجبوری تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ورنہ وہ بہت اچھا ٹھکانہ تھا اسے تباہ کرنے کی اصل وجہ وہاں وائرس کی ممکنہ موجودگی ہے۔ اس لیے اسے پوری طرح جلانا لازمی تھا۔''

''تم نے کیمیکل سے آگ لگائی ہوگی کہیں وہ آس پاس نہ پھیل جائے کیونکہ آس پاس گھنا جنگل ہے۔''

''اس موسم میں ممکن نہیں ہے درختوں پر برف ہے اس لیے ان میں آگ نہیں لگ سکتی۔'' اس نے کہا تو بات سمجھ میں آ گئی۔

''خیر چھوڑو یہ بات اب ماضی کا حصہ بن گئی ہے۔ کام کی بات پر آؤ۔''

''کام کی بات کیا ہے؟''

''تم جانتے ہو۔'' اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔ ''اگر تم میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو تو میں ابھی ہی مرشد سے تمہارے سامنے بات کر لیتا ہوں۔ وہ آنے والا ہوگا۔''

''میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ میں تمہارا ساتھ کس طرح دے سکتا ہوں۔''

ڈیوڈ شا نے گہری سانس لے کر مارشل کی طرف دیکھا اور وہ اس کی آنکھ کا اشارہ سمجھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس نے جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ڈیوڈ شا کا ایک ہاتھ اس کے کوٹ کی جیب کے پاس ہو گیا تھا جس میں کوئی بھاری چیز تھی۔ یہ بھاری چیز کوئی ہتھیار ہی ہو سکتی تھی۔ وہ مجھ سے پوری طرح ہوشیار تھا۔ حالانکہ میں ہاتھ پاؤں سے جکڑا ہوا تھا۔ ڈیوڈ شا کچھ دیر خاموش رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''تمہیں راجا عمر دراز نے اپنے سفر کے بارے میں بتایا ہوگا؟''

''ہاں پہلے سفر کے بارے میں بتایا تھا لیکن ابھی وہ واپس آئے ہیں تو ان سے میری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

''اس نے ایک برف والے بوڑھے کا ذکر بھی کیا ہوگا جو شدید سردی میں بھی عام سے کپڑوں میں رہتا ہے اور نہ کھاتا ہے اور پیتا ہے اس کی خوراک بس برف ہے۔ اسی وجہ سے وہ برف والا کہلاتا ہے۔''

''ہاں میں جانتا ہوں۔''

''یہ برف والا اس وادی کا نگران ہے اور اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی وہاں نہیں جا سکتا ہے۔''

''ایک سوال ہے۔ یہ بات تم اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ رہے ہو یا ولیم شا کے سفر سے حاصل شدہ تجربات کی بنا پر بتا رہے ہو؟''

''اپنا ذاتی تجربہ بیان کر رہا ہوں میں بھی اس وادی میں جانے کی کوشش کر چکا ہوں۔'' اس نے کہا اور پھر انکشاف کیا۔ ''عین اس وقت جب راجا عمر دراز وہاں جا رہا تھا۔''

''تم دونوں کی اس مہم جوئی کا نتیجہ کیا نکلا؟''

اس نے گہری سانس لی۔ ''بہت برا..... ہماری پارٹیاں آپس میں لڑ پڑی تھیں اور آخر میں ہمارے ساتھ بس ایک ایک آدمی بچا تھا سب سے اہم بات ہماری خوراک بھی تباہ ہو گئی تھی۔''

''تب تمہاری واپسی کیسے ہوئی؟''

''برف والے کی وجہ سے۔ ہمیں تو نیچے اترنے کا راستہ بھی نہیں مل رہا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چونکا۔ ''ہمیں..... کیا تم اور راجا صاحب ایک ساتھ تھے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''مجبوری تھی حالات نے ہمیں دشمنی بھلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیونکہ اس ویرانے میں زندگی کے لیے ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔ میرے پاس محدود خوراک تھی اور عمر دراز وادی میں اترنے والا راستہ جانتا تھا۔''

''حالانکہ میری معلومات کے مطابق اس نے اترنے کے لیے غلط راستہ چنا تھا اور تین ہزار فٹ کی بلندی سے گرا تھا۔''

''ہاں لیکن واپسی اس کی ٹھیک راستے سے ہوئی تھی۔'' یوڈ شا نے یاد دلایا۔ ''ہمیں اسی راستے کی تلاش تھی اور راجا عمر دراز نے اسے تلاش بھی کر لیا تھا۔''

اب مجھے اس داستان سے دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ ''پھر کیا ہوا تم لوگ نیچے اترے تھے؟''

''نہیں کچھ نیچے جانے کے بعد وہ راستہ غائب ہو گیا تھا۔ جب کہ راجا کا کہنا تھا کہ یہ وہی راستہ ہے۔''

''ممکن ہے بعد میں کسی وجہ سے راستہ ختم ہو گیا ہو؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''راستہ تھا لیکن برف والے نے اسے ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''تمہارا مطلب ہے برف والے نے کوئی نظر بندی جیسا کام کیا تھا؟''

''ہاں وہ ذہنی طور پر بہت طاقتور ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ میں اس میدان میں بہت آگے ہوں لیکن جب میرا اس کا سامنا ہوا تو مجھے ایسا لگا جیسے میں کوئی بچہ ہوں۔'' وہ بہت صاف گوئی سے بتا رہا تھا۔ ''وہ بہت عمر رسیدہ اور کمزور سا آدمی تھا لیکن میں اور باقی اس کے سامنے یوں مؤدب رہتے تھے جیسے ہم اس کے غلام ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے راستہ مل گیا تھا اور تم لوگ نیچے اترے تھے؟''

''نہیں اس کے برعکس ہم مرنے والے تھے کیونکہ رہی سہی خوراک بھی ختم ہو گئی تھی۔ ہمارے پاس ایندھن بھی ختم ہو رہا تھا اور اس کے بعد سردی اور بھوک سے موت سامنے تھی لیکن ایک رات اچانک ہی برف والا ہمارے سامنے تھا۔ اس وقت ہم میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں تھی شاید ہم اس رات کی صبح تک زندہ نہ رہتے لیکن جب برف والے نے ہماری آنکھوں میں دیکھا تو نہ جانے ہم میں کہاں سے توانائی آ گئی اور ہم اس کے ساتھ چل پڑے۔ وہ اسی راستے سے ہمیں لے غاروں کے اس سلسلے تک آیا جہاں وہ رہتا تھا۔ اس نے آگ اور خوراک سے ہمارا علاج کیا اور ہم چند دن میں ٹھیک ہو گئے۔''

''تم لوگ وادی میں اترے تھے؟''

''نہیں برف والے نے اس کی اجازت نہیں دی تھی اس نے راجا عمر دراز کو یاد دلایا کہ اس نے اس سے کیا کہا تھا کہ وہ ہاتھ والے کو لے کر آئے تبھی اسے وادی میں اترنے کی اجازت ملے گی۔''

''ہاتھ والا..... کون؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

اس نے غور سے میری طرف دیکھا۔ ''تم اتنے انجان نہیں ہو۔ ہاتھ والے سے مراد تم ہو۔ کیا تمہارا ہاتھ صرف اس وجہ سے تمہارے جسم کے ساتھ نہیں ہے کہ حکیم قادس نے اس کا علاج اس پتھر کے سفوف سے کیا تھا؟ وہ یہ پتھر اسے برف والے نے دیا تھا خاص طور سے تمہارے لیے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ درست ہے لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ مفروضہ ہاتھ والا میں ہی ہوں۔''

''تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے یقین سے کہا۔ ''برف والے نے کہا ہے اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس سے پہلے تمہیں وادی تک پہنچنا ہوگا ورنہ پھر تم یا کوئی اور کبھی اس وادی میں داخل نہیں ہو سکے گا۔''

''کیوں کیا اس کے بعد وادی اس دنیا میں نہیں رہے گی یا کہیں اور منتقل ہو جائے گی؟'' میرا لہجہ کسی قدر استہزائیہ ہو گیا تھا۔

''مذاق مت اُڑاؤ۔'' اس نے خبردار کرنے والے انداز میں کہا۔ ''تم ابھی اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''سوری۔'' میں نے معذرت کر لی۔ ''مگر سوال وہی ہے میں ہی کیوں ضروری ہوں۔ کیا برف والے نے مجھے اپنی جگہ دینی ہے۔''

یہ بات میں نے سنجیدہ ہوتے ہوئے بھی بالکل مذاق میں کہی تھی مگر ڈیوڈ شا کا ردِعمل حیرت انگیز تھا اس نے سر ہلایا۔ ''مجھے بھی یہی خیال آیا یقین کرو وہ تمہارے لیے بہت بے تاب ہے۔''

کیونکہ میرا صرف برف کھا کر کسی غار میں اکیلے رہنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے اسی وقت سوچ لیا کہ کوئی بہت بڑی مجبوری نہ ہوئی تو میں اس وادی کے پاس بھی نہیں پھٹکوں گا۔ میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''مگر اس نے راجا عمر دراز سے کہا کہ وہ ہاتھ والے شخص کو لے کر آئے تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''میرا خیال ہے جو تمہیں لے کر جائے گا صرف اسے ہی وادی میں اترنے کی اجازت ملے گی۔''

میں ہنسا۔ ''گویا میں کوئی پروانہ راہداری یا آج کی زبان میں ویزہ ہوں جس کے پاسپورٹ پر لگ گیا اسے جانے کی اجازت مل جائے گی۔''

''ہاں اس بوڑھے کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ تم کون لاتا ہے اسے صرف تم سے مطلب ہے۔''

''ممکن ہے وہ یہ بھی دیکھے کہ میں کس کے ساتھ آیا ہوں۔ ورنہ وہ راجا عمر دراز کے ساتھ تم سے بھی کہتا۔''

میرے سوال پر ڈیوڈ شا ایک لمحے کو چپ ہوا تھا پھر اس نے ضدی لہجے میں کہا۔ ''ممکن ہے ایسا ہی ہو اس کے باوجود میں چانس لینا چاہوں گا۔''

''کیونکہ اس کی قیمت تم نہیں کوئی دوسرا دے گا۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ویسے ڈیوڈ شا آج کل تم اس دنیا کے حکمران بنے ہوئے ہو پھر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہو اگر تم ایک فوجی دستہ لے کر براہِ راست اس وادی تک پہنچ جاؤ تب بھی میرے خیال میں کوئی تمہیں روکنے کی کوشش نہیں کرے گا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس طرح میرے مقاصد پورے نہیں ہوں گے۔ بات بھی کھل جائے گی اور تم جانتے ہو وادی اصل میں چین کی سرزمین پر ہے اور چین اسے اپنے معاملے میں مداخلت سمجھے گا۔''

''گویا کوئی بھی مہم صرف اس وقت ممکن ہے جب یہ چھپ چھپا کر جائے؟''

''یہی بات ہے۔''

''اور تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں اس کے بدلے میں تمہارے تمام مسائل حل کرانے کا ذمہ لیتا ہوں۔''

''ڈیوڈ شا خدائی دعویٰ مت کرو۔ انسان کے مسائل وہی حل کر سکتا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔''

''اوکے..... میں کوشش کروں گا۔'' اس نے خلاف توقع مفاہمانہ انداز میں کہا۔ ''اگر تم راضی ہو تو میں پوری کوشش کروں گا اور مجھے یقین ہے میں کامیاب بھی ہو جاؤں گا۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ معاملہ صرف میرا ہی نہیں تھا بلکہ میرے ساتھیوں کا تھا۔ اگر مرشد کا کانٹا درمیان سے نکل جاتا تو باقی مسائل سے نمٹنا ہمارے لیے اتنا مشکل نہیں تھا۔ عدالتی معاملات ندیم کے ذمے ہوتے اور باقی سے ہم خود نمٹ سکتے تھے۔ ہمارے پاس اب دولت بھی تھی اور طاقت بھی تھی لیکن اگر میں ڈیوڈ شا کے لیے کام کرنے کو تیار ہو جاتا تو یہ میرے ضمیر کے خلاف ہوتا۔ میں ایک برے شخص کا برے کام کے لیے ساتھ دیتا۔ اس میں تو میں تو کوئی شبہ نہیں تھا کہ ڈیوڈ شا کے عزائم نیک نہیں تھے۔ اس کا ارادہ وادی کے راز اور وہاں سے انوکھی چیزیں حاصل کر کے ان کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا تھا۔ چاہے اس کے لیے اسے انسانوں کا خون کیوں نہ بہانا پڑے۔ میں نے سوچ کر کہا۔

''ڈیوڈ شا میرے لیے ممکن نہیں ہے کہ میں تمہارے خون آشام منصوبوں میں تمہارا ساتھ دوں۔''

''خون آشام؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ظاہر ہے تم کسی نیک مقصد کے لیے تو وادی کی طرف نہیں جا رہے ہو تمہارے اپنے مقاصد ہیں اور مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ اس سے بہت سارے بے گناہ لوگوں کو نقصان ہوگا۔''

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا اسے میری بات اچھی نہیں لگی تھی۔ ''تمہارے مسائل وہ ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور دوسرے میں تم سے ساتھ دینے کو نہیں صرف ساتھ چلنے کو کہہ رہا ہوں۔''

''تمہارا مطلب ہے میں صرف تمہارے ساتھ سفر کروں اور خود کو برف والے کے حضور پیش کر دوں تاکہ وہ تمہیں وادی میں اترنے کا پروانہ عطا کر دے۔''

''ظاہر ہے ورنہ جس طرح تم مجھ پر اعتماد نہیں کر رہے ہو اسی طرح میں تم پر کس طرح اعتماد کر سکتا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ ہوئے تو تمہاری حیثیت ایک قیدی سے زیادہ نہیں ہوگی۔''

''اس صورت میں غور کیا جا سکتا ہے مجھے اپنے ساتھیوں سے پوچھنا ہوگا۔''

''شہباز ملک فیصلہ تمہیں کرنا ہے اور ابھی کرنا ہے۔'' اس نے ذرا جھک کر کہا۔ ''میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''فرض کرو میں انکار کرتا ہوں تب.....؟''

''میں مرشد کو بلا چکا ہوں وہ اب سے ایک گھنٹے میں یہاں آ جائے گا اور اگر تم نے انکار کیا تو تمہیں اس کے حوالے کر کے چلا جاؤں گا۔''

ڈیوڈ شا کا لہجہ فیصلہ کن تھا اور میں اندر سے ہل گیا تھا۔ مرشد میرا ایسا دشمن تھا جو مجھے کسی صورت معاف نہیں کرتا۔ مجھے تڑپا تڑپا کر مارنا یقیناً اس کی سب سے بڑی خواہش تھی اگرچہ ایک بار وہ فتح خان کی وجہ سے مجھے چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن ہر بار ایسا ہونا ممکن نہیں تھا کیونکہ فتح خان اسے مل چکا تھا۔ میں اس کے ہاتھ نہیں آنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتا تھا۔ ڈیوڈ شا نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''شہباز تمہارے پاس بھی وقت نہیں اس بار تم مرشد کے ہاتھ آ گئے تو کل کا سورج نہیں دیکھ سکو گے۔''

''مجھے بھی یقین ہے لیکن تم جانتے ہو میں اس قسم کی باتوں کی پروا ذرا کم کرتا ہوں۔'' میں نے نڈر ہونے کی کوشش کی۔

''بات صرف تم تک محدود نہیں رہے گی بلکہ تمہارے بعد تمہارے ساتھیوں کی باری آئے گی اور پھر تمہارے خاندان کی باری آئے گی۔ اپنے ایک بھائی کی موت سے تمہیں کسی قدر اندازہ تو ہو گیا ہو گا۔''

میرے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ ''میں اپنے بھائی کا خون اسے معاف نہیں کروں گا۔''

''ابھی تو مرحلہ اپنی جان بچانے کا ہے اور جہاں تک تمہارے بھائی کے مرڈر کا تعلق ہے اس میں کوئی درمیانی راستہ بھی نکالا جا سکتا ہے۔''

''ڈیوڈ شا تم اسے ابھی درست طور پر نہیں جان سکے ہو وہ اس وقت تمہاری بات مان لے گا اور پھر جب موقع دیکھے گا تو مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر وار کر جائے گا۔''

''جب میں کہہ رہا ہوں کہ میری ضمانت صرف میری نہیں ہو گی اسے اچھی طرح معلوم ہو گا کہ ضمانت کے خلاف جانے پر اس کے ساتھ کیا ہو گا۔''

میں مرشد پر تو کسی صورت اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ مجھے ڈیوڈ شا پر بھی اعتماد نہیں تھا اس کا تعلق ایک دغا باز قوم سے تھا جو قانون اور اصولوں کو صرف اپنے ملک کی سرزمین پر مانتی ہے اور ملک سے باہر وہ ان سب باتوں سے ماورا ہو جاتی ہے۔ ڈیوڈ شا یقیناً اپنی قوم کی اسی ذہنیت کا نمائندہ تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی میں معاملے کو اس حد تک خراب نہیں کرنا چاہتا تھا کہ انجام کار وہ مجھے مرشد کے حوالے کر دے۔ میں نے سوچ کر کہا۔

''اگر میں تمہارا ساتھ دینے پر تیار ہو جاتا ہوں تو کیا تم ابھی مجھے رہا کر دو گے؟''

''ہاں میں تمہیں ابھی چھوڑ دوں گا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''مرشد سے بات ہونے کے بعد میرے آدمی تم جہاں کہو گے تمہیں چھوڑ آئیں گے۔''

''تب مجھے منظور ہے۔'' میں نے کہا۔

''گڈ۔'' اس نے کہتے ہوئے واکی ٹاکی نکالا اور بولا۔ ''عبدل کو لے آؤ۔''

میں چوکنا ہو گیا عبدل کون تھا اور اسے بلوانے کی کیا وجہ تھی؟ ڈیوڈ شا نے میری رضامندی پاتے ہی اسے کیوں طلب کیا تھا؟ اس کا جواب عبدل کے آنے پر مل سکتا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ کوئی خاص بات ضرور تھی۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور مارشل اندر آیا۔ اس کے ساتھ ایک نوکر نما آدمی اندر آیا اس نے سادہ سی شلوار قمیص اور سویٹر پہن رکھا تھا۔ عمر چالیس برس تھی اور صورت سے زمانے کے سخت حالات عیاں تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سینے پر کپڑے میں لپٹی کوئی چیز لگا رکھی تھی۔ جب میں نے غور کیا تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ یہ قرآن مجید تھا جو عبدل نے سینے سے لگا رکھا تھا۔

''یہ تمہاری مقدس کتاب ہے۔'' ڈیوڈ شا نے میرے تاثرات سے لطف اندوز ہونے والے انداز میں کہا۔ ''میں نے سنا ہے کوئی مسلمان جو خدا سے ڈرتا ہو اس کی جھوٹی قسم نہیں کھاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو تم اس مقدس کتاب پر مجھ سے قسم لو گے؟'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''ہاں کیونکہ اس کے بغیر میں کس طرح اطمینان کر سکتا ہوں کہ تم وہی کرو گے جو کہو گے۔''

''میں جھوٹا نہیں ہوں اور اگر جھوٹا ہوں تو اس کتاب پر ہاتھ رکھ کر بھی جھوٹ بول سکتا ہوں۔ ہمارے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے لوگ بے دھڑک اس پر ہاتھ رکھ کر جھوٹ بولتے ہیں اور ان کا ضمیر ذرا بھی ملامت نہیں کرتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں لیکن مجھے یقین ہے تم ایسا نہیں کرو گے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''ہاں اگر تم اس پر قسم نہیں کھاؤ گے تو مجھے اطمینان نہیں ہوگا۔''

میں نے بے بسی سے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''پلیز ایسا مت کرو میں وعدہ کرتا ہوں تمہارے ساتھ چلوں گا۔''

''میں نے کہا نا جب تک تم اس پر ہاتھ رکھ کر قسم نہیں کھاؤ گے مجھے اطمینان نہیں ہوگا۔ اگر مجھے اطمینان نہیں ہوا تو میں تمہیں مرشد کے حوالے کر دوں گا۔''

''ڈیوڈ شا یہ بلیک میلنگ ہے۔''

''تم چاہو تو ایسا ہی سمجھ لو۔'' اس نے لاپروائی سے کہا اور کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ ''تمہارے پاس دس منٹ ہیں اس کے بعد مرشد آ جائے گا اور میرے پاس وقت نہیں ہے کیونکہ اب سے ڈھائی گھنٹے بعد میری فلائیٹ ہے۔''

میں نے سوچا اور گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے لیکن پہلے میں وضو کرنا چاہوں گا۔ میرا مطلب ہے ہاتھ منہ دھونا چاہتا ہوں۔''

''مجھے وضو کا پتا ہے۔'' اس نے جواب دیا اور مارشل سے بولا۔ ''اسے لے جاؤ۔''

مارشل مجھے ایک واش روم میں لایا جہاں میں نے بندھے ہاتھوں سے بمشکل وضو کیا کیونکہ مارشل نے ہاتھ کھولنے سے انکار کر دیا تھا۔ کسی نہ کسی طرح وضو کر کے میں اس کے ساتھ واپس آیا عبدل بدستور قرآن مجید سینے سے لگائے کھڑا تھا۔ اس نے قرآن میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے ہاتھ میں لیا۔ ڈیوڈ شا غور سے مجھے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔

''اب تم کہو کہ تم وادی کی طرف جانے والے سفر میں میرا ساتھ دو گے۔''

''میں تمہارے ساتھ ایک قیدی کی طرح سفر کروں گا۔'' میں نے کہا۔ ''میں سوائے سفر کرنے کے تمہارے ساتھ اور کسی قسم کا تعاون کرنے کا پابند نہیں ہوں گا۔''

''قیدی کی طرح۔'' اس نے میرے الفاظ پر غور کیا۔ ''یعنی تم فرار ہو سکتے ہو۔''

''ایک قیدی کو فرار کا پورا حق ہوتا ہے اگر وہ ریاست کا قیدی نہ ہو۔''

''نہیں شہباز اس طرح کام نہیں چلے گا تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا اور تم فرار کی کوشش نہیں کرو گے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''ٹھیک ہے میں فرار کی کوشش نہیں کروں گا لیکن مجھے ساتھ رکھنا تمہاری ذمہ داری ہوگی اگر کہیں میں تم سے بچھڑ گیا یا کہیں جان پر بن آئی تو میں اس عہد کا پابند نہیں رہوں گا یعنی اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے جان کا خطرہ ہوا تو میں تمہارا ساتھ چھوڑ سکتا ہوں۔ بعد میں، میں تمہیں تلاش کرنے کا پابند بھی نہیں ہوں گا۔''

''منظور ہے بشرطیکہ خطرہ کسی اور طرف سے ہو۔'' ڈیوڈ شا مان گیا۔ ''اس کے علاوہ تم کسی صورت میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔''

''دوسرے جب تم برف والے تک رسائی حاصل کرلو گے تو میرا اور تمہارا تعلق ختم ہو جائے گا اس کے بعد میں اپنا فیصلہ خود کرنے کا مجاز ہوں گا۔''

''مجھے یہ بھی منظور ہے۔'' وہ مان گیا۔

''ٹھیک ہے ان تمام کنڈیشنز کے ساتھ میں تمہارا ساتھ دینے کا عہد کرتا ہوں لیکن یاد رکھنا اگر مرشد نے میرے خلاف کوئی بھی قدم اٹھایا جس سے مجھے یا میرے ساتھیوں کو کوئی نقصان ہوا تو میں اس عہد سے بری الذمہ ہوں گا۔'' میں نے کہا اور قرآن مجید عبدل کو واپس کر دیا۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے خدا سے معافی مانگی میں نے اس کتاب کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا تھا جو میرے جیسے انسان کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ ڈیوڈ شا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

''اب مجھے یقین ہے تم میرا ساتھ دو گے۔''

''میں دوں گا لیکن تم نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ میں اللہ کی کتاب کے اس استعمال کے خلاف ہوں۔''

''مجھے بھی مذہب کو اس طرح سے استعمال کرنا پسند نہیں ہے لیکن مجبوری تھی۔'' اس نے کہا لیکن اس کے لہجے میں کوئی افسوس نہیں تھا۔ اس نے ایک بار پھر گھڑی کی طرف دیکھا اور جیب سے ایک موبائل نکال کر کسی کو کال کی۔ رابطہ ہونے پر اس نے صرف اتنا کہا۔ ''کہاں ہو تم میں انتظار کر رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے جواب سن کر اس نے موبائل بند کر دیا اور مارشل سے کہا۔ ''مرشد آنے والا ہے اسے آتے ہی یہاں لے آنا لیکن اس کے کسی آدمی کو گاڑی سے مت اترنے دینا اور ان کی پوری طرح نگرانی کرنا۔''

عبدل قرآن مجید لیتے ہی واپس چلا گیا تھا۔ مارشل کے جانے کے بعد میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔ ''ویسے مرشد خود تمہارا مرید بنتا ہے لیکن ایسا لگتا ہے تم اس پر بھی اعتماد نہیں کرتے ہو؟''

''میں جس دنیا کا باسی ہوں اس کا اولین اصول یہ ہے کسی شخص پر اعتماد مت کرو جس پر اعتماد کرنے کو تمہارا دل نہ کہے۔''

''یعنی تم اندر سے مرشد پر اعتبار نہیں کرتے ہو؟''

''تم ایسا کہہ سکتے ہو۔'' اس نے سر ہلایا۔

''میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''میرے اندر سے خیال آتا ہے کہ میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں لیکن ظاہری طور پر ہم دوست نہیں ہیں۔'' میں مسکرایا۔ ''اس لیے تم مجھ پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے ہو۔ ڈیوڈ شا تم دل اور دماغ دونوں کی ماننے والے لگتے ہو اس طرح تو تم شاید ہی کسی پر اعتبار کرتے ہو۔''

''نہیں ایک شخص ہے جس پر میں اعتبار کرتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''اور وہ شخص تم خود ہو۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ کچھ بولا نہیں تھا۔ میں اس سے ایمن کے بارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پوچھنا چاہتا تھا مگر پھر سوچ کر خاموش رہا ممکن ہے اسے میرے اور ایمن کے حالیہ تعلق کا علم نہ ہو اور میں بات کروں تو اسے پتا چل جائے۔ چند منٹ ڈیوڈ شا کو اطلاع ملی کہ مرشد پہنچ گیا ہے لیکن وہ اپنے دو محافظوں کو ساتھ لانے پر مُصر ہے۔ ڈیوڈ شا نے واکی ٹاکی پر اس سے بات کرانے کو کہا۔

''مرشد تم مجھ سے ملنے آئے ہو اور مجھ سے جو ملنے آتا ہے وہ اکیلا ہوتا ہے..... مجھے معلوم ہے تم اب کوئی وزیر بن گئے ہو اور اچانک تمہاری جان کے دشمن پیدا ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی تمہیں اکیلے آنا ہوگا..... ٹھیک ہے تم واپس جا سکتے ہو.....'' میں یہ سب سن رہا تھا اور مرشد کے مکالمے میرے کانوں سے دور تھے۔ واکی ٹاکی بند کر کے ڈیوڈ شا مسکرایا اس نے مجھ سے کہا۔ ''وہ آ رہا ہے۔''

''شاید وہ تمہاری بات ماننے میں تامل کر رہا تھا۔ اب تم دیکھنا اس کا انداز بدل گیا ہے۔ وہ پہلے سے زیادہ فرعون بن گیا ہے۔''

مرشد کچھ دیر بعد اپنے مخصوص مرشدانہ حلیے میں ہمارے سامنے تھا۔ اس نے خونی نظروں سے میری طرف دیکھا اور کسی قدر طنزیہ انداز میں بولا۔ ''جناب والا یہ..... اور آپ کے ساتھ۔''

''ہاں یہ میرے ساتھ ہے اب۔'' ڈیوڈ شا نے لفظ ناؤ پر زور دیا تھا۔ مرشد چالاک آدمی تھا سمجھ گیا۔ وہ اپنا لبادہ سمیٹتے ہوئے ڈیوڈ شا کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیا اس سے آپ کی کوئی ڈیل ہو گئی ہے؟''

''تم ایسا ہی سمجھو۔'' ڈیوڈ شا نے جواب دیا اور پھر اپنی بات سامنے رکھ دی۔ ''میں چاہتا ہوں کہ اب تم دونوں صلح کر لو۔''

مرشد نے طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''صلح برابر کے لوگوں میں ہوتی ہے۔''

''یہ صلح اصل میں تمہارے اور میرے درمیان ہو رہی ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''شہباز اب میرے ساتھ ہے۔''

مرشد کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا مجھے اپنا ساتھی قرار دے رہا ہے اور میری طرف سے وہ صلح کر رہا تھا۔ پھر اس نے سنبھل کر احتجاجی انداز میں کہا۔ ''جناب کیا میری خدمات کا یہی صلہ ہے کہ آپ میرے دشمن کو اپنا ساتھی قرار دیں؟''

''تمہاری خدمات کا تمہیں کیا صلہ ملا ہے یہ تم جانتے ہو یا میں اپنے منہ سے بتاؤں۔'' ڈیوڈ شا کے چیلنج پر مرشد کا سر مرغ کی کلغی کی طرح ڈھلک گیا تھا ویسے بھی اپنے رنگ برنگ لبادے میں وہ کوئی دیسی مرغ ہی لگ رہا تھا۔ اس کی خاموشی پر ڈیوڈ شا نے گھڑی دیکھی۔ ''میرے پاس صرف ایک گھنٹہ رہ گیا ہے مجھے اس دوران میں یہ مسئلہ حل کرنا ہے۔''

''جناب عالی آپ کا وقت بہت قیمتی ہے۔'' مرشد عیاری سے بولا۔ ''آپ کہاں ان چھوٹے چھوٹے معاملات میں پڑ رہے ہیں۔''

''تم مجھے بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔'' ڈیوڈ شا کا لہجہ سرد ہو گیا۔ مرشد نے جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری اتنی جرأت کہاں جناب عالی۔''

''میں نے تم کو بحث کرنے کے لیے نہیں بلایا ہے۔ صرف یہ بتانے کے لیے بلایا ہے کہ اب شہباز اور اس کے ساتھی میری ذمے داری ہیں اور اگر ان میں سے کسی کو نقصان ہوا تو اس کا ذمے دار تمہیں سمجھا جائے گا۔''

''کیا یہ آپ کا حکم ہے؟'' مرشد نے فوراً دم دبالی تھی لیکن مجھے اس کے انداز میں شرارت کی جھلک آرہی تھی۔

''ہاں تم اسے میرا حتمی فیصلہ سمجھ سکتے ہو۔''

''میں تو آپ کا خادم ہوں لیکن میرے خاندان والے اس بات کو نہ مانیں گے خاص طور سے میرا بھائی نادر اس کا سر اپنے سامنے دیکھنے کے لیے بہت بے چین ہے۔'' مرشد نے میری طرف دیکھا۔

''لگتا ہے اسے بستر پر بھی چین نہیں ہے اور وہ اسے بستر مرگ میں بدلنا چاہتا ہے۔'' میں نے جواب دیا تو مرشد کی آنکھوں میں ایک لمحے کو شعلہ سا چمکا تھا۔

''شہباز تم سے ابھی بہت سارے حساب لینے ہیں۔''

''وہ تو مجھے لینے ہیں۔ اپنے بھائی کا اور اپنے ساتھیوں کا۔'' میں نے لہجہ بدل کر کہا۔ ''تم صرف اس دن سے ڈرو جس دن میں نے تمہاری سطح پر آنے کا فیصلہ کر لیا تمہاری بربادی میں چند دن سے زیادہ کا وقت نہیں لگے گا۔''

مرشد نے زخمی سانپ کی طرح بل کھا کر ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''آپ نے دیکھا یہ شخص دشمنی ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''مرشد میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قصور کس کا ہے اور کون اپنی حد سے تجاوز کر رہا ہے۔ میں نے تم کو اپنا فیصلہ سنا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کے نتائج کا تمہیں اچھی طرح اندازہ ہوگا اس لیے امید ہے کہ تم کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گے جو تمہیں عرش سے اٹھا کر فرش پر لے جائے۔''

مرشد کچھ دیر ساکت رہا تھا اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ ڈیوڈ شا نے اسے اس لیے بلایا ہوگا۔ پھر اس نے بادلِ ناخواستہ کہا۔ ''ٹھیک ہے جناب اگر آپ کا حکم ہے تو ماننا پڑے گا لیکن کیا یہ میرے خلاف کچھ کرنے سے باز رہے گا؟''

''میں نے پہلے بھی تمہارے خلاف از خود کچھ نہیں کیا ہے اور آئندہ بھی میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''تم نے سن لیا۔''

''اس کے خلاف پولیس کیس بھی ہیں۔'' مرشد نے دوسرا نکتہ اٹھایا۔ ''اگر اسے پولیس نے پکڑ لیا تو میرا.....''

''میں اسی طرف آرہا تھا۔'' ڈیوڈ شا نے اس کی بات کاٹی۔ ''شہباز کے خلاف تمام کیسز ختم کرانا بھی تمہاری ذمے داری ہے۔''

مرشد کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی مجھ پر اتنا بوجھ ڈالیں جتنا میں برداشت کر سکوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مرشد میں تم پر اتنا ہی بوجھ ڈال رہا ہوں۔ جتنا تم برداشت کر سکتے ہو ورنہ تم جانتے ہو اس ملک میں میرے ایک اشارے پر کیا ہو سکتا ہے مجھے تم سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے میں کسی سے بھی کہوں گا اور شہباز کے خلاف کیس دو دن میں واپس ہو جائیں گے لیکن میں یہ موقع تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ تمہاری گڈ بک میں اضافہ ہو گا۔"

مرشد نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ ممکن نہیں ہے ان پولیس حکام اور سرکاری افسران کے سامنے میری کیا ساکھ رہ جائے گی جب میں ان سے اپنے دشمن کے کیس ختم کرنے کو کہوں گا۔"

"تمہیں ان معمولی لوگوں کی پروا ہے۔" ڈیوڈ شا کے لہجے میں حقارت آ گئی تھی۔ "خیر تمہاری مرضی..... تم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس معمولی سے کام کے عوض میں تمہیں کیا فائدہ دینے والا تھا۔"

فائدے کے نام پر مرشد چوکنا ہو گیا تھا اور اس نے فوری پینترہ بدلا۔ "نہیں جناب عالی میں انکار تو کر رہا ہوں اگر آپ کہیں تو....."

"نہیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔" ڈیوڈ شا نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم نے وقت گنوا دیا ہے اور تم چند دن میں سن لو گے کہ کیسز ختم ہو گئے ہیں۔"

ڈیوڈ شا کے انکار پر مرشد نے بھی تیور بدل لیے تھے۔ "یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے جناب عالی۔"

"تمہارے لیے شاید مشکل ہو لیکن میرے لیے نہیں۔" ڈیوڈ شا نے اعتماد سے کہا اور کھڑا ہو گیا تھا اس نے میری طرف دیکھا۔ "تمہیں کوئی بھی مسئلہ ہو تو تم ہائی کمیشن کے فرسٹ سیکرٹری جانسن ہانز سے رابطہ کر سکتے ہو۔"

میں نے شکریہ کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ وہ مجھ پر کوئی احسان نہیں کر رہا تھا۔ مرشد بھی کھڑا ہو گیا تھا اور اس نے جاتے جاتے بھی شکوہ کیا تھا۔ "آپ نے مجھے اچانک آزمائش میں ڈال دیا ہے۔"

"انسان کی زندگی میں آزمائشیں آتی رہتی ہیں سب اچھا نہیں ہوتا ہے۔" ڈیوڈ شا نے کہا اور باہر چلا گیا اس نے ہم سے ہاتھ ملانے یا کوئی رسمی الوداعی جملہ کہنے کی زحمت نہیں کی تھی اور ایسے ہی رخصت ہو گیا وہ جس قسم کا آدمی تھا اس سے مجھے ایسی ہی توقع تھی۔ اس کے جانے کے بعد مرشد نے میری طرف دیکھا۔

"تم نے اسے کیسے رام کر لیا؟"

"میں نے کوئی کوشش نہیں بلکہ میں تو تیار بھی نہیں تھا۔ اس نے جیسے تمہیں مجبور کیا اسی طرح مجھے بھی مجبور کر دیا۔"

اس نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ "کیا تمہیں ڈیوڈ شا کی ضمانت پر اعتماد ہے؟"

"سچی بات ہے بالکل بھی نہیں کیونکہ میرا خیال ہے وہ تمہیں اتنی اچھی طرح نہیں جانتا جتنی اچھی طرح میں جانتا ہوں۔"

وہ مسکرانے لگا۔ "اب شاید تم مجھے ٹھیک سمجھنے لگے ہو۔"

"مرشد جو شخص خدا کو دھوکا دینے کی کوشش کرے اس کے سامنے کسی انسان کی کیا حیثیت ہو گی بس اسی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ تم وہ نہیں کرو گے جو ڈیوڈ شا تم سے چاہتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا منہ بگڑ گیا تھا۔ ''تم اپنی اوقات سے بڑھ کر بولنے لگے ہو۔''

''مرشد انسان کی کوئی اوقات نہیں ہوتی ہے اور تم بھی ایک انسان ہو اسے مت بھولا کرو۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ابھی تک میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں کھڑا ہوا تو مرشد خوف زدہ ہو گیا۔ حالانکہ میرے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے اور ڈیوڈ شا نے ان کو نہیں کھلوایا تھا۔ مرشد جلدی سے دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ میں مسکرایا۔

''فکر مت کرو میں عملی طور پر تمہیں تمہاری اوقات یاد نہیں دلا رہا ہوں۔''

اسی لمحے مارشل اندر آیا تھا اس نے سرسری سی نظروں سے مرشد کو دیکھا اور بولا۔ ''تم جا سکتے ہو۔''

''بہت بے آبرو ہو کر ہم تیرے کوچے سے نکلے۔'' میں نے گنگنا کر کہا تو مرشد مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا تھا۔ مارشل میرے پاس آیا اور ایک چابی سے ہاتھ اور پیر کی بندشیں کھول دی تھیں۔ اس سے پہلے اس نے مجھے خبردار کیا تھا کہ میں کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش نہ کروں لیکن ظاہر ہے میں اس کی ہدایت کا پابند نہیں تھا۔ جیسے ہی اس نے میرے ہاتھ آزاد کیے میں نے اچانک اس کے جبڑے پر گھونسہ مارنے کی کوشش کی۔ میرا خیال تھا کہ وہ غافل ہے لیکن اس نے نہایت پھرتی سے جھکائی دے کر میرا وار خالی جانے دیا۔ میں زور میں گھوم گیا تھا۔ اس نے عقب سے جھکا ہوا سر میری کمر پر مارا اور میں سامنے دیوار پر جا پڑا اگر ہاتھ آگے نہ کر لیتا تو میرا منہ ناک برابر ہو جاتے۔ دیوار سے ہاتھ ٹکاتے ہی عقب میں دولتی جھاڑی لیکن وہ یہ وار بھی بچا گیا اور جیسے ہی میرے پاؤں زمین سے لگے اس نے لات مار کر میرا توازن بگاڑ دیا تھا اور میں گر پڑا۔ وہ بہت تیز تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے فوراً ہاتھ اٹھا دیئے۔

''ٹھیک ہے میں نے ہار مانی تم یقیناً زیادہ اچھے فائیٹر ہو ویسے میں صرف پریکٹس کر رہا تھا۔''

اس نے ہاتھ آگے کیا۔ ''میں سمجھ گیا تھا..... اگر تمہارے عزائم خطرناک ہوتے تو تم کوئی فیصلہ کن وار کرتے۔''

''مثلاً کون سا وار؟'' میں نے پوچھا۔ تو اس نے جواب میں اچانک ہی کھڑی ہتھیلی میری گردن سے نیچے مارنے کی کوشش کی۔ یہاں دل سے آنے والی بڑی شریان ہوتی ہے اور اس پر ضرب آدمی کو کچھ دیر کے لیے مفلوج کر دیتی ہے۔ میں نے نیچے سے ہاتھ اوپر لاتے ہوئے اس کا وار روک دیا۔ میرے ہاتھ پر ہلکی چوٹ آئی تھی لیکن اس کا تباہ کن وار بے کار کر دیا تھا۔ وہ جواباً مسکرایا۔

''تم بھی کم پھرتیلے نہیں ہو جب کہ ابھی تم ایک خطرناک بیماری سے بچ کر آئے ہو۔''

''شکریہ..... میرا خیال ہے تم اسپینش ہو؟''

''تمہارا اندازہ درست ہے میرا پورا نام جارجی مارشل ہے۔ اصل میں میرا دادا انگریز تھا اور اس کا تعلق ڈیوڈ شا کے خاندان سے تھا لیکن میرا باپ اسپین میں مقیم رہا تھا اور میں خود کو اسپینش ہی سمجھتا ہوں۔''

میں چونکا۔ ''اس لحاظ سے تم ڈیوڈ شا کے رشتے دار بھی ہوئے لیکن اس کے ساتھ ہونے کی وجہ یقیناً اس سے تمہارا رشتہ نہیں ہے۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیونکہ ڈیوڈ شا رشتوں کا پاس کرنے والا شخص نہیں ہے میں نے سنا ہے اس نے اپنے گم ہو جانے والے کزن کی جائیداد اور خطاب پر قبضہ کر لیا ہے جب کہ اس کے کزن کی اولاد بھی موجود ہے۔''

مارشل نے سر ہلایا۔ ''قبضہ نہیں کیا ہے اس کے گم ہونے والے کزن برٹ شا نے اسے اپنا وارث مقرر کیا تھا۔''

''لیکن برٹ شا کی بیٹی کا کہنا ہے کہ اس نے دھوکے سے یہ کام کیا ہے اور اصل میں اپنے باپ کی وارث وہ ہے۔''

مارشل نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''تم اس کی بیٹی کو کس طرح جانتے ہو؟''

''بہت پہلے برٹ شا اور اس کی بیٹی ایمن مجھ سے شمالی پاکستان میں ملے تھے۔ میں وہاں راجا عمر دراز کا مہمان تھا اور پھر برٹ نے اس کے عجائب گھر سے کچھ نوادرات چوری کرائے تھے۔ تب سے میں اسے جانتا ہوں۔''

''جہاں تک مجھے علم ہے ایمن غلط کہتی ہے اور ڈیوڈ شا نے مجھے میری صلاحیت کی وجہ سے جاب دی ہے۔''

''تم یہاں اس کے امور کے نگران ہو؟''

''تم چاہو تو ایسا ہی سمجھ لو۔''

''اوکے میں نے سمجھ لیا اب یہ بتاؤ کہ مجھے رہا کرنے کا کیا پروگرام ہے؟''

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''کچھ دیر میں تمہیں تم جہاں کہو گے وہاں چھوڑ دیا جائے گا۔''

''مرشد واپس جا چکا ہے؟''

''یقیناً اس کی گاڑی اس وقت یہاں سے ایک کلو میٹر دور جا چکی ہو گی۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''تمہیں یقین ہے مجھے رہا کرتے وقت وہ کوئی مداخلت نہیں کرے گا؟''

''میں اس کی نیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''میرا کام تمہیں وہاں پہنچا دینا ہے جہاں تم کہو اس کے بعد جو ہو وہ میری ذمے داری نہیں ہے۔''

''لیکن ڈیوڈ شا نے ذمے داری لی ہے کہ مرشد میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔''

''اگر باس نے ایسی کوئی ذمے داری لی ہے تو تم بے فکر رہو مرشد یا کوئی بھی دوسرا شخص تمہارے خلاف کچھ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔'' اس نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''تمہارا باس امریکہ کا صدر نہیں ہے جس کی ضمانت سب مانیں۔'' میں نے ناگواری سے کہا۔ ''دوسرے تم مرشد کو نہیں جانتے وہ کتے کی دُم ہے جو کسی صورت سیدھی نہیں ہو سکتی ہے چاہے اسے ہزار سال نلکی میں رکھو۔''

''میں کہہ چکا ہوں میں یہ سب نہیں جانتا ہوں۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں صرف یہاں ڈیوڈ شا کے معاملات کا نگران ہوں اور اس نے مجھے ایسی کوئی ہدایت نہیں کی ہے کہ میں مرشد یا کسی بھی دوسرے شخص سے تمہارا بچاؤ کروں۔''

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا کہ ڈیوڈ شا کی ضمانت اتنی کمزور ہو گی کہ اس کے آدمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک اسے تسلیم نہیں کریں گے۔"

"بکومت۔" وہ غرایا۔ "میں نے کہا نا ڈیوڈ شا نے مجھ سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی ہے۔ اگر اس نے کہا ہوتا تو میں اپنی جان کی قیمت پر بھی تمہاری حفاظت کرتا۔"

"چلو اس نے نہیں کہا اس لیے تمہاری جان بچ گئی۔" میں نے طنز کیا۔ "اب میں جاؤں گا۔"

"تم نے کہاں جانا ہے؟" اس نے سوال کیا تو میں سوچ میں پڑ گیا تھا میں اسے عبداللہ والی کوٹھی پر نہیں لے جا سکتا تھا یہ تو دشمن کو خود اپنا گھر دکھانے والی بات ہوتی۔ باقی کسی دوسری جگہ کا میں نے سوچا نہیں تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں عبداللہ سے مدد لے سکتا تھا۔ میں نے مارشل سے پوچھا۔

"کیا میں ایک کال کر سکتا ہوں؟"

"کر سکتے ہو۔" اس نے سر ہلایا اور ایک موبائل نکال کر میرے طرف بڑھا دیا۔ میں نے موبائل لے کر عبداللہ کا نمبر ملایا۔ تیسری بیل پر اس نے کال ریسیو کی اور شاید اجنبی نمبر دیکھ کر محتاط انداز میں بولا۔

"ہیلو۔"

"عبداللہ..... اگر آواز سے مجھے پہچان لیا ہے تو نام مت لینا۔"

اس نے پہچان لیا تھا کچھ دیر بعد پھنسی سی آواز میں بولا۔ "آپ..... آپ کہاں چلے گئے تھے ہم نے آپ کو کتنا تلاش کیا۔" وہ بولا۔ "ابھی آپ کہاں ہیں اور یہ کس کا نمبر ہے۔"

"ایک مہربان کا ہے۔" میں نے مارشل کی طرف دیکھا۔ "یہ بتاؤ گھر کے پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تم کسی سے مجھے ریسیو کر سکو اور وہاں کوئی تیسری پارٹی آسانی سے دخل اندازی نہ کر سکے۔"

عبداللہ ذہین آدمی تھا وہ میری بات کا مفہوم سمجھ گیا۔ اس نے کہا۔ "آپ فیصل مسجد کے سامنے آ سکتے ہیں۔ وہاں مرکزی دروازے پر یہ کام آسان ہوگا۔"

"تم کتنی دیر میں وہاں پہنچ سکتے ہو تیاری کے ساتھ؟"

"صرف آدھا گھنٹہ لگے گا۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے مارشل سے پوچھا۔ "تم کتنی دیر میں مجھے چھوڑنے جاؤ گے؟"

مارشل نے اشارے سے دو گھنٹے کا کہا تو میں نے عبداللہ سے کہا۔ "تم دو گھنٹے بعد آ جانا ٹھیک ہے؟"

"آپ بے فکر رہیں میں وہاں موجود ہوں گا۔"

"آس پاس نظر رکھنا مجھے مرشد سے خطرہ ہے۔" میں نے خبردار کرنا مناسب سمجھا تھا۔

"ٹھیک ہے جناب میں نکل رہا ہوں۔" اس نے مسرت سے کہا۔

کال ختم کر کے اور موبائل مارشل کو واپس کر کے مجھے خیال آیا کہ میں نے وسیم اور سفیر کے بارے میں تو پوچھا ہی نہیں۔ بہر حال اب کچھ دیر کی بات تھی پھر میں اپنوں کے درمیان ہوتا۔ میں نے مارشل سے پوچھا۔ "دو گھنٹے بعد لے جانے کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

"کچھ انتظامات کرنے ہیں۔" اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ "تب تک تم آرام کر سکتے ہو۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا جب باہر سے لاک ہونے کی آواز آئی تو میں نے بے ساختہ دروازہ کھولنے کی کوشش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن وہ اسے باہر سے بند کر گیا تھا۔ گویا میں بدستور ڈیوڈ شا کا قیدی تھا۔ جب تک کہ مجھے رہا کرنے کا حتمی وقت نہیں آ جاتا۔ دروازہ بند کرنے کا مقصد یہی تھا کہ میں سکون سے یہاں بیٹھا رہوں اور بلاوجہ گھوم پھر کر ان لوگوں کے لیے کوئی مشکل نہ کھڑی کروں۔

بہرحال یہاں مجھے کوئی مسئلہ نہیں تھا میں صوفے پر دراز ہو گیا۔ میرے پاس جوتے نہیں تھے اور اس کا امکان بھی نہیں تھا کہ یہاں میرے ناپ کے جوتے مل جاتے کیونکہ میرا پاؤں ذرا بڑا تھا مجھے نارمل سائز کے جوتے مشکل سے آتے تھے اور دوسرے ان لوگوں سے اتنی مہربانی کی توقع بھی نہیں تھی کہ وہ مجھے جوتے مہیا کرتے۔ صوفے پر دراز ہو کر میں نے ایک بار پھر پاؤچ میں موجود زرین کی راکھ کو محسوس کیا۔ وقت آ گیا تھا کہ میں اس کی آخری خواہش پوری کرتا۔ وقت گزرتا رہا تھا۔ اب شاید دوپہر کا وقت تھا اور مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی کیونکہ ناشتے کا موقع نہیں ملا تھا اور مجھے اٹھاتے ہی وہاں سے نکل گئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ مجھے بند ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا تھا پھر شاید دوسرا گھنٹہ بھی گزر گیا اور مارشل یا اس کے کسی آدمی کی آمد کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔

میں نے اٹھ کر دروازہ پیٹا اور پھر پیٹتا چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد مارشل کی آواز سنائی دی۔ ''کیا بات ہے؟''

''میرا خیال ہے دو گھنٹے ہو گئے ہیں اور میرے آدمی مقررہ جگہ انتظار کر رہے ہوں۔''

''کرنے دو کچھ دیر اور انتظار کرنے سے وہ خشک نہیں ہو جائیں گے۔'' مارشل لاپروائی سے بولا۔

''مارشل مسئلہ کیا ہے تم واضح بات کرو۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

اس نے کچھ کہا نہیں لیکن دروازہ کھل گیا وہ سامنے کھڑا تھا۔ خلاف توقع اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں نے کہا نا ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ تمہیں اس گاڑی میں لے جانا ہے جس میں ڈیوڈ شا ائیر پورٹ گیا ہے اور وہ گاڑی اب تک واپس نہیں آئی ہے اس میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ جیسے ہی ٹھیک ہو گی اور وہ آئے گی تب تمہیں لے جائیں گے۔''

''اس صورت میں مجھے اپنے آدمیوں کو بتانے دو؟'' میں نے مطالبہ کیا۔ اس نے کچھ سوچا اور موبائل نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

''ایک منٹ سے زیادہ بات مت کرنا۔''

''تم فکر مت کرو۔'' میں نے عبداللہ کا نمبر ملاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ ''موبائل ریٹ کا مجھے بھی علم ہے۔''

اس نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں تھا۔ عبداللہ نے اس بار فوراً کال پک کی تھی۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

''مجھے ذرا دیر ہو سکتی ہے۔'' میں نے کہا لیکن تم وہیں رہنا۔''

''ٹھیک ہے آپ فکر مت کریں جب تک آپ نہیں آ جاتے ہم یہاں موجود رہیں گے۔''

اس سے پہلے میں مزید کچھ کہتا یا عبداللہ سے پوچھتا مارشل نے اچانک ہاتھ بڑھا کر موبائل چھین لیا۔

''ابھی ایک منٹ نہیں ہوا ہے۔'' میں نے احتجاج کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے..... کام کا بات..... کر لیا..... میں اردو جانتا۔'' اس نے اٹک اٹک کر اردو اور شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

''یہ تو یہاں آنے والے گوروں کی خاص بات ہے اردو جانتے ہیں لیکن انجان بنے رہتے ہیں۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''اور ضروری ہے کہ مجھے اسی گاڑی میں لے جایا جائے؟''

مارشل نے مجھے سرد نظروں سے دیکھا۔ ''یہ ہم بہتر جانتے کہ تمہیں کیسے لے جانا ہے اب دروازہ مت بجانا۔'' اس نے کہا اور دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔ میں ٹھنڈی سانس بھر کر واپس صوفے پر دراز ہو گیا۔ اب مجھے تشویش ہو رہی تھی۔ آخر مارشل مجھے اسی گاڑی میں لے جانے پر کیوں مُصر تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور پہلے عبدل اور پھر مارشل اندر آئے عبدل نے ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس میں سادہ دال چاول اور اچار کی کٹوری تھی۔ عبدل نے ٹرے سامنے میز پر رکھی۔ ''معاف کرنا صاحب..... آج یہی پکا ہے۔''

مارشل نے کہا۔ ''گاڑی آنے میں ابھی وقت لگے گا تب تک تم بھوکے رہتے۔''

''مہربانی ہے تمہاری۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا اور کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ عبدل نے کہا۔

''صاحب آپ کھالو تو میں آپ کے لیے چائے لے آتا ہوں۔''

''اللہ خوش رکھے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''لیکن پہلے پانی لا دو یار۔''

عبدل پانی لے آیا اور پھر وہ دونوں چلے گئے اور میں نے دال چاول اچار کے ساتھ کھانا شروع کر دیئے۔ سادہ ہونے کے باوجود یہ بہت مزے کے لگے تھے۔ جب تک میں نے کھانا ختم کیا عبدل چائے بھی لے آیا تھا۔ اس بار بھی مارشل اس کے ساتھ تھا۔ عبدل یقیناً یہاں ملازم تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے لیے نرم گوشہ رکھتا ہے یہ بات اس کے انداز سے عیاں تھی۔ یہ اور بات تھی اس نے مجھ سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کھانا کھا کر اور چائے پی کر میں خود کو آسودہ محسوس کر رہا تھا۔ حالات و واقعات کی فکر میں بھوک نہ لگنے کی علت میں بہت پہلے ترک کر چکا تھا کیونکہ میں نے جان لیا تھا کہ میں کتنے ہی فاقے کر لوں اس کا حالات پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے۔ اس لیے بہتر تھا کہ جب، جہاں اور جیسا کچھ کھانے کو مل جائے تو ہرگز کفرانِ نعمت نہ کیا جائے۔ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا اور اس کمرے کی کھڑکی سے باہر دن شام میں بدل رہا تھا۔ شاید بارش ہو چکی تھی کیونکہ اب دھند بالکل صاف تھی لیکن سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ پتا نہیں مارشل کی گاڑی کہاں اور کیسے بن رہی تھی۔ مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ وہ کوئی چکر کر رہا تھا اور کسی وجہ سے مجھے رہا کرنے سے گریز کیا جا رہا تھا۔ اگر یہ کوئی چکر بھی تھا تو میرے پاس سوائے صبر سے انتظار کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ جب شام تاریک ہونے لگی تھی تو دروازہ کھلا اور مارشل کی صورت نظر آئی۔ اس کے ساتھ وہی لمبا پوٹھوہاری تھا اور حسبِ معمول مشین گن سے مسلح تھا۔ مارشل نے میری طرف دیکھا۔

''تیار ہو جاؤ ہم تمہیں چھوڑنے جا رہے ہیں۔''

''اس پروٹوکول کے ساتھ۔'' میں نے پوٹھوہاری کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ حفاظت کے لیے ہے اور بھی ہوں گے۔'' مارشل نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''چلو۔''

میں ان کے ساتھ اسی بغلی دروازے سے باہر پورچ تک آیا جس سے مجھے اندر لے جایا گیا تھا۔ باہر اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشن دن کے بجائے تقریباً تاریکی تھی اور اسی حساب سے سردی بھی تھی۔ جوان معمولی کپڑوں میں اور ننگے پاؤں کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ پورچ میں وہی بڑی گاڑی موجود تھی جس کے پچھلے حصے میں بند کر کے مجھے یہاں تک لایا گیا تھا۔ میں عبداللہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اس کا انتظار کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا تھا۔ وہ وہاں موجود ہو گا یا نہیں؟ میں نے مارشل کی طرف دیکھا۔

"میرے ساتھی نے تمہیں کال کرنے کی کوشش کی تھی؟"

اس نے سر ہلایا۔ "کی تھی لیکن میں نے ریسیو نہیں کی۔"

"ٹھیک ہے مجھے اس کو اطلاع دینے دو۔" میں نے مطالبہ کیا۔ "ورنہ وہ پریشان ہو گا۔"

اس نے گاڑی کا عقبی خانہ کھولا اور بولا۔ "کچھ دیر پریشان ہونے سے اس کی صحت خراب نہیں ہو گی۔"

میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ "مارشل مجھے نہیں معلوم تم ایسا کیوں کر رہے ہو لیکن اگر تمہاری وجہ سے مجھے یا میرے ساتھیوں کو کوئی نقصان ہوا تو تمہارے لیے بھی اچھا نہیں ہو گا۔"

جواب میں مجھے عقب سے دھکا لگا اور میں گاڑی کے خانے میں جا گرا اور فوراً ہی دروازہ بند ہو گیا تھا۔ مارشل کی آواز آئی۔ "میرا پلان بدل گیا ہے اب ہم تمہیں اپنی طے کی ہوئی جگہ پر چھوڑیں گے اور تمہارے ساتھیوں کو تمہیں لینے وہیں آنا پڑے گا۔"

میں نے دروازے پر لات ماری اور چیخ کر بولا۔ "مارشل تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔ یہ ڈیوڈ شا سے کیے معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔"

مارشل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ لوگ شاید گاڑی میں آ گئے تھے کیونکہ چند سیکنڈ بعد گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تھی اور پھر وہ اس جگہ سے باہر نکل کر سڑکوں پر دوڑنے لگی تھی۔ میں نے شیشے سے باہر دیکھنے کی کوشش کی لیکن شیشے بہت دھندلے تھے اور باہر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مارشل کا رویہ اچانک کیوں بدل گیا تھا؟ کیا اسے ڈیوڈ شا نے کوئی نئی ہدایت دی تھی یا پھر وہ مرشد سے مل گیا تھا؟ اگرچہ اس کا امکان بہت کم تھا لیکن کچھ کہا بھی نہیں سکتا تھا۔ مرشد کے پاس دولت کی طاقت تھی اور اس سے مارشل جیسے دس افراد کو خریدا جا سکتا تھا۔ اگر مارشل بک چکا تھا تو وہ مجھے میرے ساتھیوں نہیں بلکہ مرشد کے حوالے کرنے جا رہا تھا۔

میں نے ایک بار پھر دروازے کے اوپر لگے شیشوں کا جائزہ لیا یہ کوئی ڈیڑھ فٹ لمبے اور کوئی آٹھ انچ چوڑے تھے۔ اگر میں ان کو توڑ دیتا تب بھی میں ان سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ دوسرے میں ان کو توڑنے کی کوشش کرتا تو آگے والوں کو فوراً پتا چل جاتا اور میں فرار سے پہلے پکڑا جاتا لیکن مجھے کچھ تو کرنا تھا میں اب مزید کسی دشمن کی قید میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔ گاڑی کے آس پاس سے گزرتی گاڑیوں سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ ہم کسی سنگل سڑک پر سفر کر رہے تھے اور یہاں ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ جب تک گاڑی کہیں رک نہیں جاتی اور یہ دروازہ نہیں کھولتے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ ہمیں سفر کرتے ہوئے کوئی آدھا گھنٹہ ہونے کو آیا تھا اگر ہم راولپنڈی یا اسلام آباد سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روانہ ہوئے تھے تو شہر میں کسی بھی جگہ جانے کے لیے اتنا وقت کافی تھا لیکن ایک تو ہمیں کسی جگہ ٹریفک جام سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور نہ ہی کوئی سگنل آیا تھا اس لیے ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے آبادی سے کہیں دور لے جایا جا رہا تھا۔ مزید دس منٹ گزرے اور سڑک پر تقریباً سناٹا محسوس ہونے لگا تو مجھے اپنا اندازہ درست لگا تھا یہ مجھے شہر سے باہر کہیں لے جا رہے تھے۔ اب مجھے کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ مارشل کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔ وہ مجھے یا تو مرشد کے حوالے کرنے جا رہا تھا یا میرے حوالے سے ڈیوڈ شا کی کسی خفیہ پلاننگ پر عمل کر رہا تھا۔ مزید دس منٹ سفر کے بعد گاڑی کسی کچے راستے پر مڑی اور چند منٹ چلنے کے بعد رک گئی۔ مجھے ایسی مہک محسوس ہوئی جیسے پاس ہی کہیں پانی تھا۔ کیونکہ کسی جھرنے کے بہنے کی آواز نہیں آ رہی تھی اس لیے امکان تھا ہم کسی جھیل یا تالاب کے آس پاس تھے۔ یہ پورا علاقہ جھیلوں، تالابوں اور جوہڑوں سے بھرا ہوا ہے کیونکہ زمین اونچی نیچی ہے اور بارش خوب ہوتی ہے۔

گاڑی رکی تو میں سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔ میں منتظر تھا کہ کوئی دروازہ کھولے لیکن دروازہ کھلنے کے بجائے مجھے مارشل کے لمبے پوٹھوہاری کی آواز سنائی دی۔ ''صاحب یہاں کیوں آیا ہے یہاں تو بالکل جنگل ہے۔''

''اسی لیے تو آئے ہیں۔'' مارشل بولا۔

''اس کا ساتھی اسے لینے کے لیے یہاں آئے گا؟''

''بالکل اسے یہیں آنا ہوگا۔'' مارشل نے کہا۔ پھر شاید اس نے موبائل سے کسی کو کال کی۔ ''میں تمہارے بندے کو لے آیا ہوں آ کر اسے لے جاؤ۔''

میرے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ کیونکہ اگر اس نے عبداللہ کو بھی کال کی تھی تو اس نے اس جگہ کا کیوں نہیں بتایا۔ یقیناً اس نے کسی اور کو کال کی تھی جسے معلوم تھا کہ کہاں آنا ہے؟ یہ بات اس پوٹھوہاری نے بھی محسوس کر لی تھی۔ اس نے مارشل سے کہا۔ ''صاحب اس کے آدمیوں کو اس جگہ کا تو پتا ہی نہیں ہے۔''

''تم اپنا منہ بند کر کے نہیں رہ سکتے؟'' مارشل نے غرا کر کہا۔ ''باس میں ہوں یا تم ہو؟''

''سوری سر۔'' پوٹھوہاری دب گیا تھا۔ ظاہر ہے وہ ملازم تھا اور اسے اختیار نہیں تھا کہ مارشل کے کسی معاملے میں دخل دے شاید اس نے اس وجہ سے پوچھا تھا کیونکہ مارشل اسے ڈیوڈ شا کی ہدایت کے برعکس چلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' مارشل کا لہجہ خراب تھا۔ ''تم دونوں پوری طرح چوکس رہو۔''

گویا اس کے ساتھ صرف دو افراد تھے۔ میں نے دروازہ بجایا اور چلا کر کہا۔ ''مارشل۔''

وہ خانے کے پاس چلا آیا تھا۔ ''کیا ہے؟''

''تم نے کسے بلایا ہے؟''

''تمہارے ساتھیوں کو۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں جواب دیا۔

''بکواس مت کرو ان کو اس جگہ کا علم نہیں ہے۔''

''اوہ یعنی تم نے سن لیا ہے۔'' وہ چونکا۔ ''میں نے تمہارے ساتھی کو ایس ایم ایس کر دیا تھا۔''

''مسلسل ... ہو۔ مجھے لگ رہا ہے تم مجھے ہی نہیں ڈیوڈ شا کو بھی دھوکا دے ...

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔"

"تمہارا وہم ہے۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ "کچھ دیر رک جاؤ ابھی تمہارے ساتھی آ جائیں گے اور تمہارے سارے شک دور ہو جائیں گے۔"

"اس کے برعکس میرا خیال ہے مجھے لینے میرے ساتھی نہیں بلکہ مرشد کے آدمی آ رہے ہیں اور تم نے ان سے میرا سودا کر لیا ہے۔"

وہ ایک لمحہ چپ ہوا تھا جیسے میرے درست اندازے نے اسے ششدر کر دیا ہو پھر اس نے غرا کر کہا۔ "تم بکواس کرنے کے بجائے خاموش بیٹھو۔"

"تم بھول رہے ہو میں تمہارا ماتحت نہیں ہوں جو تم شٹ اَپ کہو تو میں شٹ اَپ ہو جاؤں۔" میں نے دروازے پر پھر لات ماری۔ "اسے کھولو مجھے باہر آنے دو۔"

اس بار اس نے جواب دینے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ اس کے ساتھی شاید گاڑی سے دور چلے گئے تھے اس لیے ہماری باتیں نہیں سن سکے تھے۔ میرے بدترین خدشات درست ثابت ہو رہے تھے۔ مارشل حرامزادے نے ڈیوڈ شا کی ہدایات کے برعکس مجھے رہا کرنے کے بجائے مرشد سے میرا سودا کر لیا تھا اور اب اس کے آدمی مجھے لینے آ رہے تھے۔ ان کے آنے سے پہلے مجھے کچھ کرنا ورنہ میں ایک بار پھر کسی قید خانے میں پڑا ہوتا۔ بلکہ اس کا امکان کم تھا اور زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ مرشد مجھے فوری طور پر دوسری دنیا کا ٹکٹ تھما دے کیونکہ اب اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ میں پہلے جیسا کمزور دشمن نہیں رہا تھا اور وہ طاقتور دشمن رکھنے کا قائل نہیں تھا لیکن میں اس قید خانے میں کیا کر سکتا تھا یہاں سے نکلنے کے بعد ہی مجھے ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع مل سکتا تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ میں نے پائلٹ ہاری کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا۔

"سر ایک کوئی گاڑی اس طرف آ رہی ہے۔"

"وہ آ گئے۔" مارشل نے کہا۔ "تم دونوں یہاں آ جاؤ..... جلدی۔"

میری چھٹی حس نے کہا کہ مارشل کچھ کرنے جا رہا ہے اور چھٹی حس نے درست کہا تھا کیونکہ فائر کی ہلکی سی آواز کے ساتھ پائلٹ ہاری چلایا۔ "یہ کیا کیا تم نے؟"

مارشل نے جواب میں ایک فائر اور کیا اور بولا۔ "یہ کیا۔"

مارشل نے یقیناً اپنے دونوں ساتھیوں کو گولی ماردی تھی۔ کیوں ماری تھی یہ کوئی بہت مشکل سوال نہیں تھا۔ وہ ڈیوڈ شا کو ڈبل کراس کرنے جا رہا تھا اور یقیناً اسے زندہ بھی رہنا تھا اس لیے وہ اپنے جرم کے عینی گواہوں کا وجود مٹا رہا تھا بلکہ مٹا چکا تھا۔ بعد میں وہ ڈیوڈ شا کے سامنے ان کی موت اور ذمے داری کو میرے ساتھیوں کے کھاتے میں ڈال سکتا تھا اور میرا بھی کوئی وجود باقی نہ رہتا جو اس کے جرم کا راز فاش کر سکتا تھا۔ اب وقت بالکل نہیں تھا۔ میں پشت والی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور پھر پاؤں جوڑ کر پوری قوت سے دروازوں کے درمیان میں مارے۔ ایک دھماکہ ہوا اور دروازہ لرز گیا تھا۔ فوراً ہی مارشل کی دھاڑ سنائی دی۔

"کیا کر رہے ہو؟"

"دروازہ کھول رہا ہوں۔" میں نے کہا اور دوسری بار پاؤں مارے۔ اس بار دروازے کے قبضے زیادہ ہلے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارشل چلایا۔

''آرام سے بیٹھو ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''ضرور مار دو۔'' میں نے کہا اور تیسری ضرب لگائی اور اس بار دروازے ذرا باہر کی طرف ہو گئے تھے۔ چوتھی ضرب پر وہ مزید باہر نکلے تھے۔ مارشل دھاڑتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا اس کی زبان سے اسپینش میں یقیناً ناگفتنی نکل رہی تھی اور میں رک گیا۔ وہ دروازے کے سامنے آیا تھا۔ جیسے ہی اس نے ہینڈل گھمانے کی کوشش کی میں نے اس بار جسم و جان کی ساری توانائی استعمال کرتے ہوئے پاؤں دروازے پر مارے۔ وہ ہینڈل گھما چکا تھا اور میرا کام مزید آسان ہو گیا۔ دروازے ایک دھماکے سے کھلے اور مارشل سامنے تھا۔ بچنے کی کوشش کے باوجود ایک پٹ اس کو لگا اور وہ اچھل کر پیچھے جا گرا تھا۔ میں تڑپ کر باہر نکلا اور مارشل پر جا گرا تھا لیکن نہیں وہ میرے اندازے سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ وہ اس جگہ نہیں تھا جہاں گرا تھا۔ میں خالی زمین پر جا گرا اور تیزی سے پلٹا لیکن مجھے دیر ہو گئی تھی وہ نہ صرف مجھ سے پہلے کھڑا ہو گیا تھا بلکہ اس نے اپنا پستول بھی اٹھا لیا تھا اور اس کا رخ میری طرف کر دیا تھا۔ اس نے دانت پیس کر کچھ کہا ایسا لگ رہا تھا وہ مجھے مارنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ چند فٹ کے فاصلے سے نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسی لمحے مجھے ایک ہیولہ سا اپنی طرف جھپٹتا دکھائی دیا۔



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارشل سر پر پستول تانے کھڑا تھا اوپر سے کتے کے بھونکنے کی آواز نے میرے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ مصیبت دوہری آئی تھی اگر میں مارشل کی چلائی گولی سے بچ جاتا تب بھی جھپٹنے والا کتا مجھے نہ چھوڑتا لیکن فی الحال خطرہ مارشل سے تھا۔ کتے کے دانت گولی کے مقابلے میں بہرحال کم مہلک تھے۔ میں نے تڑپ کر جگہ بدلی اور اسی لمحے مارشل نے گولی چلا دی جو میرے بالکل پاس زمین میں لگی تھی۔ کتا اب کچھ ہی دور تھا مارشل نے دیکھ لیا کہ میں بچ گیا ہوں اور اس نے پستول کا رخ پھر میری طرف کیا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے کام لیا تھا۔ ابھی میرے ہاتھ پاؤں زمین پر درست طور سے ٹکے نہیں تھے اور میں پھر تیزی سے جگہ تبدیل کر سکتا۔ اس بار گولی سے بچنا محال تھا لیکن اس سے پہلے مارشل دوبارہ گولی چلاتا کتے نے جست لگائی اور میرے اوپر سے ہوتا مارشل پر جا پڑا۔ اس نے مارشل کا پستول والا ہاتھ دبوچ لیا تھا۔ مارشل کے منہ سے چیخ نکلی اور اس نے فائر کیا مگر گولی کہیں اور گئی تھی۔

مارشل کتے سمیت زمین پر گرا اور اس کے جبڑوں سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں تو کتے کو اپنا ساتھی سمجھ رہا تھا اور وہ میرا مددگار نکلا اس نے مجھے یقینی گولی سے بچایا تھا۔ اگر وہ مارشل کے پستول والے ہاتھ پر منہ نہ مارتا تو مارشل مجھے مار چکا ہوتا۔ میں قدرت کی اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھاتا تو احمق اور مرحوم کہلاتا کیونکہ مارشل کتے کے جبڑے میں پھنسے ہاتھ کو میری طرف گھما کر نشانہ لینے کی کوشش کر رہا تھا اور کتا اس کی کوشش ناکام بنا رہا تھا وہ اس کے ہاتھ کو جھنجھوڑے دے رہا تھا۔ دونوں ایک سے انداز میں غرا رہے تھے۔

میں نے لیٹے لیٹے لات گھما کر مارشل کے پستول والے ہاتھ پر ماری اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے چلا کر اسپینش میں کچھ کہا۔ اگلی لات میں نے اس کی گردن پر مارنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے ارادہ بھانپ کر اس طرح کروٹ لی کہ کتا سامنے آ گیا اور میری لات اس بیچارے کی تشریف پر لگی۔ اس کے پیچھے میرا سارا زور تھا۔ کتے نے ایک پُر درد آواز نکالی اور ظاہر ہے اس کے منہ سے مارشل کا ہاتھ نکل گیا تب ہی وہ آواز نکالنے کے قابل ہوا تھا۔ آزاد ہوتے ہی مارشل پیچھے کی طرف کھسکا اور یک دم اٹھ کر بھاگا۔

اس کی وجہ سامنے تھی اس کا پستول تاریکی میں کہیں غائب ہو گیا تھا اور اسے بیک وقت کتے اور میرا سامنا تھا۔ کسی طرف سے مدد کی امید بھی نہیں تھی کیونکہ اپنے ساتھیوں کو وہ خود مار چکا تھا۔ کسی نے اس سمت سے یا جہاں سے کتا آیا تھا میں نے مارشل کو لڑکھڑا کر جھاڑیوں میں گرتے دیکھا۔ اس دوران میں سڑک کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف سے آنے والی گاڑی کی روشنی بھی قریب آ گئی تھی۔ پھر کسی نے گاڑی پر ایک طویل برسٹ مارا۔ ایسا لگا تھا جیسے خودکار رائفل یا ہلکی مشین گن کا پورا میگزین خالی کر دیا ہو۔ گاڑی کے شیشے ٹوٹ گئے اور سامنے کے دونوں ٹائرز بھی پھٹ گئے۔ کچھ چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔ میں اٹھتے اٹھتے دوبارہ زمین پر گر گیا۔ کتا پہلے ہی زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے کسی عورت کی آواز سنی وہ چلا کر کہہ رہی تھی۔

''براؤن..... براؤن۔''

براؤن غالباً کتے کا نام تھا لیکن وہ میری لات کھا کر لیٹ گیا تھا اپنے محسن کے ساتھ اس سلوک کا مجھے افسوس تھا خاص طور سے اس لیے بھی کہ اس نے ایک منٹ پہلے ہی میری جان بچائی تھی لیکن میں اس کی مزاج پرسی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ عین ممکن تھا مجھ سے لات کھانے کے بعد اس کا جذبہ ہمدردی ماند پڑ گیا ہو اور وہ مارشل کے فرار کے بعد میری ٹانگ پکڑ لے۔ میں لیٹے لیٹے گاڑی کی طرف کھسک رہا تھا اس بار عورت کی آواز پاس سے آئی تھی۔ ''براؤن کہاں ہو تم؟''

میرا دل دھڑکا نہیں بلکہ تڑپا تھا کیونکہ میں نے عورت کی آواز پہچان لی تھی۔ میں اٹھ کر اندھا دھند بھاگا اور مرتے مرتے بچا کیونکہ کسی نے مجھ پر فائر کیا تھا اور گولی میرے کان کے پاس سے سیٹی بجاتی نکل گئی۔ اس کے باوجود میں رکا نہیں تھا۔ جو فائرنگ نشانہ بننے والی گاڑی کی طرف سے کی جا رہی تھی اگر اس رائفل کا رخ میری طرف ہو جاتا تو میں مارا جاتا میں اس طرف بھاگا جہاں سے عورت کی آواز آئی تھی اور وہ آواز سوفی صد مونا کی تھی میں نے چلا کر کہا۔ ''مونا۔''

''شوبی۔'' وہ جواب میں چلائی۔ ''میرے خدا شوبی ہے یہاں شوبی ہے۔''

کوئی تاریکی سے کسی بگولے کی طرح برآمد ہوا اور بھوت کی طرح چمٹ گیا۔ وہ سفیر تھا۔ وہ مجھ سے یوں چمٹا تھا جیسے میرے جسم کا ایک حصہ بن جانا چاہتا ہو۔ پھر کوئی تاریکی سے چلایا۔ ''سفیر..... شوبی پیچھے آئیں۔''

سفیر کو ہوش آ گیا۔ ''ہم خطرے میں ہیں۔'' اس نے میرے کان میں کہا اور مجھے کھینچ کر ان درختوں کے پیچھے لے گیا جہاں وسیم اور مونا موجود تھے۔ مشین گن وسیم کے ہاتھ میں تھی لیکن اس سے پہلے مونا مجھ سے لپٹ گئی۔ میں بوکھلا گیا۔ ''ارے یہ کیا..... اپنے مجازی خدا کے سامنے ایک نامحرم سے لپٹی جا رہی ہو۔''

''مت بولو مجھ سے۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''کتنا تنگ کرتے ہو ہم سب کو۔''

''اچھا بابا..... تم سب نے بھی تو تنگ کیا تھا۔'' میں نے اس کا سر سہلایا اور پھر اسے چھوڑ کر وسیم کو گلے سے لگا لیا اس کی مشین گن سفیر نے سنبھال لی تھی۔ ''شہباز صاحب۔'' اس نے جذباتی انداز میں کہا۔

''یہ کیا چکر ہے تم لوگ اچانک کہاں سے نازل ہو گئے؟''

''ہمیں تمہیں شہر بھر میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔'' سفیر نے کہا اور ایک طویل برسٹ مارا۔ میں اس کی بات سمجھا نہیں تھا۔

''کیا مطلب تم مارشل اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے نہیں آئے تھے؟''

''کون مارشل؟''

''وہی جس پر کتے نے حملہ کیا تھا۔'' میں نے کہا اور ابھی کتے کا نام لیا تھا کہ وہ تشریف لے آیا اور مونا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیروں سے خود کو رگڑنے لگا میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہی براؤن ہے؟''

''ہاں اور اسی نے تمہیں تلاش کیا ہے۔'' مونا بولی اس نے محبت سے کتے کا سر سہلایا۔ ''گڈ بوائے۔''

گڈ بوائے نے دکھی آواز نکال کر مونا کو بتانے کی کوشش کی کہ اسے میری ہمدردی کتنی اور کہاں مہنگی پڑی تھی۔ وہ سب کہاں سے اور اچانک کس طرح میری مدد کو آ گئے تھے اور یہاں تک ان کی رہنمائی کس نے کی تھی ایسے کئی سوال میرے ذہن میں مچل رہے تھے لیکن پہلا مرحلہ اس جگہ سے نکلنا تھا۔ تباہ ہونے والی گاڑی میں بچ جانے والے دشمن جوابی فائر کر رہے تھے اور میں نے دیکھ لیا تھا ان لوگوں کے پاس صرف ایک مشین گن اور ایک پستول تھا۔ جب کہ دوسری طرف سے کئی خود کار ہتھیار رہ رہ کر گرج رہے تھے۔ آنے والوں کی نفری زیادہ لگ رہی تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''تمہارے پاس بس یہی ہتھیار ہیں؟''

''ہاں اور ایمونیشن بھی محدود ہے۔'' اس نے جواب دیا وہ اب مشین گن کو سنگل موڈ پر کر کے استعمال کر رہا تھا۔

''ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔'' میں نے کہا تو وسیم بولا۔

''ٹھیک ہے آپ سب نکل جائیں میں ان کو روکتا ہوں۔''

''نہیں ہم سب ساتھ جائیں گے۔'' مونا بولی۔ ''شوبی یہاں سے کچھ دور ہماری گاڑی کھڑی ہے۔''

''ہم ہیں کہاں؟''

سفیر حیران ہوا۔ ''تم نہیں جانتے؟''

''نہیں بھائی میں یہاں قید ہو کر آیا تھا اور مجھے مرشد کے آدمیوں کے حوالے کیا جانا تھا۔ میرا خیال ہے یہ مرشد کے آدمی ہیں۔'' میں نے تباہ شدہ گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

''ہم راول جھیل کے ایک کنارے پر ہیں۔'' مونا نے بتایا۔

''تم کس کی قید میں تھے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''ڈیوڈ شاکی..... لیکن اس سے میرا معاہدہ ہو گیا تھا۔ یہ اس کے آدمی مارشل کی بدمعاشی تھی اس نے مرشد سے میرا سودا کر لیا۔ عبداللہ بے چارہ اپنے آدمیوں سمیت فیصل مسجد کے سامنے انتظار کر رہا ہوگا۔''

اس دوران میں وسیم نے جائزہ لے لیا تھا اس نے ہم سے کہا۔ ''پہلے آپ تینوں پیچھے جائیں۔ میں ایک منٹ بعد آتا ہوں۔''

''نہیں تم بھی ساتھ چلو گے۔'' مونا نے پھر مداخلت کی۔

''تمہیں تو لا کر غلطی کی۔'' وسیم بھنا گیا تھا۔ ''سفیر یار اسے لے جاؤ، ورنہ میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔''

مونا کا موڈ خراب ہو گیا اور اس نے اپنے کتے سمیت واک آؤٹ کرتے ہوئے وسیم کو بتایا کہ خراب ہونے کے لیے دماغ کا ہونا ضروری ہے اور اس کی باتوں سے لگ رہا ہے اس کے پاس اس نام کی کوئی چیز نہیں رہی ہے۔

سفیر نے فریاد کی۔ ''مروا دیا..... اب یہ تیرا بدلہ بھی مجھ سے لے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زن مرید۔'' وسیم نے کہا اور تاک کر گولی چلائی۔ دشمن کا کوئی آدمی کچھ زیادہ ہی بے تابی دکھا رہا تھا اور گولی کھا کر اس نے دل خراش ''ہائے'' کی تھی۔ ''بس اب نکل چلو۔''

وسیم نے درست وقت منتخب کیا تھا۔ میں پہلے ہی مونا کے پیچھے روانہ ہو گیا تھا کیونکہ وہ مارے غصے کے اکیلے ہی روانہ ہو گئی تھی۔ براؤن یعنی بھورا اس کے ساتھ تھا۔ درختوں کا یہ جھنڈ زیادہ بڑا تھا جھیل کی قربت کی وجہ سے یہاں زمین میں جھاڑیاں اور اونچی گھاس اگ آئی تھی۔ اس اونچی گھاس میں ایک شاندار نئے ماڈل کی لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ میں نے مونا کو روکا۔

''ایک منٹ اس گاڑی میں کوئی ہتھیار ہے؟''

''نہیں ہمارے پاس بس یہی دو ہتھیار ہیں۔''

''تم لوگوں کو کیسے پتا چلا کہ میں غائب ہوں؟''

''وسیم نے عبداللہ سے رابطہ کیا تھا۔''

''تم لوگ عبداللہ سے رابطے میں ہو؟''

''وہ نہیں ہے ہم ہیں۔'' مونا نے جواب دیا۔ ''ہم اس سے الگ رہے تھے۔'' پھر اس نے میرا بازو تھام لیا۔ ''تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ تمہارے لیے ہم کتنے پریشان رہے۔''

''مجھے اندازہ ہے گڑیا..... کیونکہ غائب ہونے سے پہلے میں خود تم سب کے لیے کتنا پریشان رہا میں بتا نہیں سکتا۔ جب تم لوگ عبداللہ کے پاس نہیں ہو تو پھر کہاں رکے ہو اور سادھنا کہاں ہے۔''

''ہم نے ایک گھر کرائے پر لیا ہوا ہے اسلام آباد میں۔ سادھنا کو وہیں چھوڑا ہوا ہے۔''

اس سے پہلے میں اس سے پوچھتا کہ وہ دبئی سے کیوں نکلے وسیم اور سفیر بھی آ گئے تھے۔ ''نکلو یہاں سے وہ آ رہے ہیں۔'' وسیم نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا اور ہم سب بھی اندر گھس گئے۔ شکر ہے بھورے صاحب کو سب سے پیچھے والے حصے میں بٹھایا گیا تھا۔ مجھے کتے کبھی اچھے نہیں لگے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا اس سے زیادہ وفادار ساتھی اور کوئی نہیں ہوتا ہے اس کے باوجود مجھے کتوں کے قرب سے وحشت ہوتی ہے چاہے اس کا انداز دوستانہ ہی کیوں نہ ہو۔ میں وسیم کے برابر میں آ گیا تھا اور سفیر مشین گن سمیت پچھلی نشست پر چلا۔ تاکہ دشمن کی جانب سے اگر ہماری روانگی میں کوئی رکاوٹ ڈالی جائے تو وہ اس کا مناسب سدباب کر سکے۔ وسیم نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی اس کا طاقتور پیٹرول انجن بے آواز تھا۔

''پیچھے رہ جانے والوں کا کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''کم سے کم تین مارے گئے اور اتنے ہی باقی ہیں۔'' اس نے کہا۔

''جب فکر مت کرو مرشد کے آدمی بھی اس کی طرح بزدل ہیں خود کو کمزور پاتے ہیں تو مقابلہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ ہمارے پیچھے نہیں آئیں گے۔''

میرا اندازہ درست نکلا تھا ہم آرام سے ان جھاڑیوں سے نکل کر مری ہائی وے کی طرف جانے والی سڑک پر نکل آئے تھے اور کسی نے ہمارا راستہ نہیں روکا تھا۔ میں بار بار مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اگر مارشل بچ گیا تھا تو اس کی طرف سے خطرہ تھا وہ تعاقب کی کوشش کرے گا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ مجھے شدت کی پیاس تھی۔ ''گاڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پینے کا پانی ہے؟"

"سوری مجھے خیال نہیں رہا۔" مونا نے جلدی سے ایک منرل واٹر کی چھوٹی بوتل میری طرف بڑھائی۔ "اگر بھوک لگی ہے تو بسکٹ بھی ہیں۔"

"نہیں صرف پانی چاہیے اور اس میں سوری کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا اور پانی کی بوتل ایک ہی سانس میں خالی کر دی۔ "کسی کے پاس موبائل ہے؟"

سفیر نے موبائل نکال کر مجھے دیا۔ یہ آف تھا میں نے اسے آن کیا اور پھر سگنل دیکھ کر عبداللہ کا نمبر ملایا۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی۔ "سفیر صاحب؟"

"میں شہباز بات کر رہا ہوں۔"

"شہباز صاحب۔" وہ خوشی سے چلایا۔ "آپ ٹھیک ہیں نا۔"

"ہاں میں ٹھیک ہوں اور اب دوستوں کے درمیان ہوں۔ تم نے مجھے بتایا نہیں کہ سفیر اور وسیم تم سے رابطہ کر چکے ہیں؟"

"ہر بار کال چھوٹی ہوتی تھی اور دوسرے آپ دشمن کے پاس تھے اس لیے میں نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔"

"یہ تم نے ٹھیک کیا اب ایسا کرو اپنے آدمیوں کو واپس لے جاؤ۔"

"آپ آ رہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔ "زرین بی بی بھی آپ کے ساتھ ہیں؟"

"زرین۔" میں نے گہری سانس لی۔ "وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے موقع ملا تو اس کے بارے میں بتاؤں گا اور ابھی میں نہیں کہہ سکتا کہ آؤں گا یا نہیں۔" میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ سفیر کو موبائل دیا تو اس نے اسے آف کر دیا۔ میں نے پوچھا۔

"موبائل آف کیوں رکھ رہے ہو؟"

"بھائی صاحب کی وجہ سے..... دماغ کھا لیا تھا انہوں نے۔" اس نے عبداللہ کی طرف اشارہ کیا۔

"تم عبداللہ سے الگ کیوں رہے؟"

"یہ وسیم کی تجویز تھی اس کا کہنا ہے کہ دشمن سے بچنے کے لیے ضروری ہے آدمی دوستوں سے بھی دور رہے۔ اسی لیے ہم اپنے طور پر آپ کو تلاش کر رہے تھے۔"

"کیسے تلاش کر رہے تھے گھوم پھر کر؟"

"یہ سچ ہے ہم گھوم پھر کر تلاش کر رہے تھے۔" سفیر ہنسا۔

"وہ کیسے؟"

"براؤن کی مدد سے۔" مونا فخر سے بولی۔ "یہ خاص نسل کا کتا ہے جو بو کے سہارے کسی کا بھی کھوج لگا سکتا ہے۔ ہم نے عبداللہ کے پاس سے تمہارا ایک استعمال شدہ لباس حاصل کیا اور اسے براؤن کو سونگھایا۔"

"اس کے بعد ہم سارا دن پورا اسلام آباد اور آس پاس کے علاقوں میں گھومتے رہتے تھے۔" وسیم نے کہا۔ "اس امید پر کہ شاید کہیں سے براؤن کو آپ کی بو ملے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آج کیا تاریخ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''دو جنوری۔'' سونا نے بتایا۔ ''نیا سال مبارک ہو؟''

میرا اندازہ تھا کہ میں کوئی دس بارہ دن ان لوگوں کی تحویل میں رہا تھا لیکن اب پتا چلا میں دو ہفتے اور دو دن تک غائب رہا تھا۔ ان لوگوں نے عبداللہ سے گفتگو میں سن لیا تھا کہ میرے ساتھ کوئی زرین بھی تھی اور جو اس دنیا میں نہیں رہی تھی۔ خاص طور سے سونا پر تجسس تھی اس نے مجھ سے پوچھ لیا۔ ''یہ زرین کون ہے؟''

''تھی ایک۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے بارے میں سکون سے بتاؤں گا سفیر موبائل دینا۔''

سفیر سے موبائل لے کر میں پھر عبداللہ کو کال کی۔ ''عبداللہ میں عتیق کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔''

''اس کی حالت بہت بہتر ہے جناب..... آپ کے غائب ہونے کے ایک ہفتے اسے ہوش آ گیا تھا لیکن اسے بچانے کے چکر میں حکیم نے اتنی محنت کی کہ خود بیمار پڑ گیا اور اس وجہ سے علاج میں ذرا وقفہ آیا ورنہ وہ اب تک ٹھیک بھی ہو چکا ہوتا۔''

''شکر اللہ کا۔'' میں نے سکون محسوس کیا تھا۔ ''جب واپس کوٹھی پہنچو تو اسی نمبر پر عتیق یا رفیق بھائی سے بات کرا دینا اور ہاں کسی کا فون تو نہیں آیا تھا۔''

''آپ کے والد صاحب اور ایک خاتون کا فون آیا تھا انہوں نے نام نہیں بتایا لیکن نمبر سے پتا چل رہا تھا کہ آپ کی حویلی سے کال آئی ہے۔''

میرا دل دھڑکا تھا۔ اسے یقیناً سویرا نے کال کی ہوگی۔ میں نے کچھ دیر اس سے بات کر کے کال کاٹ دی اور حویلی کا نمبر ملایا۔ کال بابا نے ریسیو کی۔ میری آواز سن کر وہ بے تابی سے بولے۔ ''شہباز پتر تو ٹھیک ہے کہاں تھا اتنے دن سے؟''

''بس بابا کچھ چکروں میں الجھ گیا تھا رابطہ بھی نہیں کر سکا۔'' میں نے معذرت کی۔ ان کی بے تابی مجھے اچھی لگی تھی کیونکہ زندگی کے بڑے حصے میں ان کا رویہ میرے لیے سرد رہا تھا۔ ''ماں جی کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں میں بات کراتا ہوں۔'' انہوں نے کہا اور کچھ دیر بعد ماں جی لائن پر تھیں۔ فون کا ایک ایکس ٹینشن اندر بھی تھا۔ حال احوال اور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد ماں جی نے فون اچانک سویرا کو دے دیا اور اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم کیسی ہو؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''یہ نمبر آپ کے پاس ہوتا ہے نا؟''

''نہیں لیکن سمجھ لو میرا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا ابھی میں نے اپنی خیریت کی اطلاع دینے کے لیے کال کی تھی میں پھر بات کروں گا۔''

اس وقت تک لینڈ کروزر مری ہائی وے سے گھوم کر اسلام آباد کی ایک پوش آبادی میں داخل ہو چکی تھی میں نے سیٹ سے سر ٹکا لیا تھا تھکن سے میرا برا حال تھا۔ ابھی تک میں نے خود کو سنبھال رکھا تھا لیکن اپنوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درمیان آتے ہی جھجکن غالب آ گئی تھی۔ وسیم اور سفیر نے تعاقب کا پورا خیال رکھا تھا۔ ماں جی نے بتایا تھا کہ آپا اور شمی ابھی تک رفیق بھائی کے گھر میں تھیں اور عتیق شاید دو تین دن میں گھر پہنچ جائے۔ موبائل کی بیل بجی تو میں نے کال ریسیو کی۔ عبداللہ تھا وہ کوٹھی پہنچ گیا تھا اور رفیق بھائی سے میری بات کرانا چاہتا تھا۔

''رفیق بھائی کیسے ہیں؟'' میں نے سلام دعا کے بعد کہا۔ ''عتیق کی طبیعت کیسی ہے؟''

''بہت اچھی ہے یوں سمجھ لو کہ خدا نے میرے بیٹے کو دوسری زندگی دی ہے۔ شہباز میں تمہارا یہ احسان ساری عمر نہیں بھولوں گا۔''

''پلیز رفیق بھائی آپ میرے بڑے ہیں اور میں نے جو کیا وہ اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے۔ عتیق کئی رشتوں سے میرا بھی بہت کچھ لگتا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن وہ شخص کسی کا کتنا شکر گزار ہو سکتا ہے جس کی ساری عمر کی کمائی اس کے سامنے لٹ رہی ہو اور کوئی آ کر اسے بچا لے۔''

''بچانے والی ذات اللہ کی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''عتیق جاگ رہا ہے تو اس سے بات کرائیے۔''

''نہیں وہ سو رہا ہے اور حکیم کی دوا لے کر سو رہا ہے اس کا سونا لازمی ہے ورنہ میں تمہاری بات کرا دیتا۔''

''کوئی بات نہیں اسے میری طرف سے پوچھئے گا میں پھر کال کروں گا۔'' موبائل بند کر کے میں نے اسے آف نہیں کیا۔ مجھے سویرا کی بات یاد آئی تھی اس نے کسی وجہ سے پوچھا تھا کہ یہ موبائل میرے پاس ہی ہوتا ہے۔ شاید اس کے پاس کئی موبائل آ گیا تھا اور وہ مجھے اس سے کال کرتی۔ میرا اندازہ درست نکلا جب کچھ دیر بعد ایک اجنبی نمبر سے کال آئی میں نے ریسیو کی۔ وہ سویرا ہی تھی۔

''کہاں تھے آپ اتنے دن سے۔'' وہ رو رہی تھی۔ ''کوئی کچھ نہیں بتا رہا تھا۔ اتنے دن تک مر مر کر جیتی رہی ہوں۔''

''مجھے اندازہ ہے لیکن میں اس طرح پھنس گیا تھا کہ اطلاع کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں تھی۔ اب اللہ کا شکر ہے میں آزاد ہوں۔''

''پلیز شہباز آپ اس ملک سے چلے جائیں یہاں آپ کی جان کے دشمن آپ کو سکون سے بیٹھنے نہیں دیں گے اور آپ کو کچھ ہوا تو.....'' وہ شدت سے رو دی تھی اور مجھے اسے چپ کرانے کے لیے خاصے جتن کرنے پڑے۔ مشکل یہ تھی کہ سب آس پاس بیٹھے تھے اور سب کچھ سن رہے تھے۔ اس لیے میں محتاط ہو کر بات کر رہا تھا۔ چپ ہونے کے بعد اس کا موڈ بہتر ہوا تو اس نے بتایا۔ ''وہ..... میری عدت ختم ہو گئی ہے۔''

میں چونکا۔ ''کب؟''

''ابھی دو دن ہوئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔ وہ اصل میں مجھے بتا رہی تھی کہ اب وہ آزاد ہے میری ہونے کے لیے لیکن میرے حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اسے شادی یا نکاح کے بندھن میں باندھتا۔ دوسری طرف اس کی کچھ مجبوریاں بھی تھیں۔ اس کے رشتے دار اس کی زمین اور جائیداد پر دانت تیز کر رہے تھے اور وہ بابا سے اس کی حوالگی کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ اب وہ خود مختار اور آزاد تھی لیکن اس بات کی آڑ لے کر کوئی نیا فساد کھڑا کیا جا سکتا تھا اسی بنا پر بابا نے تجویز پیش کی تھی کہ اس کی عدت مکمل ہوتے ہی اس کا اور میرا نکاح کر دیا جائے۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت میں یہ بات مان گیا تھا لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس موقع پر میں شادی یا نکاح کے بندھن میں نہیں بندھ سکتا تھا۔

''سویرا میں گھر آنے کی کوشش کروں گا۔''

''کب؟''

''ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن امید ہے جلد آؤں گا۔''

سویرا سے بات کر کے میرا ذہن ہلکا ہو گیا تھا۔ پیچھے سے سفیر جو خاموش بیٹھا تھا بولا۔ ''لے بھائی یہ بھی گیا کام سے..... تیری طرح۔'' اس کا اشارہ وسیم کی طرف تھا۔ میں چونکا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب میں بتاتی ہوں شوبی۔'' مونا چہکی۔ ''ہم نے ان دونوں کی شادی کرا دی۔''

''وسیم اور سادھنا۔'' میں ہکا بکا رہ گیا۔ ''تم لوگوں نے مجھے اطلاع تک نہیں کی؟'' میرے لہجے میں برہمی آ گئی تھی۔

''اطلاع کہاں سے دیتے۔'' سفیر بھنا کر بولا۔ ''ہم راستے میں تھے اور تمہیں سرپرائز دینے آ رہے تھے۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ تم نے پہلے ہی سرپرائز دیا ہوا ہے۔''

''کیا شادی راستے میں ہوئی؟'' میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

وہ مسکرا رہا تھا۔ ''جناب ابھی صرف نکاح ہوا ہے۔ دراصل ان دونوں خواتین کو خطرہ تھا کہ میں رسا تڑا کر بھاگ نہ جاؤں۔''

''ہم نے ایسا تو نہیں کہا تھا۔'' مونا نے احتجاج کیا۔

''لیکن انداز تو ایسا ہی تھا۔ بلکہ یہ تو سادھنا کو بہکاتی تھی کہ میں دبئی میں جو گھومتا پھرتا رہتا ہوں تو مقصد سوائے ایک اور لڑکی کی تلاش کے کچھ نہیں ہے۔''

''اپنی طرف سے بولے جا رہے ہو۔'' مونا بھنائی پھر مجھ سے کہا۔ ''بات صرف اتنی ہے کہ سادی اپنوں سے بچھڑ کر بہت زیادہ ڈپریس ہو گئی تھی اور اسے عدم تحفظ کا احساس ہونے لگا تھا۔ پھر اس کے یہاں کے ڈاکومینٹس بھی بنوانے تھے۔ اس کی خاطر میں نے اور سفیر نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں کا نکاح کر دیا جائے۔ کیا ہم نے غلط کیا؟''

''نہیں بی بی تم دونوں اب ہمارے ماں باپ بن گئے ہو اور ماں باپ کو اولاد کے فیصلے کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔'' میں نے خلوص سے کہا۔ ''بہر حال جو ہو گیا اب اسے رونے کا فائدہ..... وسیم گاڑی یہاں روک لینا۔'' میں نے سڑک کے کنارے موجود جنگل کی طرف اشارہ کیا۔

وسیم نے گاڑی روک لی وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔ ''سوری شہباز صاحب ہمیں آپ کے بغیر یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''کوئی بات نہیں دوست۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا اور جیب میں موجود زرین کی راکھ والی تھیلی نکالتا ہوا جنگل کے اندر داخل ہو گیا۔ یہاں کسی قدر روشنی تھی۔ کوئی پچاس گز کے بعد میں ایک جگہ رکا اور درخت سے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاخ توڑ کر اس سے زمین کھودی۔ جب اچھا خاصا گڑھا بن گیا تو میں نے تھیلی کھول کر اس میں موجود راکھ گڑھے میں ڈال دی۔ اونچی لمبی زرین اب ایک مٹھی خاک رہ گئی تھی۔ بالآخر ہر انسان کا وجود اتنا ہی رہ جاتا ہے۔ تمام راکھ گڑھے میں ڈال کر میں نے مٹی برابر کی اور پھر اس کی مغفرت کی دعا کی۔ یہ اتفاق تھا کہ میں اس کی دونوں خواہشیں پوری کرنے میں کامیاب رہا تھا اس نے کہا تھا کہ صرف میں اسے دفناؤں اور کسی اور کو اس کی قبر کا پتا نہ چلے تو ایسا ہی ہوا تھا۔ اب اس کی قبر قیامت تک کے لیے چھپ گئی تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان دو درختوں کے درمیان مختصر سی جگہ میں ایک گل بدن محوِ خواب ہے۔ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا اور پھر بوجھل دل اور قدموں کے ساتھ جنگل سے باہر آ گیا۔ سفیر میرا مزاج شناس تھا وہ صورت دیکھ کر سمجھ گیا کہ کوئی خاص بات ہے اور اس وقت مجھ سے بات کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ میرے بیٹھتے ہی وسیم نے گاڑی آگے بڑھا دی اور چند منٹ بعد ایک چھوٹی لیکن خوب صورت کوٹھی کے سامنے روکی تھی۔ ہارن بجانے پر بیتو نے دروازہ کھولا۔ جیپ کے تاریک شیشوں کے پیچھے وہ مجھے نہیں دیکھ سکا تھا اس لیے اسے معلوم نہیں ہوا کہ میں بھی تھا۔

''بیتو کب آیا یہاں؟''

''جب ہم آئے تھے۔ عبداللہ سے رابطہ کیا تو اس نے تڑپ کر ہم سے بات کی تھی۔'' مونا بولی۔ ''جب اسے سادھنا کے بارے میں پتا چلا تو پاگل ہو گیا تھا اور اس نے دھمکی دی اگر ہم نے اسے اپنے پاس نہیں بلایا تو وہ شہر میں نکل جائے گا اور ہمیں تلاش کرے گا چاہے اس کوشش میں دشمن کے ہاتھ کیوں نہ لگ جائے۔''

''یہ ایسا ہی پاگل ہے۔'' میں نے کہا اور نیچے اتر آیا۔ بیتو گیٹ بند کر کے واپس آ رہا تھا اور اسی لمحے اس نے مجھے دیکھا۔ وہ اُڑتا ہوا آیا تھا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ اس نے بے تابی سے مجھے ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''شوبی یہ آپ ہے..... آپ ہے نا؟''

میں ہنسنے لگا۔ ''ہاں یہ میں ہی ہوں۔ گدگدی تو نہ کرو۔''

''آپ اس طرح بتائے بغیر غائب ہو گیا تھا۔'' اس نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔ ''ہم پاگل ہو گیا تھا اگر عبداللہ بھائی نہ روکتا تو ہم مرشد کے گھر پہنچ جاتا۔''

''ملنا بچھڑنا ہماری زندگی کا ایک حصہ ہے اس لیے کسی بھی حالت میں اپنے ہوش و حواس برقرار رکھا کرو۔'' میں نے کہا۔ ''سادی کہاں ہے؟''

''اندر ہے دیدی۔'' اس نے چہک کر کہا۔ ''پلاؤ بناتا ہے۔''

بیتو کی چہکار بتا رہی تھی کہ پلاؤ اس کی فرمائش پر پک رہا ہے۔ میں نے پیٹ پکڑ لیا۔ ''اف کیا یاد دلا دیا..... کتنا عرصہ ہو مجھے کوئی ڈھنگ کی چیز کھائے ہوئے۔''

''اب ہمارے ہاتھ آئے ہو تو دیکھنا کیا کیا پکا کر کھلاتے ہیں۔'' مونا نے اندر جاتے ہوئے کہا۔

''خدا خیر کرے۔'' میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''لگتا ہے تجھ پر مشقِ ستم ہوتی رہی ہے۔''

سفیر نے دانت نکالے۔ ''انہیں تو سات خون معاف ہیں۔''

یہ ایک چھوٹی سی دو منزلہ کوٹھی تھی۔ باہر شدید سردی کے مقابلے میں اندر سے خوشگوار حد تک گرم تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر سینٹرل ہیٹ کا سسٹم لگا ہو۔ اندر داخل ہوتے ہی بائیں طرف ایک بڑا ڈرائنگ روم تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دائیں طرف فرشی نشست والا لاؤنج تھا۔ جس میں وال ٹو وال دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور دیواروں کے ساتھ تکیے اور کشن رکھے تھے۔ میں ڈھیر ہونے کے انداز میں لیٹ گیا۔ مونا میرے انداز پر گھبرا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''ابھی تو کچھ نہیں ہوا لیکن اگلے آدھے گھنٹے کے اندر کچھ کھانے پینے کو نہیں ملا تو پھر کچھ ہوگا مثلاً انتقال پُرملال۔''

''کیا فضول کی بول رہے ہو۔'' مونا خفا ہو کر بولی۔ ''کھانا کچھ دیر میں بن جائے گا۔''

بیتو نے اندر جا کر سادھنا کو بتا دیا تھا اور وہ دوڑی آئی تھی۔ حسبِ معمول اس نے بھی گلے لگ کر رونے دھونے کا شغل کیا اور میں نے اسے چپ کرایا۔ بہرحال آدھے گھنٹے بعد حالات معمول پر آ گئے تھے۔ سادھنا پلاؤ اور قورمہ بنا رہی تھی۔ یہ سب اس نے دبئی میں مونا سے سیکھا تھا اور اس سے بہتر بنانے لگی تھی۔ میٹھے میں زردہ تھا۔ وہ میرے پاس سے جانا نہیں چاہتی تھی لیکن کھانا تیاری کے مراحل میں تھا اس لیے بادلِ ناخواستہ اسے جانا پڑا تھا۔ مونا کافی بنا لائی۔ اس نے کوشش کی کہ میں اسے ابھی سب کچھ بتا دوں جو مجھ پر گزری تھی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ ''فی الحال تو بھوک سے بندہ ناتواں ہو رہا ہے اور دوسرے سادھنا بھی سننا چاہے گی اور اسے پھر سے سنانا پڑے گا۔''

''پھر کب؟'' مونا نے بے تابی سے کہا۔

''کھانے کے بعد..... تب تک ایسا کرو کہ تم بتاؤ یہ تم لوگوں کو کیا سوجھی اس طرح اچانک دبئی سے نکلنے کی۔ نہ تو تم نے مجھ سے مشورہ کیا اور نہ ہی کوئی اطلاع دی۔'' میں سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ''یہاں کے حالات تم سب کے علم میں تھے اس کے باوجود تم وہاں سے نکل آئے۔''

''اس کی وجہ تھی یار۔'' سفیر نے کہا۔ ''تو کیا سمجھتا ہے ہم بالکل ہی غیر ذمے دار ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔''

میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرا لباس گندہ ہو رہا تھا لیکن فی الحال میں اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس طرف مونا نے توجہ دی۔ ''یہ باتیں بھی کھانے کے بعد ہو سکتی ہیں ابھی تو تم نہا لو۔''

''سوری مجھ میں ہمت نہیں ہے اور ہمت ہو تو کپڑے نہیں ہیں۔''

''کپڑے وسیم کے ہیں اور ہمت تم کر سکتے ہو۔'' مونا نے جارحانہ انداز میں کہا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ مجھے غسل خانے کی سیر کرائے بغیر نہیں مانے گی اس لیے بادلِ ناخواستہ میں اٹھ گیا۔

''تم سخت ظالم خاتون ہو۔ تمہیں سفیر بھگت رہا ہے اور مستقبل کے مظلوموں پر تو مجھے ابھی سے ترس آ رہا ہے۔''

''مستقبل کے مظلوم۔'' مونا نے سادگی سے کہا۔ ''وہ کون ہیں؟''

''ابھی تو نہیں ہیں۔'' میں نے سر کھجایا۔ ''یہ تو تمہاری سستی ہے کہ ابھی تک دنیا میں آئے ہی نہیں ہیں نکمی لڑکی۔''

مونا سرخ ہو گئی اور سفیر ہنس رہا تھا۔ مونا نے فرار میں عافیت سمجھی اور جاتے جاتے بولی۔ ''شوبی تم سخت واہیات ہو گئے ہو نہ جانے کس کی صحبت میں رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تُو کیسے برداشت کرتا ہے چوبیس گھنٹے اسے؟'' میں نے سفیر سے کہا تو اس نے مجھے گھورا۔

''جب تُو شادی شدہ ہوگا تو یہ سوال تجھ سے پوچھوں گا۔''

''چل زن مرید مجھے باتھ روم دکھا۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ کوٹھی میں تین بیڈ روم تھے اس کے علاوہ نیچے ایک گیسٹ روم بھی تھا۔ بیڈ روم مونا و سفیر، وسیم اور سادھنا میں تقسیم تھے جو فی الحال الگ کمروں میں سوتے تھے۔ بیتو گیسٹ روم میں تھا۔ سفیر مجھے بھی وہیں لے آیا کیونکہ اس میں دو الگ بیڈز تھے۔ اس کے ساتھ شاندار قسم کا باتھ روم بھی تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''یہ فرنش گھر کہاں سے کرائے پر مل گیا؟''

''بس یار اپنی وزارت کا ایک دوست ہے اس کا ہے۔ مال کمانے کا ماہر ہے اور اسلام آباد کے ہر سیکٹر میں اس کی کوٹھیاں کھڑی ہیں۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے یہ کوٹھی بکرائے پر دے دی لیکن کرایہ لینے کے لیے تیار نہیں ہے۔''

''اچھا ٹھکانہ ہے میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ عبداللہ سے ہٹ کر اپنا کوئی سیٹ اَپ بناؤں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن عمل کرنے سے پہلے ہی دشمن پیچھے لگ گئے۔''

''تُو نہا لے کیونکہ کھانا بس تیار ہونے والا ہے اور صبح سے تیری تلاش میں سوائے دھکوں کے کچھ نہیں کھایا ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں شوہر بن کر تجھے جھوٹ بولنے کی اچھی پریکٹس ہو گئی ہے۔'' میں نے کہا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ وہاں نہانے کے لیے تمام لوازمات موجود تھے اور میں بہت عرصے بعد دل کھول کر نہایا تھا۔ بہت ساری میل اور بہت ساری بری یادیں جسم سے چپک کر رہ گئی تھیں میں نے وہ سب صاف کر دیں۔ حالات نے مجھے سخت جان بنا دیا تھا اب سانحات مجھ پر زیادہ اثر نہیں کرتے تھے اور میں بہت جلد سنبھل جاتا تھا۔ یہ ضروری تھا ورنہ میں نے اب تک جو دیکھا اور سہا تھا وہ کسی عام آدمی کو مارنے یا کم سے کم پاگل کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہی نہیں ہوا کہ غسل کرتے ہوئے کتنی دیر گزر گئی ہے۔ جب سفیر نے دروازہ بجایا تو میں چونکا تھا۔

''سرکار باہر آ رہے ہیں یا دروازہ توڑ کر میت نکالنی پڑے گی۔''

''آپ کا دماغ درست ہے۔'' فوراً ہی مونا کے غرانے کی آواز آئی۔ ''جو منہ میں آتا ہے بولتے جاتے ہیں۔''

میں مسکراتا ہوا تولیہ باندھ کر باہر آیا تو مونا جا چکی تھی میں نے سفیر سے کہا۔ ''یہ بیویاں بھی خوب ہوتی ہیں شوہر کی ساری عزت آپ جناب کر کے اتار دیتی ہیں۔''

''تُو کہہ سکتا ہے ابھی شوہر جو نہیں بنا۔'' سفیر نے کمال ڈھٹائی سے کہا۔ ''اب جلدی سے کپڑے پہن کر آ جا ورنہ لنگر لٹ چکا ہوگا۔''

یہ صرف دھمکی نہیں تھی کیونکہ بیتو سمیت وہاں سب ایک سے بڑھ ایک پیٹو بیٹھے تھے۔ سفیر بھی کھانے کا شیر تھا اس لیے میں نے عجلت میں کپڑے پہنے اور لاؤنج میں آ گیا جہاں قالین پر بڑا سا دسترخوان بچھا دیا گیا تھا۔ مونا اور سادھنا ڈشیں لا کر رکھ رہی تھیں سفیر، وسیم اور بیتو نے میرا بھی انتظار نہیں کیا تھا اور شروع ہو گئے تھے میں ان کی صف میں شامل ہوا تھا کہ سادھنا نے کہا۔ ''آپ کی قمیص کے بٹن غلط لگے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بھاڑ میں گئی قیمیں۔'' میں نے پلاؤ کی ڈش اپنی طرف کھینچی اور اس کے بعد ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ پانی پت کی تمام لڑائیاں بھی اس کے سامنے ہیچ تھیں۔ مونا اور سادھنا حفظِ مراتب کے لحاظ سے ہمیں ڈانٹتی رہیں لیکن ان کی کسی نے نہیں سنی تھی۔ شوہروں نے بھی نہیں جو ویسے اشارہ ابرو پر چلتے تھے۔ ڈشیں بار بار خالی ہو رہی تھیں اس لیے انہیں بیٹھنے کا موقع ہی نہیں ملا اور جب موقع ملا تو کھانے کو بہت کم بچا تھا۔ وہ بے چاری وہی صبر شکر کر کے کھانے لگیں۔ سادھنا نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن مونا خفا تھی۔

''یہ بچایا ہے ہمارے لیے؟''

''تم لوگوں کا مقدر یہی ہے بچا کچا کھانا۔'' سفیر نے پُرخمار لہجے میں کہا وہ ذرا سا پیچھے سرک کر لیٹ گیا تھا وہی کیا جو جہاں تھا وہیں لمبا لیٹا ہوا تھا۔ خود میرا یہ حال تھا کہ سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا۔ سفیر کے جواب پر مونا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو ڈھٹائی سے بولا۔ ''ہاں کیا ضرورت ہے تم کو زیادہ کھانے کی..... بس اتنا کھاؤ کہ اسی طرح سلم اور اسمارٹ رہو۔''

''بول لو۔'' مونا جل کر بولی۔ ''رہنا تو میرے ساتھ ہے ناہر بار سادھنا کھانا نہیں بنائے گی۔''

سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''مجھے معلوم ہے تم نے کیا کدو کریلے کھلانے ہیں لیکن اس وقت اتنے اچھے کھانے کا مزہ مت خراب کرو۔''

''بالکل ٹھیک کہا تُو نے۔'' میں نے سفیر کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ''میں نہایت شرمندگی کے ساتھ تجھے دیا گیا زن مرید کا ٹائٹل واپس لیتا ہوں۔''۔

''شوبی آپ بھی.....'' سادھنا نے احتجاج کیا

وسیم ہنسا۔ ''بروٹس یو ٹو۔''

اس پر سادھنا نے وسیم کو گھورا تھا۔ اس سے پہلے جنگ کا دائرہ پھیل جاتا میں نے ہاتھ اٹھا کر سیز فائر کا اعلان کیا۔ مونا نے چالاکی سے کہا۔ ''اب تو معاملہ ایک ہی صورت میں ختم ہوگا کہ کھانے کے بعد برتن اور دستر خوان آپ سب اٹھائیں گے۔''

میں نے فوراً کہا۔ ''ٹھیک ہے میں یو این او کے کردار سے دست بردار ہوتا ہوں تم لوگ شوق سے لڑ سکتے ہو۔''

''تم فکر مت کرو مونا دیدی ہم اٹھائے گا۔'' بیتو نے کہا۔ ''بولے گا تو برتن دھلوائے گا۔''

''جی نہیں..... میرا بھائی کچھ نہیں کرے گا۔'' سادھنا نے کہا۔ ''ہم خود اٹھالیں گے۔''

''سن لیا بھائی۔'' میں وسیم کی طرف دیکھا۔ ''ساری خدائی ایک طرف۔''

مونا کے پاس ابھی ایک چال تھی۔ ''زردہ وہی کھائے گا جو برتن اٹھائے گا۔''

ہم زردہ تو بھول ہی گئے تھے اور مونا نے یاد دلایا تو سب برتن دستر خوان اٹھانے کے لیے تیار ہو گئے تھے لیکن مونا اور سادھنا نے ہمیں روک دیا۔ یہ سب مذاق تھا اور ہنستے کھیلتے ہوئے ہم نے کھانا ختم کیا تھا۔ مونا نے سب کے لیے چائے اور کافی بنانے کی ذمے داری لی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی ہیں اس لیے اس نے وارننگ دی۔ ''اپنی کہانی سنائے بغیر تمہیں سونے نہیں دیا جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے معلوم ہے اگر تم جلدی سے کافی بنالاؤ تو کہانی بھی جلدی سن سکو گی۔''

ابھی رات کے دس بجے تھے لیکن سب نے مصروف اور تھکن سے چُور کر دینے والا دن گزارا تھا اس لیے سب نیند کے جھونکے لے رہے تھے۔ مونا صرف دس منٹ میں کافی اور چائے بنالائی۔ سفیر کے اس راشی سرکاری ساتھی نے اس کوٹھی میں ضرورت اور آسائش کی ہر شے مہیا کر رکھی تھی۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ کافی کے پہلے تلخ گھونٹ نے نیند اُڑا دی اور میں اپنی کہانی سنانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ میں نے وہاں سے آغاز کیا جب میں زرین کو اس کی برتھ ڈے پر باہر لے گیا تھا اور وہیں سے ساری آفتوں کا آغاز ہوا تھا۔ مونا نے آغاز میں مداخلت کی۔ ''یہ مس زرین کون تھیں اور کہاں سے ہاتھ لگیں؟''

''سوری یہ بتانا تو بھول ہی گیا تھا۔'' میں نے کہا اور پہلے ان کو زرین کے بارے میں بتایا۔ بیتو اس کہانی سے واقف تھا اس لیے وہ اونگھنے لگا۔ وسیم اور سفیر بھی خاموشی سے سن رہے تھے لیکن سادھنا اور مونا نے زنانہ تجسس کے تحت بہت سارے غیر ضروری سوال کیے۔ سوالات زرین اور میرے تعلق کے بارے میں بھی تھے اور میں نے دامن بچا کر ان کے جوابات دیئے تا کہ یہ بعد میں میرے گلے نہ پڑ جائیں۔ زرین کے بارے میں بتا کر میں نے کہا۔ ''اب تم لوگ دل تھام کر سنو میری داستان۔''

سفیر نے وسیم کی طرف دیکھا اور معنی خیز انداز میں بولا۔ ''بھائی اسٹوری بنانے کے ماہر ہو گئے ہیں۔''

وسیم نے کچھ کہا نہیں صرف مسکرا دیا تھا۔ مونا نے سفیر کو گھورا۔ ''درمیان میں مت بولو۔''

''اور اتنی دیر سے تم دونوں کیا کر رہی ہو۔'' سفیر نے جواب دیا۔

ان کی لڑائی ختم ہوئی تو میں نے اپنی آپ بیتی سنانا شروع کی۔ یہ اتنی سنسنی خیز اور مار دھاڑ سے بھرپور تھی کہ وہ سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔ فاضلی سے ٹکراؤ اور پھر ان سے بچتے ہوئے ڈاکٹر کے ہتھے چڑھنا، یہ سن کر وہ اچھل پڑے تھے کہ ڈاکٹر نے ہمیں ایبولا وائرس لگا دیا تھا۔ اس دوران میں، میں نے وہ حصہ ایڈٹ کر دیا تھا جس میں زرین اور مجھے جذبات کو برانگیختہ کرنے والی دوا دی گئی تھی اور خدا نے ہمیں گناہ سے بچا لیا تھا۔ سادھنا اور مونا ڈاکٹر کو برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ جب میں نے ان کو زرین کے ماضی کے بارے میں بتایا تو انہوں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن ان کے تاثرات بتا رہے تھے کہ انہوں نے زرین کو ناپسند کر دیا ہے۔ اگر میں نے اس کے مرنے کی خبر نہ سنائی ہوتی تو شاید وہ زبان سے بھی کہہ دیتیں۔ مگر جب زرین اور مجھے ایبولا وائرس لگانے کا سنا ان کے دل پگھل گئے تھے اور ان میں زرین کے لیے بھی ہمدردی آ گئی تھی۔ جب زرین کی موت کے بارے میں بتایا تو دونوں رو رہی تھیں۔ مونا نے کہا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اتنی حوصلہ مند عورت نکلے گی۔''

''خود مجھے بھی توقع نہیں تھی کیونکہ اس نے جوانی سے اب تک کوئی اچھی بات نہیں دیکھی تھی۔ مرشد جیسے ندے کی قید میں اس نے بہت تکلیفیں سہی تھیں۔ میں نے بہت کم لوگ ایسے دیکھے ہیں جنہوں نے زندگی میں تکلیفیں برداشت کی ہوں اور پھر جوانی میں مر گئے ہوں۔''

سفیر اور وسیم کے لیے ڈیوڈ شا کا ذکر حیران کن ثابت ہوا تھا۔ ''یہ کہاں سے آ گیا اچانک؟'' وسیم نے چھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا اندازہ ہے کہ ڈاکٹر توفیق کو یہ کام اصل میں ڈیوڈ شا نے دیا تھا اگرچہ دونوں نے اس کا اقرار نہیں کیا تھا۔ ڈیوڈ شا کا کہنا ہے اس نے صرف متعارف کرایا تھا اور ڈاکٹر کو کام دوسری پارٹی نے دیا تھا۔''

پھر میں نے انہیں ڈیوڈ شا کی پیش کش کے بارے میں بتایا۔ سفیر کسی قدر پُر جوش ہو گیا تھا۔ ''واقعی ڈیوڈ شا مرشد سے معاملہ سیٹ کرا سکتا ہے۔''

''مجھے مرشد علی یا ڈیوڈ شا دونوں پر اعتماد نہیں ہے۔ تم نے دیکھا کہ ڈیوڈ شا کی ضمانت کتنی ناکارہ نکلی ابھی اس کا طیارہ پاکستان میں تھا کہ اس کا آدمی مرشد کے ہاتھوں بک گیا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی کہ مرشد کے ہاتھوں میں جانے سے محفوظ رہا ورنہ مارا جاتا۔ اب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''ہمیں بھی یہیں خدشہ تھا کہ تم مرشد کے ہتھے نہ چڑھ گئے ہو۔'' سفیر نے کہا۔ ''ہم نے تمہیں مرشد کے ٹھکانوں پر دیکھنے کی کوشش بھی کی تھی مگر اس نے سیکورٹی سخت کر رکھی ہے۔''

''یہ براؤن کو استعمال کرنے والا آئیڈیا کس نے دیا تھا؟''

''وسیم نے۔'' مونا بولی۔ ''اسے کتوں کی بہت پہچان ہے اور اسی نے بتایا کہ براؤن کی نسل کے کتوں کی سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے اور یہ بو کے سہارے میلوں دور جا کر بھی آدمی کو تلاش کر لیتے ہیں۔ اس لیے ہم اسے لے کر پورے اسلام آباد اور آس پاس کے علاقوں میں گھومتے رہتے تھے۔''

مجھے یاد آیا کہ جب میں ڈاکٹر توفیق کی کوٹھی میں تھا تو ڈیوڈ شا کسی کی مداخلت کے خدشے کے پیش نظر مجھے وہاں سے نکال لے گئے تھے اور کوٹھی کو تباہ کر دیا تھا میں نے وسیم سے پوچھا۔ ''کیا کبھی تم لوگ مری کی طرف بھی گئے تھے۔ جو راستہ الگ ہے بھوربن کی جانے کے لیے نکلتا ہے۔''

''نہیں ہم اس طرف نہیں گئے تھے کیونکہ ہمارا دھیان اس طرف گیا ہی نہیں تھا ہم تو میدانوں میں گھومتے رہے تھے۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''آج بھی ہم صبح سے راولپنڈی میں گھوم رہے تھے اور شام کو جب واپس آنے لگے تو اچانک ہی براؤن نے بھونکنا شروع کر دیا اور وہ جس طرف منہ کر کے بھونک رہا تھا ہم نے گاڑی اس طرف گھما دی۔''

''اس کا مطلب ہے اس کی سونگھنے کی صلاحیت واقعی بے مثال ہے۔ ڈیوڈ شا مجھے نیچے کہیں لایا تھا اور پھر اس کے گرگے مارشل نے مرشد سے میرا سودا کر لیا۔ وہ مجھے اس کے آدمیوں کے حوالے کرنے کے لیے راول جھیل کی طرف لے گیا تھا۔''

''براؤن ہمیں وہاں تک لے گیا۔ پھر فائروں کی آواز آئی اور یہ یک دم مونا سے زنجیر چھڑا کر بھاگ نکلا تھا۔''

''وہ فائر مارشل نے اپنے مقامی ساتھیوں پر کیے تھے تاکہ ڈیوڈ شا کے سامنے اس کے جرم کا کوئی گواہ باقی نہ رہے۔ میں نے اس دوران میں گاڑی کا دروازہ توڑ لیا تھا اور مارشل نے مجھے گولی مارنے کی کوشش کی جو براؤن نے ناکام بنا دی۔''

''دیکھا میرا کتا کتنا زبردست ہے۔'' مونا نے فخر سے کہا۔

''بس جی ہم تو آپ کے حسنِ انتخاب کے قائل ہیں۔'' سفیر نے عاجزی سے کہا تو سب مسکرانے لگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔

''ویسے یہ مسٹر براؤن ہیں کہاں؟''

''اس کے لیے کوٹھی کے پچھلے حصے میں کتا گھر ہے۔'' مونا نے بتایا۔ ''وہیں ہوتا ہے دن میں سوتا ہے اور رات کو پہرہ دیتا ہے۔''

''یہ اچھا ہے وہ اندر نہیں آتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ ملا کہاں سے؟''

''جب ہم پاکستان آ رہے تھے تو راستے میں ملا تھا۔'' سفیر بولا۔ ''خود ان خاتون کے آگے پیچھے ہونے لگا تھا۔''

''تمہاری طرح۔'' وسیم بولا تو سب ہنس دیئے تھے میں نے محسوس کیا کہ وسیم اور سفیر میں قریبی دوستوں جیسی بے تکلفی آ گئی تھی جب کہ مجھ سے اس کا احترام آمیز انداز برقرار رہا تھا۔ سوالات کی وجہ سے ایک گھنٹے کی کہانی دو گھنٹے تک چلی تھی اور اب بارہ بج رہے تھے۔ مونا اور سادھنا کی آنکھوں میں خمار گہرا ہو چلا تھا اور بیتو پہلے ہی خراٹے لے رہا تھا۔ وسیم نے اس کی طرف دیکھا۔

''منا سو گیا ہے۔ میرا خیال ہے خواتین بھی سوئیں تا کہ کل ناشتہ وقت پر مل جائے۔''

''بس ہماری یہی اہمیت ہے۔'' سادھنا نے منہ بنایا۔

''تو اور کیا۔'' وسیم نے اسے ڈانٹا۔ ''مجھے دیر تک پڑی سونے والی عورتیں بالکل اچھی نہیں لگتی ہیں۔''

''تو پھر لے آنا کوئی جلدی اٹھنے والی۔'' سادھنا اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں کل صبح دس بجے سے پہلے کسی صورت نہیں اٹھوں گی۔''

''میں بھی۔'' مونا نے اس کا ساتھ دیا۔

''بالکل میری طرف سے تم ایک گھنٹہ مزید سو سکتی ہو۔'' سفیر نے خلاف توقع اس کی تائید کی اور آہستہ سے بولا۔ ''اچھا ہے آفت جتنی دیر سوئی رہے۔''

''کیا..... کیا کہا آپ نے۔'' مونا چلائی اس نے سن لیا تھا۔

''میں نے کہا تم سوتے ہوئے زیادہ خوب صورت لگتی ہو اس لیے زیادہ سویا کرو۔'' سفیر نے جلدی سے بات بنائی لیکن مونا کو یقین نہیں آیا تھا وہ اسے گھورتی ہوئی چلی گئی تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔

''اب تم بتاؤ کہ ایسی کیا مصیبت آ گئی تھی جو تم سب یہاں دوڑے آئے؟''

''مصیبت آ گئی تھی یار۔'' سفیر نے گہری سانس لی۔ ''تمہیں معلوم ہے سادھنا کا پاسپورٹ جعلی تھا اور دبئی والوں نے اس پر شک نہیں کیا تھا اسے با آسانی ورک ویزہ مل گیا۔ اس کے لیے اسے واپس بھی نہیں جانا پڑا تھا۔ ایرانی جزیرے سے ان سب کی ری انٹری ہو گئی تھی۔''

''تب مشکل کیا تھی؟''

''یہ میں بتاتا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔ ''دبئی پہنچ کر ہم بالکل بے فکر ہو گئے تھے اور واحد فکر بس آپ کی رہ گئی تھی۔ صبح سے شام تک گھومتے پھرتے تھے اور رات گئے واپس آتے تھے کیونکہ کام تو کوئی تھا نہیں۔ سفیر نے کہنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی بس نام نہاد بنا رکھی تھی۔"

"نام نہاد کیوں۔" سفیر نے احتجاج کیا۔ "میں جاپان سے گاڑیاں منگوانے کا بزنس شروع کرنے والا تھا۔"

"لیکن ابھی شروع تو نہیں کیا تھا۔" وسیم نے اس کا احتجاج مسترد کر دیا۔ "اس وجہ سے ہمارے پاس بہت وقت تھا۔ پیسہ بھی تھا اور گاڑی بھی تو آدمی آرام سے کتنی دیر گھر میں بیٹھ سکتا ہے؟"

"چند گھنٹے سے زیادہ نہیں۔" میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

"چند گھنٹے۔" سفیر بھنا کر بولا۔ "یہ لوگ ایک گھنٹہ بھی سکون سے گھر میں نہیں گزارتے تھے کھانا بنانے کے لیے ٹماٹر بھی چاہیے ہوتا تو سب گاڑی میں لد کر سب سے دور دراز کے شاپنگ سینٹر کا رخ کرتے تھے اور عام طور سے کھانا بھی باہر کھا کر آتے تھے۔ ٹماٹر کی ضرورت بھی نہیں رہتی تھی"

"ان سب میں تم سب سے آگے ہوتے تھے۔" وسیم نے یاد دلایا۔ "اور شاپنگ کے لیے جگہ بھی تم منتخب کرتے تھے۔ ہمیں دبئی کا کیا پتا تھا۔"

"وہ تو میں جمہور کی رائے پر عمل کرتا تھا۔" سفیر نے کھسیا کر کہا۔ "اپنے ایمان سے کہو تم لوگوں کو سمجھاتا نہیں تھا کہ ہمارا زیادہ گھومنا پھرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں سمجھاتے تو تھے۔" وسیم نے اعتراف کیا۔ "بہر حال ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔"

"تم دونوں بک بک کرنے کے بجائے اصل بات پر آؤ گے یا نہیں۔" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

"اصل بات یہ ہے کہ ایک بد بخت انڈین نے سادھنا کو دیکھ لیا اور وہ سادھنا اور کنور فیملی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے ہمارا پیچھا لے لیا۔ پرمیش کمار نامی یہ شخص وہاں بہت بڑا تاجر ہے اور اس کا اصل دھندہ پاکستان سے اسمگل ہو کر انڈیا آنے والا باسمتی چاول پیک کر کے مڈل ایسٹ کی مارکیٹ میں فروخت کرنا ہے۔"

"اگر اسے شک ہو گیا تھا تو یہ ایسی بات تو نہیں تھی جس کے لیے تم لوگ دبئی جیسی محفوظ جگہ چھوڑ کر یوں نکل جاتے۔"

"یار پوری بات تو سن لے۔" سفیر چڑ گیا۔ "کیا ہم بچے ہیں عقل سے پیدل۔"

"مجھے دوسری بات سے اختلاف نہیں ہے۔"

وسیم نے بات جاری رکھی۔ "اس حرامزادے نے پہلے تو ہمارا پیچھا لیا اور سادھنا کو پہچاننے کا دعویٰ کیا اور جب میں نے اس کی تھوڑی مرمت لگائی اور اسے بتایا کہ سادھنا میری بیوی اور مسلم ہے تو اس نے دبئی امیگریشن کو اطلاع کر دی۔ وہ گھر آ گئے اور سادھنا کا پاسپورٹ قبضے میں لے لیا۔"

"یہ تو برا ہوا؟"

"نہیں برا ہونے والا تھا۔" سفیر نے کہا۔ "اس سے پہلے سچ مچ برا ہوتا ہم نے وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ قانونی راستے سے صرف میں اور مونا جا سکتے تھے۔ وسیم کا پاسپورٹ بھی دو نمبر تھا اور امکان تھا کہ پاکستان میں اسے روک لیا جائے گا۔ وقت نہیں تھا کیونکہ دبئی امیگریشن والے لازمی بھارت سے پاسپورٹ کی تصدیق کراتے اور جیسے ہی معلوم ہوتا کہ پاسپورٹ جعلی ہے سادھنا گرفتار ہو جاتی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے تم ہمیں بھی تو بتا سکتے تھے۔''

''نہیں یار موقع نہیں تھا اور یہ خوف بھی تھا کہ دبئی سے باہر جانے والی کالز ریکارڈ کی جاتی ہیں۔'' سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں تیزی سے حرکت میں آیا سب سے پہلے اپنے مکان کا سودا کیا اور اسے ایک رئیل اسٹیٹ والے کو بیچ دیا۔ اس نے جو قیمت دی میں نے قبول کر لی ویسے نقصان میں نہیں رہا جتنے میں لیا تھا اس سے دوگنی قیمت مل گئی اور اگر آرام سے بیچتا تو تین گنا بھی مل سکتی تھی۔''

''بینک اکاؤنٹس کا کیا کیا؟''

''ان کو جنوبی افریقہ کے ایک بینک میں منتقل کیا اور اب میں اسے دنیا میں کہیں سے بھی آپریٹ کر سکتا ہوں۔ یہاں پاکستان میں بھی اس کی برانچیں ہیں۔''

''یہ اچھا ہوا کیونکہ دولت بہت بڑی طاقت ہے۔''

''میں نے اس کا نصف حصہ گولڈ بانڈ میں تبدیل کرا لیا ہے کیونکہ دبئی میں ایک جاننے والے جیولر نے بتایا کہ آنے والے تین سالوں میں سونے کی قیمت دوگنی سے زیادہ ہو جائے گی۔''

''یہ تم نے اچھا کیا؟'' میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''تم لوگ کشتی لے کر ایران پہنچے اور پھر وہاں سے پاکستان آئے لیکن اتنی دیر کیوں لگا دی؟''

''اس میں بھی ایک مسئلہ ہو گیا تھا جناب۔'' وسیم بولا۔ ''سفیر نے جس آدمی کی خدمات حاصل کی تھیں وہ بدمعاش نکلا۔ جب ہم ایران پہنچے تو اس نے ایک طرح سے ہمیں یرغمال بنا لیا اور ایرانی پولیس کے حوالے کرنے کی دھمکیاں دینے لگا۔''

''مجھے بھی یہی خدشہ تھا کیونکہ اس قسم کے کام آدمی اکیلا نہیں کرتا ہے میرا خیال تھا کہ تم لوگوں نے دو ملکوں کی سرحدیں عبور کرنے کے لیے اسمگلر ٹائپ کے جرائم پیشہ کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔''

''میں اسے دبئی سے جانتا ہوں کیونکہ گاڑیوں کا کاروبار کے لیے اس نے بھی مجھے پیش کش کی تھی۔ وہ اصل میں گاڑیاں بھی اسمگل کرتا ہے۔ دبئی سے گاڑیوں کو لانچوں میں لاد کر پاکستان اور ایران کے راستے افغانستان پہنچایا جاتا ہے جہاں ان کی بہت مانگ ہے ان دنوں۔''

''ہاں ان دنوں وہاں ہارورد کے ساتھ ڈالرز کی برسات بھی ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ شامل ہو جاؤں لیکن میں نے کام کی نوعیت بھانپ کر ہی اسے انکار کر دیا تھا۔ البتہ جب ہمیں دبئی سے نکلنے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے اس کا خیال آیا اور میں نے اس سے رابطہ کیا تو وہ خوشی سے ہمیں پاکستان تک پہنچانے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔''

''اس نے کہا ہو گا کہ تم لوگ خود اس کے دام میں آ رہے ہو اور اب وہ تم سے تمہارے انکار کا بدلہ لے سکتا ہے۔''

''تو نے ٹھیک کہا وہ کینہ پرور آدمی اسی انکار کو دل میں لیے بیٹھا تھا نادر شاہ درانی کی اولاد۔'' سفیر بولا

''نادر شاہ کی اولاد؟''

''وہ خود کو نادر شاہ درانی کی اولاد کہتا ہے نام بھی قادر شاہ درانی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بکواس کرتا ہے اسے اپنے باپ کا نام بھی نہیں معلوم۔ اس کی ماں شاہ ایران کے زمانے میں ایران کی مشہور طوائف تھی اور جب خمینی حکومت آئی تو دوسری بدکردار عورتوں کی طرح وہ روپوش ہوگئی۔'' وسیم نے کہا۔

''تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟''

''نہیں یہ تو مجھے ازابیل خان سے معلوم ہوا۔''

''ازابیل خان کون ہے؟''

''وہ پاکستان کا اسمگلر ہے۔ ایران اور افغانستان میں اس کا مال آتا جاتا ہے۔ جب ہم قادر شاہ درانی کی قید میں تھے تو اتفاق سے وہ وہاں آگیا اور اسی کی وجہ سے ہماری گلوخلاصی ہوئی۔ ازابیل خان مجھے بہت پہلے سے جانتا ہے۔ ہم اس کے گروہ سے بھی اسلحہ خریدتے تھے۔''

''ازابیل خان نے پرانے تعلقات کا پاس کیا یا کوئی اور چکر تھا؟''

وسیم مسکرایا۔ ''آپ جانتے ہیں جرم کی دنیا میں تعلقات کی پاسداری نہیں کی جاتی ہے۔ ازابیل خان نے اس شرط پر رہا کرایا کہ ہم اس کا کچھ مال سرحد پار پہنچائیں گے۔''

''تم نے اس کی شرط مان لی؟''

''کیا کرتے قادر شاہ درانی کے پاس بری طرح پھنس گئے تھے لیکن اس نے بڑا مشکل کام دیا تھا۔ کوئی ۱۰۰ درجن اونٹوں پر مشتمل قافلہ تھا جس کی نگرانی ہمارے سپرد تھی۔ دوسرے کاموں کے لیے ازابیل خان کے آدمی تھے۔ ہم چاروں صحراؤں اور ویرانوں میں سفر کرتے رہے تھے اور ایک بار تو سرحدی محافظوں نے دیکھ بھی لیا تھا لیکن خوش قسمتی سے وہ ایرانی تھے اور ہم اس وقت تک پاکستان کی سرحد عبور کر چکے تھے اس لیے ایرانیوں نے تعرض نہیں کیا۔''

''پھر بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں انہوں نے پاکستانی حکام کو اطلاع نہ کر دی ہو۔ بہرحال خیریت رہی اور ہم بحفاظت تافتان پہنچ گئے۔'' سفیر نے قصہ مکمل کیا۔

''شاید وہیں سے تم نے کال کی تھی؟''

''ہاں ایک سم لی تھی لیکن موبائل نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے ایک آدمی کا موبائل لے کر کچھ دیر کے لیے کال کی تھی۔ پولیس اور دوسرے اداروں کے ڈر سے ہم چھپ کر سفر کر رہے تھے کیونکہ صرف سفیر اور مونا کے پاس ایران کے اصل کاغذات تھے۔ میرے اور سادھنا کے پاس کسی قسم کا کوئی کاغذ نہیں تھا۔''

''کوئٹہ پہنچ کر موبائل لیا تو اس وقت تک ٹو غائب ہو چکا تھا۔'' سفیر نے بتایا۔ ''میں نے سنا تھا دوسرے شہروں کی نسبت کوئٹہ میں کاغذات بنوانا نسبت آسان ہوتا ہے۔ اس لیے ہم وہیں رک گئے اور سادھنا وسیم کے نکاح کی ضرورت بھی وہیں پیش آئی تھی۔ وسیم کا شناختی کارڈ سرکاری ریکارڈ میں موجود تھا اس لیے آسانی سے بن گیا۔ اب سادھنا کا اس سے نکاح پڑھایا گیا اور اس کی بنیاد پر اس کا شناختی کارڈ بنایا گیا۔ اس میں ایک ہفتہ وہیں لگ گیا تھا۔ یہاں عبداللہ سے رابطہ تھا اور ہمیں رپورٹ مل رہی تھی۔ جیسے ہی وسیم اور سادھنا کے شناختی کارڈ بنے ہم اسلام آباد پہنچ گئے اور تیری تلاش شروع کر دی۔''

باتوں میں احساس نہیں ہوا تھا لیکن ہماری نیند اُڑ گئی تھی۔ صرف بیتو سو رہا تھا۔ اندر ماحول خوشگوار ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرم تھا اس لیے وہ بغیر کمبل کے بھی آرام سے سو رہا تھا۔ میں نے کوٹھی کے بارے میں پوچھا۔ ''یہ کب لی؟''

''یہاں پہنچتے ہی۔'' سفیر نے کہا۔

''یہ ٹھیک ہے لیکن اس کے علاوہ بھی ہمیں مزید ٹھکانوں کی ضرورت ہے۔ کم سے کم دو جگہیں کرائے پر حاصل کی جائیں جو ایک دوسرے سے مختلف جگہوں پر ہوں اسی طرح ہمیں گاڑیوں کی ضرورت ہوگی۔ سب سے اہم ضرورت اسلحے کی ہے۔''

''اسلحے کی فکر مت کریں۔'' وسیم نے کہا۔ ''یہ میری ذمے داری ہے جو اسلحہ اور جتنی تعداد میں چاہیے مل جائے گا۔''

''مرشد پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گیا ہے اور اس نے چند قابل لوگوں کی خدمات بھی حاصل کر لی ہیں۔ فاضلی ان میں سے ایک ہے مجھے یقین ہے مارشل بھی اس سے مل گیا ہوگا اور اب وہ بھی دشمنوں میں شامل ہے۔''

''مرشد سے مقابلے کے لیے ہمیں بھی قابلِ اعتماد ساتھیوں کی ضرورت ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''ایک آدمی ہے۔'' میں نے کہا اور انہیں ایاز کے بارے میں بتایا۔ ''لڑائی بھڑائی کا ماہر ہے اور سب سے بڑھ کر گاڑیوں کا ماہر ہے۔''

''عبداللہ بھی ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''ہاں لیکن وہ راجا عمر دراز کا ملازم ہے۔ مخلص سہی پر ایک حد سے زیادہ ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم اس سے کام لے سکتے ہیں لیکن اس پر تکیہ نہیں کر سکتے ہیں۔'' میں نے کہا تو سفیر نے میری تائید کی تھی۔

''ہمیں جو کرنا ہے اپنے زورِ بازو پر کرنا ہے۔''

ہم ایک دوسرے کے حالات اور واقعات سے واقف ہو چکے تھے۔ اب مجھے اطمینان تھا کہ ان لوگوں نے دبئی سے نکل کر بالکل صحیح قدم اٹھایا تھا اگر وہ دیر کرتے تو کم سے کم سادھنا پھنس جاتی اور دبئی کے سخت قوانین میں اس کے لیے نرمی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سفیر نے تیزی اور ذہانت سے کام لے کر ہمارے اثاثے بھی محفوظ کر لیے تھے۔ اب اگر دبئی نہ جاتے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم یہاں بھی اس بینک سے رقم نکال سکتے تھے بلکہ سفیر نے پانچ لاکھ روپے نکلوائے تھے۔ اس پر مجھے یاد آیا۔

''رانا ویاس نے راجا عمر دراز کے توسط سے دس لاکھ روپے مزید بھجوائے ہیں اس کا کہنا ہے کہ یہ ہیروں کی قیمت میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔''

''اس نے تو پوری ادائیگی کر دی تھی۔'' سفیر نے یاد کیا۔

''لیکن مجھے عبداللہ کے توسط سے رقم ملی تھی اور میں نے اسے عبداللہ کے پاس ہی رکھوا دیا ہے کیونکہ ابھی تو آئے دن اٹھنے لگا ہوں اور جب دشمن کے ہاتھ لگتا ہوں تو سب چھن جاتا ہے۔''

''ہمیں بھی یہ کرنا چاہیے۔'' سفیر نے کہا۔ ''بینک میں اکاؤنٹ کھلوا لینے جائیں اور سب کے پاس اے ٹی ایم کارڈ ہوں اس سے سہولت ہو جائے گی کہ کیش کا چکر نہیں ہوگا اور جب ضرورت ہوگی تو کیش نکلوایا جا سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔''

''تو طے ہے سب سے پہلے دو عدد مزید ٹھکانوں کی ضرورت ہو گی۔'' میں نے کہا۔ ''دوسرے ہمیں گاڑیاں درکار ہیں گاڑیاں ایسی ہوں کہ سڑک کے علاوہ ناہموار راستوں پر بھی چل سکیں اور ریس میں اچھی ہوں۔''

''یہ دونوں کام میں کرلوں گا۔'' سفیر نے کہا۔ ''اتنے عرصے میں غائب رہا ہوں اس لیے دشمنوں کے لیے اجنبی ہوں۔''

''اسلحہ میری ذمے داری ہو گی۔'' وسیم بولا

''ٹھیک ہے بینک اکاؤنٹ مونا اور سادھنا کھلوالیں گی۔ دو بینک اکاؤنٹ کافی ہوں گے اور اے ٹی ایم بن جائیں گے تو کوئی بھی رقم نکلوا سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''بیتو کے لیے بھی آئی ڈی کارڈ کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ایک کام اور کرنا ہے سب کے پاس پاسپورٹ ہوں۔''

''میرے اور مونا کے پاس ہیں۔'' سفیر بولا۔ ''تم چاروں کے بنوانے ہیں۔''

''یہ سب کرنے کے بعد ہم آرام سے بیٹھ کر سوچیں گے کہ اب دشمنوں کے خلاف کیا کرنا ہے۔'' میں نے کہا تو وسیم نے سر ہلایا۔

''بس تو کل سے حرکت میں آجانا ہے۔''

''دشمن کے بارے میں تو سوچ سکتے ہیں لیکن راجا عمر دراز کا کیا کرنا ہے۔'' سفیر نے نکتہ اٹھایا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے کہا۔

''بھائی وہ بلاوجہ تمہاری اور ہماری مدد نہیں کر رہا ہے اس کے پیچھے اس کی کوئی بہت بڑی غرض ہے۔''

''اس کی غرض میں سمجھتا ہوں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''اگر موقع ملا تو اس کے کام آنے کی کوشش کروں گا لیکن فی الحال تو میرے سامنے میرے اپنے مسائل ہیں۔''

''اسی وجہ سے میں چاہتا ہوں ہم جو کریں وہ راجا عمر دراز سے ہٹ کر کریں اس کا اتنا زیادہ محتاج ہونا بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' سفیر نے کہا

''ہم کسی کی مدد مانگنے کے قائل بھی نہیں ہیں۔ یہ تو حالات ہیں جو ہمیں راجا عمر دراز تک لے جاتے ہیں یا اسے ہم تک لے آتے ہیں پھر وہ باظرف آدمی ہے جو احسان کر کے جتاتا نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور قالین پر دراز ہو گیا۔ ''کوئی ہلکی چیز مل جائے گی اوڑھنے کو؟''

''کیوں نہیں یہاں سب ملے گا یار۔'' سفیر بولا۔ جب تک اس نے کمبل لا کر مجھ پر ڈالا میں سو چکا تھا۔ وسیم بھی وہیں لیٹ گیا تھا۔ وہ اپنے لیے کمبل لے آیا تھا لیکن صبح یہ صورتِ حال تھی کہ اس ایک کمبل میں وسیم اور بیتو دونوں لپٹے ہوئے تھے۔ رات کسی وقت سردی بڑھ گئی تھی۔ مونا سب سے پہلے اٹھی اور نیچے آکر اس نے لاؤنج کی دیوار کا پردہ ہٹا دیا۔ یہ پوری دیوار شیشے کی تھی جس کے پار تحفظ کے لیے خوبصورت فولادی گرل لگی تھی۔ پردے کی وجہ سے پتا نہیں چل رہا تھا کہ دیوار شیشے کی ہے اور شیشے کے پار سرسبز لان تھا جس پر پام نسل کے بونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درخت لگے تھے۔ بے حد خوبصورت منظر تھا۔ میں نے دھوپ پڑنے پر کمبل سے سر نکالا تو مونا کشن اور تکیے درست کر کے رکھ رہی تھی۔ مجھے بیدار دیکھ کر مسکرائی۔

''گڈ مارننگ۔''

''خالی گڈ مارننگ؟''

''نہیں السلام وعلیکم بھی ہے۔'' اس نے چالاکی سے کہا۔

''میرا اشارہ بیڈ ٹی کی طرف ہے۔''

''میں بری چائے کی قائل نہیں ہوں۔ صبح سویرے منہ دھوئے بغیر چائے اچھی کہاں لگے گی۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

''اچھا بی بی۔'' میں اٹھ بیٹھا۔ ''مت دو چائے پانی میں ابھی تمہارے میاں کو لے کر جا رہا ہوں اور ہم رات کا کھانا کھا کر آئیں گے۔''

''جی نہیں آج آپ کہیں نہیں جائیں گے۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اتنے عرصے بعد ہم ملے ہیں ایک پورا دن ہم گھر میں اور ساتھ گزاریں گے۔''

''ہم باہر تفریح کرنے نہیں جائیں گے۔ کچھ کام نمٹانے ہیں۔'' میں نے گیسٹ ہاؤس کے واش روم کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

مونا میرے پیچھے آئی۔ ''پلیز شوبی ایک دن سے کیا ہوتا ہے؟''

میں رک گیا اور پھر مونا کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ہوتا تو کچھ نہیں ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ دشمن ایک دن کی تاخیر سے فائدہ اٹھا کر ہمارے خلاف کوئی سازش تیار کر لے اور جب سازش سامنے آئے تو ہم اس کا سامنا کرنے کے قابل نہ ہوں۔ اس کی وجہ ہے دشمن پوری تیاری کرتا ہے اور ہمارے خلاف ہر ممکن ذریعہ استعمال کرتا ہے جب کہ ہم اس سے بچ نکلنے پر بس شکر ادا کرتے ہیں اور اگلی بار پھنسنے تک آرام کرتے ہیں۔ ہمیں بھی دشمن کے خلاف مکمل طور پر تیار رہنا چاہیے۔''

''تو کیا تیاری آج سے شروع کر دو گے؟'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''ابھی تو تم آئے ہو۔''

''ہاں اور میں دوبارہ اس کی گرفت میں نہیں جانا چاہتا۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''سفیر اٹھ جائے نہیں تو اسے اٹھا دو اور اگر ناشتہ دینے کا ارادہ ہے تو تمہارے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہے۔''

میں نے وسیم کی پتلون قمیص پہن رکھی تھی۔ باتھ روم سے فارغ ہو کر میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''شہباز جب آپ کہاں ہیں؟''

''ایک اور ٹھکانے پر ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ بتاؤ کہ ایاز کہاں ہے؟''

''یہاں کوٹھی میں موجود ہے۔''

''گڈ اسے میرے کپڑے، دوسرا سامان اور رقم دے کر بھیج دو۔ اسے یہ نمبر دے دینا۔''

''آپ کا پتا؟''

''فون پر بتانا ٹھیک نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''تم اسے یہ نمبر دے کر روانہ کر دو اور اسے کہو کسی پی سی او

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس نمبر پر کال کرے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔'' عبداللہ بولا۔ ''کیا ساری رقم دے دوں؟''

''بالکل تم ساری رقم دے کر روانہ کرنا۔''

عبداللہ سے بات کر کے میں لاؤنج میں آیا تو وسیم اٹھ گیا تھا البتہ بیٹا سو رہا تھا میں نے اسے سونے دیا اور کچن سے متصل چھوٹے سے ڈائننگ روم میں آیا۔ ناشتہ میز پر لگایا جا رہا تھا اور ریڈی میڈ تھا۔ یعنی سکے ہوئے توس اور ابلے اور تلے ہوئے انڈے تھے۔ دودھ میں سیریل تھا۔ موسم کی مناسبت سے اورنج جوس بھی تھا۔ مونا پھولے منہ کے ساتھ کام میں لگی تھی اور سادھنا یقیناً آرام کر رہی تھی۔ ان دونوں نے کام بانٹ لیا تھا۔ چند منٹ بعد سفیر اور وسیم بھی آ گئے۔ سفیر نے غور سے مونا کو دیکھا اور کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا اور بولا۔

''وسیم اسلحے کے ساتھ ایک گاڑی کا بندوبست تم کرو گے۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' سفیر نے پوچھا۔

''تم اسلام آباد میں ایبک کرائے کا مکان لو گے بے شک غیر فرنش ہو لیکن فرنش مل جائے تو اچھا ہے اور دوسرے ایک گاڑی کا بندوبست تم کرو گے۔''

''ٹھیک ہے اور تم کیا کرو گے؟''

''میں راولپنڈی میں مکان دیکھوں گا اور ایک بائیک لوں گا۔'' میں نے اپنا پروگرام بتایا۔ سفیر نے ایک بار پھر مونا کی طرف دیکھا۔

''لیڈیز کو ان کا پروگرام بتا دیا ہے؟''

''لیڈیز کا آج گپ شپ کا موڈ ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں بتایا۔ ''ان کے حصے کا کام بھی ہمیں کرنا ہوگا۔''

''میں نے کام سے کب منع کیا ہے؟'' مونا خفگی سے بولی

''تم نے منع نہیں کیا ہے میں منع کر رہا ہوں تم دونوں گھر میں رہو تو زیادہ اچھا ہے۔ ہاں ہم تینوں کو تین الگ الگ بینکوں میں اکاؤنٹ بھی کھلوانا ہوگا۔ ایاز ابھی رقم لا رہا ہے۔ ضرورت کی الگ کر کے باقی رقم سے اکاؤنٹ کھلوانا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ مونا روہانسی نظر آنے لگی تھی لیکن میں نے سوچ لیا تھا اپنے رویے میں نرمی نہیں لاؤں گا۔ سفیر دیکھ رہا تھا اور خاموش تھا شاید وہ مجھ سے متفق نہیں تھا۔ موبائل کی بیل بجی۔ یہ لینڈ لائن نمبر تھا۔ میں نے کال ریسیو کی دوسری طرف ایاز تھا۔

''شہباز صاحب میں باہر سے بات کر رہا ہوں مجھے کہاں آنا ہے۔''

میں نے سفیر سے پوچھ کر اس کوٹھی کا پتا بتایا اور اس سے کہا۔ ''آتے ہوئے اپنے تعاقب کا خاص خیال رکھنا اگر ذرا بھی شبہ ہو تو واپس چلے جانا... سمجھ گئے؟''

''جی جناب۔'' اس نے کہا۔ ''مجھے آنے میں آدھا گھنٹہ لگ جائے گا اگر اس سے دیر ہو اور میری طرف سے رابطہ نہ ہو تو آپ سمجھ جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایاز کا مطلب تھا کہ وہ کسی خطرے میں ہوگا اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی خطرہ لاحق ہو چکا ہوگا۔ میں نے فون بند کیا تو مونا جا چکی تھی میں نے سفیر کی طرف دیکھا تو اس نے گہری سانس لی۔ ''یار میں شادی کر کے مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ یہ چاہتی ہے کہ میں اس کی اسی طرح مانوں جیسے عام شوہر بیویوں کی مانتے ہیں اور اکثر یہ سمجھتی نہیں ہے کہ ہم کن حالات سے دوچار ہیں۔''

''یہ مسئلہ تو ہونا ہی تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن گزشتہ رات سے اب تک میں نے جو دیکھا ہے اس نے مجھے ایک فیصلے تک پہنچنے میں مدد دی ہے۔''

''کیا فیصلہ؟'' سفیر نے میری طرف دیکھا تو میں نے انہیں سویرا کے بارے میں بتایا۔

''بابا چاہتے ہیں کہ ہمارا نکاح کر دیا جائے تاکہ سویرا کے نام نہاد رشتے داروں کا منہ بند ہو جائے۔ اگر میں نے اس سے نکاح کر لیا تو اس کے بعد میں اس سے اس طرح بے فکر نہیں ہو سکتا جیسا کہ اب ہوں۔ میری یکسوئی متاثر ہوگی۔''

''یعنی اب تم نکاح نہیں کرو گے؟''

''میں فی الحال بابا کو ٹال دوں گا۔ ویسے بھی شمی اور آپا کے اغوا کی ناکام کوشش کے بعد ہمارا خاندان ایک ہنگامی صورت حال سے گزر رہا ہے میں اس کی آڑ لے کر نکاح کو کچھ عرصے کے لیے ٹال سکتا ہوں۔''

''لیکن آپ اسے غیر معینہ مدت کے لیے نہیں ٹال سکتے۔'' وسیم نے کہا اور درست کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن جب تک میرے بس میں ہے میں ٹالتا رہوں گا اور اس کے بعد واضح بات کر لوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ضروری نہیں ہے اس کی نوبت آئے۔''

جب تک ہم ناشتے سے فارغ ہوئے ایاز آ گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ اپنی چیتی جیپ بھی لایا تھا۔ اس نے یقیناً راستے میں تعاقب کا پورا خیال رکھا ہوگا ورنہ وہ یہاں نہیں آتا۔ وہ جیپ سے اتر کر مجھ سے گلے ملا۔ ''آپ کو ٹھیک دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔''

''اور مجھے تم کو دیکھ کر۔'' میں نے کہا۔

ایاز نے جیپ سے میرا بیگ اور ایک بریف کیس اٹھایا۔ ہم اندر لاؤنج میں آ گئے۔ سفیر نے اس سے ناشتے کا پوچھا لیکن وہ کر کے آیا تھا۔ ''ہاں چائے یا کافی مل جائے تو ٹھیک ہے۔''

بیتو ہماری آوازیں سن کر اٹھ گیا تھا وہ ایاز کو دیکھ کر خوش ہوا۔ ''اچھا ہوا ایاز بھائی تم بھی ادھر آ گیا۔''

سادھنا جاگ کر نیچے آئی اور ایاز کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ میں نے ایاز کا تعارف کرایا اور اسے چائے بنانے کو کہا وہ بولی۔ ''میں لاتی ہوں، مونا کہاں ہے؟''

''اوپر ہوگی۔'' سفیر نے جواب دیا۔ سادھنا چند منٹ میں سب کے لیے چائے بنا لائی۔ وسیم چہکا۔ ''اسے کہتے ہیں کوئیک سروس۔''

سادھنا مسکرائی۔ ''چائے تو مونا نے پہلے ہی رکھ دی تھی میں تو صرف نکال کر لائی ہوں۔''

سفیر ہنسا۔ ''اب بول بیٹے کوئیک سروس۔''

''تو کیا ہوا کوئی اور اتنی جلدی نکال کر لا سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری بیوی لا سکتی ہے۔'' سفیر نے سینہ تان کر کہا۔

میں نے ایاز کی طرف دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''یاران کا بیوی نامہ جاری رہے گا ہم ذرا کام کی باتیں کر لیں۔''

''باتیں چھوڑیں آپ بس حکم دیں۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''حکم نہیں دوست..... مجھے معلوم ہے تم عبداللہ کے ساتھ کام کرتے ہو یعنی اب راجا عمر دراز کے ملازم ہو.....''

''شہباز صاحب قطع کلامی کی معافی دینا۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''میں کسی عبداللہ یا راجا عمر دراز کو نہیں جانتا تھا اور نہ ہی میں نے کسی کی نوکری کرنے کا سوچا۔ سرگودھا کا ایک شوقین مزاج رئیس مجھے منہ مانگی تنخواہ پر ڈرائیور رکھنا چاہتا تھا لیکن میں نے انکار کیا۔ اب بھی میں کسی کا ملازم نہیں ہوں۔ صرف آپ کی وجہ سے یہاں رکا تھا۔''

''ٹھیک ہے دوست..... اب بات واضح کرتا ہوں۔ عبداللہ میرا بہت اچھا ساتھی ہے اور راجا صاحب مہربانوں میں سے ہیں لیکن میں اپنی لڑائی خود لڑنا چاہتا ہوں۔ یہ سب میرے ساتھی ہیں۔ بے غرض اور مخلص، میں چاہتا ہوں ان میں تمہارا اضافہ بھی ہو لیکن میں تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھوں گا میرے دشمن کون ہیں تم ان سے اچھی طرح واقف ہو اور وہ کتنے طاقتور ہیں یہ بھی تم جانتے ہو۔ اگر تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو اور چاہو تو میرا ساتھ دو کیونکہ مجھے ایک ایک آدمی کی اشد ضرورت ہے۔''

''شہباز صاحب میں کہہ چکا ہوں میں شروع سے آپ کے ساتھ ہوں اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں واضح کہہ دوں تو جب تک آپ کے یہ دشمن باقی ہیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

''بس تو آج سے تم ہمارے ساتھ ہو۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''عبداللہ صاحب نے یہ رقم بھیجی ہے۔'' اس نے بریف کیس میری طرف کر دیا اور پھر بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس میں آپ کا سامان ہے۔''

دو عدد گاڑیاں اور کرائے کے مکانوں کا ایڈوانس ادا کرنے کے لیے ہمیں خاصی رقم کی ضرورت تھی۔ وسیم اور سفیر کے ساتھ مل کر اس بارے میں اندازہ لگایا۔ پھر چار چار لاکھ وسیم اور سفیر نے لیے کیونکہ ان کو گاڑیاں بھی لینی تھیں اور دو لاکھ میں نے لیے۔ کیونکہ اس میں سفیر نے اپنی رقم بھی ملا دی تھی۔ اس لیے باقی بچ جانے والے سات لاکھ کو دو مختلف بینک اکاؤنٹس میں جمع کرانے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان کے پاس بس یہی لینڈ کروزر تھی جو انہوں نے کوئٹہ سے لی تھی اور اسلام آباد تک سفر اسی میں کیا تھا۔ طے ہوا کہ سفیر اور وسیم ساتھ جائیں گے جب کہ میں ایاز کے ساتھ نکلوں گا۔ بیتو گھر میں رہے گا۔ ہم سب تیار تھے میں نے کپڑے بدلے اور اپنا لباس پہن لیا کیونکہ وسیم کا لباس مجھے کسی قدر بڑا تھا۔

''کہاں جانا ہے شہباز صاحب؟'' ایاز نے باہر نکلنے کے بعد کہا۔

''راولپنڈی جانا ہے ایک مکان کرائے پر لینا ہے اور ایک بائیک خریدنی ہے۔'' میں نے اسے اپنا پروگرام بتایا اور پھر موبائل پر عبداللہ سے رابطہ کیا۔ مجھے اصل میں رفیق بھائی سے بات کرنی تھی۔ عبداللہ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری ان سے بات کرادی۔ سلام دعا کے بعد میں نے ان سے عتیق کی حالت کے بارے میں پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے بہت بہتر ہے۔'' وہ بولے۔ ''دو دن سے وہ چل پھر رہا ہے اور حکیم صاحب کا کہنا ہے اب اسے مزید ان کے علاج کی ضرورت نہیں رہی ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ ایک بار عتیق کا اسپتال میں مکمل معائنہ کرانے کے بعد اسے واپس حویلی لے جاؤں۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کیونکہ میرے دشمن اب اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں اور میں چاہتا ہوں آپ سب محتاط رہیں۔ آپ عبداللہ سے کہہ کر گارڈز منگوالیں اور حویلی تک ان کی سیکورٹی میں جائیں۔''

کچھ دیر رفیق بھائی سے بات کر کے میں نے عبداللہ سے بات کی اور اسے رفیق بھائی سے تعاون کرنے کو کہا۔ اس نے مستعدی سے کہا۔ ''آپ فکر نہ کریں۔'' پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''شہباز صاحب ایک بات پوچھوں اگر اجازت ہو۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہا تھا میں نے کہا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں عبداللہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ میں صرف احتیاطی تدبیر کے طور پر تم سے الگ ہوا ہوں ورنہ تم میرے اسی طرح ساتھی رہو گے۔''

''اگر آپ کو راجا صاحب کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ مجھے کسی وقت آپ کے کسی کام سے منع کر دیں گے تو میں ابھی ان کی ملازمت چھوڑ کر آپ کے پاس آنے کے لیے تیار ہوں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے اور ہمیں راجا صاحب کی مدد کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے ایسے میں تمہارا یہاں رہنا بہت ضروری ہے اور کئی کام ایسے ہیں جو صرف تم کر کے دے سکتے ہو۔ یوں سمجھ لو کہ راجا صاحب کی یہ کوٹھی ہماری آخری پناہ گاہ بھی ہو سکتی ہے اور ہم اسے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔''

بڑی مشکل سے میں نے عبداللہ کو سمجھایا ورنہ وہ جذباتی ہو رہا تھا۔ میں نے کال ختم کی تو ایاز مسکرایا۔ ''عبداللہ صاحب سچ مچ آپ سے بہت مخلص ہیں۔''

''تب ہی میں چاہتا ہوں وہ بیک اَپ میں موجود رہے۔ ہر آدمی عبداللہ کی طرح نہیں ہو سکتا ہے ممکن ہے وہ راجا صاحب کی ملازمت چھوڑ کر میرے پاس آجائے تو اس کے بعد آنے والا میری اس طرح سے کھل کر مدد نہ کرے جیسے عبداللہ کرتا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ان کا بیک اَپ میں ہونا ضروری ہے۔'' ایاز نے میری تائید کی۔ ''میں نے دیکھا ہے جب آپ کا معاملہ ہو تو وہ اس طرح کام کرتے ہیں جیسے ان کا ذاتی معاملہ ہے۔''

اتنی صبح صرف بینک کھلے تھے اس لیے میں نے پہلے بینک والا کام نمٹانے کا فیصلہ کیا۔ ہم ایک مقامی نجی بینک کی اسلام آباد والی ایک برانچ میں پہنچے۔ اس میں، میں نے اپنے نام سے اکاؤنٹ کھولا۔ میرے پاس میرا پرانا شناختی کارڈ تھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت پرانا شناختی کارڈ بھی چلتا تھا اس لیے بینک والوں نے اسے قبول کر لیا۔ یہ نجی بینک تھا اس لیے عملہ مستعد اور تعاون کرنے والا تھا۔ صرف دس منٹ میں میرا اکاؤنٹ کھل گیا تھا اور میں نے اس میں ساڑھے تین لاکھ روپے جمع کرا دیئے۔ منیجر نے مطمئن دلایا کہ ایک ہفتے کے اندر چیک بک اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے ٹی ایم کارڈ بن کر آجائے گا۔ اس لیے مجھے ایک فارم فل کرنا پڑا۔ تصویر نہیں تھی اس کے لیے ہم پاس ہی ایک چوبیس گھنٹے کھلی رہنے والی فوٹو شاپ تک گئے اور دس منٹ میں ڈیجیٹل تصویریں بنوا کر لے آئے۔ گیارہ بجے یہاں سے فارغ ہو کر ہم نے دوسرے بینک کا رخ کیا۔ یہ بھی نجی شعبے کا ایک بینک تھا میں نے اس کا خیال رکھا تھا کہ کسی ایسے بینک کا رخ نہ کروں جو کبھی سرکاری رہا ہو کیونکہ صرف بینک نجی ہوئے ہیں ان میں اکثر عملہ سرکاری دور کا ہے اور اس کا گاہکوں سے سرکاری انداز میں پیش آنے کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔

ہم اس بینک میں داخل ہوئے تو وہاں کام کا ماحول تھا اور خوشگوار فضا میں بینک کا عملہ آنے والے لوگوں کو نمٹا رہا تھا۔ اس بار میں سیدھا منیجر کے کمرے کی طرف بڑھا میرا پُر اعتماد انداز دیکھ کر کسی نے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ منیجر ایک شیشے کے کیبن میں موجود تھا اور مجھے دیکھ کر اس نے خود اٹھ کر دروازہ کھولا۔ پہلے بینک میں ایاز اندر نہیں آیا تھا اور اس بار بھی وہ باہر جیپ میں موجود رہا تھا۔

''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' منیجر نے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

''مجھے اکاؤنٹ کھلوانا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ایسا اکاؤنٹ جس میں مجھے کبھی اور کسی مقدار میں رقم نکالنے میں دشواری نہ ہو۔''

''اس صورت میں آپ کے لیے کرنٹ اکاؤنٹ موزوں رہے گا۔'' اس نے کہا۔ ''اس کے لیے آپ کو.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی کیونکہ باہر کچھ شور اٹھا تھا۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو ایک مسلح شخص تیزی سے بینک منیجر کے کیبن کی طرف آرہا تھا۔ منیجر گھبرا کر بولا۔ ''میرے خدا.....''

''یہ ڈاکو ہیں۔'' میں نے کہا اور پاؤں سے کرسی کے پاس رکھا بریف کیس میز کے نیچے کر دیا۔ اسی لمحے مسلح شخص اندر گھس آیا اور میں کسی بھی صورت حال کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ میری جیکٹ کی جیب میں پستول تھا۔ مگر اسے نکالنے کا موقع نہیں تھا۔ اندر آنے والے نے چلا کر کہا۔

''ہاتھ اوپر کرو..... جلدی۔''

میں نے اور منیجر نے دونوں ہاتھ اوپر کر لیے۔ مسلح نوجوان نے دوسرا حکم دیا۔ ''باہر نکلو یہاں سے ..... جلدی۔''

ہم اٹھ کر باہر آئے جہاں ڈاکو کے دو ساتھی باقی افراد کو وسطی کھلے حصے میں منہ کے بل لٹا رہے تھے اور جو مزاحمت کر رہا تھا اسے تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ایک کاؤنٹر پر کھڑی پیاری سی لڑکی کو کھینچ کر لا رہا تھا اور وہ خوف سے چلا رہی تھی۔ میں اور منیجر بھی دوسروں کے ساتھ فرش پر لیٹ گئے تھے۔ سوائے کیشئر کے سب یہاں آچکے تھے۔ اس لیے دو افراد ہماری نگرانی کر رہے تھے اور ایک کیشئر سے رقم جمع کر رہا تھا اس کام کے لیے وہ کینوس کے بیگ لائے تھے۔ نگرانی کرنے والے پوری طرح چوکس تھے اور ذرا سی حرکت ہوتے ہی وہ چلانے لگتے تھے۔ ان کا کوئی ساتھی یقیناً باہر بھی ہوگا میں نے سوچا۔ مجھے ایاز کا خیال آیا وہ باہر تھا اور مجھے ڈر تھا کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کر جائے کہ ڈاکو تو نکل جائیں اور ہم پھنس جائیں۔ ہمیں بالکل غیر جانبدار رہنا تھا۔ اب مجھے ایک خطرہ اور ستانے لگا تھا کہ یہاں کیمرے تھے۔ عام حالات میں مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن ڈاکے کے بعد جب پولیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تفتیش کرتی اور ریکارڈنگ چیک کرتی تو میری صورت کسی کو متوجہ کر سکتی تھی اور ایک بار میں شہباز ملک کی حیثیت سے شناخت ہو جاتا تو اس ڈاکے کا ملبہ مجھ پر بھی ڈالا جا سکتا تھا۔ تینوں ڈاکو نوجوان اور نچلے طبقے سے لگ رہے تھے ان کی زبان اور حلیہ چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا۔ اگر ان کے پاس اسلحہ نہ ہوتا تو گارڈز ان کو بینک میں گھسنے بھی نہ دیتے۔

ڈاکو کیشئر سے رقم حاصل کر چکے تھے اور اب وہ سیف روم میں موجود رقم کے چکر میں تھے۔ انہوں نے منیجر کو اٹھایا اور اسے سیف روم کی طرف لے گئے۔ اب ہال میں ایک ڈاکو رہ گیا تھا۔ جو ایک درجن افراد کی نگرانی کر رہا تھا اور کسی کی جرأت نہیں تھی کہ سر بھی اٹھائے کیونکہ اس کے ہاتھ میں خودکار رائفل تھی۔ بینک کے باہر دو عدد گارڈز موجود تھے لیکن سب سے پہلے ان کو ہینڈز اَپ کرایا گیا تھا اور ان کا اسلحہ چھین کر ان کو بھی اندر لے آئے تھے ویسے بھی کمپنیوں کے دیئے یہ گارڈز بس نمائشی ہوتے ہیں۔ میں نے ان کے بارے میں یہاں تک سنا ہے کہ ان کو فائر نہ کرنے کا حکم ہے اور یہ اپنے ہتھیار لوڈ حالت میں نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اچانک مجھے اپنے برابر سے نسوانی سسکی سنائی دی اور لڑکی نے کہا۔ ''پلیز نہیں۔''

میں نے آہستہ سے سر گھمایا۔ یہ وہی پیاری سی کاؤنٹر والی لڑکی تھی وہ اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی اور اس کے رونے اور التجا کرنے کی وجہ ہمارے سروں پر موجود مسلح نوجوان تھا۔ وہ اپنا بھاری جوتا اس کے کولہے پر رکھے ہوئے تھا اور اس کے چہرے سے خباثت جھلک رہی تھی۔ شاید لڑکی اور ہم سب کو بے بس دیکھ کر اس کے اندر کا شیطان باہر آ گیا تھا۔ وہ یہاں کچھ اور تو کر نہیں سکتا تھا اس لیے اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لیے یہ حرکت کر رہا تھا۔ وہ جوتے کو یوں ہلا رہا تھا جیسے سگریٹ نوش حضرات سگریٹ فرش پر پھینک کر اسے جوتے سے بجھاتے ہیں۔ نوجوان کا پاؤں ہی کم وزنی نہیں تھا اوپر سے اس نے بہت بھاری اور کھردرے تلے والا جوتا پہن رکھا تھا۔ لڑکی کا نرم و نازک جسم اس سلوک کی تاب نہیں لا پا رہا تھا اور وہ کراہ رہی تھی۔ اس کی کراہیں سب سن رہے تھے اور سب دم سادھے لیٹے تھے کسی نے مسلح ڈاکو کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں بھی شاید مداخلت نہ کرتا اگر ڈاکو ایک نہایت نازیبا حرکت نہ کرتا۔ لڑکی اچانک ہی بلند آواز سے چلائی تھی اور اس نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن جوتے تلے دبا اس کا جسم اٹھ نہیں سکا تھا۔

''ذلیل..... کمینے۔''

''بکواس بند کر۔'' نوجوان نے جھک کر اس کی گدی پر گھونسہ مارا۔ اس ضرب سے لڑکی کا سر فرش سے ٹکرایا اور اس دوہرے تصادم نے اسے وقتی طور پر بے ہوش کر دیا تھا۔ پھر نوجوان نے ناقابلِ بیان زبان میں بتایا کہ وہ لڑکی کو ساتھ لے جا کر اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ میرا پستول جیکٹ میں بائیں طرف موجود تھا اور میں آہستہ سے اپنا ہاتھ اس طرف لے جا رہا تھا۔ نوجوان بے ہوش لڑکی کی طرف متوجہ تھا اور اب اسے یوں ٹٹول رہا تھا جیسے قصائی جانور ٹٹولتا ہے۔ نوجوان کی رائفل کا رخ بھی اوپر کی طرف تھا اور وہ ہماری طرف سے مطمئن تھا کہ کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔ اس لیے وہ پوری بے فکری سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں کو اندر گئے ہوئے پانچ منٹ ہونے کو آئے تھے۔

بالآخر میرا ہاتھ پستول تک پہنچ گیا۔ ڈاکوؤں نے ہمیں اوندھے منہ لٹایا تھا لیکن ہاتھ سر پر رکھنے کا حکم نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا تھا اس لیے ہاتھ سب نے اپنی مرضی سے رکھے ہوئے تھے۔ نوجوان اب پوری طرح غافل تھا۔ میں نے اچانک پستول نکال کر اس کے پاؤں پر فائر کیا۔ دھماکے کے ساتھ اس نے کرب ناک آواز نکالی اور نیچے گرا اس دوران میں، میں کھڑا ہو چکا تھا اور اس کی رائفل چھین لی۔ رائفل لیتے ہی میں نے اس کے دوسرے گھٹنے پر فائر کیا۔ پہلی گولی نے پہلے گھٹنے کا حشر نشر کر دیا تھا اس بار رہی سہی کسر پوری ہو گئی تھی۔ اور وہ زخمی کتے کی طرح رونے چلانے لگا۔ دوسرے فائر کی ضرورت نہیں تھی یہ میں نے اسے سزا دینے کے لیے کیا تھا۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''سب دیوار کے ساتھ ہو جائیں کاؤنٹر کے پیچھے جاؤ جلدی۔''

میں خود سیف روم کے پاس ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ فائر کی آواز اندر تک گئی ہو گی اور اب وہ باہر آ رہے ہوں گے۔ اصولاً مجھے یہاں سے نکل بھاگنا چاہیے تھا لیکن میں ایک وجہ سے رکا تھا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے سیف روم کا دروازہ کھلا اور دونوں ڈاکو منیجر کو آگے کر کے نکلے تھے۔ ان میں سے ایک چلایا۔ ''کون کس نے فائر کیا..... اوئے تجھے کیا ہوا؟'' اس نے یقیناً نے زخمی ساتھی کو دیکھ لیا تھا۔ اب وہ دبی آواز میں رو رہا تھا اور اس میں جرأت نہیں تھی کہ میری نشاندہی کر سکتا کیونکہ میرے پستول کا رخ اس کی طرف تھا۔ اس نے جھوٹ بولا۔

''ایک آدمی مسلح تھا..... اچانک مجھے گولی..... مار کر بھاگ گیا۔''

آنے والے نے حیرت انگیز رفتار سے زخمی کے خاندان کی عورتوں سے اپنی ناجائز رشتے داری قائم کی اور آگے آیا تھا اسی لمحے اسے میری موجودگی کا احساس ہوا اور اس نے رائفل میری طرف گھمانے کی کوشش کی لیکن میں نے پہلے ہی گولی چلا دی جو اس کے بازو میں اتر گئی جھٹکے سے رائفل اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ ''بس اب ہلنا مت ورنہ اس بار سر اُڑا دوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''تم بھی سامنے آ جاؤ۔''

تیسرا منیجر کے ساتھ تھا اس نے فوراً منیجر کو یرغمال بنا لیا۔ ''میں اسے گولی مار دوں گا۔''

''شوق سے مار دو میرا کیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد تم یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکو گے اور یہ تمہارے ساتھی ان کو میں ابھی شوٹ کر دوں گا۔'' میں نے کہا اور نمونے کے طور پر دوسرے زخمی کے پاؤں میں گولی ماری تو وہ بھی فرش پر گر کر چیخم دھاڑ کرنے لگا۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''سنا تم نے اپنے سور ماساتھیوں کا واویلا۔''

''ٹھیک ہے میں اسے چھوڑ رہا ہوں لیکن ہمیں یہاں سے نکلنے دو۔'' اس نے کہا۔ میں نے سوچا اور راضی ہو گیا کیونکہ جتنی دیر ہوتی میرے چھٹنے کا بھی اتنا ہی امکان ہوتا۔

''ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو لیکن رقم لے جانے کی کوشش مت کرنا۔''

''ہم رقم نہیں چھوڑ سکتے۔'' اس نے صاف انکار کر دیا اور اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ رقم چھوڑنا بھی نہیں چاہتا ہے۔

''او کے رقم بھی لے جا سکتے ہو۔'' میں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ مگر وہ بہت چالاک نکلا تھا اس نے منیجر کو سامنے ہی رکھا تھا میں نے پستول رکھ کر اس کے ساتھی کی رائفل تان لی تھی۔ میں ستون کی آڑ میں رہا اور جیسے جیسے وہ سامنے آ رہا تھا میں آڑ میں ہوتا جا رہا تھا اس کا کیا بھروسہ گولی چلا دیتا۔ میں نے اس کے زخمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''انہیں کیسے لے کر جاؤ گے؟''

''ان کو لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ خود غرضی سے بولا۔

''اوئے کیا بکواس کر رہا ہے۔'' دوسرا زخمی چلایا اور اس نے اپنے اس ساتھی سے بھی ناجائز رشتے داریاں قائم کرنا شروع کی تھیں کہ اس نے رائفل کا رخ اس کی طرف کیا اور اسے گولی ماردی۔ مجھ سمیت سب دنگ رہ گئے تھے۔

''یہ کیا کیا تم نے؟'' میں چلایا۔ تو اس نے رائفل کا رخ میری طرف کر کے ایک پورا برسٹ چلا دیا۔ میں ستون کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا تھا لیکن اس بند جگہ قیامت خیز شور نے سب کو خوف سے پاگل کر دیا تھا اور ہال میں کونے کھدروں میں دبکے لوگ دیوانہ وار چلانے لگے تھے۔ مجھ پر برسٹ چلا کر وہ رقم کے بیگ سمیت باہر کی طرف لپکا اور شیشے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے ستون سے جھانک کر دیکھا اور اونچی آواز میں بولا۔ ''سب اپنی جگہ لیٹے رہو کوئی نہ ہلے۔''

پہلا زخمی بینچ کے ساتھ دبکا ہوا تھا اور اس کے دوسرا ساتھی تیسرے کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ میں جھکا جھکا دوڑ کر شیشے کے دروازے تک پہنچا تو تیسرا مجھے سڑک پر اوندھے منہ پڑا نظر آیا اس کے پاؤں سے خون ابل رہا تھا اور ایاز اس کے سر پر کھڑا تھا۔ مجھے اطمینان ہوا کہ صورت حال اب قابو میں ہے۔ میں واپس آیا اور زمین پر پڑے منیجر کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے کیبن کی طرف لایا۔ ''سنو مجھے کیمروں کی ٹیپ درکار ہیں۔''

''ٹیپ..... کیوں؟''

''بحث مت کرو۔'' میں نے غرا کر کہا۔

''ٹیپ تو وہ رقم والے بیگ میں ڈال کر لے گیا ہے۔'' منیجر نے میری غراہٹ سن کر جلدی سے جواب دیا۔ میں نے اس کے کیبن میں میز تلے رکھا اپنا بریف کیس اٹھایا اور منیجر سے کہا۔

''تیسرا پکڑا گیا ہے۔ باہر میرے ساتھی کے قابو میں ہے تمہاری رقم اور جان سب بچ گئی ہیں اب میں تم سے صرف ایک فیور چاہتا ہوں اس ساری کہانی میں میرا ذکر نہ آئے۔ ڈاکوؤں کے مارے جانے اور زخمی ہونے کو تم ان کے کسی چوتھے ساتھی کی کارروائی بھی قرار دے سکتے ہو اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ انجان بن جاؤ تمہیں کچھ نہیں معلوم۔''

''لیکن تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''میں بعض وجوہات کی بنا پر پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

ہم بینک سے باہر نکلے۔ ایاز نے تیسرے کو گولی مار کر زخمی کر دیا تھا اس نے یقیناً بینک میں ہونے والی کارروائی دیکھ لی تھی اور تب ہی مداخلت کی تھی۔ تیسرا بے ہوش ہو چکا تھا اور ان کا کوئی چوتھا ساتھی نہیں تھا۔ سڑک کے دوسری طرف ایک سفید کار کھڑی تھی یہ اسی میں آئے تھے۔ میں نے رقم والے بیگ سے کیمروں کی کیسٹس نکالیں اور منیجر سے کہا۔ ''اب تم جیسے چاہو اس معاملے کو ہینڈل کر سکتے ہو بس خیال رہے کہ ہمارا ذکر نہ آئے یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئے تو بہت کم آئے۔ تم سمجھ رہے ہو نا میری بات؟''

''جی جناب۔'' اس نے تابعداری سے کہا۔

''یہ بھی یاد رکھنا جو لوگ تین مسلح ڈاکوؤں کو اتنی آسانی سے قابو کر سکتے ہیں ان کے لیے تمہارے گھر کا پتا چلانا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔'' میں نے اسے دھمکانا مناسب سمجھا اور اس کے چہرے کا رہا سہا رنگ بھی اُڑ گیا تھا۔ میں اور ایاز جیپ میں بیٹھے اور فوری طور پر روانہ ہو گئے اگرچہ راولپنڈی پولیس کا دور دور تک پتا نہیں تھا لیکن اس کا بھروسہ بھی نہیں تھا کہ کب کہاں سے نکل آئے۔ ذرا دور نکل ہمیں اطمینان ہوا اور میں نے ایاز سے جیپ رکوا کر کیسٹس اس کے ٹائروں تلے رکھ دیں جب جیپ ان سے گزری تو ان حشر ہو گیا تھا اس کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے اور میں نے سرد آہ بھری۔

''کیا قسمت ہے اپنی جہاں جاتے ہیں کوئی نہ کوئی ہنگامہ منتظر ہوتا ہے۔ اب یہاں دشمن نہیں ملے تو ڈاکو مل گئے۔''

''یہ بینک والوں کے لیے اچھا ہوا جناب۔'' ایاز نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''ان کی رقم لٹنے سے بچ گئی۔''

''لیکن ایک آدمی جان سے گیا اور دو زخمی ہو گئے۔ ایک لڑکی کو بدسلوکی کا نشانہ بنایا گیا جسے وہ شاید ساری عمر فراموش نہیں کر سکے گی۔''

''انسانوں کے ساتھ حادثات پیش آتے ہیں جناب اسی کا نام زندگی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اب کہاں جانا ہے؟''

''جانا تو کسی دوسرے بینک ہے لیکن آج کے لیے ایک تجربہ کافی ہے اب کسی ایسی جگہ کا رخ کرو جہاں سے ہم بائیک لے سکیں۔''

ایاز ایک موٹر سائیکلوں کے ڈیلر سے واقف تھا وہ مجھے اسی کے پاس لے گیا۔ اس کے شوروم میں نئی اور پرانی ہر طرح کی ہلکی اور ہیوی بائیک موجود تھیں۔ تقریباً چالیس بیالیس برس کا اشرف بٹ ایاز کو دیکھ کر گرم جوشی سے اس کے گلے لگ گیا۔

''ایازے تُو کہاں مر گیا ہے؟''

''یہیں تھا یار۔'' اس نے جواب دیا اور میری طرف اشارہ کیا۔ ''یہ شہباز صاحب ہیں آج کل ان کے لیے کام کر رہا ہوں۔''

''تُو اور نوکری؟'' اشرف بٹ حیران ہوا تھا۔

''نوکر نہیں میرا ساتھی ہے۔'' میں نے تردید کی۔

اشرف بٹ نے خاطر تواضع شروع کر دی پہلے کشمیری چائے اور کلچے آئے اور پھر اس نے سری پائے منگوانے چاہے لیکن میں نے منع کر دیا۔ اس نے کہا۔ ''جیسی مرضی سرکار اب حکم کرو۔''

''ایک اچھی اور طاقتور بائیک چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''نئی یا پرانی؟''

''پرانی بھی ہو تو انجن نئے جیسا ہونا چاہیے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے پاس ایک تھوڑی سی چلی یاماہاون سیونٹی فائیو آئی ہے۔ بہترین بائیک ہے آپ دیکھو۔ قیمت نئی سے تیس فیصد کم ہوگی۔''

''تُو بائیک دکھا قیمت پر بات کرلیں گے۔'' ایاز نے اسے ٹوکا تو وہ ہمیں شوروم میں ایک طرف لے آیا یہاں ساری طاقتور بائیک تھیں۔ اس نے سیاہ رنگ والی یاماہا دکھائی بالکل نئی لگ رہی تھی صرف تین مہینے چلی تھی۔ اشرف بٹ نے ستر مانگے تھے لیکن پھر پچاس میں سودا ہوگیا۔ ایاز نے پچاس سے زیادہ دینے سے انکار کردیا اور اشرف نے بھی ظاہر کیا کہ وہ دوستی میں مان گیا ہے۔ اس نے دو گھنٹے میں ایاز کے نام کے کاغذات بنا کر دینے کا وعدہ کیا ایاز نے کہا۔ ''کاغذات کی جلدی نہیں ہے میں کل آکر لے جاؤں گا۔''

بائیک کے ساتھ اس کا اصل ہیلمٹ بھی تھا اس لیے میں بائیک پر نکل آیا ایاز جیپ چلا رہا تھا۔ تین بجے تک ہم اسٹیٹ ایجنٹس کے چکر میں رہے اور پھر ایک نے ایک چھوٹے بنگلے کے بارے میں بتایا جو فوراً مل بھی سکتا تھا۔ دوسرے اسٹیٹ ایجنٹس کے پاس بھی مکانات تھے لیکن وہ ابھی نہیں دکھا سکتے تھے۔ یہ پنڈی سے نکلتے ہی جی ٹی روڈ پر ایک نئی آبادی میں تھا اور اچھی بات تھی کہ تمام سہولیات کے ساتھ اس کے آس پاس کوئی مکان نہیں تھا۔ یعنی بہ وقت ضرورت ہم پرائیویسی بھی برقرار رکھ سکتے تھے۔ اس میں تین بیڈ روم تھے اور ایک ڈرائنگ روم تھا۔ کچن کے ساتھ ہی لاؤنج تھا جسے ڈائننگ روم بھی بنایا جا سکتا تھا۔

مکان خالی تھا البتہ پورے گھر میں سوائے لاؤنج کو چھوڑ کر وال ٹو وال کارپٹ تھے۔ مالک باہر تھا اور سال میں ایک چکر لگاتا تھا۔ مکان حال میں خالی ہوا تھا اور معمولی مرمت اور رنگ و روغن کی وجہ سے بالکل نیا لگ رہا تھا۔ ایڈوانس کوئی نہیں تھا البتہ کرایہ پورے سال کا ایڈوانس مانگ رہا تھا۔ یہ کوئی لاکھ روپے بنتا تھا۔ کسی قدر بحث کے بعد اسٹیٹ ایجنٹ چھ مہینے کے کرائے پر مان گیا لیکن ساتھ ہی اس نے خبردار کیا

پانچویں مہینے آپ کو اگلے چھ مہینے کا کرایہ ایڈوانس دینا ہوگا۔''

''دیکھ لیں گے یار ابھی ہمیں یہاں آنے تو دو۔'' میں نے کہا۔ وہ ہمیں اپنی دکان پر لایا۔ معاہدے کی کارروائی کے بعد میں نے اسے پچاس ہزار روپے اور اس نے مجھے مکان کی چابیاں دیں۔ یہاں سے ہم ایک موبائل مارکیٹ گئے اور وہاں سے چند سادہ لیکن اچھی قسم کے موبائل لیے جن کی بیٹری کئی دن تک چلتی اس کے ساتھ ہی تمام کمپنیوں کی سمز لیں۔ پری پیڈ کارڈز لیے۔ گھر پہنچے تو پانچ بج رہے تھے۔ بھوک سے برا حال تھا اور یہ بھی امید نہیں تھی کہ گھر میں کچھ کھانے کو ملے گا اس لیے ایاز نے ایک جگہ سے روٹی اور سیخ بوٹی پیک کرائی تھی۔ سفیر اور وسیم ابھی تک نہیں آئے تھے لیکن مونا اور سادھنا کا ان سے رابطہ تھا۔ میں لاؤنج میں لیٹ گیا۔

ہمارے آنے کے بعد بھی مونا اور سادھنا اُن کے لیے ہی فکرمند تھیں۔

''ہاں بس تم ان کی ہی والی وارث ہو اس غریب سے کوئی تعلق نہیں بنتا کہ جھوٹے منہ ہی پوچھ لیا جاتا۔'' میں نے انہیں چھیڑا۔ ''اپنوں کو کال پہ کال اور ہمیں ایک مس کال بھی نہیں۔''

''بندہ کوئی اتا پتا دے کر جاتا ہے اور جو موبائل لے گئے تھے وہ بند جا رہا تھا۔'' مونا نے خفگی سے کہا اس کا غصہ ابھی تک پھولا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے موبائل نکالا تو وہ بند تھا اس کی بیٹری جواب دے گئی تھی۔ میری توقع کے عین مطابق کھانے کو کچھ نہیں تھا انہوں نے پکانے کی زحمت نہیں کی تھی اور خود کل رات کے بچے ہوئے کھانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کام چلایا تھا ہمارے بارے میں فرض کر لیا گیا تھا کہ باہر سے کھا کر آئیں گے۔ شکر ہے ایاز نے کھانے کے لیے یخنی بوٹی لے لی۔ جب تک مونا کھانا گرم کر کے لائی ہم نے موبائلز کا معائنہ کیا۔ میں نے تین موبائل اور پانچ سمز لی تھیں۔ ان چاروں کے پاس موبائل تھا۔ بیتو، ایاز اور میرے پاس نہیں تھا۔ بلکہ ایاز کے پاس بھی تھا لیکن وہ پرانا ہو گیا تھا۔ اس کے لیے بھی لے لیا تھا۔ میں نے ایک سم منتخب کی اور اپنے موبائل میں ڈال لی۔ ایک بیتو نے لے لی تھی۔ ایاز کے پاس اپنی سم تھی اس لیے باقی بہ وقتِ ضرورت کے لیے رکھ دی گئیں سب کے نمبر سب موبائلوں میں فیڈ کر دیئے تھے۔

مونا کھانا لائی تو ہم ٹوٹ پڑے۔ بیتو بھی رو رہا تھا کیونکہ کل کا بچا ہوا اتنا نہیں تھا کہ اس کا پیٹ بھر جاتا اس لیے وہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ یہاں کوئی ملازم نہیں تھا اس لیے مونا اور سادھنا ہی صفائی میں لگی ہوئی تھیں۔ مونا ایک مڈل کلاس خاتون تھی لیکن مجھے سادھنا کو دیکھ کر حیرت ہوئی تھی اس نے زندگی میں شاید ہل کر پانی بھی بہت کم پیا ہو گا لیکن اس وقت وہ ایک مکمل گھر گرہستن کا روپ دھار چکی تھی۔ کھانے کے دوران میں ایاز کو اپنے ان ساتھیوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ میں نے ابھی بینک میں ہونے والی واردات کا ذکر نہیں کیا تھا میرا ارادہ تھا کہ سفیر اور وسیم بھی آ جائیں اس لیے سب کو ایک ساتھ ہی بتا دوں لیکن کھانے کے بعد کچن کے سینک میں ہاتھ دھو رہا تھا کہ مونا نے میری پشت کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہ تمہاری جیکٹ کو کیا ہوا ہے؟''

مجھے نظر نہیں آ رہا تھا اس لیے میں نے اتار کر دیکھا۔ ایک جگہ سے جیکٹ ادھڑ گئی تھی اور اس کی اندر کی روئی نظر آ رہی تھی۔ شاید گولی چھوتی ہوئی گزری تھی یا ستون سے ٹوٹ کر کوئی ٹکڑا لگا تھا۔ اس وقت مجھے پتا بھی نہیں چلا۔ مجبوراً مجھے مونا کو بتانا پڑا بینک میں واردات کا سن کر وہ چلائی۔ ''کیا؟ تمہارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ گزر گیا اور تم نے بتایا بھی نہیں۔''

''آہستہ بی بی..... اتنا بڑا نہیں تھا دیکھو میں زندہ سلامت ہوں بالکل بھی فوت نہیں ہوا۔''

''ہاں ہم عورتوں کو بتانے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس نے طنز کیا اسے موقع مل گیا تھا۔ ''ہماری اوقات ہی کیا ہے؟''

''تم ہی لوگوں کی تو اوقات ہے۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''اچھے بھلے آدمی کی اوقات ایک منٹ دو کوڑی کی کر دیتی ہو۔''

ظاہر ہے اس سچ کو سن کر مونا مزید خفا ہو گئی تھی اور مجھے اس کو منانا پڑا۔ کان پکڑ کر اور ہاتھ جوڑ کر۔ میں سمجھ رہا تھا کہ یہ سین کسی نے نہیں دیکھا ہے لیکن بیتو دروازے کے پاس موجود تھا وہ ہنسا تو میں جھینپ گیا اور جلدی سے کان چھوڑ دیئے۔ بیتو اندر آ گیا۔ ''شوبی بھائی کیا اپنا کان چیک کر رہا تھا۔''

میں بھنا گیا تھا۔ ''ہاں منے دیکھ رہا تھا میرے سر کے ساتھ لگے ہیں کہیں گر تو نہیں گئے۔''

مونا خوش تھی اس لیے اس نے بیتو کو ڈانٹا۔ ''شرم نہیں آتی تم سے اتنے بڑے ہیں۔''

''پہلے آتی تھی پر اب نہیں آتی..... یہ ہمارا بڑا بھائی ہے۔''

''تم بھی اتنے منے نہیں رہے ہو ابھی ان سب کو کامی کے بارے میں بتایا نہیں ہے۔'' میں نے کہا تو بیتو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے فرار میں عافیت سمجھی۔ مونا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہ کامی کون ہے؟''

''ایک چینی لڑکی ہے جو ہمیں راستے میں ملی تھی۔ کامی اور بیتو ایک دوسرے میں دلچسپی لینے لگے تھے۔''

''واقعی۔'' مونا نے حیرت سے کہا۔ ''یہ تو بچہ ہی لگتا ہے۔''

''بچہ نہیں ہے بی بی اور اتنی محنت کا کچھ تو صلہ دو۔'' میں نے فریاد کی تو مونا مسکرائی وہ سمجھ گئی۔

''جی ابھی کافی لاتی ہوں۔''

جب میں اور ایاز کافی پی رہے تھے تو سفیر اور وسیم آ گئے۔ سفیر نے کافی دیکھ کر شور مچایا۔ ''دیکھا یہ مزے ہو رہے ہیں اور ایک ہم ہیں دھکے کھا کر آ رہے ہیں۔''

''جس کا جو نصیب ہوا سے وہی ملتا ہے۔'' میں نے حقیقت پسندانہ انداز میں کہا تو سفیر نے مجھ سے مگ چھین لیا۔

''ایسی کم تیسی۔''

میں نے مونا سے کہا۔ ''تمہارا مجازی خدا سخت بدتمیز ہو گیا ہے اسے کچھ سکھایا نہیں ہے۔''

''نہیں یہ مجھے ایسے ہی ملے ہیں۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ ''کچھ سکھانے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔''

وسیم ایک طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا تھا۔ ''اس طرح مکان تلاش کرنا اور گاڑی خریدنا بڑا مشکل کام ہے۔''

''کام کام ہوتا ہے چاہے مشکل ہو یا آسان۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ کام ہوا یا نہیں؟''

''کام کیسے نہیں ہوتا جناب۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''میں ڈائی ہاٹسو کا سفاری ماڈل لایا ہوں۔ صرف پانچ سال پرانی ہے اور ساڑھے تین میں مل گئی۔''

''میں کیا لایا ہوں یہ دیکھنے کے لیے آپ سب کو باہر چلنا ہوگا۔'' سفیر نے کہا اور ہمیں باہر لے آیا۔ سردی میں شام جلدی ہو جاتی ہے اور اس وقت تو رات ہو چکی تھی حالانکہ ساڑھے چھ بجے تھے۔ سفیر منی پجارو لایا تھا۔ یہ بھی دو سال چلی ہوئی تھی اور اچھی کنڈیشن میں تھی۔ سفیر نے بتایا کہ اس میں الٹریشن کی گئی تھی اور اس کا پرانا انجن کال کر اس میں گیارہ سو سی سی کا دوسرا انجن لگایا گیا تھا جس کے بعد اس کی رفتار کچھ اور ہی ہو گئی تھی۔ یہ اسے تین لاکھ بیس ہزار کی پڑی تھی۔ دوسرے اس نے مری ہائی وے پر ایک عمارت میں تین کمروں کا فلیٹ کرائے پر لیا تھا اس نے بھی چھ مہینے کا ایڈوانس کرایہ دیا تھا۔ بیتو نے بائیک میں زیادہ دلچسپی لی اس نے مطالبہ کیا کہ بائیک اس کے حوالے کر دی جائے لیکن وہ چہرے اور جسم سے کم عمر نظر آتا تھا اس لیے جب تک اس کا شناختی کارڈ نہ بن جاتا اس کے لیے بائیک چلانا خطرناک تھا۔ شناختی کارڈ بن جاتا تو ڈرائیونگ لائسنس مسئلہ نہیں تھا۔ بیتو کے شناختی کارڈ کے لیے سفیر نے اپنے ایک دوست سے بات کرنے کو کہا تھا جو پہلے اس کے ساتھ وزارت خارجہ میں کام کرتا تھا پھر داخلہ میں چلا گیا۔ وہ بیتو کا شناختی کارڈ بنوا سکتا تھا۔

اب ہمارے پاس ایاز کی جیپ سمیت چار گاڑیاں اور ایک بائیک تھی۔ وسیم اسلحہ بھی لے آیا تھا جو جیپ پچھلے حصے میں لکڑی کے بکسوں میں موجود تھا۔ یہ دو بکس تھے جو خاصے وزنی تھے۔ ہم پانچ مل کر بمشکل ان کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر لائے تھے۔ وسیم بار بار احتیاط کرنے کو کہہ رہا تھا کیونکہ اس میں دھماکہ خیز اشیا بھی تھیں۔ انہیں لاؤنج میں لائے۔ وسیم نے پہلے ایک بکس کھولا۔ اس میں ہر قسم کا آتشیں اسلحہ تھا۔ اعشاریہ اڑتیس کے پستول تھے۔ سیمی آٹو میٹک رائفلیں تھیں۔ فل آٹو میٹک مشین گن اور دو طرح کی اسنائپر رائفل تھیں ایک سنگل موڈ پر کام کرتی تھی اور دوسری سنگل موڈ کے ساتھ برسٹ موڈ پر بھی کام کرتی تھی۔ ان کے علاوہ شاٹ گن تھیں۔ ہر طرح کے ہتھیار کے ساتھ اس کا ایمونیشن بھی تھا اور یہ سارا جدید ترین اسلحہ تھا۔ جو جرمنی اور چیکوسلواکیہ کا بنا ہوا تھا۔ یہ سب بہت مہنگا تھا میرے اندازے کے مطابق جرمن ساختہ رائفل اور مشین گن کی قیمت دس لاکھ روپے تو تھی۔ میں نے وسیم سے پوچھا۔

''یہ سب بہت مہنگا ہے کہاں سے لیا؟''

وہ مسکرایا۔ ''کہیں سے نہیں لیا..... یہ کئی سال سے میرے پاس موجود تھا اور میں نے اسے کسی آڑے وقت کے لیے زمین میں دبا رکھا تھا آج نکال لیا۔''

''پھر بھی کہیں سے تو لیا ہوگا۔'' سفیر نے پوچھا۔ ''آسمان سے تو نہیں ٹپکا ہوگا یہ اسلحہ؟''

''افغان جنگ کے زمانے میں ایک اسمگلر سے جان پہچان ہوئی تھی ایک بار اس نے امانتاً رکھوایا تھا لیکن اس کے چند دن بعد خود مارا گیا تھا۔ اس اسلحے کا کوئی دعوے دار نہیں تھا اس لیے یہ میری ملکیت بن گیا۔''

سفیر نے ہتھیاروں کا معائنہ کیا۔ ''اس سارے اسلحے کی مالیت کم سے کم ایک کروڑ روپے ہوگی۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''شاید اس سے بھی زیادہ لیکن یہ سب مل کر ہم میں سے کسی کی ایک انگلی جتنی قیمت بھی نہیں رکھتے ہیں۔''

''ٹھیک کہا تم نے ہم سب اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں۔'' مونا بولی اس بار وہ سب کے لیے کافی بنا لائی تھی۔ یہاں جو چائے کی پتی تھی وہ کسی کو پسند نہیں آئی تھی اس لیے چائے کے شوقین بھی کافی پینے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آج کھانا بنانے کی باری مونا کی تھی اور اس نے کل والا اہتمام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

''میں شوربے والا چکن بنا رہی ہوں جس نے کھانا ہے کھائے ورنہ باہر ہوٹل بہت کھلے ہیں۔''

''ہم ہوٹل جائے گا۔'' بیتو نے اعلان کیا۔

''کوئی باہر نہیں جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''گھر میں جو پکا ہے وہ صبر شکر کر کے کھانا ہوگا۔''

''یہ ظلم ہے شوبی بھائی۔'' بیتو نے احتجاج کیا۔ ''جب دشمن کا قید میں ہو تو اس کا مرضی کا کھاؤ اور جب ادھر آؤ تو دیدی کی مرضی کا کھاؤ۔''

''کل تمہاری مرضی کا پک گیا تھا۔'' مونا نے اسے یاد دلایا۔ ''اس لیے آج ہماری مرضی کا کھاؤ۔''

شام کو دیر سے اور شدید بھوک میں کھایا تھا اور پھر بیتو بھی شامل ہو گیا تھا اس لیے سب کا بس پیٹ ہی بھرا تھا جو چند گھنٹوں میں دوبارہ خالی ہو گیا تھا۔ سفیر پاس سے جا کر روغنی نان لے آیا اور سب نے سالن سے کھایا جو مونا نے مزے کا بنایا تھا لیکن بیتو اور وسیم کے ساتھ ایاز نے بھی مشکل سے کھایا تھا وہ سب بھنا گوشت کھانے کے شوقین تھے۔ کھانے کے بعد کچھ دیر سب لاؤنج میں بیٹھے اور پھر سفیر تھکن کا کہہ کر اٹھ گیا جاتے جاتے اوہ کو بھی اشارہ کر گیا تھا لیکن وہ بیٹھی رہی۔ سادھنا اور بیتو اسٹار پلس پر ''ساس بھی کبھی بہو تھی'' دیکھ رہے تھے۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مونا سے کہا۔

''تم تھک گئی ہو جا کر آرام کرو۔''

''نہیں ابھی تم سب کو چائے کافی بنا کر دینی ہے۔''

''چائے کافی اتنی ضروری نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''اگر طلب ہوگی تو ہم بھی بنا سکتے ہیں۔''

مونا اٹھی اور اوپر چلی گئی۔ ایاز اگرچہ اب ہمارا ساتھی تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ مونا اور سادھنا کی موجودگی میں خاموش رہتا تھا اور بولنے سے گریز کرتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی یہ جھجک ختم ہو جائے گی۔ وسیم مجھ سے ذرا دور تکیے سے ٹکا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

''شہباز صاحب کرنے والے سارے کام کر لیے اب ہمارے پاس ٹھکانے بھی ہیں اور اسلحہ بھی۔ اب کیا کرنا ہے۔''

میرے ذہن میں تھا کہ ہمیں سب سے پہلے بینک میں موجود لاکر کی چیزیں حاصل کرنی تھیں جن میں سب سے اہم وہ بریف کیس تھا جو چین کی حکومت کا تھا۔ مجھے یہ امانت بہت صورت ان کو واپس کرنی تھی۔ لاکر کے بارے میں فتح خان مجھے بتا چکا تھا لیکن اس لاکر تک رسائی کس طرح حاصل کرنی تھی یہ بات صرف شہلا جانتی تھی اس کے لیے اس کے پاس ایک مکمل پلان تھا۔ اس کی وہ تصاویر جن کے بل بوتے پر پہلے پروفیسر نفیس اور پھر فتح خان اسے بلیک میل کرتے رہے تھے ان کے نیگیٹو زبھی ممکنہ طور پر اسی لاکر میں تھے۔ دونیا سے فتح خان نے صرف تصاویر حاصل کی تھیں۔ اصل چیز ان تصویروں کے نیگیٹو ز تھے۔ اگر میں نے شہلا کو دھمکی نہ دی ہوتی تو وہ اب تک لاکر پر چھاپہ مار چکی ہوتی۔ وہ صرف اس خوف سے رکی ہوئی تھی کہ فتح خان میرے قبضے میں تھا تو اس کی تصویریں بھی میرے قبضے میں ہوں گی۔ بہرحال یہ بات پرانی ہو چکی تھی اور اب یقیناً شہلا سے فتح خان نے رابطہ کر لیا ہوگا۔ تاکہ اسے دوبارہ سے بلیک میل کر سکے بشرطیکہ اسے مرشد علی نے چھوڑ دیا ہو۔ مرشد اس کے لیے جس طرح سے بے تاب ہوا تھا مجھے امید نہیں تھی اس نے فتح خان کو چھوڑا ہوگا۔ مگر دیکھا جائے تو فتح خان کم نہیں تھا۔ کم سے کم چالاکی اور عیاری میں مرشد کسی طرح اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے وسیم کو شہلا کے بارے میں بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''عبداللہ کا آدمی اس کی نگرانی کر رہا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن یہ پرانی بات ہے ابھی کیا ہو رہا ہے مجھے اس بارے میں پوچھنے کا موقع نہیں ملا۔''

''آپ عبداللہ سے معلوم کر سکتے۔'' وسیم نے کہا میں نے سفیر والا موبائل نکالا وہ ابھی میرے پاس تھا۔ اس سے میں نے عبداللہ کو کال کی۔

''عبداللہ میں بات کر رہا ہوں۔''

''کیا حال ہیں جناب۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔ ''میں ابھی آپ سے بات کرنے کا سوچ رہا تھا۔''

''خیریت؟''

''جی سب خیریت ہے۔'' اس نے کہا۔ ''عتیق کو آج چیک اپ کے لیے اسپتال لے جایا گیا تھا اور پھر وہیں سے وہ اپنی حویلی چلا گیا۔ رفیق بھائی ساتھ تھے میں نے چھ افراد ان کے ساتھ کر دیئے تھے۔ وہ بحفاظت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حویلی پہنچ گئے ہیں۔''

''یہ تم نے اچھا کیا عبداللہ۔'' میں نے عتیق کے ٹھیک ہونے اور حویلی پہنچ جانے کا سن کر سکون کا سانس لیا تھا۔

''راجا صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''تم میرا یہ نمبر ان کو دے دو۔''

''نہیں وہاں موبائل سروس کام نہیں کرتی ہے اور لینڈ لائن خراب ہے آپ کو سیٹلائیٹ فون سے بات کرنا پڑے گی۔''

''ٹھیک ہے لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کب تمہارے پاس آسکوں گا۔''

''اگر آپ نہیں آسکتے تو میں آجاتا ہوں آپ کے پاس۔''

''یہاں انٹرنیٹ کی سہولت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا میں کچھ کرتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا آدمی اب شہلا کی کوٹھی کی نگرانی کر رہا ہے؟''

''نہیں جناب جب عتیق والا مسئلہ ہوا تو میں نے اسے بلا لیا تھا اس کے بعد دوبارہ نہیں بھیجا آپ کہیں تو پھر سے نگرانی پر لگا دوں۔''

''بالکل اسے کل ہی وہاں بھیج دو اور اس سے کہو کہ پل پل کی رپورٹ دے۔''

کچھ دیر عبداللہ سے بات کر کے میں نے کال کاٹی اور پھر رفیق بھائی کی حویلی کا نمبر ملایا کیونکہ آپا کے موبائل کا نمبر یاد نہیں تھا۔ کسی نوکر نے کال ریسیو کی اور کچھ دیر بعد شمی لائن پر تھی اس کی پھولی سانس بتا رہی تھی کہ وہ دوڑتی ہوئی آئی ہے۔ ''اللہ..... شمی آپ کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔''

''عتیق کی واپسی مبارک ہو اب خوش ہے نا میری گڑیا۔''

''جی۔'' وہ شرما کر بولی۔ ''آپ کو بھی مبارک ہو۔ کل نانا اور نانی جان کا فون آیا تھا وہ کہہ رہے تھے اب ہم واپس آجائیں۔''

''نہیں اتنی جلدی کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی تم کچھ دن یہاں رکو اور جب میں کہوں تب حویلی جانا۔''

''جی اچھا۔'' وہ خوش ہوگئی شاید وہ بھی کچھ دن یہاں رکنا چاہ رہی تھی۔ کچھ دیر میں آپا بھی آگئی تھیں۔ ان سے بات کرنے کے بعد میں نے وسیم سے کہا۔

''راجا عمر دراز مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''عبداللہ نے کوئی وجہ بتائی ہے۔''

''نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ شاید مجھ سے اپنے معاملے میں بات کرے گا۔''

''اس کا واحد معاملہ جس میں اسے آپ کی مدد درکار ہے وہ پُراسرار وادی والا ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''ابھی جب ہم انڈیا میں تھے اور راجا پُراسرار طور پر غائب ہو گیا تھا وہ اصل میں وادی کی طرف گیا تھا اور اس کا ٹکراؤ ڈیوڈ شا کی پارٹی سے ہوا تھا۔ وہ بھی وادی کے چکر میں تھا لیکن دونوں ناکام رہے اور مرتے مرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بچے تھے۔ برف والے نے ان کو بچا لیا تھا لیکن وادی میں اترنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ ہاتھ والے کو لاؤ تو نیچے جانے دوں گا۔ ڈیوڈ شا اور راجا عمر دراز دونوں ہاتھ والے سے مراد مجھے لیتے ہیں۔''

''اور آپ کا کیا خیال ہے؟''

''اگر میں اس کا مفروضہ ہاتھ والا ہوں تب بھی مجھے اس وادی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ البتہ ڈیوڈ شا نے اس بار ایک نئی بات کی اس نے مجھ سے معاہدہ کیا کہ اگر میں وادی تک اس کے ساتھ چلوں تو وہ مجھے مرشد سے محفوظ رکھے گا یعنی مرشد مجھے نہیں چھیڑے گا۔''

''اگر ڈیوڈ شا پاگل کتے کے بارے میں یہ ضمانت دے میں مان بھی سکتا ہوں۔'' وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مرشد کے معاملے میں بالکل نہیں مان سکتا۔''

''یہی خیال میرا بھی ہے اور مرشد نے فوراً اسے درست بھی ثابت کر دیا۔ اب میں ڈیوڈ شا سے کیے زبانی معاہدے کا پابند نہیں رہا ہوں جو اس نے میرے ہاتھ میں قرآن کریم دے کر کیا۔''

''آپ نے قرآن پر معاہدہ کر لیا۔'' وسیم چونکا۔

''مجبوری تھی یار دوسری صورت میں وہ مجھے مرشد کے حوالے کر دیتا اور مرشد اس وقت میرے خون کا پیاسا ہو رہا ہے وہ مجھے کسی صورت نہیں چھوڑے گا۔''

''کیا ڈیوڈ شا کو علم ہو گیا ہو گا کہ اس کے آدمی نے اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپ کو مرشد کے حوالے کرنے کی کوشش کی ہے؟''

''میرا خیال ہے اسے کچھ اور ہی بتایا گیا ہو گا۔ مارشل نے خود کو بھی بچانا ہے اور مرشد بھی بہر حال ڈیوڈ شا سے دبتا ہے۔''

''کیا آپ ڈیوڈ شا سے رابطہ نہیں کر سکتے ہیں؟''

''میرے پاس اس کا کوئی نمبر نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور نہ ہی مجھے اس سے رابطہ کرنے کی ضرورت ہے اگر اس نے کسی طریقے سے خود رابطہ کیا تو دیکھا جائے گا۔''

''راجا عمر دراز سے رابطے کی کیا صورت ہو گی؟''

''اس کے لیے شاید مجھے عبداللہ والی کوٹھی پر جانا پڑے گا کیونکہ انٹرنیٹ کی مدد سے کام کرنے والا سیٹلائیٹ فون اور اس کا کمپیوٹر وہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن یہ اتنا ضروری کام نہیں ہے اسے کسی وقت فرصت سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ابھی مسئلہ ہے شہلا کا۔''

''اسے اٹھا لے آتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس خالی مکان میں رکھیں گے جو آپ نے لیا ہے۔''

''ہاں میں نے بھی یہی سوچ کر لیا ہے اگر کسی کو بند رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ مکان بہت موزوں ہے اور اگر بعد میں دشمن کی نظر میں بھی آ گیا تو ہماری بلا سے۔''

بیتو حسب معمول لاؤنج میں سو گیا تھا آج سادھنا نے اس پر کمبل لا کر ڈال دیا تھا۔ وہ ہمارے پاس آ بیٹھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''سادھنا تم خوش ہو؟''

''بہت زیادہ۔'' اس نے کہا۔ ''میں ان چند مہینوں میں تمام تر مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود جتنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوش رہی ہوں میں الفاظ میں نہیں بتا سکتی اور انہوں نے بتایا نہیں کہ میرا نام اب سادھنا نہیں سعدیہ ہے۔"

"نہیں یہ تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔" میں نے وسیم کو گھورا۔

"میں سمجھا کہ کسی اور نے بتا دیا ہوگا۔" اس نے خفت سے کہا۔

"سب یہی سمجھ رہے ہوں گے لیکن اصل میں تو تمہیں خود بتانا چاہیے تھا۔" میں نے سعدیہ سے کہا۔ "مجھے بہت اچھا لگا ہے یہ نام، تمہیں اب بھی سادی کہہ سکتے ہیں۔"

"حالانکہ یہ اتنی سادی نہیں ہے۔" وسیم معنی خیز انداز میں بولا۔ "بہت عقل آ گئی ہے۔"

"جی نہیں میں بدھو ہی ٹھیک ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا

"سادی تمہیں اپنے گھر والے یاد نہیں آتے۔"

"وہ میرے گھر والے کہاں تھے۔" اس کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ "اگر میرے گھر والے ہوتے تو مجھے یوں اپنے مفاد پر قربان کر دیتے۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے میرا گھر اب یہ ہے اور میرا خاندان آپ سب ہیں۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی رہے گا۔ جب ہمیں سکون سے زندگی گزارنے کا موقع ملا تو ہمارا خاندان یہی ہوگا۔ تم، وسیم، بیتو، سفیر، مونا، میں اور....." میں بولتے بولتے رک گیا۔

"اور کیا جناب؟" سعدیہ نے پوچھا۔

"اور ہے ایک۔" میں نے گہری سانس لی۔ "کبھی وہ میری تھی لیکن پھر میرے بھائی کا مقدر بن گئی اور اب بھائی کے بعد مجھے مل گئی ہے لیکن ان ہنگاموں سے فرصت ملے تو میں اس کے بارے میں سوچوں۔"

"آپ سویرا کی بات کر رہے ہیں نا۔" سعدیہ شرارت سے بولی۔ "میں ان کے بارے میں سب جانتی ہوں۔"

"ظاہر ہے اب تم کوئی غیر متعلق تو ہو نہیں جو بے خبر رہو۔" میں نے کہا۔ "تمہارا ہم پر مکمل حق ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔" اس نے بال پیچھے کیے۔

"کیا خیال ہے؟" میں نے ذرا شرارت سے کہا۔ "اب تم دونوں کی رخصتی بھی نہ کر دی جائے۔"

سعدیہ جلدی سے کھڑی ہو گئی اور جاتے ہوئے بولی۔ "یہ مجھے نہیں معلوم اور مجھ سے مت پوچھیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے وسیم کی طرف دیکھا تو اس نے بھی جلدی سے کہا۔ "مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ایک مشرقی لڑکا ہوں آپ جب چاہیں میری رخصتی کر سکتے ہیں۔"

"اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں ہوگی برخوردار۔" میں نے کہا۔ "ویسے میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے؟"

"کون سی بات جناب؟"

"دیکھو یار ہمارا دشمن کمینہ اور گھٹیا شخص ہے جس سے کسی قسم کے ظرف کی توقع فضول ہے۔ ایسے دشمن سے لڑائی میں عورتوں کو ساتھ رکھنا رسک والی بات ہے خدانا خواستہ وہ دشمن کے ہاتھ آ جائیں تو وہ ان پر کوئی ناقابلِ برداشت ظلم کر سکتا ہے یا ان کو ہماری کمزوری بنا سکتا ہے۔"

"سچی بات ہے جب سے ہم پاکستان آئے ہیں۔ اس پر تو میں بھی غور کر رہا ہوں۔" وسیم نے کہا۔ "ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کو کسی ایسی جگہ چھوڑنا ہوگا جہاں یہ محفوظ رہ سکیں۔"

"ایسی کئی جگہیں ہو سکتی ہیں۔" میں نے غور کیا۔ "میری حویلی ہے، سفیر کا خاندان بھی بہت بڑا اور مضبوط ہے۔ ہم ان کو کسی اور شہر میں بھی رکھ سکتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ ہمیں چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں ہوں گی۔"

"یہی بات ہے جناب۔" اس نے سرد آہ بھری۔ "دو دن پہلے میں نے سادی سے اس موضوع پر بات کی تو اس نے دھواں دھار رونا شروع کر دیا اور بڑی مشکل سے چپ ہوئی تھی اس نے کہیں اور رہنے سے صاف انکار کر دیا۔"

"یہی انکار مونا بھی کر چکی ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "اب ان کو کیسے مجبور کیا جائے۔"

"ایک طریقہ اور بھی ہو سکتا ہے ہم اس کوٹھی میں اچھے سیکورٹی گارڈ رکھ سکتے ہیں۔"

"اس سے ہم بلاوجہ نظر میں آئیں گے اور ہمارا مسئلہ سیکورٹی نہیں ہے وہ تو ہم بہت بہتر کر سکتے ہیں مسئلہ دشمن کی نظر سے بچنے کا ہے۔ دیکھو پولیس میرے پیچھے ہے۔ بیتو اور سعدیہ یہاں غیر قانونی آئے ہیں اگرچہ سعدیہ کا شناختی کارڈ بن چکا ہے لیکن اگر اس بارے میں چھان بین کی گئی تو حقیقت سامنے آ سکتی ہے۔ دشمن اس چیز کا بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"تب اس مسئلے کا کیا حل نکالا جائے۔"

"ایک حل ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر مونا اور سعدیہ کو عبداللہ والی کوٹھی میں چھوڑ دیا جائے تو ہم بڑی حد تک ان کی طرف سے بے فکر ہو سکتے ہیں۔"

"وہ مان جائیں گی؟"

"ہاں کیونکہ انہیں ایک جگہ رہنا ہے اور ہم ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ اس لیے اگر وہ وہاں رہنے پر آمادہ ہو جائیں تو ہم ان کی حفاظت کی طرف سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کر سکتے ہیں اور جب چاہیں حالات دیکھ کر ان سے مل بھی سکتے ہیں۔"

وسیم نے غور کیا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہمیں دشمن کے خلاف مستقل حرکت میں رہنا پڑتا ہے اور اس کا امکان ہوتا ہے کہ ہم اس کی نظر میں آ جائیں۔ ایسے کسی موقع پر ہم ان کی وجہ سے بے بس بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کا دور رہنا ہی مناسب ہوگا۔"

"بالکل اور جب موقع ملے گا ہم ان سے جا کر مل سکتے ہیں۔ ہمارا دشمن سے ٹکراؤ ہمیشہ اتفاق سے ہوتا ہے یا جب ہم اس کے خلاف کارروائی کرتے ہیں۔ اس کا امکان کم ہے کہ دشمن ہمارا سراغ لگانے کے بعد جاسوسی کی زحمت کرے اور اس جگہ کا پتا چلا لے جہاں مونا اور سعدیہ ہوں۔"

"میں سعدیہ سے بات کرتا ہوں۔" وسیم بولا۔

"مونا کو سفیر راضی کرے گا اور جب تم لوگ فیصلے کے لیے مجھ سے رجوع کرو گے تو میں تمہاری تائید کروں گا۔"

اسی لمحے غیر متوقع طور پر سفیر بھی آ گیا۔ وسیم نے پوچھا۔ "تم سوئے نہیں؟"

"نہیں یار اصل میں تو میں مونا کی وجہ سے چلا گیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ سو جائے تو میں تم سے بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروں۔''

بے ساختہ میں نے وسیم کی طرف دیکھا پھر وسیم نے پوچھا۔''کیا بات کرنا چاہتے ہو؟''

سفیر نے سگریٹ سلگائی اور میرے ساتھ بیٹھ گیا۔''یار اس جنگ میں عورتوں کا ہونا ہمارے لیے مسائل پیدا کر سکتا ہے بلکہ کرتا رہا ہے۔ میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتا جب میں اور مونا مرشد کی قید میں تھے اور مجھے ہر لمحے اس کی عزت و آبرو کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ مرشد کے سارے آدمی شیطان تھے۔ میں کسی صورت وہ دن دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''اتفاق سے ہم اسی موضوع پر بات کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

سفیر چونکا۔''کیا بات کر رہے ہو؟''

''میرا اور وسیم کا خیال ہے کہ مونا اور سعدیہ کو عبداللہ والی کوٹھی میں منتقل کر دیا جائے۔ وہ جگہ محفوظ ہے۔ وہاں سیکورٹی کا مکمل سسٹم ہے اور پھر عبداللہ کے تربیت یافتہ گارڈز بھی موجود ہوتے ہیں۔''

''وہ وہاں محفوظ رہیں گی اور ہم ان کی طرف سے بے فکر ہو کر مرشد کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ اگر دشمن کسی طرح ہم پر قابو بھی پا لے تب بھی وہ عورتوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گا۔''

''اچھا پلان ہے میں اس کی منظوری دیتا ہوں۔'' سفیر بولا۔

''بھائی تیری منظوری کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے تُو تو خود کسی کے اشارہ ابرو کا منتظر رہتا ہے۔'' میں ہنسا۔

''لیکن فیصلہ کرنا ہے اور جلدی کرنا ہے کیونکہ اس کے بعد بینک والا معاملہ دیکھنا ہے۔''

''بینک والا معاملہ کیا ہے؟'' سفیر نے پوچھا اور میں نے اسے بینک لاکر کے بارے میں بتایا جس میں مرحوم پروفیسر کا بلیک میلنگ اسٹف تھا اور اس تک رسائی کا راستہ شہلا کے پاس تھا۔

''ہمیں بہر صورت اس لاکر تک پہنچنا ہے اور اس سے وہ بریف کیس حاصل کرنا ہے لیکن یہ سب کرنے سے پہلے خواتین کو عبداللہ والی کوٹھی میں پہنچانا ہے۔''

''میری طرف سے تو معذرت ہے۔'' سفیر نے صاف انکار کر دیا۔''وہ بالکل نہیں مانے گی۔ اس سے صرف شہباز بات کر سکتا ہے۔''

''میں؟'' میں نے گھبرا کر کہا۔''نہیں یار جب سے اسے ڈانٹا ہے تب سے اس کا موڈ خراب ہے اور شوہر تُو ہے۔''

''شوہر ہی تو ہوں۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔''یہ وسیم خوش قسمت ہے ابھی تک صرف زبانی شوہر بنا ہے۔''

وسیم جھینپ گیا پھر مسکرا کر بولا۔''سلوک وہ مجھ سے تقریباً بیوی والا ہی کرتی ہے۔''

کسی قدر بحث کے بعد طے پایا کہ میں صبح ناشتے کی میز پر بات کروں گا اور وہ سب میری تائید کریں گے۔ میں بھنا گیا تھا۔''تم دونوں نے شادیاں کس لیے کی تھیں؟''

''زن مرید بننے کے لیے۔'' سفیر نے دانت نکالے۔''اور ہم بن چکے ہیں لیکن تُو فی الحال مرد آزاد ہے اس لیے تُو بات کر سکتا ہے۔''

باتیں کرتے کرتے ہم تینوں کو نیند نے جھونکے دینا شروع کر دیئے۔ سفیر واپس اوپر چلا گیا اور وسیم نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی اپنے کمرے کا رخ کیا تھا میں وہیں کمبل لے کر پڑ گیا۔ صبح حسب معمول مونا نے اٹھایا تھا۔ اس نے پردے ہٹائے تو پیلی دھوپ لاؤنج میں گھس آئی تھی۔ بیتو سو رہا تھا اور شاید باقی سب بھی سو رہے تھے۔ میں نے کمبل سے سر نکالا۔ ''گڈ مارننگ۔''

''گڈ مارننگ۔'' مونا بولی۔ ''رات کیسی نیند آئی دیر سے سوئے تھا نا تم سب؟''

میں اٹھ بیٹھا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

وہ ہنسی۔ ''رات یہ مجھے سونپ کر دبے پاؤں کمرے سے نکل گئے تھے اور کوئی ایک گھنٹے بعد آئے تھے۔''

''بڑا اسٹیمنا ہے تمہارا صرف شوہر کی گھر کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے تم اتنی دیر جاگتی رہیں۔'' میں نے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

''نہیں مجھے بھی نیند نہیں آئی تھی۔''

''مونا یہاں آؤ۔'' میں نے سامنے اشارہ کیا۔ ''مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔''

وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔ ''کہو۔''

''مجھے امید ہے تم میری بات کھلے ذہن سے اور جذباتی ہوئے بغیر سنو گی۔'' میں نے ہچکچا کر کہا۔ ''مونا کل رات ہم نے سوچا ہے کہ تمہیں اور سعدیہ کو کسی محفوظ جگہ رکھیں کیونکہ ہمارے ساتھ خطرات مستقل ہوتے ہیں۔''

''ہم کہیں نہیں جائیں گے۔'' حسب توقع اس نے فوراً انکار کر دیا۔

''پہلے میری بات تو سن لو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''یاد ہے جب تمہیں اور سفیر کو مرشد کے آدمی لے گئے تھے اور مجھے پتا چلا تھا کہ تم ان کی قید میں ہو تو مجھ پر کیا گزری تھی۔ مرشد نے مجھے تمہارے حوالے سے کیسی اور کتنی شرمناک دھمکیاں دی تھیں۔''

اس بار وہ ہچکچائی۔ ''مجھے معلوم ہے۔''

''مونا وہ وقت دوبارہ آئے میں اس کا سوچ کر ہی لرز جاتا ہوں۔ سفیر کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں ہے اس نے تو تمہارے ساتھ رہ کر دیکھا اور سہا ہے۔''

''تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ ہمارے کہیں اور رہنے سے خطرہ ٹل جائے گا؟'' مونا نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔

''نہیں ٹلے گا تو نہیں لیکن اس کی شدت کم ہو جائے گی اور سب سے بڑھ کر ہم صرف تم لوگوں کا سوچ کر دشمن کے خلاف ہاتھ ہلکا نہیں رکھیں گے۔''

مونا کچھ دیر مجھے غور سے دیکھتی رہی پھر تلخ لہجے میں کہا۔ ''میرا خیال ہے تم سب فیصلہ کر چکے ہو پھر مجھ سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے بس یہ بتا دو کہ ہمیں کہاں بھیجا جا رہا ہے۔ دبئی یا دنیا کے کسی اور ملک میں؟''

''تمہیں کسی ملک یا شہر بھیجنے کا فیصلہ نہیں ہوا ہے۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''ابھی صرف تجویز ہے اور سب کچھ تم دونوں کی منظوری سے مشروط ہے لیکن میں تم سے توقع کرتا ہوں کہ تم ہماری بات بھی کھلے ذہن سے سنو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمارے پاس ذہن ہے ہی نہیں اپنوں کے لیے صرف دل ہے اور اس میں صرف جذبات ہیں۔'' مونا نے کہا اور کھڑی ہوگئی۔ ''اگر تم لوگوں نے ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ہے تو بہتر ہے اس میں ہمیں شامل مت کرو۔''

''مونا..... میری بات سنو۔'' میں نے کہا لیکن وہ چلی گئی۔

''مشکل ہے شوبی بھائی۔'' بیتو نے کہا۔ ''یہ نہیں مانے گا۔''

''ان کو احساس ہونا چاہیے۔'' میرے لہجے میں برہمی تھی۔

''دیدی نے بتا تو دیا وہ دماغ سے سوچتا نہیں ہے دل سے سوچتا ہے۔''

''یہ اچھا طریقہ ہے ناپسندیدہ فیصلوں کا سارا بار دوسرے پر ڈال دو۔'' میں نے کہا۔ میں واش روم کے لیے اٹھ گیا۔ ایاز جاگ گیا تھا اور باہر گاڑیوں کے ساتھ لگا ہوا تھا میں واش روم سے نکل کر اس کے پاس آیا تو وہ منی پجارو کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ سلام دعا کے بعد اس نے کہا۔

''یہ گاڑی ذرا مسئلہ کرتی ہے۔''

''کیا مسئلہ کرتی ہے کوئی خرابی ہے؟''

''مینوفیکچرنگ فالٹ ہے۔ آٹو مینک سسٹم کا چکر ہے۔''

''ویسے تو مسئلہ نہیں ہے؟''

''نہیں دونوں گاڑیاں اے ون کنڈیشن میں ہیں اور بائیک تو بہت اچھی حالت میں ہے۔ میں نے اس کا ٹیسٹ بھی کرلیا ہے۔ ایک سو بیس میل تک بہت آرام سے جاتی ہے۔''

''تم نے کب ٹیسٹ کیا؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آج اس کے کاغذات لینے جانا ہے اس لیے میں نے سوچا ہر طرح سے تسلی کرلوں۔''

ایاز گاڑیوں کا ماہر بھی تھا اس لیے وہ ہر چیز کو چیک کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''ویسے تو سب ٹھیک ہے لیکن ایک کام کرنا ہے۔''

''وہ کیا؟''

''گاڑیوں کا تیل رکھنا ہے۔ بعض اوقات ضرورت پڑتی ہے اور وقت نہیں ہوتا ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا ابھی تم کاغذات لینے جاؤ گے تو بیس بیس لیٹرز والے کین لے لینا اور کہیں سے ان کو بھروا کر لے آنا۔''

''آپ فکر مت کریں اب گاڑیوں کا سارا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ ان کی نمبر پلیٹس بھی بنوانی ہیں میں یہ کام بھی کروا کر آؤں گا۔ ممکن ہے مجھے دیر ہو جائے۔''

''اس صورت میں تم فون کر کے اطلاع کرو گے اب جو باہر جائے گا اگر وہ متوقع وقت سے زیادہ رکے تو لازمی یہاں اطلاع کرے۔''

''یہ اچھی احتیاط ہے۔'' اس نے سر ہلایا پھر ہچکچا کر بولا۔ ''شہباز صاحب ایک بات کہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ہر بات کہہ سکتے ہو تمہیں کوئی بات کہنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ عورتوں کا ساتھ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ ان کو ہمارے ساتھ نہیں بلکہ کسی محفوظ جگہ ہونا چاہیے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کل رات ہم بھی یہی بات کر رہے تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ خواتین نہیں مان رہی ہیں سعدیہ تو شاید مان جائے لیکن مونا بالکل تیار نہیں مانے گی۔''

''وہ مانیں گی نہیں کیونکہ وہ دل سے سوچتی ہیں یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہوگا۔'' ایاز نے وہی بات کی جو مونا نے کی تھی۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''یہ فیصلہ شاید مجھے ہی کرنا ہوگا۔''

ہم اندر آئے تو مونا نے ناشتہ بنا لیا تھا۔ باقی سب بھی آ گئے تھے۔ سعدیہ مونا کا ہاتھ بٹانے لگی۔ جب سب نے ناشتہ کر لیا تو میں نے دل کڑا کر کے کہا۔ ''مونا اور سعدیہ میں نے تم دونوں کے لیے ایک فیصلہ کیا ہے مجھے امید ہے تم دونوں انکار کر کے مجھے اپنی ہی نظر میں بے عزت نہیں کرو گی؟''

مونا جانتی تھی مگر سعدیہ بے خبر تھی اس نے حیرت سے کہا۔ ''آپ کیسی بات کرتے ہیں ہم آپ کو بے عزت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔''

''میں نے سوچا ہے کہ تم دونوں کو عبداللہ والی کوٹھی بھیج دیا جائے کیونکہ وہ جگہ یہاں کے مقابلے میں محفوظ ہے۔''

''یہاں کیا ہوا ہے؟'' سعدیہ بے چین ہو گئی تھی۔

''ہوا نہیں ہے لیکن جب ہم دشمن کے خلاف حرکت میں آئیں گے تو اس کا امکان ہے کہ ہم اس کی نظر میں آ جائیں اور وہ یہاں تک آ جائیں۔''

''تو کیا ہوا کیا میں اور مونا دشمن کے خلاف اس سے پہلے نہیں لڑے ہم نے کوئی کمزوری دکھائی؟''

''وہ مجبوری تھی اور تم لوگوں نے کبھی کوئی کمزوری نہیں دکھائی بلکہ ہمیشہ اپنی ہمت سے بڑھ کر ہمارا ساتھ دیا۔ اب بھی تم اس طرح ہمارا ہی ساتھ دو گی۔''

''تم لوگوں سے دور جا کر؟'' مونا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں کیونکہ دوری صرف تمہارے لیے نہیں ہوگی ہمارے لیے بھی ہوگی۔ اگر تمہارے لیے ہم سے دور رہنا مشکل ہے تو یہ فیصلہ ہمارے لیے بھی آسان نہیں ہے لیکن ہم سب کی بہتری اسی میں ہے کہ تم دونوں دشمن کی نظر سے دور رہو۔''

مونا اور سعدیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر سعدیہ بولی۔ ''تو آپ فیصلہ کر چکے ہیں؟''

''میں فیصلہ کرنے والا کون ہوتا ہوں اگر تم لوگوں نے مجھے یہ اختیار نہ دیا ہوتا لیکن اگر تمہیں اعتراض ہے تو میں اس اختیار سے دست بردار ہوتا ہوں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم بالکل آزاد ہو میرا فیصلہ رد کرنے میں۔''

''میں..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔'' سعدیہ بولی۔ ''آپ کا فیصلہ میرے لیے حرف آخر ہے۔''

''پھر بھی تم لوگ سوچ لو۔'' میں نے کہا اور میز سے اٹھ گیا۔ ''ایاز میرے ساتھ آؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایاز کے ساتھ گیسٹ روم والے کمرے میں آیا۔ میں نے بینک میں جمع ہو جانے سے رہ جانے والے ساڑھے تین لاکھ روپے الماری میں رکھ دیئے تھے۔ میں نے ایاز کو رقم دکھائی۔ ''تمہیں اس میں سے جتنی ضرورت ہو لے لیا کرو۔''

ایاز نے ایک گڈی سے ہزار کے چند نوٹ نکالے۔ ''میرے خیال میں اتنی رقم کافی ہوگی۔''

''جتنی کافی ہوگی اس سے زیادہ ہی رکھا کرو نہ جانے کب کہاں کون سی ضرورت پیش آجائے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''جگہ تم نے دیکھ لی جب ضرورت پڑے یہاں سے لے سکتے ہو۔''

ایاز نے نوٹ پرس میں رکھے۔ ''اب میں جاتا ہوں اگر دیر ہوئی تو کال کر دوں گا۔''

یاز کے جانے کے بعد میں بیڈ پر دراز ہو گیا۔ فی الحال میرا موڈ نہیں ہو رہا تھا کسی سے بات کرنے یا سامنا کرنے کا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''آجاؤ۔''

سعدیہ اندر آئی تھی۔ وہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر یک دم دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ میں بوکھلا گیا تھا۔ ''سعدیہ کیا ہوا ہے۔ میری بات بری لگی۔''

''نہیں۔'' اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے افسوس ہو رہا ہے میں نے آپ سے بحث کیوں کی۔''

''کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور جس بات پر تمہارا دل آمادہ نہیں ہو وہ تم کس طرح مان سکتی ہو۔''

''لیکن یہ بات آپ نے کی تھی۔ میں وسیم کی بات ماننے سے انکار کر سکتی ہوں لیکن آپ کی بات سے انکار نہیں کر سکتی۔'' وہ بولی۔ ''میں کیسے بھول سکتی ہوں جب میں اکیلی اور دشمنوں کے رحم و کرم پر تھی تو یہ آپ تھے جنہوں نے مجھے سہارا دیا۔ حالانکہ میں آپ کے دشمنوں کی بہن ہوں جنہوں نے آپ کو مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

میں نے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''پاگل اب تم میری بہن ہو اور بھائیوں کا فرض ہوتا ہے احسان نہیں ہوتا۔''

''میں یہ کہنے آئی ہوں کہ آپ جہاں کہیں میں خوشی سے رہ لوں گی اور وہاں رہ کر اللہ سے دعا کروں گی کہ آپ کامیاب ہوں اور آپ کے دشمن ناکام ہوں۔''

''اللہ سے دعا کرو گی؟'' میں چونکا تھا۔

وہ پہلی بار مسکرائی۔ ''میں نے کہا تھا آپ کو سرپرائز دوں گی کہ میں اب مسلمان ہوں۔''

''ارے..... اور تم نے بتایا ہی نہیں۔''

''صرف اس لیے بتانے سے ہچکچاتی رہی کہ کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے مسلمان ہوئی ہوں۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ میں کیسے مسلمان ہوئی ہوں۔''

''ہماری یہ سوچ بھی نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی اللہ کے سوا کسی اور وجہ سے مسلمان ہو تو یہ ہمیں بھی قبول نہیں ہے۔ تمہیں مبارک ہو۔''

''آپ کو بھی۔'' وہ مسکرائی۔ ''آپ نے دیکھا میری اردو کتنی اچھی ہو گئی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ تو پہلے بھی اچھی ہی تھی۔'' میں نے کہا۔

''وہ مونا بھی باہر موجود ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔ ''مجھ سے بھی زیادہ شرمندہ ہے۔''

میں نے باہر جھانکا اور مونا کو دیکھ کر ہنسا۔ ''خاتون اتنی بزدل کب سے ہوگئی۔''

''بزدل نہیں ہوں سچ مچ شرمندہ ہوں۔'' مونا بولی اور اندر آگئی۔ ''میری تو ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی یہ سعدیہ مجھے لے آئی۔ شوبی آئی ایم ریئلی سوری۔''

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''مونا تم میرے لیے چھوٹی بہن کی طرح تھیں اور اب سفیر کی بیوی کی حیثیت سے رشتہ دوہرا ہوگیا۔ تم دونوں نے صبر سے میری بات مان لی یہی بہت ہے اب کوئی سوری نہ کرے۔''

''ٹھیک ہے۔'' سعدیہ بولی۔

''دیکھو تم لوگوں سے دور تو ہم بھی نہیں رہ سکتے کم سے کم دو کاٹھ کے اُلو تو بالکل نہیں رہ سکتے۔ اس لیے تمہیں اپنے پاس ہی رکھ رہے ہیں۔ وہاں تم محفوظ بھی رہو گی اور جب موقع ملے گا ہم تم سے ملنے آسکیں گے۔''

وہ اگر اندر سے ناخوش بھی تھیں تب بھی انہوں نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ سعدیہ کو البتہ فکر لگ گئی تھی۔ ''آپ کھائیں گے کیسے؟''

''تم فکر مت کرو۔ یہاں فریج ہے باہر سے لاکر رکھ لیں گے اسی طرح بہت ساری ریڈی میڈ چیزیں مل جاتی ہیں۔ ٹن بند کھانے ملتے ہیں۔ تھوڑا بہت پکانا تو ہمیں بھی آتا ہے۔''

''میں نے بیتو کو چائے اور کافی بنانا سکھا دی ہے۔'' مونا نے انکشاف کیا۔ ''وہ بہت اچھی بنانے لگا ہے۔''

''وہ تو میں بھی بہت اچھی بناتا ہوں لیکن تم لوگوں سے دوری ہم کھانے پینے کے لیے نہیں اختیار کر رہے ہیں اس دوران میں اپنے مسئلے نمٹانے ہیں تاکہ ہمارا آنے والا کل محفوظ ہو اور ہم اپنے اپنے گھروں میں عام لوگوں کی طرح رہ سکیں۔''

ہم ہنستے مسکراتے باہر لاؤنج میں آئے تو ٹینشن میں بیٹھے سفیر اور وسیم نے سکھ کا سانس لیا۔ بیتو ہنس رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''وسیم بھائی اور سفیر بھائی بہت پریشان تھا۔''

''تو بیٹے پریشانی انہوں نے مول بھی تو خود لی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ان سے عبرت پکڑو۔''

''اس کی ضرورت تجھے ہے۔'' سفیر نے بھنا کر کہا۔ ''یہ تو ابھی بچہ ہے۔''

''اتنا بھی بچہ نہیں ہے۔'' وسیم نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کیوں منے کیا خیال ہے؟''

بیتو گھبرا گیا تھا کہ ابھی کامی کا نام لیا جائے گا لیکن اسے سعدیہ نے بچالیا۔ اس نے ڈانٹ کر وسیم سے کہا۔ ''جی نہیں میرا بھائی بہت سیدھا اور معصوم ہے۔''

میں نے مونا کی طرف دیکھا۔ ''آج تمہاری خواہش پوری ہوگئی ہے ہم سب گھر پر ہیں اور ایاز بھی آجائے گا۔''

''ہاں نادیدی اس خوشی میں کچھ اچھا سا بناؤ۔'' بیتو نے فرمائش کی۔

''دال چاول بنالیتے ہیں۔'' مونا نے کہا تو بیتو کا منہ اتر گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دال چاول۔''

''ہاں بہت مزے کے ہوتے ہیں۔'' مونا اس کی حالت سے لطف اندوز ہونے لگی۔

''ہم نہیں کھائے گا۔''

''تو کیا بھوکے رہو گے؟'' سعدیہ نے اسے گھورا۔

''بھوکا کیوں رہے گا باہر سے کھالے گا۔'' بیتو نے منہ پھلا کر کہا اور جانے لگا تو مونا اور سعدیہ نے اسے پکڑ لیا۔ مونا پچکار کر بولی۔

''کہاں جاتے ہو پیارے سے منے؟''

''آؤ تمہیں کچھ اچھا بنا کر کھلاتے ہیں۔'' سعدیہ نے کہا اور وہ اسے اپنے ساتھ کچن کی طرف لے گئیں۔

میں نے کہا۔

''شکر ہے معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ ان کو آج ہی عبداللہ والی کوٹھی میں منتقل کر دینا ہے۔''

''یہ کام رات کو کیا جائے تو بہتر ہو گا۔'' وسیم نے تجویز پیش کی۔ ''لے کر کون جائے گا؟''

''میں جاؤں گا کیونکہ کوٹھی میں نے دیکھی ہے اور دوسرے مجھے وہاں سے راجا عمر دراز سے بات بھی کرنی ہے۔''

''فرض کر اس نے تجھے اپنے پاس بلوایا یا کوئی فرمائش کر دی۔''

''تو اپنے حالات کے مطابق فیصلہ کریں گے۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی میری ترجیحات مختلف ہیں۔''

اس تذکرے سے مجھے یاد آیا کہ میں نے عبداللہ کو ایک کام کہا تھا میں نے اسے کال کی۔ اس بار میں نے اپنا نمبر استعمال کیا تھا سفیر کا موبائل میرے پاس ہی تھا۔ عبداللہ نے کچھ دیر سے کال ریسیو کی۔

''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے نام لیے بغیر کہا۔

''آپ۔'' عبداللہ نے پہچان لیا۔ ''حکم کریں جناب؟''

''تم نے اپنا آدمی شہلا کی کوٹھی پر بھیجا؟''

''جی جناب وہ وہاں مورچہ سنبھال چکا ہے اور اس نے رپورٹ کی ہے کہ شہلا اپنے گھر میں ہے اور اکیلی ہی نظر آتی ہے بس ایک خادمہ اور گیٹ پر چوکیدار ہے لیکن یہ وہ شخص نہیں ہے جو پہلے تھا۔''

''وہ فتح خان کا ساتھی تھا۔ یہ شہلا کا اصلی چوکیدار ہو گا۔ اس کے گھر کا نمبر کام کر رہا ہے؟''

''یہ تو نہیں معلوم جناب۔''

''میرے پاس اس کا نمبر تھا جو موبائل کے ساتھ ہی مس ہو گیا ہے۔''

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے میں ابھی ڈائریکٹری میں دیکھ کر آپ کو ایس ایم ایس کر دیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں انتظار کر رہا ہوں۔''

میں نے فون بند کیا تو سفیر نے پوچھا۔ ''کیا ارادہ ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں آج شہلا پر ہاتھ صاف کر دیا جائے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''لیکن وہ بہت مضبوط اعصاب کی عورت ہے اتنی شرافت سے زبان نہیں کھولے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زبان کھلوانا آتی ہے جناب۔'' وسیم بولا۔

''نہیں اس کے لیے پلان کرنا پڑے گا۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے میں اس پر یا کسی اور عورت پر تشدد نہیں کر سکتا ہوں اس لیے اسے ایسے اٹھانا کہ وہ اسے کسی اور کی کارروائی سمجھے اور گھبرا کر زبان کھول دے۔''

''فتح خان کے آدمی بن کر کیوں نہ اٹھالیں۔'' سفیر نے تجویز پیش کی جو مجھے اور وسیم دونوں کو پسند آئی۔

''یہ ٹھیک رہے گا اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ فتح خان کتنا سفاک آدمی ہے اور بینک لاکر سے اسے بھی دلچسپی ہے۔''

''بس تو میں اور سفیر یہ کام کریں گے۔'' وسیم نے کہا۔

''وہ ہمیں نہیں جانتی ہے۔''

''ہاں اس نے مجھے اور بیتو کو دیکھا ہوا ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن پہلے اسے گھر سے نکالنا ہوگا۔''

''یہ کام آپ کر سکتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''آپ اس کی تصویروں کا ذکر کریں گے تو وہ سر کے بل چلی آئے گی۔''

اسی لمحے ایس ایم ایس سے شہلا کی کوٹھی میں لگے فکس فون کا نمبر آ گیا۔ بلکہ یہ دو فون تھے۔ میں نے ایک نئی سم سے یہ نمبر ملایا۔ ملازمہ نے کال ریسیو کی اور میرا نام سن کر شہلا کو بتانے چلی گئی۔ وہ ایک منٹ بعد لائن پر آ گئی تھی۔ ''شہباز کیا بات ہے کیوں کال کی ہے؟''

''میں نے سوچا تمہاری ایک امانت تو تمہیں دے دوں۔''

''کون سی امانت؟'' وہ بولی۔

''تمہاری تصویریں جو فتح خان کے پاس تھیں۔''

''اچھا۔'' اس نے بغیر ردِعمل کے کہا۔ ''تم کیوں واپس کرنا چاہتے ہو جب کہ تم ان کی مدد سے مجھے بلیک میل بھی کر سکتے ہو؟''

''شہلا بات یہ ہے کہ میں بلیک میلر نہیں ہوں اور خاص طور سے کسی کو اتنے گھٹیا انداز میں بلیک میل نہیں کر سکتا۔ اس لیے میرا دل نہیں مان رہا ہے کہ تمہیں مجبور کر کے اپنا کام نکلواؤں۔ میں تم سے ایک معاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیسا معاہدہ؟''

''ہم پروفیسر کے لاکر تک مل کر رسائی حاصل کریں گے اور میں اس میں سے صرف بریف کیس لوں گا جو میری چیز ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب تمہاری ملکیت ہوگا میں اس میں سے ایک معمولی سی چیز بھی نہیں لوں گا بولو اب کیا کہتی ہو؟''

وہ کچھ دیر چپ رہی پھر اس نے کہا۔ ''میں کس طرح یقین کر لوں کہ تمہاری نیت نیک ہے؟''

''اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینے کے لیے تو میں نے تصویریں واپس کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم آ جاؤ میری کوٹھی تو دیکھی ہوئی ہے۔''

''سوری مس شہلا..... ہاں سنا ہے تم پھر سے غیر شادی شدہ ہو گئی ہو۔ مغرب میں دس بار شادیاں اور بیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار بوائے فرینڈ کرنے والی پچاس سال کی خاتون بھی مس کہلاتی ہے تو تم ان کے مقابلے میں بہت بہتر ہو۔ بات یہ ہے کہ میں اپنے دشمنوں سے چھپتا پھر رہا ہوں اور انہوں نے تمہارا گھر دیکھا ہوا ہے اس لیے میں وہاں نہیں آ سکتا۔''

''تب کیا صورت ہو سکتی ہے؟''

''تم کہیں باہر آ جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''کسی ایسی جگہ جہاں تمہیں کوئی خطرہ نہ ہو اور میں بھی اپنا اطمینان کر لوں کہ کوئی تمہارا پیچھا کرتا ہوا تو نہیں آیا ہے۔ اس کے بعد ہم مل کر بات کر سکتے ہیں۔''

''میں باہر.....'' وہ ہچکچائی۔ ''اچھا میں سوچ کر بتاتی ہوں ایسا کرو تم مجھے ایک گھنٹے بعد رنگ کر لینا۔''

''ویسے تو فیصلہ تم نے خود کرنا ہے لیکن اگر تم سوچنا چاہتی ہو تو میں ایک گھنٹے بعد کال کر لوں گا۔'' میں نے موبائل بند کر دیا۔

''کیا کہہ رہی تھی؟'' سفیر نے پوچھا۔ ''بہت تعریفیں ہو رہی تھیں۔''

''مطلقہ بھی ہو گئی ہے۔'' وسیم ہنسا۔

''مجھے معاف رکھو یار!..... بڑی خطرناک چیز ہے اس کے ساتھ تو آدمی مذاق میں ابھی ایسا رشتہ نہ جوڑے۔ وہ باہر آنے کے لیے تیار نہیں ہے ایک گھنٹے بعد بتائے گی۔''

''کوئی چکر نہ ہو۔'' سفیر نے سوچ کر کہا۔ ''ورنہ تجھ سے اسے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟''

''دیکھ لیتے ہیں۔ اسے گھر سے نکالنا ضروری ہے کیونکہ وہ جس جگہ رہتی ہے وہاں سیکورٹی بہت سخت ہے۔ پولیس بھی برابر گشت کرتی ہے۔''

''اس کا خطرہ بھی ہے کہ وہ زیرِ نگرانی نہ ہو۔'' وسیم بولا۔ ''اگر فتح خان مرشد کی قید سے نکل گیا ہے وہ لازمی شہلا کی تاک میں ہو گا ورنہ اس نے مرشد کو شہلا کے بارے میں بتا دیا تو وہ بھی اس کے چکر میں پڑ سکتا ہے۔''

''ویسے تو مرشد کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے لیکن وہ کسی اور طرح سے شہلا کے چکر میں پڑ سکتا ہے۔'' میں ہنسا۔ ''وہ عورت کا دیوانہ ہے اور شہلا خطرناک حد تک حسین ہے۔''

''بھائی یہ گیا کام سے۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اب مجھے لگ رہا ہے۔ شہلا سے بینک لاکر کے بارے معلوم کرنے کا تو صرف بہانہ ہے ورنہ اصل میں یہ شہلا تک پہنچنا چاہتا ہے۔''

''بکواس مت کر۔'' میں نے سفیر کی گردن دبوچ تو چلانے لگا۔

''مونا بچاؤ..... تمہارے سہاگ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔''

مونا اس کا شور سن کر دوڑی آئی تھی لیکن پھر صورتِ حال دیکھ کر جاتے جاتے مشورہ دے گئی۔ ''ذرا صحیح سے دبانا شوبی۔''

''اب بولو بیٹے۔'' میں نے سفیر سے کہا اور اسے چھوڑ دیا۔

''میں نے ٹھیک کہا تھا۔'' سفیر نے کہا اور دور سرک گیا۔ ''یہ اس عورت کے چکر میں بالکل پاگل ہو گیا ہے۔''

''چل تُو پاگل سمجھتا ہے تو پاگل ہی سہی۔'' میں نے کہا اور عبداللہ کا نمبر ملایا۔ ''عبداللہ اپنے آدمی کو میرا نمبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو جو شہلا کی کوٹھی کی نگرانی کر رہا ہے وہ مجھ سے بات کرلے۔"

"میں ابھی دیتا ہوں جناب۔" عبداللہ نے جواب دیا۔

ایک منٹ بعد میرے موبائل کی بیل بجی۔ یہ عبداللہ کا آدمی تھا۔ "جی سر حکم کریں۔"

"کیا پوزیشن ہے؟"

"وہ اندر ہی ہے اور چار گھنٹے سے نہ کوئی آیا ہے اور نہ کوئی کوٹھی سے نکلا ہے۔"

"اندر کتنے آدمی دکھائی دیئے ہیں؟"

"ایک چوکیدار ہے۔ ایک خادمہ جو کبھی کسی کام سے باہر آتی ہے اور خود شہلا ہے۔"

"تم اسی پوزیشن میں ہو جہاں سے پہلے کوٹھی کی نگرانی کرتے تھے؟"

"جی میں اسی درخت پر ہوں۔" اس نے تصدیق کی۔

"ٹھیک ہے میرا یہ نمبر نوٹ کرلو۔ جیسے ہی کوئی آئے یا نکلے یا شہلا خود نکلے تو مجھے اطلاع کرنا۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" اس نے کہا۔

میں نے کال کاٹ کر شہلا کی کوٹھی کا نمبر ملایا۔ ایک گھنٹہ پورا ہو گیا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی۔ "میں بات کر رہا ہوں۔"

"آج شام..... چھ بجے جناح سپر مارکیٹ میں جو کھانے پینے کے لیے مخصوص کھلی جگہ ہے میں وہاں آؤں گی اور صرف دس منٹ تک رکوں گی اگر تم نہیں آئے تو میں واپس چلی جاؤں گی۔"

"لگتا ہے تمہیں کوئی خطرہ ہے ورنہ تم ان تصویروں کے پیچھے اتنی مجبور رہی ہو کہ فتح خان جیسے شخص کو بھی برداشت کرلیا۔"

"یہ میں زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے وسیم اور سفیر کو آگاہ کیا۔

"جناح سپر مارکیٹ میں شام چھ بجے بلایا ہے۔"

"جناح سپر۔" سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہاں کا ہجوم دیکھا ہے اگر اس کے پیچھے کوئی لگ کر آیا تو پتا بھی نہیں چلے گا۔"

"تو ہم نے کون سا ملنا ہے۔ وہ آئے گی تو اس کے پیچھے لگ جانا ہے اور پھر موقع دیکھ کر اسے چھاپ لینا ہے۔"

"اس کی گاڑی میں بھی ٹریپ لگایا جا سکتا ہے۔" وسیم نے تجویز پیش کی۔ "ہم میں سے کوئی اس میں چھپ کر بیٹھ سکتا ہے۔"

"نہیں آج کل کی گاڑیوں میں یہ آسان نہیں ہے اس میں کوئی الارم ہوگا جو گاڑی کو چھیڑتے ہی چلانے لگے گا۔" میں نے کہا۔ "اسے راستے میں کہیں روکنا ہوگا۔"

"تب پوری تیاری سے نکلنا ہوگا۔" وسیم نے کہا۔

"ابھی بہت وقت ہے تیاری کا۔" سفیر بولا اسی لمحے سعدیہ اندر آئی تھی۔ اس نے سن لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کس چیز کی تیاری میں بہت وقت ہے۔''

''تم دونوں کو عبداللہ والی کوٹھی میں چھوڑ کر آنے کی تیاری۔'' میں نے کہا تو سعدیہ کا چہرہ بجھ گیا تھا۔

''اس میں تیاری کی کیا ضرورت ہے آپ جب کہیں ہم تیار ملیں گے۔''

''یہ ایسے ہی کہہ رہا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ہم کسی اور بارے میں بات کر رہے ہیں۔''

لیکن سعدیہ کا چہرہ دکھی رہا تھا وہ ہم سے چائے کافی کا پوچھنے آئی تھی۔ سب نے کافی کی فرمائش کی تو وہ چلی گئی۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''یار یہ دونوں راضی خوشی نہیں جا رہی ہیں اس لیے خیال رکھا کرو۔''

''سوری بس منہ سے نکل گیا تھا۔'' سفیر بھی پچھتا رہا تھا۔

ابھی کھانے میں وقت تھا اس لیے ہم نے شام کی مہم کے لیے اسلحہ دیکھا۔ بکس کھول کر اس میں سے دو خود کار رائفلیں اور دو عدد پستول نکالے۔ ان پستولوں پر لگانے کے لیے سائلنسر بھی تھے۔ کیونکہ کوئی بڑی مہم جوئی نہیں تھی اس لیے کوئی اور چیز جیسے بم وغیرہ نہیں لیے تھے۔ وسیم نے دوسرا بکس بھی کھول کر دکھایا اس میں سارا دھماکہ خیز مواد تھا۔ جیسے دستی بم، گرینیڈ لانچر اور راکٹ لانچر وغیرہ۔ بارودی سرنگیں اور ٹائم بم بھی تھے۔ میں نے کہا۔ ''یار یہ خطرناک چیزیں ہیں اور ان کو یہاں رکھنا مناسب نہیں ہوگا۔ انہیں اسی مکان میں رکھ دیتے ہیں جو الگ تھلگ ہے۔''

''یہ ٹھیک ہے۔ ابھی شہلا والی مہم نمٹا لیتے ہیں تو اسے بھی لیتے جائیں گے شہلا کی وجہ سے کسی کو وہاں رکنا ہوگا۔'' وسیم نے جواب دیا۔

''گاڑیاں کون کون سی جائیں گی؟''

''میں بائیک پر ہوں گا کیونکہ میرا رخ روشن صرف ہیلمٹ میں بدنظروں سے چھپا رہ سکتا ہے۔ کم سے کم ایک گاڑی اور ہونی چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''ہم اس کے جناح سپر تک پہنچنے کا انتظار کیوں کریں اس سے پہلے ہی گھر سے نکلتے ہوئے اسے کیوں نہ چھاپ لیں؟'' سفیر نے کہا۔

''نہیں ہمیں پہلے جائزہ لینا ہوگا کہ وہ کوئی جال تو نہیں بچھا رہی ہے ایسا نہ ہو جلد بازی کر کے ہم اس کے جال میں پھنس جائیں۔ ہاں یہ آئیڈیا اچھا ہے کہ اس کا تعاقب گھر سے کیا جائے۔''

کچھ بحث کے بعد طے پایا کہ میں بائیک پر جناح سپر پہنچوں گا اور سفیر اور وسیم الگ الگ گاڑیوں میں شہلا کا تعاقب کر کے حالات کا جائزہ لیں گے۔ شہلا کی واپسی پر کسی ویران جگہ روک کر اسے اٹھا لیا جائے گا اور پھر ہم اسے الگ تھلگ مکان پر لے جائیں گے۔ اس دوران میں کھانا لگ گیا تھا اور ہم کھانا کھا رہے تھے کہ ایاز آ گیا۔ وہ بھی شامل ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''کام ہو گیا ہے جناب ابھی کھانے کے بعد آپ کو دکھاتا ہوں۔''

مجھے خیال آیا کہ جس گاڑی میں شہلا کو لے جانا ہو اس کی ڈرائیونگ ایاز کو کرنی چاہیے۔ تاکہ کوئی شک کرے تو وہ اس سے پوچھ گچھ کر سکے۔ ہم سب عام قسم کے ڈرائیور تھے جب کہ وہ ماہر ڈرائیور تھا۔ کھانے کے بعد اس نے مجھے بائیک کے کاغذات دیئے اور پھر بائیک اور تمام گاڑیوں کی جعلی نمبر پلیٹیں دکھائیں۔ ہر گاڑی کی دو اصل نمبر پلیٹیں تھیں اور بہ وقت ضرورت ان کو صرف ایک اسکرو کھول کر تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ایاز کو شاباش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں اپنے پلان سے آگاہ کیا۔

''تمہیں وہ گاڑی چلانی ہوگی جس میں شہلا کو لے جایا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے گاڑی کون سی ہوگی؟''

''یہ تو تم بتاؤ کہ اس قسم کی مہم کے لیے کون سی گاڑی زیادہ مناسب رہے گی؟''

ایاز نے سوچا اور بولا۔ ''ویسے تو میری جیپ بھی ہے لیکن اس کا سائز بڑا ہے اور کہیں ٹریفک زیادہ ہو تو یہ پھنس سکتی ہے۔ میرا خیال ہے سفاری بہتر رہے گی اس کا انجن بہت طاقتور اور رفتار بہترین ہے۔''

''ٹھیک پھر اس کے پیچھے جگہ بھی ہے جہاں شہلا کو باندھ کر ڈالا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''سفیر اور وسیم دوسری گاڑی میں ہوں گے۔''

کیونکہ پروگرام میں ایاز کا اضافہ ہوا تھا اس لیے سب دوبارہ سے طے ہوا۔ سفیر اور وسیم چار بجے گھر سے نکل جاتے۔ میں نے سفیر کو شہلا کی کوٹھی کا پتا سمجھا دیا تھا اور اسے عبداللہ کے آدمی کا نمبر بھی دے دیا تھا وہ اس سے بھی مدد لے سکتا تھا۔ جیسے ہی شہلا کوٹھی سے نکلتی وہ ہمیں اطلاع کرتے اور اس کے پیچھے لگ جاتے۔ ہم سب کے پاس موبائل اور ہینڈ فری تھے۔ طے ہوا کہ ایک سب کو کانفرنس کال میں لے گا اس طرح سب ایک دوسرے سے رابطے میں ہوں گے اور اگر اس کا بیلنس ختم ہو گیا تو دوسرا کال ملائے گا۔ احتیاطاً سب کے موبائلز میں بڑی مالیت کے کارڈز لوڈ کر لیے گئے۔ چار بجنے والے تھے اس لیے سفیر اور وسیم تیاری کرنے چلے گئے۔ ہم نے ہتھیار نکال لیے تھے۔ ایاز کے پاس اس کا اپنا پستول تھا اس لیے اس نے پستول لینے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے اصرار کیا۔

''لے لو یار یہ جدید ترین پستول ہے۔''

''یہ میرا آزمودہ ہتھیار ہے جناب۔'' اس نے اپنا پستول دکھایا۔

''جیسی تمہاری مرضی۔''

وسیم اور سفیر کے جاتے ہی ہم نے بھی تیاری شروع کر دی۔ ایاز گاڑی چیک کرنے چلا گیا اور میں نے کپڑے بدلے کیونکہ باہر غضب کی سردی تھی اور مجھے بائیک پر جانا تھا اس لیے میں نے موٹے گرم کپڑوں کے ساتھ جیکٹ، جوتے اور دستانے بھی پہن لیے تھے۔ پھر میں نے عبداللہ کے آدمی سے رابطہ کیا۔ ''کوئی سرگرمی؟''

''نہیں سر۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کوٹھی میں سب معمول کے مطابق لگ رہا ہے۔''

''دیکھتے رہنا اگر شہلا نکلنے لگے تو مجھے فوراً اطلاع کرنا۔''

''ٹھیک ہے جناب۔''

ایاز کے لیے طے ہوا تھا کہ وہ جناح سپر کے باہر شہلا کے گھر کی طرف سے آنے والی سڑک کے پاس رہے گا۔ لازمی بات ہے شہلا واپس بھی اسی راستے سے جائے گی۔ پانچ بجے ہم بھی نکل گئے تھے۔ باہر آتے ہی میں نے سفیر اور ایاز کو کال ملائی تھی۔ اب کانفرنس کال سے ہم تینوں آپس میں بات کر سکتے تھے۔ وہ دونوں شہلا کے گھر کے پاس پہنچ گئے تھے اور انہوں نے گھر بھی تلاش کر لیا تھا۔ سفیر نے کہا۔

''ابھی تک وہ باہر نہیں نکلی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے گھر سے جناح سپر مشکل سے آدھے گھنٹے کے فاصلے پر ہے اس لیے وہ اتنی جلدی نکل کر کیا کرے گی۔ یہ بتاؤ کہ آس پاس کوئی مشکوک چیز نظر آ رہی ہے؟''

''ہاں ایک کتا ہے جو ہمیں بڑی مشکوک نظروں سے دیکھ رہا ہے۔''

''اسے چھوڑ میں دو پایوں کی بات کر رہا ہوں۔''

''سب سے زیادہ مشکوک ہم خود ہیں۔''

''اگر تُو سیدھی طرح بات نہیں کر سکتا ہے تو موبائل وسیم کو دیدے۔'' میں نے بھنا کر کہا۔

''یار اگر کوئی مشکوک آدمی یا چیز ہوتی تو میں تجھ سے کیوں چھپاتا۔'' سفیر بدستور شرارت پر آمادہ تھا۔ شادی کے بعد اس میں ایک قسم کی شوخی اور چلبلا پن آ گیا تھا اس سے پہلے بھی سفیر مجھ سے بے تکلف ہی تھا لیکن اتنی جملے بازی اور شرارت نہیں کرتا تھا۔ اسی لمحے میرے دوسرے موبائل پر کال آنے لگی۔ یہ نمبر عبداللہ کے آدمی کے علم میں تھا اور وہی کال کر رہا تھا۔ میں نے بائیک روک کر کال ریسیو کی۔ ''ہیلو کیا ہوا؟''

''شہلا گھر سے نکل رہی ہے۔''

''اکیلی یا کوئی اور بھی ہے؟''

''اکیلی نظر آ رہی ہے گاڑی میں بیٹھ گئی ہے اور چوکیدار گیٹ کھول رہا ہے۔ سرخ رنگ کی چھوٹی کار ہے۔''

''وہ کوٹھی سے نکل کر کس طرف جا رہی ہے یہ بتاؤ۔''

چند لمحے بعد اس نے بتایا۔ ''وہ شمال کی طرف مڑ گئی ہے۔''

''لعنت ہو۔'' میں نے کہا۔ ''سفیر وہ شمال کی طرف مڑ گئی ہے تم لوگ پیچھے جاؤ جلدی۔ سرخ چھوٹی کار ہے۔ میرا خیال ہے شیوی ہے۔''

''ہم روانہ ہو رہے ہیں۔'' سفیر نے کہا۔

ایاز ہماری گفتگو سن رہا تھا اور وہ آگے جا چکا تھا۔ میں نے بھی بائیک آگے بڑھا دی۔ دو منٹ بعد سفیر نے کہا۔ ''ہم نے اسے جا لیا ہے وہ جناح سپر کی طرف ہی جا رہی ہے۔''

''گڈ ہم بھی بس پہنچنے والے ہیں۔'' میں نے کہا اور ایاز کو واپس جانے والی سڑک پر مڑتے دیکھ لیا تھا کیونکہ اس سڑک پر بہت دور جا کر کٹ آتا تھا اگر ایاز پہلے سے واپس جانے والے راستے پر نہیں ہوتا تو وہ اسے کھو سکتا تھا۔ میں جناح سپر میں داخل ہو گیا۔ درمیانی پارک جہاں اب کھانے پینے کی دکان والوں نے قبضہ کر لیا تھا وہاں کرسیاں اور میزیں رکھ کر آنے جانے والوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں مہیا کر رہے تھے۔ میں ایک طرف بائیک کی پارکنگ میں رک گیا لیکن بائیک سے اترنے یا ہیلمٹ اتارنے کی کوشش نہیں کی تھی میں یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے کسی سے فون پر بات کر رہا ہوں۔ درحقیقت میں فون پر ہی بات کر رہا تھا۔ سفیر نے کہا۔

''ہم جناح سپر سے کچھ ہی دور ہیں۔''

''اس کے پیچھے تم لوگوں کے علاوہ کوئی اور تو نہیں ہے؟''

''نہیں رہائشی علاقے سے تو سوائے ہمارے کوئی پیچھے نہیں آیا تھا لیکن اگر سڑک پر آنے کے بعد کوئی پیچھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا ہو تو کہنا مشکل ہے کیونکہ یہاں ٹریفک بہت ہے۔''

مارکیٹ میں تو کسی نگرانی کرنے والا کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ سردی کے باوجود وہاں لوگوں کا رش تھا۔ اگر شہلا نے کوئی جال بچھایا تھا تو ہم صرف محتاط رہ کر اس کا توڑ کر سکتے تھے۔ جب وہ مجھ سے تصاویر کے بارے میں بات کر رہی تھی تو اس کا لہجہ بہت لاتعلقانہ تھا جیسے اسے ان تصاویر کی خاص پروا نہ ہو۔ جب کہ وہ ان تصویروں کے لیے پہلے پروفیسر اور پھر فتح خان کے ہاتھوں میں کھیلنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اس کی یہ بات مجھے کھٹک رہی تھی۔ چند منٹ بعد سفیر نے کہا۔ ''اس کی گاڑی مارکیٹ میں داخل ہو گئی ہے اور پارکنگ کے لیے جگہ تلاش کر رہی ہے۔''

''تم اس کے پیچھے رہو۔ مستقل اس پر نظر رکھو۔ اگر یہاں اس کا کوئی آدمی موجود ہوا تو وہ لازی اس سے رابطہ کرے گی۔''

''ممکن ہے اس نے بھی ہماری طرح رابطے کا کوئی بندوبست کر رکھا ہو۔ آج کل وائرلیس ہیڈ سیٹ بھی عام ملتے ہیں جو اس کے بالوں میں اس طرح چھپ سکتا ہے کہ کسی کو نظر ہی نہیں آئے گا۔''

''ممکن ہے..... پھر بھی اس پر مکمل نظر رکھنی ہے۔'' میں نے کہا میری نظر سرخ کار کی تلاش میں بھٹک رہی تھی لیکن وہ نظر نہیں آئی شاید وہ کار کو کہیں اور چھوڑ کر آ رہی تھی۔ مجھے شہلا بھی نظر نہیں آئی تھی لیکن میں نے سفیر کو دیکھ لیا۔ اس نے بھی بائیک کی وجہ سے مجھے پہچان لیا تھا اس نے اشارے سے بتایا کہ شہلا میرے پیچھے آ گئی ہے۔ میں نے غیر محسوس انداز میں مڑ کر دیکھا تو وہ ایک نمایاں جگہ میز کے پاس کھڑی تھی۔ چند لمحے بعد وہ بیٹھ گئی تھی اور اس نے کلائی میں بندھی گھڑی کی طرف دیکھا تھا۔ یعنی اس کے دس منٹ شروع ہو گئے تھے اور دس منٹ بعد وہ یہاں سے اٹھ جاتی۔ سفیر کے ساتھ وسیم بھی آ گیا تھا اور وہ اس جگہ گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ کوئی مشکوک فرد تو نہیں ہے۔ سفیر نے کہا۔

''اس نے نہ تو کسی سے بات کی ہے اور نہ کسی کو اشارہ کیا ہے۔''

''یہ بہت چالاک عورت ہے۔ یہ دو بار جس طرح میرے ہاتھ سے نکلی ہے یہ بات میں بھول نہیں سکتا۔''

شہلا وقفے وقفے سے گھڑی دیکھ رہی تھی اور یہ اشارہ تھا کہ مجھ سے رابطہ کرو ورنہ میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ پانچ منٹ گزر گئے تو اس نے اپنے پرس میں سے موبائل نکال لیا اور کوئی نمبر ملانے لگی اچانک میری جیب میں رکھے دوسرے موبائل کی بیل بجی تو میں اچھل پڑا تھا۔ وہ مجھے کال کر رہی تھی۔ میں نے جلدی سے موبائل نکال کر کال کاٹ دی اور پھر موبائل ہی آف کر دیا۔ مجھے خیال نہیں رہا تھا کہ اس موبائل کا نمبر اس کے فون کے سی ایل آئی میں آ گیا ہو گا اور وہ مجھے کال کر سکتی تھی۔ میری نظر شہلا پر تھی اور میں اس سے زیادہ دور نہیں تھا شکر ہے اس نے مجھے موبائل نکالتے اور اسے آف کرتے نہیں دیکھا۔ ایک ناکام کوشش کے بعد اس نے دوبارہ نمبر ملایا اور اس بار یقیناً مطلوبہ نمبر بند ہونے کی نوید سنائی گئی ہو۔ جھنجھلا کر اس نے موبائل واپس پرس میں رکھ لیا۔

''موبائل تو بند کر لیتا۔'' سفیر نے کہا۔ اس نے دیکھ لیا تھا۔ ''ابھی دیکھ لیتی تو تیرا بھانڈا یہیں پھوٹ جاتا۔''

''بکواس کرنے کے بجائے اسے دیکھ وہ جا رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا نمبر بند جانے سے شہلا کو شاید خطرے کا احساس ہو گیا تھا اور وہ دس منٹ پورے ہونے سے پہلے اٹھ رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس طرف جانے لگی جہاں اس نے اپنی کار پارک کی تھی۔ اس سردی میں بھی اس نے ساڑھی باندھ رکھی تھی اور اوپر شال لی تھی۔ قدرت نے اسے بڑا متناسب جسم دے رکھا تھا اور وہ اس کی نمائش میں کسی بخل سے کام نہیں لیتی تھی۔ ممکن ہے اس نے شال نہ لے رکھی ہوتی تو اس وقت وہاں موجود ہر مرد اسے ہی دیکھ رہا ہوتا۔ اس کے باوجود کچھ قیامت کی نظر رکھنے والے حضرات اس پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی وہ اس گلی میں داخل ہوئی جس میں اس نے کار پارک کر رکھی تھی میں نے ایاز سے کہا۔

''ایاز وہ نکلنے والی ہے۔ تم اس کے پیچھے رہو گے۔ سفیر اور وسیم تم آگے رہو گے اور کسی مناسب جگہ دیکھتے ہی راستہ بلاک کر کے اسے روک لینا۔ کوشش کرنا کوئی ہنگامہ نہ ہو۔''

''آپ بے فکر رہیں جناب۔'' ایاز نے کہا۔ ''اس کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''ہم بھی نکل رہے ہیں۔'' سفیر بولا۔ ''وہ ابھی اپنی کار میں بیٹھ رہی ہے۔ ہمارے پیچھے ہی آئے گی۔''

''گڈ میں چاہتا ہوں وہ درمیان میں رہے۔''

''لیکن اگر کہیں اور نکل گئی تو؟''

''تب بھی ایاز اس کے پیچھے ہو گا وہ گائیڈ کرے گا اور میں بھی آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور بائیک کو اسٹارٹ کرنے کے لیے کک پر پاؤں مارا۔ انجن اسٹارٹ ہوا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں بائیک آگے بڑھاتا کوئی تیزی سے میرے پیچھے آ کر بیٹھ گیا اور فوراً ہی کوئی چیز میری کمر میں چبھی تھی۔ اس سے پہلے میں کچھ کہتا بیٹھنے والے نے کالر سے نکلا ہینڈ سیٹ کا تار کھینچ لیا اور وہ یقیناً ٹوٹ گیا تھا۔ یعنی اب میں کچھ بولتا تب بھی سفیر اور ایاز کو میری آواز نہ جاتی۔ میں نے جان لیا تھا کہ میں ٹریپ ہو گیا ہوں اور میری کمر میں چبھنے والی چیز یقیناً کسی آتشیں ہتھیار کی نال تھی۔ اس کا مطلب تھا مجھے پہچان لیا گیا تھا۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟''

''میں کون ہے تم جانتا ہے اور میں تم کو جانتا ہے۔'' اس نے کہا تو میں سن رہ گیا تھا اس نے نال سے ٹہوکا دیا۔ ''اب ادھر سے چلو اس سے پہلے کہ یہ چل جائے۔''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بائیک اسٹارٹ تھی اور میرا جسم سن تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ عین اس وقت جب میں کامیابی کے قریب تھا مجھے فتح خان کی منحوس آواز سننے کو ملے گی اور وہ مجھ پر یوں حاوی ہو جائے گا۔ پستول کی نال میرے عین گردے پر تھی اور ایک فائر مجھے ہمیشہ کی نیند سلانے کے لیے کافی ہوتا عین ممکن تھا کہ پستول پر سائلنسر بھی ہوتا اور اس ہجوم اور شور میں کسی کو پتا بھی نہیں چلتا اور میرے گرنے سے پہلے فتح خان یہاں سے جا چکا ہوتا۔ میں نے جب اس کی آواز سنی تو ایک لمحے کو میں مرنے کو تیار بھی ہو گیا تھا۔ مجھے لگا جیسے فتح خان مجھے مارنے آیا ہے کیونکہ میں نے اسے مرشد جیسے آدمی کے حوالے کر دیا تھا لیکن جب اس نے یہاں سے نکلنے کو کہا تو میں پُرسکون ہو گیا تھا۔ میں نے بائیک کا انجن بند کر دیا۔

''فتح خان اس حرکت کا مقصد؟''

''میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔''

''اس کے لیے تمہیں یہ حرکت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تم مجھ سے دوسرے طریقے سے بھی رابطہ کر سکتے تھے۔''

''ہم بہتر سمجھتا ہے کہ کیا ضرورت ہے اور کیا نہیں ہے۔'' اس نے کھردرے لہجے میں کہا اور پستول دبایا۔ ''اب تم ادھر سے چلتا ہے یا تمہارا لاش یہاں چھوڑ جائے۔''

''تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟''

''کسی جگہ نہیں لے جارہا بس کچھ بات کرنا ہے اور اس کے لیے سکون اور تنہائی کا ضرورت ہے۔''

''ٹھیک ہے تو پاس ہی پارک ہے وہاں چلتے ہیں۔''

خلاف توقع وہ مان گیا۔ ''ٹھیک ہے ادھر ہی چلو۔''

میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔ میں فتح خان کے سامنے کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ وہ بہت تیز تھا اور یقیناً مجھے شوٹ کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتا۔ ''تم مرشد کی قید سے کس طرح نکلے؟''

وہ ہنسا۔ ''کوئی مائی کا لال فتح خان کو اس کا مرضی کے بغیر قید نہیں کر سکتا ہے۔''

''تم میرے پاس بھی کئی ہفتے رہے ہو۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''میں نے کہا نا میری مرضی سے۔'' وہ بولا۔ ''کیا تم مجھ کو مرنے سے روک سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا تو تم قید خانے سے بھاگ جانے کی بات کر رہے ہو۔ ویسے تم مجھے خودکشی کرنے والے نظر تو نہیں آتے۔''

''اگر مجھے کوئی راستہ نظر نہ آئے تو میں خودکشی بھی کر سکتا ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور مجھے لگا کہ اگر کبھی ایسا موقع آیا تو وہ واقعی خودکشی کر لے گا۔ میں نے بائیک جناح سپر مارکیٹ سے نکال لی تھی اور اب ہم اس کے نزدیک واقع ایک چھوٹے سے پارک کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے پارک کے دروازے پر بائیک روکی تو اس نے پیچھے سے ہاتھ مار کر میری تلاشی لی اور بہت آرام سے میرا پستول نکال لیا لیکن اس نے اسی پر اطمینان محسوس نہیں کیا تھا بلکہ اس نے میری پوری تلاشی لی۔ پھر مطمئن ہو کر بائیک سے اتر آیا۔ میں نے اتر کر بائیک اسٹینڈ پر کھڑی کی اور اس سے پوچھا۔

''فتح خان تم نے بہت غلط موقع پر مداخلت کی ہے۔''

وہ سردی کی مناسبت سے گرم پینٹ شرٹ اور بھاری جیکٹ میں تھا اس نے مسکرا کر کہا۔ ''اس کے بر خلاف میرا خیال ہے میں نے بالکل ٹھیک موقع پر مداخلت کیا ہے اندر چلو۔''

وہ مجھے پارک میں لے جا رہا تھا اس کا مطلب تھا اس کا ارادہ سچ مچ کچھ گفتگو کرنے کا تھا۔ ہم ایک ایسے گوشے میں آئے جہاں دور تک کوئی نہیں تھا ویسے بھی پارک میں صرف دو موٹی خواتین واک وے پر تیز تیز چل رہی تھیں اور اپنا وزن گھٹانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ ناکام کوشش یوں تھی کہ ان کے ہاتھ میں چپس کے بڑے پیک اور انرجی ڈرنک کے ٹن تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ شہلا کا کوئی چکر تھا یا فتح خان نے مجھے یوں اتفاقاً دریافت کر لیا تھا جیسے انڈیا کی دریافت کے ارادے سے نکلنے والے کولمبس نے امریکہ دریافت کر لیا تھا۔ اگر اس نے مجھے اتفاقاً دریافت کیا تھا تو میں اسے شہلا کے بارے میں اپنے عزائم کی بھنک بھی نہیں لگنے دیتا۔ ہم جہاں آئے وہاں دو بنچیں آمنے سامنے تھیں۔ فتح خان نے مجھے ایک بنچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوسری پر خود بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اس نے اطمینان سے انکشاف کیا۔

''میرے کو معلوم تھا تم شہلا کے پیچھے ضرور آئے گا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ تو یہ وجہ تھی کہ شہلا نے تصاویر کا سن کر بھی بے تابی نہیں دکھائی تھی۔ کیونکہ فتح خان اس سے رابطے میں تھا اور اس نے شہلا کو جتا دیا تھا کہ تصاویر اس کے پاس ہیں۔ وہ جان گئی کہ میں اسے بے وقوف بنا رہا ہوں میں نے فتح خان سے پوچھا۔ ''پھر وہ میرے بلاوے پر کیوں آئی؟''

فتح خان نے اپنے چوڑے دانتوں کی نمائش کی۔ ''اسے میں نے کہا تھا وہ میرا حکم نہیں ٹال سکتا ہے۔''

''یعنی وہ تمہارے کہنے پر یہاں چلی آئی جب کہ اسے معلوم تھا کہ میں اسے دھوکا دے کر بلا رہا ہوں اور لازمی بات ہے میرے عزائم بھی درست نہیں ہوں گے۔''

''وہ تیار نہیں تھا لیکن میں نے اسے حکم دیا۔ دوسری صورت میں اس کا تصویر میرے پاس ہے وہ جانتا ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''فتح خان کسی عورت کو بلیک میل کرنے کا یہ نہایت گھٹیا طریقہ ہے اور مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔'' میں نے پُرملامت لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہونی بھی نہیں چاہیے۔'' اس نے آرام سے کہا۔ ''تم ہمارا والد صاحب نہیں ہے جو ہم کو اچھی بری سکھائے۔''

''میرے خیال میں تو خود ان میں بھی اچھی بری بات سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی ورنہ تم کچھ تو سدھرے ہوتے۔''

خلاف توقع فتح خان برا مانے بغیر مسکرایا۔ ''تم نے ٹھیک کہا میں نے تمام برا کام والد صاحب سے سیکھا ہے۔''

''یقیناً سیکھا ہوگا لیکن میرے خاندانی معاملات پر بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیا بات کرنے کے لیے اغوا کر کے لائے ہو۔''

''شہباز خان میں تم سے ایک معاہدہ کرنا چاہتا ہے؟''

''کیسا معاہدہ؟.....اس بینک لاکر کے بارے میں جس میں پروفیسر کا بلیک میلنگ اسٹف ہے۔''

''اس پر لعنت ہو۔'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''یہ عورت ہم کو پہلے بھی پاگل بنانے کا کوشش کیا لیکن فتح خان ان چکروں میں نہیں آتا ہے۔''

''یعنی تمہیں لاکر یا اس کے سامان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں لاکر تک رسائی میں۔''

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود بھی اس تک رسائی حاصل کر سکتا ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔'' اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''پر ادھر بینک میں گھسنا اتنا آسان بھی نہیں ہے اگر بینک والوں کو پتا چل گیا تو ممکن ہے وہ پولیس کی مدد حاصل کر لے اور ممکن ہے پولیس آ کر لاکر کھلوا لے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟''

''اگر یہ دھمکی ہے تب بھی تم کو غور کرنا چاہیے اس پر۔'' اس نے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔

ظاہر ہے وہ دشمن تھا اور دشمن سے آدمی اچھی توقع نہیں کر سکتا ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید میں بھی لاکر کے چکر میں ہوں اور اپنے بریف کیس کا صرف بہانہ کر رہا ہوں۔ اگر وہ ایسا سمجھ رہا تھا تو میرے خیال میں کوئی حرج نہیں تھا اس طرح اس کی توجہ بریف کیس کی اہمیت کی طرف نہیں جاتی۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے میں سمجھ گیا اب بتاؤ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''میں وہ ہیرے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جو برٹ شا نے کہیں پہاڑوں میں چھپا رکھے ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ ہیرے حاصل کرنے میں، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''تم برٹ شا کو آمادہ کر سکتے ہو کہ وہ مجھے اس جگہ تک لے جائے۔''

''برٹ شا تمہارے قبضے میں ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے اب اس کا ہوش و حواس کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے تو وہ کس طرح ان ہیروں تک رہنمائی کر سکتا ہے؟''

''مجھے شبہ ہے وہ مکاری کر رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شبہ ہے یعنی تم نے اس کی مکاری جاننے کے لیے ہر ممکن حربہ آزما کر دیکھ لیا ہے؟''

''تقریباً۔'' فتح خان کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ ''ایک بار تو وہ مر ہی گیا ہوتا لیکن زندگی تھی اس لیے بچ گیا۔''

''فتح خان اگر وہ تمہاری کوشش کے باوجود نہیں بتانے کو تیار ہے تو میں کس طرح اس سے یہ بات معلوم سکتا ہوں۔''

''تم نہیں کر سکتے ہو لیکن برٹ شا کی بیٹی تو کر سکتی ہے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''ایمن شا۔'' میں چونکا۔ ''تم اس کے بارے میں جانتے ہو وہ کہاں ہے؟''

اس گفتگو کے دوران فتح خان کا ایک ہاتھ مستقل اپنی جیکٹ کی جب میں تھا اور اس کا ابھار میری طرف اشارہ کر رہا تھا۔ فتح خان میری طرف سے پوری طرح ہوشیار تھا وہ پھر بکریا۔ ''تم اس سے اتنا انجان نہیں ہے جتنا بنتا ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارا اس سے رابطہ ہے اور وہ لڑکی تم کو چاہتا بھی ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کئی برسوں سے میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور دوسرے چاہنے والی بات فضول ہے۔ میں نے تم سے بچا کر اس کی مدد کی تھی اور وہ شکر گزار تھی۔''

اس نے میری بات سنی ہی نہیں تھی۔ ''اگر تم اسے بتائے گا کہ تم اس کے باپ کے بارے میں جانتا ہے تو وہ دوڑا دوڑا آئے گا۔ پھر اس کے باپ کو جب اس کا صورت دکھائی دے گا تو اس خنزیر کا دماغ ٹھکانے پر آجائے گا اور وہ ہم کو فنافٹ ہیروں کا پتا بتا دے گا۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے برٹ شا کو پاس سے دیکھا ہوا ہے۔ ہیرے اس کے لیے دولت نہیں ہیں بلکہ یہ اس کے پاس کسی کی امانت ہیں اور وہ ہر قیمت پر اس امانت کو اس کے مالکوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ تم نے اسے سمجھا ہی نہیں ہوا۔ وہ انا کا مارا انگریز ہے جس کے لیے اپنی زبان اور عہد ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو بہت پہلے تمہارے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہوتا۔''

''ابھی تک وہ اپنے اوپر برداشت کر رہا ہے جب معاملہ اس کی بیٹی کا آئے گا تو وہ ضرور بتائے گا۔''

''میرے خیال میں تو یہ ممکن نہیں ہے اور اگر تم مجھ سے توقع کر رہے ہو کہ میں ایمن کو بلاؤں گا اور وہ چلی آئے گی تو تمہاری دونوں توقعات احمقانہ ہیں۔''

''ہم احمقانہ بات اور کام کرتا ہے۔'' وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ ''شہباز خان ایک بات تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اگر تم بینک لاکر کا چیز لینا چاہتا ہے تو تمہیں میرا مدد کرنا ہوگا ورنہ تم بھی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکے گا۔ تو جانتا ہے میں کیا کر سکتا ہے۔''

''کیا کرو گے تم؟..... اس بارے میں پولیس کو بتا دو گے؟'' میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ہم کیا کرے گا یہ تم جلد دیکھ لے گا۔''

''یہ بتاؤ تمہیں شہلا کی پروا نہیں ہے۔ وہ اب تک میرے ساتھیوں کے قبضے میں جا چکی ہوگی۔''

''بے شک جائے اب اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا اور الٹے قدموں پارک کے دوسرے دروازے کی طرف جانے لگا۔ ''شہباز خان اپنی جگہ سے اس وقت تک مت ہلنا جب تک یہاں سے نکل نہ جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے حیرت ہوئی تھی۔ ''میں تمہارے قابو میں ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''شہباز خان یہ میری طرف سے دشمنی ختم ہونے کا ثبوت ہے۔'' وہ رک گیا۔ ''پر یاد رکھنا اب معاملہ تم پر ہے۔ اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو پرانے حساب دوبارہ کھل سکتے ہیں۔''

''میں ہنسا۔ ''تم گن پوائنٹ پر دشمنی ختم کر رہے ہو۔''

''تم چاہو تو ایسا ہی سمجھو وہ ہیرے میرے لیے بہت اہم ہیں اور اب میں ان سب چکروں سے نکل جانا چاہتا ہوں جب تک یہاں رہوں گا میرا اور تمہارا سامنا ہوتا رہے گا۔'' اس نے کہتے ہوئے اپنی جیکٹ سے میرا پستول نکال کر اس میں سے میگزین نکال کر جھاڑیوں کی طرف اچھال دیا اور پستول اس سے مخالف سمت میں اچھال دیا۔ شکر ہے اس کی یہ کارروائی کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ دونوں موٹی خواتین دور تھیں اور شاید اب پارک سے جا رہی تھیں۔ یہ کام کرتے ہی فتح خان پھرتی سے دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا اور جب تک میں پستول میں میگزین ڈال کر دروازے تک پہنچتا ایک گاڑی دور جا چکی تھی اور صرف اس کی بریک لائٹس نظر آ رہی تھیں۔

میں ٹھنڈی سانس لے کر واپس آیا۔ فتح خان نے مجھے یہیں لانے کا سوچا تھا لیکن میں نے خود تجویز پیش کر کے اس کی مشکل آسان کر دی۔ اب میں بائیک لے کر اس کے پیچھے جاتا تو مجھے بہت طویل چکر کاٹ کر جانا پڑتا اور پارک سے نکلنا ممکن نہیں تھا یہاں بائیکس روکنے کے لیے مخصوص رکاوٹیں بنائی گئی تھیں۔ میں نے نکلنے سے پہلے موبائل پر سفیر کا نمبر ملایا اور وہ میری آواز سنتے ہی چلایا۔

''شوبی کہاں ہے یار؟''

''پھنس گیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''کام ہو گیا؟''

''بہت آسانی سے ہم نے اسے روکا اور گاڑی میں ڈال لیا کسی نے نہیں دیکھا۔ ایاز اور وسیم اسے لے گئے ہیں۔ میں تجھے تلاش کر رہا ہوں۔''

''تو اب گھر روانہ ہو جا میں پیچھے آ رہا ہوں اور دیکھ تعاقب کا بہت خیال رکھنا۔ دشمن بھی ہوشیار ہے۔''

''مرشد؟'' وہ فکرمند ہو گیا۔

''نہیں فتح خان۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر ایاز کا نمبر ملایا۔

''آپ کہاں رہ گئے تھے جناب؟'' اس نے بھی میری آواز سنتے ہی سوال کیا۔

''پھنس گیا تھا۔'' میں نے اسے بھی وہی جواب دیا۔ ''اب ٹھیک ہوں تم سناؤ؟''

''ہم اسے لے جا رہے ہیں۔'' اس نے مختصراً بتایا۔

''تعاقب کا مکمل خیال رکھنا اگر ضرورت پڑے تو اِدھر اُدھر چکراتے رہو اس کے پیچھے فتح خان تھا۔''

''اوہ۔'' وہ تشویش سے بولا۔ ''پھر تو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''شاید اب کوئی پیچھے نہ ہو لیکن تم لوگ یہ سوچ کر اطمینان کر لو کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے جناب۔'' اس نے کہا تھا۔ میں نے وسیم کو اس مکان کا پتا سمجھا دیا تھا اور پھر وہ علاقہ اس کا دیکھا ہوا تھا اس لیے امید تھی کہ اسے مکان تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ ایاز مکان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چابیوں کے دو سیٹ اور بنوالایا تھا اس لیے کوئی بھی آسانی سے جا سکتا تھا۔ ایاز سے بات کر کے میں کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ راستے میں، میں نے عبداللہ کو کال کر کے اس سے کہا کہ وہ شہلا کی کوٹھی سے اپنا آدمی واپس بلوا لے۔ میں پہنچا تو سفیر پہلے ہی موجود تھا اور گیٹ پر بے تابی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی لپکا۔

''سواری آ گئی جناب کی.....؟''

''بس یار میں نے کوئی پنگا نہیں لیا تھا۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''ضرور پنگا آپ کو لینے آیا ہوگا۔'' وہ سخت طیش میں تھا۔

''ہاں تو یہ کہہ سکتا ہے میں نے نکلنے کے لیے بائیک اسٹارٹ کی تھی کہ فتح خان پیچھے آ کر بیٹھ گیا نہ جانے کب اور کیسے اس نے مجھے تاڑ لیا تھا۔'' میں نے جلدی سے کہا اور اس کے بعد کی کہانی میں نے اسے وہیں کھڑے کھڑے سنا دی میں نہیں چاہتا تھا کہ خواتین کو اس کا علم ہو اور وہ بلا وجہ کے اندیشوں میں دبلی ہوں۔

''اندر اب اس کا ذکر مت کرنا۔''

ہم اندر آئے تو وہ سب لاؤنج میں موجود تھے۔ ہمیں ہنستے مسکراتے دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی تھی۔ سعدیہ نے بے تابی سے کہا۔ ''وسیم کہاں ہیں؟''

''تمہارے حکم کا غلام فی الحال کام کر رہا ہے۔'' میں نے کہا تو وہ جھینپ گئی۔

''توبہ ہے شوبی بھائی کیسی باتیں کر رہے ہیں وہ میرے شوہر ہیں۔''

''بس یہی کہہ کر تم لڑکیاں ان کو سر پر چڑھا لیتی ہو اور آخر میں پاؤں کی جوتی بن کر روتی ہو۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''یاد رکھو شوہر قابو میں رکھو اور اپنی اوقات میں رکھو کیوں مونا میں نے ٹھیک کہا نا۔''

''جی شوبی۔'' اس نے مستعدی سے تائید کی۔

سفیر نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''بکواس نہ کر کل کو تیری بھی شادی ہوگی اور میں یہ پٹی تیری بیوی کو بھی پڑھا سکتا ہوں۔''

''شوق سے پڑھانا۔'' میں نے قالین پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ''وہ تیری بیوی کی طرح نہیں ہے بہت سادہ سی لڑکی ہے۔''

''شوبی۔'' مونا نے احتجاج کیا۔ ''میں بھی گھریلو لڑکی ہوں۔''

''تم ابھی تک بیٹھی ہوئی ہو نہ چائے نہ پانی اور اس پر یہ دعویٰ کہ گھریلو لڑکی ہو۔'' میں نے کہا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

''سوری شوبی ابھی لائی۔''

لیکن سعدیہ اس سے پہلے جا چکی تھی۔ بیتو جاننے کے لیے بے چین تھا کہ کیا ہوا ہے کیونکہ اس مہم میں میرا کوئی کردار نہیں تھا اس لیے میں نے سفیر کی طرف اشارہ کر دیا۔ ''اس سے پوچھو۔''

''کیا بتاؤ کیا خاتون نکلیں۔'' سفیر نے سرد آہ بھرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا کیونکہ مونا لاؤنج سے جا چکی تھی۔ ''ہم نے آگے سے گاڑی روکی اور ایاز نے پیچھے سے راستہ بند کر دیا اس کے بعد اسے ہینڈز اپ کر کے ایاز والی گاڑی کے پچھلے حصے میں ڈال دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں اسی کی شال سے باندھنے پڑے تھے کیونکہ کسی بقراط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کورنتی لے جانے کا خیال نہیں آیا۔''

''اور اسی وجہ سے تجھ پر اس کی خوبیاں آشکارا ہوئیں۔'' میں ہنسا۔''میں جانتا ہوں شال تلے اس نے حشر ساماں قسم کا لباس پہن رکھا ہوگا۔''

''ایسا ویسا حشر ساماں۔'' سفیر نے دوسری سرد آہ بھری۔''ہم تینوں ہی ساکت رہ گئے تھے۔''

اسی لمحے مونا پانی لے کر اندر آئی اور اس نے آخری جملہ سن لیا تھا۔''کیوں ساکت رہ گئے؟'' اس نے مجھے گلاس تھمایا۔

''یہ اپنے میاں سے پوچھو۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہم بتاتا ہے۔'' بیتو نے نادان دوست کا کردار ادا کرتے ہوئے کہا۔''سفیر بھائی، وسیم بھائی اور ایاز بھائی شہلا کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔''

اس پر مونا نے کاٹ دار انداز میں سفیر کی طرف دیکھا اور ایسے ہی کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔''کیوں ساکت کیوں رہ گئے تھے کیا پہلے کوئی عورت نہیں دیکھی۔''

سفیر بوکھلا گیا تھا۔''یہ بات نہیں ہے یہ بیتو بکواس کر رہا ہے۔''

''ہم بکواس نہیں کرتا ہے۔'' وہ برا مان کر بولا۔''ابھی آپ شوبی بھائی کو کیا بتا رہا تھا کہ آپ نے ایسا خاتون نہیں دیکھا ہے۔''

مونا برہمی سے پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے رخصت ہوئی اور بیتو نے بھی ہوشیاری دکھائی اور اس کے ساتھ ہی نکل گیا اسے معلوم تھا کہ اب سفیر کا عتاب اس پر آئے گا۔ بیتو کے ہاتھ سے نکلنے پر اس نے بھنا کر میری طرف دیکھا۔''انڈیا سے لانے کے لیے یہی ایک نمونہ ملا تھا سالا بن کر بھی دشمنی سے باز نہیں آیا۔''

''نہیں سعد یہ بھی تو آئی ہے۔'' میں نے کہا۔''اور اس بے چارے کا کیا قصور ہے آپ نے یہی سب تو فرمایا تھا۔''

''اب کئی دن تک اس کا منہ سیدھا نہیں ہوگا۔''

میں نے اسے ڈانٹا۔''یار تُو کیسا شوہر ہے آدمی تو آدم خور شیرنی کو قابو کر لیتا ہے اور تُو ایک ایسی عورت سے ڈر ڈر کر جی رہا ہے جو تجھ سے محبت کرتی ہے۔''

سفیر سوچ میں پڑ گیا۔''کہہ تو ٹھیک رہا ہے اور میں کون سا اس سے بے وفائی کرنے جا رہا ہوں۔''

''اس کے بعد کیا ہوا تھا؟''

''کچھ نہیں بس اسے گاڑی میں ڈالا اور لے گئے اس کی گاڑی کو کسی نے ہاتھ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی پولیس کو اس پر ہمارا کوئی نشان نہیں ملے گا۔''

''لیکن یار ہمارا تو پلان تھا کہ ہم فتح خان کے آدمی بن کر اسے دھمکائیں گے لیکن فتح خان تو خود اس کے پیچھے تھا۔''

''اب اس سے کھل کر بات کریں گے۔'' سفیر بولا۔

میرے موبائل کی بیل بجی تو میں بولتے ہوئے رک گیا۔ وسیم کی کال تھی اس نے کہا۔''ہم پہنچ گئے ہیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے ایک کمرے میں بند کر دیا ہے لیکن ایک مسئلہ ہے یہاں سردی سے بچنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"ایاز کو واپس بھیجو ہم بھی اس کے ساتھ آ رہے ہیں اور چیزیں بھی لیتے ہوئے آئیں گے۔" میں نے کہا۔

"وہ والا سامان بھی؟" وسیم کا اشارہ گولہ بارود کی طرف تھا۔

"وہ بھی لے آئیں گے۔"

"میں ایاز کو بھیجتا ہوں لیکن کھانے کو بھی لیتے آیئے گا۔"

ان لوگوں نے کھانا بنا لیا تھا۔ وہ انہوں نے پیک کر دیا۔ اس کے علاوہ کمبل، تکیے، پانی کی بوتلیں اور بعض ضروری اشیا ساتھ رکھ لیں۔ گولہ بارود والا بکس بہت بھاری تھا لیکن کسی نہ کسی طرح اسے ایاز والی جیپ کے پچھلے حصے میں سوار کر دیا گیا۔ جب تک ایاز آیا ہم کھانا تقریباً کھا چکے تھے۔ وہ بھی شریک ہو گیا کیونکہ لے جاتے ہوئے کھانا ٹھنڈا ہی ہو جاتا۔ کھانے کے دوران مجھے ایک خیال آیا تھا۔ جب وہ دونوں برتن اٹھا کر لے جانے لگیں تو میں نے سفیر اور ایاز سے کہا۔

"ابھی ہم چلے جائیں گے تو یہ دونوں اکیلی ہو جائیں گی؟"

"اکیلی کیوں۔" سفیر نے کہا۔ "بیتو ہو گا اور ایاز بھی رک جائے گا۔"

"میرا خیال ہے آپ رک جائیں۔" ایاز نے جلدی سے سفیر سے کہا۔ "میں شہباز صاحب کے ساتھ جاتا ہوں۔"

مجھے یہ خیال اس لیے آیا کہ آج ہی میرا فتح خان جیسے عیار سے ٹکراؤ ہوا تھا اور اس سے کچھ بعید نہیں تھا وہ اس جگہ تک رسائی بھی حاصل کر سکتا تھا۔ اسے ہر قیمت پر وہ ہیرے درکار تھے جن کے بارے میں صرف برٹ شا جانتا تھا اور وہ اذیت سے بچنے کے لیے پاگل بن گیا تھا۔ اب فتح خان کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ ایمن کی مدد سے اس کے باپ کو مجبور کرے۔ وہ پہلے بھی یہ کام کر چکا تھا اور اسے امید تھی کہ اس بار بھی وہ اپنا کام نکلوا لے گا لیکن ایمن کو یہاں بلانے میں اسے میری مدد درکار تھی اور مجھے اس کام پر مجبور کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ میرے کسی ساتھی کو قابو کر لیتا اور اس کی مدد سے مجھے مجبور کرتا۔ جیسے جیسے میں سوچ رہا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ فتح خان کا اصل مقصد یہی تھا۔ وہ میرا ٹھکانہ جاننا چاہتا تھا لیکن آتے ہوئے میں نے تعاقب کا پورا خیال رکھا تھا۔ میں کئی ویران سڑکوں سے گزرا تھا جہاں دور تک کسی گاڑی کا نام و نشان نہیں تھا۔ غور و فکر کرتے ہوئے اچانک ہی ایک خیال الہام کی طرح ذہن میں آیا اور میں نے کہا۔

"سب ہوشیار ہو جاؤ..... ہتھیار نکال لو شاید دشمن یہاں آ چکا ہے۔"

انہوں نے سوال جواب میں وقت ضائع نہیں کیا تھا کہ مجھے کیوں اور کیسے پتا چلا انہوں نے اسلحہ نکال لیا تھا۔ مونا اور سعدیہ کے پاس بھی پستول تھے۔ میں نے بیتو سے کہا وہ چھت پر جائے اور آس پاس دیکھ کر موبائل فون پر اطلاع کرے وہ چھت پر ہی رک کر نگرانی کرے۔ ایاز اور سفیر کو آگے اور پیچھے کے لان کی نگرانی پر مامور کر کے میں ایک چھوٹی لیکن تیز روشنی والی ٹارچ کے ساتھ پورچ میں آیا جہاں بائیک کھڑی تھی اور میں نے ٹارچ کی روشنی میں اس کے ان حصوں کا معائنہ شروع کر دیا جو عام طور سے نظر نہیں آتے ہیں۔ جہاں تک نظر کی رسائی ممکن نہیں تھی وہاں میں نے ہاتھ پھیر کر دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخر پچھلے ڈگارڈ کے اندر والے مڑے حصے میں ہاتھ پھیرتے ہوئے مجھے ایک ہلکا سا ابھار محسوس ہوا اور اسے ہلانے کی کوشش کی تو وہ دھات سے سختی سے چپکا ہوا۔ میں نے جھک کر دیکھا اور پھر انگلیوں سے گرفت کر کے اسے بڑی مشکل سے ڈگارڈ سے الگ کیا۔ یہ بہت طاقتور مقناطیس تھا۔ سامنے آتے ہی میرے خدشات کی تصدیق ہوگئی تھی۔ یہ سگنل دینے والا آلہ تھا جو سگنل کی مدد سے کسی کی رہنمائی کر سکتا تھا۔ میں نے اسے مٹھی میں دبائے اندر آیا جہاں مونا موبائل پر بیتو سے رپورٹ لے رہی تھی۔ اس نے کہا۔

''بیتو بتا رہا ہے کچھ چکر ہے۔''

میں نے موبائل لیا۔ ''کیا ہوا بیتو؟''

''شوبی بھائی..... ادھر گلی کے کونے پر ایک گاڑی کھڑی ہے اس میں دو افراد موجود ہیں۔''

''اس کے علاوہ؟''

''پچھلی گلی میں بھی محسوس ہوتا ہے کہ کوئی موجود ہے کبھی کبھی سایا حرکت کرتا نظر آتا ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ہم دونوں طرف سے گھر چکے تھے۔ ''بیتو پوری طرح ہوشیار رہو اور اوپر کی ساری روشنیاں بجھا دو۔ میں ایاز کو بھی اوپر بھیج رہا ہوں۔''

ایاز کو اوپر بھیج کر میں نے سفر کو اندر بلایا اور اسے سگنل دینے والی ڈیوائس دکھائی۔ ''یہ اس حرامزادے نے اس وقت لگائی جب بائیک پر میرے پیچھے بیٹھا تھا۔ اس کے آدمی باہر آ چکے ہیں۔''

خلاف توقع سفیر ہراساں نہیں ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اچھا ہوا ہمیں پہلے پتا چل گیا۔ اب ہم دشمن کی چال، اس پر الٹ دیں گے۔''

''وہ کیسے؟''

''پہلے ہم پچھلی گلی والوں کو چھاپ سکتے ہیں اور اس کے بعد آرام سے نکل جائیں گے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''اس سے بہتر نہیں ہے ہم سامنے والوں کو قابو کریں۔''

''لیکن کیسے وہ گاڑی میں موجود ہیں جب کہ پچھلی گلی والے پیدل ہیں۔''

''مونا کا مسٹر براؤن کس دن کام آئے گا۔'' میں نے کہا تو سفیر اچھل پڑا تھا۔

''یہ ٹھیک ہے۔''

میں نے سوچا اور فوری ایک پلان تشکیل دے دیا۔ میں نے مونا سے کہا۔ ''ہمیں براؤن کی مدد کی ضرورت ہے۔''

''آپ جو کہیں گے میں اسے سمجھا دوں گی۔'' وہ بولی۔

''میں تو بغیر کہے سمجھ جاتا ہوں۔'' سفیر نے کہا تو مونا غرائی۔

''آپ مجھ سے بات نہ کریں۔''

''پلیز بعد میں لڑنا۔'' میں نے کہا اور ان کو اپنی بات سمجھائی۔ مونا سمجھ گئی اس نے ایک ایسی سم سے پولیس ہیلپ لائن کو کال کی جو ہمارے عام استعمال میں نہیں آتی تھی۔ اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا کہ وہ گھر میں اکیلی ہے اور کوٹھی کے سامنے ایک مشکوک کار میں دو ڈاکو نظر آنے والے افراد موجود ہیں۔ مونا نے پتا کوٹھی والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھی کا دے دیا تھا جس کے ساتھ کار موجود تھی۔ یہ اسلام آباد کا علاقہ تھا اس لیے پورا امکان تھا کہ جلد یا بدیر پولیس آئے گی۔ میں اور بیتو حرکت میں آنے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ مونا باہر براؤن کو سمجھا رہی تھی کہ اسے کیا کرنا تھا۔ براؤن تربیت یافتہ کتا تھا اور بات سمجھ لیتا تھا۔ بیتو بولا۔

''مونا دیدی بہت ہوشیار ہے براؤن کو کیسے سمجھاتا ہے۔''

میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''میری بہن تو بڑے بڑوں کو سمجھا چکی ہے یہ تو معمولی کتا ہے۔''

سفیر نے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں تھا۔ اب تک میں اکیلا ہی جدوجہد کر رہا تھا۔ اپنے پیاروں سے دور اور ہمدردوں سے زیادہ دشمنوں کی منحوس صورتیں دیکھنے کو ملا کرتی تھیں۔ ایک مسلسل ٹینشن میں زندگی تھی لیکن جب یہ لوگ آئے اور مجھے ملے تو مجھے لگا جیسے میری زندگی مکمل ہوگئی ہو۔ اب میں ہنستا بھی تھا اور مذاق بھی کرتا تھا۔ مذاق کا کوئی برا نہیں مانتا تھا اور اس معاملے میں ہونے والی ساری لڑائیاں نورا کشتی ہوتی تھیں۔ مونا براؤن کو سمجھا کر اندر آئی۔ اس نے پوچھا۔

''تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''جیسے ہی براؤن ان پر چڑھائی کرے گا ہم پیچھے سے نکل آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ کوئی زندہ ہاتھ آجائے۔''

مونا فکرمند ہوگئی تھی۔ ''گولیاں چلنے کا امکان ہے؟''

''وہ کب نہیں ہوتا بی بی اب تو دو تین دن فائرنگ کی آواز نہ سنوں تو زندگی پھیکی اور بے رونق لگنے لگتی ہے۔''

''تم کو عادت ہوگئی ہے۔''

''بس یہی سمجھ لو۔'' میں نے پستول پر سائلنسر چڑھایا اور بیتو کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ایاز اوپر تھا اور سامنے والی کار کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے اس سے موبائل پر رابطہ کیا۔ ''کوئی سرگرمی؟''

''نہیں جناب خاموشی ہے۔''

''جیسے ہی پولیس کی آمد ہو خبردار کرنا۔''

''آپ بے فکر رہیں جناب۔'' اس نے جواب دیا۔ سفیر کو میں نے مکان کے اندر رہنے کو کہا تھا کہ اگر کسی طرح دشمن اندر آنے میں کامیاب ہو جائے تو عورتوں کی حفاظت کے لیے کوئی نہ کوئی ہو۔ میں اور بیتو عقبی دروازے کے ساتھ تھے اور براؤن ہمارے ساتھ تشریف فرما تھا۔ اگرچہ اس کا رویہ نہایت دوستانہ تھا اور اس نے مجھے دیکھ کر دُم ہلا کر خیر سگالی کے جذبے کا اظہار کیا تھا یعنی وہ میری فرینڈلی لات اسی طرح فراموش کر چکا تھا جیسے ہم امریکہ کی دی ہوئی چوٹیں اور عزت افزائی فراموش کر دیتے ہیں۔ بہرحال میرا اب اس سے وہ سلوک کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا جو امریکہ آئے دن ہمارے ساتھ کرتا ہے۔ سیاست ایک بڑا دکھی موضوع ہے اور پاکستانی آج تک فیصلہ نہیں کر سکے کہ ان کو زیادہ دکھ اندرونی سیاست نے دیئے ہیں یا بیرونی سیاست نے۔ شاید دونوں طرف سے دکھوں کا تناسب برابر ہے۔ بیتو نے میرے غور و فکر میں خلل ڈالا۔

''شوبی یہ لوگ کب آئے گا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون لوگ؟'' میں نے بے خیالی میں پوچھا۔

''پولیس اور کون؟''

''یار ہماری پولیس تو قتل کی اطلاع پا کر بھی پورے سکون سے آتی ہے یہاں تو صرف دو مہینہ ڈاکوؤں کی اطلاع ہے اور ممکن ہے وہ چیک کر رہے ہوں کہ ان کے حصے دار ہیں یا کوئی اور ان سے بالا بالا کارروائی کر رہا ہے۔''

بیتو حیران ہوا تھا۔ ''پولیس بھی ڈاکو سے ملا ہوتا ہے۔ فلموں میں تو دونوں دشمن ہوتا ہے۔''

''برخوردار سوائے فلموں کے ہر جگہ پولیس اور ڈاکو ساتھی ہوتے ہیں۔'' میں نے حقیقت حال بیان کی۔ ''ایک حالیہ اخباری رپورٹ کے مطابق پڑنے والے سترفی صد ڈاکے پولیس کے غائبانہ اور بعض اوقات عملی تعاون سے پڑتے ہیں۔ اور کچھ وارداتوں میں تو خود پولیس اہلکار ڈاکوؤں کے گیٹ اپ میں کام کر جاتے ہیں۔ بنا کر ڈاکوؤں کا ہم بھیس.....

ہم اتنی آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے کہ ہمیں خود بھی مشکل سے سنائی دے رہی تھیں آواز باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ابھی تک پولیس کی آمد کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ شہلا کے اغوا کی کارروائی کی طرح کیوں نہ ہم آپس میں موبائل اور ہینڈ فری کی مدد سے منسلک ہو جائیں اس طرح ہم دشمن سے بہت مؤثر طریقے سے نمٹ سکتے تھے۔ میں نے بیتو کو اس مشن کے متعلق روداد کیا۔ موبائل سب کے پاس تھے اس نے ہینڈ فری پہنچائے اور مجھے بھی ایک ہینڈ فری لا دیا کیونکہ میرے موبائل کا ہینڈ فری فتح خان نے کھینچ کر توڑ دیا تھا۔ ہینڈ فری لگا کر میں نے سب کو کانفرنس میں لیا۔ فوراً ہی ایاز نے کہا۔

''پچھلی گلی سے پولیس کار کی روشنیاں نظر آ رہی ہیں۔''

''ہوشیار ہو جاؤ۔'' میں نے بیتو سے کہا اور اس نے براؤن کو تھپکی دی تو وہ ہوشیار ہو گیا تھا۔ جیسے ہی ایاز نے بتایا کہ پولیس کار گلی میں داخل ہو کر مشکوک کار کے پاس رکی ہے۔ میں نے عقبی دروازہ کھولا اور براؤن باہر نکل گیا۔ فوراً ہی اس کے غرانے اور کسی کے چلانے کی آواز آئی۔ میں اور بیتو ایک ساتھ نکلے۔ میرا پستول پوری طرح تیار تھا۔ پچھلی گلی زیادہ روشن نہیں تھی اور مجھے وہ شخص فوراً نظر آ گیا جس پر براؤن غرا رہا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ چپکا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں موجود پستول کا رخ براؤن کی طرف تھا۔

وہ فائر کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا کیونکہ آواز پورے محلے کو متوجہ کر لیتی اور وہ یہاں صرف نگرانی کر رہا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو سمجھ گیا کہ پکڑا گیا ہے اس نے پستول کا رخ میری طرف کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ں سے پہلے میرے پستول سے بے آواز شعلہ لپکا اور اس کے پستول والے بازو میں اتر گیا۔ اس نے کراہ کر زو تھاما۔ پستول چھوٹ گیا تھا۔ عین اسی لمحے گلی کے سرے سے کوئی بھاگا اور بیتو اس کے پیچھے لپکا۔ میں نے تب سے پکار کر کہا۔ ''ہوشیاری سے وہ بھی مسلح ہوگا۔''

زخمی ہونے والا نوجوان تھا اور شاید فتح خان کی طرح پٹھان تھا۔ گورا چٹا اور تیکھے نقوش والا۔ مجھے افسوس اتھا۔ میں نے اس کا پستول اٹھا لیا اسے براؤن نے گھیر رکھا تھا۔ میں نے نوجوان سے کہا۔ ''ہاتھ اوپر کر و اس ے پہلے میں تمہارے دوسرے بازو پر بھی گولی مار دوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لہجے سے اس نے جان لیا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ اس نے بادلِ ناخواستہ حکم کی تعمیل کی۔ میں نے اس کی تلاشی لی اور ایک عدد گراری والا چاقو برآمد کیا۔ پستول اس کے پاس ایک ہی تھا۔ میں نے ایاز سے پوچھا۔ ''آگے کی کیا صورتِ حال ہے؟''

اس نے رپورٹ دی۔ ''پولیس نے ان دونوں کو گاڑی سے اتار لیا ہے اور پوچھ گچھ کر رہی ہے ایسا لگ رہا ہے کہ وہ انہیں گرفتار کر کے لے جائے گی۔''

''یہاں ایک پکڑا گیا ہے اور دوسرا بھاگ گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بیتو اس کے پیچھے گیا ہے۔''

اسی لمحے بیتو آ گیا۔ ''وہ بھاگ گیا ہے۔ اس نے ایک گاڑی کھڑی کی تھی اس میں نکل گیا ہے۔''

اس پر زخمی نوجوان کے منہ سے مادری زبان میں ناگفتنی نکل گئی تھی اور یہ یقیناً خاص گالیاں تھیں کیونکہ پشتو مجھے بھی آتی ہے۔ میں اور بیتو اسے گھسیٹ کر اندر لے آئے۔ وہ زیادہ زخمی نہیں ہوا تھا گولی بس گوشت پھاڑتی نکل گئی اور ہڈی بچ گئی تھی۔ سفیر نے اس کے زخم کا معائنہ کیا اور پھر مدر بورڈ کی مدد سے صاف کر کے اوپر سے مرہم لگی پٹی رکھ کر کپڑا لپیٹ دیا تھا۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ ہم اس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیوں کر رہے ہیں۔ اچانک ایاز نے کہا۔ ''پولیس واپس جا رہی ہے جناب۔''

''تم نیچے آ جاؤ۔'' میں نے کہا اور اچانک زخمی کی کنپٹی پر گھونسہ مارا اور وہ لڑھک گیا۔ سعدیہ اور مونا اور اچھل پڑے تھے۔

''یہ کیا کیا؟''

''وہی جو دشمن کے ساتھ کرنا چاہیے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔''

''نکلیں گے کیسے سامنے تو دشمن موجود ہے۔''

''نکل سکتے ہیں۔'' میں نے کہا اور سگنل دینے والے آلے کو زمین پر گرا کر جوتے سے کچل دیا۔ اب وہ ناکارہ ہو گیا تھا۔ ''سب تیار ہو جاؤ۔ اپنا سامان گاڑیوں میں رکھو۔''

ان لوگوں کا ذاتی سامان تھوڑا ہی تھا۔ وہ ایاز کی جیپ کے پچھلے حصے میں قیدی کے ساتھ آ گیا۔ میں نے اسے بھی مکان پر لے جانے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس سے پہلے ہمیں سعدیہ اور مونا کو عبداللہ والی کوٹھی پر چھوڑنا تھا۔ گاڑیاں چار تھیں۔ ایک بائیک سمیت ان سب کو لے جانا تھا لیکن یہ ممکن نہیں تھا کیونکہ ڈرائیو کرنے والے چار افراد تھے یعنی سفیر، ایاز، مونا اور میں۔ میں بائیک نہیں چھوڑ سکتا تھا کیونکہ اس سے مجھے ابھی کام لینا تھا اس لیے سفیر کی منی پجارو چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ دس منٹ میں سارا سامان بار کیا گیا اور اس دوران میں کوٹھی کی تمام بیرونی روشنیاں بجھا دی گئیں۔ میں نے بائیک پر جانے کا فیصلہ کیا۔ ایک گاڑی سفیر اور ایک ایاز چلاتا۔ تیسری کے لیے مونا کا انتخاب کیا گیا وہ اسلام آباد میں ڈرائیونگ کا تجربہ رکھتی تھی۔ سفیر نے کوٹھی کے تمام دروازوں کو تالے لگا دیئے۔ چابیاں اس کے پاس تھیں۔ اب وہ سب روانگی کے لیے تیار تھے۔

میں نے گیٹ کھولا اور یکے بعد دیگرے تینوں گاڑیاں نکلیں ان کے نکلتے ہی میں نے بائیک باہر کی اور گیٹ بند کر کے تالا لگا دیا۔ اس وقت تک گاڑیاں گلی کے کونے پر پہنچ گئی تھیں۔ مشکوک گاڑی موجود تھی۔ امکان یہی تھا کہ پولیس مک مکا کر کے واپس چلی گئی تھی۔ جب میں باہر آیا تو اس گاڑی میں موجود افراد بھی روانگی کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیاری میں دکھائی دیئے۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن ہوئیں اور وہ گھوم کر ان کے پیچھے روانہ ہوگئی۔ جیسے ہی وہ گلی سے نکلی میں نے بائیک اسٹارٹ کی۔ بائیک اور میں ابھی تک کیاری کی بیلوں کی آڑ میں تھے۔ یہ سارا علاقہ سیدھی سیدھی گلیوں والا ہے۔ یہاں ہر گلی دو طرف سڑک پر نکلتی ہے اور کوئی راستہ بند نہیں ہے۔ میں مخالف سمت میں روانہ ہوا اور اندازے سے گھوم کر ان کے پیچھے نکلا۔ اس وقت تک تمام گاڑیاں خاصی آگے جا چکی تھیں۔ سفیر نے اضطراب سے کہا۔ ''شوبی کہاں ہے یار؟''

''پیچھے ہوں..... تم لوگوں نے نظر رکھی ہے کوئی اور تو نہیں ہے؟''

''نہیں بس یہی پیچھے آرہے ہیں۔''

میں نے بائیک کو ریس دی اور ایک منٹ سے بھی پہلے اس نے فتح خان کے آدمیوں کی گاڑی کو جا لیا تھا جو سب سے پیچھے تھی۔ میں نے اس طرح پستول نکالا کہ اگر وہ عقبی آئینے میں دیکھ رہے ہوں تب بھی ان کو نظر نہ آئے۔ میں نے ہیڈ لائٹ آف رکھی تھی۔ سڑک پر اسٹریٹ لائٹ کی روشنی تھی لیکن ہیڈ لائٹ روشن نہ ہونے سے ان کی توجہ عقب کی طرف نہیں جاتی اور اس وقت تو وہ آگے جانے والی گاڑیوں کو اپنی نظر میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چاروں گاڑیاں خاصی رفتار سے جا رہی تھی۔

میں نے بائیک کو ایکسلریٹر دیا اور گاڑی کے قریب جانے لگا۔ یہاں سڑک پر ٹریفک کم تھا اور مجھے امید تھی کہ کسی حادثے کی صورت میں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ گاڑی کے نزدیک آتے ہی میں نے پستول سامنے کیا اور اس کے دائیں عقبی ٹائر کا نشانہ لے کر یکے بعد دیگرے کئی گولیاں چلائیں، شاید پہلی ہی کارگر رہی تھی لیکن باقی بھی نشانے پر لگیں اور ٹائر کا حشر نشر ہو گیا تھا۔ گاڑی کچھ دیر تو سیدھی دوڑتی رہی پھر یک دم گھومی اور کنارے کے ساتھ فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔ میں بائیک لہرا کر اس کے برابر سے نکل گیا تھا اور بیک مرر میں مجھے گاڑی الٹتی نظر آئی۔ اس کی رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ سے زیادہ تھی اور یہ ذرا زیادہ ہوتی ہے اسی وجہ سے ٹائر پھٹنے کے بعد گاڑی ڈرائیور کے قابو میں نہیں آئی تھی۔

''کام ہو گیا۔'' میں نے ایاز اور سفیر کو بتایا۔ ''اور تو کوئی نظر نہیں آرہا ہے؟''

''نہیں اور کوئی نہیں ہے۔'' ایاز نے جواب دیا۔ وہ سب سے آگے تھا کیونکہ عبداللہ کی کوٹھی کا علم اسے تھا۔ میں نے موبائل نکال کر ان لوگوں سے کال منقطع کی اور وسیم کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی۔ میں نے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہے؟''

''ہاں..... سب ٹھیک ہے وہ چلانے لگی تھی مجبوراً اس کا منہ بھی بند کرنا پڑا۔ آپ ابھی تک آئے نہیں؟''

''یہاں یار چکر ہو گیا تھا۔ فتح خان نے میری بائیک میں سگنل ڈیوائس لگا دی تھی اور اس کے آدمی کوٹھی تک آگئے تھے۔ ان کو چکر دے کر نکلے ہیں ان کو عبداللہ کی کوٹھی پر چھوڑ کر پھر تمہارے پاس آتے ہیں۔''

''ٹھیک آپ پوری تسلی سے آئیں یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''تمہارے اور شہلا کے لیے کھانا لانا ہے اور سوائے لڑکیوں کے باقی سب وہیں آئیں گے۔''

''سامان سارا لے لیا ہے؟''

''ہاں فکر مت کرو سامان سارا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور کال کاٹ دی۔ اب ہم عبداللہ کی کوٹھی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ دور تھے۔ اس لیے میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''عبداللہ تیار ہو جاؤ پورا لشکر آ رہا ہے تمہاری طرف۔''

وہ خوش وہ گیا تھا۔ ''سچ میں جناب؟''

''ہاں یار سچ مچ آ رہے ہیں۔ آ کر ساری بات بتاتا ہوں بس کچھ ہی دور ہیں۔''

جب ہم عبداللہ کی کوٹھی پر پہنچے تو اس کا گیٹ پہلے ہی کھول دیا گیا تھا اور عبداللہ خود دروازے پر موجود تھا۔ ہم بنار کے اندر گھستے چلے گئے اور جیسے ہی میری بائیک اندر آئی عقب سے گیٹ بند ہو گیا۔ جب تک میں ہیلمٹ اتار کر آگے آتا عبداللہ اور ایاز گلے مل رہے تھے۔ پھر سفیر اور بیتو گلے ملے۔ آخر میں وہ میرے گلے لگا اور اس نے شکوہ کیا۔ ''جناب میں تو سمجھا کہ آپ میری کسی خطا پر ناراض ہو گئے ہیں۔''

''ایسا ہو سکتا ہے یار۔'' میں نے کہا۔ ''میں صرف اس لیے یہاں سے دور ہوا تھا کہ یہ جگہ ہماری بنیادی پناہ گاہ رہے اور دیکھو آج میری احتیاط کام آ گئی۔ دشمن نے ہماری عارضی پناہ گاہ تلاش کر لی اور ہم بلا تکلف وہاں سے نکل آئے۔ اگر دشمن یہاں آ جائے تو ہماری مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔''

''اوہ۔'' عبداللہ بولا پھر سعدیہ اور مونا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''آپ دونوں یقیناً مونا اور سعدیہ بی بی ہیں۔''

''اور آپ عبداللہ بھائی ہیں۔'' مونا بولی۔

''مونا اور سعدیہ عبداللہ ہمارا نہایت مخلص ساتھی ہے۔ یہ تو ہمارے ساتھ آنے کے لیے تیار ہو گیا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا کیونکہ یہ یہاں سے ہماری زیادہ مدد کر سکتا ہے۔''

''باتیں ہوتی رہیں گی آپ اندر آئیں۔'' عبداللہ نے کہا اور ہمیں اندر لے آیا۔ وسیع نشست گاہ میں خوش گوار حرارت تھی۔ عبداللہ نے کھانے کا پوچھا لیکن ہم کھا کر آئے تھے اس لیے اس نے چائے اور کافی کا کہہ دیا۔ میں نے عبداللہ کو فتح خان سے ٹکراؤ اور پھر اس کی چالاکی کا بتایا۔ عبداللہ تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''ممکن ہے اس نے ایسی مزید کوئی ڈیوائس پلانٹ کی ہو۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ ''ایسا ہو سکتا ہے۔''

''میں ابھی چیک کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ وہ کہیں گیا اور ایک منٹ بعد آیا تو اس کے ہاتھ ایک لمبا اور گول بڑی ٹارچ نما آلہ تھا۔ ''آئیں میرے ساتھ۔''

میں، سفیر اور ایاز اس کے ساتھ پورچ میں آئے جہاں گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اس نے آلے سے باری باری تینوں گاڑیوں اور بائیک کو چیک کیا لیکن آلے نے کوئی سگنل نہیں دیا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

''شکر ہے مزید کوئی ڈیوائس نہیں ہے۔''

''یہ درست کام کر رہا ہے؟''

''بالکل جناب یہ دیکھیے۔'' اس نے جیب سے ایک چھوٹا سی ڈیوائس نکال کر اسے ایاز کی جیب کے اندرونی حصے میں لگا دیا اور جب آلہ آن کر کے اس سے چیک کیا تو وہ سگنل دینے لگا تھا۔ میں نے اس سے آلہ لے کر دیکھا۔

''یہ تو بڑے کام کی چیز ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ صرف فکس سگنل ڈیوائس کا پتا نہیں چلاتا ہے بلکہ اگر کوئی مائیکروفون بگ کر دے تو یہ اس کا پتا بھی چلا سکتا ہے یوں سمجھ لیں کہ یہ دس میٹر کے دائرے میں تمام ریڈیائی مواصلات کا پتا چلا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ اسلحے کا سراغ بھی لگا سکتا ہے۔''

''عبداللہ ہمیں اس کی ضرورت ہے یہ کہاں سے ملے گا؟''

''میرے پاس ایسا ایک اور ہے وہ آپ لے جائیں یہ ضروری ہے۔ آج کل جنگ اصل میں آلات سے لڑی جاتی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اب آپ نے حرکت میں آنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو آپ کو اس قسم کے مزید آلات سے لیس ہونا پڑے گا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

''سوچیں مت جناب..... میرے پاس ایسے آلات کا ایک سیٹ موجود ہے اور باقی کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔''

عبداللہ ٹھیک کہہ رہا تھا اس قسم کے آلات جو ہمیں باخبر رکھتے ہیں ان کی موجودگی میں ہم مشکل معرکہ بھی آسانی سے سر کر سکتے تھے جیسے صرف موبائل فون کی مدد سے ہم نے فتح خان کے آدمیوں پر کتنی آسانی سے قابو پا لیا کیونکہ ہمارا آپس میں رابطہ تھا اور ہم بہترین طریقے سے حرکت میں آئے تھے۔ اس طرح کے مزید آلات کی مدد سے ہم خود کو خطرات سے محفوظ رکھتے ہوئے دشمن پر آسانی سے قابو پا سکتے تھے۔ فتح خان کا ساتھی ایاز کی جیپ کے عقبی حصے میں بے ہوش اور بندھا پڑا تھا۔ میں نے پہلے سوچا تھا کہ اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا لیکن پھر میں نے اسے فی الحال عبداللہ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ عبداللہ کے دو آدمی اسے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر اندر تہہ خانے میں لے گئے جہاں قیدیوں کو رکھنے کا معقول انتظام تھا۔ عبداللہ نے اس کے زخم کی مرہم پٹی کرنے کو بھی کہا تھا۔ ہم اندر آئے تو چائے اور کافی آ چکی تھی۔ عبداللہ نے پوچھا نہیں تھا کہ کون کیا پینا پسند کرے گا اس نے منیر سے سب کے لیے دونوں چیزیں منگوالی تھیں اور اب مونا اور سعدیہ سرو کر رہی تھیں اگرچہ منیر نے سرو کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے اسے چلتا کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''پہلے تمہیں ایک باس ملی تھی اب یہ دو باس ہیں۔''

منیر مسکرایا۔ ''ہمارا تو کام حکم کی تعمیل کرنا ہے جناب ایک دو باس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

مونا نے مجھے گھورا۔ ''ہم کہاں سے باس ہو گئے۔''

''آپ باس ہی ہیں۔'' عبداللہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''شہباز صاحب نے بتایا ہے اب آپ یہاں رہیں گی اور آپ جب تک یہاں ہیں یہاں کے تمام معاملات آپ کی مرضی سے چلیں گے۔ اس کوٹھی کے دو حصے ہیں ایک حصہ ہم ملازموں والا ہے وہاں ہمارے کمرے ہیں اور دوسرا حصہ مالکوں کے لیے مخصوص ہے۔''

''ہم میں کوئی مالک اور ملازم نہیں ہے۔'' میں نے اختلاف کیا۔ ''ہاں عورت ہونے کے ناطے یہ یہاں کی باس ہو سکتی ہیں۔''

''یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔'' عبداللہ مسکرایا۔ ''ورنہ جب آپ آئے تھے تو کیا میں نے آپ سے یہ بات کی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوٹھی کے حفاظتی انتظامات کی نوعیت کیا ہے؟''

''یہاں ہمہ وقت آٹھ گارڈز ہیں ان میں سے چار ہر وقت ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔ ایک گیٹ پر اور دو کوٹھی کے اوپر اور پچھلے حصے میں ہوتے ہیں ایک کنٹرول روم میں کیمروں کی نگرانی کرتا ہے اگر اسے کسی ضرورت سے ہٹنا پڑے تو وہ منیر کو بلا لیتا ہے۔ تمام گارڈز کا ریڈیو سے آپس میں مستقل رابطہ رہتا ہے۔ دیواروں پر کرنٹ وائرز ہیں اور ان کے ساتھ الارمنگ وائر بھی ہے جو کٹ جائے تو الارم بجنے لگتا ہے۔''

''گڈ تم نے حفاظتی انتظامات پہلے سے بہتر کر لیے ہیں۔'' میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

''آدمی کم ہیں لیکن بہترین تربیت یافتہ اور اعتماد کے ہیں۔''

''میرے خیال میں اتنے آدمی بہت ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں سعدیہ اور مونا کے ساتھ بیتو رہے گا۔''

''ہم آپ کے ساتھ جائے گا۔'' بیتو نے فوراً کہا۔

''یار تم ان کے منے بھائی ہو۔'' سفیر بولا۔ ''ان کا دل بہلانا اور ان سے کھانے بنوا کر کھانا۔''

''نہیں.....''

''یار بات تو سن لیا کرو۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارا شناختی کارڈ نہیں ہے۔ عبداللہ تمہارا آئی ڈی بنوائے گا اور پھر ہم سب کے پاسپورٹ بھی بنوانے ہیں۔''

''یہ کام تو بہت آسان ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''چار دن میں آپ سب کے پاسپورٹ بن سکتے ہیں۔''

''ہمارے پاس صرف سفیر اور مونا کا پاسپورٹ ہے۔ وسیم کا غائب ہے میرے پاس ہے لیکن اس پر سفر کرنے کا مطلب جیل جانا بھی ہو سکتا ہے اس لیے مجھے بھی دوسرا پاسپورٹ درکار ہے۔ سعدیہ اور بیتو کا بنوانا ہے لیکن شناختی کارڈ صرف بیتو کا بنوانا ہے۔''

عبداللہ نے ایک کاغذ لیا اور اس پر یہ ساری تفصیلات درج کر لیں۔ اس نے سب کے پاس موجود کارڈز اور معلومات بھی حاصل کر لی تھیں۔ وسیم کا کارڈ اس کے پاس تھا۔ میں نے فون کر کے اس کا نمبر بھی عبداللہ کو لکھوا دیا۔ رات کے بارہ بجنے کے قریب تھے۔ عبداللہ نے مونا اور سعدیہ کے لیے کمرے کھلوا دیے تھے۔ وہ اپنا سامان رکھنے چلی گئیں۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''ایسا کرتو بھی آج رات یہاں رک جا۔''

''وہ کس خوشی میں؟''

''نیا ماحول ہے مونا گھبرائے نہیں۔''

''تب ایسا کر وسیم کو بھی کال کر کے بلا لے اور چند دن رک جا ہم خود جا کر تیرا نکاح پڑھا کر رخصتی کر کے لے آتے ہیں سب یہاں ہنسی خوشی رہیں گے راجا صاحب کے خرچ پر۔'' سفیر بھنا گیا تھا۔

میں ہنس دیا۔ ''تپتا کیوں ہے یار؟''

''جناب نے بات ہی ایسی کی ہے۔''

بیتو رکنے کے لیے تیار نہیں تھا اسے بڑی مشکل سے روکا۔ میں چاہتا تھا کہ آئی ڈی کارڈ بننے تک وہ عملی میدان سے ذرا دور رہے کیونکہ اگر وہ پولیس کے چکر میں آتا تو کوئی شناختی چیز نہ ہونے کی وجہ سے وہ مشکل میں بھی پڑ سکتا تھا۔ ایک بجے ہم وہاں سے رخصت ہوئے تو اسلام آباد کی سڑکیں مکمل ویران ہو چکی تھیں۔ شکر ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھند نہیں تھی ورنہ رو رو کر ڈرائیونگ کرنا پڑتی۔ ہم آدھے گھنٹے میں مکان پر پہنچ گئے تھے۔ میں نے وسیم کو پہلے ہی بتا دیا تھا۔ سفیر کی لینڈ کروزر، سفاری اور میری بائیک وہیں چھوڑ دی تھی۔ ایاز کی جیپ میں ہم وہاں سے نکلے تھے۔ منی پیجیرو کوٹھی میں تھی۔ اسے ہم بعد میں بھی لا سکتے تھے۔

وسیم دروازے پر منتظر تھا۔ اندر صرف ایک گاڑی کی گنجائش تھی اسی وجہ سے صرف ایک گاڑی لائے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ مکان غیر آباد ہونے کا تاثر برقرار رہے تاکہ کم سے کم لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ وسیم کا بھوک سے برا حال تھا اس لیے اس نے سب سے پہلے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے نفن تھما دیا اور وہ باورچی خانے کی طرف لپکا جہاں چولہے موجود تھے۔ میں، سفیر اور ایاز سامان اتار کر اندر لانے لگے۔ پہلے صرف کمبل اور تکیے لانے کا ارادہ تھا لیکن اب ہم بہت کچھ لے آئے تھے۔ مکان میں قالینوں کے نیچے ویز انڈر لے تھا اس کی وجہ سے بستر اور سٹنگ کی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ہم نے سارا سامان ایک کمرے میں سیٹ کیا۔ سفیر نے عقل مندی کی تھی اور ایک گیس ہیٹر بھی لے آیا تھا۔ مکان مکمل طور پر سرد تھا۔ رات گزارنے کے لیے گیس ہیٹر ضروری تھا۔ ایاز نے جا کر شہلا والے کمرے میں جھانکا۔ اس کے دروازے کے باہر کنڈی تھی اسے بند کر کے شہلا کو قید کیا جا سکتا تھا ورنہ باقی کمروں میں جدید لاک تھے جو اندر سے بغیر چابی کے بھی بند کیے جا سکتے ہیں۔ ایاز آیا تو کسی قدر فکر مند تھا۔

''کیا ہوا کچھ مسئلہ ہوا ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''نہیں جناب لیکن اس عورت کو دیکھ کر مجھے ایک خیال آیا ہے کہ فتح خان نے کچھ زیادہ ہی آسانی سے اسے ہمارے حوالے نہیں کر دیا ہے؟''

میں چونکا تھا۔ شاید یہ بات میرے ذہن میں آئی تھی لیکن میں نے اسے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ''تمہارا مطلب ہے اس میں بھی اس کی کوئی چال ہو سکتی ہے؟''

''بالکل ہو سکتی ہے کیا ویسا ہی آلہ اس کے لباس میں کہیں چھپایا نہیں جا سکتا ہے؟''

''میرے خدایا تو سوچا ہی نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''ایسا بالکل ہو سکتا ہے اور وہ اتنا چھوٹا سا آلہ ہے کہ لباس میں بہت آسانی سے چھپایا جا سکتا ہے تم لوگوں نے اس کی تلاشی نہیں لی۔''

''نہیں سرسری سی لی تھی۔'' ایاز نے کہا۔ ''کوئی ہتھیار دیکھنے کے لیے لیکن اس کے پاس سے کچھ نہیں نکلا۔''

میں نے ہاتھ پر مکا مارا۔ ''اس سے ثابت ہوتا ہے یہ چال ہے۔ ہمیں اس کی تلاشی لینی ہوگی۔''

سفیر نے سوال کیا۔ ''یہ کارِ خیر کون انجام دے گا۔''

''ایاز۔'' میں نے ایاز کی طرف دیکھا تو وہ بدک گیا۔

''مجھے معاف رکھیں جناب میں نے آج تک کسی عورت کو اس طرح ہاتھ نہیں لگایا ہے۔''

''تم نے صرف تلاشی لینی ہے۔''

''تو آپ خود لے لیں۔''

سفیر نے بھی صاف انکار کر دیا اور جب وسیم کھانا گرم کر کے لایا تو اس نے بھی انکار کر دیا۔ میں بھنا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا میں تم لوگوں کو کوئی غلط حرکت کرنے کو کہہ رہا ہوں۔''

وسیم نے کھاتے ہوئے کہا۔ ''شہباز صاحب سچی بات ہے مجھے اس سے ڈر لگتا ہے وہ بڑی خطرناک عورت ہے ابھی جب میں اس کا منہ بند کرنے گیا تھا تو اس نے ایسی گالیاں دیں اور ایسی باتیں کیں کہ اس موسم میں مجھے پسینہ آ گیا۔''

''میں شادی شدہ ہوں۔'' سفیر بولا۔ ''ایسے آدمیوں کو عورتوں سے دور رہنا چاہیے۔''

ایاز پہلے ہی صاف انکار کر چکا تھا۔ مجھے لگا ہم فضول کی بحث کر کے وقت ضائع کر رہے تھے۔ اس قسم کی ڈیوائس کے سگنل کی حد محدود ہوتی ہے اور جب اس کا ریسیور ایک کلومیٹر دور ہوتا ہے تب ہی وہ اس کا سگنل پکڑ سکتا ہے لیکن یہ میرا اندازہ تھا جو غلط بھی ہو سکتا تھا۔ میں عبداللہ سے سگنل پکڑنے والا آلہ لانا بھی بھول گیا تھا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں۔''

''صحیح سے دیکھنا یار۔'' سفیر نے شرارت سے کہا۔ ''دیکھنے کی چیز ہے۔''

میں نے اسے گھورا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ جب زرین ملی تو یہ سب یہاں نہیں تھے ورنہ میرا صحیح سے ریکارڈ لگتا۔ میں شہلا والے کمرے میں آیا۔ یہاں بھی سردی تھی اگرچہ باہر جیسی تو نہیں تھی لیکن پھر بھی اچھی خاصی تھی۔ اس میں بھی وہ بنا شال کے بیٹھی تھی۔ اس کی شال سے ایاز اور وسیم نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے تھے اور منہ بھی بند کیا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شعلے سے بھڑکے تھے اور مجھے معلوم تھا کہ میں نے اس کا منہ کھولا تو اس نے کیا نکلے گا اس لیے میں نے اس کا منہ کھولنے سے گریز کیا اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری تلاشی لینے جا رہا ہوں اس لیے کچھ غلط مت سمجھنا۔''

اس نے ناک سے آواز نکالی۔ شاید وہ منہ کھولنے کو کہہ رہی تھی میں نے سوچا اور اسے خبردار کیا۔ ''ٹھیک ہے میں تمہارا منہ کھول رہا ہوں لیکن اگر تم نے ایک بھی فضول بات کی تو میں منہ دوبارہ بند کر دوں گا۔''

اس نے سر ہلا کر یقین دلایا کہ وہ کوئی غلط بات نہیں کرے گی۔ میں نے اس کے منہ سے کپڑا اتار دیا اس نے چند گہری سانسیں لیں اور بولی۔ ''شہباز مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی؟''

میں چونکا۔ ''کیسی امید؟''

''یہی تم اتنی آسانی سے فتح خان کی چال میں آ جاؤ گے۔''

''جب میں نے تمہیں کال کی تو وہ تمہارے گھر میں تھا؟''

''ہاں اور میرے سر پر بھی سوار تھا۔ یہ جناح سپر میں ملنے والا پروگرام اسی کا تھا۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں تم سے ملنے جاؤں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے چارے کی طرح استعمال کر رہا ہے اور میں ماری جاؤں گی۔''

''تم جانتی ہو اس نے میری بائیک میں ایک سگنل دینے والا آلہ لگا دیا تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں جانتی ہوں۔''

''مجھے شبہ ہے ایسا ہی آلہ تمہارے لباس میں ہے۔''

''تو تلاش کر لو۔'' اس نے چیلنج دینے والے انداز میں کہا۔ ''چاہو تو لباس اتار کر تلاش کر لو مجھے کوئی فرق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں پڑے گا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔''عزت اور حرمت کا مفہوم تم بہت پہلے بھول چکی ہو۔''

ساڑھی پہننے کے لحاظ سے مشکل لباس ہے لیکن تلاشی کے لحاظ سے یہ مشکل ترین ہے اس کا اندازہ مجھے اس روز ہوا تھا۔ اس کے جسم کی مکمل تلاشی ایک کٹھن ترین مرحلہ ثابت ہوا تھا۔ وہ مسکراتی رہی اور میں اس سے نظریں چراتا رہا۔ خدا خدا کر کے یہ مرحلہ مکمل ہوا تھا۔ مجھے بھی وسیم کی طرح پسینہ آ گیا تھا۔ جب میں پیچھے ہٹا تو اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔''بس تلاشی کر لیا؟''

''سوری۔'' میں نے معذرت کی۔

''ذرا میرے ہاتھ کھولنا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں صرف تمہیں دکھانا چاہتی ہوں کہ تم احمق انسان ہو۔''

میں نے سوچا اور اس کے ہاتھ کھول دیئے۔ اس نے اپنے مختصر سے بلاؤز میں ہاتھ ڈالا اور ویسی ہی ایک سگنل ڈیوائس نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دی جو اس کے جسم کی گرمی سے گرم ہو رہی تھی۔ میرے ہوش اُڑ گئے تھے۔

''یہ تمہارے پاس تھی؟''

''ہاں فتح خان نے مجھے دی تھی۔''

میں نے خود کو سخت احمق محسوس کیا تھا۔ مارے جھجک کے میں نے اس کے جسم کے مخصوص حصوں کی ٹھیک سے تلاشی نہیں لی تھی۔ وہ مسکرائی۔''اب بولو ہو نا احمق۔''

میں نے ڈیوائس کو دیوار پر دے مارا کیونکہ فرش پر دبیز قالین تھا، دیوار پر لگا کر اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اب یہ یقیناً ناکارہ ہو گئی تھی۔''تم نے ٹھیک کہا میں واقعی احمق ہوں۔''

''لیکن تم فکر مت کرو میں نے اسے تمہارے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوتے ہی ناکارہ کر دیا تھا۔''

میں چونکا۔''وہ کیسے؟''

''میں نے اسے گریبان سے نکال کر منہ میں رکھ لیا اور اس وقت تک رکھا جب تک تھوک اس کے سرکٹ کے اندر نہیں چلا گیا۔ مجھے ہلکا سا کرنٹ لگا اور یہ ناکارہ ہو گئی۔ یقین کرنے کے لیے تم چیک کر سکتے ہو۔''

میں نے ٹکڑے ہو جانے والی ڈیوائس دیکھی وہ واقعی اندر سے نم ہو رہی تھی۔''جب اسے ناکارہ بنا دیا تھا تو پھر اپنے پاس کیوں رکھا؟''

''صرف تمہیں یقین دلانے کے لیے کہ میں فتح خان کے ساتھ نہیں ہوں اس کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ پہلے بھی تم نے مجھے اس کے چنگل سے نکالا تھا۔''

ممکن ہے وہ سچ کہہ رہی ہو لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ یہ کوئی چکر ہو۔''جب تک تمہاری تصویریں فتح خان کے پاس ہیں تم اس سے کس طرح بغاوت کر سکتی ہو؟..... اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تم نے اسے دھوکا دیا ہے تو وہ ان تصویروں کی ہزاروں کاپیاں بنا کر شہر بھر میں بانٹ دے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں مجبور ہوں یہ رسک لینے پر، مجھے یقین ہے وہ کبھی میری جان نہیں چھوڑے گا۔''

''میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''تم مجھے اس سے بچاؤ میں لاکر تک رسائی میں تمہاری مدد کروں گی۔'' اس کا لہجہ سرگوشی آمیز ہو گیا تھا۔ ''یقین کرو میں نے سارا پلان بنا لیا ہے اور فتح خان کو اس کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہو گا کہ میں ڈاکوؤں کی طرح بینک میں گھس کر لاکر کھولوں گی۔''

''میں چونکا۔'' تب تمہارا کیا پلان ہے؟''

''یہ میں تمہیں اسی صورت میں بتا سکتی ہوں جب تم فتح خان سے میری جان چھڑا دو گے۔''

''فتح خان سے تمہاری جان صرف ایک صورت میں چھوٹ سکتی ہے کہ تمہاری تصویریں تمہیں واپس مل جائیں۔ میں اس سے تصویریں کیسے نکلوا سکتا ہوں۔''

''وہ اس وقت تم سے کوئی بات منوانے کے لیے مرا جا رہا ہے اگر تم اسے سے کہو کہ وہ میری تصویریں واپس کر دے تو وہ کر دے گا۔ ویسے بھی اسے مجھ سے یا اس بینک لاکر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

میں نے بھی یہی اندازہ لگایا تھا لیکن اس سے پوچھا۔ ''یہ بات تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''اس نے لاکر کے بارے میں کبھی زیادہ دلچسپی ظاہر نہیں کی بلکہ وہ اس کے بارے میں بات بھی نہیں کرتا ہے اگر میں بات کروں تو جواب دیتا ہے اور بس۔''

''تب وہ تمہاری کوٹھی میں کس لیے براجمان ہے؟''

شہلا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ ''تم جانتے ہو وہ کس لیے میرے پاس رکا ہوا ہے۔''

''کیا اس وقت بھی وہ تمہاری کوٹھی میں ہے؟''

''نہیں، جب اس نے مجھے تمہاری طرف بھیجا تھا تو اس کے فوراً بعد وہ کوٹھی سے چلا گیا تھا۔''

''کیسے چلا گیا کیونکہ میرا آدمی تمہاری کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا اور اس نے سوائے تمہارے چوکیدار، ملازمہ اور تمہارے کسی کو نہیں دیکھا۔''

''فتح خان بہت چالاک ہے اس نے جان لیا تھا کہ تمہارا آدمی کہاں سے کوٹھی کی نگرانی کرتا ہے اس نے آنے جانے کے لیے کوٹھی کے پیچھے والا حصہ چن لیا۔ وہیں سے دیوار پھلانگ کر وہ اور اس کے ساتھی آتے جاتے تھے۔''

میں نے خود کو ایک بار پھر احمق محسوس کیا تھا۔ فتح خان جیسے چالاک آدمی کے سامنے میں نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا تھا میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''کیا یہ بھی فتح خان کی چال نہیں ہو سکتی ہے؟''

''کون سی چال؟''

''یہی کہ تم اس کی ہدایت کے مطابق میرا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟''

''ہو بھی سکتا ہے۔'' اس نے تسلیم کیا۔ ''میں تمہیں کسی طرح یقین نہیں دلا سکتی ہوں ہاں تم اپنے طور پر جس طرح چاہے اطمینان کر لو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ممکن ہے فتح خان نے تمہیں بھی ڈبل کراس کیا ہو وہ اپنے سائے پر بھی بھروسہ کرنے والا شخص نہیں ہے۔ اس نے ڈیوائس دینے کے بعد بھی تعاقب کے لیے اپنے آدمی بھیجے ہوں۔''

''وہ ایسا کر سکتا ہے اس کے پاس کئی خطرناک لوگ ہیں۔'' اس نے تسلیم کیا۔ ''لیکن یہ دیکھنا تمہارے آدمی کا کام تھا۔''

ایاز اور وسیم کو یقین تھا کہ کسی نے ان کا تعاقب نہیں کیا ہے۔ میں نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے ابھی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں اگر تم نے سچ بولا ہے تو تم اس کے فائدے سے محروم نہیں رہو گی لیکن اگر تم نے ذرا بھی جھوٹ بولا ہے تو یقین کرو تمہیں اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا۔''

''میں نے ذرا بھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔''

میں نے اس کے ہاتھ اور منہ کھول دیا تھا۔ اس دوران میں اس نے پاؤں بھی کھول لیے۔ ''دوسرے تم جس جگہ ہو یہاں دور دور تک کوئی تمہاری آواز و فریاد سننے والا نہیں ہے اس لیے مہربانی کر کے چپ کر کے بیٹھنا ورنہ بلاوجہ تمہارا منہ پھر بند کرنا پڑے گا۔''

''میں نہیں آواز نکالوں گی۔'' اس نے یقین دلایا۔ ''لیکن پلیز سردی بہت ہے مجھے کچھ اوڑھنے کو دو اور مجھے بھوک بھی لگی ہے۔''

''تمہیں سب ملے گا بشرطیکہ تم بھی تعاون کرو۔'' میں نے کہا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ وہ تینوں میرے منتظر تھے۔ میں نے مناسب الفاظ میں ان کو شہلا کی کہانی سے آگاہ کیا۔ سفیر نے سنتے ہی کہا۔

''فراڈ کر رہی ہے یہ عورت۔''

''لیکن ہو سکتا ہے سچ کہہ رہی ہو۔'' وسیم بولا۔ ''شہباز صاحب نے دیکھ لیا تھا کہ سگنل ڈیوائس اندر سے بھی گیلی ہے۔''

''ممکن ہے یہ کام اس نے ابھی کیا ہو اور اب ہمیں بے وقوف بنا رہی ہو۔'' سفیر نے دلیل دی۔

''تیری بات قابل غور ہے۔ اب ہمیں ہوشیار رہنا ہو گا اگر فتح خان کے آدمی یہاں تک آ چکے ہیں تو ہمیں یہاں سے فرار ہونا پڑے گا۔''

''مجھے یقین ہے کوئی پیچھے نہیں آیا تھا۔'' ایاز نے کہا۔ ''لیکن اگر ڈیوائس نے کام کیا ہے تو وہ لوگ یہاں بھی آ سکتے ہیں۔''

''تم اور وسیم جا کر اوپر سے آس پاس کا معائنہ کرو۔'' میں نے ایاز سے کہا۔ ''ہمارے پاس ایک عدد نائٹ ویژن گلاس بھی ہے۔''

''ہاں ہے۔'' وسیم بولا۔ ''میں ساتھ لے آیا تھا۔''

''اس کی مدد سے دیکھو کیونکہ باہر اس وقت مکمل تاریکی ہے۔''

اس علاقے میں ابھی نئی نئی آبادی ہوئی تھی، مضبوط کیں بن گئی تھیں لیکن ابھی ان پر اسٹریٹ لائٹس نہیں لگی تھیں۔ مکان کے آس پاس تو مکمل اندھیرا تھا۔ میں نے جا کر کچن میں بچا ہوا کھانا نکالا۔ اس دوران میں سفیر دودھ گرم کر رہا تھا۔ یہ سامان کے ساتھ آیا تھا۔ ہم کھانے پینے کا پورا سامان لائے تھے اور عجلت میں وہاں سے نکلنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑا تو یہ سارا سامان بھی ساتھ لے آئے تھے۔ میں نے منرل واٹر کی ایک چھوٹی بوتل بھی لے لی تھی۔ یہ چیزیں لے کر شہلا والے کمرے میں آیا۔ اس کے ساتھ بھی باتھ روم اٹیچ تھا اور وہ باتھ روم میں تھی۔ میں نے دروازہ بجایا تو اس نے اندر سے کہا۔

''ایک منٹ بس آ رہی ہوں۔'' وہ جلد نکل آئی۔ ''کب سے بند تھی اس سردی میں..... شکر ہے تم نے کھول دیا۔''

''یہ کھانا کھاؤ جب تک میں کمبل لاتا ہوں۔'' میں نے برتنوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بہت بھوکی تھی اس لیے کھانے پر ٹوٹ پڑی تھی۔ میں اسے کھاتا چھوڑ کر باہر آیا تو وسیم اور ایاز آ چکے تھے۔

''آس پاس دور دور تک سوائے چند آوارہ کتوں کے اور کوئی نہیں ہے۔'' وسیم نے بتایا۔

''مجھے تو آس پاس کے گھر بھی آباد نہیں لگ رہے ہیں چند ایک میں روشنیاں ہیں بس۔'' ایاز نے کہا۔

''یہ اچھی بات ہے جتنی کم آبادی ہوگی ہمارے لیے اور بھی آسانی ہوگی۔ اسٹیٹ والے نے چالاکی سے کام لیا اور تیار گھروں کو بھی آباد کہہ دیا اس طرح اس نے مکان کی ویلیو بڑھا لی۔''

''لیکن اس کرائے میں برا نہیں ہے۔'' وسیم نے دودھ نوشی کرتے ہوئے کہا۔ اسے بچپن سے سونے سے پہلے دودھ پینے کی عادت تھی اکثر میں اور مونا مل کر اس کا مذاق اڑاتے تھے کہ بابا کے سونے کا ٹائم ہو گیا ہے اب اس کا فیڈر لایا جائے۔

''ہمارے لحاظ سے تو بہت اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔ سفیر نے کمرے میں ہیٹر لگا کر آن کر دیا تھا۔ گیس کا کنکشن موجود تھا۔ دس منٹ میں کمرہ معقول حد تک گرم ہو گیا تھا۔ سب نے اپنے اپنے سونے کی جگہیں منتخب کر لی تھیں اور طے پایا کہ باری باری سب جاگ کر پہرہ دیں گے۔ پہلا نام سفیر کا نکلا تھا۔ کمبل خاصے تھے ان میں سے ایک بھاری کمبل اور تکیہ لے کر میں شہلا والے کمرے میں آیا۔ وہ کھانا کر خود میں سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی لیکن اب اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ کمبل دیکھ کر وہ کھل اٹھی۔ میں نے تکیہ اور کمبل اس کی طرف اچھال دیا اور برتن اٹھا لیے البتہ پانی کی بوتل وہیں چھوڑ دی تھی۔

''شکریہ میں سردی سے مر رہی ہوں۔''

''لیکن ایسا لباس پہننے سے باز نہیں آؤ گی۔''

''مجھے عادت ہے اور اگر میری شال ہوتی تو اتنی سردی نہیں لگتی۔'' اس نے جواب دیا اور کمبل لے لیا۔

''گڈ نائٹ۔'' میں نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ سفیر کو جاگنا تھا اس لیے اب وہ کافی بنا رہا تھا۔ تین گھنٹے بعد وہ ایاز کو جگا دیتا اور اس کے تین گھنٹے بعد میری باری تھی۔ میں کمبل میں گھسا اور فوراً ہی سو گیا تھا۔ بھاگ دوڑ اور اعصابی کشیدگی نے تھکا دیا تھا۔ خلاف توقع کسی نے مجھے نہیں جگایا اور میری آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ ہیٹر نے ایسی گرمی کر دی تھی کہ رات کو سردی کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر سفیر یا کسی اور نے ایک بالٹی میں پانی بھی لا کر رکھ دیا تھا تاکہ کمرے میں کاربن ڈائی آکسائیڈ جمع نہ ہو۔ ہیٹر جلنے سے کمرے کی آکسیجن کاربن ڈائی آکسائیڈ میں بدل جاتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے کمرے میں پانی سے بھری کوئی چیز رکھنا پڑتی ہے۔ پانی کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر لیتا ہے۔ یوں دم گھٹنے والی کیفیت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ سفیر ناشتہ بنا رہا تھا اسے اور ایاز کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانے بنانے کا تجربہ تھا۔ واش روم سے آ کر میں نے سب سے پہلے عبداللہ کو کال کی۔

''شہباز صاحب کیسے ہیں؟''

''فائن۔'' میں نے کہا۔ ''رات سب ٹھیک رہا تھا؟''

''ایک دم جناب، میں نے اپنے آدمیوں کو چوکنا کر دیا تھا اور سڑک والا کیمرہ خاص طور سے دیکھا تھا لیکن نہ تو کوئی مشکوک فرد نظر آیا اور نہ ہی کوئی گاڑی یہاں سے گزری۔''

''یہ اچھا ہوا۔'' میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''ممکن ہے آج میں کسی وقت چکر لگاؤں تو راجا صاحب سے بات کروں گا۔''

''کل رات ہو چکی تھی اور راجا صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے وہ آرام کر رہے تھے۔''

''کیا ہوا انہیں؟''

''معلوم نہیں۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''بیگ صاحب نے بتایا نہیں لیکن انہوں نے عجلت میں حکیم صاحب کو واپس بلا لیا ہے۔ میں نے کل ہی ان کو ہیلی کاپٹر سے بھیجا ہے۔''

مجھے تشویش ہوئی تھی حکیم قادس کے جانے کا مطلب تھا کہ راجا کی بیماری عام نوعیت کی نہیں ہے۔ ''ٹھیک میں نے آنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے اس نوجوان سے پوچھ گچھ بھی کرنا ہے۔''

''میں اسے تیار رکھوں گا۔'' عبداللہ نے کہا جب آپ آئیں گے تو وہ فر فر آپ کے سوالوں کا جواب دے گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا اور پھر سفیر کو ناشتے کی ٹرے لاتے دیکھ کر فون بند کر دیا۔ ناشتے میں سنکے ہوئے توس اور تلے اور ابلے ہوئے انڈے تھے۔ ایاز حلوہ پوری بھی لے آیا تھا۔ میں نے ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ وسیم اور سفیر کر چکے تھے۔ ایاز نہا رہا تھا وہ آ کر میرے ساتھ شامل ہو گیا۔ سردی سے اس کا برا حال تھا کیونکہ یہاں گیزر نہیں تھا اور اسے روز نہانے کی عادت تھی۔ سب ختم کرنے کے بعد مجھے شہلا کا خیال آیا۔

''اس کے کچھ بچایا ہے یا سب ختم کر دیا ہے۔''

''ہے تھوڑا بہت۔'' سفیر نے بتایا۔ ''لیکن میرا خیال ہے وہ ناشتہ ہلکا کرتی ہوگی اس لیے گزارا ہو جائے گا۔''

دو کپ چائے پی کر میں نے شہلا کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ بدستور کمبل میں لپٹی سو رہی تھی اور فرش پر اس کے آس پاس دیکھا تو لاحول پڑھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ ساڑھی اتار کر سو رہی تھی اور بکھری ساڑھی تلے دوسرے لوازمات موجود تھے یا نہیں۔ میں نے جاننے کی کوشش نہیں کی اور ناشتے کی ٹرے قالین پر رکھ کر اسے آواز دی۔

''اٹھ کر ناشتہ کر لو دو منٹ کی دیر کی تو چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

گرم چائے کا سنتے ہی کمبل سے اس کا بازو نمودار ہوا۔ شانے تک اس پر بلاؤز کا کوئی نشان نہیں تھا۔ ''پلیز پہلے چائے دے دو۔''

''بہتر ہوگا خود لے لو اور جامے میں آ جاؤ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے اس پر تمہاری زندگی اور آزادی کا دارومدار ہوگا۔'' میں نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ اس وقت مجھے جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔ میں مرشد کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خلاف حرکت میں آنا چاہتا تھا اور فتح خان ایک بار پھر راہ کا روڑا بن کر آ گیا تھا۔ شہلا میرے پاس بے کار میں تھی کیونکہ اب میں اس سے کچھ اگلوا نہیں سکتا تھا وہ پہلے ہی تعاون کر رہی تھی اور اس میں کوئی چال بھی تھی تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ ایاز، سفیر اور وسیم گولہ بارود والا بکس اندر لا رہے تھے۔ یہ خاصا وزنی تھا اسے تیسرے بیڈ روم میں رکھا گیا تھا۔ اسلحے والا بکس فی الحال عبداللہ کے پاس چھوڑ دیا گیا تھا لیکن ہمارے پاس ہر طرح کا اسلحہ اور ایمونیشن وافر مقدار میں موجود تھا اور ضرورت پڑنے پر ہم کسی فوج کا بھی مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ کام نمٹانے کے بعد میں نے ان کو اپنا خیال بتایا۔

''میں شہلا سے بات کرنے جا رہا ہوں اس کے پاس لاکر تک رسائی کا کوئی ایسا پلان ہے جس میں شاید زبردستی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''کیا فتح خان کو اس پلان کا علم نہیں ہوگا؟'' وسیم نے پوچھا۔

''شہلا کا کہنا ہے کہ اس نے فتح خان کو اس بارے میں مس گائیڈ کیا ہے۔''

''اور وہ ہو گیا؟'' سفیر نے طنز کیا۔ ''میرا تو خیال ہے کہ وہ ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔''

''ابھی اس سے سب انٹرویو کریں گے تو حقیقت سامنے آ جائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''تم لوگ اس سے جارحانہ رویہ رکھو گے اور میں نرمی سے بات کروں گا۔''

سفیر نے برا سا منہ بنایا۔ ''یعنی تم ہمیں ولن بنا کر خود ہیرو بن جاؤ گے؟''

میں بھنا گیا۔ ''تو جب کہہ رہا تھا کہ اس سے بات کرو تو اس وقت کیوں نہیں گئے تھے؟''

''بس بعض اوقات عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔''

''شادی کے بعد عقل کو ایسی ہی ہری ہری سوجھتی ہے۔'' وسیم نے جملہ کسا تو سفیر نے اسے گھورا۔

''جناب بھول رہے ہیں آپ بھی شادی شدہ ہیں۔''

''نکاح شدہ۔'' وسیم نے سرد آہ بھر کر تصحیح کی۔

''میرا خیال ہے تم دونوں رہنے دو میں اور ایاز جاتے ہیں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ایاز تمہیں خواتین کو ڈرانے دھمکانے کا کوئی تجربہ ہے؟''

''بالکل بھی نہیں جناب۔'' اس نے کہا۔ ''میں کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''تم بھی بیٹھو یار لگتا ہے اس کام کے لیے مجھے فتح خان کے کسی آدمی کی خدمات حاصل کرنا پڑے گی۔''

میں شہلا کے کمرے میں آیا تو وہ ناشتہ کر چکی تھی اور ساڑھی بھی پہن لی تھی۔ اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔ ''مجھے رات کو کپڑے اتار کر سونے کی عادت ہے۔''

''یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''بہر حال یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے اب ذرا کام کی بات ہو جائے۔''

اس نے ہاتھ سے اپنے شولڈر کٹ ریشمی بال سنوارے۔ ''کہو میں سن رہی ہوں۔''

''تم نے لاکر تک رسائی کا کیا پلان بنایا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے کہا نا میں تمہیں اس وقت بتاؤں گی جب تم فتح خان سے وہ تصویریں مجھے واپس دلا دو گے۔''

''فتح خان میری پہنچ سے باہر ہے۔''

''تب میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''شہلا..... میرا اصل نشانہ مرشد ہے اور میں اس کے لیے بہت سنجیدہ ہو چکا ہوں لیکن تم اور فتح خان بار بار میرے راستے میں آجاتے ہو۔''

''میں نے کبھی تمہارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی۔''

''تم اس لاکر کے چکر میں ہو جس میں میرا بریف کیس موجود ہے۔''

''اسی لاکر میں میری تصویروں کے نیگیٹو بھی ہیں۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''ہاں تم فتح خان کے بارے میں کہہ سکتے ہو کہ وہ مستقل تمہاری راہ میں روڑے اٹکا رہا ہے۔''

''اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو یہ معاملہ ختم ہو سکتا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ فتح خان سے تمہاری تصویریں واپس دلانے کی پوری کوشش کروں گا۔ حالانکہ اب فتح خان مجھ سے دشمنی ختم کرنے پر بھی آمادہ ہے۔ ایک بار قبضے میں آنے کے باوجود اس نے مجھے چھوڑ دیا۔''

''یہ اس کی چالاکی ہے وہ تمہارے تمام ساتھیوں تک رسائی چاہتا ہے میں نے خود سنا ہے وہ تمہاری ساتھی عورتیں قبضے میں لینا چاہتا ہے تاکہ تم سے اپنی بات منوا سکے۔''

میں جانتا تھا وہ درست کہہ رہی تھی لیکن میں نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ ''تم فتح خان کو چھوڑو اپنی بات کرو۔''

''میں کیا بات کروں؟''

''تم مجھے بینک لاکر تک رسائی کا پلان بتاؤ۔''

''تاکہ تم لاکر خالی کر دو اور میرے ہاتھ کچھ نہ آئے؟'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ''کیا صورت سے میں تم کو اتنی احمق نظر آتی ہوں؟''

''نہیں تمہاری چالاکی اور مکاری میں مجھے کبھی شبہ نہیں رہا ہے۔ اگر تم نے ایک اچھا پلان بنا لیا ہے تو مجھے بتا دینے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا کیونکہ اس پر عمل درآمد کے لیے تمہارا سامنے ہونا ضروری ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں تم نے ٹھیک کہا۔'' اس نے سر ہلایا۔

''اس لیے تم اگر مجھے مطمئن کرنے کے لیے اپنا پلان بتا بھی دو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''تم اسی انداز میں کام کر کے خود کامیابی حاصل کر سکتے ہو۔''

''جب مجھے ایک تیار پلان مل رہا ہے تو میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اس پر عمل کیوں نہیں کروں گا۔''

''سچی بات ہے مجھے تم پر یا کسی پر اعتماد نہیں ہے۔'' اس نے صاف گوئی

''حالانکہ اعتماد تو مجھے نہیں ہونا چاہیے کیونکہ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بہر حال یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماضی کی بات ہو چکی ہے اب مجھے ہر صورت اس معاملے کو حل کرنا ہے اور اگر تم فتح خان سے چھٹکارا حاصل کرنے میں میری مدد چاہتی ہو تو تمہیں مجھ سے تعاون کرنا ہوگا۔ ورنہ میں مجبور ہو جاؤں گا۔''

''کس بات پر مجبور ہو جاؤ گے؟''

''تمہیں فتح خان کے حوالے کرنے پر۔''

وہ چونکی۔ ''تم مجھے اس کے حوالے کر دو گے؟''

''مجبوری ہے میں یہاں رکھ کر تمہارا اچار ڈالنے سے تو رہا۔ میرے ساتھیوں کی ایک تجویز اور بھی ہے۔''

''وہ کیا؟''

''یہی کہ تمہیں گولی مار کر اسی جگہ دفن کر دیا جائے۔ لاکر والا کام ہم خود بھی کر سکتے ہیں۔''

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''تم مذاق کر رہے ہو تم لوگ اتنے بے رحم نہیں ہو سکتے ہو؟''

''یہ تمہارا خیال ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ ''تمہارے پاس سوچنے کے لیے آج کا دن ہے۔''

میں باہر آیا ایاز کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

''کچھ سامان لانا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''ٹھیک ہے مجھے عبداللہ کی کوٹھی کے پاس اتار دینا۔''

''وہاں کیوں جا رہے ہو؟'' سفیر نے پوچھا۔

''فتح خان کے آدمی سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''شہلا تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہے میں نے اسے آج تک سوچنے کی مہلت دی ہے۔ آج اسے کھانے پینے کو کچھ مت دینا اور اگر شور کرے تو باندھ کر ڈال دینا۔''

ایاز کی جیپ سے سارا سامان اتار دیا گیا تھا۔ ہم روانہ ہوئے تو میں نے اس سے راستے میں پوچھا۔

''بائیک کی دوسری نمبر پلیٹس کہاں ہیں؟''

''بائیک کے اوزاروں والے خانے میں..... دوسری گاڑیوں کی نمبر پلیٹس بھی ان میں موجود ہیں۔ کسی وقت بھی تبدیل کی جا سکتی ہیں۔''

ایاز نے مجھے ایک ایسی جگہ اتار دیا جہاں سے میں عبداللہ کی کوٹھی تک جانے کے لیے ٹیکسی لے سکتا تھا لیکن وہاں جانے سے پہلے میں نے ایک سیلون سے اپنے بے ہنگم ہو جانے والے بال بنوانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے باربر سے کہا کہ وہ سر پر موٹی مشین پھیر دے۔ پھر میں نے بڑھی شیو پر بھی مشین پھروالی۔ باربر نے استرے سے قلموں کے آس پاس کے بالوں کو ایک مخصوص شکل دی اور جب میں نے آئینے میں دیکھا تو خود کو خاصا مختلف پایا تھا۔ میرے دشمن جس سرگرمی سے میری تلاش میں تھے تو ضروری ہو گیا تھا کہ میں بار بار حلیہ بدلتا رہوں۔ ٹیکسی کر کے میں عبداللہ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ پہنچنے سے پہلے موبائل پر اطلاع کر دی تھی کہ میں آ رہا ہوں۔

مونا اور سعدیہ کو بھی پتا چل گیا تھا اور وہ باہر لان میں میری منتظر تھیں اور بیتو ابھی سو رہا تھا۔ وہ میرا حلیہ دیکھ کر محظوظ ہوئی تھیں۔ کچھ دیر ان کے ساتھ گپ شپ کر کے میں اندر عبداللہ کے پاس آیا۔ ''زخمی نوجوان کیسا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زخم تو ٹھیک ہے لیکن کچھ دوسری ٹریٹ منٹ کی ہے۔'' عبداللہ مسکرایا۔''اس نے زبان کھولی ہے۔ اپنا نام حماد بتاتا ہے اور اس کا تعلق فتح خان کے علاقے سے ہے۔ یہاں مجرمانہ سرگرمیوں میں اس کا ساتھ دے رہا ہے۔''

''آؤ ذرا اس سے ملاقات کرتے ہیں۔'' میں نے کہا اور ہم کچن والے راستے سے اتر کر تہہ خانے میں آئے جہاں حماد پنجرے میں قید نہیں تھا بلکہ عبداللہ نے اسے ایک طرف دیوار کے ساتھ دونوں ہاتھ فولادی زنجیروں میں جکڑ کر یوں کھڑا کیا ہوا تھا کہ جب وہ تھک جاتا تو ہاتھوں کے بل جھول جاتا اور جب ہاتھوں پر ناقابلِ برداشت دباؤ آتا تو مجبوراً کھڑا ہو جاتا۔ خاص طور سے زخم والے ہاتھ پر۔ اس کی کلائیوں سے کھال چھل گئی تھی اور وہ کھڑا ہوا جھول رہا تھا۔ عبداللہ کو دیکھتے ہی وہ بلبلایا تھا۔

''خدا کے لیے ہم کو کھول دو۔''

''بکومت۔'' عبداللہ نے غرا کر کہا۔''کیا تم خدا کے لیے یہ سب کرتے ہو۔''

میں اس کے پاس آیا اور اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔''اگر تم شرافت سے کچھ سوالوں کے جواب دو تو تم کو کھولا جا سکتا ہے۔''

''پوچھو ہم کو جو معلوم ہے وہ بتائے گا۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔''پانی ملے گا۔''

ایسا لگ رہا تھا جیسے عبداللہ نے اس کا کھانا پانی بھی بند کر رکھا تھا۔ یہ بہت مؤثر حربہ ہوتا ہے۔ بھوک اور پیاس آدمی کی مزاحمت کو بہت جلد ختم کر دیتی ہیں۔ میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔''فتح خان کہاں ہے؟''

''ہم کو نہیں معلوم..... ہم کہیں اور رہتا ہے جب ہم سے کام ہو تو ہم کو بلواتا ہے۔''

''کیسے بلواتا ہے؟''

''فون کر کے..... موبائل پر فون کرتا ہے۔''

''تمہارے پاس سے کوئی موبائل فون نہیں نکلا۔''

''جب ہم کسی کام سے جاتا ہے تو موبائل چھوڑ کر جاتا ہے۔''

''تم فتح خان کے لیے کیا کام کرتے ہو؟''

''جو وہ کہتا ہے۔ کسی کو اٹھانا، مارنا پیٹنا اور جو وہ کہے۔''

''اس کوٹھی کے باہر تم کیا کر رہے تھے؟''

''ہم کو کہا تھا کہ ادھر نگرانی کرنا ہے اور جو شاہ نواز کہے وہ کرنا ہے۔''

''شاہ نواز کون ہے؟''

''وہ فتح خان کا قریبی آدمی ہے آگے والی سڑک پر گاڑی میں بیٹھا تھا۔''

میں نے مایوسی سے سر ہلایا۔''تم نے ہمیں کوئی کام کی بات نہیں بتائی ہے اس لیے نہ تو تمہیں کھولا جائے گا اور نہ کھانا پانی ملے گا۔ تم یہیں کھڑے رہو گے اور اسی طرح مر جاؤ گے۔''

میں اور عبداللہ جانے کے لیے مڑے تو اس نے چلا کر کہا۔''رکو..... میں ایک چیز بتا سکتا ہوں مجھے فتح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان کا موبائل نمبر یاد ہے۔''

عبداللہ نے موبائل نکالا اور کہا۔ ''بتاؤ۔''

اس نے نمبر بتایا جو عبداللہ نے اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے ابھی تمہیں کھول دیا جائے گا اور پانی بھی مل جائے گا لیکن اگر یہ نمبر غلط نکلا تو.....''

''یہ اسی کا نمبر ہے مجھے اسی نمبر سے کال آتا ہے۔''

میں اور عبداللہ باہر آئے۔ اپنے آدمیوں کو حماد کے بارے میں ہدایات دے کر عبداللہ میرے ساتھ کنٹرول روم میں آیا جہاں منیر بیٹھا مانیٹرز کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''کیسے ہیں شہباز صاحب؟''

''فائن تم سناؤ۔''

''ٹھیک ہوں کوئی خدمت سر؟''

''یار کافی لے آؤ۔'' عبداللہ نے کہا تو وہ چلا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ عبداللہ کچھ فکر مند تھا اور بہ ظاہر معمول پر رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ہمارے جانے کے بعد کوئی اہم بات سامنے آئی؟''

''نہیں ہر چیز معمول پر رہی ہے جناب۔'' اس نے کہا۔ ''آج میں نے بیتو کے آئی ڈی کارڈ کے لیے بات کر لی ہے۔ امید ہے آنے والے دس پندرہ دن میں بن جائے گا۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے؟''

عبداللہ چونکا۔ ''آپ کو کیسے پتا چلا کہ کوئی مسئلہ ہے۔''

''یار آدمی اتنے عرصے دشمن کے ساتھ رہے تو اسے بھی جان جاتا ہے تم تو دوست اور ساتھی ہو۔''

اس نے اعتراف کرنے کے انداز میں سر ہلایا۔ ''مجھے کچھ پریشانی ہے کل بیگ صاحب کا فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے راجا صاحب کے محل تک آنے کا بندوبست کیا جائے۔''

میں چونکا۔ ''مجھ سے پوچھے بغیر؟''

''میں نے بھی یہی کہا تھا لیکن بیگ صاحب نے حکم دیا ہے کہ میں انتظام کروں آپ سے راجا صاحب خود بات کر لیں گے۔''

''تو تو تم نے انتظام کر لیا ہے؟''

''ملازم آدمی کو حکم تو ماننا پڑتا ہے۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''وہی بیلی کاپٹر ہائر کیا ہے جو حکیم صاحب کو لے کر گیا تھا۔''

''اب راجا صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟''

''میرا خیال ہے بہتر ہے حکیم صاحب نے ان کا علاج شروع کر دیا ہوگا۔ پہلے میں ان حکیموں کا قائل نہیں تھا لیکن پہلے آپ کا ہاتھ اور پھر عتیق کو جس طرح موت کے منہ سے واپس کھینچ لیا اس سے میں قائل ہو گیا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سوچ میں پڑ گیا راجا عمر دراز مجھ سے کیا چاہتا تھا۔ اس وقت میں یہاں کئی معاملات میں پھنسا ہوا تھا۔ ابھی مجھے مرشد سے پہلے فتح خان اور پھر شہلا والے معاملے سے بھی نمٹنا تھا۔ لاکر سے برنیف کیس حاصل کرنا تھا میں یہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ مگر دوسری طرف راجا عمر دراز کو صاف جواب دینا بھی میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ آخر میں نے گہری سانس لی۔

''عبداللہ راجا صاحب سے کال ملاؤ۔''

اس نے انٹرنیٹ سے منسلک سیٹلائیٹ فون اٹھایا اور راجا عمر دراز کے محل کال کرنے لگا۔ کال ظاہر ہے بیگ نے ریسیو کی تھی۔ عبداللہ نے کہا۔ ''شہباز صاحب یہاں موجود ہیں راجا صاحب سے بات کرنا چاہیں گے۔''

دوسری طرف سے سن کر عبداللہ نے کال کاٹ دی اور میری طرف دیکھا۔ ''راجا صاحب دس منٹ بعد ملیں گے۔''

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''عبداللہ کیا بات ہے کیا بیگ صاحب نے ہمارے بارے میں اور کچھ بھی کہا ہے؟''

''نہیں جناب۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''لیکن مجھے آپ سے یہ کہنا بھی عجیب لگ رہا ہے۔''

''تم فکر مت کرو۔ راجا صاحب میرے محسن بھی ہیں ان کی پشت پناہی ہمیشہ میرے کام آئی ہے۔ میرا ہاتھ ان کی وجہ سے بچا اور سب سے بڑھ عتیق کی جان بچ گئی۔ عبداللہ میں احسان فراموش انسان نہیں ہوں اور یہ سب نہ ہوتا تب بھی راجا صاحب میں کچھ ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اس لیے تم اس بات کو بالکل بھی دل پر مت لو۔ میں راجا صاحب کی بات سن سکتا ہوں لیکن مجھے کیا کرنا ہے اس کا فیصلہ میں اپنے حالات دیکھ کر ہی کروں گا۔''

عبداللہ نے گویا سکون کا سانس لیا۔ ''یہی میں بھی چاہتا ہوں آپ جو چاہیں وہی کریں۔''

دس منٹ بعد فون کی بیل بجی اور عبداللہ نے کال ریسیو کی اور پھر ریسیور میری طرف بڑھا دیا دوسری طرف راجا عمر دراز تھا میرے سلام کا جواب دے کر اس نے شفقت بھرے انداز میں کہا۔ ''شہباز میرے بیٹے کیسے ہو؟''

اس سے پہلے راجا عمر دراز نے کبھی مجھ سے اس انداز میں بات نہیں کی تھی۔ ''اللہ کا شکر ہے راجا صاحب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''اب بہتر ہے۔ شہباز میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''راجا صاحب میں یہاں کچھ اہم معاملات میں الجھا ہوا ہوں ان سے فارغ ہوتے ہی آپ کے پاس حاضری دیتا ہوں۔''

''نہیں بیٹے میں تم سے ابھی ملنا چاہتا ہوں۔ یہ بہت ضروری ہے۔''

میں نے کچھ دیر سوچا اور پھر ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''راجا صاحب آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کن حالات سے گزر رہا ہوں۔ دشمن مجھے ایک لمحے کو سانس لینے کی مہلت دینے کے لیے تیار نہیں ہے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے ساتھیوں اور پیاروں کے درپے ہے۔اس کے باوجود اگر آپ حکم دیتے ہیں تو میں ابھی آنے کے لیے تیار ہوں۔"

"بیٹے یہ راجا عمر دراز کا حکم نہیں ایک بوڑھے باپ کی التجا ہے جب وہ کمزور ہوتا ہے تو اسے اپنے بیٹے کے بازوؤں کی ضرورت ہوتی ہے تو یوں سمجھ لو کہ مجھے تمہارے مضبوط بازوؤں کی ضرورت ہے۔"

"اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔" وہ خوش ہو گیا۔"میں چاہتا ہوں تم جلد از جلد آجاؤ میں تم سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں اب یہ عبداللہ پر ہے کہ مجھے کب روانہ کرتا ہے۔"

"اس نے انتظامات کر لیے ہیں۔" راجا عمر دراز نے کہا۔"اگر تم ابھی آسکتے ہو تو آجاؤ ورنہ کل آجاؤ۔"

"یہ تو آپ کو عبداللہ بتا سکتا ہے۔" میں نے کہا اور فون اس کی طرف بڑھا اس نے فون لے کر کہا راجا عمر دراز سے بات کی اور پھر فون رکھ کر میری طرف متوجہ ہوا۔

"ابھی دن ہے اور بہ ظاہر موسم بھی صاف ہے۔آپ اگلے دو گھنٹے میں راجا صاحب کے پاس موجود ہوں گے۔آپ کو لے جانے والا ہیلی کاپٹر وہیں رہے گا اور صبح آپ کو واپس لا سکتا ہے۔"

"تب میں ابھی جانا پسند کروں گا۔" میں نے کہا۔

یہ سنتے ہی عبداللہ نے موبائل اٹھا کر پائلٹ سے رابطہ کیا۔"میں عبداللہ بات کر رہا ہوں اس وقت پرواز کے لیے حالات کیسے ہیں..... ہاں روٹ اور منزل وہی ہے..... ٹھیک ہے۔" اس نے کال کاٹ کر مجھ سے کہا۔

"وہ ابھی دس منٹ میں کنفرم کر دے گا۔"

میں نے اس سے فتح خان کا مبینہ نمبر مانگا اور اسے اپنے موبائل سے ملایا۔اجنبی نمبر دیکھ کر اس نے کال کاٹ دی تو میں دوبارہ نمبر ملایا۔اس بار اس نے کال ریسیو کر لی۔"کون بول رہا ہے؟"

"وہ جس کے پیچھے تم بلاوجہ پڑے ہو۔"

"شہباز خان۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔"تمہیں میرا نمبر حماد نے دیا ہوگا۔"

"تم نے ٹھیک جانا..... اس نے صرف نمبر ہی نہیں اور بھی بہت کچھ بتایا ہے اور وہ سب ہم نے ریکارڈ کر لیا ہے۔"

"شوق سے ریکارڈ کر لو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔"

"نہیں فتح خان فرق تو پڑے گا اگر میں نے ریکارڈ شدہ باتوں کے ساتھ تمہارے آدمی کو مرشد کے حوالے کر دیا تو۔"

اس بار وہ چپ ہو گیا تھا پھر اس نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔"تم کیا چاہتا ہے؟"

"میں چاہتا ہوں تم میرے ساتھیوں سے دور رہو اور اپنے معاملات جس طرح چاہے نمٹاتے رہو اب تمہاری طرف سے کسی کارروائی کا مطلب کھلی دشمنی ہوگا۔"

"شہباز خان میں نے تم سے صرف مدد مانگی تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم اگر کہتے کہ میں تمہارے ساتھ چل کر اس وادی میں ہیرے تلاش کروں تو خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ چلتا اگر فوری نہیں تو اپنے معاملات نمٹا کر ضرور چلتا لیکن تم نے مجھ سے جو چاہا تھا وہ میں کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ فتح خان عورتوں کے سہارے آگے بڑھنے سے بہتر ہے آدمی واپس چلا جائے۔ یہ ناممکن ہے۔''

''ٹھیک ہے میں اب تمہارے کسی آدمی کو نہیں چھیڑے گا تم حماد کو چھوڑ دو۔''

''وہ میرے پاس بالکل ٹھیک ہے اور میں اسے چھوڑنے کے لیے تیار ہوں اگر تم شہلا کی تصاویر میرے حوالے کر دو تمہارے پاس کل شام تک کی مہلت ہے اس کے بعد میں حماد کو اس کی گفتگو کی ریکارڈنگ سمیت مرشد کے حوالے کر دوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

عبداللہ کچھ پریشان لگ رہا تھا۔ ''جناب یہ آپ کا مستقل نمبر ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔

''تب بہتر ہوگا آپ اسے دوبارہ استعمال نہ کریں بلکہ سم بدل لیں۔ آپ بھول رہے ہیں کچھ عرصے پہلے ڈیوڈ شانے آپ لوگوں کو موبائل فون کی مدد سے ٹریس کیا تھا اور اس وقت فتح خان اس کے ساتھ تھا تو ممکن ہے وہ ڈیوائس اب بھی اس کے پاس ہو۔''

عبداللہ کی بات قابلِ غور تھی۔ میں نے فوری سم تبدیل کر لی اور یہ کرنے کے بعد سفیر، وسیم اور ایاز کے نمبروں پر باری باری مس کال بھی دے دی۔ یہ طے تھا کہ کوئی اگر کسی وجہ سے سم تبدیل کرے گا تو وہ تبدیل کی جانے والی سم سے سب کو مس کال دے گا۔ ساری سموں کی نمبرز سب کے موبائلز میں محفوظ تھے۔ اس دوران میں پائلٹ عبداللہ کواوکے کی رپورٹ دے چکا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''جناب ہمارے پاس تین گھنٹے ہیں شمالی علاقے میں موسم صاف ہے۔''

میں سوچ رہا تھا کہ میں نے راجا کی بات ماننے میں کچھ زیادہ ہی جلدی کی تھی مجھے سفیر اور وسیم سے پوچھنا چاہیے تھا۔ میں نے عبداللہ کو رکنے کو کہا اور وسیم کا نمبر ملایا۔ اسے راجا سے ملاقات کے بارے میں بتایا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اگر میں ابھی جا کر کل واپس آجاؤں تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''آنے والے وقت کے بارے میں تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن میرا خیال ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا یہاں کے معاملات دیکھنے کے لیے ہم ہیں۔''

میں نے سفیر سے بھی بات کی اور اس نے بھی مخالفت نہیں کی تھی۔ کچھ عرصے سے اکیلے رہ رہ کر مجھے خود فیصلے کرنے کی عادت پڑ گئی تھی اور اسی وجہ سے میں بے اختیار بھی فیصلہ کر جاتا تھا حالانکہ اب میں ساتھیوں کے ہمراہ تھا اور کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے مجھے ان کو اعتماد میں لینا چاہیے۔ شکر ہے مجھے بروقت خیال آگیا۔ فون بند کر کے میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''میں تیار ہوں۔''

''بس تو ہم نکلتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن بہتر ہوگا آپ مزید کوئی گرم چیز اور دستانے لے لیں۔ وہاں سردی بہت زیادہ ہے اور درجہ حرارت منفی میں چل رہا ہے۔''

عبداللہ کے پاس ایک ہائی آلٹی چیوڈ جیکٹ، جوتے اور دستانے تھے۔ وہ اس نے مجھے دیئے۔ میں تیار ہو کر مونا اور سعدیہ کے پاس آیا۔ وہ اپنے کمرے میں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''باتیں۔'' مونا نے منہ بسور کر کہا۔ ''اور کیا ہے یہاں کرنے کو؟''

''کرنے کو تم بہت کچھ کر سکتی ہے یوں سمجھ لو یہ کوٹھی تمہارے ہینڈ اوور ہے اگر تم اس کا فرنیچر اور آرائش بدلنے کا کہو گی تو یہ بھی ہو جائے گا۔''

سعدیہ نے میرے لباس سے بھانپ لیا تھا اس نے کہا۔ ''شوبی بھائی آپ کہیں جا رہے ہیں؟''

''ہاں راجا عمر دراز سے ملنے اس کے محل جا رہا ہوں۔''

مونا پریشان ہو گئی تھی۔ ''وہ تو بہت دور ہے اور راستے بھی اس موسم میں خراب ہو جاتے ہیں۔''

''میں بائی ایئر جا رہا ہوں۔ ہیلی کاپٹر چارٹرڈ کرایا ہے اور وہ مجھے کل صبح واپس بھی لے آئے گا۔'' میں نے کہا لیکن مونا کی فکر کم نہیں ہوئی۔

''اس موسم میں ہیلی کاپٹر کی پرواز ٹھیک نہیں ہوتی ہے۔''

''اب تو جدید ہیلی کاپٹر آ گئے ہیں جو ہر موسم میں پرواز کر سکتے ہیں اسی ہیلی کاپٹر سے حکیم قادس آیا اور گیا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''تب ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے؟'' مونا نے مطالبہ کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے انکار کر دیا۔ ''میں بھی صرف ایک رات وہاں رکوں گا اور کل مجھے واپس آ جانا ہے دوسرے وقت بالکل نہیں ہے مجھے سورج غروب ہونے سے پہلے راجا عمر دراز کے محل میں پہنچنا ہے۔''

''راجا بہت متاثر کن شخصیت کا مالک ہے۔'' سعدیہ نے کہا تو میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''اتنی گاڑھی اردو.....''

وہ شرما کر ہنسی۔ ''میں نے کوشش کر کے سیکھی ہے اب مونا سے لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ رہی ہوں۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔ اوکے گرلز اجازت ہے۔''

وہ مجھے باہر تک چھوڑنے آئی تھیں۔ عبداللہ ایک سیاہ شیشوں والی چھوٹے سائز کی جیپ میں منتظر تھا اس نے دو مسلح گارڈز بھی لے لیے تھے وہ پچھلے حصے میں بیٹھے تھے۔ میں نے راستے میں ایاز سے رابطہ کیا۔ اسے اپنی واپسی کے بارے میں بتایا اور کہا۔ ''تم کسی کے ساتھ جا کر سفاری لے آؤ لیکن پوری ہوشیاری سے جانا ممکن ہے وہ جیپ میں کوئی ٹریپ لگا گئے ہوں۔''

''آپ بے فکر رہیں میں عبداللہ صاحب سے چیک کرنے والے آلات لے جاؤں گا۔''

میں نے عبداللہ کو کوٹھی میں کھڑی جیپ کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا۔ ''میں ایاز کو روک لیتا ہوں آپ کو چھوڑ کر میں خود جاؤں گا میرے پاس چیک کرنے والے آلات بھی ہیں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''

دوپہر کا وقت ہو گیا تھا اور ایک بج رہا تھا۔ سردیوں کی وجہ سے دن چھوٹے ہوتے ہیں پائلٹ نے آنے اور جانے کے وقت کا حساب کر کے کہا تھا تاکہ اگر راستے میں کہیں خراب موسم سے واسطہ پڑے تو ہم دن کی روشنی میں واپس آ سکیں۔ پائلٹ اپنے ہیلی کاپٹر کے ساتھ تیار تھا یہ کسی قدر بھاری جسم کا اور ادھیڑ عمر شخص تھا۔ یقیناً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے پاس فلائنگ کا تجربہ تھا اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''مجھے کیپٹن فراز کہتے ہیں سر۔''

''شہباز ملک۔'' میں نے کہا۔ ''تم پرواز کے لیے تیار ہو؟''

''بالکل جناب۔'' اس نے کہا۔ ''ہمیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگے گا۔''

عبداللہ سے ہاتھ ملا کر میں ہیلی کاپٹر میں سوار ہوا۔ فراز نے ایک ہیڈ فون میری طرف بڑھا دیا۔ ''یہ پہن لیں کیونکہ انجن کا شور دماغ خراب کر دیتا ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہیلی کاپٹر اتنا شور کیوں کرتا ہے؟''

''اس کا انجن باڈی کے اندر ہوتا ہے سر۔'' اس نے بتایا اور بٹنوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ ''اس لیے کتنی ہی کوشش کر لی جائے اندر شور ضرور ہوتا ہے۔''

اس نے اسٹارٹر دبایا تو پنکھے گردش میں آ گئے تھے۔ میں نے عبداللہ کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ اس نے جوابی ہاتھ ہلایا اور اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا جو کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ پنکھوں کی گردش میں تیزی آئی تھی۔ پھر ایک ہلکے سے دھچکے سے ہیلی کاپٹر اوپر اٹھ گیا تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم خاصی بلندی پر تھے۔ کیپٹن فراز ریڈیو پر ائیر ٹریفک کنٹرولر کو اپنی منزل کے بارے میں بتا رہا تھا اور ان سے ہدایات لے رہا تھا۔ میں بھی سن رہا تھا لیکن یہ تکنیکی گفتگو میرے سر پر سے گزر رہی تھی۔ اپنا کام کر کے فراز نے مائیک بند کر دیا اور مجھ سے کہا۔

''سر میں نے لنچ لے لیا تھا اگر آپ کو بھوک لگے تو پیچھے بکس میں سب کچھ موجود ہے۔''

مجھے بھوک لگ رہی تھی لیکن اتنی خاص نہیں تھی۔ ''شکریہ کیپٹن فی الحال ضرورت نہیں ہے۔''

''تب آپ کافی لے لیں۔''

بکس میں ایک چھوٹے تھرمس میں کافی اور ساتھ میں کاغذی کپ بھی تھے۔ میں نے اپنے اور فراز کے لیے کافی نکالی۔ اس وقت ہم مارگلہ عبور کر کے آگے بڑھ رہے تھے۔ دور مری کی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں اور ان سے پرے شاید ایبٹ آباد کی پہاڑیاں تھیں۔ شمال کی پُر پیچ پہاڑیوں میں ہیلی کاپٹر کی سیدھی پرواز ممکن نہیں تھی اس لیے ہم پہاڑوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے گزر رہے تھے یہاں بلندی پر موسم کسی وقت بھی خراب ہو سکتا تھا اس لیے پہاڑوں کے درمیان پرواز محفوظ تھی لیکن اس وجہ سے سفر طویل ہو جاتا ہے۔ جو فاصلہ ہیلی کاپٹر ایک گھنٹے میں طے کر سکتا تھا اسے طے کرنے میں ڈیڑھ گھنٹہ لگ جاتا۔ اب کشمیر کی برف پوش چوٹیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

''سر ایک گھنٹے کے سفر کے بعد آپ کو نانگا پربت کی جھلک نظر آئے گی لیکن ہم اس سے بہت دور سے گزریں گے۔''

''میں نے اس چوٹی کو پاس سے دیکھا ہے اور اس کے راک فیس پر ہائی کنگ بھی کی ہے لیکن بس چودہ ہزار فٹ تک گیا تھا۔''

''اوہ آپ ہائکر بھی ہیں۔'' اس نے جوش سے کہا۔

''میں کچھ عرصے پہلے تک اپنی ٹورزم فرم چلاتا رہا ہوں جو زیادہ تر شمالی علاقے کے لیے ٹور پیکج تیار کرتی تھی۔''

کیپٹن فراز خوش ہو گیا تھا کیونکہ میں اس کا ہم پیشہ نکل آیا تھا۔ وہ بھی سیاحوں کو لے کر شمالی علاقے جاتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ وہ بتانے لگا کہ اب تک کہاں کہاں گیا تھا۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد بہت دور نانگا پربت کی ایک جھلک دکھائی دی۔ اگر پاکستان کے شمال میں ایک بھی چوٹی نہ ہوتی سوائے نانگا پربت کے تب بھی ہم اس پر فخر کر سکتے تھے۔ کہنے کو یہ دنیا کی نویں بلند ترین چوٹی ہے لیکن جب کسی کوہ پیما سے پوچھا جائے تو وہ نانگا پربت کو سب سے بلند اور سب سے مشکل چوٹی قرار دیتا ہے۔ کم سے کم ایک درجن مشہور ترین کوہ پیما اس کی برف میں دفن ہیں۔ جیسے ہی نانگا پربت نظروں سے اوجھل ہوئی کیپٹن فراز نے کہا۔

''ہم منزل پر پہنچنے والے ہیں سر۔''

میں نے نیچے دیکھا اور اس وادی کو پہچان لیا جہاں میں برسوں پہلے آیا تھا اور اس کے ایل کی طرح گھومتے دوسرے سرے پر راجا عمر دراز کا محل تھا۔ اب ہیلی کاپٹر اس کی پہاڑیوں سے لگ کر اُڑ رہا تھا۔ کیپٹن فراز یہاں سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا کیونکہ وہ دوبار پہلے بھی آیا تھا اس لیے اسے کوئی مشکل نہیں ہوئی۔ چند منٹ بعد ہم راجا عمر دراز کے محل کے ہیلی پیڈ کے اوپر تھے۔ نیچے سیکرٹری بیگ خود استقبال کے لیے موجود تھا اور اس نے ہاتھ سے لینڈ کرنے کا اشارہ کیا۔ جب ہیلی کاپٹر نیچے آیا تو اس کے پنکھوں کی ہوا سے بیگ کا لبادہ پھڑ پھڑانے لگا تھا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور یہ اچھا ہی ہوا ورنہ ہوا کا بے پناہ زور اس کے ہلکے پھلکے جسم کو اٹھا کر پھینک بھی سکتا تھا۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹر زمین سے لگا میں نیچے اتر آیا۔ یہاں بے پناہ سردی تھی اور محل میں ہر چیز برف سے ڈھکی ہوئی تھی شاید چوبیس گھنٹے پہلے ہی برف باری ہوئی تھی۔

''کیا حال ہیں بیگ صاحب۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ حسبِ معمول سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''آیئے میرے ساتھ۔''

''پائلٹ بھی یہیں رکے گا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''مجھے معلوم ہے آپ اس کی فکر نہ کریں۔'' اس نے جواب دیا تو مجبوراً میں اس کے ساتھ اندر آ گیا۔ باہر بے پناہ سردی تھی لیکن اندر موسم کسی قدر بہتر تھا۔ میں نے راستے میں راجا عمر دراز کی طبیعت کی خرابی کے بارے میں پوچھا تو وہ ہمیشہ کی طرح ٹال گیا۔ وہ مجھے مہمان خانے میں لایا تھا۔ ''ابھی راجا صاحب قیلولہ کر رہے ہیں وہ شام کو آپ سے ملاقات کریں گے۔''

میں پہلے سے ذہنی طور پر تیار ہو کر آیا تھا اس لیے مجھے غصہ نہیں آیا تھا۔ بیگ کا راجا عمر دراز کے معاملات میں وہی کردار تھا جو بیورو کریسی کا اس ملک کے بارے میں ہے یعنی وہ ہر چیز کو ایک مخصوص نظر سے دیکھتے اور فیصلہ کرتے ہیں۔ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں یہ اپنے اندر کوئی تبدیلی نہیں لاتے ہیں۔ شکر ہے اس نے جانے سے پہلے کھانے کا پوچھ لیا۔

''اگر جلد مل سکے۔''

''تب آپ تازہ دم ہو کر طعام گاہ میں آ جائیں۔''

مجھے جس کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا اس کے ساتھ ایک شاندار واش روم بھی تھا اور اس میں پہاڑی چشموں کی خوشبو لیے گرم پانی آ رہا تھا میں منہ ہاتھ دھو کر سچ مچ تازہ دم ہو گیا اور جب مہمان خانے کے کھانے کے کمرے میں پہنچا تو وہاں کھانا لگایا جا رہا تھا۔ کئی طرح کی ڈشز تھیں اور سب بہترین تھیں اس لیے میں نے سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ انصاف کیا تھا۔ کھانے کے دوران میں مجھے خیال آیا کہ بیگ نے کیا عبداللہ کو اطلاع کر دی ہو گی کہ میں خیر و عافیت سے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ اس کا امکان کم ہی تھا کہ بیگ عبداللہ کو اطلاع کرنے کی زحمت کرے کیونکہ اس کے خیال میں وہ ایک معمولی ملازم ہی تو ہے۔ میں نے خدمت پر موجود خادم سے کہا۔

''بیگ صاحب کو اطلاع دو میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''جی جناب۔'' اس نے ادب سے کہا اور وہاں سے چلا گیا جب میں کھانا ختم کر چکا تھا تب اس کی واپسی ہوئی۔ ''وہ کہہ رہے ہیں آپ کھانا کھا کر میرے پاس آ سکتے ہیں۔''

ہاتھ دھو کر میں اسی خادم کے ساتھ روانہ ہوا میں نے دیکھا کہ اب یہاں زیادہ تر مرد تھے اور عورتیں خال خال نظر آ رہی تھیں شاید گونگی ملازمہ والے واقعے کے بعد راجا عمر دراز نے جوان اور حسین عورتوں کو محل میں خدمت سے فارغ کر دیا تھا۔ فتح خان نے ایک ایسی ہی ملازمہ کے ذریعے مجھے محل سے نکال لیا تھا۔ بیگ اپنے لیے مخصوص حصے میں تھا یہ شاید اس کا دفتر بھی تھا۔ مجھے اس کے پاس ایک چھوٹا لیکن جدید کمپیوٹر دیکھ کر حیرت ہوئی وہ اس پر کچھ کر رہا تھا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔

''شہباز صاحب میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''مجھے اسلام آباد میں عبداللہ سے بات کرنی ہے۔''

''ضرور جناب۔'' اس نے کہا اور میرے ساتھ آنے والے خادم کو اپنی زبان میں کوئی حکم دیا۔ ''آپ اس کے ساتھ چلے جائیں۔''

میں خادم کے ساتھ اسی دفتر کے ایک حصے میں آیا جہاں ویسا ہی کنٹرول روم تھا جیسا کہ میں نے عبداللہ کی کوٹھی میں دیکھا تھا فرق صرف یہ تھا کہ یہاں کوئی ایک درجن مانیٹرز تھے اور ان کے سامنے دو نوجوان بیٹھے نگرانی کر رہے تھے یہ مانیٹر محل کے اندر اور باہر کے مختلف مناظر دکھا رہے تھے یقیناً کیمروں کی تعداد ان مانیٹرز کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی کیونکہ ان پر خود بہ خود دوسرے کیمروں کے مناظر بھی آ رہے تھے۔ خادم نے ایک نوجوان سے کچھ کہا اور وہ چونک کر جلدی سے اٹھا اور اس نے ادب سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

''میں آپ کا کیا خدمت کر سکتا ہوں سر؟'' وہ لہجے سے پڑھا لکھا لگ رہا تھا۔

''مجھے اسلام آباد عبداللہ سے بات کرنی ہے۔''

یہاں بھی سیٹلائیٹ فون کا مکمل سسٹم موجود تھا۔ اگرچہ وہ چاہتے تو انٹرنیٹ کی مدد سے کہیں سستا رابطہ کر سکتے تھے لیکن راز داری کے نکتہ نظر سے انہوں نے نہایت مہنگا سیٹلائیٹ فون لے رکھا تھا۔ نوجوان نے مجھے کال ملا کر دی اور دوسری طرف عبداللہ نے ریسیو کی۔ ''میں شہباز بات کر رہا ہوں۔''

''جی جناب مجھے پتا چل گیا تھا کہ آپ پہنچ گئے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے میں نے بھی بتانے کے لیے فون کیا تھا۔ وہاں سب ٹھیک ہے؟''

''جی جناب ..... میں ایاز کے ساتھ جا کر کوٹھی سے گاڑی لے آیا ہوں۔''

''یہ اچھا کیا۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں خادم کے ساتھ ہی واپس آیا کیونکہ وہ مجھے جن راستوں سے گزار کر لایا تھا وہ مجھے یاد بھی نہیں تھے اگر اکیلا آتا تو شاید بھٹک جاتا۔ اب جب تک راجا عمر دراز کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے طلبی کا پروانہ نہیں آتا میرے پاس سوائے آرام کرنے کے اور کچھ نہیں تھا اس لیے میں لیٹ گیا اور کچھ دیر میں سو بھی گیا تھا۔ میں دو گھنٹے سویا تھا کہ اچانک میری نیند اچاٹ ہوگئی کوئی دروازے پر ہلکی سی لیکن مستقل دستک دے رہا تھا۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔

''آجاؤ۔''

دروازہ کھلا بیگ اندر داخل ہوا اور بولا۔''آپ کو راجا صاحب یاد کر رہے ہیں۔''

''مجھے ایک منٹ دیں۔'' میں نے واش روم کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ منہ پر پانی کے چھپاکے مار کر میں خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگا تھا۔ میں بیگ کے ساتھ روانہ ہوا۔ اب مہمان خانہ باقی محل سے الگ کر دیا گیا تھا اور ہم ایک چھوٹی سی سرنگ سے گزر کر اصل محل میں داخل ہوئے اس کے داخلی دروازے پر ایک مقامی مسلح شخص موجود تھا اور اس نے مجھے غور سے دیکھا تھا لیکن بیگ کے ساتھ کی وجہ سے کچھ کہا نہیں تھا۔ میں نے ذرا آگے نکل کر کہا۔''کیا یہ ہر شخص کو آپ کے ساتھ دیکھ کر اسی طرح جانے کی اجازت دے دیتا ہے؟''

''نہیں میں اسے چند مخصوص اشارے کرتا ہوں جن سے یہ جان لیتا ہے کہ آنے والے شخص پر اچانک قابو پانا ہے، اس کی تلاشی لینی ہے یا اسے بغیر روکے جانے دینا ہے۔''

''یہ اچھا انتظام ہے۔''

چند منٹ بعد ہم راجا عمر دراز کے اس مخصوص کمرے میں تھے جو اس نے غور و فکر کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور اس میں سوائے ایک کرسی کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ شمال کی طرف بڑی سی کھڑکی کھلی رہتی تھی اور راجا عمر دراز آتش دان کے سامنے بیٹھ کر بیک وقت گرم اور سرد ہوا کی لہروں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سوچ بچار کرتا تھا لیکن اس وقت کمرے کی حالت مختلف تھی۔ شمال کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پٹ بند تھے اور ایک کرسی کے بجائے یہاں بیڈ روم کا مکمل فرنیچر تھا۔ راجا عمر دراز ایک بیڈ پر نیم دراز ایک کتاب ہاتھ میں لیے موجود تھا۔ بیگ نے اندر جانے سے پہلے مخصوص انداز میں دستک دی تھی اور جواب میں راجا نے اسے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ خاصا شاہانہ قسم کا ماحول تھا بالکل باادب باملاحظہ قسم کا۔ مجھے دیکھ کر راجا عمر دراز نے کتاب سرہانے رکھ دی اور آہستہ سے سیدھا ہونے لگا لیکن اس سے پہلے وہ کھڑا ہوتا میں نے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔''نہیں آپ لیٹے رہیں۔''

''میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں بیٹے کہ تم میرے کہنے سے چلے آئے۔''

''راجا صاحب مجھے شرمندہ مت کریں آپ دنیا کے ان چند لوگوں میں سے ہیں جو مجھے جب پکاریں میں ضرور آؤں گا۔''

''بیٹھو۔'' راجا عمر دراز نے بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔''تم کیا لینا پسند کرو گے؟''

''کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر آپ اصرار کریں گے تو آپ کے محل کی مخصوص گرین ٹی لے لوں گا۔''

راجا عمر دراز نے بیگ کی طرف دیکھا تو وہ نظر آشنا فوراً کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد راجا میری طرف متوجہ ہوا۔''میں تمہارے بعد واپس آیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی مجھے علم ہے اور میں آتے ہی مختلف چکروں میں اس طرح الجھ گیا کہ آپ کی خیر خیریت بھی نہیں معلوم کر سکا تھا۔''

''تم نے درست فیصلہ کیا تھا۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''میں عمر رسیدہ ہونے کے باوجود جذباتی ہو گیا تھا۔''

''آپ کا اشارہ وادی کی طرف نہ جانے والے فیصلے کی طرف ہے؟''

''ہاں کیونکہ میں جانتا تھا اگر میں تمہارے بغیر گیا تو ناکامی میرا مقدر بنے گی اس کے باوجود مجھے وہاں کی کشش نے کھینچ لیا۔''

''راجا صاحب اگر میں اکیلا ہوتا تو آپ کے ساتھ ضرور جاتا لیکن میں اپنے ساتھیوں کو انڈیا میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ ڈیوڈ شا سمیت بے شمار دشمن وہاں ہمارے تعاقب میں تھے۔''

''میں تمہاری مجبوری سمجھ گیا ہوں اور میں تمہیں اس کے لیے الزام بھی نہیں دے رہا تم نے حالات کے لحاظ سے بالکل درست فیصلہ کیا تھا۔''

''خدا کا شکر ہے میں اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت لانے میں کامیاب رہا۔''

جب تک گرین ٹی آتی میں نے راجا عمر دراز کو اپنے سفر کی مختصر روداد سنائی۔ وہ غور سے سنتا رہا یہ سارے وہ حالات تھے جو اس کے پُراسرار طور پر غائب ہو جانے کے بعد پیش آئے تھے۔ جب میں نے نیپال کے سفر اور چین کی سرحد پر گرفتاری کا ذکر کیا تو وہ چونک گیا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں پھر چینی ہیلی کاپٹر پر انڈیا کی طرف سے میزائل حملہ اور اس کی تباہی کے بعد ہمارا بھارتی کشمیر میں سفر تھا۔ ابھی میں اس سفر کے بارے میں بتا رہا تھا کہ ایک نوعمر اور حسین لڑکی گرین ٹی چاندی کی تھالی میں سجا کر لے آئی۔ گویا اپنے حصے کی حد تک راجا عمر دراز کی حسین ملازماؤں والی پالیسی جاری تھی۔ جب تک اس نے ہمیں گرین ٹی سرو کی میں رکا رہا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بقیہ حصہ سنایا۔

''پاکستان آنے کے بعد تم پر کیا گزری؟''

میں نے اس کو یہاں کے حالات بھی سنائے اور جب ڈاکٹر توفیق کے چنگل میں ڈیوڈ شا کا ذکر آیا تو راجا عمر دراز چونک گیا تھا۔ ''اس نے تم سے بھی رابطہ کیا تھا؟''

اس کی بات پر غور کرتے ہوئے میں نے سوال کیا۔ ''تو کیا اس نے آپ سے بھی رابطہ کیا تھا؟''

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ''ہاں اس نے رابطہ کیا تھا اور مجھے ایک پیش کش بھی کی تھی۔''

''وادی کی طرف ایک مشترکہ مہم لے جانے کی پیش کش؟''

''ہاں کیونکہ تمہارے بغیر وادی میں داخلہ ممکن نہیں ہے اور اس کے خیال میں تم میرے قابو میں ہو اس لیے اس نے مجھے پیش کش کی کہ اگر تم ساتھ ہو تو وہ وادی تک جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا بلکہ اس نے کہا ہے کہ وہ بھارتی حکومت سے تمام ضروری اجازت بھی حاصل کر لے گا۔''

''میرا خیال ہے اس کی ضرورت تو آپ کو بھی نہیں ہے۔''

''ہاں مجھے اس کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے اسے انکار نہیں کیا ہے میں نے اس سے کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ میں اس بارے میں سوچوں گا۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا ہے۔'' میں نے کہا اور اپنی داستان کا بقیہ حصہ سنانے لگا۔ راجا عمر دراز کو یہ سن کر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ جان لیوا اور یقینی موت سمجھے جانے والے ایبولا وائرس نے مجھ پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔

''حکیم قادس نے تم پر جو دوائیں آزمائی ہیں ان کا تعلق صرف تمہارے ہاتھ کی صحت سے نہیں ہے بلکہ ان میں اور بھی خصوصیات ہیں۔''

''میں محسوس کرتا ہوں۔ کتنی ہی شدید چوٹ کیوں نہ ہو میرا زخم حیرت انگیز طور پر بہت جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

''لیکن تم یہ مت سمجھنا کہ یہ صرف دواؤں کی کرامات ہے بلکہ تمہاری اپنی قوت مدافعت بھی بہت مضبوط ہے۔ حکیم قادس کا کہنا ہے کہ تمہارا ہاتھ تقریباً مردہ ہو چکا تھا اور وہ بھی شاید اسے بچا نہیں سکتا تھا لیکن دوران علاج تم نے اپنی قوت ارادی کو پوری طرح استعمال کیا اور اپنا ہاتھ بچانے میں کامیاب ہو گئے۔''

''یہ صرف اللہ کا کرم ہے۔'' میں نے کہا اور موضوع بدل دیا۔ ''ڈیوڈ شا کا کہنا ہے کہ اس سفر کے دوران وہ اور آپ ایک موقع پر آمنے سامنے آ گئے تھے؟''

''یہ درست ہے اور ہماری پارٹیوں کا ٹکراؤ بھی ہوا تھا۔ جس میں ہمارے سارے ساتھی مارے گئے تھے۔ صرف میں اور ڈیوڈ شا زندہ بچے تھے۔ ہماری خوراک بھی تباہ ہو گئی تھی۔ اس وقت ہم وادی کے قریب تھے۔ اگر وادی میں اترنے کا راستہ نہیں ملتا تو ہم مارے جاتے اور سچ مچ ایک موقع آیا تھا جب ہمیں مرنے کا یقین بھی ہو گیا تھا۔''

''کیا رانا ویاس کو علم تھا کہ آپ وادی کی طرف جا رہے ہیں؟''

راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''اسی نے تو سارا بندوبست کرا کر دیا تھا اس نے تمہیں بتایا ہوگا کہ میری گاڑی کسی جگہ خالی حالت میں ملی ہے؟''

''ہاں کچھ ایسا ہی بتایا تھا۔''

''اس نے آدمیوں کا بندوبست بھی کیا تھا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ دونوں عمر رسیدہ دوستوں نے بچوں والی حرکت کی تھی۔ اول تو راجا عمر دراز کو اس طرح جانا تھا تو ہم سے چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہم اسے روکنے کے مجاز نہیں تھے۔ دوسرے جب راجا عمر دراز نے جانا تھا تو ہماری واپسی کا بندوبست کر جاتا۔ رانا ویاس کے لیے نہایت آسان ہوتا کہ ہمیں قانونی طریقے سے واپس پاکستان پہنچا دیتا۔ ہم اس طرح دشواریوں میں پڑ کر واپس نہ آتے اور نہ ہمیں ہر قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑتا۔ راجا عمر دراز نے میرے تاثرات سے بھانپ لیا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں اس نے کہا۔

''میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو لیکن اس وقت مجھے یہ سب ٹھیک لگ رہا تھا اور میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں تم لوگوں کو مشکل میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''راجا صاحب میری مشکلات اب بھی کم نہیں ہوئی ہیں۔ مجھے بیک وقت دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دشمنوں کا سامنا ہے۔ ایک مرشد اور اس کے ساتھی اور دوسرا فتح خان اور ڈیوڈ شا کا مشترکہ گروپ ہے۔ فتح خان اگرچہ انکار کرتا ہے لیکن مجھے خاصی حد تک یقین ہے کہ اصل میں وہ ڈیوڈ شا کا ایجنٹ ہے۔''

''یہ بات سو فی صد درست ہے۔''

''اب فتح خان میرے پیچھے ہے اور میں نے آپ کی اسلام آباد والی کوٹھی سے دور ہونے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو یہ جگہ فتح خان اور اس کے ذریعے ڈیوڈ شا کی نظر میں آجاتی۔''

فتح خان کا نام آتے ہی راجا عمر دراز کی بھنویں تن گئی تھیں۔ وہ اس کا مجرم تھا اور اب اس کے دشمن کا ساتھی بن کر مزید مجرم بن گیا تھا۔ ''وہ دو ٹکے کا آدمی ہے جسے ڈیوڈ شا نے سر چڑھا دیا ہے۔''

مجھے اس کی بات سے اختلاف تھا۔ اس میں شک نہیں کہ فتح خان ایک نچلے درجے کا مجرم تھا اور وہ پڑھا لکھا بھی نہیں تھا مگر اس کی ذہانت میں شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے جرائم پیشہ افراد کے برخلاف اس نے موقع ملنے پر کچھ سیکھنے سے گریز نہیں کیا۔ اس نے زبانیں بھی سیکھیں اور جدید ہتھیاروں اور آلات کے بارے میں معلومات بھی حاصل کیں۔ شہر میں رہ کر اس کی صلاحیتیں مزید نکھر کر سامنے آئیں۔ ڈیوڈ شا نے اسے بلاوجہ منتخب نہیں کیا تھا۔ اس نے خود کو اس قابل ثابت کیا تھا۔ پھر اس کے بعض معاملات ایسے تھے جن میں اس کی ثابت قدمی حیرت انگیز تھی۔ اس بات کو ایک دہائی سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا جب برٹ شا اس کے قبضے میں آیا اور صرف برٹ شا جانتا تھا کہ اس نے ہیرے کہاں چھپائے۔ فتح خان ابھی تک اسے قید میں رکھ کر اس امید میں تھا کہ یہ ہیرے بالآخر اس کے قبضے میں آجائیں گے جن کی بین الاقوامی منڈی میں قیمت کوئی پچیس کروڑ ڈالرز بنتی تھی۔ یہ بات راجا عمر دراز کے علم میں نہیں تھی۔ میں نے اسے یا کسی اور کو ان ہیروں یا برٹ شا کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اگرچہ دوسروں سے اس بات کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن میرے خیال میں بتانا بھی ضروری نہیں تھا۔

حد یہ کہ ایمن کو بھی نہیں بتایا تھا اگر اسے پتا چل جاتا کہ اس کا باپ زندہ اور فتح خان کی قید میں ہے تو وہ اپنے سارے کام چھوڑ کر یہاں آجاتی اور مجھے پھر اپنے دشمنوں کو چھوڑ کر اس کا ساتھ دینا پڑتا جو موجودہ حالات میں ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ دوسرے مجھے برٹ شا سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اس نے جو بویا تھا وہی کاٹ رہا تھا۔ اسے ہیرے افغانستان سے ملے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ ان ہیروں کی مدد سے اسلحے کی کوئی بہت بڑی کھیپ حاصل کی گئی تھی۔ یہ اسلحہ یقیناً اس تباہ حال ملک کی مزید بربادی میں استعمال ہو رہا تھا گویا برٹ شا استعماری طاقتوں کا ایجنٹ بن کر یہاں آیا تھا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا تھا۔ البتہ ایمن سے مجھے ہمدردی تھی اس کا اس معاملے میں کوئی قصور نہیں تھا بلکہ وہ اپنے باپ کی میراث سے بھی محروم کر دی گئی تھی۔ ڈیوڈ شا کو یقیناً اس کے کزن کا کردار دیا گیا تھا اور اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کے اعزاز اور جاگیر پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ شاید شا خاندان نسل در نسل استعماری طاقتوں کا ایجنٹ چلا آ رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' راجا عمر دراز نے پوچھا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اگرچہ اس کی صحت ٹھیک لگ رہی تھی۔ چہرہ ویسا ہی سرخی مائل اور بھرا ہوا تھا۔ جسم میں بھی مضبوطی نظر آ رہی تھی لیکن اس کے باوجود مجھے لگا وہ بیمار ہے یا اسے کوئی مسئلہ ہے۔

''کچھ نہیں آپ بتائیے آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ویسے تو ٹھیک ہوں۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔ ''لیکن ڈاکٹرز نے مجھے کینسر بتایا ہے۔''

اس کے الفاظ دھماکے کی طرح مجھے لگے تھے میں نے بے یقینی سے کہا۔ ''آپ..... آپ نے کینسر ہی کہا ہے نا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میرے سینے میں کینسر کی رسولی پرورش پا رہی ہے۔''

''میرے خدا۔'' میں نے کہا۔ ''کب پتا چلا۔''

''ابھی ایک ہفتہ پہلے..... میرا ٹیسٹ کیا گیا تھا اسلام آباد اور رپورٹ آئی ہے ایک ڈاکٹر یہاں میری دیکھ بھال کر رہا ہے۔''

''تو آپ نے اسی وجہ سے حکیم قادس کو فوراً واپس بلایا ہے؟''

''ہاں میرا علاج وہی کر سکتا ہے۔ ویسے ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ رسولی دوسرے اسٹیج پر ہے اور اپنی جڑیں بھی پھیلا رہی ہے اگر میں برطانیہ یا سنگاپور جا کر آپریٹ کروالوں تو نوے فی صد امکان ہے کہ مجھے اس سے نجات مل جائے گی۔''

''تب آپ کو فوراً روانہ ہو جانا چاہیے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسی سال کی عمر میں، میں صرف اس لیے اپنے جسم کی کاٹ پیٹ کے لیے تیار نہیں ہوں کہ ابھی میں چند سال مزید جی سکتا ہوں۔''

''یہ فیصلہ خطرناک ہو سکتا ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''میں جانتا ہوں۔ حکیم قادس بہت اچھا حکیم ہے اور اس کے پاس دوائیاں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ وہ شاید مجھے کچھ عرصے زندہ رکھنے میں کامیاب ہو جائے لیکن وہ مجھے کینسر سے نہیں بچا سکتا ہے۔''

''پھر اس فیصلے کی وجہ؟..... میں جانتا ہوں آپ کوئی فیصلہ بنا سوچے سمجھے نہیں کرتے ہیں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''شہباز نہ جانے کیوں میرے اندر سے کوئی کہہ رہا ہے کہ میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ایسی بیماری کا سن کر اس قسم کے خیالات کا آنا فطری بات ہے۔''

''نہیں بیماری کا تو مجھے ابھی پتا چلا ہے یہ خیال تو مجھے واپسی کے بعد رہ رہ کر آ رہا ہے۔''

''ڈاکٹر نے ابھی ڈائی گنوس کیا ہے آپ کے جسم نے پہلے جان لیا تھا اس نے آپ کو خیال کی صورت میں خبردار کر دیا۔''

''شاید ایسا ہی ہو لیکن اس کے باوجود میں کینسر سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپریشن کرانے کے لیے تیار نہیں ہوں مجھے یقین ہے اس طرح سے بھی میں کینسر سے نجات حاصل نہیں کر سکوں گا۔''

''پھر کیا صورت بن جاتی ہے؟''

راجا عمر دراز اس بار جواب دینے سے پہلے خاصی دیر تک سوچتا رہا تھا اور میں اپنی گرین ٹی ختم کر رہا تھا۔ یہ بہت نفیس قسم کا کپ تھا جس میں ڈالی جانے والی گرم چیز دیر تک گرم رہتی تھی اور باہر اس کا اثر نہیں آتا تھا۔ میں اندازہ لگا رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔ ''شہباز مجھے لگتا ہے میں ایک ہی صورت میں بچ سکتا ہوں اگر میں وادی تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

جب وہ سوچ رہا تھا تو میرے دل میں اچانک ہی خیال آیا تھا کہ وہ وادی کی بات کرے گا اور میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ میں نے بے دلی سے کہا۔ "یہ صرف ایک خیال ہے وادی تک پہنچ کر آپ کس طرح بچ سکتے ہیں؟"

"یہ خیال ہی ہے۔" راجا عمر دراز نے کہا۔ "لیکن میرے اندر کی آواز کہتی ہے کہ اگر میں وادی کی طرف گیا تو بچ جاؤں گا۔"

"راجا صاحب آپ کمزور ہو رہے ہیں اور آپ کے جسم میں ایک خوفناک مرض بھی جگہ بنا چکا ہے کیا آپ اس حالت میں وادی تک کا مشکل سفر کر سکیں گے؟"

"کیوں نہیں کر سکوں گا۔ یہ کینسر کوئی نیا تھوڑی ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے میرے جسم میں ایک سال سے پرورش پا رہا ہے یعنی میں اس کے ساتھ ہی وادی تک گیا تھا۔"

"فرق جاننے اور نہ جاننے کا ہے اس وقت آپ کو علم ہی نہیں تھا کہ آپ کے جسم میں کینسر ہے لیکن اب آپ جان گئے ہیں۔"

"جان بچانے کے لیے آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے۔" ان کا لہجہ کمزور ہو گیا تھا۔

میں نے سوچا اور بولا۔ "راجا صاحب زندگی کی پروا آپ نے کبھی نہیں کی ہے اس لیے میں مانے کو تیار نہیں ہوں کہ آپ صرف جان بچانے کے لیے اس وادی تک جانا چاہتے ہیں۔"

"شاید یہ بات درست ہے یا شاید نہیں ہے۔" انہوں نے ایک اور ٹھنڈی سانس لی۔ "شاید درست یہ ہے کہ میں بہر حال ایک بار اس وادی میں اترنا چاہتا ہوں چاہے اس کی قیمت مجھے جان کی صورت میں ادا کرنی پڑے۔"

"ڈیوڈ شا نے بتایا کہ آپ دونوں کو برف والا آدمی وادی میں لے گیا تھا اور اگر وہ اوپر نہ آتا تو آپ دونوں کا بچنا محال تھا؟"

"یہ بالکل درست ہے ہم سردی اور بھوک سے مرنے والے تھے۔"

"آپ نے مجھے اس سفر کے بارے میں نہیں بتایا؟"

اس سے پہلے راجا عمر دراز مزید کچھ کہتا دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ یہ مخصوص دستک تھی جو بیگ دیتا تھا۔ راجا عمر دراز نے بلند آواز سے کہا۔ "آ جاؤ۔"

بیگ اندر آیا اور اس نے دھیمے لہجے میں اور مقامی زبان میں کچھ کہا راجا عمر دراز نے سر ہلایا اور جواب میں کچھ کہا بیگ ذرا جھکا اور باہر چلا گیا اس کے جانے کے بعد راجا عمر دراز نے کہا۔ "کھانے کا وقت قریب ہے اور اس سے پہلے حکیم قادس میرا علاج کرتا ہے۔"

میں اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا کھانے کی میز پر آپ سے ملاقات ہو گی۔"

"بالکل میں کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گا اور اس کے بعد میں تم کو اپنے سفر کے بارے میں بتاؤں گا۔"

درحقیقت مجھے راجا عمر دراز کے سفر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے صرف اس کا دل رکھنے کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ویسے تو ٹھیک ہوں۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔ ''لیکن ڈاکٹرز نے مجھے کینسر بتایا ہے۔''

اس کے الفاظ دھماکے کی طرح مجھے لگے تھے میں نے بے یقینی سے کہا۔ ''آپ..... آپ نے کینسر ہی کہا ہے نا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میرے سینے میں کینسر کی رسولی پرورش پا رہی ہے۔''

''میرے خدا۔'' میں نے کہا۔ ''کب پتا چلا۔''

''ابھی ایک ہفتہ پہلے..... میرا ٹیسٹ گیا تھا اسلام آباد اور رپورٹ آئی ہے ایک ڈاکٹر یہاں میری دیکھ بھال کر رہا ہے۔''

''تو آپ نے اسی وجہ سے حکیم قادس کو فوراً واپس بلایا ہے؟''

''ہاں میرا علاج وہی کر سکتا ہے۔ ویسے ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ رسولی دوسرے اسٹیج پر ہے اور اپنی جڑیں بھی پھیلا رہی ہے اگر میں برطانیہ یا سنگاپور جا کر آپریٹ کروالوں تو نوے فی صد امکان ہے کہ مجھے اس سے نجات مل جائے گی۔''

''تب آپ کو فوراً روانہ ہو جانا چاہیے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسی سال کی عمر میں، میں صرف اس لیے اپنے جسم کی کاٹ پیٹ کے لیے تیار نہیں ہوں کہ ابھی میں چند سال مزید جی سکتا ہوں۔''

''یہ فیصلہ خطرناک ہو سکتا ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''میں جانتا ہوں۔ حکیم قادس بہت اچھا حکیم ہے اور اس کے پاس دوائیاں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ وہ شاید مجھے کچھ عرصے زندہ رکھنے میں کامیاب ہو جائے لیکن وہ مجھے کینسر سے نہیں بچا سکتا ہے۔''

''پھر اس فیصلے کی وجہ؟..... میں جانتا ہوں آپ کوئی فیصلہ بنا سوچے سمجھے نہیں کرتے ہیں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''شہباز نہ جانے کیوں میرے اندر سے کوئی کہہ رہا ہے کہ میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ایسی بیماری کا سن کر اس قسم کے خیالات کا آنا فطری بات ہے۔''

''نہیں بیماری کا تو مجھے ابھی پتا چلا ہے یہ خیال تو مجھے واپسی کے بعد رہ رہ کر آ رہا ہے۔''

''ڈاکٹر نے ابھی ڈائی گنوس کیا ہے آپ کے جسم نے پہلے جان لیا تھا اس نے آپ کو خیال کی صورت میں خبردار کر دیا۔''

''شاید ایسا ہی ہو لیکن اس کے باوجود میں کینسر سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپریشن کرانے کے لیے تیار نہیں ہوں مجھے یقین ہے اس طرح سے بھی میں کینسر سے نجات حاصل نہیں کر سکوں گا۔''

''پھر کیا صورت پیدا ہو جاتی ہے؟''

راجا عمر دراز اس بار جواب دینے سے پہلے خاصی دیر تک سوچتا رہا تھا اور میں اپنی گرین ٹی ختم کر رہا تھا۔ یہ بہت نفیس قسم کا کپ تھا جس میں ڈالی جانے والی گرم چیز دیر تک گرم رہتی تھی اور باہر اس کا اثر نہیں آتا تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔ ''شہباز مجھے لگتا ہے میں ایک ہی صورت میں بچ سکتا ہوں اگر میں وادی تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

جب وہ سوچ رہا تھا تو میرے دل میں اچانک ہی خیال آیا تھا کہ وہ وادی کی بات کرے گا اور میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ میں نے بے دلی سے کہا۔ "یہ صرف ایک خیال ہے وادی تک پہنچ کر آپ کس طرح بچ سکتے ہیں؟"

"یہ خیال ہی ہے۔" راجا عمر دراز نے کہا۔ "لیکن میرے اندر کی آواز کہتی ہے کہ اگر میں وادی کی طرف گیا تو بچ جاؤں گا۔"

"راجا صاحب آپ کمزور ہو رہے ہیں اور آپ کے جسم میں ایک خوفناک مرض بھی جگہ بنا چکا ہے کیا آپ اس حالت میں وادی تک کا مشکل سفر کر سکیں گے؟"

"کیوں نہیں کر سکوں گا۔ یہ کینسر کوئی نیا تھوڑی ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے میرے جسم میں ایک سال سے پرورش پا رہا ہے یعنی میں اس کے ساتھ ہی وادی تک گیا تھا۔"

"فرق جاننے اور نہ جاننے کا ہے اس وقت آپ کو علم ہی نہیں تھا کہ آپ کے جسم میں کینسر ہے لیکن اب آپ جان گئے ہیں۔"

"جان بچانے کے لیے آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے۔" ان کا لہجہ کمزور ہو گیا تھا۔

میں نے سوچا اور بولا۔ "راجا صاحب زندگی کی پروا آپ نے کبھی نہیں کی ہے اس لیے میں ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ آپ صرف جان بچانے کے لیے اس وادی تک جانا چاہتے ہیں۔"

"شاید یہ بات درست ہے یا شاید نہیں ہے۔" انہوں نے ایک اور ٹھنڈی سانس لی۔ "شاید درست یہ ہے کہ میں بہر حال ایک بار اس وادی میں اترنا چاہتا ہوں چاہے اس کی قیمت مجھے جان کی صورت میں ادا کرنی پڑے۔"

"ڈیوڈ شانے بتایا کہ آپ دونوں کو برف والا آدمی وادی میں لے گیا تھا اور اگر وہ اوپر نہ آتا تو آپ دونوں کا بچنا محال تھا؟"

"یہ بالکل درست ہے ہم سردی اور بھوک سے مرنے والے تھے۔"

"آپ نے مجھے اس سفر کے بارے میں نہیں بتایا؟"

اس سے پہلے راجا عمر دراز مزید کچھ کہتا دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ یہ مخصوص دستک تھی جو بیگ دیتا تھا۔ راجا عمر دراز نے بلند آواز سے کہا۔ "آجاؤ۔"

بیگ اندر آیا اور اس نے دھیمے لہجے میں اور مقامی زبان میں کچھ کہا راجا عمر دراز نے سر ہلایا اور جواب میں کچھ کہا بیگ ذرا جھکا اور باہر چلا گیا اس کے جانے کے بعد راجا عمر دراز نے کہا۔ "کھانے کا وقت قریب ہے اور اس سے پہلے حکیم قادس میرا علاج کرتا ہے۔"

میں اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا کھانے کی میز پر آپ سے ملاقات ہو گی۔"

"بالکل میں کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گا اور اس کے بعد میں تم کو اپنے سفر کے بارے میں بتاؤں گا۔"

درحقیقت مجھے راجا عمر دراز کے سفر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے صرف اس کا دل رکھنے کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھ لیا تھا اور وہ بیماری کی حالت میں بھی مجھے اپنے سفر کی داستان سنانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد مجھے وادی کے سفر پر آمادہ کرنے کی کوشش تھی۔ مگر فی الحال میں بالکل بھی دستیاب نہیں تھا اور اب میں سوچ رہا تھا کہ یہ بات کس طرح مناسب پیرائے میں راجا عمر دراز سے کہہ دوں۔ بہر حال میں اسے صاف انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں باہر آیا تو بیگ راہداری میں موجود تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے راجا صاحب کی بیماری کا جان کر افسوس ہوا ہے۔''

''ہاں مرض ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے لیکن وہ اس کا علاج کرانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔'' بیگ نے دبے لہجے میں کہا۔ ''میں نے اور ان کے خاندان والوں نے زور دیا ہے۔''

میں چونکا۔ ''راجا صاحب کے خاندان والے؟''

''آپ نہیں جانتے، ان کے دو بیٹے ہیں، ایک جرمنی میں ہوتے ہیں اور دوسرے صاحبزادے فرانس میں ہوتے ہیں۔ ان کی ایک شادی شدہ صاحبزادی ہیں۔ یہ تمام خود بچوں اور بچوں کے بچوں والے ہیں۔''

''یہاں محل میں کوئی نہیں ہے؟''

''صرف راجا صاحب کی ایک بیوہ بھتیجی ہیں۔ ان کی بیوی کا تیس سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔''

''کیا راجا صاحب کی بیماری کا سن کر کوئی نہیں آ رہا ہے؟''

''ان کے تینوں بچے آ رہے ہیں اور شاید وہ ان کو علاج کے لیے باہر جانے پر مجبور کر دیں۔''

بیگ کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ بھی راجا عمر دراز کے وادی تک سفر کا مخالف تھا اور چاہتا تھا کہ وہ امریکہ یا سنگاپور جا کر اپنے کینسر کا علاج کرا لے۔ میں نے کہا۔ ''میری راجا صاحب سے جو بات ہوئی ہے اس سے لگ رہا ہے کہ ان کو اپنے کینسر کے مروجہ علاج سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

بیگ نے سر ہلایا۔ ''وہ حکیم سے علاج کرا رہے ہیں جب کہ حکیم کے پاس وہ مخصوص پتھر بھی باقی نہیں رہا ہے جسے وہ دواؤں میں ڈالتا ہے تو ان کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔''

یہ انکشاف تھا۔ ''اس کا مطلب ہے حکیم قادس اب عمومی دواؤں سے راجا صاحب کا علاج کر رہا ہے۔''

بیگ نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''ان سے بہتری تو آ سکتی ہے لیکن مرض کا علاج ممکن نہیں ہے۔''

کیونکہ بیگ نے وادی تک سفر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ راجا نے اسے اعتماد میں نہیں لیا تھا اور اس صورت میں اسے بتانا مناسب نہیں لگا تھا۔ بیگ مجھے محل کے ایک حصے میں لایا۔ یہاں بڑی خوب صورت نشست گاہ تھی جس کے ایک طرف کی پوری دیوار شیشے کی تھی اور نیم دائرے کی صورت میں شیشے لکڑی کے فریم میں جڑے ہوئے تھے۔ سامنے برف پوش پہاڑوں کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ بیگ مجھے یہاں بیٹھنے کے لیے لایا تھا اور شاید ڈنر لگنے تک مجھے یہیں رہنا پڑتا لیکن وہ میرے سامنے بیٹھ گیا۔

''شہباز صاحب میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں جس کا علم ابھی راجا صاحب کو نہیں ہے۔ یہ بات صرف میرے اور آپ کے درمیان میں رہے گی۔''

''اگر آپ کو افشائے راز کا خوف ہے تو آپ بلا جھجک اسے خود تک محدود رکھ سکتے ہیں۔''

''افشائے راز کا خوف نہیں ہے لیکن راجا صاحب کے علم میں نہیں آنی چاہیے۔'' اس نے کہا اور پھر ذرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توقف کے بعد بولا۔ ''درحقیقت ڈاکٹر نے ان کو جواب دے دیا ہے۔ کینسر ابتدائی اسٹیج پر ہے لیکن جسم کے ان حصوں تک رسائی حاصل کر چکا ہے جہاں سے اسے نکالنا ممکن نہیں ہے آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟''

مجھے ایک بار پھر دھچکا لگا تھا۔ راجا عمر دراز کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اسے تصویر کے اس رخ کا علم نہیں ہے اور ڈاکٹر نے اسے پوری بات نہیں بتائی ہے۔ ممکن ہے اس کام میں بیگ کے ساتھ راجا عمر دراز کے بچے بھی شامل ہوں۔ میں نے سر ہلایا۔ ''اس کا مطلب ہے ڈاکٹر نے وقت دے دیا ہے؟''

''بالکل ڈاکٹر کے مطابق اگر علاج پر توجہ دی جائے تو راجا صاحب ایک سال تک مزید زندہ رہ سکتے ہیں۔''

''یہ بات راجا صاحب کو کیوں نہیں بتائی گئی؟''

''درحقیقت مجھے بھی آج ہی پتا چلا ہے۔ ابتدائی رپورٹ میں نتیجہ حوصلہ افزا تھا اور علاج ممکن دکھائی دے رہا تھا لیکن حتمی رپورٹ میں واضح ہو گیا ہے۔''

''کیا اس خبر کو چھپا کر رکھنا ہے؟''

بیگ نے سر ہلایا۔ ''جب تک راجا صاحب کی اولاد یہاں نہیں آ جاتی ہے وہی فیصلہ کریں گے کہ انہیں اپنے باپ کو بتانا چاہیے یا نہیں۔''

''اگر آپ چھپانا چاہتے ہیں تو آپ نے مجھے کیوں بتایا ہے؟''

''تاکہ آپ راجا صاحب کی خواہش پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے جان لیں۔'' بیگ کا لہجہ حسب معمول سپاٹ ہو گیا تھا۔

میں چونکا۔ ''کیسی خواہش اور اس پر کیسا فیصلہ؟''

''شہباز صاحب آپ جانتے ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔ راجا صاحب اپنی عمر اور بیماری سے قطع نظر اب بھی اس وادی کی طرف جانے کی خواہش رکھتے ہیں اور وہ آپ کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ درحقیقت آپ کو ساتھ چلنے پر آمادہ کرنا ہی اصل مسئلہ ہے ورنہ عین ممکن ہے اب تک راجا صاحب اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنا چکے ہوتے۔ اگر آپ انکار کرتے ہیں تو ان کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''یہ انکار میں نے انڈیا میں بھی کیا تھا اس کے باوجود راجا صاحب چلے گئے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''اس وقت ان کے ذہن میں ہو گا کہ شاید آپ کے بغیر بھی وادی میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن اس تجربے نے ثابت کر دیا کہ برف والے بوڑھے کی بات درست تھی اور وہ آپ کے بغیر گئے اور وادی کے کنارے پہنچ کر بھی اس میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ اب انہیں معلوم ہے کہ آپ کے بغیر یہ کام ناممکن ہے اور اگر آپ نے انکار کیا تو پھر ان کا ارادہ خود بہ خود ختم ہو جائے گا۔''

میں بیگ کی باتوں کو تول رہا تھا اور مجھے ان میں سچائی محسوس ہوئی تھی۔ ''بیگ صاحب! سچ تو یہ ہے کہ مجھے خود اس وادی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور دوسرے میں ایسے مسائل میں الجھا ہوا ہوں جن کے بارے میں آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں کسی صورت ان کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا مجھے مرشد سے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا دفاع کرنا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیگ نے گویا سکون کا سانس لیا تھا۔ ''اس کا مطلب ہے اگر راجا صاحب نے آپ سے ساتھ چلنے کو کہا تو آپ کا جواب انکار میں ہوگا۔''

''اگر چہ مجھے شرم آئے گی کیونکہ راجا صاحب کے مجھ پر بہت احسانات ہیں لیکن میں ان کی اور اپنی خاطر انکار کردوں گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' بیگ نے کہا۔ ''راجا صاحب کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور ان کو یہ وقت سکون سے اپنے گھر میں گزارنا چاہیے۔''

دیکھنے میں تو سیکرٹری بیگ بھی جیسے کچھ پل کا مہمان نظر آتا تھا لیکن اس کے استخوانی جسم میں بہت پھرتی اور طاقت تھی۔ میں نے اسے ہمیشہ چاک و چوبند پایا تھا۔ اس کے مقابلے میں صحت مند اور توانا نظر آنے والا راجا عمر دراز ایک ایسی موذی بیماری کا شکار ہو گیا تھا جس کا علاج بھی ممکن نہیں تھا اور ڈاکٹر نے اسے ایک سال کا وقت دے دیا تھا۔ بیگ اپنے مطلب کی بات کر کے رخصت ہو گیا تھا اور اس کے جانے کے چند منٹ بعد وہی نوعمر اور حسین خادمہ اندر آئی۔ اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

''کھانا..... لاگ گیا..... آپ کو بلاتا۔''

''چلو۔'' میں نے کہا اور اس کی رہنمائی میں محل کے ڈائننگ ہال پہنچا یہ سچ مچ ہال تھا۔ اس بہت بڑے کمرے میں تین میزیں لگی تھیں ایک میز کے گرد کم سے کم پچاس لوگ بیٹھ سکتے تھے۔ دوسری میز چھوٹی تھی لیکن اس پر بھی تیس پینتیس افراد آرام سے آسکتے تھے۔ تیسری میز نارمل تھی یعنی اس پر ایک درجن افراد ہی کھانا کھا سکتے تھے اور ہمارے لیے اسی پر کھانا لگایا گیا تھا۔ بس دو افراد تھے۔ راجا عمر دراز صدر کرسی پر تھا اور مجھے اس کے دائیں طرف پہلی کرسی ملی تھی۔ آداب کے مطابق یہ کرسی قریبی عزیز کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ مہمان عام طور سے مخالف سمت میں دوسری واحد کرسی پر بیٹھتا ہے۔ میرے بیٹھتے ہی گھنٹی بجی اور ملازمین کھانے کی قابیں لانے لگے۔ سب سے پہلے راجا عمر دراز کے سامنے ایک پیالہ رکھا گیا جس میں سوپ نما چیز تھی اور اس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ پھر قابیں میز پر سجائی جانے لگیں۔ یہ نصف درجن قابیں اور ڈشز تھیں۔ پھر ان پر سے ڈھکن ہٹائے گئے تاکہ میں اپنی پسند کی چیز لے سکوں۔ راجا عمر دراز نے کھانے کے آغاز سے پہلے کہا۔

''افسوس کہ میں اس میں سے کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔ فی الحال حکیم قادس نے مجھے صرف یہ سوپ پینے کو کہا ہے۔''

''یہ پرہیزی غذا ہے۔''

''تم چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے ہو ویسے یہ خاص طاقتور جڑی بوٹیوں سے بنا سوپ ہے جو بقول اس کے مجھے اندر سے اتنا توانا کر دے گا کہ میں اپنی بیماری سے لڑ کر اسے شکست دے سکوں گا۔''

''اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔'' میں نے کہا راجا عمر دراز کے ساتھ میں نے بھی کھانے کا آغاز کر دیا۔ تمام کھانے اعلیٰ شاہی معیار کے اور نہایت لذیذ تھے۔ خاص بھوک نہ ہوتے ہوئے بھی میں خاصا کھا گیا تھا جب کہ راجا عمر دراز نے اپنا سوپ کا پیالہ بڑی مشکل سے ختم کیا تھا۔ شاید بیماری نے اس کی بھوک بھی ختم کر دی تھی۔ وہ بے دلی سے سوپ پیتا رہا تھا۔ پیالہ ختم کر کے اس نے نیپکن سے منہ صاف کیا۔ جب میں نے کھانا ختم کیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے بے تابی سے کہا۔

''میرے ساتھ چلو کیونکہ میرے سونے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ حکیم آ جائے گا دوا دینے میں سونے سے پہلے تمہیں اپنے سفر کی رُوداد سنا دینا چاہتا ہوں۔''

ہم ایک بار پھر راجا عمر دراز کی خواب گاہ میں آ گئے تھے۔ جب ہم کھانے والے کمرے سے نکلنے لگے تو بیگ نے نظروں میں مجھے یاد دلایا کہ میں نے اس سے کیا وعدہ کیا ہے۔ میں نے اسے نظروں سے تسلی دی کہ وہ فکر نہ کرے۔ راجا عمر دراز نے کافی منگوالی تھی اس نے کہا۔ ''اگرچہ مجھے کافی اب منع ہے لیکن آج تمہارے ساتھ بد پرہیزی کر لیتا ہوں۔''

''راجا صاحب میرا خیال ہے آپ آرام کریں۔ آپ کی داستان میں بعد میں بھی سن سکتا ہوں۔''

''نہیں میں نے تمہیں خاص طور سے اسی لیے بلایا ہے۔ کل صبح تم چلے جاؤ گے اور پتا نہیں پھر حالات کب تمہیں آنے کی اجازت دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے ایک وعدہ کر کے جاؤ۔''

''راجا صاحب میں اس وقت کسی وعدے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ میں نے اپنے ماں باپ سے وعدہ کیا تھا کہ بھائی کی بیوہ سے عدت پوری ہوتے ہی نکاح کر لوں گا لیکن میں وہ وعدہ بھی پورا نہیں کر سکا ہوں۔''

''میرے بیٹے میں تم سے ایسا کوئی وعدہ نہیں لوں گا جو تم پورا نہ کر سکو۔'' راجا عمر دراز نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایک بار تم میری بات سن لو اس کے بعد تم جو چاہے فیصلہ کرو۔''

راجا عمر دراز مجھے گھیر گھار کر فیصلے کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب کہ میں اس سے بچنا چاہتا تھا۔ بادلِ ناخواستہ میں سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے راجا صاحب میں آپ کی بات سننے کے لیے تیار ہوں۔''

اس کا چہرہ چمک اٹھا تھا اور اس نے کہنا شروع کیا۔ ''صرف رانا ویاس اور اس کے چند قریبی ساتھی جانتے تھے کہ میں کہاں جا رہا تھا۔ سچی بات ہے مجھے رانا ویاس نے بھی روکنے کی کوشش کی تھی لیکن مجھ پر ایک جنون سوار ہو گیا تھا۔ ایک چھوٹے طیارے نے مجھے اور میرے چار ملازموں کو اس متروک رن وے پر اتار دیا جو دوسری جنگِ عظیم میں بنایا گیا تھا اور جہاں ایک وقت میرا اور ولیم شا کا طیارہ اترا تھا۔ یہ رن وے اب بھی اچھی حالت میں تھا۔ یہاں سے ہم پیدل آگے بڑھے۔

سرما کی وجہ سے موسم نہایت خراب تھا۔ رن وے تک برف سے ڈھک گیا تھا کیونکہ یہ بھی کوئی سات ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ شمال کی طرف سے برفانی جھکڑ چل رہے تھے۔ رانا ویاس نے جن آدمیوں کو میرے ساتھ کیا تھا ان کو شمال کی طرف سفر اور پہاڑوں پر چڑھنے کا تجربہ تھا۔ ہم سامان لے جانے کے لیے سلیجز لائے تھے جن کے نیچے برف پر پھسلنے والی اسکیز ہوتے ہیں۔ یہ سلیجز اس وقت تک ہمارے کام آتیں جب تک پہاڑوں کا مرحلہ نہیں شروع ہو جاتا۔ دو دن کے بعد وہ مرحلہ آ گیا جب ہمیں سلیجز چھوڑنا پڑیں اور تمام سامان اپنی پشت پر لاد کر ہم آگے روانہ ہوئے۔ سامان ان چاروں نے اٹھایا تھا اور مجھے صرف خود کو آگے لے جانا تھا۔ مگر خالی ہاتھ آگے بڑھنا بھی نہایت مشکل کام ثابت ہوا تھا اگر میں ایک جذبے کے ساتھ نہ نکلا ہوتا تو شاید پہاڑوں تک پہنچنے سے پہلے واپس چلا جاتا۔ تین دن تک ہم پہاڑ سر کرتے رہے تھے۔ چھٹے دن ہم اس علاقے میں داخل ہو گئے جہاں وادی موجود تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس دوران میں ملازمہ کافی لے آئی تھی اور ہمیں سرو کرنے لگی اس لیے راجا عمر دراز خاموش ہو گیا۔ ملازمہ کے جانے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔ ''ڈیوڈ شا سے آپ کا ٹکراؤ کہاں ہوا؟''

''اسی جگہ ہوا تھا۔ جب ہم پہاڑوں سے نیچے اترے وہ اور اس کے آدمی پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ دونوں پارٹیوں کے پاس اسلحہ تھا اور اس سے پہلے کہ میں یا ڈیوڈ شا اپنے آدمیوں کو روکتے کسی غلط فہمی کے نتیجے میں انہوں نے ایک دوسرے پر ہتھیار تان لیے تھے اور پھر کسی نے گولی بھی چلا دی تھی۔ میں نے ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر اپنی جان بچائی تھی کیونکہ وہاں اندھا دھند گولیاں چل رہی تھیں۔ گولیوں کے شور کے ساتھ مارے جانے والوں کی چیخوں کا شور بھی تھا۔ پھر کسی کی چلائی گولی ہمارے سامان میں موجود ڈائنامائٹ سے جا لگی۔ یہ ڈائنامائٹ ہم راستہ بنانے کے لیے لائے۔ دھماکے نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور وہاں موجود سب ہی لوگ مارے گئے اور سامان مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا بچے ہوئے سامان کو آگ چاٹ رہی تھی۔ ان دھماکوں اور آگ لگنے میں ڈیوڈ شا کا سامان بھی برباد ہو گیا تھا اور جب خاموشی ہونے پر ہم اپنی کمین گاہوں سے باہر آئے تو کچھ نہیں بچا تھا۔''

''ایک دشمن کو اس ویرانے میں سامنے پا کر آپ نے کیا محسوس کیا تھا؟''

''کچھ بھی نہیں..... حالانکہ ڈیوڈ شا مسلح تھا اور میں خالی ہاتھ تھا اس کے باوجود مجھے اس سے ڈر محسوس نہیں ہوا تھا۔ البتہ جب ہمیں پتا چلا کہ ہماری ساری خوراک بھی تباہ ہو گئی ہے اور وہ سامان بھی جس کی مدد سے ہم وادی میں اتر سکتے تھے تو ہم دونوں ہی ڈر گئے تھے۔ ان سب چیزوں کے بغیر اس ویرانے میں سسک سسک کر سردی اور بھوک سے مرنا ہمارا مقدر بن گیا تھا۔ اس چیز نے ہمیں عارضی طور پر اتحادی بنا دیا تھا اور ہم زندگی کے لیے مشترکہ طور پر جدوجہد کرنے لگے تھے۔ سب سے پہلے ہم نے کھانے کی بچی کھچی اشیا تلاش کیں لیکن یہ اتنی کم مقدار میں ملیں کہ ایک دن کے لیے بھی کافی نہیں تھیں۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ مجھے کوئی ہتھیار بھی مل جائے تاکہ میں ڈیوڈ شا کے مقابلے میں نہتا نہ رہوں۔ مگر مجھے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ کھانے کی چیزیں ایک دن چلی تھیں اور اب ضروری ہو گیا تھا کہ ہم کسی طرح بھی وادی میں اترنے کا راستہ تلاش کریں۔ میں اور ڈیوڈ شا وادی کے کنارے کے ساتھ ساتھ بھٹکنے لگے تھے۔''

''ڈیوڈ شا نے بتایا تھا کہ آپ نے راستہ بھی تلاش کر لیا تھا لیکن جب نیچے جانے کی کوشش کی تو اسے بند پایا تھا۔''

''یہ درست ہے میں قسم کھا کر کہنے کو تیار ہوں کہ یہ وہی راستہ تھا جس سے وادی سے نکلتے ہوئے ہم اوپر آئے تھے لیکن جب میں اور ڈیوڈ شا ذرا نیچے گئے تو راستہ یوں غائب ہو گیا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔''

''ممکن ہے موسمی حالات کا شکار ہو کر دیوار کا یہ حصہ نیچے گر گیا ہو۔ یہاں زلزلے بھی تو آتے ہوں گے۔''

راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''ایسا نہیں تھا اور یہیں سے کہانی کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جو میں تمہیں سنوانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے ڈیوڈ شا نے تمہیں پوری بات نہیں بتائی ہوگی۔''

''اس نے مجھے بس اتنا ہی بتایا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''کچھ عرصے پہلے میری ایمن شا سے بات ہوئی تھی اور اس نے بتایا کہ ڈیوڈ شا انڈیا سے واپسی پر گوشہ نشین ہو گیا ہے کیونکہ اس کا ایک ہاتھ آبلوں سے بھر گیا ہے۔ مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب وہ مجھے یہاں ملا تو اس کا ہاتھ بالکل ٹھیک تھا۔"

"یہ اسے سزا ملی تھی۔" راجا عمر دراز نے کہا۔ "جب نیچے اترنے کا راستہ نہیں ملا تو ڈیوڈ شا پر جنون طاری ہو گیا تھا اور اس نے مجھ پر پستول نکال لیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں نے نیچے جانے والا درست راستہ نہیں بتایا تو وہ مجھے شوٹ کر دے گا۔ مجھے لگا کہ وہ ایسا ہی کرے گا اور میں مرنے کے لیے تیار بھی ہو گیا تھا۔ میں خالی ہاتھ تھا اور کسی صورت اس سے بچ نہیں سکتا تھا لیکن پھر اچانک ہی ڈیوڈ شا کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے پستول نیچے کیا اور پھر اسے وادی میں پھینک دیا اور خود بچوں کی طرح منہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگا تھا۔ میں حیران ہوا کہ اسے کیا ہوا ہے۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔

"پلیز راجا مجھے معاف کر دو پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا میں سچ مچ تمہیں گولی مارنے والا تھا۔"

اس کی گولی مارنے والی بات پر مجھے ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی تھی لیکن اس نے اچانک مجھے کیوں معاف کر دیا تھا اور پستول نیچے وادی میں پھینک دیا تھا یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ بہر حال مجھے کچھ نہیں ہوا تھا اس لیے میں نے ڈیوڈ شا کو معاف کر دیا۔ اس رات جب ہم اپنے سلیپنگ بیگز میں گھس کر سونے کی کوشش کر رہے تھے تو ہمیں کوئی چیز کھائے ستر گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ اچانک مجھے لگا جیسے میرے سلیپنگ بیگ کے نیچے کوئی چیز ہے جو مجھے مسلسل چبھ رہی تھی میں نے ہاتھ باہر نکال کر برف میں اسے ٹٹولا تو میرے ہاتھ میں پستول کا میگزین آ گیا اور تب مجھے پتا چلا کہ ڈیوڈ شا نے وہ مکاری کیوں دکھائی تھی۔ اس کی بے خبری میں پستول کا میگزین کہیں گر گیا تھا اور عین موقع پر یہ انکشاف ہوا تو اس نے پینترا بدلا اور مجھے معاف کرنے کا ڈرامہ کرتے ہوئے پستول وادی میں پھینک دیا۔ ایک تو پستول خالی ہو چکا تھا اور جلد مجھے اس کا پتا چل جاتا دوسرے اسے خوف تھا کہ میگزین مجھے مل گیا اور میں نے کسی طرح اس سے پستول حاصل کر لیا تو الٹا اس کی عافیت خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"وہ واقعی بہت شاطر آدمی ہے۔"

"میں نے میگزین اپنے پاس رکھ لیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن بھوک سے جیسے آنتوں میں بل پڑ رہے تھے اور ذہن پر بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔ نہ جانے یہ رات کیسے گزری اور جب دن نکلا تو مجھ میں سلیپنگ بیگ سے باہر نکلنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی۔ ڈیوڈ شا البتہ باہر نکل آیا تھا اور ایک پتھر پر بیٹھ کر سگار پی رہا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"بس خاتمہ لگ رہا ہے لیکن تم ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے ہو؟"

"میں ایسا ہی آدمی ہوں اپنی آخری توانائیوں تک ایسے ہی رہوں گا اور پھر اچانک مر جاؤں گا۔"

میں اس کی لاف گزاف پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا وہ خود کو کوئی مافوق الفطرت انسان بنا کر پیش کرتا ہے لیکن ہے وہ بھی ایک عام فانی انسان۔ کچھ دیر بعد میں بھی ہمت کر کے باہر نکل آیا اور ہم نے ایک بار پھر اس جگہ کا رخ کیا جہاں ہمارا سامان تباہ ہوا تھا لیکن کئی کلومیٹرز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انکشاف ہوا کہ تازہ برفانی طوفان نے ہر چیز پر برف کی موٹی تہہ جما دی تھی۔ ہم ناکام و نامراد لوٹ آئے تھے۔ ایک دن اور گزرنے والا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور آنے والی رات یقیناً ہماری آخری رات ہوتی۔ ہم وادی کے کنارے اپنے پڑاؤ میں سلیپنگ بیگز میں گھس کر لیٹ گئے اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ دن ڈھل گیا اور رات سر پر آ گئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتنا وقت گزر گیا تھا لیکن جب کسی نے میرے سلیپنگ بیگ کو ہاتھ لگایا تو میں ہوشیار ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ یہ ڈیوڈ شا ہو گا لیکن جب میں نے سر باہر نکالا تو ایک مشعل بردار بوڑھے کو دیکھ کر حیران رہ گیا اس نے اس قیامت خیز سردی میں بھی ایک معمولی سا کرتہ اور پاجامہ نما لباس پہن رکھا تھا۔ پھر مجھے یاد آ گیا وہ برف والا تھا۔ میں اسے نصف صدی بعد دیکھ رہا تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں کہا۔

''عمر دراز اٹھ جاؤ۔''

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مجھ میں ذرا بھی سکت نہیں تھی لیکن جب اس نے کہا کہ میں اٹھوں تو میں حیرت انگیز طور پر اٹھ گیا۔ مجھے ذرا بھی کمزوری محسوس ہوئی اور نہ چکر آئے۔ اس سے زیادہ حیرت مجھے ڈیوڈ شا کو کھڑے دیکھ کر ہوئی۔ وہ بالکل ساکت کھڑا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے کہا۔ ''آپ برف والے بابا ہیں؟''

''میرے ساتھ چلو۔'' اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا اور خود ایک طرف چل پڑا۔ میں اور ڈیوڈ شا روبوٹ کی طرح اس کے پیچھے چل پڑے جیسے اس کے حکم کے غلام ہوں۔ وہ اسی راستے تک پہنچا جہاں سے ہم نیچے جانے کی کوشش کی تھی اور راستہ غائب پایا تھا لیکن جب برف والے کے ساتھ نیچے اترنے لگے تو راستے کو اپنی جگہ پا کر میں خود کو پاگل محسوس کرنے لگا تھا۔ پہلے یہاں صرف خلا تھا اور اب واضح راستہ نظر آ رہا تھا کیا یہ راستہ ابھی بنا تھا یا پہلے بھی موجود تھا مگر ہمیں نظر نہیں آیا تھا۔ ہمیں سنبھل کر اترنا پڑ رہا تھا لیکن برف والا یوں آرام سے چلا جا رہا تھا جیسے ہم اپنے گھر میں چلتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اوپر کیسے آیا اور ہمیں کیسے تلاش کر لیا اور یہ راستہ کہاں سے پیدا ہو گیا۔ سب سے بڑھ کر ہمارے اندر اتنی توانائی کہاں سے آ گئی کہ ہم اتنے دشوار راستے پر چلے جا رہے تھے جب کہ رات ہم میں ذرا بھی ہمت باقی نہیں رہی تھی۔''

''ایک منٹ۔'' میں نے بات کاٹی۔ ''قطع کلامی کی معافی لیکن آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی برف والا آدمی تھا جو نصف صدی پہلے آپ سے ملا تھا؟..... کیونکہ اس وقت بھی اس عمر آپ کے مطابق کوئی سو سال سے زیادہ تھی یعنی اب وہ ڈیڑھ سو سال سے اوپر کا ہو چکا ہو گا؟''

''تو وہ اور کون ہو سکتا تھا؟'' راجا عمر دراز نے الٹا سوال کیا۔ ''پھر اس نے بعض باتیں ایسی کیں جن سے لگتا تھا کہ وہ وہی برف والا تھا۔''

''یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔''

''ہاں لیکن یہاں تو کوئی بات بھی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔ ''کسی نے سوچا بھی نہیں ہو گا کہ عین ہمالیہ کے وسط میں اتنی بڑی وادی ہے اور انسان بھی آباد ہیں جو تہذیب یافتہ بھی ہیں اور ان کے پاس بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو آج کے ترقی یافتہ انسان کو حیران کرنے کے لیے کافی سے زیادہ ہیں۔'' راجا عمر دراز کسی قدر غصے میں آ گیا تھا اسے خود بھی احساس ہو گیا تھا اس لیے وہ رک کر خود پر قابو پانے لگا پھر اس نے گہری سانس لی۔ ''معاف کرنا برخوردار میں جذباتی ہو گیا تھا۔ اس وادی کے معاملے میں، میں جذباتی ہو جاتا ہوں۔ بہرحال میں داستان مکمل کرتا ہوں۔ برف والا ہمیں کوئی تین ہزار فٹ نیچے لے کر آیا۔ تم سوچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے ہو ہماری جو حالت ہو رہی تھی ہم اس میں ایک پتلے سے پہاڑی راستے پر کوئی ایک کلومیٹر نیچے آئے ہوں گے اصل میں تو ہم نے تین کلومیٹرز سے زیادہ کا فاصلہ طے کیا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں ایک خواب کی کیفیت میں بغیر کسی کوشش کے سفر کر رہا ہوں اور یقیناً ڈیوڈ شا کی حالت بھی مجھ سے الگ نہیں تھی۔

برف والا ہمیں اپنے ان مخصوص غاروں میں لایا۔ میں پہلے بھی یہاں آ چکا تھا۔ رانا ویاس نے بھی اس جگہ کی سیر کی تھی۔ وہاں آگ جل رہی تھی اور درجہ حرارت خوش گوار تھا۔ برف والے نے ہمیں صاف ستھرے بستروں پر لیٹنے کا حکم دیا اور جب ہم لیٹ گئے تو وہ کہیں چلا گیا۔ ہم جاگ رہے تھے اور اپنے اندر توانائی بھی محسوس کر رہے تھے لیکن ہم چاہنے کے باوجود ان بستروں سے نہیں اٹھ پا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ڈیوڈ شا نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''راجا کیا ہم خواب دیکھ رہے ہیں؟''

''ایک خواب دو آدمی بیک وقت کیسے دیکھ سکتے ہیں۔''

''یہ شخص کون ہے؟''

''یہ برف والا ہے وادی کا نگران۔'' میں نے بتایا۔ ''اس کی اجازت کے بغیر نہ کوئی نیچے جا سکتا ہے اور نہ کوئی نیچے سے اوپر آ سکتا ہے۔''

''یہ مدقوق سا بوڑھا۔'' ڈیوڈ شا کو یقین نہیں آیا تھا۔

''یہی مدقوق بوڑھا ہمیں اوپر سے نیچے لایا ہے جب کہ ہم میں ہلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔''

''یہ کیسے لایا ہے ہم خود آئے ہیں اپنے پیروں پر چل کر۔'' اس نے میری بات کو جھٹلایا۔

''اگر ایسی بات ہے تو اس بستر سے اٹھ کر دکھاؤ۔''

ڈیوڈ شا کچھ دیر ساکت پڑا رہا پھر اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''میں نہیں اٹھ پا رہا ہوں۔''

''کیونکہ وہ ہمیں لٹا کر گیا ہے اور جب تک وہ نہیں کہے گا ہم اس بستر سے نہیں اٹھ سکتے ہیں۔''

ڈیوڈ شا حیران ہوا تھا۔ ''کیا یہ عمل تنویم کا ماہر ہے؟''

''میں نہیں جانتا لیکن جہاں تک اس بوڑھے کے بارے میں جانتا ہوں کوئی اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا ہے۔''

''اس میں ایسی کیا بات ہے یہ صرف ایک بوڑھا آدمی ہے۔'' ڈیوڈ شا کا لہجہ تمسخرانہ ہو گیا تھا۔ ''مجھے یقین ہے یہ میرا ایک ہاتھ بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔''

ڈیوڈ شا اپنی قومی عادت سے مجبور تھا اور لاف گزاف پر اتر آیا تھا۔ مجھے اس سے غرض نہیں تھی کہ اس کا کیا حشر ہوتا ہے لیکن میں نے پھر بھی اسے خبردار کر دیا۔ ''ڈیوڈ شا اس بوڑھے کے بارے میں بات کرتے ہوئے محتاط رہو ایسا نہ ہو تمہیں کسی ناخوشگوار نتیجے سے گزرنا پڑے۔''

''تم مجھے اس بوڑھے سے ڈرا رہے ہو؟'' ڈیوڈ شا کا لہجہ حقارت آمیز ہو گیا۔

''میں تمہیں صرف خبردار کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

وہ چپ ہوا لیکن زیادہ دیر چپ نہیں رہا۔ ''یہ ہمیں چھوڑ کر کہاں چلا گیا ہے؟''

''میں بھی تمہاری طرح بے خبر ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہیں ہمیں نقصان نہ پہنچائے۔''

''اس نے نقصان کرنا ہوتا تو ہمیں یہاں لانے کی زحمت نہ کرتا کل صبح ہماری اکڑی لاشیں دیکھ کر خوش ہوتا۔''

ڈیوڈ شا مطمئن ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ ''ممکن ہے یہاں لا کر ہمارے ساتھ کچھ کرے۔''

''ڈیوڈ شا تمہارے جیسے آدمی کو اتنی بے چینی زیب نہیں دیتی ہے ذرا صبر سے انتظار کرو ابھی سب تمہارے سامنے آجائے گا۔''

ہم گرم لباس میں تھے اور باہر جیسی سردی بھی نہیں تھی اس لیے ہمیں کوئی تکلیف نہیں تھی بلکہ میں اتنا سکون محسوس کر رہا تھا کہ سو گیا۔ پھر مجھے بوڑھے نے اٹھایا۔ ''اٹھ جاؤ نوجوان۔''

میں بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ اس نے ایک بڑا سا پیالہ میرے سامنے رکھ دیا جس میں سوپ نما کوئی چیز تھی اس میں سبز اور گلابی رنگ کی سبزیاں تیر رہی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ جب رانا ویاس کو برفانی عورت نے مرنے کے قریب پہنچا دیا تھا تو برف والے نے اسے اسی قسم کا کوئی سوپ دیا تھا جس سے اس کی توانائی بحال ہو گئی تھی۔ برف والے نے ایسا ہی ایک پیالہ ڈیوڈ شا کے سامنے رکھا تھا لیکن وہ ساکت بیٹھا تھا۔ میں نے لکڑی کے چمچ سے سوپ پینا شروع کر دیا۔ بوڑھے نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا اور تحکمانہ انداز میں بولا۔ ''تم بھی پیو۔'' اور ڈیوڈ شا نے سوپ پینا شروع کر دیا۔

''ایک سوال ہے۔'' میں نے پھر مداخلت کی۔ ''بوڑھا آدمی آپ سے اور ڈیوڈ شا سے کس زبان میں بات کرتا تھا۔''

''میں نے بعد میں اس پر غور کیا تھا کیونکہ میں اس سے بے اختیار اردو میں بات کرتا تھا اور مجھے لگتا ہے کہ وہ جواب بھی اردو میں دیتا تھا جب کہ ڈیوڈ شا اس سے انگریزی میں بات کرتا تھا۔''

''آپ کو لگتا ہے۔ یعنی آپ کو یاد نہیں ہے کہ وہ آپ سے کس زبان میں بات کرتا تھا۔''

''سچ کہوں تو مجھے بالکل یاد نہیں ہے بس اتنا احساس ہے کہ وہ ہماری بات سمجھ لیتا تھا اور ہمیں اپنی بات سمجھا دیتا تھا۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔ ''شاید یہ ٹیلی پیتھی کی کوئی قسم تھی۔ بہر حال وہ ہمیں جو سمجھانا چاہتا تھا وہ ہماری سمجھ میں آجاتا تھا۔ اس کے حکم پر سوپ پی کر ہم سو گئے تھے۔ جب ہم جاگے تو وہ دوبارہ ہمارے لیے سوپ لے آیا تھا اور اس بار بھی سوپ پی کر ہم سو گئے تھے۔ تیسری بار جب اس نے ہمیں جگا کر سوپ دیا تو میں نے اس سے کہا۔ ''تم ہمیں سوپ دے کر سلا کیوں دیتے ہو؟''

''اس سے تمہاری توانائی جلد بحال ہو جائے گی کیونکہ تم نے ابھی بہت طویل سفر کرنا ہے اور اس میں تمہیں توانائی کی بہت ضرورت پڑے گی۔''

''میں ابھی بھی خود کو توانا محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے اصرار کیا۔

''تم ابھی کمزور ہو۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ''اپنے حواس پر زیادہ بھروسہ مت کیا کرو یہ تم کو تمہارے بارے میں دھوکا دیتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' میں اس سے بحث پر آمادہ ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوپر جب تم لوگ خود کو کمزور محسوس کر رہے تھے۔ تب تمہارے حواس دھوکا دے رہے تھے درحقیقت تمہارے اندر اتنی توانائی تھی کہ تم میرے ساتھ چل کر اتنے دشوار راستے سے نیچے آ گئے۔''

''تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا تھا جو ہم اتنی دور چل کر آ گئے۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا صرف تمہارے ذہن کو حکم دیا کہ وہ اپنی اضافی اور چھپی ہوئی طاقت استعمال کرے اور یوں تم نیچے آ گئے۔''

''ہم اسی راستے سے نیچے آئے تھے لیکن کچھ نیچے آ کر راستہ بالکل غائب ہو گیا تھا۔''

''تمہیں یاد ہے جب تم اور ولیم شایہان سے جا رہے تھے تو میں نے کہا تھا اگلی بار ہاتھ والے کو ساتھ لاؤ گے تب تمہیں وادی میں اترنے کی اجازت ملے گی۔''

''میں نے کوشش کی تھی لیکن وہ آنے کے لیے تیار نہیں ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''خدا کے لیے مجھے وادی میں جانے دو۔ صرف ایک بار جانے دو۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ بدستور نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں تمہیں اجازت دے سکتا ہوں لیکن مجھے تمہیں اجازت دینے کی اجازت نہیں ہے۔''

''کس کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔''

''میں نہیں بتا سکتا۔ تمہارے لیے صرف ایک صورت میں اجازت ہے کہ تم ہاتھ والے کو ساتھ لاؤ۔''

''اور اگر میں اسے نہیں لا سکا تو؟''

''تو تم وادی میں نہیں جا سکو گے، لیکن وہ آئے گا اور تمہارے ساتھ آئے گا۔'' بوڑھے نے اتنے یقین سے کہا کہ مجھے بھی یقین آ گیا۔ پھر اس نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''وادی میں اترنے کی اجازت صرف اسی کو ملے گی جو ہاتھ والے کو لے کر آئے گا۔''

ڈیوڈ شا غور سے ہماری باتیں سن رہا تھا میں اور بوڑھا اردو میں بات کر رہے تھے لیکن اردو اسے آتی تھی۔ وہ ہماری گفتگو سمجھ رہا تھا۔ بوڑھے کی بات پر اس نے کہا۔ ''اگر میں ہاتھ والے کو لے آؤں تو؟''

''تو تم بھی وادی میں جا سکو گے۔'' بوڑھے نے کہا اور وہاں سے چلا گیا کیونکہ اس بار اس نے ہمیں سونے کا حکم نہیں دیا تھا اس لیے ہم جاگتے رہے۔ ورنہ وہ جب کہتا سو جاؤ تو ہم فرمانبردار بچوں کی طرف اس کے حکم پر سو جاتے تھے۔ میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔

''تم نے اس کی باتیں سنیں؟''

''ہاں اور سمجھ بھی رہا ہوں۔'' وہ بولا۔ ''قدرت نے ہمارے جسم میں توانائی کے پوشیدہ ذخائر رکھے ہیں جو ہنگامی حالات میں کام آتے ہیں ایک بار یہ ذخائر خرچ ہو جائیں تو دوبارہ بڑی مشکل سے بنتے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ یہ ہمارے اندر کی بیٹری ہے اور ہم جو روزانہ کھاتے پیتے ہیں وہ براہ راست پلگ ہے جو ہمیں توانائی دیتا ہے لیکن کبھی اچانک پلگ نکل جائے یا پاور بند ہو جائے تو ہم بیٹری سے چلتے ہیں۔ بیٹری دیر سے چارج ہوتی ہے۔ اس وقت یہ ہمیں طاقتور غذا دے کر ہماری اندر کی بیٹری چارج کر رہا ہے کیونکہ وہ اوپر سے نیچے آتے آتے خرچ ہو چکی ہے۔ ہم جتنا سوئیں گے اور آرام کریں گے ہماری بیٹری اتنی جلدی چارج ہو جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھ گیا۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا کہنا ہے ہمیں ابھی طویل سفر کرنا ہے۔''

ڈیوڈ شا مسکرایا۔ ''کیا تمہیں یقین ہے ہم وادی کے اتنے قریب آ کر دوبارہ واپس چلے جائیں گے؟''

''تب تم بتاؤ ہماری پاس اور کون سا راستہ ہے۔ جو شخص صرف حکم دے کر ہمیں میلوں دشوار راستوں پر چلائے جب کہ اس سے پہلے ہم میں چلنے کی سکت بھی نہ ہو اور پھر ایک بار کہے اور ہم سو جائیں تو اس کے حکم کی سرتابی ہم کس طرح کر سکتے ہیں۔''

''یہ صرف ایک انسان ہے اور ہمیں کسی عمل سے اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔ کیا ہم اس کا توڑ نہیں کر سکتے؟''

''کیسے کر سکتے ہیں؟''

''ہر چیز کا اثر اس کے وجود کے ساتھ ہوتا ہے اگر اس کا وجود ہی نہ رہے۔ اثر کیسے باقی رہے گا؟'' ڈیوڈ شا کا لہجہ یہ کہتے کہتے معنی خیز ہو گیا تھا۔

میں اسے شک سے دیکھا۔ ''ڈیوڈ شا تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''دیکھو راجا ہم اتنی دور سے اور اتنی کوشش کر کے یہاں اس لیے نہیں آئے ہیں کہ ایک ناتواں بوڑھے کے کہنے پر واپس چلے جائیں۔''

''وہ بوڑھا ضرور ہے لیکن ناتواں نہیں ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''وہ اتنا طاقتور ہے کہ ہمیں اپنے حکم پر چلا رہا ہے۔''

''وہ کتنا ہی طاقتور سہی لیکن ہے تو ایک انسان۔'' ڈیوڈ شا نے اصرار کیا۔ ''اور ہر انسان کی طرح اسے بھی موت آئے گی۔ اگر وہ نہ رہے تو اس کا حکم یا وادی میں اترنے کے اجازت نامے کیا حیثیت رہ جائے گی؟''

میں کانپ گیا تھا۔ ڈیوڈ شا برف والے بوڑھے کی زندگی کے خاتمے کی بات کر رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا ایسا سوچنا بھی مت..... وہ بوڑھا ہمارا محسن بھی ہے اور اگر وہ ہمیں یہاں نہ لاتا تو اب تک ہم مر چکے ہوتے۔''

''وہ اپنی غرض سے ہمیں یہاں لایا ہے۔ اسے ہاتھ والے یعنی شہباز کی ضرورت ہے۔''

''اگر وہ غرض سے بھی لایا ہے تب بھی ہمارا محسن ہے۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں اچھی طرح جان گیا ہوں تم خود غرض انسان ہو جو اپنی خواہش پر کسی انسان کو قربان کر سکتے ہو۔''

''ہاں میں ایسا کر سکتا ہوں کیونکہ آج کی دنیا کا اصول یہی ہے جو تمہاری راہ میں رکاوٹ بنے اسے ہٹا دو۔'' اس نے سفاک لہجے میں کہا۔

''ڈیوڈ شا اگر تم اپنے ذہن میں کوئی الٹا سیدھا خیال لا چکے ہو تو بہتر ہے اسے نکال دو۔ یہ بوڑھا تمہارے اندازوں سے بہت آگے کی چیز ہے میرا خیال ہے تم صرف نقصان اٹھا سکتے ہو اس سے ٹکرانے کی صورت میں۔''

وہ مسکرانے لگا۔ ''تم تو سنجیدہ ہو گئے میں مذاق کر رہا تھا۔ میں مانتا ہوں یہ ہمارا محسن ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگرچہ ڈیوڈ شا نے اچانک پتری تبدیل کی تھی لیکن مجھے اس پر اعتماد نہیں تھا وہ کوئی ایسی حرکت کر سکتا تھا جس سے ہم دونوں ہی مشکل میں پڑ جاتے۔ اس بار ہم جاگتے رہے تھے لیکن بستر سے نہیں اٹھے تھے۔ میں نے اٹھنے کا سوچا لیکن اٹھا ہی نہیں گیا تھا میں سمجھ گیا کہ بوڑھے کی طرف سے ہمیں اجازت نہیں ہے۔ بے بسی سے بستر پر پڑے رہنا اور اپنی مرضی سے ہل نہ پانا کتنا بڑا عذاب ہے یہ میں نے اس دن جانا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ بوڑھا ہمیں پہلے کی طرح سلا جاتا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ ہم اسے آواز بھی نہیں دے سکتے۔ ہمیں اس کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ہم تقریباً سات آٹھ گھنٹے اسی حالت میں پڑے رہے۔ ڈیوڈ شا اب خاموش تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ اس کا شاطر ذہن کچھ سوچنے میں مصروف ہے۔

پھر بوڑھا آیا اور پہلے ہمیں غار کے ایک اندرونی حصے میں لے گیا جہاں ایک نالا بہہ رہا تھا۔ یہ جگہ رفع حاجت کے لیے مخصوص تھی۔ ہم فارغ ہو کر آئے تو اس نے پھر سوپ پلایا اور سونے کا حکم دیا اور ہم سو گئے۔ اگلی تین بار ایسا ہی ہوا تھا۔ یعنی ہم نے اس کا تیار کردہ سوپ سات بار پیا تھا اور میرے اندازے کے مطابق ہر آٹھ گھنٹے بعد پیا تھا یعنی ہمیں وہاں آئے ہوئے دو دن گزر چکے تھے۔ اس بار بوڑھے نے ہمیں سوپ نہیں دیا بلکہ سوکھا گوشت کھانے کو دیا۔ یہ مرغے کا تھا میں نے سوچا ہی نہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام لیکن اسے کھاتے ہوئے نہ تو مجھے کراہت ہوئی اور نہ خیال آیا کہ جانور ذبح بھی ہے یا نہیں۔ پھر بوڑھے نے ہمیں دو تھیلے دیئے تھے۔ ''یہ تم دونوں سفر کے لیے ہے اور تم اس کی مدد سے دس دن آرام سے گزار سکتے ہو۔''

''کیا ہمیں واپس جانا ہوگا؟'' میں نے پوچھا وادی کے اتنے نزدیک آ کر واپس جانے کے خیال سے میرا دل ڈوب رہا تھا۔ یہی وہ ہستی تھی جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ پیاری تھی۔ میں اس سے ایک بار ملنے اور ایک بار دیکھنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ بوڑھے نے جان لیا تھا اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''تم فکر مت کرو تم واپس آؤ گے اور اس سے ملو گے۔ یہ اوپر والے نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اور پھر تم یہیں رہ جاؤ گے۔''

''لیکن ہاتھ والا.....'' میں نے کہنا چاہا تو اس نے روک دیا۔

''اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرو اور اب چلنے کی تیاری کرو۔'' اس نے مخصوص تحکمانہ انداز میں کہا جس کے بعد چوں چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ مجبوراً میں نے گوشت کا تھیلا اپنے شانے پر لادا۔ ڈیوڈ شا نے اپنا تھیلا اٹھا لیا تھا۔ ہم بوڑھے کے ساتھ اس کے غار سے باہر آئے اور اوپر چڑھنے لگے یہی راستہ اب میری نظروں کے سامنے نیچے جا رہا تھا لیکن میں نیچے نہیں جا سکتا تھا۔ مجھے اوپر جانا تھا اور واپس جانا تھا۔ بوڑھا ہمارے آگے آگے چلنے لگا۔ اس کے پیچھے ڈیوڈ شا تھا اور سب سے پیچھے میں تھا۔ اترنے کے مقابلے میں چڑھائی زیادہ دشوار ہوتی ہے لیکن مجھے اوپر چڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ یہ شاید بوڑھے کی دی ہوئی خوراک کا کمال تھا کہ اسی سال کی عمر میں بھی میں جوانوں کی طرف ایک دشوار ترین پہاڑی دیوار پر چڑھ رہا تھا۔

اس جگہ حسب معمول دھند تھی لیکن یہ راستہ دیکھنے میں رکاوٹ پیدا نہیں کر رہی تھی۔ بوڑھے کے ہاتھ میں موجود مشعل کی روشنی سے راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ دھند کا مطلب تھا کہ دن کا آغاز ہو گیا ہے۔ ابھی ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ اوپر گئے ہوں گے کہ میں نے ڈیوڈ شا کی رفتار تیز ہوتے دیکھی وہ بوڑھے کے پاس جا رہا تھا۔ اگر میرا ذہن رنج میں نہ ڈوبا ہوتا تو مجھے احساس ہو جاتا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ اچانک ہی میں نے ڈیوڈ شا کو بوڑھے کے قریب جاتے اور اسے ہاتھ سے دھکا دیتے دیکھا۔ یہ موڑ تھا اور بوڑھا آگے خلا میں گیا تھا جس کے بعد ہزاروں فٹ تک صرف خلا ہی تھا۔ میں دم بخود رہ گیا تھا۔

ایک لمحے کو مجھے لگا کہ ڈیوڈ شا کے ہاتھ نے بوڑھے برف والے کو تنگ راستے سے نیچے لامتناہی خلا میں دھکیل دیا ہے اور وہ نیچے گرتا چلا جا رہا ہے لیکن نہیں..... ایسا نہیں ہوا تھا۔ جو ہوا وہ میری تو کیا ڈیوڈ شا کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا۔ ڈیوڈ شا کا ہاتھ بوڑھے کے وجود سے یوں گزر گیا جیسے وہ گوشت پوست کا نہیں بلکہ دھویں سے بنا انسان ہو۔ ڈیوڈ شا نے یقیناً اسے دھکا دینے کے لیے اپنی پوری قوت استعمال کی تھی اور اب یہی قوت اس کے خلاف چلی گئی تھی۔ اس کا جسم غیر متوازن ہوا۔ بوڑھا اس دوران میں ذرا آگے چلا گیا تھا اور ڈیوڈ شا راستے کے بالکل کنارے کھڑا ڈگمگا رہا تھا۔ میں دم بخود کھڑا تھا اور میرا خیال تھا کہ ڈیوڈ شا مکافاتِ عمل کا شکار ہونے والا ہے۔ اس کا توازن مسلسل بگڑ رہا تھا اور صاف لگ رہا تھا راستے پر اس کی برقرار رہنے کی کوشش ناکام رہے گی۔ نیچے سوائے خلا کے کچھ نہیں تھا اور یہ یقینی موت کا خلا تھا لیکن اس سے پہلے کہ ڈیوڈ شا اس خلا میں جاتا اچانک بوڑھا مڑا اور اس نے ڈیوڈ شا کا ہاتھ تھام لیا اور اسے آگے کھینچ لیا اور ایک سیکنڈ میں اس کا وجود گرنے کے خطرے سے نکل آیا تھا۔ یہ سب مشکل سے چار یا پانچ سیکنڈ میں ہوا تھا۔

جب ڈیوڈ شا نے بوڑھے کو راستے سے نیچے گرانے کی کوشش کی اور پھر ناکام ہونے کے بعد خود گرنے والا تھا۔ پھر بوڑھے نے اسے بچا لیا اور یہ سب چند سیکنڈ میں ہوا لیکن مجھے لگا جیسے میں نے کتنا طویل اور تفصیلی واقعہ دیکھا ہو۔ مزے کی بات تھی کہ بوڑھے نے ایسا کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا جس سے پتا چلے کہ وہ ڈیوڈ شا کی حرکت سے واقف ہو گیا تھا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ ''سنبھل کر..... راستہ خطرناک ہے۔'' یہ کہہ کر بوڑھا دوبارہ چل پڑا۔

میں حیرت کے جھٹکے سے سنبھلا اور ڈیوڈ شا کے پاس سے گزرتا ہوا بوڑھے کے پیچھے جانے لگا۔ بادلِ ناخواستہ ڈیوڈ شا بھی ہمارے پیچھے آیا تھا۔ وہ سہم گیا تھا یا کوئی اور بات تھی اس کے بعد اس نے مجھ سے یا بوڑھے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ ہم میں سے کسی نے بات نہیں کی تھی۔ سفر خاموشی سے طے ہوا اور کوئی دو گھنٹے بعد ہم وادی سے باہر آ چکے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق ہم نے تیزی سے سفر کیا تھا حالانکہ چڑھائی بہت دشوار تھی۔ نصف صدی پہلے جب میں اس راستے سے گزرا تھا تب یہ اتنا دشوار نہیں تھا۔ اس دوران میں اس کی حالت مزید خراب ہو گئی۔ اتنی آسانی سے سفر کرنے کا مطلب تھا کہ ہماری جسمانی حالت بہت بہتر ہوئی تھی۔ جب ہم اوپر پہنچے تو دن نکل آیا تھا اور ہم نے گرم لباس پہنا ہوا تھا اس کے باوجود سردی سے برا حال تھا۔ درجہ حرارت دس درجے منفی سے نیچے ہی تھا اور اس سردی میں بوڑھا معمولی لباس میں سکون سے کھڑا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''راستہ تمہیں آتا ہے موسم بھی بہتر ہوگا۔ بس چوتھے اور پانچویں دن معمولی طوفان آئیں گے۔ تم آرام سے واپس پہنچ جاؤ گے۔ اس کے بعد تم اسے لے کر واپس آؤ گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کوشش کروں گا۔'' میں نے کہا۔ اس کا اشارہ یقیناً تمہاری طرف تھا شہباز ملک۔

''ضرور کرو لیکن جلدی کرو، کیونکہ تمہارے پاس وقت کم رہ گیا ہے۔'' بوڑھے نے کہا اور پھر ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''اس بار تم کامیاب نہیں ہو سکے لیکن ایک وقت آئے گا جب تم کامیاب رہو گے۔ جب تم اپنی دنیا میں پہنچ جاؤ گے تو تمہیں جسمانی سزا ملے گی۔ اسے ٹھیک کرنے کی کوشش مت کرنا وہ اپنے وقت پر خود ٹھیک ہو جائے گی۔''

ڈیوڈ شا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ بوڑھا اچانک مڑا اور نیچے جانے والے راستے سے پہلے موجود دراڑ میں غائب ہو گیا۔ ڈیوڈ شا کچھ دیر کھڑا رہا پھر اس کے پیچھے لپکا۔ میں نے عقب سے اسے آواز دی۔ ''ڈیوڈ بے کار ہے راستہ پھر نہیں ملے گا واپس آ جاؤ۔''

اس نے میری بات نظر انداز کی اور دراڑ میں غائب ہو گیا۔ کوئی دس منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے چہرے پر مایوسی تھی۔ اس نے اپنا تھیلا نیچے پھینکا اور اس پر بیٹھ گیا وہ دبی زبان میں گالیاں دے رہا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے تھیلا کھول کر دیکھا تو اس میں ویسا ہی ابلا ہوا گوشت بھرا ہوا تھا جیسا کہ برف والے بوڑھے نے ہمیں کھلایا تھا۔ یہ ہماری کل رسد تھی۔ میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے تمہاری تسلی ہو گئی ہے اس لیے اب چلتے ہیں۔''

ڈیوڈ شا کی ذہنی حالت کسی قدر خراب تھی اس نے بگڑے انداز میں کہا۔ ''تم نے دیکھا میں نے اس بوڑھے کو دھکا دیا لیکن میرا ہاتھ اسے نہیں چھو سکا تھا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں میرا ہاتھ اس کے جسم سے یوں گزر گیا جیسے اس کا جسم شفاف اور ہوا سے بنا ہو۔''

''میں نے دیکھا تھا اور پھر تم نیچے گرنے والے تھے۔'' اس نے ایک بار پھر تمہاری زندگی بچالی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''لیکن تمہارے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔''

''تبدیلی آئے گی بھی نہیں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''بات فطرت کی ہے ہر آدمی اپنی فطرت پر چلتا ہے۔''

میں نے اور اس نے اپنے تھیلے شانوں پر لاد لیے۔ ان دونوں تھیلوں میں تقریباً دس دس کلو گرام گوشت تھا اور بوڑھے نے ٹھیک کہا تھا یہ ہمارے دس دن کی خوراک کے لیے کافی تھا۔ میری گھڑی میں دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا اور سردیوں میں یہاں شاید چار بجے ہی سورج غروب ہو جاتا اس سے پہلے پہلے ہمیں جتنا ممکن ہوتا سفر کر لینا تھا۔ اس لیے ہم فوراً روانہ ہو گئے۔ کئی گھنٹے چڑھائی کے باوجود ہم تازہ دم تھے۔ اس سارا دن ہم سفر کرتے رہے اور جب آسمان تاریک ہو گیا تو ایک ڈھلان کے ساتھ برف کھود کر ہم نے غار بنایا اور اس میں گھس کر لیٹ گئے۔ تقریباً جما ہوا گوشت چبا کر اپنی بھوک کا مداوا کیا۔ سردی کی شدت سے تھکن کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

''تمہیں اندازہ ہے بوڑھے نے تم سے کیا کہا تھا؟''

''ہاں اس نے کہا تھا کہ میں ابھی اسے قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہوں لیکن ایک وقت آئے گا جب میں کامیاب رہوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے بے یقینی سے کہا۔ ''بوڑھے نے یہ کہا تھا؟''

''تو اس کی بات کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔'' ڈیوڈ شا بولا۔ ''اگر یہ بات درست ہے تو مجھے بہت خوشی ہوگی کہ وہ بوڑھا میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔''

میں ڈیوڈ شا کی لاف گزاف سن رہا تھا اور مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا تھا کہ برف والا بوڑھا جو اتنی طاقتوں کا مالک تھا ڈیوڈ شا کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ ''میرا خیال ہے اس نے وادی میں اترنے کے بارے میں کہا تھا۔''

''نہیں اس نے اس بارے میں نہیں کہا تھا۔'' ڈیوڈ شا کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔ ''اس نے اپنے مرنے کے بارے میں کہا تھا اور نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ میں وادی میں نہیں اتر سکوں گا۔''

غار کے سوراخ سے ہلکی سی روشنی جھلک رہی تھی لیکن ہم ایک دوسرے کو دیکھنے سے قاصر تھے۔ میں اس کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ''تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟''

''بس لگتا ہے، ہم جیسے لوگوں کی چھٹی حس تیز ہوتی ہے۔''

''جب تمہیں لگتا ہے کہ تم وادی میں نہیں اتر سکو گے تو تم اس کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟''

''کیونکہ میں کوشش کا قائل ہوں۔ تم کہہ سکتے ہو کہ میں عملی آدمی ہوں۔''

مجھے وہ عملی سے زیادہ ضدی اور انا پرست شخص لگا تھا جو اپنی ضد بہر صورت پوری کر کے رہتا ہے۔ میں نے اس سے بحث نہیں کی تھی۔ رات کسی وقت ہمیں نیند آ گئی تھی۔ اگلے تین دن ہم آرام سے سفر کرتے رہے تھے۔ سردی کی شدت سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا تھا کہ برف جم کر سخت ہو گئی تھی اور اس پر سفر کرنا آسان تھا۔ موسم صاف رہا اور صرف دو دن معمولی سا برفانی طوفان آیا تھا جس کی پیش گوئی برف والے بوڑھے نے پہلے ہی کر دی تھی۔ سفر کے نویں دن ہم ہمالیہ کی برفانی پٹی سے نکل آئے تھے اور مزید ایک دن کے سفر کے بعد ہم پہلی انسانی بستی تک پہنچے تھے اس وقت ہماری خوراک تقریباً ختم ہونے والی تھی اگر ایک دن مزید ہمیں کوئی آبادی نہ ملتی تو ہم فاقہ کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ اس سفر کے دوران اگرچہ ہم ساتھ ساتھ رہے اور بعض مشکلات سے بھی ایک ساتھ گزرے لیکن یقین کرو ہمارے اندر موجود فاصلے میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی۔ مجھے ڈیوڈ شا سے ویسی ہی نفرت محسوس ہو رہی تھی اور مجھے یقین ہے کچھ ایسے ہی احساسات اس کے دل میں بھی میرے لیے موجود ہوں گے۔

یہ گاؤں ایک شرپا قبیلے کا تھا اور انہوں نے ہماری بہت خدمت اور مدد کی۔ دو دن ہم ان کے مہمان رہے اور پھر انہوں نے گھوڑوں اور ایک گائیڈ کے ساتھ ہمیں روانہ کیا۔ پہلی شہری آبادی آتے ہی ڈیوڈ شا ہم سے الگ ہو گیا اور میں نے رانا ویاس کو کال کی۔ اس کے آدمی جو ہمالیہ کے پاس میری پارٹی کا انتظار کر رہے تھے وہ آئے اور مجھے رانا ویاس کے پاس لے گئے کیونکہ ہم اس جگہ نہیں آئے تھے جہاں سے روانہ ہوئے تھے اس لیے ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ رانا ویاس کے پاس پہنچ کر مجھے تم سب کے بارے میں پتا چلا کہ تم چلے گئے ہو۔ رانا ویاس تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا لیکن اسے ہر بار تمہارے بارے میں ذرا تاخیر سے علم ہوتا اور اس دوران میں یہ بات بھی کھل گئی تھی کہ بھارتی حکومت کو مطلوب تم اور تمہارے ساتھی رانا ویاس کے پاس رہے تھے اس پر انکوائری شروع ہو گئی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوہ.....'' میں نے کہا۔ ''وہ خاصی مشکل میں پڑ گئے ہوں گے؟''

''نہیں وہ سیاست دان ہے اور پھر حکومت میں شامل بھی ہے اس لیے اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ ویسے بھی بنگال کی حکومت سے دلی والے بھی دبتے ہیں۔ اس لیے جب تک میری واپسی ہوتی رانا دیاس معاملے کو دبا چکا تھا۔ اب یوں سمجھ لو کہ بھارتی حکومت کے پاس تمہاری فائل تو ہے لیکن اوپن نہیں ہے۔ کیونکہ رفتہ رفتہ ان قبائلیوں کے بارے میں حقائق سامنے آ رہے ہیں جن کو بھارتی سرکار نے صرف ہیروں کی کان پر قبضے کے لیے ان کے علاقے سے نکال دیا اور ان میں سے بہت ساروں کو فوج سے مروا دیا۔ اس لیے معاملے کو دبانے میں عافیت سمجھی گئی۔''

''ان سارے واقعات کا میں چشم دید گواہ ہوں، بھارتی فوج جدید ترین ہتھیاروں اور فضائی قوت کی مدد سے ان نہتے اور معصوم قبائلیوں کے خلاف کارروائی کر رہی تھی۔ مارے جانے والے ہزاروں افراد میں بہت بڑی تعداد عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی تھی۔''

''مارے جانے والے بے چارے نچلی ذات کے لوگ تھے اس لیے ان کی کہیں شنوائی نہیں ہوئی۔'' راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔

مجھے خیال آیا۔ برف والے بوڑھے نے ڈیوڈ شا کی حرکت پر اسے عتاب کی نوید سنائی تھی اور ایمن نے مجھے بتایا تھا کہ ڈیوڈ شا کے ہاتھ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا ہے۔ ''راجا صاحب پچھلے دنوں ڈیوڈ شا کا ایک ہاتھ کہنی تک آبلوں سے بھر گیا تھا لیکن جب وہ مجھے ملا تو بالکل ٹھیک تھا کہیں یہ اسی برف والے بوڑھے کو دھکا دینے کی سازش کی سزا تو نہیں ہے؟ اس نے اسی ہاتھ سے بوڑھے کو نیچے دھکا دینے کی کوشش کی تھی۔''

''شاید۔'' راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ''بوڑھے نے کہا تھا کہ سزا کچھ وقت کے بعد خود بہ خود ختم ہو جائے گی ڈیوڈ شا اس کا علاج کرانے کی کوشش نہ کرے۔''

''اس نے ہدایت پر عمل کیا اور اب اس کا ہاتھ بالکل ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ وقت خاصا ہو گیا تھا اور پھر راجا عمر دراز کی دوائی اور نیند کا وقت آ گیا تھا۔ اس لیے میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''راجا صاحب اب آپ آرام کریں۔''

''شہباز..... تم نے جواب نہیں دیا۔'' وہ پُر امید لہجے میں بولا۔

''راجا صاحب یہ معاملہ اتنا آسان نہیں ہے۔ مجھے اپنے ساتھیوں سے بھی پوچھنا ہوگا۔ مونا، سفیر اور وسیم دبئی سے آ گئے ہیں۔ مرشد ایک بار پھر ہمارے درپے ہے اور میں اسے فری ہینڈ نہیں دے سکتا کہ وہ میرے پیاروں اور میرے گھر والوں کے خلاف جو چاہے کرے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اگر ذرا سی بھی گنجائش نکلی تو میں آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا لیکن ابھی آپ کو کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا ہوں۔ اس کے لیے میں آپ سے معذرت چاہوں گا۔''

راجا عمر دراز نے اپنا سر تکیے پر رکھ لیا۔ ''میں جانتا ہوں بیٹے تم جو کہتے ہو وہ کرتے ہو ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا اور دعا کروں گا کہ خدا تمہارے تمام مسائل حل کرے۔''

''مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت بھی ہے راجا صاحب۔'' میں نے جواب دیا۔ ''آپ کا عملی تعاون تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ویسے ہی میسر ہے۔"

"ریاست سے باہر میرے تمام امور کا نگران اب عبداللہ ہے اور میں نے اسے مکمل آزادی دے رکھی ہے کہ وہ تمہارا ساتھ جس طرح چاہے دے، میں جانتا ہوں وہ تمہارا جاں نثار ہے لیکن میری ملازمت کی وجہ سے کہیں کہیں مجبور ہو جاتا ہے۔ بہر حال اب تم اس سے جس طرح چاہے کام لے سکتے ہو۔"

"میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں اور عبداللہ واقعی میرا مخلص ساتھی ہے۔ میں اسے وسیم یا بیتو سے کم نہیں سمجھتا ہوں۔ اس وقت بھی میری ساتھی خواتین عبداللہ والی کوٹھی میں ہیں۔"

راجا عمر دراز کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "مرشد اس وقت جس آمر کے بل پر اکڑ رہا ہے اس کا وقت بھی قریب آ گیا ہے اور نئی حکومت آتے ہی وہ اپنی اوقات پر آ جائے گا۔ میرا مشورہ ہے اس وقت تک اس سے دور رہنے کی کوشش کرو۔"

"میں نے کبھی اس سے الجھنے کی کوشش نہیں کی لیکن بات اب میرے گھر والوں اور رشتے داروں تک آ چکی ہے اس لیے میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا ہوں۔"

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ "میں سمجھتا ہوں، وہ گھٹیا قسم کا شخص ہے۔"

"وہ ان دنوں فرعون بنا ہوا ہے آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس نے ڈیوڈ شا کی ضمانت کو بھی جوتے کی نوک پر رکھ دیا۔"

"وہ اسی قسم کا آدمی ہے اور جب اسے ڈیوڈ شا کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ اس کے قدموں میں لوٹنے سے گریز نہیں کرے گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے ڈیوڈ شا اسے معاف کر دے گا؟"

"اگر ڈیوڈ شا کا مفاد اس میں ہو گا تو وہ اسے ضرور معاف کر دے گا ورنہ اسے دوسروں کے لیے نمونہ عبرت بنا دے گا۔ وہ بھی مرشد سے کچھ خاص مختلف نہیں ہے صرف بنتا ہے۔"

میں راجا عمر دراز کے تجزیے سے متفق تھا۔ مرشد اور ڈیوڈ شا میں فرق صرف تحمل کا تھا ورنہ ڈیوڈ شا اندر سے مرشد سے کچھ خاص مختلف نہیں تھا۔ میں کچھ دیر راجا عمر دراز سے بات کرتا رہا پھر وہاں سے اٹھ گیا۔ باہر حکیم قادس اور نوعمر خادمہ منتظر تھے۔ حکیم قادس نے اتنی دیر کرنے پر مجھے گھورا اور کمرے میں چلا گیا۔ نوعمر خادمہ مسکرائی اور اشارے سے مجھے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ اس کے نقوش کسی قدر چینی تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہت دل کش اور تر و تازہ حسن کی مالک تھی۔ قد بوٹا سا تھا اور مخصوص طرز کے مقامی لباس میں بھی اس کی جسمانی دل کشی نمایاں تھی۔ اس کی چال اس دل کشی کو مزید نمایاں کر رہی تھی۔ وہ یقیناً مجھے مہمان خانے تک لے جا رہی تھی۔ راجا عمر دراز کے محل کا پروٹوکول تبدیل کر دیا تھا اب باہر کا کوئی فرد چاہے وہ میرے جیسا قریبی آدمی کیوں نہ ہوا کیلئے محل میں نقل و حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ خاص طور سے اس حصے میں جہاں راجا عمر دراز کی رہائش تھی۔ پہلے یہ جگہ مہمان خانے سے ملی ہوئی تھی لیکن اب اسے بند کر دیا گیا تھا اور محل میں آمد و رفت ایک سرنگ سے ممکن تھی جس پر ہمہ وقت پہرہ رہتا تھا۔ پہریدار نے نوعمر خادمہ کی طرف دیکھا تو اس نے شاید اسے سیکرٹری بیگ کی طرح کوئی اشارہ کیا اور اس نے بنا کسی مزاحمت کے ہمیں جانے دیا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لڑکی صرف خادمہ نہیں تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلکہ اسے اور بھی کچھ اختیارات حاصل تھے اور وہ محرم راز بھی تھی۔ اب مجھے خیال آیا کہ وہ اتنی کم سن بھی نہیں تھی جتنی اپنے نازک ہاتھ پاؤں اور معصومانہ نقوش سے لگتی تھی۔

مہمان خانے میں داخل ہونے کے بعد میں خود اپنے کمرے کی طرف جانے لگا اور میرا خیال تھا کہ وہ واپس چلی جائے گی لیکن وہ میرے ساتھ رہی اور جب میں کمرے میں داخل ہوا تو وہ بھی پیچھے ہی آ گئی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ نشیلے انداز میں مسکرائی اور صاف اردو میں بولی۔ ''میں آپ کی خادمہ ہوں اور آپ کی خدمت کے لیے آئی ہوں۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ راجا عمر دراز ایک ذرا مختلف قسم کا شخص تھا۔ میرا خیال تھا اس کی جاگیر اس قسم کی لعنتوں سے پاک ہوگی جو ہمارے جاگیر طبقے میں عام پائی جاتی ہیں اور ان میں ایک وہ کنیزیں بھی ہیں جو نہ صرف جاگیرداروں اور ان کے اہلِ خانہ کی جسمانی ضرورتوں کو پوری کرتی ہیں بلکہ ان کے مہمانوں کی دل بستگی کا سامان بھی کرتی ہیں۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ راجا عمر دراز کے محل میں بھی اس قسم کی خادمائیں پائی جاتی ہوں گی۔ میں نے غور سے اسے دیکھا تو وہ نہ جانے کیا سمجھی اور اس نے اپنی بھاری چادر اتار دی۔ اس کے نیچے اس نے مقامی طرز کا لیکن بہت ہلکا سا اور چست لباس پہن رکھا تھا جو اس کی بدنی دل کشی کو نمایاں کر رہا تھا۔ خاص طور سے وسیع گریبان دائروں تک پہنچ رہا تھا۔

''تم میری کیا خدمت کر سکتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

اس کی آنکھوں اور چہرے سے شوخی جھلکنے لگی۔ چند لمحے پہلے والی معصومیت کہیں غائب ہو گئی تھی۔ اس نے لوچ دار لہجے میں کہا۔ ''جو آپ چاہیں۔ میں آپ کے پاؤں اور جسم دبا سکتی ہوں مالش کر سکتی ہوں۔ میں مالش بہت اچھی کرتی ہوں اور جو آپ چاہیں۔''

''مجھے ایسی کسی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور بستر کے کنارے بیٹھ کر جوتوں کے فیتے کھولنے لگا تو وہ جلدی سے آگے آئی اور خود فیتے کھولنے لگی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے اب تم جا سکتی ہو۔''

لیکن اس نے میری بات سنی ہی نہیں تھی اس کے بجائے اس نے فیتے کھولے اور پھر جوتے اتارے، موزے اتارے اور اپنی نرم و نازک انگلیوں سے میرے پاؤں سہلانے لگی۔ میں اسے کسی قدر سختی سے منع کرنے جا رہا تھا لیکن اس کی انگلیوں نے ایسا سرور دیا کہ میں رک گیا۔ وہ نہایت مہارت سے انگلیاں اور پاؤں دبا اور سہلا رہی تھی۔ اس کی انگلیوں سے جیسے خفیف سی برقی رو نکل رہی تھی۔ پھر اس کے ہاتھ پنڈلیوں کی طرف بڑھے تو میں چونک گیا۔ وہ بہت قریب آ گئی تھی۔ میں نے اسے روک دیا۔

''بس اتنا کافی ہے اب تم جاؤ۔'' میں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی دکھائی دی تھی۔

''کیا میں آپ کو اچھی نہیں لگی؟''

''تم اچھی ہو لیکن میں اچھی چیزوں کو دور سے دیکھنے کا قائل ہوں۔'' میں نے پاؤں سمیٹ لیے تو وہ کھڑی ہو گئی۔ ''ایک بات بتاؤ کیا تمہیں راجا صاحب یا بیگ صاحب کی طرف سے کوئی حکم ملا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں جناب۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ "میں خود آپ سے پاس آئی ہوں۔"

"اس سے پہلے تم محل میں آنے والے کتنے مہمانوں کی خدمت میں اس طرح آچکی ہو؟"

میرے سوال پر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور احتجاجی انداز میں کہا۔ "آپ غلط سمجھ رہے ہیں میں ایسی لڑکی نہیں ہوں، آپ مجھے اچھے لگے اس لئے آپ کے پاس آئی ہوں۔"

مجھے اس کی بات کا بلکل یقین نہیں آیا تھا۔ کوئی بھی شریف لڑکی یا عورت کسی غیر مرد کے کمرے میں رات کے اس وقت آکر ہر طرح کی خدمت کی پیش کش نہیں کرتی ہے اور نہ جانے کیوں مجھے لگا وہ جنس کے معاملے میں ناتجربہ کار نہیں تھی۔ بہر حال مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ تجربے کار تھی یا ناتجربے کار۔ میں اسے نظر انداز کر کے بستر پر دراز ہو گیا اور ہلکا کمبل سینے تک اوڑھ لیا۔ باہر شدید سردی تھی لیکن اندر اس کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا بس یوں سمجھ لیں کہ پتا چل رہا تھا موسم سرد ہے اور رات گزارنے کے لئے یہ کمبل بھی کافی تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر اس نے ایک جھٹکے سے اپنی چادر اٹھائی اور اسے اوڑھتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گئی البتہ دروازہ اس نے بے آواز بند کیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ یہاں ملازم اور دوسرے لوگ بے آواز طریقے سے چلتے تھے اور چیزوں کو بھی اسی طرح استعمال کرتے تھے کہ کوئی غیر ضروری اور نمایاں کرنے والی آواز پیدا نہ ہو۔ ملازمہ کے جانے کے بعد میں کسی قدر بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اسے نظر انداز کر کے میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اپنی اس کوشش میں کامیاب رہا تھا لیکن رات کسی وقت اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ بیدار ہوتے ہی میری چھٹی حس نے بتایا کہ میں کمرے میں اکیلا نہیں ہوں۔ میری آنکھیں بند تھی میں نے خفیف سی جھری کر کے دیکھا تو دم بخود رہ گیا۔ کمرے میں خادمہ موجود تھی اور وہ اس حال میں تھی کہ اس کے جسم پر لباس کے نام پر ایک تار نہیں تھا اور اس کا شفاف چاندنی جیسا جسم جگہ جگہ کھرونچوں اور لہو کی سرخی سے سجا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کی وحشت اور درندگی کا شکار ہو کر میرے کمرے میں آئی ہو۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی۔



اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
دسویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انوکھا، انوٹھا، زنجیر آپنے سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل وفہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر وشر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار ورموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل وغارت گری، تباہی وبربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

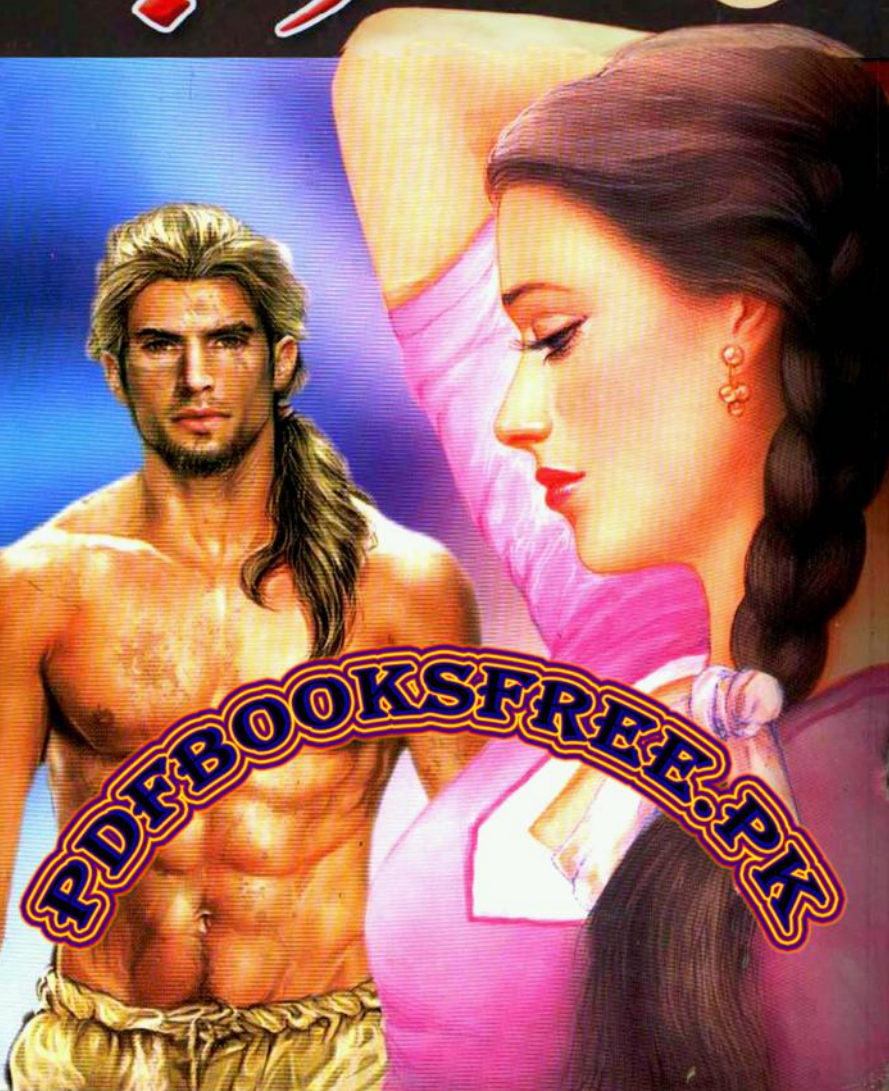
علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail:alimian_publications@yahoo.com

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

10



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

دسواں حصہ

کاشف زبیر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247414

پیشکش www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 200 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 ONR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وہ دونوں ہاتھ پشت پر رکھے اور تن کر کھڑی تھی۔ اس کا یہ پوز نہایت قاتلانہ تھا لیکن فی الحال وہ کسی مشکل میں گرفتار نظر آ رہی تھی۔ میں اٹھنے کا سوچ رہا تھا کہ اس کا اپنی پشت پر موجود دایاں ہاتھ سامنے آیا اور میں اس میں وہ خنجر دیکھ کر چونک گیا جو میرے کمرے میں ایک طرف آرائش کے طور پر لگا تھا۔ یہ یقیناً قدیم نوادر تھا اور اس وقت خادمہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے پاس آ کر ہاتھ بڑھا کر میرے سینے سے کمبل ہٹا دیا۔ اس کے قاتلانہ عزائم پہلے سے اس کے چہرے پر نظر آ رہے تھے لیکن میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ اس نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور اتنی تیزی سے میرے سینے پر وار کیا کہ میں بمشکل ہی بروقت اس کا ہاتھ روک سکا تھا۔ سیکنڈ کی دسویں حصے کی تاخیر میری ساری خوش فہمی ہمیشہ کے لئے دور کرنے کا باعث بن سکتی تھی جو میں اسے اناڑی اور کمزور جان کر کر رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے اس کا ہاتھ تھاما وہ کسی شیرنی کی طرح غرائی اور اس کے جسم نے بل کھایا۔ اس حرکت کی وجہ اس وقت میری سمجھ میں آئی جب دوسرا ہاتھ جو بدستور پشت پر تھا اچانک گھوم کر سامنے آیا اور ان میں دو بے خنجر کی نوک میری گردن کی طرف لپک رہی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھاما تھا کیونکہ اس وار کے پیچھے اس کا وزن بھی تھا اور یہ وزن اچھا خاصا تھا۔ اگر میں ایک ہاتھ چھوڑتا تو وہ خنجر میرے سینے میں نہ بھی اتارتی تب بھی مجھے زخمی کر سکتی تھی۔ اگر میں اس کا دوسرا ہاتھ نہ روکتا تو لازمی مارا جاتا کیونکہ سینے کی نسبت گردن پر کیا جانے والا وار زیادہ مہلک ہوتا ہے۔

اب میرے پاس ایک ہی راستہ تھا میں اسے لے کر بائیں طرف گھوما وہ میرے دائیں طرف تھی اور میں نے اسے بائیں طرف اچھالنے کی کوشش کی لیکن اس نے میری حرکت بھانپ لی اور اپنا وزن یک دم مجھ پر گرایا۔ اس کی کوشش تھی کہ مجھ سے اتنے پاس رہے کہ خنجر سے مجھے نقصان پہنچا سکے اور میری کوشش تھی کہ میں اسے اتنا دور کر دوں کہ وہ خنجر سے کوئی مہلک وار نہ کر سکے۔ میری حرکت کی وجہ سے ہم دونوں ہی جزوی طور پر کامیاب رہے، میں اسے دور کرنے میں کامیاب رہا اور اس نے دائیں ہاتھ والا خنجر میرے بائیں بازو پر مارا۔ میں نے بمشکل وار بچایا اور تڑپ کر اسے دور اچھال دیا یہ یوں آسان ہوا کہ وہ مجھ پر سوار تھی۔ وہ اچھلی اور بستر سے نیچے جا گری۔

اس کے گرتے ہی میں تیزی سے حرکت میں آیا۔ میں اپنی طرف سے بستر سے نیچے اتر آیا۔ اس دوران میں وہ دوبارہ کھڑی ہو کر میری طرف جھپٹی تھی۔ اس کا انداز نہایت وحشیانہ اور ڈرانے والا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یہ وہی حسین اور معصوم نظر آنے والی لڑکی ہے جسے دیکھ کر کسی مرد کی دل کی دھڑکن تو تیز ہو سکتی تھی لیکن اسے دیکھ کر موت کا خیال نہیں آتا تھا۔ اس وقت وہ سراپا موت بنی ہوئی تھی اور میرے ذہن میں اگر کہیں اس کی جسمانی دلکشی کا خیال تھا تو وہ اب غائب ہو چکا تھا اور میں اس سے نمٹنے کے لیے پوری طرح مستعد تھا۔ جیسے ہی وہ پاس آئی اور اس نے مہارت سے خنجر لہرا کر مجھے مضروب کرنے کی کوشش کی میں یک دم سلپ ہوا اور پاؤں اس کے پیروں پر مارا۔ وہ لڑکھڑا کر بری طرح گری اور اس کا ایک خنجر خود اس کی ران میں اتر گیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا لیکن اس کے لیے بہت تھا۔ میں نے عقب سے لات مار کر دوسرے ہاتھ کا خنجر اُڑا دیا۔

اپنا ہی خون دیکھ کر اس کی وحشت ختم ہو گئی تھی اور اس کی جگہ خوف نے لے لی تھی۔ وہ رو رہی تھی اور چیخ رہی تھی۔ شاید اس کی چیخ باہر پہنچی تھی کیونکہ فوراً ہی دھڑام سے دروازہ کھلا اور مجھے ایک اجنبی مرد نظر آیا اس نے محل کے محافظوں والا لباس پہن رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں خود کار رائفل تھی۔ پہلے میں سمجھا کہ وہ میری مدد کے لیے آیا اور میں فرش سے اٹھنے والا تھا کہ میں نے رائفل کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھا اور میں دوبارہ فرش پر گرا۔ اس سے پہلے وہ رائفل کا رخ میری طرف کرتا میں نے خادمہ کو عقب سے پکڑ کر اپنے اوپر کھینچ لیا اور اس کی ران میں اترا خنجر کھینچ کر اس کی گردن سے لگا دیا۔ زخم کھا کر اس کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ میں نے اونچی آواز میں کہا۔

''خبردار..... اگر گولی چلائی تو پہلے یہ مرے گی۔''

خادمہ نے چلا کر مقامی زبان میں کچھ کہا تو محافظ تذبذب میں نظر آنے لگا۔ خادمہ نے یقیناً اس سے جان بچانے کو کہا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ خادمہ مسلسل کچھ کہہ رہی تھی۔ یہ زبان میری سمجھ سے باہر تھی اس لیے میں نے اس کا منہ دبا دیا اور محافظ سے کہا۔ ''تم اردو یا پشتو سمجھتے ہو؟'' یہ جملہ میں نے اردو اور پشتو دونوں زبانوں میں کہا تو اس نے سر ہلایا اور پشتو میں بولا۔

''اسے چھوڑو وتم نے اس کی ساتھ زیادتی کی ہے۔''

''بکواس..... میں سو رہا تھا اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی ہے اور تم اس کے ساتھ ہو۔'' میں نے خنجر خادمہ کی گردن میں ذرا سا چبھویا تو خون نکل آیا تھا۔ وہ تڑپی تھی لیکن میری گرفت سے نہیں نکل سکتی تھی۔ منہ دبا ہونے کی وجہ سے چیخ بھی نہیں سکتی تھی۔ ''فوراً محل کے دوسرے محافظوں اور بیگ کو بلاؤ۔''

محافظ کے چہرے پر تذبذب کے آثار نظر آنے لگے۔ خادمہ اس کے لیے اہم تھی لیکن اس کی اپنی ذات اس کے لیے اہم تر تھی۔ اگر وہ اسے بچانے کے چکر میں پڑتا تو خود مارا جاتا۔ وقت بھی نہیں تھا کیونکہ یہاں ہونے والے شور و ہنگامے کی آوازیں کہیں اور بھی سنی جا سکتی تھیں۔ دوسرے محافظ آجاتے تو وہ پکڑا جاتا۔ اس لیے اس نے اچانک فیصلہ کیا اور رائفل کا رخ ہماری طرف کر دیا۔ وہ میرے ساتھ خادمہ کو بھی قتل کرنے جا رہا تھا۔ میں غور سے اسے دیکھ رہا تھا اس لیے جیسے ہی وہ حرکت میں آیا اس سے پہلے میں حرکت میں آ گیا اور میں نے خادمہ کو اس کی طرف اچھال دیا۔ ساتھ ہی میں رول ہوا اور اس جگہ سے ہٹ گیا جہاں ایک لمحے پہلے تھا۔ محافظ نے جسے اب قاتل کہنا زیادہ بہتر تھا برسٹ مارا تھا اور خادمہ تو ہوا میں چھلنی ہو گئی تھی۔ وہ زمین پر گری تو لاش کے سوا کچھ نہیں تھی۔ کچھ گولیاں اس سے بچ کر قالین پر اس جگہ لگیں جہاں ایک لمحے پہلے میں تھا۔ خادمہ کی لاش نے ایک لمحے کو قاتل کی توجہ اپنی طرف کرائی تھی اور میں نے اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے خنجر پھینک کر مارا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیکن میں ماہر خنجر باز نہیں تھا جو میرا خنجر سیدھا اس کے سینے یا گردن میں اتر جاتا جیسا کہ فلموں میں دکھایا جاتا ہے۔ خنجر دستے کی طرف سے اس کے شانے سے ٹکرایا اور نیچے گر گیا۔ ظاہر ہے اسے کچھ نہیں ہوا تھا لیکن وہ خنجر سے بچنے کے لیے غیر شعوری طور پر جھکا اور اس کی توجہ چند لمحے کو میری طرف سے ہٹ گئی تھی میں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور اس بار دیوار کے ساتھ لگے ریک سے پتھر کا ایک بھاری شوپیس اٹھا کر اسے دے مارا۔ شوپیس اس کے سینے پر لگا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا تھا۔ میں نے زمین سے اٹھتے ہوئے اس کی طرف چھلانگ لگائی اور بروقت رائفل کی نال تھامتے ہوئے اسے پر جا گرا تھا۔ رائفل کی نال کا رخ اوپر کی طرف تھا اور اس نے ٹریگر دبا دیا تھا۔ برسٹ چلا تو میری ہتھیلی میں جیسے آگ لگ گئی تھی کیونکہ فائر سے نال دہکنے لگتی ہے لیکن میں نے نال نہیں چھوڑی کیونکہ وہ نیچے سے اسے گھما کر میری طرف کرنے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے سرک کر ذرا جگہ بنائی اور سر کی ٹکر اس کے منہ پر رسید کی۔ اس نے بلبلا کر اپنی زبان میں کچھ فرمایا جو یقیناً میرے ہجو میں تھا۔ دوسری ٹکر نے اس کے کس بل نکال دیئے تھے اور تیسری ٹکر نے اسے عارضی طور پر بے ہوش کر دیا۔ میں نے ہانپتے ہوئے پیچھے ہٹ کر پہلے رائفل اس کے قبضے سے لی اور اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس سوائے ایک اور میگزین کے کچھ نہیں تھا یہ جدید ترین اے کے سیونٹی فور رائفل تھی۔

میں اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹا اور پھر خادمہ کو دیکھا۔ اسے سینے اور پیٹ میں کم سے کم نصف درجن گولیاں لگی تھیں اور وہ فوراً ہی مر گئی تھی۔ میری سمجھ میں یہ گورکھ دھندا نہیں آیا تھا۔ وہ اس حالت میں میرے کمرے میں کیا کر رہی تھی جب کہ اس کا لباس اس کے جسم پر نہیں تھا اور ایسا لگ رہا تھا وہ کسی کی درندگی کا شکار ہوئی ہو۔ پھر اس نے جس انتقامی انداز میں مجھے مارنے کی کوشش کی، اس سے مجھے لگا کہ دال میں بہت کچھ کالا ہے۔ یہ گارڈ بھی اس کے ساتھ ملا ہوا تھا اور بالآخر وہ اسی کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔ اچانک میں چونکا اور میں نے اٹھ کر جلدی سے اندر سے دروازہ بند کر لیا کیونکہ مجھے باہر کچھ افراد کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ زیادہ لوگ اس منظر کو دیکھیں۔ دروازہ پر دستک ہوئی اور کسی نے پوچھا۔

''شہباز صاحب آپ ٹھیک ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے بلند آواز سے جواب دیا۔ ''یہاں کچھ مسئلہ ہوا ہے کوئی فوری طور پر بیگ صاحب کو بلائے۔''

''ان کو اطلاع کر دی ہے وہ آ رہے ہیں۔'' بولنے والے نے کہا اور پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ ''آپ دروازہ کھولیں جناب۔''

''نہیں جب تک بیگ صاحب نہیں آ جاتے میں دروازہ نہیں کھولوں گا اور کوئی دروازہ کے پاس بھی نہ آئے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''سب پیچھے ہٹ جائیں۔''

اس گفتگو کے دوران میں کمرے کا جائزہ بھی لے رہا تھا اور یہ انکشاف ہوا کہ خادمہ کے پھٹے اور تقریباً چیتھڑا ہو جانے والے کپڑے کمرے میں مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ اب سین کچھ ایسا لگ رہا تھا کہ رات میں نے خادمہ کو زبردستی کا نشانہ بنایا۔ جب میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تو اسے کمرے میں دیوار پر لگے خنجر اتار کر ہلاک کر دیا۔ کیونکہ میرے پاس موقع تھا اس لیے میں نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد خادمہ کا مخصوص انداز

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں جائزہ لیا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ سچ مچ زیادتی کا شکار ہوئی تھی۔ یہ کام اس کی مرضی سے ہوا یا مرضی کے بغیر لیکن ہوا ضرور تھا۔ میں نے بستر سے چادر کھینچ کر اس کے عریاں جسم پر ڈال دی۔ البتہ کمرے کی مزید کسی چیز کو ہاتھ لگانے سے گریز کیا تھا۔ حتیٰ کہ خادمہ کے کپڑے بھی وہیں پڑے رہنے دیئے جہاں وہ پڑے ہوئے تھے۔

کوئی دس منٹ بعد دروازہ پر دوبارہ دستک ہوئی اور مجھے بیگ کی آواز سنائی دی۔

''شہباز صاحب میں بیگ ہوں دروازہ کھولیں۔''

''بیگ صاحب کیا آپ کے ساتھ دوسرے محافظ موجود ہیں؟'' میں نے احتیاطاً پوچھا۔

''ہاں موجود ہیں آپ دروازہ کھولیں فائرنگ کی آواز راجا صاحب نے بھی سنی ہے اور وہ اس بارے میں فکرمند ہیں۔''

میں نے رائفل ایک طرف رکھ کر دروازہ ذرا سا کھولا اور بیگ صاحب سے کہا۔ ''ان لوگوں سے کہیں یہاں سے چلے جائیں اور صرف آپ اندر آئیں۔''

بیگ نے مڑ کر وہاں موجود چار پانچ محافظوں سے کچھ کہا اور وہ چلے گئے۔ بیگ اندر آیا تو میں نے دروازہ بند کر دیا۔ بیگ رک گیا اس نے چادر تلے خادمہ کی لاش اور بے ہوش گارڈ کو دیکھ لیا تھا جو اب ہوش میں آ گیا تھا اور کلبلا رہا تھا۔ بیگ نے خادمہ کے پھٹے کپڑے بھی دیکھ لیے تھے۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ ''یہ سب کیا ہے شہباز صاحب؟''

میں نے شانے اچکائے۔ ''سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سب میں نہیں سمجھ سکا ہوں لیکن ایک بات یقینی ہے۔ یہ لڑکی اور اس کا ساتھی مجھے ہر صورت ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس کوشش میں لڑکی ماری گئی اور گارڈ کو میں نے قابو کر لیا اب یہ آپ کو ساری کہانی سنائے گا۔''

''ٹھیک ہے لیکن یہاں کیا ہوا ہے؟''

میں نے بیگ کو بتایا کہ کس طرح میری آنکھ کھلی اور خادمہ کس حالت میں یہاں موجود تھی اور پھر اس نے سوتا سمجھ کر مجھے خنجروں سے قتل کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں ناکام رہی اس دوران میں گارڈ بھی اندر گھس آیا تھا اور اس نے خادمہ سے جس طرح بات کی اس سے پتا چلتا تھا کہ وہ اس کا ساتھی ہے اور رہا سہا شک اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کر کے دور کر دیا۔ میں بچ گیا لیکن خادمہ ماری گئی اور مجھے گارڈ کو قابو کرنے کا موقع مل گیا۔

بیگ غور سے سن رہا تھا اور گفتگو کے دوران اس نے چادر اٹھا کر خادمہ کی لاش کا معائنہ بھی کیا تھا۔ جیسے ہی میں نے بات مکمل کی وہ حرکت میں آ گیا اس نے مجھے بازو سے پکڑا۔

''آپ میرے ساتھ آئیں۔''

''اس کا کیا کرنا ہے؟'' میں نے تقریباً ہوش میں آ جانے والے گارڈ کی طرف اشارہ کیا تو بیگ نے اپنی جیب سے کوئی چیز نکالی اور گارڈ کی ناک سے لگائی۔ اس نے ایک جھٹکا لیا اور پھر بے ہوش ہو گیا۔ میں وہ چیز نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ بیگ نے نہایت پھرتی سے اسے واپس جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس نے پھر میرا بازو پکڑا اور مجھے باہر لا کر کمرہ بند کر دیا۔ اس نے ایک محافظ کو طلب کیا اور اسے مقامی زبان میں حکم دیا۔ پھر وہ مجھے لے کر راجا صاحب والے محل کی طرف روانہ ہو گیا اور سرنگ سے گزار کر وہ مجھے ایک کمرے میں لایا جو خواب گاہ لگ رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس نے مجھ سے کہا۔ ''آپ یہاں آرام کریں اس دوران میں میں معاملے کو دیکھتا ہوں۔''

''بیگ صاحب مہربانی فرما کر مجھے جلد از جلد آگاہ کریں کہ یہ کیا چکر ہے۔ اگر میں کوئی عام آدمی ہوتا تو اس وقت کمرے میں میری لاش پڑی ہوتی۔ آخر اس لڑکی نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کیوں کی؟''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے کہا۔ ''آپ اطمینان رکھیں میں جلد از جلد آپ کو آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن پہلے مجھے تو معاملات کو سمجھنے کو موقع دیں۔''

میں نے محسوس کیا کہ میں اعصاب زدہ ہو رہا تھا میں نے گہری سانس لے کر خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی اور بولا۔ ''ٹھیک ہے بیگ صاحب آپ جا کر دیکھیں یہ کیا چکر ہے؟''

○.....❖.....○

بیگ چلا گیا تو میں اندر سے دروازہ بند کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ مہمان خانے میں سوتے وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے ''ہر قسم کی خدمت'' آفر کرنے والی آدھی رات کے بعد اس حالت میں مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔ آخر اس کی مجھ سے کیا دشمنی تھی۔ میں پہلی بار اس سے ملا تھا اور مجھے نہیں یاد کہ اس علاقے میں فتح خان کے علاوہ بھی کوئی میرے خون کا پیاسا موجود تھا۔ اس واقعے نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا تھا اور مجھے دوبارہ مشکل سے نیند آئی تھی۔ اگلی بار آنکھ کھلی تو کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے بیگ کھڑا ہوا تھا اس کا حلیہ اور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ رات بھر جاگتا رہا ہے۔ اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ اس نے کہا۔

''شہباز صاحب جلدی سے تیار ہو کر آ جائیں۔''

''ایک منٹ میں منہ دھو لوں۔'' میں نے کہا اور اندر آ گیا۔ واش روم یہاں بھی ساتھ تھا۔ میں نے گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا بالوں میں کنگھی کی اور جوتے پہن کر بیگ کے پاس آ گیا۔ ''میں تیار ہوں۔''

○.....❖.....○

بیگ مجھے لے کر روانہ ہوا اور کچھ دیر بعد ہم محل کے اس تہہ خانے میں تھے جو شاید راجا عمر دراز نے خاص کاموں کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور اس میں ایک کام اس کے مجرموں کو قید رکھنا یا ان کو سزا دینا بھی تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا جب بیگ مجھے قید خانے والے حصے میں لایا وہاں ایک چھوٹے سے سرد، تاریک اور خوفناک نظر آنے والے کمرے میں وہ گارڈ زنجیروں سے ہاتھوں کے بل لٹکا ہوا تھا جس نے خادمہ کو ہلاک کیا تھا اور وہ اس سازش میں اس کا ساتھی بھی تھا۔ اس کے ہاتھ کڑوں سے بندھے تھے اور وہ تقریباً فضا میں جھول رہا تھا۔ مجھے یہ کمرہ یاد تھا کیونکہ یہیں میں ایک بار تعذیب سے گزر چکا تھا جب راجا عمر دراز کے جلاد نے میری پشت کی کھال اتار دی تھی اور اگر حکیم قادس جیسا باکمال طبیب نہ ہوتا تو آج بھی میری پشت کی کھال نئی مڑی اور خستہ حال ہوتی لیکن اس کی دواؤں میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ اب میری پشت کی کھال بالکل ہموار اور بے داغ ہے۔

اس وقت وہاں ایک دیو قامت جلاد موجود تھا اور یہ وہ جلاد نہیں تھا جس نے میری کھال اتاری تھی۔ وہ فتح خان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ اس کی جگہ آیا ہوگا۔ گارڈ کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ اذیت کے دور سے گزر چکا ہے۔ بیگ نے جلاد سے مقامی زبان میں کچھ پوچھا اور جواب میں اس نے ایک طرف رکھی بالٹی سے مگا بھر کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پانی گارڈ کی پشت پر ڈال دیا اور وہ ذبح کیے جانے والے بکرے کی طرح ڈکرانے لگا۔ پھر وہ سسک سسک کر کچھ کہنے لگا۔ زبان مقامی تھی اس لیے میری سمجھ سے باہر تھی۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ بیگ اس سے بات مکمل کر لے تو مجھے بتائے۔ بیگ اس سے سوال بھی کرتا جا رہا تھا اور وہ جواب دے رہا تھا۔ اس کی جرأت نہیں تھی کہ جواب دینے سے انکار کرے کیونکہ جلاد اتنے کڑے تیوروں کے ساتھ اسے گھور رہا تھا جیسے اسے موقع ملے تو وہ گارڈ کے پورے جسم کی کھال اتار کر اسے نمک مرچ لگا دے۔ اس نے ہنٹر سے اس کی پشت ادھیڑ دی تھی اور اب زخموں پر نمک و مرچ پاشی کر رہا تھا۔ بیگ کا انٹرویو کوئی بیس منٹ جاری رہا اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ ساری باتیں ایک چھوٹے سے ریکارڈر میں ریکارڈ کرتا جا رہا تھا۔ انٹرویو ختم کر کے بیگ نے جلاد کو کچھ ہدایات دیں تو وہ مایوس نظر آنے لگا شاید بیگ نے گارڈ پر مزید تشدد سے روک دیا تھا پھر اس نے مجھ سے کہا۔

''آیئے جناب میرے ساتھ، میں راجا صاحب کو رپورٹ دینے جا رہا ہوں آپ بھی سن لیجئے گا۔''

مجھے یقین تھا کہ اس کی ہدایت راجا عمر دراز نے دی ہوگی ورنہ بیگ کو بلاوجہ رازداری کا مرض لاحق تھا اور وہ کبھی راجا عمر دراز کو میرے سامنے رپورٹ نہ دیتا۔ کچھ دیر بعد ہم ایک بڑی نشست گاہ میں راجا عمر دراز کے سامنے تھے اس نے مجھ سے حال احوال دریافت کیا اور میں نے اس کی مزاج پرسی کی۔ ویسے وہ کل کے مقابلے میں کہیں بہتر نظر آ رہا تھا ورنہ وہ اپنی خواب گاہ کے بجائے یہاں نہ ہوتا۔ بیگ نے اس کا اشارہ پاتے ہی کہنا شروع کیا۔ ''راجا صاحب، کل رات والے واقعے کے بارے میں پکڑے جانے والے گارڈ نے انکشاف کیا ہے کہ روزینہ شہباز صاحب سے انتقام لینا چاہتی تھی۔''

میں اور راجا عمر دراز چونک گئے میں نے کہا۔ ''کس بات کا انتقام؟ میں تو اسے جانتا تک نہیں ہوں۔''

''آپ کو یاد ہوگا محل کی ایک خادمہ کو فتح خان نے جھوٹ بول کر اپنے جال میں پھنسا لیا تھا اور اسے باور کرایا تھا کہ اس کے باپ کو اصل میں راجا صاحب نے ذاتی انتقام کے لیے مروایا ہے۔ اس نے فتح خان کے ساتھ مل کر سازش کی اور اس وجہ سے محل میں بہت تباہی پھیلی تھی کئی لوگ مارے گئے۔ ان کے قصاص میں اس خادمہ کو سزائے موت سنائی گئی تھی۔ روزینہ اسی خادمہ گل زمین کی چھوٹی بہن ہے۔ اس نے اپنی خالہ کے گھر پرورش پائی اور اس لیے جب یہ یہاں ملازمت کے لیے آئی تو معلوم نہیں ہوا کہ یہ گل زمین کی بہن ہے اور اسے محل میں ملازمہ رکھ لیا گیا۔ یہ انتظار میں تھی کہ شہباز صاحب آئیں تو یہ اپنا انتقام لے سکے کیونکہ وہ اپنی بہن کی موت کا ذمے دار شہباز صاحب کو سمجھتی تھی۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ایک تو لوگ نہ جانے کیوں مجھے مختلف باتوں اور واقعات کا ذمے دار سمجھ لیتے ہیں۔''

بیگ نے بات جاری رکھی۔ ''اس نے منصوبہ پہلے ہی بنا لیا تھا اور اس گارڈ کو ساتھ ملا لیا تھا۔ اس نے بخت خان کو چارہ ڈالا کہ وہ شہباز صاحب سے انتقام لینے کے بعد اس سے شادی کر لے گی۔''

''اس نے شہباز سے انتقام لینا تھا تو اس کے لیے اتنا پیچیدہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' راجا عمر دراز نے سوال کیا۔

''اپنی جان بچانے کے لیے اس نے یہ ڈرامہ تیار کیا۔ اگر وہ شہباز صاحب کو مارنے میں کامیاب ہو جاتی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تو ان پر اپنی عزت لوٹنے کا الزام لگاتی اور آپ جانتے ہیں ہمارے قانون میں عورت اپنی عزت کے مجرم کو قتل کر سکتی ہے اسے کوئی سزا نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ بچ جاتی۔''

''لیکن اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔

بیگ نے سر ہلایا۔ ''گارڈ نے اس کا بھی اقرار کیا ہے۔ روزینہ کے مجبور کرنے پر اس نے نہ صرف اس کے ساتھ زیادتی کی بلکہ اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا تاکہ آپ کا مبینہ جرم سنگین کیا جا سکے لیکن آپ کی خوش قسمتی کہ آپ کی بروقت آنکھ کھل گئی۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ورنہ آپ روزینہ کی بات مان کر مجھے ہی مجرم سمجھتے رہتے۔''

''نہیں وہ بے وقوف عورت تھی جو سمجھتی تھی کہ ہمیں بے وقوف بنا لے گی اس کا طبی معائنہ ہوتا اور آپ کا بھی ہوتا تو سب کھل کر سامنے آ جاتا۔ انتقام نے اسے اندھا کر دیا تھا اور وہ شاید اپنی جان کی قیمت پر بھی آپ کو مارنے کی کوشش کرتی۔''

''شکر ہے اللہ کا کہ اس نے تمہیں محفوظ رکھا۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔

''جب تک میرا وقت نہیں آئے گا مجھے کوئی نہیں مار سکتا ہے اور جب وقت آ جائے گا تو مجھے کوئی بچا نہیں سکے گا۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے آپ لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ ہنگامے کس طرح میرا پیچھا کرتے ہیں۔''

راجا عمر دراز مسکرایا۔ ''ہاں شاید تمہارے وجود میں ہنگاموں کے لیے کوئی مقناطیس نصب ہے جو وہ تمہاری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔''

ایک طرف کھڑکی سے پردہ سرکا ہوا تھا اور شیشے کے باہر صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''اس سے پہلے یہاں مزید کوئی ہنگامہ رُونما ہو مجھے یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔''

''بالکل جناب۔'' بیگ نے میری بات کی تائید کی۔ ''نہ جانے محل کے ملازموں اور محافظوں میں کوئی اور بھی روزینہ کے ساتھ شامل نہ ہو، ابھی تمام ملازمین اور محافظوں کی چھان بین کرنا ہوگی۔''

کچھ دیر میں ہم ناشتے کی میز پر تھے جہاں ناشتے کے لیے مخصوص بہترین لوازمات موجود تھے۔ رات والے واقعے کا اثر زائل ہونے کے بعد میں معمول پر آ گیا تھا اور مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں دل کھول کر تمام چیزوں سے استفادہ کیا۔ آخر میں خاص بلینڈ کی گرین ٹی نے ناشتے کا مزہ دوبالا کر دیا تھا۔ بیگ حسبِ معمول دست بستہ موجود تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ گارڈ کے ساتھ کیا ہوگا؟ بیگ نے بتایا۔

''اسے زنا کے جرم میں جرگے کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس کا اقرارِ جرم اسے سزا دلوانے کے لیے کافی ہوگا۔''

''کیا وہ جرگے کے سامنے بھی اپنے اقرار پر قائم رہے گا؟ وہ کہہ سکتا ہے کہ اسے تشدد کا نشانہ بنا کر اقرارِ جرم پر مجبور کیا گیا ہے۔''

''وہ انکار کر ہی نہیں سکتا۔'' بیگ مسکرایا اور اپنے لبادے سے ایک عدد چھوٹا سا ڈیجیٹل وائس ریکارڈر نکال کر اسے آن کیا تو اسپیکر سے گارڈ کی آواز آنے لگی وہ اقرارِ جرم کر رہا تھا۔ یہ وہی بیان تھا جو اس نے بیگ کے انٹرویو کے جواب میں دیا تھا۔ بیگ نے اسے سزا دلوانے کا پورا بندوبست کر رکھا تھا اور اگر یہ اقرارِ جرم نہ بھی ہوتا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تو راجا عمر دراز کا جلاد تو تھا وہ ایک منٹ میں اس کی زبان سے اقرار کروا سکتا تھا۔ گارڈ کو سزا دلوانے کے لیے کسی جرگے کی ضرورت نہیں تھی لیکن راجا عمر دراز جیسے مقامی حاکم اس قسم کی نام نہاد عدالتوں سے اپنے من مانے فیصلے حاصل کرتے ہیں اور خود محفوظ رہتے ہیں۔ صرف یہیں نہیں بلکہ اس قسم کی عدالتیں اور پنچائتیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اب تو میڈیا کے ذریعے ان نام نہاد عدالتوں کے کرتوت سامنے آنے لگے ہیں لیکن یہ ایک زمانے سے گاؤں دیہاتوں میں اپنے حاکموں کے من مانے فیصلوں پر اپنی مہر ثبت کرتی آئی ہیں۔

ناشتے کے بعد میں اور راجا عمر دراز باہر آئے جہاں محل کے اندر کسی حد تک برف صاف کر دی گئی تھی لیکن وہاں موجود سبزہ جل گیا تھا۔ پودوں کی شاخیں پتوں اور پھولوں سے عاری تھیں۔ راجا عمر دراز نے اپنے محل میں دنیا جہاں سے پھولدار پودے منگوا کر لگوائے تھے اور ان میں سے اکثر ایسے تھے جو میں نے کہیں نہیں دیکھے تھے۔ جب میں راجا کے محل کا باغ دیکھتا تو مجھے خیال آتا جب کبھی زندگی نے مجھے سکون کے لمحے بخشے اور میں نے اپنا گھر بسایا تو اس گھر میں ایسے ہی پھولوں والے پودے لگاؤں گا۔ ہماری حویلی میں بھی بہت بڑا باغ ہے جس میں بے شمار پھلدار پودوں کے ساتھ پھولدار پودے بھی لگے تھے لیکن راجا عمر دراز کے پاس تو نایاب پھول والے پودے تھے۔ میں پورا لباس پہنے ہوئے تھا اور راجا عمر دراز نے ایک اوور کوٹ نما صدری پہن لی تھی جو نفیس قسم کے اون سے بنی تھی اور اس پر ہاتھ سے خوب صورت کشیدہ کاری کی گئی تھی۔

○.....❖.....○

پائلٹ فراز ناشتہ کر کے آ گیا تھا اور اس وقت ہیلی کاپٹر کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ پرواز کے لیے ایندھن کی کمی اس نے محل سے پوری کر لی تھی۔ دس بجے اس نے مجھے پرواز کے لیے اوکے کا اشارہ کیا اس وقت میں اور راجا عمر دراز کئی دن بعد نکلنے والی بھرپور دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہمارے درمیان عام موضوعات پر بات ہوئی تھی لیکن ہم نے وادی یا میرے دوسرے مسائل پر بات نہیں کی تھی۔ شاید راجا عمر دراز نے اس معاملے میں تقدیر یا برف والے بوڑھے کی اس بات پر انحصار کر لیا تھا کہ میں ضرور اس کے ساتھ وادی کا سفر کروں گا۔ میں پائلٹ کا اشارہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور راجا عمر دراز سے کہا۔

''راجا صاحب اب مجھے اجازت دیں۔''

راجا عمر دراز بھی کھڑا ہو گیا۔ ''ٹھیک ہے شہباز ملک مجھے امید ہے تم جلد واپس آؤ گے اور ہم وادی کی طرف سفر کریں گے۔''

''اگر خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔'' میں نے جواب دیا اور اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کا انداز گرم جوشی لیے ہوئے تھا۔

''میرے بچے مجھے یقین ہے ایسا ہی ہو گا۔''

راجا عمر دراز سے مل کر میں ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ بیگ نظر نہیں آ رہا تھا شاید اس نے مجھے الوداع کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ کیپٹن فراز پائلٹ کی سیٹ پر بیٹھا کنٹرول پینل اور دیگر بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ جیسے ہی میں اپنی نشست پر آیا اس نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ میں نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور اس نے جواباً ہاتھ ہلایا۔ اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر ایک ہلکے سے جھٹکے سے اوپر اٹھ گیا۔ اس کے پروں سے نکلنے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

والی طوفانی ہواؤں سے آس پاس پڑی برف اُڑ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم اتنی بلندی پر چلے گئے کہ محل کی عمارتیں کھلونوں جیسی نظر آنے لگی تھیں۔ میں نے کیپٹن فراز سے ہیلی کاپٹر کے بارے میں پوچھا۔

''یہ اتنی آسانی سے کیسے اسٹارٹ ہو گیا؟''

''آسانی سے نہیں ہوتا ہے جناب میں نے انجن کو ایک برنر سے گرمائش دی تب کہیں جا کر یہ اسٹارٹ ہونے کے قابل ہوا۔'' اس نے جواب دیا۔ ہم ہیڈ فون اور مائیک کی مدد سے بات کر رہے تھے کیونکہ دوسری صورت میں انجن کا شور اتنا تھا کہ خود ہمیں اپنی کہی بات سنائی نہ دیتی۔ کیپٹن فراز کنٹرول والوں سے موسم اور دوسری رپورٹ لینے لگا۔ چند منٹ میں ہم راجا عمر دراز کی وادی سے دور نکل آئے تھے۔ اب کاغان کے پہاڑوں پر اُڑ رہے تھے۔ چالیس منٹ بعد ہم اونچے پہاڑ عبور کرتے ہوئے مارگلہ کے پہاڑی سلسلے کے اوپر آ گئے تھے اور کوئی پون گھنٹے بعد ہیلی کاپٹر اسی ایئر فیلڈ پر اتر گیا جہاں سے اس نے کل پرواز کی تھی۔ عبداللہ گاڑی سمیت موجود تھا۔ میں نیچے اترا تو اس نے آگے آ کر ہاتھ ملایا۔

''سب ٹھیک رہا؟''

''تقریباً'' میں نے جواب دیا تو وہ کھٹک گیا۔ اس نے جیپ کی طرف اشارہ کیا۔

''چلیں باقی باتیں راستے میں ہوں گی۔''

عبداللہ اپنے ساتھ دو مسلح ساتھی لایا تھا۔ اس نے چن کر اچھے لڑاکا افراد کو شامل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تھا اور اب ان کی تعداد کوئی ایک درجن ہو چکی تھی۔ عبداللہ ان کو اچھی طرح پرکھ چکا تھا اور ان کا پس منظر بھی جانتا تھا یعنی اسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی وقت پڑنے پر دھوکا دے جائے گا۔ اس نے ان کا تعارف کرایا۔ وہ گرم جوشی سے ملے تھے اور مجھے اچھے بھی لگے لیکن میں نے ان کے سامنے بات کرنے سے گریز کیا عبداللہ نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی اس لیے اس نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ راستہ خاموشی سے کٹا اور ہم آدھے گھنٹے میں عبداللہ والی کوٹھی پہنچ گئے تھے۔ سعدیہ اور مونا کو میری آمد کی اطلاع مل گئی تھی اور وہ لان میں موجود تھیں۔ جیپ سے اترتے ہی انہوں نے گھیر لیا۔ مونا نے مجھے دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

''شکر ہے تم کسی ہنگامے کے بغیر لوٹ آئے۔''

میں نے اسے بتا نہیں سکتا تھا کہ وہاں میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ ایک تو واقعہ ایسا تھا کہ خواتین کو بتانا معیوب لگ رہا تھا اور دوسرے وہ اس بات کو لے کر میرا دماغ کھاتیں۔ عبداللہ ہمیں چھوڑ کر اندر چلا گیا تھا۔ مونا اور سعدیہ یہاں خوش تھیں یا خوشی پوز کر رہی تھیں۔ بیتو کے بارے میں پتا چلا کہ گزشتہ رات اسے بدہضمی کی وجہ سے الٹیاں آئی تھیں اور اب ڈاکٹر نے اسے دو دن تک ہلکی غذا کھانے کو کہا تھا۔ بیتو بیماری سے زیادہ ہلکی غذا کھانے کا سوچ کر بستر پر پڑا تھا۔ مونا اور سعدیہ نے سچ مچ کوٹھی میں کچن کا چارج سنبھال لیا تھا اور اب کوٹھی کا کک منیران کا مددگار تھا۔ سعدیہ نے مجھ سے کھانے کا پوچھا۔ میں ناشتہ اچھا خاصا کر کے آیا تھا اور ابھی کھانے کا موڈ نہیں تھا میں نے کہا کہ کچھ ہلکا پھلکا بنا لو۔

''چائنیز رائس بنا لیتی ہوں۔'' سعدیہ نے کہا۔ ''بیتو بھی کھا لے گا اسے ڈاکٹر نے کوئی سخت چیز کھانے سے منع کیا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اگرچہ چائنیز کھانے مجھے زیادہ پسند نہیں ہیں لیکن میں نے اعتراض نہیں کیا اور اندر کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ ''بنالو۔''

بیتو بستر پر لیٹا ہوائی دی دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھا۔ ''شوبی بھائی آپ کب آیا؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہوں تم سناؤ کیا ہورہا ہے۔ سنا ہے پیٹ خراب کرلیا ہے اپنا؟''

بیتو نے برا سا منہ بنایا۔ ''یہ ڈاکٹر لوگ پاگل ہے ہم کو دو موشن اور تین الٹی آیا اور دو دن کے لیے کھانا بند کر دیا۔''

''بند نہیں کیا پر ہیزی کھانے کو بولا ہے۔''

''ایک ہی بات ہے شوبی آپ جانتا ہے یہ کھانا میں نہیں کھا سکتا۔ صبح ناشتے میں دلیہ آیا تھا میں نے نہیں کھایا۔''

''تو کیا کل سے فاقہ چل رہا ہے؟''

اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''قسم سے پیٹ میں بہت سارا چوہا دوڑتا ہے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے موبائل فون نکالا اور وسیم کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی اور سلام دعا کے بعد بولا۔ ''سنا ہے آپ واپس آگئے ہیں؟''

''ہاں تم سناؤ خاتون کا کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہے لیکن ایک بار شور کرنے لگی تھی تو اس کا منہ بند کرنا پڑا۔ ہم نے کچھ تفتیش بھی کی ہے اس کا رزلٹ آپ کو آنے پر بتاؤں گا۔ عبداللہ دوسری گاڑی پہنچا گیا ہے اس میں سچ مچ ٹریپ تھا لیکن اب گاڑی کلیئر ہے۔''

''فتح خان بہت بڑا حرامزادہ ہے اس پر بالکل اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ باقی کہاں ہیں؟''

''ایاز کھانا لینے گیا ہے۔ سعدیہ اور مونا اصرار کررہے تھے کہ وہ روز کوٹھی سے بنا کر کھانا بھیج دیا کریں گے لیکن مجھے مناسب نہیں لگا۔ اس میں رسک ہے یہاں پاس ہی ایک اچھا ڈھابہ ہے کھانے کو ٹھیک مل جاتا ہے۔ ایاز وہیں سے تینوں وقت کھانا لے آتا ہے۔ چائے کافی ہم خود بنا لیتے ہیں۔''

''یہ اچھا کررہے ہو۔ سفیر اور تم دونوں کم سے کم نکلو بلکہ جب تک ضرورت نہ ہو اندر ہی رہا کرو۔''

''میں سمجھتا ہوں جناب دشمن ہماری صورتوں سے واقف ہے جب کہ ایاز کو کوئی نہیں جانتا ہے۔''

فتح خان سے بات کیے ہوئے چوبیس گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ وسیم سے بات کرکے میں نے وہی سم لگائی جس سے فتح خان کو کال کی تھی۔ اس کا نمبر موجود تھا۔ میں نے کال ملائی اور اس نے فوراً ریسیو کی۔ ''شہباز خان۔'' اس نے بلا تمہید کہا۔ ''ہم تیار ہے تم شہلا کا تصویر لو اور میرا آدمی میرے حوالے کردو۔''

''گڈ اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں تصویریں کہاں بھیجنی ہیں جب تصویریں مجھے مل جائیں گی اور شہلا ان کی تصدیق کردے گی تو میں تمہارے آدمی کو چھوڑ دوں گا۔''

''کہاں بھیجنی ہیں؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔ ''بولو تو میں ابھی بھیج دے۔''

''صبر، صبر فتح خان اتنی جلدی نہیں میں ایک گھنٹے بعد بتاؤں گا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر سم موبائل

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سے نکال لی۔ اپنی سم لگا کر میں نے عبداللہ کو کال کی اور اسے بیتو کے کمرے میں آنے کو کہا۔ وہ دو منٹ بعد آ گیا تھا۔ میں نے پہلے اسے فتح خان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ عبداللہ غور سے سن رہا تھا۔ میری بات سن کر اس نے پوچھا۔

''فتح خان سے تصویریں لینی ہیں؟''

''بالکل اور اس کے لیے کوئی فول پروف پلان سوچ لو، فتح خان وہی کرے جو میں کہوں گا لیکن وہ درمیان میں اپنی کوئی شرارت شامل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی یہ کوشش ناکام بنانی ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' عبداللہ بولا۔ ''اچھا راجا صاحب کے محل میں کیا ہوا تھا؟''

''کیا تمہیں وہاں سے کوئی ہدایت ملی ہے؟''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''جی..... مجھے، میرے تمام آدمیوں اور یہاں راجا صاحب کے تمام وسائل آپ کے ماتحت کرنے کا حکم آیا ہے۔''

میں مسکرایا۔ ''حالانکہ تم پہلے بھی مکمل طور پر میرے ساتھ تھے۔''

''جی لیکن یہ دھڑکا تو لگا رہتا تھا کہ نہ جانے کب کس بات سے منع کر دیا جائے۔ اب یہ خدشہ نہیں ہے۔''

میں نے محل میں پیش آنے والا واقعہ سنایا تو بیتو اور عبداللہ متفکر ہو گئے تھے۔ بیتو نے کہا۔ ''آپ کا دشمن ہر جگہ ہے آپ کو ایسے اکیلے نہیں جانا چاہیے تھا۔''

''میں نے سوچا نہیں تھا کہ راجا صاحب کے محل میں مجھے اس قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے میں بے دھڑک اکیلا چلا گیا اور مزے کی بات تھی میرے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔''

''آپ آئندہ احتیاط کیجیے گا۔'' عبداللہ نے مشورہ دیا۔ ''ہر حال میں مسلح رہا کریں۔''

''فتح خان کا آدمی کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے اس کا زخم بھی بہتر ہو رہا ہے۔''

''میرا خیال ہے اسے بھی دوسرے ٹھکانے پر منتقل کر دیا جائے اور اس کے بعد فتح خان سے بات کی جائے۔ اس جگہ کو جتنا کم استعمال کیا جائے اتنا بہتر ہوگا۔''

''جیسی آپ کی مرضی، ویسے سیکورٹی بہت مضبوط کر دی ہے۔''

''بات سیکورٹی کی نہیں بلکہ اس جگہ کو خفیہ رکھنے کی ہے۔'' میں نے کہا اور وسیم کا نمبر ملایا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم کچھ دیر میں آ رہے ہیں اور ایک عدد قیدی اور لا رہے ہیں۔ وسیم ہنسا۔

''چشم ما روشن دل ما شاد۔''

''برخوردار تمہاری اردو تو اچھی تھی اب فارسی بھی بہتر ہوتی جا رہی ہے۔'' میں بھی ہنسا۔ ''سفیر ہے تو اس سے بات کرانا، ایک سنسنی خیز خبر ہے لیکن وہ میں آ کر بقلم خود دوں گا۔''

سفیر سے بات کر کے میں نے فون بند کر دیا اور ابھی جیب میں رکھ رہا تھا کہ بیل بجی۔ سویرا کا نمبر دیکھ کر میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ میں ان دونوں سے معذرت کرتا ہوا اٹھ کر باہر آیا اور کال ریسیو کی۔ ''ہیلو۔''

''اسلام وعلیکم۔'' سویرا کی آواز آئی۔ ''کیسے ہیں آپ؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''میں ٹھیک ہوں تم ٹھیک ہو، حویلی میں سب خیریت ہے؟''

''ہاں حویلی میں سب ٹھیک ہے، لیکن میں آپ کے بغیر ٹھیک نہیں ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''سویرا تم جانتی ہو میں کن حالات سے گزر رہا ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو ایک پل کے لیے بھی تم سے دور نہ جاتا۔''

''میں جانتی ہوں میں آپ سے شکوہ نہیں کر رہی ہوں صرف اپنی کیفیت بتا رہی ہوں۔ میرے پاس سب کچھ ہے بس ایک آپ نہیں ہیں تو لگ رہا ہے کچھ بھی نہیں ہے۔''

''ایک دن میں بھی ہوں گا۔'' میں نے اسے تسلی دی اور پھر شرارت سے کہا۔ ''اس دن کا تو مجھے بھی شدت سے انتظار ہے۔''

وہ چپ ہو گئی پھر اس نے کہا۔ ''شہباز کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم سب چھوڑ کر کہیں دور چلیں جائیں۔''

''ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ صرف میں اور تم جا سکتے ہیں باقی سب تو یہیں ہوں گے اور میرے دشمن ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ اب میں مزید کسی پیارے کا نقصان نہیں اٹھا سکتا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اچھا میں فون بند کر رہی ہوں ماں جی آواز دے رہی ہیں، خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' میں نے کہا تو اس نے کال کاٹ دی۔ میں لان پر نکل آیا تھا۔ سویرا سے بات کر کے میں خوش ہونے کے بجائے کسی قدر اداس ہو گیا تھا۔ میری جدوجہد کا دائرہ پھیلتا جا رہا تھا اور اس کے سمٹنے کے فی الحال کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ مرشد اور اس جیسے دشمن میری جان چھوڑتے تو میں اور میرے ساتھی نارمل زندگی کی طرف جا سکتے تھے۔ ایسا صرف ایک صورت میں ممکن نظر آ رہا تھا کہ میرے دشمن یہ دنیا چھوڑ دیں اس سے پہلے وہ دشمنی ترک کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔ اچانک بیتو نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''شوبی بھائی کیا سوچتا ہے؟''

میں چونکا۔ ''کچھ نہیں یار بس دل اداس ہو رہا تھا۔''

''ہم جانتا ہے آپ ایسا آدمی نہیں جیسی زندگی گزار رہا ہے یہ کمینہ دشمن ہے جو آپ کو کھینچ کر ادھر لایا ہے لیکن ہم کو یقین ہے اوپر والا آپ کے ساتھ اچھا کرے گا کیونکہ آپ خود دوسروں کے ساتھ اچھا کرتا ہے۔''

میں لان میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''بس یہی یقین بھی مجھے سنبھالے ہوئے ہے ورنہ بہت پہلے کہیں بھاگ چکا ہوتا یا دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہوتا۔''

''ایسا آپ کسی صورت نہیں کر سکتا ہے۔'' بیتو نے اتنے یقین سے کہا کہ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ میرے ساتھی مجھ پر کتنا یقین کرتے تھے شاید اتنا یقین میں خود بھی نہیں کرتا تھا۔

''ہاں میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں اکیلا نہیں ہوں مجھ پر تم جیسے بہت سارے ساتھیوں کی ذمے داری بھی ہے۔''

''ہم آپ کا ساتھی ہے ذمے داری نہیں ہے۔''

''نہیں یار ذمے داری تو ہوتی ہے کیونکہ یہ تم لوگوں کی جنگ نہیں ہے لیکن پھر بھی تم سب میرا ساتھ دے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رہے ہو۔"

"ہمارا جنگ کیسے نہیں ہے۔" بیتو خفا ہو گیا۔ "ادھر جو انڈین فوج سے آپ لڑا تو کیا وہ آپ کا جنگ تھا؟"

"وہ تو مجبوری تھی، اگر میں نہ لڑتا تو تمہارے لوگوں کے ساتھ میں بھی مارا جاتا۔"

"تو ادھر ہمارے ساتھ بھی مجبوری ہے۔" بیتو نے مزید خفا ہو کر کہا اور وہاں سے چلا گیا میں نے اسے آواز دی لیکن وہ رکا نہیں تھا اس سے ظاہر تھا وہ بہت زیادہ ہی ناراض اور دکھی ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد مونا جارحانہ انداز میں آتی دکھائی دی۔ لگتا تھا بیتو سیدھا اپنی دیدیوں کے پاس پہنچا تھا اور شکایت لگائی تھی۔ حسب توقع مونا نے آتے ہی کہا۔ "تم نے بیتو سے کیا کہا ہے وہ رونے والا ہو رہا ہے۔"

"رونا تو اسے کسی اور بات پر آ رہا ہے ہاں بہانہ اس نے یہ بنایا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "ابھی نکے اور چرمے کی بات کرو سب بھول جائے گا۔"

مونا سنجیدہ ہو گئی۔ "نہیں شوبی تم نے بہت غلط بات کی ہے، ہم تمہارے ساتھی ہیں تمہاری ذمے داری نہیں ہیں۔"

میں بھی سنجیدہ ہو گیا تھا "میں جانتا ہوں اور میں نے ان معنوں میں کہا بھی نہیں ہے لیکن تم سب مجھے باس مانتے ہو اور میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو اس لحاظ سے ذمے داری بھی میری بنتی ہے۔ میں نے اس سے کب انکار کیا کہ تم میرے ساتھی نہیں ہو۔ تم لوگ میرے ساتھ ہو تب ہی تو میں دشمن کے سامنے کھڑا ہوں، ورنہ اکیلا آدمی کب تک کھڑا رہ سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں یہ بات سمجھتی ہوں دوسرے بھی سمجھتے ہیں لیکن بیتو بچہ ہے۔"

"تو جا کر اس بچے کو سمجھاؤ نا۔" میں نے کہا اور موضوع بدل دیا۔ "کھانا بن گیا ہے تو لگا دو ابھی مجھے جانا ہے۔"

"کہاں؟"

"وسیم اور سفیر کے پاس، یہاں جو قیدی ہے اسے بھی لے جانا ہے۔"

"بس دس منٹ میں۔" مونا نے کہا اور چلی گئی۔ میں نے بہتر سمجھا کہ ایک چھوٹا شاور لے لوں۔ میرے کچھ کپڑے یہاں بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک لباس منتخب کیا اور جب کھانے کی میز پر پہنچا تو وہاں بیتو چہک رہا تھا کیونکہ چائنیز کے ساتھ سعدیہ نے اس کے لیے چکن کارن سوپ بھی بنایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"شوبی بھائی اب مزہ آئے گا۔"

"لیکن زیادہ مت لینا۔" میں نے اسے خبردار کیا۔ "ایسا نہ ہو کہ پھر ڈاکٹر پابندی لگا دے۔"

"ڈاکٹر گیا نرکھ میں۔" بیتو نے چکن کارن سوپ پر حملہ کرتے ہوئے کہا تو سب ہنس دیئے تھے۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا اور کچھ دیر پہلے والی کشیدگی اب نظر نہیں آ رہی تھی لیکن ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ اپنے مجازی خداؤں سے دور ہو کر مونا اور سعدیہ اداس تھیں۔ خاص طور سے سعدیہ مرجھائی ہوئی تھی۔ میں اس کی کیفیت کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔ اس کا وسیم سے صرف نکاح ہوا تھا اور ابھی تک ان میں ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔ سعدیہ پہلے بھی شادی شدہ رہ چکی تھی۔ جب اس نے کمار سے شادی کی تھی لیکن کمار بہت تھوڑی زندگی لے کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آیا تھا۔ اس کے بعد سعدیہ پھر اکیلی ہوگئی تھی اور اب تک اکیلی تھی۔ میرے خیال میں یہ درست نہیں تھا۔ اگر وہ کنواری ہوتی تو شاید اس صورتِ حال سے سمجھوتہ کر لیتی، لیکن وہ شادی کے تجربے سے گزر چکی تھی اور جو عورت ایک بار شادی کے تجربے سے گزر جاتی ہے اس کے لیے صبر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ سعدیہ ایک بڑی آزمائش سے گزر رہی تھی۔ میں نے اسی وقت ایک فیصلہ کیا لیکن اس کا اعلان کرنے سے پہلے میں وسیم سے بات کرنا چاہتا تھا۔

عبداللہ کچھ دیر سے کھانے میں شامل ہوا اور جلدی اٹھ گیا۔ اسے فتح خان کے آدمی کو قید خانے سے نکالنا تھا۔ احتیاط کے طور پر اسے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اسے عبداللہ کی سیاہ شیشوں والی جیپ میں منتقل کیا گیا۔ بیتو بھی ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ ''ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہاں آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی آس پاس ڈاکٹر ملے گا ابھی فٹ ہو جاؤ پھر وہاں آنا۔''

میں نے عبداللہ سے کہا کہ وہ صرف ایک مسلح آدمی ساتھ لے زیادہ آدمی لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آدھے گھنٹے بعد ہم مکان پر تھے۔ وسیم اور سفیر کچھ پکانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ باہر کا کھا کھا کر تنگ آ گئے تھے۔ وہ ہوٹلوں کا شوق سے کھا لیتے تھے لیکن کسی ہوٹل میں جا کر، یہاں منگوا کر کھانے میں انہیں مزہ نہیں آ رہا تھا۔ ایاز نے پہلے ہی ان کے ہاتھ کا بنا کھانے سے انکار کر دیا تھا اور اس وقت لنچ کرنے کہیں گیا ہوا تھا۔ عبداللہ نے ایک عدد لنچ ان کے حوالے کیا جس میں چائنیز رائس اور سوپ تھا۔ دونوں خوش ہو گئے تھے۔ سفیر نے کہا۔

''دیکھا میری بیوی کو میرا کتنا خیال ہے؟''

''دیکھا ہے میں نے دبئی میں۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''دو دو دن گھر میں کھانا نہیں بنتا تھا۔''

سفیر کھسیا گیا۔ ''وہ الگ بات ہے لیکن ابھی تو بھیجا ہے۔''

''ہو ہی نہیں سکتا۔'' وسیم نے دعویٰ کیا۔ ''یہ سادی نے بھیجا ہے۔''

عبداللہ ہنسا۔ ''یہ میں خود لایا ہوں کیونکہ وہ تو کھا پی کر سونے چلی گئی تھیں۔''

اس بار دونوں کھسیا گئے۔ بہرحال چائنیز رائس اور چکن کارن سوپ سے انصاف کرنے میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ عبداللہ مکان کا معائنہ کرنے لگا۔ مجھے معلوم نہیں تھا وہ اپنے ساتھ کچھ آلات بھی لے آیا تھا۔ پہلے اس نے فتح خان کے آدمی کو شہلا کے کمرے میں منتقل کیا۔ وہ اسے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ پھر مجھے دیکھا تو غصے سے پھٹ پڑی تھی۔ ''کہاں چلے گئے تھے تم مجھے ان لوگوں پر چھوڑ کر انہوں نے مجھ پر تشدد کیا تھا۔''

میں نے اس کی بات نظر انداز کی۔ ''کام سے گیا تھا ویسے میری فتح خان سے بات ہوگئی ہے وہ اپنے اس آدمی کے عوض تمہاری تصویریں دینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔''

''سچ۔'' وہ خوش ہوگئی لیکن پھر خوف زدہ نظروں سے بے ہوش آدمی کی طرف دیکھا۔ ''یہ بھی کم درندہ نہیں ہے، اسے میرے ساتھ کیوں رکھا ہے؟''

''تم فکر مت کرو یہ بے ہوش ہے اور بندھا ہوا ہے۔ اسے کھولیں گے نہیں۔ اسی حالت میں کہیں ڈال دیں گے۔'' میں نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''آپ کہیں تو اسے دوسرے کمرے میں منتقل کر دیتے ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہاں پلیز ایسا کرو ورنہ اسے ہوش آ گیا تو یہ مجھے مار دے گا۔'' شہلا جلدی سے بولی۔ وسیم نے اسے دوسرا لباس لا دیا تھا۔ کیونکہ ساڑھی میں وہ سردی سے محفوظ نہیں تھی۔ اب وہ جینز اور پورے بازو اور ہائی نیک گرم جرسی میں ملبوس تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اس لباس میں بھی اس کی حشر سامانیاں نمایاں تھیں۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو کچھ بھی پہن لیں ان پر جچتا ہے۔ عبداللہ نے فتح خان کے آدمی کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے تھے۔ شہلا کو پہلے ہی لنچ دیا جا چکا تھا۔ عبداللہ اب مکان کے سامنے والے حصے میں ایک چھوٹا سا کیمرا فٹ کر رہا تھا۔ یہ کیمرا ایک سیکنڈ میں ایک تصویر لیتا تھا اور یہ تصویر یا ویڈیو ایک چھوٹے سے مخصوص مانیٹر پر دیکھی جا سکتی تھی۔ عبداللہ مانیٹر بھی لایا تھا اور اب اسے لگا کر کیمرے کی آزمائش کر رہا تھا۔ مین گیٹ کے پلر والی لائٹ کے ساتھ کیمرا اس طرح لگایا گیا تھا کہ وہ گلی سے نظر نہیں آتا تھا لیکن پوری گلی اور آس پاس کے سارے علاقے کو کور کرتا تھا۔ اس کی آزمائش مکمل کر کے عبداللہ نے ایسا ہی ایک کیمرا مکان کے عقب میں واقع چھوٹے سے صحن میں لگایا۔ اسے اوپر سے فولادی گرل لگا کر بند کر دیا گیا تھا اور یہاں سے کوئی اندر نہیں گھس سکتا تھا جب تک کہ وہ گرل نہ کاٹ دے۔ دونوں کیمرے ایک ہی مانیٹر پر دیکھے جا سکتے تھے اور ساتھ میں ایک چھوٹا سا بکس تھا جو چوبیس گھنٹے کی ویڈیو کی ریکارڈنگ بھی کر سکتا تھا اور اسے کسی وقت بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ عبداللہ دستی سائز آلہ بھی لایا تھا جو بیک وقت دھماکہ خیز مادے اور کسی بھی نوعیت کے ریڈیائی سگنل کو پکڑ سکتا تھا۔

''اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے لیکن وہ میں ابھی لایا نہیں ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''لیکن کچھ خاص اسلحہ ہے۔''

اس نے ایک چھوٹا سا بریف نکالا اور اسے کھولا تو اس میں ایک عام پستول کا لیکن موٹی نال والا پستول تھا۔ اس کے پیچھے چیمبر بھی اسی طرح موٹا سا تھا۔ پستول کے ساتھ فولاد کی بنی دو انچ لمبی اور تقریباً آدھا انچ موٹی گولیوں کا سیٹ بھی تھا۔ ان کی تعداد دو درجن کے لگ بھگ تھی۔ میں نے ان کو چھونا چاہا تو عبداللہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''نہیں جناب ان کو ایسے چھونا ٹھیک نہیں ہے۔''

میں رک گیا۔ ''کیوں؟''

عبداللہ نے ایک الیکٹرانک تھرمامیٹر نکالا اور اس کی سوئی ایک بلٹ سے لگائی اور اس کی اسکرین پر بلٹ کا درجہ حرارت آنے لگا۔ ہم دنگ رہ گئے تھے بلٹ کا درجہ حرارت منفی سو کے قریب تھا۔ عبداللہ نے تھرمامیٹر واپس رکھ دیا اور بریف کیس بند کر دیا۔ ''یہ ہائی کمپریس ہائیڈروجن گیس کے بلٹ ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ ایک بلٹ میں کوئی دس مکعب میٹر گیس کو کمپریس کر کے بند کیا گیا ہے۔ اسے بیرونی درجہ حرارت سے بچانا ہوتا ہے ورنہ یہ اسٹیل کا خصوصی بلٹ بھی اسے قید نہیں رکھ سکے گا۔ یہ خاص بریف کیس اسے باہر کے درجہ حرارت سے بچاتا ہے۔ یہ مخصوص پستول ایک بلٹ لوڈ کر کے فائر کر سکتا ہے۔ اس کی رینج تقریباً سو میٹر ہے یہ اپنے ہدف پر پھٹ کر بھیرو جتنی بڑی اور مضبوط گاڑی کو مکمل طور پر تباہ کر سکتا ہے۔''

''یہ تو بہت ہائی ٹیک ہتھیار ہے۔'' وسیم نے حیرت سے کہا۔

''ہاں اور بہت مہنگا بھی ہے یوں سمجھ لیں کہ اس بریف کیس کہ قیمت ایک ملین ڈالرز تو ہے لیکن ایک

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

افغان اسلحے کے ڈیلر سے بہت سستا مل گیا کیونکہ اس کے پاس اور کوئی خریدار نہیں تھا۔ یہ اصل میں روس کی ایجاد ہے اس وجہ سے مارکیٹ میں دستیاب بھی ہے۔''

عبداللہ نے بریف کیس وسیم کے حوالے کر دیا۔ میں نے پوچھا۔''اگر اس کے بلٹ کو کھلی فضا میں رکھ دیا جائے تو کیا ہوگا؟''

''آج کل کے موسم میں یہ تین سے چار منٹ میں پھٹ جائے گا کیونکہ اس کا درجہ حرارت بڑھ جائے گا اور جب یہ درجہ حرارت منفی پچاس ڈگری سینٹی گریڈ سے نیچے آئے گا تو بلٹ خود بخود پھٹ جائے گا۔ فائر کرنے کی صورت میں یہ اپنے ہدف سے ٹکرا کر پھٹے گا۔''

''یہ کام کی چیز ہے شاید منی راکٹ لانچر ہے۔''

''تقریباً اتنی تباہی پھیلاتا ہے۔''عبداللہ نے سر ہلایا۔

میں نے سرد آہ بھری۔''انسان نے بھی تباہی کے لیے کیا کیا چیزیں بنالی ہیں۔''

''یہ درست ہے جناب۔''عبداللہ نے سر ہلایا اور بولا۔''فتح خان سے تصویریں لینے کا طریقہ سوچ لیا ہے۔ میرے ایک آدمی نے اسلام آباد کے ایک پوسٹ آفس میں ایک پوسٹ بکس لے لیا ہے۔ اس کا نمبر دو سو بارہ ہے۔ آپ فتح خان سے کہیں کہ وہ شام پانچ سے پہلے اس پوسٹ آفس کے بکس میں تصویریں ڈال دے۔''

میں نے گھڑی دیکھی۔ تین بج رہے تھے۔ گویا ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ میں نے سم بدل کر فتح خان کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی اور بولا۔''شہباز خانا میں تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔''

''یعنی تم تصویریں واپس کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو؟''

''ہاں تصویریں ایک بند لفافے میں میرے ہاتھ میں ہیں۔''اس نے مکاری سے کہا۔''بولو کہاں پہنچانا ہیں۔''

میں نے اسے پوسٹ آفس کے بارے میں بتایا۔''اس میں پوسٹ بکس نمبر دو سو بارہ میں یہ لفافہ ڈال دو۔ مجھے مل جائے گا۔''

پوسٹ بکس۔''اس کے لہجے میں مایوسی آ گئی۔''اس طرح تو دیر ہو جائے گی۔''

''کوئی دیر نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ کل دوپہر تک تمہارا آدمی آزاد ہو جائے گا اور تمہارے پاس پہنچ جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ آج شام پانچ بجے سے پہلے یہ لفافہ اس پوسٹ بکس میں پہنچ جائے۔''

''ٹھیک ہے پہنچ جائے گا۔''فتح خان نے سرد آہ بھری۔''شہباز خان میں نے کسی کے سامنے خود کو اتنا مجبور نہیں پایا۔ تم نے دیکھا تم نے مجھے مرشد کے حوالے کیا اور میں اس کے پاس سے نکل آیا۔ اگر تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ تو.....''

''شام پانچ بجے تک۔''میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔''ورنہ ڈیل ختم ہو جائے گی۔''بات مکمل کرتے ہی میں نے کال کاٹ کر سم نکال لی اور عبداللہ کی طرف دیکھا۔''اگر آج شام پانچ بجے تک دو سو بارہ میں کوئی لفافہ آ جاتا ہے تو اسے کب وہاں سے نکالا جا سکتا ہے؟''

''ویسے تو وہ کل صبح ہی نکل سکتا ہے لیکن میرے آدمی نے پوری سیٹنگ کر لی ہے ایک ملازم جس کے پاس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آفس کی چابیاں ہوتی ہیں وہ رات کو چپکے سے آفس کھول کر بکس نمبر دو سو بارہ سے لفافہ نکال کر میرے آدمی کو دے دے گا۔"

"وہ پوسٹ آفس کا ملازم ہے اتنی آسانی سے کیسے مان گیا؟"

عبداللہ ہنسا۔"اس کا باپ بھی مانتا۔ اس کام کا کچھ معاوضہ اسے پیشگی ادا کیا جا چکا ہے۔"

"تو یہ بات ہے۔"

"اور یہ اچھا ہوگا۔" سفیر ہنسا۔"کل اس گدھے کے آدمی انتظار کریں گے کہ کون آتا ہے بکس نمبر دو سو بارہ کھولنے۔"

"فتح خان کو گدھا مت سمجھو۔ وہ بہت چالاک ہے جو بات ہم سوچ سکتے ہیں وہ بھی سوچ سکتا ہے اور جو ہم کر سکتے ہیں وہ بھی کر سکتا ہے۔" میں نے کہا۔"عبداللہ تمہارے آدمی پورے انتظامات کے ساتھ جائیں اور دوہری نگرانی رکھو۔ یہ دیکھو کہ کوئی تمہارے آدمی کی نگرانی تو نہیں کر رہا ہے۔"

"میں سمجھ گیا، میں ایسا ہی کروں گا۔"

کچھ دیر بعد عبداللہ رخصت ہو گیا اسے پوسٹ بکس کے لیے بھی انتظامات کرنے تھے۔ پوسٹ آفس کا ملازم عبداللہ کے آدمی کو مطلع کرے گا جیسے ہی کوئی شخص پوسٹ بکس دو سو بارہ میں کوئی چیز ڈالے گا۔ وسیم نے ایک بار پھر فتح خان کے آدمی کو دیکھا وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ ہم بیڈ روم والے کمرے میں آ گئے۔ سفیر اور وسیم مونا اور سعدیہ کی کیفیت جاننے کے لیے بے چین تھے میں نے کہا۔"یار ہم ان عورتوں کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ وہ زندہ گوشت پوست کی بنی ہوئی ہیں اور وہ اپنے شوہروں کا ساتھ چاہتی ہیں خاص طور سے میں سعدیہ کے لیے فکر مند ہوں۔"

"سعدیہ کے لیے کیوں؟" وسیم نے پوچھا۔

میں نے گہری سانس لی۔"یار وہ لڑکی نہیں ہے عورت ہے۔ پہلے بھی ایک بار شادی کے تجربے سے گزر چکی ہے اور اب اس طرح صرف نکاح کر کے اسے رکھنا اس کے ساتھ ظلم ہے۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔ اگر وہ لڑکی ہوتی تو نا آشنا ہوتی اور صبر کرتی لیکن کوئی انسان جان لینے کے بعد صبر نہیں کر سکتا۔ نکاح کے بعد وہ خود پر جبر کر رہی ہے اور یہ جبر اسے رفتہ رفتہ ہسٹریا کی طرف لے جائے گا۔"

"یہ سب تو میں نے بھی سوچا ہے۔" وسیم نے اعتراف کیا۔

"لیکن تم نے عمل نہیں کیا۔" میں نے ملامت سے کہا۔"تم نے اسے کیوں چھوڑ کر رکھا آخر مونا اور سفیر بھی تو میاں بیوی کی زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔"

سفیر کے دانت نکل آئے۔"شوبی ٹھیک کہہ رہا ہے قسم سے کل سے مونا مجھے بہت یاد آ رہی ہے۔"

"لیکن شہباز صاحب جیسی زندگی ہم بسر کر رہے ہیں، اس میں گھر گرہستی کی گنجائش کہاں ہے۔"

"دیکھو یار اللہ نے انسان کو کچھ حاجات دی ہیں اور یہ ہر حال میں انسان کو پوری کرنی پڑتی ہیں۔ شادی بھی ایک ایسی ہی حاجت ہے۔ جیسے انسان میدان جنگ میں بھی کھانا پینا اور سونا نہیں چھوڑتا اسی طرح اسے بیوی کی ضرورت ہوتی ہے اور بیوی کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہنگامی حالات میں یہ اسی طرح پوری کر۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

چاہیے جیسے ہم لوگ جہاں موقع ملے کھا لیتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے سو لیتے ہیں۔''

''یار میں بھی اسے یہی سمجھا رہا ہوں۔'' سفیر بولا۔ ''لیکن یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا ہوں۔''

''یہ غلط بھی نہیں ہے میں تمہیں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔'' وسیم نے اسے گھورا۔ ''کل سے تڑپ رہے ہو جیسے پتا نہیں کب سے بیوی کو نہیں دیکھا۔''

''بھائی اپن تیری طرح برہمچاری نہیں بن سکتے۔'' سفیر نے شانے اچکائے۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''تو طے ہے آج شام وسیم کا ولیمہ ہے۔''

وسیم پریشان ہو گیا۔ ''اتنی جلدی؟''

''ہاں بھائی ہنگامی حالات کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں اب تمہارا باقاعدہ ولیمہ کرنے کا موقع تو نہیں ہے۔''

''میں مونا کو بتاتا ہوں وہ سعدیہ کو تیار کرے گی۔'' سفیر بولا اور وسیم کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے کال ملائی۔ ''اے مونا آج سعدیہ اور وسیم کی رخصتی ہے..... نہیں بابا میرا دماغ خراب نہیں ہے..... شادی کے بعد تم نے چھوڑا کہاں ہے..... میں بکواس نہیں عرض کر رہا ہوں..... ہمارے سرپرست اعلیٰ، اعلیٰ حضرت جناب شہباز ملک المعروف لنڈورے بابا نے فیصلہ صادر کر دیا ہے تم سعدیہ کو تیار کرو..... نہیں نہیں باہر جا کر شاپنگ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ موقع سے فائدہ اٹھانے کی نہیں ہو رہی ہے جو کرنا ہے گھر میں کرو۔''

میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''بس بھائی تیار ہو جاؤ بیویاں یہی سلوک کرتی ہیں ہر مرد آزاد کے ساتھ جو ایک بار ان کے دام میں آ جائے۔''

وسیم کی آنکھیں مسکرانے لگی تھیں۔ ''تب تو آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ ویسے یہ تقریب کل تک کے لیے نہیں ٹالی جا سکتی ہے۔ آج تصویروں والا کام نمٹانا ہے۔''

''وہ عبداللہ کے آدمی کر لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ والا نیک کام آج ہو جانا چاہیے۔''

''بس بیٹا اس خوشی میں کافی پلا دے۔'' سفیر نے وسیم کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''فقیر دعا کریں گے اللہ تیری سہاگ رات کامیاب کرے۔''

''تم سخت بے ہودہ آدمی ہو۔'' وسیم خفگی سے بولا اور کھڑا ہو گیا۔

سفیر ہنسا۔ ''بیٹے کل تک تو بھی ہو جائے گا۔''

وسیم کے جانے کے بعد میں نے پوچھا۔ ''شہلا نے کچھ بتایا؟''

''میں نے اور ایاز نے کچھ تفتیش کی تھی۔ اس نے بس ایک ہی نام بتایا ہے۔ کسی لیاقت انصاری کا وہ اسی بینک میں ملازم ہے اور شاید سیکورٹی وہی دیکھتا ہے۔''

''شہلا کا لیاقت سے کیا تعلق ہے؟''

''وہی جو فتح خان سے ہے فرق صرف اتنا ہے کہ فتح خان نے اسے بلیک میل کر کے حاصل کیا اور شہلا نے لیاقت کے سامنے خود کو چارے کے طور پر ڈالا اور مچھلی نے منہ مار دیا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اگر لیاقت کا کام نکل گیا ہے تو وہ اب کیوں شہلا کے کام آئے گا؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم لیکن شہلا کا دعویٰ ہے کہ وہ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

وسیم کافی بنا کر لے آیا۔ ذرا سی دیر میں اس کی سفیر سے خفگی ختم ہوگئی اور دونوں پھر ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اچانک شہلا کے چلانے کی آواز آئی۔ میں نے کہا۔ ''شاید فتح خان کے آدمی کو ہوش آ گیا ہے۔ ذرا جا کر دیکھو کیا مسئلہ ہے کہیں وہ اسے مارنے کی کوشش تو نہیں کر رہا ہے۔''

''بھائی ہم کل سے اس عورت کو بھگت رہے ہیں اب تو ہی جا کر دیکھ۔'' سفیر نے انکار کر دیا اور وسیم بھی اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے مجھے ہی اٹھنا پڑا تھا۔ شہلا کمرے کے ایک کونے میں دبکی ہوئی چلا رہی تھی حالانکہ فتح خان کا نوجوان ساتھی فرش پر بے بسی سے بندھا پڑا تھا اور کسی طور شہلا کے لیے خطرہ نہیں تھا البتہ وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''کیا بات ہے کیوں چلا رہی ہو؟''

''پلیز اسے کہیں اور لے جاؤ۔'' وہ لرزتے لہجے میں بولی۔ ''یہ مجھے مار دے گا۔''

''یہ تمہیں کس طرح مار سکتا ہے اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہیں۔'' میں نے شہلا کو سمجھانے کی کوشش کی تو وہ چیخ اٹھی تھی۔

''میں کچھ نہیں جانتی اسے یہاں سے لے جاؤ ورنہ میں چیختی رہوں گی۔''

فتح خان کا ساتھی مسکرانے لگا تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ ہم سے ڈر رہا ہے۔''

میں نے شہلا کی طرف دیکھا اور اس کا خوف کسی قدر میری سمجھ میں آنے لگا تھا میں فتح خان کے ساتھی کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے بال پکڑ کر اس کی گردن پیچھے کی طرف کی کھینچی۔ اس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں کیونکہ اس کا سانس رک گیا تھا میں نے ایک جھٹکا دے کر پوچھا۔ ''یہ تم سے کیوں ڈر رہی ہے؟''

''ہم..... ہم بتاتا ہے۔'' اس نے بمشکل کہا۔ میں نے گرفت کم کی تو وہ جلدی جلدی سانس لینے لگا اور پھر بولا۔ ''یہ ہم سے ڈر رہا ہے کہ ہم اس کے ساتھ پھر وہی نہ کرے جو اس کی کوٹھی میں کیا تھا۔''

میں نے شہلا کی طرف دیکھا اس کا چہرہ ذلت کے احساس سے سیاہ ہوگیا تھا وہ جو بات چھپانا چاہ رہی تھی وہ سامنے آ گئی تھی۔ حالانکہ وہ عزت دار عورت نہیں تھی لیکن پھر بھی کسی عورت کے لیے اس سے بڑھ کر ذلت کیا ہو گی کہ ایک مرد طاقت کے بل پر اسے بے آبرو کر دے۔ فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے شہلا کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اس نے مجھے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ صرف فتح خان ذمے دار تھا لیکن اس کے ساتھی بھی شہلا کو بہتی گنگا سمجھ چکے تھے۔ میں نے فتح خان کے ساتھی کا سر پوری قوت سے زمین پر مارا۔ پوری قوت سے یوں مارنا پڑا کہ فرش پر قالین اور اس کے نیچے انڈر لے تھا اس لیے وہ اتنی آسانی سے بے ہوش نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ وار کافی ثابت ہوا اور ایک کراہ کے ساتھ وہ بے ہوش ہوگیا۔ اگر اتنی قوت سے میں اس کا سر پکے فرش سے ٹکراتا تو اس کے سر کے کئی ٹکڑے ہو جاتے اور اس میں جمع سارا گند بھہ جاتا۔ میں کھڑا ہو گیا اور شہلا سے کہا۔

''امید ہے اب تم سکون سے بیٹھو گی یہ تین چار گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔''

وہ چپ رہی اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ سفیر اور وسیم باہر موجود تھے اور سب سن اور سمجھ چکے تھے لیکن انہوں نے بھی اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔ پانچ بج چکے تھے۔ میں نے عبداللہ سے رابطہ کیا۔ ''کوئی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پروگریس؟''

''ابھی تک پوسٹ آفس کے ملازم کی کال نہیں آئی ہے۔''

''کہیں وہ ڈبل کراس نہ کر جائے۔''

''امید تو نہیں ہے وہ دوسری پارٹی اور دوسری پارٹی اس سے ناواقف ہے۔'' عبداللہ نے کہا اور بولا۔ ''ایک منٹ جناب دوسرے موبائل پر کال آ رہی ہے۔'' مجھے ہولڈ کرا کے وہ کال سننے لگا۔ ایک منٹ بعد واپس آیا۔ ''شہباز صاحب کام ہو گیا ہے۔ ایک آدمی کچھ دیر پہلے لفافہ پوسٹ آفس میں دے گیا ہے۔''

''گڈ اب آدمی سے کہو کہ مستقل پوسٹ آفس کے بندے سے رابطے میں رہے۔ دوسرے آدمی بھیجے؟''

''وہ روانہ ہو رہے ہیں کیونکہ انہوں نے چھپ کر کام کرنا ہے اس لیے گیٹ اپ کر کے روانہ ہوں ایک فقیر بنے گا اور ایک غبارے بیچنے والا۔''

''ٹھیک ہے لیکن ان کو مسلح اور پوری طرح ہوشیار ہونا چاہیے۔ فتح خان اور اس کے ساتھی سفاک بھیڑیے ہیں۔''

''میرے ساتھی بھی کم نہیں ہیں جناب۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

''میں جانتا ہوں تمہارے تربیت کے لحاظ سے فتح خان کے آدمیوں سے اچھے ہیں لیکن ان میں ایک کمی ہے وہ کسی کو بے دریغ قتل نہیں کر سکتے ہیں فتح خان کے آدمی یہ کام کرتے ہیں۔ اس لیے اپنے آدمیوں کو پوری طرح ہوشیار رہنے کو کہو۔ کسی بھی ہنگامی صورت میں وہ دشمن کو رعایت نہ دیں اور شوٹ ٹو کل کی پالیسی پر عمل کریں۔''

''ٹھیک جناب۔'' عبداللہ نے کہا۔ میں نے اسے وسیم کے ولیمے کے بارے میں بتایا تو وہ خوش ہو گیا۔ کال ختم کر کے میں نے سفیر اور وسیم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور بولا۔ ''سورج ڈوبتے ہی ہمیں یہاں سے عبداللہ والی کوٹھی کی طرف روانہ ہونا ہے۔''

''ان دونوں کا کیا ہو گا؟''

''یہ یہاں بندھے رہیں گے۔ رات کو میں اور بیتو یہاں آ جائیں گے۔ ایاز بھی ہو گا لیکن یہ ہے کہاں؟''

''گاڑیوں کا کچھ سامان چاہیے تھا وہ لینے گیا ہے چھ بجے تک آ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے ہم اس کے آتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔''

ایاز چھ بجے سے پہلے آ گیا [illegible] جیپ میں تھا اسے وسیم کے ولیمے کے بارے میں پتا چلا تو وہ خوش نظر آنے لگا۔ میں اس کے ساتھ [illegible] گیا۔ سفیر اور وسیم منی پجیرو میں آ گئے۔ یہاں پر یہ دو گاڑیاں تھیں باقی دو گاڑیاں اور بائیک عبداللہ کی کوٹھی پر ہی روانہ ہونے سے پہلے ایک نظر شہلا اور فتح خان کے ساتھی کو دیکھا۔ شہلا کو بتایا نہیں کہ ہم یہاں سے جا رہے ہیں ورنہ وہ ابھی سے واویلا مچانا شروع کر دیتی۔ سارے دروازے اور مین گیٹ لاک کر دیا۔ جب ہم کوٹھی پہنچے تو وہاں باقاعدہ شادی کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ سعدیہ کو تیار کیا جا رہا تھا۔ مونا نے اپنی واقف کار ایک بیوٹی پارلر والی کو بلایا تھی اور اسی طرح ایک بوتیک کی مالکہ اس کی دوست تھی مونا کے کہنے پر وہ عروسی ملبوسات اور ایک فٹنگ کرنے والے کو بھی ساتھ لے آئی تھی۔ میں اور سب حیران رہ گئے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''یہ کیا چکر ہے؟'' میں نے مونا سے پوچھا۔

''شادی کا چکر ہے آپ نے ہی تو کہا تھا کہ آج وسیم اور سعدیہ کی شادی کرنی ہے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

''لیکن یہ اتنے لوگوں کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''ہم یہاں چھپنے آئے ہیں یا سارے زمانے کو بتانے کہ ہم یہاں ہیں۔''

''اتنے لوگ کہاں ہیں، دو بیوٹی پارلر والیاں ہیں اور دو بوتیک کے لوگ ہیں۔'' اس نے برا مان کر کہا۔

''اس سے زیادہ تو عبداللہ نے بلوا لیے ہیں کھانے کے ساتھ آئیں گے کیٹرنگ والے۔''

میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''یہ عبداللہ بھی دیوانہ ہو رہا ہے۔''

وسیم بھی پریشان ہو گیا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز صاحب یہ ٹھیک نہیں ہو رہا ہے۔ اگر ہمارے دشمن اس کوٹھی کے بارے میں شک رکھتے ہیں تو آج کے بعد ان کو یقین ہو جائے گا۔''

ایاز خوش تھا اس نے کہا۔ ''جناب اس طرح چھپکی تقریب کا مزہ بھی نہیں آتا اور جہاں تک خطرے کی بات ہے تو وہ ہمیشہ ہمارے آس پاس ہوتے ہیں۔

اتنے میں اندر سے بیتو نکل کر وسیم سے لپٹ گیا۔ ''وسیم بھائی بدھائی ہو آپ دولہا بننے والا ہے۔''

''مجھے تو لگ رہا ہے میں بدھو بننے والا ہوں۔'' وہ بھنا کر بولا۔

''ریلیکس یار۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا مجھے ایاز کی بات اچھی لگی تھی کہ ہمیں بہت زیادہ ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ خطرے ہمیشہ ہمارے آس پاس رہتے ہیں۔ ''جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے اب انجوائے کرو۔''

''یہ تو ہم بھی کہتا ہے۔'' بیتو بولا۔ ''وسیم بھائی آپ کا وہ ہم ہے جو ہر شادی میں دولہا کے ساتھ ہوتا ہے۔''

''شہ بالا۔'' ایاز نے کہا۔ ''لیکن وہ تو بچہ ہوتا ہے۔''

''تو ہم کون سا بڑا ہے آپ ہی تو کہتا ہے ہم ابھی بچہ ہے۔''

''لیکن شہ بالے کو گود میں بٹھانا ہوتا ہے یہ تمہیں گود میں کس طرح بٹھائے گا؟'' میں نے شرارت سے کہا۔

''اسے چھوڑو ہم گود میں نہیں بیٹھے گا۔'' بیتو نے وسیم کا بازو پکڑا۔ ''وسیم بھائی میرے ساتھ آؤ۔ عبداللہ بھائی نے تمہارے لیے سوٹ منگوائے ہیں ابھی چیک کرنا ہے کون سا تم کو پورا آئے گا۔''

وسیم نے بے چارگی سے مجھے دیکھا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔ سفیر پہلے ہی اپنی بیگم کے پیچھے جا چکا تھا۔ ایاز کا سامان اور کپڑے یہیں موجود تھے وہ بھی تیار ہونے چلا گیا اور میں نے سعدیہ کے کمرے کا رخ کیا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ عبداللہ کے دو آدمی کمرے کو حجلہ عروسی میں بدلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سعدیہ مونا کے کمرے میں تھی اور بیوٹی پارلر والیاں اسے تیار کر رہی تھیں۔ میں اندر آیا تو اس نے جلدی سے پاس رکھا دوپٹہ اوڑھ لیا کیونکہ وہ ویکس کرا رہی تھی اور سلیولیس شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اسے تیار کرنے والیاں برہم ہو گئیں۔ ایک بولی۔

''آپ اندر کیوں آئے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''یہ آسکتے ہیں یہ میرے بھائی ہیں۔'' سعدیہ نے جلدی سے کہا۔

''ہاں میں اس کا بھائی ہوں۔'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''آج میری بہن دلہن بننے والی ہے۔''

سعدیہ شرما گئی تھی پھر اس نے کہا۔ ''مونا نے جب بتایا تو میں سمجھی کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ ہم اس طرح جلدی میں یہ شادی کر رہے ہیں ورنہ سوچا تو یہ تھا کہ تمہیں دھوم دھام سے وسیم کے ساتھ کسی دوسرے گھر میں رخصت کریں گے۔''

''جی نہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''میں نے کہیں نہیں جانا ہے آپ سب کے ساتھ رہنا ہے۔''

''تو ہم تمہیں کہاں بھیج رہے ہیں۔''

یک دم سعدیہ اداس ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ ''شوبی آپ جانتے ہیں میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ وسیم سے میرا قانونی رشتہ ہے لیکن آپ سے میرا دل کا رشتہ ہے۔ آپ کبھی مجھے مت چھوڑیئے گا۔''

''بہ شرط زندگی..... نہیں چھوڑوں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''اللہ آپ کو لمبی عمر دے اور جب میں مروں تو آپ کے سامنے مروں۔'' اس نے جذباتی ہو کر کہا۔

''اللہ تمہیں لمبی عمر اور ہمت دے۔''

''پلیز ہمارے پاس وقت کم ہے اور ان پر ابھی بہت کام کرنا ہے۔'' بیوٹی پارلر والی بولی۔

''ٹھیک ہے آپ اپنا کام کریں۔'' میں نے سعدیہ کا سر تھپتھپایا اور کمرے سے باہر آگیا۔ بیتو والے کمرے میں وسیم کی تیاری جاری تھی۔ عبداللہ نے اندازے سے اس کے ناپ کے مطابق کئی سوٹ منگوا لیے تھے اور اب وہ پہن پہن کر ان کو چیک کر رہا تھا۔ یہ سب تھری پیس سوٹ تھے کیونکہ ناپ کی شیروانی اور کرتا شلوار ملنا ممکن نہیں تھا۔ جوتے موزے اور ٹائیوں کا سیٹ الگ تھا۔ اسے تیار ہوتا دیکھ کر میں باہر آیا تو کوٹھی کے لان میں ٹینٹ کا سامان اتر رہا تھا اور سفیر اس کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ یہ کام بھی عبداللہ کا تھا۔ میں نے اسے کال کی تو وہ پوسٹ آفس کے پاس موجود تھا۔ وہ اپنے دو آدمیوں کے ساتھ خود نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''آفس بند ہو چکا ہے اور آس پاس بھی ویرانی ہے کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آرہا ہے۔''

''تب اس شخص کو بلا لو جس کے پاس چابیاں ہیں اور لفافہ نکال لو۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کیونکہ جتنی احتیاط سے معائنہ کر سکتے تھے وہ کر لیا ہے اور اب تک کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آیا ہے جو اس جگہ کی نگرانی کر رہا ہو۔''

''تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''تین اور ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جس نے پوسٹ بکس نمبر لیا تھا۔ ہم پوری طرح تیار ہیں۔'' اس نے کہا تیار ہونے کا مطلب تھا کہ وہ اسلحے سے پوری طرح مسلح تھے اور ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹ سکتے تھے۔ میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے یہ کام نمٹاؤ اور واپس آجاؤ۔''

ٹینٹ اور سامان لانے والے اپنا کام کر رہے تھے۔ ابھی سیٹنگ میں خاصا وقت تھا۔ سب مصروف تھے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور میں فارغ تھا اس لیے اندر کنٹرول روم والے حصے میں آیا جہاں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولت بھی تھی۔ یہاں کئی کمپیوٹر تھے اور عبداللہ کا ایک آدمی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے کچن میں کام کرنے والے منیر کو کال کر کے کافی لانے کو کہا اور اپنا ای میل اکاؤنٹ کھولنے لگا۔ میری توقع کے عین مطابق اس میں ایمن شا کی کئی میلز تھیں اور ایک آج صبح ہی آئی تھی۔ ان سب میں ایک ہی سوال تھا کہ میں کہاں ہوں اور اس سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا ہوں۔ اس نے اپنے کئی فون نمبر بھی دیئے تھے۔ ایک گھر کا تھا، ایک دفتر کا اور اس کا ذاتی موبائل نمبر تھا۔ جتنی دیر میں میل چیک کی منیر کافی لے آیا۔ اس کی سروس کو نیک اور لاجواب ہوتی تھی۔

''شکریہ یار۔''

''ویلکم سر۔'' اس نے شائستگی سے کہا۔ وہ کافی کے ساتھ کچھ کوکیز بھی لے آیا تھا لیکن مجھے صرف کافی کی طلب تھی۔ منیر کے جانے کے بعد میں نے موبائل سے ایمن کا ذاتی موبائل نمبر ملایا۔ شاید پاکستان کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی کیونکہ دوسری بیل نہیں بجی تھی۔

''ہیلو کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''تم پہچان سکتی ہو۔''

''شہباز۔'' وہ چہک کر بولی۔ ''کہاں تھے تم میں تمہیں ای میل کر کے تھک گئی ہوں۔''

''ابھی چیک کی ہیں اور تمہیں کال کر رہا ہوں۔''

''بس جب ای میل دیکھتے ہو تو میرا خیال آتا ہے۔'' اس نے شکوہ کیا۔ میں شرمندہ ہو گیا کیونکہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ اپنا خیال بھی بہت کم آتا ہے۔''

''حالانکہ اب تمہارا خیال رکھنے والی آ گئی ہے۔'' اس نے طنز کیا۔

''کیا مطلب؟''

''میرا اشارہ سویرا کی طرف ہے اب وہ تم سے شادی کرنے کے لیے آزاد ہے۔''

''یہ سب تمہیں کس نے بتایا؟'' میرا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

''میں صحافی ہوں اگرچہ شعبہ الگ ہے لیکن ہوں تو صحافی اپنے مطلب کی خبر نکال لیتی ہوں۔''

''ایمن تم میری جاسوسی کرتی رہی ہو۔''

''اگر کرتی بھی رہی ہوں تو میں تمہاری دشمن تو نہیں ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''تم جانتے ہو میرے دل میں تمہارا کیا مقام ہے۔''

''اگر تمہارے دل میں میرا کوئی مقام ہوتا تو تم مجھ سے اس طرح بات نہ کرتیں۔'' میں نے آہستہ سے کہا اگرچہ عبداللہ کا آدمی دور بیٹھا تھا اور مجھے امید تھی کہ اس تک میری آواز نہیں جائے گی۔

''سوری اگر تمہیں برا لگا ہے۔'' اس نے دھیمے انداز میں کہا۔

''اٹس اوکے۔'' میں نے بات ختم کی اور موضوع بدل دیا۔ ''تم کیا کر رہی ہو آج کل؟''

''ابھی افریقہ کے تپتے صحرا سے آئی ہوں اور کل کینیڈا کے ایک برف زار کی طرف روانگی ہے لیکن اصل

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

خبر یہ ہے میں دو ہفتے بعد پاکستان میں ہوں گی۔''

''یہاں کوئی خاص مقصد؟''

''ہاں ڈیڈی کے بارے میں ایک کلیو ملا ہے۔ میں نے فارن آفس کے توسط سے کیس ری اوپن کرنے کو کہا ہے۔''

''کیسا کلیو؟''

''مجھے ڈیڈی کا خط ملا ہے۔ اگر چہ بہت چھوٹا سا اور بغیر نام کے ہے لیکن مجھے یقین ہے یہ ڈیڈی کا خط ہی ہے اور اسے پاکستان کے علاقے سوات سے پوسٹ کیا گیا ہے۔''

برٹ شا اسی علاقے میں فتح خان کی قید میں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے خط لکھنے کا موقع کس نے دیا۔ فتح خان سے تو اس حماقت کی امید نہیں تھی ممکن ہے برٹ شا کے نگران کو اس پر ترس آ گیا ہو مجھے یاد تھا کہ وہ ذہنی طور پر پسماندہ شخص تھا جسے فتح خان نے برٹ شا کی نگرانی پر لگا رکھا تھا۔ اپنی ذہنی پسماندگی کے باوجود وہ شخص اس قابل تھا کہ برٹ شا کی نگرانی کر سکتا تھا تبھی اسے فتح خان نے اس کام پر لگایا تھا۔ میں نے ایمن سے پوچھا۔ ''کیا ہینڈ رائٹنگ برٹ شا کی ہے؟''

''یہ خاکی کاغذ پر شاید کوئلے کی مدد سے لکھا گیا ہے تم رائٹنگ کا اندازہ کر سکتے ہو پھر بھی میں نے یہاں تحریر کے کئی ماہرین کو دکھایا ہے اور ان کی متفقہ رائے ہے کہ بعض الفاظ یقینی طور پر ڈیڈی کے انداز میں لکھے گئے ہیں۔''

''کیا صرف ایک مبہم خط کی بنیاد پر حکومت پاکستان ایک برسوں پرانے کیس کو ری اوپن کرے گی؟''

''میں نے یہاں فارن آفس کو تو قائل کر لیا ہے اور اس کی جانب سے درخواست پاکستان کے فارن آفس کو چلی گئی ہے۔ میرا خیال ہے حکومت پاکستان بھی انکار نہیں کرے گی۔''

''ہاں غلاموں میں انکار کی جرأت بھی کہاں ہوتی ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''یہاں ہزاروں کیس برسوں سے لٹکے ہوئے ہیں اور ان کی انکوائری نہیں ہوتی ہے لیکن کیونکہ برٹ شا کا تعلق ہمارے آقاؤں کے آقاؤں سے ہے اس لیے میرا خیال ہے تفتیش ضرور ہو گی تو مس ایمن شاویلکم ٹو پاکستان۔''

وہ ہنسی۔ ''ابھی تو میں نہیں آئی ہوں۔''

''لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے۔''

''شوبی تم مجھے یاد کرتے ہو؟'' اس کا لہجہ ذرا رومانٹک ہو گیا۔

''ہاں تم کوئی بھولنے والی چیز نہیں ہو۔ جیسے تمہارے انکل ڈیوڈ کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔''

''مجھے اس سے کیوں ملا رہے ہو۔'' وہ ناراض ہو گئی۔ ''مجھے نفرت ہے اس شخص سے جو بدقسمتی سے میرا انکل بھی ہے۔''

''اس نے چند دن پہلے مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' میں نے کہا اور ایمن کو ڈیوڈ شا سے کیے جانے والی معاہدے کا بتایا جواب باقی نہیں رہا تھا کیونکہ مرشد نے اس کی دھجیاں بکھیر دی تھیں جب کہ ڈیوڈ شا ابھی پاکستان میں تھا۔ ایمن حیران رہ گئی۔ اس نے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیوڈ جیسا مغرور اور سفاک آدمی کسی کے اتنا جھک سکتا ہے۔ آخر وہ تمہارے لیے اتنا بے چین کیوں ہے؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا شاید وہ مجھے کہیں استعمال کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے وادی کا ذکر کرنے سے گریز کیا۔

ایمن نے خود وادی کا ذکر نکال لیا۔ ''ڈیوڈ شا کسی سفر سے واپس آیا تھا کہیں وہ اسی وادی کی طرف تو نہیں گیا تھا؟''

''ممکن ہے مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے البتہ یہ معلوم ہوا ہے کہ ڈیوڈ شا پاکستان میں بایولوجیکل وپین پر کام کرا رہا ہے فری لانسر سے۔''

''وہ اسی قسم کا آدمی ہے لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''میں خود یہاں اس کے لوکل ایجنٹ کا نشانہ بنا اور مرتے مرتے بچا۔ اس نے مجھے ایبولا وائرس لگا دیا تھا میرے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی اور وہ مر گئی لیکن میری زندگی تھی اس لیے بچ گیا۔''

''ایبولا وائرس۔'' اس کی آواز میں خوف آ گیا تھا۔ ''یہ تو بہت خطرناک وائرس ہے افریقہ میں، میں نے اس کا شکار ہونے والے افراد کو بہت اذیت سے مرتے دیکھا ہے۔''

''مجھ پر جس وائرس کا تجربہ کیا گیا تھا وہ خاص طور سے اتنا طاقتور بنایا گیا ہے کہ انسان صرف تین دن میں مر جاتا ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ہے اسے خاص طور سے حیاتیاتی ہتھیاروں کے لیے بنایا جا رہا ہے۔''

''شکر ہے تمہیں کچھ نہیں ہوا۔''

''بس اللہ نے بچانا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''کیا تم مجھے ڈیوڈ شا کا کوئی رابطے کا نمبر دے سکتی ہو؟''

''میرے پاس اس کا پرسنل نمبر نہیں ہے لیکن اس کی رہائش گاہ کا نمبر دے سکتی ہوں۔ تم ایک منٹ ہولڈ کرو جب میں نمبر دھراؤں تو لکھ لینا۔'' ایمن نے کہا اور شاید دوسرے فون سے آپریٹر کو کال کی اور اس سے ڈیوڈ شا کی رہائش کا فون نمبر مانگا۔ آپریٹر اسے نوٹ کرانے لگا اور وہ بلند آواز سے دھراتی رہی جسے میں نے اپنے پاس نوٹ کر لیا۔ وہ فون بند کر کے واپس موبائل پر آئی۔ ''تمہیں اس کا نمبر کیا کرنا ہے؟''

''اسے اطلاع دینی ہے کہ ہم سے جو معاہدہ ہوا تھا اب میں اس کا پابند نہیں ہوں۔''

ایمن فکر مند ہو گئی تھی۔ ''شہباز اس سے جو ڈیل بھی کرو بہت سوچ سمجھ کر کرنا وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے کہا اور پھر اسے یاد دلایا۔ ''لیکن کیا تم نے سوچا ہے کہ تم برٹ شا کی تلاش کی کوشش کر رہی ہو تو ڈیوڈ شا کا کیا ردِعمل ہوگا۔ وہ برٹ شا کی جاگیر اور خطاب پر قابض ہے کیا وہ اس سے دست بردار ہونے کو تیار ہو جائے گا؟''

ایمن کچھ دیر چپ رہی پھر اس نے کہا۔ ''نہیں وہ کسی صورت یہ بات برداشت نہیں کرے گا لیکن میرا خیال ہے اسے خبر نہیں ہوگی۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے یہاں اس کے ایجنٹوں کی کمی نہیں ہے اور وہ سرکاری اداروں میں بھی ہیں وہ اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فوراً خبر کریں گے۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے یہاں اس کا اتنا اثر ورسوخ ہے کہ وہ کیس کو کھلنے ہی نہیں دے گا اور فارن آفس کی جانب سے تمہیں اطلاع ملے گی کہ دوبارہ تفتیش کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا ہے۔''

''مجھے اس کا خیال آیا تھا اس لیے میں نے خود پاکستان آنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''ممکن ہے اس کا کوئی فائدہ ہو لیکن سچ کہوں تو مجھے تمہاری ذات کے لیے بھی خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ تم ایک سفید فام ہو اور یہاں کسی سفید فام کو نشانہ بنا کر الزام کچھ مخصوص گروپس پر لگانا بہت آسان ہے۔ یہ کیس بھی بعد میں بے نام ونشان رہ جائیں گے۔''

''میں جانتی ہوں اس کے باوجود میں ڈیڈی کی تلاش کے لیے پاکستان ضرور آؤں گی۔'' اس کا لہجہ ٹھوس اور فیصلہ کن تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے لیکن وعدہ کرو کہ تم اپنی حفاظت پر پوری توجہ دو گی۔''

''شہباز تمہیں میری حفاظت کی پروا ہے؟'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں ہے۔''

وہ کھل اٹھی تھی کم سے کم اس کی آواز سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ''تب میں ضرور اپنی حفاظت کروں گی، لو یو۔'' اس نے ایک پُرشور چہکار کے ساتھ کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے موبائل رکھ کر سر سہلایا۔ ایمن شا کے سر سے میرا سودا نکلا نہیں تھا اور وہ سُست روی سے صحیح لیکن میری جانب پیش قدمی کر رہی تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں سویرا سے محبت کرتا ہوں اور اس کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ میں کسی اور کا نہیں ہو سکتا ہوں۔ اگر ایمن مجھ سے مخصوص مغربی طرز کی محبت چاہتی ہے تو یہ بھی میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ اسے میری ذات سے سوائے مایوسی کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ بہرحال یہ اس کی چوائس تھی میری نہیں اس لیے انجام بھی اسے برداشت کرنا تھا مجھے نہیں۔ میں نے کاغذ پر لکھا ڈیوڈ شا کے گھر کا نمبر دیکھا اور موبائل میں وہ سم ڈالی جسے میں نے صرف دشمنوں سے بات کرنے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ نمبر ملانے پر دوسری بیل پر شاید ڈیوڈ شا کے بٹلر نے کال ریسیو کی۔

''شاہاؤس ہولڈ یئر۔''

''مجھے ڈیوڈ شا سے بات کرنی ہے۔'' میں نے کہا۔

''یور نیم پلیز سر؟''

''شہباز ملک۔'' میں نے کہا تو اس نے ایک منٹ ہولڈ کرنے کو کہا۔ ایک منٹ بعد ڈیوڈ شا لائن پر تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

''شہباز ملک تم نے اچھا نہیں کیا ہے۔''

''اچھا تمہارے آدمی مارشل نے نہیں کیا ہے ابھی تم پاکستان کی فضاؤں میں تھے اور اس نے تمہارے کیے معاہدے کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے مرشد سے میرا سودا کر لیا۔ اس نے مجھے مرشد کے حوالے کرنے کی کوشش کی اور راز کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے دونوں آدمیوں کو بھی گولی مار دی۔ میری خوش قسمتی کہ میرے ساتھی مجھے تلاش کرتے آ گئے ورنہ میں اس وقت کسی نامعلوم قبر میں پڑا ہوتا۔''

''مارشل کا کہنا ہے تمہارے ساتھیوں نے دھوکا کیا اور حملہ کر کے مارشل کے آدمیوں کو قتل کر دیا، جب وہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ہمیں ان کے حوالے کرنے گیا تھا۔''

''ہمیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ میں ویسے ہی آزاد ہو رہا تھا اور دوسرے جب مارشل کے آدمی مارے گئے تو وہ کیسے بچ گیا۔''

ڈیوڈ شا کچھ دیر کے لیے چپ ہوا تھا پھر اس نے کہا۔ ''تم دونوں کی باتوں میں مکمل تضاد ہے اب میں کس کی بات مانوں۔''

''میں نے تمہیں بات کلیئر کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ اب ہمارا معاہدہ ختم ہے۔ تم اپنے دیئے عہد کے مطابق مرشد کو پٹا ڈال کر نہیں رکھ سکے اس لیے میں بھی اس معاہدے سے آزاد ہوں۔'' میں نے واضح کرتے ہوئے کہا اور پھر ذرا چبھتے لہجے میں بولا۔ ''ویسے مجھے بڑی مایوسی ہوگی اگر مارشل جیسی سطح کے لوگ بھی تمہیں بے وقوف بنا جائیں۔''

''مجھے کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا ہے لیکن تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ مارشل نے تمہیں مرشد کے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی اور تم اپنی عقل مندی سے کام لے کر بچ نکلے۔'' اس کا انداز استہزائیہ تھا۔

''یہ سوال تو تمہیں مارشل سے پوچھنا چاہیے تھا۔ تمہارا تنخواہ دار وہ ہے میں نہیں ہوں لیکن اگر تمہاری ذاتی عقل اس معاملے میں کام نہیں کر رہی ہے تو مارشل کے موبائل نمبر کی اس دن اور وقت کی کالز چیک کرا لو جو میرے آدمی کے نمبر پر کی گئیں تھیں۔ تمہارا اتنا اثر و رسوخ تو ہے پاکستان میں کہ موبائل کال لوکیشن نکلوا لو۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ سم کو فوری طور پر موبائل سے الگ کر دیا اور ساتھ ہی اسے توڑ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیا کیونکہ فتح خان یا مرشد کی بات دوسری تھی لیکن ڈیوڈ شا اس معاملے میں خطرناک آدمی تھا اس کے لیے بالکل ممکن تھا کہ وہ انگلینڈ میں ہوتے ہوئے یہاں میرے موبائل کی لوکیشن کا سراغ لگوا لے۔ مجھے اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

○.....❖.....○

مجھے ایمن اور پھر اس کے چچا سے بات کرتے ہوئے خاصی دیر ہو گئی تھی باہر یقیناً بہت کچھ ہو چکا تھا۔ میں اٹھ کر باہر آیا تو لان میں بالکل پیک ٹینٹ لگ گیا تھا۔ ایاز سب سے پہلے تیار ہو کر آ گیا تھا۔ اس کے پاس تھری پیس سوٹ نہیں تھا اس لیے اس نے پینٹ شرٹ کے ساتھ کوٹ نما جیکٹ لے لی تھی اور اس میں اچھا لگ رہا تھا۔ اس میں ہوا کی آمد و رفت کی گنجائش نہیں تھی اس لیے سردی کا اثر بھی کم تھا۔ دولہا اور دلہن کے لیے خوب صورت چھوٹا سا اسٹیج بنایا گیا تھا جس پر چار عدد صوفہ نما کرسیاں رکھی تھیں۔ نیچے بھی صوفہ نما کرسیاں رکھی تھیں لیکن یہ اسٹیج والی کرسیوں سے مختلف تھیں اور ایک لمبی میز کے دونوں طرف رکھی تھیں۔ رات کے نو بجنے والے تھے اور ابھی تک عبداللہ اور اس کے ساتھی نہیں آئے تھے۔ میں اسے کال کرنے والا تھا کہ وہ آ گیا۔ اس کی سیاہ شیشوں والی جیپ اندر آئی تھی۔ وہ اتر کر سیدھا میرے پاس آیا اس کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اسے کامیابی ہوئی ہے۔ اس نے جیب سے لفافہ نکال کر میرے حوالے کیا اور بولا۔ ''آپ کو شادی کا ارینجمنٹ کیسا لگا؟''

''شاندار۔'' میں نے کہا۔ ''میں تو حیران ہوا تھا تم نے اتنی جلدی سب کر لیا۔''

''اور پوری رازداری سے۔'' وہ بولا۔ ''موتا بی بی نے جن خواتین کو بلایا ہے وہ بھی نہیں جانتیں کہ وہ کہاں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آئی ہیں ان کو ایک بندوبین میں لایا گیا تھا اور اسی طرح واپس لے جائیں گے۔"

"گڈ..... بس میں اسی چیز سے پریشان تھا کیونکہ یہ سب مونا کی واقف کار ہیں۔"

"جی مجھے معلوم ہے اور میں نے اسی لحاظ سے بندوبست کیا ہے۔ وسیم اور باقی کہاں ہیں۔"

"میرا خیال ہے تیار ہو رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "میں بھی چینج کر کے آتا ہوں۔"

"میں ذرا انتظامات دیکھ لوں۔" عبداللہ بولا اور اپنے آدمیوں کی طرف چلا گیا۔ میں اندر آیا جہاں وسیم تیار تھا اور سعدیہ تیاری سے گزر رہی تھی۔ وسیم نے مجھ سے کہا۔ "یہ کیا جناب میں آدھے گھنٹے میں تیار ہو گیا اور ابھی دلہن آدھی بھی تیار نہیں ہوئی ہے۔"

"بس بھائی باقی زندگی میں بھی ایسا ہی ہوگا۔" میں نے کہا اور اپنے لیے ایک سوٹ نکالا۔ یہ سوٹ دیکھ کر مجھے زرین یاد آئی کیونکہ اسی نے پسند کر کے یہ سوٹ لیا تھا اور مجھے پہننے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ میں نے اسے منیر کو پریس کرنے کے لیے دیا اور خود باتھ روم میں گھس گیا۔ نہا کر آیا تو سوٹ استری ہو کر آ گیا تھا۔ بیتو بھی سوٹ پہن کر آئینے کے سامنے ٹائی باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس سے ٹائی لی۔ "برخوردار ایسے نہیں باندھتے ہیں۔ میں تمہیں طریقہ بتاتا ہوں۔"

میں نے عملی طور پر اسے ٹائی باندھنا سکھائی اور بیتو سیکھ گیا اس نے پھر ٹائی کھول کر درست طریقے سے باندھی اور خوش ہو کر بولا۔ "شوبی بھائی ہم کو آ گیا ہے۔"

"شاباش اب یہاں سے نکلو مجھے بھی سوٹ پہننا ہے۔"

مجھے صرف تولیہ میں ملبوس دیکھ کر بیتو ہنسا اور کمرے سے چلا گیا اس کے جانے کے بعد میں نے بھی سوٹ پہنا تھا۔ تیار ہو کر میں باہر آیا تو ایک ڈی جے بھی آ گیا تھا اور اپنے آلات سے دھیمی آواز میں موسیقی بکھیر رہا تھا۔ وسیم اسٹیج پر آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی چمک رہی تھی۔ میں نے سفیر سے پوچھا۔ "دلہن اور مونا کہاں ہیں؟"

"اندر ہیں..... ابھی تیاری میں کچھ وقت ہے۔"

میں وسیم کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اسے مطلع کیا۔ "میں سعدیہ کی طرف سے ہوں۔"

وہ مسکرایا۔ "یعنی آپ سالے کا رول پلے کر رہے ہیں۔"

"اب تک تو یہی رول پلے کرتے آئے ہیں۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "اور اپنا کوئی سالا ہے نہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں میں سویرا کا بھائی بن جاؤں گا۔" اس نے خلوص سے کہا۔ میں نے سوچا وہ وقت کب آئے گا جب میں اسی طرح دولہا بن کر سویرا کو لینے جاؤں گا۔ بلکہ لینے کیا جاؤں گا۔ وہ اسی حویلی میں ہے جہاں اسے ساری عمر رہنا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد سعدیہ دلہن بن کر غضب ڈھاتی آ گئی تھی اگرچہ مونا کی تیاری بھی کم نہیں تھی اور اسے دیکھ کر سفیر جذباتی ہو گیا تھا لیکن سعدیہ نے تو سب کو دنگ رہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ گولڈن رنگ کے شرارے میں وہ خود بھی سنہری گڑیا لگ رہی تھی۔ میچنگ کی جیولری نے مزید کام کیا تھا۔ وسیم ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"یہ بیوٹی پارلر والے بھی کیا غضب ڈھاتے ہیں۔ سورج کو سوا نیزے پر پہنچا دیتے ہیں۔"

"سر۔ فرمایا آپ نے۔" اس نے بھی آہ بھری۔

www.pakistanifreebooks.com

مونا سعدیہ کا لباس سنبھالتی اسے اسٹیج تک لائی تھی۔ عبداللہ کا ایک آدمی چھوٹا ویڈیو کیمرا لے آیا تھا۔ سفیر ایک بھیل کیمرے سے تصویریں لے رہا تھا۔ عبداللہ بھی تیار ہو کر آ گیا تھا اور اس وقت باقاعدہ چمک رہا تھا۔ عام طور سے میں نے اسے اپنی ذات سے لاپروا پایا تھا۔ وہ شاید ہفتے میں ایک ہی بار شیو بنا کر فارغ ہو جاتا تھا اور اس کے بال بھی بکھرے رہتے تھے لیکن اس وقت شیو بنی تھی اور بال سلیقے سے بنائے گئے تھے۔ تھری پیس سوٹ میں وہ اسمارٹ لگ رہا تھا۔ ولیمے کی مناسبت سے سب نے ہی تھری پیس سوٹ پہنے تھے۔ چھ سات گھنٹے پہلے میں نے صرف بات کی تھی اور جو سوچا تھا وہ عملی طور پر سامنے تھا۔ ویڈیو اور فوٹو سیشن کے بعد دعا کی گئی۔ سب نے وسیم کو گلے لگا کر اور دبا کر مبارک باد دی۔ اس کے بعد دولہا دلہن کو سلامیاں دینے کی باری آئی اور تقریباً سب نے نوٹوں والے لفافے انہیں پکڑائے حد یہ کہ ایاز نے بھی لفافے میں رقم دی۔ مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ جب میں اسٹیج پر آیا تو میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر جتنی رقم تھی وہ سعدیہ کے پرس میں ڈال دی۔ وہ ہنسی۔

''یہ کیا طریقہ ہے؟''

''یہ محبت کا طریقہ ہے جو لفافوں کا محتاج نہیں ہوتا۔''

''شوبی میں آپ کی شکر گزار ہوں میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ کے توسط سے مجھے اتنے اچھے لوگ ملیں گے۔''

''یہ تمہارا مقدر ہے گڑیا۔'' میں نے کہا اور اسٹیج سے نیچے آ گیا۔

''مجھے تو کچھ نہیں دیا۔'' مونا نے سرگوشی کی۔ ''میری اور سفیر کی شادی بھی تو ہوئی ہے۔''

''تو اب لے لینا۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے دیا تو ہے ایک کاٹھ کا اُلو۔''

مونا ہنسی اور سفیر نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ سلامیوں اور اسٹیج کے سیشن کے فوراً بعد کھانا لگا دیا گیا۔ اپنا کام مکمل کر کے مونا کی بیوٹی پارلر اور بوتیک کی فرینڈز بھی تقریب میں شامل ہو گئی تھیں۔ کھانے کے بعد عبداللہ ان کو واپسی کے لیے ساتھ لے گیا۔ مونا اپنی فرینڈز کو چھوڑ کر آئی اور پھر اس نے رخصتی کا اعلان کر دیا۔ سعدیہ کو وہ اندر لے گئی تھی جب کہ وسیم کو ہم نے روک لیا۔ سفیر نے اس کا بازو پکڑا۔ ''بیٹے اتنی جلدی بھی کیا ہے ذرا ہمارے ساتھ تو گپ شپ کر لو۔''

''جلدی تو نہیں ہے۔'' وسیم جھینپ کر بولا۔ وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ چلتی رہی تھی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ اب دیر ہو گئی ہے۔ ابھی مجھے، ہیتو اور ایاز کو واپس جانا تھا۔ میں نے آہستہ سے سفیر سے کہا۔

''آج تو بھی یہیں رکے گا۔''

''بالکل نہیں میں تیرے ساتھ جاؤں گا۔''

''بکواس نہ کر مونا آج اکیلی ہو گی تو اس کے پاس رکے گا۔ آخر وہ تیری بیوی ہے۔''

سفیر ہچکچایا لیکن جب میں نے زور دیا تو مان گیا تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے اور ہمیں سفر بھی کرنا تھا۔ میں کھڑا ہوا تو سب ہی کھڑے ہو گئے اس بار سفیر نے وسیم کو روکنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ خود اسے بھی یہیں رہنا تھا اور وہ مونا کے پاس جانے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا اس پر ہیتو نے اس کا مذاق اُڑایا۔ عبداللہ واپس آ گیا تھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس نے ہمارے ساتھ چلنے کو کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بیتو اور ایاز میرے ساتھ ہیں۔ تم آج سارا دن بہت مصروف رہے ہو آرام کرو۔'' میں نے کہا۔

گاڑیاں اب سب یہیں آ گئی تھیں۔ میں نے عبداللہ سے کہا کہ ہماری اضافی گاڑیاں کہیں کھڑی کروا دے تا کہ جب ضرورت پڑے ہم وہاں سے حاصل کر لیں۔ اس نے کہا کہ بندوبست ہو جائے گا۔ میں چاہ رہا تھا کہ ابھی ہم صرف دو گاڑیاں رکھیں چار زیادہ تھیں اور ان کو سنبھالنا بھی مشکل کام تھا۔ ایاز کی جیپ تو لازمی تھی اس کے علاوہ میں نے منی پجیرو لی۔ یہ چھوٹی گاڑی تھی اور اسے استعمال کرنا آسان تھا۔ الٹرنیشن کے بعد اس کی رفتار اور پک اَپ بھی بہتر ہو گیا تھا۔ ایاز اپنی جیپ لے کر نکلا اور میں اور بیتو پجیرو میں تھے۔ سردی تو غضب کی تھی۔ ساتھ ہی دھند بھی شروع ہو گئی اور جب ہم باہر نکلے تو دھند کی وجہ سے تیس گز سے آگے دیکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ میں نے ہیڈ لائٹس پوری طرح روشن کر دی تھیں۔ اس کے باوجود راستہ دیکھنے میں مشکل ہو رہی تھی اور ہماری رفتار کم تھی۔

ہم اسلام آباد کی حدود سے نکلے تو دھند میں کسی قدر کمی آئی تھی۔ اصل میں اسلام آباد میں سفیدے کے درخت بہت زیادہ ہیں اور یہ ہوا میں نمی چھوڑتے ہیں جس سے دھند کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کھلی جگہ پر دھند کم تھی۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ ایاز کی جیپ کی رفتار تیز ہو گئی۔ میں سمجھ نہیں سکا تھا کیونکہ وہ مجھ سے کوئی پچاس گز آگے تھا۔ میں نے بھی رفتار تیز کی بیتو اونگھ رہا تھا وہ چونکا۔ ''کیا ہوا شوبی بھائی رفتار کیوں بڑھا دی؟''

''پتا نہیں ایاز نے رفتار بڑھا دی ہے۔'' میں نے تشویش سے کہا۔ ایاز کوئی کام بلا وجہ کرنے والا شخص نہیں ہے کوئی نہ کوئی وجہ تھی جو اس نے رفتار بڑھا دی تھی۔ میں نے موبائل سے اسے کال کی۔ ''ایاز اسپیڈ کیوں بڑھا دی ہے؟''

''جناب میں آپ کو کال کرنے والا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''مجھ سے آگے ایک گاڑی جا رہی ہے۔ یہ دائیں طرف سے ایک سڑک سے نکلی تھی اور جب میری جیپ کے پاس سے گزری تو اس میں سے کسی لڑکی کی چیخیں سنی ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے اس گاڑی میں کسی لڑکی یا عورت کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے؟''

''میرا یہی خیال ہے جناب۔'' اس نے کہا۔ ''میری جیپ اور گاڑی دونوں کے شیشے مکمل طور پر بند ہیں اس کے باوجود لڑکی کی چیخیں صاف سنائی دیں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اگر کوئی مجبور لڑکی کچھ درندوں کے ہاتھ لگ گئی تھی تو اس کا امکان تھا کہ اس کے ساتھ آگے اچھا نہیں ہو گا۔ آبرو تو جائے گی اس کا امکان بھی ہے کہ اسے جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں اور یہ ہمارے سامنے ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ایاز کی آواز آئی۔ ''شہباز صاحب بتائیں کیا کرنا ہے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میں ان کو روکنا چاہوں گا۔'' اس نے بلا تامل کہا۔

''او کے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' میں نے بھی فوری فیصلہ کیا۔ ''کرنا کیا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''میں ٹکر مار کر گاڑی کو روکنے جا رہا ہوں۔'' ایاز نے کہا۔ وہ گاڑی روکیں گے تو انہیں ہینڈز اَپ کر کے صورت حال معلوم کر لیں گے۔ اس کے بعد دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم ٹکر مار کر آگے رکنا اور میں ان کے پیچھے رکوں گا۔''

ایاز کی جیپ کے سامنے والے حصے میں بڑی مضبوط قسم کی فولادی گرل تھی۔ اس لیے ایاز نے بے فکری سے جیپ کی رفتار تیز کی اور عقب سے گاڑی کو ٹکر ماری۔ سناٹے اور رات کے وقت دھماکے کی آواز صاف سنائی دی۔ اگلی گاڑی لہرائی اور سڑک سے اتر گئی۔ ایاز نے جیپ کچھ آگے روکی اور میں نے اپنی جیپ کچھ پیچھے روک دی۔ میں اور بیتو اپنے پستول سنبھالتے ہوئے نیچے اترے۔ تو ضرب کھانے والی گاڑی سے تین افراد نکل آئے تھے۔ وہ بدمعاشوں کے انداز میں وزنی گالیاں دیتے اور بڑھکیں مارتے ہوئے ایاز کی جیپ کی طرف لپک رہے تھے۔ ان میں سے سب سے آگے والا جیسے ہی جیپ کے دروازے تک پہنچا اور اس نے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی تو دروازہ طوفانی رفتار سے کھلا اور اس کے منہ پر لگا۔ وہ بلبلا کر پیچھے جا گرا۔ یہاں اسٹریٹ لائٹس کی روشنی تھی اس لیے کسی قدر نظر آ رہا تھا میں نے سب سے پیچھے والے کو ایک عدد پستول نکالتے دیکھا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اپنا پستول اس کے سر پر رکھ دیا۔

''بس کاکے اب حرکت مت کرنا۔'' میں نے کہتے ہوئے اس کا پستول اچک لیا۔ درمیان والا پہلے ہی پوز ہو گیا۔ کیونکہ ایاز ایک شاٹ گن کے ساتھ نیچے اتر آیا تھا۔ منہ پر دروازہ کھانے والا اٹھ گیا تھا اور ہمیں دانتوں تک مسلح دیکھ کر ان کی بکواس اور بڑھکیں رک گئی تھیں۔ وہ بالکل شرافت کے موڈ میں آ گئے تھے۔ میں نے پستول نکالنے والے سے پوچھا۔

''یہ کیا چکر ہے۔''

''کیسا چکر؟'' اس نے انجان بننے کی کوشش کی تو میں نے اس کے سر پر پستول کا دستہ مارا اور اسے صحیح معنوں میں چکر آ گئے۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' منہ پر دروازہ کھانے والا بولا۔ ''ایک تو ٹکر مار کر گاڑی کا بیڑا غرق کر دیا اور اوپر سے ہمیں مار بھی رہے ہو۔''

''یہ تو اسٹارٹ ہے۔'' بیتو بولا وہ گاڑی کا معائنہ کر رہا تھا اس کی سیاہ شیشوں کے اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ابھی اور مارے گا۔''

چکرانے والا اب سنبھل گیا تھا وہ تقریباً چالیس برس کا چہرے سے بدمعاش نظر آنے والا تنومند آدمی تھا باقی دو اس سے کم عمر تھے لیکن ان کے چہروں کی خباثت اس سے کسی طرح کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''گاڑی میں اور کون ہے؟''

''کوئی نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا تو میں نے پھر دستہ اس کے سر پر آزمایا۔ اس بار وہ گر پڑا تھا۔ میں نے دوسرے سے یہی سوال کیا۔

''جی میری عورت ہے۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ان کی ساری بدمعاشی ہوا ہو گئی تھی اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ ہم ان سے بڑے بدمعاش تھے۔

''تمہاری عورت کیا گاڑی میں بیٹھ کر اسی طرح چلاتی ہے؟'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''اب کیوں خاموش ہے؟''

اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا لیکن منہ پر دروازہ کھانے والا کسی قدر تیز لہجے میں بولا۔ ''یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔''

''اچھا ابھی دیکھتے ہیں تمہارے ذاتی معاملے کو۔'' ایاز نے کہا اور آگے بڑھ کر کار کا عقبی دروازہ کھولا۔ منہ کی کھانے والا ''اوئے..... اوئے'' کرتا ایاز کی طرف لپکا تھا لیکن جیسے ہی وہ ایاز کے پاس پہنچا اس نے اچانک لات اس کے سینے پر ماری اور وہ الٹ کر پیچھے جا گرا۔ وار سخت تھا وہ سینہ پکڑ کر زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ بیتو نے ایاز کے وار کی داد دی۔ ایاز اندر جھانک رہا تھا پھر اس نے مجھے اطلاع دی۔ ''جناب ایک لڑکی ہے لیکن بے ہوش لگتی ہے۔''

''ان پر نظر رکھو۔'' میں نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا اور کار کی عقبی حصے میں دیکھا۔ لڑکی دوسری طرف دروازے سے لگی بے ہوش پڑی تھی کم سے کم اس کا ڈھیلا پن یہی بتا رہا تھا۔ وہ نقوش سے نوجوان اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ نیلی ویلویٹ کا سادہ سوٹ پہن رکھا تھا اور اوپر سوئیٹر تھا۔ اس کے لائٹ براؤن بال بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے آگے ہو کر اس کا منہ سونگھا اور کلوروفارم کی بُو نے تصدیق کردی اسے بے ہوش کیا گیا تھا۔ میں واپس آیا اور مار سے بچنے والے سے پوچھا۔

''لڑکی بے ہوش ہے۔''

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ بدمعاش قسم کے لوگ تھے اور ہم ایک چلتی شاہراہ کے کنارے کھڑے ہو کر ان سے نہیں نمٹ سکتے تھے۔ میں نے ان کی تلاشی لینے کو کہا۔ بیتو نے سر پر ضرب کھانے والے کے پاس سے کلوروفارم کی شیشی برآمد کی اور ٹھیک آدمی کے پاس سے ایک عدد چاقو نکلا تھا۔ میں نے ایاز سے کہا۔ ''یہاں سے چلو ان سے کہیں اور ذرا تسلی سے بات کرتے ہیں یہاں کوئی بھی آسکتا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

ان کی گاڑی وہیں چھوڑ کر ہم نے انہیں اور بے ہوش لڑکی کو اپنے گاڑیوں میں منتقل کیا۔ لڑکی کو ایاز کی جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا اور منہ پر دروازہ کھانے والا اس کے ساتھ بیٹھ گیا جب کہ باقی دو میں سے ایک میرے ساتھ بیٹھا اور دوسرا بیتو کے ساتھ پیچھے تھا اس طرح ہم ان پر پوری طرح نظر رکھ سکتے تھے۔ یہ تو طے تھا کہ انہیں مکان پر نہیں لے جانا ہے۔ اس کے بجائے ہمیں آس پاس کوئی جگہ تلاش کرنی تھی جہاں ان سے سکون سے بات کرسکتے اور چیخ و پکار پر کوئی دخل در معقولات نہ کرتا۔ کچھ دور جا کر سڑک سے ذرا دور ایک کچا احاطہ نظر آیا جس کی دیوار گر گئی تھی اور اس کا مطلب تھا یہ غیر آباد تھا۔ ایاز نے اسے دیکھا اور جیپ اس کی طرف گھمادی۔ میں نے اس کی پیروی کی۔ دونوں گاڑیوں کی روشنیوں میں احاطہ ویران ہی لگ رہا تھا اور آس پاس کوئی آبادی بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ احاطے کے آس پاس دور تک زمین پر کائی لگا پانی کھڑا تھا۔ شاید اس علاقے میں بارش کے پانی کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

الاسی کا انتظام نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ زمین بے کار تھی۔ اس جگہ کو دیکھ کر میرے برابر میں بیٹھا بڑی عمر والا خوف زدہ ہو گیا۔

''یہاں کیوں آئے ہو؟''

''سوال مت کرو..... یہ کام ہمیں کرنا ہے، نیچے اترو۔'' میں نے پستول کا رخ اس کی طرف کیا تو وہ شرافت سے نیچے اتر گیا۔ باقی بھی نیچے اتر آئے۔ میں نے لڑکی کی نبض دیکھی۔ وہ ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے والی نہیں تھی۔ بیتو کو اس کے پاس چھوڑ کر میں اور ایاز انہیں احاطے میں لے آئے۔ میں نے کہا۔ ''شروع ہو جاؤ، یہ لڑکی کون ہے اور تم اسے کیوں اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟'' میں نے کہا اور اپنے پستول پر سائلنسر لگانے لگا۔ ان کی حالت خراب ہوئی تھی لیکن ان کی ڈھٹائی ختم نہیں ہوئی تھی۔

''ہم لڑکی کو اغوا کر کے نہیں لے جا رہے ہیں۔''

میں نے احتیاط سے گولی چلائی جو اس کے کان کے پاس سے گزر گئی وہ اچھل پڑا تھا میں نے گرج کر کہا۔

''تو کیا تمہاری بیٹی ہے؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔ میں نے دوسری گولی چلائی جو اس کے بازو کو چھوتی گزر گئی۔ اس نے کراہ کر بازو تھام لیا۔

''مجھے عورتوں پر ظلم کرنے والے لوگوں سے نفرت ہے اور انہیں اذیت سے مار کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اگلی بار گولی تمہارے جسم میں اترے گی لیکن تم اتنی جلدی مرو گے نہیں۔''

''تم کیا کہتے ہو؟'' ایاز نے منہ پر دروازہ کھانے والے سے پوچھا۔ اس کی ناک اور ہونٹ سوج گئے تھے۔ وہ بولا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔''

''چھوڑو ان بے چاروں کو کچھ نہیں معلوم انہیں زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ہے گولی مار کر چھوڑ جاتے ہیں کل کوئی نہ کوئی لاش دیکھ لے گا۔'' میں نے پستول بلند کیا تھا کہ ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ شخص چلانے لگا۔

''خدا کے لیے مجھے مت مارو میں بتاتا ہوں۔ ہاں ہم اس لڑکی کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟''

''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ استاد کو پسند آ گئی تھی لیکن مانتی نہیں تھی ایک اسکول میں ٹیچر ہے اور اس کا باپ بھی ہیڈ ماسٹر ہے۔''

میں افسوس سے سانس لے کر رہ گیا۔ ہمارے معاشرے میں اب ٹیچر کی یہ عزت افزائی ہی باقی رہ گئی تھی کہ عورت ٹیچر کو براہ راست بے آبرو کیا جائے اور اس کے ٹیچر باپ کو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا جائے۔

''استاد کون ہے؟'' میں نے پوچھا تو بڑی عمر والا غرایا۔

''جیرے زبان بند رکھ۔''

''ہاں جیرا اپنی زبان بند رکھے گا لیکن تم بولو گے۔'' میں نے کہا اور اچانک لات مار کر اسے نیچے گرا دیا۔ دوسرے کے پاس سے برآمد ہونے والا چاقو میرے پاس تھا میں نے اس کی گردن پر گھٹنا رکھا اور چاقو سے اس کی کمر پر کٹ لگایا۔ اس نے آزاد ہونے کی کوشش کی لیکن میرے بوجھ تلے تڑپ کر رہ گیا تھا میں نے سوال کیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''استاد کون ہے؟''

اس نے چیخ کر گالی دی تھی۔ وہ جس طرح مزاحمت کر رہا تھا مجھے لگا وہی استاد ہے لیکن یہ بات میں اس کی زبان سے کہلوانا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے بازو اور پھر اس کے پیروں پر کٹ لگائے۔ وہ گاڑی تلے آنے والے کتے کی طرح چیخ و پکار کرنے لگا۔ مگر ابھی تک اس نے مزاحمت ترک نہیں کی تھی۔ البتہ جب میں نے اسے ایک کان سے محروم کیا تو اس نے بھوں بھوں کر کے روتے ہوئے اقرار کر لیا کہ وہی استاد ہے۔ میں نے اسے چھوڑ دیا اور افسوس سے کہا۔

''ایک بے بس لڑکی کو اغوا کرنے والے کو اتنا ہی کم ہمت اور بزدل ہونا چاہیے۔ تم اقرار کرتے ہو کہ تم اس لڑکی کو بے آبرو کرنے کے لیے اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟''

''ہاں۔'' اس نے روتے ہوئے جواب دیا کیونکہ اس نے سوچا ہی نہیں تھا میں اسے شوٹ کر سکتا ہوں اس لیے جب میں نے عین دل کے مقام پر گولی ماری تو وہ چند لمحے بے یقینی سے مجھے دیکھتا رہا اور پھر منہ کے بل گر گیا۔ گرنے سے پہلے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ اس کے ساتھی دم بخود رہ گئے تھے اور پھر وہ تھر تھر کانپنے اور جان بخشی کی التجائیں کرنے لگے۔ ایاز بھی حیران ہوا تھا اسے مجھ سے اتنے شدید ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔ میں نے پوچھا۔

''اس لڑکی کا گھر کہاں ہے؟''

منہ کی کھانے والے نے کہا۔ ''پنڈی میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔''

''مکمل پتا بتاؤ۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔

''وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم ہے۔ میں مکان دکھا سکتا ہوں۔''

ایاز نے میری طرف دیکھا۔ ''کیا اس لڑکی کو گھر پہنچانا ہے؟''

''ظاہر ہے ہم اسے یوں تو نہیں چھوڑ سکتے اور ویسے بھی جب میں کسی معاملے میں دخل دیتا ہوں تو اسے انجام تک پہنچاتا ہوں۔''

''اس کا کیا کرنا ہے؟'' ایاز نے استاد کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

''یہیں پڑے رہنے دو۔ ممکن ہے کل تک کوئی دیکھ لے ورنہ چیلوں اور گدھوں کا بھلا ہو جائے گا۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ استاد کے بارے میں یہ سن کر اس کے چیلوں کی حالت مزید خراب ہو گئی اور انہیں یقین آنے لگا کہ ہم انہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ وہ منت سماجت کرتے میری جیپ میں آئے۔ جیرہ میرے ساتھ بیٹھا تھا اور دوسرا بیتو کے ساتھ پیچھے بیٹھا تھا۔ میں نے راستے میں جیرے سے انٹرویو جاری رکھا تھا۔ اس سے جو صورتِ حال سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ آنجہانی استاد فرحان عرف فانا راولپنڈی کا ایک درمیانے درجے کا بدمعاش تھا اور یہ دونوں یعنی جیرہ اور عالم اس کے دست ناراست تھے یعنی اس کے تمام مجرمانہ کاموں میں برابر کے شریک رہتے تھے۔

یہ لڑکی شاہین ایک نجی اسکول میں ٹیچر ہے اور اس کا باپ ریاض عباسی ایک سرکاری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہے۔ استاد فانا نے کہیں شاہین کو دیکھ لیا اور وہ اسے پسند آ گئی تب سے وہ اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ دو دن پہلے سر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

عالم زیب نے پر شاہین نے اسے تھپڑ مار دیا تھا۔ تب سے استاد فانا کے دل میں آگ لگی تھی اور یہ آگ ایک ہی صورت میں سرد ہو سکتی تھی جب وہ شاہین سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیتا۔ بدلہ لینے کے لیے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ریاض عباسی کے گھر پہنچا اور دیوار پھلانگ کر وہ اندر گھس گئے۔ انہوں نے ریاض عباسی کو بے بس کر کے باندھ دیا اور شاہین کو بے ہوش کر کے اٹھا کر لے آئے لیکن راستے میں اسے ہوش آ گیا اور اس نے چیخیں ماریں۔ اب یہ اتفاق تھا کہ ایاز نے اس کی چیخیں سن لیں۔ معاملہ الٹ گیا اور استاد فانا کے دل میں لگی آگ دوسرے طریقے سے سرد ہوئی تھی۔ ایاز کی جیپ کی ٹکر سے پہلے وہ اسے دوبارہ کلوروفارم سنگھا چکے تھے۔

''تم نے دیکھا بعض اوقات آدمی کو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔'' میں نے جیرے سے کہا۔ ''اب دعا کرو کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے ورنہ تم دونوں کو بھی استاد کے پاس بھیجنا پڑے گا۔''

''خدا کی قسم..... مجھے میری ماں کی قسم میں کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔'' جیرے نے کہا۔

''میں تو اس بستی میں ہی نہیں جاؤں گا۔'' عالم بولا۔

میرے موبائل نے بیل دی۔ ایاز کال کر رہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔ ''کیا ہوا؟''

''لڑکی کو ہوش آ رہا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کہیں یہ شور نہ کر دے۔''

''کسی مناسب جگہ رک جاؤ اسے بات کر کے اور سمجھا کر آگے بڑھتے ہیں۔''

یہ مین روڈ تھی اس لیے ایاز نے ایک ذیلی سڑک پر جیپ موڑی اور کچھ آگے اس کے ویران حصے میں روک دی۔ جب میں اتر کر اس کے پاس پہنچا تو وہ شاہین کا ہاتھ پکڑ کر اسے فرار سے روک رہا تھا اور ساتھ ہی سمجھانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک کلوروفارم کے اثر میں تھی اور ہلکی سی آواز نکالتے ہوئے مزاحمت کر رہی تھی مجھے پاس دیکھ کر وہ مزید خوف زدہ ہو گئی۔

''بی بی آرام سے، آرام سے۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''ہم نے تمہیں ان بدمعاشوں سے چھڑا لیا ہے اور تمہیں تمہارے گھر پہنچانے جا رہے ہیں۔''

''تم..... تم ان کے ساتھی ہو۔'' وہ لڑکھڑاتے لہجے میں بولی۔

''اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو آ کر دیکھو وہ ہماری قید میں ہیں۔''

لیکن وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھی اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ اسے جانے دیا جائے۔ آخر میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے تم چلی جاؤ لیکن اتنی رات اور تاریکی میں تم کہاں جاؤ گی۔ تمہیں راستے معلوم ہیں۔ کوئی کنوینس ہے۔ کیا تمہیں استاد فانا جیسا کوئی اور نہیں ملے گا۔''

میری بات سن کر وہ تذبذب میں پڑ گئی تھی۔ میرا لہجہ ان بدمعاشوں سے بالکل مختلف تھا وہ پڑھی لکھی اور ذہین تھی اور اسے انسانوں کی پہچان تھی اس لیے دیر سے سہی لیکن اسے احساس ہونے لگا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ پھر میں نے اسے اپنی گاڑی میں بیٹھے جیرے اور عالم دکھائے۔ اسے کسی قدر یقین آ گیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم ہم پر بھروسہ کرو اور میرا خیال ہے تمہارا گھر اب زیادہ دور نہیں ہے۔''

گھر کے ذکر پر اسے باپ یاد آ گیا اور وہ تڑپ گئی تھی۔ ''انہوں نے بابا کو سر پر کچھ مارا تھا پھر مجھے کچھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سونگھایا اور میں بے ہوش ہوگئی۔ پتا نہیں بابا کا کیا حال ہوگا؟''

''تمہارے بابا ٹھیک ہوں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ہم تمہارے گھر ہی جا رہے ہیں۔''

وہ ایاز کے ساتھ بیٹھنے پر بڑی مشکل سے آمادہ ہوئی تھی۔ ہمارے شریفانہ رویے نے اسے قائل کر دیا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے اور کوئی بیس منٹ بعد اس بستی کے پاس تھے جہاں شاہین کا گھر تھا یہ پکی آبادی تو نہیں تھی لیکن تھی غریبوں کی آبادی، گلیاں کچی تھیں اور مکان معمولی درجے کے تھے۔ ریاض عباسی کا مکان بڑے رقبے پر تھا اندر تین کمرے تھے لیکن صحن بڑا سا تھا جس میں بہت سارے پھول پودے لگے تھے۔ کمروں کی چھتیں ٹین کی تھیں جن پر بیلیں چڑھائی ہوئی تھیں۔ یہ سب صحن میں داخل ہوتے ہی نظر آ گیا تھا۔

ہم نے گاڑیاں دروازے کے سامنے روکی تھیں اور وہاں ہر طرف سناٹا تھا۔ لوگ سردی کی وجہ سے گھروں میں دبکے سو رہے تھے اور کسی پڑوسی کو نہیں پتا چلا تھا کہ اس گھر پر کیا قیامت گزر گئی ہے۔ اندر داخل ہونے والا دروازہ کھلا تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو شاہین کمروں کی طرف لپکی۔ ہم جیرے اور عالم کو بھی لے آئے تھے۔ میں نے ایاز اور بیتو کو اشارہ کیا کہ ان پر نظر رکھیں اور خود اندر آیا۔ شاہین پہلے کمرے میں گھسی تھی اور پھر اس کے رونے کی آواز آئی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہوا اور رک گیا وسط میں دری پر ایک سفید داڑھی اور بالوں والے بوڑھے کی لاش پڑی تھی۔ کم سے کم اس کی کھلی آنکھوں سے یہی لگ رہا تھا اور اس کے سر سے بہنے والا خون فرش پر جم گیا تھا۔ شاہین اس سے لپٹی رو رہی تھی۔ آہٹ سن کر اس نے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر گلوگیر لہجے میں بولی۔

''ظالموں نے میرے بابا کو مار دیا۔''

میں نے پاس بیٹھ کر بوڑھے کی نبض دیکھی۔ نبض رکی تھی اور ہاتھ بالکل سرد تھا۔ اسے مرے ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ شاید سر پر لگنے والی ضرب جان لیوا ثابت ہوئی تھی یا ہونے والی ذلت کے احساس نے اس کی جان لے لی تھی۔ وجہ کچھ بھی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ اس ملک میں زور آوروں نے ایک اور غریب گھرانا اجاڑ دیا تھا۔ شاہین باپ کی لاش کے سینے سے سر ٹکائے رو رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے، لیکن ہم یہاں نہیں رک سکتے ہیں کیا تمہارا کوئی جاننے والا ہے جسے اطلاع دی جا سکے؟''

اس نے انکار کیا۔ ''نہیں یہاں ہمارا کوئی نہیں ہے، ہم آزاد کشمیر کے رہنے والے ہیں لیکن وہاں بھی بابا کے دور کے رشتے دار ہیں۔''

''محلے والے تو ہیں تم ان کو بتا سکتی ہو۔''

''محلے والے۔'' اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ ''یہ تو اس وقت نہیں آئے جب یہ بدمعاش ہمارے گھر میں گھسے تھے اور میں چلائی تھی۔ سب سن کر بھی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے تھے۔''

یہ ہمارے معاشرے کا ایک اور المیہ ہے ہم کسی کے ساتھ زیادتی ہوتے دیکھتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔ جب ہم چپ ہوتے ہیں تو یہ کبھی نہیں سوچتے کہ کل کو ہماری باری بھی آ سکتی ہے اور اس وقت دوسرا کوئی نہیں بولے گا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس مظلوم لڑکی اور اس کے باپ کا کیا جائے۔ عقل کا تقاضہ یہ تھا کہ فوری روانگی اختیار کی جائے اس سے پہلے کہ اہل محلہ اور پولیس آئے اور ہماری روانگی کے راستے بند ہو جائیں، لیکن میں اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یوں چھوڑ کر بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا اس کا کیا کرنا ہے کہ ایاز تیزی سے اندر آیا۔ اس کا انداز بتانے کے لیے کافی تھا کہ کوئی خطرہ ہے۔ میں خود شاہین سے ذرا دور چلا گیا۔ ایاز نے ایک نظر شاہین اور اس کے باپ کی لاش دیکھی اور میرے کان میں سرگوشی کی۔

''جناب باہر کم سے کم چار افراد ہیں اور وہ شاید مکان کو گھیر چکے ہیں ان کا انداز خطرناک ہے۔''

''مسلح ہیں؟''

''دو کے پاس ہتھیار ہیں باقی دو کا نہیں پتا لیکن ان کا انداز ایسا ہی ہے، ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

میں اس کے ساتھ باہر آیا جہاں بیتو ان دونوں کو ہینڈز اَپ کرائے کھڑا تھا۔ انہوں نے بھی جان لیا تھا کیونکہ ان کے ہونٹوں پر اب مسکراہٹ تھی۔ میں نے پہلے سامنے سے دیکھا۔ نزدیکی بجلی کے کھمبے کے ساتھ ایک کھوکھا دکان کی آڑ میں موجود سایا عقب سے آتی روشنی کی وجہ سے صاف نظر آ رہا تھا۔ ایک اور گلی کے کونے پر موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں شاٹ گن تھی۔ ایاز بولا۔ ''ایسے ہی دو پیچھے بھی ہیں۔''

''ہمیں نکلنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''جو راستے میں آئے اسے اُڑا دو۔''

جیرہ نے کسی قدر بلند آواز سے کہا۔ ''ہمیں جانے دو کہیں ایسا نہ ہو تم خود بھی پھنس جاؤ۔''

''ہمارے ساتھی یہاں موجود ہیں۔'' عالم بھی بولا۔ میں اس کے پاس آیا اور اچانک گھٹنا اس کے زیر ناف مارا۔ وہ کراہ کر جھکا۔

''تمہارے ساتھیوں کو الہام ہوا ہے کہ ہم یہاں موجود ہیں۔''

''ہاں حادثے کے بعد استاد نے ان کو کال کر دی تھی۔'' جیرے نے انکشاف کیا۔

''تم اب بتا رہے ہو لگتا ہے تم نے استاد کے انجام سے سبق نہیں سیکھا۔'' میں نے کہا اور پھر اس کے پیٹ میں گھٹنا مارا وہ سیدھا ہو رہا تھا کہ کراہ کر پھر جھک گیا۔ میں نے سوچا اور ایاز کو ایک طرف لے جا کر دھیمی آواز میں اپنا پلان بتایا۔ وہ سنتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔

''میں سمجھ گیا جناب۔''

''بیتو کو بھی سمجھا دو ہمیں کیا کرنا ہے۔'' میں نے اسے ہدایت کی۔ یہ لوگ شاید اس بستی میں داخل ہوتے ہی ہمارے پیچھے لگ گئے تھے اور اب اس مکان کو گھیر چکے تھے۔ ممکن ہے یہ معمولی درجے کے اچکے ہوں لیکن یہ مسلح تھے۔ ہمارا یہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ میں اندر آیا اور باپ کی لاش کے پاس بیٹھی شاہین سے کہا۔

''سنو استاد فانا کے آدمی باہر آ گئے ہیں وہ مسلح ہیں اور ان کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہے ہمارے ساتھ چلو گی یا یہیں رکو گی۔''

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''وہ لوگ پھر آ گئے ہیں؟''

''ہاں ممکن ہے تمہیں اکیلا پا کر کوئی نقصان پہنچائیں یا ساتھ لے جائیں۔ اگر تم ہمارے ساتھ چلتی ہو تو ہم بعد میں تمہیں جہاں کہو گی وہاں پہنچا دیں گے۔ اگر رکنا چاہو تو تمہاری مرضی ہے لیکن یہاں خطرہ ہے۔ مجھے یقین ہے استاد فانا کے بارے میں جان کر اس کے ساتھی اس کا بدلہ بھی تم سے لیں گے۔''

وہ مزید سہم گئی تھی۔ ''مجھ سے کیوں؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں اسے کیا بتاتا اس کا اصل جرم تو خوب صورت اور کمزور ہونا تھا اور زور آور اپنی مطلب برآوری کے لیے جواز ایجاد کر لیتے ہیں میں اسے یہ سب نہیں بتا سکتا اس لیے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو استاد فانا اپنی حماقت سے مارا گیا ہے اور شاید وہ اس کا بدلہ لینے آئے ہیں۔''

یہ سن کر اس کا رہا سہا رنگ بھی اڑ گیا تھا اور اس نے گھبرا کر کہا۔ ''میں یہاں نہیں رہوں گی۔''

''تب فوراً چلو۔''

''لیکن بابا.....''

''ان کے لیے اب دعا ہی کی جا سکتی ہے۔ یہاں سے نکلتے ہی ہم پولیس کو کال کریں گے اور وہ خود انہیں اسپتال پہنچا دے گی۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے اپنی کوئی اہم چیزیں لینی ہیں تو تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں۔''

میں باہر آیا تو بیتو اور ایاز جیرے اور عالم کے منہ ان کے اپنے کپڑے پھاڑ کر بند کر چکے تھے۔ ان کے ہاتھ بھی عقب میں باندھ دیئے تھے۔ میں نے جیرے سے کہا۔ ''آج تمہیں پتا چلے گا کہ بدمعاشی کیا ہوتی ہے۔''

ایاز مجھے ایک طرف لے گیا اور بولا۔ ''میں سوچ رہا ہوں پیچھے موجود ایک بندے کو ناکارہ کر دوں تاکہ وہ آگے مدد کو نہ آ سکے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے تم جب تک پیچھے والے کو نمٹا کر سامنے آؤ گے ہمیں نکلنے میں دیر ہو جائے گی۔'' میں نے اس کی تجویز مسترد کر دی۔ ''لڑکی بھی ہمارے ساتھ جا رہی ہے ورنہ بعد میں آنے والے اسے نہیں چھوڑیں گے۔''

ایاز بولا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

شاہین پانچ منٹ سے بھی پہلے نکل آئی اس نے جوتے پہن لیے تھے اور اوپر چادر بھی لے لی تھی اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا ہینڈ کیری نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے کہا۔ ''میرے ساتھ رہنا یہاں ابھی ہنگامہ ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ بولی اس نے تیزی سے خود پر قابو پا لیا تھا۔ میں دروازے کی طرف آیا۔ میرے اشارے پر ایاز نے مین سوئچ بند کر دیا اور مکان اور اس کے آس پاس تاریکی چھا گئی۔ میں نے گیٹ ذرا سا کھولا اور پستول باہر نکال کر گلی کے کونے پر موجود شخص کا نشانہ لیا۔ وہ کوئی تیس گز دور تھا اور اس پستول کی رینج پچاس ساٹھ گز تو تھی۔ سائلنسر کی وجہ سے حد کم ہوئی تھی لیکن یہ کافی تھی۔ گولی چلتے ہی اس نے ہاتھ اٹھا کر دل خراش چیخ ماری۔ اس کی چیخ نے کھوکھے تلے دبکے آدمی کو پریشان کر دیا اور وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو آواز دینے لگا۔ میں نے اشارہ کیا تو بیتو اور ایاز جیرے اور عالم کو دھکیلتے ہوئے دروازے تک لائے اور ان کو باہر دھکا دیا۔

وہ جانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ہمارا منصوبہ سمجھ گئے تھے مگر مجبور تھے۔ ان کے پیچھے ہم نکلے۔ کھوکھے کے پیچھے دبکے آدمی نے حرکت محسوس کرتے ہی اوپر تلے کسی پستول یا ریوالور سے فائر کیے اور آگے ہونے کی وجہ سے عالم نشانہ بنا اس نے ناک سے کرب ناک آواز نکالی اور گرنے لگا تھا کہ ایاز نے اسے ڈھال بنا لیا اور اپنی جیپ تک لے گیا۔ دروازہ کھول کر اس نے عالم کو ایک طرف پھینکا اور بیتو سمیت اندر گھس گیا۔ میں نے جیرے کو اپنی ڈھال بنا رکھا تھا۔ مکان کے دائیں طرف سے نمودار ہونے والے نے آتے ہی ری پیٹر سے فائر کیا اور اس کا ہولناک دھماکہ گونجا۔ جیرے نے جھٹکا کھایا اور منہ کے بل گرا تھا۔ اس کے گرتے ہی میں نے ری پیٹر والے کو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لگا تار تین گولیاں ماریں کیونکہ وہ ری پیئر دوبارہ لوڈ کر رہا تھا اور اسے فائر کا موقع دینا وفات پانے کے برابر تھا۔ ری پیئر کی گولی نہایت مہلک ہوتی ہے۔ ہاتھ اور پیروں کے علاوہ کہیں بھی لگے تو جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ ری پیئر والے نے کرب زدہ آواز نکالی اور لڑکھڑا کر دیوار کی آڑ میں چلا گیا۔ شاہین میرے عقب میں کھڑی کانپ رہی تھی ایسی قتل وغارت گری اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ہیچر و کی طرف بھاگا۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے اسے اندر دھکیلا۔ کیونکہ دوسری طرف کھوکھے والا موجود تھا اور ہم پر فائرنگ کر رہا تھا پھر بیتو کے فائر نے اسے خاموش کرا دیا۔ ایاز کی جیپ اسٹارٹ تھی جیسی ہی ہم ہیچر و میں آئے اس نے جیپ آگے بڑھا دی میں نے بھی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی پوری ریس دی تھی اور ہیچر و چھلانگ لگا کر آگے بڑھی اور بے قابو ہو کر ایک درخت سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ شاہین نے متوقع حادثے کا سوچ کر چیخ پہلے ماردی تھی لیکن خیریت رہی اور جیپ درخت کے برابر سے نکل گئی تھی۔ گاڑیاں آگے بڑھیں تو مکان کے عقب سے ایک رائفل بردار نکلا اور ہم پر دھڑا دھڑ گولیاں چلانے لگا۔ ایک گولی ہیچر و کے عقبی شیشے میں سوراخ کرتی گزر گئی۔

''نیچے ہو جاؤ۔'' میں نے چلا کر کہا اور ایکسلریٹر پورا دبا دیا۔ ایاز پہلے ہی گلی سے نکل گیا تھا میں نے موڑ کاٹا تو ہم محفوظ ہو گئے تھے۔ میں نے موبائل نکال کر ایاز کو کال کی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''جلد از جلد نکلو، اگر کہیں پولیس ٹکرا جائے تو راستہ الگ کر لینا اور کوشش کرنا پولیس سے تصادم کی نوبت نہ آئے لیکن پکڑائی کسی صورت نہیں دینی ہے۔''

''ٹھیک ہے جناب۔'' ایاز نے کہا۔ میں نے موبائل بند کر کے رفتار بڑھا دی تھی۔ شاہین سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی اور کسی قدر خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی کیونکہ اس نے پولیس کے بارے میں میری ہدایت سن لی تھی۔ اس نے سہمے لہجے میں کہا۔

''تم لوگ کون ہو؟''

''ہم کوئی بھی ہوں لیکن تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہیں کیونکہ ہم عورت کی عزت کرنا جانتے ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''ابھی ہم اپنے ایک ٹھکانے پر جا رہے ہیں۔ وہاں تم کو کچھ دیر رکنا ہوگا حالات دیکھ کر پھر تم جہاں کہو گی تم کو پہنچا دیں گے۔'' میں نے کہا اور مین روڈ پر آتے ہی گاڑی کو فرسٹ گیئر میں ڈال دیا۔ ایاز کی جیپ خاصی آگے جا چکی تھی۔ اس کی عقبی سرخ روشنیاں بھی اب نظر نہیں آ رہی تھیں لیکن وہ اسی راستے پر تھا۔ میں نے شاہین سے پوچھا۔

''اس شہر میں تمہارا کوئی جاننے والا ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہاں ہمارا کوئی قریبی رشتے دار نہیں ہے۔ میر پور میں ہیں۔ وہاں بابا کی کچھ زمین بھی ہے جسے پٹے پر دیا ہے۔''

''کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہیں سنبھال سکے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس نے سوچا اور پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''شاید اس اسکول کی پرنسپل میری مدد کرے جہاں میں پڑھاتی ہوں۔ وہ میرا بہت خیال کرتی ہے۔''

اس کے ساتھ جو ہو چکا تھا اور کل تک اس گھرانے کے بارے میں جو کہانیاں مشہور ہوئی تھیں ان کو مدِنظر رکھتے ہوئے مجھے امید نہیں تھی کہ مذکورہ اسکول کی پرنسپل شاہین کی کوئی مدد کرے گی بلکہ وہ تو شاید اسے ملازمت سے فارغ کر دے گی۔ بستی سے نکلنے تک ہمیں ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے کہ پولیس اس طرف جا رہی ہے لیکن وہاں جتنی دھواں دھار فائرنگ ہوئی تھی۔ جیرے اور عالم کی اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں ہلاکت ہوئی تھی۔ ان میں سے کم سے کم دو ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے اور کم سے کم ایک زخمی تھا۔ یعنی وہاں پولیس کی آمد لازمی تھی اب اسے ریاض عباسی کے بارے میں مطلع کرنا ضروری نہیں تھا۔ ''تم کہاں تک پڑھی ہوئی ہو؟''

''بی ایس سی کیا ہے۔'' وہ بے دلی سے بولی۔ ''بابا میری شادی کرنا چاہتے تھے لیکن غریب لڑکیوں کے لیے رشتے کہاں ہیں۔ جو آتا وہ ہمارا گھر دیکھ کر چلا جاتا۔ بابا پریشان تھے کہ ان کے بعد میرا کیا ہوگا۔ وہ دل کے مریض تھے دو بار ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ تیسری بار ہوا تو وہ بچیں گے نہیں.....'' وہ بول رہی تھی اور مجھے پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ ایک خاص ذہنی کیفیت میں تھی۔ وہ بہ ظاہر حواس میں ہوتے ہوئے بھی حواسوں میں نہیں تھی اس کے اندر ایک گرہ سی بندھ گئی تھی اور وہ بول کر اسے کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''کبھی کبھی بابا کی پریشانی دیکھ کر دل چاہتا کہ خودکشی کر لوں۔''

''تمہیں اتنا کم حوصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس معاشرے میں بے شمار عورتیں اور لڑکیاں اکیلی ہیں اور وہ خود کما کر زندگی گزار رہی ہیں۔''

''میں جانتی ہوں لیکن مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔ یہ بات بابا بھی جانتے تھے۔''

''تمہارے بابا اپنا علاقہ چھوڑ کر یہاں کیوں آئے؟''

''ایک تو ان کی نوکری یہاں تھی دوسرے انہوں نے امی سے پسند کی شادی کی تھی اور ان کی خاطر اپنی بچپن کی منگیتر کو چھوڑ دیا تھا اس پر پوری برادری نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ کوئی ہم سے نہیں ملتا تھا۔ بابا بھی کسی سے نہیں ملتے تھے لیکن انہوں نے جس کی خاطر سب کو چھوڑ دیا تھا وہ ان کو بیچ راستے میں چھوڑ گئی۔ امی کا اس وقت انتقال ہو گیا جب میں صرف گیارہ برس کی تھی۔ ان کا اپنڈکس پھٹ گیا تھا۔''

''اوہ۔'' میں نے افسوس کیا۔

''اب اللہ نے بابا کو بھی لے لیا۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔ ''میرا کیا ہوگا؟''

''اللہ انسان کے لیے سب سے اچھا کرنے والا ہے۔ دیکھا جائے کہ تمہاری زندگی میں دکھ زیادہ ہیں لیکن اس نے آگے تمہارے لیے کون سی خوشیاں رکھی ہیں یہ تم یا کوئی نہیں جانتا ہے۔''

وہ کھڑکی سے باہر دھند میں گزرتی اسٹریٹ لائٹس کو دیکھ رہی تھی۔ ''پتا نہیں مجھے تو لگتا ہے کہ میری زندگی میں خوشی تو ایک طرف رہی کوئی آسانی بھی نہیں ہے۔''

''خوشیاں اور آسانیاں تلاش کرنے سے ملتی ہیں۔ یہ خود چل کر آپ کے پاس نہیں آتی ہیں۔''

وہ چپ ہو گئی تھی۔ شاید وہ میری بات سے متفق نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''آپ پولیس کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سامنا نہیں کرنا چاہتے ہیں اس کی کوئی وجہ ہے؟''

''اس کی کئی وجوہات ہیں لیکن ان میں سے کوئی وجہ وہ نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو۔ ہمارا جرائم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں میں آپ کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔'' اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ ''میں بہت کم باتوں پر دل سے یقین کرتی ہوں لیکن آپ لوگوں کے بارے میں اتنی سے دیر میں ایک بات پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ لوگ کسی قسم کے مجرم نہیں ہو سکتے ہیں۔''

''اس یقین کا شکریہ، کیونکہ تمہارا اور ہمارا ساتھ مختصر ہے اس لیے تمہارا ہمارے مسائل کے بارے میں جاننا بے کار ہے۔'' میں نے جیپ کا رخ اس کالونی کی سڑک کی طرف موڑ دیا جہاں ہمارا مکان تھا۔ ایاز آگے تھا اور وہ یقیناً اب تک مکان پر پہنچ گیا ہوگا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا جیپ وہاں موجود تھی۔ بیتو باہر کھڑا تھا اور ایاز دروازہ کھول کر اندر جا چکا تھا۔ میں نے جیپ وچھوٹی سی پارکنگ میں کھڑی کر دی اور شاہین کی طرف دیکھا۔ ''یہ ہمارا ٹھکانہ ہے گھر نہیں ہے اس لیے اسے دیکھ کر حیران مت ہونا۔''

ایاز نے روشنیاں جلا دی تھیں۔ شاہین کو لے کر میں بیڈ روم والے حصے میں آیا کیونکہ یہاں ہیٹر تھا اور سردی کی وجہ سے مکان ڈیپ فریزر بنا ہوا تھا۔ ایاز نے ہیٹر آن کیا اور چائے بنانے چلا گیا۔ بیتو تھک گیا تھا اس لیے ایک بستر پر دراز ہو گیا۔ میں نے شاہین سے کہا۔ ''تم یہاں آرام سے بیٹھو اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہنا۔''

وہ ایک طرف دیوار سے ٹک کر بیٹھ گئی۔ عبداللہ نے مجھے تصویروں والا لفافہ دے دیا تھا لیکن ابھی تک مجھے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں اٹھ کر باہر آیا اور تصویروں والا لفافہ نکالا۔ یہ ٹیپ سے بند کیا گیا تھا اور شاید عبداللہ نے بھی اسے نہیں کھولا تھا۔ میں نے اسے کھولا۔ اندر کوئی درجن بھر تصاویر تھیں اور ہر تصویر انسانیت کے نام پر دھبہ تھی۔ اس میں موجود مرد کا چہرہ بالکل واضح نہیں تھا لیکن شہلا کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ تصاویر شہلا کے ساتھی مرد نے جان بوجھ کر بنوائی تھیں۔ اس نے خود کو چھپاتے ہوئے صرف شہلا کی نمایاں کیا تھا اور تصاویر یقیناً بلیک میلنگ کے لیے تیار کی گئی تھیں۔ میں تصویریں دیکھ کر لفافے میں رکھ رہا تھا کہ ایاز چائے بنا کر لاؤنج میں لے آیا اس نے مجھے مگ تھمایا۔ اس کی حرارت اچھی لگی تھی۔ میں نے چائے لیتے ہوئے کہا۔ ''لڑکی سے کھانے کے بارے میں پوچھ لینا۔''

ایاز جھجکا پھر اس نے پوچھا۔ ''یہ رات کہاں سوئے گی؟''

''اسی کمرے میں سو جائے گی آج ہم لاؤنج میں گزارہ کر لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''اسے شہلا والے کمرے میں نہیں رکھ سکتے ہیں۔''

''فتح خان کے آدمی کا کیا کرنا ہے؟'' ایاز نے اگلا سوال کیا۔

''میں سوچ رہا ہوں اسے صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے کہیں ڈلواتے ہیں اور فتح خان کو مطلع کر دیں لیکن پہلے شہلا تصدیق کر دے کہ فتح خان کے پاس اس کی یہی تصویریں تھیں۔''

''آپ اس سے پوچھ لیں۔'' ایاز نے شہلا کے کمرے کی طرف دیکھا۔ ''ویسے یہ اتنے سکون سے کیسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بیٹھی ہے اسے پتا تو چل گیا ہوگا کہ ہم مکان میں آ گئے ہیں۔"

"ممکن ہے وہ سو گئی ہو۔" میں نے کہا۔

"آپ بھول رہے ہیں اسے رات کا کھانا بھی نہیں دیا ہے۔" ایاز نے یاد دلایا تو میں نے سر پر ہاتھ مارا۔

"یہ تو بالکل ذہن سے نکل گیا۔"

"کل کی ڈبل روٹی رکھی ہے آپ کہیں تو چائے کے ساتھ وہ لا دوں۔"

"بالکل بلکہ فتح خان کے آدمی کے لیے بھی لے آؤ۔ کتا ہی ذلیل سہی ہے تو وہ بھی انسان اور اسے بھی بھوک پیاس لگتی ہوگی۔"

ایاز کچن کی طرف چلا گیا۔ میں بیڈ روم میں آیا۔ شاہین ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس کے چہرے پر آنسو چمک رہے تھے۔ میں نے کہا۔ "تمہارا دکھ تو وقت ہی کم کر سکے گا لیکن انسان کے ساتھ حاجتیں لگی رہتی ہیں۔ تم کچھ کھا لو اور پھر سو جاؤ۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تب چائے لے لو اور اگر ضرورت محسوس کرو تو نیند کی دوا لے لینا۔ بہتر ہوگا تم سو جاؤ۔" میں نے کہتے ہوئے بیتو کو بلایا۔ "برخوردار اٹھ جاؤ اور بستر اور کمبل بھی باہر لاؤ۔ آج لاؤنج میں سونا ہے۔"

"لاؤنج میں۔" بیتو نے فریاد کی۔ "ادھر سردی بہت ہوگا۔"

"کچھ نہیں ہوتا یار، یاد نہیں ہے برفانی پہاڑوں میں ہم نے کیسے راتیں گزاری ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ وقت تھا گزار لیا اب اِدھر ذرا سا سردی بھی بہت لگتا ہے۔" بیتو نے کہا اور اٹھ کر بادلِ ناخواستہ کمبل، بستر اور تکیے سمیٹنا شروع کر دیئے۔ اس نے شاہین کے لیے ایک کمبل ایک گدا اور ایک تکیہ چھوڑ دیا تھا۔ میں نے شاہین سے کہا۔ "تم یہاں آرام سے سو سکتی ہو۔ واش روم یہ برابر میں ہے اور اگر تم چاہو تو اندر سے دروازہ بند بھی کر سکتی ہو۔"

اس دوران میں ایاز اس کے لیے چائے اور بسکٹ لے آیا تھا۔ اس نے ٹرے وہیں چھوڑ دی اور مجھ سے کہا۔ "ان کے لیے چائے اور ڈبل روٹی تیار کر دی ہے۔"

میں باہر آیا تو ٹرے قالین پر رکھی تھی اسے لے کر میں شہلا والے کمرے کی طرف آیا اب مجھے بھی تشویش ہونے لگی تھی کہ آخر اندر اتنی خاموشی کیوں تھی۔ شام کو شہلا کسی صورت فتح خان کے اس آدمی کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں تھی۔ اس نے شور کرنا شروع کر دیا تھا مگر اب خاموش تھی۔ میں نے باہر سے دروازہ کھولا اور اندر آیا۔ فتح خان کا آدمی دیوار کی طرف منہ کر کے سو رہا تھا اس کے ہاتھ پاؤں ویسے ہی بندھے ہوئے تھے۔ شہلا اپنے کمبل میں دیوار سے ٹیک لگائے لگائے بیٹھی خلاؤں میں گھور رہی تھی میں نے ٹرے اس کے سامنے رکھی اور پھر تصویروں والا لفافہ اس کی گود میں ڈال دیا۔ وہ چونکی۔ "یہ کیا ہے؟"

"تمہارے کرتوت ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں دیکھ کر شرمندہ ہوا ہوں۔ اب ان کو دیکھو اور اگر یہ تصویریں پوری ہیں تو ان کو اپنے ہاتھ سے ضائع کر دو۔ میں ان کے بدلے فتح خان کے اس ساتھی کو چھوڑنے کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیے تیار ہوں۔''

شہلا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اس نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ اٹھایا اور اس میں سے تصویریں نکالیں۔ میں نے دوسری طرف رخ کر لیا تا کہ وہ آرام سے تصویریں دیکھ لے۔ ایک منٹ بعد اس نے کہا۔ ''تصویریں ساری ہیں۔''

''گڈ۔'' میں نے لائٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''اب انہیں آگ لگا کر فلیش میں بہا دو۔''

وہ خاموشی سے واش روم میں چلی گئی۔ چند منٹ بعد وہ واپس آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اپنی تصویریں پا کر بھی اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔

''کیا بات ہے کیا ان تصویروں میں کچھ کم ہیں؟''

''نہیں تصویریں تو تمام ہیں۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''میں تمہاری بات سن کر پریشان ہو گئی ہوں۔''

''کون سی بات؟''

''یہی کہ تم نے فتح خان کے ساتھی کے بدلے یہ تصویریں لی ہیں۔''

''تو اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے؟''

وہ پھر ہچکچائی۔ ''پریشانی کی بات ہے۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''شہلا کیا بات ہے کھل کر کہو۔''

اس نے فتح خان کے آدمی کی طرف دیکھا اور تھوک نگل کر بولی۔ ''تم اسے واپس نہیں کر سکو گے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے کہا اور پھر نوجوان کی طرف جھپٹا۔ وہ کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا میں نے اسے سیدھا کیا تو اس کا سیاہ چہرہ اور منہ سے نکلی زبان بتا رہی تھی کہ وہ کب کا مر چکا ہے۔ اس کی گردن پر انگلیوں کے نشانات تھے۔ یہ کام شہلا ہی کر سکتی تھی۔ نوجوان تنومند تھا لیکن بندھی حالت میں وہ اتنا بے بس تھا کہ ایک عورت نے آرام سے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ مزاحمت بھی نہیں کر سکا تھا۔ اسے مرے یقیناً کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''یہ تم نے کیا کیا؟''

''یہ ہوش میں آنے کے بعد بکواس کیے جا رہا تھا۔'' وہ کسی قدر تیز لہجے میں بولی۔ ''غلیظ زبان استعمال کر رہا تھا، میں کب تک برداشت کرتی۔''

''میرے خدا اب میں فتح خان سے کیا معاہدہ کس طرح پورا کروں گا۔''

''تم اس سے معاہدہ پورا کرنے کے پابند نہیں ہو مجھے یقین ہے اگر ایسی صورتِ حال فتح خان کے ساتھ پیش آتی تو وہ کبھی تم سے کیا معاہدہ پورا نہیں کرتا۔''

میرا موڈ سخت خراب ہو گیا تھا۔ میں نے غرا کر کہا۔ ''بکواس بند کرو، فتح خان اور مجھ میں کیا فرق ہے تم اچھی طرح جانتی ہو، تم مجھے اس کی سطح پر لانے کی کوشش کر رہی ہو؟''

''سوری لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''اب یہ ہو سکتا ہے کہ میں اس کے بدلے تمہیں فتح خان کے حوالے کر دوں اور اپنی زبان پوری کروں۔''

شہلا سہم گئی تھی۔ ''تم ایسا نہیں کرو گے وہ درندہ ہے۔ اس کے حوالے کرنے سے بہتر ہے تم مجھے اپنے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہاتھ سے مار دو۔"

"شاید میں یہی کروں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور پھر باہر آ گیا۔ ایاز اور بیتو لاؤنج میں تھے اور یقیناً انہوں نے سب سن لیا تھا۔

"یہ اس نے برا کیا۔" ایاز نے کہا۔

بیتو نے منہ بنایا۔ "ہم تو کہتا ہے شوبی بھائی اسے فتح خان کو دے دو ہم خود بینک لاکر سے اپنی چیز لے لے گا۔"

"نہیں اسے فتح خان کو دینے کا مطلب ہے کہ اس کے ہاتھ ایک مہرہ اور آ جائے۔ ابھی تو اس لاش سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ شاہین والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن اس گھر کی اندرونی ساخت ایسی تھی کہ ایک جگہ ہونے والی گفتگو با آسانی دوسری جگہ سنی جا سکتی تھی۔ ایاز نے غور کیا۔

"یہ مسئلہ نہیں ہے اسے کہیں نہ کہیں تو ڈالنا تھا زندہ نہ سہی لاش سہی۔"

"بس تو تیار ہو جاؤ۔" میں نے کہا۔ "لاش جیپ میں منتقل کرو، ہم اسے کہیں پھینک کر آتے ہیں۔"

"آپ کا جانا ضروری نہیں ہے۔" ایاز نے کہا۔ "میں اور بیتو یہ کام آسانی سے کر لیں گے۔ ویسے بھی کسی کا یہاں ہونا ضروری ہے۔" اس نے شاہین کے کمرے کی طرف دیکھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اگرچہ شاہین ایک مظلوم لڑکی تھی جسے ہم اس کے اغوا کنندگان سے چھڑا کر لائے تھے لیکن اس پر مکمل اعتماد کرنا بھی درست نہیں تھا۔ اس کی نگرانی کے لیے کسی نہ کسی کو یہاں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے تم دونوں جاؤ لیکن کسی ایسی جگہ چھوڑنا جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے اور اس جگہ کا پتا فتح خان کو بتایا جا سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" ایاز نے کہا پھر اسے کوئی خیال آیا۔ "یہاں سے کوئی تین میل آگے جی ٹی روڈ پر ایک پی ایس او پیٹرول پمپ ہے اس کے پیچھے چھوٹا سا بیلہ ہے میرا خیال ہے وہاں ڈال دیتے ہیں۔ زیادہ وقت نہیں لگے گا ہم پون گھنٹے میں لوٹ آئیں گے۔"

"یہ مناسب رہے گا۔"

میری رضامندی پاتے ہی وہ کھڑے ہو گئے۔ پہلے انہوں نے شہلا والے کمرے سے فتح خان کے آدمی کی لاش نکالی اور اسے ایک چادر میں لپیٹ دیا۔ پھر اسے اٹھا کر باہر ایاز کی جیپ کے پچھلے حصے میں ڈال دیا اور وہ روانہ ہو گئے۔ میں دروازے بند کر کے اندر آیا اور کیمروں کا سسٹم آن کر دیا ان کیمروں میں رات کو دیکھنے والا نظام بھی تھا۔ پھر میں شہلا کے کمرے میں آیا تو وہ مزے سے چائے اور ڈبل روٹی کھا رہی تھی اس کے انداز سے بالکل نہیں لگ رہا تھا کہ اس نے چند گھنٹے پہلے ایک آدمی کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا ہے۔ ویسے اس کی سفاکی کا نمونہ میں نے اس وقت ہی دیکھ لیا تھا جب اس نے پروفیسر اور اس کے ساتھیوں کو شوٹ کیا تھا لیکن کسی کو اپنے ہاتھ سے گلا دبا کر مارنا ایک الگ چیز ہے اور وہ یہ کام کر کے بھی پُرسکون تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ "اسے کہاں پھینکا ہے؟"

"میرے ساتھی لے گئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''تم فتح خان کا زیادہ غم مت کرو۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ''وہ شخص اسی قابل ہے۔ موقع ملنے پر وہ کسی دوسرے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔''

میں نے موضوع بدل دیا۔ ''اسے مارو گولی یہ بتاؤ کہ لیاقت انصاری سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

اس نے منہ بنایا۔ ''تمہارے ساتھی بھی کم درندے نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھ پر تشدد کیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے اور انہوں نے ٹھیک کیا تم اسی قابل ہو۔ شرافت کی زبان کہاں سمجھتی ہو؟ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کیا مجھ سے بھی اپنے ساتھیوں والا سلوک چاہتی ہو؟''

بادلِ ناخواستہ اس نے کہا۔ ''لیاقت اصل میں اس بینک کا سیکورٹی سپروائزر ہے۔''

''تم نے اس سے رابطہ کس طرح کیا؟''

''میں اس سے ایک تنہائی کی ماری عورت بن کر ملی، وہ عیاش آدمی ہے اس لیے اسے راستے پر لانے میں دیر نہیں لگی۔'' وہ پوری بے باکی سے بولی۔ ''اب وہ میرے پیچھے کتے کی طرح دم ہلانے کو تیار رہتا ہے۔''

''اگر ایسا ہی ہے تو تم نے اس کی مدد سے لاکر کیوں نہیں کھلوالیا؟''

''میں اسے یہ نہیں بتا سکتی، اس طرح تو میں ہمیشہ کے لیے اس کے چنگل میں پھنس جاؤں گی اور میں ہر بار کسی سے چھٹکارا پانے کے لیے قتل بھی نہیں کر سکتی۔''

''حالانکہ قتل کرنا تو تمہارے لیے بہت آسان ہو گیا ہے، ابھی تم نے ایک شخص کو گلا دبا کر ہلاک کیا ہے۔ یہ کام تو اچھا خاصا دل گردہ رکھنے والے مرد حضرات بھی نہیں کر سکتے ہیں۔'' میں نے طنز کیا تو اس نے برا سا منہ بنایا۔

''میں نے اس پر بہت محنت کی ہے اور بڑی چالاکی سے اس سے معلومات حاصل کی ہیں۔''

''کیا وہ لاکر تک رسائی میں تمہاری مدد کو تیار ہے؟''

''نہیں لیکن میں نے اس سے بینک کی سیکورٹی کی تمام تفصیلات حاصل کر لی ہیں اور ان کی مدد سے ایک پلان بھی بنالیا ہے۔''

''پلان کیا ہے؟''

''یہ میں تمہیں یا کسی کو نہیں بتا سکتی چاہے تم لوگ میری بوٹیاں کیوں نہ اُڑا دو۔'' لفظ بوٹیاں ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ لذت آمیز ہو گیا تھا میں نے دل میں لاحول پڑھی۔ وہ سخت حرافہ تھی اور اسی لائق تھی کہ اسے فتح خان جیسے مرد ملیں۔ میں نے درشت لہجے میں کہا۔

''ایسا مت کہو شہلا اگر میں تمہاری توقع کے مطابق فتح خان کی سطح پر اتر آیا تو تم سے کچھ بھی دس منٹ میں اگلوا سکتا ہوں اور اس کے لیے مجھے تمہاری بوٹیاں اُڑانے کی ضرورت بھی نہیں ہے لیکن میں حتی الامکان عورت پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتا ہوں۔''

وہ مسکرانے لگی۔ اس نے چائے اور ڈبل روٹی ختم کر دی تھی۔ میں نے ٹرے اٹھائی اور باہر نکل آیا۔ شاہین کے کمرے کا دروازہ بند تھا اب پتا نہیں یہ اندر سے لاک بھی تھا یا نہیں، میں نے چیک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیمروں کی مانیٹرنگ کا سسٹم اس کمرے میں تھا جو ڈرائنگ روم کے لیے مخصوص تھا اور وہاں سوائے قالین

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں مانیٹر کے پاس بیٹھ گیا۔ دیوار سے ٹیک لگالی اور تھوڑی دیر بعد ایک نظر مانیٹر کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ ایاز اور بیتو کو گئے ہوئے بیس منٹ ہونے کو آئے تھے۔ ایک بار میں نے مانیٹر کی طرف دیکھا تو مکان سے کچھ دور ایک ڈبل کیبن ٹویوٹا دکھائی دی۔ اس سے دو افراد اترے تھے۔ حلیے سے وہ فتح خان کے گاؤں کے لگ رہے تھے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ اگرچہ ضروری نہیں تھا کہ ان کا ہم سے کوئی تعلق نکلتا لیکن ہوشیار ہونے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

○.....❖.....○

میں نے سوچا اور پھر اٹھ کر باہر آیا اور جھک کر سیڑھیوں سے چھت پر آ گیا۔ وہاں تاریکی تھی اور مکان کے آس پاس روشنی تھی اس لیے میں دوسروں کو دیکھ سکتا تھا لیکن مجھے دیکھ لیے جانے کا امکان بہت کم تھا۔ میں نے منڈیر سے جھانک کر دیکھا۔ ٹویوٹا ڈبل کیبن مکان سے کوئی سو فٹ دور موجود تھی اور اس میں سے اترنے والوں میں سے ایک پچھلی نشست سے کچھ اتارنے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسرا ہاتھ میں عجیب سا کپڑا لیے کھڑا تھا۔ میں نے غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ شاید بلاؤز تھا جو خواتین ساڑھی کے ساتھ پہنتی ہیں لیکن اس آدمی کے پاس اس کا کیا کام تھا۔ دوسرا ابھی تک پچھلی سیٹ سے کسی کو کھینچ کر اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ کامیاب رہا اور اس نے ایک عدد کتا نیچے اتارا۔ کتا دیکھنے میں اچھی نسل کا لگ رہا تھا لیکن شاید اس سردی میں باہر آنے کو تیار نہیں تھا۔ اسے اتارنے والا اسے گالیاں دے رہا تھا۔ اس کی ہلکی سی آواز مجھ تک آ رہی تھی۔

''خانہ خراب کا بچہ کام کرو..... کہیں کا.....''

پھر دوسرے آدمی نے بلاؤز کتے کے منہ کے سامنے کر دیا اور اسے سونگھنے پر مجبور کرنے لگا کیونکہ کتا منہ پیچھے ہٹا رہا تھا اور وہ بار بار بلاؤز اس کے سامنے کر رہا تھا۔ میں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے؟ کتا اب پُرسکون تھا اور اس نے اپنے منہ کے آگے بلاؤز قبول کر لیا تھا۔ پھر اس آدمی نے بلاؤز ہٹا لیا اور اسے گاڑی کے اندر ڈال دیا۔ دوسرا کتا کی پشت تھپک رہا تھا جیسے اسے کام کے لیے آمادہ کر رہا ہو۔ پھر اچانک ہی کتے نے منہ اوپر کر کے جیسے ہوا سونگھی اور مکان کی طرف رخ کر کے بھونکنا شروع کر دیا۔ میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ اس کتے کو مکان سے کسی کی بو مل رہی تھی، لیکن کس کی؟

کتا کس کی بو محسوس کر کے مکان کی طرف بھونک رہا تھا؟ اس سوال کا جواب بجلی کی طرح میرے ذہن میں چمکا تھا۔ اسے شہلا کی بو مل رہی تھی کیونکہ اسے سونگھایا جانے والے بلاؤز شہلا کا تھا اور وہ یقیناً فتح خان کے آدمی تھے۔ اس نے وہی حربہ استعمال کیا تھا جو وسیم اور میرے ساتھیوں نے میری تلاش کے لیے استعمال کیا تھا اور کامیاب رہے تھے۔ اس آدمی نے فوراً کتے کے منہ پر چمڑے کا ایک منہ بند چڑھا دیا۔ وہ کوں کوں تو کر سکتا تھا لیکن بھونک نہیں سکتا تھا۔ غالباً وہ ہمیں بے خبر رکھنا چاہتے تھے۔ ان کو علم نہیں تھا کہ میں چھت سے انہیں دیکھ رہا تھا کیونکہ مکان کے اطراف میں تیز روشنی کے بلب روشن تھے لیکن چھت تاریکی میں تھی۔ بلب اس طرح لگے تھے کہ ان کی روشنی چھت کی طرف نہیں آتی تھی۔

کتے کا منہ بند کر کے انہوں نے ہتھیار نکال لیے تھے ایک کے پاس ہلکی مشین گن نظر آ رہی تھی اور دوسرے کے پاس چھوٹی شاٹ گن تھی اور دونوں نہایت مہلک ہتھیار تھے۔ ان کے ارادے کھل کر سامنے آ گئے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھے میں نے مزید وقت ضائع کیے بغیر موبائل نکال کر ایاز کا نمبر ملایا۔ اس نے کچھ دیر بعد کال ریسیو کی۔ میں نے پوچھا۔

''کہاں ہو تم کام ہو گیا؟''

''ہاں ہم اسے ڈال کر ابھی نکلے ہیں۔'' اس نے کہا وہ میرے لہجے سے سمجھ گیا۔ ''کوئی چکر ہے؟''

''ہاں یہاں دو مصیبتیں اور نازل ہو گئی ہیں اور لگ رہا ہے اس کے بھائی بند ہے ہیں جسے تم ڈال کر آ رہے ہو۔ وہ ایک عدد کتے کے ساتھ آئے ہیں جس نے شہلا کی بو پا لی ہے۔ فی الحال وہ مکان میں گھسنے کی تیاری کر رہے ہیں۔''

''ہم آ رہا ہیں۔''

''جلد از جلد آ جاؤ۔'' میں نے کہا اور فون بند کر کے اس کی بیل آف کر دی، مکان آگے پیچھے سے محفوظ تھا اور وہ توڑ پھوڑ کیے بغیر راستہ نہیں بنا سکتے تھے۔ اوپر آنے والا فولادی دروازہ بھی مکان کے ٹنکی ٹاور میں تھا اور اسے اندر سے بند کیا جاتا تو کوئی اس طرف سے بھی نہیں آ سکتا تھا لیکن ان کے پاس خطرناک ہتھیار تھے وہ فائر کر کے کوئی بھی لاک توڑ سکتے تھے۔ میں مستقل ان کی نگرانی کر رہا تھا اور مجھے خدشہ تھا کہ وہ کہیں کال کر کے اس بات کی اطلاع نہ کر دیں۔ ان کو کرنا تو یہی چاہیے تھا کہ فتح خان یا کسی دوسرے ساتھی کو اس مشکوک مکان کے بارے میں اطلاع دیتے اور مزید ساتھی آنے پر آرام سے ہمارے ٹھکانے کو گھیر لیتے لیکن انہوں نے خود ہی چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ گاڑی انہوں نے سڑک کے ساتھ چھوڑ دی تھی اور وہ کتے کے ساتھ کچے میں اتر آئے اور مکان کے بائیں پہلو کی طرف آئے میں اسی طرف منڈیر کے ساتھ دبکا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس طرف کیوں آئے تھے ان کو آگے یا پیچھے کی طرف سے آنا چاہیے تھا۔ مجھے ان میں سے ایک کی آواز سنائی دی۔

''اندر کیسے جائے گا؟''

دوسرے نے اس کے باپ کی دماغی حالت پر شبہ ظاہر کیا۔ ''پاگل کا بچہ اوپر چڑھ کر جائے گا یہ رسی کس لیے لایا ہے؟''

وہ بندوبست کر کے آئے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہاں کسی قسم کا ہنگامہ ہو اور ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑے۔ دوسرے میں مزید قتل و غارت گری کے موڈ میں نہیں تھا آج ویسے ہی چار افراد ہمارے ہاتھوں یا ہماری وجہ سے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اس لیے میں نے خاموش اور پُر امن حکمتِ عملی تیار کی اور ان میں سے پہلے کا انتظار کرنے لگا۔ باتوں سے وہ احمق لگ رہے تھے لیکن اپنے کام میں ماہر تھے۔ ان میں سے کسی نے سخت پلاسٹک کا بنا ہک جس سے رسی بندھی تھی گھما کر دیوار پر پھینکا اور وہ آ کر منڈیر پر اٹھ گیا۔ پلاسٹک کا ہونے کی وجہ سے ہک ہلکا بھی تھا اور آواز بھی زیادہ نہیں آئی تھی۔ رسی تنی اور ہک فکس ہو گیا۔ ان میں سے کوئی اوپر آ رہا تھا۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر اس کا انتظار کرنے لگا یہ مشکل سے چار فٹ اونچی تھی۔

میں ہک کے بالکل پاس تھا۔ اوپر آنے والا تیز تیز سانس لے رہا تھا اور اس کی سانس نے میری رہنمائی کی۔ جیسے ہی وہ منڈیر سے نمودار ہوا میں نے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے اس کی گردن سے پکڑ کر آگے کھینچا اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دوسرے ہاتھ میں دبا پستول اس کی کنپٹی پر آ ٹکایا۔ اسے آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ وہ جھول گیا اور اس سے پہلے کہ اس کی واپسی کا سفر شروع کرتا میں نے اسے چھت پر کھینچ لیا۔ وار نہایت سخت تھا اس لیے وہ سو فیصد بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کی ہلکی مشین گن اس کے شانے سے بندھی تھی اس لیے گرنے سے محفوظ رہی ورنہ اس کی آواز سن کر نیچے والا ہوشیار ہو جاتا۔ میں نے اسے ایک طرف لٹایا۔ اس کی مشین گن ٹنکی ٹاور کے اوپر رکھ دی اب کوئی اسے آسانی سے تلاش نہیں کر سکتا تھا اور پھر منڈیر سے ہاتھ نکال کر ہش ہش کی آواز کے ساتھ دوسرے کو اوپر آنے کا اشارہ کیا۔

''خانہ خراب۔'' نیچے والے نے دبی زبان میں کہا۔ ''پہلے دیکھو ادھر کوئی ہے تو نہیں۔''

میں نے دوبارہ ہاتھ اور زبان سے وہی اشارہ کیا۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا ورنہ فوراً پکڑا جاتا۔ بے ہوش ہونے والے کے پاس سے نسوار کی تیز بو آ رہی تھی اسی وجہ سے ذرا سی رسی چڑھ کر اس کا سانس بے قابو ہو گیا تھا۔ رسی تنی تو میں چوکس ہو گیا۔ دوسرا بھی اوپر آ رہا تھا لیکن وہ زیادہ ہوشیار ثابت ہوا تھا۔ منڈیر کے پاس آ کر اس نے بے ہوش نوجوان کو آواز دی۔ ''قسم خان..... اوہ خانہ خراب کدھر ہے۔''

قسم خان بے ہوش پڑا تھا اور اس کی بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں جواب بھی نہیں دے سکتا تھا اور وہ منڈیر کے دوسری طرف اور کسی قدر نیچے تھا میں اسے اوپر نہیں کھینچ سکتا تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ وہ اوپر آ کر جھانکے تو میں اس کے ساتھ وہی سلوک کروں جو قسم خان کے ساتھ کیا تھا۔ مگر باس ہونے کی وجہ سے وہ قسم خان کے مقابلے میں زیادہ عقل رکھتا تھا یا شاید اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا کہ اوپر کچھ ہو چکا ہے اور اسی لیے وہ منڈیر تک آنے سے ہچکچا رہا تھا وہ دبی آواز میں قسم خان کو آواز دیتا رہا اور جب جواب نہیں ملا تو اس کا شبہ یقین میں بدل گیا تھا اور شاید اس نے واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ آواز سے ایسا لگ رہا تھا وہ واپس جا رہا ہے۔

لیکن اس سے پہلے میں ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے کھڑے ہو کر رسی ذرا اوپر کھینچی اور ہک نکال کر چھوڑ دیا۔ مکان سطح زمین سے کوئی پانچ فٹ بلند تھا۔ پھر اس کی پہلی منزل کی چھت بارہ فٹ سے زیادہ اونچی تھی اور اوپر چار فٹ کی منڈیر تھی یعنی وہ کم سے کم بیس فٹ کی بلندی سے گرا تھا۔ اس نے ایک دبی چیخ ماری اور گرنے کے بعد دوسری چیخ ذرا اونچی آواز میں ماری تھی۔ میں نیچے کی طرف بھاگا۔ نیچے جاتے ہوئے میں نے ٹنکی ٹاور کا دروازہ اندر سے بند کر دیا تاکہ قسم خان ہوش میں بھی آ جائے تب بھی مکان کے اندر نہ آ سکے۔ مکان سے باہر نکل کر کونے سے جھانکا تو وہ مجھے زمین پر پڑا کراہتا دکھائی دیا۔ اس کی ایک ٹانگ یقیناً ٹوٹ گئی تھی کیونکہ وہ کھڑا ہونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور دبی زبان میں مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا۔ کتا اس کے پاس شرافت سے خاموش کھڑا تھا۔ اس کی شرافت کی وجہ اس کے منہ پر چڑھا چمڑے کا خول تھا۔ میں نے دیوار کی آڑ سے اسے للکارا۔

''خبردار..... ہلنا مت..... اپنی گن ایک طرف پھینک دو میں تین تک گنوں گا اور پھر تمہارے ساتھی کی طرح تمہیں بھی گولی مار دوں گا۔''

''میں گن پھینکتا ہے۔'' اس نے بوکھلا کر کہا اور جلدی سے اپنی شاٹ گن ذرا دور پھینک دی، کتا اس کے بالکل پاس کھڑا تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ اس کے پاس کوئی اور ہتھیار ہے یا نہیں۔ مکان کا پہلو ہونے کی وجہ سے یہاں اتنی روشنی بھی نہیں تھی۔ میں نے پستول والا ہاتھ سیدھا کیا اور محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ میری توجہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ے کی طرف نہیں تھی کیونکہ اس نے میری آواز سن کر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا اس کا مطلب تھا وہ صرف مجھے والا کتا تھا حملہ کرنے اور لڑنے والا نہیں تھا لیکن میری یہ خوش فہمی فوراً ہی دور ہوگئی۔ فتح خان کا ساتھی مکاری میں اس سے کم نہیں تھا اس نے چپکے سے کتے کے منہ پر چڑھا چڑے کا خول اتار دیا تھا۔ اچانک اس نے چلا کر کہا۔

''بش دیکھا اسے۔''

اس پر بش بالکل صدر بش کی طرح غراتا ہوا میری طرف لپکا۔ میں کوئی دس قدم کے فاصلے پر تھا۔ وہ اتنی تیزی سے آیا کہ مجھے گولی چلانے کا موقع ہی نہیں ملا اور اس نے دور سے چھلانگ لگائی وہ میرے سینے سے ٹکرایا اور مجھے لیتا ہوا نیچے گرا بلکہ میں گرا وہ تو میرے اوپر تھا۔ اس کے بھیانک جبڑے میری گردن دبوچنے کے لیے بے تاب تھے لیکن اس سے پہلے وہ میری گردن دبوچتا میں نے اضطراری طور پر اس کی گردن دبوچ لی۔ پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ مجھے اعتراف ہے اور میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے دنیا میں کسی جاندار سے اتنا خوف نہیں آتا جتنا کتے سے آتا ہے۔ اس کی جگہ کوئی انسان مجھ پر حملہ کرتا تو میں نہایت آسانی سے اسے قابو کر چکا ہوتا۔ کتا زیادہ بڑا نہیں تھا اور شاید یہ گرے ہاؤنڈز کی کوئی نسل تھا لیکن وہ طاقتور بہت تھا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح مجھے کاٹ لے اور اس کے پنجے میرے سینے کو کھرچنے کی کوشش کر رہے تھے اگر میں نے مضبوط پیراشوٹ اور فوم کی بنی جیکٹ نہ پہن رکھی ہوتی تو اس کے پنجے یقیناً میرا سینہ ادھیڑ کر رکھ دیتے۔ میرا آزاد ہاتھ زمین پر پستول ٹٹول رہا تھا پستول تو نہیں ملا لیکن ایک بڑا اور مناسب قسم کا پتھر ہاتھ آ گیا اور میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر پوری قوت سے کتے کے سر پر مارا۔ اس کی بھیانک جارحانہ غراہٹیں اچانک ہی فریادی کوں کوں میں بدل گئیں اور میں نے اسے اس کے مالک کی طرف اچھال دیا۔ کتا بروقت اس پر گرا کیونکہ اس نے رینگ رینگ کر شاٹ گن تک رسائی حاصل کر لی تھی۔

دماغ پر ضرب نے کتے کے حواس خمسہ اور سوچنے کی صلاحیت کو متاثر کیا تھا اس لیے اس نے زخمی پر گرتے ہی منہ مارا اور اس کا بازو پکڑ لیا اس پر وہ چلایا۔ ''اوہ خانہ خراب یہ میں ہے۔''

لیکن خانہ خراب کے حواس درست ہوتے تو وہ اسے کاٹتا ہی کیوں؟ کتے نے اسے پہچاننے سے انکار کرتے ہوئے باقاعدہ جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ میں اٹھ کر اپنا پستول تلاش کر رہا تھا۔ جو بالآخر مجھے دیوار کے ساتھ پڑا مل گیا۔ میں نے پستول ملتے ہی سب سے پہلے کتے کا کام تمام کیا۔ سائلنسر کی وجہ سے بس ہلکی سی ٹھک کی آواز آئی اور کتا بے جان ہو کر اپنے مالک پر لڑھک گیا۔ میں نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ وہ فوراً مر گیا تھا۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''اب حرکت مت کرنا ورنہ تمہیں بھی کتے کی طرح جہنم رسید کر دوں گا۔''

اس نے کتے کے انجام سے سبق حاصل کیا اور بالکل ساکت ہو گیا۔ میں نے اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس سے نہ تو کوئی ہتھیار تھا اور نہ ہی کوئی اور چیز تھی صرف گاڑی کی چابیاں نکلی تھیں۔ مجھے تعجب ہوا۔ ''تمہارے پاس موبائل فون نہیں ہے؟''

''وہ گاڑی میں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''خانہ خراب کا بیل بجتا ہے اسے بند نہیں کیا جا سکتا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہایت سنگین ماحول میں بھی مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ خراب موبائل لیے گھوم رہا تھا اور اسی وجہ سے بروقت فتح خان کو اطلاع نہیں کر سکا۔ میں نے کہا۔ ''فتح خان کے پاس کیا صرف تم جیسے احمق رہ گئے ہیں کام لینے کے لیے؟''

اس نے برا منایا۔ ''ہم احمق نہیں ہے فتح خان کا کزن ہے۔''

اس کا انداز ایسا تھا جیسے فتح خان کا کزن ہونے کی حیثیت سے اس کا احمق ہونا ممکن نہیں ہے۔ ایاز اور بیتو ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ میں نے اس کی شاٹ گن اٹھائی اور اسے کھڑے ہونے کو کہا۔ وہ بولا۔ ''ہمارا ٹانگ ٹوٹ گیا ہے۔''

''تب زمین پر رینگ کر چلو۔'' میں نے حکم دیا۔ ''اگر اپنے کتے کی طرح مرنا نہیں چاہتے ہو۔''

بادلِ ناخواستہ وہ کوشش کر کے کھڑا ہو گیا۔ نیچے گرتے ہوئے اس کے بائیں پاؤں میں چوٹ آئی تھی۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر آگے بڑھنے لگا۔ مکان کے سامنے لا کر میں نے اسے رکنے کا حکم دیا اور اسے نظروں میں رکھتے ہوئے اس کی گاڑی کی تلاشی لی۔ اندر ایک عدد رائفل مزید تھی اس کے علاوہ ڈیش بورڈ پر ایک موبائل موجود تھا میں نے موبائل جیب میں رکھ لیا یقیناً اس میں مجھے کام کی کئی چیزیں ملتیں۔ رائفل کو میں نے نہیں چھیڑا تھا۔ زخمی مکان کے سامنے کیاری سے ٹکا بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''شہباز خان۔'' اس نے جواب دیا تو میں حیران ہوا۔ وہ میرا ہم نام تھا۔ وہ فتح خان کا کزن تھا اور شاید اسی وجہ سے فتح خان اکثر مجھے شہباز خان کہہ جاتا تھا جس سے میں چڑتا تھا۔

''شہباز خان تھوڑی ہمت کرو اور اندر چلو۔'' میں نے کہا۔ اسی لمحے دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکیں اور وہ بہت تیزی سے ہماری طرف آ رہی تھی۔ ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لیے میں گیٹ کے پلر کی آڑ میں ہو گیا لیکن وہ ایاز کی جیپ ثابت ہوئی تھی۔ ایاز اور بیتو باہر آئے۔ انہوں نے شہباز خان کا معائنہ کیا اور بیتو بولا۔

''شوبی بھائی نہ جانے کیوں یہ ہم کو فتح خان جیسا منحوس لگ رہا ہے؟''

''کیونکہ یہ فتح خان کا کزن ہے۔'' میں نے انکشاف کیا اور تعارف کرایا۔ ''جناب شہباز خان..... مکان میں گھسنے کی کوشش میں ایک ٹانگ تڑوا بیٹھے ہیں۔ ایسا ہی ایک دوسرا نمونہ اوپر بے ہوش پڑا ہے۔''

اس تعارف پر شہباز خان خون کے گھونٹ پی کر خاموش تھا۔ ہم اسے اندر لائے اور فی الحال ڈرائنگ روم والے حصے میں بٹھایا۔ بیتو کو اس کی نگرانی پر لگا کر میں اور ایاز اوپر سے بے ہوش قسم خان کو لائے۔ اسے بھی ڈرائنگ روم میں ڈال کر میں نے ایاز سے کہا کہ ان کی گاڑی آس پاس کسی ایسی جگہ چھوڑ دے جہاں سے وہ فوری طور پر کسی کی نظر میں نہ آئے۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ لوگ کس طرح ہمارا سراغ لگاتے یہاں تک آئے ہیں۔ کتے کا سن کر وہ فکر مند ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''کیا آپ کو یقین ہے صرف یہی لوگ ہیں؟''

''یہ تو ابھی تفتیش کریں گے تو پتا چل جائے گا۔ اس کتے کا بھی بندوبست کرنا ہے بلکہ ایسا کرتے ہیں اسے گاڑی میں ہی ڈال دیتے ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''میں یہ کام کر لیتا ہوں آپ ان دونوں سے پوچھ گچھ کریں۔'' اس نے کہا اور باہر چلا گیا۔ میں ڈرائنگ روم والے حصے میں آیا جہاں شہباز خان اپنے سوج جانے والے پاؤں کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''تمہارے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں؟''

''بس ہم دو ہی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''فتح خان نے ہمیں ایک عورت کو تلاش کرنے کا کام دیا تھا۔''

''تم کتے کی مدد سے اسے تلاش کر رہے تھے۔ اس عورت کا بلاؤز کہاں سے آیا؟''

''فتح خان نے دیا تھا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''کتا کس کا ہے؟''

''قسم خان کا۔'' وہ بولا۔ ''فتح خان نے ہم سے کہا کتے کی مدد سے ایک عورت کو تلاش کرنا ہے۔ روز کے دو ہزار روپے دے گا اور اگر عورت مل گیا تو ایک لاکھ روپے دے گا۔''

اس کی بات سے ظاہر تھا کہ وہ فتح خان کے خاص آدمی نہیں تھے بلکہ معاوضے پر اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ ''کب سے تلاش کر رہے ہو؟''

''دو دن سے۔'' اس نے جواب دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تعاون کر رہا تھا اور اس نے ابھی تک جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ فتح خان نے تمہارے پیچھے اپنے آدمی لگا دیے ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسے ضرورت نہیں ہے وہ ہم پر اعتماد کرتا ہے۔''

فتح خان اپنے باپ پر اعتبار کرنے والا شخص نہیں تھا لیکن اس کا کزن اس پر یقین رکھتا تھا۔ میں نے بنو سے کہا۔ ''تم چھت پر جاؤ اور آس پاس نظر رکھو۔''

اگرچہ کیمرے لگے تھے لیکن وہ صرف سامنے اور عقب کا منظر دکھاتے تھے۔ بنو کے جانے کے بعد میں نے شہباز خان سے اگلا سوال کیا۔ ''فتح خان کہاں ہے؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے جواب دیا۔ ''دو دن پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا اور کام کے لیے ایک ہوٹل بلایا۔'' اس نے ایک جگہ کا نام لیا جہاں ماضی میں افغان مہاجرین بستے تھے اب یہ بستی ختم کی جا چکی تھی۔ اس کی جگہ پکی آبادی بن گئی تھی جس میں زیادہ تر جرائم پیشہ قسم کے لوگ رہتے تھے۔ شہباز خان اور اس کا ساتھی قسم خان اسی بستی میں رہائش پذیر تھے اور فتح خان نے اسی بستی کے ہوٹل میں ان سے ملاقات کی تھی۔ اس نے ان کو کام سونپا اور پیشگی دس ہزار روپے دیئے تھے۔ اس نے کہا تھا وہ پانچ دن میں عورت کو تلاش کر لیں تو وہ انہیں ایک لاکھ روپے دے گا اور اگر وہ ناکام رہے تو پھر کسی اور سے یہ کام لے گا۔ اسے قسم خان کے کتے کے بارے میں معلوم تھا اس نے شہلا کا استعمال شدہ بلاؤز ان کے حوالے کیا تھا۔ تاکہ کتے کو سونگھا کر اس کی مدد سے شہلا کو تلاش کر سکیں۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا فتح خان سکون سے بیٹھنے والی چیز نہیں تھا۔ وہ مجھے تلاش کر رہا تھا۔ فتح خان نہایت مستقل مزاج آدمی تھا اور جس کام کے پیچھے پڑ جائے وہ کر کے رہتا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھی کہ وہ میری مدد سے برٹ شا سے ہیرے نکلوا سکتا ہے۔ کیونکہ میں برٹ شا کی بیٹی ایمن شا کو پاکستان بلوا سکتا تھا اور مجھے اس کام پر آمادہ کرنے کے لیے وہ میرے کسی ساتھی کو قابو کرنے کی فکر میں تھا اس کی وجہ سے میں نے مونا اور سعدیہ کو عبداللہ والی کوٹھی میں رکھنا مناسب سمجھا تھا وہ وہاں زیادہ محفوظ تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''اگر تم اس عورت کو تلاش کر لیتے تو فتح خان کو اطلاع کس طرح دیتے؟''

''اس کا نمبر میرے پاس ہے۔'' شہباز خان نے نمبر بتایا۔ میں نے اس کے موبائل میں بتایا ہوا نمبر دیکھا وہ ایک کے نام سے محفوظ تھا۔ یعنی شہباز خان نے فتح خان کا نام نہیں رکھا تھا۔ میں نے اسی موبائل سے فتح خان کا نمبر ملایا۔ اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی اور غنودہ آواز میں بولا۔ ''شہباز خانا کیا بات ہے؟''

''فتح خان اس عورت کا سراغ مل گیا ہے۔'' میں نے کہا تو اس کی نیند اُڑ گئی تھی میری آواز شہباز خان سے بالکل مختلف ہے اور فتح خان اسے اچھی طرح پہچانتا ہے اس نے بے یقینی سے کہا۔

''شہباز تم..... شہباز خان کہاں ہے؟''

''وہ میرے پاس ہے۔'' میں نے کہا۔ ''فتح خان تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہے۔''

''کون سے وعدے پر؟''

''یہی کہ تمہاری طرف سے دشمنی ختم ہو گئی ہے۔''

''میں قائم ہوں۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''میرے آدمی تمہیں نہیں بلکہ شہلا کو تلاش کر رہے تھے۔''

''بکواس مت کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ شہلا میرے پاس ہے اور شہلا تمہارے لیے بیکار چیز ہے تم اور تمہارے ساتھی اسے اچھی طرح استعمال کر چکے ہیں۔ بہر حال تمہاری نیت کی خرابی کی سزا قدرت نے تمہیں پہلے ہی دے دی ہے۔ تمہارا جو آدمی میرے پاس قید تھا اسے میں نے شہلا کے ساتھ رکھا تھا اور اس نے اپنا ذہنی گند اُگل کر شہلا کو اتنا مشتعل کیا کہ اس نے تمہارے آدمی کا گلا دبا دیا۔ اس کی لاش تمہیں جلد مل جائے گی۔''

یہ سن کر فتح خان کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شہباز خان یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔''

''یہ میں نے نہیں شہلا نے اچھا نہیں کیا ہے میں اب اچھا نہیں کروں گا۔ فتح خان میں نے تمہیں بہت نظر انداز کر دیا اسی وجہ سے تمہارے حوصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔''

وہ فکر مند ہو گیا۔ ''کیا کرو گے تم؟''

''تمہارے ان ساتھیوں کو ان کے اسلحے اور گاڑی سمیت پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ میرا خیال ہے ان پر دہشت گردی کے حوالے سے مقدمہ بنے گا اور ممکن ہے کوئی خفیہ ایجنسی انہیں اپنی تحویل میں لے کر تفتیش شروع کر دے، تم جانتے ہو وہ ایسی تفتیش کریں گے کہ ان کو پچھلی کے دودھ سمیت سب یاد آ جائے گا۔''

یہ سن کر فتح خان کے حواس ٹھکانے پر آ گئے اور اس نے فوراً مفاہمانہ لہجہ اختیار کیا۔ ''شہباز خان یہ ہماری آپس کی بات ہے۔ پولیس تک لے جانے میں تمہیں بھی نقصان ہو گا۔''

''میں تم سے اتنا تنگ آ گیا ہوں کہ پولیس کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔'' میں نے کہا اور موبائل بند کر دیا۔ احتیاطاً میں نے اس کی بھی سم نکال لی تھی۔ میں نے شہباز خان کی طرف دیکھا۔ ''تم نے سن لیا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوگا فتح خان کو تمہاری بھی پروا نہیں ہے۔''

اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''ہم اس کے لیے کام کرتا ہے اگر ہم کامیاب ہو جاتا تو ایک لاکھ ملتا اب پکڑا گیا ہے تو اس کا ذمہ نہیں ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا وہ سچ مچ اس کا کزن تھا۔ اسے گالیاں دینے کے بجائے اس کی حمایت کر رہا تھا۔ ''تم نے میرا ارادہ بھی سن لیا ہوگا۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔''

وہ چالاک تھا اس نے فوراً نکتہ اٹھایا۔ ''اس صورت میں ہم پولیس کو اس جگہ کے بارے میں بتا دے گا۔''

''اگر چھوڑا تو فتح خان کو بتا دو گے۔ اور اس ٹھکانے کی کوئی بات نہیں ہے ایسے کئی ٹھکانے ہمارے پاس ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''تم اپنی خیر مناؤ، تمہیں اسلحے سمیت پولیس کے حوالے کیا تو وہ تم پر کس قسم کے کیس بنائے گی تم جانتے ہو؟''

اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ ''کوئی اور راستہ نہیں ہے؟''

''ہے اگر تم مجھے فتح خان کے بارے میں کوئی ایسی بات بتاؤ جو میرے کام آسکے تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا دوسری صورت میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔''

اس دوران میں قسم خان کسمسانے لگا تھا۔ ایاز واپس آ گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں گاڑی پاس ہی گھنی جھاڑیوں پر چھوڑ آیا ہوں۔''

میں اتنی دیر میں سوچ چکا تھا فی الحال ان کو اپنے پاس رکھنا تھا میں نے ایاز سے کہا۔ ''ان دونوں کو شہلا والے کمرے میں قید کرنا ہے۔''

''شہلا کہاں جائے گی؟''

''اسے شاہین والے کمرے میں منتقل کر دیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

ایاز ہچکچایا۔ ''کیا یہ ٹھیک ہوگا؟..... اس کمرے کو باہر سے بند نہیں کیا جا سکتا ہے۔''

''ہم نگرانی کرتے رہیں گے۔ ان لوگوں کا کوئی بندوبست ہو جائے تو شہلا کو پھر واپس اسی کمرے میں بند کر دیں گے۔''

ایاز مطمئن نہیں تھا لیکن پھر اس نے کچھ نہیں کہا۔ میں نے شاہین کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اندر سے سہمے لہجے میں پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''شاہین میں ہوں۔'' میں نے نرمی سے کہا تو اس نے دروازہ کھول دیا اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے معذرت کی۔ ''تمہیں پریشان کیا لیکن تمہارے کمرے میں ایک خاتون رہے گی۔ اصل میں کچھ لوگ اور آ گئے ہیں اور جگہ کم پڑ گئی ہے۔''

''کوئی بات نہیں ویسے یہ آپ کا گھر ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''آپ پوچھ کر مجھے شرمندہ مت کریں۔''

''تمہارا شکریہ۔'' میں نے کہا اور شہلا والے کمرے میں آیا۔ وہ بھی جاگ رہی تھی۔ شاید اس نے بھی باہر ہونے والی سرگرمیوں کو سن لیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''کیا بات ہے کوئی مسئلہ ہوا ہے؟''

''فتح خان کے دو گرگے تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے اور پکڑے گئے۔''

''مجھے تلاش کرتے ہوئے؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''انہیں کیسے پتا کہ میں یہاں ہوں؟''

''ان کے پاس تمہارا استعمال شدہ بلاؤز تھا اور وہ ایک کتے کو سونگھا کر اس کی رہنمائی میں یہاں تک آئے ہیں۔''

وہ پریشان ہو گئی۔ ''صرف وہی نہیں ہوں گے بلکہ ان کے پیچھے فتح خان کے اور آدمی بھی ہوں گے۔''

''اس کا امکان ہے اور میرے ساتھی اس کا جائزہ لے رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''فی الحال میں تمہیں دوسرے کمرے میں لے جانے آیا ہوں۔''

''کیوں؟''

''یہاں فتح خان کے آدمیوں کو رکھنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اپنا بستر اٹھاؤ اور چلو یہاں سے۔''

وہ بادلِ ناخواستہ میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی۔ شاہین کو دیکھ کر اس نے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''کیا یہ بھی قیدی ہے؟''

''نہیں ورنہ میں اسے تمہارے کمرے میں لاتا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ویسے اس سے تمہارا کوئی علق نہیں ہے۔''

میں باہر آیا۔ بیتو اور ایاز، قسم خان اور شہباز خان کو شہلا والے کمرے میں لا رہے تھے۔ قسم خان ہوش میں گیا تھا اور دکھی نظر آ رہا تھا۔ شاید اسے اپنے مرحوم کتے کا پتا چل گیا تھا۔ شہباز خان کی حالت بہتر تھی۔ اس کی ٹانگ ٹوٹی نہیں تھی کیونکہ وہ لنگڑا کر صحیح لیکن اپنے پیروں پر چل رہا تھا۔ ان دونوں کو کمرے میں بند کر کے ہم لونگ روم میں آ گئے۔ بیتو نے بتایا کہ اس نے نائٹ ویژن دوربین سے چاروں طرف دیکھا ہے لیکن اسے نہ تو ئی گاڑی نظر آئی ہے اور نہ ہی کوئی آدمی گھر سے باہر دکھائی دیا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم سو جاؤ میں اور ایاز ی باری جاگتے رہیں گے۔''

''نہیں آپ سو جاؤ میں اور ایاز بھائی باری باری جاگے گا۔'' اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اصرار کیا تو مان گیا۔ ویسے بھی گزشتہ دو راتوں سے میں ٹھیک طرح سے نہیں سویا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں اپنا بستر ۔ رات خاصی ہو گئی تھی اور میں تھک گیا تھا اس لیے لیٹتے ہی سو گیا۔ کوئی دو گھنٹے بعد ہی بیتو نے بدحواسی میں جگا دیا۔

''شوبی اٹھ جاؤ باہر کچھ لوگ ہے۔''

میں اٹھ گیا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''باہر دو گاڑی آ کر رکا ہے اور اس سے لوگ اتر کر مکان کے گرد گھیرا ڈال رہا ہے۔ ایاز بھائی اوپر ہے۔''

میں اسے نیچے رکنے کا کہہ کر جوتے اور جیکٹ پہنے اوپر چھت پر آیا۔ ایاز نائٹ ویژن استعمال کر رہا تھا ی وجہ سے وہ لوگ نظر میں آ گئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''دو گاڑیوں میں کم سے ایک درجن افراد ہیں اور سب مسلح ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں فکر مند ہو گیا۔ فتح خان کے آدمی پکڑنے کے باوجود میں نے سستی دکھائی تھی۔ حالانکہ اسی وقت مجھے یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔ بہر حال اب تو تاخیر ہو گئی تھی۔ اگر یہ فتح خان کے آدمی تھے تو امکان تھا کہ وہ خود بھی ساتھ ہو گا اور اس کے ہوتے ہوئے بچ نکلنے کا امکان کم تھا۔ میں نے ایاز سے کہا۔ ''نیچے جا کر اسلحے میں سے سائلنسر والی دو مار رائفلیں نکال لاؤ۔''

وہ نیچے چلا گیا میں نے اس سے دوربین لے لی تھی اور ساتھ ہی موبائل نکال لیا۔ میں نے دوربین سے آنے والوں کا معائنہ کیا۔ وہ پانچ اطراف میں تھے اور ہر جگہ کم سے کم دو افراد تھے۔ نائٹ ویژن میں ان کے پاس موجود خود کار اسلحہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب محاورے کے مطابق دانتوں تک مسلح تھے۔ سامنے والی طرف دو جگہوں پر پانچ افراد تھے۔ دو، دو دائیں اور بائیں تھے جب کہ تین افراد پیچھے کی طرف تھے۔ گاڑیاں جو ڈبل کیبن والی پک اَپ تھیں دائیں اور عقبی سمت میں کھڑی کی تھیں۔ مجھے ان کے عزائم میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے اور وہ یقیناً سو رہا تھا۔ تیسری بیل پر اس نے کال ریسیو کی۔

''عبداللہ ایمرجنسی ہے۔'' میں نے بلا تمہید کہا۔ ''ایک درجن مسلح ترین افراد نے ہمارے ٹھکانے کو گھیر لیا ہے اور امکان ہے وہ فتح خان کے آدمی ہیں۔ وہ دو گاڑیوں میں آئے ہیں اور اس وقت مکان کے چاروں طرف موجود ہیں۔''

عبداللہ نے سیکنڈ میں صورتِ حال کو سمجھ لیا تھا اس نے کہا۔ ''میں بیس منٹ میں آ رہا ہوں اس وقت تک آپ تصادم ٹالنے کی کوشش کریں یا حملے کی صورت میں مدافعت کریں۔''

میں نے موبائل رکھ دوربین سے ایک بار پھر ان لوگوں کا جائزہ لیا۔ وہ فی الحال آگے نہیں آ رہے تھے شاید انہیں کسی اشارے کا انتظار تھا۔ سردی شدت کی تھی اور کسی قدر دھند بھی تھی اس لیے مجھے اطمینان تھا وہ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے جب کہ میں انہیں واضح دیکھ سکتا تھا۔ ان میں سے کسی نے نائٹ ویژن عینک نہیں لی تھی ورنہ مجھے نظر آ جاتا۔ وسیم جو اسلحہ لایا تھا اس میں جدید ترین دو مار سائلنسر لگی رائفلیں بھی تھیں۔ ان کی مار ہزار گز سے زیادہ تھی لیکن ان کے فائر کی آواز چند گز سے زیادہ دور نہیں جاتی تھی۔ ان پر نائٹ ویژن دوربین نصب تھی۔ ایاز رائفلوں سمیت لوٹ آیا وہ اپنا موبائل اور ہینڈ فری بھی لے آیا تھا۔ میں نے فوری طور پر کانفرنس کال ملائی۔ اب ہم سب ایک دوسرے سے رابطے میں تھے۔ بیتو اور ایاز کے ساتھ عبداللہ بھی اس کانفرنس کال میں شامل تھا۔ میں نے رائفل چیک کرتے ہوئے ایاز سے پوچھا۔

''بیتو کہاں ہے اس کی ضرورت بھی ہے۔''

''میں اسے نیچے چھوڑ آیا ہوں آپ کہتے ہیں تو لے آتا ہوں۔''

بیتو کی واقعی ضرورت تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ شہلا جس کمرے میں تھی وہ باہر سے بند نہیں ہو سکتا تھا اور اسے احساس ہو جاتا کہ باہر کوئی نگرانی نہیں کر رہا ہے تو وہ فرار ہونے کی کوشش بھی کر سکتی تھی۔ میں نے مسئلے کا حل سوچا اور بیتو سے کہا۔ ''شہلا کو آدمیوں والے کمرے میں ڈال کر اوپر آ جاؤ یہاں تمہاری ضرورت ہے۔''

عبداللہ روانہ ہوتے ہوئے ہماری گفتگو سن رہا تھا میں نے اُسے اپنے آدمیوں کو احکامات دیتے سنا۔ بیتو شہلا کو دوسرے کمرے میں چھوڑے بغیر اوپر آ گیا تھا۔ شہلا نے دوسرے کمرے میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وہ شہلا کی بدزبانی پر خفا تھا اور اسے دبے لفظوں میں برا بھلا کہہ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی ہم نے آج اتنا گندہ زبان والا عورت نہیں دیکھا ہے۔''

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔'' ایاز بولا۔

''فکر نہ کرو برخوردار میرے ساتھ رہو گے تو یقیناً شہلا سے بھی آگے کی کوئی چیز دیکھ لو گے۔''

ہم مزے سے خوش گپیاں کر رہے تھے لیکن ساتھ ہی چاروں طرف دشمن پر بھی نظر رکھے ہوئے تھے اور ہماری گفتگو کانفرنس کال کے ذریعے جاری تھی۔ دشمن ہمیں گھیر چکے تھے لیکن خوش قسمتی سے ابھی تک انہوں نے حملہ نہیں کیا تھا ورنہ ہم مشکل میں پڑ جاتے۔ بے شک ہم مورچہ بند اور دفاعی نکتہ نظر سے بہتر پوزیشن میں تھے لیکن درجن بھر مسلح افراد کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ بے شک ہم تین تھے اور ان کو اتنی آسانی سے اندر آنے نہیں دیتے لیکن ایک بار لڑائی چھڑ جائے تو اس میں کون جیتا رہے گا اور کون مارا جائے گا یہ کہنا مشکل ہے۔ بیتو نے پوچھا۔ ''شوبی کیا کرنا ہے؟''

''اگر یہ حملہ کریں تو سامنے موجود ہر فرد کو اُڑا دینا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر ان کو موقع مل گیا تو یہ ہمیں نہیں بخشیں گے لیکن صرف روکنا ہو تو زخمی کرنے پر اکتفا کرنا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے جناب۔'' ایاز نے تائید کی۔ ''ان کے عزائم قاتلانہ لگ رہے ہیں۔''

میں سامنے والے حصے میں آ گیا اور بیتو عقب میں چلا گیا۔ ایاز باری باری دائیں اور بائیں نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ فتح خان نے اس جگہ کو کیسے تلاش کر لیا۔ کیا اس کے پاس کوئی دوسرا کتا بھی تھا جو شہلا کی بو پر اسے یہاں تک لے آیا ہو لیکن ان لوگوں کے ساتھ کسی کتے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اگر انہوں نے کسی اور طریقے سے اس جگہ کا پتا چلایا تھا تو فی الحال وہ میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ ممکن شہباز اور قسم خان کو علم نہ ہو اور فتح خان کا کوئی آدمی ان کی نگرانی کر رہا ہو۔ عبداللہ کو کال کیے ہوئے پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''تم کہاں ہو؟''

''ہم راستے میں ہیں دس سے بارہ منٹ لگیں گے۔'' اس نے بتایا۔ ''گھیرنے والوں نے کوئی حرکت کی ہے؟''

''ان کی طرف سے ابھی تک کوئی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔'' میں نے کہا اور اسی لمحے سامنے والی سمت سے دو افراد مکان کی طرف بڑھے۔ میں نے تیزی سے رائفل سنبھال لی۔ ''وہ حرکت میں آ گئے ہیں۔''

''آپ ان کو روکیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''ان کا نزدیک آنا خطرناک ہو سکتا ہے۔''

عبداللہ درست کہہ رہا تھا وہ پاس آ جاتے تو ان کو دور کرنا یا روکنا مشکل ہو جاتا۔ میں نے سب سے آگے آنے والے شخص کے پاؤں کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ رائفل سے ہلکی سی آواز نکلی اور وہ شخص گر گیا۔ اس کا ساتھی پلٹ کر واپس بھاگا لیکن میں نے اسے بھی مار گرایا۔ اسے بھی ران میں گولی لگی تھی۔ اب وہ زمین پر پڑے کراہ رہے تھے۔ انہوں نے زخمی ہونے کے باوجود اپنی آواز بلند نہیں کی تھی۔ صرف وہی نہیں بلکہ ان کے ساتھیوں نے چاروں طرف سے مکان پر ہلہ بول دیا تھا۔ کیونکہ اسی لمحے بیتو اور ایاز کی طرف سے بھی کارروائی ہوئی تھی اور اس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہار گولیاں کھانے والے چیخے چلائے تھے ان میں سے ایک کی چیخ میں موت کا کرب رچا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے مکان پر گولیوں کا مینہ برسنے لگا تھا۔ کم سے کم نصف درجن خود کار ہتھیار آگ برسا رہے تھے۔ ہم نیچے ہو گئے تھے اور گولیاں آ کر منڈیر کا پلاسٹر اُڑا رہی تھیں۔ میں نے ایاز سے پوچھا۔

''میں نے ایک کو مار گرایا ہے۔ اس کے گھٹنے میں گولی لگی ہے۔''

''ہم نے ایک کا سر اُڑا دیا ہے۔'' بیتو بولا۔

''بلا وجہ مارنے سے گریز کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

حملہ آور بوکھلا کر پورا میگزین خالی کرنے پر تل گئے تھے اور جیسے ہی سامنے موجود واحد فرد کی رائفل کا میگزین خالی ہوا میں نے منڈیر سے اٹھ کر اس کا نشانہ لیا۔ وہ میگزین بدل رہا تھا۔ عجلت میں گولی اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں لگی تھی اور وہ بنا آواز نکالے منہ کے بل گر گیا۔ اس دوران میں ایاز نے بھی مزید ایک اور دشمن کو نشانہ بنایا تھا۔ عبداللہ نے مار دھاڑ کی آواز سن لی تھیں اس نے کہا۔

''ہم کالونی کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ آپ سب ٹھیک ہیں؟''

''ہم ٹھیک ہیں لیکن دشمن کے کوئی چھ افراد ناکارہ ہو گئے ہیں ایک مارا گیا ہے۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی آ رہے ہیں؟''

''میرے ساتھ پانچ آدمی ہیں۔''

ایاز پیچھے کا حصہ کور کر رہا تھا اچانک وہ چلایا۔ ''شہباز صاحب ہوشیار وہ راکٹ مار رہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی میں اور بیتو غیر ارادی طور پر نیچے گر گئے تھے۔ ایاز نے بھی پیچھے کی طرف چھلانگ لگائی اور چھت کے وسط میں آ گرا۔ اسی لمحے دھماکہ ہوا اور میں نے مکان کے عقبی حصے میں آگ کے ساتھ گرد و غبار کا فوارہ بلند ہوتے دیکھا۔ میرا دل بیٹھ گیا۔ قیدیوں اور شاہین کے ساتھ ہمارا سارا اسلحہ اور گولہ بارود بھی اسی حصے میں تھا۔ وہ نشانہ بن جاتا تو اس مکان کی جگہ صرف ایک گڑھا رہ جاتا اور ہمارے پرزے بھی نہ ملتے۔ چند لمحے کے لیے چھت بری طرح لرزتی رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ اب تب میں گر جائے گی لیکن خیریت رہی۔ راکٹ نے نہ تو چھت گرائی اور نہ ہی گولہ بارود کو نقصان ہوا تھا لیکن ایک اور راکٹ آ کر لگتا تو یقیناً مکان ملبے کا ڈھیر بنا جاتا۔ میں نے چلا کر ایاز اور بیتو کی خیریت پوچھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''ہم بھی ٹھیک ہے۔'' بیتو بولا۔

''ان کو شوٹ کر دو۔'' میں نے کہا اور رینگتا ہوا عقبی حصے کی طرف بڑھا منڈیر اُڑ گئی تھی اور اب کھڑے ہونے کا مطلب فوت ہونا تھا کیونکہ فائر مستقل آ رہا تھا۔ فضا میں ابھی تک گرد و غبار تھا لیکن نائٹ ویژن کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ گرد اور دھند کے پار بھی دکھاتی ہے کیونکہ انفرا ریڈ کی لہریں دھند اور غبار سے بھی گزر جاتی ہیں۔ عقب میں موجود گاڑی کے عقب میں دشمن کے کم سے کم دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک راکٹ لانچر نما چیز اٹھائے ہوئے تھا اور اس میں دوسرا راکٹ فٹ کر رہا تھا۔ وہ اپنا کام تقریباً مکمل کر چکا تھا اور اسے مہلت دینا خودکشی بھی ہو سکتی تھی اس لیے میں نے اس کے سینے کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ اب یہ قسمت تھی جس نے ہمارا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ساتھ دیا۔ گولی اتفاق سے راکٹ پر جا لگی اور جو راکٹ مکان پر فائر کیا جانے والا تھا وہ لانچر میں ہی پھٹ گیا۔ تیز روشنی ہوئی تو میں نے جلدی سے دوربین آنکھ سے ہٹالی کیونکہ انفراریڈ معمولی روشنی کو بھی سورج کی طرح تیز چمک کے ساتھ دکھاتی۔ سامنے آگ کا گولہ نمودار ہوا جس میں انسانی جسموں اور گاڑی کے ٹکڑے بھی شامل تھے۔

عبداللہ مسلسل ہماری خیریت پوچھ رہا تھا۔ میں جھنجھلا گیا۔ ''ہم ٹھیک ہیں یار تم اپنی توجہ یہاں پہنچنے پر لگاؤ۔ ابھی ان سے پیچھا چھڑا کر ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔''

''ہم پہنچ رہے ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

گاڑی کے عقب میں موجود افراد میں کوئی بچا بھی تھا تو اس قابل نہیں تھا کہ کچھ کر سکے۔ سامنے والوں کا بھی صفایا ہو گیا تھا۔ البتہ دائیں بائیں سے فائرنگ جاری تھی۔ میں حیران تھا کہ فتح خان کیا چاہتا تھا کیا وہ مجھے ختم کرنا چاہتا تھا جو اس نے اس لاؤلشکر اور تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ صرف تین افراد ہونے کے باوجود ہم ان پر حاوی آ گئے تھے۔ ایاز اور بیتو اب دائیں اور بائیں والوں کے خلاف جوابی کارروائی کر رہے تھے۔ ایک اور شخص مارا گیا تھا۔ میں نے حساب لگایا۔ دشمن کے کم سے کم پانچ مارے جا چکے تھے اور چار زخمی تھے اور اب چار یا پانچ باقی تھے۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''سامنے اور عقب میں کوئی دشمن باقی نہیں رہا ہے صرف دائیں بائیں ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے کہا اور اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے لگا۔

حملہ آور اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر پاگل ہو گئے تھے اور مسلسل فائرنگ کر رہے تھے۔ اسی دوران میں عبداللہ پہنچ گیا۔ دونوں گاڑیاں لائٹ بجھا کر آئی تھیں اور اچانک حملہ آوروں کے سر پر پہنچیں تو انہیں بھاگنے کا اور مدافعت کا موقع نہیں ملا تھا۔ عبداللہ اور اس کے آدمیوں نے باقی بچ جانے والوں کو مار گرایا۔ فائرنگ کا ایک تیز لیکن مختصر دور چلا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ عبداللہ نے موبائل پر کہا۔ ''میدان صاف کر دیا ہے جناب۔''

''آس پاس دیکھو کوئی بچا ہوا نہ ہو اور اگر کوئی زندہ مل جائے تو اسے مارنا مت۔'' میں نے نیچے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ ایاز پہلے ہی نیچے آ گیا تھا۔ لاؤنج تک کا حصہ ملبے کا ڈھیر بن گیا تھا اور عقبی دیواریں گر چکی تھیں۔ اگر مکان پلرز اور بیم والا نہ ہوتا تو شاید پورا ہی بیٹھ جاتا۔ سب سے برا حشر اس کمرے کا تھا جس میں فتح خان کے دو آدمی تھے اور دونوں مارے جا چکے تھے۔ شہباز خان کا ایک بڑے بلاک تلے آ کر کچل گیا تھا۔ میں نے شاہین اور شہلا والے کمرے کا دروازہ کھولا میرا خیال تھا کہ مجھے ان کی بھی لاشیں دیکھنے کو ملیں گی لیکن حیرت انگیز طور پر کمرے کو نقصان ہونے کے باوجود وہ ٹھیک تھیں البتہ ان کے حواس گم تھے۔ شاہین کمرے کے کونے میں دبکی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ شہلا نے البتہ خود کو کسی قدر سنبھال رکھا تھا۔ اس نے پوچھا۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''فتح خان کے آدمیوں نے حملہ کیا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور شاہین کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے شہلا سے کہا۔ ''یہاں سے نکلو جلدی۔''

ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ شاہین کسی معمول کی طرح کھڑی ہو گئی اس کے حواس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ابھی تک گم تھے۔ ظاہر ہے وہ ایک عام سی گھریلو لڑکی تھی جس نے آج سے پہلے ایسے مار ماری کے حالات کہاں دیکھے تھے۔ شہلا کھڑی ہوگئی۔ اس نے اپنی ہیل والی جوتی پہن لی تھی کیونکہ یہاں اس کے اور کوئی جوتی یا چپل نہیں تھی۔ باہر عبداللہ اور اس کے ساتھی آ گئے تھے اور وہ ایاز اور بیتو کے ساتھ مل کر اسلحہ اور دوسرا سامان نکال رہے تھے۔ میں نے ہر وہ جگہ صاف کرنا شروع کر دی جہاں ہماری انگلیوں کے نشانات ہو سکتے تھے لیکن ایسی جگہیں بہت زیادہ تھیں۔ عبداللہ میرے پاس آیا اس نے کہا۔

''آپ زحمت نہ کریں ہمارے جانے کے بعد یہاں کچھ باقی نہیں رہے گا۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے دو سلیپنگ نما چیزیں دکھائیں۔ یہ آگ لگانے والے بم ہیں ان میں ٹائم سیٹ کر کے یہاں ڈال جائیں گے۔''

اگرچہ کسی کا مکان تباہ ہو جاتا اور وہ بے چارہ پولیس کے چکر میں آ جاتا لیکن مجبوری تھی ہماری بچت اسی میں تھی میں نے سر ہلایا۔ ''کوئی زندہ ملا؟''

''دو افراد ہاتھ لگے ہیں لیکن دونوں زخمی ہیں۔ زخم خطرناک نہیں ہیں۔ گیارہ بندے مارے گئے ہیں۔''

گویا دس پندرہ منٹ میں تیرہ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ قتل و غارت گری مجھے کبھی پسند نہیں رہی ہے اور میری کوشش ہوتی ہے کہ کسی کو انتہائی ناگزیر ہونے کی صورت میں ماروں۔ آج ایسے ہی حالات تھے اگر ہم انہیں نہ مارتے تو وہ ہمیں ختم کر دیتے۔ وہ اسی نیت سے آئے تھے اس کے باوجود میں دل پر بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ اسلحے والے بکس ایاز کی جیپ میں بار کر دیئے گئے جبکہ میں شہلا، شاہین اور بیتو کے ہمراہ اپنی جیپ میں آ گیا۔ عبداللہ کے آدمی پہلے ہی تیار تھے۔ وہ اندر بم لگا کر آیا اور ہم فوری روانہ ہو گئے لیکن عبداللہ نے مین روڈ کی طرف جانے سے گریز کیا تھا اس طرف پولیس سے ٹکراؤ کا امکان تھا۔

فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں یقیناً دور تک گئی تھیں۔ اس صورت میں جلد یا بدیر پولیس کی آمد لازمی تھی۔ اس سے پہلے ہمارا اس جگہ سے دور نکل جانا ضروری تھا۔ ابھی ہم مکان سے کچھ دور گئے تھے کہ اس میں لگائے بم پھٹ گئے آواز نہیں آئی تھی لیکن آگ نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے مکان کو لپیٹ میں لے لیا۔ عبداللہ اس کچے راستے سے واقف تھا پندرہ بیس منٹ بعد ہم ایک سڑک پر تھے۔ ہمارے پاس ابھی دو ٹھکانے تھے۔ ایک مکان اور ایک فلیٹ تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کس طرف کا رخ کیا جائے۔ اچانک موبائل نے وبریٹ کی میں نے نکال کر دیکھا عبداللہ کال کر رہا تھا۔

''جناب آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

میں نے اسے دوسرے دو ٹھکانوں کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا۔ ''اگر آپ میری بات مانیں تو میں نے ایک اچھا ٹھکانہ بنا لیا ہے جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کوئی نہیں جانتا ہے۔''

''کہاں ہے؟''

مری جانے والی متبادل نئی ہائی وے پر ہے۔ میں نے اسے اسی لیے حاصل کیا ہے۔ چھوٹی لیکن تمام سہولتوں کے ساتھ جگہ ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ٹھیک ہے فی الحال تو وہیں چلتے ہیں بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔'' میں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ ویسے بھی اس وقت مجھے اپنا ذہن خالی اور بے سمت محسوس ہو رہا تھا۔ عبداللہ سے بات کر کے میں ڈرائیونگ کرنے لگا۔ بیتو نے میری کیفیت محسوس کر لی تھی اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''شوبی آپ پریشان مت ہو وہ سب ہمارے دشمن تھے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''میں سمجھتا ہوں یار لیکن وہ انسان بھی تھے اور مجھے انسانی زندگی کی حرمت سکھائی گئی ہے۔ مجھے کبھی کسی کو مار کر اچھا محسوس نہیں ہوتا ہے چاہے وہ میرا جانی دشمن کیوں نہ ہو اور مجھے قتل کرنے ہی کیوں نہ آیا ہو۔''

''کیونکہ آپ اچھا آدمی ہے لیکن اچھا آدمی کسی برے آدمی کو مارے تو یہ اچھا بات ہوتا ہے۔''

''ہاں ہوتا تو ٹھیک ہے.....'' میں کہتے کہتے رک گیا۔ شاہین اور شہلا پیچھے خاموش بیٹھے تھے۔ وہ دونوں عام سے کپڑوں میں تھے کیونکہ حملے کے وقت سو رہے تھے۔ جیپ میں ہیٹر تھا اس وجہ سے اندر فضا گرم تھی جب کہ باہر درجہ حرارت نکتہ انجماد کے آس پاس تھا۔ عبداللہ والی گاڑی سب سے آگے تھی اس کے پیچھے ایاز کی جیپ تھی، پھر عبداللہ کے آدمیوں کی گاڑی تھی اور سب سے پیچھے میں تھا۔ راستے میں عبداللہ کے آدمیوں والی گاڑی اس کی کوٹھی کی طرف مڑ گئی۔ ان کا کام ختم ہو گیا تھا اس لیے وہ چلے گئے اور ہم نے اپنا سفر جاری رکھا تھا۔

ٹول پلازہ سے گزر کر ہم مری جانے والی نئی شاہراہ پر آئے۔ یہ ایکسپریس وے تھا اور اچھی چوڑی سڑک تھی۔ یہاں دھند کم تھی اور کہیں کہیں برف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ یہاں باقاعدہ برف باری تو کم ہوتی تھی لیکن گرنے والی اوس برف کی طرح جم جاتی ہے۔ کوئی بیس منٹ بعد عبداللہ رک گیا۔ میں حیران ہوا تھا کیونکہ آس پاس کوئی کوٹھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ دائیں طرف کھائی تھی اور اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا احاطہ اور پھر کمرہ نما بنا ہوا دکھائی دے رہا تھا لیکن یہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ ہم سب یہاں رہ سکتے۔ احاطہ بڑا تھا مگر کھلی جگہ میں رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عبداللہ نے گاڑی کنارے لگائی تھی تاکہ دوسرے ٹریفک میں خلل نہ ہو۔ وہ نیچے اترا تو میں بھی نیچے اتر آیا۔ البتہ بیتو کو گاڑی میں رکنے کو کہا۔ شہلا پر نظر رکھنا ضروری تھا وہ شاطر عورت اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فرار ہو سکتی تھی۔ اس دوران میں عبداللہ احاطے کا گیٹ کھول رہا تھا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''جناب اپنی اور ایاز کی گاڑیاں اندر لے آئیں۔''

احاطے میں اتنی جگہ تھی کہ دونوں جیپیں آرام سے اندر آ گئیں۔ احاطے کے سامنے تھرچھی اور نیچی چھت والا ایک ہی کمرہ تھا اس کے وسط میں دروازہ تھا اور دروازے کے دونوں طرف مختصر لیکن جدید انداز کی کھڑکیاں تھیں۔ احاطہ کوئی تیس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا تھا۔ جب کہ کمرے کی چوڑائی بیس فٹ تھی۔ کھلی فضا میں سردی شدت کی تھی۔ عبداللہ نے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ لاؤنج نکلا تھا اور اس سے سیڑھیاں نیچے کی طرف جا رہی تھیں۔ بیتو شاہین اور شہلا کو لے کر اندر آیا تو خوش ہو گیا۔ ''یہ تو ویسا مکان ہے جیسا ادھر انڈیا میں بھی پہاڑوں میں ہوتا ہے اوپر سے نیچے جاتا ہے۔''

عبداللہ مسکرایا۔ ''تم نے ٹھیک پہچانا۔ نیچے اس کی دو منزلیں اور ایک چھوٹا سا باغ بھی ہے۔ داخلے کا راستہ یہی ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لاؤنج میں معمولی سا فرنیچر تھا اور احاطے سمیت اس جگہ کا کل رقبہ چھ سات مرلے سے زیادہ نہیں تھا۔ گزوں میں ڈیڑھ پونے دو سو گز سمجھ لیں۔ البتہ تعمیر میں اعلیٰ درجے کا ماربل استعمال ہوا تھا۔ یہ لینٹر کی بنی کوٹھی تھی سیڑھیوں کی ریلنگ شاندار پالش شدہ لکڑی کی تھی۔ عبداللہ ہمیں نیچے لایا۔ پہلے فلور پر کل چار کمرے تھے۔ دو بیڈ روم، ایک نشست گاہ اور ایک دیگر کاموں کے لیے مخصوص تھا۔ اس سے نیچے بھی تین کمرے تھے۔ کچن اسی حصے میں تھا اور سامنے چھوٹا سا باغ تھا۔ یہاں سے ایک کچا راستہ نیچے وادی کی طرف جاتا تھا اور یہاں اچھی خاصی آبادی تھے۔ مکانات دور دور بنے تھے لیکن پوری ڈھلان ان مکانوں سے آباد تھی۔ کیونکہ یہاں بجلی تھی اس لیے وادی برقی روشنیوں سے تاروں بھری رات کا منظر پیش کر رہی تھی۔

کسی شوقین نے یہ گھر بنوایا تھا۔ اسے ڈھلان کے ساتھ یہ جگہ مل گئی تھی اور اس نے الٹی ترتیب سے کئی منزلہ گھر بنایا۔ اس میں داخلے کا راستہ سب سے اوپر والی منزل میں تھا۔

بیڈ روم پوری طرح فرنشڈ تھے اور نشست گاہ میں فرش پر دبیز قالین کے ساتھ ایک شاہانہ صوفہ سیٹ تھا لیکن یہ باقاعدہ فرنشڈ نہیں تھا۔ مخصوص مقاصد والا کمرہ بالکل خالی تھا اور فرش بھی ننگا تھا۔ پکڑے جانے والے حملہ آوروں کو یہیں لایا گیا تھا۔ ان میں سے ایک کو بازو میں گولی لگی تھی اور دوسرے کی پنڈلی فریکچر تھی لیکن گولیاں نکل گئی تھیں اس لیے زخموں پر پٹیاں باندھنے کے بعد ان کی حالت بہتر لگ رہی تھی۔ میں نے پہلی بار دیکھا تھا اور میں چونک گیا کیونکہ وہ خدوخال سے مقامی لوگ لگ رہے تھے۔ یعنی اس نسل کے لوگ جو مارگلہ اور مری کے پہاڑوں میں آباد ہے۔ وہ خوف زدہ نہیں تھے اور خاص طور سے مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

فی الحال کچھ دوسرے کام نمٹانے تھے اس لیے ان سے پوچھ گچھ کا ارادہ ملتوی کر کے ان کو اس خالی کمرے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ جب کہ شہلا اور شاہین کو ایک بیڈ روم میں بھیج دیا۔ شاہین کا ہینڈ کیری بیتو لے آیا تھا۔ وہ اپنا حلیہ درست کرنے میں لگ گئیں کیونکہ دھماکے کے بعد وہ مٹی مٹی ہو گئی تھی۔ جب تک عبداللہ مجھے کوٹھی دکھا رہا تھا اس دوران میں بیتو، ایاز اور عبداللہ کا ایک آدمی جو اس کی جیپ میں تھا ہمارا سامان اور اسلحہ و گولہ بارود نیچے لے آئے تھے۔ یہ سب سے نیچے والے حصے میں ایک کمرے میں رکھ کر اسے مقفل کر دیا گیا تھا۔ یہاں ایک فرنشڈ بیڈ روم تھا لیکن باقی دو کمرے خالی تھے۔ ان میں سوائے وال ٹو وال قالین کے اور کچھ نہیں تھا۔ البتہ دیوار گیر الماریاں اور ریکس ہر کمرے میں موجود تھے اور ان کی وجہ سے ہمیں سامان رکھنے میں آسانی ہوئی تھی۔ کھلا ہوا اضافی اسلحہ الماریوں میں رکھ دیا تھا اور گولہ بارود بکسوں میں ہی تھا۔ لائنوں میں یخ بستہ پانی آ رہا تھا اس لیے سب نے منہ ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا کیونکہ گرد و غبار سے سب کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ میرے کپڑے گندے ہو گئے تھے۔ انہیں بدلنا تھا۔

کچن میں فریج تھا اور اس میں کھانے پینے کی خاصی اشیا تھیں۔ پکانے کا سامان بھی تھا۔ یہاں گیس نہیں تھی اس لیے سلینڈر تھے۔ برتن اور دوسرا سامان بھی تھا۔ یعنی ہمیں کوئی مشکل نہیں ہوتی اس گھر میں سہولت کی ہر چیز موجود تھی۔ اوپر لاؤنج میں پانی کی ٹنکی کے ساتھ لکڑیوں سے گرم ہونے والا گیزر موجود تھا۔ عبداللہ کا آدمی اسے چلانا جانتا تھا وہ گیزر میں آگ لگانے چلا گیا۔ عبداللہ نے کہا۔ ''یہ جگہ محفوظ ہے آپ یہاں آرام سے ان سے تفتیش کر سکتے ہیں اور سہولتیں بھی ساری ہیں۔ میں صابر کو یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ گھر کے کام بھی کر لیتا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہے اور آپ نے باہر سے کچھ منگوانا ہو تو یہ جا کر لے آئے گا۔''

''یہ ٹھیک رہے گا فی الحال ہمارا یہاں سے نکلنا ٹھیک نہیں ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وسیم یا سفیر کو تو نہیں بتایا۔''

''نہیں میں نے انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''موبائل مت استعمال کیجئے گا میرا اندازہ ہے یہ مصیبت اسی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ آپ سب اپنے رابطے والی سمیں بدل دیں۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ عبداللہ کوٹھی کی چابیوں کا ایک سیٹ مجھے دے کر رخصت ہو گیا۔

○.....❖.....○

صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ میں نے شہلا اور شاہین والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ شاہین جاگ رہی تھی اس نے دروازہ کھولا۔ وہ ابھی تک خوف زدہ تھی لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا تھا نہانے کا موقع نہیں تھا کیونکہ ابھی تک لائنوں میں گرم پانی نہیں آیا تھا اس نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لیے تھے اور بال بنا رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو اب ہم محفوظ ہیں۔''

''وہاں کیا ہوا تھا۔ استاد فانا کے آدمی تھے؟''

''نہیں یہ ہمارے دشمن ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔ صبح ہونے والی ہے اور ہم سب ایک بڑے مرحلے سے گزر کر آئے ہیں۔ یہاں کچن موجود ہے اگر تم ہمارے لیے کوئی چائے کافی تیار کر دو تو.....''

''آپ درخواست کیوں کر رہے ہیں۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''آپ مجھے حکم دے سکتے ہیں۔''

میں نے نرمی سے کہا۔ ''بی بی تم مہمان ہو اور مہمان کو حکم نہیں دیتے ہیں۔''

وہ اندر سے سوئیٹر پہن کر آ گئی۔ ''آپ میرے لیے اتنا کر رہے ہیں تو کیا میں یہ معمولی سا کام نہیں کر سکتی مجھے کچن دکھایئے۔''

میں اسے نیچے کچن میں لایا۔ بیتو اور ایاز دوسرے بیڈ روم میں ڈیرہ جما چکے تھے۔ صابر نے گیزر چلا دیا تھا اور اب لائنوں میں کسی قدر گرم پانی آنے لگا اس لیے بیتو نہانے گھس گیا تھا خود رات کی مار دھاڑ کی وجہ سے میری حالت بھی خستہ ہو رہی تھی۔ شاہین نے کچن کا چارج سنبھال لیا اور سب سے پہلے چیزوں کی تلاش شروع کی۔ سردی کم کرنے کے لیے اس نے چولہے جلا لیے تھے۔ چائے، کافی، چینی، خشک دودھ اور پیک کریم کے ڈبے سب وہاں موجود تھے۔ اس نے فریج سے ڈبل روٹی اور انڈے نکالے اور مجھ سے پوچھ کر انڈے فرائی کرنے لگی۔ ساتھ ہی اس نے سلائس ٹوسٹر میں سینکنے کے لیے رکھ دیئے۔ وہ تیزی سے اور سلیقے سے کام کرنی والی لڑکی تھی۔ اس کے اعصاب یقیناً مضبوط تھی۔ ورنہ گزشتہ رات اس کا باپ مارا گیا پھر اس نے اپنے گھر کے سامنے قتل و غارت گری دیکھی۔ اس کے بعد ہمارے ٹھکانے پر ہونے والا معرکہ بھگتا۔ جس وقت میں ناشتہ کر رہا تھا تو مشرق کی جانب سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔ یہ مکان مشرق کے رخ پر تھا اور صبح کی روشنی اس کے تمام حصوں تک

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آتی تھی۔ شاہین نے کام کرتے کرتے مجھ سے کہا۔

''ایک سوال کروں اگر آپ برا نہ مانیں؟''

''کرو۔''

''یہ عورت کون ہے؟ کل رات سے میں اس کے ساتھ ہوں اور اس نے مجھ سے اتنی بیہودہ باتیں کی ہیں کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی ہوں۔''

''وہ ہے ہی ایسی عورت، یوں سمجھ لو کہ وہ میرے پاس قید ہے اور میری جان کی دشمن ہے لیکن میں اسے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں عورتوں کا احترام کرتا ہوں۔ بہر حال اگر تمہیں اس کی وجہ سے مشکل ہو رہی ہے تو میں تمہیں کسی اور کمرے میں منتقل کر دیتا ہوں۔ وہاں تو مجبوری تھی لیکن یہاں کئی کمرے ہیں۔''

شاہین نے سکون کا سانس لیا۔ اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''میں آپ کی شکر گزار ہوں کیونکہ وہ اس وقت جس طرح سو رہی ہے اس کے ساتھ کمرے میں رہنا مجھے عذاب لگ رہا تھا۔''

شاہین نے واضح نہیں بتایا تھا لیکن میں سمجھ گیا۔ شہلا کو لباس اتار کر سونے کی عادت تھی۔ اس کی فطرت شاہین سے بالکل الگ تھی۔ میں ناشتہ کر کے اوپر آیا اور شہلا والا بیڈ روم باہر سے بند کر دیا۔ یہاں سردی کی وجہ سے ہر کمرے کے آتش دان میں لکڑیاں چن دی گئی تھیں اور بیتو نے اپنے بیڈ روم والے آتش دان میں آگ بھی لگا دی تھی۔ وہ اور ایاز ناشتہ کرنے چلے گئے اور میں نے اپنے بیگ سے ایک پینٹ اور ہائی نیک جرسی نکالتے ہوئے واش روم کا رخ کیا۔ رات مجھ پر مٹی کی خاصی موٹی تہہ جم گئی تھی۔ نہا کر وہ تہہ اتاری اور کپڑے بدل کر باہر آیا۔ بیتو کھانا پی کر سو رہا تھا۔ ایاز بھی ساری رات کا جاگا ہوا تھا میں نے اسے سونے کو کہا۔ وہ مان نہیں رہا تھا اس لیے مجھے حکم دینا پڑا تھا۔ ''میں کچھ دیر سو چکا ہوں اس لیے ابھی جاگ سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم سو جاؤ میں چند گھنٹے بعد تمہیں جگا دوں گا۔''

''جیسا آپ کا حکم جناب۔'' ایاز نے کہا اور سونے کے لیے چلا گیا۔

شاہین کو کچن کے ساتھ والا بیڈ روم کھول دیا تھا۔ وہ بھی فرنشڈ تھا۔ کیونکہ دن نکل آیا تھا اور اب سردی میں وہ شدت نہیں تھی اس لیے شاہین نے آتش دان جلانے سے منع کر دیا۔ میں نے باغ میں جھانکا۔ رات بھر گرنے والی اوس جو برف کے کرسٹل میں بدل گئی تھی اب پگھل رہی تھی۔ سبزہ مرجھایا ہوا تھا اور سامنے وادی سے دھند اٹھ رہی تھی۔ شہلا کی طرف سے مجھے اطمینان تھا کہ وہ کمرے سے نہیں نکل سکتی تھی۔ صابر اوپر لاؤنج میں تھا۔ میں نے اسے بلایا۔ میرا ارادہ پکڑے جانے والے افراد سے تفتیش کا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں وہ دونوں کھٹک رہے تھے۔ میں اور صابر کمرے میں داخل ہوئے تو وہ دیوار سے لگے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ان کے تاثرات بدل گئے تھے اور وہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور غرا کر پوچھا۔

''کیا میری صورت تمہیں اپنے مہینہ باپ جیسی نظر آتی ہے۔''

''شہباز ملک۔'' اس نے بے خوفی سے مخصوص پوٹھوہاری لہجے میں کہا۔ ''تمہارے دن پورے ہو گئے ہیں اب تم بچو گے نہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اچھا کیا حضرت عزرائیل نے تمہیں اپنا ایجنٹ مقرر کر دیا ہے۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا اور اچانک گھما کر اسے ایک طرف دیوار پر دے مارا۔ اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی تھی اور وہ پٹ سے مردہ چھپکلی کی طرح زمین پر گرا۔ وہ اچھے وزن کا جوان تھا اگر اسے میری نیت کا اندازہ ہوتا تو میں اتنی آسانی سے دیوار پر نہیں مار سکتا تھا وہ کچھ نہ کچھ مزاحمت کرتا۔ کچھ دیر تک تو وہ ساکت رہا جیسے بے ہوش ہو گیا ہو۔ اس کے زخمی بازو پر بھی چوٹ آئی تھی لیکن وہ مکر کیے پڑا تھا جیسے ہی میں اس کے پاس آیا اس نے میرے پاؤں پر لات ماری۔ یہ کمزور سا وار تھا میں ہلکا سا لڑکھڑایا اور پھر اسے سر کے لمبے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور گھما کر دوسری دیوار پر دے مارا۔ اس نے چلا کر کہا۔ ''ہائے ماں جی۔''

جس کے پاؤں پر گولی لگی تھی وہ خوف زدہ تھا لیکن اس نے بھی مجھے خبردار کرنا ضروری سمجھا۔ ''تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

میں نے اس کے زخمی پاؤں پر پیر رکھا تو وہ بلبلا گیا تھا۔ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تم لوگوں نے غالباً ہمارے ساتھ بہت اچھا کیا ہے۔ راکٹ اور دوسرا گولہ بارود تم لوگ اچھا کرنے کے لیے لائے تھے۔''

''اوئے..... ہائے..... میں مرا۔'' وہ رونے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''مجھے چھوڑ دے۔''

لیکن میں نے دباؤ برقرار رکھا۔ ''تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''

''فتح خان نے۔'' اس نے بلبلانا چھوڑ کر پھرتی سے جواب دیا۔ میں نے جوتے کا دباؤ بڑھایا تو وہ پھر سے بلبلانے لگا۔ ''اوئے میں سچ کہہ رہا ہوں..... چھوڑ مجھے۔''

''بکواس مت کرو اگر تمہیں فتح خان نے بھیجا ہوتا تو تم اتنی آسانی سے اس کا نام نہ لیتے۔ تم فتح خان کے آدمی نہیں لگتے ہو۔''

''ہم فتح خان کے آدمی ہیں۔'' اس نے سخت اذیت میں ہونے کے باوجود پوری ڈھٹائی سے کہا۔

میں نے لمبے بالوں والے کو اٹھایا۔ وہ اس بار سچ مچ نیم بے ہوش ہو گیا تھا اور کھڑا ہونے پر جھول رہا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ ''اے..... ہوش میں آؤ..... تمہیں کس نے بھیجا ہے۔''

وہ جھولتے ہوئے بولا۔ ''مر.....''

''جمیل۔'' نیچے پڑا شخص چلایا۔ ''اپنی زبان بند رکھ۔''

اب وہ اپنی زبان بند رکھتے تب بھی میرا مقصد حل ہو گیا تھا۔ جمیل نے بے خودی میں راز تقریباً اگل دیا تھا۔ میں نے مر کے ساتھ شد لگایا تو جواب مل گیا تھا۔ وہ مرشد کے لوگ تھے۔ اب ان کا رویہ سمجھ میں آنے والا تھا۔ صرف مرشد میرا ایسا دشمن تھا جو مجھے ہر قیمت پر مروا دینا چاہتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو بھیجا تھا جو اس کی عقیدت میں کفر سے گزر گئے تھے اور نعوذ باللہ اسے خدا سے بڑھ کر درجہ دیتے تھے۔ میں نے جمیل کو چھوڑ دیا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ نیچے پڑا شخص اب خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ اب میں اس کی طرف آؤں گا۔ میں اس کے پاس بیٹھا۔

''تمہیں اس نام نہاد پیر نے بھیجا ہے۔ جس کے کارناموں پر ابلیس بھی شرما جائے۔''

مرشد کے حضور اس گستاخی پر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن اس نے ضبط کر کے کہا۔ ''میں کسی مرشد کو نہیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جاتا ہم فتح خان کے آدمی ہیں۔''

''گویا اگر میں تمہارے سامنے مرشد کو ذلیل اور کمینہ وغیرہ کہوں تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

اس کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا لیکن اس نے ڈھٹائی کا دامن ابھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ ''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''اور اگر میں اسے سؤر، کتا اور کسی غلیظ نسل کا جانور قرار دوں تو.....''

اس بار اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور اس نے چلا کر کہا۔ ''بکواس بند کر حرامی.....''

میں نے اس کا سر دیوار سے مارا تو اس کی زبان رک گئی تھی۔ ''مرشد کے ناجائز پلے..... ٹوکھل گیا نا..... اب دیکھ تیرے ساتھ کیا ہوتا ہے؟''

وہ چکرا گیا تھا اس کے باوجود اس نے حقارت سے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ ''کیا کر لو گے..... زیادہ سے زیادہ جان لے لو گے..... مرشد بادشاہ پر ایسی سو جانیں قربان ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''شاید تمہارے علم میں ہو کچھ عرصے پہلے مرشد کے کچھ آدمی جو کہیں ایک مشن پر گئے تھے اس حال میں واپس آئے تھے کہ وہ بہرے اور اندھے ہو چکے تھے۔ انہیں میں نے ہی اندھا بہرہ کیا تھا۔ اب یہی کام تم لوگوں کے ساتھ کروں گا اور اس میں اشیا جوڑنے والے سلوشن کی صرف ایک ٹیوب خرچ ہو گی۔''

وہ خوف زدہ ہو گیا۔ ''بکواس کرتے ہو تم۔''

''اچھا جب میں یہ کام کروں تب تم خود کو سمجھاتے رہنا کہ میں بکواس کر رہا ہوں۔ اسی طرح اندھے اور بہرے ہو جانا۔ میرا خیال ہے جن لوگوں کے ساتھ میں نے پہلے یہ سلوک کیا تھا مرشد نے ان کو مروا دیا ہو گا۔ اس کا پلا ہونے کی وجہ سے تمہیں اس بات کا علم ہو گا۔''

اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ میری بات درست تھی۔ مرشد روگ پالنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ میں نے پھر کہا۔ ''سنو میں نے جو کہا ہے میں وہ بھی کر سکتا ہوں میں تمہیں قتل بھی کر سکتا ہوں۔ تمہاری لاشیں کسی نامعلوم قبر میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں گی اور اس نام نہاد پیر کا کسی بھی پتا نہیں چلے گا کہ تم لوگ کہاں گئے۔ مگر میں تمہیں چھوڑ بھی سکتا ہوں لیکن ایک معمولی شرط ہے۔''

''کیسی شرط؟''

''میں مرشد کے جرائم کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''مرشد بادشاہ مجرم نہیں ہے۔'' اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''یعنی تمہارے خیال میں دوسروں کو قتل کرانا، عورتوں اور لڑکیوں کو اغوا کرنا، دوسروں کا مال و دولت لوٹ لینا ثواب کے کام ہیں؟'' میں نے طنز کیا۔ ''کیا مرشد کے اشارے پر اس کے تم جیسے کتے یہ سب نہیں کرتے ہیں؟''

اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ یہ سب کرتا رہا تھا۔ جمیل اب کسی قدر ہوش میں آ گیا تھا اور مرشد کا نام سن کر اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''بکواس کر رہا ہے ہم فتح خان کے آدمی ہیں۔''

اس پر اس کے ساتھی نے روانی اور سلاست اس کی گھر کی خواتین سے اپنی ناجائز رشتے داریوں کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ مرشد کا نام اس نے لیا تھا۔ جمیل چکرا گیا کیونکہ اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ اس کی زبان سے مرشد کا نام نکلا تھا لیکن اس کے ساتھی نے اتنے پُر زور انداز میں کہا کہ اسے یقین آ گیا۔ یوں اس نے اپنی گردن بچالی حالانکہ اقرار اسی نے کیا تھا۔ جمیل نے صرف ''مر'' کہا تھا۔ جمیل نے کمزور لہجے میں کہا۔

''بکواس نہ کر میں نے کوئی نام نہیں لیا ہے۔''

''نام تو لیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب تم دونوں کی عافیت اسی میں ہے کہ مرشد کے جرائم کے بارے میں بتاؤ جو اس نے تم لوگوں کے توسط سے کرائے ہیں۔''

اس پر دونوں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ میں نے زخمی پاؤں والے کی طرف دیکھا۔ ''اپنے ساتھی کو بتا دینا کہ انکار کی صورت میں تم دونوں کے ساتھ کیا کروں گا۔''

میں باہر آیا تو سخت تشویش زدہ تھا۔ مرشد بہ ظاہر کہیں آس پاس نہیں تھا لیکن اس نے میرا سراغ لگا لیا تھا۔ پہلے میں حملہ آوروں کو فتح خان کا ساتھی سمجھا تھا۔ اس کے دو آدمی پہلے ہی میرے پاس تھے اس لیے میں سمجھا کہ ان کی مدد سے اس نے ہمارے ٹھکانے کا سراغ لگا لیا ہے لیکن مرشد کے آدمی وہاں کس طرح پہنچے۔ قیدیوں والے کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہوتا تھا اور اندر سے اسے کوئی رستم زمان ہی توڑ سکتا تھا ان دونوں کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے میں بے فکر تھا۔ میں نیچے باغ میں آیا۔ اس وقت تک دھوپ پھیل چکی تھی اور اس کی ہلکی کرنیں اچھی لگ رہی تھیں۔ اس کے باوجود سردی ایسی تھی کہ مجھے اپنی جیکٹ کی زپ بند کرنا پڑی۔

واقعات کی رفتار میں نہایت تیزی آ گئی تھی۔ مرشد کے آدمی جس طرح ہمارے محفوظ ٹھکانے تک آ پہنچے تھے اس سے مجھے یہ جگہ بھی غیر محفوظ لگنے لگی تھی۔ میں ان وجوہات پر غور کرنے لگا جس کی وجہ سے مرشد کی رسائی ہمارے ٹھکانے تک ہوئی تھی۔ مجھے عبداللہ کی بات درست لگی تھی۔ مرشد نے موبائل کالز کی مدد سے اس جگہ کا سراغ لگایا تھا لیکن کون سی موبائل کالز کی مدد سے؟ کیونکہ میرے پاس جو سم تھیں ان میں سے کسی سے کبھی مرشد کو یا اس کے کسی آدمی کو کال نہیں تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں فتح خان کا نمبر تو مرشد کے علم میں نہیں تھا اور وہ اس کی نگرانی کروا رہا ہوگا۔ وہ حکومت میں شامل تھا اور خود بھی نہایت طاقتور شخص تھا۔ وہ کسی موبائل نمبر کو آبزرویشن پر رکھوا سکتا تھا۔ جیسے جیسے میں اس بات پر غور کرتا رہا مجھے یہی بات قرین قیاس لگی تھی۔ فتح خان کے موبائل کی مدد سے مرشد نے میرا سراغ لگایا اور اس نے فوری طور پر اپنا قاتل دستہ روانہ کر دیا تھا۔ وہ لوگ جس انداز سے آئے تھے اور ان کے پاس جو ہتھیار تھے ان کا ایک یہی مقصد ہو سکتا تھا۔ میں اوپر آیا اور صابر سے کہا۔

''ہوشیار رہنا میں باہر جا رہا ہوں۔''

''آپ بے فکر رہیں صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔

میں اوپر آیا اور جیپ نکالی۔ اس کی عقبی ونڈ شیلڈ میں گولی کا سوراخ تھا جس پر ایاز نے اسٹیکر لگا کر فی الحال سوراخ چھپا دیا تھا۔ میں نے جیپ باہر نکالی تو صابر نے گیٹ اندر سے بند کر دیا۔ احاطے کی دیوار کوئی آٹھ فٹ اونچی تھی یعنی اس میں موجود گاڑیاں باہر سے نظر نہیں آ سکتی تھیں۔ میں اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سر پر اونی ٹوپی اور آنکھوں پر بڑے سائز کا سن گلاس لینے کے بعد میری صورت خاصی حد تک غیر نمایاں ہو گئی تھی اور جب

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے کوئی مجھے نہیں دیکھا وہ مجھے شہباز ملک کی حیثیت سے نہیں پہچان سکتا تھا۔ میں فیض آباد تک آیا یہاں الو بنانے کی ایک مارکیٹ تھی لیکن صبح دس بجے کچھ نہیں کھلا تھا۔ البتہ ایک پی سی او کھلا مل گیا۔ وہاں ایک بیزار سا نوجوان اخبار دیکھ رہا تھا۔ میں نے کال ملانے کو کہا تو انہوں نے مزید بے زاری سے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے انہیں نمبر بتایا اور کیبن میں آ گیا۔ انہوں نے نمبر ملا کر مجھے ریسیور اٹھانے کا اشارہ کیا اور دوبارہ اخبار میں منہ ڈال لیا۔ فتح خان نے فوراً کال ریسیو کی۔

''کون ہے؟''

''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''نام مت لینا۔''

''تم۔'' اس نے بے یقینی سے کہا اور پھر بولا۔ ''شہباز میں نے دشمنی ختم کرنے کا سوچا تھا لیکن تم نے ہاتھ بڑھایا۔ میرے چچا کے بیٹے کی لاش مل گئی ہے۔''

''میں نے اسی کے بارے میں بتانے کے لیے خطرہ مول لے کر کال کی ہے۔ یہ سب مرشد کا حرامی پن ہے۔ اس نے شاید تمہارا موبائل فون آبزرویشن پر رکھوایا ہے۔ کیونکہ جیسے ہی میں نے تمہارے آدمی کے موبائل سے تمہیں کال کی، اس کے کچھ دیر بعد ہی مرشد کے کتے آن پہنچے تھے۔ تمہیں مکان کی حالت کا پتا ہے؟''

''نہیں۔'' فتح خان کا لہجہ دھیما پڑ گیا تھا۔

''انہوں نے راکٹ مارا تھا۔ شہباز خان اور قسم خان راکٹ حملے میں مارے گئے ہیں میں نے انہیں صرف تیدر کھا تھا اور تم جانتے ہو میں بلاوجہ کسی کی جان لینے کا قائل نہیں ہوں چاہے وہ میرا بدترین دشمن ہی کیوں نہ ہو۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں شک تھا۔

''ہاں میں زیادہ لمبی بات نہیں کر سکتا کیونکہ یہ نمبر غیر محفوظ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم ای میل کر سکتے ہو؟''

''ہاں مجھ کو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ استعمال کرنا آتا ہے۔''

''میں تمہارے اس نمبر پر اپنا ایل میل ایس ایم ایس کر رہا ہوں۔ مجھے کوئی محفوظ نمبر ای میل کر دو پھر میں تم سے بات کروں گا اور اس نمبر کو ترک کر دو بلکہ وہ ٹھکانہ بھی چھوڑ دو جہاں ہو ورنہ مرشد کے گرگے وہاں بھی آ جائیں گے بلکہ عین ممکن ہے اب تک روانہ ہو چکے ہوں۔''

میری بات فتح خان کی سمجھ میں آ گئی۔ خطرہ بھانپنے کے معاملے میں وہ بہت تیز آدمی تھا۔ اس نے عجلت میں لائن کاٹ دی۔ بڑے میاں بے خبر اخبار میں کھوئے ہوئے تھے۔ میں نے کال چارج کا پوچھا تو انہوں نے فون دیکھ کر بادل ناخواستہ مجھے رقم بتائی اور میں ادائیگی کر کے باہر آیا۔ میں نے شہباز خان والی سم لگا کر فتح خان کو اپنا ای میل ایس ایم ایس کیا اور پھر اس سم کو توڑ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد راستے میں آنے والے پہلے فقیر کو شہباز خان مرحوم کا موبائل تھما دیا۔ مغفرت کی دعا کی درخواست پر فقیر بھونچکا رہ گیا تھا کسی نے اسے بھیک میں موبائل نہیں دیا تھا۔ میں آگے بڑھ گیا۔ ایک کیفے میں بیٹھ کر وقت گزاری کی اور پھر آٹو پارٹس کی مارکیٹ پہنچا وہاں دکانیں کھلنا شروع ہو گئی تھیں میں نے ایک دکاندار سے جیپ کی عقبی ونڈ شیلڈ مانگی۔ اس کے پاس نہیں تھی لیکن اس کا بھائی اسی کا کام کرتا تھا اور اس نے ابھی تک دکان نہیں کھولی تھی۔ اس نے بھائی کو کال کی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اوئے دکان تے آ ستھے گا ہک آ گئے ہیں تے توں ابھی تک بے بے کی بغل میں گھسا اے۔''

یقیناً بے بے سے مراد اس کی بیوی ہوگی۔ اس نے فون بند کر کے کہا۔ ''وہ ابھی آدھے گھنٹے میں آ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں جیپ چھوڑے جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ جیپ میں کچھ نہیں تھا۔ میں نے چابی اس کے حوالے کر دی۔ ''میں ایک گھنٹے بعد آؤں تو شیشہ بدل چکا ہو۔''

''آپ بے فکر رہو صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ خیال رکھنا جیپ کی کوئی چیز بھی تبدیل نہ ہو۔'' میں نے لہجہ بدل کر کہا۔ ''اس کا شیشہ گولی سے خراب ہوا ہے۔''

اس کا رنگ بدلا تھا۔ ''صاحب آپ بے فکر ہو کر جاؤ ہم یہاں مارکا۔ میں بیٹھے ہیں۔''

''تب بیٹھے رہنے والے کام کرنا۔'' میں نے اسے خبردار کیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ایک رکشہ روک کر میں نے اسے موبائل مارکیٹ چلنے کو کہا۔ دس منٹ بعد میں موبائل مارکیٹ میں تھا۔ مارکیٹ کھل رہی تھی۔ ایک بڑی شاپ میں آیا اور ایسا موبائل مانگا جس سے انٹرنیٹ بھی آسانی سے استعمال کیا جا سکے۔ بڑا کسٹمر پا کر دکاندار کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ اس نے مستعدی سے کہا۔ ''میرے پاس ایپل کے کچھ آئی فون آئے ہیں۔ کہیں تو وہ دکھاؤں۔''

''دکھاؤ لیکن خیال رہے زیادہ مہنگے نہ ہوں۔''

''مہنگے تو ہیں لیکن آپ ان کی کارکردگی دیکھیں۔'' اس نے ایک آئی فون نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ ''اس میں انٹرنیٹ آن ہے آپ استعمال کر کے دیکھ سکتے ہیں۔''

میں نے اپنا ای میل کھولا تو اس میں فتح خان کی طرف سے ای میل موجود تھی۔ مجھے حیرت ہوئی اس نے بڑی تیزی دکھائی تھی۔ میں نے نمبر نوٹ کیا۔ یہ استعمال شدہ آئی فون تھا لیکن اس کی کارکردگی واقعی بہت اچھی تھی۔ میں نے دکاندار سے کہا۔ ''کیا قیمت ہے اس کی۔''

''اگر آپ نیا لیں تو بیالیس ہزار کا ہے اور اگر یہ لینا چاہیں تو میں پینتیس میں دے دوں گا۔ صرف سات مہینے استعمال ہوا ہے۔''

کسی قدر بحث کے بعد وہ بتیس پر مان گیا۔ اس نے مجھے آئی فون کی تمام چیزیں اور باکس بھی ساتھ دیا۔ میں نے اسی سے ایک نئی سم لی اور اسی وقت بیلنس ڈال کر انٹرنیٹ آن کرنے کا پروسیس بھی کر لیا۔ مجھے بتایا گیا کہ چند گھنٹے بعد میں انٹرنیٹ استعمال کر سکوں گا۔ میں نے سب سے پہلے عبداللہ کو کال کی۔ ''عبداللہ یہ میرا نیا نمبر ہے اسے محفوظ کر لو۔ وسیم اور سفیر سے کہو کہ اب تک استعمال میں جو سمیں تھیں ان کو پھینک دیں اور نئی سمیں لگا کر مجھے اطلاع دیں۔''

''ٹھیک ہے جناب ویسے میں نے ان کو بتا دیا ہے اور وہ آنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔''

''یار ان سے کہو ابھی وہیں رکیں اور مجھ سے رابطہ کریں۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر سم بدلی اور اپنے پاس موجود ایک اور نئی سم لگا کر فتح خان کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کرنے کے بجائے کاٹ دی تھی۔ میں نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دوبارہ کوشش نہیں کی اور ٹیکسی پکڑ کر واپس آٹو پارٹ مارکیٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔ دکان والے کا بھائی بیوی کی بغل سے نکل کر آ گیا تھا اور اس وقت جیپ کا شیشہ بدل رہا تھا۔ اس نے دس منٹ میں کام نمٹالیا۔ میں نے اصلی شیشہ لگانے کو کہا تھا۔ میں نے چیک کیا اس نے اصلی ہی لگایا تھا۔ اسے ادائیگی کر کے میں وہاں سے روانہ ہوا اور موبائل سے ہینڈ فری لگا کر ایک بار پھر فتح خان کا نمبر ڈائل کیا اس بار اس نے کال ریسیو کر لی۔

''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں مصروف تھا۔'' اس نے میری آواز پہچان لی تھی۔ ''یہ نمبر محفوظ ہے۔''

''فتح خان مرشد نہ صرف مجھے ختم کرنے پر تل گیا ہے بلکہ وہ اب تمہارے خلاف بھی پوری طرح حرکت میں آ چکا ہے۔''

''یہ تو تم کہہ رہا ہے۔'' اس کا لہجہ سرد ہوگیا۔ ''کیا ثبوت ہے کہ شہباز خان کو مرشد کے آدمیوں نے مارا ہے؟''

''فتح خان مجھے تمہاری عقل پر ترس آ رہا ہے۔ بہرحال اس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ وہ راکٹ حملے میں مارے گئے ہیں۔ اگر مجھے ان کو مارنا ہوتا تو میں اس مکان میں راکٹ نہ مارتے جہاں میں موجود تھا اس کام کے لیے دو گولیوں کی ضرورت پڑتی جو کافی تعداد میں موجود ہیں۔ دوسرے میرے پاس مرشد کے دو آدمی ہیں جو اس واقعے میں زندہ بچ گئے تھے اور میں انہیں ساتھ لے کر وہاں سے نکلا ہوں۔ انہوں نے پہلے تمہارا نام لیا کہ وہ تمہارے آدمی ہیں لیکن مجھے شک تھا۔ مجھے کوئی ایسی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ تم مجھے اس طرح قتل کرنے کے لیے لاؤلشکر بھیجو۔ ان کا انداز بھی مختلف تھا۔ اس لیے مجھے شبہ تھا کہ وہ بکواس کر رہے ہیں۔ جب میں نے ذرا دوسرے طریقے سے پوچھا تو انہوں نے اقرار کر لیا۔''

''مرشد کو کیسے پتا چلا کہ تم وہاں موجود ہو اور اس نے اپنے آدمی روانہ کر دیئے؟''

میں نے جواب دیا۔ ''یہ سب تم سے موبائل پر بات کرنے کے بعد ہوا اور اسی سے مجھے یقین ہے کہ مرشد اصل میں تمہارے نمبر کی نگرانی کرا رہا ہے اور ممکن ہے کال ٹیپ بھی کر رہا ہو۔ وہ بااثر آدمی ہے اس کے لیے یہ کام ناممکن نہیں ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' فتح خان کے لہجے میں غصہ آ گیا۔ ''اگر یہ بات سچ ہے تو ہم مرشد کو چھوڑے گا نہیں۔''

میں ہنسا۔ ''ابھی وہ وقت دور ہے۔ فی الحال تو ہم اپنی جان بچاتے پھر رہے ہیں۔ میں بہت خوش قسمت ہوں جو کل کے حملے مجھے یا میرے کسی ساتھی کو نقصان نہیں ہوا۔''

''اور شہلا۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''وہ بھی بچ گیا؟''

''اتفاق سے..... ورنہ وہ برابر والے کمرے میں تھی اور اس کمرے کو بھی نقصان ہوا ہے۔'' میں نے کہا اس وقت میں بھارہ کہو سے ذرا پیچھے تھا میں نے مزید آگے جانے کے بجائے گاڑی سڑک سے کچے میں اتار کر روک دی۔ فتح خان بھی کم شاطر نہیں تھا۔ ممکن ہے اس کے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہو جس سے وہ میرے موبائل کی لوکیشن جان جاتا۔ ''ویسے اب تمہیں شہلا سے کیا مطلب ہے جو تم اسے اس کی استعمال شدہ بلاؤز کی مدد سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تلاش کرا رہے تھے؟''

''میں اصل میں تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''مجھے تم سے کام ہے۔''

''فتح خان میرا خیال ہے میں نے بات کلیئر کر دی ہے اب بھی تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو تم جو چاہے سمجھتے رہو اور ہاں اب تمہاری طرف سے مجھے یا میرے ساتھیوں کو چھیڑنے کی کوئی کوشش کی گئی تو میں اسے تمہاری طرف سے اعلانِ جنگ سمجھوں گا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''فی الحال میری ساری توجہ مرشد کی طرف ہے۔ بہتر ہوگا تم درمیان میں پنگا کرنے سے گریز کرو۔''

اس سے پہلے وہ کچھ کہتا میں نے موبائل آف کر کے اس سے سم نکال کر دوسری لگا لی۔ اس سم کا نمبر وسیم، سفیر اور عبداللہ کے پاس تھا۔ آئی فون والی سم کو میں نے بالکل الگ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ میں اس کی مدد سے انٹرنیٹ سے منسلک رہنا چاہتا تھا۔ میں روانہ ہو گیا کیونکہ مجھے نکلے ہوئے کئی گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ راستے میں ایک مناسب نظر آنے والی بیکری سے میں نے سینڈوچز، چھوٹے پزے، رول اور اسی نوعیت کی دوسری چیزیں لیں جن سے آسانی سے پیٹ بھرا جا سکتا تھا اور یہ معیاری بھی ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ کولڈ ڈرنکس، ڈبل روٹی، انڈے، مکھن اور دودھ کے ڈبے لیے۔ یہ چیزیں ناشتے کے علاوہ ہنگامی مواقع پر کام آتیں جب کھانے کے لیے باہر جانے یا کچھ لانے کا موقع نہ ہوتا۔

جب میں واپس پہنچا تو سب جاگ چکے تھے اور میری فکر میں تھے۔ میں جیپ سے اترا تو بیتو نکل آیا۔ اس نے کہا۔ ''شوبی آپ کہاں چلا گیا تھا بتائے بغیر ہم سب پریشان ہو گیا تھا۔''

''کام سے گیا تھا یار..... یہ سامان اندر لے جاؤ۔''

بیتو کھانے پینے کی چیزیں دیکھ کر خوش نظر آنے لگا یقیناً دوپہر میں انڈہ ڈبل روٹی کھانے کے خیال سے اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔ میں نے صابر سے حالات پوچھے تو اس نے کہا۔ ''وہ دونوں شور کر رہے تھے پھر ایاز صاحب نے اندر جا کر ان کو تسلی دی تو چپ ہوئے۔''

''ان کو اسی طرح پڑے رہنے دو، کھانا پانی کچھ نہیں دینا ہے۔'' میں نے ہدایت کی۔ عام طور سے میں کسی کے ساتھ سخت سلوک نہیں کرتا ہوں لیکن ان جاہل لوگوں سے مجھے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی جو مرشد جیسے شیطان کے حکم کی تعمیل کار ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ چاہے انہیں کسی عورت کو اٹھا کر لانا پڑے یا کسی بے گناہ کو قتل کرنا پڑے۔ وہ کسی رحم و رعایت کے مستحق نہیں تھے۔ میں نیچے آیا تو ایاز اور شاہین کچن میں موجود تھے۔ شاہین برتن دھو رہی تھی اور ایاز کچن میں میز پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے لگا جیسے وہ مجھے دیکھ کر جھینپ گئے ہوں لیکن میں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

''واہ کافی پی جا رہی ہے اکیلے اکیلے۔'' میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا تو شاہین پھر جھینپ گئی اور جلدی سے بولی۔

''انہوں نے کہا تو میں نے بنا دی آپ کہیں تو آپ کے لیے بھی بنا دوں۔''

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔''

شاہین کافی بنانے لگی۔ ایاز نے پوچھا۔ ''آپ کہاں چلے گئے تھے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں نے پہلے تو اسے مختصراً مرشد کے آدمیوں کے اقبالِ جرم کے بارے میں بتایا۔ پھر فتح خان سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا تھا یہ فتح خان کے آدمی نہیں ہیں اور فتح خان اپنے کزن کی موت کا ذمے دار مجھے سمجھ رہا تھا۔ بہرحال میں نے بات کلیئر کر دی ہے۔''

''تو مرشد موبائل کی مدد سے ہمارا سراغ لگا رہا ہے؟'' ایاز سوچ کر بولا۔ ''اس صورت میں ہمیں بہت محتاط ہو جانا چاہیے۔''

''ہمیں اپنی تمام سمیں نئی لگانی ہیں۔''

''میری پرانی لگی ہے۔'' اس نے موبائل نکالا اور سم نکال کر اسے توڑ دیا اور پھر دوسری سم لگائی جو اس نے ابھی تک استعمال نہیں کی تھی۔ میں اسے آئی فون دکھا رہا تھا کہ بیتو آ گیا اس نے خوش ہو کر کہا۔

''شوبی میرے لیے لایا ہے؟''

''ہاں تم لے لو۔'' میں نے اسے دے دیا۔ ''اچھا کھلونا ہے لیکن اس سے کہیں کال مت کرنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے سعادت مندی سے کہا اور آئی فون لے کر چلا گیا۔ اسے موبائل کا شوق تھا اور یہ فون کال کرنے کا نہیں بلکہ موبائل میں موجود دوسری تفریحی سہولیات کا تھا۔ کھانے کا سامان کچن میں آ گیا تھا۔ تاہم اسے مائیکرو ویو میں گرم کرنے لگی۔ میں نے کافی کے ساتھ سینڈوچز اور پیزا لیا۔ کھانے کے بعد میں اوپر آیا۔ شہلا کمرے میں قید تھی اور کچھ بیزار لگ رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''شہباز خدا کے لیے یا تو مجھے جانے دو یا مار دو، میں اس قید سے تنگ آ گئی ہوں۔''

''واقعی؟'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''تمہیں قید تنگ کر رہی ہے یا میرا اور میرے آدمیوں کا شریفانہ رویہ تنگ کر رہا ہے۔''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تم غلط سمجھ رہے ہو۔''

''اب میں تم کو صحیح طرح سے سمجھا ہوں غلط تو پہلے سمجھا تھا۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''بہرحال تمہارے کردار سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ مجھے وہ بریف کیس چاہیے جو پروفیسر کے بینک لاکر میں ہے۔ اس کے بغیر تمہیں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''میں کہہ چکی ہوں اسے صرف میں ہی نکال سکتی ہوں۔''

''یہ خوش فہمی ہے تمہاری کیونکہ میں کچھ مسائل میں گھرا ہوں۔ مجھے ذرا ان سے فارغ ہو جانے دو اس کے بعد میں بینک لاکر تک رسائی کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لوں گا لیکن اس صورت میں میں تمہیں رہا نہیں کروں گا بلکہ دوبارہ فتح خان کے حوالے کر دوں گا۔''

شہلا اگر ڈری تھی تب بھی اس نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ بہرحال فتح خان اور اس کے آدمی اس کے لیے کوئی خوشگوار یاد نہیں تھے انہوں نے اسے جانور کی طرح استعمال کیا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے کہا۔ ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اگر میں تمہیں اپنا منصوبہ بتا دوں تو تم لاکر کی باقی چیزوں سے کوئی سروکار نہیں رکھو گے۔''

اگرچہ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر مجھے لاکر تک رسائی کا موقع ملا تو میں بریف کیس حاصل کرنے کے ساتھ لاکر میں موجود پروفیسر کا بلیک میلنگ کا تمام اسٹف ضائع کر دوں گا لیکن میں نے محسوس کیا کہ شہلا بھی اس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اسٹف کے چکر میں ہے اور اگر میں نے اسے اپنے اصل عزائم سے آگاہ کر دیا تو وہ مجھ سے تعاون سے انکار کر دے گی۔ اس لیے میں نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ ''کیوں نہیں میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں مجھے صرف بریف کیس سے مطلب ہے۔''

شہلا نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے، میں تمہاری زبان پر اعتبار کر رہی ہوں لیکن مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔''

''یہاں اس کمرے میں بیٹھ کر تم آرام سے سوچ سکتی ہو لیکن خیال رہے کہ یہ مدت اتنی طویل نہ ہو کہ تمہاری وفات کا وقت آ جائے، تم جانتی ہو میرے پیچھے مرشد اور فتح خان جیسے دشمن لگے ہوں اور کل رات ہی تم مرتے مرتے بچی ہو۔''

''مجھے بس کل تک کی مہلت دو۔'' اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے سوچ لو، لیکن میری بات یاد رکھنا تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور میں بھی تمہیں زیادہ دیر اپنے پاس نہیں رکھ سکتا ہوں۔ اگر میں تمہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکا تو آزاد کرنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے فتح خان کے حوالے کر دوں گا اور اس کے پاس تمہارا کم سے کم مصرف تو ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے بھرائے لہجے میں کہا۔

''فتح خان بہت ذلیل اور گھٹیا آدمی ہے۔ اس نے اور اس کے کتوں نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔''

''اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارے ساتھ اس سلوک کا اعادہ نہ ہو تو مجھ سے تعاون کرو ورنہ.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اس کے کمرے سے نکل آیا۔ میں رات کو صرف دو گھنٹے سویا تھا پھر بہت زیادہ بھاگ دوڑ اور قتل و غارت گری نے مجھے ذہنی اور جسمانی طور پر تھکا دیا تھا میں نے بہتر سمجھا کہ کچھ دیر کے لیے سو جاؤں۔ ایاز اور بیتو نیچے کچن میں کھانے میں مصروف تھے۔ صابر کو کھانا اوپر ہی دے دیا تھا۔ میں آ کر لیٹا ہی تھا کہ سفیر کی کال آ گئی۔ وہ برہم تھا میری آواز سنتے ہی چلانے لگا۔

''شہباز تُو واجب القتل ہو گیا ہے تُو نے رات کو بتایا کیوں نہیں؟''

''تو تُو کیا کرتا توپ لے کر آ جاتا۔'' میں نے کہا۔ ''وہی کرتا جو عبداللہ نے کیا۔ ویسے اصل کام ہم کر چکے تھے۔ اس لیے تیرا یا وسیم کا آنا بے کار تھا۔''

''تو کم سے کم بتا تو سکتا تھا۔'' وہ ابھی تک برہم تھا۔

''ضرورت ہوتی تو ضرور بتاتا، بلا وجہ تم دونوں کو پریشان کرنے کا فائدہ نہیں تھا۔ وہ ٹھکانہ تو تباہ ہو گیا لیکن اب ہم پہلے سے بہتر جگہ پر ہیں اور مرشد کے دو آدمی بھی ہاتھ لگے ہیں۔''

سفیر نے روانی سے مرشد کی شان میں قصیدہ گوئی کی جو قطعی ناقابلِ بیان تھی۔ لگتا تھا مونا اس کے آس پاس نہیں ہے ورنہ اس زبان و بیان پر اس کا بیویانہ لیکچر شروع ہو جاتا۔ میں نے اسے مختصراً صبح سے اب تک ہونے والی پیش رفت کے بارے میں بتایا۔ سفیر اور وسیم نے اپنے موبائلز کی سم بدل لی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یار میں نے شہلا کا قصہ نمٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سفیر غالباً اچھل پڑا تھا۔ ''کیا کرے گا، اس کا مرڈر.....؟ پیار سے یا ہتھیار سے؟''

''بکواس نہ کر..... ویسے کرنا تو یہی چاہیے لیکن میں اب پہلے بریف کیس والا معاملہ نمٹا دینا چاہتا ہوں اس کے بعد میری بلا سے یہ جہنم میں جائے۔ میں اب اپنی ساری توجہ مرشد اور فتح خان پر لگانا چاہتا ہوں۔ خاص طور سے مرشد آپے سے باہر ہو گیا ہے اسے کوئی جھٹکا پہنچانا ضروری ہے۔''

''تیری فتح خان سے کیا بات ہوئی ہے؟''

''میں نے اسے بتایا ہے کہ حملہ مرشد کے آدمیوں نے کیا ہے اور ان کی طرف سے مارے جانے والے راکٹ نے شہباز خان اور قسم خان کی جان لی ہے۔ لگ تو ایسا رہا ہے کہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہے اور اب اس کی آتش فشانی کا رخ مرشد کی طرف ہو گا۔''

''وہ مرشد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''خیر اسے مار گولی یہ بتا کہ شہلا کے ساتھ کیا کرنا ہے؟''

''میں نے اسے کل تک کی مہلت دی ہے۔ اس کے بعد میں اسے ایک طرف کر کے خود اس بینک لاکر تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور اس صورت میں شہلا کو فتح خان کے حوالے کر دوں گا۔''

''کیا یہ مناسب ہو گا؟''

''اس جیسی عورت کے لیے تو بالکل مناسب ہو گا۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا اب میں سونے والا ہوں۔ مہربانی کر کے چار گھنٹے سے پہلے کوئی تنگ نہ کرے اور وسیم کو بھی حالات سے آگاہ کر دینا۔''

''میں اور وسیم تیرے پاس آ رہے ہیں۔''

''نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''ابھی تم وہیں ٹھہرو۔''

''اس معاملے میں تیری نہیں سنی ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''اور سنا ہے کوئی نئی مظلومہ ہاتھ آئی ہے اسے بھی تو دیکھنا ہے۔''

''اچھا بھائی دیکھ لے..... لیکن وہ بے چاری سچ مچ مظلوم ہے۔ کل رات اس کا باپ مارا گیا۔''

''ہاں یار تو ہم بھی تعزیت ہی کریں گے۔'' سفیر نے کہا اور کال کاٹ دی مجھے معلوم تھا کہ وہ رکے گا نہیں۔ میں نے فون بند کر دیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ دماغ کسی قدر منتشر تھا اس لیے سونے میں کچھ وقت لگا۔ میں شام تک سوتا رہا سورج غروب ہونے کے بعد بیتو مجھے اٹھانے آ گیا۔

''شوبی اٹھ جاؤ کب تک سوتا رہے گا۔''

میں نے انگڑائی لی۔ ''ٹائم کیا ہوا ہے؟''

''چھ بج رہا ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔ ''سفیر اور وسیم بھائی بھی آ گیا ہے۔''

میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ باہر آیا تو سردی کی شدت میں نمایاں اضافہ محسوس ہوا تھا۔ وسیم، سفیر اور ایاز نیچے لاؤنج میں موجود تھے۔ شاہین حسبِ معمول کچن میں تھی اور اس نے یہ کام ذمے داری سمجھ کر سنبھال لیا تھا۔ میں اندر آیا تو اس نے چائے کا پوچھا۔ ''آپ کے لیے بناؤں؟''

''ہاں بنا دو لیکن شاہین یہ تمہاری ذمے داری نہیں ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''میں یہاں رہ رہی ہوں اور اپنی خوشی سے کر رہی ہوں۔'' اس نے پانی رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ لوگوں نے مجھے اُن بدمعاشوں سے بچایا، میرے بابا کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ یہ مجھ پر آپ کا احسان ہے۔''

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ہمارے لیے ہمہ وقت کچن میں موجود رہو۔''

وہ مسکرائی۔ ''اتفاق سے آپ جب بھی آئے تو میں یہاں پائی گئی لیکن میں تو زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں رہی ہوں۔''

اس نے چائے کا کپ میرے سامنے رکھا تو میں نے کہا۔ ''تم بھی بیٹھو، مجھے تم سے معلوم کرنا ہے تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

اس نے شاید اس بارے میں نہیں سوچا تھا کیونکہ جب میں نے پوچھا تو اس کا چہرہ یک دم بجھ گیا تھا۔ اس نے بے دلی سے کہا۔ ''سچی بات ہے کہ مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کہاں جاؤں۔ میں نے جن اسکول پرنسپل کی بات کی تھی جہاں میں پڑھاتی ہوں۔ اب میں سوچتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ وہ بھی مجھے پناہ نہیں دے سکتی ہیں۔''

''مجھے پہلے بھی یہ ممکن نہیں لگ رہا تھا کیونکہ آج کل لوگ کسی بھی مشکل میں پڑنے کو تیار نہیں ہوتے ہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تمہارا ہمارے بارے میں کیا خیال ہے؟''

وہ گڑبڑائی۔ ''جی کیا مطلب؟''

''مطلب ہم کیسے لوگ ہیں کیا تمہیں ہم سے کوئی خوف محسوس ہوا؟''

''بالکل بھی نہیں۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''آپ سب بہت اچھے ہیں۔ آپ، بیتو بھائی اور ایاز۔''

میں نے نوٹ کیا کہ اس نے بیتو کو تو بھائی کہا تھا لیکن ایاز کو نہیں حالانکہ ایاز عمر میں بیتو سے کہیں بڑا تھا۔

''اگر تمہیں کچھ وقت یہاں گزارنا پڑے تو میرا خیال ہے تمہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ تم آرام سے اپنے آنے والے کل کے بارے میں سوچو اور جو فیصلہ کرو مجھے بتا دو۔ میں اور میرے ساتھی تمہاری جو مدد کر سکے ہم ضرور کریں گے۔''

''میں اس مدد کے لیے آپ کی شکر گزار ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم نے محسوس کر لیا ہوگا کہ ہم عام انسان نہیں ہیں۔ ہمیں خاص حالات درپیش ہیں۔ بہت سارے لوگ ہمارے دشمن ہیں اور وہ ہمارے ساتھ کیا کر سکتے ہیں اس کا ایک نمونہ تم کل رات دیکھ چکی ہو۔ یعنی ہمارے ساتھ رہنا زندگی کا رسک بھی ہے۔''

''میں جان چکی ہوں لیکن میرے پاس آپ لوگوں کے ساتھ رہنے کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔ ''میرا یہاں کوئی نہیں ہے۔ پتا نہیں بابا کی تدفین کس طرح ہوگی۔''

''تم فکر مت کرو ابھی لوگ اتنے بے مروت بھی نہیں ہوئے ہیں کہ ایک شخص کی تدفین بھی نہ کر سکیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

وہ پُر امید نظر آنے لگی۔ ''آپ معلوم کر سکتے ہیں شاید میں آخری بار بابا کو دیکھ سکوں۔''

میں نے ندیم کو کال کی۔ وہ میری آواز نہیں پہچان سکا اور کچھ اور سمجھا تھا۔ ''اوہ بھائی کیوں تنگ کر رہے ہو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گے تمہارا کیس نہیں لینا ہے۔''

''میرا کیس تو تمہارا باپ بھی لے گا۔'' میں نے آواز بدل کر کہا۔

''تو انہیں کے پاس چلے جاؤ میں قبرستان اور قبر کا پتا سمجھا دیتا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ان کے پاس تو تمہیں لے جا کر گاڑھوں گا۔'' اس بار میں نے اصل آواز میں کہا تو ندیم نے پہچان لیا۔

''ابے تو گورکن کی اولاد۔'' وہ چلانے لگا۔ ''میرے بیوی بچوں کے دشمن تیری وجہ سے وہ جلد بیوہ اور یتیم ہو جائیں گے۔''

''ان شاء اللہ..... میرا مطلب ہے کہ اللہ نے چاہا تو نہیں چاہا تو نہیں ہوں گے۔ یہ بتا کچھ ہوا ہے۔''

''یہ پوچھ کہ کیا نہیں ہوا۔'' اس نے بھنائے لہجے میں کہا۔ ''تم لوگ پتا نہیں کیا کرتے پھر رہے ہو لیکن رات کو جی ٹی روڈ پر تباہ ہونے والے مکان کے کیس میں تیرا نام آ گیا ہے اور وہاں ملنے والی لاشیں بھی تیرے کھاتے میں ڈال دی گئی ہیں۔''

میں چونکا تھا۔ ''پولیس کو کس نے بتایا؟''

''بتایا.....؟ ارے بھائی پولیس مرشد کے اشاروں پر ناچ رہی ہے اور اسی نے یہ کام کرایا ہے۔ گواہ بھی ملے ہیں جنہوں نے تجھے اس مکان میں دیکھا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہ ایک کیس اور میرے گلے پڑ گیا ہے۔''

''بیٹے یہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ معاملہ انسداد دہشت گردی کی عدالت تک جائے گا۔ تیرے چھ میں سے چار کیس تو میں نے ختم کرا دیئے ہیں۔ راجا صاحب نے بھی مدد کی ہے لیکن تجھ پر تھانے میں مار پیٹ اور پولیس والوں پر قاتلانہ حملے کا کیس موجود ہے۔ وہ بھی کسی طرح ختم ہو جاتے لیکن یہ نیا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔''

''چل اسے بھی دیکھ لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''اب تُو اپنی بات کر تیرے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

''کیا بات کروں کل شام میرے دفتر میں مرشد کے کتے آئے تھے انہوں نے مجھے تو کچھ نہیں کہا لیکن دفتر کا بیڑا غرق کر دیا اور میرے چپڑاسی کا بازو توڑ کر چلے گئے۔''

میں پریشان ہو گیا تھا کیونکہ مجھے پہلے ہی خدشہ تھا کہ مرشد اب مجھے ہر زاویے سے گھیرنے کی کوشش کرے گا اور میرا اندیشہ درست نکلا تھا۔ ''تجھے کیسے پتا چلا کہ مرشد کے آدمی ہیں۔''

''ایک تو ان کے چہروں پر مرشد جیسی نحوست تھی اور دوسرے انہوں نے خود بتایا۔'' اس نے کہا۔ ''ان کے سرغنہ نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے تمہارے کیس سے دست برداری اختیار نہیں کی تو مجھے زندگی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔''

''ندیم تُو ان کی بات مان لے۔'' میں نے کہا۔

''بکواس نہ کر وہ تو میں تجھ پر بھڑاس نکال رہا تھا۔ میں نے بھی مرشد کی ایسی کم تیسی نہ کر دی تو میرا نام ندیم نہیں۔ میں نے ٹی وی والوں اور اخباری نمائندوں کو بلا لیا تھا اور دفتر پر حملے کو سرکاری غنڈہ گردی ظاہر کیا ہے۔ میں نے بار کونسل میں بھی رپورٹ کر دی ہے تُو جانتا ہے آج کل حکومت اور وکیلوں کی ٹسل چل رہی ہے۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں نے مرشد کا نام نہیں لیا ہے، میرے دفتر میں خفیہ کیمرا لگا ہے اس نے آنے والوں کی تصاویر اتاری ہیں۔ یہ فوٹیج بھی ٹی وی والوں کو دے دی ہیں۔''

''یہ تو نے اچھا کیا کہ مرشد کا نام نہیں لیا لیکن میں پوری سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ مرشد ان دنوں فرعون بنا ہوا ہے۔ کل رات کا واقعہ اس کی طرف سے مجھے ختم کرنے کی کوشش تھی لیکن میری قسمت اچھی تھی اس کے ساتھی مارے گئے اور ہم بچ نکلے۔''

''کب تک بچتے رہو گے؟'' ندیم نے سرد آہ بھری۔

''جب تک اللہ چاہے گا۔ میرا مشورہ مان لے عارضی طور پر ہی میرے کیسز سے دست بردار ہو جا کیونکہ اب میں نے معاملہ عدالت سے باہر نمٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''تیرا ارادہ کیا ہے؟''

''تجھے بعد میں بتاؤں گا۔'' میں نے اسے ٹال دیا۔ ''ابھی تجھ سے ایک کام ہے۔ کل رات ایک اور جگہ بھی کچھ لوگ مارے گئے ہیں وہاں گھر سے ایک بزرگ آدمی کی لاش بھی ملی ہوگی۔''

''ہاں میں نے شاید ٹی وی میں دیکھا ہے۔''

''معلوم کرو کہ اس بزرگ کی تدفین کون کر رہا ہے اور کب کر رہا ہے؟''

''معلوم ہو جائے گا لیکن اس قسم کے کام عام طور سے مخیر حضرات ہی کرتے ہیں۔''

''وہ لاوارث نہیں ہے، اسکول ہیڈ ماسٹر ہے اور محلے میں اس کا ذاتی مکان ہے میرا خیال ہے یہ کام اس کے ساتھی اور محلے والے مل کر انجام دیں گے لیکن مجھے معلوم کر کے بتا۔''

''ٹھیک ہے تُو کہتا ہے تو معلوم کر لیتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

بیوی بچوں کا حال احوال معلوم کر کے میں نے موبائل بند کیا۔ شاہین رو رہی تھی۔ میں اسے تسلی دینا چاہتا تھا لیکن مجھے خواتین کو تسلی دینے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے ایک گلاس پانی اس کے سامنے رکھ دیا۔ اسے پی کر اس نے آنسو صاف کیے۔ ''کاش میں آخری بار بابا کو دیکھ سکتی۔''

''یہ ممکن تو ہے لیکن اس کا امکان ہے کہ استاد فانا کے بچے کچے آدمی انتقام کے چکر میں وہاں موجود ہوں گے اور تمہارے لیے خطرہ ہوگا۔''

وہ چپ ہو گئی لیکن پھر اس نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں میرا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''تم اپنے بابا کا زندگی والا چہرہ یاد رکھو، کیا فائدہ ان کو کفن میں لپٹے دیکھنے کا۔ ان کے لیے دعا کرو۔''

اس نے چہرہ صاف کیا۔ ''میں مسلسل ان کے لیے دعا کر رہی ہوں۔''

مجھے خیال آیا کہ اگر میں اسے عبداللہ والی کوٹھی پر بھجوا دوں تو وہ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے تک وہاں رہ سکتی تھی۔ ممکن ہے عبداللہ اس کے لیے کسی ملازمت کا بندوبست کر دیتا۔ میں نے شاہین سے کہا۔ ''میرے دو ساتھیوں کی بیویاں بھی ہیں اور وہ ایک جگہ رہتی ہیں۔ یہاں تم اکیلی لڑکی ہو اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ وہاں تمہیں تنہائی کا احساس بھی نہیں ہوگا اور وہ جگہ محفوظ بھی ہے۔''

''اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو مجھے وہاں جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' شاہین نے کہا پھر اس نے کسی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فرقوس سے پوچھا۔ ''یہ لوگ آپ کے دشمن کیوں ہیں؟''

''یہ ایک لمبی کہانی ہے یوں سمجھ لو کہ میرے دشمن فرعون صفت ہیں اور میں ان کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

''آج کل ہر طرف ایسے ہی فرعون ہیں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔ ''جن کا مطالبہ یہی ہوتا ہے کہ سامنے والا ان کے سامنے جھک جائے اور ان کی ہر جائز اور ناجائز بات مانتا جائے ورنہ وہ اس سے جینے کا حق بھی چھین لیں گے۔''

''اس کی وجہ ہے لوگوں نے اپنے حق کے لیے ڈٹ جانا چھوڑ دیا ہے اور ہر فرعون کے سامنے جھک جاتے ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جب تک ان فرعونوں کے سامنے کوئی کھڑا نہیں ہوگا یہ اسی طرح دھرتی کا سینا حرام کر کے رکھیں گے۔''

''میں نے یہی کیا ہے اور یہی میرا قصور ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تم تیار ہو تو میں ابھی تمہیں بھجوا دیتا ہوں۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔'' اس نے کہا اور چائے کے برتن دھونے کے لیے سنک میں رکھنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ یہاں سے جانے پر دل سے آمادہ نہیں تھی لیکن وہ یہ بات ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں نے باغ میں آتے ہوئے عبداللہ کو کال کی اور اسے شاہین کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا۔ ''جناب میں خود آپ سے یہی کہنا چاہ رہا تھا کسی غیر متعلقہ فرد کا وہاں رہنا درست نہیں ہے۔ میں ابھی آدمی بھیج رہا ہوں آپ شاہین کو اس کے ساتھ روانہ کر دیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے تم اپنا آدمی بھجوا دو۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ تم میرے وکیل ندیم کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''بہت اچھی طرح جناب، ایک بار ان سے ملاقات بھی ہوئی ہے۔ آپ کے کیسز کے سلسلے میں اور راجا صاحب کی خواہش تھی کہ وہ یہاں ان کے قانونی معاملات دیکھیں لیکن ندیم صاحب نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے معذرت کر لی تھی۔''

ان باتوں کا مجھے علم نہیں تھا۔ ''یار کل ندیم کے دفتر پر حملہ ہوا ہے اور مرشد کے آدمیوں نے وہاں ہنگامہ کر دی کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے گھر دفتر اور آنے جانے کے لیے حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔''

''ہو جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''میرے آدمی براہ راست تو ان کی حفاظت نہیں کریں گے لیکن وہ دور سے ان پر نظر رکھیں گے اور دفتر کے لیے میں ایک اچھی سیکورٹی ایجنسی کے گارڈ بھجوا دیتا ہوں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' میں نے کہا۔

ندیم سے ہونے والی گفتگو نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ مرشد ایک بار پھر مجھ سے متعلقہ افراد کو ٹارگٹ کر رہا تھا۔

میں نے حویلی کال کی۔ ماں جی اور بابا سے بات ہوئی میں نے بابا کو بتایا کہ آج کل بہت محتاط رہیں۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پھر میں نے رفیق بھائی کے گھر کال کر کے آپا اور شمی سے بات کی۔ شمی بہت خوش تھی کیونکہ عتیق تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے ایک بار پھر دھند چھا رہی تھی۔ میں اندر آیا تو وسیم، سفیر اور ایاز آپس میں گپ شپ کر رہے تھے۔ ایاز اپنی ابتدائی جھجک پر قابو پا کر پوری طرح ہمارے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ بیتو ایک طرف آئی فون لیے بیٹھا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی یہ تو بہت مزے کا ہے۔''

''اس میں انٹرنیٹ بھی ہے تمہیں استعمال کرنا سکھاتا ہوں۔'' میں نے اس سے آئی فون لیا اور اسے انٹرنیٹ استعمال کرنے کے طریقے سکھانے لگا بیتو کی تعلیم زیادہ نہیں تھی لیکن بنیادی طور پر وہ بہت ذہین لڑکا تھا تب ہی اس نے بہت تیزی سے خود کو شہری ماحول میں ڈھال لیا تھا آدھے گھنٹے میں وہ انٹرنیٹ استعمال کرنا سیکھ چکا تھا حالانکہ کسی کمپیوٹر کے مقابلے میں آئی فون میں انٹرنیٹ ذرا مشکل ہوتا ہے۔

''شہباز ان دونوں نمونوں کا کیا کرنا ہے؟'' سفیر نے پوچھا تو میں ان کے پاس آ بیٹھا۔ اس کا اشارہ مرشد کے آدمیوں کی طرف تھا۔

''انہیں مرشد کے خلاف استعمال کرنا ہے۔''

ایاز نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ مرشد کو نعوذ باللہ خدا کے درجے پر رکھتے ہیں وہ کسی صورت اس کے خلاف ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔''

''ایسا نہیں ہے یار، مرشد کو قریب سے جاننے والے جانتے ہیں وہ انسان تو کیا شیطان کہلانے کا مستحق بھی نہیں ہے۔ ابھی یہ صرف بڑھک مار رہے ہیں ذرا ان کو زخمی حالت میں بھوک پیاس کی مار سہنے دو اس کے بعد دیکھنا۔''

وہ سب جاننے کے لیے بے چین تھے کہ آج میں نے کیا کیا۔ میں سفیر کو مختصراً بتا چکا تھا۔ اس لیے اب ذرا تفصیل سے انہیں بتایا پھر شہلا کے بارے میں اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ ''میں جلد از جلد اس سے چھٹکارا پا لینا چاہتا ہوں۔''

''ہاں بھیا۔'' سفیر نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کہیں ہمیشہ کے لیے گلے نہ پڑ جائے کتنے سکون سے یہاں رہ رہی ہے۔''

''رات کو کپڑے اتار کر سوتی ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' میں نے پوچھا تو وسیم جھینپ گیا۔

''وہ ایک رات اس کے کمرے میں گیا تھا، مجھے کیا معلوم تھا کہ اتنی دلیر عورت ہے کسی کی قید میں اس طرح سارے کپڑے اتار کر سو سکتی ہے۔''

ایاز مسکرانے لگا۔ ''میں نے دیکھا تھا وسیم صاحب یوں کمرے سے باہر آئے جیسے انہوں نے اندر کوئی شیر دیکھ لیا ہو۔''

وسیم ہنسا۔ ''ایسی عورت کو آدم خور شیرنی ہی سمجھو۔''

ایاز نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''شہباز صاحب آپ نے مرشد کو جواب دینے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''سچی بات ہے کہ ابھی کچھ نہیں سوچا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے بھی میں پہلے بریف کیس حاصل

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کرنا چاہتا ہوں۔''

''اگر آپ کہیں تو میں مرشد پر کام کروں۔ وہ اور اس کے آدمی مجھے نہیں جانتے ہیں۔''

''کیا کام کرو گے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''آغاز ان دونوں سے کروں گا اور ان سے جو معلومات ملے گی اس کی روشنی میں آگے دیکھوں گا۔'' اس نے اپنی حکمتِ عملی بیان کی۔

''ایاز ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سفیر نے اس کی تائید کی۔ ''اب ہم پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہیں اس لیے ہم سب کو ایک ہی کام کرنے کے بجائے الگ الگ ٹاسک بانٹ لینے چاہئیں۔''

''ٹھیک ہے ایاز یہ کام تمہارے سپرد ہے۔ تم بیتو کو اپنے ساتھ رکھو، میں وسیم اور سفیر مل کر شہلا والا معاملہ دیکھتے ہیں۔''

''بس تو پھر ابھی دیکھتے ہیں۔'' ایاز کھڑا ہو گیا۔ ''ویسے بھی ہاتھ پاؤں چلانے کو دل چاہ رہا ہے۔''

''ہمارا بھی۔'' بیتو نے موبائل رکھ دیا اور ایاز کے ساتھ چلا گیا۔

کچھ دیر میں عبداللہ کا آدمی آ گیا تھا۔ میں نے شاہین کو اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ وہ کچھ ہچکچائی تھی لیکن پھر میرے کہنے پر چلی گئی۔ ابھی اسے ہمارے پاس آئے پورا ایک دن بھی نہیں ہوا تھا لیکن وہ ہم پر اعتماد کرنے لگی تھی۔ یہ اعتماد ہی تھا ورنہ وہ میرے کہنے پر ایک اجنبی کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوتی۔ بیتو اور ایاز مرشد کے آدمیوں کے ساتھ مصروف تھے اور بعض اوقات ان کی مصروفیت کی آوازیں کمرے سے باہر بھی سنائی دیتی تھیں۔ میں نے سفیر سے کہا۔

''چل یار کہیں سے کھانے کو کچھ لے آتے ہیں۔''

وسیم نے فریاد کی۔ ''میں نے کیا قصور کیا ہے؟''

''یار کسی کو تو یہاں ہونا چاہیے۔''

''ایاز ہے، بیتو ہے اور صابر بھی ہے۔''

''صابر سو رہا ہے۔'' سفیر نے اسے آگاہ کیا۔ ''وہ کل رات سے جاگا ہوا تھا۔''

''شہلا کی نگرانی بھی ضروری ہے اگرچہ وہ کمرے میں بند ہے لیکن اس جیسی عورت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ وہ فرار کی کوشش کر سکتی ہے۔ میں نے اسے کل تک کی مہلت دی ہے۔''

مجبوراً وسیم رکنے کو تیار ہو گیا تھا۔ میں اور سفیر باہر نکلے۔ احتیاطاً ہم نے کچھ اسلحہ ساتھ رکھ لیا تھا کیونکہ اب دشمن سے واسطہ معمول کی بات بن چکی تھی۔ بلکہ اب دشمنوں سے سامنا نہ ہو تو حیرت ہوتی تھی۔ دشمن نہ ملتے تو دشمن جیسے کچھ لوگ مل جاتے تھے جیسا کہ شاہین کے کیس میں ہوا تھا۔ بہر حال شدت کی سردی اور ہلکی سی دھند میں امکان کم تھا کہ ہمارا دشمنوں سے واسطہ پڑتا۔ ہم اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے سفیر سے پوچھا۔

''کل کیا رہا؟''

وہ خوش نظر آنے لگا۔ ''میرے رک جانے سے مونا خوش تھی، واقعی یار ان عورتوں کو ہماری توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سعدیہ تو دیکھنے والی ہو رہی تھی۔ تُو نے بہت نیکی کا کام کیا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔''

''کب؟'' سفیر ہنسا۔ ''ہمیں آئے ہوئے دس دن بھی نہیں ہوئے ہیں۔''

ہم اسلام آباد پہنچے تو مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ اس بینک کا معائنہ کر لیا جائے جہاں پروفیسر نفیس کا لاکر موجود تھا۔ یہ بینک اسلام آباد میں ہی تھا۔ میں نے سفیر سے کہا تو وہ مان گیا اور مجھے خبردار کیا۔ ''لیکن صرف معائنہ کرنا ہے کوئی پنگا نہیں لینا ہے۔''

''میں پنگا نہیں لیتا ہوں پنگا خود مجھے لیتا ہے۔'' میں نے گاڑی کا رخ بینک کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ یہ ایک کمرشل ایریا تھا لیکن رات ہوتے ہی محاورے کے مطابق یہاں اُلو بولنے لگتے تھے۔ اسلام آباد میں ہی سرِشام سب بند ہو جانے کا رواج ہے۔ سردیوں میں اور بھی جلدی سب بند ہو جاتا ہے۔ ایسا کچھ یہاں بھی تھا۔ اس بینک کے ساتھ اے ٹی ایم بھی تھا۔ اس زمانے میں اے ٹی ایم بینک کی عمارت سے باہر ہوتے تھے یا اگر عمارت میں ہوتے تھے تب بھی ان کا مشین والا حصہ باہر ہوتا تھا۔ یہ بھی کچھ اسی قسم کا اے ٹی ایم تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔

''میں رقم نکالنے کے لیے جا رہا ہوں تم ذرا اندر سے جائزہ لیتے رہو۔'' میں کہتے ہوئے اترا اور اے ٹی ایم کی طرف بڑھا۔ وہاں ایک گارڈ بینک کے بند دروازے کے سامنے موجود تھا۔ میں نے مشین میں کارڈ ڈالا اور رقم نکالنے لگا۔ مجھے رقم کی ضرورت نہیں تھی میں صرف بینک کی عمارت کو پاس سے دیکھنا چاہتا تھا۔ رقم نکال کر میں نے گارڈ سے ہاتھ ملا کر کہا۔

''اگر اے ٹی ایم کے ساتھ مسئلہ ہو جائے تو آدمی کس سے بات کرے؟''

''کیسا مسئلہ صاحب؟''

''جیسے رقم نہ نکلے تو؟''

''ادھر بینک میں ایک رات کا آدمی ہوتا ہے وہ مسئلہ دیکھتا ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''کیا آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟''

''نہیں لیکن ہو بھی سکتا ہے میں یہاں پاس رہتا ہوں اس لیے اکثر اس اے ٹی ایم سے رقم نکلواتا ہوں۔'' میں نے کہا اور جانے کے لیے مڑا تھا کہ ایک بڑی کار آ کر ہماری جیپ کے پیچھے رکی۔ خوش قسمتی سے میں بینک کے سامنے رکھے ایک بڑے آرائشی گملے کے پیچھے تھا جس میں بڑا سا پودا لگا تھا۔ کیونکہ کار سے اترنے والا شخص فاضلی تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید آج کسی دشمن سے سامنا نہ ہو لیکن میری قسمت میں لکھا تھا میں جہاں جاؤں وہاں اپنی جان کے کسی نہ کسی گاہک کو سامنے پاؤں۔ اسے دیکھ کر پہلا خیال یہی آیا کہ وہ ہمارا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہے لیکن اس نے خود اس اندیشے کی تردید کر دی۔ اس نے کار کے اندر کسی سے کہا۔

''ٹھیک ہے حرامزادی پہلے تیرا معاوضہ تیرے منہ پر مارتا ہوں۔''

فاضلی کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سخت مشتعل ہے اس نے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور اے ٹی ایم کی طرف آیا۔ وہ گملے کے ایک طرف سے گزرا اور میں دوسری طرف سے سڑک کی طرف آیا۔ میں نے کار سے چہرہ مخالف سمت میں رکھا تھا۔ ممکن ہے وہاں بھی میرا کوئی چہرہ شناس ہو۔ جو نظر بھی قیامت کی رکھتا ہو۔ اتنی کم روشنی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ا ر ا ھا ہیں بھی مجھے پہچان جائے۔ حالانکہ کار کے شیشے بھی تاریک تھے۔ یہ بڑی سائز کی لیکن پرانے ماڈل کی
ا ھی میں جیپ میں گھسا اور سفیر سے کہا۔ ''تو نے دیکھا اس حرامی کو؟''
ہ د شیشوں کے پیچھے اسے فاضلی کی آواز نہیں آئی تھی۔ میں نے اسے فاضلی کے بارے میں بتایا تو وہ فکر
ہ ہ گیا۔ ''شہباز یہاں سے نکل، اس سے پہلے یہ بھی تجھے دیکھ لے۔''
''اتنی جلدی کیا ہے یار۔'' میں نے جیپ اسٹارٹ کی۔ ''جب ایک دشمن سامنے آ ہی گیا ہے تو ذرا دیکھتے
ا ں ہ ر لیا رہا ہے۔ کار میں کوئی خاتون ہے جس کی ولدیت پر فاضلی نے شک کیا ہے اور اس کا معاوضہ پیشگی
ا ہ ا اعلان کیا ہے غالباً اسی لیے وہ اے ٹی ایم کی طرف گیا ہے۔''
فاضلی کی بات سے یہ تو ظاہر تھا کہ اس کی کار میں کوئی کال گرل قسم کی چیز تھی لیکن وہ اسے کہاں لے جا رہا
تھا اور اس کے لیے لے جا رہا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ فاضلی میرے سامنے تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ
ا ے اٹھا لوں۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ فاضلی عجلت میں واپس آیا۔ وہ کار میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اس کا
ط اب تھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی اور تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی کار آگے بڑھ گئی تھی۔ جب وہ اتنی آگے نکل گئی کہ
اس کی عقبی سرخ روشنیاں بھی مدہم پڑ گئی تھیں تو میں نے جیپ آگے بڑھا دی۔ دھند کی وجہ سے کار بمشکل ہی نظر آ
ر ہی تھی۔ سفیر مجھ سے متفق نہیں تھا۔ اس نے کہا۔
''دیکھ بھائی یہ حرامی پہلے بھی تیرے ساتھ یہ کھیل کھیل چکا ہے۔ جب تیرے ساتھ ساتھ مرحومہ زرین
تھی۔ مجھے لگ رہا ہے یہ اب بھی اسی طرح تجھے پیچھے لگا کر لے جا رہا ہے۔''
سفیر کی بات قابلِ غور تھی لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ اس بار معاملہ مختلف ہے۔ ''نہیں یار وہ چکر دوسرا تھا۔ پھر
وہ میری پوری طرح نگرانی کر رہے تھے اور میری بدقسمتی کہ ان سے بچنے کے چکر میں ڈاکٹر توفیق جیسے ننگ
انسانیت کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔''
''اوہ بھائی یہ بھی اس کی کوئی چال ہو سکتی ہے۔ ایسا نہ کہ ہم پھنس جائیں اور واپسی کا راستہ بھی باقی نہ
رہے۔''
''یار حوصلہ رکھ..... دشمن اتنا خطرناک یا عقل مند نہیں ہوتا ہے جتنا ہم اسے سمجھ لیتے ہیں۔'' میں نے رفتار
بڑھاتے ہوئے کہا۔
سفیر بھنا گیا تھا۔ ''لیکن دشمن کو بے وقوف یا کم تر سمجھنا بھی بے وقوفی ہوتی ہے۔''
''تو اسلحہ تیار کر تاکہ ضرورت پڑے تو ہم فوری طور پر استعمال کر سکیں۔'' میں نے اپنا پستول چیک کیا۔
عقبی نشست کے نیچے پائیدان میں کپڑے میں لپٹی دو چھوٹی خودکار رائفلیں تھیں۔ یہ سنگل موڈ پر فائر کرنے کے
ساتھ ساتھ تین گولیوں کا برسٹ بھی مارتی تھیں۔ سفیر نے سمجھ لیا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں اور ابھی اس کی بات
نہیں سنوں گا۔ بادلِ ناخواستہ اس نے رائفل نکالی۔ پستول اس کے پاس پہلے بھی تھا۔ فاضلی والی کار ہم سے کوئی
سو گز آگے جا رہی تھی۔ اسلام آباد کی سڑکوں پر روشنیاں تیز تھیں اگر میں جیپ کی ہیڈ لائٹس بند کر دیتا تب بھی
امکان تھا کہ وہ جیپ دیکھ لیتے اور اس صورت میں مشکوک ہو جاتے کیونکہ رات اور دھند میں کوئی ہیڈ لائٹ بند
کر کے ڈرائیو نہیں کرتا ہے۔ اس لیے روشن ہیڈ لائٹ رکھنا میری مجبوری تھی۔ کچھ دیر میں کار اسلام آباد کے ایک

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کم آباد سیکٹر کی طرف مڑ گئی۔ یہاں سرکاری افسران، سیاست دانوں، ججوں اور میڈیا سے تعلق رکھنے والے افراد کو پلاٹ الاٹ کیے گئے تھے۔ اس وقت یہاں آبادی کم تھی۔ سڑکیں پختہ تھیں لیکن اسٹریٹ لائٹس کم تھیں۔ کوٹھیاں دور دور بنی تھیں۔ میں نے جیپ کی رفتار سُست کر دی اور متوازی سڑکوں سے گزرنے لگا۔ یعنی دوسری سڑک سے کار پر نظر رکھنے لگا۔ سفیر نے خبردار کیا۔

''آگے کہیں راستہ بند ہو گیا تو یہ نکل جائیں گے۔''

''اس علاقے میں کہیں ڈیڈ اینڈ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ فاضلی والی کار برابر والی سڑک سے گزر رہی تھی اس کی روشنیاں میری رہنمائی کر رہی تھیں۔ پھر ایک کوٹھی کے عقب سے گزر کر میں آگے نکلا تو خلافِ توقع کار نظر نہیں آئی اور نہ اس طرف روشنیاں دکھائیں دیں۔

''میرا خیال ہے وہ اس کوٹھی میں چلی گئی۔'' سفیر نے اس کوٹھی کی طرف اشارہ کیا جس کا منہ دوسری سڑک کی طرف تھا اور پشت اس سڑک کی طرف تھی جس پر ہم تھے۔ درمیان میں ایک پلاٹ بھی تھا۔ سفیر ٹھیک کہہ رہا تھا کیونکہ اس کوٹھی سے آگے وہ کار نہیں آئی تھی واپسی کا سڑک دور تک صاف نظر آ رہا تھا اگر وہ پلٹ جاتی تب بھی دکھائی دیتی۔ میں نے اس سے کہا۔

''چیک کرنا ہوگا۔''

''کیسے کرو گے۔'' سفیر نے کوٹھی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کی ساخت دیکھ رہے ہو ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی قلعہ ہو۔''

واقعی کوٹھی کی ساخت قلعہ نما تھی۔ اس کی چار دیواری دس بارہ فٹ اونچی تھی اور پھر اس پر تین فٹ کی دوہری خاردار تار لگی تھی۔ دس دس فٹ کے فاصلے سے پول تھے جن پر تیز روشنی والے بلب روشن تھے۔ ان سے احاطہ اور اس کے باہر کا حصہ یکساں طور پر روشن ہو رہے تھے۔ یہ انتظامات ظاہر کر رہے تھے کہ کوٹھی میں کوئی اہم شخصیت ہے۔ میرے اور سفیر کے ذہن میں ایک ہی نام آیا تھا میں نے کہا۔ ''کہیں یہاں.....''

''مرشد تو نہیں ہے؟'' سفیر نے بات مکمل کی۔

لیکن میں نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ ''مرشد قلعہ نما مرشد ہاؤس میں زیادہ محفوظ ہے۔ اسے یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت تو ہے بھائی۔'' سفیر کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''فاضلی ضرورت کا سامان لے کر آیا ہے۔''

''مرشد کو عورتوں کی کمی تو نہیں ہے۔''

''بھائی کس دنیا میں ہو، جو شخص ایک عورت پر گزارا کرنا نہیں جانتا ہو اس کا گزارا ساری دنیا کی عورتوں سے بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ بات عمل کی نہیں نیت کی ہے۔ اب یہ ہر شخص کی استعداد پر ہے کہ وہ آوارگی میں کہاں تک جا سکتا ہے۔'' سفیر نے بات کی اور پتے کی کی۔ واقعی مرشد جیسے لوگوں کی ہوس کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے ان کو ساری دنیا کی دولت اور آسائشیں بھی مطمئن نہیں کر سکتی ہیں یہی معاملہ صنفِ نازک کے سلسلے میں تھا۔ میں نے کہا۔ ''اس کا پتا چل جائے گا۔''

''وہ کیسے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے موبائل نکالتے ہوئے کہا اور عبداللہ سے رابطہ کیا۔ ''عبداللہ شہباز بات کر رہا ہوں۔''

''جناب حکم فرمائیں۔'' اس نے میرے لہجے سے اندازہ کر لیا تھا۔

''ایک کوٹھی ہے۔'' میں نے کہا اور عبداللہ کو اس کا ممکنہ پتا سمجھایا۔ ''میں چاہتا ہوں اس کی مکمل نگرانی کی جائے اور اس سے جو شخص نکلے اس کا تعاقب کیا جائے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔'' اس نے کہا۔ ''کیا آپ خود وہاں موجود ہیں؟''

''ہاں میں یہیں ہوں۔''

''بس تو میں آ رہا ہوں۔''

میں نے کال کاٹ کر وسیم کو کال کی اور اسے صورتِ حال کے بارے میں بتایا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں مرشد یا اس کے کسی اہم آدمی کا ٹھکانہ معلوم ہو گیا ہے۔''

''مرشد کا تو مشکل ہے۔'' وسیم نے کہا اس معاملے میں وہ میرا ہم خیال تھا۔ ''لیکن یہ ممکن ہے نادر یا مرشد کے خاندان کا کوئی اہم فرد ہو۔''

''واقعی ایسا بالکل ممکن ہے۔ کم سے کم کوٹھی کے حفاظتی انتظامات سے لگ رہا ہے کہ اس میں کوئی اہم شخصیت ہے۔''

''شہباز صاحب پاکستان واپسی کے بعد سے میں غور کرتا رہا ہوں کہ ہمیں دشمن کو کس طرح اس حد تک مجبور کر دینا چاہیے کہ وہ امن کی طرف آنے پر راضی ہو جائے۔ میں نے ایک پلان بنایا ہے۔ ہمیں دشمن کے خلاف اہل ٹپ کام کرنے کے بجائے ایک باقاعدہ پلان کے تحت کام کرنا چاہیے۔ ہمیں تربیت یافتہ افراد اور جدید آلات کی مدد سے ایک مرکزی کمانڈ سینٹر بنانا چاہیے۔ آپ آتے ہیں تو اس پر بات کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ہم آتے ہیں تو اس پر بات کرتے ہیں۔''

عبداللہ اپنے آدمیوں اور ضروری سامان کے ساتھ آدھے گھنٹے میں آ گیا تھا۔ میں نے اسے کوٹھی دکھائی اور تمام معلومات فراہم کیں۔ فاضلی کے بارے میں سن کر وہ پُرجوش ہو گیا تھا۔ ''کیوں نہ فاضلی کو اٹھا لیا جائے؟''

''یہ کام بھی کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اسے اٹھانے میں کوئی ہنگامہ نہ ہو۔'' میں نے کہا۔

''نہیں ہو گا۔'' عبداللہ نے یقین سے کہا۔ ''شہباز صاحب اس معاملے میں مجھے وسیم صاحب کی مدد درکار ہے وہ بہت تجربے کار آدمی ہیں انہوں نے کل بھی مجھے بہت کچھ بتایا ہے۔''

''ہاں ایک زمانے میں اس کا گروپ تھا جس میں بہترین لڑاکے تھے۔ وہ سب میری وجہ سے ختم ہو گیا اور اب وہ اکیلا میرا ساتھ دے رہا ہے۔''

''ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''لیکن اب میرے لیے دوسری چیزوں کے ساتھ اپنے آدمیوں کو دیکھنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں تم پر واقعی بوجھ ہے۔ تم ہر طرح کے انتظامات بھی دیکھتے ہو اور پھر تمہیں اپنے آدمیوں کو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھی استعمال کرنا پڑتا ہے جب کہ یہ فل ٹائم کام ہے۔"

"بس تو آپ وسیم صاحب سے درخواست کریں کہ وہ یہ کام سنبھال لیں اور میرے پاس تمام موجود تمام آدمی ان کے انڈر ہوں گے۔ وہ تجربے کار آدمی ہیں ایک باقاعدہ سیٹ اَپ بھی بنا سکتے ہیں جس کی وجہ سے کارروائیوں میں آسانی ہوگی۔"

مجھے حیرت ہوئی تھی ابھی چند لمحے پہلے وسیم نے مجھ سے یہ بات کی تھی اور اب عبداللہ بھی یہی کہہ رہا تھا۔

"میں اسے کہتا ہوں مجھے یقین ہے وہ خوشی سے راضی ہو جائے گا۔"

عبداللہ نے دبی زبان میں کہا۔ "لیکن آپ یا کوئی اور یہ نہ سمجھے کہ میں اپنی ذمے داریوں سے جان چھڑا رہا ہوں۔ آپ حکم دیں تو میں سب کرنے کو تیار ہوں۔"

میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ 'عبداللہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تم میرے لیے وسیم اور سفیر کی طرح ہو۔ ہم سب ایک جان ہیں کوئی کسی سے الگ نہیں ہے اگر تم یہ بات مجھ سے کہنے کے بجائے وسیم سے کہتے تو وہ بخوشی تمہاری بات مان لیتا اور تمہیں سن کر حیرت ہوگی ابھی تمہارے آنے سے پہلے وسیم سے میری بات ہوئی ہے تو اس نے بھی یہی بات کی ہے۔"

عبداللہ خوش ہو گیا۔ "مجھے یقین ہے اب کام بہت بہتر انداز میں ہوگا کیونکہ وسیم صاحب اس فیلڈ کے ماہر ہیں۔ میرے پاس موجود ہر فرد اور تمام وسائل ان کے لیے حاضر ہیں۔"

میں نے عبداللہ کو کوشی دکھائی۔ "اس کی نگرانی اس طرح کرنی ہے کہ اندر موجود افراد کو شک نہ ہو۔"

"میرے آدمی یہ کام کر لیں گے۔" عبداللہ نے کہا۔ اس کے ساتھ تین آدمی آئے تھے اور ان میں سے دو کے پاس بائیک تھی۔ یعنی ان کو کسی کا تعاقب کرنا پڑتا تو یہ اس کے لیے بائیک تھیں۔ میں اور سفیر واپس روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک ریستوران سے کھانا پیک کروایا۔ بیتو کو مدِنظر رکھتے ہوئے کچھ باربی کیو لیا اور آدھے گھنٹے بعد اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ دوپہر کا کھانا کھائے دیر ہو چکی تھی اور سب کا بھوک سے برا حال تھا اس لیے سب نے پہلے کھانا کھایا۔ بیتو جا کر شہلا کو بھی کھانا دے آیا تھا۔ وہ کئی بار کھانے کے لیے شور کر چکی تھی اور اس نے ڈبل روٹی جیسی کوئی چیز کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

کھانے کے بعد میں نے وسیم کو عبداللہ کی درخواست کے بارے میں بتایا تو وہ خوش ہو گیا۔ "میں بھی کچھ کرنا چاہ رہا ہوں مجھے بیٹھے بیٹھے زنگ لگ رہا ہے۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب مجھے پرانے روپ میں آجانا چاہیے اسی طرح میں درست طور پر آپ کے کام آسکوں گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اب ہمیں کام بانٹ لینے چاہئیں اس طرح ہم تمام سمتوں پر توجہ دے سکیں گے۔"

"میں نے عبداللہ کا کام دیکھا ہے وہ محنتی اور مخلص ہے لیکن اسے لڑنے والے لوگوں سے کام لینا نہیں آتا ہے اور نہ وہ ان کی تربیت کر سکتا ہے۔"

"اسی وجہ سے اس نے تم سے کہا ہے۔ اب یہ اتفاق ہے کہ تم نے ذرا دیر پہلے ہی مجھ سے اس بارے میں بات کی تھی۔" میں نے کہا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سب اپنے کاز کے لیے سوچ رہے ہیں اور جب سب مخلص ہوں تو سب کے ذہن میں ایک ہی بات آتی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں ایک کمانڈ سینٹر بنانا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے تم اس بارے میں عبداللہ سے بات کرو اس نے اپنے تمام آدمی اور وسائل تمہارے حوالے میں دینے کو کہا ہے۔'' میں نے کہا اور وسیم کو اس کوٹھی کے بارے میں بتایا جس میں فاضلی کسی کال گرل کو لے کر گیا تھا۔ ''تم سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرو کہ کوٹھی میں کون ہے۔ جب یہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنا اگلا لائحہ عمل طے کر سکتے ہیں۔''

''میں ابھی سے اس کام کو دیکھتا ہوں۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں نے مرشد جیسے دشمن سے نمٹنے کے جو پلان بنایا ہے اس میں سب سے پہلے تربیت یافتہ بااعتماد افراد کا ایک گروپ تیار کرنا ہے جو لڑنے اور مرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ ان کی مدد سے دشمن کے اہم افراد اور ٹھکانوں کا پتا چلانا اور ان کو تباہ کرنا شامل ہے۔ یہ تمام کام ایک کمانڈ سینٹر کے تحت ہوں گے۔ اس طرح ہم مرشد جیسے بڑے دشمن کے گرد گھیرا تنگ کرتے جائیں گے اور بالآخر اس سے چھٹکارا پالیں یا کسی طرح سے اسے مجبور کر دیں گے۔''

''پلان اچھا ہے اب اس پر عمل کرنا ہوگا۔'' سفیر بولا۔

''میں عمل کے لیے تیار ہوں۔'' وسیم کھڑا ہو گیا۔

''بس تو تم روانہ ہو جاؤ۔'' میں نے کہا اسے جیپ کی چابی دے دی اور اے ٹی ایم کارڈ دے دیا۔ وسیم روانہ ہو گیا۔ میرے ساتھی خود حرکت میں آ رہے تھے اور انہوں نے ایک ایک کر کے ذمے داریاں لینا شروع کر دی تھیں۔ میں اکیلا عبداللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اتنے سارے کام نہیں نمٹا سکتا تھا۔ اب رفتہ رفتہ کاموں میں آسانی آ رہی تھی کیونکہ سب نے ذمے داریاں بانٹ لی تھیں۔ ایاز اور بیتو نے مرشد کے آدمیوں سے تفتیش کی تھی اور مجھے اس کے نتائج بتانے کے لیے بے چین تھے۔ ایاز نے کہا۔

''جناب یہ بہت ڈھیٹ لوگ ہیں لیکن جمیل نے ایک کام کی بات اُگلی ہے۔ پچھلے دنوں ایک معروف صحافی خاتون راحیلہ کا مرڈر ہوا تھا۔ پولیس نے تفتیش کے بعد اس کے شوہر کو گرفتار کر لیا اور اس پر ابھی کیس چل رہا ہے لیکن جمیل کا کہنا ہے کہ جس دن راحیلہ کی لاش ملی اس سے ایک دن پہلے وہ مرشد ہاؤس میں دکھائی دی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق راحیلہ کو کئی افراد نے زیادتی کا نشانہ بنایا تھا اور پھر بے رحمی سے گلا دبا کر قتل کر دیا تھا۔ کیونکہ معاملہ ایک صحافی خاتون کا تھا اس لیے آئی جی نے ایک خصوصی تفتیشی ٹیم تشکیل دی اور اس نے شواہد کی بنیاد پر اس کے شوہر اختر ملک کو گرفتار کر لیا لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔''

یہ کام کی بات تھی اور اسے مرشد کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں نے غور کیا اور ایاز سے پوچھا۔

''کیا اختر ملک نے اپنی بیوی کے حوالے سے مرشد کا نام لیا ہے؟''

''نہیں اس نے مرشد کا نام نہیں لیا ہے لیکن اس نے اقبالِ جرم سے انکار کرتے ہوئے پولیس کو بیان دیا کہ وہ اپنی بیوی کے قاتلوں سے باعلم ہے۔''

''راحیلہ کس نوعیت کی صحافی تھی؟''

''وہ تجزیاتی صحافت کرتی تھی اور ان دنوں ایک چینل سے سیاسی ایشوز پر پروگرام لے کر آ رہی تھی۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔'' یار تیری ایک گرل فرینڈ تھی جو کسی اخبار میں کام کرتی تھی لیکن جب مونا نے دھمکی دی تو تُو نے مجبوراً اس سے دوستی ترک کی تھی۔''

سفیر نے دانت نکالے۔'' کیا یاد دلا دیا۔ اس وقت آتش جوان تھا۔''

''ہاں اب نہ آتش ہے اور نہ جوان ہے۔'' میں نے تائید کی تو سفیر نے مجھے گھورا لیکن کچھ کہنے سے گریز کرتے ہوئے بولا۔

''اب اگر میں نے اس سے رابطہ کیا تو بہت برا سلوک کرے گی۔''

''تُو نے بھی اس سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ مونا سے پہلے اسے دو سال تک لارے دیتا رہا تھا اور پھر اچانک ٹاٹا کہہ دیا۔'' میں نے کہہ دیا۔'' لیکن میرے یار وہ مرد ہی کیا جو ایک عورت کو جو پہلے بھی رام تھی دوبارہ رام نہ کر سکے۔''

''اچھا کوشش کروں گا لیکن اس سے کام کیا ہے؟'' سفیر نے بادلِ ناخواستہ کہا۔

''اس سے معلوم کر کہ یہ راحیلہ والی اسٹوری کیا ہے۔ مرشد کے خلاف کوئی نکتہ نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ممکن ہے ہمارے ہاتھ کوئی ایسی چیز آجائے جس سے مرشد پر دباؤ ڈالا جا سکے۔''

''ٹھیک ہے صبح کچھ سابقہ یاروں سے رابطہ کر کے اس کا نمبر لینے کی کوشش کرتا ہوں۔'' سفیر نے جماہی لی اور اٹھ گیا۔'' مجھے تو نیند آ رہی ہے۔''

میں نے کھینچ کر اسے بٹھا لیا۔'' بیٹے تُو بھول رہا ہے مونا یہاں نہیں ہے۔''

''تب ہی تو سونے کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔'' ویسے بہانہ تب بھی نیند کا کرتا۔''

اس کے جانے کے بعد ایاز بولا۔'' شہباز صاحب مجھے لگ رہا ہے یہ دونوں مرشد کے آدمیوں میں خاص مقام رکھتے ہیں اور بہت کچھ جانتے ہیں۔ ان کے کچھ کس بل نکل گئے ہیں لیکن ابھی بہت سارے بل باقی ہیں۔''

''وہ بھی نکالنے کی کوشش کرو، اس معاملے میں تم لوگوں کو فری ہینڈ ہے۔ یہ لوگ پیشہ ور قاتلوں سے بھی بدتر ہیں، کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔'' میں نے کہا اور بیتو کی طرف دیکھا۔'' یار کوئی چائے پانی ملے گا۔''

''کیوں نہیں ملے گا۔'' بیتو نے مستعدی سے کہا۔'' آپ بولو چائے پیو گے یا کافی..... ایاز بھائی دونوں بہت اچھا بناتا ہے۔''

''لیکن مجھے تو تمہارے ہاتھ کی بنی چائے چاہیے۔'' میں اس کی شرارت پر مسکرایا۔'' سنا ہے تم بھی اچھا بنانے لگے ہو۔ اگر نہیں بناتے ہو تو پریکٹس ہو جائے گی اور جب شادی ہو گی تو کام آئے گی۔''

شادی کے نام پر وہ جھینپ گیا اور جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔'' نا بابا یہ سفیر اور وسیم کا حال دیکھ کر اب ہم نے سوچا ہے اتنی جلدی شادی نہیں کرے گا۔''

''منے تمہاری شادی اتنی جلدی ہو گی بھی نہیں۔'' ایاز نے اسے تسلی دی۔'' ہمارے حساب سے اس میں بہت وقت ہے۔ ہمارے ہاں جب تک آدمی کے سر میں سفید بال نہ آ جائیں تو اس کی شادی نہیں ہوتی ہے۔''

''اچھا۔'' بیتو تشویش زدہ ہو گیا۔'' ہماری طرف تو ایسا نہیں ہوتا ہے۔ میرے قبیلے میں تو لوگوں کے بال بھی جلدی سفید نہیں ہوتے ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''سفید تو ہمارے بھی جلدی نہیں ہوتے ہیں لیکن ہم چائے اور کافی زیادہ پی کر سفید کر لیتے ہیں۔''

بیتو چونکا۔''چائے کافی پینے سے بال سفید ہو جاتا ہے۔''

''اس سے تو بچوں کے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں۔ میں تمہیں پندرہ سولہ سال کے بچے دکھاؤں گا۔'' ایاز نے یقین دلایا تو بیتو پھرتی سے کھڑا ہو گیا۔

''ہم ابھی چائے بنا کر لاتا ہے۔'' وہ جانے لگا اور جاتے ہوئے رک گیا اس نے ایاز سے مشکوک لہجے میں پوچھا۔''کہیں آپ مجھ سے چائے بنوانے کے لیے تو ایسا نہیں کہہ رہا ہے۔''

''نہیں منے، یہ سچ ہے سائنسی تحقیق ہے۔'' ایاز نے کہا۔''چائے اور کافی سے دماغ میں خشکی ہوتی ہے اور اسی خشکی کی وجہ سے بال سفید ہو جاتے ہیں۔''

بیتو مطمئن ہو کر چلا گیا تو میں ہنسا۔''یہ کون سی سائنسی تحقیق ہے؟''

ایاز ہنسنے لگا۔''کوئی نہ کوئی تو ہو گی اور نہ بھی ہوئی تو چائے تو مل جائے گی۔''

بیتو چائے بنا لایا جس میں کسی شاعر کی محبوبہ کے لبوں والی تمام خصوصیات تھیں یعنی گرم تھی اور میٹھی تھی۔ ہونٹوں سے چپکنے والی تھی۔ میں نے پہلے گھونٹ کے بعد رکھ دی۔ بیتو بولا۔''کیا ہوا کیا اچھا نہیں بنا ہے۔''

''بنی تو اچھی ہے لیکن اللہ کے بندے تم نے چینی کیا ہول سیل میں ڈالی ہے اتنی شکر تو میں سارے مہینے میں نہیں پیتا ہوں۔''

''ہم تو ہمیشہ اتنی چینی ڈالتا ہے اچھا آپ کے لیے دوبارہ نکال لاتا ہے۔'' وہ میرا کپ اٹھا کر لے گیا اور ایک منٹ بعد دوسرا کپ لا دیا۔ اس میں چینی اعتدال میں تھی۔ اب بیتو کو فکر تھی کہ اگر وہ دن میں چھ سات بار چائے پیئے تو اس کے بال کتنے عرصے میں سفید ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اس نے سوالات شروع کر دیئے تھے۔ ایاز نے کہا۔

''اتنی جلدی تو نہیں ہوں لیکن وقت سے پہلے ضرور ہو جائیں گے یہ بتاؤ کہ تمہارے قبیلے میں مردوں کے بال کس عمر میں سفید ہونا شروع ہوتے ہیں؟''

''چالیس کے بعد۔''

ایاز نے چائے ختم کر کے کپ میز پر رکھا اور بولا۔''بس تو تمہارے اڑتیس یا انتالیس برس کی عمر میں سفید ہو جائیں گے۔''

بیتو اچھل پڑا۔''چائے کافی پینے سے بس اتنا فرق پڑے گا؟''

''ہاں تم اور کیا سمجھتے ہو کہ کل پرسوں تک بال سفید ہو جائیں گے۔''

''لیکن آپ تو بول رہا تھا کہ بچوں کے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں۔''

''وہ تو لوکل بچے ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی دودھ کی جگہ چائے پینا شروع کر دیتے ہیں۔'' ایاز بولا۔ ''بہر حال تم فکر نہ کرو تمہاری شادی ضرور ہو گی۔''

''لیکن اس کی ہونے والی دلہن کہاں ہے؟'' میں نے شرارت سے کہا۔ بیتو ہم میں سے چھوٹا تھا اس لیے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس بے چارے کی شامت آئی رہتی تھی پہلے وسیم اسے تنگ کرتا تھا اور اب ایاز بھی شامل ہو گیا تھا لیکن یہ پیار محبت والی چھیڑ چھاڑ تھی اس کی دل آزاری کا تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ اپنے پیاروں اور زمین سے بچھڑا ہوا شخص تھا اس لیے سب ہی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔

''کہیں بھی ہو اُسے لے آئیں گے۔'' ایاز نے سینے پر ہاتھ مارا۔ وہ کامی سے واقف تھا اس لیے شرارت سے مسکرایا۔ ''چاہے اس کے لیے چین کیوں نہ جانا پڑے۔''

بیتو جلدی سے کھڑا ہو گیا اور کپ سمیٹنے لگا۔ ''اچھا شوبی ہم کو اب نیند آ رہا ہے کل ملے گا۔'' وہ کپ لے کر رخصت ہو گیا۔

''یار یہ بہت پیارا انسان ہے۔'' میں نے ایاز سے کہا۔ ''مجھے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح محسوس ہوتا ہے۔''

''شہباز صاحب یہ میرے لیے بھی چھوٹے بھائی کی طرح ہے۔'' وہ بولا۔ ''میں اس کا بڑے بھائی کی طرح ہی خیال رکھوں گا۔ ویسے ایک بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔ ہم چین کی حکومت کے راز اسے واپس پہنچانے کے لیے کوشش کر رہے ہیں اور اگر ہم بریف کیس حاصل کر کے چینی حکومت کے حوالے کر دیں۔ تو کیا ہم ان سے کامی کا مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں؟''

''کر تو سکتے ہیں لیکن یار وہ جیتی جاگتی لڑکی ہے کوئی کھلونا نہیں ہے جسے ہم لے کر بیتو کو دے دیں۔ وہ چین جیسے ترقی یافتہ ملک میں ہے۔ وہاں تعلیم حاصل کر رہی ہے اور اس نے یقیناً اپنے مستقبل کے بارے میں بھی سوچا ہو گا۔ سفر کی بات اور تھی جب وہ بیتو کے قریب آ گئی تھی لیکن اب ممکن ہے اس کے خیالات بدل گئے ہوں۔ تم سمجھ دار آدمی ہو۔ کم عمری کی محبت کسی پُر شور پہاڑی برساتی نالے کی طرح ہوتی ہے۔ بارش ہوتے ہی یوں زور و شور سے بہتا ہے کہ اپنے زور میں سب بہا کر لے جائے گا لیکن جب پانی اترتا ہے تو یوں خشک ہو جاتا ہے جیسے کبھی بہا ہی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ بیتو کے لیے مستقبل میں کیا ہے۔ ہاں ہم اس کے لیے کوشش کر سکتے ہیں۔''

ایاز سن رہا تھا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''بیتو سترہ سال کا بھی نہیں ہے۔ ابھی اس کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنا کیریئر بنانے کی عمر ہے لیکن یہ ہمارے ساتھ دشمنوں سے لڑ رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ حالات بہتر ہوں گے اور جب بھی ایسا ہوا سب سے پہلے بیتو کو پڑھانا ہو گا تاکہ وہ مستقبل میں کسی طرح ہم لوگوں سے پیچھے نہ رہے۔''

ایاز مسکرایا۔ ''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے میں نے اسے پڑھانا شروع کر دیا ہے۔ اس کی انگریزی خاصی حد تک بہتر ہے اب میں اسے اردو اور ریاضی بھی پڑھا رہا ہوں۔ وہ ذہین ہے کوئی چیز بتاؤ تو جلد سیکھ جاتا ہے۔''

مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔ ''اچھا میں نے تو کبھی تم دونوں کو کتاب لیے نہیں دیکھا۔''

''کتاب نہیں ہے جناب۔'' ایاز بولا۔ ''ابھی تو صرف سادہ کاغذ اور پین کی مدد سے پڑھائی جا رہی ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مجھے خوشی ہوئی تھی کہ میرے ساتھی ایسے حالات میں بھی مثبت سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ باتوں کے دوران ایاز کو خیال آیا اور اس نے کہا۔ ''میں بتانا بھول گیا..... جب آپ نہیں تھے تو شہلا نے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''کیا کہہ رہی تھی؟''

''اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن وہ آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں دیکھ لوں گا۔'' میں نے سر ہلایا۔

رات خاصی ہو گئی تھی۔ بیتو کی طرح ایاز بھی سونے چلا گیا۔ میں نے وسیم سے رابطہ کیا۔ وہ عبداللہ کے آدمیوں کے ساتھیوں کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا۔ ''شہباز صاحب میں نے ان کو طریقہ سکھا دیا کہ کس طرح سے نگرانی کرنی ہے اور باہر جانے والوں کا کس طرح تعاقب کرنا ہے۔''

''یہ کام تم ہی کر سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''ہمیں ایک سینٹرل کمانڈ کی ضرورت ہے جہاں سے ہونے والی تمام سرگرمیوں کی نگرانی کی جا سکے اور فوری ہدایت دی جا سکے۔ میں نے عبداللہ سے بات کی ہے۔ کل ہم اس سلسلے میں کام کریں گے۔''

''اچھی بات ہے لیکن کوشش کرنا کہ سینٹرل کمانڈ ہمارے عام ٹھکانوں سے ہٹ کر ہو۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔''

''بلکہ کوئی ایسا بندوبست کرو کہ ہمیں کہیں جانا ہو تو ہمیں کوئی مشکل نہ ہو۔'' میں نے کہا اور پھر ایک خیال الہام کی طرح ذہن میں نازل ہوا تھا۔ ''وسیم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ایک بڑے سائز کی وین یا درمیانے سائز کی بس لے کر اس میں اپنا کمانڈ سینٹر بنا لو۔''

''زبردست آئیڈیا ہے اس طرح ہم مسلسل حرکت میں رہ سکتے ہیں اور اگر دشمن ہمارا ٹھکانہ تلاش بھی کر لے تو ہم فوراً وہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ میں اس پر کام کرتا ہوں۔''

وسیم سے بات کر کے میں نے ندیم کا نمبر ملایا۔ وہ سونے جا رہا تھا۔ اس نے فریاد کی۔ ''اوہ بھائی اس وقت تو بخش دیا کرو..... تو کیا چاہتا ہے میری بیوی مجھے عاق کر دے۔''

''بکواس کرنے کے بجائے آپ سیدھی طرح سے بتائیں کہ میں نے جو کام دیا تھا وہ کیا یا نہیں؟''

''کر دیا ہے یار۔ ابھی دو منٹ پہلے رپورٹ ملی ہے۔ اس ہیڈ ماسٹر کی تدفین آج شام کو ہوئی ہے۔ اہل محلہ اور اس کے اسکول کے ماتحتوں نے تدفین کا کام کیا ہے۔ اس کا کوئی رشتے دار بھی آ گیا تھا اور اس کے مکان پر اب وہی ہے۔''

''یہاں اس کا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔''

''بیٹی ہے لیکن وہ پُراسرار طور پر غائب ہے۔ اور بھائی ایسے مواقعوں پر رشتے دار پیدا ہو جاتے ہیں۔ سنا ہے ماسٹر کا اچھا خاصا مکان ہے اور ظاہری بات ہے اس کی پنشن اور گریجویٹی بھی تو ہو گی لیکن بائی دی وے اس سارے معاملے سے تمہیں کیا دلچسپی ہے؟''

میں نے ندیم کو مناسب الفاظ میں گزشتہ رات پیش آنے والا واقعہ سنایا۔ ''ندیم اس معاملے کو دیکھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور اگر وہ شخص کوئی فراڈیا ہے یا نہیں بھی ہے تب بھی مکان اس سے خالی کرا اور اسے اپنی تحویل میں لے لے۔''

تو اس نے سر پیٹ لیا۔''بھائی تیرے کیسز کے لیے تو سارے پاکستان کے وکیل بھی ناکافی ہیں۔ تُو فی گھنٹے کے حساب سے کیس پیدا کر رہا ہے۔''

''اب میں کیا کروں شامت اعمال ہے جہاں جاتا ہوں کوئی نہ کوئی کیس ہو جاتا ہے۔''

''یار ایسا کر سویرا سے شادی کر اور اسے لے کر دنیا کے کسی ایسے نکڑے نکل جا جہاں مرشد نہ اس جیسی کوئی حرام ذات ہو اور وہاں صرف بچوں والے کیس کر..... اگر تُو نے ایسا نہ کیا تو میرے بیوی بچے.....'' وہ شور کرتا رہ گیا اور میں نے لائن کاٹ دی۔ پھر عبداللہ والی کوٹھی کا نمبر ملایا۔ وہاں منیر نے کال ریسیو کی۔ مجھے پہچان کو بولا۔

''صاحب آپ کیسے ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے یار..... یہ خواتین سو گئی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟''

''جاگ رہی ہیں..... سب لاؤنج میں موجود ہیں۔''

ظاہر ہے جب دو خواتین میں تیسری شامل ہو تو ایسی ہی محفل جم سکتی تھی وہ یقیناً شاہین سے اس کے بارے میں سب جاننے کے لیے بے چین ہوں گی۔ میں نے مونا سے بات کرنے کو کہا تو منیر کارڈلیس وہیں لاؤنج میں لے گیا جہاں سے مسلسل ان تینوں کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ منیر نے مونا کو کارڈلیس دیا۔ اس نے پوچھا۔''کس کی کال ہے؟''

''شہباز صاحب کی۔''

''شوبی۔'' مونا نے جلدی سے کہا۔''کیسے ہو تم؟''

''میں تو ٹھیک ہوں لیکن تم لوگ کیا کر رہی ہو۔ یہ بتاؤ کہ گفتگو کے دوران سانس وغیرہ نہیں لیتی ہو ایک ہی سانس میں بولتی جاتی ہو۔''

وہ ہنسنے لگی۔''یہ تو ہم خواتین کی خصوصیت ہوتی ہے۔''

''یہ جونی خاتون آئی ہیں یہ کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں اور بہت اچھی ہیں۔'' مونا نے جواب دیا۔''اب زیادہ مزہ آئے گا۔''

''مزے بعد میں لینا فی الحال تو تم دونوں کو اسے دلاسہ وغیرہ دینا ہوگا۔ کل رات اس کے باپ کا انتقال ہوا ہے اور آج شام کو اس کی تدفین ہو چکی ہے۔ اسے نہیں معلوم ہے۔''

''اوہ۔'' مونا دکھی ہو گئی۔''اچھا لو شاہین سے بات کرو۔''

''اسلام وعلیکم۔'' اس نے کہا۔

''وعلیکم اسلام۔'' میں نے جواب دیا اور پھر کچھ دیر رک کر کہا۔''شاہین تمہارے والد کی تدفین کر دی گئی ہے۔ تدفین اہل محلہ اور اسکول کے ساتھیوں نے مل کر کی ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا کوئی رشتے دار بھی آ گیا ہے اور اب مکان پر وہی ہے۔''

''ہمارا یہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے۔'' وہ بولی۔''یہ بات میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ یہ کوئی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دھوکے باز ہوگا۔ یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو کسی اکیلے آدمی کے مرنے پر اس کی جائیداد اور دوسری چیزوں پر قابض ہو جاتے ہیں۔''

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے میں نے اپنے وکیل کے سپرد یہ معاملہ کر دیا ہے۔ وہ اس سے مکان خالی کرا لے گا۔ اس لیے تم اس بارے میں فکر مت کرو۔''

''شہباز صاحب میں آپ کی شکر گزار ہوں۔'' اس نے روتی آواز میں کہا۔ ''پتا نہیں خدا نے کس نیکی کے صلے میں آپ تک پہنچا دیا۔ ابھی مونا اور سعدیہ سے بات ہوئی ہے تو مجھے صحیح معنوں میں پتا چلا کہ آپ کتنے عظیم انسان ہیں۔''

''یہ دونوں پاگل ہیں ان کی باتوں کا اعتبار مت کرنا۔'' میں نے کہا اور کچھ دیر رسمی گفتگو کے بعد سعدیہ سے بات کی۔ اس کے لہجے کی کھنک اور شوخی بتا رہی تھی کہ وہ کتنی خوش تھی۔ فون بند کر کے میں نے آرام کا سوچا۔ اگرچہ دن میں کئی گھنٹے سویا تھا لیکن جو سکون رات کی بھرپور نیند دیتی ہے اس سے ابھی محروم تھا۔ میں بیڈ روم کی طرف آیا تھا کہ مجھے شہلا کا خیال آیا۔ اس نے مجھ سے بات کرنے کو کہا تھا اور یقیناً اس وقت تک وہ سو گئی ہوگی۔ میں اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جھجکا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا وہ حسبِ معمول کپڑے اتار کر سو رہی ہو گی۔ میرا اندازہ درست تھا اس کے کپڑے بستر کے آس پاس قالین پر بکھرے ہوئے تھے اور ان میں مخصوص نسوانی ملبوس بھی تھے۔

وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتی تھی یا یہ سب اس کی فطرت میں شامل ہو چکی تھی۔ شکر ہے وہ کمبل میں روپوش تھی کیونکہ اس کمرے میں آتش دان میں لکڑیاں نہیں تھیں اس لیے اسے بغیر آتش دان کے گزارا کرنا پڑ رہا تھا ویسے میں نے محسوس کیا کہ یہ گھر بند ہونے کے بعد اندر سے اتنا سرد نہیں رہتا تھا اور گرم کپڑوں اور کمبل میں آسانی سے گزارا ہو جاتا تھا۔

''شہلا۔'' میں نے اسے آواز دی۔ تیسری آواز پر اس نے کمبل سے چہرہ برآمد کیا۔ اس کی آنکھوں کا خمار بتا رہا تھا کہ وہ گہری نیند سے جاگی تھی۔

''تم اس وقت..... یہاں..... خیریت۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کیا کوئی خیال آ گیا.....''

''بکواس بند کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''مجھے پتا چلا ہے کہ تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو؟''

وہ جان بوجھ کر لاپروائی سے اٹھی اور سامنے کے رخ سے کمبل ڈھلک گیا میں نے دل میں لاحول پڑھی لیکن چہرے سے ایسا کوئی تاثر نہیں دیا جس سے اسے اندازہ ہو کہ مجھے اس کی عریانی نے متاثر کیا ہے یا میں جھینپ گیا ہوں۔ ''ہاں میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور اسی لیے تم سے ملنا چاہتی تھی۔''

''تم نے تو کل تک مہلت مانگی تھی لیکن تمہارا اطمینان سے سونا بتا رہا ہے کہ تم نے سچ مچ کوئی فیصلہ کر لیا ہے۔''

اس نے میری طرف دیکھا اور کمبل بس اتنا درست کیا کہ اس کے ہوش رُبا خدوخال چھپ گئے۔ ''ہاں میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔''

''اب مجھے اس فیصلے سے آگاہ کر دو تاکہ میں تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''میں تمہارا ساتھ دوں گی اور میں نے جو پلان بنایا تھا میں وہ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوگئی ہوں صرف تمہاری زبان پر اعتبار کر کے۔''

''پلان کیا ہے؟''

''وہ میں تمہیں زبانی نہیں بتا سکتی، میں نے سب لکھ کر تصویروں کی مدد سے واضح کر کے ایک جگہ رکھا ہے لیکن یقین کرو اس پر عمل کرنا اتنا آسان ہوگا کہ تم جب دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔''

''پلان کہاں ہے؟''

''ایک محفوظ جگہ ہے، وہاں سے کوئی اسے حاصل نہیں کر سکتا ہے اسے لینے کے لیے مجھے ہی جانا ہوگا۔''

''ایسی کون سی جگہ ہے جہاں سے صرف تم ہی کچھ حاصل کر سکتی ہو؟''

''میرا ایک خفیہ ٹھکانہ ہے۔ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہے میں نے کاغذات اور دوسری چیزیں وہیں رکھی ہیں۔ میں نے اندر داخل ہونے اور حفاظت کا نظام ایسا رکھا ہے کہ صرف میں ہی اندر جا سکتی ہوں۔''

اس کی بات پر میں مسکرایا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے یہ بات سن کر میں تمہیں جانے دوں گا۔''

''مجھے معلوم ہے تم کسی صورت مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے لیکن میں پھر بھی تم پر اعتماد کر رہی ہوں۔'' اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''تم اس کے لیے مجبور ہو۔''

وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ''شہباز ملک مجھے اتنا بھی مجبور مت سمجھو بہت سارے مواقع ایسے آئے تھے جب میں فائدہ اٹھا سکتی تھی لیکن میں نے نہیں اٹھایا۔ خاص طور سے جب مکان پر حملہ ہوا تھا میں وہاں سے فرار ہو سکتی تھی۔''

''اس صورت میں تمہارا یہ خوب صورت جسم مردہ خانے میں پڑا ہوتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہاں ہر طرف موت تھی اور فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔''

''یہ تو تقدیر کی بات ہے لیکن میں کوشش تو ضرور کرتی۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن میں نے تم سے تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''اس صورت میں تمہیں میری طرف سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، لیکن اگر تم نے دھوکا کیا تو خود بھگتو گی۔'' میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''سوچ لو اور دیکھو کل کا دن تمہارے لیے کیا لے کر آتا ہے۔''

''شب بخیر۔'' اس نے تو بہ شکن انگڑائی لی اور دوبارہ کمبل میں روپوش ہوگئی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو اپنے حسن و جمال کی قوتِ تسخیر ہر مرد پر آزماتی ہیں وہ عادت سے مجبور ہوتی ہیں۔ میں کمرے میں آیا تو دونوں بیڈ زایاز اور بیتو کے قبضے میں تھے مجبوراً میں نیچے اس بیڈ روم میں آیا جہاں کل رات شاہین رکی تھی۔ اس نے بیڈ اور کمرے کی صفائی کر دی تھی۔ ورنہ اوپر والے بیڈ روم مٹی زدہ ہو رہے تھے۔ یہاں کمبل بھی تھا۔ میں جوتے اور جیکٹ اتار کر لیٹ گیا۔ اس بار نیند کی دیوی فوراً ہی مہربان ہوگئی تھی۔ آنکھ کھلی تو کھڑکی سے تیز دھوپ اندر آ رہی تھی۔ یہ کمرہ مشرق میں سورج نکلنے کے رخ پر تھا۔ کچھ کرنیں شرارت سے میرے چہرے کو سہلا رہی تھیں۔ میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کچھ دیر ان سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر اٹھ گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر باہر آیا تو بیتو کچن میں ناشتہ تیار کرنے میں مصروف تھا۔ جب گھر میں کوئی عورت نہیں ہوتی تھی تو وہ شکھڑ بیبیوں کی طرح کچن سنبھال لیا کرتا تھا۔ وہ ڈبل روٹی سینک رہا تھا اور ایک برتن میں انڈے ابل رہے تھے۔ ایاز جاگ گیا تھا اور اپنی جیپ کی سیوا میں لگا ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس بس ایک ہی گاڑی تھی۔ مجھے ایک گاڑی اور درکار تھی۔ عبداللہ والی کوٹھی میں دو عدد گاڑیاں موجود تھیں۔ میں نے اسے کال کی۔

''یار کوئی چھوٹی گاڑی بھیج دو۔ کوئی کار ہو تو بہتر ہے لیکن ریس میں ٹھیک ہو۔''

''میں ابھی بھیجتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''اگر کہیں تو بائیک بھی بھیج دوں اس سے ایک آدمی کو آنے جانے میں آسانی رہتی ہے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے بائیک بھی بھیج دو۔''

بات کر کے میں کچن میں میز پر آ بیٹھا جہاں بیتو ناشتہ لگا رہا تھا۔ سفیر سو رہا تھا۔ میں نے ناشتہ شروع کر دیا اور بیتو سے کہا۔ ''شہلا کو بھی دے آؤ۔''

وہ ایک پلیٹ میں چند توس اور ایک ابلا ہوا انڈہ رکھ کر لے گیا۔ کافی کا پانی چولہے پر ابل رہا تھا۔ جب تک میں نے ناشتہ کیا کافی تیار ہو گئی تھی۔ اپنا اور شہلا کا کافی مگ لے کر میں اس کے کمرے میں آیا۔ وہ جاگ میں آ چکی تھی اور سکون سے ناشتہ کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے تمہیں کپڑے اتار کر سونے کی عادت ہے لیکن کم سے کم انہیں اس طرح پھیلایا تو مت کرو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اور میرے ساتھی کس فطرت کے لوگ ہیں ہمیں یہ سب اچھا نہیں لگتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں لیکن عادت ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔ ''خیر چھوڑو اسے ممکن ہے آج کے بعد تمہیں یہ مسئلہ نہ رہے۔''

وہ سمجھ رہی تھی کہ میں کاغذات حاصل کر کے اسے رہا کر دوں گا لیکن میں نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا اس وقت اسے رہا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا جب تک بریف کیس میرے ہاتھ میں نہیں آ جاتا۔ میرے خیال میں وہ نہایت خطرناک عورت تھی اور اگر میں نے بریف کیس حاصل کیے بغیر اسے آزاد کر دیا تو اس کا امکان تھا کہ وہ کوئی چکر چلا جائے۔ اس کا مبینہ پلان دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ وہ جلدی جلدی کافی پی رہی تھی اور اس کے انداز میں کچھ دیر پہلے والا سکون نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بے تابی سے پوچھا۔ ''ہمیں کب جانا ہے؟''

''بس کچھ دیر میں چلتے ہیں۔''

وسیم نے اسے ایک اونی ٹراؤزر اور سیاہ رنگ کی بند گلے کی جرسی لا دی تھی جو موسم کے لحاظ سے موزوں تھی لیکن اسے جسم کو اتنا ڈھانپ کر رکھنے کی عادت نہیں تھی اس لیے وہ الجھن محسوس کر رہی تھی اس کی ساڑھی تباہ ہونے والے مکان میں رہ گئی تھی۔ مجھے خیال آیا تھا کہ کہیں دشمن پھر کسی کتے کو اس کی ساڑھی سونگھا کر ہماری تلاش نہ شروع کر دے لیکن یہ اتفاق تھا کہ فتح خان کے آدمی شہلا کو تلاش کرتے اس کالونی تک آ گئے تھے۔ کتے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بہت زیادہ فاصلے سے بو نہیں سونگھ سکتے ہیں اور جو بہت تیز حس شامہ رکھتے ہیں وہ کسی شخص کی گزرنے والی جگہ سے بو محسوس کر لیتے ہیں بشرطیکہ آدمی پیدل ہو۔ گاڑی میں گزرے گا تو کتے کو راستے سے بو محسوس نہیں ہو گی۔

راولپنڈی اسلام آباد جیسے وسیع علاقے میں کسی کو سونگھنے والے کتے کی مدد سے تلاش کرنا ایسا ہی تھا جیسے بھوسے کے ڈھیر میں سے سوئی تلاش کرنا۔ یعنی قسمت ساتھ ہو تبھی کامیابی مل سکتی ہے۔ اب اتفاق کی بات ہے کہ میرے سامنے دو کیس آئے اور دونوں میں کتوں کو کامیابی ملی۔ پہلے مونا کے مسٹر براؤن نے مجھے تلاش کر لیا اور پھر قسم خان کے کتے نے شہلا کو تلاش کر لیا۔ میں نے شہلا سے کہا۔

''تمہارا خفیہ ٹھکانہ کہاں ہے؟''

''اسلام آباد میں ایک جگہ۔'' وہ بولی۔ ''ویسے یہ کون سی جگہ ہے سردی بتا رہی ہے کہ ہم کسی بلند جگہ ہیں۔''

وہ چالاک عورت تھی۔ اگرچہ ہم رات کو آئے تھے اور اسے جیپ میں پیچھے والے حصے میں رکھا تھا اس لیے امکان کم تھا کہ اس نے مکان یا راستہ دیکھا لیکن اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہم کسی بلند جگہ تھے۔ میں نے تردید یا تصدیق کرنے کے بجائے مبہم انداز میں کہا۔ ''نہیں آج کل سردی بہت شدید ہے۔''

اس نے کافی کا مگ خالی کر کے پلیٹ میں رکھ دیا۔ نازک جسامت سے قطع نظر اس کی خوراک اچھی خاصی تھی۔ اسے جب موقع ملتا وہ ڈٹ کر کھاتی تھی۔ وہ ہلکے جسم کی مالک تھی سوائے کچھ خاص مقامات کے جہاں قدرتی طور پر چربی جمع ہو جاتی ہے۔ ایسا لگتا تھا وہ باقاعدگی سے ورزش کرتی تھی اور ممکن ہے اسے سوئمنگ کا شوق بھی ہو۔ یہی وجہ تھی وہ جسمانی طور پر فٹ اور مضبوط تھی۔ میری بات پر اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''او کے تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں کہ ہم کسی میدانی علاقے میں ہیں۔''

میں باہر آیا سفید سور ہا تھا۔ ایاز نے جیپ کی صفائی کر لی تھی اور اس کا عقبی حصہ شہلا کو لے جانے کے لیے موزوں گا۔ یہاں سے وہ راستے میں کود نہیں سکتی تھی اور بند ہونے کی وجہ سے اس کا چیخ چلا کر کسی کو متوجہ کرنا بھی آسان نہیں تھا اس کے باوجود میں نے فیصلہ کیا کہ کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ ہمارے پاس پلاسٹک کی بنی جدید ہتھکڑی تھی۔ طے پایا کہ شہلا کے منہ پر ٹیپ لگا کر اسے پشت سے ہتھکڑی لگائی تھی۔ ایک بار لگنے کے بعد اسے کاٹ کر اتارا جا سکتا تھا۔ میں نیچے آیا اور سامان سے ہتھکڑی اور ٹیپ نکال کر شہلا والے کمرے میں آیا۔ وہ ہتھکڑی دیکھ کر بدکی۔ ''اس کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت ہے۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس میں ایک کلپ ڈالا اور پھر اسے پشت کی طرف گھما کر دوسرے ہاتھ کو بھی باندھ دیا۔ کلپ کی ڈوریاں کھینچنے سے وہ پوری طرح کس گئے تھے۔ اب شہلا کسی صورت ان کو نہیں کھول سکتی تھی۔ وہ تلملائی۔ ''تم نہایت گھٹیا آدمی ہو۔''

میں مسکرایا۔ ''تمہارے نزدیک ہر وہ آدمی گھٹیا ہوتا ہے جو تمہیں ایک خاص نظر سے نہیں دیکھتا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے منہ اور پھر آنکھوں پر بھی ٹیپ لگا دیا۔ اس نے معمولی سی مزاحمت کی تھی لیکن مجھے کوئی مشکل نہیں ہوئی۔ سہارا دے کر اسے اوپر لایا۔ ایاز نے جیپ کا پچھلا حصہ کھول کر رکھا ہوا تھا۔ اسے اندر دھکیل دیا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور ہم دونوں جیپ میں بیٹھے اور صابر نے مین گیٹ کھول دیا۔ وہ بے چارہ ہمارے لیے چوکیدار کا کام کر رہا تھا حالانکہ وہ تربیت یافتہ محافظ تھا۔ شہلا عقب میں سکون سے بیٹھی تھی۔ جیپ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کے باہر سے اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ سڑک پر آنے کے بعد میں نے وسیم کو کال کی۔

''رات میں کوئی پروگریس ہوئی ہے؟''

''نہیں جناب لیکن میرے آدمی اس عورت کو اٹھانے کی تیاری کر رہے ہیں جو رات یہاں آئی تھی لازمی بات ہے وہ واپس بھی جائے گی۔ ہم تعاقب کر کے اس کا ٹھکانہ دیکھ سکتے ہیں اور اس کے بعد اسے اٹھانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''فاضلی نکلا وہاں سے؟''

''نہیں..... لیکن میں نے یا کسی دوسرے نے اب تک فاضلی کو دیکھا نہیں ہے۔''

''وہ کسی قدر طویل قامت ہے گورے رنگ کا اور بھی آنکھوں والا، سر پر کسی قدر لمبے ہلکے بھورے بال ہیں اور چلتے وقت کمر کو ہلاتا ہے جسے خاص جنس کے لوگ چلتے ہیں۔ بہت ہوشیار اور چوکنا قسم کا شخص ہے اگر اس کا تعاقب کرنا ہو تو بہت ہوشیار رہ کر کرنا۔''

''میں سمجھ گیا، اپنے آدمیوں کو بھی سمجھا دوں گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''میں شہلا کو لے کر جا رہا ہوں اس نے کہا ہے کہ اس نے بینک میں ڈکیتی مارنے کا مکمل پلان کہیں رکھا ہوا ہے۔''

''آپ بھی ہوشیار رہیے گا یہ عورت بھی کم نہیں ہے۔ یقین کریں اتنے اعتماد والی عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی ہے۔ اس کے اعصاب بہت مضبوط ہیں۔''

''ظاہر ہے کوایک ہٹے کٹے مرد کو اپنے ہاتھوں سے گلا دبا کر ہلاک کرنے والی کے اعصاب مضبوط تو ہوں گے۔'' میں نے مڑ کر شہلا کی طرف دیکھا۔ وہ میری بات سن رہی تھی لیکن اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ وسیم سے بات کر کے میں نے موبائل میں وہ سم ڈالی جس سے فتح خان سے بات کی تھی۔ اس کا نمبر ملایا اور اس نے کال ریسیو کی۔ ''فتح خان کیا حال ہیں؟''

''اچھا ہی ہے البتہ مرشد کے لیے کل رات اچھا نہیں تھا۔'' فتح خان نے جواب دیا تو اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''کیا ہوا اس کے ساتھ؟''

''اس کا ادھر روات میں ایک فیکٹری ہے کیمیکل کا، کل رات کسی نے چوکیدار کو باندھ کر اسے آگ لگا دیا۔ جب تک فائر بریگیڈ والا آتا پورا فیکٹری جل چکا تھا کیمیکل آگ بھی تیزی سے پکڑتا ہے۔ سنا ہے کوئی دو ارب روپے کا نقصان ہوا ہے۔''

''دو ارب روپے۔'' میں چونکا۔ ''یہ تو بہت بڑا نقصان ہے، مرشد تو پاگل ہو گیا ہوگا۔''

''ہاں..... آگ لگانے والوں نے چوکیدار کو باہر ڈالا تھا وہ بچ گیا تھا لیکن جب پولیس آیا تو اسے فیکٹری سے چوکیدار کا جلا ہوا ڈھانچہ ملا تھا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''مرشد جیسے فرعون سے اسی قسم کی توقع کی جا سکتی ہے۔ فتح خان اس کا ایسا کون سا دشمن ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''تم جانتا ہے مرشد خنزیر کا بچہ ہے ایسے شخص کا نہ جانے کتنا دشمن ہوگا۔'' وہ لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔ ''پر یہ والا بڑا خطرناک دشمن ہے ابھی تو آغاز ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''فتح خان اس کا مطلب ہے تمہیں میری بات کا یقین آگیا ہے۔''

''اس کو چھوڑو..... شہباز خان دنیا میں میرا سب سے قریبی رشتے دار تھا اس کی موت اس کے قاتل کو سستی نہیں پڑے گی۔''

''فتح خان اگرچہ تم میرے دوست نہیں ہو اور شاید اب دشمن بھی نہیں ہو پھر بھی میں تم سے شہباز خان کی موت کا افسوس کرتا ہوں۔''

''تم کو افسوس کرنے کا ضرورت نہیں ہے۔ افسوس تو مرشد کرے گا۔''

مجھے خیال آیا کہ میں فتح خان سے مرشد کے بارے میں معلومات حاصل کروں کیونکہ وہ اس کے پاس رہا تھا اور اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا پھر اس کے بہت سارے ٹھکانے بھی فتح خان کے علم میں تھے لیکن پھر میں نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ بے شک فی الحال فتح خان دشمن نہیں رہا تھا لیکن میں اس پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ ہیروں کی بازیابی کا کیڑا اس کے ذہن سے نکلا نہ ہو اور وہ اب بھی میری اور میرے ساتھیوں کی فکر میں ہو۔ میں نے کچھ دیر میں فون بند کر دیا۔ اس دوران میں ہم اسلام آباد کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ایاز نے ایک جگہ جیپ روک لی یہاں سے ایک راستہ راولپنڈی اور دوسرے مضافات کی طرف جاتا تھا اور ایک راستہ اسلام آباد کی طرف جاتا تھا۔ اس نے کہا۔

''اس سے پوچھیں کہاں جانا ہے؟''

میں نے مڑ کر شہلا کے منہ سے ٹیپ اتار دیا۔ ''اسلام آباد میں کہاں جانا ہے۔''

اس نے جی سیکٹر کے ایک مکان کا پتا بتایا۔ ''یہاں جانا ہے لیکن مکان میں میرے بغیر جانے کی کوشش مت کرنا ورنہ کسی مشکل میں پڑ سکتے ہو۔''

''تم فکر مت کرو۔''

میں نے دوبارہ اس کے منہ پر ٹیپ لگا دیا اور ہم روانہ ہو گئے۔ ایاز نے جان بوجھ کر ان پوش علاقوں سے گزرنے سے گریز کیا جہاں پولیس چیکنگ کے لیے موجود ہوتی ہے اور کسی بھی مشکوک گاڑی کو تلاشی کے لیے روک لیتی ہے۔ ہم تلاشی دینے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ ہمارے پاس ایک عدد مغویہ کے ساتھ مہلک اسلحہ بھی تھا۔ ایاز ذیلی سڑکوں سے گزرتا ہوا جی سیکٹر کی طرف جانے لگا۔ اسلام آباد میں جا بجا چھوٹے چھوٹے جنگل لگائے گئے ہیں تاکہ شہر کی آب و ہوا صاف ستھری رہے اور اس کی دل کشی میں بھی اضافہ ہو۔ آبادیوں کے درمیان یہ جنگل ایک طرح سے حد فاصل کا کام بھی کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے مختلف سیکٹرز کی آبادیاں ایک دوسرے سے الگ رہتی ہیں۔

مطلوبہ مکان جی سیکٹر میں ایک ایسے ہی جنگل کے پاس نکلا تھا۔ اتفاق سے اس لائن میں صرف دو مکان تھے اور یہ ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے۔ شہلا کا بتایا ہوا مکان جنگل سے بالکل ملا ہوا تھا اور سڑک کے پار سے جنگل کا آغاز ہو جاتا تھا۔ یہ ایک چھوٹا کوٹھی نما مکان تھا اور سامنے چھوٹے سے احاطے میں ایک مختصر سا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لان اور اس کے ساتھ کار پورچ تھا۔ میں نے نیچے اتر کر مکان کا معائنہ کیا اس کے پر گیٹ پر نیم پلیٹ پر لکھا پتا دیکھا۔ یہ وہی مکان تھا لیکن دیکھنے میں یہ عرصے سے بند اور ویران لگ رہا تھا میں نے اچک کر فولادی گیٹ سے اندر جھانکا تو پورچ میں فرش مٹی سے اَٹا نظر آیا۔ یعنی اس مکان میں کم سے کم دو ہفتے سے کسی نے قدم نہیں رکھا تھا۔ مجھے شک ہوا۔ اگر شہلا نے ہینک لاکر تک رسائی کے منصوبے کے کاغذات یہاں رکھے تھے تو اس کا آنا جانا تو ہونا چاہیے تھا۔ میں واپس جیپ میں آیا اور شہلا کے منہ سے ٹیپ اتار کر کہا۔

''ہم تمہارے بتائے مکان کے سامنے موجود ہیں لیکن یہ تو دنوں سے بند نظر آ رہا ہے۔''

اس نے چند گہری سانس لیے۔ ''ہاں میں آخری بار کوئی پندرہ دن پہلے یہاں آئی تھی اور پھر منحوس فتح خان نازل ہو گیا تھا شکر ہے میں نے کاغذات یہاں منتقل کر دیئے تھے ورنہ وہ دوسری چیزوں کے ساتھ اس کے ہاتھ لگ جاتے۔''

میں نے اس کے الفاظ تولے اگر وہ جھوٹ بھی بول رہی تھی تو بہت صفائی سے بول رہی تھی اس کے لہجے میں کہیں بھی پکڑائی نہیں تھی۔ میں نے گہری سانس لی اور چاقو نکال کر اس کے ہاتھوں کی جھکڑی کاٹ دی۔ اس نے جلدی سے اپنی آنکھوں سے ٹیپ اتارا۔ میں پیچھے ہوا تھا لیکن وہ جان بوجھ کر مجھ سے رگڑ کھا کر جیپ سے نیچے اتری تھی۔ میں نے دل میں اسے سنائیں اور منہ بولا۔ ''کوئی احمقانہ حرکت مت کرنا جس پر پچھتانے کے لیے صرف تمہاری لاش رہ جائے۔''

''مجھے دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بے زاری سے منہ بنایا اور بولی۔ ''اگر تمہیں کاغذات مل جائیں تو تم میری جان چھوڑ دو گے؟''

''اتنی آسانی سے نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جب تک میں لاکر تک نہیں پہنچ جاتا اور بریف کیس میرے ہاتھ نہیں آ جاتا تمہیں ہمارے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔''

اس کے چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات نمودار ہوئے اور وہ پھٹ پڑی تھی۔ ''لیکن تمہاری باتوں سے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے تم کاغذات لے کر مجھے چھوڑ دو گے۔''

''یہ تمہاری سمجھ کی غلطی ہے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔''

''شہباز تم مجھے دھوکا دے رہے ہو۔''

میں مسکرایا۔ ''چلو ایسا ہی سمجھ لو لیکن کیا تم اس کی مستحق نہیں ہو۔ تم میری دشمن ہو اور دشمن سے آدمی خلوص نہیں برتتا ہے۔ ویسے تم نے سچ مچ مجھے اتنا احمق سمجھا تھا کہ میں کاغذات کا ایک پلندہ لے کر تمہارا شکریہ ادا کروں گا اور تمہیں جانے دوں گا؟''

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔ ''میں تمہیں اندر نہیں لے جاؤں گی۔''

''اگر تم نہ لے جاؤ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہم کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ جائیں گے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم سے تعاون کرو۔''

اس نے سوچا اور گہری سانس لے کر سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے لیکن مین گیٹ کی چابی میرے پاس نہیں ہے۔ ہمیں گیٹ پھلانگ کر اندر جانا ہوگا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''مزید اندر جانے کے لیے بھی تو چابیاں درکار ہوں گی۔''

''نہیں اندر کے دروازوں پر فنگر پرنٹ لاک ہیں جب میں اپنے فنگر پرنٹ دوں گی تو لاک کھل جائے گا۔''

''خوب تم نے بڑا جدید سسٹم لگایا ہے۔''

''کرنا پڑا ہے۔'' وہ بولی۔ ''میں گیٹ خود سے نہیں پھلانگ سکتی تم لوگوں کو مدد کرنا ہوگی۔''

''تم فکر مت کرو۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ''تمہارا پھول سا بوجھ اٹھانے کے لیے ہم ہیں۔''

اس نے مجھے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں۔ اس دوران میں ایاز نے جیب اس طرح کھڑی کی کہ گیٹ کا بڑا حصہ اس کے پیچھے چھپ گیا تھا اور کوئی دور سے دیکھتا تو اسے ہم گیٹ پھلانگتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ میں نے آس پاس دیکھا اور جب مجھے کوئی فرد نہیں آیا تو میں گیٹ پر چڑھ کر اندر کود گیا۔ میں نے ایاز کو باہر ٹھہرنے کو کہا تھا۔ اس نے سہارا دے کر شہلا کو اوپر چڑھایا۔ وہ بری طرح ڈر رہی تھی اور یوں ڈگمگا رہی تھی جیسے ابھی نیچے گر جائے گی۔ ایاز نے اسے چڑھا تو دیا تھا لیکن اترنا اسے خود تھا اور اس سے اترا نہیں جا رہا تھا وہ گیٹ کے اوپر بیٹھی ڈگمگا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اس نے بوکھلائے انداز میں کہا۔ ''پلیز مجھے نیچے اتارو..... میں گر جاؤں گی۔''

''سات فٹ کی بلندی سے گر کر تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''چھلانگ لگا دو۔''

''پلیز۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ وہ بری طرح خوف زدہ لگ رہی تھی۔ مجھے ترس آنے لگا اور میں بھول گیا کہ وہ کس قسم عورت ہے۔ خوف اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کمر تھامی اور اسے نیچے کھینچا تو وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ تقریباً مجھ پر آ گری تھی اور جب تک میں سنبھلتا اس نے ہاتھ مار کر میری جیکٹ کی جیب سے پستول نکال لیا تھا اور پھرتی سے پیچھے ہٹ کر مجھ پر تان لیا۔

''بس شہباز ملک تمہارا کھیل ختم ہوگیا ہے۔''

پستول کی نال میرے سینے کی طرف اٹھی تھی اور شہلا کی انگلی کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔

○.....❖.....○

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شہلا کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جیسے اس نے سچ مچ میرا کھیل ختم کر دیا ہو۔ ''یہ تمہارا خیال ہے۔'' میں نے سکون سے کہا۔ ''میرا کھیل کم سے کم تمہارے ہاتھوں ختم نہیں ہوگا۔''

وہ پیچھے ہٹ گئی۔ ''تم غلط سمجھ رہے ہو میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی ہوں۔ تم ان چند افراد میں سے ہو جن پر ہاتھ اٹھانے کو دل نہیں چاہتا ہے۔''

''تب یہ پستول کس خوشی میں نکالا ہے؟''

وہ پیچھے ہٹتے ہوئے برآمدے میں داخلی دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے مجھ پر سے نظر ہٹائے بغیر لاک کے اوپر لگا ایک بٹن دبایا تو اس کی سرخ روشنی جل اٹھی تھی۔ اس نے جواب دیا۔ ''یہ پستول میں نے صرف اس لیے نکالا ہے کہ تم مجھے روکو مت۔''

''تمہارا کیا خیال ہے اس طرح تم مجھ سے بچ جاؤ گی۔'' میں نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

اس نے اضطراری انداز میں پستول سیدھا کر لیا۔ ''شہباز آگے مت آؤ ورنہ میں گولی چلا دوں گی مجھے اس کے لیے مجبور مت کرو۔''

''تم نے پلان اچھا بنایا خود کو خوف زدہ ظاہر کیا اور مجھ سے پستول حاصل کرنے میں کامیاب رہیں۔'' میں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اب اسے چار قدم دور تھا۔

''شہباز بس۔'' اس کے چہرے پر سختی نمودار ہوئی تھی۔ ''اب ایک قدم آگے مت آنا۔''

''ورنہ تم مجھے گولی مار دو۔'' میں نے مذاق اُڑانے والے انداز میں کہا۔ ''لیکن کس چیز سے، اس خالی پستول سے۔''

''تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔'' اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''پستول میں میگزین موجود ہے۔''

''مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' میں نے آہستہ سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور باہر نکالا تو اس میں پستول کا میگزین دبا ہوا تھا۔ اس کی نظر بے ساختہ پستول کے دستے کی طرف گئی۔ میرے لیے ایک لمحے کی مہلت کافی رہی اور میں نے نیچے ہوتے ہوئے اس کا پستول والا ہاتھ تھام کر اوپر کیا۔ اس نے گولی چلا دی تھی لیکن وہ ہوا میں گئی میں نے اسے دوسرے فائر کی مہلت نہیں دی اور پستول چھین لیا۔ پستول چھن جانے کے بعد اس نے مشتعل ہو کر گالی اور مجھے لات مارنے کی کوشش کی۔ میں نے ذرا سا گھٹنا موڑ کر اس کا وار روکا اور اسے دیوار کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

طرف دھکیل دیا۔ میں اسے کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا اس لیے کوئی ایسا وار کرنے سے گریز کیا جس سے اسے چوٹ لگے۔ وہ دیوار سے ٹک کر ہانپنے اور مجھے گھورنے لگی۔ اگر کوئی انسان کسی دوسرے کو آنکھوں سے قتل کر سکتا تو اس روز میرا بچنا ناممکن تھا شہلا مجھے کچھ ایسی ہی نظروں سے گھور رہی تھی۔ ایاز نے گیٹ کے اوپر سے جھانکا۔ ''سب ٹھیک ہے؟''

''پہلے نہیں تھا لیکن اب ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ذرا باہر دیکھنا اس فائر کا ردِعمل نظر آ رہا ہے۔''

''نہیں جناب صرف ایک کتا تھا فائر ہوتے ہی اس نے پولیس والوں کی سی تیزی سے ایک طرف دوڑ لگا دی اور اب باہر کوئی نہیں ہے۔'' ایاز خوشگوار موڈ میں تھا۔

''یار دیکھو کہیں کوئی گھر سے نہ جھانک رہا ہو اور اسے ہماری سرگرمیاں مشکوک لگیں تو وہ پولیس کو کال کر سکتا ہے۔''

''نہیں ایسا کوئی نہیں ہے فائر کی آواز زیادہ دور تک نہیں گئی ہے اور اگر کسی نے سنا بھی ہے تو اسے کوئی پٹاخہ یا کسی گاڑی کے سائلنسر کا مس فائر سمجھا ہوگا۔''

شہلا نے اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا وہ پھیکے انداز میں مسکرائی۔ ''تم نے مجھے بے وقوف بنا دیا۔ میگزین دیکھ کر میں ایک لمحے کے لیے یہی سمجھی کہ پستول خالی ہے۔''

''میں ہمیشہ اپنے پاس اضافی میگزین رکھتا ہوں۔'' میں نے دوسرا میگزین واپس جیکٹ میں رکھ لیا۔ ''اب یہ دروازہ کھولو اور کوئی حرکت مت کرنا۔''

اس نے شکست خوردہ انداز میں لاک کے فنگر پرنٹ ریڈر پر اپنا انگوٹھا رکھا اور چند لمحے بعد کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ جیسے ہی دروازہ ذرا سا کھلا اندر لاؤنج میں خود بخود روشنی ہو گئی۔ شہلا نے یہاں واقعی جدید ترین سسٹم نصب کرایا تھا۔ لاؤنج زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اپنی سجاوٹ اور فرنیچر کی وجہ سے بڑا نظر آ رہا تھا۔ اندر جاتے ہوئے میں نے ایاز سے کہا۔ ''ہوشیار رہنا۔''

''باہر کی طرف سے آپ بے فکر رہیں۔''

میں شہلا کے ساتھ اندر آیا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ یہ کوئی نصف کنال پر پھیلا ہوا پوری طرح کورڈ مکان تھا۔ سوائے سامنے کے چھوٹے لان اور کار پورچ کے۔ لاؤنج کے ایک طرف بہترین کچن تھا اور اس سے آگے دو کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ یہ عام دروازے تھے۔ مکان اندر سے بہت صاف ستھرا اور چمک رہا تھا۔ شہلا نے کہا۔ ''یہ اندر سے سینٹرلی اے سی ہے اور یہاں ہوا کی آمد و رفت کی کوئی جگہ نہیں ہے اس لیے گرد و غبار اندر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''تمہارا پلان کہاں ہے؟''

وہ مجھے کچن سے آگے ایک کمرے میں لائی یہ بیڈ روم تھا۔ اس نے الماری کھولی اور اس کے ایک خفیہ خانے سے ایک چھوٹی سی پلاسٹک کور والی فائل نکال کر میری طرف اچھال دی۔ میں نے فائل کیچ کی۔ ''پلان اس میں ہے؟''

''اس میں صرف آؤٹ لائن ہے۔'' وہ بولی اور پھر اپنے ماتھے پر انگلی ماری۔ ''اصل پلان یہاں محفوظ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

۔"

میں جھنجھلا گیا۔ "تو تم بلاوجہ یہاں لائی ہو، کیا مجھے تمہارا سر توڑ کر اس میں سے پلان نکالنا پڑے گا؟"

وہ ہنسی۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے میں جب تم سے تعاون کر رہی ہوں لیکن یہ ضروری ہے اسے دیکھ کر تم میرا پلان آسانی سے سمجھ جاؤ گے۔"

"شہلا۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ "تم میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

وہ ڈرنے کے بجائے مزید شوخ ہو گئی۔ "کیوں کیا مجھے اس کا حق نہیں ہے میں ایک حسین عورت ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے بل کھانے کے انداز میں اپنا سراپا دکھایا۔ "کیا نہیں ہوں؟"

"اگر ہو تو یہ کون سا موقع ہے؟"

اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ "یہی تو موقع ہے یہاں کوئی نہیں ہے بس میں اور تم ہیں۔"

"سمجھ لو میں بھی نہیں ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"اچھا۔" وہ چیلنج کرنے والے انداز میں بولی۔ "تب میں کپڑے بدل رہی ہوں کیونکہ میں یہاں اکیلی ہوں اور یہ باسی کپڑے اب برداشت نہیں ہو رہے ہیں۔"

موسم ایسا نہیں تھا کہ اس کا لباس اتنی جلدی خراب ہوتا۔ مکان پر راکٹ حملے میں بھی وہ کمبل میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہی تھی یعنی اس کے کپڑے گرد سے بچ گئے تھے۔ یہ سراسر اس کی بدمعاشی تھی۔ میں نے کہا۔ "کپڑے بدلنے کی ضرورت نہیں ہے اپنے کچھ کپڑے اور دوسرا سامان لے لو جس کی تمہیں ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

اس نے منہ بنا کر مجھے دیکھا۔ "تم میں ذرا بھی سینس آف ہیومر نہیں ہے۔"

"جس قسم کا سینس آف ہیومر تم چاہتی ہو وہ بالکل بھی نہیں ہے۔ اب جو کرنا ہے دس منٹ کے اندر کر لو کیونکہ اس کے بعد یہ جگہ باقی نہیں رہے گی۔" میں نے کہا اور جیب سے ایک آتش گیر ٹائم بم نکالا۔ عبداللہ نے ان بموں کا ایک پورا سیٹ دیا تھا۔ شہلا کے ساتھ یہاں آتے ہوئے میں ایک لے آیا کہ شاید کہیں ضرورت پڑ جائے۔ "میں نے اس پر دس منٹ بعد کا وقت سیٹ کر دیا ہے اور یہ دیکھو ٹائمر چل پڑا ہے۔" میں نے ٹائمر کو آن کرنے والا بٹن دبا کر اسے اسٹاپ واچ دکھائی۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" اس نے چیخ کر کہا اور میری طرف لپکی لیکن اس کے قریب آنے سے پہلے میں نے پاؤں اٹھا کر اسے روکا اور پھر بستر کی طرف دھکیل دیا۔ وہ پلٹ کر بستر پر جا گری۔ اس کے اٹھنے سے پہلے میں نے اس کی کمر پر پاؤں رکھ دیا۔ اس نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی اور میرے پاؤں تلے کسی زہریلی ناگن کی طرح بل کھانے لگی۔

"بس اب کچھ مت کرنا، اگر اس مکان کے ساتھ جل کر مرنا نہیں چاہتی ہو تو جو کرنا ہے دس منٹ میں کر لو بلکہ اب ساڑھے نو منٹ رہ گئے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے پاؤں ہٹا لیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور ملتجی لہجے میں بولی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''پلیز شہباز یہ مت کرو میں نے بڑی محنت سے اس مکان کو اس شکل میں ڈھالا ہے۔ مجھے اس جگہ سے محبت ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''افسوس کہ تم نے محبت کرنے کے لیے ایک بے جان مکان کو پسند کیا ہے صرف نو منٹ رہ گئے ہیں۔''

''ہاں کیونکہ آج کے انسان محبت کے لائق کہاں ہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔''میں اس مکان کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔''

میں نے اسے خبردار کیا۔''شہلا تم باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہو ابھی تمہارے پاس موقع ہے یہاں تمہاری کوئی اہم چیز ہے تو اسے نکال لو اب آٹھ منٹ رہ گئے ہیں۔''

وہ سمجھ گئی کہ میں اس کی بات نہیں سنوں گا۔ وہ الماری کی طرف لپکی تو میں نے پستول اس کی طرف سیدھا کر لیا۔''کوئی غلط حرکت کرنے سے پہلے سوچ لینا مجھے گولی چلانے میں وقت نہیں لگے گا۔''

اس نے ایک چرمی بیگ نکالا اور پھر کچھ کپڑے نکال کر ایک خالی بیگ میں ڈالے۔ اسی بیگ میں اس نے ایک لاکر سے زیورات کے ڈبے نکال کر رکھے۔ چرمی بیگ پر نمبروں والا لاک تھا لیکن بیگ اس نے صرف زپ سے بند کر دیا۔ یقیناً چرمی بیگ میں کوئی قیمتی چیز تھی۔ اس نے پانچ منٹ میں سب تیار کر لیا اور مجھ سے کہا۔

''میں نے سب لے لیا ہے۔''

''اس بیگ میں کیا ہے؟''

''اس میں میری کچھ اہم چیزیں ہیں۔'' اس نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ میں نے مطالبہ کیا۔

''مجھے دکھاؤ ورنہ یہ بیگ یہیں چھوڑ جاؤ۔''

وہ سمجھ گئی کہ میں نہیں مانوں گا۔ مجبوراً اس نے نمبروں والا لاک ترتیب دے کر کھولا اور بیگ میری طرف بڑھایا۔ اس میں خاصی مالیت کی کرنسی تھی۔ یہ شاید ایک کروڑ روپے تھے۔ پانچ ہزار والے نوٹوں کی بیس گڈیاں تھیں۔ کرنسی کے علاوہ اس میں کچھ نہیں تھا۔ میں نے اطمینان کر کے بیگ اسے واپس کر دیا۔ اس نے کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا۔

''تم اسے واپس کیوں کر رہے ہو؟''

''کیونکہ یہ رقم تمہاری ہے اور مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔''

''باہر چلو۔'' اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔''تم نے جو بم لگایا ہے وہ پھٹ نہ جائے؟''

میں اس کے ساتھ مکان سے باہر آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کا تالہ خود کار طریقے سے لگ جاتا تھا اور اسے دوبارہ کھولنے کے لیے شہلا کے انگوٹھے کی ضرورت پڑتی، میں نے باہر آتے ہی بم جیب سے نکال کر اس کا ٹائمر آف کر کے اسے ری سیٹ کر دیا اب اسے دوبارہ ایکٹو کرنا پڑتا۔

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔''تم نے یہ بم تو لگایا ہی نہیں۔''

میں نے بم جیب میں رکھ لیا۔''اس کی ضرورت نہیں ہے مس شہلا رضوی، یہ میرا مذاق ہے کیسا لگا؟''

اس کے چہرے پر بیک وقت غصے، بے بسی اور شک کے تاثرات نمودار ہوئے۔''تم واقعی مذاق کر رہے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھے؟''

''ہاں میرا مذاق ایسا ہی ہوتا ہے اور کیا تم نے مجھے مرشد یا فتح خان جیسا کوئی نفسیاتی مریض سمجھ رکھا ہے جو حسن سے وابستہ ہر چیز کو تباہ کرنے پر تل جاتے ہیں چاہے وہ کتنی خوب صورت کیوں نہ ہو۔ مجھے تمہارا یہ گھر بہت اچھا لگا اور جو چیز مجھے اچھی لگے میں اسے تباہ نہیں کرتا ہوں۔''

اس نے سکون کا سانس لیا اور چہک کر بولی۔ ''شہباز تم نے میرا دل جیت لیا ہے آئی لو یو۔''

''معاف کرنا مجھے تمہارے دل کی ضرورت نہیں ہے مجھے لاکر میں پڑا اپنا بریف کیس چاہیے اگر تم بلاوجہ لی ٹانگ اُڑا کر نہ رکھتیں تو میں اب تک خود لاکر تک رسائی حاصل کر چکا ہوتا۔''

''اس پلان کی مدد سے۔'' اس نے فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم نہایت آسانی سے لاکر تک پہنچ جاؤ گے۔''

''اس میں کیا ہے؟''

''اس میں بینک کے اندر کا مکمل نقشہ ہے اور لاکر روم کی تصاویر ہیں۔ حفاظتی انتظامات کے بارے میں مکمل معلومات ہیں۔''

''بینک کے اندر کوئی تمہارا مددگار بھی ہے شاید اس کا نام لیاقت.....''

''میں نے اس وقت غلط بتایا تھا اس کا نام شاہد منظور ہے اور وہ بینک میں سیکورٹی سپروائزر ہے۔ اب بینک والے گارڈز نجی سیکورٹی کمپنیوں سے لیتے ہیں لیکن سپروائزران کا اپنا ملازم ہوتا ہے خاص طور سے جن بینکوں میں زیادہ کیش یا لاکرز ہوتے ہیں وہاں لازمی بینک کا اپنا ملازم سیکورٹی سپروائزر ہوتا ہے کیونکہ ایسے واقعات ہو چکے ہیں جب گارڈز ہی رات کو بینک لوٹ کر فرار ہو گئے۔''

''شاہد منظور تم سے تعاون پر آمادہ ہے ممکن ہے وہ تمہیں بے وقوف بنا رہا ہو اس کا کام نکل چکا ہے۔'' میں نے کہا تو شہلا کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ بتا چکی تھی کہ اس نے اپنے حسن کا جال ڈال کر شاہد منظور کو پھنسایا تھا۔

''میں نے بتایا تھا وہ کچھ نہیں جانتا ہے لیکن اس کی مدد سے میں سب معلوم کر چکی ہوں اور بذات خود جا کر دیکھ بھی چکی ہوں کیونکہ اس کی اکثر ڈیوٹی رات کو ہوتی تھی تو میں اس سے ملنے کے بہانے بینک پہنچ جاتی تھی۔ مجھے کیش روم اور لاکر روم دروازوں کے کوڈز بھی معلوم ہو گئے ہیں۔''

''ان کے کوڈز ہر روز بدل دیئے جاتے ہوں گے؟''

''نہیں ان کے کوڈز ہر ہفتے بدلے جاتے ہیں۔ پانچ مختلف کوڈز ہیں اور ہر پانچویں ہفتے پہلے والا کوڈ آجاتا ہے میرے پاس تمام کوڈز ہیں۔''

ہم صحن میں کھڑے بات کر رہے ہیں۔ شہلا بہت خوش تھی کہ میں نے اس کے اس خوب صورت ٹھکانے کو تباہ نہیں کیا۔ ایاز نے گیٹ کے اوپر سے جھانکا۔ ''شہباز صاحب باقی گفتگو راستے میں بھی ہو سکتی ہے۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا اور سہارا دے کر شہلا کو دیوار پر چڑھانا چاہا لیکن وہ خود ایک ہی چھلانگ میں اوپر چڑھ گئی اور پھر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ اس نے مجھے صحیح سے بے وقوف بنایا تھا وہ تو مجھے بروقت ترکیب سوجھ گئی اور میں پستول لینے میں کامیاب رہا ورنہ امکان تھا وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی۔ جب تک میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

باہر آیا ایاز اسے پچھلے حصے میں بٹھا کر جیپ اسٹارٹ کر چکا تھا۔ میں بیٹھا اور اس نے جیپ آگے بڑھا دی۔

''جب فائر ہوا تو کسی طرف سے ردِعمل نہیں آیا تھا۔'' ایاز نے کہا۔ ''لیکن کچھ دیر سے بائیں طرف کے ایک مکان سے ایک بڑی بی آ کر کئی بار جھانک چکی ہیں۔ ان کو شک ہو رہا تھا۔''

''ممکن ہے پولیس کو کال کر دی ہو؟''

''ہو سکتا ہے۔'' ایاز نے کہا اور مجھے یاد دلایا۔ ''خاتون کی آنکھیں بند کرنی ہیں۔''

میں عقب میں آیا اور شہلا کے احتجاج اور مزاحمت کے باوجود اسے دوبارہ جھگڑی لگا کر اس کی آنکھوں اور منہ پر ٹیپ لگا دیا۔ اس کے دونوں بیگ اس کے پاس تھے۔ واپس آ کر میں نے فائل کھولی۔ اس میں سچ مچ بینک کا مکمل اندرونی نقشہ تھا اور ایک ایک چیز کی وضاحت تھی۔ اس کے ساتھ لاکر روم کی قل سائز تصاویر تھیں یہ کسی بہترین ڈیجیٹل کیمرے سے لی گئی تھیں اور ان کی ریزولوشن لاجواب تھی۔ ایک کمپیوٹر پرنٹ آؤٹ پر نمبروں سے کھلنے والے تالوں کے نمبرز لکھے تھے۔ دو تالوں کے پانچ مختلف کوڈز تھے جن میں سے ایک ہفتے میں ایک بار استعمال ہوتا تھا۔ رات کے وقت بینک میں چار گارڈ ہوتے تھے۔ دو باہر ہوتے تھے اور دو اندر ہوتے تھے۔ ہر چار گھنٹے بعد اندر اور باہر والوں کی ڈیوٹی بدل جاتی تھی۔

سیکورٹی سپر وائزر بینک کے اندرونی حصے میں ہوتا تھا جہاں تک کسی گارڈ کی رسائی بھی ممکن نہیں تھی۔ اگر کوئی ڈکیتی کی نیت سے بینک میں آئے اور اندر والے گارڈز پر بھی قابو پا لے تب بھی وہ سیکورٹی سپر وائزر پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ سیکورٹی سپر وائزر اندر کیمروں کی مدد سے بینک کے باہر اور بیرونی ہال ہر جگہ مکمل نظر رکھے ہوئے ہوتا تھا اور ذرا سا خطرہ دیکھتے ہی وہ نہ صرف الارم بجا دیتا بلکہ پولیس اور سیکورٹی کمپنی کو بھی کال کر دیتا۔ ڈاکو اندر نہیں گھس سکتے تھے کیونکہ انہیں سیف روم کا دروازہ کاٹنا پڑتا اور یہ آسان کام نہیں تھا۔ بینک والوں نے واقعی بہت اچھے حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ ان کی موجودگی میں ڈاکا مارنا یا بینک میں گھسنا آسان کام نہیں تھا لیکن شہلا کا کہنا تھا کہ اس کا حیران کن حد تک آسان پلان تھا جس کی مدد سے بینک میں با آسانی گھسا جا سکتا تھا۔ ہم واپس آئے تو وسیم گیا ہوا تھا۔ اسے اس عورت کے ٹھکانے کا پتا چلانا تھا جسے گزشتہ رات فاضلی اس کوٹھی میں لے گیا تھا۔ ایاز شہلا کو نیچے لے گیا اور میں نے وسیم کے نمبر پر کال کی۔

''کام ہو گیا؟''

''جی جناب اس عورت کا پتا مل گیا ہے۔ اونچی پارٹی ہے۔ ایف سیکٹر میں ایک اپارٹمنٹ میں رہتی ہے۔ نام شبانہ ہے اور کام کا آپ کو پتا ہے۔''

''فاضلی وہاں سے نکلا یا نہیں؟''

''فاضلی نکلا تھا لیکن جو آدمی اس کے پیچھے تھا اس کی بائیک اچانک پنکچر ہو گئی اور فاضلی نکل گیا اس کے بعد وہ دوبارہ کوٹھی کی طرف نہیں آیا ہے۔''

''اس کی قسمت بھی اچھی ہے کئی بار وہ میرے نشانے پر آنے کے بعد نکلا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''شبانہ کے لیے کیا پروگرام ہے؟''

''اسے آج رات گھر سے نکلتے ہی اٹھا لیا جائے گا اور اگر وہ نہیں نکلی تو یہ کام کل کیا جائے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''تم نے ٹھیک سوچا ہے اس کے گھر میں گھسنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''میں نے آپ کی موبائل کمانڈ سینٹر والی بات پر غور کیا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے ہمیں اس کے لیے ایک عدد طاقتور انجن والی وین یا مائیکرو بس درکار ہوگی۔''

''اندازاً کتنے کی مل جائے گی؟'' میں نے دل ہی دل میں اپنے اثاثوں کا حساب لگاتے ہوئے کہا۔

''اچھی حالت میں پرانی وین یا مائیکرو بس پندرہ کے آس پاس میں مل جائے گی۔''

''میں ایاز کے ذمے یہ کام لگاتا ہوں اسے گاڑیوں کے بارے میں بڑی اچھی طرح علم ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کون سی چیز کہاں سے مل جائے گی۔''

''یہ ٹھیک رہے گا اسے میرے پاس بھیج دیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس خبیث کے آدمیوں والا معاملہ سفیر دیکھ لے گا۔'' اس نے مرشد کا نام لینے سے گریز کیا۔

''اس کے لیے میں بھی یہاں ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا میں نے ایاز کو بلایا۔ اسے اپنے پاس موجود تمام رقم دی۔ یہ کوئی دس لاکھ کے قریب رقم تھی۔ اسے وسیم کے پلان کے بارے میں سمجھایا۔ ''ہمیں ایک اچھی حالت میں وین یا مائیکرو بس کی ضرورت ہے۔ کوشش کرو کہ یہ کام آج ہو جائے اگر مطلوبہ گاڑی مل جائے تو اس کا سودا کر لینا۔''

''میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں۔ میں کئی ایسے شورومز سے واقف ہوں جہاں اس قسم کی گاڑی مل سکتی ہے۔''

''گڈ اسی وجہ سے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔'' میں نے کہا اور سفیر کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''نیچے بیتو کے ساتھ مرشد کے آدمیوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔'' ایاز مسکرایا۔ ''انہوں نے میری ڈیوٹی سنبھال لی ہے۔''

میں نیچے آیا تو قیدیوں کے کمرے سے شور کی آواز آ رہی تھی غالباً یہ جمیل تھا۔ وہ واویلا مچا رہا تھا۔ ''ہائے رہا..... اوئے ظالما..... ہائے..... اوئے نہ مار۔''

میں نے اندر جھانکا تو بیتو اسے پنچنگ بیگ کے طور پر استعمال کر رہا تھا اور اس کا ناک منہ برابر کر دیا تھا۔ سفیر مار دھاڑ والے کاموں سے ذرا گریز کرتا تھا خاص طور سے جب وہ ہاتھ سے کرنا پڑیں اس لیے وہ ایک طرف کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ دوسرے کا نام شاید خرم تھا۔ اس کے پاؤں میں گولی لگی تھی اور وہ ایک طرف دیوار سے ٹکا ہوا کانپ رہا تھا۔ گزشتہ روز کے مقابلے میں اس کی اکڑ میں کمی آئی تھی۔ بھوک، گولی کے خراب ہوتے زخموں کی تکلیف اور سردی کے ساتھ مسلسل خاطر تواضع نے اُن کو سیدھا کر دیا تھا۔ میں اندر آیا اور سفیر سے پوچھا۔

''ان کی یادداشت بہتر ہوئی؟''

سفیر مسکرایا۔ ''بہت حد تک..... اسے یاد آ گیا ہے کہ راحیلہ کا قتل اس نے کیا تھا۔'' اس نے خرم کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور یہ کام اس نے مرشد کے کہنے پر کیا تھا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''کیا فائدہ یہاں یہ اقرار کر رہا ہے لیکن اسے پولیس کے حوالے کیا تو یہ مکر جائے گا اور وہی راگ الاپے گا جو اسے مرشد سمجھائے گا۔'' میں نے مایوسی سے کہا تو وہ بلبلا گیا تھا۔

''نہیں میں پولیس کے سامنے بھی یہی کہوں گا۔''

وہ ہمیں بے وقوف سمجھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ایسے نہیں تم صاف ستھرے ہو کر یہ بیان ریکارڈ کراؤ گے تبھی تمہاری جان چھوٹے گی۔''

وہ بدکا۔ ''کیسا بیان؟''

''یہی کہ تم نے مرشد کے حکم پر کیا کیا جرائم کیے ہیں جیسے اس صحافی عورت راحیلہ کا قتل کیا اور بھی جرم کیے ہوں گے۔''

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''اگر میں بیان دے دوں تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟''

''کیوں نہیں۔'' میں نے بلا تامل کہا۔ ''ہمیں مرشد کے جرائم کا ثبوت درکار ہے تمہارا کوئی اچار تو نہیں ڈالنا ہے۔''

بیتو کا دل بھر گیا تھا اس لیے اس نے جمیل کو چھوڑ دیا اور وہ دیوار سے ٹیک لگائے ہانپ رہا تھا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''اس نے کچھ اگلا ہے؟''

''اسی نے تو بتایا ہے کہ راحیلہ کا قتل خرم نے کیا ہے۔'' بیتو بولا۔ ''پر یہ حرامی پن کر رہا ہے پورا بات نہیں بتا رہا تھا پھر ہم کو غصہ دلایا اور اس کا منہ خراب کر دیا۔''

بیتو کے مکوں نے جمیل کے منہ پر کوئی نصف درجن زخم ڈال دیئے تھے اس کی ایک آنکھ سوجن کی وجہ سے بند ہو رہی تھی اور دوسری میں خون اترا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان سے اب بیان حاصل کر لیا جائے۔ میں بیتو اور سفیر کو باہر لایا۔ ''ان سے بیان حاصل کرنا ہے لیکن پہلے ان کی حالت ٹھیک کرنا ہوگی ورنہ ویڈیو میں تیار کیا ہوا بیان صاف تشدد کی مدد سے حاصل کیا ہوا نظر آئے گا۔''

''اس میں تو کئی دن لگ جائیں گے۔'' سفیر نے اعتراض کیا۔ ''منے نے دوسرے کا حلیہ کچھ زیادہ ہی بگاڑ دیا ہے۔''

''خرم کا حلیہ کسی قدر بہتر ہے۔ اسے کھانے پینے کو دو اور کوئی دوا بھی دے دو۔ اس کی حالت جلد بہتر ہو جائے گی۔''

''کھا پی کر وہ دوبارہ اپنی بات پر اڑ گیا تو؟''

''اس کا علاج ہے جمیل کو قربان کر دیں گے اس کے انجام سے عبرت پکڑ کر وہ مان جائے گا۔''

''جیسا تم کہو۔'' سفیر نے کہا۔ ''لیکن اس بیان کو کہاں استعمال کرو گے عدالتوں میں اس قسم کی چیزوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔''

''لیکن عدالت انہیں بالکل نظر انداز بھی نہیں کرتی ہے۔ حالات اور واقعات کی کڑی ملا کر ایک نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ان سے بیان حاصل کرنے کی تیاری کرو ہم انہیں زیادہ دن یہاں نہیں رکھ سکتے ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سفیر نے خرم کو دوسرے صاف ستھرے کپڑے دیئے اور اسے اپنے زخم صاف کرنے کا موقع بھی فراہم کیا۔ باہر لا کر اسے کھانے پینے کو بھی دیا تھا۔ پھر سفیر نے اسے کچھ دوائیں دیں اور ایک اینٹی بایوٹک انجکشن لگایا تاکہ اس کے زخم کی تکلیف کم ہو۔ جمیل کو اس سلسلے میں بالکل نظر انداز کر دیا تھا دو دن سے اسے کھانے اور پینے کو کچھ نہیں دیا تھا اور پیاس سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔ ایسا ضروری تھا تاکہ خرم عبرت پکڑتا رہے اور اسے احساس رہے کہ کسی قسم کے انکار کی صورت میں اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ ہمارے پاس ڈیجیٹل کیمرا نہیں تھا لیکن آئی فون میں بہترین قسم کا میگا پکسل کیمرا موجود تھا جو ہائی ڈیفینیشن مووی بھی بنا سکتا تھا اور اس کے اندر کئی جی بی کی میموری تھی جس میں یہ مووی با آسانی محفوظ کی جا سکتی تھی۔ میں نے اسے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ ریکارڈنگ اسی کمرے میں کی جانی تھی کیونکہ یہاں سوائے خالی دیواروں کے اور کچھ نہیں تھا۔ دیواروں پر آف وائٹ میٹ فنش پینٹ تھا۔ اگرچہ دیواروں پر خون کے دھبے آ گئے تھے لیکن کسی ڈٹرجنٹ ملے پانی اور کپڑے سے انہیں با آسانی صاف کیا جا سکتا تھا۔ خرم کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا اور آئی فون کو مووی ریکارڈنگ پر سیٹ کر کے ایک اسٹول پر رکھ دیا تھا اس سے بہت واضح اور بغیر کسی حرکت کے مووی بن رہی تھی۔ تیز روشنی والا بلب آئی فون کے پیچھے تھا اس لیے خرم پوری طرح واضح تھا۔ آئی فون میں آواز کی ریکارڈنگ کا سسٹم بھی تھا۔ میں نے آواز بدل کر خرم سے پہلا سوال کیا۔

''تم نے راحیلہ کو پہلی بار کب دیکھا؟''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔ ''جب وہ مرشد ہاؤس میں تھی۔''

''تم نے دیکھا تو اس وقت وہ کیسی حالت میں تھی؟''

''وہ بے ہوش تھی اور اس کے سارے کپڑے پھٹ گئے تھے۔''

''کیا اس کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی؟''

''لگا تو ایسا ہی تھا لیکن میں نے اپنی آنکھ سے کچھ نہیں دیکھا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم مرشد کے لیے کیا کام کرتے ہو؟''

''جو مرشد بادشاہ کہیں۔''

''اگر وہ کہے کہ کسی کو قتل کرنا ہے، کسی عورت کو اغوا کر کے لانا ہے یا کسی کا گھر جلا دینا ہے تو تم یہ سب کرتے ہو؟''

اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں کیونکہ اگر وہ اقرار کرتا تو ایک طرف قانون کے شکنجے میں اس کی گردن پھنستی تو دوسری طرف مرشد اسے نہ بخشتا۔ بلکہ قانون سے تو وہ شاید بچ جاتا لیکن مرشد اسے اس کے گھر والوں سمیت نمونہ عبرت بنا دیتا۔ مگر وہ جواب دینے سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا مجبوراً اس نے سر ہلایا۔ ''جی جو بھی کہیں وہ مجھے کرنا ہوتا ہے۔''

''تمہارا کام مرشد ہاؤس سے باہر ہوتا ہے۔ اس دن تمہیں اندر کیوں بلایا گیا تھا۔''

''وہ مجھ سے کہا گیا تھا کہ اس عورت کو.....''

''کس عورت کو نام سے بتاؤ؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''راحیلہ کو ٹھکانے لگانا ہے۔'' اس نے بمشکل کہا۔ اتنی مشکل تو اسے اس مظلوم عورت کا گلا دبانے میں پیش نہیں آئی ہوگی جتنی اس کے قتل کے اقرار میں پیش آ رہی تھی۔

''تمہیں کس نے حکم دیا تھا کہ اس عورت کو قتل کر دو؟''

اس بار اس نے تھوک نگلا اور کئی سیکنڈ کی کوشش کے بعد بولا۔ ''مرشد بادشاہ نے۔''

''یہ مرشد بادشاہ کون ہے؟''

اس نے تعجب سے کہا۔ ''جناب سارا زمانہ جانتا ہے مرشد بادشاہ کون ہیں۔''

''اس کا اصل اور پورا نام بتاؤ؟''

''سید مرشد علی ولد سید مستفید علی۔'' خرم نے جواب دیا وہ سمجھا نہیں تھا کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا تھا میں اس بیان کو عدالتی نکتہ نظر سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تاکہ مرشد کا وکیل اس میں سقم تلاش نہ کر سکے۔ میں نے مرشد ہاؤس کا پتا پوچھا تو اس نے وہ بھی فرفر بتا دیا۔ پھر میں اصل سوال کی طرف آیا۔

''مرشد نے اس صحافی عورت راحیلہ کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا تھا؟''

''یہ تو مرشد بادشاہ ہی جانتے تھے۔ وہ بس حکم دیتے ہیں اور ہمارا کام تعمیل کرنا ہوتا ہے۔'' خرم نے کہا۔

''تو تم نے حکم کی تعمیل کی اور اس مظلوم عورت کا گلا دبا کر اسے ہلاک کر دیا؟''

اس نے بڑی مشکل سے سر ہلایا۔ ''مجبوری تھی مرشد بادشاہ کا حکم تھا۔''

''واضح الفاظ میں بتاؤ کہ تم نے کیا کیا؟''

''میں نے اس کا گلا دبا کر اسے ہلاک کر دیا تھا۔'' وہ ہیجانی انداز میں بولا۔ ''اس سے زیادہ اور کیا صاف بتاؤں۔''

''راحیلہ کی لاش کا کیا ہوا تھا؟''

''مجھے اس بارے میں نہیں معلوم وہ فاضلی لے گیا تھا۔'' خرم نے بتایا تو میں چونک گیا۔ یعنی فاضلی اس معاملے میں بھی ملوث تھا۔ میں نے بیان کو مضبوط کرنے کے لیے اس سے مزید سوالات کیے اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ذکر راحیلہ اور مرشد کا ہی کیا جا رہا ہے۔ تقریباً بیس منٹ کی ریکارڈنگ تھی۔ کام مکمل کر کے ہم باہر آئے اور آئی فون پر ہی ریکارڈنگ دیکھی۔ سب کچھ بہترین طریقے سے ریکارڈ ہوا تھا۔ اب ہمیں کمپیوٹر کی ضرورت تھی تاکہ سی ڈیز پر اس بیان کی کاپیاں بنا سکیں لیکن یہاں کمپیوٹر نہیں تھا۔ وہ عبداللہ والی کوٹھی میں تھا۔ میں نے عبداللہ کال کی۔

''عبداللہ ہم نے مرشد کے ایک آدمی سے بیان حاصل کر لیا ہے اور اسے موبی کی صورت میں ریکارڈ کر لیا۔''

''کیسا بیان جناب؟''

میں نے اسے مختصر تفصیل بتائی تو وہ خوش ہو گیا۔ ''یہ کام کی چیز ہاتھ آئی ہے۔''

''تم ایسا کرو اس موبی کی کئی کاپیاں بنا لو یہاں کمپیوٹر نہیں ہے۔''

''میرے پاس ایک لیپ ٹاپ ہے وہ بھیج دیتا ہوں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''نہیں اس کے بجائے یو ایس بی کے ساتھ اپنا آدمی بھیج دو میں چاہتا ہوں کہ تمہارے بنگلے میں موجود کمپیوٹر کا ماہر اس مودی کو مزید بہتر اور مختصر کر دے کیونکہ آئی فون میں اس کا سائز خاصا بڑا آیا ہے اور پھر اسے پوری طرح چیک کرنے کے بعد سی ڈی یا ڈی وی ڈی پر منتقل کرے۔''

''میں سمجھ گیا میں وسیم صاحب کے ساتھ ذرا مصروف تھا اس لیے گاڑی اور بائیک بھی نہیں بھیج سکا تھا اب دونوں ایک ساتھ بھیج رہا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''وسیم کہاں ہے؟''

''میرے ساتھ ہیں۔''

''بات کرانا۔'' میں نے کہا تو عبداللہ نے موبائل وسیم کو دے دیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''کمانڈ سینٹر کے لیے آلات کا انتخاب کر رہے ہیں ابھی کچھ دیر میں ایاز کے ساتھ وین دیکھنے کے لیے جانا ہے۔''

''ایاز یہاں ہے؟''

''نہیں وہ باہر ہے مجھے باہر سے پک کرے گا۔''

میرے ساتھی سمجھدار تھے وہ بلاوجہ عبداللہ والی کوٹھی کی طرف جانے سے گریز کرتے تھے۔ تاکہ دشمن کی وہاں تک رسائی کا اندیشہ کم سے کم رہے۔ ''کال گرل والے معاملے کا کیا بنا؟''

''آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں اور جیسے ہی وہ باہر نکلے گی اسے اٹھالیں گے۔''

''میرا خیال ہے اسے بھی اسی ٹھکانے پر لے آؤ۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں خاصی گنجائش ہے اور پوچھ گچھ میں بھی آسانی رہتی ہے۔''

''یہی مناسب ہوگا۔'' وسیم نے کہا میں نے اسے مرشد کے آدمی سے حاصل شدہ اقبالی بیان کے بارے میں بتایا تو وہ بھی خوش ہو گیا۔

''یہ زبردست کام ہوا ہے اب آیا نا اونٹ پہاڑ تلے۔''

''لیکن زیادہ خوش فہمی کی ضرورت بھی نہیں ہے مرشد فی الحال بہت طاقتور اور بارسوخ ہے۔''

''لیکن شہباز صاحب کبھی نہ کبھی تو اونٹ پہاڑ تلے آئے گا۔ یہ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا ایمان ہے کہ اللہ ظالم کی رسی ایک حد تک دراز کرتا ہے اور جب رسی کھینچتا ہے تو اسے کہیں پناہ نہیں ملتی ہے۔''

''میں تم سے متفق ہوں اور اسی بھروسے پر اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہوں۔''

''شہلا کے معاملے کا کیا بنا؟''

میں نے اسے بتایا۔ ''اس کے پاس کوئی ایسا پلان ہے جس کی مدد سے بینک میں داخل ہو کر کارروائی کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔''

''اس سے پلان نکلوائیں لیکن اس پر اعتماد نہ کریں۔''

''اعتماد تو بالکل نہیں ہے لیکن یہ بہت شاطر عورت ہے آج بھی ہاتھ سے نکل گئی تھی۔'' میں نے وسیم کو بتایا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کہ شہلا کے خاوند نے پرنالچ کراس نے کیا حرکت کی تھی۔

''آپ کو وہاں پر بھی اس کے ہاتھ باندھ کر رکھنے چاہیے تھے۔''

''بھائی انسان ہوں غلطی انسان سے ہوتی ہے۔''

وسیم سے بات کر کے میں نے موبائل بند کر دیا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''یار اپنے آدمی سے کہنا کھانے کے لیے بھی کچھ لیتا آئے ابھی تک دوپہر کا کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔''

''ہم تو بھوک سے فوت ہونے والا ہے۔'' بیتو نے دور سے کہا۔

عبداللہ ہنسا۔ ''آپ فکر نہ کریں یہاں لفن پیک ہو رہے ہیں آج خواتین نے زبردست لنچ بنایا ہے۔''

فون بند کر کے میں نے بیتو کو خوش خبری سنائی اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ ''شوبی قسم سے باہر کا کھا کھا کر میرا منہ اتر گیا ہے۔ کتنے دن بعد دیدی کے ہاتھ کا کھانا ملے گا۔''

''بیٹے اگر مونا نے بنایا ہوا تو یہ منہ بالکل اتر جائے گا۔'' سفیر نے بیتو کا گال تھپتھپا کر کہا۔ ''تمہیں ابھی اس کے ہاتھ کے کھانوں کا تجربہ نہیں ہے۔''

''یار کیوں جھوٹ بول رہا ہے اتنا اچھا تو بناتی ہے۔ شادی سے پہلے تو تُو کھانے کے لیے مرا جاتا تھا۔ ہر روز اس کے گھر ڈنر پر مُصر ہوتا تھا۔''

سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''یار وہ شادی سے پہلے کا دور تھا اس وقت تو وہ اُبلا ہوا چنا بھی کھانے کو پیش کرتی تو میں خوشی خوشی کھا جاتا۔''

''لیکن میں اُبلا ہوا چنا کسی صورت نہیں کھا سکتا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے یاد ہے اس وقت وہ بہت اچھا بناتی تھی اگرچہ اسے سب بنانا نہیں آتا تھا۔''

''بس بھائی شادی ہوتے ہی وہ سب بھول گئی۔'' سفیر نے ایک اور سرد آہ بھری۔ تو بیتو فکر مند نظر آنے لگا اس نے فوراً سعدیہ کا نمبر ملایا۔

''دیدی ہم بات کرتا ہے، آج کھانا کس نے بنایا ہے..... ہاں ہم ٹھیک ہے..... ہم کھانے کا پوچھ رہا ہے..... اچھا.....'' کچھ دیر بعد اس نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پلاؤ مونا دیدی نے بنایا ہے اور بروسٹ بھی..... صرف شامی کباب آپ نے بنایا ہے۔'' اس نے فون بند کر کے ہماری طرف دیکھا۔ ''ہم صرف شامی کباب کھا کر گزارا کرے گا۔''

''یہ میری بیوی کی توہین ہے۔'' سفیر بولا۔ ''تمہیں پلاؤ اور بروسٹ بھی کھانا ہوگا۔''

''اچھا ہم چکھ لے گا۔'' بیتو نے درمیانی راستہ نکالا۔

''یار پہلے خود کہہ کر اس بے چارے کو ڈرا دیا اور اب اپنی بیوی کے ہاتھ کا بنا کھانا کھلانے پر اصرار کر رہے ہو۔''

''ہاں آپ خود کھائے گا بیوی آپ کا ہے۔'' بیتو نے جلدی سے کہا۔ ''ہم مجبور نہیں ہے آپ مجبور ہے۔''

سفیر نے سر ہلایا۔ ''یہ تو تم نے پتے کی بات کی منے واقعی مجبور تو میں ہوں تم سب مرد آزاد ہو۔''

کچھ دیر بعد عبداللہ کے آدمی کار اور بائیک لے کر آ گئے۔ کار ونز تھی اور بائیک وہی تھی جو میں نے ایاز کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ساتھ جا کر لی تھی۔ وہ کھانوں سے بھرے کئی ٹفن بھی لے کر آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے پیغام بھی دیا۔

''یہ ٹفن واپس چاہئیں۔ دوبارہ کھانا بھیجنے کے کام آئیں گے۔''

بیتو اور سفیر نے کھانا لے جا کر دوسرے برتنوں میں منتقل کیا اور سگھڑ بیبیوں کی طرح صرف وہی نکالا جو ابھی کھانا تھا، باقی فریج میں محفوظ کر دیا۔

وہ یو ایس بی لائے تھے اسے آئی فون سے لگا کر مووی اس میں کاپی کی۔ یو ایس بی اور خالی ٹفن لے کر وہ ٹیکسی میں رخصت ہو گئے جسے وہ راستے سے ساتھ لیتے آئے تھے۔ ان کے جاتے ہی ہم کھانے پر ٹوٹ پڑے کیونکہ بھوک سے سب کا برا حال تھا۔ خلاف توقع پلاؤ اور بروسٹ سب سے مزے کا ثابت ہوا کیونکہ وہ سعدیہ نے بنایا تھا اور شامی کباب مناسب تھے یہ شاہین نے تیار کیے تھے۔ مونا نے قتجن بنایا تھا اور یہ بھی شاندار تھا۔ کھانے کے دوران مجھے خیال آیا اور میں نے بیتو سے ایک ٹرے منگوا کر اس میں تھوڑی تھوڑی ہر چیز نکالی اور اسے شہلا کو بھجوا دیا۔ یقیناً اسے بھی بھوک لگی ہوگی۔ البتہ قیدیوں کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ ان کے لیے فی الحال فاقہ ہی مناسب ہوگا کیونکہ ابھی ان سے اور بھی بہت کچھ اگلوانا تھا۔

بیتو خوش تھا اس نے جوابی کارروائی کے طور پر قتجن کو فضول قرار دیا کیونکہ وہ مونا نے بنایا تھا اس پر دونوں کی ہلکی پھلکی جھڑپ ہوئی تھی۔ ہلکی پھلکی اس لیے کہ کھا پی کر دونوں پر خمار طاری ہونے لگا تھا۔ بیتو کمبل لے کر وہیں صوفے پر دراز ہو گیا اور سفیر نے پہلے فلور کے بیڈ روم کا رخ کیا۔ وہ مونا سے دوری کا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ یعنی ڈٹ کر سو رہا تھا۔ میں نے کھانے میں ہاتھ ہلکا رکھا تھا۔ صابر صبح وسیم کے ساتھ چلا گیا تھا اس لیے اب یہاں بس ہم تین تھے۔ شہلا اور قیدیوں کی نگرانی کے لیے کسی نہ کسی کا جاگتے رہنا ضروری تھا۔ میں نے دو کپ کافی تیار کی اور شہلا کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ بھی پیٹ بھرنے کے بعد کمبل میں دبکی ہوئی اونگھ رہی تھی۔ اس نے نہا دھو کر کپڑے بدل لیے تھے۔ صبح صابر نے گیزر میں تازہ لکڑیاں ڈالی تھیں اس لیے ابھی تک گرم پانی آ رہا تھا۔ شہلا نے ایک عدد اونی لیگن کے ساتھ چھوٹی سی فراک نما شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ جس کا گلا تا حدِ نگاہ کشادہ تھا۔ اوپر سے اس نے سامنے سے بٹنوں سے بند ہونے والا ایک بیگی اسٹائل کا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ اس کے صرف دو نچلے بٹن بند تھے اور وہ گریبان کی کشادگی میں دخل اندازی سے قطعی گریزاں تھا۔ میں نے حسبِ معمول پہلے لاحول پڑھی اور پھر اس سے کہا۔

''کیا خیال ہے اب کام کی بات کی جائے؟''

اس نے پُرخمار نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''کرو تمہیں کس نے روکا ہے؟''

میں نے کافی کا دوسرا مگ بستر کے ساتھ دراز پر رکھ دیا۔ ''شہلا مجھے تمہارا پلان چاہیے ہم بینک میں کس طرح بہت آسانی سے گھس سکتے ہیں اور اپنا کام کر سکتے ہیں؟''

وہ کمبل ایک طرف کر کے بیٹھ گئی اور جلدی سے کافی کا مگ اٹھا لیا۔ ''اُف کتنے دنوں بعد اچھی کافی نصیب ہوئی ہے۔''

میں ایک طرف رکھی صوفہ نما سیٹنگ پر ٹک گیا۔ ''یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔''

''جواب بہت سادہ سا ہے۔'' اس نے ایک سپ لے کر کہا۔ ''تم میری مدد سے بینک میں داخل ہو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گے۔ کیونکہ تم نے اندر کے حفاظتی انتظامات دیکھ لیے ہوں گے؟ کوئی باہر موجود گارڈز پر قابو پالے تب بھی وہ بینک کے سیف روم اور لاکرز والے حصے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اندر شاہد منظور یا اس کی جگہ کوئی دوسرا سیکورٹی سپروائزر رہوتا ہے۔ وہ باہر گڑبڑ محسوس کرتے ہی پولیس کو کال کردے گا اور الارم بجادے گا۔ اس کے حصے میں اسی وقت داخل ہوا جاسکتا ہے جب وہ اندر سے لاک کھول دے۔''

''یہ لاک کون کھلوائے گا؟''

''میں۔'' اس نے ایک خاص پوز بناتے ہوئے اپنے سینے پر ایک ادا سے یوں انگلی رکھی کہ مجھے پھر لاحول پڑھنا پڑی۔ ''کیوں کیا میں یہ کام نہیں کرسکتی۔''

''تم کیا نہیں کرسکتی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن خدا کے لیے اس وقت اپنی توجہ صرف پلان پر مرکوز رکھو۔''

''اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے ابھی تو بہت وقت ہے۔''

میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تاخیر سے یہ معاملہ خراب ہوسکتا ہے۔ فتح خان کے علم میں یہ لاکر ہے اور وہ خود وہاں براہِ راست کارروائی کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر وہ خود نہ کرے تب بھی ہماری راہ میں روڑے تو اٹکا سکتا ہے۔''

فتح خان کا ذکر سن کر وہ فکرمند ہوگئی۔ ''وہ کیسے؟''

''بہت آسان ہے وہ بینک انتظامیہ کو لاکر کے بارے میں بتادے گا اور ممکن ہے لاکر اور اس میں رکھی اشیا سرکاری تحویل میں لے لی جائیں۔''

''ہاں اس کا خطرہ ہے۔'' اس نے تسلیم کیا۔

''اسی لیے میں کہہ رہا ہوں ہمارا جلد از جلد لاکر تک پہنچ جانا ضروری ہے اور پلیز سیدھی ہوکر بیٹھو۔''

شہلا سنجیدہ ہوگئی کیونکہ اس نے اپنا خاص پوز ترک کردیا اور سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ ''ٹھیک ہے میں راضی ہوں اب بتاؤ یہ کام کب کرنا ہے۔ اصل میں مجھے قابلِ اعتماد ساتھی میسر نہیں تھے ورنہ میں بہت پہلے یہ کام کرچکی ہوتی۔ اس کام کے لیے کم سے کم پانچ افراد کی ضرورت ہے۔''

''اب تمہیں ساتھی میسر ہیں۔ تم ایک بار ہمیں بینک کے اندر تک پہنچاؤ گی اس کے بعد کا کام ہمارا ہے۔''

''صرف ساتھی ہی نہیں بلکہ کچھ خاص اوزار بھی درکار ہوں گے۔ لاکر سخت ترین میٹل کے ہیں لیکن یہ میٹل بہت زیادہ موٹی نہیں ہے اسے ڈرل اور الیکٹرک آری کی مدد سے آسانی سے کاٹا جاسکتا ہے۔''

''یہ دونوں چیزیں بھی مل جائیں گی۔'' میں نے کہا۔ ''بس اتنا سا پلان ہے تمہارا؟''

''ہاں میں نے کہا تھا نا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ بتاؤ اس سے سادہ پلان اور کوئی ہوسکتا ہے۔'' وہ فخر سے بولی۔

میں نے غور کیا اور پھر اعتراف کیا۔ ''شاید نہیں۔''

''میں نے بہت محنت کرکے یہ کام کیا ہے۔ ایک بار میں نے اندر پہنچ کر شاہد منظور کو قابو کرلیا تو اس کے بعد پھر کیا رہ جاتا ہے۔''

''چار عدد گارڈز پھر بھی باقی رہ جائیں گے اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا تو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مقابلہ ہو جائے گا۔ کیونکہ فائر کی صورت میں ہمارے پاس اتنا وقت نہیں رہے گا کہ لاکر کاٹ سکیں۔"

"میں نے اس کی ترکیب بھی سوچ لی ہے۔ میں کافی بنا کر لے جاؤں گی۔ اس میں بے ہوشی کی دوا ہو گی۔ اگر میں گارڈز کو کافی پیش کروں گی تو سردی کی وجہ سے وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"ممکن ہے ان میں سے کسی کو کافی پسند نہ ہو اور وہ انکار کر دے۔"

اس سوال پر شہلا بھنا گئی تھی۔ "تو تم لوگ کس مرض کی دوا ہو جو ایک رہ جائے گا اسے تم قابو نہیں کر سکتے؟"

درحقیقت شہلا کا منصوبہ بہترین تھا۔ بینک کے دفاعی انتظامات کا اس سے بہتر توڑ ممکن ہی نہیں تھا۔ تو وہ پہلے ہی کر چکی تھی بس اب اسے عملی طور پر آزمانا تھا۔ میں نے جو سوالات کیے تھے وہ بائی دی وے تھے کیونکہ اس قسم کے منصوبوں میں سو فیصد درستگی ممکن نہیں ہے خطرے کا عنصر کم ہو سکتا ہے لیکن ختم نہیں ہو سکتا ہے۔ ناکامی کے امکانات ہر حال میں ہوتے ہیں۔ میں صرف اسے چھیڑ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے ہم یہ کام کر لیں گے لیکن تم شاہد منظور کو اپنی بات ماننے پر کس طرح مجبور کرو گی۔"

"پستول کی مدد سے۔" اس نے جواب دیا۔ "بلکہ شاید اس کی ضرورت بھی نہ پڑے کیونکہ میں وہی کافی اسے بھی دوں گی۔ پھر بھی پستول لازمی ہو گا۔"

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ شہلا کو اسلحہ دینا خطرے سے خالی نہیں تھا وہ اس سے ناجائز فائدہ بھی اٹھا سکتی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ "تم کئی ہو گے اور میں ایک پستول سے سب کو تو ہینڈز اَپ نہیں کر سکتی دوسرے میں وہاں کوئی حرکت کروں گی تو یہ تو سمجھنے والی بات ہو گی۔ مجھ پر اعتماد کرو۔"

میں نے سر ہلایا۔ "شاید ایسا ہی کرنا پڑے، لیکن مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا پڑے گا۔"

"میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے میں نے دیکھا ہے تم جو کہتے ہو تمہارے ساتھی بلا چوں چرا اس پر عمل کرتے ہیں۔"

"کیونکہ وہ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں لیکن اس قسم کے معاملات میں مشورہ بہتر ہوتا ہے۔ ایک دماغ کے مقابلے میں کئی دماغ یقیناً زیادہ بہتر سوچ سکتے ہیں۔"

شہلا کچھ فکرمند لگ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "شہباز بعض اوقات مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔"

"مجھ سے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "میرے خیال میں تو میں نہایت شریف آدمی ہوں اور خواتین کو مجھ سے ڈرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔"

"اسی لیے تو ڈر لگتا ہے۔" وہ بولی۔

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "زمانہ ہی بدل گیا ہے پہلے خواتین مردوں کی بدمعاشی سے ڈرتی تھیں اور اب شرافت سے ڈرنے لگی ہیں۔"

وہ جھنجھلا گئی۔ "میرا مطلب ہے کہ کہیں تم لاکر میں موجود پروفیسر کا دوسرا اسٹف بھی میرے حوالے کرنے سے انکار نہ کر دو۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں مجھے صرف اپنے بریف کیس سے مطلب ہے۔" میں نے کہا۔ "میں قسم کھا کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کہتا ہوں کہ لاکر سے سوائے بریف کیس کے اور کچھ نہیں لوں گا۔''

شہلا کے چہرے پر اطمینان نمودار ہوا۔''اب مجھے یقین ہے۔''

''ویسے بینک سے تم کہاں جاؤ گی؟''

''کہیں بھی جاؤں گی۔ تمہیں نہیں بتا سکتی۔ بینک سے ہمارے راستے الگ ہوں گے۔''

''تو طے ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا اور اس کا خالی ہونے والا مگ بھی اٹھا لیا۔''میرا خیال ہے ایک دو دن میں کارروائی کر لیں گے۔ تم شاہد منظور سے رابطہ کس طرح کرو گی؟''

''میرے پاس اس کا نمبر ہے۔ صرف یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس کی شفٹ کب کی ہے۔''

میں نے سوچا اور شہلا سے شاہد منظور کا حلیہ پوچھا۔ اس نے بڑی وضاحت سے اس کے بارے میں بتایا۔ اس کی سب سے اہم نشانی یہ تھی کہ وہ لنگڑا کر چلتا تھا کسی زمانے میں اسے عرق النسا کا مرض ہو گیا تھا جو علاج سے ٹھیک ہو گیا لیکن اس کی ٹانگ میں لنگ چھوڑ گیا۔ میں نے کہا۔''عورتوں کا شوقین لگتا ہے مرض بھی کون سا ہوا جس میں نسا آتا ہے۔ یہ اس کے کردار میں بھی لنگ چھوڑ گیا ہے۔''

شہلا ہنسی۔''ٹھیک کہا تم نے عورتوں کا شوقین ہے بلکہ تر سا ہوا ہے۔ خوب صورت عورت دیکھتے ہی اس کی عقل گھاس چرنے چلی جاتی ہے۔''

''جیسا کہ تمہارے کیس میں ہوا۔''

''یقین کرو اگر اس کی جگہ کوئی ذرا بھی مضبوط کردار کا آدمی ہوتا تو مجھے کبھی بینک کے اس حصے میں آنے کی اجازت نہ دیتا لیکن وہ ایسا ٹھرکی ہے کہ بس میری آواز سن لے بستر مرگ پر ہوگا تو وہاں بھی بلا لے گا۔'' وہ بولی تو میں نے اسے افسوس سے دیکھا۔ شہلا دیکھنے میں خوب صورت اور باوقار لگتی تھی لیکن اس کا کردار کسی کال گرل سے بہتر نہیں تھا۔ اصل میں ہماری ایلیٹ کلاس مادر پدر آزاد ہو چکی ہے۔ ویسٹرن لائف اسٹائل میں یہ ویسٹ والوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں کیونکہ ویسٹ والوں کا کم سے کم ضمیر تو زندہ ہوتا ہے ان لوگوں کا تو ضمیر بھی مردہ ہو چکا ہے اور یہ کسی گلی سڑی لاش کی طرح اس ملک اور معاشرے پر مسلط ہو چکے ہیں۔ ہمارے ملک کے موجودہ بگاڑ کا ذمے دار یہی ایلیٹ کلاس ہے۔ یہ اس ملک میں رہتے ہیں۔ یہاں کاروبار اور ملازمتیں کرتے ہیں، تعلیم حاصل کرتے ہیں، تفریح کرتے ہیں اور بہترین گھروں میں پوری آسائشوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں لیکن یہ خود کو پاکستانی نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کی اصل دولت اور جائیداد بیرون ملک ہے اور ان کے پاسپورٹ اور بیگز ہمیشہ تیار رہتے ہیں کہ جیسے ان پر یا خدانا خواستہ ملک پر کوئی برا وقت آیا تو یہ فوری طور پر یہاں سے نکل جائیں گے۔ ضروری نہیں ہے ان میں تمام لوگ خراب ہی ہوں۔ ان میں بہت سارے اچھے لوگ بھی ہوں لیکن میں ان تمام لوگوں کو اس ایلیٹ کلاس کا سمجھتا ہوں جو خود کو پاکستانی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے خراب وقت کے لیے اپنا ٹھکانہ پہلے ہی کہیں اور بنا لیا ہے۔ ان میں وہ معمولی الیکٹریشن بھی شامل ہے جو موقع ملنے پر اس عزم کے ساتھ ملک سے نکلتا ہے کہ دوبارہ یہاں واپس نہیں آئے گا اور وہ ارب پتی بھی شامل ہے جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا ہو اور اس کا عمر کا بڑا حصہ ملک سے باہر گزرا ہو۔

بدقسمتی سے یہ ایلیٹ کلاس دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے یعنی ایسے افراد کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پاکستان کو اپنا ملک سمجھتے ہی نہیں ہیں اور جب وہ اسے اپنا ملک نہیں سمجھیں گے تو اس کے مسائل سے ان کا کیا تعلق ہوگا۔ شہلا کا شمار بھی ایسے ہی پاکستانیوں میں ہوتا تھا جن کی پاکستانیت صرف ایک شناختی کارڈ اور ایک گرین پاسپورٹ تک محدود تھی۔ میں اس کے کمرے سے نکلا تو مجھے اپنا دل بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ بیتو اور سفیر سو رہے تھے میں کافی کے مگ کچن میں رکھ کر باہر صحن میں نکل آیا۔ سورج کی روشنی اپنے آخری دموں پر تھی۔ کچھ دیر بعد اندھیرا چھا جاتا اور سردی کی شدت میں اضافہ ہو جاتا۔ صحن میں سردی تھی کیونکہ سورج مغرب کی طرف جھکنے سے یہ حصہ سائے میں آ گیا تھا۔ سابق مالک نے یہاں کچھ پودے لگائے تھے جو دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے مرجھا گئے تھے۔ ایک نارنگی اور ایک عدد لوکاٹ کا درخت لگا ہوا تھا۔ دونوں پانی کی کمی سے سوکھے کا شکار ہو رہے تھے۔ کیونکہ ڈھلان ہونے کی وجہ سے بارشوں کا پانی بھی تیزی سے بہہ جاتا تھا اور ان کو بہت کم پانی ملتا تھا۔ میں نے صحن میں لگے نلکے اور پائپ کی مدد سے انہیں پانی دیا۔

○.....❖.....○

ممکن ہے مجھے پھر موقع نہیں ملتا اور ممکن ہے میں دوبارہ یہاں نہیں آتا لیکن آج مجھے موقع مل رہا تھا تو میں ان کو کیوں پانی نہ دیتا۔ آپ یقین کریں جب میں نے ان درختوں کو پانی دیا تو میرے اندر موجود بوجھ ہلکا ہونے لگا اور کچھ دیر میں میں اس بوجھ سے آزاد ہو گیا تھا۔ پانی پڑنے سے مٹی اور درختوں سے انوکھی خوشبو آئی تھی جیسے وہ خوشبو کے ذریعے میرا شکریہ ادا کر رہے ہوں۔ اچانک موبائل کی بیل بجی تو میں چونک گیا۔ وسیم کال کر رہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو۔''

''شہباز صاحب۔'' وسیم نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ ''خوشخبری ہے شبانہ ہاتھ آ گئی ہے۔ وہ دوپہر میں باہر نکلی تھی ایک جگہ ہمارے آدمیوں نے اسے روک لیا اور اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے آئے ہیں۔ فی الحال اسے آنکھ، منہ اور ہاتھ بند کر کے رکھا ہے۔ رات کو آپ کی طرف منتقل کریں گے۔''

''یہ اچھا ہوا کوشش کرنا وہ کسی کو دیکھنے نہ پائے اور ہم رات میں ہی اس سے پوچھ گچھ کر کے اسے صبح سے پہلے واپس چھوڑ دیں گے۔''

وسیم فکرمند ہو گیا۔ ''کیا اسے واپس چھوڑنا مناسب ہوگا؟''

''میرے خیال میں یہی بہتر ہے کیونکہ اس کے مستقل غائب ہونے کی صورت میں فاضلی چونک جائے گا اور وہ بہت شاطر آدمی ہے۔ ہم اسے سمجھا سکتے ہیں کہ منہ بند رکھنے میں اس کی عافیت ہے۔ امکان یہی ہے کہ وہ زبان بند رکھے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' وسیم نے آمادگی ظاہر کی۔ ''میں نے مرشد کے آدمی کے اعترافی بیان کی ویڈیو دیکھی ہے۔ اسے دیکھ کر یقیناً مرشد کی ہوا خراب ہو جائے گی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ ویسے وہ کتے کی دم ہے اور مشکل سے ہی سیدھا ہوگا لیکن اسے جھٹکا ضرور لگے گا۔ اسے یہ ویڈیو کسی طریقے سے پہنچا دی جائے بلکہ آج ہی پہنچا دی جائے۔''

''میں کسی کی ذمے داری لگاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''لیکن کوئی کچا طریقہ اختیار مت کرنا جس سے ہمارے کسی آدمی پر آنچ آئے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''آپ فکر نہ کریں میں کسی اور سے کام لوں گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''میں اور ایاز ایک وین پسند کر آئے ہیں۔ یہ فورڈ کا کوئی دس سال پہلے کا ماڈل ہے ہمارے ہاں یہ زیادہ نظر نہیں آتا ہے لیکن بہت اچھی اور مضبوط قسم کی گاڑی ہے اس کا انجن بہت طاقتور ہے اور مالک نے بہت سنبھال کر رکھی تھی۔ اصل میں وہ سیاحت کا شوقین ہے اور اس نے گھومنے پھرنے کے لیے وین لی تھی۔ اسی میں رہائش بھی رکھتا تھا۔ مگر آج کل حالات گھومنے پھرنے والے نہیں ہیں اس لیے وہ باہر شفٹ ہو رہا ہے اور گاڑی سیل کر رہا ہے۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''ہاں یار جو بھی یہاں سے جانے کی استعداد رکھتا ہے وہ جا رہا ہے اور بس وہی رہ رہا ہے جو استعداد نہیں رکھتا ہے۔''

وسیم نے کہا۔ ''صرف چھ لاکھ میں مل گئی ہے۔ انجن اے ون ہے بس اپنی مرضی کے لحاظ سے کچھ تبدیلیاں کرانی ہیں اور اس پر کوئی دو لاکھ کا خرچ آئے گا۔ میں نے مشینیں بھی چن لی ہیں جو وین میں نصب کرنی ہیں اس کی مکمل تیاری میں کوئی ایک ہفتہ لگے گا۔''

''ٹھیک ہے تب تک ہم شہلا والا معاملہ نمٹا لیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے پلان بتایا ہے اور مجھے اچھا بھی لگا ہے لیکن تم آ جاؤ تو اس پر ڈسکس کرتے ہیں۔''

''میں رات میں شبانہ کو لے کر آؤں گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''شاید نو یا دس بجے تک آؤں گا۔''

وسیم سعدیہ کے ساتھ تھا اور یقیناً اس بہانے اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا اس لیے میں نے جلد آنے پر اصرار نہیں کیا۔ سعدیہ کا اس پر زیادہ حق تھا۔ وسیم سے بات کر کے میں اندر آیا تو سفیر جاگ گیا تھا اس نے مجھے دیکھتے ہی معنی خیز انداز میں کہا۔ ''خاتون سے کیا راز و نیاز ہو رہے تھے بڑی دیر تک اندر رہے؟''

''لگتا ہے تم سونے کے بجائے نگرانی کرتے رہے تھے۔'' میں صوفے پر دراز ہو گیا۔ ''خاتون نے اپنا پلان اُگل دیا ہے۔ مجھے اچھا لگا ہے رات کو وسیم اس کال گرل کو لا رہا ہے جسے فاضلی ساتھ لے گیا تھا۔''

''اچھا۔'' سفیر نے دلچسپی سے کہا۔ ''ویسے یار اس قسم کی خواتین کچھ زیادہ ہی ہمارے پلے پڑنے لگی ہیں۔''

''بس یار قسمت کی بات ہے۔''

سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''مزے کی بات ہے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔''

میں نے اسے گھورا۔ ''بیٹے تم مونا کی غیر موجودگی میں کچھ زیادہ ہی آپے سے باہر نہیں ہو جاتے ہو۔''

''تُو بھی یار بن کر رہ سالا نہ بن۔'' سفیر نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''یہ بتا کوئی چائے کافی ملے گی؟''

''کیوں نہیں، کچن میں دونوں کو ایجاد کرنے کا سامان موجود ہے ہمت کر اور میرے لیے بھی بنا لا۔''

سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''بیوی نے نکما کر دیا غالب ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔''

میں ہنسا۔ ''ہاں اب نہ آدمی رہے ہو اور نہ کام کے۔''

سفیر نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''بکواس نہ کر کچھ عرصے بعد تُو بھی شوہر ہو گا۔''

''یہ تو ہے پر شوہر شوہر میں بھی فرق ہوتا ہے بھائی۔''

سفیر چائے بنانے کے لیے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد بیتو جماہیاں لیتا ہوا اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"آج کل ہم کو اتنا نیند کیوں آنے لگا ہے۔"

"برخوردار اس عمر میں سب کام زیادہ ہوتے ہیں۔ بھوک زیادہ لگتی ہے، نیند زیادہ آتی ہے اور لڑکیاں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔"

"اس کے بعد آدمی کی شادی ہو جاتی ہے۔" سفیر چائے لے کر لاؤنج میں آیا۔ "بھوک مر جاتی ہے، نیند اڑ جاتی ہے اور آدمی صرف اپنی بیوی کو دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"تمہارے کیس میں تو ایسا نہیں ہوا ہے۔" میں نے اپنا کپ اٹھالیا۔ "تمہیں بھوک بھی خوب لگتی ہے اور نیند بھی خوب آتی ہے اور جہاں تک لڑکیوں کے اچھا لگنے کا تعلق ہے تو تمہارے شوق میں آج بھی کمی نہیں آئی۔"

چائے اسی قسم کی خوش گپیوں میں ختم ہوئی۔ جیتو برتن اٹھا کر لے گیا اور میں نے سفیر سے کہا۔ "تو نے اپنی سابقہ گرل فرینڈ سے رابطہ کیا؟"

"کیا خوب یاد دلایا۔" اس نے موبائل اٹھایا۔ "اس کا نمبر مل گیا ہے لیکن بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔" اس نے کال ملائی۔ "یاسمین میں سفیر بات کر رہا ہوں۔" سفیر نے کہہ کر موبائل کی طرف دیکھا اور خفت سے بولا۔ "اُلو کی پٹھی نے لائن کاٹ دی۔"

"لگا رہ یار کب تک لائن کاٹے گی آخر کبھی تو لائن دینے پر مجبور ہو گی۔" میں نے اسے حوصلہ دیا اور اس نے دوبارہ نمبر ملایا۔

"یاسمین پلیز لائن مت کاٹنا میری بات تو سنو..... ٹھیک ہے..... مجھے تسلیم ہے..... اچھا کب مبارک ہو..... میں نے بھی کر لی ہے..... ہاں اسی مونا سے....." سفیر کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ یاسمین کی شادی ہو گئی تھی اور شاید اسی لیے وہ سفیر سے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر سفیر کم نہیں ہے اس نے کسی طرح اسے باتوں میں پھنسا لیا۔ کوئی دس منٹ کی گپ شپ کے بعد وہ مطلب کی بات پر آ گیا۔ "یاسمین تمہارا تعلق اخبار کی دنیا سے ہے مجھے ایک صحافی خاتون کے مرڈر کے بارے میں معلوم کرنا ہے..... ہاں میں راحیلہ کی بات کر رہا ہوں..... اچھا تم نے اس پر آرٹیکل لکھا ہے۔"

میں نے اشارے سے سفیر سے کہا کہ وہ اس سے ملاقات کا کہے۔ سفیر نے سر ہلایا اور کچھ دیر بعد ملاقات کی بات کی۔ "ہاں مجھے اس سلسلے میں ضروری معلومات درکار ہیں اگر تم کہیں باہر مل سکو تو....."

کچھ دیر بعد سفیر نے موبائل بند کر دیا اور میری طرف دیکھا۔ "یار وہ تو خود اس معاملے میں تحقیق کرتی رہی ہے اور اس نے راحیلہ کے مرڈر پر کئی کالم لکھے ہیں۔"

"کوئی کام کی بات بتائی ہے؟"

"بہت ہی کام کی بات ہے۔ راحیلہ اپنے آخری دنوں میں مرشد کی وزارت کی کرپشن پر کئی پروگرام کر چکی تھی اور اسے اس سلسلے میں باقاعدہ دھمکیاں مل رہی تھیں۔"

"کیا پولیس کو ان دھمکیوں کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا؟"

"پولیس۔" سفیر طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "وہ مرشد کی غلام بنی ہوئی ہے پہلے بھی تھی لیکن جب سے وہ حکومت میں آیا ہے بندہ بے دام بنی ہوئی ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اس کا مطلب ہے کیس کی تفتیش جان کر غلط رخ پر کی جارہی ہے۔ راحیلہ کے شوہر اختر ملک پر فردِ جرم عائد کی گئی ہے؟''

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں ابھی تک پولیس نے اس کے خلاف چالان پیش نہیں کیا ہے۔''

''میرا خیال ہے وہ صرف مرشد کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اختر ملک کے خلاف کمزور کیس پیش کیا جائے گا اور اگر اختر کھل کر مرشد پر الزام نہیں لگا رہا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ بک گیا ہے یا ڈر گیا ہے۔''

''اس کا اندازہ چالان سے ہو جائے گا اگر پولیس نے مضبوط کیس بنایا تو اس کا مطلب ہوگا کہ اختر بکا نہیں ہے اور پولیس اسے لٹکانے یا لمبی مدت کے لیے جیل بھیجنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔''

''تیری ملاقات والی بات پر اس نے کیا کہا؟''

''راضی تو ہوگئی ہے لیکن کوئی وقت نہیں دیا ہے۔ ان دنوں وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنی ماں کے گھر گئی ہوئی ہے۔ ایک ہفتے بعد واپسی ہوگی۔''

''اس میں تو ابھی وقت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہمیں گزشتہ کچھ عرصے کے اخبارات مل سکیں۔''

''کہیں اور سے تو مشکل ہے لیکن کسی لائبریری میں مل جائیں گے۔'' سفیر نے کہا۔ ''یا راولپنڈی میں کسی ایجنسی کے پاس سے مل سکتے ہیں۔''

میں نے ایاز کو کال کی وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ''یار ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی ایجنسی سے گزشتہ دو مہینے کے پرانے اخبار مل جائیں۔ کسی اچھے اخبار کا پنڈی ایڈیشن ہو؟''

''کوشش کرتا ہوں راجا بازار میں ایک ایجنسی والا ہے سنا ہے اس کے پاس مل جاتے ہیں۔ میں آتے ہوئے لیتا آؤں گا۔'' اس نے کہا۔

''ابھی تم کہاں ہو؟''

''پنڈی میں ایک کزن ہے اس سے ملنے آیا ہوں۔''

ایاز سے بات کر کے میں نے فون بند کیا تو سفیر نے کہا۔ ''یار یہ ایاز کچھ عرصے سے ہمارے ساتھ ہے اور اس کے خلوص میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے لیکن ہم اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے ہیں۔''

''ہاں اس نے کبھی اپنے حالات اور پس منظر کے بارے میں بات نہیں کی۔''

''کسی نے پوچھا بھی نہیں؟''

میں نے سر کھجایا۔ ''نہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا۔''

''وہ بے چارہ بھی کیا سوچتا ہوگا کہ ہمیں صرف اس کے کام سے غرض ہے اور اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔''

بیتو کچن سے آگیا۔ ''کس کا خیال رکھنا چاہیے۔''

''ایاز کا ہم اس کے ماضی کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔'' میں نے کہا تو بیتو بولا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ہم جانتا ہے۔ ایاز بھائی بہت اچھا آدمی ہے۔ وہ اپنی ایک کزن کو پسند کرتا تھا پر اس کا باپ دولت مند تھا اور ایاز بھائی دولت مند نہیں تھا اس لیے اس نے ایاز بھائی کو رشتہ نہیں دیا اپنا بیٹی کا شادی کہیں اور کر دیا۔''

''تم اس کے بارے میں جانتے ہو۔ اس کے گھر والوں کے بارے میں.....؟''

''ایاز بھائی کا ماں اس کے بچپن میں مر گیا تھا۔ باپ کا کچھ عرصے پہلے انتقال ہوا ہے۔ ایک بہن ہے اس کا شادی ہو گیا ہے اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ سعودی عرب میں ہوتا ہے۔'' بیتو نے ایاز کے پس منظر کا خلاصہ پیش کیا۔

''یہ بے چارہ دل پر چوٹ کھائے ہوئے ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''لیکن بہادر آدمی ہے اس نے اسے دل کا روگ نہیں بنایا۔''

''یہ تو ہے۔'' سفیر نے تائید کی۔ ''ورنہ ہمارا ساتھ کیوں دیتا اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے دشمن کتنا خطرناک اور سفاک ہیں۔''

فیا نے کہا۔ ''شوبی ویڈیو کا کیا ہوا جو بنایا تھا؟''

''اسے مرشد کو بھیجنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ وسیم اسے کسی طریقے سے مرشد ہاؤس تک پہنچائے گا۔''

''ہمیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس پر کیا اثر ہوا ہے؟'' سفیر نے نکتہ اٹھایا۔

''میرے پاس مرشد ہاؤس کے نمبر ہیں کہیں باہر سے اسے کال کریں گے۔''

طیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''فتح خان کو کال کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا ہے مرشد کو کہیں سے کال کرنا بہت خطرناک ہوتا ہے۔''

''پی سی او سے کال کریں گے۔''

''اس کا سراغ تو اور آسانی سے لگ جاتا ہے۔''

''اب خود ملاقات کے لیے چلے جاتے ہیں۔'' میں نے جھنجھلا کر کہا۔

فیا نے مداخلت کی۔ ''شوبی آپ کے پاس اتنا سارا سم ہے جیسے آپ فتح خان سے ایک سم سے بات کرتے ہو اور اسے کہیں استعمال نہیں کرتے ہو اسی طرح مرشد کے لیے بھی ایک سم رکھ لو اس سے بس اسی سے بات کیا کرو۔''

میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''بات تو اس نے ٹھیک کی ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن کال یہاں سے نہیں کرنی ہے بلکہ کسی اور جگہ جا کر کال کرنی چاہیے ورنہ ایک ہی علاقے سے کال کی جائے تو مرشد اور اس کے گرگے سمجھ جائیں گے کہ ہم یہیں کہیں موجود ہیں اور ایک ہی علاقے میں دوبارہ مشکل کام نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے ہمیں ہر ہفتے اپنی سمز تبدیل کر لینی چاہئیں تاکہ اگر بے خبری میں بھی سراغ لگا رہا ہو تو وہ ہم تک نہ آ سکے۔''

فیا ہنسا۔ ''تو آپ اور کیا کر رہا ہے جب سے پاکستان آیا ہے کوئی درجن سمز بدل چکا ہے۔ یہ تو ہفتے سے بھی کم کا ہے آپ نے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''وہ تو مجبوری میں تبدیل کیں لیکن اب اسے معمول بنالینا چاہیے۔''

باہر تاریکی چھا رہی تھی۔ سردی کے دنوں میں بھوک زیادہ لگتی ہے اور دوپہر میں کھایا پیا ہضم ہو چکا تھا لیے بیتو کھانا گرم کرنے چلا گیا۔ سفیر نے شہلا کے پلان کے بارے میں پوچھا میں نے اسے مختصراً بتایا۔ سفیر کو اچھا لگا تھا۔ اس نے کہا۔

''بس اس میں ایک قباحت ہے کہیں اندر جا کر اس کا ارادہ نہ بدل جائے؟''

میں چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ ڈبل کراس کر جائے۔ شاہد منظور کو قابو کرنے کے بجائے اسے ہمارے بارے میں مس گائیڈ کر دے کہ ہم ڈاکو وغیرہ ہیں اور اسے یرغمال بنا کر بینک لوٹنے آئے ہیں۔''

سفیر کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ واقعی شہلا ایسا کر سکتی تھی اور اپنے بچاؤ کے لیے وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہوتی۔ اس نے ہم سے وفاداری کا حلف نہیں اٹھایا تھا۔ اگر وہ اندر پہنچ کر الٹا شاہد منظور کو ہمارے خلاف استعمال کر لیتی تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ گارڈز سے مقابلہ کرنا ہمارا مقصد نہیں تھا۔ شہلا سیف روم میں پہنچ کر سیف ہو جاتی اور ہم وہاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے۔ میں صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''یار تُو نے تو عقل کی بتی کھول دی ہے۔''

سفیر مسکرایا۔ ''بس یار شادی کے بعد مرد کی عقل ایسی ہی ہو جاتی ہے کبھی گدھے کی طرح کام کرتی ہے اور کبھی لومڑ بن جاتی ہے یہ خیال مجھے ایسے ہی آیا ہے۔''

''لیکن خوب آیا ہے، مجھے سو فیصد یقین ہے شہلا کے ذہن میں یہی پلان ہوگا۔ ہم سے چھٹکارا پانے کا بھلا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے۔''

''تب اس کا کوئی حل سوچیں کہ وہ اپنی مرضی نہ کر سکے۔''

''ابھی وسیم آتا ہے تو سب مل کر سوچتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ بیتو کھانا گرم کر کے لے آیا تھا سب نے کھا کھایا۔ پھر میرے کہنے پر بیتو نے دونوں قیدیوں کو فی کس ایک ایک گلاس پانی اور آدھی خشک روٹی دی تھی۔ اس نے واپس آ کر اطلاع دی۔ ''شوبی جمیل کے ہاتھ کا زخم خراب ہو رہا ہے اس میں پس پڑ گیا ہے اور بُو بھی آ رہی ہے۔''

میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''یار اس کا علاج کرنا پڑے گا۔ ورنہ اس کا ہاتھ نہ ضائع ہو جائے۔''

''ویسے تو ضائع ہو جائے تو اچھا ہے اس نے کون سے اس ہاتھ سے اچھے کام لینے ہیں لیکن اس صورت میں یہاں گندگی ہوگی۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ ''میں اسے دیکھتا ہوں۔''

سفیر طبی امداد کا کورس کر چکا تھا اور اسے مرہم پٹی، انجکشن لگانا اور دوسرے چھوٹے موٹے کام آتے تھے بلکہ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ گولی بھی نکال سکتا ہے بشرطیکہ وہ کسی اعضا یا ہڈی میں نہ لگی ہو۔ بیتو اس کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے سفیر سے کہا کہ ان سے کچھ اگلوانے کی کوشش بھی کرے۔ مجھے یقین تھا وہ بہت کچھ جانتے تھے۔ فی الحال انہوں نے جو بتایا تھا اس پر کام کر رہے تھے۔ وسیم جس کال گرل کو لا رہا تھا اسے سب سے نچلے فلور کے واحد بڑے روم میں رکھنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اوپر صرف دو کمرے ایسے تھے جن میں کسی کو قید کیا جا سکتا تھا اور یہ دونوں کمرے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

[illegible] میں تھے۔ وسیم نو بجے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ صابر بھی تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وسیم کی گاڑی اندر [illegible] لینڈ کروزر لے آیا تھا۔ اب صحن میں گاڑیاں کھڑی کرنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ ایاز کی جیپ مشکل [illegible] ہر حال گاڑیوں سے یہ فائدہ تھا کہ ہمیں کسی وقت کہیں جانے میں مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ورنہ [illegible] کا یہاں کے ہوتے ہوئے یہ مشکل رہتی تھی کہ تین افراد کہیں الگ الگ نہیں جا سکتے تھے۔

''فاضلی کی منظورِ نظر کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اندر ہے۔'' وسیم نے اشارہ کیا اور آہستہ سے پوچھا۔ ''ایاز ابھی تک نہیں آیا؟''

''نہیں وہ پنڈی میں اپنے کسی کزن کے گھر گیا ہے اور اسے اخبار بھی لانے ہیں۔''

''اخبار کس لیے؟''

''گزشتہ دو مہینے کے حالات حاضرہ سے باخبر ہونے کے لیے۔'' میں نے جواب دیا۔ اس دوران میں [illegible] لینڈ کروزر کا عقبی دروازہ کھولا اور اس میں سے شبانہ نامی اس خاتون کو اس طرح برآمد کیا کہ اس کے سر پر [illegible] کا غلاف چڑھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ عقب میں پلاسٹک کی ہتھکڑی سے بندھے ہوئے تھے۔ وسیم نے [illegible] اترنے کو کہا اور ہم اسے نیچے لے آئے۔ سیڑھیوں سے وسیم اسے پکڑ کر اتار تا رہا تھا۔ وہ سہمی ہوئی تھی [illegible] اپنوں چرا اس کے حکم پر عمل کر رہی تھی۔ اسے بیڈ روم میں لا کر وسیم نے اس کے ہاتھ کھول دیئے لیکن اسے کہا [illegible] تک ہم کمرے سے باہر نہ جائیں وہ چہرے سے غلاف نہیں اتارے گی۔ ہم باہر آ گئے۔ وسیم نے کہا۔

''اس نے ابھی تک ہم میں سے کسی کا چہرہ نہیں دیکھا ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس سے کچھ پوچھا ہے؟''

''ابھی تک نہیں اصل میں، میں وین والے کام میں لگا رہا تھا اور اسے لا کر عبداللہ والی کوٹھی کے تہہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ یہ اب تک وہیں بند رہی تھی۔ ہم کھانا کھا کر آیا تھا اور کچھ چیزیں ہمارے لیے بھی لایا تھا۔ ان میں گاجر کا حلوہ اور سعدیہ کا بنایا ہوا پراٹھا تھا۔ ہم کھا چکے تھے لیکن گاجر کا حلوہ اور پراٹھا اپنی جگہ خود بنا لیتے ہیں۔ موسم کی مناسبت سے دونوں چیزوں نے مزہ دیا۔ اس دوران میں، میں وسیم کو اس کی غیر موجودگی کی مکمل رپورٹ دی اور اس نے ہمیں بتایا کہ وہ آج سارا دن کیا کرتا رہا۔

''عبداللہ کے آدمی محنتی اور مضبوط ہیں لیکن ان کے پاس تربیت نہیں ہے۔ میں نے ان کی تربیت کے لیے ایک پروگرام مرتب دیا ہے اور منیر کو ان کا سپر وائزر بنا دیا ہے وہ پڑھا لکھا ہے اور میرے دیئے ہوئے پروگرام کو آسانی سے سمجھ گیا تھا۔ ان میں سے اکثر کی تعلیمی قابلیت بھی کم ہے اسے بھی بڑھانے کی ضرورت ہے میں نے عبداللہ سے کہا کہ وہ کچھ ٹیوٹرز کا بندوبست کرے۔ جو ان کو تعلیم دیں۔ کچھ نیا اسلحہ اور نئے آلات منگوائے ہیں۔ ان کو اس کی تربیت بھی دی جائے گی۔''

''یہ کچھ زیادہ لمبا پروگرام نہیں ہے؟''

''تعلیمی پروگرام تو لمبا ہو سکتا ہے باقی آلات اور اسلحے کا استعمال تو ایک دو ہفتے میں سیکھا جا سکتا ہے۔ ان میں دست بدست لڑنے کی استعداد بھی کم ہے۔ اس کے لیے بھی ایک استاد کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔''

''کتنے افراد ہیں؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ایک درجن ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''یہ سب عبداللہ والی کوٹھی میں ہوتے ہیں۔''

''مشکوک کوٹھی کی نگرانی پر کتنے لوگ ہیں؟''

''مستقل دو افراد وہاں ہوتے ہیں وہ الگ الگ دور سے نگرانی کر رہے ہیں اور ریڈیو کی مدد سے آپس میں رابطہ رکھا ہوا ہے لیکن ابھی تک کوئی پروگریس سامنے نہیں آئی ہے۔''

''ویڈیو کا کیا بنا اسے مرشد تک کیسے پہنچایا جائے گا؟''

''صبح جو ہاکر اخبار دینے مرشد ہاؤس جاتا ہے اسے راستے میں یہ سی ڈی دے دی جائے گی اور وہ اخبار کے ساتھ اسے بھی مرشد ہاؤس کے گیٹ کیپرز کے سپرد کر دے گا۔''

''مناسب طریقہ ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔

سفیر اور بیتو بھی اس میٹنگ میں شامل تھے۔ اس دوران میں اخبارات سے لدا پھندا ایاز بھی آ گیا۔ اس نے بیتو اور وسیم کی مدد سے یہ بے شمار اخبارات نیچے پہنچائے۔ علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔ ''جناب اس میں کچھ اخبارات کم ہیں لیکن میرا خیال ہے جس مقصد کے لیے آپ نے منگوائے ہیں وہ پورا ہو جائے گا۔''

اخبارات لاؤنج میں رکھ دیے گئے اور ایاز بھی میٹنگ میں شامل ہو گیا جس کا ایجنڈہ بینک لاکر تک رسائی کا شہلا کا پلان تھا۔ میں نے تمام تفصیلات ان لوگوں کے سامنے رکھیں اور پھر سفیر کے خدشے کا ذکر کیا کہ شہلا ڈبل کراس کر سکتی ہے۔ ایاز نے تائید کی۔ ''وہ کر نہیں سکتی ہے جناب ڈبل کراس کرے گی۔''

''اسے استعمال کرنے سے پہلے اس کا کوئی سدِباب کرنا ہوگا۔'' وسیم نے کہا۔

ہم اس پر بحث کرنے لگے کہ کیا سدِباب کیا جا سکتا ہے لیکن کوئی ایسا حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جس سے شہلا کو یقینی طور پر کوئی غلط قدم اٹھانے سے روکا جا سکے۔ جیسے سفیر کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ شہلا ڈبل کراس کر سکتی ہے اسی طرح اس کے ذہن میں ممکنہ سدِباب بھی آیا۔

''یار ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اس کے جسم سے کوئی ڈیوائس باندھ دیں جو اسے کسی غلط حرکت سے روکے۔''

وسیم نے اسے گھورا۔ ''کیا ریموٹ کنٹرول کی مدد سے اسے کنٹرول کرنا ہے؟''

''ایک منٹ۔'' میں نے ان کی بحث شروع ہونے سے پہلے کہا۔ ''میرا خیال ہے سفیر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم کوئی آلہ نہیں بلکہ اس کے جسم سے ایک ایسا بم منسلک کریں گے جو ریموٹ کنٹرول سے بلاسٹ کیا جا سکتا ہو اور اگر اسے اتارنے کی کوشش کی جائے تب بھی وہ بلاسٹ ہو جائے۔''

بیتو نے غور کیا۔ ''جیسا کہ فلموں میں دکھایا جاتا ہے۔''

''بالکل وہی.....'' میں نے کہا۔

''ایسا بم آئے گا کہاں سے؟'' سفیر نے پوچھا۔ ''فلموں کی بات اور ہے۔''

میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''تمہاری معلومات اس بارے میں زیادہ ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ایسا بم بنانا بالکل ممکن ہے لیکن بم کی کیا ضرورت ہے ہم بم جیسی کوئی چیز شہلا کے جسم سے باندھ دیں گے تو وہ اسے بم تسلیم کرے گی۔''

بیتو پُرجوش ہو گیا۔ ''اس کا باپ بھی کرے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''نہیں منے باپ تک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وسیم نے اسے پچکار کر کہا۔ ''شہلا تسلیم کر لے ہمارے لیے یہی کافی ہے۔''

''چلو ایک نعتی بم سہی لیکن آئے گا کہاں سے؟''

''میں تیار کرلوں گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''تھوڑا بہت سامان درکار ہوگا وہ بازار سے لے آئیں گے۔ ایک سرکٹ چاہیے ہوگا وہ میں کسی الیکٹرانکس والے سے بنوالوں گا۔ ریموٹ ٹی وی کا چلے گا۔''

''ٹھیک ہے تب یہ کام جلد از جلد کرلو۔'' میں نے کہا۔ ''اب ذرا اس خاتون سے بات ہو جائے۔''

''اس کے سامنے نقاب میں جانا ہوگا۔'' وسیم نے کہا اور اپنی جیکٹ سے تین عدد سیاہ ٹوپیاں نکالیں جو موڑ کر پہنی جاتی ہیں اور انہیں پورا کھول لیا جائے تو یہ پورا منہ چھپا لیتی ہیں۔ ''ان میں آنکھوں کی جگہ سوراخ کرنا ہے۔''

بیتو قینچی لے آیا اور ہم نے ٹوپیوں میں آنکھوں والی جگہ کاٹ کر سوراخ بنا دیئے۔ پھر پہن کر دیکھا تو اس میں ہمارے خدوخال مکمل طور پر چھپ گئے تھے۔ میں، سفیر اور وسیم شبانہ والے کمرے میں آئے۔ میں نے پہلے اسے نہیں دیکھا تھا کیونکہ اس کے منہ پر غلاف تھا۔ میرا خیال تھا وہ مخصوص پھنکار بری کوئی صورت ہوگی۔ جیسا کہ اس پیشے والیوں کے چہروں پر پائی جاتی ہے لیکن وہ ایک عام سی گھریلو عورت نظر آئی۔ بے شک وہ خوب صورت تھی لیکن اس کے چہرے پر نہ تو واہیات تاثرات تھے اور نہ وہ میک اَپ سے لدی ہوئی تھی۔ اس کی جسامت بھی موزوں تھی۔ پھر یہ جسم کہیں کہیں سے کسی قدر بھاری تھا۔ وہ بستر پر بیٹھی تھی اور ہمیں دیکھ کر مزید سہم کر بیڈ کے ساتھ دبک گئی۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''کون ہو تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

اس کی آواز بھی عام سی تھی۔ اس میں سیکس اپیل یا کوئی خاص کیفیت نہیں پائی جاتی تھی۔ سفیر اور وسیم چاقو لے آئے تھے۔ کسی عورت کو آتشیں اسلحہ اتنا خوف زدہ نہیں کرتا ہے جتنا کہ دھار والے آلات کرتے ہیں۔ چاقو دیکھ کر اس کی حالت مزید خراب ہوگئی تھی اور اس نے بلبلا کر کہا۔ ''خدا کے لیے تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

میں باس کی طرح کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور غرا کر بولا۔ ''اگر میں کہوں تمہاری جان لینا چاہتے ہیں تو؟''

''مگر کیوں؟'' وہ رو دی تھی۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟''

''تم کل رات کہاں گئی تھیں؟''

اس کی آنکھیں اس سوال پر پھیل گئیں وہ ہکلا کر بولی۔ ''میں..... میں کچھ گاہکوں کے ساتھ گئی تھی۔''

''وہ تمہیں کہاں لے گئے تھے؟''

''میں نہیں جانتی کار کے شیشے تاریک تھے۔ میں نے صرف ایک کوٹھی دیکھی لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں تھی؟''

''تمہیں کس شخص کے لیے وہاں لے جایا گیا تھا؟'' میں اس کے الفاظ کا تجزیہ کر رہا تھا۔

''میں اس کا نام نہیں جانتی۔'' اس نے جھجک کر جواب دیا۔

''کیا تم لے جانے والوں میں سے کسی کو جانتی ہو؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''نہیں.....''

''جھوٹ مت بولو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم اس طرح انجان لوگوں کے ساتھ کس طرح جا سکتی ہو؟''

وہ سہم گئی۔ ''میرا کام ہی ایسا ہے مجھے لوگوں کے ساتھ جانا پڑتا ہے۔''

''تم نے لے جانے والوں سے پیشگی معاوضے کا مطالبہ کیا تھا؟''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''ہاں لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''سوال مت کرو میرے سوال کا جواب دو۔''

''میں پہلی بار ان کے ساتھ جا رہی تھی اور مجھے خدشہ تھا کہ صبح وہ مجھے معاوضہ دینے سے انکار نہ کر دیں۔''

''تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں وہ چاہتے تو تمہیں معاوضہ ایک گولی کی صورت میں دے سکتے تھے اور تمہیں کسی نامعلوم قبر میں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا جاتا۔''

اس نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''ہمیں اس شخص سے دلچسپی ہے جس کے لیے تمہیں وہاں لے جایا گیا تھا۔''

اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات آ گئے۔ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ ''وہ بہت عجیب آدمی تھا میں اس کے بارے میں نہیں بتا سکتی میں نے کبھی یہ سب نہیں کیا جو کل رات مجھے اس شخص کے لیے کرنا پڑا تھا۔''

اس کی بات قابلِ غور تھی۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ ''وہ شخص معذور تھا بستر پر تھا؟''

شبانہ اچھل پڑی تھی۔ ''حد..... تم یہ سب جانتے ہو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''میں نے کہا نا سوال نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم جتنی جلدی سوالوں کے جواب دو گی اتنی جلدی تمہیں یہاں سے چھٹکارا مل جائے گا۔''

اس کے چہرے پر امید نظر آئی۔ ''میں..... میں ہر سوال کا جواب دوں گی۔ تم جو کہو گے میں مانوں گی بس مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا۔''

''اس شخص نے تم سے کیا کروایا؟''

اس نے بے بسی سے دیکھا۔ ''مجھ سے مت پوچھو، بے شک میں بری عورت ہوں لیکن مجھے بتاتے ہوئے گھن آ رہی ہے۔ میں نے بہت گندے لوگوں کو دیکھا اور سہا ہے لیکن اتنا غلیظ آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کی حرکتوں پر شیطان بھی شرما جائے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ مجھے اس شخص کے پاس لے جایا جا رہا ہے تو میں کسی بھی معاوضے کے بدلے اس کے پاس جانے کو تیار نہ ہوتی۔''

''تم وہاں جا کر بھی تو انکار کر سکتی تھیں؟''

''میں نے انکار کیا تھا۔ اس پر لمبے بالوں والے نے مجھے مارا اور قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔''

''لمبے بالوں والا شخص جو تمہیں لے کر گیا تھا؟''

''ہاں وہی، مجھے اس سے بہت ڈر لگا تھا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''صبح اس نے تمہیں واپس چھوڑا تھا؟''

''نہیں وہ کوئی اور شخص تھا۔ یقین کرو جب تک میں وہاں سے نکلی نہیں تھی میرا دم انکار رہا تھا۔ وہ سب بہت خوفناک لگ رہے تھے۔ گھر آ کر بھی مجھے بہت دیر یقین نہیں آیا۔''

شبانہ نے سب کچھ سادگی سے بیان کر دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس نے ہم سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ان میں سے کسی نے تمہیں دوبارہ بلانے کو کہا؟''

''اسی ذلیل شخص نے کہا جس کے ساتھ میں نے رات گزاری تھی لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ اب دوبارہ مر کر بھی اس کے پاس نہیں جاؤں گی۔''

''تب تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ عارضی طور پر اپنے گھر سے کہیں اور چلی جاؤ۔''

اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ ''کیا مطلب؟''

''معذور شخص بہت خطرناک آدمی ہے اور اس کا تعلق ایک دولت مند سیاسی خاندان سے ہے۔ اس کے پاس بدمعاشوں کی پوری فوج ہے اور وہ جسے چاہے اٹھوا سکتا ہے یا ہمیشہ کے لیے غائب کرا سکتا ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں..... اگر میں نے جانے سے انکار کیا تو وہ مجھے اٹھوا لے گا۔''

''بالکل وہ نفسیاتی مریض ہے اور ایک بار اس نے تمہیں اٹھوا لیا تو امکان ہے پھر تمہیں رہائی نصیب نہیں ہوگی۔''

''بلکہ زندگی سے رہائی مل جائے گی۔'' وسیم نے کہا۔

''میں..... کہیں اور چلی جاؤں گی۔''

''اسی میں تمہاری بہتری ہے اور اگر کسی وجہ سے ان کے ہاتھ آ جاؤ تو ہمارے بارے میں کسی صورت مت بتانا۔ ورنہ تمہاری بچت کا ایک فیصد امکان بھی باقی نہیں رہے گا۔'' میں نے اسے ڈرایا۔ ''بالکل انجان اور معصوم بن جانا۔ تم ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو اس لیے ان کو کچھ نہیں بتا سکو گی لیکن وہ آدمی کی زبان پر یقین کرنے والے لوگ نہیں ہیں وہ تم پر تشدد کریں گے۔''

''تشدد بھی ایسا ویسا نہیں کریں گے۔'' سفیر نے بھی اسے ڈرانے میں اپنا حصہ ڈالا۔ ''وہ تمہیں جلائیں گے، کاٹیں گے، تمہارے ناخن کھینچیں گے اور تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گے۔''

''بالآخر تم ان کے تشدد سے جان ہار جاؤ گی اور وہ بغیر کسی احساس کے تمہاری کچلی اور ٹوٹی پھوٹی لاش کسی نامعلوم قبر میں دفنا دیں گے۔'' میں نے کہا۔

''اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اپنی زبان بند رکھو۔'' وسیم نے کہا اور میں کھڑا ہو گیا۔ ہم باہر آئے اور چہروں سے ٹوپیاں اتاریں۔ سفیر نے اپنا شانہ تھپکا۔

''کیا پرفارمنس دی ہے آج۔''

''یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ اس کوٹھی میں نادر علی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ مکمل طور پر معذور ہونے کی وجہ سے عورت کے قابل نہیں رہا ہے لیکن اس کی ہوس کم نہیں ہوئی ہے۔ وہ دولت اور طاقت کے بل بوتے پر اپنی تسکین

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کا سامان کر رہا ہے۔''

''یہی سامان اس کی موت کا سامان ثابت ہوگا۔'' وسیم نے کہا۔ ''شہباز صاحب ہمارے ہاتھ زبردست مہرہ آیا ہے۔ اگر ہم نادر کو وہاں سے اٹھالیں تو مرشد گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم مرشد کو غلط پیمانے پر تول رہے ہو۔ وہ اس قسم کا شخص ہے کہ اس کے نزدیک انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہے چاہے وہ اس کا کوئی خونی رشتے دار کیوں نہ ہو۔ نادر اب اس کے لیے بھائی نہیں بلکہ ایک بوجھ اور ذمے داری ہے اور اگر اسے اس سے چھٹکارا مل جائے تو میرا خیال ہے وہ خوش ہوگا۔''

''تب وہ اس سے چھٹکارا کیوں نہیں حاصل کر لیتا۔'' سفیر نے اعتراض کیا۔ ''اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام تو نہیں ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا ہے لیکن اس کی خاندانی مجبوریاں ہوں گی اور یقیناً نادر نے اپنی حفاظت کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر رکھا ہوگا۔ وہ احمق نہیں ہے یہ سب بھیڑیا فطرت لوگ ہیں جو ذرا سا کمزور ہوا سے مل کر پھاڑ کھاتے ہوں گے اس لیے کوئی کمزور ہونا نہیں چاہے گا۔''

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ہماری ایک بڑی کامیابی ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''اس سے انکار نہیں ہے دشمن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا بہترین حکمتِ عملی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ہمارا اصل ہدف مرشد ہے۔''

سفیر نے بحث سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''اب اس کا کیا کرنا؟''

اس کا اشارہ شبانہ کی طرف تھا۔ میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے اسے آج ہی اس کے فلیٹ تک چھوڑ آتے ہیں۔''

''کون جائے گا؟'' سفیر نے پوچھا۔

''میں اور تم۔'' میں نے کہا۔ ''ہم نے آج سارا دن آرام کے سوا کچھ نہیں کیا ہے اس لیے اچھا ہے ذرا جسم کھل جائے گا۔''

○.....❖.....○

سفیر تیار نہیں تھا وہ آرام کے موڈ میں تھا مگر میں نے اسے انکار کا موقع نہیں دیا۔ شبانہ کو پہلے کی طرح منہ پر تکیے کا غلاف چڑھا کر اوپر لائے۔ اسے لے جانے کے لیے بھی لینڈ کروزر منتخب کی کیونکہ ایک تو اس کے عقبی حصے میں وہ کسی کو نظر نہیں آتی دوسرے یہ رفتار کے معاملے میں بھی باقی گاڑیوں سے بہتر تھی۔ وسیم نے اس کے سامنے والے حصے میں ایک عدد شاٹ گن اور ایک خود کار رائفل رکھی تھی۔ ڈیش بورڈ میں ایک سائلنسر لگا پستول تھا اور باقی پستول وغیرہ ہمارے پاس موجود تھے۔ شبانہ خوف زدہ تھی اور ہماری منتیں کر رہی تھی کہ اسے نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کا خیال تھا کہ ہم اسے کہیں ٹھکانے لگانے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ میں نے اسے تسلی دی۔

''اگر نقصان پہنچانا ہوتا تو اتنی زحمت کیوں کرتے جہاں ہیں وہیں تمہیں گولی مار کر کہیں دفن کر دیتے۔''

وہ بہت بزدل تھی اور اپنی نہ ہونے والی وفات کا سن کر بھی اس کی ہوا خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے جب اسے گاڑی کے پچھلے حصے میں بٹھایا تو وہ خاموشی سے دبک گئی۔ اسے خبردار کر دیا تھا کہ راستے میں کسی قسم کا شور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شرابا اس کی رہائی کے امکانات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ خاموش بیٹھے۔ ہم کوئی گیارہ بجے کوٹھی سے نکلے اور اسلام آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ سردی یقیناً شدت کی تھی لیکن دھند نہیں تھی اور سڑک صاف تھی اس لیے ہم بیس منٹ بعد اسلام آباد میں تھے۔ وسیم نے مجھے شبانہ کے فلیٹ کا پتا سمجھا دیا تھا۔ اس کی وجہ سے میں نے اور سفیر نے راستے میں غیر ضروری گفتگو سے گریز کیا لیکن جب اس کے فلیٹ کے سامنے اسے اتار کر وہاں سے روانہ ہوئے تو سفیر نے سرد آہ بھری۔

''وہ بھی کیا زمانہ تھا جب ہم رات رات بھر اسلام آباد اور پنڈی کی سڑکوں پر مٹرگشت کیا کرتے تھے۔''

''میرے دوست وہ زمانہ پھر آئے گا لیکن کیا خیال ہے اُس وقت کی کچھ یاد تازہ کر لی جائے۔''

''کیا مطلب کہیں چلنا ہے۔'' سفیر نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہاں یاد ہے صدر میں ایک چھوٹا سا کیفے ہے جو رات بھر کھلا رہتا ہے اور اس کی کافی لاجواب ہوتی تھی۔''

''ہاں یاد آ گیا شاید دو سال پہلے آخری بار ہم گئے تھے۔'' سفیر نے یاد کیا۔ ''کیا اب بھی کھلا ہوگا؟''

''امکان تو یہی ہے کیفے اتنی جلدی بند نہیں ہوتے ہیں۔'' میں نے گاڑی کا رخ اس طرف موڑ دیا۔

''لیکن یار ایسی تفریح پر جاتے ہوئے اب ڈر لگتا ہے کہیں نہ کہیں کوئی بد بخت دشمن ٹکرا جاتا ہے۔''

''خدا پر بھروسہ رکھو یار آج سارے دشمن اپنے کمبلوں اور رضائیوں میں دبکے ہوں گے۔''

''کہاں بھائی انہیں بھی ہماری طرح چین نہیں ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''وہ بھی سڑکوں پر مارے مارے پھرتے ہیں۔''

''بس آج کوئی نہ ملے، آج میرا موڈ اچھا ہے۔'' میں نے کیفے کے سامنے گاڑی روکی۔ کیفے کھلا ہوا تھا اور اس کی بیرونی آرائش سے لگ رہا تھا کہ اس نے ترقی کی ہے۔ ہم اندر آئے، ایک کونے والی میز منتخب کی، یہاں روشنی کم تھی اور اگر کوئی بد بخت دشمن آ بھی جاتا تو اس کا امکان کم تھا کہ اس کی بدنظر ہم پر پڑے۔ سفیر نے کافی کا کہا اور سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔

''تو نے پھر شروع کر دی؟''

''ختم کب کی تھی یار، موقع سے چھپ کر پیتا ہوں۔'' سفیر نے سگریٹ سلگائی۔ ''اس نے سگریٹ کے پیچھے دماغ کی دہی کر دی تھی۔ مجبوراً اس کے سامنے چھوڑنا پڑی تھی۔''

''اور پیٹھ پیچھے پی رہا ہے۔''

''بھائی اسی کا نام ازدواجی زندگی ہے۔'' سفیر نے آہ بھری تو اس کے منہ سے دھواں نکلا تھا۔ ''میاں بیوی کی زندگی کی گاڑی میں جھوٹ اور چھوٹے موٹے دھوکوں کا آئل نہ ہو تو گاڑی اٹک اٹک کر چلتی ہے اور انجن سیز ہونے کا خطرہ بھی رہتا ہے۔''

''تو نے بہت جلد ترقی کر لی ہے۔'' میں نے اسے خراج تحسین پیش کیا۔ ''خیر تیرے ازدواجی معاملات تو چلتے رہیں گے۔ یہ بتا کہ میری مرشد کے خلاف حکمتِ عملی کیسی ہے؟''

''مناسب ہی ہے لیکن ابھی تک ہم نے کوئی واضح قدم نہیں اٹھایا ہے صرف مرشد کے اقدامات کا جواب

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دیتے رہے ہیں۔"

"دیکھو یار مرشد اور ہمارے وسائل اور اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس کے پاس جاہل مریدوں اور کرائے کے بدمعاشوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہمارے پاس گنے چنے ساتھی ہیں اور سب قیمتی ہیں۔ مالی وسائل بھی لامحدود نہیں ہیں۔ اوپر سے پولیس بھی میرے پیچھے ہے۔ اس صورت میں ہماری پوزیشن دفاعی بنتی ہے لیکن رفتہ رفتہ ہم اس کے خلاف اپنی پوزیشن بھی مضبوط کر رہے ہیں۔"

"ہم مرشد کو قانونی میدان میں شکست نہیں دے سکتے، اول تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے دوسرے اگر کوئی الزام لگ بھی جائے تو اس کے وکیل اسے چھڑا سکتے ہیں۔ وہ کرپٹ عدالتی نظام کو خرید سکتا ہے اپنے اثر و رسوخ سے فیصلے تبدیل کرا سکتا ہے۔"

"یار ابھی وہ طاقتور ہے لیکن وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا ہے۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم صبر سے کھڑے رہیں اور اچھے وقت کا انتظار کریں۔ جب مرشد کا برا وقت آئے گا تو وہ خود ہم سے تصفیہ چاہے گا۔"

"اور جب برے وقت سے نکل جائے گا تو دوبارہ فرعون بن جائے گا۔" سفیر نے تلخی سے کہا۔ "یہ مرشد کا مستقل حل نہیں ہے۔"

"تب تیرے خیال میں مستقل حل کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "مرشد سے صلح کر لی جائے؟ تُو جانتا ہے یہ ممکن نہیں ہے۔ دوسرا حل یہ ہے کہ سب چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں اور پیچھے ہمارے جو لواحقین رہ جائیں انہیں مرشد کے رحم و کرم پر چھوڑ جائیں۔" میرا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔

سفیر خاموش ہو گیا تھا وہ سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔ ویٹر کافی لے آیا اور اس نے سلیقے سے کافی سرو کی۔ ویٹر کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ "سفیر میری ایک بات مان....."

"بکواس نہ کر۔" اس نے میری بات کاٹی۔ "تُو کیا سمجھ رہا ہے میں اس جنگ سے جان چھڑانا چاہتا ہوں۔ مونا کے ساتھ کہیں جا کر سکون سے رہنا چاہتا ہوں۔"

"اب تُو بکواس کر رہا ہے، کیا میں تجھے جانتا نہیں ہوں؟ میں بالکل بھی ایسا نہیں سمجھ رہا ہوں میں تیرے سامنے متبادل آپشن رکھ رہا ہوں۔ تو یہاں نہیں تھا تو میں دشمن کے خلاف اکیلا تھا لیکن مجھے یہ اطمینان بھی تھا کہ تُو اور مونا دشمن کی پہنچ سے باہر ہو اور یہ چیز مجھے طاقتور بناتی تھی۔ اب میں تیرے ساتھ کے باوجود خود کو اتنا مضبوط محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ تُو اور مونا ایک بار مرشد کی قید میں رہ چکے ہو۔ تو نہیں جانتا وہ وقت مجھ پر کتنا بھاری گزرا تھا۔"

"وہ وقت دوسرا تھا اس وقت ہم کمزور تھے، آج ہم اس کے مقابلے میں کہیں بہتر پوزیشن میں ہیں۔" سفیر نے کہا۔

"پھر بھی تُو مایوس ہے۔" میں نے جواب دیا تو سفیر شرمندہ نظر آنے لگا۔

"تو ٹھیک کہہ رہا ہے شاید میرے اعصاب اب اتنے مضبوط نہیں رہے ہیں۔"

"دیکھ یار حالات میں نرمی گرمی آتی رہتی ہے، اصل بات یہ ہے کہ انسان ہمت نہ ہارے۔" میں نے کافی اٹھائی جو ٹھنڈی ہونے جا رہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''تُو ٹھیک کہہ رہا ہے اب تو رقم کی کمی بھی نہیں ہے۔ بیرون ملک بینک میں ہمارے کروڑوں روپے موجود ہیں۔''

''پھر راجا عمر دراز کا مکمل تعاون بھی حاصل ہے۔''

''لیکن اس کا یہ تعاون بے سبب نہیں ہے۔'' سفیر نے نکتہ اٹھایا۔

میں نے سر ہلایا۔ ''تُو ٹھیک کہہ رہا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ ہمالیائی وادی تک کا سفر کروں۔ مگر اس کی اپنی حالت اچھی نہیں ہے ڈاکٹر نے اسے جواب دے دیا ہے۔''

''بڑی بھرپور شخصیت ہے راجا عمر دراز کی۔''

''اتنی ہی بھرپور زندگی بھی گزاری ہے اُس نے۔''

''ڈیوڈ شا کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے؟''

''میری اس سے بات ہوئی ہے اور میں نے اسے بتا دیا ہے کہ اس کے آدمی نے بدعہدی کی اور مجھے مرشد کے حوالے کرنا چاہا تھا۔''

''اس کا کیا ردِعمل تھا؟''

''ایسا لگا جیسے اسے میری بات کا یقین نہیں آیا مگر مجھے اس کی پروا نہیں ہے میری بلا سے وہ جہنم میں جائے۔ اگر یقین نہیں کرتا ہے۔''

''لیکن اسے یقین آ گیا کہ اس کے آدمی نے مرشد کے ساتھ مل کر اسے ڈبل کراس کیا ہے تو اس کا کیا ردِعمل ہوگا۔''

''کچھ بھی نہیں ابھی وہ مرشد کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہے اور جب اس کا کام نکل جائے گا تو مرشد کا جھٹکا کر دے گا وہ کسی کو معاف کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔''

''وہ بھی مجھے مرشد کی نسل کا لگتا ہے۔''

''کچھ اسی قسم کا شخص ہے، لیکن اس کے عزائم مرشد سے بہت زیادہ بلند ہیں۔''

''تیرا کیا خیال ہے وہ وادی تک کیوں جانا چاہتا ہے۔''

''مجھے اس کے پس پشت گوروں کی مخصوص نفسیات نظر آتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں دنیا کی ہر چیز اور ہر دریافت پر اصل میں ان کا حق ہے اور اگر کوئی اور یہ کام کر جاتا ہے تو وہ اُن کی حق تلفی کرتا ہے اور ان کا مجرم ہے۔ وادی تک ولیم شا، اس کا آسٹریلین ساتھی اور راجا عمر دراز پہنچے تھے اس طرح وادی کی دریافت میں وہ تینوں شریک تھے لیکن شاید ولیم شا نے صرف اسی لیے وادی کے بارے میں لب کشائی سے گریز کیا کہ وہ اس میں عمر دراز یا اپنے ساتھی کو حصے دار بنانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر موت اور حالات نے اسے مہلت نہیں دی۔ اس کے بیٹے برٹ شا کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر ڈیوڈ شا وہاں کے لیے پاگل ہو رہا ہے۔''

''شہباز تم نے بتایا کہ وہ تمہاری مدد کے بدلے مرشد سے تمہارا تصفیہ کرانے کے لیے تیار تھا؟'' سفیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم نے دیکھ لیا مرشد نے اس کے تصفیے کو اس کے منہ پر مارنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔'' میں نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اسے یاد دلایا۔

''وہ ٹھیک ہے یار پر ہم ڈیوڈ شا کو استعمال تو کر سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''تُو ڈیوڈ شا سے بات کر اور اسے بول کہ تو اب بھی اس کے ساتھ معاہدے میں مخلص ہے اگر وہ مرشد سے ہماری جان چھڑا دے تو تُو اس کے ساتھ وادی جائے گا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''میرا پہلے بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔''

''بے شک ارادہ نہ ہو لیکن بات کرنے میں کیا حرج ہے وہ کون سا سجن ہے جس سے کیا عہد نبھانا ضروری ہوگا۔''

''بھائی تم جانتے نہیں ہو وہ کتنا شاطر آدمی ہے اس نے مجھ سے قرآن کریم پر عہد لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں قرآن پر کیا ہوا عہد نہیں توڑ سکوں گا وہ تو خدا نے احسان کیا اور میری خود ہی جان چھوٹ گئی اور مجھے اس کے ساتھ کیا ہوا عہد نبھانا نہیں پڑا۔ اب میں نے اس سے بات کی تو وہ مجھے اسی طرح پھانس لے گا۔''

''فی الحال وہ برطانیہ میں یا کہیں اور ہے اور تم اس کے قبضے میں بھی نہیں ہو اس لیے بات کرو اور اس سے تعاون پر آمادگی ظاہر کرو۔''

''اس کا فائدہ؟''

''سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ ڈیوڈ شا مرشد کی کلیں دبائے گا اور وہ اسے صاف انکار بھی نہیں کر سکتا ہے۔ وہ ہمارے خلاف کارروائیاں روکنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

''مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔''میں نے سوچ کر کہا۔''لیکن اگر تُو کہتا ہے تو میں اس سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔''

ڈیوڈ شا کا فون نمبر میں نے اپنے ای میل اکاؤنٹ میں محفوظ رکھا تھا۔ آئی فون سے اکاؤنٹ کھولا۔ اس میں انٹرنیٹ ہمہ وقت آن رہتا ہے۔ ڈیوڈ شا کے پیلس کا نمبر نوٹ کیا اور اس سم سے اسے کال ملائی جو میں نے صرف دشمنوں سے رابطے کے لیے مخصوص رکھی تھی۔ فون ڈیوڈ شا کے مہذب بٹلر نے اٹھایا اور نہایت شائستگی سے مجھے بتایا کہ مسٹر ڈیوڈ شا شام کی چائے پینے میں مصروف ہیں اس لیے میں کچھ دیر بعد کال کروں۔ میں نے کہا۔

''میں پاکستان سے کال کر رہا ہوں اور یہ کال مسٹر ڈیوڈ شا کے لیے بہت اہم ہے۔ تم ان سے بات کرو اور اگر وہ انکار کرتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن میں دوبارہ کال نہیں کروں گا۔''

بٹلر نے چند لمحے میرے الفاظ تولے اور بولا۔''آپ ایک منٹ کے لیے ہولڈ کریں۔''

ایک منٹ بعد ڈیوڈ شا کی سرد آواز ابھری۔''ہیلو۔''

''شہباز ملک بات کر رہا ہوں۔''

''شہباز۔''اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔''تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے تم میرے آدمی کو دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔''

''کس قسم کا دھوکا جب کہ تم مجھے ویسے ہی رہا کرنے والے تھے؟''میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔''یا تمہارا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اور دھوکا تم مجھے دے رہے تھے۔''

''مارشل کا بیان بالکل الگ ہے، اس کی موبائل کال کا ریکارڈ نہیں ملا ہے۔''

''مارشل اس وقت کہاں ہے؟''

''میں نے اسے واپس بلا لیا ہے۔''

''کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟''

''وہ یہاں نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔

''تمہارے پاس اس کا نمبر ہوگا، تم اسے کال کر سکتے ہو اور مجھے کانفرنس میں لے لو۔''

''اس سے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

''میں ابھی اس کے جھوٹ کا پول کھول دیتا ہوں تم سنتے رہنا۔''

ڈیوڈ شا نے سوچا اور پھر مارشل کو کال کی اس دوران میں میری کال ہولڈ پر چلی گئی تھی۔ اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ ڈیوڈ شا نے اس سے کیا کہا لیکن ایک منٹ بعد وہ بھی اس کال میں شامل تھا۔ اس نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔ ''شہباز تم بچو گے نہیں۔''

''تم نے کوشش تو پہلے بھی کی تھی اور مجھے مرشد کے حوالے کرنا چاہا تھا لیکن بازی الٹ گئی۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''جب میں تمہیں رہا کرنے گیا تو تمہارے ساتھیوں نے حملہ کر دیا اور میرے آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ میں بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکا تھا۔''

''یہ غلط ہے تم مجھے فیصل مسجد لے کر نہیں لے گئے تھے جہاں تم نے میرے ساتھیوں کو مجھے حوالے کرنے کو کہا بلکہ تم مجھے راول ڈیم لے گئے تھے اور وہاں مرشد کے آدمیوں کے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی، میری خوش قسمتی کہ میں جان بچانے میں کامیاب رہا۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم میں تمہیں فیصل مسجد کی طرف ہی لے گیا تھا۔''

''مسٹر ڈیوڈ شا تم سن رہے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''مارشل نے اپنے منہ سے اقرارِ جرم کر لیا ہے۔''

مارشل غرایا۔ ''بکواس کرتے ہو تم میں نے کوئی اقرارِ جرم نہیں کیا ہے۔''

''ڈیوڈ شا تم نے سنا یہ مجھے میرے ساتھیوں کے حوالے کرنے کے لیے فیصل مسجد کی طرف لے گیا تھا لیکن اگلے دن کے اخبارات تمہیں بتائیں گے کہ اس روز فیصل مسجد یا اس کے آس پاس ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا جس میں کم سے کم دو افراد کی ہلاکت ہوئی ہو لیکن راول ڈیم کے پاس ایسا واقعہ ضرور ہوا تھا جس میں فائرنگ اور جانی نقصان ہوا تھا۔ اگر میرے ساتھیوں نے اس پر فیصل مسجد کے پاس حملہ کیا تھا تو یہ واقعات راول ڈیم کے پاس کیوں ریکارڈ کیے گئے۔ اخبارات چیک کرنے کے لیے تمہیں زیادہ زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔ انٹرنیٹ پر اب تمام اہم پاکستانی اخبارات دستیاب ہیں اور ان کے پرانے شمارے بھی مل جاتے ہیں۔''

میرے الفاظ نے مارشل کو گنگ کر دیا تھا غالباً اس نے سوچا نہیں تھا کہ یہ سب اخبار میں آیا ہوگا۔ اس کی خاموشی کے ڈیوڈ شا کو مشکوک کر دیا اس نے بخ بستہ لہجے میں کہا۔ ''مارشل اب تم کیا کہتے ہو؟''

''یہ..... یہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔'' مارشل جو پہلے بلڈاگ کی طرح غرا رہا تھا اب کسی نازک مزاج پلے کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

طرح چیاؤں چیاؤں کرنے لگا۔

''اگر یہ جھوٹ کہہ رہا ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر اخبارات نے کوئی اور کہانی سنائی تو.....''

''پلیز.....پلیز ڈیوڈ شا مجھے معاف کردو۔'' مارشل گڑگڑانے لگا۔''مجھ سے غلطی ہوئی میں مرشد کی باتوں میں آگیا تھا۔''

''باتوں میں یا لالچ میں؟'' میں نے ہنس کر کہا۔''ڈیوڈ شا تم خود کو بہت توپ چیز سمجھتے ہو، تمہارے خیال میں تمہاری ضمانت اس ملک کے حکمران بھی نہیں ٹھکرا سکتے لیکن تمہارا ایک معمولی اور ایک قدموں میں لوٹنے والا غلام کس طرح تمہارے الفاظ کو تمہارے منہ پر مار گئے۔''

''شہباز ملک۔'' وہ غرایا۔

''پہلے ان لوگوں سے حساب لے لو پھر مجھ سے بات کرنا۔'' میں نے کہا۔''میں اب بھی تم سے تعاون کرنے کو تیار ہوں لیکن اس بار کسی معاہدے کی بات کرتے ہوئے اپنی ضمانت مضبوط کر لینا۔''

میں نے کال کاٹ دی اور سم نکال لی۔ سفیر نے سکون کا سانس لیا وہ مجھے مستقل اشارے کیے جا رہا تھا کہ میں نے کچھ زیادہ ہی دیر بات کر لی ہے اور ڈیوڈ شا کا کوئی بھروسہ نہیں ہے وہ باہر سے بیٹھے بیٹھے یہاں میرے خلاف ڈوریاں ہلا سکتا تھا۔''اتنی دیر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' سفیر نے برہمی سے کہا۔''ان کے بارے میں جانتے نہیں ہو۔''

''بس یار بات ہی ایسی ہو رہی تھی۔ مارشل کا پتا تو صاف سمجھو اور مرشد بھی مشکل میں پڑنے والا ہے۔'' میں نے میز پر ایک نوٹ رکھا اور کھڑا ہو گیا۔''لیکن تُو بھی ٹھیک کہہ رہا ہے ہمیں احتیاط کرنی چاہیے اور یہاں سے فوری روانہ ہو جانا چاہیے۔''

میں اور سفیر باہر آئے اور بروقت آئے جیسے ہی ہم لینڈ کروزر میں بیٹھے ایک سفید کار وہاں آ کر رکی اور اس سے چار آدمی نکل کر کیفے کی طرف لپکے تھے۔ تاریک شیشوں کے پیچھے وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں مشین گن تھی اور باقی بھی یقیناً مسلح تھے۔ اندر جانے سے پہلے ان میں سے ایک بولا۔ ''سگنل یہیں سے آ رہے تھے ہوشیاری سے وہ بہت خطرناک ہیں لیکن گولی نہیں چلانی ہے ان کو زندہ قابو کرنا ہے۔''

آنے والے چاروں افراد مقامی تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ جن کے لیے آئے وہ ان سے صرف چند قدم کی دوری پر اس لینڈ کروزر کے سیاہ شیشوں کے پیچھے موجود تھے۔ جیسے ہی وہ اندر گئے میں نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور اسے پارکنگ سے نکالتے ہوئے اپنی طرف کا شیشہ نیچے کیا۔ سفیر نے اضطراب سے کہا۔''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''دیکھتے جاؤ۔'' میں نے کہا اور اپنا پستول نکال کر سفید کار کے اگلے دونوں پہیوں پر ایک ایک فائر کیا اور دونوں دھماکے سے برسٹ ہو گئے۔ فائرز کی آواز بھی یقیناً اندر گئی ہو گی لیکن جب تک وہ چاروں اندر سے برآمد ہوتے ہماری گاڑی کوئی دو سو گز دور جا چکی تھی۔ سفیر پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے فرار ہوتے ہوئے حد رفتار کا خیال رکھا تھا کیونکہ صدر کے علاقے میں ٹریفک پولیس ہوتی تھی اور وہ پیچھے آنے میں زیادہ دیر بھی نہیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لگاتی۔ سفیر نے ان کو باہر آتے اور اپنی کار کا معائنہ کرتے دیکھ کر قہقہہ مارا۔

''اب مزہ آئے گا سالوں کو ہمیں پکڑنے آئے تھے۔''

میں ڈرائیونگ کے ساتھ آس پاس نظر بھی رکھے ہوئے تھا کیونکہ مجھے شک تھا کہ وہ صرف ایک گاڑی کے ساتھ نہیں آئے ہوں گے۔ ابھی ہم نصف کلومیٹر دور گئے ہوں گے کہ ایک ذیلی سڑک سے ایسی ہی ایک سفید کار نکل کر ہمارے پیچھے آنے لگی۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''بیٹے ہوشیار ہو جا اب مزہ لینے کی باری ہماری ہے۔''

''کیا ہوا؟''

میں نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے رفتار بڑھائی۔ ''مجھے شک ہے یہ سفید کار ہمارے پیچھے آ رہی ہے۔''

سفیر نے پلٹ کر دیکھا، لینڈ کروزر کی رفتار بڑھتے ہی عقب میں آنے والی گاڑی کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی۔ میں نے گاڑی دائیں طرف ایک آبادی کی طرف گھما دی۔ فوراً ہی سفید کار بھی اسی طرف گھوم گئی۔ سفیر نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ ''وہ ہماری پیچھے آ رہی ہے۔''

''یار اس سے بھی نمٹنا پڑے گا۔'' میں نے گاڑی کو گلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔

سفیر نے کہا۔ ''تو بس دیر مت کر ورنہ یہ کال کر کے مزید مصیبتوں کو نہ بلا لیں۔''

''تیرا نشانہ اچھا ہے۔ اوپر والے خانے سے نکل کر سائلنسر والے پستول سے کار کے ٹائروں اور ونڈ اسکرین کو نشانہ بنانے کی کوشش کر۔''

سفیر نے ڈیش بورڈ کے خانے سے سائلنسر لگا ہوا پستول نکالا اور چھت والا خانہ کھولتے ہوئے اس سے باہر نکلا۔ اسے باہر آتے دیکھ کر عقبی کار کی رفتار کم ہوئی اور اسی مناسبت سے میں نے بھی رفتار کم کی۔ وہ کوئی پچاس گز کی دوری پر تھی۔ سفیر نے نشانہ لے کر آدھے منٹ سے کم وقت میں کار پر پورا میگزین خالی کر دیا۔ سائلنسر کی وجہ سے آواز نہیں آئی تھی لیکن سفید کار کا ایک ٹائر ضرور دھماکے سے پھٹا تھا اور اس کی ونڈ شیلڈ پر بھی کئی سوراخ نمودار ہو گئے تھے۔ اب وہ تعاقب کے قابل نہیں رہی تھی۔ پتا نہیں اندر موجود افراد میں سے کسی کو گولی لگی تھی یا نہیں لیکن گاڑی ضرور رک گئی تھی۔ سفیر کے واپس بیٹھتے ہی میں نے رفتار بڑھا دی۔ سفیر خوش تھا۔

''کیسا رہا نشانہ؟''

''شاندار رہا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اتنی ترقی کر لی ہے۔''

''دبئی میں ایک شوٹنگ کلب جوائن کیا ہوا تھا وہاں میں نے دو ٹرافیاں بھی جیتی تھیں۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''عجلت میں بھاگتے ہوئے دونوں ٹرافیاں وہیں رہ گئیں۔''

''کوئی بات نہیں یار ایسی ٹرافیاں یہاں بھی بہت مل جاتی ہیں جتنی کہو اور ان پر جو چاہے لکھوا لو۔''

سفیر نے مجھے گھورا۔ ''تیرا مطلب ہے وہ نقلی ٹرافیاں تھیں جیسا کہ ہمارے ہاں کھلاڑی اور دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بنواتے ہیں؟''

''نہیں مجھے پورا یقین ہے وہ ٹرافیاں تجھے شوٹنگ کلب والوں نے ہی دی ہوں گی لیکن کیا مونا کو اس کا یقین تھا؟''

''نہیں بھائی اسے ایک لمحے کو بھی یقین نہیں آیا تھا اس کے خیال میں، میں بازار سے بنوا کر لایا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوں۔'' سفیر نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یار یہ بیویاں شوہروں کو اتنا جھوٹا کیوں سمجھتی ہیں۔ ویسے لگتا ہے ان سے پیچھا چھوٹ گیا ہے۔''

''یعنی کوئی اور پیچھے نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اس دوران میں گاڑی دوبارہ مین روڈ پر نکال لی تھی۔ ''تیرا منحوس اندیشہ درست ثابت ہوا ڈیوڈ شا برطانیہ میں بیٹھ کر یہاں اپنے اثر و رسوخ سے ہمیں ڈھونڈ نکالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔''

''منحوس کے بجائے آپ اسے پیش بنی بھی کہہ سکتے تھے۔'' سفیر نے ملائمت سے کہا۔ ''اس نے اپنا قاتل دستہ بھی فوراً روانہ کر دیا۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''ان کا انداز قاتلانہ نہیں تھا کیونکہ صرف ایک نے مشین گن اٹھائی ہوئی تھی اور وہ شاید ڈرانے دھمکانے کے لیے تھی۔ وہ ہمیں اٹھانے آئے تھے۔''

''شکر ہے مجھے بروقت عقل آ گئی اور ان کے اٹھانے سے پہلے ہم خود اٹھ گئے۔ ورنہ ابھی بندھے ہوئے جا رہے ہوتے۔'' سفیر نے اپنی پیٹھ خود تھپکی۔ ''تیرا اندیشہ درست ثابت ہوا ہم کہیں جائیں اور دشمن سے ٹکراؤ نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں ہے۔''

''لیکن اس بار ہم نے خود بیل کو دعوت دی تھی۔'' میں نے فیول گیج کی طرف دیکھا۔ گاڑی میں ڈیزل کم ہو رہا تھا۔ اگرچہ ایاز نے ایسا بندوبست رکھا تھا کہ عقبی حصے میں پانچ پانچ گیلن کے چار کین بھرے رکھے تھے لیکن یہ صرف ہنگامی حالات کے لیے تھے۔ میں نے نظر آنے والے پہلے پیٹرول پمپ کی طرف گاڑی موڑی اور ڈیزل پمپ کے سامنے روکتے ہوئے لڑکے کو ٹنکی فل کرنے کو کہا۔ اس نے مجھ سے چابی لے کر نوزل ٹینک میں لگا دی۔ میں اور سفیر نیچے اتر آئے۔ سردی کی وجہ سے پیٹرول پمپ اور آس پاس ویرانی تھی، اسٹیشن میں واحد گاڑی ہماری تھی۔ سفیر کو کچھ فطری مسئلہ درپیش ہوا اور وہ واش روم کی طرف چلا گیا۔ لڑکا دیکھنے میں کم عمر لگ رہا تھا لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو مجھے اپنے خیال کی تردید کرنا پڑی۔ وہ پچیس سے اوپر کا تھا اور اس کے سوا وہاں کوئی اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے میٹر پر تیزی سے بدلتے ہندسوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ادائیگی کہاں کرنی ہے؟''

عام طور سے اتنے بڑے پمپس پر دو تین آدمی ہوتے ہیں اور کیش ہینڈلنگ کا کام ایک ہی آدمی کرتا ہے لیکن یہاں بس یہی لڑکا تھا اس نے جواب دیا۔ ''مجھے دو صاحب۔ میں اندر دے آتا ہوں۔''

ٹینکی فل ہو گئی تھی اس نے نوزل نکالی۔ میں نے میٹر دیکھا اور اسے ایک بڑا نوٹ دیا اس نے کہا۔ ''آپ کو چینج لا کر دیتا ہوں۔''

وہ نوٹ لے کر آفس کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں ٹہلتا ہوا ری فریش منٹ شاپ کی طرف گیا۔ حیرت انگیز طور پر وہاں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ ممکن ہے میں عام آدمی ہوتا تو اس چیز کو نظر انداز کر دیتا اور میرا ذہن کسی شک کی طرف نہیں جاتا لیکن میرے تو دن رات غیر معمولی حالات میں گزرتے تھے اور معمول سے ہٹی کوئی چیز بھی مجھے فوراً متوجہ کرتی تھی۔ سفیر ابھی واپس نہیں آیا تھا میں شاپ میں داخل ہوا۔ مکمل گلاس وال کی وجہ سے باہر سے اندر کا منظر نظر آتا تھا لیکن بہت ساری چیزیں ڈسپلے میں رکھی تھیں اس لیے سب کچھ بھی نظر نہیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آتا تھا۔ کاؤنٹر خالی تھا۔

''کوئی ہے؟'' میں نے آواز دی اور پھر موبائل نکال کر سفیر کو کال کی۔ اس نے کئی بیل جانے کے بعد کال ریسیو کی۔ ''اوہ بھائی کہاں ہے کیا کوئی بڑا مسئلہ ہو گیا ہے؟''

''ہاں نہیں کوئی مسئلہ نہیں سب ٹھیک ہے۔'' سفیر نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو بس آ جاؤ۔'' میں نے کہا اور پستول نکال لیا۔

''میں آ رہا ہوں تم گاڑی اسٹارٹ رکھو۔'' سفیر بولا اور میں تیزی سے باہر آیا۔ لڑکا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ میں گاڑی میں آ گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کوئی ایک منٹ بعد نمودار ہوا اور میری طرف آنے لگا۔ میں نے دیکھا اس کا ایک ہاتھ پیچھے کی طرف تھا۔ اس نے کھڑکی کے پاس آ کر رقم والا ہاتھ سامنے کیا۔

''یہ لو صاحب بقیہ۔''

میں نے رقم لیتے ہوئے اس کے دائیں شانے پر نظر رکھی تھی اور جیسے ہی وہ حرکت میں آیا میں نے دروازہ کھولتے ہوئے اس کو مارا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے جا گرا اور اس سے پہلے اٹھتا میں نے باہر نکل کر اس کے ہاتھ میں دبا ہوا پستول چھین لیا۔ ساتھ ہی اس کا بازو مروڑتے ہوئے اسے اپنے سامنے ڈھال بنا لیا۔ لڑکا تلملایا لیکن میری گرفت سے نہیں نکل سکا۔ میں نے اس کی گردن بازو میں لے لی اور اسے دباتے ہوئے پوچھا۔

''اندر کیا ہو رہا ہے کون ہو تم لوگ؟''

''چھوڑ مجھے۔'' اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ ''ورنہ تیرا ساتھی نہیں بچے گا۔''

میرا شک درست نکلا ان لوگوں نے سفیر کو یرغمال بنا لیا تھا۔ میں نے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔ ''تم لوگ ڈاکا مارنے آئے ہو؟ کتنے ساتھی ہیں تمہارے؟''

اس نے جواب نہیں دیا تو میں نے گرفت سخت کر دی۔ اس کی سانس رک رہی تھی اور وہ ہوا کے لیے مچل رہا تھا۔ میں اسے کھینچ کر گاڑی کے پیچھے لے آیا۔ یہاں میں اندر موجود افراد کے نشانے سے محفوظ تھا۔ جب اس کا دم تقریباً نکلنے والا ہو گیا تو میں نے گرفت ڈھیلی کی اور اپنا سوال دہرایا۔ اس بار اس نے جواب دیا۔ ''اندر میرے..... تین ساتھی..... اور ہیں۔''

''پیٹرول پمپ والے کہاں ہیں؟''

''انہیں باتھ روم میں بند کر دیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

تو یہ وجہ تھی انہیں سفیر کو بھی ہینڈز اَپ کرنا پڑا تھا کیونکہ وہ واش روم کی طرف گیا تھا اور اس نے یقیناً قیدیوں کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اپنے ساتھیوں سے کہو شرافت سے ہتھیار پھینک کر باہر آ جائیں میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں فرار کا موقع دوں گا۔''

''وہ نہیں مانیں گے۔'' اس کا سانس بہتر ہو گیا تھا۔ ''وہ تمہارے ساتھی کو مار دیں گے۔''

اسی لمحے آفس کا دروازہ کھلا اور دو افراد سفیر کو ڈھال بنا کر باہر آئے اور انہوں نے للکار کر مجھ سے کہا۔

''خبردار چھوڑ دے اسے ورنہ تیرے ساتھی کو مار دوں گا۔''

''یہ میرا ساتھی نہیں ملازم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تم شرافت سے یہاں سے فرار نہ ہوئے تو میں اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ماردوں گا۔ یہاں ایک فائر ہوا تو پولیس آجائے گی۔"

"اندر دو ٹلے بھی بند ہیں۔" ان میں سے ایک استہزائیہ انداز میں بولا۔ اس نے سفیر کی گردن سے شاٹ گن لگا رکھی تھی۔ "چھوڑا سے ورنہ اس کا جھٹکا کردوں گا۔"

وہ سکہ بند اور چھٹے ہوئے مجرم لگ رہے تھے اور بولنے کے انداز سے لگتا تھا مرنا مارنا اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اپنا پستول میں پہلے ہی جیکٹ میں رکھ چکا تھا اور میرے ہاتھ میں لڑکے کا پستول تھا میں نے گہری سانس لی اور پستول پھینک دیا۔ شاٹ گن والے نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ "اسے بھی چھوڑ دے۔"

میں نے لڑکے کو دھکا دیا۔ "مجھے اس کا کیا کرنا ہے۔"

جیسے ہی میں سامنے آیا دوسرے نے مجھ پر ایک رائفل تان لی۔ "چل اندر۔"

میں آگے بڑھا، وہ مجھے اور سفیر کو اندر لے آئے۔ اندر ایک آدمی اور تھا اور اس نے دونسبتاً معقول نظر آنے والے افراد پر گن تان رکھی تھی۔ لڑکا اب سنبھل گیا تھا اور سخت مشتعل تھا۔ وہ گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے شاٹ گن والے سے کہا۔ "اسے چپ کراؤ۔"

"اوئے چپ کر جا۔" شاٹ گن والے نے لڑکے سے کہا۔ "پہلے ان سے نمٹ لیں پھر اسے بھی دیکھ لیں گے۔"

"چاند جی۔" وہاں پہلے سے موجود مسلح فرد نے دونوں میں سے ایک آدمی سے کہا۔ "شرافت سے تجوری کھول دے ورنہ تیرا سر کھول دوں گا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "اس تجوری کو صرف مالک کھول سکتا ہے میں منیجر ہوں یہاں پر۔"

"بکواس نہ کر ہمیں پتا ہے تو منیجر بنتا ہے لیکن اس پیٹرول پمپ کا اصل مالک تُو ہی ہے۔" مسلح آدمی نے کہتے ہوئے اچانک منیجر کے پاؤں پر گولی ماری۔ اس کی دھاڑ فائر کی آواز میں دب گئی تھی۔ وہ پاؤں پکڑ کر دوہرا ہوگیا تھا۔ مسلح آدمی منیجر کی طرف جھکا۔ "پتا چلا ایک گولی کی تکلیف کیسی ہوتی ہے جلدی بول ورنہ دوسرے پاؤں میں بھی گولی مارتا ہوں۔"

دوسرے آدمی کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ اس نے گھگھیائے انداز میں منیجر سے کہا۔ "سرخدا کے لیے بتا دیں یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔"

"لیکن منیجر حوصلے والا آدمی تھا اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "جب مجھے معلوم ہی نہیں ہے تو بتاؤں کیا؟"

"یہ اس طرح نہیں مانے گا۔" مسلح آدمی نے پیچھے ہٹ کر رائفل سیدھی کی، میں سمجھا کہ وہ منیجر کے دوسرے پاؤں میں گولی مارنے جارہا تھا لیکن اس نے اچانک ہی دوسرے آدمی کو گولی ماردی۔ گولی اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر لگی تھی اور وہ تڑپ کر چند لمحے میں مرگیا۔ میں اور سفیر دم بخود رہ گئے تھے۔ ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ ڈاکو اتنے سفاک ثابت ہوں گے۔ منیجر تڑپ گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی پر جھکتے ہوئے چلایا۔

"کریم..... یہ کیا کیا ظالموں؟" وہ اسے اٹھانے کی کوشش کررہا تھا لیکن وہ دم توڑ چکا تھا اور جب منیجر نے یہ بات محسوس کی وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ "یہ چار چھوٹے بچوں کا باپ تھا۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گولی مارنے والے نے منیجر کو لات ماری۔ ''بکواس نہ کر بچوں کی اولاد، اگر تُو بھی اس کی طرح مرنا نہیں چاہتا ہے تو تجوری کھول دے۔''

لڑکے کے پاس اسلحہ نہیں تھا اس کا پستول بھی دوسرے آدمی نے لے لیا تھا لیکن باقی تین افراد رائفلوں سے مسلح تھے۔ ایک کے پاس شاٹ گن تھی اور باقی دو کے پاس بارہ بور کی رائفلیں تھیں اور وہ ہماری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ اس آدمی کو مرتے دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا تھا لیکن فی الحال میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ منیجر نے گولی مارنے والے کی طرف دیکھا۔ ''تم بے شک مجھے مار دو لیکن میں تجوری نہیں کھول سکتا۔''

یہ چاروں ڈاکو خاصی دیر سے اس پیٹرول پمپ پر موجود تھے اور وہ خوف زدہ بھی لگ رہے تھے۔ وہ اب جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ گولی مارنے والے نے اب رائفل کا رخ سفیر کی طرف کر دیا۔ ''اگر نہیں بتائے گا تو میں اسے مار دوں گا۔ اس کے بعد اس کی باری آئے گی۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اور پھر تیرے پیٹرول پمپ کے ایک ایک آدمی کو مار دوں گا۔ بول تجوری میں رکھا مال بچائے گا یا ان لوگوں کو؟''

''تم پاگل ہو۔'' منیجر نے خوف زدہ ہو کر کہا۔ ''ایک آدمی کو مار چکے ہو اور سب کو مار دو گے۔''

سفیر کی طرف رائفل کا رخ دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا تھا۔ رائفل بردار درمیانہ صفت آدمی تھا اور اس نے اچانک ایک آدمی کو مار کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی کو سکون سے قتل کر سکتا ہے۔ ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ نفسیاتی مریض ہوتے ہیں۔ میرا ہاتھ اپنی جیکٹ میں رکھے پستول کی طرف جا رہا تھا لیکن یہ کام میں اتنی آہستگی سے کر رہا تھا کہ کسی کو احساس نہ ہو۔ سفیر نے اس سے کہا۔ ''اوہ بھائی میرا کیا قصور ہے۔''

''تیرا قصور ہے۔'' رائفل والے نے دانت نکوس کر کہا۔ ''اس کے پیٹرول پمپ پر پیٹرول بھرانے آیا ہے تُو، قصور تو ہوا نا۔''

''تم پاگل ہو۔'' سفیر نے اس سے کہا اور منیجر کو مشورہ دیا۔ ''اسے تجوری کھول دو ورنہ یہ واقعی سب کو مار دے گا۔''

''میرے پاس واقعی تجوری کا نمبر نہیں ہے ورنہ میں ان کو دے دیتا۔''

''لگتا ہے تُو یوں نہیں مانے گا۔'' رائفل والے نے منیجر سے کہا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سفیر کو گولی مارنے والا ہے۔ اس کے دونوں ساتھی بھی اس کی اور سفیر کی طرف متوجہ تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ اب مجھے حرکت میں آ جانا چاہیے۔ ذرا سی تاخیر ناقابلِ تلافی نقصان کا سبب بن جائے گی۔ میرا ہاتھ جیکٹ کی جیب سے چند انچ دور تھا اور انہوں نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ میں مسلح ہو سکتا ہوں۔ میں نے شاید ہی کبھی اتنی تیزی سے حرکت کی ہو جتنی اس وقت کی تھی۔ میں سلپ ہوا اور زمین پر گرنے سے پہلے پستول نکال کر رائفل والے پر گولی چلا چکا تھا گولی اس کے سینے پر لگی اور وہ پلٹ کر پیچھے گرا میری حرکت کی وجہ سے رائفل والے کی توجہ میری طرف ہو گئی تھی اور اس نے سفیر پر گولی نہیں چلائی تھی۔

اس کے دونوں مسلح ساتھی ایک لمحے کے لیے حیرت سے مفلوج ہو گئے تھے اور اسی مہلت کا فائدہ اٹھا کر میں نے انہیں شوٹ کر دیا۔ انہیں رعایت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ میرے اور سفیر کے بالکل پاس تھے اور انہیں گولی چلانے کا موقع مل جاتا۔ اتنے قریب سے نشانہ خطا جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں سے ایک کو گولی سر میں لگی اور وہ فوراً مر گیا جب کہ دوسرا اپنے گردن میں ہونے والے سوراخ سے خون روکنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔ سفیر نے بھی اپنا پستول نکال لیا تھا اور رائفل والے کو ایک گولی اور ماری۔ وہ زندہ تھا اور رائفل اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈاکوؤں کا ساتھی لڑکا دہشت کے عالم میں ساکت کھڑا تھا پھر اس نے اچانک حرکت کی اور تیزی سے آفس سے باہر نکل گیا۔ سفیر اس کے پیچھے لپکا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔

''اسے چھوڑ یہاں سے نکلنے کی فکر کر پولیس آنے والی ہو گی۔''

''منیجر یا مالک اپنی ٹانگ پکڑے ہمیں الجھن سے دیکھ رہا تھا میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو ہم پولیس کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتے اس لیے تم پولیس کو کہانی سناؤ گے کہ ڈاکوؤں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا تھا اور انہوں نے ایک دوسرے پر گولیاں چلائیں۔ یہ مر گئے اور باقی بچنے والے بھاگ گئے۔ میری بات سمجھ رہے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم ہمارے محسن ہو، میں پولیس سے یہی کہوں گا۔''

''تمہارے پاس موبائل ہے؟''

''اس نے چھین لیا تھا۔'' منیجر نے رائفل والے کی طرف اشارہ کیا تو میں نے اس کے لباس کی تلاشی اور موبائل برآمد کر کے منیجر کی طرف بڑھا دیا۔

''پولیس اور ایمبولینس کے لیے کال کرو۔''

سفیر پہلے ہی باہر نکل گیا تھا۔ میں باہر جانے لگا تو منیجر نے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔ ڈاکوؤں کا ساتھی لڑکا فرار ہو گیا تھا۔ میں باہر نکلا تو سفیر نے گاڑی اسٹارٹ کر رکھی تھی اور میرا انتظار کر رہا تھا میرے بیٹھتے ہی چلا دی۔

''کیا اُسے تسلی دینے لگا تھا؟''

''نہیں اسے موبائل دے رہا تھا تا کہ وہ پولیس کو کال کر سکے۔''

''کیا قسمت ہے اپنی جہاں جاؤ کوئی دشمن جاں یا جان کا دشمن مل جاتا ہے۔''

''بس یار کیا کہہ سکتے ہیں یہ بھی خدا کا احسان ہے کہ وہ ہمیں محفوظ رکھتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''رفتار ذرا کم کرو یہ اسلام آباد کا علاقہ ہے کہیں پولیس نہ پیچھے آ جائے۔''

سفیر اعصاب زدہ ہو رہا تھا اس نے گہری سانس لی اور رفتار کم کر دی۔ یہ انسانی خون دیکھنے کا فطری ردِعمل تھا۔ خود میرے اعصاب پر بھی بوجھ آ رہا تھا۔ حالانکہ جن کو مارا تھا وہ انسانی صورت میں درندے تھے۔ انہوں نے ایک عام بے گناہ شخص کو بلاوجہ گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ ایک کو زخمی کیا تھا اور باقی لوگوں کے لیے بھی ان کے عزائم قاتلانہ تھے۔ اس کے باوجود ہمیں اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''کسی سے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنی بار ذکر کریں گے ہمارے اعصاب پر اتنا ہی بوجھ آئے گا۔''

سفیر نے سر ہلایا۔ ''میں نیند کی دوا لے کر سوؤں گا مجھے اس طرح سے نیند نہیں آئے گی۔''

''یہ بہتر رہے گا۔''

کچھ دیر بعد ہم ہائی وے پر آ گئے تھے۔ اسی اثنا میں وسیم کی کال آ گئی۔ ''کہاں ہیں آپ لوگ؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اسے ڈراپ کر کے ذرا پرانی یادیں تازہ کرنے چلے گئے تھے۔'' میں نے لہجے کو شگفتہ بنانے کی کوشش کی۔ ''راستے میں ہیں دس منٹ میں پہنچ جائیں گے۔''

''اوہ شکر ہے یہاں ٹی وی پر دکھا رہے ہیں کسی پیٹرول پمپ پر زبردست فائرنگ ہوئی ہے اور چار پانچ بندے مرے ہیں۔ ابھی پولیس اور ایمبولینس آ رہی ہے۔''

میں نے وسیم کو تسلی دے کر فون بند کیا اور سفیر سے کہا۔ ''بھائی میڈیا بہت تیز ہو گیا ہے۔ ہم سے پہلے ہماری خبر گھر پہنچ جاتی ہے۔''

''دیکھتے ہیں منیجر ہمارے مطلب کا بیان دیتا ہے یا نہیں۔''

جب ہم گھر پہنچے تو ٹی وی پر لائیو کوریج آ رہی تھی۔ زخمی منیجر کو ایمبولینس میں منتقل کیا جا رہا تھا اور رپورٹرز نے ایک پولیس افسر کو گھیر رکھا تھا وہ بیان دے رہا تھا۔ وسیم اور بیتو دیکھ رہے تھے۔ بیتو ہمیں دیکھ کر چہکا۔ ''شوبی شکر ہے آپ ادھر نہیں تھا ورنہ ہم سمجھا کہ آپ بھی اس مارا ماری میں شامل ہے۔''

''یار ہوا کیا ہے؟'' میں نے بھی ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔

وسیم نے بتایا۔ ''ایک پیٹرول پمپ پر چھ ڈاکو آئے تھے۔ انہوں نے سارے عملے کو یرغمال بنا کر بند کر دیا اور لوٹ مار کرنے لگے اس دوران میں انہوں نے گولی مار کر پیٹرول پمپ کے کیشیئر کو ہلاک کر دیا اور منیجر کو زخمی کر دیا۔ بعد میں ڈاکوؤں میں لوٹ کے مال پر آپس میں لڑائی ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کر دی تین ہلاک ہو گئے اور تین فرار ہونے میں کامیاب رہے۔''

''ڈاکو اسی قابل تھے، بے چارہ کیشیئر مفت میں مارا گیا۔'' میں نے افسوس کیا۔ خبر ختم ہوئی تو وسیم اور بیتو ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے ان کو شبانہ کے بارے میں بتایا۔ ''وسیم اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کوٹھی میں نادر ہے اس لیے اس کی زیادہ نگرانی کی ضرورت ہے۔''

''میں نے مزید دو آدمی لگا دیئے ہیں، وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس کوٹھی کے آس پاس کوئی ٹھکانہ مل جائے۔ جہاں سے اس کوٹھی پر مستقل نظر رکھی جا سکے۔'' وسیم نے کہا۔

''ایک اہم خبر یہ ہے کہ میری ڈیوڈ شا سے بات ہوئی ہے۔'' میں نے کہا تو وسیم اور بیتو میری طرف متوجہ ہو گئے۔ وسیم نے پوچھا۔

''کیا بات ہوئی؟''

میں نے اسے مارشل اور مرشد کے گٹھ جوڑ کے بارے میں بتایا۔ ''مجھے خاصی حد تک یقین ہے ڈیوڈ شا اصل بات جان گیا ہے۔''

''اس کا فائدہ؟'' وسیم نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔ ''میرا نہیں خیال کہ وہ مرشد جیسے کام کے مہرے سے اپنے تعلقات خراب کرے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو شاید وہ ابھی تعلقات خراب نہ کرے لیکن مجھے یقین ہے مستقبل میں ڈیوڈ شا اسے کوئی نہ کوئی سزا ضرور دے گا۔ میں نے اسے اپنے تعاون کا چارہ بھی ڈال دیا ہے۔''

''وسیم ٹھیک کہہ رہا ہے یار ڈیوڈ شا اور مرشد ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔'' سفیر نے وسیم کی تائید کی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اگر ایسا ہوتا تو وہ کال پر اپنے شکاری کتے کیوں بھیجتا؟''

اس بار وسیم اور بیتو چونک گئے اور ان کو بتانا پڑا کہ ہمارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ وسیم تشویش زدہ ہو گیا۔ ''شہباز صاحب یہ بات ثابت کرتی ہے کہ ہمارے دشمن ہمارا سراغ لگانے کے لیے جدید ترین ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ اس صورت میں بہتر ہے کہ ہم رابطے کے لیے موبائل کا استعمال بہت محدود کر دیں۔ صرف انتہائی ناگزیر صورت میں استعمال کیا جائے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح بالکل درست جگہ پہنچ گئے۔''

''آپ کو پہلے بھی تجربہ ہو چکا ہے جب فتح خان ڈیوڈ شا کے ساتھ تھا اور اس نے آپ کو موبائل کی مدد سے تلاش کر لیا تھا پھر ابھی مرشد کے آدمیوں نے یہی کام کیا اور اب ڈیوڈ شا بھی کر رہا ہے۔ آج کل ایسی پورٹیبل ڈیوائسس عام ہو گئی ہیں جو ایک مخصوص فریکوئنسی پکڑ کر اس کی سمت اور فاصلہ بتا سکتی ہیں۔ پہلے یہ کام صرف موبائل کمپنیاں کر سکتی تھیں اب ہر وہ فرد کر سکتا ہے جس کے پاس ایسی کوئی ڈیوائس ہو۔ یہ فریکوئنسی بھی خود پکڑ لیتی ہے بس اسے موبائل کا ایم آئی نمبر دینا ہوتا ہے۔'' وسیم نے تفصیل سے بتایا۔ ''یہی وجہ ہے کہ اب وہ لوگ جو ملکوں اور حکومتوں سے چھپتے ہیں وہ موبائل استعمال کرنے سے قطعی گریز کرتے ہیں۔''

''ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔'' سفیر نے کہا۔ ''ویسے آج کل وائرلیس فون عام ہو گئے ہیں۔''

''یہ بھی نیٹ ورک کے تحت کام کرتے ہیں اور ان کا سراغ لگانا بھی آسان ہے۔'' وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے کہا نا اس خطرے سے بچنے کا واحد طریقہ موبائل کے استعمال سے پرہیز ہے۔''

''جیسے بچے پیدا نہ کرنے کا واحد طریقہ شادی سے گریز ہے۔'' سفیر نے مثال پیش کی۔ وسیم ہنسا۔

''اب شادی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمارے آقا امریکہ میں چالیس فیصد بچے بغیر شادی کے پیدا ہو جاتے ہیں اور عین ممکن ہے کوئی ایسا ہی بچہ مستقبل میں امریکہ کا صدر بن جائے۔''

''بھائی ہمارے ہاں بھی اب ایسے بچوں کی کمی نہیں ہے۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ہائی سوسائٹی میں اب کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا ہے کہ وہ جسے باپ کہہ رہا ہے وہی اس کا باپ بھی ہے یا نہیں۔''

ہم معاشرے کی خرابیوں پر بات کرنے لگے اور یہ گفتگو اس وقت تک جاری رہی جب تک سب نے جماہیاں لینا نہیں شروع کر دیں۔ ایاز پہلے ہی سونے جا چکا تھا۔ بیتو حسبِ معمول سب سے پہلے سونے کے لیے اٹھ گیا میں نے رات کے پہرے کے بارے میں پوچھا تو وسیم نے کہا۔ ''صابر دن بھر آرام کرتا رہا ہے اب وہ رات بھر پہرہ دے گا۔''

''یعنی ہم سب سوئیں گے۔'' سفیر نے خوش ہو کر کہا۔

بیتو کے جانے کے وسیم نے اچانک کہا۔ ''شہباز صاحب کوئی مسئلہ ہوا ہے اور آپ دونوں نے بتایا نہیں۔''

میں نے سفیر کی طرف دیکھا اور سر ہلایا۔ ''لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''آپ اور سفیر کا انداز دیکھ کر، دونوں کچھ پریشان اور معمول سے ہٹے ہوئے لگ رہے تھے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں نے گہری سانس لی۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے۔ پیٹرول پمپ پر ہونے والی واردات میں ہم بھی شامل ہو گئے تھے۔ تین ڈاکو ہمارے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔'' میں نے کہا اور وسیم کو تفصیل سے اس واقعے کے بارے میں بتایا۔ اس نے شکوہ کیا۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''یار اس واقعے کے بعد ہم دونوں کی حالت عجیب سی ہو گئی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس بارے میں بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اب تمہیں یا کسی کو بتاتے تو بار بار سب دھرانا پڑتا اور میں اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ اس طرح کسی انسان کی جان لینا دوسرے انسان کے لیے آسان نہیں ہوتا ہے درندوں کی بات اور ہے۔ وہ قتلِ عام کر کے بھی پُرسکون اور معمول کے مطابق رہتے ہیں۔''

''یہی تو مسئلہ ہے ہم درندے نہیں ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ورنہ مرشد یا اس جیسے لوگوں سے نمٹنا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ بس ہمیں ان کی سطح پر آنا پڑے گا۔''

''یہ کام ہم سے ہو نہیں سکتا۔'' سفیر کھڑا ہو گیا۔ ''اچھا یاروں میں تو چلا سونے اب صبح ملاقات ہو گی۔''

سفیر کے جانے کے بعد کچھ دیر میں اور وسیم اپنے آئندہ کے لائحہ عمل پر بات کرتے رہے خاص طور سے شہلا کی مدد سے بینک لاکر تک رسائی کے بارے میں غور کرتے رہے۔ ہم جلد از جلد اس کام کو نمٹا لینا چاہتے تھے۔ اگرچہ اس کا ہماری اصل جدوجہد سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن یہ ہماری ایک ذمے داری تھی جسے بہرصورت پورا کرنا تھا۔ رات بہت ہو چکی تھی اور شہلا یقیناً سو چکی تھی لیکن اصل بات یہ تھی کہ وہ جس طرح سوتی تھی ہم میں سے کوئی اس کے کمرے میں جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے شہلا سے بات کرنے کا معاملہ صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ ہم سونے کے لیے اٹھ گئے۔ سفیر تو نیند کی دوا لے کر مزے سے سو گیا تھا لیکن مجھے بہت مشکل سے اور بہت دیر سے نیند آئی تھی۔ خواب میں بھی مجھے وہی ڈکیت اور پیٹرول پمپ کا کیشیئر دکھائی دیا تھا۔ چٹتی ہوئی نیند تھی اس لیے جب صبح جاگا تو سر بھاری ہو رہا تھا اور جسم یوں ٹوٹ رہا تھا جیسے ہلکا سا بخار ہو۔ بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بیتو ناشتہ بنا رہا تھا یعنی انڈے ابال رہا تھا اور ڈبل روٹی سینک لی تھی۔ اس کے ساتھ چائے تھی۔ وہ کمرے میں آیا۔

''کیا بات ہے شوبی آپ ابھی تک اٹھا نہیں۔'' اس نے پردے ہٹاتے ہوئے کہا۔ فوراً ہی کمرہ سورج کی روشنی سے بھر گیا تھا۔

''نہیں یار شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا تو بیتو نے فوراً میرا ماتھا چیک کیا اور تشویش سے بولا۔

''آپ کو تو بخار ہو رہا ہے۔''

''کوئی نہیں یار ہلکی سی حرارت ہے۔'' میں اٹھ بیٹھا۔ ''ابھی ناشتہ کر کے کوئی دوا لوں گا تو ٹھیک ہو جائے گی۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''آپ جلدی سے آجاؤ ناشتہ تیار ہے، ہم سفیر بھائی کو اٹھاتا ہے۔'' بیتو نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ جب تک میں واش روم سے فارغ ہو کر آیا اس نے سفیر کو کسی نہ کسی طرح اٹھا دیا تھا مجھے دیکھ کر وہ بیتو پر چڑھ دوڑا۔

''یہ ٹھیک ٹھاک پھر رہا ہے اور تم نے کہا کہ اس کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' وہ یوں اٹھائے جانے پر سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔

''ہاں طبیعت خراب ہے۔'' بیتو نے اصرار کیا۔ ''دیکھو نا بخار ہے۔''

''اوہ بھائی معمولی بخار ہے۔'' میں نے کہا۔ ''رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔''

''آپ ناشتہ کر کے اور دوا لے کر سو جاؤ۔''

''میں بھی سونے جا رہا ہوں۔'' سفیر غرایا۔ ''اب مجھے بارہ بجے سے پہلے مت اٹھانا۔''

''ہم بارہ بجے بھی نہیں اٹھائے گا۔'' بیتو خفا ہو گیا۔ ''ناشتہ بھی خود بنانا اپنے لیے۔''

''چلو چھوڑو۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''مجھے ناشتہ دو اور وسیم کہاں ہے؟''

''وہ تو صبح سویرے چلا گیا۔'' بیتو نے بتایا۔ ''ایاز بھائی بھی ان کے ساتھ ہے انہوں نے گاڑی کا کچھ کام کرنا ہے۔''

○.....❖.....○

وسیم اور ایاز یقیناً وین کے سلسلے میں گئے تھے۔ میں نے ناشتہ کیا میرا ڈبل روٹی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اس لیے بیتو کے اصرار پر دو ابلے انڈے لے کر میں نے دو عدد پین کلر لے لیں۔ بیتو نے شہلا کا ناشتہ بھی بنا دیا تھا لیکن اس کے کمرے میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ ''ہم اس بے ہودہ عورت کے کمرے میں نہیں جائے گا۔ شرم اس کے پاس سے بھی نہیں گزرا ہے۔''

''لاؤ یار میں لے جاتا ہوں۔'' میں نے کہا تو بیتو نے ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے شہلا کا ناشتہ اٹھایا اور اپنی چائے لے کر اس کے کمرے میں آیا تو خلاف توقع وہ جاگ کر ایکسر سائز میں مصروف نظر آئی۔ اس نے سردی کی پروا کیے بغیر صرف ٹی شرٹ اور اونی لیگن پہن رکھا تھا اور یقیناً خاصی دیر سے ایکسر سائز کر رہی تھی کیونکہ اس کا چہرہ سرخ اور ہلکا سے پسینے سے نم تھا۔ میں نے ٹرے بستر پر رکھ دی۔

''تو یہ ہے تمہاری فٹنس کا راز۔''

اس نے شوخی سے دیکھا۔ ''صرف یہی نہیں میں باقاعدگی سے سوئمنگ بھی کرتی ہوں۔ سچی بات ہے تمہاری قید میں سوئمنگ کو مس کر رہی ہوں ورنہ ہفتے میں چار دن دو گھنٹے کے لیے پول جاتی ہوں۔''

''کوئی کلب جوائن کیا ہوا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے منہ بنایا۔ ''وہاں صرف بور خواتین ہوتی ہیں جو پانی میں اتر کر بھی دوسروں کی غیبتیں ہی کر رہی ہوتی ہیں میرے پاس ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی پول ممبر شپ ہے۔''

''جہاں مرد زیادہ ہوں گے تمہیں دیکھنے کے لیے۔'' میں نے طنز کیا۔

''ہاں تو اس میں کیا برائی ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''کسی کے دیکھنے سے میں گھس تھوڑی جاؤں گی۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایکسر سائز کر کے اس نے بیگ سے کپڑے نکالے۔ ''میں بس دس منٹ میں شاور لے کر آتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں پھر آجاؤں گا۔'' میں نے باہر کا رخ کرتے ہوئے کہا اور شہلا کے کمرے سے نکل کر مرشد کے آدمیوں والے کمرے میں آیا۔ تین دن میں فاقے، زخموں اور مار نے ان کے سارے کس بل نکال دیئے تھے اور مجھے دیکھتے ہی وہ گڑگڑانے لگے تھے۔ جمیل نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

''خدا کے لیے ہمیں چھوڑ دو ہم سب بتا چکے ہیں۔''

''اب ہم اور کچھ نہیں جانتے۔'' خرم بولا۔

''تم لوگ بہت کچھ جانتے ہو۔'' میں نے انہیں گھورا۔ ''مجھے معلوم ہے تم جیسے چھٹے ہوئے لوگ اتنی آسانی سے اقرار نہیں کریں گے لیکن ہمیں بھی کوئی جلدی نہیں ہے ابھی تو صرف تین دن ہوئے ہیں۔ ایک ہفتہ یونہی گزرے گا اور بھوک صحیح معنوں میں تمہارے وجود کو کھرچے گی تب تم زبان کھولو گے۔''

''میرا زخم خراب ہو رہا ہے۔'' خرم نے اپنی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اگر یہ زیادہ خراب ہو گیا تو میں اسی طرح مر جاؤں گا۔''

''تو کیا ہوگا، اگر تم مر جاؤ گے تو مرشد کے پاس آدمیوں کی کوئی کمی نہیں ہے اسے دوسرے مل جائیں گے اور رہے تمہارے گھر والے تو ماں باپ بہن بھائی چند دن رو کر صبر کر لیں گے۔ اگر بیوی بچے ہیں تو بیوی دوسری شادی کر لے گی یا محنت مزدوری کر کے بچوں کو پال لے گی۔ بہ شرط اسے حرام کھانے کی عادت نہ پڑ گئی ہو اس صورت میں وہ آسانی سے رقم کمانے کا سوچے گی اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عورت اگر جوان اور خوب صورت ہو تو کس طرح آسانی سے رقم کما سکتی ہے۔'' میں نے اسے ذہنی اذیت دینے کے لیے کہا اور نتیجہ میری توقع کے عین مطابق نکلا تھا وہ چلانے اور مجھے گالیاں دینے لگا۔ ''بھونکتا ہے تو کتے۔''

''چلو تم دل کو تسلی دے لو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ذرا اپنے جیسے ان لوگوں کے بارے میں سوچو جو کبھی مرشد کے لیے وہی سب کرتے تھے جو تم کر رہے ہو اور وہ بھی تمہاری طرح مارے گئے تھے۔ آج ان کے گھر والے کس حال میں ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے؟ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرشد کے حکم پر تم نے ان گھروں کو مزید عذاب میں دھکیل دیا ہو۔ ان کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا ہو۔ اپنے جیسے مرنے والے مرشد کے غلاموں کی بیوی، بیٹی یا بہن کو اٹھا کر مرشد کے عشرت کدے تک پہنچا دیا ہو۔ مرشد ہی تم بھیڑیوں کا سردار ہے اور بھیڑیوں کا ایک ہی اصول ہوتا ہے اگر تمہارا ساتھی کمزور پڑے تو اسے بھی پھاڑ کھاؤ۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ خرم سسک سسک کر روتے ہوئے دیوار سے سر ٹکرا رہا تھا۔ میں نے جمیل کی طرف دیکھا۔ ''کیا اس کی بیوی بہت حسین ہے یا کوئی بہن بھی ہے۔''

جمیل نے ایک نظر خرم کو دیکھا اور بولا۔ ''اس کی بیٹی ہے بیوی تو مر چکی ہے۔ بیٹی پندرہ سال کی ہے۔''

خرم کی کیفیت سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''بیوی کیسے مری، ظاہر ہے ابھی اس کی مرنے کی عمر تو نہیں ہوگی؟''

''اس نے خودکشی کر لی تھی۔'' جمیل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیوں؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''یہ بات کوئی نہیں جانتا، ممکن ہے یہ جانتا ہو۔'' اس نے خرم کی طرف اشارہ کیا، خرم نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں بھی نہیں جانتا۔ اس نیک بخت نے کیوں خودکشی کی تھی۔ میں کام سے دو دن کے لیے پاک پتن شریف گیا ہوا تھا۔''

''تمہیں وہاں مرشد نے بھیجا تھا؟''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''تت..... تمہیں کیسے پتا چلا؟''

میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔ ''اس نے جس کام سے بھیجا ہوگا بہ ظاہر اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔''

خرم کھڑا ہو گیا۔ ''کیا..... کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟'' اس کے انداز میں وحشت آ گئی۔ میں نے اس دھکا کر دے کر دوبارہ بٹھا دیا۔

''میری بات کا جواب دو، پیچھے گھر میں تمہاری بیوی اکیلی تھی۔''

''ہاں۔'' اس نے بادلِ ناخواستہ اقرار کیا۔ ''میری بیٹی اپنے چاچے کے گھر رہنے گئی تھی۔ زیبا گھر میں اکیلی تھی۔''

میں خرم کے پاس بیٹھ گیا۔ ''خرم کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہاری عدم موجودگی میں کوئی تمہارے گھر آیا ہو اور تمہاری بیوی کے ساتھ زیادتی کی ہو؟''

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔'' اس نے کانپ کر کہا۔

''کیوں ممکن ہے نہیں ہے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''جب تم اور تمہارے جیسے غلام مرشد یا اس کے کسی منظور نظر کے لیے کسی کی بہو بیٹی یا بہن کو اٹھا لا سکتے ہیں تو کوئی تمہارے ساتھ یہی کام کیوں نہیں کر سکتا ہے۔ آخر تمہیں کس لیے دو دن کے لیے گھر سے دور بھیجا گیا تھا۔''

خرم کا چہرہ رفتہ رفتہ سرخ ہو رہا تھا۔ جمیل اسے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔ ''خرم اس کی باتوں میں نہ آ یہ تجھے بہکا رہا ہے۔''

''کیونکہ ایسا تمہارے ساتھ نہیں ہوا اس لیے تم کہہ سکتے ہو۔'' میں نے اس کی طرف دیکھا اور خرم سے کہا۔ ''اگر یہاں سے زندہ بچ جاؤ تو اس بارے میں جاننے کی کوشش ضرور کرنا کہ تمہاری عدم موجودگی میں زیبا کے ساتھ کیا ہوا تھا اور ممکن ہے تم واپس جاؤ تو تمہاری بیٹی.....''

''نہیں..... نہیں۔'' خرم چلانے اور پھر رونے لگا تھا۔ میں نے افسوس سے اسے دیکھا۔ مرشد جیسے درندوں کا ساتھ دینے والے یہ چھوٹے درندے یہ نہیں سوچتے کہ جب بڑے درندے کو کہیں اور سے شکار نہیں ملے گا تو وہ ان کو ہی پھاڑ کھائے گا۔ میں ان کے کمرے سے نکل آیا۔ اس شور شرابے میں سفیر اٹھ گیا تھا اور مجبوراً ٹھنڈا ناشتہ کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

''یہ اندر واویلا کیوں ہو رہا ہے؟''

میں نے اسے مختصراً خرم کے بارے میں بتایا۔ ''مجھے شبہ ہے مرشد یا اس کا کوئی آدمی اس کی بیوی پر بھی ہاتھ صاف کر گیا تھا اور اس عورت نے خودکشی کر لی۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''یار مرشد کے اندر کسی انسان کا دل نہیں ہے؟ وہ اتنے زیادہ ظلم کس طرح کر لیتا ہے؟''

''تم اس کے بارے میں اپنے پیمانے سے سوچ رہے ہو۔ وہ اس طرح سوچتا ہی نہیں ہے۔ اس کے خیال میں وہ جو کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے اور اس کا ہر کام جائز اور درست ہوتا ہے۔'' میں نے کہا اور شہلا کے کمرے کی طرف آیا وہ شاور لے کر آ چکی تھی اور اس وقت ناشتہ کر رہی تھی۔ بلکہ ناشتہ بھی ختم کر چکی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

''خاصی دیر لگا دی تم۔''

''اور اب تم مزید دیر مت کرو۔'' میں نے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں ایک دو دن میں لاکر کا معاملہ نمٹا لیا جائے تاکہ میں سکون سے دوسرے معاملات پر توجہ دے سکوں۔''

''میں خود بھی یہی چاہتی ہوں۔''

''تب شاہد منظور سے بات کرو۔''

''مجھے موبائل دو۔'' اس نے کہا تو میں نے اپنا موبائل ایک نئی سم کے ساتھ ڈال کر اس کے حوالے کر دیا۔

''کوئی غلط حرکت مت کرنا اور اسپیکر آن کر لو میں بھی تمہاری اور شاہد منظور کی گفتگو سنوں گا۔'' اس نے ناگواری کے تاثر کے ساتھ اسپیکر آن کر لیا اور پھر ایک نمبر ملایا۔ بیل جانے لگی اور خاصی دیر بعد کسی نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو۔''

''شاہد؟'' شہلا نے کہا۔

''رخسانہ؟'' اس نے کچھ دیر بعد بے یقینی سے کہا۔

''ہاں میں ہوں۔''

شاہد منظور کھل اٹھا تھا کم سے کم اس کی آواز سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ''اوہ مائی ڈیئر تم کہاں غائب ہو گئی تھیں میں مستقل تمہارے موبائل پر ٹرائی کرتا رہا۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے تاب رہا ہوں۔''

''مجھ سے ملنے کے لیے یا میرے لیے بے تاب رہے ہو۔'' شہلا نے معنی خیز اور لوچ دار لہجے میں کہا۔

شاہد منظور جیسے پاگل ہو گیا تھا اس نے جذبات میں ڈوبی آواز میں کہا۔ ''یہی کہہ لو جان تمہارے لیے بے تاب ہوں لیکن سنو تم مجھے شام کو کال کرنا ابھی میری بیوی گھر میں ہے۔''

میں دنگ رہ گیا تھا وہ شادی شدہ تھا اور اس کی دیدہ دلیری کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک عورت سے اپنی ڈیوٹی کے دوران ملتا تھا۔ اس سے پہلے وہ فون بند کرتا شہلا نے اس سے کام کی بات پوچھ لی۔ ''آج کل تمہاری کون سی شفٹ چل رہی ہے؟''

''رات کی۔'' اس نے بتایا۔

''تب شاید میں رات کو آؤں۔'' شہلا نے کہا۔

''سچ۔'' وہ بے قابو ہونے لگا۔ ''میں تو سوچ رہا تھا تم اب نہیں آؤ گی اور میں تمہاری قربت سے ہمیشہ کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیے محروم.....''

''پکا نہیں ہے شام کو کال کر کے بتاؤں گی۔'' شہلا نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور کال کاٹ دی۔ میں نے اس سے موبائل لے لیا۔

''تو تم اس سے رخسانہ کے نام سے ملتی رہی ہو؟''

''ظاہر ہے میں اپنے اصل نام سے نہیں مل سکتی۔'' اس نے کہا۔ ''میں اپنا حلیہ بھی بدلتی ہوں۔''

''یعنی وہ تمہیں اس حلیے میں دیکھے تو پہچان نہیں سکے گا۔''

''آسانی سے نہیں پہچان سکے گا۔'' اس نے تصحیح کی۔ ''میں میک اَپ مختلف انداز میں کرتی ہوں اور بالوں کا اسٹائل چینج کر لیتی ہوں۔''

''تم اس سے کتنی بار مل چکی ہو؟''

''تین بار۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ تینوں ملاقاتیں بینک میں ہوئی ہیں؟''

''نہیں ایک بار تو میں اس سے ریستوران میں ملی تھی اور وہ مجھے ہوٹل لے گیا۔ پھر اس ملاقات میں، مَیں نے اس سے تمام تفصیلات لے لیں اور اسے تجویز دی کہ وہ مجھ سے اپنی نائٹ ڈیوٹی میں کیوں ملاقات نہیں کر لیتا اس کا ہوٹل کا خرچ بچ جائے گا اور اسے بیوی کو جواب بھی نہیں دینا پڑے گا کہ وہ کہاں رہا تھا۔ اسے یہ تجویز اچھی لگی اس کے بعد ہماری دو ملاقاتیں بینک میں ہوئیں۔''

''کیا گارڈز کو اندازہ نہیں ہے کہ تم کیوں وہاں جاتی تھیں؟''

''کیوں نہیں ہے لیکن ان میں سے کسی نے مجھے نہیں دیکھا ہے میں عبایا میں جاتی ہوں اور میرا چہرہ تک چھپا ہوتا ہے۔ صرف شاہد نے مجھے چہرے سے دیکھا ہے۔ ویسے اس نے گارڈز سے بنا کر رکھی ہے۔ وہ ان کا سپروائزر ہے اور ان کو کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا رہتا ہوگا جس کے بدلے وہ اپنی زبان بند رکھتے ہوں گے۔''

میں اگلا سوال کرتے ہوئے ہچکچایا۔ ''شہلا کیا تمہیں یہ سب عجیب نہیں لگا۔ کوئی عورت خود کو رقم کے لیے بیچے تو طوائف کہلاتی ہے۔ تم خود کو کس درجے پر رکھتی ہو؟''

''جو تم چاہو سمجھ لو۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''مجھے ایسی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ یہ بتاؤ اب کیا پروگرام ہے وہ اس ہفتے نائٹ شفٹ میں ہے اور کل ہفتہ ہے اس لیے اس کی آخری نائٹ شفٹ ہوگی پھر اتوار سے اس کی جگہ کوئی اور آجائے گا۔''

''میرا خیال ہے آج ہی کام نمٹا لیا جائے۔'' میں نے کہا اور باہر آیا۔ عبداللہ کو کال کی۔ ''عبداللہ مجھے چار افراد اور کچھ سامان چاہیے۔ ایک چھوٹی لیکن طاقتور ڈرل جو دھات میں سوراخ کر سکے اور ایک سخت فولاد کاٹنے والی برقی آری اور اسے استعمال کرنے کا ماہر بھی چاہیے۔''

عبداللہ چونکا۔ ''کیا آپ نے بینک میں گھسنے کا پلان بنا لیا ہے؟''

''پلان طے ہو گیا ہے۔''

''شہباز صاحب میں بھی اس میں شامل ہونا چاہ رہا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''میرے پاس ایک تجویز

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہے۔''

''تب تجویز اور آدمیوں سمیت آجاؤ۔'' میں نے کہا۔ پھر کال کاٹ کر وسیم کو فون کیا۔ اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ وہ فکرمند ہوگیا۔

''شہباز صاحب یہ کچھ جلد بازی نہیں ہوگی۔ ابھی ہم نے بینک کے حفاظتی انتظامات کا خود سروے نہیں کیا ہے۔ صرف شہلا کی دی ہوئی معلومات پر اتنا بڑا اقدام اٹھانا مناسب ہوگا۔''

''ہاں.....! کیونکہ ہم تمام انتظامات کے ساتھ جائیں گے۔ عبداللہ آرہا ہے آدمی وہ لائے گا اور یقیناً کوئی نہ کوئی بیگ بھی رکھیں گے۔ تم نے کہا تھا کہ ایسی ڈیوائس تیار کرسکتے ہو جو بہ ظاہر بم جیسی لگے گی؟''

''بالکل میں نے سامان بھی لے لیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''صرف ایک گھنٹہ لگے گا اسے جوڑنے میں۔''

''واپسی کب تک ہوگی؟''

''دوپہر تک آجاؤں گا۔''

بیتو میرے لیے فکرمند تھا۔ اس نے نہ جانے کس سے چکن کارن سوپ بنانا سیکھ لیا تھا اور اس وقت میرے لیے وہی بنا رہا تھا۔ فون پر بات کرنے کے لیے میں نیچے والے فلور پر آگیا تھا تاکہ شہلا کے کانوں تک اتفاقیہ بھی کچھ نہ پہنچ سکے۔ بیتو نے کہا۔ ''شوبی آج یہ کام مت کرو، آپ کا طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے یار دوائی لے کر بالکل سیٹ ہوگیا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ کیا بنا رہے ہو؟''

''چکن کارن سوپ۔'' اس نے کہا۔ ''کل صابر بہت سارا سامان لے کر آیا تھا اس میں چکن اور گوشت بھی ہے۔''

''تمہیں چکن کارن سوپ بنانا آتا ہے؟''

''دیدی سے ایک بار سیکھا تھا۔'' اس نے سوپ میں کارن فلور ڈال کر چمچ گھماتے ہوئے کہا۔ ''دعا کرنا اچھا بنے، آپ کے واسطے بنا رہا ہوں۔''

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اتنے اچھے دوست دیئے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اس سے مرشد جیسے دشمن کی شکایت کرنا ناشکری لگ رہا ہے۔ کچھ دیر میں بیتو نے سوپ پیالے میں نکال کر میرے سامنے رکھا اور ساتھ میں ساسز کا سیٹ بھی رکھا۔ ''اپنی مرضی سے ساسز ملا لو۔ پھر بتاؤ ہم کیسا سوپ بناتا ہے؟''

''میں نے سرکا کم رکھا اور چلی اور سویا ساس زیادہ ڈالا تھا جب پہلا چمچ لیا تو اسی سے اندازہ ہوگیا کہ سوپ بہترین ہے۔'' ''شاندار بیتو تم نے کمال کردیا ہے۔'' میں نے تعریف کی تو وہ خوش ہوگیا۔

''ہمارا کیا کمال ہے شوبی۔''

''نہیں یار کمال ہے تم نے پہلی بار بنایا اور اتنا اچھا بنایا ہے۔''

''ٹھیک ہے تب ہم بھی پیئے گا۔'' بیتو نے کہا اور اپنے لیے نکالنے لگا۔

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''تو تمہارا پہلے سوپ پینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا؟''

اس نے اپنا پیالا میز پر رکھا اور اس میں ساسز ملاتے ہوئے سادگی سے کہا۔ ''آپ جانتا ہے ہم صرف مزے کا چیز کھاتا پیتا ہے۔ کم مزے کا چیز صرف مجبوری میں کھاتا پیتا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ سیانا بیتو سوپ مجھ پر ٹیسٹ کرنے کے بعد خود پینے پر آمادہ ہوا تھا لیکن اس سے اس کے خلوص میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ سوپ پیتے ہوئے میں بینک میں گھسنے کے پلان کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ اس کے کچھ منفی پہلو بھی ہوں گے جو فی الحال ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔ جیسے سفیر نے شہلا کی طرف سے ڈبل کراس کے امکان کی نشاندہی کی تھی اور ہم نے اس کا سدباب سوچ لیا تھا۔ مگر کچھ پہلو اور بھی ہو سکتے تھے۔ عمل سے پہلے پلان پر اچھی طرح غور کر لینا مناسب تھا کیونکہ اس سے پہلے ہم میں سے کسی نے اس قسم کا کوئی کام نہیں کیا تھا۔

عبداللہ کی بات سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی بیک اَپ پلان رکھنا چاہتا تھا تاکہ اگر بینک کے اندر جانے والے کسی مشکل میں پڑ جائیں تو دوسری ٹیم ان کی مدد کر سکے اور ان کو بحفاظت وہاں سے نکال سکے۔ اگر عبداللہ ایسا کوئی منصوبہ لا رہا تھا تو میں نے یہ ذمے داری اسے ہی سونپنے کا فیصلہ لیا۔ میں خود کو بینک کے اندر کے معاملات تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ میں وہ نقشہ لے آیا جو شہلا نے تیار کیا تھا اور اس میں بینک کے اندر کی مکمل وضاحت موجود تھی۔ یہ آرکیٹیکٹ ڈیزائن تھا جو شہلا نے نہ جانے کیسے حاصل کر لیا تھا۔ اس میں سیف روم اور لاکر روم کی مکمل وضاحت موجود تھی۔ اندر جانے کے راستوں کے بارے میں بتایا گیا تھا لیکن حفاظتی انتظامات کی تفصیل نہیں تھی۔ میں نقشہ لے کر شہلا کے پاس آیا۔

''تم نے بینک کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں مکمل بریف نہیں کیا ہے۔ صرف گارڈز کے بارے میں بتایا ہے وہ بھی ادھورا۔''

''پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

میں نے نقشہ اس کے سامنے رکھا۔ ''اس میں بتاؤ اندر گارڈز کہاں ہوتے ہیں؟''

''مرکزی ہال میں۔'' اس نے نقشے پر وضاحت کی۔ ''وہ کہیں بھی حرکت کر سکتے ہیں۔ واش روم بھی اسی حصے میں ہیں اور صرف سیف روم اور لاکر والا حصہ بند ہوتا ہے۔''

''لاکر اور سیف روم یہ ہیں۔'' میں نے نقشے پر انگلی رکھ کر وضاحت کی۔ ''اس میں داخلے کا راستہ صرف ایک ہے اس کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''بس یہی ایک دروازہ ہے جس پر نمبر لاک ہوتا ہے اور میرے پاس اس کا نمبر بھی ہے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''یعنی تم اسے باہر سے بھی کھول سکتی ہو؟''

''ہاں لیکن اس کی ضرورت کیا ہے۔ میں اندر جاؤں گی تو شاید خود دروازہ کھول دے گا۔''

''کیمرے کہاں کہاں ہیں؟''

دو تو کیش کاؤنٹر پر لگے ہیں۔'' اس نے انگلی رکھ کر جگہوں کی وضاحت کی۔ ''ایک بینک کے داخلی دروازے پر ہے اور ایک اے ٹی ایم کو کور کرتا ہے۔ ایک ریسیپشن کے اوپر لگا ہے۔ یہ پانچ کیمرے بینک کو تقریباً کور کر لیتے ہیں۔''

سیف روم یا لاکر روم میں کیمرے نہیں تھے۔ ان کیمروں کا ریکارڈنگ اور مانیٹرنگ سسٹم سیف روم میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہی تھا۔ میں نے شہلا سے کہا۔ ''تم کئی بار وہاں جا چکی ہو تو کیا کیمروں نے تمہاری تصویر محفوظ نہیں کی ہوگی؟''

''بالکل کی ہوگی لیکن ایک ہفتے بعد کیمروں کی کیسٹیں صاف کر دی جاتی ہیں۔ میرا اب کوئی ریکارڈ ان کیمروں میں موجود نہیں ہے۔''

''ہم وہاں سے نکلتے ہوئے یہ کیسٹیں بھی نکال لیں گے۔'' میں نے فیصلہ کیا۔

''یہ تو لازمی ہے ورنہ واردات کے بعد یہ ساری کیسٹیں لازمی چیک کی جائیں گی۔''

میں شہلا سے حفاظتی انتظامات کے بارے میں مزید پوچھتا رہا حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ اب اس کے پاس بتانے کو کچھ نہیں ہے۔ میں اس کے کمرے سے نکلا اور اوپر لاؤنج اور صحن والے حصے میں آیا۔ صابر اوپر ہی ہوتا تھا۔ وہ گیٹ پر نظر رکھتا تھا اور کسی آئے گئے کو وہی ریسیو اور سی آف کرتا تھا۔ وہ بے چارہ اکیلا ہی ہوتا تھا اور کوئی اسے کمپنی نہیں دیتا تھا۔ میں اس سے گپ شپ کرنے لگا تو وہ خوش ہو گیا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد عبداللہ آ گیا۔ اس کے ساتھ چار افراد تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ عبداللہ ان کے لیے وہ مخصوص وردیاں بھی لایا تھا جو اس بینک کے گارڈز پہنتے تھے یہ بالکل ویسی وردیاں تو نہیں تھیں لیکن ان سے ملتی جلتی تھیں اور رات کے وقت کوئی دیکھتا تو اسے محسوس بھی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹی لیکن جدید ترین ڈرل مشین اور ایک ایسی برقی آری لایا تھا جو سخت ترین دھات کو بھی کاٹ سکتی تھی۔ اس کا ایک آدمی یہ دونوں آلات استعمال کرنا جانتا تھا اور اس نے موقع پر اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایا۔ برقی آری نے پانچ ملی میٹر موٹی فولادی پلیٹ کو ایک منٹ میں دس انچ تک کاٹ دیا۔ عبداللہ نے بتایا کہ عام طور سے لاکر اتنی موٹی دھات سے بنائے جاتے ہیں دھات کی موٹائی اس سے کم ہو سکتی ہے اس سے زیادہ نہیں۔

اگر ہم سیف روم میں داخل ہو جاتے تو اس کے بعد صرف دس منٹ کی کارروائی تھی۔ دس منٹ میں اپنا کام مکمل کر کے ہم وہاں سے روانہ ہو جاتے۔ عبداللہ کے ساتھ آئے آدمی اوپر رہ گئے تھے اور میں اس کے ساتھ نیچے آیا۔ عبداللہ کو پلان کا بتایا تو وہ غور سے سنتا رہا تھا۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ٹھیک ہے لیکن جہاں تک شہلا کا تعلق ہے اس پر بہت ہوشیاری سے دباؤ رکھنا ہوگا۔ میں نے محسوس کیا ہے یہ اس سے کہیں زیادہ چالاک عورت ہے جتنی نظر آتی ہے۔ اگر اسے ذرا بھی محسوس ہوا کہ بم نقلی ہے تو یہ اپنا کام کر جائے گی۔''

''وسیم کا کہنا ہے بم بالکل اصلی لگے گا۔ وہ اس میں بارودی اسٹک اصلی لگائے گا لیکن باقی سرکٹ سے اس کا تعلق نہیں ہوگا۔''

عبداللہ نے کہا۔ ''اگر آپ کچھ وقت دیتے تو میں اس قسم کا اصلی بم بنوا لیتا۔''

''میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے بھی ہم خاصے لوگ ہوں گے اور شہلا دھوکا دینے کی ہمت نہیں کرے گی۔''

''ٹھیک ہے اب میری تجویز سنیں۔''

''ایک منٹ پہلے وسیم اور ایاز کو آنے دو پھر بتانا۔ دوپہر کا وقت ہو چلا تھا لیکن کسی نے کھانے کا بندوبست نہیں کیا تھا بیتو نے بتایا کہ ایاز آج کہیں سے اسپیشل پائے اور نان لے کر آئے گا۔ اس لیے سب ہی بے تابی سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وسیم اور ایاز ایک بجے آئے تھے۔ انہوں نے دین کے کچھ کام کروانا تھا اور وسیم نقلی بم کا سامان بھی لے آیا تھا۔ پائے کھانے کے بعد اس نے بم کو جوڑنے کا مظاہرہ کیا۔ اس میں ایک سرکٹ سے بے شمار تار نکل رہے تھے اور ان کے رنگ خوفناک قسم کے ہرے نیلے پیلے اور سرخ تھے۔ ٹی وی کا ریموٹ استعمال کرنے سے سرکٹ پر ایل ای ڈی جلتے بجھتے جس سے ایسا تاثر ملتا کہ سرکٹ ایکٹو ہو گیا ہے۔ وسیم نے چمڑے کی ایک پٹی سے سارے تاروں کو اس طرح گزارا کہ اب انہیں کاٹے بغیر الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر اس پٹی میں ایک چھوٹی سے بارودی اسٹک لگائی جس میں تار لگا دیئے تھے۔ سفیر نے کہا۔

''بھائی ایسا نہ ہو کہ ریموٹ کا بٹن دبانے سے سچ مچ بم بلاسٹ ہو جائے۔''

وسیم مسکرایا۔ ''ایسا نہیں ہو گا اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو یہ لو پکڑو۔'' اس نے بم سفیر کو پکڑا دیا۔

''باپ رے۔'' اس نے بوکھلا کر اسے بیتو کو تھما دیا اور اس نے صوفے پر پھینک دیا اور بگڑ کر بولا۔

''سفیر بھائی آپ کو ہم قربانی کا بکرا نظر آتا ہے۔''

کاش کے تم ہوتے۔'' سفیر نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''قربانی پاس ہے اور میرے پاس کوئی بکرا نہیں ہے۔''

''یہ ابھی دو دانت کا نہیں ہوا ہے۔'' وسیم نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

''غلط ہمارا اتنا سارا دانت ہے۔'' بیتو نے فوراً اپنی بتیسی کی نمائش کی۔ ''ہمارا تو سامنے کا دانت بھی دو سے زیادہ ہے۔''

''منے بکرے کے کل چار دانت ہوتے ہیں اور انسان کے بتیس۔'' وسیم نے اسے حسابی انداز میں سمجھایا۔ ''یعنی بکرے کا ایک دانت انسان کے آٹھ دانت کے برابر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر تمہارے سولہ دانت ہوئے تو تم دو دانت کے شمار کیے جاؤ گے۔''

''تو کیا ہمارا دانت سولہ سے کم ہے؟'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''یہ تو چیک کرنا پڑے گا، ذرا منہ کھولنا۔''

بیتو کی سمجھ میں ذرا دیر سے آیا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہے تھے اور اس نے خفگی کے اعلان کے طور پر واک آؤٹ کیا۔ پیٹ بھر کر پائے کھانے کے بعد سب ریلیکس موڈ میں تھے تمام امور طے پا چکے تھے۔ عبداللہ نے حفاظتی پلان کا اضافہ کیا تھا۔ وہ اپنے مزید سات ساتھیوں اور تین گاڑیوں سمیت بینک کے آس پاس الرٹ پوزیشن میں موجود ہوتا۔ ہم سب ایک دوسرے سے شارٹ رینج ریڈیو کی مدد سے رابطے میں ہوتے اور جیسے ہی کوئی غیر معمولی بات ہوتی سب کو پتا چل جاتا۔ وسیم کے تجویز کردہ آلات آ گئے تھے۔ یہ ایک جیسی فریکوئنسی پر کام کرنے والے درجن بھر مختصر سے ریڈیو تھے جن کو کلپ کی مدد سے کالر میں لگا لیا جا سکتا تھا اور چھوٹا سا ایئر فون اور مائیک کان میں فٹ آ جاتا۔ اس کے کان والے حصے پر انگلی رکھنے سے مائیک کام کرتا اور نارمل میں سب ایک دوسرے کی آواز اس پر سن سکتے تھے۔

ہم نے اپنا اسلحہ نکال کر چیک کیا اس کی صفائی کی۔ سفیر اور بیتو کا اس مہم میں حصہ نہیں تھا اس لیے وہ سونے کے لیے چلے گئے۔ سفیر نے بہانہ کیا کہ اسے اور بیتو کو رات کو جاگ کر پہرہ دینا ہو گا اس لیے ابھی وہ سو رہے ہیں۔ شام کو میں نے طبیعت بہتر محسوس کر کے غسل کیا اور دوسرے کپڑے پہنے۔ یہاں کپڑے دھونے کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کوئی سسٹم نہیں تھا صابر میلے کپڑے نیچے وادی میں ایک لانڈری میں دے آتا تھا۔ میں شہلا کے کمرے میں آیا تو وہ بستر پر متفکر بیٹھی تھی۔ ''کیا سوچ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''شہباز اگر ہم ناکام رہے اور پکڑے گئے تو میری کتنی بدنامی ہو گی۔''

''تو کیا ہوا تمہیں تو اس سے بھی نام ملے گا۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''بائی دی وے تمہیں یہ خیال کہاں سے آ گیا میں نے دیکھا ہے تم عزت جیسی چیز کو ہمیشہ جوتے کی نوک پر رکھتی ہو۔''

''میری ذاتی زندگی الگ چیز ہے لیکن سوسائٹی میں میری ساکھ اور مقام ہے۔''

''جیسی سوسائٹی میں ہو گا اس میں سب تمہارے جیسے ہوں گے اس لیے تم فکر مت کرو۔'' میں نے کہا۔

''ہم نے آج ہی بینک میں کارروائی کا فیصلہ کر لیا ہے اس لیے تم شاہد منظور کو کال کرو۔''

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''ابھی تو پانچ بجے ہیں اس کی ڈیوٹی رات آٹھ بجے شروع ہوتی ہے۔''

''تم سے ملاقات کے لیے اسے کچھ خاص انتظامات کرنے پڑتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی تمہیں بلاتا ہو گا؟''

''ہاں یہ تو ہے لیکن میں اسے آٹھ بجے سے پہلے کال کر کے کیا کہوں جب کہ وہ خود آٹھ بجے بینک پہنچے گا اور اسے معلوم ہو گا کہ آج کی ملاقات کے لیے حالات سازگار ہیں یا نہیں۔''

''ٹھیک ہے تم آٹھ بجے کال کرنا۔''

''کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں، میں یہاں واپس نہیں آؤں گی اس لیے میرے سامان کا کیا ہو گا؟''

''یہ یہیں رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''کامیابی کی صورت میں یہ تمہیں جہاں کہو گی پہنچا دیا جائے گا لیکن اگر ناکامی ہوئی تو تم یہیں واپس آؤ گی اس لیے سامان کہیں اور پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''یہ طے نہیں ہوا تھا۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر تمہاری وجہ سے ناکامی ہوئی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔''

''درست ہے لیکن ایک ناکامی کے بعد ہمیں دوسری کوشش کرنا ہو گی اور اس کوشش میں تم برابر کی شریک ہو گی۔''

''مجھے کسی دوسری کوشش میں شریک نہیں ہونا ہے۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''ٹھیک ہے اس صورت میں لاکر میں موجود چیزوں سے بھی تمہارا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔'' میں نے کہا تو اس کے چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات نظر آئے تھے۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''کیوں اگر تم شریک نہیں ہوئیں تو پھر تم چیزوں کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتی ہو اس صورت میں ہم جو مناسب سمجھیں گے وہ کریں گے۔''

وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں باہر آیا تو وسیم نعلی بم کو مکمل کر کے چیک کر رہا تھا۔ اسے شہلا کے پاؤں سے گزار کر اس کے تاروں کو کسنے کے بعد سرکٹ سے جوڑ کر اسے آن کرنا تھا اور بہ ظاہر ایسا لگتا کہ ان میں سے کوئی بھی تار الگ کرنے یا اسے پاؤں سے اتارنے کی صورت میں بم بلاسٹ ہو جائے گا۔ دیکھنے میں ہی خوفناک نظر آ رہا تھا۔ ایاز بھی آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''کیا شہلا خوشی سے اسے پاؤں سے بندھوالے گی؟''

''خوشی سے تو نہیں لیکن مجبوراً بندھوالے گی۔'' وسیم نے جواب دیا۔

رات کی تاریکی چھاتے ہی سب اٹھ گئے تھے۔ وہ کچن میں جمع تھے۔ آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ اس وقت مجھے سویرا کا خیال آیا اور میں چپکے سے صحن میں نکل آیا۔ موبائل سے اس کا نمبر ملایا۔ بیل جانے لگی لیکن وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ شاید کہیں اور تھی۔ میں کوشش ترک کر کے اندر آ گیا۔ وسیم نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''ہمیں کتنے بجے نکلنا ہے؟''

''یہاں سے ہم نو بجے روانہ ہو جائیں گے لیکن بینک میں تقریباً بارہ کے آس پاس میں داخل ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ اپنے آدمیوں کو بلا لو جو ساتھ جائیں گے۔''

عبداللہ نے انہیں بلا لیا اور میں نے ان کو بریف کیا کہ بینک میں داخل ہونے کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے۔ چاروں گارڈز کو واش روم میں بند کرنا تھا اور پھر ان کی جگہ دو باہر پوزیشن سنبھال لیتے اور باقی دو اندر میرے ساتھ لاکر کھولنے کی کارروائی میں حصہ لیتے۔ ان کو اچھی طرح سمجھا کر میں نے ان سے پوچھا۔ ڈرل مشین اور برقی آری استعمال کرنے کا ماہر میرے ساتھ اندر ہوتا۔ یہ ضروری تھا کہ شاہد منظور ہماری صورت نہ دیکھنے پائے۔ سفیر نے بیتو کو دوا مہیا کر دی تھی جسے کافی میں شامل کرنا تھا اور کافی کا یہ تھرماس شہلا لے کر جاتی۔

اب آخری مرحلہ رہ گیا تھا جس میں شہلا شاہد منظور کو کال کر کے اپنے آنے کی اطلاع دیتی اور ہم روانہ ہو جاتے۔ آٹھ بجے میں اور وسیم شہلا کے کمرے میں آئے۔ وہ پینٹ شرٹ اور سوئیٹر پہن کر تیار ہو گئی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔ ''ایک بات تو بتانا بھول گئی تھی، یہاں عبایا کہاں سے آئے گا۔''

''کسی دکان سے لے لیں گے۔'' وسیم نے کہا۔ میں نے موبائل شہلا کی طرف بڑھایا۔

''شاہد کو کال کرو۔''

اس نے موبائل لے کر نمبر ملایا۔ شاہد نے فوراً کال ریسیو کی۔ اسپیکر فون میں نے آن کر دیا تھا اس کی آواز آئی۔ ''رخسانہ یہ تم ہو؟''

''ہاں تم دفتر آ گئے ہو؟''

''ہاں کیا تم ملنے آ رہی ہو؟''

''ہاں میں آج رات کسی وقت آؤں گی اپنے گارڈز کو بتا دینا۔''

''اب میں ایک ایک پل گن گن کر گزاروں گا۔'' شاہد منظور نے سخت جذباتی لہجے میں کہا اور شہلا نے فون بند کر دیا۔ میں نے اس سے موبائل لے کر جیب میں رکھا اور کہا۔

''اب ایک کام اور کر لیا جائے۔''

شہلا چونکا ہو گی۔ ''کیسا کام؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وسیم نے اسے نقلی بم نکال کر دکھایا۔ ''اسے تمہارے پاؤں پر باندھا جائے گا۔''

''یہ کیا ہے.....؟ لیکن کیوں؟''

''یہ ایک عدد ریموٹ کنٹرول بم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور اگر اسے بلاسٹ کر دیا جائے تو تمہارے جسم کے پرخچے اُڑ جائیں گے، اپنی پینٹ کا پائنچہ اوپر کرو۔''

شہلا کھڑی ہوگئی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھمایا اور اوندھے منہ بستر پر گرا کر اس کی کمر پر گھٹنا رکھ دیا۔ اس کا بازو میرے قابو میں تھا اور اس کے لیے ہلنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ دبی زبان میں گالیاں دینے لگی لیکن ہم نے اس کی پروا کیے بغیر بم اس کے پاؤں سے باندھ دیا تھا اور جب وسیم نے اسے باندھ دیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ تڑپ کر سیدھی ہوئی تھی لیکن اس سے پہلے بم کو کھولنے کی کوشش کرتی وسیم نے ریموٹ کا بٹن دبایا اور بم کے سرکٹ سے ٹون کی آواز کے ساتھ روشنیاں جلنے بجھنے لگی تھیں۔ شہلا دہشت زدہ ہو کر ساکت ہوگئی۔

''شہباز کمینے یہ کیا کیا ہے؟''

''اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ ریموٹ کنٹرول بم ہے جسے پانچ سو گز کی دوری سے بھی اُڑایا جا سکتا ہے اور اگر تم نے اس کا کوئی تار کھینچا یا اسے اتارنے کی کوشش کی تو یہ فوراً پھٹ جائے گا۔''

''لیکن کیوں؟'' وہ چلائی۔

''تاکہ تم بینک کے اندر جانے کے بعد ہمیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بم تمہیں ایسی کسی کوشش سے روکے گا۔''

شہلا نے شرر بار نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر اس نے وہ حرکت کی جس کے بارے میں ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ یک دم گھوم کر بستر سے نیچے آئی اور اپنی بم والی ٹانگ میرے پیروں کے درمیان کر دی۔ اس نے بم کی دو تاروں کو چٹکی سے پکڑ لیا تھا اور زہریلے لہجے میں بولی۔ ''بس شہباز ملک اب تم نے حرکت کی تو میرے ساتھ تمہارے ٹکڑے بھی اڑیں گے۔''

O..... ❖ .....O

صورتِ حال کو سنگین تو نہیں لیکن ستم ظریفانہ ضرور کہا جا سکتا تھا۔ بم نقلی تھا اور اس کے بلاسٹ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن جو حربہ ہم نے شہلا کے لیے تیار کیا تھا وہ اسے ہم پر ہی آزمانے کو تیار ہوگئی تھی۔ اس کا پاؤں میرے دونوں پیروں کے درمیان تھا اور اگر بم سچ مچ کا ہوتا یقیناً اس کے ساتھ میرے پرخچے بھی اُڑ جاتے۔ مگر سوال یہ تھا کہ میں اس کی دھمکی کے جواب میں کیا ردِعمل ظاہر کرتا۔ اگر میں بے خوف رہتا تو شک میں پڑ جاتی کہ بم نقلی ہے اور ہمارا مقصد ہی فوت ہو جاتا اور نہ ڈرتا تو وہ اپنی بات منواتی۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''کیا خیال ہے تار کھینچ لوں؟''

''اگر تم مرنا چاہتی ہو تو شوق سے ایسا کرو۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیوں تم نہیں مرو گے کیا تم بم پروف ہو؟'' اس کا لہجہ طنزیہ ہوگیا۔

''ظاہر ہے میں بھی مروں گا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن سوال یہ ہے کہ یہ خودکش حملہ تمہارے لیے اتنا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

"[illegible] ہے ہی نوٹی ہوگی اور میرے ساتھ تم بھی مرو گے۔"

"[illegible] ہے ہار مجھی ہو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم کیا سمجھتی ہو بی بی ہم لوگ اس کھیل میں صرف [illegible] ہے قائل ہیں۔ نہیں ہم مرنا بھی جانتے ہیں۔ کم آن تار کھینچو۔"

شہلا کے پُر اعتماد چہرے پر تذبذب نمودار ہوا۔ میرے سرد ردِعمل نے اسے ہلا دیا تھا۔ وسیم ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا لیکن اس کے انداز سے بھی کوئی خوف و دہشت ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ شہلا نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر وہ ہذیانی انداز میں ہنسی۔ "تم لوگ مجھے بے وقوف بنا رہے ہو اندر سے تم سب ڈرے ہوئے ہو۔"

"حالانکہ ڈر تم رہی ہو ہمت ہوتی تو دھمکی نہ دیتیں بلکہ تاریں کھینچ لیتیں۔" وسیم بولا۔ "ویسے تم بلاوجہ اتنا جذباتی ہو رہی ہو اتنے دن ہمارے ساتھ رہ کر تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم جو زبان دیتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔ بے کردار تو تم ہو اس لیے تم سے کسی وقت بھی دھوکے کی توقع کی جا سکتی ہے اور اسی لیے تمہارے پاؤں کے ساتھ یہ بم باندھا ہے کہ تم بینک کے اندر جانے کے بعد ہمیں دھوکا نہ دے سکو۔"

میں نے نامحسوس انداز میں اسے سمجھایا۔ "شہلا یہ صرف ایک دفاعی حربہ ہے تمہارے خلاف کوئی سازش نہیں ہے لیکن تمہارا ردِعمل بتا رہا ہے کہ تمہارے اندر کوئی گڑبڑ ہے اور تم کچھ اور سوچے ہوئے ہو۔"

"یہ غلط ہے۔" اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا۔ "میں تمہارے ساتھ پوری طرح مخلص ہوں اور مجھے غصہ بھی اسی بات پر آیا ہے کہ تم جواب میں میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔"

"تم مخلص ہو؟" میں ہنسا۔ "شاید تم بھول رہی ہو ابھی چند دن پہلے تم نے اپنے ٹھکانے پر مجھے کس طرح دھوکا دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت بھی تم زبان دے چکی تھیں۔"

"وہ..... میں....." وہ ہکلا کر رہ گئی اور اس کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے گلابی لب کاٹنے لگی۔

میں نے نرمی سے کہا۔

"یا تو تاریں کھینچ لو یا پھر مہربانی کر کے پاؤں ہٹا لو اور چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نے گہری سانس لے کر پاؤں پیچھے کر لیا اور کھڑی ہو گئی۔ "شہباز تم بہت [illegible] اعصاب کے آدمی ہو تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو....."

"مہربانی کر کے بم کی تاریں درست کرو اور اس پر پائنچہ درست کرو ایسا نہ ہو تاریں کسی چیز سے الجھ کر کھنچ جائیں اور ہم بلاوجہ ہی اللہ کو پیارے ہو جائیں۔"

اس کا شگفتہ موڈ بحال ہو گیا۔ وہ ہنسی اور بستر پر بیٹھ کر اس نے جینٹ کا پائنچہ بم کے اوپر کر دیا۔ یہ اگرچہ کسی [illegible] نمایاں ہو رہا تھا لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ دیکھنے والا چونک جائے۔ غور سے دیکھنے پر ہی پتا چلتا تھا کہ جینٹ [illegible] پائنچے تلے کچھ ہے۔ ویسے بھی شہلا نے عبایا پہنا تھا۔ اس نے ڈنر کر لیا تھا۔ میں نے دوپہر میں ڈٹ کر پائے کھائے تھے اس لیے رات کا کھانا گول کر دیا تھا۔ وسیم نے بھی کچھ ہلکا پھلکا لیا تھا تاکہ ہم پوری طرح چاک و [illegible] رہیں۔ اب پروگرام یہ تھا کہ میں، وسیم، شہلا اور عبداللہ کے چار آدمی ایاز کے ساتھ اس کی جیپ میں جاتے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کا پچھلا حصہ اتنا کھلا تھا کہ سب آرام سے آجاتے۔ عبداللہ اپنے سات آدمیوں اور تین عدد گاڑیوں کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا اور اس کا کام ہماری بینک آمد سے پہلے اس علاقے کی ریکی کر کے او کے کی رپورٹ دینا تھا اس کے بعد وہ لوگ پوزیشن سنبھال لیتے اور صرف کسی ہنگامی صورت حال میں ہماری مدد کے لیے آتے۔ عبداللہ کے چاروں آدمیوں نے گارڈز سے ملتی جلتی وردیاں پہن لی تھیں۔ جب بینک گارڈز دوا ملی کافی پی کر ٹن ہو جاتے تو یہ چاروں ان کی جگہ سنبھال لیتے۔

○.....❖.....○

روانگی سے پہلے میں نے سوچا کہ اتنے لوگ ایک جیپ میں سوار ہوں گے اور پھر شہلا جیپ سے بینک کے سامنے اترے گی تو ممکن ہے گارڈز اور اس سے زیادہ شاہد منظور کو یہ بات عجیب لگے اور وہ کھٹک جائے۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ ہم کار بھی لے لیں۔ شہلا اور میں کار میں جاتے۔ باقی پارٹی جیپ میں ہوتی۔ راستے میں عبایا لیتے اور بینک کے پاس پہنچ کر میں ڈرائیونگ شہلا کے حوالے کر دیتا اور وہ یوں بینک کے سامنے اترتی جیسے اکیلی آئی ہو۔ میں نے وسیم سے مشورہ کیا تو اس نے بھی تائید کی۔ ''مجھے بھی جیپ مناسب نہیں لگ رہی تھی۔''

اب تبدیل شدہ پلان یہ تھا کہ شہلا میرے ساتھ کار میں ہوتی۔ شہلا کو پتا چلا تو وہ بھی خوش ہوگئی۔ ''مجھے بھی اس منحوس جیپ میں جانے کے لیے کپکپی آرہی تھی اس میں ہوا چاروں طرف سے گھستی ہے اور پچھلا حصہ تو فریزر بن جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے اس میں تمہارا فریزر بنتا تھا لیکن میرے ساتھ کار میں تمہیں مرغا بننا پڑے گا۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے پوچھا۔

''مطلب تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

ہم باہر آئے جہاں بیتو نے کافی کا تھرماس تیار کر دیا تھا۔ سفیر کا اس میں شامل دوا کے بارے میں دعویٰ تھا کہ وہ کسی بھی ہوش مند آدمی کو صرف دو منٹ میں ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ اس نے مزید ارشاد فرمایا۔

''اس سے زیادہ تیزی سے یہ کام صرف ایک حسین عورت کر سکتی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے شہلا کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ ''میرا خیال ہے شاہد منظور کو کافی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

وہ غرور سے مسکرائی۔ ''جو ہم کرنے جا رہے ہیں اگر وہ نہ کرنا ہوتا تو یقیناً ضرورت نہیں پڑتی۔''

شہلا کا غرور جائز تھا وہ بلاشبہ بہت دلکش عورت تھی اور کوئی بھی شخص اس کے حسن کے اثر سے بچ نہیں سکتا تھا۔ سفیر اور بیتو مضطرب تھے کیونکہ انہیں پیچھے گھر میں رکنا تھا۔ سفیر نے کہا۔ ''یار ہمیں بھی لے چل۔''

''شوبی ہم بھی چلے گا۔'' بیتو نے منمنا کر کہا۔

''ہم تفریح کرنے نہیں جا رہے ہیں۔'' میں نے انہیں سمجھایا۔ ''یہاں بھی کسی کا رہنا ضروری ہے۔ ان دو نمونوں کی دیکھ بھال کے لیے۔''

شہلا کو اوپر لانے سے پہلے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ گئی تھی لیکن اس حالت میں اسے کار میں نہیں لے جایا سکتا تھا کوئی بھی دیکھ کر مشکوک ہو سکتا تھا کہ کار میں ایک آنکھوں پر پٹی بندھی عورت ہے اور اسے ایاز کی جیب میں بھی بٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ نازک عورت تھی اور اپنے کردار سے قطع نظر اس کی مستحق تھی کہ اسے مشکلوں سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

محفوظ رکھا جائے۔ طے پایا تھا کہ میری کار آگے ہوگی اور ایاز کی جیپ پیچھے آئے گی۔ شہلا کو فرنٹ سیٹ پر بٹھانے کے بعد میں نے اس سے کہا۔ ''گھٹنوں پر جھک جاؤ۔''

''وہ کیوں؟''

''سوال مت کرو۔'' میرا لہجہ سخت ہوگیا۔ ''اگر ایسا نہیں کرسکتیں تو جیپ میں سفر کرنا ہوگا۔''

وہ فوراً گھٹنوں پر جھک گئی۔ اپنے لچکدار جسم کی وجہ سے اسے آسانی ہوئی۔ اس کی جگہ کوئی مرد ہوتا تو اس کے لیے یہ کام خاصا دشوار ہوتا۔ پھر بھی اسے کچھ نہ کچھ مشکل ہو رہی تھی۔ اس نے شکایت کی۔ ''اس طرح میری کمر میں تکلیف ہو رہی ہے۔''

''کچھ دیر کی تکلیف ہے برداشت کرلو۔'' میں نے کار اسٹارٹ کرکے احاطے سے باہر لاتے ہوئے کہا۔ پیچھے ایاز کی جیپ آئی اور ہم اسلام آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔

''کتنی دیر؟''

''بس دس منٹ۔'' میں نے کار کی رفتار بڑھائی۔ سوا آٹھ بجے ہی سڑک پوری طرح ویران ہوگئی تھی۔ مگر دھند نہیں تھی۔ شہلا کو اب اپنے سامان اور خاص طور سے چرمی بیگ کی فکر لگ گئی تھی جس میں اس کی دولت تھی۔

''شہباز اس کا کیا ہوگا کامیابی کی صورت میں؟''

''میری بات پر اعتبار کرو تم جہاں کہو گی میں پہنچا دوں گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میرے ساتھ رہ کر تم اتنا تو جان گئی ہوگی کہ میں وعدہ نبھانے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔''

''اس بریف کیس میں کیا ہے؟'' شہلا نے چینی حکومت کے اس خفیہ بریف کیس کے بارے میں پوچھا۔ ظاہر ہے میں اسے نہیں بتا سکتا تھا۔

''یہ میرے پاس کسی کی امانت ہے اور میں اسے واپس اس کے مالک کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں۔''

اسے غالباً میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ اس نے شک سے کہا۔ ''تم صرف بریف کیس کو اس کے مالک تک پہنچانے کے لیے یہ سب کر رہے ہو اور تمہارا اس میں کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے؟''

''ہاں ایسی ہی بات ہے۔''

''مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''آج کے دور میں کون ایسا کرتا ہے۔''

''تم اپنے ذہن کے لحاظ سے سوچ رہی ہو اس لیے تمہیں یقین نہیں آرہا ہے حالانکہ تمہیں چاہیے میری شخصیت کو سامنے رکھ کر اس پر سوچو۔ ویسے تمہارے یقین کرنے یا نہ کرنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔''

''ہر انسان اپنے لحاظ سے ہی سوچتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''مرضی تمہاری۔'' میں نے کہا۔ ''اب پٹی اتار کر سیدھی ہو جاؤ۔''

اس نے جلدی سے سیدھے ہو کر پٹی اتار دی۔ ٹول پلازہ آنے والا تھا اس نے میری طرف دیکھا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا تم لوگوں نے مری جانے والے راستے پر کہیں ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔''

میں نے شانے اچکائے۔ ''تم اندازے لگانے کے لیے آزاد ہو۔''

بھارہ کہو کی مارکیٹ بند ہوگئی تھی اور اکا دکا ہوٹلز اور دکانیں کھلی تھیں۔ کچھ دیر بعد ہم اسلام آباد میں داخل

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہو رہے تھے۔ ایک دیر تک کھلی رہنے والی مارکیٹ سے میں نے شہلا کے لیے عبایا لیا۔ عبایا اس نے وہیں پہن لیا۔ اس میں نقاب بھی تھا اور نقاب کرنے کے بعد اسے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔ اب ہماری مہم کا اصل مرحلہ شروع ہو گیا تھا۔ ساڑھے نو بجے ہم بینک کے علاقے میں داخل ہوئے۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ویسے ہمارے پاس ریڈیو بھی تھے لیکن ان کے بارے میں طے تھا کہ انہیں صرف بینک میں گھسنے کے وقت استعمال کیا جائے گا۔ یہ شارٹ رینج ریڈیو ایف ایم بینڈ پر کام کرتے تھے اور کوئی بھی شخص جس کے پاس ایف ایم ریڈیو ہوتا ٹیون کرنے پر ہماری باتیں سن سکتا تھا۔ اس لیے ریڈیو کا کم سے کم استعمال ہی بہتر تھا اس کے مقابلے میں موبائل بہتر مواصلاتی آلہ تھا۔

''عبداللہ ہم پہنچ گئے ہیں۔'' میں نے اسے اطلاع دی۔

''میں نے دیکھ لیا ہے آپ کی گاڑیوں کو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہاں سب اوکے ہے۔ رات والی شفٹ تبدیل ہو چکی ہے۔''

''ماحول کیسا ہے؟''

''سنسان ہے اتنی سردی کی وجہ سے لوگ گھروں سے نکلنے سے گریز کر رہے ہیں اور جو اکا دکا آ جا رہے ہیں وہ بھی گاڑیوں پر ہیں۔''

''چوکیدار اور پولیس کی کیا پوزیشن ہے؟''

''چوکیدار یہاں گھروں میں ہوتے ہیں۔ پولیس کی یہ پوزیشن ہے کہ ان کی گاڑی آدھے گھنٹے میں ایک بار نظر آئی ہے۔ ہم نے اپنی گاڑیاں اس طرح کھڑی کی ہیں کہ وہ بہ ظاہر علاقے کے مکینوں کی گاڑیاں لگ رہی ہیں۔''

''گڈ۔'' میں نے کہا۔ ''ہم پارک کی طرف جا رہے ہیں۔''

''ایاز سے کہیں وہ جیپ روکے نہیں ورنہ وہ یہاں مس فٹ نظر آئے گی اور ممکن ہے پولیس اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ وہ سرکل کرتا رہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر ایاز کو کال کی۔ ''ایاز عبداللہ کا خیال ہے کہ تم کہیں رکنے کے بجائے علاقے میں گھومتے رہو۔ ممکن ہے جیپ پولیس والوں کو مشکوک لگے کیونکہ یہاں لوگ اس قسم کی گاڑی نہیں رکھتے ہیں۔''

''جیسا آپ کہیں جناب۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ویسے ابھی خاصا وقت ہے آپ کہیں تو ہم اس جگہ سے ذرا دور چلے جائیں یہاں سے دو کلو میٹر دور ایک عام سی بستی ہے وہاں ساری رات کھلے رہنے والے ہوٹل ہیں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔''

''کسی کال کی صورت میں پانچ منٹ میں یہاں ہوں گے۔''

''ایسا کر لو۔'' میں نے اسے اجازت دے دی تو ایاز دوسروں کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے اپنی کار بینک سے ذرا دور ایک چھوٹے سے پارک کے ساتھ پارک کر دی۔ یہاں اور بھی کئی گاڑیاں پارک تھیں اس لیے کسی کے خصوصی طور پر متوجہ ہونے کا امکان کم تھا۔ شہلا خاموشی سے میری گفتگو سن رہی تھی۔ جب میں نے موبائل رکھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تو اس نے کہا۔ ''شہباز ساتھیوں کے معاملے میں تم بہت خوش نصیب ہو میں نے ایسے جاں نثار ساتھی کسی کے نہیں دیکھے۔ آج کل کوئی کسی کا ساتھ بھی دیتا ہے تو اس میں اس کا کوئی نہ کوئی مفاد ہوتا ہے۔ بے غرض کوئی ساتھ نہیں دیتا ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے مجھے اتنے اچھے دوستوں سے نوازا ہے لیکن یہ تعلق یک طرفہ نہیں ہے اگر وہ میرے لیے جان دے سکتے ہیں تو وقت پڑنے پر میں بھی اپنی جان بلا جھجک ان پر قربان کر سکتا ہوں۔ تم اسے دوستی، خلوص اور محبت کا تعلق سمجھ سکتی ہو۔''

''مرشد بہت خطرناک آدمی ہے وہ بہت طاقتور ہے لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں اس کے پاس ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہوگا۔''

''مرشد ایک خودغرض اور سفاک آدمی ہے جسے سوائے اپنی ذات کے اور کسی سے پیار نہیں ہے۔ اس لیے قدرتی بات ہے اسے ساتھی بھی ایسے ہی ملے ہیں جو اس کی دولت اور طاقت کے غلام ہیں۔ اگر مرشد کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ رہیں تو وہ اسے پلٹ کر بھی نہ پوچھیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' شہلا پارک میں جلتی لائٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''لیکن یہ حقیقت ہے تم لوگ مرشد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے اصل نقصان اس کی جان کا ہے۔ تم اس کے آدمی مارو گے تو اس کے پاس حرام موت مرنے والوں کی کمی نہیں ہے تم اس کا مالی نقصان کرو گے تو اس کے پاس حرام دولت کی کمی نہیں ہے۔ تم کہہ چکے ہو کہ اسے سوائے اپنی ذات کے اور کسی سے پیار نہیں ہے۔ اس لیے اگر تم اس کے کسی رشتے دار کا نقصان کرو گے تو اسے اس سے بھی خاص فرق نہیں پڑے گا۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا اور تسلیم کیا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن تمہارے کہنے کا مقصد کیا ہے؟''

''یہی کہ تم بے کار میں اتنی کوشش کر رہے ہو۔ مرشد کو نشانہ بناؤ اس کے مرتے ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''تمہاری دشمنی مرشد سے ہے نا، کسی اور سے تو نہیں ہے؟''

''یہ تم نے کیسے جانا مس شہلا؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''تمہارے خیال میں کیا مرشد کسی ایک آدمی کا نام ہے؟''

''پھر کیا ہے وہ کوئی مافیا ہے جو ایک باس مر جائے تو دوسرا اس کی جگہ سنبھال کر کام وہیں سے شروع کر دیتا ہے؟''

''اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پیری مریدی مرشد کا خاندانی بزنس ہے۔ اگر وہ نہیں رہے گا تو جو بھی اس کی جگہ آئے گا اس کے لیے مجھ سے بدلہ لینا لازمی ہوگا کیونکہ اسی طرح وہ اپنے لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار برقرار رکھ سکے گا۔ صرف مرشد کو ختم کرنے سے میرا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔''

''تب تمہارا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''مس شہلا یہ تمہارا خیال ہے۔ اس دنیا میں جو مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کا حل بھی لازمی ہوتا ہے۔ ویسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تم میرے مسئلے کے بجائے اگر اپنے ممکنہ مسائل پر توجہ دو تو بہتر ہوگا۔"

"کون سے مسائل؟"

"تم شاہد منظور سے حلیہ بدل کر ملتی رہی ہو لیکن اس وقت تم اپنے اصل حلیے میں ہو اور کیا وہ تمہیں دیکھ کر چونکے گا نہیں۔"

"ہاں چونکے گا۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اندر جانے کے بعد نقاب نہیں رکھ سکوں گی ورنہ وہ مشکوک ہو سکتا ہے۔"

"اس کا ایک حل ہو سکتا ہے تم اندر جاتے ہی سب کے لیے کافی نکال لینا اور کیونکہ تم گارڈز کے سامنے نہیں آتی ہو اس لیے نقاب میں رہنے کا ایک بہانہ مل جائے گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ شاید اس نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا اور کیونکہ یہ میرا مسئلہ نہیں تھا اس لیے مجھے فکر نہیں تھی کہ بعد میں شاہد منظور اسے پہچانتا ہے یا نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھے یہی کرنا پڑے گا میرا خیال ہے وہ بھی جلدی ان سارے معاملات کو نمٹانا چاہے گا تاکہ پھر گارڈز کے آنے جانے کا امکان نہ رہے۔"

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خاموش رہا۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا گیا۔ دس بجے اور پھر گیارہ بج گئے۔ اگرچہ بہت مشکل سے بجے تھے اس طرح وقت گزارنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ اس طرح انتظار کرنے والے ہی جانتے ہیں۔ اس دوران میں خوش قسمتی سے کسی نے ہم پر غور نہیں کیا تھا۔ چند ایک گاڑیاں اور پیدل افراد وہاں سے گزرے تھے وہ بھی اپنے دھیان میں تھے۔ یہ رہائشی علاقہ تھا اس لیے پولیس کا گزر بھی یہاں سے کم تھا اور اب تک مجھے ایک بھی پولیس کار نظر نہیں آئی تھی۔ شہلا نے کہا۔ "مجھے شاہد منظور کو اپنے آنے کے بارے میں بتانا ہوگا۔"

میں نے اسے موبائل دیا اور اس نے شاہد کا نمبر ملایا۔ "میں بات کر رہی ہوں۔" اس نے اپنا نام لیے بغیر کہا۔ "کچھ دیر میں آ رہی ہوں..... ہاں آج تمہارے لیے کافی بنا کر لا رہی ہوں..... ہشت۔" شہلا نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اس نے موبائل مجھے واپس کیا تو اس کا چہرہ کسی قدر سرخ ہو رہا تھا شاید شاہد نے کوئی رومانی بات کی تھی۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔

"شہلا ممکن ہے آج ہماری آخری ملاقات ہو۔ میں بہت دنوں سے ایک بات سوچ رہا ہوں۔"

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ تمہارا تعلق ایک اچھے خاندان سے ہے۔ پھر تم ایک اعلیٰ سرکاری افسر کی بیوی رہی ہو۔ پھر تم اس لائن میں کہاں سے آ گئیں۔ دولت کی تمہاری پاس کمی نہیں ہے۔"

اس نے گہری سانس لی۔ "جرم میری لائن نہیں ہے۔ مجھے اس ذلیل اور نام نہاد پروفیسر نے مجبور کیا۔ مجھے اعتراف ہے اور تم جانتے ہو میں کوئی اچھے کردار کی عورت نہیں ہوں۔ میں کسی بندھی زندگی کی قائل نہیں ہوں۔ پروفیسر نے اسی چیز کا فائدہ اٹھایا اور اس نے اپنے ایک آدمی کے ذریعے میری تصاویر حاصل کر لیں۔ پھر اس نے مجھے بلیک میل کیا اور مجھ سے بہت سارے کام ایسے لیے جو عملاً جرم ہوتے ہیں۔"

"اب اگر تمہیں اپنی تصاویر اور ان کے نیگیٹو مل جاتے ہیں تو تم اپنی نارمل زندگی کی طرف واپس لوٹ جاؤ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گی؟''

اس نے سر ہلایا۔''یقیناً میرا یہی ارادہ ہے۔''

وہ جھوٹ بول رہی تھی اگر اس کا ارادہ یہی ہوتا تو اسے لاکر کی دوسری چیزوں سے کیا مطلب ہو سکتا تھا اور اسے ان کو حاصل کرنے کا سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا لیکن وہ مجھ سے اسی شرط پر تعاون کر رہی تھی کہ ایک بار لاکر تک رسائی حاصل کرنے کے بعد میں اس میں سے صرف بریف کیس لوں گا اور باقی چیزیں اس کے حوالے کر دوں گا اور میں اس کی بات مان گیا تھا۔ مگر میرا ایسا کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ میں اس گھٹیا سلسلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا تھا تاکہ پروفیسر کے چنگل میں پھنسے دوسرے لوگ سکون کا سانس لے سکیں۔ خطاؤں اور گناہوں سے کوئی انسان خالی نہیں ہے اس لیے کسی غلطی کو ثبوت بنا کر اسے بلیک میل کرنا میرے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔ میں شہلا کو اس جرم کی اجازت نہیں دے سکتا تھا لیکن فی الحال میں اسے یہ بات کہہ نہیں سکتا تھا پہلا مرحلہ لاکر تک رسائی کا تھا۔ اس کے بعد ہی ہم کچھ کر سکتے تھے۔ ساڑھے گیارہ بجے مجھے ایاز کی کال آئی۔

''جناب وقت کم رہ گیا ہے اب کیا حکم ہے؟''

''تم آجاؤ اور بینک کے ساتھ والی گلی میں رک کر اگلے قدم کا انتظار کرو لیکن کوشش کرنا کسی کی نظروں میں نہ آؤ۔''

''آپ بے فکر رہیں جناب۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے عبداللہ کا نمبر ملایا۔''وقت آ گیا ہے۔''

''ہم پوری طرح مستعد ہیں۔''

میں نے موبائل رکھ کر اپنی ٹوپی کے ساتھ کان سے ہیڈ سیٹ لگا لیا۔ ایسا ہی ایک ہیڈ سیٹ شہلا کو نقاب تلے اس کے کان میں لگایا اور اسے خبردار کیا۔''یہ آن پوزیشن میں ہے اور اسے آن رہنا چاہیے اگر تمہاری آواز آنا بند ہوئی تو اس کا مطلب ہوگا کوئی گڑبڑ ہے اور تم اچھی طرح جانتی ہو کسی گڑبڑ کی صورت میں ہم کیا کریں گے؟''

''دھمکی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔ میں ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر کار کی پچھلی نشست پر آیا اور شہلا کی طرف چابی بڑھا دی۔''اب ڈرائیو تم کرو گی اور میں پچھلی نشست پر موجود ہوں گا لیکن باہر سے کسی کو نظر نہیں آؤں گا تم گاڑی بینک کے سامنے لیکن اتنی دور روکو گی کہ کوئی گارڈ اس تک آنے کی زحمت نہ کرے۔''

''میں سمجھ گئی۔'' اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے ہیڈ سیٹ پر سب کو خبردار کیا۔

''ہم منزل کی طرف جا رہے ہیں۔'' میں نے احتیاطاً بینک کا نام لینے سے گریز کیا۔ باری باری ایاز، وسیم اور عبداللہ نے مجھے بتایا کہ وہ بھی تیار ہیں۔ دو منٹ بعد شہلا نے کار بینک کے سامنے لیکن سڑک کے دوسرے کنارے روکی۔ میں پچھلی نشست پر دراز تھا اور جب تک کوئی بالکل پاس آ کر کار میں نہ جھانکتا میری موجودگی کے بارے میں جاننا مشکل تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔''چابی کار میں لگی رہنے دو۔''

شہلا نے ایسا ہی کیا اور ڈیش بورڈ پر رکھا درمیانے سائز کا تھرماس اٹھایا اور نیچے اتر گئی۔ عبایا میں بھی اس کا سراپا نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ دھیمی لیکن متوالی چال کے ساتھ بینک کی طرف بڑھی۔ اس نے جہاں کار کھڑی کی تھی وہاں تاریکی تھی اس لیے میں نے ذرا سا سر اوپر کر کے دیکھ لینے میں حرج نہیں سمجھا۔ شہلا گارڈز کے پاس پہنچی اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس نے کسی قدر بدلی آواز میں کہا۔ ''میں شاہد منظور سے ملنے آئی ہوں۔''

''جی جی ضرور ملو۔'' گارڈ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''انہوں نے بتا دیا ہے، جی آپ اندر جا سکتی ہو۔''

گارڈ نے دروازہ کھول دیا اور شہلا اندر چلی گئی۔ اب وہ نظر نہیں آ رہی تھی لیکن چند لمحے بعد مجھے شاہد منظور کی آواز سنائی دی۔ وہ اس سے شکوہ کر رہا تھا۔ ''تم تو انتظار میں جان لے لیتی ہو۔''

''جان دینے کی اتنی جلدی کیا ہے۔'' شہلا نے معنی خیزی سے کہا۔ ''آرام سے دینا۔''

''آرام سے تو نہیں دے سکتا۔'' شاہد نے فحش لہجے میں کہا۔ وہ جس قسم کا آدمی تھا اس سے اسی قسم کے جملوں کی توقع کی جا سکتی تھی۔ خاص طور پر شہلا اس سے تنہائی میں ملنے آئی تھی تو وہ انسانیت کا لبادہ اتار کر بالکل حیوان بن رہا تھا اس نے چند نا قابلِ بیان جملوں کے بعد پیش قدمی کرنی چاہی تو شہلا نے اسے روک دیا۔

''اتنی جلدی کیا ہے ابھی تو ساری رات پڑی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ تمہارے لیے کافی لاؤں گی۔ پہلے یہ تو پی لیں۔''

''میں نے تو کچھ اور بندوبست بھی کر رکھا ہے۔'' شاہد بولا۔ ''لیکن تمہارے ہاتھوں کی کافی بھی کم نشیلی نہیں ہوگی لیکن چہرے سے یہ نقاب تو ہٹا دو۔'' وہ بالکل ریشہ خطمی ہو رہا تھا۔

''ابھی نہیں۔'' شہلا بولی۔ ''کافی خاصی ہے۔ میں سوچ رہی ہوں ان بے چارے گارڈز کو بھی دے دوں۔ سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں۔''

شاہد کو یہ بات پسند نہیں آئی لیکن اس نے منع نہیں کیا۔ شہلا نے اسے ایک گارڈ کو بلانے کو کہا۔ اس نے انٹرکام پر کسی جبار کو بلایا۔ اس دوران میں شہلا یقیناً کپوں میں کافی نکال رہی تھی۔ جبار کے آنے پر اس نے کپ اسے تھما دیئے اور بولی۔ ''ٹھنڈی ہو رہی ہے جلدی پی لو ورنہ مزہ نہیں آئے گا۔''

میں نے کہا۔ ''سب ہوشیار ہو جائیں، تم لوگ آ جاؤ مگر سامنے مت آنا۔'' میں نے وسیم اور باز سے کہا یہ طے تھا ہم نے کسی کا نام نہیں لینا۔

''ہم آ رہے ہیں۔'' وسیم بولا۔

میں نے اپنا پستول نکال کر چیک کیا اور حرکت میں آنے کے لیے تیار ہو گیا۔ عین ممکن تھا کہ گارڈز میں سے کوئی کافی نہ پیتا یا اتنی تاخیر کر دیتا کہ اس کے دوسرے ساتھی بے ہوش ہو جاتے اور وہ ہوشیار ہو جاتا تو اس صورت میں ہمیں اسے قابو کرنا پڑتا۔ میرے کان شہلا اور شاہد کی باتوں پر مرکوز تھے۔ شہلا نے اس کے لیے کافی نکال دی تھی اور ابھی شراب اس نے چکھی بھی نہیں تھی لیکن وہ بہکنا شروع ہو گیا تھا۔ شہلا بڑی ہوشیاری سے اسے ہینڈل کر رہی تھی۔ اس نے پھر شہلا سے تقاضہ کیا کہ وہ رخ سے نقاب ہٹا دے۔ جواب میں شہلا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

''فکر مت کرو سارے نقاب ایک ساتھ ہی ہٹاؤں گی تم خوش ہو جاؤ گے۔''

شہلا کی اس بات پر شاہد منظور مارے جذبات کے لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ اس کے ہنہنانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ شہلا نے اسے کافی پینے پر مجبور کیا۔ اسی دوران میں اندر موجود گارڈ باہر دونوں گارڈز کے لیے کافی لایا اور انہیں دے کر فوراً اندر چلا گیا۔ موسم سرد تھا اور کافی تیزی سے ٹھنڈی ہو جاتی اس لیے باہر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

والے فوراً ہی پینے لگے تھے میں نے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ ''باہر والے کافی پی رہے ہیں ان کے لڑھکتے ہی تم حرکت میں آجانا۔''

''اے..... یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔'' اچانک شاہد منظور کی گھبرائی آواز آئی۔ ''میرا سر کیوں چکرا رہا ہے۔''

''شاید مجھے دیکھ کر۔'' شہلا ہنسی۔ ''کافی ختم کرو اس سے سارے چکر رک جائیں گے۔''

شاہد نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور فوراً ہی اس کے لڑھکنے اور کراہنے کی آواز آئی۔ شہلا دبی زبان میں بولی۔ ''یہ گر گیا ہے۔''

''اندر والے گارڈز کا کیا حال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم وہ مجھے یہاں سے نظر نہیں آرہے ہیں۔'' شہلا بولی۔ اسی لمحے باہر موجود گارڈز پر کافی میں موجود دوا کا اثر ہونے لگا اور وہ لڑکھڑانے لگے۔ میں نے کہا۔

''ہری اَپ وہ گرنے والے ہیں۔''

وسیم اور ایاز کے ساتھ گارڈز کی وردیوں میں ملبوس عبداللہ کے چاروں ساتھی تیزی سے گلی سے نکل کر بینک کی طرف آئے اس دوران میں دونوں گارڈز لمبے ہو چکے تھے۔ عبداللہ کے ساتھیوں میں سے دو نے ان بے ہوش گارڈز کو اٹھایا اور ان کو لے کر بینک کی عمارت میں گھس گئے۔ دو باہر رہ گئے تھے۔ وسیم ان کے پیچھے تھا۔ فوراً ہی مجھے عبداللہ کے ایک ساتھی کے چلانے کی آواز آئی۔ ''خبردار گن رکھ دو ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''تم..... ڈاکو..... ہو۔'' بینک گارڈ لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ شاید اس نے تاخیر سے کافی پی تھی اس لیے اب تک بے ہوش نہیں ہوا تھا لیکن اس سے ہتھیار رکھوانے کی نوبت نہیں آئی وہ اس سے پہلے ہی بے ہوش ہو کر لڑھک گیا۔ وسیم نے کہا۔ ''راستہ صاف ہے جناب۔''

یہ اشارہ تھا کہ میں بینک میں تشریف لے آؤں۔ میں نے کہا۔ ''عبداللہ میں اندر جا رہا ہوں۔''

''میں پوری طرح ہوشیار ہوں جناب۔'' عبداللہ نے کہا۔

میں کار سے اتر کر اندر بینک کی طرف بڑھا۔ عبداللہ کے دونوں آدمی باہر آکر اپنی جگہ سنبھال چکے تھے اب کسی بھی دیکھنے والے کو بینک میں سب معمول کے مطابق نظر آتا۔ جب میں اندر پہنچا تو وسیم بے ہوش گارڈز کے ہاتھ پاؤں، منہ اور آنکھیں ٹیپ سے بند کر رہا تھا۔ میں سیدھا سیف ایریا کی طرف بڑھا اور فولادی دروازے پر دستک دی۔ شہلا اندر سے بولی۔ ''کون ہے؟''

''میں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تم سب ٹی وی پر دیکھ رہی ہو گی۔''

وہ ہنسی اور دروازہ کھول دیا۔ میں اندر آیا۔ شاہد منظور کرسی پر بے سُدھ پڑا ہوا تھا۔ وہ تقریباً چالیس برس کا عام سی صورت و شکل کا مرد تھا۔ بلکہ جسم کسی قدر بے ڈول تھا۔ عام حالات میں شہلا شاید اس پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہ کرتی لیکن اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ اس کی داشتہ تک بن چکی تھی۔ میرے اشارے پر عبداللہ کا ایک آدمی اسے بھی کھینچ کر لے گیا۔ دوسرا آدمی جسے ڈرل اور برقی آری استعمال کرنا تھی اپنے اوزاروں سمیت اندر آگیا۔ شہلا نے کوڈ لگا کر لاکر روم کا دروازہ کھولا۔ اندر دیوار کے ساتھ کوئی دو درجن لاکرز تھے۔ شہلا نے دائیں طرف سے نیچے سے اوپر دوسری قطار میں چوتھے لاکر کی طرف اشارہ کیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''یہ ہے؟''

''کیا تمہیں یقین ہے؟''

''بالکل۔'' اس نے کہا۔ ''میں بینک کے ریکارڈ میں دیکھ چکی ہوں۔ یہ پروفیسر نفیس کے نام پر ہے۔''

''نجی بینک کی کارکردگی کا یہ عالم ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''پروفیسر کو مرے کئی مہینے ہونے کو آئے ہیں اور ان کو پتا ہی نہیں ہے۔''

''کیونکہ پولیس یا کسی اور کی طرف سے بینک کو کوئی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔'' شہلا نے وضاحت کی۔ ''بینک کے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ اس کا کلائنٹ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔''

عبداللہ کا آدمی لاکر کا معائنہ کر رہا تھا اس نے ڈرل سے آغاز کرنے کا فیصلہ کیا اس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ لاکر کی فولادی چادر کتنی موٹی ہے۔ اس نے ڈرل کی تار ساکٹ بورڈ میں لگائی اور اپنا کام شروع کر دیا۔ وسیم شاہد اور بینک کے چاروں گارڈز کو واش روم میں منتقل کر کے ہمارے پاس آ گیا۔ اس محدود سی جگہ میں ڈرل کا بے پناہ شور گونجنے لگا اور فی الحال ہم کوئی بات کرنے کے قابل نہیں رہے تھے ویسے ہمیں لاکر کھولنے کی جلدی تھی۔ ڈرل کے برمے نے ایک منٹ سے بھی کم وقت میں چادر میں سوراخ کر دیا۔ اس میں دھاتی ریزے بھر گئے تھے۔ عبداللہ کے آدمی نے سوراخ کو صاف کیا فولادی چادر کا معائنہ کیا۔

''یہ زیادہ موٹی نہیں ہے۔''

''لاکر کتنی دیر میں کھل جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے اب برقی آری نکالی۔ ''شاید بیس منٹ یا آدھا گھنٹہ لگے۔ آپ باہر چلے جائیں اس کا شور بہت زیادہ ہوگا لاکر روم کا دروازہ بند کر دیں ورنہ آواز بینک کے باہر تک جائے گی۔''

''تم فکر مت کرو۔'' وسیم نے کھردرے لہجے میں کہا۔ ''ہمیں شور کی عادت ہے تم اپنا کام کرو۔''

میں نے لاکر روم کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ عبداللہ کے آدمی نے برقی آری آن کر کے اس کا کٹر لاکر کے تالے والے حصے پر رکھا فوراً ہی مشین کے شور میں دھات کٹنے کی کریہہ آواز شامل ہو گئی اور اس بند جگہ پر یہ واقعی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ ڈرل کے مقابلے میں آری سست روی سے کام کر رہی تھی۔ کیونکہ اس کا استعمال بہت احتیاط سے کرنا پڑتا ہے اگر کٹر کہیں پھنسے تو یہ پلٹ کر بہت قوت سے چلانے والے کی طرف آتا ہے اور اسے نقصان ہو سکتا ہے۔ اس لیے عبداللہ کا آدمی آرام سے کام کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شہلا کے لیے یہ شور ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''شہباز پلیز میں باہر جا رہی ہوں۔''

''میں بھی چل رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور شہلا کے ساتھ باہر آ گیا۔ اس نے عبایا کا نقاب ہٹا دیا تھا اور اس کے خدوخال تیکھے ہو رہے تھے۔ اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔ ''تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔''

''کیا ہونا چاہیے؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔ وہ خاموش رہی اور اس کی خاموشی ہی میرے سوال کا جواب تھی۔ لاکر روم کا دروازہ بند ہونے سے باہر آنے والا شور بہت کم رہ گیا تھا۔ اس شور کا بینک کے باہر تک جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے سیف ایریا کا معائنہ کیا۔ دن میں اس جگہ کیش ہینڈلنگ کرنے والے بیٹھتے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھے اور یہاں سے ایک چھوٹی سی ورز کیشئر کاؤنٹر کی طرف کھل رہی تھی جس سے کیش لیا اور دیا جاتا ہوگا۔ عقبی حصے میں لاکر روم اور اسٹرنگ روم تھا۔ جہاں نقد رقم رکھی جاتی تھی۔ رات میں یہ سیکورٹی سپروائزر کا دفتر بن جاتا تھا۔ شاہد منظور نے اپنی سہولت کے لیے ایک چرمی کوچ حاصل کر لی تھی اور وہ اسے شہلا سے ملاقاتوں میں استعمال کرتا تھا۔ شہلا خاموش اور کچھ فکر مند تھی۔

''تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' میں نے کہا۔

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''کیونکہ مجھے معلوم ہے تم مجھے لاکر کی دوسری چیزیں نہیں دو گے۔''

میں چونکا۔ ''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

اس نے سرد آہ بھری۔ ''اتنے دن تمہارے ساتھ رہ کر میں تمہیں اچھی طرح جان گئی ہوں۔ تم میری تصویریں اور نیگیٹو مجھے دے دو گے لیکن دوسروں سے متعلق اسٹف مجھے نہیں دو گے وہ تم ضائع کر دو گے۔''

شہلا میرے اندازے سے زیادہ چالاک ثابت ہوئی تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''تم نے درست اندازہ لگایا ہے لیکن میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔''

وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''وعدہ تم نے کیا تھا۔ تمہارے کسی ساتھی نے تو نہیں کیا تھا وہ ان چیزوں پر قابض ہو جائے گا اور میں کچھ نہیں کر سکوں گی۔''

''تم سچ مچ ذہین عورت ہو۔ میں واقعی اس بلیک میلنگ اسٹف کو تباہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس کے علاوہ لاکر سے جو رقم یا دوسری قیمتی اشیا نکلیں گی وہ تمہاری ہوں گی۔''

''مجھے رقم یا قیمتی اشیا کی پروا نہیں ہے۔''

''تم بلیک میلنگ اسٹف کے چکر میں ہو۔ کیا تمہارا ارادہ پروفیسر کا دھندہ جاری رکھنے کا ہے۔''

''اس چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔ ''جب کہ تم مجھے یہ چیزیں نہیں دے رہے ہو۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ اتنی پریشان نہیں تھی جتنا کہ ظاہر کر رہی تھی۔ ممکن ہے وہ صورت حال سے سمجھوتہ کر چکی ہو۔ بہر حال اس وقت میں نے اس بات پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ میں نے ریڈیو پر عبداللہ سے باہر کی رپورٹ لی۔ اس نے جواب دیا۔ ''یہاں سب ٹھیک ہے میں نے پوزیشن بدل لی ہے اور اب میں براہِ راست نگرانی کر رہا ہوں۔''

میں سمجھ گیا وہ بینک کے کہیں آس پاس آ گیا تھا اور اب براہِ راست بینک کی نگرانی کر رہا تھا۔ ایاز اپنی جیپ کی طرف واپس چلا گیا تھا اور کام مکمل ہونے کا منتظر تھا۔ یہاں ایک طرف واٹر ڈسپنسر لگا ہوا تھا جس سے حسبِ ضرورت ٹھنڈا اور گرم پانی حاصل کیا جا سکتا تھا میں نے اس سے پانی نکال کر پیا اور گھڑی دیکھی۔ لاکر کی کھولنے کی کوشش کو دس منٹ ہو چکے تھے۔ اب میں نے سیف ایریا میں موجود کیمروں کے ریکارڈنگ بکس کو کھولا اور اس میں چار عدد ویڈیو کیسٹس تھیں۔ ان میں بینک میں موجود پانچوں کیمروں کی ریکارڈنگ محفوظ ہو رہی تھی۔

شہلا نے کہا۔

''ان کیسٹوں کو نکال لو۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں نے وہاں موجود واحد مانیٹر کی طرف دیکھا پانچوں کیمروں کو اسی سے دیکھا جاتا تھا اس کی اسکرین چار حصوں میں بٹی ہوئی تھی اور چار کیمروں کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ان میں ایک منظر بینک کے باہر کا بھی تھا۔ یہ وائیڈ لینس کیمرا تھا جو خاصے بڑے رقبے کو کور کر رہا تھا اور اس سے سڑک کے پار تک کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''اتنی عجلت کی ضرورت نہیں ہے ہم جاتے ہوئے یہ کیسٹس لے جائیں گے۔''

شہلا کسی قدر مضطرب ہوگئی۔ ''نہیں ان کو ابھی ضائع کر دینا مناسب ہوگا اگر کسی وجہ سے یہ رہ گئیں تو ہم سب پھنسیں گے۔''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کس وجہ سے رہ جائیں گی؟''

اس نے لاپروائی سے امریکن انداز میں شانے اچکائے۔ ''حالات کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ کب کیا رخ اختیار کر جائیں؟''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ حالات واقعی کب کیا رخ اختیار کر جائیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس لیے فی الحال کیمروں کو اپنا کام کرنے دو۔''

اس نے اچٹتے انداز میں دیوار پر لگی ڈیجیٹل کلاک کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے لاکر کھلنے والا ہوگا؟''

''تم فکر مت کرو وہ جیسے ہی کھلا ہمیں پتا چل جائے گا۔''

پندرہ منٹ ہو چکے تھے اور میرا بھی یہی خیال تھا کہ شاید کچھ ہی وقت باقی رہ گیا ہے۔ میں وسیم سے معلوم کرنے جا رہا تھا کہ اب کتنی دیر کا کام باقی ہے کہ عبداللہ کی مضطرب آواز آئی۔ ''شہباز صاحب باہر گڑبڑ ہے۔''

''کیا ہوا؟'' میں نے تیزی سے ریڈیو پر انگلی رکھ کر کہا۔

''میری ایک گاڑی کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ ایک مشکوک گاڑی گزر کر بینک کی طرف آ رہی ہے اور اس میں مسلح افراد موجود ہیں۔''

''چیک کرو اور کسی بھی صورتِ حال میں آسرا مت کرنا ممکن ہے آنے والے قاتلانہ عزائم کے ساتھ آ رہے ہوں۔''

شہلا میری سن رہی تھی اس کے کان سے ریڈیو لگا ہوا تھا۔ اس ریڈیو کا مائیک مستقل آن کر دیا گیا تھا اسی وجہ سے ہمیں شہلا اور شاہد منظور کی گفتگو مستقل سنائی دے رہی تھی۔ اس کا چہرہ سفید ہو گیا۔ ''شہباز یہ کون لوگ ہیں؟''

''کیا کہہ سکتے ہیں کہ انہیں کس نے یہاں کے بارے میں بتایا ہے۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔ لاکر روم میں ریڈیو کام نہیں کر رہا تھا اور دوسرے وہاں شور بہت تھا اگر ریڈیو کام کر رہا ہوتا تب بھی وسیم کو اطلاع نہ ملتی۔ میں نے دروازہ کھولا اور وسیم سے پوچھا۔ ''کتنا کام رہ گیا ہے؟''

''تقریباً پانچ منٹ کا۔'' اس نے کہا اور میری صورت سے بھانپ گیا۔ ''باہر سب ٹھیک ہے نا؟''

''نہیں عبداللہ نے بتایا مسلح افراد سے بھری ایک گاڑی بینک کی طرف آ رہی ہے۔''

اسی لمحے باہر سے ایک فائر کی آواز سنائی دی۔ یہ رائفل کا فائر تھا۔ میں نے عبداللہ سے پوچھا۔ ''فائر کس نے کیا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''میرے ایک ساتھی نے..... گاڑی والے ہماری طرف آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک گاڑی اور آرہی ہے اور اس میں بھی مسلح افراد ہیں۔''

''اپنے تمام آدمیوں کو بینک کی طرف بلالو اور انہیں ہر قیمت پر اس طرف آنے سے روکو۔ یہ ہمارے فرار کا راستہ نہ روکنے پائیں۔''

''میں یہی کر رہا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا اور اس کا آخری لفظ ایک تیز برسٹ کے شور میں گم گیا۔ اس کے فوراً بعد قیامت خیز فائرنگ شروع ہوگئی۔ آنے والے بھی پوری طرح مسلح تھے اور ان کے عزائم خطرناک تھے۔ بینک کے باہر موجود عبداللہ کے ساتھی اندر آگئے تھے اور انہوں نے یہاں مورچہ سنبھال لیا تھا۔ اسی لمحے بینک کا بیرونی شیشے کا دروازہ گولیوں کی زد میں آکر کرچی کرچی ہوگیا۔ میں نے چلا کر عبداللہ سے کہا۔

''وہ لوگ یہاں تک آگئے ہیں۔''

''نہیں وہ سڑک کے پار ایک گلی میں ہیں اور وہاں سے نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''دوسری گاڑی کہاں ہے؟''

''وہ بائیں طرف ایک گلی میں رکی ہے اور اس میں آنے والے کونے سے فائرنگ کر رہے ہیں۔''

''اپنے آدمیوں کو سمیٹ لو اور انہیں روکنے اور اپنا راستہ صاف رکھنے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا۔ وسیم میرے پاس آگیا تھا اس نے کہا۔

''یہ مصیبت کہاں سے آگئی یقیناً اس نے کوئی چکر چلایا ہے۔'' اس نے شہلا کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ بکواس ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔''

''شہلا اگر بعد میں یہ ثابت ہوگیا کہ تم نے یہ کام کیا ہے تو مجھ سے کسی رحم کی توقع مت رکھنا۔'' میں نے اسے خبردار کیا اور وسیم کو اس پر نظر رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بینک کے ہال میں آیا۔ جہاں عبداللہ کے تینوں آدمیوں نے مورچہ سنبھال رکھا تھا لیکن وہ فائرنگ سے گریز کر رہے تھے کیونکہ درمیان میں ہمارے لوگ بھی تھے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ دشمن کس پوزیشن پر ہے اور جب ہم یہاں سے نکلنے والے ہوں گے تو وہ ہمیں روکنے کے لیے کیا کر سکتا ہے۔

تاریکی میں واضح پتا نہیں چل رہا تھا لیکن سڑک کے پار کوئی سو گز کی دوری پر ایک بڑی گاڑی کے ساتھ چند افراد حرکت کر رہے تھے اور ان کی طرف سے شعلے سے چمک رہے تھے وہ عبداللہ کی گاڑی کی طرف فائر کر رہے تھے اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت جواب دے رہا تھا لیکن منظر واضح نہیں تھا۔ مجھے بینک کے باہر لگے کیمرے کا خیال آیا اور میں سیف ایریا کی طرف پلٹ آیا۔ مانیٹر پر باہر والے کیمرے کو زوم کیا تو سڑک کے پاس کا منظر زیادہ واضح نظر آنے لگا۔ یہ ایک بڑی گاڑی تھی اور اس کے عقب میں کم سے چار افراد موجود تھے۔ ان کے پاس خودکار ہتھیار تھے۔ میں نے عبداللہ سے کسی نقصان کا پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''اب تک سب ٹھیک ہے میرا خیال ہے دشمن کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔''

مجھے تشویش ہونے لگی۔ ''ان کا انداز گھیرنے والا ہے جیسے یہ ہمیں یہاں روکنا چاہ رہے ہوں۔''

''مجھے بھی یہی لگ رہا ہے جناب۔'' عبداللہ بولا۔ ''اس لیے میں نے اپنے ساتھیوں کو پھیلا دیا ہے تاکہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فرار کی صورت میں زیادہ سے زیادہ جگہ مل سکے۔"

"پولیس پندرہ بیس منٹ میں پہنچ جائے گی ہمیں اس سے پہلے یہاں سے نکلنا ہوگا۔" میں نے کہا اور ایاز کو مخاطب کیا۔ "تمہاری کیا پوزیشن ہے؟"

"میری طرف کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "وہ یہاں سے دور ہیں۔"

"گڈ اس صورت میں تم نکلنے والوں کو کور دو گے۔" میں نے کہا اور لاکر روم میں جھانکا۔ عبداللہ کے آدمی نے مجھے دیکھ کر کہا۔

"شہباز صاحب کام ہو گیا ہے۔" اس نے برقی آری کو آخری بار چلایا اور لاکر کا بچ جانے والا حصہ بھی کاٹ دیا۔ لاکر کھل گیا تھا میں نے آگے آکر دیکھا۔ اس میں دو چیزیں تھیں ایک تو وہی چاندی جیسی دھات کا بنا ہوا بریف کیس تھا جو میں چین سے ساتھ لایا تھا اور یہ میرے پاس چینی حکومت کی امانت تھا۔ دوسرا ایک لیدر بریف کیس تھا اور یہ خاصا بڑا تھا میں نے دونوں کو باہر نکالا۔ ان کے علاوہ لاکر خالی تھا۔ میں نے باہر آتے ہوئے چرمی بریف کیس وسیم کی طرف اچھال دیا اور دھات والا اپنے پاس رکھا تھا۔

"اب نکلنے کی کرو۔" میں نے کہا اور عبداللہ سے کہا۔ "ہم باہر آرہے ہیں ہمیں کور دو۔"

"آپ میری طرف آئے گا۔" اس نے کہا۔

"وسیم اور تمہارے آدمی ایاز کی طرف جائیں گے۔" میں نے پلان بتایا۔ "میں بریف کیس تمہارے پاس لا رہا ہوں تم اسے کوٹھی لے جاؤ گے۔"

"او کے۔" عبداللہ بولا اور اس کے فوراً بعد باہر فائرنگ کا ایک تیز مرحلہ شروع ہوا۔ عبداللہ اور اس کے ساتھی بیک وقت فائرنگ کر کے آنے والوں کو دفاعی پوزیشن لینے پر مجبور کر رہے تھے تاکہ ہم باحفاظت بینک سے نکل سکیں۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

"ہمیں بہت تیزی سے نکلنا ہوگا۔ تم اور عبداللہ کے آدمی ایاز کی جیپ کی طرف جاؤ گے۔"

"اور آپ؟" اس نے پوچھا۔

"میں اور شہلا عبداللہ کی طرف جائیں گے وہ سڑک کے درمیان والے حصے میں ہے وہیں میری گاڑی ہے ہم اسی میں نکلیں گے۔"

لیکن اس سے پہلے ہم اپنے پلان پر عمل کرتے اچانک وہ ہوا جو ہم نے سوچا نہیں تھا۔ شہلا نے عبایا سے ایک عدد پستول نکال کر وسیم کے سر پر اس کی نال رکھ دی۔ وسیم نے اپنا پستول جیب میں رکھ لیا تھا اس نے ضرورت محسوس نہیں کی کہ اسے ہاتھ میں رکھے۔ ہم دونوں بلکہ تینوں ساکت اور ششدر رہ گئے تھے۔ شہلا کے پاس پستول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر یہ اس نے کہاں سے حاصل کیا۔ اس نے وسیم کی جیب سے اس کا پستول نکال لیا اور آہستہ سے بولی۔ "شہباز..... بریف کیس میرے ساتھ جائیں گے۔ اپنا پستول پھینک دو جلدی۔"

اس نے کہتے ہوئے وسیم کا پستول اس کی کمر سے لگا دیا۔ میں ہچکچایا تو اس نے پستول سختی سے لگاتے ہوئے کہا۔ "شہباز اپنے ساتھی کی زندگی سے مت کھیلو میں اسے شوٹ کر دوں گی۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شہلا کے لہجے سے لگ رہا تھا وہ اپنے کہے پر عمل کرے گی۔ اس وقت وہ بالکل بدلی ہوئی اور بہت ہوشیار نظر آ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے پستول میز کی طرف اچھال دیا۔ ''یہ لو..... لیکن تمہارا کیا خیال ہے تم نے باہر جو جال پھیلایا ہے اس سے خود بھی بچ کر نکل جاؤ گی۔''

''ہاں۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''میں نے داؤ کھیلا ہے اور مجھے یقین ہے اس بار بازی میرے ہاتھ میں رہے گی۔''

''باہر کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''فتح خان کے آدمی ہیں۔'' اس نے بلا جھجک کہا۔ ''میں نے اسے اطلاع دی ہے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اب واضح تھا۔ شاہد منظور کے بے ہوش ہونے کے بعد شہلا نے فائدہ اٹھایا۔ ''تم نے اس کے موبائل سے کال کی ہے؟''

شہلا نے سر ہلایا۔ ''ہاں اور یہ پستول بھی اس کا ہے۔''

میرا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لوں۔ مجھے ایک لمحے کو بھی خیال نہیں آیا کہ شاہد منظور سیکورٹی سپروائزر تھا اور اس کے پاس کوئی نہ کوئی ہتھیار ہونا لازمی تھا۔ اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا جب کہ شہلا میدان مار چکی تھی میں وسیم کی زندگی کا ذرا سا رسک بھی نہیں لے سکتا تھا۔ ''تمہارا فتح خان سے رابطہ تھا؟''

''ہاں ہم دشمن ہیں لیکن ایک مشترکہ مفاد کے لیے ایک ساتھ ہو گئے۔ مجھے یہ چیزیں درکار ہیں'' اس نے وسیم کے پاس موجود بریف کیس کی طرف اشارہ کیا۔ ''فتح خان تمہیں چاہتا ہے۔''

''لیکن یہاں سے کیسے نکلو گی؟''

''یہاں سے تم مجھے نکالو گے۔'' اس نے کہا اور وسیم سے بولی۔ ''میرے پاؤں سے یہ لعنتی چیز نکالو۔''

''ہرگز نہیں۔'' وسیم نے انکار کر دیا۔ ''اب تمہیں شاید ساری عمر اس کے ساتھ رہنا پڑے گا۔''

''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔'' وہ غرا کر بولی۔ ''کھولو اسے۔''

''وسیم کھول دو اسے۔'' میں نے وسیم سے کہا۔ مجبوراً اس نے نیچے بیٹھ کر شہلا کی پینٹ کا پائنچہ اوپر کیا اور بم کو کھولنے لگا۔ شہلا مضطرب ہو گئی۔

''یہ کیسے کھول رہے ہو؟''

''تو کیسے کھولو؟''

''تم نے کہا تھا کسی نے بم ایسے ہی اتارنے کی کوشش کی تو یہ پھٹ جائے گا۔''

''میں نے اسے ڈی ایکٹی ویٹ کر دیا ہے۔'' وسیم نے اسے یقین دلایا اور اسے بم کا نقلی ریموٹ دکھایا۔ ''دیکھو اب اس کی روشنیاں جل بجھ نہیں رہی ہیں۔''

شہلا کو یقین آ گیا ویسے بھی وسیم بم کے بالکل پاس بیٹھا اسے کھول رہا تھا اگر اس کے پھٹنے کا خطرہ ہوتا تو اس کے خیال میں وسیم کبھی اس کے اتنے نزدیک نہ آتا۔ وسیم نے تاروں کی پروا کیے بغیر بم کھول کر اتار دیا۔ وہ شہلا کے پاؤں سے نکلا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ ہماری طرف سے پوری طرح ہوشیار تھی۔ اس دوران میں عبداللہ نے پوچھا۔ ''جناب آپ باہر کیوں نہیں آ رہے ہیں ہم زیادہ دیر تک ان کو نہیں روک سکتے ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''یار مسئلہ ہو گیا ہے شہلا نے ہم پر قابو پا لیا ہے اور باہر اسی کے بلائے فتح خان کے آدمی موجود ہیں۔'' میں نے کہا تو عبداللہ بھی ششدر رہ گیا تھا۔

''یہ کیسے ہوا؟''

''بس یار اپنی زندگی میں اس قسم کے اَپ ڈاؤن آتے رہتے ہیں ابھی کچھ دیر پہلے تک یہ ہمارے قابو میں تھی اور میری ذرا سی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس نے پانسا پلٹ دیا ہے اب ہم اس کے قابو میں ہیں۔''

شہلا سب سن رہی تھی اس نے مجھ سے کہا۔ ''کوئی گاڑی منگواؤ تم میرے ساتھ جاؤ گے۔''

میں نے عبداللہ سے گاڑی کا کہا اس نے جواب دیا۔ ''میں اپنی ایک گاڑی بھیج رہا ہوں۔ آپ اس میں نکلیں اس کے بعد ہم بھی یہاں سے نکلیں گے۔''

وسیم نے کیمرے والے کیسٹس نکالیں اور عبداللہ کے آدمی کو تھما دیں یہ ہمارے ساتھ جاتیں۔ ہم سب نے دستانے پہن رکھے تھے اس لیے انگلیوں کے نشانات نہیں چھوڑے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ شہلا کی دلچسپی صرف پروفیسر نفیس والے چرمی بریف کیس سے تھی اس نے دھاتی بریف کیس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ہم باہر آئے جہاں عبداللہ کے ساتھی بھی فتح خان کے آدمیوں کو دفاعی پوزیشن میں رکھنے کے لیے کارروائی میں حصہ لے رہے تھے۔ ریڈیو کی وجہ سے ان کو بھی پتا چل گیا۔ شہلا وسیم کی اوٹ میں تھی۔ یہ اس کے لیے آخری موقع والی بات تھی اس لیے وہ پوری طرح چوکنا تھی۔ اس نے پستول عین وسیم کی پشت پر رکھا تھا اور دوسرا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ایک لمحے میں گولی چلانے کے لیے تیار تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''تم باہر اس طرح آرام سے نہیں جا سکو گی۔ تمہارے بلائے لوگ اندھا دھند فائرنگ کر رہے ہیں اور میرا خیال ہے انہیں تمہاری پروا بھی نہیں ہو گی۔''

''بلا چالاک تھی میری بات سمجھ گئی۔ ''تم فکر مت کرو بس یہ سوچو کہ اگر مجھ پر قابو پانے کی کوشش کی تو میں وسیم کو لازمی شوٹ کر دوں گی۔''

''وسیم نہیں جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارے ساتھ صرف میں جاؤں گا۔''

''نہیں یہ مجھے لے جائے۔'' وسیم تیزی سے بولا۔

''سوری میرے ساتھ شہباز ہی جائے گا۔'' شہلا نے انکار کیا ''ہاں لیکن گاڑی تک میں اسے ہی ڈھال بنا کر لے جاؤں گی۔''

''جناب گاڑی بینک کے سامنے آ گئی ہے۔'' عبداللہ نے کہا میں نے ذرا جھانک کر دیکھا۔ اے ٹی ایم والے حصے کے بالکل سامنے گاڑی موجود تھی ڈرائیور اسے فٹ پاتھ سے اوپر چڑھا لایا تھا۔ میں نے گارڈز کی وردیوں میں موجود ساتھیوں سے کہا۔ ''تم لوگ یہاں سے نکلو۔''

وہ ایک ایک کر کے نکلے اور دوڑتے ہوئے بینک کے ساتھ والی گلی میں چلے گئے یہ حصہ کسی قدر محفوظ تھا۔ اب ہال میں میرے ساتھ صرف وسیم اور شہلا رہ گئے تھے۔ میں نے شہلا سے کہا۔ ''یہاں سے نکلنا ہے گاڑی آ گئی ہے۔''

''شاہد منظور کو کہاں قید کیا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وسیم نے ہال کے کونے میں موجود واش روم کی طرف اشارہ کیا تو وہ وسیم کو آڑ بنائے ہوئے بینک میں واش روم تک گئی اس کا دروازہ کھولا۔ شاہد منظور اور دوسرے گارڈز بے ہوش پڑے تھے۔ شہلا کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی شاہد منظور کو شوٹ کر دیا۔ گولی اس کے سر میں لگی تھی اور وہ بے ہوشی میں ذرا سا تڑپ کر ساکت ہو گیا۔ میں اور وسیم دم بخود رہ گئے۔ میں چلایا۔ ''یہ کیا کیا تم نے؟''

''میں نے وہ کیا جو میری مرضی ہے۔'' وہ سکون سے بولی۔ ''میں اسے زندہ چھوڑنے کا خطرہ نہیں لے سکتی تھی اس نے مجھے بہت قریب سے دیکھا ہوا ہے۔'' اس نے دروازہ بند کر دیا۔

اس وقت ہم شہلا کے سامنے مجبور تھے۔ میں نے سوچا نہیں تھا کہ وہ عین موقع پر تڑپ کا پتا پھینک کر بازی اپنے نام کر لے گی۔ پہلے میں نکلا اور دوڑ کر گاڑی میں گھس گیا۔ عبداللہ کا آدمی اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یہ پرانے ماڈل کی لگژری کار تھی لیکن بہت اچھی حالت میں تھی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور شہلا سے کہا۔ ''آجاؤ تم دونوں۔''

شہلا وسیم کی آڑ میں باہر نکلی۔ عبداللہ اور اس کے آدمیوں نے نہایت مہارت سے حملہ آوروں کو الجھا رکھا تھا اور وہ اب اس طرف فائرنگ نہیں کر پا رہے تھے اس وجہ سے ہمیں اور دوسرے لوگوں کو بینک سے آسانی سے نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ کار کے پاس آتے ہی شہلا وسیم سے الگ ہوئی اور تیزی سے فرنٹ سیٹ پر آ گئی۔ چرمی بیگ اس نے وسیم سے فرنٹ سیٹ کے سامنے رکھوا دیا تھا۔ میں نے دھاتی بریف کیس وسیم کے حوالے کرنا چاہا کہ شہلا نے کہا۔ ''نہیں یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔''

''شہلا یہ تمہارے کام کی چیز نہیں ہے۔'' میں نے کہنا چاہا تو اس نے پستول میری پسلی سے لگا دیا۔

''یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔ ناؤ گو۔''

شہلا کا انداز بتا رہا تھا وہ اس وقت ہماری کوئی بات نہیں سنے گی اور اگر ہم نے اس کی بات نہ مانی تو وہ سچ مچ گولی چلا دے گی۔ مجبوراً میں نے وسیم سے کہا۔ ''تم جاؤ۔''

''گاڑی چلاؤ اور اپنے آدمیوں سے کہنا ہمارے پیچھے آنے کی کوشش نہ کریں۔'' شہلا نے اگلا حکم دیا۔ اس نے سیٹ بیلٹ باندھ لی تھی اور فی الحال پوری طرح مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ حد یہ کہ اس نے دونوں بریف کیس بھی لاپروائی سے اپنے قدموں میں ڈال دیئے تھے۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے ریورس کر کے سڑک پر لایا۔ جیسے ہی گاڑی سڑک پر آئی دوسری طرف سے فائرنگ ہوئی تھی۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا لیکن وہ عبداللہ والی گاڑی تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے اسٹیئرنگ کاٹتے ہوئے گاڑی کو گھمایا اور پھر ایکسلریٹر دبا دیا۔ گاڑی کا پک اَپ بہت اچھا تھا اور وہ گولی کی طرح نکلی۔ جیسے ہی ہم خطرے کی حد سے ذرا باہر آئے شہلا نے میرے اور اپنے کان سے ہیڈ سیٹ کھینچا اور پلاسٹک گاڑی سے باہر پھینک دیا۔ پھر اس نے میری تلاشی لی اور موبائل نکال لیا۔ آخر میں اس نے ہاتھ پھیر کر اطمینان کیا کہ میرے پاس اور کوئی ہتھیار تو نہیں ہے۔

''شہباز رفتار تیز کرو اور آگے آنے والے راؤنڈ اباؤٹ سے دائیں طرف مڑ جانا۔''

''اور کوئی حکم۔'' میں نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

شہلا عقبی آئینے پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ ''میرا خیال ہے تمہارے آدمی ہمارے پیچھے ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ظاہر ہے وہ اتنی آسانی سے تو تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تم نے واقعی ذہانت کا ثبوت دیا۔ تمہیں معلوم تھا کہ شاہد منظور مسلح ہوتا ہے لیکن تم نے اس بارے میں بھاپ بھی نہیں نکالی اور اس کے موبائل فون کا ہمیں خیال نہیں آیا۔ تم نے اس سے فائدہ اٹھالیا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کون سی بات؟''

''یہی کہ فتح خان سے یہ تمہارا اچانک تعلق کہاں سے نکل آیا؟''

''اچانک تو نہیں نکلا پرانا ہے۔''

''میرا مطلب ہے کہ جب تم میرے قبضے میں آئیں تو تمہاری اور اس کی دشمنی تھی۔''

''وہ بلف تھا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''فتح خان اور میرے درمیان دشمنی والا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔''

''تب ہی اس نے تمہیں اتنی آسانی چارے کی طرح میرے سامنے ڈال دیا۔'' میں نے طنز کیا۔ ''مس شہلا اگر تم مجھے اصل بات نہیں بتانا چاہتی ہو تو میں اس وقت تمہیں مجبور کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن مجھے بے وقوف مت بناؤ۔''

''تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''یہی کہ تم نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی ہے۔ ادھر تم مجھے اور ان بریف کیسوں کو فتح خان کے حوالے کرو گی اور ادھر تمہاری اور میری حیثیت میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔''

''تمہارے خیال میں، میں اتنی بے وقوف ہوں کہ یہ معمولی سی بات میری سمجھ میں نہیں آئے گی میں نے کب کہا کہ میں فتح خان پر بھروسہ کرتی ہوں۔ میں اس پر ایک روپے کا بھروسہ نہیں کر سکتی۔''

''پھر تم مجھے اور اس سامان کو اس کے پاس کیوں لے جا رہی ہو؟''

وہ بولی تو اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ''کیونکہ مجھے یقین ہے وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا ہے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ فتح خان کسی لحاظ سے تمہارے سامنے مجبور ہے۔''

''مجبور نہیں ہے اب ہم دونوں برابر ہیں۔''

''کیا تم بھول گئی ہو کہ اس نے اور اس کے آدمیوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟'' میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔

''وہ ماضی کی بات ہو گئی ہے اور فتح خان کے جس آدمی نے میرے ساتھ بدسلوکی کی تھی اسے میں نے اپنے ہاتھ سے مار دیا۔''

''فتح خان کا حساب کتاب؟''

''وہ میں بعد میں کبھی لوں گی۔'' اس نے مبہم انداز میں کہتے ہوئے عقبی آئینے میں دیکھا۔ میں نے اس کی بتائی چورنگی سے کار دائیں طرف گھمالی۔ کار کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ یہ چوری کی ہو گی۔ عبداللہ اپنی کوئی کار اس طرح شہلا کے حوالے نہیں کر سکتا اس منصوبے کے لیے اس نے یقیناً گاڑیاں اٹھائی ہوں گی۔ یا اپنی گاڑیوں پر جعلی نمبر پلیٹ لگائی ہوں گی۔ میں گھوما تو ایک گاڑی بدستور پیچھے لگی رہی۔ یہ کوئی بڑی گاڑی تھی کیونکہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کی ہیڈ لائٹس اونچی تھیں۔ ممکنہ طور پر کوئی ہائی ایس تھی یا اسٹیشن ویگن تھی۔ پہلے واکس ہال کی اس قسم کی وین نظر آتی تھیں اور یہ بڑی زبردست وین ہوتی تھی لیکن پھر یہ ماڈل آنا بند ہو گیا۔ مگر اب بھی راولپنڈی اور آس پاس کے دیہاتی علاقوں میں یہ نظر آتی ہے۔

''یہ میرا کوئی آدمی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے پاس اس قسم کی کوئی گاڑی نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''اس میں فتح خان کے آدمی ہیں۔''

فتح خان کا نام سن کر میں کسی قدر بے چین ہو گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''شہلا تم اور فتح خان دونوں کو میں نے کبھی دشمن نہیں سمجھا ہاں تمہاری طرف سے محتاط ضرور رہا لیکن تمہارے خلاف از خود کوئی کارروائی نہیں کی ہمیشہ اپنا دفاع کیا۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ مجھے اس دہاتی بریف کیس سمیت جانے دو۔ اس کے بعد میرا اور تمہارا کبھی سامنا نہیں ہو گا اور یہی ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ ''سچ کہوں تو یہی خیال میرا بھی ہے تم سے الجھنا کسی صورت ہمارے مفاد میں نہیں ہے لیکن فتح خان کا خیال کچھ اور ہے۔''

''تم مجھے جانے کی اجازت دے سکتی ہو اور بعد میں فتح خان سے کہہ سکتی ہو کہ میں فرار ہو گیا۔''

''میں کہہ سکتی ہوں لیکن اب اس کا فائدہ نہیں ہے۔'' اس نے عقب میں آتی گاڑی کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔ ''فتح خان یا اس کے آدمی پوری طرح ہمیں نظر میں رکھے ہوئے ہیں۔''

''اگر تم موقع دو تو.....''

''نہیں شہباز، اب وقت نہیں ہے اور میں کامیابی کے اتنے قریب آ کر ناکامی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی ہوں۔'' اس نے پستول میری طرف سیدھا کر لیا۔ ''کار روک دو۔''

میں نے کار کی رفتار سست نہیں کی تھی۔ ''اگر میں نہ روکوں تو؟''

''تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گی اس سے حادثے کا امکان ہو گا لیکن میں اسٹیئرنگ فوراً قابو میں کر کے حادثے کو جان لیوا ہونے سے بچا سکتی ہوں لیکن تم یقینی طور پر اپنی جان سے جاؤ گے۔ میں کہہ چکی ہوں کامیابی کے اتنے پاس آ کر میں ناکامی کا ذرا سا بھی خطرہ مول نہیں لوں گی۔ اس کے لیے میں اتنے دن تمہاری قید میں صبر سے رہی ہوں۔ مجھے امید ہے تم بھی صبر سے کام لو گے۔ ناؤ اسٹاپ دی کار۔'' اس کا لہجہ فیصلہ کن ہو گیا۔ مجبوراً مجھے کار کی بریک پر دباؤ ڈالنا پڑا۔

شہلا اتنے دنوں سے ہماری قید میں تھی اور میں نے اس کا بغور مشاہدہ کیا تھا۔ وہ مجھے ذہین اور چالاک لگی تھی لیکن بس ایک حد تک، میرا خیال تھا کہ اس میں کمانڈ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ حالات کو اپنے قابو میں نہیں لے سکتی تھی لیکن گزشتہ آدھے گھنٹہ میں اس نے میرے خیال کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ وہ اس وقت بالکل بدلی ہوئی شہلا لگ رہی تھی جس کے انداز میں ایک فیصد ہچکچاہٹ بھی نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا کہ کس صورتِ حال میں اس کا ردِعمل کیا ہو گا۔ کار رکتے ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر اگنیشن سے چابی نکال لی اور مجھے حکم دیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھو۔''

میں نے ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ لیے۔ اس دوران میں عقب سے آنے والی گاڑی آکر ہمارے پیچھے رک گئی اور اس میں سے دو افراد اتر کر آگے آئے۔ سردی کی مناسبت سے انہوں نے جیکٹیں اور اونی ٹوپے پہن رکھے تھے اور نیم تاریکی میں ان کی صورتیں واضح نظر نہیں آرہی تھیں لیکن ایک شخص کے بارے میں مجھے شبہ ہوا کہ وہ فتح خان تھا۔ میرا شبہ درست ثابت ہوا اور جلد ہی اس کی منحوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''شہباز خانا۔'' اس نے کھڑکی کے پاس جھکتے ہوئے کہا۔ ''تم کو دیکھ کر کتنا خوشی ہورہی ہے۔ یارا نیچے تو آؤ۔''

میں نیچے اتر آیا اور سکون سے کہا۔ ''خدا نہ کرے جو میں تمہارا یار ہوں اس کے بجائے میں کسی کتے کا یار بننا پسند کروں گا۔''

فتح خان کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور وہ کسی قدر مختلف لگ رہا تھا لیکن میری بات پر اس کی صورت کے بگڑتے زاویے صاف محسوس ہوئے تھے۔ اس نے چہکنا موقوف کیا اور سرد لہجے میں بولا۔ ''شہباز خان اب تمہارا مہلت ختم ہوگیا ہے۔''

''اچھا۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''کیا تم نے ملک الموت کا کام سنبھال لیا ہے اور دوسروں کی مہلت طے کرنے لگے ہو۔''

''تم بہت بولنے لگا ہے۔'' اس بار فتح خان جھنجھلا گیا۔

''یہ تو میری شروع سے عادت رہی ہے۔'' میں ہنسا۔ اس دوران میں شہلا دونوں بریف کیس سنبھالے نیچے اتر آئی اور اس نے فتح خان سے کہا۔

''تم وقت ضائع کررہے ہو اس کے ساتھی اس علاقے میں موجود ہیں۔''

''فکر مت کرو۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ ''وہ پیچھے آنے کے قابل نہیں رہا ہے۔''

میرا دل دھڑک اٹھا۔ ''فتح خان تم نے کیا کیا ہے؟''

میری پریشانی پر وہ مسکرایا۔ ''اچھا کیا ہے پروامت کرو کوئی مرا نہیں ہے۔ میرے آدمیوں نے راستے میں گوکھرو ڈال دیئے تھے گوکھرو سمجھتے ہو نا؟''

''وہ گولی جس پر چاروں طرف کانٹے نکلے ہوتے ہیں؟'' میں نے کہا تو اس نے سر ہلایا۔

''وہی وہی۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تمام گاڑی فلیٹ ہوگیا اور ایک الٹ بھی گیا لیکن امید ہے کسی کو نقصان نہیں ہوگا۔''

''فتح خان۔'' اس بار شہلا تیز لہجے میں بولی۔ ''چلو یہاں سے باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔''

''چلو شہباز خانا۔'' فتح خان نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا میرا اندازہ درست نکلا تھا یہ ایک وین تھی جو کسی کو چھپا کر لے جانے کے لیے نہایت موزوں گاڑی ہے۔ گاڑی میں ایک ڈرائیور بھی تھا۔ فتح خان کے ساتھ اترنے والا دوسرا آدمی آگے ڈرائیور کے ساتھ جا بیٹھا۔ جب کہ فتح خان، میں اور شہلا پچھلے حصے میں آئے تھے۔ یہاں بڑی شاہانہ قسم کی صوفہ نما سیٹیں تھیں۔ شہلا اور فتح خان ایک سیٹ پر بیٹھ گئے اور مجھے ان کے سامنے بیٹھنا پڑا تھا۔ اس وقت شہلا اور فتح خان دونوں برابر ہی لگ رہے تھے اگرچہ انہوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہمارے بیٹھتے ہی ایلا ہوگئی تھی۔ میں نے گہری سانس لی۔

"فتح خان یہ سب کیا ہے؟"

"تمہارے سامنے ہے۔" وہ بولا۔

"میرے اور تمہارے درمیان طے ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے کاموں میں مداخلت نہیں کریں گے

"ہوا تو تھا۔" اس نے داڑھی کھجائی۔ "لیکن ادھر یہ بینک والا معاملہ درمیان میں آ گیا اس لیے مداخلت کرنا پڑا۔"

"اس میں سے ایک بریف کیس پروفیسر نفیس نے مجھ سے حاصل کیا تھا اور یہ میرے پاس کسی کی امانت ہے۔ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔"

"یہ دیکھنا ہمارا کام ہے۔" شہلا اب بہت نپا تلا بول رہی تھی اس نے پستول بدستور ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ پھر اس نے میرا موبائل نکال کر اس پر عبداللہ کا نمبر ملایا اور موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ "اپنے آدمی کو بتا دو کہ تم ٹھیک ہو اور چند دن میں واپس آ جاؤ گے اس لیے تمہیں تلاش کرنے میں بلا وجہ اپنی توانائیاں ضائع نہ کریں۔"

"ہاں اپنا توانائی مرشد کے لیے بچا کر رکھے۔" شہباز خان نے دانت نکالے۔ "تم ہمارے پاس آرام سے رہے گا۔"

اس دوران میں رابطہ ہو گیا تھا اور میرا نمبر دیکھ کر عبداللہ بے تابی سے ہیلو ہیلو کر رہا تھا۔ "عبداللہ میں بات کر رہا ہوں۔"

"شہباز صاحب آپ کہاں ہیں ہم سب آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"میں ٹھیک ہوں لیکن فی الحال تمہارے پاس نہیں آ سکتا۔" میں نے کہا۔ "تم سب ٹھیک ہو کسی کو نقصان تو نہیں ہوا؟"

"ان حرامزادوں نے کیلیں بچھائی تھیں ہماری تمام گاڑیوں کے ٹائر فلیٹ ہو گئے اور یہ نکل جانے میں کامیاب رہے۔ پولیس آ گئی تھی اس لیے ہم پیدل منتشر ہو کر آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"بے کار ہے میں تم سے دور فتح خان کی قید میں ہوں اب تم لوگ گھر جاؤ اور کوئی جذباتی حرکت نہ کرنا۔"

شہلا نے ہاتھ بڑھا کر موبائل چھین لیا۔ اسے آف کر کے اپنے لباس میں رکھ لیا اور بولی۔ "تم نے بالکل ٹھیک طرح سے بات کی ہے۔"

"تم دونوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے اب مجھے اس طرح قید کر کے لے جانے کا جواز کیا ہے؟"

"جواز ہے۔" فتح خان پُر خیال انداز میں بولا۔ "ابھی نہیں لیکن جلد تم کو پتا چل جائے گا۔"

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ "فتح خان ممکن ہے تمہارے دماغ میں وہی ہیروں والا کیڑا کلبلا رہا ہو لیکن میں بتا دوں میرا اس حماقت میں حصہ لینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"بات تمہارے ارادے کا نہیں ہے۔"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''تمہارا مطلب ہے کہ میں اس وقت تمہارے قبضے میں ہوں اس لیے تم جو چاہو گے مجھ سے منوا لو گے؟''

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔'' شہلا بولی۔ ''فی الحال تم اتنا سمجھ لو کہ تم ہماری قید میں ہو اور تمہیں اس وقت کوئی نقصان نہیں ہوگا جب تک تم خود کچھ غلط نہ کرو۔''

''مثلاً میں کیا غلط کر سکتا ہوں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''اگر میں تم پر عاشق ہو جاؤں تو کیا تم اسے بھی غلطی شمار کرو گی؟''

شہلا مسکرائی۔ ''اسے میں غلطی نہیں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم فرار کی کوئی کوشش نہیں کرو گے۔''

شہلا کی بات پر فتح خان کا رنگ بدلا تھا۔ شاید اسے شہلا کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ میں شہلا سے کہنے جا رہا تھا کہ وہ جس بات کو اپنی خوش قسمتی سمجھ رہی ہے میں اسے اپنی بدترین بدنصیبی سمجھوں گا لیکن فتح خان کے تاثرات دیکھنے کے بعد میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ وین کے عقبی حصے سے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ ہم کہاں جا رہے تھے اور کس علاقے میں تھے۔ ذرا سی دیر کے سفر میں وین نے کئی موڑ کاٹے تھے اور دائیں بائیں گھومتی رہی تھی۔ ایک گھنٹے میں حالات بدل گئے تھے۔ شہلا جو میری قیدی تھی اب وہ آزاد تھی اور میں اس کا قیدی تھا یہی نہیں میں اس کے سامان پر قبضے کی فکر میں تھا اور اب میرا بریف کیس بھی اس کے پاس جا چکا تھا۔

''شہلا جب تمہارے پاس مکمل پلان تھا تو تم نے فتح خان کی مدد سے اپنا کام کیوں نہیں کر لیا؟''

''اس نے مجھ سے کہا تھا لیکن میں نے سوچا جو کام تم سے لیا جا سکتا ہے اس کے لیے خود کچھ کرنے کا کیا ضرورت ہے؟'' فتح خان نے سیٹ پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا سارا کام تم نے کیا اور چیزیں ہمارا قبضے میں آ گیا۔''

''تمہیں ان چیزوں سے کیا دلچسپی ہے۔'' میں نے حیرت سے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''میں نے تمہیں بلیک میلر نہیں پایا۔''

''مجھ کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''یہ سارا مال شہلا کا ہے۔''

اس کا مطلب تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی معاہدہ ہوا تھا اور اب میری سمجھ میں آیا کہ فتح خان شہلا کو کیوں تلاش کروا رہا تھا اور میری قید سے نکالنے کے بوسونگھنے والے کتے تک کی خدمات حاصل کی تھیں۔ فتح خان کے بارے میں مجھے سو فیصد یقین تھا اس کا مطمع نظر وہ کروڑوں ڈالرز مالیت کے ہیرے تھے جو برٹ شانے کہیں چھپائے تھے۔ یہ معمولی چیزیں اس کا مقصد نہیں ہو سکتی تھیں۔ اسی مقصد کے لیے وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میرے چکر میں اس کا کزن مارا گیا تھا اور وہ مرشد سے انتقام لینے پر اتر آیا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''مرشد سے تمہارا انتقام کہاں تک پہنچا۔ تم نے اس کی ایک کیمیکل فیکٹری برباد کر دی تھی؟''

وہ خفیف سا مسکرایا۔ ''اس کے بعد مرشد کو اپنے ایک کیمیکل فارم کا نقصان بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ نہ معلوم افراد نے وہاں موجود ملازموں کو باندھ کر تمام جانوروں کو زہر کے انجکشن لگا دیئے اور جاتے جاتے فارم کو بھی آگ لگا گئے۔ فارم میں کئی سو اعلیٰ درجے کی بھینسیں اور گائیں تھیں۔ ان کی مالیت بھی کروڑوں میں تھی۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''فتح خان کی اس حرکت کو تم کیا کہو گی یہ بھی مرشد کو براہِ راست کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا ہے۔''

''فتح خان بھی پتوں اور شاخوں پر وار کر رہا ہے۔'' اس نے اپنے بڑے ہوئے ناخنوں کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ سب معمولی اور عارضی نقصان ہیں مرشد انہیں آرام سے پورا کر سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے ایسا نقصان دیا جائے جس کی وہ تلافی نہ کر سکے۔''

''یعنی اس کی ذات کو نقصان؟''

''بالکل میں نے کہا نا مرشد کے نزدیک اس کی ذات کے علاوہ اور کسی چیز کی اہمیت نہیں ہے۔''

شہلا ٹھیک کہتا ہے۔'' فتح خان بولا۔ ''ہم بھی اسے صرف جھٹکا دے رہا ہے۔ ابھی اس سے براہِ راست بدلہ لینے کا وقت نہیں آیا ہے۔ جب آئے گا تو یقین کرو مرشد کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

''یہ تو تم نے وہی بات کی کہ جب کسی شخص کے مرنے کا وقت آئے گا تو کوئی اسے بچا نہیں سکے گا۔'' میں ہنسا۔

فتح خان دھاتی بریف کیس کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے غالباً ایسی چیز پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ نمبروں سے کھلنے والا یہ بریف کیس بہت جدید ساخت کا تھا۔ فتح خان اس کے لاک کا نمبر چھیڑنے جا رہا تھا کہ میں نے جلدی سے کہا۔ ''کوئی بٹن دبانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ غلط نمبر ملانے کی صورت میں بریف کیس دھماکے سے پھٹ سکتا ہے۔''

فتح خان کا ہاتھ رک گیا اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تم فتح خان کو ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے؟''

''نہیں میں تمہیں بلا وجہ فوت ہونے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے خلوص سے کہا۔ ''میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ بریف کیس کس کا ہے لیکن جس کا بھی ہے اس کے لیے ایسا انتظام کرنا بالکل ممکن اور ضروری ہے کہ کوئی غلط طریقے سے اس بریف کیس کو کھولنے کی کوشش کرے تو یہ دھماکے سے تباہ ہو جائے اور ظاہر ہے جو اس کے آس پاس ہو گا وہ بھی مارا جائے گا۔''

خلاف توقع شہلا نے میری تائید کی۔ ''فتح خان یہ ٹھیک کہہ رہا ہے ہمیں کوئی اندھا قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔''

فتح خان نے برا سا منہ بنایا۔ ''یہ تم کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ بریف کیس اسی کا ہے اور یہ اس کے نمبر جانتا ہے۔''

''یہ اس کا نہیں ہے۔'' شہلا بولی۔ ''اس نے مجھے اس وقت بتایا تھا جب میں اس کی قید میں تھی اور اس وقت اسے مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔''

فتح خان نے شانے ہلائے اور بریف کیس واپس سیٹ پر رکھ دیا۔ ''جیسا تمہارا مرضی۔''

''ہم بعد میں آرام سے اسے چیک کر کے کھول سکتے ہیں۔'' شہلا نے کہا۔ ''میں ایک شخص کو جانتی ہوں جو اس قسم کی چیزوں کا ماہر ہے اور معاوضے پر کام کرتا ہے مجھے یقین ہے وہ اس بریف کیس کو کھول لے گا اس لیے عجلت دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فتح خان کا موڈ مزید خراب ہو گیا اور اس نے پشتو میں چلا کر اپنے آدمیوں کو گالی دی۔ ''تیز چلاؤ..... کیا مردار کی طرح ٹہلتا ہے۔''

حالانکہ وین ٹھیک رفتار سے جا رہی تھی مجھے نہیں معلوم تھا کہ فتح خان مجھے کہاں لے جا رہا تھا لیکن اس کا ٹھکانہ یقیناً کسی باقاعدہ آبادی میں ممکن نہیں تھا اس کا راول ڈیم سے آگے والا ٹھکانہ میں نے دیکھا تھا۔ جہاں سے اس نے مجھے بے ہوش کر کے حویلی پہنچا دیا تھا۔ اب وہ ٹھکانہ یقیناً فتح خان چھوڑ چکا تھا۔ وہ ان دنوں مرشد سے بھی بچتا پھر رہا تھا جو اسے اپنے قابو میں لینے کے لیے بے تاب تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد وین کو یوں جھٹکے لگنے لگے جیسے وہ کچے راستے پر آ گئی ہو اور یہ جھٹکے دار سفر تقریباً بیس منٹ جاری رہا تھا۔ پھر وین رک گئی۔ فتح خان کے دونوں آدمی نیچے اترے اور انہوں نے پیچھے کا سائیڈنگ ڈور کھولا۔ پہلے فتح خان نیچے اترا اور پھر اس نے مجھے نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے نیچے آیا۔ رات گہری تھی اور چاند بھی نہیں تھا لیکن آسمان بہت صاف تھا اور تاروں کی روشنی کسی حد تک تاریکی دور کر رہی تھی۔

یہ کسی جنگل کا ایک حصہ تھا۔ چاروں طرف سفیدے کے دیو قامت اور گھنے درخت تھے۔ عام طور سے سفیدے کے درخت اونچے تو بہت ہو جاتے ہیں لیکن یہ ایک خاص حد سے زیادہ گھنے نہیں ہوتے ہیں لیکن یہاں موجود درخت خاصے گھنے تھے۔ انہوں نے اس خالی جگہ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا جس کے درمیان میں پتھر اور لکڑی سے بنی یہ چھوٹی سی عمارت تھی۔ اس کی بنیادیں اور دیواریں پتھروں کی بنی تھیں جب کہ چھت لکڑی کی تھی۔ چاروں طرف خالی زمین تھی اور پھر پتھر سے بنایا ہوا ایک پانچ فٹ اونچا احاطہ تھا جس میں گیٹ نہیں تھا اور آنے جانے کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ عمارت بہ ظاہر ویران نظر آ رہا تھا۔

فتح خان کے ایک آدمی نے عمارت کے واحد دروازے پر لگا ہوا تالا کھولا اور اندر چلا گیا فوراً ہی اندر روشنی نظر آنے لگی۔ یہاں بجلی نہیں تھی اور یہ روشنی آگ کی تھی۔ فتح خان نے پستول نکال لیا اور مجھے اشارہ کیا تو میں بادلِ ناخواستہ اندر کی طرف بڑھا۔ پہلا کمرہ ایک نشست گاہ تھی جس میں پرانا مگر قابلِ استعمال صوفہ سیٹ پڑا تھا۔ فرش پر پرانا لیکن بہت دبیز قالین تھا۔ فتح خان کے آدمی نے دیوار پر لگا کیروسین لیمپ جلایا تھا اور وہ کمرے اور عمارت میں موجود دوسرے لیمپ بھی جلانے لگا۔ دوسرا آدمی باہر ہی رک گیا تھا۔ کچھ دیر میں شہلا بھی دونوں بریف کیس سنبھالے اندر آ گئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا تو سردی کا احساس کم ہوا تھا۔ فتح خان ایک صوفے پر براجمان ہو گیا۔ اس بڑی سی نشست گاہ سے آگے ایک گیلری نظر آ رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس جگہ دو تین کمرے اور ہوں گے۔ کیونکہ باہر سے یہ عمارت بہت بڑی نہیں لگ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے یہ تمہارا کوئی عارضی ٹھکانہ ہے؟'' میں نے کہا۔

''تم نے ٹھیک پہچانا۔'' فتح خان بولا۔ ''آج کل میں ان تمام جگہوں سے دور ہوں جن کے بارے میں مجھے ذرا سا شبہ ہے کہ مرشد ان کے بارے میں جانتا ہے۔''

''تمہارے خیال میں یہ جگہ محفوظ ہے؟''

''سو فیصد تو نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے جواب دیا۔ اس دوران میں شہلا دونوں بریف کیس لے کر اندر چلی گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ فتح خان کو ان دونوں بریف کیسوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ راستے میں اس

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے دھاتی بریف کیس کھولنے کی کوشش بھی اس لیے کی تھی کہ وہ اسے ذرا مختلف لگا تھا۔ یہ معاملہ اس نے کلی طور پر شہلا کے سپرد کر رکھا تھا۔ اس کا رویہ حیرت انگیز طور پر میری توقع کے بالکل خلاف اور شہلا کے کہے کے عین مطابق تھا۔ فتح خان کے آدمی نے مکان میں موجود آتش دان جلا دیئے تھے اور ان کی حرارت رفتہ رفتہ سردی کے احساس کو کم کر رہی تھی۔ فتح خان سکون سے بیٹھا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے فی الحال مجھے بھی فراموش کر دیا ہے۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

شہلا اور فتح خان کے اس غیر متوقع گٹھ جوڑ سے مجھے دھچکا لگا تھا۔ دشمن کے بارے میں میری ناقص معلومات اور اندازوں کا نتیجہ تھا کہ میں اس وقت اس کی قید میں تھا۔ مرشد اور ڈیوڈ شا کے مقابلے میں فتح خان اور اب شہلا کو میں ہمیشہ کمتر درجے کا حریف سمجھا تھا۔ یہی وجہ تھی ان سے میں اکثر مات کھا جاتا تھا۔ فتح خان ہر گزرتے دن زیادہ چالاک اور زیادہ خطرناک ہوتا جا رہا تھا۔ اگرچہ اس سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو جان کا خطرہ نہیں تھا لیکن اپنے مخصوص مفادات کی خاطر وہ ہمارے پیچھے ضرور تھا۔ پہلے اس نے میرے کسی ساتھی کو اٹھانے کی کوشش کی اور بالآخر مجھے اپنے قبضے میں لینے میں کامیاب رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھیوں کا کیا ردِعمل ہوگا۔ وہ بے چارے ایک بار پھر مجھے تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ میں نے ان کو منع کیا تھا لیکن مجھے معلوم تھا وہ اپنی کوشش سے باز نہیں آئیں گے۔ مجھے تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

''شہباز خان۔'' فتح خان نے اچانک کہا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ تم ایمن شا کو پاکستان بلاؤ گے۔''

''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ تم مجھ سے یہ کام کرا لو گے تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ مجھے ایمن شا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں میں عورتوں کے سہارے آگے بڑھنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''میں تو ہے۔'' اس نے گرامر کا بیڑا غرق کرتے ہوئے کہا۔ وہ اچھی خاصی اردو بولتے بولتے اچانک اس کی ٹانگ توڑ دیا کرتا تھا۔

''وہ تو شہلا سے اشتراک سے پتا چل رہا ہے لیکن فتح خان یاد رکھو دوسروں اور خاص طور سے عورتوں کے سہارے آگے بڑھنے والے کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ تمہیں اپنے زورِ بازو پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

''میں اپنے اوپر ہی بھروسہ کرتا ہے۔''

''غلط..... تم اصل میں کسی پر اعتماد نہیں کرتے ہو۔ اعتماد کرنا الگ بات ہے اور اپنے بازو پر بھروسہ کرنا الگ بات ہے۔'' میں نے تردید کی۔ ''ویسے کیا یہاں تمہارے صرف یہی دو ساتھی ہیں؟''

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن تم یہ مت سمجھنا کہ اس طرح تمہیں بھاگنے کا کوئی موقع ملے گا۔''

''میں ایسا کچھ نہیں سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن جب مجھے موقع ملے گا تو تم یا تمہارا پورا دستہ بھی مجھے نہیں روک سکے گا۔''

''تم درست کہہ رہے ہو۔'' عقب سے شہلا کی آواز آئی۔ ''لیکن مجھے امید ہے تم ایسی کوشش نہیں کرو گے شہباز۔ میرے ساتھ آؤ۔''

شہلا نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور وہ اس وقت سیاہ رنگ کی پینٹ اور اسی رنگ کی ہائی نیک اور پوری آستین کی گرم جرسی میں تھی لیکن یہ جرسی کھال کی طرح اس کے جسم پر فٹ تھی اور اس کے خدوخال کی پوری

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

وضاحت کر رہی تھی۔ فتح خان کی نظر اس پر جم کر رہ گئی تھی اور اس کا ساتھی بھی چور نظروں سے شہلا کا معائنہ کر رہا تھا مگر وہ ان کی نظروں سے بے نیاز لگ رہی تھی۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''کہاں جانا ہے؟''

''آؤ میرے ساتھ۔'' شہلا بولی اور مڑ کر اندر کی طرف جانے لگی۔

فتح خان شاید اس پر کوئی اعتراض کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے کیا نہیں۔ میں شہلا کے پیچھے اس چھوٹے سے لیکن فرنیچر سے آراستہ کمرے میں پہنچا۔ یہ سارا فرنیچر نیا اور بہترین قسم کا تھا۔ بیڈ روم سیٹ کے ساتھ اسی کے لیے ڈیزائن کردہ ایک چھوٹا ٹو سیٹر صوفہ بھی وہاں موجود تھا۔ شہلا نے پستول کہیں رکھ دیئے تھے اور اس وقت وہ خالی ہاتھ تھی اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔ ''شہباز میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔''

میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کمرے کے آتش دان میں آگ جل رہی تھی اور باہر کے مقابلے میں یہاں گرمی خوشگوار تھی۔ میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ''تم پورے اعتماد سے یہاں میرے ساتھ اکیلی ہو۔''

''ہاں کیونکہ اگر تم میرے خلاف کچھ کرو گے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور تم بلا فائدہ کوئی کام کرنے والے شخص نہیں ہو۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''فائدہ کیوں نہیں ہوگا؟''

''تم مجھے قابو کر لو تب بھی فتح خان تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے گا بے شک تم مجھے اس کے سامنے قتل کر دو۔ فتح خان تمہیں ہر صورت اپنے قبضے میں دیکھنا چاہتا ہے۔''

شہلا نے ڈرائی فروٹ کی ایک چھوٹی سی ٹرے نکالی جس میں مختلف قسم کا ڈرائی فروٹ موجود تھا وہ اس نے میرے سامنے چھوٹی تپائی پر رکھ دی۔ میں اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور میں نے ڈرائی فروٹ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ شہلا بستر پر بیٹھ گئی تھی اور کچھ سوچ رہی تھی پھر اس نے کہا۔ ''تم جانتے ہو فتح خان تم سے کیا چاہتا ہے؟''

''ہاں یہ بات پہلے بھی کئی بار ڈسکس ہو چکی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ برٹ شا کے چھپائے ہیرے چاہتا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ میں اس احمقانہ کام میں شامل ہو جاؤں۔''

''تم نے ٹھیک کہا لیکن یہ کام احمقانہ کیسے ہوا؟'' شہلا بولی۔ ''کئی کروڑ ڈالرز مالیت کے وہ ہیرے ایک حقیقت ہیں۔''

''میں کب اس سے انکار کر رہا ہوں لیکن وہ ہیرے ایک ایسی وادی میں کہیں چھپائے گئے ہیں جو ایک مربع میل سے زیادہ رقبے پر پھیلی ہے۔ اس میں پہاڑ بھی ہیں اور جنگل بھی، چشمے بھی ہیں اور غار بھی ہیں۔ تم سوچ سکتی ہو اتنی بڑی جگہ میں مٹھی بھر ہیرے تلاش کرنا تقریباً ناممکن ہے اور اگر کوئی پھر بھی انہیں تلاش کرنے کی کوشش کرے تو میرے نزدیک وہ حماقت کرے گا۔''

''تم نے تقریباً کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی امکان ہے کہ وہ ہیرے تلاش کیے جا سکیں۔''

''اتنا ہی امکان ہے جتنا بھوسا بھرے ٹرک میں ایک سوئی تلاش کرنا۔ کیا تم اس کام کو ہوش مندی کہو گی۔''

شہلا کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ مجھ سے کسی قدر متفق ہے لیکن شاید فتح خان سے اس کی ڈیل ان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہیروں کے بارے میں تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور سر ہلایا۔ ''شہباز فتح خان سے میرا معاہدہ ہے میں ہیروں کی تلاش اور ان کی فروخت میں اس کی مدد کروں گی۔''

''تلاش تو سمجھ میں آتی ہے لیکن تم فروخت میں مدد کس طرح کرو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے مڈل ایسٹ میں کونیکشنز ہیں۔ میں بہت آسانی سے ان ہیروں کو اچھی قیمت پر بکوا سکتی ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ اگر فتح خان خود کوشش کرے تو اسے جو قیمت ملے گی میں اس سے دوگنی قیمت پر سودا کرا سکتی ہوں۔''

تو یہ وجہ تھی کہ فتح خان شہلا سے گٹھ جوڑ کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ فتح خان پڑھا لکھا نہیں تھا وہ چالاک تھا لیکن اسے بزنس نہیں آتا تھا۔ شہلا یقیناً اس کام میں ماہر تھی۔ وہ تعلیم یافتہ اور ایلیٹ کلاس کی پروردہ تھی۔ ملک میں اور بیرون ملک اس کے تعلقات وسیع تھے اور وہ ان سے فائدہ اٹھانے کا ہنر جانتی تھی۔ سب سے بڑھ کر وہ ایک خوب صورت عورت تھی اس لیے کسی بھی ڈیل میں اس کی کامیابی کے امکانات فتح خان کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو سکتے تھے۔ میں نے کہا۔ ''فتح خان کا دعویٰ ہے کہ ہیروں کی قیمت ڈھائی سو ملین ڈالرز سے زیادہ ہے۔''

''یہ اس کا اندازہ ہے میرے خیال میں ان کی قیمت اور زیادہ ہو چکی ہے۔ کیونکہ پچھلے پانچ برسوں میں سونے اور دوسری قیمتی چیزوں کی مالیت دوگنی ہو گئی ہے۔''

''چلو اسے بھی ڈبل کر لو لیکن سوال تو یہی ہے کہ نو من تیل کہاں سے آئے گا جس کے لیے رادھا ناچے گی۔''

شہلا مسکرائی۔ ''شہباز ہم اسی کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ دراصل میں اور فتح خان ایک بات پر متفق ہیں اور وہ بات یہ ہے کہ تم خوش قسمت شخص ہو۔''

میں بے ساختہ ہنسا اور طنزیہ انداز میں بولا۔ ''اچھا.....؟''

''طنز مت کرو غور کرو۔ بے شک تم مشکلات میں ہو لیکن دنیا میں لاکھوں لوگ اس سے زیادہ مشکل میں ہوتے ہیں اور ان کی کوئی مدد نہیں کرتا ہے اور نہ قدرت ان کی مدد کو آتی ہے۔ وہ بے بسی سے اس مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن تمہاری مدد قدرت بھی کرتی ہے اور تمہیں دوسروں کی مدد بھی بہت آسانی سے مل جاتی ہے۔''

''یہ میری قسمت نہیں صرف اللہ کا فضل ہے۔''

''وہی کہہ رہی ہوں یعنی تمہارا کام رکتا نہیں ہے کسی نہ کسی طرح پورا ہو جاتا ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''ٹھیک ہے تمہاری بات تسلیم ہے۔'' میں نے بحث ختم کرنے کے لیے کہا تاکہ بات آگے بڑھے۔

''اگر تم کسی کام میں شامل ہو تو اس کے ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے.....'' وہ بولی تو میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ہر ناممکن کام اس امید پر کرنے لگوں۔''

وہ مسکرائی۔ ''مجھے معلوم ہے تم وہی کام کرتے ہو جس کی کامیابی کی تمہیں امید ہو اور ہم اسی لیے تمہیں اپنے ساتھ لائے ہیں۔''

میں نے محسوس کیا کہ شہلا کی باتوں میں کہیں دور ایک معنی چھپا ہوا ہے لیکن فی الحال میں اس معنی تک پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ میں نے اکتا کر کہا۔ ''شہلا تم جو کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''چھوڑو اس موضوع کو۔'' اچانک اس نے بات بدل دی۔ ''شہباز ایک سوال ہے۔''

''پوچھو بی بی۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''تمہارے ہاتھ میں ہوں تم جو چاہے پوچھ سکتی ہو۔''

''جب میں تمہیں اپنے ٹھکانے پر لے گئی تھی اور وہاں تم سے بھرا ہوا پستول حاصل کر لیا تھا لیکن تم نے اس وقت چانس لیا اور مجھ پر دوبارہ قابو پا لیا لیکن ابھی جب میں نے تمہیں قابو کیا تو تم نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور خاموشی سے میرے ساتھ چلے آئے۔ میں اس کی وجہ نہیں سمجھی۔''

''اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے۔ اس وقت رسک میری زندگی کا تھا اور اپنی زندگی پر میں ننانوے فیصد چانس لیتا ہوں لیکن یہاں تم نے میرے ساتھی کو یرغمال بنا لیا تھا اور میں اپنے کسی ساتھی کے لیے ایک فیصد چانس بھی نہیں لے سکتا ہوں۔''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''صرف یہی وجہ ہے؟''

''اور کیا وجہ ہو سکتی ہے شہلا یقین کرو ان میں سے ہر ایک میرے لیے دنیا جہاں کی دولت سے بڑھ کر ہے۔''

اس نے رشک سے مجھے دیکھا۔ ''شہباز تم اور تمہارے ساتھی خوش قسمت ہو۔ میرے پاس بے شمار دولت ہے لیکن مخلص ساتھی ایک بھی نہیں ہے۔''

''اگر تم قدرت سے شکوہ کر رہی ہو تو یہ بیکار ہے تم نے قدرت سے جو چیز چاہی وہ تمہیں مل گئی ہے۔ اگر تم مخلص ساتھی چاہتیں تو وہ مل جاتے لیکن تم نے صرف دولت چاہی۔''

''تو تم نے مخلص ساتھی چاہے تھے؟''

''ظاہر ہے ورنہ مجھے ایسے اچھے دوست کیوں ملتے۔''

میں شہلا سے بات کر رہا تھا اور اس کے سوالوں کا جواب بھی دے رہا تھا لیکن میرے اندر کہیں ایک خلش سی پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ۔ یہ پہلے شہلا مجھ سے جو کر رہی تھی اس کا ایک تو ظاہری مفہوم تھا لیکن اس کے پیچھے بھی ایک مفہوم تھا اور وہ میرے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ آخر وہ کیا کہنا یا مجھے سمجھانا چاہ رہی تھی۔ شہلا نے گہری سانس لی۔

''تم خوش قسمت ہو اور شاید تمہاری خوش قسمتی ہمارے کام بھی آ سکے۔ تم نے ڈرائی فروٹ تو لیا ہی نہیں۔''

اس کے توجہ دلانے پر میں نے کچھ کا جو لیے اور انہیں ٹونگنے لگا۔ اس نے اخروٹ کی ایک گری اٹھائی۔

''میری خوش قسمتی تمہارے کام کیسے آئے گی؟''

''آ سکتی ہے اگر تم دل و جان سے ہمارے لیے کام کرنے پر راضی ہو جاؤ۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے چند بادام لیے۔

''دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن جو تم چاہتی ہو وہ ممکن نہیں ہے۔''

''یہ تو تم ابھی کہہ رہے ہو۔'' وہ بستر پر یوں نیم دراز ہو گئی کہ اس کی جسمانی دل کشی واضح ہونے لگی۔ ایک لمحے کو میری نظر بہکی اور میں نے دل میں لاحول پڑھی۔ ''ممکن ہے کل تمہارا خیال بدل جائے۔''

''جب خیال بدلے گا تو دیکھا جائے گا۔'' میں نے جماہی لی۔ میں تھکن محسوس کر رہا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''شہباز تم نے غور کیا کہ جب میں اور فتح خان بینک لاکر تک خود رسائی حاصل کر سکتے تھے تو ہم نے تمہیں کیوں استعمال کیا؟''

''میں اب تک یہ بات نہیں سمجھ سکا۔'' میں نے جواب دیا۔

''حالانکہ سامنے کی بات ہے اس طرح تم اپنی ساری قوت ایک سمت میں استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے اور تم نے کسی دوسری طرف سوچا ہی نہیں۔''

اس کی بات نے مجھے الجھا دیا تھا لیکن میری ذہنی کیفیت ایسی نہیں تھی کہ میں زیادہ سوچ سکتا۔ ''شہلا تم کیا کہنا چاہ رہی ہو کھل کر بات کرو۔''

''تم نے سوچا نہیں کہ ہم تمہاری توجہ اس طرف لگا کر اپنا کوئی اور مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔'' شہلا بولی تو یک لخت میرے اندر اندیشے سے سرسرانے لگے تھے۔

''شہلا تم کیا کہہ رہی ہو؟''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''شہباز ممکن ہے کل تک تم اپنے سامنے کسی ایسی ہستی کو دیکھو جو تمہیں بہت پیاری ہو۔''

''شہلا۔'' میں نے کھڑا ہونا چاہا تو بہت مشکل سے اور سُستی سے کھڑا ہوا تھا۔ جسم و جان پر طاری ہوتی تھکن میں اچانک ہی بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ''یہ..... یہ مجھے..... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے مشکل سے کہا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ بولی۔ ''تم نے کا جو کھائے ہیں۔ اب تم آرام سے سو جاؤ گے۔''

میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا اور بہت مشکل سے بڑھایا میرے حواس پر دھند طاری ہونے لگی تھی۔ شہلا اطمینان سے مسکرا رہی تھی اس نے اٹھنے یا کسی کو بلانے کی کوشش نہیں کی اسے اعتماد تھا میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گا۔ اس کا اعتماد درست تھا کیونکہ دوسرا قدم اٹھانے سے پہلے میں لڑھک کر بیڈ پر گرا اور پھر مزید لڑھک کر نیچے آ گیا۔ میرا سر بیڈ پر ہی تھا اور شہلا میری نظروں کے عین سامنے قاتلانہ پوز میں مسکرا رہی تھی پھر اس کی مسکراہٹ اس منظر پر حاوی ہو گئی اور اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہیں رہی تھی۔ شہلا اور فتح خان نے میرے ساتھ صحیح بلی چوہے والا کھیل کھیلا تھا۔ بلکہ چوہا بھی بلی کے مقابلے میں کم سے کم اس کے عزائم سے تو واقف ہوتا ہے۔ میں اس معاملے میں چوہے سے بھی گیا گزرا ہو گیا تھا۔ شہلا اتنے دن میری قید میں رہی اور میں اس کے عزائم کے بارے میں کچھ نہیں جا سکا۔ اب انکشاف ہوا تھا کہ میں ان کے ہاتھوں کس طرح بے وقوف بنا تھا اور شہلا کی آخری بات نے مجھے تشویش زدہ کر دیا تھا کل وہ میرے کسی ساتھی کو بھی یہاں لانے والے تھے اور اس سے توجہ ہٹانے کے لیے انہوں نے بینک والا کام میرے حوالے کر دیا تھا۔ گویا انہوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ اگر شہلا کا دعویٰ درست تھا تو میں یقیناً شہلا اور فتح خان کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو جاتا۔

مجھے بے ہوشی کی دوا کا جو میں دی گئی تھی۔ شہلا نے کا جو نہیں لیے تھے اس نے صرف اخروٹ لیے تھے۔ ان میں دوا نہیں تھی۔ دوا نہ صرف بے بو اور بے ذائقہ تھی بلکہ بہت پُر اثر بھی ثابت ہوئی تھی اس نے چند منٹ سے بھی پہلے میرے ہوش چھین لیے تھے۔ میں نہ جانے کتنی دیر بے ہوش رہا کیونکہ جب مجھے ہوش آیا تو میرے ہاتھ سے گھڑی اتار لی گئی تھی یہی نہیں بلکہ میرا پرس اور چند دوسری چیزیں جو جیب میں تھیں وہ بھی غائب تھیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میرے جسم پر صرف لباس اور پاؤں میں جوتے چھوڑ دیے تھے۔ مجھے جہاں ہوش آیا وہ جگہ تاریک اور سرد تھی۔ اگر میرے نیچے نرم بستر اور اوپر ایک موٹا کمبل نہ ہوتا تو میں بے ہوشی میں ٹھٹھر کر رہ جاتا۔

○.....❖.....○

ہوش میں آنے کے بعد بھی دوا کے اثر سے ذہن کچھ دیر سن رہا تھا۔ پھر میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ تاریکی میں جگہ کا اندازہ کرنا دشوار تھا میں نے کمبل ہٹاتے ہوئے پاؤں زمین پر رکھا۔ میرے جوتوں تلے پختہ فرش تھا۔ پھر میں نے آس پاس کسی چیز کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور ہاتھ پھیلا کر اور پاؤں گھسیٹ کر چلنے لگا۔ جلد میرے ہاتھ سیمنٹ کی دیوار سے ٹکرائے اور اس کے ساتھ گھومتے ہوئے مجھے لکڑی کی ایک سیڑھی ملی جو اوپر جا رہی تھی اس سیڑھی کے ساتھ اوپر جاتے ہوئے میرا سر ایک تختے سے ٹکرایا۔ یہ چوبی تختہ تھا اور اس کی درزوں سے بہت ہی معمولی سی روشنی جھلک رہی تھی۔ گویا میں کسی تہہ خانے میں قید تھا اور امکان تھا کہ یہ اسی مکان کے نیچے تھا جہاں رات کو مجھے لایا گیا تھا۔ میں واپس نیچے آیا اور بقیہ تہہ خانے کا جائزہ لیا۔ یہ چھوٹا سا تھا مشکل سے بارہ بائی بارہ فٹ کا اور اس میں سوائے ایک چارپائی کے اور کچھ نہیں تھا۔ چارپائی تلے پانی کی ایک بوتل ملی اور اس میں پانی بھی تھا۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر میں نے پہلے پانی چکھا اور پھر چند گھونٹ لیے پانی صاف ہی محسوس ہو رہا تھا اور اگر انہیں مجھے بے ہوش ہی کرنا تھا تو اس کے لیے دوسرے طریقے بھی تھے۔ پیاس شدت کی تھی پھر بھی میں نے اتنا پانی پیا جتنا کہ مسئلہ نہ بنے۔ یہاں رفع حاجت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

پہلے مجھے خیال آیا کہ میں شور مچاؤں اور ان لوگوں کو متوجہ کروں لیکن پھر میں نے خود پر قابو رکھا۔ یہ اعصاب کا کھیل تھا اور اس میں وہ فریق زیادہ کامیاب ہوتا جو خود پر قابو رکھتا۔ اگر ان لوگوں نے مجھے اسی طرح رکھنا تھا تو میرے شور کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے میں کیوں نہ خاموش رہتا ممکن ہے اس سے مجھے فائدہ ہوتا۔ جلد یا بدیر انہیں میری طرف آنا تھا۔ میں دوبارہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ یہ صاف ستھرا تھا لیکن اس سے ہلکی سی بو بھی آ رہی تھی جیسے اسے بہت دنوں سے دھوپ نہ دکھائی گئی ہو۔ میں نے لیٹتے ہوئے خود سے کہا۔

''لو شہباز میاں تم ایک بار پھر دشمن کے جال میں آ گئے۔''

میرے لیے یہ پہلا اور آخری موقع نہیں تھا جب دشمن نے مجھ پر قابو پایا ہو اس لیے میں پُرسکون تھا۔ البتہ پیٹ میں بھوک اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھی میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ بھوک بتا رہی تھی کہ میں کم سے کم آٹھ گھنٹے بے ہوش رہا تھا اس کا مطلب ہے دوا نہایت زود اثر تھی۔ دنیا کی کوئی دوا انسان کو آٹھ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش نہیں رکھ سکتی ہے۔ جسم آٹھ گھنٹے بعد اس کے اثر سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ مسلسل بے ہوش رکھنے کے لیے دوبارہ دوا دینا لازمی ہوتا ہے۔ میں شاید رات دو بجے کے قریب بے ہوش ہوا تھا۔ یعنی اس وقت صبح دس تو بج چکے تھے۔ ممکن ہے دن نکل آیا ہو۔ اس لحاظ سے اوپر موجود افراد کو بھی جاگ جانا چاہیے تھا۔ مگر اوپر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

جیسے جیسے میرے حواس زیادہ بحال ہو رہے تھے۔ میری تشویش بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ شہلا اور فتح خان نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ میرے اندازوں سے کہیں آگے تھے اور اس صورت میں شہلا کا دعویٰ تقریباً درست لگ رہا تھا۔ انہوں نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو بینک کی طرف لگا کر دوسرے معاملات سے غافل کر دیا تھا۔ سوچتے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوئے اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں فتح خان نے عبداللہ کی کوٹھی کا سراغ تو نہیں لگا لیا تھا۔ یہ ناممکن نہیں تھا عبداللہ والی کوٹھی میں آمد و رفت بہت زیادہ ہوگئی تھی اور اس کا نظروں میں آنے کا خطرہ بھی بڑھ گیا تھا۔ دشمن کمزور یا بے خبر سمجھنا حماقت ہوتی ہے اور شاید ہم بہت خود اعتماد ہو گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں ہمارا اہم تر پلان ناکام ہوا۔ دھاتی بریف کیس اور پروفیسر کے بلیک میلنگ اسٹف سمیت میں فتح خان اور شہلا کی قید میں تھا اور ابھی میرا کوئی ساتھی بھی ان کی قید میں آنے والا تھا۔

تاریکی اور سردی میں کمبل میں دبکے ہوئے مجھے خاصی دیر ہوگئی تھی لیکن ابھی تک اوپر سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا۔ میں ایک بار اٹھ کر سیڑھیوں سے اوپر گیا اور سن گن لیتا رہا لیکن اوپر سناٹا تھا۔ کچھ دیر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ میں اس جگہ بالکل اکیلا ہوں۔ فتح خان اور شہلا مجھے یہاں بند کر کے کہیں چلے گئے تھے۔ میں نے تختے پر زور لگا کر اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ اتنی مضبوطی سے بند تھا کہ اس میں خفیف سی لرزش بھی نہیں ہوئی تھی۔ تہہ خانے کی دیواریں ٹھوس تھیں اور ان میں کہیں کوئی رخنہ نہیں تھا۔ تھک ہار کر میں واپس نیچے آیا اور چارپائی پر دراز ہو گیا۔ نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ میں آٹھ گھنٹے سے زیادہ آرام کر چکا تھا۔ اس لیے لیٹا رہا اور انتظار کرتا رہا۔ پھر وقت گزاری اور اپنی توانائی بحال کرنے کے لیے سانس کی ایک مشق کرنے لگا۔ اس سے میرے منتشر ہوتے اعصاب کو سکون ملا تھا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد جا کر اوپر آہٹیں شروع ہوئیں اور پھر چند افراد کے قدموں کی دھمک اوپر لکڑی کے تختوں پر سنائی دی۔ تہہ خانے کی ساری چھت لکڑی سے بنی ہوئی تھی۔ ایک غیر واضح مردانہ آواز آئی اور پھر اوپر کا تختہ کھلا۔ فتح خان کے آدمی نے نیچے جھانکا اور بولا۔ ''اٹھ کر باہر آؤ۔''

تختہ کھلنے سے معمولی سی روشنی اندر آئی تھی لیکن مجھے مسلسل تاریکی میں رہنے کی وجہ سے یہ بھی بہت زیادہ لگ رہی تھی۔ میں اوپر آیا تو فتح خان کے دونوں آدمی مسلح حالت میں موجود تھے اور میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ ایک کے ہاتھ میں شاٹ گن تھی اور دوسرا پستول سے مسلح تھا۔ تہہ خانہ اس راہداری کے آخری حصے میں واقع ایک چھوٹی سی کمرہ نما جگہ پر تھا۔ اس راہداری کے ایک طرف گھر کی نشست گاہ تھی اور دوسری طرف شہلا والا کمرہ اور ایک اور کمرہ تھا۔ وہ مجھے اسی کمرے میں لائے یہاں فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں کچھ نہیں تھا۔ راہداری کے آخر میں ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آ رہا تھا اور یہ شہلا والے کمرے کے برابر میں تھا اور بائیں جانب کھلا حصہ تھا یہ شاید کچن تھا۔ چھوٹے دروازے کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ باتھ روم ہوگا۔ ایسا ہی ایک چھوٹا دروازہ میں نے شہلا والے کمرے میں دیکھا تھا۔ یعنی ایک باتھ روم کمرے کے ساتھ اٹیچ تھا اور دوسرا باہر راہداری میں تھا۔ ویسے دونوں برابر ہی تھے۔

فتح خان کے آدمی مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے اور انہوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ نہ انہوں نے مجھے کچھ بتایا اور نہ میں نے پوچھا کہ وہ مجھے یہاں کیوں لائے تھے۔ جو ہونا تھا وہ کچھ دیر میں سامنے آ جاتا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور شہلا ہاتھ میں ایک ٹرے لیے اندر آئی۔ اس میں ناشتہ تھا۔ توس تھے اور تلے ہوئے انڈے تھے ساتھ میں بھاپ اڑاتا چائے کا مگ تھا۔ وہ بدستور رات والے لباس میں تھی اور دن کی روشنی میں مزید نمایاں لگ رہی تھی۔ پتا نہیں اسے اپنی اتنی زیادہ نمائش کر کے کیا تسکین ملتی تھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

حالانکہ وہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں زک بھی اٹھا چکی تھی۔ اس کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی تھی۔ اس نے ٹرے میرے سامنے رکھی تو میں نے کہا۔

''بندے کو کھانے پینے کے علاوہ بھی کچھ حاجات ہیں۔''

''حاجات؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کال آف نیچر۔'' میں نے اسے اس زبان میں سمجھایا جو وہ اچھی طرح سمجھتی تھی۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز یہاں نہیں آئے تھے تب طبقات کی زبان الگ الگ ہوتی تھی۔ شاہ خاندان اور ان کے مصاحب و امرا فارسی بولتے تھے۔ شہروں میں بسنے والا درمیانہ طبقہ اردو بولتا تھا اور دیہاتوں میں رہنے والے اپنی اپنی مقامی زبان بولتے تھے۔ اب بھی وہی تقسیم ہے۔ ہمارے حکمران اور ان کا مصاحب طبقہ عرف ایلیٹ کلاس انگریزی بولتا ہے۔ شہروں میں بسنے والے درمیانی طبقے کی زبان اردو ہے اور دیہاتوں میں لوگ اپنی زبان بولتے ہیں۔ یعنی زمانے میں نہ پنپنے کی وہی باتیں ہیں۔ یقین کریں جس دن ہماری حکمران کلاس اور مڈل کلاس کی زبان ایک ہوگئی اس دن ہمیں ترقی کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ کسی ملک اور قوم کی ترقی کے لیے یہ بنیادی شرط ہے۔

شہلا نے سر ہلایا۔ ''اوکے میں سمجھ گئی، ایک منٹ رکو۔''

شہلا نے ایک آدمی کو بلایا اور وہ مجھے راہداری کے آخری حصے میں بنے باتھ روم میں لے گیا۔ یہ چھوٹا لیکن صاف ستھرا پرانے طرز کا باتھ روم تھا۔ بدبو بھی نہیں تھی۔ مگر پانی..... نہایت سرد تھا۔ میں نے دل کڑا کر کے جسم کے کچھ خاص حصے اور منہ ہاتھ دھویا تھا۔ پانی برف کی پگھلی ہوئی شکل میں تھا۔ یہاں تولیہ بھی نہیں تھا جس سے منہ ہاتھ صاف کر لیتا اور رومال تھا نہیں۔ اس لیے مجبوراً ایسے ہی واپس آنا پڑا۔ جس کمرے میں ناشتہ رکھا تھا وہاں آتش دان نہیں تھا اور مجھے تہہ خانے سے نکل کر اندازہ ہوا کہ وہاں اتنی ٹھنڈ نہیں تھی جتنی کہ باہر تھی۔ چائے تقریباً ٹھنڈی ہو چکی تھی اور میں نے پہلے اسے پی لینا مناسب سمجھا ورنہ چند منٹ بعد مجھے شاید آئس ٹی پینا پڑتی۔ پھر میں ناشتے کی طرف متوجہ ہوا تو شہلا نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''اس جگہ اس سے زیادہ ملنا دشوار ہے اس لیے تمہیں اسی ناشتے پر گزارا کرنا پڑے گا۔''

''کوئی بات نہیں مس شہلا میں نخرے کرنے والا آدمی نہیں ہوں گزارا کرنا جانتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم جب تک ناشتہ کرو میں تمہارے لیے دوبارہ چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' اس نے مہربان لہجے میں کہا اور مگ اٹھا کر چلی گئی۔ رات کے مقابلے میں اس وقت اس کا رویہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ توس اچھی خاصی مقدار میں تھے اور انڈے بھی کئی عدد تلے گئے تھے اس لیے میرا پیٹ بھر گیا۔ ہاتھ کی چکناہٹ میں نے بلا تکلف قالین سے صاف کی اور ایک طرف رکھے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ شہلا کچھ دیر بعد آئی اور اس نے جرسی کے اوپر ایک ڈھیلا سا بیگی سوئٹر لے لیا تھا۔ میں نے اس سے چائے لی۔

''شکر ہے تم نے کچھ تو پہنا۔ فتح خان کے آدمی تمہیں کس بری طرح گھور رہے تھے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تمہیں تو نہیں لیکن مجھے اس سے بہت کوفت ہوتی ہے۔''

اس نے ناگواری سے کہا۔ ''ان کم بختوں کی وجہ سے تو پہنا ہے ایسا لگتا ہے انہوں نے زندگی میں کبھی کوئی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

عورت نہیں دیکھی۔''

''تم جیسی شاید ہی دیکھی ہو پھر وہ جس قسم کے لوگ ہیں عورت کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اپنی ماں بہنوں کے علاوہ ان کے لیے ہر عورت بس عورت ہوتی ہے۔ خیر چھوڑو یہ الگ موضوع ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ابھی تک مجھے سرپرائز نہیں دیا ہے۔''

وہ بولی۔ ''اتنی جلدی کیا ہے اور پھر تمہیں پسند نہیں آئے گا اس لیے جتنی دیر سرپرائز کے بغیر رہو تمہارے لیے بہتر ہے۔''

''شہلا فتح خان ایک دیوانہ قسم کا شخص ہے اور جو بات اس کے ذہن میں بیٹھ جائے اس پر ایمان کی حد تک یقین کر لیتا ہے لیکن تم ایک ذہین اور معقول عورت ہو تم اس کی دیوانگی میں کیوں شامل ہو؟''

''تمہارے نزدیک یہ دیوانگی ہے؟''

''ہاں مجھے یقین ہے وہ ہیرے تمہیں یا فتح خان کو نہیں ملیں گے ان کو تلاش کرنا فضول ہے۔''

''دنیا میں لاکھوں لوگ کروڑوں فضول کام کرتے ہیں دوسروں کے نزدیک وہ وقت کا نقصان کرتے ہیں لیکن جب ان میں سے کچھ کامیاب ہو جاتے ہیں تو دنیا انہیں لیجنڈ تسلیم کر لیتی ہے۔''

''ٹھیک ہے تم لوگ لیجنڈ بنو۔'' میں نے فریادی لہجے میں کہا۔ ''لیکن میری اور میرے ساتھیوں کی شامت کیوں آئی ہوئی ہے؟''

شہلا ہنسی۔ ''آدمی اتنی آسانی سے لیجنڈ نہیں بنتا ہے۔ اسے بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔''

''دوسروں کی۔'' میں نے سادگی سے کہا تو اس کی ہنسی رک گئی۔ پھر اس نے سرد آہ بھری۔

''کاش کہ تم پہلے مان جاتے۔''

میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا وہ کہہ رہی تھی کہ میں آسانی سے مان جاتا تو انہیں میرے کسی پیارے کو اٹھانے کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔ میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''شہلا تم نے کس پر ہاتھ ڈالا ہے؟''

''تم دیکھ لوگے۔'' وہ نرمی سے بولی۔ ''فتح خان اسے لینے گیا ہے۔''

''فتح خان۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''میں آج تک اس شخص کو سمجھ نہیں سکا ہوں۔ کبھی یہ مجھے انتہائی خطرناک لگتا ہے اور کبھی مجھے اس سے ذرا بھی خطرہ محسوس نہیں ہوتا ہے۔ کبھی یہ ڈیوڈ شا سے بھی زیادہ ہوشیار لگتا ہے اور کبھی مرشد سے بھی زیادہ احمق۔''

''مرشد احمق نہیں ہے۔''

''وہ احمق ہے لیکن ایسا احمق جو خود کو بہت عقل مند بلکہ عقل کل سمجھتا ہو۔ اس کے مقابلے میں فتح خان ایسا عقل مند ہے جو خود کو زیادہ عقل مند نہیں سمجھتا ہے۔ مگر عورت کے معاملے میں وہ بہت چالاک ہے۔ اسے عورتوں کو قابو میں کرنے کے گر آتے ہیں۔''

شہلا کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ سمجھی کہ میں اس پر رکھ کر بات کر رہا ہوں اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''اسے قابو کرنے کے گر نہیں آتے ہیں اس معاملے میں وہ اور اس کے ساتھی درندے ہیں۔ صرف پھاڑ کھانا جانتے ہیں۔''

''اور آفرین ہے تم پر، ان درندوں کے درمیان اتنے کھلے ڈلے انداز میں رہ رہی ہو۔'' میں نے اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فراج حسین پیش کیا۔

''میں کیسے رہ رہی ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں میری حیثیت ایک ہے۔ اگر میرا فتح خان سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں یہاں شٹل کاک برقع میں بھی محفوظ نہیں ہوتی لیکن اب میں بے ملک کپڑے اتار کر پھروں یہ مجھے دیکھ تو سکتے ہیں لیکن کوئی ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کرسکتا ہے۔''

''یہ تمہاری خام خیالی ہے اگر ان میں سے کسی کا اشتیاق حد سے بڑھ گیا تو وہ اس بات کی پروا نہیں کرے گا کہ فتح خان سے تمہارا کس نوعیت کا معاہدہ ہے۔ بہتر ہے ان کے جذبات سے کھیلنے سے گریز کرو اور یہاں ذرا ہلک چھپ کر رہا کرو۔'' میں نے چائے ختم کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

''مشورے کا شکریہ۔'' اس نے کہا اور کپ اٹھا کر چلی گئی۔ یہ کمرہ پتھروں سے بنا تھا باہر کی طرف والی دیوار کو چھوڑ کر اندر کی تین دیواروں پر پلاسٹر تھا اور اس پر اعلیٰ قسم کا ڈسٹمبر کیا گیا تھا۔ کمرے میں صرف ایک دروازہ اور باہر کی سمت کھلنے والا ایک بڑا روشن دان تھا لیکن اس کے شیشے کے پٹوں سے فولادی گرل صاف نظر آ رہی تھی۔ دروازہ بھی مضبوط قسم کا تھا یعنی میں اس کمرے سے آسانی سے فرار نہیں ہوسکتا تھا۔ میرے لیے یہ اطلاع اہم تھی کہ فتح خان میرے اس ساتھی کو لینے گیا ہے جسے ان لوگوں نے اغوا کرلیا تھا۔ اب یہاں پر شہلا کے ساتھ اس کے دو آدمی تھے۔ میں نے سوچا کیا یہ میرے لیے موقع ہے۔ اگر میں فرار کی کوشش کرتا تو اس کے کامیاب ہونے کے کتنے امکانات تھے۔ میرے ذہن نے جواب دیا کہ فتح خان کی غیر موجودگی میں امکانات بڑھ گئے تھے لیکن کتنے بڑھے تھے اس کا اندازہ اسی وقت ہوتا جب میں فرار کی کوشش کرتا۔ فتح خان کے دونوں ساتھی دیکھنے میں قبائلی لگتے تھے لیکن وہ اپنے کام میں ماہر تھے۔ پھر شہلا بھی آتشیں ہتھیاروں کے استعمال میں کسی سے کم نہیں تھی اس لیے مجھے فرار کے لیے ان تینوں سے نمٹنا پڑتا۔

روشن دان سے آنے والی روشنی بتا رہی تھی کہ دن مکمل ہوکر اب زوال کی طرف گامزن تھا۔ روشنی میں کمی واقع ہو رہی تھی یعنی کم سے کم دو بج گئے تھے۔ سردیوں میں سورج پانچ بجے کے آس پاس غروب ہو جاتا۔ میں قالین پر دراز ہوکر فرار کے امکانات پر غور کرنے لگا اور غور کرتا کرتا سوگیا۔ شہلا نے نہایت چالاکی سے مجھے پھر خواب آور دوا دے دی تھی لیکن اس کے لیے اس نے پہلے میرا اعتماد بحال کیا تھا مجھے تہہ خانے سے نکالا اور اس کمرے میں رکھا پھر مجھے ناشتہ مہیا کیا اور باتھ روم جانے کا موقع دیا۔ اس کے مہربان رویے سے میرے ذہن کا الرٹ ختم ہوگیا تھا۔ اس نے دوسری بار چائے میں دوا شامل کی اور اسے ہلکا رکھا تھا تاکہ مجھے فوری احساس نہ ہو اور میں چونکے بغیر آرام سے سو جاؤں اور ایسا ہی ہوا تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کب میں سوچتے سوچتے خوابوں کی وادی میں کھو گیا۔

میری آنکھ کھلی تو روشن دان کے باہر تاریکی تھی البتہ کمرے میں دیوار پر ایک کیروسین لیمپ روشن تھا۔ سونے کے دوران مجھ پر کمبل ڈال دیا گیا تھا تاکہ مجھے سردی نہ لگے۔ میں کمبل ایک طرف کرکے اٹھ بیٹھا۔ میں نے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور خود سے کہا۔ ''شہباز ملک اچھے مسلمان ہو ایک سو راخ سے دوسری بار ڈس لیے گئے۔'' پھر مجھے یاد آیا کہ یہ بات ایک مومن کے لیے کہی گئی ہے اور میں نے کبھی خود کو ایمان کے اس درجے نہیں سمجھا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دروازہ باہر سے بند تھا لیکن باہر سے چلنے پھرنے کی آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ شہلا مجھے دوا دے کر اور کمرے میں بند کر کے مطمئن نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے ایک آدمی کو باہر مستقل پہرے پر لگایا ہوا تھا۔ میں نے کان لگا کر سنا لیکن ایسی کوئی آواز نہیں آئی جس سے پتا چلتا کہ فتح خان واپس آ گیا ہے اور اس کے ساتھ کوئی ہے۔ سن گن لینے کے دوران مجھے ایسی خوشبو محسوس ہوئی جیسے کہیں گوشت کے پارچے بھنے جا رہے ہوں۔ شاید ڈنر کی تیاری کی جا رہی تھی۔ میرے پیٹ میں ہلچل مچ گئی کیونکہ ناشتہ سونے کے دوران میں ہی ہضم ہو چکا تھا۔ میں واپس آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ کرنے کا وقت تو سو کر گزار دیا تھا اب آگے نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔

میرے ساتھ رہ کر شہلا مجھے بہت اچھی طرح جان گئی تھی اور مجھ سے اسی طرح پیش آ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا اور میرے پاس دشمن کی قید سے فرار کا ایک قابلِ رشک ریکارڈ موجود تھا۔ اس نے پہلے سے پیش بندی کر لی تھی اور مجھے فرار سے باز رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ اگر فتح خان ابھی تک نہیں آیا تھا تو وہ کہاں اور کتنی دور گیا تھا جو اس کی ابھی تک واپسی نہیں ہوئی تھی۔ یہ سوچ کر ایک بار پھر میری تشویش بڑھنے لگی تھی۔ ابھی میں اس ادھیڑ بن میں تھا کہ دروازہ کھلا اور شہلا کھانے کی ٹرے اٹھائے اندر آئی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اور چبھتے لہجے میں کہا۔ ''تم بہت زحمت کر رہی ہو، کھلا بھی رہی ہو اور سلا بھی رہی ہو۔ حالانکہ مجھے نیند کا کوئی مسئلہ نہیں ہے میں جب چاہتا ہوں سو جاتا ہوں۔''

وہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔ ''بعض اوقات دشمن کی قید میں نیند نہیں آتی ہے۔ تم بلا وجہ جاگتے اور سوچ سوچ کر پریشان ہوتے رہو گے۔ اس لیے مجھے اس کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔''

ٹرے میں گوشت کے بھنے ہوئے ٹکڑے تھے جن پر ہلکا سا نمک اور کالی مرچ چھڑکی ہوئی تھی اس کے ساتھ تندوری نان تھے جو اگرچہ باسی تھے لیکن ان کو گرم کر کے قابلِ استعمال بنا لیا گیا تھا۔ میں نے اشارہ کیا۔ ''اسے کھا کر میں یقیناً صبح تک کے لیے سو جاؤں گا؟''

''نہیں۔'' وہ سکون سے بولی۔ ''اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ تم نے غور نہیں کیا یہ دو افراد کا کھانا ہے اور میں بھی تمہارے ساتھ کھاؤں گی۔''

''فتح خان نہیں آیا ہے؟''

''نہیں..... اسے ذرا دیر ہو گئی ہے امید ہے کل صبح تک آ جائے گا۔''

شہلا کی بات سے مجھے امید ہوئی کہ شاید فتح خان جس کام کے لیے گیا تھا وہ نہیں ہو سکا تھا۔ ظاہر ہے میرے ساتھی تر نوالہ نہیں تھے جو اتنی آسانی سے فتح خان کے ہاتھ آ جاتے۔ شہلا ٹرے رکھ کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔ پھر اسے یاد آیا۔ ''پانی تو لائی نہیں ایک منٹ ابھی لاتی ہوں۔''

وہ جلدی پانی کی بوتل اور گلاس سمیت واپس آئی۔ میں اس کا رویہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ بہ ظاہر وہ میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آ رہی تھی اور میرا پورا خیال بھی رکھ رہی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بڑی ہوشیاری سے مجھ پر اپنی گرفت رکھتے ہوئے کسی حرکت سے بھی باز رکھے ہوئے تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اب میں یہاں کچھ کھانے سے گریز کروں گا لیکن اس بار اس نے یہ حربہ استعمال کیا کہ مجھے یقین دلانے کے لیے خود کھانے میں شامل ہو گئی تھی۔ گوشت ایک ڈونگے میں تھا اور اس میں دو ملانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا تندوری نان میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

حرکت کی جا سکتی تھی لیکن میں نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالنے کے بعد ایک نان آدھا کیا اور ایک حصہ شہلا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہنسی۔

''تمہارے خیال میں نان میں دوا ہو سکتی ہے؟''

''جب واسطہ تم جیسے دشمنوں سے ہو تو انسان کسی چیز کی بھی توقع کر سکتا ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''سچ کہہ رہا ہوں کل سے تم نے مجھے حیران کر دیا ہے میں تمہیں اس کیلیبر کی نہیں سمجھ رہا تھا۔''

''میرا کوئی کیلیبر نہیں ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا اور کھانا شروع کر دیا۔ میں بھی شامل ہو گیا۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا تھا اور پھر وہ ٹرے اٹھا کر لے گئی۔ میرا دل چائے یا کافی پینے کو چاہ رہا تھا لیکن مجھے گوارا نہیں ہوا کہ اس سے کہوں۔ کھانے کی طرح پانی بھی ایک ہی بوتل اور گلاس سے پیا تھا اس لیے میں مطمئن تھا۔ وہ پانی کی بوتل اور گلاس یہیں چھوڑ گئی تھی۔ اس وقت مجھے حیرت ہوئی جب وہ آدھے گھنٹے بعد دو کپ چائے لے آئی۔ یعنی ایک کپ اس کا تھا اور دوسرا میرا تھا۔ اس نے ٹرے نیچے رکھے اور معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

''سوری مجھے معلوم ہے تم کافی زیادہ شوق سے پیتے ہو لیکن یہاں صرف چائے کا سامان ہے۔''

''شکر ہے چائے تو ہے۔'' میں نے خلوص سے کہا۔

''اس میں سے جو مرضی کپ لے لو۔'' اس نے پیش کش کی۔ اس بار بھی مجھے شبہ نہیں ہوا کہ چائے میں کچھ ملایا جا سکتا ہے۔ میں نے ایک کپ اٹھا لیا اور سپ لے کر اس سے پوچھا۔

''یہ ویرانہ ہے یہاں سامان وغیرہ کہاں سے لاتے ہو؟''

''یہ جگہ ویرانہ ہے لیکن آبادی یہاں سے بہت دور نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ہمیں سامان کی پریشانی نہیں ہے لیکن گاڑی ایک ہی ہے اس لیے کم سے کم یہاں سے نکلتے ہیں۔''

ہم یہاں ایک ہی گاڑی پر پہنچے تھے لیکن فتح خان یہاں سے کسی نہ کسی گاڑی پر تو گیا ہو گا۔ اس کا مطلب تھا اس کے مزید آدمی آئے تھے اور اپنے ساتھ کوئی دوسری گاڑی لائے تھے۔ فتح خان اس میں یا یہاں پہلے سے موجود دین میں گیا تھا اور ایک گاڑی کو یہاں چھوڑ گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''تمہیں خطرہ نہیں ہے کہ میرے ساتھی تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ سکتے ہیں؟''

''یہاں تک ان کی سوچ بھی نہیں آ سکتی ہے۔'' وہ بولی۔

''ایسا مت کہو جو تم نے کیا وہ بھی ہماری سوچ میں نہیں آیا تھا۔'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''ممکن ہے تم بعد میں حیران ہو کہ یہ ہوا کس طرح؟''

''جب ایسا وقت آئے تو دیکھ لیں گے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''ابھی تو ہمیں اطمینان ہے۔''

وہ اٹھنے لگی تو میں نے اس سے کہا۔ ''ایک بات اور ہے۔''

وہ رک گئی۔ ''کون سی بات؟''

''کیا تمہیں فتح خان کے آدمیوں پر بھروسہ ہے کہ وہ فتح خان کی غیر موجودگی کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے؟''

''کس طرح کا فائدہ؟''

''میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔'' میں نے ذرا گول مول انداز میں کہا تو وہ مسکرائی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''تم اس فکر میں دبلے مت ہو اول تو میں کوئی ترنوالہ نہیں ہوں جسے یہ آرام سے کھا جائیں اور دوسرے وہ اس کی جرأت نہیں کریں گے انہیں معلوم ہے فتح خان سے پہلے میں خود انہیں سزا دے سکتی ہوں۔ ان کے ایک ساتھی کا انجام ان سے چھپا نہیں ہے۔''

وہ اس معاملے میں خوش فہم لگ رہی تھی۔ گناہ میں ایسی کشش ہے کہ انسان سب جانتے ہوئے بھی بے بس ہو جاتا ہے۔ جو گناہ کرتے ہوئے اللہ سے نہ ڈرے وہ کسی انسان سے کیوں ڈرنے لگا۔ بہر حال یہ اس کا مسئلہ تھا۔ شہلا چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ کچھ دیر بعد مجھے جماہیاں آنے لگیں اور جسم میں ویسی ہی تھکن آمیز سُستی محسوس ہونے لگی تو مجھے پتا چلا شہلا ایک بار پھر میرے ساتھ ہاتھ کر گئی ہے۔ کھانے میں تو نہیں لیکن چائے میں کچھ شامل تھا اور شاید وہ دونوں کپوں میں کچھ ڈال کر لائی تھی۔ سونے سے پہلے میرا ذہن اس میں الجھتا رہا کہ اس نے خود بھی تو چائے پی تھی تو کیا اس پر اثر نہیں ہوا ہو گا؟ اس سوال کا جواب میرے ذہن نے سونے سے پہلے دیا۔ وہ میری طرح مجبور نہیں تھی اور اس دوا کا توڑ کر سکتی تھی جس طرح انسان کو سلانے والی دوائیں ہیں اسی طرح انسان کی نیند اُڑانے والی دوائیں بھی ہیں۔ جن دنوں بزنس پیک پر ہوتا تھا اور میرے دفتر پر دن رات سیاحوں کی یلغار جاری رہتی تھی تو میں رات کو دیر تک کام کرنے کے لیے نیند بھگانے والی گولی استعمال کرتا تھا۔ یقیناً شہلا نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ مجھے سلا کر وہ خود جاگتی رہی ہو گی۔

○.....❖.....○

میری آنکھ کھلی تو حسبِ توقع صبح ہو چکی تھی اور روشن دان سے دن کی روشنی جھلک رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر پہلی بار روشن دان سے باہر دیکھا۔ اس کا نچلا سرا بھی کوئی آٹھ فٹ اونچا تھا اور مجھے اس کا کنارہ تھامنے کے لیے اچھلنا پڑا تھا۔ پھر ہاتھوں کے بل پر خود کو اوپر اٹھایا اور باہر جھانکا۔ یہ مکان کا پچھلا حصہ تھا اور یہاں احاطہ نسبتاً چھوٹا تھا۔ اندر گھانس پھوس اور چھوٹی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں جب کہ باہر سفیدے کا گھنا اور اونچا جنگل تھا۔ اس عمارت کو یہ جنگل بھی تحفظ دیتا ہو گا اور بہت کم لوگ اس جگہ سے واقف ہوں گے۔ گھنے درختوں کی وجہ سے عمارت بالکل قریب آئے بغیر ظاہر نہیں ہوتی ہو گی۔ اسی وجہ سے شہلا اس جگہ کے محفوظ ہونے کے بارے پُر یقین تھی۔ جب میرا ہاتھ دکھنے لگا تو میں نیچے اتر آیا اس دوران میں میں نے دیکھ لیا تھا کہ فولادی گرل روشن دان کے باہر سے دیوار میں فکس کی گئی تھی یعنی اگر میں کوشش کرتا تب بھی اسے نہیں اکھاڑ سکتا تھا۔ یہ انتظام عمارت کی پرانی تعمیر سے ہٹ کر تھا۔ گرل جدید ساخت کی تھی اگر یہ عمارت کی تعمیر کے ساتھ ہی لگی ہوتی تو پرانے انداز کی روایتی گول سلاخوں سے بنی ہوتی۔

رات کو یقیناً سردی ہو جاتی ہو گی لیکن کمبل اور پھر بے ہوشی کی دوا کی وجہ سے مجھے اس کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ دن نکلنے کے بعد جب دھوپ پھیلی تو سردی کی شدت میں کسی قدر کمی آئی تھی۔ میں شہلا کا کھیل سمجھ گیا تھا۔ میری طرف سے فرار کے خطرے کو کم سے کم رکھنے کے لیے مجھے نہایت ہوشیاری سے خواب آور دوا دے رہی تھی۔ پہلی بار اس نے مجھے کافی جو میں دوا دی تھی اس کے بعد وہ مقدار کے معاملے میں محتاط ہو گئی تھی اور بس اتنی دیتی تھی کہ میں شک نہ کروں۔ دوا کے لینے کے کوئی بیس منٹ بعد مجھے نیند آنا شروع ہو جاتی تھی جیسا کہ عام طور سے پرخوری کی صورت میں بھی ہوتا ہے اور وہ مجھے کھانا بھی مرغن اور زیادہ مقدار میں دے رہی تھی۔ اب اگر یہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سوجاتا تو میں اسے الزام نہیں دے سکتا تھا۔ دوسرے وہ چوبیس گھنٹے میں مجھے صرف دو بار کھانا دے رہی تھی۔ یعنی جب میری بھوک چمک اٹھتی اور کھانا نہ کھانے کے بارے میں میری قوتِ مزاحمت کمزور ہو جاتی۔ اس طرح اسے موقع ملتا رہتا کہ وہ مجھے دوا دے کر سلاتی رہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا جب تک فتح خان واپس نہ آ جاتا۔

جاگنے کے کئی گھنٹے بعد تک اس نے میری کوئی خیر خبر نہیں لی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی کہ میری بھوک چمک اٹھے۔ میرا اندازہ درست نکلا جب گیارہ بجے کے قریب دروازہ کھلا اور شہلا کی صورت دکھائی۔ وہ تر و تازہ دکھائی دے رہی تھی اور خلافِ معمول اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ مشرقی ملبوسات میں اسے صرف ساڑھی پسند تھی جس میں اسے اپنے جسم کی نمائش کرنے کا بھرپور موقع ملتا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے اسے زیادہ تر مغربی ملبوسات میں دیکھا تھا۔ مگر آج اس نے شلوار قمیص لی تھی۔ سوٹ ویلوٹ کا تھا اور حسبِ معمول قمیص اس کے وجود پر چسپاں تھی ساتھ ہی گریبان نظر نواز حد تک کشادہ تھا۔ مجھے جاگتے دیکھ کر وہ دل کش انداز میں مسکرائی اور سادہ سے انداز میں بولی۔

''اٹھ گئے بڑی گہری نیند میں سوتے ہو۔''

وہ چالاکی سے میری توجہ دوا والے معاملے سے ہٹا رہی تھی اس لیے میں نے بھی توجہ نہیں دی اور انگڑائی لی۔ ''ہاں آج کل نیند بہت آ رہی ہے شاید گزشتہ دنوں کی نیند کی کمی پوری ہو رہی ہے۔''

''تم واش روم سے ہو آؤ پھر میں ناشتہ لاتی ہوں۔'' وہ بولی تو میں باہر آ گیا جہاں فتح خان کا آدمی عقب سے شہلا کا بغور معائنہ کر رہا تھا۔ اس میں اس بے چارے کا قصور نہیں تھا۔ چست قمیص میں شہلا کی کمر اور اس کے آس پاس کے بھاری متعلقات کچھ زیادہ ہی واضح تھے۔ میرے باہر آنے پر وہ گڑبڑا کر میری طرف متوجہ ہوا اور اپنی شاٹ گن کا رخ میری طرف کر لیا۔

''چلو۔''

میں مسکرایا۔ ''مجھے باتھ روم جانا ہے اس دنیا سے نہیں جانا اس بندوق کا رخ دوسری طرف رکھو۔''

لیکن فتح خان کا آدمی حسِ مزاح سے عاری تھا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''چلو خدائی خوار۔''

میں واش روم سے فارغ ہو کر آیا تو شہلا ناشتہ لے آئی تھی۔ وہ کمرے کے باہر میری منتظر تھی اندر آنے سے پہلے اس نے فتح خان کے آدمی سے پوچھا۔ ''امیر مقام کہاں ہے..... صبح سے نظر نہیں آیا ہے۔''

''پتا نہیں باہر ہوگا۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''تم لوگوں کی ڈیوٹی یہاں ہے۔'' شہلا دبی زبان میں بولی۔ شاید وہ میری وجہ سے اسے زیادہ لتھاڑ نہیں سکی تھی لیکن وہ اندر آئی تو اس کا موڈ خراب تھا۔ ناشتہ صرف میرا تھا۔ مگر اس بار میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جب وہ مجھے بے وقوف بنا رہی تھی تو میں اسے کیوں نہ بے وقوف بناتا۔ ٹرے میں انڈوں کے خاگینے کے ساتھ پراٹھے تھے۔ مکھن اور اس کے ساتھ شہد تھا۔ خاگینے میں ملانے کے لیے نمک دانی بھی موجود تھی۔ یہ خاصا لگژری قسم کا ناشتہ تھا جو عام طور سے قیدیوں کو فراہم نہیں کیا جاتا ہے۔ میں نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا اور ڈٹ کر کھایا۔ اس بار وہ چائے نہیں لائی تھی۔ چائے ناشتے کے بعد لائی تاکہ مجھے ٹھنڈی چائے پینے کی کوفت نہ برداشت کرنی پڑے اور میں چائے پی کر راضی خوشی سو جاؤں۔ چائے کے بعد میں نے شہلا سے کہا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''مجھے واش روم جانا ہے۔''

وہ ہچکچائی پھر سر ہلایا۔''ٹھیک ہے لیکن زیادہ دیر مت لگانا۔ان لوگوں کو اور بھی کام ہوتے ہیں۔''

''چھوٹا سا کام ہے۔''میں نے کہا۔ فتح خان کا آدمی بادلِ ناخواستہ مجھے لے کر واش روم تک آیا کیونکہ یہاں اسے شہلا کو گھورنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ شہلا کے حکم پر عمل ضرور کر رہے تھے مگر ان کے انداز میں شہلا کے لیے کوئی وقعت نہیں تھی۔ میں چند منٹ بعد ہی واپس آ گیا۔شہلا کمرے کے باہر میری منتظر تھی۔اس نے غور سے مجھے دیکھا تو میں نے جماہی لے کر کہا۔''لگتا ہے رات کو نیند صحیح سے پوری نہیں ہوئی تھی پھر سستی چھا رہی ہے۔''

''تم آرام کرو۔''اس نے خلوص سے کہا۔''چاہو تو سو جاؤ کیونکہ فتح خان کے اتنی جلدی آنے کا امکان نہیں ہے۔''

میں اس کے مشورے کے پیچھے چھپا اصل مقصد اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور کمرے میں آ کر میں نے اپنا بایاں ہاتھ سامنے کیا۔اس ہتھیلی پر کٹ لگا ہوا تھا اور خون نکل رہا تھا۔خون کو گرنے سے روکنے کے لیے میں نے مٹھی کس کر بھینچی ہوئی تھی۔کٹ واش روم میں لگے شیشے کے کنارے سے لگا یا تھا۔خوش قسمتی سے شیشے کا کنارہ نکلا ہوا تھا اس لیے مجھے شیشہ نہیں توڑنا پڑا۔اگر میں شیشہ توڑتا تو شہلا اس کے بارے میں جان کر مشکوک ہو جاتی۔ قالین کے ایک طرف تھوڑا سا نمک پڑا ہوا تھا۔قالین کا یہ حصہ سفیدی مائل تھا اس لیے شہلا کو پڑا ہوا نمک بھی نظر نہیں آیا اور نمک بھی میں نے یہاں ڈالا تھا۔زخم زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن کٹ چوڑا تھا۔

اب مجھے انتظار تھا کہ کب دوا اثر کرنا شروع کرتی ہے۔تقریباً بیس منٹ بعد ہلکی سی غنودگی میرے حواسوں پر طاری ہونے لگی تھی۔ میں نے نمک کے چند ذرے اٹھا کر زخم پر ڈالے۔خون رک گیا تھا لیکن زخم ابھی تازہ ہی تھا۔نمک کی تیزی نے مجھے چند لمحے کے لیے تڑپا دیا تھا۔مگر اس کا اثر یہ ہوا کہ غنودگی غائب ہو گئی اور میرا ذہن پہلے کی طرح چاک و چوبند ہو گیا تھا۔اس کامیاب تجربے کے بعد میں کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔اب شہلا یا فتح خان کا آدمی کسی طرح سے اندر جھانکتے تو میں ان کو خواب خرگوش میں مگن دکھائی دیتا۔ پندرہ بیس منٹ بعد پھر غنودگی نے حملہ کیا جسے میں نے زخم پر نمک چھڑک کر پسپا کر دیا۔اس کے بعد کھیل شروع ہو گیا۔دوا اتنی آسانی سے ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھی غنودگی رہ رہ کر پلٹ رہی تھی اور بعض دفعہ تو یہ اتنی خاموشی سے آتی تھی کہ اگر میں شعوری طور پر ہوشیار نہ ہوتا تو مجھے پتا ہی نہیں چلتا کہ میں کب سو گیا ہوں۔

دو گھنٹے بہت سخت گزرے تھے۔نمک پاشی سے زخم میں تکلیف بڑھ گئی تھی اسی تناسب سے غنودگی کی کیفیت بھی بڑھی تھی لیکن دو گھنٹے بعد غنودگی کا حملہ کم اور کمزور ہونے لگا لیکن میں اب بھی اس کی طرف سے ہوشیار تھا ذرا سی نیند کی کیفیت محسوس کرتے ہی زخم پر نمک لگاتا تھا۔یہ تجربہ کرنے سے پہلے میں سمجھ رہا تھا کہ اپنے زخم پر خود نمک چھڑکنا مشکل کام ثابت ہو گا لیکن پتا چلا کہ اس سے زیادہ مشکل کام پیٹ بھر کر کھانے کے بعد گرم کمبل میں لیٹ کر اور نیند آنے کے باوجود جاگتے رہنے کی کوشش کرنا ہے۔عام حالات میں اگر میں پیٹ بھر کر اس طرح لیٹوں تو نیند آنا ایک فطری بات ہو گی۔دوا کے ساتھ تو اثر دوگنا ہو گیا تھا اور میں اس وقت کس طرح خود کو نیند سے بچائے رہا یہ میں ہی جانتا ہوں۔آدمی ساری دنیا سے لڑ سکتا ہے لیکن سب سے مشکل جنگ خود سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوتی ہے۔شاید اسی وجہ سے ہمارے دین میں نفس سے جنگ کو افضل جہاد قرار دیا گیا ہے۔افسوس کہ اس جہاد کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں ہے۔

میں نے گیارہ بجے ناشتہ کیا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ اس بات کو تین گھنٹے گزر چکے تھے۔نیند کا حملہ اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ دوا کا اثر زائل ہو رہا تھا۔ابھی تک شہلا یا کسی اور نے کمرے میں نہیں جھانکا تھا۔شاید وہ میری طرف سے بے فکر تھے یا انہوں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔اس وقت تک خاموشی تھی۔اچانک مجھے لگا جیسے کہیں کوئی عجیب سی آواز نکال رہا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی کا منہ بند ہو اور وہ بولنے کی کوشش کر رہا ہو۔نہ جانے مجھے کیوں لگا کہ آواز عورت کی ہے۔پہلے میں سمجھا کہ یہ شہلا ہے اور اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے لیکن جلد شہلا کی آواز الگ سے سنائی دی وہ برس پڑنے والے انداز میں امیر مقام سے کہہ رہی تھی۔

''امیر مقام یہ کون ہے اسے یہاں کیوں لائے ہو۔''

کمرے کا اکلوتا دروازہ پرانی طرز کا تھا اور اس میں پٹ کے اوپر نیم دائرے میں شیشے لگے تھے۔میں اٹھ کر دبے قدموں دروازے تک آیا اور چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر اوپر ہوا۔یہاں سے نشست گاہ کا منظر کسی قدر واضح تھا مجھے بالکل سامنے ایک نوجوان اور خوب صورت عورت اس حال میں نظر آئی کہ اس کے ہاتھ پشت سے بندھے اور کپڑے سے اس کا منہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔وہ آواز نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔میں اسی کی آواز سن کر چونکا تھا۔پھر اسے دیکھ کر چونکا اس کا لباس جا بہ جا پھٹا ہوا تھا۔خاص طور سے گریبان پیٹ تک پھاڑ دیا گیا تھا اور اس کا دودھیا جسم اور اس پر خراشوں کے نشانات صاف جھلک رہے تھے۔اس کے پیچھے امیر مقام کھڑا تھا۔وہ چڑھی ہوئی داڑھی مونچھوں والا تنومند شخص تھا جس کی آنکھوں میں ہمہ وقت سرخی رہتی تھی۔اس کا ساتھی لڑکی کے سامنے تھا اور اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھ رہا تھا۔

''یہ ہم کو جنگل میں ملا تھا۔'' امیر مقام نے سکون سے کہا۔

''اور تم اسے یہاں لے آئے۔'' شہلا چلائی۔''تمہارا دماغ درست ہے تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

یہ بتانے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں تھی کہ امیر مقام نے اس اٹھارہ انیس سال کی لڑکی کے ساتھ کیا کیا تھا۔اس کا پھٹا ہوا لباس اور خراش زدہ جسم بتانے کے لیے کافی تھا۔لڑکی کی آنکھوں میں جیسے شرارے لپک رہے تھے۔شہلا نے اس کے منہ کپڑا نکال دیا۔فوراً ہی اس کے منہ سے گالیاں ابل پڑی تھیں۔اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ خانہ بدوش تھی لیکن اس وقت پنجابی بول رہی تھی۔اس نے امیر مقام کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔''اس حرامی نے مجھے لوٹ لیا ہے..... میں اپنے مرد کو کیا منہ دکھاؤں گی۔میرا بچہ ہے..... اس کے پاس کیسے جاؤں گی۔''

مجھے افسوس ہونے لگا۔فتح خان کا ساتھی ایک درندہ نکلا تھا۔شہلا چلائی۔''تم بولتے کیوں نہیں ہو؟''

''یہ بدزبان عورت ادھر جنگل میں لکڑیاں لینے آیا تھا۔'' امیر مقام نے مشتعل لہجے میں کہا۔یقیناً اسے لڑکی یا عورت کی گالیاں گراں گزر رہی تھیں حالانکہ وہ اس سے کہیں زیادہ کا مستحق تھا۔عورت مسلسل بول رہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شہلا، عورت اور امیر مقام کی دس پندرہ منٹ کی گفتگو سے صورتِ حال سامنے آئی وہ یوں تھی کہ فتح خان کے اس منہ زور ساتھی نے جب جنگل میں اس اکیلی اور جوان عورت کو دیکھا تو اس کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے اسے پکڑ لیا۔ اس ویران جگہ اس عورت کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اپنی من مانی کر لینے کے بعد امیر مقام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بلکہ نہیں اسے غلطی کا احساس نہیں ہوا۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہوگیا کہ ابھی عورت واپس جا کر اپنے گھر والوں اور قبیلے کو اپنے اوپر گزرنے والی سنائے گی تو وہ اس جگہ چڑھ دوڑیں گے۔ اس لیے امیر گن پوائنٹ پر عورت کو یہاں لے آیا تھا۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا لڑکی کا تعلق ایک خانہ بدوش قبیلے تھا۔ یہ خانہ بدوش جو اپنے مویشی چرانے کے لیے مسلسل سفر میں رہتے ہیں۔ گرمیوں میں یہ اوپر کشمیر کے پہاڑوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور سردیوں میں یہاں نیچے پوٹھوہار کی طرف آجاتے ہیں۔ نسلاً یہ کشمیری ہی ہوتے ہیں اس کی تصدیق اس لڑکی کے خوب صورت خدوخال اور دلکش رنگت بھی کر رہی تھی۔ بے آبرو ہونے کے باوجود وہ عام لڑکیوں کی طرح غم سے نڈھال ہونے کے بجائے غصے سے بے تاب تھی اور اگر اس کے ہاتھ نہ بندھے ہوتے تو وہ فتح خان کے ساتھی پر چڑھ دوڑتی۔ میں نے خانہ بدوشوں کو بے باک اور جذبات کا تیز دیکھا ہے یہ لڑکی بھی ویسی ہی تھی۔

سب جاننے کے بعد شہلا اس پر برس پڑی تھی اور اسے بے نقط سنائی تھیں لیکن اس سے نہ تو اس لڑکی کی لٹی عزت واپس آسکتی تھی اور نہ ہی وہ اس مسئلے کا کوئی حل نکال سکتی تھی۔ امیر مقام اور اس کے ساتھی ایک نمبر کے ڈھیٹ اور بے حیا تھے۔ لڑکی کی گالیوں کے بعد شہلا کی باتیں بھی ان پر بے اثر رہی تھیں۔ اب وہ چپ ہو کر سوچ میں پڑ گئی تھی۔ غالباً وہ سوچ رہی تھی کہ اس لڑکی کا کیا کیا جائے۔ اس کے ذہن میں بھی وہی خدشہ ہوگا جس کی وجہ سے امیر مقام اس عورت کو پکڑ کر لے آیا تھا۔ اگر اسے آزاد کر دیا گیا تو وہ کچھ دیر میں اپنے سارے قبیلے کو یہاں لے آئے گی۔

خانہ بدوش امن پسند ہوتے ہیں اور عام طور سے کسی سے جھگڑا کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ اپنی عورتوں کے معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں اور کوئی ان کے ساتھ زیادتی کرے تو وہ اسے کسی صورت معاف نہیں کرتے ہیں۔ امن پسند ہونے کے باوجود وہ ہتھیار رکھتے ہیں اور انہیں استعمال کرنا بھی جانتے ہیں۔ ان کا قافلہ یہاں سے کچھ ہی دور کسی چشمے کے ساتھ رکا ہوا تھا۔ خانہ بدوش وہیں پڑاؤ ڈالتے ہیں جہاں انہیں پانی آسانی کے ساتھ مل جائے۔ لڑکی شادی شدہ تھی اور چولہا جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کرنے آئی تھی کہ امیر مقام کے ہتھے چڑھ گئی۔ مجھے لگا کہ شہلا اس عورت کو واپس جانے نہیں دے گی اور ایسا ہی ہوا۔ اس نے فتح خان کے آدمیوں سے کہا۔ ''ابھی اسے لے جا کر تہہ خانے میں بند کر دو۔ اس کا فیصلہ فتح خان آکر کرے گا۔''

یہ سن کر فتح خان کے آدمیوں کی باچھیں کھل گئی تھیں کیونکہ انہیں ایک تفریح ہاتھ آگئی تھی۔ لڑکی یہاں رہتی تو وہ موقع بہ موقع اس کے ساتھ من مانی کر سکتے تھے۔ امیر مقام کے ساتھی نے لڑکی کا بازو پکڑا تو وہ بپھر گئی اور انہیں دوبارہ گالیاں دینے لگی۔ امیر مقام نے دوبارہ اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا اور وہ دونوں اسے کھینچ کر تہہ خانے کی طرف لے گئے۔ وہ بری طرح مچل رہی تھی اور پچھاڑیں کھا رہی تھی لیکن دو ہٹے کٹے مردوں کے سامنے اس کا زور نہیں چلا تھا وہ اسے آرام سے کھینچ کر لے گئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ابھی موقع سے فائدہ اٹھانے کی فکر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں تھے۔ یہ بات شہلا نے بھی محسوس کر لی تھی وہ ان کے پیچھے گئی۔ کچھ دیر بعد اس کی اور فتح خان کے آدمیوں کی میز تیز بولنے کی آواز آئی تھی۔ پھر وہ نشست گاہ کی طرف آئے۔

امیر مقام کا مشتعل ساتھی اس کے پیچھے آیا اور چلا کر بولا۔ ''تم نے تالا کیوں لگایا ہے؟''

''تاکہ تم اس بے چاری کے ساتھ مزید ظلم نہ کر سکو۔'' شہلا چیخ کر بولی۔ ''میرے خدا تم لوگ انسانیت سے بالکل عاری ہو۔ درندوں کی طرح کمزوروں پر ٹوٹ پڑتے ہو۔''

''ہم کسی سے نہیں ڈرتا ہے۔'' امیر مقام نے ڈھٹائی سے کہا۔

''بڑے سورما ہو تم؟'' شہلا کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ ''اب اگر اس کے گھر یا قبیلے والے اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے تو ان سے نمٹنا تم کسی سے ڈرتے نہیں ہو نا؟''

شہلا ان کو سناتی ہوئی وہاں سے لے گئی تھی۔ فتح خان کے آدمی واقعی انسانیت سے عاری درندے تھے۔ ایسے درندے جنہیں صرف گوشت کھانے سے دلچسپی تھی لیکن شہلا کے لیے یہ پریشانی کی بات تھی۔ اس نے فتح خان کے ساتھ مل کر مجھے اس جگہ قید کیا تھا تاکہ کوئی مجھ تک نہ پہنچ سکے لیکن اب اس بات کا خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ اس عورت کی تلاش میں اس کے لوگ جلد یا بدیر اس جگہ کا رخ کریں گے۔ عورت یہیں جنگل سے لکڑیاں چننے آئی تھی اور یہ ناممکن تھا کہ اسے تلاش کرنے والے اس عمارت تک نہ آئیں۔ وہ لوگ آتے اور یقیناً زیادہ تعداد میں آتے اور انہیں شبہ ہو جاتا تو شہلا اور یہ دو مسلح افراد انہیں نہیں روک سکتے تھے۔

میں جیسے جیسے اس معاملے پر غور کر رہا تھا میرے اندر سے شدید خواہش ابھر رہی تھی کہ کاش ایسا ہی ہو۔ مجھے اس عورت پر ہونے والا ظلم کا افسوس تھا لیکن اس کی وجہ سے یہاں سے میری رہائی کی سبیل پیدا ہوئی تھی۔ اگر اس عورت کے قبیلے والے اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ جاتے اور شہلا اور اس کے ساتھیوں پر قابو پا لیتے تو میری رہائی کا امکان تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ ایسا ہی ہوتا۔ یہ امکان بھی تھا کہ عورت کا شوہر بدنامی کے ڈر سے بات کو چھپا جاتا یا اگر وہ اسے غائب پاتا تو اسے کسی اور معنوں میں لیتا اور عین ممکن ہے یہ فرض کر لیا جاتا کہ عورت اپنے کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی ہے۔ ہمارے خانہ بدوش قبیلوں میں ایسی باتیں عام ہیں۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ان کی نئی نسل بھی اب شہروں میں آباد ہونا چاہتی ہے اور وہ در بدر مارے مارے پھرنے سے اکتاتے جا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ خانہ بدوش قبیلے مسلسل کم ہوتے جا رہے ہیں۔

فتح خان کے ساتھی باہر چلے گئے تھے اور ان دونوں کا موڈ واضح طور پر خراب تھا۔ شہلا اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں واپس کمبل میں آ گیا۔ ایک چانس یہ بھی ہو سکتا تھا کہ شہلا یا اس کا ساتھی مجھے دیکھنے آئیں کہ میں سو رہا ہوں اور میں ان کو قابو کر لوں۔ ایک بار میرے ہاتھ میں کوئی ہتھیار آ جاتا تو مجھے یہاں روکنا مشکل تھا۔ تہہ خانے میں بند عورت اگر شور کر بھی رہی تھی تب بھی اس کی آواز باہر تک نہیں آ رہی تھی۔ تہہ خانے کا دروازہ اس کمرے کے پاس ہی تھا۔ مجھے کمبل میں دبکے ہوئے خاصی دیر ہونے کو آئی تھی لیکن میری توقعات پوری نہیں ہوئی تھیں۔ نہ تو اس عورت کے لیے کوئی آیا اور نہ ہی شہلا یا فتح خان کے کسی آدمی نے آ کر مجھے دیکھنے کی زحمت کی۔ شاید وہ مطمئن تھے کہ میں بے ہوش پڑا ہوں اور ان کے لیے کسی قسم کی مشکل نہیں کھڑی کر سکتا تھا۔ وہ اس مشکل پر غور کر رہے تھے جو ممکنہ طور پر آ سکتی تھی۔ شام قریب تھی اور دن ڈھل رہا تھا۔ فتح خان ابھی تک نہیں آیا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا۔ ابھی تک خاموشی تھی۔ پھر پہلے ہلکا سا شور سنائی دیا جو رفتہ رفتہ بڑھنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کئی افراد بول رہے ہوں۔ پھر آوازیں قریب آنے لگیں۔ مجھے شہلا کی آواز سنائی دی۔

''تم لوگ اندر نہیں آسکتے یہ میرا گھر ہے۔ کسی کے گھر میں زبردستی گھسنا جرم ہے۔''

''ہمارے قبیلے کی ایک عورت غائب ہے۔'' کوئی آدمی چلایا۔ ''وہ ادھر ہی آئی تھی۔ ہمیں شبہ ہے وہ اس مکان میں موجود ہے۔''

''یہاں کوئی عورت نہیں ہے۔'' امیر مقام کا ساتھی بولا لیکن اس کے لہجے سے خوف جھلک رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عورت یہاں سے نکل آئی تو ان کا کیا انجام ہوگا کیونکہ بولنے والوں کی آوازوں سے لگ رہا تھا کہ آنے والے تعداد میں خاصے زیادہ تھے اور وہ مکان کی نشست گاہ تک آ گئے تھے۔ میں نے دروازے کے اوپر سے جھانکا۔ آنے والے واقعی خانہ بدوش تھے۔ ان کے رنگ برنگ لباس اور منفرد حلیہ اس کی گواہی دے رہا تھا۔ ان میں سے اکثر ڈنڈوں اور نیزوں سے مسلح تھے جب کہ کچھ افراد کے پاس آتشیں ہتھیار بھی نظر آ رہے تھے۔ ان کی تعداد کسی طرح دو درجن سے کم نہیں تھی۔ ممکن ہے مکان سے باہر اس سے بھی زیادہ موجود ہوتے اور اس کا پورا امکان تھا۔

''یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہم شریف لوگ ہیں۔'' شہلا کہہ رہی تھی۔ ''اگر تم لوگوں کو کوئی مسئلہ بھی ہے تو کچھ معزز لوگ میرے پاس آتے۔ اس طرح یہ ہجوم یہاں کیوں آیا ہے۔''

''اس کی وجہ ہے۔'' ایک لمبا آدمی گرج دار آواز میں بولا۔ ''ہمارے ایک چھوکرے نے ہماری عورت کو ایک آدمی کے ساتھ اس طرف آتے دیکھا تھا جس کے پاس بندوق تھی۔''

''ایک بچے کی بات سن کر تم یہاں چڑھ دوڑے۔'' شہلا نے تیز لہجے میں کہا۔ ''یہ دونوں میرے ملازم ہیں اور رائفل رکھنا ہماری مجبوری ہے۔ ہم اس ویران علاقے میں رہتے ہیں۔ میں تم لوگوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ لکھواؤں گی۔''

''ضرور لکھوانا۔'' آدمی نے کہا۔ ''لیکن ہم یہاں کی تلاشی ضرور لیں گے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' امیر مقام بولا۔

اس پر دونوں پارٹیوں میں جھگڑا ہوا اور شور کی آواز بلند ہوئی۔ آنے والے غصے سے بے قابو ہو رہے تھے۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اس لیے انہوں نے جلد شہلا اور اس کے ساتھیوں پر قابو پا لیا۔ شہلا چیخ چیخ کر انہیں برا بھلا کہہ رہی تھی پھر فتح خان کے آدمیوں سے اسلحہ چھین لیا گیا۔ ان کے پاس سے پستول نکل آئے اور اس پر بھی شور ہوا تھا۔ فتح خان کے آدمیوں کا اتنا مسلح ہونا بھی آنے والوں کو مشکوک کر گیا تھا۔ کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ تینوں جھوٹے ہیں، مہرو یہیں ہے۔''

''مکان کی تلاشی لو۔'' لمبے آدمی نے کہا وہ ان لوگوں کا سردار لگ رہا تھا۔ اس کا حکم ملتے ہی آنے والے گھر میں پھیل گئے تھے۔ شہلا اور فتح خان کے آدمی چلاتے رہ گئے لیکن وہ بے بس تھے۔ جیسے ہی کچھ آدمی میرے کمرے کی طرف آئے میں جلدی سے کمبل میں گھس کر ساکت ہوگیا۔ فوراً ہی چند آدمی میرے کمرے میں گھس آئے اور مجھے دریافت کرلیا۔ ایک نے فوراً چلا کر باقیوں کو اطلاع دی کہ یہاں بھی ایک بندہ موجود ہے۔ کسی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نے میری پشت پر لات ماری۔ ''اٹھ اوئے نواب دی اولاد۔''

نواب کی اولاد یعنی میں بڑی مشکل سے اٹھا اور غنودگی میں ہونے کی اداکاری کرنے لگا۔ میں دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا تھا اور آنکھیں ملنے لگا۔ ایک نے پوچھا۔ ''اوئے تُو کون ہے؟''

''میرا نام شہباز ملک ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''انہوں نے مجھے یہاں بند کر رکھا ہے۔''

تین افراد مجھے بھی کھینچ کر نشست گاہ میں لے آئے جہاں شہلا ایک طرف کھڑی تھی لیکن فتح خان کے دونوں آدمی فرش پر بندھے پڑے تھے۔ صوفے پر اب لمبا آدمی اور ایک نوجوان براجمان تھے۔ نوجوان کے خدوخال بتا رہے تھے کہ وہ سردار کا ولی عہد بہادر تھا اور اس نے جینز پر ایک لیڈیز لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ تقریباً درجن بھر خانہ بدوش کھڑے ہوئے تھے اور اتنے ہی مکان کے دوسرے حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ صوفے پر بیٹھے لمبے آدمی نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

''تُو کون ہے؟''

''میرا نام شہباز ملک ہے۔'' میں نے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ان لوگوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔''

''یہ جھوٹ کہتا ہے۔'' شہلا اطمینان سے بولی۔ ''یہ ہمارا ساتھی ہے۔''

''یہ عورت غلط کہہ رہی ہے میں ایک کمرے میں قید تھا اور تمہارے لوگ مجھے وہاں سے نکال کر لائے ہیں۔'' میں نے سوال کرنے والے سے کہا۔ ''ان سے پوچھ لو میں وہاں سو رہا تھا۔''

''شاباش ہے تُو اتنے ہنگامے میں بھی سو رہا تھا۔'' ولی عہد بہادر نے مجھے گھورا۔

''میرا خیال ہے یہ لوگ مجھے کھانے میں کچھ دیتے ہیں کیونکہ کھانا کھاتے ہی میں سو جاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی بھی تمہارے نے آدمیوں نے مجھے مار پیٹ کر بیدار کیا ہے۔''

''تمہیں کیوں قید کیا ہوا ہے؟'' سردار نے پوچھا۔

''یہ فتح خان کے لوگ ہیں۔'' میں نے آرام سے بتا دیا۔ ''وہ میرا دشمن ہے مجھے اغوا کر کے یہاں لا کر رکھا ہوا ہے۔''

''فتح خان کہاں ہے؟'' سردار نے شہلا سے پوچھا۔ ''وہ تیرا کیا لگتا ہے؟''

''میرا شوہر ہے اور یہ بکواس کرتا ہے۔'' شہلا مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ''یہ فتح خان کا دوست ہے اور یہاں رکنے آیا ہے۔ فتح خان کام سے شہر گیا ہوا ہے۔''

مکان کی تلاشی لینے والے آ کر بتا رہے تھے کہ عورت مکان میں کہیں نہیں ہے۔ یہ سن کر سردار فکرمند نظر آنے لگا وہ اپنے آدمیوں سمیت اس مکان پر چڑھ دوڑا تھا اس نے شہلا اور فتح خان کے آدمیوں کے ساتھ برا سلوک کیا تھا اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ معمولی لوگ نہیں تھے۔ اگر اس کا الزام غلط نکلتا تو اسے لینے کے دینے بھی پڑ سکتے تھے۔ میں نے بتایا کہ خانہ بدوش عام طور سے تنازعات میں الجھنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ یہ دوسروں کی زمینوں سے گزرتے ہیں۔ اگر یہ جھگڑے کرنے لگیں تو ان کے راستے بند ہو جائیں اس لیے یہ چھوٹی موٹی بے عزتی بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ میں نے شہلا سے پوچھا۔ ''یہ کیا چکر ہے یہ لوگ کون ہیں اور کس عورت کو تلاش کر رہے ہیں کیا تم لوگوں نے کسی عورت کو بھی اغوا کیا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

شہلا مجھے گھور رہی تھی اور شاید چاہتی تھی کہ میں تہہ خانے کا ذکر نہ کروں۔ اس نے تنبیہ کرنے والے لہجے میں کہا۔ ''تم خاموش رہو۔ اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میں انجان بنا ہوا تھا۔ اگرچہ میں کھل سکتا تھا کہ میں نے سب سنا تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ عورت تہہ خانے میں بند ہے اس کے ساتھ کیا ہوا ہے لیکن میں نے کچھ نہ کہنے کا فیصلہ کیا۔ اس لیے نہیں کہ مجھے شہلا سے کوئی ہمدردی تھی بلکہ میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا تھا اور میں نے ان لوگوں کا بھانڈا پھوڑنے سے گریز کیا۔ میری خاموشی پر شہلا نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اس نے سردار سے کہا۔ ''تمہارا اطمینان ہو گیا اب تم شرافت سے چلے جاؤ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گی۔ ورنہ تم لوگوں نے جو کیا ہے اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ تم سب کو پولیس لے جائے اور کچھ دن حوالات میں رکھے۔''

صوفے پر براجمان دونوں باپ بیٹا ہماری گفتگو غور سے سن رہے تھے۔ اگر ان لوگوں نے یہاں پڑاؤ ڈالا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ جگہ اسلام آباد اور راولپنڈی سے دور تھی۔ خانہ بدوشوں کا سردار بوڑھا لیکن ہوشیار اور شاید پڑھا لکھا بھی تھا۔ اس نے مجھے لانے والوں سے پوچھا۔ ''کیا یہ کمرے میں قید تھا؟''

''پتا نہیں جی۔'' ایک احمق بولا۔ ''یہ تو مزے سے پڑا سو رہا تھا۔''

میں نے اسے دل ہی دل میں سنائیں اور منہ سے بولا۔ ''بھائی کیا اس کمرے کا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا؟''

''دروازہ میں نے نہیں کھولا تھا۔'' اس نے انکار کیا۔ اب مسئلہ یہ ہوا کہ ان میں سے کس نے دروازہ کھولا تھا اسے یاد نہیں رہا تھا سب یہی کہہ رہے تھے کہ انہیں دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔ وہ شک میں پڑ گئے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں یا نہیں۔ شہلا نے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھا تو میں نے دل میں کہا۔ ''ابھی تم مسکرانا بھول جاؤ گی جب ان لوگوں کو تہہ خانہ ملے گا۔''

خانہ بدوش گھر میں پھیلے تھے اور موقع سے فائدہ اٹھا کر چھوٹی موٹی چیزیں بھی پار کر رہے تھے۔ ایسی آوازیں آ رہی تھیں اور بعض چیزوں پر دو افراد میں دبی ہوئی تکرار بھی ہو جاتی تھی۔ مجھے امید تھی اور شہلا کو خدشہ تھا کہ اس تلاشی کے دوران کہیں تہہ خانے کا دروازہ نہ دریافت ہو جائے۔ اس نے بے چینی سے سردار سے کہا۔ ''تمہارے لوگ میرے گھر میں گھسے ہوئے ہیں اگر کوئی چیز غائب ہوئی تو اس کی ذمے داری تم پر ہو گی۔ میں پولیس میں رپورٹ لکھوا دوں گی۔''

پولیس کے ذکر نے سردار کو مجبور کر دیا اور اس نے گرج کر اپنی عوام سے کہا۔ ''کیا کر رہے ہو تم لوگ ایک ایک چیز اپنی جگہ واپس رکھ دو ورنہ تمہاری کھالیں گرا دوں گا۔''

مجھے مایوسی ہوئی اور شہلا کے چہرے پر اطمینان آیا تھا۔ خانہ بدوش لڑکی مہرو کا منہ بند تھا اور شاید ہاتھ کے ساتھ اس کے پیر بھی باندھ دیئے گئے تھے اس لیے وہ اوپر موجود لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر پا رہی تھی۔ میری مشکل یہ تھی کہ میں شروع میں ہی انکار کر چکا تھا اور انجان بنا ہوا تھا اس لیے اب میں لڑکی کی نشاندہی نہیں کر سکتا تھا۔ سردار کھڑا ہو گیا۔ اس نے گرج دار آواز میں اپنے لوگوں کو واپسی کا حکم دیا۔ پھر اس نے شہلا سے کہا۔ ''بی بی ہم ابھی یہیں ہیں اور اپنی عورت کو تلاش کر رہے ہیں اگر پتا چل گیا کہ وہ تیرے پاس ہے یا تُو نے اسے غائب کیا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہے تو ہم دوبارہ یہاں آئیں گے۔"

"ضرور آنا۔" شہلا بدمزگی سے بولی۔ "تم نے میرے آدمیوں کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔"

"برا مت ماننا بی بی اگر یہ تیرے محافظ ہیں تو بے کار ہیں بہتر ہے انہیں نکال دے اور کچھ اچھے لوگ رکھ جو برے وقت میں تیرے کام آئیں۔ یہ کسی کام کے نہیں ہیں۔"

فتح خان کے آدمیوں کے بارے سردار کی رائے درست تھی۔ وہ مسلح تھے لیکن جب ہجوم دیکھا تو بھیگی بلی بن گئے۔ انہوں نے خاموشی سے اپنے ہتھیار ان لوگوں کے حوالے کر دیئے تھے۔ خانہ بدوشوں کی اس طرح واپسی میرے لیے اچھی خبر نہیں تھی۔ کیونکہ اس طرح میری رہائی کا امکان ختم ہو گیا تھا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا۔ میں نے سردار سے کہا۔ "مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ تمہارے قبیلے کی ایک عورت غائب ہے۔ یہ اس علاقے کا مسئلہ بھی ہے کیونکہ یہاں کوئی عورت غائب ہو تو ہماری بدنامی بھی ہو گی۔ کیا میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر تمہاری عورت کو تلاش کر سکتا ہوں۔"

شہلا اچھل پڑی تھی اور نور امیر امقصد سمجھ گئی۔ "تم ان کی کیا مدد کرو گے تم خود یہاں اجنبی ہو۔"

"اجنبی ہوں لیکن ویسے تو مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تمہیں کیا اعتراض ہے تم نے خود کہا ہے میں تمہارا قیدی نہیں ہوں۔"

لیکن شہلا کسی صورت میں مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے کہا۔ "شہباز تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔"

"کیوں نہیں جا سکتا۔" میں نے کہا اور دھیمے لہجے میں انگریزی میں کہا۔ "اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہارا بھانڈا نہ پھوڑوں تو مجھے جانے دو۔"

شہلا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور ہوشیار سردار چونک گیا۔ "کیا..... کیا کہا ہے تُو نے؟"

"کچھ نہیں عادت کی وجہ سے بول گیا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں تمہاری مدد کرنے کے لیے۔"

شہلا خون کے گھونٹ پی کر خاموش تھی۔ وہ جانتی تھی اگر خانہ بدوش عورت یہاں دریافت کر لی گئی تو وہ لوگ کتنی مشکل میں پڑ جائیں گے لیکن اس نے سردار سے اپنے اسلحے کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ "ہمارا اسلحہ دو اور یہاں سے جاؤ۔"

لمبا سردار باہر کی طرف بڑھا اس کی پبلک بھی ایک ایک کر کے مایوس واپس آ رہی تھی کیونکہ ایک تو ان کو اپنی عورت نہیں ملی تھی اور اس سے بھی زیادہ مایوس کن بات یہ تھی کہ انہیں لوٹ مار کا موقع نہیں ملا تھا۔ سردار کے حکم پر جس نے جو چیز اٹھائی تھی وہ بھی اسے واپس کرنا پڑی تھی۔ اندر موجود افراد بھی باہر آ گئے تھے۔ مگر سب باہر نہیں آئے تھے۔ ایک نوجوان اندر ہی تھا اور اس میں جاسوسی کی عظیم صلاحیتیں تھیں اس لیے جو چیز دوسروں کی نظر میں نہ آئی وہ اس نے دیکھ لی۔ اس نے تہہ خانہ دریافت کر لیا اور باہر دوڑا آیا۔ نوجوان نے ہانپتے ہوئے سردار سے کہا۔ "ادھر جی زمین کے نیچے بھی ایک کمرہ ہے۔"

سردار چونکا۔ "تجھے کیسے پتا چلا؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اس پر تالا لگا ہے جی۔''

سردار نے اسے تھپڑ رسید کیا۔''تالے کا مطلب ہے کہ وہاں زمین کے نیچے کمرہ ہے۔''

نوجوان تھپڑ کھا کر ذرا بھی بے مزہ نہیں ہوا اور اس نے قسم کھائی۔''ادھر نیچے کچھ ہے۔''

سردار نے میری طرف دیکھا تو میں نے ہچکچا کر کہا۔''ہاں اس مکان میں ایک تہہ خانہ ہے تو۔''

سردار فوراً واپس آیا اور اس نے شہلا سے کہا۔''تم نے بتایا نہیں یہاں ایک تہہ خانہ بھی ہے؟''

شہلا کے چہرے پر بارہ بج گئے تھے وہ کسمسائی۔''''مجھے نہیں معلوم میں کبھی اس جگہ نہیں گئی۔''

وہ سفید جھوٹ بول کر خود کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ تہہ خانہ کھلتے ہی اس کا جھوٹ سامنے آجاتا۔

سردار نے کہا۔''اس کا ابھی پتا چل جاتا ہے۔''اس نے تہہ خانہ دریافت کرنے والے نوجوان کو لمبس کی طرف دیکھا۔''کہاں ہے؟''

نوجوان اسے دکھانے لے گیا۔صورتِ حال بدلتے ہی سردار کے آدمیوں کے تیور بھی بدل گئے تھے۔فتح خان کے دونوں آدمی ابھی تک بندھے ہوئے تھے۔ان کا اسلحہ بھی خانہ بدوشوں کے پاس تھا۔شہلا نے دیکھ لیا تھا کہ تہہ خانہ کسی اور نے دریافت کیا ہے اس لیے وہ اس کا الزام مجھے نہیں دے سکتی تھی لیکن اس نے آہستہ سے انگریزی میں کہا۔''شہباز تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔میں نے تمہارا بتایا ہے تمہاری ایک اہم شخصیت جلد یہاں آنے والی ہے۔''

''تم جھوٹ کہہ رہی ہو اگر وہ اہم شخصیت تمہارے قبضے میں ہوتی تو اب تک یہاں آچکی ہوتی۔''میں نے جواب دیا۔

شہلا جھنجھلا گئی۔''مرضی تمہاری اگر بعد میں تمہارا کوئی نقصان ہو تو مجھے الزام مت دینا۔''

''میں دشمن کو الزام دینے کا قائل بھی نہیں ہوں میں تو سیدھا سا اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا ہوں۔''

سردار لوٹ آیا اور اس نے شہلا سے کہا۔''تالے کی چابی کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم اس کے پاس ہوگی۔''اس نے جل کر میری طرف اشارہ کیا۔''ممکن ہے اسی نے تمہاری عورت کو غائب کیا ہو؟''

''میری تلاشی لے لو اگر میرے پاس سے نکل آئے تو مجھے قصوروار سمجھنا۔''اس بار میں نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔''میں صبح گیارہ بجے سے سو رہا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ یہاں کیا ہو رہا ہے لیکن یہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔'' میں نے کہا۔''مجھے بھی اغوا کر کے لائے ہیں اور ممکن ہے اس عورت کو بھی انہوں نے اغوا کیا ہو۔''

''شہباز تم انہیں اس طرح بے وقوف نہیں بنا سکتے۔''شہلا بولی۔

''میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔میں ایک کمرے میں قید تھا۔''

''یہ جھوٹ ہے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا پھر تم قید کیسے ہوئے؟''

''دوسرے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔تم لوگ چاہو تو میری تلاشی لے سکتے ہو۔''

ایک آدمی نے سر سے پاؤں تک میرے لباس کی تلاشی لی اور اعلان کیا۔''اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔''

سردار پھر مشکوک ہو گیا تھا۔شہلا نے چابی دینے سے انکار کر کے اس کے شکوک کو ہوا دی تھی اس نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ تالا توڑ دیں۔ فوراً ہی کچھ لوگ اندر کی طرف دوڑے۔ چند لمحے بعد دو آدمی باہر گئے اور بڑے پتھر لے آئے۔ وہ پتھروں سے تالا توڑ رہے تھے۔ امیر مقام اور اس کے ساتھی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔ ایک قبائلی معاشرے کا فرد ہونے کی وجہ سے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک عورت پر دست درازی کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے جب کہ وہ عورت شادی شدہ بھی ہو۔ شہلا بھی متفکر نظر آ رہی تھی لیکن اب اس نے چپ سادھ لی تھی۔ شاید وہ میری حکمتِ عملی بھانپ گئی تھی کہ اجنبی بنے رہو اور وہ بول کر پھنس گئی تھی اس لیے اب خاموش تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مکان میں دو درجن افراد کے علاوہ باہر بھی کئی لوگ موجود تھے ان کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے سردار سے پوچھا۔ ''تم لوگ اکثر یہاں آتے رہتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اب سے نہیں صدیوں سے ہم اس علاقے میں سفر کر رہے ہیں۔ گرمیوں میں کشمیر کے پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں پہلے کارگل تک جاتے تھے پر جب انڈیا پاکستان بنا تو ہم اس سے پہلے تک جاتے ہیں سردیوں میں یہاں آتے راولپنڈی میں اپنے مویشی بیچ کر گرمیاں شروع ہوتے ہی واپس چلے جاتے ہیں۔''

''یہ علاقہ کون سا ہے؟''

''یہ علاقہ راولپنڈی کا ہے۔ ادھر موٹروے سے کچھ دور ہے۔''

موٹروے پر ہونے کا مطلب تھا کہ یہ پنڈی کا نچلا علاقہ تھا۔ فتح خان اور شہلا مجھے شہر سے خاصا دور لے آئے تھے۔ اس دوران میں وہ لوگ تالا توڑنے میں کامیاب رہے تھے ایک دھماکے سے تہہ خانے کا دروازہ کھولا گیا اور پھر فوراً ہی کوئی چلایا۔ ''یہاں مہرو بند ھی پڑی ہے۔''

اس اعلان نے شہلا کا چہرہ سفید کر دیا تھا اور فتح خان کے آدمی تو خوف سے ادھ موئے ہو رہے تھے۔ مہرو کے ملنے کا مطلب تھا کہ ان کی خیر نہیں تھی۔ آناً فاناً مہرو کے ملنے کی خبر مکان کے اندر باہر پھیل گئی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر اور تند شخص بھاگتا ہوا مکان میں آیا اور تہہ خانے کی طرف لپکا تھا۔ باقی سب بھی کھڑے ہو گئے تھے اور وہ سخت مشتعل تھے۔ میں نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ''عورت یہاں کیسے آئی؟''

''میں نہیں جانتی۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

''یہ لوگ مل کر ڈرامہ کر رہے ہیں۔'' ایک آدمی چلایا اور اس نے امیر مقام کی کمر پر لات ماری۔ یہ لات بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی کیونکہ اس کے بعد انہوں نے فتح خان کے دونوں آدمیوں کو بے دریغ مارنا شروع کر دیا۔ شہلا سہم کر ایک طرف ہو گئی تھی۔ درجن بھر سے زیادہ افراد ان دونوں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور وہ چلا رہے تھے۔ ابھی تک کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن پھر کوئی چلایا۔

''یہ حرامی بھی شامل ہے مارو اسے۔''

بولنے والے نے عقب سے میری کمر پر مکا مارا۔ میں نے سردار سے کہا۔ ''ان لوگوں کو روکو اس طرح بغیر حقیقت جانے مار پیٹ ٹھیک نہیں ہے۔''

''مہرو کے ملنے بعد اور کسی حقیقت کی ضرورت ہے۔'' نوجوان ولی عہد غرایا۔

''دیکھو مہرو اسی مکان سے ملی ہے مگر اس کے اغوا میں کون لوگ ملوث ہیں۔ یہ تمہیں جاننا ہے۔ تمہارا اصل مجرم کون ہے یہ جانے بغیر تم سب کو کس طرح سزا دے سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''یہ عورت شہلا اعتراف کر چکی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہے کہ مکان فتح خان نامی شخص کا ہے اور یہ مجھے اس کا ساتھی بتاتی ہے اگر میں اس کا ساتھی بھی ہوں تب بھی میں ان لوگوں کے علم میں لائے بغیر ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں کہ ایک عورت کو یہاں لا کر قید کر دوں۔"

"بکواس کرتا ہے جی یہ۔" مجھے مکا مارنے والا چلایا اور اس نے دوبارہ میری پشت پر حملہ کیا۔ اس کے اشتعال دلانے پر چار پانچ افراد مجھ پر بھی چڑھ دوڑے تھے اور انہوں نے مجھے بے دریغ لاتوں اور گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا۔ میں مار کھاتے ہوئے ایک طرف دیوار سے ٹک گیا اور پھر اپنا دفاع کرنے لگا۔ اگرچہ چار پانچ افراد کے چلتے ہاتھ پیروں کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا اور مجھے ضربیں لگ رہی تھیں لیکن میں چہرہ اور جسم کے نازک حصوں کا دفاع کر رہا تھا۔ ساتھ ہی ان کو سمجھانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ اب تک میں نے دفاع کیا تھا یا ان کو پیچھے دھکیلا تھا۔ میں نے کسی کو مارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسی کوئی کوشش ان کو مشتعل کر سکتی تھی اور وہ زیادہ ہو جاتے تو میرے لیے کیا کسی رستم زمان کے لیے بھی دفاع کرنا ناممکن ہو جاتا۔

○.....❖.....○

ہجوم کی طاقت بڑی خوفناک ہوتی ہے درجنوں کمزور اور پسے ہوئے انسان جب ہجوم کی صورت میں جمع ہوتے ہیں تو کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ اس میں طاقت سے زیادہ نفسیات کارفرما ہوتی ہے کمزور کو اجتماعیت کا احساس تقویت دیتا ہے تو طاقتور کو اکیلا ہونے کا خوف کمزور کر دیتا ہے۔ میں اس خوف کو اپنے اوپر حاوی ہونے سے روک رہا تھا۔ ورنہ میرے لیے اپنا دفاع کرنا بھی دشوار ہو جاتا۔ اتنی دیر میں فتح خان کے دونوں آدمیوں کی چٹنی بن گئی تھی اور ان کے منہ کا آگے پیچھے کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ تہہ خانے کی طرف سے اسی ادھیڑ عمر شخص کی چلانے کی آواز آئی۔ وہ شاید مہرو کا شوہر یا کوئی قریبی رشتے دار تھا اور مہرو کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا پتا چل گیا تھا۔ ابھی یہ اطلاع اوپر نہیں آئی تھی اور چکر ہے اس کی آمد سے پہلے ہی سردار نے اچانک مداخلت کی اور ان لوگوں کو روکا جو مجھے مار پیٹ رہے تھے۔

"رکو اسے مت مارو لیکن نظر میں رکھنا۔" اس نے حکم دیا اور اپنے ولی عہد کے ساتھ تہہ خانے کی طرف چلا گیا۔ میرے نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا ایک مکے نے میرے چہرے تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ میں نے ہانپتے ہوئے ہونٹ صاف کیا اور شہلا سے کہا۔

"یہ سب تم لوگوں کا کیا دھرا ہے۔"

شہلا کچھ نہیں بولی۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی تھی۔ مجھے مارنے والے اب گھیرے کھڑے تھے اور کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ فتح خان کے ساتھی بے ہوش ہو چکے تھے۔ اس لیے فی الحال ان کی بھی جان بخشی ہو گئی تھی لیکن یہ عارضی صورت حال تھی۔ اب ہمارے ساتھ کیا ہونا تھا اس کا اندازہ کسی کو نہیں تھا۔ امیر مقام نے مہرو کی عزت برباد کی تھی اور یہ خانہ بدوش اس کا انتقام ہم سے کس طرح لیتے یہ کہنا مشکل تھا۔ مگر مجھے لگ رہا تھا ہم کسی بڑی مشکل میں پڑنے والے ہیں۔ اگرچہ مہرو اپنے لوگوں کو حقیقت بتا سکتی تھی کہ اس کا اصل مجرم کون تھا لیکن جب انتقام اندھا ہو جائے تو مجرموں کے ساتھ بے گناہ بھی اس کے رگڑے میں آ جاتے ہیں۔

میں دیکھ چکا تھا مہرو کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا اور جسم پر زخموں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ یہ امیر مقام

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کی درندگی کا ثبوت تھے۔ اس کی ہوس نے نہ صرف ایک عورت اور اس کے گھر کو اجاڑ دیا تھا بلکہ ہمیں بھی خطرے میں ڈال دیا تھا۔ جب مجھے اس کی حالت دیکھ کر افسوس ہوا تھا تو اس کے شوہر اور دوسرے رشتے داروں کے غم و غصے کا عالم ہی الگ ہوگا۔ عین ممکن تھا ہمیں کسی قسم کی کارروائی کے بغیر یہیں مار مار کر جاں بحق کر دیا جاتا۔ کچھ دیر بعد سردار اور دوسرے لوگ نشست گاہ تک آئے۔ مہرو کے ادھیڑ عمر شوہر نے اسے اپنی چادر میں لپیٹ دیا تھا کیونکہ اس کا لباس اس کی پردہ پوشی سے قاصر تھا۔ ان دونوں کی آنکھوں میں انتقام کی آگ روشن تھی۔ مہرو نے نشست گاہ میں آتے ہی امیر مقام کی طرف اشارہ کیا اور اس کا شوہر کسی بھیڑیے کی طرح اس کی طرف لپکا۔ امیر مقام کسی قدر ہوش میں آ گیا اور اس نے مہرو کے شوہر کے انداز میں اپنے لیے موت دیکھ لی تھی۔ وہ چلانے لگا۔

''خدا کے لیے ہم کو معاف کر دو۔''

آدمی نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور امیر مقام کی گردن دبوچ لی۔ وہ اس کا گلا دبا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ دوسرے اسے روک لیں گے اور امیر مقام کی جان فی الحال بچ جائے گی لیکن کسی نے مداخلت نہیں کی۔ سردار اور دوسرے آرام سے کھڑے رہے۔ ایک منٹ سے بھی پہلے امیر مقام کی آنکھیں ابل آئیں اور اس کے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلنے لگی۔ شہلا نے سردار کی طرف دیکھا۔ ''تم اچھا نہیں کر رہے ہو اسے پولیس کے حوالے کر دو۔''

''تم اس کی نہیں اپنی فکر کرو۔'' سردار نے اسے مشورہ دیا تو میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ ان لوگوں کے عزائم ٹھیک نہیں لگ رہے تھے لڑکی نے بتا دیا تھا کہ اس کی آبرو کا مجرم کون تھا اس کے باوجود وہ ہمیں چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتے تھے لیکن پہلے اپنے اصل مجرم سے نمٹ لینا چاہتے تھے۔ سردار اور اس کے قبیلے والوں کا رویہ دیکھتے ہوئے میں نے بھی مداخلت سے گریز کیا۔ میرے خیال میں امیر مقام اس سے بھی زیادہ سخت سزا کا مستحق تھا جو اس وقت اسے دی جا رہی تھی لیکن وہ مستحق نہ بھی ہوتا تو میں اسے بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دو منٹ کے اندر اس نے جان دے دی تھی۔ اس کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ مہرو کا شوہر مضبوط اور غضب ناک آدمی تھا اس لیے اس نے پوری قوت صرف کر دی تھی۔ امیر مقام کے ساتھی کی حالت یہ منظر دیکھ کر خراب ہو گئی تھی وہ گھگیا کر کہہ رہا تھا وہ اس کام میں شامل نہیں تھا۔ امیر مقام کو یوں مرتے دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی اور اطمینان مہرو کے چہرے پر نظر آیا۔ سردار نے اسے فوری انصاف مہیا کرنے کے لیے یہ سزا تجویز کی تھی اور اس پر فوری عمل درآمد بھی ہوا تھا۔

امیر مقام کو اس کے کیے کی سزا مل چکی تھی۔ سردار اور اس کے آدمیوں کے عزائم شہلا کے بارے میں بھی ٹھیک نہیں تھے لیکن فی الحال مجھے اپنی زیادہ فکر تھی کہ اس سزا میں بلاوجہ میں بھی شامل نہ ہو جاؤں۔ مہرو کے ساتھ ہونے والے ظلم نے اس کے لوگوں کو مشتعل کر دیا تھا۔ امیر مقام کے مرنے پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور پھر اس کی لاش کھینچتے ہوئے باہر لے گئے میں نے سردار کی طرف دیکھا۔ ''تم لوگوں نے اپنے مجرم سے بدلہ لے لیا ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ابھی بدلہ پورا کہاں ہوا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سردار کے اشارے پر اس کے آدمی ہمیں مکان کے احاطے میں لے آئے۔ سورج مغرب کی طرف جھک چکا تھا اور شام کے سائے طویل ہو رہے تھے۔ شہلا خوف زدہ تھی۔ امیر مقام کی عبرتناک موت نے اسے سہما دیا تھا۔ خود میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے تبھی انہوں نے امیر مقام کو آرام سے ہمارے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ بے شک وہ ان کا مجرم سہی لیکن اس کا قتل قانون کی نظر میں جرم تھا اور وہ پکڑے جاتے تو ان کو قانون کے مطابق سزا ملتی اس لیے وہ گواہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

احاطے میں ان لوگوں کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں اور وہ اندر سے ایک صوفہ نکال لائے۔ سردار بڑے احترام سے صوفے پر براجمان ہوا اس کا ولی عہد بہادر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ شاید سردار کے کچھ خاص مصاحب تھے۔ باقی افراد میں سے کچھ تو ہمارے سروں پر تھے اور باقی سامنے زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ خاص سیٹ اَپ لگ رہا تھا۔ شہلا نے سہمے انداز میں مجھ سے پوچھا۔ ''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

''میرا خیال ہے یہ پنچایت بٹھا رہے ہیں۔''

''پنچایت وہ کیوں؟'' وہ مزید سہم گئی۔

''تم نہیں جانتی ہو پنچایتیں کیوں بٹھائی جاتی ہیں۔ ہمارے اور تمہارے بزرگ یہ کام کرتے آئے ہیں۔''

سردار نے پہلے ایک چھوٹی سی تقریر کی۔ وہ اپنی زبان میں بات کر رہا تھا اس لیے میری سمجھ میں زیادہ نہیں آیا۔ اس سے اتنا پتا چلا کہ وہ اپنے قبیلے کے نظام انصاف پر بات کر رہا تھا اور شاید مہرو کے مہیا کیے جانے والے فوری انصاف کا حوالہ بھی تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ پنچایت نہیں بلکہ عدالت تھی کیونکہ اس کا جج خود سردار تھا۔ تقریر کرنے کے بعد وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا اور مہرو کا شوہر سامنے آیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔

''سردار مجھے انصاف چاہیے۔ میری بیوی کی بے عزتی ہوئی ہے مجھے عزت کا بدلہ عزت سے چاہیے۔''

''تجھے عزت کا بدلہ کس سے چاہیے تیری بیوی کا مجرم تیرے ہاتھ سے اپنی سزا پا چکا ہے؟'' سردار نے دریافت کیا۔

''اس عورت سے۔'' مہرو کے شوہر نے شہلا کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ اس کا ملازم تھا اس لیے یہ بھی ذمے دار ہے۔''

میں اور شہلا ساتھ کھڑے تھے جب کہ فتح خان کا آدمی بندھی حالت میں زمین پر پڑا تھا۔ مہرو کے شوہر کا مطالبہ سن کر شہلا کا چہرہ فق ہو گیا اور میں چپ نہیں رہ سکا۔ ''سردار تم نے اپنے مجرم کو سزا دے دی لیکن اب تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ شہلا اس کی کس طرح ذمے دار ہو سکتی ہے۔ جب کہ یہ جرم اس کی لاعلمی اور مرضی کے بغیر ہوا ہے۔''

''یہ ذمے دار ہے۔'' سردار اپنی مخصوص گرج دار آواز میں بولا۔ ''وہ اس کا ملازم تھا۔''

''لیکن.....''

''انصاف پورا ہو گا۔'' سردار نے نام نہاد جج کا کردار ادا کرتے ہوئے کہا اور مہرو کے شوہر کی طرف

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ا۔ ''تجھے اختیار ہے اس عورت سے اپنی بیوی کی عزت کا بدلہ لے لے۔''

''تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔'' شہلا چلائی۔ ''اگر کسی نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں کسی کو چھوڑوں گی نہیں۔''

فتح خان کے آدمیوں کے خود کار ہتھیار اور شاٹ گن ان لوگوں کے پاس تھیں اور وہ ہمارے سروں پر مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا وہ ہمیں فوراً مار دیتے۔ مہرو کا شوہر آگے آیا اور شہلا کو کھینچ کر مکان کے لے جانے لگا۔ ''سنو اگر ہم نے کوئی جرم کیا ہے تو ہمیں پولیس کے حوالے کر دو۔'' شہلا مزاحمت کرتے ئے بولی۔ ''تم خود کوئی سزا نہیں دے سکتے ہو۔''

سردار نے اسے گھورا۔ ''ہم اپنے مجرم کو خود سزا دیتے ہیں۔''

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''سردار تم لوگ غلط کر رہے ہو۔ تم نے ایک آدمی مار دیا ہے اور شاید بھی مار دو لیکن ہم لاوارث نہیں ہیں۔ جلد یہ بات پولیس تک جائے گی اور پولیس تم لوگوں کو تلاش کرے گی قبیلہ لے کر نہیں چھپ سکتے ہو۔''

اپنی بات پوری کر کے مجھے احساس ہوا کہ میں نے جھک ماری تھی وہ میری بات نہیں سن رہے تھے بلکہ مہرو ہر کو شہلا کو کھینچ کر لے جاتے دیکھ رہے تھے اور اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ شہلا چلا رہی تھی اور چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مہرو کے شوہر نے اسے نیچے گرا دیا اور قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ بے میری دشمن تھی اور کوئی پاکباز عورت بھی نہیں تھی کہ اسے آبرو کا خوف ہوتا لیکن اسے یوں سرِعام زیادتی کا بنایا جانا میری برداشت سے باہر تھا۔ میں نے اس کی طرف قدم بڑھایا تھا کہ عقب سے کوئی چیز میرے سر رائی اور میں چکرا کر نیچے گر گیا۔ ضرب سخت تھی اور تاریکی میرے حواس پر طاری ہو رہی تھی۔ میری آنکھوں امنے شہلا مزاحمت کر رہی تھی لیکن اس کی یہ مزاحمت زیادہ دیر جاری نہیں رہ سکتی تھی۔

اچانک ایک بڑی جیپ احاطے میں دیوانہ وار داخل ہوئی اور اس نے راہ میں آنے والوں کو دور اچھال ن کی چیخیں بڑی بھیانک تھیں۔ جیپ کی آمد سے احاطے میں افراتفری پھیل گئی تھی اور لوگ جان بچانے لیے اٹھ کر بھاگے۔ جیپ عین شہلا اور مہرو کے شوہر کے پاس رکی اور اس سے فتح خان کود کر نکلا۔ اس کے س سب مشین گن تھی۔ اس نے مشین گن کا رک بھاگنے والوں کی طرف کر کے ایک برسٹ مارا تھا۔ اسی ری نظر جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ایک ہستی کی طرف گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہوا۔ شاید میں غلط دیکھ رہا ں نے بے ساختہ اٹھنا چاہا مگر نہ اٹھ سکا اور تاریکی گہری ہوتی چلی گئی۔

○.....❖.....○

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میرے اوپر جیسے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے ان سے ہلکی ہلکی نمی پھوار کی طرح برس رہی تھی۔ میرے سر تلے شاید ریشم کا تکیہ تھا جس میں گلاب کے پھول بھرے تھے۔ ایسی خوشبو تھی جو رگ جاں میں اتری جا رہی تھی۔ میرے بالوں میں کوئی بہت نرم اور برقی رَو کی سی خاصیت رکھنے والی چیز سرسرا رہی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد سر میں درد محسوس ہوا تھا لیکن اس کیفیت نے درد بھلا دیا تھا۔ میں نہ جانے کتنی دیر اس کیفیت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر کسی کی ہلکی سی سسکی گونجی اور سسکی کے دوران کسی نے میرا نام لیا۔

''شہباز۔''

میں چونک کر ہوش میں آ گیا۔ تب میں نے سویرا کو دیکھا۔ اسی سویرا کو جو ہمیشہ مجھے اپنے وجود سے بہت پاس محسوس ہوئی لیکن عملاً ہمیشہ مجھ سے بہت دور رہی۔ کسی سراب کی طرح جو دکھائی تو دیتا ہے لیکن کوئی وجود نہیں رکھتا۔ پیاسا ہمیشہ سراب کی طرف دوڑتا ہے۔ مگر وہ پانی کے اس چشمے کو پا نہیں سکتا جو اسے اس کی خواہش دکھا رہی ہوتی۔ وہ ہمیشہ تشنہ اور ناکام رہتا ہے۔ سویرا کے معاملے میں مجھے یہی لگتا تھا کہ میں تشنہ اور ناکام رہوں گا۔ میں ہمیشہ اس سراب کے پیچھے بھاگتا رہوں گا اور میرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا لیکن پھر وقت بدلا۔ شاہد بھائی اس دنیا میں نہ رہے۔ سویرا کی ان سے بنی نہیں تھی دونوں ایک ایسے دریا کی طرح تھے جس کے کنارے کبھی آپس میں نہیں ملتے ہیں۔

بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے فتح خان کی گاڑی میں سویرا کو دیکھا تھا اور بے ہوش ہوتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ کہیں چوٹ کی وجہ سے میرا دماغ مجھے سراب تو نہیں دکھا رہا اور ہوش میں آنے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں اب بھی سراب دیکھ رہا ہوں۔ میرا سر سویرا کے زانوں پر تھا اور اس کی زلفیں مجھ پر سایہ فگن تھیں۔ برسنے والی نمی اس کی آنکھوں سے نکلے شفاف موتی تھے۔ میرے بالوں میں سرسراتی اس کی موی انگلیاں اور اس کے وجود سے اٹھنے والی مہک میرے ہر درد اور ہر تکلیف کا علاج تھی۔ اس وقت میں نے شدت سے خواہش کی کہ اگر یہ سراب ہے تب بھی ہمیشہ جاری رہے میں ساری عمر اس کے پیچھے بھاگنے کو تیار تھا۔ مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر سویرا نے پھر میرا نام لیا۔

''شہباز۔''

اس بار اس کے لہجے میں سسکی نہیں بلکہ خوشی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''سویرا یہ تم ہو؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ہاں یہ میں ہوں۔'' اس کی آنکھیں پھر برسنے لگیں۔ ''خدا کا شکر ہے آپ کو ہوش آ گیا۔''

تو یہ سراب نہیں ہے۔ میں نے کسی قدر مایوسی سے سوچا۔ سویرا سچ مچ میرے پاس تھی۔ فتح خان اسے لینے گیا تھا اور شہلا اسی وجہ سے مجھے سرپرائز دینا چاہ رہی تھی۔ میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا کہ وہ سویرا کو بھی لا سکتے ہیں۔ پھر صورتِ حال کا احساس ہوتے ہی میں اٹھ بیٹھا اگرچہ مجھے سویرا سے دور ہونے کے لیے خود پر جبر کرنا پڑا۔ میں اور سویرا ایک اجنبی کمرے میں تھے۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ دیواروں پر جدید قسم کا میٹ فنش پینٹ تھا اور آتش دان کے اطراف میں پتھر نما ساخت سے آرائش کی گئی تھی جس پر پتھر کا تاثر دینے کے لیے سرخ رنگ بھی کیا گیا تھا۔ قالین پر چند عدد گاؤ تکیے تھے لیکن ان کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

''اب آپ کیسے ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے اپنا سر ٹٹولا جو ذرا سا پھٹ گیا تھا لیکن شاید خون صاف کر دیا گیا تھا اور زخم پر کسی مرہم کی ہلکی سی چکناہٹ تھی۔ مگر زخم سے زیادہ مجھے دوسری باتوں کی فکر تھی۔ سویرا معمولی سے لباس میں تھی اس نے کاٹن کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ''سویرا تم یہاں کیسے آئیں حویلی میں کیا ہوا ہے؟''

میں نہیں جانتی۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔ ''میں کل رات اپنے بستر پر سوئی تھی اور جب میری آنکھ کھلی تو میں بندھی حالت میں ایک گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں اور منہ بندھا ہوا تھا۔ میں آواز بھی نہیں نکال سکتی تھی۔''

میں اٹھ کر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرے کپڑوں میں سے جیکٹ غائب تھی اور میں صرف پینٹ اور شرٹ میں تھا لیکن آتش دان کی وجہ سے اندر کمرے میں مناسب گرمی تھی اور موسم اتنا سرد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ورنہ جنوری کا آخر بہت سخت ٹھنڈا ہوتا ہے اور اگر ہم کھلی جگہ ہوتے تو جم کر رہ جاتے۔ بیٹھ کر میں نے سویرا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور نرمی سے کہا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''پتا نہیں میں کتنی دیر بندھی رہی پھر ایک چھوٹے قد کے صورت سے خوفناک نظر آنے والے آدمی نے میرے ہاتھ پاؤں کھولے۔ اس نے میرا منہ بھی کھول دیا تھا لیکن دھمکی کہ اگر میں نے کوئی آواز نکالی تو وہ مجھے پھر باندھ دے گا اور دوبارہ نہیں کھولے گا۔''

میں سمجھ گیا وہ فتح خان کی بات کر رہی تھی۔ ''جب اس نے تمہیں کھولا تو اس وقت کہاں تھے؟''

''ایک ویران سڑک پر تھے اور دن کا وقت ہو گیا تھا شاید دوپہر کا وقت تھا۔''

فتح خان نے میری سب سے نازک رگ پر وار کیا تھا۔ سویرا میری محبت ہی نہیں عزت بھی تھی۔ یہ سوچ کر میرا خون کھولنے لگا تھا لیکن میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھا۔ ''سویرا انہوں نے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں دی خدا کی قسم اگر انہوں نے ذرا سا بھی کچھ غلط.....''

سویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''میں بالکل ٹھیک ہوں جسمانی طور پر انہوں نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ اس خوفناک آدمی کے ساتھ صرف ایک آدمی اور تھا جو گاڑی چلا رہا تھا۔ اس وقت تو میں ڈر گئی۔ نہ جانے وہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میرے ساتھ کیا سلوک کریں میں ان کے رحم و کرم پر تھی لیکن انہوں نے میرے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا۔ بُری نظر سے بھی نہیں دیکھا۔''

سویرا کی وضاحت نے میرے اندر کی حدت کو کم کیا تھا لیکن فتح خان نے سویرا کو اٹھا کر مجھے براہِ راست للکارا تھا۔ اب تک میرے اور اس کے تعلقات نرم گرم سے تھے لیکن پہلی بار میں نے اسے ایسا دشمن محسوس کیا جسے میں قتل کر دینا چاہتا تھا۔ پہلے بھی وہ میرے خلاف کارروائیاں کرتا رہا تھا لیکن اس بار تو وہ حد سے گزر گیا تھا۔ مگر اس وقت میں خود کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے صورتِ حال جلد از جلد جان لینا چاہتا تھا۔

''سویرا اس کے بعد کیا ہوا؟''

''مجھے کھول کر انہوں نے پینے کے لیے جوس اور بسکٹ کے ڈبے بھی دیئے تھے لیکن میں کچھ کھا نہیں سکتی پیاس لگ رہی تھی اس لیے جوس لے لیا۔ یہ آگے روانہ ہو گئے۔ آپ جانتے ہیں مجھے راستوں کا زیادہ پتا نہیں چلتا ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ ہم میانوالی سے بہت دور نکل آئے ہیں اور پوٹھوہار کے علاقے میں سفر کر رہے ہیں۔ میں نے خوفناک آدمی سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور مجھے کہاں لے جا رہا ہے تو اس نے کہا کہ میں خاموش بیٹھوں ابھی سب سامنے آجائے گا لیکن شہباز مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ عورت کی سب سے قیمتی چیز اس کی عزت ہوتی ہے اور عزت خطرے میں ہو تو جان قربان کر دینی چاہیے۔ مجھے خیال آیا کہ میں چلتی گاڑی سے کود جاؤں۔ مگر یہ لوگ بہت چالاک ہیں۔ میں پچھلی سیٹ پر اکیلی تھی اور جب میں نے دروازے کا ہینڈل دیکھنا چاہا تو وہ اپنی جگہ تھا ہی نہیں ان لوگوں نے دروازوں سے تمام چیزیں نکال لی تھیں اب یہ صرف باہر سے کھل سکتے تھے۔ کئی گھنٹے سفر کے بعد میں نے راولپنڈی کا شہر دیکھا میں یہاں شاہد کے ساتھ کئی بار آچکی ہوں اس لیے پہچان لیا۔ جب گاڑی شہر پہنچی تو خوفناک آدمی کو موبائل پر کسی کی کال آئی اور کال سن کر اس نے ڈرائیور سے تیزی سے گاڑی چلانے کو کہا۔ میں نے محسوس کیا وہ پریشان ہو گیا تھا۔ شام ہو رہی تھی پھر سڑک کے کنارے انہوں نے گاڑی روک دی وہاں ایک جیپ میں کئی افراد اور بھی تھے۔ خوفناک آدمی اتر کر ان کے پاس چلا گیا اور وہ کچھ دیر بات کرتے رہے۔ مجھے خوف تھا شاید وہ میرے بارے میں بات کر رہے تھے۔ پھر وہ دونوں گاڑیوں میں سوار ہوئے۔ خوفناک آدمی میرے ساتھ پچھلے حصے میں آگیا اور پھر گاڑیاں کچے میں سفر کرنے لگیں۔ اس نے دروازہ باہر سے کھولا تھا پھر اپنی جیب سے ہینڈل نکال کر اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر دیا۔

ہم جنگل کے درمیان میں اس مکان تک آئے تو وہاں بہت سارے لوگ جمع تھے۔ میں سمجھی کہ خوفناک آدمی کے ساتھی ہوں گے لیکن اس نے مجھ سے کہا۔ ''سر نیچے کر کے بیٹھو ابھی یہاں فائرنگ ہو گی۔''

میں نے ڈر کر سر نیچے کرنا چاہا تھا کہ میری نظر آپ پر پڑی اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔ خوفناک آدمی نے ٹھیک کہا تھا اس کے نیچے اترتے ہی بہت زور سے فائرنگ ہوئی تھی۔ وہ اور اس کے ساتھی وہاں موجود لوگوں پر فائر کر رہے تھے اور مجھے لگا جیسے وہ آپ پر بھی فائر کر دیں گے۔ ابھی اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا اس لیے میں گاڑی سے اتر آئی اور آپ کو.....'' سویرا بولتے بولتے رک گئی اس کے صبیح چہرے پر سرخی چھا گئی تھی۔

''کیا آپ کو؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ویسے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ میری حفاظت کے لیے اپنے نازک وجود سے میری ڈھال بن گئی ہو گی اور اب یہ بات مجھے بتاتے ہوئے شرم آرہی تھی۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''کچھ نہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔''میں آپ کو دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔''

سویرا صرف اپنے اور میرے بارے میں بتا رہی تھی۔ میرے بے ہوش ہونے کے بعد وہاں کیا ہوا یہ اس نے مجھے یاد کر کے بتایا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے حواس بھی گم ہو گئے تھے اور اسے اتنا یاد نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ خوفناک آدمی یعنی فتح خان اور اس کے چار پانچ مسلح ساتھی وہاں جمع لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے اور وہ لوگ بدحواسی میں فرار ہو رہے تھے لیکن کچھ دیر بعد جب فائرنگ تھمی تو وہاں چار پانچ افراد کے سوا کوئی نہیں تھا صرف ایک آدمی مارا گیا تھا اور یہ مہرو کا شوہر تھا جس نے شہلا کو پکڑ رکھا تھا۔ فتح خان یا اس کے کسی آدمی نے اسے مار دیا تھا۔ باقی افراد صرف زخمی تھے اور ان میں سے کوئی نہیں مرا تھا۔ صاف ظاہر تھا فتح خان اور اس کے آدمیوں نے خانہ بدوشوں پر ڈرانے کے لیے فائرنگ کی تھی اور ان کو وہاں سے بھگا دیا تا کہ وہ ان کے فرار کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔

جیسے ہی خانہ بدوش اس مکان سے دور نکلے فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے اندر جا کر اپنا ضروری سامان سمیٹا جس میں سب سے اہم یقیناً وہ بریف کیس تھے جو ہم نے لا کر سے حاصل کیے تھے۔ دس منٹ بعد وہ وہاں سے نکل گئے تھے۔ اب ان کے پاس دو گاڑیاں تھیں۔ شہلا، سویرا سمیت ایک گاڑی میں آئی مجھے اسی کے عقبی حصے میں ڈال دیا گیا تھا۔ فتح خان اور اس کا ساتھی ڈرائیور تھے۔ باقی لوگ دوسری گاڑی میں تھے۔ وہ وہاں سے نکلے اور مین روڈ تک آئے۔ سویرا نے بتایا کہ مین روڈ تک وہ آدھے گھنٹے میں پہنچے تھے یعنی جنگل والا مکان سڑک سے خاصے فاصلے پر تھا اور راستے میں سویرا نے کوئی آبادی نہیں دیکھی تھی۔ سڑک پر آنے کے بعد شہلا نے سویرا کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی تا کہ وہ راستہ نہ دیکھ سکے۔ جیپ کے شیشے سیاہ تھے اس لیے کوئی سویرا کی آنکھوں پر بندھی پٹی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد اس جگہ پہنچے۔ سویرا یہاں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی کیونکہ اس کی آنکھوں کی پٹی اسی جگہ آنے کے بعد کھلی تھی۔ البتہ اس نے ایک عجیب بات بتائی کہ جب اسے اندر لایا جا رہا تھا تو اس نے کسی عورت کے چلانے کی آواز سنی تھی۔ وہ شہلا نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ شہلا خود سویرا کو ہاتھ سے تھام کر اندر لا رہی تھی۔ یعنی اس جگہ کوئی اور عورت بھی تھی اور وہ ان لوگوں کی قیدی تھی ورنہ اسے چلانے کی کیا ضرورت تھی۔

سویرا کمزور عورت تھی لیکن مجھے دیکھ کر حوصلہ کر رہی تھی اور میں اسے دیکھ کر حوصلہ ہار رہا تھا۔ میں اکیلا تھا تو دشمن کا ہر ستم اور ہر اذیت سہہ سکتا تھا لیکن سویرا کی ذات کو ذرا سا بھی نقصان ہو یہ مجھے کسی صورت گوارا نہیں تھا اور شاید اسی وجہ سے فتح خان اسے یہاں لایا تھا وہ جانتا تھا کہ میں سویرا کے ہوتے ہوئے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ جو کام مرشد پوری کوشش کے باوجود نہیں کر سکا تھا وہ فتح خان کر گزرا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے کس طرح حویلی تک رسائی حاصل کی اور اندر گھس کر سویرا کو اٹھا لایا تھا۔ مجھے بابا اور ماں جی کی فکر ہو رہی تھی اور ان کے بارے میں مجھے فتح خان ہی بتا سکتا تھا۔ کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ سویرا پہلے ہی اسے دیکھ چکی تھی جو خیال مجھے آیا تھا وہی اس کے ذہن میں بھی تھا۔

''شہباز یہ حویلی میں کیسے آئے بابا نے اتنا سخت پہرہ لگوایا ہے اور خود بھی مسلح رہنے لگے ہیں۔ اندر داخل ہونے والے تمام دروازے وہ رات کو خود بند کر کے سوتے ہیں۔ مجھے..... ڈر لگ رہا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اللہ پر بھروسہ رکھو۔'' میں نے اپنے خدشات کو پرے جھٹک کر کہا۔ ''وہ بہتر کرنے والا ہے۔ بابا اور ماں جی خیریت سے ہوں گے۔''

سویرا کو تسلی دیتے ہوئے میرے اندر مختلف خدشات سر سرا رہے تھے اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ دروازہ پیٹ کر فتح خان سے بات کروں۔ مگر میں خود پر قابو رکھے ہوئے تھا۔ اگر میں اپنا ضبط کھو دیتا تو سویرا بالکل حوصلہ چھوڑ دیتی۔ وہ ویسے ہی بہت ڈری ہوئی تھی۔ اگرچہ اسے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا لیکن اس نے پہلے اس قسم کے حالات بھی نہیں دیکھے تھے۔ اس لیے میں اسے تسلی دیتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ پُرسکون ہو گئی۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ خوفناک آدمی فتح خان تھا۔

''وہ فتح خان ہے۔'' سویرا نے حیرت سے کہا۔ ''میں تو سمجھی تھی یہ مرشد کے آدمی ہوں گے اور یہ سوچ کر ہی ہوش میں آنے کے بعد میری جان نکل گئی تھی۔''

''نہیں یہ فتح خان ہے اور اب یہ بھی مرشد کی طرح میرے پیچھے پڑ گیا۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''کل تک سب ٹھیک تھا لیکن اب میں اور تم دشمن کی قید میں ہیں۔''

کمرے میں پانی کی ایک بوتل موجود تھی لیکن گلاس کوئی نہیں تھا اس لیے مجبوراً اس سے منہ لگا کر پینا پڑا۔ سویرا نے بتایا کہ مجھے کوئی چار گھنٹے بعد ہوش آیا تھا۔ یعنی رات کے نو یا دس بج رہے تھے۔ حالات کی سنگینی نے میری بھوک اُڑا دی تھی۔ حالانکہ میں نے صبح کا ناشتہ کیا ہوا تھا۔ سویرا کو بھوک لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مجھے معلوم تھا اس وقت اس کے سامنے کچھ آیا تب بھی وہ نہیں کھا سکے گی۔ حویلی میں ذرا سی ٹینشن میں اس کی بھوک مر جاتی تھی۔ خاص طور سے امتحان کے دنوں میں وہ بہت کم کھاتی تھی اور اسے کھلانے کے لیے ماں جی اور بابا کو باقاعدہ حکم دینا پڑتا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد سر میں اتنا درد نہیں تھا لیکن اٹھنے کے بعد اس میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے توجہ ہٹانے کے لیے میں سویرا سے بات کرنے لگا۔ ''ہمیں اس کمرے میں بند کرنے کے بعد کوئی یہاں آیا تھا؟''

سویرا چونک گئی۔ ''میں بتانا بھول گئی وہی عورت دوبارہ آئی تھی۔''

''اس کا نام شہلا ہے۔''

سویرا کے چہرے پر ناپسندیدہ تاثرات نمودار ہوئے۔ ''اسی نے آپ کے سر کا زخم صاف کر کے کوئی مرہم لگایا اور مجھ سے کہا۔ میں آپ کو اس کام کے لیے راضی کروں جو وہ آپ سے لینا چاہتے ہیں اس نے کہا اگر میں نے آپ کو راضی کر لیا تو وہ مجھے بغیر کسی تکلیف کے عزت کے ساتھ واپس حویلی پہنچا دیں گے ورنہ.....''

''ورنہ کیا؟''

''یہ تو اس نے بھی نہیں بتایا۔'' وہ بولی۔ ''لیکن آپ جانتے ہیں وہ دشمن ہے کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ہاں وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اس نے اور کچھ کہا؟''

''ہاں جاتے جاتے اس نے عجیب سی بات کی تھی میری سمجھ میں نہیں آئی اس نے کہا آپ کو بتانا پیچھے سب خیریت ہے اور آپ پیچھے والوں کی فکر نہ کریں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا پیچھے والوں سے کیا مراد تھی؟ اس کا اشارہ میرے ساتھیوں کی طرف تھا تو مجھے ان کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لگا نہیں تھی۔ فتح خان کو ان سے کوئی مطلب نہیں تھا خاص طور سے اس صورت میں جب کہ میں اس کے قبضے میں تھا۔ دوسرے میرے ساتھی تر نوالہ نہیں تھے جو آسانی سے اس کی کسی مکاری میں آجاتے۔ تو کیا شہلا کا اشارہ مویلی کی طرف تھا؟ وہ سویرا کے توسط سے مجھے بتا رہا تھا کہ وہاں سب خیریت تھی اور اس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ سوچنے پر بھی بات واضح نہیں ہوئی یہ معمہ فتح خان ہی حل کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ فتح خان سے بات کر لی جائے۔ میں اٹھا تو سویرا بے قرار ہو گئی۔

''آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں فتح خان سے بات کروں گا۔''

''وہ آپ سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟''

''تمہیں بتاؤں گا۔'' میں نے کہا اور دروازہ بجایا۔ ایک دفعہ بجانے پر کوئی ردِعمل نہیں ہوا لیکن دوسری بار بجانے پر شہلا کی آواز آئی۔

''کیا بات ہے شہباز؟''

''میں فتح خان سے ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''وہ خود بھی تم سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن ابھی یہاں نہیں ہے۔'' شہلا بولی۔ ''اس وقت تک تم آرام کرو اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو، کھانا ایک گھنٹے بعد ملے گا۔''

میں نے سر دبایا۔ ''اگر کافی کے ساتھ پین کلر مل جائے تو.....''

''میں ابھی بھیجتی ہوں۔''

میں واپس آیا تو سویرا مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''لگتا ہے اس عورت سے آپ کی پرانی واقفیت ہے؟''

اس کے لہجے میں مخصوص نسوانی حسد نہیں تھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ ''ہاں یہ بھی میرے حریفوں میں سے ایک ہے اور دو دن پہلے یہ میری قید میں تھی لیکن قسمت کا پہیہ الٹ گیا اب میں اس کی قید میں ہوں۔''

سویرا کہتے ہوئے ہچکچائی۔ ''نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر مجھے لگتا ہے یہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔''

''یہ درست ہے کردار کے لحاظ سے یہ اچھی عورت نہیں ہے۔ مگر فی الحال اس جگہ یہی واحد شخصیت ہے جو میرے لیے نرم رویہ رکھتی ہے ورنہ فتح خان اور اس کے ساتھی بہت سفاک اور انسانیت سے عاری لوگ ہیں۔''

سویرا نے ایک بار پھر غور سے مجھے دیکھا۔ ''یہ نرم رویہ صرف آپ کے لیے ہے یا وہ دوسروں سے بھی اسی مہربانی سے پیش آتی ہے؟''

''کیا تم اس سے جیلس ہو رہی ہو۔'' میں مسکرایا۔ ''ویسے فکر مت کرو وہ ان چکروں میں پڑنے والی عورت نہیں ہے۔''

سویرا میری بات سے متفق نہیں تھی۔ ''وہ عورت ہے اور میں نے اسے کسی سے کہتے سنا تھا وہ آپ کے لیے فکر مند ہو رہی تھی۔''

''کیونکہ میں نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی اور اسی لیے سر پر چوٹ کھائی۔ اس لیے اس کی ہمدردی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اطمری بات ہے۔"

سویرا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اسی لمحے دروازہ کھلا اور فتح خان کا ساتھی اندر آیا۔ یہ امیر مقام کے ساتھ ہوتا تھا لیکن اس کی جان بچ گئی تھی۔ اس نے ایک ٹرے دروازے کے پاس رکھی اور فوراً باہر جا کر دروازہ بند کر دیا۔ سویرا جا کر ٹرے اٹھا لائی۔ اس میں دو کپ کافی تھی اور ساتھ میں پین کلر گولیوں کا ایک پتا تھا۔ میں نے دو گولیاں نکال کر پانی سے لیں اور پھر کافی پینے لگا۔ اس بات کا امکان تھا کہ کافی میں ایک بار مجھے اور سویرا کے بے ہوشی کی دوا دے دی جائے لیکن ہم مجبور تھے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ہم دھوکے سے بے ہوش نہ ہوتے تو شہلا اپنے آدمیوں کی مدد سے ہمیں گن پوائنٹ پر بھی کافی پینے پر مجبور کر سکتی تھی۔ سویرا نے پوچھا۔

"آپ نے اسے کیوں بچایا؟"

میں نے سویرا کو اس مکان پر پیش آنے والے واقعات سنائے۔ "شہلا برے کردار کی عورت سہی لیکن مجھ سے برداشت نہیں ہوا کہ اسے یوں سرِعام بے عزت کیا جائے یہ اصل میں اس کی نہیں بلکہ عورت کی تذلیل ہوتی۔ اس لیے میں نے اسے بچانے کی کوشش کی اور سر پر چوٹ کھائی۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا۔" سویرا کی آنکھیں چمکنے لگیں ان میں فخر آ گیا تھا۔ "تو اس لیے آپ کے ساتھ نرم رویہ رکھ رہی ہے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "بالکل ورنہ اسے کم مت سمجھو یہ فتح خان سے کم سفاک نہیں ہے اس کے ایک آدمی کو اس نے ہاتھ سے گلا گھونٹ کر مارا تھا۔"

سویرا دہشت زدہ ہو گئی۔ "اپنے ہاتھ سے؟"

میں بھول گیا تھا کہ سویرا ایک عام سی لڑکی تھی جس نے کبھی قتل و غارت گری نہیں دیکھی اور نہ ہی اس بارے میں بات کی۔ وہ سچ مچ ڈر گئی تھی۔ "ہاں اپنے ہاتھ سے۔"

"لیکن کیوں یہ تو فتح خان کی ساتھی ہے؟"

"اب ہے اُس وقت ان دونوں میں بھی دشمنی تھی۔"

"آپ کی بات سن کر مجھے اس عورت سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

"تمہیں اس سے یا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے جب تک میں زندہ اور تمہارے ساتھ ہوں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ "شہباز آپ نہیں جانتے آپ کا تصور ہی مجھے تحفظ کا احساس دیتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ خود کو ہمیشہ محفوظ محسوس کرتی ہوں۔"

پین کلر اور کافی نے حیرت انگیز اثر کیا تھا اور سر کا درد دس منٹ میں اتنا کم ہو گیا تھا کہ اب توجہ نہیں کھینچ رہا تھا۔ اب میں بہتر طور پر سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ یہ کمرہ بتا رہا تھا کہ ہم کسی باقاعدہ گھر میں تھے اور یہ گھر شاید کسی آبادی میں تھا کیونکہ یہاں بجلی تھی۔ یعنی یہ جگہ فتح خان کے باقاعدہ ٹھکانوں میں سے تھی۔ شاید ہمیں یہاں چھوڑ کر وہ کسی ضروری کام سے کہیں گیا تھا ورنہ شہلا نے بتایا تھا کہ وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ ظاہر ہے وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سویرا کو یہاں دیکھ کر میرا کیا ردِعمل تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اس نے ایک بڑی کامیابی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

حاصل کر لی تھی اور اب وہ مجھ پر حاوی ہو سکتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد شہلا کھانا لے آئی۔ اس بار وہ خود ٹرے لے کر آئی تھی اور فتح خان کا ساتھی کمرے کے باہر موجود تھا۔ شہلا نے دروازہ بند کیا اور کھانے کی ٹرے قالین پر رکھتے ہوئے بولی۔ ''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بہتر ہے کافی اور پین کلر کا شکریہ۔'' میں نے جواب دیا۔

''شکریے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''شہباز مجھے اعتراف ہے تم دشمن ہو لیکن بہت اعلیٰ ظرف ہو۔ تم نے ہمیں نقصان دیئے بغیر موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور جب وہ خبیث مجھے لے جا رہا تھا تو تم نے مجھے بچانے کی کوشش بھی کی۔ درحقیقت میں تمہاری شکر گزار ہوں۔''

''ہاں اس کا ایک عملی اظہار تو میں دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے سویرا کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم لوگوں کا شکریہ سانپ سے مختلف نہیں ہوتا ہے۔ جس کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہو اسے ڈس لیتے ہو۔''

شہلا کا چہرہ معمولی سا سرخ ہوا تھا۔ ''تم جانتے ہو یہ فتح خان کا کام ہے؟''

مجھے غصہ آنے لگا تھا۔ ''اور تم اس کی ساتھی ہو اس لیے برابر کی شریک ہو۔ شہلا مہربانی کر کے مجھے بے وقوف بنانے کے بجائے کھل کر بات کرو۔ تم لوگوں سے اچھا تو مرشد ہے جو اپنی دشمنی کو کسی منافقت کے پردے میں نہیں چھپاتا ہے۔''

شہلا ہچکچائی۔ ''درحقیقت مجھے بھی یہ سب اچھا نہیں لگ رہا ہے لیکن تم نے ٹھیک کہا ہے میں فتح خان کی ساتھی ہوں اور اس کی بات ماننے پر مجبور ہوں لیکن اس سے ہٹ کر مجھ سے تمہارے لیے جو ہو سکا وہ میں کروں گی۔''

''تم میرے لیے گزشتہ دو دن سے جو کر رہی ہو اس کے لیے میں پہلے ہی تمہارا شکریہ ادا کر چکا ہوں۔'' میں نے ٹرے کی طرف دیکھا تو وہ سمجھ گئی۔

''فکر مت کرو اس بار کھانے میں کوئی دوا شامل نہیں ہے۔''

''اگر ہوئی بھی تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ سویرا بالکل خاموش بیٹھی تھی اس نے گفتگو سے گریز کیا۔ ''یہ بتاؤ کہ میرے بے ہوش ہونے کے بعد کیا ہوا تھا؟''

اس بار شہلا مسکرائی۔ ''ہم نے تمہیں بڑی مشکل سے ان کی گرفت سے نکالا تھا۔'' اس نے سویرا کی طرف دیکھا۔ ''یہ سمجھ رہی تھی کہ شاید ہم تمہیں مارنا چاہتے ہیں۔''

سویرا کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے مجھے ڈھکے چھپے انداز میں بتایا تھا لیکن شہلا نے کھل کر کہہ دیا کہ وہ میری ڈھال بن گئی تھی۔ سویرا کی جھینپ محسوس کرتے ہوئے میں نے شہلا کو ٹوک دیا۔ ''کام کی بات کرو۔''

''کام کی بات کچھ نہیں ہے۔ فتح خان نے اس حرامزادے کو شوٹ کر دیا جو فائرنگ میں بھی مجھ سے چمٹا ہوا تھا۔ بس وہی ایک مارا گیا۔ کچھ زخمی ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے فتح خان نے جان بوجھ کر ان لوگوں کو مارنے سے گریز کیا تھا ورنہ اس کے ساتھیوں کے پاس اتنا اسلحہ تھا کہ خانہ بدوشوں میں سے ایک بھی بچ کر نہ جاتا۔ پھر ہم نے اپنا سامان سمیٹا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔''

''سامان میں سلور رنگ کا بریف کیس بھی شامل ہو گا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''آں..... ہاں، تم کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''شہلا اس وقت ہم سے کچھ نہیں کھایا جائے گا۔ فتح خان سویرا کو حویلی سے سوتے میں اٹھا لایا ہے۔ بے شک اس نے سویرا کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے لیکن مجھے حویلی والوں کی فکر ہے وہاں میرے ماں باپ بھی ہیں۔''

''سویرا نے بتایا ہوگا میں نے کہا تھا کہ پیچھے والوں کی فکر نہ کرو وہ بالکل محفوظ ہیں۔ تفصیل تو فتح خان ہی بتائے گا لیکن اس کا کہنا ہے کہ حویلی میں کسی معمولی سی چیز کا بھی نقصان نہیں ہوا ہے اور سب محفوظ ہے۔''

''میں اس حویلی کی عزت ہوں۔'' سویرا پہلی بار بولی اور تلخ لہجے میں بولی۔ ''اگر میں ہی وہاں نہیں ہوں گی تو کیا اس سے حویلی کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

شہلا نے تحمل سے جواب دیا۔ ''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی ہوں مجھے فتح خان نے جو بتایا ہے وہ میں نے تم کو بتا دیا ہے باقی وہ خود آ کر بتائے گا۔''

''فتح خان کہاں گیا ہے؟''

''وہ دوبارہ خانہ بدوشوں کی طرف گیا ہے تاکہ ان کو پولیس کچہری سے روک سکے۔ ان کا بندہ مارا گیا ہے اور فتح خان کا ساتھی بھی مارا گیا ہے۔''

''فتح خان کو کیا خوف ہے پولیس کا؟''

''پولیس کا تو خوف نہیں ہے لیکن میرے خیال میں وہ ٹھکانہ فتح خان کے لیے اہم ہے اور وہ اسے ضائع ہونے سے بچانا چاہتا ہے۔''

''وہ خانہ بدوشوں کے ساتھ مذاکرات کرے گا؟''

''شاید وہ دھمکی اور لالچ دے کر انہیں وہاں سے بھگانے کی کوشش کرے گا۔'' شہلا بولی۔ ''میرا خیال ہے اب تمہاری تسلی ہو گئی ہے۔ تم کھانا کھاؤ اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لینا۔'' شہلا بولی اور کھڑی ہو گئی۔ اس وقت اس نے شریفانہ قسم کا لباس پہن رکھا تھا۔ کسی قدر ڈھیلے اوٹی ٹراؤزر کے ساتھ ڈھیلی ہائی نیک اور پوری آستین کی گرم جرسی پہن رکھی تھی۔ میں نے دل میں شکر ادا کیا کہ وہ واہیات ڈریسنگ میں نہیں تھی ورنہ سویرا ضرور برا محسوس کرتی۔ مگر وہ اس وقت بھی برا محسوس کر رہی تھی کیونکہ اس نے شہلا کے جاتے ہی مجھ سے کہا۔

''آپ نے دیکھا کتنی بے ہودہ عورت ہے کس انداز میں بیٹھی تھی۔''

میں نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ شہلا کس انداز میں بیٹھی تھی۔ اس لیے سویرا کی تائید کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سویرا بدستور غصے میں تھی اور میں نے بمشکل سمجھا بجھا کر اسے کھانے پر آمادہ کیا۔ حالات سے قطع نظر کھاتے پیتے رہنا ضروری تھا۔ تاکہ توانائی برقرار رہے۔ سویرا نے کم کھایا لیکن کھا لیا اور میں نے اپنا پیٹ بھر لیا۔ شہلا نے یہ تصدیق تو کر دی تھی کہ حویلی میں کسی کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ سویرا جس طرح سوتے میں بے خبر ہو گئی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ فتح خان نے بے ہوش کرنے والی کوئی چیز استعمال کی تھی۔ ایک یہی صورت تھی کہ وہ کسی کو بھی نقصان پہنچائے بغیر سویرا کو وہاں سے نکال لانے میں کامیاب ہو ورنہ یہ کام تو خون خرابے کے بعد ہی ممکن تھا۔

کچھ دیر بعد شہلا چائے لے کر آئی اور ٹرے لے جانے لگی تو سویرا نے اسے اشارے سے روکا اور اس کے پاس جا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر آہستہ سے کچھ کہا۔ شاید وہ واش روم جانا چاہتی تھی۔ شہلا نے کہا۔

''دو منٹ رک جاؤ میں آ کر تمہیں لے جاتی ہوں جب تک چائے لے لو۔''

شہلا کچھ دیر بعد آ کر سویرا کو ساتھ لے گئی۔ واپسی میں وہ دو عدد کمبل بھی لے آئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ نصف رات ہو چکی ہے۔ فتح خان اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ سویرا تھک گئی تھی وہ لیٹ گئی۔ شروع میں وہ خوف زدہ تھی اور مجھے پاس پا کر اس نے اطمینان محسوس کیا تھا لیکن اب وہ جھجک رہی تھی کہ میرے ساتھ ایک ہی کمرے میں تھی۔ یہ مجبوری تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''سویرا سونے کی کوشش کرو، اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا اس لیے پریشان ہو کر جاگنے اور فکر کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

''ان حالات میں نیند کیسے آئے گی؟''

''آ جائے گی۔'' میں نے اصرار کیا۔ ''تم سونے کی شعوری کوشش کرو۔''

سویرا لیٹ گئی۔ اس نے کمبل اوڑھ لیا تھا۔ یہ غیر ملکی کمبل بہت ہلکے اور اعلیٰ درجے کے تھے۔ بالکل نئے تھے اور ان سے بھینی سی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ میں بھی کمبل اوڑھ کر تکیہ دیوار سے لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ سویرا مجھ سے کچھ دور تھی۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد اس کی سانسوں میں ایک مخصوص ہمواری آ گئی جو نیند کی نشانی تھی۔ وہ سو چکی تھی۔ میری آنکھوں کی نیند بدستور غائب تھی کیونکہ مجھے ہر گزرتے لمحے زیادہ شدت سے فتح خان کا انتظار ہو رہا تھا۔ باہر خاموشی تھی۔ ایک بار میں نے دروازے کے پاس جا کر خاصی دیر تک سن گن لی تھی لیکن خاصی دیر تک کان لگانے کے باوجود کوئی ایسی آواز سننے میں ناکام رہا تھا جس سے اندازہ ہوتا کہ یہ جگہ کہاں ہے۔ کسی آبادی میں ہے یا ویرانے میں۔ آبادی میں گاڑیاں اور ان کا شور لازمی ہوتا ہے۔ جب کہ ویرانوں میں پرندوں اور جانوروں کے بولنے کی آوازیں آتی ہیں لیکن یہاں ایسی کوئی آواز نہیں تھی۔ مکمل سناٹا تھا۔

○.....❖.....○

میں آ کر لیٹا، نہ جانے کتنی دیر بعد مجھے باہر ہلکی آوازوں کا احساس ہوا اور میں جلدی سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا۔ کان لگانے پر محسوس ہوا کہ کئی افراد بول رہے تھے لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ شاید فتح خان واپس آ گیا تھا۔ میرا دل چاہا کہ دروازہ پیٹوں لیکن سویرا کی نیند میں خلل کا سوچ کر باز رہا۔ اگر فتح خان آیا تھا تو وہ یقیناً اس بات کی پروا کیے بغیر مجھے بلا لیتا کہ میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔ میرا اندازہ درست نکلا کیونکہ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور فتح خان کے ساتھی نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ امیر مقام کا ساتھی تھا۔ اس نے آواز نہیں نکالی تھی اس لیے میں بھی خاموشی سے باہر آ گیا۔ وہ اکیلا تھا اور اس نے شاٹ گن تھام رکھی تھی میرے باہر آتے ہی وہ چند قدم پیچھے چلا گیا اور بولا۔ ''دروازہ باہر سے بند کر دو۔''

اس جدید ساخت کے لکڑی سے بنے دروازے پر باہر انتہائی قدیم ساخت کی کنڈی تھی۔ میں نے کنڈی چڑھا دی۔ ''اور بولو؟''

''چلو ادھر۔'' اس نے راہداری کے سرے کی طرف اشارہ کیا۔ اس مختصر سی راہداری میں آمنے سامنے دو کمرے تھے اور تیسرا دروازہ شاید باہر جانے کے لیے تھا اور فتح خان کے آدمی نے اسی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ جگہ اس مکان میں بالکل اندر کر کے تھی اسی وجہ سے یہاں کوئی آواز نہیں آ رہی تھی لیکن کمروں میں ہوا کی آمد و رفت کا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کوئی نظام تھا اس لیے گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ راہداری سے بھی لگا کہ یہ کوئی باقاعدہ پلاننگ سے بنایا ہوا مکان تھا۔ فرش ماربل کا تھا اور دیواروں پر میٹ فنش پینٹ تھا۔ دروازے اعلیٰ درجے کے دیودار کی لکڑی سے بنے تھے۔ باہر سے ٹھوس تختوں پر اخروٹ کی لکڑی سے منقش کام کیا ہوا تھا۔

میں راہداری سے باہر آیا تو یہ ایک چھوٹا سا ہال ثابت ہوا اس کے ایک طرف کھڑکی تھی جس پر بھاری پردے تھے اور دوسری طرف ایک دروازہ تھا۔ ہال خالی تھا اور اس کا فرش بھی چمک دار ماربل کا تھا۔ ہال کا دروازہ ایک شاندار قسم کی نشست گاہ میں کھلا جس میں بہترین قسم کا لکڑی کا فرنیچر تھا۔ شاہانہ قسم کے صوفے۔ گلاس ٹاپ میزیں اور چاروں طرف دیواروں اور ریکس پر سجا قیمتی آرائشی سامان تھا۔ فرنیچر اخروٹ کی لکڑی کا تھا۔ دیز فوم پر اعلیٰ درجے کا مخمل چڑھا ہوا تھا۔ ایک طرف بڑے اسٹائلش قسم کے آتشدان میں لکڑیوں کی آگ بھڑک رہی تھی اور اسی وجہ سے یہاں اطمینان بخش حرارت تھی۔ ایک صوفے پر فتح خان براجمان تھا اور اس کے ہاتھ میں ام الخبائث کا بھرا ہوا گلاس تھا۔ خلاف توقع چہرے سے وہ فکرمند ہی لگ رہا تھا جب کہ میرا خیال تھا اس نے مجھے ذلیل کرنے کے لیے بلایا ہوگا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا۔

''شہباز مجھے پتا ہے تم اس وقت میرے کو قتل کرنا چاہتا ہے۔''

''چلو تم نے میرے بارے میں ایک درست اندازہ تو لگایا۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''بس مجھے موقع ملنے دو اس وقت میں مجبور ہوں۔''

''بکواس بند کرو خانہ خراب۔'' امیر مقام مرحوم کا ساتھی عقب سے غرایا۔ وہ موت سے بال بال بچا تھا ورنہ اس کی نیت بھی مہرو پر مخراب تھی اور اگر شہلا تہہ خانے کے دروازے پر تالا نہ لگاتی تو وہ بھی مہرو پر دست درازی کر کے اپنی موت پر مہر ثبت کر لیتا۔ مگر اس وقت وہ دوبارہ طرم خان بن رہا تھا۔ ''خان کے سامنے تمیز سے بات کرو۔''

''فتح خان اگر تمہارے اس پلے نے ہی بھونکنا ہے جو زبردست دیکھتے ہی دم ہلانے لگتا ہے اور صرف نہتے لوگوں پر بھونک سکتا ہے تو تم سے بات کرنا بیکار ہے۔''

اس سے پہلے وہ مزید غراتا فتح خان نے پشتو میں اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے وہاں سے دفع ہو جانے کا حکم دیا اور وہ کان دبا کر رخصت ہو گیا تو فتح خان نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''بیٹھو شہباز خان۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''فتح خان تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے تم نے میری غیرت کو کس طرح للکارا ہے۔ اگر حالات کے سرد و گرم نے میرے اعصاب کو پختہ نہ کیا ہوتا تو اس وقت میں تمہیں دیکھتے ہی قتل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس لیے تم مجھے اپنا ایسا دشمن سمجھو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا۔ میرا تعلق بھی ایک قبائلی معاشرے سے ہے ہم اپنے حریف کے ساتھ تو بیٹھ سکتے ہیں لیکن عزت پر ہاتھ ڈالنے والے دشمن کے ساتھ نہیں۔''

فتح خان نے میری بات پر پہلو بدلا اور اس کے چہرے کا رنگ بھی بدلا تھا لیکن اس نے زبان پر قابو رکھا اور پہلے والے نرم لہجے میں کہا۔ ''شہباز مجھے اعتراف ہے میں نے ٹھیک نہیں کیا ہے لیکن اگر میں کہے کہ تمہارا منگیتر کو یہاں لا کر میں نے اچھا کیا ہے تو تم کبھی نہیں مانے گا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ظاہر ہے، تمہاری اس گپ پر میں کبھی یقین نہیں کروں گا۔ بھیڑیا کبھی بھیڑ کی حفاظت

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہیں کرتا ہے۔''

''پر یہ سچ ہے۔ اگر میں اسے حویلی سے نہ لاتا تو مرشد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔''

مرشد کے نام نے مجھے چونکا دیا۔''مرشد.....اس کا کیا مقصد تھا؟''

''وہ اپنے بھائی کی ضد پر سویرا کو اغوا کرنے کی فکر میں تھا۔ اگر میں سویرا کو وہاں سے نہ لاتا تو وہ اب تک یہ کام کر چکا ہوتا۔''

مجھے لگا کہ فتح خان میرے آتشِ غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے گویا صرف مرشد کو ناکام بنانے کے لیے سویرا کو پہلے اغوا کر لیا۔''فتح خان تم مجھے احمق سمجھتے ہو میں مر کر بھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتا۔ تم نے صرف مجھے مجبور کرنے کے لیے یہ کام کیا ہے اور یقین کرو مجھے جب موقع ملا میں تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا میری ماضی کی مروت کو اب بھول جاؤ۔''

اس نے سر ہلایا۔''میں جانتا ہے، ٹھیک ہے تم یقین مت کرو لیکن میں نے اس لیے بھی یہ کام کیا ہے کہ تم میرا کام کرو۔ اگر مرشد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تم یقیناً اپنے حواس کھو دیتا اور اسے مارنے کی کوشش میں خود مارا جاتا۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ مرشد حویلی کو مکمل طور پر برباد کر دینا چاہتا ہے۔'' میں نے بہ ظاہر طنز کیا لیکن میرے اندر ایک فکر سی سر اٹھانے لگی تھی۔

''بالکل اس کا منصوبہ تھا کہ وہ حویلی پر حملہ کرا کے سویرا کو اٹھوا لیتا اور تمہارے ماں باپ کو قتل کرا دیتا اور حویلی کو بم سے اُڑا دیتا اگر وہ ایسا کرتا تو تم کیا کرتا؟''

''وہی جو تم نے کہا ہے میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر اسے مارنے کی کوشش کرتا لیکن میرا نہیں خیال کہ مرشد اتنا بے وقوف ہے۔''

''وہ بے وقوف نہیں لیکن مجبور ہے۔ اس کے اپنے خاندان میں اس کا کئی مخالف پیدا ہو گیا ہے اور ان کا کوشش ہے کہ نادر کو گدی پر بٹھا دے۔ مرشد بڑا حصہ خود کھا رہا ہے اور دوسروں کو کم دیتا ہے۔ وہ کسی کے قابو میں نہیں ہے۔ نادر معذور آدمی ہے اگر وہ پیر بن گیا تو وہ ان لوگوں کے قابو میں رہے گا۔ ان لوگوں سے بچانے کے لیے اس نے نادر کو الگ رکھا ہے اور اس کا ہر جائز ناجائز بات مانتا ہے۔''

میں چونکا فتح خان کی بات اس حد تک درست تھی کہ مرشد نے نادر کو مرشد ہاؤس سے ہٹا کر اسلام آباد کی ایک کوٹھی میں رکھا ہوا تھا۔ اگرچہ مجھے اب بھی فتح خان کی بات پر یقین نہیں تھا لیکن نادر اسی غلیظ ذہنیت کا آدمی تھا۔ ریڑھ کی ہڈی میں لگنے والی گولی نے اسے جسمانی طور پر مفلوج کر دیا تھا لیکن اس حالت میں بھی وہ اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لیے نت نئے طریقے اختیار کر رہا تھا۔ فاضلی کے ساتھ آنے والی کال گرل نے اس کے بارے میں ڈھکے چھپے انداز میں بہت کچھ بتایا تھا۔ وہ بالکل ایسا سوچ سکتا تھا اور اگر فتح خان کی بات درست تھی تو اس بار آزاد ہوتے ہی میں نادر کا حساب برابر کرنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے خیال تھا کہ مرشد خود بھی اپنے بھائی سے چھٹکارے کا خواہاں تھا کیونکہ وہ اس کے لیے دن بہ دن مصیبت اور بدنامی کا باعث بنتا جا رہا تھا۔

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''مرشد کے آدمیوں میں کئی میرے لیے مخبری کرتا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں سب پتا ہوتا ہے۔'' فتح خان نے چالاکی سے کہا۔ ''تبھی تو میں اس کا فیکٹری اور جانوروں کا فارم تباہ کرنے میں کامیاب رہا۔''

''شہلا نے مجھے بتایا ہے کہ حویلی اور میرے گھر والوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے لیکن مجھے اس کی بات کا یقین نہیں ہے۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ تم حویلی کی عزت کو اٹھالاؤ اور کوئی تمہارا راستہ نہ روکے۔''

''میرے کو معلوم تھا تم یہ ضرور پوچھے گا۔'' اس نے اطمینان سے کہا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا چمکیلا سلینڈر نکالا۔ ''اس میں بے ہوشی کا گیس بھرا ہے۔ یہ سلینڈر پوری حویلی کے لیے کافی تھا۔ پہلے میرے آدمیوں نے گارڈز کو بے ہوشی والا بلٹ مارا اور پھر ان کو ایک کمرے میں بند کردیا۔ پھر حویلی میں گیس چھوڑ دیا اندر سب بے ہوش ہوگیا۔''

''بکواس اتنی بڑی حویلی میں گیس ہر جگہ نہیں جاسکتی ہے۔''

''جاسکتا ہے۔'' اس نے سکون سے کہا۔ ''میں نے طریقہ ہی ایسا استعمال کیا تھا۔ مین سوئچ سے حویلی میں وائرنگ لے جانے والے کنسیلڈ پائپ کو استعمال کیا اور اس سے گیس سلینڈر لگا کر کھول دیا۔ وائرنگ والے پائپ سے گیس ہر جگہ پہنچ گیا اور ہم آرام سے اندر جا کر سویرا کو لے آیا اور تم فکر مت کرو ہم تمہارے باپ کے سرہانے ایک پرچہ بھی رکھ آیا تھا۔ اس میں اسے بتایا کہ اس کا بہو بالکل محفوظ ہے اور وہ بلاوجہ شور کر کے اپنا عزت خود خراب نہ کرے۔ امید ہے وہ ایسا ہی کرے گا۔''

مجھے بھی یہی خیال تھا کہ فتح خان نے کسی طریقے سے حویلی والوں کو بے ہوش کر کے اپنا کام نکالا تھا لیکن گیس کے استعمال کی بات نے مجھے پریشان کردیا تھا۔ مجھے اس قسم کی گیسوں کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ اس قسم کی گیسز ایک خاص مقدار سے زیادہ ہوں تو آدمی کی موت کا سبب بھی بن جاتی ہیں اور بوڑھوں بچوں پر یہ زیادہ اثر کرتی ہیں۔ میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ حویلی میں سب ٹھیک ہے۔''

''تم یقین کرسکتا ہے۔'' فتح خان نے کہا اور میرا موبائل نکال کر اس پر کوئی نمبر ملایا اور موبائل میری طرف بڑھادیا۔ ''بیل جارہا ہے بات کرو۔''

میں نے موبائل لے کر دیکھا۔ فتح خان نے حویلی کا نمبر ملادیا تھا۔ بیل جارہی تھی۔ چند لمحے بعد بابا نے ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو کون بات کررہا ہے۔'' ان کی آواز میں بے تابی تھی۔

''بابا۔'' میری آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ ''میں ہوں..... ناخلف..... جس کی وجہ سے..... حویلی پر آفتیں آرہی ہیں۔''

''شہباز۔'' بابا نے اضطراب سے کہا۔ ''کہاں ہو تم، میں سارا دن تم سے رابطے کی کوشش کرتا رہا۔ تمہارے ساتھیوں سے پتا چلا ہے کہ تم غائب ہو۔''

''میں فتح خان کی قید میں ہوں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ.....''

''جی بابا مجھے معلوم ہے سویرا یہیں ہے میرے پاس اور وہ بھی قید ہے لیکن وہ محفوظ ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بابا نے شاید بہت دیر بعد سکون کا سانس لیا تھا وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گئے پھر انہوں نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''شہباز بیٹے تم نہیں جانتے آج کا دن میں نے اور تمہاری ماں نے کس طرح سر مر کر گزارا ہے۔''

''مجھے اندازہ ہے بابا لیکن میں مجبور تھا اب بھی مجبور ہوں۔ مگر آپ سویرا کے لیے فکر مند نہ ہوں اور نہ ہی اس بارے میں کسی کو بتائیں۔ آپا اور شمی کو بھی نہیں۔ گارڈز کو علم ہے؟''

''نہیں ان کو نہیں بتایا ہے۔ بس شجاع کو اطلاع دی ہے۔''

''بس تو اسے چھپا کر رکھیں اللہ نے چاہا تو میں سویرا کو لے کر آؤں گا۔''

''شہباز.....'' بابا نے کہنا چاہا لیکن اسی لمحے لائن کٹ گئی۔

''ہیلو.....ہیلو۔'' میں نے تیز آواز میں کہا تو فتح خان مسکرانے لگا۔

''شاید بیلنس ختم ہو گیا ہے۔ اب موبائل ادھر دے دو۔''

میں نے اسے گھورا اس نے یقیناً موبائل میں اتنا ہی بیلنس چھوڑا ہو گا کہ میں چند منٹ سے زیادہ بات نہ کر سکوں۔ مجھے غصہ آنے لگا تھا۔ ''اگر میں نہ دوں تو.....؟''

اس نے صوفے کے برابر میں رکھے کشن کے نیچے سے پستول نکال لیا۔ ''شہباز خان فتح خان سے مذاق مت کیا کرو ہم مذاق سمجھتا ہی نہیں ہے شاباش لاؤ ادھر دو موبائل۔''

''میں مذاق کر بھی نہیں رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس سے پہلے کہ فتح خان کچھ کہتا میں موبائل کو آتش دان میں پھینک چکا تھا۔ بھڑکتے شعلوں سے اسے نکالنا ممکن نہیں تھا۔ یہ دھات اور پلاسٹک سے بنا ہوا تھا آگ نے ایک منٹ سے بھی پہلے اسے تباہ کر دیا ہو گا۔ فتح خان اچھل پڑا تھا۔

''یہ کیا کیا تم نے؟''

''وہی جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔'' اس کا ردِعمل دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ یقیناً موبائل کی تباہی سے اسے تکلیف ہوئی تھی۔ اس میں اس کا کوئی مفاد ہو گا۔ ''میں نے تم سے کہا ہے نا اب تم مجھ سے ذرا بھی رعایت کی امید مت رکھو۔''

فتح خان کا موڈ خراب ہو گیا۔ اس نے غرا کر کہا۔ ''تب تم کو بھی رعایت نہیں ملے گا۔''

''فتح خان مجھے دھمکی مت دو کیونکہ میں نے کبھی تم سے اچھے رویے کی امید نہیں رکھی ہے۔''

''ابھی تم نے فتح خان کو جانا نہیں ہے اگر جان جاتا تو تم کو پتا ہوتا میں تمہارے ساتھ بہت مہربان ہے۔''

''اپنی مہربانی اپنے پاس رکھو۔'' میں نے منہ بنا کر کہا۔

''ضرور۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''ضرور اپنے پاس رکھے گا.....امید خان۔'' وہ دھاڑا۔ فوراً ہی کا وہ آدمی اندر آیا جو مجھے کمرے سے لایا تھا اس کا نام امید خان تھا۔ اس نے مستعدی سے کہا۔

''حکم خان۔''

''اسے لے جاؤ۔'' فتح خان بولا اور پھر مجھ سے کہا۔ ''شہباز خان جلد تم کو پتا چل جائے گا کہ فتح خان کی مہربانی کیا ہوتی ہے، اب تم شکایت نہیں کرے گا۔''

''میں دشمن سے شکایت کا قائل نہیں ہوں۔ اگر میرا داؤ چل جائے تو تم بھی برا مت منانا۔ ویسے اگر کچھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

پوچھنا چاہوں تو بتاؤ گے؟''

مجھے لگا کہ فتح خان انکار کر دے گا لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا شاید وہ میرا سوال سننا چاہتا تھا۔

''بولو؟''

''تم خانہ بدوشوں کی طرف کیوں گئے تھے؟''

''ان سے تصفیے کے لیے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن وہ وہاں سے غائب ہیں۔''

''اتنی جلدی۔'' میں حیران ہوا۔ ''میرا تو خیال ہے وہ ابھی اسی علاقے میں ہوں گے۔''

''نہیں ہیں میرے ساتھیوں نے چاروں طرف میلوں دیکھا پر ان کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔''

''ان کے ساتھ سامان ہوتا ہے، مویشی اور دوسرے جانور ہوتے ہیں وہ دیکھتے ہی دیکھتے نہیں غائب ہو سکتے میرا خیال ہے تم مجھے بتانا نہیں چاہتے ہو۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں تم ان خانہ بدوشوں کو نہیں جانتے ہو۔ جس کے دشمن بن جائیں اس کا نسلوں تک پیچھا کرتے ہیں۔ ان کا آپس میں رابطہ ہوتا ہے اور ان کے سفر کے علاقے میں کوئی شخص ان کی نظروں سے بچ نہیں سکتا۔ اسی لیے میں ان سے صلح کرنے گیا تھا۔ لاکھ دو لاکھ ان کے سردار کو دیتا تو وہ خود معاملہ سیٹ کر لیتا۔ پر وہ لوگ ملا ہی نہیں۔''

''کیا وہ لوگ جن بھوت ہیں جو اس طرح غائب ہو گئے؟''

''اوہ نہیں شہباز خانا۔'' فتح خان نے بے زاری سے کہا۔ ''یہ لوگ بہت چالاک ہوتا ہے۔ خود کچے علاقوں میں سفر کرتا ہے لیکن ان کے پاس ٹرک ہوتا ہے جو آس پاس کا سڑک پر ہوتا ہے۔ جیسے ہی یہ بھاگنا چاہتا ہے۔ اپنا ٹرک منگواتا ہے۔ سامان اور لوگوں کو اس میں بھرتا ہے۔ کچھ جانور لے کر پیدل بھاگتا ہے۔ جو جانور بھاگ نہیں سکتا اسے بھی ٹرک میں بٹھا لیتا ہے۔ ایک رات میں سو دو سو میل دور چلا جاتا ہے اب آدمی کیسے تلاش کرے اور کہاں تلاش کرے۔ وہ کسی طرف بھی جا سکتا ہے۔''

وہ صحیح کہہ رہا تھا میں نے بھی خانہ بدوشوں کے بارے میں اس قسم کی باتیں سنی تھیں۔ اس گفتگو کے دوران امید خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا اور وہ بار بار عقب سے شاٹ گن کی نال میری کمر میں چبھو رہا تھا۔ اگرچہ فتح خان کی باتوں میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ وہ ان کی دشمنی کے بارے میں بھی ٹھیک کہہ رہا تھا ایک بار یہ خانہ بدوش جس کے دشمن ہو جائیں اس کا قبر تک پیچھا کرتے تھے۔ مگر فتح خان ڈرنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ فتح خان مجھ سے کوئی بات چھپا رہا تھا کوئی ایسی بات جس کا مجھ سے تعلق ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلے میں اس سے مزید کوئی سوال کرتا وہ کھڑا ہو گیا۔

''اسے لے جاؤ۔''

امید خان مجھے لے کر کمرے تک آیا۔ نشست گاہ بھی ایک بند کمرہ تھا اور اس سے بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ جگہ کہاں ہو سکتی تھی۔ سناٹا بدستور حاوی تھا۔ اگر یہاں فتح خان کے کچھ ساتھی موجود تھے تو وہ کہیں دور تھے، سو رہے تھے۔ امید خان نے کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر آیا تو سویرا بدستور کمبل میں لپٹی سو رہی تھی۔ اس نے کمبل سر تک لے رکھا تھا۔ میرے اندر آتے ہی امید خان نے دروازہ باہر سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بند کر دیا۔ کنڈی لگنے کی آواز آئی اور وہ وہاں سے چلا گیا۔ سردی کا احساس کسی قدر بڑھا تھا کیونکہ آتش دان میں آگ کم ہو رہی تھی اور لکڑی جل کر انگاروں میں تبدیل ہو رہی تھی۔ میں نے کمبل لے کر لیٹ گیا۔ فی الحال میرے پاس سونے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ سویرا سو رہی تھی اس کی ہلکی سانسوں کی آواز مجھ تک آ رہی تھی۔ میں لیٹا اور کچھ دیر بعد غنودگی میں تھا کہ اچانک مجھے سویرا کی کراہ سنائی دی۔ میں چونک گیا تھا۔ اس کی طرف دیکھا لیکن وہ بدستور کمبل میں ساکت تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اس کی کراہ مجھے سچ مچ سنائی دی تھی یا یہ نیند کا دھوکا تھا۔ چند لمحے تک جب کوئی آواز نہیں آئی تو میں دوبارہ لیٹ گیا اور اسی لمحے سویرا پھر کراہی بلکہ اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''نہیں چھوڑ دے میرے کو۔''

اس بار میں اٹھا نہیں تھا اچھل پڑا تھا کیونکہ وہ آواز سویرا کی نہیں تھی میں نے جھپٹ کر اس پر سے کمبل اٹھایا اور دوسری بار زیادہ اچھلا تھا کیونکہ کمبل تلے خانہ بدوش لڑکی مہرو تھی۔ وہی مہرو جو امیر مقام کی ہوس کا نشانہ بنی تھی اور پھر اس کے شوہر نے انتقاماً امیر مقام کا گلا دبا کر اسے ہلاک کر دیا تھا۔ وہی مہرو اس وقت کمبل تلے اس حال میں تھی اس کا رہا سہا لباس بھی چیتھڑوں میں بدل گیا تھا اور پہلے اگر چند خراشیں تھیں تو اب اس کے شفاف جلد در جنوں خراشوں سے بھری ہوئی تھی۔ چہرے اور جسم پر جا بجا نیل اور دانتوں سے بھنبھوڑنے کے نشانات تھے۔ ایک آنکھ کسی قدر سوج گئی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس بار وہ ایک نہیں کئی درندوں کی ہوس کا نشانہ بنی تھی۔ سویرا نے مجھے کسی عورت کے بارے میں بتایا تھا اس نے اس کے چلانے کی آواز سنی تھی۔ وہ عورت یقیناً مہرو تھی لیکن مہرو یہاں تھی تو سویرا کہاں تھی؟

اس سوال نے مجھ میں بجلی بھر دی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے فتح خان نے مجھے دھمکی دی تھی کہ جلد مجھے پتا چل جائے کہ اس کی نا مہربانی کیا ہوتی ہے اور مجھے پتا چل گیا تھا۔ میں دروازے کی طرف جھپٹا اور اسے پیٹنے لگا۔ ساتھ ہی میں چلا چلا کر فتح خان کو گالیوں دے رہا تھا۔ ایک منٹ بعد فتح خان کی مسرور آواز سنائی دی۔ ''شہباز خان کیوں اپنی توانائی ضائع کرتا ہے؟''

''فتح خان۔'' میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''اگر سویرا کو خراش بھی آئی تو.....''

''تو تم توپ لا کر ہم کو اُڑا دے گا۔'' اس کی آواز میں طنز آ گیا۔ ''تم کیوں عقل کا بات نہیں کرتا ہے۔ تم جانتا ہے کہ فتح خان اچھا آدمی نہیں ہے وہ اپنے مفاد کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن لگتا ہے تم نے فتح خان کو اہمیت نہیں دیا۔ اب تم کو پتا چل گیا ہو گا کہ فتح خان کیا کر سکتا ہے۔''

اس کی بات نے مجھے ٹھنڈا کر دیا تھا اور میں نے محسوس کیا کہ میں فتح خان جیسے شاطر دشمن کے سامنے بہت کمزور کارکردگی پیش کر رہا تھا۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''فتح خان سویرا کہاں ہے؟''

''وہ محفوظ ہے ابھی شہلا کے ساتھ ہے۔'' وہ بولا۔ ''لیکن میرے پاس کچھ دوسرا لوگ بھی ہے جو عورت کا کیا حشر کرتا ہے یہ تم نے دیکھ لیا ہو گا۔''

''فتح خان اس طرح عورتوں پر ظلم کرنے والے میرے نزدیک زنخوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''تمہارے آدمیوں کی جرأت تو میں دیکھ چکا ہوں جب خانہ بدوشوں کو دیکھتے ہی انہوں نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کتے کی طرح دم دبا کر ہتھیار رکھ دیئے تھے۔ یہ صرف عورتوں پر اپنی مردانگی دکھا سکتے ہیں۔"

"شہباز خان کام کا بات کرو۔" اس نے بور ہونے والے انداز میں کہا۔ "میں تم سے کام کا بات کرنا چاہتا ہے اور تم اِدھر اُدھر کا بات شروع کر دیتا ہے۔"

میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا۔ وہ برٹ شا کے ہیروں کے پیچھے پاگل ہو رہا تھا اور ہر قیمت پر انہیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ میری مدد چاہتا تھا۔ شاید اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جس کام میں، مَیں ہاتھ ڈالتا ہوں وہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ خود میری ناکامیوں کا سبب اور کئی کا گواہ تھا۔ تازہ کیس چینی بریف کیس کا تھا جسے میں تمام تر پلاننگ کے باوجود حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ نہ جانے کس بنا پر ایسا سمجھ رہا تھا کہ میں جو کام کرنا چاہوں وہ کسی نہ کسی طرح ہو جاتا ہے۔ میں نے سوچ کر کہا۔

"فتح خان میں تم سے تعاون کرنے کو تیار ہوں لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ ہیرے مل جائیں گے تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس مربع میل پر پھیلی وادی میں انہیں تلاش کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔"

"شہباز خان تم کو یہ کام کرنا ہی ہوگا۔" فتح خان کا لہجہ بدل گیا۔ "اور تم بھول رہا ہے ضمانت میرے پاس ہے۔"

وہ سویرا کو ضمانت قرار دے رہا تھا یعنی اگر میں ہیرے تلاش کرنے میں ناکام رہتا تو اس کی سزا سویرا کو ملتی۔ "فتح خان تم پاگل ہو گئے ہو ایک ناممکن کام کے لیے ایک شخص کو زبردستی مجبور کر رہے ہو۔ سویرا کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ہیرے تلاش کرنا اتنا آسان ہوتا تو یہ اب تک تمہیں مل چکے ہوتے۔ تم خود بھی تو سالوں سے انہیں تلاش کر رہے ہو۔"

"تم فکر مت کرو میں پاگل نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے تم ہیرے تلاش کر سکتا ہے۔ سویرا سے تمہارا تعلق ہے اگر تم ناکام رہا تو سزا اس کو ملے گا اور پتا ہے میں کیا کرے گا؟"

وہ شاید اس سلوک کی دھمکی دے رہا تھا جو اس کے آدمی مہرو کے ساتھ کر چکے تھے۔ "فتح خان تم کیا کرو گے؟"

"میں سویرا کو مرشد کے حوالے کر دوں گا۔" اس قطعی لہجے میں کہا۔

میں دہل کر رہ گیا تھا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے ہو؟"

"میں ایسا ہی کرے گا۔" وہ بولا۔ "سویرا اب ادھر نہیں ہے۔ وہ شہلا کے ساتھ ایک اور جگہ جا چکا ہے۔ اب تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلد میں تم کو اُدھر لے جائے گا اور پھر تم کو مہلت دے گا اگر تم نے مہلت میں ہیرا تلاش کر لیا تو میں سویرا کو واپس حویلی پہنچا دے گا ورنہ....."

اس ورنہ سے آگے جو تھا وہ بہت خوفناک تھا لیکن یہ حقیقت بھی تھا فتح خان مذاق کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "فرض کرو میں ایسا ہی کرتا ہوں جیسا تم چاہتے ہو لیکن تمام تر کوشش کے باوجود میں ہیرے تلاش کرنے میں ناکام رہتا ہوں تب بھی تم سویرا کو مرشد کے حوالے کر دو گے؟"

"مجھے ہیرے چاہئیں۔" اس نے کہا۔ "تم ہیرے لاؤ اور سویرا کو لے جاؤ اس کے سوا کوئی دوسرا بات

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہیں ہوسکتا ہے۔''

''فتح خان.....''

''اب تم آرام کرو اور سوچو تمہارے پاس کل تک کا مہلت ہے۔''

''فتح خان میری بات سنو اس عورت کے لیے کپڑے دو۔'' میں نے چلا کر کہا لیکن فتح خان قہقہہ لگاتا ہوا جا چکا تھا۔ اس کے آدمیوں نے اس بے بس عورت سے امیر مقام کا انتقام لیا تھا۔ بلکہ انتقام کیا لیا تھا ایک طرف انہوں نے اپنی ہوس پوری کرلی اور دوسری طرف مجھے دھمکانے کا بندوبست کر دیا کہ میں نے فتح خان کی بات نہ مانی تو سویرا کے ساتھ کیا ہوسکتا ہے۔ اگر چہ فتح خان نے اپنے آدمیوں کے حوالے سے دھمکی نہیں دی تھی بلکہ اسے مرشد کے حوالے کرنے کو کہا تھا۔ مگر اس صورت میں سویرا کو کہیں سنگین صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ مرشد سے زیادہ نادر خطرناک تھا۔ مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے اس دنیا میں شاید ہی کوئی اتنی نفرت کرتا ہوگا جتنی کہ نادر کرتا تھا اور اگر میرا کوئی پیارا اس کے ہاتھ آجاتا تو وہ اس کے لیے اذیت کا ہر ممکن سامان کر دیتا۔

○.....❖.....○

فتح خان کے جانے کے بعد میں نے مہرو کی طرف دیکھا تو اسے ہوش میں پایا وہ کمبل میں دبکی ہوئی خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں پہلے بھی اسے دیکھ چکا تھا اس وقت وہ امیر مقام کی درندگی کا شکار ہونے کے باوجود ایک حوصلہ مند اور نڈر عورت نظر آئی تھی لیکن اس بار اس کی شخصیت کچل کر رہ گئی تھی۔ اس کی ساری بہادری اور حوصلہ رخصت ہوگیا تھا اور وہ بے بسی اور بے چارگی کی تصویر نظر آرہی تھی۔ ہوش میں ہونے کے باوجود اس کے حواس پوری طرح بحال نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے میری اور فتح خان کی گفتگو سننے کے باوجود وہ مجھ سے خوف زدہ تھی اور شاید اس کا خیال تھا کہ اسے ہوش میں دیکھ کر میں بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کروں گا۔ جو شاید یہاں آتے ہی اس کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ اس کا اعتبار ختم ہوگیا تھا اور وہ ہر مرد کو ایسا ہی سمجھ رہی تھی۔

میرا خون کھولنے لگا تھا۔ فتح خان کے بارے میں میرا نرم تاثر اِس ایک دن میں تباہ ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر چہ اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے شہلا کے ساتھ بھی تقریباً یہی سلوک کیا تھا لیکن ایک تو وہ خود آزاد خیال عورت تھی اور دوسرے اس نے خود اپنی عزت کے لٹیروں سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔ اس لیے میں نے زیادہ دخل اندازی سے گریز کیا تھا ویسے بھی میں خدائی فوج دار نہیں ہوں جو ہر معاملے میں ٹانگ اڑاؤں۔ مگر اس عورت سے کیے جانے والے بہیمانہ سلوک نے میرے اندر فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے لیے ذرا سا بھی نرم گوشہ ختم کر دیا تھا۔ خانہ بدوش کیسے ہی سہی انہوں نے امیر مقام سے بالکل ٹھیک سلوک کیا تھا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میرا سلوک بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

مہرو بہت خوف زدہ تھی۔ اس لیے میں نے اس کے قریب جانے سے گریز کیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کا خوف کم ہوجائے۔ اس لیے میں دروازے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے نرمی سے کہا۔ ''مہرو تمہیں یاد ہے اس مکان میں جہاں تمہیں قید کیا گیا تھا وہاں میں بھی ان لوگوں کی قید میں تھا۔''

اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی وہ یک ٹک مجھے دیکھ رہی تھی لیکن میں آہستہ آہستہ بولتا رہا۔ اس کے بارے میں بتایا جب امیر مقام اسے پکڑ کر لایا تھا۔ پھر جب اس کے قبیلے والے مکان میں گھس آئے اور

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

انہوں نے اسے تلاش کر لیا۔ مہرو کے شوہر نے امیر مقام کا گلا گھونٹ کر اپنا انتقام لے لیا تھا اور وہ مزید انتقام کے چکر میں پڑنے کے بجائے اپنا راستہ لیتا تو اس انجام سے بچ جاتا جو اسے فتح خان کے ہاتھ سے نصیب ہوا تھا۔ شہلا کے چکر میں وہ اپنی جان سے گیا تھا۔ شوہر کا ذکر آنے پر مہرو کے تاثرات ذرا بدلے تھے۔ میں نے کہا۔

''میں بے ہوش ہو گیا تھا لیکن مجھے بعد میں بتایا کہ تمہارے شوہر کو فتح خان نے گولی ماردی تھی۔ تم وہاں تھیں تم نے تو دیکھا ہوگا۔''

اس بات پر مہرو کی آنکھیں بھر آئیں اور پھر وہ رونے لگی۔ شروع میں وہ آہستہ آواز میں رو رہی تھی لیکن پھر اس نے بلند آواز سے دھاڑیں مار کر روتے ہوئے اپنے شوہر اور اپنی عزت کا بین کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اس کے رونے دھونے میں مداخلت نہیں کی۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے دل کی بھڑاس نکل جائے اور وہ مجھ پر کسی حد تک اعتماد کرنے لگے تب میں اس سے بات کروں۔ وہ ہوش میں یہاں آئی تھی اس لیے اس نے بہت کچھ دیکھا ہوگا۔ اسے علم ہوگا کہ یہ جگہ کیسی ہے اور فتح خان کے کتنے ساتھی یہاں ہیں۔ وہ دیر تک روتی رہی۔ پھر اس کی دھاڑیں سسکیوں میں بدل گئیں اور رفتہ رفتہ وہ بھی رکنے لگیں۔ اس موقع پر میں نے ذرا آگے آ کر پانی کی بوتل اس کی طرف سرکائی اور نرمی سے کہا۔

''پانی پی لو۔''

''مجھ کو نہیں پینا۔'' اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''مجھے مر جانے دو۔''

''تمہارے مرنے سے کسی کا نقصان نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہارے شوہر کے قاتل اور تمہاری عزت کے لٹیرے خوش ہوں گے کہ تم سے جان چھوٹ گئی وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم مر جاؤ۔''

''تب مجھے مارا کیوں نہیں دیا۔'' وہ پھر رونے لگی۔ ''ایسا کیوں کیا میرے ساتھ۔''

''کیونکہ یہ انسان کے روپ میں درندے ہیں تمہارے شوہر نے ان کے ایک ساتھی کو مارا تھا اب یہ اس کا انتقام تم سے لے رہے ہیں۔''

''راجو نے ٹھیک کیا۔'' وہ تڑپ کر بولی اور پھر راجو کا نام لے کر بین کرنے لگی۔ اگرچہ وہ اس سے عمر میں خاصا بڑا تھا اور صورت کا بھی خاص نہیں تھا لیکن وہ اس سے یقیناً محبت کرتی تھی ورنہ اس کے مرنے کا اس طرح غم نہ کرتی۔ ویسے وہ اپنے لوگوں میں نہیں تھی کہ دکھاوے کے لیے ہی روتی دھوتی۔ یہاں اسے دکھاوے کی مجبوری نہیں تھی۔ میں نے اس بار بھی مداخلت نہیں کی۔ اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرتا رہا اور جب اس کی سسکیاں مدھم پڑ گئیں تو میں نے پانی گلاس میں ڈال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس بار اس نے انکار نہیں کیا اور پانی پی لیا۔ پانی پی کر وہ پُرسکون اور کسی قدر پہلے والی حوصلہ مند مہرو نظر آنے لگی۔

''تم اپنے شوہر کے قاتلوں اور اپنی عزت کے لٹیروں سے بدلہ لینا چاہتی ہو۔'' میں نے آہستہ سے کہا تو وہ ایک بار پھر تڑپ گئی تھی اس نے چلا کر کہا۔

''ہاں میں ان کو اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے کرنا چاہتی ہوں۔''

''تب تمہیں حوصلہ کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''خود پر قابو پاؤ اور موقع کا انتظار کرو یقین کرو تم کو ایک موقع ضرور ملے گا اور تب تم ان لوگوں سے انتقام لے سکو گی لیکن شرط یہ ہے تم خود پر قابو رکھو اور جیسا میں کہوں ویسا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کرتی رہو۔"

"میں کیا کروں؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔ "میں ان سب کتوں کو اپنے ہاتھ سے مارنا چاہتی ہوں۔

"پہلے تو اپنی آواز آہستہ کرو اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا تو تمہارا انتقام یہیں ختم ہو جائے گا اس لیے پہلے ان لوگوں کو فریب دو۔ دھوکے میں رکھو۔ یہ بتاؤ تمہیں اسلحہ چلانا آتا ہے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "ہاں راجو نے میرے کو پستول اور بندوق چلانا سکھایا ہے۔"

"دیکھو مہرو اگر تم انتقام لینا چاہتی ہو تو پہلے ان لوگوں کو دھوکے میں رکھنا ہوگا۔ ایک بار یہ تمہیں کمزور عورت سمجھ کر دھوکے میں آ گئے تو تم ان سے انتقام لے سکتی ہو۔ یہ سارے چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں اور ان کے پاس اسلحہ بھی ہوتا ہے لیکن اندر سے یہ بزدل ہیں۔ تم ان کا سامنا کر چکی ہو اور ان کے بارے میں جانتی ہو۔"

اس کے چہرے پر نفرت اور انتقام کی سرخی پھیل گئی تھی اس نے بلاتکلف قالین پر تھوکا اور بولی۔ "اس سور ما کو دیکھا تھا جس نے میری عزت لوٹی تھی جب راجو اس کا گلا دبا رہا تھا تو کیسے بھیک مانگ رہا تھا۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ میں نے اس کی تائید کی۔ "تم نے ٹھیک کہا ہے یہ سب ایسے ہی بزدل ہیں۔ ایک کمزور عورت پر ظلم کرنے والے دنیا کے سب سے بزدل ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کو مارنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا بس اس کے لیے ذرا ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"میں سب کروں گی۔" اس نے جوش سے کہا۔ "ان کتوں سے بدلہ لینے کے لیے مجھے ان کے پاس جانا پڑا تو میں جاؤں گی۔"

دراصل میں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ اس عورت کو یہاں صرف مجھے دھمکانے کے لیے لائے تھے اور وہ زیادہ دیر اسے یہاں نہیں رکھیں گے۔ وہ اسے دوبارہ لے جائیں گے اور اس وقت تک اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہیں گے جب تک وہ مر نہیں جاتی۔ وہ اسے زندہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ فتح خان کی صلح کے لیے خانہ بدوش قبیلے کے پیچھے جانے والی بات بھی مجھے دھوکا لگ رہی تھی اگر اس نے ان لوگوں سے صلح کرنی ہوتی تو مہرو کو اغوا کرنے کے بعد اس سلوک کا نشانہ نہ بناتے بلکہ اسے خانہ بدوشوں پر دباؤ کے لیے استعمال کرتے۔ فتح خان اگر واپس اس طرف گیا تھا تو اس کی وجہ کچھ اور ہو سکتی تھی وہ ہرگز نہیں جو وہ بیان کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے مجھے مہرو کی صورت میں ایک فرد مل گیا تھا جو میری معلومات میں اضافہ کر سکتا تھا۔

"مہرو میرے کچھ سوالوں کا جواب خوب سوچ سمجھ کر اور یاد کر کے دینا فوراً مت دینا اس سے بھی ہمیں ان لوگوں سے انتقام لینے میں مدد ملے گی میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

اس نے سر ہلایا۔ "ہاں میں سمجھ گئی۔"

وہ اٹھ بیٹھی تھی اور اس نے اس دوران میں بوتل سے کئی بار پانی پیا تھا وہ شدید پیاسی تھی۔ ایک تو اس کے ساتھ کیا جانے والا سلوک اور پھر اسے پانی بھی نہیں دیا گیا ہوگا۔ ورنہ اس موسم میں اتنی پیاس نہیں لگتی ہے۔ اپنے چیتھڑے لباس سے جھانکتے جسم کو اس نے کمبل میں چھپا لیا تھا۔ اس کا مخصوص اعتماد بحال ہو گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''تم نے دیکھا یہ جگہ کہاں ہے جہاں اس وقت ہم قید ہیں؟''

اس نے سوچا اور پھر بولی۔ ''یہ مجھے گاڑی میں نیچے لٹا کر لائے تھے اور راستے میں بھی مجھے نوچنے کھسوٹتے رہے تھے۔ میں نہیں دیکھ سکی کہ کدھر لائے ہیں۔ پر جب یہ مجھے اندر لا رہے تھے تو میں نے دیکھا تھا۔ باہر سے یہ بہت بڑا مکان ہے بہت بڑا کھلا حصہ ہے۔''

مہرو کا مطلب تھا کہ یہ بڑی سی کوٹھی ہے۔ ''کھلے حصے میں پھول پودے اور گھاس لگی ہے، کچا ہے یا جھاڑ جھنکاڑ ہے؟''

''گھاس پھول والے پودے لگے ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''باہر بھی ماربل پتھر لگا ہے۔ بہت خوبصورت لگا رہا ہے۔''

''اندر سے کیسا ہے یہ مکان؟''

''محل جیسا۔'' وہ بولی۔ ''پر یہ میرے کو ایک گندے سے کمرے میں لے گئے تھے اور وہاں.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ میں سمجھ گیا۔

''ٹھیک ہے اسے چھوڑو، یہ بتاؤ کہ کتنے آدمی ہیں یہاں؟''

''چار تو تیری والی گاڑی میں تھے۔''

''میرے اور ایک لڑکی کے علاوہ؟''

''نہیں تم دونوں کے ساتھ، وہ لڑکی کون ہے؟''

''میری ساتھی ہے، کچھ دیر پہلے وہ اسی کمبل میں سو رہی تھی لیکن یہ مجھے باہر لے گئے اور اسے کہیں اور بھیج دیا ہے۔''

''کہیں اس گندے کمرے میں نہ لے گئے ہوں۔'' اس نے بے ساختہ کہا تو میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی۔

''نہیں۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''فتح خان اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں کر سکتا ہے۔ یہ بہت گندے لوگ ہیں۔''

''نہیں کر سکتا۔'' اس بار میں بولا تو میری آواز میں غراہٹ تھی۔ ''وہ مجھے جانتا ہے۔''

میری غراہٹ نے مہرو کو سہما دیا تھا اس نے پھر اصرار نہیں کیا۔ یقین کے باوجود مہرو کی بات نے کچھ دیر کے لیے میرے خیالات کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ میں فی الحال سویرا کے بارے نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ اس لیے خیالات کو دوبارہ جمع کرنے میں کچھ وقت لگا تھا۔ میں نے کہا۔ ''دوسری گاڑی میں تمہارے ساتھ کتنے آدمی تھے؟''

''چار۔'' وہ بولی۔ ''وہی کتے مجھے اندر لے گئے تھے۔ ہاں ان کے ساتھ وہ عورت بھی تھی۔'' اس کا اشارہ یقیناً شہلا کی طرف تھا۔

گویا فتح خان سمیت یہاں اس کے پانچ ساتھی تھے اگر شہلا اور سویرا کو لے جانے کے لیے ایک دو افراد ساتھ تھے تو یہاں موجود افراد کی تعداد چار یا پانچ رہ گئی تھی۔ اگرچہ اس کا امکان کم تھا کہ مہرو جیسی کمزور عورت ان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایسے ور بدمعاشوں کے خلاف کچھ کر سکے لیکن میں کوشش تو کر سکتا تھا بعض اوقات کمزور نظر آنے والی چیونٹی ہاتھی کے دبوقامت جانور کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ ایسے ہی مہرو بھی شاید ان لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا سبب بن جاتی۔ اگر مہرو کامیاب بھی ہو جاتی تو اس سے مجھے شاید کوئی فائدہ نہ ہوتا کیونکہ سویرا بدستور فتح خان کے قبضے میں رہتی لیکن ممکن ہے چند ساتھی کم ہونے سے فتح خان کمزور پڑ جاتا اور مجھے اس کے خلاف موقع مل جاتا۔ میں نے پوچھا۔

''ان کے پاس کس قسم کا اسلحہ ہے تم نے دیکھا ہوگا؟''

اس نے سوچا اور پھر بغیر نام کے مجھے اسلحے کی جو تفصیل بتائی اس کے مطابق ان لوگوں کے پاس خودکار رائفلیں تھیں۔ یہ شاید جدید ساخت کی کلاشنکوف اے کے چوہتر تھیں جن کا شمار دنیا کی بہترین اسالٹ رائفلوں میں ہوتا ہے۔ چھوٹی ہونے کے باوجود ان کی حد مار اور درستگی اے کے سینتالیس سے کہیں بہتر ہے۔ اس کے علاوہ شاٹ گنز تھیں اور شاید پستول بھی تھے۔ مہرو کے لیے سب سے آسان اور بہترین ہتھیار رائفل ہو سکتی تھی کیونکہ یہ استعمال میں آسان ہوتی ہے اور اس کا ایک ہی برسٹ کئی افراد کو دوسری دنیا کی سیر کرانے کے لیے کافی ثابت ہو سکتا ہے۔ میں نے یادداشت کی مدد سے مہرو کو اس رائفل کا ممکنہ استعمال بتایا۔ اس کے سیفٹی لاک اور اسے کھولنے کے طریقے کے بارے میں سمجھایا۔ وہ غور سے میری بات سن رہی تھی۔ کئی بار سمجھانے پر اس نے سر ہلایا۔

''میں سمجھ گئی۔''

پھر اس نے خود مجھے بتایا کہ یہ رائفل کیسے استعمال کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی وہ اتنی آسانی سے میرے منصوبے سے متفق ہو گئی تھی اور اب ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے بے چین تھی۔ وہ مضبوط اعصاب کی باہمت عورت تھی۔ اس نے مختصر سے وقت میں جو دیکھا اور سہا تھا وہ ہر عورت کے بس کی بات نہیں ہوتی ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو اب تک پاگل ہو گئی ہوتی یا جان دے چکی ہوتی۔ انتقام لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر وہ خانہ بدوش تھی اور یہ لوگ سخت جان ہونے کے ساتھ زندگی اور موت کے بارے میں منطقی رویہ رکھتے ہیں۔ خوشی اور غم کا احساس مختصر وقت کے لیے ہی ان پر غلبہ پاتا ہے۔ کسی بھی جذبے کو زیادہ دیر خود پر طاری نہیں رکھتے ہیں اور جلد معمول پر آ جاتے ہیں۔ اس نے کل سے کچھ نہیں کھایا تھا اور ان لوگوں نے اسے نچوڑ لیا تھا۔ اس کے چہرے سے نقاہت جھلکنے لگی تھی۔ صرف پانی پی کر اس نے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''اب تم لیٹ جاؤ اور یوں ظاہر کرو کہ بہت کمزور اور ہوش میں نہیں ہو۔''

وہ سچ مچ آرام کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ اس لیے لیٹ گئی۔ میں کمبل لپیٹ کر دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ اب مجھے انتظار تھا فتح خان یا اس کے آدمیوں کا جو مہرو کو یہاں سے لے جاتے۔ جب تک میں اس سے بات کر رہا تھا مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن جب وہ لیٹ گئی تو مجھے ندامت ہونے لگی میں اس مظلوم عورت کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ اگر وہ وہی کرتی جو میں نے اسے سمجھایا تھا تو اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ممکن ہے وہ فتح خان کے دو تین ساتھیوں کو مار دیتی لیکن ساتھ ہی وہ خود بھی ماری جاتی لیکن اس کا بچنا ویسے بھی ممکن نہیں تھا۔ فتح خان شاید مجھے عبرت دلانے کے لیے اسے ساتھ لایا تھا اور اس سے یہ کام لے لیا تھا اس لیے اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ فتح خان جیسے لوگ بلا وجہ کا بوجھ نہیں اٹھاتے ہیں وہ اسے ختم

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کر کے کہیں دفنا دیتا اور اس کے قبیلے والوں کو کبھی اس کے انجام کا پتا نہیں چلتا۔ پھر بھی مجھے ایک عورت کو اس طرح استعمال کرتے ہوئے ندامت ہو رہی تھی۔

اس بند کمرے میں وقت کا پتا نہیں چل رہا تھا لیکن میرا اندازہ تھا کہ صبح قریب تھی۔ بیٹھے بیٹھے مجھے اونگھ آ گئی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور فتح خان کے دو آدمی اندر گھس آئے۔ جب کہ ایک آدمی باہر رہا تھا۔ میں نے ان کو پہلے بھی دیکھا تھا۔ میں چونکا تو ان میں سے ایک غرا کر بولا۔ ''خبردار اپنا جگہ بیٹھے رہو۔''

وہ مسلح تھے لیکن ان کی رائفلیں شانوں سے جھول رہی تھی البتہ باہر موجود آدمی پستول لیے ہوئے تھا اور پوری طرح چوکنا تھا اس نے پستول کا رخ میری طرف کر دیا۔ آنے والوں نے مہرو پر پڑا کمبل کھینچ کر ایک طرف پھینک دیا اور پھر اسے جان بوجھ کر یوں اٹھایا کہ سامنے سے اس کی قمیص جو پہلے ہی پھٹی ہوئی تھی کھل گئی۔ ان کی ہوسناک نظریں مہرو کے جسم پر رینگ رہی تھیں۔ دونوں نے اس کا ایک ایک بازو تھام رکھا تھا اور وہ یوں جھول رہی تھی جیسے نیم بے ہوش ہو۔ اس کی حالت دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا۔ اگر وہ سچ مچ اتنی بے حال تھی تو اس سے کسی کارروائی کی توقع فضول تھی اور اگر وہ اداکاری کر رہی تھی تو بہت اچھی اداکارہ تھی۔ میں نے کہا۔

''تم لوگوں نے اس کا یہ حال کر دیا ہے اب تو اس پر رحم کرو۔''

''رحم کرنے تو لے جا رہا ہے۔'' مجھے خبردار کرنے والے نے معنی خیز انداز میں کہا۔ پھر وہ مہرو کو کھینچتے ہوئے لے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ وہ معمولی سی مزاحمت کر رہی تھی اور اس کے منہ سے فریاد بھری آوازیں نکل رہی تھیں۔ فتح خان کے آدمیوں کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اسے گنے کی طرح نچوڑنے لے جا رہے تھے۔ جیسے گنا مشین والا گنے کو کئی بار مشین سے گزار کر اس کا سارا رس نکال لیتا ہے اور پھر بچ جانے والا پھوک پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح جب مہرو ایک بے جان جسم رہ جاتی تو اسے کہیں گاڑ دیتے۔ جب دروازہ کھلا تھا تو میری نظر سامنے والے کمرے کے دروازے پر گئی تھی اور جب وہ لوگ چلے گئے تو مجھے خیال آیا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد ایک چھوٹا ہال تھا اور اس کا ایک ہی دروازہ تھا اور یہ دروازہ نشست گاہ میں کھلتا تھا۔ اگر اس حصے میں آمد و رفت کا یہی راستہ تھا تو میں نے سویرا کو لے جاتے اور مہرو کو لاتے نہیں دیکھا تھا اس کے علاوہ یہی سامنے والے کمرہ باقی رہ جاتا تھا جہاں سے کسی کو لایا اور لے جایا جا سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کمرے میں باہر کا کوئی راستہ بھی تھا۔

آتشدان میں بیشتر لکڑی جل چکی تھی اور اب انگارے دہک رہے تھے صرف کناروں کی کچھ لکڑی بچی تھی۔ کمرے کا دروازہ اندر کی طرف کھلتا تھا اور اندر صرف ایک کچر لگا تھا۔ باہر کنڈی تھی جو اسکروز سے فٹ تھی لیکن یہ اسکروز اندر تک نہیں آئے تھے یعنی وہ لکڑی کے پار نہیں ہوئے تھے۔ یہ تقریباً دو انچ موٹا دروازہ تھا۔ جو ٹھوس لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اندر لگا کچر درمیان میں تھا جب کی باہر لگی کنڈی دروازے کے کسی قدر اوپری حصے میں تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال خاصی دیر سے تھا لیکن مجھے اسے عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں ملا تھا اور یہ موقع شاید اب آ گیا تھا۔

میں نے آتشدان میں جلنے سے بچ جانے والی ایک تقریباً دو فٹ لمبی لکڑی اٹھائی اس کا اگلا سرا کالا ہو رہا تھا اور انگاروں پر رکھنے سے اس نے ایک منٹ میں آگ پکڑ لی۔ یہ بالکل خشک لکڑی تھی اور بہت معمولی سا دھواں چھوڑ رہی تھی۔ میں لکڑی لے کر دروازے کے پاس آیا کچھ دیر باہر کی سن گن لیتا رہا لیکن باہر بالکل سناٹا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا۔ تب میں نے لکڑی کا جلتا سرا دروازے کے اس حصے سے لگا دیا جس کے باہر کنڈی لگی تھی۔ آگ نے ایک منٹ میں اوپری پالش کو جلا ڈالا تھا اور نیچے سے لکڑی نکل آئی لیکن یہ دیودار کی سخت لکڑی تھی جو آسانی سے آگ نہیں پکڑتی ہے۔ اسے آگ لگانے کے لیے ضروری تھا کہ میں بہت دیر تک لکڑی کا جلتا سرا دروازے سے لگائے رکھتا۔

جب تک لکڑی آتشدان میں جل رہی تھی تو اس کا اٹھتا دھواں چمنی کے راستے باہر جا رہا تھا اور کمرے میں اس کا اثر بہت کم تھا لیکن اب لکڑی سے اٹھتا دھواں کمرے میں بھر رہا تھا اور ہلکا ہونے کے باوجود اس نے چند منٹ میں کمرے کی فضا کو دھندلا دیا تھا۔ اب یہ دھواں سانس لیتے ہوئے سینے میں لگ رہا تھا۔ دس منٹ بعد دروازے کی لکڑی سیاہ ہونا شروع ہو گئی تھی۔ مگر اس وقت تک دھواں اس قدر ہو چکا تھا کہ اس میں سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے لکڑی آتش دان میں اس طرح رکھ دی کہ وہ جلنے سے محفوظ رہے اور خود کمبل کا ایک حصہ پانی سے بھگو کر اس میں منہ رکھ کر سانس لینے لگا۔ دھواں آنکھوں میں لگ رہا تھا اور جلن کے ساتھ پانی بہنے لگا تھا۔ بہر حال لکڑی واپس رکھنے سے دھواں کم ہونے لگا اور اگلے چند منٹ میں یہ اتنا کم ہو گیا کہ اب میں بھیگے کمبل پر منہ رکھے بغیر بھی سانس لے سکتا تھا۔ میرا اندازہ درست تھا یہاں وینٹی لیشن کا کوئی نظام تھا جو اندر تازہ ہوا پھینکتا تھا اور باسی ہوا کو باہر لے جاتا۔ اگرچہ دیواروں میں بہ ظاہر کوئی ایسا سوراخ نہیں تھا جہاں سے ہوا کی آمد و رفت ممکن ہوتی۔

جب دھواں خاصی حد تک کم ہو گیا تو میں لکڑی لے کر دوبارہ اٹھا اب یہ فٹ بھر رہ گئی تھی۔ دس منٹ بعد جب میں نے لکڑی بالکل چھوٹی رہ جانے اور کمرہ دھویں سے ایک بار پھر بھر جانے پر اسے آتش دان میں ڈالا تو دروازے کا کنڈی والا حصہ بالکل کوئلہ ہو چکا تھا۔ دھواں کم ہونے کے بعد میں نے کچھ پکڑ کر دروازے پر زور آزمائی کی۔ شروع میں تو وہ ساکت رہا تھا لیکن میں مستقل مزاجی سے اسے ہلانے کی کوشش کرتا رہا تو کچھ دیر بعد اس میں ذرا جنبش پیدا ہوئی تھی۔ آگ نے لکڑی کو جلا ڈالا تھا اور اس میں گڑی اسکروکیلوں کی گرفت کمزور ہو گئی تھی۔ اگر میں کوشش کرتا تو اسکروز دروازے سے نکل جاتے اور یہ کھل جاتا۔ ابھی میں کوشش کر رہا تھا کہ مجھے کہیں دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور میں تیزی سے واپس آ کر کمبل میں لپٹ کر لیٹ گیا۔ فوراً ہی دروازہ کھلا۔ میں نے ظاہر کیا جیسے میں گہری نیند سے اٹھ گیا ہوں۔ آنے والا فتح خان تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ کمرے میں دھواں بہت کم رہ گیا تھا لیکن اس نے محسوس کر لیا۔

''دھواں کیوں ہو رہا ہے؟'' اس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

''ہاں دھواں ہو رہا ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''مجھے کیا پتا کیوں ہو رہا ہے۔''

اس نے آتشدان کی طرف دیکھا۔ ''اب تو اس میں بھی انگارہ رہ گیا ہے؟''

''ایسا کرو چمنی میں گھس کر دیکھ لو ہو سکتا ہے اس میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہو؟'' میں نے جواب دیا۔ ''تمہارے آدمی اس لڑکی کو پھر لے گئے ہیں کیا وہ اس کی جان لے کر چھوڑیں گے۔''

''یہ ان کا معاملہ ہے۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔ ''امیر مقام ان کا دوست تھا اور وہ اس لڑکی کی وجہ سے مارا گیا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''لڑکی کی وجہ سے نہیں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''لگتا ہے تم نے سارے بدکردار اوباش لوگ جمع کر رکھے ہیں۔ ویسے تمہارا اپنا کردار کون سا اچھا ہے تم نے کیریئر کا آغاز ہی ایک آدمی کی بیوی کو پھنسا کر کیا تھا۔''

''مجھ کو شرمندہ مت یاد دلاؤ۔'' فتح خان غرایا۔ ''میں جب اس کا سوچتا ہے میرا خون کھولنے لگتا ہے۔''

''یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ میں ہیرے کیا یہیں بیٹھے بیٹھے تلاش کر کے دے دوں؟''

ہیروں کے نام پر اس کا موڈ اچھا ہو گیا اور وہ مسکرایا۔ ''نہیں پر جلد تم کو اُدھر وادی کی طرف لے جائے گا۔''

''وہاں برف ہی برف ہو گی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''ایسے میں وہاں کچھ تلاش کرنا اور بھی مشکل کام ہو گا۔''

''نہیں وہ جگہ زیادہ بلند نہیں ہے برف ہو گا پر زیادہ نہیں ہو گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''کب جانا ہے اس طرف؟''

''جلد، پر وقت نہیں بتا سکتا۔''

''فتح خان مجھ سے ایک ڈیل کر لو سویرا کو واپس حویلی پہنچا دو اور میں وعدہ کرتا ہوں جب تک ہیرے نہیں مل جاتے تمہارے ساتھ رہوں گا اور فرار کی کوشش بھی نہیں کروں گا۔''

''تمہارا بات کا یقین ہے۔'' اس نے خلاف توقع میری پیش کش کے جواب میں سنجیدگی سے کہا۔ ''پر سویرا کو بچانے کے لیے تم پورا کوشش کرے گا اگر وہ نہیں ہوا تو تم پورا کوشش نہیں کرے گا۔''

''پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں کرے گا۔ تم یہاں سے کوشش نہیں کرے گا۔'' اس نے سینے پر دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔ ''جب تک اُدھر چوٹ نہیں لگے گا تو کوشش کیسے کرے گا۔''

میں سمجھ رہا تھا وہ کسی صورت سویرا کو نہیں چھوڑے گا۔ یہ تو ترپ کا پتا اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''شہباز خان میں اب اس ملک سے نکل جانا چاہتا ہے۔''

''کیوں یہاں کیا ہے بلکہ اب تو یہ ملک تم جیسے مجرموں کی جنت بن گیا ہے یہاں صرف تم لوگ ہی مطمئن اور سب کرنے کے لیے آزاد ہو۔ ورنہ عوام تو ہر طرح سے ذلیل و خوار اور مجبور ہیں۔'' میں نے طنز کیا۔ ''تم اپنی جنت چھوڑ کر کہاں جانا چاہتے ہو؟''

فتح خان نے اپنی خشخشی داڑھی کھجائی۔ ''تم ٹھیک کہتا ہے پر بات یہ ہے اُدھر کسی کے پاس دولت آ جائے تو اوپر والوں کو بُو آ جاتا ہے اور وہ اپنا حصہ مانگتا ہے ان کا حصہ دے کر کیا بچے گا۔ تم سمجھ رہا ہے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بالکل جو جتنا اوپر ہے اتنا بڑا ڈاکو ہے اور ان کے مقابلے میں تم ایک چھوٹے ڈاکو ہو۔ تمہارے لیے عافیت اسی میں ہے کہ ان سے دور رہو۔''

وہ خوش ہو گیا۔ ''یہی تو میں کہہ رہا ہے۔ ہیرے ملتے ہی میں یہاں سے نکل جائے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فتح خان کچھ عرصے پہلے تک صاف اردو بولنے لگا تھا لیکن شاید یہ دوبارہ اپنے ہم زبانوں کے ساتھ رہنے کا نتیجہ تھا کہ اس کی اردو میں گلابی رنگ نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا باہر جانے والا منصوبہ پہلے بھی میرے سامنے تھا۔ شہلا کی مدد سے وہ یہ ہیرے مڈل ایسٹ کی مارکیٹ میں اچھے داموں بیچ سکتا تھا۔ کیونکہ جب سے ڈالر اور امریکہ پر زوال آنا شروع ہوا تھا تب سے لوگوں کا ڈالر پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا تھا اور دولت مند ممالک اور دولت مند اپنے ڈالرز سونے اور دوسری قیمتی اشیا میں منتقل کر رہے تھے یہی وجہ تھی کہ عالمی منڈی میں سونے اور دوسری قیمتی دھاتوں کے ساتھ جواہرات کی قیمت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ آج سے کوئی بارہ سال پہلے بھی ان ہیروں کی مالیت پچیس ملین ڈالرز تھی اور اب یہ قیمت کم سے کم بھی دوگنا ہوگئی ہوگی یعنی فتح خان کو پانچ کروڑ ڈالرز کی خطیر رقم مل سکتی تھی اور یہ اتنی دولت تھی کہ وہ اپنی باقی زندگی بڑے عیش و آرام سے دنیا کے کسی پُرسکون گوشے میں گزار سکتا تھا۔ غالباً وہ ایسا ہی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی عمر ابھی پینتالیس اور پچاس کے درمیان تھے۔ اگر عیاشی کا عرصہ بیس سال لگایا جائے تو اس کے لیے یہ دولت کافی سے زیادہ تھی۔ اس کے بعد صرف بڑھاپا رہ جاتا جو معمولی دولت کے سہارے بھی کٹ سکتا تھا۔

''مگر فتح خان اصل کام تو ہیرے تلاش کرنا ہے اور تم یہ کام اتنے سالوں میں تمام تر کوشش کے باوجود نہیں کر سکے ہو۔ برٹ شاتمہاری قید میں ہے اور تم نے یقیناً اس سے ہیروں والی جگہ معلوم کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر لیا ہوگا۔''

''ہاں پر وہ نہیں بتاتا خنزیر کی اولاد۔'' فتح خان برہم ہوگیا۔ ''پر ایک طریقہ باقی ہے۔''

''اگر تم اس کی بیٹی کے ذریعے اس پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہو تو بھول جاؤ یہ انگریز اپنی آل اولاد کی اتنی پروا نہیں کرتے ہیں۔ خاص طور سے جب وہ جوان اور خودمختار ہو جائے۔''

فتح خان مجھے گھور رہا تھا۔ ''شہباز خان تم اپنا کام آسان کر سکتا ہے تم اس کی لڑکی کو یہاں بلا لو پھر اس کا باپ بھی بولے گا۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے انکار کر دیا۔ ''اول تو وہ یہاں آئے گی نہیں اور دوسرے میں خود عورتوں کے سہارے آگے بڑھنے کا قائل نہیں ہوں۔''

اس نے کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''تم اسے بچانا چاہتا ہے اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اگر اس کی جگہ کوئی بالکل اجنبی لڑکی یا عورت ہوتی تب بھی میرا جواب یہی ہوتا۔''

''تم کو سویرا کا پروا بھی نہیں ہے؟''

''پروا ہے لیکن فتح خان تم اس بات کو نہیں سمجھو گے اسے بچانے کے لیے میں کسی اور کا برا نہیں کر سکتا یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔''

''تب میرا برا کیوں کر رہے ہو؟''

''تمہیں ہیروں کی ضرورت ہے وہ تم اپنے بل بوتے پر بھی حاصل کر سکتے ہو حالانکہ وہ تمہارا حق نہیں ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

فتح خان نے برا سا منہ بنایا۔ ''ہمارا نہیں ہے تو کسی کے باپ کا بھی حق نہیں ہے۔''

''فتح خان تم بلاوجہ مجھے اس معاملے میں شامل کر رہے ہو۔ اگر سویرا کو ذرا سا بھی نقصان ہوا اور میں بچ گیا تو یقین کرو میں ساری دنیا میں تمہارا پیچھا کروں گا اور تم جس عیش و سکون کے چکر میں ہو وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔''

فتح خان نے میری بات ان سنی کی اور بولا۔ ''تم تیار رہو تم کو کسی وقت بھی ادھر سے لے جائے گا۔''

''بھوکا پیاسا؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔ ''مجھے تو باتھ روم جانے کا موقع بھی نہیں ملا ہے۔''

''ابھی سب ملے گا کھانا پانی بھی اور باتھ روم جانے کا موقع بھی۔'' اس نے کہا اور الٹے قدموں دروازے سے نکلتے ہوئے اسے بند کرتا چلا گیا تھا۔ شکر ہے اس نے اندر آنے کے بعد دروازہ بند نہیں کیا تھا ورنہ وہ جلا ہوا حصہ فوراً دیکھ لیتا۔ دوسرے باہر موسم سرد تھا اس لیے کنڈی اگر گرم بھی ہوئی تھی تو جلد ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اسے کھولتے ہوئے اگر فتح خان گرمی محسوس کر لیتا تو چوکنا ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ کبھی نہیں دیکھتے۔ جلد یا بدیر میری کوشش کا ان کو علم ہونا لازمی تھا۔ فتح خان کے جاتے ہی چند منٹ بعد امید خان آیا اور اس نے دروازہ کھولتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''چلو تم کو لیٹرین لے جانا ہے۔''

میں اس کے ساتھ چھوٹے ہال تک آیا۔ جب اس نے کھڑکی والا پردہ ایک طرف کیا تب مجھے پتا چلا کہ اس طرف ایک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا اور یہ باتھ روم کا تھا۔ ٹائلز اور بہترین فکسچرز سے آراستہ یہ باتھ روم چھوٹا مگر مکمل تھا۔ میں نے آرام سے تمام ضروری امور انجام دیے اور پھر اچھی طرح منہ ہاتھ دھوئے۔ یہاں گرم پانی آ رہا تھا۔ دانت صاف کیے اس دوران میں امید خان نے دو تین بار دروازہ بجایا اور ہر بار میں نے اسے انتظار کرنے کو کہا۔ اگر دروازہ اندر سے بند نہ ہوتا تو وہ یقیناً اندر گھس آتا لیکن یہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا اس لیے اسے یہ خدشہ تو نہیں تھا کہ میں فرار ہو جاؤں گا۔ میں باہر آیا تو وہ مشتعل تھا۔ اس نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔ ''اتنا دیر لگایا؟''

''مجھے قبض ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تمہیں ہوتا ہے تو تم اتنی دیر نہیں لگاتے؟''

''چلو جلدی۔'' وہ بولا تب میں نے محسوس کیا کہ اسے جلدی تھی۔ پھر میری سمجھ میں آ گیا کہ اسے کس چیز کی جلدی تھی۔ وہ جلد از جلد مجھے بند کر کے مہرو میں اپنا حصہ بٹانا چاہتا تھا۔ وہ بے چاری یقیناً پھر کرب اور ذلت کی ان منزلوں سے گزر رہی تھی جو کسی عورت کا سب سے بڑا امتحان ہو سکتے ہیں۔ مجھے طیش تو آیا تھا اور شاید میں کوشش کرتا تو امید خان پر قابو پا کر اسے جہنم رسید بھی کر سکتا تھا لیکن اس وقت میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا جو میرے اور سویرا کے لیے مشکلات کا باعث بنے۔ فتح خان اسے یہاں سے بھیج چکا تھا۔ اس لیے میں صبر کر کے واپس کمرے میں آ گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں دروازے پر دوبارہ طبع آزمائی کر کے آزاد ہونے کی کوشش کر سکتا تھا۔ اس لیے شرافت سے واپس کمرے میں بند ہو گیا۔

امید خان نے جیسے ہی راہداری والا دروازہ بند کیا میں نے دروازے پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ اس بار میں نے زیادہ طاقت سے زور لگایا۔ اس کا امکان تھا کہ جب کنڈی نکلے گی تو خاصا شور ہو گا لیکن میں اس کے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لیے تیار تھا۔ مگر خلاف توقع دروازہ ذرا ہلنے کے بعد پھر ٹھس ہو گیا اور اس سے آگے ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ شاید آگ نے لکڑی کو اس طرف سے جلایا تھا لیکن اس کا اثر باہر تک نہیں گیا تھا جہاں اسکرو کیلیں لگی تھیں۔ وہاں کیلیں مضبوطی سے اپنی جگہ قائم تھیں اس لیے دروازہ بس ذرا سا ہلنے کے بعد دوبارہ مضبوطی سے اپنی جگہ قائم ہو گیا تھا۔ پھر اندر کا کیچر بھی زیادہ بڑا اور مضبوط نہیں تھا کہ میں پر اپنی صحیح گرفت رکھ سکتا۔ زیادہ زور لگانے سے کیچر بھی ہلنے لگا تھا۔ اگر میں اسی طرح زور آزمائی کرتا رہتا تو وہ دروازے سے نکل جاتا۔ یوں میری یہ کوشش ناکام رہی تھی۔

بدقسمتی سے آتشدان میں مزید لکڑی باقی نہیں رہی تھی اور کچھ دیر پہلے تک جو لکڑی تھی وہ بھی اب جل کر انگاروں میں تبدیل ہو رہی تھی رات کے انگارے راکھ بن رہے تھے۔ بس چند گھنٹوں کی بات تھی کہ آتشدان ٹھنڈا پڑ جاتا۔ ممکن ہے اس سے پہلے ہی میں یہاں سے رخصت ہو جاتا لیکن اگر مجھے یہاں رہنا بھی پڑتا تو اس کا امکان کم ہی تھا کہ آتشدان میں دوبارہ لکڑی ڈالی جاتی۔ یہ بھی شاید شہلا کی مہربانی تھی ورنہ فتح خان اتنا اچھا نہیں تھا کہ اپنے قیدیوں کو ایسی سہولتیں مہیا کرتا۔ اس نے تو ناشتے کا آسرا بھی دیا تھا لیکن فی الحال اس کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ مہرو کی طرف سے ابھی تک کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا۔ یا تو اسے موقع نہیں ملا تھا یا پھر وہ میری توقع کے خلاف ایک کمزور عورت ثابت ہوئی تھی جو درندہ صفت مردوں کے سامنے ہمت ہار گئی تھی۔ میں مایوس تو نہیں لیکن بور ہو رہا تھا۔ آج میرے سارے پلان فیل ہو رہے تھے۔ شاید ان دنوں میرے ستارے کچھ گردش میں تھے۔ بینک لاکر تک رسائی کی کوشش کے بعد سے جو شامت آئی تھی وہ ابھی تک جاری تھی پہلے میں اور بریف کیس شہلا اور فتح خان کے ہاتھ لگے تھے اور اب سویرا بھی ان کے قبضے میں آ گئی تھی۔

میں بور ہو کر اونگھنے لگا تھا اس لیے جب اچانک فائرنگ کا شور گونجا تو میں اچھل پڑا تھا۔ کسی نے پورا برسٹ چلا دیا تھا۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ لوگوں کے چلانے کا شور بھی سنائی دیا تھا۔ پھر فائرنگ کا شور تو تھم گیا لیکن فتح خان کے آدمیوں کا شور جاری رہا۔ چند لمحے بعد فتح خان کے چلانے کی آواز بھی ان میں شامل ہو گئی۔ پہلے والے تو درد سے چلا رہے تھے لیکن فتح خان کی دھاڑوں اور گالیوں میں غصے کا عنصر نمایاں تھا۔ مہرو کو موقع مل گیا تھا اور اس نے اس سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ فائرنگ اس کے سوا کون کر سکتا تھا۔ اب نہ جانے فتح خان کے کتنے آدمی مرے تھے یا زندہ تھے اس کا کچھ نہیں پتا تھا۔ اگر مہرو سے ہتھیار چھین لیا گیا تھا تو یقیناً اس کی خیر نہیں تھی اور جلد یا بدیر فتح خان اسے بھی دنیا سے رخصت کر دیتا۔ میرے کان کسی فائر کی آواز کے منتظر تھے لیکن خاصی دیر گزرنے کے بعد ایسی کوئی آواز نہیں آئی بلکہ فتح خان کے آدمیوں کی چیخ و پکار اور اس کی اپنی دھاڑیں بھی رک گئی تھیں۔ کبھی کبھی ہلکی سی آواز آتی تھی۔ پھر میں نے کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی مدہم آواز سنی۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔

اس کمرے میں بند میں صرف اندازے لگا سکتا تھا کہ باہر کیا ہوا ہے۔ مگر ایک بات یقینی تھی کہ جو ہوا تھا وہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے لیے اچھا نہیں ہوا تھا۔ فائرنگ مہرو نے ہی کی تھی لیکن اس کا نتیجہ ابھی غیر واضح تھا۔ اگر وہ زندہ تھی تو یقیناً اچھے حال میں نہیں ہوگی۔ فتح خان کے گھٹیا آدمیوں نے پہلے ہی اس کا حشر کر دیا تھا اور اب بھی امید نہیں تھی کہ وہ سکون سے ہوگی۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد میں نے دروازہ بجایا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کچھ دیر بعد دوبارہ بجایا تو باہر سے امید خان کی جھنجھلائی آواز آئی۔ ''کیا ہے خانہ خراب سکون سے بیٹھو۔''

''سکون سے کیسے بیٹھوں مجھے ابھی تک کھانے کو کچھ نہیں ملا ہے۔''

اس پر امید خان نے کھانے کے بارے میں ایک نہایت نازیبا مشورہ دیا۔ میں نے کہا۔ ''شاید تم یہی کرتے ہو گے، خیر یہ بتاؤ کہ فائرنگ کس نے کی اور کون مرا ہے۔ اگر وہ تم میں سے ہے تو مجھے نہایت خوشی ہو گی۔''

حسب توقع امید خان نے چراغ پا ہو کر اپنی مادری زبان میں ارشاد کیا اور بکتا جھکتا وہاں سے چلا۔ میں نے اس کے لہجے اور رویے سے اندازہ لگالیا کہ باہر گڑ بڑ بہت زیادہ ہوئی تھی۔ امید خان پاگل ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ نقصان بہت زیادہ تھا۔ میری تو خواہش تھی کہ وہ سارے کیفر کردار کو پہنچیں جو مہرو پر ظلم کرنے میں شامل تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ دن یقیناً نکل آیا تھا۔ میں رات بھر سو نہیں سکا تھا اور اب بھی سونے کا موقع نہیں تھا مگر اونگھنے میں تو کوئی حرج نہیں تھا۔ کئی گھنٹے گزرنے کے بعد باہر راہداری والا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ کمرے کا دروازہ کھلا تو فتح خان کا سرخ چہرہ نظر آیا تھا۔ مارے طیش کے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے آتے ہی غرا کر کہا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا۔''

''خوب جیسے تم تو بہت اچھا کر رہے ہو۔'' میں نے طنز کیا۔ ''ویسے میں نے کیا اچھا نہیں کیا۔''

''آج یہاں جو ہوا ہے اس کے ذمے دار تم ہو۔''

''تمہارا اشارہ یہاں ہونے والی فائرنگ کی طرف ہے تو اس وقت میں اس کمرے میں بند تھا بھلا میں اس کا ذمے دار کیسے ہو سکتا ہوں؟''

''اس حرامزادی کو تم نے سکھایا تھا۔'' وہ پھر غرایا۔

''فتح خان گالیاں دینے کے بجائے کام کی بات کرو۔''

فتح خان نے چند گہری سانسیں لیں اور خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ ''اس خانہ بدوش عورت نے میرے چار بہترین ساتھی ہلاک کر دیئے ہیں۔ پتا نہیں کیسے اس کے ہاتھ رائفل آ گئی تھی۔''

مجھے یہ سن کر دلی خوشی ہوئی اور میں نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔ ''فتح خان مجھے یہ سن کر واقعی خوشی ہے وہ سب اسی قابل تھے۔ مجھے عورتوں سے زیادتی کرنے والے بالکل پسند نہیں ہیں۔''

''یہ سب تم نے اس عورت کو سکھایا تھا۔''

''میں نے؟'' میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ ''فتح خان وہ اپنے ہوش میں کب تھی کہ میں اسے کچھ سکھاتا۔ تمہارے جانوروں سے بھی بدتر آدمیوں نے اس کے جسم اور روح دونوں کو کچل دیا تھا۔ تم نے اسے میرے سامنے مثال کے طور پر پیش کرنا تھا۔ جب تم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تو اس بے چاری کو دوبارہ ان جانوروں کے حوالے کر دیا۔ اب اس نے کیا اور کیسے کیا میں اس کا ذمے دار کیسے ہو سکتا ہوں۔''

فتح خان مجھے سفاک نظروں سے گھور رہا تھا۔ ''شہباز تم نہایت چالاک آدمی ہو۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں تمہارے جیسا مکار شخص نہیں دیکھا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں ہنسا۔ ''حالانکہ تم روز آئینہ دیکھتے ہو۔ اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا تم ابھی شیر خوار ہو؟''

فتح خان کو پورا یقین تھا کہ یہ میرا ہی کام ہے اس نے پاؤں پٹخ کر کہا۔ ''اس عورت کو تم نے بہکایا ہے۔''

میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''میں نے ایسا نہیں کیا لیکن اگر کیا بھی ہے تو تم مجھے کس طرح دوش دے سکتے ہو کیا میں تمہارا دوست ہوں جو تمہارے مفاد کا خیال رکھوں۔ میں تمہارا دشمن ہوں اور مجھے جہاں موقع ملے گا میں تم پر وار ضرور کروں گا۔''

فتح خان چپ ہو گیا۔ مگر اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام تمہارا ہے تو تمہارا انجام اس عورت سے بھی برا ہو گا۔ وہ میرا نہایت قیمتی ساتھی تھا۔ مجھے ان کا جواب دینا ہے۔''

''تم جواب دے سکتے ہو انہوں نے ایک عورت سے زیادتی کی اور اس نے انہیں گولی مار دی۔'' میں نے خلوص سے کہا۔ ''اس میں تمہارا قصور تو نہ ہوا اور برائے مہربانی اپنی بلی میرے سر رکھنے سے بھی گریز کرو۔''

''بلی..... کیا؟''

''بلی نہیں بلّی۔'' میں نے تصحیح کی اور پھر دریافت کیا۔ ''یعنی مصیبت۔ ویسے اس عورت کا کیا ہوا تم نے اسے تو زندہ نہیں چھوڑا ہو گا؟''

میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ مجھے گھورتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''شہباز خان تم نے ابھی فتح خان کو ٹھیک سے نہیں جانا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے روز تمہاری شخصیت کا کوئی نہ کوئی ایسا پہلو سامنے آتا ہے جو مجھے حیران کر دیتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم بس ایک بات یاد رکھو سویرا میرے پاس ہے اور اس کی زندگی اور عزت سب تم پر ہے تم جیسا کرے گا اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہو گا۔'' فتح خان نے کہا اور جیسے دندناتا ہوا آیا تھا اسی طرح اچانک واپس چلا گیا۔ اس بار بھی دروازہ کھلا رہا تھا اس لیے اس کی یا امید خان کی نظر دروازے کے جلے حصے کی طرف نہیں گئی تھی۔ اس نے مہرو کے بارے میں بتانے سے گریز کیا تھا تو کیا وہ زندہ تھی؟ ورنہ فتح خان کو اس کے بارے میں بتانے میں کیا حرج تھا؟ وہ کھل کر کہہ سکتا تھا کہ اس نے مہرو کو عبرتناک انداز میں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ فتح خان نے کلائی کی گھڑی پہن رکھی تھی اور میں نے غیر محسوس انداز میں اس پر وقت دیکھ لیا تھا۔ ابھی دوپہر کے بارہ بجے تھے۔ مجھے کچھ کھائے ہوئے چودہ گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے اس لیے اب پیٹ خالی تھا۔ مگر چوہا ریس کی نوبت نہیں آئی تھی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور امید خان نے ایک ٹرے اندر رکھ دی جس پر خشک نان اور چائے کا مگ تھا ساتھ پانی کی چھوٹی بوتل بھی تھی۔ ٹرے رکھتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔ بھوک کی حالت میں اس نان خشک نے بھی مزہ دیا تھا۔ کھا پی کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا جو پتھر میں رہنے والے کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے۔ میں تو اشرف المخلوقات میں سے ہوں وہ مجھے کیسے بھول سکتا تھا؟ میرا خیال تھا کہ فتح خان ایک دو دن میں مجھے لے کر شمالی علاقے کی اُس وادی کی طرف روانہ ہو جائے گا جہاں کہیں کروڑوں ڈالرز مالیت کے ہیرے زمین میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دبے تھے۔ مگر خلاف توقع فتح خان جیسے مجھے بھول گیا تھا۔

اس کے بعد وقت گزاری کا ایک طویل اور بور کر دینے والا سلسلہ شروع ہوا۔ میں زیادہ وقت سونے میں گزارتا تھا۔ میرا انداز ہ درست نکلا تھا ایک بار آتشدان بجھنے کے بعد اس میں دوبارہ لکڑی نہیں ڈالی گئی تھی اور کمرہ ہمہ وقت نہایت سرد رہتا تھا۔ شکر ہے وہاں دوسرا کمبل بھی تھا۔ یہ دونوں مل کر مجھے سردی سے بچاتے تھے۔ دن رات کا حساب ملنے والے کھانے سے ہوتا تھا۔ جب خشک نان کے ساتھ چائے آتی تو یہ ناشتہ ہوتا تھا اور جب سالن ہوتا تو یہ رات کا کھانا ہوتا تھا۔ مجھے چوبیس گھنٹے میں بس یہی خوراک مہیا کی جاتی تھی۔ پانی کی ایک چھوٹی بوتل دی جاتی تھی جس میں مشکل سے ایک لیٹر پانی ہوتا تھا۔ موسم کی وجہ سے مجھے خاص فرق نہیں پڑا ورنہ ان تین دنوں میں اتنا کم پانی پینے سے مجھے ڈی ہائیڈریشن ہو جاتی۔ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار واش روم لے جاتے تھے اور وہ بھی سخت نگرانی میں۔ اس وقت فتح خان خود موجود ہوتا تھا لیکن وہ مجھ سے کسی قسم کی گفتگو کرنے سے گریز کرتا تھا۔

تیسرے دن میں نے رات کا کھانا کھایا اور فوراً ہی مجھے نیند آنا شروع ہو گئی۔ مجھے پھر کوئی خواب آور دوا دے دی گئی تھی اور میں مزاحمت کے باوجود جاگ نہ سکا سو گیا۔ وہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے میں خود کو زخم لگا کر جاگنے کی کوشش کرتا۔ میری ہتھیلی کا زخم بھی مندمل ہو گیا تھا اور پہلے ٹھکانے پر ہونے والے ہنگامے میں اس کا قصہ بھی دب گیا تھا اگر شہلا اور فتح خاں نے یہ زخم دیکھا بھی تھا تو اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ چوبیس گھنٹے بعد زخم تقریباً ٹھیک ہو گیا تھا۔ حکیم قادس کی دی ہوئی مخصوص دواؤں کا اثر اب بھی تھا کہ میرے زخم وقت سے پہلے ٹھیک ہو جاتے تھے۔ میں کچھ دیر نیند کے خلاف مزاحمت کرتا رہا لیکن دی جانے والی دوا اتنی طاقت ور تھی کہ اس نے بالآخر میرے حواس پر قبضہ کر لیا۔

○.....❖.....○

میرا خیال تھا کہ میری آنکھ فتح خان کے کسی اور قید خانے میں کھلے گی ظاہر ہے مجھے آسانی سے اور بلا مزاحمت منتقل کرنے کے لیے ہی خواب آور ڈوز دیا گیا تھا لیکن جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں دنگ رہ گیا۔ میں ایک گاڑی میں بیٹھا تھا جس کا انجن اسٹارٹ تھا اور میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ شکر ہے گاڑی چل نہیں رہی تھی بلکہ رکی ہوئی تھی۔ یہ غیر ملکی ساختہ چھوٹی ٹو سیٹر فور وہیل ڈرائیو تھی۔ چھوٹی ہونے کے باوجود اس کا انجن بہت طاقتور ہوتا ہے اور یہ پہاڑی اور ناہموار راستوں پر سفر کے لیے بے مثال ہے۔ اس کا پچھلا حصہ سامان رکھنے کے لیے ہوتا ہے یہاں ترپال نظر آ رہی تھی۔ جیپ ایک سڑک کے کنارے کھڑی تھی اور اس پر وقفے وقفے سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ یہ بہت مصروف سڑک نہیں تھی لیکن ویران بھی نہیں تھی۔ البتہ جہاں جیپ کھڑی تھی اس کے آس پاس کا علاقہ جنگل کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ذرا دور پہاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں اور بہ ظاہر ایسا ہی لگ رہا تھا کہ میں راولپنڈی یا اسلام آباد میں کہیں ہوں۔ چاروں طرف صبح کی ہلکی سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ مجھے ڈرائیونگ کرتے کرتے اونگھ آئی اور اب میں ہوشیار ہو گیا تھا لیکن ایسا نہیں تھا کوئی مجھے اس جیپ میں بٹھا کر اور اس کا انجن اسٹارٹ کر کے چلا گیا تھا۔ ایمرجنسی بریک لگی ہوئی تھی اور گیئر بھی نیوٹرل تھا یعنی انجن چلنے کے باوجود جیپ کے از خود چلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میرے جسم پر نیا لباس تھا۔ گرم اور موٹی اونی پتلون، مکس ریشے کی گرم شرٹ اور اس پر موٹی لیکن وزن میں ہلکی گرم ترین جیکٹ تھی پتلون کے نیچے سوتی پاجامہ بھی تھا۔ پیروں میں بہترین قسم کے غیر ملکی جوتے تھے جو عام طور سے پہاڑوں پر سفر کرنے والے استعمال کرتے ہیں۔ چٹانوں پر چڑھنے کے لیے ان میں اسپائکس بھی لگ سکتی ہیں۔ میرے سر پر گرم اونی ٹوپی اور آنکھوں پر سن گلاسز تھے۔ میں سوچنے لگا کہ میں جاگ گیا ہوں یا فتح خان کے قید خانے میں آزادی کا خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں نے بازو میں چٹکی لی تو تکلیف نے بتایا میں جاگ رہا ہوں۔ یہ خواب نہیں ہے۔ میں آزاد تھا اور کہیں بھی جا سکتا تھا لیکن اس سے پہلے میں جیپ کو نیوٹرل گیئر سے اٹھاتا۔ میری نظر ڈیش بورڈ پر رکھے لفافے پر گئی۔ خاکی رنگ کا یہ لفافہ خاصا موٹا سا تھا۔ میں نے غیر ارادی طور پر لفافہ اٹھالیا۔ کھولنے پر اندر سے پہلے تو خستہ اور نئے نوٹوں نے توجہ حاصل کی مگر ایک سفید کاغذ نظر آتے ہی ان سے دلچسپی ختم ہوگئی۔ میں نے جلدی سے کاغذ نکال کر اس کی تہیں کھولیں۔ اندر ایک عدد تحریر تھی اور میرے لیے تھی۔

''شہباز خان، تم حیران ہوگا تم کو اس طرح کیوں چھوڑ دیا ہے۔ پر یہ تمہارا غلط فہمی ہے۔ تم کو چھوڑا نہیں ہے۔ تم اب بھی میرا قیدی ہے اور میری نگرانی میں ہے۔ یہ جیپ اور اس کا سامان دونوں تمہارا ہے۔ جیپ تمہارے نام ہے۔ لفافے میں پچاس ہزار کا رقم ہے۔ اب تم سیدھا وادی کی طرف جائے گا اور اگر اس کے علاوہ کہیں اور گیا یا کسی سے رابطہ کیا تو تم جانتا ہے میں کیا کرے گا۔ تم کسی جگہ نہیں رکے گا اور کسی بند عمارت میں نہیں جائے گا۔ تم میرے کو دھوکا نہیں دے سکتا ہے ایک ایک قدم پر میرا نگرانی ہوگا۔ اب سے تمہارے پاس کل دس دن کا مہلت ہے۔ دس دن بعد اسی جگہ میری چیز لے کر آ جاؤ۔ میں دس دن انتظار کرے گا اور تم جانتا ہے اس کے بعد کیا کرے گا۔ میں قسم نہیں کھاتا پر وہی کرے گا جو تم سے کہا تھا۔ دس دن بعد اسی جگہ انتظار کرے گا۔

تم جانتا ہے میں کون ہے۔''

تحریر کا ایک ایک لفظ بتا رہا تھا کہ یہ فتح خان کی ہے لیکن تحریر اس کی نہیں لگ رہی تھی بلکہ یہ بہت خوب صورت نسوانی تحریر تھی اور شاید شہلا کی تھی کیونکہ فتح خان کسی غیر متعلقہ فرد سے یہ تحریر نہیں لکھوا سکتا تھا۔ اس نے مجھے آزاد چھوڑ دیا تھا لیکن اُن دیکھی زنجیروں میں جکڑ کر۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ آزاد کرنے کے باوجود ہر قدم پر میری نگرانی کرے گا اور اگر اسے ذرا بھی شبہ ہوا کہ میں کسی اور چکر میں ہوں تو وہ سویرا کے حوالے سے اپنی دھمکی پر عمل کرے گا اور اسے مرشد علی کے حوالے کر دے گا۔ میرا دل اس تحریر کو پڑھتے ہوئے ایک اندرونی خوف سے جکڑنے لگا تھا۔ میرے پاس دس دن یعنی دو سو چالیس گھنٹے تھے اور مجھے اس دوران میں وادی تک جا کر وہ ہیرے تلاش کر کے واپس آ کر فتح خان کے حوالے کرنا تھے۔ اس وادی کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ میں ساری عمر میں وہاں ہیرے تلاش کرتا رہوں تب بھی کامیابی کا امکان ایک فیصد بھی نہیں تھا۔ اس کام کے لیے فتح خان نے مجھے صرف دس دن دیئے تھے۔ اس دوران میں، میں کسی سے رابطہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی مدد مانگ سکتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ فتح خان نے میری نگرانی کا مکمل بندوبست کیا ہوگا۔

وہ مجھے بالکل آزاد چھوڑنے کا خطرہ مول لے ہی نہیں سکتا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ جب وہ اپنی نگرانی میں مجھ سے یہ کام کروا سکتا تھا یعنی میرے سر پر مسلط رہ کر تو اسے مجھے یوں کسی حد تک آزادی دینے کی کیا ضرورت

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھی؟ اس وقت اس کا جواب میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی میں تازہ تازہ ہوش میں آیا تھا اور غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا اس لیے دماغ فوری کام کرنے کے قابل نہیں تھا۔ یا یوں کہیں کہ کام تو کر رہا تھا لیکن اس میں ربط نہیں تھا۔ فتح خان نے مجھے اپنے جال میں جکڑنے کے لیے مجھ پر کسی عمارت یا بند جگہ جانے پر پابندی لگا دی تھی جہاں سے میں فون یا کسی شخص کی مدد سے اپنے لوگوں سے رابطہ کر سکوں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیا۔ یہ تقریباً نئی جیپ تھی۔ کم سے کم انجن کی آواز اور اندرونی آرائش سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ شاندار اور جاندار قسم کا ڈیش بورڈ تھا جس میں ڈیجیٹل آڈیو پلیئر کے ساتھ اور بھی کئی اقسام کی چیزیں لگی تھیں جیسے ایک ڈیجیٹل کلاک، آلٹی میٹر اور لائٹر وغیرہ۔ اس میں ایک عدد قطب نما بھی تھا جو بتاتا تھا کہ جیپ کس طرف جا رہی تھی اس کے علاوہ جی پی ایس بھی تھا جو یہ بتاتا تھا کہ جیپ اس وقت کس مقام پر ہے۔ چھوٹی ہونے کے باوجود جیپ کی سیٹیں بڑی اور نہایت آرام دہ تھیں۔ میں کسی قدر نیم دراز پوزیشن میں تھا اور سیٹ بیلٹ بندھی ہوئی تھی۔

سامنے کا جائزہ لے کر میں نے پیچھے کی طرف توجہ دی۔ عقبی حصہ تقریباً چار بائی پانچ فٹ کا تھا۔ یہاں نشستیں لگتی ہیں لیکن فی الوقت یہ جگہ خالی تھی۔ فتح خان نے رقعے میں سامان کا ذکر بھی کیا تھا اور میں نے سامان دیکھنے کے لیے سیٹ بیلٹ کھولی پھر مڑ کر ترپال ہٹانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے نیچے کوئی کلبلایا۔ میں بدک گیا ترپال کے نیچے یقیناً کوئی شخص تھا اور جب میں نے ترپال ہٹائی تو ایک بار پھر دنگ رہ گیا تھا۔ نیچے مہرو اس حال میں لیٹی تھی کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ پر چوڑا ٹیپ لگا تھا لیکن اس سے قطع نظر وہ کئی دن پہلے والے تباہ حال مہرو سے بالکل الگ دکھائی دے رہی تھی۔ یقیناً بہترین علاج سے اس کے زخم مندمل ہو گئے تھے اور چہرے پر بہت معمولی سی نشانات باقی رہ گئے تھے۔ اس کے جسم پر بھی میری طرح بہترین گرم لباس اور پاؤں میں جوتے تھے۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ شاید چند لمحے پہلے ہوش میں آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ اس نے ناک سے آواز نکالی لیکن اس سے پہلے میں اسے کھولتا۔ اس کی جیکٹ کی جیب سے جھانکتے کاغذ نے میری توجہ حاصل کر لی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے نکالنا چاہا تو مہرو نہ جانے کیا سمجھی۔ جیکٹ کی جیب عین اس کے سینے پر تھی۔ وہ بدک کر پیچھے ہوئی لیکن وہاں گنجائش ہی کتنی تھی۔ میں نے آرام سے کاغذ اچک لیا اور دھیمی آواز میں کہا۔

''مہرو آرام سے لیٹو میں ابھی تمہیں کھولتا ہوں۔''

میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ فتح خان نے اپنے چار بلکہ پانچ بہترین آدمیوں کی قاتل کو کیسے میرے ساتھ چھوڑ دیا اور وہ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک حالت میں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی بہترین دیکھ بھال ہوئی ہے۔ حسب توقع یہ رقعہ بھی میرے لیے ہی تھا۔

''شہباز اگر تم یہ رقعہ پڑھ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے تم نے مہرو کو دیکھ لیا ہے۔ تم شاید حیران ہو گا کہ میں نے اسے کیسے چھوڑ دیا ہے۔ جب کہ اس کی وجہ سے میرا پانچ بہترین آدمی اپنی جانوں سے گیا۔ میں نے اسے چھوڑا نہیں ہے۔ یہ اس کا سزا ہے۔ وہ سزا یہ ہے کہ اس کا قبیلہ اب اسے تلاش کر رہا ہے کیونکہ اسے پتا چلا ہے کہ اپنے شوہر راجو کے قتل میں یہ خود شامل تھا اور اب اپنے آشنا شہباز ملک کے ساتھ فرار ہو گیا ہے۔ تم سمجھا شہباز خان، اس خانہ بدوش قبیلے کا ڈھائی سو مسلح آدمی تم دونوں کو راولپنڈی اسلام آباد اور اس کے آس پاس تلاش کر رہا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہے اور جہاں تمہیں دیکھے گا وہیں قتل کر دے گا۔ یہ اس کے سردار کا حکم ہے قتل کرنے والے کو ایک لاکھ روپیہ اور قبیلے میں اس کا پسند کا کنواری لڑکی مفت ملے گا۔ اس قبیلے میں لڑکی قیمت کے بدلے ملتا ہے۔ بالکل ہمارا والا رواج ہے۔ جتنا خوب صورت لڑکی اتنا زیادہ قیمت۔ اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو ٹھیک گیارہ بجے اس قبیلے کے لوگ اس جگہ پہنچ جائے گا اسے بتا دیا ہے کہ تم اور مہرو یہاں ملے گا۔ اب تمہارا عافیت اسی میں ہے جلد از جلد اس جگہ سے دور شمال کی طرف چلے جاؤ تمہیں معلوم ہے تمہیں کہاں جانا ہے۔

تم مجھے جانتا ہے۔''

بے ساختہ میرے منہ سے ایک گالی نکل گئی۔ فتح خان میری توقع سے زیادہ شاطر ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے صرف اپنی گرفت میں نہیں جکڑا تھا بلکہ میرے پیچھے نہایت خطرناک لوگ لگا دیئے تھے۔ نہ جانے اس نے یہ کام کیسے کیا تھا۔ میں نے ڈیش بورڈ کی ڈیجیٹل کلاک کی طرف دیکھا اس میں دس بج کر سینتیس منٹ ہو رہے تھے۔ وقت کم تھا مجھے گیارہ بجے کا انتظار کیے بغیر اس جگہ سے دور چلے جانا تھا۔ ممکن ہے میری جگہ کوئی اور ہوتا تو جیپ اسٹارٹ کر کے جہاں سینگ سماتے نکل بھاگتا لیکن میں اتنی عجلت بھی نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں جیپ سے اترا اور ہائی وے کے آس پاس کا جائزہ لیا۔ جلد مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں مری ایکسپریس وے کے ایک حصے میں کھڑا ہوا تھا۔ یہ اس کا آغاز تھا اور جلد ہی پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ آگے دور پہاڑ دھند ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہے تھے لیکن یہاں موسم خوشگوار تھا اور نکھری دھوپ تھی۔ یہاں سے نکلنے کے دو ہی راستے تھے یا تو میں واپس جاتا یا آگے بڑھ جاتا۔ دائیں طرف نیچے وادی تھی اور بائیں طرف تھوڑے سے میدان کے بعد پہاڑیاں شروع ہو جاتیں۔ میں دونوں طرف نہیں جا سکتا تھا کم سے کم جیپ کے ساتھ تو نہیں جا سکتا تھا۔ میں واپس جیپ میں آیا اور مہرو کا منہ کھولے بغیر اس سے کہا۔

''میری بات غور سے سنو فتح خان نے تمہیں رہا نہیں کیا ہے بلکہ سزا دی ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے رقعہ حرف بہ حرف سنا دیا اور پھر جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں یہاں سے آگے جانا ہوگا جہاں فتح خان کی بات کی سچائی جان سکیں۔ فتح خان چھوٹے قد والا شخص ہے۔ تم پر ظلم کرنے والے سب اس کے ساتھی ہیں جنہیں تم نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب میں تمہارا منہ کھول رہا ہوں لیکن مہربانی کر کے چیخنے چلانے سے گریز کرنا ورنہ میں تمہیں اسی جگہ اتار کر آگے روانہ ہو جاؤں گا۔''

اس نے سر ہلا کر اشارہ کیا کہ وہ شور نہیں کرے گی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ سے ٹیپ اتار دیا۔ دس بج کر پچاس منٹ ہو گئے تھے اس لیے جیپ آگے بڑھا دی۔ مہرو نے شور نہیں کیا لیکن منہ کھلتے ہی کیا، کیوں اور کیسے پر مبنی سوالات کا بوچھاڑ کر دی تھی۔ میں خاموشی سے سنتا رہا اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''مجھے خود بھی نہیں معلوم، میں کھانا کھا کر اسی کمرے میں سویا تو اب سے کچھ دیر پہلے اسی جیپ میں ہوش آیا ہے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہاں ترپال کے نیچے تم بھی ہو۔''

مہرو نے بے یقینی سے کہا۔ ''یہ شخص جھوٹا ہے میرے لوگ کبھی مجھے ایسا نہیں سمجھ سکتے۔''

''ایسا مت کہو میں نے دیکھا ہے تمہارے لوگ بھی کم وحشی نہیں ہیں۔ کیسے دیوانے ہو رہے تھے۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''اگر فتح خان اپنے آدمیوں سمیت نہ چڑھ دوڑتا تو ہم بھی تمہارے نام نہاد انصاف کی نذر ہو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جاتے۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔" اس بار اس نے صاف گوئی سے مجھ پر شک کر دیا۔ میں نے پوچھا۔

"تمہیں پڑھنا آتا ہے؟"

"تھوڑا سا۔" وہ بولی۔

"تب یہ پڑھ لو۔" میں نے اس کی جیکٹ سے نکلنے والا کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا اور وہ اسے لے کر پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ جیپ اب پہاڑوں کی حدود میں داخل ہو گئی تھی دائیں طرف موجود وادی وسیع اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ایک طرف پہاڑ آ گیا تھا اور دونوں کے درمیان یہ دور رویہ سڑک تھی۔ ایک موڑ مڑتے ہی میں نے جیپ کنارے لگا کر روک دی اور پھر مڑ کر مہرو کے ہاتھ اور پاؤں کھولے۔ "میرے ساتھ آؤ لیکن بھاگنے کی کوشش اسی وقت کرنا جب مرنے کا ارادہ ہو۔"

وہ نہ جانے اسے دھمکی سمجھی یا کچھ اور، بہرحال خاموشی سے اتر کر نیچے آ گئی۔ میں اس موڑ کی طرف بڑھا جہاں سے نیچے کی وہ جگہ صاف نظر آتی جہاں کچھ دیر پہلے جیپ کھڑی تھی اور مجھے اس میں ہوش آیا تھا۔ گیارہ بجنے میں دو منٹ رہ گئے تھے اور موڑ تک آتے ہی سبز رنگ کی وہ بڑی سی پک اَپ نظر آ گئی جس کے آس پاس کوئی نصف درجن خانہ بدوش موجود تھے۔ ان کا حلیہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ خانہ بدوش تھے۔ ان میں سے ایک کے پاس چھوٹی نال والی رائفل بھی نظر آ رہی تھی۔ مہرو میرے پیچھے آئی تھی اور ان لوگوں کو دیکھتے ہی اس نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

"یہ میرے قبیلے کے لوگ ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے فتح خان نے ٹھیک کہا ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ واقعی تمہیں اور مجھے تلاش کر رہے ہیں۔"

"جھوٹ بولتا ہے وہ....." مہرو نے روانی سے گالی دی۔ "ہمیں ڈرانا چاہتا ہے۔"

"ممکن ہے لیکن اس صورت میں تمہیں چھوڑنے کا کیا مطلب ہوا میں نے اسے دیکھا تھا وہ اپنے آدمیوں کے مارے جانے پر پاگل ہو رہا تھا۔"

مہرو نے سر ہلایا۔ "جب وہ کمرے میں آیا اور اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھیں تو اتنا غصے میں آ گیا کہ مجھے لگا ابھی مجھے گولی مار دے گا لیکن پھر اس نے کچھ نہیں کہا اور صرف مجھے باندھ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد آ کر اپنے آدمیوں کی لاشیں بھی لے گیا تھا۔"

"تم خود سوچو اگر وہ غلط کہہ رہا ہے تو تمہیں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمہارے قبیلے کے لوگ تمہاری مدد کے لیے نہیں بلکہ قتل کرنے کے لیے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے تب تم ان تک جا سکتی ہو۔" میں نے واپس جیپ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "ان سے بچ گئیں تو فتح خان نہیں چھوڑے گا اس کے آدمی ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔"

وہ چونکی۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ہوش میں آنے کے بعد اس کا ایک پرچہ مجھے بھی ملا تھا جیسے تمہاری جیکٹ میں تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تمہارے پاس سوچنے کے لیے ایک منٹ ہے اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے اب یہ ہمارے پیچھے آئیں گے۔''

مہرو اگرچہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھی۔ کم سے کم اسکول کی پڑھی ہوئی نہیں تھی اور نہ ہی اسے شہری انسانوں سے زیادہ واسطہ پڑا ہوگا لیکن ایک خانہ بدوش کی حیثیت سے اس نے یقیناً بہت ساری دنیا دیکھی تھی۔ میں نے دیکھا ہے کہ خانہ بدوشوں میں عام دیہاتیوں کے مقابلے میں زیادہ سوجھ بوجھ اور ہوشیاری پائی جاتی ہے خاص طور سے یہ خطرے کو بہت جلد بھانپ لیتے ہیں۔ یہی ہوشیاری مہرو میں بھی تھی اس نے فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر فتح خان کی بات درست تھی تو اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس کے لوگ اسے دیکھتے ہی مار دیتے اور اسے صفائی کا موقع بھی نہیں ملتا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔''

اس بار وہ جیپ میں میرے برابر آ بیٹھی میں نے جیپ آگے بڑھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں یقین آ گیا ہے کہ یہ ہماری جان لینے آئے ہیں؟''

''تھوڑا تھوڑا۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''جب میرے لوگ کسی کو مارنے کے لیے تلاش کرتے ہیں تو وہ اسی طرح چھ اور پانچ کی تعداد میں ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا ہے باقی چاقو اور ڈنڈے رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں۔''

''ممکن ہے یہ ماریں نہ پکڑ کر قبیلے میں لے جائیں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پکڑ کر لے جانے کے لیے تین اور چار آدمی ہوتے ہیں۔ اتنے صرف مارنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ تاکہ شکار بچ کر نہ نکل سکے۔''

○.....❖.....○

وہ قبیلے کی بھیدی تھی ایک ایک بات جانتی تھی۔ چند منٹ کی چڑھائی کے بعد دھوپ غائب ہو گئی تھی اور بادل آ گئے تھے۔ یہ پیٹرول انجن والی جیپ تھی اور اس کی ٹنکی فل تھی۔ اس کے ساتھ ہی عقبی حصے میں دروازے کے ساتھ دو عدد چار چار گیلن کے کین فل رکھے تھے۔ جیپ میں ایک اسٹپنی عقبی دروازے کے ساتھ بندھی تھی اور ایک چھت پر تھی۔ مجھے ترپال تلے مہرو کے ساتھ خاصا کچھ سامان بھی نظر آیا تھا لیکن ابھی اسے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ مگر اب تک میں نے ہیٹر آن نہیں کیا تھا اتنے گرم لباس میں اب تک اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مہرو کے سر پر بھی گرم اونی ٹوپی تھی ایسا لگ رہا تھا فتح خان نے ہمیں سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار کر دیا تھا۔ اس کے سنہری مائل سرخ بال ٹوپی تلے چھپ گئے تھے اور وہ اس لباس میں بالکل بھی کوئی خانہ بدوش عورت نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے بجائے وہ اسلام آباد کی کسی برگر فیملی کی لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ خانہ بدوش ہونے کے باوجود وہ خاصی خوب صورت تھی۔ موزوں جسامت اور سرخ و سفید رنگت پر سبزی مائل آنکھیں اچھی لگتی تھیں۔ ناک نقشہ ذرا کھڑا تھا لیکن یہ بھی اچھا لگ رہا تھا۔ اگر اس وقت اسے اس کے قبیلے کا کوئی فرد دیکھتا تو آسانی سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مجھے سوات کا راستہ تو معلوم تھا لیکن اس وادی تک جانے کا راستہ میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ بات بھی بہت پرانی تھی اور میں نے وہاں سے نکلنے کے لیے کئی دن کا پیدل سفر کیا تھا۔ وہاں جانے کا کوئی باقاعدہ اور پختہ راستہ نہیں تھا کیونکہ آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے وہ جگہ ویران تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ میں راجا عمر دراز کے محل والی وادی میں پہنچ جاتا تو وہاں سے اس وادی تک کیسے جاتا جب کہ مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ کتنی دور اور کس طرف تھی۔ یہ بات فتح خان کو بھی معلوم ہونا چاہیے تھی لیکن اس نے مجھے بتائے بغیر یوں چھوڑ دیا تھا۔ مہر واپنی فکر میں تھی کچھ دیر بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''ہم جہاں جا رہے ہیں اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''یہ بتاؤ تم نے کہاں جانا ہے؟''

''میں۔'' وہ ہچکچائی۔ ''پتا نہیں..... میرا اپنے قبیلے کے سوا کوئی نہیں ہے اسی میں میرے گھر والے ہیں لیکن اب میں وہاں نہیں جا سکتی ہوں۔''

''وہ تو ظاہر ہے لیکن تم جلدی سے فیصلہ کر لو کہ تمہیں کہاں جانا ہے میں آنے والی پہلی آبادی میں تمہیں اتار دوں گا۔''

''مجھے کیوں اتار دو گے؟'' وہ پریشان ہو گئی۔ ''میں ابھی کہیں نہیں جا سکتی۔''

''یہ تمہارا مسئلہ ہے۔'' میں نے رُکھائی سے جواب دیا۔ درحقیقت فتح خان نے اسے میرے ساتھ لگا کر میرا کام مزید مشکل کر دیا تھا۔ اپنے خیال میں اس نے میرے گرد پھندہ مزید مضبوط کر دیا تھا اور اب میں لازی وادی کی طرف جاتا۔ یا شاید یہ اس کا مذاق تھا۔ بہر حال اس نے مجھے مشکل میں ڈال دیا تھا اور میں کوشش کر رہا تھا کہ اپنا رویہ روکھا رکھ کر اس سے جان چھڑاؤں۔ میں کوئی مقامی فلمی ہیرو نہیں تھا جو ہیروئن یا پارٹ ٹائم ہیروئن کے ساتھ ہنستا گاتا تمام مشکلات سے نکل جاتا اور نہ بیمز باندھتا جو اس وقت تک حرکت میں نہیں آتا تھا جب تک اس کی بغل میں ایک عدد حسینہ نہ ہو۔ میرے لیے خواتین کا ساتھ ہمیشہ مشکل ہوتا رہا ہے۔ زرین کے تجربے سے مجھے اس کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا حالانکہ وہ بھی مجبوری تھی میں جان بوجھ کر اسے ساتھ لے کر نہیں نکلا تھا۔ اب یہ مہر و ساتھ تھی لیکن میرا ہرگز ارادہ نہیں تھا کہ اسے ساتھ رکھوں۔ ڈرائیونگ کے ساتھ میں عقبی آئینے پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا اس کا پورا امکان تھا کہ خانہ بدوش پارٹی اس طرف آئے۔ یہاں تک کا پتا انہیں فتح خان نے بتایا ہوگا اور یہ بھی امکان تھا کہ فتح خان نے میرا روٹ بھی بتا دیا ہو اور وہ اب مستقل میرے پیچھے رہیں۔

''خدا کے لیے میں کہاں جاؤں گی؟'' وہ کچھ دیر بعد بولی۔ ''مجھے اپنے ساتھ رکھو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے میں بہت ضروری کام سے شمال کی طرف جا رہا ہوں۔ سمجھ لو کسی کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ مجھے ہر صورت میں یہ کام کرنا ہے اور میرے پاس وقت بھی کم ہے میں تمہیں کہاں لیتا پھروں گا۔''

''میں تمہیں تنگ نہیں کروں گی لیکن مجھے یہاں مت اتارو۔''

''تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔ میں تمہیں کسی آبادی میں اتاروں گا۔ تم کسی بس یا وین میں بیٹھ کر آرام سے واپس اسلام آباد جا سکتی ہو اور وہاں کسی سے پوچھ کر عورتوں کے پولیس اسٹیشن جا سکتی ہو وہ تمہیں دارالامان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بھیج دیں گے۔'' میں نے اسے مسئلے کا حل سمجھایا۔

''دارالامان..... یہ کیا ہوتا ہے؟''

''جہاں بے سہارا عورتوں کو رکھا جاتا ہے۔ تم چاہو تو پولیس کو اپنے شوہر کے قتل کے بارے میں بھی بتا سکتی ہو لیکن غلطی سے بھی فتح خان یا ان چار آدمیوں کا ذکر مت کرنا جو تمہارے ہاتھ سے مارے گئے تھے ورنہ تم خود پھنس جاؤ گی۔''

میں نے یہ بات کئی بار دھرائی، تو وہ سمجھ گئی۔ میں پچاس ہزار میں سے اسے دو تین ہزار دے دیتا تو وہ آسانی سے واپس جا سکتی تھی۔ اب وہ رضامند دکھائی دے رہی تھی اور میں خوش تھا کہ میں نے فتح خان کی ایک چال تو ناکام بنا دی جو اس نے مجھے اپنا پابند بنانے کے لیے چلی تھی۔ اس وقت ہم مارگلہ کی پہاڑیوں سے گزر رہے تھے دائیں بائیں چھوٹی چھوٹی وادیوں میں مکانات اور آبادیاں تو نظر آ رہی تھیں لیکن ابھی تک ایسا کوئی بازار نظر نہیں آیا تھا جہاں میں مہرو کو اتار سکتا۔ ہائی وے کے ساتھ اِکا دُکا دکانیں بھی تھیں مگر یہاں بھی اسے نہیں اتار سکتا تھا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد ایک ایسا بازار آیا جہاں درجن بھر دکانیں اور ایک ہوٹل بھی تھا۔ صرف دو دکانیں اور ایک ہوٹل کھلا ہوا تھا۔ اِکا دُکا لوگ بھی نظر آ رہے تھے لیکن سردی نے ماحول کو ویران کر رکھا تھا۔ میں نے جیپ ہوٹل سے ذرا فاصلے پر روک دی اور پھر لفافے سے تین ہزار نکال کر مہرو کو تھما دیئے۔ وہ کچھ پریشان اور خوف زدہ لگ رہی تھی۔ جب میں نے اسے اترنے کو کہا تو وہ منمنا کر بولی۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''فکر مت کرو تم آرام سے واپس اسلام آباد پہنچ جاؤ گی۔'' میں نے اسے حوصلہ دیا۔ ''اصل خطرہ تو میرے ساتھ ہے اگر میں واپس آیا تو فتح خان کے پاس ہی جاؤں گا اور تم دوبارہ اس کے ہتھے چڑھ جاؤ گی اور یقین کرو اس کے پاس درندہ صفت آدمیوں کی کوئی کمی نہیں ہے وہ پھر تمہیں ان کے حوالے کر دے گا۔''

مہرو نے ذرا تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''وہ تمہارا دشمن ہے تو اس کے پاس کیوں جاؤ گے؟''

''کیونکہ اس نے میرے ایک ساتھی کو قید کر رکھا ہے اور اس کی رہائی کے لیے شرط لگا دی ہے۔ مجھے اس کی شرط پوری کر کے واپس جانا ہوگا۔''

اس اطلاع نے میرا کام آسان کر دیا اور مہرو فوراً جیپ سے اتر گئی۔ میں نے ہاتھ ہلایا اور عقبی حصے میں ترپال کے نیچے موجود سامان کی طرف متوجہ ہوا۔ توقع کے مطابق اس میں وادی تک سفر کے لیے سامان تھا۔ اس میں خوراک اور پہاڑی علاقوں میں سفر کے لیے خاص اشیا کے ہمراہ ایک عدد چھوٹا سا آسانی سے لگ جانے والا جدید قسم کا خیمہ بھی تھا۔ ایک عدد چھوٹا اسپرٹ سے جلنے والا سیفٹی اسٹوو اور اس کے لیے اسپرٹ کی پانچ لیٹر کی سائفن بوتل بھی تھی اسے کھولے بغیر صرف نلکی لگا کر اسٹوو میں اسپرٹ بھری جا سکتی تھی۔ دو عدد طاقتور ٹارچیں، ایک لٹکانے والا لیمپ اور ان کو روشن رکھنے کے لیے خاصی تعداد میں ڈرائی بیٹریز تھیں۔

فتح خان نے ہر چیز کا خیال رکھا تھا کہ اس سفر کے دوران مجھے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو اور میں اپنی پوری توجہ ہیرے تلاش کرنے پر لگا سکوں۔ ایک چھوٹے بیگ میں میرے لیے دو عدد پینٹ شرٹس اور ایک جوڑا جوتوں کا تھا۔ خوراک میں خشک کیا ہوا گوشت اور ٹن بند اشیا زیادہ تھیں۔ اس کے علاوہ خشک دودھ اور کافی کا ڈبا بھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا۔ سب کچھ تھا لیکن وادی تک جانے والے راستے کا کوئی نقشہ نہیں تھا۔ شاید فتح خان کو بھی اس کا خیال نہیں آیا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے پلٹ کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا۔ اس میں جیپ کے کاغذات کے ساتھ ایک چھوٹا سا رول کیا ہوا پلاسٹک کوٹڈ کاغذ بھی تھا۔ میں نے رول کھولا تو اس پر سوات کے نقشے کے ساتھ ہی وادی تک جانے والے راستے کی بال پین سے مکمل وضاحت کی گئی تھی۔ گویا فتح خان نے اس پہلو کا خیال بھی رکھا تھا۔ اب بس مجھے روانہ ہو جانا تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں جیپ اسٹارٹ کرتا میری نظر ہوٹل سے ذرا آگے موجود ایک پرانی لیکن بڑی اور مضبوط کار کی طرف گئی۔ کار کے ساتھ تین مقامی نظر آنے والے افراد نے مہرو کو گھیرنے کے انداز میں اپنے درمیان لے رکھا تھا اور وہ ہراساں دکھائی دے رہی تھی۔ اگرچہ ان افراد کے پاس کوئی اسلحہ تو دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن ایک کا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں تھا اور ابھار بتا رہا تھا کہ اس نے کوئی چیز پکڑ رکھی ہے۔ اس نے شلوار قمیص پر کوٹ پہن رکھا تھا جیسا کہ مقامی رواج تھا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا کہ اب یہ میرا معاملہ نہیں ہے اور مجھے کسی نئے چکر میں پڑنے کے بجائے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ مجھے بہرصورت ہیرے لا کر فتح خان کے حوالے کرنا تھے تاکہ سویرا کی واپسی ممکن ہو سکے۔ میں مہرو کو بچانے کی کوشش میں کسی نئی مصیبت میں پڑ سکتا تھا اور میرا راستہ کھوٹا ہوتا۔

میں سوچتا رہا اور جیپ اسٹارٹ کرنے کے لیے چابی پر ہاتھ بھی رکھ دیا تھا لیکن میرا اندر میرے فیصلے سے متفق نہیں تھا۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر چابی سے ہاتھ ہٹا کر نیچے اتر آیا اور تیز قدموں سے مہرو کی طرف بڑھا۔ وہ لوگ شاید اسے کار میں بیٹھنے پر مجبور کر رہے تھے۔ میں نے ذرا دور سے اسے آواز دی۔ ''ارے تم یہاں ہو میں تمہیں کہاں کہاں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔'' میں نے ان آدمیوں کو گھورا۔ ''تم لوگ کون ہو اور میری بیوی کو کیوں گھیر رکھا ہے۔''

''یہ تیری بیوی ہے۔'' کوٹ کی جیب میں ہاتھ رکھے جوان آدمی نے کہا وہ صورت سے اوباش لگ رہا تھا۔ باقی دو اس کی نسبت کم عمر تھے لیکن پورے چھٹے ہوئے لگ رہے تھے۔ وہ مہرو کو ساتھ لے جانے کی فکر میں تھے۔ ''یہ تو کہہ رہی ہے اس کا کوئی نہیں ہے اور اسے اسلام آباد جانا ہے ہم اسے اسلام آباد چھوڑ دیتے۔''

''یہ سمجھی کہ میں اسے چھوڑ گیا ہوں تو یہی کہے گی۔'' میں نے مہرو کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ ''چلو یہاں سے۔''

''ایک منٹ۔'' ایک کم عمر نے مہرو کا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔ ''کیا ثبوت ہے کہ تم اس کے شوہر ہو؟''

میں نے اس کا ہاتھ کلائی سے پکڑ کر دبایا تو اس نے بلبلا کر مہرو کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میری گرفت ہڈیاں کڑکڑا دینے والی تھی۔ اس نے گالی دے کر دوسرے ہاتھ سے مجھے مکا مارنا چاہا لیکن میں نے اس کا ہاتھ گھمایا تو ساتھ میں وہ خود بھی گھوم گیا اور مکا ہوا میں لہراتا دوسرے کم عمر کے منہ پر لگا۔ اس نے گالی دی اور اوباش نظر آنے والے نے جیب سے ہاتھ نکالا۔ پستول کی جھلک دیکھتے ہی میں نے لات چلائی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس بار اس نے بھی گالی دی۔ میں نے جس کی کلائی پکڑی ہوئی تھی اس کی کلائی یوں گھمائی کہ وہ اسے ٹوٹنے سے بچانے کے لیے از خود توپ سے نکلے گولے کی طرف اوباش صورت سے جا ٹکرایا اور اسے لیتا ہوا زمین پر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ڈھیر ہوگیا۔ دوسرا کم عمر مجھ سے چمٹ گیا تھا اس نے میرا کام آسان کر دیا۔ اس کی گردن دبائی تو اس نے خود کو چھڑانا چاہا لیکن اب کمبل اسے کہاں چھوڑنے والا تھا۔ میں نے دو بار اس کا منہ کار کی باڈی پر مارا۔ باڈی زیادہ مضبوط تھی اس لیے نقصان اس کے منہ کا ہوا اور اسے ناک کی ہڈی ٹوٹنے کے ساتھ کئی دانتوں سے محرومی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا اور میں نے اس کی گردن چھوڑی تو وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اوباش صورت اپنے ساتھیوں کو گالیاں دیتا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری اور وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ پہلا کم عمر زیادہ ہوشیار تھا اس نے ایک بار گرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہیں کی اور ایک منٹ سے بھی پہلے یہ معاملہ نمٹ گیا تھا میں نے مہرو سے کہا۔

''جا کر گاڑی میں بیٹھو۔''

مہرو کے جانے کے بعد میں نے ایک طرف پڑا پستول اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور مدہوش پڑے اوباش صورت کی تلاشی لے کر اس کے دو عدد فاضل میگزین بھی نکال لیے۔ فتح خان نے ہر چیز کا بندوبست کر دیا تھا سوائے اسلحے کے اور اب میں کسی ہتھیار کے بغیر خود کو ایسا ہی محسوس کرتا تھا جیسے پرانے زمانے میں شرفا خود کو ننگے سر محسوس کرتے ہوں گے۔ ان لوگوں کی مہربانی سے مجھے ہتھیار بھی مل گیا تھا۔ بازار کی ویرانی میں اکا دکا افراد نے یہ منظر دیکھا تھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی دخل اندازی سے گریز کیا۔ میں اوباش صورت کے پاس بیٹھا اور دھیمی آواز میں کہا۔

''ابھی میں چلا جاؤں گا اور میرے جاتے ہی تم بھی روانہ ہو جانا کیونکہ اب مجھے دوبارہ دکھائی دیے تو اس کا مطلب ہوگا تم مرنا چاہتے ہو۔ اس واقعے کو بھول جانا بھی تمہاری صحت کے لیے بہتر ہوگا۔ پولیس کا رخ بھی مت کرنا ورنہ اس سے بھی زیادہ بڑی مشکل میں پھنس جاؤ گے۔''

وہ تینوں مجھے دہشت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس لیے مجھے یقین تھا وہ وہی کریں گے جو میں نے کہا ہے۔ جیسے ہی میں جیپ میں آ کر بیٹھا وہ بھی گرتے پڑتے اٹھ کر کار میں گھس گئے۔ کار اسٹارٹ ہوئی اور لہرا کر پہلے ہوٹل میں گھسنے لگی۔ بروقت بریک لگا کر اسے روکا اور پھر وہ کسی مدہوش شرابی کی طرح لہراتی ہوئی نیچے کی طرف جانے لگی۔ میں فوراً اوپر کی طرف روانہ ہوگیا اور اس بازار سے نکلنے کے بعد مہرو سے پوچھا۔ ''یہ کیا چکر تھا؟''

اس نے گہری سانس لی۔ ''میں نے تو بس اتنا پوچھا تھا کہ اسلام آباد جانے والے گاڑی کب آتی ہے؟''

''اور وہ تمہیں لفٹ دینے کو تیار ہو گئے۔''

''کیا دینے کو؟'' وہ نہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

''لفٹ..... مطلب ساتھ لے جانے کو۔''

''ہاں کتے کہیں کے جہاں کوئی اکیلی عورت دیکھی..... آ جاتے ہیں۔'' وہ غصے میں آ گئی۔ ''کاش میرے پاس چاقو ہوتا تو میں ایک دو کا پیٹ پھاڑ دیتی۔''

''تمہیں چاقو چلانا آتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں..... میں کلہاڑی اور درانتی بھی چلاتی ہوں۔'' وہ بولی۔ ''ہماری عورتوں کو وہ سارے ہتھیار استعمال

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کرنے آتے ہیں جو قبیلے کے مردوں کے پاس ہوتے ہیں۔''

قبائلیوں اور خانہ بدوشوں میں یہ ہوتا ہے وہ اپنی عورتوں کو بھی لڑنا سکھاتے ہیں تاکہ بہ وقت ضرورت ان سے بھی مدد لے سکیں۔ مگر افسوس کے یہ سارے گر مہرو کے کام نہیں آئے اور وہ دو بار خود سے زیادہ چالاک اور طاقتور مردوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ تین یا چار دن پہلے میں نے اسے بہت برے حال میں دیکھا تھا لیکن اب وہ بالکل بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ فتح خان نے اس کا علاج کرانے کے ساتھ شاید اسے بہترین خوراک بھی فراہم کی تھی کیونکہ اس کی صحت بھی ٹھیک تھی۔ مہرو نے بتایا کہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں لے جانے کے کئی گھنٹے بعد فتح خان آیا اور اس نے مہرو کو انجکشن لگا کر بے ہوش کر دیا تھا اور اس کے بعد وہ زیادہ تر بے ہوش رہی تھی۔ اسے کچھ دیر کے لیے ہوش آتا تو اسے دوبارہ انجکشن لگا دیا جاتا تھا اور اسی بے ہوشی کے دوران میں اس کا علاج کیا جاتا رہا تھا۔ اسے شاید انجکشن کے ذریعے ہی خوراک دی جاتی رہی ہوگی اور ڈرپ کی مدد سے پانی کی کمی پوری کی جاتی ہو گی۔ میرے کہنی کے جوڑ پر انجکشن کا نشان تھا شاید اس سے کینولا منسلک کیا ہوگا اور پھر اسی کی مدد سے مجھے سب کچھ دیا جاتا رہا ہوگا۔ بار بار نس تلاش کرنے کی زحمت سے بچنے کے لیے ہی کینولا لگایا جاتا ہے۔ یقیناً مجھے بھی خوراک اور پانی دیا جاتا رہا تھا کیونکہ میں نہ تو کسی قسم کی کمزوری محسوس کر رہا تھا اور نہ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے مہرو سے کہا۔

''میں اب تمہیں کسی بڑے قصبے میں چھوڑوں گا تاکہ تمہیں ایسی کوئی پریشانی نہ ہو۔''

اس اطلاع نے اسے فکر مند کر دیا تھا کیونکہ پہلا تجربہ ہی خاصا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اگر میں بروقت مداخلت نہ کرتا۔ وہ ایک بار پھر کچھ ہوس زدہ مردوں کے ہتھے لگ جاتی۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''فتح خان تم سے کیا کام لے رہا ہے؟''

''اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔'' اس نے پیش کش کرنے والے انداز میں کہا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا تو تم غلطی پر ہو۔ مجھے جو کرنا ہے اکیلے کرنا ہے۔''

''ایک کام کو ایک آدمی کے مقابلے میں دو آدمی زیادہ بہتر کر سکتے ہیں۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''جب تم واپس آنا تو پھر مجھے شہر میں چھوڑ دینا۔''

''مہرو میں جس کام کے لیے جا رہا ہوں وہ بہت مشکل ہے اور اس میں جوکھم بھی ہے۔ تم آرام سے واپس جا سکتی ہو کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے میری واپسی نہ ہو۔''

اس کا اصرار جاری رہا۔ ''میں کمزور عورت نہیں ہوں تم نے دیکھ لیا ہے، میری جگہ کوئی اور ہوتی تو اب تک مر چکی ہوتی۔ میں ہر مشکل میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں۔''

''تمہیں کیا ضرورت ہے ہر مشکل میں میرا ساتھ دینے کی؟'' میں نے ذرا خشک لہجے میں پوچھا۔ ''جب کہ تم واپس جا سکتی ہو ضروری نہیں ہے ہر بار تمہیں ایسے لوگ ملیں۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' وہ ہچکچا کر بولی۔ ''پر مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں تمہارے ساتھ رہوں گی تو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

حفاظت سے رہوں گی۔ پھر میں تمہارے کام آؤں گی۔ بالکل بھی بوجھ نہیں بنوں گی۔''

اس کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وادی تک سفر میں مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر اس دوران میں وہ مجھ پر بوجھ بھی نہیں بنتی۔ وہ مضبوط جسم کی جوان خانہ بدوش عورت تھی۔ بلکہ دیکھا جائے تو عمر کے لحاظ سے لڑکی تھی۔ ہاں شادی شدہ تھی۔ اسے اونچے نیچے ناہموار راستوں پر سفر کا تجربہ بھی تھا۔ سامان خاصا تھا اور وادی سے بہت پہلے مجھے جیپ چھوڑ کر پیدل سفر کرنا تھا اگر وہ ساتھ ہوتی تو سامان اٹھانے والے دو ہو جاتے اور سب سے اہم بات جب میں وادی پہنچ جاتا اور اپنی ساری توجہ ہیرے تلاش کرنے پر مرکوز کر دیتا تو مجھے دوسرے کاموں کے لیے وقت نہیں ملتا جیسے کھانا بنانا، پانی اور لکڑی تلاش کر کے لانا اور سب سے اہم کام سامان کی حفاظت کرنا ہوتا۔ مہرو یہ کام آسانی سے کر سکتی تھی۔ اس کے بارے سوچتے ہوئے مجھے یاد آیا۔

''جب تمہیں امیر مقام پکڑ کر لایا تھا تو تم نے اپنے کسی بچے کا ذکر بھی کیا تھا۔ اب تمہیں اس کی پروا نہیں ہے؟''

اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ ''پروا کیوں نہیں ہے پر میں کیا کروں اب میں واپس تو نہیں جا سکتی۔''

''تب تمہارا بچہ کون سنبھالے گا۔ وہ دودھ پیتا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میری بہن دیکھے گی اس کا بھی بچہ ہے جو دودھ پیتا ہے وہ اسے دودھ پلا دے گی۔''

اس سفر میں پہلی بار مجھے اس سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ وہ ماں تھی اور ایک ماں کے لیے اپنے بچے سے دور رہنے سے زیادہ دشوار بات اور کوئی نہیں ہوتی ہے۔ وہ انا پرست تھی اس لیے اپنا دکھ ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ مگر اسے اپنے بچے کی یاد تو ستاتی ہوگی۔ وہ رو رہی تھی لیکن اپنے آنسو چھپانے کے لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ میں بھی چپ ہو گیا۔ خاصی دیر بعد اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ ''میں اس قابل نہیں ہوں کہ اپنے بچے کے پاس جاؤں اسے دودھ پلاؤں۔''

''یہ تمہارا خیال ہے لیکن میرا خیال ہے جو ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے تم تو ظلم کا شکار ہوئی ہو۔ ویسے اگر تم اپنے شوہر کے پاس واپس جاتیں تو وہ تمہیں قبول کر لیتا؟''

''راجو کا مجھے یقین ہے وہ مجھے قبول کر لیتا کیونکہ وہ جانتا ہے میں بدکردار نہیں ہوں اور وہ مجھ سے محبت بھی کرتا تھا۔ پر اُس کے گھر والے.....''

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ قبیلے اور گھر میں اس کا مستقبل غیر محفوظ تھا ممکن ہے راجو اسے طلاق دے دیتا۔ ویسے وہ خود کون سا کردار کا اچھا تھا۔ شہلا کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پھر یہ خانہ بدوش قبیلہ بھی جرائم پیشہ لگ رہا تھا۔ سردار اگر اپنے عزائم میں کامیاب ہو جاتا تو ہمیں مار کر یقیناً وہ گھر کو لوٹ لیتے اور پھر فرار ہو جاتے۔ وہ فتح خان نے اچانک آ کر ان کے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ بہرحال یہ سب مہرو سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ابھی تذبذب میں تھا کہ اسے لے کر جاؤں یا نہ لے جاؤں۔ اس وقت میں نے ذہن آزاد چھوڑ دیا۔ اگر بعد میں کوئی ایسی صورت حال بن جاتی جس میں اسے ساتھ لے جانا مناسب ہوتا تو میں اسے لے جا بھی سکتا تھا۔ ابھی تو بہت طویل سفر کرنا تھا۔ چھوڑنے کو میں اسے سوات شہر میں بھی چھوڑ سکتا تھا۔ مجھے اس کی فکر نہیں تھی۔

شام چار بجے تک سفر کے دوران کئی چھوٹے بڑے قصبے آئے لیکن میں نے کہیں جیپ نہیں روکی سوائے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایک پیٹرول پمپ کے جہاں میں نے ٹنکی دوبارہ فل کرالی۔ اب میرے پاس اتنا پیٹرول تھا کہ میں رکے بغیر آرام سے اپنی منزل تک پہنچ سکتا تھا۔ ایک جگہ قصبے میں رک کر ہوٹل سے چائے منگوائی لیکن میں اور مہرو جیپ میں رہے تھے۔ پانچ ہزار فٹ سے اوپر آتے ہی جا بجا برف کے ڈھیر نظر آنے لگے تھے۔ یہ گزشتہ برف باریوں کی برف تھی جو پگھلنے کے لیے موسم بہار کی منتظر تھی۔ موسم ابر آلود تھا۔ کہیں بادل زیادہ تھے اور کہیں کم تھے لیکن کہیں پر بھی برف باری یا بارش کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ اس صورت میں سفر مخدوش ہو جاتا۔ کافی یا چائے گرم رکھنے کے لیے ایک عدد چھوٹے سائز کا تھرماس بھی جیپ میں موجود تھا۔ میں نے اسی میں ہوٹل سے چائے بھروائی تھی۔ یہاں جس قسم کے ہوٹل تھے ان میں ڈھنگ کی کافی ملنے کا امکان بہت کم تھا اس لیے میں نے چائے کو ترجیح دی۔ اگرچہ یہ دودھ پتی والی چائے تھی جس میں میٹھا بھی زیادہ ہوتا لیکن بہر حال چائے تھی اور گرم تھی۔

فتح خان نے مجھے خبردار کیا تھا کہ وہ مسلسل مجھ پر نظر رکھے گا اور اگر میں وادی کی طرف جانے والے راستے سے ہٹا تو وہ سویرا کے حوالے سے اپنی دھمکی پر عمل کر گزرے گا۔ سفر کے دوران میں جائزہ لیتا رہا تھا کہ کوئی جیپ کے پیچھے تو نہیں ہے لیکن مجھے کوئی تعاقب میں نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے باوجود میں خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ فتح خان کی ہدایات سے انحراف کر کے اسے موقع فراہم کروں۔ ہیروں کے لیے وہ پاگل ہو رہا تھا اور پاگل آدمی سے ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے کیونکہ وہ اپنے یا دوسرے کے نفع نقصان کا خیال نہیں کرتا ہے۔ اس موسم میں کہیں کوئی ڈھنگ کا ہوٹل یا کیفے کھلا ملنا محال تھا اور اگر کھلا بھی ہوتا تو وہاں کھانے کی کوئی ڈھنگ کی چیز ملنا محال تھا۔ اس لیے اس سفر کے دوران ہمیں ان ہی چیزوں پر گزارا کرنا تھا جو جیپ میں موجود تھیں۔ یہ سامان اچھا خاصا تھا اور اگر مہرو بھی ساتھ ہوتی تب بھی یہ دس دن کے لیے کافی ہوتا۔

چار بجے ہی موسم سرمئی ہو گیا تھا اور لگ رہا تھا کہ ایک گھنٹے بعد باقاعدہ تاریکی چھا جائے گی۔ اس کے بعد سفر مشکل ہو جاتا۔ ابھی ہم نے نصف راستہ طے کیا تھا وہ بھی اس وجہ سے کہ موسم خوشگوار تھا۔ ورنہ ہمیں سوات تک پہنچنے میں دو دن لگ سکتے تھے اور اس کے بعد کم سے کم ایک دن کا پیدل سفر تھا۔ میں نے سوچا کہ فتح خان کو معلوم نہیں ہے کہ کم سے کم چھ دن تو صرف آنے جانے میں لگ جائیں گے اس کے بعد ہیرے تلاش کرنے کے لیے صرف چار دن بچیں گے۔ اس کے خیال میں چار دن میں ایک آدمی اس میل بھر پھیلی وادی میں ہیروں کا وہ چھوٹا سا بلیک بکس تلاش کر سکتا تھا جو برٹ شانے کہیں چھپایا تھا۔ اس کا امکان لاکھ میں سے کیا کروڑ میں سے ایک بھی نہیں تھا۔ مجھے ایک بار پھر شک ہونے لگا کہ فتح خان کسی اور چکر میں تھا وہ بھلا مجھ سے یہ ناممکن کام کس طرح کہہ سکتا تھا۔ مگر میں صرف شک کی وجہ سے سفر ترک نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ دیر میں تاریکی چھا جاتی اور اس موسم میں رات میں سفر کرنا بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اس لیے رات ہونے سے پہلے ہمیں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنا تھی جہاں رات گزار سکیں ورنہ اسی جیپ میں رات گزارنا پڑتی۔ اس وقت ہم ایک ویران اور تنگ سی سڑک سے گزر رہے تھے جس کے ایک طرف گہری ڈھلان تھی اور دوسری طرف آسمان کو چھوتا برف اور جنگل پوش پہاڑ۔ میں نے مہرو سے بھی کہا کہ وہ نظر رکھے ممکن ہے کوئی مناسب جگہ نظر آ جائے۔ کوئی ایک گھنٹے بعد جب سچ مچ تاریکی چھانے لگی تھی۔ اچانک مہرو نے پہاڑ کے اوپر کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

طرف جانے والے ایک کچے راستے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہوسکتا ہے اس پر کوئی جگہ مل جائے۔''

میں نے جیپ روک کر راستے کا معائنہ کیا۔ اس پر مشینی گاڑیاں نہیں چلتی تھیں لیکن انسانوں اور جانوروں کی آمد و رفت باقاعدگی سے ہوتی تھی۔ میں نے کچھ سوچنے کے بعد جیپ اس طرف گھما دی۔ راستہ کچا لیکن ہموار تھا۔ ہم کچھ اوپر گئے ہوں گے کہ ایک چھوٹی سی عمارت دکھائی دی۔ نیچے سڑک سے یہ گھنے درختوں میں چھپی ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آئی تھی۔ پرانے انداز میں پتھروں اور اوپر کھپریل کی چھت سے بنا ایک ہی کمرہ تھا۔ شاید کسی زمانے میں یہ ریسٹ ہاؤس یا اس علاقے میں سفر کرنے والے سرکاری افسران کا عارضی پڑاؤ ہوگا لیکن اب یہ متروک ہو چکا تھا اور اس کی کھڑکیاں اور دروازہ غائب تھا۔ برآمدے کے اوپر آنے والی چھت غائب ہو چکی تھی لیکن کمرے کے اوپر کی چھت خستہ حال ہونے کے باوجود ابھی تک برقرار تھی۔ میں اور مہرو جیپ سے اتر کر کمرے تک آئے۔ فرش پر گرد اور پرندوں کی بیٹ کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور اس پر جوتا رکھے بغیر اندر جانا ممکن ہی نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایسا ہی ایک ڈھیر اندر بھی موجود ہوگا اور اسے صرف ایک رات کے لیے صاف کرنا ہم دونوں کے بس کی بات نہیں تھی کیونکہ اس میں بہت وقت لگ جاتا اور صفائی کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں تھا۔ اگر یہ کمرہ صاف ہوتا تو رات گزارنے کے لیے بہترین جگہ ہوتی۔ یہاں ہم موسم کی سختی سے محفوظ رہتے۔

ہماری قوم کی مثال اس مفلس فقیر کی سی ہے جو اپنے پاس موجود چیز کی نہ تو پروا کرتا ہے اور نہ اسے سنبھال کر رکھتا ہے مگر مزید چیزوں کے لیے اس کے ہوس بھی کم نہیں ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک جن کے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے وہ اپنی ایک ایک چیز کو سنبھال کر استعمال کرتے ہیں اور اس سے پورا نفع حاصل کرتے ہیں اور ہم اپنی بنی بنائی چیزوں کو لاپروائی سے چھوڑ دیتے ہیں۔ بہت مضبوط پتھروں سے بنی یہ عمارت برسوں نہیں صدیوں قائم رہ سکتی ہے۔ اگر اس کی دیکھ بھال کی جاتی تو یہ روزِ اول کی طرح ہوتی۔ اگر سرکار کو اس کی ضرورت نہیں تھی تو اسے نجی شعبے کو فروخت کیا جا سکتا تھا کوئی غریب آدمی اسے لے کر چھوٹے موٹے ہوٹل میں بدل دیتا یا اپنی رہائش کے لیے استعمال کرتا۔ ان علاقوں میں درجنوں این جی اوز لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کر رہی ہیں یہ جگہ ان کو دفتر کے طور پر دی جا سکتی تھی۔ مگر اب یہ بے کار پڑی ہوئی تھی۔ انگریز کے دور کی بنی اس بہت مضبوط عمارت کی جگہ مقامی ٹھیکیداروں کی بنائی ایسا خوب صورت ریسٹ ہاؤس بن گیا ہوگا جسے ہر سال مرمت کی ضرورت ہوتی اور معمولی سا زلزلہ اسے تباہ کرنے کو کافی ہوتا۔ بہت افسوس کے ساتھ ہم واپس جیپ میں آ گئے۔ مہرو نے کہا۔

''ہم اس میں بھی سو سکتے ہیں۔''

یہ بھی مشکل نہیں تھا۔ جیپ کی آرام دہ سیٹ پیچھے ہو جاتی تھی اور آدمی دراز نہ سہی نیم دراز ہو سکتا تھا۔ مگر میں اس کے ساتھ سونے کے خیال سے ہچکچا رہا تھا۔ عجیب بات تھی کچھ عرصے پہلے زرین کے ساتھ بھی بہت سا وقت اکیلے ویرانوں میں گزارا تھا لیکن مجھے اس کے ساتھ کبھی ایسی جھجک محسوس نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ اس کے انداز میں میرے لیے بہت والہانہ پسند آ گئی تھی۔ اس کے باوجود اس کے ساتھ مجھے خود پر پورا اعتماد ہوتا تھا کہ میں کسی بھی صورتِ حال میں اسے سنبھال لوں گا اور اس کی وجہ اس کا میری ذات پر اندھا اعتماد اور محبت تھی لیکن یہ خانہ بدوش عورت میرے لیے بالکل اجنبی تھی۔ ابھی چند دن پہلے ہی کئی صدموں سے گزری تھی اور مجھے بالکل نہیں معلوم تھا کہ اس صورتِ حال میں اس کا ردِعمل کیا ہوگا؟ میں اس سے محتاط تھا۔ یقیناً اس کے ذہن میں بھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کوئی ایسا ویسا خیال نہیں تھا اور اتنی دیر میں وہ یہ تو جان گئی تھی کہ میں عورتوں کی طرف رغبت رکھنے والا یا ان کی مجبوری اور کمزوری سے فائدہ اٹھانے والا شخص نہیں ہوں۔ اس لیے وہ بلا جھجک جیپ میں سونے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

اس کے سوا کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا اس سردی میں کھلی فضا میں صرف خیمہ لگا کر ہی سویا جا سکتا تھا جب کہ درجہ حرارت یقیناً منفی سے نیچے تھا۔ پیچھے دو عدد کمبل بھی موجود تھے جو ہلکے لیکن کسی ایسے میٹریل سے بنے تھے جو بہت گرم ہوتا ہے۔ انجن بند ہونے کے بعد جیپ اندر سے بھی یخ ہو گئی تھی اور ان کپڑوں میں بھی سردی لگ رہی تھی۔ ابھی صرف چھ بجے تھے اور سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس لیے پہلے ہم نے لکڑیاں اکٹھی کر کے الاؤ جلایا اور اس پر ٹن میں بند کھانا گرم کر کے کھایا میرے پیٹ میں یقیناً کئی دن سے کچھ نہیں گیا تھا اس لیے میں نے دودھ گرم کر کے اس میں کارن فلیکس لے لیا۔ پھر کافی تیار کی۔ اسے کافی سے رغبت نہیں تھی لیکن گرم ہونے کی وجہ سے اس نے پی لی۔ الاؤ ریسٹ ہاؤس کی دیوار کی اوٹ میں روشن کیا تھا۔ ایک تو یہاں ہم ہوا سے محفوظ تھے دوسرے میں نہیں چاہتا تھا کہ آس پاس کوئی موجود ہو تو روشنی دیکھ کر بلا وجہ تفتیش کے لیے یہاں چلا آئے۔ میں فی الحال کسی کے سوالات کا سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ نو بجے تک الاؤ بجھ کر انگاروں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ میں نے مہرو سے کہا۔

''اب سونے کی کوشش کرتے ہیں۔''

میں نے انگاروں پر ریت ڈالی اور ہم جیپ میں آ گئے۔ کمبل پہلے ہی نکال لیے تھے الاؤ کے پاس کمبل میں لپٹے بیٹھے تھے۔ مجھے تھکن محسوس ہو رہی تھی لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔ مہرو نے تلے آلو اور خشک گوشت کے ٹکڑے بھون کر کھائے تھے اس لیے اسے تو لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ میں کمبل میں لپٹا جاگتا رہا۔ صبح سے اب تک پہلی بار مجھے سکون سے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے یہ سوچنے کے بجائے کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا اور فتح خان نے مجھے کیوں چھوڑا تھا۔ اس پلان کو فتح خان کے نکتہ نظر سے دیکھا۔ یعنی اگر میں فتح خان کی جگہ ہوتا تو ہیروں تک رسائی کے لیے کس طرح کا پلان تیار کرتا۔ ذرا غور و خوض کے بعد مجھے فتح خان کا اس طرح مجھے چھوڑنا اور ہیروں کی تلاش میں اکیلے روانہ کرنا، پھر مجھے صرف دس دن کی مہلت دینا اور جواب میں ایسی دھمکی دینا جس پر عمل کرنے کے بعد میرے اور فتح خان کے درمیان مفاہمت کی ہر راہ بند ہو جاتی اور میں اس کے سر سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہوتا۔ مجھے شاطر فتح خان سے ایسے منصوبے کی امید نہیں تھی۔

لیکن یہ توقع بھی نہیں تھی کہ اس کا اصل پلان یہی ہو گا جو اس نے مجھے خط کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کسی وجہ سے اس نے مجھے یوں آزاد چھوڑا تھا لیکن ساتھ ہی میری نگرانی کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ مجھے راستے میں بہت ساری جگہوں پر دور تک کوئی اپنے پیچھے نظر نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ فتح خان کسی دوسرے طریقے سے میری نگرانی کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں سگنل دینے والی ڈیوائس کا خیال پہلے بھی آیا تھا۔ آج کل ایسی جدید ڈیوائس عام ہیں۔ جو چھوٹی ہونے کے ساتھ کئی میل دور تک سگنل دے سکتی ہیں اور جی پی ایس کی مدد سے اپنا جائے وقوع بھی نشر کرتی ہیں۔ ڈیوڈ شا کے ساتھ کام کر کے فتح خان نے جدید الیکٹرانک ڈیوائسز کے معاملے میں خاصی ترقی کی تھی۔ اگر اس نے جیپ میں ایسی کوئی ڈیوائس لگا دی تھی تو میں کسی صورت اس کا سراغ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہیں لگا پاتا اتنی بڑی جیپ میں اسے کہیں بھی چھپایا جا سکتا تھا اور بہت ساری جگہیں تو ایسی تھیں جنہیں مخصوص اوزاروں سے کھولے بغیر دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ فتح خان یا اس کے آدمی یقیناً اس وقت کہیں آس پاس چند میل کے فاصلے پر موجود ہو سکتے تھے۔

مجھے خیال آیا کہ اگر میں انہیں تلاش کرنے کی کوشش کروں تو کامیاب ہو سکتا ہوں لیکن پھر میں نے یہ خیال مسترد کر دیا۔ اول تو وہ احمق نہیں تھے کہ کسی کھلی جگہ موجود ہوتے اور میں ان کو آسانی سے تلاش کر لیتا۔ یقیناً انہوں نے خود کو چھپانے کی پوری کوشش کی ہوگی دوسرے وہ اس سڑک پر آگے پیچھے کہیں بھی ہو سکتے تھے میں ان کو صرف پیدل جا کر ہی تلاش کر سکتا تھا ورنہ جیپ کے حرکت میں آتے ہی وہ جان جاتے کہ میں اپنی جگہ سے نکل گیا ہوں۔ سوچتے سوچتے نہ جانے کس وقت مجھے نیند آ گئی تھی۔ پھر ٹپ ٹپ کی آواز سے میری آنکھ کھلی۔ کچھ دیر تو سمجھ میں نہیں آیا پھر میں چونکا۔ بارش ہو رہی تھی اور اس کی موٹی بوندیں چھت پر گر کر آواز پیدا کر رہی تھیں میں نے جیپ کی ڈیجیٹل کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کی تین بج رہے تھے۔ مہرو یقیناً گہری نیند میں تھی کیونکہ اس کے کمبل سے خراٹوں کی آواز آ رہی تھیں۔ روایتی معنوں میں انہیں سریلے خراٹے تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن کرخت مردانہ خراٹوں سے کہیں بہتر تھے۔ بعض دفعہ مجھے بیتو اور سفیر کے ساتھ سونا پڑتا تھا تو ان کے خوفناک خراٹے نیند حرام کر دیتے تھے۔ خود اپنے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا میں بھی کم خوفناک خراٹے نہیں لیتا تھا۔ بارش کے ساتھ ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا اور جیپ اندر سے بھی فریج بنی ہوئی تھی لیکن کمبل کی وجہ سے یہ سردی ناقابلِ برداشت نہیں تھی۔ میں سوچنے لگا کہ صبح جیپ کیسے اسٹارٹ ہوگی اس کا انجن تو بالکل جام پڑا ہوگا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ شاید اس میں خصوصی اگنیشن سسٹم ہوگا جو بہت سردی میں بھی انجن کو اسٹارٹ کر دیتا ہے یہ خاص طور سے سرد جگہوں پر استعمال ہونے والی گاڑیوں میں لگایا جاتا ہے میں نے دعا کی کہ اس میں یہ سسٹم موجود ہو ورنہ صبح روانگی مشکل ہو جائے گا۔ دوبارہ آنکھ لگی تھی کہ کوئی چیز دھم سے جیپ کے بونٹ پر گری اور میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ باہر تاریکی تھی لیکن بونٹ پر بیٹھا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔ مہرو بھی اٹھ گئی تھی اس نے بہت آہستہ سے پوچھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''شش۔'' میں نے کہا اور غیر محسوس انداز میں ٹارچ سامنے کرتے ہوئے اچانک روشن کی تو بونٹ پر بیٹھا بڑے سائز کا بندر چھلانگ لگا کر بھاگ نکلا۔ مہرو ہڑبڑائی تھی لیکن اس نے عام خواتین کی طرح چیخ مارنے سے گریز کیا۔ بندر اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھا اس کے اپنے قبیلے میں اتنے ہی بندر ہوں گے جتنے کے آدمی ہوتے ہیں کیونکہ یہ خانہ بدوش بندر پالتے ہیں۔ ان کو کرتب سکھا کر مداریوں کو فروخت کرتے ہیں۔ اچانک دھم سے کوئی دوسرا بندر جیپ کی چھت پر کودا۔ اس کے وزن سے جیپ ہل کر رہ گئی تھی۔ شاید بندروں کو کھانے کی چیزوں کی بو آ گئی تھی اور وہ اس چکر میں جیپ کے آس پاس آ گئے تھے۔ میں نے شکر ادا کیا کہ یہ اس وقت نہیں آئے جب ہم باہر تھے شاید اس وقت بندروں کا یہ قبیلہ کہیں دور تھا ورنہ ہمارا سکون سے ڈنر کرنا ناممکن ہو جاتا۔ میں نے ٹارچ سے اردگرد روشنی ڈالی تو مجھے درجنوں کی تعداد میں بندر دکھائی دیئے تھے۔ اگرچہ ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ جیپ کی ونڈ اسکرین اور کھڑکیوں کے شیشے بڑے مضبوط قسم کے تھے اور یہ انہیں آسانی سے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہیں توڑ سکتے تھے۔ مگر وہ دھما چوکڑی مچا کر اور بار بار جیپ پر کود کر ہمیں پریشان کر سکتے تھے۔ پھر ایسا ہی ہوا انہوں نے ریسٹ ہاؤس کی چھت اور آس پاس کے درختوں سے جیپ پر چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔ ایک کے بعد ایک وہ اس تواتر سے کود رہے تھے کہ جیپ میں بھونچال آ گیا تھا اور شور بے پناہ تھا۔

''کچھ کرو۔'' مہرو نے گھبرا کر کہا۔ ''یہ اندر نہ گھس آئیں۔ ان کے دانتوں اور ناخنوں میں زہر ہوتا ہے آدمی کو کاٹ لیں یا ناخن ماریں تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔''

وہ بندروں کے بارے میں بہتر جانتی تھی۔ میں نے کہا۔ ''فکر مت کرو یہ اندر نہیں آ سکتے ہیں یہ شاید ڈرا کر ہمیں جیپ سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔''

''یہاں سے نکلو کہیں یہ گاڑی کا نقصان نہ کر دیں۔''

میں بھی یہی سوچ رہا تھا کیونکہ جیپ جس بری طرح ہل رہی تھی اگر اس کی بیٹری سے ایک آدھ تار لوز ہو جاتا تو جیپ اسٹارٹ ہی نہ ہوتی۔ میں نے کمبل نیچے کیا اور سیدھے ہو کر اگنیشن گھمایا۔ یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ ایک بار ہلکی سی گھر گھراہٹ کے بعد انجن اسٹارٹ ہو گیا تھا۔ انجن کی آواز اور ہیڈ لائٹس کی روشنی ہوتے ہی بندروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا ان کی سمع خراش چیخیں اندر تک کانوں میں چبھ رہی تھیں۔ باہر تو ماحول ہی کچھ اور ہو گا۔ میں نے جیپ ریورس کی اور کہیں بلندی سے ایک سمر سالٹ کا مظاہرہ کرنے والا خاصے بڑے سائز کا بندر دھڑام سے پکی زمین پر گرا ایک تو اس کا نشانہ خطا گیا تھا اور دوسرے زمین یقیناً جیپ کی چھت سے زیادہ سخت تھی۔ وہ تکلیف کے عالم میں اٹھا اور لڑھکتا ہوا ایک درخت کے پیچھے غائب ہو گیا۔ پیچھے موجود بندر بھی افراتفری میں جان بچانے کے لیے بھاگے اور ایک نے دور سے لکڑی کھینچ کر ماری جو ونڈ اسکرین پر لگی لیکن اسے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ بندروں کی دھما چوکڑی سے قطع نظر میں پورے دھیان سے جیپ کو اس تنگ راستے پر لا رہا تھا جو ہمیں نیچے سڑک تک لے جاتا۔ یہاں ریورس کرنے کی گنجائش بہت کم تھی بمشکل میں نے یہ کام کیا اور ہم پہاڑی سے اترنے لگے۔

بندر اب بھی جیپ کے آس پاس شور مچا رہے تھے۔ ویسے میں حیران تھا کہ بندر اس سردی میں اتنی بلندی پر موجود تھے کیونکہ سردیوں میں یہ گروہوں کی صورت میں نیچے مارگلہ کے پہاڑوں کا رخ کرتے ہیں جہاں سردی اتنی شدید نہیں ہوتی ہے اور ان کے کھانے کو کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ جیپ میں لگے آلٹی میٹر کے مطابق ہم اس وقت چھ ہزار فٹ سے ذرا اوپر تھے۔ سڑک تک آتے آتے بندروں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ جیپ روک کر میں نے گھڑی کی طرف دیکھا اور حیران ہوا صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے جب کہ مجھے ایسا لگا تھا کہ بس میں نے ایک جھپکی لی تھی کہ بندروں کی ٹولی آن موجود ہوئی تھی۔ ابھی تاریکی تھی اور سورج نکلنے میں ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کا وقت تھا۔ بارش رک گئی تھی لیکن سڑک پر پھسلن موجود تھی اس لیے میں نے روشنی ہونے تک یہیں رکنے کا فیصلہ کیا۔ شکر ہے دھند نہیں تھی ورنہ اس طرح سڑک پر رکنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ احتیاطاً میں جیپ کو ذرا آگے لے آیا تاکہ بندروں کو تسلی ہو جائے کہ ان کے علاقے میں گھس آنے والے فرار ہو گئے ہیں۔

ہماری نیند پوری ہو گئی تھی۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ رات کو کھایا کارن فلیکس کب کا ہضم ہو گیا تھا۔ اس موسم میں بھوک ویسے بھی زیادہ لگتی ہے۔ مہرو نے ڈٹ کر کھایا تھا لیکن اس نے بھی کچھ دیر بعد بھوک کی بات کی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں نے کہا۔ ''روشنی ہو جائے پھر اسٹوو جلا کر کچھ کرتے ہیں۔''

میں جسم سکیڑ کر پچھلی نشست پر آیا اور اندر کی روشنی آن کر کے سامان کا جائزہ لینے لگا۔ فتح خان نے پشت پر باندھنے والے دو عدد بیگ بھی رکھے تھے۔ فی الحال یہ خالی تھے لیکن اتنے بڑے تھے کہ ہم جیپ میں موجود کھانے پینے اور ضرورت کا سارا سامان ان میں باندھ کر پیدل سفر کر سکتے تھے۔ میں نے پہلے سامان کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک بیگ میں نے اپنے لیے تیار کیا اس میں ساری بھاری چیزیں رکھیں۔ دوسرا بیگ مہرو کے لیے بنایا اس میں ہلکی چیزیں رکھیں۔ میرے بیگ کا وزن تقریباً تیس کلوگرام تھا جب کہ مہرو والے کا بیس کلوگرام سے زیادہ نہیں تھا۔ مہرو نے پوچھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''سفر کی تیاری۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''ایک جگہ پہنچ کر میں جیپ چھوڑ دوں گا اس سے آگے پیدل سفر کرنا ہے یہ سارا سامان اسی سفر کے لیے ہے۔''

''تب تم اسے استعمال مت کرو۔'' اس نے مشورہ دیا۔ ''کھانے کا سامان ہم راستے سے لے سکتے ہیں۔ یہاں دکان نہ ہو تو کسی گھر سے لے سکتے ہیں۔''

وہ درست کہہ رہی تھی۔ یہ سامان صرف سفر کے لیے تھا اور ہمیں کھانا پینا مقامی لوگوں سے کرنا چاہیے تھا۔ میرے پاس رقم تھی اور اس سے ہم کچھ بھی خرید سکتے تھے۔ میں نے اس سے اتفاق کیا اور ساتھ ہی نوٹ کیا کہ اس نے اپنا ذکر بھی کیا تھا جیسے اس سفر میں وہ بھی میرے ساتھ ہو گی۔ میں نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ سامان پیک کرتے ہوئے ساڑھے چھ بج گئے تھے۔ بارش کے بعد آسمان صاف ہو گیا تھا اور صبح کی سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ اس لیے میں نے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا اگرچہ نیچے سڑک ابھی تک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہم پونے سات بجے روانہ ہوئے اور سات بجے تک روشنی تیز ہو گئی تھی۔ اوپری چوٹیوں پر دھوپ جھلکنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد مہرو نے دور سے اٹھنے والے دھویں کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ دیکھو وہاں کچھ ہے۔''

''ممکن ہے لیکن یہ کوئی چشمہ بھی ہو سکتا ہے جس کے گرم پانی سے بھاپ اٹھ رہی ہو؟''

''یہ بھاپ نہیں آگ کا دھواں ہے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ اس کا یقین درست ثابت ہوا جب ہم دس منٹ بعد سڑک کے کنارے بنے ایک کچے ہوٹل تک پہنچے۔ اس کی ٹین کی چھت پر لگے چمنی کے پائپ سے دھواں اٹھ رہا تھا اور اندر سے چائے اور شاید پراٹھوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے ہارن دیا تو صرف شلوار قمیص میں ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا باہر آیا۔ میں جیپ سے اتر آیا اور باہر آنے پر مجھے پتا چلا کہ اصل سردی تو باہر تھی۔ جیپ اندر سے خاصی گرم تھی۔ میں لرز گیا تھا لیکن لڑکا سکون سے کھڑا تھا اس نے اسفنج کی چپل پہن رکھی تھی۔ وہ جیپ اور میرے حلیے سے سمجھ گیا تھا کہ میں شہر سے آیا ہوں اس نے اردو میں کہا۔

''جی صاحب؟''

''ناشتہ ملے گا؟''

''کیوں نہیں صاحب بالکل ملے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔ اتنی صبح گاہک آ جانا خوشی کی بات تھی جب کہ اندر ابھی ناشتے کی تیاری کا آغاز ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''کیا ملے گا؟''

''پراٹھا، انڈہ، دہی اور چائے۔'' اس نے فرفر مینو بتا دیا۔

''سب لے آؤ لیکن ناشتہ جیپ میں کریں گے۔'' میں نے اسے ایک پانچ سو کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ ''برتن صاف ستھرے ہوں اور دو الگ الگ ٹرے میں لانا، چائے بعد میں لانا سمجھ گئے؟''

''جی صاحب۔'' وہ مزید خوش ہو گیا کیونکہ میں نے اسے پہلے ہی ناشتے کی قیمت سے زیادہ رقم دے دی تھی۔ وہ اندر دوڑ گیا اس نے مہرو کو دیکھ لیا تھا اس لیے تعجب نہیں کیا کہ میں جیپ میں ہی ناشتہ کرنا چاہتا تھا۔ ذرا دیر کے لیے دو بار جیپ کا دروازہ کھلا تھا تو اندر بھی موسم یخ ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے کچھ دیر کے لیے انجن اسٹارٹ کر کے ہیٹر چلایا تو جان میں جان آئی تھی۔ اتنی دیر میں مہرو نے کمبل تہہ کر کے رکھ دیئے تھے۔ ہمارے پاس گفتگو کے لیے کوئی موضوع نہیں تھا اس لیے خاموشی سے ناشتے کا انتظار کرتے رہے۔ ناشتہ پندرہ منٹ بعد آیا تھا۔ لڑکا دو ڈھکی اسٹیل کی چھوٹی ٹرے میں پراٹھے اور تلے ہوئے دیسی انڈے لایا تھا۔ انڈے اور پراٹھے دونوں دیسی گھی میں تلے گئے تھے۔ دو عدد پراٹھے فی کس خاصے بھاری تھے لیکن جب ہم نے کھانا شروع کیا تو پتا ہی نہیں چلا کہ کب ختم ہو گئے۔ میں تو بھوکا تھا ہی مہرو نے بھی پورا انصاف کیا۔ ناشتے نے پیٹ تو بھر دیا تھا لیکن نیت نہیں بھری تھی۔ بہر حال اتنا بھی کافی تھا۔ لڑکا بالکل درست وقت پر دو عدد بڑے سائز کے فولادی مگوں میں چائے لے آیا۔ چائے میں اگر چہ ہر چیز بہت تھی۔ یعنی بہت دودھ، بہت پتی اور بہت چینی لیکن اس نے اس موسم میں بھرپور مزہ دیا تھا۔ لڑکا ٹرے واپس لے گیا تھا۔ جب وہ مگ لینے آیا تو میں نے اسے تھرماس دیا۔

''اس میں تازہ چائے بنوا کر لے آؤ لیکن اس میں دودھ کم ہو اور چینی بالکل نہ ہو سمجھ گئے۔''

''سمجھ گیا صاحب۔'' اس نے کہا اور پھر دبے لفظوں میں بولا۔ ''صاحب اگر ٹپ دینا ہو تو الگ سے دینا۔''

دوسرے لفظوں میں وہ بتا رہا تھا کہ اگر میں نے رقم چھوڑی تو ہوٹل کا مالک اسے نہیں دے گا۔ میں نے ایک سو کا نوٹ اس کی جیب میں رکھا اور کہا۔ ''مالک سے بولو آ کر حساب کرو ے۔''

لڑکا خوشی خوشی واپس چلا گیا۔ مہرو کو غالباً میری فیاضی اچھی نہیں لگی تھی کیونکہ وہ منہ بنا کر دیکھ رہی تھی ظاہر ہے وہ جس معاشرے کی پروردہ تھی وہاں کسی کو بلاوجہ کچھ دینے کا رواج نہیں تھا وہ لوگ تو صرف لینے کے قائل تھے۔ کچھ دیر بعد ہوٹل کا مالک مہرو سے بھی زیادہ برا منہ بنا کر باہر آیا۔ اس نے دو سو اور کچھ رقم میرے حوالے کی۔ اگر چہ اس نے ناشتے کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کر لی تھی لیکن اب ٹپ کا امیدوار بھی تھا میں نے اسے بھی مایوس نہیں کیا اور دو سو کے علاوہ جو اوپر تھا وہ اسے دے دیا اگر چہ یہ اس کے لیے کم تھا کیونکہ اس کا منہ تھوڑا سا ہی بہتر ہوا تھا وہ شاید تمام رقم کے چکر میں تھا۔ کچھ دیر بعد لڑکا تھرماس لے کر آیا تو میں نے باقی دو سو بھی اسے تھما دیئے۔ لڑکے کی خوشی دیکھنے والی تھی اور مہرو کا منہ مزید بن گیا تھا۔ جیسے ہی میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو اس نے کہا۔

''اتنی رقم دینے کی کیا ضرورت تھی۔ پانچ دس روپے دے دیتے۔''

''اوہ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا میں پانچ دس دے دیتا۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''بلکہ تم پہلے مل جاتیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تو میری بہت ساری رقم بچ جاتی کیونکہ میں عام طور سے اتنی ہی رقم دیتا ہوں۔"

وہ سمجھ گئی کہ میں مذاق اُڑا رہا ہوں اس لیے کھسیا کر چپ ہوگئی۔ ناشتہ کرنے کے بعد مجھ میں اتنی توانائی آ گئی تھی کہ میں رات تک کھائے پیئے بغیر گزارا کر سکتا تھا۔ اس دوران میں سڑک والا حصہ بھی روشنی میں آ گیا تھا۔ میں اچھے موسم کا فائدہ اٹھا کر تیز ڈرائیونگ کرنے لگا۔ بعض اوقات جیپ کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی تھی کہ وہ اس سڑک پر خطرہ محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں مہر دخوف زدہ ہو جاتی تھی۔ مگر اس نے زبان سے خوف کا اظہار نہیں کیا صرف اس کے تاثرات سے پتا چلتا تھا کہ وہ خوف زدہ ہے۔ کیونکہ اس بار سفر کا آغاز بالکل صبح سویرے کر دیا تھا اس لیے بارہ بجے تک ہم سوات کے قریب پہنچ گئے تھے۔ خوش قسمتی سے اب تک نہ تو کسی لینڈ سلائیڈنگ سے واسطہ پڑا تھا جو اس موسم میں اور اس علاقے میں عام سی بات تھی اور نہ کہیں برف باری یا بارش سے سامنا ہوا تھا۔ کہیں کہیں بادل ضرور تھے لیکن اس دن سفر کا بڑا حصہ روشنی اور چمکتی دھوپ میں طے ہوا تھا۔ بارہ بجے میں نے ایک جگہ جیپ روک لی۔ یہاں چھوٹا آبشار بہہ رہا تھا۔ ہم نے اس کا صاف پانی بوتلوں میں بھرا۔ کچھ ضروریات سے فارغ ہوئے اور چائے پی کر تازہ دم ہو کر آگے روانہ ہو گئے۔

تین بجے ہم سوات شہر میں داخل ہوئے۔ حالات اور سردی نے یہاں کی رونقوں کو مرجھا دیا تھا۔ تقریباً تمام ہی ہوٹل بند تھے۔ صرف ایک ہوٹل کھلا ہوا ملا اور اس میں بھی کچن بند تھا۔ بڑی مشکل سے اس کا منیجر ہمارے کھانے کا انتظام کرنے پر تیار ہوا۔ اسے حیرت ہوئی کہ ہم ہوٹل کے بہترین ڈائننگ ہال کے بجائے کھانا جیپ میں کھانا چاہتے تھے۔ خوش قسمتی سے ایک مرغا دستیاب تھا جس کا وہ ہماری خاطر چرغا بنانے کو تیار ہو گیا لیکن [illegible] میں ایک گھنٹہ لگ جاتا۔ بہرحال یہ ہمارا آخری آسرا تھا کیونکہ اس کے بعد ہمیں مزید بلندی اور آبادیوں سے پرے جانا تھا اس لیے ہم انتظار کرنے پر مجبور تھے۔ ساتھ ہی میں نے منیجر سے کہا کہ وہ ہمیں بیس بڑے روغنی نان تیار کر دے۔ یہ نان اس موسم میں دو تین ہفتے آرام سے محفوظ رہ سکتے تھے اور پیدل سفر میں بہترین خوراک ثابت ہوتے۔ میں نے مہرو سے کہا۔ "اگر تم واپس جانا چاہو تو یہاں سے موقع ہے بسیں چل رہی ہیں جو پندرہ گھنٹے میں تمہیں واپس اسلام آباد پہنچا دیں گی۔"

اس نے انکار کر دیا۔ "نہیں میں تمہارے ساتھ واپس جاؤں گی مجھے ڈر ہے میرے قبیلے والے مجھے تلاش کر لیں گے اور فوراً مار ڈالیں گے۔ تمہارے ساتھ میں محفوظ رہوں گی۔ تم مجھے وہاں بھیج دینا جس کا تم نے کہا تھا کیا نام تھا؟"

"شاید یہ تمہاری خوش فہمی ہے، لیکن خیر جیسے تمہاری مرضی۔" میں نے کہا۔ "اگر ہم واپس آ گئے تو میں تمہیں دارالامان پہنچا دوں گا۔"

چار بجے ہم نے کھانا کھایا اور اس کے فوری بعد روانہ ہو گئے۔ میرے اندازے کے مطابق ابھی دو گھنٹے کا سفر باقی تھا اور میں بہرصورت آج اس جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں سے ہم آگے پیدل سفر کرتے۔ فتح خان نے نقشے میں اس مقام کی وضاحت کی تھی۔ ظاہر ہے یہ ان مقامات سے بالکل ہٹ کر تھا جو راجا عمر دراز کے محل یا اس جگہ سے آتے تھے جہاں سے میں بھٹکتے بھٹکتے ہوئے ایمن شا کے ساتھ وادی سے نکلا تھا یہ وادی تک جانے کا سب سے مختصر راستہ تھا۔ سوات کے بعد جیپ پھر بلندیوں کی طرف جا رہی تھی اور چاروں طرف برف ہی برف

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دکھائی دے رہی تھی۔ بلندی کے ساتھ ساتھ سردی بھی بڑھ رہی تھی۔ سوات سے نکلتے ہوئے میں نے ایک بار پھر ٹنکی فل کرائی تھی اور ساتھ میں ایک کین جسے راستے میں ٹنکی میں ڈالا تھا وہ بھی بھروالیا تھا۔

''ہم کہاں جارہے ہیں؟''

''شمال کی طرف۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن شمال میں کہاں جارہے ہیں؟'' وہ کسی قدر جھنجھلا گئی۔

''کیا تم نے یہ علاقہ پہلے کبھی دیکھا ہے؟'' میں نے برف سے اَٹی سڑک پر احتیاط سے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ میں کنارے سے دور رہنے کی کوشش کررہا تھا کیونکہ برف کی وجہ سے سڑک پر اتنی پھسلن تھی کہ بریک لگانے پر بھی جیپ کئی فٹ تک پھسلتی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تب تمہارا جاننا بیکار ہے کہ میں تمہیں کہاں لے جارہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ یہ جوکھم کا سفر ہے لیکن تم خود اصرار کرکے آئی ہو اس لیے مہربانی کرکے کوئی شکایت مت کرنا۔''

''میں شکایت نہیں کررہی میں تو پوچھ رہی ہوں ہم کہاں جارہے ہیں؟'' اس نے اس بار بدلے ہوئے انداز میں کہا۔

''زیادہ دور نہیں جانا ہے کل صبح ہم پیدل سفر شروع کریں گے اور رات سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔'' میں نے کسی قدر بےزاری سے کہا۔ ''اب سوال مت کرو تم ساتھ ہو خود دیکھ لوگی۔''

وہ چپ ہوگئی۔ شہر سے نکل کر ویرانوں میں سفر کرتے ہوئے میں مسلسل عقب پر نظر رکھے ہوئے تھا لیکن ابھی تک مجھے تعاقب کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ مگر یہ بات یقینی تھی کہ فتح خان یا اس کے ساتھی ہمارے پیچھے ہیں۔ اس وقت ہم ایک درّے نما جگہ سے گزر رہے تھے سڑک کے دونوں طرف اونچی برف پوش چوٹیاں تھیں۔ درّے کی بلندی پر پہنچ کر جیسے ہی ہم دوسری طرف اترے میں نے جیپ روک دی۔ مہرو نے میری طرف دیکھا۔

''جیپ کیوں روکی ہے؟''

''کچھ نہیں تم اندر رکو۔'' میں نے اس سے کہا اور اپنی جیکٹ کے کالر کھڑے کرتے ہوئے جیپ سے اتر آیا۔ جیپ کا اندر ہیٹر آن تھا اس لیے اندر درجہ حرارت خوشگوار تھا۔ جب کہ باہر غضب کی سردی تھی۔ سامان میں چرمی دستانے بھی تھے۔ وہ اس وقت کام آئے۔ ورنہ ہاتھ ٹھٹھر جاتے۔ جیکٹ بہت اعلیٰ درجے کی تھی اس کے کالر میں ہلکا پلاسٹک استعمال ہوا تھا اس لیے کالر باآسانی کھڑے ہوجاتے تھے اور جب تک انہیں نیچے نہیں کیا جاتا یہ ازخود نیچے نہیں آتے تھے۔ اس کی وجہ سے گردن اور کان سردی سے بچے ہوئے تھے۔ درہ کم سے کم ایک کلومیٹر طویل تھا اور سڑک دور تک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اگر فتح خان کے آدمی میرے تعاقب میں تھے تو وہ کتنا پیچھے تھے؟ اگرچہ اس کا امکان تھا کہ جیپ رکتے ہی ان کو پتا چل گیا ہوگا اور وہ خود بھی رک گئے ہوں گے۔ میں سوچ رہا تھا کہ پیدل واپس جاکر ان کا سراغ لگاؤں۔ ابھی میں فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ مہرو بھی اتر کر میرے پاس آگئی۔ باہر کی سردی نے اسے کانپنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''تم اتنی سردی میں باہر کیوں کھڑے ہو؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''تم اندر بیٹھو۔'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا لیکن وہ بدستور وہیں کھڑی رہی۔ مجھے کھڑے دس منٹ ہو گئے تھے لیکن سڑک کے دوسرے سرے پر ابھی تک کوئی گاڑی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ فتح خان یا اس کے آدمی جان گئے تھے کہ میں رک گیا ہوں اور کیا وہ بھی رک کر انتظار کر رہے تھے کہ میں آگے بڑھوں تو وہ بھی میرا تعاقب شروع کریں۔ میں بیچ بیچ ان کا قیدی بن کر رہ گیا تھا۔ مہرو میرے پیچھے کھڑی تھی۔ اچانک اس نے کہا۔

''یہ تمہارے کوٹ پر کیا لگا ہے؟'' اس کا اشارہ جیکٹ کے کھڑے کالر کی طرف تھا۔

''کیا لگا ہے؟'' میں نے پیچھے ہاتھ مارا تو میرا ہاتھ کالر کے کپڑے سے چپکی ایک چکنی چیز پر گیا۔ یہ شاید ایک انچ لمبی تھی۔ میں نے اسے اتارنا چاہا تو وہ بہت مضبوطی سے چپکی ہوئی تھی۔ اسے اکھاڑنے کی کوشش میں کپڑا بھی اتر جاتا۔ جیکٹ اتارے بغیر میں اسے نہیں دیکھ سکتا تھا اور اس سردی میں جیکٹ اتارنے کے خیال سے روح فنا ہو رہی تھی۔ مگر اس چیز کو دیکھنا تو تھا میں نے دل کڑا کر کے جیکٹ کی زپ کھولی اور اسے اتار دیا۔ کالر پر چپکی چیز سامنے آ گئی۔ یہ ایک چھوٹی سی چپ نما چیز تھی۔ اسی لمحے درّے کے آغاز سے ایک بڑی گاڑی نمودار ہوئی اور تیزی سے ہماری طرف آنے لگی تھی۔



www.pdfbooksfree.pk پیشکش

مجھے سمجھنے میں سیکنڈ لگا تھا کہ یہ سگنل دینے اور شاید ہماری گفتگو نشر کرنے والا آلہ تھا لیکن اس کی جسامت بہت ہی چھوٹی تھی۔ مشکل سے ایک انچ لمبا اور تہائی انچ چوڑی اس چپ کی موٹائی تین ملی میٹرز سے زیادہ نہیں تھی اور وزن شاید چند گرام تھا اس لیے جیکٹ کے فولڈ کالر میں اس کی موجودگی کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ اگر یہ مائیکروفون کا کام بھی کرتی تھی تو میں نے اتنا چھوٹا مائیکروفون آج تک نہیں دیکھا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اس کا تفصیلی معائنہ کرتا یا اسے اتارنے کی کوشش کرتا۔ درّے کے دوسری طرف سے آنے والی جیپ تیزی سے ہماری طرف آ رہی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا تھا۔ میں نے جیکٹ پہنتے ہوئے جیپ کا رخ کیا۔ مہرو میرے پیچھے لپکی۔ ''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے جلدی سے آؤ۔'' میں نے عقب میں اشارہ کیا اور جیپ میں آ گیا۔ فوراً ہی مہرو بھی اندر گھس آئی۔

''جلدی کس بات کی ہے۔'' اس نے گھبرائے انداز میں کہا۔ ''کیا کوئی ہمارے پیچھے ہے؟''

''فکر مت کرو اگر کوئی پیچھے ہے تو میں اس سے نمٹ سکتا ہوں۔''

مہرو میں زنانہ تجسس بہت زیادہ تھا۔ ''یہ جو گاڑی آ رہی ہے اس میں کوئی ہمارے پیچھے ہے؟''

''شاید۔'' میں نے ٹالا کیونکہ اسے چپ کے بارے میں کیا سمجھاتا۔ اس نے پھر سوال کیا۔

''یہ تمہارے کوٹ سے کیا لگا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم شاید اسنیکر ہے۔'' میں نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''اب ذرا خاموش ہو کر بیٹھو اور مجھے توجہ سے ڈرائیونگ کرنے دو یہاں ذرا سی غفلت کا مطلب ہے ہم کسی کھائی میں پڑے ہوں گے۔''

مہرو خاموش ہو گئی لیکن اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ میری وضاحتوں سے مطمئن نہیں تھی۔ میں نے سوات روانگی سے پہلے نقشہ دیکھا تھا ہمیں تقریباً ستر اسّی میل کا فاصلہ طے کرنا تھا تب ہم اس مقام تک پہنچتے جہاں سے ہمیں وادی کی طرف پیدل سفر شروع کرنا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ابھی ہم اس جگہ سے کوئی بیس میل دور تھے اور اگر سڑک آگے بھی صاف ملتی تو ایک سوا گھنٹے میں ہم وہاں پہنچ جاتے۔ مجھے سو فیصد تو نہیں لیکن نوے فیصد یقین تھا کہ اس بڑی جیپ میں فتح خان یا اس کے آدمی ہمارے پیچھے تھے۔ وہ اپنے باپ پر اعتبار کرنے والا آدمی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

نہیں تھا مجھ پر کیسے اعتبار کرتا حالانکہ سویرا کو قبضے میں لے کر اس نے مجھے بے دست و پا کر دیا تھا اس کے باوجود اسے شک تھا کہ شاید میں کوئی چال چل جاؤں۔

اس لیے اس نے مجھے بالکل ہی آزاد نہیں چھوڑا تھا۔ نہ صرف اس کے آدمی میرا اور مہرو کا پیچھا کر رہے تھے بلکہ اس نے میری جیکٹ میں ایک ایسی چپ بھی لگا دی تھی جو ہمارے مقام کی نشاندہی تو کرتی تھی شاید ہماری آوازیں بھی کہیں پہنچاتی تھی۔ فتح خان نے چالاکی دکھائی کہ چپ گاڑی میں لگانے کے بجائے میری جیکٹ کے کالر میں لگا دی۔ گاڑی خراب ہو سکتی تھی اور میں اسے خود سے چھوڑ بھی سکتا تھا لیکن اس موسم میں جیکٹ کہاں چھوڑتا؟

اس کی چال اب کسی قدر میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ مجھے اپنی قید میں رکھے گا تو میں اس طرح کام نہیں کروں گا جیسے آزاد رہنے کی صورت میں کر سکوں گا۔ اگر میں اس کی قید میں رہتے ہوئے ہیرے تلاش کرنے میں ناکام رہا تو اس وقت ناکامی میں وہ بھی شریک ہو گا لیکن اگر وہ مجھے آزاد کر دے گا تو ہیرے تلاش کرنا مکمل طور پر میری ذمے داری بن جائے گی اور میری ناکامی کی صورت میں وہ سویرا کو اپنی دھمکی کے مطابق مرشد کے حوالے کرنے میں آزاد ہو گا۔ اس لیے نے اس نے مجھے بہ ظاہر آزاد چھوڑ دیا تا کہ میں اپنی پوری توجہ ہیرے تلاش کرنے پر لگا سکوں اور وہ دور سے میری نگرانی کرتا رہے۔ جیکٹ کے کالر میں لگی چپ کے بارے میں، مَیں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس سے فتح خان یا اس کے آدمی صرف ہماری لوکیشن سے واقف ہوتے تھے یا اس کی مدد سے ہماری گفتگو بھی سنتے تھے۔ اگر یہ آواز بھی نشر کر رہی تھی تو نہایت تشویش کی بات تھی۔ میں اس سے چھٹکارا بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اس کی موجودگی میں کھل کر بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن دوسری طرف میں اس چپ سے فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔ مجھے بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے ساتھ مہرو تھی جس کا میرے کسی معاملے سے کوئی تعلق نہیں تھا اس کا ساتھ میرے لیے بوجھ تھا لیکن میں اسے ساتھ لیے پھرنے پر مجبور تھا اس ویرانے میں اسے کہاں چھوڑتا۔ ایک آبادی میں فوراً کچھ لفنگے اس کے چکر میں آ گئے تھے یہاں تو وہ کسی انسان نما بھیڑیئے کے ہتھے چڑھ جاتی۔ میں غور کر رہا تھا کہ اس چپ سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن پہلے یہ جاننا ضروری تھا کہ واقعی یہ چپ آواز بھی نشر کرتی تھی۔ درّے سے گزر کر ابھی تک وہ جیپ اس طرف نہیں آئی تھی حالانکہ ہم خاصے آگے آ چکے تھے اور جیپ جس رفتار سے آ رہی تھی اسے لازمی درّے کے پار آ جانا چاہیے تھا۔ اس کا مطلب تھا اس میں فتح خان یا اس کے آدمی تھے اور وہ صرف اس لیے تیزی سے آئے تھے کہ میں رک گیا تھا اور جب میں نے دوبارہ سفر شروع کر دیا تو انہوں نے بھی مناسب فاصلے سے تعاقب شروع کر دیا۔ پیچھے تقریباً دو کلومیٹر تک سڑک صاف تھی۔ میں نے ایک جگہ جیپ روک دی۔

''کیا ہوا جیپ کیوں روکی ہے؟'' مہرو چونک کر بولی۔

''ایک منٹ میں ابھی آیا تم نیچے مت اترنا۔'' میں نے کہا اور جیپ سے باہر آ کر ڈھلان سے نیچے جانے لگا اصل میں فطرت مجھے پکار رہی تھی۔ ایک منٹ میں فارغ ہو کر میں اوپر آیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

''تم کیوں باہر گئے تھے؟'' مہرو نے پھر سوال کیا۔

''ایک اہم چیز چھپانی تھی۔'' میں نے کہا۔ ''اگر وہ فتح خان کے ہاتھ لگ گئی تو میرے لیے اچھا نہیں ہو گا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

حسب توقع اس نے فوراً سوال کیا۔ ''تم نے کہاں چھپائی ہے؟''

''نیچے سرخ پتوں والی ایک جھاڑی کے نیچے۔'' میں نے جیپ آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور رفتار سُست رکھی تھی۔ میری نظر عقبی آئینے پر تھی۔ تقریباً ایک کلومیٹر آگے نکل جانے کے بعد مجھے وہی بڑی جیپ اسی جگہ رکتی دکھائی دی جہاں میں نے جیپ روکی تھی۔ اتنی دور سے وہ بس گہرے سبز رنگ کا دھبہ دکھائی دے رہی تھی اور اپنے رنگ کی وجہ سے پہچانی گئی تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس سے کوئی اترا ہے یا نہیں۔ میں نے جیپ کی رفتار بہت سُست کر دی لیکن روکی نہیں ورنہ وہ ہوشیار ہو جاتے۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ وہاں کتنی دیر رکتے ہیں۔ مہرو نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن میں نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا۔ اگر میرے پاس دوربین ہوتی تو میں واضح دیکھ سکتا تھا کہ وہ گاڑی روک کر کیا کر رہے تھے۔ بہرحال ان کی اس حرکت سے میرا شبہ پختہ ہو گیا کہ چپ آواز بھی نشر کر رہی تھی۔ میری جیپ سڑک کے ایسے مقام پر پہنچ گئی تھی جہاں سے وہ جگہ نظر نہیں آتی اس لیے میں نے جیپ روک لی اور سنانے کے انداز میں مہرو سے کہا۔

''میرا خیال ہے پیٹرول کم ہو گیا ہے ایک کین ٹینکی میں ڈال دیتا ہوں آگے مشکل نہ ہو۔''

حالانکہ ٹینکی ابھی نصف سے زیادہ ہی تھی۔ میں نے نیچے آ کر ایک کین اٹھایا اور ٹینک کا ڈھکن ہٹا کر کین سے اس میں پیٹرول ڈالنے لگا۔ میں نے جان بوجھ کر پیٹرول ڈالنے کی رفتار سُست رکھی تھی۔ میری نظر وادی میں نیچے سڑک پر موجود گاڑی پر تھی۔ سُست رفتاری کے باوجود ٹینک فل ہو گیا تھا اور نیچے والی گاڑی حرکت میں نہیں آئی تھی اس کا مطلب تھا وہ سرخ پتوں والی جھاڑی کی تلاش کر رہے تھے جب کہ وہاں سرخ پتوں والی کوئی جھاڑی نہیں تھی۔ اس موسم میں کسی جھاڑی پر پتوں کا امکان بھی نہیں تھا۔ میں زیادہ دیر رک بھی نہیں سکتا تھا ورنہ ان لوگوں کو شبہ ہو جاتا کہ میں ان کی موجودگی اور تعاقب کرنے کا طریقہ سمجھ گیا ہوں۔ اس لیے مجبوراً میں آگے روانہ ہو گیا۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے غائب ہونے والا تھا اور میرے اندازے کے مطابق ابھی دس کلومیٹرز کا سفر باقی تھا۔ اندھیرے سے پہلے یہ سفر طے کر لینا تھا ورنہ نقشے کے مطابق اس جگہ کی نشانیاں دیکھنا مشکل ہو جاتا۔ سفر کا آغاز تو اگلی صبح ہی کرنا تھا لیکن اس سے پہلے اس جگہ پہنچ جانا ضروری تھا۔

ایک بار بہت پہلے جب میں فتح خان کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور اس نے مجھے وہاں قید کیا تھا جہاں اس نے برٹ شا کو بھی قید کر رکھا تھا اور ایک گونگا بہرا غلام اس کی نگرانی پر مامور تھا۔ مجھے یاد ہے وہ جگہ اس وادی سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اگر فتح خان نے برٹ شا کو اسی جگہ قید رکھا ہوا تھا تو ممکن ہے وہ جگہ وادی کے راستے میں آتی ہو۔ مگر سوال یہ تھا اگر وہ جگہ وادی کی طرف جانے والے راستے میں آتی تھی اور برٹ شا وہاں موجود ہوتا تب بھی میں اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا تھا اگر بات میری ذات کی ہوتی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا میں وہ جواری تھا جو اپنی ذات پر ہر داؤ کھیل جاتا لیکن بات سویرا کی تھی۔ میں اس کے لیے ذرا سا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ ابھی پانچ کلومیٹرز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ تاریکی چھانے لگی اور چند منٹ کے اندر ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ میں نے جیپ کی ہیڈ لائٹس پہلے ہی آن کی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد مہرو نے کہا۔

''مجھے بھوک لگی ہے؟''

''بس کچھ دیر رک جاؤ۔ ہم اپنی پہلی منزل تک پہنچ جائیں اس کے بعد پیٹ پوجا کا بندوبست بھی کرتے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ویسے تم چاہو تو پیچھے رکھے سامان میں سے کوئی چیز نکال لو۔ بس گرم کیے بغیر کھانی پڑے گی۔''

''نہیں میں بعد میں کھالوں گی۔'' اس نے انکار کر دیا۔

نقشے کے مطابق مجھے سڑک کے دائیں طرف ایک ایسی وادی میں مڑنا تھا جس کا آغاز وی کی صورت بناتی دو چھوٹی پہاڑیوں سے ہو رہا تھا اور جہاں وی کی دونوں لکیریں مل رہی تھیں وہاں ایک چھوٹا سا نالا تھا جس پر چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا۔ ہمیں اسی مقام سے وادی کی طرف گھوم جانا تھا اور یہی لمبی وادی آگے جا کر اس وادی سے ملتی تھی جہاں برٹ شانے کہیں ہیرے چھپائے تھے اور وہ ہیرے مجھ جیسے غیر متعلق آدمی کے لیے بھی مصیبت بن گئے تھے۔

جیپ کا آلٹی میٹر بتا رہا تھا کہ اس وقت ہم سات ہزار چار سو فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں ہر طرف برف کی سفیدی تھی۔ باہر کا درجہ حرارت کئی ڈگری منفی میں جا چکا تھا اور ابھی اس کے مزید گرنے کا امکان تھا۔ رات ہوتے ہی اوپر سے اوس نما دھند گرنے لگی اور کچھ دیر بعد دس گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے جیپ کو مستقل پہلے گیئر میں رکھتے ہوئے چیونٹی کی رفتار سے سفر جاری رکھا۔ یہاں سڑک بھی تنگ تھی اور بعض مقامات پر تو بس گزرنے کی جگہ تھی۔ دو گھنٹے سے اس سڑک پر کوئی اور گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ گویا یہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

سڑک اب نیچے کی طرف جا رہی تھی کیونکہ بلندی کم ہوتی جا رہی تھی سات ہزار فٹ سے نیچے آنے پر ہمیں دائیں طرف وی کی صورت والی پہاڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ یہ کہلانے کو چھوٹی تھیں لیکن بس یہاں موجود دوسرے پہاڑوں کے مقابلے میں چھوٹی تھیں ورنہ ان کی بلندی بھی ہزار فٹ سے زیادہ ہی تھی۔ ذرا دیر بعد ہم اس چھوٹے سے پل تک پہنچ گئے جہاں سے اتر کر ہمیں وادی میں داخل ہونا تھا۔ میں نے جیپ سڑک کے کنارے روک دی اور ٹارچ لے کر نیچے اتر آیا۔ میں نے پل کے دونوں طرف سے نیچے جانے والے راستے کا جائزہ لیا اور اگلے حصے کو بہتر پایا۔ میں جیپ یہاں سڑک پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

فی الحال تو ہمیں نیچے اتر کر شب بسری کی تیاری کرنی تھی اگلی صبح دیکھتے کہ جیپ پر کہاں تک جا سکتے تھے اس سے آگے پیدل سفر کرتے۔ تاریکی اور دھند کی وجہ سے جیپ کسی قدر مشکل سے نیچے آئی اور اسے خشک نالے کے ساتھ روک کر ہم نیچے اتر آئے۔ مہرو نے ذرا سی دیر میں کچھ خشک لکڑیاں جمع کیں اور الاؤ سلگا لیا۔ اگرچہ سامان میں اسپرٹ سے جلنے والا لیمپ اور اسپرٹ بھی تھا لیکن اسے بچا کر رکھنا ضروری تھا آگے کہیں کام آتا۔ یہاں لکڑیاں مل رہی تھیں اور الاؤ سے ہم خود کو بھی گرم کر سکتے تھے۔ کھانے کے لیے ہمارے پاس بہت کچھ تھا اور بھوک بھی لگ رہی تھی۔ مہرو نے چیزیں نکالیں اور گرم کرنے لگی۔ میں کافی کا سامان نکال کر کافی بنانے لگا۔ اس وقت کھلی فضا میں شدت سے کسی گرم چیز کی خواہش محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کھانے سے پہلے کافی لی۔

الاؤ ایک بڑے پتھر کے پیچھے اس طرح روشن کیا تھا کہ سڑک سے اس کی روشنی نظر نہ آئے۔ ویسے بھی یہاں جھاڑیاں تھیں۔ فتح خان اور اس کے آدمی جانتے تھے کہ ہم کہاں ہیں۔ کھانے کے بعد میں نے دوبارہ کافی گرم کی اور اس بار مہرو نے بھی لی اور منہ بنا کر پیتی رہی۔ اس کی جیکٹ بھی تقریباً میری جیسی تھی اسے دیکھتے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہوئے اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا کہتے ہوئے اس کے عقب میں آ کر اس کی جیکٹ کا کالر اوپر کیا اور حسبِ توقع مجھے اس پر بھی ویسی ہی چپ چپکی نظر آئی۔ میں نے کالر واپس موڑ دیا۔ مہرو سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے سوچ کر اشارے سے اسے جیکٹ اتارنے کو کہا اور اپنی جیکٹ بھی اتار دی۔ سردی کی شدت نے چند لمحے کے لیے لرزا دیا تھا۔ وہ سمجھی نہیں تھی کہ کیں کیوں جیکٹ اتارنے کو کہہ رہا ہوں۔ بہرحال اس نے بھی ہچکچاتے ہوئے جیکٹ اتار دی تھی۔ میرے اشارے پر جیکٹیں وہیں الاؤ کے پاس چھوڑ دیں اور جیپ کے اندر آ گئے۔ میں اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھ رہا تھا اس لیے اندر آتے ہی دھیمی آواز میں کہا۔

''غلط مت سمجھنا، میں تم سے بات کرنا چاہ رہا ہوں۔ ہمارے جیکٹوں کے کالر میں جو چیز لگی ہے اس سے ہماری باتیں کہیں اور سنی جاتی ہیں۔''

اسے تعجب تو ہوا لیکن وہ بہرحال اس دور کی عورت تھی اس قسم کی چیزیں اب خانہ بدوشوں کے لیے بھی اجنبی نہیں رہی ہیں۔ اس نے کہا۔ ''لیکن یہ تو بہت چھوٹی ہیں۔''

''ہاں اتنی چھوٹی چیز میں نے بھی نہیں دیکھی ہے لیکن تم نے دیکھا جب میں نے راستے میں فتح خان سے چیز چھپانے کی بات کی تو پیچھے آنے والی گاڑی اسی مقام پر رکی تھی اور وہ وہاں وہ چیز تلاش کرتے رہے تھے۔'' میں ہنسا۔ ''لیکن کوئی چیز ہوتی تو ملتی، بہرحال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس چیز کی مدد سے وہ ہماری جگہ سے بھی واقف ہوتے ہیں اور ہماری باتیں بھی سنتے ہیں۔''

مہرو ذہین عورت تھی وہ میرا بات کا مطلب سمجھ کر پریشان ہو گئی ''تب کیا کریں اس موسم میں کوٹ کے بغیر تو رہ نہیں سکتے۔''

''ظاہر ہے لیکن میں نے تمہیں اسی وجہ سے بتایا ہے کہ منہ سے بلاضرورت کوئی بات نہ نکالنا اور میں اگر کوئی کام کر رہا ہوں تو مجھے مخاطب بھی مت کرنا ورنہ فتح خان اور اس کے آدمی جان جائیں گے۔ وہ ہمارے دشمن ہیں اور دشمن کا بے خبر رہنا ضروری ہے۔''

''یہ اس طرح تمہارے پیچھے کیوں ہیں؟'' اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''فتح خان مجھ سے ایک کام لینا چاہتا ہے۔'' میں نے گول مول انداز میں کہا۔ ''یہاں بھی خاصی سردی ہے اب ہمیں اپنی جیکٹیں پہن لینی چاہئیں۔''

مہرو سمجھ گئی کہ میں اس کی بات کا جواب نہیں دینا چاہ رہا ہوں۔ ہم باہر آئے۔ جیکٹیں پہن کر کچھ دیر الاؤ کے پاس بیٹھے رہے۔ جب الاؤ بجھنے لگا تو اس پر مٹی ڈال کر ہم جیپ میں آ گئے سارا سامان پہلے ہی جیپ میں رکھ دیا تھا کیونکہ باہر چھوڑنے کی صورت میں کوئی جنگلی جانور اس پر دست درازی کر سکتا تھا۔ ابھی تک مجھے یہاں کوئی جانور دکھائی نہیں دیا تھا سوائے چند آوارہ کتوں کے جو اس موسم میں پناہ کے لیے در بدر پھر رہے تھے۔ جنگلی جانور عام طور سے سرما میں نیچے چلے جاتے ہیں۔ یہاں پر ریچھ، پہاڑی شیر، چیتے اور بھیڑیے بھی پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ مسلسل شکار سے ان کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے لیکن پھر بھی ہوتے ہیں۔ چند دن پہلے میں نے ٹی وی پر خبر سنی تھی کہ اسلام آباد میں دامن کوہ پر لوگوں نے چیتا دیکھا ہے۔ یہ اوپر کی سردی سے بچنے کے لیے یہاں نیچے آ گیا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا۔

سردی کی شدت بڑھ گئی تھی لیکن گرم کمبلوں میں لپٹ کر کسی طرح نیند آ ہی گئی تھی۔ میں گہری نیند میں تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی پہلے تو سمجھ میں نہیں آیا لیکن جب میں نے برابر میں دیکھا تو مہرو غائب تھی۔ وہ کس وقت جیپ سے باہر گئی مجھے بالکل پتا نہیں چلا تھا میں نے اس کا کمبل چیک کیا وہ ٹھنڈا ہو رہا تھا یعنی مہرو کم سے کم پندرہ بیس منٹ سے غائب تھی۔ میں بھی جیپ سے اتر آیا۔ دُھند مزید گہری ہو گئی تھی۔ میں نے ایک ٹارچ نکالی اور آس پاس کا معائنہ کیا پھر دُبلی زبان میں اسے آواز دی اگر وہ پچاس فٹ کے دائرے میں کہیں ہوتی تو میری آواز سن لیتی۔ اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ نالے میں وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی پھر میں الاؤ والی جگہ آیا۔ مہرو وہاں بھی نہیں تھی۔ پل اور سڑک والا حصہ تاریکی میں تھا لیکن میں نے اس طرف بھی دیکھ لینا مناسب سمجھا۔ یہ تو طے تھا کہ مہرو خود گئی ہے لیکن کہاں اور کیوں گئی تھی یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ جیسے ہی میں پل تک پہنچا ٹارچ کی روشنی میں وہ دوسری طرف سے آتی دکھائی دی۔ میں اس کے پاس پہنچا اور سرگوشی میں کہا۔

''تم بتائے بغیر کہاں چلی گئی تھیں؟''

وہ سردی سے کانپ رہی تھی۔ ''مجھے حاجت ہو رہی تھی۔''

''تو اس کے لیے پل کے دوسری طرف جانے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''اس طرف پانی نہیں تھا۔'' وہ بولی۔ ''پانی دوسری طرف ملا ہے لیکن بہت سرد تھا میرے ہاتھ سن ہو گئے ہیں یہ دیکھو۔''

اس نے مجھے اپنے ہاتھ تھمائے جو واقعی نم اور یخ ہو رہے تھے۔ ہم واپس جیپ میں آ گئے۔ میرا شک کم ہوا تھا لیکن ختم نہیں ہوا۔ پانی وہ جیپ سے بھی لے سکتی تھی اس کے لیے اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم جیپ میں واپس آئے اور گرمائش کے لیے میں نے کچھ دیر کے لیے انجن چلا کر ہیٹر آن کر دیا۔ وہ اپنے ہاتھ ہیٹر کے ایگزاسٹ کے سامنے رکھے گرم کرتی رہی۔ جب ہاتھ گرم ہو گئے تو وہ دوبارہ کمبل میں لپٹ کر سو گئی۔ ابھی صبح کے چار بجے تھے اور سورج نکلنے میں یقیناً بہت وقت تھا۔ میں بھی کمبل اوڑھ کر اونگھنے لگا۔ کچھ دیر اس کے سانسوں میں ہلکی سی خرخراہٹ آ گئی جو اس بات کی نشانی تھی کہ وہ نیند میں جا چکی ہے۔ آدمی نقلی خراٹے تو لے سکتا ہے لیکن اس قسم کی خرخراتی آواز جان بوجھ کر نہیں نکال سکتا ہے اس میں ایک فطری ردھم ہوتا ہے جو صرف گہری نیند کی صورت میں آتا ہے۔

میں نے مزید کچھ دیر انتظار کیا اور پھر بہت آہستگی سے اپنی جیکٹ اتارنے لگا۔ جیپ اور بالکل برابر میں سوئی مہرو کو ہلائے بغیر یہ کام کسی قدر مشکل ثابت ہوا تھا مگر میں نے کسی نہ کسی اس کام میں کچھ مشکل تو ہوئی لیکن میں نے جیکٹ اتار دی اور پھر کمبل کو ایک طرف کرتے ہوئے دروازہ کھول کر خاموشی سے نیچے اتر آیا۔ نئی جیپ کے دروازے بے آواز تھے میں نے باہر آ کر اسے آہستگی سے بند کیا۔ صرف شرٹ میں سردی سے جو حشر ہوا وہ تو ظاہر ہے مگر اس کے بغیر چارا بھی نہیں تھا۔ میں دونوں ہاتھ بغل میں دیئے ٹہلتے قدموں سے پل کی طرف بڑھا۔ میں ٹارچ استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی روشنی کسی کو متوجہ کر سکتی تھی۔

پل پر آ کر میں نے آس پاس کی سن گن لینے کی کوشش کی۔ کچھ نظر آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اگر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آسمان صاف ہوتا تو پھر بھی دکھائی دیتا لیکن یہاں دھند اتنی تھی کہ روشنی کرنے پر پانچ گز سے آگے کچھ نظر نہ آتا۔ سناٹا گہرا تھا۔ میں سردی برداشت کرتے ہوئے خاموش کھڑا رہا۔ شاید دس منٹ گزر گئے اور اب میرے جسم نے بے اختیار کانپنا شروع کر دیا تھا۔ سردی میری برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب مجھے واپس چلے جانا چاہیے اور میں دبے قدموں واپس جیپ میں آ گیا۔ جیکٹ پہن کر اور کمبل اوڑھ کر میری جان میں جان آئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ مہرو بدستور سوتی رہی تھی۔ اس وقت بھی اس کے گہرے سانس صاف سنائی دے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مجھے بھی نیند آ گئی۔

''اٹھ جاؤ صبح ہو گئی ہے۔'' مہرو نے مجھے ہلایا تو میں بیدار ہو گیا۔ باہر روشنی ہو رہی تھی اور دھند بھی کم ہو گئی تھی۔ میں نے محدود سی انگڑائی لینے کی کوشش کی تھی جو اس کا سوال سن کر ادھوری رہ گئی۔ ''رات کو تم کہاں گئے تھے؟''

میں کچھ دیر ساکت رہا پھر لاپروائی سے کہا۔ ''اسی کام سے گیا تھا جس کام سے تم گئیں تھیں۔''

''دور گئے تھے؟'' اس کی انکوائری جاری تھی۔

''نہیں یہیں تھا جیپ سے چند گز دور۔'' میں نے جواب دیتے ہوئے اسے گھورا تو شاید اس کی سمجھ میں آ گیا کہ میں اس موضوع پر اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چپ ہو گئی۔ ہم باہر آئے رات والی جگہ آگ جلائی اور مہرو ناشتہ تیار کرنے لگی۔ جب تک اس نے ناشتہ تیار کیا میں نے نالے میں کچھ دور جا کر دیکھا میرا خیال تھا کہ اس میں جیپ سفر کر سکتی تھی اس لیے جہاں تک ممکن ہوتا ہم جیپ کے ذریعے جاتے اور اس کے بعد کا سفر پیدل طے کرتے کیونکہ نقشے کے مطابق ہمیں کوئی بیس میل کا سفر کرنا تھا اور پیدل اتنا سفر بہت دشوار ہوتا۔ اس لیے جیپ پر ممکن حد تک سفر کر لینا بہتر تھا۔ امکان یہی تھا کہ آج شام تک ہم اس وادی میں ہوں گے۔ میں واپس آیا تو مہرو ناشتہ بنا چکی تھی۔ خشک دودھ میں پانی ملا کر اس میں دلیہ بنا لیا تھا اور ساتھ میں چائے تھی۔ ناشتہ کرتے کرتے اوپر سورج کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ ابھی نیچے سایہ تھا لیکن چوٹیاں دھوپ میں آ چکی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ نالے کی زمین نم ہونے کی وجہ سے یہاں سردی کی شدت زیادہ تھی۔ یہ سردی جسم کو لگتی تھی اور اگر جسم کو زیادہ دیر حرکت نہ دی جائے تو جسم دکھنے لگتا ہے۔ مہرو نے برتن سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''ہمیں کس طرح سفر کرنا ہے؟''

''جہاں تک ہو سکے گا جیپ سے جائیں گے اور جہاں سے آگے جیپ نہیں جا سکے گی وہاں سے پیدل سفر کریں گے۔''

اس نے نالے کی طرف دیکھا۔ ''اس میں تو گاڑی مشکل سے چلے گی۔ خراب بھی ہو سکتی ہے۔''

''مشکل سے سہی لیکن چلے گی۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ویسے وہ ٹھیک کہہ رہی تھی جیپ اس راستے پر خراب بھی ہو سکتی تھی کم سے کم ٹائر پنکچر ہونے کا امکان بہت زیادہ تھا لیکن یہ کون سی میری تھی جو مجھے اس کی پروا ہوتی۔ اس مہم کی طرح یہ جیپ بھی فتح خان نے زبردستی میرے سر ماردی تھی۔ سامان رکھ کر ہم آگے روانہ ہوئے۔ نالے کے پتھروں پر جیپ بری طرح اچھل رہی تھی اور بار بار قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ اس اچھل کود کا اثر ہم پر بھی ہو رہا تھا مگر پیدل چلنے کے مقابلے میں یہ مشقت کم تھی۔ مہرو کئی بار لڑھکی تو میں نے اسے بھی سیٹ بیلٹ باندھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دی۔ مگر اس سے تگنے والے جھٹکوں پر کوئی فرق نہیں آیا جو ہڈیاں ہلائے دے رہے تھے۔ وہ اس طرح سفر کی عادی نہیں تھی اس لیے کچھ دیر بعد ہی بلبلا اٹھی۔

''میں ایسے سفر نہیں کر سکتی۔''

''ٹھیک ہے میں تمہیں نیچے اتار دیتا ہوں تم پیدل چل سکتی ہو بس تھوڑا سا تیز چلنا ہوگا۔'' میں نے سر ہلایا تو اس نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن میری پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ظاہر ہے اس کا پیدل چلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ موسم کی وجہ سے نالا بالکل خشک پڑا تھا اور کہیں کہیں گڑھوں میں پانی جمع تھا۔ یہاں برف بہت کم تھی شاید بالکل نشیبی جگہ ہونے کی وجہ سے برف کم پڑی تھی۔ پتھروں کی وجہ سے مجھے پوری توجہ سے ڈرائیو کرنا پڑ رہی تھی کیونکہ ذرا سی غفلت سے جیپ کسی گڑھے میں اتر سکتی تھی یا کسی پتھر پر چڑھ کر الٹ سکتی تھی۔ یہاں فور وہیل ڈرائیو گیئر لگانا پڑا تھا۔ رفتار شاید دس میل فی گھنٹہ بھی نہیں تھی۔ پھر نالا سیدھا نہیں تھا بلکہ گھوم پھر کر جا رہا تھا اس لیے فاصلہ مزید بڑھ گیا تھا نالے سے نکل کر سفر کرنے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ دائیں بائیں ڈھلان تھی لیکن اس پر پیدل سفر بھی مشکل سے ہی کیا جا سکتا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد بالآخر وہ مقام آ گیا جہاں سے آگے ہمیں پیدل ہی جانا تھا۔ یہاں نالا ایک کئی چٹان نے روک رکھا تھا پانی اس کے اوپر سے آتا تھا اس لیے پانی کو تو کوئی مشکل نہیں ہوتی تھی لیکن جیپ کے لیے اس کئی چٹان پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا اس لیے ہمیں یہاں سے اوپر پیدل ہی جانا تھا۔ میں نے جیپ کو ممکن حد تک ایک طرف نالے کی دیوار پر چڑھا کر روک دیا۔ ہینڈ بریک کی وجہ سے یہ اپنی جگہ رکی ہوئی تھی۔ پھر میں نے سامان نکالا۔ جو بیگز سے باہر تھا اسے بیگز میں ڈالا۔ جیپ کو لاک کیا اور اس کی چابیاں بھی اسی ایک جگہ چھپا دیں۔ آگے کہیں یہ گم سکتی تھیں کسی موقع پر فرار کے لیے یہی ایک چیز ہمارے پاس تھی۔ پیدل چلنے کے خیال سے مہرو کا چہرہ اتر گیا تھا اور اب اسے شاید جیپ کے جھٹکے اچھے لگ رہے تھے مگر مجبوری تھی۔ جیپ یہاں سے آگے نہیں جا سکتی تھی۔

میں نے کم وزنی بیگ اس کی پشت پر باندھا اور وزنی بیگ اپنی کمر پر لاد لیا۔ المونیم کی جوڑ کر بنائی جانے والی اسکیس تھیں جو دشوار راستوں پر سہارے کے کام آتیں۔ ویسے بھی پہاڑی سفر میں آدمی کو لازمی کوئی چھڑی رکھنی چاہیے تاکہ وہ اگلا قدم اٹھانے سے پہلے راستے کو اس کی مدد سے جانچ سکے۔ سامان میں دستی کمپاس بھی تھے جو سمتوں کا تعین کرنے میں کام آتے۔ میں نے کمپاس اپنے پاس رکھ لیا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم نصف کے قریب سفر طے کر چکے ہیں اور اب اتنا ہی سفر اور باقی ہے۔ یہ پورا علاقہ تہہ در تہہ پہاڑوں پر مشتمل تھا اور یہاں ہموار زمین نہ ہونے کے برابر تھی جہاں ایک پہاڑ ختم ہوتا وہیں سے دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ اسی لیے یہاں آبادی نہیں تھی۔ پہاڑوں پر شاید کہیں چرواہوں کے گرمائی گھر تھے جنہیں بہک بھی کہتے ہیں لیکن سردیوں میں وہ نیچے کے علاقوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ مجھے آس پاس کوئی ایسی نشانی نظر نہیں آئی جس سے پتا چلتا کہ یہاں لوگ بستے ہیں اور انسانوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ چاروں طرف زمین فطری حالت میں نظر آ رہی تھی۔ خانہ بدوش ہونے کی وجہ سے مہرو نے بھی یہ بات محسوس کر لی اس نے کہا۔ ''یہ علاقہ ویران ہے یہاں انسان نہیں رہتے ہیں۔''

''ہاں شاید یہ دشوار گزار ہے اور کسی سڑک سے دور پڑتا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہم کوشش کر کے کئی چٹان پر چڑھ گئے تھے یہاں سے آگے راستہ زیادہ تر پتھریلا تھا۔ نالے کی تہہ میں پتھروں کی تہہ بچھی تھی اور اس پر چلنا بہت دشوار تھا اس لیے ہم کسی قدر اوپر ڈھلان کی طرف آئے اور اس پر سفر کرنے لگے۔ سورج بلند ہونے سے دھوپ اب نیچے تک آ رہی تھی۔ لیکن اس سے سردی کی شدت میں کوئی خاص کمی نہیں آئی تھی۔ بس صبح کے مقابلے میں دھند نہیں تھی اور راستہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ ڈھلانوں پر اونچے درخت لگے تھے اور بعض جگہوں پر درخت کاٹ دیئے گئے تھے اور ان کی جگہ پر چھوٹے نئے درخت اُگ رہے تھے۔ لیکن یہ نمبر مافیا کی کارروائی نہیں تھی کیونکہ وہ اِکا دُکا درخت کاٹنے پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ محکمہ جنگلات کے افسران کی ملی بھگت سے پورے پورے جنگل صاف کر دیتے ہیں یہ مقامی لوگوں یا چرواہوں نے اپنی ضرورت کے تحت کاٹے تھے۔ مقامی لوگ ہمیشہ جگہ چھوڑ کر درخت کاٹتے ہیں تاکہ ڈھلانوں کی زمین مضبوط رہے اور لینڈ سلائیڈنگ نہ ہو۔ گزشتہ کچھ سالوں سے آنے والے سیلاب اسی وجہ سے آ رہے ہیں کہ نمبر مافیا نے اوپری پہاڑوں پر اُگے جنگل کاٹ دیئے ہیں اور اب سرما میں پڑنے والی برف بھی جلد پگھل جاتی ہے اور بارش ہونے کی صورت میں پانی بلا رکاوٹ تیزی سے نیچے آتا ہے۔ لینڈ سلائیڈنگ کے واقعات بھی بڑھ گئے ہیں شاہراہ قراقرم پر واقع عطا آباد میں لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے جھیل بنی ہے جس نے بے شمار دیہات کو ڈبو دیا ہے۔ شاہراہ قراقرم کا ایک حصہ بھی پانی تلے آ گیا ہے۔ یہ سب درختوں کی بے دریغ کٹائی کا نتیجہ ہے۔

شمالی علاقے کے بارے میں ہمارا گمان یہ ہے کہ یہاں ہر طرف اونچے پہاڑوں پر درخت ہی درخت ہیں اور سبزہ ہی سبزہ ہے۔ ممکن ہے آج سے کوئی چالیس سال پہلے ہمارا گمان درست ہو لیکن فی الحال بہت سارے پہاڑ درختوں اور سبزے سے محروم ہو چکے ہیں۔ کئی سرسبز مقامات چٹیل پہاڑوں میں بدل گئے ہیں۔ سبزے کی کمی کی وجہ سے آٹھ سے دس ہزار فٹ کی بلندی پر بعض اوقات غضب کی گرمی ہو جاتی ہے اور انسان گرمی کی شدت سے جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس علاقے میں جنگل ابھی محفوظ نظر آ رہے تھے۔ راستوں کی دشواری کی وجہ سے یہاں کے جنگل محفوظ تھے۔ مگر کب تک جیسے ہی یہاں آمد و رفت کے راستے بنیں گے اور حضرت انسان کے قدم پہنچیں گے یہاں بھی تباہی کا عمل شروع ہو جائے گا۔

ڈھلان پر چلنا بھی آسان نہیں تھا برف کی وجہ سے پاؤں پھسل رہے تھے لیکن یہ نالے کے پتھروں کے مقابلے میں زیادہ آسان راستہ تھا۔ اب تک کے سفر میں مجھے غور و فکر کا موقع نہیں کم ملا تھا۔ سفر ہی اتنا دشوار تھا لیکن اس ڈھلان پر چلتے ہوئے مجھے سوچنے کا موقع ملا تھا۔ ایک بار پھر مجھے لگا کہ فتح خان اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھ سے ایسا کوئی مطالبہ کرے جس کا پورا کرنا نہایت دشوار ہو۔ بلکہ یہ ناممکن کام تھا۔ صرف دس دن میں جس میں سے اب صرف سات دن باقی رہ گئے تھے مجھے ہیرے تلاش کرنے تھے۔ اگر سچ مچ فتح خان کا یہ مقصد نہیں تھا تو وہ مجھ سے بلاوجہ کی یہ مشقت کیوں کرا رہا تھا اور صرف مجھ سے ہی نہیں کرا رہا تھا بلکہ خود بھی مشقت میں پڑا ہوا تھا مجھے یقین تھا کہ فتح خان میرے پیچھے تھا۔ اتنے اہم معاملے کو اپنے کسی ساتھی پر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد جب چل چل کر ہماری ٹانگیں دکھنے لگی تھیں اور مہرو نے اعلان کیا کہ اب اس سے مزید نہیں چلا جائے گا تو ہم آرام کرنے کے لیے ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ مہرو اب فکرمند تھی۔ اس نے صبح سے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن اب وہ رہ نہیں سکی تھی۔ ''فتح خان تم سے اور مجھ سے کیا چاہتا ہے؟''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اپنے بارے میں تو میں بتا چکا ہوں کہ وہ مجھ سے ایک چیز تلاش کروانا چاہتا ہے لیکن تمہارے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔''

مہرو نے سوچ کر کہا۔ ''مجھے لگتا ہے وہ مجھے تمہارے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ دیکھا تھا اس بازار میں اچانک وہ بدمعاش لوگ آ گئے تھے اور وہ چاہتے تو مجھے آسانی سے لے جاتے لیکن وہ جیسے کھیل رہے تھے۔ مجھے چھیڑ رہے تھے پھر تم نے دیکھ لیا اور جب ان کو مارا تو وہ کتنی آسانی سے مار کھا گئے۔''

میں نے سوچا کہ وہ عقل مند تھی۔ خود میں بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن منہ سے کہنے سے گریز کر رہا تھا اس نے کہہ دیا۔ وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ فتح خان مجھ پر دوہری نظر رکھ سکے۔ ایک چپ کسی وجہ سے خراب بھی ہو سکتی تھی لیکن دو چپوں میں اس کا امکان کم تھا۔ دوسرے میرے ساتھ کوئی ہوتا تو میں اس سے بات کرتا اس طرح فتح خان کو جاننے میں آسانی رہتی کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اکیلا آدمی کس سے بات کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہو سکتی تھی کہ اس نے مہرو کو بھی میرے ساتھ کر دیا تھا۔ فتح خان انسانوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں مشاق تھا اس نے مہرو کو پہلے اپنے آدمیوں کے حوالے کیا پھر مجھے دکھا کر ڈرایا اور اب اس طرح سے استعمال کر رہا تھا حالانکہ وہ اس کے کئی اہم آدمیوں کی قاتلہ تھی۔ مگر فتح خان نے اسے احمقانہ انتقام کی بھینٹ نہیں چڑھایا تھا بلکہ وہ اسے استعمال کر رہا تھا اور جب اس سے کام نکل جاتا تب وہ اسے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیتا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا انتقام لے لیں۔ مہرو ایک خوب صورت عورت تھی اور عورت کے معاملے میں فتح خان اور اس کے آدمی جانوروں سے بھی بدتر تھے وہ اسے ایسے ہی مار دیتے، قتل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

''اب تم کیا چاہتی ہو اگر واپس جانا چاہتی ہو، جا سکتی ہو۔'' میں نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کسی آبادی میں یہ ممکن تھا لیکن یہاں سے میں کیسے واپس جاؤں اور مجھے یقین ہے فتح خان اور اس کے آدمی پیچھے ہوں گے وہ مجھے پکڑ لیں اور میرے ساتھ.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ ہر عورت کی طرح اس کے لیے یہ بھی ذلت کی بات تھی وہ اپنے منہ سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ مگر اس کا یہ خدشہ بالکل درست تھا کہ وہ لوگ پھر اس سے وہی سلوک کریں گے اور اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک وہ مر نہیں جاتی۔

فتح خان سے میرا واسطہ وقفے وقفے سے پڑتا رہا تھا۔ اس سے پہلی مڈبھیڑ میں تاثر ایسا تھا کہ وہ نہایت وحشی اور عقل و خرد سے عاری مجرم شخص ہے جو صرف قتل و غارت گری کرنا جانتا ہے۔ لیکن اپنے دوسرے دور میں وہ پہلے سے بالکل مختلف شخص نظر آیا تھا وہ نہایت چالاکی سے کام لیتا تھا اور اپنے حریفوں کو حیران کر دیتا تھا۔ جب مجھے ایسا لگتا کہ اب میں فتح خان کو سمجھ گیا ہوں تو وہ مجھے کوئی نئی چیز دکھا کر حیران کر دیا کرتا تھا۔ درحقیقت میں نے ہمیشہ اسے انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا اسے ایک معمولی درجے کا بدمعاش سمجھا۔ میں نے اسے مرشد کے پائے کا حریف نہیں سمجھا تھا حالانکہ وہ حیرت انگیز طور پر مرشد کی گرفت سے بھی نکل آیا تھا۔ پھر اس نے مرشد کو نقصان پہنچایا اور اسی کے شہر میں دندناتا ہوا پھر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا میں نے اسے کمتر سمجھ کر غلطی کی تھی اور آج مجھے اسی کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا تھا۔ اس نے مجھے اس طرح جکڑ لیا تھا کہ میں آزاد ہوتے ہوئے بھی اس کی مرضی کی خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اگر مہرو کو ڈرانے اور روکنے والے فتح خان کے آدمی تھے تو انہوں نے مجھے اتنی آسانی سے پستول کیسے دے دیا تھا۔ یہ تو دشمن کو مسلح کرنے والی بات ہوتی۔ میں نے مہرو کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے جیکٹ کے اندر موجود پستول نکالا۔ اس میں سے میگزین نکال کر اس کو کھول ڈالا اور پھر اس میں سے فائرنگ پن غائب دیکھ کر میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے پستول اتنی آسانی سے میرے حوالے کر دیا تھا۔ میں خوش تھا کہ میں نہتا نہیں تھا لیکن اب پتا چلا کہ پستول کی حیثیت ایک کلولو ہے سے زیادہ نہیں تھی۔ میں بلاوجہ اسے اٹھائے اٹھائے گھوم رہا تھا۔ لیکن اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ بازار میں حملہ کرنے والے فتح خان کے ہی آدمی تھے اور ان کا مقصد مہرو کو مجھ سے الگ ہونے سے روکنا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ ان کے حملے کی وجہ سے میں نے مہرو کو ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا ورنہ میں تو اس سے جان چھڑانا چاہ رہا تھا۔

آدھے گھنٹے آرام کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے اور مزید ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد اس وادی میں داخل ہو گئے۔ میں نے پہلی نظر میں وادی کو شناخت کر لیا کیونکہ اس کے وسط میں وہ قدرتی پتھریلے کھنڈرات تھے جہاں ایک وقت میں فتح خان اس کا ساتھی، ایمن اور برٹ شا موجود تھے اور فتح خان ایمن کو یرغمال بنا کر اس کے باپ سے ہیرے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان ہی قدرتی کھنڈرات میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب پیاس سے میں اور ایمن مرنے کے قریب ہو گئے تھے۔ گرمی بلا کی تھی اور گرمی کے موسم میں یہ چٹانیں تپ جاتی تھیں۔ پانی فتح خان کے پاس تھا وہ ہمیں پانی دینے کے لیے تیار نہیں تھا اس کا ساتھی لالچ میں آ گیا تھا اور دونوں میں ٹھن گئی تھی بالآخر فتح خان کا ساتھی مارا گیا اور وہ زخمی حالت میں برٹ شا کو لے کر فرار ہو گیا میں اور ایمن کئی دن تک پہاڑوں میں بھٹکنے کے بعد وہاں سے نکل آئے تھے۔ وادی دیکھتے ہی مجھے ماضی کے وہ مناظر یاد آ گئے تھے۔ میں ایک بار پولیس کے ساتھ بھی یہاں آیا تھا جو برٹ شا کی گمشدگی کی تفتیش کر رہی تھی۔ مگر نتیجہ صفر نکلا۔

''رک کیوں گئے ہو؟'' مہرو نے مجھے خاصی دیر سے ساکت دیکھ کر کہا۔ اس وقت ہم وادی میں داخل ہونے والے حصے پر کھڑے تھے یہاں کسی قدر بلندی تھی اور سامنے دور تک پھیلی وادی کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر یہاں زیادہ برف نہیں تھی خاص طور سے وادی کا وسطی حصہ تو صاف تھا شاید یہاں پڑنے والی برف تیز دھوپ کی وجہ سے پگھل گئی تھی۔ البتہ بلند ہوتی پہاڑی ڈھلانوں پر برف دکھائی دے رہی تھی۔ مہرو کی آواز پر میں چونکا اور اس کی طرف دیکھا۔

''ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں مجھے یہیں وہ چیز تلاش کرنی ہے۔''

وہ مجھے گھور رہی تھی۔ ''کیا وہ کوئی قیمتی چیز ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو لیکن مجھے اس کی پروا نہیں ہے البتہ فتح خان اس کے پیچھے پاگل ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔

''تمہیں اندازہ ہے کہ وہ چیز کہاں ہے؟''

''بالکل نہیں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''وہ اس ایک میل پر پھیلی وادی میں کہیں بھی ہو سکتی ہے۔''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''تب تم اسے کیسے تلاش کرو گے؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''لیکن میرے پاس سات دن کی مہلت ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''سات دن۔'' وہ تقریباً چلا اٹھی۔ ''یہاں تو کوئی چیز تلاش کرنے کے لیے سات مہینے بھی ناکافی ہیں۔ فتح خان تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے اس نے شاید تمہیں یہاں پھنسانے کے لیے بھیجا ہے۔''

''شاید۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔ مہرو کا ردِعمل دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں ایک خیال آ رہا تھا۔ وادی میں اترتے ہوئے میں نے قدرتی پتھریلے کھنڈرات کا رخ کیا۔ مہرو اب خاموشی سے میرے پیچھے آ رہی تھی۔ سورج اب سر پر آ گیا تھا اور کچھ دیر بعد یہ ڈھلنا شروع ہو جاتا۔ کھنڈروں میں ایک غار نما جگہ منتخب کر کے ہم نے اپنا سامان رکھا اور بیٹھ کر سستانے لگے۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''میں تھک گیا ہوں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

''میں بھی تھک گئی ہوں۔'' وہ بولی۔ ''یہ بہت مشکل سفر ہے۔ کاش میں تمہاری بات مان لیتی اور واپس چلی جاتی۔''

''اس وقت مان لیتیں، اب تو بہت دیر ہو گئی ہے۔''

میں نے کہتے ہوئے اپنی جیکٹ اتارنی شروع کی اور اسے بھی جیکٹ اتارنے کا اشارہ کیا اس بار وہ میری بات سمجھ گئی اور اس نے بلا چوں چرا کیے جیکٹ اتار دی۔ ہم دبے قدموں اس غار سے ذرا دور آئے جہاں سے چپس میں لگے مائیکروفون ہماری آواز کیچ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی میں نے سرگوشی سے کام لیا۔ ''مہرو اصل بات یہ ہے کہ فتح خان تمہیں واپس جانے نہیں دیتا اگر تم ایسی کوشش کرتیں تو وہ تمہیں قتل کر دیتا۔''

''میں سمجھتی ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''بات اب میری سمجھ میں آ گئی ہے۔''

''تم نے اس کے چار نہایت اہم آدمیوں کو قتل کیا ہے اور وہ کسی صورت تمہیں معاف نہیں کرے گا۔''

''مگر اس طرح چھوڑنا سمجھ میں نہیں آ رہا ہے؟''

''اس نے چھوڑا نہیں ہے اب بھی تم اس کی قیدی ہو۔ وہ تمہاری اور میری مکمل نگرانی کر رہا ہے ہماری آوازیں تک سن رہا ہے۔ مجھے یقین ہے اس وقت بھی وہ ہم سے زیادہ دور نہیں ہو گا۔ اس طرح تمہاری مدد سے میری نگرانی کے لیے تمہیں چھوڑا ہوا ہے لیکن جیسے ہی اس کا کام نکلے گا وہ تمہیں مار دے گا یا اپنے درندہ صفت ساتھیوں کے حوالے کر دے گا دونوں صورتوں میں تمہارا ایک ہی انجام ہو گا۔''

مہرو ڈر گئی تھی۔ ''میں سمجھتی ہوں پر میں کیا کروں؟''

میں نے نظر جما کر اسے دیکھا۔ ''مہرو اگر تم ہمت کرو تو اپنے ساتھ میری جان بھی بچا سکتی ہو اور تمہارا مستقبل بھی محفوظ ہو سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''تمہیں کوشش کر کے یہاں سے نکلنا ہو گا اور ایک جگہ پہنچنا ہو گا وہاں سے تمہیں مدد مل جائے گی۔''

''کہاں پر؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ مجھے نہیں معلوم لیکن تمہیں مغرب کی طرف جانا ہو گا شاید ان پہاڑوں کے پیچھے۔'' میں نے مغرب کی طرف پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے پیچھے آبادی ہے وہاں تمہیں راجا عمر دراز کے بارے میں معلوم کرنا ہو گا۔ ایک بار تم اس کے پاس پہنچ گئیں تو بالکل محفوظ ہو جاؤ گی۔ پھر تم میری مدد بھی کر سکو گی۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''راجا عمر دراز تمہارا دوست ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو۔''

''ٹھیک ہے میں جاؤں گی۔'' خلاف توقع وہ فوراً مان گئی ورنہ میرا خیال تھا کہ اس اجنبی علاقے اور پھر اس موسم میں وہ اتنی آسانی سے نہیں جانے کے لیے تیار ہوگی۔ ''لیکن فتح خان میرے کوٹ کی وجہ سے میرے پیچھے نہیں آئے گا۔'' اس نے نقطہ اٹھایا۔

یہ سوچنے کی بات تھی فتح خان فوراً جان جاتا کہ وہ مجھ سے الگ ہو کر کہیں جا رہی ہے۔ وہ اسے دوبارہ پکڑ لیتا یا مار دیتا۔ مجھے جیکٹ میں لگی چپ کا کچھ کرنا تھا۔ سوچتے ہوئے ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی۔ ''دیکھو تم کسی بہانے مجھ سے لڑو گی اور بہ ظاہر ایسا ہوگا کہ تم مجھ سے لڑو گی اور میں تمہیں دھکا دوں گا تم گرو گی اور کوٹ میں لگی چپ پتھر سے ٹکرا کر بے کار ہو جائے گی۔''

وہ مسکرائی۔ ''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن میں تم سے کیوں لڑوں گی؟''

''کسی بھی بہانے..... اس لیے بھی لڑ سکتی ہو کہ میں تمہیں اجاڑ جگہ لے آیا ہوں اس طرح جب تم فرار ہو گی تو فتح خان کو یہ بھی حقیقت لگے گی ورنہ وہ بہت شاطر آدمی ہے اتنی آسانی سے کسی بات پر یقین نہیں کرتا ہے۔''

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' وہ راضی ہو گئی۔

''لیکن اداکاری ٹھیک کرنا فتح خان کو ایسا لگے کہ تم سچ مچ مجھ سے لڑ رہی ہو۔'' میں نے کہا اور ہم واپس آ گئے۔ میں نے اپنی جیکٹ پہن لی اور مہرو کی جیکٹ اپنے پاس رکھی۔ پھر میں نے اس سے کہا۔ ''کیا سوچ رہی ہو؟''

''میں تو پھنس گئی۔'' اس نے روہانسے انداز میں کہا۔ ''مجھے کیا پتا تھا تم مجھے ایسی جگہ لے آؤ گے۔''

وہ اچھی اداکاری کر رہی تھی میں نے اشارے سے داد دے کر کہا۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا.....''

''نہیں۔'' وہ چلائی۔ ''تم نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔'' وہ اٹھ کر میرے پاس چلی آئی۔

''ارے..... اے تمہارا دماغ خراب ہے پیچھے ہٹو۔''

مہرو نے یوں چیخ ماری جیسے میں نے اسے دھکا دیا ہو اور وہ پیچھے جا گری ہو اور اسی لمحے میں نے مہرو کی جیکٹ کے کالر میں لگی چپ کو انگلیوں سے دبا کر توڑ دیا۔ پھر بولا۔

''کیا ہوا تمہیں چوٹ تو نہیں آئی ہے؟''

''جنگلی اتنی زور دے دھکا دیا میری گردن پتھر سے ٹکرائی ہے۔'' وہ کراہتے ہوئے بولی۔ میں نے اشارے سے اسے بہترین اداکاری پر داد دی اور بولا۔

''معاف کرنا تم پر بھی تو اچانک بھوت سوار ہو گیا تھا۔ بہر حال میں نے تمہیں یہاں آنے سے پہلے بتا دیا تھا۔'' میں نے جیکٹ اسے تھمائی۔

وہ جیکٹ پہنتے ہوئے بولی۔ ''میں واپس جاؤں گی۔''

''میرا نہیں خیال کہ تم واپس جا سکو گی۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے فتح خان اور اس کے آدمی یہاں کہیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آس پاس موجود ہوں گے۔''

''مجھے یقین نہیں ہے وہ کہیں نظر نہیں آئے۔''

''تم فتح خان کو جانتی نہیں ہو۔'' میں نے کہا۔''بہرحال جب تم کوشش کرو گی تو تمہیں خود پتا چل جائے گا۔''

میں نے ایک بار پھر اپنی جیکٹ اتاری اور مہرو کو ذرا دور لایا۔''میں وادی کا جائزہ لینے نکلوں گا اور تم یہاں رہو گی۔تم اپنے راستے کے لحاظ سے کھانے پینے کا سامان اپنے بیگ میں ڈال کر یہاں سے نکل جانا۔''

اس کے چہرے پر فکر کے تاثرات نظر آئے۔شاید اب وہ اکیلے جاتے ہوئے ڈر رہی تھی۔''کیا میں وہاں پہنچ جاؤں گی؟''

''یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔''لیکن آدمی ہمت اور کوشش کرے تو کیا نہیں کر سکتا ہے۔یوں سمجھ لو تمہیں فتح خان کی قید سے فرار ہونے کا موقع مل رہا ہے۔اس لیے تمہیں یہ سوچنا نہیں چاہیے کہ آگے کیا ہوگا۔تم اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔''

''تم بھی اپنی چیز کو اسی طرح توڑ دو اور میرے ساتھ چلو۔'' اس نے تجویز دی اس کا اشارہ چپ کی طرف تھا۔

''میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ میری ایک عزیز ترین ہستی فتح خان کی قید میں ہے اور میں اس کے لیے ذرا سا بھی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔لیکن تمہارے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے اس لیے تم جا سکتی ہو۔''

اس نے سر ہلایا اور شاید پہلی بار مجھے ممنونیت سے دیکھا۔''شہباز تم ایک اچھے آدمی ہو۔''

''تم بھی باحوصلہ عورت ہو اگر کوئی اور عورت ایسے سانحات سے گزری ہوتی تو شاید مر جاتی لیکن تمہارا حوصلہ برقرار ہے۔اگر تم کامیاب رہیں تو یقین کرو فتح خان تمہارے قدموں میں ہوگا اور تم اس سے اپنی مرضی کا سلوک کر سکو گی۔''

فتح خان سے انتقام کا سن کر اس کے تاثرات کسی قدر غضبناک ہو گئے اور اس نے دانت پیس کر کہا۔''اگر مجھے موقع ملا تو میں اس کی شہ رگ اپنے دانتوں سے ادھیڑ دوں گی۔''

''ان شاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔'' میں نے خلوص سے کہا۔''اب میں جاتا ہوں اور اس دوران میں تم بیگ لے کر فرار ہو سکتی ہو۔''

''لیکن میں کس طرف سے جاؤں؟'' اس نے مغربی پہاڑوں کی طرف دیکھا۔

''دیکھو جہاں تک ممکن ہو چھپ کر جاؤ درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔''وہ ڈھلان دیکھ رہی ہو بس اس پر چڑھتی رہنا اسے پار کرو گی تو اس وادی سے نکل جاؤ گی۔پھر تمہیں جہاں کہیں آبادی ملے وہاں بلا جھجک راجا عمر دراز کا نام لے لینا وہ اس علاقے میں بہت مشہور ہے اور اس کا باپ سچ مچ یہاں کا حکمران ہوتا تھا۔''

مہرو متاثر ہوئی تھی۔''اس کا مطلب ہے ہو بہت دولت مند ہوگا۔''

''دولت مند تو ہے لیکن یہاں اس کی بہت عزت ہے ایک بار تمہیں اس کے پاس پناہ مل گئی تو فتح خان جیسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دس بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور ہاں دولت سے یاد آیا تمہیں رقم کی ضرورت پڑے گی۔'' میں نے فتح خان کی دی ہوئی رقم میں سے کچھ نکال کر اس کے حوالے کی۔ ''یہ رکھ لو کام آئیں گے۔ مجھے یقین ہے کل تک تم کسی آبادی تک پہنچ جاؤ گی۔''

یہ سب میں مہرو کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہہ رہا تھا تاکہ وہ فرار ہوتے وقت مایوسی کا شکار نہ ہو۔ مجھے اندازہ تھا کہ اکیلے ہوتے ہی اور پھر رات ہونے کے بعد اس کے حوصلے میں فرق آئے گا۔ کچھ بھی سہی وہ ایک عورت ہی تھی اور ہمارے ہاں عورت ہمیشہ کمزور سمجھی جاتی ہے۔ میں اسے سمجھا کر واپس آیا اور اپنی جیکٹ دوبارہ پہنتے ہوئے کہا۔ ''میں جا رہا ہوں۔''

''کہاں؟'' مہرو نے کہا۔

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا ہوں۔'' میں نے کسی قدر ترش روی سے جواب دیا۔ ''مجھے اپنا کام کرنا ہے۔''

''میں اکیلی رہوں گی؟''

''ظاہر ہے۔ میرا کام تمہاری چوکیداری کرنا نہیں ہے۔'' میں نے روانگی کی نیت کے اشارے سے اسے خدا حافظ کہہ کر غار سے نکل آیا۔ سورج مغرب کی طرف ڈھلنا شروع ہو گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اگر فتح خان اور اس کے ساتھی وادی کے آغاز میں موجود ہوئے تو ڈھلتے سورج میں مغرب کی طرف جاتی مہرو کو دیکھنا آسان نہیں ہو گا۔ میں شمال کی اس ڈھلان کی طرف جانے لگا جہاں میں نے بہت پہلے برٹ شا کو بندھے پایا تھا۔ یہ کام فتح خان کے ساتھی کا تھا جو برٹ شا کو لے کر چھپائے ہیروں کی تلاش میں نکلا تھا۔ برٹ شا اسے بھی بھٹکا تا رہا تھا اس لیے فتح خان کے ساتھی نے باندھ کر اس پر تشدد شروع کر دیا تھا۔ لیکن وہ اس سے ہیرے حاصل نہیں کر سکا تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ راجا عمر دراز کی قید سے نکالنے کے بعد فتح خان ہمیں لے کر اسی ڈھلان پر سفر کر رہا تھا جب برٹ شا نے اس کی نیت بھانپتے ہوئے ہیرے کہیں چھپا دیئے تھے۔ اس لیے میری توجہ کا مرکز یہی شمالی ڈھلان تھی۔

ذرا نیچے پڑنے والی برف پگھل کر پانی کے ایک چھوٹے تالاب کی صورت میں جمع ہو گئی تھی۔ میں نے اپنے پاس موجود مگے سے پانی چکھ کر دیکھا۔ یہ بہت یخ لیکن بالکل صاف ستھرا بلکہ مخصوص پہاڑی پانی کی مہک لیے ہوئے تھا۔ میں نے گزشتہ چند دنوں میں بہت کم پانی پیا تھا کیونکہ سردی کی وجہ سے پیاس ہی نہیں لگ رہی تھی حالانکہ پیاس نہ بھی لگ رہی ہو تو پانی پینا چاہیے۔ میں نے اپنی پلاسٹک کی چھاگل نما بوتل میں یہ پانی بھر لیا اور اس کے گھونٹ گھونٹ لیتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔ پانی اتنا یخ تھا کہ گھونٹ فوری حلق سے اتارنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جب اس کی ٹھنڈ زائل ہو جاتی تو میں اسے پیتا تھا۔

ڈھلان پر درختوں تلے برف کم تھی البتہ کہیں کہیں پتوں سے جھڑنے والی برف کے ڈھیر پگھل رہے تھے۔ دن میں گرمی کی وجہ سے برف پگھلتی تھی لیکن رات ہوتے ہی پانی دوبارہ جم جاتا تھا اور صرف وہیں پانی ہوتا جہاں قدرتی چشمے تھے جو زمین کے اندر کی گرمی کی وجہ سے پانی کی صورت میں موجود رہتے تھے۔ مجھے گھنڈ رات سے نکلے آدھا گھنٹہ ہونے کو آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اب تک مہرو جا چکی ہو گی۔ اتنا وقت بہت تھا سامان سمیٹ کر نکلنے کے لیے وہ کیا کیا لے جانا چاہتی تھی یہ میں نے اس پر چھوڑ دیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یہاں گزاروں اور سورج غروب ہونے کے بعد ہی واپس جاؤں کیونکہ اگر مہر و فتح خان یا اس کے ساتھیوں کی نظر میں نہیں آتی تو اس کا پتا اس وقت چلتا جب میں واپس جاتا۔

ڈھلان پر سفر کے دوران میں اسٹک سے زمین ٹھونک ٹھونک کر دیکھ رہا تھا اور اتنی بلند آواز سے فتح خان کو سنا رہا تھا کہ وہ خود بھی سن لے۔ اس نے بھی واہیاتی کی انتہا کر دی تھی۔ مجھے ایک ایسا کام سونپ دیا تھا جو بھوسے میں سوئی تلاش کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ میں درختوں میں گھومتا پھر رہا تھا۔ دوپہر میں کچھ نہیں کھایا تھا سفر میں موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اس لیے آتے ہوئے میں اپنے ساتھ تلے مٹر کا ٹن لے آیا تھا۔ ایک درخت کے ساتھ بیٹھ کر میں وہ کھانے لگا۔ کھانے کے دوران میں غور بھی کرتا رہا تھا کہ برٹ شاہیرے کہاں چھپا سکتا ہے۔

جب میں پہلی بار یہاں آیا تھا تو اس بات کو ایک عشرے سے زیادہ کا عرصے بیت گیا تھا۔ اس دوران میں یہاں بے شمار تبدیلیاں آ چکی تھیں جہاں کبھی گھنے درخت تھے وہاں اب خالی جگہ تھی اور جہاں کبھی خالی زمین تھی وہاں بیس پچیس فٹ اونچے درخت کھڑے تھے۔ اسی طرح بارشوں اور گرم سرد کے عوامل نے چٹانوں کو بھی جگہ جگہ توڑ دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وادی کے وسط میں پائے جانے والے قدرتی کھنڈرات کی حالت مزید خراب ہوئی تھی اس میں بہت ساری چٹانیں ٹوٹ گئی تھیں اور اوپر کی چٹانیں اب ٹوٹ کر کھنڈر کا روپ دھار رہی تھیں۔ گویا کھنڈرات میں توسیع ہو رہی تھی۔ یہاں زمین مکمل طور پر پتھریلی تھی جس میں کوئی بڑا درخت جڑ نہیں پکڑ سکتا تھا لیکن چھوٹے چھوٹے پودے اور جھاڑیاں کونے کھدروں میں جمع ہونے والی مٹی میں اُگ آئے تھے۔

وادی میں ہزاروں اونچے درخت تھے اس سے کہیں زیادہ تعداد میں جھاڑیاں اور پودے تھے۔ چٹانیں تھیں اور کئی مقامات پر چشمے بھی تھے۔ اب برٹ شانے ان میں سے کس کو ہیرے چھپانے کے لیے منتخب کیا تھا یہ جاننا تقریباً ناممکن تھا۔ میں نے اس بات پر غور کیا جس وقت برٹ شاہیرے چھپا رہا ہوگا اس وقت اس کی سوچ کیا ہوگی۔ ظاہر ہے پہلی سوچ تو یہی ہوگی کہ جیسے ہی موقع ملے گا وہ یہاں سے ہیرے نکال لے جائے گا اور اس نے کم سے کم وقت ہی سوچا ہوگا۔ مگر اس کا بھی تو امکان تھا کہ اسے طویل عرصے تک ہیرے نکالنے کا موقع نہ ملے۔ اس صورت میں اس نے ہیرے چھپانے کے لیے کوئی ایسی جگہ تلاش کی ہوگی جہاں ہیرے طویل عرصے تک محفوظ رہ سکیں اور اس دوران میں ماحول میں اتنی تبدیلی نہ آئے کہ وہ جگہ ہی نہ ملے۔ اس کی نشانیاں ختم ہو جائیں۔

میں سوچوں میں اتنا گم ہوا کہ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ کب سورج ڈوب گیا اور کب تاریکی چھا گئی۔ اچانک کوئی پرندہ بولا تو اس کی کرخت آواز نے مجھے چونکایا۔ یہ پہاڑی کوا تھا جو کہیں سے کھا پی کر آیا تھا اور اس وقت آرام کے موڈ میں تھا۔ اپنے گھونسلے تلے ایک آدمی کی موجودگی کا برا منایا تھا اس لیے اس نے کائیں کائیں کر کے مجھے خبردار کیا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''اچھا بھائی تم آرام کرو۔ ہم چلتے ہیں۔''

بے مروت کوے نے ذرا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ ویسے بھی وہ شاخوں میں کہیں چھپا بیٹھا تھا اور بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔ آسمان پر ہلکی سی دمک باقی تھی میں نے بیگ سے ٹارچ نکال کر روشن کی اور راستہ دیکھتے ہوئے نیچے آنے لگا۔ میں نے وادی میں آنے کے بعد محسوس کیا تھا کہ یہاں سردی اتنی نہیں ہے۔ یعنی سردی ایسی نہیں تھی جو جسم کو تکلیف دیتی۔ یہاں میں نے دو بار جیکٹ اتاری تھی لیکن مجھے محسوس نہیں ہوا اور نہ راستے میں جب

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جیکٹ اتاری تھی تو جسم سن ہو کر رہ گیا تھا۔ آتے ہوئے اس وادی میں ہر طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید مجھے کہیں روشنی نظر آئے لیکن فتح خان اور اس کے ساتھی احمق نہیں تھے اگر وہ کہیں تھے تب بھی خود کو چھپا کر رکھا تھا۔ ایک جگہ خشک جھاڑیاں دیکھ کر میں نے ان سے خاصی مقدار میں لکڑی نکال لی یہ رات جلانے کے کام آتی۔ اگرچہ مجھے ابھی تک کوئی جانور دکھائی نہیں دیا تھا لیکن ہو سکتا تھا یہاں بھیڑیئے یا اس قبیل کے بڑے جانور آجاتے۔ سردی کے ساتھ ان سے بچاؤ کے لیے آگ جلانا لازمی تھا۔ ویسے بھی دن میں گرم ہو جانے والے یہ پتھریلے کھنڈرات رات کو بہت سرد بھی ہو جاتے ہوں گے۔ لکڑی اٹھائے میں اندر داخل ہوتے ہوئے مہرو کو آواز دی۔

''مہرو تم کہاں ہو؟''

ظاہر ہے اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں اسی طرح اسے آواز دیتا ہوا غار نما جگہ داخل ہوا۔ پھر حیرانی سے مہرو کے غائب ہونے کا انکشاف کیا۔ اس کا بیگ اور دوسرا سامان بھی غائب تھا اور یہ دیکھ کر میں سچ مچ اچھل پڑا کہ وہ کھانے پینے کا اچھا خاصا سامان لے گئی تھی۔ یوں سمجھ لیں کہ ستر فیصد لے گئی تھی اور صرف تیس فیصد چھوڑا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے غصہ آیا تھا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ میں یہاں قیام کے ارادے سے نہیں آیا تھا۔ اگر مہرو احتیاطاً زیادہ چیزیں لے گئی تھی تو اس نے ٹھیک کیا تھا کیونکہ اسے نامعلوم علاقوں کی طرف جانا تھا۔ جب کہ میں ایک معلوم جگہ تھا اور مجھے خوراک کی ضرورت ہوتی تو میں واپس بھی جا سکتا تھا۔ پھر مہرو وہ بیس کے قریب تندوری نان چھوڑ گئی تھی جو میں پکوا کر لایا تھا۔ یہ نان خاصے عرصے تک ہمارے کام آسکتے تھے اور میں اکیلا تو دس دن سے زیادہ بھی گزارا کر سکتا تھا۔ شکر ہے وہ کافی اور اس کا سامان چھوڑ گئی تھی اس کے علاوہ وہ نارچیں اور بڑی تعداد میں ان کے ڈرائی سیل لے گئی تھی۔

میں نے دکھاوے کے لیے اسے کچھ برا بھلا کہا اور پھر لکڑی ایک طرف رکھی اور پتھر جمع کر کے الاؤ کی جگہ بنائی۔ لکڑی پر تھوڑا سا اسپرٹ چھڑک کر آگ دکھائی تو وہ دھڑا دھڑ جلنے لگی اور غار تلے خوشگوار درجہ حرارت اور خوشبو پھیل گئی تھی۔ مگر لکڑیاں جتنی تیزی سے جل رہی تھیں لگتا تھا رات گزارنے کے لیے مجھے دوبارہ لکڑی جمع کرنا پڑے گی۔ خیر ابھی تو لکڑی خاصی تھی۔ میں نے دکھاوے کے لیے مہرو کو آس پاس تلاش کیا حالانکہ میں پہلے اعلان کر چکا تھا کہ وہ سامان لے کر نو دو گیارہ ہو گئی ہے۔ میں مہرو کو نہیں بلکہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جو ممکنہ طور پر مہرو کا پیچھا کرنے کی کوشش کرتے لیکن مجھے وادی میں کہیں نقل و حرکت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ شاید فتح خان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے مہرو کو صرف مجھ پر نظر رکھنے کا ذریعہ بنایا تھا اور اب میں وادی میں تھا یہاں سے فرار کی صورت میں وہ مجھے روک سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہمارا ڈرامہ کامیاب رہا تھا ورنہ فتح خان فوراً ہی یہاں آن موجود ہوتا۔

رات کے کھانے کے لیے میں نے روٹی کے ساتھ ابلے گوشت کا ایک ٹن کھولا اور اسے الاؤ پر گرم کر کے روٹی کے ساتھ کھایا کافی کی کیتلی پہلے ہی رکھ چکا تھا۔ کافی پی کر میں اونگھنے لگا۔ اس سفر کے دوران اور اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ میں ہیرے کیسے تلاش کروں۔ کیا میں فرہاد کی طرح بنا کسی تیشے سے زمین کھودنا شروع کر دوں۔ اس کے علاوہ میں ہیرے تلاش کرنے کے لیے اور کیا کر سکتا تھا۔ جیسے جیسے میں اس پہلو پر سوچ رہا تھا میرا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر فتح خان نے مجھ سے اتنی احمقانہ توقع کیوں لگائی تھی۔ اگر وہ ہیروں کے پیچھے پاگل

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہو رہا تھا تب بھی اسے کم سے کم اپنے کیے کے بھگتان کا اندازہ ہونا چاہیے تھا۔

اس وادی میں کہیں چھپی چھوٹی سی چیز تلاش کرنا بہت ہی مشکل تھا یہاں تو کسی ہاتھی کو دفن کر دیا جائے تو اس کا سراغ ملنا بھی ناممکن ہوتا۔ یہ تو مٹھی میں آ جانے والی چھوٹی سی چیز تھی۔ مجھے یاد ہے ہیرے ایک سیاہ رنگ کے بکس میں تھے جو شاید فولادی تھا اور اسے خاص طریقے سے چاروں طرف سے بند کیا گیا تھا۔ تبھی برٹ شانے بلا جھجک اسے کہیں دفنا دیا تھا۔ ویسے بھی ہیرے خود بہت سخت ترین اور سوائے حرارت کے اور کسی چیز سے متاثر نہ ہونے والی چیز ہیں۔ کیونکہ یہ خالص کاربن سے بنے ہوتے ہیں اس لیے ہلکی سی آگ بھی انہیں جلا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ موسم، پانی اور تیزاب تک سے متاثر نہیں ہوتے ہیں۔

کافی ختم کر کے میں نے مگ الاؤ کے پاس رکھ کر میں نے خیمہ نکالا۔ یہ زمین پر خود بخود لگ جانے والا خیمہ تھا بس اسے کھولنا پڑتا تھا۔ ایک طرف سے چھوٹا سا گنبد نما اور دوسری طرف سے لمبا سا۔ اس میں آدمی گھس کر بس لیٹ جائے۔ یہ کسی گرم میٹریل سے بنا تھا اور باہر کی سردی سے خاصی حد تک محفوظ رکھتا تھا۔ میں نے خیمہ کھولا اور زمین پر رکھ دیا۔ یہ زپ سے مکمل طور پر بند ہو جاتا تھا اور اس میں ہوا کی آمد و رفت کے لیے جالی لگی تھی لیکن اس سے کیڑے مکوڑے اور اسی طرح کے دوسرے رینگنے والے جانور نہیں آ سکتے تھے۔ میں نے اسے آگ سے ذرا دور رکھا تا کہ چنگاڑی اتفاق سے بھی اس پر نہ آ سکے ورنہ یہ جل بھی سکتا تھا۔ میں نے گزشتہ دن سے جوتے نہیں اتارے تھے اس لیے ابھی جوتے اتارے تو اندر سے پیروں کی کھال گلی سی نکلی۔ اگر میں ایک دو دن اور جوتے نہ اتارتا تو پیروں کی کھال بھی موزے کے ساتھ اتر جاتی۔

پاؤں خشک کر کے میں کمبل لے کر خیمے میں گھس گیا۔ اس کی چھت میں ایک چھوٹی سی فکس لائٹ لگی تھی آن کیا جاتا تو وہ نائٹ لیمپ کا کام دیتی۔ میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر ذہن میں رہ رہ کر فتح خان اور پھر مہرو کا خیال آتا تھا اور نیند اڑ جاتی تھی بڑی مشکل سے مجھے نیند آئی۔ پھر رات کسی وقت آنکھ کھل گئی۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ آس پاس کوئی ہے۔ میں نے آہستہ سے خیمے کی زپ کھولی اور دم بخود رہ گیا۔ وہ ذرا سا ترچھا بیٹھا تھا اور چہرہ بھی جیکٹ کے ہڈ میں چھپا تھا لیکن مجھے شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ فتح خان تھا اس نے اپنی جگہ سے ہلے یا میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

''تم اٹھ گیا ہے۔ ہمارا کوشش تھا تم آرام کرتا ابھی صبح ہونے میں وقت ہے۔''

مگر جب فتح خان سامنے ہو تو آرام کیسے کیا جا سکتا تھا۔ میں خیمے سے نکل آیا اور جوتے موزے پہن لیے۔ الاؤ میں مزید لکڑیاں ڈال دی گئی تھیں اس لیے وہ بجھا نہیں تھا۔ میں فتح خان کے مخالف سمت بیٹھ گیا۔ میں اسے دیکھنے کے باوجود پُرسکون تھا اور میرے اعصاب میں کوئی ہلچل نہیں تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ میں خوش تھا تو غلط نہیں ہوگا۔ فتح خان کا اس طرح سامنے آنا ثابت کرتا تھا کہ اس کی اصل اسکیم وہ نہیں تھی جو اس نے مجھے بتا کر یہاں بھیجا تھا۔ اس کا اصل پلان کچھ اور تھا جو جلد یا بدیر میرے سامنے آ جاتا میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''فتح خان تمہارا مقصد کیا ہے؟''

''ایک مقصد تو پورا ہو گیا۔'' اس نے بھی پورے سکون سے کہا۔ ''تمہیں یہاں تک تو لے آیا۔''

''لیکن تمہارا اصل مقصد تو ہیرے ہیں۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''ہاں اصل مقصد تو وہی ہے۔'' فتح خان بولا۔

''پھر یہ سب ڈرامے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''سب تمہارے سامنے آجائے گا۔'' وہ پہلی بار مسکرایا۔ ''شہباز خان جلدی مت کرو۔''

میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''فتح خان شاید تم اس وقت اپنی برتری اور کمانڈنگ پوزیشن کی وجہ سے خود کو کچھ سمجھ رہے ہو لیکن جب تمہاری یہ پوزیشن نہیں ہوگی اور میں مجبور نہیں ہوں گا تب کے بارے میں تم نے سوچا ہے؟''

''اس کا ہمیں ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بے فکری سے جواب دیا۔ ''ہم ناکام ہوا تو دنیا میں نہیں ہوگا اور کامیاب ہوا تو اس ملک میں نہیں ہوگا۔ کوئی نہیں جانے گا کہ فتح خان کہاں غائب ہوگیا۔''

فتح خان جس طرح بے فکری سے یہاں بیٹھا تھا اسے یقین تھا کہ میں اس کے خلاف کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ مگر وہ صرف اپنے یقین پر مطمئن ہونے والا شخص نہیں تھا مجھے یقین تھا کہ آس پاس اس کے آدمی موجود ہوں گے اور میری کسی بھی خلاف معمول حرکت پر وہ بھی حرکت میں آجائیں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کسی حرکت کی صورت میں میرے جسم میں ایک سوراخ کا اضافہ اور ہو جائے۔ اس لیے میں نے کسی جذباتی حرکت سے گریز کیا ویسے اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اگر میں فتح خان کو کوئی نقصان پہنچا بھی دیتا تو اس سے مجھے سویرا واپس نہیں ملتی۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم میرے پیچھے ہو گے۔''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''تم ٹھیک سمجھا میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا ہے۔''

میں نے کافی تیار کی اگرچہ فتح خان کو زہر دینے کو دل چاہ رہا تھا۔ لیکن فی الحال کافی ہی دیدی۔ اس نے میری اچھی خاصی زندگی کو ڈسٹرب کر دیا تھا۔ میں مرشد کے خلاف فیصلہ کن مرحلے کی طرف جا رہا تھا۔ ڈیوڈ شا نے بھی معاملات سیٹ کرانے کو کہا تھا۔ اگرچہ مجھے یقین نہیں تھا کہ مرشد وہی کرے گا جو ڈیوڈ شا کہے گا لیکن اس کے شامل ہونے سے مرشد پر ایک طرح کا دباؤ ضرور آتا۔ دشمن کو ہر طرف سے گھیرنے والی پالیسی بہترین ہوتی ہے۔ اسے گھیر کر اس مقام تک لے آؤ جہاں اس سے اپنی بات منوا سکو۔ میں اور میرے ساتھی اسی حکمت عملی کے تحت کام کر رہے تھے پھر درمیان میں بریف کیس والا مسئلہ بھی آسانی سے حل ہوتا نظر آرہا تھا۔ میں نے غلطی یہ کی کہ شہلا پر کچھ زیادہ بھروسہ کر لیا۔ اگر میں اپنے ساتھیوں اور منصوبے کے تحت کام کرتا تو شاید یہ مسئلہ نہ ہوتا۔ کم سے کم میں فتح خان کے سامنے اتنا بے بس نہ ہوتا کیونکہ اس نے سویرا کو اغوا کرنے کے منصوبے پر بہر صورت عمل کرنا تھا چاہے میں اس کے ہاتھ آتا یا نہ آتا۔

''سویرا کہاں ہے؟''

''محفوظ ہے اور فکر مت کرو اس کے ساتھ صرف شہلا ہے۔ وہی اس کا دیکھ بھال کر رہی ہے۔'' اس نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ''ادھر ہمارا کوئی اور آدمی نہیں ہے۔''

لیکن میں اس کی تسلیوں میں آنے والا نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''فتح خان سویرا کو واپس حویلی بھیج دو میں تمہارے قبضے اور تمہارے ساتھ ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا ہاتھ میں ایک وہی تو کارڈ ہے۔ وہ نہیں رہا تو تم قابو میں نہیں رہے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''فتح خان میں قسم نہیں کھاتا لیکن تم کہو تو میں قسم.....''

''اس کا ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے میری بات کاٹی۔ ''ابھی تم ساتھ ہے اور رہے گا۔''

میں جھنجھلا گیا۔ ''تب تم کیا چاہتے ہو جب کہ تم جانتے ہو اس وادی میں ایک چھوٹی سی چیز کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔ اس کا رقبہ ایک میل سے زیادہ ہی ہے۔''

''میں اس ناممکن کو ممکن بنائے گا۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''ابھی تم دیکھے گا۔''

رات کا آخری پہر تھا اور سردی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی لیکن گرم کپڑوں میں ہم سکون سے تھے۔ پھر الاؤ کی گرمی بھی تھی۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مہرو کے بارے میں نہیں پوچھا۔ وہ میری غیر موجودگی میں فرار ہوگئی۔''

''اس کا ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''میرا طرف سے وہ جہنم میں جائے۔''

میں نے سکون محسوس کیا گویا اس معاملے میں فتح خان کو مجھ پر شبہ نہیں تھا۔ جب مہرو والی چپ سے سگنل آنا بند ہوئے تو اس نے سوچ لیا ہوگا کہ پتھر پر مہرو کی گردن ٹکرانے سے چپ پر ضرب لگی ہوگی اور وہ ناکارہ ہوگئی ہو گی۔ میں تقریباً تین گھنٹے بعد اوپر ڈھلان سے واپس آیا تھا اور تب ان لوگوں کو پتا چلا کہ مہرو غائب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس وقت تک مغرب میں پہاڑ عبور کر کے دوسری طرف چلی گئی ہوگی۔ اب یہ قسمت میں تھا کہ وہ راجا عمر دراز تک پہنچ پاتی ہے یا نہیں۔ اس کا بھی تو امکان تھا کہ وہ ان پہاڑوں میں بھوکی پیاسی بھٹکتی رہے یا پھر کسی غلط آدمی کے ہاتھ لگ جائے۔ اس معاملے میں اس کی قسمت ویسے بھی بہت خراب تھی۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔

''تم نے میرا پیچھا کس طرح کیا جب کہ نظر بھی نہیں آتے تھے؟''

فتح خان نے دانت نکوسے۔ ''تمہارا کیا خیال ہے میں نے کس طرح تمہارا پیچھا کیا؟''

''میرا خیال ہے تم نے گاڑی میں کوئی سگنل ڈیوائس لگائی ہے۔'' میں نے پُر یقین لہجے میں کہا۔ ''میں نے تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔''

فتح خان نے اس بار مسکرانے کے انداز میں دانت نکالے۔ ''وہ تم تلاش بھی نہیں کر سکتا۔ اتنا چھوٹا سا ڈیوائس کہ میں بھول جائے تو خود مجھے بھی نہ ملے۔''

وہ نہیں جانتا تھا کہ میں اتفاق سے چپ دیکھ چکا تھا اور اس کی مدد سے اسے بیوقوف بھی بنا چکا تھا۔ بہر حال اس کا انجان رہنا ہی ٹھیک تھا اس لیے میں پورے خلوص سے بے وقوف بنا ہوا اس کی لاف گزاف سن رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ممکنہ پلان سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اس نے مجھ سے جو مطالبہ کیا تھا اور جو دس دن کی مہلت دی تھی وہ صرف ایک دھوکا تھی فتح خان جیسا زیرک آدمی اس کا قسم کا احمقانہ مطالبہ کسی خاص مقصد کے تحت کر سکتا تھا اس کا ایک مقصد یعنی میری وادی تک آمد تو حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتا تھا یہ میں سمجھ نہیں سکا تھا۔ اچانک فتح خان کے لباس سے ایک ٹون جیسی آواز آئی۔ وہ چونکا اور پھر کھڑا ہوگیا۔

''شہباز خان تم اِدھر رکو، اِدھر سے ہلنا مت۔''

یہ کہہ کر وہ باہر تاریکی میں غائب ہوگیا۔ اگر وہ نہ کہتا تب بھی میرا ہلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کے ساتھی کہیں باہر گھات لگا کر بیٹھے ہوں گے اور ان کے وحشی ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ آدمی کو کبھی مچھر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں۔ فتح خان کے پاس آنے والی ٹون کسی موبائل کی لگ رہی تھی۔ لیکن اس علاقے میں موبائل سگنل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا تب یہ امکان تھا کہ فتح خان کے پاس کوئی لانگ رینج وا کی ٹا کی یا پھر سیٹلائیٹ فون تھا۔ سیٹلائیٹ کی مدد سے کام کرنے والے موبائل سگنل کے محتاج نہیں ہوتے ہیں لیکن یہ نہایت مہنگے ہوتے ہیں۔ کوئی عام آدمی کیا اچھے خاصے دولت مند بھی ان کے چارجز برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر فتح خان کے پاس حرام دولت کی کمی نہیں تھی اس کے اپنے دھندے بھی کم نہیں تھے لیکن ڈیوڈ شا کے لیے کام کر کے اس نے بہت کمایا ہوگا۔

الاؤ میں آگ کم ہو رہی تھی اور لکڑی اب انگاروں میں بدل رہی تھی۔ سردی سے بچنے کے لیے میں نے اپنے گرد کمبل لپیٹ لیا اور فتح خان کا انتظار کرنے لگا۔ وہ جس طرح آیا تھا ایسا لگ رہا جیسے وہ پہلے سے سب طے کر چکا تھا۔ اگر مہرو غائب نہ ہوتی تب بھی وہ یہاں ضرور آتا اور شاید مہرو کے مقدر کا فیصلہ بھی کر دیتا لیکن اُس کی خوش قسمتی کہ وہ بروقت نکل گئی۔ اگر فتح خان اس سلسلے میں مایوس بھی ہوا تھا تب بھی اس نے ظاہر نہیں کیا۔ وہ تقریباً نصف گھنٹے بعد اچانک ہی تاریکی سے نمودار ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ خوش تھا اس کا مطلب تھا کہ اس کا پلان اس کی مرضی کے مطابق کام کر رہا تھا اس نے اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''شہباز خان جلد تم خوشخبری سنے گا۔''

''تم سے مجھے صرف بدخبریوں کی امید رہتی ہے۔''

''تم ابھی اس بندے کو دیکھے گا جسے تم نے بہت عرصے سے نہیں دیکھا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''اسے دیکھ کر تمہارا دل باغ باغ ہو جائے گا۔''

مجھے تشویش ہونے لگی۔ اب وہ میرے کس ساتھی کو اٹھا لایا تھا۔ میں نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''فتح خان تم آگ کو مزید بھڑکا رہے ہو ابھی تو سویرا والا قرض بھی اتارنا ہے مجھے۔''

''قرض بھی اتر جائے گا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''میرے کو کوئی جلدی نہیں ہے۔''

جلدی تو مجھے تھی۔ میں نے سوچا اور کہا۔ ''برٹ شا کہاں ہے؟''

''وہیں جہاں اسے ہونا چاہیے۔''

''لیکن مجھے لگ رہا ہے وہ تمہارے ساتھ یہیں کہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فتح خان نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''فتح خان تمہیں صرف مجھ سے مطلب ہے لیکن تمہاری ساتھی نے بلاوجہ وہ بریف کیس بھی ہتھیا لیا جس سے تمہارا یا شہلا کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ بریف کیس کہاں ہے؟''

''یہ تم شہلا سے پوچھو۔''

''تمہارا اور شہلا کا معاملہ ایک ہی ہے۔''

''ایک نہیں ہے۔'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ ''بس ہیرے کے معاملے میں ایک ہے پھر وہ اپنا راستہ لے گا اور میں اپنا راستہ لے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''فتح خان تمہیں یقین ہے شہلا تمہیں دھوکا نہیں دے گی۔''

فتح خان نے اپنی کسی قدر بڑھی ہوئی شیو کھجائی۔ ''ایسا یقین تو فتح خان اپنی ماں پر نہیں کرتا شہلا پر کیسے کرے؟''

''تب تم کیسے یقین سے کہہ سکتے کہ وہ وہی کرے گی جو تم چاہتے ہو جبکہ وہ مڈل ایسٹ جا کر ہیروں کا سودا کرے گی۔''

''ہمارے پاس اس کا تصویر ہے۔'' فتح خان بولا۔ ''وہ ہم کو دھوکا دینے سے پہلے دس بار سوچے گا۔''

''فتح خان شہلا بہت بڑی اداکارہ ہے اور وہ مجھے دھوکا دے گئی تو تمہیں بھی دھوکا دے سکتی ہے جب کہ تمہارے لیے اس کے دل میں نفرت بھی ہے تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اسے بھولی نہیں ہے۔''

''نہ بھولے۔'' فتح خان مسکرایا۔ ''بلکہ ہم چاہتا ہے یاد رکھے تاکہ اگر کبھی اس کے دل میں دھوکے کا خیال آئے تو اسے معلوم ہو اس کے ساتھ ہم کیا کر سکتا ہے۔''

''یہ تمہاری بھول ہے کہ اس پر اس چیز کا کوئی اثر ہوگا۔ عزت آبرو شہلا کے لیے بے معنی سے لفظ ہیں۔ اس کے سامنے ہمیشہ اپنا مفاد ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ کسی کو قتل بھی کر سکتی ہے۔ سفاکی کے معاملے میں وہ تم سے کم نہیں ہے۔''

''ہم کو معلوم ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''پر تم فکر مت کرو وہ ابھی پھنسا ہوا ہے اس لیے دھوکا نہیں کرے گا۔''

''تمہاری مرضی میں نے تمہیں خبردار کر دیا۔'' میں نے شانے اچکائے تو فتح خان زہرخند انداز میں مسکرایا۔

''شہباز خان تم میرا ہمدرد نہیں ہے۔ اس لیے ابھی مجھ کو شہلا کے خلاف کرنے کا کوشش مت کرو۔''

''میں ایسی کوئی کوشش نہیں کر رہا۔'' میں نے ٹھہرے انداز میں کہا۔ ''مجھے دشمنی میں بھی گھٹیا پن پسند نہیں ہے لیکن بعد میں ایسا نہ ہو کہ تم شہلا کی وجہ سے ناکام ہو اور اس کا بدلہ بھی مجھ سے لینے کی کوشش کرو۔ کم سے کم اس معاملے میں تم وہی وحشی فتح خان ہو جو بات تمہارے ذہن میں بیٹھ جائے وہ نکلتی نہیں ہے۔''

''میں پاگل نہیں ہے جو کسی کا بدلہ دوسرے سے لینے کی کوشش کرے گا۔'' اس نے برا مان کر کہا۔

''تب تم کیا کر رہے ہو۔ تم نے برٹ شا سے ہیرے ہتھیانے کی کوشش کی۔ اس نے ہیرے چھپا دیئے۔ اس میں میرا کہیں بھی کوئی حصہ یا قصور نہیں تھا۔ اب تم مجھے پکڑ لائے۔ میری ہونے والی بیوی کو میرے گھر سے اٹھا لیا اور اس کے ذریعے مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔ اب بھی تم کہتے ہو کہ تم کسی سے دوسرے کا بدلہ نہیں لیتے۔'' کہتے ہوئے میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''یہ دوسری بات ہے۔'' فتح خان کھسیا گیا لیکن فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ ''اگر تم ایمن شا کو یہاں بلانے پر آمادہ ہو جاتے تو میں یہ سب کرنے پر مجبور نہ ہوتا۔''

میں نے تلخ انداز میں کہا۔ ''فتح خان اس وقت حالات پر تمہارا قابو ہے اس لیے تم سکتے کی طرح بھونکو گے تب بھی تمہاری ہی بات درست مانی جائے گی۔''

''تم چاہے تو ایسا بھی سمجھ سکتا ہے۔'' اس نے تسلیم کر لیا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس دوران میں صبح کی ہلکی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ یہاں وادی میں دھند بہت کم ہوئی تھی اور کسی وقت تو آسمان صاف نظر آنے لگتا تھا۔ فتح خان نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''ابھی تم چاہے تو سو سکتا ہے ممکن ہے تم سو کر اٹھے تو سرپرائز آ چکا ہو۔''

میں نے بھی فتح خان کے ساتھ سر کھپانے سے بہتر سمجھا کہ آرام کر لوں۔ میں دوبارہ کمبل لے کر خیمے میں گھس گیا اور زپ بند کر لی۔ فتح خان میری طرف سے مطمئن تھا کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ میں نے اس کے آدمیوں سے جو پستول چھینا تھا وہ بے کار ہے۔ یہ پستول اس وقت بھی میری جیب میں تھا۔ پستول اور اس کی گولیاں دونوں اصلی تھے لیکن ایک فائرنگ پن نہ ہونے سے یہ بے کار تھے۔ میں لیٹا رہا اور روشنی ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ فتح خان کچھ دیر بعد وہاں سے چلا گیا اور جاتے ہوئے مجھے اسی غار نما جگہ محدود رہنے کی ہدایت کر کے گیا۔ ایک گھنٹے بعد روشنی مکمل طور پر نمودار ہو گئی تھی اگرچہ نیچے ابھی دھوپ نہیں آئی تھی لیکن اوپر پہاڑ روشنی میں آ گئے تھے۔

صبح کے سات بج رہے تھے۔ میں خیمے سے باہر آ گیا اور الاؤ کے انگاروں پر کافی کا پانی رکھ دیا اس دوران میں میری نظریں آس پاس بھٹک رہی تھیں لیکن جہاں تک دکھائی دیتا تھا نہ بندہ تھا نہ بندے کی ذات تھی۔ ایک اونچے پتھر پر ایک چیل بیٹھی اپنی چونچ سے جسم صاف کر رہی تھی۔ میں کافی کا مگ لے کر چہل قدمی کرنے کے انداز میں غار نما جگہ سے باہر آیا۔ یہ جگہ شمال مشرقی ڈھلان کے سامنے تھی کچھ پتھر تھے پھر ڈھلان شروع ہو جاتی تھی۔ جیسے ہی میں چٹانوں کی حدود کے آخری حصے تک آیا سامنے ڈھلان سے ایک فائر ہوا اور گولی میرے پیروں سے کچھ آگے زمین پر لگی۔ مٹی اڑی تھی۔ فائر کسی ہلکی رائفل سے ہوا تھا اور آواز زیادہ نہیں تھی لیکن وادی میں کچھ دیر گونجتی رہی تھی۔ اس وارننگ کے بعد میرے لیے آگے جانا ممکن نہیں تھا اس لیے میں الٹے قدموں لوٹ آیا۔ فتح خان کے آدمی پوری طرح مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ فائر کر کے انہوں نے یہ بات مجھ پر واضح بھی کر دی تھی۔

روشنی ہونے سے پہلے میں نے ناشتہ کر لینا مناسب سمجھا کیونکہ ممکن تھا کہ فتح خان جو سرپرائز لا رہا تھا۔ اس کے آنے کے بعد مجھے ناشتہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ اب دھوپ چٹانوں تک آ گئی تھی اور سردی میں کمی محسوس ہو رہی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا۔ دس بجے تک چٹانیں دھوپ میں آنے کے بعد خاصی گرم ہو چکی تھیں اور اب میں چاہتا تو جیکٹ کے بغیر بھی گزارا کر سکتا تھا۔ پتا نہیں یہ چٹانیں کس مادے کی بنی تھیں یہ گرمی کو جذب کر لیتی تھیں اور اس موسم میں بھی ان کے اندر کا ماحول گرم ہو گیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ برف باری ہونے کے باوجود یہاں برف کا نام و نشان نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ دوپہر تک یہاں خاصی گرمی ہو جائے گی۔ دس بارہ سال سے میں کاروبار اور پھر دوسرے چکروں میں شمالی علاقوں میں بہت گھوما ہوں لیکن اس قسم کی چٹانیں میں نے کہیں اور نہیں دیکھی تھیں۔ میرے پاس پانی خاصی مقدار میں تھا اس لیے یہ خدشہ تو نہیں تھا کہ پہلے کی طرح پیاس سے جان لبوں پر آ جائے گی۔

ناشتہ بنا کر میں نے الاؤ بجھا دیا اور خود ایک چٹان پر چڑھ گیا یہاں سے چاروں طرف کا منظر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ مگر کھنڈرات کے پاس کا حصہ نظروں سے اوجھل تھا۔ فتح خان کے سامنے آنے سے میرے اندر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

موجود گھٹن میں کمی آئی تھی۔ جب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تو مجھے گھٹن سی ہونے لگتی تھی۔ گیارہ بجے کے قریب چٹانوں کے پاس ہی کچھ افراد کے بولنے کی آواز آئی۔ میں چھلانگ کر چٹان سے نیچے آ گیا۔ آواز اب نمایاں تھی اور فتح خان کی تھی وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''چلو خنزیر ابھی تمہارا سارا اداکاری نکل جائے گا۔ بس کچھ دیر انتظار کرو..... آگے چلو کتے کا بچہ۔''

میں چوکنا ہو گیا۔ فتح خان کسی کو لا رہا تھا۔ کیا وہ میرے کسی ساتھی کو یوں گالیاں دے رہا تھا لیکن میرے ساتھیوں میں کوئی ایسا احمق اور بے حمیت نہیں تھا کہ فتح خان سے یوں گالیاں کھاتا۔ اول تو وہ گالیاں کھانے والا کوئی کام نہ کرتا اور پھر بھی فتح خان اسے یوں سناتا تو وہ کسی کی پروا کیے بغیر اس سے بھڑ جاتا تو پھر یہ کون تھا؟ اس سوال کا جواب ایک وحشیانہ سی ہنسی نے دیا۔ ہنسنے والا مرد تھا اور میرے ذہن میں ایک نام روشنی کی طرح چمکا تھا۔ میں بے ساختہ چند قدم آگے اور میں نے برٹ شا کو دیکھ لیا۔ جس نے گرم لیکن بے حد میلا کچیلا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی داڑھی مونچھیں اور سر کے بال یوں بڑھے ہوئے تھے جیسے انہیں سالوں سے استرا یا قینچی لگنے کی نوبت نہیں آئی تھی اور ساتھ ہی وہ یوں میلے اور چکٹ ہو رہے تھے جیسے اسے مہینوں سے نہانے کا موقع نہ ملا ہو۔ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ آنکھیں یوں تاریک حلقوں میں ڈوب گئی تھیں کہ ایک نظر میں تو آنکھوں کی جگہ گڑھا ہی نظر آتا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح دانت نکال نکال کر ہنس رہا تھا اور بار بار مڑ کر فتح خان کی طرف دیکھتا تھا۔ جواب میں وہ اسے گالی اور دھکا دیتا۔ فتح خان کے آخری دھکے اور ایک ناقابل بیان گالی نے اسے میرے قدموں میں لا گرایا۔ اسے چوٹ لگی تھی لیکن وہ ہانپتے ہوئے اب بھی رونے کے انداز میں ہنس رہا تھا۔

میں نے عرصہ پہلے اسے دیکھا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے بلکہ فتح خان کے تشدد سے بچنے کے لیے پاگل بن گیا ہے۔ لیکن اس وقت اس کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ سچ مچ پاگل ہو چکا ہے۔ اس کے پھٹے جوتوں سے اس کی انگلیاں جھانک رہی تھیں جو مستقل بند رہنے کی وجہ سے گل کر سیاہ ہو رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں خمیدہ اور ان کے جوڑ یوں ابھر آئے تھے جیسے جوڑوں کے مریض کے ہوتے ہیں۔ اس کے سرخ و سفید رنگ کو میل نے چھپا لیا تھا اور اب اسے با آسانی کوئی مقامی باشندہ تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ وہ میرے قدموں میں پڑا ہانپ رہا تھا۔ میں نے افسوس سے اسے پھر فتح خان کو دیکھا۔

''فتح خان یہ پاگل ہو گیا ہے اور اگر نہیں ہوا تھا تو اب ہو گیا ہے۔''

''یہ پاگل نہیں ہے۔'' فتح خان نے اسے نفرت انگیز نظروں سے دیکھا۔ ''حرامزادہ بنتا ہے لیکن میں اس کا دماغ درست کر دے گا۔''

''اس کا حال دیکھ رہے ہو۔'' میں نے برٹ شا کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ایک نفیس اور نازک مزاج پڑھا لکھا علمی آدمی تھا۔ کیا یہ صرف ہیروں کی خاطر اپنا یہ حال کروا سکتا ہے۔''

فتح خان نے مجھے گھورا۔ ''تم بھول رہا ہے وہ پچاس ملین ڈالرز کا ہیرا ہے۔''

''سو ملین ڈالرز کا کیوں نہ ہو۔ لیکن میں بھی دولت کی خاطر اپنا یہ حال بنوانے کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔''

''تم اپنا بات مت کرو۔ میں تم کو جانتا ہے۔ لیکن تم ان خنزیروں کو نہیں جانتا ہے۔'' اس نے برٹ شا کو لات ماری۔ ''یہ ہم کو بولتا ہے کہ ہم دولت کی خاطر اپنی ماں بیچ سکتا ہے۔ پر فتح خان نے ان گوروں کو بہت قریب

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

سے دیکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک دولت کا خاطر اپنی ماں کو روز بیچ سکتا ہے۔ تم اس کے پڑھے لکھے ہونے پر مت جاؤ۔''

میں فتح خان کی بات سے متفق نہیں تھا۔ دنیا میں اچھے برے، شیطان اور انسان ہر قوم اور نسل میں ہوتے ہیں۔ فرق صرف اچھے برے نظریے یا نظام کا ہوتا ہے۔ نظریہ یا نظام کسی قوم، ملک اور ملت کا چہرہ ہوتا ہے دوسرے اس کے تمام افراد کو اسی کے تحت دیکھتے ہیں۔ جیسے مغرب نے دہشت گردی اور مسلمانوں کو اس طرح منتھی کر دیا ہے کہ اب ہر مسلمان کو اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مغرب کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ بالکل الگ ہوتا ہے۔ حالانکہ دہشت گردی کا شکار تو ہم مسلمان ہیں۔ اس جنگ میں مارے جانے والے غیر مسلموں اور مسلموں کا تناسب شاید ایک اور ہزار سے بھی زیادہ ہی ہے۔ اور دہشت گرد بھی ہم ہی ہیں۔ مغربی دنیا اس معاملے میں بدترین جانبداری اور تعصب سے کام لے رہی تھی۔ اس کے باوجود میں فتح خان کی بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا اور اس سے بحث کرنا بھی بے کار تھا۔ میں نے کسی قدر اکتائے انداز میں کہا۔

''تمہارے پاس میرے لیے یہی سرپرائز تھا؟ تو یقین کرو میں بالکل بھی حیران نہیں ہوا ہوں۔''

فتح خان مسکرایا۔ ''نہیں یہ کہاں سے سرپرائز ہو گیا۔ وہ تو اس کے لیے بھی سرپرائز ہو گا۔''

میں ایک بار پھر چونک گیا اور فوراً ہی ایک نیا خیال میرے ذہن میں سرسرایا۔ ''فتح خان کہیں تم نے ایمن.....''

''اب تم ٹھیک سمجھا۔'' وہ قہقہہ مار کر بولا۔ ''میں نے ایمن شا کو یہاں بلا لیا ہے اور کچھ دیر میں وہ یہاں پہنچ گیا ہے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ تو یہ وجہ تھی کہ فتح خان نے مجھے اپنے قبضے میں کیا تھا۔ اس کے بغیر وہ ایمن کو کسی صورت پاکستان نہیں بلوا سکتا تھا۔ کیونکہ ایمن مجھ سے رابطہ کرتی اور میں اسے منع کر دیتا۔ میں نے دیکھا کہ ایمن کے آنے کا سن کر بھی برٹ شا نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا وہ اردو جانتا تھا اور فتح خان کی قید میں رہ کر اس کی اردو اور بھی بہتر ہو گئی ہو گی اس لیے یہ تو ممکن نہیں تھا کہ اس نے فتح خان کی بات کا مفہوم نہ سمجھا ہو۔ مگر وہ یونہی نیچے پڑا ہنسنے کے انداز میں کراہتا رہا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ ''جیسے تمہیں مجھ سے اس معاملے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی ہے چاہے اس کے لیے تم میرے کسی بھی پیارے کو اٹھا لاؤ۔ اسی طرح ایمن شا کو بلانے اور اپنے قبضے میں لینے سے تمہیں ہیرے نہیں ملیں گے۔''

''ملے گا بالکل ملے گا۔'' فتح خان نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر نہیں ملا تو میں ان دونوں باپ بیٹی کو اسی وادی میں دفن کر کے جائے گا۔ میں خدا کا قسم کھاتا ہے ایسا ہی کرے گا۔''

فتح خان کا لہجہ جنونی ہو گیا تھا میں نے محسوس کیا کہ برٹ شا کی طرح وہ بھی پاگل ہو گیا تھا۔ شاید دولت چیز ہی ایسی ہوتی ہے کہ آدمی کو پاگل کر دے خاص طور سے جب وہ قیمتی ہیروں کی شکل میں ہو۔ اس وقت بھی وہ جنونی ہو رہا تھا۔ اس کی توجہ ہٹانے کے لیے میں نے کہا۔ ''تم نے ایمن کو کس طرح سے بلایا؟''

فتح خان کا موڈ بدل گیا اور وہ پھر مسکرانے لگا۔ ''بہت آسانی سے، تمہارے موبائل میں انٹرنیٹ میں ایمن شا کا ای میل تھا۔ میں نے اسے ای میل کیا اور اسے بتایا کہ اس کے باپ کا سراغ مل گیا ہے وہ فوراً پاکستان

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

آجائے۔''

''وہ مان گئی؟'' میں نے بے یقینی سے کہا۔ ''ایسا نہیں ہوسکتا وہ بہت ذہین اور چالاک ہے۔''

''میں جانتا ہے وہ اس حرامی کا لڑکی ہے۔'' اس نے برٹ شا کے پاؤں پر ہلکی سی ٹھوکر ماری لیکن وہ یوں چیخا جیسے کوئی کتا گاڑی تلے آکر چیختا ہے اور پھر سمٹ کر چٹان کی جڑ میں ہاتھ پاؤں جوڑ کر لیٹ گیا۔ فتح خان کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ ''میں نے ایسا چکر چلایا کہ اس نے فون نہیں کیا بس ای میل پر بات ہوتا رہا۔ تمہارے ای میل کی وجہ سے سمجھتا رہا کہ تم ہی ہے۔''

یہ حماقت مجھ سے ہوئی تھی شاید میں نے موبائل سے انٹرنیٹ استعمال کرتے ہوئے اپنی یوزر آئی ڈی اور پاس ورڈ محفوظ کر دیا تھا اور فتح خان نے اسے کھول لیا۔ اس کا مطلب تھا کہ ایمن کو بلانے کا منصوبہ مجھے قبضے میں لینے کے بعد بنا تھا۔ اس سے پہلے فتح خان سویرا کے ذریعے مجھے مجبور کرنا چاہ رہا تھا کہ میں کسی بھی طریقے سے اس کے لیے ہیرے تلاش کروں اور اس کے پیچھے منفق یہ تھی کہ بقول اس کے میں جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں وہ کسی نہ کسی طرح ہو جاتا ہے۔ مگر اب اس کے پاس زیادہ بہتر اور قابلِ عمل پلان آگیا تھا اور اس نے اس پر عمل درآمد بھی شروع کر دیا تھا۔ مجھے چار پانچ دن تک بے ہوش رکھنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ اس دوران میں اس نے ایمن کو پاکستان آنے پر راضی کر لیا تھا۔ اب وہ یہاں آگئی تھی اور فتح خان کے قبضے میں بھی آگئی تھی۔

''وہ خاموشی سے آنے پر کیسے رضامند ہوئی؟''

''بس ہوگیا۔'' فتح خان نے دانت نکالے۔ ''شہباز خان میں ٹھیک کہتا تھا تمہارے ساتھ اس کا کوئی چکر ہے۔ ورنہ میرے کو بھی حیرت ہے وہ اتنی آسانی سے میرا تمام بات مانتا گیا۔ ابھی چند گھنٹے میرے آدمیوں نے اسے سوات سے لیا ہے اور اسے ادھر لا رہا ہے۔ مجھے اسی کا اطلاع ملا تھا۔''

''یہاں موبائل کے سگنل نہیں آتے ہیں پھر تمہیں کیسے اطلاع ملی؟''

''بس مل گیا۔'' اس نے گول مول انداز میں کہا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ایمن نے حماقت کی تھی صرف میرا ای میل دیکھ کر وہ یہاں آنے پر آمادہ ہوگئی۔

''فتح خان تمہارا اندازہ پہلے بھی غلط تھا اور اب بھی غلط ہے وہ اصل میں اپنے باپ سے بہت پیار کرتی ہے اور اسی وجہ سے اتنی آسانی سے تمہارے جال میں پھنس گئی۔''

''میں نہیں مانتا۔'' فتح خان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ مغرب کا لوگ اپنے رشتوں سے اتنا پیار نہیں کرتا ہے ان کو بس خود سے پیار ہوتا ہے یا پھر ایک ہی رشتے سے مطلب ہوتا ہے۔'' فتح خان نے ایک واہیات سا اشارہ کیا۔ ''ان کو نہ ماں باپ سے مطلب ہوتا ہے اور نہ اپنے بچوں سے۔''

دیکھا جائے تو فتح خان ٹھیک کہہ رہا تھا مگر میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''تب تم یہ توقع کیوں کر رہے ہو کہ برٹ شا اپنی بیٹی کو بچانے کے لیے تمہیں ہیرے دے دے گا؟''

فتح خان نے ایک بار پھر خونی نظروں سے برٹ شا کو دیکھا۔ ''اگر نہیں دے گا تو خود بھی مرے گا اور اس کا بیٹی بھی مارا جائے گا۔ اب میں یہ قصہ ختم کر جائے گا۔ یہ یہاں سے زندہ نہیں جائے گا۔ میں اسے پالتے پالتے تنگ آگیا ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

بہ ظاہر تو ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ مگر میں اسے اتنا احمق نہیں سمجھتا تھا کہ وہ برسوں کے صبر آزما انتظار کے بعد معاملے کو یوں اچانک ختم کر دے۔ برٹ شا اس کی قید میں پڑا تھا اور اس کا کچھ نہیں جا رہا تھا۔ اب ایمن بھی آنے والی تھی۔ فتح خان ہیرے نکلوانے کے لیے برٹ شا کو دھمکا رہا تھا۔ اگر وہ اسے مار دیتا تو ہیرے قیامت تک نہیں مل سکتے تھے۔ میرے حساب سے وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سوچ کر کہا۔ ''ٹھیک ہے تم یا تو ہیرے لے کر جاؤ گے یا ان دونوں کو یہاں دفن کر کے جاؤ گے لیکن اس سارے معاملے میں تم نے میرا ذکر نہیں کیا میرا کیا ہوگا؟''

''تم جلد جان جائے گا۔'' فتح خان مسکرایا۔ ''میں تم کو مارے گا نہیں پر سویرا کو مرشد کے حوالے ضرور کر دے گا۔''

''اور اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟'' میں نے اسے گھورا۔

''مت چھوڑنا اگر میں مل جائے اور تم مجھ پر قابو پا لے تو بے شک میرا ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دینا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''پر تم کو سویرا کو بچانا ہے تو ہیرے تلاش کرنا ہوں گے۔''

میں نے برٹ شا کی طرف دیکھا۔ ''مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں ہے کہ اسے ہیروں والی جگہ یاد ہو گی۔ اگر یہ پاگل نہیں بھی تھا تو اب ہو گیا ہے اور اس سے کچھ معلوم نہیں ہو گا۔''

''معلوم ہو گا یہ بنا ہوا ہے۔ شہباز خان تم بہادر اور ہوشیار آدمی ہے لیکن تم نے ابھی انسان کو صحیح سے نہیں جانا ہے۔ یہ بہت سخت جان ہوتا ہے اور دولت کے لیے اس سے بھی زیادہ برداشت کر سکتا ہے۔'' فتح خان نے اپنا تجربہ پیش کیا۔ ''میں نے جو زندگی گزارا ہے اس میں انسان کو بہت پاس سے دیکھا ہے۔ میرے کو معلوم ہے انسان کتنا بڑا اداکار ہوتا ہے۔ جب یہ دوستی جتا رہا ہوتا ہے تو اس وقت یہ تم کو قتل کرنے کا سوچ رہا ہوتا ہے۔ یہ بالکل بھی پاگل نہیں ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''لیکن مجھے لگ رہا ہے یہ سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔''

''ابھی یہ اپنا لڑکی کو دیکھے گا تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' فتح خان نے یقین سے کہا۔ ''پھر یہ بتائے گا کہ ہیرا کہاں چھپایا ہے؟''

''فتح خان اس میں ایک معاملہ اور بھی ہے۔ برٹ شا اگر بنا ہوا پاگل ہے تو بھی وہ اتنی آسانی سے تمہیں نہیں بتائے کیونکہ اسے لازمی یہ خطرہ ہو گا کہ ہیرے حاصل کر کے بھی تم اس کے اور ایمن کے ساتھ یہی سلوک کرو گے۔ یعنی اس وادی سے ان کی واپسی نہیں ہو سکے گی۔ جب تک اسے اپنی اور ایمن کی زندگی کی ٹھوس ضمانت نہ مل جائے یہ ہیروں کے بارے میں بتانے کی حماقت نہیں کرے گا۔''

''کیا مطلب مجھے ان کا کیا کرنا ہو گا۔'' فتح خان نے جلدی سے کہا۔ ''میں ان کو چھوڑ دوں گا۔''

''واقعی؟'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ ''فتح خان تم خود اتنے سادہ ہو یا دوسروں کو سمجھتے ہو۔ یہ بات لازمی ان کے ذہن میں آئے گی کہ ہیرے حاصل کر کے تم انہیں یہیں دفن کر دو گے۔''

یہ ساری گفتگو برٹ شا کے سامنے ہو رہی تھی لیکن وہ بہ ظاہر سن نہیں رہا تھا فتح خان سے لات کھا کر وہ ایسا چٹان کی جڑ میں گھسا تھا کہ وہاں سے نکلنے کو تیار نہیں تھا۔ فتح خان نے مجھے گھورا۔ ''تم اس کے سامنے بات کر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

رہے ہو تم اسے اکسانا چاہتے ہو کہ یہ ہیروں کا پتا نہ بتائے۔''

''میں اکسا رہا ہوں۔'' میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ''فتح خان تم پھر دوسروں کو نادان سمجھ رہے ہو۔ اگر یہ ڈرامہ نہیں کر رہا ہے تو اتنی عقل اس کے پاس بھی ہوگی۔ دوسرے میں تمہارا کوئی خیر خواہ نہیں ہوں جو اس سے چھپ کر تمہیں سمجھاؤں۔''

''میں ایسا نہیں کرے گا مجھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''لیکن نقصان تو ہو سکتا ہے۔ آزاد ہونے کے بعد برٹ شا اور ایمن تمہارے خلاف رپورٹ کرائیں گے اور تمہیں معلوم ہے ہمارے حکمران آج بھی گوروں کے جوتے چاٹنے کو تیار رہتے ہیں۔ برٹ شا ایک معزز برٹش فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی شکایت پر کان دھرا جائے گا اور پولیس یا ایف آئی اے تمہیں تلاش کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔ تم مشکل میں پڑ سکتے ہو۔''

''کوئی مشکل نہیں ہوگا۔'' فتح خان نے اعتماد سے کہا۔ ''پولیس یا ایف آئی اے میرے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔''

بات مکمل کر کے فتح خان چٹانوں سے باہر چلا گیا اس بار اس نے مجھے باہر آنے سے منع نہیں کیا تھا اسے معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں نے باہر آنے کی کوشش کی تھی اور اس کے ساتھیوں نے شاٹ سے مجھے خبردار کیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے برٹ شا کی طرف دیکھا جو فتح خان کی عدم موجودگی میں کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا لیکن اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ بدستور چٹان سے ٹکا رہا۔ میں نے بھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے جیکٹ میں لگی چپ کا خیال تھا۔ اگر برٹ شا اداکاری کر رہا تھا تو شاید فتح خان کو غیر موجود دیکھ کر اپنی اداکاری برقرار نہیں رکھ پاتا۔

ایمن کی آمد اور پھر فتح خان کے قبضے میں جانے کا سن کر میں فکر مند ہو گیا تھا۔ یہ اچھا نہیں تھا۔ ایمن سے میرا کوئی دلی تعلق نہیں تھا لیکن میں اس کے لیے اچھے جذبات ضرور رکھتا تھا۔ وہ مجھے پسند کرتی تھی لیکن اس کی یہ پسند اتنی بھی نہیں تھی کہ وہ سب چھوڑ کر میرے چکر میں پڑ جاتی۔ یہ پسند کا خالص مغربی انداز تھا۔ بہر حال میں پسند نہیں کرتا کہ فتح خان یا کوئی بھی اس سے کوئی غلط سلوک کرے یا اسے کسی قسم کا نقصان پہنچائے اور یہاں آثار اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ ایمن فتح خان کے قبضے میں آ چکی تھی اور اس کا باپ پہلے ہی فتح خان کے قبضے میں تھا۔ فتح خان یقیناً ایمن کے حوالے سے دھمکی دے کر برٹ شا کو ہیروں کی نشاندہی پر مجبور کرتا۔ سوال یہ تھا کہ برٹ شا اسے ہیروں کے بارے میں بتا دیتا؟

اگر وہ پاگل بنا ہوا تھا تب اس میں اتنی عقل ضرور ہوگی کہ فتح خان کو ہیرے دینے کے بعد بھی اس کی اور ایمن کی گلو خلاصی نہیں ہوگی۔ کم سے کم مجھے فتح خان کی بات پر یقین نہیں تھا کہ وہ ان باپ بیٹی کو چھوڑ دے گا۔ کم سے کم ہیرے نہ دینے کی صورت میں فتح خان یقیناً ایمن اور برٹ شا کو نقصان پہنچاتا۔ دوسری طرف اگر برٹ شا سچ مچ اپنے حواس کھو چکا تھا تو اسے کیا پروا ہوتی کہ فتح خان اس کے یا ایمن کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ فتح خان انہیں اپنے وحشی ساتھیوں کے حوالے کر دیتا تو وہ انہیں ادھیڑ کر رکھ دیتے۔ ایمن کو لڑکی ہونے کے ناطے جان کے ساتھ آبرو کا خطرہ بھی تھا۔ ناکامی کی صورت میں فتح خان مجھے بھی اس کا ذمے دار قرار دیتا اور وہ بتا چکا تھا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کہ وہ مجھے چھوڑ دے گا لیکن سویرا کو ضرور مرشد کے حوالے کر دے گا۔ میں نے برٹ شا کی طرف دیکھا اب معاملہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

فتح خان بہت ہوشیاری سے اپنے پتے چل رہا تھا اس نے اب تک بہترین پلاننگ کی تھی اور حالات کے لحاظ سے اس میں بڑی تیزی سے مناسب تبدیلیاں لایا تھا۔ ایک طرف وہ خود کو برافروختہ ظاہر کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے اور اس بار وہ ہیرے لے جائے گا یا سب کو برباد کر دے گا۔ لیکن دوسری طرف اس نے مجھے اپنے قابو میں رکھا تھا۔ وہ مجھ سے کیا کام لینے والا تھا میں اس سے بے خبر تھا بس اندازہ تھا کہ وہ مجھے آگے رکھے گا کہ میں برٹ شا کو قائل کروں اور خود پیچھے رہے گا۔ پھر وہ چپ کی مدد سے ہم پر نظر رکھ سکتا تھا۔ لیکن یہ مفروضہ تھا فتح خان کے ذہن میں کیا تھا یہ کچھ دیر میں سامنے آنے والا تھا۔

میرے موجودہ مصائب کے ذمے دار شمال کی طرف کیے جانے والے دو سفر تھے ایک جب میں کاکول جانے سے بچنے کے لیے گھر سے بھاگ نکلا تھا اور سرمد کے ساتھ اس کے گاؤں پہنچا تھا۔ راجا عمر دراز اور فتح خان سے وہیں واسطہ پڑا تھا۔ دوستی اور دشمنی کا یہ تعلق آج بھی برقرار تھا۔ پھر میں مونا اور سفیر کے ساتھ مری کی طرف گیا تھا جہاں منحوس نادر سے سامنا ہو گیا اور اس کی نحوست کا سایا ہمارے زندگیوں پر محیط ہو گیا تھا۔ وہ اور اس کا کینہ پرور بھائی مرشد ہمارے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اپنی فرعونیت کے زعم میں وہ بہر صورت ہمیں اپنے آگے جھکا کر تباہ کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ کتنے ہی طاقتور سہی اس کائنات کا نظام چلانے والی ہستی کوئی اور ہے اور انسانوں کی زندگی و موت کے فیصلے وہی کرتی ہے۔

○.....❖.....○

میں سوچوں میں گم تھا کہ مجھے کسی عورت کے چلانے کی آواز آئی۔ آواز دور سے آئی تھی اس لیے اتنی واضح نہیں تھی لیکن وہ تھی نسوانی آواز ہی۔ میں بے اختیار چٹانوں کے باہر والے حصے کی طرف بڑھا۔ وہاں فتح خان ایمن کے ساتھ موجود تھا۔ اس بار اس کے ساتھ دو افراد اور تھے جو ایمن کو پکڑے ہوئے تھے اور شاید وہی اسے یہاں تک لائے تھے۔ ایمن نے فتح خان کو دیکھا تو جان گئی کہ وہ کس جال میں پھنس گئی ہے۔ وہ مزاحمت کر رہی تھی۔ شاید اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی اور فتح خان کے آدمی اسے بازوؤں سے پکڑے کھینچے لیے چلے آ رہے تھے۔ فتح خان نے مجھے دیکھا اور ہنس کر ایمن سے کہا۔ ''لو دیکھو تمہارا لور بھی ادھر ہے۔''

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''فتح خان مہربانی کر کے فضول باتوں سے گریز کرو۔''

''شہباز۔'' ایمن چلائی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا پھر وہ فتح خان کے آدمیوں سے خود کو چھڑا کر میری طرف آئی اور مجھ سے چمٹ گئی۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے پاپا اس کے قبضے میں ہیں۔''

ایمن کا جسم مارے ہیجان کے کانپ رہا تھا۔ اس نے موسم کی مناسبت سے گرم لباس پہن رکھا تھا۔ اونی ٹوپی تلے سے اس کے سنہری مائل سرخ بال جھانک رہے تھے اور سردی سے اس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ میں نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا اور اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''ہاں برٹ شا یہیں ہے۔''

''پاپا زندہ ہیں..... وہ زندہ ہیں۔'' ایمن کی کپکپاہٹ بڑھ گئی تھی۔ وہ برسوں سے جس باپ کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتی آئی تھی کہ وہ زندہ ہے یا نہیں اور یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں رہی تھی آج اسے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا باپ زندہ ہے۔ وہ اتنی ہیجان میں تھی کہ اسے صورتِ حال کا بھی اندازہ نہیں تھا۔ ''پاپا کہاں ہیں مجھے ان سے ملواؤ..... پلیز شہباز۔''

''ایمن آرام سے..... آرام سے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''خود کو سنبھالو ابھی تمہیں آگے بہت مشکل مراحل دیکھنے ہیں۔ ہم سب بہت مشکل صورتِ حال سے دوچار ہیں۔''

''فتح خان۔'' وہ سرگوشی میں بولی۔ ''اسے کیسے پتا چلا کہ میں یہاں آرہی ہوں۔''

''اسے یوں پتا چلا کہ اصل میں اسی نے تمہیں دھوکا دے کر یہاں بلوایا ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

''اس نے بلایا ہے لیکن ای میل پر تو تم سے بات ہوئی تھی۔''

''بدقسمتی سے میرا سیل فون فتح خان کے ہاتھ لگ گیا اور اس میں میرے ای میل اکاؤنٹ کا پاس ورڈ محفوظ تھا۔ اس کے بعد اس کے لیے تمہیں دھوکا دینا مشکل نہیں تھا۔''

ایمن کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ''میرے خدا تو وہ تم نہیں تھے؟''

''ظاہر ہے میں تو خود فتح خان کی قید میں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تم نے یہ حماقت کیوں کی کہ صرف میری طرف سے ای میل پر بھاگی چلی آئیں؟''

اس نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''اس نے دھوکا ہی ایسا دیا تھا کہ تمہیں بیک وقت بہت سارے دشمن تلاش کر رہے تھے اور ان کی وجہ سے تم فون استعمال نہیں کر سکتے تھے اس لیے صرف ای میل پر مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔ پھر پاپا کا سن کر میں خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ اس نے بتایا کہ تم سوات میں چھپے ہو لیکن جب میں اس پتے پر پہنچی تو وہاں فتح خان کے آدمی تھے وہ مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔''

''کیا کسی کو معلوم ہے کہ تم یہاں آئی ہو؟''

''کسی کو بھی نہیں معلوم ہے حد یہ کہ میں جہاں جاب کر رہی ہوں وہاں بھی نہیں بتایا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔ یعنی اب اس بات کا کوئی امکان بھی نہیں تھا کہ ایمن کو تلاش کرتا ہوا کوئی آجائے۔ میرا اندازہ درست تھا کہ ایمن اپنے باپ کے بارے میں سن کر خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ فتح خان اور اس کے آدمی دور رہے تھے انہوں نے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایمن خود پر قابو پا رہی تھی ویسے بھی وہ مضبوط اعصاب والی تھی اور اس کا کام ہی آؤٹ ڈور تھا۔ اسے مختلف حالات اور لوگوں کا سامنا کرنا آتا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔ ''سوری میں پاپا کے بارے میں سن کر اتنی جذباتی ہو گئی کہ تم سے ہیلو ہائے کرنا ہی بھول گئی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں اسے اندر لے جاتے ہوئے بولا۔ ''اپنے باپ کو دیکھنے کے لیے دل ذرا مضبوط رکھنا۔''

وہ رک گئی۔ ''پاپا ٹھیک ہیں؟''

''ہاں لیکن اتنے عرصے فتح خان کی قید میں رہ کر اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا ہے۔ آؤ دیکھو اسے شاید تمہیں پہچان لے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایمن بے تابی سے آگے جا رہی تھی اور جیسے ہی اس کی نظر اپنے باپ پر پڑی وہ اس کی طرف لپکی اور اس کی حالت کی پروا کیے بغیر اس سے لپٹ گئی۔ وہ چلائی تھی۔ ''پاپا یہ کیا ہوا آپ کو؟''

لیکن برٹ شا اسے دیکھ کر دوبارہ چٹان کی جڑ میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے منہ سے ڈری ڈری آوازیں نکل رہی تھیں جیسے اسے ایمن سے کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہو۔ اس کے انداز سے قطعی نہیں لگ رہا تھا کہ اس نے ایمن کو پہچانا ہو۔ ایمن اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی اور ساتھ ہی مسلسل بول رہی تھی۔ ''پاپا..... کیا ہو گیا ہے آپ کو..... مجھے پہچانیں..... میں ایمن ہوں۔ آپ کی بیٹی پاپا۔''

مگر وہ بدستور اجنبی انداز میں چٹان کے ساتھ دبکا رہا۔ اس نے ایمن کی خود کو اٹھانے کی کوشش ناکام بنا دی۔ ایمن تھک ہار کر پیچھے ہٹ گئی اور اس نے میری طرف دیکھا اور روہانسے لہجے میں بولی۔ ''شہباز پاپا مجھے نہیں پہچان رہے۔''

''اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ اتنے برسوں سے فتح خان کی قید میں تھا اور اس نے اس پر تشدد بھی کیا ہے۔''

''تشدد۔'' وہ تڑپ اٹھی۔ ''لیکن کیوں؟''

''تم جانتی ہو۔ فتح خان کو ہیرے چاہئیں جو برٹ شا نے اسی وادی میں کہیں چھپا دیئے تھے۔ اس نے تمہیں بھی اسی مقصد کے لیے دھوکے سے یہاں بلوایا ہے اب یہ تمہارے ذریعے برٹ شا پر دباؤ ڈالے گا۔''

''پاپا پر۔'' اس نے باپ کی طرف دیکھا۔ ''مگر ان کو تو کچھ یاد نہیں ہے۔ اپنی بیٹی بھی یاد نہیں ہے۔''

میں نے ایمن کو ایک طرف لے آیا اور دھیمی آواز میں کہا۔ ''فتح خان کو شبہ ہے کہ برٹ شا پاگل نہیں ہے بلکہ بنا ہوا ہے۔''

''بکواس کرتا ہے وہ کتا۔'' ایمن نے تند لہجے میں کہا۔ ''کوئی اس طرح بھی پاگل بنتا ہے؟''

''برٹ شا اب سے نہیں بلکہ بہت عرصے سے پاگل ہے۔'' میں نے کہا میں نے ایمن کو یہ نہیں بتایا کہ میں بہت پہلے برٹ شا کو فتح خان کی قید میں دیکھ چکا تھا اس لیے کہ وہ محسوس کرتی کہ میں نے اسے باپ کی زندگی اور اس کی حالت سے بے خبر رکھا تھا اور یہ کام میں نے اپنی غرض سے کیا تھا۔ سچی بات بھی یہی تھی اگر میں ایمن کو بتا دیتا کہ اس کا باپ زندہ اور فتح خان کی قید میں ہے تو وہ سیدھا پاکستان کا رخ کرتی اور اس وقت تک کے لیے یہاں ڈیرا ڈال کر بیٹھ جاتی جب تک اس کا باپ نہیں مل جاتا اور مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑتا جب کہ مجھے اپنے بکھیڑوں سے فرصت نہیں تھی۔ اس لیے بھی میں نے اس مطلع نہیں کیا تھا۔

''میرے خدا۔'' وہ رونے والی ہو رہی تھی۔ ''اس ذلیل شخص نے پاپا کا کیا حال کر دیا ہے میں اسے قتل کر دوں گی۔''

ایمن کو معلوم نہیں تھا کہ وہ ذلیل شخص ہماری باتیں سن رہا تھا اور ممکن ہے ایمن کو ان گالیوں کی قیمت بھی چکانی پڑتی۔ اسے فتح خان سے نفرت تھی کیونکہ وہی اس کے اور اس کے باپ کے مصائب کا ذمے دار تھا۔ اس نفرت کی ایک وجہ شینا بھی تھی جو فتح خان کی داشتہ تھی اور اس نے مجھ پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی قید میں شینا نے مجھے رجھانے کی کوشش کی تھی اور یہ سب ایمن کے سامنے ہوا تھا۔ ایمن کے انداز میں بھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میرے لیے پسندیدگی تھی۔ اس پر دونوں خواتین میں جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ میں نے ایمن سے کہا۔ ''ایمن میری بات غور سے سنو۔ ہم نہایت سنگین حالات سے دوچار ہیں۔ فتح خان نے میرے بھائی کی بیوہ سویرا کو حویلی سے اغوا کر کے اپنی قید میں رکھا ہے اور اب تم بھی اس کی قید میں آ گئی ہو۔ برٹ شا پہلے ہی اس کے قبضے میں ہے۔''

سویرا کا نام سن کر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اس نے کہا۔ ''یہ سویرا وہی ہے نا جو شروع سے تمہارے گھر میں رہتی آئی ہے۔''

''ہاں یہ وہی ہے۔''

''اب تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے تب بھی کیا یہ تمہارے گھر میں رہ رہی ہے؟''

کہتے ہیں کہ خواتین میں کچھ اضافی حسیں بھی ہوتی ہیں جیسے کون سا مرد ان کو کس نظر سے دیکھ رہا ہے یا کون ان کو پسند کر رہا ہے اسی طرح ایک حس یہ بھی ہوتی کہ وہ جسے پسند کرتی ہیں اگر کوئی اور عورت اسے پسند کرے تو انہیں اس کا بھی پتا چل جاتا ہے۔ جب میں نے سرسری سے انداز میں سویرا کو ایمن کے بارے میں بتایا تھا تب اس کا ردِعمل بھی کچھ ایسا ہی تھا اور اس نے ایمن کے بارے میں کرید کرید کر پوچھا تھا کہ میرا اس سے کیا تعلق ہے اور وہ اب مجھ سے ملتی ہے یا نہیں۔

''ہاں وہ اب بھی اس گھر کا ایک فرد ہے۔'' میں نے جواب دیا اور موضوع بدل دیا۔ ''اس وقت مسئلہ فتح خان کا ہے وہ ہیروں کے لیے پاگل ہو رہا ہے جن کی مالیت اس وقت کم سے کم پچاس ملین ڈالرز ہو چکی ہے۔''

''پچاس ملین ڈالرز۔'' وہ حیران رہ گئی۔ ''اتنی قیمت ہے ان مٹھی بھر ہیروں کی؟''

''حالانکہ تمہیں بہتر معلوم ہونا چاہیے۔ تمہارا تعلق ایک لارڈ فیملی سے ہے۔''

''لارڈ فیملی سے تھا۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔ ''اب میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔''

''فتح خان ہیرے حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہے اس نے مجھے دھمکی دے دی ہے کہ ناکامی کی صورت میں وہ سویرا کو مرشد کے حوالے کر دے گا اور تم جانتی ہو کہ مرشد میرا کتنا بڑا دشمن ہے۔''

ایمن متفکر ہو گئی۔ ''تمہارے اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟''

''کچھ نہیں لیکن فتح خان کا خیال ہے میں ہیرے تلاش کر سکتا ہوں اس لیے پہلے اس نے مجھے اغوا کیا اور پھر سویرا کو بھی اغوا کر لیا تاکہ اس کی مدد سے مجھے مجبور کرے۔''

''تب وہ ہمارے ساتھ تو اس سے بھی برا کر سکتا ہے۔'' ایمن بولی۔ ''ہیروں کے بارے میں صرف پاپا کو علم ہے اور میں ان کی بیٹی ہوں۔''

''میں بھی اسی طرف تمہاری توجہ دلانا چاہ رہا ہوں۔ فتح خان اس وقت بہت خطرناک موڈ میں ہے۔''

''وہ کب خطرناک نہیں ہوتا۔ وہ دشمن ہے اور اس سے کوئی اچھی توقع نہیں رکھی جا سکتی ہے۔'' ایمن نے حقیقت بیان کی۔

''یہ ٹھیک کہتا ہے۔'' فتح خان وہاں آ گیا اس کے ہاتھ میں ایک خودکار رائفل تھی جس کا ایک ہی برسٹ ہم سب کو موت کی نیند سلانے کے لیے کافی تھا۔ ''دشمن ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔ اچھا بات ہے اب تم سے اور تمہارے باپ سے بات کرنے کا مزہ آئے گا۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''یہ ہوش میں نہیں ہیں۔'' ایمن نے برٹ شا کی طرف دیکھا۔ ''یہ ہمیں کتنا عرصہ یہاں رکھیں گے؟''

''اگر نہیں ہے تو جلد اسے ہوش آجائے گا۔'' فتح کان کا لہجہ سفاک ہو گیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز میں ایمن کو لے جائے گا۔ کل سے تمہارے اور برٹ شا کے پاس سات دن کا مہلت ہے۔ آٹھویں دن میں ایمن کے ٹکڑے کر کے اِدھر ڈالنا شروع کرے گا۔ جب تم صبح اٹھے گا تم کو اس کا جسم کا ایک حصہ ملے گا۔ چار پانچ دن بعد اس خبیث کے پاس بیٹی ٹکڑوں کا شکل میں ہو گا یہ چاہے تو جوڑ کر دوبارہ اسے بنا لے پر یہ زندہ نہیں ہو گا۔ تمہارے ساتھ کیا کرنا ہے وہ تم کو بتا دیا ہے۔ پھر تم اور یہ پاگل کا بچہ زندہ رہے گا اور سارا عمر اپنے نقصان کا ماتم کرتا رہے گا۔''

ایمن کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔ تھوڑی بہت اردو اسے بھی آتی تھی۔ اس نے گھبرا کر میری طرف دیکھا۔

''شہباز یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟''

میں نے اسے بتایا کہ فتح خان کیا کہہ رہا ہے۔ وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔ ''میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔''

''کیسے نہیں جائے گا۔'' فتح خان راتفل لہرا کر غرایا۔ ''دوست خان..... شیر خان۔''

فوراً ہی فتح خان کے دو ساتھی اپنے شانوں پر دو عدد تھیلے اٹھائے نمودار ہوئے اور وہ انہوں نے غار نما حصے کے سامنے رکھ دیئے۔ فتح خان نے ان کو ایمن کو وہاں سے لے جانے کا حکم دیا۔ اس نے مزاحمت کی تو میں نے کہا۔ ''ایمن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے ہم ابھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے صبر کرو اور وقت کا انتظار کرو۔''

''شہباز۔'' وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔

''شہباز ابھی پنجرے میں ہے۔'' فتح خان نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہے۔''

''تم فکر مت کرو مجھے اللہ پر بھروسہ ہے وہ ہماری مدد کرے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی تو وہ حسرت سے مجھے اور برٹ شا کو دیکھتی ہوئی فتح خان کے آدمیوں کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

''فتح خان۔'' ایمن کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''ایمن تمہارے ساتھ جا رہی ہے لیکن اگر بلاوجہ اسے ایک خراش بھی آئی تو تمہیں اس کا حساب دینا ہو گا۔''

میری بات پر فتح خان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے تشویش نظر آئی۔ مگر فوراً ہی وہ مسکرانے لگا اس نے دانت نکال کر کہا۔ ''تم فکر مت کرو ہم اسے پھول کی طرح رکھے گا۔''

''فتح خان اسے شہلا یا مہرو سمجھنے کی غلطی بھی مت کرنا تم عقل مند آدمی ہو اور عقلمند آدمی اسی وجہ سے بچا رہتا ہے کہ وہ اپنی عقل استعمال کرتا ہے اس پر جذبات کو حاوی آنے نہیں دیتا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا ایسا نہ ہو کہ تم اپنی کسی وقتی خواہش کے پیچھے اپنا مقصد گنوا دو۔''

فتح خان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے تم اس کا طرف سے بے فکر رہو میں نے جو کہا ہے اس کے علاوہ اس کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔''

''اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''اور تم دونوں کا بچنا اس [illegible]

''فتح خان تم پھر بلاوجہ مجھے ایک معاملے میں گھسیٹ لائے ہو اور اب [illegible]
کھل گیا ہے ایک بار یہ قصہ ختم ہونے دو اس کے بعد ہم دوبارہ ملیں گے۔''

فتح خان میری بات کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں انتظار کرے گا۔ ان تھیلوں میں کھانے پینے کا سامان ہے۔ سات دن آرام سے چل جائے گا۔ کچھ دوسرا چیز ہے جو ادھر کام آئے گا۔''

وہ جانے کے لیے مڑا تو میں نے کہا۔ ''ایک منٹ تم جا رہے ہو، تم سے رابطے کی کیا صورت ہوگی؟''

''اس تھیلے میں ایک سرخ رنگ کا جھنڈا ہے اگر تم ہیرا تلاش کر لے تو یہ جھنڈا ادھر کھنڈر کی سب سے اوپر والی چٹان پر لگا دینا۔'' اس نے چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ ''پر بلاوجہ مت لگانا اور جب جھنڈا لگا دینا تو تم اور برٹ شا دونوں اِدھر باہر موجود ہونا ورنہ میں ادھر نہیں آئے گا۔''

''اس کا مطلب ہے تم اور تمہارے آدمی یہیں ہوں گے؟'' میں نے کہا۔

''شہباز خان تمہارے اور اس پاگل کے پاس صرف سات دن کا مہلت ہے۔'' فتح خان نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''ابھی ادھر رکو ایک گھنٹہ سے پہلے یہاں سے باہر مت جانا ورنہ میرا آدمی اس بارزمین پر گولی نہیں مارے گا۔ ایک گھنٹے بعد بھلے تم وادی میں گھومے یا یہاں سے فرار ہو جائے۔''

میں ہنسا۔ ''اگر میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیا اور فرار ہو گیا تو؟''

''تب میں سات دن کا انتظار نہیں کرے گا۔'' فتح خان نے جواب دیا اور جھٹکے سے مڑ کر چٹانوں سے باہر چلا گیا۔ اس ساری گفتگو کے دوران برٹ شا اسی انداز میں چٹان کے ساتھ چپکا رہا۔ اس نے نہ تو ایمن پر توجہ دی تھی اور نہ ہی یہاں ہونے والی گفتگو پر توجہ دی تھی۔ وہ خود میں گم تھا۔ فتح خان اور ایمن کے جانے کے بعد بھی اس کے پوز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اگر وہ پاگل نہیں بنا ہوا تھا تو اس کی اداکاری بلاشبہ کمال کی تھی۔ وہ میری طرف بھی متوجہ نہیں تھا لیکن جب میں اس کے پاس آیا تو وہ کسی ہرن کی طرح خوفزدہ اور چوکنا ہو گیا حالانکہ میں بہت آہستگی سے اس کے پاس آیا تھا۔ میں اس کے پاس زمین پر بیٹھا اور بولا۔

''برٹ شا تم نے سن لیا ہے کہ فتح خان تمہاری اکلوتی بیٹی ایمن کے بارے میں کیا عزائم رکھتا ہے۔'' میں نے کہا اور اس دوران میں زمین پر انگلی سے لکھا۔ ''کوئی ایسی بات منہ سے مت نکالنا جس سے تمہارا پول کھل جائے۔ فتح خان ہماری گفتگو سن رہا ہے۔'' لکھ کر میں نے منہ سے کہا۔ ''اگر تم نے ہیروں والی جگہ نہیں بتائی تو فتح خان سات دن بعد اسے قسطوں میں قتل کرنا شروع کر دے گا اور اس کے ٹکڑے یہاں پھینک کر جائے گا۔''

برٹ شا کی نظریں زمین پر لکھی تحریر پر مرکوز تھیں۔ زمین بھی پتھریلی تھی لیکن اس پر گرد کی ایک تہہ آ گئی تھی۔ میں نے ہاتھ پھیر کر پرانی تحریر مٹا دی اور لکھا۔ ''برٹ شا اگر تم ہوش میں ہو تو اس معاملے میں پوری سنجیدگی سے سوچو۔'' میں نے منہ سے کہا۔ ''اب مہلت نہیں ہے۔ فتح خان ایمن کے ساتھ میری ہونے والی بیوی کو میرے دشمن مرشد کے حوالے کر دے گا۔''

برٹ شا نے گرد پر لکھی تحریر کو دیکھا اور یوں آنکھیں بند کر کے اونگھنے لگا جیسے میری کہی اور لکھی ہوئی ایک بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔ سورج سر سے ہو کر ذرا سے ڈھل گیا تھا لیکن اس کی تابناکی برقرار تھی۔ چٹانیں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

دھوپ سے اس طرح گرم ہوگئیں تھیں کہ اب پہنی ہوئی جیکٹ بھی بوجھ لگ رہی تھی۔ میں نے گرد کی تحریر صاف کی اور اٹھ کر تھیلوں کا سامان دیکھنے لگا۔ اس میں تقریباً سارا ہی ٹن پیک اور ڈبا بند غذا اور منرل واٹر کی بوتلیں تھیں حالانکہ یہاں منرل واٹر کی ضرورت نہیں تھی۔ چاروں طرف منرل واٹر ہی تھا۔ جو یقیناً اس بوتل بند پانی سے کہیں بہتر تھا۔ دوسرے سامان میں ایک عدد سلیپنگ بیگ تھا جو یقیناً برٹ شا کے لیے تھا کیونکہ کھلا سونا ممکن نہیں تھا۔ سر پر باندھنے والی جدید ترین ٹارچیں جو بیس پچیس گھنٹے تک روشن رہ سکتی تھیں یہ یقیناً رات کے لیے تھیں۔ دشوار گزار جگہوں پر جانے کے لیے رسیاں اور کوہ پیمائی کی کچھ چیزیں تھیں۔ لیکن چالاک فتح خان نے ایسی کوئی چیز نہیں دی تھی جسے میں ہتھیار کے طور پر استعمال کرسکتا۔ سوائے ایک ناکارہ پستول کے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔

برٹ شا شاید بھوکا تھا کیونکہ وہ ٹن بند خوراک کو للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی صحت سے لگتا تھا کہ فتح خان اسے بھوکا بھی رکھتا ہوگا، شاید وہ اسے اس طرح سزا دیتا تھا۔ بعض لوگ کے لیے بھوک سے زیادہ خوفناک سزا اور کوئی نہیں ہوتی ہے۔ میں نے ایک فرائی آلو کا ٹن کھول کر اس کی طرف بڑھایا تو اس نے بے صبری سے اچک لیا اور جلدی جلدی کھانے لگا جیسے اسے خطرہ ہو کہ میں کہیں واپس نہ لے لوں۔ میں نے اپنے لیے ایک ٹیونا کا ٹن نکالا۔ یہ سرد نہیں رہا تھا اس لیے میں نے آرام سے خشک تندوری نان کے ساتھ کھا لیا۔ پھر اسپرٹ سے جلنے والا برنر نکال کر اس پر کافی تیار کی اور ایک مگ برٹ شا کی طرف بڑھا دیا جو اب ٹیونا کا ٹن خالی کر رہا تھا۔ ٹن خالی کر کے اس نے حریص نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی بھوک مٹی نہیں تھی بس پیٹ بھر گیا تھا۔

''اس وقت کے لیے اتنا کافی ہے زیادہ ٹیونا کھانے سے پیٹ خراب ہوسکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لو کافی پیو، نیس کیف ہے۔''

برٹ شا نے جلدی سے مگ تھام لیا اور ایک گہری سانس لے کر پہلے کافی کی خوشبو محسوس کی اور پھر اس کے گرم ہونے کی پروا کیے بغیر ایک گھونٹ بھرا۔ اس کا منہ جل گیا تھا لیکن وہ بدمزہ نہیں ہوا۔ جیسے ہی اس کے منہ کی جلن کم ہوئی اس نے پھر ویسا ہی بڑا سا گھونٹ لیا۔ میں اس کے پاس ایک پتھر پر ٹک گیا۔ کھانے پینے کے معاملے میں برٹ شا ہوشیار نظر آ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ کھایا کیسے جاتا ہے اور کون سی چیز پینے والی ہے۔ پھر وہ کھانے پینے کی چیزوں سے پوری طرح لطف اندوز بھی ہو رہا تھا۔ لیکن یہ کسی کی ہوشیاری جانچنے کا پیمانہ نہیں ہے کیونکہ بھوک تو پاگل کو بھی لگتی ہے۔ میں نے کہا۔ ''برٹ شا تم میری بات سن رہے ہو؟''

اس نے کافی پیتے پیتے منہ اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ ''برٹ شا کیا تمہیں ہیرے یاد ہیں؟'' اس سوال پر بھی وہ اسی طرح دیکھتا رہا۔ ''تمہیں یاد ہے تمہارا تعلق ایک معزز انگلش فیملی سے ہے۔ تمہیں معلوم ہے تمہاری گمشدگی کا فائدہ اٹھا تمہارے کزن ڈیوڈ شا نے تمہاری جاگیر اور خطاب پر قبضہ کرلیا ہے اور تمہاری اکلوتی بیٹی ایمن کو کچھ نہیں ملا ہے۔ تم نے ایمن کو دیکھا ابھی آئی تھی۔ فتح خان نے اسے پکڑ لیا ہے اور اگر تم نے اسے ہیرے نہ دیئے تو وہ ایمن کو قتل کردے گا۔''

میری گفتگو کے دوران وہ اسی طرح منہ اٹھائے دیکھتا رہا جیسے غور سے میری بات سن رہا ہو لیکن جیسے ہی میں خاموش ہوا وہ پورے خضوع و خشوع سے کافی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ لگتا تھا میرا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ سے وہ آیا تھا میں نے اس کے منہ سے ایک بھی لفظ نہیں سنا تھا وہ بس چبتا تھا یا ہنستا تھا۔ مجھے اب

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تشویش ہونے لگی تھی اگر وہ سچ مچ دیوانہ ہو گیا تھا تو ہیروں کے بارے میں کون بتاتا۔ اگر فتح خان کو وہ لعنتی ہیرے نہیں ملتے تو وہ اپنی دھمکی پر عمل کر گزرتا۔ اس وقت مجھے غصہ آ گیا اور شاید میں برٹ شا کی گردن پکڑ کر جھنجھوڑنا شروع کر دیتا لیکن مجھے بروقت خیال آ گیا۔ اگر وہ ہوش مند تھا تو میں نے ہی اسے فتح خان کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ ہماری باتیں سن رہا ہے اس لیے وہ بدستور پاگل بنا ہوا تھا۔ اس لیے اگر وہ مجھ سے کوئی بات کرنا بھی چاہتا تو کس طرح کر سکتا تھا۔

میں نے سوچا اور پہلے اٹھ کر برٹ شا کو ٹٹول کر دیکھا کہ کہیں اس کے لباس میں بھی تو کوئی ایسی چپ نہیں چھپی ہے۔ وہ ڈری ڈری آوازیں نکالتا رہا لیکن اس نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ اچھی طرح اطمینان کر کے میں وہاں سے اٹھ کر ذرا دور آیا اور جیکٹ اتار کر ایک پتھر پر رکھ دی۔ یہ غار نما جگہ سے کوئی تیس چالیس فٹ دور تھا۔ میرا خیال تھا کہ اتنے فاصلے سے جیکٹ میں لگی چپ ہماری آواز کیچ نہیں کر سکے گی۔ پھر میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر سامان بھی غار کے سب سے اندرونی حصے میں رکھ دیا ممکن ہے اس میں بھی کوئی ایسی چیز ہو۔ پھر میں برٹ شا کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس بار اس نے صرف چوکنا نظروں سے مجھے دیکھا وہ خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔

''مسٹر برٹ شا اگر تم بنے ہوئے پاگل ہو تو فوری طور پر اپنا پاگل پن ترک کر دو۔ کم سے کم میرے سامنے، میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اس وقت فتح خان ہماری گفتگو نہیں سن رہا ہے کیونکہ میں جیکٹ دور رکھ آیا ہوں۔ گفتگو سننے والا آلہ اسی میں لگا ہوا ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو ایک بار پہلے بھی میں فتح خان سے تمہاری اور تمہاری بیٹی کی جان بچا چکا ہوں۔ اس وقت بھی میں تم دونوں کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ فتح خان نے مجھے ٹریپ کیا ہے لیکن میں اس کی چال سے واقف ہو چکا ہوں۔ اب میں اس کی چال اسی پر الٹ دینا چاہتا ہوں لیکن اس کے لیے ضروری ہے تم میرا ساتھ دو۔ تم میری بات سن رہے ہو نا؟''

اس اچانک سوال پر اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا بس ایک ٹک مجھے دیکھتا رہا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے میرا کہا ہوا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔ میں کچھ دیر اس سے سر مارتا رہا۔ آخر تنگ آ کر میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے کل سے میں تمہیں پوری وادی میں گھماؤں گا۔ تم یاد کرنے کی کوشش کرو گے کہ ہیرے کہاں ہیں؟''

میں نے واپس جا کر جیکٹ پہنی اور چٹانوں سے باہر نکل آیا کیونکہ فتح خان کی دی ہوئی ایک گھنٹے والی وارننگ پوری ہو چکی تھی۔ میں نے آس پاس کا جائزہ لیا لیکن کہیں کوئی نظر نہیں آیا۔ شاید فتح خان جنوب مشرق کی طرف جا چکا تھا جہاں سے ہم اس وادی میں داخل ہوئے تھے۔ وہ وہیں سے ہماری نگرانی کرتا اور اس کے لیے اس کے پاس چپ کا سگنل ریسیور موجود تھا۔ جو نہ صرف میری لوکیشن بتاتا بلکہ میری اور برٹ شا کی گفتگو بھی اسے سناتا۔ کھنڈرات سے باہر آ کر میں وادی کی ڈھلانوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس کا قطر ایک میل سے کچھ ہی کم تھا بلکہ اگر اوپری ڈھلانوں کو شامل کر لیا جاتا تو وادی ایک مربع میل سے زیادہ رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ ڈھلانوں پر گھنے جنگل تھے اور نیچے کوئی پانچ سو گز قطر میں خشک اور چٹیل چٹانیں تھیں جن کا بلند وسطی حصہ موسم کے سرد و گرم سہہ کر کھنڈرات کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

شاید کسی زمانے میں اس وادی میں کوئی آتش فشاں پھٹا تھا اور یہ چٹیل میدان اس کے لاوے سے بنا تھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کیونکہ پورا علاقہ ایک ہی چٹان پر مشتمل تھا اور اتنی بڑی چٹان صرف لاوے سے وجود میں آ سکتی ہے۔ جہاں جنگل اور ڈھلان شروع ہو رہی تھی وہاں برف اور جا بجا نشیب میں چھوٹے چھوٹے تالاب بن گئے تھے جن میں پانی تھا رات کو شاید یہ جم جاتا تھا اور صبح دوبارہ پانی کی صورت اختیار کر جاتا۔ میں جنگل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور کوئی دو میل سے زیادہ کا فاصلہ طے کر کے اسی جگہ آ گیا جہاں سے چلا تھا۔ جہاں سامان رکھا تھا وہ جگہ شمال مشرق کی سمت تھی اور یہاں سے ڈھلان دو سو گز سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔

چٹانوں سے باہر موسم سرد تھا اور دھوپ میں بھی سردی واضح محسوس کی جا سکتی تھی۔ میں چٹانوں میں داخل ہوا تو سورج ڈھلنے لگا تھا اور کچھ دیر میں شام سر پر ہوتی۔ اس سفر کے دوران مجھے جہاں بھی خشک اور پڑی ہوئی لکڑی نظر آئی میں نے اٹھا لی اس طرح رات کو الاؤ جلانے کے لیے خاصی لکڑی مل گئی تھی۔ میں غار نما حصے میں داخل ہوا تو برٹ شا وہاں نہیں تھا جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔ اسے غائب پا کر مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر کہیں نکل گیا ہے۔ وہ اگر سچ مچ پاگل تھا تو بھی مجھے اسے یوں چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا اور اگر ہوش مند تھا تو اس نے اپنے ساتھ مجھے بھی مروا دیا تھا۔ میں غصے میں غار نما حصے کی طرف آیا اور پھر رک گیا۔ برٹ شا دو ٹھیلوں کے درمیان دبکا ہوا بے خبر سو رہا تھا اور اس کے کھلے منہ سے خفیف سی سیٹی نما آواز نکل رہی تھی۔ میں نے لکڑی الاؤ والی جگہ رکھ دی اور برٹ شا کے لیے لایا جانے والا سلیپنگ بیگ نکال کر اس پر ڈال دیا۔ اس نے سوتے میں اسے پکڑ لیا۔

اس لمحے میں نے محسوس کیا کہ وہ بنا ہوا پاگل نہیں ہے اس کا دماغ سچ مچ جواب دے گیا تھا۔ مستقل تکلیفوں اور اذیتوں نے بالآخر اسے دیوانہ بنا دیا تھا۔ نہ جانے فتح خان اور اس کے اس سے بھی زیادہ وحشی ساتھی اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے رہے ہوں گے۔ جب سے میں نے اسے دیکھا تھا اس کے انداز میں کہیں ایک لمحے کو بھی بناوٹ نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے اتنے سالوں بعد اپنی اکلوتی بیٹی کو بالکل کسی انجان کی طرح دیکھا تھا۔ کوئی انسان خود پر کتنا ہی قابو کیوں نہ رکھے کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کے سامنے وہ بناوٹ نہیں کر سکتا ہے۔ یہ خاصی خوفناک بات تھی اگر برٹ شا سچ مچ پاگل ہو گیا تھا تو ہیرے ہاتھ سے گئے تھے۔ ان کی جگہ سے وہی واقف تھا۔ اب تک فتح خان کی ساری حکمتِ عملی اسی پر منحصر تھی کہ برٹ شا اصل میں اداکاری کر رہا ہے اور اپنی جان اور ہیرے بچانے کے لیے اس نے خود پر مصنوعی پاگل پن طاری کر لیا ہے۔ وہ کسی صورت یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا کہ برٹ شا سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔

صرف فتح خان ہی نہیں خود میری بھی یہی سوچ تھی کہ برٹ شا اداکاری کر رہا ہے۔ جب آخری بار میں نے اسے فتح خان کی قید میں دیکھا تھا تو اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ پاگل نہیں بلکہ بنا ہوا ہے۔ اسی بنا پر میرے ذہن میں آیا تھا کہ وہ اب بھی اپنی اداکاری پر قائم ہوگا۔ مگر گزشتہ چند گھنٹوں میں، میں نے جس برٹ شا کو دیکھا تھا وہ سچ مچ ہوش و حواس سے بیگانہ محسوس ہو رہا تھا اور اس پاگل کو فتح خان نے میرے سر مار کر ہیرے تلاش کرنے کا کام سونپ دیا تھا۔ برٹ شا نے اب تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے پتا چلتا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے اس کا انداز بالکل فطری تھا۔ اس میں بناوٹ مشکل سے ہی تلاش کی جا سکتی تھی۔

سورج ڈھلنے کے باوجود چٹانوں کی تپش کم نہیں ہوئی تھی۔ یہاں موسم بھی نہایت خشک تھا اس لیے گلا بار بار

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

خشک ہو جاتا تھا۔ میں نے ایک کولڈ ڈرنک ٹن نکالا اور جب اسے کھولا تو گیس نکلنے کی آواز سن کر برٹ شا اٹھ بیٹھا تھا۔ اس نے منہ چلاتے ہوئے میری طرف دیکھا تو میں نے اسے بھی ایک ٹن کھول دیا۔ اس نے چند گھونٹ میں ٹن خالی کر دیا اور پھر اسے لاپروائی سے ایک طرف پھینک کر اٹھ کر باہر جانے لگا۔ میں اٹھ کر بے قدموں اس کے پیچھے آیا۔ لیکن باہر جانے کے بجائے وہ ایک طرف چٹان کی آڑ میں جا کر فارغ ہونے لگا۔ میں ایک بار پھر شک میں پڑ گیا۔ وہ پاگل تھا تو اسے یہ احساس کیسے تھا کہ رفع حاجت کسی جگہ چھپ کر کی جاتی ہے۔ اپنا کام کر کے وہ واپس آیا اور اسی چٹان سے ٹک کر اونگھنے لگا۔

''برٹ شا تم بول سکتے ہو؟'' میں نے پوچھا مگر اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ زبان کی بات سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور دل میں کہا۔ ''ٹھیک ہے بیٹا تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس سے پالا پڑا ہے۔''

میں اندر آیا ایک طاقتور ٹارچ اور سہارا لینے والی اسٹک اور رسی اٹھائی اور باہر آیا۔ میں نے برٹ شا کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔ اس کے ایک ہاتھ پر رسی باندھی اور بغیر کچھ کہے اسے لے کر چل پڑا میں نے شمال مغربی ڈھلان کا رخ کیا تھا۔ ممکنہ طور پر برٹ شا نے ہیرے ان ہی اطراف میں کہیں چھپائے تھے۔ وہ کمزور تھا اور اتنی آسانی سے نہیں چل پا رہا تھا لیکن میں اسے کھینچتا ڈھلان والے جنگل میں داخل ہو گیا۔ میں نے چلتے چلتے کہا۔ ''برٹ شا اس جنگل کو غور سے دیکھو تم یہاں بارہ سال پہلے آئے تھے اور تم نے یہاں ہیروں سے بھرا ایک فولادی بکس چھپایا تھا۔ یاد کرو تم نے کہاں چھپایا تھا؟''

مگر وہ چلتا اور کراہتا رہا زبان سے اس نے ایک لفظ نہیں کہا اور نہ ہی اس نے میرے سوال پر کوئی ردِعمل ظاہر کیا تھا۔ میں بار بار اسے ہیروں کا ذکر کر کے یاد کرنے کو کہتا رہا۔ جنگل تلے تاریکی چھانے لگی تھی حالانکہ اوپر ابھی دھوپ اور روشنی تھی۔ مگر گھنے درختوں تلے بہت کم روشنی آ رہی تھی بعض مقامات پر تو اتنا اندھیرا تھا کہ مجھے ٹارچ روشن کرنا پڑی تھی۔ جب تک اوپر بھی مکمل تاریکی نہیں پھیل گئی میں برٹ شا کو لے کر گھومتا رہا۔ دو گھنٹے بعد اس کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ اب اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ کئی بار وہ لڑکھڑایا لیکن میں نے اسے گرنے نہیں دیا تھا۔ اس طرح کی دشوار پہاڑی ڈھلانوں پر سفر کرنا آسان نہیں ہوتا ہے اچھے خاصے صحت مند لوگ تھک جاتے ہیں برٹ شا تو ایک کمزور اور بوڑھا انسان تھا۔ جب میں اسے لے کر کھنڈرات میں واپس آیا تو وہ گر جانے کے انداز میں سلیپنگ بیگ پر لیٹ گیا تھا۔ تھکن تو مجھے بھی تھی لیکن میں پُرمشقت زندگی کا عادی ہو گیا تھا۔

چھ بجے اندھیرا چھانے لگا تھا اور ساڑھے چھ بجے تک باہر مکمل تاریکی نے ڈیرا جما لیا تھا۔ میں نے لالٹین روشن کیا تو غار نما حصہ گرم ہونے لگا تھا کیونکہ سورج ڈوبتے ہی چٹانیں بہت تیزی سے ٹھنڈی ہو گئی تھیں اور اب سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ سرد ہونے کے دوران چٹانوں سے عجیب و غریب چٹخنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آتی رہی تھیں۔ شاید گرمی سردی کا یہ چکر ہی ان چٹانوں کی شکست و ریخت کا باعث تھا۔ جب چٹانیں گرم ہوتی ہیں تو پھیلتی ہیں اور جب سرد ہوتی ہیں تو سکڑ جاتی ہیں۔ اسی دوران میں یہ کہیں کہیں سے چٹختی ہیں اور ان میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ پھر ان دراڑوں میں بارش کا پانی جاتا ہے اور وہ سردی سے جم کر پھیلتا ہے تو ان دراڑوں کو مزید

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

توڑتا ہے۔ ہزاروں سال کے اس چکر سے چٹانیں ٹوٹ پھوٹ کھنڈرات کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔ الاؤ روشن کر کے میں نے کافی کا پانی رکھا جب کافی کی خوشبو پھیلی تو برٹ شا سوتھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ اسے بھی کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ میں نے اس کے لیے بھی نکالی اور کہا۔ ''کھانے پینے کے معاملے میں تم ہوشیار ہو۔''

اس نے دانت نکال کر میری طرف دیکھا اور نہایت انہماک سے کافی پینے لگا میں نے اچانک پوچھا۔ ''تمہیں نیس کیف پسند ہے؟''

ایک لمحے کو لگا جیسے وہ اثبات میں سر ہلانے والا ہے۔ لیکن پھر اس نے معمول کے مطابق منہ اٹھا کر مجھے دیکھا اور کافی پینے لگا۔ میں نے دل میں کہا۔ ''بڑے میاں اگر تم پاگل نہیں ہو تو نہایت کپے ہو۔ بہر حال ابھی ہمارے پاس سات دن ہیں اس کے بعد جو ہوگا وہ تم بھی دیکھو گے اور میں بھی۔''

کافی پی کر میں بہ ظاہر سامان دیکھنے اور ان کو الگ الگ ترتیب سے رکھنے لگا لیکن اصل میں میں یہ دیکھ رہا تھا کہ کہیں سامان میں کوئی اور سگنل دینے والی ڈیوائس تو نہیں ہے۔ میں نے کھانے کی ٹن بند اور ڈبا پیک چیزیں ایک طرف رکھ دیں۔ اسی طرح کولڈ ڈرنک کے ٹن اور کافی بنانے کا سامان ایک طرف کیا۔ ٹارچز اور دوسری کام کی چیزیں ایک بیگ میں کر دیں۔ پھر میں نے برٹ شا کو سمجھایا کہ سلیپنگ بیگ کیسے استعمال کرتے ہیں اور اسے باقاعدہ اس کے اندر گھس کر لیٹ کر دکھایا۔ یہ بستر کا کام بھی دیتا تھا اور کمبل کا بھی۔ دو تین بار سمجھانے پر برٹ شا سمجھ گیا اور اس نے اس کے اندر گھس کر لیٹ کر دکھایا۔ اس کا خوف خاصی حد تک کم ہو گیا تھا اور اب وہ مجھ سے بھڑک نہیں رہا تھا۔

منرل واٹر کی بوتلیں میں نے ایک طرف رکھ دی تھیں۔ فتح خان نے جو سامان دیا تھا اس میں پنیر، مکھن اور خشک کیا ہوا ڈبا بند گوشت بھی تھا۔ میں نے رات کے کھانے کے لیے گوشت اور پنیر نکالا۔ اسے چھوٹے سے فرائی پان میں گرم کیا۔ پھر آگ کے پاس رکھ کر نان گرم کیے۔ میں تو خوب گھوما تھا۔ لیکن برٹ شا بھی آج کم نہیں چلا تھا اس کا بھوک سے برا حال تھا اس لیے جب میں نے کھانے کی تیاری شروع کی تو وہ پہلے سے آ کر بیٹھ گیا اور للچائی نظروں سے کھانے کی چیزوں کو دیکھتا رہا مگر اس نے خود سے کوئی چیز نہیں چھیڑی۔ میں نے ڈنر گرم کر کے اس کے سامنے رکھا تو وہ اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر بے سُدھ ہو کر پڑ گیا۔ میں نے چلا چلا کر اسے تھکا مارا تھا اور آج تو آغاز تھا۔

گزشتہ رات نہ تو کوئی بڑا جانور اس طرف پھٹکا تھا اور نہ ہی ان کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ ایسے جانور یا تو یہاں پائے ہی نہیں جاتے تھے یا سردیوں میں یہاں سے کہیں اور چلے جاتے تھے۔ پھر بھی احتیاطاً کھانے پینے کا سامان غار کے سب سے اندر والے حصے میں رکھا تھا۔ اس کے چکر میں کوئی جانور اس طرف آ جاتا تو بلاوجہ ہڑبونگ مچتی یا وہ دوسری چیزیں بھی خراب کر دیتا۔ برٹ شا بھی اندر ہی سو رہا تھا اسے پھر سمجھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی وہ خود سلیپنگ بیگ میں گھس کر سو گیا تھا۔ میں نے اس کے بعد اپنا خیمہ لگایا اور اس سے آگے الاؤ تھا۔ جس کی حدت غار کو بھی گرم کر رہی تھی۔ سونے کے لیے لیٹا تو مجھے مہرو کا خیال آیا۔ نہ جانے وہ کہاں بھٹک رہی ہوگی۔ ویسے وہ کم سے کم اس وادی سے دور جا چکی ہوگی۔

میں مہرو پر انحصار نہیں کر سکتا تھا ایک تو میں نے ایک چانس لیا تھا۔ دوسرے اس کی موجودگی مجھ پر بوجھ تھی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اور میرے ہاتھ پاؤں کہیں اس کی وجہ سے رک سکتے تھے۔ اب میں کم سے کم اس کے بوجھ سے آزاد تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اپنا راستہ لیتی اور راجا عمر دراز تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتی۔ وہ فتح خان کے چنگل سے نکل جاتی تو اس کے لیے یہی بہت ہوتا۔ میرے حساب سے تو زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ وہ پلٹ کر واپس آنے کے لیے نہیں گئی تھی۔ وہ جوان اور خوب صورت عورت تھی اسے سہارا دینے والے بھی بہت مل جاتے۔ وہ مرد کے معاملے میں تجربہ کار تھی اس لیے اس کے دھوکا کھانے کا امکان بھی کم تھا۔ پھر اس میں ایک نوع کی خانہ بدوش ہوشیاری پائی جاتی تھی۔ وہ خود کو سنبھال سکتی تھی۔

ان دنوں میں جس خیال سے سب سے زیادہ بچنے کی کوشش کرتا تھا وہ سویرا کا خیال تھا۔ کیونکہ اس کے بارے میں سوچتے ہی میرے اندر جیسے کچھ چبھنے لگتا تھا۔ مجھے یہ خیال بے چین کر دیتا کہ وہ قید میں نہ جانے کس حال میں ہوگی۔ وہ میرے بارے میں سوچتی ہوگی کہ میں اسے رہا کرانے کے لیے کچھ کیوں نہیں کر رہا ہوں۔ اس وقت بھی مجھے سویرا کا خیال آیا اور اس کے بارے میں سوچتے ہوئے کسی وقت مجھے نیند آ گئی۔ پھر میری آنکھ کھٹ پٹ سے کھلی۔ میں نے خیمے کی زپ کھولی تو برٹ شا کو کھانے پینے کی چیزیں الٹتے پلٹتے پایا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' میں نے کہا تو وہ بھڑک کر جلدی سے واپس اپنی جگہ آ گیا۔ وہ چیزوں کو دیکھ رہا تھا اس نے کسی چیز کو کھولا نہیں تھا۔ صبح قریب تھی اور شاید اسے دوبارہ بھوک لگ گئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''سو جاؤ ابھی صبح ہی کچھ کھانے کو ملے گا اس سے پہلے نہیں مل سکتا ہے۔''

وہ سعادت مندی سلیپنگ بیگ میں گھس گیا۔ میں باہر آیا۔ مجھے حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ میں ٹارچ لے کر چٹانوں کے درمیان آیا۔ دن میں یہ چٹانیں جتنی گرم ہو جاتی تھیں اس وقت اتنی ہی ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے میں منرل واٹر کی بوتل لے گیا تھا کیونکہ باہر اس وقت کہیں پانی موجود بھی تھا وہ برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا ہوتا۔ میں فارغ ہو کر واپس آیا اور الاؤ میں مزید لکڑی ڈالی اس میں آگ کم رہ گئی تھی۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے میں کمبل لے کر الاؤ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

فتح خان نے اگرچہ ہمیں آزاد چھوڑ دیا تھا لیکن اس نے ہمارے گرد ایسی دیواریں کھڑی کر دی تھیں جن کو عبور کرنا کم سے کم میرے بس کی بات نہیں تھی۔ سویرا کی ذات پر میں ایک ذرا سا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ برٹ شا اگر ہوش مند تھا تو وہ بھی یقیناً ایمن کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا لیکن ابھی اس کے پاس مہلت تھی۔ اگر وہ سچ مچ دیوانہ تھا تو فتح خان کی تگ و دو ہی بے کار تھی۔ فتح خان ہماری نگرانی کر رہا تھا اس کے آدمی یقیناً اس وادی میں بھی تھے۔ پھر چپ کی مدد سے بھی نگرانی کر رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ رات کو نگرانی کے لیے اس نے کیا کیا ہوگا۔ ممکن ہے اس کے آدمیوں کے پاس تاریکی میں دیکھنے والی عینکیں اور دوربینیں ہوں۔

اس قسم کی چیزیں آج کل بازاروں میں عام مل جاتی ہیں۔ ان میں خاص لینس لگے ہوتے ہیں جو حرارت کو دیکھ لیتے ہیں اس لیے اگر بالکل اندھیرے میں بھی کوئی حرارت والا جسم ہو جیسے زندہ انسان یا جانور یا پھر کوئی ایسی بے جان چیز جو حرارت خارج کرتی ہو تو ان کی مدد سے انہیں بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ خود ہمارے پاس اس قسم کی عینکیں اور دوربینیں تھیں۔ لازمی بات تھی کہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کے پاس اس قسم کی رات میں دیکھنے والی چیزیں ہوں گی۔ میں سوچتا اور اوگھتا رہا۔ فی الحال مجھے سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ برٹ شا کو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لے کر وادی میں چکراتا رہوں اور اسے ہیروں والی جگہ بتانے پر اکساتا رہوں۔

برٹ شا کی استقامت حیران کن تھی۔ اب نہ جانے یہ اس کی ہیروں سے محبت تھی یا اپنی ذمے داری کا احساس تھا کہ اس نے اتنے سال فتح خان کی قید میں گزار دیئے۔ وہ بدترین حال میں رہا اور شاید ہی کوئی تکلیف ایسی ہو جو اس نے نہ سہی ہو پھر بھی اس نے فتح خان کو ہیروں کے بارے میں بتایا تھا۔ ابھی میں اس کی ذہنی حالت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن کچھ عرصے پہلے جب میں نے اسے فتح خان کی قید میں دیکھا تھا تو وہ بنا ہوا دیوانہ تھا۔ اس وقت فتح خان اسے اصلی دیوانہ سمجھتا تھا اور اب شاید وہ سچ مچ ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا تو فتح خان کو یقین تھا کہ وہ ہوش میں ہے اور اداکاری کر رہا ہے۔

میں سوچتا کہ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو بہت پہلے فتح خان سے تصفیہ کر چکا ہوتا۔ لیکن یہ میرا خیال بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میں اس معاملے کو باہر سے دیکھ رہا تھا۔ اصل احساس تو اس کے پاس ہوتا ہے جس پر گزر رہی ہوتی ہے نہ جانے کیوں برٹ شا اب تک ہیرے نہ دینے پر اڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے بہترین سال ایک اذیت ناک قید میں گزار دیئے تھے۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی۔ میں اپنے ذہن سے سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے مجھے ان حالات سے واسطہ پڑتا جن سے برٹ شا کو پڑا تھا تو میں بھی اسی کی طرح سوچتا اور اسی کی طرح فتح خان کے سامنے ڈٹ جاتا۔ ہر آدمی میں عزتِ نفس اور اس کا معیار ہوتا ہے۔ میری عزتِ نفس اور اس کا معیار یہ تھا کہ میں مرشد علی کے سامنے ڈٹ جاؤں اور اس کی تمام تر طاقت اور جبر کے باوجود اس کے سامنے ہتھیار نہ ڈالوں کیونکہ یہ میری اور میرے ساتھیوں کی عزت کا سوال تھا۔ ایسی ہی عزتِ نفس اور اس کا معیار برٹ شا بھی رکھتا تھا۔ وہ اس کی خاطر جان دے سکتا تھا اور ہر ظلم برداشت کر سکتا تھا لیکن ہتھیار نہیں ڈال سکتا تھا۔

مگر اس دنیا میں ہر چیز کی ایک حد ہے۔ انسان اپنی عزتِ نفس کو بھی صرف ایک حد تک دیکھ سکتا ہے بعض اوقات اس کے سامنے ایسی صورتِ حال آ جاتی ہے جس میں اسے اپنی عزتِ نفس یا اس سے بھی زیادہ قیمتی چیز میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ بعض لوگ جن کے نزدیک سوائے اپنی اور کسی کی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنی عزتِ نفس کو اہمیت دیتے ہیں اور اپنے پیاروں کو قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ عزتِ نفس نہیں بلکہ خود پرستی ہے جس میں انسان بس خود کو ہی سب سمجھتا ہے اور کسی کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ برٹ شا اس وقت مجھے ایک ایسا ہی شخص لگ رہا تھا اس میں خود پرستی تھی۔ اسے اپنی اکلوتی بیٹی کی پروا بھی نہیں تھی جو دشمنوں کے قبضے میں آ چکی تھی۔ خیالوں کے دوران دوبارہ نیند نے غلبہ پا لیا اور دوسری بار آنکھ کھلی تو الاؤ کے راکھ ہو رہے تھے اور صبح کی روشنی نمودار ہو چکی تھی۔ میں ایک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا اور پھر یہ انگڑائی ادھوری رہ گئی کیونکہ برٹ شا کا سلیپنگ بیگ خالی تھا۔

میں تیزی سے اٹھا اور کمبل پھینک کر باہر نکل آیا۔ میں نے برٹ شا کو آواز دینے سے گریز کیا اور دبے قدموں چٹانوں کے درمیان چلتے ہوئے اسے تلاش کرنے لگا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ فرار نہیں ہوا ہے تو کہاں گیا ہے؟ مگر جلد میں نے اسے ایک جگہ مخصوص پوز میں بیٹھے پایا۔ وہ رفع حاجت کر رہا تھا۔ میں اس سے کچھ دور ہو گیا لیکن میں نے اطمینان کر لیا کہ اگر وہ یہاں سے اٹھے گا تو لازمی میری نظروں میں رہے گا۔ اسے علم نہیں تھا کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ وہ فراغت حاصل کرنے کے ساتھ کچھ گنگنا بھی رہا تھا میں نے غور کیا تو وہ کچھ اشعار

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

گنگنا رہا تھا۔ کم سے کم الفاظ کی ترتیب سے تو یہ شاعری لگتی تھی۔ ویسے مجھے انگریزی کی شاعری اور نثر میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا ہے۔ ممکن ہے ادبی ذوق رکھنے والے حضرات کا نقطہ نظر مختلف ہو۔ کل سے اب تک میں پہلی بار اسے کچھ بولتے سن رہا تھا۔ آواز دھیمی اور لہجہ صاف تھا۔ غالباً وہ سمجھ رہا تھا کہ میں سو رہا ہوں اس لیے وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر بولنے کی خواہش پوری کر رہا تھا۔

انسان حیوان ناطق ہے اور بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب کوئی اس کی بات نہیں سنتا تو یہ الفاظ کو سجا بنا کر پیش کرنے کا فن سیکھتا ہے۔ گانے اور گنگنانے کا فن ایجاد کرتا ہے اپنی بات دوسروں کو سنانے کے لیے شاعری تک کرتا ہے۔ غرض کہ انسان بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ برٹ شا بھی انسان ہی تھا۔ اس نے پاگل بنے رہنے کے لیے اداکاری کی انتہا کر دی تھی لیکن اپنی بولنے کی خواہش نہیں دبا پایا تھا۔ لیکن یہ اس کے ہوش و حواس میں ہونے کی حتمی دلیل نہیں تھی۔ پاگل انسان بھی گنگنا سکتا ہے اور پورے پورے اشعار ٹھیک طرح سے گا سکتا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ اپنی پتلون چڑھاتا ہوا اس حصے سے باہر آیا اور مجھے موجود پا کر چند لمحے کے لیے سٹپٹا گیا تھا لیکن فوراً ہی اس نے اپنے مخصوص انداز میں دانت نکالے تھے۔ میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پلٹ کر غار کی طرف آ گیا۔ مجھے امید تھی کہ اس کے گنگنانے کی آواز فتح خان تک نہیں پہنچی ہوگی۔ خود میں بہت مشکل سے سن پا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے میرے پیچھے آیا اور اندر جانے کے بجائے الاؤ کے پاس بیٹھ کر پُر امید نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اسے کھانے کی طلب ہو رہی تھی۔ میں نے ناشتے کا سامان نکالنا شروع کیا۔ الاؤ پر کافی کا پانی رکھ کر میں منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ چٹانوں میں ایک جگہ مجھے کچھ پانی مل گیا تھا جو نہایت یخ تھا لیکن اس سے منہ ہاتھ دھو کر میں تازہ دم ہو گیا تھا۔

اس سردی میں تقریباً کھلی جگہ سونا کسی طرح آرام دے نہیں تھا اس لیے جسم میں تھکن کی کیفیت تھی جسے اس سرد پانی نے زائل کر دیا۔ دانت صاف کر کے میں واپس آیا اور ناشتہ تیار کیا۔ میں اور برٹ شا دونوں ناشتے سے فارغ ہوئے اور میں تیار ہو گیا۔ جیسے ہی میں نے رسی نکالی برٹ شا ڈری ڈری آواز نکال کر پیچھے ہٹا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے پھرتی سے اس کا بازو پکڑ کر رسی اس کے ہاتھ میں اس طرح باندھ دی کہ وہ اسے ایک ہاتھ سے نہیں کھول سکتا تھا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ ''آج سارا دن گھومنے پھرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ امید ہے اس سے تمہاری یادداشت پر کچھ نہ کچھ فرق پڑے گا۔''

میں اسے لے کر روانہ ہوا۔ میرا شام سے پہلے واپس آنے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے میں نے خوراک کے کچھ ٹن، کولڈ ڈرنکس اور پانی کی بوتل ساتھ لے لی تھی۔ برٹ شا فی الحال تازہ دم تھا لیکن وہ مرے مرے انداز میں میرے ساتھ چل رہا تھا۔ رسی مستقل ہاتھ میں تھامے رہنے کی زحمت سے بچنے کے لیے میں نے اس کا لچھا شانے پر ٹانگ لیا تھا۔ سامان بیگ میں پشت پر بندھا تھا اور ہاتھ میں اسٹک تھی۔ دوسرا ہاتھ آزاد تھا۔ میں چڑھائی کے سفر کے دوران برٹ شا سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے ان سالوں میں دنیا کتنی بدل گئی ہے جو تم نے ایک احمقانہ چیز کے پیچھے فتح خان کی قید میں گزار دیے۔ ہیروں کو میں احمقانہ چیز ہی کہوں گا۔ ٹھیک ہے یہ بہت قیمتی ہوتے ہیں لیکن انسان اور اس کی عمر سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتے ہیں۔ ان بارہ تیرہ سالوں میں دنیا بدل کر رہ گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے امریکہ میں نائن

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ایلون کا سانحہ پیش آیا اور اس بہانے امریکہ دنیا پر چڑھ دوڑا۔ جب تم یہاں آئے تو موبائل فون کی پہلی نسل تھی آج موبائل فون کی پانچویں نسل آ چکی ہے۔ موبائل کمپیوٹر بن چکا ہے اور کمپیوٹر نہ جانے کیا بن گیا ہے۔ اب تو اس پر پوری پوری فلمیں بن رہی ہیں۔''

پتا نہیں برٹ شا سن رہا تھا یا نہیں۔ وہ خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے سفر کر رہا تھا۔ میں اس سے بات کرتا رہا اسے ایمن کے بارے میں بتاتا رہا ڈیوڈ شا کے بارے میں بتاتا رہا۔ اپنے اور فتح خان کے بارے میں بتاتا رہا اور درمیان میں ہیروں کا ذکر بھی کر دیتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد میں نے اسے دس منٹ کا آرام دیا۔ لیکن اس کی حالت اتنی بری ہو رہی تھی کہ یہ دس منٹ کا آرام اس کے لیے ناکافی تھا۔ دس منٹ بعد میں نے اس کی رحم طلب نظروں کی پروا کیے بغیر اسے اٹھایا۔ اس سارے دن میں نے اسے کوئی چھ گھنٹے گھمایا۔ ہر ایک گھنٹے بعد دس منٹ کے لیے رکے اور تین گھنٹے بعد میں نے کھانے کا وقفہ دیا۔ یہ بھی صرف آدھے گھنٹے کا تھا۔

شام تک میں خود تھک گیا تھا لیکن برٹ شا تو غشی کی کیفیت میں تھا اور بادلِ ناخواستہ میرے پیچھے گھسٹ رہا تھا اور رونے کے انداز میں کراہ رہا تھا اور آخری دو گھنٹوں میں تو کئی بار گرا تھا۔ مگر میں نے اس پر ترس نہیں کھایا تھا۔ دیکھا جائے تو وہ بھی فتح خان سے کم نہیں تھا۔ فتح خان ہیروں کے پیچھے پاگل ہو رہا تھا کیونکہ وہ دولت کا لالچی ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ مگر برٹ شا ایک معزز لارڈ خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ بے شک ہیرے بہت قیمتی تھے۔ مگر اس کی اور اس کی بیٹی کی زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں تھے کوئی اور ہوتا تو اپنی بیٹی کو فتح خان کی قید میں دیکھ کر ہتھیار ڈال دیتا مگر برٹ شا کے انداز میں ذرا سا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا شک بڑھ رہا تھا کہ وہ اداکاری کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس پر میرا غصہ بھی بڑھ رہا تھا۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا کہ اس سے وہی سلوک کروں جو اب تک فتح خان کرتا آیا تھا۔

غار نما حصے میں پہنچتے ہی وہ چٹان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اس کی آنکھیں بند تھیں اور منہ سانس لینے کے لیے کھلا ہوا تھا۔ میں نے رسی کا ایک ٹکڑا الگ سے لیا اور اس سے برٹ شا کے ہاتھ اور پاؤں اس طرح باندھ دیئے کہ اسے زیادہ تکلیف نہ ہو لیکن وہ خود کو آزاد بھی نہ کرا سکے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ آزاد ہونے کی صورت میں وہ فرار ہو جائے گا۔ آج میں نے اسے بہت چلایا تھا۔ میں خود بھی تھک گیا تھا اور کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ مگر آرام کرنے سے پہلے میں نے فتح خان کو کچھ ناگفتنی سنائیں جس نے مجھے اس مشقت میں ڈال دیا تھا جس کا کوئی انجام نظر نہیں آ رہا تھا۔

جب ہم واپس آئے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ باہر سردی بڑھ رہی تھی۔ میں برٹ شا کو اندر لے آیا اور اس کو سلیپنگ بیگ پر ڈال دیا۔ وہ بالکل بے سُدھ تھا۔ ایک لائٹ آن کر کے اس طرح رکھ دی کہ غار کسی قدر روشن دکھائی دینے لگا۔ یہ کام کر کے میں دیوار سے ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔ برٹ شا کا چہرہ میری طرف تھا اور میں وقفے وقفے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ ایک بار میں نے اونگھتے ہوئے یوں سر جھکا لیا جیسے تقریباً نیند میں چلا گیا ہوں لیکن میری آنکھ خفیف سی کھلی ہوئی تھی۔ برٹ شا اگر دیکھتا تو اسے میں سوتا ہی نظر آتا۔ میں خاصی دیر اسی پوز میں رہا۔ وہ بھی ساکت لیٹا رہا۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد مجھے لگا کہ سچ مچ سو چکا ہے اور میں سیدھا ہونے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ برٹ شا نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کسمسانے لگا۔

وہ جاگ رہا تھا یا اب جاگ گیا تھا لیکن اس کے انداز میں پہلے جیسی تھکاوٹ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اچانک میں ہلا تو وہ پہلے کی طرح بے سدھ ہو گیا۔ میں نے اٹھ کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور یوں حرکت میں آیا جیسے اس سے چھپ کر کوئی کام کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے جیکٹ سے پستول نکالا پھر اس سے میگزین نکال کر جیکٹ کی سامنے والی جیب میں رکھ لیا اور خالی پستول اس بیگ میں رکھ دیا جس میں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ باقی سامان پڑا تھا۔ یہ کام میں نے اس طرح کیا جیسے برٹ شا سے چھپا کر کر رہا ہوں اور اسے معلوم بھی ہو جائے کہ میں نے پستول خالی کر کے رکھا ہے اور میگزین اپنی جیکٹ میں رکھ لیا ہے۔ یہ کام کر کے میں نے ایک بار پھر برٹ شا کو غور سے دیکھا اور وہ سوتا بن گیا جب کہ ایک منٹ پہلے وہ اٹھا تھا۔ کوئی ہوشیار ہی ایسی حرکت کر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد میں نے برٹ شا کے ہاتھ پیر سے بندھی ہوئی رسی کھول دی اور باہر آیا جہاں جلانے والی لکڑیاں پڑی تھیں۔ الاؤ روشن کر کے میں کچھ دیر آگ تاپتا رہا پھر رات کے کھانے کی تیاری شروع کر دی۔ گوشت بھوننے کی خوشبو پھیلی تو اندر برٹ شا تڑپ گیا تھا۔ دوپہر میں اس نے مجھ سے زیادہ ہی کھایا تھا پھر بھی اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے اوں آں کر کے آواز نکالی۔ میں نے اندر جھانکا۔ ''ہاں ہاں میرے بوڑھے بچے کھانا تیار ہے لیکن تم کھانے کے بجائے اپنی بٹی کی فکر کرو جسے چھ دن بعد ٹکڑوں میں تقسیم کر کے وادی میں پھینکنے کی دھمکی دے چکا ہے۔''

ظاہر ہے برٹ شا نے اس بات پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ وہ اٹھ کر الاؤ کے پاس آ گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کمزور تھا لیکن اتنا بھی نہیں جتنا نظر آتا تھا۔ اس کے جسم میں جان تھی ورنہ جتنا آج وہ چلا تھا اس عمر کا کوئی آدمی پہاڑوں پر اتنا چلتا تو اس سے اتنی جلدی اٹھا نہیں جاتا۔ کچھ دیر پہلے والی حرکت سے یہ تو واضح ہو گیا تھا کہ اتنا بھی دیوانہ نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کر رہا تھا اس میں اتنی ہوشیاری تھی کہ کسی کو دھوکا دے سکے۔ جیسے ہی میں نے بھنا گوشت اور روٹی اس کے سامنے رکھی وہ اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب صاف کر گیا۔ میں بھی کھا رہا تھا لیکن اس کی خوراک ایک بار پھر مجھ سے زیادہ ثابت ہوئی تھی۔ اپنے حصے کا کھا کر اس نے پُر امید نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''بس اتنا ہی ملے گا۔ ہمارے پاس خوراک زیادہ نہیں ہے اور ابھی ہمیں چھ دن گزارا کرنا ہے۔ البتہ اس کے بعد شاید کھانے پینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔''

کھانے کے بعد کافی بنائی اور کافی پی کر وہ اندر چلا گیا۔ میں ایسی جگہ بیٹھا تھا جہاں سے اندر دیکھ سکتا تھا۔ برٹ شا نے اس بیگ کی طرف جانے کی کوشش نہیں کی جس میں مَیں نے پستول رکھا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں اس لیے وہ شرافت سے اپنے سلیپنگ بیگ میں لیٹ گیا۔ میں کچھ دیر الاؤ کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر اندر آیا اور انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ ''آج بہت تھک گیا ہوں، تمہارا کیا حال ہے اولڈ بوائے؟''

اولڈ بوائے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ساکت لیٹا ہوا تھا جیسے نیند میں چلا گیا ہو۔ میں نے اپنا خیمہ لگایا اور اس میں گھس کر لیٹ گیا۔ یہ سچ تھا کہ میں بہت تھکن محسوس کر رہا تھا لیکن میں سونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ برٹ شا میرے بچھائے جال میں پھنستا ہے یا نہیں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اور میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

اس کھیل کو جلد از جلد کسی انجام تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ بے شک اس کے لیے مجھے ہیرے فتح خان کے حوالے کرنا پڑتے۔ فتح خان ان کی مالیت پچاس ملین ڈالرز بتاتا تھا لیکن مجھے ان کی مالیت سے کوئی غرض نہیں تھا بے شک ان کی مالیت اس سے سینکڑوں گنا زیادہ ہوتی لیکن میرے لیے وہ سویرا کی ایک انگلی کا نعم البدل بھی نہیں ہو سکتے تھے۔

میرے لیے ایمن کی زندگی ان سے کہیں بڑھ کر قیمتی تھی۔ مسئلہ برٹ شا بنا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے جان کا خوف نہیں تھا بلکہ ان ہیروں کا لالچ تھا۔ ورنہ کم سے کم اپنی اولاد کی جان کا خطرہ کوئی مول نہیں لے سکتا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے برٹ شا فتح خان جیسا آدمی لگا تھا اور اسی وجہ سے مجھے اب اس پر رحم نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میں نے اسے پکڑ لیا تو رگڑ کر رکھ دوں گا۔ یہی سوچ کر میں نے یہ ایکٹ ترتیب دیا تھا اور مجھے امید تھی کہ برٹ شا اس جال میں پھنس جائے گا۔ میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ اگر برٹ شا دیوانہ بنا ہوا تھا اور میں اسے پکڑ لیتا تب بھی یہ بات فتح خان پر ظاہر ہونے دینا نہیں چاہتا تھا۔

مجھے ''سوتے'' ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا لیکن ابھی تک برٹ شا کی طرف سے کوئی حرکت دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ میں نے اسے دوبارہ نہیں باندھا تھا اور شاید اس نے اسے میری بھول سمجھا تھا۔ اب میں اس پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے اس لیے اسے نہیں باندھا تھا کہ میں اس کی ہوش مندی اور دیوانگی کا امتحان لے رہا تھا۔ ورنہ میں اسے باندھ کر رکھتا۔ میں اس کے فرار کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ ورنہ فتح خان اسے بھی میرے کھاتے میں ڈال دیتا۔ میں اس پر مکمل نظر رکھے ہوئے تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ یہ معمول کی حرکت تھی۔ ایسا لگا جیسے اس نے سوتے میں کروٹ لی ہو۔ میں نے اپنے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور پہلے کی طرح گہرے سانس لیتا رہا۔ شاید اس نے مجھے چیک کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر خلاف توقع اس نے پھر کوئی حرکت نہیں کی اور تھوڑی دیر بعد اس کے خرخرانے کی آواز آنے لگی۔

اس رات کچھ بھی نہیں ہوا اور کوشش کے باوجود میں بھی نہ جاگ سکا تھا۔ صبح میری آنکھ کھلی تو باہر روشنی ہو چکی تھی اور برٹ شا الاؤ کے پاس بیٹھا تھا۔ میں اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ ''کیا حال ہیں اولڈ بوائے رات کیسی گزری؟''

جواب میں اس نے دانت نکال دیئے۔ اب تک اس نے ثابت کیا تھا کہ وہ دھیمے مزاج کا اور نرم خو دیوانہ تھا کسی کو یا خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ یہ بڑی مناسب قسم کی دیوانگی تھی۔ میں نے خود بھی منہ ہاتھ دھویا اور اس کے رونے کرانے کے باوجود اسے بھی منہ ہاتھ دھونے پر مجبور کیا تھا۔ وہ نہایت غلیظ ہو رہا تھا اور میں دو دن میں عادی ہو گیا تھا ورنہ شروع میں اس کے پاس سے نہایت گندی بدبو آتی تھی۔ شاید وہ سالوں سے نہیں نہایا تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ وہ اب تک بیمار کیوں نہیں ہوا۔ جب میں نے اس کے منہ ہاتھ دھونے کے درمیان اس سے کہا۔ ''کیا خیال ہے آج تمہیں غسل نہ دے دیا جائے۔ ممکن ہے اس سے تمہارا دماغ ٹھکانے پر آ جائے۔''

میری بات سن کر اس کے چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات نظر آئے تھے۔ اس نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا کہ وہ میری اس تجویز سے متفق نہیں ہے۔ ناشتے کے بعد میں نے اس کے ہاتھ سے رسی باندھی تو اس نے

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کسی مظلوم بکرے کی طرح مجھے دیکھا۔ میں نے اسے گھورا اور بولا۔ ''برٹ شا آج دوسرا دن ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ یاد رکھنا کہ اگر تمہاری اور فتح خان کی وجہ سے مجھے یا میرے کسی ساتھی کو ذرا بھی نقصان ہوا تو میں تم دونوں کو ہی نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں تو اسی وادی میں دفن کر دوں گا اور بعد میں فتح خان کو بھی لا کر تمہاری قبر میں ہی ڈالوں گا تا کہ تم دونوں قیامت تک ہیروں کے لیے آپس میں معاملہ کرتے رہو۔''

برٹ شا نے گزشتہ رات کوئی حرکت نہ کر کے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ جب کہ میرا خیال تھا کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ نہ کچھ کرے گا۔ اس کی بے عملی میرے لیے غیر متوقع رہی تھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں اس کے بارے میں اپنا خیال تبدیل کر لیا تھا۔ اس نے کسی وجہ سے رات حرکت میں آنا مناسب نہیں سمجھا تھا ورنہ وہ پستول کی جگہ دیکھ چکا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں نے میگزین نکال کر اپنی جیکٹ میں رکھ لیا ہے۔ ایک طرح سے اب چور سپاہی کا کھیل شروع ہو چکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ چور کو معلوم نہیں تھا کہ سپاہی اس کی تاک میں ہے۔ لیکن کیا چور کو واقعی نہیں معلوم تھا؟

ممکن ہے برٹ شا میری اس حرکت سے چوکنا ہو گیا ہو کہ میں نے اسے آنے کے بعد تو باندھ دیا لیکن رات کھلا چھوڑ کر لمبی تان کر سو گیا تھا۔ یہ مجھ سے حماقت ہوئی تھی مجھے اسے شام کو بھی نہیں باندھنا چاہیے تھا یا پھر رات کو بھی باندھ دینا چاہیے تھا اور اپنا ڈرامہ میں اگلے روز کے لیے بھی اٹھا کر رکھ سکتا تھا اس طرح برٹ شا کو شک نہ ہوتا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب اس پر اعتماد نہیں کر رہا ہوں۔ مگر میں نے رات کو نہیں باندھا تو وہ کھٹک گیا۔ اگر وہ ہوش میں تھا تو اس کی ہوشیاری میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اتنے عرصے سے فتح خان جیسے شاطر کو بے وقوف بنا رہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ صورتِ حال نے میری قوتِ فیصلہ کو بھی متاثر کیا تھا۔ میں اب تک فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ موجودہ صورتِ حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ فتح خان اور برٹ شا نے مل کر مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ بلکہ اصل مسئلہ سویرا کا تھا اگر وہ فتح خان کے قبضے میں نہ ہوتی تو شاید میں یہاں کی نوبت ہی نہ آنے دیتا۔ مگر میں پھنس گیا تھا اور یہی انسان کے بے بس ہونے کی دلیل ہے وہ کتنا ہے ذہین، طاقتور اور خوش نصیب کیوں نہ ہو کہیں نہ کہیں آ کر وہ بھی پھنستا ہے۔ مجھے اللہ پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ اس مشکل سے نکلنے میں میری مدد کرے گا اور اگر اس نے میرے لیے کوئی اور فیصلہ کر لیا تھا تو مجھے صبر دے گا۔

اس دن بھی میں برٹ شا کو گھماتا رہا۔ گزشتہ روز کی طرح سورج نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا اور چٹانوں میں سردی کم ہوئی تھی۔ اگر چہ اوپر پہاڑوں اور درختوں کے نیچے خنکی تھی لیکن چلنے کی مشقت کی وجہ سے اس خنکی کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ میں برٹ شا کو لے کر گھومتا رہا اور جب دس منٹ کا آرام کا وقفہ آتا تو میں اس سے ہیروں اور ایمن کی بات کرتا۔ میں نے محسوس کیا کہ ویسے وہ بے توجہی سے میری بات سنتا تھا لیکن جب میں ہیروں یا ایمن کا ذکر کرتا تو وہ اونگھنے لگتا تھا۔ یہ بے نیازی ظاہر کرنے کا ایک انداز تھا نارمل میں وہ نہیں اونگھتا تھا۔ چھ گھنٹے کی جنگل یاترا کے بعد ہم واپس آئے تو آج گزشتہ روز جیسی تھکن نہیں تھی۔ برٹ شا بھی کل جیسا بے حال نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے قدم لڑکھڑانے کے بجائے زمین پر مضبوطی سے جم رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ آ کر کل ہی کی طرح بے حال انداز میں چٹان کے ساتھ لڑھک گیا اور گہرے سانس لینے لگا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

ہم صبح جلدی نکل گئے تھے اس لیے چٹانوں میں ابھی روشنی تھی۔ دھوپ کی حدت سے چٹانیں کسی قدر گرم ہو رہی تھی۔ غار میں جیکٹ اتار کر میں ایک مسطح چٹان پر لیٹ گیا اور اس کی حرارت سے محظوظ ہونے لگا۔ کچھ دیر بعد برٹ شا بھی میرے پاس آ کر لیٹ گیا۔ وہ حسبِ معمول خاموش تھا۔ میں جیکٹ کے بغیر تھا اس لیے فتح خان ہماری گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ میں نے بہ ظاہر خود سے کہا۔ ''فتح خان نہایت سفاک آدمی ہے۔ جب اس سے مقابلہ ہو تو آدمی کو ہمیشہ ہوشیار ہونا چاہیے کیونکہ وہ صرف دھمکی دینے کا قائل نہیں ہے بلکہ اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ یہ اس کی اَنا کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ فتح خان صرف دھمکی دے کر رہ جائے گا تو وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر رہا ہے۔''

برٹ شا اس بات پر بھی خاموش رہا اور میں جھنجھلا کر رہ گیا۔ میری اس نئی زندگی میں ایسے مواقع بہت کم آئے تھے جب میں کسی صورتِ حال میں اتنی بے بسی اور جھنجھلاہٹ کا شکار رہا ہوں۔ ایسی کیفیت بہت پہلے اس وقت طاری ہوئی تھی جب بابا نے مجھے کاکول کی تیاری کا حکم دیا تھا اور میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ ان کے حکم سے کھل کر انکار کرنے کی سزا میں ایک بار بھگت چکا تھا۔ اس لیے اندر کی گھٹن سے بچنے کے لیے گھر سے بھاگ نکلا اور پھر راجا عمر دراز کی وادی جا پہنچا تھا۔ یہیں سے میں فتح خان اور ہیروں کے منحوس چکر میں آیا تھا۔

ہیرے برٹ شا کے قبضے میں تھے اور وہ دیوانہ بنا ہوا تھا۔ فتح خان ہیروں کے لیے اس سے بھی بڑا دیوانہ بنا ہوا تھا اور سویرا اس کی قید میں تھی۔ میں برٹ شا سے کس طرح ہیرے نکلواؤں؟ یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس پر تشدد بے کار تھا کیونکہ فتح خان اس پر ہر ممکن تشدد کر چکا تھا۔ جب اس کا تشدد بیکار ثابت ہوا تھا تو میں اس سے زیادہ کیا کر لیتا۔ البتہ دو دن میں فتح خان کی اس بات سے میں مکمل طور پر متفق ہو گیا تھا کہ برٹ شا دیوانہ بنا ہوا ہے ورنہ وہ ٹھیک تھا۔ اسے دیوانہ بننے میں زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں تھی ایک تو اسے فتح خان کی قید میں رہ کر اس کی پریکٹس ہو گئی تھی۔ پھر تشدد اور خراب حلیے نے پاگل پن کے کاسٹیوم کو بھی پورا کر دیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہی چٹانوں کی حدت تیزی سے زائل ہوئی تھی اور ہم نیچے آنے پر مجبور ہو گئے۔ غار کی طرف جانے سے پہلے میں نے برٹ شا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''برٹ شا میں نے جو تم سے کہا ہے اس پر غور کرنا، ورنہ چھ دن بعد یہ ہو گا کہ ہیرے تو اسی وادی میں کہیں دفن رہیں گے۔ ان کے ساتھ تم اور ایمن بھی یہیں دفن کر دیے جاؤ۔ میرے ساتھ جو ہو گا تمہیں یقیناً اس کی فکر نہیں ہو گی لیکن تمہیں کم سے کم اپنی اور بیٹی کی فکر کرنی چاہیے۔''

میں بات مکمل کر کے اس کی طرف دیکھے بغیر غار کی طرف بڑھ گیا۔ جیکٹ پہن کر میں نے الاؤ جلایا۔ لکڑی میں جمع کر کے لے آیا تھا۔ کافی تیار کی اور ایک مگ برٹ شا کو دے دیا۔ اس موسم میں پسینہ بہت کم آتا ہے لیکن گرم کپڑوں میں جسم پر لازمی پسینہ آتا ہے۔ میں کئی دن سے نہایا نہیں تھا اور اس وقت مجھے شدت سے غسل کی خواہش ہو رہی تھی۔ اس وقت تو نہانا ناممکن تھا چٹانوں کے ساتھ چشموں میں پانی ٹھنڈا ہو چکا ہوتا ہے شاید صبح کے وقت یہ پانی کسی قدر گرم ہوتا۔ میں نے صبح نہانے کا سوچا۔ کھانا کھا کر برٹ شا سونے چلا گیا اور میں بھی کسی قدر ہوشیاری کے ساتھ لیٹ گیا۔ اگر برٹ شا موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا تو اس کے لیے پستول کے ساتھ میگزین حاصل کرنا بھی لازمی تھا۔ میگزین حاصل کرنے کے لیے اسے میرے پاس آنا پڑتا۔ وہ میری بے خبری

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

میں میگزین تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

اگلی صبح میں جلدی اٹھ کر ان چشموں تک آیا جن میں زمین سے پانی ابل رہا تھا اور حسب توقع یہ پانی گرم آ رہا تھا۔ میں نہایا اور مجبوراً وہی کپڑے پہنے کیونکہ میرے پاس اور کوئی کپڑے نہیں تھے۔ اس دن بھی ہم گھنٹے پھرتے رہے اور اس کے بعد آنے والے تین دن تک ہمارا یہی معمول رہا تھا۔ برٹ شا نے اس دوران میں ایسی کوئی حرکت نہیں جس سے میں اسے پکڑ سکتا اور اس کی دیوانگی کا پول کھل جاتا وہ میری تمام گفتگو یوں سنتا جیسے بھینس بین کی آواز سنتی ہے۔ اس رات ہم سونے کے لیے لیٹے تو میرے ذہن میں تھا کہ کل آخری دن ہے اور اس کے بعد فتح خان اپنی دھمکی پر عمل کرے گا۔ برٹ شا حسب معمول کھاتے ہی لیٹا اور کچھ دیر میں خراٹے لینے لگا۔ آج اس کے خراٹے کچھ بلند اور کرخت تھے۔

میں بے چین تھا اس عالم میں مجھے نیند کیسے آتی جب ذہن میں صرف سویرا کا خیال تھا۔ میں نے برٹ شا کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اسے گھسیٹ کر سلیپنگ بیگ سے نکالا۔ وہ ہڑبڑا گیا تھا اور اس نے چونکنے کی اداکاری بھی کی تھی لیکن مجھے محسوس ہوا وہ اصل میں جاگ رہا تھا۔ اس نے گونگوں کے انداز میں احتجاج کیا اور منہ سے کچھ نہیں بولا۔ مگر میں کھینچ کر اسے باہر آیا۔ آسمان صاف تھا اور اس پر شاید گیارھویں کا چاند تھا۔ اس لیے چاروں طرف معقول روشنی تھی اور مجھے ٹارچ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ باہر آ کر میں نے پہلے اس کی جیکٹ اتاری اور پھر اس کی شرٹ اور پتلون بھی اتار دی۔ وہ مستقل مزاحمت کرتا رہا۔ مگر میرے سامنے اس کی ایک نہیں چلی تھی اور کچھ دیر میں وہ صرف انڈرویئر میں کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے تھر تھر کانپنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے غرا کر کہا۔

''برٹ شا اب تم اس وقت تک اس طرح بغیر کپڑوں کے رہو گے جب تک مر نہیں جاتے یا پھر اپنی دیوانگی چھوڑ کر ہیروں کا پتا بتانے کو تیار نہیں ہوتے۔''

وہ جواب دینے کے بجائے دونوں ہاتھ سینے سے لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ درجہ حرارت یقیناً منفی میں تھا۔ میں نے اس کے کپڑے غار کے پاس پھینک دیئے اور واپس برٹ شا کے پاس آ گیا۔ وہ ایک چٹان میں دبک رہا تھا لیکن میں نے اسے وہاں سے گھسیٹ کر کھلی جگہ پھینک دیا۔ ''برٹ شا کل کا دن تمہاری بیٹی اور سویرا کے لیے تباہ کن ہو گا۔ لیکن میں نے سوچ لیا ہے کہ اگر تم نے ہیرے نہ دیئے تو کم سے کم تم یہ سب دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔ بعد میں ہمیں فتح خان کو بھی دیکھ لوں گا۔''

میں جانتا تھا کہ فتح خان ہماری گفتگو سن رہا ہو گا۔ برٹ شا کا اس طرح مر جانا اسے یقیناً گوارا نہیں تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس طرح سے برٹ شا کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اس کے آس پاس ہی ٹہل رہا تھا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''برٹ شا تم ایک سرد ملک کے رہنے والے ہو اس لیے تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ سردی کس طرح آدمی کی جان لیتی ہے۔ کچھ دیر بعد تمہیں ہائپو تھرمیا شروع ہو جائے گا اور تمہارے جسم کا درجہ حرارت گرنے لگے گا۔ ایک ایک کر کے یہ نیچے آئے گا اور جب یہ گر کر ستاسی درجے فارن ہائیٹ پر پہنچے گا تو تمہارا دل رک جائے گا اور تم ایک لمحے میں مر جاؤ گے۔ یہ مرحلہ ابھی دور ہے لیکن اتنا دور بھی نہیں ہے۔ صبح ہونے سے پہلے تمہاری زندگی پر موت کی رات چھا جائے گی۔''

برٹ شا نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کانپتا اور منہ سے ہو ہو کی آوازیں نکالتا رہا۔ باہر سردی اتنی تھی کہ میں

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جیکٹ میں بھی محسوس کر رہا تھا اور ایک جگہ کھڑے ہونے پر سردی باقاعدہ کاٹتی تھی اس لیے میں مستقل حرکت میں تھا۔ میں اندازہ کر سکتا تھا کہ بغیر کپڑوں کے برٹ شا کا کیا حال ہوگا۔ اسے پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ فتح خان کی جانب سے ابھی تک کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ اتنا دور تھا کہ اسے یا اس کے ساتھیوں کو یہاں آنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ وقت لگتا۔ کیا وہ کسی چوٹی پر تھے؟ میں نے سوچا۔ برٹ شا سے اب بیٹھا نہیں جا رہا تھا اور وہ بار بار سر دزمین پر لڑھک رہا تھا اور جیسے ہی اس کے جسم کا کوئی حصہ زمین پر لگتا تو وہ اچھل کر دوبارہ بیٹھنے پر مجبور ہو جاتا۔ کچھ دیر بعد ٹھنڈ اس کے جسم کو سن کر دیتی اور پھر وہ بے ہوش ہو جاتا یا غشی میں چلا جاتا۔ اس کے بعد اسے شاید ہی ہوش آتا۔ میں اس مرحلے سے پہلے اسے اندر لے جاتا لیکن ابھی میں دیکھ رہا تھا کہ وہ ہتھیار ڈالتا ہے یا نہیں۔

آدھا گھنٹہ ہونے والا تھا برٹ شا نے نہ تو زبان کھولی تھی اور نہ ہتھیار ڈالے تھے اور نہ بے ہوش ہوا تھا وہ اب بھی سردی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس عمر میں اس کی قوت برداشت حیرت انگیز تھی۔ اچانک چٹانوں کے باہر سے روشنیاں لہرانے لگیں اور کچھ دیر بعد فتح خان اپنے ایک ساتھی سمیت پہنچ گیا دونوں مسلح تھے۔ فتح خان نے آتے ہی مجھ سے کہا۔ ''یہ کیا کر رہا ہے تم؟''

''اس سے ہیروں کا پتا اگلوا رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''سات دن سے یہ دیوانہ بنا ہوا ہے اب میں اسے ہوش میں لا رہا ہوں۔''

''اس طرح یہ مر جائے گا۔''

''مر جائے یہ اور تم دونوں فساد کی جڑ ہو۔ یہ مر جائے ہیروں کا قصہ ہی ختم ہو جائے پھر میں تمہیں دیکھوں گا۔''

فتح خان نے رائفل کا رخ میری طرف کر دیا۔ ''شہباز اسے کپڑے دو اور اندر لے چلو یہ مر گیا تو.....''

''تم اس کا بدلہ بھی مجھ سے لو گے۔'' میں نے طنز کیا۔

''اٹھو خانہ خراب۔'' فتح خان نے برٹ شا سے کہا۔ ''اندر جا کر کپڑا پہنو۔''

مگر خانہ خراب اپنی جگہ بیٹھا کپکپا رہا تھا اس نے شاید فتح خان کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ فتح خان نے اپنے ساتھی کو حکم دیا کہ وہ اسے اٹھا کر اندر لے جائے اور اسے کپڑے پہنائے۔ وہ برٹ شا کی طرف بڑھا تھا کہ اچانک ہی وادی میں دور کہیں تیز فائرنگ ہوئی۔ ایسا لگا تھا جیسے کئی رائفلوں سے بیک وقت برسٹ مارے گئے ہوں۔ فتح خان اچھل پڑا تھا۔ اس نے چلا کر کہا۔

''یہ..... یہ کیا؟'' بولتے ہوئے فتح خان نے اپنی جیب سے ایک واکی ٹاکی نکالا اور دھاڑا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے فائرکس نے کیا ہے؟''

دوسری طرف سے بھی کوئی چلا رہا تھا اس کی الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے لیکن آواز مجھ تک آ رہی تھی۔ پہلے فائرز کے بعد چند سیکنڈز کا وقفہ آیا تھا اس کے بعد دوبارہ سے تیز فائرنگ شروع ہوئی تھی اور میرے کانوں تک ایک چیخ آئی جو واکی ٹاکی پر بولنے والے کی تھی۔ فتح خان چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا لیکن شاید وہ اس کی بات سننے کے قابل نہیں رہا تھا۔ فتح خان نے واکی ٹاکی بند کر دیا اور خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھا۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

''شہباز خان یہ کیا ہے؟''

میں نے بھنا کر کہا۔ ''فتح خان تم شاید ہوش گنوا چکے ہو مجھے کیا معلوم کہ کہاں کیا ہوا ہے؟''

''بکواس مت کرو تم نے میرے کو یہاں بلایا اور پیچھے میرے آدمیوں پر کسی نے حملہ کر دیا ہے۔ میرا شاید سارا ساتھی مارا گیا ہے۔''

''اگر ایسا ہوا ہے تو میں بھی اتنا ہی لاعلم ہوں جتنا کہ تم ہو۔''

''تم نے جان بوجھ کر.....'' فتح خان بولتے بولتے رکا اور اس نے چونک کر دیکھا۔ ''برٹ شا کدھر ہے۔''

واقعی برٹ شا اپنی جگہ نہیں تھا۔ فائرنگ نے کچھ دیر کے لیے ہم تینوں کو اس کی طرف سے غافل کر دیا تھا۔ وہ پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ فتح خان نے دھاڑ کر اپنے ساتھی سے کہا۔ ''تلاش کرو اسے۔''

وہ بدحواسی میں چٹانوں سے باہر کی طرف بھاگا۔ فتح خان خود چاروں طرف دیکھ رہا تھا پھر وہ رائفل کا رخ میری طرف کیے کیے غار کی طرف بڑھا تھا کہ اندر سے برٹ شا نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کا رخ فتح خان کی طرف تھا وہ چونکا اور جلدی سے کہا۔ ''برٹ شا کوئی حماقت مت کرنا میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔ پستول پھینک دو یہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔''

فتح خان جانتا تھا کہ پستول بے کار ہے اس میں فائرنگ پن نہیں ہے اس لیے فائر کیسے کرے گا۔ لیکن برٹ شا یہ بات نہیں جانتا تھا اس لیے وہ پستول تانے رہا۔ اب اس کے چہرے پر دیوانگی کے بجائے نفرت کے تاثرات تھے اس نے باہوش انداز میں کہا۔ ''فتح کھان اس لمحے کے لیے میں نے برسوں انتظار کیا ہے اب بازی میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم مرنا نہیں چاہتے ہو تو رائفل پھینک دو۔''

فتح خان نے ایک بار پھر اسے سمجھانا چاہا تھا کہ اچانک ہی ایک طرف سے فائر ہوا اور برٹ شا لڑکھڑا کر منہ کے بل زمین پر گرا میں نے اس کے سینے میں سوراخ ہوتے دیکھ لیا تھا۔ فتح خان چیخ اٹھا۔ فائر اس کے ساتھی نے کیا تھا جو برٹ شا کو تلاش کرتا باہر گیا تھا اور اب واپس آ کر سمجھا کہ برٹ شا فتح خان کو شوٹ کرنے والا ہے اس نے پہلے ہی گولی چلا دی۔ فتح خان نے دھاڑ کر اپنے ساتھی سے کہا۔

''خنزیر کا بچہ یہ کیا کیا؟''

اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا فتح خان نے اسے گولی مار دی۔ میں تیزی سے برٹ شا کے پاس آیا اور اسے سیدھا کیا۔ گولی اس کے سینے پر دل سے ذرا اوپر لگی تھی۔ خون فوارے کی طرح اچھل رہا تھا اور وہ چند لمحوں کا مہمان نظر آتا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو اس کے منہ سے بھی خون ابل پڑا تھا۔ آخری سانسوں کے دوران اس نے دو الفاظ کہے۔

''نارتھ..... بکسٹ ٹرنک۔''

اس سے پہلے میں اس سے ان الفاظ کے معنی پوچھتا اس نے دم توڑ دیا۔

دم توڑتے برٹ شا نے جو کہا تھا وہ اتنی ہلکی آواز میں تھا کہ مجھے بھی بمشکل سنائی دیا تھا۔ فتح خان خاصا دور تھا اس کے سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے ساتھی کو آنجہانی کرنے میں مصروف تھا۔ فتح خان کا آدمی تڑپ رہا تھا اور کچھ ہی دیر میں برٹ شا کے پیچھے روانہ ہونے والا تھا۔ اس دوران میں برٹ شا دم توڑ چکا

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

تھا۔ اس کا منہ کھلا تھا اور اس سے رہ رہ کر خون رس رہا تھا۔ دل کی اوپری مرکزی شریان میں لگنے والی گولی نے چند لمحے میں اس کی جان لے لی تھی۔ فتح خان برسوں سے اس امید میں اسے برداشت کر رہا تھا کہ وہ بالآخر اسے ہیروں کا پتا بتا دے گا لیکن اس کے نادان ساتھی نے ایک سیکنڈ میں اس کی یہ امید ختم کر دی تھی۔ اب خود بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک آخری جھٹکا لیا اور اوندھے منہ ہو گیا۔

○.....❖.....○

دیکھا جائے تو فتح خان خود اپنے بچھائے جال میں آ گیا تھا اس نے ڈرامہ کر کے اپنے آدمیوں کی مدد سے ایک ناکارہ پستول مجھے دے دیا اور شاید یہ بات اپنے دوسرے ساتھیوں کو نہیں بتائی تھی۔ اس لیے فتح خان کا آدمی اسے سچ مچ کا پستول اور فتح خان کو خطرے میں دیکھ کر بوکھلا گیا اور اس نے برٹ شا پر گولی چلا دی۔ خود فتح خان کے وہم و گمان میں بھی ایسی سچویشن نہیں ہو گی۔ بلکہ مجھے بھی خیال نہیں آیا تھا کہ برٹ شا جس سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا اس وقت ایسی پھرتی اور چالاکی کا مظاہرہ کرے گا۔ مجھے اور فتح خان کو الجھا چھوڑ کر وہ خاموشی سے غار میں گیا اور پستول نکال لایا۔ میگزین وہ پہلے ہی میری جیکٹ سے کسی وقت نکال چکا تھا اور اپنے تئیں مسلح ہو کر اس نے فتح خان پر چڑھائی کی اور مارا گیا۔ اس کی پھرتی اور چالاکی خود اسے مہنگی پڑ گئی تھی۔

برٹ شا کی موت پر فتح خان کے چہرے پر نہایت خوف ناک تاثرات تھے۔ اس نے اپنے ساتھی کو بلا تامل شوٹ کر دیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ برٹ شا کی موت اس کے لیے کتنا بڑا صدمہ ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''فتح خان اب کیا ہو گا ہیروں کے بارے میں صرف یہی جانتا تھا۔'' میں نے برٹ شا کی طرف اشارہ کیا تو اس نے رائفل کا رخ میری طرف کر دیا اور کاٹ کھانے والے انداز میں غرایا۔

''شہباز خان، اب ہیرے تم تلاش کرے گا۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو اور پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں برٹ شا سے اگلوانے کی کوشش کر رہا تھا؟''

''بس میرے کو معلوم ہو گیا۔'' اس نے مجھے گھورتے ہوئے کھوکھلے لہجے میں کہا۔ ''شہباز خان تم نے اچھا نہیں کیا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتا اس خنزیر نے مر کر میرا کتنا بڑا نقصان کیا ہے۔''

''نقصان اس نے نہیں تمہارے آدمی نے کیا ہے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''اس نے گولی مار کر برٹ شا کا خاتمہ کر دیا اور میں نے بھلا کیا کیا ہے؟''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا اور پھر اس نے دوبارہ وائی ٹا کی پر اپنے ساتھیوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان کا کوئی آدمی جواب دینے کے لیے زندہ نہیں رہا تھا۔ اس نے غصے میں والی ٹا کی زمین پر پٹخ دیا اور رائفل کا رخ دوبارہ میری طرف کر دیا۔ ''شہباز خان یہ تمہارا کوئی چال ہے۔ تم نے برٹ شا کو کپڑے اتار کر میرے کو مجبور کیا کہ میں یہاں آؤں اور پیچھے سے کسی نے میری ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔''

''بھلا میں نے تمہیں کیسے مجبور کر دیا؟''

''تم جانتا ہے کہ تمہارا جیکٹ کا کالر میں چپ لگا ہے اس سے میں تمہارا بات سنتا ہے۔ اس لیے تم نے یہ چکر

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کیا۔ اِدھر میں نکلا اُدھر پیچھے سے تمہارے آدمیوں نے میرے آدمیوں پر حملہ کر دیا۔ شاید اُدھر سب مارا گیا ہے۔''

میں نے بے بسی سے ہاتھ پھیلائے۔ ''میں تمہارے قابو میں ہوں اپنے ساتھیوں سے کس طرح رابطہ کر سکتا تھا اور دوسرے تم جو چاہے مجھ پر الزام لگانے کے لیے آزاد ہو۔''

''یہ الزام نہیں ہے، میں بے وقوف تھا جو سمجھا کہ تم قابو میں ہے لیکن تم بہت ہوشیار آدمی ہے۔ اپنے آدمی بلانے کے لیے تم نے اس مہرو کو بھیجا اور اس کا چپ ضائع کر دیا۔ اس طرح میرے آدمی کو پتا نہیں چلا وہ کدھر گیا ہے وہ گیا اور تمہارے ساتھی کو بلا لایا۔''

مجھے حیرت ہوئی اس نے تقریباً ٹھیک تجزیہ کیا تھا۔ صرف اتنا فرق تھا کہ میں نے مہرو کو راجا عمر دراز کی طرف بھیجا تھا اور اگر کسی نے سچ مچ فتح خان کے پڑاؤ پر حملہ کیا تھا تو وہ راجا عمر دراز کے آدمی ہو سکتے تھے۔ مگر میں نے ٹھوس لہجے میں تردید کی۔ ''یہ تمہاری سوچ ہے فتح خان جو تمہیں مایوسی کے عالم میں ناکامی کی وجوہات بتا رہی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے مہرو یہاں سے چپکے سے فرار ہوئی ہے اور میں ان سات آٹھ دنوں میں مکمل طور پر تمہاری نگرانی میں رہا ہوں۔ میں نہ تو اپنے کسی ساتھی سے رابطہ کر سکتا ہوں اور نہ ہی اس قسم کا منصوبہ بنا سکتا ہوں کہ تمہیں یہاں بلاؤں اور پیچھے تمہارے ٹھکانے پر حملہ ہو جائے۔ تم سوچو اگر میرا اپنے آدمیوں سے رابطہ ہوتا تو کیا اس وقت میں نہتا تمہارے سامنے کھڑا ہوتا۔ میں آتے ہی تمہیں قابو کر لیتا اور اس کے بعد سویرا کا پتا بھی چلا لیتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جتنا تمہارے لیے غیر متوقع ہے اتنا ہی میرے لیے بھی غیر متوقع ہے۔''

میرے مدلل جواب نے فتح خان کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا پھر اس نے سر جھٹکا۔ ''شہباز خان ابھی میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ ابھی میں تمہیں لے جائے گا اور اگر تمہارا ساتھی ہوا تو پہلے تمہیں گولی مارے گا۔ قتل نہیں کرے گا بلکہ تمہارا دونوں گھٹنا توڑ دے گا پھر تم کبھی اپنے پیروں پر نہیں چل سکے گا۔ پھر سویرا کو مرشد کے حوالے کرے گا۔''

میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''فتح خان تم بلاوجہ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ فرض کر لو کہ یہ میرے ساتھی ہیں تب بھی مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں اپنے دفاع میں جو مناسب سمجھوں وہ کروں جیسے تم جو مناسب سمجھ رہے ہو وہ کر رہے ہو۔ اب تم مجھے دھمکیاں مت دو جو تم نے کرنا ہے وہ کر لو اگر میرے مقدر میں بچنا لکھا ہے تو پھر میں تمہیں دیکھ لوں گا۔''

''تم دیکھے گا۔'' فتح خان نے رائفل سے اشارہ کیا۔ ''اب ادھر چلو دیر مت کرو۔''

''فتح خان میری ایک بات سنو۔'' میں نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر کہا۔ ''میری ایک بات سن لو۔''

''وہ رک گیا۔'' بولو پر جلدی کرو۔''

''فتح خان برٹ شا مارا گیا ہے اور اب ہیرے ملنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ہے۔ برٹ شا کو تمہارے آدمی نے مارا اور تم نے اسے مار کر اپنا غصہ اتار لیا۔ اب مجھے، سویرا اور ایمن کو آزاد کر دو۔ ہمیں نقصان پہنچا کر بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہاں اگر تم مجھ سے معاہدہ کر لو۔ ہمارا مشترک دشمن مرشد ہے تو تمہیں اس کا فائدہ ہو سکتا ہے۔''

''اس پر میں بعد میں غور کرے گا پہلے تم یہاں سے چلو۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا اور مجھے اس کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی تھی۔ فتح خان نے مجھے آگے رکھا تھا اور خود میرے پیچھے چل رہا تھا۔ برٹ شا اور فتح خان کے آدمی

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کی لاش وہیں پڑی رہ گئی تھی۔ چند منٹ پہلے یہ دونوں جیتے جاگتے انسان تھے۔ میں برٹ شا کے آخری الفاظ پر غور کرنا چاہتا تھا لیکن فی الحال فتح خان کا مسئلہ زیادہ اہم تھا۔ وہ کہہ چکا تھا کہ اس کے ٹھکانے پر حملہ کرنے والوں کا مجھ سے کوئی تعلق ثابت ہوا تو وہ مجھے چھوڑے گا نہیں اور سویرا کے حوالے سے بھی اپنی دھمکی پر عمل کرے گا میں فتح خان کو غیر سنجیدگی سے نہیں لے سکتا تھا۔ میرے پاس چھوٹی ٹارچ تھی اور اس کی روشنی میں راستہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ فتح خان مجھے آگے رکھتے ہوئے وادی کے داخلی حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔ فائرنگ کی آواز بھی اسی حصے کی طرف سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ خود مجھ سے کوئی دس قدم دور تھا۔

''فتح خان کیا یہ حماقت نہیں ہے کہ تم مجھے اس طرف لے جا رہے جہاں تمہارے ساتھیوں کے ساتھ زرادیر پہلے کچھ ہو چکا ہے۔ وہاں دشمن کی موجودگی عین ممکن ہے۔ کیا وہ تمہیں اور مجھے چھوڑ دیں گے؟''

''میں یہی تو دیکھنا چاہتا ہے۔'' فتح خان نے عقب سے کہا۔ ''اگر اس نے تم کو کچھ نہیں کہا تو اس کا مطلب ہے وہ تمہارا ساتھی ہے اس صورت میں ہم وہی کرے گا جو بولا ہے۔ برسٹ مار کر تمہارا دونوں گھٹنے توڑ دے گا۔''

میں رک گیا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب تم سمجھ رہا ہے۔''

میں بھنا گیا تھا۔ ''فتح خان تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ یعنی اگر کوئی دوسرا مجھے گولی نہیں مارے گا تو تم مار دو گے۔ اس سے زیادہ احمقانہ بات میں نے آج تک نہیں سنی۔''

''اس سے پتا چلے گا کہ وہ تمہارا ساتھی ہے یا نہیں۔'' فتح خان اپنی دھن میں کہہ رہا تھا۔

''تم شاید ہیروں کے غم میں عقل کھو چکے ہیں۔ میں کسی صورت اب آگے نہیں جاؤں گا۔'' میں نے کہا تو فتح خان چوکنا ہو گیا اور غرانے لگا۔

''شہباز خان میں سچ کہتا ہے گولی مار دے گا۔''

''مار دو لیکن میں اس طرح کسی اندھی موت کا سامنا نہیں کر سکتا اور مجھے مار کر تم بھی نہیں بچو گے۔ تم نے میرے ساتھ دشمنی کی انتہا کر دی ہے۔'' مجھے سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ ''تمہارے لیے میرے اور میرے ساتھیوں کے دل میں جو ذرا گنجائش تھی اسے ختم سمجھو اور اب تم نے جو کرنا ہے کر لو میں آگے نہیں جاؤں گا۔''

''میں گولی مار دوں گا۔'' فتح خان غرایا۔

''آگے بھی میرے لیے زندگی نہیں ہے۔'' میں نیچے بیٹھ گیا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ تم بھی بیٹھو اور ذرا ٹھنڈے دل سے صورتِ حال پر غور کرو۔ برٹ شا کی موت نے تمہاری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں پر اثر ڈالا ہے۔ اگر فرض کر لو آگے میرے ساتھی ہوئے تو وہ اتنے احمق نہیں بغیر دیکھے بھالے مجھے گولی مار دیں اور تمہیں بخش دیں۔ امکان یہی ہے کہ تم مارے جاؤ گے اور اتنا کچھ ہونے کے باوجود میری خواہش نہیں ہے کہ تم مارے جاؤ۔''

''کیوں؟'' فتح خان نے مجھے گھورا۔

''کیونکہ مجھے سویرا کی فکر ہے اور وہ تمہارے قبضے میں ہے اگر تم مارے گئے تو پتا نہیں اس کا کیا ہو گا۔''

اس بار فتح خان مسکرایا۔ ''تم عقل مند ہے دور کا سوچتا ہے۔''

''شاید اسی لیے اب تک بچا ہوا ہوں۔ زندگی اور موت کے کھیل میں عقل فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ جو

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ہیں وہ جلد مارے جاتے ہیں۔''

فتح خان سوچ میں پڑ گیا اور پھر مجھ سے ذرا دور ایک پتھر سے ٹک گیا اس نے مجھ سے ٹارچ بجھانے کو کہا تھا اور رائفل کا رخ میری طرف ہی رکھا تھا۔ ابھی ہم وادی کے داخلی حصے سے دور تھے۔ فتح خان نے اپنے ساتھیوں سمیت وہیں کہیں ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ اس کے ساتھی نامعلوم افراد کے حملے میں مارے گئے تھے یا مغلوب ہو گئے تھے دونوں صورتوں میں وہ فتح خان کے کسی کام کے نہیں رہے تھے۔ یہ بات فتح خان سمجھ رہا تھا بس اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ حملہ آور کون ہو سکتے تھے اور وہ میرے ساتھ کیا کرے گا۔ اس نے حالات کا بالکل درست تجزیہ کر لیا تھا کہ میں نے کس طرح اسے اپنے پاس آنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں برٹ شا مارا گیا لیکن پیچھے اس کے ٹھکانے پر کس نے حملہ کیا تھا اس کا مجھے بھی علم نہیں تھا میں فتح خان کی نگرانی میں تھا اور میرے پاس کسی سے رابطے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔

وہ صرف شک کر سکتا تھا یقین سے مجھ پر الزام نہیں لگا سکتا تھا اسے شک ہی تھا ورنہ وہ اب تک مجھے بھی گولی مار چکا ہوتا۔ برٹ شا کی موت شاید اس کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ وہ اسے ہیروں کا پتا بتائے بغیر مر گیا تھا۔ فتح خان بے خبر تھا کی برٹ شا نے مرنے سے پہلے دو الفاظ کہے تھے۔ ''شمال..... سب سے بڑا تنا'' اردو میں اس کے یہی معنی بنتے ہیں۔ انگریزی کا لفظ ٹرنک کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس وادی میں یہ صرف درخت کے تنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ وہ راز جس کو برٹ شا گزشتہ ایک عشرے سے بھی زیادہ وقت سے اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھا۔ موت کو سامنے پا کر اس نے ایک لمحے میں میرے سامنے اگل دیا۔ اس توقع اور امید کے ساتھ کہ میں اس کا کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھاؤں گا۔ فتح خان کو ذرا سا بھی شک ہو جاتا کہ برٹ شا نے مرنے سے پہلے مجھے کچھ کہا ہے تو اس وقت اس کا رویہ بالکل مختلف ہو جاتا۔

فتح خان سوچ رہا تھا اور میں اسے دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور پھر کسی نے مقامی لہجے میں فتح خان کو پکارا۔ ''فتح خان تم کہاں ہو۔ اپنے ہتھیار پھینک کر سامنے آ جاؤ ورنہ صبح تمہیں کسی چوہے کی طرح گھیر لیا جائے گا۔''

بولنے والا میگا فون پر بول رہا تھا اور آواز وادی میں اس طرح گونج رہی تھی کہ اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار تھا کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے۔ میں اپنی جگہ ساکت رہا۔ جب اعلان دوسری بار ہوا تو میں نے مڑ کر فتح خان کی طرف دیکھنا چاہا اور دنگ رہ گیا وہ اپنی جگہ نہیں تھا بلکہ آس پاس جہاں تک نظر جاتی تھی فتح خان غائب ہو گیا تھا۔ اسے غائب دیکھتے ہی میں تیزی سے اس چٹان کی آڑ میں ہو گیا۔ فتح خان غائب ہوا تھا لیکن اس سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ یہ اعلان سنتے ہی فرار ہو جائے گا۔ وہ کہیں روپوش ہوا تھا کیونکہ میرے ساتھ ہوتا تو نظروں میں آنے کا امکان زیادہ ہو جاتا۔ وہ اکیلے رہ کر اپنا بہتر تحفظ کر سکتا تھا اگر میرے ساتھ ایسی صورت حال درپیش ہوتی تو میں بھی یہی کرتا۔

میں نے محسوس کیا کہ اسی جگہ پڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے فتح خان جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں اس لیے مجھے یہاں سے دور کسی محفوظ جگہ چلے جانا چاہیے۔ میں اٹھے بغیر سرد ترین زمین پر رینگنے لگا۔ یہ مشکل کام تھا لیکن جان خطرے میں ڈالنے کی نسبت آسان ہی تھا۔ کچھ دیر بعد میں اس جگہ سے خاصا دور نکل گیا تھا۔ ایک جگہ کچھ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

جھاڑیاں دیکھ کر میں ان میں دبک گیا۔ یہاں سانپ بچھو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس موسم میں کیڑے مکوڑے بھی نہیں پائے جاتے ہیں۔ میگا فون پر اعلان کرنے والا وقفے وقفے سے اپنے الفاظ دھرا رہا تھا۔ پہلے تو وہ فتح خان کو ہی مخاطب کرتا رہا تھا پھر اس نے ایک نئی بات کی۔

''فتح خان یا جو بھی سن رہا ہے ہاتھ اٹھا کر سامنے آجائے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔''

مجھے لگا جیسے یہ اعلان میرے لیے ہی کیا گیا ہے۔ کیا وہ جانتے تھے کہ فتح خان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ ہر چند منٹ بعد یہ اعلان دھرایا جانے لگا۔ بولنے والا اسی علاقے کا تھا اگرچہ اس کی اردو صاف تھی لیکن لہجے میں مقامی رنگ جھلک رہا تھا۔ میں اس پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھا ممکن ہے میں ہاتھ اٹھا کر سامنے آتا تو مجھے گولی ہی ماردی جاتی۔ اگر وہ سچ مچ ہمدرد ہوتے تو امکان تھا کہ کہیں سے فتح خان مجھے شوٹ کر دیتا۔ اس کے پاس طویل فاصلے پر مار کرنے والی رائفل تھی۔ میری عافیت اسی میں تھی کہ خاموشی سے اسی جگہ دبکا رہوں۔ غار اور الاؤ سے دور ہونے کے بعد سردی مزاج پوچھ رہی تھی لیکن ان گرم کپڑوں میں یہ قابلِ برداشت بھی تھی۔ میں جھاڑیوں میں مزید گھس گیا یہاں سردی کا اثر کم تھا۔

اعلان کرنے والے نے آخری بار دھمکی دی کہ اگر فتح خان ان کے سامنے نہیں آیا تو اسے صبح تلاش کر کے مار دیا جائے گا۔ لیکن فتح خان یقیناً اتنا احمق نہیں تھا کہ صبح کا انتظار کرتا وہ روشنی ہونے سے پہلے یہاں سے کہیں دور نکل جاتا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے جیکٹ کے کالر میں لگی چپ انگلیوں سے دبا کر توڑ دی۔ اب یہ بے کار تھی۔ فتح خان نہ تو میری پوزیشن معلوم کر سکتا تھا اور نہ میری باتیں سن سکتا تھا۔ مشکل سے دو گھنٹے میں وادی میں حالات بالکل بدل گئے تھے۔ فتح خان کی کمانڈنگ پوزیشن ختم ہوگئی۔ اس کے ساتھی مارے گئے۔ برٹ شا مارا گیا تھا اور اس سارے فساد کی جڑ یعنی ہیرے بدستور غائب تھے۔ ایمن کا مجھے نہیں معلوم تھا ممکن ہے وہ بھی اس تند و تیز حملے میں ماری گئی ہو کیونکہ فائرنگ مشکل سے چند منٹ جاری رہی تھی اور حملہ آوروں نے یقیناً فیصلہ کن پوزیشن حاصل کر لی تھی۔ اب مجھے سویرا کی فکر تھی۔ فتح خان یہاں سے نکل جاتا اور سویرا اس کے قبضے میں تھی۔ گویا میرے صورتِ حال میں صرف اتنی تبدیلی آئی تھی کہ میں فتح خان کی جسمانی قید میں نہیں رہا تھا۔ مگر سویرا کے حوالے سے میں بدستور اس کا قیدی تھا۔

اعلان کرنے والا ایک گھنٹے کے بعد خاموش ہوگیا۔ چاند مغرب کی طرف جھک رہا تھا اور کچھ بادل بھی نمودار ہو رہے تھے جب وہ چاند کے سامنے آتے تو وادی تاریکی میں ڈوب جاتی تھی۔ میں اونگھ رہا تھا کہ مجھے اچانک ہی فتح خان کے مارے جانے والے ساتھی کی رائفل کا خیال آیا۔ وہ وہیں پڑی تھی اور امکان یہی تھا کہ اب بھی وہیں پڑی ہوگی۔ اس کا خیال آتے ہی میں جھاڑی سے نکلا اور درختوں، پتھروں اور چٹانوں کی آڑ لیتا اس طرف روانہ ہوگیا۔ تقریباً بیس منٹ بعد میں چٹانوں کے درمیان تھا لیکن میں نے اس طرف سے داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ دوسری طرف سے اندر گیا۔ جب بادل آجاتے اور تاریکی چھا جاتی تو میں رک جاتا تھا ورنہ حرکت کرتا۔ چٹانوں کے اندر سے ہوتا میں اس جگہ آیا جہاں فتح خان کے ساتھی اور برٹ شا کی لاشیں پڑی تھیں۔

یہ دیکھ کر میرے منہ سے ناگفتنی نکل گئی کہ فتح خان کے ساتھی کی رائفل اور دوسرے ہتھیار غائب تھے اور یہ

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

یقیناً فتح خان کا کام تھا۔ برٹ شا کی لاش ایسے ہی پڑی تھی اسے کپڑے پہننے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ اس کی لاش تقریباً برہنہ پڑی رہے۔ وہ ایک انسان تھا اور اس انجام کا پہنچنے میں میرا بھی کچھ ہاتھ تھا۔ میں نے اس کے کپڑے جمع کر کے اسے پہنائے البتہ اس کی جگہ تبدیل نہیں کی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ فتح خان کے ساتھی کے پاس کچھ بھی نہیں ہو گا پھر بھی میں نے اس کی تلاشی لی۔ فتح خان کا کی تمام چیزیں نکال کر لے گیا تھا۔ میں اندر غار میں آیا وہاں سے کھانے پینے کی چیزیں جمع کر کے بیگ میں رکھنے لگا۔

اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ باہر کہیں آہٹ ہوئی ہے میں نے تیزی سے ٹارچ بجھادی اور خود سینے کے بل لیٹ کر رینگتا ہوا غار سے باہر آگیا۔ چاندنی کا اثر یہاں کم تھا ویسے بھی چاند مغرب کے افق کی طرف جھک گیا تھا اور روشنی پہلے جیسی نہیں رہی تھی سائے طویل ہو رہے تھے۔ میں رینگتے ہوئے ایک چٹان تک آیا اور پھر اس سے لگ کر ساکت کھڑا ہو گیا میں نے حتی الامکان کوشش کی تھی کہ کوئی آواز نہ ہو۔ میری کان کسی آواز پر مرکوز تھے۔ اس پہلی آہٹ کے بعد کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ کچھ دیر بعد مجھے محسوس ہونے لگا وہ آہٹ میرا وہم تھی۔ میں جس جگہ دبکا بیٹھا تھا وہ چٹانوں کے اندر تھی اور یہاں چاروں طرف بلند چٹانیں تھیں۔ یہاں درجنوں افراد بھی آجاتے تو مجھ پر آسانی سے قابو نہیں پا سکتے تھے۔

لیکن اس موقع پر وہ ہوا جس کا میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اچانک ہی چٹانوں کے اوپر سے کوئی چیز ٹن ٹن کرتی ہوئی نیچے آئی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر گری تھی اس سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔ میں بدک کر پیچھے ہٹا لیکن فوراً ہی ایسی کئی چیزیں آس پاس چٹانوں سے آکر گریں۔ یہ گیس بم تھے جو بغیر کسی آواز کے پھٹ گئے تھے۔ میں سانس روک کر وہاں سے بھاگا مگر عجلت میں میرا پاؤں نہ جانے کس چیز سے الجھا تھا اور میں اوندھے منہ گرا۔ گرتے ہوئے بے اختیار میں نے سانس لی اور فوراً ہی میرا ذہن چکرانے لگا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی پر گیس اتنی سریع الاثر تھی کہ اس نے مجھے لمحوں میں بے دست و پا کر دیا۔ وہ لوگ یقیناً وہاں گھات لگائے بیٹھے تھے اور جیسے ہی میں ان کے گھیرے میں آیا انہوں نے بے ہوش کرنے والی گیس کے بم پھینک دیئے۔ یہ سوچتے ہوئے میں نہ چاہتے ہوئے بھی دوسرا سانس لینے پر مجبور ہوا اور فوراً ہی میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ آخری احساس یہ تھا کہ کچھ لوگ میرے آس پاس چل رہے ہیں۔ وہ دھیمی آواز میں بول رہے تھے اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا۔

○.....❖.....◪

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
گیارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

www.pdfbooksfree.pk پیشکش

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انوکھا، البیلا، دلچسپ آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail:allmian_publications@yahoo.com

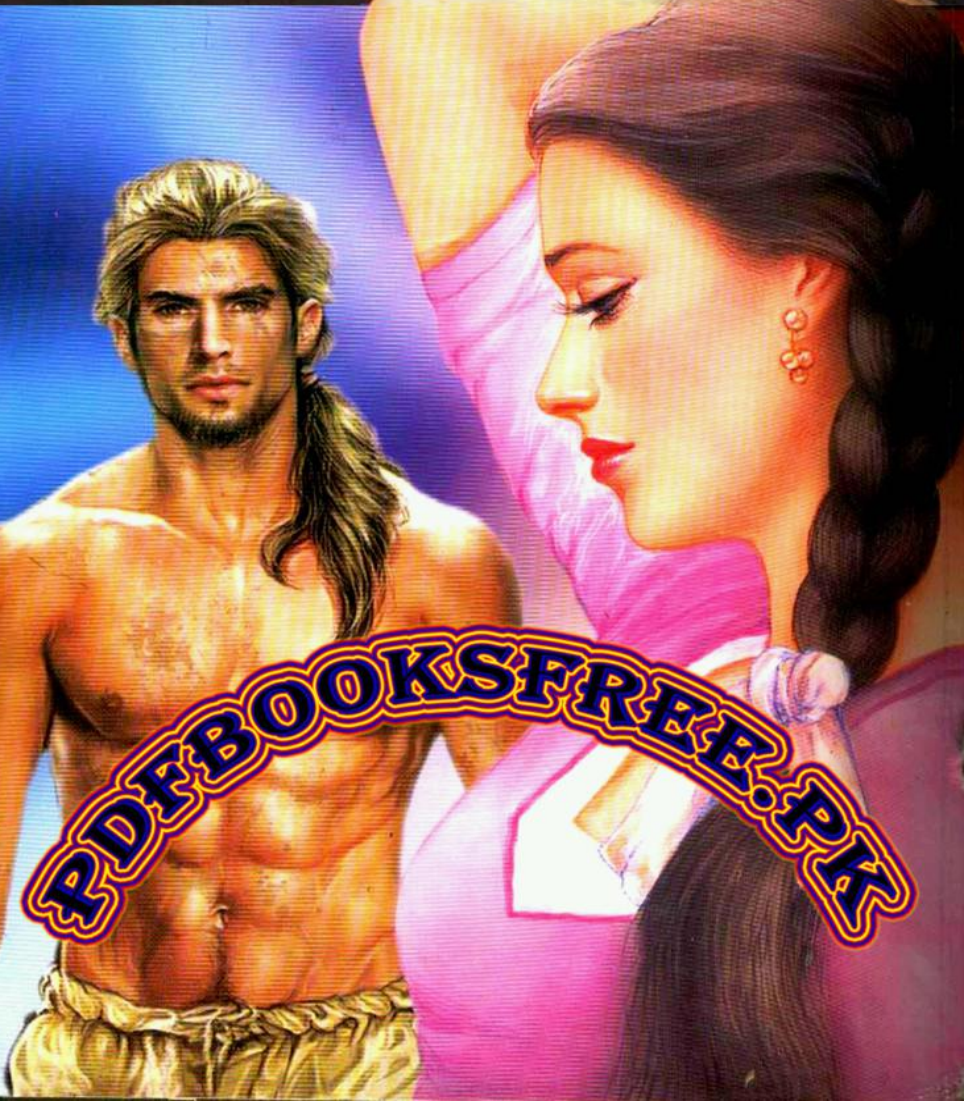
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

11



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

گیارہواں حصہ

کاشف زبیر




علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 ONR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ہوش آیا تو میں ناقابل یقین حد تک نرم و ملائم بستر اور نہایت پُر تعیش انداز میں سجے کمرے میں تھا۔ جب میں گیس کے اثر سے بے ہوش ہو رہا تھا تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کام کس کا ہے۔ کیا میں دوبارہ فتح خان کے ہتھے چڑھ گیا تھا یا پھر یہ وہ تھے جنہوں نے فتح خان کو شکست دی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میں شاید مخالف پارٹی کے ہاتھ آیا تھا۔ ورنہ فتح خان دولت مند سہی لیکن اس کے پاس اس قسم کی کوئی پُر تعیش جگہ نہیں تھی وہ خود نارمل جگہوں پر رہنے کا عادی تھا۔ اس کے نزدیک عیاشی صرف شراب اور عورت کا نام تھا اسے بڑے بڑے ٹھکانوں سے خاص دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اسے کچھ اچھی جگہوں پر بھی دیکھا تھا لیکن عام طور سے اس کے ٹھکانے بس سر چھپانے کی جگہ ہوتے تھے۔

میرے جسم پر دوسرا اور صاف ستھرا لباس تھا اور میرے پاتھ پاؤں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں باقاعدہ صاف کیا گیا ہو۔ لباس معمول کے مطابق تھا اس کے باوجود مجھے سردی نہیں لگ رہی تھی کیونکہ کمرے میں درجہ حرارت نارمل تھا۔ میں فوری طور پر اندازہ کرنے سے قاصر تھا کہ میں کہاں آگیا تھا؟ میں اسی وادی کے آس پاس تھا یا مجھے بیچے کسی شہر منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس طرح یہاں دن رات کا بھی پتا نہیں چل رہا تھا۔ کمرے میں کوئی گھڑی نہیں تھی اور میری کلائی پر موجود گھڑی بھی غائب تھی۔ بلکہ سوائے لباس کے اور کچھ نہیں تھا۔ شاہانہ بیڈ کے سرہانے شیشے کی میز پر ایک بلورین جگ اور گلاس رکھا تھا۔ جس میں کوئی گلابی رنگ کا مشروب موجود تھا۔ میں نے اسے تھوڑا سا گلاس میں ڈالا، سونگھ کر دیکھا۔ اس میں بڑی مسحور کن مہک آرہی تھی۔ پینے سے پہلے احتیاطاً اسے چکھا۔ ذائقہ بھی بہترین تھا مجھے الکوحل کا شبہ تھا لیکن اس مین ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ پیاس شدت کی تھی اس لئے میں یکے بعد دیگرے دو گلاس پی گیا۔ اگر اس میں کوئی بے ہوشی کی دوا شامل تھی تب بھی میں مجبور تھا۔ مگر اس میں کوئی ایسی دوا شامل نہیں تھی بلکہ اسے پی کر مجھے اپنے اندر توانائی محسوس ہوئی تھی۔

بستر سے نیچے فراور چمڑے کے خوب صورت، نرم و گرم سلیپر رکھے تھے۔ میں سلیپر پہن کر دروازے تک آیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بند ہو گا لیکن خلاف توقع وہ کھلا ہوا ملا۔ جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا کہیں گھنٹی کی مترنم آواز آئی اور اس سے پہلے کہ میں باہر جاتا۔ دروازے پر ایک لڑکی نمودار ہوئی۔ اس نے بہت خوب صورت کڑھائی کیا ہوا لباس پہن رکھا تھا اور اس کی ذاتی دلکشی کا کیا کہنا۔ یوں لگا جیسے کوئی پری زمین پر اتر آئی لیکن وہ بے چاری ایک معمولی خادمہ تھی۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ راجا عمر دراز کے محل کی ایک خادمہ تھی جسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا تھا کہ وہ راجا صاحب تک پہنچ سکے گی اور ویسے مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی راہ بنا لے گی۔''

''وہ پہاڑوں میں بھٹک گئی تھی۔ تین دن پہلے یہاں پہنچی تھی۔'' بیگ بولا۔ ''ویسے مس شا سے ملنے سے پہلے مناسب ہوگا آپ مجھے ذرا تفصیل سے بتا دیں کہ وہاں ہوا کیا تھا۔''

میرے اغوا والے واقعے سے وہ یقیناً واقف تھا کیونکہ عبداللہ اسے رپورٹ دے چکا ہوگا۔ میں نے اسے وادی میں آمد اور پھر یہاں برٹ شا اور فتح خان کی آمد سے لے کر بعد تک آنے والے واقعات اختصار سے سنائے لیکن تمام ضروری تفصیلات بھی بیان کیں۔ وہ غور سے سن رہا تھا میری بات ختم ہوئی تو اس نے سوال کیا۔

''برٹ شا نے مرنے سے پہلے آپ کو کچھ بتانے یا ہیروں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی تھی؟''

اس کی بات پر میں حیران ہوا تھا لیکن حیرت تاثرات تک نہیں آنے دی تھی۔ میں نے سوچ کر کہا۔ ''یہ خیال آپ کو کیوں آیا؟''

''شہباز صاحب میری عمر راجا صاحب سے کچھ ہی کم ہے اور میں نے دنیا دیکھی ہے برٹ شا جیسے لوگ اَنا کے مارے ہوتے ہیں اور اگر وقت اس کے ہاتھ سے نکل رہا تھا تو اس نے یقیناً آپ کو بتانے کی کوشش کی ہو گی کہ ہیرے کہاں ہیں وہ اب بھی اس فکر میں ہوگا کہ ہیرے پارٹی تک پہنچ جائیں تاکہ اس کی ساکھ پر آنے والا دھبہ مٹ سکے۔''

بیگ کی سمجھ بوجھ واقعی وزیروں والی تھی۔ میں نے جواب دیا۔ ''برٹ شا نے کچھ کہا تو تھا لیکن فائرنگ کا شور وادی میں گونج رہا تھا اس لیے میں صحیح طور پر نہیں سن سکا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ شاید اس نے شمال کا لفظ کہا تھا۔''

بیگ چونکا۔ ''آپ کا مطلب ہے وادی کا شمال؟''

''مطلب تو برٹ شا جانے کہ اس کی مراد کس شمال سے تھی۔''

بیگ نے اپنے سوال کا خود جواب دیا۔ ''یقیناً اس کی مراد وادی کے شمال سے ہوگی ورنہ صرف شمال کی سمت کہنے سے تو ہیروں کا سراغ نہیں ملتا اس کا مطلب ہے ہیرے وادی میں شمال کی طرف چھپائے گئے ہیں۔''

''اس کا پتا تو مجھے بھی ہے کہ اس نے ہیرے شمالی ڈھلان میں کہیں چھپائے تھے لیکن یہ شمالی ڈھلان بھی بہت بڑی ہے اور ہیرے کہاں ہیں یہ جاننا تقریباً ناممکن ہے۔ ویسے کیا آپ ہیرے تلاش کرنا چاہتے ہیں؟''

بیگ کھسیا گیا۔ ''ارے نہیں شہباز صاحب ہم ان چکروں میں پڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔''

''فتح خان کا ہاتھ سے نکلنا برا ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کے آدمیوں نے بہت اچھے انداز میں ان لوگوں کو ٹیک اوور کیا لیکن بدقسمتی سے فتح خان اس وقت وہاں نہیں تھا۔ اس کے قبضے میں میری ہونے والی بیوی ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''عبداللہ کی طرف سے خبر یہ ہے کہ وہ اور آپ کے دوسرے ساتھی انہیں تلاش کرنے میں کچھ کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔''

میرا دل دھڑکا تھا۔ ''وہ کیسے.....؟ اور آپ کو کیسے علم ہوا کہ سویرا فتح خان کے قبضے میں ہے؟''

''مہرو سے پتا چلا۔ میں نے فوری طور پر عبداللہ اور آپ کے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دی تھی اور انہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اسی وقت سے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔''

''کیا میں ان سے بات کر سکتا ہوں؟''

''کچھ دیر بعد۔'' بیگ نے اپنے ہاتھ پر بندھی گھڑی دیکھ کر کہا۔ ''کسی وجہ سے سیٹلائیٹ انٹرنیٹ کنکشن ٹوٹ گیا ہے اسے دوبارہ ملانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

راجا عمر دراز کا محل دور دراز تھا اس لیے یہاں مواصلات کے لیے سیٹلائیٹ انٹرنیٹ کا سہارا لیا گیا تھا اس کے علاوہ یہاں سیٹلائیٹ فون بھی تھا۔ شاید دونوں ایک ہی کنکشن سے کام کرتے تھے۔ میں نے بیگ سے کہا کہ جب تک کنکشن دوبارہ بحال کیا جا رہا ہے میں ایمن سے مل لوں۔ کچھ دیر بعد میں اسی دلکش خادمہ کی دلکش چال کا تعاقب کرتے ہوئے ایمن کے مخصوص کمرے تک پہنچا۔ دستک کے جواب میں اس نے بلند آواز سے کہا۔ ''یس کمز ان۔''

میں اندر آیا تو ایمن مجھے دیکھتے ہی تیزی سے میری طرف آئی پھر اسے خادمہ کا خیال آیا اور اس نے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔ خادمہ کے جاتے ہی وہ میرے سینے سے لگ کر رونے لگی تھی۔ اس نے بھی مقامی طرف کا ڈھیلا لباس پہن رکھا تھا اس کے باوجود وہ اس پر جچ رہا تھا۔ اس کے آنسو میری قمیص بھگونے لگے تھے۔ میں نے اسے نرمی سے شانے سے تھام کر الگ کیا اور بستر کے کنارے بٹھایا اور پھر خود کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''ایمن مجھے افسوس ہے۔''

''پاپا۔'' وہ سسکی۔ ''انہوں نے مجھے پہچانا بھی نہیں تھا۔''

میں اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کے باپ نے اسے پہچان لیا تھا لیکن اس کی جان بچانے کے لیے وہ بدستور دیوانہ بنا رہا تھا اگر وہ اسے پہنچا لیتا تو فتح خان کے ہاتھ ایک ترپ کا یقینی پتا آ جاتا اور وہ اسے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ فی الوقت اسے کچھ نہیں بتاؤں گا ہاں بعد میں کبھی موقع آیا تو میں اسے حقیقت سے آگاہ کر سکتا تھا۔ فتح خان کی مسلسل قید نے اس کا دماغی توازن بگاڑ دیا تھا۔

''پاپا کو کس نے مارا؟''

''فتح خان کے ایک ساتھی اور فتح خان نے غصے میں اسے بھی وہیں گولی مار دی تھی برٹ شا کی موت اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔'' میں نے کہا اور اس بار بھی اسے پوری بات بتانے سے گریز کیا۔

ایمن کے چہرے پر غصہ آ گیا۔ ''لیکن پاپا کی موت کا ذمے دار وہی ہے۔''

''اس میں کیا شک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن بدقسمتی سے وہ نکل جانے میں کامیاب رہا۔''

''وہ کس طرح نکلا؟''

میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ میں نے فتح خان کو بلوانے کے لیے برٹ شا کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ ایمن کو بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جو ہوا تھا وہ میں جانتا تھا یا فتح خان جانتا تھا۔ میں نے ایمن کو یہ بھی نہیں بتایا کہ اس کا باپ ڈرامہ کر رہا تھا بے شک اس کا مقصد جو بھی ہو لیکن اسے یہ مقصد اپنی جان اور اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز تھا۔ ایمن برٹ شا کی باتیں کرتی رہی۔ میں سنتا رہا اور درمیان میں اسے تسلیاں بھی دیتا رہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ دیر بعد اس کی حالت سنبھل گئی اور میرے مسائل کی طرف توجہ دی۔

''سویرا کا پتا چلا؟''

''میرے ساتھی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ وہ شہر میں کہیں ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ انہیں کسی حد تک کامیابی بھی ملی ہے لیکن کسی وجہ سے یہاں سے مواصلاتی رابطہ نہیں رہا ہے اسے ٹھیک کرنے کی کوشش جاری ہے۔''

''پاپا نے ان ہیروں کے لیے جان دے دی۔'' اسے پھر باپ کی یاد ستانے لگی۔

''ہم نہیں کہہ سکتے کہ برٹ شا کے ذہن میں کیا تھا کیونکہ کوئی شخص دولت کی خاطر اتنی تکلیفیں اور اتنی طویل قید برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔''

''پاپا کی ڈیل تھی انہیں یہ ہیرے ہر صورت پارٹی تک پہنچانے تھے یہ صرف ان کی نہیں ہمارے خاندان کی ساکھ اور عزت کا معاملہ بھی تھا۔ برطانیہ میں کہتے ہیں کہ شاخاندان بات کر کے پیچھے نہیں ہٹتا ہے۔ اگر ہیرے نہیں پہنچتے تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔''

''ہیرے تو اب بھی نہیں پہنچے۔'' میں مسکرایا۔ ''دوسرے اسی خاندان کے ایک فرد ڈیوڈ شا نے بارہا اس اصول کی دھجیاں اڑائی ہیں۔''

''وہ ایک الگ بات ہے وہ ہیرے کہیں مارکیٹ میں آئے نہیں ہیں کیونکہ ان کی ساخت اور صورت کا سب کو علم ہے اگر ان کی ساخت چھپانے کے لیے ان کو دوبارہ تراشا جاتا تو ان کی وہ قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔ یوں سمجھ لو کہ شکل بدلنے سے پچاس ملین ڈالرز کے ہیرے پانچ ملین ڈالرز کے بھی نہیں رہ جاتے۔ پھر پاپا بھی غائب تھے اس لیے بات ہماری عزت پر نہیں آئی یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ پاپا ہیروں سمیت کسی کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ وہ خود ہیروں سمیت کہیں روپوش نہیں ہو سکتے تھے۔''

میں نے سوچا اور ایمن سے پوچھا۔ ''اب کیا صورت حال ہوگی کیونکہ برٹ شا دنیا میں نہیں رہا ہے اور ہیرے بدستور غائب ہیں۔ اس بارے میں کیا کہتی ہو؟''

''پارٹی معاملات دیکھ رہی ہوگی۔ اس کا تعلق اٹلی سے ہے۔ اگر اسے محسوس ہوا کہ اس کے ساتھ کہیں دھوکا کیا جا رہا ہے تو وہ پاپا کے وارث کو پکڑے گی اور اس سے ہیروں کا مطالبہ کرے گی۔''

''یعنی تم سے؟''

ایمن پہلی بار مسکرائی۔ ''نہیں ڈیوڈ شا سے..... پاپا کی جاگیر اور خطاب اسی کے حصے میں آیا ہے۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ڈیوڈ شا انہیں انکار بھی نہیں کر سکتا۔''

''مافیا؟''

''ہاں..... ویسے یہ میرا اندازہ ہے لیکن جہاں تک میں نے جانا ہے یہ مافیا والے ہیں کیونکہ اس پارٹی کے سب سے اہم آدمی سیسلو مندانی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اٹلی کا سب سے طاقتور مافیا چیف ہے۔ اس پر کئی بار مقدمہ بھی چلا ہے لیکن یہ عدالت سے بری ہو گیا ویسے اٹلی کی پارلیمنٹ کا ممبر اور معروف بزنس مین ہے۔''

''سن کر خوشی ہوئی کہ اٹلی جیسے مہذب یورپی ملک میں بھی مجرم اور قاتل پارلیمنٹ میں پہنچ جاتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہنسا "یہ ہیرے کس ڈیل کا حصہ تھے؟"

"تم نہیں جانتے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "افغان وار کے دوران یہاں اسلحے کی سپلائی کی ادائیگی ان ہیروں سے کی جاتی تھی۔ اسلحہ پہنچانے اور بعد میں ہیرے لے کر پارٹی تک لے جانے کی ذمے داری پاپا کی تھی۔ وہ سرکاری طور پر اس ذمے داری کے لیے چنے گئے تھے۔"

"شاید پہلے بھی اس کا ذکر ہوا تھا لیکن یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی۔" میں نے سر ہلایا۔ "اگر پارٹی کو شبہ ہو جائے کہ ہیروں کے معاملے میں دھوکا ہوا ہے تو وہ ڈیوڈ شا سے بازپرس کرے گی اور پھر اسے مجبور کر سکتی ہے کہ وہ ان کا نقصان پورا کرے۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" ایمن بولی۔ "مجھے لگ رہا ہے کہ ایسا ہوگا کیونکہ اس دوران میں جب پاپا غائب تھے تو ڈیوڈ شا متعدد بار پاکستان آیا جب کہ بظاہر یہاں اس کا کوئی بزنس نہیں ہے۔"

"بزنس تو ہے تم نہیں جانتی ہو کہ وہ ان لوگوں کا ایجنٹ بن کر آتا تھا جو مافیاؤں کی بھی مافیا ہیں۔ جن کے حکم سے سرتابی کی مجال کسی میں نہیں ہے۔ اس لیے میرا نہیں خیال ہے کہ کوئی مافیا چاہے وہ کتنی طاقتور کیوں نہ ہو ڈیوڈ شا سے سوال جواب کرنے کی ہمت کرے گی۔"

ایمن نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم مافیا کے بارے میں نہیں جانتے ہو یہ بہت طاقتور ہیں۔ اٹلی کا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں ہوتا ہے لیکن اندر سے یہ بھی مافیا کے سامنے کمزور پڑ جاتا ہے۔ خود امریکہ میں مافیائیں طاقتور ہوتی جا رہی ہیں۔ ان کا طریقہ کار چھپا ہوا ہوتا ہے یہ نہ کھل کر کسی کو چیلنج کرتی ہیں اور نہ کسی پر کھلا وار کرتی ہیں۔ یہ چھپ کر وار کرتی ہیں اور اگر مخالف پھر بھی نہ مانے تو یہ چھپ کر وار کر کے اس کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ صرف اٹلی میں ہر سال ایک ہزار سے زیادہ قتل مافیا کے اشارے پر ہوتے ہیں اور ان کے قاتل بہت کم پکڑے جاتے ہیں۔"

"پھر بھی فرض کر لیا جائے کہ مافیا والے کسی وجہ سے ڈیوڈ شا پر ہاتھ نہیں ڈال پاتے تو کیا اس صورت میں ان کا رخ تمہاری طرف نہیں ہوگا؟"

"اصولی طور پر تو نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر کسی مرنے والے سے قرض وصولنا ہو تو اس کے وارث سے رجوع کیا جاتا ہے۔ میں پاپا کی وارث نہیں ہوں۔"

"ڈیوڈ شا ایک نظام کے تحت اس کا وارث بنا ہے اس لیے ممکن ہے مافیا اسے عمومی معنوں میں وارث نہ لے۔"

میری بات سن کر ایمن سوچ میں پڑ گئی تھی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ "تم بلاوجہ بحث کرنے والے آدمی نہیں ہو کیا تمہارے ذہن کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں میرے ذہن میں ایک بات ہے لیکن میں راجا عمر دراز سے بات کر کے اسے واضح کروں گا۔"

"راجا۔" ایمن نے گہری سانس لی۔ "میں کل سے یہاں ہوں اور ابھی تک مجھے کسی سے رابطہ کرنے کا موقع نہیں دیا گیا ہے۔"

"مثلاً کس سے رابطہ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اپنی ایمبیسی سے رابطہ کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے بتایا کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے فی الحال محل سے کہیں بھی رابطہ ممکن نہیں ہے۔ کیا میں یہاں نظر بند ہوں۔''

''تقریباً ایسا ہی سمجھو بلکہ یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ تم راجا عمر دراز کے پاس نہیں ہو۔ وہ اس معاملے میں کسی طرح سے ملوث نہیں ہونا چاہتا ہے۔''

''حالانکہ یہ اسی کے آدمی تھے جنہوں نے فتح خان کے کیمپ پر حملہ کیا تھا۔ میرے خدا وہ اتنی تیزی سے آئے کہ فتح خان کے آدمیوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا اور انہوں نے ایک منٹ میں سب کو شوٹ کر دیا تھا۔''

''کوئی نہیں بچا؟''

ایمن نے نفی میں سر ہلایا۔ ''انہوں نے شوٹ فور کل کیا تھا۔ فتح خان کے پانچ آدمیوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنا ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ حملہ آوروں کی قیادت ایک رشین کر رہا تھا۔''

''رشین۔'' میں نے تعجب سے کہا۔

''ہاں وہ رشین ہی تھا میں نے تصدیق کے لیے اسے رشین میں چند جملے کہے تو اس نے جواب بھی دیا تھا۔ مجھے تھوڑی بہت رشین آتی ہے۔''

میں نے اس سے پہلے راجا عمر دراز کے محل یا آدمیوں میں کوئی رشین نہیں دیکھا تھا۔ ممکن ہے اسے حال ہی میں ہائر کیا گیا ہو۔ جب سے ڈیوڈ شاوالا چکر شروع ہوا تھا اور راجا عمر دراز کے محل سے تصویر اور پتھر چوری ہوئے تھے تب سے اس نے اپنی سیکورٹی بڑھانے پر توجہ دی تھی۔ شہر میں اس کے پاس عبداللہ جیسا آدمی تھا اور یہاں محل میں بھی مجھے نہایت تربیت یافتہ سیکورٹی گارڈز نظر آئے تھے۔ ''راجا عمر دراز کے آدمی تمہیں براہِ راست یہاں لے آئے تھے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''صرف چند گھنٹوں کے اندر، ان پہاڑوں پر بھی یہ بہت تیزی سے سفر کرتے ہیں۔'' اس نے کہتے ہوئے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''شہباز مجھے یہاں سے جانا ہے ابھی پاپا کی لاش لے کر واپس جانا ہے اور ان کی آخری رسومات ادا کرنی ہیں۔''

''میرا خیال ہے تم کل صبح ہوتے ہی جا سکو گی۔ اگر موسم بہتر ہوا تو ہیلی کاپٹر آ جائے گا لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ اس معاملے میں تم کہیں بھی راجا عمر دراز کا نام نہیں لو گی بلکہ تمہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ تم کہاں سے آ رہی ہو۔ اگر برٹ شا کی موت سے بھی بے خبری ظاہر کرو تو اچھا ہے یہ اطلاع یقیناً ایمبیسی کو دی جا چکی ہوگی اور تم وہاں سے رابطہ کرو گی تو تمہیں خود پتا چل جائے گا۔''

''تم نے ٹھیک مشورہ دیا ہے میں ایسا ہی کروں گی۔''

مجھے وقت کا اندازہ نہیں تھا۔ ایمن نے بتایا کہ شام کے ساڑھے سات بج رہے ہیں۔ پھر اس نے مہرو کے بارے میں پوچھا۔ ''یہ کون ہے اور تمہارے پاس کہاں سے آئی؟''

''پتا نہیں کیا مسئلہ ہے جہاں جاؤ کوئی نہ کوئی لڑکی کوئی مسئلہ لیے موجود ہوتی ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اور پھر اسے مہرو کی مختصر کہانی سنائی۔ ایمن کو فوراً اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔

''یہ بے چاری تو بہت مظلوم ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں لیکن راجا کا سیکرٹری بیگ اس کے بارے میں فکر مند ہے سنا ہے اس نے آتے ہی راجا عمر دراز کو متاثر کرلیا ہے اور اب اس کی تیمارداری وہی کر رہی ہے۔''

''میں نے محسوس کیا ہے کہ خود بیگ راجا کے بارے میں بہت حساس ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی راجا سے ایک حد سے زیادہ قریب نہ ہونے پائے۔''

''تم نے بالکل ٹھیک محسوس کیا ہے اور میں نے بارہا دیکھا ہے۔ بہرحال یہ ان دونوں کا مسئلہ ہے۔ تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم برٹ شا کی میت انگلینڈ لے جانا چاہتی ہو اور میں جلد از جلد اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''تاکہ سویرا کو فتح خان سے چھڑا سکو۔'' ایمن کا لہجہ بدل گیا تھا۔

''ظاہر ہے یہ میری عزت کا معاملہ ہے اور ہمارے ہاں ایسی باتوں پر قتل کرنا یا ہو جانا معمولی بات ہے۔''

ایمن کچھ دیر کے لیے چپ ہوگئی پھر اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''ایک بات پوچھوں سچ بتاؤ گے؟''

مجھے اندازہ تھا کہ وہ کیا بات پوچھے گی۔ ''ہاں تم پوچھ سکتی ہو۔''

''سویرا سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ایمن تمہارے لیے یہ بات جاننا ضروری ہے؟''

''میں نے پوچھا ہے۔'' اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ''اگر تم جواب نہیں دینا چاہتے تو تمہاری مرضی ہے۔''

''ایمن تم نے سچ کی شرط رکھی ہے اس لیے بتا رہا ہوں سویرا میری محبت ہے اب سے نہیں بلکہ اس وقت سے جب میں محبت کا مفہوم بھی نہیں جانتا تھا۔ مگر تقدیر نے ہمارے ساتھ مذاق کیا اور سویرا میرے بھائی کا مقدر بن گئی۔ پھر تمہیں علم ہوگا کہ مرشد نے سازش کر کے میرے بھائی کو قتل کرا دیا اور سویرا بیوہ ہوگئی۔ اب میرے والد نے اپنی غلطی کی تلافی کے لیے سویرا اور میری شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

ایمن نے گہری سانس لی۔ ''تب تو تم خوش قسمت ہو جو اپنی محبت پالو گے۔''

''ہاں اور تم اندازہ کر سکتی ہو کہ میں سویرا کے لیے کس قدر فکر مند ہو سکتا ہوں۔''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے اندازہ ہے اور مجھے اس بات پر بھی رشک آ رہا ہے کہ تم کسی بھی پریشانی کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیتے۔''

''مجھے اس کی عادت ہوگئی ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔

دروازے پر دستک ہوئی اور ایمن کی اجازت سے خادمہ اندر آئی۔ ''کچھ دیر میں کھانا لگنے والا ہے۔ آپ دونوں تشریف لے چلیے۔''

میں اور ایمن اس کے ساتھ محل کے چھوٹے ڈائننگ ہال میں آئے۔ وہاں راجا عمر دراز موجود تھا۔ اس نے گرم جوشی سے مجھے سینے سے لگایا۔ بیگ ٹھیک کہہ رہا تھا حکیم قادس کے علاج سے اس کی صحت پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ میں نے یہ بات کہی۔ ''راجا صاحب اب آپ پہلے سے بہتر نظر آ رہے ہیں۔''

''ہاں لیکن بس یہ اوپر سے ہے اندر میں جانتا ہوں کینسر اپنے پاؤں پھیلا رہا ہے۔'' اس نے آہستہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔

ایمن کو پہلی بار پتا چلا تھا کہ راجا عمر دراز کو کینسر ہے اس نے رسمی انداز میں افسوس ظاہر کیا اور راجا نے رسمی انداز میں اس سے باپ کی موت کی تعزیت کی۔ ہم کھانے کی میز پر آ گئے۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔ راجا عمر دراز کے لیے مخصوص پرہیزی کھانا تھا لیکن میرے اور ایمن کے لیے کئی بہترین اور لذیذ ڈشز تھیں۔ میں چوبیس گھنٹے بعد کھانا کھا رہا تھا اس لیے بھوک ذرا کھل گئی تھی۔ کھانے کے فوراً بعد راجا عمر دراز کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایمن سے کہا۔ ''تم آرام کرو جلد تمہیں اسلام آباد پہنچا دیا جائے گا۔''

''شکریہ راجا صاحب۔'' ایمن نے کہا تو میں نے اس کے لہجے میں خفیف سا طنز محسوس کیا تھا۔ وہ خادمہ کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد راجا عمر دراز نے میری طرف دیکھا۔

''شہباز میرے ساتھ آؤ۔''

راجا عمر دراز مجھے اپنے کمرے میں لے آیا۔ پہلے یہ کمرہ سوچ و بچار کے لیے مخصوص تھا اور یہاں سوائے ایک شاہانہ قسم کی آرام کرسی کے اور کچھ نہیں تھا لیکن جب راجا عمر دراز کی طبیعت خراب ہوئی تو اس نے اپنا بیڈ روم اوپر سے محل کے اس کمرے میں منتقل کر لیا تھا۔ کیونکہ کھانے کے بعد حکیم قادس نے اسے آرام کرنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ مجھ سے بات بھی کرنا چاہتا تھا اور یہ صرف بیڈ روم میں ممکن تھا۔ راجا بستر پر لیٹ گیا اور اس نے مجھے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے کہا۔

''راجا صاحب سب سے پہلے تو میں آپ کی طرف سے بروقت مدد کا شکریہ ادا کروں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے میں تم سے کہہ چکا ہوں میں تمہیں اپنے وجود کا ایک حصہ سمجھتا ہوں تم میرے بیٹے کی طرح ہو اور بیٹے باپ کا یا باپ بیٹے کا شکریہ ادا نہیں کرتے ہیں۔''

''یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ایک بری بات یہ ہوئی کہ فتح خان نکل گیا اور سویرا اس کے قبضے میں ہے۔''

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہوں شہر میں تمہارے ساتھی اسے تلاش کر رہے ہیں اور سنا ہے انہوں نے کچھ پیش رفت بھی کی ہے۔''

''میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں لیکن ابھی تک انٹرنیٹ کا رابطہ بحال نہیں ہوا ہے۔''

راجا عمر دراز نے ایک چھوٹا سا جدید موبائل ساخت کا واکی ٹاکی اٹھایا اور بیگ سے رابطہ کیا۔ ''رابطہ بحال ہوا؟''

دوسری طرف سے کچھ سن کر راجا نے واکی ٹاکی رکھ دیا اور میری طرف دیکھا۔ ''رابطہ ابھی تک بحال نہیں ہوا ہے۔ یہاں سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سروس سیٹلائیٹ کا مسئلہ ہے۔ اس کی طرف سے جواب موصول نہیں ہو رہا ہے۔''

میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ ''اس صورت میں راجا صاحب میں فوری طور پر واپس اسلام آباد جانا چاہوں گا۔ ایمن شاہی اپنے باپ کی میت لے کر جلد از جلد واپس جانا چاہتی ہے۔''

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے میں بیگ [illegible] ہوں وہ [illegible] صبح تم [illegible] گی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندوبست کردے۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں....."

"یہ بات دوبارہ مت کہنا ورنہ تھپڑ ماروں گا۔" اس نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں تمہارے لیے جو کرسکتا ہوں کروں اور تمہارے مسائل حل ہو جائیں۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ راجا عمر دراز کیوں جلد از جلد میرے مسائل کا خاتمہ چاہتا ہے۔ میں اس کی نیت پر شک نہیں کر رہا تھا وہ پہلے بھی کئی بار بے لوث میرے کام آچکا تھا اور سوائے ایک دفعہ کے اس نے صلہ بھی نہیں مانگا تھا۔ مگر اسے بھی مجھ سے غرض تو تھی۔ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "راجا صاحب مجھ سے بھی آپ کے لیے جو ہوا میں ضرور کروں گا لیکن پہلے میں اپنے یہ کام نمٹا لوں۔ اگر فتح خان درمیان میں نہ آتا تو میں اور میرے ساتھی مرشد کے گرد شکنجہ کسنے والے تھے۔"

"یہ بریف کیس کا مسئلہ بھی ہے؟"

"جی ہاں میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مجھے چین میں سفر کے دوران یہ بریف کیس ملا تھا بلکہ یوں سمجھ لیں کہ میری ذمے داری بن گیا تھا۔ اب مجھے کسی طرح بھی اسے واپس چین کی حکومت تک پہنچانا ہے کیونکہ یہ ان کا راز ہے۔ سویرا کی طرح وہ بریف کیس بھی فتح خان کے قبضے میں ہے۔"

فتح خان کا نام سن کر راجا عمر دراز کے چہرے پر ناگواری آجاتی تھی وہ اس سے شدید نفرت کرتا تھا کیونکہ وہ راجا کا غدار تھا اس کا ملازم ہوتے ہوئے بھی اسے دھوکا دے گیا تھا۔ "ہیرے..... جن کے پیچھے وہ پاگل ہو رہا تھا اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔"

"جی برٹ شا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہیرے کہاں ہیں۔"

"تم نے بیگ کو بتایا ہے کہ برٹ شا نے مرنے سے پہلے شمال کا لفظ کہا تھا؟"

"جی..... مجھے کچھ ایسا ہی سنائی دیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ راجا عمر دراز میرے انداز سے سمجھ گیا کہ میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ کچھ دیر میں اسے رات والے واقعات کے بارے میں بتاتا رہا۔ پھر راجا عمر دراز نے موضوع بدل دیا اور اپنے پسندیدہ موضوع پر آگیا۔ یعنی ہمالیائی وادی اور اس کی چیزوں کے بارے میں بات کرتا رہا۔ میں اس کی بات سن رہا تھا لیکن بے دھیانی کے عالم میں۔ اس نے یہ بات محسوس کر لی۔

"میرا خیال ہے تمہیں بوریت ہو رہی ہے؟"

"نہیں راجا صاحب میرا ذہن ایک اور مسئلے میں الجھا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایمن شا سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ ڈیوڈ شا اس کا رشتے کا چچا اور برٹ شا کی جاگیر اور خطاب کا وارث ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" راجا عمر دراز نے مختصراً کہا

"اب برٹ شا اس دنیا میں نہیں ہے اور اس کی جاگیر اور خطاب اس کے کزن ڈیوڈ شا کے پاس ہے۔ وادی میں چھپائے ہوئے ہیرے ایک ایسی پارٹی کے ہیں جس کے بارے میں ایمن کا کہنا ہے کہ وہ اصل میں مافیا ہے۔ وہ ہیروں کے حصول کے لیے بڑے صبر و تحمل سے برٹ شا کی بازیابی یا واپسی یا انجام سامنے آنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظار کر رہے تھے اب برٹ شا کی لاش مل گئی۔"

"تب ان کا مسئلہ حل ہو گیا ہو گا؟"

"مسئلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے راجا صاحب، برٹ شا کی لاش مل گئی ہے لیکن ہیرے نہیں ملے ہیں۔ اب پارٹی برٹ شا کے وارث کا تعین کرے گی تاکہ اس سے ہیرے یا ان کی مالیت کے مساوی رقم وصول کی جائے۔"

"وارث ڈیوڈ شا ہے کیونکہ برٹ شا کی جاگیر اور خطاب اس کے پاس ہے۔"

"درست لیکن وہ ایک وصیت کے تحت وارث بنا ہے اور اسے تکنیکی معنوں میں شاید وارث نہ سمجھا جائے۔"

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔"میں سمجھ گیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ مافیا والے ایمن شا کو بھی وارث قرار دے کر اس سے ہیروں یا رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟"

"بالکل اور میں نے مناسب سمجھا کہ یہ معاملہ آپ کے علم میں لے آؤں کیونکہ ڈیوڈ شا بہرحال آپ کا دشمن ہے اور دشمن کے بارے میں معلومات ہوں تو اس سے نمٹنا آسان ہو جاتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔"میں اس بارے میں غور کروں گا۔ اب تم آرام کرو۔"

میں کھڑا ہو گیا۔"امید ہے صبح تک ہماری روانگی کا بندوبست ہو جائے گا۔"

"تم اس کی فکر مت کرو میں بیگ سے کہہ دیتا ہوں وہ انتظام کر دے گا۔ اگر رابطہ بحال ہو گیا تو ہیلی کاپٹر بھی آ سکتا ہے۔"

میں نے راجا عمر دراز کا شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکل آیا۔ ابھی تک میرا مہرو سے سامنا نہیں ہوا تھا لیکن جیسے ہی میں کمرے سے نکلا مہرو باہر ہی مل گئی۔ وہ اپنے ہاتھ میں کچھ بڑے سے سفید براق تولیے اور ایک آئل کی شیشی لیے ہوئے تھی۔ مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"مجھے معلوم ہو گیا تھا تم یہاں آ گئے ہو۔ فتح خان مارا گیا؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔"تمہیں نہیں معلوم وہ فرار ہو گیا البتہ اس کے ساتھی مارے گئے۔"

یہ سن کر مہرو کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی پھر اس نے گھٹے ہوئے لہجے میں کہا۔"لیکن وہ کب تک بچے گا۔"

"مجھے بھی یقین ہے۔" میں نے خلوص سے کہا اور سوالیہ نظروں سے تولیے اور تیل کی شیشی کی طرف دیکھا۔"یہ کیا ہے؟"

"میں راجا صاحب کی خادمہ بن گئی ہوں۔ ان کے حکیم نے مالش کرنے کو کہا ہے۔ یہ کام میں کرتی ہوں۔"

اتنی جلدی راجا عمر دراز جیسے شخص کے اس حد تک پاس ہو جانا معمولی بات نہیں تھی یقیناً مہرو میں صلاحیت تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔"کیا تمہارا مستقل یہیں رہنے کا ارادہ ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل مجھے اتنی اچھی اور محفوظ جگہ اور کہاں ملے گی۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔ ''میں تو خود کو خوش قسمت سمجھ رہی ہوں۔ میں یہاں بہت مشکل سے اور صرف تمہاری خاطر آئی تھی۔ تم نے مجھے فتح خان کی قید سے نکال کر جو احسان کیا تھا اس کا بدلہ دینا چاہتی تھی۔ مگر یہاں آ کر مجھے اچھی نیت کا صلہ مل گیا۔''

''ٹھیک ہے تم خوش رہو۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''ممکن ہے یہاں تمہیں کوئی اچھا آدمی مل جائے اور تم اپنی زندگی پھر سے شروع کر سکو۔''

وہ ہنسی اور پھر شرمائی۔ ''مل بھی گیا..... جلد ہم شادی کر لیں گے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا وہ بہت تیزی دکھا رہی تھی۔ ''کون ہے وہ خوش نصیب؟''

''یہاں محل میں گارڈز کا انچارج ہے۔ روس سے آیا ہے پہلے عیسائی تھا اب مسلمان ہو گیا ہے۔''

''تمہاری خاطر؟''

''نہیں..... نہیں پہلے سے مسلمان تھا۔ بہت اچھا آدمی ہے۔ اسی نے تمہیں فتح خان کی قید سے نکالا ہے۔''

میں چونکا یہ یقیناً وہی رشین تھا جس کا ذکر ایمن نے بھی کیا تھا۔ میں مہرو کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کر کے مہمان خانے میں آ گیا۔ ایمن جاگ رہی تھی اور یقیناً میری منتظر تھی۔ دستک کے جواب میں اس نے خود دروازہ کھولا اور میری طرف دیکھ کر بولی۔ ''کیا ہوا راجا نے ہمیں جانے کی اجازت دے دی؟''

میں نے کسی قدر تعجب سے اسے دیکھا۔ ''ہمیں راجا نے روکا کب ہے۔ ہم اس کے قیدی نہیں ہیں۔ وہ کل ہماری روانگی کا بندوبست کر دے گا۔''

ایمن نے سکون کا سانس لیا۔ ''تم جانتے ہو اس محل اور راجا عمر دراز سے میری اچھی یادداشتیں وابستہ نہیں ہیں اس لیے مجھے یہاں کسی قدر بے چینی ہو رہی ہے۔''

''بس کل صبح یہاں سے ہماری روانگی ہے۔ یہاں کا مواصلاتی نظام ابھی تک بحال نہیں ہوا ہے۔''

ایمن کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئی پھر اس نے دبی زبان میں کہا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ مواصلاتی سسٹم صرف ہمارے لیے.....''

''ایمن میں کوئی غلط سوچ نہیں رکھنا چاہتا۔ مجھے راجا عمر دراز پر پورا اعتماد ہے جب تک اس کے برخلاف کوئی بات نہ ہو جائے اس لیے تم فضول سوچوں کو ذہن میں جگہ نہ دو، کل ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور راستہ صاف ملا تو کل ہی اسلام آباد تک پہنچ سکتے ہیں۔''

''کاش ایسا ہی ہو۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''نہ جانے مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ ہمارا اسلام آباد تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔''

''اس خیال کی کوئی وجہ؟''

''نہیں بس تم چھٹی حس کہہ سکتے ہو۔''

''اگر تمہیں راجا عمر دراز کی طرف سے کوئی بدگمانی ہے تو اسے ذہن سے نکال دو۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ دوسرے وہ خود بھی اس قسم کا شخص نہیں ہے۔ وہ کسی کو دھوکے میں رکھ کر نقصان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں پہنچا سکتا ہے اور تم اس خاندان سے ہو جس کی راجا عمر دراز سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔ اس کے باوجود اس نے تمہیں فتح خان کے چنگل سے نکالا اور اپنے محل میں آرام سے رکھا ہوا ہے۔"

"میں جانتی ہوں میرا یہ مطلب نہیں ہے لیکن یہ بھی تو مجھ پر شک کرتے ہوں گے اور انہیں یہ شک بھی ہو گا کہ میں کہیں ایمبیسی والوں یا مقامی حکام کو اصل کہانی نہ سنا دوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "خیر چھوڑو اس بات کو، یہ بتاؤ کہ فتح خان کی قید میں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں دی گئی تھی۔"

وہ مسکرائی۔ "میں جانتی ہوں، تم نے فتح خان کو بھی دھمکی دی تھی کہ میرے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کریں۔ اس نے مجھے کچھ نہیں کہا لیکن اس کے ساتھی بہت گندی ذہنیت کے لوگ تھے ایسی شیطانیت کا مظاہرہ کرتے تھے کہ مجھے بتاتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔ اچھا ہوا سب کتے کی موت مارے گئے۔" کہتے ہوئے ایمن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "شکر ہے فتح خان کو تمہارا خوف تھا ورنہ شاید میں محفوظ نہ رہ پاتی۔"

"تمہیں میرے نام پر دھوکا دے کر بلایا گیا ہے اس لیے تمہارا تحفظ میری ذمے داری بنتی ہے۔"

"میں صرف ذمے داری ہوں۔" اس نے تیکھے انداز میں دیکھا۔

"تو تم کیا چاہتی ہو؟"

وہ میرے پاس آ گئی اور سرگوشی نما لہجے میں بولی۔ "تم جانتے ہو میں تم سے کیا چاہتی ہوں۔"

"اور یہ بھی جانتی ہو کہ میں کسی عورت پر اس قسم کی توجہ نہیں دے سکتا جو تم چاہتی ہو۔ میں اس مزاج کا آدمی ہی نہیں ہوں۔"

وہ کسی قدر مایوس ہوئی لیکن ہمت نہیں ہاری تھی۔ "شہباز میں تم سے اور تو کچھ نہیں چاہتی۔"

"تم میری اچھی دوست اور میں تمہارے لیے سب کرنے کو تیار ہوں کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے۔"

"سب کچھ؟" اس نے میرے الفاظ پکڑے۔

"ہاں جو تم چاہتی ہو اس کے سوا سب کچھ جو ایک آدمی اپنے دوست کے لیے کر سکتا ہے۔"

اس بار وہ پیچھے ہٹ گئی۔ "تم پتھر دل ہو۔"

میں نے شانے اچکائے۔ "مرد اور عورت کی دوستی کا معیار یہاں مغرب سے مختلف ہے۔ اس لیے تم کہہ سکتی ہو۔"

"لیکن میں نے یہاں بھی دیکھا ہے مرد اور عورت میں مغرب جیسی دوستی ہوتی ہے۔"

"ایک طبقہ ہے جو مغرب سے بہت متاثر ہے۔ اس کے سوا تمہیں شاید ہی کہیں کھلے عام مرد اور عورت میں مغربی طرز کے تعلقات ملیں۔" میں نے کہا۔ "ہمارے ہاں مشرقی روایات بدل رہی ہیں لیکن پھر بھی ان کا اثر ابھی باقی ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے سرد آہ بھری۔ "پر کیا کروں یہ دل نہیں مانتا ہے۔"

"دل بھی مان جائے گا۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "اب تم آرام کرو ممکن ہے صبح سویرے ہی روانگی ہو اور ہمیں کل بہت لمبا سفر کرنا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم کہہ رہے تھے کہ شاید ہیلی کاپٹر مل سکتا ہے۔''

''ہیلی کاپٹر صرف اس صورت میں آ سکتا ہے جب رابطہ بحال ہو جائے اور پھر موسم ٹھیک ہو جب کہ یہاں باہر ابر آلود موسم ہے۔ ایسے موسم میں ہیلی کاپٹر نہیں آ سکتا ہے اور میں انتظار نہیں کر سکتا مجھے فوری واپس پہنچنا ہے۔''

ایمن نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہم ہیلی کاپٹر کا انتظار نہیں کر سکتے ہیں۔''

''بس تو ابھی سو جاؤ تا کہ کل کے سفر کے لیے تازہ دم ہو اگر نیند نہ آئے تو یہاں خادمہ سے نیند کی دوا طلب کر لینا۔''

''میں سو جاتی ہوں۔'' اس نے انکار کیا۔ ''کیا تم کچھ دیر میرے پاس نہیں بیٹھ سکتے؟''

''ایمن میں تھکا ہوا ہوں کیونکہ کل سے سویا نہیں ہوں بے ہوش ضرور ہوا تھا۔ مگر اس سے آرام پورا نہیں ہوا ہے اور میرا جسم نیند طلب کر رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کسی قدر مایوسی سے کہا اور میں اسے گڈ نائٹ کہہ کر کمرے سے نکل آیا۔ میں نے نیند کا بہانہ کیا تھا ورنہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں اس کے ساتھ کمرے میں اس وقت نہیں رکنا چاہتا تھا۔ وہ میری توجہ چاہتی تھی اور میں اسے توجہ دے نہیں سکتا تھا۔ میں محبت کے اس انداز کا قائل نہیں ہوں۔ بے شک صنفِ نازک مجھے اچھی لگتی ہے۔ خدا نے اسے کائنات کی حسین ترین مخلوق بنایا ہے اور اس کے ظاہری حسن سے زیادہ اس کے اندر باطنی حسن کی صفات بھی رکھی ہیں جو کسی بھی مرد کی زندگی کو جنت بنانے کے لیے کافی ہیں۔ میں مرد اور عورت کے تعلق کو مستقل حیثیت سے لیتا ہوں کوئی بھی عارضی تعلق میرے نزدیک صرف حیوانیت ہے۔ ایمن کو کبھی میرے ساتھ اتنا رہنے کا موقع نہیں ملا ہر بار اس کا اور میرا ساتھ صرف چند دن کا رہا تھا۔ وہ مجھے پسند کرتی تھی لیکن پسند میں جو ایک پختگی اور گہرائی ہونی چاہیے وہ اس کی پسند میں نظر نہیں آتی تھی۔ یہ پسند بس اس وقت سامنے آتی تھی جب وہ میرے پاس ہوتی اور اس میں بھی صرف قرب کی خواہش نظر آتی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آیا۔ آج راجا عمر دراز نے میری تواضع اپنی خاص گرین ٹی سے نہیں کی تھی شاید اس کی مالش کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے کمرے میں لگا بٹن دبایا۔ میرا خیال تھا کہ رات کے وقت کوئی خادم آئے گا لیکن وہی دلکش خادمہ آئی تھی۔ کچھ عرصے پہلے تک محل میں خادماؤں کی تعداد میں کمی کر دی گئی تھی خاص طور سے جب فتح خان نے انہیں آلہ کار بنانا شروع کیا تھا لیکن اب دوبارہ یہاں خواتین نظر آنے لگی تھیں اور اس بار حسن انتخاب پہلے سے بڑھ کر تھا۔ البتہ یہ بھی یقینی تھا کہ اس بار انہیں سخت جانچ پڑتال کے بعد رکھا ہو گا۔ اس نے ادب سے پوچھا۔

''جی جناب کیا خدمت کروں۔''

''سبز چائے لے آؤ۔''

''صرف دس منٹ میں آ جاتی ہے جناب۔'' اس نے سر جھکا کر کہا اور کمرے سے رخصت ہو گئی۔ میں نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا۔ یہاں ہر طرف برف تھی۔ محل کے لان میں بھی اور آس پاس پہاڑوں میں بھی۔ بادل تھے لیکن کبھی کبھی چاند نکل آتا تھا اور یہ پہلے کے مقابلے میں بڑا ہو گیا تھا اس لیے روشنی بھی زیادہ تھی۔ میں فتح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب اس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ مجھے نوے فیصد امید تھی کہ وہ کوئی حماقت نہیں کرے گا جو مجھے ہمیشہ کے لیے اس کا دشمن بنا دے لیکن اس کا بھی امکان تھا کہ وہ کوئی بے وقوفی کر جائے۔ ہیروں سے محرومی اس کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ وہ اسے برداشت نہیں کر پا رہا تھا اور اسے برداشت بھی کرنا تھا یہ کشمکش اس کا دماغ خراب کر سکتی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ سویرا کے حوالے سے اپنی دھمکی پر عمل کر سکتا تھا۔ اگرچہ اس کا امکان بہت موہوم سا تھا لیکن بہرحال امکان تھا۔

خادمہ کچھ دیر میں گرین ٹی لے آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ پرانی ملازماؤں کی نسبت یہ خادمائیں رکھ رکھاؤ والی تھیں۔ یہ مہمانوں کی خدمت تو کر رہی تھی لیکن اس نے ابھی تک کسی ارزانی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا گویا ملازمائیں رکھتے وقت اس چیز کا خیال بھی رکھا گیا تھا اور مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ راجا کا ان کے بارے میں مخصوص طرز فکر بدل گیا تھا اور وہ انہیں غلط استعمال نہیں کر رہا تھا۔ وہ گرین ٹی دے کر چلی گئی۔ میں نے ایمن سے ایسے ہی کہا تھا کہ مجھے نیند آ رہی ہے لیکن گرین ٹی پی کر مجھے سچ مچ نیند آنے لگی۔ میں نے بہتر سمجھا کہ سو جاؤں۔ بہت عرصے بعد بستر کا آرام ملا تھا۔ ورنہ راتیں بھی بے آرام گزرتی تھیں۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے میں الارم کے طور پر استعمال کرتا لیکن مجھے امید تھی کہ صبح مجھے وقت پر اٹھا دیا جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

میری آنکھ دروازے پر بہت ہلکی لیکن مسلسل دستک سے کھلی۔ یہ خادمہ تھی۔ اس نے مجھے مطلع کیا کہ بیگ صاحب نشست گاہ میں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی وہ میرے لیے گرم لباس، جیکٹ، جوتے اور دوسرا سامان لائی تھی جس میں ایک عدد گھڑی بھی تھی۔ میں تیار ہو کر بیگ کے پاس پہنچا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''شہباز صاحب آپ کی روانگی کا بندوبست کر دیا گیا اور اب سے آدھے گھنٹے بعد آپ کو روانہ ہو جانا ہے۔''

صبح کے سات بج رہے تھے اور باہر ابھی روشنی بھی نہیں پھیلی تھی بس ہلکا سا دھندلکا تھا۔ ''طریقہ سفر کیا ہوگا؟''

''یہاں سے آپ خچر کے ذریعے وادی سے باہر جائیں گے اور وہاں سے ایک گاڑی آپ کو اسلام آباد لے جائے گی۔''

''میرے اور ایمن کے علاوہ بھی کوئی اور ہوگا؟''

''آپ کے ساتھ دو محافظ بھی ہوں گے وہ آپ کو اسلام آباد تک چھوڑ کر واپس آئیں گے ان میں سے ایک بہترین ڈرائیور ہے اور اس علاقے کی سڑکوں پر ہر موسم میں ڈرائیو کر سکتا ہے۔'' بیگ نے جواب دیا۔ ''آپ ناشتہ کر لیں مس شانا بھی آ گئی ہوں گی۔''

میں بیگ کے ساتھ ڈائننگ ہال پہنچا تو ایمن وہاں آ چکی تھی اور میری طرح وہ بھی سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھی۔ راجا عمر دراز سو رہا تھا اس لیے اس کی نیابت بیگ نے کی اور ہم نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔ اس دوران میں راجا عمر دراز جاگ گیا تھا اور وہ منع کرنے کے باوجود ہمیں محل کے دروازے تک رخصت کرنے آیا تھا۔ اس نے مجھے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''میرے بیٹے تم اپنا خیال رکھنا۔''

''جی راجا صاحب۔'' میں نے کہا۔ ''امید ہے آئندہ آپ سے ملاقات ہوگی تو آپ بھی ٹھیک ہو چکے ہوں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مسکرایا۔ ''یا اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہوں گا۔''

میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''راجا صاحب میں آپ کے بارے میں ہمیشہ اچھی امید رکھتا ہوں اور جب تک کسی شخص کا وقت نہیں آئے وہ مر نہیں سکتا ہے۔ زندگی موت کا علم صرف اللہ کو ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے سر ہلایا اور سامنے چبوترے کے نیچے موجود ایک باوردی شخص کو اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سفید فام تھا اور اس کے چہرے پر مشرقی یورپ کی چھاپ تھی۔ وہ فوراً اوپر آیا اور راجا کے سامنے ادب سے اٹینشن کھڑا ہو گیا۔ ''شہباز اس سے ملو، سابق زریسکی کوشیف اور اب عبدالرحمن۔ روسی فوج میں کرنل رہ چکا ہے اور افغانستان سے واپس جانے والے آخری روسی دستے کا حصہ تھا۔''

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور صاف اردو میں بولا۔ ''اس وقت میں سپاہی تھا لیکن میں نے چند مہینوں میں جو سیکھا وہ پھر پندرہ سال کی سروس میں بھی نہیں سیکھ سکا۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر شہباز راجا صاحب آپ کا ذکر بہت اچھے لفظوں میں کرتے ہیں۔''

''مجھے بھی خوشی ہوئی اور یہ راجا صاحب کی ذرہ نوازی ہے۔''

''میں وادی کے باہر تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔'' عبدالرحمن نے کہا۔ وہ تقریباً چالیس برس کا تنومند اور متوسط قد کا آدمی تھا۔ اس کے بال سفید تھے اور آنکھیں ہلکی نیلی۔ ہمارے ساتھ عبدالرحمن اور اس کا ایک آدمی جا رہا تھا۔ خچر تیار کھڑے تھے اور صبح کی روشنی ہو چکی تھی۔ راجا عمر دراز سے آخری بار مل کر ہم روانہ ہوئے۔ ایک خچر پر ایمن سوار تھی دوسرے پر میں بقیہ دو خچروں میں عبدالرحمن اور اس کا ساتھی تھا۔ وہ پوری طرح مسلح تھے۔ محل سے نکل کر ہم وادی سے گزرنے والے راستے پر آ گئے۔ عبدالرحمن میرے ساتھ تھا میں نے کہا۔

''تم نے بہت تیز اور پرفیکٹ ایکشن کیا تھا فتح خان کے آدمیوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہم نے کئی گھنٹے ان کی نگرانی کی تھی اور اس کے بعد حملہ کیا تھا وہ مجھے خطرناک لڑاکے لگے تھے۔''

''وہ تھے۔'' میں نے تصدیق کی۔ ''اگر انہیں ذرا بھی موقع مل جاتا تو تمہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا اور شاید تمہارے بھی کئی آدمی مارے جاتے۔''

''اسی وجہ سے میرے کسی آدمی کو خراش تک نہیں آئی۔''

''اگر تمہارے آدمی کئی گھنٹے سے اس جگہ کی نگرانی کر رہے تھے تو فتح خان کے نکلنے کا انہیں پتا نہیں چلا؟''

''نہیں..... کیونکہ وہ کسی اور راستے سے نکل گیا تھا۔''

''انفرا ریڈ ویژن استعمال نہیں کر رہے تھے؟''

''روشنی اچھی تھی اس لیے ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جب مارے جانے والوں کا معائنہ کیا اور ان میں فتح خان کو نہیں پایا تب ہمیں پتا چلا کہ وہ نکل گیا ہے۔ دراصل وہ اپنے ساتھیوں سے بھی الگ رہتا تھا اس لیے کب وہاں سے نکل گیا اس کا پتا نہیں چلا۔''

''پھر تم لوگوں نے وادی میں اس کی تلاش شروع کی؟''

''مس شانے اس جگہ کی نشاندہی کی تھی جہاں آپ کو اور برٹ شا کو رکھا گیا تھا۔ بدقسمتی سے ایکشن کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شور میں ہم بالکل نہیں جان سکے کہ نیچے بھی فائرنگ ہوئی ہے۔ جب ہم چٹانوں کے درمیان پہنچے تو وہاں سوائے دو لاشوں کے اور کوئی نہیں تھا پھر ہم نے وہیں گھات لگالی۔ مجھے امید تھی کہ فتح خان کسی وجہ سے پلٹے گا۔''

میں مسکرایا۔''وہ تو نہیں آیا میں تم لوگوں کے ٹریپ میں پھنس گیا۔''

عبدالرحمٰن جھینپ گیا۔''مجھے اس غلطی پر ساری عمر افسوس رہے گا۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''میں نے اس کا شانہ تھپکا۔''غلطیاں سب سے ہو جاتی ہیں۔ تمہاری ذمے داری کیا ہے؟''

''میں یہاں محل کا سیکورٹی انچارج ہوں۔ اس کے علاوہ راجا صاحب کے تمام آدمیوں کو میں نے ہی تربیت دی ہے۔''

''تبھی مجھے حفاظتی انتظامات پہلے کے مقابلے میں کہیں بہتر نظر آئے ہیں۔''میں نے اس کی طرف دیکھا۔''تم کب سے ہو یہاں؟''

''چھ مہینے ہو گئے ہیں۔''

''اس سے پہلے کہاں تھے؟''

''ایک افغان وار لارڈ کے ساتھ تھا لیکن وہ بہت ظالم آدمی تھا خاص طور سے عورتوں کے معاملے میں، تم سمجھ رہے ہو نا؟''

''ہاں۔''

''ایک دن میں اسے قتل کر کے فرار ہو گیا۔ پھر چھپتا چھپاتا یہاں آ گیا۔ راجا صاحب نے مجھے پناہ اور ملازمت دے دی۔ اب مجھے یہاں کی شہریت بھی مل گئی ہے۔''

''شاید کچھ دن بعد بیوی بھی مل جائے گی۔''

وہ چونکا۔''آپ جانتے ہیں؟''

''ہاں مہرو میرے ساتھ تھی اور میں نے ہی اسے راجا صاحب کے پاس بھیجا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ اس حد تک جان چکے ہیں۔''

''کل میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ یہاں بہت خوش ہے اور ظاہر ہے اس کی ایک وجہ تم بھی ہو۔''

اس نے سر ہلایا۔''ہاں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔''

اس وقت وادی کے وسطی حصے سے گزر رہے تھے۔ یہاں بھی ہر طرف برف تھی۔ لوگ اس موسم میں اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھتے ہیں۔ باہر صرف مجبوری کے عالم میں باہر نکلتے ہیں۔ کیونکہ سردی کی شدت ایسی ہوتی ہے کہ باہر نکلنے والا بیمار پڑ جاتا۔ یہاں بیمار پڑنا کوئی افورڈ نہیں کر سکتا ہے کیونکہ نہ تو ڈاکٹر ہے اور نہ اسپتال ہے۔ راجا عمر دراز نے کوشش کی تھی اور یہاں سے کچھ ذہین نوجوانوں کو اپنے خرچ پر میڈیکل کالج میں تعلیم کے لیے بھیجا مگر وہ دغا دے گئے اور تعلیم مکمل کر کے واپس ہی نہیں آئے تھے۔ ورنہ اس کا ارادہ وادی میں ایک اسپتال بنانے کا بھی تھا لیکن جب کوئی ڈاکٹر ہی آنے کو تیار نہیں تھا تو وہ بے چارہ اسپتال کہاں سے بناتا۔ آس پاس صرف سوات میں اسپتال مل سکتا تھا اور وہ یہاں سے بہت دور تھا اس موسم میں جانا تقریباً ناممکن تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم ویران راستوں سے گزرتے رہے۔ پھر سرمد کا گاؤں آیا جو کسی زمانے میں مجھے اتفاق سے راستے میں مل گیا تھا اور پھر اپنا مہمان بنا کر لے آیا تھا اور وہیں سے میرے مصائب کا دور اول شروع ہوا تھا۔ اس کی سوتیلی ماں ثمینا جو فتح خان کی داشتہ تھی۔ اس نے مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی اور نتیجے میں، میں لمبے چوڑے چکر میں آ گیا۔ پہلے راجا عمر دراز کے عتاب کا شکار ہوا اور پھر فتح خان دشمن ہو گیا۔ مصائب کا یہ دور بڑی مشکل سے ختم ہوا تھا لیکن اس کا اثر فتح خان اور راجا عمر دراز کی شکل میں آج تک برقرار تھا۔ اگر فتح خان دشمن تھا تو راجا عمر دراز ہر مشکل وقت میں کام آنے والا دوست تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ سرمد اب بھی یہاں تھا یا کہیں اور چلا گیا تھا۔ وہ شہر میں پڑھ رہا تھا اور عین ممکن تھا کہ وہ وہیں کہیں سیٹ ہو گیا ہو ویسے بھی وہ مقامی رسم و رواج سے نالاں تھا خاص طور سے لڑکیوں کی خرید و فروخت سے جو شادی کے نام پر کی جاتی تھی۔ اس کا باپ اپنی لڑکیوں سے بھی کم عمر بیویاں رکھتا تھا۔ اس مقصد کے لیے روپیہ حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی بیٹیاں فروخت کرتا تھا۔

سرمد کے گاؤں کے پاس سے گزر کر ہم اس درے کی طرف جانے لگے جو باہر سڑک تک پہنچاتا تھا۔ میں عبدالرحمٰن سے بات کرتا رہا۔ اسے فتح خان کے بارے میں علم نہیں تھا۔ اس کے بارے میں بتایا۔ اسے حیرت ہوئی کہ فتح خان اتنا خطرناک آدمی تھا جس سے راجا عمر دراز جیسا طاقتور شخص بھی پریشان تھا۔ میں نے کہا۔ ''اس سے صرف راجا صاحب ہی نہیں، میں اور میرا ایک دشمن مرشد بھی پریشان ہے۔ وہ کسی کی بھی پروا نہ کرنے والا شخص ہے۔''

''میں راجا صاحب کے آدمیوں کو جسمانی تربیت کے ساتھ ان کی ذہنی تربیت بھی کر رہا ہوں اور کچھ مقامی لوگوں کو اس طرح تربیت دے رہا ہوں کہ وہ آس پاس کے علاقے پر نظر رکھیں اور کوئی غیر معمولی بات ہو تو ہمیں فوری اطلاع مل جائے۔''

''یعنی تم جاسوسی کا نظام قائم کر رہے ہو؟''

''یہ بہت ضروری ہے، راجا صاحب جس حیثیت کے آدمی ہیں ان کو اپنے آس پاس سے لازمی باخبر رہنا چاہیے۔''

''بہت مناسب بات ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ کچھ درے کی بلندی تک پہنچ گئے تھے یہاں سے نیچے سڑک دکھائی دے رہی تھی وہاں ایک بڑی لگژری جیپ کھڑی تھی۔ اس سفر کے دوران ایمن شاذ را پیچھے اور بالکل خاموش رہی تھی۔ مشکل سے دس منٹ بعد ہم ڈھلان سے اتر کر جیپ تک پہنچ گئے تھے۔ اس کے ساتھ دونوں محافظ بھی موجود تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ ''اس موسم میں گاڑیاں وادی میں نہیں آ سکتی ہیں اس لیے انہیں سڑک کے پاس ہی ایک گیراج میں رکھا جاتا ہے۔''

''اگر راجا صاحب نے کہیں جانا ہو تو؟''

''وہ گھوڑے پر سفر کرتے ہیں۔ اس موسم میں کچے راستوں پر گاڑیاں چلانا ممکن نہیں ہوتا ہے۔'' عبدالرحمٰن نے کہا اور میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''اب آپ کو روانہ ہونا جانا چاہیے۔ وقت بہت کم ہے کیونکہ آپ کو رات سے پہلے اسلام آباد پہنچنا ہے۔''

اس دوران میں اوپر پہاڑ پوری طرح روشنی میں آ چکے تھے لیکن نیچے گھاٹیوں اور ڈھلانوں پر ابھی سایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ میں نے عبدالرحمٰن سے ہاتھ ملایا اور ایمن کے ساتھ جیپ کی پچھلی نشست پر آ گیا۔ وہ راجا عمر دراز سے الوداعی ملاقات اور پھر سفر کے دوران خاموش رہی تھی۔ جیپ بہت کشادہ اور تمام سہولتوں سے آراستہ گاڑی تھی۔ اس کا طاقتور ڈیزل انجن غرا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی کہ وہ ہمارا خیال رکھیں اور میرے ہر حکم کی تعمیل یہ سمجھ کر کریں کہ یہ راجا صاحب کا حکم ہے۔ یہ سن کر دونوں محافظ الرٹ ہو گئے تھے۔ ہمارے بیٹھتے ہی جیپ آگے بڑھ گئی اور عبدالرحمٰن اور اس کا ساتھی خچر لے کر واپس روانہ ہو گئے۔ وہ بلاوجہ وقت ضائع کرنے والے لوگ نہیں تھے۔

ذرا سی دیر میں جیپ وادی سے آگے بل کھاتی برف آلود اور سیلی سڑک پر سوات کی طرف جا رہی تھی۔ اب اس علاقے میں متعدد نئی سڑکیں بن گئی تھیں اس سے آمد و رفت آسان ہو گئی تھی لیکن اس کے ساتھ موسم اور بے پناہ ہونے والی لینڈ سلائیڈنگ نے سفر کو دوسرے انداز میں دشوار بنا دیا تھا۔ جیپ میں اس طور سے برف اور سیلے راستوں پر سفر کے قابل ٹائر لگے تھے۔ اس لیے یہ بہت آسانی سے چل رہی تھی ورنہ اس رفتار پر کوئی دوسری گاڑی اتنی آسانی سے سفر نہیں کر سکتی تھی۔ ایک محافظ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اور دوسرا اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ اس نے مڑ کر کہا۔

''جناب اگر آپ چاہیں تو ہمارے پاس تھرماس میں چائے اور کافی دونوں ہیں۔''

''یہ تو اچھی بات ہے، ایسا کرو کافی نکالو۔'' میں خوش ہو گیا۔

اس نے چلتی جیپ میں ہمارے لیے بہترین قسم کے مگوں میں کافی نکالی۔ میں نے صرف کافی لی تھی۔ ایمن نے اس کے ساتھ شوگر کیوب بھی لیے تھے۔ کریم ہم دونوں کو ہی پسند نہیں تھی۔ ایمن اب تک چپ تھی اس نے کافی کا پہلا گھونٹ لیا اور بولی۔

''شہباز تمہیں یقین ہے ہمیں راستے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی؟'' اس کا انداز پُرفکر تھا۔

''میرا خیال ہے ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''ہماری روانگی خفیہ رکھی گئی ہے۔''

وہ مسکرائی۔ ''یہ لگژری جیپ دیکھنے والوں کو متوجہ کرتی ہے چھپاتی نہیں ہے اگر دشمن ناک میں ہوا تو اسے جاننے میں دشواری نہیں ہوگی کہ اس جیپ میں کون ہے۔''

''تم زیادہ ہی پریشان ہو رہی ہو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ایسی جیپیں یہاں بہت سارے لوگوں کے پاس ہیں۔ شام تک ہم اسلام آباد پہنچ جائیں گے۔''

''شاید۔'' اس نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت ہم ایک بڑے پہاڑ سے گزر رہے تھے۔ نیچے بہت ہی گہری ڈھلان نما کھائی تھی۔ میں نے ڈرائیور سے کہا۔

''گاڑی روکو اور میرے کچھ سوالوں کے جوابات دو۔''

ڈرائیور نے جیپ سڑک کے ایک طرف لگا دی میں نیچے اترا تو وہ بھی نیچے اتر آئے۔ میں نے ایمن کو اترنے سے منع کر دیا اس لیے وہ جیپ کے اندر بیٹھی رہی۔ ''تم دونوں میں انچارج کون ہے؟''

''میں ہوں جناب۔'' ڈرائیور کے ساتھی نے جواب دیا۔

''تم دونوں نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ نے پوچھا نہیں تھا جناب۔'' وہ ادب سے بولا۔''میرا نام انعام علی اور یہ میرا ساتھی اول خان ہے۔''

''میرا نام تم نے سن لیا ہوگا انعام علی۔ یہ بتاؤ کہ اگر راستے میں کوئی دشمن ہمیں روکے یا حملہ کر کے ختم کرنے کی کوشش کی تو تم لوگ کیا کرو گے؟''

''ہم تربیت یافتہ ہیں جناب دشمن کا مقابلہ کریں گے۔'' انعام علی نے کہا اس کے پاس اے کے سیونٹی فور رائفل تھی۔ رفیق کے پاس بھی ایسی ہی رائفل تھی لیکن میں نہتا تھا۔

''تمہارے پاس مزید کوئی ہتھیار ہے۔''

انعام علی جیپ کے پچھلے حصے کی طرف آیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اس حصے میں رکھے ایک چھوٹے دھاتی بکس کا تالا نمبر ملا کر کھولا اور جب اس نے بکس کھولا تو اس میں کئی طرح کا آتشیں اسلحہ دکھائی دیا تھا اس میں دو عدد پستول بھی تھے۔ دو شاٹ گنز بھی ایک عدد طویل فاصلے پر مار کرنے والی اسنائپر رائفل اور دو عدد اضافی خود کار رائفلیں تھیں۔ میں نے ایک رائفل اور ایک چھوٹا پستول اور ان کے اضافی میگزین نکال لیے۔ انعام علی نے بکس بند کیا اور ہم دوبارہ جیپ میں آ گئے۔ میں نے رائفل اپنے پاس رکھی اور پستول ایمن کی طرف بڑھا دیا۔

''میرا خیال ہے تم اس کا استعمال جانتی ہو۔''

''کیوں نہیں۔'' اس نے پستول لے کر اس کا معائنہ کیا اور پھر اسے معہ اضافی میگزین اپنی جیکٹ میں رکھ لیا۔

''میرا خیال ہے اب تم مطمئن ہو گی اگر کہیں ہمیں فتح خان یا کسی اور دشمن سے واسطہ پڑ گیا تو ہم بالکل ہی نہتے نہیں ہیں۔ پھر یہ گارڈز بھی ہمارے ساتھ ہیں۔''

ایمن نے گہری سانس لی۔''شہباز تمہارے ساتھ رہ کر میں نے یہ دیکھا ہے کہ بعض اوقات پوری فوج بھی کام نہیں آتی ہے اور بعض دفعہ تم اکیلے ہی کام کر جاتے ہو۔''

میں ہنس دیا۔''ذرہ نوازی ہے تمہاری۔''

ہم انگریزی میں بات کر رہے تھے۔ وہ میرے پاس کھسک آئی۔''شہباز کبھی کبھی تم بہت شدت سے یاد آتے ہو۔ میری خواہش ہے تم کچھ دن کے لیے ہی سہی لیکن میرے پاس انگلینڈ آ کر رہو۔ بس میں اور تم ہوں کوئی تیسرا فرد نہ ہو۔''

میں نے کن انکھیوں سے گارڈز کی طرف دیکھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ انگریزی سے واقف تھے یا نہیں۔ وہ بہر حال راجا عمر دراز کے آدمی تھے اور ممکن ہے ہو انگریزی جانتے ہوں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔''راستے میں اس قسم کی گفتگو مناسب نہیں ہے ہم بعد میں بات کریں گے۔''

''کیوں.....؟''

اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹی۔''پلیز۔''

ایمن منہ بنا کر خاموش ہو گئی۔ میں نے انعام علی سے پوچھا۔''اگر تم اس روٹ پر سفر کرتے رہے ہو تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں اندازہ ہے کہ ہم کتنی دیر میں اسلام آباد پہنچ سکتے ہیں؟"

"سات سے دس گھنٹے میں۔" اس نے جواب دیا۔ "موسم اور راستے پر ہے۔ پر کہیں لینڈ سلائیڈنگ ہوگئی تو بہت دیر بھی لگ سکتی ہے۔"

اس موسم میں عام طور سے زمین سخت ہو جاتی ہے اس کے باوجود لینڈ سلائیڈنگ ہوتی رہتی ہے کیونکہ درخت کم ہونے سے چٹانوں پر مٹی کی گرفت کم ہو جاتی ہے۔ ہماری عافیت اسی میں تھی کہ کہیں لینڈ سلائیڈنگ سے واسطہ نہ پڑے۔ ورنہ سفر اگلے دن بھی جاری رہ سکتا تھا۔ دو گھنٹے بعد ہم سوات میں داخل ہو رہے تھے۔ اس بار پورا شہر برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ لگتا تھا یہاں چند دنوں میں شدید برف باری ہوئی ہے۔ انعام علی نے پوچھا کہ اگر ہم چاہیں تو یہاں کسی ہوٹل میں رک کر چائے کافی پی سکتے ہیں لیکن میں نے سفر جاری رکھنے کو کہا۔ کچھ دیر بعد ہم سوات شہر کو پیچھے چھوڑ کر وادی میں سفر کر رہے تھے۔

اول خان اچھا ڈرائیور تھا اور پوری توجہ سے اور مناسب انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا ایسا لگتا تھا وہ اس راستے سے اچھی طرح واقف ہے اور اسے معلوم ہے کہ کہاں رفتار تیز رکھنی ہے اور کہاں کم رفتار ہی مناسب ہو گی۔ ایمن خاموش بور ہو رہی تھی ایک بار اس نے فتح خان اور سویرا کا ذکر چھیڑنا چاہا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ وہ جھنجھلائی۔

"پھر میں کیا کروں؟"

"تم اپنی بات کرو، تم ان سالوں میں کیا کرتی رہیں مجھے کبھی سکون سے بیٹھ کر بات کرنے اور تمہارے بارے میں جاننے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تو کیوں نہ ابھی جان لوں۔"

اس نے گہری سانس لی۔ "یہ لمبی کہانی ہے۔ پاپا کی گمشدگی کے وقت میں سولہ سال کی تھی اور دو سال مجھے ڈیوڈ شا کی نگرانی میں گزارنے پڑے تھے اس دوران میں وہ پاپا کی جاگیر اور خطاب ہتھیانے میں کامیاب رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے انگلینڈ جیسے قانون پرست ملک میں اس قسم کا کام ممکن نہیں ہے۔ ڈیوڈ شا کو یہ دونوں چیزیں کسی نہ کسی قانونی راستے سے ملی ہوں گی۔"

ایمن ایک لمحے کے لیے ہچکچائی پھر بولی۔ "اصل میں اس نے اس سلسلے میں رائج ایک وصیت سے فائدہ اٹھایا ہے جو جاگیر کے سلسلے میں چلی آ رہی ہے۔ اگر جاگیر اور خطاب کا مالک بغیر اولاد نرینہ چھوڑے غائب ہو جائے تو اس کی موت یا واپسی تک جاگیر اس کے بھائی یا سب سے قریبی کزن کو ملے گی۔ ڈیوڈ شا پاپا کا سب سے نزدیکی کزن ہے۔ اس نے اس شق کا فائدہ اٹھا کر جاگیر اور جائیداد پر قبضہ کر لیا۔"

میں نے ایمن کی بات پر غور کیا۔ "گم شدہ آدمی کی واپسی یا اس کی موت کی تصدیق تک۔ اب برٹ شا کی موت کی تصدیق ہو جائے گی۔ اس کا مطلب ہے اس سے آگے بھی جاگیر اور خطاب کے سلسلے میں وصیت کی کوئی نہ کوئی شق ہو گی؟"

"بالکل ہے اس صورت میں یہ جاگیر اور خطاب گم شدہ شخص کو واپس یا اس کی اولاد کو ملے گی۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "اس کا مطلب ہے کہ جاگیر اور خطاب اب واپس تمہیں مل جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شاید۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ''لیکن ڈیوڈ شا نہایت چالاک آدمی ہے مجھے ڈر ہے وہ کوئی چال چل کر اپنا قبضہ برقرار رکھے گا۔ اس کے پاس دولت بھی ہے اور وہ بڑے سے بڑا وکیل کر سکتا ہے۔''

''تم وکیل نہیں کر سکتی ہو؟''

''اس کے پائے کا نہیں کر سکتی۔ تم جانتی ہو میں اچھا کماتی ہوں لیکن ہوں تو ایک ملازم پیشہ لڑکی اور میرے پاس زیادہ جمع پونجی نہیں ہے۔ میں بہت اچھا وکیل نہیں کر سکتی ہوں اور آج کل انصاف عدالت کے بجائے اچھے وکیل سے ملتا ہے۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو آج کل انصاف اسی طرح ملتا ہے اس لیے دولت والا جیت جاتا ہے چاہے وہ حقدار نہ ہو اور غریب حق پر ہوتے ہوئے بھی روتا پیٹتا رہ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی برٹش عدالتی نظام ہے فرق اتنا ہے کہ ہمارے ہاں کرپٹ ہو چکا ہے اور تمہارے ہاں اتنا کرپٹ نہیں ہے۔''

''ہمارے ہاں بھی اس میں بہت خرابیاں آ چکی ہیں۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''میں نے کہا نا اب ہمارے ہاں بھی انصاف اسے ملتا ہے جو بڑا وکیل کر سکتا ہو۔''

ہم سوات کی وادی سے نکل آئے تھے اور اس وقت سڑک اونچے نیچے پہاڑوں میں بل کھاتی گزر رہی تھی۔ یہاں اکثر جگہوں پر برف صاف کر دی گئی تھی لیکن بعض مقامات پر برف موجود تھی اور جیپ کو برف پر سے ہی گزرنا پڑتا تھا ایسی جگہوں پر اس کی رفتار بہت سُست ہو جاتی تھی۔ اول خان نے جیپ ایک ایسے راستے پر گھما دی تھی جو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ یہ شاید نیا راستہ تھا جو فاصلہ کم کر دیتا۔ مگر یہاں سڑک تنگ اور بعض مقامات سے خاصی خراب تھی۔ میں ایمن سے بات کر رہا تھا کہ اچانک اول خان نے جیپ روک دی۔ ہم نے چونک کر سامنے دیکھا تو سڑک پر برف کا بہت بڑا تودا نما گر انظر آیا اور اسے ہٹائے بغیر سڑک سے گزرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ لینڈ سلائیڈنگ نہیں تھی بلکہ اوپر سے برف کا ڈھیر پھسل کر سڑک پر آ گیا تھا اور اس پر جیپ گزارنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ انعام علی نے مڑ کر کہا۔ ''جناب یہ برف ہٹانی پڑے گی۔''

''برف کیسے ہٹاؤ گے؟''

''ہمارے پاس بیلچے ہیں جناب۔'' اول خان بولا۔ ''ایسے سفر میں برف صاف کرنے کے لیے رکھنے پڑتے ہیں۔''

''بس تو برف صاف کرو۔'' میں نے کہا۔

وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ انہوں نے پچھلے حصے سے دو عدد بیلچے برآمد کیے جو شاید برف ہٹانے کے لیے تھے کیونکہ یہ ہلکے اور چوڑے پھل والے تھے۔ اندر گرمائش کے لیے جیپ کا انجن چلتا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے ایمن سے کہا۔ ''سنو اگر تمہیں ڈیوڈ شا کے خلاف میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے تیار پاؤ گی۔ اس میں مالی مدد بھی شامل ہے۔''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''میں جانتی ہوں تمہارا تعلق کھاتے پیتے خاندان سے ہے لیکن اس قسم کے مقدمات میں رقم پانی کی طرح استعمال ہوتی ہے۔''

''تم اس کی فکر مت کرو۔ اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر تمہارا اشارہ راجا عمر دراز کی طرف ہے تو میں معذرت چاہوں گی۔'' اس نے کہا۔ ''میرے ساتھ اس کا جو رویہ ہے اس کے بعد میں اس کی طرف سے کوئی مدد قبول نہیں کر سکتی۔''

''میں راجا کی بات نہیں کر رہا ہوں میرے اپنے ذرائع بھی ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں تو اپنے لیے بھی کسی سے کچھ مانگنے کا قائل نہیں ہوں کسی اور کے لیے بھی نہیں مانگ سکتا ہوں۔''

وہ مسکرائی۔ ''میں بھول جاتی ہوں تم کیسے شخص ہو کاش کہ تم.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر گہری سانس لی۔

''کیا کاش.....؟''

''چھوڑو اس بات.....'' اس کی بات اس بار بھی ادھوری رہ گئی اور اس بار اس کا سبب ایک فائر تھا۔ میں نے چونک کر سامنے دیکھا۔ انعام علی کے دونوں ہاتھ فضا میں بلند تھے اور اس کے ماتھے سے خون کا فوارہ اچھل رہا تھا اگلے ہی لمحے وہ پیچھے جا گرا تھا۔ اول خان وحشت زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک فائر ہوا اور وہ اوندھے منہ گرتا نظر آیا۔ میں نے خود کار انداز میں نیچے جھکتے ہوئے ایمن کو سیٹ کے نیچے دبایا۔

''سر مت اٹھانا۔'' میں نے کہا اور دروازہ کھولتے ہوئے ڈھلان والی طرف اتر گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ فائر پہاڑ کی طرف سے ہوئے ہیں۔ میں نیچے اترا تھا کہ میرے کانوں میں فتح خان کی منحوس آواز آئی۔

''شہباز خان سامنے آجاؤ تمہارا دونوں آدمی ختم ہو گیا ہے۔''

جیپ کا انجن چل رہا تھا اور مجھے خیال آیا کہ میں اسے پیچھے لے جا سکتا تھا لیکن فتح خان کے سر میں شیطان کا دماغ فٹ تھا۔ فوراً ہی دو فائر اور ہوئے اور پہاڑ کی طرف والے جیپ کے دونوں ٹائر ختم ہو گئے۔ دھماکوں کے ساتھ جیپ اس طرف جھک گئی تھی۔ ایمن نے چیخ ماری تو میں فکر مند ہو گیا۔ ''ایمن تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں میں ڈر گئی تھی۔'' وہ اندر سے بولی۔

''فتح خان۔'' میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔''

''شہباز خان کیا کرے اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ اب اگر تم میرے دس گننے تک ہتھیار ڈال کر اور ہاتھ اٹھا کر سامنے نہیں آیا تو جیپ کو راکٹ لگے گا اور اس کے ساتھ تمہارا ٹکڑا بھی اڑ جائے گا۔ ایک.....دو.....تین.....چار.....''

فتح خان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہی کرے گا جو کہہ رہا تھا۔ اس نے ایک منٹ کے اندر دو انسانوں کو مار کر اپنی سنجیدگی کا ثبوت بھی دے دیا تھا۔ وہ سات تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے چلا کر کہا۔

''فتح خان اگر میں سامنے آؤں تو کیا ضمانت ہے کہ تم گولی نہیں چلاؤ گے؟''

''میں پاگل نہیں ہے۔'' وہ بولا۔ ''مارنا ہوتا تو سیدھا گاڑی پر راکٹ مارتا اور تم ابھی فرشتوں کو حساب دے رہا ہوتا۔''

پاگل تو وہ ہو رہا تھا اس لیے مستقل میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے۔''

میں نے رائفل پھینک دی اور ہاتھ اٹھا کر جیپ کے عقب سے نکل آیا فوراً ہی فتح خان نے کہا۔ ''مس شا کو باہر لاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہیں اس سے کیا مطلب ہے؟''

''اسی سے تو مطلب ہے۔'' فتح خان بیہودہ لہجے میں بولا۔ ''تم سے کیا مطلب ہو سکتا ہے۔''

''فتح خان تم جانتے میرے جیتے جی تم اسے کوئی نقصان نہیں کر سکتے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اس لیے بہتر ہوگا پہلے تم مجھے گولی مار دو۔''

''شہباز خان میں تم کو جانتا ہے اس لیے ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔'' اس نے گویا مجھے تسلی دی۔ ''پر ابھی میرے کو تم دونوں سے کام ہے۔ مس شانا ابھی تک باہر نہیں آیا۔''

فتح خان کہیں دور تھا اور کسی ہلکی طاقت والے میگا فون سے بات کر رہا تھا جس کی آواز میں زیادہ گونج نہیں تھی۔ اس لیے پہاڑ پر ہونے کے باوجود اس کی آواز گونج نہیں رہی تھی۔ اس کی وارننگ کے بعد ایمن بھی گاڑی سے باہر آ گئی تھی اس نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ فتح خان نے للکار کر کہا۔ ''مس شانا اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ مجھے پتا ہے تم انگریز کتنا مکار ہوتا ہے۔''

اس کی بات پر ایمن نے بھنا کر ہاتھ اٹھا لیے تھے اور دانت پیس کر زیر لب بولی۔ ''ذلیل کمینہ آدمی۔''

''تم دونوں ایسے ہی ہاتھ اٹھا کر رکھے گا۔ میرے ہاتھ میں رائفل ہے اور میرا نشانہ تم دیکھ چکا ہے۔''

میں سوچ رہا تھا کہ بھلا فتح خان کو الہام ہوا تھا کہ ہم یہیں سے گزریں گے۔ ہم کوئی اور روٹ بھی تو اختیار کر سکتے تھے اور سب سے اہم بات کہ اس کا راجا عمر دراز کے محل میں کوئی جاسوس تھا جس نے اسے آگے اطلاع دی ہوگی۔ جاسوس کے بغیر یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ فتح خان اس طرح ہمیں روک لیتا۔ اچانک فتح خان نے کہا۔ ''اول خان ان کا تلاشی لو۔''

فتح خان کی آواز سن کر بظاہر مرے پڑے اول خان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اٹھ کر ہماری طرف بڑھا۔ اس نے اپنی رائفل اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایمن دم بخود رہ گئی اور میں نے گہری سانس لی تو یہ غدار اول خان تھا۔ انعام علی تو یقینی مارا گیا تھا میں نے اس کے سر سے خون کا فوارہ اچھلتے دیکھا تھا لیکن اول خان نے ڈرامہ کیا تھا تاکہ میں بے چوں چرا ہتھیار ڈال دوں اور میں نے واقعی ایسا ہی کیا تھا۔ وہ قریب آیا تو میں نے کہا۔ ''تم نے راجا عمر دراز سے غداری کی ہے؟''

''نہیں میں تو فتح خان کا آدمی ہوں۔'' اس نے بدلے لہجے میں کہا۔ ''راجا کے پاس بھرتی ہو گیا تھا۔ پر کام فتح خان کے لیے کرتا ہوں۔''

''تو غداری اور کسے کہتے ہیں؟''

ایمن خوف زدہ تھی۔ ''شہباز یہ سب کیا ہے؟''

''فتح خان۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''لگتا ہے یہ قبر میں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔''

اول خان نے ہم دونوں کی تلاشی لی اور نہایت صفائی سے ایمن کا پستول اور اضافی میگزین نکال لیے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم کتنے مسلح تھے۔ ہم اسے گھورتے رہے لیکن اس کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ ایمن پھر منمنائی۔ ''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ راستے میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''کیا تمہیں کوئی خدشہ تھا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا۔ ''جب فتح خان کی قید میں تھی تو ایک بار اس نے مجھ سے کہا کہ اگر اسے ہیرے نہ ملے تو وہ ان کے برابر رقم پھر بھی حاصل کر لے گا اور میرے توسط سے حاصل کرے گا اس لیے مجھے شروع سے خدشہ تھا کہ فتح خان میرا اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ دیکھ لو اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ اس دوران میں اول خان ہماری تلاشی لے کر اور اسلحہ سمیٹ کر پہاڑ کی طرف جا چکا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خالی ہاتھ نیچے آیا۔ اس نے گاڑی کا انجن بند کر کے چابی اپنے قبضے میں لی پھر پہلے انعام علی کی لاش کھینچ کر کھائی میں لڑھکائی اور اس کے بعد بیلچے سے برف صاف کرنے لگا۔ اس کا یا فتح خان کا مقصد کیا تھا یہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کیا ہمیں اسی گاڑی میں آگے کی طرف سفر کرنا تھا۔ میں اور ایمن بدستور ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ میں نے فتح خان سے کہا۔

''ہمیں کب تک اسی طرح ہاتھ اٹھائے کھڑے رہنا پڑے گا۔''

''بس کچھ دیر اور۔''

''فتح خان کیا تم نے اپنی صورت نہ دکھانے کا فیصلہ کر لیا ہے اب دور دور سے بات کرو گے۔''

''ابھی تم سے دور سے ہی بات کرے گا۔'' وہ بولا۔

اول خان طاقتور شخص تھا اس نے دس منٹ میں سڑک سے اتنی برف صاف کر دی جس سے گاڑی گزر سکتی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا فتح خان اکیلا ہے اور اس وجہ سے وہ سامنے آنے سے گریز کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ صرف اول خان تھا اور وہ بھی ہمارے ساتھ آیا تھا۔ اگر فتح خان نے صرف ایک آدمی کے ساتھ ہمیں روکا تھا تو اس کی عقل پر شبہ کیا جا سکتا تھا۔ صرف ایک آدمی کے ساتھ مجھے قابو رکھنا کتنا مشکل تھا یہ بات وہ بھی جانتا تھا۔ تب اس کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ مجھے لگا بظاہر مقصد وہ نہیں ہے جو نظر آ رہا ہے فتح خان کسی اور چکر میں تھا۔ بہرحال جو بھی تھا وہ جلد سامنے آنے والا تھا۔ اول خان سڑک صاف کر کے پھر اوپر کی طرف چلا گیا۔ اس نے یا فتح خان نے ہم سے نہ تو چلنے کو کہا تھا اور نہ ہی ان کا ایسا کوئی ارادہ لگ رہا تھا۔ اچانک فتح خان نے حکم دیا۔

''شہباز خان..... دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاؤ۔''

مجھے خطرے کا احساس ہوا۔ ''وہ کیوں؟''

جواب میں ایک فائر ہوا اور گولی میرے پیر سے چند انچ آگے سڑک پر لگی۔ میں بے ساختہ پیچھے ہوا تھا۔ فتح خان نے سفاک لہجے میں کہا۔ ''شہباز خان میرے کو مجبور مت کرو کہ اگلا گولی تمہارے پاؤں میں مارے۔''

میں نے بادلِ ناخواستہ اس کے حکم کی تعمیل کی اس نے ایمن کے لیے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ وہ بدستور کھڑی رہی۔ پھر اول خان اوپر سے آتا دکھائی دیا۔ وہ گاڑی کی طرف آیا اور اس نے پچھلے حصے سے جیک، پانا اور اضافی ٹائر نکال کر گاڑی کو جیک پر اٹھانا شروع کر دیا۔ اس جگہ وہ نظر نہیں آ رہا تھا بس کبھی کبھی اس کی جھلک نظر آتی تھی۔ اس نے پھرتی سے دس منٹ میں دونوں پہیے بدلے اور پھر پنکچر ہونے والے ٹائر اور جیک واپس عقبی حصے میں رکھ دیا۔ پھر اس نے اسلحے والا بکس اٹھایا اور اسے بھی لے کر اوپر چلا گیا۔

میں اب بھی سمجھ نہیں پایا تھا کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے۔ یقیناً وہ فتح خان کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ وہ کوئی پندرہ منٹ بعد دوبارہ نیچے آیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ نہتا تھا۔ اسے مسلح ہونے کی ضرورت بھی نہیں تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ اس کا باس اوپر رائفل لیے ہمارے سروں پر موجود تھا اور دوسرے اگر میں اسے قابو کر بھی لیتا تو فتح خان کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ نیچے آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ واسکٹ نما چیز تھی۔ وہ اس نے ہم سے کوئی دس فٹ کے فاصلے پر رکھ دی اور خود جلدی سے پیچھے ہوا اور گھوم کر سڑک کے بالکل کنارے کھائی کے ساتھ جا کھڑا ہوا تھا جہاں اس نے کچھ دیر پہلے انعام علی کی لاش اور برف گرائی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان اسے ایک ایک قدم کے بارے میں ہدایات دے رہا تھا اور وہ ان پر لفظ بہ لفظ عمل کر رہا تھا۔ اس معاملے میں فتح خان خوش قسمت تھا کہ اسے مجرم ہوتے ہوئے بھی وفادار اور جاں نثار ساتھی مل جاتے تھے۔

''فتح خان یہ کیا ہے؟''

''ابھی بتاتا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''پہلے ایمن سے بولو۔ اپنا جیکٹ اور شرٹ اتار کر اسے پہن لے۔''

فتح خان کے لہجے میں شرارت تھی۔ میں چونکا۔ ''کیوں پہن لے؟''

''سوال مت کرو۔'' اس بار فتح خان غرایا۔ ''اس سے بولو یہ پہن لے ورنہ میں اس طرح گولی مار دے گا۔''

فتح خان نے اپنا جملہ مکمل ہوتے ہی فائر کر دیا تھا۔ پہلے میں سمجھا کہ اس نے مجھے اور ایمن کو ڈرانے کے لیے فائر کیا ہے لیکن پھر ایک چیخ سنائی دی میں نے گھوم کر دیکھا تو اول خان جو آرام سے سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ گولی اس کے سینے میں لگی اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور پھر کھائی میں گر گیا۔ میرے یا ایمن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے ہی ساتھی کو گولی مار دے۔ ایمن چلا اٹھی۔ ''یہ کیا کیا تم نے؟''

''اب تم کو پتا چل گیا کہ میں کیا کرے گا۔'' فتح خان نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اگر تم نے دو منٹ کے اندر جیکٹ نہیں پہنا تو میں شہباز کو بھی اسی طرح گولی مار دے گا۔''

''ایمن تم یہ نہیں پہنو گی یہ بکواس کرتا ہے۔'' میں نے کہا ایمن کانپنے لگی تھی۔ شاید اس نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ جیکٹ میں کوئی خطرناک چیز تھی۔ فتح خان نے کچھ نہیں کہا تھا البتہ نصف منٹ بعد اعلان کیا۔

''مس شا تمہارے پاس ڈیڑھ منٹ باقی ہے۔''

''شہباز میں پہن رہی ہوں۔'' ایمن روہانسے انداز میں بولی۔ ''ورنہ یہ وحشی تمہیں بھی مار دے گا۔''

''تم نہیں پہنو گی۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ مجھے مارنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے۔''

میری آواز فتح خان تک نہیں جا سکتی تھی لیکن اس نے محسوس کر لیا کہ میں ایمن کو منع کر رہا ہوں اس نے پھر فائر کیا اور اس بار بھی گولی مجھ سے چند انچ دور زمین میں لگی۔ اس نے کہا۔ ''مس شا ایک منٹ رہ گیا ہے۔''

ایمن تیزی سے جیکٹ کی طرف بڑھی اور اسے اٹھا لیا۔ ''ایمن یہ کیا حماقت کر رہی ہو۔'' میں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ جیکٹ اٹھا کر اس نے مجھے دیکھا۔

''شہباز میں تمہاری زندگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔''

فتح خان بولا۔ ''تم عقل مند ہے مس شا، اب اپنا جیکٹ اور شرٹ اتار دو بس اندر والا کپڑا پہنے رہو اور اس پر یہ پہن لو۔''

''فتح خان۔'' میں غرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز خان تم چپ رہے گا۔''

''ہاں پلیز تم مت بولو۔'' ایمن نے کہا اور جیپ کی آڑ میں آ گئی۔ یہاں سے فتح خان اسے واضح نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن مجھے دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اول خان کی موت اور فتح خان کی دھمکی نے اسے دہلا دیا تھا اس نے جیکٹ کے بعد شرٹ بھی اتارنی شروع کی تو میں نے منہ موڑ لیا تھا۔ فتح خان کا مقصد کسی حد تک میری سمجھ میں آ گیا تھا لیکن مجھے یا ایمن کو اتنی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ اس صورت حال سے عہدہ برا ہو سکتے۔ فتح خان نے نہایت پلاننگ سے کام لیا اور اول خان کو مار کر ایک تو اس نے ہمیں نفسیاتی لحاظ سے مرعوب کر لیا اور دوسرے اس سے چھٹکارا بھی حاصل کر لیا۔ وہ شاید راجا عمر دراز کے قتل کی حد تک اس کے لیے کارآمد تھا اور اس سے باہر بیکار ہو گیا تھا۔ فتح خان بے کار چیز ٹھکانے لگانے کا قائل تھا۔

فتح خان نے کہا۔ ''مس شانا بھی تم کپڑے نہیں پہنے گا پہلے سامنے آؤ۔''

ایمن جیکٹ پہن کر سامنے آ گئی۔ شانوں سے کمر تک سیاہ جیکٹ نے اس کے مرمریں پیکر کو چھپا لیا تھا۔ یہ اس کے وجود پر اس طرح فٹ آ گئی تھی جیسے اسی کے لحاظ سے بنائی گئی ہو۔ یہ کسی قدر پھولی ہوئی تھی اگر ایمن اپنے ملک میں اور گرمی کے موسم میں ہوتی تو لوگ اسے نئے فیشن کی چیز سمجھتے۔ بظاہر دیکھنے میں یہ خطرناک نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے وہ دھیما باز و سیاہ جیکٹ میں بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ چند لمحے کو میں بھول گیا کہ سچویشن کتنی سنگین ہو رہی ہے۔ اس طرح دیکھنے پر ایمن بھی پریشانی کے باوجود شرما گئی تھی۔ ''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

یہ خاصا اکسانے والا سوال تھا کہ کیا دیکھ رہے ہو اور مزید کیا دیکھنا چاہتے ہو۔ میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

''بہت غلط موقع پر تمہیں اس طرح دیکھ رہا ہوں۔''

''بس عاشق معشوقی کا کھیل نہیں چلے گا۔'' فتح خان کی آواز آئی اور اس بار میگافون کے بغیر ہی پاس سے آئی تھی۔ وہ سڑک سے ذرا بلند ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور اسی لباس میں تھا جس میں وہ آخری بار مجھے نظر آیا تھا اس کا مطلب تھا کہ فرار کے بعد وہ خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہا تھا اور اگر اس کے پاس کوئی ٹھکانہ تھا تو وہ صرف سر چھپانے کی حد تک تھا اس کا شیو بھی بڑھ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر ایمن نے جلدی سے اپنے بازو سمیٹ لیے۔ فتح خان اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ''شہباز خان تم محبت کے معاملے خوش قسمت ہے۔ سویرا تم سے محبت کرتا ہے اور یہ بھی تمہاری خاطر موت کا جیکٹ پہننے کو تیار ہو گیا۔''

''موت کی جیکٹ۔'' میرے اور ایمن کے منہ سے بیک وقت نکلا تھا۔ فتح خان نے سر ہلایا اور بولا۔

''مس شانا تم نے جیکٹ کا نیچے والا ہک نہیں لگایا ہے۔''

ایمن نے جیکٹ بٹن لگا کر بند کر دی تھی لیکن نیچے ایک دھاتی بکل ٹائپ کی چیز نظر آ رہی تھی۔ یہ ایسا بکل تھا جو مخالف کھانچے میں فٹ ہو کر بند ہو جاتا تھا۔ جیسے ہی ایمن نے ہک لگایا جیکٹ سے ایک عجیب سے سنسناتی سی آواز آئی اور اس کے سامنے ایک چھوٹی سی روشنی جلنے بجھنے لگی تھی۔ ایمن دہشت زدہ نظر آنے لگی۔ ''یہ..... یہ کیا ہے؟''

''مس شانا یہ ایک بارودی جیکٹ ہے اور اس میں موجود بم اتنا طاقتور ہے کہ تمہارے آس پاس جو بھی ہو گا وہ مارا جائے گا۔ بکل لگانے سے یہ ایکٹی ویٹ ہو گیا ہے۔'' فتح خان بولا پھر اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جدید قسم کا ریموٹ نکالا۔ اس پر نمبر لگے تھے اور اوپر ایک سرخ بٹن لگا تھا۔ اس نے ریموٹ اوپر کر کے اس کے کچھ بٹن دبائے اور پھر اس کا رخ ایمن کی طرف کر کے سرخ بٹن دبا دیا وہ بے ساختہ مجھ سے دور ہوئی تھی لیکن بٹن دبانے سے کچھ نہیں ہوا تھا۔ فتح خان مسکرایا۔ ''ڈرو مت مس شاہ ابھی یہ صرف ایکٹی ویٹ ہوا ہے پر ایسے نہیں پھٹے گا۔ اگر تم نے اب بکل کھولا یا جیکٹ کو کسی جگہ سے کاٹا تو یہ پھٹ جائے گا۔ اسے صرف ایک ہی طریقے سے اتارا جا سکتا ہے۔ اس ریموٹ کی مدد سے۔'' فتح خان نے کہا اور ریموٹ میری طرف اچھال دیا۔ یہ اتنا سا تھا کہ کسی موبائل جیسا لگتا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا۔ ''میں نے اس کا نمبر لگا دیا ہے اب وہ نمبر دبا کر سرخ بٹن دبائے گا تو جیکٹ ڈی ایکٹی ویٹ ہو جائے گا۔ اس کے بغیر کسی کا باپ بھی اسے ڈی ایکٹیویٹ نہیں کر سکتا ہے چاہے دنیا بھر کا ماہر بھی آ جائے۔ یہ بہت جدید جیکٹ ہے۔ یہ واٹر پروف ہے اس سے ایکسرے کا شعاع نہیں گزر سکتا اور نہ ہی کسی اور آلے سے اس کا اندر سے معائنہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک بات اور اگر غلط نمبر دبا کر سرخ بٹن دبایا تو سوائے دھماکے کے کچھ نہیں ہوگا۔''

''اور اگر ایسے ہی کوئی بٹن دب جائے تو؟''

''اس سے کچھ نہیں ہوگا بھلے سرخ بٹن دبائے تب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ جب تک سات نمبر نہیں ملائے گا تب تک ریموٹ بھی کام نہیں کرے گا۔ ویسے تم چاہے تو احتیاط کے طور پر اس کا سیل نکال لے۔''

میں نے فوری طور پر یہی کیا تھا اور پھر ایمن سے کہا۔ ''کپڑے پہن لو۔''

میری جان خطرے میں پا کر اس نے بلا جھجک جیکٹ پہن لی تھی لیکن اب وہ سکتے کے عالم میں تھی اسے اپنی بات سمجھانے کے لیے اسے ہلانا پڑا تھا۔ تب اس نے معمول کے سے انداز میں شرٹ اور پھر جیکٹ پہنی تھی۔ میں کسی حد تک سمجھ رہا تھا کہ فتح خان نے یہ سب کیوں کیا تھا۔ پھر بھی میں نے اس سے پوچھا۔ ''فتح خان تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟''

''اب تم نے کام کا سوال کیا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''ایمن شاہ اسلام آباد جائے گا اور اگر اسے زندہ رہنا ہے تو مجھے پانچ کروڑ ڈالرز دے۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔'' میں نے غصے سے کہا۔ ''یہ کہاں سے دے سکتی ہے پانچ کروڑ ڈالرز۔''

''یہ دلوا سکتا ہے۔ یہ نہیں دے سکتا تو اس کا حکومت دے۔'' فتح خان نے سکون سے کہا۔ ''ایک بات اور بتا دے۔ جیکٹ ایکٹی ویٹ ہوتے ہی اب سات دن یا ایک سو اڑسٹھ گھنٹے کا وقت ہے۔ اس کے بعد بم خود بہ خود پھٹ جائے گا۔ تم وقت نوٹ کر لو اور اس کا حساب رکھو۔''

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دوپہر کا ایک بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ فتح خان نے تقریباً دس منٹ پہلے ہی بم ایکٹی ویٹ کیا تھا۔ میں نے تلخی سے کہا۔ ''فتح خان آج کل تم زخموں کی سطح پر اتر آئے ہو۔ اپنے زورِ بازو پر بھروسہ کرنے کے بجائے ایسے حربے استعمال کر رہے ہو۔''

اس نے بالکل برا نہیں مانا تھا۔ ''تم چاہے تو ایسا کہہ سکتا ہے۔ مجھ کو پانچ کروڑ ڈالرز مل جائیں تو میں اس کے لیے زخم بننے کو بھی تیار ہوں۔''

ہمارے درمیان گفتگو انگریزی اور اردو میں ہو رہی تھی۔ جب ایمن بھی شامل ہوتی تھی تو انگریزی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ہوتی تھی۔ ورنہ اردو میں بات ہوتی تھی۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''یہ ایک عام سی لڑکی ہے اور اب تو اس کا لارڈ باپ بھی نہیں ہے اس لیے حکومت اس کے بدلے پانچ کروڑ ڈالرز نہیں دے گی تم بلاوجہ ایک انسان کو اپنی لالچ کی بھینٹ چڑھا رہے ہو۔''

''اگر پانچ کروڑ ڈالرز نہیں دے گا تو ساری دنیا میں بدنامی سمیٹے گا کہ اپنے ایک شہری کو نہیں بچا سکا۔''

''فتح خان.....''

میں نے کہنا چاہا لیکن فتح خان نے میری بات کاٹ کر اشارہ کیا۔ ''شہباز خان اب تم جا سکتا ہے۔''

وہ پیچھے ہٹا تھا تو میں نے جلدی سے کہا۔ ''سویرا کہاں ہے؟''

''وہ شہلا کے پاس ہے اب میرا اور اس کا معاملہ ختم ہو گیا ہے تم جا کر اس سے سویرا کو لے لو۔''

میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ ''فتح خان اسے تم نے اغوا کیا ہے اور مجھے تم سے ہی چاہیے۔''

''میرا اغوا شی لے لو میرے پاس نہیں ہے۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''شہباز خان ہوش سے کام لو شہلا نے اس کا کیا کرنا ہے وہ اسے چھوڑ دے گا یا چھوڑ دیا ہو گا اس کا مجھے نہیں معلوم۔''

''وہ تمہارے حکم کے بغیر اسے نہیں چھوڑ سکتی ہے۔''

''میں نے کل اسے بتا دیا ہے کہ ہیرا نہیں ملا اس لیے میرا اور اس کا راہ اب الگ ہے۔''

''اچھا مجھے اس کا پتا بتا دو میں خود.....''

''نہیں فتح خان زبان دے چکا ہے شہلا کا پتا نہیں بتا سکتا تم خود تلاش کر لو۔'' وہ بولا اور رائفل کا رخ میری طرف کر دیا۔ ''اب جاؤ کر کومت ورنہ میں کم سے کم ایک گولی تو مار دے گا۔ جیپ مس شا بھی ڈرائیو کر سکتا ہے یہ تم کو پہلے اسپتال لے جائے گا اور وہاں سے تمہیں پولیس لے جائے گا۔''

حالات نے ایک بار پھر مجھے فتح خان کے سامنے بے بس کر دیا تھا۔ اس نے نہایت مکاری سے کام لیا تھا اور اس طرح سے وار کیا جس کے بارے میں ہم نے سوچا تک نہیں تھا جب جیپ یہاں رکی اور فتح خان کی آواز آئی تو میرا خیال تھا کہ ہم ایک بار پھر اس کے قیدی بن گئے ہیں لیکن اس بار اس نے حکمتِ عملی بدل دی تھی۔ اس نے ہمیں جسمانی قیدی نہیں بنایا تھا لیکن اس کے باوجود ہم اس کی گرفت میں آ گئے تھے اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے مجبور تھے۔ اسے بہر صورت ہیرے یا ان کی مالیت کی رقم درکار تھی اور اس کے لیے وہ کسی بھی حد کو جانے کے لیے تیار تھا۔ ایمن بدستور تنویمی کیفیت میں تھی۔ میں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر جیپ میں بٹھایا اور فتح خان سے کہا۔

''اب جیپ کیسے اسٹارٹ کروں چابی تو اولی خان کے ساتھ ہی کھائی میں جا چکی ہے۔''

فتح خان ہنسا اور چابی میری طرف اچھال دی۔ ''میں احمق نہیں ہے کہ اس سے چابی نہ لیتا۔''

''تم نے اسے کیوں مار دیا؟''

''بیکار تھا اس لیے ضائع کر دیا۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ میں ایک بار پھر اندر سے سلگ اٹھا تھا وہ انسانی جان کے لیے یوں بات کر رہا تھا۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''فتح خان ہو سکتا ہے کبھی تم بھی کسی کے لیے بے کار چیز بن جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مکاری سے مسکرایا۔ ''تو بے شک ضائع کر دے مجھے۔ اب تم غور سے سنو اس لڑکی کو ایمبیسی تک پہنچانا تمہارا کام ہے اور یہ کام جلد ہو جانا چاہیے۔ جتنا جلدی یہ اپنوں کے پاس جائے گا اس کا جان بچنے کا اتنا ہی امکان ہوگا۔''

''میں کس خوشی میں یہ کام کروں جب کہ تم میرے معاملے سے ہاتھ اٹھا چکے ہو؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

''ایمن تمہارا بھی کچھ لگتا ہے۔ اس لیے تم یہ کام کرے گا۔ ویسے تمہارا مرضی ہے تم اسے یہاں چھوڑ جائے میں خود اسے ایمبیسی تک پہنچا سکتا ہے۔ اب تم جیپ میں بیٹھ کر چل دو تمہارے پاس وقت کم ہے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا میرے پاس وقت کم تھا۔ میں پیچھے آیا اور جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ جب تک میں جیپ اسٹارٹ کرتا اور پرفتح خان اتنی دیر میں درختوں میں کہیں غائب ہو چکا تھا۔ ایمن کی حالت بہتر ہو گئی تھی۔ مگر وہ اب بھی خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ اسے حوصلہ دینے کے لیے میں ہنسا۔ ''اس وقت تو اتنی بہادری سے جیکٹ پہن لی تھی اور اب یہ حالت ہوگئی۔''

اس نے میرے شانے پر سر رکھ دیا۔ ''اس وقت میں تمہاری جان کے لیے فکر مند تھی مجھے لگ رہا تھا کہ فتح خان کہیں تمہیں گولی ہی نہ مار دے۔''

''تم نے بہت عجلت دکھائی۔'' میں نے توجہ سامنے رکھتے ہوئے کہا یہاں سڑک بہت تنگ اور خراب تھی۔ درحقیقت میں نہیں جانتا تھا کہ میں کہاں تھا اور اس سڑک پر سفر کرتے رہنے کا سوا میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا جتنی دیر ہم یہاں رکے اور فائرنگ بھی ہوئی مگر اس دوران میں یہاں کوئی اور گاڑی یا آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ شاید یہ مکمل طور پر ویران جگہ تھی۔ ممکن ہے آگے چل کر کوئی آبادی مل جاتی اور پھر میں درست راستے کا تعین کر سکتا یہ تو طے تھا کہ اول خان ہمیں جان بوجھ کر اس راستے پر لایا تھا کیونکہ وہ ڈرائیور تھا اس لیے راستے کا تعین اس پر چھوڑ دیا گیا تھا اور اس نے نہ صرف ہمیں لا پھنسایا بلکہ اپنی جان سے بھی گیا مجھے افسوس انعام علی کا ہو رہا تھا جو اول خان کی سازش کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ان دونوں کی لاشیں یہاں بے گور و کفن پڑی تھیں اور انہیں ان کے لواحقین تک پہنچانا لازمی تھا لیکن میں راستے میں بھی راجا عمر دراز کے محل سے رابطہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں عبداللہ ہی اس معاملے میں کچھ کر سکتا تھا۔

ایمن بولی۔ ''اول خان کی موت نے مجھے ہلا دیا تھا۔ فتح خان حد سے زیادہ سفاک ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''اس نے بہت ترقی کر لی ہے خاص طور سے جب سے ڈیوڈ شا کے زیر سایا آیا ہے۔''

''ڈیوڈ شا۔'' ایمن چونکی۔ ''شہباز کہیں یہ اس کی سازش تو نہیں ہے؟''

''ممکن ہے لیکن میرا خیال یہی ہے کہ فتح خان اصل میں ہیروں کے لیے پاگل ہو رہا ہے۔ اسے ہیرے نہیں ملے اس لیے وہ ان کے مساوی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اس نے یہ طریقہ کار استعمال کیا ہے۔ آج کل اس کا دماغ بہت شیطانی رفتار سے کام کر رہا ہے اور وہ مجھے بھی حیران کر رہا ہے۔ جیسے یہی اس ہیلی کاپٹر کا خیال۔ اس نے شاید پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ وہ اگر ہیرے حاصل نہ کر سکا تو تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔ ممکن ہے اس صورت میں برٹ شا بھی نہ مارا جاتا اور فتح خان تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا۔''

''شاید۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''لیکن اب پاپا اس دنیا میں نہیں ہیں اور میں.....'' اس نے جیکٹ کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ لگایا جو لباس تلے تھی۔ ''شہباز اگر برٹش حکومت تاوان دینے کو تیار نہ ہوئی تو سات دن بعد میرا وجود اس دنیا میں نہیں ہوگا۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''یہ برٹش گورنمنٹ کی ساکھ کا معاملہ بھی ہے اس لیے میرا خیال ہے وہ فتح خان کو رقم ادا کر دے گی۔''

''اور اگر نہیں دیا؟''

''تب بھی اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔''

''کاش ایسا ہو میرا سر چکرا رہا ہے۔'' اس نے پشت سے سر ٹکا لیا۔

''بہتر ہوگا تم آرام کرو، میں جلد از جلد اسلام آباد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

ایمن نے سر ہلایا اور سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے سیٹ کو ذرا جھکا لیا۔ میں نے جیپ کی رفتار تیز کی اب سڑک کشادہ تھی اور آس پاس دور پہاڑوں پر آبادی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ جلد مجھے سڑک کے ساتھ بھی کوئی آبادی یا بازار ملے گا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا کچھ دیر بعد سڑک کے ساتھ دکانیں اور مکانات نظر آنے لگے۔ موسم کی وجہ سے بیشتر دکانیں بند تھیں اور صرف ایک چائے خانہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اس کے پاس ہی جیپ روکی اور انجن بند کر کے چابی سمیت نیچے اتر آیا۔ ایمن آنکھیں بند کر کے لیٹی تھی میں نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ جیپ کے شیشے اس قسم کے تھے کہ باہر سے اندر نہیں دیکھا جا سکتا تھا اور دروازے لاک تھے اس لیے کوئی اندر نہیں آ سکتا تھا۔

میں اتر کر چائے خانے میں آیا جو غیر معمولی طور پر آباد تھا۔ مقامی لوگ ایک دوسرے سے جڑے بیٹھے چائے کے پیالے پر پیالے انڈیل رہے تھے۔ اصل چیز گرمی تھی چاہے وہ چائے میں تھی یا چائے خانے میں تھی۔ وہاں دھواں بھرا تھا اس کے باوجود مجھے اندر آ کر بہت سکون ملا تھا باہر غضب کی سردی تھی۔ میرے لباس کی وجہ سے چائے خانے کے مالک نے مجھے خصوصی پروٹوکول دیا اور ایک غلیظ سطح والی میز پر میلا کپڑا مار کر اسے مزید غلیظ کر دیا۔

''بیٹھو صاحب چائے نکالے۔''

''کیوں نہیں دوست۔'' میں بلا تکلف کرسی پر بیٹھ گیا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا اس نے جلدی سے اپنا بہترین کپ نکالا اور پتیلے میں ابلتی چائے سے نکال کر اس میں چینی ملانے لگا لیکن میں نے منع کر دیا۔ شکر ہے دودھ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ اسے دودھ پتی کہا جاتا۔ میں نے پہلا گھونٹ لے کر کہا۔ ''میں اپنی بیوی کے ساتھ سوات سے اسلام آباد جا رہا ہوں لیکن شاید غلط راستے پر آ نکلا ہوں کیا کوئی مجھے راستہ بتا سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں صاحب۔'' چائے خانے کا مالک کہیں سے ایک میلا لیکن بہترین قسم کا نقشہ نکال لایا اور اسے میز پر پھیلا کر مجھے سمجھانے لگا کہ میں کس طرح جلد از جلد اسلام آباد پہنچ سکتا ہوں۔ میں نے راستہ سمجھ لیا بلکہ سمجھ کیا لیا۔ اس سڑک سے نکلنا تو باقی راستہ میرا جانا پہچانا تھا اس پر درجنوں بار سفر کر چکا تھا بس اس سڑک پر پہلی بار آیا تھا۔ شکریے کے ساتھ میں نے ایک نوٹ میز پر رکھا اور باہر نکل آیا۔ ایمن جاگ گئی تھی اور عقبی آئینے میں دیکھ کر بال بنا رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے بال سمیٹے اور بینڈ سے پونی باندھ لی۔ اس کی ریشمی بال زیادہ لمبے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھے انہیں کھلا چھوڑتی تو مشکل سے شانوں سے نیچے آتے تھے۔لیکن بہت گھنے اور ریشم کی سی نرمی اور ساخت لیے ہوئے تھے۔ مجھے سویرا کے اخروٹی رنگ کے بال یاد آئے جو اتنے لمبے تھے کہ اس کی کمر سے بھی نیچے آتے تھے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' ایمن نے کہا تو میں چونکا میں بظاہر ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا حالانکہ میرا ذہن کہیں اور تھا میں نے مسکرا کر کہا۔

''دیکھ رہا ہوں اب تم زیادہ خوب صورت ہوتی جا رہی ہو۔''

''اچھا۔'' وہ خوش ہوگئی۔''مجھ میں کیا اچھا لگا۔''

وہ مغربی عورت تھی اور اگر میں اسے کھل کر بھی بتاتا کہ مجھے اس میں کیا اچھا لگ رہا ہے تو وہ بالکل برا نہیں مناتی اور اسے اپنے حسن کا خراج سمجھ کر قبول کرتی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔''سب کچھ۔''

''کیا سب کچھ؟''

''سب کچھ سے مراد سب کچھ ہی ہوتا ہے۔یعنی تم میں کوئی کمی یا خرابی نہیں ہے۔'' میں نے کہا تو وہ سمجھ گئی کہ میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہ رہا۔اس لیے اس نے بات بدل دی۔

''راستہ معلوم کیا؟''

''ہاں بس یہی ایک راستہ ہے جو میرے لیے انجان ہے یہاں سے نکلیں گے تو پھر اسلام آباد تک میں آنکھ بند کر کے بھی ڈرائیونگ کر سکتا ہوں۔''

''ایسا مت کرنا۔'' وہ ہنسی۔''میں تمہیں زندہ سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''میرا بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔''میں تو صرف مثال دے رہا تھا کہ راستے سے اتنا واقف ہوں۔''

میں نے جیپ آگے بڑھا دی۔ایمن اب بہتر نظر آ رہی تھی اس نے ابتدائی خوف پر خاصی حد تک قابو پا لیا تھا۔اس نے عقبی حصے میں دیکھا جہاں ایک ہاٹ پاٹ رکھا تھا اس کے ساتھ چائے اور کافی کے تھرماس بھی تھے۔ دو بج رہے تھے اور اگر درمیان میں فتح خان والا معاملہ نہ آ جاتا تو اس وقت مجھے بھوک لگ رہی ہوتی۔ایمن نے کھانے کا پوچھا۔میں نے انکار کر دیا۔''نہیں تم کھا لو میں ذرا دیر بعد کھاؤں گا۔''

''کافی نکال دوں۔''

''نہیں میں توجہ سے ڈرائیونگ کرنا چاہتا ہوں۔''

سڑک ایک بار پھر تنگ اور موڑ والی ہو رہی تھی۔یہ بڑی اونچی پُر پیچ پہاڑیاں تھیں جن سے گزرتی سڑک بھی بار بار گھومنے پر مجبور ہو رہی تھی۔ یہاں ذرا سی لاپروائی حادثے کا سبب بن سکتی تھی۔ میں پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا اور ایمن کھانے پینے میں مصروف تھی مجھے ایک بار پھر اس کے اعصاب کی مضبوطی پر حیرت ہوئی۔ اگر کوئی عام عورت ہوتی تو اس وقت اس پر غشی یا ہسٹریا کے دورے پڑ رہے ہوتے۔اسے بھی شروع میں سکتہ ہوا تھا لیکن اب اس نے خود کو سنبھال لیا تھا اور سکون سے سینڈوچز کھا رہی تھی۔ایسا لگا جیسے اس نے بارودی جیکٹ کو اپنا لباس سمجھ کر قبول کر لیا ہو۔سینڈوچز کھا کر اس نے اپنے لیے کافی نکالی اور میری طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز میرا خیال ہے اس معاملے میں تمہارا سامنے آنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''تم نے ٹھیک سوچا ہے۔ میں پولیس کو اور اس سے بھی زیادہ مرشد کو مطلوب ہوں اس لیے میرا منظرِ عام پر آنا مناسب نہیں ہوگا دوسرے اگر میں تمہارے ساتھ منتھی ہوا تو ممکن ہے اس سے تمہارا یہ معاملہ کوئی اور رخ اختیار کر جائے۔ میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اس معاملے میں اپنا اثر بھی استعمال کرے گا کہ تاوان کی ادائیگی نہ ہونے پائے۔''

''اسے کیسے پتا چلے گا؟''

''اسے معلوم ہو جائے گا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ اس خطے میں مغربی طاقتوں کا ایجنٹ ہے اور کچھ مخصوص مقاصد کے تحت یہاں آتا جاتا رہتا ہے۔''

''مجھے یاد ہے لیکن میں نے کبھی اس بارے میں غور نہیں کیا۔''

''اس کے یہاں تعلقات بھی ہیں اور برٹش حکام پر اثر بھی رکھتا ہے اس کے لیے معلوم کرنا دشوار نہیں ہو گا۔ کم سے کم اسے برٹ شا کی موت کی اطلاع ضرور ملے گی اور وہ لازمی یہاں سے معلومات حاصل کرے گا۔ پورا امکان ہے کہ تمہارا معاملہ بھی اس کی نظر میں آجائے گا۔ اس کے بعد وہ اسے اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' اس نے تسلیم کیا۔ ''واقعی وہ مجھ سے چھٹکارے کے لیے تاوان کی ادائیگی کی مخالفت کرے گا۔ اس طرح پاپا کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی نجات مل جائے گی اور وہ بدستور جاگیر اور خطاب پر قابض رہے گا۔''

''جاگیر کی مالیت کیا بنتی ہے؟''

''جاگیر اور پیلس ہی تقریباً بیس ملین پاؤنڈز مالیت کے ہیں۔'' ایمن نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اور میں چالیس ہزار پاؤنڈز سالانہ کی ملازمت کرنے پر مجبور ہوں۔ میرے پاس لندن میں کرائے کا ایک چھوٹا سا فلیٹ ہے۔''

میں نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو اس مسئلے سے نمٹ لیں اس کے بعد تمہاری جاگیر کا بھی کچھ کرتے ہیں۔ اب ڈیوڈ شا اس پر اتنی آسانی سے قابض نہیں رہ سکے گا۔''

اس نے سرد آہ بھری۔ ''کاش ایسا ہی ہو، مجھے جاگیر کی اتنی پروا نہیں ہے لیکن میں اسے ڈیوڈ شا کے قبضے میں بھی نہیں دیکھ سکتی ہوں۔''

''تمہیں معلوم ہے ڈیوڈ شا نے مجھے ایک پیشکش کی تھی اور میں اسے قبول کرنے پر مجبور بھی ہو گیا تھا لیکن اس کے آدمی نے بدعہدی کی اور اس کی وجہ سے میں ڈیوڈ شا کے معاہدے سے آزاد ہو گیا۔''

''کیسا معاہدہ؟''

''ڈیوڈ شا نے میری مرشد سے دشمنی ختم کرانے کا معاہدہ کیا اور اس کے بدلے مجھے اس کے ساتھ ہمالیائی وادی تک جانا تھا۔ جس کا کبھی تمہارے دادا ولیم شا نے سفر کیا تھا راجا عمر دراز کے ساتھ۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ڈیوڈ شا کے دماغ میں بھی خاندانی پاگل پن آ گیا ہے۔ مجھے تو یہ وادی کا چکر دیوانگی ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔''میں تم سے متفق ہوں اگر ہمالیہ میں کچھ لوگ ساری دنیا سے الگ ایک جگہ سکون سے بیٹھے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ ان کو زبردستی باقی دنیا سے رُوشناس کرایا جائے۔ اس سے کئی طرح کے بین الاقوامی مسائل بھی کھڑے ہو سکتے ہیں کیونکہ صرف چین اور بھارت کے درمیان کئی ہزار میل متنازعہ سرحد ہے اور مغربی طاقتیں ان دونوں ممالک کو لڑا کر اپنا مفاد حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ ممکن ہے وادی کی دریافت دونوں ملکوں میں موجود تنازعے کو جنگ کی حد تک لے جائے۔''

ایمن نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔''تم اس معاملے کو اتنی گہرائی سے دیکھتے ہو؟''

''ہاں کیونکہ میں ہمالیہ پر دونوں ممالک کی باہمی آویزش خود دیکھ اور بھگت چکا ہوں۔ یہ ایک لاوا ہے جو اندر ہی اندر پک رہا ہے اور باقی دنیا کو اس کا علم اس وقت ہوگا جب یہ پھٹ پڑے گا۔'' میں نے کہا اور ایمن کو بھارت اور پھر چین میں گزارے وقت کے بارے میں مختصر بتایا۔ ایمن حیرت زدہ سی سن رہی تھی۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

''میرے خدایا تو لگ رہا ہے جیسے میں جیمس بانڈ فلم کا کوئی منظر سن رہی ہوں۔''

میں نے اسے بھارتی فوج کے ساتھ کشمکش کے واقعات تو سنائے ہی نہیں تھے ورنہ وہ ماننے سے انکار کر دیتی۔ وہ واقعات ایسے تھے کہ اب میں سوچتا ہوں تو خود مجھے خواب جیسے لگتے ہیں۔ میں نے ایمن کو بریف کیس کے بارے میں نہیں بتایا تھا یہ اس کے لیے غیر متعلق چیز تھی اس لیے تذکرہ فضول تھا۔ بریف کیس اور سویرا دونوں شہلا کے پاس تھے اور میرا اپنے ساتھیوں سے رابطے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آیا تھا میں جس آبادی میں رکا تھا وہاں نہ تو بجلی تھی نہ فون اور نہ ہی کوئی دوسری سہولت تھی۔ لازمی بات ہے جب بجلی ہی نہیں ہے تو موبائل سروس بھی دستیاب نہیں ہوگی اب مجھے آگے جا کر ہی ایسی جگہ ملتی جہاں فون یا موبائل سروس ہوتی۔

اس دوران میں اس تنگ اور انجانے راستے سے نکل کر میں اپنے جانے پہچانے راستے پر آ گیا تھا۔ یہاں سے اسلام آباد کا سفر تقریباً پانچ گھنٹے کا تھا اور اس وقت تین بج رہے تھے تقریباً تین گھنٹے بعد یہاں روشنی نہ ہونے کے برابر رہ جاتی لیکن اس سے آگے سفر ہیڈ لائٹس کی روشنی میں کیا جا سکتا تھا۔ ایک جگہ دس منٹ کے لیے رک کر میں نے پیٹ پوجا کی اور تقریباً ٹھنڈی ہو جانے والی کافی پی اور آگے روانہ ہو گیا۔ ایک گھنٹے کے مزید سفر کے بعد مجھے پہلی آبادی ملی جس میں بجلی اور فون کی سہولت موجود تھی۔ خوش قسمتی سے وہاں ایک پی سی او بھی کھلا دکھائی دیا تھا۔ میں نے جیپ اس کے سامنے روک دی۔ پی سی او کے مالک نے چارج ریٹ لگا رکھے تھے جو نارمل سے کئی گنا زیادہ تھے۔ بہرحال وہ دور دراز ہونے کا فائدہ اٹھا رہا تھا میں نے اسے عبداللہ والی کوٹھی کا نمبر دیا اور اس نے نمبر ملا کر ریسیور مجھے تھما دیا۔ دوسری بیل پر کسی نے کال ریسیو کی۔ میں نے کہا۔

''عبداللہ سے بات کراؤ۔''

''آپ کون ہیں؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا

''یہ میں عبداللہ کو بتاؤں گا تم کہہ دو کہ ہاتھ والا فون پر ہے۔''

عبداللہ جانتا تھا کہ ہاتھ والا میں ہوں میرا ہاتھ حکیم قادس کے علاج سے بچ گیا تھا۔ ایک منٹ سے بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے وہ لائن پر تھا وہ دوڑتا ہوا آیا تھا اس کی سانس پھولی ہوئی تھی لیکن اس نے میرا نام لینے سے گریز کیا۔

''آپ... کہاں ہیں؟''

''فی الحال راستے میں ہوں اور تمہاری طرف آ رہا ہوں۔ یہ سناؤ کہ وہاں کیا احوال ہے؟''

''آپ کے لیے خوشخبری ہے۔'' عبداللہ کے لہجے میں چہک تھی۔ ''بھابی مل گئی ہیں۔ یہیں کوٹھی میں ہیں۔''

''شکر اللہ کا۔'' میں نے سکون کا طویل ترین سانس لیا۔ ''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''نہیں مسئلہ نہیں ہوا باقی آپ آئیں گے تو معلوم ہو جائے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

''میں تقریباً پانچ گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا۔ دوسروں کے ساتھ مجھے وہیں ملنا جہاں مجھے گورے کے آدمیوں سے چھڑایا تھا۔''

''سمجھ گیا جناب۔'' عبداللہ نے کہا اور میں نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔ اگرچہ کوٹھی کے فون محفوظ تھے لیکن احتیاط لازمی تھی۔ پی سی او کا مالک مجھے ذرا شک سے دیکھ رہا تھا کیونکہ میں نے تقریباً ساری ہی گفتگو گول مول انداز میں کی تھی۔ مگر مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں تھی مجھے خوشخبری ہی اتنی بڑی ملی تھی۔ سویرا فتح خان اور شہلا کی قید سے نکل آئی تھی۔ میں پی سی او والے کو اوائیگی کر کے واپس آیا تو ایمن میرے چہرے سے بھانپ گئی۔

''لگتا ہے اچھی خبر ہے؟''

''ہاں سویرا مل گئی ہے اور اب محفوظ جگہ ہے۔'' میں نے چہک کر کہا تو میرے والہانہ انداز پر اس کا رنگ ایک لمحے کو بدلا لیکن فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔ ''مبارک ہو یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔''

''ہاں ایک مسئلہ تو حل ہوا مگر تمہارا مسئلہ ابھی باقی ہے۔''

''تم میری فکر مت کرو، میرا مسئلہ حل ہو جائے گا اور اگر نہ ہوا تو.....'' اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ایسا نہیں ہوگا ایمن۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''بے شک فتح خان ہیروں کے پیچھے پاگل ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ اپنے پیچھے ہمیشہ کے لیے دشمن لگا لے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی وجہ سے میرے کسی بھی ساتھی کو ذرا نقصان ہوا تو میں ساری زندگی اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے امید ہے کہ اس مسئلے کا کوئی درمیانی حل نکل آئے گا۔''

''درمیانی حل؟'' اس نے میری طرف دیکھا۔

''ممکن ہے فتح خان تاوان کی رقم کو نیچے لے آئے یا کوئی اور راستہ نکل آئے۔''

''تاوان کی رقم سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ اگر برٹش حکومت نے اسے اَنا کا مسئلہ بنا لیا تو وہ پانچ ڈالرز تاوان بھی نہیں دے گی۔ خاص طور سے ایسا کوئی مسئلہ میڈیا میں آ جائے تو حکومتیں اسے اَنا کا مسئلہ بنا لیتی ہیں اگر خاموشی سے معاملہ نمٹ رہا ہو تو مان جاتی ہیں۔''

ایمن ٹھیک کہہ رہی تھی اگر ایسے معاملات اندرون خانہ طے ہو جائیں تو حکومتیں آسانی سے تاوان ادا کر دیتی ہیں لیکن بات کھل جائے تو پھر معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ یہاں بات عزت اور ساکھ کی آ جاتی ہے اور ایسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مواقعوں پر حکومتیں اپنے شہریوں کو قربان کر دیتی ہیں۔ میں نے کہا۔ ''اگر ڈیوڈ شا اور میاں میں آیا تو امکان ہے کہ معاملہ خاموشی سے طے نہیں ہوگا۔ وہ اسے کسی طریقے سے پبلک بھی کر سکتا ہے۔''

ایمن نے گہری سانس لی۔ ''شہباز مجھے سب سے زیادہ خطرہ اسی بات کا ہے وہ میرا دشمن بنا ہوا ہے۔''

مجھے ایک خیال آیا۔ ''ایمن تم فکر مت کرو امید ہے کہ ڈیوڈ شا ایسا کرنے سے پہلے مجھ سے بات کرے گا۔''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''تم سے کیا بات کرے گا وہ؟''

''بس کرے گا ابھی میں وضاحت نہیں کر سکتا کیونکہ خود میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہے۔''

لیکن ایمن سچ مچ بہت ذہین نکلی وہ سمجھ گئی۔ ''شاید تم ڈیوڈ شا سے ہونے والی ڈیل کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر تم سے دوبارہ ڈیل کی بات کرے گا۔''

''اور ممکن ہے وہ تم سے جاگیر اور خطاب سے مستقل دستبرداری کا معاہدہ بھی کر لے کیونکہ یہ اب اس کی عزت کا معاملہ بھی بن گیا ہوگا۔ اگر اس سے جاگیر اور خطاب چھن گیا تو وہ سوسائٹی میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ دوسری بات فتح خان اس کے لیے کام کرتا رہا ہے اور ڈیوڈ شا اس پر اتنا اثر رکھتا ہے کہ یہ مسئلہ حل کرا دے۔ اگر وہ فتح خان کو حکم دے گا تو اس میں انکار کی مجال نہیں ہوگی۔''

ایمن حیران ہوئی تھی۔ ''فتح خان اس سے اتنا دبتا ہے؟''

''فرض کرو کہ اگر ڈیوڈ شا تم سے معاہدہ کرنا چاہے کہ تم اگر زندہ رہنا چاہتی ہو تو جاگیر اور خطاب سے دستبردار ہو جاؤ تو تمہارا کیا ردِعمل ہوگا۔''

''جاگیر اور خطاب واپس حاصل کرنا میری بھی خواہش ہے لیکن فی الوقت میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''اگر وہ مجھ سے جاگیر اور خطاب سے دستبردار ہونے کو کہے گا تو میرے پاس اس کی بات مان لینے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔''

''مگر اس معاملے میں محتاط رہنا، میرا خیال ہے ڈیوڈ شا ویسے تو بڑا باوقار بنتا ہے لیکن موقع کی مناسبت سے اپنی بات سے پھر جانا اس کے لیے انوکھی بات نہیں ہوگی۔''

''تم نے اسے بالکل ٹھیک پہچانا ہے شہباز وہ ایسا ہی ہے اس کے قول و فعل پر ذرا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔''

''بہرحال یہ معاملہ اس وقت دیکھا جائے گا جب ڈیوڈ شا اس میں ملوث ہوگا۔''

پیٹ بھرنے کے بعد ایمن کو اونگھ آنے لگی تھی دوران گفتگو ہی اس کی آنکھیں خمار آلود ہونے لگی تھیں۔ میں نے اسے آرام کرنے کو کہا اور خود ڈرائیو پر توجہ دینے لگا۔ بعض مقامات پر سڑک کھلی اور سیدھی ہو جاتی تھی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں تیز ڈرائیو بھی کر رہا تھا لیکن اتنی تیز بھی نہیں جس میں حادثے کا خطرہ ہو۔ پانچ بجے کے بعد اندھیرا چھانے لگا تھا اور ہم مری کے پاس تھے ایک ہوٹل پر رک کر جو برف باری کا سیزن دکھانے کے لیے کھلا تھا ہم نے چائے پی اور منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوئے تھے۔ حیرت انگیز طور پر ہوٹل پوری طرح بک تھا جب سے اس علاقے میں سڑکوں کا نظام بہتر ہوا تھا مری اور اس کے آس پاس ہل اسٹیشن پر تقریباً سارے سال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رش رہنے لگا تھا۔ یہاں بھی برف باری ہوئی تھی بلکہ آسمان پر بادل تھے اور شاید مزید برف گرنے والی تھی۔ تازہ دم ہو کر ہم آگے روانہ ہوئے۔ ایمن نے اصرار کیا کہ وہ ڈرائیو کر لیتی ہے میں تھک گیا ہوں لیکن میں نے منع کر دیا۔

''میں ٹھیک ہوں تم فکر مت کرو۔ ویسے بھی کچھ دیر کا سفر رہ گیا ہے ہم شاید ایک گھنٹے بعد اسلام آباد میں ہوں گے۔''

آدھے گھنٹے بعد ہی اوپر سے اسلام آباد اور پنڈی کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ درمیان میں مارگلہ آیا تو یہ روشنیاں چھپ گئیں۔ ساڑھے سات بجے ہم راول چوک کے پاس تھے۔ مجھے امید تھی کہ عبداللہ اور میرے دوسرے ساتھی راول جھیل کے اس کنارے موجود ہوں گے جہاں مارشل مجھے مرشد کے آدمیوں کے حوالے کرنے کے لیے لایا تھا۔ راول چوک سے میں اس طرف مڑا تو ایمن چونک گئی۔ ''اس طرف کہاں جا رہے ہو؟''

''ایمن تمہیں جلد از جلد سفارت خانے پہنچانا ہے تاکہ برٹش حکام اس مسئلے کا حل نکالیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم انہیں کیا کہانی سناؤ گی؟''

''بہت سادہ کہانی ہوگی۔ فتح خان نامی بدمعاش نے مجھے دھوکے سے میرے باپ کا حوالہ دے کر انگلینڈ سے بلایا اور یہاں بلا کر میری مدد سے میرے باپ سے ہیرے نکلوانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کوشش میں میرا باپ اپنی جان سے گیا تو اس نے رقم حاصل کرنے کا یہ دوسرا طریقہ سوچا اور مجھے بارودی جیکٹ پہنا کر چھوڑ دیا۔''

''مناسب کہانی ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن اس کی جزئیات کا خیال رکھنا ممکن ہے اسکاٹ لینڈ یارڈ یا کسی دوسری ایجنسی کے اہلکار تم سے پوچھ گچھ کرنے آ جائیں۔''

''اس کی فکر مت کرو کہانی بنانی مجھے آتی ہے اس میں کسی غیر متعلق فرد کا ذکر نہیں آئے گا۔ تم بھول رہے ہو کہ میں بنیادی طور پر صحافی ہوں اور کہانی بنانا مجھے آتی ہے۔''

''واقعی میں بھول گیا تھا۔ اصل میں ہمارے ہاں صحافیوں کی بس ایک ہی قسم ہوتی ہے اور ہم ان کے سوا کسی کو صحافی نہیں سمجھتے ہیں۔''

''مغرب میں ماحولیاتی صحافیوں کا رتبہ بڑا ہوتا ہے جہاں عام صحافی قدم بھی نہیں رکھ سکتا ہے وہاں ہم بڑی آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔ مخصوص قوانین کے تحت ہمیں سرکاری دستاویزات تک رسائی بھی حاصل ہوتی ہے۔''

ہم جھیل کے پاس پہنچ گئے تھے۔ رات ہونے پر جھیل کے پانی سے بخارات اٹھ رہے تھے۔ سردی کی بنا پر جگہ سنسان تھی۔ ورنہ گرمیوں میں یہاں شام کے وقت بھی خاصی رونق ہوتی ہے۔ میں نے جیپ ایک نمایاں جگہ روکی اور اس کی ہیڈ لائٹس جلتی چھوڑ کر نیچے اتر آیا۔ رات چھا چکی تھی اور ابھی دھند کا آغاز تھا اس لیے میں دور سے بھی دیکھا جا سکتا تھا مزید نمایاں ہونے کے لیے میں ہیڈ لائٹس کے سامنے آ گیا اور اس کا فوری ردعمل ہوا۔ کہیں پاس سے ہی ایک گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور تیزی سے جیپ کے پاس آ کر رکی اور اس سے وسیم اور سفیر اتر کر میری طرف جھپٹے اور پھر دونوں بیک وقت لپٹ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بدمعاش..... غائب ہونے کے عادی مجرم۔'' سفیر نے مجھے مکا مارا۔ وسیم ہنستے ہوئے بولا۔

''میں اس جیسی بے تکلفی نہیں دکھا سکتا لیکن جذبات میرے بھی کم نہیں ہیں۔''

''ہاں بھائی دھکے کھا کر آنے والے کو تم لوگ بھی مار پیٹ لو۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ عبداللہ کہاں ہے۔''

''آجاؤ یار یہ تمہارے فراق میں تڑپ رہا ہے۔'' سفیر نے بلند آواز سے کہا تو ایک طرف سے رائفل بدست عبداللہ برآمد ہوا اور میرے گلے لگ گیا۔

''آپ کو ٹھیک دیکھ کر خوشی ہوئی۔''

''لیکن سب ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''سب سے پہلے تو راجا صاحب کو اطلاع دینی ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ جو محافظ روانہ کیے تھے ان میں سے ایک غدار نکلا اور اس نے دوسرے کو مروا دیا وہ فتح خان کے لیے کام کر رہا تھا۔''

''فتح خان۔'' وہ تینوں چونکے وسیم نے کہا۔ ''یہ حرامزادہ کہاں سے آ گیا؟''

''آ نہیں گیا میں مستقل اسی کی قید میں تھا اور صرف دو دن پہلے مجھے راجا صاحب کے آدمیوں نے آزاد کرایا تھا۔ وہ مجھے اور مہرو کو اس وادی کی طرف لے گیا تھا جہاں برٹ شا نے ہیرے چھپا رکھے تھے۔ صرف ہیروں کے حصول کے لیے اس نے سویرا کو حویلی سے اغوا کیا۔''

''ہم نے اسے شہلا سے حاصل کر لیا ہے لیکن وہ خود فرار ہونے میں کامیاب رہی۔'' سفیر نے کہا۔

''مجھے عبداللہ سے پتا چل گیا ہے۔ بہرحال فتح خان برٹ شا کو بھی لے آیا اور اس نے دھوکے سے ایمن شا کو انگلینڈ سے بلوا لیا مقصد برٹ شا پر دباؤ ڈالنا تھا۔ مگر ایک موقع پر برٹ شا کو اس کے ساتھی نے گولی مار دی اور فتح خان ناکام رہا پھر راجا صاحب کے آدمیوں نے ہمیں آزاد کرا لیا۔ فتح خان نے ہار نہیں مانی اور جب میں اور ایمن یہاں آنے کے لیے نکلے تو اس نے راستے میں راجا صاحب کے غدار کی مدد سے ہمیں ٹریپ کر لیا اور پھر ایمن کو بارودی جیکٹ پہنا دی۔ اس وقت وہ میرے ساتھ ہے اور اسے سامنے آئے بغیر برٹش ایمبیسی تک پہنچانا ہے۔''

''میرے خدا۔'' عبداللہ کے منہ سے نکلا۔

''اس معاملے میں وقت محدود ہے کیونکہ جیکٹ نہایت جدید قسم کی ہے اسے نہ تو کسی اور طریقے سے کھولا جا سکتا ہے نہ اس کا ایکسرے لیا جا سکتا ہے اور نہ کسی اور طریقے سے اس کا اندر سے معائنہ کیا جا سکتا ہے۔ سات دن بعد یہ خود بہ خود بلاسٹ ہو جائے گی۔''

''پھر یہ کیسے اترے گی؟'' سفیر نے پوچھا۔

میں نے جیکٹ کو ناکارہ کرنے والا ریموٹ دکھایا۔ ''فتح خان کا کہنا ہے کہ اسے پانچ کروڑ ڈالرز ادا کر دیئے جائیں تو وہ اس ریموٹ کا کوڈ نمبر بتا دے گا نمبر دبا کر ریموٹ کا سرخ بٹن دبانے سے جیکٹ ڈی ایکٹی ویٹ ہو جائے گی اور اسے اتارا جا سکے گا۔''

''پانچ کروڑ ڈالرز۔'' سفیر نے کہا۔ ''اس کا دماغ خراب ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔'' میں نے کہا اور جیپ کی طرف دیکھا۔ ''اب ایمن کو اس طرح سفارت خانے پہنچانا ہے کہ کوئی اسے کسی غیر متعلق آدمی کے ساتھ نہ دیکھ سکے۔ یعنی اس سے ہمارا ذرا سا تعلق بھی ثابت نہ ہو۔''

''میں سمجھ گیا۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''اس کا سب سے آسان طریقہ ہے کہ مس ایمن کو کسی ایسی جگہ پہنچا دیا جائے جہاں سے یہ سفارت خانے سے رابطہ کر سکے اور وہ خود آ کر اسے لے جائیں۔''

''یہی مناسب ہوگا۔'' میں نے کہا۔ اس دوران میں ایمن بھی اتر کر نیچے آ گئی۔ سب نے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس کے باپ کی موت کا افسوس کیا اور اس مشکل پر ہمدردی کا اظہار کیا۔

''میں تم سب کی شکر گزار ہوں۔'' ایمن نے کہا اور میری طرف دیکھا۔ ''میں ایمبیسی تک چلی جاؤں گی بس تم مجھے کسی ایسی جگہ پہنچا دو جہاں میں فون پر رابطہ کر سکوں۔''

''اتفاق سے ہم بھی یہی سوچ رہے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم تمہیں اکیلا چھوڑیں گے لیکن تم سے دور نہیں رہیں گے جب تک تم محفوظ ہاتھوں میں نہیں پہنچ جاتیں۔''

ایمن نے سر ہلایا۔ فیصلہ ہوتے ہی ہم وہاں سے واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔ عبداللہ، سفیر اور وسیم کے ساتھ مزید کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک گاڑی میں آئے تھے۔ ایک مصروف جگہ پہنچ کر ہم نے ایمن کو اتار دیا اور اس نے ایک ٹیکسی کی۔ جب وہ ٹیکسی روانہ ہوئی تو میری جیپ اور سفیر کی گاڑی اس کے پیچھے تھی۔ ایمن ٹیکسی میں جناح سپر پہنچی۔ وہاں اس نے ایک گارمنٹ سینٹر کے سامنے ٹیکسی رکوائی اور اتر کر اندر چلی گئی۔ اس کے پاس مقامی کرنسی تھی۔ اسے ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ہم بھی کچھ دور رک گئے تھے۔ سفیر میرے پاس آ گیا۔ وہ کہانی سننے کے لیے بے چین تھا لیکن میں نے انکار کر دیا۔

''مجھے معاف کر صبح سے ڈرائیونگ کر رہا ہوں اور کہانی ایک ہی بار سناؤں گا۔ ہاں تم بتاؤ کہ سویرا تک رسائی کیسے حاصل کی؟''

''تمہارے غائب ہوتے ہی ہم نے شہلا کی تلاش شروع کر دی تھی۔ پھر عبداللہ کہیں سے ایک ہونق نوجوان کو پکڑ لایا جس کا وزن پچاس کلوگرام ہوگا اس میں نصف وزن اس کے بالوں اور عینک کا ہے لیکن وہ کمپیوٹر جینئس ہے۔ اسے تم عرف عام میں ہیکرز کہہ سکتے ہو۔ اس نے شہلا کے بینک اکاؤنٹ کا نمبر اور پھر اس کا کریڈٹ کارڈ نمبر حاصل کر لیا۔ وہ جان لیتا تھا کہ کریڈٹ کارڈ کہاں استعمال ہو رہا ہے۔ دو تین بار شہلا نے ایک ہی جگہ اپنا کریڈٹ کارڈ استعمال کیا تو ہم کھٹک گئے اور اس سپر اسٹور کی نگرانی شروع کر دی۔ جلد شہلا وہاں پھر آئی اور ہم نے اس کے ٹھکانے کا پتا چلا لیا۔ یہ کل رات کی بات تھی۔ صبح وسیم اور عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سمیت وہاں چھاپا مارا اور سویرا مل گئی لیکن شہلا فرار ہونے میں کامیاب رہی۔''

''لعنت بھیجو اس پر، اس عورت سے دور رہنا ہی اچھا ہے ہماری قید میں ہو تب بھی ہمارے لیے مصیبت بنتی ہے۔''

''بھائی عورت نام ہی مصیبت کا ہے۔'' سفیر ہنسا۔ ''مجال ہے جو صبح سے جو لفٹ کرائی ہو دونوں سویرا کے ساتھ لگی ہیں۔''

''تو بیٹے سویرا کا احسان مانو کہ کچھ دیر کے لیے جان چھڑا دی۔'' میں نے کہا پھر ہچکچا کر پوچھا۔ ''وہ ٹھیک تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے نا اسے کوئی تکلیف تو نہیں دی ان لوگوں نے؟''

سفیر ہنسا۔ ''بیٹے تو بھی کم زن مرید نہیں نکلے گا ابھی سے اس کی کتنی فکر لگی ہے تجھے؟''

''تو کیا نہیں ہوگی فکر۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''وہ فتح خان جیسے دشمن کی قید سے آئی ہے۔''

''اچھا نا..... ٹھیک ہے پر فی الحال بھابی کا لفظ سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔''

''کیونکہ ابھی وہ بھابی بنی نہیں ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''یہ بتا کہ شہلا کے ٹھکانے پر بریف کیس ملا یا نہیں؟''

''نہیں بریف کیس وہاں نہیں تھا حالانکہ ہم اس کے چکر میں پورا ایک گھنٹہ وہاں رکے تھے۔''

''یعنی وہ شہلا کے قبضے میں ہے؟'' میں نے کہا اور اسی لمحے میری توجہ گارمنٹ اسٹور کے سامنے رکنے والی ایک سیاہ اور بڑی لگژری گاڑی کی طرف گئی اس سے دو سفید فام اترے اور کسی طرف دیکھے بغیر سیدھے اسٹور میں چلے گئے۔ چند منٹ بعد وہ ایمن کو لیے اندر سے برآمد ہوئے اور اسے گاڑی میں بٹھا کر رخصت ہو گئے۔ مجھے ایک لمحے کو بے چینی ہوئی تھی لیکن پھر میں نے خود کو سمجھایا کہ ایمن کے لیے یہی بہتر تھا۔ اس کے اپنے اسے بہتر تحفظ دے سکتے تھے۔ وہ جس مشکل میں پھنس گئی تھی اس میں سے یہی لوگ اسے نکال سکتے تھے بس ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں ڈیوڈ شا معاملے میں نہ کود پڑے۔ وہ اسے بگاڑ کر رکھ دیتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ موت ہی ایمن کا مقدر بن جاتی۔ یہی سوچ کر میں ہچکچا گیا تھا سفیر نے میرا خیال بھانپ لیا اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''پریشان مت ہو یار، یہ گورے بڑے حرامی ہوتے ہیں اس مسئلے کا بھی کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔''

''مجھے خوف ہے کہ ڈیوڈ شا درمیان میں آ گیا تو ایمن کے لیے اچھا نہیں ہوگا کیونکہ برٹ شا کی لاش ملنے سے جاگیر اور خطاب اس سے چھن جانے کا امکان ہے۔ گویا ایمن اس کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ اس سے بہر صورت چھٹکارا حاصل کرنا چاہے گا۔''

''میرا نہیں خیال کہ وہ اتنی آسانی سے کچھ کر سکے گا۔'' سفیر نے کہا۔ ''بے شک وہ برطانیہ کا ایجنٹ ہے لیکن وہاں رول آف لاء ہے اور اس سے ہٹ کر تو کچھ نہیں ہوتا ہے۔''

''خطرہ اس بات کا ہے کہ کہیں ڈیوڈ شا معاملے کو پبلک نہ کر دے اس صورت میں برٹش حکومت پر دباؤ آ جائے گا کہ وہ تاوان ادا نہ کرے کیونکہ یہ قوم کی عزت کا معاملہ ہے اور جہاں قوم کی بات آ جائے وہاں عام طور سے فرد واحد قربان ہو جاتا ہے۔'' میں نے اسے اصل خدشے سے آگاہ کیا۔

''دیکھتے ہیں بھائی ابھی تو سات دن ہیں کیا سات دن تک یہیں رہنے کا ارادہ ہے۔'' سفیر نے کہا تو میں چونکا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''آج کل کہاں بسیرا ہے؟''

''عبداللہ کی کوٹھی میں کیونکہ جناب کے اغوا کے بعد ہمیں وہ ٹھکانہ بھی مشکوک لگنے لگا تھا۔ اس لیے اسے خالی کر دیا۔ ویسے وسیم نے جی ٹی روڈ پر ایک فارم ہاؤس کرائے پر لے لیا ہے۔ کوئی چھ کنال کا ہے اس میں تین بیڈ کی چھوٹی سی کوٹھی بھی ہے۔ ایک چوکیدار ہے۔ دور دور تک کوئی آبادی نہیں ہے اس لیے چھپنے کے لیے بہترین جگہ ہے اور پھر روڈ کے بالکل ساتھ ہے اس لیے آنے جانے میں بھی سہولت رہے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو اس میں منتقل کیوں نہیں ہوئے؟''

''آج ہونے کا ارادہ تھا لیکن پتا چلا کہ جناب کی تشریف آوری ہو رہی ہے اس لیے ارادہ کل تک کے لیے ملتوی کر دیا۔ اب تم ہی فیصلہ کرو گے۔''

وسیم اور عبداللہ دوسری گاڑی میں پیچھے تھے۔ بیس منٹ بعد ہم کوٹھی پر تھے۔ اندر آتے ہوئے میرے دل کی دھڑکن ذرا تیز ہوئی تھی۔ مونا اور سعدیہ باہر آ گئی تھیں۔ اترتے ہی انہوں نے دونوں طرف سے دبوچ لیا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''آرام سے..... آرام سے اصل بندے دوسری گاڑی میں ہیں آپ نے غلط بندہ پکڑ لیا ہے اور کمال ہے دونوں نے پکڑ لیا ہے۔''

''بات مت کرو۔'' مونا روہانسے انداز میں بولی۔ ''کتنا تنگ کرتے ہو ہمیں۔''

''ارے تو کیا میں نے کہا تھا آ بیل مجھے لے جا۔'' میں نے کہا۔ ''دوسرے میں چوڑیاں پہن کر تمہاری طرح گھر تو نہیں بیٹھ سکتا۔''

''بے چارے کو اندر تو آنے دو۔'' وسیم نے اپنی بیگم سے کہا جو صرف رو رہی تھی۔ یوں میری گلو خلاصی ہوئی اور ہم اندر آئے میرا خیال تھا کہ سویرا اندر موجود ہو گی لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ سفیر میری بے چینی بھانپ گیا۔

''کیا بات ہے دوست یہ نظر کس کو تلاش کرتی ہے۔''

''کسی کو نہیں۔'' میں نے گڑبڑا کر کہا۔

مونا نے سفیر کو گھورا۔ ''تمہیں کیا اگر شوبی کسی کو تلاش کر رہا ہے ہو گا کوئی ایسا اپنا جو ہم سے بھی زیادہ اپنا ہو۔''

میں نے سر پکڑ لیا۔ ''یہاں آ کر غلطی کی، رہتاش خان کی قید میں تو زیادہ سکون سے رہتا۔''

''بھئی تم سب ان کے پیچھے نہ پڑو، آپ میرے ساتھ آیئے۔'' سعدیہ نے حقیقی ہمدرد کا کردار ادا کیا اور میں فوراً اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے ایک کمرے تک لائی اور مسکرا کر بولی۔

''یہاں ہیں وہ محترمہ جنہیں آپ وہاں وہاں تلاش کر رہے تھے۔''

''بروٹس یو ٹو۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور دروازے پر دستک دی۔ جب کوئی جواب نہیں ملا تو میں کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سعدیہ جا چکی تھی۔ میں نے دروازہ بند کیا تو آئینے کے سامنے کھڑی سویرا نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور پھر جیسے اڑ کر آئی تھی۔ ایک رنگ و خوشبو کا جہاں تھا جو میرے بازوؤں میں سمٹ آیا اور اس کے آنسو میرا سینہ بھگو رہے تھے۔ میں نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

''تم ٹھیک ہو نا انہوں نے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں دی؟''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ''اس سے زیادہ تکلیف کی بات اور کیا ہوتی کہ میں آپ سے دور تھی اور آپ بھی ان کے قیدی تھے۔''

''شکر ہے اللہ کا میں تمہیں اپنے سامنے صحیح سلامت دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے اسے الگ کیا۔ وہ میرے لیے مقدس ہستی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اتنے قرب سے میرے اندر اس کے لیے ذرا سا بھی کوئی جذباتی خیال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئے۔اس نے سردی کی مناسبت سے ہلکی سبز ویلوٹ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور اس کے ساتھ ذرا گہرے سبز رنگ کا سویٹر تھا۔ کھلے بال شانوں اور پشت پر پھیلے تھے اور اس کے پاس سے مسحور کن خوشبو آ رہی تھی۔ پتا نہیں اس نے کوئی خوشبو لگائی تھی یا یہ اس کی اپنی خوشبو تھی۔ مجھے پتا نہیں چلا کہ میں اسے کتنے والہانہ انداز میں دیکھ رہا ہوں اس کا رنگ شفق کی طرح گہرا ہونے لگا اور پھر اس نے شرمائے لہجے میں کہا۔

''پلیز مجھے اس طرح مت دیکھیں۔''

میں چونکا اور گہری سانس لی۔''میں نے آج تک تمہیں اس طرح نہیں دیکھا جس طرح میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' اس نے میرا بازو تھام لیا۔''کتنے کمزور ہو گئے ہیں اور آپ کی شیو بھی بڑھی ہوئی ہے۔''

''بس یہ نو دس دن بھٹکتے ہوئے گزر گئے۔'' میں نے کہا۔

اس نے بازو سے پکڑ کر مجھے کرسی پر بٹھایا اور خود میرے سامنے نیچے قالین پر بیٹھ گئی۔ میں بے چین ہو گیا۔''یہ کیا تم نیچے کیوں بیٹھ گئی ہو.....؟ اوپر بیٹھو۔''

''مجھے اس طرح اچھا لگ رہا ہے۔''

''پھر بھی.....''

''نہیں آپ بتائیں آپ پر کیا گزری؟''

اس کا لہجہ بتا رہا تھا وہ نہیں اٹھے گی۔''سویرا مجھ پر جو گزری اور تمہارے بارے میں جو سوچیں آتی تھیں وہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا ہوں۔''

اس نے اپنی نازک انگلیوں سے میرے کھردرے ہاتھ سہلائے۔''پھر بھی میں جاننا چاہوں گی۔''

وہ میرا ہاتھ سہلاتی رہی اور میں اسے بتاتا رہا کہ ان نو دس دنوں میں مجھ پر کیا گزری تھی۔ درحقیقت یہ نصف مہینے سے زیادہ کا عرصہ تھا کیونکہ فتح خان نے مجھے چھ دن بے ہوش بھی رکھا تھا۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے یقین سے کہا۔''اب ایسا کبھی نہیں ہوگا۔''

''سویرا میرے دشمن حد سے بڑھتے جا رہے ہیں اور میں مجبور ہوں ان کی سطح پر نہیں آ سکتا۔''

''آپ ایسا سوچئے گا بھی مت ورنہ مجھے بہت دکھ ہوگا۔''

اچانک مجھے خیال آیا۔''سویرا حویلی خیر ہے؟''

''بالکل جب ہم شہلا کے ٹھکانے سے آ رہے تھے تب ہی میں نے کال کر کے بابا کو بتا دیا تھا۔ آپ یقین کریں میری آواز سن کر وہ رونے لگے تھے اتنے دنوں میں انہوں نے یہ بات اپنی اور ماں جی کی ذات سے آگے نہیں جانے دی تھی۔ میری وجہ سے ثمی اور آپا کو بھی آنے سے روک دیا تھا۔''

''بابا آپا کے بعد سب سے زیادہ محبت تم سے ہی کرتے ہیں۔''

''نہیں وہ آپ سے بھی بہت محبت کرتے ہیں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔''اب آپ پہلے نہا کر چینج کر لیں میں نے کپڑے استری کر دیئے ہیں۔ آپ کے کمرے میں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا کمرہ کون سا ہے؟''

''آپ جانتے ہیں جہاں آپ پہلے بھی رکے تھے۔ عبداللہ بھائی نے وہ کمرہ آپ کے لیے ہی مخصوص کر دیا ہے اب اس میں کوئی اور نہیں رہتا۔''

''اچھا۔'' مجھے تعجب ہوا۔ ''میں تو شاید یہاں دس دن بھی نہیں رکا ہوں گا۔''

''شہباز آپ خوش قسمت ہیں جو آپ کو ایسے بے لوث لوگ اور ان کی محبت ملی ہے۔''

''وہ تو مجھے پہلے بھی میسر رہی ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ شرما گئی تھی۔ پھر اس نے رک رک کر کہا۔

''وہ محبت بے لوث نہیں ہوتی ہے۔'' وہ کہتے ہی کمرے سے نکل گئی تھی اور میں بادلِ ناخواستہ اپنے کمرے کی طرف آیا کیونکہ مونا اور سعدیہ سے صبر نہیں ہوا تھا اور وہ نازل ہو گئی تھیں۔ سویرا نے کریم کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ استری کی تھی اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ کا بُنا ہوا براؤن سویٹر تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار میرے سویٹر بنا چکی تھی۔ اس لیے ہاتھ میں لیتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سویرا نے بنایا ہے۔ نئی چپل بھی رکھی تھی اور کپڑوں کے ساتھ رومال بھی تھا۔ میں واش روم میں آیا وہاں شیونگ کا سامان بھی تھا۔ میں نے پہلے شیو کی۔ سر کے بالوں کی تراش ٹھیک تھی اور ابھی برے نہیں لگ رہے تھے۔ کتنے عرصے بعد گرم پانی سے جی بھر کر غسل کیا تھا۔ اگر سفیر آ کر مداخلت نہ کرتا تو میں دیر تک ہی نہاتا۔ اس نے اطلاع دی کہ کھانا لگ گیا اور مرد حضرات مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں کیونکہ میرے آنے تک خواتین نے کھانا کھولنے سے انکار کر دیا۔

''بس دس منٹ آیا۔'' میں نے کہا۔

''اگر دس منٹ سے ایک سیکنڈ بھی اوپر ہوا تو ہم سب آ کر جس حال میں ہوئے اسی حال میں لے جائیں گے۔'' سفیر نے دھمکی دی۔ خود میرا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا اس لیے جلدی سے جسم خشک کر کے کپڑے پہنے اور بال سنوار کر ڈائننگ روم میں آ گیا۔ کھانے میں وہ سب کچھ تھا جو مجھے بہت پسند تھا۔ میرے بیٹھتے ہی کھانا شروع ہو گیا۔ ابھی میں نے چند لقمے لیے تھے کہ عبداللہ کے ایک ساتھی نے آ کر مجھے اطلاع دی۔

''جناب آپ کا فون ہے۔''

میں چونکا۔ ''میرا فون.....''

سب کے ہاتھ رک گئے تھے۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں دیکھتا ہوں۔''

''ایک منٹ۔'' وسیم نے عجلت میں کہا اور عبداللہ کے ساتھی سے پوچھا۔ ''اس نے اپنا نام بتایا ہے؟''

''نہیں جی بس اتنا کہہ رہا ہے کہ شہباز صاحب سے بات کرنی ہے۔''

''تم نے یہ تو نہیں کہا کہ شہباز یہاں موجود ہے۔'' سفیر نے پوچھا۔

عبداللہ کا آدمی پریشان ہو گیا تھا۔ ''نہیں جناب..... کیا مجھ سے غلطی ہوئی ہے؟''

''تمہیں اسی وقت منع کر دینا چاہیے تھا۔'' عبداللہ خشک لہجے میں کہتا ہوا اٹھا۔ ہم سب اس کے ساتھ ہو لیے۔ فون لاؤنج میں رکھا تھا۔ عبداللہ نے اسپیکر فون آن کیا اور ہمیں چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''کون بات کر رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مرشد علی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''شہباز ملک سے بات کراؤ۔ میں جانتا ہوں وہ اس وقت یہاں ہے۔''

○.....❖.....○

کچھ دیر کے لیے ہم سب ہی ساکت رہ گئے تھے۔ ہم سب ہی مرشد کی آواز اور اس کا لہجہ اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اسی طرح مرشد میری، سفیر اور وسیم کی آوازیں بھی پہچانتا تھا۔ البتہ عبداللہ کی آواز اس کے لیے اجنبی تھی میں نے شکر ادا کیا کہ ہم میں سے کسی نے بات نہیں کی ورنہ مرشد کی بات کی اسی وقت تصدیق بھی ہو جاتی۔ میں نے عبداللہ کو بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا اور اس نے پُرسکون آواز میں کہا۔ ''مرشد صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اس نمبر پر کوئی شہباز نامی شخص نہیں پایا جاتا ہے۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' مرشد نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''مجھے نہ صرف یہ معلوم ہے کہ اس کا اس جگہ سے تعلق ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہے وہ یہاں موجود ہے۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔''

''میں آپ سے بلاوجہ جھوٹ کیوں بولوں گا۔'' عبداللہ نے جھنجھلائے بغیر کہا۔ ''ویسے یہ شہباز کون ہے اور آپ یہاں اس کی موجودگی پر اصرار کیوں کر رہے ہیں؟''

مرشد نے عبداللہ کا سوال نظر انداز کیا اور بولا۔ ''سنو شہباز سے کہو مجھ سے بات کرے ورنہ بڑے خسارے میں رہے گا۔''

''جب یہاں کوئی شہباز آیا تو میں اسے مطلع کر دوں گا۔'' عبداللہ نے بیزاری سے کہا اس نے کال کاٹ دی اور میری طرف دیکھا۔

''یہ اچھا نہیں ہوا۔'' سفیر پریشان ہو گیا۔ ''اسے کیسے علم ہوا کہ شہباز یہاں موجود ہے۔''

''اس سے بھی اہم بات کہ اسے اس کوٹھی کا علم کیسے ہوا؟'' وسیم بولا۔

میں سوچ رہا تھا۔ ''میرا خیال ہے مرشد نے کسی طرح معلوم کر لیا ہے کہ یہ کوٹھی راجا عمر دراز کی ہے۔''

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس صورت میں وہ یوں کال کر کے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ میرا خیال ہے وہ سچ مچ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''ممکن ہے وہ اس طرح یہ جاننا چاہتا ہو کہ شہباز صاحب یہاں ہے یا نہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

میں اچھل پڑا تھا۔ ''عبداللہ وہ کسی قسم کا جال بچھا رہا ہے۔ ایک بار اسے یہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا تو وہ پولیس بھی بھیج سکتا ہے۔ پولیس نے مجھے پکڑ لیا تو سمجھو مرشد کے ہاتھ آ گیا۔''

وسیم نے میری تائید کی۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکلنا ہو گا۔''

''پھر دربدری۔'' سفیر نے گہری سانس لی۔ ''لیکن ان خواتین کا کیا ہو گا؟''

''میرا خیال ہے یہ یہیں رہیں۔'' میں نے کہا اور سفیر کی طرف دیکھا۔ ''ایاز کہاں ہے؟''

''وہ دو دن کے لیے سرگودھا گیا ہوا ہے کسی کام سے، کل تک آ جائے گا۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''کیا اس سے رابطہ کرنا ہے؟''

''نہیں میں پوچھ رہا تھا۔ عبداللہ ہمیں فوری طور پر جانا ہو گا ممکن ہے مرشد پولیس بھیج ہی دے اس صورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں تم بھی مشکل میں پڑ جاؤ گے میری عدم موجودگی میں تم آرام سے پولیس کو ڈیل کر سکتے ہو۔''

عبداللہ نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے آپ کھانا کھائیں اتنی دیر میں آپ کی روانگی کا انتظام کرتا ہوں۔''

ہم ڈائننگ روم میں آئے جہاں خواتین پریشان بیٹھی تھیں۔ سویرا نے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے ڈش اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''کسی نے کال کر کے میرا نام لیا تھا۔ خیر دیکھ لیں گے کھانا کھاؤ۔''

کھانا خاموشی اور بے دلی سے کھایا جانے لگا۔ سب ہی کھٹک گئے تھے کہ کوئی چکر ہے خاص طور سے خواتین کے چہرے اتر گئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے تو ہم ان سے الگ ہو جائیں گے تاکہ وہ ہماری مشکلات میں شامل نہ ہوں۔ عبداللہ چلا گیا تھا۔ بیتو کھانے میں بھی شریک نہیں تھا اس کا مطلب تھا اس کی طبیعت سچ مچ خراب تھی۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا اور میں نے عجلت میں کھانا بھگتایا پھر وسیم کو ایک طرف لے گیا۔

''بیتو کو تیار کرواسے بھی جانا ہوگا۔''

''اسے تیز بخار ہے۔''

''لیکن اسے یہاں نہیں چھوڑ سکتے ورنہ پولیس اسے لے جائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے پاس شناختی دستاویزات نہیں ہیں۔''

وسیم نے کہا۔ ''اب ہیں، عبدالشہ نے بیتو کا آئی ڈی کارڈ اور پاسپورٹ بھی بنوالیا ہے۔''

میں نے اطمینان محسوس کیا۔ ''اس صورت میں ہم اسے یہاں چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ کیونکہ پولیس کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے عبداللہ کو چاہیے اسے کوٹھی کا ملازم ظاہر کرے۔''

میں جانے سے پہلے بیتو سے ملنا چاہتا تھا لیکن وہ سو رہا تھا اس لیے میں صرف دیکھ کر کمرے سے نکل آیا۔ باہر سویرا موجود تھی۔ میں اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس نے بے تابی سے پوچھا۔ ''شہباز کیا بات ہے آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں؟''

میں نے گہری سانس لی اور اسے بتا دیا۔ ''سویرا آنے والی کال مرشد کی تھی۔ تم سمجھتی ہو یہاں مرشد کی کال آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟''

''میرے خدا۔'' وہ پریشان ہو گئی۔ ''آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں اس سے پہلے کہ.....''

''ہم یہی کر رہے ہیں تم فی الحال یہیں رکو گی پھر عبداللہ موقع دیکھ کر تمہیں حویلی بھجوا دے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ متفق ہو گئی۔ ''لیکن آپ کہاں جائیں گے؟''

میں نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو یہاں ہمارے پاس اور بھی کئی ٹھکانے ہیں۔''

اتنے عبداللہ وہاں آ گیا۔ ہمیں دیکھ کر ٹھٹکا پھر بولا۔ ''شہباز صاحب روانگی کا بندوبست ہو گیا ہے۔''

وہ کہہ کر چلا گیا میں نے سویرا کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تم حویلی واپس جا کر میرا انتظار کرنا۔''

اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں لیکن وہ حوصلے سے مسکرائی۔ ''میں یہی تو کر رہی ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کچھ دن سویرا کے ساتھ رہوں گا اور پھر اسے حویلی بھیج کر اپنے دشمنوں کی طرف توجہ دوں گا لیکن دشمنوں نے مجھے سانس لینے کی مہلت بھی نہیں دی تھی۔ ابھی میں آیا تھا اور اب دوبارہ بھاگنا پڑ رہا تھا۔ سویرا سے مل کر میں باہر آیا۔ سفیر اور وسیم اپنی والیوں کو سمجھا بجھا رہے تھے رخصتی کا المناک سین ہر جگہ نمایاں تھا۔ عبداللہ صبر کے ساتھ نشست گاہ میں منتظر تھا۔ اس نے کہا۔

''عقبی گلی میں ایک منزل واٹر والی گاڑی موجود ہے۔ آپ سب تاریکی کا فائدہ اٹھا کر اس کے کیبن میں بیٹھ کر یہاں سے نکلیں گے۔''

''تمہارا مطلب ہے یہاں کی نگرانی ہو رہی ہے؟''

''اگر نہیں بھی ہو رہی ہے تب بھی ہمیں یہی سمجھنا چاہیے کہ یہاں کی نگرانی ہو رہی ہے۔'' عبداللہ نے کہا اور موبائل نکال کر کسی کو کال کی۔ ''آس پاس کی کیا پوزیشن ہے.....؟ ٹھیک ہے کڑی نظر رکھو اگر کوئی نگرانی کرتا نظر آئے تو بے آواز ہتھیار سے اس کی گاڑی ناکارہ بنا دو۔'' اس نے موبائل رکھ کر میری طرف دیکھا۔ ''میں نے اپنے آدمی آس پاس گلیوں میں پھیلا دیئے ہیں۔ وہ مشکوک افراد اور گاڑیوں کی تلاش میں ہیں۔''

عبداللہ اب ان کاموں کا ماہر ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے خیال آیا۔ ''تم اور وسیم مل کر ایک سینٹرل کمانڈ بنا رہے تھے کسی گاڑی میں..... اس کا کیا بنا؟''

''گاڑی تیار ہے اور فارم پر کھڑی ہے۔ آپ لوگ بھی وہیں جا رہے ہیں۔''

''ہماری روانگی کے لیے کیا انتظامات کیے گئے ہیں؟''

''یہ سچ مچ منرل واٹر سپلائی کرنے والی وین ہے اور یہاں منرل واٹر سپلائی کرتی ہے۔ دونوں آدمی اعتماد کے ہیں لیکن وین کے آگے پیچھے بھی تین گاڑیاں اور ایک درجن مسلح افراد ہوں گے۔''

''عبداللہ سب باہر ہوں گے تو کوٹھی میں کون ہو گا؟'' میں نے نکتہ اٹھایا۔ ''ممکن ہے مرشد کی یہی پلاننگ ہو کہ ہم یہاں سے نکل جائیں اور وہ پیچھے کوئی کارروائی کرے۔''

''آپ فکر نہ کریں یہاں کی سیکورٹی میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ راجا صاحب نے اپنے محل سے بھی چھ تربیت یافتہ آدمی بھیجے ہیں۔''

میں مطمئن ہو گیا۔ وسیم اور سفیر بھی آ گئے۔ ہم عقبی حصے میں آئے اور دروازے کے بالکل ساتھ لگی گاڑی میں گھس گئے گلی میں تاریکی تھی۔ ہمارے بیٹھتے ہی وین کا دروازہ بند ہو گیا۔ ہمارے پاس اسلحہ تھا تاکہ راستے میں کسی ہنگامی صورت حال سے آرام سے نمٹ سکیں۔ ابھی ہم درست طریقے سے بیٹھتے ہی تھے کہ وین حرکت میں آ گئی۔ اس کے عقب میں بیس لیٹرز والے منرل واٹر کے کین بھرے ہوئے تھے۔ جگہ کم تھی اس لیے ہمیں سکڑ سمٹ کر بیٹھنا پڑ رہا تھا۔ وسیم نے ایک پستول، ایک پرس اور ایک عدد موبائل میری طرف بڑھایا۔ ''یہ آپ کے لیے تیار کیا ہے اس میں سب کے نمبر ہیں اور اس کا نمبر سب کے پاس ہے۔''

پرس میں رقم تھی۔ ''یہ تم نے اچھا کیا، عبداللہ بتا رہا تھا کہ کمانڈ وین تیار ہے؟''

''بالکل تیار ہے۔''

''نادر علی کے ممکنہ ٹھکانے کی نگرانی کا کیا بنا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نادر علی سچ مچ وہاں موجود ہے اور اب مستقل اسی کوٹھی میں رہتا ہے پتا یہ چلا ہے کہ اس کے اور مرشد کے اختلافات شدت اختیار کر گئے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس کوٹھی میں اٹھ آیا ہے۔ عبداللہ کا ایک آدمی بھکاری کے روپ میں مستقل وہاں کی نگرانی کر رہا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میری عدم موجودگی سے یہاں کے معاملات پر کوئی فرق نہیں پڑا۔''

سفیر نے مجھے گھورا۔ ''شوبی کس چکر میں ہے کہیں سویرا کے ساتھ زیادتی کا ارادہ تو نہیں ہے۔''

''سارے منڈے لگ گئے کام سے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ویسے تم نے آئیڈیا اچھا دیا ہے۔ ایسا کرتے ہیں سویرا کو بھی بلا لیتے ہیں اور پھر ہم کہیں نکل جائیں گے۔''

''اپنے ابا جی کو بھول رہا ہے گنجا کر دیں گے۔'' سفیر نے یاد دلایا۔

وسیم دروازے کے ساتھ لگا کسی سوراخ سے باہر جھانک رہا تھا اس نے مڑ کر کہا۔ ''پیچھے تو کئی گاڑیاں ہیں ان میں سے دو عبداللہ کی ہیں اور باقی پتا نہیں کن لوگوں کی ہیں۔''

سفیر بولا۔ ''مجھے یقین ہے ان میں سے کوئی نہ کوئی آدمی یا گاڑی مرشد کی ضرور ہوگی۔''

''سوال یہ ہے کہ اس نے فون کیوں کیا؟'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''کیا وہ ہمیں کوٹھی سے نکالنا چاہتا تھا؟''

''سامنے کی بات ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''باہر اس کے گرگے ہمارے منتظر ہوں گے۔''

''اور ہم نے باہر نکل کر اس کی توقع پوری کر دی؟'' میں نے کہا۔ ''کیا یہ عقل مندی ہے؟''

''اگر یہ عقل مندی ہے تو جناب اس میں برابر کے شریک ہیں۔'' سفیر نے یاد دلایا۔

''بس یار دوستوں کی عقل مندیوں میں بھی شریک ہو جاتا ہوں مروت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔''

میں نے دانت نکالے۔ منرل واٹر وین اب ایک شاہراہ پر آ گئی تھی اور یہاں پیچھے گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں۔ یہ پتا چلانا ناممکن تھا کہ ان میں سے کون ہمارے پیچھے ہے اور کون نہیں ہے۔ اگر ہم کسی ویران سڑک پر ہوتے تو پتا بھی چلتا۔ ''آگے کچھ عقل مند بیٹھے ہیں اس شاہراہ پر نکل آئے ہیں یہاں کیسے پتا چلے گا کہ درجنوں گاڑیوں میں سے کون سی پیچھے ہے۔''

''میرا خیال ہے یہ عبداللہ کی ہدایت مطابق کام کر رہے ہیں۔'' وسیم نے کہا اور اسی لمحے میرے موبائل کی بیل بجی۔ عبداللہ کال کر رہا تھا اس نے کہا۔ ''جناب منرل واٹر کی گاڑی کے پیچھے ایک نیلی کار ہے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ بس یہی گاڑی ہے؟''

''جی جناب یہ ہماری گلیوں سے نکلی ہے اور پانچ منٹ بعد میرے آدمی اسے ناکارہ کر دیں گے۔ اس وقت وین ایک آبادی میں مڑے گی اور ایک جگہ رکے گی آپ وہیں اتر جائیں گے۔''

''میں سمجھ گیا اور وہاں سے روانگی کیسے ہوگی؟''

''اس سڑک پر بے شمار ٹیکسیاں ہوں گی آپ لوگ تین الگ الگ ٹیکسیوں میں روانہ ہوں گے اور ایک دوسرے سے فاصلہ رکھیں گے اس طرح پتا چل جائے گا کہ مزید تعاقب کیا جا رہا ہے یا نہیں۔''

عبداللہ کا پلان بہترین تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اس قسم کے حالات کے لیے اس نے پہلے سے پلان سوچ رکھا تھا اور موقع آنے پر عمل کر رہا تھا۔ وسیم عقب میں دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔ ''نیلی گاڑی گئی وہ اچانک گھوم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر گرین بیلٹ پر چڑھ گئی ہے۔"

"عبداللہ کے آدمی نے اس پر بے آواز ہتھیار آزمایا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "فائر کی آواز نہیں آئی ہے۔ اب تیار ہو جاؤ، وین رکے گی اور ہمیں فوراً اترنا ہے اسلحہ چھپالو۔"

ایک چھوٹی خودکار رائفل وسیم کے پاس تھی وہ اس نے جیکٹ میں کر لی۔ میرے اور سفیر کے پاس بس پستول تھے۔ وین رکنے سے پہلے وسیم نے ہمیں ان کے اضافی میگزین بھی دے دیئے۔ اسی لمحے وین رکی اور ہم تینوں نیچے اتر آئے۔ وسیم نے وین کے دروازے پر ہاتھ مارا تو وہ آگے بڑھ گئی۔ یہ کمرشل اسٹریٹ تھی اور یہاں مارکیٹ تھی۔ رات کے دس بجے اور شدید سردی کے باوجود یہاں خاصی رونق تھی۔ ایک طرف بہت سازی یلو کیبس کھڑی تھیں۔ اس سڑک پر بھی کئی گاڑیاں تھیں جو مین روڈ سے اندر آئی تھیں اور ممکن ہے ان میں سے کوئی وین کا تعاقب کر رہی ہو۔ میں نے مختصر الفاظ میں انہیں عبداللہ کا پلان بتایا۔ "اب ہمیں الگ الگ ٹیکسیوں میں سفر کرنا ہے فارم ہاؤس کس نے دیکھا ہے۔"

"میں نے اور وسیم نے۔" سفیر نے جواب دیا۔

"بس تو میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔" میں نے ایک نزدیکی یلو کیب کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ میں نے جان بوجھ کر رفتار سست رکھی تھی وسیم اور سفیر مجھ سے پہلے ہی دو ٹیکسیوں تک پہنچ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی میں نے بھی یلو کیب والے بڑے میاں سے کہا۔ "چاچا چلنا ای۔"

"کتھوں۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"ادھر جی ٹی روڈ تے۔" میں نے کہا اور اندر بیٹھ گیا۔ اس نے خاموشی سے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ وطن عزیز کے دیگر شہروں کے مقابلے میں راولپنڈی اسلام آباد کے ٹیکسی ڈرائیور حیل و حجت نہیں کرتے ہیں اور نہ کرائے کے نام پر کھال اتارنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کبھی کبھار کہانی سنا کر ہمدردی کے نام پر اضافی رقم سمیٹنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔ وہ بھی سب نہیں کچھ ڈرائیور ایسے ہیں۔ میں نے سفیر اور وسیم کی ٹیکسیوں کی نشاندہی نہیں کی تھی وہ ویسے ہی ان کے پیچھے تھا۔ ذرا دیر بعد ہم جی ٹی روڈ پر تھے یہاں پیلی تیز روشنی والی اسٹریٹ لائٹس تھیں۔ میں اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کون سی گاڑی مستقل ہمارے پیچھے لگی ہے۔ مگر فی الحال ایسی کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔ گاڑیاں مستقل مڑ رہی تھیں یا آگے نکل رہی تھیں کوئی مستقل مزاجی سے تعاقب کرتی نہیں دکھائی دی تھی۔ جی ٹی روڈ پر آنے کے بعد میں نے سفیر کو کال کی۔

"کیا صورت حال ہے؟"

"ابھی تو معاملہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔"

میں نے وسیم کو کال کی اس نے بھی کلیئر کی رپورٹ دی۔ میں نے کہا۔ "پھر بھی احتیاطاً تھوڑا پہلے رک جانا میری بات سمجھ رہے ہو؟"

"جی میں سمجھ گیا۔" اس نے جواب دیا۔

"سفیر کو بتا دو۔"

ہم پشاور کی طرف جا رہے تھے۔ راولپنڈی سے باہر جی ٹی روڈ پر کئی چھوٹے بڑے شہر آتے تھے۔ ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹیکسلا سے پہلے کہیں رکنا تھا۔ جگہ میرے علم میں نہیں تھی۔ اس لیے میں عقب کے ساتھ وسیم اور سفیر کی ٹیکسیوں پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا۔ مگر تینوں تقریباً ایک ہی رفتار سے جا رہے تھے۔ اس لیے ٹیکسیوں کا فاصلہ آپس میں برابر ہی تھا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ مرشد نے اس طرح کال کیوں کی تھی یہ قدم خلاف معمول تھا اگر اسے کوٹھی اور یہاں میرا سراغ مل گیا تھا تو اس نے خاموشی سے نگرانی کرانے پھر دھاوا بولنے یا مجھے اور میرے ساتھیوں کو اٹھانے کی کوشش کے بجائے مجھے کال کر کے ہوشیار کر دیا اور ہم فوری طور پر وہاں سے نکل آئے تھے۔ ابھی میں راستے میں تھا اس لیے اس پر سوچنے کے بجائے میں نے آس پاس نظر اور ساتھیوں سے رابطہ رکھنے کا سوچا۔ عبداللہ کو کال کی۔

''تم کہاں ہو؟''

''میں واپس کوٹھی آ گیا ہوں لیکن دو گاڑیاں آپ کے ساتھ ہیں مجھے پل پل کی رپورٹ مل رہی ہے۔''

''تم نے ٹھیک کیا مجھے وہاں موجود لوگوں کی فکر ہو رہی ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں احتیاط کے طور پر انہیں کوٹھی کے ایک ایسے حصے میں منتقل کر دیا گیا جہاں تک سوائے میرے اور کوئی نہیں جا سکتا ہے۔''

عبداللہ کی یہ احتیاطی تدبیر بھی مجھے پسند آئی تھی۔ اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو کوٹھی سے نکال کر مرشد کا وہاں دھاوا بولنے کا ارادہ تھا تب بھی تینوں خواتین آسانی سے اس کے ہاتھ نہیں آتیں لیکن میرے خیال میں ان تینوں کا بھی وہاں رہنا اب مخدوش ہو چکا تھا۔ مطلع صاف ہوتے ہی انہیں وہاں سے روانہ کر دینا چاہیے تھا۔ سویرا نے تو واپس حویلی جانا تھا لیکن مونا اور سعدیہ کسی صورت نہیں مانتیں۔ ان کے لیے یہیں کوئی بندوبست کرنا تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو انہیں فارم ہاؤس پر ہی بلوا لیتے لیکن فی الحال تو ہمیں دیکھنا تھا کہ ہم خود بھی محفوظ ہیں یا نہیں۔ نصف گھنٹے بعد مجھے وسیم کی کال آئی۔ ''میں ٹیکسی سڑک سے اتار رہا ہوں آپ سفیر کی ٹیکسی کو دیکھتے ہوئے پیچھے آئیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا

آگے کوئی گاڑی سڑک سے اندر کی طرف مڑتی دکھائی دی۔ پھر سفیر کی ٹیکسی مڑی تو میں نے بڑے میاں سے کہا۔ ''آپ اس ٹیکسی کے پیچھے موڑ لو اور یہ جہاں رکے وہیں روک لو۔''

اس پر بڑے میاں نے پہلی بار مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''کوئی چکر تے نہیں اے۔''

''تسی فکر ای نہ کرو کوئی چکر نہیں اے۔'' میں نے اسے تسلی دی تو اس نے بادل ناخواستہ ٹیکسی کو اس کچے راستے پر موڑ دیا۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وسیم کی ٹیکسی کوئی فرلانگ بھر رکی ہوئی تھی اور سفیر والی ٹیکسی اس کے پاس رک رہی تھی۔ بڑے میاں نے اپنی ٹیکسی ان سے ذرا [illegible] دی اور مجھے بولا۔ ''مینوں فارغ کرو جی۔''

''کتنے ہوئے؟'' میں نے اترتے ہوئے پوچھا۔

''دو سو دے دو۔'' اس نے ہچکچا کر کہا تو میں نے پرس سے دو سو نکال کر اسے دے دیے۔

''اللہ تینوں خوش رکھے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا اور ٹیکسی ریورس کر لی اس دوران میں باقی دو ٹیکسیاں بھی واپس جا رہی تھیں اور وسیم سفیر میری طرف آ رہے تھے۔ جب تک تینوں ٹیکسیاں مین روڈ پر جا کر مڑیں ہم جمع ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکے تھے۔ ابتدائی چاند کی روشنی کافی تھی اور یہاں مکمل اندھیرا نہیں تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''اب کس طرف جانا ہے؟''

''میرے ساتھ آیئے۔'' وسیم نے کہا اور ایک خشک کھیت کے کنارے بنی منڈیر پر چلنے لگا۔ کھیت میں کوئی فصل نہیں تھی حالانکہ سیزن تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ اس علاقے میں کاشت کار نہری پانی کے محتاج بھی نہیں تھے۔ صرف گندم لگانے والوں کو بھی اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی میں نے تو یہاں تک دیکھا تھا کہ کسی کا آدھے یا ایک کنال کا پلاٹ خالی پڑا ہو تو وہ اس پر گندم لگا دیتا ہے اور کم سے کم اپنے گزارے کی گندم حاصل کر لیتا ہے۔ جب کہ زمین کی صورت سے یہ زرعی علاقہ لگ رہا تھا۔ بہر حال ہو سکتا ہے مالک کسی وجہ سے گندم کاشت نہیں کر سکا ہو۔ ہم اس منڈیر پر چلتے ہوئے آگے آئے پھر وسیم دوبارہ مین روڈ کی طرف مڑ گیا لیکن اس طرف جانے کا راستہ نہیں تھا کیونکہ آگے ایک بڑے احاطے کی دیوار نے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے کہا۔

''یہاں تو راستہ بند ہے۔''

''تُو آ تو یار تیرے لیے دیوار میں بھی راستے کھلوا دیتے ہیں۔'' سفیر نے ناموجود مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا۔ تب مجھے دیوار میں ایک چھوٹا سا لوہے کا بنا دروازہ دکھائی دیا جو پہلے کم روشنی کی وجہ سے نہیں دکھائی دیا تھا۔ دروازے میں اندر باہر دونوں طرف سے کھلنے والا تالہ فکس تھا۔ وسیم نے ایک عدد چابی برآمد کی اور اس سے تالہ کھول لیا۔ ہم اندر آئے جگہ جگہ روشن گارڈن لائٹس میں ایک خوب صورت باغ نظر آیا۔ یہاں گریپ فروٹس کے بہت سارے درخت لگے تھے۔ کہیں کہیں لوکاٹ اور شہتوت بھی دکھائی دے رہے تھے۔ درختوں سے پھل اتر چکا تھا۔ کچھ آگے ایک چھوٹی سی دو منزلہ کوٹھی دکھائی دے رہی تھی میں نے جگہ کا معائنہ کیا۔

''تو یہ ہے وہ فارم ہاؤس؟''

''جی جناب اور صرف دس ہزار روپے ماہانہ کرائے پر مل گیا۔ اصل میں مالک جاپان جا رہا تھا اور اسے رقم کی ضرورت تھی اس نے پورے سال کا ایڈوانس لے کر یہ کوٹھی اور فارم کرائے پر دے دیا۔ فرنش بھی ہے۔''

''اور ہمیں کل ہی یہاں سے بھاگنا پڑا تو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے جس اسٹیٹ والے سے لیا ہے اس سے بات کر لی ہے وہ آرام سے اسے پندرہ ہزار کرائے پر اٹھا دے گا۔''

''تب ٹھیک ہے۔'' میں نے کوٹھی کی طرف قدم بڑھائے۔ یہاں کچی زمین نہیں تھی بلکہ پودوں کے درمیان اینٹوں سے پختہ روش بنی ہوئی تھیں۔ ہم گھوم کر سامنے آئے جہاں ایک چھوٹا سا جدید طرز کا لان تھا اور پورچ میں سینٹرل کمانڈو ین، سفیر کی شاندار سفاری جیپ اور میری ہیوی بائیک کھڑی تھی۔ کوٹھی کے اندر باہر روشنی تھی۔ سفیر نے کہا۔

''ہم نے پہلے ہی بہت کچھ یہاں منتقل کر دیا ہے۔''

''کوٹھی خالی ہے؟''

''نہیں یار اندر وہ نمونہ ہے جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ زیادتی ہے جناب۔'' اچانک کسی نے کہا لیکن بولنے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آواز کسی اسپیکر سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرایا۔

''مانی ہے خود کو نمونہ کہنے پر برا مان رہا ہے لیکن تم اسے دیکھ کر بتاؤ کہ اسے نمونے کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''سفیر صاحب اپنے الفاظ واپس لیں ورنہ دروازہ نہیں کھلے گا اور آپ کے ساتھ وسیم صاحب اور شہباز صاحب مفت میں پریشان ہوں گے باہر سردی بہت ہے۔''

''مت کھولو ہم دروازہ توڑ کر بھی آ سکتے ہیں۔'' سفیر نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن برخوردار تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ ابھی میں اپنے الفاظ واپس لے لوں گا تو اندر آ کر دوبارہ تمہیں یہی کہوں گا۔''

''دروازہ کھول دو یار۔'' وسیم نے اسے تسلی دی۔ ''میں اور شہباز صاحب ہرگز تمہیں نمونہ نہیں کہیں گے۔''

مانی نے خفا ہونے کے باوجود دروازہ کھول دیا تھا یہ الیکٹرانک لاک تھا۔ جسے اندر سے بٹن دبا کر کھولا جا سکتا تھا اس مختصر سی گفتگو سے ظاہر تھا کہ مانی نہ صرف ہماری آوازیں سن رہا تھا بلکہ ہمیں دیکھ بھی رہا تھا اور ہم تک اپنی آواز بھی پہنچا سکتا تھا۔ شاید صرف داخلی دروازے پر ہی نہیں بلکہ اس احاطے کو پوری طرح کیمروں اور مائک کی زد میں لیا گیا تھا۔ ہم اندر آئے۔ نیچے کوٹھی میں ایک بڑی سی نشست گاہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک ڈائننگ ہال اور کچن تھا۔ سیڑھیوں کے عقب میں اسٹڈی کے لیے مخصوص کمرہ تھا لیکن اب یہ کنٹرول روم کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ مانی نامی نوجوان نے یہیں اپنے تمام کمپیوٹرائزڈ جاسوس آلات لگا رکھے تھے اور نگرانی کا سسٹم ایک لیپ ٹاپ میں سیٹ کر رکھا تھا۔ کیمرے اور مائک وائرلیس پر کام کر رہے تھے۔ اور یہ سب ایک آلے کی مدد سے لیپ ٹاپ کے وائی فائی سے منسلک تھے گویا مانی اپنے لیپ ٹاپ کو کہیں بھی لے جا کر استعمال کر سکتا تھا۔

مانی دیکھنے میں واقعی ویسا ہی ثابت ہوا جیسا سفیر نے کہا تھا۔ مختصر جسامت اور چھوٹے سے قد کے ساتھ اس نے سر کے چاروں طرف پھیلے بڑے بڑے بال رکھے ہوئے تھے اور اس کے ننھے سے چہرے پر بہت دبیز شیشے والی عینک تھی۔ گورا چٹا اور بڑے نازک نقوش والا نوجوان تھا۔ اس نے مجھ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور چھوٹتے ہی پوچھا۔ ''سر کیا میں آپ کو نمونہ لگتا ہوں۔''

''بالکل بھی نہیں۔'' میں نے کہا اور دل ہی دل میں خدا سے اس جھوٹ کی معافی مانگی جو میں نے اس کے ایک بندے کی دل آزاری کے خیال سے بولا تھا۔ ''جو تمہیں نمونہ کہے وہ خود نمونہ ہوگا میرے خیال میں تم آج کے جینیئس ہو۔''

وہ خوش ہو گیا اور اس نے دوبارہ مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''سر آپ پہلے شخص ہیں جس نے مجھے پہچانا ہے۔''

''آخری بھی یہی ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا جس پر مانی نے سراپا فریاد بن کر میری طرف دیکھا میں نے اس کا شانہ سہلایا۔

''چھوڑو اسے شوہر بن کر بعض لوگ ایسے ہی ہو جاتے ہیں یہ بتاؤ کہ تم نے یہاں کیا کیا ہے؟''

وہ جوش و خروش سے بتانے لگا کہ اس نے نگرانی کا کتنا شاندار سسٹم بنایا ہے۔ کوئی ایک درجن کیمروں اور اتنے ہی مائک کی مدد سے وہ اس پورے فارم ہاؤس کی نگرانی کر سکتا تھا۔ اس کے لیپ ٹاپ پر ان تمام کیمروں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا جاسکتا تھا۔ اس نے نگرانی کے لیے ایک خاص سافٹ ویئر بنایا تھا اگر کسی کیمرے کا منظر اسکرین پر نہیں ہوتا تھا اور اس کیمرے کے سامنے کوئی حرکت آتی تو سافٹ ویئر خود بہ خود اس کیمرے کا منظر اسکرین پر لے آتا تھا۔ میں متاثر ہوا تھا۔ ''یہ تو بڑے کام کی چیز ہے۔''

''تھینک یو سر اور یہ سسٹم جس روٹر سے منسلک کیا ہے وہ ایسے کسی لیپ ٹاپ کو یہ ڈیٹا اسی طرح دے سکتا ہے۔ یعنی ایک سے زیادہ افراد فارم ہاؤس کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ بس اس لیپ ٹاپ میں میرا بنایا ہوا سافٹ ویئر انسٹال ہونا چاہیے۔''

''تم واقعی جینیئس ہو۔'' اس بار میں نے دل سے کہا۔

''تھینک یو سر۔'' مانی بہت خوش ہو گیا۔ ''کیا میں آپ کے لیے کافی بناؤں میں کافی بھی بہت اچھی بناتا ہوں۔''

''کیوں نہیں دوست نیکی اور پوچھ پوچھ۔''

مانی کافی بنانے چلا گیا۔ میں، وسیم اور سفیر اوپر آئے۔ اوپر کوٹھی میں دو عدد بیرز تھے اور تین بڑے بیڈ رومز معہ اٹیچ باتھ تھے لیکن مجھے کہیں ہیٹنگ کے لیے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اندر سردی نہیں تھی۔ ''یہاں ہیٹنگ کا سسٹم نہیں ہے؟''

''نہیں کوٹھی سینٹرلی ہیٹڈ ہے۔'' سفیر نے بتایا۔ ''نیچے ایک چھوٹا سا تہہ خانہ ہے اسی میں بھٹی لگی ہے پانی بھی اسی سے گرم ہوتا ہے۔ مانی نے آگ جلا دی ہوگی۔''

تبھی اندر سردی کا اثر خاصا کم تھا میں نے مانی کے بارے میں پوچھا۔ ''یہ کہاں سے ہاتھ آیا؟''

''کسی بڑے باپ کی اولاد ہے مطلب یہ کہ باپ سرکاری افسر اور راشی ہے۔ یہ اس سے نالاں ہے۔ ایک دن کچھ لوگ اسے اغوا کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ عبداللہ نے درمیان میں مداخلت کی اور اغوا کاروں کو بھاگنا پڑا۔ بس تب سے یہ عبداللہ کے سر ہو گیا۔ پھر عبداللہ کو پتا چلا کہ یہ کمپیوٹر پروگرامنگ اور آئی ٹی کے شعبے کا ماہر ہے۔ سینٹرل کمانڈ وین کے لیے ہمیں ایک آدمی کی ضرورت تھی اس لیے عبداللہ نے اسے رکھ لیا یہ بھی گھر سے بھاگ کر بڑا خوش ہے۔''

''گھر سے بھاگا ہوا ہے؟'' میں چونکا۔

''ہاں ورنہ اس کا باپ کسی صورت اسے ملازمت کرنے کی اجازت نہ دیتا۔ یہ جس گھر میں رہتا ہے اس میں نصف درجن ملازم ہیں۔''

''اس لحاظ سے یہ زیادہ قابلِ قدر ہے۔'' میں نے سفیر سے کہا۔ ''اور تم اسے نمونہ کہتے ہو۔''

''آج کل ایسے لوگوں کو نمونہ ہی کہتے ہیں۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

''اگر اس کے باپ نے گمشدگی یا اغوا کی ایف آئی آر درج کرا دی ہو تو؟''

''نہیں اس نے گھر سے نکلنے کے بعد اسے فون کر کے بتا دیا کہ وہ جہاں ہے اپنی مرضی سے ہے اور خوش ہے۔''

''تب ٹھیک ہے۔'' میں نے وسیم کی طرف دیکھا جو ایک کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ کوٹھی پوری طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرنش تھی۔ حد یہ کہ کھڑکیوں پر پیش قیمت پردے تک موجود تھے۔ دس ہزار کرائے میں تو یہ کوٹھی فری تھی۔

''ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا ہے۔'' وسیم بولا۔ ''آپ دونوں کا کیا خیال ہے اب ہمیں خواتین کو بھی یہیں شفٹ کر دینا چاہیے؟''

''نہیں اتنی عجلت کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ عبداللہ کی کوٹھی میں محفوظ ہیں۔ ممکن ہے مرشد کا مقصد انہیں کوٹھی سے نکالنا ہو۔''

سفیر چونک گیا۔ ''تو ٹھیک کہہ رہا ہے وہ یقیناً عورتوں کو نکالنے کی فکر میں ہوگا تب ہی صرف ایک گاڑی نے ہمارا پیچھا کیا اور عبداللہ کے آدمیوں نے آرام سے اسے ناکارہ بنا دیا۔''

''بس تو انہیں اسی جگہ رہنے دو۔ عبداللہ کوٹھی کے حفاظتی انتظامات سخت کر دے اور ہم یہاں سے اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں۔''

''ایاز آئے تو اسے بھی یہیں بلا لیتے ہیں اور بیتو کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو سیدھا ادھر ہی آئے گا۔''

''ایاز کیوں گیا ہے اس نے کچھ بتایا ہے؟''

سفیر مسکرایا۔ ''بھائی کو ہماری محبت نے متاثر کیا ہے۔ موصوف شادی کی فکر میں ہیں۔''

''شادی کس سے؟''

''بھائی شاہین سے اور کس سے۔''

میں شاہین کو تو بھول گیا تھا۔ ''وہ کہاں ہے اب؟''

''تمہیں نہیں معلوم، ایاز اسے اپنے گھر لے گیا تھا اور وہ اس کے ماں کے پاس ہے۔''

''ماں.....؟ مجھے تو یاد ہے کہ ایاز کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔''

''وہ اپنی خالہ کو ماں سمجھتا ہے اور ماں کہتا ہے۔ وہ بیوہ ہے اور سرگودھا میں اس کی حویلی ہے۔ جب شاہین کو کہیں منتقل کرنے کا مسئلہ سامنے آیا تو ایاز نے پیشکش کر دی۔''

''ویسے مجھے بھی لگتا تھا کہ وہ شاہین کو پسند کرتا ہے۔''

''بھائی آگ دونوں طرف سے ہے برابر کی لگی ہوئی۔'' سفیر نے کہا۔ ''میرا خیال ہے وہ شادی کر کے ہی آئے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں بستر پر دراز ہو گیا اور عبداللہ کو کال ملائی۔ ''حالات کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں ابھی تک کوئی چیز معمول سے ہٹ کر سامنے نہیں آئی ہے۔''

''راستے میں گاڑی کو ہٹ کرنے کے بعد تمہارے آدمیوں نے دیکھا تھا کہ اس میں کون ہے اور پھر ان کی مدد کو کون آتا ہے؟''

''نہیں وہ کام کر کے وہاں سے نکل گئے تھے۔'' عبداللہ نے کسی قدر ندامت سے کہا۔ ''آپ کہہ رہے ہیں تو مجھے خیال آ رہا ہے ان کی نگرانی کرنی چاہیے تھی۔''

''کوئی بات نہیں آدمی ہر پہلو پر تو نظر نہیں رکھ سکتا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''مرشد کی طرف سے دوبارہ کال آئی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں اس کے بعد سے کوئی کال نہیں آئی ہے۔''

میں فکر مند ہو گیا۔ ''عبداللہ کوئی چکر ہے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے خواتین کو اسی خفیہ جگہ رکھو اور اپنے آدمیوں کو بھی ہوشیار کر دو۔ ممکن ہے مرشد کا مقصد ہمیں کوٹھی سے ہٹانا ہو۔''

عبداللہ سمجھ گیا۔ ''وہ عورتوں کے چکر میں ہے؟''

''میرا خیال ہے یہ خواتین ہماری کمزوری ہیں اور مشکل یہ ہے کہ دور رہنے پر بھی تیار نہیں ہیں۔''

''گستاخی معاف دور رہنے پر تو حضرات بھی تیار نہیں ہیں۔''

میں نے وسیم اور سفیر کی طرف دیکھا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو بھائی، واقعی یہ کون سا دور رہنے پر تیار ہیں۔'' سفیر نے وسیم سے کہا۔ ''لے بھائی ہماری چغلیاں ہو رہی ہیں۔''

''ایاز کا نمبر ہے تمہارے پاس؟''

''جی وسیم صاحب نے جو موبائل آپ کو دیا ہے اس میں ہے۔''

''بیتو کی طبیعت کیسی ہے؟''

''بخار اترا نہیں ہے ڈاکٹر ابھی چیک کر کے گیا ہے اس نے دوائی اور انجکشن بھی دیا ہے۔ امید ہے کل تک بخار اتر جائے گا۔''

''وہ میرے پاس آنے کی ضد کرے گا لیکن جب تک اس کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتی تم اسے وہیں روکے رکھو گے۔ اٹھ جائے تو میری بات کرا دینا۔''

''ٹھیک ہے جناب۔''

میں نے موبائل رکھا تو مانی ٹرے میں کافی کے مگ اور دوسرا سامان لے آیا تھا۔ مہک بتا رہی تھی کہ یہ نیس کیفے گولڈ تھی۔ میں نے پہلا گھونٹ لیا اور بے ساختہ کہا۔ ''واقعی مان گیا تم کافی ماسٹر بھی ہو اگر یورپ چلے جاؤ تو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے۔''

''آپ بلیک پیتے ہیں اگر کریم استعمال کرتے تو میں کریم سے ایسا ڈیزائن بنا کر دیتا کہ کافی کا ڈبل ہو جاتا۔''

''مجھے بنا کر دو۔'' سفیر نے کہا تو مانی نے صاف انکار کر دیا۔

''آپ کو تو بالکل نہیں بنا کر دوں گا آپ نے میرا بہت دل دکھایا ہے۔''

''مانی بیٹے اتنا ناراض نہیں ہوتے۔'' سفیر نے اسے پچکارا۔ ''وہ تو میں تمہیں پیار سے کہتا ہوں۔''

مانی کا موڈ خوشگوار ہوا تو وہ مان گیا۔ اس نے کریم کا کون نما پاٹ اٹھایا اور کون سے پھرتی کے ساتھ کافی پر پودے نما ڈیزائن بنا دیا۔ کریم کافی میں فوراً حل نہیں ہوتی ہے اس لیے یہ ڈیزائن کچھ دیر برقرار رہا تھا۔ سب نے مانی کو حیرت سے دیکھا۔ وسیم بولا۔ ''یار تم تو آرٹسٹ بھی ہو۔''

''شکریہ جناب۔'' اس نے شرما کر کہا۔

''سنا ہے تمہاری اپنے ڈیڈی سے اسی وجہ سے نہیں بنی کہ وہ آرٹ وغیرہ کو بکواس سمجھتے ہیں؟'' سفیر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مانی اداس ہو گیا اور اس نے اپنے مگ سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا۔ ''بالکل جی ان کے نزدیک دنیا میں صرف ایک آرٹ ہے اور وہ ہے دولت کمانا وہ تو مجھے کمپیوٹر پر بھی بیٹھنے نہیں دیتے تھے ان کی خواہش تھی کہ میں گریجویشن کرتے ہی سول سروس کا امتحان دوں لیکن میں نے آئی ٹی کے شعبے کا انتخاب کیا اور یو ایس اے سے سافٹ ویئر انجینئرنگ کر آیا۔''

میں دم بخود رہ گیا۔ ''تم سافٹ ویئر انجینئر بھی ہو؟''

وہ ذرا برا مان گیا۔ ''کیوں کیا نہیں ہو سکتا؟''

''نہیں یار کیوں نہیں ہو سکتے میرا تو خیال ہے تم اس سے بھی کوئی آگے کی چیز ہو لیکن میں تو تمہیں انٹر کا اسٹوڈینٹ سمجھا تھا۔''

مانی ہنسا۔ ''آپ غلط سمجھے ہیں جناب میں پورے پچیس برس کا ہوں۔ دو دن پہلے میرا برتھ ڈے تھا۔''

وہ دیکھنے میں مشکل سے اٹھارہ برس کا لگتا تھا۔ شاید اپنی نہ ہونے کے برابر جسامت اور نازک سے نقوش کی وجہ سے وہ اتنا کم عمر نظر آتا تھا۔ مجھے تھکن محسوس ہو رہی تھی گزشتہ صبح سے جاگ رہا تھا اور پھر اتنا طویل سفر بھی کرنا پڑا تھا۔ کافی پی کر اعصاب سکون میں آئے تو نیند سے آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ مانی برتن لے گیا تھا۔ سفیر نے محسوس کر لیا اس نے کہا۔ ''سو جا یار..... تو تھک گیا ہوگا۔''

''آپ کے کپڑوں کا بیگ میں پہلے ہی لے آیا تھا اس الماری میں ہے۔'' وسیم نے کہا۔ وہ اور سفیر بھی چلے گئے میں نے بیگ کھولا اس میں ایک موٹا سوتی پاجامہ اور جرسی کی پوری آستین کی ٹی شرٹ تھی۔ یہ نائٹ سوٹ تھا میں نے پہنا اور کمبل میں گھس گیا لیکن نیند فوری طور پر میرے نصیب میں نہیں تھی سب کے ساتھ بیٹھا تھا تو خیال نہیں آیا لیکن اکیلا ہوا تو خدشات ذہن میں سانپ بن کر سرسرانے لگے تھے۔ مرشد کو اس ٹھکانے کا علم کیسے ہوا اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اس کے کال کرنے کا مقصد کیا تھا؟ یقیناً اس کا مقصد پورا ہوا تھا اس لیے اس نے دوبارہ کال نہیں کی۔ پتا تو کئی طریقے سے چل سکتا تھا ممکن ہے وسیم، سفیر یا کوئی اور مرشد کے آدمیوں کی نظر میں آ گیا ہو یا جب میں آ رہا تھا تو ہمارا تعاقب کیا گیا ہو اور مجھے بھی یہی بات قرین قیاس لگ رہی تھی۔ تب ہی مرشد نے پورے یقین سے کہا تھا کہ میں اس کوٹھی میں ہوں اور وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ زیادہ الجھن کی بات مرشد کا مقصد تھا۔ اس نے یوں کال کر کے مجھے ہوشیار کیوں کیا؟ میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا تھا بس ذہن میں رہ رہ کر یہی خیال آ رہا تھا کہ مرشد کا مقصد مجھے اور میرے ساتھیوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کرنا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا لیکن اس کے بعد وہ کیا چاہتا تھا؟ کیا یہ ٹھکانہ کسی طریقے سے اس کی نظروں میں آ گیا تھا؟ ہم نے آتے ہوئے ہر ممکن احتیاط کی تھی لیکن کوئی سو فیصد تو نظر نہیں رکھ سکتا ممکن ہے تعاقب کرنے والے اتنے ہوشیار ہوں کہ ہم ان کا پتا ہی نہیں چلا سکے ہوں۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا کہ کہیں فتح خان نے تو مرشد کو میرے اس ٹھکانے کا نہ بتا دیا ہو۔ فتح خان کے بارے میں یہ بات تھی کہ وہ عبداللہ والی کوٹھی سے آگاہ ہے لیکن اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا اور نہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر اب وہ چوٹ کھائے سانپ کی طرح مشتعل تھا۔ ہادی میں اس کی ناکامی کے اسباب میں میں بھی شامل تھا اور اب وہ مجھ سے اس ناکامی کا بدلہ لینا چاہتا ہوگا سویرا اس کے ہاتھ سے نکل گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اس لیے اس نے یہ چال چلی اور مرشد کو عبداللہ والی کوٹھی کے بارے میں بتا دیا۔ مرشد کے آدمیوں نے کوٹھی کی نگرانی شروع کر دی ہوگی۔ اس لیے جیسے ہی میں وہاں پہنچا مرشد کو خبر ہوگئی۔

یہ مفروضہ دل کو لگنے والا تھا لیکن یقینی بات نہیں تھی۔ دوسرے مرشد کوٹھی اور وہاں میرے وجود سے واقف ہوگیا تھا۔ اس لیے زیادہ غور کرنا سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے والی بات ہوسکتی تھی۔ اصل بات یہی تھی کہ مرشد نے کال کیوں کی؟ ان سوالوں اور سوچوں نے میری نیند اڑا دی تھی۔ پھر مجھے ایک خیال آیا اور میں نے سوچا کہ اگر سفیر یا وسیم میں سے کوئی جاگ رہا ہے تو اس سے تبادلہ خیال کرلوں۔ میں اٹھ کر باہر آیا۔ سفیر بے خبر سو رہا تھا لیکن وسیم اس سردی کے عالم میں کوٹھی کی چھت پر گیا ہوا تھا۔ وہ واپس آیا تو میں اسے اپنے کمرے میں لے آیا اور اسے اپنے خیالات سے آگاہ کیا اس نے سر ہلایا۔ ''آپ کی بات دل کو لگ رہی ہے کہ یہ فتح خان کی شرارت ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ مرشد نے وہاں کال کیوں کی وہ خاموش رہ کر کہیں زیادہ فائدے اٹھا سکتا تھا۔''

''یہی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آرہا ہے اس لیے میں نے سوچا ہے کہ اسے کال کر کے دیکھتے ہیں۔''

''موبائل سے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''نہیں باہر چلتے ہیں اسلام آباد میں کئی پی سی او ساری رات کھلے رہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''مانی سے نہ معلوم کریں اس نے یہاں انٹرنیٹ کا سیٹ اَپ بھی کیا ہے۔ اس کے پاس ذاتی سیٹلائیٹ انٹرنیٹ کا سسٹم ہے چھوٹا سا انٹینا ہے جو چھت پر لگا ہے۔ اسے وین کی چھت پر بھی لگایا جا سکتا ہے اس کے ماہانہ بل کی ادائیگی عبداللہ نے لے لی ہے۔''

''ٹھیک ہے آؤ پہلے اس سے معلوم کرتے ہیں ویسے انٹرنیٹ سے کالز ہوتی ہیں۔''

مانی سے پوچھا تو اس نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔ ''سر جی! تنا سا کام بھی نہ کر سکوں تو پھر میرا فائدہ ہی کیا ہے۔''

''یعنی ہم انٹرنیٹ کی مدد سے کال کر سکتے ہیں اور کوئی اس کال کو ٹریس نہیں کر سکے گا۔''

''کسی کا باپ بھی نہیں کر سکے گا بیشک حکومت بھی کوشش کر لے۔'' مانی نے دعویٰ کیا۔ ''آپ نمبر بتائیں۔''

میں نے اسے مرشد ہاؤس کے لکسمبرگ فون نمبر بتائے وہ مجھے زبانی یاد تھے۔ مانی نے انٹرنیٹ پر کچھ دیر کام کیا اور پھر ایک بلوٹوتھ ایئر فون مائک میری طرف بڑھایا یہ کمپیوٹر سے بلوٹوتھ کی مدد سے منسلک تھا۔ جب میں نے اسے کان پر سیٹ کرلیا تو مانی نے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں اور مجھے بیل جانے کی آواز آنے لگی۔ فوراً ہی کسی نے کال ریسیو کی اور مجھے اسی نستعلیق لہجے والے شخص کی آواز آئی۔ ''ہیلو کس سے بات کرنی ہے؟''

''مجھے مرشد سے بات کرنی ہے۔''

''آپ کون بات کر رہے ہیں؟''

''تمہیں نہیں معلوم میں اس کا والد نمبر پانچ جہنم سے بات کر رہا ہوں۔''

''جناب یہ طرز گفتگو مناسب نہیں ہے۔'' آدمی نے ہچکچا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''واقعی مرشد کے لیے اتنا شریفانہ طرز گفتگو مناسب نہیں ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''بہرحال اصل گفتگو مجھے اسی سے کرنی ہے۔ کال اسے ٹرانسفر کرو اور کال کا سراغ لگانے میں بے کار وقت ضائع مت کرنا۔ اس کا پتا نہیں چلے گا کہ میں کہاں سے کال کر رہا ہوں۔''

''ایک منٹ ہولڈ کریں۔'' اس نے کہا اور غائب ہو گیا۔ کچھ دیر بعد مرشد کی آواز آئی۔ ''شہباز بالآخر تم نے مان لیا۔''

''کیا مان لیا؟'' میں نے انجان بن کر کہا

''اس کوٹھی میں تم تھے۔''

''مرشد اگر اس کوٹھی میں تھا تو اب نہیں ہوں۔ وہ صرف ایک ٹھکانہ ہے اور اب تمہیں وہاں میں یا میرا کوئی ساتھی نہیں ملے گا۔''

''مجھے معلوم ہے وہ راجا عمر دراز کی کوٹھی ہے اور وہاں اس کے ملازمین ہوتے ہیں۔''

''مجھے حیرت ہے تم نے وہاں کال کی اور مجھ سے بات کرنا چاہی۔ تمہارا یہ رویہ مجھے ہضم نہیں ہو رہا ہے۔''

''شہباز میں تم سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں لیکن فون پر نہیں آمنے سامنے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے تم اچھی طرح سمجھتے ہو کہ اس میں میرے لیے خطرہ ہی خطرہ ہے۔'' میں نے انکار کر دیا۔

''ویسے تم اس کال کو محفوظ سمجھو۔''

''تمہاری طرف سے تو محفوظ ہے لیکن.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا مجھے حیرت ہوئی اس وقت اس کا لہجہ مخمل ہو رہا تھا اور اس میں کہیں بھی کلف یا کروفر نظر نہیں آ رہا تھا۔ ''تم اپنا کوئی نمبر دے دو میں تم سے رابطہ کروں گا۔''

ایسا لگ رہا تھا جیسے مرشد کو اپنی فون لائنوں پر اعتبار نہ رہا ہو اور وہ مجھ سے کسی محفوظ نمبر سے بات کرنا چاہ رہا ہو لیکن یہ اس کی طرف سے دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ اس طرح وہ میرا سراغ لگانا چاہ رہا ہو۔ میں نے کہا۔ ''اس کے بجائے تم مجھے اپنا کوئی نمبر دے دو میں اس پر کال کر لیتا ہوں۔''

اس نے ایک موبائل نمبر دیا۔ ''دس منٹ بعد اس پر کال کر لینا۔''

میں نے نمبر ایک کاغذ پر لکھا اور مانی کو کال منقطع کرنے کا اشارہ کیا اس نے کال کاٹ دی تو میں نے موبائل نمبر اس کی طرف بڑھایا۔ ''دس منٹ بعد اس پر کال کرنی ہے۔''

''موبائل ہے۔'' مانی نے کہا۔ ''لیکن ہو جائے گی بس کچھ آواز کا مسئلہ ہو گا اگر آواز کچھ دیر کے لیے غائب ہو جائے تو پریشان مت ہونا اور ذرا رک رک کر بات کرے گا۔''

''رک رک کر کیوں؟'' وسیم نے پوچھا۔

''یہ ڈیجیٹل سسٹم ہوتا ہے آواز پیکٹ کی صورت میں سفر کرتی ہے اگر تیز بولیں گے تو زیادہ پیکٹ بنیں گے اور رفتار کم ہو جائے گی۔ آواز کٹنے لگے گی لیکن آہستہ بولیں تو آواز نہیں کٹے گی۔''

مانی نے وضاحت کی اور اپنے کام میں لگ گیا اور میں نے وسیم کو مرشد کی گفتگو سنائی کیونکہ میری بات تو وہ سن رہا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ مرشد یا تو کسی چکر میں ہے یا پھر وہ خود کسی چکر میں آ گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"شہباز صاحب دونوں بھائیوں کی علیحدگی اور نادر کا مرشد سے دور رہنا ثابت کرتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔"

"لیکن فاضلی دونوں کے لیے کام کر رہا ہے اگر کوئی چکر ہوتا تو وہ کسی ایک بھائی کے ساتھ ہوتا۔" میں نے سوچ کر کہا۔

"ممکن ہے مرشد نے اسے نادر کے ساتھ لگا رکھا ہو کیونکہ آدمی وہ مرشد کا ہی ہے۔"

"ہاں مرشد ایسا ہی آدمی ہے اپنے بھائی پر بھی اعتبار نہ کرنے والا۔" وسیم نے سوچ کر کہا۔

"کیا بات کر رہے ہو کیسا بھائی اور کہاں کا بڑا بھائی؟ یہ سب بھیڑیے ہیں جن کا کام ہی کمزوروں کا شکار کرنا ہے۔ ان میں رشتوں کا کوئی پاس نہیں ہے اگر کوئی بھیڑیا کمزور پڑ جائے تو دوسرے بھیڑیے اسے پھاڑ کھاتے ہیں یہی حال ان بھائیوں کا بھی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" مانی نے لقمہ دیا۔ "یہ بہت ہی گھٹیا قسم کے اور ذلیل لوگ ہیں۔"

"تم ان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں تو نہیں لیکن ڈیڈی ان کے بارے میں بات کرتے رہتے ہیں وہ وزارت داخلہ میں ہیں تو مرشد جیسے لوگوں سے ان کا واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اس لیے وہ ان کے بارے میں جانتے ہیں۔"

میں نے گھڑی دیکھی۔ "دس منٹ ہونے والے ہیں۔"

"میں کال ملا رہا ہوں۔" مانی نے کہا اور کال ملانے لگا۔ کچھ دیر میں بیل جانے لگی اور مرشد نے کال ریسیو کی اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"یہ تم کس نمبر سے کال کر رہے ہو؟"

"کیوں کیا تمہارے موبائل پر نمبر نہیں آ رہا ہے؟"

"نہیں صرف ان ناؤن لکھا ہے۔"

"میری کالز آئندہ ایسے ہی نمبروں سے آئیں گی اس لیے تم کام کی بات کرو۔"

"شہباز کام کی بات یہ ہے کہ میں اب دشمنی کا یہ چکر ختم کرنا چاہتا ہوں۔" مرشد نے کہا۔

"مرشد تم اس قسم کی باتیں پہلے بھی کئی بار کر چکے ہو لیکن افسوس کہ تمہاری باتیں صرف باتیں ہوتی ہیں اور عملی طور پر تم مجھے نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن اس بار معاملہ مختلف ہے۔" مرشد نے برا مانے بغیر اعتراف کیا۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو دشمنی کا یہ چکر کس طرح شروع ہوا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ چکر نادر نے شروع کیا؟"

"بالکل ٹھیک..... یہ سب اس کا کیا دھرا تھا مجھے اعتراف ہے کہ میں اس کے ساتھ دشمنی میں برابر کا شریک رہا اور تمہارے ساتھ جو ہوا اس میں میرا حصہ بھی ہے لیکن اب میں اس چکر سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا اس لیے کہ اب نادر سے تمہارے برادرانہ تعلقات نہیں رہے ہیں؟'' میرا لہجہ چبھتا ہوا ہو گیا۔

''تم چاہو تو ایسا ہی سمجھ لو۔'' اس کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ ''لیکن اب میں اس چکر سے نکلنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں نے مان لیا کہ تم نکلنا چاہتے ہو لیکن نادر تو میرے اور میرے ساتھیوں کے بدستور درپے آزار رہے گا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''جب تک وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتا یہ دشمنی کس طرح ختم ہو سکتی ہے۔''

''تم چاہو تو میں اس معاملے میں بھی تم سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں ورنہ میری طرف سے یہ یقین دہانی ہے کہ میں یا میرا کوئی آدمی اب تمہارے یا تمہارے ساتھیوں کے پیچھے نہیں آئے گا۔''

میں نے اس کے الفاظ پر غور کیا۔ ''کس قسم کا تعاون.....؟ کیا تم نادر کو اس دشمنی سے باز رکھ سکتے ہو جب کہ اس سے تمہارے تعلقات بھی نارمل نہیں رہے ہیں۔''

''نادر پاگل ہو گیا ہے۔'' مرشد نے آہستہ سے کہا۔ ''تم جانتے ہو جب کتا پاگل ہو جائے تو اس کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟''

میں ہنسا۔ ''تم نے برادر خورد کو فارسی والی مثال دے دی۔ بہرحال یہ تمہارا فیملی میٹر ہے۔ اگر تمہارا اشارہ اس طرف ہے کہ نادر کے ساتھ وہی کیا جائے جو پاگل ہو جانے والے کتے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تو میں تم سے متفق ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ میں اس سلسلے میں تم سے کیا تعاون کر سکتا ہوں؟''

''شہباز میں جانتا ہوں تم نے نادر کی رہائش کا پتا چلا لیا ہے۔ اگر تم چاہو تو اسے آسانی سے ختم کر سکتے ہو۔''

''مرشد تم نے میرے بارے میں نہایت غلط اندازہ لگایا ہے۔'' میرا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''جہاں تک کسی کو آسانی سے ختم کرنے کا تعلق ہے اگر میں ایسا مزاج رکھتا تو دشمنی کا یہ باب بہت پہلے ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ تم میں سے کوئی دشمنی نبھانے کے لیے زندہ نہ ہوتا لیکن میں قاتل نہیں ہوں۔ میں صرف اپنے بچاؤ کے لیے کسی پر ہاتھ اٹھا سکتا ہوں۔''

''اس صورت میں نادر کا مسئلہ رہے گا۔''

''تو یہ تمہارا مسئلہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تم خود یہ کام کیوں نہیں کر لیتے ہو.....؟ نہ تو تمہارے پاس وسائل کی کمی ہے اور نہ حکم کی تعمیل کرنے والے بندوں کی۔''

''شہباز میرے کچھ خاندانی مسائل ہیں جن کی وجہ سے میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''مجھے ان مسائل کا بھی علم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے مرشد مجھے حیرت ہے کہ آج تم اتنی کھل کر بات کر رہے ہو۔''

''کیونکہ میں پوری نیک نیتی سے بات کر رہا ہوں۔''

''اور میں پوری نیک نیتی سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے تمہاری بات پر بالکل یقین نہیں آ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے اس بار بات کرنے سے پہلے اپنی نیک نیتی کا عملی ثبوت دے دیا ہے۔'' اس نے کہا۔

میں اس کا اشارہ سمجھ رہا تھا لیکن انجان بنا۔ ''وہ کیسے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر میری نیت خراب ہوتی تو میں سرے سے راجا عمر دراز کی کوٹھی پر کال نہ کرتا۔ میں اپنے آدمی بھیجتا اور وہ اس کوٹھی کو بموں سے اڑا دیتے۔''

''یہ اتنا آسان تو نہ ہوتا لیکن میں تمہاری بات تسلیم کرتا ہوں کہ تم چاہتے تو ایسا بھی کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود ابھی میرا ذہن اس بات کو ہضم نہیں کر سکا ہے۔''

''یہ تو آغاز ہے۔'' اس نے کہا۔ ''جلد تمہیں یقین بھی آجائے گا۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے بس میں یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ اب میری طرف سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اگر تم چاہو تو اپنی نیک نیتی کا ایک ثبوت اور دے سکتے ہو؟''

''وہ کیا؟''

''یہ بتا کر کہ تمہیں راجا عمر دراز کی اس کوٹھی کا کس طرح پتا چلا؟''

''فتح خان سے۔'' اس نے بلا جھجک کہا۔ ''اسی نے بتایا کہ تم ابھی اس کوٹھی میں ہو۔''

''فتح خان۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''یہ شخص بلاوجہ میرے پیچھے پڑ گیا حالانکہ میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور نہ ہی کبھی اس کا راستہ کاٹنے کی کوشش کی۔ مرشد علی کیا تم جانتے ہو کہ پچھلے کچھ عرصے میں تمہیں ہونے والا مالی نقصان کس نے پہنچایا ہے؟''

''میں جانتا ہوں یہ فتح خان کا کام ہے۔'' وہ بولا۔ ''جس دن بھی وہ میرے قابو میں آگیا اسے ان نقصانات کا حساب دینا ہوگا۔''

اس نے بات مکمل کرتے ہی فون بند کر دیا۔ وسیم اور مانی خاموشی سے میری بات سن رہے تھے۔ میں نے وسیم کو بتایا کہ مرشد کیا چاہتا ہے۔ یک طرفہ گفتگو سے بھی اس نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا لیکن مرشد کی بہت ساری باتیں اس نے علم میں نہیں آئی تھیں۔ میری بات سن کر اس نے کہا۔ ''مرشد کی یہ بات دل کو لگ رہی ہے کہ اس نے کوٹھی فون کر کے اپنی نیک نیتی کا اولین ثبوت دیا ہے۔''

''اس کے باوجود میں اس پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ اس وقت وہ کسی وجہ سے مجبور ہے۔''

''وجہ بالکل سامنے کی بات ہے وہ چالاکی سے کام لے کر نادر کو راستے سے ہٹانا چاہتا ہے کیونکہ وہ اس کی راہ کی رکاوٹ بن گیا ہے۔''

''نادر اتنی بڑی رکاوٹ نہیں بنا ہے بلکہ مرشد کی مونو پلی نے باقی خاندان والوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کی آمریت کا تختہ الٹ دیں۔ یہ ایک فیملی بزنس ہے۔ تم چاہو تو اسے فیملی مافیا بھی سمجھ سکتے ہو جس میں ایک فرنٹ مین سامنے رہ کر پورا بزنس چلاتا ہے وہ خطرات مول لیتا ہے۔ اس لیے اصل آمدنی کا حقدار وہ ہوتا ہے باقی فیملی ممبر ایک طرح سے حصے دار ہوتے ہیں اور انہیں سال کے سال آمدنی میں حصہ ملتا ہے۔ یقیناً مرشد کے خاندان میں بھی ایسا ہی ہوتا ہوگا لیکن اکثر مافیاؤں کے سربراہ بے ایمان ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ وہی ہیں اور جب وہی سب کچھ ہیں تو کسی اور کو حصہ کیوں دیں۔ یہاں سے خرابی کا آغاز ہوتا ہے۔ گدی نشینوں کے درمیان آپس میں لڑائی کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم غور سے میری بات سن رہا تھا۔ ''آپ کا مطلب ہے کہ مرشد کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی اتنے طاقتور ہیں کہ مرشد ان کے سامنے مجبور ہو رہا ہے ورنہ وہ انہیں کب کا ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔''

''بالکل میرا یہی مطلب ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''اب خاندان کے دوسرے لوگ اس چکر میں ہیں کہ مرشد کی جگہ نادر کو گدی پر بٹھا دیں۔ وہ مکمل طور پر معذور ہو چکا ہے اور اس طرح وہ خاندان کے لوگوں کے قابو میں رہے گا۔ مرشد کی طرح بے قابو نہیں ہو جائے گا۔ مرشد اس خطرے کو بھانپ چکا ہے اور فی الحال اس کا سدباب اس طرح کر رہا ہے کہ نادر کا کانٹا درمیان سے نکال دے۔''

''اس کے لیے بندوق وہ ہمارے کندھے پر رکھ کر چلانا چاہتا ہے؟''

''یہی اصل نکتہ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ نادر ہماری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے اور وہ ہمارا شدید ترین دشمن ہے اور لازمی بات ہے ہم بھی دشمنی میں کچھ کم جذبات نہیں رکھتے ہیں اس لیے اگر نادر مارا جاتا ہے تو نام ہمارا آئے گا۔''

وسیم نے سوچ کر کہا۔ ''تب مرشد اسے مار کر الزام ہمارے سر کیوں نہیں ڈال رہا ہے؟''

''یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آئی ہے ممکن ہے مرشد ایسا کرتے ہوئے ڈر رہا ہو کہ بات خاندان والوں پر کھل سکتی ہے یا اس کام کے لیے اس کے پاس قابلِ اعتماد بندے نہ ہوں۔''

''بندے تو بہت ہوں گے لیکن مرشد خود کسی پر اعتماد نہیں کرتا ہے۔'' وسیم نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''شہباز صاحب نہ جانے کیوں مجھے اس معاملے میں گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے۔''

''مرشد دھوکے باز آدمی ہے اس سے کسی قسم کے خلوص کی توقع بیکار ہے۔ اگر اس نے کوٹھی پر دھاوا نہیں بولا تو اس کے پس پشت یقیناً کوئی بڑی چال ہوگی۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''پہلے نیند نہیں آ رہی تھی لیکن مرشد سے بات کر کے مجھے نیند آنے لگی ہے۔''

وسیم مجھے سمجھنے لگا تھا اس نے مسکرا کر کہا۔ ''یعنی آپ کے خیال میں اب خواتین کو اتنا خطرہ لاحق نہیں رہا ہے۔''

''ہاں ورنہ اس سے پہلے میرے ذہن میں یہی خیال تھا کہ مرشد اصل میں ان کے چکر میں ہے اور ہمیں وہاں سے نکال کر خود دھاوا کرنا چاہتا ہے۔''

''لیکن ہمیں اس معاملے میں بالکل بھی بے فکر نہیں ہو جانا چاہیے۔''

''لازمی بات ہے ہمارا مقابلہ مرشد جیسے مکار دشمن سے ہے۔ اگر اسے معلوم ہوگا کہ کوٹھی میں عورتیں بھی ہیں تو ہمیں مجبور کرنے کے لیے وہ انہیں بھی استعمال کر سکتا ہے۔''

''بالکل کر سکتا ہے۔'' وسیم نے زور دے کر کہا۔ ''جب یہ کام فتح خان کر سکتا ہے تو مرشد فتح خان سے کہیں زیادہ طاقتور اور کمینہ دشمن ہے۔''

''عبداللہ نے کوٹھی میں کوئی خفیہ جگہ بنا رکھی ہے جس سے صرف وہی واقف ہے۔ اس نے ان تینوں کو فی الحال وہیں رکھا ہوا ہے۔ اگر باہر سے کوئی دشمن کسی طرح کوٹھی میں داخل بھی ہو جائے تو وہ ان کو آسانی سے تلاش نہیں کر سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے باوجود میں محسوس کرتا ہوں کہ انہیں جلد از جلد وہاں سے ہٹا دینا چاہیے۔''

میں نے وسیم سے اتفاق کیا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن پہلے اس کے لیے یہ یقین کرنا ہوگا کہ مرشد کے آدمی کوٹھی کے آس پاس موجود نہیں ہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں جناب۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''اب آپ آرام کریں کل میں آپ کو وین دکھاؤں گا۔''

مجھے اب نیند آ رہی تھی لیکن سونے سے پہلے میں ایک کام کرنا چاہتا تھا میں نے مانی سے پوچھا۔ ''یہاں کوئی اور کمپیوٹر ہے۔ مجھے انٹرنیٹ پر کام ہے۔''

''ایک لیپ ٹاپ اور ہے۔'' اس نے کہا اور ایک طرف رکھی چھوٹے سائز کی نوٹ بک اٹھا لایا۔ ''اس میں وائی فائی بھی ہے اس گھر میں بلکہ گھر سے باہر بھی سو میٹرز کے دائرے میں آپ انٹرنیٹ استعمال کر سکتے ہیں۔''

''شکریہ۔'' میں نے اس سے نوٹ بک لے لی اور اوپر کمرے میں آ گیا۔ میں نے اپنا ای میل اکاؤنٹ کھولا اور وہ کھل گیا اس کا مطلب تھا کہ فتح خان نے اس کے پاس ورڈ میں تبدیلی نہیں کی تھی۔ شاید اس نے ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ وہ اپنا کام تو نکال چکا تھا۔ میں نے سب سے پہلے پاس ورڈ تبدیل کیا اور پھر ایمن کو میل کی اس سے خیریت اور اس مسئلے کے حوالے سے پروگریس پوچھی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اسی ای میل کمپنی کے میسنجر پر اسی آئی ڈی کے ساتھ کل لاگ ان ہوں گا وہ مجھ سے بات کر سکے گی یا اس کا کوئی فون نمبر ہے تو وہ مجھے ای میل کر دے میں اس سے رابطہ کر لوں گا۔ یہ کام کر کے میں نے نوٹ بک بند کی اور سونے کے لیے لیٹ گیا اس بار مجھے چند منٹ بعد ہی نیند آ گئی تھی۔ صبح میری آنکھ کھلی تو ایک طرف کھڑکی کے ہٹے پردے سے روشنی جھلک رہی تھی۔ صبح ہو چکی تھی۔ میں اٹھ کر واش روم میں آیا اور وہاں سے فارغ ہو کر سب سے پہلے عبداللہ کو کال کی۔

''کیا حال ہیں سب ٹھیک ہے؟''

''جی جناب ایوری تھنگ از آل رائٹ۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ سنائیں؟''

''میں ٹھیک ہوں اور یہ تم نے زبردست چیز تلاش کی ہے۔''

''مانی۔'' وہ ہنسا۔ ''آپ اسے چیز کہہ رہے ہیں برا مان جائے گا۔ ویسے ہے بہت کام کا لڑکا آئی ٹی اور کمپیوٹر سے متعلق کوئی مسئلہ ہو چند منٹ میں حل کر دیتا ہے۔ اس نے کوٹھی کا کمپیوٹرائزڈ سیکورٹی سسٹم بھی اَپ گریڈ اور استعمال میں بہت آسان کر دیا۔ اب ہم اس کی مدد سے نائٹ ویژن سینسرز بھی استعمال کر سکتے ہیں۔''

''یہاں بھی اس نے کیمروں اور مانگ کی مدد سے بہترین سیکورٹی سسٹم بنا رکھا ہے ایک آدمی آس پاس ہر جگہ نظر رکھ سکتا ہے۔ کل رات میری مرشد سے بات ہوئی ہے۔''

''مرشد سے۔'' عبداللہ نے فکرمندی سے کہا۔ ''کیا اس کی کال آئی تھی؟''

''نہیں میں نے کی تھی۔ مانی نے انٹرنیٹ کی مدد سے کال ملائی تھی جس کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔''

''کیا بات ہوئی اس سے؟''

''مرشد کا رویہ بدلا ہوا ہے اور وہ صلح کی بات کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے کوٹھی پر کال کی اور اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں کا پتا فتح خان نے بتایا اس خبیث نے یہ بھی بتا دیا کہ میں بھی وہیں ہوں۔"

"صلح کی وجہ؟"

"مرشد اور نادر میں کھٹ پٹ ہو گئی ہے۔ گدی نشینی کی خاندانی سیاست کا معاملہ ہے۔ خاندان والے مرشد سے بیزار ہیں اور اس کا تختہ الٹ کر نادر کو گدی پر بٹھانا چاہتے ہیں۔"

"اور مرشد کیا چاہتا ہے؟"

"وہ سرے سے نادر کا پتا ہی صاف کرنا چاہتا ہے اس نے کہا ہے وہ اب اس دشمنی سے ہاتھ اٹھا رہا ہے۔ وہ یا اس کا کوئی آدمی اب ہمارے خلاف کسی کارروائی میں شریک نہیں ہوگا۔"

"کسی کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوتا ہے کہ وہ مرشد کا آدمی ہے۔" عبداللہ بولا۔ "جناب مجھے اس پر بالکل اعتماد نہیں ہے بلکہ مجھے تو شک ہے کہ دونوں بھائی مل کر ڈرامہ کر رہے ہیں ورنہ فاضلی دونوں کے لیے کیسے کام کر رہا ہے؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو رات میں نے وسیم سے بات کی تو یہی ساری باتیں ہمارے ذہن میں بھی موجود تھیں۔ اب تصویر یہ بن رہی ہے کہ مرشد کسی معاملے میں ہمیں استعمال کرنا چاہ رہا ہے اور اسی لیے اس نے جاننے کے باوجود کوٹھی پر حملہ نہیں کیا۔ اس کا امکان ہے کہ وہ خواتین سے لاعلم ہے لیکن ممکن ہے یہ اس کی چال ہو وہ ان کو قبضے میں لینے کی فکر میں ہو تاکہ ہمیں مجبور کر سکے۔ تمہیں ان لوگوں کے لیے بہت محتاط رہنا ہوگا۔ ساتھ ہی کوئی ایسا پلان سوچو کہ اگر انہیں کوٹھی سے کہیں اور منتقل کرنا ہو تو یہ کام بحفاظت کیا جا سکے۔"

"میں اس پر پہلے ہی کام کر رہا ہوں۔" عبداللہ نے کہا۔ "ممکن ہے ایک دو دن میں یہ کام کر بھی لوں۔ ہاں ایک بات کا ذکر کرنا تو بھول گیا۔ کل رات ایک اجنبی نمبر سے ایک کال آئی۔ بولنے والی عورت تھی اور اس نے ایک موبائل نمبر دے کر کہا کہ آپ اس سے رابطہ کریں۔"

"اس نے اپنا نام بتایا، کال تم نے ریسیو کی تھی؟"

"نہیں منیر تھا رات میں اس کی ڈیوٹی ہو جاتی ہے۔ عورت نے کال کرتے ہی پہلے نمبر لکھنے کو کہا اور جب منیر نے نمبر لکھ لیا تو اس نے صرف اتنا کہہ کر کال کاٹ دی۔ شہباز سے کہنا مجھ سے اس نمبر پر رابطہ کرے۔"

"نمبر بتاؤ۔"

عبداللہ نے نمبر بتایا جو میں نے ذہن نشین کر لیا اور پھر نیچے آیا۔ سفیر اور وسیم کچن میں موجود تھے۔ وسیم انڈے پھینٹ رہا تھا اور سفیر پراٹھے بنا رہا تھا۔ میں چھوٹی سی میز پر آ بیٹھا۔ "ماشاءاللہ کیا سگھڑ پن ہے لگتا ہے میری غیر موجودگی میں خواتین نے تم دونوں کو خاصا ٹرینڈ کیا ہے۔"

"یہ ہمیں پہلے سے آتا ہے۔" سفیر نے جواب دیا۔ "یہ جوتو شادی سے پہلے کڑھائی اور بروسٹ بنانا تا رہا ہے کیا اس کا کریڈٹ سویرا کو جائے گا۔"

"وہ الگ بات ہے لیکن اتنی مہارت سے گول پراٹھے بنانا اور یوں انڈہ پھینٹنا بغیر ٹریننگ کے نہیں آتا ہے۔"

"اچھا یار جوتو سمجھتا رہے۔" سفیر بھنا گیا۔ "اب خواتین والے سارے کام ہم ہی کریں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس ایک کام مت کرنا ورنہ ساری دنیا میں شہرہ ہو جائے گا۔'' میں ہنسا تو سفیر نہیں سمجھا لیکن وسیم سمجھ گیا اور اس نے قہقہہ مارا تھا۔ سفیر ذرا دیر سے سمجھا اور پھر اس نے جواب جاہاں باشد خموشی مناسب سمجھا۔ ذرا دیر میں ناشتہ لگ گیا تھا مانی کو اطلاع ملی تو وہ دوڑا آیا اور آتے ہی شکوہ کیا۔

''یہ اچھی بات نہیں ہے جناب اگر میں ملازم ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے بچا کھچا کھلایا جائے۔''

''بچا کھچا۔'' سفیر دم بخود رہ گیا۔ ''اوہ بھائی ابھی ہم میں سے کسی نے نوالہ نہیں توڑا ہے۔''

مانی نے سب سے پہلے نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔ ''میں سب سے آخر میں بلائے جانے کو بچا کھچا ہی سمجھتا ہوں۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''برخوردار ہر معاملے میں جینئیس ہے۔''

دیر مناسب نہیں تھی کیونکہ پراٹھے اور انڈے بڑی تیزی سے معدوں میں منتقل ہو رہے تھے اور کچھ دیر بعد میز پر کچھ نہیں رہ جاتا۔ سفیر کتنا ہی سگھڑ سہی لیکن وہ خواتین کی طرح کھانے کی لامحدود سپلائی نہیں دے سکتا تھا۔ ناشتے کا صفایا کر کے میں اور وسیم چائے کے مگ تھامے باہر پورچ میں آئے۔ جہاں کمانڈو وین کھڑی تھی۔ یہ فل سائز وین تھی اور پیچھے سے اس کا کیبن خاصا بڑا تھا۔ وسیم نے ریموٹ سے اس کا دروازہ اَن لاک کیا اور ہم اندر آئے۔ اندر سے وین بالکل اسی طرح کمپیوٹرائزڈ آلات اور اسکرینوں سے سجی تھی جیسی کہ ہم فلموں میں دیکھتے ہیں۔ اس میں ایک طرف بڑی ایل سی ڈی اسکرین تھی اور دوسری طرف دو چھوٹی اسکرینیں تھیں۔ کئی کی بورڈز تھے اور دیوار پر ہی کئی طرح کے جنکشن باکس نظر آ رہے تھے۔

''ان آلات کی مدد سے وین کے آس پاس کئی سو گز کی دوری تک نظر رکھی جا سکتی ہے۔ اس کا اپنا کمیونیکیشن سسٹم ہے جو مخصوص آلات کی مدد سے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسے پکڑنا مشکل ہے۔ اس کا دائرہ تین کلومیٹرز تک ہے اس میں آواز اور تصویر دونوں کی ترسیل شامل ہے۔'' وسیم نے ایک چھوٹا سا آلہ اٹھا کر دکھایا۔ یہ بظاہر سر پر پہننے والی فلیش لائٹ کی طرح تھا۔ ''اس میں ویڈیو کیمرہ ہے، مائک ہے اور ائرفون ہے۔ کیمرے میں نائٹ ویژن کا آپشن بھی ہے۔''

''یہ تو بہت کام کی چیز ہے۔'' میں نے تعریف کی۔

وسیم نے کمپیوٹر آن کیا۔ ''اس میں چار پریسیرز والا جدید ترین منی کمپیوٹر نصب ہے جو اس سارے نظام کو کنٹرول کرتا ہے۔ وین میں جتنے سینسرز اور آلات لگے ہیں وہ سب اس سے منسلک ہیں جیسے وین کے اوپر ایک طاقتور دوربین لگی ہے۔'' وسیم نے کہا اور ایک کی بورڈ پر چند بٹن دبائے تو اوپر وین کی چھت سے ہلکی سی آواز آئی اور بڑی اسکرین پر باہر کا منظر دکھائی دینے لگا۔ ''یہ دوربین چھت سے بھی کوئی دو میٹر اوپر چلی جاتی ہے جس سے دور کی چیز بھی دیکھی جا سکتی ہے۔''

میں اسکرین پر باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ فارم ہاؤس کے گیٹ کے اوپر سے باہر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ پھر وسیم نے منظر کو زوم کیا اور یہ اتنا واضح ہو گیا کہ روڈ سے گزرتی گاڑیوں میں موجود افراد کے چہرے بھی صاف نظر آنے لگے تھے جب کہ وہ یہاں سے کم سے کم ایک فرلانگ دور تھے دوربین کی کارکردگی واقعی بہترین تھی۔ وسیم نے دوربین اندر کی اور پھر اسکرین کی طرف متوجہ ہوا۔ ''کمپیوٹر میں اس پورے علاقے کا نہایت تفصیلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نقشہ ہے اگر اس وین کو کہیں اور لے جائیں تو اس علاقے کا مکمل نقشہ صرف ایک منٹ میں انٹرنیٹ سے مل جائے گا۔ اس نقشے کی مدد سے کہیں بھی جانا نہایت آسان ہوگا۔"

اس کے علاوہ بھی وین میں اور بہت سارے فنکشن تھے۔ وسیم نے جہاں سے وین کو بنوایا تھا وہیں اس نے پوری وین پر ایک اضافی فولادی شیٹ چڑھوائی تھی اس سے وین کسی حد تک بلٹ پروف ہوگئی تھی۔ اس کے دروازے اور کھڑکیاں اس طرح کے تھے کہ ضرورت پڑنے پر وین گیس یا دھواں پروف ہوسکتی تھی اگر اس کے باہر گیس یا دھواں ہو اس کا اثر اندر تک نہیں آئے گا۔ میں نے وسیم سے پوچھا۔ "تم نے سامان کہاں سے لیا؟"

وہ مسکرایا۔ "کوئٹہ کے پاس ایک مارکیٹ ہے وہاں اس قسم کا بہت سامان بکتا ہے اور بہت سستا مل جاتا ہے۔ کیونکہ سرحد پار سے اسمگلنگ ہوتی رہتی ہے۔ زیادہ تر آلات میں نے وہیں سے منگوائے ہیں البتہ کمپیوٹر یہیں ایک فرم سے نصب کرایا اور سافٹ ویئرز کا سارا کام مانی نے کیا ہے اس کا آپریٹنگ سسٹم بھی اسی نے ترتیب دیا۔"

وین اچھی چیز تھی اور کسی مہم کے سلسلے میں بہت کام آسکتی تھی۔ ہم باہر آئے اور لان پر رکھی کرسیوں پر آگئے۔ دھوپ اچھی تھی۔ ہماری گفتگو مرشد اور اس کی کال کی طرف مڑگئی پھر میں نے اسے عبداللہ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ وسیم نے کہا۔ "یہی بہتر ہے جب تک عبداللہ کوئی ایسا پلان نہ بنالے جس میں خواتین کو بحفاظت وہاں سے منتقل کیا جاسکے انہیں وہیں رہنا چاہیے۔"

"ہاں ایک نئی بات ہوئی کل رات کوٹھی میں کسی عورت کی کال آئی تھی اس نے اپنا نمبر دیتے ہوئے مجھ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

وسیم چونکا۔ "کیا عبداللہ والی کوٹھی شاہراہ عام بن گئی ہے جو ہر کوئی وہاں پہنچ رہا ہے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ وہ شہلا ہے۔ کال منیر نے ریسیو کی تھی اور عورت نے صرف نمبر و پیغام دے کر کال بند کر دی۔"

"شہلا کا اب ہم سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟"

"تم بھول رہے ہو یار اس کے پاس ہمارا ایک عدد بریف کیس ہے اور اس کے خیال میں ہمارے پاس اس کی تصاویر کے کچھ پرنٹ ہیں۔"

"ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔"

"تب آؤ ذرا اس سے بات ہو جائے لیکن ضروری نہیں ہے وہ شہلا ہو۔" میں نے اندر کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے میرے موبائل پر کال آئی نمبر مونا کا تھا میں نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سویرا تھی۔

"شہباز کیسے ہیں آپ؟" اس نے سلام دعا کے بعد کہا۔ "آپ تو یہاں سے جاکر بھول ہی گئے۔"

"سوری۔" میں نے معذرت کی۔ "اصل میں آ۔ ۲ ، کچھ معاملات میں الجھ گیا تھا۔ پھر رات بہت ہوگئی تھی اور ابھی ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوئے ہیں۔"

"سوری مت کہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میں زیادہ نہیں مانگتی بس دن میں ایک بار اس بندی کو یاد کرلیا کریں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بندی کا کوئی نمبر بھی ہونا چاہیے۔''

''ابھی تو موبائل نہیں ہے جو تھا وہ حویلی میں رہ گیا ہے۔''

''بیتو کے پاس ایک آئی فون ہے تم وہ لے سکتی ہو۔''

''نہیں ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''آپ سے بات تو ہو جاتی ہے۔''

میں اس کی جھجک سمجھ گیا۔ ''تم بے فکر ہو کر لے لو، ہم میں اس قسم کی چیزیں مشترک ہیں اور وہ میں نے ہی لیا تھا۔''

''تب ٹھیک ہے۔''

''اس وقت کہاں ہو؟''

''ابھی تو ہم کچن میں آئے ہیں ناشتے کے لیے لیکن زیادہ وقت اس خفیہ کمرے میں گزرتا ہے جہاں عبداللہ بھائی نے ہمیں رکھا ہوا ہے۔''

''یہی کوشش کرو کہ زیادہ تر وہیں رہا کرو اور صرف ضرورت کے تحت باہر آیا کرو کوٹھی سے باہر تو کسی صورت مت نکلنا اور نہ ہی کھلے میں جانا۔''

''ہم یہ ساری احتیاطیں کر رہے ہیں۔'' سویرا نے کہا۔ ''شہباز مجھے حویلی کب بھیجیں گے مجھے ماں جی اور بابا یاد آ رہے ہیں فون پر ان سے بات ہوتی ہے لیکن.....''

''بس کچھ دن صبر کر لو پھر تمہیں وہاں پہنچا دیا جائے گا اور ممکن ہے یہ دونوں خواتین بھی تمہارے ساتھ ہوں۔''

''سچ میں۔'' سویرا خوش ہو گئی تھی۔

''ہاں کیونکہ تم سب ہی ہمیں عزیز ہو اور سب کی حفاظت کا خیال ہے ایسا کرو تم ذرا ان دونوں کو ٹٹولو کہ یہ حویلی میں رہ لیں گی کیونکہ یہ آسانی سے جانے کے لیے تیار نہیں ہوں گی۔''

''میں بات کرتی ہوں ویسے اگر یہ وہاں رہنے کے لیے تیار ہو جائیں تو بہت مزہ آئے گا۔''

''یہ تو ان سے پوچھو کہ کتنا مزہ آئے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا اور کچھ دیر بات کر کے فون بند کر دیا۔ مانی کسی جن کی طرح تازہ دم اپنی ڈیوٹی پر حاضر تھا اور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔ ''تم سوتے کب ہو برخوردار؟''

''رات تین سے صبح آٹھ بجے تک۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میرے لیے اتنی نیند کافی ہے اس کے بعد میں سارا دن چاک و چوبند رہتا ہوں۔''

نیند کی کمی کا اثر اس کے ذہن پر نہیں لیکن جسم پر ہوا تھا۔ ''مجھے ایک نمبر پر بات کرنی ہے۔''

''اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ آپ اسی سے بات کریں آپ والی نوٹ بک میں بھی اس کا سسٹم موجود ہے آپ کو بس ایک سائٹ پر جا کر لوگ ان ہونا پڑے گا۔ طریقہ میں ابھی آپ کو سمجھائے دیتا ہوں۔''

اس نے ایک منٹ میں مجھے طریقہ سمجھا دیا اور بلوٹوتھ ہینڈ فری مجھے تھما دیا۔ ''ٹھیک ہے برخوردار لگتا ہے تمہیں بھی پسند نہیں ہے کہ کوئی ہر وقت تمہارے سر پر سوار ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا نہیں ہے۔'' اس نے احتجاج کیا۔ ''آپ بھی سفیر بھائی کی طرح میرے خلوص کی توہین کر رہے ہیں۔''

''ارے نہیں برخوردار، ویسے صبح تم نے بھی خود کو ملازم کہہ کر ہمارے خلوص کی توہین کی تھی۔''

وہ مسکرایا۔ ''میں سفیر بھائی کو چھیڑ رہا تھا۔''

''اگر اس قسم کی نوک جھوک دل پر لیے بغیر کی جائے تو صحت مند ہوتی ہے لیکن اگر تمہیں کوئی بات پسند نہ آئے تو تم بلا تکلف کہہ سکتے ہو۔''

''مجھے آپ لوگوں کی کوئی بات بری نہیں لگتی ہے میں سفیر بھائی سے جو لڑتا جھگڑتا تو وہ صرف اوپر اوپر سے ہوتا ہے۔''

''بس یہی اہم بات ہے۔'' میں اس کا شانہ تھپتھپا کر اپنے کمرے میں آیا نوٹ بک کھولی اور ویب سائٹ پر جا کر آئی ڈی اور پاس ورڈ سے لوگ ان کیا اس دوران میں اپنا ای میل بھی چیک کیا اور نوس کے مطابق مجھے ایمن کی میل ملی تھی۔ اس نے بھی ایک نمبر بھیجا تھا۔ باقی اتنا پیغام تھا کہ وہ فی الحال ٹھیک ہے اور اس کی جان بچانے کے لیے کام جاری ہے۔ میں نے طریقہ کار کے تحت اجنبی عورت کا دیا ہوا نمبر ملایا اور فوراً ہی بیل جانے لگی۔ یعنی نمبر آن تھا۔ کچھ دیر بعد کسی عورت نے کال ریسیو کی اور میں پہچان نہیں سکا کیونکہ آواز سے لگ رہا تھا وہ نشے میں ہے۔

''ہیلو کون ہے؟''

''وہی جس سے تم بات کرنا چاہتی تھیں۔''

اس بار وہ سنبھل کر بولی۔ ''شہباز تم.....''

میں نے بھی اسے پہچان لیا۔ ''شہلا.....اب تم کیا چاہتی ہو اور تمہیں اس جگہ کا نمبر کس نے دیا ہے۔''

''نمبر مجھے فتح خان نے دیا ہے اور تم جانتے ہو میں کیا چاہتی ہوں؟''

''اگر تم کھل کر بات کرو تو میں جواب دوں۔''

''میری تصویریں۔'' اس نے کہا تو میں چونکا اور انجان بن کر بولا۔

''کون سی تصویریں؟''

''جو تمہارے پاس ہیں۔'' اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔

''اپنی تصویروں کا ذکر کرتے ہوئے تم میری ایک چیز بھول رہی ہو جو تمہارے پاس ہے۔''

''وہ بریف کیس۔'' شہلا بولی۔ ''میں نے ابھی تک اسے کھولنے کی کوشش نہیں کی ہے۔''

''ایسی کوشش بھی مت کرنا ورنہ اس کے ساتھ خود بھی ضائع ہو جاؤ گی۔ سوائے درست طریقے کے علاوہ اسے اور کسی طریقے سے کھولنے کی کوشش کی گئی تو یہ شدید دھماکے سے پھٹ جائے گا اور آس پاس موجود ہر چیز تباہ کر دے گا۔''

''مجھے اس سے دلچسپی بھی نہیں ہے۔'' وہ بولی۔ ''تم میری تصاویر میرے حوالے کرو اور اسے لے جاؤ۔''

''تمہیں کس نے بتایا کہ تمہاری کچھ تصاویر میرے پاس ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فتح خان نے، دیکھو اس کی بتائی بات درست ثابت ہوئی ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے فتح خان نے اپنی حماقت سے ہیرے ہمیشہ کے لیے کھو دیے ہیں۔''

''مجھے سب معلوم ہو گیا ہے اور مجھے ان کی پروا نہیں ہے مجھے تو پروفیسر کے لاکر سے اپنا اور دوسروں کا اسٹف چاہیے تھا وہ میں نے حاصل کر لیا بس تمہارے پاس میری کچھ تصاویر باقی ہیں۔''

میں اسے نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے پاس اس کی کوئی تصویر باقی نہیں رہی ہے۔ فتح خان سے جو تصاویر حاصل کی تھیں وہ سب میں نے شہلا کے سپرد کر دی تھیں اور اس نے خود انہیں جلا دیا تھا۔ یہ فتح خان کی شرارت تھی وہ دوسروں کو میرے پیچھے لگا رہا تھا۔ پہلے مرشد کو لگایا تھا اور اب شہلا کو بھی کوٹھی کا نمبر دے دیا تھا۔ ''ٹھیک ہے تصاویر تمہیں مل سکتی ہیں لیکن بریف کیس دو گی تب ہی مل سکتی ہیں۔''

''میں تیار ہوں ہم آج ہی تبادلہ کر سکتے ہیں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''تبادلے کے لیے ضروری ہے کہ تم آؤ میری طرف سے بریف کیس کوئی بھی لے سکتا ہے۔''

''میں..... میں کیوں آؤں؟''

''مس شہلا کیا تم چاہتی ہو کہ وہ تصاویر کوئی اور بھی دیکھ لے؟''

وہ چپ ہوئی پھر بولی۔ ''ٹھیک ہے میں آؤں گی لیکن پھر آج نہیں تم مجھے کل کال کرو گے۔''

''ٹھیک ہے میں کل اسی وقت کال کروں گا اور اچھا ہوا تم نے رابطہ کر لیا ورنہ.....''

''ورنہ کیا تم مجھ سے خود رابطہ کرتے بلیک میل کرنے کے لیے؟'' اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''نہیں میں ان تصاویر کو ضائع کرنے والا تھا۔ بے شک یہ تمہاری ہیں اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میرے ضمیر پر بوجھ بن گئی ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے میں نے کچھ عجلت سے کام لیا ہے؟'' اس کے لہجے میں پچھتاوا تھا۔

''نہیں تم نے ٹھیک کیا ہے ورنہ کیا تم یقین کرتیں کہ میں نے وہ تصاویر ضائع کر دی ہیں؟''

''کبھی بھی نہیں۔'' اس نے بلا تامل کہا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو اس لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا ہے۔''

''کل بات کروں گا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ میں نے اس سے جھوٹ کہا تھا کہ میرے پاس اس کی کوئی تصویر ہے اور اب میں سوچ رہا تھا کہ تبادلے کے لیے تصویریں کہاں سے پیدا کروں۔ مجھے خیال آیا کہ میں احمقانہ بات سوچ رہا تھا مجھے اصل میں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ شہلا سے بریف کیس کس طرح حاصل کیا جائے۔ اگر وہ بریف کیس لے کر کہیں آ جائے تو یہ کام زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اگرچہ دھوکا تو ہوتا لیکن شہلا خود کون سی شریف تھی اور اس نے موقع ملنے پر مجھے دھوکے دینے میں کون سے کسر چھوڑی تھی اس لیے اگر میں اس کے ساتھ دھوکا کرتا تو یہ بری بات نہیں تھی پھر دھوکا ان معنوں میں تھا کہ وہ جن تصاویر کا سوچ کر مری جا رہی تھی وہ میرے پاس نہیں تھیں اس لیے میں اسے نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا تھا۔ ہاں اس بہانے میں بریف کیس نکلوا لیتا تو پھر فائدہ ضرور بن جاتا۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم ٹرے میں کافی کا مگ لیے اندر آیا۔ ''بات ہوگئی میں نے سوچا جب تک کافی بنالوں۔ مانی اچھی بناتا ہے لیکن بری میں بھی نہیں بناتا۔''

اس کی تصدیق پہلے گھونٹ نے کر دی تھی۔ وسیم بھی اچھی کافی بناتا تھا۔ میں اسے شہلا سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ پُر جوش ہوگیا۔ ''گڈ، وین کی پہلی آزمائش اس موقع پر ہو جائے گی۔''

''وین کی آزمائش کیسے؟''

''میں کوئی پلان سوچتا ہوں۔ وہ بہت چالاک عورت ہے یقیناً چیزوں کے تبادلے کے لیے ایسی جگہ منتخب کرے گی جہاں ہم اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرسکیں یا اس کے ساتھ دھوکا نہ کریں۔''

''کارروائی کا ارادہ نہیں ہے لیکن دھوکا کرنا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ وہ جو تصویریں مجھ سے مانگ رہی ہے وہ میرے پاس نہیں ہیں۔ یہ بات میں اسے بریف کیس حاصل کرنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔ ویسے میرے خیال میں اس کام کے لیے وین کا استعمال ضروری نہیں ہے۔''

''وہ دیکھ لیں گے ویسے آپ نے بالکل ٹھیک سوچا ہے شہلا اور فتح خان جیسے لوگوں کے معاملے میں ضمیر صاحب کو تھپکیاں دیتے رہا کریں۔ یہ شرافت کی زبان سمجھنے والے انسان نہیں ہیں۔''

''شہلا کو بھی فتح خان نے کوٹھی کا پتا بتایا ہے وہ اس طرح سے مجھے تنگ کرنے پر اتر آیا ہے۔''

''شاید وہ اس طرح سے ہمیں ایمن شاہ کے معاملے سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''یہ بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''شہلا نے کل بات کرنے کو کہا ہے۔''

''ہمارے پاس کل تک کا وقت ہے۔'' وسیم نے سوچ کر کہا۔

''لیکن جب تک وہ نہیں بتائے کہ تبادلہ کہاں اور کس وقت ہوگا تم کوئی قابلِ عمل پلان کیسے بنا سکتے ہو؟''

''میں اپنے وسائل کا جائزہ لے سکتا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں عبداللہ کی مدد کی ضرورت بھی پڑے گی۔''

میں کچھ کہنے جا رہا تھا کہ موبائل کی بیل نے روک دیا عبداللہ کی کال تھی۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''تم جس کا ذکر کر رہے تھے اس کی کال آگئی ہے۔''

وسیم مسکرایا۔ ''بڑی لمبی عمر ہے اس بندے کی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے کال ریسیو کی۔ ''ابھی تمہارا ذکر ہو رہا تھا۔''

وہ ہنسا۔ ''ایک شخصیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا نام لو اور وہ حاضر ہو جاتی ہے۔''

''اس کے برعکس یہ بھی کہتے ہیں کہ لمبی عمر ہے۔ اطلاع یہ ہے کہ وہ عورت شہلا نکلی ہے۔''

''مجھے بھی یہی خدشہ تھا اور اسے بھی یقیناً اس مردود فتح خان نے بتایا ہوگا۔ وہ بیک وقت آپ سے اور راجا صاحب سے دشمنی کر رہا ہے۔''

''فتح خان وہ شخص ہے جس نے میرے اندازے ہمیشہ غلط ثابت کیے ہیں۔ اس وقت بھی یہ کس مقصد کے تحت یہ سب کر رہا ہے میں اس بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ یقیناً اس کے کئی مقاصد ہوں گے۔ بہرحال یہ ضمنی بات ہے۔ اصل معاملہ اس وقت یہ ہے کہ شہلا بریف کیس کے بدلے اپنی تصاویر چاہتی ہے جو میرے پاس سرے سے ہی نہیں ہیں۔''

''تب تبادلہ کیسے ہوگا؟''

''یہی تو کرنا ہے اگر میں اسے کہہ دیتا کہ تصاویر نہیں ہیں تو وہ بریف کیس نہیں دے گی۔''

''بالکل نہیں دے گی۔''

''اس لیے اسے دھوکا دے کر بریف کیس حاصل کرنا ہے۔ اب پلان ایسا تیار کرنا ہے جس سے ہم بہر صورت بریف کیس حاصل کر سکیں چاہے وہ کتنی چالاکی دکھائے۔''

''میں سمجھ گیا۔ ویسے اس قسم کے کام وسیم صاحب بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔''

''نہیں یار تم بھی کم نہیں ہو تم نے جتنی صفائی سے ہمیں کوٹھی سے نکالا ہے یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''نوازش ہے آپ کی۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔ ''میں وسیم صاحب سے بات کر کے اس سلسلے میں کوئی لائحہ عمل تیار کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تم اسے کال کر لو۔''

عبداللہ نے وسیم کو کال کر لی اور وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا وہ سمجھ گیا کہ میں کہیں اور بات کرنے جا رہا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد میں نے انٹرنیٹ کی مدد سے ایمن کا دیا نمبر ملایا۔ اس نے فوری کال ریسیو کی اور چھوٹتے ہی بولی۔ ''تم انٹرنیٹ سے کال کر رہے ہو؟''

''تم جانتی ہو میں نارمل طریقے سے کال نہیں کر سکتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تمہارے لیے کیا ہو رہا ہے؟''

''میں نہیں جانتی فی الحال میں سب سے الگ تھلگ رکھی گئی ہوں آج صبح ایک ماہر نے جیکٹ کا معائنہ کیا ہے اور اسے بعض آلات سے چیک کیا اس نے تصدیق کی ہے کہ جیکٹ میں نہایت خطرناک بارودی مواد ہے اور اس میں بہت جدید قسم کا کنٹرولنگ سرکٹ بھی موجود ہے۔ اس لیے اسے بے احتیاطی سے چھیڑنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے آج دو ماہر برطانیہ سے یہاں پہنچنے والے ہیں وہ جیکٹ کا معائنہ کریں گے۔''

''مجھے امید ہے وہ اس جیکٹ کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور اگر نہیں نکال سکے تو.....؟'' ایمن کے لہجے میں خوف نہیں تھا لیکن سوال ضرور تھا۔ میں کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا۔

''تم منفی سوچ مت رکھو۔ ایک آدمی کے مقابلے زیادہ آدمی ہوں تو زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔''

''لیکن اس ایک آدمی نے اس طرح جکڑ لیا ہے کہ مجھے نہیں لگتا کہ میں اس کی مرضی کے بغیر اس جیکٹ سے نجات حاصل کر سکوں گی۔'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔ ''شہباز نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کوئی مجھے اس جیکٹ سے نجات نہیں دلا سکتا سوائے دو افراد کے۔ ایک تم اور ایک فتح خان۔''

''ایمن اتنی مایوسی اچھی نہیں ہوتی ہے۔ کیا برٹش حکومت نے تاوان دینے سے انکار کر دیا ہے؟''

''مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔ میں جب بھی یہاں کسی ذمے دار فرد سے معلوم کرتی ہوں مجھے یہی بتایا جاتا ہے کہ کیس حکومت کے ہاتھ میں ہے اور انہیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔''

''یقیناً برٹش حکومت کچھ نہ کچھ کر رہی ہو گی۔''

ایمن کچھ دیر خاموش رہی تھی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز اگر وہ کچھ نہ کر سکی۔ فتح خان کو تاوان دینے کا فیصلہ نہیں کیا گیا اور ماہرین مجھے اس جیکٹ سے بھی نجات نہ دلا سکے تو پھر کیا ہو گا؟''

میں ایک لمحے کو چپ کر گیا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے پوچھ رہی ہے کہ میں اسے بچانے کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ میں نے سوچ کر کہا۔ ''ایمن میں تمہیں یوں بے بسی سے مرتے نہیں دیکھ سکتا ہوں۔ تم یقین رکھو تم زندہ رہو گی میں وعدہ نہیں کر رہا یہ میرا یقین ہے۔''

''اگر تمہیں یقین ہے تو میں زندہ رہوں گی۔'' وہ ہنسی اور دل سے ہنسی تھی اس کا لہجہ بتا رہا تھا۔ ''اب میں نہیں پوچھوں گی کہ تم کیا کرو گے۔ مجھے معلوم ہے تمہارے بس میں جو ہو وہ تم کرو گے اور شہباز یقین کرو اگر تم نہیں بچا سکے تب بھی میں خوشی سے اس دنیا سے جاؤں گی یہ سوچ کر کہ تم آخری لمحے تک مجھے بچانے کی کوشش کرتے رہے ہو گے۔''

میں نے موضوع بدل دیا۔ ''برٹ شا کا معاملہ کہاں تک پہنچا ہے؟''

''پاپا کی لاش برطانیہ بھیج دی گئی ہے اور اب میں اس چکر سے نجات حاصل کر کے جاؤں تو ان کی آخری رسومات ادا کروں۔'' اس کا لہجہ دوبارہ افسردہ ہو گیا۔ ''یہ بھی ہو سکتا ہے ہم باپ بیٹی کی آخری رسومات ایک ساتھ ہی ادا کی جائیں۔''

''پھر مایوسی کی بات۔'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''ایمن میں تمہیں اتنا کم حوصلہ نہیں سمجھتا تم تو بہت مشکل مراحل سے گزر چکی ہو۔''

''ہاں..... لیکن میں نے پہلے موت کو یوں بدن پر لپٹا ہوا محسوس بھی نہیں کیا۔ یہاں موجود لوگوں کا یہ حال ہے کہ میرے کمرے کے پاس سے بھی نہیں گزرتے ہیں کمرے میں تو بس چند ایک افراد آتے ہیں ایک دو بار میں کمرے سے باہر آئی تو یہاں ایسا خوف پھیلا کہ پھر سفیر نے خود مجھے کمرے تک محدود رہنے کا حکم دے دیا۔ اب میں کمرے سے باہر نہیں جا سکتی ہوں۔''

''کیا خیال ہے ڈیوڈ شا کو پتا چل گیا ہو گا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بظاہر تو ایسے کوئی آثار نہیں ہیں لیکن شاید پتا چل گیا ہو۔''

''تم اس طرح مجھ سے بات کر رہی ہو کیا تمہیں بات کرنے کی اجازت ہے؟''

''بالکل یہ مجھ پر پابندی نہیں لگا سکتے ہیں۔ اتنا تو یہ بھی سمجھتے ہیں کہ میری زندگی و موت کا مسئلہ ہے اور میں کوئی غیر ذمے دارانہ حرکت نہیں کر سکتی ہوں۔''

''اگر تم پر رابطے کی پابندی نہیں ہے تو تم اپنے وکیل کو کال کر کے اس سے پوچھو کہ برٹ شا کی گمشدگی کا معمہ حل ہونے کے بعد اس کی وراثت کی کیا پوزیشن ہوگی؟''

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔''

''تم معلوم کرو اور اپنا ذہن الجھنے سے بچاؤ۔ اس معاملے کو سلجھانا تمہارے بس میں نہیں ہے دوسروں کے ہاتھ میں ہے اس لیے انہیں کوشش کرنے دو اور اپنی توجہ یہ سوچ کر آنے والے معاملات کی طرف رکھو کہ بالآخر تمہیں اس جیکٹ سے نجات مل جائے گی۔''

''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''میں اس معاملے میں جتنی دیر کروں گی کسی پیچیدگی کا امکان اتنا ہی زیادہ ہو جائے گا۔''

''گڈ تم سمجھ گئی ہو بس اب یہ کام شروع کر دو اور اگر مجھ سے رابطہ کرنا ہو تو مجھے ای میل کر دیا کرو یا ایک میسر بتا رہا ہوں اس پر کال کر کے کہہ دو کہ تم مجھ سے بات کرنا چاہ رہی ہو۔'' میں نے اسے راجا عمر دراز کی کوٹھی کا نمبر دے دیا۔ کیونکہ اب تو یہ مرشد اور فتح خان سمیت میرے تمام دشمنوں کے علم میں آ چکا تھا تو ایمن کو دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ''لیکن اسے زبانی یاد کرنا کہیں نوٹ مت کرو۔''

''ٹھیک ہے مجھے یاد ہو گیا۔'' ایمن نے کہا۔ ''تھینک یو شہباز تم سے بات کر کے میرے دل و دماغ پر طار[illegible] جھ کم ہوا ہے۔''

''ایمن تم میری اچھی دوست ہو اور دوست وہی ہوتا ہے جو ضرورت پڑنے پر کام آئے اور بغیر بتا[illegible] آئے۔ تم فکر مت کرو تمہارے لیے میں ایسے کروں گا جیسے اپنے لیے کر سکتا ہوں۔''

''میں جانتی ہوں اور تم سے میری درخواست ہے کہ میری طرف سے راجا عمر دراز کا شکریہ ادا کر دینا جو اس نے پاپا کی لاش کو اسلام آباد پہنچانے میں مدد دی۔''

''میں کہہ دوں گا۔'' میں نے کہا اسی لمحے میرے موبائل کی بیل بجنے لگی۔ بیتو کا نام آ رہا تھا۔ ''ٹھیک ہے ایمن میں تم سے پھر بات کرتا ہوں ایک کال آ رہی ہے۔''

''ٹھیک ہے بائے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا میں نے بیتو کی کال ریسیو کی۔

''شوبی۔'' اس نے میری آواز سنتے ہی چلا کر کہا۔ ''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا مجھ سے ملے بغیر چلے گئے۔''

''کہاں سے ملتا تم تو پڑے سو رہے تھے۔'' میں ہنسا۔ ''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''بالکل ٹھیک ہے میں آپ کے پاس آ رہا ہوں پر عبداللہ بھائی اجازت نہیں دے رہا۔''

''وہ ٹھیک کر رہا ہے جب تک تم بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتے آرام کرو۔ وہاں تمہیں اچھے اچھے گھر کے کھانے ملیں گے یہاں تو باہر کے کھانوں پر گزارا چل رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی بات نہیں آپ کے ساتھ رہ کر ہم باہر کا بھی کھالے گا۔ میرا بخار اتر گیا ہے۔''

''بیٹو تم حکم نہیں مان رہے؟''

''آپ حکم دے رہا ہے؟''

''ہاں یہ میرا حکم ہے کہ جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتے تب تک وہیں رہو۔''

''حکم تو ہم عبداللہ بھائی کا بھی مان رہا ہے۔'' اس نے دبی زبان میں کہا۔ ''پر آپ سے اس لیے بولا کہ آپ عبداللہ بھائی کو بھی حکم دے سکتا ہے۔''

''اسے میں نے ہی کہا تھا۔ یہ موسمی بخار ہے اور ذرا سی بے احتیاطی سے بگڑ سکتا ہے اس لیے تم آرام کرو دوائیں کھاؤ اور طاقت والی خوراک لو۔ تین چار دن میں جب ٹھیک ہو جاؤ گے تو پھر بے شک آ جانا۔''

''ٹھیک ہے، شوبی آپ خوش قسمت ہے یہ سویرا باجی تو سب سے اچھا کھانا بناتا ہے۔ کل میرے لیے میکرونی بنایا تھا۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے بیٹا چینی کھانے کی پریکٹس کرو ہو سکتا ہے تمہاری زندگی میں آنے والی چینی کھانے بنائے۔''

''شوبی۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''یہ آپ ہم کو ہر وقت چین کا کیوں سناتا ہے۔''

''چلو اگر تمہیں چین پسند نہیں ہے تو تبت کی سنا دیتا ہوں یا کہو تو نیپال کا ذکر کروں۔''

''میں آپ سے بات نہیں کرے گا۔'' وہ بولا۔

''لگتا ہے ابھی سے بات چیت بند کر رہے ہو۔'' میں نے اسے چھیڑا تو وہ سچ مچ ناراض ہو گیا اور پھر اسے منانا پڑا تھا اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے منوالیا کہ وہ دو دن بعد لازمی میرے پاس آ جائے گا اور ان دو دنوں میں لگ کر آرام کرے گا اور دوا پابندی سے کھائے گا۔ جس وقت وہ مجھے یقین دہانی کرا رہا تھا سعدیہ وہاں آ گئی اور اس نے بیٹو سے موبائل لے لیا۔

''شہباز بھائی یہ جھوٹ بول رہا ہے ابھی بھی یہ باہر سے آ رہا ہے اور دوا نہیں کھاتا۔ اس کے سوا سب کھانے کو تیار رہتا ہے۔'' سعدیہ بتا رہی تھی اور پیچھے سے بیٹو اس کی منت سماجت کر رہا تھا۔ ''میں تو کہہ رہی ہوں ڈاکٹر اسے گولیاں دینے کے بجائے انجکشن لگائے تب ہی یہ ٹھیک ہو گا۔''

''دیدی تم کیوں میرا دشمن ہو رہا ہے۔'' عقب سے بیٹو چلایا۔

''ٹھیک ہے ذرا اس سے بات کراؤ۔'' میں نے کہا تو سعدیہ نے اسے موبائل دے دیا۔ ''بیٹو سادی کیا کہہ رہی ہے۔''

''دیدی ٹھیک کہتا ہے ہم سے دوا نہیں کھایا جاتا۔ پر اب وعدہ کرتا ہے پورا آرام کرے گا اور ٹھیک سے دوا کھائے گا۔''

''دو دن بعد آنے والی اجازت منسوخ کی جاتی ہے اور اب میں تمہیں عبداللہ کے سپرد کروں گا وہی تمہارا ٹھیک سے علاج کرائے گا وہ اسپتال میں داخل کرنے کو کہہ رہا تھا۔''

بیٹو گھبرا گیا۔ ''میں اسپتال نہیں جائے گا۔ جیسا آپ بولو گے ویسا ہی کرے گا پکا والا وعدہ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔'' پیچھے سے سعدیہ نے کہا۔ اسی لڑائی میں کال کٹ گئی۔ میں ہنس رہا تھا بیتو سے بات کر کے ذہن فریش ہو گیا تھا۔ وہ ایسا ہی معصوم اور سادہ انسان تھا جو اپنی باتوں سے آدمی کے اندر کی ٹینشن ختم کر دیتا تھا۔ الماری میں شال اور اونی ٹوپیاں رکھی تھیں۔ میں ایک شال اوڑھ کر نیچے آیا جہاں سفیر نشست گاہ میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ ٹی وی اور دوسری چیزیں بھی کوٹھی کے ساتھ ہی ملی ہیں؟''

''ہاں مالک سب کچھ فراخدلی سے کرائے داروں پر چھوڑ گیا ہم تو اس سے ملے بھی نہیں، کیونکہ ایجنٹ کے توسط سے لیا ہے۔ آگے بھی ایڈوانس کا وہی ذمے دار ہوگا۔''

''دوپہر کے کھانے کا کیا ہوگا؟''

''میں نے پزا منگوالیا ہے میں صرف ناشتہ سپلائی کر سکتا ہوں اور چائے کافی بنا سکتا ہوں۔''

''یہ ٹھیک ہے صرف کھانے پینے کے لیے کسی کا باہر جانا ٹھیک نہیں ہے پنڈی اور اسلام آباد کوئی بڑے شہر نہیں ہیں یہاں دشمنوں سے سامنا ہو جانے کا پورا امکان ہے۔''

''بس یہی سوچ کر میں نے پزا والوں کو آرڈر کر دیا ایسے ہی ایک درجن فون نمبر ہیں میرے پاس جو پیز کھانے کو دل چاہے وہ منگوا سکتے ہیں۔''

''کب تک آئے گا تیرا پزا۔'' میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ ''تیرے بنائے ورقی پراٹھے کب کے ہضم ہو چکے ہیں۔''

''ورقی نہیں تھے بیٹے تم جیسوں کے لیے ورقی بن جاتے ہیں۔'' اس نے کہا اور ایک ایسا چینل لگایا جہاں سے جدید قسم کے ڈانس دکھائے جا رہے تھے ایک بڑے سے اسٹیج پر کوئی دو درجن خواتین و حضرات رقاص اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اچانک کہیں گھنٹی بجی۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے سفیر سے پوچھا۔

''کال بیل ہے میرا خیال ہے پزا والا آ گیا ہے۔'' سفیر بولا اتنے میں اسٹڈی سے مانی نکل کر ماہر کی طرف لپکا۔ ''پیزا والا ہی ہے ورنہ یہ اس طرح دوڑ نہ لگاتا۔ اس کی جسامت پر مت جانا کھانے میں اسے بیتو کا بھی باپ سمجھو۔''

وہ تو میں صبح ناشتے کے موقع پر دیکھ چکا تھا۔ ''یار دماغی کام کرتا ہے بھوک تو لگے گی۔''

سفیر نے میری طرف دیکھا۔ ''بھائی آپ الٹی بات فرما رہے ہیں بھوک تو جسمانی کام کرنے والوں کو لگتی ہے۔''

''یہی تو غلط فہمی ہے جسم میں سب سے زیادہ توانائی دماغ استعمال کرتا ہے میں نے کہیں پڑھا تھا کہ دماغ انسانی جسم کے کل وزن کا تقریباً تین فیصد ہوتا ہے لیکن یہ کل توانائی کا بیس فیصد استعمال کرتا ہے۔''

سفیر کے لیے یہ بات قابلِ ہضم نہیں تھی لیکن اس نے یوں ظاہر کیا جیسے صرف میری خاطر مان گیا ہو۔ مانی پزا کے چار پیکٹ اور جمبو سائز کولڈ ڈرنک کی بوتل لیے اندر آیا اور ہمارے سامنے سب میز پر رکھ دیا۔ یہ بڑے سائز کے پزا تھے۔ سفیر جا کر گلاس لے آیا۔ وسیم اوپر مصروف تھا اس نے کہا کہ اس کا حصہ رکھ دیا جائے وہ بعد میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھالے گا۔اس لیے ہم سب ٹوٹ پڑے تھے۔ مانی اپنا حصہ آدھا کھا کر باقی آدھا اسٹڈی میں لے گیا۔ میں اور سفیر اپنے حصے کا ختم کر کے وہیں صوفے پر قیلولہ کرنے لگے تھے۔ پتا خاصا بھاری تھا اس لیے پہلے اونگھ آئی اور پھر آنکھ لگ گئی۔ سونے کے دوران ہی کسی نے مجھ پر کمبل ڈال دیا تھا۔ آنکھ کھلی تو کچن سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں میں اٹھ کر وہیں چلا آیا عبداللہ موجود تھا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''میں آیا تو آپ سو رہے تھے۔''

''کیا حال ہیں؟''

''سب کے حال ٹھیک ہیں۔ ایک پلان بنایا ہے لیکن اس کے لیے آپ کی منظوری کی ضرورت ہے۔''

''پلان کس بارے میں؟''

''خواتین کو کوٹھی سے کہیں اور منتقل کرنے کے بارے میں۔'' عبداللہ بولا۔ وسیم شاید کافی تیار کر رہا تھا۔ سفیر اوپر سو رہا تھا۔ شادی کے بعد اسے نیند بہت آنے لگی تھی۔ جہاں موقع ملتا تو سو جاتا۔

''کہاں منتقل کرنے کا ارادہ ہے؟''

''سیلاحیف ٹاؤن میں ایک کوٹھی کرائے پر لی ہے۔ فی الحال وہاں صرف ایک چوکیدار رکھا ہے۔ وہ بھی اعتماد کا آدمی ہے۔ انہیں وہاں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ بیتو اور ایاز ان کے ساتھ ہوں گے۔''

''ایاز آ گیا؟''

عبداللہ نے گھڑی دیکھی۔ ''راستے میں تھا سیدھا یہیں آئے گا۔ شاید دو گھنٹے میں پہنچ جائے گا۔''

وسیم نے کافی تیار کر لی تھی ہم اپنے اپنے مگ لے کر نشست گاہ میں آ گئے۔ ''پلان کیا ہے؟''

''کوٹھی کے پاس ہی لڑکیوں اور خواتین کا ایک بڑا مدرسہ ہے۔ روزانہ شام کو چھٹی کے بعد سینکڑوں کے حساب سے برقع پوش طالبات وہاں سے نکلتی ہیں۔ ان میں سے بہت ساری ہماری کوٹھی کے سامنے سے گزرتی ہیں۔ اگر یہ تین بھی اسی قسم کے سادہ برقع پہن کر ان میں شامل ہو جائیں تو کسی نگرانی کرنے والے کے لیے ان کا سراغ لگانا مشکل ہو جائے گا اور وہ آگے کہیں طے شدہ گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکل جائیں گی۔''

میں نے سوچا۔ ''پلان تو اچھا ہے لیکن گاڑی کا بندوبست باہر سے کرنا پڑے گا۔ ورنہ کوٹھی سے جو گاڑی نکلے گی اس کی نگرانی بھی کی جائے گی۔''

''آپ نے ٹھیک کہا ہے میں اس کا بھی خیال رکھوں گا۔ ہم آخر تک نگرانی کریں گے اور اگر ذرا بھی خطرہ محسوس ہوا تو خواتین کو واپس کوٹھی میں لے آئیں گے۔''

''اچھا پلان ہے اسے بعد میں مزید ری فائن کیا جا سکتا ہے فی الحال مسئلہ شہلا سے بریف کیس کا حصول ہے۔''

وسیم بولا۔ ''میں نے اس پر خاصا غور کیا ہے۔ میرا خیال ہے وہ کسی ایسی جگہ بتا دے گا کہ جہاں عوام زیادہ ہو اور آنے جانے کے کئی راستے ہوں۔''

''کوئی مارکیٹ جیسی؟'' عبداللہ نے سوال کیا۔

''بالکل وہ کسی ویران یا ایسی جگہ آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی جہاں ہم اسے گھیر سکیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حالانکہ اسے گھیرنے کا خیال بھی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ تو خود دوسروں کو گھیر لیتی ہے۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''اللہ بچائے ایسی عورتوں سے۔''

میں نے اس کی تائید کی۔ ''ویسے میرے ذہن میں ایک خیال آرہا ہے۔ کیونکہ ہماری نیت صاف ہے اس لیے نہایت آسانی سے شہلا کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ وہ پبلک پلیس پر تصویریں چیک کرنے تو نہیں بیٹھ جائے گی۔''

''اس صورت میں ہمیں اس کی طرف سے بھی دھوکے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' وسیم بولا۔ ''بریف کیس میں نے بھی غور سے نہیں دیکھا تھا اور کسی نے تو سرے سے نہیں دیکھا ہے اس لیے اگر اس نے اس سے ملتا جلتا تھما دیا۔''

''تم بیتو کو بھول رہے ہو اس نے بہت غور سے دیکھا ہوا ہے۔ اگر بیتو لینے جائے گا تو شہلا اسے دھوکا نہیں دے سکتی ہے۔''

''ہاں اسے میں بھول گیا تھا۔'' وسیم بولا۔ ''لیکن اس کی طبیعت خراب ہے۔''

عبداللہ مسکرایا۔ ''شہباز صاحب نے اس کی کلاس لی ہے دوائی نہیں کھا رہا تھا آج اس نے ٹھیک سے دوا کھائی ہے اور اس کی طبیعت خاصی حد تک ٹھیک ہوگئی ہے امید ہے ایک دو دن میں بالکل فٹ ہو جائے گا۔''

''ضروری نہیں ہے سب کچھ شہلا طے کرے کچھ باتیں اسے ہماری بھی ماننا ہوں گی۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے لیے وہ بریف کیس ناگزیر نہیں ہے بس ایک امانت ہے جسے اس کے ملک تک پہنچانا ہے۔ اگر وہ نہیں بھی پہنچا تو اسے کوئی اور نہیں کھول سکتا لیکن وہ تصاویر شہلا کے لیے ناگزیر ہیں۔''

''جو ہمارے پاس سرے سے ہی نہیں ہیں۔'' وسیم ہنسا۔

''لیکن شہلا تو یہی سمجھتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس لیے مجبور اصل میں وہ ہے ہم نہیں ہیں۔''

''گویا ہمیں بالادست بن کر بات کرنی چاہیے۔'' وسیم نے کہا۔ ''اگر وہ دام میں آگئی تو کم سے کم ایک مسئلہ تو حل ہو جائے گا۔''

''واقعی جتنے اِدھر اُدھر کے مسئلے کم ہوں گے ہم اپنے اصل مسئلے یعنی مرشد پر اتنی ہی توجہ دے سکیں گے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''یہ فتح خان اور شہلا جیسے لوگ بلاوجہ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔''

''بلاوجہ نہیں جناب، ان کی بھی غرض ہوتی ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''ویسے میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ فتح خان اتنا خطرناک ثابت ہوگا۔ آپ کو اس نے اتنے عرصے اپنے قابو میں رکھا۔''

''وہ واقعی حیران کر رہا ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اب اس نے ایمن کو بارودی جیکٹ پہنا دی۔ گویا اس نے پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ اگر وہ برٹ شاسے ہیرے نکلوانے میں ناکام رہا تو اس کے بعد کیا کرے گا۔''

''اگر وہ برٹش حکومت سے رقم نکلوانے میں کامیاب رہا تب بھی وہ ملک سے باہر نہیں جا سکے گا۔ اس صورت میں انٹرپول سمیت بہت ساری بین الاقوامی ایجنسیاں اس کے پیچھے پڑ جائیں گی اور اس کے لیے ان سے چھپنا مسئلہ بن جائے گا۔''

''میرا خیال ہے فتح خان کے ذہن میں اس کا حل بھی ہوگا۔'' میں نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''ایک بار فتح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے وسط ایشیا کے ممالک میں بھی تعلقات ہیں اور اگر اسے کوئی مشکل ہوئی تو وہ وہاں بھی جا سکتا ہے۔''

''ایسا بالکل ہو سکتا ہے۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''روس کی افغانستان میں موجودگی کے دوران اس خطے کی مملکتوں کی آپس میں دشمنی تھی لیکن اس دوران میں مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث افراد کے آپس میں تعلقات خوب پھولے پھلے تھے۔ فتح خان کے جاننے والے وہاں ہو سکتے ہیں۔ درحقیقت روس سمیت یہ پورا خطہ دنیا بھر کے جرائم پیشہ اور دو نمبر کام کرنے والے افراد کا گڑھ بنتا جا رہا ہے کیونکہ یہاں وہ اپنی دولت سمیت مزے کرتے ہیں اور کوئی ان سے پوچھتا نہیں ہے۔ یہی نہیں وہ بلیک منی کو انویسٹ بھی کر سکتے ہیں۔ یہاں ذرائع اور وسائل لامحدود ہیں۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''سرحدیں ملی ہونے کی وجہ سے فتح خان جیسے آدمی کے لیے آمد و رفت بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگی۔ ہمارے شمالی علاقے اور قبائلی علاقے سے تو وسط ایشیا اور بھی قریب پڑتا ہے۔ اس پورے علاقے کی معیشت ہی باہمی تعاون پر چل رہی ہے امریکیوں کی افغانستان میں موجودگی بھی ان کے کاموں میں خلل نہیں ڈال سکتی ہے۔''

''میرا تو خیال ہے یہ دنیا کی سب سے بڑی بلیک مارکیٹ ہے یہاں ہر چیز مل سکتی ہے بس آپ قیمت ادا کر سکتے ہوں۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تک مل سکتا ہے۔''

وسیم کی اس بات نے مجھے چونکا دیا۔ ''ایٹم بم بھی؟''

''بالکل سابق سوویت یونین کے اسلحہ خانے سے بہت بڑی تعداد میں ایٹمی مواد غائب ہے اور اس کے بارے میں سنا ہے کہ یہ سب زیر زمین گروپوں کے پاس ہے۔ اس کی خریدار تو حکومتیں ہوتی ہیں لیکن اگر کوئی فرد یا تنظیم بھی منہ مانگی قیمت دینے پر تیار ہو تو یہ اسے بھی ایٹمی مواد دے سکتے ہیں۔ سنا ہے دہشت گرد اس کوشش میں ہیں۔''

''لیکن میرا خیال ہے یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''جو مسئلہ ہم جیسے عام افراد کی نظر میں ہے۔ وہ یقیناً حکومتوں اور اس قسم کی اسمگلنگ اور مواد کی منتقلی کی روک تھام پر مامور ایجنسیوں کے سامنے بھی ہوگا۔ دوسری طرف حکومتیں بھی اس قسم کے مواد کی پوری نگرانی کرتی ہیں اس لیے ایٹمی مواد کی چوری اتنا آسان کام نہیں ہے ہاں اس کا کچرا یقیناً چوری کیا جا سکتا ہے جس سے ڈرٹی بم بنایا جا سکتا ہے۔''

عبداللہ نے میری طرف دیکھا۔ ''یعنی ایسا بم جو دھماکہ تو عام بارودی مواد سے کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ تابکار مادہ بھی رکھا جاتا ہے جو پھٹ کر آس پاس تابکاری پھیلا دیتا ہے۔''

''بالکل ڈرٹی بم ایسا ہی کرتا ہے لیکن آج تک دنیا میں کہیں ڈرٹی بم بھی استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اس قسم کے انسانیت سوز ہتھیار ہمیشہ حکومتوں اور فوج کی طرف سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ امریکی فوج جنگ والے علاقوں میں یورینیم کی تہہ والے ہتھیار استعمال کر رہی ہے۔ یہ صرف اسی وقت تباہی نہیں پھیلاتے ہیں جب استعمال کیے جاتے ہیں بلکہ انسانوں کو نقصان پہنچانے کا عمل اس کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔''

''ایٹم بم کا استعمال بھی خود کو مہذب کہلانے اور سمجھنے والے لوگوں نے کیا۔'' وسیم بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات کیا ہو رہی تھی اور کس طرف نکل گئی۔ طے یہ پایا کہ شہلا سے بریف کیس والے معاملے پر دب کر بات نہ کی جائے۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ''شہلا کو یہ بات فتح خان نے بتائی ہے کہ ہمارے پاس اس کی تصویروں کے کچھ پرنٹ باقی ہیں جبکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہمارے پاس مزید کوئی پرنٹ نہیں ہے اس نے ہمیں جتنے پرنٹ دیئے تھے وہ میں نے شہلا کے حوالے کر دیئے تھے اور اس نے انہیں جلا دیا تھا فتح خان نے یقیناً شہلا سے اس کی تصدیق کر لی ہوگی پھر اس نے کیوں شہلا سے جھوٹ بولا کہ ہمارے پاس مزید پرنٹ ہیں اور اس وجہ سے شہلا ہم سے رابطہ کر کے بریف کیس کی بات کرنے پر مجبور ہوئی؟''

عبداللہ نے پوچھا۔ ''آپ کا مطلب ہے کہ فتح خان نے آپ کا فیور کیوں کیا؟''

''بالکل دیکھو اس کا یہ قدم ہمارے حق میں گیا ورنہ شہلا کی طرف سے بلاوجہ بریف کیس کی واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کی اہمیت سے تو فتح خان بھی واقف نہیں ہے ورنہ وہ خود اسے حاصل کر کے کسی سے اس کا سودا کرنے کی کوشش کرتا۔''

''مثلاً کس سے؟''

''اس خطے میں ایسی طاقتوں کی کمی نہیں ہے جو چین کی معاشی اور فوجی ترقی سے شدید خوف زدہ ہیں اور ان کی ہر ممکن کوشش ہے کہ کسی طرح چین پر دباؤ قائم رکھ سکیں۔ ایسی طاقتوں کے لیے یہ بریف کیس بہت قیمتی چیز ثابت ہو سکتا ہے۔'' میں وضاحت کی۔

''آپ کی مراد یقیناً امریکہ یا بھارت سے ہے۔''

''چین کے سب سے بڑے دشمن یہی دو ممالک ہیں۔ خوش قسمتی سے فتح خان یا شہلا بریف کیس کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہیں اس لیے وہ اتنی آسانی سے اسے واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔''

''اگر فتح خان جانتا ہے کہ ہمارے پاس شہلا کی مزید تصاویر نہیں ہیں تو وہ اسے دھوکا دے رہا ہے۔''

''بالکل وہ اسے دھوکا دے رہا ہے اور ہمارا فیور کر رہا ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''شاید فتح خان اپنے رویے کا ازالہ کرنا چاہ رہا ہے۔ جو اس نے کچھ عرصے سے میرے اور میرے ساتھیوں کے ساتھ روا رکھا ہے۔ ویسے معاملہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔''

''لیکن ساتھ ہی وہ مرشد اور شہلا کو بھی ہماری طرف متوجہ کر چکا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''ممکن ہے اس نے ڈیوڈ شا کو بھی بتا دیا ہو۔''

''شاید..... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے نہ بتایا ہو۔ پچھلے کچھ عرصے سے فتح خان بڑی الجھی ہوئی چالیں چل رہا ہے جو سامنے آجاتی ہیں تب بھی ان کا سر پیر سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اس وقت بھی وہ کچھ ایسا ہی کر رہا ہے۔''

''وہ مجھے اندھا دھند قدم اٹھانے والا تو نہیں لگتا ہے۔'' وسیم بولا۔

''وہ بالکل بھی ایسا نہیں ہے اس کی کھوپڑی میں شیطان کا دماغ فٹ ہے یہ بات اب میری سمجھ میں آرہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''فتح خان کے معاملے میں ہمیں بہت محتاط رہنا چاہیے ممکن ہے وہ اس بریف کیس کو ٹریپ بنا کر ہمیں پھانسنا چاہتا ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے ہمیں اس سے نجات حاصل کر لینی چاہیے۔'' وسیم نے گلے پر انگلی پھیری۔

''بعض اوقات میں بھی یہی سوچتا ہوں لیکن نہ جانے کیا بات ہے فتح خان کے خلاف میرے جذبات کبھی مار ڈالنے کی حد تک نہیں جاتے ہیں۔''

''میں نے بھی محسوس کیا ہے آپ اسے رعایت دے جاتے ہیں۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔

''حالانکہ وہ موقع ملنے پر کوئی کمی نہیں رکھتا ہے۔'' وسیم کسی قدر تلخی سے بولا۔

''نہیں یار اس نے بھی کئی مواقع پر مجھے چھوٹ دی ہے جیسے ابھی کا واقعہ لو وہ وادی سے فرار ہونے سے پہلے مجھے گولی مار سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ مگر مجھے خاموشی سے چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ کچھ دیر پہلے ہی برٹ شا مارا گیا تھا اور تم لوگ سوچ سکتے ہو کہ وہ اس کے لیے کتنا اہم تھا۔''

''وہ پاگل ہو گیا ہو گا؟''

''اس نے اپنے ساتھی کو بلا تامل شوٹ کر دیا تھا جس نے برٹ شا پر گولی چلائی تھی۔'' میں نے کہا۔ میں نے ابھی تک برٹ شا کے آخری الفاظ خود تک محدود رکھے تھے اور اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں بتائے تھے۔ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی بس میں فی الحال اس معاملے کو ایک طرف ہی رکھنا چاہتا تھا مستقبل میں کبھی کوئی ایسا موقع آتا تو میں اپنے ساتھیوں کو بتا سکتا تھا۔ مگر فتح خان کے موجودہ رویے کو دیکھتے ہوئے مجھے خدشہ ستانے لگا تھا کہیں اس کے شیطانی ذہن میں یہ خیال تو نہیں آ گیا تھا کہ برٹ شا نے مرنے سے پہلے مجھے کچھ بتایا ہو۔ اگر اسے یہ خیال آیا ہو گا تو وہ اسے حقیقت سمجھنے لگا ہو گا اور اب اس کا لائحہ عمل اسی کے مطابق ہو گا۔ تو فتح خان میرے بارے میں پھر سے کوئی منصوبہ لے کر سرگرم عمل ہو گیا ہے اور وہ جو کر رہا تھا اس کے پیچھے یہی منصوبہ ہو سکتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فتح خان مرشد اور شہلا کو آگے کر کے ان کی آڑ میں خود بھی موجود ہو۔

اس معاملے پر غور کرتے ہوئے مجھے لگا جیسے میں کسی بہت ہی پیچیدہ بین الاقوامی جاسوسی کے چکر میں آ گیا ہوں۔ انسانوں کے آپس کے ذاتی معاملات بھی اتنے پیچیدہ ہو سکتے ہیں یہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں جانا تھا۔ اب میں پہلے کی طرح اندھا دھند قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مجھے ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہو گا۔ حالات پہلے سے یوں بھی مختلف اور پیچیدہ ہو گئے تھے کہ اب ہمارے ساتھ خواتین بھی تھیں۔ پہلے صرف مونا تھی اور سفیر سے اس کا رشتہ محبت کا تھا اس لیے وہ اس سے دور بھی رہ سکتی تھی۔ مگر اب وہ بیوی تھی اور شوہر سے دور نہیں رہ سکتی تھی جب کہ اس کا اپنا کوئی گھر بھی نہیں تھا یہی حال سعدیہ کا تھا صرف ایک سویرا ابھی بیوی نہیں بنی تھی لیکن وہ بھی یہیں تھی۔ ان کی وجہ سے ہم پر دباؤ آتا تھا اور ہمارا بہت سارا وقت اور توانائی ان کے تحفظ میں صرف ہو جاتی تھی۔ ان کا تحفظ ہماری اولین ترجیح ہو سکتی تھی۔ صرف خواتین ہی نہیں بلکہ مجھے بعض اوقات اپنے ساتھیوں کی وجہ سے بھی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا کیونکہ وہ بھی میری کمزوری تھے۔ اکیلا میں مضبوط اور پُراعتماد ہوتا ہوں کہ میری ذات پر جو گزرے گی میں جھیل جاؤں گا۔ کسی کا ساتھ بعض اوقات مجھے کمزور کر دیتا ہے اور میں درست اور بروقت فیصلے نہیں کر پاتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے میرے ساتھیوں سے کوئی مدد نہیں ملی۔ اگر وہ نہ ہوتے تو شاید میں کب کا مرشد اور نادر جیسے درندوں کا نشانہ بن چکا ہوتا۔ وہ میرے دست و بازو تھے۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' وسیم کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کچھ نہیں۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا تو وسیم عجیب سے انداز میں مسکرا دیا۔ ایسا لگا جیسے وہ میری سوچ بھانپ گیا ہو۔ پھر اس نے تصدیق بھی کر دی۔

''میرا خیال ہے آپ بھیڑ بھاڑ سے مشکل محسوس کرتے ہیں؟''

میں نے حیرت ظاہر نہیں کی لیکن اعتراف کر لیا۔ ''ہاں جب گھٹیا دشمن سے مقابلہ ہو تو میں اکیلے میں زیادہ اطمینان محسوس کرتا ہوں۔''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''کم سے کم خواتین کے بارے میں میری بھی یہی رائے ہے کہ ان کو کہیں دور دراز محفوظ جگہ ہونا چاہیے جس سے دشمن بھی ناواقف ہوں۔''

اس دوران میں سفیر آ گیا اور اس نے کیتلی سے اپنے لیے کافی انڈیلی اس نے کہا۔ ''لیکن میرے بھائی وہ اس رائے سے کہاں متفق ہوں گی جن کے لیے یہ رائے ہے۔''

''مجھے تو ان سے زیادہ تم نامتفق لگ رہے ہو۔'' میں نے کہا تو سفیر ہنسا گیا۔

''ٹھیک ہے تو خود ہی منوانا میرے سر مت مارنا اس بلا کو۔''

''لو بھائی ابھی سے بلا ہو گئی۔'' وسیم ہنسا۔ ''ویسے شہباز صاحب آپ بھی اپنے والد صاحب کی بات مان لیں تاکہ تینوں ایک ہی جگہ صبر سے رہیں۔''

میں پھر اپنی اور وسیم کی سوچ کی یکساں کا قائل ہو گیا یہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ ان تینوں کو حویلی بھیج دوں۔ وہ وہاں دشمنوں کی نظروں سے دور اور محفوظ ہوں گی۔ سفیر بھی سمجھ گیا اس نے ملائمت سے کہا۔ ''تم بھول رہے ہو بھائی سویرا کو وہیں سے اغوا کیا گیا ہے اور وہ دشمنوں کے لیے جانی پہچانی جگہ ہے۔''

''پھر تیرا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ تو طے ہے کہ اب انہیں یہاں نہیں رکھنا ہے۔''

''دیکھ سویرا کو تو حویلی بھیج دے اس کا معاملہ الگ ہے اور حویلی سے زیادہ دیر تک دوری اس کے لیے دوسرے مسائل کو جنم دے گی میری بات سمجھ رہا ہے ابھی تک صرف ملک صاحب ہی جانتے ہیں کہ سویرا حویلی میں نہیں ہے۔''

''تو ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن باقی دو کا کیا کریں؟'' میں نے سوچ کر کہا اس کی بات دل کو لگی تھی۔

''وہ ہمارے ساتھ رہ سکتی ہیں۔'' سفیر نے کہا تو اس بار میں بھنا گیا۔

''بات وہیں رہی ان کو ہمارے ساتھ ہی سب سے زیادہ خطرہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ انہیں کچھ عرصے کے لیے منظرِ عام سے بالکل غائب کر دیا جائے۔ وہ نہ صرف دشمن بلکہ ہماری پہنچ سے بھی دور رہیں۔''

''یہ بالکل مناسب نہیں ہوگا۔'' سفیر ہڑبڑا کر بولا۔ ''ہماری پہنچ سے کیوں دور رہیں۔''

وسیم اور میں نے قہقہہ مارا تو سفیر جھینپ گیا۔ ''تب ایسا کرتے ہیں ان کے ساتھ تجھے بھی چھوڑ دیتے ہیں۔''

''اب تم بکواس کرنے پر اتر آئے ہو۔'' سفیر نے کہا۔ ''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم کچھ سوچ رہا تھا اس نے کہا۔ ''میری ایک تجویز ہے۔ دیکھیں خواتین کو خود سے جدا کر کے ملک میں کہیں بھی رکھیں ان کے بارے میں ہمیں تشویش تو رہے گی۔''

''آپ کا مطلب ہے انہیں کہیں باہر بھیج دیا جائے؟'' عبداللہ نے پوچھا

''میری یہی تجویز ہے۔ دیکھیں آس پاس کئی ایسے ملک ہیں۔ جہاں کا ٹورسٹ ویزہ آسانی سے مل جاتا ہے۔''

''مثلاً چین۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ٹورسٹ ویزے پر بھی وہاں لامحدود نہیں رہا جا سکتا ہے۔''

''میرا خیال ہے دو تین مہینے کا ویزہ مل سکتا ہے۔'' عبداللہ بولا۔ ''آپ کہیں تو میں معلوم کر کے بتاتا ہوں۔''

''یہ بعد میں دیکھیں گے کہ کون سا ملک موزوں ہے لیکن میں تمہاری تجویز سے متفق ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم صرف چین ہی نہیں بلکہ مالدیپ، تھائی لینڈ اور اسی طرح ان ملکوں کے بارے میں معلوم کرو جہاں پاکستانی اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔''

''میں بھی اس تجویز سے متفق ہوں۔'' خلاف توقع سفیر نے بھی کہا۔

''ان کو یہاں سے روانہ کر کے ہم سکون سے اپنے دو تین معاملات نمٹا سکیں گے۔ جیسے بریف کیس والا، پھر ایمن کا معاملہ ہے اور سب سے اہم نادر کا معاملہ ہے۔ ایک بار اس کا کانٹا نکل جائے تو مرشد سے معاملہ کیا جا سکتا ہے۔'' وسیم بولا تو میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''اگرچہ مجھے اس کی امید نہیں ہے مرشد اور نادر ایک ہی نسل کے زہریلے سانپ ہیں اور یہ موقع ملنے پر ڈسے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں لیکن سانپ ایک کم ہو تو خطرہ بھی کم ہو جائے گا۔''

سفیر نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''کیا تو مرشد کی بات سے متفق ہے کہ نادر کو اس دنیا سے رخصت کر دیا جائے۔''

''یہ تو میری پرانی خواہش ہے لیکن یہ کام مرشد کی مرضی کے مطابق نہیں ہوگا۔''

''بالکل ٹھیک وہ ہمیں پھنسانا چاہ رہا ہے لیکن ہم اس کے چکر میں نہیں آئیں گے۔'' وسیم نے کہا۔ مانی نے ڈائننگ روم میں جھانکا۔

''یہ بے ایمانی ہے خادم تو سب کی خدمت کرے اور جب اپنی باری آئے تو لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔''

''یار تم روتے ہی رہتے ہو۔'' سفیر نے کہا۔ ''آ کر یہاں بنا لو کسی نے منع نہیں کیا ہے۔''

''جی نہیں شکریہ۔'' اس نے خفگی سے کہا اور واپس [illegible]

''ویسے یہ زیادتی ہے۔'' میں نے مانی کی تائید کی۔

''دوسرا بیتو آ گیا ہے۔'' وسیم ہنسا۔ ''ویسے خواتین کے ساتھ کسی کو تو بھیجنا ہوگا تو بیتو چلا جائے یہ اس کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ کھڑا ہو گیا۔ ''اچھا اب مجھے اجازت ہے میں کل سے اس کام کا آغاز کرتا ہوں۔''

عبداللہ کے جانے کے بعد وسیم نے اٹھ کر کیتلی سے مانی کے لیے کافی نکالی اور اسے دینے چلا گیا۔ کچھ دیر میں وہ اس کے ساتھ خوش خوش آ گیا اور بولا۔ ''شہباز بھائی مجھے لگتا ہے اللہ نے دو کاموں کے لیے مجھے اس دنیا میں بھیجا ہے ایک کمپیوٹر کے لیے اور دوسرا کافی پینے کے لیے۔''

''نہیں برخوردار اس کے علاوہ بھی تم سے بہت سے کام لینے ہیں۔'' سفیر نے حسب عادت اسے چھیڑا۔ ''یہ بتاؤ کبھی پستول، رائفل، مشین گن، بھاری مشین گن اور راکٹ لانچر چلانے کا اتفاق ہوا ہے۔ نشانہ کیسا ہے دستی بم کو نشانے پر پھینک لو گے۔''

مانی نے جلدی سے کافی کا بڑا سا گھونٹ لیا اور کانوں کو ہاتھ لگا۔ ''ان سب ہتھیاروں کا استعمال کمپیوٹر گیم میں کیا ہے۔ سچ میں تو کبھی دیکھا بھی نہیں ہے اور فائر کی آواز سن کر میرے ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں۔''

''تب دستی بم کا دھماکہ تمہارا ہارٹ فیل کر دے گا۔'' وسیم نے کہا۔

''جی بالکل مجھے اس قسم کے معاملات میں معاف رکھیں ہاں جہاں تک کمپیوٹر کا تعلق ہے تو میں آپ کے لیے جان لڑا دوں گا۔''

''تو بس برخوردار تم جا کر جان لڑاؤ۔'' سفیر نے اس کا شانہ تھپکا۔

''رات کے لیے جو منگوائیں ذرا اچھی مقدار میں منگوایئے گا۔'' اس نے جاتے ہوئے کہا۔ ''پزا سے میرا پیٹ نہیں بھرا۔''

سفیر کی آنکھیں باہر آ گئیں اس نے مجھے اور وسیم کو دیکھا۔ ''لارج سائز پزا کھا کر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرا۔''

وسیم ہنسا اور ٹی وی پر دکھائے جانے والے ایک اے سی کے ایڈ کی نقل کی۔ ''اس کے چھوٹے سائز پر مت جانا۔''

کچھ دیر ہنسی مذاق کے بعد ہم دوبارہ اصل موضوع پر آ گئے۔ ''یہ طے ہے کہ انہیں کہیں باہر بھیجنا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''بیٹے ان سے پوچھے بغیر طے کر رہے ہو کیلئے میں کیسے نمٹو گے؟''

''ابھی کچھ اور کہہ رہے تھے۔'' سفیر جھنجلا گیا۔ ''تمہاری کوئی ایک زبان ہے۔''

''اوہ بھائی ڈپلومیسی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''اب طریقے سلیقے سے منواؤ تو کیوں نہیں مانیں گی۔''

وسیم ہماری نوک جھوک سے قطع نظر سوچ و بچار میں مصروف تھا۔ اس نے کہا۔ ''شہباز صاحب اگر ان کو چین بھیج دیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا ہم بھی چینی حکومت کے ایک معاملے میں ملوث ہیں اور اگر ہم بریف کیس واپس کرنے میں کامیاب رہے تو یقیناً چین کی حکومت خوش ہو گی۔''

''وہ دوسرا معاملہ ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اگر ہم بیتو اور خواتین کو چین ٹورسٹ ویزے پر بھیجیں تب بھی کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ چین نے ٹورسٹوں کے لیے بہت سہولیات رکھی ہیں اور یہ سہولیات پاکستانی سیاحوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے بھی ہوں گی۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''بریف کیس والا معاملہ الگ ہے اور میرا تو خیال ہے کہ ہمیں بریف کیس مل جائے تو اسے یوں واپس کرنا چاہیے کہ ہم سامنے نہ آئیں ورنہ ممکن ہے کسی اور چکر میں پڑ جائیں۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''مملکتوں کے لیے راز انسانوں یا ان سے وابستہ کسی بھی جذبے سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ اس قسم کے چکروں سے دور رہنا ہی ٹھیک ہوگا۔''

وسیم نے گہری سانس لی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ یہ بریف کیس ہماری اخلاقی ذمے داری ہے لازمی مجبوری نہیں ہے؟''

''بالکل اگر ہم اسے حاصل کر کے چین کو واپس کر دیں تو اپنی اخلاقی ذمے داری پوری کر لیں گے اور اگر نہ کر سکے تو ہم پر کسی قسم کا الزام نہیں آئے گا کیونکہ نہ تو ہم نے اس حوالے سے کسی قسم کی ذمے داری لی ہے اور نہ ہی چین کے رازوں کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ویسے بھی وہ بریف کیس میں محفوظ ہیں۔ اسے سوائے درست لاک کمبی نیشن کے اور کسی طریقے سے کھولنے کی کوشش کی گئی تو یہ دھماکے سے تباہ ہو جائے گا۔ اس طرح اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ بریف کیس غلط ہاتھوں میں چلا گیا تو وہ اسے کھول کر اس کے راز معلوم کر سکتے ہیں۔''

''مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''حکومتوں کے پاس وسائل لامحدود ہوتے ہیں۔ ان کے ماہرین کسی نہ کسی طریقے سے بریف کیس کھول سکتے ہیں۔''

''لیکن فی الحال وہ شہلا کے پاس ہے۔'' میں نے بات ختم کر دی۔ ''اب اس سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔''

سورج غروب ہو چکا تھا کچن میں ہلکی سی سردی محسوس ہونے لگی۔ وسیم نے کہا۔ ''شاید نیچے بھٹی میں آگ کم ہو گئی ہے میں جا کر دیکھتا ہوں۔''

''روز کتنی لکڑی ڈالتے ہو بھٹی میں؟'' میں نے پوچھا۔

''ڈھائی سے تین من۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ابھی پیچھے شیڈ میں تقریباً تین سو من کے قریب لکڑی موجود ہے جو ساری سردیوں کے لیے کافی ہوگی۔''

''یہ تو اچھا ہے۔ میرا خیال ہے یہاں گیس نہیں ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''گیس یہاں سے کچھ ہی دور ہے لیکن شاید فارم ہاؤس کے مالک نے خود نہیں لی۔'' سفیر نے کہا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ''سات بجنے والے ہیں کیا خیال ہے کھانے کے لیے آرڈر کر دوں۔''

''منگوا لو۔'' وسیم نے کہا اور تہہ خانے کی طرف چلا گیا جہاں بھٹی لگی تھی۔ میں مانی کے پاس آیا جو حسب معمول اپنے لیپ ٹاپ پر جھکا ہوا تھا۔ میں اس سے گپ شپ کرنے کے ارادے سے آیا تھا لیکن ایک موقع پر جب اس نے بتایا کہ وہ کسی کا ای میل ایڈریس بھی ہیک کر سکتا تو مجھے خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھا۔

''کوئی بھی ای میل ایڈریس؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں کوئی بھی۔''

''ایک شخص ہے ڈیوڈ شا کیا تم اس کا ای میل ہیک کر سکتے ہو؟''

''کس پوزیشن کا آدمی ہے؟''

''یہ سوال کیوں کیا ہے؟''

''آدمی راز داری کی اہمیت کے حساب سے اپنے ای میل ایڈریس کی سیکورٹی کرتا ہے۔''

میں نے سوچ کر کہا۔ ''سمجھ لو امریکی صدر کے ای میل کی جتنی سیکورٹی ہوگی اتنی ہی اس شخص کے ای میل کی بھی ہوگی۔ کیا ایسے شخص کا ای میل ہیک کرنا مشکل ہوتا ہے؟''

''نہیں جناب مشکل تو نہیں ہوتا ہے لیکن سیکورٹی کی وجہ سے اسے پتا چل جاتا ہے اس لیے وہ اپنا پاس ورڈ بدل لیتا ہے یا ای میل پھر استعمال ہی نہیں کرتا ہے۔ تو پھر ہیکنگ کا مقصد ہی فوت ہو گیا نا۔ اس لیے ہمیں ایسے ای میل ایڈریس اس طرح ہیک کرنے ہوتے ہیں کہ اس کے مالک کو پتا نہ چلے۔''

''تم کس طرح معلوم کرو گے کہ ڈیوڈ شا کا ای میل ایڈریس کیا ہے؟''

''اس کے لیے آپ کو مزید معلومات دینا ہوں گی اس شخص کے بارے میں۔''

میں اسے ڈیوڈ شا کے بارے میں بتانے لگا۔ مانی کا منہ کھل گیا تھا جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

''جناب آپ کس شخص کے ساتھ پنگا کرنا چاہ رہے ہیں۔ یہ تو اپنے تعارف سے بہت خطرناک لگ رہا ہے۔''

''یہ پہلے ہی میرے ساتھ پنگے میں ہے۔ اس لیے مزید پنگے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

مانی نے کی بورڈ پر انگلیاں چلانا شروع کیں۔ ''اس شخص کے لیے بہت محتاط ہونا پڑے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک رات فارم ہاؤس میں ہیلی کاپٹر اتر آئیں اور اگلے دن میری آنکھ کھلے تو میں گوانتاناموبے جیسے کسی قید خانے میں پڑا ہوں۔''

''سمجھ لو تقریباً اتنا ہی خطرناک آدمی ہے۔'' میں نے کہا

مانی نے چند منٹ میں معلومات کی مدد سے ڈیوڈ شا کا ای میل نکال لیا۔ یہ اس کے اپنے نام سے تھا۔ مانی نے کہا۔ ''ممکن ہے یہ اس کا عام ای میل ایڈریس ہو خاص اس نے کسی اور نام سے بنایا ہو۔''

''اسے تلاش کرنے کا کیا طریقہ ہوگا۔''

''طریقہ بڑا طویل ہوگا لیکن ہمارا کام ہی ایسا ہے۔ سب سے پہلے اس ای میل کو ہیک کر کے اس کی کونٹیکٹ لسٹ دیکھنا ہوگی ممکن ہے ڈیوڈ شا کا خفیہ ای میل ایڈریس اس میں شامل ہو۔''

''چلو پہلے اسے تو ہیک کرو۔'' میں نے کہا اور اپنے کمرے کا رخ کیا۔ ایک محفوظ طریقہ رابطہ ہاتھ آجانے کے بعد میرا دل کر رہا تھا کہ مرشد سے چھیڑ خانی کروں۔ میں نے انٹرنیٹ کی مدد سے اس کے موبائل پر کال کی۔ ایک بار اس نے کال کاٹ دی لیکن جب میں نے دوسری بار ملائی تو اس نے ریسیو کر لی اور جھنجھلائے انداز میں بولا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی گنگناہٹ تھی جیسے وہ سویے ہوئے ہو۔

''کون ہو کیا بات ہے؟''

''میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے اپنا نام لینے سے گریز کیا لیکن اس نے فوراً میرا نام لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز ملک تم نے اس وقت کیوں کال کی۔''

''صرف یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ڈیوڈ شا سے تمہارا اب بھی رابطہ ہے یا نہیں۔''

مرشد نے اسے ایک گندی سی گالی دی۔ ''وہ خود کو کیا سمجھتا ہے میں اس کا غلام ہوں کیا؟''

میں ہنسا۔ ''یہ تو ٹھیک سمجھتا ہے اور تم لوگ..... میری مراد ہمارے ملک کی حکمران کلاس سے ہے ان گوروں کے غلام ہی ہو۔ ابھی تم اسے گالی دے رہے ہو لیکن اگر وہ تمہارے سامنے آجائے تو مجھے یقین ہے تم اس کے جوتے چاٹنے سے بھی گریز نہیں کرو گے۔''

''بکواس مت کرو۔'' مرشد غرایا۔ ''کام کی بات کرو میں بہت مصروف ہوں۔''

اس کی مصروفیت کی گنگناتی آواز مجھ تک آرہی تھی۔ مرشد خلوت میں تھا اور اس کے ساتھ کوئی عورت بھی تھی۔ مرشد نے اسے بھی بکواس بند رکھنے کا حکم دیا تو وہ زور سے ہنسی۔ وہ مرشد سے بھی زیادہ نشے میں تھی۔ میں نے ہنس کر کہا۔ ''ٹھیک ہے تم اپنی مصروفیات دیکھو میں بعد میں کال کرلوں گا۔''

''سنو شہباز اگر مجھے تم سے رابطہ کرنا ہو تو میں کیسے کروں گا؟''

''فی الحال ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے اس کوٹھی پر دوبارہ کال مت کرنا اب میں وہاں سے رابطے میں نہیں ہوں۔''

''جھوٹ وہ راجا عمر دراز کی کوٹھی ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ تم اس کے آدمیوں سے رابطے میں نہ ہو۔''

''تم آزما کر دیکھ لو ویسے تم فکر مت کرو میں جلد تمہیں دوبارہ کال کروں گا۔''

''ایک منٹ میری بات.....'' مرشد نے کہنا چاہا لیکن میں نے کال کاٹ دی۔ میں شال لے کر نیچے آیا اور باہر لان میں نکل آیا۔ سردی غضب کی تھی لیکن اس کا بھی ایک الگ ہی مزہ ہے۔ مانی نے باہر کی روشنیاں آن کردی تھیں اور ہلکی دھند کی وجہ سے لیمپ لائٹس خواب ناک سا تاثر دے رہی تھیں۔ سفیر کی سردی سے جان جاتی تھی اس لیے اس نے باہر آنے کی کوشش نہیں کی البتہ وسیم آگیا۔

''سردی کے مزے لے رہے ہیں۔''

''ہاں یار اللہ کی نعمتوں کا شمار ہی نہیں ہے ہر موسم کا بھی الگ مزہ رکھا ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' اس نے کہا اور پھر موضوع بدل دیا۔ ''مس شا کے مسئلے کا کوئی حل سامنے آیا؟''

''ابھی تو نہیں..... سنا ہے آج انگلینڈ سے دو ماہر آکر جیکٹ کا معائنہ کریں گے۔ ویسے اس قسم کے کام بہت رسکی ہوتے ہیں۔ بم ٹریپ ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں ماہر ترین آدمی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اسے سو فیصد محفوظ طریقے سے ناکارہ بنا سکے گا۔ مجھے لگ رہا ہے بات بالآخر فتح خان پر جائے گی۔ بس یہ طے کرنا ہوگا کہ اس کا مطالبہ پورا کرنا ہے یا نہیں کرنا ہے۔''

''نہ کرنے کی وجہ کیا ہوگی؟''

''حکومتی انا اور کیا ہوسکتا ہے ورنہ یہی ملک چپکے چپکے تاوان ادا کرتے رہے ہیں۔ ہاں اگر بات کھل کر میڈیا تک پہنچ گئی تو پھر ملک کی عزت کا بہانہ کرتے ہیں اور افراد کو قربان کردیا جاتا ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے اس میں ڈیوڈ شا بھی ملوث ہوسکتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل اس کے لیے یہ جاگیر اور خطاب کا مسئلہ ہے اگر ایمن زندہ رہ گئی تو جاگیر اور خطاب اسے منتقل ہو جائے گا اور ڈیوڈ شا اس معاملے میں خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ اس لیے اگر وہ اس معاملے میں ملوث ہو گیا تو ایمن کے لیے آسانی نہیں ہو گی صرف مشکل ہو گی۔''

''ڈیوڈ شا آپ سے بھی معاملہ طے کرنا چاہتا تھا لیکن مرشد نے دھوکا دیا۔ دوسری طرف وہ جانتا ہے ایمن شا سے آپ کی دوستی ہے تو کیا ہوا اس معاملے کو استعمال کرنے کی کوشش نہیں کرے گا؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''درحقیقت مجھے یہی خدشہ ہے۔ وہ مجھ سے بات کرے گا اور مجھے پھر معاہدہ میں جکڑنے کی کوشش کرے گا۔ جیسا کہ اس نے پہلے کیا تھا لیکن مرشد نے وعدہ خلافی کر کے اور اس کے آدمی نے غداری کر کے مجھے معاہدے کی اس زنجیر سے آزاد کر دیا تھا۔''

''اگر اس نے دوبارہ آپ کو وہی زنجیر پہنانے کی کوشش کی تو آپ کا ردِعمل کیا ہو گا۔''

''اس بار میں مکمل طور پر اس کے قابو میں نہیں ہوں گا اس لیے وہ پہلے جیسی بات نہیں کر سکے گا۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''لیکن مجھے ایمن شا کو بچانے کے لیے بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا کیونکہ میری حفاظت میں ہوتے ہوئے فتح خان نے اسے ٹریپ کیا ہے۔''

''ڈیوڈ شا آپ تک رسائی نہیں رکھتا ہے۔ آپ غائب ہو سکتے ہیں جب آپ سامنے نہیں ہوں گے تو وہ کس سے بات کرے گا؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس صورت میں ڈیوڈ شا ایمن کے خاتمے پر تل جائے گا اور اس کا اثر و رسوخ کام نہ آیا تو وہ معاملے کو پبلک کر دے گا اس کا نقصان بھی ایمن کو ہو گا۔ ممکن ہے فتح خان کے خلاف ہماری حکومت کو کارروائی پر مجبور کیا جائے اور وہ کہیں غائب ہو جائے اس کے بعد بم کو ناکارہ کرنے والا کوڈ کون بتائے گا؟''

''ایک خدشہ اور بھی ہے جس سے تاوان کی ادائیگی سے گریز کیا جا سکتا ہے اگر فتح خان رقم وصول کر کے بھی غلط کوڈ بتا دے تو کوئی اس کا کیا بگاڑ سکے گا۔''

''اس صورت میں اس کی تلاش بین الاقوامی پیمانے پر کی جائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''دوسرے فتح خان جانتا ہے کہ ایمن کی موت کے بعد میری اور اس کی دشمنی خونی ہو جائے گی۔ کسی ایک کا خون ہی اس دشمنی کو ختم کر سکے گا۔ اس لیے مجھے امید ہے وہ اس حد تک نہیں جائے گا۔''

''وہ تو ویسے بھی کی جائے گی۔'' وسیم نے کہا۔ ''مغربی طاقتیں اس شخص کے پیچھے پڑ جاتی ہیں جو کسی طرح بھی ان کی ناک نیچی کرے۔''

''مگر ایمن کی موت کی صورت میں معاملہ کہیں زیادہ سنگین ہو جائے گا۔ میں نے سنا ہے ہر سال دنیا کے لطیف حصوں میں اغوا کیے جانے والے مغربی سیاحوں کے تاوان کی ادائیگی چپ چاپ کر دی جاتی ہے اور ایسے کیسز کو منظرِ عام پر آنے نہیں دیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معاملہ منظرِ عام پر آنے سے عام طور سے تاوان ادا نہیں کیا جاتا ہے اور نتیجے میں معصوم اغوا کاروں کے ہاتھ مارا جاتا ہے اور ان کی حکومتوں کو دکھاوے کے لیے سہی لیکن کارروائی کرنا پڑتی ہے جو انہیں تاوان سے کہیں زیادہ مہنگی پڑ جاتی ہے اس لیے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ خاموشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے تاوان ادا کردیں۔ کیونکہ وہ نہ اپنے لوگوں کو دنیا کی سیاحت سے روک سکتے ہیں اور نہ اغوا کاروں کو انہیں اغوا کرنے سے روک سکتے ہیں۔"

میں اور وسیم ٹہلتے رہے اور مختلف معاملات پر بات کرتے رہے۔ خاصی دیر بعد سفیر نے اندر سے جھانکا۔

"کیا بات ہے بھائی کیا موسم بہت خوشگوار ہوگیا ہے اندر نہیں آرہا ہے۔"

"تم باہر آجاؤ۔" وسیم نے کہا۔ "موسم واقعی بہت خوشگوار ہوگیا ہے۔"

"مجھے معاف رکھو، اس سے بہتر ہے میں مانی کے پاس جا کر بیٹھ جاؤں۔" سفیر نے کہا اور اندر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد میں اور وسیم بھی اندر آگئے۔ میں نے مانی سے ڈیوڈ شا کے ای میل کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ ڈیوڈ شا شاید مستقل لاگ ان ہے اس لیے وہ ابھی تک اپنا کام نہیں کرسکا ہے۔ ہمارے پاس کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا اس لیے ٹی وی دیکھتے رہے پھر کھانا آگیا وہ کھایا اور دوبارہ لاؤنج میں آگئے۔ میرا سونے کا موڈ ہوا تو میں اوپر چلا آیا۔ شاید یہ گزشتہ کچھ عرصے سے نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ میں سارا دن آرام کرنے کے بعد لیٹا اور سو گیا۔ صبح بھی دیر سے آنکھ کھلی جسم میں کسلمندی تھی۔ میں گرم پانی سے نہایا تو کسلمندی کسی حد تک ٹھیک ہوگئی تھی آج ناشتہ حلوہ پوری اور بھاجی کا تھا یہ بھی آرڈر کرنے پر آگیا تھا۔ سفیر مجھے دیکھ کر چہکا۔ "موبائل فون کا سب سے اچھا استعمال یہی ہے۔"

"اچھا میں تو سمجھتا تھا بیوی سے بات کرنا ہے۔" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ سفیر نے منہ بنایا۔

"جب آدمی دو بدو گفتگو اور دوسرے امور انجام دے سکتا ہے تو موبائل فون کی کیا ضرورت ہے اس معاملے میں؟"

"یہ بھی ہے۔" میں نے تائید کی۔ "وسیم کہاں ہے؟"

"عبداللہ کی کال آئی تھی اس نے بلایا ہے وہ خواتین کو نکالنے کے منصوبے کو حتمی صورت دینا چاہتے ہیں۔ اسی سلسلے میں وسیم کو بلایا ہے وہ وین لے گیا ہے۔"

"جتنی جلد یہ کام ہو جائے اچھا ہے اس کے بعد ہم زیادہ بے فکری سے مرشد کی طرف توجہ دے سکیں گے۔" میں نے کہا۔ "لیکن فی الحال میں بے کار ہوں۔"

سفیر نے یاد دلایا۔ "تمہیں ناشتے کے بعد شہلا سے بات کرنی ہے بریف کیس کے لیے۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن نہ جانے کیوں میں خود کو فی الحال بے کار محسوس کر رہا ہوں۔"

"شاید اس لیے کہ تمہیں کچھ عرصے سے اکیلے کام کرنے کی عادت پڑ گئی ہے اور اب سب مل کر کرتے ہیں اس لیے تمہیں اپنا آپ بے کار لگ رہا ہے۔ ویسے دشمنوں کی طرف سے بھی سناٹا ہے۔ فتح خان صرف چھیڑ چھاڑ کر رہا ہے اور مرشد نے بھی دشمنی سے ہاتھ اٹھانے کا اشارہ دے دیا ہے۔ شہلا بریف کیس دینے پر آمادہ ہے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "لیکن مجھے یقین ان میں سے کسی پر بھی نہیں ہے۔ یہ سب اپنے ہی چکروں میں ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک کہا اور ہمیں ان کے چکروں سے اپنا کام نکالنا ہے۔'' سفیر نے چائے میرے سامنے رکھی۔ ''میں بھی جا رہا ہوں کچھ سامان لانا ہے۔''

''عبداللہ کی طرف مت جانا۔'' میں نے خبردار کیا۔

سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''ہاں یار فی الحال تو کوئے جاناں کی طرف جانے پر پابندی ہے۔''

''کیونکہ وہاں سے سُوئے دار کی طرف جانے کا بھی پورا امکان ہے۔'' میں نے سر ہلایا اور چائے کا کپ اٹھالیا۔ ''آؤ ذرا شہلا سے بات ہو جائے۔''

''تم کرو میں جا رہا ہوں آج دوپہر کے لیے خود کچھ لے کر آؤں گا۔'' سفیر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ میں نے اسٹڈی میں جھانکا مانی حسبِ معمول کمپیوٹر کے سامنے موجود تھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''نوٹ کما رہا ہوں جناب۔'' اس نے انگلیاں چلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''دو گھنٹے میں چار سو ستر ڈالرز کما چکا ہوں۔''

''انٹرنیٹ کے ذریعے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں یہاں کمائی کے بہت مواقع ہوتے ہیں۔ مجھے اتنا وقت نہیں ملتا ہے ورنہ اس سے بھی زیادہ کما سکتا ہوں۔''

''یعنی فی گھنٹہ دو سو پینتیس ڈالرز؟''

''نہیں جناب یہ تو خاص کام ہے ایک سافٹ ویئر کی خامی ٹھیک کی ہے۔ یہی کام کسی کمپنی سے کراتے تو ان کو کم سے کم بھی دو ہزار ڈالرز دینا پڑتے۔ مجھ سے پانچ سو سے بھی کم میں لے لیا۔ ویسے نارمل میں روز سو سے ڈیڑھ سو ڈالرز کمائے جا سکتے ہیں۔''

''تمہیں ادائیگی کس طرح ہوتی ہے؟''

''انٹرنیٹ پر میرا اکاؤنٹ ہے دنیا کے کسی بھی بینک یا کریڈٹ کارڈ سے مجھے ادائیگی کی جا سکتی ہے۔ اب تو انٹرنیٹ بینک بھی آ گئے ہیں۔''

''تم تو ماشاءاللہ کماؤ پوت ہو۔''

''لیکن میرے ڈیڈی اس سے مطمئن نہیں ہیں وہ چاہتے ہیں کہ میں سول سروس میں آ جاؤں اور پھر میرے بھی امریکہ اور یورپ میں اثاثے ہوں اور سوئس بینک میں اکاؤنٹ ہو۔'' مانی کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ ''مانی تم جیسے نوجوان آج کے دور میں قابلِ فخر ہیں کیونکہ ہماری نئی نسل اچھے برے کی تمیز کھو چکی ہے۔''

''میں بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ عبداللہ بھائی اور آپ جیسے لوگ مل گئے جو فطرت کے لحاظ سے اچھے ہیں اور اچھوں کی قدر کرتے ہیں۔''

''فی الحال تو ہم تمہاری قدر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔'' میں نے ندامت سے کہا۔ ''الٹا تم سے فری میں کام لے رہے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ آپ سے کس نے کہا عبداللہ بھائی نے مجھے باقاعدہ جاب دی ہے اور مجھے تنخواہ دی جاتی ہے۔ پہلی تنخواہ تو انہوں نے پیشگی دے دی تھی کیونکہ میں کپڑے تک نہیں لایا تھا صرف اپنا کمپیوٹر اور اس کا ضروری سامان لایا تھا۔''

''انٹرنیٹ کام کر رہا ہے میں ایک کال کرنے جا رہا ہوں۔''

''جی بالکل کام کر رہا ہے۔'' اس نے کہا۔

میں اوپر آیا اور لیپ ٹاپ آن کیا۔ شہلا کا نمبر ملایا۔ اس نے کچھ دیر بعد کال ریسیو کی۔ ''کون بات کر رہا ہے؟''

''کسی نامعلوم نمبر سے کون بات کر سکتا ہے؟'' میں نے کہا۔

''صرف تم نہیں ہو۔'' وہ خشک لہجے میں بولی۔ ''مجھے انٹرنیٹ سے اور بھی کالز آتی ہیں۔ یہ بتاؤ تم تبادلے کے لیے تیار ہو؟''

''ہاں لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم کوئی دھوکا نہیں کرو گی۔''

''یہ سوال تو مجھے کرنا چاہیے۔''

''تمہیں؟'' میں نے طنز کیا۔ ''جس نے موقع ملنے پر ہمیشہ مجھے دھوکا دیا۔ اب یہ بریف کیس تمہارے کس کام کا تھا لیکن جب کمانڈ تمہارے ہاتھ میں آئی تو تم نے بلا تکلف اسے تھما لیا۔ دوسرے مجھے شبہ ہے کہ تمہارے پیچھے اب بھی فتح خان ہے اور وہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو قابو کرنے کی فکر میں ہے۔''

''میرا اب فتح خان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تبھی اس نے تمہیں راجا عمر دراز کی کوٹھی کا بتایا ہے۔''

''اس نے خود مجھے کال کر کے اطلاع دی تھی۔''

''یعنی اس کے پاس تمہارا نمبر ہے دوسری طرف وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اب اس کا تم سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔''

''ہماری راہیں الگ ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم میں کوئی رابطے کا ذریعہ نہیں رہا ہے۔ اگر تم اعتبار نہیں کر رہے ہو تو تبادلے کی کیا صورت ہو گی۔''

''تمہیں میری بتائی جگہ آنا ہو گا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس نے فوراً کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''بریف کیس تم اپنے پاس رکھو تم اس کو کھول نہیں سکتی ہو اور اپنی تصویریں بھول جاؤ۔''

''کیوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''تم ان تصویروں کا کیا کرو گے؟''

''وہی جو تم بریف کیس کا کرو گی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شہلا تم بھول رہی ہو مجبور تم ہو میں نہیں اس لیے تبادلہ میری شرائط پر ہو گا۔''

وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے مرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ تبادلہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آج ہی ہو جائے۔"

"مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "میں تمہیں گیارہ بجے کال کر کے بتاتا ہوں کہ تبادلہ کیسے اور کہاں ہوگا۔"

میں نے کال کاٹ کر موبائل سے وسیم کو کال کی۔ "شہلا مان گئی ہے تبادلہ اور اس کا طریقہ کار میں بتاؤں گا اب سے دو گھنٹے بعد۔"

"میں اور عبداللہ طے کر چکے ہیں کہ ہم نے آج ہی خواتین کو یہاں سے نکالنا ہے۔ طریقہ مجھے پسند آیا ہے اب آپ فرمائیں۔"

"اگر تم مطمئن ہو تو کر گزرو۔ یہ بتاؤ کہ بیتو کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک نہیں ہے آج پھر اسے بخار ہے۔ ڈاکٹر آیا ہے دیکھنے کے لیے۔"

"اس کا مطلب ہے مجھے خود جانا ہوگا بریف کیس لینے کے لیے۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "اچھا ایاز آ گیا ہے؟"

"نہیں کل اس کی گاڑی خراب ہو گئی تھی وہ سرگودھا میں ہے اب نکلا ہے وہاں سے میرا خیال ہے دوپہر تک آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے تم اور عبداللہ اس کام پر توجہ دو میں اور ایاز شہلا کا مسئلہ نمٹاتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو سفیر کو بھی کال کر کے اپنی طرف بلوا لو وہ باہر نکلا ہوا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے وہ آرام سے امور خانہ داری نمٹا سکتا ہے۔"

میں ہنسا۔ "سامان بھی اسی کا لینے نکلا ہے۔ ٹھیک ہے زیادہ بھیڑ بھاڑ سے کام خراب ہو جاتا ہے لیکن ایک مسئلہ ہے ہمارے پاس جتنی گاڑیاں ہیں وہ سب دشمنوں کی نظر میں آ چکی ہیں۔"

وسیم بولا۔ "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ہمیں اب اپنی گاڑیاں بدل لینا چاہئیں۔"

"ٹھیک ہے اس پر بھی کام کرنا۔"

میں سوچ رہا تھا کہ میرے پاس ہیوی بائیک جانی پہچانی ہو گئی تھی کم سے کم شہلا اور فتح خان اسے پہچانتے تھے اس لیے میں اس کام میں اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ سیاہ ویگن اس کام کے لیے مناسب نہیں تھی اور اول مجھے اس کے سسٹم آپریٹ کرنا بھی نہیں آتے تھے دوسرے اسے وسیم لے گیا تھا۔ اسے آج خواتین کو عبداللہ والی کوٹھی سے نکالنے کے آپریشن میں استعمال ہونا تھا۔ میں نے پوچھا نہیں کہ ان کو وہاں سے نکال کر کہاں لے جایا جائے گا۔ جب کام نمٹ جاتا تو مجھے معلوم ہو جاتا کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔ اب مجھے اس کام کے لیے دوسری بائیک کی ضرورت تھی۔ میں نے جیکٹ اور ہیلمٹ لیا اور نیچے آیا اب صرف مانی رہ گیا تھا میں نے اسے اپنی روانگی اور ایاز کی ممکنہ آمد کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں جناب میں ایاز بھائی کو پہچانتا ہوں۔" پھر اس نے اپنا شاید پچیس انچ کا سینہ پھلا کر کہا۔ "آپ بے فکر ہو کر جائیں میں ہوں یہاں نگرانی کے لیے۔"

"لیکن برخوردار اگر دشمن یا کوئی غیر متعلقہ فرد یہاں گھس آئے تو بلاوجہ کی بہادری مت دکھانا پچھلی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے فرار ہو جانا۔'' میں نے کہا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بائیک پر ہیلمٹ لینے کی وجہ سے میں ناقابلِ شناخت ہو گیا تھا اور اس طرح پورے شہر میں دندناسکتا تھا لیکن اس بائیک کی وجہ سے مجھ پر شک کیا جا سکتا تھا۔ اب میں اس سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا میں سیدھا اسی ڈیلر قریشی کے پاس گیا جس سے یہ بائیک لی تھی اس نے مجھ سے پہلے بائیک کو پہچان لیا اور گرم جوشی سے ملا۔ ''کیسے ہیں سرکار، آج ایاز نہیں آیا؟''

''وہ شہر سے باہر ہے۔'' میں نے کہا اور براہ راست کام کی بات پر آ گیا۔ ''مجھے یہ بائیک چینج کرنی ہے۔''

''بائیک بھی چینج ہو جائے گی جناب پہلے چائے پانی تو ہو جائے لسی کا موسم نہیں ہے۔''

''نہیں دوست میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''چائے پانی پھر سہی۔''

''ٹھیک ہے جی پھر آئیں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''کیسی چاہیے اس بار؟''

''نارمل ہو لیکن انجن طاقتور ہو اور کنڈیشن اے ون ہو۔''

''ٹھیک ہے میرے پاس ایک سوزوکی اسپرنٹر آئی ہے۔ بہترین کنڈیشن ہے صرف تین چار مہینے استعمال ہوئی ہے اور وہ بھی صرف دو ہزار کلومیٹرز۔ ہر چیز نئی جیسی ہے۔ سیاہ رنگ ہے۔''

بائیک واقعی بہترین کنڈیشن میں تھی۔ میں نے اسٹارٹ کی تو نصف کک میں اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ ایاز کا دوست قریشی اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک کیے دے رہا تھا۔ کاغذات بھی مکمل تھے اور وہ ایک دن میں ٹرانسفر کرا سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں یہ بائیک چھوڑ کر اسے لے جا رہا ہوں۔ حساب کتاب بعد میں ایاز کر لے گا۔''

''بعد میں۔'' وہ ہچکچایا۔ ''پر سرکار یہ مناسب نہیں ہو گا۔ اگر سودا آپ کر لو تو بہتر ہے اس کا حساب میں ایاز سے کر لوں گا۔''

میں نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے معاہدہ کر لو اور آدھی قیمت ابھی لے لو اور باقی رجسٹری کے بعد۔''

''آپ بے فکر رہو جناب ایسا ہی ہو گا برا مت ماننا جی کسی کی چیز ہے بغیر لکھا پڑھی کے نہیں دے سکتے۔''

اس نے قیمت چالیس مانگی تھی اور پینتیس پر مان گیا۔ معاہدے عام طور سے تیار رکھے ہوتے تھے اس نے صرف میرا نام اور بائیک کا نمبر وغیرہ ڈالے اور سائن کرا کے مجھ سے اٹھارہ ہزار وصول کیے اور بائیک معہ کاغذات، چابی اور اس کے اور بیجنل ہیلمٹ کے ساتھ میرے حوالے کر دی۔ اپنی بائیک کے بارے میں کہا۔ ''اسے بیچنا نہیں چینج کرنا ہے اس کے بدلے کوئی ایسی ہی طاقتور بائیک نکال کر رکھو لیکن حلیے میں اس سے مختلف ہو۔''

''آپ دیکھ لیں کئی ایسی بائیک ہیں۔''

''یہ بھی ایاز دیکھ لے گا۔'' میں نے کہا اور وہاں سے نکل آیا کیونکہ مجھے ابھی شہلا سے رابطہ کرنا تھا۔ وقت کم رہ گیا تھا میں بائیک دوڑاتا ہوا فارم ہاؤس پہنچا تو اتفاق سے اسی وقت سفیر اور ایاز بھی پہنچ گئے تھے۔ ایاز مجھ سے لگ گیا۔

''کیسے ہیں شہباز صاحب آپ؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں تو ٹھیک ہوں لیکن تم بہت خوش نظر آ رہے ہو۔''

وہ جھینپ گیا۔''بس جی خوشی کی خبر ہے۔ میری موسی نے میرا اور شاہین کا رشتہ طے کر دیا ہے۔''

''مبارک ہو ویسے اگر تم دونوں میاں بیوی بن جاتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔''

''موسی کی تو یہی خواہش تھی لیکن میں ابھی شادی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

''ہماری وجہ سے؟''

ہم اندر آ گئے تھے اس نے سر ہلایا۔''یہ وجہ بھی ہے شادی کے بعد بیوی توجہ مانگتی ہے۔''

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔''ایاز تم شادی کرو اور شاہین پر توجہ بھی دو ہمارا ساتھ دینے سے زیادہ یہ کام ضروری ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا اور اس سلسلے میں آپ کی یا کسی اور کی بات بھی نہیں مان سکتا۔'' اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

''ایاز یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے اتنی محبت کرنے والے پُرخلوص دوست دیئے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ آج ہمیں دو اہم کام نمٹانے ہیں۔''

سفیر سچ مچ امور خانہ داری کا ماہر ہو گیا تھا وہ جیپ سے سامان لے جا کر کچن میں رکھ رہا تھا۔ میں ایاز کے ساتھ اوپر آیا اور شہلا کو کال کرنے سے پہلے اسے موجودہ صورت حال کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ بائیک کا سن کر اس نے کہا۔''یہ آپ نے اچھا کیا یہ بائیک یونیک تھی اور فوراً نظروں میں آ جاتی تھی اب جو آپ لائے ہیں اسی شہر میں ایسی ہزاروں بائیک ہوں گی۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔ خواتین کو کہاں منتقل کیا جا رہا ہے؟''

''یہ عبداللہ اور وسیم کا دردِ سر ہے۔ میں نے پوچھا بھی نہیں۔ میں اپنی ساری توجہ شہلا سے بریف کیس حاصل کرنے پر لگا رہا ہوں اور تم میرے ساتھ ہو گے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔ اب آپ کا پلان کیا ہے؟''

''میرا ارادہ شہلا کو ٹریپ کرنے کا ہے۔'' میں نے کہا۔''میں اسے مری میں نئے بننے والے ملینیم شاپنگ مال میں بلاؤں گا لیکن ہم اسے راستے میں ٹریپ کر لیں گے۔''

''میں سمجھ گیا ہم ہائی وے پر اس کا انتظار کریں گے اور پھر اس کا تعاقب کر کے جائزہ لیں گے کہ کوئی اور تو اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اس کے بعد کوئی مناسب جگہ دیکھ کر اسے روک لیں گے۔''

''بالکل یہی سوچا ہے میں۔'' میں نے سر ہلایا اور انٹرنیٹ سے شہلا کا نمبر ملایا۔ وہ شاید موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''تم نے کیا سوچا تبادلہ کس طرح کرنا ہے۔''

''تبادلہ مری میں ہو گا۔''

''مری؟'' وہ چونکی۔''اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''میں نے کہا نا کہ تبادلہ میری شرائط پر ہو گا تمہیں وہاں ملینیم شاپنگ مال کے سامنے موجود ہونا چاہیے شام کے ٹھیک چار بجے، اور تم وہاں تک اپنی سرخ چیری کار میں جاؤ گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس میں کیوں؟''

''تاکہ ہمیں اطمینان رہے کہ تم کسی کو ساتھ نہیں لا رہی ہو اس کار میں اتنی گنجائش نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے مجھے کب تک وہاں پہنچنا ہوگا؟''

''ٹھیک چار بجے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یعنی اب سے کوئی چار گھنٹے بعد۔''

وہ چپ ہوگئی پھر بولی۔ ''میں آجاؤں گی لیکن شہباز مجھے امید ہے تم مجھے دھوکا نہیں دو گے۔''

''میں دھوکا دینے والا آدمی نہیں ہوں اور شہلا تم اطمینان رکھو میری ذات سے تمہیں نقصان نہیں ہوگا۔ یاد رکھنا ٹھیک چار بجے ملیلیم پر، دیکھا ہوا ہے نا تم نے؟''

''ہاں میں نے دیکھا ہے۔'' وہ بولی۔

''بس تو وہیں ملاقات ہوگی۔'' میں نے کہا اور کال ختم کر دی۔ ایاز خاموش بیٹھا تھا اس نے کہا۔ ''ہمیں جلدی نکلنا ہوگا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن ایک چکر ہے شہلا نے تمہاری جیپ دیکھ رکھی ہے اسے دیکھ کر وہ کھٹک سکتی ہے۔ اس لیے تمہارے لیے بھی کوئی دوسرا بندوبست کرنا ہوگا۔''

''سفیر صاحب والی جیپ ٹھیک رہے گی؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں فتح خان اسے دیکھ چکا ہے اور اسے ٹریپ بھی لگایا تھا۔ میرا خیال ہے تمہارے لیے بھی بائیک ٹھیک رہے گی۔ اگر ہم کہیں پھنسنے لگیں تو فرار میں بھی آسانی رہے گی۔''

''یعنی دوسری بائیک لینا پڑے گی۔'' ایاز نے میری بات پر غور کیا۔

''ہاں ہمیں تمہارے اس جاننے والے قریشی کے پاس جانا پڑے گا۔''

سفیر دوپہر کے کھانے کے لیے پائے اور روٹی لے آیا تھا لیکن ہمارے پاس وقت نہیں تھا اس لیے ہم روانہ ہوگئے۔ میں نے پستول کے ساتھ چھوٹی نال والی شاٹ گن لے لی یہ میری جیکٹ میں آسانی سے آگئی تھی۔ ایاز کے پاس پستول تھا۔ ساتھ ہی اس نے دھوئیں والے بم رکھ لیے تھے کہیں فرار کی ضرورت پیش آتی تو یہ بم کام آتے ہیں۔ سفیر کو پروگرام بتا کر ہم نکلے اور پہلے قریشی کے پاس پہنچے۔ ایاز کو دیکھ کر اس نے بلا ہچکچاہٹ ایک ون ٹو فائیو اس کے حوالے کر دی اور معاہدے کی بات بھی نہیں کی۔ صرف دو ہزار روپے ٹوکن کے پکڑائے ایاز نے اس سے کہا۔ ''اگر بائیک پسند آگئی تو کل حساب کر لوں گا ورنہ بائیک واپس کر جاؤں گا۔''

میں نے باہر نکل کر ایاز کو بتایا کہ قریشی نے بغیر معاہدہ کیے بائیک میرے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایاز طیش میں آگیا۔ ''آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا میں اس حرامی کا پیٹ پھاڑ دیتا۔ احسان کر رہا ہے ہم پر اپنا کمیشن پورا رکھتا ہے میں کل ہی اس کا دماغ درست کرتا ہوں۔''

''تم آرام سے اس کا دماغ درست کرتے رہنا۔ ابھی تو ہمیں دو مختلف جگہوں پر جانا ہے۔ تمہیں شہلا کے گھر کی طرف مین روڈ پر آنے والے راستے پر موجود رہنا ہے اور جیسے ہی وہ روانہ ہو تم مجھے اطلاع کرو گے اور پھر اس کا پیچھا کرو گے لیکن اس طرح کہ اسے احساس نہ ہو۔''

''میں سمجھ گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اپنا موبائل ہینڈ فری سے لگا لو تا کہ جب اس کا تعاقب کر و تو تمہیں اطلاع کرنے میں مشکل نہ ہو۔''

ہم دونوں نے روانہ ہونے سے پہلے یہ کام کر لیا۔ ایاز نے پوچھا۔ ''آپ کہاں ہوں گے۔''

''میں راول چوک سے ذرا آگے سڑک پر ہی کہیں ہوں گا۔''

''ٹھیک ہے لیکن کسی سنسان جگہ مت رکیے گا آج کل پولیس چیکنگ کر رہی ہے بلاوجہ آجائے گی۔''

''میں کسی ریستوران یا ہوٹل میں رک جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی ایک بجا ہے ایسا کرو تم کھانا کھا لینا۔''

''کھالوں گا کوئی چیز راستے سے لے لوں گا۔'' اس نے کہا اور روانہ ہو گیا۔ میں مری روڈ کے لیے روانہ ہو۔ راستے میں ایک دکان سے پشت پر لٹکانے والا سیاہ رنگ کا بیگ لیا۔ آدھے گھنٹے بعد میں راول چوک کراس کر کے آگے آیا۔ ایک جگہ سے بائیک کا انجن فل کرایا اور ایک جھگی ہوٹل کے سامنے رک گیا۔ یہاں مزدور پیشہ لوگ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ آلو گوشت کے علاوہ صرف دال فرائی تھی۔ میں نے دال فرائی اور روٹی منگوالی۔ کھانے سے فارغ ہو کر دودھ پتی پی۔ تمام چیزوں کا معیار معمولی قسم کا تھا۔ گزشتہ چند دن سے جو چیزیں کھا رہا تھا اس کے مقابلے میں اسے حلق سے اتارنا دشوار ثابت ہوا تھا۔ بہرحال پیٹ تو بھرنا تھا۔ وقت گزاری کے لیے میں نہایت سُست رفتاری سے چائے پیتا رہا۔ مجھے ایاز کی کال کا انتظار تھا۔ ڈھائی بجے کے قریب اس کی کال آئی۔ ''جناب وہ نکل گئی ہے سرخ چیری کار میں ہے اور رخ مری روڈ کی طرف ہی ہے۔''

''تم تعاقب کر رہے ہو؟''

''جی اس وقت رش ہے اس لیے میں قریب سے پیچھا کر رہا ہوں۔''

میں نے اسے اپنا پتا بتایا۔ ''میں یہاں ہوں جب پانچ منٹ کی ڈرائیو رہ جائے تو مجھے دوبارہ کال کر کے بتانا۔''

''ٹھیک جناب۔''

میں ایاز سے گفتگو کے دوران ہی ہوٹل سے دور پارکنگ کی طرف آ گیا تھا۔ اٹھتے ہوئے ایک سو کا نوٹ میز پر رکھ دیا تھا اس لیے ہوٹل کے مالک نے میری اچانک روانگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ایاز سے بات کر کے میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور اسے سڑک کی طرف لے آیا اور وہیں رک گیا۔ انجن بند کر کے اسے اسٹینڈ پر کھڑا کیا اور خود اس سے ٹک گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایاز اور شہلا نصف گھنٹے میں یہاں پہنچ جائیں گے۔ سردی کی وجہ سے سڑک پر رش بہت کم تھا۔ اس لیے ڈرائیو کرنے والے فری ڈرائیونگ کر رہے تھے۔ کیونکہ خطرناک علاقہ ابھی اوپر تھا اس لیے سامنے سے گزرنے والی گاڑیاں زن زن کرتی گزر رہی تھیں۔ کوئی بیس منٹ بعد ایاز کی کال موصول ہوئی۔

''ہم تقریباً پانچ منٹ کی دوری پر ہیں۔''

''ٹھیک ہے اب تم مجھ سے مستقل رابطہ رکھو گے۔'' میں نے کہا اور موبائل کو ہینڈ فری پر منتقل کر دیا۔ بائیک اسٹارٹ کر کے میں سڑک پر آیا اور سُست روی سے بائیک چلانے لگا۔ ''ایاز اس دوران میں تم نے دیکھنے کی کوشش کی کہ شہلا کے ساتھ گاڑی میں کوئی اور تو نہیں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی جناب رش میں، میں اس کے بالکل پاس چلا گیا اور پچھلے حصے میں جھانک لیا تھا۔ کار میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

میں عقبی آئینے میں دیکھتا جا رہا تھا جیسے ہی مجھے سرخ کار کی جھلک نظر آئی میں نے بائیک کی رفتار بڑھا دی لیکن سرخ چیری کی رفتار خاصی تیز تھی اس سے فاصلہ برقرار رکھنے کے لیے مجھے رفتار مزید بڑھانی پڑی تھی۔ کچھ دیر بعد ہم بھارہ کہو سے گزرنے لگے یہاں شور بہت تھا اس لیے میں ایاز سے بات نہیں کر سکا۔ آبادی سے آگے نکل کر میں نے اس سے کہا۔ "میرا ارادہ ٹول پلازا سے آگے نکل کر اسے کسی ایسی جگہ روکنے کا ہے جہاں دائیں بائیں کوئی سڑک نکل رہی ہو۔ ممکن ہے آگے سگنل نہ ہوں تو ہمارا رابطہ ٹوٹ جائے اس صورت میں تم راستے پر نظر رکھو گے۔"

"آپ کا پروگرام کیا ہے؟"

"بس اس سے بریف کیس لینا ہے اس کی گاڑی کا ٹائر پنکچر کرنا ہے اور واپس آنا ہے۔" میں نے کہا۔

"اب تم اپنے عقب میں بھی نظر رکھنا ممکن ہے کوئی ہمارے پیچھے ہو۔"

"میں دیکھتا آ رہا ہوں جناب بعض گاڑیاں نظر آئیں لیکن وہ آگے نکل گئیں یا کسی اور راستے پر مڑ گئیں۔ کوئی مستقل ہمارے پیچھے نہیں ہے۔"

"پھر بھی تم اس طرح ہوشیار رہو جیسے ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔"

"ٹھیک جناب۔" ایاز نے کہا اور اسی لمحے رابطہ ٹوٹ گیا۔ یہاں پر سگنل ختم ہو گئے تھے۔ ہم ذرا آگے آئے تو مری کا ٹول پلازہ آ گیا۔ میں جیسے ہی آگے نکلا شہلا کی کار آ گئی اور میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں میں کسی مداخلت کے بغیر شہلا کو روک سکوں۔ چند کلومیٹرز اوپر جانے کے بعد مجھے دائیں طرف ایک سڑک اوپر جاتی دکھائی یہ شاید کوئی نجی راستہ تھا یہاں پہاڑوں پر بے شمار چھوٹی چھوٹی بستیاں بن گئیں ہیں یہ سب دولت مندوں کی بستیاں ہیں جنہوں نے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں خرید کر ان پر اپنے لیے کوٹھیاں بنا لی ہیں جہاں وہ اور ان کے اہلِ خانہ گرمیاں گزارنے آتے ہیں۔ مجھے یہ جگہ مناسب لگی۔ میں نے بائیک اس سڑک پر ذرا آگے جا کر روک دی اور ہیلمٹ اتار کر واپس آیا۔ میں نے پستول نکال کر اسے پشت پر کر لیا تھا شہلا کی کار دو منٹ بعد نمودار ہوئی اور جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا اس کی رفتار کم ہونے لگی تھی۔ اس نے یقیناً مجھے پہچان لیا تھا۔ کار مجھ سے کوئی دس گز کی دور پر رک گئی۔ شہلا کار سے اتر کر میری طرف بڑھی لیکن اس کا ہاتھ خالی تھا۔ میں نے پوچھا۔

"بریف کیس کہاں ہے؟"

"تصاویر کہاں ہیں؟" اس نے بھی سوال ہی کیا۔ میں نے پستول سامنے لا کر کہا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

وہ ہنسی۔ "اور میرے سوال کا جواب تمہارے پاس یقیناً یہ پستول ہے۔"

"شہلا اسے مذاق مت سمجھو۔ میرے گھر پر ہاتھ ڈال کر فتح خان اور تم نے اپنے حق میں بہت برا کیا ہے۔ میں بنا کسی لحاظ کے گولی مار دوں گا اگر اگلے ایک منٹ میں بریف کیس مجھے نہ ملا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بریف کیس گاڑی میں ہے۔'' اس نے اشارہ کیا۔

''چلو اور نکالو لیکن کوئی چالاکی مت کرنا میں گولی چلانے میں ایک سیکنڈ کی دیر نہیں کروں گا۔''

وہ پلٹی اور اس نے کار کی فرنٹ سیٹ پر رکھا ہوا بریف کیس نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر بریف کیس لیا اور بولا۔ ''اب تم نیچے اتر جاؤ۔''

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''نیچے..... کیا مطلب؟''

''نیچے کا مطلب نیچے ہی ہوتا ہے اوپر نہیں..... اس ڈھلان سے نیچے اترو اور کم سے کم سو گز نیچے چلی جاؤ۔''

''لیکن میری تصویریں.....؟''

''پہلے میں تصدیق کروں گا کہ یہ بریف کیس اصلی ہے تب ہی میں تمہاری تصویریں حوالے کروں گا۔ اب نیچے اتر جاؤ۔ میرے پاس وقت نہیں ہے کوئی آ گیا تو اس کے ساتھ تم بھی مشکل میں پڑ جاؤ گی۔''

''شہباز تم دھوکا کر رہے ہو۔'' وہ روہانسی نظر آنے لگی۔

''نہیں میں اپنے وعدے پر قائم ہوں کہ میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

شہلا نے میرے تیور سے بھانپ لیا تھا کہ میں اس وقت کسی رعایت کے موڈ میں نہیں ہوں۔ وہ مجبوراً ڈھلان سے نیچے جانے لگی یہاں ڈھلان بہت زیادہ ترچھی تھی اور اگر سہارے کے لیے بڑے تنوں والے درخت نہ ہوتے تو وہ اتنی آسانی سے نیچے نہیں جا سکتی تھی۔ ذرا سی غفلت اس کے قدم اکھاڑ دیتی اور وہ کئی سو فٹ کی گہرائی میں جا کر رکتی۔ جب وہ سو گز سے زیادہ دور چلی گئی تو میں نے پہلی بار بریف کیس کا معائنہ کیا۔ بظاہر یہ وہی بریف کیس لگ رہا تھا۔ سلور رنگ کی دھات سے بنا ہوا اور اس میں ویسے ہی نمبر سے کھلنے والے تالے تھے۔ اس کی خاص نشانی اس کا پیش بٹن تھا جو سرخ رنگ کا تھا۔ یقیناً اس قسم کا بریف کیس مہیا کر لینا آسان نہیں تھا لیکن یہ ناممکن بھی نہیں تھا۔

وقت نہیں تھا میں نے اسے بیگ میں ڈال کر اسے پشت پر باندھ لیا اور تیزی سے بائیک کی طرف لپکا۔ اسے اسٹارٹ کرتے ہوئے کار کے پاس سے گزرا تو اس کے عقبی پہیے پر فائر کر کے اسے ناکارہ بنا دیا اور خود نکلتا چلا گیا۔ فائر اور ٹائر پھٹنے کے دھماکے کی آواز کچھ دیر پہاڑوں میں گونجتی رہی تھی۔ جب میں موڑ مڑ رہا تھا تو بائیک کے عقبی آئینے میں شہلا سڑک پر آتی دکھائی دی اس نے حیرت انگیز پھرتی دکھائی تھی لیکن اس سے بھی زیادہ حیران کن بات اس کا اتنی آسانی سے بریف کیس میرے حوالے کر دینا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جس طرح میں خالی ہاتھ تھا اس بات کا پورا امکان تھا کہ وہ بھی خالی ہاتھ ہوگی۔ وہ اتنی آسانی سے مجھے بریف کیس نہیں دے گی جب تک کہ تصویروں کے سلسلے میں اسے اطمینان نہ ہو جائے۔ اس کا اتنی آسانی سے بریف کیس حوالے کرنا مجھے کھٹکنے لگا تھا۔

ایاز موڑ پر میرا منتظر تھا میں نے ہاتھ سے اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دور واپس جانے کے بعد ایک سڑک ہائی وے سے نیچے اتر رہی تھی میں اس پر مڑ گیا اور اتنی دور جا کر رک گیا جہاں سے ہائی وے نظر نہیں آ رہی تھی۔ چند لمحوں بعد ایاز بھی میرے پیچھے آ گیا تھا۔ اتنی دیر میں بیگ سے بریف کیس نکال لیا تھا۔ ایاز نے بائیک روکی تو میں نے اسے اشارے سے بولنے سے منع کیا اور پھر بریف کیس کو کان سے لگا کر کچھ سننے کی کوشش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن اندر بالکل خاموشی تھی۔ اگر اندر کوئی ٹائم بم تھا بھی تو وہ ڈیجیٹل ٹائمر والا تھا اور اس میں کوئی آواز نہیں آتی ہے۔ میں نے بریف کیس لے جا کر سڑک کی ڈھلان والی طرف رکھ دیا۔ جہاں بائیک کھڑی تھیں اس سے محفوظ فاصلہ تھا۔ ایاز نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔

''مجھے شک ہے اس میں کوئی خطرناک چیز ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے کوئی بم؟''

''بالکل ہو سکتا ہے۔ اس نے نہایت آسانی سے بریف کیس میرے حوالے کر دیا اور تصویروں کے حوالے سے بھی کوئی خاص اصرار نہیں کیا۔ وہ اتنی کم عقل عورت نہیں ہے کہ اس طرح بریف کیس اٹھا کر لے آتی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' ایاز نے سر ہلایا۔ ''کیا یہ ویسا ہی بریف کیس ہے؟''

''تقریباً۔'' میں نے کہا۔ ''اسے دیکھے ہوئے خاصا عرصہ ہو گیا ہے اس لیے صحیح سے یاد نہیں ہے۔ مگر مجھے وہی لگا ہے۔''

''اس قسم کا بریف کیس تلاش کرنا کوئی مشکل نہیں ہے پنڈی میں ایک مارکیٹ ہے جہاں ہر قسم کا بریف کیس مل جاتا ہے اور اگر آپ چاہیں تو اپنی پسند کا آرڈر پر بھی بنوا سکتے ہیں۔''

''مجھے بھی یہی شک ہے یہ کام ناممکن نہیں ہے۔''

''ممکن ہے بریف کیس میں ٹائم بم نہ ہو، کوئی اور قسم کا بم ہو۔''

''نہیں وہ یا فتح خان جانتے ہیں کہ میں بریف کیس کھولنے کی کوشش نہیں کروں گا یا کم سے کم اس امکان کو ذہن میں رکھوں گا کہ بریف کیس میں بم ہو سکتا ہے اس لیے وہ ٹائم بم ہی استعمال کریں گے۔''

''ہو سکتا ہے.....'' ایاز نے کہنے کی کوشش کی تھی کہ فضا ایک زوردار دھماکے سے گونج اٹھی تھی۔ جہاں میں نے بریف کیس رکھا تھا وہاں سے پہلے شعلہ نکلا تھا اور گرد و غبار اڑنے لگا تھا۔ دھماکے نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا تھا اور اب پہاڑوں میں اس کی آواز گونج رہی تھی میں نے سنبھلتے ہوئے ایاز سے کہا۔

''یہاں سے نکلو لیکن سڑک کی طرف مت جانا۔''

ہم آگے پیچھے روانہ ہوئے۔ کچھ دور جا کر ایاز میرے برابر آ گیا۔ ''آپ کو اس علاقے میں راستوں کے بارے میں پتا ہے؟''

''نہیں میں اس طرف پہلے نہیں آیا۔'' میں نے چلا کر کہا دو بائیکوں کے انجن کا مشترکہ شور زیادہ تھا۔

''تب میرے پیچھے آئیے میں اس علاقے سے واقف ہوں۔''

ایاز واقعی اس علاقے سے واقف تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہم ہائی وے پر واپس آ گئے تھے۔ ہم ٹول پلازہ سے کچھ دور تھے۔ ابھی تک ہمیں کوئی ایسا فرد نظر نہیں آیا تھا جو ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔ اگر اس چکر کے پیچھے فتح خان تھا تو اس نے شہلا کو استعمال کیا تھا وہ جانتا تھا کہ اگر تعاقب کیا گیا تو میں کھٹک جاؤں گا اور شاید اس دھوکے میں نہ آؤں۔ کسی کے پیچھے نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ شہلا نے اپنے طور پر میرا کام تمام کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرا اس سے ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا لیکن شاید اسے خطرہ تھا کہ میں سویرا کے اغوا کا بدلہ لینے کے لیے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے خلاف کوئی کارروائی کروں کیونکہ وہ اس معاملے میں ملوث رہی تھی۔ چار بجے ہم واپس اسلام آباد کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ ایک جگہ بائیک روک کر میں نے وسیم سے رابطہ کیا کیونکہ اس وقت تک انہوں نے خواتین کو عبداللہ والی کوٹھی سے نکال لیا ہوگا۔

''وسیم کام ہو گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''جی کام ہو گیا ہے۔'' اس نے جواب دیا تو میں اس کے لہجے پر چونکا۔

''وسیم کیا بات ہے خیریت تو ہے؟''

''سویرا اپنی منزل مقررہ جگہ نہیں پہنچی۔'' وسیم نے جواب دیا اور مجھے لگا جیسے میرا دل رک گیا ہو۔

○.....❖.....○

''کیا مطلب؟'' میں نے ڈوبتی آواز میں کہا۔ میرے آس پاس ٹریفک کا شور تھا لیکن یک لخت مجھے لگا جیسے میں اس کائنات میں اکیلا رہ گیا ہوں آس پاس ہر طرف خاموشی چھا گئی ہے۔ ''سویرا کیوں نہیں پہنچی؟''

وسیم کچھ دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ ''ہم نے پلان پر کامیابی سے عمل کیا تھا۔ عبداللہ کے آدمی اور ہم سب آس پاس کی گلیوں میں موجود تھے کوئی مشکوک فرد بھی نہیں تھا۔ جس گاڑی میں خواتین کو لے جانا تھا وہ کچھ دور پارک کے ساتھ کھڑی تھی اور اس کے آس پاس بھی ہمارے آدمی موجود تھے۔ یہ تینوں برقع پہن کر باہر نکلیں جب گلی سے بے شمار لڑکیاں اسی طرح برقع پوش گزر رہی تھیں وہ ان میں گھل مل گئیں اور یقین کریں ہم بھی نہیں جان سکے تھے کہ ان میں کہاں تھیں۔ سعدیہ اور مونا پانچ منٹ بعد گاڑی میں پہنچ گئی تھیں لیکن.....''

''سویرا کیوں نہیں آئی؟'' میں بے اختیار چیخ اٹھا تھا۔ وسیم خاموش رہا اور میں خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد میں نے بدلے لہجے میں کہا۔ ''سوری یار میں جذباتی ہو گیا تھا، یہ واقعہ ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے؟''

''آدھا گھنٹہ ہو چکا ہے ہم سب آس پاس سویرا کو تلاش کر رہے ہیں۔ میں خود گلیوں میں چکر لگا رہا ہوں۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' میں نے بے خیالی سے کہا میرے اندر کوئی کہہ رہا تھا کہ سویرا کے ساتھ پھر کوئی حادثہ پیش آ چکا ہے۔ اس کا گاڑی تک نہ پہنچنا اتفاق نہیں تھا اور نہ وہ راستہ بھٹکی تھی۔ ''مونا اور سعدیہ کہاں ہیں؟''

''انہیں واپس کوٹھی پہنچا دیا گیا ہے عبداللہ نے منتقلی کا پلان ملتوی کر دیا ہے۔''

''اس نے ٹھیک کیا ہے، تم لوگ کوٹھی کی حفاظت پر بھی توجہ دو اسے خالی مت چھوڑو دشمن نہ جانے کہاں اور کس چکر میں ہے۔''

''جی میں نے عبداللہ کو کچھ آدمیوں سمیت کوٹھی واپس بھیج دیا ہے۔''

اچانک مجھے خیال آیا۔ ''سویرا کے پاس موبائل ہوگا۔''

''وہ..... بند جا رہا ہے۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں آپ مت آئیں کوئی فائدہ نہیں ہے، ہم تلاش ہم کر رہے ہیں لیکن آپ کی ناک میں شاید دشمن ہوں۔''

''میں بائیک پر ہوں اور ہیلمٹ پہنا ہوا ہے اس لیے کسی کی نظر میں نہیں آؤں گا اور تم لوگوں سے نہیں ملوں گا صرف موبائل پر رابطہ کروں گا میرے ساتھ ایاز ہے۔ وہ بھی بائیک اور ہیلمٹ کے ساتھ ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

ایاز میرے پاس ہی رکا ہوا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا تو میں نے اسے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ سویرا کے نہ پہنچنے کا سن کر وہ پریشان ہو گیا۔ ''اس کا مطلب ہے دشمن کی چال کامیاب رہی اور اس وقت ہمارے پیچھے مرشد ہے۔''

میں اس بارے میں سوچتے ہوئے ڈر رہا تھا کہ سویرا مرشد یا نادر جیسے دشمنوں کے ہاتھ میں چلی گئی ہے وہ صرف جان کے ہی نہیں عزت کے بھی دشمن تھے۔ ان کے قبضے میں زندہ رہنے سے بہتر تھا کہ سویرا زندہ ہی نہ رہتی لیکن حالات بتا رہے تھے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ مرشد نے اس کوٹھی کا پتا چلا لیا تھا اور اسے یقیناً علم ہو گا کہ یہاں عورتیں ہیں اور وہ جانتا تھا کہ ان سے بڑھ کر ہماری کوئی کمزوری نہیں تھی۔ میں نے ہینڈ فری استعمال کرتے ہوئے عبداللہ سے رابطہ کیا۔ میری آواز سن کر اسے چپ لگ گئی پھر اس نے بمشکل کہا۔

''شہباز صاحب آئی ایم رئیلی.....''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''یہ بتاؤ کہ مدرسے سے نکلنے والی لڑکیاں کن طریقوں سے علاقے سے نکلتی تھیں۔''

اس نے مستعد ہو کر رپورٹ دینی شروع کی۔ ''زیادہ تر تو آس پاس متوسط آبادیوں میں رہتی ہیں۔ کچھ دور جاتی ہیں تو وہ بس اسٹاپ سے ویگن یا بس میں بیٹھ جاتی ہیں۔ شاید کچھ ٹیکسی کر کے بھی جاتی ہوں گی۔ رکشہ یہاں نہیں ہوتا ہے۔''

''بس، ٹیکسی اور ویگن میں جانے والیوں کو چیک کیا ہے؟''

''یہ ممکن نہیں ہے جناب ان کی تعداد کم سے کم بھی سو سے زائد ہوتی ہے اور کسی کو براہِ راست چیک نہیں کیا جا سکتا امن و امان کا مسئلہ بن جاتا آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات.....؟''

''میں سمجھ رہا ہوں پھر بھی وہاں کوئی آدمی تھا؟''

''جی پھر بھی میرے دو آدمی وہاں تھے اتفاق سے وہ اس وقت میرے ساتھ ہی ہیں۔''

''ان سے بات کراؤ۔'' میں نے کہا لیکن ان سے بات کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ کوشش کے باوجود بس اسٹاپ سے نکلنے والی لڑکیوں میں سویرا یا کسی بھی مشکوک ہستی کو تلاش نہیں کر سکے تھے۔ عبداللہ کے مطابق اس دوران میں وہاں سے جو چند گاڑیاں نکلی تھیں اس کے آدمیوں نے کسی نہ کسی بہانے روک کر ان کو بھی دیکھ لیا تھا۔ سویرا ان میں بھی نہیں تھی۔ عبداللہ یقین سے کہہ رہا تھا کہ سویرا کو کسی گاڑی میں نہیں لے جایا گیا ہے۔ اب دو ہی طریقے تھے۔ ایک سویرا کو علاقے کی کسی کوٹھی میں لے جایا گیا تھا۔ یا پھر اسے پیدل ہی لے گئے تھے۔ دشمن نے اپنی گاڑی کہیں آگے کھڑی کی تھی جہاں تک عبداللہ اور اس کے آدمی نہیں پہنچ سکے تھے۔ مگر اس میں شبہ تھا کیونکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنی دور پیدل جاتے ہوئے وہ لازمی عبداللہ اور اس کے آدمیوں کی نظر میں آ سکتے تھے۔ جو گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں پر تھے اور پیدل آدمی کی نسبت کہیں تیزی سے حرکت کر سکتے تھے۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔

''علاقے سے نکلنے والے تمام راستوں کی نگرانی کرو ممکن ہے سویرا کو کسی کوٹھی میں رکھا گیا ہو۔''

''وسیم صاحب نے یہی کہا تھا اور اب وہ تمام راستوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔''

اس گفتگو کے دوران میں اور ایاز اس علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔ ایک سڑک پر آتے ہی مجھے عبداللہ کا ایک آدمی موٹر سائیکل سمیت دکھائی دیا۔ وہ اس سڑک کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے اسے مخصوص اشارہ دیا تو وہ سمجھ گیا اور میں اس کے پاس رکا۔ انداز ایسا تھا جیسے میں اس سے کوئی پتا پوچھ رہا ہوں۔ ''کوئی پروگریس ہوئی ہے؟''

''نہیں جناب۔'' اس نے کہا۔ ''اس سڑک سے ابھی تک کوئی گاڑی نہیں گزری ہے۔''

''نگرانی کرتے رہو۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ایاز میرے پیچھے آنے کے بجائے دوسری سڑک پر مڑ گیا تھا۔ ابتدائی جذباتی ردعمل کے بعد میں نے خود پر قابو پا لیا تھا اور میرا ذہن مستعدی سے امکان پر غور کر رہا تھا۔ اس کا امکان نفی نفی تھا کہ سویرا کو علاقے سے باہر لے جایا گیا ہے لیکن اگر وہ یہیں تھی تب بھی سینکڑوں ہزاروں مکانات میں یہ معلوم کرنا تقریباً ناممکن تھا کہ سویرا کہاں رکھی گئی ہے۔ اس سے آگے امکانات یہ تھے کہ سویرا کو مرشد نے اغوا کرایا ہے اور اب وہ مجھ سے سودے بازی کرے گا لیکن میرے پاس اسے دینے کو کیا تھا سوائے جان کے۔ اگر وہ سویرا کے بدلے میری زندگی مانگتا تو میں بلا تامل دے دیتا لیکن اگر سویرا کی گمشدگی میں مرشد ملوث نہیں تھا تو یہ کام فتح خان ہی کر سکتا تھا وہ پہلے بھی یہ کام کر چکا تھا لیکن اب اسے مجھ سے ایسی کوئی غرض نہیں تھی۔ شاید وہ میری جان کا گاہک بن گیا تھا۔ شہلا کی مدد سے مجھے مروانے کی کوشش بھی اس نے کی تھی۔ میری قسمت تھی جو بریف کیس میں موجود بم نے میری جان نہیں لی تھی۔ شاید اسے بھی یقین نہیں تھا کہ اس کا حربہ مجھے مارنے کے لیے کافی ہوگا اس لیے اس نے دوسرا وار یہاں کیا تھا۔

وسیم آگے میرا منتظر تھا اس نے ہیلمٹ میں ہونے کے باوجود مجھے پہچان لیا۔ اس نے مجھے کال کیا وہ ایک کمرشل بیلٹ میں دکانوں کے ساتھ بک اسٹال پر کھڑا تھا۔ شام کا اندھیرا چھا رہا تھا اور کچھ دیر میں رات ہو جاتی اہم نے براہ راست میری طرف آنے کے بجائے کال کی اتفاق سے اس نے بھی وہی بات کی جو میرے ذہن میں تھی۔ ''شہباز صاحب میرا خیال ہے وہ سویرا کو اسی علاقے کی کسی کوٹھی میں لے گئے ہیں تاکہ حالات دیکھ کر یہاں سے نکال لے جائیں۔''

''اگر ایسا بھی ہے تب بھی سویرا کا سراغ ملنا بہت مشکل ہے وہ لامحدود وقت تک انتظار کر سکتے ہیں اور ہم لامحدود نگرانی نہیں کر سکتے اور نہ ہی اسے تلاش کر سکتے ہیں۔''

''ابھی عبداللہ نے کال کی ہے اس کے پاس ایک آئیڈیا ہے مونا کے کتے براؤن نے آپ کو تلاش کر لیا تھا اگر اسی طرح سویرا کو تلاش کیا جائے۔''

میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ ''ہاں یہ ہو سکتا ہے لیکن کیا سویرا کا کوئی تبدیل شدہ لباس موجود ہے۔''

''مونا اور سعدیہ یہی دیکھ رہی ہیں۔ عورتیں اس قسم کے کاموں میں ماہر ہوتی ہیں انہیں یاد ہوگا کہ سویرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے آخری بار کون سا لباس تبدیل کیا تھا۔"

"میں عبداللہ سے بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور عبداللہ کو کال کی۔

"تم براؤن کی مدد سے سویرا کو تلاش کر رہے ہو؟"

"جی جناب مونا بی بی نے ان کا ایک لباس بھی تلاش کر لیا اور اب براؤن کو سونگھا کر اسے سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ اس بو کو تلاش کرے۔"

"مونا کتوں کی ماہر نہیں ہے۔"

"جی لیکن ہم ان ہی پر انحصار کر سکتے ہیں آپ کو تلاش کرنے کے لیے مونا بی بی نے کتے کو سمجھایا تھا۔ آپ کہاں ہیں؟"

"میں اسی علاقے میں گھوم رہا ہوں۔"

"آپ کوٹھی آنے کی کوشش مت کیجئے گا۔ سویرا بی بی کو جس طرح سے غائب کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کوٹھی پوری طرح دشمنوں کی نظر میں ہے اور وہ بہت منظم بھی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں دور ہوں۔" میں نے بائیک سست رفتاری سے گلیوں میں چلاتے ہوئے کہا۔ "کتے کے ساتھ زیادہ بھیڑ بھاڑ مت کرنا ورنہ لوگ چوکنا ہو سکتے ہیں بلکہ بہتر ہو گا کوٹھی کے کسی ملازم کے ساتھ کتے کو روانہ کرو اور اپنے آدمیوں کے ساتھ دور سے نگرانی کرو۔ بظاہر ایسا لگے کہ ملازم کتے کو ٹہلانے نکلا ہوا ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔"

"جب براؤن باہر نکلنے لگے تو مجھے بھی اطلاع کرنا میں کوٹھی کے پاس ہی موجود رہوں گا۔"

عبداللہ نے آدھے گھنٹے بعد مجھے اطلاع دی۔ "کتا کوٹھی سے نکل گیا ہے۔"

میں نے بائیک عبداللہ کی کوٹھی کی گلی کی طرف موڑ دی لیکن میں گلی میں داخل ہونے کے بجائے میں باہر ہی رک گیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے وسیم اور عبداللہ سے مدرسے سے نکلنے والی لڑکیوں کا روٹ پوچھا نہیں تھا کہ وہاں کہاں سے گزرتی تھیں۔ میں نے عبداللہ کے بجائے وسیم سے رابطہ کیا۔

"لڑکیاں کن گلیوں سے گزرتی ہیں؟"

وسیم نے مجھے سمجھایا کہ لڑکیاں کہاں سے گزرتی تھیں۔ براؤن کو بھی ان ہی گلیوں میں گھمانے کا ارادہ تھا۔ یہ تو طے تھا اگر سویرا اسی علاقے میں تھی تو ان ہی گلیوں میں کہیں تھی جہاں سے لڑکیاں گزرتی تھیں۔ یہ کل چار گلیاں تھیں ان کے علاوہ باقی گلیاں بند تھیں یا راستے میں نہیں آتی تھیں۔ میں دوسری گلی میں آیا تو مجھے دور سے براؤن نظر آ گیا جو عبداللہ کے ایک ملازم کے ساتھ فٹ پاتھ سونگھتا ہوا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے سویرا کی بو مل رہی ہو۔ اچانک اس نے ملازم کو زنجیر سمیت کھینچنا شروع کر دیا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ "ایسا لگ رہا ہے براؤن کو بو مل رہی ہے۔"

"میں باہر ہوں گلیوں میں نہیں آ سکتا آپ مجھے باخبر رکھئے گا جیسے ہی کوئی پروگریس ہو میں اپنے آدمیوں سمیت آ جاؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری نظر براؤن پر تھی۔ وہ فٹ پاتھ سونگھتا ہوا تیزی سے آگے جا رہا تھا۔ عبداللہ اور اس کے آدمی باہر آ گئے تھے اور ایک مخصوص فاصلے سے کتے کی نگرانی کر رہے تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''مجھے خیال نہیں آیا اس پریشانی میں، آپ نے شہلا سے بریف کیس حاصل کر لیا؟''

''حاصل کر لیا اور ضائع بھی ہو گیا۔''

''کیا مطلب؟''

میں نے مختصراً اسے خود پر گزرنے والی سنائی وسیم بولا۔ ''جناب یہ فتح خان کی حرکت لگ رہی ہے خود شہلا میں اتنی ہمت نہیں ہے۔''

''ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ فتح خان کی حرکت ہے لیکن بریف کیس مجھے شہلا نے دیا ہے اور جس انداز سے دیا اس سے صاف لگ رہا تھا کہ اس کو معلوم تھا بریف کیس میں بم ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بے خبر ہو۔''

وسیم قائل ہو گیا۔ ''جی اور بم کا ٹائمر بھی اسی نے چلایا ہو گا ورنہ پہلے سے ٹائمر آن کر کے لانا ممکن نہیں ہے۔''

''بالکل یہی ہوا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ فتح خان اس کے پیچھے ہے تب بھی وہ اس کے ساتھ ہے اور اگر میں مارا جاتا تو وہ قتل میں برابر کی شریک ہوتی۔''

''شہباز صاحب میرے خیال میں ان لوگوں کو بہت رعایت دے دی گئی ہے۔'' وسیم سنجیدگی سے بولا۔ ''اب اگر یہ ہاتھ آئیں تو.....''

''اس کی بعد میں دیکھی جائے گی پہلا مسئلہ تو سویرا کی بازیابی ہے۔''

اس دوران میں براؤن گلیوں سے نکل کر بڑی سڑک پر آ گیا تھا۔ اس سے ذرا آگے کمرشل ایریا تھا جہاں وسیم موجود تھا اور اس سے آگے بس اسٹاپ تھا۔ براؤن کا رخ اسی طرف تھا۔ مجھے ایک خدشہ ہوا سویرا یہاں نہیں تھی دشمن اسے کسی طریقے سے نکال کر لے گئے تھے اور اس کے لیے انہوں نے بس اسٹاپ والا راستہ اختیار کیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ سینکڑوں برقع پوش طالبات میں کسی ایک عورت کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔ اگر سویرا کو لے جانے والی کوئی عورت ہو اور اس نے اسے گن پوائنٹ پر رکھا ہو تو برابر میں چلنے والی کو بھی اصل صورت حال کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک یا دو مسلح عورتیں نہایت آسانی سے سویرا کو نکال کر لے گئی ہوں گی۔ براؤن جیسے جیسے بس اسٹاپ کی طرف جا رہا تھا میرے اس خدشے کی تصدیق ہوتی جا رہی تھی۔ براؤن کا انداز جارحانہ تھا جیسے اسے سویرا کی بو مل رہی ہو۔ کمرشل ایریا میں موجود وسیم نے براؤن اور اس کے آگے پیچھے چلنے والی پارٹی کو دیکھ لیا تھا اس نے مجھ سے کہا۔

''یہ تو بس اسٹاپ کی طرف جا رہا ہے۔''

''کچھ دیر پہلے مجھے خیال آیا کہ اگر ایک یا دو مسلح عورتیں برقع پوش ہو کر سویرا کو گن پوائنٹ پر لے جائیں تو اس جگہ سے نکلنے کا سب سے آسان راستہ یہی بس اسٹاپ ہو سکتا ہے بیک وقت سو سے زیادہ لڑکیاں یہاں موجود ہوں گی اور ان میں سویرا کو تلاش کرنا تقریباً ناممکن ہو گا۔ اغوا کرنے والیاں اسے کسی ویگن یا بس میں بٹھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر نکل گئی ہوں گی اور آگے اتار کر کسی گاڑی میں بٹھا لیا ہوگا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے سویرا کو شناخت کیسے کیا۔ کیا وہ صرف سویرا کے لیے آئے تھے یا جو ہاتھ لگے اسے لے جانا تھا؟"

"میرا خیال ہے وہ کسی کو بھی لے جانے کے لیے آئے تھے۔" میں نے کہا۔ "اتفاق سے سویرا ان کے ہاتھ آ گئی۔"

"آپ کی بات درست لگ رہی ہے۔" وسیم بولا براؤن بس اسٹاپ تک پہنچ گیا تھا اور وہاں یوں کھڑا تھا جیسے سوچ رہا ہو کہ اب کہاں جائے۔ شاید بو کا سلسلہ یہاں پہنچ کر رک گیا۔ ظاہر ہے اس سے آگے سویرا کسی بس یا ویگن میں گئی ہوگی اور بو غائب ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد عبداللہ براؤن تک پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ملازم سے بات کرنے لگا۔ میں نے بائیک گرین بیلٹ کے ساتھ روک دی تھی۔ رات ہوتے ہی یہاں سناٹا چھا گیا تھا اور دیر بعد کوئی گاڑی گزرتی تھی۔ ہاں مین روڈ سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ پھر براؤن اور اس کے ساتھ کی پارٹی واپس آنے لگی۔ میں نے وسیم کی کال کاٹ کر عبداللہ کو کال کی۔

"کیا ہوا ہے؟"

"براؤن کو بو نہیں مل رہی ہے۔"

"یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے؟"

"جی کوٹھی کا یہ ملازم اتفاق سے کتوں کا بھی ماہر ہے اور اسے کتے سنبھالنا آتے ہیں اس لیے میں اس کی بات ماننے پر مجبور ہوں اس کا کہنا ہے کہ کتے کو یقینی طور پر بو ملی تھی اور سویرا بی بی کو اس بس اسٹاپ تک لایا گیا تھا اس کے آگے وہ کسی گاڑی میں بٹھا کر لے جائی گئی ہیں اس لیے آگے بو نہیں مل رہی ہے۔"

"اگر براؤن کو اسی طرح گھمایا جائے جیسے مجھے تلاش کرنے کے لیے گھمایا جا رہا تھا۔"

"میں یہی کرنے جا رہا ہوں میں نے گاڑی تیار کرنے کو کہہ دیا ہے یہ ملازم ساتھ جائے گا اور چار مسلح افراد ہوں گے ایک بیک اَپ گاڑی تیار رہے گی۔" عبداللہ نے تفصیل سے بتایا۔

"ٹھیک ہے ایک دو آدمیوں کو چھوڑ کر باقی کو واپس بلا لو۔ میں اور ایاز واپس جا رہے ہیں۔ وسیم کو یہیں رہنا چاہیے۔"

"شہباز صاحب میں سویرا بی بی کو واپس لانے کی پوری کوشش کروں گا۔" عبداللہ کے لہجے میں ندامت تھی۔

"اس میں تمہارا یا کسی بھی کوئی قصور نہیں ہے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "تم نے اپنے طور پر بہترین انتظامات کیے تھے۔ یہ سب ہمارے نصیب میں ہے۔"

"جناب اگر یہ کام مرشد کا ہے تو وہ ملازمی آپ سے رابطہ کرے گا۔"

اس وقت میں نے دل سے دعا کی کہ کاش یہ کام مرشد کا نہ ہو۔ ورنہ سویرا کی عزت و آبرو کے ساتھ واپسی کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ جاتا۔ "میں جا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "شہلا والا معاملہ بھی گڑبڑ نکلا۔"

"جی مجھے وسیم صاحب نے بتایا ہے میرا آدمی اس کی کوٹھی کی نگرانی کر رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے معمولات پر کڑی نظر رکھو اس سے بعد میں نمٹیں گے۔''

ایاز نے یہیں رکنے کے لیے کہا تھا وہ اس ٹیم کے ساتھ جانا چاہتا تھا جو براؤن کی مدد سے سویرا کا سراغ لگاتی۔ ورنہ بیک اَپ ٹیم میں شامل ہوتا۔ مجھے خیال آیا میں نے وسیم کو کال کی۔ ''نادر والی کوٹھی کی نگرانی بڑھا دو اور وہاں کوئی سرگرمی ہو تو مجھے بتانا۔''

''میں ابھی وہاں موجود اپنے آدمی سے بات کرتا ہوں۔''

فارم ہاؤس کی طرف جاتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ اگر یہ کام مرشد کا ہے تو اسے اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ سویرا کا معمولی سا نقصان بھی اس کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان کی وجہ بن جائے گا۔ فارم ہاؤس پر سفیر میرا منتظر تھا اس نے خاموشی سے مجھے گلے لگایا اور پھر اندر لے آیا۔ ''چل کھانا کھالے بھوکا ہوگا۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' میں نے صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا لیکن سفیر اندر چلا گیا تھا کچھ دیر بعد وہ ٹرے اٹھائے نمودار ہوا جس میں پنیر اور انڈوں سے بنے سینڈوچز کے ساتھ کافی تھی۔ اس بار میں نے انکار نہیں کیا اور خاموشی سے کھانے لگا۔ مانی بھی آ گیا تھا اور خاموش بیٹھا تھا۔ میں نے کھانا ختم کیا تو سفیر نے کہا۔ ''اب تُو سو جا۔''

''یار مجھے نیند نہیں آئے گی۔''

''آ جائے گی ابھی میں جاگ رہا ہوں اور یہ مانی تو ہے ہی اُلو.....''

''سفیر بھائی۔'' اس نے احتجاج کیا۔

''میرا مطلب تھا رات بھر جاگتا ہے۔'' سفیر نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''اُلو بھی رات کو جاگتا ہے۔''

''وہ تو میاں بیوی بھی جاگتے ہیں تو کیا وہ اُلو ہوتے ہیں۔'' مانی نے سوچے بغیر کہا اور جب اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے تو وہ بوکھلا کر وہاں سے بھاگ گیا سفیر نے خفت سے کہا۔

''گدھا کہیں کا۔''

اس چھوٹے سے مزاحیہ ایکٹ سے میرے ذہن پر طاری اداسی کا بوجھ اترا نہیں تھا لیکن کسی قدر کم ضرور ہو گیا تھا۔ سفیر نے مجھے زبردستی باتھ روم میں دھکیل دیا کہ میں گرم پانی سے غسل کروں اور جب میں غسل کر کے آیا تو اس نے زبردستی ہی مجھے ایک گلاس گرم دودھ دیا۔ میں سچ مچ سکون والی کیفیت میں آ گیا تھا اور جب لیٹا تو کچھ دیر بعد نیند میرے ذہن پر غلبہ پا چکی تھی۔ پھر سویرا نے مجھے اٹھایا۔ میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''سویرا تم یہاں ہو یا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔''

''میں یہاں ہوں آپ کے پاس۔'' وہ بولی تو میں نے یقین کرنے کے لیے اس کے ریشم جیسے نرم وجود کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔ مجھے لگا جیسے رنگوں اور خوشبوؤں سے سجا وجود مجھ میں سما گیا ہو۔ وہ شرما کر گنگنائی۔

''اب آپ کو یقین آ گیا۔''

''ہاں لیکن تم کہاں چلی گئی تھیں؟''

''میں کہیں نہیں گئی تھی یہیں تھی آپ کے پاس۔''

''اب کہیں نہیں جاؤ گی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہیں نہیں۔'' اس نے یقین دلایا۔ ''کبھی بھی نہیں۔''

میں سویرا کو تھامے رکھنا چاہتا تھا لیکن وہ خود میری بانہوں سے نکلنے لگی میں نے روکنے کی کوشش کی اور ناکامی پر سویرا سے کہا۔ ''تم مجھ سے دور ہو رہی ہو۔''

''میں کیا کروں۔'' وہ بے بسی سے بولی۔ ''میں خود سے نہیں ہو رہی ہوں کوئی اور طاقت ہے۔''

میں نے سویرا کا رنگین آنچل پکڑنا چاہا لیکن وہ اس کے وجود جتنا ریشمی نکلا اور میری انگلیوں سے پھسلتا چلا گیا تھا۔ سویرا نہ جانے کہاں چلی گئی میں اسے پکارتا رہ گیا اور پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میرا جسم پسینے میں شرابور تھا اور گلا پیاس سے خشک ہو رہا تھا میں نے برابر میں رکھا پانی کا جگ اٹھایا اور ایک ہی سانس میں اسے خالی کر دیا۔ خنک پانی نے میری جسمانی حدت کو کم کر دیا اور رفتہ رفتہ میں پُرسکون ہوتا چلا گیا۔ صبح کا وقت ہو گیا تھا اور دور کہیں مؤذن اللہ کی کبریائی بیان کر رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر اللہ کے حضور کھڑا ہو گیا۔ وہ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے سب اس کے اختیار میں ہے۔ انسانوں کی زندگی و موت اس کے اختیار میں ہے۔ نماز پڑھ کر میں نے اس سے سویرا کے لیے زندگی اور عزت مانگی۔ دعا مانگ کر مجھے ہمیشہ کی طرح سکون ملا تھا۔ اندر سے ایک یقین سا آ گیا تھا کہ اللہ نے میری سن لی ہے۔ میں نیچے آیا تو خلاف توقع سفیر کو جاگتے پایا۔ البتہ مانی سو رہا تھا۔ ''تُو جاگ رہا ہے۔''

''آج تو سب ہی جاگ رہے ہیں۔'' وہ بولا۔

''کوئی رپورٹ آئی ہے؟''

''نہیں..... اس وقت بھی عبداللہ کے آدمی براؤن کو لے کر گھوم رہے تھے لیکن براؤن تھک گیا تھا اور اس کا کام کا موڈ نہیں تھا اس لیے واپس کوٹھی آ گئے ہیں۔''

''مرشد یا کسی اور نے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے؟''

''نہیں البتہ عبداللہ کا جو آدمی شہلا کی کوٹھی کی نگرانی کر رہا ہے اس نے رپورٹ دی ہے کہ واپس نہیں آئی ہے۔''

''فی الحال وہ واپس بھی نہیں آئے گی۔''

''ویسے میں سوچ نہیں سکتا تھا کہ وہ تجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گی۔''

''شاید فتح خان اور شہلا سمجھ رہے ہیں کہ سویرا کو اغوا کر کے انہوں نے مجھے اپنا جانی دشمن بنا لیا ہے اس لیے اس سے پہلے میں ان پر وار کرتا انہوں نے مجھ پر وار کر دیا۔ خاص طور سے فتح خان جیسے لوگ دشمن نہیں پالتے ہیں وہ ان سے پہلی فرصت میں چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔''

''ممکن ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''ہاں ایک کال اور آئی تھی ایمن کی طرف سے اس نے کہا ہے کہ تم اس سے رابطہ کر لو۔''

''عبداللہ کی کوٹھی پر آئی تھی کال؟''

''جی اس نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ کس نمبر پر رابطہ کرنا ہے۔''

مجھے خیال آیا کہ اگر ایمن نے کال کی تھی تو یقیناً کوئی خاص بات ہو گی۔ ''یار کافی بناؤ بے تقدیر کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیاہ اور روزگار ایام کی طرح تلخ۔''

''رات سے جاگ رہا ہوں۔'' اس نے فریاد کی۔

''بیٹے مانی کی بات بھول گیا۔'' میں نے اوپر جاتے ہوئے اسے یاد دلایا۔ اوپر آ کر میں نے نوٹ بک آن کی اور ویب سائٹ پر جا کر ایمن کا نمبر ملایا۔ صبح کے ساڑھے سات بج رہے تھے لیکن مجھے امید تھی کہ ایمن عام انگریزوں کی طرح سحر خیز ہوگی۔ میرا اندازہ درست نکلا جب اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کر لی۔

''شہباز یہ تم ہو۔'' اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''ایمن کیسی ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بولی۔ ''بم بلاسٹ ہونے میں چار دن کا وقت رہ گیا ہے۔''

''یعنی ماہرین جیکٹ کھولنے یا بم کو ناکارہ بنانے میں ناکام رہے ہیں؟'' میں پریشان ہو گیا۔

''ہاں۔'' وہ سکون سے بولی۔ ''برطانیہ سے آنے والے ماہرین نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا ہے کہ جیکٹ کو ناکارہ بنانے کی کوشش کرنا نہایت رسکی ہے اور نوے فیصد امکان ناکامی کا ہے۔''

''تب برٹش حکومت نے تاوان دینے کا فیصلہ کیا ہے؟''

''اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا لیکن مجھے میرے وکیل سے پتا چلا ہے کہ ڈیوڈ شا اس معاملے میں ملوث ہو چکا ہے اور وہ تاوان دینے کی مخالفت کر رہا ہے۔''

''اس نے تو ایسا کرنا ہی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ برٹش حکومت اپنی ایک شہری کی جان بچانے کے لیے کیا کر رہی ہے؟''

''شہباز مجھے لگ رہا ہے یہ لوگ نہیں مانیں گے ورنہ اب تک کم سے کم فتح خان سے بات چیت تو شروع کر سکتے تھے۔''

مجھے یاد آیا کہ فتح خان نے تاوان کی ادائیگی کا معاملہ طے کرنے کے لیے رابطے کا طریقہ کار نہیں بتایا تھا۔

''فرض کرو اگر حکومت تاوان دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے تو فتح خان سے رابطہ کس طرح لیا جائے گا؟''

''اس نے ایک خط سفارت خانے بھیجا ہے اس میں کہا ہے اگر برطانوی حکومت [illegible] پر آمادہ ہے تو وہ مقامی ٹی وی چینلز پر برٹش سفارت خانے میں اتوار کو ہونے وا[illegible] خبر چلوا دے لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ اس کی نوبت آئے گی۔''

''ایمن اگر برٹش حکومت تیار نہ ہوئی تو میں فتح خان سے بات کروں گا۔''

''تم کیا بات کرو گے؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ابھی سوچا نہیں ہے لیکن میں تمہیں مرتے نہیں دیکھ سکتا۔''

''سچ۔'' وہ خوش ہو گئی۔ ''تمہارے دل میں میرے لیے جگہ ہے؟''

''ایمن میں نے تم کو ہمیشہ اپنی اچھی دوست سمجھا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں جانتا ہوں تم مجھے پسند کرتی ہو لیکن تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں تمہارے جذبات کا جواب اس طرح نہیں دے سکتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہو گئی تھی پھر اس نے کہا۔ ''ہاں میں سمجھتی ہوں میرے لیے یہ بھی بہت ہے کہ تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لیے فکر مند ہو اور مجھے مرتا نہیں دیکھ سکتے۔"

"میں فتح خان سے بات کرتا ہوں کیونکہ وقت کم رہ گیا ہے۔"

"پلیز مجھ سے کچھ دیر بات کرو میرا دل گھبرا رہا ہے۔" اس نے التجا کی۔ "شاید میرا وقت پورا ہونے والا ہے اور اس دنیا میں ایسا کوئی نہیں ہے جس سے میں آخری وقت میں بات کرنا چاہوں گی۔"

"تمہاری ماں ہے؟"

"ہے لیکن آخری بار میں نے بارہ سال کی عمر میں اسے دیکھا تھا۔" ایمن کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "اس نے پاپا سے طلاق لے لی تھی اور پھر امریکہ چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔"

میرا دل بوجھل ہو گیا یہ مغرب کا المیہ تھا وہاں رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ میں ماں باپ کے رشتے بھی شامل ہو گئے تھے۔ ہمارے ہاں اب بھی یہ تصور محال ہے کہ کوئی ماں اپنی اولاد سے لاپروا ہو جائے اور اسے چھوڑ کر چلی جائے۔ اسی لمحے میرے موبائل پر کال آنے لگی۔ میں نے موبائل دیکھا اور اچھل پڑا تھا کیونکہ کال سویرا کی تھی۔ میں ایمن کو بھول گیا اور بے تابی سے کال ریسیو کی۔ "سویرا تم کہاں ہو.....؟ تم ٹھیک تو ہو.....؟"

"سویرا۔" ایمن نے حیرت سے کہا۔ "یہ تم اس سے بات کر رہے ہو۔"

ایمن سے میں ہینڈ فری سے بات کر رہا تھا۔ مگر میں نے اس کی بات سنی نہیں تھی۔ میں موبائل کی طرف متوجہ تھا۔ "سویرا تم بول کیوں نہیں رہی ہو..... پلیز کچھ تو بولو..... تم ٹھیک ہو نا؟"

"میں سویرا نہیں ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا تو میرا خون کھنچ کر سر میں آ گیا تھا لمحوں میں، میں جیسے آگ میں جلنے لگا تھا۔

"فتح خان۔" میں نے کہا تو مجھے اپنی آواز خود اجنبی لگی تھی۔ "سویرا کہاں ہے؟"

"اس کا فکر مت کرو وہ اپنی جگہ پر ہے آرام اور عزت کے ساتھ۔"

"بکواس مت کرو..... اس کا فون تمہارے پاس ہے تو وہ کیسے ٹھیک ہو سکتی ہے۔"

"شہباز خانا اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہے وہ بالکل آرام اور سکون سے حویلی میں ہے۔"

"میری حویلی میں.....؟" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں میں اسے وہاں چھوڑ آیا ہوں۔ ادھر سے سیدھا حویلی لے گیا تھا رات میں بھی وہیں رہا جب صبح میرا ساتھی آیا تو میں وہاں سے نکل آیا۔"

مجھے لگا جیسے میری عقل خبط ہو کر رہ جائے گی۔ فتح خان نے سویرا کو اغوا کیا اور وہ اسے فوراً ہی حویلی بھی چھوڑ آیا لیکن اس نے ایسا کیوں کیا۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن میں نے بہتر سمجھا کہ پہلے حویلی کال کر کے تصدیق کر لوں۔ "فتح خان میں حویلی کال کر کے تم سے بات کرتا ہوں۔"

میں نے کال کاٹی اور ایمن سے کہا۔ "تم نے سن لیا ہو گا یہاں ایک مسئلہ ہے سویرا کل سے غائب تھی اسے فتح خان لے گیا تھا اور اس نے میری حویلی پہنچا دیا ہے میں اس کے بیان کی تصدیق کرنے جا رہا ہوں تم ذرا ہولڈ رکھو۔"

"نہیں تم اطمینان سے یہ کام کرو مجھ سے بعد میں بات کرنا تم نے بتایا نہیں تھا کہ تم اتنے پریشان ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

او کے بائے۔"

میں نے حویلی کا نمبر ملایا اور دھڑکتے دل کے ساتھ بیل جانے کی آواز سنتا رہا۔ کچھ دیر بعد بابا نے کال ریسیو کی۔ "ہیلو۔"

"بابا میں بات کر رہا ہوں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "سویرا ٹھیک ہے نا؟"

"اللہ کا شکر ہے۔" بابا بولے تو میرے رویں رویں نے یہی الفاظ کہے تھے۔

"بابا اس سے بات ہو سکتی ہے؟"

"ہاں رکو میں بلاتا ہوں۔" وہ بولے اور شاید ملازمہ سے کہا پھر بولے۔ "تم ٹھیک ہو نا؟"

"جی بابا بس مسئلے سمٹنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔"

"بیٹے تم خود نہیں سمیٹ رہے ہو۔ چاہو تو ملک سے باہر چلے جاؤ ان مسئلوں سے جان چھڑا لو۔"

"نہیں بابا میں میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" میں نے انکار کر دیا۔ "پھر دشمن آپ سب کے اور میرے ساتھیوں کے پیچھے بھی ہے وہ سب تو نہیں جا سکتے اور میں بھی آپ کو اور ان سب کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"میں سمجھتا ہوں پتر۔" بابا نے گہری سانس لی۔ "لے سویرا آ گئی ہے اس سے بات کر۔"

بابا شاید اسے ریسیور دے کر وہاں سے چلے گئے تھے۔ اس کی بھرائی آواز آئی۔ "آپ..... آپ ٹھیک ہیں نا.....؟"

"تمہاری آواز سن کر پھر سے جی اٹھا ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "سویرا کیا ہوا تھا؟"

"وہ جو کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں کوٹھی سے نکل کر جاتی لڑکیوں میں شامل ہوئی تھی ہم تینوں کو الگ رہنا تھا۔ فتح خان نے اسی کا فائدہ اٹھایا۔ وہ خود بھی برقع میں تھا۔"

"فتح خان.....؟" میں دنگ رہ گیا۔ "برقع میں اس نے اپنی جسامت کیسے چھپائی؟"

"ہاں میں بھی حیران رہ گئی تھی جب اس نے پاس آ کر پستول میری کمر سے لگایا اور اپنا تعارف کرایا۔ اس نے دھمکی دی کہ میں نے ذرا بھی آواز نکالی تو بلا تامل مجھے شوٹ کر دے گا۔ میں جانتی ہوں وہ ایسا ہی کرتا اس لیے میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ برقع میں وہ بس ذرا ایک موٹی اور چھوٹے قد کی لڑکی لگ رہا تھا۔"

"تم نے ٹھیک کیا وہ واقعی تمہیں شوٹ کر دیتا۔"

"لیکن میں نے صرف اس وجہ سے اس کی بات نہیں مانی تھی۔ شہباز میں عورت ہوں اور میری نسوانی حس نے مجھے بتایا کہ فتح خان ذاتی طور پر کیسے ہی کردار کا مالک سہی لیکن مجھے اس سے خطرہ نہیں ہے۔ ورنہ شاید میں اس کے ساتھ جانے کے بجائے مرنے کو ترجیح دیتی۔"

"وہ تمہیں بس اسٹاپ کی طرف لے گیا تھا؟"

"ہاں اس نے چالاکی سے کام لیا۔ زیادہ لڑکیاں اسی طرف جا رہی تھیں وہ بھی مجھے لے کر وہیں پہنچ گیا لیکن بس یا ویگن میں سوار نہیں کیا تھا وہاں ایک ٹیکسی پہلے سے موجود تھی ہم اس میں بیٹھے اور وہ روانہ ہو گئی۔ کچھ دور جا کر فتح خان نے ٹیکسی رکوائی اور مجھے لے کر اتر گیا وہاں ایک گاڑی کھڑی تھی اس نے مجھے اس میں بٹھایا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خودڈرائیو کرنے لگا اس نے برقع اتار دیا تھا۔"

"وہ تمہیں حویلی لے گیا؟"

"ہاں سیدھا حویلی کی طرف گیا تھا۔ مسلسل چار گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم حویلی پہنچ گئے تھے۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ فتح خان نے حویلی کے پاس پہنچ کر پھر سے برقع پہن لیا اور اس نے کہا کہ میں حویلی کے گارڈ سے بات کروں وہ بولتا تو اس کا راز کھل جاتا۔"

"فتح خان نے تمہیں بتا دیا تھا وہ تمہیں حویلی لے جا رہا ہے؟"

"ہاں اس نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی بتا دیا تھا اور نہ جانے کیوں مجھے اس کے الفاظ پر اسی وقت یقین بھی آ گیا تھا۔ حویلی پہنچ کر میں نے گارڈز سے بات کی اور پھر انٹرکام پر اندر بابا سے بات کی تو انہوں نے گارڈز سے کہہ دیا کہ ہمیں اندر آنے دیا جائے۔ اندر پہنچ کر فتح خان سامنے آ گیا۔ اندر صرف بابا، ماں جی اور ایک ملازمہ تھی۔ بابا نے اسے فتح خان کے کہنے پر چھٹی دے دی۔ فتح خان نے اندر پہنچتے ہی پستول نکال لیا تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ وہ اندر کیوں آیا وہ چاہتا تو مجھے باہر سے چھوڑ کر چلا جاتا۔"

"اس نے سب کو یرغمال بنا لیا تھا؟"

"ہاں ساری رات اس نے ہمیں ایک کمرے میں بند رکھا تھا۔ میرا مطلب ہے مجھے اور ماں جی کو ایک کمرے میں بند رکھا تھا اور خود بابا کے ساتھ بیٹھک میں رہا۔ صبح وہ چلا گیا۔"

"بابا نے اسے کیسے جانے دیا؟"

"یہ میں نہیں جانتی، صبح بابا نے کمرے کا دروازہ کھولا اور ہمیں بتایا کہ وہ جا چکا ہے۔"

"تمہارا موبائل اس کے پاس ہے۔"

"صرف سم ہے، موبائل اس نے ٹیکسی میں بیٹھنے سے پہلے مجھ سے لے کر آف کر دیا تھا اور بعد میں سم نکال کر مجھے واپس کر دیا۔"

فتح خان شروع سے مجھے حیران کرتا آیا تھا اور ہر بار جب وہ کوئی غیر متوقع کام کر جاتا تو میں سوچتا کہ اب وہ مجھے حیران نہیں کر سکے گا لیکن اگلی بار وہ پھر حیران کر دیتا تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس نے اتنی زحمت کس خوشی میں کی کہ پلاننگ کر کے سویرا کو لے گیا اور پھر اسے حویلی پہنچا دیا۔ کیا ہیروں سے ہمیشہ کے لیے محرومی نے پاگل کر دیا تھا۔ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا تھا کہ اس نے ہماری پلاننگ جاننے کے بعد اس کا توڑ نکالا اور پھر نہایت کامیابی سے سویرا کو لے کر نکل بھی گیا۔ اس سے سویرا کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ "سویرا اب اس واقعے کا کسی سے ذکر نہیں کرنا ہے کہ یہ کام فتح خان نے کیا ہے۔"

"آپ کے ساتھیوں سے بھی نہیں؟"

"ان سے میں کوئی بات نہیں چھپاتا ہوں میری بابا سے بات کراؤ۔"

"شہباز میں..... آپ سے پھر دور ہو گئی ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

میں نے اسے تسلی دی۔ "یہ دوری عارضی ہے، بس کچھ عرصے کی، اللہ نے چاہا تو ہم جلد ایک دوسرے کے پاس ہوں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں آپ کا انتظار کروں گی۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''اللہ حافظ..... میں بابا کو بھیجتی ہوں۔''

''اللہ حافظ۔'' میں نے کہا۔ کچھ دیر بعد بابا لائن پر تھے۔

''بابا سویرا کے غائب ہونے اور واپس آنے کے بارے میں کتنے لوگوں کو پتا ہے۔''

''مجھے اور تمہاری ماں کو۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''بس یہ بات آپ تک ہی محدود رہے۔''

''تم فکر مت کرو برخوردار۔'' وہ نرمی سے بولے۔ ''حویلی کے معاملات دیکھنا میرا کام ہے۔ میں نے اب تک صغراں اور ثمی کو روکا ہوا تھا کل ہی انہیں حویلی بلوالیتا ہوں۔''

''یہ ٹھیک رہے گا سویرا نے مشکل وقت دیکھا ہے اس کا دل بہلانے کی ضرورت بھی ہے۔ فتح خان کب تک رہا تھا؟''

''وہ فجر کے بعد نکلا تھا موبائل پر اس کی کال آئی اس کے ساتھی آگئے تھے اور وہ مجھے خبردار کر کے نکلا کہ اگر اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی گئی تو یہاں بہت خون خرابہ ہوگا۔ میں نے اسے جانے دیا۔''

''آپ نے بالکل ٹھیک کیا۔''

''میں نے حویلی کے پیچھے کا میدان صاف کرا دیا ہے اور وہاں زمین سیدھی کرا رہا ہوں دشمن دونوں بار اسی طرف سے حویلی میں داخل ہوا ہے۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا۔ بلکہ اس پر کاشت بھی شروع کرا دیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کچھ لوگ پہلے بھی زمین مانگتے رہے ہیں آباد کرنے کے لیے.....''

میں نے ماں جی سے بھی بات کی وہ سویرا کی باعزت اور باحفاظت واپسی پر خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی تھیں۔ ''پتر شہباز اب یہ ہمارے پاس تیری امانت ہے۔''

''نہیں ماں جی یہ آپ کی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کی دعائیں ہی اسے واپس لائی ہیں۔''

ماں جی سے بات کرتے ہوئے میرا فون بند کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن ابھی فتح خان سے بات بھی کرنی تھی اس لیے دل پر جبر کر کے میں نے کال ختم کی۔ میرے پاس بیلنس کم رہ گیا تھا اس لیے میں نے انٹرنیٹ اکاؤنٹ سے فتح خان کو کال کی سویرا والے نمبر پر لیکن اس نے ریسیو نہیں کی۔ پھر میں نے اپنے نمبر سے کال کی۔ اس نے ریسیو کر لی۔

''فتح خان بغیر نمبر کے میں کال کر رہا ہوں ریسیو کرو۔''

''ٹھیک ہے میں سمجھا کوئی اور ہے۔''

میں نے انٹرنیٹ سے کال کی تو فتح خان نے ریسیو کر لی۔ ''تمہارا تسلی ہو گیا؟''

''ہاں سویرا خیریت سے ہے اور اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن فتح خان میں سمجھنے سے قاصر ہوں تم نے ایسا کیوں کیا؟''

''اس کا دو وجہ ہے جو اصل میں ایک ہے۔'' اس نے کہا۔ ''پہلا وجہ یہ کہ سویرا کو حویلی سے میں لایا تھا اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے میرا ذمے داری تھا اس کو واپس ادھر چھوڑ کر آئے۔ دوسرا مرشد بھی اس چکر میں تھا اور اگر وہ کامیاب ہو جاتا تب بھی تم میرے پر شک کرتا اس لیے میں نے سوچا سویرا کو حویلی پہنچا دے تا کہ میں بری الذمہ ہو جائے۔"

"اور اس کا مقصد؟" میں نے ملائمت سے پوچھا۔ "تم کوئی کام صرف اللہ واسطے۔ یا اخلاقی ذمے داری سمجھ کر یا بلا مقصد نہیں کر سکتے ہو۔"

"تم نے ٹھیک سمجھا ہے۔" وہ بولا۔ "شہباز خانا اب تم میرے لیے کام کرے گا مجھے ایمن کا تاوان دلوائے گا۔"

"تم بھول رہے ہو برٹش حکومت میں میرا کوئی چاچے یا مامے کا پتر شامل نہیں ہے۔ وہ میری بات کیوں ماننے لگے۔"

"تم میری طرف سے ان سے بات کرے گا اور ان کو قائل کرے گا کہ وہ تاوان دیدے ورنہ اس کا شہری مر جائے گا۔"

"اس معاملے کو تقریباً تین دن گزر چکے ہیں۔ ابھی تک برٹش حکومت کی طرف سے ایسا کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا ہے کہ وہ تمہیں تاوان ادا کرنے کا سوچ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تب ایمن نہیں بچے گا۔"

میں نے اسے یاد دلایا۔ "فتح خان تم بھول رہے ہو ایمن میری دوست بھی ہے اور میں اس کی موت کو آسانی سے برداشت نہیں کروں گا۔"

"مت کرو۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ "تم ابھی کوشش کرو اپنا موبائل نمبر آن رکھنا میں سویرا والے نمبر سے تم کو کال کرے گا۔" اس نے کال کاٹ دی۔ میں نے دوبارہ نمبر ملایا لیکن نمبر بند جا رہا تھا۔ میں نے کوشش ترک کر دی اور وسیم کا نمبر ملایا۔

"شہباز صاحب آپ مصروف تھے میں خاصی دیر سے ٹرائی کر رہا ہوں۔"

"ہاں فتح خان اور سویرا سے بات ہو رہی تھی۔"

"فتح خان اور سویرا۔" وہ شاید اچھل پڑا تھا۔ "یہ کام فتح خان کا ہے.....؟ سویرا کیسی ہے؟"

میں نے وسیم کو تفصیل سے بتایا اس نے سویرا کے حویلی پہنچنے کا سن کر سکون کا سانس لیا تھا۔ "یہ اچھا ہو گیا جناب۔"

"فتح خان نے اس کی ایک وضاحت تو کی ہے اور وہ دل کو لگنے والی بھی ہے لیکن میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"یعنی آپ کے خیال میں فتح خان کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔"

"ایسا سمجھنے کی معقول وجوہات ہیں فتح خان کچھ عرصے سے ایسی گھمانے والی چالیں چل رہا ہے جن کا مقصد بہت دیر سے سمجھ میں آتا ہے۔"

"دیکھیے اس کا بنیادی مقصد تو کسی طرح بھی ہیروں یا ان کے مساوی دولت حاصل کرنا ہے۔ باقی چالیں اس مقصد کے آس پاس ہی گھومتی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، اس نے ایمن کو ٹریپ سے نجات دلانے کے عوض تاوان کی بات کرنے کی ذمے داری بھی مجھے دے دی ہے۔''

''شہباز صاحب آپ کے لیے ویسے ہی خاصی مشکلات ہیں میرا نہیں خیال ہے کہ آپ کو کوئی ایسی ذمے داری قبول کرنا چاہیے جس سے آپ حکومتوں کی نظر میں آجائیں۔''

وسیم ٹھیک کہہ رہا تھا اگر میں فتح خان کی طرف سے برٹش حکومت سے بات کرتا تو لازمی بات ہے ان کی نظروں میں بھی فتح خان کا شریک قرار پاتا اور بعد میں اس کے ساتھ میرے خلاف کارروائی بھی ہوتی لیکن دوسری طرف میں ایمن کو بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ میرے ساتھ تھی جب فتح خان نے اسے بارودی جیکٹ پہنائی تھی۔ اس طرح میری ذمے داری بنتی تھی۔ میں وسیم سے اس معاملے میں بحث نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں بات گول کر گیا اور اس سے کہا۔ ''تم خواتین اور عبداللہ کو بتا دو۔ ہاں میں نے تم سے نادر والی کوٹھی کی نگرانی کرنے کو کہا تھا۔''

''دو آدمی وہاں ہیں۔ اب تک جو معلومات جمع کی ہیں ان کے مطابق اندر محافظوں سمیت کوئی ایک درجن افراد ہیں۔ ان میں تین چار ملازم بھی ہیں یعنی کم سے کم آٹھ مسلح گارڈز ہیں اور ان کے پاس جدید ترین خود کار اسلحہ صاف نظر آتا ہے میرا اندازہ ہے اندر ان کے پاس مزید بھاری ہتھیار بھی ہو سکتے ہیں۔''

''روزانہ کی آمد و رفت کیا ہے؟''

''دو ملازمائیں آتی ہیں کاموں کے لیے، وہ نزدیکی بستی میں رہتی ہیں۔ نادر کو فزیوتھراپی کرانے کے لیے ایک شخص صبح شام آتا ہے۔ اس علاوہ ہر دوسرے دن ایک یا دو کال گرل بھی آتی ہیں۔''

''مختلف آتی ہیں یا کوئی بار بار بھی آتی ہے۔''

''صرف ایک ہے جو اب تک چار بار آچکی ہے۔ میرے آدمیوں نے اس کا گھر بھی دیکھ لیا ہے آبپارہ کی ایک چھوٹی سی کوٹھی میں رہتی ہے۔ ذرا اسٹینڈرڈ کی کال گرل ہے اور ہفتے میں تین چار دن ہی کام پر نکلتی ہے۔''

''میرا خیال ہے سچ مچ کی کال گرل ہے کال پر اس کا کام چلتا ہوگا۔''

''آپ نے ٹھیک کہا۔ خود اور اکیلی جاتی ہے۔ نادر کی کوٹھی پر بھی اکیلی آتی ہے۔''

''ایسا کرو اس کے گھر کو کسی طرح بگ کر دو اس کی مصروفیات پر نظر رکھو۔''

''آپ کا کچھ کر گزرنے کا ارادہ ہے؟''

''ہاں اب ہمیں بھی ذرا حرکت میں آنا چاہیے۔ دشمن شاید ہمیں کمزور سمجھ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کم سے کم ایک آدمی مستقل اس کال گرل پر لگا دو اس کا نام کیا ہے؟''

''ثمینہ۔'' وسیم نے کہا۔ ''دیکھنے میں کسی قدر ہالی ووڈ کی اداکارہ سینڈرا بلوک کی شباہت آتی ہے۔ رکھ رکھاؤ اور لہجے سے تعلیم یافتہ لگتی ہے۔''

''اس کے الگ سے وصول کرتی ہوگی۔''

''بالکل، لیکن ہے یہ بھی کوٹھے کی پیداوار، میں نے اس کے بیک گراؤنڈ کی تحقیق بھی کرائی ہے۔''

''وسیم یہی ہمیں نادر کی کوٹھی تک لے کر جائے گی۔ تم ایک طرف اس پر کام کرو اور دوسری طرف نادر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھی کے اندر کی سیکورٹی کے بارے میں معلوم کرو۔"

"میں آج ہی اس پر کام شروع کر دیتا ہوں۔"

وسیم سے بات کر کے میں نے عبداللہ کو کال کی اور اسے بھی سویرا کے بارے بتایا۔"عبداللہ اگر کسی موبائل کے استعمال کی لوکیشن کے بارے میں معلوم کرنا ہو تو.....؟"

"ایک صاحب ہیں پی ٹی اے میں اعلیٰ افسر ہیں۔ راجا صاحب کے دوستوں میں سے ہوتے ہیں وہ یہ کام کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں سویرا کا نمبر معلوم ہے نا، اس کے استعمال کی لوکیشن کا معلوم کرنا ہے، آج کے دن سے۔"

"میں ان سے بات کرتا ہوں ویسے امید ہے کہ یہ کام ہو جائے گا۔" عبداللہ نے کہا سویرا کے بارے میں سن کر وہ بھی خوش تھا۔ اس نے بیتو کے بارے میں بتایا۔"اس کی طبیعت تقریباً ٹھیک ہو گئی ہے اور وہ آپ کے پاس جانے کی ضد کر رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے اسے فارم ہاؤس بھجوا دو۔" میں نے کہا اور موبائل بند کیا تھا کہ سفیر تیزی سے کمرے میں آیا۔ اس نے چلا کر کہا۔

"شہباز تجھے معلوم ہو گیا کہ سویرا حویلی پہنچ گئی ہے۔"

"ہاں تو اس میں اتنا چلانے کی کیا بات ہے۔"

"تُو نے مجھے نہیں بتایا۔" سفیر برہمی سے بولا۔

"یار بات ہی چل رہی تھی۔ پہلے ایمن سے بات ہو رہی تھی اتنے میں سویرا والے نمبر سے فتح خان کی کال آ گئی۔ پھر وسیم کو بتایا اور عبداللہ سے کہا کہ وہ سویرا کے نمبر کے استعمال کی لوکیشن تلاش کرے۔ ابھی تجھے بتانے کا سوچ رہا تھا کہ تُو خود آ گیا۔"

سفیر کی برہمی کم ہوئی اور اس نے مجھے کافی کا مگ تھمایا۔"ذرا دیر ہو گئی مائی کے بچے نے کافی کی بوتل کہیں رکھ دی تھی اسے اٹھا کر پوچھنے میں دیر لگی ہے۔"

"سفیر، فتح خان نے سویرا کو واپس حویلی پہنچا دیا ہے میری اس سے بات ہوئی ہے۔" میں نے کہا اور اسے تفصیل سے بتایا کہ فتح خان سے کیا بات ہوئی ہے درمیان میں سفیر اسے گالیاں دیتا رہا۔ اس نے مجھے بھی سنائی تھیں کہ میں نے موقع ملنے کے باوجود اس خبیث کی گردن کیوں نہیں مروڑ دی۔ میں نے سرد آہ بھری۔

"تم ہی نہیں بابا جان بھی نہیں چھوڑیں گے کیونکہ اب بات عزت پر آ گئی ہے۔"

"شہباز سنجیدگی سے اس کا خاتمہ کرنے کا سوچ ورنہ یہ اسی طرح ہماری مشکلات میں اضافہ کرتا رہے گا۔"

"دیکھ میں نے عبداللہ سے کہا ہے وہ سویرا کے موبائل کی لوکیشن کا پتا چلانے کی کوشش کرے۔"

"صرف فتح خان ہی نہیں ہمیں مرشد اینڈ کمپنی کے خلاف بھی حرکت میں آنا چاہیے۔"

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔"یہی بات میں نے ابھی وسیم سے کی ہے۔" میں نے اسے کال گرل کے بارے میں بتایا جس کی مدد سے ہم نادر کی کوٹھی میں داخل ہو سکتے تھے۔ سفیر نے غور سے مجھے دیکھا۔

"تُو کیا چاہتا ہے نادر کا خاتمہ.....؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نادر کو مارنے سے ایک تو میں قاتل بن سکتا ہوں میں نے آج تک کسی کو سوچ سمجھ کر نہیں مارا۔ ہمیشہ اپنا دفاع کیا جس کا حق قانون بھی مجھے دیتا ہے۔ دوسرے اسے مارنے سے مرشد طاقتور ہو جائے گا اور دکھاوے کو سہی بدلہ لینے کے لیے ہمارے ساتھ دشمنی برقرار رکھے گا۔''

''تب تیرا کیا ارادہ ہے؟''

''نادر کو اپنی گرفت میں رکھ کر میں مرشد سے سودے بازی کی پوزیشن میں ہوں گا۔ میرے ذہن میں سب سے پہلے اپنے خلاف مقدمات کا خاتمہ ہے۔ چاہے اس کے لیے مجھے عدالت میں کیوں نہ پیش ہونا پڑے۔''

''تُو نے ندیم سے بات کی کہ تیرے کیسز کا کیا ہوا ہے؟''

''نہیں بہت دنوں سے اس سے بات کرنے کا موقع بھی نہیں ملا ہے میں کرتا ہوں اس سے بات۔'' میں نے کہا اور انٹرنیٹ سے ندیم کے گھر کا نمبر ملایا۔ مجھے امید تھی کہ وہ ابھی گھر میں ہوگا۔ فون اس کے بڑے صاحبزادے نے ریسیو کیا اور اطلاع دی۔

''پاپا ماما سے ڈانٹ کھا رہے ہیں۔''

ندیم کی بیوی تیز مزاج کی تھی اور ندیم پر حاوی رہتی تھی لیکن اس میں شک نہیں تھا اس نے ندیم کے گھر کو بہت اچھی طرح سنبھال رکھا تھا۔ ساتھ ہی اسے چھ سال میں چار یا پانچ مرتبہ صاحبِ اولاد بھی بنا دیا تھا۔ ندیم ایک منٹ بعد آیا اور غرا کر بولا۔ ''کون ہے صبح سویرے؟''

''جورو کے غلام۔'' میں نے آواز بدل کر کہا۔ ''ہم سے اکڑ کر بات کرتا ہے۔''

''کون ہو تم۔'' ندیم اس بار دھیمے لہجے میں کہا۔

''تیری موت۔'' میں نے قہقہہ مارا تو وہ پہچان گیا۔

''تُو شہباز..... تیری.....'' اس نے گالیوں سے استقبال کیا۔ ''تُو سچ مچ میری موت کی وجہ بنے گا۔ کل پھر دھمکیاں ملی ہیں۔''

''مرشد کی طرف سے؟''

''پتا نہیں کوئی حرامی تھا فون پر بک بک کر رہا تھا۔ میں نے کہا اگر تمہیں زیادہ ہی اعتراض ہے تو سامنے آ کر بات کرو، اس پر اس نے بہت نازیبا باتیں کیں جواب میں مَیں نے بھی برابر کی گالیاں دیں۔ بیگم بچوں سمیت شاپنگ پر گئی تھی اس لیے مجھے آسانی رہی سنانے میں۔ یہ بتا تُو کہاں مر گیا تھا؟''

''بس یار مرتے رہتے ہیں۔ محاورے کے مطابق تو ایک پر ہی مر گئے اور باقی کام دشمن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بتا میرے مقدموں کا کیا بنا؟''

''فقیر کے قتل والا کیس تو ختم ہو گیا۔ راجا صاحب نے معاونت کی تھی اور اس کے بارے میں معلومات فراہم کر دیں۔ پھر دوبارہ پوسٹ مارٹم سے بھی ثابت ہو گیا کہ اس کا انتقال اصل میں کسی وجہ سے ہارٹ فیل ہونے سے ہوا تھا۔''

''ہاں یار وہ اچانک میری گاڑی کے سامنے آ گیا تھا اور شاید اسی چیز نے اس کا دل بند کر دیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''باقی چھوٹے موٹے کیسز کی اہمیت نہیں ہے اصل کیس نادر پر قاتلانہ حملے کا ہے۔''

''جو سراسر جھوٹا ہے۔''

''بیٹے عدالت میں جھوٹ سچ نہیں گواہیاں اور ثبوت دیکھے جاتے ہیں اور فی الحال اس معاملے میں حریفوں کا پلہ بھاری ہے ایک بڑا بھاری اور بڑا حرامی قسم کا وکیل کر رکھا ہے۔ کیس تیرے خلاف جا رہا ہے اگر کبھی پولیس کے ہاتھ آیا تو سیدھا جیل جائے گا ضمانت منسوخ ہو چکی ہے تیری۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''یہ بتا کہ مخالف پارٹی پیچھے ہٹ جائے تو کیس میں کتنا دم رہ جائے گا؟''

''تب آسانی ہو جائے گی لیکن پارٹی کیوں پیچھے ہٹے گی؟''

''اسے چھوڑ یہ بتا کہ اس صورت میں میرا عدالت میں آنا ضروری تو نہیں ہوگا؟''

''نہیں ایک بار تو آنا پڑے گا عدالت دوبارہ تیری بیل منظور کرے گی تب ہی تُو آزاد ہو سکے گا اور کیس آگے چلے گا۔''

''ٹھیک ہے میں مرشد سے بات کرتا ہوں اس کا وکیل ہلکا پڑ جائے گا۔''

''تیرا اس سے رابطہ ہے؟''

''ہاں اب اس کی گوٹ بھی پھنسنے لگی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے ناشتے کے لیے بیوی چلا رہی ہے جیسے ناشتہ میرے لیے نہیں..... میں ناشتے کے لیے ہوں..... آتا ہوں میری ہونے والی بیوہ.....''

میں نے ہنستے ہوئے کال کاٹ دی۔ سفیر نیچے جا چکا تھا۔ میرے موبائل پر مونا کی کال آئی اس کے بعد سعدیہ سے بھی نمٹنا پڑا۔ وہ سویرا سے بات کرنے کے لیے بے چین تھیں میں نے انہیں حویلی کا نمبر دے دیا۔

''مگر احتیاط رکھنا ممکن ہے حویلی کے نمبر انڈر آبزرویشن ہوں۔''

''تم فکر مت کرو۔'' مونا بولی۔ ''یہ بیتو سے بات کر لو مرا جا رہا ہے تم سے بات کرنے کے لیے۔''

''شوبی بھائی۔'' بیتو نے فون لیتے ہی شکایتوں کے دفتر کھول دیئے۔ ''یہ لوگ اب ہم سے بالکل اچھا نہیں کرتا ہے۔''

''کیوں.....؟''

''ہم جو بولتا ہے وہ نہیں بناتا ہے الٹا بناتا ہے کھانے کو۔''

''جو ڈاکٹر نے کہا ہے وہ بنائیں گے۔'' پیچھے سے سعدیہ کی بھنائی ہوئی آواز آئی۔ ''تم تو کھا کر مرنا چاہتے ہو۔''

''ایسا کرو تم میرے پاس آ جاؤ۔'' میں نے کہا۔

بیتو خوش ہو گیا، چہک کر بولا۔ ''یہی تو ہم بھی کہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے عبداللہ سے کہو وہ تمہیں بھیج دے گا لیکن بہت خیال رکھنا کوئی پیچھا نہ کر رہا ہو۔''

''ہم خیال رکھ کر آئے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نیچے آیا تو سفیر ناشتہ تیار کر چکا تھا۔ وسیم کی غیر موجودگی میں وہ اکیلا کام کر رہا تھا۔ مانی صرف کھانے کا شیر تھا باقی اسے صرف کافی بنانی آتی تھی۔ ناشتہ بننے سے پہلے وہ میز پر براجمان تھا اور ٹیچ بجا کر وقت گزار رہا تھا۔ سفیر نے اس سے کہا۔ ''یار تم رات کے برتن ہی دھو دو۔''

''سوری میں جس کام کے لیے ملازم ہوں وہ کرتا ہوں باقی ذمے داری آپ کی ہے۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

''تو میں باورچی ہوں۔'' سفیر بھنا گیا۔

مانی نے چالاکی سے کہا۔ ''نہیں جی آپ مالک ہیں اور مجھے کھانا مہیا کرنا آپ کی ذمے داری ہے خود بنائیں یا کسی سے پکوائیں۔''

''لاؤ یار میں دھو دیتا ہوں۔'' میں نے آستین اوپر کرتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں شہباز بھائی۔'' مانی تیزی سے سنک کی طرف آیا۔ ''میں کرتا ہوں سفیر بھائی کو تنگ کر رہا تھا۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' سفیر اب بھی ناراض تھا۔ ''اگر شوبی نہ کہتا تو تم نے بیٹھ کر ٹیچ ہی بجانا تھا۔''

''آپ کے لیے تو ہرگز نہیں دھوتا۔'' مانی نے بھی تمیز بالائے طاق رکھ کر کہا۔ ''آپ مجھے تنگ کرنے میں کون سی کسر چھوڑتے ہیں۔''

وہ دونوں لڑنے لگے اور میں بیٹھ کر ٹیچ بجانے لگا۔ کچھ دیر میں سفیر نے ناشتہ لگا دیا اور ہم تینوں ناشتہ کرنے لگے۔ ناشتے کے دوران مانی اور سفیر کی صلح ہو گئی اور دونوں ہنس ہنس کر بات کر رہے تھے۔ ناشتے کے بعد میں کافی کا مگ لے کر باہر نکل آیا۔ سورج بلند ہو رہا تھا لیکن ہلکی دھند باقی تھی۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''یار بیٹا کو بھیج دو کسی کے ساتھ اور ہاں سویرا کے موبائل کے بارے میں بات ہوئی؟''

''جی میری بات ہو گئی ہے ان کا کہنا ہے کہ کرنٹ لوکیشن نکالنا تو بہت مشکل ہے کیونکہ اس صورت میں نیٹ ورک تمام کام چھوڑ دیتا ہے اور لاکھوں کالز رک جاتی ہیں۔ باقی استعمال کا پتا کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بھی تین سے چار گھنٹے لگ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے جیسے ہی رپورٹ آئے مجھے اطلاع کرنا۔ شہلا کی کوئی اطلاع ملی ہے؟''

''نہیں لیکن آپ نے فتح خان سے نہیں پوچھا اس بارے میں.....''

''بے کار ہے وہ انکار کر دے گا۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی میں انجان بن کر اسے دھوکا دے سکتا ہوں ایک بار میں نے اس پر الزام لگا دیا تو وہ ہوشیار ہو جائے گا اور میرے چکر میں نہیں آئے گا لیکن شہلا کو تلاش کرنا ضروری ہے۔''

''آپ مانی سے کہیں پہلے بھی اس نے تلاش کیا تھا۔''

میں چونکا۔ ''یہ خیال تو مجھے آیا ہی نہیں۔''

عبداللہ سے بات کر کے میں مانی کے پاس آیا۔ ''تمہیں یاد ہے تم نے کریڈٹ کارڈ کی مدد سے ایک خاتون کا سراغ لگایا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی بالکل یاد ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''اللہ معاف کرے نہایت واہیات خاتون ہیں۔ میں نے نیٹ پر سرچ کیا تو انٹرنیٹ پر ان کی نیوڈز موجود ہیں۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''تمہارا مطلب ہے شہلا کی نیٹ پر عریاں تصویریں موجود ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''نیوڈز کا یہی مطلب ہوتا ہے۔''

''مجھے دکھاؤ۔'' میں نے ایک خدشے کے ساتھ کہا۔ مانی نے شرماتے ہوئے اپنے لیپ ٹاپ پر وہ سائٹ نکالی اور منہ دوسری طرف کرتے ہوئے لیپ ٹاپ کا رخ میری طرف کر دیا۔ اس پر شہلا کی تصویریں موجود تھیں اور یہ سب وہ عریاں تصویریں تھیں جو میں فوٹوز کی صورت میں دیکھ چکا تھا۔ نہ جانے کس نے انہیں نیٹ پر اَپ لوڈ کر دیا تھا۔ شہلا کو شاید اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ جن تصویروں کے لیے وہ کئی بار جان کی بازی لگا چکی تھی وہ کسی کی مہربانی سے یوں انٹرنیٹ پر عام دستیاب تھیں۔ میں نے سائٹ بند کر دی اور لیپ ٹاپ واپس مانی کی طرف کیا۔

''صرف اسی سائٹ پر ہے یا اور سائٹس پر بھی ہے؟''

''اور پر بھی ہو سکتی ہیں لیکن اصل لنک یہی ہے یعنی اگر کوئی سرچ کرے تو کوئی اور سائٹ جس پر اس کا لنک ہوگا اس سائٹ کو کھول دے گی۔''

میں سوچ رہا تھا کہ یہ اچھا نہیں ہوا ہے اگر شہلا اس بات سے واقف ہے تبھی اس نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی۔ یعنی اب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ میں اس کی تصویریں رکھتا ہوں یا اس کی بدنامی جس سے وہ ڈر رہی تھی ویسے ہی ساری دنیا میں ہو چکی تھی۔ اس صورت میں اس کا سراغ لگانا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے مانی سے کہا۔ ''تم دوبارہ معلوم کر سکتے ہو کہ یہاں کہاں اپنا کریڈٹ یا ڈیبٹ کارڈ استعمال کر رہی ہے۔''

''جی معلوم کر سکتا ہوں۔'' اس نے کمپیوٹر پر انگلیاں چلانی شروع کر دیں۔ ''اس کے لیے مجھے دوبارہ اس بینک کے سسٹم میں گھسنا پڑے گا جہاں اس کا اکاؤنٹ موجود ہے۔ وہیں سے معلوم ہوتا ہے۔''

''اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہیں ہے؟''

''ہاں ای میل ہیک کر کے بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔''

''اگر وہ انٹرنیٹ استعمال کرتی ہے تو کیا اس کی مدد سے اس کی لوکیشن تک پہنچا جا سکتا ہے؟''

''بالکل پہنچا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ انٹرنیٹ مسلسل استعمال کرتی رہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن پہلے میں بینک میں انٹر ہوتا ہوں۔ اس کے بعد دیکھتے ہیں۔''

مانی اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ میں نشست گاہ میں آ گیا جہاں سفیر غالباً مونا سے باتیں سن رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے جلدی سے کہا۔ ''دیکھو شوبی آ گیا ہے یہ کیا سوچے گا؟''

''شوبی کچھ نہیں سوچے گا۔'' میں نے صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔ ''سوائے اس کے کہ مستقبل قریب میں یہ حال میرا بھی ہوگا جو ابھی تیرا ہے۔''

میں نے ٹی وی کھولا۔ ایک نیوز چینل لگایا تو اس پر جی ٹی روڈ پر واقع کسی فیکٹری میں آتشزدگی کی اطلاع تھی۔ کوئی نصف درجن فائر انجن اور درجنوں فائر فائٹر آگ بجھانے کی کوشش میں معروف تھے۔ میں چینل بدلنے جا رہا تھا کہ نیوز کاسٹر نے ایک نام لیا اور میں رک گیا وہ بتا رہا تھا کہ فیکٹری معروف مذہبی اور سیاسی رہنما مرشد علی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تھی۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق فیکٹری میں صبح چھ بجے آگ بھڑکی اور بدقسمتی سے الارم ناکارہ ہونے کی وجہ سے اس کی بروقت خبر نہ ہو سکی۔ فائر بریگیڈ والے آٹھ بجے آئے تب تک آگ نے پوری فیکٹری کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ لکڑی، گتے اور کاغذ کی مختلف مصنوعات بنانے والے فیکٹری تھی جس میں اربوں روپے کی مشینری، تیار اور خام مال موجود تھا اور یہ سب آگ پکڑنے والا سامان تھا۔ ٹی وی پر جو مناظر دکھائے جا رہے تھے ان سے تو لگ رہا تھا کہ فیکٹری میں کچھ نہیں بچا تھا۔

''مرشد کی ایک اور فیکٹری گئی۔'' میں نے سفیر سے کہا جو اب ایس ایم ایس کے ذریعے سونا سے سر کھپا رہا تھا وہ چونکا۔

''واقعی.....؟''

''دیکھ ٹی وی پر دکھا رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اب پتا نہیں یہ فتح خان کا کام ہے یا کسی اور دشمن کا یا پھر خود آگ لگ گئی بہت بڑی کاغذ اور گتہ بنانے والی فیکٹری تھی۔''

''کسی کا بھی کام ہو مرشد کے لیے ایک اور جھٹکا ہوگا۔'' سفیر نے کہا۔ ''افسوس صرف ان مزدوروں کا ہوگا جو بے روزگار ہو گئے۔ مگر مرشد جیسے فرعون کو ایک جھٹکا اور لگا۔''

اسی لمحے میرے موبائل پر کال آئی۔ سویرا کا نمبر تھا میں نے کال ریسیو کی۔ ''شہباز خان اگر تم نے ٹی وی نہیں دیکھا ہے تو ابھی لگا کر دیکھو تمہارا دل خوش ہو جائے گا۔''

''میں دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''فتح خان میرا خیال ہے تم بے کار کے کام کر رہے ہو۔''

''بے کار کیسے اس فیکٹری کا مالیت کم سے کم بھی دو ارب روپے تھا۔''

''مرشد یہ نقصان انشورنس سے پورا کر لے گا۔ اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہاں مزدوروں کا ہوا ہے۔ فتح خان اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو اس کے اصل کاروبار پر وار کرو۔''

''اصل کاروبار.....؟''

''اس کا پیری مریدی کا دھندہ۔ یہ اس کا اصل کاروبار ہے۔ باقی سارے کاروبار تو اضافی ہیں جن کے تباہ ہونے سے مرشد کو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ اگر تم نے وار کرنا ہے تو جڑوں پر کرو پتوں اور شاخوں کو کاٹنا اپنی توانائی ضائع کرنے کے برابر ہے۔''

میری بات نے فتح خان کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''شہباز خان تم ٹھیک کہتا ہے۔ اب میں دیکھے گا اس کا پیری مریدی کا دھندہ بھی دیکھے گا۔''

''دوسرے فتح خان مجھے شہلا کا پتا چاہیے۔''

''میں نہیں دے سکتا۔'' اس نے انکار کیا۔

''تب تم نے مجھے احمق سمجھا ہے کہ میں تمہارے کام آؤں۔''

''اگر تم ایمن کو بچانا چاہتا ہے تو میرے کام آنا پڑے گا۔''

''میں ایمن کو بچانا چاہتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہاری ہر بات مان لوں۔ اگر اس کے مقدر میں اس طرح مرنا لکھا ہے تو میں تمام تر کوشش کے باوجود اسے بچا نہیں سکوں گا مگر اس کے بعد فتح خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا تم بچ سکو گے؟"

"شہباز خانا تمہیں یقین ہے تم نے تمام تر کوشش کر لیا ہے۔" فتح خان کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ "میرا تو خیال ہے تم نے تمام کوشش نہیں کیا ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"شہباز خان جب وادی میں برٹ شامر رہا تھا تو اس کے پاس تم تھا کیا اس نے تم کو کچھ بتایا نہیں ہو گا۔"

میں اس کی بات پر دنگ رہ گیا تھا فتح خان کے سر میں شاید شیطان کا دماغ فٹ تھا میں نے تردید کی۔ "وہ مجھے کچھ کیوں بتانے لگا۔"

"اپنا بیٹی کا خاطر۔" فتح خان کے پاس جواب تھا۔ "اسے معلوم تھا کہ میں اس کی بیٹی کو نہیں چھوڑے گا جب تک مجھے ہیرا نہیں ملے گا۔ ہیرے کا صرف اسے پتا تھا اس لیے وہ مرنے سے پہلے اس کا بتا کر گیا ہو گا تا کہ اس کا بیٹی بچ جائے۔"

"ایسا نہیں ہے فتح خان اسے موقع نہیں ملا تھا ورنہ شاید وہ ایسا ہی کرتا۔ وہ باپ ہے اور ایمن اس کی ایک ہی اولاد ہے وہ اسے بچانے کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔"

"تم کہتا ہے تو ہم مان لیتا ہے۔ شہباز خان میرا شرافت دیکھو یہ بات ذہن میں ہوتے ہوئے بھی میں نے سویرا کو واپس حویلی پہنچا دیا۔"

"میں اسے شرافت نہیں مان سکتا۔" میں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ "تمہارے ذہن میں یقیناً کوئی بات ہو گی۔ ورنہ تم موقع چھوٹنے کے قائل نہیں ہو۔"

"تب تم بتاؤ میرے ذہن میں کیا ہو سکتا ہے۔"

"ابھی میں اس بارے میں نہیں جانتا۔"

"تب میرا بات مان لو۔ ابھی میں ایمن کی مدد سے رقم حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسا ہو گیا اور اگر تم ہیرے کے بارے میں جانتا ہے تو وہ ہیرا تمہارا ہو گا اگر فتح خان اس میں سے ایک پیسہ بھی مانگے تو اپنے باپ کا نہیں ہو گا لیکن اگر ایمن کا جان نہیں ملا تو اس کا جان بچانے کا دوسرا راستہ وہ ہیرا ہو گا تیسرا راستہ کوئی نہیں۔"

فتح خان اپنے پتے نہایت ہوشیاری سے کھیل رہا تھا۔ اس نے میرے سامنے ہیروں کا لالچ بھی رکھ دیا تھا اسے معلوم نہیں تھا کہ بھارت میں کمار کی وادی میں اس سے کہیں زیادہ مالیت کے ہیرے میں چھوڑ آیا تھا۔ بہر حال مجھے ابھی اپنے پتے نہایت ہوشیاری سے کھیلنے تھے اگر وہ لالچ دے رہا تھا تو میرا لالچ نہ کرنا اس کے نزدیک غیر فطری ہوتا اس لیے میں نے بے یقینی سے کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ وہ پانچ کروڑ ڈالرز مالیت کے ہیرے تم مجھے دے دو گے؟"

"ہاں اگر مجھے پانچ کروڑ ڈالرز ادھر سے مل جائے۔"

"لیکن جب میں ان ہیروں کے بارے میں....."

اس نے میری بات کاٹی۔ "شہباز خانا..... یہ بے کار کا بحث ہے میں تم سے جو چاہتا ہے وہ بتا چکا ہے۔ اگر میرے کو رقم مل گئی تو میں جیکٹ کو ڈی ایکٹی ویٹ کرنے والا کوڈ بتا دے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فتح خان اول تو مجھے یقین نہیں ہے کہ برطانوی حکومت تمہیں تاوان ادا کرنے کو تیار ہو جائے گی۔ دوسرے اگر اس نے تمہیں رقم دے بھی دی تب بھی وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ اس کی ایجنسیاں انٹرپول کے ساتھ مل کر دنیا کے آخری سرے تک تمہارا پیچھا کریں گی۔''

''بے شک کرتا رہے لیکن پہلے رقم تو دیوے۔'' فتح خان ہنسا۔ ''اس کے بعد بے شک پیچھے پڑا رہے۔'' اس نے آخری لفظ کہتے ہی کال کاٹ دی اور موبائل بھی بند کر دیا۔ سفیر میرے سر سے کان لگائے فتح خان کی گفتگو سن رہا تھا اس نے کہا۔

''شہباز یہ بہت حرامی شخص ہے تجھے دھمکی دے رہا ہے کہ اگر تاوان کی رقم نہیں ملی تو یہ دوبارہ ہیروں کے حصول کے لیے تجھے استعمال کرے گا کیونکہ اس کے شیطانی دماغ میں بیٹھ گیا ہے کہ ہیرے تیری مدد سے مل سکتے ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''تب اس کا ایک ہی علاج ہے۔'' سفیر نے گلے پر انگلی پھیر کر وہی تجویز دی جو کچھ دیر پہلے وسیم دے چکا تھا۔ ''ورنہ یہ مستقل دردِ سر بنا رہے گا۔''

میں نے سرد آہ بھری میرے ساتھی فتح خان کے دشمن ہو رہے تھے جذبات تو میرے بھی مختلف نہیں تھے لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وقت آنے پر میں فتح خان پر ہاتھ اٹھا سکوں گا۔ ''پہلے یہ ہاتھ تو آ جائے پھر اس کے بارے میں سوچتے ہیں۔''

آج ایمن کو جیکٹ پہنے چوتھا دن تھا اور ساڑھے تین دن کا وقت باقی رہ گیا تھا۔ اگر برٹش حکومت تاوان نہ دینے کا فیصلہ کرتی۔ ڈیوڈ شا کے طوطے ہونے کے بعد اس کا امکان بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ فتح خان کی رعایت کے موڈ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر اسے رقم نہ ملتی تو وہ ایمن کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ دوسری طرف وہ جانتا تھا کہ میں ایمن کو یوں مرتے نہیں دیکھ سکتا تھا اور میں اسے بچانے کی پوری کوشش کرتا۔ مکار فتح خان جاننا چاہتا تھا کہ میں اس کی مدد کے لیے کس حد تک جا سکتا تھا۔ اس کی کال کا مقصد بھی یہی تھا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں مجھے پیغام دے دیا تھا کہ اس نے سویرا کو بہ عزت طور پر حویلی پہنچایا تو یہ اس کی مہربانی ہے اور وہ جب چاہے اسے یا میرے کسی ساتھی کو کہیں سے اٹھا سکتا ہے۔ اس لیے مجھے اس کی بات مان لینی چاہیے۔ فتح خان اور میرے درمیان رسہ کشی کا کھیل جاری تھا جس میں دونوں فریق کبھی کھینچتے تھے اور کبھی ڈھیل دیتے ہیں۔ رسہ ٹوٹتا ہے اور نہ کوئی ایک فریق ہار مانتا ہے۔ کال بیل بجی تو مانی نے جا کر دیکھا۔ وسیم کی گاڑی اندر آئی۔ میں اور سفیر بھی باہر آئے۔ گاڑی رکتے ہی بیتو کود کر باہر آیا اور مجھ سے لپٹ گیا اس نے والہانہ انداز میں کہا۔ ''شوبی میں نے آپ کو بہت مس کیا۔''

''شکر ہے مسز نہیں کیا۔'' سفیر نے کہا۔

''مسز کیسے کر سکتا ہے۔'' بیتو نے خفگی سے کہا۔ ''ہم کو معلوم ہے مسز مونا دیدی کو کہتا ہے۔''

مانی دلچسپی سے بیتو کو دیکھ رہا تھا۔ بیتو شاید پہلے اس سے نہیں ملا تھا لیکن اس کے بارے میں سن رکھا تھا اس نے مانی سے ہاتھ ملایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم مانی ہے۔''

''اور تم بیتو ہو۔''

''مانی بیتو کو بھی کمپیوٹر کا شوق ہے تم اسے سکھاؤ۔'' میں نے کہا۔

''کیوں نہیں جی میں اسے سکھاؤں گا۔'' مانی بولا اور ہاتھ پکڑ کر بیتو کو اندر لے گیا۔ میں وسیم اور سفیر نشست گاہ میں آ گئے۔ وسیم بتانے لگا کہ اس نے مزید آدمی نادر کی کوٹھی کے آس پاس لگا دیئے تھے اور ثمینہ کی نگرانی بھی کی جا رہی تھی اگر وہ آج رات گھر سے نکلتی تو اس کا گھر بھی بگ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے فتح خان سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ وسیم نے سر ہلایا۔

''آپ دونوں کا خیال ٹھیک لگتا ہے وہ ہم پر دباؤ ڈال رہا ہے۔ اس سے پہلے وہ کوئی بڑا قدم اٹھائے ہمیں اس کا پتا صاف کر دینا چاہیے۔''

''پہلے اس کا پتا چلنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے بعد ہی صاف کیا جا سکتا ہے۔''

''شہباز صاحب وہ زیادہ دن چھپا نہیں رہے گا ہمارے سامنے آنا اس کی مجبوری ہے اور ہم اسی مجبوری کا فائدہ اٹھائیں گے۔ آپ اس کے لیے اپنے رویے میں تبدیلی نہ آنے دیں ایک بار وہ جال میں آ جائے تو بچ کر نہیں جائے گا۔''

''عبداللہ اس پر کام کر رہا ہے۔'' میں نے موضوع بدل دیا۔ ''ابھی پتا چلا ہے کہ شہلا جن تصویروں کے لیے مری جا رہی تھی وہ انٹرنیٹ پر عام دستیاب ہیں۔''

''اس کی وہ بے ہودہ تصویریں؟'' وسیم کے ساتھ سفیر بھی دنگ رہ گیا تھا۔ ''آپ نے خود دیکھیں؟''

''ہاں یار مانی نے نکالی تھیں وہ ایسے ہی شہلا کے حوالے سے سرچ کر رہا تھا تو یہ تصویریں سامنے آ گئیں۔''

''وہ ایسے ہی سرچ نہیں کر رہا ہوگا۔'' سفیر نے یقین سے کہا۔ ''وہ جتنا معصوم لگتا ہے اتنا ہے نہیں۔''

''ظاہر وہ تیری طرح جوان ہے معصوم کہاں سے ہوگا۔'' وسیم بولا۔

''اس کو بھی دیکھوا کیلے اکیلے دیکھ لیں اور ہمیں بتایا بھی نہیں۔'' سفیر نے شکوہ کیا۔

''مجھے کیا معلوم تھا کہ تم شہلا کی تصویریں دیکھنے کے لیے مرے جا رہے ہو ورنہ وہ تصویریں میرے پاس بھی رہی ہیں۔''

''جناب اس وقت بھی تڑپ رہے تھے۔'' وسیم ہنسا۔ ''وہ تو مونا بی بی موجود تھیں ورنہ.....''

''بیٹے تم بھی سادی سے کم نہیں ڈرتے ہو۔'' سفیر نے جوابی حملہ کیا۔ ''ہمت ہے تو اس کے سامنے شہلا کی تصویریں دیکھ کر دکھاؤ۔''

''میں بے ہودہ چیزیں نہیں دیکھتا۔''

''یہ کہو کہ ہمت نہیں ہے۔''

میں نے تنگ آ کر کہا۔ ''بحث کرنے کے بجائے تم دونوں مانی کے پاس چلے جاؤ وہ تصویریں دکھا دے گا۔ مگر خدا کے لیے اب یہ موضوع چھوڑ دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے تو معاف رکھیں شہباز صاحب۔'' وسیم نے بدک کر کہا۔ ''مجھے وہ عورت ویسے ہی پسند نہیں ہے۔ عورت کے نام پر دھبہ ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے مقابلے میں زرین مرشد جیسے آدمی کی رکھیل تھی۔ اس کے باوجود اس میں عورت کی پاکیزگی موجود تھی۔ شہلا جیسی عورتوں کے نزدیک عزت آبرو کی کوئی اہمیت نہیں ہے اسے صرف سوسائٹی میں اپنے نام کی فکر تھی۔''

وسیم ہنسا۔ ''اب تو وہ بھی نہیں رہا۔ جو تصویریں مانی نے دریافت کی ہیں وہ بہت سارے لوگ بہت پہلے دیکھ چکے ہوں گے۔''

''پتا نہیں وہ کس چکر میں ہے اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کیوں کی؟'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''کیا اسے نہیں معلوم کہ مجھے کچھ ہوا تو میرے ساتھی اسے نہیں چھوڑیں گے۔''

''اگر اس کے پیچھے فتح خان ہے تب بھی شہلا اس کی مکمل شریک ہے کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ بریف کیس میں بم ہے اور اس کا ٹائمر بھی اسی نے آن کیا ہوگا۔'' غفیر بولا۔

''شہباز صاحب وہ سوچ سمجھ کر آپ کو قتل کرنے آئی تھی۔'' وسیم نے تائید کی۔

''میں نے مانی سے کہا ہے کہ وہ کریڈٹ کارڈ کی مدد سے اس کا سراغ لگائے جیسا کہ اس نے پہلے بھی کیا تھا۔ شہلا کو نہیں معلوم ہوگا کہ تم لوگوں نے اس کا سراغ کیسے لگایا؟''

''وہ اس مکان سے فرار ہوگئی تھی جہاں سویرا کو رکھا تھا۔'' سفیر نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے وہ لاعلم ہے کہ اس کا سراغ کیسے لگایا گیا تھا۔''

''اس صورت میں امکان ہے وہ دوبارہ اپنا کریڈٹ کارڈ استعمال کرے گی اور مانی پتا چلا لے کہ وہ کہاں کارڈ استعمال کر رہی ہے۔''

''اس کام میں دیر لگے گی۔'' وسیم بولا۔ ''پچھلی بار بھی ہمیں مسلسل نگرانی کے بعد کامیابی ملی تھی۔''

''ایک بار معلوم ہو جائے کہ یہ کہاں کریڈٹ کارڈ استعمال کر رہی ہے تو اس جگہ کی مسلسل نگرانی بھی کی جا سکتی ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''وسیم یہ بتاؤ ہمارے پاس افرادی قوت کی کیا پوزیشن ہے۔''

''ہمارے علاوہ پندرہ افراد ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''ان میں سے چار عبداللہ والی کوٹھی کے مستقل گارڈز ہیں ان کے علاوہ گیارہ افراد مل سکتے ہیں۔''

''میں، تم، سفیر، بیتو، ایاز اور عبداللہ یہ ہوئے چھ یعنی کل سترہ افراد ہیں جو کسی مشن کے لیے دستیاب ہو سکتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک۔''

''یہ بتاؤ اسلحے کی کیا پوزیشن ہے؟''

''ہر قسم کا اسلحہ موجود ہے۔ پستول، شاٹ گن، اسالٹ رائفل، مشین گن، ایل ایم جی، منی راکٹ لانچر، ہینڈ گرنیڈ، اسموک گرنیڈ اور فائر گرنیڈ تک ہر قسم کا اسلحہ موجود ہے۔'' وسیم نے تفصیل سے بتایا۔

''وسیم فرض کرو ہمیں نادر کی کوٹھی پر حملہ کرنا ہے اور اس طرح کرنا ہے کہ ہمارا جانی نقصان نہ ہو تو کیا کرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگا۔''

''میں سمجھ گیا جناب، سب سے پہلے ہمیں گیٹ پر موجود گارڈز کو قابو کرنا ہوگا کیونکہ وہ دور تک نظر رکھتے ہیں اور کسی پر شک کرتے ہی دور سے گولی چلا سکتے ہیں۔''

''ان کو قابو کرنے کے بعد؟''

''کوٹھی کی چھت پر بھی دو مسلح گارڈز ہمہ وقت موجود ہوتے ہیں اور ان کو اندر جائے بغیر قابو کرنا مشکل ہے اس لیے سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ انہیں دور سے شوٹ کر دیا جائے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''کسی انسان کو جان بوجھ کر مارنا میرے لیے ہمیشہ سے ایک مشکل کام رہا ہے اور میں اس چیز سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا ہوں اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے؟''

''نہیں کیونکہ گیٹ پر کسی سرگرمی کی صورت میں یہ لازمی اوپر سے جھانک کر دیکھتے ہیں اور کوئی گڑبڑ ہو تو یہ اوپر سے گولی چلا سکتے ہیں۔''

میں متفکر ہو گیا۔''یعنی ایک درجن مسلح گارڈز کے جھرمٹ میں نادر محفوظ ہے۔''

''نہیں اگر ہم فیصلہ کر لیں گے کہ سامنے آنے والے ہر شخص کو اڑا دینا ہے تو یہ مشن بہت آسان بھی ہو سکتا ہے۔''

''یہی تو مشکل ہے۔'' میں نے ہاتھ پر مکا مارا۔''ہم انسانوں کو بے دریغ قتل نہیں کر سکتے ورنہ اب تک مراد اور اس کے بھائی کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔''

میرے موبائل نے بیل دی۔ عبداللہ کی کال تھی۔''جناب ابھی اطلاع آئی ہے فتح خان موبائل اسلام آباد میں ایک جگہ استعمال کر رہا ہے۔''

اس نے لوکیشن بتائی تو میں چونک گیا۔''نادر کی کوٹھی بھی اسی علاقے میں ہے۔''

''ہاں جناب ہمارے دو دشمن ایک ہی علاقے میں موجود ہیں۔'' عبداللہ نے تصدیق کی۔''نادر جس سے یہ کال آئی ہے نادر کی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں ہے۔''

عبداللہ کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ فتح خان نادر کی کوٹھی کے کہیں آس پاس تھا۔ کیا اسے علم تھا کہ نادر یہیں ہے اور ہم اس کی کوٹھی کی نگرانی کر رہے ہیں؟ وہ میرے پیچھے ہے اور اس نے ثابت کیا ہے کہ چالاکی اور وسائل میں وہ کسی طرح مرشد سے کم نہیں تھا۔''عبداللہ یہ پریشانی کی بات ہے۔ فتح خان کے اس علاقے میں موجود ہونے کا مطلب سمجھتے ہو؟''

''جی جناب..... ہمیں کسی کارروائی کی صورت میں اس کی طرف سے مداخلت کا خطرہ رہے گا۔''

''اس صورت میں فتح خان کا سراغ لگانا نہایت ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔''عبداللہ ایسی ڈیوائسز موجود ہیں جو کسی موبائل کی فریکوئنسی پکڑ کر اس کی لوکیشن کی نشاندہی کر سکتی ہیں کیا ایسی کوئی مشین مل سکتی ہے۔''

''مل سکتی ہے میرا خیال ہے ایسی کوئی مشین ہمارے خلاف استعمال کی گئی ہے۔''

''کئی بار۔'' میں نے تصدیق کی۔''ڈیوڈ شاجب یہاں تھا تو اس نے ایسی ہی مشین کی مدد سے میرا سراغ لگا لیا تھا۔ یہ مشین موبائل کی پن پوائنٹ حد تک نشان کر سکتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چاہے موبائل استعمال ہو رہا ہو یا نہ ہو؟''

''ہاں لیکن موبائل آن ہونا چاہیے یہ مخصوص موبائل کی کال بھی پکڑ سکتی ہے اور اسے ریکارڈ بھی کر سکتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ ہمیں ایسی مشین کی ضرورت ہے۔''

''میں تلاش کرتا ہوں جناب شاید مقامی مارکیٹ میں میسر ہو ورنہ باہر سے منگوانی پڑے گی۔''

''ٹھیک ہے جہاں سے جس قیمت پر مل رہی ہو منگوالو میں اس کی ادائیگی کروں گا۔''

''شہباز صاحب۔'' عبداللہ کے لہجے میں شکوہ آ گیا۔ ''آپ غیریت کی بات کر رہے ہیں۔''

''یار میرے پاس رقم ہے اس لیے کہہ رہا ہوں مشین خاصی مہنگی ہو گی۔''

''آپ فکر نہ کریں اگر مشین موجود ہے تو آ جائے گی۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''وسیم اور بیتو آ گئے ہیں؟''

''ہاں آ گئے ہیں۔''

عبداللہ سے ہونے والی گفتگو وہ دونوں بھی سن رہے تھے اور یک طرفہ گفتگو سے بھی انہوں نے بات سمجھ لی تھی۔ فتح خان کے بارے میں جان کر وہ بھی فکر مند ہو گئے تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''شہباز صاحب کہیں فتح خان نے نادر علی سے گٹھ جوڑ تو نہیں کر لیا ہے؟''

میں نے اس کی بات پر غور کیا اور بولا۔ ''ہو سکتا ہے لیکن مجھے مشکل لگتا ہے۔ فتح خان نے آج مرشد اینڈ کمپنی کو تیسرا بڑا نقصان پہنچایا ہے نادر کا اپنے بھائی سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن دولت و جائیداد سے نہیں۔ تباہ ہونے والی فیکٹریوں میں یقیناً نادر کا حصہ بھی ہو گا۔ وہ ان کی تباہی کسی صورت برداشت نہیں کرے گا۔ ہاں اس کا امکان ہے کہ فتح خان بے خبری میں یا جان بوجھ کر یہیں کہیں ٹھکانہ بنائے ہوئے ہو۔''

''مجھے بھی اس کا امکان نظر نہیں آتا کہ فتح خان نے نادر علی سے ہاتھ ملا لیا ہو اس کی بھائی سے دشمنی ہی دولت و کاروبار کے پیچھے ہوئی ہے۔'' سفیر بولا۔ مگر وسیم کا خیال مختلف تھا اس نے کہا۔

''اس کے برعکس مجھے لگتا ہے کہ فتح خان ایسا کر سکتا ہے۔ اس نے احمق نادر کو سبز باغ دکھائے ہوں گے کہ وہ مرشد کی جگہ اسے گدی پر بٹھا دے گا۔ اصل چیز تو گدی ہے باقی جائیداد و فیکٹریاں تو اس کے طفیل ہیں۔ اس لیے گدی پر قبضہ کرنے کا خیال نادر کو فتح خان سے اتحاد پر مجبور کر سکتا ہے۔ ایک بار گدی اس کے قبضے میں آ جائے تو سب اس کا ہو جائے گا۔''

''ایسا بھی ہو سکتا ہے۔'' سفیر بولا۔

''اب تم اس نکتہ نظر سے بھی کوٹھی کی نگرانی کرواؤ اگر فتح خان کا نادر سے کوئی تعلق ہے تو وہ لازمی اس کی کوٹھی میں آتا جاتا ہو گا۔ نگرانی کرنے والوں کو فتح خان کا حلیہ بتا دو۔''

میں نے کہا تو وسیم نے اسی وقت کسی کو کال کر کے ہدایت جاری کر دی پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''اگر ایسا ہے تو ایک دو دن میں فتح خان پکڑا جائے گا۔''

''اسے بیوقوف مت سمجھو۔'' میں نے کہا۔ ''وہ اتنا شاطر ہے کہ اس نے مجھے چکرا دیا ہے اتنا تو مرشد یا ڈیوڈ شا نے تنگ نہیں کیا جتنا یہ تنگ کر رہا ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ اگر اس کا نادر سے رابطہ بھی ہے تو وہ اس سے ملتا نہیں ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سر ہلایا۔ ''امکان یہی ہے فتح خان کسی پر اندھا اعتماد کرنے والا شخص نہیں خاص طور سے مرشد اور نادر جیسے لوگوں پر اگر اس کا ان سے کوئی رابطہ بھی ہے تو اس نے محفوظ طریقے سے ہی رکھا ہوگا۔''

''سوال یہ ہے کہ نادر جیسا شخص اس پر اعتماد کیوں کرنے لگا؟'' سفیر نے نکتہ اٹھایا۔

''وہ مجبور ہے۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''معذوری سے زیادہ مرشد سے اختلاف نے اسے مجبور کیا ہے کہ وہ فتح خان سے اتحاد کر لے کیونکہ اس کے آس پاس جو بھی لوگ ہیں ان پر وہ بھروسہ نہیں کر سکتا ہے۔ وہ مرشد سے گٹھ جوڑ کر سکتے ہیں اور ممکن ہیں ان کی اصل وفاداریاں مرشد کے ساتھ ہوں اور وقت آنے پر نادر کے سامنے ان کا اصل چہرہ آئے۔ یہ بات نادر بھی سمجھتا ہوگا اس لیے وہ ابھی سے اپنے لیے نئے اتحادی تلاش کر رہا ہے ممکن ہے وہ فتح خان کی مدد سے خود مرشد کا تختہ الٹ دے۔ اسے معلوم ہے خاندان والے اس کا ساتھ دیں گے۔ بس اسے قابلِ اعتماد لوگ درکار ہیں۔''

''فتح خان اس کے نزدیک زیادہ قابلِ اعتماد ہے؟'' سفیر نے اگلا سوال کیا۔

''وہ بھی قابلِ اعتماد نہیں ہے لیکن فتح خان اس پر مسلط نہیں ہو سکتا ہے۔ ایک بار وہ مرشد سے چھٹکارا حاصل کر لے تو پھر اسے باہر کا کوئی آدمی مجبور نہیں کر سکتا ہے۔''

''یہ لمبی بحث ہے۔'' میں نے مداخلت کی۔ ''فی الحال ہمیں فتح خان اور نادر کے ممکنہ گٹھ جوڑ کا پتا چلانا ہے۔''

''اس کے لیے کام شروع ہو گیا ہے۔''

''دوسرے میں چاہتا ہوں کہ شہلا کو تلاش کیا جائے تاکہ اس سے بھی ایک بار ہی نمٹ لیا جائے۔''

''شہلا پر عبداللہ کا آدمی لگا ہوا ہے۔'' وسیم نے بتایا۔ ''لیکن وہ زیادہ تیز نہیں ہے میرا خیال ہے کوٹھی کی نگرانی کے لیے میں دوسرا آدمی لگا دوں۔''

''دیکھتے ہیں مانی نے کیا کیا ہے اب تک۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''میں دوپہر کے کھانے کے لیے کچھ دیکھتا ہوں۔'' سفیر بھی کھڑا ہو گیا۔ ''باہر سے منگوانا پڑے گا۔''

وسیم مسکرایا۔ ''وہاں کوٹھی میں مزے ہیں دنوں خواتین نے ایک مددگار کے ساتھ پورا کچن سنبھالا ہوا ہے اور سب کے لیے کھانا اندر ہی بنتا ہے۔ صرف روٹیاں باہر ایک ہوٹل سے آرڈر پر بنتی ہیں۔''

''یہاں سب باہر سے آتا ہے یا خود بنانا پڑتا ہے۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ میں اسٹڈی میں آیا تو مانی لیپ ٹاپ کے ساتھ مصروف تھا اس نے مجھے دیکھتے ہی پُرجوش لہجے میں کہا۔

''میں آپ کو بلانے والا تھا شہلا کا ڈیبٹ کارڈ استعمال ہوا ہے۔''

''کہاں؟''

مانی نے اسلام آباد کے ایک سپر اسٹور کے بارے میں بتایا۔ ''اس نے کل اور آج اس جگہ سے شاپنگ کی ہے اور دس ہزار سے اوپر کا سامان لیا ہے۔''

''یہ کس قسم کا اسٹور ہے۔''

''ایک گروسری سپر اسٹور ہے۔'' مانی نے بتایا۔ ''کل اس نے رات میں یہاں شاپنگ کی اور آج صبح بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں اس کا ڈیبٹ کارڈ استعمال ہوا ہے۔"

میں نے پتا نوٹ کیا اور مانی نے گوگل پر اس کا نقشہ بھی نکال کر دکھایا۔ "کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ جب وہ ڈیبٹ کارڈ استعمال کر رہی ہو تو تم اسی وقت ٹریس کر سکو۔"

"کیوں نہیں لیکن اس کے لیے مستقل بنک کے سرور میں موجود رہنا پڑے گا۔ خوش قسمتی سے وہ ڈیبٹ کارڈ استعمال کر رہی ہے اگر کریڈٹ کارڈ استعمال کر رہی ہوتی تو اس کی تو رپورٹ ہی کئی گھنٹے بعد بنک میں آتی ہے۔"

میں باہر آیا وسیم ٹی وی دیکھ رہا تھا اسے سپر اسٹور کا بتایا۔ "شہلا اس جگہ کل اور آج اپنا ڈیبٹ کارڈ استعمال کر چکی ہے۔"

وسیم نے اپنے ان آدمیوں کو کال کی جو شہلا کو دیکھ چکے تھے اور اس نے انہیں فوری اس سپر اسٹور کی نگرانی کا حکم دیا۔ "اسٹور کی مکمل نگرانی کرنی ہے اور جیسے ہی شہلا وہاں دکھائی دے بہت احتیاط سے اس کا تعاقب کر کے اس کا ٹھکانہ پتا نا چلانا ہے۔"

وسیم نے فون بند کیا تو میں مسکرایا۔ "میں خود کو بے کار محسوس کرنے لگا ہوں سارے کام تو تم لوگ اور دوسرے کر رہے ہیں۔"

"جب آپ کے حرکت میں آنے کا وقت آئے گا تو آپ حرکت میں آجایئے گا۔" وسیم نے کہا اور اٹھ کر کچن کا رخ کیا اسے چائے یا کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ میں فارغ تھا اس لیے دوبارہ اوپر کا رخ کیا اور انٹرنیٹ سے ایمن کو کال کی۔ اس نے کال کاٹ دی تھی تاکہ میں فتح خان سے بات کر سکوں۔ وہ بھی میری کال کی منتظر تھی۔ اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"سویرا حویلی پہنچ گئی؟"

"ہاں اللہ کا شکر ہے وہ خیریت سے ہے فتح خان اسے وہاں پہنچانے خود گیا تھا۔"

"تھینک گاڈ۔" اس نے کہا۔ "یہ فتح خان آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکا اس نے میرے بابا کو اتنے عرصے قید رکھا۔ انہیں اذیتیں دیتا رہا حد یہ کہ مجھے اغوا کرالیا لیکن جب اس کے ایک آدمی نے بابا پر گولی چلائی تو اس نے پاگل ہو کر اپنے آدمی کو شوٹ کر دیا۔ پھر اس نے مجھے جانے دیا لیکن راستے میں مجھے روک کر زبردستی جیکٹ پہنا دی۔"

"سچی بات ہے میں خود ابھی تک اسے ٹھیک سے نہیں سمجھ سکا ہوں وہ ہر بار میرے اندازے کو شکست دے جاتا ہے۔ وہ مجھے ڈھیل دیتا ہے اس چکر میں کہ کبھی میں اس کے کام آؤں گا اور کئی بار قابو میں آنے کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا۔"

"اس نے میرے بابا کو قید میں رکھا اور ان کی موت کا ذمے دار بھی وہی ہے۔" ایمن کے لہجے میں غصہ تھا۔ "اگر وہ کبھی میرے ہاتھ آیا تو میں اسے معاف نہیں کروں گی۔"

"تم فکر مت کرو اس بار میں بھی اسے نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "ہم اسے تلاش کر رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز اب میرے پاس ستر گھنٹے رہ گئے ہیں۔''

''ایمن میرا فتح خان سے رابطہ ہو گیا ہے لیکن جب وہ چاہے تب ہی رابطہ ہو سکتا ہے۔ اس کا مطالبہ پانچ کروڑ ڈالرز ہیں۔''

''مجھے نہیں لگ رہا ہے۔'' وہ مایوسی سے بولی۔ ''اب تک حکومت کے کسی نمائندے نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا ہے۔ یہاں کوئی سن نہیں رہا ہے صرف سفیر دن میں ایک دو بار آ کر بات کرتا ہے لیکن اس کے پاس بھی کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اوپر والے میرے لیے کیا کر رہے ہیں اور کچھ کر بھی رہے ہیں یا نہیں، مجھے کچھ نہیں معلوم ہے۔''

''تمہارے خیال میں ڈیوڈ شا کا اثر و رسوخ کام کر رہا ہے۔''

''بات ڈیوڈ شا کی نہیں ہے۔'' وہ تلخ ہو گئی۔ ''اگر میرے بارے میں میڈیا میں آ جائے تو حکومت پر دباؤ آئے گا اور وہ کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔''

''ہاں کوئی فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔'' میں نے کہا اور دل میں سوچا کہ یہ فیصلہ ایمن کی موت کا بھی ہو سکتا تھا۔ حکومتیں کھلے عام بلیک میل ہونا پسند نہیں کرتی ہیں۔ سوچتے ہوئے اچانک مجھے خیال آیا کہ اگر اس میں ایمن کا ٹی وی چینل ملوث ہو جائے تو حکومت پر دباؤ آ سکتا تھا۔ بے شک ماحولیاتی صحافی سہی لیکن اس کا تعلق میڈیا سے تو تھا۔ اگر صحافی برادری حکومت پر دباؤ ڈالتی تو ایمن کے لیے کچھ نہ کچھ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ایمن سے یہ بات کہی تو اس نے جواب دیا۔

''اس صورت میں معاملہ پبلک ہو جائے گا۔''

''درست ہے لیکن میں بھول گیا تھا کہ تم ایک عام فرد نہیں ہو بلکہ صحافی ہو اور تمام صحافی برادری تمہارے لیے مل کر حکومت پر دباؤ ڈال سکتی ہے۔''

ایمن کے لہجے میں امید آ گئی۔ ''ہاں یہ تو میں نے سوچا نہیں تھا، مگر میں نے اب تک اپنے چینل والوں سے رابطہ نہیں کیا ہے۔ درحقیقت میرے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔''

''سوائے ڈیوڈ شا کے۔'' میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔ ''کیا تمہیں منع کیا گیا ہے؟''

''ہاں.....'' وہ ہچکچائی۔ ''ان لوگوں نے بتایا ہے کہ میں جو کال کروں گی وہ انڈر آبزرویشن رکھی جائے گی۔''

میں اچھل پڑا اور چلا کر کہا۔ ''ایمن بے وقوف یہ بات تم اب بتا رہی.....''

میری بات ادھوری رہ گئی تھی اسی لمحے دروازہ کھلا اور میں نے کسی کی آواز سنی۔ ''سوری مس ایمن تم نے وعدہ خلافی کی ہے۔''

''تم مجھ سے سیل نہیں لے سکتے۔'' ایمن چلائی لیکن شاید اس سے سیل چھین لیا گیا اور اگلے ہی لمحے لائن کٹ گئی تھی۔ میں ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا تھا۔ میں نے ہینڈ فری کان سے نکال کر بستر پر پٹخ دیا۔ مجھے پہلے خیال نہیں آیا تھا کہ وہ سفارت خانے میں تھی اور وہاں اس کی کال کی مانیٹرنگ کی جا رہی ہو گی یعنی میں نے ایمن سے جو باتیں کی تھیں وہ سب ریکارڈ ہو چکی تھیں۔ اگرچہ ان سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا تھا لیکن انہیں یہ بات معلوم ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکی تھی کہ فتح خان سے میرا رابطہ تھا اور بعد میں مجھے بھی ایمن کے معاملے میں ملوث کیا جا سکتا تھا۔ اب مجھے فوری طور پر اس کی اطلاع ایمن کے ٹی وی چینل اور برطانیہ اور یورپ کی صحافیوں کی انجمنوں کو دینی تھی۔ میں نیچے مانی کے پاس آیا۔ وہ برگر کھاتے ہوئے گیم کھیل رہا تھا۔

''برخوردار گیم اور برگر بعد میں پہلے ایک نہایت ضروری کام ہے۔''

اس نے جلدی سے دونوں چیزیں ایک طرف کیں اور مستعد ہو گیا۔ ''آپ حکم کریں شوبی بھائی۔''

''تمہیں بھی پتا چل گیا میرا نک نیم۔'' میں بولا۔ ''خیر..... مجھے ٹی وی چینل کو ای میل کرنی ہے اور یہی ای میل برطانیہ اور یورپ کی صحافیوں کی تنظیموں کو بھی کرنی ہے۔''

''آپ پہلے ای میل بتائیں۔'' اس نے کہا اور میں نے اسے ای میل لکھوائی۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پر اتنی تیز چل رہی تھیں کہ میرے الفاظ پیچھے رہ جاتے تھے۔ ای میل مکمل کر کے اس نے سب سے پہلے اس ٹی وی چینل کو میل کی اور اس مقصد کے لیے اس نے ایک ایسا ای میل اکاؤنٹ استعمال کیا جو اس نے کبھی کسی کا ہیک کر لیا تھا اور اب اسی کے استعمال میں تھا۔ پھر اس نے برطانیہ اور یورپ کی صحافی تنظیموں کو یہی ای میل بھیجی۔ آخر میں اس نے ذرا سے رد و بدل کے بعد یہی ای میل دنیا کے دس بڑے نیوز چینلز کو بھیج دی۔ میں نے اس کا شانہ تھپکا۔

''شاباش یہ کیا ہے تم نے کام.....''

''یہ کام تو آج کل بچے بھی کر لیتے ہیں جی۔'' اس نے شکوہ کیا۔ ''کام تو آپ بتاتے ہی نہیں ہو۔''

''میں نے تمہیں ڈیوڈ شا کا ای میل اکاؤنٹ ہیک کرنے کو کہا تھا۔''

''میں نے کوشش کی تھی جناب لیکن وہ بہت چالاک آدمی ہے اس نے پاس ورڈ کی جگہ اپنی آنکھ کی پتلی لگا رکھی ہے۔ وہ ویب کیم میں دیکھتا ہے تو اکاؤنٹ سرور اس کی پتلی شناخت کر کے اس کا ای میل اکاؤنٹ کھول دیتا ہے۔''

میں حیران ہوا۔ ''ایسا بھی ہو رہا ہے؟''

''جی جناب..... پہلے فنگر پرنٹ ریڈر کی مدد سے اسے پاس ورڈ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اب یہ چیزیں آ گئی ہیں۔'' اس نے دوبارہ گیم لگا لیا اور برگر اٹھا لیا۔ سارا کام اس نے مشکل سے پانچ منٹ میں کیا تھا۔ میں باہر آیا جہاں بیتو اور سفیر آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ گفتگو کا موضوع لنچ تھا۔ جس میں آج خاصی تاخیر ہو گئی تھی اس لیے مانی نے اپنی تسلی کے لیے برگر منگوا لیا تھا۔ بیتو کا اصرار تھا کہ پائے اور بریانی منگوائی جائے جب کہ سفیر بروسٹ اور کٹاکٹ کے حق میں تھا۔ میں نے کہا۔ ''یار کچھ بھی منگوا لو ورنہ میں بھوک سے فوت ہو جاؤں گا اور کٹاکٹ یہاں آتے آتے ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

طے ہوا کہ بریانی منگوائی جائے۔ میں باہر کے کھانے بس ایک حد تک کھاتا ہوں کیونکہ ان میں مرچ مسالے ذرا تیز ہی ہوتے ہیں ورنہ میں گھر کے سادہ کھانے زیادہ شوق سے کھا لیتا ہوں لیکن یہاں مجبوری تھی۔ بلکہ یہاں کیا کچھ عرصے سے مجبوری ہی تھی۔ باہر کے کھانے صحت کے لیے بہتر نہیں تھے۔ اس سے میری صحت پہلے جیسی نہیں رہی تھی اسٹیمنا بھی کم ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا اور سفیر سے کہا۔ ''یار میرے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دودھ، انڈے، مکھن اور کارن فلیکس منگوالے۔"

بیتو نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "شوبی آپ یہ پھیکا کھانا کھائے گا۔"

"ہاں یار چٹ پٹے کھانے کھا کھا کر پیٹ کا بیڑا غرق ہو گیا ہے۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ سادہ غذا کھاؤں اور ایکسر سائز پر توجہ دوں۔"

"بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے۔" وسیم اندر آتے ہوئے بولا۔ "میں نے ان دنوں یہی روٹین اپنائی ہے۔ سادہ غذا اور ایکسر سائز، ہمارے لیے جسمانی طور پر فٹ رہنا لازمی ہے۔"

"تم لوگ فٹ رہو۔" سفیر نے موبائل اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہم تو قورمے بریانی کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"تم لوگ کھاؤ یار تمہیں کون منع کر رہا ہے لیکن میرے لیے یہ چیزیں منگوالینا۔" میں نے وسیم کو باہر چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ باہر دھوپ تھی اور لان چیئرز پر اس کا مزہ لیا جا سکتا تھا لیکن میں وسیم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے مجموعی صورت حال کا علم تھا میں نے اسے ایمن کے معاملے میں تازہ پیش رفت سے آگاہ کیا۔ "ایمن کا مسئلہ تو اس کی حکومت حل کر سکتی ہے یا فتح خان ہاتھ آجائے تو وہ حل کر سکتا ہے۔ ہماری توجہ کا اصل مرکز نادر کی کوٹھی اور شہلا ہونی چاہیے۔"

"میرے آدمی ان دونوں جگہوں پر ہیں۔" وسیم نے کہا۔

"ان میں شہلا کم قابل توجہ ہے اصل کام نادر کی کوٹھی میں داخل ہو کر اسے اٹھانا ہے اور یہ کام اس طرح کرنا ہے کہ ہمارا کوئی نشان نظر نہ آئے۔"

"میں سمجھ گیا۔" وسیم نے سر ہلایا۔ "اگر ہم نادر کو وہاں سے نکال لاتے ہیں تو اسے رکھنے کے لیے جگہ چاہیے ہوگی۔"

"ایک جگہ میرے علم میں ہے۔ یہاں کبھی فتح خان نے مجھے قید رکھا تھا اور سویرا کو بھی وہیں لے آیا تھا۔"

"شاید آپ جنگل والے مکان کی بات کر رہے ہیں اخباری اطلاعات کے مطابق اسے آگ لگا دی گئی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن اس میں ایک تہہ خانہ بھی تھا اور میرے خیال میں وہ ٹھیک ٹھاک ہوگا۔ ہم وہاں جا کر دیکھ لیتے ہیں اور اگر اس میں کچھ کمی ہے تو پوری کر سکتے۔ وہ اچھی جگہ ہے آبادی اور کسی کو خیالوں سے دور ہے۔"

"فتح خان اس کے بارے میں جانتا ہے۔" وسیم نے خبردار کیا۔

"ہاں لیکن وہ سمجھتا ہے کہ یہ ٹھکانہ تباہ ہو چکا ہے اس لیے وہ یہ نہیں سوچے گا کہ ہم اسے اپنے استعمال میں لا رہے ہیں۔ وہ اس جگہ سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں کھانا کھا کر روانہ ہو جاتا ہوں اور اسے دیکھتا ہوں۔"

"اکیلے مت جانا سفیر اور بیتو کو بھی لے جانا اور پوری طرح مسلح ہو کر جانا کسی بھی غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔"

سفیر کا شاید فون پر رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ بائیک پر کھانے کے لیے خود روانہ ہوا تھا اس کی واپسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک میں نے ایکسر سائز کی پھر غسل کیا۔ جب وہ سب تکے اور بریانی سے شوق فرما رہے تھے تو میں دودھ میں کارن فلیکس بھگو کر کھا رہا تھا۔ اس کا ذائقہ برا نہیں تھا لیکن اتنے عرصے تک مسالے دار چیزیں کھانے کے بعد اسے حلق سے اتارنا ذرا مسئلہ ہو رہا تھا۔ بہر حال اصل مقصد تو پیٹ بھرنا تھا۔ کھانے کے بعد وسیم نے سب کو زبردستی کھینچ کھینچ کر اٹھانا شروع کر دیا لیکن سفیر اور بیتو پر گہرا خمار طاری تھا اور کسی صورت وسیم کے ساتھ جانے کے لیے راضی نہیں تھے۔ سفیر نے جماہی لے کر کہا۔ ''اوہ بھائی ٹو ہوآ.....''

''چل یار یہ کسی کام کے نہیں رہے ہیں۔'' میں کھڑا ہو گیا۔

بیتو نے ایک حقانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''شوبی ہم کام کا آدمی ہے پر کھانے کے بعد نہیں۔''

''یعنی تم کسی وقت بھی کام کے آدمی نہیں رہتے ہو۔'' وسیم نے بھنا کر کہا۔ ''بہتر ہو گا تم لوگ کوٹھی چلے جاؤ وہیں خواتین کے ساتھ پکاتے اور کھاتے رہنا۔''

وسیم کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ دونوں سو گئے تھے یا پوز کر رہے تھے۔ میں نے اسے اشارہ کیا اور ہم باہر آ گئے۔ مانی کھاتے ہی اسٹڈی کی طرف چلا گیا۔ وسیم سفیر کی جیپ میں آیا تھا اس نے وین وہیں چھوڑ دی تھی۔ اس کے علاوہ ایک کار اور ایک بائیک تھی۔ ایاز والی بائیک اس کے پاس تھی اور وہ کوٹھی میں تھا۔ وسیم نے جیپ منتخب کی کیونکہ یہ کچے راستوں پر چلنے کے لیے بہترین تھی۔ ہمارے پاس پستول تھے اور سیٹوں کے نیچے دو شاٹ گن اور دو خود کار رائفلیں موجود تھیں۔ یعنی اسلحے کی پوزیشن تسلی بخش تھی۔ ہم روانہ ہوئے اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم فتح خان کے اس ٹھکانے پر تھے لیکن اب وہاں صرف ایک جلا ہوا کھنڈر کھڑا تھا۔ اس کی کھڑکیاں اور دروازے جل چکے تھے اور باقی رہ جانے والی چیزیں لوگ نکال کر لے گئے تھے باہر سے شدید قسم کی توڑ پھوڑ کے آثار نمایاں تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''اس کا تو حشر ہو گیا ہے مجھے امید نہیں ہے کہ اس کا تہہ خانہ بھی سلامت ہو گا۔''

''چل کر دیکھ لیتے ہیں ویسے یہ بھوت بنگلہ اس قسم کے کاموں کے لیے موزوں ہے۔''

ہم جلے بلے اور چیزوں کو پھلانگتے ہوئے اندر آئے۔ وسیم طاقتور ٹارچ لے آیا تھا۔ اس کی روشنی میں اندر سب صاف نظر آ رہا تھا ورنہ دھویں اور آگ نے ہر چیز کو سیاہ کر دیا تھا۔ تہہ خانے والی جگہ پر ملبہ بہت زیادہ تھا اور یہ دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی کہ اس کا دروازہ غائب تھا۔ یعنی یہاں کسی کو رکھنا مشکل کام تھا۔ دروازہ لگانے کے لیے یہ ملبہ صاف کرنا ضروری تھا۔ مزدور اور دوسرا تعمیراتی سامان یہاں تک لانا مشکل کام تھا۔ اس دردسری سے بہتر تھا کہ ہم کوئی دوسرا ٹھکانہ تلاش کرتے۔ میں نے وسیم سے اتفاق کیا اور ہم واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔ سفر مایوس کن رہا تھا لیکن ذرا آؤٹنگ ہو گئی تھی۔ جس راستے سے آئے تھے اس پر گزشتہ بارش کا پانی کھڑا تھا اور جیپ بعض مقامات سے خاصی مشکل سے گزری تھی ایک بار تو کیچڑ میں پھنس گئی تھی۔

اس لیے وسیم نے دوسرا راستہ اختیار کیا یہ بھی کچا تھا لیکن کسی قدر بلندی پر ہونے کی وجہ سے بہتر تھا۔ درختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اچانک میری نظر خانہ بدوشوں کے خیموں کی طرف گئی اور میں نے بے اختیار وسیم کو جیپ روکنے کو کہا۔ وسیم نے خانہ بدوشوں کو دیکھ لیا تھا ان کے خیمے کسی قدر نشیب میں پانی کے ایک تالاب کے پاس تھے۔ تالاب میں بارش کا پانی بھرا ہوا تھا۔ شہری لوگ اس کا پانی پی کر بیمار پڑ جاتے لیکن یہ سخت جان خانہ بدوش آرام سے اس اسے استعمال کر رہے تھے۔ وہ نہ صرف اسے نہانے اور کپڑے دھونے کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

استعمال کر رہے تھے بلکہ اسی پانی کو پی بھی رہے تھے ان کے جانور بھی آس پاس بندھے تھے اور وہ بھی پانی استعمال کر رہے تھے۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ یہ مہرو کا قبیلہ تھا۔ نظر آنے والے لوگوں کے نقوش ویسے ہی تھے۔ عورتیں اور بچے گورے چٹے تھے۔ جب کہ مردوں کے رنگ کسی قدر سنولائے ہوئے تھے۔

''ممکن ہے یہ کوئی دوسرا قبیلہ ہو؟'' وسیم نے کہا۔

''ہوسکتا ہے۔'' میں نے کہا اور نیچے اتر آیا۔ ''تم گاڑی میں رہو اور اگر کوئی گڑبڑ ہو تو مجھے کور دو گے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔'' وسیم نے کہا اور پچھلی نشست سے اسلحہ نکالنے لگا۔ گاڑی دیکھ کر خانہ بدوش جمع ہونے لگے تھے ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی تھے لیکن ان کے تیور جارحانہ نہیں تھے۔ مجھے دیکھنے کے باوجود کسی کے چہرے پر حیرت یا ایسے تاثرات نہیں آئے جیسے وہ مجھے جانتے ہوں۔ اس کا مطلب یہ تھا یہ مہرو کا قبیلہ نہیں تھا ورنہ اس میں بہت سارے لوگ مجھے دیکھ چکے تھے۔ اب مجھے تو ان کے چہرے یاد نہیں تھے لیکن ان خانہ بدوشوں سے یہ توقع محال تھی کہ وہ کسی کو دیکھ کر بھول جائیں جب کہ مجھے دیکھے زیادہ دن بھی نہیں ہوئے تھے وہاں جمع ہونے والوں کے چہروں پر سوالیہ نشان تھے کہ ہم کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں۔ میں نے بلند آواز میں کہا۔

''تمہارا سردار کون ہے؟''

ایک عمر رسیدہ لیکن تنومند شخص مجمع کو چیرتا ہوا آگے آیا۔ ''میں ہوں سرکار حکم کرو۔'' اس نے صاف اردو میں کہا۔

''تم لوگ کب سے یہاں ہو؟''

''جی ہم دو دن پہلے لاہور کی طرف سے آئے ہیں اوپر وادی نیلم کی طرف جا رہے ہیں۔''

''تم لوگ گوجر ہو؟''

''جی سرکار کشمیری ہیں۔'' بوڑھا ادب سے کہہ رہا تھا۔

''چند دن پہلے اس علاقے میں ایک قبیلہ اور بھی تھا اور وہ بھی گوجر تھے۔'' میں نے کہا۔

''ہوں گے سرکار ہمیں تو اپنے قبیلے سے مطلب ہے۔'' وہ چالاکی سے بولا۔ ''اگر کوئی کام ہے تو حکم کرو سرکار۔''

بوڑھے کا مطلب تھا کہ کام کی بات کرو ورنہ چلتے پھرتے نظر آؤ۔ مہرو کا قبیلہ یقیناً اس کی طرف سے ناامید ہو کر یہاں سے جا چکا تھا ویسے فتح خان کی مخبری پر وہ اسلام آباد تک چلے آئے تھے۔ بہرحال ایک عورت کی خاطر وہ زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے تھے۔ میں واپسی کے لیے مڑا تھا کہ عورتوں کے ہجوم میں مجھے ایک عورت کی جھلک دکھائی دی۔ جب تک میں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوتا عورت کہیں غائب ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ مہرو ہے۔ وہی مہرو جو وادی تک میرے ساتھ گئی تھی کیونکہ اس کا اپنا قبیلہ اس کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا اور میں نے خود دیکھا تھا وہ اسے اور مجھے تلاش کرتے ہوئے اسلام آباد تک آ گئے تھے۔ مہرو کا واپس اپنے قبیلے میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن وہ مجھے یہاں نظر آئی تھی۔

لیکن مہرو یہاں کہاں وہ تو راجا عمر دراز کے محل میں تھی اور اس کی روسی نژاد عبدالرحمن سے شادی ہونے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والی تھی جو اس کی خاطر مسلمان ہو گیا تھا۔ میں عورتوں میں مہرو کو دیکھ رہا تھا اور اس پر بوڑھے سردار کے تیور خراب ہونے لگے تھے وہ سمجھنے میں حق بجانب تھا کہ میں کوئی اوباش آدمی ہوں اور اس کے قبیلے کی عورتوں کو تاڑ رہا ہوں لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتا میں اس بات کو اپنا وہم قرار دے کر جیپ کی طرف مڑ گیا تھا ایک ہی برادری سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کے چہرے مہرے ایک جیسے تھے اس لیے مجھے اس لمحے بھر کو نظر آنے والی اس عورت پر مہرو کا شبہ ہوا تھا۔ وسیم مستعد اور کسی قدر ٹینشن میں تھا اس نے رائفل نیچے رکھی تھی اور ایک سیکنڈ میں اسے اٹھا سکتا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے جیپ آگے بڑھا دی اور بولا۔

''یہ خانہ بدوش بہت خطرناک لوگ ہوتے ہیں جناب۔ ایک بار ایک معاملہ میں ان سے مڈبھیڑ ہو گئی اور ان غریب سے نظر آنے والے لوگوں کے پاس اتنا جدید اور مہنگا اسلحہ نکل آیا کہ میرے ساتھیوں کے لیے جان بچانا مشکل ہو گیا تھا۔ ہم بڑی مشکل سے بچ کر نکلے تھے۔''

''مجھے بھی اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''میں نے سنا ہے کہ یہ کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو جب تک اسے پکڑ نہ لیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے؟''

''اس سے بھی زیادہ خطرناک اور کینہ پرور ہوتے ہیں۔ ان کی بھی ایک مافیا ہے اور یہ سب آپس میں ملے ہوتے ہیں آج کل ان کا سب سے اہم مسئلہ اپنے نوجوان ہوتے لڑکے اور لڑکیوں کو فرار سے روکنا ہے کیونکہ شہروں میں قیام کے دوران وہ جدید طرز زندگی کے شیدائی ہو جاتے ہیں۔ خانہ بدوش طرز زندگی ان کو بوجھ لگنے لگتا ہے اور پھر کسی بہانے فرار ہو جاتے ہیں زیادہ تر جنس مخالف کے چکر میں بھاگتے ہیں۔ نوجوانوں کی کمی کی وجہ سے ان کی آبادی مستقل گھٹ رہی ہے۔''

''قبیلوں کا بااثر طبقہ اس خانہ بدوشی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے؟''

ظاہر ہے کیونکہ ان قبیلوں کی دولت کے اصل مالک یہی ہیں۔ تمام ناجائز دھندے ان کے اشارے پر ہوتے ہیں اور اس کا ثمر بھی یہی لوگ حاصل کرتے ہیں عام لوگوں کے حصے میں سوکھی روٹی ہی آتی ہے۔ اس لیے عام نوجوان فرار ہو رہے ہیں تاکہ اپنی زندگی خود بنا سکیں۔''

''یہ اور بات ہے کہ جب وہ فرار ہو کر شہروں اور قصبوں میں بستے ہیں تو انہیں پتا چلتا ہے کہ یہاں بھی ان کے سرداروں جیسے طبقات کی کوئی کمی نہیں ہے یہاں بھی انہیں بے بسی اور غلامی کی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے اور کھانے کو روکھی سوکھی ملتی ہے جب تک وہ خود کوئی دو نمبر کام کر کے اوپری طبقے میں نہ شامل ہو جائیں۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''ٹھیک کہا تم نے یہ پورا ملک ہی اوپر سے لے کر نیچے تک مافیاؤں کے چنگل میں ہے۔''

جی ٹی روڈ تک آتے آتے شام ہو گئی تھی۔ جیسے ہی موبائل پر سگنل نمودار ہوئے مانی کی کال آنے لگی۔ میں نے ریسیو کی تو وہ چھوٹتے ہی بولا۔

''کہاں ہیں جناب میں دیر سے کال کر رہا ہوں۔''

''کیا ہوا؟''

''شہلا نے دس منٹ پہلے اپنا ڈیبٹ کارڈ اسی علاقے میں ایک پیٹرول پمپ پر استعمال کیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لوکیشن بتاؤ؟''

مانی نے لوکیشن بتائی جو میں نے وسیم کو بتائی اور اس نے کال کر کے اپنے آدمیوں کو ہوشیار کیا۔ ''دونوں مت دوڑ جانا ایک سپر اسٹور کے سامنے رہے اور دوسرا جا کر پیٹرول پمپ کا معائنہ کر کے آئے۔ مجھے فوراً رپورٹ کرنا۔''

ہم اس جگہ سے خاصی دور تھے۔ پھر بھی میں نے وسیم سے کہا۔ ''ہمیں خود بھی وہاں جانا چاہیے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ممکن ہے شہلا نظروں میں آجائے اور ہمیں فوری فیصلہ کرنا پڑے۔''

''اگر اسے اٹھانے کا موقع ملے تو اس سے دریغ نہیں کرنا ہے۔'' میں نے فیصلہ کیا۔ ''اس خطرناک عورت کو مزید چھوٹ دینا مناسب نہیں ہوگا۔''

''سوچ لیں۔'' وسیم نے دبے انداز میں کہا۔ ''وہ بڑی خطرناک عورت ہے اور اپنے عورت ہونے کا پورا فائدہ اٹھاتی ہے۔''

''تم فکر مت کرو اب اس کے معاملے میں میرا ذہن واضح ہو گیا ہے۔'' میں نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

تاریکی تیزی سے چھا رہی تھی۔ فروری کا دوسرا ہفتہ چل رہا تھا اور موسم سرما کی شدت بھی یقیناً آخری دنوں پر تھی۔ ایک دو ہفتے بعد سردی کی شدت میں یقیناً کمی آتی۔ دس منٹ بعد وسیم کے آدمی نے کال کر کے اطلاع دی۔ وسیم نے اسپیکر فون آن کر لیا۔

''سروہ غائب ہے پیٹرول پمپ کے آس پاس کہیں نہیں ہے میں نے بائیک میں پیٹرول بھروانے کے بہانے ایک ملازم سے معلوم کیا ہے شہلا اپنی سرخ شیوی میں تھی۔ ملازم کو شیوی اور شہلا کے حلیے کی وجہ سے وہ یاد رہ گئی وہ اکثر یہاں آتی ہے۔''

شہلا کو ایسی تراش کے لباس پہننے کا شوق تھا جس میں اس کی تسلی بخش نمائش ہو سکے اور ظاہر ہے دیکھنے والے اسے یاد بھی رکھتے تھے یہی وجہ تھی وہ پیٹرول بوائے کو یاد رہ گئی جو دن میں سینکڑوں عورتوں کو دیکھتا ہوگا۔

وسیم نے پوچھا۔ ''یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ کس طرف گئی ہے؟''

''نہیں ملازم یہ نہیں دیکھ سکا۔''

''ٹھیک ہے تم پیٹرول پمپ کی آس پاس کی سڑکوں پر گھوم پھر کر دیکھو خاص طور سے گھروں میں دیکھو اگر کہیں سرخ شیوی نظر آئے تو مجھے اطلاع کرنا۔''

''یس سر۔''

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ ''یہ تو طے ہے کہ وہ اسی علاقے میں کہیں موجود ہے اور اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔''

''مجھے تو اس کی دیدہ دلیری پر حیرت ہے وہ پھر کھلے عام گھوم رہی ہے جب کہ اسے معلوم ہے میں اسے تلاش کر رہا ہوں گا۔''

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم اس سپر اسٹور کے سامنے تھے۔ یہ خاصا بڑا اور لگژری طبقے کے لیے مخصوص سپر اسٹور تھا جہاں ہر چیز اعلیٰ درجے کی اور باہر کی یا ایکسپورٹ کوالٹی ملتی تھی اور اسی مناسبت سے مہنگی بھی تھی۔ یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہر کوئی خریداری کے لیے نہیں آتا تھا اس لیے رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ وسیم جیپ میں رہا اور میں اتر کر اسٹور کے اندر آیا۔ یہاں تمام ہی صرف سیلز گرلز تھیں اور تمام ہی چن کر رکھی ہوئی تھیں۔ میں اس کاؤنٹر کی طرف بڑھا جس پر زیادہ تر پروڈکٹس خواتین کے لیے مخصوص تھیں ان میں میک اپ، خوشبو، لوشن اور ہائی جین پروڈکٹ نمایاں تھیں۔ عام طور سے مرد حضرات یہاں نہیں آتے ہیں لیکن ان کی آمد پر پابندی بھی نہیں تھی اسٹور کو سیل سے مطلب تھی چاہے وہ کوئی بھی لے۔ سیلز گرل نے مسکرا کر خوش آمدید کہا۔

''سر واٹ کین آئی ڈو فار یو۔''

''مجھے ڈرائی اسکن کے لیے کچھ لوشن دکھایئے جو حساس جلد پر بھی اپلائی ہو سکیں۔''

''جی سر۔'' وہ جلدی سے اردو میں بولی۔ ''ہمارے پاس جرمنی سے آئے ہوئے کچھ خاص لوشن ہیں جو اسی قسم کی جلد کے لیے مخصوص ہیں آپ کس برانڈ کا چاہتے ہیں؟''

''برانڈ تو مجھے یاد نہیں ہے لیکن میری ایک جاننے والی خاتون شہلا رضوی یہاں آتی رہتی ہیں۔ انہوں تجویز کیا ہے میں اپنی وائف کے لیے یہاں سے لوشن لے سکتا ہوں۔''

''وائے ناٹ سر۔'' اس نے شہلا کے نام پر کوئی ردعمل ظاہر کیے بغیر کہا۔ ''آپ کو یہاں بیسٹ کوالٹی ملے گی۔''

اس نے لوشن نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے انہیں دیکھا اور پھر کسی قدر بے بسی سے کہا۔

''مجھے یاد نہیں شہلا نے ایک خاص لوشن کہا تھا لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا ہے۔''

''آپ ان کو کال کر کے معلوم کر سکتے ہیں۔''

''گڈ۔'' میں نے اس کی ذہانت کو خراج تحسین پیش کیا۔ ''اس کا مجھے خیال ہی نہیں آیا۔'' میں نے اپنا موبائل نکالا اور اپنا ہی ایک ایسا نمبر ملایا جو بند تھا ظاہر ہے مجھے جواب نہیں ملا۔ وہاں اتنی خاموشی تھی کہ سیلز گرل نے بھی ریکارڈ آواز سنی کہ آپ کا مطلوبہ نمبر بند ہے۔ میں نے پریشانی سے کہا۔ ''نمبر تو بند ہے۔''

''آپ کے پاس کوئی اور نمبر نہیں ہے۔'' سیلز گرل اب پوری طرح دلچسپی لے رہی تھی۔

''نہیں اور بدقسمتی سے میں نے شہلا کا گھر بھی نہیں دیکھا ہے وہ کچھ عرصے پہلے ہی یہاں منتقل ہوئی ہے۔ یہاں ایک کام سے آیا تھا تو سوچا لوشن بھی لیتا جاؤں۔ میں واہ کینٹ میں رہتا ہوں۔''

''اوہ آپ بہت دور سے آئے ہیں۔'' اسے اب ہمدردی بھی ہو گئی تھی۔ ''کاش میں آپ کی مدد کر سکتی۔''

میں نے سوچنے کی اداکاری کی۔ ''ہاں آپ چاہیں تو ایک مدد کر سکتی ہیں۔ شہلا اکثر خریداری کے لیے آتی ہے آپ نے دیکھا ہو گا۔'' میں نے تفصیل سے شہلا کا حلیہ بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ ایسا لباس پہننے کی عادی جس میں اس کی خوب صورتی نمایاں ہو۔ اس حوالے سے سیلز گرل فوراً پہچان گئی۔

''جی وہ تو آج صبح بھی آئی تھیں اور کہیں پاس ہی رہتی ہیں کیونکہ میں نے دو تین بار انہیں سامان والی ٹرالی کے ساتھ آتے دیکھا ہے۔''

''تب ممکن ہے آپ کو یا آپ کے اسٹور میں کسی کو معلوم ہو کہ وہ کہاں رہتی ہے۔''

''میں معلوم کرتی ہوں سر۔'' سیلز گرل بولی اور اپنی ساتھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے میری بات پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکمل اعتبار کیا تھا۔ ایک تو میں صورت اور حلیے سے شریف اور معزز آدمی نظر آ رہا تھا دوسرے میں نے اداکاری یقیناً اچھی کی تھی اور اسے میری کہانی پر یقین آ گیا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ سیلز گرل کی کسی ساتھی کو معلوم ہو کہ وہ کہاں رہتی ہے لیکن سیلز گرل اور اس کی ساتھیوں کی گفتگو کا انداز بتا رہا تھا کہ کسی کو شہلا کے گھر کا علم نہیں تھا البتہ جب سیلز گرل میرے پاس واپس آئی تو پُرجوش تھی۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''سر ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم کہ میڈم شہلا کہاں رہتی ہیں لیکن یہاں ہمارا ایک سروس بوائے ماجد ہے۔ وہ کئی بار میڈم شہلا کے ساتھ سامان لے کر ان کے گھر تک جا چکا ہے۔''

''وہ اس وقت کہاں ہے؟''

''وہ آج صبح کی شفٹ میں تھا اور چار بجے آف کر کے جا چکا ہے۔''

''اوہ..... یعنی کل صبح آئے گا لیکن میں صبح نہیں آ سکوں گا۔ کیا اس کا کوئی موبائل نمبر نہیں ہے وہ صرف نشاندہی کر دے تو مکان میں تلاش کر لوں گا۔''

''موبائل نمبر تو صرف منیجر کے پاس ہوتے ہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔ میں نے سراپا التجا بن کر کہا۔

''پلیز مس آپ ان سے معلوم کر کے بتائیں۔''

میری التجا نے اسے موم کر لیا اور وہ سر ہلاتی ہوئی اسٹور کے پچھلے حصے کی طرف بڑھ گئی۔ اب میں دعا مانگنے لگا کہ منیجر کوئی خشک مزاج مشکوک آدمی نہ ہو اور وہ نمبر دینے کے بجائے بال کی کھال نکالنے میں نہ لگ جائے۔ سیلز گرل خوب صورت لڑکی تھی اور اگر منیجر ذرا بھی حسن پرست ہوتا تو وہ کامیاب لوٹتی۔ اس کی کامیاب واپسی پانچ منٹ بعد ہو گئی یقیناً یہاں تمام ملازمین کا ڈیٹا کمپیوٹرائزڈ تھا اس لیے ایک منٹ میں منیجر نے ماجد کا سیل نمبر نکال دیا۔ سیلز گرل نے نمبر مجھے دینے کے بجائے اسے اپنے سیل سے کال کی۔ وہ پوری طرح میری مدد پر آمادہ تھی۔ ''ماجد میں اسٹور سے فریحہ بات کر رہی ہوں۔ ہاں ایک کسٹمر کو مسئلہ ہے تم سروس کے لیے گھروں تک جاتے ہو تمہیں وہ خوب صورت سی خاتون یاد ہیں جو آج صبح بھی آئی تھیں؟''

جواب میں ماجد نے شہلا کے حوالے سے یقیناً کوئی ایسی بات کی کہ فریحہ کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''پلیز کام کی بات کرو ان صاحب کو ان کے گھر کا پتا چاہیے وہ ایک لوشن کے بارے میں ان سے کائیڈنس لینا چاہتے ہیں لیکن ان کا نمبر بند جا رہا ہے..... ٹھیک ہے..... لو سر سے بات کرو اور انہیں سمجھا دو۔'' فریحہ نے کہتے ہوئے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے موبائل لیا۔

''جی سر۔'' ماجد نامی لڑکے نے کسی قدر تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''آپ کو میڈم شہلا کے گھر کا پتا چاہیے۔''

''ہاں وہ ابھی یہاں شفٹ ہوئی ہیں اور میرے پاس ان کے گھر کا پتا نہیں ہے۔'' میں نے اس کا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''اسٹور سے نکلنے کے بعد دائیں طرف مڑ جائیں اسی سڑک پر سیدھا جائیں بائیں طرف کی چوتھی لین میں بائیں طرف کا پانچواں بنگلہ ہے اس کے گیٹ پر شیر کا سر بنا ہوا ہے۔''

اس نے پتے کی وضاحت کر دی تھی لیکن میں نے احتیاطاً موبائل پر آنے والا اس کا نمبر دیکھ کر ذہن نشین کر لیا اور موبائل شکریے کے ساتھ واپس کر دیا۔ ''میں پوچھ کر آتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ویلکم سراسٹور رات بارہ بجے تک کھلا رہتا ہے۔'' وہ دلکش انداز میں مسکرائی اور میں دل میں اس سے سوری کرتا باہر نکل آیا کیونکہ اب میں دوبارہ یہاں نہیں آتا۔ وسیم گاڑی میں میرا منتظر تھا۔

''کام ہوگیا۔'' میں نے اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''شہلا کا پتا مل گیا ہے۔''

''پتا چل گیا۔'' وہ اچھل پڑا۔ ''اتنی آسانی سے؟''

''بس جب تقدیر ساتھ دینے پر آمادہ ہو تو اسی طرح سراغ مل جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اسی سڑک پر سیدھے چلو بائیں طرف چوتھی گلی میں موڑ لینا۔''

وسیم نے گاڑی آگے بڑھائی۔ ''میں اپنے آدمیوں کو کال کرلوں؟''

''نہیں پہلے ہم جائزہ لے لیں لیکن ان کو اسٹور کے پاس بلا لو تاکہ کال کرتے ہی وہ آجائیں۔''

وسیم نے دوسرے کو کال کی اور اسے واپس آنے کا حکم دیا۔ چوتھی گلی میں بائیں طرف پانچواں بنگلہ تھا اس کے گیٹ پر شیر کا سر بنا ہوا تھا لیکن بنگلہ اندر سے تاریک تھا اور گیٹ کی روشنیاں بھی گل تھیں گویا شہلا گھر پر نہیں تھی۔ ''وہ گھر پر نہیں ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''شاید وہ پیٹرول ڈلوا کر واپس نہیں آئی اور کہیں گئی ہے۔ ہمیں اس کا انتظار کرنا ہوگا۔''

یہ سارے بڑے بنگلے تھے۔ شاید ایک کنال پر پھیلے ہوئے تھے۔ گلی سنسان تھی لیکن گھروں میں روشنی تھی۔ صرف شہلا کا بنگلہ تاریک تھا۔ یعنی وہ اکیلی رہتی تھی۔ ورنہ بنگلے میں تاریکی نہ ہوتی۔ شہلا کا تعلق ایک جدی پشتی رئیس جاگیردار گھرانے سے تھا اس لیے اس کی دولت مندی میں شبہ نہیں تھا پھر وہ جس فطرت کی عورت تھی اس کے اندر دولت کی بھوک تھی۔ اس نے مزید دولت کمانے کے طریقے بھی آزمائے ہوں گے۔ ممکن ہے یہ بنگلہ اس کا نہ ہو اس نے کرائے پر حاصل کیا ہو۔ دروازے کے ساتھ کہیں کوئی نیم پلیٹ نہیں تھی۔ جس سے پتا چلتا کہ صاحب خانہ کون ہے۔ میں اتر کر گیٹ تک گیا۔ پہلے میں نے سن گن لی احتیاطاً میں نے چہرہ نیچے رکھا تھا کیونکہ اندر کسی سیکورٹی کیمرے کی موجودگی عین ممکن تھی جو گیٹ تک آنے والے کسی بھی فرد کی تصویر لے سکتا تھا۔ گیٹ کی جھریوں سے اندر کا جائزہ لیا اور پھر بیل بجائی۔ باہر آواز نہیں آئی تھی بیل یا تو اندر تھی یا پھر بند تھی۔ کوئی ردِعمل نہیں ہوا تو میں وسیم کے پاس آیا۔

''جیپ کہیں اور لے جاؤ اس طرح کھڑے دیکھ کر کسی کو شک ہوسکتا ہے۔''

اتنی دیر میں وسیم پہلے ہی ایک جگہ دیکھ چکا تھا۔ یہ دو بنگلے آگے ایک خالی پلاٹ تھا۔ وہ جیپ وہاں لے گیا میں وہیں رہا پھر مجھے خیال آیا کہ اس طرح کھڑا ہوا تو میں خود بھی مشکوک لگ رہا تھا۔ میں ٹہلتا ہوا گلی کے سرے سڑک کی سمت جانے لگا۔ وسیم جیپ میں موجود رہا تھا اس کے سیاہ شیشوں کے پیچھے اندازہ لگانا دشوار تھا کہ کوئی جیپ میں ہے یا نہیں۔ سڑک تک جا کر میں واپس آیا اور جیپ میں گھس گیا کیونکہ سردی کی شدت بڑھ رہی تھی اور ساتھ ہی دھند پڑنے لگی تھی۔ ذرا سی دیر میں جیپ کا شیشہ اوس پڑنے سے بالکل اندھا ہوگیا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''اس سے تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے اگر شہلا آئی تو کیسے پتا چلے گا؟''

''ایسا کرتے ہیں کھڑکی کا ذرا سا شیشہ نیچے کرلیتے ہیں اس سے نظر آتا رہے گا۔''

''نہیں جیپ اندر سے بھی یخ ہوجائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''میں اندر جانے کی سوچ رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میرا خیال ہے اس ایڈونچر کی ضرورت نہیں ہے اندر جانے کے لیے آپ کو ٹریس پاس کا خطرہ مول لینا پڑے گا اور بدقسمتی سے کسی نے دیکھ لیا تو شہلا سے پہلے پولیس آجائے گی۔“

میں نے اس کی بات پر غور کیا وہ ٹھیک کہہ رہا تھا خطرہ زیادہ تھا لیکن اندر جانے کا مقصد صرف شہلا کو قابو کرنا نہیں تھا۔ ممکن ہے مجھے یہاں بریف کیس مل جاتا۔ اگر صرف شہلا کو قابو کیا جاتا تو اسے جلدی یہاں سے لے جانے کے چکر میں ہم بریف کیس آسانی سے تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے وسیم کو بریف کیس کے بارے میں اپنے خیال سے آگاہ کیا تو اس کی سوچ بدل گئی۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہم موقع سے فائدہ اٹھا کر اگر بریف کیس حاصل کر لیں تو اس کے بعد شہلا جہنم میں جائے۔ آپ گیٹ تو پھلانگ سکتے ہیں لیکن اندر تالے کیسے کھولیں گے؟“

”ممکن ہے مجھے کوئی دروازہ کھلا مل جائے کھڑکیوں پر تو گرل نظر آرہی ہے۔“

”شہلا اتنی لاپروا عورت نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔ ”میں دیکھتا ہوں کوئی راستہ مل جائے۔ کوئی پن یا سخت تار ہے۔“

وسیم نے نیچے اتر کر ٹول بکس سے مجھے اس قسم کے تار اور پنیں نکال دیں جن سے کسی تالے کو کھولا جا سکتا تھا۔ مجھے ایک دو بار اس قسم کے کاموں کا تجربہ ہوا لیکن مجھے مہارت نہیں تھی۔ پستول میری جیکٹ میں تھا۔ دھند کی وجہ سے مجھے آسانی تھی۔ دس گز بعد چیزیں دھندلی دکھائی دے رہی تھیں۔ گھروں میں کھڑکیوں کے شیشے دھندلا گئے تھے اور کھلے دروازے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میں آسانی سے گیٹ پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا اور کتے کا خیال مجھے بعد میں آیا کیونکہ ابھی میرے پاؤں فرش سے لگے تھے کہ کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ اگرچہ آواز کہیں دور سے آئی تھی لیکن میرا خون فوراً خشک ہو گیا اور میں نے بے ساختہ پستول نکال لیا۔ کتا اگر سامنے سے آتا تو میں آسانی سے اس سے نمٹ سکتا تھا لیکن اگر وہ دائیں بائیں کہیں جھاڑیوں سے نمودار ہوتا تو میرے پاس اس سے نمٹنے کا وقت کم رہ جاتا۔ شہلا کی کوٹھی میں لان کا رقبہ اتنا نہیں تھا لیکن اس پر آرائشی جھاڑیوں سمیت بہت کچھ لگا تھا لیکن پہلی آواز کے بعد کتا کہیں سے نمودار نہیں ہوا۔

”شش.....“ میں نے آہستہ سے آواز نکالی کہ اگر کتا کہیں ہو تو تشریف لے آئے ابھی تو میں ہوشیار تھا بعد وہ بے خبری میں آلیتا تو میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر کتا اس بار بھی نہیں آیا میں نے آس پاس دیکھا گیٹ کے دونوں طرف لان تھا جس میں کرانا کی باڑھ لگی تھی۔ آہستہ آہستہ میں نے آگے پیچھے کے پورے لان کا معائنہ کر لیا۔ کتا کہیں اور تھا وہ شاید کسی پڑوس میں تھا اور آہٹ سن کر بھونکا تھا یا پھر اس کی طبیعت گدگدائی تھی۔ میں گھوم کر کوٹھی کے پیچھے آیا۔ اس طرف کئی کھڑکیاں تھیں لیکن سوائے صرف ایک کے سب پر گرل لگی تھی۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس کھڑکی پر گرل کیوں نہیں ہے۔ میں اسے چھونے جا رہا تھا کہ میری چھٹی حس نے خبردار کیا۔ میں نے کھڑکی کی جالی کو ہاتھ لگانے کے بجائے اپنے پاس موجود تار اس پر کھینچ کر مارا اور فوراً ہی جالی سے چنگاریاں پھوٹی تھیں اس میں کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ اگر میں اسے ہاتھ لگاتا تو مرحوم نہ بھی ہوتا تب بھی کرنٹ مجھے بے دم ضرور کر دیتا۔

یہ ٹریپ تھا چوروں کی طرح آنے والا فوراً اس کھڑکی کی طرف متوجہ ہوتا اور اندر جانے کی کوشش میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وفات پا جاتا اور یہ ٹریپ بتا رہا تھا کہ اندر کوئی چیز تھی جس کی حفاظت کے لیے یہ ٹریپ لگایا گیا تھا۔ میں نے ٹارچ روشن کی اور کھڑکی کا معائنہ کیا لیکن مجھے کہیں سے کوئی تار جالی کو چھوتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ یعنی یہ سسٹم اندر سے تھا۔ میں زیادہ دیر ٹارچ نہیں جلا سکتا تھا آس پاس گھروں میں سے کوئی دیکھ سکتا تھا۔ میں پلٹ کر سامنے والے حصے میں آیا گیٹ کے پاس سرکٹ بریکر اور سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہ پرانے طرز کی کوٹھی تھی جس میں اس قسم کی چیزیں باہر ہوتی تھیں آج کل لوگ سوئچ بورڈ اور سرکٹ بریکر گھر کے اندر لگانا پسند کرتے ہیں تاکہ کسی قسم کی خرابی کی صورت میں ان کو گھر سے باہر نہ جانا پڑے۔ میں نے مین سوئچ بند کیا اور دوبارہ جا کر جالی پر تار مار چیک کیا اس بار چنگاریاں نہیں اڑی تھیں۔ پھر بھی میں نے ڈرتے ڈرتے کھڑکی کو ہاتھ لگایا۔

یہ المونیم کی کھڑکی تھی جس کا ایک فکس پٹ تھا اور دو سلائیڈ کرنے والے پٹ تھے باہر والا پٹ فلائی نیٹ کا تھا جسے مزید مضبوط کرنے کے لیے اس پر لوہے کی باریک جالی لگائی گئی تھی اور کرنٹ اسی میں دوڑ رہا تھا۔ مین سوئچ آف کرنے سے کرنٹ رک گیا تھا۔ میں نے زور لگا کر پٹ کھسکایا اور پھر اندر والا بھی کھسکا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کچن کے ساتھ لاؤنج تھا۔ میں نے جلدی سے کھڑکی کے دونوں پٹ برابر کیے اور پھر ٹارچ کی روشنی میں مکان کے اندر کا جائزہ لینے لگا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے تھے اس لیے روشنی باہر جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ البتہ میرے کان باہر کسی آہٹ پر مرکوز تھے آنے والے کا پتا آوازوں سے چلتا۔ میرے پاس موبائل تھا اور میں نے اسے سائلنس کر کے وائبریٹ پر کر دیا۔ اب وسیم یا کوئی اور مجھے کال کرتا تو مجھے پتا چل جاتا۔

یہ ایک منزلہ کوٹھی تھی جس کا حجم بتا رہا تھا کہ اس میں کم سے کم تین بیڈ روم تھے۔ لاؤنج کے بعد ایک راہداری تھی جو بائیں طرف ایل کی شکل میں مڑ رہی تھی۔ اس میں دائیں طرف اسٹڈی روم تھا اور بائیں طرف دو بیڈ روم تھے۔ آگے جہاں راہداری مڑ رہی تھی وہاں ایک بیڈ روم اور اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ میں نے نشست گاہ میں جھانکا اور پھر اس کی مخالف سمت میں واقع بیڈ روم کا دروازہ کھولا۔ اندر تاریکی تھی۔ میں نے ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ ایک جہازی سائز بیڈ کے ساتھ اسی طرح کا شاندار ڈریسر اور بہت بڑی چار پٹ والی الماری تھی۔ میں نے الماری چیک کی اس کے دروازے لاک تھے چابیاں تلاش کرنے میں وقت ضائع ہوتا میں نے بلا تکلف پٹ کھینچ کر لاک توڑ دیئے اور اندر موجود چیزوں کو نیچے گرانے لگا۔ مجھے بریف کیس کی تلاش تھی لیکن میں نے سامان کا وہ حال کیا جو کوئی پیشہ ور چور کر سکتا تھا۔

ذرا دیر میں میں چاروں پٹ کھول کر اس میں موجود سامان نیچے گرا چکا تھا۔ پھر میں نے الماری کے اندر موجود لاکر کو کھولا تو اس میں اندر خاصی بڑی رقم نظر آئی یہ ہزار اور پانچ سو کے نوٹوں والی گڈیاں تھیں اور رقم کی مالیت کم سے کم پانچ لاکھ تھی۔ میں نے گڈیاں سمیٹ کر جیکٹ میں رکھ لیں۔ میرا ارادہ رقم چوری کا نہیں تھا لیکن میں اسے شہلا کے لیے بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ لاکر میں ایک بڑا سیٹ زیور کا رکھا تھا میں نے وہ بھی ڈبے سے نکال کر جیکٹ میں ڈال لیا۔ کچھ زیور مجھے ڈریسر سے ملا لیکن بیڈ روم میں کہیں بریف کیس نہیں تھا اور نہ ہی کوئی اور خاص چیز تھی۔ یہاں سے نمٹ کر میں نے دوسرے بیڈ روم کا رخ کیا۔ یہ استعمال میں نہیں تھا اور یہاں کچھ نہیں ملا۔ پھر بھی میں نے اس کا بھی وہی حال کیا۔ تیسرا بیڈ روم خالی تھا۔ مزید نصف گھنٹے میں میں نے سارا گھر چھان مارا تھا۔ میں نے دیواروں جائزہ لیا کہ اس میں کہیں کوئی خفیہ خانہ نہ ہو۔ دیواروں پر لگی تمام تصویروں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتار کر پھینک دیا۔ کچن اور اسٹور روم بھی دیکھ لیا۔ کوٹھی میں تہہ خانہ نہیں تھا۔

یہ یقین کرنے کے بعد کہ بریف کیس یا بنک لاکر سے نکلنے والا بلیک میلنگ کا مواد یہاں نہیں ہے۔ میں نے وسیم کو کال کی۔ ''یہاں کچھ نہیں ہے ہمیں اسے قابو کرنا ہوگا۔''

''آپ نے مکمل تلاشی لی ہے؟''

''ایک..... ایک جگہ کی یار، میں نے گھر کے ساتھ پیشہ ور چوروں والا سلوک کیا ہے۔''

وسیم خوش ہوگیا۔ ''کیا یاد کرے گی شہلا۔''

''میرا خیال ہے اس نے اپنے اسی مکان میں سب کچھ چھپا رکھا ہوگا کیونکہ اس میں چوری چھپے داخلہ ناممکن ہے۔ مکان کو جدید ترین ڈیجیٹل سیکورٹی دی گئی ہے۔''

''یعنی ہمیں شہلا کو پکڑنا پڑے گا۔''

''بالکل اس کی واپسی تک میں اندر ہی رہوں گا۔''

''لیکن وہ مکان میں گھستے ہی ہوشیار ہو جائے گی۔''

''اچھا یاد دلایا مکان میں گھستے ہی نہیں بلکہ گیٹ پر پہنچتے ہی کیونکہ میں نے مین سوئچ آف کر دیا ہے اور ڈور بیل کے ساتھ جلنے والی سرخ ایل ای ڈی آف ہوگی۔ تم ہوشیار رہنا اور جیسے ہی وہ آئے مجھے خبردار کر دینا میں مین سوئچ آن کرنے جا رہا ہوں۔''

میں ایک دروازے سے باہر آیا اور سایوں کی آڑ لیتا مین گیٹ تک آیا سوئچ آن کر کے میں واپس اسی راستے سے اندر آیا اور سب سے پہلے کچن کا رخ کیا کیونکہ مجھے بھوک لگ رہی تھی دوپہر میں، میں نے جو پیکا سیٹھا کھانا کھایا تھا وہ زود ہضم بھی تھا اس لیے اب پیٹ خالی تھا۔ میں نے ایک چولہے پر فریج سے دستیاب ہونے والے انڈوں کو ابالنے کے لیے رکھا اور دوسرے چولہے پر کافی کا پانی چڑھایا۔ ڈبل روٹی تھی اور ساتھ میں پنیر مکھن سب دستیاب تھا میں نے مال مفت سمجھ کر ہر چیز کا دل کھول کر استعمال کیا۔ اس خود ساختہ ڈنر سے فارغ ہو کر میں نے وسیم کو کال کر کے باہر کا احوال لیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ سفیر کو اطلاع کر دوں لیکن نمبر انگیج جانے کا سوچ کر میں نے یہ کام وسیم کے سپرد کر دیا۔ جیسے ہی وسیم سے بات کر کے کال کاٹی فوراً ہی اسکرین روشن ہوگئی سویرا کا نام جگمگا رہا تھا لیکن کال منحوس صورت فتح خان کی تھی۔ میں نے کال ریسیو کی۔

''فتح خان کیا بات ہے میں ذرا مصروف ہوں۔''

''میں جانتا ہے تمہاری مصروفیت.....'' اس نے کہا تو ایک لمحے کو میں سمجھا کہ وہ جان گیا ہے کہ میں کہاں ہوں۔ ''تم آج کل مرشد کے چکر میں ہے۔''

''وہ تو تم بھی ہو۔'' میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔ ''بلکہ شاید نادر کے چکر میں بھی ہو۔''

میری جوابی کارروائی پر اسے بھی ایک لمحے کو سانپ سونگھ گیا تھا پھر اس نے سنبھل کر کہا۔ ''نادر..... اس سے میرا کیا تعلق.....؟''

''یہ تو تمہیں ہی معلوم ہوگا لیکن تم اتنا تو جانتے ہو کہ وہ ایسا سانپ بن گیا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو اور صرف اپنی جگہ پڑا تلملا سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نہیں جانتا اس کے بارے میں۔'' فتح خان نے صاف انجان بن کر کہا۔ وہ اچھا اداکار تھا اگر اسے توقع ہوتی کہ میں نادر کے بارے میں پوچھوں گا تو وہ پہلے سے سوچ کر جواب دیتا اور مجھے شک بھی نہ ہوتا لیکن جلدی میں اس کا لہجہ مصنوعی ہو گیا تھا۔

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتا ہوں اب کام کی بات کرو۔''

''تم نے گورا لوگ سے بات کیا؟''

''وہ مجھے منہ لگائیں گے تو میں بات کروں گا اور میں کس منہ سے ان سے بات کروں جب کہ میری اپنی پوزیشن مشکوک ہے۔''

''تم چاہے تو کر سکتا ہے۔'' فتح خان نے کسی قدر معنی خیز انداز میں کہا۔

''کس سے؟''

''ڈیوڈ شا سے۔''

''ڈیوڈ شا سے کس خوشی میں؟''

''کیونکہ ڈیوڈ شا اگر چاہے تو اپنا حکومت کو راضی کر سکتا ہے۔''

''تب تم اس سے بات کیوں نہیں کر لیتے ہو، تم ایک زمانے میں اس کے دست راست رہے ہو اور تمہیں شاید اس سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا کیونکہ انگریز الٹے ہاتھ کا وہ استعمال نہیں کرتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔''

فتح خان شاید میری بات سمجھا نہیں تھا اس نے کہا۔ ''میں اس کا ملازم تھا اس سے اس طرح بات نہیں کر سکتا۔ تم اس سے برابر سے بات کر سکتا ہے۔''

''تم اس سے برابر سے بات نہیں کر سکتے لیکن اس کی بھتیجی کو ٹریپ کر کے اس کا تاوان مانگ سکتے تھے۔''

''وہ دوسرا بات ہے اور ڈیوڈ شا کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا ایمن اس کا دشمن ہے۔''

''تب تو اس کی خواہش ہوگی کہ اس کی جیکٹ صحیح سالم نہ اترنے پائے۔''

''ہاں اس کا خواہش تو یہی ہوگا لیکن تم نہیں جانتا اس کا سب سے بڑا خواہش کیا ہے اگر وہ پورا ہونے کا چانس نظر آئے تو وہ ایمن کو چھڑوا سکتا ہے۔''

میں فتح خان کی بات سمجھ رہا تھا اور اس سے مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس سارے کھیل کے پیچھے ڈیوڈ شا تو نہیں ہے۔ مگر فتح خان کے لیے ہیرے اور پانچ کروڑ ڈالرز کی رقم معمولی نہیں تھی اور ڈیوڈ شا یقیناً اسے اتنا معاوضہ نہیں دے سکتا تھا۔ فی الحال میں نے اس خیال کو مسترد کر دیا میں نے اس خیال کو مسترد کر دیا لیکن فتح خان کی بات میں وزن تھا۔ ڈیوڈ شا دادی کے چکر میں تھا اور اس کے لیے میرے چکر میں تھا اس لیے اگر میں ایمن کی خاطر اس سے بات کرتا تو وہ کم سے کم میری بات سن سکتا ہے اور ہو سکتا تھا اس کے بعد تصفیے کی بھی کوئی صورت نکل آتی۔ مگر میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے دشمنوں میں ایک وہی تھا جو اس وقت خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اسے چھیڑنا سوئے ہوئے اژدہے کو چھیڑنے کے برابر تھا۔

''فتح خان تم ڈیوڈ شا کی بات چھوڑو اپنی بات کرو۔ تم اپنے مطالبے میں لچک کرو تو ممکن ہے تمہیں تاوان مل جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اپنے مطالبے میں کمی تو اس وقت کرے جب دوسرا طرف سے اس کا بات کیا جائے۔'' فتح خان کے لہجے میں مایوسی تھی۔ ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ لوگ اتنا..... نکلے گا۔'' اس نے بڑی مہارت سے خالی جگہ میں ایک گالی فٹ کی تھی۔ ''میں تو سمجھتا تھا کہ تہلکہ مچ جائے گا۔''

''میں تم سے متفق ہوں لیکن برٹش حکومت کے رویے سے مجھے بھی بہت مایوسی ہوئی ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا لیکن اسے یہ نہیں بتایا کہ میں گوروں کو جھنجھوڑنے کے لیے کیا کام کر چکا تھا۔

''اگر یہ میرے کو رقم نہیں دے گا تو میں ایمن کو نہیں چھوڑے گا۔''

''فتح خان اب مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے یہ سب تم اپنے لیے نہیں کر رہے ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''تم یہ کام ڈیوڈ شا کے لیے کر رہے ہو۔'' میں صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ فتح خان حیران ہوا۔

''تمہارا مطلب ہے میں پانچ کروڑ ڈالرز کا ڈرامہ کر رہا ہے۔''

''فتح خان شاید تمہیں بھی پتا ہے تمہیں پانچ کروڑ ڈالرز نہیں مل سکتے ہیں لیکن ایمن ضرور اپنی جان سے جا سکتی ہے اور اگر ایمن بچ جاتی ہے تو اس میں بھی صرف ڈیوڈ شا کا فائدہ ہو سکتا ہے۔''

فتح خان یوں چپ ہوا جیسے میں نے اسے لاجواب کر دیا ہو لیکن کچھ دیر بعد اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''یہ تمہارا سوچ ہے شہباز خان۔''

''ممکن ہے..... لیکن تم خود سوچو اگر برٹش حکومت نہیں مانتی ہے تو ایمن ماری جائے گی اور فائدہ ڈیوڈ شا کا ہوگا۔ اس کی جاگیر اور خطاب کے لیے واحد خطرہ بھی ٹل جائے۔ اگر میں ایمن کو بچانے میں کوئی کردار ادا کرتا ہوں اور اس کے بدلے مجھے ڈیوڈ شا کی کوئی بات ماننی پڑے تب بھی فائدہ اسی کا ہوگا۔''

''یہ تمہارا سوچ ہے میں نے تم کو ڈیوڈ شا سے بات کرنے کا اس واسطے نہیں کہا تھا۔''

''فتح خان میرا خیال ہے تمہیں اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ نہیں ملے گا سوائے ایک گناہ بے لذت کے اور بین الاقوامی ایجنسیاں ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑ جائیں گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے تم ایمن کو چھوڑ دو۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ ''بیشک کچھ بھی ہو فتح خان کسی سے ڈرنے والا نہیں ہے۔''

اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں کس پوزیشن میں تھا اور میں اتنی دیر سے اس سے بات کر رہا تھا اگر شہلا آجاتی اور وسیم مجھے آگاہ کرنا چاہتا تو میرا نمبر اسے انگیج ملتا۔ میں نے عجلت میں کہا۔ ''فتح خان میں مصروف ہوں تم سے پھر بات کروں گا۔''

اس کی بات سنے بغیر میں نے لائن کاٹ دی تھی۔ موبائل رکھ کر میں نے سامنے والی کھڑکیوں سے باہر دیکھا۔ فی الحال وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اگر اس دوران میں شہلا آجاتی تو ممکن ہے اس کے اندر آنے کے بعد مجھے اس کی آمد کا پتا چلتا اور اس وقت تک وہ مجھے ہینڈز اَپ کرا چکی ہوتی یا گولی مار چکی ہوتی۔ میں کھا پی کر فارغ ہو گیا تھا اور اب مجھے وسیم کا خیال آیا وہ بے چارہ بھوکا بیٹھا تھا لیکن میں اسے سینڈوچز پیش کرنے نہیں جا سکتا تھا اس دوران میں شہلا آجاتی یا کوئی اور اس آمد و رفت کو نوٹ کر لیتا تو ہم مشکل میں پڑ جاتے اس لیے میں نے اپنی جگہ رہنا مناسب سمجھا رات کے نو بجنے والے تھے۔ شہلا پتا نہیں کہاں اور کتنی دیر کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارادہ لے کر گئی تھی۔ کم سے کم رات کا کھانا وہ باہر ہی کھاتی اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کے بعد بھی اس کا کہیں باہر شب بسری کا ارادہ ہو۔ وہ کوئی گھریلو عورت نہیں تھی جسے گھر واپس آ کر چولہے ہانڈی کی فکر ہوتی دوسرے وہ آزاد خیال تھی اور ممکن ہے اس کا ارادہ رات کہیں اور کسی کے ساتھ گزارنے کا ہو اس صورت میں اس کی رات بھر واپسی مشکوک تھی۔

دس بجے میں نے وسیم کو کال کی۔ اس کے فون پر بیل جانے لگی لیکن وہ ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ ایک بار بیل بج بج کر بند ہو گئی تو میں نے دوبارہ کال ملائی مجھے خیال آیا کہ وسیم نے بھی میری طرح وائبریٹ پر لگا دیا ہو گا اور شاید موبائل جیب میں نہیں تھا لیکن دوسری بار بھی بیل بجتی رہی اور وسیم نے ریسیو نہیں کیا تو مجھے خطرے کا احساس ہونے لگا۔ میں جھرجھری لے کر کھڑا ہو گیا۔ تعجب تھا کہ مجھے پہلے کیوں خیال نہیں آیا کہ فتح خان کی کال کی اس وقت آمد کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے۔ جتنی دیر اس نے مجھے کال کی تھی باہر کچھ ہو چکا تھا۔ فتح خان اور اس کے آدمیوں نے وسیم پر قابو پا لیا ہو گا۔ وسیم کے آدمی یہاں سے ذرا دور سپر اسٹور پر تھے اور ان کو کیا معلوم کہ اس پر کیا گزر چکی ہے۔ پہلے میں نے سامنے سے نکلنے کا سوچا لیکن مجھے اس میں رسک نظر آیا۔ ممکن ہے دشمن منتظر ہوں کہ میں باہر آؤں تو وہ وسیم کی طرح مجھے بھی قابو کر لیں میں نے کال کر کے ان کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ میں بے تاب ہوں اور وسیم کی طرف سے جواب نہ ملنے پر جلد یا بدیر باہر آؤں گا۔

میں نے سیڑھیوں کا رخ کیا۔ اوپر سے میں دیکھ سکتا تھا لیکن جب میں نے باہر قدم رکھا تو دھند اتنی گہری ہو چکی تھی کہ چند گز آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا آس پاس مکانوں کے لان میں روشن تیز لائٹس بھی مدھم سی پڑ گئی تھیں۔ اسٹریٹ لائٹس کے تیز بلب زیرو کے بلب کی طرح ٹمٹما رہے تھے۔ اب میرے پاس باہر جا کر حالات کا جائزہ لینے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں رہا تھا لیکن میری چھٹی حس نے پھر مجھے روکا اور میں نے نیچے آ کر عبداللہ کو کال کی اسے حالات سے آگاہ کر کے پہلے میں نے وسیم کے ان ساتھیوں کے نمبر مانگے جو سپر اسٹور پر موجود تھے۔ عبداللہ نے مجھے نمبر نوٹ کراتے ہوئے کہا۔ ''میں آ رہا ہوں اس وقت تک آپ باہر مت نکلے گا۔''

''میں اندر ہی ہوں۔'' میں نے نمبر نوٹ کرتے ہوئے کہا۔ عبداللہ سے بات کرتے ہی میں نے ایک نمبر ملایا اس پر بیل جا رہی تھی لیکن کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ جب بیل خاموش ہو گئی تو خدشات کے ساتھ میں نے دوسرا نمبر ملایا اس پر بھی بیل جا رہی تھی اور کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ خطرے کا سگنل تیز ہوتا جا رہا تھا۔ باہر کچھ ہو چکا تھا وسیم اور اس کے دونوں ساتھی خاموش تھے۔ حالات بتا رہے تھے کہ دشمن نے مجھے کال میں الجھا کر باہر کوئی کارروائی کی تھی۔ اب وہ منتظر تھے کہ میں باہر آؤں تو وہ مجھ پر بھی قابو پا لیں۔ میں نے دوبارہ عبداللہ کو کال کر کے وسیم کے ساتھیوں کی خاموشی کی اطلاع دی۔ وہ فکر مند ہو گیا۔ ''جناب باہر کوئی گڑبڑ ہوئی ہے آپ دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر لیں۔''

''عبداللہ میں ایک گھر میں گھسا ہوا ہوں اور زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا اگر انہوں نے پولیس کو کال کر دی۔''

''ہم پندرہ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ کو بس اتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔''

''دیکھو دشمن اتنی مہلت دیتے ہیں یا نہیں.....'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر کے نشست گاہ کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھا۔ اسی لمحے کہیں سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی اور کوئی چیز اندر آ کر گری۔ میں نے ٹارچ کا رخ اس کی طرف کیا تو فرش سے دھواں سا اٹھتا دکھائی دیا میں پلٹ کر بھاگا۔ باہر سے گیس بم پھینکا گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ گیس گھر کے دوسرے حصوں تک جاتی میں نے نشست گاہ کا دروازہ بند کر دیا۔ مگر فوراً ہی دوسری کھڑکیوں سے ایسے ہی گیس کے بم اندر گرے تھے۔ گیس پھیلنے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ایک منٹ سے بھی پہلے گیس دوسرے کمروں میں بھی پھیل چکی تھی۔ میں سانس روکے ایک باتھ روم میں گھسا۔ وہاں موجود تولیہ بھگو کر منہ پر رکھ لیا مجھے لگا تھا کہ یہ آنسو گیس جیسی کوئی چیز ہے لیکن جیسے ہی میں نے سانس لی۔ میرا ذہن چکرایا اور مجھ پر انکشاف ہوا کہ یہ آنسو گیس نہیں تھی۔ یہ کوئی زود اثر گیس تھی جو بھیگے ہوئے تولیے سے بھی گزر کر اثر کرتی ہے۔ ڈوبتے ذہن کے ساتھ میں نے آخری کام یہ کیا کہ جیب سے موبائل نکال کر کموڈ میں ڈال دیا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ تاکہ یہ آنے والوں کے ہاتھ نہ لگ سکے اگر لگے بھی تو بے کار ہو جائے۔ یہ کام کرنے کے بعد میں ایک طرف دیوار سے ٹک گیا اور پھر شاید نیچے گر گیا کیونکہ اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

فتح خان میرا وہ دشمن تھا جو تواتر سے میرے پیچھے رہا تھا اس سے دشمنی میں اونچ نیچ بھی ہوتی رہی تھی لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے اس کی دشمنی میں ایک چونکا دینے والا عنصر شامل ہو گیا تھا۔ وہ ہمیشہ اس سمت سے وار کرتا تھا جس طرف میرا دھیان نہیں جاتا تھا ہمیشہ اس وقت میرے پیچھے آتا تھا جب میں نے اس بارے میں سوچا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ میرے ہوتے کاموں میں ٹانگ اڑاتا تھا لیکن اس بار ایسا لگ رہا تھا جیسے میں اس کے پھیلائے جال میں پھنس گیا تھا۔ شہلا کی اس گھر میں موجودگی اور پھر ہمیں اس کی اطلاع ملنا ایک جال تھا۔ ہم نہایت ہوشیاری سے اس جال میں آن پھنسے تھے۔ یہ لازمی تھا کہ خالی مکان دیکھ کر ہم اندر گھسیں گے اور پکڑے جائیں گے۔

لیکن صرف میں اندر آیا تو انہوں نے تبدیل شدہ پلان کے ساتھ پہلے وسیم اور دوسروں کو گھیرا اور پھر جب میں نے باہر آنے کے بجائے مدد طلب کی تو انہوں نے راست اقدام کیا گھر میں یقیناً مائکروفون لگے تھے اور میری باتیں کہیں باہر سنی جا رہی تھیں۔ فتح خان نے میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا تھا وہ میرے اور میرے ساتھیوں کے ساتھ بلی چوہے والا کھیل کیوں کھیل رہا تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا اس نے سویرا کو اتنے جتن اور خطرات مول لینے کے بعد اغوا کیا اور پھر حویلی پہنچا دیا۔ اگر اس نے مجھ پر قابو پانا تھا تو سویرا کو اپنے قبضے میں رکھنا بھی کافی ہوتا۔ کیا سویرا کو اس طرح اغوا کر کے حویلی پہنچانا اس کا ذاتی فعل تھا؟ اور مجھے ٹریپ کر کے پکڑنے کا کام وہ دوسروں کے ساتھ مل کر کسی کے لیے کر رہا تھا؟ ان سارے سوالوں کے جواب مجھے آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو ایک صاف ستھرے لیکن سادہ بستر پر پایا۔ کمرہ خالی تھا یعنی اس میں سوائے اس بستر کے اور کچھ نہیں تھا جس پر میں استراحت فرما رہا تھا۔ ذہنی اور جسمانی حالت ٹھیک تھی کہیں کوئی تکلیف یا چکر وغیرہ نہیں تھے۔ ہاتھ پاؤں بھی آزاد تھے ویسے عام طور سے دشمن کی قید میں مجھے اچھی حالت میں ہی ہوش آتا رہا ہے یہ اور بات ہے کہ اس کے بعد بری حالت سے بھی گزرنا پڑا ہو۔ اس بار بھی دشمنوں نے مجھے اچھی حالت میں رکھا تھا۔ خود کو اکیلے پا کر میں نے اطمینان محسوس کیا تھا کیونکہ امکان یہی تھا کہ انہوں نے وسیم اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا ہوگا ورنہ وہ بھی یہاں میرے ساتھ ہوتے۔ مگر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کہیں اور رکھے گئے ہوں۔ ایک بات یقینی تھی کہ میں ایک بار پھر فتح خان کی گرفت میں آ گیا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد مجھے ایک زبردست ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہ دروازہ کھلا اور پہلے دو چاک و چوبند مسلح افراد اندر آئے انہوں نے چھوٹے سائز کی لیکن تباہ کن شاٹ گن اٹھا رکھی تھیں۔ ان کا بلٹ گردن سے ٹانگوں اور بازوؤں کے علاوہ کہیں بھی لگے جان لیوا ہوتا ہے۔ انہوں نے کمرے کے دونوں کونوں میں پوزیشن سنبھال لی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے حرکت میں آتے ہی وہ فائر کر دیں گے۔ اس لیے میں نے حرکت میں آنے سے گریز کیا اور استہزائیہ انداز میں بولا۔

''کیا کسی اسٹریٹ وار کا امکان ہے؟''

''نہیں یہ تمہیں کسی غلط حرکت سے روکنے کے لیے ہے۔'' دروازے کی طرف سے آواز آئی اور میں اچھل پڑا تھا۔ دروازے پر ایک وہیل چیئر میں نادر علی موجود تھا۔ اپنی معذوری سے قطع نظر وہ صحت مند اور ہٹا کٹا نظر آ رہا تھا لیکن وہیل چیئر بتا رہی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے حرکت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ مٹھیوں پر رکھے تھے اور ایک بیلٹ اس کے پیٹ سے ذرا اوپر بندھی تھی جیسے اسے سہارا درکار ہو۔ اس کا مطلب تھا وہ بغیر سہارے کے وہیل چیئر پر بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اس کے عقب میں ایک خوب صورت لڑکی تھی جو نرس کی یونیفارم میں تھی۔ پتا نہیں سچ مچ نرس تھی یا نادر نے اسے اپنی تسکین طبع کے لیے رکھا ہوا تھا نرس کی وردی پہنا کر۔ میں ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ نادر کے مکروہ ہونٹوں پر مخصوص شیطانی مسکراہٹ تھی۔ ''کیا بات ہے شہباز ملک مجھے دیکھ کر حیران ہو رہے ہو یا ابھی تک پہچانا نہیں۔''

''شیطان کسی بھی روپ میں ہو میں اسے پہچان سکتا ہوں۔'' میں نے کہا اور آلتی پالتی مار کر بستر پر بیٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔" ویسے تمہیں یہ لاؤلشکر لانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں خدشہ تھا کہ اس بار میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔"

میرے جواب اور لہجے پر اس کی آنکھوں میں ایک شعلہ سا لپکا تھا لیکن اس نے فوراً خود پر قابو پالیا۔

"شہباز..... تم نے ہوش میں آنے کے بعد اندازہ لگا لیا ہوگا کہ فی الحال تم غیر دوستانہ ماحول میں نہیں ہو۔"

"فی الحال۔" میں نے اس کے الفاظ پر غور کیا۔ "یعنی ماحول بدل بھی سکتا ہے؟"

"اس کا انحصار تم پر ہے۔"

"مجھ پر کیسے میں تو تمہاری قید میں ہوں ویسے میں سمجھ رہا تھا کہ یہ کام فتح خان کا ہوگا۔"

"کام فتح خان نے ہی کیا ہے۔" نادر بولا۔ "لیکن میرے لیے کیا ہے۔"

"تمہیں کیا ضرورت پیش آ گئی مجھے اغوا کرانے کی۔ تم میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہو تمہیں تو چاہیے تھا اسی جگہ مجھے مروا دیتے یا پھر تم اپنے سامنے مجھے مرتا دیکھنا چاہتے ہو۔"

نادر دروازے سے ذرا ہی اندر آیا تھا اور وہ بالکل محفوظ جگہ تھا میں اگر اس پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا تو بستر سے اترنے سے پہلے اس کے محافظ مجھے شوٹ کر دیتے۔ یعنی اسے مجھ پر قطعی اعتبار نہیں تھا کہ موقع ملنے پر میں اسے بخش دوں گا۔ وہ میرے لیے اس سے کہیں زیادہ بے اعتبار تھا اس لیے یہ جان کر مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ میں نادر کی قید میں تھا اور اب تک ٹھیک ٹھاک تھا نہ تو مجھے الٹا لٹکا کر ہنٹروں سے مارا گیا تھا اور نہ ڈنڈوں سے میری ہڈیاں توڑی گئی تھیں۔ اس کے بجائے میں ایک آرام دہ بستر پر موجود تھا۔ نادر نے نفی میں سر ہلایا۔

"میری ایسی کوئی خواہش نہیں ہے اور میں نے کہا نا ماحول خراب ہونے کا انحصار تمہارے رویے پر ہے۔ میں نے بات کرنے کے لیے تمہیں یہاں بلوایا ہے۔"

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "نہ جانے آج کل دشمنوں کو کیا ہو گیا جس کا بات کرنے کو دل چاہتا ہے مجھے اٹھوا لیتا ہے۔"

"مجبوری ہوتی ہے کیونکہ تم سے رابطے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔" نادر علی نے کہا۔

"حیرت ہے تمہارے حکم کے غلام فتح خان نے تمہیں نہیں بتایا کہ اس کا مجھ سے مستقل رابطہ ہے۔"

نادر نے انکار کیا۔ "فتح خان میرا ملازم نہیں ہے اس نے مجھے معاوضے پر یہ کام کر کے دیا ہے اگر اس کا تم سے کوئی رابطہ ہوتا تب بھی اسے بتانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ فتح خان اور تمہارا آپس میں کوئی گٹھ جوڑ نہیں ہے اور وہ صرف عارضی طور پر تمہارے لیے کام کر رہا ہے۔"

"یہی بات ہے۔"

"تم ایک ایسے شخص سے کام لے رہے ہو جو تمہارے سگے بھائی مرشد کا دشمن بنا ہوا ہے اور اسے بے پناہ نقصان پہنچا چکا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" نادر کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ "میرا خیال ہے تم بھی بے خبر نہیں ہو کہ مرشد سے میرے اختلافات شدت اختیار کر گئے ہیں اور بھائیوں والی بات ماضی کا حصہ بن چکی ہے۔ اب مرشد کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں جلد از جلد اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم دونوں آپس میں دشمن بن گئے ہو۔''

اس نے جواب دینے کے بجائے صرف شانے اچکائے۔ ''یہ الگ موضوع ہے۔''

''ٹھیک ہے جو موضوع اس وقت مناسب ہو اس پر بات کرنی چاہیے مثلاً مجھے یہاں کیوں بلوایا گیا ہے۔''

''میں دشمنی ختم کرنا چاہتا ہوں۔'' نادر نے صاف لہجے میں کہا۔

''یہ بات تمہارے بھائی نے بھی کی تھی۔''

''مرشد۔'' اس کے لہجے میں نفرت آگئی۔ ''وہ کمینہ آدمی ہے وہ تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔''

''اور تم شریف آدمی ہو۔'' میں ہنس پڑا۔ ''مجھے کہے الفاظ کا پاس رکھو گے ورڈ آف آنر کا خیال رکھو گے۔''

''میں شریف آدمی نہیں ہوں۔'' نادر کا چہرہ بگڑ گیا۔ ''شہباز سنجیدہ ہو جاؤ تم اس وقت بڑی مشکل میں ہو۔''

''جب سے تمہاری صورت دیکھی ہے کس چھوٹی مشکل کا سامنا نہیں کیا ہے۔ بہرحال تم کہتے ہو تو میں سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔''

''میں دشمنی کے اس باب کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

کیونکہ میں اس سے سنجیدہ رہنے کا اقرار کر چکا تھا اس لیے میں نے مذاق اڑانے سے گریز کیا اور پوری سنجیدگی سے کہا۔ ''نادر تمہاری بات میری لیے اتنی ہی ناقابلِ یقین ہے جتنی کسی زہریلے سانپ کی جو کہے میں نے ڈسنا چھوڑ دیا ہے۔''

اس کا چہرہ پھر بگڑا تھا لیکن اس نے جلدی سے خود کو سنبھال لیا۔ ''شہباز ابھی میں تمہیں یقین نہیں دلا سکتا ہوں لیکن جلد وقت آئے گا جب تم میری بات پر یقین کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے بشرطیکہ تم جہاں جا رہے ہو وہاں سے زندہ واپس آسکو۔''

میں چونکا۔ ''ایک منٹ..... میں کہاں جا رہا ہوں؟''

''جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔'' اس نے کہا اور نرس کو اشارہ کیا اس نے وہیل چیئر گھمائی اور نادر کو وہاں سے لے جانے لگی۔ میں نے کہا۔

''ایک منٹ نادر میرے ایک سوال کا جواب مل سکتا ہے؟''

نادر کے اشارے پر وہیل چیئر رک گئی لیکن وہ مڑا نہیں۔ ''پوچھو۔''

''میرے ساتھ میرے تین ساتھی اور تھے وہ کہاں ہیں؟''

''یہاں صرف تم آئے ہو۔'' اس نے جواب دیا اور چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اس کے دونوں گرگے بھی اسی مستعد انداز میں الٹے قدموں کمرے سے نکلے اور دروازہ بند ہو گیا نادر کے جواب سے بالکل واضح نہیں تھا کہ میرے ساتھی سرے سے نہیں لائے گئے تھے یا ان کو اٹھا لیا تھا لیکن رکھا کہیں اور تھا۔ دروازے کے سامنے دیوار تھی۔ میں کہاں تھا اور کتنی دیر بے ہوش رہا تھا؟ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا۔ کمرے کا درجہ حرارت نارمل تھا اور مجھے اپنے لباس میں سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میرے لباس سے ہر چیز نکال لی گئی تھی میری کلائی سے گھڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی اتار لی تھی۔ البتہ میرے پیروں میں جوتے تھے۔ میں نے اپنے بازوؤں کا جائزہ لیا پھر جسم کے دوسرے حصوں میں تکلیف محسوس کرنے کی کوشش کی اگر میری بے ہوشی کو طویل رکھنے کے لیے مجھے انجکشن دیا گیا تھا تو مجھے سوئی کی چبھن محسوس ہوتی۔

لیکن ایسی کوئی تکلیف نہیں تھی اس کا مطلب تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے بعد ہوش میں آ گیا تھا اور ابھی صبح کا وقت تھا۔ شاید پانچ یا چھ بجے تھے۔ بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے ڈٹ کر انڈے پنیر کے سینڈوچز کھائے تھے اس لیے پیٹ خالی ہونے کا احساس تھا لیکن بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ وقت گزاری کے لیے میں ورزش کرنے لگا۔ پہلے بنچوں کے بل اچھل کر جسم کو گرم کیا پھر مختلف ورزشیں کرنے لگا۔ آدھے گھنٹے بعد میں تھک گیا تھا اور پسینہ آ گیا تھا لیکن سانس قابو میں تھا۔ مجھے یہ محسوس کر کے خوشی ہوئی کہ میرا اسٹیمنا بہتر تھا۔ ورزش سے دبی ہوئی بھوک چمک اٹھی تھی مگر دشمن کی قید میں طعام کی امید رکھنا بے وقوفی ہوتی چہ مجھے کوئی تکلیف نہیں دی گئی تھی لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ میری خاطر تواضع کرتے۔

جب میری تھکن اتر گئی تو میں نے دوبارہ ورزش کی اس بار بھی نصف گھنٹے تک جاری رکھی اور جب تھک گیا تو لیٹ کر ستانے لگا۔ اس ایک گھنٹے کی ورزش نے مجھ پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ اول میں فضول سوچوں سے بچ گیا تھا اور دوسرے جسمانی لحاظ سے بہترین کنڈیشن میں آ گیا تھا اگر مجھے موقع مل جاتا اور فرار ہونا پڑتا تو میں اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتا تھا۔ فتح خان اور نادر کا گٹھ جوڑ بڑی جلدی سامنے آ گیا تھا۔ اگرچہ نادر نے انکار کیا تھا کہ فتح خان اس کا ساتھی ہے لیکن مجھے یقین تھا وہ جھوٹ بول رہا ہے فتح خان بڑے چکر میں تھا وہ کسی بھی معاوضے کے بدلے نادر کے لیے کام نہیں کر سکتا تھا۔ شاید نادر نے اسے کسی طرح مدد دی ہو۔ آدمیوں اور دوسرے طریقوں سے مدد کی اور جواب میں فتح خان اس کے کام آ رہا تھا۔ مجھے ایمن کا خیال آیا جس کے پاس اب شاید پچاس پچپن گھنٹوں کی مہلت باقی رہ گئی تھی۔

میری فتح خان سے جو گفتگو ہوئی تھی اس میں ڈیوڈ شا کا ذکر بھی آیا تھا اور یہ بے سبب نہیں تھا فتح خان نے کمزور انداز میں انکار کیا تھا کہ اس کا ڈیوڈ شا سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ اس معاملے میں کہیں نہ کہیں شامل ہو چکا تھا۔ فتح خان کو مجھ سے براہ راست الجھنے کی ضرورت نہیں تھی اور نادر علی مجھے کسی صورت بخشنے والا نہیں تھا لیکن دونوں کا رویہ میری توقع کے خلاف تھا۔ اس کے پیچھے ڈیوڈ شا کی موجودگی فرض کر لی جاتی تو دونوں کے رویے کا جواز سمجھ میں آتا تھا۔ یعنی کھیل ڈیوڈ شا کا تھا لیکن کھیل فتح خان اور نادر رہے تھے ڈیوڈ شا کی وجہ سے وہ مجبور ہوئے تھے فتح خان میرے ساتھ پنگا لینے پر مجبور ہوا تھا جب کہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اور وہ تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ نادر علی مجھے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا تھا اور ڈیوڈ شا کی وجہ سے صرف خون کے گھونٹ پی کر رہ جانے پر مجبور ہوا تھا۔ ایمن کے ساتھ ہونے والے واقعے کا فائدہ اٹھا کر ڈیوڈ شا معاملے میں ملوث ہو سکتا تھا مگر ساتھ ہی اپنی موجودگی کو پوشیدہ بھی رکھ رہا تھا۔ میں سوچوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک آدمی نے ناشتے کی ٹرے اندر رکھ دی اس سے پہلے میں بستر سے اٹھتا وہ نہایت پھرتی سے دروازہ بند کر چکا تھا۔

میں نے ٹرے اٹھائی اس میں ایک عدد ابلا ہوا انڈہ، دو عدد سادہ توس اور چائے کا ایک مگ تھا۔ طلب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لحاظ سے رسد نہ ہونے کے برابر تھی لیکن قیدی کو اپنی مرضی اور حساب کا مینو چننے کی اجازت کہاں ہوتی ہے؟ یہ میری خوراک کا تہائی بھی نہیں تھا لیکن مجھے اسی پر گزارا کرنا تھا۔ میں نے صبر شکر کر کے یہ ناشتہ کیا۔ آدھے گھنٹے بعد دوبارہ دروازہ کھلا اور اس بار ان دو مسلح افراد کی صورت دکھائی دی جو نادر کے ساتھ آئے تھے ان کے ہاتھوں میں شاٹ گن تھیں۔ پہلی بار میں نے غور سے انہیں دیکھا انہوں نے سیاہ رنگ کی بھاری پتلون اور سیاہ ہائی نیک جرسی پہن رکھی تھی اس کے اوپر بغیر بازو کی سیاہ کمانڈو جیکٹ تھی۔ اپنے انداز اور حلیے سے وہ کمانڈو ہی لگ رہے تھے۔ ایک نے گن سے اشارہ دے کر کہا۔ ''باہر آؤ دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر۔''

میں نے حکم کی تعمیل کی۔ میرے باہر آتے ہی وہ دائیں بائیں ذرا پیچھے ہو گئے تھے۔ یہ راہداری تھی جس کے دونوں طرف کئی کمرے تھے۔ ساخت سے بالکل پتا نہیں چل رہا تھا کہ یہ کس مکان کا حصہ ہے؟ اور کس فلور پر ہے؟ میں اشارے پر آگے چل پڑا تھا۔ راہداری آگے سے گھوم رہی تھی۔ مجھے ایک دروازے کے سامنے روک کر کہا۔ ''یہ واش روم ہے اگر تم چاہو تو ضروریات سے فارغ ہو سکتے ہو اب تمہیں لمبے سفر پر جانا ہے۔''

ایک سفر کا حوالہ نادر نے بھی دیا تھا کیا یہ بھی اسی سفر کی بات کر رہا تھا۔ میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ''کہیں ہمیشہ کے سفر پر تو روانہ نہیں کر رہے ہو؟''

''جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''تم لوگوں کے انداز سے ایسا لگ رہا ہے اس لیے میں نے پوچھ لیا۔'' میں نے اندر جاتے ہوئے کہا مگر اس بار وہ خاموش رہے تھے اب مجھے اپنے خیال پر ترمیم کرنا پڑی تھی ان آدمیوں کا تعلق نادر سے نہیں تھا وہ خود چھچھورا اور اوچھی طبیعت کا مالک تھا اس لیے اپنے آس پاس لوگ بھی ایسے ہی رکھتا ہوگا۔ یہ دونوں بہت ٹھنڈے مزاج کے اور پیشہ ور لگ رہے تھے۔ واش روم چھوٹا سا تھا اور صاف ستھرا تھا عمارت کا جتنا حصہ میں نے دیکھا تھا وہ صاف ستھرا اور خاموش تھا جیسے یہاں زیادہ لوگ نہ رہتے ہوں۔ میں نے ایک بات اور نوٹ کی تھی کہ کہیں آس پاس سے ایسی کوئی آواز نہیں تھی جو آبادیوں میں آتی ہیں ایسا لگ رہا تھا کہ یہ عمارت کسی آبادی میں بھی تھی تو بہت بڑے پلاٹ پر تھی اور آس پاس بھی ایسی ہی عمارتیں تھیں۔

ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے منہ ہاتھ دھویا اور وہاں موجود کنگھے سے اپنے لمبے ہو جانے والے بے ترتیب بال درست کیے۔ واش روم میں اندر کی طرف کنڈی نہیں تھی یہ صرف خودکار طریقے سے بند ہو جانے والے ہینڈل پر مشتمل تھا۔ جسے ہینڈل گھما کر دونوں طرف سے کھولا جا سکتا تھا۔ میں باہر آیا تو وہ پہلے کی طرح مستعد تھے انہوں نے اپنے نرغے میں لیا اور اسی راہداری میں لے کر آگے چلنے لگے۔ وہ مستعد اور چوکنا تھے لیکن عام مسلح لوگوں کی طرح اعصاب زدہ نہیں تھے۔ ان کے ہاتھ ٹریگر پر نہیں تھے لیکن اس سے زیادہ دور بھی نہیں تھے۔ راہداری کے آخری سرے پر ایک دروازہ تھا اسے کھولا تو میں نے خود کو ایک بند گیراج میں پایا۔ وہاں ایک پرانی ساخت کی اسٹیشن ویگن کھڑی تھی اس کے پاس ایک چھوٹی سیاہ لیکن جدید اور طاقتور جیپ کھڑی تھی۔ ان میں سے ایک نے اسٹیشن ویگن کا دروازہ کھولا اور میری طرف دیکھا۔

''اندر داخل ہو جاؤ۔''

میں قدم مضبوطی سے جما کر کھڑا ہوا۔ ''اور اگر میں ایسا نہ کروں تو....

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ہر قسم کی صورتِ حال کے تیار تھے اس لیے میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میری کمر پر عقب سے لات پڑی اور میں بے ساختہ آگے گیا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر دروازے کے پاس کھڑے محافظ کی شاٹ گن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی لیکن اس نے صفائی سے گن پیچھے کی اور گھوم کر مجھے نسبتاً ہلکی لات ماری جس نے میری رفتار میں اضافہ کیا اور میں عقبی خانے میں جا گرا فوراً ہی دروازے بند ہوئے اور باہر سے لاک بھی ہو گئے کیونکہ میری چلائی جوابی لات بے سود ثابت ہوئی تھی۔ خانہ بند ہو چکا تھا۔ انہیں پہلے ہی اندازہ تھا کہ میں مزاحمت کروں گا اس لیے وہ تیار تھے اور انہوں نے بغیر محنت کیے مجھے اس ڈبے میں بند کر دیا۔ میری لات خاصی قوت سے دروازے پر لگی تھی۔ مگر اس کی دھات میں ذرا بھی لرزش نہیں ہوئی تھی۔ میں نے آج تک کسی اسٹیشن ویگن میں اس قسم کا خانہ نہیں دیکھا تھا یہ خاص طور سے قیدیوں کو لانے لے جانے کے لیے تیار کرایا گیا تھا۔

یہ حصہ اندر سے بالکل کسی ٹھوس فولادی بکس کی طرح تھا اس میں چاروں طرف موٹی چادر چڑھی تھی اور اسے کسی صورت توڑا نہیں جا سکتا تھا شاید یہ بلٹ پروف بھی تھی۔ دروازہ بند ہو گیا اور ایک منٹ بعد وین بے آواز طریقے سے حرکت میں آئی۔ انجن اتنا خاموش تھا کہ آواز بالکل نہیں آئی حالانکہ وین خاصی پرانی قسم کی تھی۔ کچھ دیر بعد میری سمجھ میں آیا کہ اصل میں وین کا یہ خانہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف تھا اور اس سے کوئی آواز باہر نہیں جا سکتی تھی اسی طرح باہر کی آواز اندر نہیں آ سکتی تھی۔ ایک بار پھر میرا شبہ بڑھنے لگا کہ مجھے اغوا کرانے کی کارروائی نادر کی نہیں ہو سکتی تھی وہ اس معاملے میں شامل تھا اور کسی وجہ سے اس کی مجھ سے ملاقات بھی کرائی گئی تھی لیکن اس سارے چکر کے پیچھے کوئی اور ہی شخص تھا۔ نادر کو سامنے لانے کا مقصد شاید مجھے خوف زدہ کرنا بھی ہو سکتا تھا اور سچی بات ہے کچھ دیر کے لیے میں سچ مچ خوف زدہ بھی ہو گیا تھا۔ مگر اس کا ردِ عمل میری توقع کے بالکل خلاف تھا۔ پھر بھی مجھے لگ رہا تھا کہ اس کی اداکاری کی برف تلے میرے لیے نفرت کا لاوا موجود تھا۔ اگر سچ مچ اسی نے مجھے اغوا کرایا ہوتا تو اس وقت میں اذیت کے کسی ناقابلِ بیان مرحلے سے گزر رہا ہوتا۔

میں غور کرنے لگا کہ کیا میرے دشمن جمع ہو گئے تھے اور اگر جمع ہوئے تھے تو ان کے کیا مقاصد ہو سکتے تھے؟ ایک مقصد تو واضح تھا انہوں نے مجھے اپنے قبضے میں لینا چاہا اور اس میں کامیاب رہے۔ اب اس کا مقصد کیا تھا وہ سامنے آنے والا تھا۔ فتح خان کے لیے میں بیکار تھا کیونکہ بظاہر ہیرے ہمیشہ کے لیے گم ہو چکے تھے۔ نادر اور مرشد میرے خون کے پیاسے تھے ان کے ہاتھ آ جاتا تو وہ فوراً میرا خاتمہ کر دیتے۔ صرف ڈیوڈ شا ایک ایسا دشمن تھا جسے میری زندگی درکار نہیں تھی اور اسے مجھ سے غرض بھی تھی۔ وہ اتنا طاقتور تھا کہ فتح خان جیسے طرم خان اور نادر و مرشد جیسے فرعون اس کے آگے دُم ہلانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ وہ ان کو اپنی پلاننگ پر عمل کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ ذہنی لحاظ سے وہ ان دشمنوں سے بہت آگے تھا۔ فتح خان کی شخصیت اور ذہن میں اتنی بڑی تبدیلی بھی یقیناً ڈیوڈ شا کی صحبت کا اثر تھی ورنہ وہ ایک گرم مزاج بدمعاش سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

وین روانہ ہوئی صرف ہچکولوں اور حرکت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ چل رہی تھی ورنہ آواز کوئی نہیں تھی۔ اسی طرح اندر کا درجہ حرارت معمول کے مطابق تھا یعنی ہلکا سا سرد تھا اور مجھے اس میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ جس طرح میں اندازہ کرنے سے قاصر تھا کہ مجھے کہاں ہوش آیا تھا اسی طرح میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ مجھے کہاں لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جایا جا رہا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد ایسا لگا جیسے وین کسی چڑھائی والی سڑک پر ہو جو سیدھی اور صاف ہو۔ اگر میں راولپنڈی اسلام آباد میں تھا تو اس وقت مری ہائی وے یا اس کی متبادل ہائی وے پر سفر کر رہا تھا کیونکہ بلندی کی طرف جانے والی یہی دو سڑکیں سیدھی اور ہموار تھی۔ ان میں گھماؤ پھراؤ کچھ دیر بعد آتا۔ اگر پندرہ بیس منٹ بعد وین موڑ لینے لگتی تو میرا اندازہ درست ثابت ہوتا۔ میں ایک طرف ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ پہلا موڑ آیا تو وین واضح طور پر جھولی اور میں ایک طرف سرک گیا اس کے بعد بار بار موڑ آنے لگے تھے۔ دھات کے چکنے فرش پر میں پھسل رہا تھا۔ اس میں پکڑنے والی کوئی چیز نہیں تھی اس لیے میں پھسلنے پر مجبور تھا۔ تنگ آ کر میں نے پشت دائیں طرف لگائی اور پاؤں سامنے دیوار پر ٹکا دیئے اس طرح میں پھسل نہیں رہا تھا۔

لیکن یہ پوز بھی آرام دہ نہیں تھا۔ کیونکہ بیٹھ کر پاؤں دیوار سے نہیں لگ رہے تھے اور انہیں دیوار سے لگانے کے لیے مجھے ذرا نیچے ہونا پڑتا تھا اور میری کمر درد ہری ہو جاتی۔ آدھے گھنٹے بعد کمر اس طرح دکھنے لگی کہ مجھے مجبوراً سیدھا ہو کر بیٹھنا پڑا اور جب وین موڑ لیتی تو میں ذرا سا پھسلتا تھا میرے پاؤں سامنے دیوار سے ٹکراتے تھے۔ بہرحال کمر کی تکلیف سے یہ بہتر ہی تھا۔ جب دو گھنٹے گزرنے کے بعد بھی وین کے کہیں رکنے کے آثار نظر نہیں آئے تو میں فکرمند ہو گیا تھا۔ ہم مری یا اس کے گرد و نواح سے آگے نکل چکے تھے۔ اب مجھے کہاں لے جایا جا رہا تھا۔ ابھی میں چند دن پہلے تو پہاڑوں سے دھکے کھا کر واپس آیا تھا۔

صرف چند دن پہلے نہیں بلکہ آج سے بارہ تیرہ سال پہلے جب میں پہاڑوں کے عشق میں مبتلا ہوا تھا تب سے اب تک میں زیادہ تر پہاڑوں میں دھکے کھاتا رہا تھا۔ پہلے کاروبار کے نام پر اور اب حالات مجھے بار بار پہاڑوں پر لے جاتے تھے۔ اس بار بھی دشمن مجھے کہیں پہاڑوں پر لے جا رہے تھے۔ مری سے آگے ہم کہاں جا سکتے تھے؟ کیا فتح خان مجھے دوبارہ اس وادی کی طرف لے جا رہا تھا جہاں ہیرے دفن تھے۔ یا دشمن اپنے کسی دور دراز ٹھکانے پر لے جا رہے تھے لیکن اتنی دور لے جانے کا کیا مقصد تھا؟ اگر انہوں نے مجھ سے کچھ منوانا تھا تو مجھے شہر میں بھی رکھ سکتے تھے۔ ان کے یقیناً کچھ مقاصد تھے جس کے لیے وہ مجھے یوں لے جا رہے تھے۔

دونوں نگرانوں نے مجھے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ مجھے طویل سفر پر بھیجا جا رہا ہے اس لیے میں ضروریات سے اچھی طرح فارغ ہو جاؤں ورنہ راستے میں مجھے موقع نہیں ملے گا۔ مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ راستے میں کسی قسم کا بھی موقع نہیں ملے گا اور یہ سفر نان اسٹاپ جاری رہے گا۔ راستے میں صرف دو بار وین شاید دس پندرہ منٹ کے لیے رکی تھی اور وہ بھی شاید ایندھن اور پانی وغیرہ ڈالنے کے لیے کیونکہ اتنے طویل سفر انجن لازمی گرم ہو جاتا۔ اس کے بعد یہ سفر کوئی دس گھنٹے لگاتار جاری رہا تھا۔ رفتار خاصی تیز تھی اور میرا اندازہ تھا کہ پہاڑوں پر بھی وین نے کم سے چار سو میل کا سفر طے کر لیا ہو گا۔ مسلسل حرکت میں رہنے میرا جسم اس ردھم کا اتنا عادی ہو گیا تھا کہ جب اچانک وین رکی اور پھر رکی رہی تو کچھ دیر میرا جسم حرکت میں رہا تھا۔ ایک خیال یہ آیا کہ وین پہلے کی طرح دس پندرہ منٹ کے لیے رکی ہے۔ مگر فوراً ہی دروازوں کا لاک کھلنے کی آواز آئی اور جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی شدید سرد ہوا اندر گھس آئی اور میں کانپ اٹھا۔ سامنے وہی دونوں مسلح نگران موجود تھے ان میں سے ایک بولا۔

"نیچے اتر آؤ دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے کسی قدر مشکل سے جسم سیدھا کیا اور نیچے اتر آیا۔ رات ہو چکی تھی لیکن چاروں طرف برف کی سفیدی نمایاں تھی۔ دین ایک لکڑی سے بنے کیبن کے سامنے کھڑی تھی اور اس کی کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ وین کی آمد کی اطلاع اندر پہنچ گئی تھی اور اندر سے ایک طویل قامت شخص نمودار ہوا جس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی تاریکی میں ہونے کی وجہ سے میں اسے شناخت نہیں کر سکا تھا وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا میری طرف آیا اور پھر اس نے کہا۔

''مسٹر شہباز ملک..... خوش آمدید۔''

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

○.....❖.....○

اس طویل قامت شخص نے پی کیپ پہن رکھی تھی جس کے نیچے اس کے خدوخال چھپ گئے تھے۔ مگر اس کی آواز الگ سے پہچانی جا رہی تھی۔ یہ آواز سنے ہوئے مجھے زیادہ دن بھی نہیں ہوئے تھے۔ وہ زریسکی کو شیف عرف عبدالرحمٰن تھا۔ وہ بغیر نشانات کی مکمل فوجی وردی میں میرے سامنے تھا۔ کیبن ایک چھوٹی پہاڑی کے سب سے اوپری حصے میں تھا اور اس کی چمنی سے مسلسل دھواں خارج ہو رہا تھا۔ درجہ حرارت منفی سے کہیں نیچے تھا اور اندر موجود لوگ آگ جلائے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ میں معمولی گرم کپڑوں میں ٹھٹھر رہا تھا لیکن اس غیر متوقع صورت حال نے مجھے کچھ دیر کے لیے ماحول سے بے خبر کر دیا تھا۔ چوٹی اوپر سے ہموار تھی

مجھے فتح خان نے شہلا کا چارہ ڈال کر پکڑا اور پھر نامعلوم لوگوں کے حوالے کر دیا۔ وہاں میری ملاقات نادر علی سے ہوئی۔ اس نے مجھ سے مصالحت کی بات کی لیکن ساتھ ہی مجھے کہیں روانگی کا اذن سنایا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اصل میں نادر علی کی قید میں بھی نہیں تھا۔ ورنہ وہ مجھے کہیں کے بجائے دوسری دنیا بھیجنا پسند کرتا۔ جب منکیر نکیر کے ساتھ روانہ ہوا تو میرا خیال تھا کہ اب میرا سامنا اس شخصیت سے ہوگا جس نے مجھے اغوا کرایا تھا۔ مگر یہاں میرے استقبال کے لیے راجا عمر دراز کا سیکورٹی انچارج موجود تھا اور میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ یہاں کیسے تھا؟ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی کہ وہ دشمنوں سے مل گیا تھا یا پہلے ہی دشمنوں کا آدمی تھا اور راجا عمر دراز کو دھوکا دے رہا تھا۔ اس کی آواز پہچانتے ہی میرے ذہن میں ایک لمحے کو وہ منظر آیا جب میں نے خانہ بدوشوں کے قبیلے میں مہرو کی جھلک دیکھی تھی اور اس وقت اسے اپنا وہم سمجھا تھا۔ جب کرنل زریسکی یہاں ہو سکتا تھا تو مہرو خانہ بدوش قبیلے میں کیوں نہیں ہو سکتی تھی۔ میں سوچ رہا تھا اور خاموش تھا وہ بھی خاموشی سے میرے ردعمل کا جائزہ لے رہا تھا۔

''خوب میں تمہیں زریسکی کوشیف کہوں یا عبدالرحمٰن؟''

''جو تمہاری مرضی ہے مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''آؤ اندر یہاں بہت سردی ہے۔''

میں اس کے ساتھ اندر آیا ہمارے پیچھے دونوں گارڈز بھی تھے۔ کیبن بہت بڑا نہیں تھا اس میں شاید دو ہی کمرے تھے۔ ہم لاؤنج میں داخل ہوئے یہاں آتش دان میں لکڑیاں جل رہی تھیں اور خوشگوار حرارت موجود تھی۔ زریسکی نے ایک کرسی نما صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''بیٹھو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بیٹھ گیا۔ اس نے سامنے میز پر ایک چھوٹی ٹرے رکھی جس میں چند سینڈوچز تھے اور پھر پاٹ سے کافی کا مگ بھر کر میرے سامنے رکھ دیا۔ ''کھانا شروع کرو مجھے پتا ہے تم بھوکے ہو۔''

اس طویل سفر نے میرا پیٹ بالکل خالی کر دیا تھا اور روانگی سے پہلے بھی مجھے نام نہاد سا ناشتہ دیا گیا تھا۔ اس لیے میں نے تکلف سے کام نہیں لیا۔ یہ انڈے اور پنیر کے سینڈوچز تھے اس لیے حرام کا خطرہ بھی نہیں تھا۔ گوشت کے ہوتے تو میں ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ میں نے کھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ گورکھ دھندہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''کون سا گورکھ دھندہ؟'' اس نے انجان بن کر پوچھا۔

''یہی کہ بظاہر تم راجا عمر دراز کے محل میں سیکورٹی انچارج ہو اور تم نے اس کی ایک ملازمہ سے شادی کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ یہ ملازمہ فتح خان کے ہاتھوں عبرت ناک حالات سے گزری تھی اور اس کی زندگی بچانے میں ایک کردار میرا بھی تھا۔ اس لحاظ سے تمہیں فتح خان کا جانی دشمن ہونا چاہیے تھا۔''

''یہ پرانی بات ہو چکی ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ غالباً یہاں اسے مہرو کا ذکر پسند نہیں آیا تھا۔

''لیکن دوسری طرف مجھے اسی فتح خان نے باقاعدہ جال بچھا کر پکڑا اور میرے ایک اور جانی دشمن نادر علی کے حوالے کر دیا۔ اس نے حیرت انگیز سلوک کرتے ہوئے مجھے اس دنیا سے رخصت کرنے کے بہانے اس گاڑی میں بند کر کے روانہ کیا اور میں توقع کر رہا تھا کہ اس شخص سے ملوں گا جو اس چکر کے پیچھے ہے تو میرا سامنا تم سے ہو گیا۔ اب میں کیا سمجھوں؟''

میرے ساتھ آنے والے دونوں کمانڈو اسی مستعدی سے کیبن میں دو الگ جگہوں پر موجود تھے وہ بیٹھے تھے لیکن ان کی شاٹ گنیں ان کے ہاتھ میں تھیں اور وہ پوری طرح چوکس تھے۔ ان کے انداز میں طویل سفر کی تھکاوٹ کا شائبہ تک نہیں تھا مجھے وہ تربیت یافتہ کمانڈوز لگ رہے تھے۔ زریسکی کے علاوہ کوئی دوسرا کیبن میں نظر نہیں آیا تھا وہ یقیناً اکیلا تھا۔ زریسکی نے میرے سوالوں کا جواب دینے کے بجائے اٹھ کر اپنے لیے واڈکا کی بوتل سے ایک جام بنایا اور دوبارہ آ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے ایک چسکی لی اور کھردری آواز میں بولا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کوئی خیال نہیں ہے۔ دشمنوں کی چین میں تمہاری موجودگی بتا رہی ہے کہ تم کس طرف ہو اور اب تک ہمیں دھوکا دیتے آئے تھے۔''

''یہ غلط ہے میں نے راجا صاحب کو دھوکا نہیں دیا اور نہ انہیں کوئی نقصان پہنچایا۔ میں کبھی ان کا وفادار رہا ہی نہیں اس لیے میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔''

''تمہارے پاس ضمیر نام کی کوئی چیز ہے؟'' میں نے طنز کیا۔

''تم اس بات کو نہیں سمجھو گے۔'' اس نے کہا۔ ''یوں سمجھ لو میں کچھ خاص مقاصد کی وجہ سے یہاں آیا اور اتفاق سے راجا عمر دراز سے ملاقات ہو گئی اس نے مجھے ملازمت کی پیشکش کی اور میں نے قبول کر لی۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''راجا عمر دراز کسی ایسے ہی راہ چلتے شخص سے ملاقات کر کے اسے جاب کی پیشکش نہیں کر سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں مانتا ہوں میں نے پلاننگ کے تحت جاب حاصل کی لیکن میں اسے نقصان نہیں پہنچانا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتا تھا۔"

"اوکے راجا عمر دراز کے لیے مجھے تمہاری نیک نیتی پر یقین آ گیا ہے اب یہ بتاؤ کہ مجھے کس لیے اغوا کیا گیا ہے۔ کیا یہ بھی تمہاری طرف سے خیر سگالی کے جذبے کا اظہار ہے۔"

اس نے میرا طنزیہ لہجہ نظر انداز کیا اور آہستہ سے بولا۔ "شہباز ابھی تم ناواقف ہو۔ یہ معمولی کھیل نہیں ہے۔ تم جلد سب جان جاؤ گے۔"

"اس چکر کے پیچھے کون ہے؟"

"اس سے بھی جلد تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔" اس نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ "اب تم آرام کرو گے۔ صبح تمہیں پھر روانہ ہونا ہے اور ایک طویل سفر کرنا ہے۔"

"ایک..... منٹ..... مجھے اب کہاں..... جانا ہے۔" میں نے رک رک کر کہا حالانکہ میں روانی سے کہنا چاہتا تھا۔ مگر میری زبان اٹک رہی تھی اور جب میں نے اٹھنا چاہا تو مجھ سے اٹھا بھی نہیں گیا تھا۔ میری سمجھ میں ذرا دیر سے آیا۔ "تت..... تم نے کھانے..... میں کچھ....."

"ہاں تم طویل سفر کر کے آئے اور کل صبح تمہیں دوبارہ ایک طویل سفر پر روانہ ہونا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں تم تازہ دم ہو جاؤ۔"

کافی یا سینڈوچز میں کوئی زود اثر دوا تھی۔ ایک منٹ سے بھی پہلے میں صوفے پر بیٹھے بیٹھے سو چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کب مجھے اس کمرے میں منتقل کیا گیا جو کیبن کے اندر تھا۔ یہاں صرف ایک بیڈ اور دو معمولی سی کرسیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایک طرف کھڑکی تھی لیکن اس میں مضبوط سلاخیں لگی تھیں۔ دیواریں، چھت اور فرش سب لکڑی کا تھا۔ مجھے جاگ آئی تو صبح ہو چکی تھی اور کھڑکی کے شیشوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ سورج بادلوں کے پیچھے روپوش تھا لیکن دن نکل آیا تھا۔ مجھ پر ایک ہلکا کمبل پڑا تھا اور اس کمرے میں بھی ایک آتش دان جل رہا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد وقفے وقفے سے ایک ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی فرش پر کوئی چیز مار رہا ہو۔ گلنے کی آواز میں لرزش سی بھی آ جاتی تھی۔ پھر ایسی آواز آتی جیسے اس چیز کو فرش سے کھینچ کر نکالا گیا ہو۔

کیبن مکمل طور پر لکڑی کا بنا ہوا تھا اس لیے فرش بھی لکڑی کا تھا۔ اس آواز کے علاوہ خاموشی تھی لیکن کچھ دیر بعد ایک ہلکی سی کھڑکھڑاتی آواز سنائی دی۔ کچھ دیر بعد سمجھ میں آیا کہ یہ کسی ریڈیو کی آواز ہے جس پر کوئی بار بار مخاطب کر رہا ہے۔ میرے جسم پر رات والا لباس تھا اور پیروں میں جوتے بھی تھے۔ میں اتر کر دروازے تک آیا۔ اب آواز صاف آ رہی تھی۔ کوئی انگریزی میں کہہ رہا تھا۔ "بیئر..... بیئر ڈیوریڈی۔"

بولنے والا کسی ریچھ کو پکار رہا تھا مجھے خیال آیا کہ سابقہ سوویت یونین کو بھی ریچھ سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ کہیں یہ کال کرنل زریسکی کے لیے تو نہیں تھی اس کا تعلق سوویت فوج سے تھا۔ کیبن میں خاموشی تھی۔ پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور میں نے کرنل کی آواز سنی وہ ریڈیو کال کا جواب دے رہا تھا۔ "بیئر از ہیر..... اوور۔"

"بیئر پارسل کب بھیجا جائے گا اوور۔" دوسری طرف سے اسی کھڑکھڑاتی آواز نے سوال کیا۔

"آج بھیجنا تھا لیکن موسم پرندوں کی اڑان کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ جیسے ہی موسم صاف ہوتا ہے پارسل بھیج دیا جائے گا اوور۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے جلد از جلد بھیجنے کا حکم ہے اوور اینڈ آل۔'' دوسری طرف سے کہہ کر کال ختم کر دی گئی۔ لازمی بات تھی کہ یہ ذکر خیر اس خاکسار کا تھا جسے کہیں پارسل کرنے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ نہ جانے اس کوریئر سروس کو آرڈر کرنے والا کون تھا جسے میرا پارسل درکار تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے رہ رہ کر ڈیوڈ شا کا خیال آ رہا تھا۔ کیونکہ اس سارے کھیل کے پس پشت مہرے اسی کے تھے۔ صرف کرنل زریسکی کی اس کھیل میں شمولیت میرے لیے غیر متوقع تھی لیکن ڈیوڈ شا کے لیے اس جیسے مہروں کو توڑ لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا بلکہ اس کا پورا امکان تھا کہ ڈیوڈ شا نے ہی اسے راجا عمر دراز کے محل میں بھیجا ہو اور وہ اس کے کام کر رہا تھا۔ کم سے کم فتح خان سے اس کا گٹھ جوڑ ثابت تھا جو اس کے ہونے والی یا ہو جانے والی بیوی کی بے آبروئی کا براہ راست ذمے دار تھا۔ میں واپس آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ کیونکہ میرے پاس کرنے کے لیے سوائے غور و فکر کے کچھ نہیں تھا اس لیے میں نے یہی شروع کر دیا۔

میرے دشمن دو طرح کے تھے۔ ایک مرشد اور نادر جنہیں مجھ سے کوئی مفاد نہیں تھا اور وہ میری اور میرے دوستوں کی جان کے دشمن تھے۔ دوسرے طرح کے دشمن میری جان کے گاہک نہیں تھے بلکہ مجھے اپنے کسی مفاد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے جیسے ڈیوڈ شا اور فتح خان وغیرہ۔ اب سے پہلے یہ میرے دونوں دشمن الگ الگ سرگرم عمل تھے اور اگر میرے اور میرے ساتھیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے تھے تو اکیلے ہی اٹھاتے تھے لیکن اس بار ایسا لگ رہا تھا کہ کسی وجہ سے میرے تمام دشمنوں نے میرے خلاف ایکا کر لیا تھا۔ نادر علی، فتح خان، شہلا اور کرنل زریسکی مجھے اغوا کر کے کہیں پہنچانے کے لیے ایک ہو گئے تھے۔ اگرچہ اب تک مرشد اور ڈیوڈ شا سامنے نہیں آئے تھے لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ وہ بھی اس معاملے میں کہیں نہ کہیں شامل تھے۔

اب سوال یہ تھا کہ میرے ان دشمنوں کو کس نے یکجا کر دیا تھا؟ کیا وہ شخص ڈیوڈ شا تھا یا اس کے پس پشت بھی کوئی اور شخصیت تھی؟ اس نے مجھے کیوں اغوا کرایا ہے؟ اور سب سے اہم سوال مجھے کہاں لے جایا جا رہا تھا؟ سرد ترین موسم بتا رہا تھا کہ میں پاکستان کے کسی شمالی علاقے میں ہوں جہاں تک سڑک کے ذریعے رسائی ممکن تھی۔ مجھے اس سے بھی آگے کہیں بھیجا جانا تھا لیکن موسم راہ میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ میری منتقلی یقیناً ہیلی کاپٹر کے ذریعے کی جاتی۔ کرنل زریسکی نے جن پرندوں کا ذکر کیا تھا ان سے مراد ہیلی کاپٹر ہی تھے۔ میں سوچوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلا اور کرنل زریسکی کی صورت دکھائی دی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ''گڈ مارننگ۔''

''ابھی تک تو گڈ ہی ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کیا تو اس نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''تمہارا رویہ کچھ عجیب سا نہیں ہے؟''

''میرے رویے میں تمہیں کیا عجیب لگ رہا ہے؟''

''تم کچھ زیادہ ہی مطمئن اور پُرسکون ہو۔''

''اگر میں کچھ کم مطمئن اور پُرسکون رہوں تو اس سے مجھے کیا فائدہ ہو گا؟'' میں نے سوال کیا لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرے اطمینان سے کرنل شک میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''کیا تمہیں امید ہے تمہارے ساتھی تمہیں چھڑانے کے لیے یہاں تک آئیں گے؟''

''مجھے ایسی کوئی امید نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ بے چارے تو ابھی مجھے اسلام آباد کی حدود میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تلاش کر رہے ہوں گے۔"

"آؤ ناشتہ کرلو۔" اس نے کہا اور پیچھے ہٹ گیا۔

"ضرور لیکن اس سے پہلے مجھے باتھ روم جانے کا موقع ملے گا؟"

"بالکل۔" اس نے کہا لاؤنج میں منکر نکیر موجود تھے کرنل کے حکم پر وہ مجھے کیبن کے عقبی حصے میں موجود لکڑی کے بنے چھوٹے سے واش روم میں لے گئے۔ یہ صاف ستھرا تھا لیکن پانی جان لیوا حد تک سرد تھا۔ نہ جانے انہوں نے اسے پانی کی شکل میں کیسے رکھا تھا ورنہ اسے تو برف بن جانا چاہیے تھا۔ میں واپس آیا تو میرا حشر ہو گیا تھا۔ اتنا سرد پانی میں نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا تھا اور واپس آنے کے بعد میں تقریباً دس منٹ آتش دان کے سامنے ہاتھ سینکتا رہا تب کہیں جا کر ان کی حالت نارمل ہوئی تھی۔ اس بار بھی کھانے میں سینڈوچز اور کافی تھی۔ یہ آسانی سے اور فوراً بن جانے والی چیز ہے جس کے اجزائے ترکیبی یعنی ڈبل روٹی، پنیر اور انڈے خاصی دیر تک محفوظ رکھے جا سکتے ہیں۔ اس موسم میں ان کے خراب ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا لہٰذا وہ وافر مقدار میں یہاں ذخیرہ کیے جا سکتے تھے۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی اور نہ کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر وہ مجھے کھانے میں نیند کی دوا دے رہا تھا اور میں نہ کھاتا تو وہ مجھے کسی دوسرے طریقے سے سلا دیتا۔

کرنل اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ہی فرش میں ایک چھوٹا سا چاقو گڑا ہوا تھا۔ وہ شاید چاقو فرش پر مارنے کا شغل کر رہا تھا۔ آواز اسی کی آ رہی تھی۔ منکر نکیر رات بھر آرام کے بعد بالکل تازہ دم اور چوکس نظر آ رہے تھے۔ صورت سے وہ وسط ایشیائی لگ رہے تھے۔ ممکن ہے ان کا تعلق براہ راست کرنل زریسکی سے رہا ہو۔ "یہ تمہارے آدمی ہیں؟"

"ہاں یہ میری یونٹ میں رہے ہیں میرے ساتھ ہی آئے ہیں۔"

"تم ایک پلان کے تحت راجا عمر دراز تک آئے تو کسی کے پے رول پر تو ہو گے۔"

"تمہیں جلد پتا چل جائے گا۔" اس نے جواب دیا۔ صاف ظاہر تھا اس کا بتانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ سینڈوچز سے فارغ ہو کر میں نے کافی کا مگ سنبھالا۔ یہ تلخ اور سیاہ کافی تھی۔

"یہ جگہ کہاں ہے؟"

"چترال میں ایک جگہ ہے۔" اس نے بتایا تو میں حیران رہ گیا بے شک میں نے کوئی بارہ تیرہ گھنٹے سفر کیا تھا لیکن اتنی جلدی چترال تک رسائی آسان نہیں ہے اور وہ بھی اگر لواری ٹنل کھلی ہو لیکن یہ سفر سولہ سترہ گھنٹے سے پہلے طے نہیں ہوتا ہے۔ بس تو دو دن سفر کرتی ہے۔ اس کا مطلب ہے انہوں نے غیر معمولی رفتار سے ڈرائیونگ کی تھی۔ اس اطلاع نے مجھے حیران ہی نہیں فکر مند بھی کر دیا تھا۔ چترال پاکستان کے انتہائی شمال میں چین اور افغانستان کی پٹی کے ساتھ واقع ہے یہ نہایت دشوار گزار پہاڑی سلسلہ ہے جو آگے جا کر سطح مرتفع پامیر سے جا ملتا ہے یہاں سال کے چھ مہینے برف جمی رہتی ہے اور ہر قسم کی آمد و رفت بند ہوتی ہے۔ باقی چھ مہینوں میں برف نہیں ہوتی ہے لیکن آمد و رفت پھر بھی دشوار رہتی ہے۔ اس سے آگے صرف چین اور افغانستان تھے مجھے بھلا کہاں آگے بھیجا جا رہا تھا؟

یہ جاننے کے بعد کہ کرنل زریسکی کسی کے لیے کام کر رہا تھا اس کی میری نظر میں نادر علی اور فتح خان جیسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اہمیت نہیں رہی تھی اور نہ اس کی اہمیت رہی تھی کہ وہ راجا عمر دراز سے غداری کر رہا ہے اہمیت اس شخص کی تھی جس نے مجھے کہیں منگوایا تھا۔ اب تک میں سکون سے تھا لیکن یہ جاننے کے بعد کہ مجھے چترال سے آگے کہیں بھیجا جا رہا ہے میں فکر مند ہو گیا تھا۔ مجھے اب کچھ کرنا تھا۔ اگر اس معاملے میں ڈیوڈ شاطیوٹ تھا تب بھی مجھے ملک سے باہر بلوانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ مجھ سے پاکستان میں ملاقات کر سکتا تھا کیونکہ وطنِ عزیز آج کل پاکستانیوں کا کم اور ان گوروں کا زیادہ ہو گیا ہے جو دو سو سال سے ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ یہاں ان کو وہ سہولتیں حاصل ہیں جو خود اپنے ملکوں میں بھی نہیں حاصل ہیں۔

مگر میں نہتا تھا اور میرے تینوں دشمن پوری طرح مسلح تھے۔ منکیر نکیر کے پاس مہلک شاٹ گنیں تھیں جب کہ کرنل کے پاس بھی سروس پستول دکھائی دے رہا تھا۔ کرنل کا انداز بہت پُرسکون اور دھیما تھا لیکن مجھے یقین تھا اندر سے وہ بھی پوری طرح چوکنا تھا۔ اس کے آدمیوں کے بارے میں مجھے شک نہیں تھا کہ وہ کسی بھی حرکت کے نتیجے میں وہ مجھے شوٹ کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ صرف ایک خیال امید افزا تھا کہ انہیں مجھ کو گرفتار کر کے کہیں پہنچانا تھا اور ظاہر ہے زندہ پہنچانا تھا مجھے مارنے کے لیے کسی کو اتنا تردد کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے یہ خیال بھی تھا کہ وہ مجھے مارنے سے ہر ممکن گریز کریں گے۔

کرنل زریسکی اپنی نشست پر کسی قدر آرام سے پھیل کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے دونوں آدمی کچھ دیر تو کھڑے رہے پھر وہ بھی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے اور انہوں نے شاٹ گنیں اپنے پاس زمین پر رکھ لی تھیں۔ مجھے ان کے انداز پر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ کرنل سمیت وہ تینوں اچانک ہی ریلیکس نظر آنے لگے تھے۔ مجھے لگا جیسے قدرت نے مجھے یہ موقع دیا ہے۔ اگر میں کرنل پر قابو پا لیتا اور اس سے پستول چھین کر اسے یرغمال بنا لیتا تو اس کے آدمی یقیناً ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتے۔ میں نامحسوس طریقے سے اپنے جسم کو اس پوزیشن میں لانے لگا کہ ایک ہی جست میں کرنل پر جا پڑوں جو مجھ سے کوئی چوفٹ کی دوری پر تھا۔ ایک بار اس پر گرنے کے بعد اس کے آدمی مجھ پر گولی چلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اس صورت میں کرنل کو بھی گولی لگنے کا پورا امکان تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کے آدمی پاس آتے میں کرنل کو ناک آؤٹ کر کے اس کا پستول حاصل کر سکتا تھا۔

لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ کرنل میری توقع سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوتا وہ خود ہی میرا حملہ بچا لیتا اور خود ہی مجھے ناک آؤٹ کر دیتا۔ اپنے انداز سے وہ کوئی کمانڈو قسم کی چیز لگتا تھا اور عین ممکن تھا فوج میں وہ اسپیشل گروپ میں ہو۔ اگر وہ مجھ پر قابو پا لیتا تب بھی اس کا امکان کم تھا کہ وہ مجھے شوٹ کر دے گا۔ ہاں وہ مجھے بے ہوش کر کے یا بس کر کے رکھ سکتا تھا۔ سارے امکانات ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے چانس لینے کا فیصلہ کیا اور اچانک ہی کرنل پر چھلانگ لگائی لیکن اس کے بعد جو ہوا وہ میں ساری عمر فراموش نہیں کر سکوں گا۔ بظاہر تو میں نے چیتے کی طرح چھلانگ لگائی تھی اور مجھے یقین تھا کہ میں کرنل پر اس کی بے خبری میں لینڈ کروں گا مگر ہوا یہ کہ میں کچھوے کی سی سستی سے کرسی سے اٹھا۔ یہ بالکل ایسا سین تھا جیسے کرکٹ میچ میں الٹرا سلو موشن میں دکھاتے ہیں۔ میرا جسم سست روی سے میرا ساتھ دے رہا تھا جب کہ میرا ذہن اس سے کہیں آگے تھا۔ میرے خیال میں مجھے سیکنڈ کے ایک تہائی حصے میں کرنل پر جا گرنا تھا لیکن میں تیسرے سیکنڈ میں کرسی سے کھڑے ہونے کے بعد ڈگ مگا رہا تھا جیسے سوچ رہا ہوں کہ آگے گروں یا پیچھے۔ میرا جسم کسی شرابی کی طرح ڈول رہا تھا۔ جب کہ ذہن پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح چاک و چوبند تھا۔

بالآخر میں منہ کے بل سامنے گرا اور میرے سر سے ذرا آگے کرنل کے پاؤں تھے۔ ہاتھ بروقت آگے کر لینے سے میرا منہ ناک ایک ہونے سے بچ گئے تھے۔ اگر کوئی اس وقت دیکھتا تو اسے لگتا جیسے میں کرنل کے قدموں میں گر رہا ہوں۔ جب کہ حقیقت یہ نہیں تھی میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟ میں اس طرح سُست کیوں ہو گیا ہوں؟ کیا پھر کھانے میں مجھے بے ہوشی کی دوا دے دی گئی تھی اور اس کا اثر اب ہو رہا تھا۔ میں نے اٹھنا چاہا تو میرا خیال تھا کہ اب مجھ سے اٹھا بھی نہیں جائے گا اور میں یہیں پڑے پڑے بے ہوش ہو جاؤں گا۔ مگر میں اٹھ گیا۔ مشکل نہیں ہوئی مگر انداز وہی تھا الٹرا سلوموشن والا۔ اسی طرح دھیرے سے میں کھڑا بھی ہو گیا اور مجھے نہ تو مشکل ہوئی اور نہ ہی کسی ناتوانی کا احساس ہوا۔ مجھے چکر بھی نہیں آ رہے تھے اور میں پہلے بھی اس وجہ سے گرا تھا کہ میں نے جسم کے ردِعمل سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی تھی۔ اب میں اس سلوموشن کا عادی ہو رہا تھا اس لیے با آسانی اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

کرنل بالکل میرے سامنے کرسی پر اسی طرح آرام سے بیٹھا تھا اور مجھے کسی قدر تمسخرانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جواب میں اٹھنے یا کچھ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور میں نے بھی دوبارہ کچھ کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ میں سمجھ گیا تھا میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے البتہ یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ گڑبڑ کیا ہوئی ہے۔ میں پیچھے ہوا میرے قدم اسی طرح سُست روی سے اٹھ رہے تھے۔ چند قدم پیچھے ہٹ کر میں دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا اور کرنل کی طرف دیکھا۔ ''یہ سب کیا ہے؟''

میرا خیال تھا کہ میرے منہ سے الفاظ بھی سُست روی سے یا ٹوٹ ٹوٹ کر نکلیں گے۔ مگر بولنے میں بالکل ٹھیک تھا۔ کرنل نے آرام سے جواب دیا۔ ''ایک دوا کا معمولی سا ڈوز ہے۔ یہ دوا جسم پر کوئی منفی اثر نہیں ڈالتی ہے سوائے اس کے کہ دماغ کے حکامات کی رفتار سُست کر دیتی ہے۔ یہ جسم کے متعلقہ حصوں تک سُستی سے پہنچتے ہیں اور نتیجے میں جسم سُست ردِعمل دیتا ہے۔ جیسا کہ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔''

کرنل نے نہایت چالاکی سے کام لیا تھا اس نے مجھے سلانے کے بجائے یہ حربہ استعمال کیا تھا۔ اس کا تعلق دنیا کی ایک بڑی فوج سے رہا تھا اور فوج کے خصوصی شعبوں میں اس قسم کی دواؤں کا استعمال اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔ حد یہ کہ انسانی حقوق کے نام نہاد چیمپئن بھی اپنی فوج پر خصوصی دواؤں کے تجربے کرتے رہے ہیں۔ کرنل نے ایک ایسی ہی دوا کا استعمال مجھ پر کیا تھا۔ شاید آج کسی وقت بھی میری منتقلی عمل میں آ سکتی تھی اس لیے اس نے سلانے کے بجائے مجھے یوں بے بس کر دیا۔ اب ایک آدمی خالی ہاتھ سے بھی با آسانی مجھے قابو کر سکتا تھا۔ اسلحے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں نے کرنل سے پوچھا نہیں کہ اس دوا کا اثر کتنی دیر رہے گا۔ اس کا اندازہ مجھے خود ہو جاتا جب میرا جسم میرے قابو میں آ جاتا۔ لاؤنج میں مجھے وہ ریڈیو نظر نہیں آیا تھا جس پر کرنل نے کسی سے بات کی تھی۔

''جب تمہارے پاس ان جیسے تربیت یافتہ آدمی ہیں تو تم نے فتح خان یا نادر علی کی مدد کیوں حاصل کی؟'' میں نے منکیر نکیر کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چونکا۔ ''نادر علی یہ کون ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار میں چونکا۔ ''تم نادر علی کو نہیں جانتے مرشد علی کا بھائی۔''

''میں مرشد کو جانتا ہوں اس کے بھائی کا نام پہلی بار سنا ہے لیکن تمہارے اغوا میں وہ کہاں سے آ گیا؟''

''یہ تمہارے گرگے جانتے ہیں جہاں مجھے رکھا گیا تھا وہاں نادر علی مجھ سے ملنے آیا تھا۔ یہی دونوں اس کو گارڈ کر رہے تھے۔''

کرنل نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تو ان میں سے ایک نے کہا۔ ''ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے تم نے ہماری کمان فتح خان کے ہاتھ میں دی تھی ہم اس کے کہنے پر عمل کر رہے تھے۔''

''تم اس وہیل چیئر والے کو نہیں جانتے؟'' میں نے کہا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''فتح خان نے کہا تھا وہ تم سے بات کرے گا اور ہمیں اس کی حفاظت کرنی ہے وہ باہر سے آیا تھا اور تم سے مل کر چلا گیا۔''

کرنل کی پیشانی کی شکنیں بتا رہی تھیں کہ یہ بات اس کی توقع کے خلاف تھی۔ شاید اس نے فتح خان کی خدمات حاصل کی تھیں اور فتح خان نے اس کے علم میں لائے بغیر نادر علی کو مجھ سے ملاقات کا موقع دیا۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ وہ اتنا بے بس کیوں تھا اور پاگل کتے کی طرح غرانے اور بھونکنے کے بجائے شرافت سے کیوں بات کر رہا تھا۔ ظاہر ہے فتح خان نے اسے مجھ سے صرف ملاقات کی اجازت دی تھی۔ وہ مجھے انگلی لگانے کا مجاز بھی نہیں تھا۔ کرنل خاموش تھا میں اس کا جائزہ لے رہا تھا میں نے اچانک کہا۔

''کرنل مہرو کہاں ہے؟''

وہ چونکا۔ ''تمہیں اس سے کیا کہ وہ کہاں ہے؟''

''میرا مطلب ہے اب وہ راجا کے محل میں تو نہیں ہو گی؟''

''ظاہر اب اس کا وہاں کیا کام؟''

''گویا وہ پوری طرح تمہارے ساتھ مل گئی ہے۔''

''وہ میری بیوی ہے اور اسے میرے ساتھ ہی ہونا ہے۔'' کرنل نے بات ختم کرنے کے انداز میں کہا لیکن اس کی بات نے میرے اندر ایک نئی سوچ کا دروازہ کھول دیا تھا۔ مہرو راجا عمر دراز کے محل میں نہیں تھی۔ فتح خان کے سابق ٹھکانے کی طرف جاتے ہوئے میں نے خانہ بدوشوں کے درمیان جس عورت کی جھلک دیکھی تھی کیا وہ مہرو ہی تھی اور کسی خاص وجہ سے وہاں موجود تھی۔ فتح خان اور کرنل کے گٹھ جوڑ کے بعد مجھے اب سب کچھ ممکن نظر آ رہا تھا۔ کرنل نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ ''تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''وہ کچھ دن میرے ساتھ رہی ہے اور میں نے اس کی جان بچائی تھی اس لیے پوچھ لیا ورنہ تمہاری بیوی سے مجھے کیا سروکار۔''

وہ مطمئن ہو گیا۔ کیبن کے باہر موسم بدستور سرمئی اور سرد تھا ہوائیں برف کے ٹکڑے اڑا کر کھڑکی کے شیشوں سے ٹکراتے تو ان کی شدت کا اندازہ ہوتا تھا۔ فی الحال موسم میں بہتری کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے اور اس لیے میری روانگی کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ کرنل نے چالاکی سے کام لیا تھا اس نے مجھے معمولی گرم کپڑوں میں رکھا تھا جو کیبن کی حد تک گزارے کے قابل تھے لیکن اگر میں کیبن سے نکل جاتا تو چند گھنٹوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سردی مجھے منجمد کر دیتی اور میں دنیا سے مفرور ہو جاتا۔ یہ اس کی ایک احتیاطی تدبیر تھی ورنہ آدمی فرار ہونے کا ارادہ کر لے تو دنیا کوئی جیل اسے نہیں روک سکتی تھی۔ اس لیے کرنل نے صرف اسی پر بھروسہ نہیں کیا اس نے مجھے ناکارہ بنانے کے لیے دوا بھی استعمال کی اور اب میں صحیح معنوں میں اس کا قیدی بن کر رہ گیا تھا۔ ریڈیو کی کھڑکھڑاہٹ ایک بار پھر سنائی دی۔ ''ہیئر ڈو یو ریڈ می اوور۔''

اس بار میں نے اندازہ کر لیا کہ ریڈیو ایک طرف رکھے ریک کے پیچھے تھا۔ کرنل نے اٹھ کر ریک سرکایا اور مائک اٹھا کر اس کا بٹن دبایا۔ ''یس ہیئر از ہیرا وور۔''

''آدھے گھنٹے بعد پرندہ اڑے گا اور آدھے گھنٹے بعد تمہارے پاس ہوگا اوور۔''

کرنل نے مڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ''موسم ٹھیک نہیں ہے اوور۔''

''موسم دوپہر کے بعد مزید خراب ہوگا اس لیے پارسل کی منتقلی کا فیصلہ کر لیا گیا ہے اوور۔''

کرنل نے سوچا اور شانے اچکائے۔ ''اوکے.....اوور اینڈ آل۔''

مجھے گفتگو کے دوران ریڈیو کی جھلک دکھائی دی تھی۔ یہ فوجی نوعیت کا طویل فاصلوں اور ہر موسم میں کام کرنے والا ریڈیو تھا۔ دوسری طرف سے ہیلی کاپٹر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور کرنل کو سنا دیا گیا تھا اگرچہ وہ اس کے حق میں نہیں تھا مگر دوسری طرف اس کے بھی آقا تھے اس لیے وہ ان کے فیصلوں کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے موسم کی خرابی کے باوجود مجھے لانے کے لیے ہیلی کاپٹر بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آخر وہ کون تھا اور میرے لیے اتنا بے تاب کیوں تھا؟ کرنل زریسکی نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ''جا کر چوپر کے لیے جگہ تیار کرو۔''

انہوں نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور خاموشی سے باہر نکل گئے تھے۔ کرنل میرا دشمن نہیں تھا وہ ایک پروفیشنل تھا۔ جو کام لیتا اسے بہترین طریقے سے انجام دیتا تھا۔ اسے مجھے کہیں پہنچانے کا ٹاسک دیا گیا تھا اور اس نے یہ کام تقریباً کر لیا تھا۔ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں کتنا خطرناک آدمی تھا لیکن ساتھ ہی اسے معلوم تھا میں خودکشی نہیں کر سکتا تھا۔ میں آخر تک لڑنے اور کبھی ہمت نہ ہارنے والا انسان تھا۔ اس لیے اس نے مجھے قابو میں رکھنے کی بہترین حکمتِ عملی اپنائی تھی۔ اس نے کسی بھی مرحلے پر مجھے ڈی گریڈ کرنے کی کوشش نہیں کی نہ ہی میرے ساتھ کوئی برا سلوک کیا۔ میرے دوسرے دشمنوں کے مقابلے میں اس کا رویہ خاصا بہتر تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ مجھے کسی قسم کی رعایت دیتا اگر میں فرار کی کوشش کرتا تو وہ بے دریغ اپنے ہتھیار استعمال کرتا اور اگر میں اس کے ہاتھ سے نکلنے لگتا تو وہ مجھے شوٹ کر دیتا۔ مجھے وسیم اور اس کے آدمیوں کی فکر ہو رہی تھی۔ ''میرے ساتھ تین افراد اور تھے ان کو بھی اغوا کیا گیا ہے؟''

''ان کے بارے میں فتح خان بہتر جانتا ہوگا میں نے صرف تمہیں لانے کو کہا تھا اس نے تمہارے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا ہے میں اس سے بے خبر ہوں۔''

وسیم اور اس کے آدمیوں کا فتح خان کے پاس بھی کوئی مصرف نہیں تھا اس لیے امکان یہی تھا کہ اس نے انہیں قید میں رکھنے یا مار ڈالنے کے بجائے چھوڑ دیا ہوگا۔ دوسری صورت میں اسے معلوم تھا وہ کہیں بھی چین سے نہیں بیٹھ سکے گا میرے ساتھی ایک انتقامی جذبے کے ساتھ اس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ گیس کا شکار ہونے سے پہلے میں نے عبداللہ کو بتا دیا تھا کہ یہ فتح خان کا کام ہے اس لیے میرے ساتھی اب بھی اس کے پیچھے ہوں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لیے فتح خان کوئی ایسا کام نہیں کرسکتا تھا کہ ایک بار میرے یا میرے ساتھیوں کے ہاتھ آنے کے بعد اس کی گلوخلاصی ناممکن ہو جائے۔ دوسری صورت میں ایک دوسرے کو رعایتیں دیتے رہتے تھے۔

''تمہارا فتح خان سے رابطہ کیسے ہوا؟''

''میرا اس سے براہِ راست رابطہ نہیں ہے بلکہ مجھے بتایا گیا کہ وہ تمہیں اغوا کرنے کا کام کرے گا اور اس کے بعد میرے آدمیوں کے حوالے کردے گا۔'' کرنل نے ایک بار پھر دامن بچانے والے انداز میں کہا جب کہ مجھے یقین تھا وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

''پھر بھی تم نے اپنے آدمیوں کو اس کے پاس بھیجا ہوگا تو اس سے رابطہ کیا ہوگا؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے اوپر والوں نے تمام معاملات طے کر دیئے تھے۔ میرے آدمی گئے اور تمہیں یہاں لے آئے۔''

اس سے گفتگو کے دوران میں غور بھی کرتا جا رہا تھا۔ ''جہاں مجھے لے جایا جا رہا ہے کیا تم بھی چلو گے؟''

''نہیں۔'' اس نے کسی قدر بے دھیانی سے کہا۔ ''مجھے واپس جانا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے یک دم اٹھ گیا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور میری طرف دیکھا۔ ''تیار ہو جاؤ چوپر آ گیا ہے۔''

بند کیبن میں باہر کی آوازوں کا پتا نہیں چل رہا تھا اس نے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو تیز ہوا کے ساتھ واضح طور پر ہیلی کاپٹر کا شور بھی اندر تک آیا تھا۔ جب وہ دروازہ بند کر کے پلٹا تو میں کرسی پر واپس بیٹھ رہا تھا۔ اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''کیا ارادہ ہے؟''

''ارادہ تو یہ ہے کہ آتش دان کی سلاخ تمہارے سر پر رسید کروں لیکن افسوس جتنی دیر میں یہ کام کروں گا تم مجھے اس دوران میں چار بار ناک آؤٹ کر چکے ہو گے اور میں ناک آؤٹ ہونا نہیں چاہتا اس لیے دوبارہ بیٹھ گیا۔''

اس کا شک ختم ہو گیا اور وہ مسکرایا۔ ''تم عقل مند آدمی ہو۔''

کرنل نے فائبر اور اسٹیل کی بنی ہوئی ہلکی لیکن نہایت مضبوط قسم کی ہتھکڑی نکالی۔ یہ اصل میں ہاتھوں اور پیروں کو بیک وقت جکڑنے والی ہتھکڑی تھی جس میں ایک نائلون جیسے ریشے سے بنی رسی بھی تھی۔ اس میں جکڑے جانے کے بعد آدمی نہ تو ایک حد سے زیادہ قدم اٹھا کر چل سکتا تھا نہ ہاتھ اوپر اٹھا سکتا اور ہی دونوں ہاتھ الگ الگ استعمال کر سکتا تھا۔ مزاحمت کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے میں نے بلا چوں چرا ہتھکڑی پہن لی۔ کرنل نے مجھے کھینچ کر کھڑا کیا اور کھینچ کر ہی باہر لے جانے لگا۔ باہر نکلتے ہی قیامت خیز ہواؤں اور سردی نے استقبال کیا تھا۔ کیبن سے ذرا نیچے ایک کھلی جگہ ہیلی کاپٹر کھڑا تھا اور اس کے پنکھے بدستور حرکت میں تھے۔ پائلٹ سیٹ پر ایک آدمی موجود تھا جب کہ دوسرا پچھلا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ کرنل کے دونوں آدمی بھی اس کے پاس تھے۔ میں بمشکل قدم اٹھاتا ہوا ہیلی کاپٹر تک پہنچا تھا ایک تو ویسے ہی میرے ریفلکسز سُست ہو رہے تھے پھر پاؤں بندھے ہونے کی وجہ سے میں ایک فٹ سے زیادہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

ہیلی کاپٹر چھوٹا تھا اس میں آگے پیچھے چار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ کرنل نے مجھے پچھلے حصے میں دھکیل دیا۔ یہاں بس دو افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ انجن کا شور کان کے پردے پھاڑ رہا تھا اس لیے گفتگو کا سوال ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیدا نہیں ہوتا تھا کہ قتل دوسرے آدمی کو کچھ کہنے کے لیے ہیلی کاپٹر سے ذرا دور لے گیا تھا۔ ہوائیں ویسے ہی کم نہیں تھیں اوپر سے ہیلی کاپٹر کے پنکھے نے ان میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ یہ میرے معمولی کپڑوں اور گوشت سے گزر کر جیسے ہڈیوں میں پیوست ہو رہی تھی۔ پائلٹ نے سر گھما کر دیکھا تو مجھے اس کی صورت صاف دکھائی دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دوسرا فرد بھی آ گیا جو ہیلی کاپٹر کے ساتھ آیا تھا اور شاید اسے بھی ساتھ ہی جانا تھا۔

وہ پستہ قد لیکن بہت گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ اس نے اوپر ایسی جیکٹ پہن رکھی تھی جس میں فر والا ہڈ بھی تھا اور اس قسم کی جیکٹ عام طور سے بہت سرد علاقوں میں رہنے والے اسکیموز پہنتے ہیں۔ ہڈ میں اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی سلائیڈنگ ڈور کھینچ کر بند کر دیا اور یک لخت اندر ہیلی کاپٹر کے شور میں بہت کمی آ گئی تھی۔ اس کا کیبن یقیناً پریشرائزڈ تھا۔ دروازہ بند کرتے ہی اندر کا درجہ حرارت بھی تیزی سے اوپر گیا تھا اور ایک منٹ سے بھی پہلے یہ صفر سے اوپر جا چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر ہوا میں بلند ہوا اور ایک طرف پرواز کر گیا۔ میرے ساتھ بیٹھے آدمی نے ہڈ پیچھے کیا اور میری طرف دیکھا تو پائلٹ کو دیکھ کر مجھے جو شک ہوا تھا وہ اسے دیکھ کر یقین میں بدلنے لگا۔

''تم انڈین ہو؟''

وہ مسکرایا تو اس کے سیاہ رنگ پر سفید دانت بہت نمایاں نظر آئے تھے وہ اور پائلٹ دونوں ساؤتھ انڈیا سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا انداز اور گٹھا ہوا جسم بتا رہا تھا کہ ان کا تعلق فوج سے یا ایسے ہی کسی ادارے سے تھا۔ وہ بولا۔ ''تم نے ٹھیک پہچانا شہباز ملک۔''

میرے لیے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ دشمن ملک کے یہ دو افراد ایک ہیلی کاپٹر میں دندناتے ہوئے میرے ملک کی سرحد میں داخل ہوئے اور نہایت آرام سے مجھے اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ بے شک یہ علاقہ سرحد کے نہایت نزدیک تھا مگر کیا ہمارے فضائی محافظ اس سرحد کی نگرانی نہیں کر رہے تھے۔ وہ میرے تاثرات سے بھانپ گیا تھا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ ''تم حیران ہو کہ ہم یہاں کیسے آئے؟''

''ہاں۔''

''کوئی مشکل کام نہیں ہے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''تمہارے محافظ آج کل دوسروں کے لیے خدمات دینے میں مصروف ہیں اور ان کے پاس ان معمولی کاموں کے لیے وقت نہیں ہے۔ ملک اور سرحدوں کی حفاظت کرنا یہ سب غیر اہم.....''

''تم بے کار کی باتیں کر رہے ہو۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ مجھے کیوں اغوا کرایا ہے؟''

''تمہیں اس کا جلد پتا چل جائے گا۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''تمہاری تلاش میں ہم نے بہت وقت اور پیسہ ضائع کیا ہے۔''

سچی بات ہے کہ میرا خون خشک ہو گیا تھا۔ جب میں انڈیا میں تھا اور میں نے وہاں جو کارہائے نمایاں اور غیر نمایاں انجام دیئے تھے۔ ان کو مدِنظر رکھتے ہوئے بھارتی سرکار کا میرے پیچھے پڑنا لازمی بات تھی یہی وجہ تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب تک میں بھارتی سرزمین پر رہا میں نے گرفتار ہونے کی کوشش نہیں کی اور اگر دوسری طرف سے ایسی کوئی کوشش کی گئی تو میں نے جان پر کھیل کر اسے ناکام بنا دیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک بار بھارتیوں کے ہتھے چڑھ گیا تو میری گلوخلاصی مشکل ہو گی لیکن جب میں وہاں سے نکلا اور اس بات کو خاصا عرصہ گزر گیا تو میرے ذہن سے بھی بھارتی خطرہ محو ہو گیا۔ میں نے ایک طرح سے انہیں اپنے دشمنوں کی فہرست سے خارج کر دیا تھا یہ سوچ کر کہ رات گئی اور بات گئی والی بات ہوئی ہے۔ مگر بھارتی بھولے نہیں تھے وہ مجھے تلاش کر رہے تھے اور انہوں نے مجھے تلاش کر لیا تھا۔

درحقیقت مجھے تلاش کرنا کوئی بہت دشوار کام نہیں تھا۔ میں بھارت میں جتنے عرصے رہا اور پھر جا بہ جا دکھائی دیا اس کے بعد میری شناخت کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہا تھا۔ مشکل کام مجھے تلاش کرنا تھا۔ یہ کام انہوں نے ان لوگوں سے لیا جو مجھے اچھی طرح جانتے تھے اور مجھے تلاش کر سکتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے کر لیا۔ اب بھارتی مجھے کشاں کشاں لیے جا رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہے تھے۔ سوویت یونین کے خاتمے سینٹرل ایشیا کے مسلم ممالک کی بظاہر آزادی کے باوجود وہاں آج بھی روس کا راج تھا اور اس کی مرضی کے بغیر یہ ممالک نہ تو کوئی بڑا فیصلہ کر سکتے تھے اور نہ ہی کوئی پالیسی بنا سکتے تھے۔ درحقیقت روس نے وہاں اپنے پٹھو حکمران بٹھا دیے تھے جیسے انگریز اس خطے سے جاتے ہوئے حکومت اپنے مہروں کو سونپ گیا تھا۔

روسی آشیر باد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے سینٹرل ایشیا میں اپنے کئی فوجی اڈے قائم کر لیے تھے۔ ان اڈوں کو مکمل طور پر بھارتی حکومت چلاتی تھی اور وہاں سارا عملہ بھارتی ہوتا تھا۔ مجھے ایسے ہی کسی اڈے کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر پہاڑوں کے درمیان پرواز کر رہا تھا اور پائلٹ دانستہ کوشش کر رہا تھا کہ اسے بلند ہونے سے بچائے حالانکہ پہاڑوں کے درمیان بعض اوقات ہوائیں بے قابو رفتار سے چلتی ہیں اور راہ میں آنے والی ہر چیز کو خس و خاشاک کی طرح اڑا لے جاتی ہیں۔ موسم ویسے ہی اچھا نہیں تھا اس موسم میں بھارتیوں کا خطرہ مول لے کر یہاں آنا بتاتا تھا کہ وہ میرے لیے کس قدر بے تاب تھے۔ میں مکمل طور پر کرنل زریسکی کے قابو میں تھا اس کے باوجود انہوں نے موسم بہتر ہونے تک کا انتظار نہیں کیا۔

''تم بنئے کسی پر اپنا وقت اور پیسہ ضائع نہیں کرتے ہو۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن تم ایک ایسی شخصیت ہو جس کے لیے ہم منہ مانگی رقم دینے کو تیار تھے۔''

میں ہنسا۔ ''میں خود کو اتنا اہم نہیں سمجھتا۔''

''ہاں تم اہم نہیں ہو لیکن ہم تمہیں اہم بنا دیں گے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''تمہارے ملک میں رہنے والے بہت سارے عام سے لوگوں کو ہم نے بہت اہم بنا دیا ہے۔''

اس کا انداز خطرے کی گھنٹی تھی۔ میرا خیال تھا کہ مجھے اغوا کرانے والا ڈیوڈ شا ہو گا۔ جیسے جنگل میں جانے والا شیر یا چیتے کے خطرے کے بارے میں سوچے اور اچانک ہی اسے لکڑ بھگوں کا گروہ گھیر لے جو شیر یا چیتے سے کہیں زیادہ سفاک اور خطرناک درندہ ہے۔ یہ اگر اکیلا شیروں کے ہاتھ لگ جائے تو یوں چیخ و پکار کرتا ہے جیسے اس سے زیادہ مظلوم دنیا میں کوئی نہیں ہے لیکن جب گروہ کی صورت میں ہو اور کوئی اکیلا جانور ان کے ہاتھ آ جائے تو یہ اپنی اصلیت پر آ جاتے ہیں اس وقت ان کی سفاکی دیکھنے والی ہوتی ہے۔ اسی طرح میں بھارتیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور ان کی اصلیت مجھے پہلے ہی معلوم تھی۔ کیا یہ مجھے بھارت لے کر سزا دینا چاہتے تھے یا مجھ سے کچھ اور مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ بھارتی نیتاؤں نے روزِ اول سے پاکستان کا وجود دل سے تسلیم نہیں کیا اور ان کی پہلی اور آخری سوچ پاکستان کا خاتمہ ہے۔ اسے نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ہیں۔ آج کل وہ یوں شیر ہو رہے ہیں کہ امریکہ نے سوویت یونین کے خاتمے کے بعد بھارت کو بھی گود لے لیا ہے اور وہ اس خطے میں وہی رول ادا کرنے کی تیاری کر رہا ہے جو اسرائیل مشرق وسطیٰ میں کرتا ہے۔ اس کا پہلا ہدف پاکستان ہے اور اسے چاروں طرف سے گھیرنے کے لیے بھارت نے آس پاس کے ملکوں میں اپنے کئی فوجی اڈے قائم کر لیے ہیں۔ مجھے یقیناً ایسے ہی کسی اڈے کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

مجھے لے جانے والا مجھ سے واقف تھا یعنی وہ کوئی اہم افسر تھا۔ میں ان کے لیے اتنا اہم تھا کہ انہوں نے عام آدمیوں کے بجائے اسے بھیجا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ پھر میں دوا سے زیر تھا اس لیے جسمانی ردِعمل سست تھا اور میں کسی ایڈونچر کے لائق نہیں تھا۔ یعنی فرار کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اپنا جسمانی ردِعمل جاننے کے لیے میں مستقل اپنی شہادت کی انگلی کو تیزی سے حرکت دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقریباً ہر منٹ بعد میں یہ مشق دو ہزار بار کرتا تھا۔ مجھے ناشتہ کیے ہوئے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس دوا کا اثر مزید کتنی دیر قائم رہتا یہ میں کہہ نہیں سکتا تھا۔ مگر ہیلی کاپٹر میں بیٹھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرے جسمانی ردِعمل میں بہتری آ رہی تھی۔ اگر آنے والے نصف گھنٹے میں اپنے جسم پر اسّی فیصد قابو پا لوں تو میں کچھ کر سکتا تھا۔

ہیلی کاپٹر جن پہاڑوں سے گزر رہا تھا ان پر برف ہی برف تھی۔ میرا خیال تھا ہم پاکستان کی سرحد عبور کر کے افغانستان میں داخل ہو گئے تھے۔ کیونکہ کرنل جس کیبن میں تھا وہ سرحد کے پاس ہی ہوگا۔ بھارتی اتنے دلیر نہیں تھے کہ میرے ملک کی سرحدوں میں ایک حد سے زیادہ درانہ وار گھس آتے۔ وہ مجھے لے کر دس منٹ سے بھی پہلے سرحد کے دوسری طرف جا چکے تھے۔ اب ہیلی کاپٹر بلندی پر آ گیا تھا اور زیادہ تیز رفتاری سے پرواز کر رہا تھا۔ یہ نیم فوجی ساخت کا ہیلی کاپٹر تھا جو بلندی پر تیز رفتاری سے اڑنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ اس میں اسلحے کی گنجائش نہیں تھی یعنی یہ نہتا تھا اور معمولی سا گن شپ بھی اسے مار گرا سکتا تھا۔ اس لیے بھارتیوں کی کوشش تھی کہ جلد از جلد پاکستان کی فضائی حدود سے نکل جائیں۔

سطح مرتفع پامیر کا شمار دنیا کے بلند ترین علاقوں میں ہوتا ہے۔ پاکستان، افغانستان اور چین کی سرحدوں پر پھیلے اس وسیع سطح مرتفع کو دنیا کی چھت بھی کہتے ہیں۔ نہایت بلند اور سرد ہونے کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا بالکل مختلف ہے۔ اس میں جانوروں اور نباتات کی مختلف اقسام ہوتی ہیں جو دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آتی ہیں۔ بہت بلندی کی وجہ سے یہاں عام پائے جانے والے پودے اور جاندار دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ سال کے چھ سے آٹھ مہینے برف جمی رہتی ہے اور بعض جگہوں پر تو سارے سال ہی برف ہوتی ہے۔ موسم کی شدت کی وجہ سے پامیر میں مستقل آبادیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ چین نے مخصوص مقاصد کے تحت اپنے علاقے میں کچھ شہر بسائے ہیں لیکن افغانستان اور پاکستان میں ایسی کوئی آبادی نہیں ملتی ہے۔ یہاں صرف خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ جو سارے سال بلندیوں سے پستیوں کے درمیان سفر کرتے رہتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ دیر بعد ہیلی کاپٹر کی بلندی کم ہونے لگی کیونکہ اونچی پہاڑیاں ختم ہوگئی تھیں اور اب ہلکا پہاڑی علاقہ شروع ہوگیا تھا۔ میں جہاں بیٹھا تھا یہاں سے ہیلی کاپٹر کا فلائنگ پینل صاف دکھائی دے رہا تھا۔ آلٹی میٹر تین ہزار میٹرز کی بلندی ظاہر کر رہا تھا اور بتدریج اس میں کمی آتی جا رہی تھی۔ جہاں سے ہیلی کاپٹر وادیوں سے بلند ہوا تھا وہاں سے افغانستان شروع ہوگیا تھا اور ان لوگوں کو دیکھ لیے جانے اور گرائے جانے کا خطرہ نہیں رہا تھا۔ جب بلندی کم ہونے لگی تو میرے خیال میں واخان کا حصہ بھی گزر گیا تھا اور اب آگے میدان آنے والے تھے۔ ہیلی کاپٹر تاجکستان میں داخل ہو چکا تھا کیونکہ اس سے آگے یہی ملک پڑتا تھا۔

دس منٹ بعد پہاڑی علاقہ ختم ہوگیا تھا اور نیچے اب ناہموار میدان تھا۔ ہم یقینی طور پر تاجکستان یا شمالی افغانستان میں تھے۔ پھر ہیلی کاپٹر کی بلندی تیزی سے کم ہونے لگی اور ذرا دیر بعد ہیلی کاپٹر ایک چھوٹی سی ایئر فیلڈ پر اتر رہا تھا۔ یہ کوئی عارضی اور ہنگامی حالات میں کام آنے والی ایئر فیلڈ تھی کیونکہ یہاں نہ تو کوئی خاص تنصیبات تھیں اور نہ ہی لوگوں کی سرگرمی دکھائی دے رہی تھی۔ پائلٹ ہیلی کاپٹر کا انجن بند کر کے نیچے اتر گیا۔ میں نے ساتھ بیٹھے بھارتی سے پوچھا۔ ''یہاں کیوں رکے ہیں؟''

''فیول لینا ہے ابھی مزید سفر کرنا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اگر تم فرار کا سوچ رہے ہو تو تم کہیں نہیں جا سکتے۔''

روانگی کے وقت سے میری جسمانی حالت میں بہتری آئی تھی یعنی دوا کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ جس وقت یہ ہیلی کاپٹر کرنل زریسکی کے کیبن کے باہر آ کر اترا تھا اور وہ اسے دیکھنے گیا تھا تو میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کرنل کا فرش میں گرا ہوا چاقو نکال کر جیب میں رکھ لیا تھا اور واپس بیٹھ رہا تھا کہ اس نے دیکھ لیا مگر اس نے شک نہیں کیا چاقو اس کے ذہن سے نکل گیا تھا ورنہ وہ میری تلاشی لے سکتا تھا۔ اگر میری جسمانی حالت بہتر ہوتی تو میں ہیلی کاپٹر کے روانہ ہوتے ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا کم سے کم اپنے نگران کو مار سکتا تھا اس کے بعد اس سے ہتھیار حاصل کر کے پائلٹ کو قابو کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مگر اس وقت میں اس قابل نہیں تھا کہ چاقو کو مؤثر طریقے سے استعمال کر سکوں لیکن دوسری طرف خطرہ یہ تھا کہ ایک بار میں ان بھارتیوں کے اڈے پر پہنچ جاتا تو وہاں کچھ کرنے کے قابل ہی نہ رہتا۔ اب میری حالت بہتر تھی۔ یہ کہنا دشوار تھا کہ میرا جسم کس قدر میرے قابو میں آ گیا تھا یہ تو جب میں کوشش کرتا تب ہی پتا چلتا۔ میں نے ہاتھ یوں ٹراؤزر کی جیبوں میں ڈال رکھے تھے جیسے انہیں سردی سے بچانا چاہ رہا ہوں لیکن میرے دائیں ہاتھ میں چاقو تھا۔ اس کا بلیڈ چار انچ سے زیادہ لمبا نہیں تھا لیکن یہ نہایت تیز اور خطرناک چاقو تھا۔

''برڈون..... برڈون ڈو یو ریڈی۔'' اچانک ہی ہیلی کاپٹر کے ریڈیو سے آواز آئی۔ انجن بند تھا اس لیے آواز نہایت واضح تھی۔ ''برڈون اگر تم سن رہے ہو تو جواب دو..... برڈون ڈو یو ریڈی.....''

میرے ساتھ بیٹھے بھارتی نے جو میری نگرانی کر رہا تھا چونک کر آگے دیکھا اور وہ ذرا آگے کھسکا تھا۔ یہاں جگہ محدود تھی اور وہ میرے پاس آ گیا۔ میرا ہاتھ جیب سے باہر آیا اور اس میں دبا چاقو اس کے بائیں پہلو کی طرف لپکا۔ میں نے اس کے دل پر وار کرنے کی کوشش کی تھی۔ وار کو مزید مؤثر بنانے کے لیے میں اس کی طرف گرا بھی تھا۔ چاقو دیکھتے ہی اس نے لات مار کر مجھے دور کرنے کی کوشش کی تھی مگر مسئلہ وہی تھا یہاں گنجائش ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھی۔ لات میرے پاؤں پر لگی اور میں اس کے اوپر گرا۔ اس نے پستول نکال لیا تھا لیکن اسے استعمال کرنے کی جگہ نہیں تھی۔ چاقو کی نوک اس کی پسلیوں تک پہنچ گئی تھی اور جب یہ پسلیوں میں اتری تو اس نے تڑپ کر چیخ ماری اور پھر پستول والا ہاتھ میرے سر پر مارا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ لیا۔ پستول ہلکا لگا تھا لیکن تکلیف زیادہ ہوئی تھی۔ اپنے حواس قابو میں رکھتے ہوئے میں نے پستول کا رخ فرش کی طرف کر دیا۔

قوت آزمائی میں، میں اس سے کم نہیں تھا بس رفتار میں مات کھا رہا تھا۔ چاقو سے بچنے کے لیے وہ محدود سی جگہ میں تڑپ تڑپ کر پینترے بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی بدقسمتی کہ اس کا دایاں ہاتھ میرے قابو میں تھا ورنہ وہ ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھول کر باہر گر جاتا اور بچ جاتا۔ بایاں ہاتھ میرے اور اس کے درمیان میں تھا اور وہ اسی سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کا پستول والا ہاتھ موڑ کر نیچے سیٹ سے لگا دیا تھا اور اب وہ فائر کرتا تو کسی کو گولی نہ لگتی۔ عجیب بات تھی اس نے کسی کو متوجہ کرنے کے لیے شور نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اس کا منہ آزاد تھا اگر وہ چلاتا تو اس ویران ائیر فیلڈ پر بھی کوئی نہ کوئی اس کی فریاد و فغاں کا جواب دینے کو دوڑتا لیکن شاید یہ اس کی اَنا کے خلاف تھا کہ وہ اپنے قیدی کے خلاف کسی سے مدد طلب کرے۔

اس کی مزاحمت کی وجہ سے چاقو کی نوک پسلیوں سے آگے جانے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی لیکن اس کی پسلیوں کو ضرور چھیل رہی تھی۔ یقیناً تکلیف سے اس کا برا حال تھا مگر ابتدائی چیخوں کے بعد وہ خاموشی سے اس اذیت کو برداشت کرتے ہوئے مجھے خود سے دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا مجھے ایک لمحے کی مہلت بھی مل گئی تو میں چاقو اس کے دل میں اتار دوں گا اور وہ مر جائے گا۔ اس کا سر آزاد تھا اور وہ کئی بار مجھے سر سے ٹکر مار چکا تھا۔ میں اس کے وار نا کام بنا رہا تھا۔ وہ اذیت میں تھا۔ چاقو نے اسے کچھ اور چھیلا تو اس نے کراہ کر مجھے اپنی زبان کی کلاسیکل گالیوں سے نوازا وہ ساؤتھ انڈیا کی کوئی مقامی زبان بول رہا تھا۔ گالیوں کا انداز لہجے سے ہوا۔

ایک بار اس نے میرے سر پر پھر ٹکر مارنا چاہی تو میں نے سر نیچے کیا اور اس کی ناک پوری قوت سے میرے ماتھے سے ذرا اوپر لگی اور شاید ٹوٹ گئی۔ وار الٹا ہو گیا تھا اور اسے یقیناً دن میں تارے نظر آ گئے ہوں گے۔ وہ ذرا ڈھیلا ہوا تو میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور چاقو اس کی پسلیوں میں داخل کر دیا۔ اس کے حلق سے کراہ نکلی اور اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اس کے سُست پڑتے ہی میں نے پے در پے وار کیے اور ان میں سے کم سے کم ایک اس کے دل میں اتر گیا تھا اس کے منہ سے آخری کراہ نکلی اور وہ ساکت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئی تھیں۔ اسے پیچھے دھکیل کر میں نے اس کے مردہ ہاتھوں سے پستول لیا اور اسے سیدھا کر کے بٹھا دیا۔ اب بظاہر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بیٹھا ہوا اور زندہ ہو۔ اگر خون نکلا تھا تو وہ جیکٹ کے اندر ہی رہا تھا اس لیے پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔

پائلٹ کافی الحال دور تک پتا نہیں تھا اس لیے میں نے سب سے پہلے آگے ہو کر ریڈیو بند کر دیا۔ دوسری طرف سے بک بک جاری تھی۔ پھر میں نے مگرلن کی تلاشی لی لیکن اس کے پاس سوائے اس پستول اور اس کے دو عدد فاضل میگزین کے اور کچھ نہیں تھا۔ مجھے مایوسی ہوئی میرا خیال تھا کہ میری ہتھکڑی کی چابی اس کے پاس ہو گی۔ مگر شاید وہ پائلٹ کے پاس بھی نہیں تھی مجھے جہاں لے جایا جا رہا تھا وہیں انہیں کھولنے کا کوئی بندوبست ہوتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یا پھر مجھے سرے سے کھولا ہی نہیں جاتا اور اس بجائے ایسے ہی بھارت پارسل کر دیا جاتا۔ دور سے ایک فیول ٹینکر آتا دکھائی دیا تو میں چوکس ہو گیا۔ ٹینکر کے ساتھ پائلٹ بھی تھا۔ اس نے آتے ہی ٹینک کا ڈھکن کھول کر اس میں ایندھن بھروانا شروع کر دیا اگرچہ اس نے ابھی تک اندر توجہ نہیں دی تھی لیکن اس کا امکان تھا کہ وہ توجہ دیتا اور مجھے اس کو ہینڈز اپ کرانا پڑتا۔ ٹینکر کا ڈرائیور لاتعلقی سے بیٹھا تھا۔ ایندھن خود پائلٹ بھر رہا تھا اور شاید اسے بھی یہ ڈیوٹی کھل رہی تھی اس لیے وہ جلد از جلد اسے بھگتا کر یہاں سے روانہ ہو جانا چاہتا تھا۔

جلدی کے چکر میں پائلٹ نے اندر کی طرف توجہ نہیں دی۔ ہیلی کاپٹر کا اگلا حصہ زیادہ تر شیشے کا تھا لیکن پچھلا حصہ دھاتی تھا اور دروازوں میں چھوٹے سے شیشے لگے تھے جن سے باہر یا اندر دیکھا جا سکتا تھا۔ پانچ منٹ میں ہیلی کاپٹر کا ٹینک فل ہو گیا تھا۔ پائلٹ نے پائپ واپس ٹینکر پر رکھا اور اسے پیچھے ہٹنے کو کہا ڈرائیور فوراً ٹینکر لے کر روانہ ہو گیا اس موسم میں باہر کے کام سب کو ہی کھل رہے تھے۔ سردی سے ٹھٹھرتا پائلٹ اندر گھسا اور سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اس نے ریڈیو کی طرف دیکھا اور چونک گیا۔ ''اسے کس نے بند کیا ہے؟''

سوال اس نے اپنے ساتھی سے کیا تھا لیکن میں نے پستول اس کی گدی پر رکھ کر جواب دیا۔ ''میں نے.....اور اب اسے بند ہی رکھنا۔''

وہ ساکت رہ گیا تھا۔ ''ویرا.....''

''وہ مر چکا ہے اور اگر تم بھی مرنا نہیں چاہتے ہو تو ہیلی کاپٹر اسٹارٹ کرو۔''

''تم مجھے اپنی مرضی پر نہیں چلا سکتے۔'' اس نے بہادری دکھانے کی کوشش کی۔

''مہاشے تم کیا چیز ہو میں یہ ہیلی کاپٹر بھی چلا سکتا ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمہیں نرکھ بھیج دوں گا۔''

مہاشے جی نے یہ بات سمجھ لی اور اس نے بادلِ ناخواستہ انجن اسٹارٹ کیا ایک منٹ سے بھی پہلے ہیلی کاپٹر کے پر گھومنے لگے تھے اور ایک ہلکے سے دھچکے سے وہ فضا میں بلند ہو گیا۔ ذرا بلندی پر آتے ہی میں نے اسے حکم دیا۔ ''اپنا رخ جنوب مشرق کی طرف کر لو ہمیں وہیں جانا ہے جہاں سے آئے تھے۔ یاد رکھنا سمتیں دیکھنا مجھے بھی آتی ہیں اور ہاں اپنا ہتھیار میرے حوالے کر دو بغیر کسی چالاکی کے۔''

مجبوراً اس نے اپنا پستول نکال کر پیچھے پھینک دیا لیکن میں مطمئن نہیں تھا میں نے ذرا آگے ہو کر جہاں تک ممکن ہوا اس کی تلاشی لی۔ اوپری جسم سارا دیکھ لیا تھا صرف پیروں کو نہیں دیکھ سکا۔ اگر اس نے وہاں بھی کوئی ہتھیار چھپا رکھا تھا تو میں کہہ نہیں سکتا تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ جنوب مشرق کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے ریڈیو سے غائب ہوتے ہیلی کاپٹر کی تلاش شروع ہو جائے گی۔''

''اس لیے تم اب نیچی پرواز کرو گے اور اپنا ریڈیو بند ہی رکھو گے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی ایسی ڈیوائس ہے جس سے ہیلی کاپٹر کی نشاندہی ہو سکے تو اسے بند کر دو کیونکہ تلاش کرنے کی صورت میں سوائے مرنے اور مارنے کے کچھ نہیں ہو گا۔ میں زندہ تم لوگوں کے ہاتھ نہیں آؤں گا اور میرے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔ بچنے کی ایک ہی صورت ہے مجھے واپس وہیں پہنچا دو جہاں سے لائے تھے اس کے بعد تم واپس جانے کے لیے آزاد ہو گے۔''

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''کیا واقعی تم مجھے جانے دو گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں میں نے تمہارا کیا اچار ڈالنا ہے میں کسی کو نہیں مارتا سوائے اس کے جو میرے لیے خطرہ بن جائے اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔''

اس نے چند لمحے کے لیے سوچا پھر ہیلی کاپٹر کی چھت پر لگے ہوئے چند سوئچز آف کر دیئے۔ ان کی روشنیاں بجھ گئی تھیں۔ اس نے کہا۔ ''میں نے ٹرانسپونڈر آف کر دیا ہے اب کوئی اس ہیلی کاپٹر کا سراغ نہیں لگا سکے گا سوائے ریڈار کی مدد کے۔''

''اس کے لیے تم زمین سے پانچ سو فٹ کی بلندی پر پرواز کرو گے۔''

اس نے حیرت سے کہا۔ ''تم اس قسم کی ٹیکنیکل باتیں جانتے ہو۔''

''جانتا نہیں تھا حالات نے سکھا دیا ہے اب بھی تمہیں خبردار کر رہا ہوں اگر کوئی ڈیوائس آن ہے تو اسے آف کر دو بعد میں پچھتانے کا وقت بھی نہیں ملے گا۔''

ویراما کی موت کا سن کر وہ کچھ خوف زدہ نظر آنے لگا تھا۔ شاید وہ ان کا کوئی خاص کمانڈو تھا اور اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اسے اتنی آسانی سے مار دیا تھا یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا تھا۔ مگر اس کی بدقسمتی کہ ایک تو وہ بہت بھاری لباس میں تھا جس میں وہ آسانی سے حرکت نہیں کر سکتا تھا دوسرے وہ محدود سی جگہ میں پھنس گیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے بہادری سے مقابلہ کیا تھا اور آخری وقت تک لڑتا رہا تھا۔ اس کے پاس ایک چانس تھا کہ وہ فائر کرتا تو اس کی آواز سن کو کوئی نہ کوئی اس کی مدد کو آ جاتا لیکن نہ جانے کیوں اس نے فائر نہیں کیا تھا۔ شاید اس کا ذہن اس طرف نہیں گیا اور وہ چاقو سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے بالآخر اسی کا شکار ہو گیا۔

ہیلی کاپٹر واپس جا رہا تھا کچھ دیر بعد جانی پہچانی پہاڑیاں نمودار ہونے لگیں۔ میں آتے ہوئے راستوں کا جائزہ لیتا ہوا آیا تھا اور مخصوص نشانیاں ذہن میں رکھی تھیں اب وہی کام آ رہی تھیں اس کا مطلب تھا کہ پائلٹ ٹھیک راستے پر جا رہا تھا۔ کیبن میں سردی نہیں تھی لیکن مجھے جہاں اترنا تھا وہاں قیامت کی سردی ہوتی۔ اس سے نمٹنے کے لیے میرے پاس نہ تو جوتے تھے اور نہ کپڑے لیکن سب سے پہلے مجھے اس ہتھکڑی سے نجات حاصل کرنا تھی۔ میں نے پائلٹ سے کہا۔ ''تمہارے پاس لائٹر ہے۔''

اس نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے لائٹر نکال کر مجھے تھما دیا۔ میں نے سب سے پہلے ہاتھ اور پیروں کے درمیان والی رسی کو جلا کر کاٹ دیا۔ مضبوط ترین نائلون کی بنی یہ رسی شاید ہاتھی سے بھی نہ ٹوٹتی لیکن معمولی سے شعلے نے اسے لمحوں میں پگھلا دیا۔ ہاتھوں اور پیروں کی ہتھکڑیوں کو بھی نائلون کی رسی سے جوڑا ہوا تھا یعنی زنجیر کی جگہ اس سے کام لیا گیا تھا صرف کلائیوں اور ٹخنوں میں پہننے والے کڑے اسٹیل کے تھے اس لیے نہایت ہلکے ہونے کے باوجود نہایت مضبوط بھی تھے۔ میں نے درمیانی رسیوں کو بھی جلا دیا اور اب میرے ہاتھ پاؤں مکمل طور پر آزاد ہو گئے تھے سوائے اسٹیل کے کڑوں کے جو بدستور کلائیوں اور ٹخنوں میں تھے اور انہیں صرف چابی سے یا کسی دھات کاٹنے والی چیز سے کھولا جا سکتا تھا۔ مگر اب یہ میری نقل و حرکت میں مزاحم نہیں تھے۔

یہ کام کرتے ہوئے میں پوری طرح پائلٹ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ میں نے پائلٹ کا پستول اور چاقو اپنے پاس رکھ لیا اور ہاتھ میں ویراما کا پستول رکھا۔ ہر منٹ بعد میں فلائنگ مینٹل پر سمت دیکھتا تھا۔ اب میں نے دوسرا کام شروع کیا اور ویراما کی جیکٹ اتارنے لگا۔ اس محدود سی جگہ میں اس بھاری جیکٹ کو اتارنا آسان کام نہیں تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن میں نے کسی نہ کسی طرح یہ کام کرلیا۔ اس کے بعد اس کے جوتے اور پھر اس کا گرم ترین ٹراؤزر اتارا۔ نیچے اس نے سوتی پاجامہ پہن رکھا تھا جب کہ جیکٹ کے نیچے گرم جرسی تھی۔ وہ مر چکا تھا اور اسے ان چیزوں کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے جوتے بھی خاص قسم کے تھے اور سائز ذرا سا بڑا تھا لیکن جب میں نے ویرا ما کی پتلون کے بعد اس کے موزوں کے ساتھ جوتے پہنے تو مجھے بالکل فٹ آ گئے تھے۔ آخر میں، میں نے اس کے دستانے بھی اتار کر پہن لیے۔ اب میں سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

پائلٹ کی نظر سامنے تھی لیکن وہ یقیناً محسوس کر رہا تھا کہ پیچھے کوئی کارروائی ہو رہی ہے۔ اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ پلٹ کر دیکھتا یا کوئی خطرہ مول لینے کی کوشش کرتا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں میں جاں بخشی کا وعدہ واپس نہ لے لوں۔ اب صرف بھاری جیکٹ رہ گئی تھی لیکن ابھی میں اسے پہننا نہیں چاہتا تھا۔ پائلٹ نے خاصی دیر بعد کہا۔ ''تم واپس جا کر بچ نہیں سکو گے۔ ہمارے آدمی تمہیں پہلے کی طرح پکڑ لائیں گے۔''

''چشم ما روشن دل ما شاد۔'' میں نے کہا۔ ''مطلب ہے کہ ہم انتظار کریں گے اور دیکھیں گے کہ اس بار کون کسے پکڑتا ہے۔''

''ہم صرف دو افراد ہیں اور ہمیں قابو کر کے تم کسی خوش فہمی کا شکار مت ہونا۔'' وہ بہت صاف اردو بول رہا تھا۔ حالانکہ صورت سے وہ بھی ساؤتھ انڈیا کا ہی لگتا تھا۔

''میں کبھی بھی خوش فہمی کا شکار نہیں رہا لیکن مجھے اپنے زورِ بازو سے زیادہ اللہ کی مدد کا بھروسہ ہے کیونکہ میری نیت صاف ہے اس لیے وہ مجھے ہر آزمائش سے بچا لے جاتا ہے لیکن تم یہ بات نہیں سمجھو گے۔ جہاں تک دو آدمیوں کا تعلق ہے تو تمہارے دیش میں ہی میں نے پوری پوری بٹالین کا سامنا کیا ہے اور وہاں سے بھی بچ نکلا تھا۔ اگر تم میرے بارے میں جانتے ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے؟''

وہ چپ ہو گیا۔ ایک بار پھر ہم بلند ترین برف پوش پہاڑوں کے اوپر محوِ پرواز تھے۔ یہ پامیر کی پٹی تھی۔ دنیا کے مشہور ترین سیاحوں نے یہیں شاہراہ ریشم کے راستے سفر کیا ہوگا۔ کیونکہ چین اور وسط ایشیا کے دوسرے راستے بھی یہیں سے گزرتے ہیں۔ آنے والے دنوں میں یہ دنیا کا حساس ترین خطہ بن جائے گا کیونکہ دنیا کی چار بڑی طاقتیں اس پر اپنا تسلط جمانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ امریکہ اور چین یہاں موجود ہیں جب کہ روس اور بھارت بھی زیادہ دور نہیں ہیں۔ اس کی بلندی، اس کے محلِ وقوع اور یہاں پائے جانے والے قیمتی معدنیات کے وسیع ذخائر کی وجہ سے یہ خطہ ان بڑی طاقتوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ پھر یہ سینٹرل ایشیا، چین اور جنوبی ایشیا کو ملانے والا واحد روٹ بھی ہے۔ جو طاقت اس خطے پر قابض ہو جائے گی وہ آنے والے دنوں میں ان تینوں خطوں کو قابو میں کر لے گی۔ اس لیے دنیا کی توجہ کا مرکز وطنِ عزیز بنا ہوا ہے کیونکہ اس کی جغرافیائی پوزیشن ہی ایسی ہے اگر ہم ذرا بھی سمجھداری سے کام لیں تو نہ صرف اپنے ملک میں پھیلی بدامنی پر قابو پا سکتے ہیں بلکہ ملک کو اقتصادی ترقی کی راہ پر بھی ڈال سکتے ہیں لیکن افسوس وہ لوگ جنہیں اس معاملے میں سمجھداری سے کام لینا چاہیے ان کی ساری سمجھ اس میں صرف ہو رہی ہے کہ کس طرح ان کا بینک بیلنس دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔ دنیا میں ملکوں کے حکمران اپنے ملکوں کی سربلندی کے لیے کام کرتے ہیں اور ہمارے حکمران صرف اپنی سربلندی کے لیے کام کرتے ہیں اس لیے ہمارا سوائے اللہ کے کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ تلخ خیالات ان چند منٹوں میں میرے ذہن سے گزرے تھے جب ہیلی کاپٹر دوبارہ پاکستان کی حدود میں داخل ہوا تھا اور اب پائلٹ ان ہی تنگ وادیوں کے درمیان اپنا چوپر اڑا رہا تھا جہاں اس کے ریڈار پر دیکھ لیے جانے کے امکانات نہیں تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''وہ جگہ کتنی دور ہے اب؟''

''مشکل سے پانچ منٹ کا راستہ ہے۔'' وہ فلائنگ اسٹک کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے بولا کیونکہ یہاں موسم خراب تھا اور تیز ہوائیں ہیلی کاپٹر کی ہموار پرواز میں خلل ڈال رہی تھیں اس نے بھی تشویش سے کہا۔ ''موسم خراب ہو رہا ہے ایسے میں لینڈنگ بہت مشکل ہوتی ہے۔''

''تمہیں لینڈنگ کرنی ہے۔'' میں نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''چاہے یہ کریش لینڈنگ کیوں نہ ہو۔''

''اس صورت میں میرے ساتھ تم بھی مرو گے۔'' اس نے تلخی سے کہا۔ ''موسم دیکھ رہے ہو؟''

موسم واقعی تشویشناک ہو رہا تھا۔ برف کے ٹکڑے اڑاتا ہوا طوفان آ رہا تھا اور حد نظر محدود ہو گئی تھی۔ نیچے زمین صاف دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ واقعی لینڈنگ کا مطلب کریش لینڈنگ بھی ہو سکتا تھا۔ بہرحال میرے لیے اطمینان کی بات تھی کہ میں خطرناک دشمن کی سازش ناکام بنا کر دوبارہ اپنے وطن کی سرزمین پر آ گیا تھا اور اب مجھے مرنا بھی پڑتا تو میرے لیے برا سودا نہیں تھا۔ میں نے پائلٹ سے پوچھا۔ ''دوسری صورت کیا ہو گی؟''

''تمہیں نیچے جمپ کرنا ہو گی۔'' اس نے کہا۔ ''میں ہیلی کاپٹر اتنا نیچے لے جاؤں گا کہ تم رسی کے سہارے نیچے اتر سکو گے۔''

''رسی کے سہارے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تاکہ میں جیسے ہی باہر نکلوں تم ہیلی کاپٹر اڑا لے جاؤ اور اس کے بعد مجھے گرا دینا یا پہاڑ سے ٹکرا دینا تمہارے اختیار میں ہو گا۔''

وہ ایک لمحے کو چپ ہوا پھر کمزور لہجے میں بولا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا۔''

''تم کیا اور تمہارا وعدہ کیا۔'' میں نے جواب دیا اور پستول اس کے سر سے لگا دیا۔ ''تم ہیلی کاپٹر نیچے اتارو گے اور جب تک میں اجازت نہیں دوں گا دوبارہ فلائی نہیں کرو گے۔''

وہ مجبور تھا اس لیے حکم ماننے لگا۔ پانچ منٹ سے بھی پہلے ہم اس پہاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے جہاں کرنل زریسکی کا کیبن تھا۔ بلندی سے کیبن صاف دکھائی دے رہا تھا اور اس کے پاس وہ وین بھی کھڑی تھی جس میں مجھے یہاں لایا گیا تھا۔ ذرا نیچے برف پر وہ نشان بھی دکھائی دے رہے تھے جو کرنل کے ساتھیوں نے پائلٹ کی رہنمائی کے لیے برف پر بنائے تھے یہ اب بھی نمایاں تھے لیکن میرا اس مقام پر لینڈنگ کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے پائلٹ سے کہا۔ ''یہاں سے ذرا آگے چلو ہم کسی اور جگہ اتریں گے۔''

''آگے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے۔'' اس نے احتجاج کیا۔ ''اس موسم میں کسی اجنبی جگہ اترنا خودکشی کے مترادف ہو گا۔''

''تم فکر مت کرو تم نہیں مرو گے۔''

''اگر مرا نہیں تب بھی کریش لینڈنگ کے بعد میں یہیں پھنس کر رہ جاؤں گا۔'' اس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ ''اس کے بعد چوپر اڑنے کے قابل ہی کہاں رہے گا۔''

''یہ سب تم سوچ سمجھ کر ہی یہاں آئے ہو گے۔'' میں نے پستول اس کی گدی پر دبا کر کہا۔ ''تم کسی پکنک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر نہیں آئے تھے جو تم کہو کہ تمہیں خطرات کا احساس نہیں تھا۔"

اس نے ہیلی کاپٹر آگے بڑھایا۔ اس وقت یہ زمین سے کوئی پانچ سو فٹ کی بلندی پر تھا۔ مجھے امید تھی کہ نیچے جاری ہواؤں کے طوفان کے شور میں کرنل زریسکی یا اس کے آدمیوں نے ہیلی کاپٹر کی آواز نہیں سنی ہوگی۔ اس پہاڑی سے آگے سارا بہت ناہموار اور دشوار قسم کا علاقہ تھا جہاں کسی ہیلی کاپٹر کا اتارنا تقریباً ناممکن تھا۔ یہی بات پائلٹ نے مجھ سے کہی۔ "یہاں کہیں بھی چوپر نہیں اتر سکتا ہے۔"

"اتر سکتا ہے۔" میں نے کہا مجھے وہ جگہ نظر آ گئی تھی جہاں ہیلی کاپٹر کو اتارا جا سکتا تھا۔ یہ وہی سڑک تھی جو آگے کیبن والی پہاڑی کی طرف جا رہی تھی دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک مقام پر سڑک کے آس پاس تمام جگہیں کھلی تھیں اور یہاں مختصر سی پٹی پر ہیلی کاپٹر کے اسکیز ٹک سکتے تھے۔ میں نے پائلٹ کو وہ جگہ دکھائی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بہت مشکل ہے ذرا سی غلطی سے چوپر کے پر کہیں نہ کہیں ٹکرا سکتے ہیں۔"

"تمہیں یہ رسک لینا ہی پڑے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "تمہارے پاس بچنے کا یہی ایک راستہ ہے اگر تم نے مجھے اتار دیا تو میں تمہیں واپس جانے دوں گا ورنہ....."

اس نے مجبوراً رضامندی ظاہر کی۔ "اگر تم اپنے ساتھ مجھے بھی مروانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔"

"یہ تمہاری پیشہ ورانہ مہارت کا امتحان بھی ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ "مجھے اتارو اور انعام میں واپس چلے جاؤ۔"

اس نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر سر ہلا کر ہیلی کاپٹر کو نیچے اس جگہ لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ یہاں پہاڑیوں کے درمیان ہوا بہت تیز تھی اور یہ ہیلی کاپٹر کو پتے کی طرح اڑا لے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ہیلی کاپٹر ہلکا پھلکا نہیں تھا بلکہ فولاد کی بنی ٹنوں وزنی مشین تھی اور اس میں ایک بہت طاقتور انجن بھی لگا ہوا تھا۔ کچھ پائلٹ کی مہارت تھی اور کچھ جان بچانے کے لیے اس کی کوشش بالآخر وہ ہیلی کاپٹر کو سڑک کے اس مقام پر لے آیا جہاں اس کے اسکیز سڑک سے ٹک سکتے تھے۔ جیسے ہی اسکیز سڑک سے ٹکے میں نے دروازہ کھول دیا۔ طوفانی ہوا کا جھکڑ اندر آیا تھا۔ میں نے ویراما کی جیکٹ اٹھائی اور نیچے اتر گیا۔ طوفان کا شور ہی کم نہیں تھا کہ انجن بھی سر پر موجود تھا ایک شور قیامت برپا تھا۔ پائلٹ پاگلوں کی طرح کچھ اشارے کرنے لگا۔ پہلے میں سمجھا نہیں پھر میری سمجھ میں آیا تو میں نے کھلا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بغیر وہ پرواز نہیں کر سکتا تھا۔

عام موسم میں دروازہ کھلا بھی ہوتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اس ہوا میں کھلے دروازے کے ساتھ ہیلی کاپٹر درست انداز میں پرواز نہیں کر سکتا تھا اور پھر درجہ حرارت بھی بہت کم تھا۔ اندر سب ٹھٹھر کر رہ جاتے۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹر ذرا بلند ہوا۔ میں نے پستول سے اس کے ایندھن کے ٹینک کا نشانہ لیا اور لگاتار اس وقت تک فائر کرتا رہا جب تک ٹینک میں سوراخ نہیں ہو گیا اور اس سے فوارے کی طرح پھوٹنے والے ایندھن نے آگ نہیں پکڑ لی۔ جیسے ہی اس نے آگ پکڑی میں نزدیکی پہاڑی کی طرف بھاگا۔ اب کچھ بھی ہو سکتا تھا ہیلی کاپٹر بے قابو ہو کر مجھ پر ہی آ گر سکتا تھا یا اس کا گھومتا پر مجھے چھو بھی جاتا تو میرے چیتھڑے اڑ جاتے۔ اس پہاڑی کے دامن میں مجھے کچھ گڑھے دکھائی دے رہے تھے جن میں گھس کر میں ہیلی کاپٹر سے کسی قدر محفوظ ہو جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایندھن کی ٹینکی میں آگ لگتے ہی ہیلی کاپٹر بے قابو ہو کر گھومنے لگا تھا۔ پائلٹ نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ میں اسے جانے کی اجازت دینے کے بعد یہ حرکت کروں گا اور یہ اس کی حماقت تھی۔ وہ میرا اور میرے ملک کا دشمن تھا اور یہاں کسی خیر سگالی کے مشن پر نہیں آیا تھا۔ اس نے بین الاقوامی قوانین کی سرحدی خلاف ورزی کی تھی اور اگر اسے یہاں مار گرایا جاتا تو کوئی باز پرس نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے بالکل ٹھیک کیا تھا۔ یہ ان بھارتی نیتاؤں کے لیے ایک سبق تھا۔ انہوں نے سوچا تھا کہ مجھے آسانی سے اغوا کر کے لے جائیں گے اور میرے ساتھ جو چاہے سلوک کریں گے۔ مگر الٹا ان کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے ان کے دو آدمی اور ایک ہیلی کاپٹر ان کے ہاتھ سے گیا تھا اور ابھی جب اس ہیلی کاپٹر کا ملبہ اور لاشیں ملتیں تو ان کو اس کی جواب دہی بھی کرنا پڑتی۔

دوا کا اثر کم ہونے سے میرا جسمانی ردِعمل بہتر ہو رہا تھا اور پھر خطرے کے احساس نے اسے سو فیصد نہیں تو اسی یا نوے فیصد ٹھیک کر دیا تھا۔ میرا خیال درست ثابت ہوا تھا نہ جانے ہیلی کاپٹر اتفاقی میرے طرف آیا تھا یا خبیث پائلٹ نے بدلہ لینے کے لیے اسے جان بوجھ کر مجھ پر گرانے کی کوشش کی تھی۔ عقب سے آتی انجن کی مہیب آواز جیسے میرے سر پر آ گئی تھی اور پنکھوں کی ہوا صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ گڑھے کچھ دور تھے۔ اور وقت نہیں تھا میں نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے جست لگائی اور زمین کے ساتھ ساتھ ہوتا ایک گڑھے میں لینڈ کر گیا اسی لمحے ہیلی کاپٹر کا ترچھا ہوتا پر زمین پر لگا اور برف کے ساتھ مٹی کا ایک طوفان اٹھا تھا۔ پر اپنی قوت میں زمین میں دھنستا چلا گیا اور جب یہ رکا تو ردِعمل میں ہیلی کاپٹر گھوما اور پروں سے الگ ہو کر اس کا جسم دور سڑک پر گرا اور فوراً ہی شعلوں میں بدل گیا تھا۔ ٹینکی سے پہلے ہی شعلے نکل رہے تھے گرنے سے رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی ٹینکی پھٹی اور مجھے یقین ہے پائلٹ کو اندر سے نکلنے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔ وہ مارا گیا تھا۔

میں کچھ دیر حفظ ماتقدم گڑھے میں دبکا رہا۔ ممکن تھا ہیلی کاپٹر میں مزید کوئی خطرناک چیز ہوتی اور وہ پھٹتی تو میں زیادہ دور نہیں تھا۔ تقریباً ایک منٹ بعد میں گڑھے سے نکلا تو ہیلی کاپٹر دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ اس سے شعلوں کے ساتھ گاڑھا دھواں بھی اٹھ رہا تھا اور اس کے قریب جانا محال لگ رہا تھا۔ مجھے قریب جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی دھویں کے ساتھ اٹھتی چراند نے بتا دیا کہ جلنے والی اشیا میں انسانی جسم بھی شامل تھے۔ دوسرے اگر پائلٹ کسی طرح بچ کر ہیلی کاپٹر سے نکلنے میں کامیاب رہا تھا تب بھی اسے آس پاس ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہاں دور تک سیدھی زمین تھی یا بلند ہوتے پہاڑ تھے جہاں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ بالفرض محال وہ بچ بھی گیا تھا تب بھی میری بلا سے، میرا مقصد پورا ہو گیا تھا اور کچھ دیر بعد یہاں کوئی نہ کوئی آ جاتا اور ہیلی کاپٹر کے آثار دیکھتے ہی یقیناً متعلقہ اداروں کو اطلاع دی جاتی۔

میں نے جیکٹ پہنی جو یقیناً اسی قسم کی سردی کے لیے مخصوص تھی۔ اس کے اندر ذرا سا خون لگا ہوا تھا۔ جسے میں نے برف سے رگڑ رگڑ کر صاف کر دیا۔ اب میں سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے کچھ دوسرے لوگوں سے مقابلہ کرنا تھا۔ ہیلی کاپٹر کی نہ سہی لیکن اس کی تباہی کی آواز یقیناً کرنل زریسکی تک گئی ہوگی۔ وہ اور اس کے آدمی اس طرف آنے والے ہوں گے۔ اگر اس تک حادثے کی اطلاع نہیں بھی پہنچی تھی تب بھی کرنل کو واپس اسلام آباد کی طرف جانا تھا کیونکہ وہ میرے سامنے اس کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا۔ یہاں اس کا کام یعنی مجھے سرحد بھیجنا اس کی دانست میں مکمل ہو چکا تھا اور اس کی ذمے داری بھی ختم ہو گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ اگر بھارتی مجھے قابو نہیں رکھ سکے تو یہ بھی اس کی ذمے داری نہیں تھی لیکن کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ یہ اس کی ذمے داری تھی یا نہیں۔ وہ بھارتیوں کے لیے معاہدے پر کام کر رہا تھا یا صرف مجھے اغوا کر کے حوالے کرنے کا کام ذمے لیا تھا۔

طوفان کی شدت بڑھ رہی تھی اور میرا جسم گرم لباس میں چھپا تھا اس کے باوجود سردی رگ و پے سرایت کر رہی تھی مجھے اندازہ ہوا اگر میں نارمل لباس میں ہوتا تو مشکل سے آدھے ایک گھنٹے بعد میرے ہوش و حواس جواب دے جاتے۔ درجہ حرارت منفی دس کے آس پاس تھا۔ مجھے اس سے پہلے اتنی سردی کا تجربہ کم ہی ہوا تھا۔ ہیلی کاپٹر سڑک سے ذرا ہٹ کر تباہ ہوا تھا۔ اس کی آگ ابھی مدہم نہیں ہوئی تھی اور گاڑھا سیاہ دھواں خاصی بلندی تک پہنچ گیا تھا۔ یہ خاصے فاصلے سے بھی صاف دکھائی دیتا۔ میں سڑک تک آیا اور کیبن کی طرف جانے لگا۔ یہاں سڑک بل کھا رہی تھی۔ دوسری پہاڑی شروع ہوتے ہی سڑک تنگ اور خراب ہو گئی تھی۔ میں نے آس پاس دیکھا بظاہر چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس لیے میں پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ اوپر گھنے درخت دکھائی دے رہے تھے وہاں میں کسی کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکتا تھا اور سرد ہواؤں سے بھی کچھ نہ کچھ بچت ہو جاتی۔

تیز ہوا کے مقابلے میں اوپر چڑھنا آسان کام نہیں تھا۔ مجھے پتھروں اور سوکھی جھاڑیوں کی مدد لینا پڑ رہی تھی۔ درخت کوئی پچاس گز اوپر تھے۔ نیچے کے درخت یقیناً سڑک بنانے کے دوران میں صاف کر دیئے گئے ہوں گے۔ یہاں بلندی بھی خاصی تھی شاید سطح سمندر سے کوئی دس ہزار فٹ کی بلندی تھی اس لیے ہوا نہایت ہلکی تھی اور ذرا سی مشقت سے سانس پھول رہی تھی۔ میں درختوں میں داخل ہوا تو ہواؤں کی شدت میں ذرا سی کمی محسوس ہوئی تھی اور یہ بھی کافی تھی۔ میں ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں دو درختوں کے درمیان میں ہواؤں سے کسی حد تک محفوظ تھا اور سامنے نیچے دور تک دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ موسم اتنا صاف نہیں تھا۔ برف کے اڑتے ٹکڑے حدِ نگاہ محدود کر رہے تھے لیکن یہ دھند کی طرح منظر کو اندھا نہیں کر رہے تھے کچھ نہ کچھ نظر آ رہا تھا اور کوئی چیز حرکت کرتی تو وہ صاف دکھائی دیتی۔

سوال یہ تھا کہ میں یہاں کیوں آیا تھا میں کیبن کی طرف بھی جا سکتا تھا یا اس سے مخالف سمت میں دوڑ لگا سکتا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہیلی کاپٹر کی تباہی پر کسی کی طرف سے کیا ردِعمل سامنے آتا ہے دوسرے کرنل زریسکی اگر روانہ ہوتا ہے یا اس طرف آتا ہے تو میں اپنا اگلا لائحہ عمل طے کر سکتا تھا۔ کرنل یا اس کے ساتھیوں پر حملہ کرنا بہت ہی دشوار تھا۔ وہ مسلح اور چوکنے ہوتے لیکن میں ان سے دور رہ کر بھی بہت کچھ کر سکتا تھا۔ اگر کرنل یا اس کے ساتھی اس طرف نہیں آتے یا پھر سیدھا جنوب کی طرف نکل جاتے۔ تب میں کیبن کا رخ کرتا۔ اس لیے اب مجھے سوائے انتظار کے اور کچھ نہیں کرنا تھا۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی ویرا ما کے پاس گھڑی نہیں تھی ورنہ میں وہ بھی اتار لاتا۔ بہرحال میرا اندازہ تھا کہ دوپہر کا ایک بج رہا ہے۔

میرا جسم تقریباً میرے قابو میں آ گیا تھا اور میں نہتا بھی نہیں رہا تھا اس لیے مجھے اطمینان تھا اگر کرنل زریسکی یا اس کے ساتھی مجھے تلاش بھی کر لیتے تو وہ مجھ پر اتنی آسانی سے قابو نہیں پا سکتے تھے۔ اس بار انہیں خاصی کوشش کرنا پڑتی اور عین ممکن تھا کہ معاملہ الٹا ہو جاتا۔ میں ان کو قابو کر لیتا۔ نیچے ہیلی کاپٹر کی آگ مدہم پڑتی جا رہی تھی۔ ایک تو اس کا ایندھن ختم ہو رہا تھا دوسرے اوپر سے گرتی برف بھی پانی بن کر اس آگ کو سرد کرنے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ دھواں بھی خاصا کم ہو گیا تھا اور صاف دکھائی دے رہا تھا کہ پندرہ بیس منٹ میں بیلی کاپٹر کے ملبے کی آگ مکمل طور پر بجھ جائے گی۔ ابھی تک کسی بھی جانب سے کسی کے نوٹس لیے جانے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیئے تھے۔ اگر کرنل یا اس کے ساتھیوں نے ہیلی کاپٹر کریش کا دھماکہ سن لیا تھا تو انہیں اب تک یہاں آ جانا چاہیے تھا کیونکہ کیبن یہاں سے مشکل سے نصف کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔

میرا خیال تھا کہ یہاں سے سرحد پاس ہے اگر زمینی محافظ نہ سہی لیکن سرحدوں کی فضائی نگرانی کرنے والے ضرور اس حادثے کا نوٹس لیں گے مگر فضا میں بھی کوئی سرگرمی نظر نہیں آئی تھی۔ شاید یہ جگہ عام فضائی روٹس سے خاصی ہٹ کر تھی اور جنوب میں جاری جنگ بھی اس علاقے سے خاصے فاصلے پر تھی اس لیے یہاں فورسز کی طرف سے فضائی نگرانی بھی خاص نہیں تھی۔ بہرحال میرا مسئلہ کرنل اور اس کے ساتھی تھے انہیں اب تک یہاں آ جانا چاہیے تھا اور وہ بھی نہیں آئے تھے تو اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ انہیں حادثے کا پتا ہی نہیں چلا تھا وہ طوفان میں کیبن میں دبکے بیٹھے تھے۔ طوفان کے شور میں انہیں ہیلی کاپٹر کریش کا دھماکہ بھی سنائی نہیں دیا تھا۔ اب مجھے خود کیبن تک جانا تھا۔

دیکھا جائے تو یہ آئیل مجھے مارنے والی بات بھی ہو سکتی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا میں اس علاقے سے قطعی نا واقف تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں راستے کہاں جاتے تھے اور نزدیک ترین آبادی کہاں تھی۔ اگر میں کسی آبادی تک پہنچ بھی جاتا تو تب بھی اس کا امکان کم تھا کہ مجھے اسلام آباد جانے کے لیے کوئی گاڑی مل سکے۔ یہاں آس پاس سارے غریب غربا کی آبادی ہو سکتی تھی جن کے پاس سے گاڑی ملنا بہت مشکل تھا گاڑی مجھے کیبن سے باہر سے مل سکتی تھی۔ دوسرے میں کرنل پر قابو پانے کے بعد جاننا چاہتا تھا کہ بھارتی مجھے کیوں حاصل کرنا چاہتے تھے اور مجھ تک ان کی رہنمائی کس نے کی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں جتنا بظاہر لگ رہا تھا۔ اگر بھارتی میرے پیچھے تھے تو مجھے اغوا کرنے کا تک مشکل سے بنتا تھا وہ مجھے مار ڈالتے اور یہی ان کا انتقام ہوتا۔ اصل کہانی کیا تھی یہ مجھے کرنل زریسکی سے معلوم ہو سکتی تھی۔

میں اٹھ کر روانہ ہوا لیکن میں نے سڑک پر آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے بجائے میں اوپر جنگل میں چلتا رہا۔ یہاں ہواؤں کا دباؤ کم تھا اور میرا کسی کی نظروں میں آنے کا امکان بھی کم تھا۔ سڑک پر میں فوراً نظروں میں آ جاتا اور عین ممکن ہے جو بات میرے ذہن میں ہو وہی کرنل کے ذہن میں بھی ہو دشمن کو کبھی بے وقوف نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ سمجھ رہا ہو گا کہ ان حالات میں ردِعمل کیا ہو گا اور وہ اسی کے لحاظ سے حکمتِ عملی بنائے کیبن یا اس کے آس پاس میرا انتظار کر رہا ہو۔ مجھے جو قدم اٹھانا تھا بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا تھا دوسری صورت میں میرے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں رہ جائے گا۔ یہ طے تھا مجھے کیبن کی طرف جانا تھا بس پوری طرح محتاط ہو کر جانا تھا۔

پہاڑی کے دوسری طرف آتے ہی مجھے سامنے سڑک پار وہ پہاڑی اور اس پر بنا ہوا کیبن دکھائی دیا تھا۔ کیبن کی طرف جانے کے لیے مجھے لازمی پہاڑی سے اتر کر سڑک عبور کر کے دوسری طرف جانا ہوتا اور اس دوران میں میرا نظروں میں آنے کا بہت زیادہ امکان تھا۔ یہ پہاڑی کچھ اس نوعیت کی تھی کہ اس کی ڈھلان صرف سامنے کی طرف تھی اور بظاہر کیبن تک جانے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ میں درختوں کی آخری حد تک آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں سے کیبن صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ وہاں کے ماحول میں کوئی تبدیلی آئی تھی لیکن یہ تبدیلی کیا تھی میرا ذہن اس کا ادراک نہیں کر پا رہا تھا۔ پھر میں نے اس بات کو ذہن سے جھٹک دیا اور کسی ایسی ترکیب پر غور کرنے لگا جس سے میں دیکھے جانے کا خطرہ مول لیے بغیر کیبن تک پہنچ جاؤں۔ مگر فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

طوفان جاری تھا لیکن بادل بہت گہرے نہیں تھے اور برف کی سفیدی کی وجہ سے ماحول تاریک نہیں تھا۔ اس لیے اگر میں سامنے کی طرف سے کیبن والی پہاڑی پر چڑھتا تو میرے نظر آنے کا بہت زیادہ امکان تھا۔ جیکٹ کا رنگ ہلکا سرمئی تھا اور برف کے پس منظر میں فوراً نظر آ جاتا۔ ابھی میرا ذہن واضح نہیں تھا اس لیے میں ذرا پیچھے درختوں میں ایک ایسی جگہ دبک گیا جہاں سرد ہواؤں کا گزر ذرا کم تھا۔ اب مجھے شام ہونے کا انتظار تھا روشنی کم ہونے پر ہی میں کچھ کر سکتا تھا۔ یا موسم مزید خراب ہو جاتا اور حد نگاہ محدود ہو جاتی تب میں کیبن کی طرف جا سکتا تھا۔ اس روشنی میں اس طرف جانے سے میرا کرنل یا اس کے ساتھیوں کی نظر میں آ جانے کا بہت زیادہ امکان تھا۔

آرام سے بیٹھتے ہی مجھے ان لوگوں کا خیال آیا جنہیں میں پیچھے چھوڑ آیا تھا اور وہ میرے لیے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ بہرحال اس بار میں اتنا پتا چھوڑے بغیر غائب نہیں ہوا تھا اس لیے میرے لواحقین ملنے والے نشانات پر مجھے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ مجھے ایمن کا خیال آیا۔ اس کے پاس مہلت مزید کم رہ گئی ہوگی۔ شاید دو دن کی اور اگر ڈیوڈ شا کی مداخلت جاری رہی تو اس کا امکان کم تھا کہ برٹش حکومت تاوان کی ادائیگی پر آمادہ ہو جائے۔ دوسری طرف فتح خان کسی صورت رقم لیے بغیر ایمن کو چھوڑنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے کوشش کی تھی کہ مجھے درمیان کا آدمی بنائے لیکن بعد میں خود اس نے مجھے اغوا کر کے کرنل کے آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سا کھیل کھیل رہا ہے اور اس کے اصل مقاصد کیا ہیں۔

اس نے مجھے اغوا کیا لیکن کرنل کے آدمیوں کے حوالے کرنے سے پہلے اس نے نادر علی سے میری ملاقات کرائی۔ کیا اسے علم تھا کہ مجھے بھارتیوں کے حوالے کیا جانے والا ہے؟ اگر اسے علم تھا تو اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ بھارتی میرے خون کے پیاسے تھے اور وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ کیا فتح خان مجھے مارنے کی اس کوشش میں شریک تھا؟ یا وہ کسی کے دباؤ پر ایسا کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ مجھے تقریباً یقین تھا کہ فتح خان کو شک ہے میں ہیروں کے جائے مدفن سے واقف تھا۔ کیونکہ مرتے برٹ شا کے پاس میں ہی تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا لیکن فتح خان اس سے ناواقف تھا۔ اس کے شک کی بنیاد پر میں اس کے لیے خاصا اہم ہو گیا تھا اور وہ مجھے اتنی آسانی سے گنوانے کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا کہ دکھائی دے رہا تھا۔ مگر یہاں بیٹھ کر غور و فکر کرنے سے معاملہ سمجھ میں بھی نہیں آنے والا تھا۔ طوفان خلاف توقع دھیما پڑنے لگا تھا اور اب ہواؤں کی رفتار میں تیزی نہیں رہی تھی۔ برف باری بھی رک گئی تھی۔ اس سے موسم مزید صاف ہو گیا۔ میرا اندازہ تھا کہ پانچ بجے کے بعد یہاں اندھیرا چھانے لگے گا۔ اس وقت میں موقع سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ یہ ضروری تھا کیونکہ رات ہوتے ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا اور اس موسم میں رات باہر گزارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے کسی طرح کرنل سے گاڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حاصل کرنی تھی اور اس کے بعد ہی میں یہاں سے نکل سکتا تھا۔ کیبن کی طرف سے مکمل خاموشی تھی نہ کوئی باہر آیا تھا اور نہ کوئی اندر گیا تھا۔

میری چھٹی حس دھیمے سروں میں خطرے کا الارم بجانے لگی۔ دشمن کی طرف سے اتنی خاموشی بھی ٹھیک نہیں ہوتی ہے۔ اگر کرنل اور اس کے ساتھیوں کو ہیلی کاپٹر کی تباہی کا پتا نہیں چلا تھا تب بھی انہیں ریڈیو پر تو اطلاع مل گئی ہوگی کہ یہاں سے جانے والا ہیلی کاپٹر دو سرحدیں پار کرنے کے بعد بھی اپنی منزل پر نہیں پہنچا اور کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اس صورت میں کرنل کو حرکت میں آنا چاہیے تھا۔ مگر وہ سکون سے کیبن میں بیٹھا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ کرنل نے ہیلی کاپٹر کی واپسی کا سوچا ہی نہ ہو اور وہ سمجھ رہا ہو کہ جب ہیلی کاپٹر تاجکستان کی سرحد پار کر گیا تھا تو اس کے دوبارہ یہاں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر سوال نہیں پیدا ہوا تھا میں خود آ گیا تھا اور ہیلی کاپٹر یہاں سے کچھ دور پڑا تھا۔ اب تو اس کے ملبے کی آگ بھی بجھ گئی ہوگی۔

وقت گزر رہا تھا اور میں اب حرکت میں آنے کے لیے بے چین تھا سردی اتنی تھی کہ گرم ترین لباس کے باوجود ایک جگہ بیٹھے بیٹھے جسم اکڑ گیا تھا۔ میں وقفے وقفے سے اٹھ کر جسم کو حرکت دیتا تب کہیں جا کر جسم حرکت میں آنے کے قابل ہوتا تھا۔ پھر اندھیرا چھانے لگا۔ بادل اتنے تھے کہ ان میں سورج کی پوزیشن کا معمولی سا احساس تھا۔ جب مشرقی افق تاریک ہونے لگا تب سمتوں کا صحیح سے پتا چلا۔ سورج غروب ہوتے ہی ماحول یک دم تاریک ہو گیا تھا۔ روشنی کم ہوتے ہی میں نیچے اتر آیا۔ اوپر کیبن کی کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی یعنی وہاں کرنل اور اس کے ساتھی موجود تھے۔ میں ایسے زاویے سے جانے لگا کہ اگر کوئی کھڑکی سے دیکھے تو میں اسے آسانی سے دکھائی نہ دوں ویسے اس کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ روشن کیبن میں کھڑے ہو کر کوئی رات کی تاریکی میں مجھے دیکھ سکے۔ سرمئی جیکٹ جو دن میں مجھے نمایاں کر رہی تھی اب تاریکی میں مل کر مجھے چھپا رہی تھی۔ سڑک سے اوپر جانے کے بجائے میں نے پہاڑی کے بائیں طرف سے چڑھنا شروع کیا اس کے لیے مجھے سڑک عبور کرنا پڑی تھی اور تازہ برف پر میرے قدموں کے نشانات بن گئے تھے لیکن صبح سے پہلے یہ کسی کی نظر میں نہیں آتے اور اس وقت تک میں کچھ نہ کچھ کر گزرتا۔

چھوٹی موٹی خشک جھاڑیوں اور ٹنڈ منڈ درختوں کی آڑ لیتے ہوئے میں کیبن کے پاس پہنچا۔ یہ عقبی حصہ تھا اور اس طرف وہ کمرہ تھا جہاں مجھے رکھا گیا تھا اس میں ایک کھڑکی تھی جس پر فولادی سلاخیں لگی تھیں۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا کھڑکی کے نیچے آیا اور پہلے اندر کی سن گن لی۔ پھر سر سے ہڈ ہٹاتے ہوئے بہت احتیاط سے اندر جھانکا۔ کرنل کے دونوں ساتھی وہاں موجود تھے ایک بستر پر دراز تھا اور دوسرا ایک کرسی پر بیٹھا ہوا پاؤں ہلا رہا تھا۔ کرنل یقیناً لاؤنج والے حصے میں تھا۔ میں دبے قدموں چلتا لاؤنج کی عقبی کھڑکی کی طرف آیا۔ یہاں چھوٹا سا کچن تھا۔ میں نے کھڑکی سے جھانکا تو کرنل مجھے آتش دان کے سامنے آرام کرسی پر لیٹا دکھائی دیا۔ اس کے اطمینان سے ظاہر تھا کہ اسے میری کوئی پروا نہیں تھی اس کی بلا سے میں پورا بھارتی اڈہ تباہ کر کے فرار ہو گیا ہوں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ معاوضے پر کام کر رہا تھا۔ اس نے جس کام کا معاوضہ لیا تھا وہ کر دیا تھا آگے اس کی کوئی ذمے داری نہیں تھی عین ممکن تھا کہ مجھے بھارتیوں کے حوالے کر کے اس نے ریڈیو بھی آف کر دیا ہو۔ اگر وہ بھارتیوں کے لیے مستقل کام کر رہا ہوتا یا اسے میرے فرار کی اطلاع مل گئی ہوتی تو وہ اتنے سکون سے نہ بیٹھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا۔ اس نے کہا تھا کہ مجھے پارسل کر کے وہ یہاں رکے گا نہیں بلکہ چلا جائے گا لیکن وہ بدستور یہاں موجود تھا۔

کیبن کا دروازہ اندر سے بند تھا اور اگر کھلا بھی ہوتا تب بھی دروازہ کھلتے ہی کرنل ہوشیار ہو جاتا اور اس کے بعد اس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا۔ مجھے کرنل کو قابو کرنا تھا اس کے بعد اس کے دونوں گرگے خود ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کرنل کو قابو میں کرنے کی کوئی تدبیر کروں کہ وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک طرف رکھی اپنی گرم جیکٹ پہنی تو میں سمجھ گیا کہ وہ باہر آنے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ میں دبے قدموں چلتا کونے تک آیا۔ سامنے والے حصے میں جانے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اس کا بھی امکان تھا کہ کرنل باتھ روم جاتا اور میں فوراً اس کی نظروں میں آ جاتا۔

میرا خدشہ درست نکلا۔ کرنل باتھ روم کی طرف ہی جا رہا تھا اور وہ مجھ سے صرف چند فٹ کے فاصلے سے گزرا۔ میں دیوار سے چپک گیا تھا اور اگر کرنل میری موجودگی محسوس کر لیتا تو میں اسے ہینڈز اپ کرنے کے لیے بالکل تیار تھا لیکن وہ اپنی دھن میں پتلون کی بیلٹ کھولتا ہوا تیز قدموں سے باتھ روم کی طرف چلا گیا یقیناً فطرت کی پکار خاصی تیز تھی اور اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ باتھ روم میں گھس کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور میں دبے قدموں باتھ روم کی طرف بڑھا۔ کیبن کی کھڑکیوں سے آتی روشنی دیکھنے میں مدد کر رہی تھی۔ میں باتھ روم کے دروازے کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اندر کرنل کی مصروفیت کی اطلاع باہر تک آ رہی تھی۔ پھر وہ خود باہر آ گیا اور میں نے اس کی پشت پر پستول رکھ دیا۔

''کرنل چالاکی مت دکھانا۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''ورنہ مرحوم کہلاؤ گے۔''

وہ دم بخود رہ گیا تھا اپنی پشت پر پستول کے دباؤ سے زیادہ شاید یہاں میری موجودگی اس کے لیے ناقابلِ یقین تھی کیونکہ اپنے طور پر اس نے مجھے پارسل کر دیا تھا اور اس کی نظروں کے سامنے بھارتی مجھے لے کر روانہ بھی ہو گئے تھے۔ ''تم..... واپس آ گئے۔'' اس نے مشکل سے کہا۔

''ہاں تمہارے بغیر دل نہیں لگا۔'' میں نے کہا۔ ''ہاتھ اوپر کر لو۔''

اس نے ہاتھ اوپر کیے اور میں نے اوپر سے لے کر نیچے تک اس کی تلاشی لی۔ پستول اس کی جیکٹ میں تھا میں نے اسے اپنی جیکٹ میں ڈال لیا اب میرے پاس تین پستول ہو گئے تھے اور میں اچھا خاصا چلتا پھرتا اسلحہ خانہ بن گیا تھا کرنل نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔ ''کیا چاہتے ہو تم؟''

''یہ میں تمہیں اندر چل کر بتاؤں گا۔'' میں نے اسے آگے دھکیلا۔ ''اتنا خیال رکھنا کہ تمہیں زندہ رکھنا میرے نزدیک بالکل بھی ضروری نہیں ہے اس لیے مرنے کی کوشش مت کرنا۔''

''تم بچ نہیں سکو گے وہ تمہیں پھر پکڑ لیں گے۔''

''وہ مجھے پہلے بھی نہیں پکڑ سکے تھے میں راستے سے بھاگ آیا ہوں۔'' میں نے اسے مطلع کیا۔ ''ہیلی کاپٹر کا ملبہ یہاں سے کوئی نصف کلومیٹر مشرق میں موجود ہے۔''

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ ''چوپر کریش ہو گیا..... کیسے؟''

''جیسے ہوتا ہے اور وہ جو مجھے لینے آئے تھے خود پرلوک سدھار گئے۔''

''شہباز یہ تم نے اچھا نہیں کیا ہے تم نہیں جانتے تم کن سے دشمنی مول لے رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے آگے دھکیلا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ وہ مجھے دعوت میں لے جا رہے تھے اور میں نے بھاگ کر اچھا نہیں کیا ہے۔''

''وہ تمہیں پھر لے جا سکتے ہیں۔''

''بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی ابھی تو اندر چلو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو وہ بادلِ ناخواستہ حرکت میں آیا۔ ہم کیبن میں آئے تو ایک خوشگوار حرارت کے احساس نے استقبال کیا لیکن مجھے حرارت سے زیادہ دوسری چیزوں کی فکر تھی جو کیبن کے دوسرے کمرے میں تھیں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''ان دونوں کو آواز دے کر بلاؤ۔ بغیر کوئی اشارہ کیے۔''

اس نے بلند آواز سے کہا۔ ''آغا..... مبشر۔''

دونوں کمرے سے نمودار ہوئے اور مجھے کرنل کے پیچھے دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔ ''دونوں ہاتھ اوپر کر کے اور سامنے دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔'' میں نے حکم دیا۔ ''جس نے پیچھے دیکھنے یا ہاتھ نیچے کرنے کی کوشش کی اس کے سر میں سوراخ ہو جائے گا۔''

انہوں نے خاموشی سے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے دوسرا حکم دیا۔ ''اب اپنا بایاں ہاتھ استعمال کرو اور اپنے پاس موجود ہتھیار نکال کر نیچے پھینک دو۔''

انہوں نے اس بار بھی حکم کی تعمیل کی۔ مگر مجھے اطمینان نہیں تھا عین ممکن تھا کہ ان کے موٹے گرم لباسوں تلے مزید ہتھیار چھپے ہوتے اور وہ موقع ملنے پر انہیں استعمال کرنے کی کوشش کرتے۔ اس لیے میں نے انہیں لباس اتارنے کا حکم دیا۔ انہوں نے برہمی سے کرنل کی طرف دیکھا۔ یہ ان کی تذلیل تھی لیکن کرنل خود گن پوائنٹ پر تھا۔ میں نے ملائمت سے کہا۔ ''مرنے کے مقابلے میں کچھ دیر کے لیے بے لباس رہ لینا زیادہ آسان ہے۔''

انہوں نے مجبوراً اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ میں نے انہیں کمرے میں چلنے کا حکم دیا اور خود کرنل کے پیچھے رہتے ہوئے ان کے ساتھ کمرے میں آیا میں نے وہاں کی تلاشی لی کہ کوئی اسلحہ یا ایسی چیز تو نہیں تھی جس سے وہ خود کو آزاد کرا لیتے اور پھر کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ کرنل میرے ساتھ ہی تھا اور خلافِ توقع وہ پوری تابعداری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میں نے اسے اس کرسی پر بٹھایا جس پر اس نے مجھے بٹھایا تھا اور خود آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ کرنل کی نظر میری جیکٹ میں چاقو کے وار سے ہونے والے سوراخوں پر تھی۔ میں نے کہا۔ ''تم کو بعد میں پتا چل گیا ہوگا کہ میں چاقو چھپا کر لے گیا ہوں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تمہارے جانے کے خاصی بعد مجھے احساس ہوا کہ چاقو غائب ہے۔ پائلٹ نے راستے میں ریڈیو بند کر دیا ہوگا اس لیے میں اسے کال بھی نہیں کر سکا۔''

''ہاں جب وہ فیول لینے اترا تب اس نے ریڈیو آن کیا تھا۔''

''مگر اتنی دیر میں تم اپنا کام کر چکے تھے۔'' کرنل۔

''ہاں چاقو چھوٹا لیکن بہت کام کا ثابت ہوا۔ میرا نگران فوراً مارا گیا تھا۔ پائلٹ البتہ کریش میں ہلاک ہوا۔''

''شہباز تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔'' اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''اس سے معاملات بہت خراب ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں گے۔"

"یقیناً دشمنوں کے معاملات بہت خراب ہو جائیں گے۔" میں نے خوشدلی سے کہا اور پھر سنجیدہ ہو گیا۔

"کرنل میں جاننا چاہتا ہوں اس سارے چکر کے پیچھے کون ہے۔"

"تم جانتے ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہارا مطلب ہے بھارتی ہیں؟"

اس نے سر ہلایا۔ "ہاں تم نے خود دیکھا تھا تمہیں لے جانے والے بھارتی تھے۔"

"اس میں مجھے بھی کوئی شک نہیں ہے لیکن مجھے بلوانے والے صرف بھارتی ہیں یہ بات میرا ذہن قبول نہیں کر رہا ہے بھارتی میرے دشمن ہیں مجھے اغوا کرانے کے بجائے مروانا پسند کریں گے۔"

"ممکن ہے تم انہیں زندہ ہی مطلوب ہو۔" کرنل نے جلدی سے کہا۔

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ "گویا تم سچ نہیں بولو گے؟"

"سچ بس ایک ہی ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

میں تشدد کے ذریعے اس سے حقیقت اگلوا نہیں سکتا تھا۔ پھر میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا مجھے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا تھا اس سے پہلے کہ بھارتی یا کوئی اور مصیبت نازل ہو جاتی۔ ہیلی کاپٹر کی تباہی زیادہ دیر چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ اب تک بھارتی ہیلی کاپٹر کو اپنے اڈے کے آس پاس ہی تلاش کر رہے ہوں گے کیونکہ ان تک ری فیولنگ کی رپورٹ پہنچ گئی ہو گی۔ جب انہیں ہیلی کاپٹر وہاں نہیں ملے گا تو وہ دوسرے امکانات پر غور کریں گے اور ریڈیو بند ہونے والے واقعے سے کڑیاں ملاتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔

"کرنل سچ ایک ہی ہوتا ہے لیکن وہ تمہاری زبان سے نکل نہیں رہا ہے میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ میں نکلوانے کی کوشش کرتا۔" میں کہتے ہوئے اس کی پشت کی طرف آیا اور اس سے پہلے کہ وہ ہوشیار ہوتا میں نے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کی گدی پر مارا۔ میں ہلکا وار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا وہ سخت جان فوجی تھا اور عین ممکن تھا اس پر اتنا اثر نہ ہوتا پوری قوت سے وار کرنے میں صرف یہ خطرہ تھا کہ وہ مر بھی سکتا تھا تو مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ میرا دشمن تھا اور اس نے مجھے بدترین دشمنوں کے حوالے کر دیا تھا۔ کرنل چشم زدن میں بے ہوش ہو کر آگے جھکا اور کرسی سے لڑھک کر فرش پر دراز ہو گیا۔ میں نے اس کی نبض کا معائنہ کیا جو سست لیکن مستقل چل رہی تھی اور اس کے دو تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مزید تسلی کے لیے میں نے ایک کونے میں رکھی رسی سے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے۔ اب وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اس سے فارغ ہو کر میں نے کیبن کی تلاشی لی اور سب سے پہلے پیٹ پوجا کی۔ بھوک سے میرا برا حال تھا۔ وہاں ڈبل روٹی۔ دودھ، انڈے اور مکھن پنیر جیسی محفوظ رہ جانے والی خوراک وافر مقدار میں تھی۔ میں نے کھانے کے بعد راستے کے لیے بھی کچھ چیزیں پیک کر لیں۔ کھانے کے دوران میں کیبن کی تلاشی لیتا رہا تھا۔ وہاں اسلحے کے نام پر صرف وہی دو شاٹ گنیں تھیں جو کرنل کے آدمیوں کے پاس تھیں یا پھر وہ پستول تھے جو میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کرنل کی اور اس کے آدمیوں سے حاصل کیے تھے۔ اتنے پستول بیکار تھے لیکن میں نے وہ بھی ساتھ رکھ لیے۔ شاٹ گن اور ان کے فاضل بلٹس بھی تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہر قسم کا اسلحہ ساتھ لے جاؤں گا دشمن کو جتنا نہتا کر سکوں اتنا ہی میں محفوظ ہوں گا۔

ایک چھوٹی سی الماری کا تالا توڑا تو اس میں سامنے ہی خاصی بڑی رقم رکھی دکھائی دی اور یہ ڈالرز کی صورت میں تھی۔ میں نے گڈیاں اٹھا کر دیکھیں یہ دس ہزار ڈالرز والی گڈیاں تھیں اور ان کی کل تعداد بیس تھی۔ یعنی یہ دو لاکھ ڈالرز کی رقم تھی۔ پاکستانی روپے میں یہ رقم کوئی ایک کروڑ ستر لاکھ روپے بنتی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کرنل نے اتنی بڑی رقم یہاں رکھی تھی شاید یہ رقم اس نے میرے بدلے حاصل کی تھی۔ پہلے مجھے خیال آیا کہ میں یہ رقم ساتھ لے جاؤں یا کم سے کم آتش دان میں ڈال جاؤں۔ تاکہ کرنل اس سے محروم ہو جائے مگر پھر میں نے یہ خیال مسترد کر دیا۔ رقم خاصی بڑی تھی اور عین ممکن تھا اس کی واپسی یا پھر اس کا بدلہ لینے کے لیے کرنل میرے پیچھے آتا اور میں پہلے ہی دشمنوں سے بیزار تھا۔ ان میں کمی کی کوشش کر رہا تھا اضافہ نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے یہ رقم جوں کی توں چھوڑ دی البتہ کرنل کی تلاشی کے دوران اس کی جیب سے کوئی چودہ ہزار کی رقم ملی تھی وہ میں نے بلا تکلف رکھ لی کیونکہ راستے میں مجھے لازمی ضرورت پڑتی اور ان لوگوں نے میری جیب میں ایک روپیہ نہیں چھوڑا تھا۔ پھر میں نے کرنل کی قیمتی رولیکس اتار لی۔ آخر میں کرنل کی تلاشی لی اور اس کی ایک جیب سے وہ چابی ملی جس سے میرے ہاتھ پیروں میں پڑی ہتھکڑیاں کھل گئیں۔ اس مصیبت سے بھی جان چھوٹی تھی۔ کیونکہ یہ زبردستی کے کڑے ہاتھ پیروں میں چبھ رہے تھے۔

کیبن میں اور کوئی کام کی چیز نہیں تھی۔ میں نے وین کی چابیاں تلاش کیں لیکن وہ مجھے کرنل سمیت کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکی تھیں۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ وین میں نہ لگی ہوں۔ میں باہر وین کے پاس آیا تو مجھے وہی عجیب سا احساس ہوا تھا جو اوپر جنگل سے وین دیکھ کر ہوا تھا لیکن میں اسے اس وقت بھی نہیں سمجھ سکا۔ دروازہ کھول کر دیکھنے پر چابیاں سامنے نظر آئیں تو میں نے سر پیٹ لیا۔ یہاں کون چابیاں سنبھالتا پھرتا جب کہ چوری کا کوئی امکان نہیں ہے۔ میں نے پہلے ڈیزل کی پوزیشن دیکھی۔ ٹینک تین چوتھائی فل تھا اور وین کے درمیانی حصے میں چار گیلن والے تین جیری کین رکھے تھے۔ یہ سب ڈیزل سے بھرے ہوئے تھے۔ گویا مجھے راستے میں شاید ہی کہیں ایندھن بھروانے کی شاید ہی ضرورت پیش آتی۔

میں نے وین اسٹارٹ کی اس کے انجن کو چوک دینا پڑی تھی سردی کی وجہ سے جام ہو رہا تھا لیکن یہ غنیمت رہا کہ اس سردی میں چوک سے اسٹارٹ ہو گیا۔ انجن کو چلتا چھوڑ کر میں کیبن میں آیا۔ میں نے سب سے پہلے ریڈیو اٹھا کر اسے فرش پر دے مارا۔ مزید دو تین بار جوتے تلے کچلنے سے وہ بالکل تباہ ہو گیا اور اب اس کی مرمت وہاں بھی نہیں ہو سکتی تھی جہاں یہ کبھی بنا ہو گا۔ کرنل بدستور بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اسے کرسی پر ڈال کر میں نے سامان اور اسلحہ سمیٹا اور باہر وین میں لا کر ڈالا۔ انجن کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ نہایت بہترین حالت میں تھا۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے صرف کیبن کا دروازہ بند کیا تھا۔ اسلحہ اور دوسری ساری چیزیں میں نے عقبی خانے میں ڈال دیں تھیں۔ اس موڑ سے ذرا پہلے وین روک کر میں پیدل وہاں تک گیا جہاں نیم تاریکی میں مجھے بجلی کا پٹرکا جلا ہوا ڈھانچہ دکھائی دیا تھا۔ ابھی تک اس حادثے کا احوال لینے نہیں آیا تھا اور یہ اس لحاظ سے اچھا ہوا کہ اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرکاری لوگ آگئے ہوتے تو وہ مجھے روک سکتے تھے۔ کیونکہ یہاں سے گزرنے کا بظاہر ایک یہی راستہ تھا۔ میں واپس آیا اور وین میں اس جگہ کے پاس سے نکلتا چلا گیا۔

مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ میں چترال کے کس حصے میں تھا سوائے اس کے کہ یہ حصہ سرحد سے بہت قریب تھا۔ مجھے خیال آیا کہ شاید ان لوگوں نے راستوں کی تلاش کے لیے کوئی نقشہ رکھا ہو۔ میں نے ڈیش بورڈ کے خانے میں ہاتھ مارا تو ایک ٹارچ کے نیچے مجھے کوئی کاغذ محسوس ہوا تھا۔ میں نے اسے باہر کھینچا تو کھلنے پر یہ ایک چھوٹا سا نقشہ ثابت ہوا تھا جو پاکستان کے شمالی حصے کے بارے میں تھا۔ اس میں سڑکوں کی وضاحت کی ہوئی تھی۔ نقشے میں پین سے سڑک کی وضاحت بھی کی گئی تھی جو اس کیبن تک آتی تھی۔ میں نے وین ایک طرف روک دی اور کچھ دیر مغز ماری کرنے کے بعد نقشہ میری سمجھ میں آگیا۔

رات کا وقت تھا لیکن خوش قسمتی سے موسم صاف تھا آسمان پر بادل تھے لیکن تیز ہوا کی وجہ سے دھند کا نام و نشان نہیں تھا۔ سڑک پر برف تھی لیکن اب یہ جم کر سخت ہو گئی تھی جس پر وین کے خصوصی ٹائر بہت اچھی طرح گرپ کر رہے تھے۔ اس کے باوجود میں نے رفتار اتنی رکھی تھی کہ ٹائر سلپ کرنے کی صورت میں وین کو سنبھال لوں۔ مجھے جلدی تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ میں خطرہ مول لے کر ڈرائیو کرتا۔ ایک مناسب جگہ رک کر میں نے سوائے ایک شاٹ گن اور دو عدد پستولوں اور ان کے فاضل ایمونیشن کے باقی سارا اسلحہ سڑک کے ساتھ ایک گہری کھائی میں پھینک دیا۔ پستول میں نے جیکٹ میں رکھ لیے تھے جب کہ شاٹ گن اگلی نشست کے سامنے والے حصے میں اس طرح رکھی تھی کہ باہر سے کوئی دیکھے بھی تو اسے نظر نہ آئے۔ شروع کے ایک دو گھنٹے میں مجھے خطرہ لگا رہا تھا کہ کہیں دشمن سے سامنا نہ ہو جائے۔ کہیں وہ گھات لگائے نہ بیٹھا ہو۔ یہ تو ان کو معلوم تھا کہ فرار کے لیے میں کون سا روٹ منتخب کروں گا۔

لیکن جب کہیں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی تو میں کسی قدر پُر اعتماد ہو گیا۔ یہ میری بہت ہی بڑی خوش قسمتی تھی کہ میں بھارتی درندوں کی قید میں جانے سے پہلے فرار ہونے میں کامیاب رہا تھا ورنہ ایک بار میں ان کی قید میں چلا جاتا تو میری گلو خلاصی بہت ہی مشکل ہو جاتی۔ اب مجھے ہوشیار رہنا پڑے گا۔ میرے دشمنوں میں ایک خطرناک دشمن کا اضافہ ہو گیا تھا اور یہ یوں زیادہ خطرناک تھا کیونکہ اس کے پاس ریاست کی طاقت تھی اور ریاستی دہشت گردی اور پڑوسی ممالک میں مداخلت کا وسیع تجربہ بھی تھا۔ اس ناکام کوشش نے بھارتیوں کو سخت مشتعل کر دیا ہو گا اور وہ پہلے سے زیادہ کوشش کرتے مجھے گرفتار کرنے یا اس دنیا سے رخصت کرنے کی۔

چار گھنٹے بعد میں ایک جگہ رک گیا۔ مسلسل ڈرائیونگ نے مجھے تھکا دیا تھا۔ وین کا کیبن اندر سے گرم تھا اور باہر کے موسم کا پتا بھی نہیں چل رہا تھا میں نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر وین روکی اور انجن چلتے رہنے دیا۔ کیبن میں کھانے کا سامان سمیٹنے کے دوران میرے ہاتھ ایک بڑے سائز کا تھرماس بھی لگا تھا اور میں نے اسٹیل کے ایک مگ سمیت اسے اٹھا لیا۔ کیتلی بھر کر کافی بنائی اور تھرماس میں بھر لی۔ بغیر شکر اور دودھ کی یہ کافی مجھے اس رات میں تازہ دم رکھتی۔ تھرماس اچھی کوالٹی کا تھا اور یہ کم سے کم دس بارہ گھنٹے تک کافی کو گرم رکھ سکتا تھا۔ ایک گھنٹے کے آرام اور دو مگ کافی نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا۔

روانہ ہونے سے پہلے میں نے ایک بار پھر نقشے کا جائزہ لیا تو مجھے ایک چیز دکھائی دی۔ یہ راستہ اسی وادی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس سے گزرتا تھا جہاں برٹ شا نے ہیرے چھپائے تھے اور پھر خود بھی اسی وادی میں اپنی آخری سانسیں لی تھیں۔ اب اس کی بیٹی عذاب میں گرفتار تھی۔ فتح خان نے اسے بارودی جیکٹ پہنادی تھی اور اس کے پاس شاید چالیس گھنٹے سے زیادہ کی مہلت باقی نہیں رہی تھی۔ نقشہ دیکھتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اگر میں راستے میں ایک دن اس وادی میں رک کر ہیرے تلاش کرنے کی کوشش کروں تو شاید مجھے ہیرے مل جائیں۔ میرے پاس ہمت تو تھی۔ شمال میں سب سے بڑا تنا۔ یہی برٹ شا کے آخری الفاظ تھے۔ اگر ہیرے مل جاتے اور ایمن کی جان بچنے کی اور کوئی صورت باقی نہیں رہتی تو میں یہ ہیرے فتح خان کے حوالے کر کے اسے بچا سکتا تھا۔

جیسے جیسے میں ڈرائیو کرتا ہوا وادی کے قریب ہوتا جا رہا تھا یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ مجھے کل کے دن ایک کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ اس سے زیادہ وقت ایمن کے پاس نہیں تھا۔ مجھے نہیں لگ رہا تھا کہ برٹش حکومت اسے بچانے کے لیے فتح خان کو تاوان ادا کرنے پر راضی ہو جائے گی۔ اس میں صرف بین الاقوامی جرائم کی پیچیدگیاں ہی حلوث نہیں ہوتیں بلکہ سیاسی معاملات بھی آسکتے تھے۔ جہاں تک میرے علم میں تھا کہ دنیا کے دوسرے خطوں کی نسبت اس خطے کے لیے مغربی حکومتوں کی پالیسی مختلف تھی۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں اگر مغربی ممالک کے باشندے اغوا ہوتے تھے تو ان کو رہا کرانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی اور اکثر اوقات اغوا کاروں کو منہ مانگا تاوان ادا کیا جاتا تھا۔

لیکن اس خطے میں مغربی طاقتیں براہِ راست جنگ میں ملوث تھیں اور اگر وہ یہاں اپنے مغویوں کو چھڑانے کے لیے تاوان کی ادائیگی کریں تو اس سے ان کا تاثر خراب ہوتا۔ ان مغربی حکومتوں کے دوطرفہ سے سوال کر سکتے تھے کہ جب تاوان ہی دے کر اپنے آدمیوں کو چھڑانا ہے تو اس خطے میں جنگ پر اربوں ڈالرز کیوں خرچ کیے جا رہے ہیں؟ اس لیے وہ یہاں تاوان کی ادائیگی سے گریز کرتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے اپنے مغویوں کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر ان کی یہ کوششیں ناکام رہتی ہیں۔ ایسے کئی واقعات میری نظروں سے گزرے ہیں جب اغوا کاروں نے مغربی سیاحوں (عام طور سے انہیں سیاح ہی ظاہر کیا جاتا ہے) کو اپنے مطالبات پورے نہ ہونے پر قتل کر دیا اور اکثر ان کے قتل کی ویڈیوز بھی انٹرنیٹ پر دستیاب ہوئی تھیں۔

اس لیے اگر ایمن کو بچانا تھا تو مجھے ہی کوشش کرنا تھی یا فتح خان کو رحم آجاتا اور وہ اسے بخش دیتا۔ دوسری صورت بھی محال لگ رہی تھی اس لیے اب مجھے ہی کچھ کرنا تھا۔ صبح چار بجے میں وادی کے پاس پہنچ گیا تھا اور یہاں موسم اتنا سرد نہیں رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ ایک تو بلندی زیادہ نہیں تھی دوسرے آس پاس بلند پہاڑ بھی نہیں تھے جب کہ چترال میں بلندی بہت زیادہ تھی اور اس کے آس پاس پہاڑ مزید بلند تھے۔ صبح کا وقت پاس ہونے کی وجہ سے وادی کی طرف جانے والے نالے میں پانی زیادہ نہیں تھا لیکن جیسے جیسے دن چڑھتا اور درجہ حرارت بڑھتا یقیناً اس نالے میں خاصا پانی آجاتا۔ فروری کا آخری ہفتہ ہونے کی وجہ سے اب موسم بدل رہا تھا۔ ابھی تاریکی تھی اور میں گاڑی نالے میں اتارنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا یہ بڑی دین تھی اور ذرا سا بیلنس خراب ہوتے ہی الٹ جاتی۔

اس لیے میں آرام کرنے کے ساتھ صبح کا انتظار کرنے لگا۔ سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں دشمنوں کا خیال موجود تھا۔ وہ اگر اتفاق سے بھی آجاتے تو مجھے سوتے سے گرفتار کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت خوش ہوتے۔ میں نے ابلے انڈوں اور ڈبل روٹی مکھن سے ناشتہ کیا۔ کافی خلاف توقع تیزی سے ٹھنڈی ہوئی تھی اور اب برائے نام ہی گرم رہ گئی تھی بہر حال اس کی خون کی روانی تیز کرنے کی صلاحیت برقرار تھی۔ کافی نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا۔ مجھے جاگتے ہوئے بیس گھنٹے سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔ مگر یہ پہلا موقع نہیں تھا جب میں دن رات در بدر پھرتا رہا اور سونے یا آرام کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔

چھ بجے مشرقی افق سے روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ اگر آسمان پر ہلکے بادل نہ ہوتے تو روشنی ذرا پہلے ہو جاتی۔ میں نے گاڑی کو احتیاط سے نالے میں اتارا۔ یہ طاقتور انجن اور فور وہیل ڈرائیو وین تھی اس لیے با آسانی نالے میں اتر گئی۔ ابھی پانی کم تھا مگر بعد میں پانی زیادہ ہو جاتا تو وین اس میں ڈوب سکتی تھی یا پانی اس کے انجن میں گھس جاتا۔ تقریباً دو سو گز آگے جا کر جب مجھے خدشہ نہیں رہا کہ وین پل سے نظر آ سکتی ہے تو میں نے اسے ایک طرف دیوار پر چڑھا دیا اور ہینڈ بریک لاک کر دیا۔

مجھے یاد تھا کہ اسی نالے میں ذرا آگے جا کر جہاں نالا ایک جھٹکے سے گر رہا تھا وہیں میں نے وہ جیپ کھڑی کی تھی جو فتح خان نے مجھے زبردستی دی تھی وادی تک سفر کے لیے لیکن جب میں ایک گھنٹے بعد اس جھٹکے تک پہنچا تو وہاں کسی جیپ کا نام و نشان نہیں تھا۔ یقیناً فتح خان یا اس کے ساتھی اسے نکال لے گئے تھے اور عین ممکن ہے فتح خان اس پر فرار ہوا ہو۔ میں نے چابی چھپا دی تھی لیکن فتح خان جیسے آدمی کے لیے کسی گاڑی کو بغیر چابی کے کھولنا اور اسٹارٹ کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مجھے سے اب پانی کا اچھا خاصا آبشار گر رہا تھا۔ گرمی کے دنوں میں اس نالے میں اس طرح سفر کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ یہ پانی سے لبالب بھر جاتا ہوگا۔ سردی کی وجہ سے یہ خالی تھا اور اس میں سفر کرنا بھی ممکن تھا۔

نالے میں نمی بڑھ گئی تھی اسی تناسب سے سردی بھی لگ رہی تھی لیکن یہ پھر بھی چترال کی سردی سے خاصی کم تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ دن میں یہاں درجہ حرارت صفر سے اوپر آ جاتا ہوگا۔ کھانے کا سامان اور شاٹ گن ایک چھوٹے سے تھیلے میں تھے۔ اسے میں نے پشت پر لاد لیا۔ تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد میں وادی میں داخل ہو رہا تھا۔ بادلوں کو چیرتے سورج کی روشنی نے زمین تک رسائی حاصل کر لی تھی اور اس وجہ سے موسم خوشگوار لگنے لگا تھا۔ میں سیدھا وادی کے درمیان میں موجود پتھریلے کھنڈرات کی طرف گیا۔ اس کا اوپری حصہ دھوپ کی زد میں آ گیا تھا میں سب سے اوپر والے پتھر پر چڑھا اور یہاں سے میں نے سورج کی پوزیشن دیکھ کر شمال کا اندازہ لگایا۔ شمالی ڈھلان وادی میں سب سے بڑی ڈھلان تھی اور اس پر تقریباً ایک کلومیٹر کے رقبے میں گھنا جنگل اگا ہوا تھا۔

میرا دل ڈوب گیا اتنے بڑے جنگل میں ایک درخت تلاش کرنا جس کا تناسب سے بڑا ہو بھوسے میں سوئی تلاش کرنے سے زیادہ مشکل لگ رہا تھا کیونکہ سوئی پھر بھی دھات کی ہوتی ہے اور بھوسے کے تنکوں سے الگ ہوتی ہے۔ یہاں اس ڈھلان پر سارے ہی درخت باون گز کے تھے اور ان میں سب سے بڑے تنے کا فیصلہ کرنا ہی مشکل ترین کام تھا۔ کم سے کم ایک دن میں یہ کام ممکن نہیں تھا۔ بہر حال مجھے کوشش تو کرنا تھی۔ میں نے کھانے کا سامان پتھروں کے درمیان رکھا۔ اس وقت مجھے خوش گوار حیرت ہوئی جب مجھے اس چھوٹے سے غار میں پرانا سامان مل گیا جب میں برٹ شا کے ساتھ یہاں مقیم تھا اور اس میں سب سے اہم رسّی تھی۔ میں نے رسّی کا لچھا لیا اور اس کے سرے پر ایک لمبی کیل باندھ لی۔ کھنڈرات کے باہر پانی کے تالاب تھے زمین سے آنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے اس پانی میں الکلی شامل ہو رہی تھی اس لیے تالاب کے آس پاس جمع پتھروں پر سفید چڑھ گئی تھی۔ میں نے ایسے ڈھیر سارے چھوٹے چھوٹے پتھر جمع کر کے جیکٹ کی جیبوں میں بھر لیے اور شمالی ڈھلان کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں نے شمالی ڈھلان پر دائیں طرف سے آغاز کیا۔ میں بڑے تنوں والے درخت تلاش کر رہا تھا اور دل ہی دل میں برٹ شا کو برا بھلا کہہ رہا تھا جیسے ہیرے چھپانے کے لیے یہی جگہ ملی تھی۔ ایک کلومیٹر کے رقبے میں کوئی ہزاروں درخت تھے اور ان میں سے ایک تہائی بڑے تنوں والے تھے ان کے تنوں کا قطر کم سے کم بھی چھ فٹ تھا اور اونچائی سو فٹ یا اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس جنگل کی حالت سے پتا چلتا تھا کہ ابھی اسے ٹمبر مافیا کی دیمک نہیں لگی تھی۔ آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے یہاں چرواہے بھی کم آتے ہوں گے۔ جنگل میں خود بہ خود ہواؤں یا طوفانوں سے گر جانے والے درخت یا ان کی سوکھی شاخیں تک ویسی ہی پڑی تھیں۔ مجھے جو سب سے بڑا تنا دکھائی دیا۔ میں نے اس پر کیل گاڑھ کر اور تنے کے گرد رسی گھما کر جتنا محیط بنا اتنا رسی پر نشان بنا دیا اور تنے پر الکلی زدہ پتھر سے بڑا سا ایک نمبر لکھ دیا۔

یہاں سے میں اوپر کی طرف بڑھا۔ مجھے جو تنا پہلے والے سے بڑا محسوس ہوتا میں اسے رسی سے ناپ کر دیکھ لیتا اور اگر وہ پہلے والے سے بڑا نکلتا تو میں اس پر سفیدی سے اگلا نمبر ڈال دیتا۔ ڈھلان کے اوپری حصے تک پہنچتے پہنچتے ایسے ایک درجن تنے مل گئے جن میں ہر ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ نمبر لکھنے کے ساتھ ساتھ میں جن درختوں کے پاس سے گزرتا تھا۔ ان پر سفید پتھر سے لکیر مار دیتا تھا اس طرح مجھے پتا چل جاتا کہ میں اس جگہ کو دیکھ چکا ہوں۔ اوپر پہنچنے میں مجھے ایک گھنٹہ لگ گیا اور اس دوران میں، میں نے کوئی بیس گز کی چوڑائی میں درختوں کو دیکھا تھا۔ ایک کلومیٹر کی چوڑائی ایسے پچاس عدد بیس گز تھے اور اس لحاظ سے مجھے پورا جنگل چیک کرنے کے لیے پچاس گھنٹے درکار تھے اس کے بعد ہی میں فیصلہ کر سکتا تھا کہ سب سے بڑا تنا کس درخت کا ہے۔

میں پریشان ہو گیا۔ میرے پاس پچاس گھنٹے کا وقت نہیں تھا زیادہ سے زیادہ آج رات تک کا وقت تک تھا اور مجھے کل صبح تک لازمی واپس اسلام آباد پہنچنا تھا تاکہ فتح خان سے بات کر کے اس سے بارودی جیکٹ کو ڈی ایکٹی ویٹ کرنے والا کوڈ لے سکوں اور وہ بھی اس صورت میں جب مجھے ہیرے مل جائیں اور فتح خان سے سودے بازی کر سکوں۔ اب میرے پاس روشنی کے صرف آٹھ نو گھنٹے تھے اس کے بعد یہاں تاریکی چھا جاتی تھی اور میرے پاس صرف ایک ٹارچ تھی جس سے میں راستہ تلاش کر سکتا تھا ہیرے نہیں۔ بہرحال پریشان ہونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے ہیں مسئلے کوشش سے حل ہوتے ہیں اس لیے میں نے وقت ضائع کیے بغیر اپنا کام جاری رکھا۔

اوپر سے نیچے آتے ہوئے میں نے چکر جلد نمٹا لیا تھا۔ کیونکہ اترنا زیادہ آسان تھا اس میں توانائی اور وقت دونوں کم لگے تھے۔ مگر صرف آنا نہیں تھا اسی طرح مجھے دوبارہ اوپر بھی جانا تھا۔ آنے والے تین گھنٹوں میں آنے اور جانے کے دو دو چکر مکمل کر چکا تھا اور اس دوران میں صرف سوگز کی پٹی میں اوپر سے نیچے تک درختوں کو دیکھا تھا۔ جیسے جیسے میں بڑے تنے تلاش کر رہا تھا ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔ اب تک جو سب سے بڑا تنا نکلا تھا اس کا محیط کوئی چوبیس فٹ تھا یعنی یہ تقریباً سات ساڑھے سات فٹ قطر کا درخت تھا۔ میں نے شکر ادا کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ یہ سب دیو دار قسم کے سیدھے تنے والے درخت تھے اگر یہ صنوبر یا چنار جیسے درخت ہوتے جن کا تنا ٹیڑھا میڑھا ہوتا ہے تو انہیں ناپنا ہی دشوار ہو جاتا۔ اس کے باوجود یہ کام ناممکن حد تک دشوار لگ رہا تھا۔ چار گھنٹے بعد میں تھک کر چُور ہو گیا تھا اور یہ جسمانی سے زیادہ ذہنی تھکن تھی کیونکہ اب تک کامیابی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔

اب جو بھی سب سے بڑا تنا ملتا تھا میں اس کا بغور معائنہ کرتا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ برٹ شانے تنے میں ہی ہیروں کا باکس چھپایا ہوگا۔ زمین میں چھپانا بے کار تھا کیونکہ اتنے عرصے میں زمین میں بہت تبدیلی آ جاتی ہے اور خاص طور سے پہاڑوں میں یہ تبدیلی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ڈھلانوں کی مٹی ہمیشہ کھسکتی رہتی ہے۔ پھر درختوں کی جڑیں زمین میں پھیل کر اس کی شکل ہی بدل دیتی ہیں۔ اس لیے برٹ شانے زمین میں ہیرے نہیں چھپائے ہوں گے اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو یہاں کی تقریباً پتھر جیسی سخت زمین کھود کر کچھ چھپا سکتا۔ اس کے لیے سب سے بہترین جگہ درخت کے تنے میں ہونے والے قدرتی سوراخ ہوتے ہیں۔ کیڑے مکوڑوں یا پرندوں کے بنائے یہ سوراخ ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ ان میں اگر کوئی چیز چھپائی جائی تو وہ اس وقت تک محفوظ رہتی ہے جب تک یہ درخت محفوظ ہوتا ہے۔ کوئی زمینی یا موسمی تبدیلی چھپائی ہوئی چیز کو متاثر نہیں کر سکتی ہے۔

اسی لیے میری توجہ کا مرکز تنے تھے اور ان کا اتنا اوپری حصہ تھا جہاں ایک آدمی کی رسائی آسانی سے ہو سکے۔ دو بجے میں کھنڈرات کی طرف آیا اور ڈبل روٹی پنیر اور مکھن سے لنچ کیا۔ میرے پاس سفید پتھر ختم ہو گئے تھے میں نے وہ جمع کیے اور دوبارہ مشن امپوسیبل میں مصروف ہو گیا۔ میں نے اوپر نیچے اتنا سفر کیا کہ زندگی میں کبھی ایک دن میں اتنا سفر پیدل نہیں کیا ہوگا۔ اس کے باوجود شام ہونے تک میں نے بمشکل ایک تہائی جنگل دیکھا ہوگا۔ ابھی دو تہائی حصہ باقی تھا کہ شام ہو گئی اور تاریکی میں کام ناممکن تھا۔ میں نیچے آتے ہوئے تھک ہار کر ایک تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ تھکن سے زیادہ مایوسی نے میرے ذہن اور جسم پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایمن کے لیے میری کوشش ناکام رہی تھی۔ اس کے پاس کل دوپہر دو بجے تک کا وقت تھا اس کے بعد بارودی جیکٹ خود بہ خود پھٹ جاتی۔ مجھے نہیں معلوم تھا اس پر کیا گزر رہی تھی اور اسے بچانے کے لیے کیا کیا جا رہا تھا۔ اس نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہوگی اور مجھ سے رابطہ بھی نہیں ہوا ہوگا۔ اس کا سیل چھین لیا گیا تھا لیکن اس کے پاس عبداللہ کی کوٹھی کا فون نمبر تھا۔

شام ہوتے ہی سردی کی شدت میں یک لخت اضافہ ہوا تھا اور رات بغیر آگ کے اس کھلی جگہ گزارنا ناممکن تھا۔ مجھے خیال آیا کہ نیچے جاتے ہوئے لکڑی جمع کرتا جاؤں۔ میں اٹھا تھا کہ درخت کے تنے کے ساتھ زمین پر جہاں پاؤں رکھا تھا اچانک میرا پاؤں زمین میں دھنس گیا اور میں گرتے گرتے بچا۔ یہاں زمین میں کوئی سوراخ تھا۔ اس پر پتے اور مٹی اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ اس کا منہ بند ہو گیا تھا۔ میرے پاؤں کا دباؤ آیا تو یہ تہہ ٹوٹ گئی۔ شکر ہے سوراخ بڑا نہیں تھا ورنہ میرا پورا پاؤں ہی چلا جاتا اور شاید ٹوٹ بھی جاتا۔ اس کے بعد میں بے یار و مددگار یہاں پڑا رہ جاتا اور کسی کو خیال بھی نہ آتا کہ میں کہاں تھا۔

میں نے سنبھل کر ٹارچ کی روشنی میں سوراخ دیکھا۔ یہ دو جڑوں کے درمیان والی جگہ میں قدرتی طور پر بن جانے والا سوراخ تھا۔ یہاں جڑیں پھیلنے کے لیے الگ ہوئیں تو ان کے درمیان میں خلا آ گیا۔ یہ خلا خاصا اندر تک چلا گیا تھا۔ میں نے درخت کا معائنہ کیا اور اس کا تنا خاصا بڑا پایا۔ مجھے لگا میں نے اب تک جو درخت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھے تھے ان میں سب سے بڑا تنا اسی کا تھا۔ میں نے رسّی اٹھائی اور تنا ناپ کر دیکھا۔ یہ واقعی سب سے بڑا تنا تھا۔ جو آخری بڑا تنا دیکھا تھا محیط میں یہ اس سے بھی کوئی ایک فٹ بھر بڑا تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال سرسرانے لگا۔ کہیں برٹ شانے یہیں تو ہیرے نہیں چھپائے تھے۔ میں نے آس پاس کوئی لکڑی تلاش کی جو اس سوراخ میں جا سکے مگر وہاں کہیں ایسی لکڑی نہیں تھی۔ البتہ درخت پر کوئی سات آٹھ فٹ کی اونچائی پر ایک چھوٹی اور لمبی شاخ نکلی ہوئی تھی۔ اس تک رسائی کے لیے میں تنے پر ہاتھ جماتے ہوئے اوپر چڑھا تھا۔ میں ٹٹولتا ہوا اوپر چڑھا ایک جگہ میرا ہاتھ جم گیا اور میرا دوسرا ہاتھ جو شاخ کی طرف بڑھ رہا تھا اپنی جگہ منجمد ہو گیا۔

مجھے لگا جیسے دور کہیں کوئی چیخا ہو۔ سچ مچ کوئی چیخا تھا یا یہ میرا وہم تھا۔ میں نے شاخ توڑی اور نیچے اتر آیا۔ سوراخ میں جہاں تک ممکن ہوا میں نے شاخ گھسا کر دیکھ لی۔ مگر اس خلا میں کچھ نہیں تھا۔ میں کھڑا ہو گیا اور ڈھلان سے نیچے اترنے لگا۔ میں نے لکڑیاں جمع کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور جب ڈھلان کے نچلے حصے میں پہنچا تو دوبارہ ویسی ہی چیخ جیسی آواز سنائی دی۔ اس بار یہ آواز واضح آئی تھی اور میں نے پستول نکالتے ہوئے ٹارچ بجھا دی۔ یہاں میرے علاوہ بھی کوئی تھا اور اگر کوئی تھا تو وہ یقیناً چھپ کر میری نگرانی کر رہا تھا لیکن کسی کو کیا معلوم کہ میں یہاں وادی میں تھا۔

میں آگے جانے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگا۔ وادی میں کھلی جگہ دیکھ لیے جانے کے زیادہ امکان تھے بہ نسبت تاریک جنگل کے۔ میں دبے قدموں حرکت کر رہا تھا کیونکہ اب آواز سے ہی پتا چل سکتا تھا کہ میں کہاں تھا؟ اگر میں خاموش رہتا اور یہاں کوئی میری نگرانی کر رہا تھا تو اس کے لیے پتا چلانا ناممکن تھا کہ کہاں ہوں۔ میں درمیانی ڈھلان تک آیا اور پھر اس نالے کی طرف جانے لگا جو اس وادی سے باہر لے جاتا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد میں اس نالے میں تھا۔ یہاں سفر کرنا مزید مشکل ثابت ہوا ایک تو تاریکی مکمل ہو چکی تھی اور دوسرے نالے میں پتھروں کا ڈھیر تھا جن پر چلنا آسان کام نہیں تھا۔ کچھ دیر سفر کے بعد جب میں تیسری بار گرا تو میں نے ٹارچ روشن کر لی۔ موٹے کپڑوں کی وجہ سے مجھے چوٹ تو نہیں آئی تھی لیکن تیسری بار گرنے سے پتلون گھٹنے سے پھٹ گئی تھی اور پانی میں جانے سے اس کا پائنچہ بھی گیلا ہو گیا تھا۔

مجبوراً میں نے ٹارچ روشن کر لی۔ ویسے اس محدود نالے میں کوئی آسانی سے نظروں میں آئے بغیر میرا تعاقب نہیں کر سکتا تھا۔ چلتے چلتے میں اچانک پلٹ کر پیچھے ٹارچ کی روشنی ڈال لیتا تھا۔ اگر کوئی دبے قدموں تعاقب کر رہا تھا تو میری نظر میں آ جاتا لیکن اب تک کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ میرا وہم نہیں تھا۔ پہاڑوں میں نامانوس قسم کی آوازیں آتی ہیں۔ بہرحال اب میں وادی سے نکل آیا تھا اور نالے میں سفر کر رہا تھا رات ہوتے ہی اس میں پانی کی مقدار خاصی کم ہو گئی تھی کیونکہ سردی کی وجہ سے اوپر پانی جم گیا ہو گا اور نالے میں کم آ رہا تھا۔ بھیگے پتھروں اور ریت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ دن میں یہاں خاصا پانی بہتا رہا تھا۔

ٹارچ ایک ہی تھی اور اس میں اضافی سیل بھی نہیں تھے۔ یہ سیل مسلسل استعمال سے کمزور پڑ رہے تھے اور میری کوشش تھی کہ ٹارچ کی روشنی ختم ہونے سے پہلے میں وین تک پہنچ جاؤں۔ اس لیے میں تیز چل رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد ٹارچ کی روشنی برائے نام رہ گئی تھی لیکن اس سے پہلے وہ مکمل طور پر ختم ہوتی اچانک ہی آسمان صاف ہو گیا اور چاند نکل آیا۔ یہ نویں یا دسویں کا چاند تھا اس لیے اس کی روشنی اچھی خاصی تھی۔ شمال کی طرف سے تیزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرد ہوا چلنے لگی تھی اور شاید بادل بھی اسی وجہ سے چھٹنے تھے۔ میں نے ویرانا کا دل ہی دل میں شکریہ ادا کیا جس کے گرم کپڑوں نے مجھے اب تک سردی سے محفوظ رکھا تھا۔ جواب میں، میں نے اس کے لیے شاندار قسم کی چتا مہیا کر دی تھی۔ پھر بھی میں اس کا شکر گزار تھا۔

مزید کچھ دیر سفر کے بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں میں نے وین کھڑی کی تھی اور مجھے کچھ دیر کے لیے شبہ ہوا کہ مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہو رہا ہے یا میں کسی غلط جگہ وین تلاش کر رہا ہوں۔ کیونکہ وہاں وین نہیں تھی۔ مگر ذرا سی تحقیق نے واضح کر دیا کہ نہ تو میری آنکھیں دھوکا دے رہی تھیں اور نہ میں غلط جگہ آیا تھا ریت پر وین کے ٹائروں کے نشانات واضح تھے۔ کوئی اسے دوبارہ سڑک کی طرف لے گیا تھا اور اس کام کو زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ اگر یہ کام صبح یا دن میں ہوا ہوتا تو ریت پر ٹائروں کے نشانات نہ ملتے پانی انہیں برابر کر دیتا۔ وین شاید آدھے گھنٹے پہلے یہاں سے ہٹائی گئی تھی۔ وین کو غائب پاتے ہی وہ تمام خدشات جنہیں میں اب تک اپنا وہم قرار دیتا آیا تھا یک دم قہقہے لگاتے اور حقیقت کا روپ دھار کر میرے سامنے آ گئے تھے۔

میں شروع سے زیر نگرانی تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کیے گئے تھے کہ میں وادی کی طرف آؤں اور ہیرے تلاش کرنے کی کوشش کروں۔ میں نالے کی طرف پلٹا تھا کہ پل کی جانب سے ایک فائر ہوا اور گولی آ کر میرے پیروں کے پاس لگی۔ پھر ہو مخوس آواز سنائی دی جسے سن کر میرے کان پک گئے تھے۔

''شہباز خانا ہلنا مت..... ہاتھ اوپر کر لو..... تم میرے کو نہیں دیکھ رہا ہے پر میں تیرے کو دیکھ رہا ہے۔''

میں نے ہاتھ اوپر کر لیے اور بلند آواز سے بولا۔ ''فتح خان مجھے پہلے ہی شک ہو گیا تھا کہ میرے پیچھے تم ہو۔''

''تم کو کب شک ہوا؟'' اس نے عیاری سے پوچھا۔

''جب میں نے کسی کے چھینکنے کی آوازیں سنیں۔''

''وہ بد بخت میرا آدمی تھا غلطی سے نسوار لگا لی۔ اب زندگی بھر نسوار نہیں کھائے۔''

''اتنا ظلم۔'' میں نے افسوس سے کہا۔

''تم اس کا نہیں اپنا فکر کرو۔'' اس نے للکار کر کہا۔ ''تم نے اب تک ہاتھ اوپر نہیں کیا۔''

میں نے ہاتھ اوپر کر لیے۔ ''اور کوئی حکم.....؟''

فوراً ہی پل کی طرف سے دو سائے نمودار ہوئے انہوں نے مجھے گھیر کر میری تلاشی لی اور سارا اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ ان میں سے ایک نے مجھے دھکا دیا۔ ''چلو خدائی خوار.....''

''دھکے تو نہ دو۔'' میں نے چلتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں مجھے پل کے اوپر لائے جہاں وہ وین موجود تھی جسے میں نالے میں چھوڑ کر گیا تھا اور وین کے پاس فتح خان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے وین کا عقبی دروازہ کھولا۔ ''ابھی تم ادھر تشریف رکھو۔ میں تم سے پھر بات کروں گا۔''

''فتح خان میرے صرف ایک سوال کا جواب دو۔ کیا تم لوگ شروع سے میرے پیچھے تھے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس سوال اور دوسرا تمام سوال کا جواب تم کو ملے گا لیکن یہاں نہیں ابھی اندر بیٹھو۔''

فتح خان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ میری بات کا جواب نہیں دے گا۔ وہ خوش تھا کہ ایک بار پھر مجھ پر حاوی آ گیا۔ مجبوراً میں دوبارہ اس ڈبے میں داخل ہوا اور پیچھے سے دروازہ بند ہو گیا۔ فتح خان نے میرے اندازے کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک منٹ بعد وین ہلکے سے دھچکے کے ساتھ حرکت میں آ گئی۔ اس ساؤنڈ پروف باکس میں باہر کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی اور اندر کا درجہ حرارت بھی وین کے چلنے کے ایک منٹ بعد نارمل ہو گیا تھا۔ یہاں ہیٹنگ کا سسٹم موجود تھا۔ اسے کہتے ہیں کھایا پیا کچھ نہیں اور گلاس توڑا بارہ آنے۔ میں نے اتنی کوشش کی سرحد پار کرنے کے بعد واپس بھی آ گیا لیکن ہوا کیا دوبارہ چوہے کی طرح پکڑ لیا گیا۔

وین کا سفر زیادہ دیر جاری نہیں رہا تھا جب کہ میرا خیال تھا میں دوبارہ کیبن کی طرف جا رہا تھا جہاں ایک بار پھر بھارتیوں کو مدعو کیا جائے گا کہ آئیں اور اپنی امانت لے جائیں۔ وہ ایک بار پہلے بھی لے جا چکے تھے مگر میں بھاگ آیا تھا۔ اب دوبارہ ان کے حوالے کیا جانے والا تھا مگر وین تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد رکی اور عقبی خانہ کھلا۔ فتح خان اور اس کے دونوں آدمی چوکس تھے۔ انہوں نے اپنے ہتھیاریوں مجھ پر تان لیے تھے جیسے انہیں خدشہ ہو ابھی میں کسی فلمی ہیرو کی طرح حرکت میں آ جاؤں گا اور ان کی ایسی کم تیسی کر دوں گا۔ حالانکہ میں نے کبھی فلمی ہیرو بننے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ میں جانتا تھا ایسا وہ سب صرف فلم کے سیٹ پر ہی ممکن ہے۔ عام زندگی میں اس قسم کی کوئی کوشش عرف عام میں خودکشی کہلاتی ہے۔

وین ایک چھوٹی سی کوٹھی میں کھڑی تھی۔ تاریکی میں آس پاس کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میرا خیال تھا یہ جگہ ویرانے میں ہے اور یہاں باقاعدہ آبادی نہیں ہے۔ سردی کی شدت وہی تھی۔ گرم کپڑوں میں ہونے کے باوجود میں ایک لمحے کو کانپ کر رہ گیا تھا۔ کوٹھی کے سامنے چھوٹا سا لان اور ڈرائیو وے تھا جس میں وین کھڑی تھی۔ کوٹھی زیادہ بڑی نہیں تھی کم سے کم سامنے سے ایسا ہی لگ رہا تھا دو منزلہ تھی لیکن کوڑا یا شاید چار مرلے سے زیادہ نہیں تھا۔ یہ فتح خان کا کوئی ٹھکانہ تھا۔ ابھی میں معائنہ ہی کر رہا تھا کہ ایک طرف سے ایک مقامی شخص نمودار ہوا۔ فتح خان غرایا بولا۔

''کدھر مر گیا تھا دروازہ کھول کر.....''

''گیٹ جام ہو رہا ہے خان جی۔'' اس نے پشتو میں کہا۔ ''بند نہیں ہو رہا تھا۔''

''ابھی ہوشیار رہنا سومت جانا۔'' فتح خان اندر جاتے ہوئے بولا۔ اس کے ایک ساتھی نے مجھے اپنی رائفل سے ٹہوکا دیا کہ میں بھی فتح خان کی پیروی کروں۔ کوٹھی اندر سے بھی بہت شاندار ثابت ہوئی تھی۔ سامنے نشست گاہ تھی جس میں اخروٹ کی لکڑی کا بنا ہوا خوب صورت صوفہ سیٹ رکھا تھا۔ اگر یہ باہر کسی ملک میں ہوتا تو اس کا شمار نوادرات میں ہوتا۔ فرش پر بے حد دبیز قالین تھا لیکن سب سے اچھی چیز آتش دان میں جلتی آگ تھی جس نے اندر کا ماحول خوشگوار کر دیا تھا۔ میں فتح خان یا اس کے آدمیوں کی اجازت کے بغیر ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ میرے پیچھے موجود شخص غرایا۔

''کیا کرتا ہے کھڑا ہو جا۔''

''جابر بکواس بند کر اور جا کر کچھ پینے کو لا۔'' فتح خان نے اسے گھرکا اور میری طرف دیکھا۔ ''تم کیا پیو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے؟"

"دل تو تمہارا خون پینے کو چاہ رہا ہے لیکن ایک تو وہ حرام ہے اور دوسرے تم پینے نہیں دو گے اس لیے فی الحال چائے کافی میں سے جو مل جائے چلے گا۔"

فتح خان نے جابر کو چائے لانے کے حکم کے ساتھ دفع ہو جانے کو کہا اور وہ دُم دبا کر چلا گیا۔ البتہ دوسرا چوکس انداز میں نشست گاہ کے ایک کونے میں اس طرح کھڑا ہو گیا کہ میں پوری طرح اس کی زد میں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے قابو کر لینے کے باوجود فتح خان کچھ متفکر تھا۔ اگر میرے کچھ اندازے درست تھے تو اسے اس سے زیادہ ہی پریشان ہونا چاہیے تھا جتنا کہ وہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "حیرت ہے تم مجھے یہاں لے آئے جب کہ میرا خیال تھا مجھے دوبارہ بھارتیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

فتح خان نے ایک گندی سی گالی دی۔ "میں ان کے باپ کا نوکر نہیں ہے ایک بار ان کا کام کر دیا اب ہمیشہ کا ٹھیکا تو نہیں لے رکھا ہے۔"

"یہ تو تم کہہ رہے ہو لیکن تم نے اللہ واسطے کام تو کیا نہیں ہو گا اور جو پیسے دیتے ہیں وہ آدمی کو اپنے باپ کا غلام ہی سمجھ لیتے ہیں۔"

فتح خان نے دوسری گالی زیادہ وزنی دی تھی۔ "غلام سمجھنے والوں کی میں ان کو بھی دیکھ لے گا۔"

کچھ دیر میں جابر فتح خان کے لیے جام و سبو اور میرے لیے چائے بنا کر لے آیا تھا۔ یہ بس نام کی چائے تھی کیونکہ اس میں دودھ، چینی اور پتی تینوں وافر مقدار میں ڈالی گئی تھیں۔ اس کی واحد خوبی اس کی گرمی تھی اس لیے میں نے پینا شروع کر دی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ فتح خان مجھے یہاں کسی قسم کی گفتگو یا ڈیل کے لیے لایا تھا تبھی میں اس کے ساتھ یہاں بیٹھا تھا ورنہ کسی کوٹھری میں قید پڑا ہوتا۔ فتح خان نے اپنے لیے جام بنایا اور اس سے شغل کرتے ہوئے کچھ غور و فکر فرمانے لگا۔ ایک طرف لگی دیوار گیر کلاک رات کے نو بجا رہی تھی۔ میرا زادِ راہ وادی میں رہ گیا تھا اور اگر ساتھ ہوتا تب بھی مجھے کھانے پینے کی اجازت کہاں ملتی۔ کھایا پیا کب کا ہضم ہو گیا تھا اور اب بھوک سے پیٹ کے چوہے بھی کچھ نڈھال سے تھے۔

"شہباز خان تم جانتا ہے ایمن کے پاس صرف سولہ گھنٹے کا ٹیم رہ گیا ہے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "اسی لیے میں نے سوچا کہ ایک کوشش کر کے دیکھ لوں۔ ممکن ہے مجھے ہیرے مل جائیں۔"

"میں بھی یہی سمجھ رہا ہے پر تم کو کیسے پتا کہ ہیرا ادھر ہی چھپا ہے۔"

"مجھے پتا نہیں ہے لیکن تمہیں یاد ہو گا کہ برٹ شا تمہاری نیت خراب ہونے سے پہلے اسی ڈھلان کی طرف گیا تھا۔ اس لیے میں نے وادی میں اسی جگہ کا انتخاب کیا۔"

"پر تم ناکام رہا۔" فتح خان کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"ہاں۔" میں نے گہری سانس لی۔ "فتح خان میں ناکام رہا لیکن مجھے حیرت ہے تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں اس وقت وادی میں ہوں۔"

"میرا چھٹی حس نے بتایا۔" وہ بولا۔ "مجھے کرنل زریسکی نے بتا دیا تھا کہ تم بھاگ آیا ہے اور میں اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت روانہ ہو گیا تھا پر تم راستے میں نہیں ملا تو مجھے وادی کا خیال آیا۔"

وہ جھوٹ بول رہا تھا کرنل خود لاعلم تھا کہ میں بھارتیوں کی قید سے بھاگ آیا ہوں یا وہ ظاہر ایسا ہی کر رہا تھا۔ اس لیے کرنل اسے مطلع نہیں کر سکتا تھا۔ میرے وہاں سے نکلنے کے بعد کم سے کم دو ڈھائی گھنٹے سے پہلے کرنل کو ہوش نہیں آیا ہو گا۔ ریڈیو میں نے تباہ کر دیا تھا اس لیے وہ فتح خان کو فوری مطلع نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ بعد میں کسی طریقے سے مطلع کرنے میں کامیاب بھی رہا تھا تب بھی فتح خان اتنی تیزی سے میرے پیچھے نہیں آ سکتا تھا اور نہ ہی وہ اتنی جلدی وادی تک پہنچ سکتا تھا۔ اتنی صفائی سے پیچھا کرنا اور پھر اتنی منصوبہ بندی سے مجھے پکڑ لانا ظاہر کرتا تھا کہ وہ شروع سے میرے پیچھے تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا مجھے بھارتیوں کے حوالے کرنا بھی ایک ڈھونگ تھا اور فتح خان جانتا تھا کہ میں واپس بھاگ آؤں گا۔

"فتح خان مجھے بھارتیوں کے حوالے کرنے کا کیا مقصد تھا کیا انہوں نے تمہارے آگے رقم ڈال دی تھی۔"

فتح خان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "میں ان کو جوتے کی نوک پر رکھتا ہے۔ میرا مجبوری دوسرا تھا۔"

"ڈیوڈ شا..... اس نے اس کام کے لیے کہا تھا اور تم اسے انکار نہیں کر سکتے تھے۔"

اس نے مجبور انداز میں سر ہلایا۔ "تم جانتا ہے میں ڈیوڈ شا کو انکار نہیں کر سکتا ہوں۔"

"لیکن یہ طے ہے کہ تم لوگوں نے بھارتیوں سے اس کام کا اچھا خاصا معاوضہ وصول کر لیا ہے۔ میں نے خود کرنل کے پاس دو لاکھ ڈالرز کی رقم دیکھی ہے۔"

"تم نے وہ رقم قبضے میں نہیں کی.....؟" فتح خان کے لہجے سوال سے زیادہ حیرت تھی۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں اب تک جان جانا چاہیے کہ دولت کبھی میری منزل نہیں رہی۔ تم مٹھی بھر ہیروں کے پیچھے پاگل ہو رہے ہو اس کے لیے اتنی لمبی جدوجہد کی۔ انڈیا میں مجھے اس سے کہیں زیادہ ہیرے حاصل کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں تو ہیروں کی وادی سے ہو کر آیا تھا۔ وہاں صدیوں سے جمع ہونے والے قیمتی ترین ہیرے موجود تھے۔"

فتح خان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "شہباز خان تم مجھے بے وقوف بناتا ہے۔"

"خدا نے تمہیں جو بنایا ہے بس اسی نے بنایا ہے میری کیا مجال کہ اس کی تخلیق میں ترمیم کا بھی سوچوں۔"

"وہاں سچ مچ بہت سارے ہیرے تھے؟"

"ہاں شاید اربوں ڈالرز مالیت کے ہوں گے لیکن خدا کے لیے اب وہاں جانے اور ہیرے حاصل کرنے کے بارے میں مت سوچنے لگنا۔ ان منحوس ہیروں کی خاطر انڈین حکومت نے اپنے سینکڑوں شہری مار دیئے اور ہیرے اب اس کے قبضے میں ہیں۔"

فتح خان نے گہری سانس لی۔ "شہباز خان مجھے یہی ہیرے مل جائیں میرے لیے یہی کافی ہے۔"

"ایمن کی خاطر میں نے کوشش کی تھی لیکن افسوس میں بھی ناکام رہا۔" میں نے کہا۔ "فتح خان اس لڑکی کو چھوڑ دو۔ اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں نے قسم کھایا تھا کہ اگر مجھے ہیرا نہیں ملا تو میں اس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے قسم کھائی تھی یا تمہیں تمہارے گرو ڈیوڈ شا نے حکم دیا کہ ایمن کو زندہ نہیں رہنا چاہیے؟''

''تم جو چاہے سمجھے پر اگر ایمن کو بچانا ہے تو میرے کورقم یا ہیرے میں سے ایک چیز چاہیے۔''

''تب میں یا کوئی بھی ایمن کے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہے۔'' میں نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے تم بھی اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہو اس لیے یہاں بیٹھے ہو۔''

وہ چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تم یہاں بیٹھے ہو اگر تمہیں ہیرے مل جائیں یا برٹش حکومت تمہیں تاوان ادا کر دے تو تم اتنی جلدی اسلام آباد پہنچ کر کیسے جیکٹ کو ڈی ایکٹی ویٹ کرنے والا کوڈ بتاؤ گے۔''

''تم فکر نہ کرو اس کام کے لیے میرا ایک آدمی اسلام آباد میں موجود ہے میری سفارت خانے والوں سے بات ہو گئی ہے اور ان کا ایک نمبر مستقل میرے آدمی کے لیے خالی رہے گا۔ وہ آخری ایک منٹ میں بھی کال کر کے جیکٹ کو ڈی ایکٹی ویٹ کرا سکتا ہے۔''

میں نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''فتح خان تم سچ مچ ہوشیار ہوتے جا رہے ہو آگے پیچھے ہر چیز کا خیال رکھتے ہو۔''

وہ مسکرانے لگا۔ ''شہباز خان اب تو تم بھی مجھے ماننے لگا ہے۔''

''یہ سچ ہے گزشتہ کچھ عرصے سے تم مجھے چکرانے والی چالیں چل رہے ہو لیکن اب میں سمجھ گیا ہوں تمہاری ہر چال کے پیچھے ایک ہی مقصد ہوتا ہے کسی طرح میرے توسط سے ہیرے حاصل کرنا۔''

فتح خان کی مسکراہٹ کافور ہو گئی تھی۔ ''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''میں سو فیصد نہیں جانتا یہ دعویٰ تو تم خود بھی نہیں کر سکتے کہ اپنے عزائم کے بارے میں سو فیصد جانتے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس بار تم نے جو چال چلی وہ میں کسی حد تک سمجھ گیا ہوں۔''

''کیا سمجھ گئے ہو؟'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''فتح خان تم ایک بگ گیم کا ایک چھوٹا حصہ ہو۔ یہ بگ گیم کون کھیل رہا ہے تم اس سے ناواقف نہیں ہو کیونکہ تم اس کا ایک حصہ ہو۔ بے شک چھوٹا سہی۔ اس کھیل کا اصل کھلاڑی ڈیوڈ شا ہے اور تم اس کے مقصد سے بھی واقف ہو لیکن اس کے ساتھ ہی تم اپنا کھیل بھی کھیل رہے ہو جس سے ڈیوڈ شا واقف ہے یا شاید ناواقف ہے۔ بہر حال وہ تم پر ظاہر نہیں کر رہا ہے۔''

فتح خان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ میری بات اسے کہیں نہ کہیں لگی ہے پھر وہ سنبھل کر بولا۔ ''تم کیا جانتے ہو؟''

''فتح خان کہانی وہاں سے شروع کرتے ہیں جب تم نے برٹ شا کی موت کے بعد اپنے دوسرے پلان پر عمل درآمد شروع کیا اور ایمن کو جیکٹ پہنا دی۔ یہ تمہارا اپنا کھیل تھا لیکن برٹش سفارت خانے تک جانے کے بعد یہ صرف تمہارا کھیل نہیں رہا بلکہ اس میں ڈیوڈ شا بھی شامل ہو گیا۔ ڈیوڈ شا کی سب سے بڑی خواہش یہی ہو سکتی ہے کہ ایمن نہ رہے تاکہ اس کی جاگیر اور خطاب کو کوئی خطرہ بھی نہ رہے۔ دوسری طرف اسے تمہارا خیال بھی ہو گا وہ کھل کر تمہاری مخالفت نہیں کر سکتا ہو گا کیونکہ اس سرزمین پر تم اس کے سب سے زیادہ قابل مہرے ہو۔ لہٰذا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے تمہیں چکر دینے کے لیے ایک اور چکر چلایا اور اس نے تم سے کہا کہ شہباز ملک بھارتیوں کو مطلوب ہے۔ اگر تم کسی طرح اسے پکڑ کر بھارتیوں کے حوالے کر دو تو وہ تمہیں برٹش حکومت سے تاوان دلوا دے گا..... میں نے ٹھیک کہا نا؟''

وہ غور سے سن رہا تھا اس لیے میں نے اچانک پوچھا تو اس نے غیر ارادی طور پر سر ہلا دیا۔ پھر وہ گڑبڑا ہو گیا لیکن میں نے اس کا ردعمل نظر انداز کر دیا اور بات جاری رکھی۔ ''تم نے ڈیوڈ شا کی بات مان لی لیکن ساتھ ہی ایسا بندوبست کیا کہ میں بھارتیوں کی قید میں نہ جانے پاؤں۔ پہلے تو میں تمہاری منصوبہ بندی کی داد دوں گا جو تم نے شہلا کی مدد سے مجھے ٹریپ کیا۔ مگر اس سے پہلے اجازت پا کر ایک سوال کروں گا۔''

''کیسا سوال؟''

''شہلا نے مجھے جو بریف کیس دیا تھا اس میں ٹائم بم تھا اور میں ایک منٹ کے فرق سے بچ گیا۔ مجھے مارنا تمہارا مقصد نہیں تھا تب میں اسے کیا سمجھوں۔''

فتح خان کی آنکھوں میں نظر آنے والی حیرانی اصلی تھی۔ ''بریف کیس میں ٹائم بم تھا.....؟''

''بالکل اگر میں اسے ایک کھائی کے کنارے نہ رکھ دیتا تو آج اپنی قبر میں پڑا ہوتا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ شہلا کا کام ہے میں نے اسے ایسا کرنے کو نہیں کہا۔ وہ پہلے بھی کہتی رہی تھی کہ تمہارا کام تمام کر دوں..... کتیا کی بچی۔''

''ٹھیک ہے میں تمہاری بات تسلیم کر لیتا ہوں کہ یہ شہلا کا کام ہے لیکن وہ ہے تو تمہارے ساتھ ہی۔ تم نے اس کی مدد سے مجھے ٹریپ کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے وہ تمہارے لیے ہی کام کر رہی ہے۔''

''یہ درست ہے لیکن جہاں تک تمہیں ختم کرنے کی کوشش کا تعلق ہے یہ اس کا انفرادی فعل تھا۔''

''میں یہ بھی تسلیم کر لیتا ہوں لیکن مستقبل میں تمہارا یہ عذر نہیں مانا جائے گا تم شہلا کے ذاتی عزائم سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے بڑی خوب صورتی سے چارہ ڈال کر مجھے اس جگہ پہنچا دیا جہاں شہلا کا ٹھکانہ ہے۔ وہاں سے مجھے یوں پکڑ لیا جیسے پنیر کے لالچ میں آنے والا چوہا ٹریپ میں پکڑا جاتا ہے۔ تم نے میرے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا تھا؟''

''ان کو وہیں چھوڑ دیا تھا ان سے مجھے کوئی مطلب نہیں تھا۔ بعد میں تمہارے آنے والے آدمی انہیں لے گئے تھے۔''

''بات آگے بڑھانے سے پہلے میں ایک سوال اور کروں گا؟'' میں نے کہا فتح خان میری داستان میں پوری طرح دلچسپی لے رہا تھا شاید وہ جاننا چاہتا تھا کہ میں کس حد تک حالات سے باخبر ہو گیا تھا۔

''کرو۔''

''تم جانتے ہو کرنل زریسکی اور مہرو میں کیا رشتہ ہے اس کے باوجود تمہارا اس سے تعلق میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے۔ کرنل اور میرا تعلق شروع سے تھا۔ بعد میں اسے مہرا پسند آ گئی اور اس کے ساتھ جو ہوا تھا وہ ماضی میں ہوا تھا اس لیے کرنل اور میرے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مہرو تمہارے خون کی پیاسی ہو رہی تھی اس نے اتنی آسانی سے تمہیں کیسے معاف کر دیا؟''

''یہ اس کا اور کرنل کا معاملہ ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ ''میں نے اس سے کہا جو پہلے ہو چکا ہے اس کا ذکر بے کار ہے آئندہ کوئی شکایت ہو تو کہنا۔''

''کرنل بھی چالاک اور مفاد پرست آدمی ہے اس نے بھی ماضی پر مٹی ڈال دی ہو گی لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی مہرو اس خانہ بدوش قبیلے میں کیا کر رہی تھی جو ٹھیک اس جگہ موجود ہے جہاں مہرو کا اپنا قبیلہ آباد تھا۔''

فتح خان جو کئی جام پینے کے بعد خاصا سرور میں آ گیا تھا اور بڑے موڈ میں میری بات سن رہا تھا یک دم اس کا چہرہ بدل گیا وہ پتھریلے انداز میں سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ''یہ بات تم کیسے جانتے ہو؟''

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا میں اسے حیران کرنے کے جوش میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔ ''میں نے اتفاق سے اسے دیکھ لیا تھا۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں اسے پکڑ بھی لیتا لیکن اسی وقت شہلا کے بارے میں اطلاع آ گئی اور مجھے وہاں جانا پڑا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو۔ کرنل اس بات سے لاعلم تھا کہ تم نے نادر علی کو مجھ سے ملنے کا موقع دیا تھا۔''

''اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔'' فتح خان نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا ہو۔ اس کا مطلب تھا کہ مہرو کا اس خانہ بدوش قبیلے میں ہونا کسی بہت خاص اہمیت کا حامل تھا۔ کیونکہ اس نے خود موضوع ختم کر دیا تھا اس لیے میں نے بھی اسے نظر انداز کر دیا۔ بعد میں اس معاملے کو بھی دیکھا جا سکتا تھا۔

''لیکن میرا تو ہے۔'' میں مسکرایا۔ ''نادر بھی اپنے بھائی کی طرف مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے وہ مجھ سے صلح کرنا چاہتا ہے۔''

''شہباز خان بہتر ہو گا ان لوگوں سے صلح کر لو تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا میرا مطلب ہے تم ان کے ذہن کا نہیں ہے ورنہ اب تک یہ دونوں بھائی مٹی میں مل چکا ہوتا۔''

''یہی تو مسئلہ ہے لیکن میں ان کے سامنے سر تو نہیں جھکا سکتا اور نہ ان پر اعتبار کر سکتا ہوں وہ کچھ فطرت رکھتے ہیں ڈنک مارنے سے باز ہی نہیں آ سکتے ہیں۔''

''خیر یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔'' فتح خان بولا۔ ''میرا مسئلہ مرشد ہے میں اسے نہیں چھوڑے گا۔ وہ میرے چچازاد بھائی شہباز خان کا قاتل ہے اور اس کا بدلہ لینا میرا فرض ہے۔''

''لیکن تم جو کر رہے ہو اس سے مرشد کا کچھ نہیں بگڑتا۔''

''میں سمجھ گیا ہے اور تم جلد دیکھے گا مرشد کو ایسا جھٹکا لگے گا کہ وہ قدموں میں گرے گا اور اس کا اپنا لوگ اسے گدی سے اتار کر پھینک دے گا۔''

''پھر اس گدی پر نادر کو بٹھا دیا جائے گا جو مرشد سے زیادہ ہی دشمن ہے میرا۔''

فتح خان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''شہباز خان فکر مت کرو ایک بار مرشد کا کانٹا نکل جائے اس کے بعد نادر بھی زیادہ دن نہیں رہے گا۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہا تھا۔''

''کرنل زریسکی کے آدمی مجھے لے گئے اور اس نے مجھے قابو میں رکھنے کے لیے پہلے تو بے ہوش کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والی دوا دی اور پھر ایک ایسی دوا دی جس سے میرا جسم سُست ہو گیا۔ اس نے اسی حالت میں مجھے بھارتیوں کے سپرد کر دیا لیکن اس نے دو کام کیے ایک تو دوا کی مقدار کم رکھی تھی جس سے میرا جسم جلد میرے قابو میں آ گیا۔ دوسرے اس نے مجھے جان بوجھ کر ایک چاقو فراہم کر دیا۔ اس کے بعد میرا کام آسان تھا۔ تم لوگوں نے اپنا معاہدہ پورا کر دیا۔ بھارتی مجھے لے کر دو ملکوں کی سرحد پار کر گئے اور اس کے بعد میں نے انہیں قابو کر لیا۔ تمہاری توقع کے عین مطابق اور انہیں واپس لے آیا۔ کرنل نے کمال اداکاری کی اور آخر تک انجان بنا رہا۔ اس نے مجھے شک کا موقع دیئے بغیر وہ سب کیا جو تم لوگوں کی پلاننگ تھی۔"

فتح خان چونکے بغیر انجان بن کر بولا۔ "کیا پلاننگ تھا ہمارا.....؟"

"یہی کہ میں کرنل سے گاڑی اور زادِ راہ حاصل کروں اور اس کے بعد جب واپسی کا سفر کروں تو راستے میں مجھے وادی کا خیال آئے گا۔ مزید نشاندہی کے لیے کرنل نے وین میں نقشہ بھی رکھ دیا تھا جس میں خاص طور سے وضاحت تھی کہ یہاں آنے والا راستہ وادی کے پاس سے گزرتا ہے۔ ٹائمنگ بھی پرفیکٹ تھی۔ ایمن کے پاس چالیس گھنٹے سے بھی کم کا وقت رہ گیا تھا اور میں ایک آخری کوشش کر سکتا تھا۔ جیسا کہ میں نے کی۔ تم لوگوں نے اس حد چالاکی کی کہ وین کا رخ سڑک کی طرف کر کے کھڑا کیا اور اس میں چابی بھی لگی رہنے دی تھی۔ جس وقت بھارتی مجھے لے جا رہے تھے وین کا رخ کیمپن کی طرف تھا اور اس محدود جگہ اسے گھمانے میں وقت لگتا۔ تمہارا مقصد تھا میں وین لے کر بھاگ نکلوں لیکن میں پہلے کیمپن میں پہنچ گیا۔"

فتح خان نے سر ہلایا۔ "پر افسوس ہیرا پھر بھی نہیں ملا۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے یہ سب کیوں کیا؟"

"اب وہ بھی بتا دو۔"

"فتح خان تمہیں شبہ تھا کہ برٹ شامر نے سے پہلے مجھے کچھ بتا گیا ہے کم سے کم ہیروں کی جگہ کے بارے میں اشارہ ضرور دے گیا ہے۔ اب تم مجھ سے براہِ راست یہ بات معلوم نہیں کر سکتے تھے۔ زبردستی کرنے کا مطلب ہوتا کھلی دشمنی اور تمہاری اس پالیسی کا پردہ چاک ہو جاتا جو تم نے میرے سلسلے میں اپنا رکھی ہے۔ یعنی اوپر اوپر سے دوستی جتاتے رہو اور اندر ون خانہ میری جڑیں کاٹنے کا کام کرتے رہو۔"

"ٹھیک ہے میں نے یہ منصوبہ بنایا لیکن کامیابی تو پھر بھی نہیں ملا۔" اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"میرا خیال تمہیں اب بھی شبہ ہے کہ میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں حالانکہ تم پوری طرح مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے یقین ہے جب میں وادی میں پاگلوں کی طرح اوپر نیچے بھاگ دوڑ کر رہا تھا تو تم اور تمہارے ساتھی مجھے دیکھ رہے تھے۔ اگر میں ہیرے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو تم اسی وقت مجھے گھیر لیتے۔ مگر جب میں ناکام رہا اور تمہارے ساتھی کے چھینکنے کی وجہ سے [illegible] ہو کر وادی سے نکل بھاگا تب تم نے دوسرے متبادل منصوبے کے تحت مجھے قابو کر لیا۔"

فتح خان کچھ دیر مجھے غور سے دیکھتا رہا پھر اس کے چہرے پر مخصوص عیارانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "شہباز خان تم سب جانتا ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی جانتا ہے۔ اب کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم پہلے سے جاننے کے بعد ہم سب کو بے وقوف بنا رہا ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا مطلب ہے کہ میں جانتا ہوں کہ ہیرے کہاں ہیں لیکن میں جان بوجھ کر تمہیں نہیں بتا رہا ہوں۔''

''ہاں میرا یہی خیال ہے۔'' فتح خان نے سر ہلایا۔ ''تم جان گیا ہے کہ ہیرا کدھر ہے۔''

''اگر میں جان گیا ہوں تو مجھے ایمن کے لیے بارگننگ کر لینی چاہیے تھی۔''

''نہیں تم آخری لمحے تک بارگننگ نہیں کرے گا۔'' فتح خان نے یقین سے کہا۔ ''تم کو امید ہے میں ایمن کو چھوڑ دے گا یا برٹش حکومت تاوان ادا کرے گا۔''

''تم غلط فہمی کا شکار ہو میں نے پورے خلوص نیت سے ہیرے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں ناکام رہا۔ ویسے تم تسلیم کرتے ہو کہ ڈیوڈ شا سے تمہاری یہی ڈیل ہوئی تھی کہ تم مجھے پکڑ کر بھارتی حکومت کے حوالے کرو گے۔ اس کے بدلے ڈیوڈ شا برٹش حکومت پر تاوان کی ادائیگی کے لیے دباؤ ڈالے گا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''پر ڈیوڈ شا نے پکا وعدہ نہیں کیا تھا کہ کام لازمی ہوگا۔''

''اسی سے اس کی نیت کا اندازہ کر لو۔''

''میں جانتا ہے لیکن اسے صاف جواب نہیں دے سکتا نہ اسے مجبور کر سکتا ہے۔ اس نے بتایا کہ برٹش گورنمنٹ کی پالیسی نہیں ہے یہاں اغوا ہونے والے کسی فرد کا تاوان نہیں دیا جاتا ہے۔''

''ہاں انہیں مرنے دیا جاتا ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''اپنی گندی سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ یہ خطہ ویسے ہی ان کی سیاست کا نشانہ بنا ہوا ہے۔''

''اب ایمن ایک ہی صورت میں بچ سکتا ہے کہ مجھے ہیرا مل جائے۔''

میں کچھ سوچ رہا تھا میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''فتح خان ڈیوڈ شا یہ تو جان گیا ہوگا کہ میں بھارتیوں کی قید میں آنے سے پہلے فرار ہو گیا ہوں لیکن کیا وہ یہ جانتا ہے کہ میں اب تمہاری قید میں ہوں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ نہیں جانتا ہے۔''

''بھارتیوں نے میرے بدلے تم لوگوں کو کیا ادا کیا ہے؟''

''ایک ملین ڈالرز۔'' فتح خان نے سوچ کر کہا۔ ''اس میں سے آدھے مجھے ملے اور آدھے کرنل کو ملے۔''

''لیکن اس کے پاس صرف دو لاکھ ڈالرز تھے۔''

''یہ وہ رقم نہیں ہے ادا کی جانے والی رقم روس کے ایک بنک میں گئی ہے۔''

''بنک میں۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''فتح خان تمہارا روس کے کسی بنک میں اکاؤنٹ ہے؟''

''ہاں اگر مجھے ہیرے مل جائیں تو میں وہیں چلا جاؤں گا۔ وہاں مجھے کوئی نہیں پکڑ سکے گا۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے پکڑنے والے تمہیں ہر جگہ سے پکڑ سکتے ہیں۔ تم کہیں بھی سو فیصد محفوظ نہیں ہو گے۔''

''وہ بعد کا بات ہے بعد میں دیکھا جائے گا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''اگر ڈیوڈ شا کو معلوم ہو جائے کہ ایک طرف تو تم لوگوں نے مجھے بھارتیوں کے حوالے کر دیا تھا اور دوسری طرف مجھے بچ نکلنے کا موقع بھی دیا تو اس کا ردعمل کیا ہوگا؟''

فتح خان مسکرایا۔ ''شاید وہ کچھ نہ بولے اور شاید اس کا ردعمل اچھا نہ ہو۔ پر میرے کو اس کا پروا ہوتا تو میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ کام کیوں کرتا وہ مجھے استعمال کرتا ہے تو میں اسے استعمال کر رہا ہوں۔"

میں ہنسا۔ "تم نے اور کرنل نے چالاکی سے کام لیا۔ نوٹ بھی کما لیے اور مجھ پر احسان بھی کر دیا۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ تم نے میرے ساتھ کوئی برائی کی ہے۔"

فتح خان نے اپنے آدمی کو کھانا لانے کو کہا۔ میرا خیال تھا اس وقت روکھی سوکھی کھانے کو ملے گی۔ مگر خلاف توقع کچھ دیر میں ہمارے سامنے بھنا ہوا مرغ تھا یہ دیسی مرغ تھا جو دیسی گھی میں تلا گیا تھا۔ کئی وقت کی ڈبل روٹی اور انڈوں کے کھانے کے بعد یہ من وسلویٰ تھا۔ مرغ خاصا بڑا تھا اس لیے ہم دونوں کا ہی پیٹ بھر گیا تھا۔ کھانے کے بعد فتح خان نے دوبارہ بوتل سنبھال لی اور میرے لیے کافی لانے کا حکم دیا۔ اس کا ایک آدمی شاید ان کاموں کا ماہر تھا۔ مرغ یقیناً پہلے ہی تیار ہو گیا تھا اور اوون میں رکھا تھا۔ وہ گیا اور بس فٹافٹ نکال لا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میں نے فتح خان سے پوچھا۔

"ارادہ بتا دیا ہے اگر میرے کوتاہ ان نہیں ملا تو ایمن نہیں بچے گا۔"

"اسے مار کر تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔"

"نہ ملے پر وہ بھی نہیں بچے گا۔ تم کو پتا نہیں ہے تم ادھر قید پڑا ہے لیکن انگلینڈ اور دنیا بھر میں میڈیا نے ایمن کے لیے ایک ہنگامہ کر دیا ہے۔ بہت شور ہو رہا ہے۔"

یہ میرا ہی کام تھا۔ مانی کی مدد سے ٹی وی چینلز کو اطلاع دی تھی اور اب اس کے نتیجے میں ایمن کا کیس میڈیا میں آ گیا تھا لیکن میں جانتا تھا اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔ مغربی ممالک کی حکومتیں میڈیا کے آگے اپنی پالیسی نہیں بدلتی ہیں وہ جانتی ہیں میڈیا کی حیثیت ایک عارضی طوفان سے زیادہ نہیں ہوتی ہے جو بس چند دن دھوم مچاتا ہے اور پھر یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے کبھی آیا ہی نہیں تھا۔ ان کی نظریں ہمیشہ مستقبل میں ملک کے مفاد پر مرکوز رہتی ہیں اگر وہ محسوس کریں کہ کسی پالیسی پر عمل کرنے سے ان کے ووٹر ناراض ہو جائیں گے لیکن یہ ملک کے مفاد میں ہے تو وہ ووٹرز کی پروا کیے بغیر اپنی پالیسی پر عمل کرتی ہیں چاہے اس کے جواب میں ان کی حکومت کیوں نہ چلی جائے۔ اس لیے یہ سوچنا خوش فہمی سے زیادہ کچھ نہیں تھا کہ ایمن کا کیس میڈیا میں جانے سے اس کی جان بچنے کی امید پیدا ہو گی۔ مگر میرے بس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا۔ فتح خان بھی میرے قبضے میں نہیں تھا لہٰذا میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

فتح خان نے اچانک پوچھا۔ "شہباز تم ایمن کو بچانے کے لیے کیا کر سکتا ہے؟"

"میں اس کو بچانے کے لیے اپنی جان تک داؤ پر لگا سکتا ہوں۔"

"سچ کہتا ہے۔" فتح خان نے بے یقینی سے کہا۔ "تم اس سے محبت بھی نہیں کرتا ہے۔"

"میں اس سے وہ محبت نہیں کرتا ہوں جو آدمی کو اپنی عورت سے ہوتی ہے لیکن وہ میری دوست ہے۔ آدمی دوست کے لیے بھی تو جان دے سکتا ہے۔"

"اگر میں تم سے کہے کہ اس کے بدلے میں تم کو مار دیتا تو تم مان جاؤ گے؟" فتح خان نے کہا اور اچانک پستول نکال کر مجھ پر تان لیا۔ اس کا لہجہ بدل گیا تھا اور اس میں سختی اور سفاکی آ گئی تھی۔ میں مسکرایا۔

"فتح خان تم کوئی کام بے سبب نہیں کرتے ہو تو ایمن کے بدلے مجھے مارنے میں کیا مصلحت ہو سکتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟"

"تم میرے لیے خطرناک ہوتا جارہا ہے۔"

"حالانکہ میں نے کبھی تمہارے کاموں میں ٹانگ نہیں اڑائی یہ تم ہی ہو جو ہمیشہ میرے معاملے میں مداخلت کرتے رہے ہو۔ تمہیں مجھ سے جو نقصان ہوئے وہ ہمیشہ غیر ارادی ہوتے تھے جب کہ تم ہمیشہ جان بوجھ کر مجھے نقصان پہنچاتے رہے۔ اس لحاظ سے تو تم میرے لیے خطرناک ہو۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم نہیں جانتا کہ تمہاری وجہ سے میرے کو کتنا نقصان ہوا۔ وہ وقت جو میں ہیرے تلاش کرنے میں لگا سکتا تھا تمہارے پیچھے لگا۔"

میں نے شانے اچکائے۔ "فتح خان میں نے کبھی نہیں کہا آ بیل مجھے مار۔"

"تم بات بدل رہا ہے ابھی کہہ رہا تھا کہ ایمن کے لیے جان بھی دے سکتا ہے۔"

"میں بات نہیں بدل رہا، اگر تم مجھے مارنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو میں تمہارے قبضے میں اور بے بس ہوں۔ مجھے مارنے کے لیے تمہیں ایمن کا نام استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں شہباز خان میں تمہیں خالی ہاتھ دنیا سے نہیں بھیجنا چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہے کہ تمہارے قتل کی کچھ تلافی کر کے بھیجے۔"

"یعنی تم ایمن کو چھوڑ کر میرے قتل کی تلافی کرنا چاہتے ہو۔"

اس نے سر ہلایا۔ "یہی بات ہے۔"

"لیکن تم نے ایمن کو نہیں چھوڑا ہے۔" میں نے کہا۔ "مرنے کے بعد مجھے کیا پتا چلے گا کہ تم نے اسے چھوڑ دیا ہے یا نہیں۔"

فتح خان نے میری بات پر غور کیا۔ "تم چاہتا ہے میں پہلے اسے چھوڑ دے پھر تم کو مارے۔"

"ہاں تا کہ مجھے اطمینان رہے میں جس کام کے لیے جان دینے کو تیار ہوا تھا وہ ہو گیا ہے۔"

فتح خان سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے میں پہلے ایسا کرے گا اب تم آرام کرو۔"

"انسان اپنی زندگی کے آخری وقت میں آرام کیسے کر سکتا ہے۔" میں نے کہا تو میرے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی اور میں اسے خوف کی لہر سمجھا تھا لیکن جب یہ سنسنی رفتہ رفتہ پورے جسم پر حاوی ہونے لگی تب مجھے پتا چلا فتح خان میرے ساتھ ہاتھ کر گیا تھا چائے میں کوئی خواب آور دوا تھی۔ میں نے اٹھنا چاہا لیکن ہاتھ پیروں کی سنسنی اتنی بڑھ گئی تھی کہ مجھ سے ہلا بھی نہیں گیا۔ رفتہ رفتہ یہ سنسنی ذہن پر بھی طاری ہو گئی اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں ایک خالی کمرے میں بچھے قالین پر پڑا تھا۔ دروازے کی ساخت سے میں نے اندازہ لگایا کہ میں اسی کوٹھی میں تھا کیونکہ اس میں ایسے ہی دروازے لگے تھے۔ یہ کیل یا دیوار کی نہایت مضبوط لکڑی سے بنے تھے اور انہیں کوئی رستم زماں ہی توڑ سکتا تھا۔ ایک طرف ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو میرے اندازے کے عین مطابق باتھ روم کا دروازہ ثابت ہوا۔ ہوش میں آنے کے بعد مجھے چکر نہیں آئے تھے اور نہ ہی طبیعت میں خرابی محسوس تھی ہاں باتھ روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اس لیے میں وہاں چلا آیا۔ باتھ روم بھی نہایت محفوظ قسم کا تھا۔ اس میں ایک چھوٹا سا روشن دان تھا جس سے زیادہ سے زیادہ درمیانے سائز کی بلی نکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتی تھی۔ وہ بھی اگر بلی آبادی بڑھانے کے موڈ میں نہ ہو۔ واش روم بھی بہترین قسم کا تھا اور یہاں گرم پانی آ رہا تھا۔ نہ جانے فتح خان کی اپنی کوٹھی تھی یا اس نے حسبِ معمول کسی ایسی جگہ کو تاڑا تھا جس کا مالک شہر میں ہوتا تھا۔ چوکیدار مجھے اسی کوٹھی کا لگا تھا شاید فتح خان نے اسے لالچ دے کر ساتھ ملا لیا تھا اور اب دھڑلے سے کوٹھی استعمال کر رہا تھا۔ میں باتھ روم سے باہر آیا تو فتح خان کے دونوں آدمی کمرے میں موجود تھے۔

''چلو خان جی نے بلایا ہے۔''

''چلو۔'' میں دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں شاٹ گنوں سے مسلح اور پوری طرح چوکس تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ابھی صبح کا وقت تھا میں کم سے کم آٹھ گھنٹے تو سویا تھا۔ دوا کے اثر کے علاوہ تھکن بھی تھی کیونکہ میں ڈیڑھ دن سے جاگ رہا تھا۔ وہ دونوں مجھے اسی نشست گاہ میں لائے۔ میز پر ناشتہ سجا ہوا تھا اور یہ شاندار روایتی قسم کا ناشتہ تھا۔ دیسی گھی میں بنے پراٹھے تھے۔ ابلے اور تلے ہوئے انڈے تھے۔ مکھن کے ساتھ شہد اور پنیر بھی تھا۔ میں نے صوفے پر نیم دراز فتح خان کی طرف دیکھا۔

''یہ تو لگ رہا ہے کسی سزائے موت کے مجرم کے لیے آخری ناشتہ آیا ہے۔''

فتح خان اس وقت سگریٹ نوشی کر رہا تھا اس نے سر ہلایا۔ ''تم ایسا بھی سمجھ سکتا ہے۔''

میں نے ناشتے کا آغاز کیا۔ ''تم نے کہا تھا کہ ایمن کی جان بخش دو گے؟''

''ہاں میرا آدمی کام کر رہا ہے ابھی اس کی کال آئے گی۔''

''مجھے یہاں کہیں فون نظر نہیں آ رہا ہے اور موبائل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''تم فکر مت کرو میرے پاس یہ ہے۔'' فتح خان نے جیکٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا سیٹلائیٹ فون نکال کر دکھایا۔ ''اس کے ساتھ میں کے ٹو کی چوٹی سے بھی کسی سے رابطہ کر سکتا ہے۔''

''تمہارے لیے کیا مسئلہ ہے تم ایک فون کال کر کے اپنے آدمی حکم دو گے اور وہ برٹش سفارت خانے کال کر کے جیکٹ کو ناکارہ بنانے والا کوڈ بتا دے گا۔''

''ہاں لیکن میرے آدمی کو اپنی حفاظت کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔ وہ گورا بہت تیز ہوتا ہے۔ وہ کال کا سراغ لگا کر میرے آدمی تک آ سکتا ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''پھر ایک چکر اور بھی ہے میرے کو شبہ ہے میرا آدمی کوڈ بتا دے گا تب بھی ایمن نہیں بچے گا۔''

میں چونک گیا۔ ''تمہارا مطلب ہے وہ اسے مرنے دیں گے؟''

''ہاں یہ گورا لوگ بہت..... ہوتا ہے۔'' فتح خان نے روانی سے ایک گالی استعمال کی۔ ''ضرورت پڑنے پر مظلوم بننے کے لیے اپنی ماں کو بھی مروا سکتا ہے۔ پھر ڈیوڈ شا بھی ہے۔''

''اصل مسئلہ وہی ہے اور وہ ایمن کو مروانا چاہتا ہے۔''

''میں نے خود دیکھا ہے سفارت خانے کا لوگ اس کے سامنے خاندانی ملازموں کی طرح ہوتا ہے۔''

''تب تم نے اس کا کوئی حل سوچا ہوگا؟''

''وہی جو تم نے کیا تھا۔'' فتح خان مسکرایا۔ ''میں نے اپنے آدمی کو لگا دیا ہے وہ یہ کوڈ ٹی وی چینلز کو بھیجے گا اور پھر سفارت خانے کال کرے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تم نے ٹھیک کام کیا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''ابھی کیا وقت ہوا ہے؟''

سات بجے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''ابھی سات گھنٹے کا وقت ہے اس کے بعد ہی جیکٹ پھٹے گا۔''

میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اگر ڈیوڈ شا اس معاملے میں ملوث ہے تو وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ کوڈ غلط بتایا تھا اور اسے لگاتے ہی جیکٹ پھٹ گئی۔''

فتح خان بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ''ہاں ایسا ہو سکتا ہے میڈیا والا بھی کچھ نہیں کر سکتا ہے بلکہ وہ الٹا میرے خلاف بولے گا کہ میں جان بوجھ کر غلط کوڈ بتایا ہے۔''

''میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے اگر تم مان لو۔''

''کیا ترکیب ہے؟''

''مجھے ڈیوڈ شا سے بات کرنے دو۔''

فتح خان چونکا۔ ''اس سے بات کر کے تم کیا کرے گا؟''

''میں ظاہر کروں گا کہ میں نے تم پر قابو پا کر کوڈ حاصل کر لیا ہے اور میں ایمن کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں میں اسے لالچ دوں گا کہ اگر اسے میرا تعاون چاہیے تو وہ اس معاملے میں ٹانگ اڑانے سے باز رہے۔''

''تمہارے خیال میں وہ باز آ جائے گا؟'' فتح خان کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

''کیا کہا جا سکتا ہے آدمی کے بارے میں۔'' میں نے پر اٹھا نکلتے ہوئے کہا۔ ''سوچا تو میں نے یہ بھی نہیں تھا کہ کبھی تم میری جان لینے کو کہو گے اور میں دے دوں گا۔''

فتح خان نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''شہباز خان کیا تم سنجیدہ ہے؟''

''یہ تو تم پر ہے کیا تم میری جان لینے میں سنجیدہ نہیں ہو؟''

''میں سو فیصد سنجیدہ ہے اگر میں نے ایمن کو چھوڑا تو تم کو نہیں چھوڑے گا۔''

''تب میں بھی سنجیدہ ہوں۔ شاید تم حیران ہو کہ میں اتنا خاموش کیوں ہوں جان بچانے کے لیے کوشش کیوں نہیں کر رہا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میری تم سے ڈیل ہو گئی ہے اگر تم ایمن کو چھوڑ دو گے اور وہ بچ جائے گی تو میں بغیر کسی مزاحمت کے خود کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اگر تم نے ڈیل پوری نہ کی تو میں اپنی جان بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔''

فتح خان نے سر ہلایا اور سیٹلائیٹ فون پر کوئی نمبر ملاتے ہوئے بولا۔ ''میں ڈیوڈ شا کا نمبر ملا رہا ہے وہ اس نمبر کے بارے میں نہیں جانتا ہے تم بھی اسے نہیں بتائے گا کہ یہ میرا فون ہے اور تم میرے پاس ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور فون لے لیا۔ یہ عام موبائل فون کی نسبت موٹا اور بھدا سا تھا اس کی اسکرین بھی بالکل سادہ تھی جس میں صرف نمبر لکھا ہوا آ رہا تھا میں نے یہ نمبر ذہن نشین کر لیا۔ اگرچہ فی الحال اس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن ہو سکتا تھا مستقبل میں کوئی فائدہ ہو بھی جاتا۔ آنے والا وقت تو اللہ کے ہاتھ میں تھا ہم صرف اندازے لگا سکتے ہیں کہ ایسا ہو گا اور ویسا ہو گا۔ ڈیوڈ شا نے خاصی دیر بعد کال ریسیو کی۔

''ڈیوڈ شا میں بات کر رہا ہوں اگر تم آواز سے پہچان سکو۔''

''شہباز تم.....'' اس نے توقف کر کے کہا۔ ''تم کہاں ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں جہاں بھی ہوں آزاد ہوں اور اس قابل ہوں کہ تم سے بات کر سکوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ڈیوڈ شا میرے پاس وقت کم ہے اس لیے براہِ راست بات کروں گا۔ میں نے فتح خان پر قابو پا کر جیکٹ ڈی ایکٹی ویٹ کرنے والا کوڈ معلوم کر لیا ہے۔ میں وہ کوڈ برطانوی سفارت خانے کو بھیج رہا ہوں اور ساتھ ہی میڈیا کو بھی دے رہا ہوں۔''

''تو میں کیا کر سکتا ہوں۔'' اس کا لہجہ حسبِ معمول سرد تھا۔

''ڈیوڈ شا تم یہ کر سکتے ہو کہ اس معاملے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالو گے.....''

''میری طرف سے کوئی.....''

''میری بات مت کاٹو۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کیا کر رہے ہو اور تمہاری کوششیں کتنی کامیاب جا رہی ہیں۔ اس لیے میں نے تمہیں کال کرنے کی زحمت کی ہے۔''

''تمہیں میرا یہ نمبر کہاں سے ملا؟''

''فتح خان سے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔''

ڈیوڈ شا خاموش ہو گیا وہ شاید دل ہی دل میں تجزیہ کر رہا تھا کہ میری اس کال کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ میں سکون سے انتظار کر رہا تھا۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''شہباز ملک اس کے بدلے مجھے کیا ملے گا؟''

''میرا تعاون.....''

''میں کیسے یقین کر لوں۔''

''میں تمہیں یقین دلانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن اگر ایمن کو کچھ ہوا تو اس پر پورا یقین کر لو کہ تم میرا تعاون ہمیشہ کے لیے کھو دو گے۔''

''اگر یہ ڈیل ہے تو مجھے منظور ہے ایمن کو کچھ نہیں ہو گا لیکن اگر تم بعد میں مکرے تو وہ زندہ نہیں رہے گی۔'' ڈیوڈ شا نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اس نے صاف دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے بعد میں تعاون سے گریز کیا تو وہ ایمن کو نہیں چھوڑے گا۔ فتح خان نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''وہ مان گیا ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''لیکن اس شرط پر کہ میں بعد میں اس سے تعاون کروں گا ورنہ وہ ایمن کو نہیں چھوڑے گا۔''

''تم زندہ رہے گا تو اس سے تعاون کرے گا۔''

''ہاں یہ تو ہے لیکن بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ ابھی تو ایمن بچ جائے پھر آگے اس کی حفاظت کرنے والا وہی ہے جو سب کی حفاظت کرتا ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ میرا ناشتہ تقریباً مکمل ہو گیا تھا آخر میں میری پسند کی چائے تھی۔ فتح خان میری پسند ناپسند سے اچھی طرح واقف تھا اس لیے اس نے ایسی چائے بنوائی تھی۔ فتح خان نے سیٹلائیٹ فون پر اپنے آدمی سے رابطہ کیا اور اسے حکم دیا۔

''برٹش ایمبیسی کال کرو اور خود کو بتاؤ جب کام ہو جائے تو مجھے کال کرنا۔''

میں نے چائے پیتے ہوئے کہا۔ ''سنو فتح خان تم جو کہو گے وہ یک طرفہ ہو گا کیا میں خود تصدیق نہیں کر سکتا کہ ایمن محفوظ ہے یا نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں تصدیق کرادے گا۔'' اس نے یقین دلایا۔

وقت گزرتا گیا ایک گھنٹے بعد میں نے کہا۔ ''تمہارا آدمی کتنی دیر لگائے گا تصدیق کرنے میں۔''

''زیادہ دیر نہیں لگائے گا یہ کام بہت نازک ہے وہ کئی بار کوڈ کی تصدیق کرے گا اور دوسری طرف سے بھی بار بار پوچھا جائے گا۔ ایک نمبر بھی غلط ہو گیا تو.....'' فتح خان کی بات ادھوری رہ گئی اس کے سیٹلائیٹ فون کی بیل بجی۔ اس نے کال ریسیو کی اور دوسری طرف سے کہی جانے والی بات سن کر کال کاٹ دی اس نے میری طرف دیکھا۔

''کام ہو گیا ہے ایمن کی جیکٹ ڈی ایکٹیویٹ کر دی گئی ہے تم چاہو تو تصدیق کر سکتے ہو۔''

''وہ کیسے..... سفارت خانے کال کر کے.....؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ان کو اس نمبر کا پتا چل جائے گا میرے پیچھے تو وہ اب بھی پڑیں گے۔''

''پھر کیسے تصدیق ہو گی کہ ایمن کی جیکٹ اتر گئی ہے۔''

''میرے ساتھی تصدیق کر سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن کیا تم مجھے ان سے بات کرنے کی اجازت دو گے؟''

''دے گا پر تم صرف بات کرے گا اس کے علاوہ کوئی اشارہ نہیں دے گا۔''

''مجھے منظور ہے۔'' میں نے کہا اور فتح خان نے مجھے فون دے دیا۔ میں نے عبداللہ والی کوٹھی کا نمبر ملایا اور اتفاق سے کال عبداللہ نے ریسیو کی۔ میری آواز سن کر وہ چلایا۔

''آپ..... کہاں ہیں جناب؟''

''چلاؤ مت..... میری بات غور سے سنو میں بیس منٹ بعد دوبارہ کال کروں گا اس وقت تم تصدیق کرو کہ برٹش سفارت خانے میں موجود ایمن کو پہنائی جیکٹ اتر گئی ہے یا نہیں اور وہ ٹھیک ہے۔''

''میری بات.....''

''بعد میں پہلے یہ کام کرو۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

فتح خان نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ ''تم نے ٹھیک بات کیا۔''

''فتح خان میں تم سے معاہدے کا پابند ہوں مگر تم نے اچانک ہی دشمنی کا یہ باب ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کی وجہ بتا سکتے ہو۔''

''نہیں۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''لیکن یوں سمجھ لو کہ میں کچھ ایسا کام کر رہا ہوں جس میں تم لازمی ٹانگ اڑائے گا اگرچہ اس کا تمہاری یا تمہارے ساتھیوں کی ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہیرے میرے ہاتھ سے نکل گئے ہیں اب میرے پاس یہ آخری چانس رہ گیا ہے۔ اسے میں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔''

مجھے حیرت ہوئی ایسا کون سا کام ہو سکتا تھا جس میں فتح خان کو خطرہ تھا کہ میں لازمی ٹانگ اڑاؤں گا اور اس کا مجھ سے یا میرے ساتھیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ پھر وہ کام ایسا تھا جس میں فتح خان کو ہیروں کا متبادل مل جانے کی امید تھی۔ ''مجھے بھلا کیا ضرورت ہے اپنے پھڈے چھوڑ کر پرائے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی۔ تم جانتے ہو میری ایسی فطرت نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں جانتا ہے لیکن یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس معاملے میں لازمی ٹانگ اڑائے گا اور مجھے بہت مشکل ہو گا۔ ورنہ میں آسانی سے یہ کام کر لے گا۔''

فتح خان سے گفتگو کے دوران میرا ذہن سوچتا جا رہا تھا کہ ایسی کون سا معاملہ تھا۔ مگر فی الحال میرے ذہن میں ایسا کوئی معاملہ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بیس منٹ بعد عبداللہ کو کال کی۔ میری آواز سنتے ہی اس نے کہا۔ ''جناب میں نے تصدیق کر لی ہے مس شا کی جیکٹ ڈی ایکٹی ویٹ ہونے کے بعد اتر گئی ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہیں۔''

''یہ تم نے اچھی خبر سنائی۔ یہ بتاؤ کہ وسیم اور دوسرے لوگ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں وہ سب خیریت سے ہیں اور ہم آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔''

''تم لوگ بے کار میں اپنی توانائیاں ضائع مت کرو۔'' میں نے مشورہ دیا۔ ''اگر زندہ رہا تو جلد لوٹ آؤں گا۔''

''لیکن آپ ہیں کہاں؟''

''سمجھ لو دشمن کی قید میں ہوں۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی پھر فون فتح خان کی طرف بڑھا دیا جو اس نے موبائل جیب میں رکھ لیا۔ وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''شہباز خان مجھے افسوس ہے۔''

''افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں نے تمہیں کبھی دوست نہیں سمجھا جو مجھے افسوس ہو۔''

اس نے سر ہلایا اور اپنا پستول نکال لیا۔ ''اٹھو اور باہر چلو۔''

وہ غالباً اس جگہ کو خون سے صاف رکھنا چاہتا تھا۔ فتح خان کا ایک آدمی دروازے کی طرف بڑھا لیکن جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا اچھل کر اندر آ پڑا۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ بلند ہو رہا تھا۔ دوسرا آدمی دروازے کی طرف لپکا تھا مگر اسے وہاں تک پہنچنا نصیب نہیں ہوا گولی اس کے سر میں لگی اور وہ لٹو کی طرح گھومتا اور سر سے خون اچھالتا ہوا ایک صوفے پر جا گرا اس کا پستول اچھل کر میرے سامنے میز کے ساتھ آ پڑا۔ جو نیچے پڑا تھا وہ لائٹ براؤن رنگ کے قالین کو سرخ کر رہا تھا۔ دوسرا صوفوں کو اپنے خون سے رنگ دے رہا تھا۔ فتح خان اس جگہ کو خون آلود ہونے سے بچانا چاہتا تھا لیکن ایک منٹ سے کم وقت میں نشست گاہ میں خون ہی خون نظر آنے لگا تھا۔ فتح خان کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرے کہ دروازے کی طرف سے ایک فائر اور ہوا اور اس بار فتح خان کے ہاتھ سے پستول اڑ گیا۔ اس نے چلا کر گالی دی۔ اس کے ہاتھ سے خون ٹپک رہا تھا لیکن زخم زیادہ خطرناک نظر نہیں آ رہا تھا۔ باہر موجود شخص بے آواز ہتھیار سے فائر کر رہا تھا اس لیے فائرنگ کی آواز بھی نہیں آئی تھی۔ جب اس نے فتح خان کو بھی نہتا کر دیا تو اندر قدم رکھا۔ میں اور فتح خان دونوں حیران رہ گئے تھے۔

○.....◆.....○

اندر قدم رنجہ فرمانے والی شخصیت کرنل زریسکی یا عبدالرحمٰن کی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک عدد سائلنسر لگا پستول تھا جس سے اس نے ایک منٹ سے بھی کم وقت دو افراد کو دنیا سے رخصت کیا تھا اور ان کے سرغنہ کو نہتا کر دیا تھا جو زیادہ مشکل کام تھا۔ یہ مشکل خود کرنل نے لی تھی ورنہ اس کے لیے مشکل نہیں تھا کہ فتح خان کو بھی اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھیوں کی طرح دنیا سے رخصت کر دیتا لیکن وہ کسی وجہ سے اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ کرنل نے اندر آتے ہی ایک رومال فتح خان کی طرف اچھال دیا۔ ''اسے اپنے زخم پر لپیٹ لو۔''

فتح خان نے رومال کی طرف دیکھا بھی نہیں جو اس کے قدموں میں گرا تھا وہ خونی نظروں سے کرنل کو دیکھ رہا تھا۔ کرنل کے پیچھے اس کے دونوں گرگے یعنی منکر نکیر تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پھر وہی مخصوص ساخت کی شاٹ گنیں موجود تھیں جو میں کیبن سے نکال لایا تھا اور ایک گہری کھائی میں پھینک دی تھیں ظاہر ہے یہ وہ شاٹ گنیں نہیں تھیں۔ میں اس میز کی آڑ سے نکل آیا تھا جہاں میں فائرنگ سے بچنے کے لیے لیٹ گیا تھا حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی کرنل نے ایک بھی فالتو گولی نہیں چلائی تھی۔ اس نے صرف تین فائر کیے تھے اور تینوں گولیاں اپنے نشانے پر لگی تھیں۔ اس سے پتا چلتا تھا کہ اس کا نشانہ کتنا اچھا تھا۔

''کرنل یہ کیا ہے؟'' فتح خان جنگل سے تازہ تازہ چڑیا گھر میں وارد ہونے والے شیر کی طرح دھاڑا۔

''یہی تو میں تم سے پوچھنے آیا ہوں۔'' کرنل نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''وہ ہیرے کہاں ہیں جن کے لیے تم نے اتنا لمبا چوڑا چکر چلایا؟''

''ہیرے نہیں ملے۔'' فتح خان نے اطمینان سے کہا اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ ''میرا سکیم ناکام رہا۔''

''لیکن میری اسکیم ناکام نہیں رہے گی۔'' کرنل نے کہا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ ''اس کی تلاشی لو۔''

فتح خان نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے دونوں ہاتھ بلند کر لیے تھے۔ منکر نکیر نے اس کی تلاشی لے کر ایک عدد پستول، ایک خوفناک خنجر، سیٹلائیٹ فون اور کچھ رقم برآمد کی تھی۔ فتح خان نے ہاتھ نیچے کرنے کے بعد اپنا رومال نکال کر ہاتھ پر لپیٹ لیا۔ ''کرنل تمہارا نیت خراب ہو گیا ہے کیا؟''

''نہیں مجھے عقل آ گئی ہے۔'' وہ بولا۔ ''میں تم جیسے گدھے کے کہنے پر چلتا رہا اور اپنا نقصان کرتا رہا۔''

کرنل کے آدمی نے فتح خان کے پاس سے نکلنے والی چیزیں وہیں پھینک دی تھیں۔ فتح خان ہنسا۔ ''اب تم کو عقل آ گیا ہے لیکن بہت دیر سے آیا اب تم کیا کرے گا؟''

''تم دیکھ لو گے۔'' کرنل نے کہا۔ ''اب روانگی کی تیاری کرو۔''

''میرا خیال ہے ہماری واپسی ہو گی کیبن کی طرف اور وہاں سے میری روانگی ہو گی بھارتیوں کے ساتھ۔'' میں نے پہلی بار کہا۔ ''کرنل شاید تم نے کوئی نیا سودا کر لیا ہے۔''

اس نے بے نیازی سے میری طرف دیکھا اور باہر چلا گیا اس کے گرگوں نے اپنے ہتھیاروں سے اشارہ کیا اور ہمیں بھی باہر آنا پڑا۔ دن میں اس جگہ کو دیکھ کر میرا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا یہ بالکل ویرانہ نہیں تھا لیکن باقاعدہ آبادی بھی نہیں تھی دور دور ایسی ہی کوٹھیاں پہاڑیوں پر بکھری ہوئی تھیں جیسی کوٹھی میں اس وقت ہم تھے۔ یہ امرا کا علاقہ تھا۔ مجھے پورچ میں اس آدمی کی لاش دیکھ کر افسوس ہوا جو شاید یہاں چوکیدار تھا اور اس نے چند سو یا ہزار کے لالچ میں موت خرید لی تھی۔ اسے بے خبری میں پشت سے گولی ماری گئی تھی جو اس کے دل میں اتر گئی تھی اسے تڑپنے تو کیا آواز نکالنے کا موقع بھی نہیں ملا ہو گا۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ ''کیا یہ قتل و غارت گری ضروری تھی؟''

''یہ میں بہتر جانتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''وین میں بیٹھو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وین کا عقبی حصہ ایک بار پھر میرے لیے چشم براہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس بار میں اکیلا نہیں تھا بلکہ فتح خان کو بھی میرے ساتھ سفر کا اعزاز حاصل ہو رہا تھا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے فتح خان سے ''پہلے آپ'' کہا اور وہ مجھے گھورتا ہوا وین میں گھس گیا۔ جیسے ہی ہم دونوں وین میں داخل ہوئے باہر سے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''مجھے افسوس ہے تم نشست گاہ کو میرے خون سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن تمہارے ساتھیوں نے تو اسے مذبح خانہ بنا دیا۔''

فتح خان کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارا قسمت اچھا ہے تم ایک بار پھر بچ گیا۔''

''حالانکہ موت سے کوئی بندہ بشر کبھی نہیں بچ سکتا ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''بہرحال میں پوری نیک نیتی سے تمہارے ہاتھوں مرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔''

فتح خان نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''اس میں یقین نہ کرنے کی کون سی بات ہے۔ اگر تقدیر نے میری موت یہاں تمہارے ہاتھوں لکھی ہوتی تو میں کچھ بھی کر لیتا بچ نہیں سکتا تھا اور اگر ایسا نہیں تھا جیسا کہ نہیں ہوا تو تم کچھ بھی کر لیتے میری جان نہیں لے سکتے تھے جیسا کہ ہوا۔''

''تمہیں پتا تھا کہ کوئی آ جائے گا؟'' اس نے شک سے کہا۔ ''جو تم کو بچا لے گا۔''

''ہاں خواب میں آیا تھا کرنل۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''اس نے کہا تھا میں بس آنے والا ہوں مرنا نہیں۔''

''میں اسے چھوڑے گا نہیں ایسے مارے گا کہ اس کا روح بھی قیامت تک بلبلاتا رہے گا۔'' فتح خان نے غالباً خود سے کہا اور روئے سخن یقیناً کرنل کی طرف تھا۔

''تمہیں شک نہیں ہوا کہ کرنل تمہارا دشمن بن گیا ہے؟''

''شک کا کوئی وجہ نہیں تھا پھر میرا خیال تھا اسے اس جگہ کا پتا نہیں ہے۔''

''لیکن اسے پتا تھا اور اس نے عین موقع پر پہنچ کر تمہارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔'' میں نے کہا۔ ''فتح خان کیا تم نے اسے ہیروں کے بارے میں بتا دیا تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے زندگی کا سب سے بڑا غلطی کیا اس خنزیر کو بتا کر۔''

''اب تمہارے ساتھ میں بھی بھگتوں گا ویسے یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے؟'' میں نے ایک طرف ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بڑی ظالم وین ہے تم نے کہاں سے حاصل کی؟''

''یہی لایا تھا روس سے۔'' فتح خان بولا۔

میں حیران ہوا۔ ''اس کا مطلب ہے اس کی نمبر پلیٹ جعلی ہے۔''

''ہاں صرف نمبر پلیٹ ہی نہیں کاغذات بھی جعلی ہیں۔'' فتح خان نے انکشاف کیا۔ ''اس علاقے میں چلنے والی اکثر گاڑیاں ایسی ہی ہیں۔ یہ یہیں چلتی ہیں اور شہروں کی طرف نہیں جاتی ہیں۔''

فی الحال مجھے ایسی گاڑیوں پر ریسرچ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے کرنل کی فکر تھی وہ ہمیں اور خاص طور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مجھے کہاں لے جا رہا تھا۔ ''تم بتا سکتے ہو کہ کرنل مجھے کیوں لے جا رہا ہے؟''

''میں کیا بتا سکتا ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''بھارتیوں سے رابطہ کس کا تھا؟''

فتح خان چونکا۔ ''بھارتیوں سے معاملات کرنل دیکھتا تھا۔''

''تم یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہو کہ تمہارا ان سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔''

''مجھے ظاہر کرنے کا کیا ضرورت ہے سچ یہی ہے۔ بھارتیوں سے کرنل بات کرتا تھا۔''

''لیکن ڈیوڈ شا سے معاملہ تم کرتے ہو اور یہ سارا کھیل اصل میں اسی کا ہے ورنہ بھارتیوں کو اب تک تو میرا خیال نہیں آیا تھا۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہے۔'' فتح خان نے بیزاری سے کہا۔

''تم مجھے مارنے میں ناکام رہے اب خود تمہاری جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔'' میں نے اسے چھیڑنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''اب کیا ہوگا؟''

''دو میں سے ایک بات ہوگا یا تو ہم بچ جائے گا یا نہیں بچے گا۔'' اس نے زندگی کا فلسفہ بیان کیا اور آرام سے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا اسی لمحے وین حرکت میں آ گئی۔ پتا نہیں کرنل اور اس کے آدمی اتنی دیر سے یہاں کیا کر رہے تھے۔ مجھے تشویش لاحق ہو گئی تھی اگر بھارتیوں سے کرنل کا رابطہ تھا تو وہ ایک بار پھر ان سے میرا سودا کر سکتا تھا۔ وہ پہلے ہی میرے لیے ایک ملین امریکی ڈالرز دے چکے تھے اور اب زیادہ دے سکتے تھے میں نے ان کے دو بندے اور نرکھ بھیج دیئے تھے اور ایک قیمتی ہیلی کاپٹر بھی تباہ کر دیا تھا۔ ممکن ہے کرنل اس بار زیادہ رقم کا مطالبہ کرتا اور رقم لے کر مجھے بھارتیوں کے حوالے کر دیتا۔ وہ فتح خان کی طرح ہیروں کی تلاش میں عمر گنوا دینے والا بندہ نہیں تھا۔ میری طرح فتح خان بھی کسی غور و فکر میں تھا۔

فتح خان سے میری دشمنی دو دو اور پر مشتمل تھی۔ پہلی دشمنی صرف چند دن چلی تھی اس کے بعد اس میں ایک طویل وقفہ آیا تھا۔ جب میری زندگی نے پلٹا کھایا اور اس میں مرشد اور نادر جیسے شیطان داخل ہوئے تو فتح خان بھی ایک منفی کردار کی طرح پھر سے لوٹ آیا۔ اس بار فتح خان بالکل بدل کر سامنے آیا۔ وہ ایک ایسا دشمن بن گیا جو میرے خلاف سازشیں تو کرتا لیکن اس نے مجھے جسمانی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی براہِ راست میرے کسی مفاد کو زک پہنچائی۔ اس کا انداز مجھے استعمال کرنے والا رہا تھا یا وہ ڈیوڈ شا اور مرشد جیسے لوگوں کا آلہ کار بنا رہا۔ یہ پہلا موقع تھا جب فتح خان نے اچانک ہی دشمنی کا انداز بدلا تھا اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے بتا دیا تھا کہ وہ کچھ ایسا کر رہا ہے جس میں، میں لازمی ٹانگ اڑاؤں گا اور اس سے اس کا بہت بڑا مفاد وابستہ تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کون سا کام کر رہا ہے جس کے لیے اسے خدشہ ہو کہ میں اس میں ٹانگ اڑاؤں گا اور وہ اس میں ناکامی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا بہ قول اس کے ہیرے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اس کے پاس یہ آخری چانس تھا۔ اس نے ایمن کے بدلے تاوان کے مطالبے سے بھی دستبرداری اختیار کر لی تھی۔ فتح خان نے مجھے بتانے سے بھی صاف انکار کر دیا تھا۔ اب بھی نہیں بتاتا۔ بہرحال محاورے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذرا کی ترمیم کے ساتھ دشمن زندہ صحبت باقی۔ آئندہ بھی میری اور فتح خان کی ملاقاتیں جاری رہتیں اور کبھی نہ کبھی کھل جاتا کہ وہ کون سا کام مجھ سے چھپا کر سرانجام دے رہا تھا۔ مجھے ایمن کا خیال آیا اور میں نے فتح خان سے پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے ڈیوڈ شا اپنے وعدہ پر قائم رہے گا۔''

''وہ بڑا آدمی ہے اگر اس نے تم سے وعدہ کیا ہے تو وہ اس کا پاس کرے گا۔''

''لیکن مجھے اس پر اعتماد نہیں ہے۔''

''یہ تمہارا مرضی کا بات ہے۔'' فتح خان بولا۔ ''تمہیں معلوم ہے مارشل کا کیا انجام ہوا ہے؟''

میں چونکا۔ ''نہیں لیکن ایک بار ڈیوڈ شا سے میری فون پر بات ہوئی تھی اور میں نے اسے ثبوت کے ساتھ مارشل کے جھوٹ کا بتا دیا تھا مارشل بھی اس کے قابو میں تھا۔ کیا ڈیوڈ شا نے اسے مار دیا؟''

''نہیں اس پر انسانوں کی اسمگلنگ کا الزام لگا ہے اور وہ فرانس میں قید ہے اگر الزام ثابت ہو گیا تو وہ پچاس ساٹھ سال کے لیے جیل بھیج دیا جائے گا۔''

''یعنی جیتے جی وہ جیل سے باہر نہیں آ سکے گا؟''

''بالکل یہ گورا لوگ کا سزا کا انداز ہے۔ شکر ہے ادھر سزائے موت دیا جاتا ہے۔'' فتح خان نے کہا۔

''تمہارے ساتھ بس یہی دو لوگ تھے؟''

''ہاں ادھر یہی دو تھا۔ باقی ادھر شہر میں اور دوسری جگہوں پر ہے۔''

''یعنی کسی کو نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا گزری اگر کرنل نے تمہیں مار کر کہیں دفنا دیا تو.....؟''

''تو کیا۔'' اس نے شانے ہلائے۔ ''اب تک میں مارتا رہا ہے۔ میں بھی مارا جا سکتا ہے۔''

''اتنی آسانی سے؟''

''نہیں میں بھی تمہاری طرح آخری سانس تک لڑنے کا عادی ہے۔ ممکن ہے میں مارا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کرنل کا آخری وقت آ گیا ہو۔''

جس وقت فتح خان نے یہ بات کی تو نہ جانے کیوں مجھے خیال آیا کہ واقعی کرنل کا آخری وقت آ گیا ہے وہ ہمیں نہیں اپنی شامت اور موت کو ساتھ لے جا رہا ہے۔ کرنل کا یہ قدم ظاہر کرتا تھا کہ اس کے دل میں شروع سے کوئی کھوٹ تھا اور وہ ہیروں کی بازیابی کا انتظار کر رہا تھا لیکن جب ہیرے نہیں ملے اور ان کا لوگوں کا منصوبہ ناکام رہا تو کرنل نے متبادل منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا یہ منصوبہ اس نے فتح خان کو بائی پاس کر کے تیار کیا تھا۔ اس کا ایک نکتہ تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ ہمیں بھارتیوں کے حوالے کر کے جو مل رہا ہو اسے سمیٹ کر واپس روس چلا جائے۔

''تم نے کسی بنک اکاؤنٹ کا ذکر کیا تھا جس میں بھارتیوں سے حاصل ہونے والی رقم جمع ہے کیا یہ اکاؤنٹس تم نے خود کھلوایا تھا؟''

میرے سوال پر فتح خان چونکا۔ ''نہیں اکاؤنٹ کرنل نے کھلوایا تھا۔ مجھے ان معاملات کا زیادہ نہیں معلوم ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''تم بہت چالاک سہی لیکن کہیں کہیں مار کھا جاتے ہو۔ میں دعوے سے کہتا ہوں ایسے کسی اکاؤنٹ کا کوئی وجود نہیں ہوگا۔ تمہارے حصے کے پانچ لاکھ ڈالرز بھی کرنل ہضم کر چکا ہوگا۔''

فتح خان کی آنکھوں میں مزید خون اتر آیا اور اس نے اپنے قبائلی انداز میں مختلف قسمیں کھا کر مجھے یقین دلایا کہ ایسی صورت میں کرنل کے ساتھ بہت برا ہوگا۔ میں نے سرد آہ بھری۔ ''فی الحال تو ہمارے ساتھ برا ہوتا نظر آ رہا ہے ہم بالکل نہتے ہیں ایک پنسل تراش تک نہیں ہے ویسے جب میں کرنل سے ملا تو میرا خیال دوسرا تھا کہ وہ تم پر اعتماد کر کے سخت حماقت کا ثبوت دے رہا ہے۔ وہ تمہارے بارے میں نہیں جانتا ہے لیکن اب لگ رہا ہے یہ حماقت تم نے کی تھی اور درحقیقت تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو۔''

فتح خان خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''ہم نے اچھا نہیں کیا اس جگہ کا بات گاڑی کے آگے سنا جاتا ہے۔''

یہ سن کر میں اچھل پڑا تھا۔ ''یہ تم اب بتا رہے ہو تم سچ مچ پٹھان ہو۔''

اس نے خفت سے کہا۔ ''میرے کو خیال نہیں رہا۔''

اس کے بعد ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے۔ وین کو چلتے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ کا وقت گزر گیا تھا۔ اگر ہم واپس اسی کیمپ کی طرف جا رہے تھے تو یہ ابھی تین چار گھنٹے کا سفر اور تھا۔ وہ بھی موسم اگر ٹھیک ہو بند وین میں پتا نہیں چل رہا تھا کہ آگے کا موسم کیسا تھا۔ مگر خلاف توقع کچھ دیر بعد وین رک گئی تھی۔ ایک منٹ بعد عقبی دروازہ کھلا۔ وین سڑک کے ساتھ ایک جنگل کے کنارے کھڑی تھی۔ کرنل اور اس کا ایک ساتھی ہتھیار بدست اور چوکنا موجود تھے کرنل نے شاٹ گن سے اشارہ کیا۔ ''نیچے آ جاؤ۔''

''آ جاؤ میرے دوست نما دشمن۔'' میں نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ ''شاید ہمارا آخری وقت آ گیا ہے۔''

میں اور فتح خان نیچے اتر آئے۔ فتح خان نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''تم جو کر رہا ہے تم کیا سمجھتا ہے بچ جائے گا؟''

''مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔'' کرنل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''بولنے کے بجائے چلنے کی کرو۔''

یہاں بھی ہر طرف برف نظر آ رہی تھی لیکن سردی کی شدت بہت زیادہ نہیں تھی۔ کرنل کے اشارے پر ہم سڑک سے اتر کر درختوں کے درمیان ایک پگ ڈنڈی پر چلنے لگے۔ درختوں کے نیچے کہیں کہیں برف تھی۔ جو برف درختوں کی شاخوں پر تھی وہ دھوپ پڑنے سے پگھل گئی تھی۔ پانی پڑنے سے زمین نم اور نرم ہو رہی تھی۔ تقریباً ایک سو گز چلنے کے بعد ہم ایک چھوٹے سے کچے مکان کے سامنے پہنچے۔ یہ باقاعدہ کیبن نہیں تھا۔ مٹی اور پتھروں کی مدد سے اسے بنایا گیا تھا اور اس کی چھت ٹین کی شیٹ سے ڈالی گئی۔ یہ کسی لکڑہارے یا چرواہے کا عارضی ٹھکانہ لگ رہا تھا۔ جو وہ موسم گرما میں استعمال کرتا ہوگا۔ سردیوں میں یہ لوگ نچلے علاقوں میں چلے جاتے ہیں جہاں برف نہیں پڑتی ہے اور ان کے معمولات زندگی چلتے رہتے ہیں گرمیوں میں یہ واپس آ جاتے ہیں۔

ہم مکان میں آئے اندر بہت معمولی سا ساز و سامان پڑا تھا اس میں ایک انگیٹھی اور ایک چارپائی تھی۔ مٹی کے چند برتن بھی پڑے تھے۔ کرنل کے اشارے پر ہم دونوں ایک طرف دیوار کے ساتھ پشت لگا کر بیٹھ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ کرنل کسی وجہ سے ہمیں زندہ رکھے ہوئے تھا۔ ورنہ مارنا ہوتا تو جہاں فتح خان کے تین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں وہیں ہماری بھی دو لاشیں رہ جاتیں۔ فتح خان شاید وجہ سے واقف تھا اس لیے کسی قدر بے خوف تھا۔ مجھے زندہ رکھنے کی وجہ سمجھ میں آ رہی تھی میں اس کے لیے ایک بلینک چیک تھا جسے وہ کسی بھارتی بنک سے کیش کرا سکتا تھا۔ مگر فتح خان سے بھی اس کا کوئی ایسا مسئلہ اٹکا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھا۔ کرنل اسی کی طرف متوجہ تھا اس نے اچانک کہا۔

"فتح خان شہلا کہاں ہے؟"

"مجھے کیا معلوم۔" اس نے جواب دیا۔ "میرا اس سے بہت عرصے سے رابطہ نہیں....."

"جھوٹ مت بولو صرف تین دن پہلے تم مری میں اس سے ملے تھے۔" کرنل نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم دوسروں کو بے وقوف بنا سکتے ہو مجھے نہیں۔"

"کیوں تم میں ایسا کیا بات ہے اگر تم چاہے تو میں تم کو بھی بے وقوف بنا سکتا ہوں۔" فتح خان کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

"اگر شہلا میرے آدمیوں کو جل دے کر نہ نکل گئی ہوتی تو تم اس طرح بات نہ کر رہے ہوتے۔" کرنل کا لہجہ سرد ہو گیا۔ "فتح خان مجھے ہر صورت میں شہلا کا پتا چاہیے۔"

"تم نے شہلا کا کیا کرنا ہے؟" فتح خان کسی قدر سنجیدہ ہو گیا۔

تین دن پہلے شہلا سے ملنے کا مطلب تھا کہ شہلا نے جب مجھے مارنے کی کوشش کی تھی تو اس کے فوراً بعد وہ فتح خان سے ملی تھی۔ شاید مجھے بریف کیس دینے کے بعد وہ واپس اسلام آباد کی طرف جانے کے بجائے مری چلی گئی تھی۔ مگر میں نے گفتگو میں مداخلت نہیں کی میں جاننا چاہتا تھا کہ کرنل شہلا تک رسائی کیوں چاہتا تھا اس کے باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ فتح خان اور شہلا کا تعلق نہ صرف برقرار تھا بلکہ اس میں مزید گہرائی آ گئی تھی۔ فتح خان کے سوال پر کرنل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تم جانتے ہو..... کیا میں شہباز کے سامنے بتا دوں۔"

اس بات نے فتح خان کو کسی قدر مضطرب کر دیا تھا وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "کرنل میں تم سے الگ میں بات کرنا چاہتا ہے۔"

کرنل نے سر ہلایا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔"

میرا خیال تھا کہ وہ دونوں کہیں باہر جائیں گے لیکن کرنل نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا کہ وہ مجھے باہر لے جائے۔ اس نے شاٹ گن لہرائی اور میں اس کے ساتھ باہر آ گیا۔ جب میں فتح خان کی قید میں آیا تھا تو اس کے آدمیوں نے میری بھاری گرم جیکٹ اتار لی تھی۔ اس کی جگہ مجھے مقامی موسم کے لحاظ سے ایک ہلکی جیکٹ دے دی تھی۔ میں اسی ہلکی جیکٹ میں تھا۔ مجھے یاد تھا کرنل کے اس آدمی کا نام آغا تھا وہ مجھے جھونپڑے سے کوئی بیس تیس گز دور لے آیا۔ اس کا دوسرا ساتھی شاید دین کے پاس تھا۔ میرا چھیڑ چھاڑ کا موڈ ہونے لگا۔ "تم شروع سے کرنل کے پالتو ہو یا حال ہی میں اس کے ساتھ شامل ہوئے ہو؟"

اس نے غرا کر مجھے دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے گل فشانی جاری رکھی۔ "تم شاید دوغلی نسل سے ہو اس لیے ذاتی عقل سے محروم ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ان دونوں کو بہت کم بولتے دیکھا تھا۔ حد یہ کہ وہ آپس میں بھی زیادہ بات نہیں کرتے تھے۔ اپنے انداز سے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ایک ایسی مشین لگتے تھے جو صرف حکم کی تعمیل کرنا جانتی ہوں۔ مگر میرے اشتعال انگیز جملوں نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔ وہ غراتا ہوا میری طرف آیا۔ پہلے مجھے لگا تھا کہ وہ مجھے گولی نہ مار دے لیکن اس نے شاٹ گن کی نال مجھے مارنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کا وار بازو پر روکا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ میں مکا مارا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں نے سیمنٹ کی بوری پر مکا مارا ہو۔ وہ غرایا اور اس بار اس نے نال میرے سر پر مارنا چاہی۔ اس وار کو ہاتھ پر روکنے کا مطلب تھا میں اپنی کلائی تڑوا لیتا اس لیے میں نے سر جھکاتے ہوئے اس کے پیٹ میں اسی جگہ ٹکر ماری جہاں مکا مارا تھا۔ شاٹ گن کی گھومتی نال میری کمر پر لگی لیکن اتنے پاس سے اس کا زور ختم ہو گیا تھا۔ میں اسے لے کر نیچے جا گرا۔ اس نے شاٹ گن نہیں چھوڑی تھی اس لیے میں نے ایک ہاتھ سے اس کی نال پکڑ لی تا کہ وہ تیسری بار اسے نہ استعمال کر سکے۔ اس نے چلا کر کسی اجنبی زبان میں کچھ کہا ظاہر ہے وہ میری مدح سرائی تو کرنے سے رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اسے منہ پر مکا مارا۔ اس سے پہلے میں دوسرا وار کرتا عقب سے کرنل کی آواز آئی۔

''شہباز رک جاؤ۔''

میں رک گیا اور پھر آہستہ آہستہ اٹھ کھڑا ہوا میں نے ہاتھ بھی بلند کر لیے تھے۔ کرنل نے سرد لہجے میں پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا تھا؟''

''کچھ نہیں میں نے تمہارے آدمی سے اس کے بارے میں کچھ سوالات کیے تھے یہ غصے میں آ گیا اور زبان کے بجائے ہاتھ سے جواب دینے لگا۔''

کرنل نے اپنے آدمی سے کہا۔ ''تم دفع ہو جاؤ اور جا کر مبشر کو یہاں بھیجو۔''

مجھ پر غرانے والا آغا کرنل کے حکم پر دُم دبا کر وہاں سے چلا گیا ایک منٹ بعد مبشر آ گیا۔ کرنل نے اسے حکم دیا۔ ''اس پر کڑی نظر رکھو اور اگر یہ کوئی غلط حرکت کرے تو اس کے پاؤں پر فائر کرنا گھٹنے پر۔''

مبشر نے فوراً شاٹ گن کا رخ میرے دائیں گھٹنے کی طرف کر دیا اور میں ساکت ہو گیا۔ کرنل حکم دے کر واپس چلا گیا تھا۔ میں نے مسکرا کر مبشر کو دیکھا تا کہ اس کے تنے ہوئے اعصاب نرم پڑ جائیں۔ وہ جذبات سے عاری مشین نما انسان تھا اور حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کرنا میری کسی حرکت پر وہ سچ مچ فائر کر سکتا تھا اور شاٹ گن کا فائر صرف میرا گھٹنا نہیں توڑتا بلکہ اسے جسم سے الگ بھی کر دیتا۔ مجھے حیرت تھی کہ اندر فتح خان سے مذاکرات میں مصروف کرنل کو کیسے پتا چلا کہ باہر کچھ گڑبڑ ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ فتح خان کو چھوڑ کر کیسے آ گیا۔ یقیناً اس نے کچھ ایسا کیا ہو گا کہ اس کی عدم موجودگی میں فتح خان فرار نہ ہو سکے۔ مبشر شاٹ گن کا رخ میری طرف کیے بالکل ساکت کھڑا تھا۔ مارے خوف کے میں بھی ساکت تھا۔ اگر کرنل اسے حکم دیتا کہ مجھے شوٹ کر دے تب بھی میں اتنا خوفزدہ نہیں ہوتا جتنا اس حکم پر ہوا تھا۔ ایک پاؤں سے محروم ہو کر معذور بن جانا مجھے گوارہ نہیں تھا اس کے مقابلے میں مجھے موت زیادہ آسان لگ رہی تھی۔ تقریباً دس منٹ بعد کرنل جھونپڑی سے باہر آیا اور اس نے مبشر کو حکم دیا۔ ''اسے اندر لاؤ۔''

میں جھونپڑی میں داخل ہوا اور ٹھٹک گیا۔ فتح خان اس حالت میں کھڑا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پشت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بندھے تھے اور یہی رسی چھت کو سہارا دینے والی لکڑی کی بلی سی گزاری گئی تھی۔ یہ رسی دیوار میں ایک کھونٹے سے بندھی تھی اور فتح خان نہایت اذیت ناک پوز میں کھڑا ہوا تھا کیونکہ رسی آخری حد تک کھنچی ہوئی تھی اگر اسے راسا اور اوپر کھینچا جاتا تو فتح خان کے دونوں ہاتھ شانوں سے اکھڑ جاتے۔ دائیں آنکھ کے اوپر چوٹ کا نشان بتا رہا تھا کہ کرنل نے کچھ تفتیش بھی کی تھی فتح خان کے منہ پر ٹیپ چپکا رکھا تھا اس لیے وہ آواز بھی نہیں نکال سکتا تھا۔

کرنل نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے تمہیں خوشی ہوگی اسے اس حال میں دیکھ کر؟''

''اگر تم ایسی ہی ایک رسی مہیا کر سکو تو میں تمہیں بھی اسی پوز میں لٹکا کر زیادہ خوش ہو سکتا ہوں۔''

کرنل کا موڈ آف ہو گیا اور اس نے فتح خان کے منہ سے ٹیپ ایک جھٹکے سے اتار دیا فوراً ہی فتح خان کے [illegible] گالی نکلی تمہیں جواب سننے میں کم آتی ہیں۔ کرنل نے ذرا بھی برا نہیں منایا کیونکہ وہ پشتو سے ناواقف تھا۔ اس نے کہا۔ ''اگر تم نے مجھے شہلا کا پتا نہیں بتایا تو پہلے تمہارے دونوں ہاتھ شانوں سے الگ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد میں تمہیں الٹا لٹکا دوں گا اور تمہارے سر کے نیچے اس انگیٹھی کو روشن کر دوں گا اس کی گرمی سے تمہارا مغز پگھل کر گرے گا۔''

''مجھے شہلا کا نہیں معلوم۔'' فتح خان نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''تم ایسا کرو میرا مغز نکال کر ڈائریکٹ فرائی کر کے اپنے کتوں کو کھلا دو۔''

''تم کیا سمجھتے ہو میں اسے تلاش نہیں کر سکتا میں بس ذرا زحمت سے بچنا چاہ رہا تھا ورنہ اسے تلاش کرنا ناممکن نہیں ہے۔''

''تم اسے تلاش نہیں کر سکتا ہے۔'' فتح خان نے یقین سے کہا۔

''اچھا تم نے اسے ایسی جگہ چھپایا ہے؟'' کرنل نے طنزیہ انداز میں کہا۔ اس پر فتح خان نے کرنل کی والدہ کے حوالے سے جگہ کا بتایا اس پر کرنل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور میں نے پہلی بار اسے جذباتی دیکھا اس نے فتح خان کو گھونسہ مارا۔ اس کا ہونٹ پھٹ گیا اور خون چھلک آیا تھا۔ کرنل بالکل اپنے آدمیوں کی طرح غرانے لگا۔

''فتح خان میں آخری بار پوچھ رہا ہوں اگر تم نے شہلا کا پتا نہیں بتایا تو تمہاری موت بہت خوفناک ہوگی۔''

''اگر میرے کو پتا ہوتا تب بھی نہیں بتاتا۔'' فتح خان نے کہا اور اچانک کرنل کے منہ پر تھوک دیا۔ ''فتح خان تم جیسے کسی حرامی کتے سے نہیں ڈرتا ہے۔''

کرنل غصے سے پاگل ہو گیا اس نے پے در پے فتح خان پر مکوں کی برسات کی اور اس کا ناک نقشہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ کرنل کے ہاتھ بہت سخت تھے اور فتح خان کا چہرہ کئی مقامات سے لہولہان ہو گیا تھا۔ میں ایک طرف کھڑا تھا اور مسٹر میری نگرانی کر رہا تھا۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر کرنل نے جیکٹ سے پستول نکالا تو میں سمجھا وہ فتح خان کو شوٹ کرنے جا رہا ہے لیکن اس نے پستول نیچے کیا اور فتح خان کی ران میں گولی اتار دی۔ فائر کی آواز زیادہ نہیں تھی لیکن فتح خان کی دھاڑ بہت بلند تھی۔ وہ [illegible] دوبارہ پشتو میں کرنل کی مداح سرائی کرنے لگا۔

کرنل سکون سے کھڑا تھا۔ جب فتح خان کی بلبلاہٹ ذرا کم ہوئی تو اس نے کہا۔ ''میں اسی طرح تمہارے ہاتھ پیروں میں ایک ایک کر کے گولی اتارتا رہوں گا اس میں کوئی زخم ایسا نہیں ہوگا جس سے تم فوراً مر جاؤ۔ میرے پاس پستول میں ابھی تیرہ گولیاں اور ہیں۔ دونوں ٹخنوں، دونوں گھٹنوں، دونوں کہنیوں اور دونوں کلائیوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے آٹھ گولیاں کافی ہوں گی۔ اس کے بعد تمہاری دوسری ران اور پھر بازوؤں کی باری آئے گی ابھی تمہاری ہڈی بچا کر گولی چلائی ہے لیکن اس کے بعد میں براہ راست ہڈی میں گولی ماروں گا تمہیں معلوم ہے ہڈی ٹوٹنے کی تکلیف کیا ہوتی ہے اگر تم نہیں جانتے تو جلد جان جاؤ گے۔"

کرنل کا منصوبہ سن کر نہ جانے فتح خان کی اندر سے کیا حالت ہوئی تھی لیکن میرے اندر سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ یہ نہایت خوفناک اور اذیت ناک منصوبہ تھا۔ فتح خان کی جنگھ اس جگہ سے خون سے تر ہو گئی تھی جہاں گولی لگی تھی اور خون بہہ کر اس کے جوتے تک چلا گیا تھا۔ وہ اس پاؤں پر زور ڈالنے کے بجائے دوسرے پاؤں پر زور ڈال کر کھڑا تھا۔ جب کرنل خاموش ہوا تو فتح خان نے ایک بار پھر سر اٹھایا اور کرنل پر تھوک دیا۔ اس بار تھوک اس کے منہ تک نہیں گیا تھا لیکن کرنل کی جیکٹ پر گرا تھا کرنل مشتعل نہیں ہوا تھا۔ اس نے فتح خان سے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ جو کر چکا ہوں اس سے زیادہ اور کیا کروں لیکن اب ہر دو منٹ بعد میں تمہیں ایک گولی مارتا رہوں گا۔ آدھے گھنٹے میں تم انسان نہیں رہو گے چھلنی بن جاؤ گے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اس پر بھی تم نہیں مرو گے تمہیں مرنے میں کم سے کم ایک گھنٹہ لگے گا۔"

"کرنل۔" میں نے پہلی بار زبان کھولی۔ "فتح خان بہت ضدی آدمی ہے یہ مر جائے گا لیکن زبان نہیں کھولے گا۔"

"ٹھیک ہے تب یہ مرے گا۔" کرنل نے سفاک لہجے میں کہا۔ "مجھے اس سے مہرو کا حساب بھی برابر کرنا ہے۔"

فتح خان نے قہقہہ لگایا۔ "تم مجھے مار دو گے لیکن اس سے مہرو کے ساتھ جو ہوا تھا وہ واپس....."

کرنل نے فتح خان کے منہ پر پستول والا ہاتھ مارا۔ اس کی بات ادھوری رہ گئی اور جب اس نے کھانس کر تھوکا تو خون کے ساتھ ایک عدد دانت بھی باہر گرا تھا۔ کرنل نے بالکل ٹھیک کیا تھا۔ مہرو کے ساتھ فتح خان کے ساتھیوں کا انسانیت سوز سلوک مجھے بھی نہیں پسند آیا تھا۔ اس لحاظ سے فتح خان سزا کا مستحق تھا۔ مہرو کی آبروریزی میں جو لوگ شامل تھے وہ خود مہرو کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور اب فتح خان ہی باقی تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں کرنل کے اس منصوبے سے متفق ہو گیا تھا جو اس نے فتح خان کے بارے میں بنایا تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ سچ مچ اپنے منصوبے پر عمل کرے گا۔ اس نے پستول سیدھا کیا۔ میں نے اسے روکا۔

"ایک منٹ کرنل کیا تم میری بات سننا پسند کرو گے؟"

اس نے پستول نیچے نہیں کیا لیکن میری طرف دیکھا۔ "کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کرنل کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ تمہیں شہلا کی تلاش کیوں ہے؟"

کرنل نے چند لمحے سوچا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔ "یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔"

"او کے اگر تم فتح خان کے لیے اپنے منصوبے پر عمل درآمد فی الحال ملتوی کر دو تو میں شہلا کی تلاش میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

کرنل نے ایک لمحے کے لیے حیرت سے مجھے دیکھا۔ یقیناً اس کے دل میں یہی بات ہو گی کہ میں اپنے دشمن کو بچانے کی کوشش کیوں کر رہا ہوں جس نے پہلے مجھے بھارتیوں کے حوالے کر دیا تھا اور پھر خود قتل کرنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کی۔ مگر اس نے میری پیشکش کو مسترد کر دی۔ ''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے میں خود شہلا کو تلاش کر لوں گا۔''

کرنل سے اس گفتگو کے دوران میں بہت غیر محسوس انداز میں دائیں طرف سرک رہا تھا۔ فتح خان بھی اسی طرف بندھا ہوا تھا۔ کرنل اور مبشر بائیں طرف تھے۔ میں اس پوزیشن میں آنے کی کوشش کر رہا تھا جس میں مجھے کرنل اور مبشر دونوں سامنے دکھائی دیں۔ مجھے انکار کر کے کرنل فتح خان کی طرف متوجہ ہوا۔ ''فتح خان کیا کہتے ہو؟''

فتح خان خاموش رہا تھا کرنل نے پستول کا رخ اس کے بائیں پاؤں کے ٹخنے کی طرف کیا۔ یہ موقع ایسا تھا کہ مبشر کی توجہ بھی میری بجائے ان دونوں کی طرف گئی تھی۔ وہ فتح خان کے پاؤں میں گولی لگنے کا منظر دیکھنا چاہتا تھا اور میں اسی موقع کا انتظار کر رہا تھا میرا دایاں ہاتھ جو جیکٹ کی جیب کے پاس تھا بڑی سے اندر گیا۔ یہ ہاتھ ان دونوں کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ میں نے جیب سے ہاتھ نکالا اور اسے پشت کی طرف لاتے ہوئے مبشر پر فائر کیا۔ یہ اندازے سے کیا گیا فائر تھا کیونکہ سامنے ہاتھ لانے کی صورت میں کرنل اور مبشر دونوں پستول دیکھ لیتے۔ اس لیے میں نے ہاتھ پشت کی طرف کر کے فائر کرنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ دھماکے کے ساتھ مبشر کراہا اور پیچھے جا گرا گولی اس کے سینے میں اتر گئی تھی۔ کرنل چونکا اور ایک لمحے کے لیے کنفیوژ ہو گیا کہ گولی کہاں سے چلی تھی کیونکہ میرے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آ رہا تھا میں نے اس ایک لمحے کے کنفیوژن کا فائدہ اٹھایا اور زمین پر گرتے ہوئے ہاتھ سامنے لا کر دوسرا فائر کرنل پر کیا۔ خوش قسمتی سے یہ فائر بھی نشانے پر لگا تھا۔ گولی کرنل کے دائیں شانے میں اتر گئی۔ وہ کراہا اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ جھک کر پستول اٹھاتا میں نے اسے لات مار کر چارپائی کے نیچے کر دیا اور پستول کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''بس کرنل اب حرکت مت کرنا۔''

گولی نے اس کے شانے کی ہڈی توڑ دی تھی اور بازو جھول رہا تھا لیکن وہ حیرت انگیز طور پر اپنے زخم سے بے نیاز لگ رہا تھا۔ تکلیف سے زیادہ اس کے تاثرات میں حیرت تھی۔ ''یہ پستول کہاں سے آیا تمہارے پاس؟''

''جب تم نے فتح خان کے ایک آدمی کو شوٹ کیا تھا اور وہ پلٹ کر گرا تھا تو اس کا پستول چھوٹ کر میرے سامنے آ گرا تھا میں میز کے پیچھے تھا اس سے پہلے کہ تمہیں یا فتح خان کو پتا چلتا میں نے پستول اٹھا کر جیکٹ میں رکھ لیا تھا۔''

کرنل کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ ''تم مسلح تھے اور میرے کسی آدمی کو خیال نہیں آیا۔''

''خیال تو تمہیں بھی نہیں آیا تھا۔'' میں نے کہا اور اسے نشانے پر رکھے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ مبشر بے ہوش تھا یا مر چکا تھا بظاہر اس کے جسم میں حرکت نظر نہیں آ رہی تھی میں کرنل پر نظر رکھے ہوئے اس تک گیا اور اس کی شاٹ گن اٹھالی۔ فائرنگ کی آواز یقیناً باہر تک گئی ہو گی اور کرنل کا دوسرا ساتھی آ جانے والا ہو گا۔ شاٹ گن اٹھا کر میں نے کمرے میں ایک ایسی جگہ پوزیشن سنبھال لی کہ آنے والے کو دیکھ سکوں اور ضرورت پڑے تو اسے شوٹ کر دوں۔ فتح خان بولا۔ ''شہباز پہلے اسے شوٹ کر دو پھر اس کا ساتھی سے نمٹنا۔''

''تم چپ کرو۔'' میں نے اسے جھڑکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنل طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''اسے خوف ہے میں اس کا راز نہ فاش کر دوں۔''

میں نے ان دونوں کی باتوں سے توجہ ہٹالی تھی اور میرے کان باہر سے آتی آہٹوں پر مرکوز تھے۔ بظاہر ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی دبے قدموں جھونپڑی کے آس پاس چل رہا ہو۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے سرگوشی میں کرنل سے کہا۔ ''اپنے آدمی کو آواز دو۔''

اس نے نفی میں سر ہلا دیا بولنے سے گریز کیا تھا۔ میں نے اسے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں یہاں سب ایک سے بڑھ کر ایک ضدی تھے جان چلی جائے لیکن اپنی ضد سے نہیں ہٹنا تھا۔ چند لمحے بعد آہٹ دروازے تک آ گئی تھی۔ میں اس آدمی کو مارنا نہیں چاہتا تھا لیکن کرنل کی ہٹ دھرمی کے بعد یہ مشکل کام ہو گیا۔ وہ اندر آنے سے ہچکچا رہا تھا اور اگر آتا تو مجھے مارنے کی کوشش کرتا۔ جواب میں میں بھی اس پر پھول نچھاور نہیں کرتا اس مار دھاڑ کے بعد ہم دونوں میں سے کوئی ہی بچتا۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''آغا تم میری آواز سن رہے ہو؟''

''آغا تم نے اس کی کوئی بات نہیں سننی ہے۔'' کرنل بھی بولا۔

''تم خاموش رہو۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''میں کسی کو قتل کرنا نہیں چاہتا لیکن تم اس پر تلے ہوئے ہو کہ میں تمہارے دوسرے ساتھی کی لاش بھی گرا دوں۔''

''وہ ہتھیار نہیں ڈالے گا۔'' کرنل نے اطمینان سے کہا۔ ''چاہے تم مجھے قتل کرنے کی دھمکی ہی کیوں نہ دو۔''

''میں تمہیں دھمکی نہیں دوں گا بلکہ قتل کر دوں گا۔'' میں نے گرج کر کہا اور پستول سے گولی چلا دی فوراً ہی کرنل کے سر پر پستول دستہ بجایا۔ وہ چلایا اور نیچے جا گرا۔ فائر اور کرنل کی چیخ نے باہر موجود آغا کو مشتعل کر دیا تھا۔ اسے یقیناً یوں لگا ہو گا کہ میں کرنل کو شوٹ کر دیا ہے لاردہ کسی اندھے بیل کی طرح اندر آیا۔ اس کا خیال تھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے اور اس نے اسے ٹکر مار کر توڑنے کی کوشش کی لیکن دروازہ کھلا تھا اس لیے وہ جھونک میں اندر آن گرا۔ اس نے خود میرا کام آسان کر دیا تھا گرنے کے بعد اس نے شاٹ گن اوپر کرنے کی کوشش کی میں نے لات مار کر اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی اس کے بعد سر پر چند تسلی بخش قسم کی ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ لمبا لیٹ گیا۔ میں نے اس کی تلاشی لی اور اس کے پاس سے ایک پستول اور ایک عدد چاقو برآمد کیا۔ اسی طرح کرنل کے پاس سے ایک اضافی پستول اور اس کا مخصوص خنجر تھا۔ ان لوگوں نے کوئی ایسی چیز جس سے وہ شناخت ہو سکیں اپنے پاس نہیں رکھی تھی۔

مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ہمشر جان سے گزر گیا تھا۔ اب اسے اتفاق کے سوا اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ میں نے ہاتھ پشت کی طرف کر کے گولی چلائی تھی اور وہ اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ میں نے مزید رسی تلاش کر کے کرنل اور آغا کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ وہ عام انسان نہیں تھے جو گولی کا زخم کھا کر بے بس ہو جاتے ہیں وہ اس حالت میں بھی میرے خلاف کچھ بھی کر سکتے تھے ان کا بے بس ہونا بہت ضروری تھا۔ فتح خان خاموشی سے کھڑا تھا پاؤں میں گولی کھانے اور نہایت مشکل انداز میں بندھے ہونے کے باوجود اس نے ایک بار بھی مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں اسے کھول دوں۔ دوسری طرف میں کرنل والی غلطی نہیں دھرانا چاہتا تھا اس نے فتح خان کے ٹھکانے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری تلاشی نہیں لی تھی اس کا خیال تھا میں فتح خان کا قیدی تھا اور میرے پاس اسلحے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جب کہ میں نے ایک عدد پستول حاصل کر لیا تھا۔

میں نے سارا اسلحہ سمیٹ کر اور بے کار کر کے چارپائی کے نیچے ڈال دیا۔ اس کے بعد خنجر سے رسّی کاٹ کر فتح خان کو کھولا۔ وہ کراہتا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس کے پاس بیٹھ کر زخم کا معائنہ کیا اور پھر خنجر سے جیکٹ کاٹ ڈالی۔ گولی ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سوراخ کرتی نکل گئی تھی۔ زخم سے خون بہنے کی رفتار خاصی کم ہو گئی تھی۔ میں نے بشرٹ کی قمیص کا دامن پھاڑا اور اس کی پٹی بنا کر کس کر فتح خان کے زخم پر باندھ دیا۔

فتح خان اب تک خاموش تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز خان تم نے یہ میری خاطر کیا ہے؟''

''میں بھی کسی سے کچھ مفت میں لینا پسند نہیں کرتا۔ تم نے ایمن کے بدلے میری جان مانگی تھی مگر قدرت کو ابھی میری زندگی منظور ہے اس لیے تم ناکام رہے۔ اس کے باوجود مجھے اچھا نہیں لگا تم نے میرے کہنے پر ایمن کو چھوڑا ہے اس لیے میں نے تمہاری زندگی بچا کر حساب برابر کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''اب تم کیا کرو گے؟''

''کچھ نہیں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔''

وہ بے چین ہو گیا۔ ''لے جائے گا کہاں..... کیوں؟''

''اگر تم سوچ رہے ہو کہ میں تمہیں یہاں ان لوگوں کے پاس چھوڑ جاؤں گا اور تم کرنل سے اپنا حساب چکاؤ گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ جس طرح میں کرنل کے ہاتھوں تمہاری موت گوارا نہیں کروں گا اسی طرح مجھے یہ بھی پسند نہیں ہے کہ میری آڑ میں تم کرنل سے اپنا حساب چکاؤ۔ اپنے بدلے اپنے بل بوتے پر چکاؤ۔''

''تمہیں اس سے کیا ہمدردی ہے؟'' فتح خان نے بگڑے لہجے میں کہا۔

''کوئی ہمدردی نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور کرنل کو ہلانے جلانے لگا۔ اس کے زخمی بازو کو ہلانا زیادہ کارآمد ثابت ہوا تھا۔ وہ جلدی ہوش میں آ گیا۔ اس دوران میں فتح خان نے کئی بار مجھ سے کہا کہ میں اس پر لعنت بھیجوں اور یہاں سے چلوں ایسا نہ ہو کہ اس کا کوئی اور ساتھی آ جائے۔ مگر میں نے فتح خان کی باتوں پر توجہ نہیں دی۔ میں اس کی تشویش کی وجہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ میں کرنل سے اس بارے میں پوچھ گچھ نہ شروع کر دوں جو وہ مجھ سے چھپا رہا تھا اور اس سے زیادہ خطرہ اسے کرنل سے تھا کہ وہ از خود نہ اگل دے۔ اگرچہ مجھے اب بھی اس معاملے سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ کرنل ہوش میں آیا اور اٹھ بیٹھا۔ اب اس کے چہرے سے تکلیف، نقاہت کے آثار نظر آ رہے تھے۔

''کرنل مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔''

''اسے چھوڑو میں تمہیں راستے میں سب بتا دوں گا۔'' فتح خان جلدی سے بولا۔ ''مجھے سب معلوم ہے۔''

''تم خاموش بیٹھو۔'' میں غرایا اور پھر کرنل کی طرف دیکھا۔ ''کرنل یہ کیا چکر ہے، تم وہاں کیسے پہنچے اور ہمیں کیوں اٹھا لائے؟''

وہ کچھ دیر فتح خان کو معنی خیز نظروں سے گھورتا رہا اور وہ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''او کے تب مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے کیوں اٹھالائے تھے؟''

اس بار اس نے بلا جھجک جواب دیا۔''میرا اٹھین سے دوبارہ معاہدہ ہو گیا تھا۔''

''گویا تم مجھے بھارتیوں کے حوالے کرنے لائے تھے۔'' میں نے غور کیا۔''کیا اسی جگہ مجھے ان کے حوالے کیا جانا تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔''یہاں نہیں لیکن یہاں سے کچھ دوران کا ایک فیلڈ پوسٹ تمہیں لینے آتا۔ آدھی رات کے وقت۔''

ابھی دوپہر کا ایک بج رہا تھا یعنی خاصا وقت تھا۔ میں نے پوچھا۔''کہاں لینے آتا؟''

''میں اس جگہ کے نام سے واقف نہیں ہوں لیکن تمہیں چل کر دکھا سکتا ہوں۔'' وہ بولا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''کرنل تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ بھارتی مجھے پیدل کیسے لے جا سکتے ہیں اس طرف بہت اونچے پہاڑ ہیں۔''

''تم نے ٹھیک کہا لیکن اب وہ بار بار سرحد کی فضائی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اب تمہیں زمینی راستے سے افغانستان میں موجود ایک بھارتی کونسلیٹ لے جایا جائے گا اور وہاں سے بھارت روانہ کر دیا جائے گا۔''

''کیا یہ سب بھارتیوں نے بتایا ہے؟''

''نہیں میرے اپنے ذرائع ہیں۔ اس سلسلے میں بھارتیوں کے انٹیلی جنس یونٹ موجود ہیں۔''

اب کرنل کی بات قابلِ غور تھی میں نے اگلا سوال کیا۔''آدھی رات ہی کیوں تم نے ابھی مجھے حوالے کیوں نہیں کیا؟''

''مجھے اس سے بھی نمٹنا تھا۔'' کرنل نے فتح خان کی طرف اشارہ کیا۔''اس لیے میں نے انہیں آدھی رات کا وقت دیا۔''

''فتح خان سے نمٹ کر تم مجھے لے جا کر بھارتیوں کے حوالے کر دیتے؟''

اس نے سر ہلایا۔''ہاں اس کے بعد میری ذمے داری ختم ہو جاتی۔''

''جیسے پہلے ہو گئی تھی۔'' میں نے طنز کیا۔''اگر میں ایک بار پھر بھاگ جاتا تو تم تیسری بار معاہدہ کرتے ہول سیل میں معاہدہ کر لیتے ہر بار پکڑنے کے اتنے ہوں اس بار کتنے لیے؟''

''دو ملین ڈالرز۔'' اس نے بے ساختہ بتا دیا۔

''کیش یا بنک اکاؤنٹ میں گئے ہوں گے؟''

''بنک اکاؤنٹ میں۔'' اس نے کہا۔''وہ مجھے ڈرافٹ دیتے جب میں انہیں تمہارے حوالے کرتا۔''

''ٹھیک ہے دیکھ لیتے ہیں آج رات تک.....'' میں نے کہا۔

فتح خان بے چین ہو گیا۔''شہباز خان یہ تم کس چکر میں پڑ گیا ہے لعنت بھیجو اس پر چلو ادھر سے.....''

''فتح خان بھارتی میرے لیے بے چین ہو رہے ہیں اور میں بھی ان کو اپنی بے چینی دکھانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔''تم اس معاملے میں مت بولو اور ہاں میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اب میں تمہیں نہیں بلکہ کرنل کو لے کر جا رہا ہوں۔''

''تم مجھے یہاں چھوڑ جاؤ گے؟''

''یہاں تو یہ آغا صاحب رہیں گے۔'' میں نے بے ہوش آغا کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں میں سڑک پر کسی ایسی جگہ اتار دوں گا جہاں سے تم کسی آبادی تک جا سکو۔''

''اس موسم میں.....'' وہ ہچکچایا۔

اس کی طرف توجہ دیئے بغیر میں نے کرنل سے کہا۔ ''تم مجھے وہاں لے چلو گے جہاں بھارتی مجھے لینے آئیں گے۔''

''میں لے چلوں گا لیکن یہ بہت رسکی کام ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تمہیں لینے کے لیے آنے والے تربیت یافتہ لوگ ہیں ان پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔''

''مجھے آسان کام کرنے کی عادت بھی نہیں ہے۔ اب تو چند دن کوئی مشکل کام نہ کروں تو ہاتھ میں کھجلی ہونے لگتی ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا تو کرنل پریشان نظر آنے لگا۔

''دیکھو اس میں میرے لیے رسک بہت زیادہ ہے اگر ین میرے دشمن ہو جائیں گے؟''

''یہ تو اچھی بات ہے میرے دو دشمن آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں۔''

''دیکھو مجھے مت لے کر جاؤ۔'' کرنل نے کسی قدر عاجزی سے کہا۔ ''میں تمہیں جگہ بتا دیتا ہوں تم خود چلے جاؤ۔''

''میں تمہیں لے کر کیوں نہ جاؤں؟'' میں نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔ ''میرے لیے یہ زیادہ آسان کام ہے۔''

کرنل سوچ میں پڑ گیا تھا وہ واضح طور پر بھارتیوں کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ ان کے لیے کام کرتا تھا اور اگر بھارتی یہ سمجھتے کہ میں نے کرنل کی مدد سے انہیں نقصان پہنچایا ہے تو وہ اس کے بھی دشمن ہو جاتے بدلس تو بھاڑ میں جاتا خود کرنل کو بھی جان بچانی مشکل ہو جاتی۔ اس نے دل کڑا کر کے کہا۔ ''شہباز میں تمہیں اس جگہ نہیں لے جا سکتا۔''

میں نے شاٹ گن کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ ''تب میں تمہیں یہیں گولی مار کر نہ چھوڑ جاؤں۔ میرا کم سے کم ایک دشمن کم ہوگا۔''

میرے لہجے سے اسے لگا کہ میں اس معاملے میں سنجیدہ ہوں تو اس نے جلدی سے کہا۔ ''ایک منٹ رکو میں تمہیں ایک ایسی بات بتا سکتا ہوں جو تمہارے لیے بہت اہم ہے لیکن تم اس بارے میں نہیں جانتے۔''

''کرنل۔'' فتح خان نے دانت پیس کر کہا۔ ''اپنا زبان بند رکھ کتے۔''

''کون سی بات ہے کرنل جو میرے لیے اہم ہے اور مجھے ہی اس کے بارے میں معلوم نہیں ہے؟''

''کرنل اگر تم نے اس معاملے میں زبان کھولا تو تم بھول رہا ہے مہرو میرا نظر میں ہے۔''

کرنل نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''تم جھوٹ کہہ رہے ہو مہرو وہاں سے جا چکی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں لیکن میرا ایک آدمی مسلسل اس کے پیچھے ہے۔'' فتح خان بولا۔ ''جیسے تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتا ہے اسی طرح میں بھی تم پر اعتماد نہیں کرتا ہے مجھے معلوم تھا تم کبھی نہ کبھی کتا پن کرے گا۔ اس لیے میں نے پہلے سے بندوبست کر رکھا تھا۔''

میں نے دیکھا کرنل کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے تھے یعنی اس نے فتح خان کی بات کو بلف نہیں سمجھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان ایک ایسی نہ نظر آنے والی کشمکش جاری تھی جس کے سرپیر کا فی الحال مجھے پتا نہیں تھا اور بہ قول ان دونوں کے وہ مجھ سے متعلق تھی۔ مگر میرے ذہن میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ کرنل نے مجھے یہی بتانے کی دھمکی دی تھی اور فتح خان نے جوابی دھمکی دے کر اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ ''آخر ایسی کیا بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو؟''

''شہباز خان اگر تم میرے ساتھ وہ کرے جو اس کرنل نے کہا تھا تب بھی میں نہیں بتائے گا۔'' فتح خان نے مضبوط لہجے میں کہا اس کا مطلب تھا کہ میں اگر پستول کی پندرہ عدد گولیاں اس کے جسم میں اتار دوں تب بھی وہ مجھے وہ بات نہیں بتائے گا۔ اب تک میں کسی نامعلوم بات کے چکر میں پڑنے کے بجائے اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس چکر سے جان چھڑاؤں۔ مگر اب مجھے تجسس لاحق ہو گیا تھا کہ آخر فتح خان کس معاملے کو مجھ سے چھپانے کے لیے اتنے جتن کر رہا ہے۔ وہ اسے چھپانے کے لیے مرنے کو بھی تیار تھا۔ دوسرے اس معاملے میں کرنل بھی ملوث تھا۔ مہرو کے بارے میں میرا شبہ بڑھتا جا رہا تھا کہ اس خانہ بدوش قبیلے میں ہمیں نے جس عورت کی جھلک دیکھی تھی وہ مہرو ہی تھی۔ وہ وہاں کیا کر رہی تھی اور اب کہاں تھی؟ کچھ دیر بعد میں نے زیادہ غور و فکر کو بے سود قرار دیا اور حالات حاضرہ کی طرف توجہ ضروری سمجھی۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ ''کرنل کے شانے کی مرہم پٹی کر دو۔''

''مجھے ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' کرنل غرایا۔

''مجھے بھی تمہیں ہاتھ لگانے کا شوق نہیں ہے۔'' فتح خان نے جوابی غراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اس صورت میں تمہیں ایسے ہی سفر کرنا ہوگا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''راستے میں ہونے والی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑے گی۔''

میں نے چارپائی کے نیچے سے اسلحے کا تمام ایمونیشن نکال لیا۔ ایک سے زیادہ پستول اور شاٹ گن میرے لیے بے کار تھیں۔ البتہ دوسرا پستول مختلف کیلبر کا تھا اس لیے میں نے رکھ لیا۔ ان کے میگزین اور گولیاں جیکٹ کی مختلف جیبوں میں ڈال لی تھیں۔ میرے اصرار پر کرنل نے کپڑے کی پٹی کی سلنگ بنا کر اپنا ناکارہ بازو اس سے لٹکا لیا تھا۔ فتح خان کے لیے میں نے چارپائی کی ایک پٹی نکال دی اس وارننگ کے ساتھ کہ وہ اسے میرے اوپر آزمانے کی حماقت نہ کرے۔ روانہ ہوتے ہوئے میں نے آغا کے پاؤں کھول دیئے تھے البتہ ہاتھ بندھے رہنے دیئے تھے۔ وہ یہاں سے نکل جاتا تو کہیں نہ کہیں تو پہنچتا جہاں اس کی جان بچ جاتی۔ ہم دین تک آئے میں نے عقبی دروازہ کھولتے ہوئے فتح خان اور کو اندر جانے کا حکم دیا۔ ''خیال رہے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ دوسرے کو میں مار دوں گا۔''

دراصل مجھے فتح خان کی فکر تھی۔ کرنل نے دیکھ لیا تھا کہ میں اسے لے جا رہا تھا گویا فتح خان میرے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غیر ضروری تھا۔ کرنل کا بازو زخمی تھا اس کے باوجود وہ زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ فتح خان کمزور نہیں تھا لیکن وہ کرنل کی طرح مضبوط اور تربیت یافتہ نہیں تھا۔ کرنل کو قتل کرنے کی پیشہ ورانہ تربیت دی گئی تھی۔ وہ ایک ہاتھ مار کر فتح خان کی ترنگی ختم کر سکتا تھا۔ اس خیال نے مجھے فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا اور میں نے فتح خان کو باہر آنے کا اشارہ کیا تو کرنل کے چہرے پر مایوسی چھا گئی تھی یقیناً اس کے دل میں فتح خان کے لیے اچھے عزائم نہیں تھے۔ فتح خان نیچے اترا تو میں نے دروازہ بند کر دیا اور اس سے کہا۔ ''تم میرے ساتھ سفر کرو گے۔''

''اس عنایت کی وجہ؟'' اس نے کسی قدر زہریلے انداز میں کہا۔

''میرا خیال تھا کہ کرنل تمہیں فوت کرنے کی کوشش کرے گا۔'' میں نے اسے وین میں فرنٹ سیٹ پر دھکیلتے ہوئے کہا اس سے پہلے میں وین کی اندر سے تلاشی لے چکا تھا کہ اس میں کہیں کوئی ہتھیار تو نہیں رکھا ہے۔ ''تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔''

''کرنل کیا جنرل بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔'' اس نے دھونی کیا۔

''فتح خان جب موت آتی ہے تو چیونٹی بھی وجہ بن جاتی ہے بہرحال میں نہیں چاہتا کہ ابھی تم مارے جاؤ۔'' میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور وین اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔ ''میں تمہیں کسی ایسی جگہ چھوڑ دوں گا جہاں سے تم مدد لے سکو۔''

''تم مجھے اس کوٹھی تک پہنچا سکتا ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہاں جانا رسکی ہوگا اب تک پولیس آ چکی ہوگی۔''

''تب تم مجھے اس کے آس پاس اتار دو۔''

اس بار میں نے صاف کہا۔ ''فتح خان میں تمہیں کسی ایسی جگہ نہیں اتار سکتا جہاں تم میرے لیے خطرہ بن جاؤ میں تمہیں کسی آبادی کے پاس اتار دوں گا جہاں سے تمہیں اپنے کسی ٹھکانے تک پہنچنے میں کچھ وقت لگے۔ اس سے زیادہ کی امید مت رکھو۔''

اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ ''شہباز خان تم بہت چالاک ہو گیا ہے۔''

وہ مجھے اب مستقل شہباز خان کہنے لگا تھا اور میں نے تھک ہار کر اسے لوکنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اس کی ران سے خون رسنا بند ہو گیا تھا لیکن اسے باقاعدہ علاج کی ضرورت تھی۔ یہ سارا علاقہ میرے لیے اجنبی تھا۔ مگر میں فتح خان کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر اسے پتا چل جاتا تو وہ مجھے رہنمائی کے بہانے گمراہ کر سکتا تھا۔ اس لیے میں پورے اعتماد سے ڈرائیو کرتا رہا۔ ہم جہاں سے گزر رہے تھے یہ ویران اور غیر آباد علاقہ تھا جہاں جنگل تھے اور ان میں کہیں کہیں چرواہوں کی گرمائی بستیاں تھیں لیکن فی الحال یہ بستیاں خالی پڑی تھیں۔ ابھی چرواہے اپنے جانور لے کر اپریل کے شروع میں اس طرف آتے۔ کچھ دیر بعد فتح خان نے پوچھا۔ ''تم مجھے کہاں لے جا رہا ہے؟''

''میں نے بتایا نا تمہیں کسی آبادی کے آس پاس چھوڑ دوں گا جہاں سے تمہیں مدد مل جائے گی۔''

اس کا تھرمس ٹھنڈا ہو کر اب زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔ وہ سیٹ سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد مجھے سڑک کے کنارے ایک آبادی نظر آئی یہ آبادی اسی قسم کی تھی جو پہاڑوں پر سڑکوں کے کنارے کسی ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے تحت وجود میں آجاتی ہیں۔ میں نے وین ذرا دور روک دی۔ ''فتح خان یہاں سے تم کو مدد مل جائے گی۔''

اس نے تشویش سے دیکھا۔ ''یہ تو بہت چھوٹی سی آبادی ہے۔''

''اس چھوٹی سی آبادی میں بھی انسان رہتے ہیں۔'' میں نے کہا اور دروازہ کھولتے ہوئے اچانک اسے باہر دھکا دے دیا۔ فتح خان اس سلوک کے لیے بالکل تیار نہیں تھا وہ سڑک پر جا گرا اور زخم کی تکلیف سے چلا اٹھا تھا وہ صرف چلایا نہیں تھا اس نے اور بھی بہت کچھ فرمایا تھا۔ میں نے کہا۔ ''یہ میری طرف سے تمہاری تمام حرکتوں کا بہت چھوٹا سا جواب ہے لیکن فتح خان یہ آخری موقع ہے۔ میرے ساتھی فیصلہ کر چکے ہیں کہ روز روز کے تماشوں سے بہتر ہے تمہارا ایک ہی بار خاتمہ کر دیا جائے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ مجھ سے اور میرے معاملات سے دور رہو۔ ورنہ موت اس بار تمہارا مقدر بنے گی۔''

''فتح خان کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔'' اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''کیوں کیا تم نے اپنی زندگی موت کا اختیار بھی خود حاصل کر لیا ہے۔'' میں نے اسے گھورا۔ ''فتح خان بڑے بول مت بولو اور میں بتا رہا ہوں اب اگر میرے معاملات میں تمہاری طرف سے مداخلت ہوئی تو تمہیں کوئی رعایت نہیں ملے گی۔''

میں نے دروازہ بند کر کے وین گھمائی اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف چل پڑا۔ کچھ دور جا کر میں نے وین میں موجود نقشے کا بغور معائنہ کیا اور جان گیا کہ میں اس وقت کہاں تھا۔ یہ جگہ سوات کے شمال مغرب میں کہیں تھی لیکن سڑکوں سے واضح تھا کہ اب مجھے کہاں جانا تھا۔ میں اس طرف نہیں جانا چاہتا تھا جس طرف سے آیا تھا ممکن ہے وہاں فتح خان یا کرنل کے آدمی گھوم رہے ہوں اور ان کے لیے یہ وین جانی پہچانی تھی۔ صبح کا ناشتہ اگرچہ نگلا تھا لیکن ہضم ہو چکا تھا اور اس موسم میں بھوک ویسے بھی زیادہ ہی لگتی ہے۔ میں نے وین ایک ذیلی سڑک کی طرف گھما دی۔ یہاں میں ممکنہ دشمنوں کی نظروں سے محفوظ رہ سکتا تھا اور کوئی چھوٹی موٹی آبادی مل جاتی تو کھانے کا انتظام بھی ہو جاتا۔ مجھے کرنل کی فکر نہیں تھی اگر مرہم پٹی کا سامان مل جاتا تو میں اس کی ڈریسنگ کر دیتا ورنہ ایسے بھی گزارا چل رہا تھا وہ مرتا نہیں۔

ڈرائیو کرتے ہوئے اچانک مجھے دائیں طرف ذرا بلندی پر ایک کوٹھی دکھائی دی۔ یہ پتھروں اور لکڑی سے بنی بڑی خوب صورت اور عالی شان قسم کی کوٹھی تھی۔ اس تک جانے کا راستہ ذرا آگے آیا۔ یہ کھردرے پہاڑی پتھروں سے بنا راستہ تھا اس قسم کی ڈھلان کے لیے ایسے ہی پتھر موزوں تھے ورنہ چکنے پتھروں پر چڑھنے والی گاڑی کے ٹائر پھسل سکتے تھے۔ میں نے بلا تکلف وین اس راستے پر گھما دی۔ اگر کوئی اعتراض کرتا تو میں معذرت کر کے مدد طلب کر سکتا تھا اور کوئی بالکل ہی غیر مہذب نکلتا تو میں واپس بھی جا سکتا تھا۔ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ مجھے یہاں پناہ اور مدد مل جائے گی۔ کوٹھی کا کوئی گیٹ نہیں تھا۔ ذرا اوپر جا کر ایک خوب صورت محراب سے راستہ گزرا جس کے بعد اندر لان اور باغ تھا۔ سردی کی وجہ سے فی الحال اس کی دل کشی ماند پڑی ہوئی تھی لیکن اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ بہار میں یہاں کیا غضب کی دلکشی پائی جاتی ہوگی۔ کوٹھی کسی قدر مقامی اور جدید طرز تعمیر کا ملا جلا امتزاج تھی۔ جیسے ہی وین محراب سے اندر داخل ہوئی اور اس کے انجن کا شور اندر پہنچا عمارت کا داخلی دروازہ کھلا اور ایک کسی قدر طویل قامت اور صحت مند بوڑھا شخص باہر آیا۔ اس نے گاؤن پہن رکھا تھا اور اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حلیے اور انداز سے اس کوٹھی کا مالک لگ رہا تھا۔ میں نے احتیاطاً وین پورچ سے پہلے روک دی اور نیچے اتر آیا شاٹ گن میں نے اندر ہی چھوڑ دی تھی۔

''ویل بینگ مین ہو آر یو؟'' اس نے کھڑے انداز میں پوچھا اس کے بولنے کا انداز کسی آرمی آفیسر جیسا تھا۔

''میرا نام شہباز ملک ہے سر اور میں مدد کی امید لے کر اس کوٹھی میں بلا اجازت داخل ہوا ہوں۔'' میں نے نپے تلے انداز میں کہا۔ ''مجھے امید ہے آپ میری اس حرکت کو معاف فرمائیں گے۔''

اس کے پتھر جیسے سخت چہرے پر مسکراہٹ کی ننھی سی کونپل پھوٹی وہ بولا تو اس بار اس کا لہجہ بھی نرم تھا۔

''ویل تم نے وضاحت کر کے خود کو مصیبت میں پڑنے سے بچا لیا ہے۔''

اس کا ایک ہاتھ مستقل گاؤن کی جیب میں تھا اور شاید اس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''سر میں ویسے ہی بہت بڑی مشکل میں پڑا ہوں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں آپ کے لیے کسی مشکل کا باعث نہیں بنوں گا۔''

''اندر آؤ یہاں سردی بہت ہے۔''

''میرے ساتھ ایک شخص ہے اس کے شانے میں گولی لگی ہے اور اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔'' میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس شخص سے ممکنہ حد تک سچ بولوں گا بغیر کوئی فالتو بات کیے۔ اس ویرانے میں اس کی مدد نعمت غیر متوقع ثابت ہوئی تھی۔

''تب ایک منٹ رکو میں شاکر کو بھیجتا ہوں وہ تمہاری مدد کرے گا۔''

وہ اندر غائب ہو گیا اور جب تک شاکر آتا میں نے وین کا خانہ کھول کر کرنل کو اپنے میزبان کے بارے میں بتایا۔ ''سنو ہم شکاری ہیں اور برفانی لومڑیوں کا شکار کھیلنے گئے تھے۔ کسی اناڑی کی گولی نے تمہیں زخمی کر دیا۔ تمہارا نام عبدالرحمٰن ہوگا میں نے اپنا اصل نام بتایا۔ کوئی فالتو بات یا حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے سر ہلایا۔ اس کا تمتماتا چہرہ بتا رہا تھا کہ گولی کا زہر اثر کر رہا تھا اسے بخار ہو گیا تھا اور تکلیف بھی بڑھ گئی تھی۔ شاکر عمر میں تقریباً ہمارے میزبان جتنا تھا مگر صحت مند اور چاک و چوبند تھا۔ صورت اور لہجے سے وہ بھی شہر کا لگتا تھا۔ اس نے تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

''تم یہاں کام کرتے ہو؟''

''نہیں صاحب میں تو چالیس سال سے صاحب کا اردلی ہوں۔'' اس نے تصدیق کر دی کہ ہمارا میزبان آرمی آفیسر ہی تھا اور یقیناً ریٹائر ہو گیا تھا۔ شاکر نے میری مدد کے بغیر ہی کرنل کو سہارا دے کر نیچے اتارا لیکن نیچے آ کر وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا اس نے مزید سہارا لینے سے انکار کر دیا۔

''میں خود چلوں گا۔''

شاکر ہمیں کوٹھی کے اندر لایا۔ گیسٹ ہاؤس سامنے والے حصے میں تھا۔ وہ ہمیں ایک کمرے میں لایا اس نے کرنل کی جیکٹ اتاری اور اس وقت کرنل کو صحیح معنوں میں چھٹی کا دودھ یاد آ گیا تھا بازو مستقل ایک ہی پوزیشن میں رہنے کی وجہ سے اکڑ گیا تھا۔ اس کی کراہیں نکل گئی تھیں۔ شاکر نے میری طرف دیکھا۔ ''آپ آرام کریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں انہیں صاحب کے پاس لے جا رہا ہوں۔"

"صاحب کیا کریں گے؟"

"کچھ نہ کچھ کریں گے وہ فوج میں رہ چکے ہیں۔" شاکر نے کہا۔ وہ کرنل کو لے جانے لگا تو میں بھی ساتھ چل پڑا۔ شاکر رک گیا اس نے جھجکتا کر کہا۔ "صاحب نے صرف ان کے لیے کہا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن مجھے تمہارے صاحب سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس شخص کے بارے میں۔"

شاکر نے سوچا اور پھر ہمیں وہیں رکنے کا کہہ کر چلا گیا کرنل مسکرایا۔ "تم مجھ پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔"

"کیا مجھے اعتماد کرنا چاہیے؟" میں نے اس سے سوال کیا تو وہ خاموش ہو گیا۔ شاکر کچھ دیر بعد آیا اس نے مجھ سے کہا۔

"صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" میں نے کرنل کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔"

شاکر نے اچانک اپنے لباس سے ایک چھوٹا سا آٹو میٹک نکال لیا۔ "آپ اطمینان سے جائیں یہ کوئی حرکت نہیں کرے گا دائیں طرف دوسرا دروازہ ہے۔"

شاکر کا صاحب ایک چھوٹی سی اسٹڈی میں میرا منتظر تھا اس نے بلا تمہید کہا۔ "مسٹر ملک یہ کیا چکر ہے؟"

"سر پہلے تو میں آپ کا نام جاننا چاہوں گا۔"

"ریٹائرڈ کرنل ضیاالدین۔" اس نے جواب دیا۔

"کرنل کیا میں آپ پر اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"وائے ناٹ۔" اس نے میز پر رکھا سگار اٹھا کر سلگاتے ہوئے کہا۔

"یہ شخص جس کا نام کرنل زریسکی یا عبدالرحمٰن ہے۔ سابق سوویت فوج کا کرنل ہے اور آج کل کرائے کا فوجی بنا ہوا ہے۔"

کرنل ضیاالدین نے سر ہلایا۔ "بہت سارے سابق روسی فوجیوں نے یہ کام شروع کر دیا ہے لیکن یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"یہاں یہ ایک مقامی جرائم پیشہ شخص فتح خان کے لیے کام کر رہا ہے۔ فتح خان کے مراسم وسط ایشیا میں جرائم پیشہ گروہوں سے ہیں۔ بعض وجوہات کی بنا پر وہ میرا دشمن بن گیا ہے۔ کرنل اس کا آدمی ہے۔ میں اسے پکڑ کر لے آیا ہوں۔"

"اگر یہ مجرم ہے تو تم نے اسے پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا؟"

"یہ پولیس کے بس کی بات نہیں ہے اور دوسرے مجھے اس سے کچھ حساب برابر کرنا ہے۔"

"دشمنی کا معاملہ ہے؟"

"ویسی دشمنی نہیں جس میں آدمی دشمن کا وجود مٹانے پر تل جاتا ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو میں اسے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے کیوں پھر رہا ہوتا۔ مار کر کسی جنگل میں نہ پھینک دیتا۔"

کرنل کچھ دیر سوچتا رہا۔ اسے کوئی مسئلہ یا خوف نہیں تھا بلکہ وہ میرٹ پر فیصلہ کر رہا تھا کہ میری مدد کی جائے یا نہیں بالآخر اس نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے نوجوان تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"اس کا علاج اگر ہو سکے تو اور آج رات تک آپ کی چھت تلے پناہ چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے شاکر کے ساتھ اسے یہاں بھیج دو فوج میں ہمیں فرسٹ ایڈ اور چھوٹی موٹی سرجری کا کورس بھی کرایا جاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں سامان میرے پاس سارا ہے۔" اس نے سگار ایش ٹرے میں رکھ دیا۔ "میرا خیال ہے تم تھکے ہوئے ہو اور بھوکے بھی ہو۔"

"جی کچھ ایسا ہی ہے۔" میں نے دبی زبان میں کہا۔

"ٹھیک ہے شاکر کو اس کے ساتھ بھیج دو۔"

"کرنل وہ خطرناک آدمی ہے اگرچہ زخمی ہے اور نہتا ہے لیکن پھر....."

"تم فکر مت کرو۔" ریٹائرڈ کرنل کا لہجہ سرد ہو گیا۔ "میں ایس ایس جی گروپ میں ہوتا تھا۔"

میں کمرے میں آیا اور شاکر کو کرنل کی طلبی سے آگاہ کیا وہ کرنل کو لے کر چلا گیا۔ میں نے پہلے باتھ روم میں جھانکا۔ یہ آراستہ اور شاندار قسم کا باتھ روم تھا جس میں صفائی ستھرائی کے تمام تر لوازمات موجود تھے۔ گرم پانی آ رہا تھا اس لیے میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر غسل کرنے کا فیصلہ کیا۔ دس منٹ میں میل کچیل کے ساتھ میری ساری تھکن بھی دور ہو گئی تھی اور مجھے بے پناہ سکون ملا تھا۔ صاف ستھرا ہو کر میرا یہ گندے کپڑے پہننے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن میرے پاس اور کپڑے موجود نہیں تھے ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہ میری مشکل شاکر نے آسان کر دی اس نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دی۔ میں نے ذرا سا کھول کر دیکھا۔

"آپ کے لیے کھانے کی کچھ چیزیں لایا ہوں۔ ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔"

مجھے شرم آ رہی تھی لیکن میں نے دل کڑا کر کے درخواست کر دی۔ "شاکر کیا کوئی صاف سوٹ مل سکتا ہے شلوار قمیص یا پینٹ شرٹ؟"

"کیوں نہیں صاحب اگر آپ نے اپنے کپڑے دھلوانے ہیں تو وہ بھی مجھے دے دیں۔"

اس نے مجھے ایک استعمال شدہ اونی ٹراؤزر اور ایک موٹی جرسی لا دی کوٹھی کے اندر کی حد تک یہ لباس کافی تھا۔ وہ میرے میلے کپڑے اور جوتے موزے لے گیا۔ اس نے بتایا کہ دو گھنٹے میں یہ صاف ہو کر مل جائیں گے۔ ایک طرف ٹو سیٹر صوفہ اور اس کے آگے چھوٹی شیشے کی ٹاپ والی میز تھی۔ اس پر ایک ٹرے میں رول سموسے، چنے کی چاٹ اور دہی بڑے رکھے تھے۔ یہ سب نعمتیں یہاں دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا اور جب میں پوری ٹرے صاف کر چکا تھا تب بھی میرا شک برقرار تھا۔ ادھر میں نے ٹرے صاف کی اور ادھر شاکر کسی جن کی طرح کافی لے آیا۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ "اللہ تمہیں خوش رکھے دوست اس وقت میں کچھ اور مانگتا تو شاید وہ بھی مل جاتا مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ بندہ کافی کی خواہش کرے اور اللہ اسے چائے بھجوا دے۔" میں نے کہا اور پہلا سپ لیا طبیعت نیس کیف کی مہک سے تر و تازہ ہو گئی تھی میں نے کھانے کی چیزوں کی تعریف کی تو وہ خوش ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ سب میں نے خود بنایا ہے صاحب۔''

''شاکر میں نے کہیں بھی یہ تینوں چیزیں اتنے مزے کی نہیں کھائی ہیں۔''

''ارے نہیں صاحب۔'' اس نے انکساری سے کہا۔ ''میں تو بس ٹھیک بنالیتا ہوں۔''

''اس کا کیا ہوا؟'' میرا اشارہ کرنل زریسکی کی طرف تھا۔

''صاحب نے گولی نکال کر پٹی کر دی ہے۔ ابھی اسے نیند کا انجکشن دے کر سلایا ہوا ہے۔ رات تک وہ بہتر ہو جائے گا۔''

''اس کا خون بھی بہت نکلا ہے۔''

''اسے طاقت کا انجکشن بھی دیا ہے۔'' شاکر نے بتایا۔ ''ویسے مضبوط آدمی ہے اس کے لیے یہ معمولی زخم ہے۔''

مجھے خیال آیا کہ اگر یہاں رابطے کا کوئی ذریعہ تھا تو میں عبداللہ کو اطلاع دے سکتا تھا لیکن پوچھنے پر شاکر نے بتایا کہ کوٹھی میں فون ہے لیکن لائن پچھلے تین دن سے مردہ ہے اس موسم میں یہ خرابی آئے دن ہوتی تھی۔ میں مایوس ہوا تھا۔ کسی ہنگامی حالت میں وہ فون کرنے کے لیے کوئی دس کلومیٹر دور ایک قصبے تک جاتے تھے۔ اس وقت شام کے چار بج رہے تھے اور میں نے سوچا کہ کچھ دیر سو جاؤں میں نے شاکر سے کہا۔ ''مجھے نو بجے اٹھا دینا۔''

اس کے بعد جو میں سویا تو شاکر نے باقاعدہ ہلا کر مجھے اٹھایا۔ ''جناب نو بج گئے ہیں اور صاحب کھانے کی میز پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ سات بجے شام کا کھانا کھا لیتے ہیں۔''

میں عجلت میں منہ ہاتھ دھو کر ڈائننگ ہال میں پہنچا تو کرنل ضیاالدین میز پر موجود تھا میں نے تاخیر پر معذرت کی۔ ''کوئی بات نہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''ہم تو نوجوانی میں بھی ایسی نیند نہیں سوئے۔''

کھانے میں بھیڑ کے گوشت کا پلاؤ تھا اور شامی کباب تھے خمیری نان کے ساتھ بکرے کا بھنا گوشت تھا لیکن کرنل نے بہت تھوڑا سا کھایا تھا اس نے اصرار کر کے مجھے زیادہ ہی کھلا دیا تھا۔ کھانا بھی لذیذ تھا اور میں زیادہ ہی کھا گیا۔ آخر میں میرے لیے سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا لیکن اس نے کہا۔ ''میرے پاس اس کا علاج بھی ہے۔''

کھانے کے بعد شاکر نے خاص قسم کا قہوہ پیش کیا جس سے بڑی عجیب سی مہک اٹھ رہی تھی لیکن اس نے کام دکھایا اور قہوہ ختم ہوتے ہوتے پیٹ کی گرانی بھی ختم ہو گئی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے معمول سے بھی کم کھایا ہے۔ ''کرنل صاحب میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ نے واقعی میری مدد کی ہے۔''

''ایک زخمی آدمی کی معمولی سی دیکھ بھال اور دو وقت کا کھانا کوئی مدد تو نہیں ہوتی ہے۔''

''بات مرہم پٹی یا دو وقت کے کھانے کی نہیں ہے بات اس ضرورت کی ہے جو صرف آپ نے پوری کی ہے اور ہمیں یہاں کہیں سے ایسی مدد نہیں مل سکتی تھی۔''

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا قیدی کس حالت میں ہے۔''

''اس کا بخار اتر گیا ہے اور زخم کی تکلیف بھی قابلِ برداشت ہوگی۔ وہ چند گھنٹوں کے لیے سفر کر سکتا ہے اس کے بعد اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو جائے گی۔''

''بس چند گھنٹوں کا کام ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے بعد میں اسے آزاد کر دوں گا۔''

کرنل عبدالرحمٰن ہوش میں تھا اور سچ مچ بہتر حالت میں تھا۔ کرنل ضیالدین نے گولی نکال کر اچھی طرح پٹی کی تھی۔ جدید قسم کی سیلنگ سے اس کا بازو اس طرح لٹکا دیا تھا کہ اسے چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں دشواری نہ ہو۔ کرنل ضیا الدین سے مل کر اور اجازت لے کر جب میں کرنل کو لیے باہر آیا تو رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ کوٹھی سے نکل کر میں نے دین کا رخ واپس اسی طرف موڑا جہاں سے ہم آئے تھے۔ عین ممکن تھا وہاں دشمن گھات لگائے بیٹھے ہوں لیکن یہ خطرہ مجھے روکنے کے لیے ناکافی تھا۔ راستے میں کرنل نے بھی ممکن حد تک مجھے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میں بھڑوں کا چھتا چھیڑنے جا رہا ہوں اور مجھے بھارتیوں سے پنگا لینے سے گریز کرنا چاہیے۔

''تم بھول رہے وہ مجھے اغوا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''اگر کوئی زہریلا سانپ یا آدم خور شیر تمہارے پیچھے لگ جائے تو بھاگو گے یا اس سے مقابلہ کرنے کی کوشش کرو گے۔''

''عام آدمی ہوگا تو اس کے لیے بھاگنے میں ہی عافیت ہے لیکن تم جانتے ہو میں عام آدمی نہیں ہوں۔ میں دشمن سے چھپ نہیں سکتا اور سکون سے بیٹھ بھی نہیں سکتا ہوں اس لیے اگر کوئی دشمن سامنے آئے تو کیوں نہ میں اس کا پھن کچل دوں۔ صرف اس بنیاد پر پیچھے ہٹ جانا میرا طریقہ نہیں ہے کہ دشمن کی دشمنی میں شدت نہ آجائے۔''

کرنل مایوس ہو گیا۔ ''تم نہیں مانو گے۔''

''بالکل نہیں اس لیے اس معاملے میں شٹ اپ۔'' میں نے کہا۔ ''دوسری کوئی بات کرو مثلاً یہ کہ بھارتیوں سے تمہاری اتنی ہوا کیوں خراب ہو رہی ہے جب کہ ایک طرح سے تم ان کے آقاؤں میں سے ہو۔''

''ہم کبھی تھے۔'' کرنل نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''کیا تمہیں نہیں معلوم انہوں نے آقا تبدیل کر لیے ہیں۔''

''اس کے باوجود تم لوگ ابھی ان سے پرانے تعلقات پوری طرح نبھا رہے ہو۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''آج بھی روسی اسلحے کا سب سے بڑا خریدار بھارت ہے۔''

''میں اب فری لانسر ہوں اور ان لوگوں کو جواب دہ ہوں جو میری خدمات حاصل کرتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے تم ان کو جواب دینے کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔'' میں نے کہا۔ ''یا تو وہ میرے ہاتھوں مارے جائیں گے یا پھر میں مارا جاؤں گا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر وہ مارے گئے تب بھی مجھ سے پوچھا جائے گا۔ کیونکہ تمہیں ان کے حوالے کرنا میری ذمے داری ہے۔''

''تم کہہ سکتے ہو کہ تم نے حوالے کر دیا تھا اب آگے کیا ہوا اور میں کس طرح نکل گیا تم اس بارے میں کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں جانتے۔"

"ایک دفعہ میں عذر کر کے بچ گیا تھا لیکن دوسری بار وہ مشکوک ہو جائیں گے۔"

"ہونے دو تمہاری بلا سے۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔ "بھاڑ میں جائیں بھارتی اور تم....."

نصف گھنٹے بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں سڑک سے کچھ فاصلے پر وہ جھونپڑی تھی جس میں مجھے اور فتح خان کو لایا گیا تھا۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ "اب یہاں سے تم میری رہنمائی کرو گے۔"

"اور اگر میں نہ کروں تو.....؟"

میں نے پستول نکال کر اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ "اس صورت میں، میں تمہاری لاش یہیں چھوڑ جاؤں گا فیصلے کے لیے تمہارے پاس ایک منٹ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا وہ سمجھ گیا کہ میں وہی کروں گا جو کہہ رہا ہوں۔ "میں تیار ہوں۔"

میں نے پستول ہٹا لیا۔ "اب بتاؤ کہاں چلنا ہے؟"

"اسی سڑک پر آگے جانا ہے۔" اس نے کہا۔ "پھر دائیں طرف ایک کچی سڑک پر مڑنا ہے۔"

"کچی سڑک یہاں سے کتنی دور ہوگی؟"

"تقریباً دو کلومیٹرز۔"

"اس کے بعد کتنا جانا ہے؟"

"دو کلومیٹرز اور جانا ہے۔"

میں نے وین آگے بڑھا دی۔ "بھارتی کب تک وہاں پہنچیں گے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں تم کو لے کر مجھے بارہ بجے وہاں پہنچنا تھا۔" اس نے بتایا۔ میں نے اس کچی سڑک سے پہلے ہی وین ایک جگہ دیکھ کر سڑک سے اتار لی اور جھاڑیوں میں گھسا دی۔ کرنل چونکا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟"

"خاموش رہو۔" میں غرایا۔

وین یہیں روک کر میں کرنل کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ کچھ اور جھاڑیاں ڈالنے سے وین مکمل طور پر کیموفلاج ہو گئی تھی۔ کرنل خاموشی سے ایک طرف کھڑا یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس طرح اس مقام تک نہیں پہنچنا چاہتا تھا جیسے کرنل مجھے لے جاتا۔ میں بھارتیوں کی بے خبری میں وہاں تک جانا چاہتا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ کیا میرا اس طرح جانا حماقت تو نہیں ہے پتا نہیں بھارتیوں نے پہلی ہزیمت کے بعد مجھے وہاں لے جانے کے لیے کیا انتظامات کر رکھے ہوں۔ اس بار وہ مجھے زمینی راستے سے لے جاتے اور اس میں زیادہ محتاط رہنا پڑتا۔ مگر پھر میں نے احتیاط کا خیال ذہن سے نکال دیا۔ مجھے پہلے بھی اللہ پر بھروسہ تھا اور اب بھی میں اسی کے بھروسے پر اپنے دشمنوں سے نمٹنے جا رہا تھا جو صرف میرے نہیں میرے ملک کے بھی دشمن تھے۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ "میرا خیال ہے تم چند کلومیٹرز کا سفر پیدل کر سکتے ہو اور تمہیں یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ کسی قسم کی دھوکا دہی کی صورت میں میرا اولین نشانہ تم ہو گے۔"

"تم فکر مت کرو۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں کوئی حماقت نہیں کروں گا۔"

ہم نے سڑک پر پیدل مارچ شروع کی تو کرنل نے ایک بار پھر مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "شہباز تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حماقت کر رہے ہو وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم مجھے بتانے کی زحمت نہ کرو ابھی کل تک تم بھی بہت خطرناک تھے اور اب تم ایک بے بس قیدی ہو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" اس نے غالباً خون کے گھونٹ پی کر کہا۔

دس منٹ بعد ہم اس کچے راستے تک پہنچ گئے تھے لیکن یہاں سے میں نے اس پر سفر کرنے کے بجائے ذرا آگے نکل کر درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان چلنے کو ترجیح دی تھی۔ اگر کوئی اس راستے کی نگرانی کر رہا تھا تو اسے ہماری آمد کا علم نہیں ہوتا لیکن میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں تھا وہ لوگ انٹیلی جنس سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں نگرانی کے دس طریقے آتے تھے جس طرح میں نے متبادل راستہ اختیار کیا تھا اسی طرح وہ بھی سوچ سکتے تھے اور اس متبادل راستے کی نگرانی کر سکتے تھے۔ مگر مفروضہ خطرے کی بنیاد پر میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ کوئی نصف گھنٹے بعد ہم اس جگہ کے قریب تھے جہاں بہ قول کرنل کے میری ہوائی عمل میں آنا تھی۔ جیسے ہی کرنل نے اس جگہ کی نشاندہی کی میں نے وہ کیا جو سوچا ہوا تھا میں نے پستول کے دستے سے اس کی سر پر ضرب لگائی۔ ہلکی سی کراہ کے ساتھ وہ زمین پر لڑھکنے لگا۔ میں نے اسے تھام کر آرام سے نیچے لٹا دیا اور آہستہ سے کہا۔

"اب تم آرام کرو باقی میں خود دیکھ لوں گا۔"

کرنل کو ایسی جگہ لٹا کر جہاں اسے آسانی سے نہ دیکھا جا سکے میں درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس طرف بڑھنے لگا جہاں بھارتیوں نے آنا تھا یا آ چکے تھے۔ یہ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا درہ تھا۔ میں زمین پر لیٹ گیا جو برف کی طرح ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ آسمان پر چاند موجود تھا اور اس کی ہلکی روشنی میں کھلی جگہیں صاف دکھائی دے رہی تھیں جب کہ درختوں تلے بھی کسی کی حرکت محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس لیے میں نے لیٹ جانا مناسب سمجھا۔ میرے پاس ایک عدد شاٹ گن اور دو عدد پستول تھے لیکن کھلی جگہ دو بدو مقابلے کے لیے یہ تینوں ہتھیار ناکافی تھے۔ ان کے بجائے اگر ایک سیمی آٹو میٹک رائفل ہوتی تو وہ کہیں زیادہ کارآمد ہو سکتی تھی۔ بہرحال مجھے بھارتیوں سے مقابلہ تو کرنا تھا۔ اگر میں انہیں بے خبری میں نشانہ بناتا تو یہ ہتھیار بھی برے نہیں تھے۔

زمین پر لیٹنے سے ٹھنڈ تیزی سے میرے جسم میں سرایت کرنے لگی۔ جیکٹ گرم تھی لیکن اتنی گرم نہیں تھی مجھے زمین سے آتی یخ سے محفوظ رکھتی۔ مجبوراً میں اٹھا اور ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ یہ پوزیشن بہتر تھی اس میں میرا اوپری جسم زمین سے نہیں لگ رہا تھا البتہ پاؤں ٹھٹھر رہے تھے۔ میں نے شاٹ گن سینے پر رکھی ہوئی تھی اور پستول بائیں ہاتھ میں تھا میں کسی بھی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ وقت سست روی سے گزر رہا تھا شاید ایک بج چکا تھا اور ابھی تک کسی کی آمد کے آثار نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ اگر بھارتی پہلے سے آ گئے تھے اور کہیں چھپے ہوئے انتظار کر رہے ہوں تو ان کی استقامت قابلِ تعریف تھی کیونکہ ایک گھنٹے میں میرا برا حال ہو گیا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر چہل قدمی شروع کر دوں اور اپنے جسم کے اکڑ جانے والے رگ پٹھے کھولوں۔ دو بجے تک میں دل ہی دل میں ان لوگوں کو گالیاں دے رہا تھا جو نہ جانے کہاں مر گئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک کہیں سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی پرندہ بولا ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے کوئی پرندہ نہیں بول رہا تھا۔ ماحول مکمل طور پر خاموش تھا۔ فوراً ہی کہیں پاس سے دوسرا پرندہ بولا۔ اس کے بعد تیسرے پرندے نے بھی آواز نکالنا ضروری سمجھا۔ اتنے تواتر سے اور سوچ سمجھ کر پرندے آواز نہیں نکالتے ہیں جب تک ان کے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو۔ نصف رات کو کوئی مسئلہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ پرندے اپنے تمام معمولات دن میں نمٹا لیتے ہیں سوائے اُلو کے۔ اگر وہ اُلو کی آواز نکالتے تو شاید میں دھوکا کھا جاتا۔ یہ انسان ہی تھے جو پرندوں کی آوازیں نکال کر پیغام رسانی کر رہے تھے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ دشمن کہیں آس پاس ہی تھا وہ ان اشاروں کی مدد سے ایک دوسرے کو پیغام دے رہے تھے۔ کیا انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا یا یہ پوچھ رہے تھے کہ ہمارا مطلوبہ شکار ابھی تک کیوں نہیں آیا ہے؟ میں جہاں بیٹھا تھا وہیں درختوں کے درمیان گھس گیا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ رات میں نگرانی کرنے کے لیے سب سے مؤثر چیز نائٹ ویژن دوربین ہے اور یہ اب عام ملنے لگی ہے تو کیا ان لوگوں کے پاس نہیں ہو گی؟

میں ممکنہ حد تک تنوں کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ نائٹ ویژن اصل میں انفرا ریڈ روشنی کو دیکھ لیتی ہے جو کسی جسم کی حرارت کی وجہ سے خارج ہوتی ہیں۔ انسانی جسم کسی درخت یا چٹان سے زیادہ حرارت خارج کرتے ہیں اس لیے وہ الگ سے اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ کسی آڑ میں ہونے سے کسی حد تک تحفظ ہو جاتا ہے لیکن طاقتور نائٹ ویژن دیوار کے پیچھے بھی دیکھ سکتی ہے۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ ان لوگوں کے پاس نائٹ ویژن نہ ہو ورنہ میں بہت آرام سے نظر آتا۔ ویسے مجھے امید کم ہی تھی کہ ان لوگوں کے پاس نائٹ ویژن نہیں ہو گی اگر مجھے پہلے اس چیز کا خیال آ جاتا تو میں اس طرح یہاں کا رخ نہ کرتا بلکہ کچے راستے کے اس حصے پر ان لوگوں کا انتظار کرتا جو پکی سڑک کی طرف جاتا تھا یہاں سے مایوس ہو کر وہ اسی طرف سے کہیں جاتے۔ اس علاقے کی ساخت سے لگ رہا تھا کہ یہاں آنے جانے کے وہی پکی سڑک استعمال ہوتی ہو گی کیونکہ آگے تو مرید اور نیچے اور ناقابلِ گزر قسم کے پہاڑ دکھائی دے رہے تھے۔

جیسے ہی یہ خیال آیا میں نے پیچھے کی طرف سرکنا شروع کر دیا۔ اس خیال پر تو اب بھی عمل کیا جا سکتا تھا خوش قسمتی سے اگر میں اب تک بھارتیوں کی نظر میں آنے سے بچا رہا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آگے بھی بچ سکتا ہوں۔ اس لیے میرا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ میں اندازے سے اس مقام تک آیا جہاں کرنل کو چھوڑ کر گیا تھا اور جب میں نے اسے ان درختوں کے درمیان تلاش کیا تو وہ وہاں نہیں تھا۔ میں دم بخود رہ گیا تھا۔ نہ جانے وہ کس وقت ہوش میں آ گیا تھا اور موقع پاتے ہی وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی طرف سے غفلت برتی تھی اسے صرف بے ہوش کر دینا کافی سمجھا تھا اگر میں اسے باندھ کر جاتا تو اس کا باپ بھی یہاں سے فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے کرنل پر لعنت بھیجی وہ اس قابل نہیں تھا کہ یہاں رک کر مجھ پر قابو کی سوچتا اس نے یقیناً موقع ملتے ایسی دوڑ لگائی ہو گی کہ دوبارہ مڑ کر نہیں دیکھا ہو گا۔

میں اب اس جگہ سے دور نکل آیا تھا اس لیے بے دھڑک چل رہا تھا لیکن ساتھ ہی میرے کان عقب پر لگے تھے اگر کوئی میرا پیچھا کرتا تو یقیناً کچھ نہ کچھ آہٹیں تو ہوتیں جیسے میرے چلنے سے ہو رہی تھیں۔ میں چلتے چلتے یک دم رک کر سنتا تھا اگر کوئی پیچھے ہوتا تو وہ اپنی رفتار یک دم نہیں توڑ سکتا تھا اور مجھے اس کی آہٹ مل جاتی لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پکی سڑک تک آتے آتے مجھے ایسی کوئی آہٹ سنائی نہیں دی تھی۔ سڑک تک آ کر میں نے اس مقام کا جائزہ لیا جہاں کچی اور پکی سڑکیں آپس میں مل رہی تھیں اگر بھارتی اسی طرف سے واپسی کا راستہ اختیار کرتے تو میں انہیں روک سکتا تھا۔ صرف روک ہی نہیں سکتا تھا بلکہ جہنم رسید بھی کر سکتا تھا اس مقصد کے لیے میں نے پکی سڑک کے بائیں طرف ایک اونچی جگہ چن لی۔ یہاں دو چٹانوں کے درمیان بیالہ نما جگہ قدرتی مورچے کا کام دیتی یہاں سے میں دونوں راستوں پر نظر رکھ سکتا تھا بلکہ حملہ کرنے کے لیے یہ بھی یہ جگہ بہترین تھی۔

رات کے دو بج رہے تھے اور ابھی صبح ہونے میں خاصا وقت تھا۔ سردی کی شدت بڑھ گئی تھی اور صبح روشنی ہونے تک اس کی شدت برقرار رہتی۔ میں چٹانوں کے درمیان گھس کر بیٹھ گیا۔ اوپر چند گھنے درخت تھے اس لیے چاندنی میں بھی مورچہ تاریک تھا البتہ راستے بالکل صاف نظر آ رہے تھے۔ اچانک مجھے کچے راستے کی طرف سے کسی کی حرکت محسوس ہوئی۔ کوئی درختوں کے درمیان چل رہا تھا لیکن وہ تھوڑا سا چلتا اور رک جاتا اس کی موجودگی کا پتا اس کے قدموں کی چاپ نے دیا تھا۔ وہ بہت محتاط تھا میں نے نظر جما کر دیکھا اور پھر اسے پہچان لیا وہ کرنل تھا اس کا ایک جھولتا بازو اس کی شناخت تھا۔ پھر وہ خالی ہاتھ تھا جب کہ بھارتی لازمی مسلح ہوتے۔ کرنل ابھی تک یہیں تھا میرا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا کہ وہ بھاگ نکلا تھا۔ شکر ہے مجھے اندازے کی اس غلطی کا خمیازہ نہیں بھگتنا پڑا ورنہ وہ کہیں ایک عدد ڈنڈا لیے گھات میں ہوتا اور پاس سے گزرتے ہی میرے سر پر رسید کرتا تو الٹی ہو جاتیں ساری تدبیریں۔

کرنل بہت چالاک تھا یقیناً اس کے ذہن میں یہ خیال ہوگا کہ میں یہیں کہیں آس پاس گھات لگائے بیٹھا ہو سکتا ہوں اور جیسے ہی وہ پکی سڑک کی طرف جائے گا میری نظروں میں آ جائے گا۔ یہی خیال اسے سڑک پار کرنے سے روک رہا تھا۔ اگر وہ الٹی طرف جا کر پکی سڑک پر نکلتا تب بھی اسے وین کی طرف جانے کے لیے اسی سمت سے گزرنا پڑتا اور وہ میری نظروں میں آ جاتا۔ میں نے سوچ لیا کہ اگر وہ وین والی سمت گیا تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ اس علاقے میں یہ وین ہی واحد چیز تھی جو مجھے یہاں سے باہر لے جا سکتی تھی ورنہ اس موسم میں ان پہاڑوں پر بھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میری نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ بالآخر وہ حرکت میں آیا اور درختوں کے نیچے ہی ڈھلان کے ساتھ ساتھ پکی سڑک کے دوسری طرف جانے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ گھوم کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ کرنل نے عقل سے کام لیا تھا اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے وین کی طرف جانے کی کوشش کی تو اس کا امکان تھا کہ میری نظروں میں آ جائے گا اور میں اسے وین لے جانے کی اجازت نہیں دوں گا اس لیے اس نے متبادل راستہ اختیار کیا۔ وہ الٹی طرف چلا گیا اسے معلوم تھا کہ میں بھارتیوں کی گھات میں ہوں اور اگر میں نے اسے دیکھ بھی لیا تو ہنگامے کے ڈر سے اسے جھپٹنے سے گریز کروں گا وہ جیو اور جینے دو کے فارمولے پر عمل کر رہا تھا۔ میں اس کی توقع پر پورا اترا اور اسے جانے دیا۔ اس چکر میں تین بج گئے تھے اور اب تک بھارتی دکھائی نہیں دیے تھے۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں بھارتی کسی اور طرف سے تو نہیں آئے تھے اور اب اسی سمت نکل گئے ہوں گے۔ مجھے اس علاقے کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں احمق بن کر یہیں بیٹھا رہ جاتا۔ بہرحال یہ ایک چانس تھا جو میں نے لیا تھا اگر بھارتی میرے ہاتھ نہیں آتے تو میں بھی کون سا ان کے ہاتھ آ گیا تھا اس لیے حساب برابر ہو جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چار بجے یک دم ہی آسمان پر بادل چھانے لگے اور یہ خاصے خطرناک قسم کے بادل تھے۔ چاند چھپ گیا اور ماحول تاریک ہو گیا بس ایک ہلکا سا روشنی کا احساس باقی رہ گیا تھا۔ بادلوں کی آمد کے ساتھ ہی ہلکی سرد ہوا چلنے لگی۔ مشکل سے آدھے گھنٹے بعد یہ ہوا قیامت خیز ہو چکی تھی اور آسمان سے برف کے ٹکڑے آڑے ترچھے گر رہے تھے اس لیے یہ براہ راست آنکھوں اور منہ میں گھسے چلے آ رہے تھے۔ یہ ایک نئی آفت تھی جو اچانک ہی نازل ہو گئی تھی۔ اس علاقے میں موسم کی یہ اچانک تبدیلی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مگر اس نے میرے عزائم کو کمزور کر دیا تھا۔ اڑتی برف نے ماحول کو تقریباً اندھا کر دیا تھا اور تیز ہوا کے مقابل آنکھیں کھلی رکھنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ طوفان آنے کے آدھے گھنٹے کے اندر میں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اگر میں کچھ دیر یہاں رکتا تو سردی سے اکڑ کر مر جاتا۔ اس طوفان میں کھلی جگہ ایک گھنٹہ گزارنا خودکشی کے مترادف ہو سکتا تھا۔ میرے جسم پر کپڑے بھی اتنے گرم نہیں تھے۔

میں اتر کر نیچے کچے راستے تک آیا۔ اسی لمحے پیچھے سے بجلی سی چمکی میں نے مڑ کر دیکھا۔ یہ ایک گاڑی تھی جو کچے راستے پر اسی طرف چلی آ رہی تھی اور روشنی اس کی طاقتور ہیڈ لائٹس کی تھی۔ میں پلٹ کر بھاگا۔ گاڑی مشکل سے سو گز دور تھی اور اس کا امکان بھی تھا کہ اس میں سوار افراد نے مجھے دیکھ لیا ہو۔ مورچے والی چٹانوں تک جانے کا وقت نہیں تھا۔ میں دو برابر اگے بڑے تنوں والے درختوں کے پیچھے آ گیا ان کے تنے مجھے تحفظ دے سکتے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ آنے والے کون تھے؟ اگر وہ بھارتی تھے تب میں ان کو روکنے کی کوشش کرتا مگر یہ معلوم کرنا تقریباً ناممکن تھا کہ گاڑی میں کون تھا اور میں یہ جانے بغیر فائر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا میرے ہاتھ سے کسی بے گناہ کا خون ہو جاتا اور یہ مجھے گوارہ نہیں تھا۔

ابھی میں اس کشمکش میں تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں کہ وہ گاڑی وہیں آ کر رکی جہاں ایک منٹ پہلے میں تھا اور اس کے چاروں دروازے یک دم کھلے اور ان سے بیک وقت چار افراد نیچے اترے۔ ان میں سے جو دو دوسری طرف تھے انہوں نے وہیں گاڑی کے پیچھے مورچہ سنبھال لیا اور دو جو اس طرف تھے انہوں نے اوپر ڈھلان کی طرف خودکار رائفلیں تان لیں۔ شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی یہ بھارتی تھے اور میری تلاش میں تھے۔ شامت کا مارا میں خود نیچے پہنچ گیا اور عین اسی وقت گاڑی کی روشنی میں نظر بھی آ گیا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا اور وہ مجھے واپس ڈھلان کی طرف جاتے ہوئے بھی تاڑ لیا تھا۔ انہوں نے کمانڈوز والی حکمت عملی اپنائی تھی دو آگے تھے اور دو ان کو پیچھے سے تحفظ دے رہے تھے۔

اگر وہ اوپر آ جاتے تو میرے لیے مقابلے کی گنجائش کم ہو جاتی اور اس صورت میں مجھے ہتھیار ڈالنے پڑتے یا مرنا پڑتا۔ دونوں باتیں مجھے منظور نہیں تھیں اس لیے میں نے فوری مقابلے کا فیصلہ کیا اور پہلے ذرا پیچھے اور محتاط انداز میں چلنے والے شخص کا نشانہ لیا۔ تیس گز کے فاصلے سے شاٹ گن کا نشانہ خطا جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میں نے دھماکے کے ساتھ ہی شاٹ گن کا رخ دوسرے شخص کی طرف کر کے گولی چلائی۔ اتنی دیر میں وہ ہوشیار ہو کر ایک درخت کے عقب میں چھلانگ لگا رہا تھا لیکن وہ ہوا میں تھا گولی نے اس کی ٹانگ کو گھٹنے سے ذرا اوپر تقریباً کاٹ دیا تھا۔ اس نے کرب ناک چیخ ماری جو طوفان اور شاٹ گن کے دھماکے میں دب کر رہ گئی تھی۔ دشمن دس سیکنڈ میں اپنی آدھی سپاہ سے محروم ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیچے بیک اَپ کے لیے موجود دونوں افراد نے درختوں کی طرف فائرنگ شروع کر دی تھی اور انہوں نے شاٹ گن سے نکلنے والے اولین شعلے سے میری لوکیشن کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس لیے دوسرا فائر میں نے بہت خطرہ مول لے کر کیا تھا میرے آس پاس گولیاں برس رہی تھیں اور میں انہیں نظر انداز کر کے دوسرے کو نشانہ بنا رہا تھا۔ دوسرا شاٹ چلاتے ہی میں تنے کی آڑ میں ہو گیا اور پھر لیٹ کر رینگتا ہوا دوسرے تنے کی آڑ میں چلا گیا۔ اس دوران میرے ہاتھ شاٹ گن کے خالی ہو جانے والے خانوں کو لوڈ کر رہے تھے۔ دوسرا آدمی جو نشانہ بنا تھا وہ ڈھلان پر پڑا چلا رہا تھا۔ مگر نیچے والوں کو اس کے بجائے میری فکر تھی۔ میں نے دو آدمی مار کر آدمی جنگ جیت لی تھی اور اب وہ جارحیت چھوڑ کر دفاعی پوزیشن پر اتر آئے تھے۔

ان کے پاس خود کار رائفلیں تھیں اور وہ بے دریغ ان کا استعمال کر رہے تھے گولیاں اتنے تواتر سے تنوں پر برس رہی تھیں کہ مجھے سر نکالنے کا موقع بھی نہیں مل رہا تھا ویسے ان کا زیادہ زور اس تنے پر تھا جس کے پیچھے میں نہیں تھا۔ بالآخر ایک کی رائفل کا میگزین ختم ہوا اور وہ اسے تبدیل کرنے لگا دوسرا دوسرے تنے پر فائر کر رہا تھا۔ میں نے شاٹ گن نکال کر جیپ کے بونٹ پر فائر کیا۔ جو دھنڈ شیلڈ پر لگا اور وہ بکھر گئی۔ دوسرا فائر میں نے جیپ کے اندر کیا وہ اتنا بوکھلائے کہ نیچے جھک گئے اس لیے اگلا فائر میں نے اطمینان سے کیا اور جیپ کا اگلا پہیہ برسٹ کر دیا۔ اس کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ دوسرے فائر سے اس طرف کا پچھلا پہیہ بھی اڑا دیا۔ شاید اس کے پیچھے شخص کو بھی چوٹ آئی تھی کیونکہ اس نے بے ساختہ پنجابی میں گالی دی تھی اور لہجہ لاہوری تھا۔

''سردار اپنی زبان قابو میں رکھو۔'' دوسرے نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

''وٹا تیرے منہ تے لگدا تے میں پچھدا'' سردار نے ہلبلا کر کہا۔ شاید گولی زمین سے لگی تو کوئی پتھر اڑ کر اس کے منہ سے جا لگا تھا۔

''وشال مارا گیا ہے۔'' پہلے نے کہا۔ ''گو تم زخمی ہے۔''

''اپنی فکر کرو۔'' سردار جی غصے سے بولے۔

مجھے حیرت ہوئی کہ بھارتیوں نے پچھلی ہزیمت اور میرے ٹریک ریکارڈ سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا تھا۔ انہوں نے اس بار بھی صرف چار آدمی بھیج دیے تھے۔ ان میں سے دو تو فوراً مارے گئے تھے اور دو ابھی دفاعی پوزیشن میں تھے لیکن وہ مدد کے لیے اس حوالیس دے سکتے تھے۔ میں نے جیپ کے اگلے والے حصے پر مزید کئی فائر کیے کہ اگر اس میں کوئی ریڈیو ہو تو وہ ناکارہ ہو جائے۔ دوسرے وہ جیپ میں گھسنے کی ہمت نہ کریں۔ انہوں نے میگزین ری لوڈ کر لیے تھے اور اب دوبارہ گولیاں ضائع کر رہے تھے لیکن یہ ان کی چالاکی تھی وہ فائر کر کے مجھے دبکے رہنے پر مجبور کر رہے تھے تاکہ میں ان کی اگلی حکمتِ عملی نہ بھانپ سکوں۔ وہ دستی بم پھینکنے جا رہے تھے۔ مجھے تو اس کی آمد کا پتا بھی نہیں چلا اور وہ میرے پاس گرا لیکن ڈھلان ہونے کی وجہ سے لڑھکتا ہوا تنوں سے ذرا آگے گیا اور پھر پھٹا۔ وہ مجھ سے مشکل سے چار گز دور ہو گا۔

دھماکے نے میرے کان سن کر دیے تھے اور کچھ دیر مجھے کچھ سنائی نہیں دیا تھا۔ صرف کان ہی نہیں بلکہ اعصاب بھی سن ہو گئے تھے۔ البتہ تنے نے مجھے بم کے اڑتے ٹکڑوں سے بچا لیا تھا ورنہ میں ادھڑ کر رہ جاتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس سن سی کیفیت میں کتنی دیر گزری لیکن اچانک ہی میری چھٹی حس نے چونکایا اور میں نے بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساختہ پستول نکالتے ہوئے نیچے کی طرف اندھا دھند فائرنگ کی۔ میں نے خود سامنے آنے سے گریز کیا تھا اور میرا مقصد کسی کو نشانہ بنانے سے زیادہ انہیں یہ بتانا تھا کہ میں زندہ ہوں اور اس قابل ہوں کہ ان سے نمٹ سکوں۔ دستی بم پھینکتے ہی انہوں نے اوپر کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ قدرت ایک بار پھر مجھ پر مہربان ثابت ہوئی۔ میری چلائی ہوئی اندھا دھند گولیاں نشانے پر لگیں ان میں سے سردار جی چلائے اور اس نے اپنی پنجابی میں بے اختیار کچھ کہا لیکن جو مجھے صاف سنائی نہیں دیا لیکن ظاہر ہے میری مذمت میں تھا۔

دوسرا یقیناً جنوبی ہند سے تعلق رکھتا تھا اس کا لہجہ بتاتا تھا۔ وہ بدحواسی میں واپس بھاگا اور جب تک میں اٹھ کر اسے نشانہ بنانے کی کوشش کرتا وہ واپس جیپ کے پیچھے پہنچ گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ دوبارہ مورچہ سنبھال کر میری طرف کوئی دستی بم ارسال کرتا میں نے موقع غنیمت جان کر جگہ بدل لی اور دوڑ کر ایک اور تنے کے پیچھے چلا آیا۔ ڈھلان پر ابھی تک دستی بم کا دھواں پھیلا ہوا تھا اور پھر برف کے ذرات اڑ رہے تھے ہوائیں چنگھاڑ رہی تھیں اس لیے مجھے امید تھی کہ میں نہ تو اسے درخت کے پیچھے جاتا دکھائی دیا ہوں گا اور نہ ہی اس نے میری آہٹ سنی ہوگی۔

تاریکی میں پتا نہیں چل رہا تھا کہ تیسرا آدمی کہاں گرا تھا اور وہ زندہ تھا یا مر گیا تھا۔ شروع میں جیپ کی لائٹس آن تھیں اور ان کے انعکاس سے تھوڑا بہت نظر آ رہا تھا لیکن جب میں نے جیپ پر گولیاں برسائیں تو اس کی لائٹس بھی بند ہو گئی تھیں۔ بچنے والا واحد دشمن جیپ کے پیچھے پناہ گزین تھا۔ ایک بار ایسا لگ رہا تھا کہ بھارتیوں نے اپنا قاتل دستہ بھیجا تھا تاکہ مجھے دنیا سے رخصت کر دیا جائے۔ یہ چاروں افراد اپنے انداز سے تربیت یافتہ قاتل لگ رہے تھے لیکن بدقسمتی سے ان کا واسطہ مجھ سے پڑ گیا تھا اور مجھے اس قسم کے قاتلوں سے نمٹنے اور انہیں جہنم رسید کرنے کا وسیع تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ انہوں نے جو سوں لگا کر جو کچھ تربیت گاہ میں سیکھا تھا میں نے اس سے زیادہ چند مہینوں میں عملی میدان میں حاصل کر لیا تھا۔

بڑے سائز کی جیپ کے پیچھے اس کا اندازہ کرنا دشوار تھا کہ چوتھا فرد کہاں ہے۔ اسے سامنے لانا بھی مشکل تھا اس لیے میں نے روایتی طریقہ استعمال کیا۔ میں نے ایک عدد پتھر تلاش کیا اور پھر اسے جیپ کی طرف اچھال دیا۔ ٹن کی آواز کے ساتھ وہ بونٹ پر گرا۔ چوتھے کمانڈو نے بھڑک کر جگہ بدلی اور مجھے اس کا ہیولہ سا دکھائی دیا تھا لیکن یہ نظر کا دھوکا بھی ہو سکتا تھا اس نے فائر کرنے سے گریز کیا۔ میں نے اسی طریقے کو ذرا مؤثر انداز میں استعمال کرنے کا سوچا۔ ڈھلان پر پتھروں کی کمی نہیں تھی بلکہ کچھ زیادتی تھی اور اکثر پتھر خاصے بڑے تھے جن میں اپنے مطلب کا پتھر تلاش کرنا مشکل ثابت ہو رہا تھا بہرحال میں نے کسی طرح دو درجن کے قریب پتھر جمع کر لیے اور اس کے بعد تیزی سے انہیں جیپ کے پیچھے ارسال کرنے لگا۔ سامنے سے مارنے کے بجائے میں انہیں اس طرح اچھال رہا تھا وہ اوپر جانے کے بعد وہ سیدھے گریں اسی طرح میں جیپ کے عقب میں چھپے دشمن کو پریشان کر سکتا تھا۔ اگرچہ اس کا امکان ایک فیصد بھی نہیں تھا کہ کوئی پتھر عین اس کے سر پر لینڈ کرے لیکن دو تین پتھر اس کے آس پاس بھی گرتے تو وہ بدحواس ہو سکتا تھا اور کوئی ایسی حرکت کرتا جس سے وہ سامنے آ جاتا۔

میرے عمل کا فوری ردعمل سامنے آیا۔ اکثر پتھر جیپ پر گرے اور کچھ اس کے پاس گرے۔ ایک اسے لگا بھی تھا کیونکہ اس نے آہستہ سے بے ساختہ شٹ کہا تھا۔ میں نے سن لیا تھا چند پتھر اور اچھالے تو اس نے اچانک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیپ کے پیچھے سے نکل کر اوپر کی طرف ایک برسٹ مارا۔ اس نے ان ہی دونوں تنوں کا نشانہ لیا جہاں میں پہلے تھا اوپر سے آتے پتھروں سے یہ اندازہ کرنا تقریباً ناممکن تھا کہ انہیں کہاں سے پھینکا جا رہا ہے۔ وہ جیپ کے بائیں طرف تھے اس لیے وہ جیپ کے دائیں طرف سے نکلا تھا اور اسے خبر نہیں تھی کہ میں اب دائیں طرف تھا اور وہ میرے سامنے ہی تھا لیکن اس نے اتنی پھرتی سے برسٹ مارا اور واپس جیپ کی آڑ میں چلا گیا کہ میں کچھ نہیں کر سکا تھا۔

میں سارے ہی پتھر پھینک چکا تھا اس لیے میں نے دوبارہ پتھر جمع کیے اور اس بار پوری حکمتِ عملی کو ذہن میں دھرایا کہ کس موقع پر مجھے کیا کرنا ہے۔ کیونکہ میرے پاس ایک ہی چانس ہوتا اور امکان یہ تھا کہ اس کے بعد مجھے چانس نہیں ملتا میری طرف سے فائر کرتے ہی وہ میری پناہ گاہ سے واقف ہو جاتا۔ یہ بڑا لیکن ایک ہی تنا تھا اور مجھے دونوں جتنا تحفظ نہیں دے سکتا تھا۔ اگر وہ بچ جاتا تو ٹرائی فرائی آگین کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے دوبارہ اتنی بم ارسال کرتا اور مجھے فوت کر دیتا۔ اس بار میں نے زیادہ تیزی سے پتھر اچھالنے شروع کیے تھے اور الٹے ہاتھ سے شاٹ گن بغل کے ساتھ لگائے نشانہ لینے کے لیے بھی پوری طرح تیار تھا۔ کوئی ایک درجن پتھر اچھالنے کے بعد مجھے جیپ کے ساتھ حرکت محسوس ہوئی اور میرا دایاں ہاتھ تیزی سے ٹریگر پر آیا۔ جیسے ہی وہ سامنے آیا اور اس نے برسٹ مارنا شروع کیا میں نے فائر کر دیا۔ شاٹ گن گرجی اور وہ الٹ کر پیچھے جا گرا تھا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ اسے گولی کہاں لگی تھی؟ وہ زندہ تھا یا مر گیا تھا؟ میں اٹھ کر تیزی سے ڈھلان کے متوازی بھاگا میں نے نیچے کی طرف جانے سے گریز کیا تھا۔ ایک لمبا چکر کاٹ کر میں پکی سڑک پر اترا۔ اس بھاگ دوڑ کے دوران میں دو مرتبہ گرتے گرتے بچا تھا۔ مگر اللہ نے خیر کی ورنہ ہڈی پسلی ایک ہو سکتی تھی اور میں بھی دشمنوں کے ساتھ یہیں لمبا لیٹ جاتا۔ سڑک سے ہوتے ہوئے میں کچے راستے پر آیا اور جیپ کی طرف بڑھا میری نظر بیک وقت ڈھلان اور جیپ کی طرف تھی چوتھا دشمن یقیناً جیپ کے پیچھے تھا اگر وہ بچ گیا تھا تب بھی زخمی ضرور ہوا تھا۔ مجھے ڈھلان پر کوئی سرگرمی نہیں دکھائی دی۔ اس لیے میں دبے قدموں جیپ کی طرف بڑھا۔ تب مجھے پہلی بار آواز سنائی دی۔

''ایم ون..... ڈیوریڈی..... ایم ون.....''

بولنے والے کا لہجہ بتا رہا تھا وہ شدید تکلیف میں ہے۔ میں نے جیپ کے کنارے سے جھانکا۔ وہ جیپ سے ٹیک لگائے اور دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا اس کا سر دوسری طرف تھا جہاں سے اسے خدشہ تھا کہ میں نہ آ جاؤں لیکن میں مخالف سمت سے آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا وائی ٹا کی تھا لیکن اس کی رینج یقیناً اتنی تھی کہ وہ اپنے بیس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر موسم کی خرابی آڑے آ رہی تھی۔ میں دبے قدموں اس تک گیا اور اس سے پہلے کہ وہ ہوشیار ہوتا میں پستول اس کے سر سے لگا دیا۔

''بس اب مزید کوئی حرکت مت کرنا۔''

وہ ساکت ہو گیا میں نے پہلے اس کے ہاتھ سے وائی ٹا کی اچک لیا اور راستہ بند کر کے اپنی جیکٹ میں رکھ لیا پھر لات مار کر اس کی رائفل کو دور کر دیا۔ اس کے لباس میں کوئی دوسرا ہتھیار ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اس کے زخم کی پروا کیے بغیر اچانک سے اوندھے منہ لٹا دیا ایک پیر اس کی پشت پر رکھتے ہوئے اس کی اوپر سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے کر نیچے تک تفصیلی تلاشی لی۔ گولی اس کے دائیں پہلو کو ادھیڑ گئی تھی۔ وہ زخمی تھا لیکن اسے قریب المرگ نہیں کہہ سکتے تھے البتہ جب میں نے اسے لٹایا تو اس نے خاصا شور مچایا تھا اور اپنی مادری بھاشا یعنی اژدم گژدم والی زبان میں مجھے گالیاں بھی دی تھیں۔ اس کے پاس سے ایک عدد پستول ایک بڑا خنجر، دو عدد پستول کے میگزین اور دو رائفل کے میگزین برآمد ہوئے میں نے انہیں اپنی جیکٹ میں رکھ لیا۔ اسے سیدھا کیا تو وہ یوں جھول رہا تھا جیسے بے ہوش ہونے والا ہو لیکن جب میں نے پستول کی نال اس کے زخم پر رکھ کر دبائی تو وہ چلا اٹھا تھا اور بالکل ہوش میں آ گیا۔

''تم کون سی زبان سمجھتے ہو؟'' میں نے انگریزی میں پوچھا۔ ''یا وہ زبان جو جانور سمجھتے ہیں۔''

''شہباز۔'' اس نے انگریزی میں تکلیف زدہ لہجے کے ساتھ کہا۔ ''تم بچو گے نہیں ہمارے اور ساتھی بھی ہیں ہم چار کو مار کر تم یہ مت سمجھنا کہ بچ گئے ہو۔''

''مجھے ایسی خوش فہمی کبھی نہیں رہی۔ جب میری موت کا وقت آئے گا تو مجھے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ ورنہ تمہاری ساری فوج مل کر بھی مجھے نہیں مار سکے گی۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ تم کسے کال کر رہے تھے؟''

''اپنے ساتھیوں کو۔''

''وہ کہاں ہیں یہاں تمہارا ہیں کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم اور یہاں ہمارا کوئی ہیں نہیں ہے۔''

میں نے پستول اس کے ٹخنے پر رکھ کر فائر کر دیا۔ اسے مجھ سے اس سلوک کی توقع نہیں تھی اس لیے تڑپ کر رہ گیا۔ میں نے اپنا سوال دہرایا اور پستول اس کے دوسرے پاؤں کے ٹخنے پر رکھ دیا۔ اس نے سر جیپ کی باڈی پر مارتے ہوئے کہا۔ ''مجھے نہیں معلوم مجھے مار دو۔''

لیکن جب میں نے اس کے دوسرے ٹخنے میں بھی سوراخ کیا تو اس کی یادداشت بحال ہو گئی اور اس نے رک رک تقریباً روتے ہوئے بتایا کہ وہ اس علاقے میں ملک متیم کے پاس رکے تھے وہ یہاں ان کا ایجنٹ تھا اور انہیں تمام سہولیات مہیا کرتا تھا۔ وہ سب سرحد پار سے آئے تھے اور افغانستان کے ایک شمالی شہر میں بھارت کے کونصلیٹ سے روانہ ہوئے تھے۔ وہ یہ بتاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا کہ اس کے مزید کتنے ساتھی یہاں موجود ہیں یہ ہچکچاہٹ گھٹنے پر لگنے والی گولی نے دور کر دی اور اس نے دھاڑیں مار کر روتے اور مجھے کوستے ہوئے بتایا کہ ایسے ہی دو دستے اور بھی ہیں اور وہ کہیں آس پاس موجود ہیں۔ گویا ایک درجن بھارتی کمانڈوز میری خاطر یہاں آئے تھے اور ان میں سے ایک تہائی نرکھ جا چکے تھے۔ ایک تہائی یوں کہ میں نے ان میں سے کسی کو نہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لیے جب میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے مزید کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو میں نے اس کے سر میں گولی مار کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ وہ ویسے بھی سخت اذیت میں تھا اور کچھ دیر میں مر جاتا۔

میں نے جیپ کی تلاشی لی اور اس میں سے ہتھیاروں کے ایمونیشن کے ساتھ کھانے پینے کا سامان اور کچھ ادویات بھی ملی تھیں۔ میں نے ایک ٹارچ روشن کی اور باقی تین کا معائنہ کیا۔ جس کی ٹانگ پر شاٹ گن کی گولی لگی تھی وہ زندہ تھا اور بے ہوش تھا۔ باقی دو مر چکے تھے۔ میں نے بے ہوش کی تلاشی لی اور اس کے پاس سے صرف پستول اور خنجر نکلا تھا۔ پہلے میں اسے مارنے والا تھا لیکن پھر میں نے ارادہ ملتوی کر دیا اچانک مجھے خیال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آیا کہ میں اسے کرنل ضیاالدین کے توسط سے خفیہ اداروں کے سپرد کردوں تو وہ ان سے بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ یہ ارادہ کرتے ہی میں نے پہلے اس کی زخمی ٹانگ پر کس کر اس کے جوتے کا فیتہ باندھ دیا تاکہ خون رک جائے اور پھر فوری طور پر وین لینے روانہ ہو گیا۔

راستے میں، میں نے وا کی ٹا کی کا جائزہ لیا اسے آن کیا لیکن اس سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی خود میں نے کسی کو پکارنے سے گریز کیا اور اسے دوبارہ آف کر کے رکھ لیا۔ نصف کلومیٹر کا فاصلہ دوڑتے ہوئے طے کیا اور اس جگہ پہنچا جہاں وین چھپائی تھی جھاڑیاں ہٹا کر میں نے وین باہر نکالی اور واپس آیا۔ بے ہوش کمانڈو کو وین کے عقبی حصے میں ڈالا۔ پھر اس کے تین ساتھیوں کی لاشیں اور اسلحہ بھی وین میں ڈالا یہ سب بھی ایک طرح کا ثبوت تھا۔ صرف جیپ وہاں رہ گئی تھی۔ میں نے احتیاطاً اس کا نمبر بھی نوٹ کر لیا اگرچہ مجھے یقین تھا کہ یہ نمبر فرضی ہوگا۔ روانہ ہونے سے پہلے مجھے ایک خیال آیا۔ وین میں ڈیزل کم رہ گیا تھا اور یہ جیپ بھی ڈیزل والی لگتی تھی۔ مجھے ابھی طویل سفر کرنا تھا اس لیے میں نے وین میں موجود ڈیزل سے بھرے جیری کین وین کے ٹینک میں انڈیلے اور جیپ کے ٹینک سے پائپ لگا کر ان جیری کین کو دوبارہ بھر لیا۔ جیپ کا ٹینک خاصا بڑا تھا اور پورا بھرا ہوا تھا وین کا ٹینک بھر جانے اور جیری کین بھی بھر جانے کے بعد بھی جیپ کے ٹینک میں ڈیزل موجود رہا تھا۔

میں نے بچ جانے والے ڈیزل کا متبادل استعمال تلاش کر لیا۔ ایک سوتی رسی جو جیپ میں موجود تھے پہلے اسے ٹینک میں ڈال کر ڈیزل سے اچھی طرح تر کیا اور پھر اسے کھینچ کر دور تک لایا۔ وین میں بیٹھ کر میں نے اسے لائٹر سے آگ دکھائی اور پھر وین اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ابھی میں پکی سڑک پر کچھ دور گیا تھا کہ عقب میں دھماکہ ہوا۔ جیپ کا ٹینک پھٹ گیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ پیچھے سے بھارتی یا ان کے مقامی ایجنٹ پہنچ گئے تو وہ ٹائر برسٹ ہونے کے باوجود جیپ کو لے جا سکتے تھے اس لیے میں نے اسے سرے سے کسی قابل نہیں چھوڑا تھا۔ خاصی دیر بعد مجھے سکون کا سانس لینے کا موقع ملا تھا اور جب میں نے گھڑی دیکھی تو حیران رہ گیا صبح کے چھ بج رہے تھے۔ روشنی ہونے والی تھی۔ مجھے روشنی ہونے سے پہلے کرنل ضیاالدین کی کوٹھی تک پہنچ جانا تھا۔

اس ہلکے برفانی طوفان نے ماحول کو پھر سے سفیدی کی چادر اوڑھا دی تھی۔ ہوا کی شدت میں کمی آ گئی تھی اور شاید چند گھنٹوں میں طوفان تھم جاتا۔ مجھے ونڈ اسکرین صاف رکھنے کے لیے وائپر مستقل چلانے پڑ رہے تھے اس کے باوجود دس گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے وین کی رفتار بہت کم رکھی تھی۔ سات بجے برف باری رک گئی اور روشنی بھی بہتر ہوئی تو میں نے رفتار میں اضافہ کیا تھا۔ مگر یہ بھی نارمل رفتار سے آدھی تھی۔ تازہ برف نے سڑک پر پھسلن پیدا کر دی تھی اور تیز رفتاری پر وین بے قابو بھی ہو سکتی تھی کوشش کے باوجود میں روشنی ہونے سے پہلے کرنل ضیاالدین کی کوٹھی تک نہیں پہنچ سکا تھا جب میں وہاں داخل ہوا تو آسمان سے بادل چھٹ رہے تھے اور اوپر دھوپ نظر آنے لگی تھی۔ صبح کے آٹھ بج چکے تھے کرنل ضیاالدین یقیناً جاگ گیا ہوگا۔

اس بار بھی کرنل خود نمودار ہوا تھا مگر اس نے گاؤن کے بجائے مکمل گرم سوٹ پہن رکھا تھا۔ میں وین سے اترا تو وہ پہلے ہی برآمدے کی سیڑھیاں اتر چکا تھا۔ "ویل شہباز ملک تم پھر آ گئے۔"

"کرنل مجبوری تھی....." میں نے معذرت کی تمہید باندھی۔

"نو نو۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "میرا یہ مطلب نہیں ہے اس گھر میں تمہیں ہمیشہ خوش آمدید کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا میرا مطلب ہے تم پھر کسی مشکل میں پڑ گئے ہو؟"

"جی جناب۔" میں نے کہا۔ "یہ مشکل پہلے سے کہیں زیادہ بڑی اور بھاری ہے۔"

میں نے اسے وین کا عقبی حصہ کھول کر دکھایا۔ لاشوں اور زخمی کو دیکھتے ہی وہ سنجیدہ ہو گیا۔ "یہ کون ہیں؟"

"ان کے حلیے بتا رہے ہیں کہ یہ کمانڈوز ہیں ویسے ان کا تعلق بھارت سے ہے۔"

کرنل ضیا الدین چونک گیا تھا۔ "بھارت سے۔"

"میں آپ کو بتاتا ہوں پہلے اس زخمی کو دیکھنا ہے یہ زندہ رہا تو اس خطے میں بھارتی سرگرمیوں کے بارے میں بہت سے اہم انکشافات کر سکتا ہے۔ صرف یہی نہیں اس علاقے میں مزید بھارتی گروپ موجود ہیں۔"

کرنل سمجھ گیا تھا اس نے فوراً شاکر کو طلب کیا اور اسے زخمی کو اندر لے جانے کی ہدایت کی۔ وہ اسے اٹھا کر لے گیا تھا۔ میں نے کرنل کو اسلحہ بھی دکھایا۔ "میں نہیں جانتا کہ ملک کے خفیہ رکھوالوں سے کس طرح رابطہ کیا جا سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے آپ یقیناً جانتے ہوں گے۔ یہ کیس آرمی انٹیلی جنس یا ایسے ہی کسی ادارے کا ہے۔"

"تم اس کی فکر مت کرو میرے ساتھ آؤ۔"

کرنل نے کوٹھی میں طبی امداد کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ بنا رکھا تھا جس میں تمام سہولتیں تھیں۔ اتنی دیر میں شاکر نے زخمی کے کپڑے اتار دیئے تھے اور اب وہ صرف انڈرویئر میں تھا۔ کرنل نے پہلے اس کا معائنہ کیا اور تصدیق کی۔ "یہ ہندو ہے۔"

شاٹ گن کی گولی نے اس کی ٹانگ گھٹنے کے اوپر سے تقریباً کاٹ دی تھی۔ کرنل نے ٹانگ کا معائنہ کیا اور بولا۔ "اسے کاٹنا ہو گا لیکن میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"

"اس کی ضرورت بھی نہیں ہے بس اسے اس وقت تک زندہ رہنا چاہیے جب تک یہ یہاں موجود ٹھکانوں اور دوسرے بھارتی تخریب کاروں کے بارے میں معلومات نہیں دیتا ہے۔"

"تم فکر مت کرو وہ لوگ کسی کو مرنے نہیں دیتے ہیں اور اپنے مطلب کی معلومات وہ آدمی کی کھوپڑی سے نکلوا لیتے ہیں۔" کرنل ضیا الدین نے کہا۔ اس نے زخم سی کر اوپر سے بینڈیج کر دی پھر اسے چند انجکشن دیئے۔

"تم تھکے ہوئے ہو بہتر ہو گا کچھ دیر آرام کر لو۔"

"کرنل میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں دوسرے میں کسی اتھارٹی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا یوں سمجھ لیں کہ میں نے یہ سارے لوگ آپ کے سپرد کر دیئے ہیں آگے آپ جانیں۔"

"لیکن نوجوان مجھے معلومات تو درکار ہوں گی۔"

ہم کرنل کی اسٹڈی میں آئے شاکر کافی اور کوکیز لے آیا تھا۔ باقاعدہ ناشتے کے بارے میں اس نے اطلاع دی کہ وہ ٹھیک نو بجے میز پر ہو گا۔ میں نے کافی اور کوکیز سے انصاف کرتے ہوئے کرنل کو بتایا کہ کس طرح ان لوگوں نے مجھے مارنے کی کوشش کی اور خود مارے گئے۔ اسے تعجب ہوا تھا۔ "بھارتی تمہارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں۔"

"کیونکہ وہ اس ملک کے دشمن ہیں اور اس ملک میں بسنے والے ہر محبِ وطن پاکستانی کے دشمن ہیں۔" میں نے گول مول انداز میں کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ یہاں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کا سد باب کرنے والے ادارے ان سے بے خبر ہیں۔"

"ایسا مت کہو وہ بالکل بے خبر نہیں ہیں۔" کرنل نے کسی قدر خفگی سے کہا۔ میں نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

"یہ یہاں اپنے مقامی ایجنٹ اور غدار ملک مقیم کے پاس مقیم تھے۔ ایسے ہی کم سے کم آٹھ بھارتی کمانڈوز مزید ہیں جو میری تلاش میں ہیں۔"

کرنل نے میری بات سنی اس نے دوبارہ میرے بارے میں سوال نہیں کیا تھا وہ کچھ سوچ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے میں اس معاملے کو ہینڈل کرلوں گا۔"

"یہاں فون خراب ہے اور رابطے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔"

"شاکر ناشتہ تیار کرکے گاڑی میں جائے گا۔ کوئی دس کلومیٹرز دور ایک فوجی چوکی ہے وہاں اطلاع کر دے گا۔"

"یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے۔" میں نے بے چینی سے کہا۔ "کہیں تاخیر سے دوسرے بھارتی اور غدار فرار نہ ہو جائیں۔"

"میرا خیال ہے انہیں زیادہ مہلت نہیں ملے گی۔" کرنل نے اعتماد سے کہا۔

مجھے خیال آیا۔ "تب بہتر ہوگا کہ آپ شاکر کو صرف اطلاع کے لیے مت بھیجیں بلکہ لاشوں اور زخمی کے ساتھ بھیجیں تاکہ آرمی انٹیلی جنس فوری حرکت میں آجائے۔"

"یہ خیال اچھا ہے لیکن اس صورت میں مجھے خود جانا ہوگا۔" کرنل نے سر ہلایا۔ "پھر معاملہ شاکر کے بس کا نہیں رہے گا۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو لاشیں اور زخمی دیکھ کر وہ زیادہ تیزی سے حرکت میں آئیں گے۔ میں نے ناشتہ کرلیا ہے۔"

"آپ وین میں لے جائیں کیونکہ لاشوں اور زخمی کو اسلحے سمیت کسی دوسری گاڑی میں منتقل ہونے میں وقت لگے گا یہ وین بھی ان لوگوں کی ہے اور اس کے علاوہ ایک جیپ بھی ہے جسے میں نے آگ لگا کر تباہ کر دیا ہے۔"

میں نے کرنل کو تمام ضروری معلومات فراہم کیں اس نے علاقے کے نقشے کی مدد سے سمجھ لیا تھا کہ بھارتیوں کی جیپ کہاں جلی ہوئی موجود تھی۔ میں نے وین کی چابی اس کے سپرد کر دی اور وہ فوری طور پر روانہ ہو گیا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس ویرانے میں مجھے کرنل ضیاالدین جیسا مددگار مل گیا تھا۔ اس کے توسط سے میں اپنے ملک کے کام بھی آسکا تھا۔ کرنل کی روانگی کے کچھ دیر بعد شاکر نے ناشتہ لگا دیا تھا۔ کافی اور کوکیز نے کسی حد تک میری بھوک مٹا دی تھی اور رہی سہی کسر اس ناشتے نے پوری کر دی اب مجھے شدت سے کچھ دیر کی نیند کی خواہش محسوس ہو رہی تھی۔

شاکر مجھے گیسٹ روم میں لے آیا جہاں میں کل شام کو بھی رکا تھا۔ کپڑے صاف ستھرے تھے گرم پانی سے غسل کرکے میں نے وہی کپڑے پہنے اور بستر پر گرا تو پھر مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ اچانک ہی کسی نے مجھے بری طرح جھنجھوڑا اور میں نے خطرے کا احساس کرتے ہی اسے دبوچ لیا۔ جھنجھوڑنے والا تیز لہجے میں بولا۔ "شہباز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب یہ میں ہوں۔ جلدی اٹھیے باہر خطرہ ہے۔"

وہ شاکر تھا میں اٹھ بیٹھا۔ اس کے چہرے پر فکر کے آثار تھے میں نے خفگی سے کہا۔ "شاکر یہ کیا حرکت ہے اگر میں انجانے میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیتا تو؟"

"مجبوری ہے جناب۔" اس نے کہا۔ "کرنل صاحب کو گئے ہوئے کئی گھنٹے ہو چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن مجھے اس طرح جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کوٹھی کے باہر دو گاڑیاں آ رکی ہیں اور کم سے کم نصف درجن افراد ان سے نکل کر کوٹھی کے گرد پھیل رہے ہیں۔" اس نے کہا۔ "وہ ویسا ہی لباس پہنے ہوئے ہیں جیسا یہاں آنے والے زخمی نے پہنا ہوا تھا۔"

"میرے خدا۔" میں نے کہا میں سمجھ رہا تھا کہ میں یہاں محفوظ ہوں اور بھارتی یا ان کے مقامی ساتھی اس جگہ میرا سراغ نہیں لگا سکیں گے لیکن اگر شاکر کا بیان درست تھا تو بھارتی یہاں آن پہنچے تھے۔ اٹھ کر میں نے جوتے پہنے اور پھر جیکٹ پہنی۔ شاٹ گن اور پستول لیتے ہوئے میں باہر کی طرف لپکا تھا کہ شاکر نے مجھے روک لیا۔

"ادھر نہیں میرے ساتھ آئیں۔"

وہ مجھے کوٹھی کے اوپری حصے میں ایک ایسے کمرے میں لایا جس کے چاروں طرف کھڑکیاں تھیں اور شیشوں کے پار سے ہر طرف دیکھا جا سکتا تھا۔ خاص طور سے سامنے کا حصہ واضح تھا لیکن نچلا حصہ اتنا دور تھا کہ خالی آنکھوں سے صاف دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ شاکر نے مجھے ایک عدد دوربین لا دی میں نے دوربین سے دیکھا تو درختوں کے درمیان مجھے ایک آدمی فوراً ہی نظر آ گیا تھا۔ وہ ایک آڑ میں چھپا ہوا تھا اور اس کی رائفل کی نال صاف دکھائی دے رہی تھی۔ دو منٹ کے اندر ایسے تین عدد مزید مسلح افراد نظر آنے لگے تھے۔ جب کہ شاکر کا کہنا تھا کہ دو گاڑیوں سے کم سے کم چھ افراد اترے تھے۔ بہرحال وہ چار ہوں یا چھ یا اس سے زیادہ ہوں۔ مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ یہ بھارتیوں کا وہی گروپ تھا جو میری تلاش میں یہاں آیا تھا۔ کسی طرح سے وہ میری بو سونگھتا ہوا یہاں تک آ گیا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے شاکر سے پوچھا۔

"کرنل صاحب کو گئے ہوئے کتنی دیر ہو گئی ہے۔"

"چار گھنٹے ہو گئے ہیں اب ایک بج رہا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "شہباز صاحب یہ کون لوگ ہیں۔"

"اس زخمی کے ساتھی جنہیں میں یہاں لایا تھا۔" میں نے کہا۔ "ویسے یہ بھارتی ہیں اور میری تلاش میں یہاں آئے ہیں۔"

یک لخت شاکر کی حالت عجیب سی ہو گئی۔ اس نے جھرجھری لی تھی اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ یہ تبدیلی لفظ بھارتی پر آئی تھی۔ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "آپ سچ کہہ رہے ہیں یہ انڈین ہیں؟"

"سو فیصد۔" میں نے کہا۔ "یہ نیک نیت سے نہیں آئے ہیں۔ ایسا کرو تم کہیں چھپ جاؤ میں ان سے نمٹتا ہوں۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے جناب۔" وہ جذباتی انداز میں بولا۔ "خدا نے برسوں بعد میری دعا قبول کی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے دوربین سے معائنہ جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا دعا کی تھی تم نے.....؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے دل میں بھرتی کی خواہش لے کر کرنل صاحب کے پاس آیا تھا یہ اکہتر کے بعد کی بات ہے ہر سچے پاکستانی کی طرح میں بھی انڈیا کے خلاف بھرا ہوا تھا کچھ کرنا چاہتا تھا مگر اس کے بعد موقع ہی نہیں ملا۔ فوج میں آیا تو کرنل صاحب جو اس وقت لیفٹیننٹ تھے انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ بعد میں جب بڑے افسر بنے تو اردلی کر لیا پھر کرنل صاحب کے ساتھ ہی عمر گزر گئی تھی۔ پہلے کرنل صاحب ریٹائرڈ ہوئے وہ یہاں آ گئے۔ چند سال بعد میں بھی پنشن لے کر ان کے پاس آ گیا۔ فوج میں اڑتیس برس تک تڑپتا رہا کہ محاذ پر جانے کا موقع ملے لیکن نصیب میں نہیں تھا۔ سیاچن پر جنگ ہوئی میں نے اپنا نام دیا لیکن ایک پاؤں میں معمولی سی کمزوری کی وجہ مجھے ریجکٹ کر دیا گیا۔'' شاکر موقع کی مناسبت جلدی جلدی بتا رہا تھا۔

میں اس کی بات سمجھ گیا۔ ''ٹھیک ہے اب تم کیا کرو گے؟''

''میں ان سے لڑوں گا جی اور ہو سکا تو انہیں مار دوں گا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم نہیں جانتے یہ پیشہ ور کمانڈوز ہیں۔ تم صرف ایک سپاہی رہے ہو اور وہ بھی زیادہ تر سروس میں۔''

''لیکن میرے اندر جذبہ تو ہے۔'' شاکر نے کہا۔ ''پھر آپ اکیلے کیسے لڑیں گے میں آپ کی طرح تو نہیں لڑ سکتا لیکن آپ کا ساتھ ضرور دے سکتا ہوں۔''

میں نے اس ساٹھ باسٹھ سال کے بوڑھے سپاہی کے لیے دل میں احترام محسوس کیا تھا۔ وہ ریٹائر ہوا تھا لیکن اس کے اندر کا سپاہی ریٹائر نہیں ہوا تھا وہ آج بھی اپنے وطن کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے بے تاب تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہے؟''

''جی کرنل صاحب کی رائفل ہے وہ میری تحویل میں ہوتی ہے میں یہاں کا گارڈ بھی ہوں۔''

''بس تو رائفل نکال لاؤ جب تک میں طے کرتا ہوں کہ تم نے کیا کرنا ہے۔''

شاکر جوش و جذبے سے روانہ ہوا تھا۔ اس دوران میں نے سامنے کا سارا حصہ دوربین سے کھنگال لیا تھا۔ یہاں چار بھارتی کمانڈوز تھے باقی یقیناً کوٹھی کے عقبی حصے کی طرف آئے ہوں گے۔ وہ چاروں طرف سے کوٹھی کو گھیر رہے تھے تاکہ فرار کی کوئی راہ مسدود نہ رہ جائے۔ اچانک مجھے اپنے پاس موجود واکی ٹاکی کا خیال آیا۔ وہ جیکٹ میں تھا اسے نکال کر میں نے اس کا والیم کم کیا اور پھر اسے آن کر دیا۔ فوراً ہی اس سے آواز ابھری۔

''ون اور ٹو تم کہاں ہو؟''

''ہم پیچھے پہنچ رہے ہیں۔'' ون یا ٹو کی طرف سے جواب آیا۔

''فور اور سکس۔'' اسی آدمی نے پوچھا۔

''ہم اپنی پوزیشن پر آ گئے ہیں۔''

میں ان کی گفتگو سنتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران میں شاکر آ گیا اور اس نے دلچسپی سے واکی ٹاکی دیکھا۔ ''یہ کہاں سے ملا جناب؟''

''انہی لوگوں سے جنہیں میں ساتھ لایا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ابھی تک تو یہ پتا چلا ہے کہ باہر چھ سے سات افراد موجود ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''فی الحال تو تم کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں سے کوٹھی کے عقبی حصے پر نظر رکھ سکو وہ وہاں سے بھی آ سکتے ہیں۔''

''میں سمجھ گیا اور اگر کوئی کوٹھی میں آنے کی کوشش کرے تب؟''

''تب تم وہی کرنا جو ایک سپاہی اپنی سرزمین پر حملہ کرنے والے دشمن کے ساتھ کرتا ہے۔''

شاکر کے پاس بائیس بور کی کسی قدر پرانی لیکن بہترین رائفل تھی۔ میں نے اسے لے کر دیکھا اور پھر اس سے کہا۔ ''یہ مجھے دے دو، تم شاٹ گن لے جاؤ پاس سے جنگ کے لیے یہ بہترین ہتھیار ہے لیکن یاد رکھنا تمہاری اولین ترجیح دشمن کو پیچھے سے کوٹھی میں آنے سے روکنا ہے اس لیے بغیر جوش کے بالکل ٹھنڈے دماغ کے ساتھ دفاع کرنا۔''

''یس سر۔'' اس نے سلوٹ مار کر کہا۔ رائفل کی گولیوں کا ڈبا مجھے تھمایا اور شاٹ گن اور اس کی اضافی گولیاں لے کر نیچے کہیں چلا گیا وہ آتے ہوئے کوٹھی میں داخل ہونے کے تمام دروازے بھی بند کر آیا تھا۔ کرنل کی کوٹھی چھوٹی اور دو منزلہ تھی لیکن ساتھ ہی سب سے اوپر یہ اضافی کمرہ بھی تھا اور اس کی ساخت دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسے خاص طور سے آس پاس کے نظارے کے لیے بنایا گیا ہے۔ میں نے ایک بار پھر دوربین سے سامنے والوں کا جائزہ لیا وہ رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہے تھے۔ مگر انہوں نے کوٹھی کا محاصرہ کرنے میں خاصی دیر لگا دی تھی۔ اس سے مجھے حکمتِ عملی تیار کرنے کا موقع مل گیا تھا اور میں نے ان کی پوزیشنیں بھی جان لی تھیں۔

ادھر شاکر عقبی حصے کا کامیاب دفاع کر لیتا تو میں سامنے سے آنے والے حملہ آوروں سے نمٹ سکتا تھا۔ میرے لیے شاٹ گن مسئلہ تھی وہ اتنی دور تک مار نہیں کر سکتی تھی لیکن اس رائفل کی مار خاصی زیادہ تھی۔ شاید وہ اسی لیے اتنی بے فکری سے سامنے پھیل رہے تھے کہ انہیں معلوم تھا کہ میرے پاس دور مار ہتھیار نہیں ہیں۔ مجھے رہ رہ کر یہ سوال پریشان کر رہا تھا کہ انہیں اس کوٹھی کا پتا کیسے چلا؟ اور دوسرے کرنل نے اگر آرمی کی چوکی تک رسائی حاصل کر لی تھی تو اسے اب تک واپس آ جانا چاہیے تھا وہ کہاں تھا؟ ان دونوں سوالوں کے جواب ممکنہ طور پر آپس میں ملے ہوئے تھے۔ کرنل اپنے مقصد میں ناکام رہا تھا اور ان لوگوں کے ہاتھ آ گیا تھا اور انہوں نے اس سے معلوم کر لیا تھا کہ میں اس کی کوٹھی میں موجود تھا۔ اگر کرنل ان کے ہاتھ آ گیا تھا تو اس کی سلامتی مشکوک تھی۔

وہ چاروں ابھی تک کوٹھی سے باہر ڈھلان پر واقع جنگل میں تھے اور میں انتظار کر رہا تھا کہ وہ کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوں تو میں کارروائی کروں۔ بظاہر ان کی حکمتِ عملی یہی تھی کہ سامنے سے حملہ کریں لیکن اس کا بھی امکان تھا کہ انہوں نے دھوکا دیا ہو انہیں اتنا تو علم ہو گا کہ ان کی پہلی پارٹی جو میرے لیے روانہ کی گئی تھی ماری گئی تھی اور رابطے کا ذریعہ وائی ٹا کی میرے ہاتھ لگ گیا تھا اس لیے وہ دھوکا دینے کے لیے اسے استعمال کر سکتے تھے۔ میں سامنے کی طرف سے ان کا منتظر رہتا اور وہ پیچھے سے حملہ کر دیتے۔ یہ خیال میرے ذہن میں آیا تھا کہ عقبی سمت سے شاٹ گن کے پے در پے دھماکے ہوئے اور پھر کسی نے مسلسل برسٹ مارا۔ کوئی دردناک آواز میں چلایا تھا۔ بھارتیوں نے پیچھے سے گھسنے کی کوشش کی تھی اور شاکر نے انہیں روکنے کی۔ پتا نہیں دونوں میں سے کون کامیاب ہوا تھا۔ خودکار ہتھیار یقیناً بھارتیوں کے پاس تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس وقت مجھے شدت سے افسوس ہونے لگا کہ میں نے لاشوں کے ساتھ ہتھیار کیوں بھیج دیئے وہ کسی اور کے کام نہیں آئے لیکن اس وقت میرے پاس ہوتے تو میں زیادہ بہتر پوزیشن میں ہوتا۔ اس وقت مجھے خیال نہیں آیا تھا کہ بھارتی اس جگہ کا سراغ لگا کر یہاں بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ میرے پاس وہی دو ہتھیار تھے جو میں نے کرنل سے حاصل کیے تھے یعنی شاٹ گن اور پستول۔ جیسے ہی عقبی سمت حملہ ہوا۔ سامنے موجود بھارتی کمانڈوز بھی تیزی سے حرکت میں آئے۔ یقیناً انہیں علم تھا کہ کوٹھی میں سوائے دو افراد کے اور کوئی نہیں ہے اور دو افراد انہیں دو سے زیادہ سمتوں سے نہیں روک سکتے تھے وہ چاروں طرف سے حملہ کر سکتے تھے اور انہوں نے ایسا ہی کیا تھا۔

اب اتنا ضائع کرنا بے کار تھا میں نے کھڑکی کا شیشہ ہٹایا اور باہر سب سے آگے نظر آنے والے بھارتی کا نشانہ لیا۔ وہ کوئی سو گز دور تھا اور میرا نشانہ بہت اچھا نہیں تھا۔ میں نے اس کے سینے کا نشانہ لیا تھا لیکن گولی اس کے بائیں شانے میں لگی اور وہ گھوم کر گرا لیکن فوراً کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنا بازو جھٹک رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے جیکٹ تلے باڈی پروف پہن رکھا تھا۔ گولی سے اسے دھچکا لگا تھا لیکن زخم نہیں آیا تھا اس بار میں نے اس کے سر کا نشانہ لیا وہ یقیناً غیر محفوظ شخص تھا جب ایک بار اسے گولی لگ چکی تھی تو اسے احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا وہ بدستور سامنے کھڑا رہا اور اسی دم سے فوت ہو گیا۔ گولی اس کے سر کے اوپری حصے میں لگی اور وہ گر گیا۔ اس دوران میں نیچے سے اس کمرے کی طرف بیک وقت کئی خود رائفلوں نے منہ کھول دیئے تھے۔ پہلے ہی حملے میں اس طرف کے سارے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ اب میں آرام سے دیکھ کر ان پر فائرنگ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کئی تھے دو فائر کرتے تھے اور ایک آگے بڑھتا تھا پھر وہ کور دیتا اور پیچھے والے آگے آتے تھے۔ اس طرح وہ نہایت منظم طریقے سے آگے آ رہے تھے اور انہوں نے اب تک مجھے دوبارہ فائر کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ کوٹھی کی حد میں داخل ہو چکے تھے اور کسی لمحے بھی اندر آنے والے تھے۔

میں اس طرح اوپر بیٹھ کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے فوری فیصلہ کیا اور نیچے اتر گیا۔ پہلی منزل پر آتے ہی میں نے چلا کر شاکر کو آواز دی۔ ''تم کہاں ہو؟''

''میں..... یہیں ہوں۔'' اس نے اگرچہ لہجہ سنبھالنے کی کوشش کی تھی لیکن میں سمجھ گیا کوئی گڑبڑ ہے وہ گراؤنڈ فلور پر پچھلی طرف تھا اور اس نے چھوٹی نشست گاہ میں مورچہ سنبھال رکھا تھا لیکن اس کا بایاں پہلو خون سے تر ہو رہا تھا میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ''یہ کیا ہوا شاکر؟''

اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ''کچھ نہیں شہباز صاحب سپاہی کو میدانِ جنگ میں زخم تو لگتے ہیں یہ بھی معمولی سا زخم ہے۔''

لیکن زخم معمولی نہیں تھا دل سے ذرا نیچے دو سوراخ تھے ان سے اب بھی خون رس رہا تھا۔ میں نے میز پوش اتار کر اس کی ایک پٹی پھاڑی اور باقی میز پوش گدی کی طرح بنا کر زخم پر رکھ کر اوپر سے پٹی باندھ دی۔ فی الحال میں اتنا ہی کر سکتا تھا۔ ''شاکر شاید ان لوگوں نے کرنل صاحب کو بھی قابو کر لیا تھا اور ان ہی سے یہاں کا پتا حاصل کیا ہے۔''

اس کا چہرہ مزید زرد ہو گیا تھا۔ ''اس کا مطلب ہے کرنل صاحب اب زندہ نہیں ہیں۔''

میں نے اس سے نظریں چرائیں۔ ''امکان تو یہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی سرد آہ اُبھری۔ ''تب شاکر بھی زندہ رہ کر کیا کرے گا؟''

''ایسا مت کہو کرنل کی اپنی زندگی تھی اور تمہاری اپنی.....''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ نہیں جانتے، میں اور کرنل صاحب الگ الگ نہیں ہیں۔''

''پیچھے کیا ہوا؟''

''دو اندر آ رہے تھے میں نے دونوں کو گرا دیا ایک فوراً مر گیا تھا لیکن دوسرے نے گرنے سے پہلے.....''

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنے زخموں کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا تو میں چونک گیا اس میں ایک اسٹک گرنیڈ دبا ہوا تھا۔ اس کی چابی نکال دو تو یہ دھماکے سے پھٹ جاتا تھا اور یہ خاصا پرانا لیکن نہایت تباہ کن فوجی ہتھیار تھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''اسٹک گرنیڈ۔'' وہ بولا۔ ''اپنی پوری فوجی زندگی میں شاکر نے ایک ہی بار قانون توڑا۔ میں نے یہ گرنیڈ چرایا تھا مجھے بہت اچھا لگا تھا پھر یہ میرے ساتھ رہا۔ تیس سال سے یہ میرے پاس ہے۔''

مجھے تشویش ہونے لگی۔ ''شاکر تمہارا ارادہ کیا ہے؟''

اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''شہباز صاحب آپ پیچھے کی طرف سے نکل جاؤ وہ اندر آنے والے ہیں۔''

''تم میرے ساتھ چلو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میری حالت ایسی نہیں ہے کہ میں چل سکوں ویسے بھی میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہوں گا۔ آپ جائیں آپ اکیلے آرام سے نکل سکتے ہیں یہ شاٹ گن لے جائیں اب یہ میرے لیے بیکار ہے اور اگر کسی بھارتی کی خود کار رائفل مل جائے تو زیادہ اچھا رہے گا۔''

میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن شاکر کا انداز بتا رہا تھا اس نے فیصلہ کر لیا ہے میرے پاس وقت نہیں تھا کوٹھی کے سامنے والے حصے میں کسی نے برسٹ مار کر داخلی دروازے کا لاک توڑ دیا۔ شاکر نے مجھے دھکا دیا۔ ''جلدی کرو.....نکل جاؤ.....وہ آنے والے ہیں۔''

''میں کس راستے سے جاؤں؟''

''یہ باتھ روم ہے اس کے روشن دان سے نکل سکتے ہو۔'' شاکر نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر دبایا اور پھر تیزی سے باتھ روم میں گھس گیا۔ وقت بالکل نہیں تھا۔ اگر بھارتی یہاں آ جاتے تو مجھے نکلنے کا موقع بھی مشکل سے ملتا۔ وہ زیادہ تعداد میں تھے اور پوری طرح چوکنا تھے۔ باتھ روم کا روشن دان زیادہ بڑا نہیں تھا اور میں کوشش کرتا تو اس سے بہت پھنس کر نکل سکتا تھا۔ شاٹ گن کا بٹ مار کر روشن دان کا شیشہ توڑ دیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ میں پہلے اپنا ہتھیار باہر پھینکتا تو نہتا ہو جاتا دشمن آ جاتا اور نہایت آرام سے مجھے فوت کر دیتا۔ اگر باہر منتظر ہوتا تو اس کے لیے اور بھی آسانی ہو جاتی۔ ہتھیاروں کے ساتھ میں روشن دان سے نہیں نکل سکتا تھا۔ اسی لمحے مجھے نشست گاہ کی طرف سے شور کی آواز سنائی دی۔ یہ بھارتی تھے جو چلا چلا کر شاکر سے ہتھیار ڈالنے کو کہہ رہے تھے اور وہ بتا رہا تھا کہ وہ نہتا ہے۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیزی سے ٹب میں لیٹتے ہوئے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے اسی لمحے خوفناک دھماکہ ہوا تھا۔

واش روم کی نشست گاہ کے ساتھ والی دیوار اندر گری اور دھواں ہی دھواں پھیل گیا۔ یہ بم کا زہریلا دھواں تھا جس میں ملبے کی دھول مٹی بھی شامل ہوگئی تھی۔ میں نے نشست گاہ میں جھانکا۔ وطن کا سپاہی ٹکڑے ٹکڑے ہوکر وطن کی مٹی میں مل گیا تھا اور اس کے دھوکے میں آنے والے تین بھارتی بری حالت میں پڑے تھے وہ مر چکے تھے یا مرنے والے تھے۔ نشست گاہ کی عقبی دیوار بھی گر گئی تھی۔ میں نے ایک بھارتی کی خودکار رائفل اٹھائی اور باہر آ گیا کرنل کی بائیس بور کی رائفل میں نے وہیں چھوڑ دی تھی۔ شاکر کی خواہش پوری ہوگئی۔ وہ ساری عمر ملک کے دشمنوں سے لڑنے کی حسرت کرتا رہا اور اسے آخر میں یہ اعزاز حاصل ہوگیا تھا اکیلے شاکر نے شہادت سے پہلے پانچ بھارتی کمانڈوز کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

میں باہر آتے ہی زمین پر گر گیا اور دیوار کی جڑ کے ساتھ سرکنے لگا۔ مجھے خطرہ تھا کہ باہر کچھ نہ کچھ بھارتی ہوں گے انہوں نے عقبی حصہ کور کرنے کے لیے صرف دو آدمی نہیں بھیجے ہوں گے۔ دیوار کے سوراخ سے دھویں کے ساتھ دھول بھی باہر نکل رہی تھی اس لیے مجھے امید تھی کہ کسی نے مجھے باہر آتے نہیں دیکھا ہوگا۔ دیوار کے ساتھ گلاب کی سوکھ جانے والی جھاڑیاں لگی تھیں اور آنے والی بہار میں ان پر گلاب آتے لیکن شاید ان گلابوں کو دیکھنے کے لیے خود کرنل نہ ہو۔ شاکر تو جا چکا تھا۔ میں نے ذہن جھٹکا اس موقع پر جب چاروں طرف جان کے دشمن گھوم رہے ہوں قنوطی سوچوں میں الجھنا خطرناک بھی ثابت ہوسکتا تھا۔

احتیاط بہتر ثابت ہوئی اور مخالف سمت سے ایک بھارتی نمودار ہوا۔ اس کی نظر سوراخ پر تھی اور مجھے اس نے تاخیر سے دیکھا۔ اس سے پہلے وہ میرا نشانہ بناتا میں نے اس کے چہرے کا نشانہ لے کر برسٹ مارا اور اس کا سر تقریباً غائب ہوگیا۔ اس کی سربریدہ لاش زمین پر گری۔

میری رائفل کا میگزین خالی ہونے والا تھا میں نے دوڑ کر مارے جانے والے کی جیکٹ سے اس کی رائفل کے میگزین نکالے اور پیچھے کی طرف درختوں میں گھس گیا۔ کوٹھی کا باغ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ احاطے کی چھوٹی سی دیوار پھلانگتے ہی مجھے ان دونوں بھارتیوں کی لاشیں دکھائی دیں جو شاکر کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ انہوں نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ کرنل کا معمولی سا نظر آنے والا بوڑھا ملازم ایسا دلیر ثابت ہوگا۔ میں نے حساب لگایا میری معلومات کے مطابق میرے لیے آنے والے بھارتیوں کی تعداد ایک درجن تھی اور ان میں سے دس مارے گئے تھے باقی دو کو یقیناً اپنی فکر زیادہ ہوگی۔ پھر اتنا دھوم دھڑکا ہو چکا تھا اس لیے آس پاس اس کی خبر پھیلی ہوگی۔ وہ میرے پیچھے آنے کے بجائے بھاگنے کی فکر میں ہوں گے لیکن معاملہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا تھا۔ وہ آخری آدمی تک اپنے مشن کی تکمیل کی کوشش کر سکتے تھے۔ وہ عام فوجی نہیں تھے بلکہ ایلیٹ فورس کا حصہ تھے ان کے لیے جان سے زیادہ اہم ان کا مشن ہوتا ہے۔ اس لیے میرا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔

مجھے افسوس ہو رہا تھا کرنل اور شاکر دونوں نے اپنی جان قربان کر دی تھی لیکن وہ بھارتی کمانڈو کو آرمی تک پہنچانے میں ناکام رہے تھے۔ مگر انہوں نے بھارتیوں کا مشن کامیاب ہونے نہیں دیا تھا۔ خاص طور سے شاکر کے بارے میں، میں کہہ سکتا تھا کہ اللہ کے بعد میری زندگی بچنے کا سبب وہی تھا ورنہ بھارتی مجھے بے خبری میں یا اکیلا پا کر مار چکے ہوتے۔ میں درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا نیچے جا رہا تھا میں زیادہ بڑا چکر کاٹ رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تا کہ نیچے بھارتی ہوں تب بھی ان سے مڈبھیڑ کا امکان کم سے کم ہو۔ میں کوئی پندرہ منٹ بعد نیچے سڑک پر نکلا اور جیسے ہی سڑک پر نکلا دوسری طرف سے دو عدد آرمی جیپیں نمودار ہوئیں۔ ایک مسلح آدمی کو سڑک پر پا کر ان کے بریک لگ گئے اور پھر مسلح فوجیوں نے باہر کود کر میری طرف اپنی گنیں تان لی تھیں۔ ان میں ایک کیپٹن بھی تھا۔

''خبردار اپنے ہتھیار پھینک دو۔''

میں نے بادی سے شاٹ گن اور رائفل زمین پر گرا دی اور دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ دو سپاہیوں نے میری تلاشی لی۔ کیپٹن اور دوسرے فوجی بھی پاس آ گئے تھے۔ میں نے کیپٹن سے کہا۔ ''میرا نام شہباز ملک ہے اور میں کرنل ضیاالدین کا مہمان ہوں۔''

کیپٹن نوجوان تھا لیکن آنکھوں اور چہرے سے ذہانت جھلک رہی تھی۔ ''تم کرنل کے مہمان ہو۔'' اس نے کہا اور رائفل کی طرف اشارہ کیا۔ ''تمہارے پاس بھارتی ساختہ رائفل ہے۔''

''تم بے شک مجھے اپنی تحویل میں رکھو لیکن کرنل کی کوٹھی میں اس وقت بھی کم سے کم دو زندہ بھارتی کمانڈوز موجود ہیں۔''

کیپٹن چونکا۔ ''کچھ مارے بھی گئے ہیں؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''کم سے کم چھ مارے گئے ہیں اور افسوس ناک خبر یہ ہے کہ کرنل کا اردلی شاکر شہید ہو گیا ہے۔''

کیپٹن کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے میری بات پر کسی قدر یقین آ گیا تھا لیکن اس نے میرے ہاتھ پشت پر بندھوا کر ایک جیپ میں سوار کر دیا تھا۔ میرے اوپر ایک سپاہی لگا کر باقی پارٹی کرنل کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ پوری طرح مسلح اور ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے پوچھنے کا موقع نہیں ملا کہ آرمی کو کیسے پتا چلا کہ کرنل کی کوٹھی میں کچھ ہوا ہے۔ یہ سوال میں نے سپاہی سے کیا۔ اس نے مجھے گھرک دیا۔

''چپ کر کے بیٹھو۔''

''بھائی میں بھی پاکستانی ہوں آج ہی پانچ انڈین میرے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ میں کرنل ضیاالدین کا مہمان بھی ہوں۔''

میرے یہ کارنامے سن کر سپاہی کسی قدر نرم پڑ گیا اس نے کہا۔ ''کرنل صاحب زخمی حالت میں چوکی تک پہنچے تھے؟''

''کرنل صاحب زندہ ہیں۔'' میں نے خوشی سے کہا۔ ''ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں وہ اکیلے اور پیدل تھے بہت زخمی تھے ہمت کر کے کسی طرح چوکی تک پہنچ گئے۔''

یہ سن کر میری خوشی کا فور ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ کرنل صاحب زخمی اور مردہ بھارتیوں کو لے کر آرمی چوکی تک پہنچ گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کی راستے میں بھارتیوں سے مڈبھیڑ ہوئی تھی اور انہوں نے اپنے آدمی واپس حاصل کر لیے تھے۔ جھڑپ میں کرنل صاحب زخمی ہوئے تھے لیکن کسی طرح بچ کر چوکی تک پہنچنے میں کامیاب رہے تھے۔ کیپٹن کے ساتھ کل آٹھ سپاہی تھے جن میں سے ایک میرے ساتھ تھا باقی آٹھ افراد مشکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پڑ جاتے اگر کوٹھی میں موجود تمام بھارتی زندہ ہوتے مگر اب کیپٹن کے لیے رسمی کارروائی باقی رہ گئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد وہاں مزید کمک پہنچ گئی تھی۔ اس بار آنے والے انٹیلی جنس سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ظاہر ہے معاملات میں ہمیں بھی شامل تھا۔ مجھے جیپ سے اتار کر ایک بڑی جیپ میں بٹھایا گیا لیکن [illegible] ہاتھ کھول دیئے تھے اس کا مطلب تھا کہ اب میں مشکوک نہیں رہا تھا لیکن فی الحال مجھے جانے کی اجازت بھی نہیں مل سکتی تھی۔

بڑی جیپ میں [illegible] دس منٹ بعد ایک کسی قدر بھاری جسامت کا شخص اندر آیا اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''مسٹر شہباز ملک [illegible] لم لگے میجر آدم کہہ سکتے ہو۔''

وہ سادہ لباس میں تھا اور لازمی بات تھی اس کا نام بھی اصلی نہیں تھا وہ انٹیلی جنس سے تھا اور اپنی شناخت ظاہر نہیں کر سکتا تھا لباس اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے واقف ہے۔ کم سے کم نام سے زیادہ ہی واقف تھا۔ میں نے پہلا سوال اپنی حیثیت کے بارے میں کیا۔ ''کیا میں سرکاری تحویل میں ہوں؟''

''[illegible] تم ہمارے مہمان ہو۔'' وہ مسکرایا۔ ''تمہاری وجہ سے ہم بہت اہم جاسوسوں تک پہنچنے میں کامیاب [illegible] ہیں۔''

''جاسوس نہیں انڈین کمانڈوز ہیں۔'' میں نے تصحیح کی۔

''درست ہے یہ تمہیں مارنے آئے تھے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''بھارتی حکومت میرے درپے ہو رہی ہے۔''

میجر آدم کے پاس میرے لیے یقیناً بہت سارے سوالات تھے لیکن ابھی ہم باہر تھے اور اسے بہت سارے معاملات نمٹانا تھے وہ وہاں مصروف ہو گیا اور میں گاڑی میں بیٹھا انتظار کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ شام تیزی سے اتر رہی تھی۔ مزید آدھے گھنٹے بعد معاملات کو سول حکام کے حوالے کر کے میجر آدم واپس آیا اور ہم لوگ یہاں سے روانہ ہوئے۔ میں کرنل کی حالت کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا لیکن میجر آدم کو بھی فی الحال کچھ نہیں معلوم تھا اس نے مجھے تسلی دی۔ ''ہیڈ کوارٹر پہنچ کر پتا چل جائے گا۔''

میں نے اسے شاکر کے بارے میں بتایا تو وہ بھی متاثر نظر آنے لگا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ روانگی کے کچھ دیر بعد تاریکی چھانے لگی تھی اور جب ہم ایک پھیلی ہوئی دو منزلہ عمارت تک پہنچے تو رات مسلط ہو چکی تھی۔ یہ شاید کسی آرمی تنصیب کا کوئی حصہ تھا جو انٹیلی جنس والوں کو دیا ہوا تھا۔ مجھے ایک سادہ لیکن صاف ستھرے اور آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اندر درجہ حرارت بھی معتدل تھا۔ مجھے کمرے تک پہنچانے والے نے شائستہ لہجے میں بتا دیا کہ میں قیدی نہیں تھا لیکن مجھے بلاوجہ کمرے سے نکلنے سے گریز کرنا ہو گا کسی بھی ضرورت کے لیے کمرے میں انٹر کام موجود تھا میں ایک بٹن دبا کر بات کر سکتا تھا۔ میں نے سب سے پہلے کافی طلب کی اور پھر میجر آدم سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مجھے بتایا گیا کہ کافی دس منٹ میں آ جائے گی اور وہاں میجر آدم نام کا کوئی شخص نہیں تھا۔

لیکن کافی کے ساتھ میجر خود آ گیا۔ ''تم نے مجھ سے ملاقات کی بات کی تھی۔''

''ہاں مگر یہاں تو کوئی میجر آدم نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم سب آدم ہیں۔'' اس نے شرمندہ ہوئے بغیر فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''اور میجر صرف میں ہوں اس لیے میجر آدم ہوں۔''

میں نے کافی کا سپ لیا۔ ''میجر تم لوگ کتنی دیر میں اپنی تحقیق مکمل کرلو گے اور مجھے جانے کی اجازت مل جائے گی؟''

''اس میں شاید ایک مہینہ لگ جائے گا۔'' اس نے کہا تو میں نے بے یقینی سے اسے دیکھا لیکن وہ مکمل سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

''میجر تم سنجیدہ ہو، ہماری پولیس بھی ایک رات میں سب معلوم کرلیتی ہے جسے آگے بھی جواب دینا ہوتا ہے اور تمہیں تو کہیں جواب دہی بھی نہیں کرنی ہوتی ہے۔''

''اسی لیے ہمیں زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔'' وہ بولا۔ ''ہم پر ویسے بھی الزام لگانا بہت آسان اور فیشن بن گیا ہے۔'' اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

''میں اپنی بات کررہا ہوں۔'' میں نے اسے ٹوک دیا۔ ''دیکھو میں نے تمہاری مدد کی ہے۔ بھارتیوں کا یہ گروپ نہ جانے کب سے یہاں سرگرم عمل تھا۔''

''تم نے خود کو بچایا ہے۔'' اس نے چالاکی سے کہا۔

''ہاں پہلی بار بچایا تھا لیکن دوسری بار میں نے خود پنگا لیا میں برداشت نہیں کرسکا کہ میری سرزمین پر بھارتی یوں دندناتے پھریں اور میں جانتے بوجھتے آنکھیں بند کرلوں ورنہ میں اب تک اسلام آباد جاچکا ہوتا۔ تم لوگ اچھا صلہ دے رہے ہو۔''

وہ مستعد ہوگیا۔ ''سوری میں مذاق کررہا تھا۔ ہمارے ہاتھ دو زندہ بھارتی لگے ہیں اور ان سے پوچھ گچھ جاری ہے۔''

''کرنل نے تمہیں ملک مقیم کے بارے میں بتایا ہوگا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اسی کے ڈیرے پر چھاپے سے ہمیں پتا چلا کہ بھارتی کرنل کی کوٹھی کی طرف گئے ہیں وہاں سے ہم نے کئی مقامی غدار پکڑے ہیں۔ اسلحہ اور غیر ملکی کرنسی بھی بڑی مقدار میں نکلی ہے۔''

''میرے خیال میں تمہیں بھارتی روپیہ یا ڈالرز کہتے ہوئے ہچکچانا نہیں چاہیے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''ملک کا ہر شخص جانتا ہے کہ ملک میں کیا ہورہا ہے اور اس میں کون کون ملوث ہے۔''

میجر آدم نے سرد آہ بھری۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ہماری مجبوریاں شدید نوعیت کی ہیں۔ بہرحال جو ہمارے ہاتھ آجائے ہم اسے چھوڑتے نہیں ہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے ملک کے لوگوں کو بہت قربانیاں دینی پڑ رہی ہیں لیکن کوئی ملک قربانی دیئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔''

''مگر قربانی ہمیشہ نچلے درجے کے لوگوں کی کیوں لی جاتی ہے۔''

''کیونکہ اوپر والے اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ ان سے قربانی لے۔'' میجر آدم نے یہ بات اتنی سنجیدگی سے کہی کہ میں خود کو لاجواب محسوس کرنے لگا۔ اس لیے میں نے بات بدل دی۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم آزاد ہو زیادہ سے زیادہ کل صبح تک یہاں سے جاسکو گے۔''

اس نے شکر ادا کیا۔ ''ٹھیک ہے کل صبح ہی سہی لیکن کیا میں یہاں سے اپنے دوستوں کو کال کرسکتا ہوں وہ میرے بارے میں فکرمند ہوں گے۔''

اس نے کچھ سوچا اور پھر سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے کافی پی لو پھر چلتے ہیں۔''

میں خالی تم ہونے والی تھی۔ میں نے مگ خالی کر کے تپائی پر رکھا اور کھڑا ہو گیا۔ میجر آدم مجھے ایک کمرے میں لایا جو بظاہر کنٹرول روم لگ رہا تھا۔ اس نے ایک فون اٹھا کر مجھ سے نمبر اور نام پوچھا۔ میں نے عبداللہ کا نام اور اس کی کوٹھی کا نمبر بتا دیا۔ اس نے نمبر ڈائل کیا اور رابطہ ہونے پر عبداللہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چند لمحے بعد عبداللہ لائن پر تھا۔ میجر نے اس سے کہا۔ ''مسٹر شہباز ملک تم سے بات کرنا چاہیں گے۔''

اس نے ریسیور ہاتھ سے دبا کر میری طرف دیکھا۔ ''تم یہاں کے معاملات کے بارے میں کوئی بات نہیں کرو گے۔''

میں نے سر ہلایا تو اس نے ریسیور مجھے دے دیا۔ ''شہباز صاحب۔'' عبداللہ کہہ رہا تھا۔

''عبداللہ۔'' میں نے مشکل سے کہا۔ ''تم کیسے ہو باقی سب کیسے ہیں۔''

''ہم ٹھیک ہیں لیکن آپ کہاں ہیں ہم سب بہت پریشان ہیں وسیم اور ایاز آپ کی تلاش میں ناروران ایریا جا رہے ہیں۔''

''میں ٹھیک ہوں یار انہیں روک لو۔ میں ان شاء اللہ کل تک پہنچ جاؤں گا۔''

''آپ نے پہلے بھی یہی کہا تھا۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''پہلے دشمنوں کی تحویل میں تھا لیکن اب دوستوں کی تحویل میں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم فکر مت کرو میں کل آجاؤں گا یا دیر ہوئی تب بھی تم سے رابطہ رکھوں گا۔''

اس دوران میں وسیم بھی آگیا تھا میں نے اس سے کچھ دیر بات کی اور اسے تسلی دی۔ ڈھکے چھپے انداز میں وہاں کے معاملات کے بارے میں پوچھا تو اس نے گول مول سے انداز میں جواب دیا۔ ''یہاں بہت کچھ ہو چکا ہے ہم نے کئی کامیابیاں حاصل کی ہیں آپ آئیں تو آپ کے سامنے رکھتے ہیں لیکن اب آپ کا آنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔''

''میں جلد آؤں گا اور سنو اس لائن سے زیادہ دیر بات نہیں کرسکتا ہوں باقی سب کو میری خیریت کی اطلاع کر دینا۔'' میں نے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ میجر نے مجھ سے ریسیور لے لیا۔

''تھینکس۔'' اس نے کمرے سے باہر آکر کہا۔

''کس بات کا؟''

''کہ تم نے وعدے کے مطابق یہاں کے معاملات کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ یونو یہاں لائن پر چیک ہوتا ہے اور ہم ایک حد سے زیادہ کال نہیں کرسکتے کیونکہ لائنیں محدود ہیں اور ان پر بوجھ بہت زیادہ ہوتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اب تک میجر آدم کو بھارتیوں کی پہلی کوشش کے بارے میں نہیں بتایا تھا جس میں ایک ہیلی کاپٹر اور دو بھارتی کام آئے تھے ان کی لاشیں اور چوپر کا ملبہ پاکستان کی حدود میں موجود تھا۔ پہلے میرا ارادہ زبان بند رکھنے کا تھا لیکن مجھے خیال آیا کہ بھارتیوں نے اس بارے میں پھوٹ دیا تو میجر آدم کو بجا طور پر شک ہو جائے گا کہ میں نے ان سے یہ بات کیوں چھپائی۔ ممکن ہے اس سے میری کل صبح روانگی خطرے میں پڑ جائے دوسری طرف بتانے میں ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ اس بارے میں بھی انکوائری شروع ہو جائے اور مجھے تب تک کے لیے یہاں روک لیا جائے یا معاملہ اوپر کی سطح تک چلا جائے اور معاملات نمٹنے تک میری رہائی ملتوی کر دی جائے۔ دوسرا خطرہ ہلکی نوعیت کا تھا اس میں تاخیر ہو سکتی تھی لیکن ان لوگوں کو مجھ پر کسی قسم کا شک نہیں ہوتا۔ اس لیے میں نے میجر آدم کو بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم کمرے میں واپس آئے تو میجر نے میرے تاثرات سے بھانپ لیا۔

''کیا بات ہے تم پریشان لگ رہے ہو؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''ایک بات کا میں نے ابھی تک ذکر نہیں کیا ہے۔''

''بھارتیوں سے متعلق ہے؟''

''ہاں..... انہوں نے مجھے پہلے بھی اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔'' میں نے کہا پھر فتح خان اور کرنل کو واضح طور پر درمیان میں لائے بغیر میں نے تمام واقعات سچائی کے ساتھ بیان کر دیئے تھے۔ میجر غور سے سن رہا تھا۔ اس نے درمیان میں سوالات نہیں کیے تھے لیکن جب میں نے بات مکمل کی تو اس نے سوالات شروع کیے اور تب مجھے صحیح معنوں میں اندازہ ہوا کہ اس کا تعلق انٹیلی جنس سے ہے۔ اس نے پوچھا کہ میں نے دوا کے زیر اثر ہونے کے باوجود بھارتیوں پر کس طرح سے قابو پا لیا میں کرنل زریسکی اور فتح خان کے گٹھ جوڑ اور چالاکی کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا جو انہوں نے مجھے بچانے کے لیے کی تھی۔ فتح خان کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں کیا تھا اور کرنل زریسکی کا ذکر ایک ناواقف شخص کے طور پر کیا تھا جسے میں نے پہلی بار دیکھا ہو لیکن میجر نے میرے بیان میں کمزوری تلاش کر لی تھی اور اسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ جسمانی طور پر کمزور ہونے کے باوجود میں نے دو بھارتیوں پر قابو پا لیا تھا۔

میں نے دوبارہ کرنل والے کیبن میں واپسی کی بات بھی گول کر دی تھی ورنہ مجھے اس کے مزید کئی سوالات کا جواب دینا پڑتا۔ میں نے اپنا بیان یہاں تک محدود رکھا تھا کہ جہاں چوپر کریش ہوا وہاں سے میں نے ایک وین چرائی اور بھاگ نکلا مگر راستے میں مجھے بھارتی فکر گئے جو میری تلاش میں تھے۔ میں علاقے سے ناواقف ہونے کی وجہ سے بھٹک رہا تھا اور انہوں نے مجھے گھیر لیا اس کے بعد جو ہوا وہ میں نے جوں کا توں بیان کر دیا تھا۔ اب میجر آدم یقین نہیں کر رہا تھا تو یہ اس کی مرضی تھی۔ میں نے زندہ اور مردہ بھارتی ان کے حوالے کر دیئے تھے اور وہ ان سے سچائی اگلوا سکتے تھے۔ بہر حال میں مجرم نہیں تھا جس سے وہ بہر صورت سچائی اگلوانے کا اختیار رکھتا تھا۔

میجر نے میرا بیان ریکارڈ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن میرا اندازہ تھا کہ اس کمرے میں ہونے والی ہر بات ریکارڈ ہو رہی تھی۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد مجھے رات کا کھانا مہیا کر دیا گیا اور یہ اچھے معیار کا لذیذ کھانا تھا جس میں مقدار کا بھی خیال رکھا گیا تھا۔ کھانا کھا کر میں بہت دن بعد بے فکری کی نیند سویا تھا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میجر آدم سے درخواست کی تھی کہ مجھے کرنل ضیاالدین کی حالت سے باخبر کیا جائے۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ جیسے اس تک ان کے بارے میں کوئی اطلاع آئے گی وہ مجھے بتائے گا کرنل ضیاالدین کو نزدیک ترین سی ایم ایچ منتقل کر دیا گیا تھا اسے پیٹ اور ران پر دو گولیاں لگی تھیں اور وہ اس حالت میں بھارتیوں کی قید سے فرار ہو گیا تھا۔ اس کا ہمت اور حوصلہ قابلِ تعریف تھا۔ اس نے ثابت کر دیا کہ شیر بوڑھا ہونے کے باوجود شیر ہی ہوتا ہے۔ اس کا جسم کمزور ہوتا ہے لیکن اسے حملہ کرنے کے گُر آتے ہیں۔

میں رات تو بجے سویا تھا اور صبح چھ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے کے ساتھ ایک چھوٹا سا واش روم تھا۔ میں نے گرم پانی کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غسل کیا اور پھر انٹر کام پر کافی اور ناشتہ طلب کیا۔ سات بجے میں نے میجر آدم سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ ابھی دفتر میں نہیں ہے۔ میں نے کہہ دیا کہ اس کے آتے ہی میری درخواست اس تک پہنچا دی جائے۔ میرے پاس صبر سے انتظار کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا لیکن اس دن مجھے پتا چلا کہ دشمن کی قید سے زیادہ دوستوں کی تحویل میں وقت گزارنا زیادہ مشکل ہوتا ہے جب آپ اپنی مرضی کرنے کے لیے آزاد نہیں ہوتے اور اپنی مرضی بھی کرنا چاہتے ہو۔ وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا گھڑی کی سوئیاں جیسے اپنی جگہ اٹک کر رہ گئی تھیں آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔

میں نے وقت گزاری کے لیے اپنا آزمودہ نسخہ آزمایا۔ دس بجے میں نے ورزش کی اور بارہ بجے دوبارہ کھانا طلب کیا۔ ایک بجے جب میں دفتر میں موجود کسی اور آفیسر سے بات کرنے کا سوچ رہا تھا تو میجر آدم آ گیا۔ اس نے آتے ہی معذرت کی۔ ''سوری یار تمہارے چکر میں دیر ہو گئی۔''

''میرے چکر میں.....؟'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''میں تو یہاں بندھا بیٹھا ہوں۔''

''بھائی تمہاری رپورٹ بھی تو کرنی تھی۔'' اس نے ملائمت سے کہا۔ ''میں اپنی صوابدید پر تمہیں اپنی تحویل میں لے سکتا ہوں لیکن اپنی صوابدید پر چھوڑ نہیں سکتا۔ اس کے لیے مجھے اتھارٹیز کے سامنے تمہارا سارا کیس رکھنا پڑا اور کئی گھنٹے تک ان سے سر کھپانا پڑا تب کہیں جا کر تمہاری گلو خلاصی کے آرڈر حاصل کیے۔ ویسے اب مجھے پتا چلا ہے کہ تمہاری تو بہت لمبی چوڑی فائل ہمارے پاس موجود ہے اور اس میں تمہارے بہت سارے کارنامے درج ہیں۔''

''وہ کارنامے جو پولیس کی ایف آئی آرز میں لکھے گئے ہیں۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

''وہ بھی ہیں لیکن ہماری توجہ کا مرکز وہ کارنامے ہیں جو تم نے انڈیا میں سرانجام دیئے تھے اور اس کے بعد تم چین میں بھی رہے ہو۔''

''یہ درست ہے۔''

میجر آدم کچھ سوچنے لگا جیسے کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔ ''پچھلے دنوں چینی حکام کی جانب سے پاکستانی حکام کو ایک درخواست موصول ہوئی کہ ان کا ایک نہایت کانفیڈینشل بریف کیس پاکستان میں کہیں موجود ہے اور پاکستانی حکام اس کی تلاش میں ہماری مدد کریں۔''

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے تم پر اس سلسلے میں کوئی الزام نہیں ہے لیکن چینیوں نے ہمیں کچھ تصاویر دی ہیں کچھ افراد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھارت کی طرف سے سرحد عبور کر کے غیر قانونی طور پر چین میں داخل ہوئے اور انہوں نے ایک لڑکی کو چینی حکام کی تحویل میں دیا تھا۔ بعد میں ان افراد کو چین میں ایک اور جگہ منتقل کیا جا رہا تھا کہ ہیلی کاپٹر بھارت کی طرف سے فائر کیے جانے والے میزائل کا نشانہ بن گیا۔ اس حادثے میں چین کے کئی فوجی اور ٹاپ فوجی آفیشلز مارے گئے لیکن جن افراد کو منتقل کیا جا رہا تھا ان کی لاشیں کہیں نہیں ملی تھیں۔ اسی پرواز میں وہ بریف کیس بھی تھا جو غائب پایا گیا چوپر کے ملبے کے آس پاس اس کا بھی کوئی نام و نشان نہیں ملا تھا۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے میں نے دل کڑا کر کے پوچھ لیا۔ ''میجر آدم تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟''

''کیونکہ ہمیں جو تصاویر دی گئی تھیں ان میں سے ایک تصویر تمہاری بھی تھی۔''

''میں کبھی چینی حکام کی تحویل میں نہیں رہا۔'' میں نے فوراً انکار کر دیا۔ ''اس شخص کی صورت مجھ سے ملتی ہوگی۔''

میجر بغور مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ''میں نے بھی وہ تصویر دیکھی ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو وہ شخص تم سے حیرت انگیز حد تک ملتا ہے لیکن وہ تم نہیں ہو۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''اس اعتماد کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن یہ بتاؤ کہ میرے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے میں واپس جانے کے لیے بے تاب ہوں۔''

''تم جا سکتے ہو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن تمہیں کسی ایسے شخص کا پتا اور فون نمبر دینا ہوگا جس کی مدد سے ہم بہ وقت ضرورت تم سے رابطہ کر سکیں۔''

''میں نے جس نمبر پر کال کی تھی اور عبداللہ نامی شخص سے بات کی تھی یہی میرا رابطہ کار ہوگا۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

میجر آدم واضح طور پر میرا فیور کر رہا تھا۔ ورنہ یہ بات تو سامنے کی تھی کہ چینی حکام نے جو تصویر دی تھی وہ میری ہی تھی۔ یہ اونچے درجے کے سفارتی معاملات تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ چینی حکام نے کس نوعیت کی درخواست کی تھی اور پاکستانی حکام نے اس پر کیا ردعمل ظاہر کیا تھا۔ اگر یہ ردعمل چینی مطالبے کے مطابق ہوتا تو میری اتنی آسانی سے رہائی ممکن نہیں تھی۔ شاید کوئی سفارتی ڈیڈ لاک تھا۔ میجر مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''ایک گاڑی تمہیں سوات میں ایک گیسٹ ہاؤس تک پہنچائے گی۔ وہاں تم رات کو قیام کرو گے اور کل صبح یہی گاڑی تمہیں اسلام آباد پہنچا دے گی۔''

''پکڑے جانے والے بھارتیوں کا کیا ہوا؟''

''یہ معاملہ اوپر تک چلا گیا ہے اور ہمیں اس بارے میں علم نہیں ہے۔''

''کرنل کی حالت کیسی ہے؟''

''بہتر ہے اس کا آپریشن کر کے گولیاں نکال دی گئی ہیں۔ اسے صحت یاب ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔''

''اسے شاکر کے بارے میں علم ہے؟''

''ہاں وہ بہت شور کر رہا تھا اس لیے مجبوراً اسے بتانا پڑا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

[illegible] ہے بہرحال یہ ایسی بات نہیں تھی کہ کرنل سے چھپائی جاسکتی۔ شاکر شہید ہوا ہے مجھے امید [illegible] برداشت کرلے گا۔"

"[illegible] ہے۔" میجر آدم کھڑا ہوگیا۔ "تم نے کھانا کھالیا؟"

"ہاں میں کھا چکا ہوں۔"

"[illegible] پارکنگ میں ایک چھوٹی دو سیٹوں والی ملٹری جیپ موجود تھی۔ ایک وردی پوش ڈرائیور پہلے [illegible] ثاقب حسن ہے۔ تم اس میں جاؤ گے۔"

[illegible] خون کا سامنا کیا۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا اگر مجھے خود سے جانا پڑتا تو میں خالی ہاتھ تھا۔ کرنل [illegible] میں نے صرف اسلحہ لیا تھا اور مال غنیمت میں ان دونوں کا مال چھوڑ دیا تھا حالانکہ دونوں کے پاس [illegible] تھی۔ ثاقب حسن نے گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ "سر آپ فکر نہ کریں اسلام آباد تک کوئی پریشانی نہیں ہوگی سارا راستہ میرا ہاتھ کی طرح دیکھا بھالا ہے۔"

"کیا ہم نان اسٹاپ نہیں جاسکتے؟"

"نہیں اسٹاپ ملے ہے۔" میجر آدم نے کہا۔ "اسے سوات میں رپورٹ کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سرد آہ بھری۔

میجر آدم نے مجھے سینے سے لگایا۔ "اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے اور دشمنوں کے عزائم ناکام بنائے۔"

"تم جیسے پُرخلوص لوگ ہوں اور ان کی دعائیں ہوں تو آدمی کامیاب ہی رہتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر زندگی رہی اور موقع آیا تو ہم پھر ملیں گے۔"

"ان شاء اللہ۔" اس نے کہا تو میں اچک کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"یہ تمہارے لیے کچھ چیزیں ہیں۔" میجر آدم نے ایک چھوٹا سا شاپر پکڑا دیا۔ "کھانے کا سامان اور کافی کا تھرماس بھی ساتھ ہے ضرورت پڑے تو ثاقب سے کہہ دینا۔"

"شکریہ دوست۔" میں نے کہا اور شاپر لے لیا میں نے پوچھا نہیں کہ اس میں کیا تھا۔ جب جیپ پارکنگ سے نکل کر سڑک پر آئی تو میں نے سیٹ پیچھے کرلی اور سر ٹکا کر اونگھنے لگا۔ ثاقب اس دشوار پہاڑی علاقے میں بھی اتنی ہموار ڈرائیونگ کررہا تھا کہ مجھے نیند آگئی۔ میں سویا ہوا تھا کہ ثاقب نے جیپ روک دی۔ ہلکے سے دھچکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ "کیا ہوا ثاقب کیوں رک گئے ہو؟"

"انجن گرم ہوگیا ہے اسے آرام دے رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا اور نیچے اتر آیا میں بھی نیچے آگیا۔ جیپ سڑک کے کنارے ایک آبشار سے ذرا فاصلے پر کھڑی تھی ثاقب حسن کین لے کر گیا اور اس میں تازہ پانی بھر لایا۔ اس نے ریڈی ایٹر میں سرد پانی ڈالا۔ میں نے آبشار تک جاکر یہ سرد پانی پیا اس کے بعد ثاقب نے ہاٹ پاٹ سے سینڈوچز اور تازہ بیک کیے ہوئے کیک پیس نکالے اور کافی کے ساتھ سرو کیے۔ سردی تھی اور پانی کی قربت میں زیادہ سردی تھی لیکن ہم اسے انجوائے کررہے تھے۔ سوات کی طرف جاتے ہوئے موسم بہتر ہورہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے ثاقب سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آج تاریخ کیا ہے؟''

اس نے کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا پھر بولا۔ ''تین مارچ ہے سر۔''

گویا مجھے غائب ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ کا وقت ہو چکا تھا۔ میں سوچ سکتا تھا کہ میرے پیاروں اور چاہنے والوں پر کیا گزری ہوگی میری اس گمشدگی کے دوران۔ میں سوات کے آرمی گیسٹ ہاؤس میں کال کر کے ان لوگوں سے بات کر سکتا تھا۔ کافی نے ہمیں تازہ دم کر دیا تھا اور سرد پانی نے جیپ کے انجن کو ٹھنڈا ٹھار کر دیا تھا۔ اس کے بعد دو گھنٹے کا سفر مزید تھا۔ سڑک بہت اچھی نہیں تھی لیکن بہت خراب بھی نہیں تھی اصل بات یہ تھی کہ ثاقب حسن بہت اچھا ڈرائیور تھا اور ملٹری جیپ بہترین حالت میں تھی اس لیے اس سفر کا پتا ہی نہیں چلا تھا اور ساڑھے سات بجے ہم آرمی گیسٹ ہاؤس کی خوب صورت عمارت کے اندر موجود تھے۔ ثاقب حسن نے ریسیپشن پر ایک کاغذ پیش کیا جس کے بعد مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

ایک وردی پوش ویٹر نے مجھے اس صاف ستھرے اور سجے ہوئے کمرے میں پہنچایا جو میرے لیے مختص کیا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ڈنر ٹائم آٹھ سے دس تک ہوتا ہے اگر میں میس میں نہ کھانا چاہوں تو کمرے میں بھی سرو ہو سکتا ہے میں نے اس سے کہا۔ ''میں ساڑھے آٹھ بجے کمرے میں کھانا پسند کروں گا لیکن اس سے پہلے مجھے کچھ کالز کرنی ہیں۔''

''ایکسٹینشن موجود ہے آپ آپریٹر سے کہہ کر کہیں بھی کال ملوا سکتے ہیں۔'' ویٹر نے بتایا اور رخصت ہو گیا۔ مجھے خفت محسوس ہوئی میرے پاس کچھ تھا ہی نہیں جو میں اسے ٹپ میں دیتا اور اس نے بھی ایسا ظاہر نہیں کیا جیسے وہ ٹپ کے انتظار میں تھا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے اس شاپر کا خیال آیا جو میجر آدم نے دیا تھا۔ اس میں کوئی کپڑے جیسی چیز تھی میں نے اسے کھولا تو اندر سے ایک نیوی بلو پتلون اور رائل بلو کلر کی فل سلیو جرسی برآمد ہوئی تھی۔ یہ یہاں کے موسم کے لحاظ سے نہیں تھی لیکن اسلام آباد میں یہ یقیناً کام آتی۔ میں نے جرسی اٹھائی تو اس کی تہہ سے ایک چھوٹا سا لفافہ باہر گرا میں نے اسے کھولا تو اندر پانچ سو روپے مالیت کے پانچ نوٹ تھے۔ ایک چھوٹا سا نوٹ بھی تھا۔

''ایک دوست اور بھائی کی طرف سے خلوص کے ساتھ۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہ اللہ کا احسان تھا کہ اس نے مجھے بنا چاہے اتنے اچھے اور پُرخلوص دوست عطا کیے تھے۔ کمرے میں چھوٹا سا اور سادہ فون سیٹ موجود تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر صفر دبایا تو فوراً آپریٹر کی آواز آئی۔ ''یس سے آئی ہیلپ یو سر۔''

''پلیز مجھے کچھ کالز کرنی ہیں۔''

''فرسٹ نمبر پلیز سر۔''

میں نے اسے پہلا نمبر سویرا کا دیا۔ یہ موبائل نمبر تھا آپریٹر نے کال ملائی اور پھر کمرے میں ٹرانسفر کر دی۔ سویرا نے ہیلو کہا تو میرا دل دھڑکا تھا۔

''کون بات کر رہا ہے؟''

''بوجھو تو جانیں.....'' میں نے جان بوجھ کر ذرا بھاری آواز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''[illegible]''

''تم نے بتایا نہیں۔'' وہ بے تاب ہوگئی۔

''تم نے بتایا نہیں۔''

''ہاں آپ کہاں غائب ہوگئے تھے سب اتنا پریشان تھے۔ میں صبح شام عبداللہ بھائی کو کال کر رہی تھی۔''

''تمہیں پتا تو چل گیا ہوگا کہ میں مشکل میں پڑ گیا تھا لیکن اب میں آزاد ہوں۔''

''آپ کو دشمن لے گئے تھے؟''

''ہاں فتح خان اور کچھ دوسرے دشمنوں کی قید میں تھا لیکن اللہ کی مہربانی سے اب آزاد ہوں اور اللہ نے چاہا تو کل تک اسلام آباد پہنچ جاؤں گا یہ بتاؤ تم کیسی ہو؟''

یک دم اس کی آواز بھیگ گئی۔ ''آپ کے بغیر کیسی ہو سکتی ہوں۔''

''میری جان..... یہ جدائی بس چند دن.....''

''مجھے جھوٹی تسلی نہ دیں میں صبر سے انتظار کر رہی ہوں مجھے صبر ہی کرنے دیں۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے لیکن مجھے پوری امید ہے وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے۔''

کچھ دیر سویرا سے بات کی پھر ماں جی آگئیں ان سے بات کی بابا کو سلام دینے کو کہا وہ حویلی کے پیچھے والی زمین ہموار کروا رہے تھے اور اسی سلسلے میں باہر تھے۔ پھر میں نے وسیم کا موبائل نمبر ملوایا۔ وہ میری آواز سن کر خوش ہوگیا۔ اس نے شکوہ کیا۔ ''آپ نے کہا تھا آج آجائیں گے؟''

''ہاں یار بس کچھ مسئلے ہوگئے تھے بہرحال اب میں راستے میں ہوں اور اللہ نے چاہا تو کل تک تم لوگوں کے پاس ہوں گا۔''

''آپ کہاں ہیں..... یہ لائن محفوظ ہے؟''

''میں آرمی گیسٹ ہاؤس سوات میں ہوں اور یہاں کی لائن کے بارے میں تم خود سوچ سکتے ہو کتنی محفوظ ہوگی۔''

وسیم سمجھ گیا تھا کہ کوئی بات کھل کر نہیں کرنی ہے اس نے گول مول انداز میں کہا۔ ''آپ کی عدم موجودگی میں یہاں پیش رفت ہوئی ہے۔ ایک تو بیوٹی پارلر والی ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے تیار ہوگئی ہے۔''

میں سمجھ گیا وہ کال گرل ثمینہ کی بات کر رہا تھا جو نادر کے پاس جاتی رہتی تھی۔ ''یہ تو اچھی خبر ہے اپنے بنے میاں کا کیا حال ہے سنا ہے بے چارے وہیل چیئر پر آگئے ہیں۔''

''ان کے بارے میں بتا رہا تھا ان کے لیے اسپتال میں الگ کمرہ حاصل کر لیا ہے آپ آجائیں تو ان کو شفٹ کر دیں۔''

''باقی سب کا کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہے مانی اور بیتو بہت یاد کرتے ہیں اپنے سفیر بھائی نے دونوں کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔''

''وہ دونوں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر پا رہے ہیں؟'' میں ہنسا۔ ''اپنے پیر صاحب اور خان صاحب کے بارے میں کچھ پتا چلا؟''

''پیر صاحب کا آپ کو پتا ہے خان صاحب منظرِ عام سے غائب ہیں لیکن وہ خان صاحب کی محرم راز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاتون پھر یہیں دیکھی گئی ہیں۔''

وہ شہلا کا ذکر کر رہا تھا۔''وسیم کس نے دیکھا تھا؟''

''عبداللہ نے..... سگنل پر اتفاق سے دیکھ لیا وہ مخالف لائن میں تھی اس کا سگنل جلد کھل گیا تھا۔ خیر عبداللہ نے گاڑی کو نوٹ کر لیا تھا۔ اب اسے تلاش کیا جا رہا ہے۔''

''وسیم یہ بہت ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔''وہ کسی بڑے چکر میں ہے اور خان صاحب سے اس کا گٹھ جوڑ بہت آگے جا چکا ہے۔ وہ دونوں مجھ سے کچھ چھپانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔''

''آپ کے آنے تک اس کا سراغ لگ جائے گا۔'' وسیم نے کہا۔

وسیم سے بات کر کے میں نے سفیر کو کال کی اس کا نمبر یاد نہیں تھا اس لیے وسیم سے لے لیا۔ سفیر نے مجھے گالیاں دیں اور دھمکی دی کہ اب میں واپس آیا تو وہ مونا کو لے کر کہیں غائب ہو جائے گا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔''تو اکیلا جائے گا مونا نہیں جائے گی۔''

وہ مزید بھنا گیا تھا۔''ہاں تمہاری چچی جو ہے۔''

''بیٹے تم نے بہت حرام خوری کر لی ہے تیار ہو جاؤ کام کے لیے کل مابدولت تشریف لا رہے ہیں۔''

''پھر کہیں اچانک غائب ہو جانے کے لیے۔'' اس نے طنز کیا۔

''غائب ہو کر بھی میں کام ہی کرتا ہوں تم کیا کرتے ہو۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔''دونوں بچے کہاں ہیں؟''

''کمپیوٹر سے لگے رہتے ہیں۔ مانی نے بیتو کو بھی بہت تیز کر دیا ہے دونوں سارا دن نہ جانے کہاں کہاں سے کھانے کی چیزیں منگاتے ہیں اور اسٹڈی میں بیٹھ کر کھا جاتے ہیں۔'' اس نے شکوہ کیا۔''بل مجھے ادا کرنا پڑتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں یار بچے ہیں کھائیں پییں گے نہیں تو کیا کریں گے۔'' میں نے کہا۔

سویرا اور دوسرے لوگوں سے بات کر کے مجھے وہ سکون ملا تھا جس سے میں ایک ہفتے سے نا آشنا تھا۔ کمرے میں ٹی وی بھی تھا۔ میں نے مزید وقت گزاری کے لیے ٹی وی آن کر لیا۔ ساڑھے آٹھ بجے وہی ویٹر آیا تھا اس نے کھانے کا آرڈر لیا اور چلا گیا میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا حالانکہ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی طویل سفر میں ذرا بھی گرد مٹی نہیں پڑی تھی اور میں سر سے پاؤں تک صاف ستھرا تھا۔ پھر بھی کھانے سے پہلے عادت کے مطابق منہ ہاتھ دھو لیا۔

کھانے کے بعد میں نے چائے منگوائی۔ اس بار جب ویٹر برتن لینے آیا تو میں نے اسے پانچ سو نپ پیش کی وہ خوش ہو کر گیا تھا۔ میں ٹی وی دیکھتے ہوئے چینل گھما رہا تھا کہ ایک جگہ رک گیا۔ اس انگریزی چینل سے ایشیا کے بارے میں ایک سیاسی تجزیہ پیش کیا جا رہا تھا۔ اس میں اس خطے میں جاری بڑی طاقتوں کے درمیان گریٹ گیم پر بات ہو رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے مجھے اس بریف کیس کا خیال آیا جو میں چین سے ساتھ لایا تھا اور اس میں چین کے فوجی راز تھے لیکن یہ بریف کیس شہلا کے پاس تھا۔ سوچتے ہوئے اچانک ہی ایک خیال نے مجھے اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیال یہ تھا کہ کہیں فتح خان اور شہلا اس بریف کیس کے چکر میں تو نہیں تھے اور یہ بات مجھ سے چھپا رہے تھے۔ تبھی فتح خان نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر مجھے اس معاملے کا پتا چل گیا تو میں لازمی اس میں ٹانگ اڑاؤں گا اور وہ اس میں میری مداخلت برداشت نہیں کرے گا اور اسی وجہ سے فتح خان زندگی میں پہلی بار سنجیدگی سے مجھے قتل کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی کہ وہ ناکام رہا۔ جیسے جیسے میں اس بارے میں سوچتا جا رہا تھا میرا یقین پختہ ہو رہا تھا کہ معاملہ بریف کیس کا ہی تھا اور فتح خان اس سے بہت بڑا مالی فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھا۔ یقیناً بریف کیس اور اس کے راز نہایت قیمتی تھے۔ جین کی مخالف کوئی بھی قوت اس کی منہ مانگی قیمت دینے کو تیار ہو سکتی تھی۔ فتح خان کو یہ راہ شاید کرنل زریسکی نے سجھائی ہو گی وہ خود اسی میدان کا کھلاڑی تھا۔

پھر فتح خان کا بھارتیوں سے گٹھ جوڑ بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا کیا وہ بریف کیس کا سودا بھارتیوں سے کر رہا تھا لیکن اس کی کہیں زیادہ قیمت امریکی دے سکتے تھے۔ یہ بات فتح خان بھی سمجھتا تھا لیکن وہ از خود سودا کرنے کا اہل نہیں تھا اس نے کرنل یا پھر ڈیوڈ شا کو آگے کیا ہو گا۔ بریف کیس شہلا کے پاس تھا اور وہ بھی اس سودے میں شامل تھی۔ سوچتے ہوئے میں غیر ارادی طور پر چینل تبدیل کرتا جا رہا تھا اچانک ایک مقامی نیوز چینل لگ گیا اور اس پر ہیڈ لائن چل رہی تھی۔

''اسلام آباد کے رہائشی علاقے میں ایک کوٹھی میں بم دھماکہ۔''

پھر ٹی وی پر کوٹھی کی تصویر آئی اور میں اچھل پڑا تھا۔

○.....◆.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھی نادر علی کی تھی۔ مرشد ہاؤس سے نکلنے کے بعد وہ یہیں مقیم تھا۔ مرشد سے اس کے اختلافات شدت اختیار کر گئے تھے اور آخری بار میری مرشد سے بات ہوئی تھی تو اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مجھے نادر کا پتا صاف کرنے کی پیش کش کی تھی۔ جس کے بعد اس کے اور میرے معاملات سیٹ ہو سکتے تھے لیکن میں نے اس کی یہ پیش کش ٹھکرا دی تھی۔ وہ میری آڑ میں نادر کا صفایا کرنا چاہتا تھا۔ ابھی میری وسیم اور سفیر سے بات ہوئی تھی اگر یہ دھماکہ ان کے پروگرام یا علم میں ہوتا تو وہ مجھے ضرور بتا دیتے بے شک اشاروں کنایوں میں بتاتے۔ ٹی وی رپورٹر بتا رہا تھا کہ دھماکہ اس کوٹھی کے ایک حصے میں ہوا تھا اور وہ ملبے کا ڈھیر بن گئی کم سے کم چار افراد مارے گئے تھے اور دو زخمی تھے لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ ہلاک و زخمی ہونے والے کون تھے؟ کیمرہ لائیو دکھا رہا تھا اور کوٹھی سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آ گئی تھیں اور آگ بجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ پولیس کی گاڑیاں بھی موجود تھیں لیکن فی الحال کوئی ایسا اعلیٰ افسر نہیں تھا جو صورت حال کی وضاحت کر سکتا۔

میں ساکت بیٹھا ہوا خبر دیکھ رہا تھا اور اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ یہ میرے ساتھیوں کا کام نہیں تھا۔ امکان یہی تھا کہ مرشد نے از خود نادر کو مارنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب رہا یا ناکام ابھی اس کا پتا نہیں تھا۔ بہر حال مرشد کا دوسرا قدم یہ ہوگا کہ وہ اس کا الزام مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر لگائے گا۔ پولیس میں میرے خلاف رپورٹ کرائے گا اور اپنے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے میرے اور میرے ساتھیوں کے خلاف خود کارروائی کرے گا۔ یہ خیال آتے ہی میں بے چین ہو گیا اور میں نے فون اٹھا کر ایک بار پھر آپریٹر سے وسیم کا نمبر ملانے کو کہا اس نے کال ریسیو کی۔ ''وسیم میں بات کر رہا ہوں تم ٹی وی دیکھ رہے ہو؟''

''جی بالکل.....'' اس نے جواب دیا۔

''تب فوراً احتیاطی تدابیر کرو عبداللہ سے کہو سب کو الرٹ کر دے۔''

''یہ کام ہم پہلے ہی کر چکے ہیں بلکہ میں نے حویلی کال کر کے آپ کے والد صاحب سے بھی بات کر لی ہے۔''

اپنے ساتھیوں کی مستعدی پر میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''خواتین کہاں ہیں؟''

''جہاں ہوتی ہیں۔'' وسیم نے جواب دیا اس کی مراد عبداللہ کی کوٹھی سے تھی۔

اس فون پر زیادہ کھل کر بات نہیں کی جا سکتی تھی میرا مقصد وسیم اور دوسروں کو خبردار کرنا تھا۔ مختصر بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرے میں نے فون رکھ دیا۔ بظاہر معاملات الجھ رہے تھے۔ میرے سارے دشمن حرکت میں آ گئے تھے۔ ایک طرف بھارتی اور ڈیوڈ شا گروپ جس میں فتح خان اور کرنل شامل تھے۔ دوسری طرف مرشد اینڈ پارٹی تھی۔ یہ سب اپنے اپنے طور پر مجھے قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تیسرا معاملہ اس بریف کیس کا تھا جس کے لیے فتح خان اور شہلا کوشش کر رہے تھے اور یقیناً انہوں نے اس کا کسی سے سودا کر لیا تھا۔ آری ریسٹ ہاؤس کے اس پُرسکون اور محفوظ کمرے میں بھی مجھے سکون نہیں ملا تھا ایک کے بعد ایک الجھنیں سامنے آ رہی تھیں۔ بہرحال مشکلات میری زندگی کا حصہ تھیں اور یہ اچھی بات تھی کہ ان سے نمٹنے کے لیے مجھے غور و فکر کا موقع مل رہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ میں اور میرے ساتھی اب تک غلط سمت میں جدوجہد کر رہے تھے۔ ہم بجائے مرشد اور فتح خان کی طرف توجہ دینے کے نادر علی اور شہلا پر اپنی توجہ مرکوز کیے ہوئے تھے جب کہ ہمارے مسائل کی اصل جڑ مرشد اور فتح خان ہیں۔ نادر اور شہلا مسائل کی شاخیں ہیں۔ جڑ کٹ جاتی تو یہ خود بخود بے کار ہو جاتے۔ ڈیوڈ شا کے بھی اس سرزمین پر یہی دو آلہ کار تھے یہ نہ رہتے تو وہ ہمارے خلاف اتنا خطرناک نہیں رہتا۔ اس رات میں سونے کے لیے لیٹا تو فیصلہ کر چکا تھا کہ اب ہمارا نشانہ یہی دو لوگ ہوں گے۔ میں نے آپریٹر کو ہدایت کی کہ مجھے صبح چھ بجے اٹھا دیا جائے۔ اگر ہم سات بجے روانہ ہوتے تو سات آٹھ گھنٹے کے سفر کے بعد اسلام آباد پہنچ جاتے۔

میں سات بجے تک ناشتہ کر کے باہر آیا تو ثاقب حسن جیپ کے پاس مستعد موجود تھا۔ اس نے نہ صرف ناشتہ کر لیا تھا بلکہ راستے کے لیے کھانا بھی پیک کروا لیا تھا تھرماس میں تازہ چائے موجود تھی۔ میں نے میجر آدم کا دیا ہوا تحفہ زیب تن کر رکھا تھا اپنے پرانے ہو جانے والے کپڑے میں ہوٹل میں ہی چھوڑ آیا تھا صرف جیکٹ اور جوتے لیے تھے۔ میرے بیٹھتے ہی ہم روانہ ہو گئے۔ سوات شہر میں آخری برف باری کے نشانات صاف ہو گئے تھے لیکن اس سے باہر ابھی برف موجود تھی۔ جو مقامات چھ ہزار فٹ سے نیچے تھے۔ وہاں برف پگھلنے کا عمل تیز ہو گیا تھا اس سے زیادہ بلندی پر ابھی برف جمی ہوئی تھی مگر بہار کی آمد کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ دوپہر میں ہم نے ایک جگہ رک کر لنچ کیا۔ چائے گرم تھی اور توانائی بخش تھی جس نے ہمیں مزید کئی گھنٹے سفر کے قابل بنا دیا تھا۔ ابھی مزید تین سے چار گھنٹے کا سفر تھا۔ میں نے اس دوران میں سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ بے شک میجر آدم نے میری مدد کی تھی اور میری اتنی جلدی گلوخلاصی اسی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ پھر اس نے تحفہ دے کر ثابت کیا تھا کہ وہ مجھ سے اپنائیت رکھتا تھا لیکن اس کے آدمی کو اپنے کسی ٹھکانے پر لے جانا مناسب نہیں تھا۔ مجھے عبداللہ کی کوٹھی تک نہیں جانا تھا اور میں ڈرائیور کو فارم ہاؤس نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ شام پانچ بجے ہم بھارہ کہو کے پاس تھے میں نے ثاقب حسن سے کہا۔

"مجھے یہیں اتار دو..... میں ٹیکسی لے لوں گا۔"

اس نے کسی قدر تعجب سے کہا۔ "یہاں کیوں جناب.....؟ میں آپ کو وہاں پہنچا دوں گا جہاں آپ نے جانا ہے۔"

"نہیں مجھے یہاں کچھ کام بھی ہے بس یہاں روک لو۔" میں نے کسی قدر تحکمانہ لہجے میں کہا تو وہ مجبور ہو گیا۔ اس نے جیپ وہیں روک لی۔ یہاں ابھی آبادی شروع تھی دراصل میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگ مجھے یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرمی جیپ سے اترتا دیکھیں اور میں خوامخواہ توجہ کا مرکز بنوں۔ میرے لیے گمنام رہنا بہتر تھا۔ نیچے اتر کر میں نے ثاقب حسن سے ہاتھ ملایا۔ ''میں میجر کے ساتھ تمہارا بھی شکر گزار ہوں ممکن ہے زندگی کے کسی موڑ پر ہم دوبارہ ملیں۔''

''ان شاء اللہ سر۔'' اس نے کہا اور جیپ میں بیٹھ کر واپس روانہ ہو گیا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ رات مری میں رکے گا اور کل صبح واپس چلا جائے گا۔ ابھی اتنا وقت تھا کہ وہ مری تک پہنچ سکتا تھا۔ اس کے روانہ ہوتے ہی میں بھی مین روڈ پر آگے چل پڑا۔ ٹیکسیاں کچھ آگے کھڑی ہوئی تھیں۔ یہاں سردی بہت کم تھی اگر میں جیکٹ کے بغیر ہوتا تب بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ یہاں بیشتر لوگ اب سوئیٹر اور جیکٹ کے بغیر گھوم رہے تھے کچھ نے ہاف سوئیٹر اور ہاف جیکٹ پہن رکھی تھی۔ میں نے ایک بڑی یلو کیب کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ اس میں موجود ڈرائیور نے مڑ کر دیکھا اور برہمی سے بولی۔ ''یہ ٹیکسی نہیں ہے..... فوراً نیچے اترو۔''

وہ خاتون بلکہ لڑکی خاصی خوب صورت اور فیشن ایبل قسم کی تھی۔ مگر مجھے دفع ہو جانے کا مشورہ دیتے ہوئے اس کی آواز میں سریلا پن مفقود تھا اور وہ باقاعدہ غرائی تھی۔ میں بوکھلا گیا میں نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ ڈرائیور کی جگہ ایک لڑکی بیٹھی ہے۔ میں نے معذرت کی۔ ''سوری میں نے دیکھا نہیں تھا۔''

''سوری کے بچے تم اترتے ہو یا.....'' لڑکی کا لہجہ مزید خراب ہو گیا اور وہ میری طرف مڑی تو اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ میں نے بے ساختہ دونوں ہاتھ اوپر کر لیے۔ یہاں اتنی گنجائش تو نہیں تھی کہ میں بالکل ہی ہینڈز اَپ ہو جاتا مگر ہاتھ اتنے اوپر اٹھا لیے کہ خاتون کو نظر آئے۔ یہاں کسی قدر اندھیرا تھا۔ میں حیران تھا ٹھیک ہے میں غلطی سے ٹیکسی سمجھ کر بیٹھ گیا تھا لیکن اس میں اتنا برافروختہ ہونے کی کیا ضرورت تھی کہ خاتون نے پستول نکال لیا۔

''او کے..... میں اتر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''گولی چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

لیکن اس سے پہلے میں اترتا اچانک ہی دونوں طرف کے دروازے کھلے اور دو مرد اندر گھس آئے۔ جتنی ان کی آمد میرے لیے غیر متوقع تھی اتنی ہی میری موجودگی ان کے لیے غیر متوقع تھی۔ ان میں سے ایک مشتعل ہو کر بولا۔ ''یہ کون ہے.....؟''

میرے بائیں طرف والا بولا۔ ''تم نے کسے بٹھا لیا ہے؟''

''مجھے کیا پتا کون ہے۔'' لڑکی غرائی اسے غرانے کا شوق تھا۔ ''ٹیکسی سمجھ کر اندر گھس آیا۔''

''اور تم نے بٹھا لیا۔'' میرے رائٹ بیٹھے آدمی نے طنز کیا۔ وہ دونوں جوان اور صورت سے ہی جرائم پیشہ نظر آ رہے تھے۔ ''نیا یار بنا لیا..... اتنی جلدی۔''

''بکو مت۔'' لڑکی مشتعل ہو گئی۔ ''یہ ابھی ایک منٹ پہلے آیا ہے اور تم لوگ کہاں مر گئے تھے؟''

لیفٹ والا بولا۔ ''ٹھیک ہے ابھی یہاں سے تو نکلو۔''

تب میں نے دیکھا وہ دونوں مسلح تھے اور بائیں والے کے پاس ایک چرمی بیگ بھی تھا۔ میں نے کہا۔ ''اے..... ایک منٹ..... مجھے یہاں اتار دو..... پھر جہاں مرضی جاؤ۔''

میں رائٹی سے مخاطب تھا اس لیے دیکھ نہیں سکا کہ لیفٹی نے اچانک میرے سر پر کچھ مارا اور میں کچھ دیر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے بے ہوش ہو گیا۔ پھر شور اور ہنگامے نے مجھے جھنجھوڑا۔ ٹیکسی رکی ہوئی تھی لیکن وہاں نہیں تھی جہاں میں اس میں بیٹھا تھا بلکہ یہ سڑک پر ٹریفک میں پھنس گئی تھی۔ کٹ سے چند گاڑیاں بڑے غلط انداز میں مڑی تھیں اور انہوں نے سارا ٹریفک جام کر کے رکھ دیا تھا۔ میرے لیفٹ رائٹ بیٹھے دونوں بدمعاش چلا رہے تھے اور ان کا ساتھ لڑکی دے رہی تھی۔ ہارنز کے شور نے الگ دماغ خراب کر رکھا تھا۔ لیفٹی بار بار چلا کر کہہ رہا تھا۔ ''نکلو یہاں سے.....''

کیا تمہاری..... گاڑی نکال کر لے جاؤں۔'' لڑکی نے مردانہ وار جواب دیا۔ اس کی اصل بات ناقابلِ بیان تھی۔ میں بے سدھ تھا اور فی الحال میں نے بے سدھ رہنے کا فیصلہ کیا وہ لوگ سخت مشتعل اور جذباتی ہو رہے تھے اگر میں کوئی حرکت کرتا تو مجھے گولی بھی مار سکتے تھے اتنے پاس سے نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک میں ایک سے نمٹتا دوسرا مجھے شوٹ کر دیتا۔

''اس مصیبت کو بھی ساتھ ہی بٹھانا تھا۔'' لیفٹی زیادہ بھنایا ہوا تھا۔ ''اسے گولی مار کر نیچے پھینکو۔''

''تاکہ جن کو پتا نہ ہو ان کو بھی پتا چل جائے۔'' لڑکی بولی اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ ''گاڑیاں ہٹ رہی ہیں اپنا منہ بند رکھو اور پیچھے دیکھو کہیں جیولر کے گارڈز نہ دوڑے آ رہے ہوں۔''

''لیکن اس کا کیا کریں؟'' لیفٹی پھر بولا۔

''اسے اپنا باپ بنا لینا۔'' لڑکی نے مشورہ دیا۔ ''یتیم تو ہو اور ماں بھی ہے تمہاری۔''

اتنی دیر میں ان دونوں کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ وہ جس مشکل میں پھنسے ہیں اس سے صرف صبر سے ہی نکل سکتے تھے جب گاڑیاں ہٹ جاتیں تو انہیں خود جگہ مل جاتی۔ اس وقت تک انتظار کرنا تھا۔ اصل خطرہ اس جیولر کے گارڈز سے تھا جسے وہ لوٹ کر آئے تھے۔ کم سے کم ان کی باتوں سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ اتنی دیر میں میرے حواس لوٹ آئے تھے اور اب میں پوری طرح ہوش میں تھا۔ وہ دونوں مڑ کر دیکھنے لگے۔ لڑکی اپنی باتوں سے ان کی باس نہیں تو برابر کی ضرور لگ رہی تھی کیونکہ وہ دونوں اس کی گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہیں ہوئے تھے۔ ایک زمانہ تھا جب خواتین کی قانون شکنی چند مخصوص شعبوں تک محدود سمجھی جاتی تھی لیکن آج کل خواتین دیگر شعبوں کی طرح جرائم میں بھی مردوں کے شانہ بشانہ سرگرم عمل تھیں۔ اس کا ثبوت اسٹیرنگ وہیل پر موجود لڑکی تھی۔ وہ گھبرائے بغیر بتدریج اپنی ٹیکسی کو ٹریفک جام سے نکال رہی تھی۔

یقیناً انہوں نے یہ ٹیکسی کسی سے چھینی تھی اور اب اس پر ڈکیتی کے بعد فرار ہو رہے تھے۔ اس سے ان کی چالاکی کا اندازہ ہوتا تھا۔ کسی مخصوص گاڑی کے مقابلے میں ٹیکسیوں کے تعداد سڑک پر سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ بالخصوص اسلام آباد میں رکشہ اور کسی حد تک بلیک کیب پر پابندی کی وجہ سے یلو کیب کی بھرمار تھی اور سڑک پر تقریباً ہر تیسری گاڑی یلو کیب ہی ہوتی ہے۔ اگر پولیس کو بروقت اطلاع مل جاتی اور وہ روایتی حرام خوری ترک کر کے فوراً مبینہ ٹیکسی کو تلاش کرنا شروع کرتی تب بھی ، ش کرنا آسان نہیں تھا لیکن چالاکی کے ساتھ انہوں نے کسی قدر رحماقت کا ثبوت بھی دیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر لڑکی کی موجودگی یقیناً پولیس کو متوجہ کرتی۔ مگر اس وجہ سے پولیس انہیں نظر انداز بھی کر سکتی تھی کیونکہ اب خواتین بھی ٹیکسی چلانے لگی ہیں۔

بالآخر ٹریفک جام ختم ہوا اور ٹیکسی اسلام آباد کی طرف روانہ ہو گئی۔ لڑکی نے پوچھا۔ ''یہ بے ہوش ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے سیدھا تو بٹھاؤ باہر کوئی دیکھ لے گا تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

"پڑا رہنے دو۔" لیفٹی لاپروائی سے بولا۔ "اندھیرے میں کس کو نظر آئے گا۔"

"دکان میں تو گڑبڑ نہیں ہوئی تھی؟"

"نہیں..... سب نے فوراً ہاتھ اٹھا لیے تھے اور سب سے پہلے گارڈ نے اپنی گن رکھی تھی دوسرا اندر تھا ہم نے اسے وہیں قابو کر لیا اور پھر سب کو بند کر دیا۔ آخر میں سیلز مین کو بھی بند کر آئے تھے۔" رائٹی نے فخر سے کارروائی بیان کی۔

"تجوری چھوڑ دی تھی؟" لڑکی نے تشویش سے پوچھا۔ "اصل مال تو اس میں تھا۔"

"تجوری چھوڑ سکتے تھے۔" لیفٹی ہنسا۔ "زیادہ دیر اسے کھلوانے میں لگی، کم بخت مالک کے ہاتھ کانپ رہے تھے بار بار غلط نمبر ملا دیتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کوئی دو کلو سونا تو ہو گا۔"

"دو کلو۔" لڑکی بدمزگی سے بولی اور پھر گالی دے کر کہا۔ "آج کل اتنا کھوٹ ملانے لگے ہیں کہ ایک کلو بھی نکل آئے تو غنیمت سمجھنا۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے بے ہوش جان کر سکون سے بات کر رہے ہیں لیکن یہ ان کے ذہن میں بھی آ گیا تھا کہ میں ہوش میں ہو سکتا ہوں۔ ان میں سے کسی نے ماچس سے سگریٹ سلگائی اور تیلی اچانک میری گردن پر لگا دی ردعمل میں میرا ہاتھ بے ساختہ گردن کی طرف گیا اور لیفٹی نے گالی دے کر اس بار سخت وار کیا اور میں سچ مچ بے ہوش ہو گیا۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوئے تھے تبھی کامیاب ڈکیتی کے بعد کامیابی سے فرار ہو رہے تھے۔ میں نے ان کی ہوشیاری کا اندازہ درست نہیں لگایا تھا اور مجھے دوسری بار اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔

مجھے ہوش آیا تو میں سخت اور سرد فرش پر کروٹ کے بل پڑا ہوا تھا۔ جیکٹ نے مجھے ٹھٹھرنے سے بچا لیا تھا ورنہ یہاں بہت سردی تھی اور رات بھی ہو چکی تھی۔ میں نے آنکھ کھول کر جائزہ لیا۔ یہ لکڑی کی دیواروں والا کمرہ تھا اس کے ایک کونے میں پتھر سے بنا آتش دان تھا اور اس کے اوپر ٹین سی بنی چمنی چھت کی طرف جا رہی تھی۔ آتش دان بجھا ہوا تھا اور اس میں راکھ پڑی تھی صاف ظاہر تھا اسے عرصے سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ خالی کمرے کی حالت بتا رہی تھی یہ جگہ آباد نہیں تھی فرش پر مٹی تھی اور مٹی پر میں پڑا ہوا تھا۔ فرنیچر کے نام پر کمرے میں صرف ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پڑی تھی جس کے دو پائے غائب تھے۔ میں اٹھ بیٹھا ڈاکو مجھے یہاں لے آئے تھے اور شاید چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے لیکن نہیں وہ دوسرے کمرے میں موجود تھے۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا اور یہاں ایک پیلا بلب روشن تھا۔ البتہ دوسرے کمرے میں زیادہ روشنی تھی اور گفتگو کی آواز بھی آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر دبے قدموں دروازے تک آیا۔ لڑکی کی آواز آئی۔ "ذرا مضبوطی سے پکڑ دیا سلائی چھلک نہ جائے۔"

"نہیں چھلکے گی تم بھی شعلہ زیادہ مت لہراؤ میرا ہاتھ نہ جل جائے۔" لیفٹی کی آواز آئی۔

"یہ ایک کلو گرام سونا ہے؟" رائٹی نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔

"ایک کلو سے زیادہ ہی ہے۔" لیفٹی نے یقین سے کہا۔ "میں نے اٹھا رکھا ہے مجھے اندازہ ہے۔"

دروازے میں ایک رخنہ تھا اور اس سے دوسرے کمرے کا منظر کسی قدر واضح تھا۔ وہ کمرہ بھی خالی تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تینوں وسط میں بیٹھے تھے۔لڑکی نے ویلڈنگ ٹارچ سنبھال رکھی تھی جس کا تیز نیلگوں شعلہ کئی ہزار ڈگری سینٹی گریڈ کا درجہ حرارت رکھتا ہے۔لیفٹی نے سناروں کی وہ مخصوص دھاتی پیالی ایک پلاس کی مدد سے پکڑ رکھی تھی جس میں سونا پگھلایا جاتا ہے اسے شاید کٹھالی کہتے ہیں۔رائٹی سونے کے زیورات کو ایک ایک کر کے اس کٹھالی میں ڈال رہا تھا۔اس نے آخری زیور ڈالا۔کٹھالی میں موجود سونا پگھل گیا تھا ورنہ لڑکی چھلکنے کی بات کیوں کرتی۔ شعلہ کے لیے گیسوں والے سلینڈر پاس پڑے تھے یہ خریدے بھی جاسکتے ہیں اور مخصوص دکانوں سے کرائے پر بھی مل جاتے ہیں۔باقی چیزوں کا حصول کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

کٹھالی زیادہ بڑی نہیں تھی چائے پینے والے ایک درمیانی سائز کے پیالے کے برابر تھی۔سونا بہت وزنی دھات ہے دنیا میں اس سے زیادہ وزن رکھنے والی چند ایک ہی دھاتیں اور عناصر ہیں۔ایک کلوگرام سونے کی اینٹ کا سائز مشکل سے چند انچ ہوتا ہے اور اس کی موٹائی ایک انچ سے بھی کم ہوتی ہے۔[illegible] اندازہ ہوتا کہ سونا کتنی کم جگہ گھیرتا ہے۔کٹھالی میں یقیناً ایک کلوگرام سے زیادہ سونا آسکتا تھا۔سونے میں ملاوٹ تھی خالص سونا حاصل کرنے کے لیے اسے پگھلا کر پانی میں ڈالتے ہیں اس سے سونے کا کھوٹ الگ ہو جاتا ہے اور خالص سونے کا ڈلا الگ ہو جاتا ہے۔پانی پاس ہی سلور کے پیالے میں موجود تھا۔جب سونا پوری طرح پگھل گیا تو لڑکی نے ٹارچ بند کر دی اور لیفٹی نے احتیاط سے سونا پانی میں الٹ دیا۔چھن کی آواز آئی اور پانی سے بھاپ کا بادل اٹھا جو فوراً سرد فضا میں تحلیل ہو گیا۔وہ تینوں اشتیاق سے پیالے پر جھک گئے۔

مجھے ان تینوں کی طرف سے فکر نہیں تھی بے شک انہوں نے عارضی طور پر مجھے بے بس کر دیا تھا لیکن مجھے اعتماد تھا میں ان پر قابو پا سکتا تھا۔مجھے اس حادثے کی پروا بھی نہیں تھی بس اپنے ساتھیوں کا خیال تھا جو بے تابی سے میرے منتظر ہوں گے اور میں اب تک ان کے پاس نہیں پہنچا تھا۔بہر حال جہاں آٹھ دن سے غائب تھا وہاں چند گھنٹے یا ایک رات اور صحیح۔وہ سونے کے ڈلے کے سرد ہونے کا انتظار کر رہے تھے بالآخر لیفٹی نے ڈرتے ڈرتے پلاس سے پکڑ کر اسے باہر نکالا اور بولا۔''یہ ایک کلو کا ہے؟'' اب اسے خود شک ہو گیا تھا۔

''ابھی پتا چل جاتا ہے۔'' لڑکی نے اپنے بیگ سے وہ چھوٹا سا ڈیجیٹل ترازو نکالا جو سناروں کے پاس ہوتا ہے۔اس نے ڈلا اٹھا کر اس پر رکھا۔بٹن دبا کر ڈلے کا وزن کیا۔رائٹی نے جوش سے کہا۔

''یہ تو پندرہ سو گرام کا ہے۔''

''پندرہ سو بائیس گرام۔'' لڑکی نے تصحیح کی۔''ان دنوں سونا چالیس ہزار روپے کا دس گرام ہے ذرا حساب لگانا۔''

لیفٹی کا حساب زیادہ تیز تھا۔''ساٹھ لاکھ اٹھاسی ہزار روپے۔''

''لیکن ہمیں اس کے پچاس سے زیادہ نہیں ملیں گے۔'' رائٹی نے کہا۔

''ہم اسے پورے دام سے بیچیں گے۔'' لڑکی نے کہا۔''تم لوگ فکر مت کرو یہ میرا کام ہے۔ہم اس کی سو سو گرام کی بارز بنائیں گے اور پھر انہیں الگ الگ بیچیں گے۔''

''میرا تو مشورہ ہے ابھی سارا مت بیچو۔سب اپنا اپنا حصہ سونے کی صورت میں کر لیں۔'' رائٹی نے جلدی سے کہا۔غالباً اسے خطرہ لگ گیا تھا کہ اس طرح کہیں اس کا حصہ نہ مارا جائے۔لڑکی نے اس کی طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے بارز بنا کر آپس میں تقسیم کرلیں گے لیکن اس میں ایک خطرہ ہے کوئی پکڑا گیا تو وہ دوسرے کے بارے میں بک دے گا اور سب پکڑے جائیں گے۔''

''کیسے پکڑے جائیں گے؟'' لیفٹی نے اعتراض کیا۔

لڑکی نے پیار سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ ''اس صورت کے ساتھ تم دینی کتب بھی بیچنے جاؤ گے تو لوگ چوری کی سمجھیں گے۔''

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔'' لیفٹی خفا ہو گیا۔

لڑکی نے فوراً جواب دیا۔ ''اسی صورت کے سہارے میں نے اندر کا سارا سروے کیا تھا اور تمہیں بتایا تھا اسی وجہ سے تم نے کامیاب ڈاکا مارا ورنہ تمہیں تو کوئی دکان میں گھسنے بھی نہ دیتا۔''

''ماہا ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' رائٹی نے لڑکی کی تائید کی۔ ''ہم سونا بیچنے کی کوشش میں پکڑے بھی جا سکتے ہیں۔ یہ کام ماہا کو کرنے دو۔''

''تاکہ یہ سارا سونا لے کر فرار ہو جائے۔'' لیفٹی نے طنز کیا۔

''نہیں سارا سونا اس کے پاس نہیں ہوگا۔ اسے ہم برابر تقسیم کرلیں گے اور جب ماہا فروخت کرنے جائے گی تو اتنی ہی مالیت کا سونا ہماری تحویل میں دے کر جائے گی۔''

''میں اپنا سونا نہیں دوں گی۔'' ماہا نے صاف انکار کر دیا۔ ''تم دونوں نے اعتماد کرنا ہے تو کرو ورنہ.....''

''ورنہ ہم خود فروخت کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر پکڑے گئے تو بچو گی تم بھی نہیں۔'' لیفٹی نے اسے دھمکی دی تو وہ فکر مند ہو گئی۔

''او کے میں فروخت کروں گی لیکن اس صورت میں میرا حصہ زیادہ ہوگا۔ میں چالیس فیصد لوں گی باقی تیس تیس فیصد تم دونوں کو ملے گا۔''

لیفٹی اور رائٹی معمولی سی بک بک کے بعد اس فارمولے پر راضی ہو گئے۔ یہ معمولی سی بک بک ناقابلِ اشاعت قسم کی گالیوں اور گفتگو پر مشتمل تھی اور وہ اس کے عادی لگتے تھے گویا تینوں پیشہ ور مجرم تھے۔ یہ ان کی روزمرہ کی گفتگو تھی۔ ابھی ان کے پاس سو گرام کی بار کی ڈائی نہیں تھی۔ اس لیے یہ معاملہ بعد کے لیے اٹھا دیا گیا۔ لیفٹی کو میرا خیال آیا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے؟''

''اسے یہیں بند چھوڑ جاتے ہیں بعد میں پولیس اسے یہاں ٹیکسی کے ساتھ دریافت کرے گی تو خود معلوم سمجھ لے گی کہ ڈاکا اسی نے ڈالا ہے۔'' ماہا بولی۔

''اور جیولر جو ہمارے حلیے اور ایک لڑکی ٹیکسی والی کی کہانی سنائے گا۔'' رائٹی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''جس کی تصدیق یہ کرے گا۔''

''پھر کیا کریں؟'' لیفٹی نے پوچھا۔

''اسے چھوڑ دو نیہ پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہیں کرے گا۔'' رائٹی نے کہا۔ ''اس نے ہمیں بہت پاس سے دیکھا ہے اس لیے یہ پولیس کو تفصیلی حلیے بتا سکتا ہے ہم اسے ڈرا دھمکا کر چھوڑ جاتے ہیں۔''

''کیا یہ ڈرانے سے مان جائے گا۔'' ماہا نے جوابی طنز کیا۔ ''اگر یہ پھر بھی پولیس کے پاس چلا گیا تو.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو کیا کریں اسے ماردیں؟'' لیفٹی نے خطرناک سوال کیا۔

''میرا خیال ہے اسے جھیل میں ڈال دیتے ہیں بے ہوش ہے پاؤں میں پتھر باندھ دیں گے تو ڈوب کر مر جائے گا اور لاش بھی جلد اوپر نہیں آئے گی۔'' ماہا نے یوں تجویز پیش کی جیسے ایک زندہ انسان کے بجائے جھیل میں کچرا پھینکنے کی تجویز دے رہی ہو۔

''یہ ... قتل ہوگا۔'' خاصی دیر بعد رائٹی نے کہا بظاہر وہ اور لیفٹی میرے قتل پر آمادہ نہیں لگ رہے تھے لیکن ماہا ان پر حاوی تھی کسی قدر بحث کے بعد اس نے انہیں راضی کرلیا کہ وہ میرے ساتھ وہی سلوک کریں جو آج کل نیکی کرنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے حالانکہ میں نے ان کے ساتھ نیکی بھی نہیں کی تھی لیکن وہ مجھے جھیل میں ڈالنے پر راضی ہو گئے تھے۔ ماہا نے انہیں ترکیب بھی بتائی اس عورت کے سر میں شیطان کا دماغ فٹ تھا اس نے کہا۔ ''پتھر باندھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے اس کی پتلون کے پائنچوں اور قمیص میں پتھر بھر دو یہ آرام سے ڈوب جائے گا۔''

میں نے دل ہی دل میں اسے بے نقط سنائیں۔ لیفٹی اور رائٹی کمرے کی طرف آئے تاکہ مجھے باہر لے جا کر ڈبونے کا انتظام کرسکیں۔ میں ان کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ بلب سوئچ دبا کر بند کردیا اب کمرے میں تاریکی تھی۔ آگے لیفٹی تھا۔ میں نے اسے یوں دبوچا جیسے بلی بے فکری سے ٹہلتے چوزے کو دبوچتی ہے اس کے حلق سے ویسی ہی آواز نکلی جیسی چوزے کے حلق سے نکلتی ہے اس کے ہاتھ سے پستول میں پہلے ہی چھین چکا تھا۔ اس کا بایاں بازو گھما کر اس کی پشت سے لگایا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پر پستول رکھ کر اسے سامنے کرلیا جب تک رائٹی اپنا پستول نکالتا میں لیفٹی کو قابو کر کے اپنی ڈھال بنا چکا تھا۔ میں نے دھاڑ کر کہا۔

''خبردار اگر اپنے ساتھی کی زندگی چاہتے ہو تو پستول پھینک دو۔''

رائٹی یقیناً اپنے دوست کی زندگی چاہتا تھا لیکن ماہا نے اس موقع پر چونکا دینے والا کام کیا جیسے ہی میں لیفٹی کو لیے دوسرے کمرے میں آیا اس نے اچانک پستول نکال کر ہماری طرف فائر جھونک مارا اور پھر کسی چھلاوے کی طرح باہر نکل گئی۔ میں اس کی پھرتی پر ششدر رہ گیا تھا اور پھر مجھے احساس ہوا کہ میں ایک لاش تھامے کھڑا ہوں کیونکہ بغیر نشانہ لیے کیا جانے والا فائر سیدھا لیفٹی کے دل میں اتر گیا تھا۔ رائٹی کو احساس ہوا تو اس نے اپنا پستول میری طرف سیدھا کیا۔ مجبوراً مجھے حرکت میں آنا پڑا۔ اس کی چلائی گولی لیفٹی کو لگی اور ظاہر ہے اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا لیکن میری چلائی گولی رائٹی کے دائیں شانے میں لگی تو اسے خاصا فرق پڑا۔ اس نے حلق پھاڑ کر والدہ صاحبہ کو پکارا اور پستول چھوڑ کر شانہ تھام لیا میں نے لیفٹی کی لاش کو چھوڑا اور رائٹی کے سر پر پستول کی نال رسید کی۔ اس کی چیخ و پکار تھم گئی اور وہ لڑھک کر نیچے گر گیا۔ اسی لمحے باہر سے کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور میں باہر کی طرف لپکا۔ ماہا فرار ہو رہی تھی جب میں باہر آیا تو ایک سیاہ چھوٹی جیپ کچھ دور جا چکی تھی میں نے اس کے ٹائروں کا نشانہ لے کر کئی فائر کیے مگر وہ بچ گئی۔

یہ جگہ کسی جھیل کے کنارے تھی۔ یہاں چاروں طرف جھاڑ جھنکاڑ تھا اور درمیان میں لکڑی سے بنا یہ کیبن کھڑا تھا۔ جھیل کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ یلو کیب ایک طرف موجود تھی جسے انہوں ڈاکا مارنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا چابی اندر نہیں تھی۔ میں واپس کیبن میں آیا۔ چابی لیفٹی اور رائٹی کے پاس بھی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی وہ یقیناً ماہا کے پاس تھی۔ وہ نہ صرف بلو کیب کی چابی بلکہ سونے کی ڈلی بھی لے گئی تھی۔ لیفٹی مارا جا چکا تھا اور رائٹی زخمی تھا لازمی بات ہے جلد یا بدیر وہ پولیس کے ہاتھ آجاتا۔ گویا سونے کی ڈلی اب ماہا کی ملکیت تھی اگر وہ ہوشیاری سے کام لیتی تو یہاں سے فرار ہو جاتی اور ہماری پولیس اسے گرفتار نہیں کر سکتی تھی جب تک وہ خود کوئی حماقت نہ کرتی۔ شاید اس کے ذہن میں شروع سے ایسا کوئی ارادہ تھا اور میری مداخلت نے اسے موقع فراہم کر دیا۔

ان لوگوں نے میری جیب سے رقم نہیں نکالی تھی اور نہ کلائی سے گھڑی اتاری تھی۔ میں نے رائٹی کو اس کے حال پر چھوڑا اور باہر آیا۔ کار کے ڈیش بورڈ سے ایک کثیر المقاصد اسکرو کا رک مل گیا جس میں ایک چھوٹا سا چاقو بھی ہوتا۔ میں نے چاقو سے انجن سے آنے والی تاروں کا گچھا کاٹا اور پھر دو تاریں ملا ملا کر دیکھنے لگا۔ بالآخر اگنیشن وائرل گئیں اور انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ میں نے ان تاروں کو ملا رہنے دیا۔ میرے پاس وہ پستول تھا جس سے رائٹی پر گولی چلائی تھی۔ اسے میں نے وہاں نہیں چھوڑا کیونکہ اس پر میری انگلیوں کے نشانات تھے اسے میں نے صاف کر کے جھیل میں اچھال دیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ماہا کو فرار ہوئے دس منٹ ہو چکے تھے اور اس کے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ اب اس کے پیچھے جانا بے کار تھا وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر نہ جانے کہاں نکل گئی تھی۔

مگر اس لڑکی کے بارے میں میرا اندازہ درست نہیں تھا۔ وہ فرار نہیں ہوئی تھی۔ میں بلو کیب لے کر اس جگہ سے نکلا اور سڑک کی طرف جانے والا راستہ تلاش کرنے لگا۔ یہ راہ جھیل نہیں تھی یا اس کا کوئی ایسا حصہ تھا جو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ چاروں طرف جھاڑیاں اور قدم آدم گھاس تھی اور اس کے درمیان سے کچا راستہ نہ جانے کہاں جا رہا تھا یہ سارا جھیل کا کنارہ تھا۔ ایک جگہ یہ راستہ جھیل کے بالکل ساتھ سے گزر رہا تھا اور جھیل یہاں کچھ گہرائی میں تھی۔ میں نے بے فکری سے اس جگہ سے گزرنا چاہا تو اچانک بائیں طرف سے کسی گاڑی کی تیز روشنی چمکی اور انجن غرانے کی آواز آئی۔ فوراً سیاہ جیپ جھاڑیوں کو روندتی ہوئی نمودار ہوئی۔ اس کے فرنٹ پر فولاد کی جالی تھی اور اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا جیپ نے کسی بلڈوزر کی طرح ٹیکسی کو ٹکر ماری۔

میں اس افتاد کے لیے بالکل تیار نہیں تھا کیونکہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ لڑکی اتنی تیز طرار نکلے گی۔ اس کے اعصاب قابلِ رشک تھے اور جرأت قابلِ داد۔ اس نے فرار ہونے کے بجائے مجھے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا۔ نہ صرف فیصلہ کیا بلکہ پلان بھی بنا لیا اور اس پر عمل بھی کر دیا تھا۔ ٹکر لگتے ہی ٹیکسی جھیل کی طرف لڑھکی اور پھر یک دم الٹ کر پانی میں جا گری۔ میں نے سیٹ بیلٹ نہیں باندھی تھی کیونکہ ٹیکسی میں اس قسم کی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ ٹیکسی کے قلابازی کھانے کے دوران میں اندر ہی اندر الٹ پلٹ ہوا۔ میرا پہلے مضروب سر کسی چیز سے ٹکرایا اور مجھے تارے نظر آ گئے۔ وہ تارے نہیں جو آسمان پر چمک رہے تھے بلکہ یہ وہ تارے تھے جو دماغ میں ہوتے ہیں۔ میرے کانوں نے چھپاکے کی آواز سنی اور میں اپنے ذہن پر حاوی ہوتی تاریکی سے لڑ رہا تھا۔ ٹیکسی میں پانی بھر رہا تھا اور اگر میں بے ہوش ہو جاتا تو ڈوب کر مر جاتا۔

میں اپنے حواس بحال رکھنے کی کوشش کے ساتھ ہاتھ پاؤں بھی چلا رہا تھا۔ ٹیکسی الٹ کر گری تھی اور اب پہلو کے بل پانی میں جا رہی تھی۔ پہلو بھی بایاں تھا جہاں میں پھنسا ہوا تھا۔ سر پر لگنے والی چوٹ شدید تھی اور میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذہن رفتہ رفتہ تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا میں زیادہ دیر اپنے حواس برقرار نہیں رکھ سکوں گا۔ ایک بار میں بے ہوش ہو جاتا تو ڈوبنے سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا تھا۔ ایسے میں قدرت نے عجیب انداز میں مدد کی۔ وہ چیز جو انسان کی جان لے لیتی ہے اس نے میرے حواس بحال کر دیئے۔ ٹیکسی پانی میں گری تو اس کی بیٹری تک پانی نے رسائی حاصل کی۔ بیٹری کے ٹرمنل شارٹ ہوئے اور بیٹری نے بے کار ہونے سے پہلے پانی میں کرنٹ چھوڑا۔

کرنٹ کا یہ جھٹکا مجھے ہوش میں لے آیا۔ مجھے یوں لگا جیسے ایک لمحے کو میرا جسم کسی نے جھنجھوڑ دیا ہو۔ میں چونکا اور اس کے ساتھ ہی ذہن پر چھاتی تاریکی صاف ہو گئی۔ میں سوچنے سمجھنے اور جان بچانے کے لیے حرکت کرنے کے قابل ہو گیا۔ سوائے میرے سر کے پورا جسم سرد پانی میں جا چکا تھا۔ میں نے سیدھا ہونے کی کوشش کی۔ یوں سمجھ لیں کہ ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے پر قدم جما کر اٹھنے کی کوشش کی تو یک دم ہی ٹیکسی الٹی ہو گئی۔ اس کے پہیے آسمان کی طرف اٹھ گئے تھے اور چھت پانی میں چلی گئی تھی۔ پیچھے کا ایک شیشہ کمزور تھا اور وہ پانی کے سامنے مزاحمت نہیں کر سکا تھا۔ اس کے ٹوٹتے ہی پانی بہت تیزی سے اندر بھرنے لگا۔ اب خود کو اندر رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے بچ جانے والی ہوا میں چند گہرے سانس لیے اور پھر سانس روک کر اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔

عام طور سے کسی حادثے کی صورت میں سب سے پہلے دروازے جام ہو جاتے ہیں مگر خوش قسمتی سے یہ دروازہ جام نہیں ہوا تھا اور پہلی کوشش میں کھل گیا۔ میں فوراً باہر آیا۔ ٹیکسی اب گہرائی میں جا رہی تھی۔ اس جگہ پانی کنارے پر ہی خاصا گہرا تھا۔ یہ بڑی اور وزنی گاڑی تھی اس لیے زیادہ دیر تیر نہیں سکی اور اب ڈوب رہی تھی۔ میں باہر آتے ہی زیر آب ہی ٹیکسی سے دور جانے لگا۔ خطرہ تھا وہ مجھ پر ہی نہ چڑھ جائے اور تہہ میں اپنے وزن سے دبا دے۔ میں نے سطح کی طرف جانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ مجھے یقین تھا ماہا اپنے کیے کا نتیجہ دیکھنے کے لیے کنارے تک آئے گی اور اگر میں اسے پانی میں بطخ کی طرح تیرتا نظر آ جاتا تو وہ کسی بطخ کی طرح آسانی سے میرا شکار کر لیتی۔ اس کے پاس پستول تھا اور اس کا نشانہ میں دیکھ چکا تھا۔ بظاہر ایسا لگا تھا جیسے اس نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا بھی امکان تھا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر اس نے اپنا ایک شریک کم کر دیا اور پھر پورا سونا لے کر فرار ہو گئی۔

مگر یہ میری غلط فہمی تھی کہ وہ فرار ہو گئی تھی۔ وہ وہیں تھی پہلے وہ مجھ سے نمٹتی اور پھر واپس جا کر رائی کا کام بھی تمام کر دیتی۔ اس نے دیکھا نہیں تھا لیکن سن لیا تھا کہ رائی زخمی ہوا تھا۔ وہ اپنے خلاف کوئی گواہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ زیر آب تیرتے ہوئے میرے لیے سانس روکنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ بالآخر میں نے سطح کا رخ کیا اور صرف سر باہر نکالا کر چند گہرے سانس لیے۔ اسی لمحے میرے کانوں نے جیپ کے انجن کی آواز سنی اور تاریک کنارے پر اس کی روشنی لہرائی اور وہ دوبارہ کیبن کی طرف روانہ ہو گئی وہ یقیناً رائی کا کام تمام کرنے جا رہی تھی۔ اپنے طور پر مجھے تو ختم کر چکی تھی۔ میں تیرتا ہوا کنارے کی طرف آیا۔ یہاں سے اوپر جانے کی کوئی جگہ نہیں تھی البتہ ایک جگہ جھاڑیاں موجود تھیں میں انہیں پکڑ کر بمشکل اوپر آیا۔ سرد پانی کے بعد اب سرد ہوا مزاج پوچھ رہی تھی۔ شام میں اتنی ٹھنڈ نہیں تھی لیکن رات ہوتے ہی درجہ حرارت خاصا گر گیا تھا۔ کچے راستے پر آ کر میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیبن کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

'صولاً مجھے ایک بار بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے یہاں سے بھاگ لینا چاہیے تھا لیکن اب پنگے لینے کی عادت اتنی پختہ ہوگئی تھی کہ مسئلہ سامنے ہو تو فرار ہونے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ میں کیبن کے پاس پہنچا تو اندر سے آنے والی فائر کی آواز نے مجھے رک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ماہا نے یقیناً رائی کا بھی خاتمہ کر دیا تھا اور اب کسی لمحے بھی باہر آسکتی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے میں نے جیپ کا بیک ڈور کھولا اور اندر آ گیا۔ میں نے دروازہ بند کیا تھا کہ ماہا باہر آئی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ چوکنی ہر طرف دیکھ رہی تھی غالباً اس نے جیپ کا دروازہ بند ہونے کی آواز سن لی تھی۔ مگر یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ یہ آواز کیسی ہے۔ بالآخر وہ جیپ کی طرف آئی۔ اندر بیٹھ کر اس نے جیسے ہی اگنیشن گھمایا۔ میں نے عقب سے اس کی کنپٹی پر ہاتھ مارا۔ وہ تڑپ کر پلٹی لیکن فوراً ہی بے سدھ ہو کر رہ گئی۔ میں نے احتیاطاً دوسرا ہاتھ مارا اور اس کی بے ہوشی کو پختہ کر دیا اس جیسی سفاک قاتلہ کے ساتھ رعایت خودکشی بھی ہو سکتی تھی۔

میں اتر کر نیچے آیا اسے کھینچ کر نیچے اتارا اور اس کے عورت ہونے کی پروا کیے بغیر اس کی مکمل تلاشی لی۔ پستول اس نے اپنی جیکٹ میں رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا سا والٹ تھا۔ میں نے اسے کھول کر جائزہ لیا تو اس میں ماہا کا شناختی کارڈ، اس کا ڈرائیونگ لائسنس اور رقم اور کچھ دوسری اشیا کے ساتھ ایک ایئر ٹکٹ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یہ دبئی کا ٹکٹ تھا۔ فلائیٹ دو دن بعد کی تھی۔ گویا وہ ملک سے فرار کے لیے بھی تیار تھی۔ جیپ کے پیچھے ایک رسی پڑی تھی جو ہر عقل مند ڈرائیور لازمی رکھتا ہے کہ کہیں گاڑی جواب دے جائے اور اسے ٹو کر کے لے جانا پڑے۔ اس رسی سے میں نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ اس کا پستول، پرس اور جیپ کی چابی اپنے قبضے میں لے لی اور کیبن میں آیا۔

رائی کی لاش دیکھ کر افسوس ہوا ماہا نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس عورت کی سفاکی نے مجھے حیران کر دیا تھا اس نے کتنی آسانی سے اپنے دونوں ساتھیوں کو گولی ماردی تھی۔ میں نے اپنے کپڑے اتار کر نچوڑے اور دوبارہ پہن لیے۔ مجبوری تھی ان کے سوا کوئی لباس نہیں تھا۔ ویسے بھی یہاں سردی تھی لیکن جان لیوا قسم کی نہیں تھی۔ میں واپس جیپ کی طرف آیا تو ماہا کسمسا رہی تھی۔ اسے جیپ کے عقبی حصے میں ڈال کر میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور ہیٹر آن کر دیا۔ ذرا دیر میں اندر گرمی ہوگئی اور میں سکون محسوس کرنے لگا۔ اس گرمی کا ماہا پر بھی خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ وہ تیزی سے ہوش میں آئی۔ صورتِ حال کا ادراک ہوتے ہی اس کی زبان چل پڑی تھی۔ میں نے پلٹ کر پستول اس کے منہ پر رکھ دیا اور درشت لہجے میں بولا۔

''بک بک مت کرو ورنہ میں تمہیں شوٹ کر کے یہیں تمہاری لاش چھوڑ جاؤں گا۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولی۔ ''اگر تم نے مجھے قتل کرنا ہوتا تو اب تک میں زندہ نہ ہوتی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے میں نے تمہیں کیوں زندہ رکھا ہے۔''

''کیونکہ میں ایک خوب صورت عورت ہوں اور میرا جسم.....'' اس کی باقی بکواس ناقابلِ بیان تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے تھپڑ مارنے کی خواہش پر قابو پایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا اندازہ غلط ہے مجھے تمہاری خوب صورتی یا جسم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے تمہیں صرف اس لیے چھوڑا ہے کہ تمہیں چوری کے سونے سمیت پولیس کے حوالے کروں تاکہ تمہیں ڈکیتی اور اپنے دو ساتھیوں کو قتل کرنے کی سزا ملے۔''

اس کی آنکھیں بے یقینی آمیز خوف سے پھیل گئیں۔ ''تم..... ایسا نہیں کر سکتے؟''

''کیوں نہیں کر سکتا اور مجھے یا کسی بھی قانون پسند شہری کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔''

''سنو تم سونا لے لو یا جو چاہے کرو لیکن مجھے پولیس کے حوالے مت کرو۔ میں گرفتار ہونے پر موت کو ترجیح دوں گی۔''

''ٹھیک ہے اگر تم کہتی ہو تو میں تمہیں شوٹ کر دیتا ہوں لیکن تمہاری لاش تو پولیس کی تحویل میں جائے گی۔'' میں نے کہا اور اس کے سر پر یوں پستول رکھا جیسے گولی چلانے والا ہوں۔ وہ بوکھلا کر بولی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''پھر کیا مطلب تھا؟'' میں نے کہا۔ ''تم نے ان دو بیوقوفوں کو راضی کر لیا کہ وہ تمہارے لیے ڈاکا ماریں۔''

''ہم ساتھی تھے یہ ان کی پلاننگ تھی۔''

''اس کے بعد تمہاری پلاننگ یہ تھی کہ ان دونوں کو مار کر ان کے حصے پر بھی قابض ہو جاؤ۔''

''حفیظ تمہاری وجہ سے مارا گیا اور ماجد زخمی تھا اگر میں اسے نہیں مارتی تو وہ پولیس کو میرے بارے میں بتا دیتا۔'' وہ اپنا دفاع کر رہی تھی۔

''تمہارے پاس سے دبئی کا ٹکٹ نکلا ہے دو دن بعد تمہاری فلائیٹ ہے۔''

وہ چونکی۔ ''تم نے میری تلاشی لی ہے؟''

''ہاں سونے گی ڈلی سمیت سب میرے قبضے میں ہے۔''

''سنو۔'' وہ خوف زدہ ہو کر بولی۔ ''تم یہ سب لے لو اور مجھے جانے دو۔''

''مجھے بھی تمہارا اچار نہیں ڈالنا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن آزادی کی ایک ہی قیمت ہے مجھے اپنے بارے میں سب سچ بتا دو۔''

''کیا سچ بتا دوں؟'' وہ بدک جانے والے انداز میں بولی۔

''تم دو دن بعد یہاں سے جا رہی ہو کیا تمہیں یقین تھا کہ یہ ڈاکا کامیاب رہے گا۔''

''ہاں.....''

''کس بنیاد پر یقین تھا؟''

وہ چپ رہی اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ دیر کی وجہ سے میرے کپڑے تقریباً خشک ہو گئے تھے اگرچہ ان کی شکل تباہ ہو گئی تھی خود میرے بالوں میں گھاس پھونس اٹک گئی تھی۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ''تم اس طرح سے جواب نہیں دو گی بہرحال میں نے وہ دونوں پستول محفوظ کر لیے ہیں جن سے یہاں گولیاں چلی ہیں اور دوسرے پستول پر بھی میں نے تمہاری انگلیوں کے نشانات حاصل کر لیے ہیں۔'' یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات میں نے اسے ڈرانے کے لیے کہی تھی۔ ''اگر تم مجھے مطمئن نہیں کر سکیں تو میں وہی کروں گا جو ابھی میں نے کہا ہے۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ کسمسائی۔ ''اگر تم نے مجھے نہیں چھوڑا تو میں راستے میں شور مچا دوں گی۔''

''تم نے اچھا کیا جو یہیں بتا دیا۔'' میں نے جیپ روکی اور ایک کپڑے سے اس کا منہ بند کر دیا۔ قریب سے دیکھنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بہت دلکش لڑکی ہے۔ لڑکی میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کی جسمانی ساخت لڑکیوں والی تھی ورنہ اس کی گفتگو سے لگتا تھا کہ وہ خاصی تجربے کار ہے۔ اس کی صورت اور بالوں کا اسٹائل ہالی ووڈ کی اداکارہ سینڈرا بلوک سے ملتا تھا غالباً صورت کی وجہ سے اس نے بالوں کا اسٹائل بھی یہی کر لیا تھا۔ اس نے جینز کے ساتھ شرٹ اور اوپر ہلکی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ ان میں سے کسی کے پاس سے موبائل فون نہیں نکلا تھا ورنہ میں عبداللہ یا وسیم سے رابطہ کر سکتا تھا۔ انہیں بلا لیتا تو میرا کام آسان ہو جاتا لیکن اب مجھے خود وہاں جانا تھا۔ اس آفت کے ساتھ ہوتے ہوئے میں راستے میں کہیں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد میں مری روڈ پر نکل آیا۔ یہ ایک ذیلی سڑک تھی جو اس جھیل کو تقریباً چھوتی ہوئی گزر رہی تھی۔ میں نے احتیاطاً اندر کی لائٹس بند کر دیں۔ عبداللہ کی کوٹھی کے بجائے میں نے فارم ہاؤس جانے کا فیصلہ پہلے ہی کر لیا تھا۔ عبداللہ کی کوٹھی سارے دشمنوں کی نظر میں آ چکی تھی اور وہاں بار بار جانا ٹھیک نہیں تھا۔ فارم ہاؤس دور تھا مگر دشمنوں سے محفوظ تھا۔ مجھے وہاں پہنچنے میں تقریباً پون گھنٹہ لگ گیا۔ جیپ مین گیٹ کے سامنے روکی۔ تاکہ مانی مجھے دیکھ لے پھر اندر سے کوئی نہ کوئی آ جاتا۔ میں نے اپنی صورت نمایاں کی تو اس کا خاطر خواہ ردعمل سامنے آیا پہلے بیتو باڑے سے فرار ہونے والے جانور کی طرح دوڑتا ہوا آیا اس کے پیچھے سفیر تھا۔ بیتو مجھ سے لپٹ گیا اور سلام دعا کے بجائے اپنا فیصلہ سنایا۔

''اب ہم آپ کو کہیں اکیلا نہیں جانے دے گا آپ جا کر غائب ہو جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے مت جانے دینا لیکن ابھی تو چھوڑو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ اپنوں کے درمیان لوٹ آنے سے جو طمانیت محسوس ہوئی تھی۔ اس نے میرے اعصاب کو ہلکا کر دیا تھا سفیر کے تیور جارحانہ تھے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''فی الوقت خاکسار بہت دھکے کھا کر آ رہا ہے اور مرتے مرتے بچا ہے مگر ساتھ ہی ایک خاتون بھی ہیں۔''

''خاتون۔'' سفیر کا غصہ اشتیاق میں بدل گیا۔ ''کون ہیں اور کہاں ہیں۔''

میں جیپ اندر لے آیا باہر رُونمائی مناسب نہیں تھی۔ پھر بیک ڈور کھول کر تعارف کرایا۔ ''مس ماہا..... پیشہ ور ڈکیت ہیں اور اپنے ہی دو ساتھی مار چکی ہیں..... میری قسمت اچھی تھی ورنہ تیسرا شکار میں ہوتا۔''

''کاش تیری جگہ میں ہوتا۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''ساری حسینائیں تجھے ہی ملتی ہیں۔''

وسیم بھی آ گیا مجھ سے مل کر اس نے ماہا کا معائنہ کیا اور پھر اسے کھینچ کر جیپ سے نیچے اتارا ماہا نے مزاحمت نہیں کی تھی اب وہ کچھ خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ ''میرا خیال اندر چلتے ہیں یہاں خاصی سردی ہے۔''

''یہ جیپ پیچھے لے جاؤ پتا نہیں اس کی ہے یا چوری کی ہے۔'' میں نے بیتو کو کہا۔ جیپ ابھی تک اسٹارٹ تھی چابی کے بغیر اسے کیسے بند کرتا۔ میں نے بیتو کو وائر کا بھی بتا دیا تھا جس کو الگ کرنے سے انجن بند ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا۔ اندر آ کر مجھے وہی سکون ملا تھا جو کہیں سے تھکے ہارے انسان کو گھر آنے کے بعد ملتا ہے۔ میں نے اپنے کمرے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں بھوک سے فوت ہونے والا ہوں اس لیے احتیاطاً غسل کرنے جا رہا ہوں۔''

میں نے نہا کر کپڑے بدلے اور نیچے آیا تو سفیر نے بچا کھچا گرم کر دیا تھا اور یہ بچا کھچا بھی نہایت شاندار قسم کا تھا۔ چکن کڑاہی، شاہی پراٹھے اور ایک عدد سالم تکہ تھا جو نہ جانے کیسے بیتو اور مانی کی دست برد سے بچ گیا تھا۔ کھانے کے اختتام پر لاجواب کافی تھی۔ میں نے خود کو بہت آسودہ محسوس کیا تھا۔ جب تک میں کھاتا رہا وسیم مجھے یہاں کے حالات اور واقعات سے آگاہ کرتا رہا۔ اس نے بتایا کہ ثمینہ ہمارے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ گزشتہ رات ہونے والا دھماکہ کسی ٹائم بم کا تھا۔ اس میں نادر کے چار گارڈ مارے گئے تھے اور دو زخمی ہوئے تھے لیکن وہ خود محفوظ رہا تھا۔ نادر کے بچ جانے کی خبر سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا اور اس سے بھی زیادہ اچھی بات یہ تھی کہ اس نے ایف آئی آر میں اپنے بھائی مرشد پر شبہ ظاہر کیا تھا۔ لازمی بات ہے یہ مرشد کا ہی کام تھا وہ اپنے بھائی کو اس دنیا سے رخصت کرنے کے لیے بے قرار تھا۔

''نادر اب کہاں ہے؟''

''یہ معلوم کرنا پڑے گا کیونکہ پولیس کی آمد سے پہلے ہی وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔ میرے آدمی نے تعاقب کیا لیکن اس کی گاڑی کو نادر کے محافظوں نے فائرنگ کر کے ناکارہ کر دیا۔''

''نادر نے خود رپورٹ درج کرائی ہے؟''

''ہاں عبداللہ نے معلوم کیا ہے وہ متعلقہ تھانے خود آیا تھا اور اس نے بہ نفس نفیس رپورٹ لکھوائی ہے۔''

''یہ اچھا ہوا کہ نادر زندہ بچ گیا اور اس نے رپورٹ بھی لکھوا دی۔ ورنہ وہ مارا جاتا تو مرشد کو اس سے نجات مل جاتی اور وہ نادر کے قتل کا الزام بھی ہم پر لگا دیتا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے، کوٹھی کے جس حصے میں دھماکہ ہوا وہ نادر کا عشرت کدہ ہے اور اس رات وہاں ثمینہ کو بلایا گیا تھا لیکن اس کی طبیعت خراب ہو گئی اور اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ دوسری کو تلاش کرنے میں وقت لگا۔ دھماکہ ٹائم بم کا تھا اور وہ یقیناً کئی گھنٹے پہلے وہاں لگا دیا گیا تھا نادر وہاں نہیں پہنچا اور بم اپنے ٹائم پر پھٹ گیا۔''

''اچھا ہوا وہ مرنے سے بچ گیا ورنہ مرشد ایف آئی آر ہمارے خلاف درج کراتا۔'' میں نے کہا۔

''البتہ یہ برا ہوا کہ نادر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''اسے جہنم میں جھونکو۔'' میں نے کہا۔ ''کل رات میں نے آرمی ریسٹ ہاؤس میں غور و فکر فرمایا تو انکشاف ہوا کہ ہم گمراہ تھے۔''

''تیرے بارے میں مجھے یقین ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''پہلے زرین ملی تھی اور اب یہ نئی گوٹا کناری اٹھا لایا ہے۔ ہم ہیں شریف لوگ نکاح کر کے گھر میں ڈالا ہے۔''

''آپ بکواس بند کریں گے یا میں مونا کو آپ کے ارشادات سے آگاہ کروں جو آپ نے ماہا کو دیکھ کر فرمائے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''میں دشمنوں کے خلاف اپنی حکمتِ عملی کی بات کر رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم جو مسکرا رہا تھا سنجیدہ ہو گیا۔ ''شہباز صاحب بہ خدا چند دن سے میں بھی اسی بات پر غور کر رہا ہوں کہ ہمارا اصل نشانہ فتح خان اور مرشد کو ہونا چاہیے۔ نادر علی اب ایک بے بس سانپ ہے۔ اصل اژدھا مرشد ہے۔ اسی طرح ہم شہلا کے پیچھے لگے رہے اور فتح خان کو نظر انداز کر دیا۔''

''بالکل نتیجے میں یہ آزاد ہیں ہمارے خلاف کچھ بھی کرنے کے لیے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''مرشد ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہا ہے۔ وہ نادر سے چھٹکارے کے ساتھ اس کے قتل کا الزام ہم پر لگانا چاہ رہا ہے۔ اگر نادر مر جاتا تو وہ اس وقت کھل کر ہمارا دشمن بنا ہوتا۔ اسی طرح فتح خان مسلسل میرے پیچھے ہے وہ مجھے استعمال کر کے اپنی مقصد براری چاہتا ہے۔''

''کیا چاہتا ہے شوبی بھائی۔'' بیتو جو غور سے سن رہا تھا گڑبڑا کر بولا۔

''اپنا مفاد حاصل کرنا چاہتا ہے۔'' مانی نے سمجھایا۔

''اب آپ بتائیں کہ آپ پر کیا گزرا۔'' بیتو نے پوچھا۔ ''آپ پورا تو دن بعد آیا ہے۔''

''یار بہت کچھ ہوا اور داستان بڑی لمبی ہے لیکن میں اختصار سے سناتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اللہ کا کوئی بندہ اس دوران میں چائے کافی کی سپلائی جاری رکھے۔''

''یہاں سارے اللہ کے بندے ہیں۔'' سفیر نے انکار کر دیا۔ ''میں اکیلا کچن انچارج نہیں ہوں۔''

''میں بنا کر لاتا ہوں۔'' مانی نے کہا۔ ''لیکن تب تک آپ انہیں کچھ نہیں بتائیں گے۔''

''بالکل میں ہونٹ سی لوں گا۔'' میں نے کہا اور وسیم سے ماہا کے بارے میں پوچھا۔ ''اسے کہاں رکھا ہے؟''

''اوپر ایک اسٹور ہے جس کا دروازہ باہر سے بند ہو جاتا ہے اسی میں ہے۔ میں نے کھول دیا تھا اور ایک کمبل اور تکیہ دے دیا ہے۔''

''کھانے کو نہیں دیا؟''

''نہیں..... صبح تک بھوکی پیاسی رہے گی تو دماغ درست ہو جائے گا۔''

''بڑی خطرناک چیز ہے اس نے اتنے آرام سے دو قتل کیے اور پھر فرار ہونے کے بجائے مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی وہ تو زندگی تھی ورنہ اس نے اپنے طور پر کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

''تب میری درخواست ہے، اس پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے اگر یہ ہمارے کام کی نہیں ہے تو اسے پولیس کے حوالے کریں وہ خود اس سے نمٹ لے گی۔''

''بالکل خاتون نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک جیولر کو لوٹا۔'' میں نے اس سونے کا ڈلا نکال کر میز پر رکھا۔ ''حاصل ہونے والے زیورات اب اس میں شامل ہیں۔''

سفیر نے ڈلا اٹھایا۔ ''میرے خدایہ تو ایک کلو سے زیادہ وزنی ہے۔''

''پندرہ سو بیس گرام اور خالص سونا ہے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''بازار میں اتنے سونے کی قیمت ساٹھ لاکھ روپے سے زیادہ ہے۔''

''ساٹھ لاکھ یعنی انہوں نے لمبا ہاتھ مارا۔'' بیتو بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن کیا فائدہ..... ان میں سے دو ہمیشہ کے لیے لمبے ہو گئے اور تیسری یہاں ہماری قید میں ہے۔ اس کا مقدر بھی جیل یا پھانسی کا پھندہ بنے گا۔''

مانی کافی بنا کر لایا تو وہ بھی سونے کا ڈلا دیکھ کر حیران ہوا اس نے اٹھا کر کہا۔ ''یہ اصلی ہے؟''

''اتنا ہی اصل جتنا خالص بھوسہ تمہارے سر میں بھرا ہے۔'' سفیر نے یقین سے کہا۔

''سفیر بھائی آپ میرے پیچھے کیوں رہتے ہیں۔'' مانی بھنا کر بولا۔ ''خود آپ کے سر میں کیا ہے؟''

''وہ جو بھوسہ کھائے جانے کے بعد وجود میں آتا ہے۔'' سفیر نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''ورنہ شادی کیوں کرتا۔''

''شکر کرو مونا دیدی اتنا اچھا کھانا بناتا ہے۔''

سفیر نے بیتو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''ابھی بچے ہو عورت کا بس یہی فائدہ تمہارے ننھے سے دماغ میں آتا ہے۔''

مانی کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے اسے ٹریک پر لایا گیا اور میں نے اپنی کہانی شروع کی۔ چند منٹ بعد سب اس میں گم ہو گئے تھے۔ واقعات بہت زیادہ تھے اور اختصار کی ساری کوششیں ان سب کے سوالات نے ناکام بنا دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بات ختم ہوتے ہوتے رات کے دو بج گئے تھے۔ میں تھکن اور نیند محسوس کر رہا تھا لیکن اتنی بھی نہیں کہ اپنی بات پوری کیے بغیر سو جاتا۔ اس دوران میں باری باری سب چائے کافی بناتے رہے تھے۔ مانی کے بعد وسیم نے بنائی اور پھر بیتو نے چائے بنائی جو خلافِ توقع بہت اچھی تھی۔ سفیر نے اٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایاز کے بارے میں پتا چلا کہ وہ عبداللہ والی کوٹھی میں تھا اور وہاں سیکورٹی کا انچارج بن گیا تھا۔ کیونکہ سابق انچارج اب وسیم کے ساتھ تھا اور موبائل سیکورٹی وین اس کے پاس ہوتی تھی۔

''وہ بہت اچھا ڈرائیور اور کمپیوٹر استعمال کرنا بھی جانتا ہے۔'' وسیم نے بتایا۔ ''ایاز ڈرائیور اس سے اچھا ہے لیکن کمپیوٹر استعمال نہیں کر سکتا ہے۔''

مانی اسٹڈی کی طرف چلا گیا۔ بیتو وہیں صوفے پر بیٹھے بیٹھے سو گیا اور سفیر نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ سینٹرلی ہیٹڈ ہونے کی وجہ سے اندر سردی کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں وسیم کے ساتھ اوپر آیا۔ فتح خان اور شہلا کے بارے میں بتایا تھا لیکن بریف کیس والا معاملہ میں نے سامنے نہیں رکھا تھا میں وسیم سے اس بارے میں بات کرنا چاہتا تھا اس لیے اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ ''شہلا کا کچھ پتا چلا؟''

''کسی حد تک.....'' وہ بولا۔ ''عبداللہ نے اسے ٹریفک میں ایک گاڑی میں دیکھا تھا بدقسمتی سے وہ دوسری طرف جا رہی تھی کچھ دیر کے لیے دونوں طرف ٹریفک جام ہوا تو دونوں گاڑیاں بالکل پاس پاس رکیں اور عبداللہ نے شہلا کو دیکھ لیا۔ اس نے بھی عبداللہ کو دیکھ لیا تھا اس لیے نہایت عجلت میں فرار ہوئی۔ عبداللہ بس اس کی کار کا نمبر نوٹ کرنے میں کامیاب ہوا۔ جب تک وہ اگلے کٹ سے گھوم کر اس سڑک پر آتا شہلا غائب ہو چکی تھی۔''

''نمبر سے کیا پتا چلا؟''

''گاڑی صابر ترمذی کے نام پر رجسٹر ہے۔ یہ ایک مقامی بدمعاش ہے۔ میرے آدمی اس کی نگرانی کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے ہیں لیکن ابھی تک اس کا شہلا سے کوئی تعلق سامنے نہیں آیا ہے۔''

''تعلق سامنے نہیں آیا ہے۔'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''وہ اس کے نام رجسٹر گاڑی میں پھر رہی ہے اور تم کہہ رہے ہو تعلق سامنے نہیں آیا ہے۔''

''میرا مطلب ہے ان کا آپس میں لنک واضح نہیں ہے۔''

''اگر وہ آپس میں رابطہ رکھتے ہیں تو تمہارے یا کسی کے سامنے تو نہیں رکھیں گے۔ یار تمہاری عقل کو کیا ہوا ہے؟ تم نے اس کے فون یا گھر کو بگ کیا ہے؟''

''نہیں..... دراصل آپ کی فکر میں ہم سارے کام بھولے ہوئے تھے۔''

''میری فکر کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس کے بجائے وہ کام کرتے جس کا فائدہ ہوتا۔'' مجھے غصہ آ گیا تھا۔

''سوری شہباز صاحب۔'' وسیم شرمندہ ہو گیا۔

''خیر آئندہ ان چیزوں کا خیال رکھنا۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں ایک خاص بات کے لیے تمہیں یہاں لایا ہوں۔'' میں نے اسے بریف کیس کے بارے میں بتایا۔ ''مجھے شبہ ہے فتح خان اور شہلا اس کی اہمیت سے واقف ہو گئے ہیں یا ہمارے نئے دشمن کرنل زریسکی عرف عبدالرحمٰن نے انہیں احساس دلایا ہے اور وہ بھاری قیمت کے عوض اس بریف کیس کا سودا کسی ایسی طاقت سے کرنا چاہتے ہیں جسے چین سے دشمنی ہو۔ بلکہ امکان ہے وہ بھارتیوں سے اس کا سودا کر بھی چکے ہیں۔''

''چین کے دشمن ممالک کی کوئی کمی نہیں۔'' وسیم بولا۔ ''امریکہ تو دشمن ہے بھارت بھی چین کا بڑا بننے کی کوشش میں چین کے سامنے کھڑا ہونا چاہتا ہے اور روس بھی چین کا بہت اچھا دوست نہیں ہے۔ جب ان دونوں ممالک کا نظریہ ایک ہی تھا تب بھی وہ چین کی پیٹھ میں چھرا گھونپ چکا ہے۔ ان میں سے ہر ملک اس کے فوجی راز حاصل کرنا چاہے گا۔''

''بریف کیس شہلا کے پاس تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ اسے گنوا چکی ہے فتح خان اور کرنل مل کر اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''گنوا چکی ہے۔'' وسیم چونکا۔ ''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''اگر بریف کیس ان کے پاس ہوتا تو وہ اب تک اس کا سودا بھی کر چکے ہوتے۔ مگر وہ اسے کھو چکے ہیں اور اب اسے تلاش کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے فتح خان نے مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی کہ میں اس کی تلاش میں رکاوٹ نہ بنوں۔''

''اس صورت میں ہمیں پہلے معلوم کرنا چاہیے کہ وہ بریف کیس کہاں ہو سکتا ہے؟''

''یہ بات شاید ہمیں شہلا بتا سکتی ہے۔ فتح خان تک بھی وہی رہنمائی کر سکتی ہے میرا اندازہ ہے بریف کیس کے بارے میں فتح خان ہی جانتا ہے۔''

''یعنی ہمارا پہلا ٹاسک شہلا کو تلاش کرنا ہے؟''

''بالکل۔'' میں نے کہا۔ ''دوسرے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی ہے جہاں ہم بے خوف و خطر اپنے قیدیوں کو رکھ سکیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم مسکرایا۔ ''یہ کام میں پہلے ہی کر چکا ہوں جناب۔''

وسیم نے نوشہرہ جانے والی سڑک پر ایک پرانی حویلی حاصل کر لی تھی۔ یہ زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن ہمارے لیے نہایت موزوں تھی۔ ایک تو یہ تقریباً تمام شہروں کے آس پاس تھی۔ دوسرے اس کے نزدیک کہیں کوئی آبادی نہیں تھی اور تیسرے یہاں بجلی کی سہولت تھی۔ سب سے بڑھ کر اس میں ایک ایسا تہہ خانہ تھا جس میں کسی کو بند کیا جاتا تو اس کی روح ہی وہاں سے نکل سکتی تھی۔ وسیم نے اسے ہیڈ کوارٹر کے طور پر منتخب کیا تھا اور سارا سامان وہاں منتقل کر دیا تھا۔ حویلی کا ظاہری روپ ویسا ہی چھوڑ کر اس کے اندر چند کمروں اور تہہ خانے کو صاف اور رہائش کے قابل بنا لیا تھا۔ آنے جانے کے لیے سامنے کے بجائے عقب میں موجود چھوٹے گیٹ کا انتخاب کیا تھا۔ گاڑیاں بھی وہیں کھڑی کی جاتی تھیں اگر کوئی سامنے سے آ کر دیکھتا تو اسے عمارت اور احاطہ ویران ہی نظر آتا۔ کمپیوٹر اور لیپ ٹاپ بھی وہیں موجود تھی۔

''یہ تم نے اچھا کام کیا ہے اب سب سے پہلے صابر ترمذی کے گھر کو بگ کرو۔ وہ کرتا کیا ہے؟''

''بظاہر اسٹیٹ کا کام ہے لیکن سنا ہے زمینوں پر قبضے کرتا ہے اور جعلی کاغذات بنوا کر بیچ دیتا ہے۔ کسی زمانے میں بدمعاش بھی رہا ہے لیکن بظاہر شریف ہو گیا ہے۔''

''شہلا کا سراغ اسی سے ملے گا۔''

''میں ابھی روانہ ہوتا ہوں۔''

''اتنی رات گئے؟''

''ایسے کام رات ہی میں ٹھیک ہوتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''ویسے میں نے سوچا ہے ہمیں دن میں باہر جانے سے گریز کرنا چاہیے اور رات کو اپنے کام نمٹانے چاہئیں کیونکہ اس طرح نظروں میں آنے کا امکان کم ہوتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن مسئلہ یہ ہے کہ حالات پر ہمارا کنٹرول نہیں ہے۔''

''وہ بھی ہو جائے گا اگر ہم چند اصول اپنا لیں اس میں سب سے پہلا اصول حفاظت اور دشمن سے دور رہنے کا ہے۔'' وسیم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے جانے کے بعد میں لیٹ گیا اور کچھ دیر میں سو چکا تھا۔ میری آنکھ صبح سویرے کھلی۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ پھر سفیر اندر آیا اس نے کہا۔

''بھائی اب اٹھ جا سورج سر پر آنے والا ہے۔''

''بکواس نہ کر سورج وہ سامنے طلوع ہو رہا ہے۔'' میں نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''میرا مطلب ہے چار پانچ گھنٹے بعد سر پر آ جائے گا۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ ''دیگر احوال یہ ہے کہ وسیم تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

میرا موبائل ہمیشہ کی طرح غائب ہو گیا تھا آخری موبائل میں نے خود کموڈ میں پھینک کر برباد کیا تھا تاکہ دشمن اس میں سے کوئی نمبر نہ حاصل کر سکیں۔ سفیر اپنا موبائل لایا تھا میں نے اس سے موبائل لیتے ہوئے کہا۔ ''یار میرے لیے کسی موبائل کا بندوبست کر۔''

''یہ تیرے لیے ہی لایا ہوں اس میں موجود سم میں سب کے نمبرز ہیں۔'' سفیر نے جاتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وضاحت کی۔ ''آدھے گھنٹے بعد ناشتہ تیار ملے گا۔''

میں نے وسیم کا نمبر ملایا۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''کام ہو گیا اب آرام ہو رہا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''میں صابر ترمذی کے گھر کے پاس ہوں۔ اس کا گھر رات کو بگ کر دیا تھا اس کا فون بھی بگ کیا ہے۔''

''کوئی کام کی بات معلوم ہوئی؟''

''ابھی تک تو نہیں ہوئی، میں خود وین میں ہوں۔''

''رات میں بھول گیا تھا اور اتفاق کی بات ہے کہ دشمن کی قید سے نکل کر جب عبداللہ سے بات کرنے کا موقع ملا تب بھی بھول گیا۔''

''اگر آپ کرنل زریسکی کا بتانا چاہ رہے تھے تو اس کا پول تو آپ کے غائب ہوتے ہی کھل گیا تھا۔ وہ محل کے کنٹرول روم سے فتح خان کو کال کرتا تھا اور اسے علم نہیں تھا کہ سیکرٹری بیگ بھی اس جگہ کی نگرانی کرتا ہے لیکن پول کھل جانے کے بعد وہ چھلاوے کی طرح محل سے فرار ہو گیا۔''

''چلو اچھا ہوا کہ راجا صاحب کو بے خبری میں کوئی نقصان نہیں ہوا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ اور سفیر فارم سے حویلی میں شفٹ ہو جائیں۔''

''نہیں سفیر کے لیے میں نے کچھ اور سوچا ہے یہاں کے معاملات میں خود دیکھوں گا۔ یہ جگہ بھی بہت ضروری ہے۔ ہمارے پاس ہمیشہ ایک سے زیادہ مکمل ٹھکانے ہونے چاہئیں۔ حویلی تم چلے جاؤ۔''

''ٹھیک ہے لیکن فارم میں آمد و رفت کم سے کم ہو تو بہتر ہے۔ یہ معروف جگہ ہے اور دشمن کی نگاہ میں آنے کے امکانات زیادہ ہیں۔''

میں نے وسیم سے اتفاق کیا۔ ''ثمینہ کس طرح قابو میں آئی؟''

''زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔'' وسیم ہنسا۔ ''وہ پہلے ہی نادر سے نفرت کرتی ہے۔ وہ جنس کے معاملے میں ناکارہ ہونے کے بعد نفسیاتی مریض بن گیا ہے۔ اپنی تسکین کے لیے وہ ان عورتوں کو بلواتا ہے اور ان کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کرتا ہے۔ وہ پیسے کی خاطر چلی جاتی ہیں اور اس کی زیادتیاں بھی برداشت کرتی ہیں لیکن اس سے شدید نفرت بھی کرتی ہیں۔''

''ثمینہ نے نادر کے بارے میں کوئی کام کی بات بتائی؟''

''کچھ اہم باتیں بتائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ فاضلی اصل میں مرشد کا آدمی ہے لیکن وہ نادر کا اعتماد بھی رکھتا ہے۔''

''یہ حیرت انگیز بات ہے کہ نادر ایک ایسے شخص پر کس طرح اعتماد کر رہا ہے۔''

''پتا نہیں.....'' وسیم نے کہا۔ ''مجھے بھی یہ بات سمجھ نہیں آئی ہے نادر ذہنی طور پر پہلے کی طرح شاطر ہے اور اسے اچھی طرح پتا ہے کہ فاضلی مرشد کا خاص آدمی ہے۔ بہرحال..... دوسری بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ نادر نے ثمینہ کے ساتھ جانے والی ایک کال گرل کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ اس کا صبر و ضبط جواب دے گیا تھا اور اس نے نادر کو نہایت گندی گالیاں دی تھیں۔ نہ صرف گالیاں بلکہ دھمکی بھی دی تھی کہ وہ سب کے سامنے اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ال لوں ، ے گی۔ نادر جیسے لوگ کسی کی دھمکی کہاں برداشت کرتے ہیں۔ اس نے کال گرل کو خود کوڑے مار مار ا ار ا ا ا تھا ا ر ثمینہ کو یہ منظر دیکھنے پر مجبور کیا تھا بعد میں فاضلی نے اس کال گرل کی لاش کہیں ٹھکانے لگا دی تھی ثمینہ کا کہنا ہے نادر خطرناک قسم کا نفسیاتی مریض بن گیا ہے ایسے لوگ ساری دنیا کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم فاضلی کی نگرانی کراؤ وہ نادر سے رابطے میں ہوا تو اس کا سراغ پھر مل جائے گا۔"

"میں نے یہ کام پہلے ہی کر لیا ہے۔ میرے دو آدمی مرشد ہاؤس کے پاس ہیں اور جیسے ہی فاضلی وہاں ے ا ا اس کی نگرانی شروع ہو جائے گی..... ایک منٹ شہباز صاحب، صابر کے گھر میں کوئی سرگرمی ہو رہی ہے۔ میں اسے چیک کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم اپنا کام کرو میں ناشتہ کرتا ہوں۔"

میں نیچے آیا تو سفیر دودھ، ڈبل روٹی، مکھن، شہد اور اورنج جوس کا ناشتہ میز پر لگا چکا تھا۔ مانی اور بیتو سو رہے تھے لیکن جب وہ اٹھ کر یہ ناشتہ دیکھتے تو ان کی بھوک مر جاتی۔ "آج تمہیں ان مضر صحت چیزوں کا خیال کیسے آ گیا؟"

"میری ہمت جواب دے گئی ہے پراٹھے بنا بنا کر۔" سفیر بولا۔ "یہ مانی ہی کم نہیں تھا اوپر سے بیتو بھی آ گیا اور لگتا ہے دونوں میں خوش خوراکی کا مقابلہ ہو رہا ہے۔"

"یار وہ یہ سب نہیں کھائیں گے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ تیار پراٹھے لے آئے۔ ان کو بس گرم کرنا پڑتا ہے۔"

"گرم تو کرنا پڑتا ہے بھائی۔" اس نے فریاد کی۔ "یہ لوگ مل کر پانی پینے کے روادار بھی نہیں ہیں اور سب مجھ پر چھوڑ رکھا ہے۔"

"تب ایسا کر حویلی چلا جا....."

"نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس نے فوراً انکار کر دیا۔ "یہاں کم سے کم آرڈر ڈلیور کرنے والے تو آ جاتے ہیں۔ اس سے میری تھوڑی بہت بچت ہو جاتی ہے۔"

"بیٹے کسی دن ڈلیور کرنے والوں کے پیچھے دشمن بھی آ جائیں گے اور سب کو ایک ساتھ سمیٹ کر لے جائیں گے۔"

"خواہش تو میری بھی یہی ہے۔" وہ بولا۔ "ان کم بختوں سے کسی اور طرح جان چھوٹتی نظر نہیں آ رہی ہے۔"

اچانک مجھے خیال آیا۔ "ماہا کا کیا کیا ہے؟"

"اس کا کیا کرنا ہے صبح واش روم کی سیر کرا کے ناشتہ ڈال دیا تھا اب آرام سے اپنے قفس میں ہے۔"

ناشتے کے بعد میں اوپر آیا۔ اسٹور کی کنڈی صرف ے لگتی تھی اور خاصی مضبوط تھی۔ میں نے کنڈی کھولی۔ ماہا کونے میں ہاتھوں میں دونوں گھٹنے سمیٹ کر بیٹھی تھی۔ اس نے میری آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا اور اسی طرح بیٹھی رہی۔ "میرا خیال ہے تم نے سوچ لیا ہوگا، سچ بول کر اپنے لیے آزادی حاصل کرو گی یا جھوٹ بول کر پھانسی کے تختے یا ساری عمر کے لیے جیل جانے کو ترجیح دو گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر میں کچھ کہوں گی تو تم کیسے فیصلہ کرو گے کہ میں سچ بول رہی ہوں یا جھوٹ؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''سچ یا جھوٹ کا جاننا کوئی مشکل نہیں ہے صرف ایک دن لگے گا تصدیق ہونے میں۔''

''تمہیں مجھ سے کیا دلچسپی ہے؟''

''کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''لیکن تم نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتی تھی اگر تم پولیس کے پاس چلے جاتے تو میرا اس ملک سے نکلنا ممکن نہ رہتا۔''

میں چونکا۔ ''اس کا مطلب ہے پولیس کے پاس تمہارا ریکارڈ موجود ہے۔''

وہ چپ رہی پھر کچھ دیر بعد کہا۔ ''مجھے جانے دو مجھے پولیس کے حوالے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا مجھے عادی مجرم انہوں نے بنایا ہے۔ ورنہ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں ایک چور کی بیٹی ہوں۔ ایک دن پولیس والے اسے پکڑنے آئے تو ساتھ میں مجھے بھی لے گئے۔ رات بھر میرے ساتھ وہاں کیا ہوا تم اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔'' اس کے لہجے میں تپش آ گئی۔ ''میرے باپ کے سامنے میری آبروریزی کی گئی اور وہ چور تھا بے غیرت نہیں تھا صدمے سے مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد بھی.....''

''مجھے یہ سب بتانے کا فائدہ.....'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ ''بس ہمت جواب دے گئی۔ تم تو سچ سننا چاہتے تھے۔ میری زندگی میں اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے بعد میں ان تمام پولیس والوں کو ایک ایک کر کے مارا۔ ایک بار پکڑی گئی، کئی مہینے تک تھانوں اور جیل میں اسی عذاب سے گزری پھر کوشش کر کے فرار ہو گئی۔ اب بھی مفرور ہوں۔''

''اسی وجہ سے تم اس ملک سے بھاگنا چاہتی ہو۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے بہت کچھ جمع کر لیا ہے لیکن وہ تم مجھ سے حاصل نہیں کر سکتے وہ سب دبئی میں محفوظ ہے۔ اگر تم یہ سونا رکھنا چاہو تو رکھ لو۔''

سفیر میرے پیچھے آیا تھا۔ اس نے آواز دے کر مجھے باہر بلایا۔ میں نے باہر آ کر کنڈی بند کی سفیر مجھے ایک طرف لے گیا اور آہستہ سے بولا۔ ''اس مصیبت کو بلاوجہ لے آئے اب اس سے جان چھڑاؤ..... یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔''

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو سونا کے شوہر۔''

''بس تو اس کا سونا اس کے حوالے کرو اور یہاں سے چلتا کرو۔''

''ایسے نہیں یار اسے آنکھیں بند کر کے کہیں چھوڑنا ہے تا کہ یہ جگہ نہ دیکھ سکے۔ یہ کام بعد میں کریں گے، ابھی اسے یہاں پڑا رہنے دو اور سونا اس کے حوالے نہیں کرنا یہ چوری کا مال ہے اس کے اصل مالک تک واپس پہنچانا ہے۔''

''چل ٹھیک ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ ''اب اس پر وقت مت ضائع کر۔''

''یہ بتا کہ خواتین کو بیرون ملک بھیجنے کا جو پروگرام تھا اس کا کیا بنا؟''

''کیا بننا تھا انہوں نے انکار کر دیا ہے۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''وہ ہمیں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔"

"عبداللہ والی کوٹھی تمام دشمنوں کی نظروں میں آ چکی ہے اور کسی اور جگہ ہم ان کو اتنی سیکورٹی مہیا نہیں کر سکتے ہیں۔"

"فارم ہاؤس اور حویلی جیسی جگہیں ان کے لیے نہایت ناموزوں ہیں۔" سفیر نے سر ہلایا۔ "مونا تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ بھاگ دوڑ کر سکے۔"

میں چونکا۔ "کیا مطلب.....؟"

سفیر شرمیلے انداز میں مسکرایا تو میں سمجھ گیا اور اس کے شانے پر مکا کر چلایا۔ "ابے ہم سے استادی..... چوری چوری باپ بننے جا رہا ہے۔"

شور سن کر بیتو دوڑا آیا اور خوش ہو کر بولا۔ "کیا ہوا شوبی بھائی..... سفیر بھائی کا مرڈر کر ا ہے صبح صبح....."

سفیر خفا ہو گیا۔ "تم سب سالے میرے دشمن ہو رہے ہو میرے بچے کو پیدا ہونے سے پہلے یتیم کرنا چاہتے ہو۔"

"بچہ۔" بیتو نے غور کیا اور پھر چلایا۔ "سفیر بھائی آپ باپ بننے والے ہو۔"

"یہ واقعہ کب ہوا..... اور میرا بھتیجا یا بھتیجی کب دنیا میں آئے گی۔"

"یار اتنی تازہ خبر ہے کہ آج کی اخبار میں بھی نہیں ہے۔ مونا نے صبح فون کر کے بتایا ہے رات اس کی طبیعت خراب ہوئی تھی اور لیڈی ڈاکٹر بلائی گئی تھی اس نے ٹیسٹ کے بعد تصدیق کر دی ہے۔"

"بس یار اتنی تفصیل کافی ہے۔" میں نے جھینپ کر کہا بیتو بھی کھسیایا ہوا تھا وہ خاموشی سے کھسک گیا۔

سفیر کو جوشِ جذبات میں احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے۔ میں سنجیدہ ہو گیا۔ "سفیر اب بہت ضروری ہو گیا ہے کہ مونا کسی محفوظ جگہ رہے جہاں اس حوالے سے اس کی مکمل دیکھ بھال کی جائے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ایسی جگہ میری حویلی ہو سکتی ہے۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہاں عام سی سیکورٹی ہو گی اور تو جانتا ہے ہمارے دشمنوں کے لیے یہ کچھ بھی نہیں مونا کی وجہ سے دوسرے بھی مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔"

"پھر.....؟"

"میرا مشورہ مان تو مونا اور سعدیہ کو میری حویلی بھیج دیتے ہیں وہاں سیکورٹی بھی ہے اور ماں جی بھی ہیں دیکھ بھال کے لیے۔ آپا بھی آ گئی ہیں۔ اتنی خواتین میں ان کا دل بھی لگا رہے گا۔"

"کہہ تو ٹھیک رہا ہے لیکن کیا یہ مانیں گی؟"

"کیوں نہیں مانیں گی۔" میں نے کسی قدر برہمی سے کہا۔ "کیا انہیں ہمارے حالات کا اندازہ نہیں ہے وہ نہیں جانتیں کہ ان کی حفاظت کی خاطر ہم بعض اوقات کتنے مجبور ہو جاتے ہیں۔ میری ماں تو تو بھی حویلی چلا جا....."

"آپ اپنی تجویز اپنے پاس رکھیں۔" اس بار سفیر برہم ہو گیا۔ "میں کہیں نہیں جا رہا۔"

"دیکھ تو مستقل وہاں نہیں رہنے کا جب تیری ضرورت ہو گی تجھے واپس بلا لیں گے اور یہ سوچ کہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالت میں عورت کو اپنے شوہر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ مونا تیرے بغیر نہیں رہ سکتی ہے وہ جانے سے انکار کر دے گی اور تُو کیا چاہتا ہے وہ مشکل میں رہے۔"

سفیر نرم پڑ گیا۔ "میں ایسا کب چاہتا ہوں لیکن تیرا ساتھ بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو نے میرا ساتھ دیا ہے اور آئندہ بھی دیتا رہے گا۔ یہ جنگ نہ جانے کب تک چلے۔ ضروری نہیں ہے دوران جنگ ہر سپاہی محاذ جنگ پر رہے۔ وہ آرام کرنے یا کسی وجہ سے پیچھے بھی جا سکتا ہے۔ سمجھ لے تیرے ساتھ بھی ایسا ہی مسئلہ ہے آخر تم لوگ اتنے عرصے دبئی میں رہے ہو اور جب مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو واپس آ گئے۔ اسی طرح تم مونا کو لے کر حویلی چلے جاؤ۔ تیرے ہونے سے وہاں حفاظت بھی ہو گی اور مونا بھی مطمئن رہے گی اسی طرح کچھ عرصے بعد وسیم چلا جایا کرے گا اور تُو واپس آ جانا۔"

سفیر خاموش ہو گیا لیکن وہ مطمئن نہیں تھا۔ میں نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ "دیکھ سب کا سامنے ہونا ٹھیک بھی نہیں ہے۔ دشمن کا داؤ چل سکتا ہے اور وہ سب کو ایک ہی بار میں مار ڈالے یا سمیٹ کر لے جائے گا۔ ہمارا الگ ہونا اور دور ہونا بھی ضروری ہے۔"

"منتشر ہونے سے ہماری طاقت کمزور پڑ جائے گی۔" سفیر نے دلیل دی۔

"نہیں تُو اتنا دور نہیں ہو گا کہ چند گھنٹوں میں یہاں نہ آ سکے۔ پھر ہمارا مستقل رابطہ رہے گا۔ دیکھو اس وقت سب سے اہم بات ہے کہ ہمیں کسی بھی مہم کے لیے آدمی میسر ہوں لیکن حال یہ ہے کہ نصف درجن آدمی صرف خواتین کی حفاظت پر ہیں اور ہم یہاں ان کی سیکورٹی میں کسی قسم کی کمی نہیں کر سکتے ہیں۔"

"تیری حویلی میں کر سکتے ہیں؟" سفیر نے سوال اٹھایا۔

"وہاں کی سیکورٹی بھائی جان نے کرائی ہے وہ ان کے جانے پہچانے لوگ ہیں۔ روٹیشن کے تحت ایک گروپ جاتا ہے تو دوسرا آ جاتا ہے۔ وہ سب اپنے کام میں ماہر ہیں پھر انہوں نے حویلی کی الیکٹرانک سیکورٹی بھی کر دی ہے۔ اس لیے وہ جگہ اتنی ہی محفوظ ہے جتنی عبداللہ کی کوٹھی ہے۔ شہر کی نسبت گاؤں میں کسی قسم کی کارروائی آسان کام نہیں ہے۔"

سفیر سنجیدہ ہو گیا۔ "تُو سچ مچ ایسا ہی چاہتا ہے۔"

"نہیں میں مذاق کر رہا ہوں۔" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

سفیر ہنسا۔ "اب تُو سنجیدہ ہو گیا ہے۔"

"سفیر یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ ہم انتظار کرنے کے بجائے خود اپنے دشمنوں سے نمٹنے کی کوشش کریں۔ اس طرح فائدہ صرف ان کو ہوتا ہے وہ حملہ کرتے ہیں اور ہمیں دفاع پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ہماری مجبوری ہے کہ ہم ایک حد سے زیادہ کھل کر کارروائی نہیں کر سکتے کہ دشمن آخری حد تک نہ چلے جائیں۔ اس کے باوجود وہ آخری حد تک جاتے رہے ہیں۔ میرے گھر پر حملہ ہوا میرے بھائی کو مار دیا سویرا کو اغوا کیا۔ پھر مجھے احساسِ بے بسی میں مبتلا کرنے کے لیے سویرا کو دوبارہ اغوا کیا اور حویلی پہنچا دیا لیکن اب بہت ہو گیا ہے۔"

میرا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور غصے سے میری آواز بھی بلند ہونے لگی تھی۔ اس جدوجہد کے دوران بہت کم مواقع ایسے آئے جب صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹا ہو۔ اپنی صبر و تحمل والی پالیسی کی وجہ سے میں مشکل ترین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مراحل سے گزر گیا تھا۔ مگر اب مجھ میں شاید برداشت نہیں رہی تھی۔ مسلسل مشکلوں نے میرے اعصاب پر اثر ڈالا تھا۔ سفیر نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''ہمیں سبق سیکھنا ہے اور خود تیار ریڈی ایٹر گرم ہو رہا ہے ایسے گاڑی نہیں چلے گی۔''

ہم نیچے آئے سفیر نے مجھے پانی پیش کیا اور ایک گلاس ٹھنڈا پانی نوش کر کے میں نے سکون محسوس کیا تھا چند گہرے سانس لے کر میں نے اپنے اعصاب پر قابو پایا۔ اس دوران میں سفیر نے چائے نکالی۔ تھرماس میں گرم چائے موجود تھی۔ مانی آنکھیں ملتا ہوا آیا اور میز پر موجود ڈبل روٹی اور مکھن کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔ ''پھر وہی ڈبل روٹی مکھن.....''

''تو کیا روز پراٹھے پیش کروں؟'' سفیر نے آنکھیں نکال کر کہا۔

مانی ٹھنڈی سانس لے کر میز پر بیٹھ گیا۔ ''سفیر بھائی آپ اتنے اچھے پراٹھے بناتے ہو کہ لڑکی ہوتے تو میں آپ سے شادی کر لیتا۔''

سفیر جھینپ گیا اور میں نے قہقہہ لگایا۔ ''بدمعاش۔''

سفیر نے فوراً موضوع بدل دیا۔ ''وسیم کہاں ہے؟''

''وہ صابر ترمذی کے گھر کے باہر مورچہ بنائے بیٹھا ہے۔ اس کے گھر کو بگ کر دیا ہے اور ممکن ہے اس سے ہمیں شہلا یا فتح خان کا پتا مل جائے۔''

بیتو سن رہا تھا اس نے کہا۔ ''شوبی بھائی..... ہم کب تک دشمن سے اس طرح دب کر رہے گا۔ ادھر انڈیا میں دشمن اتنا زیادہ تھا اور ہم تین چار ہوتا تھا ادھر بھی ہم کبھی دب کر نہیں رہا تو پھر یہ آپ کا اپنا ملک ہے..... ادھر اتنا ساتھی ہے سب کچھ ہے۔''

''بیتو اپنا ملک ہونے کا احساس ہے اسی لیے میں اب تک صرف اپنا دفاع کر رہا تھا لیکن اب میں نے سوچ لیا ہے دشمن کو مزید مہلت نہیں دینی ہے۔''

''ٹھیک ورنہ وہ وار کرتا رہے گا۔'' مانی نے مکھن لگی ڈبل روٹی نگلتے ہوئے کہا۔ ''دشمن سے کبھی اچھائی کی توقع نہ رکھیں۔''

''سفیر مونا اور سعدیہ کے ساتھ میری حویلی جا رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''خواتین یہاں محفوظ نہیں ہیں۔''

''آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا۔'' مانی خوش ہو کر بولا۔ ''سفیر بھائی حویلی میں بالکل محفوظ ہوں گے۔''

''اور یہاں ہم ان سے محفوظ ہوں گا۔'' بیتو نے اس کی تائید کی۔

اس سے پہلے سفیر انہیں کچھ کہتا میں نے ہاتھ اٹھایا۔ ''لڑائی بعد میں ابھی چند معاملات طے کرنے ہیں۔ مانی یہ بتاؤ کہ اگر ہمیں یہاں سے فرار ہونا پڑے تو تمہارا اہم سامان کتنا ہے؟''

''بس اتنا ہے کہ ایک بڑے سوٹ کیس میں آ جائے گا۔ کیمرے اور مانک چھوٹے ہوتے ہیں اگر انہیں اتارنے کی مہلت نہ ملے تو بازار سے اور مل جاتے ہیں۔ میرے کمپیوٹر اور سیٹلائیٹ ریسیور تو ایک منٹ میں پیک ہو جائے گا۔''

''بس تو [redacted] اس پوزیشن میں رکھو کہ ہم کسی بھی وقت یہاں سے نکل سکیں۔'' میں نے کہا تو وہ سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تشویش زدہ ہو گئے۔

''خیریت شوبی کیا دشمن یہاں تک آ گیا ہے؟''

''آیا تو نہیں ہے مگر ہمیں اس لحاظ سے تیار بھی رہنا چاہیے تا کہ اگر ایسا موقع آئے تو بحفاظت فرار میں مشکل نہ پیش آئے۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''یہ جگہ کسی قدر غیر محفوظ ہے کیونکہ ایک معروف سڑک کے ساتھ ہے اور اتفاق سے بھی دشمنوں کی نظر میں آ سکتی ہے۔ اسی وجہ سے اہم اشیاء یہاں سے منتقل کر دی گئی ہیں۔''

''اہم اشیا۔'' مانی نے غور کیا۔ ''یعنی میں اور بیتو فالتو چیزیں ہیں۔''

''بیٹے نتائج اخذ کرنے میں اتنی جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سفیر نے چہکار کر کہا۔ ''شوبی نے اہم چیزوں کا ذکر کیا ہے۔''

بیتو خوش ہو گیا۔ ''ہم تو انسان ہے۔''

سفیر نے پھر چھیڑا۔ ''اگر چہ یہ جھوٹ ہے لیکن تمہارا دل رکھنے کو ہم مان لیتے ہیں۔''

''آپ کو ماننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' مانی جل بھن کر بولا۔ ''انسان ہونے کے لیے آپ کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیے۔''

سفیر نے اس کی تائید کی۔ ''ٹھیک کہا تمہارے لیے تو کم سے کم ایک میڈیکل بورڈ چاہیے جس میں آدھے ماہرین زدلوجی کے ہوں گے اور وہ فیصلہ کریں گے کہ تم اصل میں کیا ہو۔''

ان لوگوں کو جھگڑتا چھوڑ کر میں اسٹڈی میں آیا کیونکہ وسیم کی کال آ رہی تھی۔ میں نے کال ریسیو کی تو اس کی پُر جوش آواز آئی۔ ''شہباز صاحب کام بن گیا ہے۔''

''کیسے؟''

''ابھی شہلا نے اس صابر کو کال کی ہے اور ان کی گفتگو سے ظاہر ہے کہ کسی زمانے میں شہلا کے اس بھی غلط قسم کے تعلقات تھے۔''

''اب تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ آدھا اسلام آباد اس کے عشاق میں شامل رہا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''باقی نصف عورتوں پر مشتمل ہے۔''

''کام کی بات یہ ہے کہ شہلا دوپہر اس سے کہیں ملے گی؟''

''کہیں سے کیا مراد ہے؟''

''باہر کہیں..... جگہ پہلے سے طے ہے اس لیے اس نے یا صابر نے نام نہیں لیا۔ وقت کے بارے میں بھی نہیں بتایا ہے۔''

''ٹھیک ہے تب کم سے کم دو یا تین افراد اس کے تعاقب کے لیے تیار رکھو۔ ایک گاڑی میں، میں اور تم ہوں گے۔''

''میں نے پہلے ہی تین بائیک سوار بلوا لیے ہیں۔ یہ وہ ہم سے رابطہ رکھ کر گائیڈ کریں گے اور ہم ان کے پیچھے چلیں گے۔''

''ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں مجھے پتا سمجھاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے مجھے بتایا۔ یہ سیکٹر ایف سکس کا تھا۔ میں نشست گاہ میں آیا اور ان تینوں کو تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا۔ ''میں وسیم کی طرف جا رہا ہوں۔''

''شوبی ہم بھی چلے گا۔'' بیتو نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم چلو اور تم۔'' میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ ''عبداللہ سے بات کر کے خواتین کی حویلی منتقلی کا بندوبست کرو۔''

''میرا خیال ہے وہی طریقہ بہتر رہے گا جو تم نے راجا عمر دراز سے ملنے کے لیے استعمال کیا تھا۔''

''بائی ائر۔'' میں نے کہا۔ ''یہ ٹھیک رہے گا ہیلی کاپٹر تم سب کو مشکل سے آدھے گھنٹے میں حویلی پہنچا دے گا۔ بائی روڈ یہ فاصلہ کسی طرح پانچ گھنٹے سے پہلے طے نہیں ہوگا۔ راستے میں خطرات الگ ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے میں عبداللہ سے بات کرتا ہوں۔''

میں اور بیتو روانہ ہوئے فارم ہاؤس میں سفیر کی سفاری جیپ کے ساتھ ایک عدد بائیک بھی تھی۔ میں اور بیتو اسی پر روانہ ہوئے ہیلمٹ نے ہمیں چھپا لیا تھا۔ یہ وہی ون ٹو فائیو تھی جو میں نے ایاز کے جاننے والے آٹو ڈیلر سے لی تھی۔ ایاز نے اس کی نمبر پلیٹس بدل دی تھیں۔ اس کی اصل نمبر پلیٹس نیچے اوزاروں والے خانے میں موجود تھیں اور ضرورت پڑنے پر صرف دو دو اسکرو کھول کر انہیں لگایا جا سکتا تھا۔ ٹنکی فل تھی۔ ایاز نے فارم ہاؤس پر بھی پیٹرول کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا تھا دس لیٹر والے کوئی بیس کین وہاں رکھے تھے مقصد یہی تھا کہ ہم جب کسی مہم پر روانہ ہوں تو اپنی گاڑیوں کے ٹینک فل کر لیں۔ بائیک کا ٹینک پہلے ہی فل تھا اس لیے ضرورت نہیں پڑی۔ سردی بہت کم رہ گئی تھی اس لیے میں نے ذرا ڈھیلی پوری آستین کی شرٹ پہن لی اور میرا پستول اس کے نیچے چھپ گیا جو پتلون کی بیلٹ میں لگا رکھا تھا۔ اس کے دو عدد اضافی میگزین پتلون کی جیبوں میں تھے۔ میں نے روانگی سے پہلے وسیم کو اطلاع دی کہ میں آ رہا ہوں۔

آدھے گھنٹے بعد ہم ایک پارک کے ساتھ پارک وین کے پیچھے رکے بائیک کی آواز سن کر وسیم نے عقبی دروازے کے اوپری شیشے سے جھانکا اور دروازہ کھول دیا۔ ہم اندر آ گئے میں نے ہیلمٹ اتارا۔ وسیم کے ساتھ وہاں وین انچارج شہاب الدین بھی تھا۔ میں نے اسے عبداللہ والی کوٹھی میں کئی بار دیکھا تھا لیکن بات کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس نے گرم جوشی سے ہم سے ہاتھ ملایا۔ ''شہباز صاحب آپ سے مل کر ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔''

''یہ تم لوگوں کی محبت ہے۔'' میں نے جواب دیا اور رسمی باتوں کے بعد وسیم سے پوچھا۔ ''کوئی نئی پروگریس ہوئی ہے۔''

''نہیں..... لیکن شہلا سے بات کر کے صابر نے کسی اور کو کال کی ہے اور اسے اس ملاقات کے حوالے سے تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔''

''تیار رہنے کا حکم.....؟''

وسیم نے شانے اچکائے۔ ''اس نے صرف ایک جملہ کہا تھا کہ شہلا سے ملنے اسی جگہ جا رہا ہے وہ تیار رہے۔''

''دوسرا آدمی کون تھا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مرد ہے کوئی اور آواز سے جوان ہی لگ رہا ہے اس نے صرف ہامی بھری تھی کہ وہ تیار رہے گا اس کے بعد کال کاٹ دی گئی۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ ''کیا خیال ہے یہ صابر شہلا کو چکر تو نہیں دے رہا ہے؟''

''یہ پورا کھیل ہی چکر ہے۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''معاملہ کروڑوں ڈالرز مالیت کے اس قیمتی بریف کیس کا ہے جو شہلا کے پاس ہے یا کم سے کم اسے معلوم ہے کہ بریف کیس کہاں ہے۔ اس کھیل میں جو حلیف ... ہی فریق بھی ہیں۔''

''یعنی سب ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''دیکھو شہلا اور فتح خان میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ وہ اس قسم کا سودا کر سکیں یہ ان کی اوقات سے بڑا کھیل ہے۔ اسی لیے فتح خان کرنل زریسکی کی مدد حاصل کرنے پر مجبور ہوا۔ مہرو کی یہاں موجودگی ثابت کرتی ہے کہ وہ بھی اس معاملے میں ملوث ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ کرنل سودا کرا رہا ہے؟''

''لازمی بات ہے مجھے بھارتیوں کے حوالے کرنے کا صاف مطلب ہے کہ اس کے بھارتیوں سے روابط ہیں۔ اگر معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ بغیر کسی رعایت کے مجھے بھارتیوں کے حوالے کر دیتا لیکن فتح خان نے مجھے اس شرط کے ساتھ اس کے حوالے کیا تھا کہ میں بھارتیوں کے ہاتھ میں جا کر بھی بچ نکلوں۔''

''آپ نے پھر فتح خان کو چھوٹ دی۔'' وسیم سنجیدگی سے بولا۔ ''وہ ہمارا سر درد بن گیا ہے ... سے ہم مرشد کی طرف پوری توجہ نہیں دے پا رہے ہیں ورنہ شاید اب تک اس کا کانٹا نکل گیا ہوتا۔''

''یار اس نے مجھ پر دو بوجھ لاد دیئے، ایک تو اس نے ایمن کو چھوڑ دیا اور دوسرے تجھے بھارتیوں کے ہاتھ جانے سے بچایا، اسی وجہ سے میں اسے بھی چھوٹ دینے پر مجبور ہوا لیکن عملاً تو ہی میں نے اسے بتا دیا کہ اب وہ مجھ سے یا میرے ساتھیوں سے کسی رعایت کی توقع نہیں رکھے وہ جہاں ملا ہم اسے مار دیں گے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے اسے مزید رعایت دینا سانپ کو دودھ پلانے کے مترادف ہے۔''

وسیم فتح خان کا شدید دشمن بن گیا تھا اس کا بس چلتا تو وہ اسے پہلے ہی دوسری دنیا بھیج چکا ہوتا لیکن میری وجہ سے وہ بھی مجبور ہو جاتا تھا۔ تقریباً ہر معاملے میں میری اور وسیم کی سوچ ایک جیسی ہوتی سوائے فتح خان کے۔ اس نے کبھی کھل کر تو نہیں کہا لیکن وسیم کے انداز سے لگتا تھا کہ اسے فتح خان کے لیے میری پالیسی سے اختلاف ہے۔ دراصل وہ میرے اور فتح خان کے تعلق کو صحیح سے سمجھ نہیں پایا تھا۔ فتح خان شروع دن سے میرا دشمن تھا۔ جب میں پہلی بار اس سے ملا تو اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی کیونکہ ہینا میری وجہ سے اس کے ہاتھ سے ماری گئی تھی۔ حالانکہ جس وجہ سے اشتعال میں آ کر اس نے ہینا کو مارا تھا اس میں بھی میرا کوئی قصور نہیں تھا ہینا نے اسے آزاد کرانے کے لیے راجا عمر دراز کے ایک محافظ کو اپنے جسم کی رشوت پیش کی تھی اور فتح خان کو آزاد کرایا جس کا صلہ اس نے یہ دیا کہ ہینا کی قربانی سے آگاہ ہوتے ہی اسے مار دیا۔ بعد میں وہ پچھتایا اور اس کا ذمے دار بھی مجھے قرار دیا۔

اس وقت بظاہر یہ معاملہ ختم ہو گیا جب میں لوٹ کر گھر آ گیا۔ ایک طویل عرصے بعد فتح خان پھر مجھے دشمنوں کی صف میں ملا اور اس بار وہ پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک اور چالاک روپ میں تھا۔ اس نے مجھے بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شمار مواقع پر یوں چکرایا کہ میں نے اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ مجھے استعمال کرتا رہا رعایت دیتا رہا اور بدلے میں مجھ سے رعایت لیتا رہا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں اس کی جان کا دشمن نہیں ہوں۔ اسی سے اس نے اکثر فائدہ اٹھایا اور مجھے اغوا کرنے سے لے کر میرے ہوتے کاموں میں ٹانگ اڑائی۔ اس کی وجہ سے مجھے بارہا نقصان ہوا بس اتنا تھا کہ اس کی دشمنی میں، میں اور میرے ساتھی کسی جانی نقصان سے محفوظ رہے تھے اور یہی وجہ تھی کئی بار قابو میں آنے کے بعد میں نے اسے بخش دیا لیکن اس بار اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی اور سابق مروت بالائے طاق رکھ دی تھی۔ میں سمجھا نہیں تھا کہ فتح خان اچانک میری جان کا گاہک کیوں بن گیا ہے لیکن اب یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

ہر مجرم کی طرح فتح خان کا مطمع نظر بھی دولت اور طاقت تھی کیونکہ ان دو چیزوں سے دنیا کا ہر عیش و آرام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ عرصہ دراز سے وہ ہیروں کے چکر میں تھا اس کے لیے اس نے برسوں برٹ شا کو اپنی قید میں رکھا اور کوئی تشدد ایسا نہیں تھا جو اس نے برٹ شا پر نہ آزمایا ہو لیکن وہ ضدی گورا کسی طرح اس کے قابو میں نہیں آیا۔ آخر میں فتح خان نے پلان کر کے نہایت چالاکی سے ایمن کو پاکستان بلوا کر اسے برٹ شا کے سامنے پیش کیا جو بیٹی کو دیکھ کر بھی پاگل بنا رہا اور بالآخر فتح خان کے ایک ساتھی کی حماقت سے مارا گیا۔ چالاک فتح خان نے ہیروں کی مالیت کے مساوی رقم حاصل کرنے کا منصوبہ پہلے سے تیار کیا ہوا تھا برٹ شا کے مرنے کے بعد مایوس ہو کر اس نے پلان پر عمل کیا لیکن اس کی بدقسمتی کہ یہاں برٹش حکومت کی پالیسی اور ڈیوڈ شا آڑے آیا اور اسے تاوان کا حصول ممکن نظر نہیں آیا تو اس نے مجبوراً مجھ سے معاہدہ کر کے ایمن کو آزاد کر دیا۔

فتح خان یک دم شریف یا رحم دل نہیں ہو گیا تھا۔ برٹ شا اور ایمن کے لیے تو اس کے دل میں پہلے ہی کدورت تھی۔ بلکہ اس کی وجہ بریف کیس تھا۔ اسے پہلے بھی علم تھا کہ شہلا پروفیسر نفیس کے لاکر کے چکر میں ہے اس وقت فتح خان صرف شہلا کے چکر میں تھا اور اسے لاکر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مگر بعد میں کسی طرح فتح خان کو علم ہو گیا کہ لاکر میں ایک بریف کیس ہے جس میں چین کے فوجی راز ہیں اور وہ اس بریف کیس کے چکر میں پڑ گیا۔ اس کے شاطر دماغ نے اندازہ لگا لیا کہ اس بریف کیس کے بدلے بھاری رقم مل سکتی ہے۔ کوئی بھی چین دشمن مملکت خوشی خوشی اسے خریدنے کے لیے تیار ہو جاتی۔ مگر ساتھ ہی فتح خان نے بجا طور پر درست اندازہ لگایا کہ اس میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ اس بریف کیس کو فروخت کر سکے۔

مجھے نہیں معلوم کہ کرنل زریسکی سے فتح خان کا پہلے بھی رابطہ تھا میں اس کی اور کرنل کی بات پر یقین نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دونوں جھوٹ بولنے کے ماہر تھے بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ بریف کیس کی حد تک ان میں اشتراک تھا اور مالی مفاد اتنا بڑا تھا کہ کرنل نے مہرو کی بے حرمتی بھی فراموش کر دی جو فتح خان کے ساتھیوں نے کی تھی۔ بے شک مہرو نے اپنے مجرموں کو مار کر کسی حد تک بدلہ لے لیا تھا لیکن اصل مجرم فتح خان تھا اور وہ ابھی زندہ تھا۔ فتح خان کو یقین تھا کہ میں اس معاملے میں ٹانگ اڑاؤں گا کیونکہ میں نے پہلے بھی صرف اس بریف کیس کے لیے شہلا سے اشتراک کیا تھا اور بنک لاکر کھولنے کے لیے واردات میں شامل ہوا تھا لیکن شہلا نے عین موقع پر چالاکی سے بساط الٹ دی اور لاکر سے نکلنے والے دوسرے سامان کے ساتھ بریف کیس بھی لے گئی تھی۔ اس کے بعد ہی فتح خان کے علم میں بریف کیس کی اہمیت آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کافی جناب۔'' وسیم نے مگ میری طرف بڑھایا تو میں چونکا دین میں کافی کا تھرماس موجود تھا۔

''شکریہ..... یہ صابر کس قسم کا شخص ہے؟''

''قبضہ گروپ سے تعلق رکھتا ہے، راولپنڈی میں کئی جگہوں پر اس گروپ نے سرکاری املاک یا عام لوگوں کی زمینوں پر قبضے کر کے ان کے جعلی کاغذات بنوائے اور دوسروں کو فروخت کر دیں۔ دیکھنے میں تقریباً پچاس برس کا متوسط جسامت اور قامت کا شخص ہے رنگ سرخ وسفید ہے لیکن چہرے پر چیچک کے پرانے داغ ہیں۔ بال سرخی مائل ہیں یا وہ انہیں اسی رنگ میں رکھتا ہے۔''

''اتنا کافی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''شاید ہمارے دشمنوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔''

''کیونکہ آپ ان میں کمی نہیں کرتا۔'' بیتو نے بے ساختہ کہا تو میں حیران رہ گیا۔ اس نے پتے کی بات کی تھی دشمن ختم کرنے کے دو طریقے ہیں ایک دشمنی ختم کر دی جائے اور دوسرا طریقہ ہے کہ دشمن کو ختم کر دیا جائے۔ مرشد جیسے لوگ دشمنی پالتے ہیں اسے ختم نہیں کرتے اور نہ میں ان سے یہ توقع کر سکتا تھا۔ دوسرا طریقہ بھی زیادہ کارآمد نہیں تھا اگر مرشد یا نادر کو مارتے تو ان کی گدی کے جانشین گدی کے آداب کے مطابق مجھ سے دشمنی نبھانے پر مجبور ہو جاتے۔ ورنہ ان کے مرید نہیں چھوڑتے۔ نعوذ باللہ یہ لوگ ان پیروں کو زمین پر خدا سے کم نہیں سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود بیتو کی بات درست تھی میں دشمن کم کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا اور اس بات کو فراموش کر بیٹھا تھا کہ میرے دوست میرا ہمیشہ ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔

وسیم، سفیر، بیتو، عبداللہ اور ایاز کی اپنی زندگی تھی اس میں صرف بیتو اکیلا تھا اور مجھ سے منسلک تھا لیکن باقی سب کی اپنی فیملی اور اپنی زندگی تھی مجھے کیا حق تھا کہ میں اپنی دشمنی میں انہیں استعمال کروں اور یہ بات بھول جاؤں کہ میں انہیں ہمیشہ ساتھ دینے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ میں انہیں ساتھ دینے سے روک نہیں سکتا تھا۔ کسی مشکل اور آزمائش میں وہ مجھے اکیلا نہیں چھوڑتے اور اگر میں چاہتا کہ وہ مجھ سے الگ ہو کر اپنی زندگی سکون سے اور بغیر کسی خطرے کے گزاریں تو وہ یہ بھی نہ مانتے۔ بیتو کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ میں کب تک اپنے دوستوں کا امتحان لیتا رہوں گا۔ وہ اپنے خلوص میں آخر تک میرے ساتھ رہیں گے اور اپنی زندگی کو فراموش کر دیں گے۔

''کیا بات ہے آج آپ بار بار کہاں غائب ہو رہے ہیں۔'' وسیم نے کہا تو میں چونکا۔

''کچھ نہیں یار۔'' میں نے کہا اور بات بدل دی۔ ''کچھ اندازہ ہے وہ کب تک روانہ ہوگا۔''

''کسی وقت بھی..... میرے آدمی بالکل تیار ہیں۔''

''ہم بائیک پر آئے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''کیا بائیک یہیں چھوڑنی پڑے گی؟''

''ہم بائیک پر آجائے گا۔'' بیتو نے حل پیش کیا۔ ''پھر اس پر اسی طرح واپس چلا جائے گا۔''

''مکان کس طرف ہے؟''

''پچھلی گلی میں۔'' وسیم نے پارک کے سامنے والی لائن کی طرف اشارہ کیا۔ ''گلی کے دونوں سروں پر میرے آدمی موجود ہیں اور وہ کسی بھی طرف سے نکلے گا ہمیں پتا چل جائے گا۔''

دین میں وسیم اور شہاب ہی تھے۔ ضرورت پڑنے پر شہاب ڈرائیو کرتا وسیم اور شہاب دین کے سار۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سسٹم سیکھ چکے تھے وہ مانی کے ساتھ گھنٹوں اس میں سر کھپاتے رہے تھے۔ وہ مجھے بھی بتانے لگا کہ وین کے دوسرے نظام کس طرح اور کیا کام کرتے ہیں۔ میں دیکھتا اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ یہ بہت زیادہ مشکل چیز نہیں تھی بس پریکٹس کی ضرورت تھی آدمی ایک دو دن میں سب سیکھ لیتا۔ اچانک اسپیکر سے آواز آئی۔

''نمبر دو سر..... وہ نکل رہا ہے۔''

''لوکیشن۔'' وسیم نے پوچھا۔ شہاب تیزی سے ڈرائیونگ کمپارٹ میں چلا گیا۔ ڈرائیونگ کمپارٹ اور پچھلے حصے کے درمیان ایک فائبر کا پردہ تھا اس سے آگے تو نظر آتا تھا لیکن کوئی ونڈ اسکرین یا کھڑکی سے دیکھتا تو اسے پرد..... کے پیچھے کچھ نظر نہیں آتا۔

''وہ شمالی طرف سے نکلا ہے..... نمبر ون اس سے آگے جا چکا ہے میں اس کے پیچھے ہوں۔''

''تمہری کہاں ہے؟''

''میرے پیچھے ہے۔'' دو نمبر نے بتایا وہ سب آپس میں چھوٹے اور جدید قسم کی وا کی ٹا کی سے رابطے میں تھے۔ وسیم نے بتایا تھا کہ اس وین میں ایک ایسا سسٹم بھی تھا جو چھوٹے وا کی ٹا کی سے ایک کلومیٹر کی دوری سے بھی رابطہ کر لیتا تھا اور سارے وا کی ٹا کیز کو آپس میں ملا دیتا تھا لیکن پانچ سو میٹر کے دائرے میں تمام وا کی ٹا کیز خود کام کرتے تھے یہ پہلے سے طے شدہ فریکوئنسی پر کام کرتے تھے۔ وسیم نے ایک ایک وا کی ٹا کی مجھے اور بیتو کو دیا۔ ان کا ایک حصہ کان میں لگا لیا جاتا تھا اور اصل سیٹ چھوٹے موبائل کے برابر تھا اسے سامنے جیب میں رکھا جا سکتا تھا۔ بیتو ہیلمٹ پہنتے ہوئے وین سے اتر گیا وہ بائیک پر آتا۔

''بہت ہوشیاری سے پیچھا کرتا ہے۔'' وسیم نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی۔ ''یہ شاطر آدمی ہے اسے شک نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں۔'' نمبر دو نے کہا۔ جب کوئی بات کرتا تو پہلے اپنا نمبر بتاتا اور پھر بات کرتا۔ ''ہم اس کے آگے پیچھے رول ہو رہے ہیں۔''

نمبر دو اپنے ساتھیوں کا انچارج تھا اور وہی تعاقب کا طریقہ کار طے کر رہا تھا۔ وسیم نے ان کی تربیت اس طرح سے کی تھی کہ ان میں ذمے داریاں بانٹ کر ان کو اپنے اپنے شعبے کا انچارج بنا دیا تھا اور وہ نتائج کے ذمے دار بھی ہوتے۔ اس لیے ہر ایک اپنا کام پوری آزادی اور پوری ذمے داری سے کرتا تھا۔ شہاب نے وین آگے بڑھا دی۔ ایک ہیڈ سیٹ اس کے کان پر بھی تھا اور وہ نمبر دو کی رہنمائی میں تعاقب کرنے لگا۔ اصلی گاڑی کہیں آگے اور ہماری نظروں سے اوجھل تھی۔ مگر اپنے رائیڈرز کی رہنمائی میں ہم کامیابی سے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ یہ جدید الیکٹرانکس کا کمال تھا۔ صابر ترمذی کو پتا ہی نہیں تھا کہ کتنے لوگ اس کے تعاقب میں ہیں۔ کچھ دیر میں واضح ہو گیا کہ صابر دامن کوہ کی طرف جا رہا ہے۔ ہمیں دو سگنل پر رکنا پڑا اور صابر اور وسیم کے ساتھی آگے نکل گئے ا سے رابطہ ٹوٹ گیا۔ وسیم نے وین کا مخصوص موا صلاتی نظام آن کیا اور رابطہ دوبارہ بحال ہو گیا اب سب وین ے طاقتور موا صلاتی نظام کی مدد سے آپس میں منسلک تھے۔ یہ ایک کلومیٹر تک بہ خوبی کام کرتا تھا۔

سگنل سے نکل کر ہم دامن کوہ والی سڑک پر آئے۔ نمبر دو نے بتایا۔ ''یہ دامن کوہ سے اوپر جا رہا ہے۔''

''اوپر کہاں..... مارگلہ پر.....؟'' وسیم نے کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوپر پیر سوہاوا نامی جگہ ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''کسی زمانے میں یہاں صرف چھوٹا سا گاؤں تھا لیکن اب امرا یہاں آباد ہو رہے ہیں اور تفریح گاہیں قائم ہو رہی ہیں۔ ایک پلیٹ فارم بھی ہے جہاں سے پورے اسلام آباد اور کسی حد تک راولپنڈی کا نظارا بھی کیا جا سکتا ہے۔''

ذرا دیر میں پہاڑی قسم کی چڑھائی شروع ہوئی اور وین کا منہ آسمان کی طرف ہو گیا۔ اس راستے پر ٹریفک بہت زیادہ تھے۔ مجھے بیتو کی فکر ہوئی اور میں نے اس سے کہا۔ ''تم نیچے رک جاؤ۔ تمہیں اس قسم کے راستوں پر ڈرائیو کا تجربہ نہیں ہے۔''

''آپ فکر مت کرو ہم کر سکتا ہے۔''

''اچھا لیکن تم نے خیال رکھ کر آنا ہے یہ ایک ہی سڑک ہے اگر ہم آگے نکل جائیں تب بھی تم ہماری طرف ہی آؤ گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' بیتو نے جواب دیا وہ دیکھ چکا تھا کہ واکی ٹاکی پر بات کرتے ہوئے کوئی کسی کا نام نہیں لے رہا ہے۔ اس لیے اس نے بھی میرا نام نہیں لیا۔ سفر مسلسل بلندی کی طرف جاری تھا۔ یہاں دامن کوہ پر اسلام آباد کی بلندی پندرہ سو فٹ تھی لیکن صرف چند کلومیٹرز کے اندر پیر سوہاوا پر یہ بلندی بڑھ کر چار ہزار فٹ سے زیادہ ہو جاتی تھی بلکہ بالکل اوپری حصے میں بلندی پانچ ہزار فٹ سے زیادہ چلی جاتی تھی اس سے آگے سڑک مانسہرہ کی طرف چلی جاتی تھی۔ اسلام آباد کی حدود یہیں تک تھی۔ پیر سوہاوا تک آتے آتے موسم اتنا سرد ہو چلا تھا کہ ہمیں باقاعدہ سردی محسوس ہونے لگی۔ مگر یہ سردی اتنی بھی نہیں تھی کہ وین کا ہیٹر آن کرنا پڑتا۔

''یہ کہاں جا رہا ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ممکن ہے شہلا نے اسے یہیں کہیں بلایا ہو یا اس نے جگہ طے کی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''سردیوں میں یہ جگہ ویران ہوتی ہے اور یہاں کوئی نہیں آتا ہے۔''

''سر یہ آرمی چیک پوسٹ سے آگے نکل گیا ہے۔''

''اب تم لوگ ذرا پیچھے ہو جاؤ۔'' وسیم نے اسے ہدایت دی۔ ''اتنی دور رہ کر تعاقب کرو کہ وہ تمہیں دیکھ نہ پائے۔''

''اس صورت میں وہ بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔''

''نہیں ہوگا، سڑک کے پیچ و خم میں وہ تمہیں اوپر جاتا نظر آئے گا۔''

''میں سمجھ گیا سر۔'' نمبر دو نے مستعدی سے کہا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو ہدایت دینے لگا۔ کیونکہ سب ایک ہی فریکوئنسی پر تھے اس لیے سب ایک دوسرے کی بات سن رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم چیک پوسٹ پہنچ گئے تھے۔ وسیم بات کرنے کے لیے پہلے ہی آگے جا چکا تھا اور اس نے درمیانی پردہ بند کر لیا تھا۔ یہ معمول کی چیک پوسٹ تھی اور یہاں سرسری سی پوچھ گچھ ہوتی تھی۔ گاڑیوں کا نمبر اور کاغذات دیکھے جاتے تھے۔ ایک منٹ بعد وین کو جانے کی اجازت مل گئی۔ وین کے آگے بڑھتے ہی وسیم واپس آ گیا۔ اس دوران میں صابر ترمذی کی گاڑی پہاڑ کے دوسری طرف اترنا شروع ہو گئی تھی۔ وسیم تشویش زدہ ہو گیا۔

''یہ نہ جانے کہاں جا رہا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہیں بھی جا رہا ہو اگر یہ شہلا سے ملنے جا رہا ہے تو ہم پاکستان کے آخری کونے تک اس کا پیچھا کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''آپ بھول رہے ہیں اس نے اپنے آدمیوں کو آنے کو کہا تھا لیکن ابھی تک ہمیں راستے میں کوئی آدمی نظر نہیں آیا ہے اور نہ ہی شہلا نظر آئی ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''اپنے آدمیوں سے پوچھو..... جب صابر روانہ ہوا تو اکیلا تھا یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟''

نمبر دو نے فوری جواب دیا۔ ''اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا اور وہی ڈرائیو کر رہا تھا۔''

''یہ بات تم اب بتا رہے ہو۔'' میں نے برہمی سے کہا۔ ''فوراً آگے جا کر دیکھو گاڑی میں صابر ہے یا نہیں۔''

وسیم بھی چونکا تھا۔ ''شہباز صاحب کوئی چکر ہے؟''

''ہاں میرا خیال ہے وہ چالاک آدمی تعاقب بھانپ گیا اور جان بوجھ کر اس طرف آیا ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے وہ راستے میں کہیں اتر گیا ہے؟''

''اندازہ ہے ابھی پتا چل جاتا ہے۔''

''جناب جیسے ہی ہم نے گاڑی کے نزدیک جانے کی کوشش کی اس نے رفتار بڑھا دی ہے وہ پاس نہیں آنے دے رہا ہے۔''

''کوشش کرو۔'' وسیم غرایا۔ ''نہیں رک رہا تو فائر کر کے ٹائر پھاڑ دو۔''

''نہیں یہاں فائرنگ مت کرنا اور ٹائر پھٹا تو وہ کسی کھائی میں گر جائے گا اس کے پاس جانے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا اور اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ بیتو کچھ دیر سے خاموش ہے۔ میں نے اسے آواز دی۔ ''بیتو تم کہاں ہو؟''

لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ میں نے دو تین بار پکارا۔ اس کی طرف بدستور خاموشی تھی۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''وین واپس موڑو..... بیتو کسی مشکل میں پڑ گیا ہے۔''

وسیم نے نمبر دو کو ہدایت کی کہ وہ تصدیق کرے کہ گاڑی میں صابر ترمذی ہے یا نہیں اور موبائل سے اسے کال کرے جب تک تصدیق نہ ہو جائے وہ تعاقب جاری رکھے۔ اس دوران میں شہاب نے وین واپس موڑ دی تھی۔ کچھ دیر بعد ہم تیزی سے نیچے کی طرف جا رہے تھے ابھی ہم نے پہاڑ کے دوسری طرف قدم نہیں رکھا تھا۔ واپسی کے سفر میں وقفے وقفے سے بیتو کو پکار رہا تھا۔ مگر ابھی اس کی طرف سے خاموشی تھی نہ جانے وہ کہاں رہ گیا تھا اور اس سے ہمارا رابطہ ٹوٹ گیا تھا وین کا طاقتور سواصلاتی سسٹم پہلے ہی آن تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ بیتو جوش میں آ کر حد رفتار سے تیز بائیک نہ چلائے۔ یہ سڑک درحقیقت مری جانے والی سڑک سے زیادہ خطرناک تھی۔ مگر ساتھ ہی میں ایک دوسرا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ صابر نے ہمیں دھوکا دیا اور خاموشی سے راستے میں کہیں اتر گیا ہو۔ اسے وین کا بھی علم تھا اور تین عدد بائیک والوں کا بھی لیکن اسے ایک چوتھے بائیک سوار کا پتا نہیں تھا بیتو پیچھے آ رہا تھا۔

آرمی چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد میں مسلسل بیتو کو پکار رہا تھا اور اس کی طرف سے خاموشی میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خدشات کو بڑھا رہی تھی۔ اچانک اس کی طرف سے جواب ملا۔ ''میں ٹھیک ہوں۔''

''تم کہاں ہو؟''

''میں یہاں جنگل میں ہے آپ کہاں ہو؟''

''ہم واپس نیچے آ رہے ہیں۔''

''بائیں طرف دیکھتے رہو میرا بائیک نظر آئے گا درختوں کے درمیان۔''

اتفاق سے اسی وقت بائیک نظر آ گئی۔ وسیم آگے چلا گیا تھا اس نے وین رکوائی۔ میں نیچے اتر آیا۔ وسیم نے ایک خودکار رائفل نکال لی تھی۔ یہاں سڑک ایسی نہیں تھی کہ اس پر وین رو کی جا سکتی۔ وسیم نے شہاب کو کہیں آگر جا کر رکنے کو کہا۔ میں نے بیتو کو بتایا۔ ''تمہاری بائیک دیکھ لی ہے لیکن تم یہاں کیوں رکے ہو؟''

''میرے کو ایک آدمی دکھائی دیا تھا۔ وہ چھپ کر اوپر وین کو دیکھ رہا تھا ہم پیچھے تھا اسے دیکھ کر رک گیا۔ پھر اس نے فون نکال کر کسی سے رابطہ کیا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔''

''ابھی کہاں ہو؟''

''اس آدمی سے کچھ دور ہے وہ ایک چٹان پر بیٹھا ہے اور ایسا لگتا ہے کسی کا انتظار کر رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں اور وسیم آ رہے ہیں۔''

میں اور وسیم محتاط قدموں سے آگے بڑھے۔ یہاں سناٹا تھا اور پیروں تلے آ کر پتے چرمرانے کی آواز بھی نمایاں تھی کوئی شاخ چٹختی تو بہت دور تک آواز جاتی۔ اس لیے ہم پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اچانک بیتو کی سرگوشی کان میں گونجی۔ ''شوبی یہ تو وہی حرافہ ہے شہلا ادھر آتی ہے۔''

''شہلا وہ کہاں سے آئی؟''

''پتا نہیں نیچے سے آئی ہے۔ اب وہ اس آدمی سے بات کر رہی ہے۔''

وہ پہلے وسیم کو نظر آئے اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے دیکھ لیا یہ سرخ پتھر کی چٹان تھی اور اس کے نیچے ایک ادھیڑ عمر شخص شہلا کے ساتھ موجود تھا۔ حلیے سے وہ صابر لگ رہا تھا اور وسیم نے تصدیق کی۔ ''یہ صابر ہے۔''

شہلا حسب معمول تر و تازہ اور بہت نمایاں کرنے والے لباس میں تھی اس نے تنگ جینز کے ساتھ تقریباً جسم سے چپکی پوری آستین کی ہائی نیک ریڈ جرسی پہن رکھی تھی جس میں اس کے جسمانی خدوخال کچھ زیادہ ہی نمایاں تھے۔ بیتو نے کہا۔ ''شوبی آپ نے دیکھ لیا کتنا واہیات عورت ہے۔''

''ہم نے دیکھ لیا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم کیا دیکھ رہے ہو۔'' وسیم نے اسے ڈانٹا۔ ''تمہیں شرم آنی چاہیے۔''

''شرم اس عورت کو آنی چاہیے۔ ہم اسے نہیں دیکھ رہا۔''

میں نے بیتو کو دیکھ لیا وہ ایک درخت کے پیچھے تھا۔ شہلا اور صابر ہم سے اتنے فاصلے پر تھے کہ ہم ان کی آواز نہیں سن سکتے تھے۔ میں نے وسیم کو اشارہ کیا کہ وہ دوسری طرف چلا جائے اور میں اس سے مخالف سمت جاتا ہوں اس طرح ہم شہلا اور صابر کو گھیر سکتے تھے۔ ساتھ ہی میں نے انہیں صابر کے آدمیوں سے ہوشیار رہنے کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ ان دونوں میں کسی بات پر بحث چل رہی تھی۔ شہلا کے چہرے پر نفرت اور ناپسندیدگی کے تاثرات صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''شاید ان میں کوئی اختلاف ہے۔''

''تبھی صابر کی نیت خراب ہے اور اس نے اپنے آدمیوں کو بلوایا ہے۔''

''لیکن ادھر کوئی اور نظر نہیں آ رہا ہے۔'' بیتو نے کہا۔

''تم آس پاس بھی نظر رکھو۔'' میں نے اسے ہدایت دی۔ اسی لمحے شہلا پلٹ کر واپس جانے لگی۔ صابر وہیں کھڑا رہا جیسے اس کا ارادہ سڑک کی طرف جانے کا ہو۔

''وہ واپس جا رہی ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''سنو تم دونوں صابر کے پیچھے جاؤ اور اسے وین میں لے کر نیچے آؤ میں شہلا کے پیچھے جاتا ہوں۔''

وسیم اور بیتو نے اوکے کہا اور میں چٹان کے پیچھے سے گھوم کر جانے لگا سامنے سے تو میں صابر کی نظر میں آ جاتا۔ اب صابر واپس سڑک کی طرف جا رہا تھا۔ جب میں چٹان کے پیچھے سے نکلا تو کچھ دور جاگنگ ٹریک دکھائی دیا اور شہلا غائب تھی وہ اسی جاگنگ ٹریک سے آئی تھی میں اس طرف لپکا۔ کوئی سو گز بعد وہ مجھے نیچے جاتی دکھائی دی۔ دامن کوہ میں اس قسم کے واک ٹریک بنے ہوئے ہیں جن پر صبح سے شام تک لوگ واک کرتے یا جاگنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ زیادہ زور صبح اور شام کو ہوتا ہے ابھی دوپہر کا وقت تھا اس لیے بہت کم لوگ نظر آ رہے تھے۔ شہلا اپنی سرخ جرسی کی وجہ سے نمایاں تھی۔ ہر آتا جاتا اسے بغور دیکھ رہا تھا اور اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ ایک بڑے میاں جو بظاہر کوئی ریٹائرڈ اور معزز بیوروکریٹ لگ رہے تھے شہلا کے پاس سے گزرے تو اس وقت تک اسے مڑ کر دیکھتے رہے جب تک مجھ سے نہیں ٹکرا گئے اور پھر کھسیا کر تیز قدموں سے آگے چلے گئے۔ شہلا یقیناً نیچے دامن کوہ کی طرف جا رہی تھی۔

میں نے بیتو اور وسیم کو پکارا لیکن وہ شاید ایک کلومیٹرز سے زیادہ دور جا چکے تھے ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ بہرحال انہیں وہیں آنا تھا اور جیسے ہی میرا رابطہ ہوتا میں انہیں گائیڈ کر سکتا تھا۔ نیچے ریستوران تھے اور تفریحی پارک تھے یہاں فیملیز آتی تھیں اور بچوں کا رش ہوتا تھا جیسے ہی ہم پارک میں داخل ہوئے شہلا نے پارکنگ کا رخ کیا۔ اچانک مجھے خیال آیا پارکنگ میں اس کی گاڑی ہوگی اور وہ اس میں بیٹھ کر یہاں سے رخصت ہو جائے گی اور میں ٹاپتا رہ جاؤں گا۔ میں نے رفتار تیز کی۔ وہ پارک کے دروازے سے نکلی تھی۔ سامنے ہی پارکنگ تھی میں دروازے کی طرف لپکا لیکن بدقسمتی سے اسی لمحے باہر سے لڑکیوں کا ایک ریلا آیا۔ وہ کسی کالج کی لڑکیاں تھیں کیونکہ سب یونیفارم میں تھیں اور یقیناً کالج کی طرف سے تفریح پر آئی ہوئی تھیں۔ شوخ و شنگ، ہنستی کھلکھلاتی لڑکیاں جو بچپن کی شوخی کے ساتھ جوانی کے احساس سے سرشار تھیں۔ وہ عمر کے اس دور میں تھیں جب ہر لڑکی اچھی لگتی ہے اور انہیں سب اچھا لگتا ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ تفریح ہوتا ہے۔ وہ غم و الم سے ناآشنا ہوتی ہیں۔ انہیں نے مجھے دیکھا لیکن بے فکری اور سکون سے گزرتی چلی گئیں۔

انہیں راستہ دینے کی کوئی جلدی نہیں تھی بلکہ کچھ شریر لڑکیوں نے بھانپ لیا کہ مجھے گزرنے کی جلدی ہے اور میں ان کی وجہ سے رکا ہوا ہوں اس لیے وہ رک گئیں اور آپس میں بات کرنے لگیں۔ ان کے رکنے سے جو ریلا پیچھے آ رہا تھا اس نے راستہ مزید جام کر دیا اور وہ شور کرنے لگیں۔ مگر شریر لڑکیوں کو کوئی جلدی نہیں تھی۔ شہلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پارکنگ میں پہنچ گئی تھی۔ میں نے بے تابی سے کہا۔ ''لڑکیو..... مجھے جانے دو.....''

لڑکیاں اب پوری طرح شرارت پر آمادہ تھیں۔ انہوں نے یوں ظاہر کیا جیسے میری آواز سنی ہی نہ ہو۔ شہلا اب ایک مسٹرڈ رنگ کی نئی کار کے پاس رکی تھی۔ اسی لمحے میرے کانوں میں وسیم کی آواز آئی۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

''یار میں یہاں پھنس گیا ہوں دروازے پر لڑکیاں جمع ہیں اور راستہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''شہلا نیچے ریستوران والی پارکنگ میں ہے اور ایک مسٹرڈ کار میں بیٹھ رہی ہے۔''

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اسی لمحے میں نے دو آدمیوں کو شہلا کی طرف جھپٹتے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے شہلا سے تقریباً چپک کر کچھ کہا تو اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔ صاف ظاہر تھا وہ صابر کے آدمی تھے اور انہوں نے اسے اسلحے کے زور پر یرغمال بنا لیا تھا انہوں نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور ایک ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ میں ان لڑکیوں کو بے نقط سناتا ہوا دوسرے دروازے کی طرف بھاگا۔ ''وسیم صابر کے آدمی شہلا کو اسی کی گاڑی میں لے جا رہے ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں وہ ہمارے پاس ہے۔'' وسیم نے جواب دیا۔

''لیکن تم کہاں ہو؟''

''ہم نیچے آ رہے ہیں۔''

جب تک میں دوسرے دروازے سے نکل کر اور گھوم کر پارکنگ میں آیا مسٹرڈ کار سڑک کی طرف جا چکی تھی میں نے بس اس کی ایک جھلک دیکھی اور پھر تیز قدموں سے سڑک کی طرف بڑھا۔ ''وہ نکل گئی ہے جلدی کرو۔''

''یہاں بھی ایک مصیبت ہے جناب ایک ٹرک ہے آگے جو نہایت سست روی سے جا رہا ہے اور رفتار بڑھانے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''لعنت ہو۔'' میں نے سڑک پر آ کر بے بسی سے مسٹرڈ کار کو دیکھا جو مین ہائی وے پر بائیں طرف گھوم گئی تھی۔ مگر یہ واضح نہیں تھا کہ اس کا رخ کس طرف تھا۔ ممکن ہے وہ آگے سگنل سے گھوم کر دوسری سمت میں چلی جاتی یا اسی سڑک پر آگے جاتی جہاں بے شمار سڑکیں نکل رہی تھیں وہ کہیں بھی جا سکتی تھی۔ وین کوئی پانچ منٹ بعد نمودار ہوئی اور میرے پاس رکی۔ عقبی دروازہ کھلا۔ میں اندر گھس گیا اور برہمی سے بولا۔ ''بیتو کہاں ہے وہ آگے کیوں نہیں آیا؟''

''بائیک نہیں اسٹارٹ ہو رہی تھی۔'' وسیم نے کہا۔ اسی لمحے پیچھے سے بیتو بھی آ گیا۔

''وہ بائیں طرف گئے ہیں۔ مسٹرڈ رنگ کی نئی کار ہے۔''

''یہ صابر ہے۔'' وسیم نے فرش پر بے سدھ پڑے صابر کی طرف اشارہ کیا اس کے سر پر ایک ابھار بتا رہا تھا کہ وہ کیسے بے ہوش ہوا تھا اس نے یقیناً مزاحمت کی تھی۔ ''اگر ہم نے اسے مس بھی کر دیا تو یہ بتائے گا کہ شہلا کو کہاں لے جایا گیا ہے۔''

''مگر ابھی ہمیں کوشش کرنی ہے۔'' میں نے شہاب کی طرف دیکھا۔ ''وہ زیادہ سے زیادہ دو کلومیٹر آگے نکلے ہوں گے اور مسٹرڈ رنگ دور سے نمایاں ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہاب نے سر ہلاتے ہوئے رفتار بڑھادی۔ بیتو اس سے پہلے نکل گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''سوری بائیک مسئلہ کر رہا تھا ورنہ میں پہلے نکل جاتا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے کہا اور وسیم سے پوچھا۔ ''تمہارے آدمیوں نے رابطہ کیا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ان کی کال آئی تھی اگلی کار میں ایک ہی آدمی تھا اور وہ صابر کا ڈرائیور ہے۔''

''اس کا کیا کیا؟''

''میرا ایک آدمی اس کے ساتھ آ رہا ہے۔ ایک بائیک پر ہے اور تیسرا بائیک سمیت وہیں رہ جانے والی بائیک کے ساتھ ہے۔ صابر کے ڈرائیور کو حویلی پہنچا کر وہ پھر بائیک لے جائیں گے۔''

''نہیں بائیک کی نگرانی کرنے والے سے کہو وہ بھی آ جائے بائیک وہیں کہیں چھوڑ دے۔ ممکن ہے یہاں اس کی ضرورت ہو۔''

شہاب نے رفتار خاصی تیز رکھی تھی لیکن مسٹرڈ کار کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے صابر کی طرف دیکھا۔ ''یہ ہوش میں ہوتا تو اس سے پوچھ سکتے تھے کہ شہلا کو کہاں لے جایا گیا ہے۔''

''آدمی تیز ہے لڑنے مرنے پر تیار ہو گیا تھا بیتو کے قابو میں نہیں آ رہا تھا مجبوراً مجھے پیچھے سے سر پر وار کرنا پڑا۔''

کچھ آگے جا کر ایک سڑک بائیں طرف نکل رہی تھی یہ آگے جا کر شاہ فیصل مسجد یا اس کے گرد و نواح میں نکلتی تھی اور شاید مارگلہ کے دامن میں گھومتی تھی اس طرف کئی دیہات اور بستیاں تھیں۔ شہاب نے مڑ کر پوچھا۔ ''اب کس طرف جانا ہے؟''

''ذیلی سڑک پر نکلو ممکن ہے انہوں نے چانس لیا ہو۔'' میں نے کہا اور واکی ٹاکی میں بیتو سے پوچھا۔ ''تم کہاں ہو؟''

''ہم بہت آگے دیکھ چکا ہے کار نہیں ہے۔''

''سروس روڈ ہے تو اس سے مڑ کر واپس آ جاؤ۔ ہم بائیں ہاتھ پر نکلنے والے پہلے کٹ پر جا رہے ہیں۔''

''ہم سمجھ گیا ابھی واپس آتا ہے آپ آگے جاؤ۔''

شہاب نے وین اس طرف موڑ لی۔ مجھے مایوسی ہو رہی تھی شہلا سامنے آ کر ایک بار پھر ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ مایوسی اس لیے تھی کہ یہ پہلی بار نہیں ہو رہا تھا۔ شہلا اس سے پہلے بھی کئی بار چکنی مچھلی کی طرح ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔ اس بار یہ اس کا کمال نہیں تھا بلکہ اسے اغوا کر لیا گیا تھا۔ اس ذیلی سڑک پر خاصی دیر تک تیز رفتاری سے سفر کے باوجود ہم مسٹرڈ کار کو نہیں پا سکے تھے۔ وہ کسی اور طرف مڑ گئی تھی اور ہم غلط سمت میں اسے تلاش کر رہے تھے۔ وسیم نے مایوسی سے کہا۔

''اب ہمارے پاس بس یہی ہے۔''

''وسیم واپس چلو فی الحال ہم حویلی نہیں جا سکتے ہیں اسے فارم ہاؤس لیے چلتے ہیں۔ اس سے شہلا کا پتا معلوم کرنا بہت ضروری ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ ''آپ کے خیال میں اس کی جان خطرے میں ہے؟''

''مجھے لگ رہا ہے صابر کے ارادے اس کے بارے میں ٹھیک نہیں ہیں۔''

شہاب نے وین واپس موڑ دی تھی۔ وسیم نے پوچھا۔ ''اس کے ڈرائیور کا کیا کرنا ہے؟''

''ڈرائیور محرم راز ہوتے ہیں۔ وہ بہت کچھ جانتا ہوگا اسے بھی فارم ہاؤس پر بلوالو۔''

وسیم اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے لگا۔ پھر اس نے ایک خانے سے ایک عدد مضبوط پلاسٹک ٹیپ برآمد کیا اور اس سے صابر کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے آخر میں ٹیپ کا ایک ٹکڑا اس کے منہ پر بھی چپکا دیا۔ اب وہ ہوش میں آجاتا تب بھی کوئی حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ دو بج رہے تھے اور ہم ڈھائی بجے واپس فارم ہاؤس پہنچ گئے۔ صابر کا ڈرائیور اسی کی گاڑی میں لایا گیا تھا اور اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ اسے ہاتھ پاؤں باندھ کر تہہ خانے میں منتقل کردیا گیا۔ صابر کی گاڑی لے کر وسیم کے بائیک سوار واپس چلے گئے تھے وہ اسے کہیں چھوڑ دیتے۔ ابھی انہیں اپنی بائیک بھی لانی تھی۔ وسیم نے بے ہوش صابر کو اٹھایا اور مکان کے اندر لے آیا۔ سفیر نے اسے دیکھ کر کہا۔ ''یہ کیا چیز ہے اور یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہ بڑی صابر چیز ہے اور اس سے جلد از جلد پوچھ گچھ کرنی ہے اس لیے یہاں لائے ہیں۔''

وسیم اور بیتو صابر کو اوپر ایک خالی کمرے میں لے گئے اور پھر اس کے ہاتھ پاؤں کھول کر اس کے تمام کپڑے اتار کر اسے بالکل برہنہ کرکے ڈال دیا۔ اس کے ہوش میں آنے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ سفیر نے کھانا لگالیا تھا کھانے کے دوران میں اسے واقعات بتاتا رہا۔ شہلا کے ایک بار پھر نکلنے کا سن کر اس نے سرد آہ بھری۔ ''کاش کے وہ ہاتھ آجاتی بہت عرصہ ہوا اسے دیکھے ہوئے۔''

''ہم بتائے گا مونا دیدی کو۔'' بیتو نے آگاہ کیا۔

''ہم مکر جائے گا۔'' سفیر اطمینان سے بولا۔

''آپ دیدی سے جھوٹ بولے گا؟''

''بیٹا یہ شادی شدہ لوگوں کی پالیسی ہے ابھی تمہیں سمجھ نہیں آئے گی۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''جب تک تم خود شادی شدہ نہیں ہوجاتے۔ اگر بیوی سے سو فیصد سچ بولو تو وہ یقین نہیں کرتی ہے اگر جھوٹ بولو گے تب بھی بات نہیں بنے گی۔''

''یہ شوہر کی مہارت پر منحصر ہے کہ وہ کتنی مہارت سے جھوٹ میں سچ کی یا سچ میں جھوٹ کی آمیزش کرتا ہے جس سے بیوی سو فیصد مطمئن ہوجائے۔''

''میرا خیال ہے آج کا ایجنڈہ میاں بیوی نہیں ہیں۔'' میں نے انہیں یاد دلایا۔ ''اوپر دو عدد چیزیں ہیں ان کا کچھ کرنا ہے۔''

''ایک چیز تو آپ لائے تھے اس لیے اس کا فیصلہ آپ خود کرلیں۔'' سفیر نے جواب دیا۔ ''دوسری چیز بھی آپ دونوں لائے ہیں۔''

''تم نے عبداللہ سے بات کی ہے؟''

''ہاں لیکن اس کا کہنا ہے اس قسم کی گفتگو فون یا موبائل پر مناسب نہیں ہے وہ خود آکر بات کرے گا وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات میں کسی وقت آئے گا۔"

"تب تک ہم صابر سے نمٹتے ہیں۔" میں نے میز سے اٹھتے ہوئے کہا۔ جب تک میں واش روم سے آیا وسیم دو عدد نقاب لے آیا تھا یہ نقاب اس قسم کے تھے جو بچے لگائے پھرتے ہیں ایک گوریلے کا نقاب تھا جو میرے حصے میں آیا۔ سفیر نے ہنس کر کہا۔ "اب ذرا صورت نکلی ہے تیری۔"

"تیری پیدائشی نکل آئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ وسیم شیر کا نقاب پہن چکا تھا۔ اب سفیر نے اسے چھیڑا۔

"اس کے لیے بس دُم کی کمی رہ گئی ہے۔"

مانی نے کہا وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ "ممکن ہے بادشاہ سلامت کی دم کٹ گئی ہو کسی حادثے میں۔"

"شیر بغیر دُم کا بھی شیر ہی ہوتا ہے۔" وسیم نے متانت سے جواب دیا۔ "اب چلیں۔"

صابر ہوش میں آ گیا تھا اور اندر سے دروازہ پیٹ پیٹ کر گالیاں دے رہا تھا۔ ہم نے دروازہ کھولا تو وہ جلدی سے کونے میں جا کر سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا اور کپکپاتی آواز میں بولا۔ "میرے کپڑے دے دو ورنہ....."

"ورنہ تم کیا کر لو گے۔" میں نے اندر آ کر کہا۔ "تم کچھ نہیں کر سکتے۔"

"میں تم سب کو جہنم رسید کر سکتا ہوں سؤر کے بچو۔" وہ حلق پھاڑ کر چلایا۔ صاف ظاہر تھا غصے نے اسے پاگل کر دیا تھا۔

وسیم ہنسا۔ "اسے دیکھو تن پر کپڑے نہیں ہیں اور ہمیں جہنم بھیجنے کی بات کر رہا ہے۔"

"اگر تمہیں اسی حالت میں باہر نکال دیا جائے تو لوگ پتھر مار مار کر تمہیں ہی جہنم بھیج دیں گے۔" میں نے کہا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کپڑوں کے ساتھ ہم تمہیں تمہارے کسی جسمانی اعضا سے بھی محروم کر دیں۔"

"مثلاً آنکھیں..... آدمی بغیر بینائی کے کچھ نہیں ہوتا ہے۔" وسیم بولا۔

"یا تمہارے دونوں ہاتھ کاٹ دیں یا ایک پیر سے محروم کر دیں۔"

"تمہارے ساتھ ایسی سرجری بھی کی جا سکتی ہے جس کے بعد تم صرف نام کے مرد رہ جاؤ گے سرجری کے بعد ہم تمہاری تصاویر شہر میں مفت بانٹیں گے۔"

"جہاں ابھی تمہاری دہشت ہے اور پھر لوگ تمہیں کیا کہیں گے تمہیں بھی اچھی طرح علم ہے۔"

"ان تصویروں کو دیکھ کر لوگ تمہیں کیا کہیں گے تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

میں اور وسیم مسلسل بول رہے تھے اور آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر خوف نمودار ہونے لگا۔ اس نے تسلیم کر لیا کہ وہ بہت مشکل میں گھر گیا ہے اور کسی قسم کی جذباتیت اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ہمارے قبضے میں تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ ہم جو کہہ رہے تھے وہ اس کے ساتھ کر بھی سکتے تھے۔ جب ہم خاموش ہوئے تو اس نے کسی قدر معقول لہجے میں کہا۔ "تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ہم کون ہیں اس سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" وسیم نے کہا۔ "ہاں یہ بتا سکتے ہیں کہ تم سے کیا چاہتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہلا کو تمہارے آدمی کہاں لے گئے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

اس کا چہرہ ایک لمحے متغیر ہوا تھا پھر اس نے خود کو سنبھال لیا اور انجان بن کر بولا۔ ''کون شہلا.....؟''

میں اس کی طرف بڑھا تو اس نے اچانک اٹھ کر اتنی پھرتی سے مجھ پر حملہ کیا کہ میں حیران رہ گیا۔ مجھے اس پچاس سالہ شخص سے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ وہ اچھل کر میری طرف آیا اور سینے پر سر سے ٹکر مارنے کی کوشش کی۔ میں نے ذرا ترچھا ہوتے ہوئے اس کا سر اپنی بغل میں لیا اور پھر اسے گھما کر فرش پر دے مارا۔ وہ اذیت سے چلایا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا میں نے اسے الٹا کر کے گھٹنا اس کی کمر پر رکھا اور اس کے بال پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچا۔ اس کی گردن اوپر ہوئی تو ریڑھ کی ہڈی کمان کی صورت اختیار کر گئی۔ وسیم نے اس کے سیدھے ہاتھ پر اپنا جوتا رکھ دیا۔ اب وہ اذیت سے بل کھا رہا تھا اور خود کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ خاصا جاندار آدمی تھا اور لڑنے بھڑنے سے بھی واقف تھا لیکن شراب اور تمباکو نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا ذرا سی جدوجہد نے اسے ہانپنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے سکون سے کہا۔

''اس طرح اپنی ریڑھ کی ہڈی تم خود توڑ لو گے اور اس کے بعد ساری عمر بستر یا وہیل چیئر پر رہو گے۔''

''چھوڑو مجھے.....'' وہ چلایا۔ ''زبان سے بات کرو۔''

''ہم نے زبان سے بات کی تھی۔'' میں نے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔ ''لیکن تم نے سمجھی نہیں.....''

ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر مزاحمت نہیں کر سکتا تھا۔ بالآخر اس کی اکڑ جواب دے گئی اور وہ بلبلانے لگا کہ اسے چھوڑ دیا جائے وہ ہر سوال کا جواب دے گا لیکن مجھے معلوم تھا وہ کتے کی دم تھا ٹکی سے نکلتے ہی پھر ٹیڑھی ہو جاتی۔ میں نے سر کو ذرا ڈھیلا چھوڑا اور کہا۔ ''سوال تمہیں یاد ہو گا اس کا جواب چاہیے۔''

''مجھے نہیں معلوم..... وہ اسے کہاں لے..... آہ.....'' وہ بولتے ہوئے تڑپا کیونکہ میں نے سر کو دوبارہ پیچھے کھینچ لیا تھا۔ اس بار دباؤ شدید تھا اس کی ریڑھ کی ہڈی چٹخنے لگی تھی۔ وہ فرش پر پاؤں پٹخ رہا تھا اور بائیں ہاتھ سے مجھے خود سے ہٹانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ اس بار میری گرفت پہلے سے زیادہ سخت تھی۔ میں نے غرا کر کہا۔ ''اپنا نقصان کر کے مانو گے تو پھر کیا فائدہ میں جواب تو حاصل کر کے رہوں گا۔ اگر تم سے نہیں ملا تو تمہارے گھر والوں کو لے آؤں گا اور پھر پوچھوں گا۔''

''اس کی بیٹی ہے کالج میں پڑھتی ہے اور دیکھنے میں بھی خوب صورت ہے۔'' وسیم نے اوباشوں والے انداز میں کہا۔

''نہیں۔'' اس نے تڑپ کر کہا۔ ''بتاتا ہوں..... بتاتا ہوں۔''

''بتاؤ..... تمہارے پاس صرف ایک منٹ ہے۔''

''وہ شہلا..... کو..... کی طرف لے گئے ہیں۔'' اس نے ایک نئی آباد ہونے والی بستی کا نام لیا۔ یہ پنڈی کی حدود میں تھی اور دوسری کسی آبادی سے خاصے فاصلے پر تھی۔

''وہاں کس جگہ؟''

''وہاں ایک کوٹھی ہے جو کالی کوٹھی کہلاتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کس کی ہے؟''

اس نے کسی قدر حیرت سے کہا۔''تم نہیں جانتے..... وہ مرشد علی کی کوٹھی ہے۔''

مجھے واقعی نہیں معلوم تھا اور مرشد کا نام سن کر مجھے جھٹکا لگا تھا۔''مرشد..... کا شہلا سے کیا تعلق ہے؟''

''میں نہیں..... جانتا۔''اس نے تڑپ کر کہا میری گرفت غیر ارادی طور پر سخت ہوگئی تھی۔

''پھر تمہارے آدمی اسے وہاں کیوں لے گئے؟''

''مجھ سے مرشد نے کہا تھا اسے شہلا اور فتح خان کی تلاش ہے۔''

''شہلا کا تم سے کیا تعلق ہے؟''

''پرانا تعلق ہے ایک زمانے میں ہم کچھ عرصہ ساتھ بھی رہے پھر اس نے شادی کر لی۔''اس نے مبہم انداز میں کہا۔''کچھ عرصے پہلے اس نے مجھ سے رابطہ کر کے مدد مانگی تھی۔''

''اور تم نے اس کی یوں مدد کی کہ اسے مرشد کے حوالے کر دیا۔''میں نے ایک جھٹکا دے کر کہا۔''کیا لیا تم نے مرشد سے اس کے بدلے؟''

''میری کیا مجال۔''وہ کراہ کر بولا۔''شہر کے تمام بدمعاش مرشد کے غلام ہیں وہ جس کو حکم دیتا ہے وہ بلا چوں چرا تعمیل کرتا ہے ورنہ پولیس حرکت میں آجاتی ہے اور اس کے خلاف کیس کھل جاتے ہیں۔''

''گویا مرشد اب بدمعاشوں کا بدمعاش بن گیا ہے۔''میں نے کہا اور اسے چھوڑ دیا۔ وہ فرش پر گر گیا۔ اس کی کمر اتنی دیر تک ٹیڑھی رہی تھی کہ اب فوری طور پر اس کے لیے سیدھا ہونا ممکن نہیں تھا۔

''ایک معاملہ اور بھی ہے۔''وہ ہانپتے ہوئے بولا۔''مرشد نے کچھ عرصے پہلے مجھ سے میری بیٹی سارہ کا رشتہ مانگا تھا اور میں نے اس کا جواب نہیں دیا تھا۔''

''تم نے انکار کر دیا تھا؟''

''نہیں میں انجان بن گیا تھا چپ کر کے بیٹھ گیا۔''

''جیسے شتر مرغ ریت میں سر دبا کر سمجھتا ہے کہ خطرہ ٹل گیا ہے۔''میں نے طنز کیا۔''لیکن خطرہ ٹلا نہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔''مرشد نے مجھ سے رابطہ کر کے کہا کہ اگر میں شہلا یا فتح خان میں سے کسی ایک کو تلاش کر دوں تو وہ میری خطا بھول جائے گا۔''

''حالانکہ وہ بھولنے والا شخص نہیں ہے۔''میں نے کہا۔ مجھے اب اس شخص پر ترس آنے لگا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ مرشد اس سے کام بھی نکلوائے گا اور اس کی بیٹی کو بھی اٹھوا لے گا۔ وہ معاف کرنے کا قائل نہیں تھا۔''شہلا تم پر بھروسہ کرتی تھی اور تم نے اس کے اعتماد کو دھوکا دیا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''وہ بھروسہ نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس کی مدد کی اور اس نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ مرشد جیسے خطرناک آدمی سے دشمنی مول لے بیٹھی ہے۔ اس نے مجھے بھی مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

اس نے شہلا کے بارے میں بالکل ٹھیک کہا تھا کہ وہ صرف اپنا مطلب نکالنا جانتی تھی۔''تم نے اسے کس بہانے سے بلایا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے اس سے کہا کہ میں نے اسے جو گاڑی دی تھی اس میں کچھ مسئلہ ہے کاغذات کا چکر ہے وہ مشکل میں پڑ سکتی ہے اس لیے یہ گاڑی واپس کر کے دوسری لے جائے۔''

''اس کام کے لیے تم نے اسے دامن کوہ بلایا تھا؟'' میں نے شک سے کہا۔ ''یہ کام تو وہ تمہارے گھر آ کر بھی کر سکتی تھی؟''

''اسے شک ہو گیا شاید اس لیے اس نے کسی ایسی جگہ ملنے سے انکار کر یا جہاں میں اس پر قابو پا سکوں۔''

''اور اس ویرانے میں چلی آئی۔'' میں نے طنز کیا۔ ''صابر تم ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو اس وقت جھوٹ بول کر بچ جاؤ گے۔ نہیں تمہارے ایک ایک لفظ کی تصدیق کی جائے گی اور سچ جھوٹ کو کھنگال کر تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔''

''میں نے سچ کہا ہے۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ وہ بدستور اوندھے منہ پڑا تھا تا کہ اپنی ستر پوشی کر سکے۔

''کالی کوٹھی کہاں ہے؟''

صابر نے اس کا تفصیلی پتا بتایا۔ ''اس جگہ کے بارے میں ہر کوئی نہیں جانتا ہے کہ یہ مرشد کے استعمال میں ہوتی ہے۔ وہ اسے خاص مقاصد کے لیے ہی استعمال کرتا ہے۔''

''مرشد کی شہلا سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔''

''میں نہیں جانتا لیکن یہ دشمنی کا معاملہ نہیں ہے۔ دشمنی ہوتی ہے برابر کے لوگوں میں اور شہلا کا مرشد سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔''

''چلو دشمنی نہ سہی لیکن مرشد کو کوئی تکلیف تو ہو گی شہلا سے تبھی اس نے اسے اغوا کرایا ہے۔''

''میں نہیں جانتا مرشد نے مجھے کچھ نہیں بتایا بس اس نے مجھے حکم دیا کہ میں شہلا کو تلاش کر کے کالی کوٹھی پہنچا دوں۔''

''تم نے ہمیں چکر دیا تمہارا ڈرائیور گاڑی دامن کوہ سے اوپر لے گیا اور اس نے چالاکی سے تمہیں راستے میں اتار دیا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ تمہارا تعاقب ہو رہا ہے؟''

''مسلسل ایک ہی جیسے تین بائیک والے اپنی گاڑی کے آس پاس دیکھ کر مجھے شک ہو گیا تھا اس لیے میں نے ریستوران جانے کے بجائے اوپر کا رخ کیا اور ایک جگہ اتر گیا۔''

''شہلا کو پروگرام کی تبدیلی کی اطلاع کیسے دی؟''

''کال کر کے..... لیکن تم لوگوں کو کیسے پتا چلا کہ میں اتر گیا ہوں؟''

''ہمارا ایک آدمی پیچھے بھی تھا۔ اس نے تمہیں دیکھ لیا۔''

اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ ''جب آدمی کی شامت آتی ہے تو اس کی چالاکی بھی دھری رہ جاتی ہے۔''

''صابر ترمذی..... تم نے جو بتایا ہے ہم اس کی تصدیق کریں گے اور اگر اس میں سے کوئی بات غلط نکلی تو ہم اپنی دھمکی پر عمل کریں گے اور تمہیں نمونہ عبرت بنا کر چھوڑ دیں گے۔'' میں نے اسے دھمکایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے مجھے اشارہ کیا اور ہم کمرے سے باہر آ گئے۔ پیچھے سے صابر چلاتا رہ گیا تھا کہ اس کے کپڑے دے دیئے جائیں لیکن ہم نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ باہر آ کر وسیم نے تشویش سے کہا۔ ''یہ مسئلہ تو مزید الجھ گیا ہے شہلا کے مرشد کے ہاتھ لگنے کا مطلب ہے بریف کیس بھی اس کے علم میں آ جائے گا۔''

''تم نے ٹھیک کہا ہے اور ساتھ ہی مجھے شک ہے صابر نے شہلا کو صرف کار تبدیل کرنے کے بہانے نہیں بلایا تھا اس کے پس پشت کوئی اور چکر بھی ہے وہ بتا نہیں رہا ہے۔''

''اس سے ہم بعد میں پوچھ لیں گے۔'' وسیم بولا۔ ''اب بتائیں کیا کرنا ہے۔''

''میرا خیال ہے ہمیں کالی کوٹھی پر دھاوا بول دینا چاہیے۔ اگر فوری طور پر نہیں تب بھی ہمیں اس کی نگرانی شروع کر دینی چاہیے۔'' میں نے کہا اور کہتے ہوئے مجھے ایک خیال آیا۔ ''مانی کے پاس گوگل ارتھ کا اکاؤنٹ ہے وہ اس کی مدد سے کالی کوٹھی کی مکمل تصویر دکھا سکتا ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے ہم ابھی دیکھ سکتے ہیں۔''

ہم نیچے آئے تو مانی میز پر ٹانگ رکھے اور ہیڈ فون چڑھائے ایک نئے کالے راک اسٹار کا نہایت سنسنی خیز ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے جلدی سے ویڈیو بند کر دی اور ہیڈ فون اتار دیا۔ وسیم نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ماشاءاللہ بچہ خاصی ترقی کر رہا ہے۔''

''وہ تو میں بس ایسے ہی.....'' مانی نے جھینپ کر کہا۔

میں نے مطلب کی بات کی۔ ''مانی گوگل ارتھ پر ایک کوٹھی کی مکمل تصویر دیکھنی ہے۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے کہاں پر ہے۔'' مانی مستعدی سے بولا اس نے گوگل ارتھ کھول لیا تھا اس کے پاس لائیو اکاؤنٹ تھا یا اس نے کسی کا اکاؤنٹ ہیک کیا تھا اور اب دھڑلے سے استعمال کر رہا تھا۔ صابر نے کالونی کا نام اور کالی کوٹھی کی لوکیشن بیان کی تھی میں نے اسے کالونی کا نام بتایا جو اس نے ایک منٹ میں نکال لی۔ یہ کالونی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ مشکل سے چند سو ایکڑ پر ہو گی اور اس کے گرد باؤنڈری وال بھی تھی۔ کالی کوٹھی کالونی کی مسجد سے شمال میں کوئی سو گز کے فاصلے پر تھی اور اس کے آس پاس کوئی اور کوٹھی یا تعمیر نہیں تھی۔ مانی کو کالی کوٹھی تلاش کرنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

''یہ ہے آپ کی کالی کوٹھی۔'' مانی نے لیپ ٹاپ میری طرف گھما دیا۔

''اسے بڑا اور واضح کرو۔'' میں نے کہا۔

''انٹر کا بٹن دبانے سے تصویر بڑی اور واضح ہو گی اور اسکیپ کا بٹن دبانے سے چھوٹی ہو جائے گی۔'' اس نے آسان ترکیب بتا دی۔ میں نے انٹر کیا تو تصویر بڑی ہو گئی۔ یہ تقریباً چار کنال پر بنی کوٹھی تھی اور اصل عمارت کے چاروں طرف اونچی اور خاردار تاروں سے بھری باؤنڈری وال تھی۔ یہ باؤنڈری وال بتانے کے لیے کافی تھی کہ یہ مرشد جیسے کسی شخص کا ٹھکانہ ہے۔ عمارت بہت بڑی نہیں تھی لیکن یہ دو منزلہ تھی۔ میں نے مانی سے پوچھا۔

''کیا یہ لائیو ہے؟''

''نہیں تصویر ہے اس لیے اتنی واضح ہے۔ لائیو میں اتنا واضح نہیں آئے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم اسے لائیو کردو۔''

مانی نے چند بٹن دبائے اور اسکرین دوبارہ میری طرف کردی۔ ''اب یہ لائیو ہے۔''

کوٹھی دھندلا گئی تھی لیکن اس کے صحن میں موجود دو افراد صاف محسوس ہو رہے تھے۔ وہ چہل قدمی کر رہے تھے۔ ایسا ہی ایک آدمی کوٹھی کی چھت پر تھا۔ پورچ میں دو بڑی سیاہ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ صحن میں ٹہلتے دو افراد اصل میں گیٹ کے محافظ تھے۔ وہ اتنے واضح نہیں تھے کہ ان کے پاس اسلحہ نظر آتا لیکن ان کا مسلح ہونا یقینی تھا۔ کوٹھی میں داخلے کا ایک ہی راستہ تھا۔ کوٹھی کا نقشہ دیکھتے ہوئے میرا ذہن مسلسل سوچ رہا تھا۔ سامنے کی طرف سے داخل ہونا مشکل تھا۔ لازمی شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا اور ناکامی کا امکان بھی تھا۔ سب سے بڑھ کر جانی نقصان کا اندیشہ تھا۔ ہمارے لیے ہمارا ایک ایک فرد قیمتی تھا۔ وسیم میرے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ اس نے اچانک کہا۔

''میں اپنے آدمیوں کو کال کر دیتا ہوں وہ پوری طرح تیار ہو کر آ جائیں گے اور اگر آپ نے کوئی فیصلہ کیا تو اس پر عمل درآمد میں دیر نہیں لگے گی۔''

''ٹھیک ہے ویسے میرے ذہن میں ایک خیال آ رہا ہے۔'' میں نے اسکرین پر کالی کوٹھی کے عقبی حصے پر ہاتھ رکھا۔ ''یہ دیکھو یہاں سے ایک نالا گزر رہا ہے۔ یہ برساتی نالا ہے۔ اس کی مدد سے کوٹھی کے پاس پہنچا جا سکتا ہے۔ آج چاند کی کون سی تاریخ ہے؟''

''شاید چار۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ رات کے وقت یہاں یقیناً لائٹنگ کی جاتی ہوگی۔''

''چھت پر موجود شخص خطرناک ہے کیونکہ وہ اوپر سے چاروں طرف اور دور تک دیکھ سکتا ہے۔''

''ممکن ہے اس کے پاس نائٹ وژن ہو۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''اسے اڑانا ہوگا آپ کے ذہن میں کیا پلان ہے۔''

''اگر ہم ایک چھوٹا فکس بم استعمال کر کے دیوار میں سوراخ کر دیتے اور اس کے راستے اندر داخل ہوتے ہیں تو یہ کوٹھی کا عقبی حصہ ہوگا اور ان کی توجہ سامنے کی طرف ہے۔ میرا خیال ہے ہم کوٹھی میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ایک بار اندر پہنچ گئے تو سب پر قابو پا سکتے ہیں۔''

''ہمارے پاس جدید قسم کے فکس کیے جانے والے بم ہیں۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''اگر اندر بھی اتنے ہی گارڈز اور ہوئے تو ان پر قابو پانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ البتہ ہمیں رعایت سے گریز کرنا ہوگا کیونکہ وہ بھی ہمارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کریں گے۔''

میں نے سوچ کر سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے۔''

''ہمارے پاس ہم سب کے علاوہ دس افراد ہیں۔''

''میں، تم، بیتو اور ایاز کے علاوہ چھ افراد بلا لو۔ ان کے پاس فکس کرنے والے بم ہوں اور خودکار رائفلوں کے ساتھ کم سے کم ایک اسنائپر رائفل بھی ہو۔ باقی ہینڈ گرنیڈ اور دھوئیں کے بم ہوں۔''

مانی کا رنگ اڑ گیا تھا اس نے کبھی اس قسم کی باتیں سامنے نہیں سنی تھیں جن سے آگ و خون کی بو آتی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''شوبی کیا یہ سب سچ مچ ہوگا؟''

''تو برخوردار کیا تم مذاق سمجھ رہے ہو؟'' وسیم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کبھی ہمارے دشمن یہاں آئے تو وہ اس سے زیادہ خطرناک ہتھیاروں سے مسلح ہوں گے۔''

مانی فکرمند ہوگیا۔ ''کیا وہ ایٹم بم ماریں گے؟''

''نہیں لیکن اس سے کچھ ہی چھوٹا بم استعمال کریں گے۔ یہ فارم تو سمجھو یوں غائب ہو جائے گا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔''

''اور جو ادھر ہوں گے؟''

''وہ بھی غائب.....'' وسیم اسے ڈرا رہا تھا۔

''تب مجھے معاف رکھیں میں یہاں اکیلا نہیں رہوں گا۔'' مانی نے انکار کر دیا۔ ''میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔''

''نہیں تمہیں یہیں رہنا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''یہ شہباز صاحب کا حکم ہے اور فارم کا دفاع بھی تمہیں کرنا ہے۔''

''تمہیں پستول یا رائفل چلانی آتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''صرف گیسز کی حد تک۔'' مانی نے مردہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں صرف زبان چلانی آتی ہے لیکن افسوس ہمارے دشمن یہ زبان سمجھتے نہیں ہیں۔''

''آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔'' مانی نے رو دینے والے انداز میں کہا تو مجھے ہنسی آگئی۔

''برخوردار اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جگہ محفوظ ہے، دشمن کو ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے دوسرے وہ اگر آئے تو تمہیں پہلے علم ہو جائے گا اور تم اپنا مال سمیٹ کر پیچھے سے فرار ہو جانا۔''

''اور اگر وہ پیچھے بھی آگئے۔''

''تب تمہیں شہادت نصیب ہوگی۔'' وسیم نے زبردستی اس سے ہاتھ ملایا۔ ''یہ اعزاز سب سے پہلے تمہیں ملے گا۔''

''مجھے کیوں آپ لے لیں۔'' اس نے ہاتھ چھڑایا۔

مجھے مانی کی بات نے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ہم اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے کیونکہ اس میں اپنا دفاع کرنے کی صلاحیت نہیں تھی یہاں اس کے ساتھ کسی کا ہونا ضروری تھا۔ سفیر فوری نہیں جا رہا تھا۔ ''سفیر تمہارے ساتھ رہے گا۔''

''اچھا۔'' وہ بے دلی سے بولا۔ ''یہ دشمن کے آنے سے کچھ ہی بہتر ہوگا۔''

''تم دونوں کا وقت اچھا گزرتا ہے۔'' وسیم ہنسا اور باہر چلا گیا وہ اپنے آدمیوں سے رابطہ کر کے انہیں بلا رہا تھا۔ فارم ہاؤس میں معمول کا اسلحہ تھا جیسے پستول اور رائفلیں وغیرہ لیکن اس مہم کے لیے جو اسلحہ درکار تھا وہ حویلی میں تھا۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''نماز کہاں ہے؟''

''یہاں موجود ہے جناب۔'' اس نے کہا۔ ''کیا اسے بھی ساتھ لے آؤں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں اسے ابھی بھیج دو اور ہو سکے تو تم بھی آجاؤ۔''

''میں آجاتا ہوں۔''

''ایک کام ہے تیار ہو کر آنا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے کہا۔ ''آپ کی ایاز سے بات کراؤں؟''

''نہیں اب تم دونوں آؤ گے تو بات بھی ہو جائے گی۔''

سفیر کو پتا چلا تو وہ دوڑا آیا۔ ''یار کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ یہ تیاریاں کس لیے۔''

''بہت دنوں سے کچھ کیا نہیں ہے ہاتھ میں کھجلی ہو رہی ہے۔''

''لیکن اس طرح مرشد سے براہ راست پنگا.....''

''براہ راست نہیں..... ہم شہلا کو لینے جا رہے ہیں اب وہ مرشد کے پاس ہے تو یہ اس کا قصور ہے ویسے ہم کامیاب رہے تو اسے پتا بھی نہیں چلے گا کہ کس نے کام کیا ہے۔''

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسے احمق مت سمجھو..... وہ کارروائی کے انداز سے جان جائے گا کہ یہ کس کی کارروائی ہے۔''

''وہ احمق نہیں ہے لیکن اتنا عقل مند بھی نہیں ہے وہ شک کر سکتا ہے لیکن ہم پر الزام نہیں لگا سکتا ہے اور ابھی تو اسے شک ہوگا کہ یہ نادر یا اس کے ہمدردوں کی جوابی کارروائی ہے۔''

سفیر کے خدشات کم نہیں ہوئے تھے۔ ''تم بہت عجلت میں بہت بڑا قدم اٹھانے جا رہے ہو۔''

''یار ہم تمام حفاظتی تدابیر کریں گے اور دشمن کو وار کرنے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔ دوسرے خطرے میں تو ہم سب ہمہ وقت ہوتے ہیں۔ ہم صرف دفاع کر کے بچ نہیں سکتے ہیں۔''

سفیر سمجھ گیا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ ''ٹھیک ہے یار اب میرے لیے کیا حکم ہے۔''

''عبداللہ آ رہا ہے تم اس کے ساتھ مل کر خواتین کو حویلی منتقل کرنے کا پروگرام بناؤ گے۔ یہ بات یقینی ہے کہ عبداللہ والی کوٹھی کی نگرانی کی جا رہی ہوگی۔ یہ منتقلی آنے والے ایک دو دن میں ہو جانی چاہیے۔''

جو خدشات سفیر کی زبان پر تھے وہی میرے دل میں بھی تھے لیکن میں سمجھ رہا تھا اگر شہلا ماری جاتی یا ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی تو ایک اہم مہرہ مرشد کے ہاتھ میں چلا جاتا اور وہ بریف کیس حاصل کر لیتا تو ہمارے خلاف پہلے سے زیادہ مضبوط پوزیشن میں آجاتا۔ پھر فتح خان کے بارے میں بھی صرف شہلا سے پتا چلایا جا سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شہلا کی مرشد سے براہ راست کوئی دشمنی نہیں تھی بلکہ اس نے اسے فتح خان کا پتا چلانے کے لیے اٹھوایا تھا۔ مرشد کو فتح خان سے جو نقصان ہوئے تھے وہ یقیناً پاگل ہو گیا تھا۔ شہلا کو اس کے قبضے میں گئے خاصی دیر ہو گئی تھی اور مجھے خدشہ تھا کہ اگر وہ زندہ بھی ہوئی تو مرشد کے درندوں نے اسے ادھیڑ کر رکھ دیا ہوگا۔ رحم و مروت کے الفاظ ان کی لغت میں شامل نہیں تھے اور میں کئی بار ان کی درندگی کے نمونے دیکھ چکا تھا۔

شہلا کو آزاد کرانے کے ساتھ میں مرشد کو احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ اور اس کے ٹھکانے اتنے محفوظ نہیں تھے جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔ باہر سے عبداللہ اور ایاز کی آوازیں آ رہی تھیں میں باہر نکل آیا۔ سلام دعا کے بعد میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنا مقصد بیان کیا تو ایاز خوش ہو گیا۔ ''بہت دنوں سے ہاتھ پاؤں چلانے کا موقع نہیں ملا ہے۔''

''جناب میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''نہیں تم سفیر کے ساتھ مل کر لیڈیز کو حویلی منتقل کرنے کی تیاری کرو۔''

عبداللہ مایوس ہوا۔ ''اچھا میں تو سمجھا تھا کہ آپ مجھے بھی ساتھ لے کر جائیں گے۔''

''تم بیک اَپ میں رہو گے اور اپنے ساتھیوں کو بھی تیار رکھنا۔'' میں نے کہا۔ ''ممکن ہے تمہاری مدد کی ضرورت پڑ جائے۔''

''تب میں انہیں تیار رہنے کا حکم دیتا ہوں بلکہ بلوا لیتا ہوں۔''

''گارڈز میں سے مت بلوانا۔''

''نہیں چار آدمی الگ سے ہیں۔ انہیں کہاں بلاؤں؟''

میں نے عبداللہ کو کالونی کے بارے میں بتایا جہاں مرشد کی کالی کوٹھی تھی وہ کوٹھی کا نام سن کر حیران ہوا۔ ''یہ کیسا نام ہے؟''

''جیسے مرشد کے کرتوت ہیں ویسا ہی نام ہے..... ویسے میرا خیال ہے کسی وجہ سے مشہور ہو گیا ہو گا اور مرشد نے دہشت قائم کرنے کے لیے یہی نام رکھ لیا ہو گا۔''

ایک گھنٹے بعد وسیم نے اطلاع دی۔ ''آدمی اور گاڑیاں پہنچ گئی ہیں۔''

اس دوران عبداللہ کے آدمی بھی اپنی گاڑی میں کالونی کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اس نے کہا۔ ''سنیں میں بھی چلتا ہوں میں اپنے آدمیوں کے ساتھ باہر رہوں گا اپنا کام میں یہاں واپسی کے بعد کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے تم بھی چلو۔'' میں نے کہا اور وسیم کی طرف دیکھا۔ ''وین بھی جائے گی؟''

''بالکل..... یہ آپس میں سب کا رابطہ رکھے گی۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''یہاں سے ہم اسی میں جائیں گے۔''

''پھر بھی وین اس جگہ سے دور کھڑی کرنا یہ کسی کی نظروں میں نہ آئے۔''

چھ بجے ہم فارم ہاؤس سے نکلے تو باہر تاریکی چھا رہی تھی۔ عبداللہ اور ایاز تعاقب سے بچنے کے لیے ایک متبادل راستے سے آئے تھے۔ ایاز اور عبداللہ ہمارے ساتھ آ گئے۔ ڈرائیونگ کمپارٹ میں شہاب اور وسیم تھے جب کہ میں، عبداللہ، بیتا اور ایاز پیچھے تھے۔ حویلی سے دو گاڑیوں میں وسیم کے چھ آدمی آئے تھے میرے خیال میں یہ تسلی بخش نفری تھی۔ چھ ہم تھے اور چار عبداللہ کے آدمی تھے۔ جو اس کے ساتھ بیک اَپ میں رہتے اور ضرورت پڑنے پر ہماری مدد کے لیے آ جاتے۔ راستے میں عبداللہ کو اس کے آدمیوں کے پاس اتار کر ساڑھے چھ بجے ہم کالونی میں داخل ہو گئے تھے۔ ایک چوکیدار بیریئر بند کیے بیٹھا تھا لیکن اس نے گاڑیاں دیکھ کر بغیر کوئی سوال کیے ہوئے بیریئر ہٹا دیا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ وسیم نے وین کا سیٹلائیٹ میپ سسٹم آن کیا اور اب یہ ہماری رہنمائی کرنے لگا۔ کالی کوٹھی سے کوئی ایک فرلانگ دور نالے کے ساتھ گاڑیاں روک لیں۔ یہاں تاریکی تھی اور گاڑیوں کی تمام لائٹس بند تھیں اس لیے امید تھی کہ کوٹھی کی چھت سے یہ گاڑیاں نظر نہیں آئیں گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے وین کی چھت پر موجود دوربین کا رخ کوٹھی کی طرف کر دیا اور اس کا رات کو دیکھنے والا نظام آن کیا فوراً ہی بڑے ایل سی ڈی اسکرین پر کوٹھی نمودار ہوئی اور یہ بڑی ہونے لگی۔ وسیم چھت کو فوکس کر رہا تھا۔ ماحول ہرے رنگ کا تھا اور اس میں فوراً ہی وہ سرخ دھبہ نظر آ گیا جو کسی آدمی کا تھا۔ وہ چھت پر ٹہل رہا تھا۔ وسیم نے دوسری گاڑی میں موجود اپنے ایک آدمی سے کہا۔ ''اسے احتیاط سے نشانہ بناؤ۔ ایک فائر میں اس کا کام تمام ہو جانا چاہیے۔''

مجھے عجیب سا لگا..... میری جدوجہد کے دوران بہت کم مواقع ایسے آئے تھے جب میں نے کسی آدمی کو یوں مارا ہو یا مارنے کو کہا ہو جسے میں جانتا بھی نہیں تھا حالانکہ وہ مرشد جیسے شیطان کا خاص ملازم تھا اور اس سے شریف ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ مرشد اس قسم کے کاموں کے لیے چھٹے ہوئے سفاک بدمعاش رکھتا تھا جو اکثر پولیس کو بھی مطلوب ہوتے تھے۔ اس کے باوجود میرے دل پر ایک بوجھ سا آیا تھا۔ ہم سب دم سادھے اسکرین پر نظر جمائے بیٹھے تھے۔ فائر کی آواز نہیں آئی لیکن چھت پر ٹہلتا آدمی اچانک غائب ہو گیا۔ وہ جس طرح جھٹکے سے گرا تھا صاف لگ رہا تھا اسے گولی لگی ہے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا تھا اور اس کے گرنے سے نیچے والوں کی طرف سے کوئی ردِعمل سامنے آتا یا نہیں۔

''ہمیں پانچ منٹ انتظار کرنا ہوگا۔'' وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ''اس کے بعد سب حرکت میں آ جائیں گے۔ شہباز صاحب آپ وین میں.....''

''میں ساتھ چلوں گا۔''

''او کے بیتو وین میں رہے گا۔'' وسیم نے فیصلہ سنایا وہ مشن کمانڈر تھا۔ وہ گھڑی پر نظر جمائے بیٹھا تھا۔ جیسے ہی پانچ منٹ پورے ہوئے اس نے اشارہ کیا اور ہم وین سے نیچے اتر آئے۔ بیتو نے اندر سے دروازہ لاک کر لیا۔ اب نگرانی کی ذمے داری شہاب کی تھی۔ وہ ہمیں گائیڈ کرتا۔ ہم نو افراد خاموشی سے نالے میں اتر گئے۔ یہ بہت گہرا نالا نہیں تھا لیکن ہم جھک کر چلتے تو دور سے نظر نہیں آتے۔ وسیم اور آگے چلنے والے اس کے ایک ساتھی نے نائٹ ویژن لگا رکھی تھی۔ وہی ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ ورنہ یہاں اتنی تاریکی تھی کہ مشکل سے ہی کچھ نظر آ رہا تھا۔ میں درمیان میں تھا اور نصف راستے کے بعد ہمیں کوٹھی کی عقبی دیوار نظر آنے لگی تھی توقع کے عین مطابق یہاں دیوار پر لائٹیں روشن تھیں اور آس پاس سب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے وسیم سے کہا۔

''اگر یہاں کیمرے ہوئے تو ہم فوراً نظر میں آ جائیں گے۔''

''کیمرے نہیں ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''وین کا کمپیوٹر کیمروں کی نشاندہی کر سکتا ہے اور اس نے بتایا کہ یہاں کوئی کیمرہ نہیں ہے۔''

میں مطمئن ہو گیا۔ وسیم نے دو آدمی کوٹھی کے سامنے کی طرف بھیج دیئے۔ وہ اسنائپر تھے اور اگر کوئی اس طرف سے نکلنے کی کوشش کرتا تو وہ اسے مار گراتے۔ گاڑی ہوتی تو اس کا ٹائر برسٹ کر دیتے۔ وہ اسی نالے میں آگے روانہ ہو گئے۔ وسیم کا وہ آدمی جو بم لگانے کا ماہر تھا ایک چھوٹا سا بیگ لے کر نالے سے نکلا اور کوئی دس گز دور کوٹھی کی دیوار کے پاس جا پہنچا۔ وسیم نے بتایا کہ اس نے کچھ جدید قسم کے چھوٹے لیکن تباہ کن بم منگوائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ اس کا یہ آدمی انہیں استعمال کرنے کا ماہر تھا۔ اس نے دیوار کی جڑ میں بیٹھ کر اپنی کارروائی کی اور مشکل سے دو منٹ بعد واپس آ گیا۔ اس نے آتے ہی مطلع کیا۔

''ایک منٹ بعد دھماکہ ہوگا۔''

''اندر جاتے ہی تمام افراد تین پارٹیوں میں بٹ جائیں گے۔ تم میں سے دو میرے ساتھ ہوں گے، ایک ایاز اور ایک شہباز صاحب کے ساتھ ہوگا۔''

ابھی اس کی بات مکمل ہوئی تھی کہ دبا ہوا دھماکہ ہوا اور گرد و غبار کا ایک چھوٹا سا طوفان اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی اس طرف کی تمام روشنیاں بند ہو گئیں۔ دھماکہ دبا ہوا تھا لیکن اتنا دبا ہوا بھی نہیں تھا کہ اندر والوں کو اس کی خبر نہ ہوتی۔ ہم ایک ساتھ اٹھ کر بھاگے اور باری باری دیوار میں بننے والے خلا سے گزر کر اندر داخل ہو گئے۔ ہم تین حصوں میں بٹ گئے تھے۔ وسیم دو آدمیوں کے ساتھ کوٹھی کے بائیں طرف سے اگلے والے حصے کی طرف بڑھا۔ ایاز کے ساتھ ایک نے وہیں درختوں میں مورچہ بنا لیا جب کہ میں ایک آدمی کے ساتھ دائیں طرف بڑھا۔ یہ وہی بم ماہر تھا۔ یہاں کوٹھی کا پچھلا حصہ محدود اور کچا تھا۔ میں نے اندر آتے ہی دیکھ لیا تھا کہ عقب میں کوئی دروازہ نہیں ہے صرف کھڑکیاں ہیں اور ان پر بھی فولادی گرل تھی۔ ابھی میں اور میرا ساتھی عمارت کے پاس پہنچے تھے کہ اوپر سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی اور کسی نے مشین گن سے برسٹ مارا۔

ایک لمحے کو میرا دل رک گیا کہ شاید اوپر سے کسی نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور برسٹ ہماری طرف مارا گیا تھا۔ مگر صرف آواز پاس سے آئی تھی گولیاں کہیں اور گئیں۔ وسیم اور اس کے دونوں ساتھی آگے جا چکے تھے مجھے ایاز اور اس کے ساتھی کا خیال آیا میں نے سرگوشی میں پوچھا۔ ''ایاز تم دونوں ٹھیک ہو؟''

''بال بال بچے ہیں جناب۔'' اس نے جواب دیا۔ ''برسٹ ہماری طرف آیا تھا اگر تنوں کے پیچھے نہ ہوتے تو گولی لگ سکتی تھی۔''

''ہوشیار رہنا اس برسٹ نے ثابت کر دیا ہے اندر بھی پوری طرح مسلح لوگ موجود ہیں۔''

اسی لمحے ایک ہلکی سی آواز آئی اور اوپر کوئی بھیانک انداز میں چلایا۔ میرے ہیڈ سیٹ میں شہاب کی آواز آئی۔ ''میں نے مشین گن والے کو گرا دیا ہے۔''

شہاب نے دور مار رائفل سے نشانہ لیا تھا اور اس کا نشانہ بہترین نکلا تھا۔ وین یہاں سے کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر تو تھی۔ وہ وین کی دوربین سے معائنہ بھی کر رہا ہوگا۔ ''گڈ..... اوپر کتنے لوگ نظر آ رہے ہیں؟''

''مختلف کھڑکیوں میں کم سے کم تین افراد ہیں۔'' شہاب نے جواب دیا۔ ''ان میں سے ایک مارا گیا ہے۔''

اسی لمحے کوٹھی کے سامنے والے حصے سے فائرنگ کی تیز آواز آئی۔ یہ ملے جلے ہتھیار تھے جو بیک وقت چل رہے تھے۔ وسیم اور اس کے ساتھیوں نے اپنی کارروائی شروع کر دی تھی۔ میں کھسکتا ہوا ایک کھڑکی تک پہنچا۔ یہ بڑے پٹ والی کھڑکی تھی لیکن اس پر مضبوط فولادی گرل تھی۔ میں نے اپنے ساتھی کو اشارے سے پاس بلایا۔ ''اسے توڑنے کا کوئی طریقہ ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل ہے جناب۔'' اس نے کہا اور اپنے بیگ سے ایک چھوٹا سا سیاہ ڈبا نکالا۔ یہ مشکل سے بیس سگریٹ والے پیکٹ کے برابر تھا۔ اس نے اسے ایک جگہ سے دبایا اور فولادی گرل پر رکھ کر تیزی سے دیوار کے کونے کی طرف بڑھا۔ یہ وہی ایک منٹ بعد خود بہ خود پھٹ جانے والا بم تھا۔ جیسے ہی ہم دیوار کی آڑ میں ہوئے دھماکہ ہوا اور فولادی گرل دیوار سے نکل کر نیچے گری ہم دونوں بیک وقت اس طرف دوڑے۔ میرے ساتھی نے مجھے پیچھے رکھا اور خود تیزی سے اندر کود گیا۔ ایک منٹ بعد اس کی آواز آئی۔ ''آل کلیئر سر۔''

میں بھی اندر کود گیا اور ریڈیو پر سب کو اطلاع دی۔ ''ہم اندر داخل ہو گئے ہیں۔''

''ہمیں سامنے مزاحمت کا سامنا ہے۔'' وسیم کی آواز آئی۔ ''کم سے کم ایک آدمی مارا گیا ہے اور اندر دو اور موجود ہیں۔''

گویا کوٹھی کے اندر پانچ افراد تو تھے اور ممکن ہے اس سے زیادہ ہوں۔ ہم جس کمرے میں تھے یہ خواب گاہ تھی مگر اس وقت یہاں کوئی نہیں تھا۔ میرے ساتھی نے ملحقہ دروازے کو کھول کر دیکھا تو یہ واش روم نکلا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر ایک چھوٹا آئینہ رکھا تھا میں نے وہ اٹھایا اور کمرے کی لائٹس بند کرتے ہوئے باہر کا دروازہ کھولا اور آئینہ باہر نکال کر دیکھا۔ یہ راہداری تھی اور خالی لگ رہی تھی لیکن یہ دھوکا بھی ہو سکتا تھا دشمن کہیں تاک میں بیٹھا ہو سکتا تھا اور جیسے ہی ہم باہر جاتے وہ اپنا کام کر جاتا۔ میں نے بستر سے تکیہ اٹھایا اور اسے راہداری میں پھینکا فوراً ہی ایک طرف سے کسی نے شاٹ گن کا فائر کیا۔ محدود جگہ میں اس کا دھماکہ کچھ زیادہ ہی محسوس ہوا۔ فائر کرنے والا دائیں طرف اسی قطار میں کسی کمرے میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اضطراری طور پر فائر کیا تھا ورنہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی رکتا تو انسان اور تکیے میں فرق محسوس کر لیتا۔ میں نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔

''اس کا کوئی حل ہے۔''

اس نے سر ہلایا اور اپنے بیگ سے دو عدد مختصر اور آسان سے گیس ماسک نکالے ایک اپنے چہرے پر چڑھایا اور دوسرا مجھے دے دیا۔ میں نے بھی پہن لیا تو اس نے بیگ سے ایک چھوٹی باڈی اسپرے قسم کی دھاتی بوتل نکالی اور اس کی اوپری چابی گھما کر اسے راہداری میں اس طرف پھینک دیا جہاں سے فائر ہوا تھا۔ چابی گھماتے ہی اس سے دھواں نکلنے لگا تھا۔ ایک منٹ کے اندر راہداری دھواں دھار ہو گئی تھی اور شاٹ گن چلانے والا کھانستا ہوا کمرے میں رُوپوش ہو گیا تھا۔ ہم باہر نکل آئے جس کمرے سے آدمی کے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی میں نے اس کے دروازے کا لاک فائر کر کے توڑ دیا اور پھر پیچھے ہو گئے فوراً ہی اندر سے شاٹ گن کا فائر آیا تھا۔ اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور دروازہ کھل گیا میرے ساتھی نے فرش پر پڑا گیس بم پاؤں کی ٹھوکر سے اندر پھینک دیا۔ جس سے بدستور دھواں خارج ہو رہا تھا۔ اندر موجود آدمی کھانستے اور گالیاں دیتے ہوئے بالآخر ڈھیر ہو گیا۔

باہر اور سامنے سے فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ میں نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا کہ وہ سامنے کی طرف جائے اور اندر موجود مزاحمت کو صاف کر دے میں خود پلٹ کر واپس آیا۔ میرا رخ کوٹھی کے وسطی حصے کی طرف تھا۔ کوٹھی اندر سے بھی خاصی بڑی ثابت ہوئی تھی۔ ابھی تک ہمیں کوئی ایسا فرد ہاتھ نہیں لگا تھا جس سے مرشد کا تعلق جوڑا جا سکتا۔ خود مرشد یہاں نہیں تھا اگر وہ ہوتا تو اس کے درجنوں محافظ بھی یہاں ہوتے جب کہ یہاں دس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بھی کم لوگ تھے۔ مگر شہلا کی یہاں موجودگی کا امکان تھا۔ میں اسے ہی تلاش کر رہا تھا۔ میرے ساتھی وقفے وقفے سے اطلاع دے رہے تھے کہ مزید مزاحمت کرنے والے مارے جا چکے تھے۔ ہمیں کوٹھی میں داخل ہوئے دس منٹ ہونے والے تھے اور ہمیں آدھے گھنٹے کے اندر اپنا کام کر کے یہاں سے نکل جانا تھا۔ شہاب کا رابطہ موبائل پر عبداللہ سے تھا جو کالونی کے باہر مین روڈ پر موجود تھا اگر پولیس آجاتی تو وہ ہمیں خبردار کرتا اور پولیس کو روکتا۔ اگرچہ ہماری پولیس سے منٹوں والی مستعدی کی توقع نہیں تھی لیکن معاملہ مرشد کا تھا اس لیے آدھے گھنٹے میں اس کی آمد متوقع تھی۔ اس سے پہلے ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔

دو آدمی شہاب نے مار گرائے تھے۔ ایک ایاز کا نشانہ بنا تھا اور ایک کو ہم نے بے بس کر دیا تھا۔ وسیم اور اس کے ساتھیوں نے سامنے موجود دونوں گارڈز کو نشانہ بنایا تھا لیکن ابھی سامنے والے حصے میں موجود کم سے کم دو افراد مزاحمت کر رہے تھے۔ راہداری آگے جا کر گھوم رہی تھی۔ میں نے آگے جھانکا۔ کوٹھی کی اندرونی روشنیاں جل رہی تھیں۔ دھماکے سے صرف متعلقہ حصوں کی لائٹ متاثر ہوئی تھی اس کا مطلب تھا کہ ہر حصے کے لیے الگ وائرنگ تھی اس قسم کی کوٹھی میں اس قسم کا انتظام ہونا چاہیے تھا۔ میں پوری طرح محتاط تھا جس طرح اس کمرے میں ایک آدمی موجود تھا اسی طرح اس راہداری کے کسی کمرے میں کسی دشمن کی موجودگی ممکن تھی۔ میرا ہاتھ رائفل کے ٹریگر پر تھا اور میں ایک لمحے کے چوتھے حصے میں فائر کرنے کے لیے تیار تھا۔

میں راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا کہ مجھے عجیب سی آواز آئی جیسے کوئی کراہا ہو۔ میں رک گیا۔ آواز قریب سے آئی تھی لیکن میں اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ کس طرف سے آئی تھی۔ میں ساکت تھا اور اس بار پوری طرح مستعد بھی تھا لیکن آواز دوبارہ نہیں آئی جب میں آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا تو آواز دوبارہ آئی اور اس بار واضح تھی۔ میں نے سمت کا تعین بھی کر لیا یہ میرے بائیں طرف موجود کمرے سے آئی تھی۔ میں نے اس کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ لاک نکلا۔ میں نے پستول کی نال لاک پر رکھ کر فائر کیا اور لاک ٹوٹ کر کھل گیا۔ میں نے ایک طرف ہوتے ہوئے دروازے کو اندر دھکیلا۔ اندر تاریکی تھی اور خلاف توقع کسی نے فائر بھی نہیں کیا اس کے باوجود میں نے پستول اوپر کی طرف کر کے ایک فائر کیا کہ اندر کوئی موجود ہو تو بھڑک کر ردعمل ظاہر کر سکتا تھا۔ مگر جب کوئی جواب نہیں آیا تو میں نے گیس ماسک اتارتے ہوئے اندر ہاتھ مارا اور سوئچ مل جانے پر اس کے سارے بٹن آزمائے بالآخر ایک سوئچ کام آیا اور اسے دباتے ہی اندر روشنی ہو گئی تھی۔ مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ روشنی ہوتے ہی اتنا خوفناک اور رگوں میں خون خشک کر دینے والا منظر سامنے آئے گا۔

میرے سامنے ننگے فرش پر ایک عورت کا بے لباس وجود یوں پڑا تھا کہ زخموں نے اس کی ستر پوشی کر دی تھی سر سے پاؤں تک جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو زخموں سے خالی ہو۔ اس کے زخموں سے بہنے والا لہو فرش پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بال جلا دیئے گئے تھے اور آنکھیں نکال دی گئی تھیں۔ بلیڈ جیسے تیز دھار آلے کے زخم تھے یا سگریٹ سے جلائے جانے کے نشانات تھے۔ اس قدر زخم سہہ کر وہ نہ جانے کیسے زندہ تھی فرش پر پھیلا ہوا خون بھی کم نہیں تھا اور صاف پتا چل رہا تھا کہ اس کے جسم سے بیشتر خون نکل چکا ہے۔ وہ سخت تکلیف میں تھی اس کے باوجود زندہ تھی۔ کیونکہ وہ کوئی عام عورت نہیں..... بلکہ شہلا تھی۔ جب ہم کالی کوٹھی کی طرف آ رہے تھے تب بھی مجھے امید نہیں تھی کہ میں شہلا کو صحیح سالم یا زندہ پا سکوں گا لیکن جس حال میں اسے دیکھ رہا تھا اس کا تو میں نے سوچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا۔

اسے اس حال تک پہنچانے سے پہلے مرشد کے کتوں نے اس کے جسم کو بھی روندا تھا۔ شہلا کوئی پاک باز عورت نہیں تھی لیکن عورت تو تھی اس کے ساتھ یہ سلوک کرنے والوں کے لیے شہلا اور کوئی بھی عورت برابر تھی کیونکہ ان کے آقا نے اسے ایسے ان کے سامنے ڈال دیا تھا جیسے کتوں کے سامنے راتب ڈالا جاتا ہے اور انہوں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو کتے راتب کے ساتھ کرتے ہیں۔ شہلا میری دشمن تھی آخری بار اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی بریف کیس میں بم تھا اور اللہ نے مجھے عقل دی ورنہ میں مارا جاتا۔ اس کے علاوہ بھی شہلا نے مجھ سے دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ موقع ملنے پر ہمیشہ مجھے دھوکا دیا اور نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود اسے اس حال میں دیکھ کر میرا دل دکھی ہونے لگا تھا اور ان لوگوں کے لیے میرے اندر آتش فشاں سا پھٹنے لگا تھا جو شہلا کی اس حالت کے ذمے دار تھے۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہے اور لاشعوری طور پر تکلیف سے کراہ رہی ہے لیکن بیٹھتے ہوئے رائفل کا دستہ فرش پر لگا تو وہ چونکی۔

''کک..... کون؟'' وہ دھیمی اور تقریباً کراہ نما آواز میں بولی جسے بمشکل میرے کانوں نے سنا تھا۔

''ڈرو نہیں..... شہلا یہ میں ہوں۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

''شہباز؟'' اس نے بہت مشکل اور بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں یہ میں ہوں..... مجھے دیر ہوگئی۔'' میں نے دکھ سے کہا۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا مرشد کے کتے اتنی جلدی.....''

''میں..... مر رہی ہوں۔'' وہ کراہی۔ ''شہباز تم اچھے آدمی ہو..... میری آخری خواہش پوری کرو گے؟''

میں اس کے انداز سے سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا خواہش ظاہر کرنے والی تھی۔ ''نہیں شہلا یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ جب تک تم دشمن تھیں میں شاید تمہیں مار دیتا لیکن اب.....''

''میں اب بھی دشمن ہوں۔''

''میں مرتے شخص سے دشمنی نہیں نبھاتا۔'' میں نے کہا۔

''پلیز شہباز۔'' وہ گڑگڑائی۔ ''تم نہیں جانتے..... میں کتنی اذیت میں ہوں۔''

میں دیکھ رہا تھا وہ کتنی اذیت میں تھی۔ وہ چاہتی تھی میں اسے گولی مار کر اس اذیت سے نجات دلا دوں اور یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ ''مرشد تم سے کیا چاہتا تھا اس نے تمہیں کیوں اٹھوایا؟''

''میں بتاؤں گی۔'' وہ رونے والے انداز میں بولی۔ ''لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا مجھے مار دو گے..... بولو شہباز مجھے شوٹ کرو گے؟''

''میں ایسا وعدہ نہیں کر سکتا۔''

''بریف کیس۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''تمہیں بریف کیس چاہیے نا..... تم اس کی خاطر میری تلاش میں تھے میں تمہیں بتاؤں گی وہ بریف کیس کہاں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہلا نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں اسے مارنا نہیں چاہتا تھا لیکن اگر میں اس سے وعدہ کر لیتا تو مجھے یہ وعدہ نبھانا ہی پڑتا۔ دوسری طرف بریف کیس تھا وہ لازمی تھا۔ میں نے اس کے حصول کے لیے بہت کوشش کی تھی اور بہت ساری مشکلات برداشت کی تھیں۔ میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا اور دل کڑا کر کے شہلا سے وعدہ کیا۔ ''ٹھیک ہے اگر تم مجھے بریف کیس کے بارے میں بتا دو گی تو میں تمہیں اس اذیت سے نجات دلا دوں گا۔''

اس نے گہرا سانس لیا۔ ''مجھے تمہارے وعدہ پر اعتبار ہے۔ شہباز میرے پاس آ جاؤ اس بریف کیس کے بارے میں کسی اور کو علم نہیں ہونا چاہیے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آئے؟''

''ہم نے حملہ کیا ہے اور یہاں قبضہ کر لیا ہے۔''

''سنو یہاں مائنک لگے ہیں اور ایسے خفیہ الارم ہیں جو کہیں اور اطلاع دیتے ہیں۔''

شہلا کا انکشاف تشویش ناک تھا میں فوراً ریڈیو پروسیم کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ پھر میں شہلا کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تم فکر مت کرو تم جو بتاؤ گی وہ صرف مجھ تک محدود رہے گا۔''

''تمہیں یاد ہے جب ہم تمہیں اور سویرا کو اغوا کر کے لے گئے تھے اور ویران جگہ رکھا تھا پھر وہاں خانہ بدوشوں نے حملہ کیا تھا؟''

''ہاں وہ سب فتح خان کے آدمیوں کی وجہ سے ہوا تھا۔''

''خانہ بدوشوں نے سب کو یرغمال بنا لیا تھا پھر فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے حملہ کیا تو وہ افراتفری میں فرار ہو گئے۔ اس وقت ہمیں بھی خیال نہیں رہا تھا بعد میں پتا چلا کہ بریف کیس اور بلیک میلنگ کا دوسرا اسٹف غائب ہے۔ وہ خانہ بدوش لے گئے تھے۔''

میں دم بخود رہ گیا تھا۔ وہ بریف کیس اتنے عرصے سے غائب تھا اور میں یہ سوچ کر شہلا کے پیچھے پڑا رہا کہ بریف کیس اس کے پاس ہے۔ اس نے اور فتح خان نے مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کہ بریف کیس ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس کے بجائے وہ مجھے ایسا تاثر دیتے رہے تھے کہ بریف کیس ان کے پاس ہے۔ ''تم لوگوں نے اسے خانہ بدوشوں سے واپس حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی؟''

''کی تھی لیکن اتنی دیر میں خانہ بدوش غائب ہو چکے تھے۔''

''یہ غلط ہے کیونکہ اس واقعے کے کوئی ایک ہفتے بعد فتح خان نے جب مجھے اور مہرو کو اسلام آباد میں آزاد کیا تو ساتھ ہی اس نے خانہ بدوشوں کو اطلاع کر دی تھی کہ میں کہاں ہوں اس کا مطلب ہے اس کا ان سے رابطہ تھا۔''

''تم سمجھ نہیں رہے ہو، فتح خان نے خانہ بدوشوں کو اس وقت تلاش کرنے کی کوشش کی جب اسے بریف کیس کی اہمیت کا علم ہوا اور اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ قبیلہ یہاں سے غائب ہو گیا تھا۔''

اچانک میں سمجھ گیا کہ میں نے ایک دوسرے خانہ بدوش قبیلے میں مہرو کی جھلک دیکھی تھی۔ اس کی یہاں آمد کا مقصد کیا تھا۔ وہ اصل میں اپنے قبیلے کی تلاش میں تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''مہرو کو اسی مقصد کے لیے یہاں لایا گیا تھا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں۔'' وہ کسی قدر بے چینی سے بولی۔ ''شہباز جو پوچھنا ہے جلد پوچھ لو اور اپنا وعدہ پورا کرو۔''

''لیکن تم نے مجھے بریف کیس کا پتا تو نہیں بتایا ہے۔ جب اس خانہ بدوش قبیلے کو تم لوگ تلاش نہیں کر سکے تو میں کیسے تلاش کروں گا؟''

''سنو مجھے ان کے بارے میں پتا چل گیا تھا اور میں نے فتح خان کو نہیں بتایا۔ وہ وادی نیلم سے آگے کہیں پہاڑوں میں ہے۔''

''لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''مجھے مہرو نے اطلاع دی ہے وہ اس قبیلے کے پیچھے ہے۔''

''اس نے اپنے شوہر کرنل کو کیوں نہیں بتایا؟''

''کیونکہ وہ اس سے نفرت کرنے لگی ہے۔ کرنل دھوکے باز شخص ہے اس نے مہرو کو بھی مسلمان ہونے کا دھوکا دیا تھا۔ اب وہ واپس اس کے پاس جانا نہیں چاہتی ہے۔''

''مہرو کہاں ہے؟''

''میں نہیں جانتی اس کی کال آئی تھی۔'' وہ سر پٹخنے لگی اور چلانے لگی۔ ''اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔''

''شہلا بس ایک سوال اور ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''مرشد نے تمہیں کیوں اغوا کرایا ہے؟''

''اسے فتح خان کی تلاش ہے۔''

''تو تم اسے بتا دیتیں کہ فتح خان کہاں ہے اس حال کو تو نہ پہنچتیں۔''

''مجھے اس حرامی کا پتا ہوتا تو بتا نہ دیتی..... وہ ذلیل شخص خود مجھ سے رابطہ کرتا تھا۔'' شہلا کا لہجہ ہذیانی ہو گیا۔ ''تم بھی اسی کی طرح ذلیل اور اذیت پسند ہو..... مجھے مار دو.....''

اسی لمحے وسیم اندر آیا وہ بھی ساکت رہ گیا جب اس نے شہلا کو پہچانا۔ ''یہ اس حال میں.....؟''

''مرشد کے کتوں کا کمال ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''ان کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

''کوئی نہیں بچا سب مارے گئے۔''

میں نے شہلا سے کہا۔ ''سنا تم نے تمہارے تمام مجرم مارے گئے ہیں۔''

''مرشد زندہ ہے۔'' وہ بولی۔ ''شہباز اپنا وعدہ پورا کرو..... پلیز۔''

اس کے لہجے میں ایسا درد تھا کہ میں انکار نہیں کر سکا تھا میں نے پستول نکال کر اس کی طرف سیدھا کیا وہ اکھڑے انداز میں سانس لے رہی تھی۔ نال کا رخ اس کی کنپٹی کی طرف کر کے میں نے منہ پھیر لیا۔ میں کوشش کے باوجود فائر نہیں کر پا رہا تھا اسی کشمکش میں نہ جانے کتنی دیر گزری اور پھر وسیم نے کہا۔ ''شہباز صاحب اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

میں نے پلٹ کر دیکھا تو شہلا کی سانس رک چکی تھی۔ وہ مر گئی تھی اسی لمحے فضا میں پولیس سائرن کی آواز گونجی۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس سائرن کی آواز نے ہمیں چونکا دیا تھا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''اس کوٹھی کو مکمل طور پر تباہ کرنا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ کام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔ ہم نے یہاں آگ لگانے والے بم لگا دیئے ہیں دس منٹ کا ٹائم سیٹ ہے۔ اس سے پہلے سب کو یہاں سے نکل جانا ہے۔''

''کوئی بچا تو نہیں ہے؟''

''نہیں سب مارے گئے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ کو شہلا نے بتایا کہ یہاں ہونے والی باتیں ریکارڈ ہوتی ہیں اور کوئی اجنبی اندر داخل ہو تو کہیں اور بھی الارم بجتا ہے۔''

''ہاں اسی لیے میں اس کوٹھی کی مکمل تباہی چاہتا ہوں۔ اگر یہاں کوئی ریکارڈنگ ہو رہی ہے تو وہ بھی تباہ ہو جائے۔''

وسیم نے اپنے آدمیوں کو واپسی کا حکم دیا۔ ہم تیزی سے سمٹ کر عقب کی ٹوٹی دیوار کے پاس آئے۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے وسیم سے کہا۔ ''جب عبداللہ راستے میں تھا تو پولیس کالونی میں کیسے آ گئی.....؟ اس نے روکا کیوں نہیں؟''

اسی لمحے وسیم کے موبائل پر کال آئی اس نے کال ریسیو کی دوسری طرف عبداللہ تھا اس نے وسیم کو پولیس کی آمد سے خبردار کیا اور بتایا کہ اتفاق سے پولیس پارٹی دوسری طرف سے آ گئی تھی اس سے پہلے کہ وہ اسے روکنے کے لیے کچھ کرتے پولیس موبائل کالونی کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اس وقت سائرن کی آواز کوٹھی کے سامنے والے حصے تک پہنچ گئی تھی۔ سڑک اس طرح سے گھوم کر آتی تھی کہ آنے والی پولیس ٹوٹی ہوئی دیوار نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن یہ بات یقینی تھی کہ چند منٹ بعد وہ کوٹھی کے چاروں طرف پھیل جائیں گے اور سب دیکھ لیں گے۔ اس سے پہلے ہی ہمیں یہاں سے نکلنا تھا۔ وسیم کے دو آدمی نالے میں ہی کوٹھی کے سامنے کی طرف گئے تھے وہ نالے سے واپس آ رہے تھے اس لیے امید تھی کہ پولیس پارٹی انہیں نہیں دیکھ سکے گی۔ ایک منٹ سے پہلے ہم نالے میں پہنچ گئے تھے۔

نالے میں آنے کے بعد ہم پولیس یا کسی کی نظروں سے فوری طور پر بچ گئے تھے۔ ہم جھک کر وین کی طرف جانے لگے۔ اب بم بلاسٹ ہونے میں پانچ منٹ کا وقت رہ گیا تھا۔ دو منٹ بعد ہم وین کے پاس تھے۔ اس دوران میں وسیم کے باقی دو آدمی بھی دوڑتے ہوئے پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک ہانپتے ہوئے بولا۔ ''جلدی نکلیں یہاں سے پولیس والے درجن سے بھی زیادہ ہیں۔''

ایک موبائل وین میں عام طور سے چار پانچ سے زیادہ اہلکار نہیں ہوتے ہیں لیکن وہ شاید کہیں چھاپہ مارنے گئے تھے اور واپسی میں انہیں یہاں دھماکے سنائی دیئے تو وہ اس طرف آ گئے۔ ہم وین میں اور وسیم کے آدمی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ اب ہمیں انتظار تھا کوٹھی میں آگ لگنے کا اس کے بعد جو افراتفری مچتی وہ ہمارے فرار میں آسانی پیدا کرتی۔ جیسے ہی دس منٹ پورے ہوئے پہلے کوٹھی کے سامنے والے حصے سے ایک ہلکے دھماکے کے ساتھ بہت بڑا شعلہ نمودار ہوا۔ دہشت زدہ پولیس والوں کے چلانے کی آواز یہاں تک آئی تھی۔ وین اور گاڑیوں کے انجن اسٹارٹ ہوئے اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو یکے بعد دیگرے دھماکے ہونے لگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کوٹھی شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی تھی وسیم کے آدمیوں نے بم اس طرح لگائے تھے کہ کوٹھی کا کوئی حصہ ان سے محفوظ نہ رہے۔ ابھی ہم کالونی کے گیٹ تک پہنچے تھے کہ اچانک کوٹھی کی طرف سے بہت بڑا دھماکہ ہوا۔ دھماکے کی لہر نے زمین کو ہلا دیا تھا اور وین لہرائی تھی۔ آواز نے بھی سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے سنبھل کر وسیم کی طرف دیکھا۔

''یہ کیا تھا؟''

''میرا خیال ہے کوٹھی میں بھی کچھ گولہ بارود موجود تھا وہی بلاسٹ ہوا ہے۔''

میں نے وین کے عقبی شیشوں سے دیکھا تو کوٹھی کی جگہ ہوا میں گرد و غبار اور شعلوں کا بہت بڑا بادل اٹھ رہا تھا۔ دھماکے نے سب تباہ کر دیا تھا۔ وہاں موجود لاشوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا ہوگا۔ مجھے شہلا کا خیال آیا۔ جیسی آزاد اس کی زندگی تھی ویسی ہی آزاد موت تھی۔ نہ جنازہ اٹھے گا اور نہ لاشہ دفن ہوگا۔ وہ مٹی کے ذروں میں مل کر ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گئی تھی۔ عجیب آزاد خیال اور آزاد مزاج عورت تھی۔ وسیم اب عبداللہ کو اطلاع دے رہا تھا کہ ہم بحفاظت نکل آئے ہیں اس لیے وہ بھی واپسی کی راہ اختیار کرے۔ یہ دھماکہ معمولی نہیں تھا اور ایک پولیس پارٹی بھی اس کا شکار ہوئی تھی اس لیے کچھ دیر میں یہاں پولیس کی بھاری نفری کی آمد لازمی تھی۔ ان کی آمد سے پہلے یہاں سے دور نکل جانا ضروری تھا۔ میں خیالوں میں گم تھا کہ وسیم کی آواز آئی۔ ''کیا سوچ رہے ہیں ذرا یہ بھی دیکھیں۔''

شروع میں، مَیں نے غور نہیں کیا تھا کہ واپسی میں وسیم کا ایک آدمی ایک بڑے سائز کے سوٹ کیس کو بھی اٹھائے ہوئے تھا جب کہ جاتے ہوئے ہمارے پاس ایسا کوئی سوٹ کیس نہیں تھا۔ یہ سوٹ کیس اب وین کے فرش پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے بے دلی سے پوچھا۔ ''کیا ہے اس میں ہے؟''

''یہ دیکھیں۔'' اس نے سوٹ کیس کھول دیا۔ اس کے لاک توڑ دیئے تھے اس لیے وہ آسانی سے کھل گیا میں حیران رہ گیا۔ سوٹ کیس اوپر تک مختلف مالیت کے نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ''ہمیں کوٹھی کے ایک مقفل کمرے سے ملا ہے۔''

زیادہ تر گڈیاں پانچ سو اور ہزار روپے مالیت کی تھیں کچھ پانچ ہزار اور کچھ سو روپے والی گڈیاں بھی تھیں پانچ ہزار کا نوٹ نیا آیا تھا اس لیے اس کی ساری گڈیاں فریش تھیں جب کہ باقی گڈیوں میں پرانے نئے نوٹ مکس تھے۔ میں نے گڈیاں اٹھا کر چیک کیں۔ یہ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے خود سو سو نوٹوں کو گڈیوں کی صورت دی تھی اور یہ اچھی خاصی مالیت تھی بلکہ کروڑ سے اوپر کی رقم لگ رہی تھی۔ اتنی بڑی دولت کا یوں بغیر حفاظت چھوڑ دینا سمجھ سے بالاتر تھا۔ وسیم میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ''شہباز صاحب میں نے ٹھیک کیا نا..... دشمن کا مال جائز ہوتا ہے۔''

''ہاں یار..... ان کا جو تا ان کے سر ماریں گے ان کی دولت سے ان کے خلاف کارروائی کریں گے۔'' میں نے کہا تو وسیم خوش ہو گیا۔

''میں بھی یہی سوچ کر اٹھا لایا جناب۔''

اس نے سوٹ کیس بند کر دیا۔ مین روڈ پر آنے کے بعد وسیم کے آدمیوں والی گاڑیاں واپس حویلی کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف چلی گئیں۔ ہم فارم کی طرف جا رہے تھے۔ مجھے رہ رہ کر شہلا کا خیال آ رہا تھا کتنے بلند عزائم تھے۔ ان عزائم کی خاطر اس نے اپنی جوانی کا خزانہ بھی بے دریغ لٹایا تھا۔ وہ کسی اچھی فیملی سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس کی بے راہ روی کی وجہ سے سب نے اس سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ وہ اکیلی اور اپنی مرضی سے جی رہی تھی۔ شاید اس نے بھی نہیں سوچا تھا کہ موت اسے یوں اچانک اور اتنے عبرت ناک انداز میں دبوچ لے گی۔ ایاز میری کیفیت سمجھ رہا تھا اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''شہباز صاحب اس کی قسمت میں ایسی ہی موت لکھی تھی سچی بات ہے کہ وہ دشمن تھی اس کے باوجود اس کی موت کا دکھ ہے۔ ہم نے اس کے قاتلوں سے بدلہ بھی لے لیا۔''

''ہاں یار..... لیکن ایسی موت دیکھ کر خیال آتا ہے کہ آدمی پھر کس لیے اتنی جدوجہد کرتا ہے۔''

''یہ آدمی کی فطرت ہے وہ موت کو سامنے دیکھ کر بھی زندگی کی چاہ کرتا ہے اور اگلے پل کی خبر نہ ہونے کے باوجود برسوں کی پلاننگ کرتا ہے۔'' ایاز نے دو جملوں میں انسان کی زندگی کا نچوڑ پیش کر دیا۔ میں نے سر ہلایا اور ایک طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا وین کے عقبی خانے میں گنجائش پیدا کرنے کے لیے سوائے کمپیوٹر آپریٹر کی سیٹ کے باقی تمام نشستیں اور چیزیں ہٹا دی گئی تھیں اور فرش پر موٹا دھاگوں والا قالین بچھا تھا یہ گاڑیوں کے لیے ہوتا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد ہم فارم پہنچ گئے تھے۔ وہاں بھی سب نے شہلا کی موت کی خبر افسردگی کے ساتھ سنی۔ اس سے دشمنی کا سہی لیکن ایک تعلق تو تھا۔ مانی کے سوا سب کا اس سے اچھی طرح واسطہ پڑ چکا تھا۔ اس لیے مانی نارمل تھا اور اس نے سب سے زیادہ دلچسپی سے سوٹ کیس دیکھا اور پھر اسے کھولا تو اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ اس نے مشکوک نظروں سے وسیم کی طرف دیکھا۔

''آپ سچ مچ مرشد کے کسی ٹھکانے پر گئے تھے؟''

''تمہیں شک ہے برخوردار؟''

''ہاں یہ سوٹ کیس دیکھ کر تو لگ رہا ہے کہ آپ کسی بنک سے ہو کر آ رہے ہیں۔''

''تمہارا انداز درست ہے۔'' وسیم نے ڈانٹ کر کہا۔ ''ہم ڈاکا مار کر آ رہے ہیں۔''

مانی کا منہ بھی کھل گیا تھا۔ ''سچ میں جی۔''

سفیر بھی وسیم کی اس شرارت میں شامل ہو گیا۔ ''آدمی کو اخراجات بھی تو پورے کرنے ہوتے ہیں۔ اب تم یہ جو صبح شام پزے کھاتے ہو اور دھڑا دھڑ کمپیوٹر استعمال کرتے ہو اس کے لیے رقم کہاں سے آئے گی؟''

مانی برا مان گیا۔ ''آپ کو بس میرا کھانا نظر آتا ہے مجھ سے دوگنا زیادہ تو آپ کھا جاتے ہیں اور میں کھاتا ہوں تو کام بھی کرتا ہوں۔ آپ کرتے ہی کیا ہیں۔''

''ٹھیک کہا یار۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''شادی نے ہمیں نکما کر دیا غالب..... ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔''

ان کی نوک جھونک نے سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی اور شاید ان لوگوں کا مقصد بھی یہی تھا۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے اور ابھی بھوک کسی کو نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد عبداللہ بھی ایک ٹیکسی میں آ گیا۔ احتیاط کے طور پر اس نے ٹیکسی سڑک پر رکوا دی تھی اور باقی راستہ پیدل طے کیا تھا۔ ایک اچھا کام اس نے یہ کیا آتے ہوئے سب کے لیے کھانا لیتا آیا تھا۔ یہ سامان اسے اٹھا کر لانا پڑا تھا اس نے سامان ایک طرف رکھا اور درمیان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھے سوٹ کیس کی طرف دیکھا تو وسیم نے سوٹ کیس کھول کر اسے بھی نوٹوں کی زیارت کرائی۔ عبداللہ خوش ہو گیا۔ ''یہ ہوئی نا دوہری چوٹ.....''

''ہاں مرشد بھی یاد کرے گا۔'' سفیر نے کہا۔

''میرا خیال ہے یہ اس کی حرام کی کمائی کا کوئی حصہ تھا جو اس تک پہنچانا تھا اور اس کوٹھی میں پڑا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ مرشد رقم منگواتا ہم وہاں پہنچ گئے۔'' وسیم نے کہا۔

''وسیم بھائی یہ کتنا رقم ہے؟'' بیتو نے پوچھا۔

''اتنی ضرور ہے کہ تمہاری شادی کے ساتھ ولیمہ وغیرہ مون بھی آسانی سے نمٹ جائے گا۔'' وسیم نے غیر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ایسا کرو تم اور مانی یہ رقم گنو جب تک ہم کچھ ضروری باتیں کر لیں۔'' میں نے کہا تو مانی اور بیتو سوٹ کیس سے گڈیاں قالین پر گرا انہیں الگ الگ ترتیب سے رکھنے لگے تاکہ گننے میں آسانی رہے۔ انہیں اس کام میں مگن چھوڑ کر میں، وسیم، سفیر اور عبداللہ اسٹڈی میں آ گئے۔ ایاز گاڑیوں کا چیک اپ کرنے چلا گیا۔ سفیر کافی کے لیے الیکٹریکل کیتلی لے آیا تھا جس میں ہمہ وقت کافی گرم موجود رہتی تھی بس نکالنی پڑتی تھی۔ وہ ہم سب کے لیے کافی نکال لایا۔ عبداللہ نے کہا۔ ''جناب میری بات ہو گئی ہے ہیلی کاپٹر ایک گھنٹے کے نوٹس پر تیار ملے گا؟''

''تم نے اسی پائلٹ سے بات کی ہے جو مجھے بھی راجا صاحب کے محل لے گیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جناب میرا خیال ہے وہ ہمارے دشمنوں کی نظروں میں آ گیا ہے اور اسے پھر استعمال کرنا خطرناک ہو سکتا ہے میں نے ایک دوسرے ایئر کلب میں بات کی ہے۔''

''یہ ٹھیک ہے کیا اسے بتایا ہے کہ جانا کہاں ہے؟''

عبداللہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں اسے روانگی سے ایک گھنٹہ پہلے بتایا جائے گا۔ وہ ایئر ٹریفک کنٹرولر سے اجازت لے گا اور دوسرے لوازمات پورے کرے گا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''تب ہمیں جلد از جلد خواتین اور سفیر کو حویلی منتقل کر دینا چاہیے۔''

''صبح سورج طلوع ہونے کے بعد آپ جب کہیں یہ کام ہو جائے گا۔'' عبداللہ نے کہا۔ سفیر کے چہرے پر تذبذب کے تاثرات تھے۔

''یار مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے تم لوگوں کو اس طرح چھوڑ کر عورتوں کے ساتھ گھر جا کر بیٹھ جاؤں۔''

''تو گھر نہیں بیٹھے گا وہاں ان عورتوں کی حفاظت کرے گا اور پھر مونا کو بھی تیری ضرورت ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''جو انتظار کرتے ہیں وہ بھی کمال کرتے ہیں۔'' وسیم نے بھی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''یہ ضروری ہے۔'' عبداللہ بولا تو سفیر بے بسی سے ہمیں دیکھنے لگا۔

''جیسے تم سب کی مرضی یارو۔''

''ہماری مرضی چھوڑو یہ بتاؤ کہ خواتین کیسے مانیں؟'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ مسکرانے لگا۔ ''مجھے تو وہ خاطر میں کہاں لاتیں لیکن جب میں نے کہا کہ یہ شہباز صاحب کا حکم ہے تو انہیں ماننا پڑا۔''

''اس بھائی یہ وقت بھی دیکھنا تھا۔'' سفیر اپنے موڈ میں آ گیا اور وسیم کی طرف دیکھ کر رقت آمیز لہجے میں بولا۔ ''بیویاں ہماری ہیں اور حکم بھائی صاحب کا چلتا ہے۔''

''ہاں بھائی۔'' وسیم نے بھی سرد آہ بھری۔ ''وہ محاورہ غلط تھوڑی ہے ساری خدائی ایک طرف.....'' اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''جوروؤں کا بھائی ایک طرف۔'' سفیر نے بات مکمل کی۔

''میرا خیال ہے کل صبح کا وقت ٹھیک رہے گا۔'' میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''تم ان کی روانگی سے کچھ دیر پہلے حویلی بات کرنا۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں ویسے ہیلی کاپٹر میں میرے دو آدمی بھی جائیں گے۔''

''میں بھی ہوں گا۔'' سفیر نے کہا۔

''کیا پرواز کے دوران آرمز لے جانے کی اجازت ہوگی؟''

''اجازت تو نہیں ہوتی ہے جیسے پبلک ٹرانسپورٹ میں تمباکو نوشی منع ہوتی ہے۔'' عبداللہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''لیکن سب سگریٹ پیتے ہیں۔'' سفیر ہنسا۔

''اسی طرح ہم آرمز بھی لے جائیں گے۔'' عبداللہ بولا۔ ''کل صبح کا وقت مناسب رہے گا۔ اس وقت سڑکوں پر رش بھی نہیں ہوتا ہے۔ ہم جلدی ائیر کلب پہنچ جائیں گے اور اگر کسی نے تعاقب کرنے کی کوشش کی تو وہ بھی ہماری نظر میں آ جائے گا۔''

''میں اور میرے آدمی تعاقب یا مداخلت کرنے والے سے نمٹ لیں گے۔''

''عبداللہ یہ بہت رسکی کام ہے تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو پوری طرح چوکس رہنا ہوگا اور اگر کسی طرف سے مداخلت ہو تو اس کا پوری قوت سے جواب دینا ہوگا۔ دشمن کی کسی چال کو کسی بھی قیمت پر ناکام بنانا ہوگا۔ مرشد جانتا ہے یہ عورتیں ہماری کمزوری ہیں اور وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔''

عبداللہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا شہباز صاحب۔''

''ٹھیک ہے کل صبح سات بجے کا وقت ٹھیک رہے گا۔ تم بات کر لینا کہ ہیلی کاپٹر پرواز کے لیے تیار ملے۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''ہو جائے گا..... بشرطیکہ موسم ٹھیک رہے۔''

ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ باہر سے بادل گرجنے کی آواز آئی۔ وسیم نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹایا اور بولا۔ ''لے بھئی بادلوں نے تیری بات سن لی ہے بارش کے آثار ہیں۔''

''میری بات سن لی ہے یا تمہارے دل کی بات سن لی ہے۔'' عبداللہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو وسیم کھسیا گیا۔ اسی لمحے بادل پہلے سے زیادہ زور سے گرجے اور یک دم تیز بارش شروع ہو گئی۔ ہم میں سے کوئی پریشان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہوا کیونکہ ابھی رات کے آٹھ بجے تھے اور صبح ہونے میں خاصا وقت تھا۔ اس کا امکان تھا کہ موسم ٹھیک ہو جائے لیکن اس اتفاق نے سب کو محظوظ کیا تھا کہ ہم ابھی موسم کی بات کر رہے تھے اور موسم خراب ہو گیا۔ عبداللہ کھڑا ہو گیا۔ ''میں جا رہا ہوں..... ایاز کو بھی لے جا رہا ہوں ہمیں انتظامات کرنے ہوں گے۔''

بارش تیز تھی لیکن راولپنڈی اور اسلام آباد میں رہنے والوں کے لیے یہ معمول کی چیز تھی۔ وسیم نے اسے روکا۔ ''کھانا کھا کر جانا۔''

''نہیں جا کر کھالوں گا۔'' عبداللہ نے کہا۔ وسیم اس کے ساتھ باہر چلا گیا۔ سفیر اور میں رہ گئے تھے۔ سفیر نے میری طرف دیکھا۔

''آج کے واقعے پر مرشد کا کیا ردِعمل ہوگا؟''

''خوفناک..... لیکن اسے کیسے معلوم ہوگا کہ یہ ہمارا کام ہے؟''

''مرشد کو احمق مت سمجھو..... وہ واردات کے انداز سے بھی جان سکتا ہے۔ اس کا شبہ لازمی فتح خان اور ہماری طرف جائے گا۔''

''فتح خان کی طرف جانے کا زیادہ امکان ہے کیونکہ شہلا کا تعلق اس سے تھا۔ دوسرے فتح خان پہلے بھی اس کے خلاف ایسی سبوتاژ کی کارروائیاں کرتا رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو مرشد کا خیال ہماری طرف بھی جا سکتا ہے اور وہ طبعاً کمینہ شخص ہے جو اپنے شک کو یقین کی حد تک لے جاتا ہے۔''

''اس صورت میں ہمیں زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔ عبداللہ والی کوٹھی اس کے علم میں ہے اور وہ وہاں کوئی کارروائی کر سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا تو مجھے اس کی بات میں وزن محسوس ہوا تھا۔ مرشد جیسے آدمی سے کچھ بعید نہیں تھا، ی دو دن پہلے اس نے اپنے بھائی کو مروانے کی کوشش کی تھی۔ وہ عبداللہ کی کوٹھی پر بھی حملہ کروا سکتا تھا اگر وہ کوٹھی کو تباہ کرانے کی کوشش کرتا تو یہ کام مشکل نہیں تھا۔ بم اور راکٹ لانچر جیسی چیزیں اب عام دستیاب ہیں۔ مرشد جیسے لوگ تو اس سے بھی زیادہ مہلک اسلحہ حاصل کر سکتے تھے اور استعمال بھی کر جاتے کیونکہ انہیں جس قانون کا خوف تھا وہ تو خود ان کا رکھوالا تھا۔ عبداللہ کی سیکورٹی کسی حملہ آور کو کوٹھی میں داخلے سے روکنے کے لیے تھی لیکن اگر کوئی تباہی کے ارادے سے دور سے حملہ کرتا تو عبداللہ کے آدمی شاید ہی اسے روک پاتے۔ مارنے اور بھاگ جانے والے کو روکنا بہت مشکل کام ہے یہی وجہ ہے گوریلا وار میں چند سو گوریلوں پر قابو پانے کے لیے بعض اوقات ایک بریگیڈ باقاعدہ فوج بھی ناکافی ثابت ہوتی ہے۔

''عبداللہ کے ذہن میں بھی یہ بات ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''ممکن ہے لیکن اسے پھر بھی خبردار کر دینا مناسب ہے وہ آج رات کے لیے اپنی سیکورٹی کو ہائی الرٹ کر دے۔'' سفیر نے کہا اور موبائل نکالتا ہوا باہر گیا۔ کیونکہ عبداللہ اور ایاز جا چکے تھے اس لیے سفیر کال پر ہی ان سے رابطہ کر سکتا تھا۔ میں باہر آیا تو بیتو اور مانی بدستور گڈیاں گن رہے تھے اور وسیم کل رقم کا حساب لگا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں نے عبداللہ کو رقم دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے نہیں لی اس کا کہنا ہے اس کے پاس رقم موجود ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں راجا عمر دراز نے اسے ہمارے لیے کھلی رقم دے رکھی ہے۔'' میں نے کہا۔''اگر چہ مجھے اچھا نہیں لگتا ہے لیکن مجبوری ہے میں راجا کے خلوص کو سختی سے نہیں ٹھکرا سکتا۔''

سفیر کال کر کے آ گیا تھا اس نے کہا۔''تم دونوں میں سے ایک میرے ساتھ چلے کھانا گرم کر کے لگانا ہے۔''

''آپ خود کر لو۔'' بیتو نے کہا۔''ہم مصروف ہے۔''

''مصروف کے بچے۔'' سفیر نے بھنا کر کہا۔''ٹھیک ہے لگے رہو نوٹوں کے ساتھ اب انہیں ہی کھانا میں اپنا، شوبی اور وسیم کا کھانا گرم کرتے جا رہا ہوں۔''

''میں چلتا ہوں یار۔'' میں نے کہا ہم کچن میں آئے اور شاپرز میں موجود سالن نکال کر گرم کرنے لگے۔ عبداللہ سری پائے اور کٹا کٹ لے کر آیا تھا ساتھ میں نرم تندوری روٹی تھی۔ سفیر بڑبڑا رہا تھا۔ میں نے کہا۔

''یار بچے ہیں۔''

''یہ بچے ہیں؟'' سفیر نے احتجاج کیا۔''کھانے میں تو میرے بھی باپ بنتے ہیں ابھی دیکھنا کھانا لگے گا تو سب چھوڑ کر دوڑے آئیں گے۔''

ایسا ہی ہوا میں نے سفیر کے ساتھ مل کر کھانا گرم کر کے ٹیبل پر لگایا تو انہیں بلانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی وہ خود بھاگے آئے تھے خوشبو پر۔ آتے ہی اپنے لیے نکالا اور کھانا شروع کر دیا۔ سفیر نے شکایتی نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو دیکھیں ان کی حرکتیں۔ میں مسکرا کر رہ گیا۔ عمر کے لحاظ سے وہ دونوں بالغ تھے لیکن مزاج کے اعتبار سے بچے تھے اور سفیر ان کے ساتھ بچہ بنتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ دونوں طرف سے چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔ آخر میں وسیم بھی آ گیا۔ کھانے کے دوران مجھے دونوں اسیروں کا خیال آیا۔''ان کو بھی کچھ دیا ہے کھانے کو؟''

''ہاں شام کو بچا کھچا ڈال دیا تھا۔'' سفیر نے بتایا۔''میں نے مانی کے ساتھ مل کر صابر سے تفتیش کی تھی۔''

''اللہ معاف کرے۔'' مانی نے نوالہ حلق سے اتار کر کانوں کو ہاتھ لگائے۔''سفیر بھائی نے ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تھی۔''

''چند تھپڑوں اور لاتوں کو تم انتہا کہہ رہے ہو۔'' سفیر نے اسے گھورا۔

میں نے سر ہلایا۔''برخوردار ابھی تم نے وہ نہیں دیکھا ہے جو ہم دیکھ کر آ رہے ہیں۔ اس نے مزید کچھ بتایا؟''

''سفیر نے سر ہلایا۔''مرشد کو شہلا کے ساتھ مہرو نام کی ایک اور عورت کی تلاش بھی ہے۔''

میں چونک گیا۔''مہرو..... اسے مہرو کے بارے میں پتا ہے؟''

''صابر کے انکشاف سے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' سفیر نے اثبات میں سر ہلایا۔''مرشد نے اسے مہرو کا حلیہ بتایا تھا۔''

میں فکر مند ہو گیا۔''اس کی تلاش کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کا کہنا ہے کہ وہ ابھی تک اسے تلاش نہیں کر سکا ہے۔''

سفیر کے انکشاف نے میرے لیے کھانا مشکل کر دیا تھا اور اب میں جلد از جلد صابر سے بات کرنا چاہتا تھا۔ جیسے تیسے میں نے کھانا مکمل کیا اور کھڑا ہو گیا۔ سفیر نے میری طرف دیکھا۔ ''خیریت تم نے صحیح سے کھایا بھی نہیں ہے۔''

''بس یار اتنی ہی بھوک تھی۔ میں ذرا صابر سے بات کر لوں۔''

میں اوپر آیا چہرے پر شیر کا نقاب پہنا۔ خالی کمرے میں صابر بدستور لباس سے عاری ایک کونے میں سُکڑا سمٹا بیٹھا تھا۔ بارش کے بعد سردی کی شدت میں نمایاں اضافہ ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی التجا کی۔ ''خدا کے لیے میرے کپڑے لا دو مجھے سردی لگ رہی ہے۔''

میں کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر سرد لہجے میں کہا۔ ''کپڑے بھی مل جائیں گے لیکن پہلے میرے کچھ سوالوں کے جواب دو۔''

''سب تو پوچھ لیا ہے تم نے.....'' وہ کراہ کر بولا۔ ہماری تفتیش کے نشانات اس کے چہرے اور جسم پر نظر آ رہے تھے۔

''تم نے بہت کچھ نہیں بتایا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مرشد نے تمہیں مہرو نامی عورت کو تلاش کرنے کا حکم دیا تھا لیکن تم نے یہ بات مجھ سے چھپائی تھی۔''

''وہ اس وقت میرا خیال تھا کہ اس کا تم سے تعلق نہیں ہے۔'' صابر نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''اس طرح تو میں بہت ساری باتیں جانتا ہوں اگر تم کو بتانے بیٹھ گیا تو کئی دن لگ سکتے ہیں۔''

''اب تمہیں پتا چل گیا ہے کہ اس کا ہم سے تعلق ہے اس لیے اس بارے میں تم جو جانتے ہو سب بتاؤ گے۔''

''میں تمہارے ساتھی کو سب بتا چکا ہوں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''سب نہیں بتایا ہے مرشد نے اس عورت کو تلاش کرنے کا حکم دیا تھا لیکن اس نے کچھ نہ کچھ اشارہ بھی کیا ہو گا کہ وہ کہاں ملے گی؟''

''اس نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''صابر مجھے بے وقوف مت سمجھو..... مرشد تم سے ایک بالکل اجنبی عورت کی تلاش کی امید کیسے کر سکتا ہے جب تک تمہیں اس بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم نہ ہو۔''

''میں سچ.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ میں نے اچانک اسے گردن سے پکڑ کر کھینچا اور سامنے دیوار پر دے مارا۔ وہ ایک دھماکے کے ساتھ دیوار سے ٹکرایا اور پٹ سے نیچے گرا تھا۔ وہ مرا نہیں تھا لیکن اداکاری ایسی کر رہا تھا جیسے اس تصادم سے اس کی جان نکل گئی ہو۔ مگر جب میں نے اس کی رانوں کے درمیان پاؤں رکھا تو وہ تڑپ کر بیٹھ گیا۔ اس بار میں نے گھٹنا اس کے منہ پر مارا تو وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ دو منٹ کے اندر میں نے اس کی ہڈی پسلی برابر کر دی تھی اس کے منہ ناک سے خون جاری ہو گیا تھا اور وہ دہائیاں دے رہا تھا۔ اس کی شاید ایک پسلی ٹوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی تھی اور جبڑہ بھی متاثر ہوا تھا میں رک گیا۔ مگر مجھے اس پر رحم نہیں آیا اس نے کسی بھیڑ بکری کی طرح شہلا کو مرشد کے حوالے کر دیا تھا یہ سوچے بغیر کہ وہ اس کا کیا حشر کرے گا۔ وہ حشر جو میں دیکھ کر آ رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ صابر کا اس سے بھی برا حال کروں۔ میں نے غرا کر کہا۔ ''اگر اب بھی تمہاری یادداشت بحال نہیں ہوئی ہے تو میں.....''

''خدا کے لیے۔'' وہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے سرکا اس وقت وہ اپنی عریانی بھی بھول گیا تھا۔

''صابر..... اگر اس وقت میں تمہیں قتل کر دوں تو یہ عین انصاف ہوگا میں شہلا کو ایسی حالت میں دم توڑتے دیکھ کر آ رہا ہوں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہیں تھا۔ مرشد کے کتوں نے اذیت پہنچانے کی انتہا کر دی تھی۔ بہرحال اب وہ کتے نہیں رہے ہیں اور نہ ہی مرشد کی یہ منحوس کوٹھی باقی رہی ہے وہاں صرف ایک بہت بڑا گڑھا رہ گیا ہے۔''

صابر کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ان سے بے پناہ خوف جھلک رہا تھا۔ اس نے کراہ کر کہا۔ ''میرے خدا اب مرشد مجھے نہیں بخشے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے اس کے بارے میں بتایا ہے وہ مجھے میرے خاندان سمیت مار ڈالے گا۔''

''تم ہو بھی اسی قابل۔'' میں نے بے رحمی سے کہا۔ ''اگر تم نے مجھے پوری بات نہیں بتائی تو میں تمہیں مرشد ہاؤس کے سامنے پھنکوا دوں گا۔ تمہارے ساتھ ایک رقعہ ہوگا بس میں تمہارے کارنامے لکھے ہوں گے۔ اس کے بعد مرشد تمہارے اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کرے گا یہ تم صرف سوچ سکتے ہو۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے.....'' وہ مرنے کی حد تک خوفزدہ ہو گیا تھا اس کی رنگت دھلے لٹھے کی طرح سفید پڑ گئی تھی۔

''میں نے بتا دیا ہے میں ایسا ہی کروں گا اگر تم نے مجھے مہرو کے بارے میں نہیں بتایا۔''

وہ سوچنے لگا پھر بولا۔ ''سنو اگر تم وعدہ کرو کہ تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں تمہیں مہرو کے بارے میں وہ بتا دوں گا جو میں نے مرشد کو نہیں بتایا ہے۔''

میں چونکا۔ ''کیا مطلب تم مہرو کے بارے میں کچھ جان چکے ہو.....؟ تم نے پہلے جھوٹ بولا تھا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن یہ سچ ہے۔ یہ بات اتفاق سے میرے علم میں آئی..... میں نے خاص طور سے کوشش نہیں کی تھی۔''

''تم بات بتاؤ اگر مجھے لگا کہ تم سچ بول رہے ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

وہ بمشکل پیچھے ہو کر دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ ''میں تمہارے وعدے پر اعتبار کر رہا ہوں..... میرا ایک جاننے والا ہے جو خانہ بدوشوں کی مدد سے کشمیر میں کنٹرول لائن کے دونوں طرف اسمگلنگ کرتا ہے۔ وہ مجھ سے ملا تو میں نے مہرو کا ذکر کر دیا۔ وہ مہرو کے بارے میں تو نہیں جانتا تھا لیکن وہ جس قبیلے سے کام لیتا تھا پچھلے دنوں وہ راولپنڈی کے پاس کسی حادثے کا شکار ہوا اور اس کے کئی لوگ مارے گئے ساتھ ہی ایک لڑکی بھی غائب ہو گئی تھی۔ ایک دو ہفتے قبیلے والے سرگرمی سے لڑکی کو تلاش کرتے رہے اس کے بعد وہ اچانک ہی یہاں سے چلے گئے۔ اس شخص کو قبیلے والوں سے کچھ کام تھا وہ ان کے پیچھے آزاد کشمیر تک گیا تھا لیکن وہ لوگ اتنی دیر میں لائن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آف کنٹرول کے دوسی طرف جا چکے تھے۔"

میں نے شک سے اسے دیکھا۔ "بکواس کرتے ہو تم لائن آف کنٹرول پر بھارتیوں نے اتنی سختی کر رکھی ہے کہ ایک چیونٹی بھی ان کی نظروں میں آئے بغیر پار نہیں جا سکتی ہے۔"

یہ ٹھیک ہے لیکن لائن آف کنٹرول کے بعض حصے ایسے ہیں جن کی نگرانی ناممکن ہے وہاں فوج بھی نہیں لگائی جا سکتی ہے یہ خانہ بدوش ایسی جگہوں سے لائن آف کنٹرول پار کر جاتے ہیں۔"

"اپنے سامان اور بیوی بچوں سمیت؟"

"ہاں ان کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔" صابر نے ناک سے بہنے والا خون ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔ اگر اس کی بات درست تھی تو مہرو کا قبیلہ اس بریف کیس سمیت بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں جا چکا تھا۔ خود مہرو کہاں تھی اس بارے میں صابر نے کچھ نہیں بتایا تھا میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔ "میں نہیں جانتا..... ممکن ہے مہرو اپنے قبیلے والوں کو مل گئی ہو یا ممکن ہے نہ ملی ہو یہ تو اسی وقت پتا چل سکتا ہے جب میں اس قبیلے تک رسائی حاصل کر لوں۔"

صابر کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ "صابر فی الحال میں تمہیں کچھ سہولتیں دے رہا ہوں لیکن اس کا غلط مطلب مت نکالنا۔" میں نے اسے خبردار کیا اور باہر آیا۔ اس کا لباس کمرے میں پھینکا۔ پھر ایک چھوٹا تولیہ گیلا کر کے لایا جس سے اس نے اپنے زخم صاف کئے۔ سردی سے بچنے کے لئے اسے ایک کمبل اور ایک تکیہ دیا۔ زخموں کے لئے اسے ایک اینٹی بایوٹک کیپسول اور دو عدد پین کلر گولیاں دیں۔ کھانا وہ پہلے ہی کھا چکا تھا۔ رات سو کر گزارنا تو صبح تک اس کی حالت خاصی بہتر ہو جاتی۔

○.....❖.....○

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
بارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ لہو ترنگ ازخیز آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل وفہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر وشر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل وغارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail:alimian_publications@yahoo.com

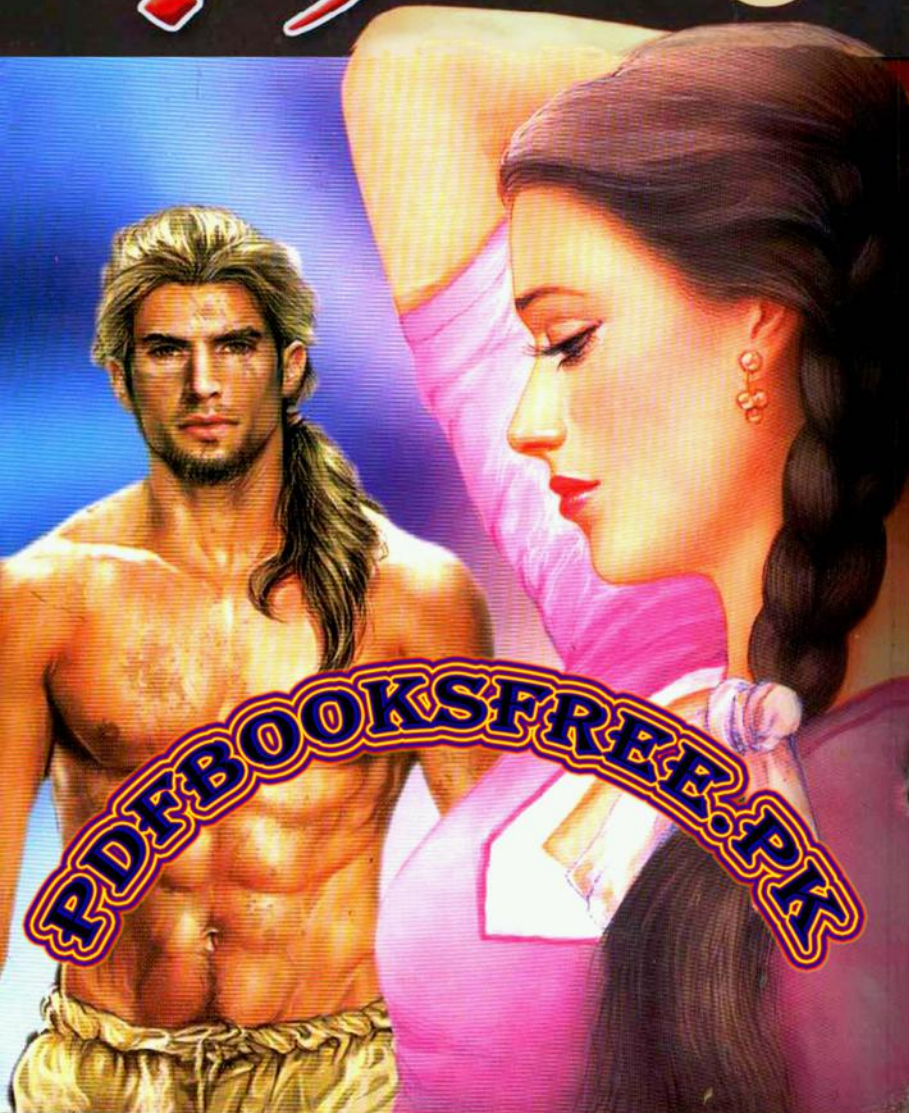
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

12



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

بارہواں حصہ

کاشف زبیر

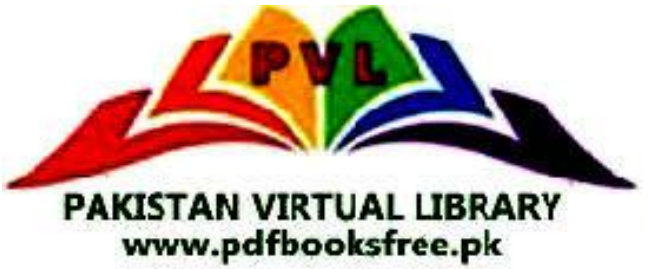
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور



جیسے جیسے بریف کیس کی لوکیشن کے بارے میں میرے علم میں اضافہ ہو رہا تھا میری پریشانی میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا پہلے بریف کیس آزاد کشمیر میں کہیں تھا اور اب یہ لائن آف کنٹرول عبور کر کے مقبوضہ کشمیر جا چکا تھا۔ ہم آزاد کشمیر تک جا سکتے تھے لیکن مقبوضہ کشمیر تک رسائی حاصل کرنا جان جوکھم کا کھیل تھا۔ مجھے اب تک یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ خانہ بدوش قبیلے لائن آف کنٹرول کے پار جاتے رہتے تھے۔ یہ دنیا کی مشکل ترین اور خطرناک ترین سرحد تھی۔ جو دنیا کے دشوار ترین خطے میں واقع تھی۔ دنیا کی چوتھی اور چھٹی بڑی فوجی قوتیں یہاں برسرپیکار تھیں۔ یہاں سوائے فوج کے اور کسی کی نقل و حرکت نہایت مشکل کام تھی۔ سچی بات ہے صابر کی یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ بریف کیس سمیت خانہ بدوش قبیلہ کنٹرول لائن کے پار جا چکا ہے۔

میں نے واپس آ کر سفیر اور وسیم کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کیا۔ وسیم بولا۔ "مجھے تو لگ رہا ہے کہ وہ بریف کیس ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔"

"ہو سکتا ہے لیکن ایک نیا خطرہ سامنے آیا ہے۔ ممکنہ طور پر چینی حکومت مجھے اور بیتو کو اس بریف کیس کی گمشدگی کا ذمے دار قرار دے رہی ہے اور اس نے پاکستانی انٹیلی جنس حکام کو میری اور بیتو کی تصاویر بھی فراہم کی ہیں۔ مگر فی الحال پاکستانی حکام نے اس سلسلے میں معذرت کر لی ہے۔ میں انٹیلی جنس کی تحویل میں رہ کر آیا ہوں اگر وہ چاہتے تو مجھے اس معاملے میں گرفتار کر لیتے۔"

"لیکن انہوں نے تجھے چھوڑ دیا۔" سفیر بولا۔

"ہاں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مقامی حکام کا یہ رویہ برقرار رہے گا اگر ان پر بیرونی دباؤ آئے تو یہ یوٹرن لینے میں دیر نہیں لگاتے ہیں۔ اس لئے ہماری بچت کے لیے اس بریف کیس کی واپسی لازمی ہے۔"

وسیم غور سے میری بات سن رہا تھا۔ "آپ کا مطلب ہے ہم اس کے حصول کے خاطر لائن آف کنٹرول کے پار جائیں؟"

"میرا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے۔ بریف کیس جن لوگوں کے پاس ہے۔ ممکنہ طور پر وہ اس کی اہمیت سے ناواقف ہیں وہ اسے قیمتی ضرور سمجھتے ہوں گے۔ وہ اسے کھول بھی نہیں سکے ہوں گے۔"

"فرض کریں انہوں نے اسے کھولنے کی کوشش کی ہو اور وہ پھٹ کر ضائع ہو گیا؟" وسیم نے کہا۔

"یہ ایک مفروضہ ہے۔ ممکن ہے وہ اسے اب تک سنبھال کر بیٹھے ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک مفروضہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لائن آف کنٹرول کے دوسری طرف جانے کا مقصد بھارتیوں سے بریف کیس کا سودا کرنا ہو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا خیال ہے وہ ایسی حماقت نہیں کریں گے۔ بھارتیوں سے سودا کرنے کے لیے ان کی زمین پر جانا ایسا ہی جیسے سانپ کا زہر نکالنے کے لیے اس کے بل میں ہاتھ ڈالنا۔ اگر انہوں نے سودا کرنا ہوتا تو یہیں رہ کر کرتے۔''

''تب آپ کے خیال میں وہ لائن آف کنٹرول کے پار کیوں گئے ہیں؟''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کیا مطلب کیوں گئے ہیں ...؟ بھائی وہ صدیوں سے ان راستوں پر اسی طرح سفر کرتے رہے ہیں۔ یہ ان کا روٹ ہے اور وہ اس پر سفر کر کے زندگی بتاتے ہیں۔ یہ ان کی کمائی کا ذریعہ ہے۔''

''آپ دو باتوں پر یقین رکھتے ہیں بلکہ تین باتوں پر، اول بریف کیس اب تک ان خانہ بدوشوں کے قبضے میں ہے وہ نہ تو ضائع ہوا ہے اور نہ انہوں نے اس کا کسی سے سودا کیا ہے۔ دوسرے وہ اسے قیمتی سمجھتے ہیں لیکن اس کی اصل اہمیت سے بے خبر ہیں۔ تیسرے وہ اسے بدستور اپنے پاس رکھتے ہوئے واپس آئیں گے؟''

''تم نے ٹھیک کہا ہے میں تقریباً ان ہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔''

''یہ تو تیری خواہش ہوئی؟'' سفیر نے کہا۔

''تم اسے مثبت سوچ بھی کہہ سکتے ہو۔'' میں نے ملامت سے کہا۔ ''اگر میں پہلے سے وہ ساری منفی باتیں سوچ لوں جو ممکنہ طور پر ہوسکتی ہیں تو میں بریف کیس کو تلاش کرنے اور واپس حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کروں گا۔ اس لیے ہمیں مثبت ذہن کے ساتھ اپنا کام کرنا چاہیے۔ اس میں نقصان کا اندیشہ نہیں ہے لیکن ہم کوشش ہی نہ کریں اور بعد میں پتا چلے کہ ہم بریف کیس حاصل کرسکتے تھے لیکن موقع گنوا دیا۔''

سفیر اور وسیم کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ میری بات سے متفق نہیں ہیں شاید ان کی خواہش تھی کہ میں اپنی ساری توجہ مرشد کی طرف رکھوں۔ وہ شاید بریف کیس کی اہمیت نہیں سمجھے تھے یا سمجھے تھے لیکن میرے لیے اس کی اہمیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ میں اسے آنے والے وقت میں ایک بڑے رسک کے طور پر دیکھ رہا تھا۔ یہ حکومت کا معاملہ تھا کسی فردِ واحد کا معاملہ نہیں تھا۔ حکومتوں کے معاملات ایک نتیجے پر پہنچے بغیر بند نہیں ہوتے ہیں۔ جب کہ معاملہ ایک سپر پاور کا بھی ہو۔ جس سے ہمارے بہت اچھے تعلقات تھے اور ایک فردِ واحد کی خاطر ان تعلقات کو خراب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے ذہن میں یہ تلخ حقیقت پوری شدت سے واضح تھی کہ ایک پاکستانی کے طور پر میں ایک نہایت کمزور اور تقریباً غلام سمجھے جانے والے ملک کا شہری ہوں اور بین الاقوامی طور پر میرے کوئی حقوق ہیں تو انہیں تسلیم کرانے والی کوئی طاقت میری پشت پر نہیں ہے۔ مجھے اپنے دفاع کے لیے جو کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔ اپنے ساتھیوں کے تاثرات دیکھتے ہوئے میں نے فی الحال مزید بحث سے گریز کیا۔

''میرا خیال ہے ماہا کو چھوڑ دیتے ہیں۔''

''سونے کی ڈلی کا کیا کرنا ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''وہ بھی اسے دے دو.....'' میں نے کہا۔ ''وسیم اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے کسی ایسی جگہ چھوڑ آؤ



جہاں سے وہ مدد حاصل کر سکے۔''

وسیم نے سر ہلایا اور کھڑا ہوگیا۔ ہم لاؤنج میں بیٹھے تھے سفیر نے ٹی وی آن کر دیا۔ ایک نیوز چینل سے مرشد کی تباہ ہونے والی کوٹھی کے بارے میں خبر آ رہی تھی۔ نیوز کاسٹر بتا رہی تھی کہ کوٹھی مرشد علی نامی سیاست دان اور رکن قومی اسمبلی کی ملکیت ہے جو آج کل حکومت میں شامل ہے اس سے پہلے بھی اس کی ملکیت میں دو فیکٹریاں اور ایک کیمیکل فارم اسی طرح تباہی کا شکار ہوئے تھے۔ مرشد علی نے اس کا الزام اپنے سیاسی حریفوں پر لگایا تھا۔ خبر میں نادر علی کی کوٹھی میں ہونے والا دھماکہ بھی شامل تھا۔ ڈھکے چھپے انداز میں بتایا گیا کہ مرشد علی کی اپنی شہرت اچھی نہیں تھی ماضی اور حال میں وہ کئی ایسے واقعات میں ملوث رہا تھا جن سے اس کی شہرت کو داغ لگا تھا۔ کالی کوٹھی کی تباہی نے مرشد کو سب کی توجہ کا مرکز بنا دیا تھا۔ مختلف چینل والے اس کے بارے میں خبریں کھود کھود کر لا رہے تھے۔

کام کی رپورٹ ایک انگریزی زبان کے چینل سے ملی۔ پولیس حکام کے مطابق کوٹھی میں آگ لگانے والے بم نصب تھے اور جب کوٹھی میں آگ لگی تو اس میں کہیں ذخیرہ کیا ہوا گولہ بارود بھی پھٹا اور اس سے کوٹھی مکمل طور پر تباہ ہوگئی اس دھماکے کی زد میں آ کر چار پولیس اہلکار ہلاک اور اتنے ہی شدید زخمی ہوئے تھے۔ وہ اس وقت کوٹھی کے پاس تھے اور وہاں ہونے والے دھماکوں کی آوازیں سن کر آئے تھے کہ ناگہانی طور پر پہلے آگ لگی اور پھر دھماکہ ہوگیا۔ پولیس پارٹی اس دھماکے کی لپیٹ میں آ گئی۔ انہیں فرض شناسی مہنگی پڑی تھی۔ پولیس نے اس تباہی کا ذمے دار نامعلوم افراد کو قرار دیا تھا۔ پولیس کے علاوہ کسی اور تحقیقاتی ایجنسی کی طرف سے تفتیش کا امکان بھی مسترد کر دیا تھا۔ مرشد علی نے فی الحال کسی خاص شخص پر شبہ ظاہر کرنے سے گریز کیا تھا اور اس نے فوری طور پر میڈیا والوں سے بات کرنے سے معذرت کرتے ہوئے عنقریب ایک پریس کانفرنس کر کے حقائق قوم کے سامنے لانے کا وعدہ کیا تھا۔ البتہ اس نے کوٹھی میں کسی قسم کے غیر قانونی اسلحے یا گولہ بارود کی موجودگی کی نفی کی تھی۔

''حقائق قوم کے سامنے لانے کا وعدہ۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''کیسے لوگ ہمارے لیڈر بنے ہوئے ہیں۔''

''ایسے ہی لیڈر ہیں یار۔'' سفیر نے کہا۔ ''ان ہی لوگوں نے اس ملک کا یہ حال کیا ہے۔''

''ان لوگوں نے نہیں ہم جیسی بے حس عوام نے جسے ذرا فکر نہیں ہے کہ حکمران ملک و قوم کا مفاد کتنے سستے داموں بیچ رہے ہیں اور عوام کو صرف اپنی پڑی ہے۔ اگر لوگ متحد ہو جائیں صوبائیت، لسانیت، فرقہ واریت اور ہر تقسیم بھول کر صرف پاکستانی بن جائیں۔ یقین کرو یہ سیاست دان، جاگیردار وڈیرے اور لٹیرے ملک چھوڑ کر ہی بھاگ جائیں گے۔''

سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''تو ٹھیک کہتا ہے لیکن جو تو کہتا ہے وہ ہوگا نہیں۔''

''ہوگا۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''اب نہیں تو دس سال بعد پچاس سال بعد یا سو سال بعد ہوگا۔ سفیر، قوموں کی صدیاں سالوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ہم اپنے لحاظ سے سوچتے کہ ہم برسوں میں بنتے یا بگڑتے ہیں لیکن قومیں صدیوں میں بنتی بگڑتی ہیں۔ تبدیلی آئے گی..... اس ملک کو میں نے یا تم نے نہیں بنایا ہے اسے اللہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بنایا ہے اسے میں یا تم نہیں چلا رہے ہیں اسے اللہ چلا رہا ہے۔''

سفیر نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز تو اس طرح سوچتا ہے؟''

''ہاں بہت سارے لوگوں کے نزدیک یہ ایک احمقانہ آئیڈیلسٹ سوچ ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''وہ لوگ جو اپنے منصوبوں، اپنی آل اولاد اور اپنے کاروباروں کے لیے بدترین حالات میں بھی پر امید ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی پاکستان کے مستقبل کی بات آتی ہے وہ یوں منہ بھر کر اس کی تباہی اور خاتمے کی پیش گوئیاں کرنے لگتے ہیں جیسے نعوذ باللہ اس ملک کے کاتب تقدیر وہی ہیں۔ انہیں اس ملک کے لیے ذرا بھی امید نظر نہیں آتی ہے اور جو امید کی بات کرتا ہے اسے یہ احمق رد کر دیتے ہیں۔ میرا ایمان ہے یہ ملک قائم رہنے کے لیے بنا ہے اور قائم رہے گا۔ اس کی تباہی اور خاتمے کی پیش گوئیاں کرنے والے خود ختم ہو جائیں گے۔ نئے لوگ آئیں گے جو سب آگے لے جائیں گے اور پرانے یوں صاف ہو جائیں گے جیسے خزاں میں جھڑ جانے والے پتے غائب ہو جاتے ہیں اور بہار میں نئے پتے نکل آتے ہیں۔ کوئی عمارت، کوئی باغ اور کوئی راستہ بنانے سے پہلے کچرہ صاف کیا جاتا ہے تو سفیر صاحب ہم وہی کچرہ ہیں ہم صاف ہوں گے تو کوئی نئی صورت سامنے آئے گی۔''

سفیر نے تالیاں بجائیں۔ ''اتنی زبردست تقریر۔ شہباز تجھے تو سیاست دان ہونا چاہیے۔ تو سب کو سیدھا کر دے گا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''سیاست دان اسی معاشرے کی پیداوار ہیں اور عوام کا زیادہ منافقانہ رویہ ہمیں خود کو ٹھیک کرنا ہے۔ جب ہم ٹھیک ہوں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

سفیر نے جماہی لی۔ ''ٹھیک ہے یار ٹھیک کر لیں گے۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ مجھے تو نیند آ رہی ہے۔''

''تو سو جا۔ میں دیکھوں کہ ان لوگوں نے رقم گن لی۔ چار گھنٹے سے اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ مانی اور بیتو اب اسٹڈی میں تھے۔ انہوں نے کام مکمل کر لیا تھا اور اب کمپیوٹر پر کوئی گیم کھیل رہے تھے دونوں کے ہاتھ میں جوائے اسٹک تھی۔ اسے استعمال کرتے ہوئے ان کے جسم بھی حرکت کر رہے تھے۔ رقم انہوں نے واپس سوٹ کیس میں پیک کر دی تھی۔ میں نے رقم کے بارے میں پوچھا تو مانی نے گیم روک دیا اس پر بیتو نے شور مچایا۔

''یہ بے ایمانی ہے تم ہار رہا تھا اس لیے گیم روک دیا۔''

''کوئی بات نہیں تم اسے دوبارہ ہرا دینا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ مانی نے پیڈ اٹھایا جس پر اس نے سارا حساب لکھایا لکھوایا تھا۔

''شوبی بھائی۔ سوٹ کیس میں ٹوٹل ٹوففٹی تھری گڈیاں ہیں۔ ان میں فورٹی ہنڈرڈز کی، ون ہنڈرڈ اینڈ سیون فائیو ہنڈرڈ کی، ٹائٹی ون تھاؤزینڈ کی ہیں اور ففٹین فائیو تھاؤزینڈ کی ہیں۔''

میں حیران ہوا یہ سوا دو کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم تھی جو مرشد نے یوں لاپروائی سے اس کوٹھی میں ڈال رکھی تھی۔ بے شک مرشد کے لحاظ سے یہ کوئی بہت بڑی رقم نہیں تھی اس سے کئی گنا زیادہ مالیت کی تو کالی کوٹھی تھی۔ مگر مرشد جیسے آدمی کے لیے اپنے ایک ایک روپے کی بھی اہمیت تھی اور وہ اس معاملے میں کسی پر اعتبار کرنے والا شخص نہیں تھا۔ یقیناً یہ رقم کسی خاص مقصد کے تحت وہاں رکھی گئی تھی اور قسمت نے اسے ہماری جھولی میں ڈال دیا تھا۔ یہ دشمن کا مال تھا اور ہمارے لیے حرام نہیں تھا۔ مرشد نے کوٹھی کے ساتھ رقم کو بھی صبر کر لیا ہوگا کیونکہ اگر اسے ہم نہ لاتے تو یہ کوٹھی میں جل کر تباہ ہو جاتی۔ اب یہ ہمارے کام آتی۔ مجھے حساب بتا کر مانی دوبارہ بیتو کے ساتھ گیم میں لگ گیا اس نے کوئی چالاکی کی تھی جو بیتو کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن جب وہ ہارنے لگا تو اس نے شور کر دیا۔ میں اسٹڈی سے نکلا تو ان کی باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی تھی۔

سفیر سونے چلا گیا تھا میں اوپر کمرے میں آیا وہاں لیپ ٹاپ دیکھ کر مجھے ایمن کا خیال آیا اس کی رہائی کے بعد سے مجھے اس سے رابطہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے اپنا ای میل اکاؤنٹ کھولا۔ حسب توقع اس میں ایمن کی کئی ای میل موجود تھیں۔ ہر میل میں اس نے مجھ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اس نے اپنے کوئیک نمبرز دیئے تھے۔ وہ یقیناً واپس جا چکی تھی کیونکہ یہ سارے نمبرز برطانیہ کے تھے اور ای میل دو دن سے آ رہی تھیں۔ میں نے انٹرنیٹ سے اس کے ایک نمبر پر کال کی ایمن نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی۔ ''ہیلو۔''

''ہیلو..... کیا حال ہیں؟''

''شہباز۔'' اس نے چیخ ماری۔ ''میرے خدا تم کہاں تھے میں تمہیں ای میل کر کر کے تھک گئی۔''

''حسب معمول اپنے مہربانوں کے پاس تھا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اپنے خان صاحب کے پاس۔''

''مجھے معلوم ہے شکر ہے تم چھوٹ گئے لیکن تم نے مجھے کیسے بچایا..... سچ پوچھو تو مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا ہے ایسا لگتا ہے جیسے میں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا۔''

''بس یہ سب تمہارے چچا کی مہربانی ہے۔'' میں نے کہا اور مناسب اضافے و ترمیم کے ساتھ اسے اپنی کہانی سنائی۔ درمیان میں اس نے بہت سارے سوالات کیے تھے لیکن بالآخر میں نے اپنی بات مکمل کر لی۔

''شہباز تم اتنے مشکل مراحل سے گزرے۔'' وہ روہانسے لہجے میں بولی۔ ''فتح خان کو تم سے کس بات کا خوف ہے؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا۔'' میں نے غلط بیانی سے کام لیا میں نے اسے بریف کیس والے معاملے سے بے خبر رکھا تھا۔ ایمن کو اس معاملے سے بے خبر رکھنے کی ایک وجہ یہ کہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ گوری اقوام میں ملک و قوم کا مفاد اولیت رکھتا ہے اور یہ اس پر خون و محبت کے رشتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ ایمن مجھے پسند کرتی تھی اور اب شاید احسان مند بھی تھی لیکن اس کا بھی امکان تھا جب ملک کے مفاد کی بات آئے تو وہ یہ سب بھول جائے۔ میں نے اسے انٹیلی جنس والا حصہ بھی نہیں سنایا تھا۔ البتہ اس کے انکل کی خباثت کے بارے میں بتا دیا تھا۔

''ایمن اب تمہیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ ڈیوڈ شا نے اس شرط پر تمہارے معاملے میں دخل اندازی سے گریز کا وعدہ کیا تھا کہ میں اس کے کام آؤں گا۔''

''دخل اندازی۔'' ایمن پھٹ پڑی تھی۔ ''اس نے مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

''یہ تو ہے لیکن عین آخری موقع پر جب جیکٹ کو ڈی ایکٹی ویٹ کیا جانا تھا تب ڈیوڈ شا نے مداخلت سے گریز کیا۔ کوڈ تو نصلیٹ حکام کے توسط سے پہنچا تھا اور ان میں سے کوئی ڈیوڈ شا کے اشارے پر اس میں ایک نمبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تبدیلی کر دیتا تو تم سوچ سکتی ہو تمہارے ساتھ کیا ہوتا۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''وہاں سب اس کے غلام بیٹھے ہیں اپنی دے تم اب اس کے کام آؤ گے؟''

''اگر میرے معاملات سمٹ گئے۔ یہاں مرشد نے ایک بار پھر میرا پیچھا لے لیا ہے اور فتح خان بھی پیچھے ہے۔ یہ دونوں ڈیوڈ شا کے بندہ بے دام ہیں اگر وہ چاہے تو ان سے میرا پیچھا چھڑا سکتا ہے اس کے بعد ہی میں اس کے کسی کام آسکوں گا۔''

''میں نے ابھی کچھ دیر پہلے ٹی وی پر مرشد کی ایک کوٹھی کے بارے میں خبر دیکھی ہے۔''

''ہم بھی دیکھ رہے ہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے یہ فتح خان کا کام ہے۔ اس کا ایک کزن مرشد کے آدمیوں کے ہاتھ مارا گیا تھا تب سے وہ اس کا دشمن بنا ہوا ہے۔ اس کی کئی فیکٹریاں اور جائیدادیں اسی طرح تباہ کر چکا ہے۔ مرشد بھی اس کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ خیر وقع کرو اسے یہ بتاؤ تم کیسی ہو اور کہاں ہو.....؟ واپس کب پہنچیں..... میرا خیال ابھی آرام کر رہی ہو گی۔''

''میں گھر آ گئی ہوں اور کیسی ہوں یہ دیکھنے کے لیے اسکائپ پر آ جاؤ۔'' اس نے ترغیب آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں بھی تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

لیپ ٹاپ میں اسکائپ انسٹال تھا ایمن نے مجھے اپنی آئی ڈی بتائی میں نے پہلے اپنی آئی ڈی بنائی اور پھر ایمن کو ایڈ کیا اسے کال کی تو وہ فوراً آ گئی۔ سامنے اسکرین پر اس کی لائیو ویڈیو آنے لگی وہ اپنے گھر میں تھی اور خاصے گھریلو لباس میں تھی۔ لندن میں یقیناً غضب کی سردی تھی لیکن ایمن کا گھر سینٹرلی ہیٹڈ تھا اس لیے وہ آرام سے نہ ہونے کے برابر لباس میں بیٹھی تھی اور پہلی نظر پڑتے ہی میں نے دل میں لاحول پڑھی۔ مختصر سے بلاؤز اور مختصر ترین نیکر میں اس کا صحت مند سراپا چھلکا پڑ رہا تھا۔ اس نے نہایت اشتیاق سے پوچھا۔ ''کیسی لگ رہی ہوں؟''

''بالکل ٹھیک..... لگ ہی نہیں رہا ہے کہ تم اتنے بڑے حادثے سے گزر کر آ رہی ہو بلکہ لگتا ہے کسی صحت افزا مقام پر لمبی چھٹیاں گزار کر آ رہی ہو۔''

''پریشانیاں میری صحت پر زیادہ اثر نہیں ڈالتی ہیں۔'' اس نے کسی قدر جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔ ''میں اپنے بارے میں پوچھ رہی ہوں کہ کیسی لگ رہی ہوں۔''

''ہمیشہ کی طرح دل کش اور ہوش ربا۔''

اس بار وہ دل سے ہنسی۔ ''سچ میں تمہیں اچھی لگتی ہوں۔''

''ہاں بابا..... تم پہلے بھی کئی بار پوچھ چکی ہو اور میں کئی بار بتا چکا ہوں تم مجھے کتنی اور کس طرح سے اچھی لگتی ہو۔''

اس کی ہنسی بجھ گئی۔ ''یعنی میں تمہیں صرف دوست ہونے کی حیثیت سے اچھی لگتی ہوں میرا خوب صورت لڑکی ہونا تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔''

''رکھتا ہے لیکن کسی اور معنی میں نہیں۔'' میں نے کہا۔



وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے سرد آہ بھری۔ ''شہباز کاش.....''

اس نے آگے کچھ نہیں کہا اور میں نے پوچھا بھی نہیں۔ بات جتنی کٹتی رہے اتنا اچھا ہوتا ہے۔ ایک بار کھل جائے تو معاملہ جب تک کسی ایک کروٹ نہ بیٹھ جائے حل نہیں ہوتا اور خواتین سے اللہ بچائے بندے کو کھینچ تان کر اپنے موضوع پر لے آتی ہیں اس لیے میں ایمن سے سوچ سمجھ کر بات کر رہا تھا۔ ''ایمن تم بہت محتاط رہو..... ڈیوڈ کمینہ آدمی ہے۔ وہ اس سے پہلے بھی میرے ساتھ وعدہ خلافی کر چکا ہے۔''

''تم فکر مت کرو میں نے اسے بہت ڈھیل دے دی ہے اب میں معاملے کو عدالت تک لے جاؤں گی۔''

''تم حماقت کرو گی۔'' میں بے چین ہو گیا۔ ''تم ڈیوڈ شا کے اصل روپ سے واقف نہیں ہو یا سرسری سا جانتی ہو اس کا بھیانک روپ میں نے دیکھا ہوا ہے۔ اس سے الجھنے کی کوشش مت کرو۔ ویسے تم عدالت میں بھی اس سے نہیں جیت سکتی ہو۔ تم نے حکومتی اداروں پر اس کا اثر و رسوخ دیکھ لیا ہے۔''

''ہاں لیکن برطانیہ میں عدالتیں آزاد ہیں۔''

''عمومی تاثر ایسا ہی ہے لیکن کیا برطانوی عدالتیں ہر معاملے میں انصاف کرتی ہیں۔'' میں نے کسی قدر چبھتے لہجے میں پوچھا۔ ''نہیں بہت سارے معاملات میں وہ حکومت یا عوام کی خواہش کے مطابق بھی فیصلہ کرتی ہیں حال ہی میں کئی ایسے فیصلے سامنے آئے ہیں۔ میں حوالہ نہیں دوں گا لیکن تم سمجھ گئی ہو گی۔ ڈیوڈ شا بھی کچھ ایسا ہی استثنیٰ رکھتا ہے۔''

وہ سمجھ گئی تھی کہ میرا اشارہ دہشت گردی کے حوالے سے بعض کیسز کے فیصلوں کی طرف ہے جن پر انسانی حقوق کی تنظیموں کی جانب سے تنقید کی گئی تھی۔ ''تو تم چاہتے ہو میں ڈیوڈ شا کے خلاف عدالت میں نہیں جاؤں؟''

''میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ فی الحال چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔ ڈیوڈ شا جو کھیل، کھیل رہا ہے اس میں آدمی زیادہ عرصے اپنی پوزیشن برقرار نہیں رکھ سکتا ہے وہ مارا جاتا ہے یا اپنے عہدے سے ہاتھ دھو لیتا ہے دونوں صورتوں میں تم اس کے خلاف کچھ کر سکو گی۔''

''ٹھیک ہے تم نے کہا ہے تو میں غور کروں گی۔'' وہ بے دلی سے بولی اور موضوع بدل دیا۔ ''تم نے غور سے خود کو آئینے میں دیکھا ہے کتنے بدل گئے ہو؟''

''کیا ہوا ہے مجھے؟'' میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

''چہرہ ست گیا ہے آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں تم کمزور بھی لگ رہے ہو۔ لگتا ہے نہ ٹھیک سے کھاتے ہو اور نہ آرام کرتے ہو۔''

''دشمن مہلت ہی کہاں دیتے ہیں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

''تم نے بہت عرصے سے شیو بھی نہیں بنائی ہے۔ بال بھی بے ہنگم ہو رہے ہیں۔''

''دشمنوں کی بدنظروں سے بچنے کے لیے یہ حلیہ ضروری ہے۔''

''بالکل نہیں اس حلیے کے ساتھ تم نمایاں ہو رہے ہو کیونکہ بہت کم لوگ داڑھی اور بالوں کو اس طرح چھوڑتے ہیں اور ایسا آدمی نمایاں ہوتا ہے اگر تمہیں عام آدمی نظر آنا ہے تو اپنے بال اور شیو کو ترتیب دو۔ اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگ تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔'' اس نے مشورہ دیا۔

میں نے لیپ ٹاپ کے ویب کیم میں خود کو دیکھا تو ایمن کی بات درست لگی اس طرح بے ہنگم بالوں اور بڑھی شیو کے ساتھ میں نمایاں ہو رہا تھا۔ اس لیے میں نے پہلی فرصت میں اپنا حلیہ درست کرنے کا سوچا۔ ایمن موت سے بچ کر اور زندگی پا کر بہت خوش تھی میری احسان مند تھی۔ ایک موقع پر اس نے جذباتی ہو کر کہا۔

''شہباز میں بیچ میں تمہاری شکر گزار ہوں اگر تمہارے لیے جان بھی دینا پڑے تب بھی شکریہ ادا نہیں کر سکوں گی۔ آج سے میری جان، میرا جسم، میرا دل اور میرا سب کچھ تمہارے لیے ہے۔ تم بس ایک بار مانگ کر دیکھنا۔''

''میں نے احسان نہیں کیا ہے دوستی نبھائی ہے اور دوستوں کے لیے تو آدمی اس سے بھی زیادہ کرتا ہے۔'' میں نے اس کی پیش کش کے جذباتی انداز سے صرف نظر کرتے ہوئے کہا۔ اس دوران میں کمرے کا دروازہ بجا میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''آ جاؤ۔''

وسیم نے اندر جھانکا اور مجھے لیپ ٹاپ کے ساتھ دیکھ کر ہاتھ سے اوکے کا اشارہ کیا اس کا مطلب تھا کہ ماہا کو ڈراپ کرنے کا کام خوش اسلوبی سے تکمیل پا گیا تھا۔ میں نے سر ہلایا تو وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ ایمن مجھ سے بات کرنے لگی۔ اس نے میرے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے میرا ذہن پُرسکون ہوتا چلا گیا۔ جب سے میں نے شہلا کو دیکھا تھا میرے اعصاب منتشر تھے۔ واپسی کے بعد بھی میرے ذہن میں رہ رہ کر اس کا مسخ جسم آ رہا تھا۔ وہ جسم جو بھی دیکھنے والوں کو پاگل کر دیتا ہوگا اب اسے دیکھ کر آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ جسم باقی بھی نہیں رہا تھا۔ ایمن سے بات کر کے میں نے اسے خدا حافظ کہا اور پھر وسیم کے کمرے کی طرف آیا ہلکی ناک کے جواب میں اس نے اندر سے کہا۔

''یس۔''

میں دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ وسیم سونے کے لیے لیٹ گیا تھا وہ سونے جاگنے اور کھانے پینے کے معاملے میں نظم و ضبط کا قائل تھا ہنگامی حالات سے قطع نظر وہ اپنی روٹین برقرار رکھتا تھا۔ ''ماہا کو کہاں چھوڑا؟''

''راجا بازار میں ایک ساری رات کھلے رہنے والے ریستوران کے باہر چھوڑا ہے وہاں سے ٹیکسی لے کر کہیں بھی جا سکتی ہے۔ سونے کی ڈلی میں نے اس کے حوالے کر دی تھی۔ ساتھ ہی اسے سمجھا دیا تھا کہ اس کی یہ بچت دوبارہ نظر نہ آنے کی حد تک ہے اب وہ ہماری نظروں میں آئی تو ہم خطرہ سمجھتے ہوئے اسے فوراً ٹھکانے لگا دیں گے۔''

''یہ تم نے اچھا کیا..... وہ ویسے بھی ملک سے فرار ہو رہی تھی اس دھمکی کے بعد وہ مزید تاخیر نہیں کرے گی۔'' میں نے کہا اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔ ماہا کا معاملہ نمٹ گیا تھا۔ اب صابر کا معاملہ نمٹانا تھا۔ وسیم کے آدمیوں نے اس کے ڈرائیور کو بھی چھوڑ دیا تھا اور اسے کچھ نہیں معلوم تھا کہ اسے کن لوگوں نے پکڑا تھا۔ میں نے گرم پانی سے غسل کیا ایک گلاس دودھ گرم کر کے پیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ باقی سب بھی سو چکے تھے صرف بارش جاگ رہا تھا حسب معمول۔ مجھے اس مختصر جسامت والے لڑکے نے اپنی صلاحیتوں سے حیران کر دیا تھا۔ کمپیوٹر اور اس کی پروگرامنگ کے معاملے میں وہ جینئس تھا۔ اگر وہ کسی اور ملک میں ہوتا تو کسی بہت اچھی آئی ٹی کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر ہوتا لیکن یہاں بے چارہ اپنے باپ کی طرح حرام کھانے پر مجبور کیا جا رہا تھا اور اس



سے بچنے کے لیے گھر سے بھاگا ہوا تھا۔

رات بارہ بجے کے قریب جب میں سویا تو بارش جاری تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ صبح موسم پرواز کے لیے سازگار نہ ملے۔ عبداللہ نے کہا تھا اگر موسم پرواز کے لیے سازگار ہوا تو وہ مجھے بتا دے گا اور میں ایئر کلب پہنچ جاتا۔ مزید حفاظتی انتظامات وسیم اور اس کے آدمی کرتے جو دور رہ کر نگرانی کرتے اور اگر کسی طرف سے مداخلت ہوتی تو وہ اس سے نمٹتے۔ میری آنکھ کھلی تو سات بج رہے تھے اور بارش رک گئی تھی۔ میں نے اٹھ کر وضو بنایا سورج یقیناً نکل آیا تھا لیکن آسمان پر نہایت گہرے سرمئی بادل تھے اور صاف لگ رہا تھا۔ مزید بارش ہوگی اس موسم میں ہیلی کاپٹر کی پرواز ممکن نظر نہیں آ رہی تھی۔ ابھی میں موسم کا معائنہ کر رہا تھا کہ عبداللہ کی کال آ گئی۔

''آپ اٹھ گئے ہیں..... موسم دیکھا؟''

''ہاں کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔''

''اس پورے علاقے میں ایسے ہی گہرے بادل ہیں آج شام تک موسم خراب رہنے کی پیش گوئی ہے۔'' اس نے موسم کی سرکاری رپورٹ پیش کی۔

''کوئی بات نہیں..... روانگی موسم ٹھیک ہونے کے بعد ہی ہوگی۔'' میں نے کہا۔ عبداللہ سے بات کر کے میں نیچے آیا تو سب ہی محوِ خواب تھے۔ میں باہر نکل آیا۔ سردی غضب کی تھی لیکن مزہ دے رہی تھی۔ مسلسل بارش سے لان کی گھاس پانی آمیز کیچڑ میں ڈوب گئی تھی اس لیے میں نے لان پر جا بجا سے گریز کیا اور پورچ کی جگہ ٹہلتا رہا۔ ابھی ہمارے سامنے دو معاملات تھے ایک مرشد کا اور دوسرا بریف کیس کا۔ میرے ساتھی فی الحال بریف کیس کے معاملے کو پس پشت ڈالنا چاہتے تھے..... وہ مرشد پر اپنی ساری توجہ مرکوز رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے خلاف ہمارے پاس دو کارڈ تھے ایک کال گرل شمیلہ کا لیکن یہ کارڈ اصل میں زور کے خلاف تھا اور وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ دوسرا کارڈ صابر کا تھا اور یہی اصل کارڈ تھا۔ صابر یقیناً مرشد کے بارے میں اور بھی بہت کچھ جانتا تھا۔ میں نے ابھی اس کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا تھا کہ مجھے اس کا کیا کرنا چاہیے اسے مزید اپنی تحویل میں رکھا جا سکتا تھا اگر اس کا کوئی فائدہ نظر آتا۔ شہلا کے ساتھ جو ہوا تھا اس میں صابر کا قصور بھی تھا اگر کسی موقع پر ہمیں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پڑتا تو یہ جواز بھی مناسب ہوتا۔ عقب سے دروازہ کھلا تو میں نے مڑ کر دیکھا۔ سفیر جھانک رہا تھا اور سوتے سے اٹھ کر آیا تھا اس لیے خاصا بھنایا ہوا تھا۔ ''وہ منحوس شور مچا رہا ہے۔''

''کون..... صابر؟''

''اور کون ہے نیند حرام کر دی ہے۔'' سفیر نے کہا اور دوبارہ غائب ہو گیا میں اندر آیا تو اوپر سے دروازہ دھڑ دھڑانے کے انداز میں بجانے کی آواز آئی۔ صابر کا انداز بتاتا تھا کہ وہ کتنا بے تاب ہے۔ میں نے اوپر جا کر نقاب پہنا اور دروازہ کھولا تو وہ خوف زدہ انداز میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ چہرے سے پریشانی ظاہر تھی۔

''مجھے معاف کر دو لیکن خدا کے لیے مجھے جانے دو۔''

''تمہیں معاف کر دوں اور جانے دوں۔'' میں نے اسے پیچھے دھکا دیا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ ''لگتا ہے رات کی پُرسکون نیند نے تمہیں کسی خوش فہمی کا شکار کر دیا ہے۔''

''نہیں مجھے ابھی خیال آیا ہے۔ میں گھر سے غائب ہوں۔ مرشد یا اس کے کسی آدمی نے مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کی کوشش کی ہوگی لیکن جب میں نہیں ملا ہوں گا تو وہ کھٹک جائے گا کہ ''

میں نے اس کا جملہ مکمل کیا۔ ''کہ تم دشمنوں کے ہاتھ لگ گئے ہو اور تم نے ہی انہیں کالی کوٹھی کے بارے میں بتایا ہے۔''

صابر کی آنکھیں خوف سے پھٹ رہی تھیں۔ ''یہی بات ہے مرشد اسی نتیجے پر پہنچے گا اور پھر... ''

''وہ اپنے آدمی تمہارے گھر بھیجے گا۔ تم نہیں ہو گے لیکن تمہارے گھر والے تو ہوں گے۔''

''نہیں۔'' وہ چیخ مار کر میری طرف لپکا لیکن میں نے رحمی سے لات مار کر اسے پیچھے پھینک دیا۔

''اپنے گھر والوں پر بات آئی تو یوں بلبلا رہے ہو۔ تم نے کبھی ان لوگوں کے بارے میں سوچا جو تمہاری وجہ سے مارے گئے۔ ان میں شہلا بھی شامل ہے جسے تم نے مرشد جیسے درندے کے حوالے کیا تھا۔ یقیناً تم نے کبھی نہیں سوچا ہوگا لیکن اب تم سوچو گے جب تمہارے گھر والوں پر بات آئی ہے۔''

وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ ''خدا کے لیے مجھے معاف کر دو..... بے شک مجھے مار دو لیکن میرے گھر والے ..''

''گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے یہ محاورہ تم نے سنا ہوگا۔ صابر یہ مکافاتِ عمل ہے جو ہر ظالم کے ساتھ ہوتا ہے لیکن افسوس اسے دیکھ کر دوسرا ظالم عبرت نہیں پکڑتا ہے۔ دوسرے مجھے شبہ ہے تم نے ابھی بھی مجھے پوری معلومات نہیں دی ہیں تم مرشد کے بارے میں اور بھی جانتے ہو لیکن بتا نہیں رہے ہو۔''

وہ بلبلانے لگا۔ ''میں بتاؤں گا..... بالکل بتاؤں گا لیکن مجھے موقع دو میں اپنے گھر والوں کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں مرشد کی دسترس سے دور۔''

''یہ کام کرنے کے بعد تم اپنے وعدے سے مکر جاؤ تو ہم کیا کریں گے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں پہلے تم ہمیں مرشد کے بارے میں باقی سب بھی بتاؤ گے اس کے بعد ہی ہم تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا پھر اس نے کہا۔ ''باقی باتیں تو عام ہیں لیکن میں ایک ایسی خاص بات سے واقف ہوں جس کے بارے میں مرشد اور اس کے بہت ہی معتمد ساتھی جانتے ہیں اور اگر انہیں بھنک بھی پڑ جاتی کہ میں اس بات سے واقف ہو گیا ہوں تو وہ مجھے کب کا ختم کر چکے ہوتے۔ یہ ان کے اندر کی بات ہے۔''

''ایسی کون سی بات ہے۔''

''تم نے خانقاہ مرشد یہ دیکھی ہے؟''

''تمہارا مطلب ہے اس کے دادا کی قبر جسے ان لوگوں نے مزار بنا لیا ہے؟''

''بالکل وہی راولپنڈی سے کچھ دور واقع ہے اب تو وہ نئی تعمیر ہونے والی سڑک سے صرف ایک کلومیٹر دور ہے اور بہت بڑے رقبے پر پھیلی ہے۔ نہ صرف زمین کے اوپر اس کی کئی منزلیں ہیں بلکہ زیر زمین بھی اس میں بہت کچھ ہے۔''

''یہ کوئی خاص بات نہیں ہے اس قسم کے دھندے کرنے والے زیر زمین تہہ خانے بناتے ہیں تاکہ ساری دنیا سے چھپ کر اپنا کام کر سکیں۔ مجھے معلوم ہے وہاں عورتیں آتی ہوں گی مجبور و بے بس یا زر کے لالچ میں، ان کے ساتھ عیاشی کرنے مرشد اور اس کے قریبی لوگ آتے ہوں گے۔ وہاں شراب اور منشیات کا دھندہ بھی ہوتا ہو



گا۔ صاحب ثروت لوگوں کو یہ سب چیزیں منہ مانگے داموں فراہم کی جاتی ہوں گی۔ خانقاہ میں اسمگلنگ کا مال ڈمپ ہوتا ہوگا۔ شہروں سے دولت مند اغوا کر کے وہاں رکھے جاتے ہوں گے اور ان کا تاوان لیا جاتا ہوگا۔ لڑکیوں اور بچوں کو اغوا کیا جاتا ہوگا یا معمولی قیمت کے عوض خرید لیا جاتا ہوگا اور انہیں دلالوں اور خرکاروں کو بیچا جاتا ہوگا۔ مجرموں کو پناہ دی جاتی ہوگی اور اس کے بدلے ان سے اپنے کام لیے جاتے ہوں گے۔ ملک دشمن، تخریب کار اور دشمن کے جاسوس ایسی جگہوں پر پناہ لیتے ہیں۔''

صابر کا منہ کھل گیا تھا۔ ''تمہیں کیسے پتا ہے یہ سب؟''

''مرشد جیسے ڈاپیروں کی خانقاہوں میں یہی سب ہوتا ہے یہ روحانیت کے نہیں اصل میں شیطانیت کے مرکز ہیں اور جو جگہ شیطان کا مرکز ہو وہاں یہی سب ہو سکتا ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا وہاں یہی سب ہوتا ہے بلکہ شاید اس سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔'' صابر کے لہجے میں نفرت آ گئی۔ ''ہر رات وہاں ابلیس عریاں ہو کر رقص کرتا ہے۔''

''کیا تم مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ وہاں جو ہوتا ہے اس سے تم متفق نہیں ہو یا تمہیں وہ سب اچھا نہیں لگتا ہے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''تم خود اس شیطانی کاروبار کا ایک حصہ ہو۔''

''یہ سچ ہے۔'' وہ بولا۔ ''میں اچھا آدمی نہیں ہوں مجرم ہوں لیکن میں شیطان نہیں ہوں۔ اس لیے وہاں جو ہوتا ہے میں سچ میں اس سے نفرت کرتا ہوں خود میری بھی دو بیٹیاں ہیں۔''

''تم کیا جانتے ہو اس جگہ کے بارے میں؟''

''بڈی کے اس اڈے کے نیچے تہہ خانے سے ایک خفیہ راستہ نکلتا ہے جو تقریباً نصف کلومیٹر دور ایک ڈیرے تک جاتا ہے۔ بہ ظاہر اس ڈیرے کا مرشد سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ عظیم سبحانی نامی زمیندار کا ڈیرہ ہے۔ مرشد کے اڈے سے نکلنے والا یہ خفیہ راستہ اسی ڈیرے پر نکلتا ہے۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ عظیم سبحانی کا مرشد سے تعلق ہے کیونکہ اس کے ڈیرے پر آنے یا جانے والا مال اصل میں مرشد کا ہی ہوتا ہے۔''

''خفیہ راستے کا مقصد؟''

''شاید مرشد نے برے وقت کے لیے یہ راستہ بنایا ہے پھر یہاں سے خفیہ مال کی ترسیل ہوتی ہے۔''

''جب یہ راستہ اتنا ہی خفیہ ہے تو تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''ایک بار ہمیں مرشد کی طرف سے غیر ملکی شراب کے کریٹ اس ڈیرے پر پہنچانے کا حکم ملا۔ کیونکہ اس کی طرف سے مجھے اس قسم کے کام ملتے رہتے تھے اس لیے میں نے یہ کام بھی کر دیا اور اس بارے میں زیادہ سوچنے سمجھنے کی زحمت نہیں کی لیکن جب میں ایک پک اپ میں کریٹ لے کر ڈیرے پر پہنچا تو ڈیرے کے محافظوں نے مجھے معتمد سمجھتے ہوئے میرے سامنے ہی وہ خفیہ راستہ کھول دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ راستہ خانقاہ تک جاتا ہے۔ اس وقت میں خاموش رہا۔ بعد میں بھی ڈرتا رہا کہ کہیں مرشد کو اس بارے میں پتا نہ چل جائے۔ کہیں محافظ اسے نہ بتا دیں اور میں یوں غائب کر دیا جاؤں جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میرا خیال ہے محافظوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہوگا اور انہوں نے اس بات کو وہیں دبا دیا ورنہ تم واقعی کسی نامعلوم قبر میں پہنچ گئے ہوتے۔ مگر ساتھ ہی غلطی کی پاداش میں وہ تمام محافظ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے ساتھ ہی دفن ہونے۔"

"یہی ہوا ہوگا مرشد بے خبر رہا کہ میں اس کے ایک اہم راز سے واقف ہو گیا ہوں لیکن وہ اس بات سے بے خبر نہیں رہے گا کہ میں غائب ہوں اور اس کو بھی کوئی نہ کوئی کر دیا۔ اس کے بعد وہ میرے لیے میرے گھر پر چڑھائی کرے گا اور جب میں نہیں ملوں گا تو وہ میری بیوی بچوں و [illegible] کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ پھر اس نے کہا۔ "دیکھو میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اس لیے اگر میں مرشد کے ہاتھ آ گیا تب بھی تمہارے بارے میں اسے کچھ نہیں بتا سکوں گا۔ خدا نے واسطے مجھے جانے دو۔ ایسا نہ ہو وقت میرے ہاتھ سے نکل جائے۔"

اس کی حالت قابل رحم ہو رہی تھی وہ سخت جان شخص اپنے بیوی بچوں کی زندگی کے لیے گڑگڑا رہا تھا۔ اگر اسے کتے کی طرح میرے قدموں میں لوٹنا پڑتا تو وہ اس سے بھی گریز نہیں کرتا۔ مجھے ترس آنے لگا۔ "چلو میں تمہیں جانے دیتا ہوں اور تم اپنے بیوی بچوں کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیتے ہو لیکن تمہارے خیال میں اس طرح تم مرشد سے محفوظ ہو جاؤ گے؟"

اس نے جلدی سے کہا۔ "میرے پاس ذرائع ہیں میں بیوی بچوں سمیت ملک سے باہر جا سکتا ہوں۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ صابر نے جو کہا تھا وہ صرف خدشہ نہیں تھا اس کا بہت زیادہ امکان تھا کہ یہ بات سچ ثابت ہو چکی ہو۔ مرشد رحم اور مروت کے نام سے بھی نا آشنا تھا۔ اگر اسے علم ہو چکا تھا کہ صابر غائب ہے تو اس کے آدمی اب تک صابر کے گھر پہنچ چکے ہوں گے اور اس کے بیوی اور بچوں کی حالت سخت مشکوک تھی۔ مرشد خود جس درجے کا گھٹیا آدمی تھا اس کے ساتھی اور ملازم بھی اسی درجے کے گھٹیا تھے۔ عورتوں کے بارے میں ان کے رویے کا میں خود گواہ تھا۔ میں نے پوچھا۔ "تمہاری فیملی میں کتنے ممبر ہیں؟"

"میری بیوی اور دو بیٹیاں ہیں بڑی بیٹی کالج میں پڑھ رہی ہے اور اس سے چھوٹی ابھی اسکول میں ہے۔"

"صابر تمہیں کچھ دیر صبر کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی میں تمہیں چھوڑنے کا فیصلہ کر سکوں گا لیکن تب تک آرام سے بیٹھو شور شرابا کرنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

میں باہر آیا تو وسیم جاگ گیا تھا اور کچن میں کافی کی کیتلی سے کافی نکال رہا تھا۔ "کیا کہہ رہا ہے صابر؟" اس نے میرے سامنے کافی رکھتے ہوئے پوچھا۔ میں نے اسے صابر اور اپنی گفتگو سنائی وہ غور سے سنتا رہا۔ جب میں نے بات مکمل کر لی تو اس نے پوچھا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں اسے چھوڑ دیا جائے؟"

"صرف چھوڑا نہیں دیا جائے۔" میں نے کافی کے گرم گھونٹ کو حلق سے اتار کر کہا۔ "میرے ذہن میں ایک اور خیال بھی ہے۔ ہم صابر کو اس کے گھر کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور پھر نگرانی کرتے ہیں میرا خیال ہے مرشد کے آدمی بھی وہاں ہوں گے۔ اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ بیوی بچوں کو لے کر نکل جائے گا لیکن اگر اس نے جھوٹ کہا اور مرشد کے پاس جانے کی کوشش کی تو..."

"تو ہم اسے دوسری دنیا روانہ کر دیں گے۔" وسیم نے میری بات مکمل کی۔ "لیکن فرض کریں صابر کا خدشہ درست ثابت ہوا تو..."

"تب مرشد کے دشمنوں میں ایک کا اضافہ ہو جائے گا۔"

وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ "صابر بہت معمولی درجے کا آدمی ہے وہ مرشد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔"

"دشمن کبھی معمولی نہیں ہوتا ہے۔ آدمی رتبے اور طاقت میں کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو صرف ایک گولی سے مر جاتا ہے۔ جو ایک آدمی ایک معمولی سے پستول سے بھی چلا سکتا ہے بشرطیکہ وہ ایسا کرنے کا ارادہ کر لے۔" میں نے کہا۔ "صابر کوئی شریف آدمی نہیں ہے بدمعاشی کے دھندے اس کے لیے نئے نہیں ہیں۔ اگر وہ مرشد کے خلاف ہو جائے تو بہت کچھ کر سکتا ہے۔"

"لیکن یہ ایک مفروضہ ہے کہ مرشد نے صابر کے گھر والوں کے خلاف کچھ کیا ہے؟"

"ہاں ہم مفروضات پر ہی آگے بڑھتے ہیں۔ ہمیں صابر کا اچار تو ڈالنا نہیں ہے اس لیے ایک چانس لینے میں کیا حرج ہے۔ ابھی تک ایسی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں لیکن اگر اس نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے مرشد سے رابطے کی کوشش کی تو ہم اسے قتل کرنے کے لیے آزاد ہوں گے۔ اس کے لیے شہلا کے دردناک قتل کا جواز بھی کافی ہوگا۔"

"میں سمجھ گیا۔" وسیم نے سر ہلایا۔ "لیکن ضروری نہیں ہے وہ خود مرشد کے پاس جائے ہو سکتا ہے وہ اسے فون پر اطلاع دے۔"

"تم نے اس کے گھر کو بگ کیا تھا وہاں لگے بگ اب بھی کام کر رہے ہوں گے؟"

"بالکل..... وہ ایک ہفتہ آن رہتے ہیں اس کے بعد ان کی بیٹری ختم ہو جاتی ہے۔" وسیم نے کہا۔

"بس تو اگر اس نے مرشد سے رابطہ کیا تو ہمیں معلوم ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے میں رائٹر نعیم کو بلا لیتا ہوں۔"

"انتظامات ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟"

"تقریباً ایک گھنٹہ۔" وسیم نے جواب دیا۔

"میں ٹھیک ایک گھنٹے بعد صابر کو لے کر نکلوں گا۔" میں نے کہا اور اٹھ کر فریج سے ڈبل روٹی اور انڈے نکالے۔ آدھے گھنٹے بعد میں ناشتہ کر چکا تھا۔ وسیم نے کہا کہ وہ باہر ہی ناشتہ کر لے گا۔ میں نے بیتو کو جگایا۔ "اٹھ جاؤ برخوردار ہمیں جانا ہے۔"

"کہاں شوبی بھائی؟" اس نے واش روم کی طرف جاتے ہوئے پوچھا اور جواب سنے بغیر اندر چلا گیا میں نے سفیر کو اٹھایا۔

"میں صابر کو لے کر جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟" اس نے جماہی لے کر پوچھا۔

"اسے چھوڑنے۔" میں نے سفیر کو اپنا پروگرام بتایا۔ اس نے سر ہلایا۔

"یہ اچھا منصوبہ ہے لیکن صابر سے بہت ہوشیار رہنا اس نے ہمیں پہلے بھی کیسے چکر دیا تھا۔"

"میں سمجھتا ہوں اگر اس نے دھوکا دیا تو خود بھگتے گا۔ میرا خیال ہے کالی کوٹھی کی تباہی پر مرشد بھی اسے معاف نہیں کرے گا یہ بات وہ بھی جانتا ہے اس لیے وہ شاید ایسی کوئی حماقت نہ کرے۔"

وقت کم تھا اس لیے بیتو ناشتہ کیے بغیر صرف ایک کپ چائے پی کر تیار ہو گیا۔ "کھانا ہم آ کر کھائے گا۔" اس نے سفیر سے کہا۔ "آپ کھانا تیار رکھے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ساتھ لائے گا تو کھائے گا۔'' سفیر نے خبردار کیا۔

''آپ منگوائے گا ہم کھائے گا۔'' بیتو نے بھی اسی قافیے میں شاعری جاری رکھی۔ سفیر بھنا گیا۔

''کیا کھانا میرا ذمہ بن گیا ہے۔''

''یار تپتا کیوں ہے کل تک تو ویسے بھی چلا جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''وہاں حویلی میں مزے سے رہنا۔ مونا اور گھر کی دوسری خواتین کے ہاتھ کے بنے کھانے کھائے گا۔''

''نہیں یار ان لوگوں نے میری چڑ بنالی ہے۔'' سفیر نے فریاد کی۔ ''کیا میری صورت باورچی جیسی ہوگئی ہے۔''

''نہیں ہے تو ہو جائے گی۔'' بیتو نے دانت نکالے۔ ''ابھی آپ ابا جی بھی بنے گا۔''

''باپ بننے کا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''تعلق ہے مونا دیدی آرام کرے گا آپ کھانا بنائے گا تو باورچی ہی بنے گا نا۔''

اس سے پہلے کہ یہ بحث مزید طول کھینچتی میں اوپر آیا۔ پہلے خود نقاب پہنا اور پھر اندر آیا۔ ''صابر تیار ہو جاؤ تمہیں چھوڑا جا رہا ہے۔''

''سچ میں.....'' اس نے شک آمیز خوف کے ساتھ کہا۔ اسے شک تھا کہ شاید ہم اسے کہیں مار کر ڈالنے جا رہے تھے۔ وہ خود بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی کرتا آیا ہوگا۔

''ہاں۔'' میں نے کہا اور کچن سے لایا ایک کپڑے کا غلاف اس کے منہ پر چڑھا دیا۔ اس میں کچھ سامان آیا ہوگا۔ اب یہ دوسرے کام آتا۔ اس میں کھینچ کر بند کی جانے والی ڈوری بھی تھی میں نے ڈوری کھینچ دی اب وہ کوشش کرتا تب بھی غلاف آسانی سے نہیں اتر سکتا تھا۔ میں اور بیتو اسے بازوؤں سے پکڑ کر گاڑی تک لائے میں نے سفاری لے جانے کا فیصلہ کیا اس میں شیشے تاریک تھے اور اگلی پچھلی نشستوں کے درمیان اتنی جگہ تھی کہ صابر کو اس میں آرام سے فٹ کیا جا سکتا تھا۔ بیتو نے اسے دھکا دے کر لٹایا اور خود سیٹ پر بیٹھ کر اس پر پاؤں رکھ لیے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''اگر یہ کوئی غلط حرکت کرے یا چیخے چلائے تو اسے بے دریغ شوٹ کر دینا۔ تمہارے پستول پر سائلنسر ہے کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

یہ سب میں نے صابر کو ڈرانے کے لیے کہا تھا ورنہ بیتو کے پاس کوئی پستول نہیں تھا۔ میں گاڑی سے ذرا دور گیا اور وسیم کو کال کی۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''سیٹ اپ ہو گیا ہے..... ہم صابر کے گھر سے کچھ دور موجود ہیں۔ تین بائیک والے مختلف اطراف میں موجود ہیں۔ وہ ایک منٹ کے نوٹس پر آ سکتے ہیں۔''

''گھر کی کیا رپورٹ ہے؟''

''اندر مکمل خاموشی ہے جیسے اندر کوئی بھی نہ ہو۔''

''آس پاس کی کیا صورتِ حال ہے؟''

''فی الحال تو کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''ہم آ رہے ہیں۔'' میں نے فون بند کیا اور گاڑی کی طرف آیا۔ سفیر نے گیٹ کھولا اور گاڑی کے نکلنے



کے بعد بند کر لیا۔ صابر کا گھر اس جگہ سے کوئی نصف گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ میں نے صابر سے پوچھا۔ ''تمہارے آدمی بھی تمہارے لیے پریشان ہو رہے ہوں گے؟''

''ہاں وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔''

''کیا وہ تمہارے گھر والوں کی حفاظت بھی کریں گے؟''

صابر کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''نہیں میرے گھر والوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ ان سے دور رہتے ہیں۔''

''گویا تم بزنس اور فیملی کے معاملات الگ الگ رکھتے ہو لیکن تمہیں کبھی خیال نہیں آیا تم جو کچھ کرتے ہو کبھی نہ کبھی اس کا اثر تمہاری فیملی پر بھی آ سکتا ہے۔''

''یہ خیال مجھے اکثر آتا تھا۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''لیکن میں اور کیا کر سکتا ہوں۔ میں اپنا پیشہ نہیں بدل سکتا اس کے لیے لازمی ہے میں یہ شہر ہی چھوڑ جاؤں لیکن جو لوگ میرے خوف سے اب تک خاموش ہیں وہ میرے شریف ہوتے ہی میرے پیچھے لگ جاتے اور اس ملک میں مجھے کہیں نہیں چھوڑتے۔''

''تم کو اس ملک سے نکل جانا چاہیے۔'' بیتو نے اسے مشورہ دیا۔ ''اب تم یہاں نہیں رہ سکتا۔''

''میں یہی کروں گا۔'' اس نے کہا۔

''اگر تمہیں اس کی مہلت ملی تو۔'' میں نے دل میں کہا۔ وسیم کی بات سن کر مجھے اپنا اندیشہ درست ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہم صابر کے گھر کے پاس پہنچ گئے تھے۔ میں نے اسے ایک سنسان سڑک پر اتار دیا۔ غلاف اس کے چہرے پر تھا۔ ''دل میں سو تک گنتی گن کر غلاف اتارنا، اس وقت تم اپنے گھر کے پاس ہو گے ہمیں یا گاڑی کو دیکھنے کی کوشش مت کرنا ورنہ مجبوراً ہمیں واپس آ کر تمہیں ٹھکانے لگانا پڑے گا۔''

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی اور جب تک وہ عقبی آئینے میں نظر آتا رہا اس نے چہرے سے غلاف اتارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں گاڑی کو مختلف گلیوں میں گھماتا رہا تا آخر صابر والی گلی سے اگلی گلی میں ایک خالی پلاٹ میں دیں نظر آ گئی میں نے گاڑی اس کے پاس لے جا کر روک دی۔ بیتو کو میں نے صابر والی گلی کے سرے پر چھوڑ دیا جہاں سے وہ اس کے مکان پر نظر رکھ سکتا تھا۔ دین میں وسیم کے ساتھ شہاب تھا شہاب ناشتہ کر چکا تھا اور وسیم کر رہا تھا۔ ناشتہ بیکری سے تیار کیے ہوئے سینڈوچز اور کیفے سے چائے لے کر کیا جا رہا تھا۔ میں نے اندر آ کر دروازہ بند کیا۔ ''کوئی پروگریس؟''

''نل۔'' وسیم نے منہ چلاتے ہوئے کہا۔ ''گھر کے اندر کی خاموشی معنی خیز لگ رہی ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے گھر والے گھر میں نہیں ہیں یا ہیں تو کوئی حرکت کرنے یا آواز نکالنے کے قابل نہیں ہیں؟''

''جی یہی خیال ہے۔'' وسیم بولا۔ ''اسے چھوڑ دیا آپ نے؟''

''ہاں وہ کچھ دیر میں اپنے مکان تک پہنچ جائے گا۔''

''فرض کریں اس نے مکان کی طرف آنے کے بجائے کہیں اور جانے کا فیصلہ کر لیا؟''

میں چونک گیا یہ خیال تو میرے ذہن میں آیا نہیں تھا میں نے بیتو کو کال کی اس نے کال ریسیو کی۔ ''ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود آپ لوگوں پر حملہ کرنے والا تھا وہ اپنے گھر میں آ گیا ہے۔''

اسی لمحے وین میں کسی کے چلانے کی آواز آئی۔ ''فریدہ..... میرے خدا..... شازیہ..... فوزیہ..... نہیں میرے خدا نہیں۔''

وسیم نے اسپیکر آن کیے ہوئے تھے اس لیے جب صابر نے گھر میں داخل ہو کر چلانا شروع کیا تو ہم ہل کر رہ گئے تھے وسیم نے جھپٹ کر اسپیکروں کی آواز بند کی اور سسٹم کو ہیڈ سیٹ پر منتقل کر دیا ہم نے چھوٹے ہیڈ سیٹ کانوں پر چڑھا لیے تھے۔ اب صابر کے دھاڑیں مار کر رونے کی آواز زیادہ واضح لیکن صرف ہمارے کانوں تک محدود تھی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کے گھر والوں پر کوئی سانحہ گزر گیا تھا اور وہ صابر کی پکاروں کا جواب دینے کے قابل نہیں تھے۔ وہ باری باری بیوی تین بچوں کو پکار رہا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کی بیوی اور دو بیٹیاں تھیں یہ ان کے ہی نام ہو سکتے تھے۔ میں نے افسوس سے وسیم کی طرف دیکھا۔

''میرا خیال ہے مرشد کے آدمی اپنا کام کر گئے ہیں۔''

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔'' وسیم بولا۔

جیولائن پر تھا میں نے اس سے کہا۔ ''نظر رکھنا جیسے ہی وہ اپنے گھر سے نکلے تو ہمیں بتانا۔''

''میرا خیال ہے ایک ریڈیو اس تک پہنچا دیا جائے کال ملنے میں دیر لگتی ہے۔'' وسیم نے کہا اور شہاب کو ایک ریڈیو سیٹ دے کر روانہ کر دیا۔ صابر اب بھی دھاڑیں مار کر رو رہا تھا اور ساتھ ہی مرشد کو گالیاں دے رہا تھا اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کے عزائم کا اعلان کر رہا تھا۔ مگر اس جنونی کیفیت میں وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اگر مرشد باڈس یا اس کے کسی اور ٹھکانے کا رخ کرتا تو خود بھی مارا جاتا۔ رفتہ رفتہ اس کی آواز دبنے لگی اور پھر اس نے کسی کو کال ملائی۔ ''میں بات کر رہا ہوں۔''

''کیا بات ہے استاد؟'' دوسری طرف سے کسی نے محتاط انداز میں پوچھا۔ وسیم نے صابر کے گھر کا فون بھی لگ کر دیا تھا اس لیے دوسرے آدمی کی آواز بھی آ رہی تھی۔

صابر دھاڑا۔ ''تم لوگ کہاں مر گئے ہو..... میرے گھر والوں پر قیامت گزر گئی ہے۔''

''کیا ہوا استاد؟'' اس شخص نے اسی طرح محتاط انداز میں کہا۔

''تم اور عبدل فوراً یہاں آ جاؤ۔''

دوسری طرف موجود شخص کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''ہم آ رہے ہیں۔''

صابر نے فون بند کر دیا۔ وہ پھر دبی دبی آواز میں رونے لگا تھا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''تم نے کچھ محسوس کیا؟''

''ہاں اگر یہ صابر کا آدمی ہے تو اس کا ردعمل نہایت عجیب ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میرا خیال ہے اب وہ صابر کا آدمی نہیں ہے بلکہ مرشد کا آدمی ہے اس نے صابر سے اپنی موت کو خود بلایا ہے۔''

''ایسا ہی لگ رہا ہے اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''ہمیں صابر کو بچانا ہوگا۔''

''آپ کو اس سے ہمدردی ہے؟''

''نہیں بلکہ مرشد کے خلاف ہمارے ساتھی اب مرشد سے بچے ہیں ان کا بھی خاتمہ کرنا ہے۔'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔ ''ہمیں مرشد اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ہر ممکن قدم اٹھانا ہے۔ اس کی ہر ناکامی ہماری کامیابی ہے اور..... ہو سکے گا۔''

صابر اب اپنے جنون پر قابو پانے میں کامیاب رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کے بڑبڑانے کی آواز آتی تھی۔ اچانک کسی کی کراہ سنائی دی اور صابر چلایا۔ ''شازیہ..... میری بچی تُو زندہ ہے۔''

''بابا..... بابا۔'' لڑکی چلائی۔ ''بابا انہوں نے..... کو مار دیا۔ ماما کو فوزیہ کو..... مجھے بھی۔'' لڑکی اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کے ساتھ کیا گزری تھی۔ صابر بھی رونے لگا تھا۔

''شازیہ وہ کون تھے؟''

''وہ جو آپ کے ساتھی ہیں عبدل اور سلیم ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے انہوں نے.....'' لڑکی پھر رونے لگی تھی۔ اسی لمحے بیتو کی آواز آئی۔

''شوبی بھائی دو آدمی خاموشی سے مکان میں داخل ہوئے ہیں۔''

''خاموشی سے کیسے؟''

''وہ نیل یا روانہ ہائے بغیر اندر گیا ہے۔ ایک آدمی کے پاس پستول بھی ہے شہاب..... آپ بولے تو میں پاس جا کر دیکھوں۔''

''ٹھیک ہے لیکن مکان کے بالکل سامنے جانے کی ضرورت نہیں ہے ہم بھی آ رہے ہیں۔'' میں نے کہا اور وسیم اس دوران میں ٹرانسمیٹ میں آ چکا تھا۔ اس نے وین کے معاملات شہاب کے سپرد کیے۔ میرے پاس پستول تھا۔ وسیم کے پاس بھی ننھی چھوٹا ہتھیار تھا لیکن اس نے وین کے ایک خانے سے ایک چھوٹی سی مشین گن نکالی۔ یہ اعشاریہ پینتالیس کے پستول سے کچھ ہی بڑی ہوگی اور با آسانی وسیم کی جیکٹ میں چھپ گئی۔ میں اور وسیم وین سے نیچے اترے اور تیز قدموں سے صابر کی گلی کی طرف بڑھے۔ وہ ابھی تک شازیہ سے بات کر رہا تھا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ موت کے ہرکارے جو اس کے ساتھی ہیں مکان میں داخل ہو چکے ہیں۔ شازیہ کے انکشاف نے اسے پاگل کر دیا تھا وہ جو اس کے ماتحت تھے اور جنہیں وہ اپنا دست و بازو سمجھتا تھا انہوں نے اس کے ساتھ یہ کیا تھا۔ اس کی بیوی اور بیٹیوں کو پامال کر کے قتل کر دیا تھا شازیہ کی قسمت تھی جو وہ بچ گئی۔ صابر کہہ رہا تھا۔

''عبدل..... سلیم میں تمہیں کتے کی موت ماروں گا ان کا پورا خاندان ختم کر دوں گا۔''

''نہیں استاد جی۔'' ہیڈ سیٹ میں ایک نئی آواز آئی۔ ''خاندان تک جانے کی ضرورت نہیں ہے ہم خود یہاں آ گئے ہیں۔''

''سلیم..... عبدل ذلیل کتو.....'' صابر دیوانہ وار چلانے لگا۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ پاگل ہو کر ان دونوں پر حملہ کر دے اور وہ اسے فوراً ہی..... نے کے لیے آئے تھے۔ اچانک صابر کے کراہنے کی آواز آئی اور شازیہ چلانے لگی۔

''ہم نے لیے..... ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چپ کر کتیا... شوٹنگ کیسے گئی؟'' دوسرے آدمی نے لڑکی کو جھڑکا۔ اس نے صابر پر کوئی تشدد کیا تھا۔

''پہلے اس سے نمٹ لیں پھر تجھے بھی دیکھتے ہیں۔''

اس دوران میں ہم گلی میں داخل ہو گئے تھے۔ بیتو بھی ہمارے ساتھ تھا۔ رہ رہ کر ہونے والی گفتگو سن رہا تھا اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر اندر چلا گیا میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''بیتو احتیاط سے وہ مسلح ہیں۔''

''فکر مت کرو۔'' وہ بولا۔

''بیتو۔'' اس بار میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''باہر آؤ اور جا کر جیپ لے کر آؤ ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔ شہاب تم بھی ہوشیار رہو اگر کوئی آ جائے اور ہم پھنس جائیں تو تم پیچھے سے مدد کرو گے۔''

''میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔'' شہاب نے کہا۔

بیتو بادلِ ناخواستہ باہر آیا اور جیپ لینے روانہ ہو گیا۔ میں اور وسیم اندر داخل ہوئے۔ وسیم نے مجھے دائیں طرف سے جانے کا اشارہ کیا اور خود بائیں سمت بڑھ گیا۔ صابر کا مکان زیادہ بڑا نہیں تھا یہ شاید نصف کنال پر بنا ہوا تھا اور مکان کے دونوں گلی تھی۔ سامنے پورچ اور ایک چھوٹا سا برآمدہ تھا۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ کیاریاں تھیں جن میں پھولدار پودے تھے اور خوب صورت بیلیں دیواروں پر چڑھی ہوئی تھی۔ مکان کی حالت بہت اچھی تھی۔ اس پر حال ہی میں کلر ہوا تھا۔ برآمدے میں مکان کا کھلنے والا دروازہ مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا جس پر ہاتھ سے نقش ابھارے گئے تھے۔ میں دائیں طرف سے دیوار کے ساتھ لگا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور میرے کان بگ سے آنے والی آوازوں پر مرکوز تھے۔ صابر کے آدمی اس پر تشدد کر رہے تھے اور غلیظ زبان میں اسے بتا رہے تھے کہ انہوں نے اس کی بیوی اور بیٹیوں کے ساتھ کیا کیا تھا۔

صابر کا نہ جانے کیا حال تھا لیکن ان کی بکواس سن کر میرا خون کھول رہا تھا اور مجھے صابر پر بھی غصہ آ رہا تھا جو اپنی آستین میں سانپ پال رہا تھا جنہوں نے بالآخر اسے ہی ڈس لیا۔ افسوس کہ اس نے جو دوسروں کے ساتھ کیا تھا آج وہی اس کے سامنے آ رہا تھا اور اس کے گھر والوں کو بھگتنا پڑا تھا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ جو آوازیں میں ہیڈ سیٹ سے سن رہا تھا وہی میرے پاس سے بھی آ رہی تھیں میں نے ہیڈ سیٹ ہٹا کر دیکھا۔ آوازیں اس کمرے کی کھڑکی سے آ رہی تھیں جس کے عین نیچے میں موجود تھا۔ یعنی وہ لوگ اسی کمرے میں موجود تھے۔ میں براہ راست جھانکنے کا خطرہ مول لے نہیں سکتا تھا اس لیے کار کی چھت سے گھڑکی کے شیشے میں اندر کا منظر دیکھا۔

اندر کا منظر اچھا نہیں تھا۔ یہ بیڈ روم تھا بیڈ پر دو لاشیں پڑی تھیں وہ بیڈ کی حالت تو بتا رہی تھی۔ بیڈ کے سامنے قالین پر صابر کی لڑکی شازیہ پڑی تھی اور اس کے پاس ہی صابر نیم دراز حالت میں بیٹھا تھا۔ ذرا سی دیر میں عبدل اور اسلم نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ دونوں اس کے پاس کھڑے تھے۔ دونوں کے ہاتھ میں ریوالور تھے ایک کے پاس نیلی جرسی والے کا پستول تھا اور دوسرے کے پاس ریوالور تھا مجھے تعجب تھا کہ ابھی تک اسے مارا کیوں نہیں تھا شاید وہ اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہے تھے جانے کیوں اس نے جھک کر صابر سے کہا۔ ''اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی بیوی اور بیٹیوں کا نمبر بتا دو۔''



مگر صابر پوری طرح ہوش میں نہیں تھا وہ نیم غشی کی حالت میں جھول رہا تھا۔ اس نے شاید ان کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ کمرے کا اچھی طرح جائزہ لے کر میں دبے پیچھے آیا اور آہستہ سے وسیم سے پوچھا۔ ''تم کہاں ہو؟''

''میں اندر آ گیا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''انہیں دیکھ لیا ہے؟''

''ہاں۔''

''ایک ساتھ ہینڈز اپ کرانے میں سے کم سے کم ایک زندہ ہاتھ آنا چاہیے۔''

''میں سمجھ گیا تب ہینڈز اپ کرانے کے بجائے دائیں ہاتھ اور پیر میں گولی ماری جائے۔''

''ٹھیک میں کھڑکی سے بائیں طرف والے کو نشانہ بناؤں گا۔''

''میں نیلی جرسی والے کو۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن کام ایک ساتھ ہونا چاہیے۔''

''ٹھیک تین تک گنتی گنتے ہی ہم حرکت میں آ جائیں گے۔''

میں واپس کمرے تک گیا۔ ایک بار پھر کھڑکی سے اندر موجود لوگوں کی جگہ دیکھی۔ سیاہ شرٹ والا صابر پر جھکا ہوا تھا اور پستول اس کی کنپٹی سے لگا رکھا تھا۔ ''تم نے بہت عرصے ہماری گردن پر سواری کی ہے اب تم سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی لیکن تمہاری جان بخشی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ تم تجوری کا نمبر بتا دو۔''

صابر نے جواب میں نفرت سے اس کے منہ پر تھوک دیا اور مجھے معلوم تھا کہ اب کیا ہوگا۔ میں نے تیزی سے کھڑکی میں آتے ہوئے سیاہ شرٹ والے کا نشانہ لیا وہ ذرا پیچھے ہو کر صابر پر گولی چلانے والا تھا لیکن اس سے پہلے میرے پستول سے نکلنے والا شعلہ اس کے شانے میں اتر گیا اور وہ ایک جھٹکے سے صابر پر ہی گرا تھا۔ مجھے ایک دو تین کہنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ مگر وسیم بھی حرکت میں آ گیا تھا کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا، اس دوران میں نیلی جرسی والا میری طرف متوجہ ہوا تھا اور اس کا پستول والا ہاتھ میری طرف اٹھ رہا تھا لیکن وسیم نے اسے مہلت نہیں دی اور عقب سے اس کے شانے پر گولی ماری میں نے غوطہ لگایا کیونکہ وسیم کھڑکی کی سیدھ میں کھڑا ہوا تھا گولی نیلی جرسی والے کے بازو کو چھیدتی ہوئی کھڑکی کی طرف آئی تھی۔

نیچے ہوتے ہی میں دوبارہ سیدھا ہوا تو وسیم صورتِ حال کو قابو میں کر چکا تھا اس نے دونوں کے پستول اور ریوالور ان سے دور پھینک دیئے تھے۔ فائر کی آواز بیتو تک پہنچی تھی اس نے پریشانی سے پوچھا۔ ''شوبی فائر کس نے کیا سب ٹھیک ہے؟''

''ہاں سب ٹھیک ہے ہم نے صورتِ حال پر قابو پا لیا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی اور واپس مکان کے سامنے والے حصے میں آیا اور ایک منٹ میں اس کمرے میں پہنچ گیا۔ صابر نیم غشی کی حالت میں قالین پر بیٹھا ہوا جھول رہا تھا اس کی لڑکی نے اسے تھام رکھا تھا۔ وہ بہت پیاری اور دل کش سی کم عمر لڑکی تھی۔ مگر اس وقت وہ تباہ حال لگ رہی تھی اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا اور خون آلود تھا۔ چہرے اور جسم کے نظر آنے والے حصوں پر زخموں کے نشانات تھے۔ ان لوگوں نے اس کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''صابر کو پیچھے کرو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بابا پیچھے آ گئیں۔'' شازیہ نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ عبدل اور اسلم نے صابر کے سر پر اپنے ہتھیاروں سے ضربیں لگائی تھیں اسی لیے وہ پوری طرح ہوش میں نہیں تھا۔ شازیہ اسے کھینچ کر پیچھے لے گئی تھی۔ میں نے جس پر گولی چلائی تھی وہ تقریباً بے ہوش ہو گیا تھا کیونکہ گولی نے شانے کی ہڈی توڑ دی تھی اور وہ یقیناً سخت تکلیف میں تھا نیلی جرسی والا ہوش میں تھا۔ میں نے اس کے سر پر پستول کا دستہ مارا تو وہ بھی نیچے لڑھک گیا۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''ان کی تلاشی لو۔''

وسیم ان کی تلاشی لینے لگا اور میں نے بیتو سے پوچھا۔ ''تم کہاں ہو؟''

''ہم مکان کے سامنے آ گیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کیا اندر آ جائے؟''

''تم جیپ سامنے لاؤ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔''

''انہیں لے کر جانا ہے۔'' وسیم نے عبدل اور اسلم کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے سر ہلایا۔

''ظاہر ہے یہی تو اس معاملے میں ہمارا نفع ہیں۔''

میں باہر آیا تو بیتو جیپ کو گیٹ کے بالکل سامنے لے آیا تھا گیٹ کھولتے ہی وہ اندر آ گیا۔ اس دوران میں شہاب بھی وین گلی میں لے آیا تھا۔ میں بیتو کے ساتھ اندر آیا اور باری باری عبدل اور اسلم کو جیپ کے پچھلے حصے میں منتقل کیا وہ زخمی تھے اور خون بہہ رہا تھا لیکن ان کے مرنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میرے پستول پر سائلنسر لگا تھا اور وسیم نے چھوٹا پستول استعمال کیا تھا وہ مکان کے اندر تھا اس لیے آواز بہت کم آئی تھی امید تھی کہ کسی نے اس سنگل فائر کا نوٹس نہیں لیا ہوگا۔ آس پاس ویسا ہی سناٹا اور سکون تھا۔ وسیم کے کہنے پر شازیہ نے باتھ روم میں جا کر کپڑے بدل لیے تھے لیکن وہ بہت خوف زدہ تھی۔ مردوں سے اس کا اعتبار اٹھ گیا تھا اور اسے خوف تھا کہ ہم بھی اس کے حق میں درندے نہ ثابت ہوں۔ اس نے صابر کو پانی پلایا اور کچھ پانی اس کے منہ پر ڈالا تو اسے ہوش آ گیا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ ''تم لوگ کون ہو اور ہمیں کیوں بچایا؟''

''تم دیکھ پہلی بار رہے ہو لیکن سنتے رہے ہو ہمیں۔'' میں نے کہا تو چونکا۔

''یہ تم ہو؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''ہم تمہارے پیچھے تھے کیونکہ ایک تو تم پر اعتبار نہیں تھا کہ تم ہمیں دھوکا دے کر مرشد کے پاس دوڑے جاؤ۔ اس صورت میں تمہیں دوسری دنیا میں ہوش آتا۔''

''مرشد۔'' اس نے اس طرح کہا کہ اس کے چہرے کی وریدیں ابھر آئی تھیں۔ میں نے افسوس سے چادر تلے موجود لاشوں کی طرف دیکھا۔

''دوسرے مجھے اسی بات کا خدشہ تھا۔ مرشد جیسے لوگ اپنے کسی معتوب کو اکیلے سزا نہیں دیتے ہیں اس سزا میں اس کا پورا خاندان شامل ہوتا ہے۔''

اس نے طیش سے کہا۔ ''کاش کہ تم مجھے پہلے چھوڑ دیتے تو میری بیوی اور بیٹی بچ جاتی۔''

''میرا خیال ہے یہ واردات بالکل صبح کسی وقت ہوئی ہے جب تم نے مجھ سے اس خدشے کا اظہار کیا تو اس وقت تک یہ سب ہو چکا تھا۔''



شازیہ ہوش میں آنے کے بعد خود کو سنبھالے ہوئے تھی اور پھر عبدل اور اسلم کے دوبارہ آنے سے بھی اسے جھٹکا لگا تھا لیکن اب وہ صدمہ سہار نہیں پا رہی تھی اچانک ہی فرش پر لڑھک گئی۔ صابر اس کی طرف جھپٹا۔

''میری بچی..... کیا ہوا تجھے؟'' وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

''میرا خیال ہے یہ صدمے سے بے ہوش ہو گئی ہے۔'' میں نے شازیہ کی نبض دیکھنے کے بعد کہا۔ ''صابر ہمارے پاس وقت کم ہے ہم اسلم اور عبدل کو لے کر جا رہے ہیں۔''

''تم انہیں نہیں لے جا سکتے وہ میرے مجرم ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ مرشد کے ساتھی ہیں اور ان سے ہمیں بہت کچھ معلوم کرنا ہے انہیں ہم لے جائیں گے۔ دوسرے تم ان کی نہیں اپنی فکر کرو میرا خیال ہے نمبر بنانے کے چکر میں یہ مرشد کو اطلاع دیے بغیر یہاں چلے آئے ہیں لیکن جلد یا بدیر مرشد کے دوسرے آدمی آئیں گے اور تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ اللہ نے تمہاری ایک بیٹی کو محفوظ رکھا ہے اسے لو اور کہیں نکل جاؤ۔''

''میں کہیں نہیں جا سکتا۔'' صابر نے مایوسی سے کہا۔ ''میرے تمام ٹھکانے ان دو حرامیوں کے علم میں ہیں اور لازمی بات ہے انہوں نے مرشد کو بتا دیا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے ابھی تو تم ہمارے ساتھ چلو۔'' میں نے کہا۔ ''بعد میں تم فیصلہ کر سکتے ہو کہ تمہیں کہاں جانا ہے۔''

صابر نے سوچا اور سر ہلایا۔ وہ اٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وسیم نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔ ''اسے لے جانا ضروری ہے؟''

''بالکل ضروری ہے ایک تو یہ مرشد کے خلاف ہمارا ایک مہرہ بن سکتا ہے دوسرے اگر اسے چھوڑ گئے تو جلد ہی یہ مرشد کے بتھے چڑھ جائے گا اور ہمارے بارے میں سب بتا دے گا۔ اس وقت یہ بوکھلایا ہوا اور صدمے میں ہے جب تک یہ سنبھل کر اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے کے قابل نہ ہو جائے اسے اپنی تحویل میں رکھنا ضروری ہے۔''

وسیم سمجھ گیا۔ ''انہیں لے جانا کہاں ہے؟''

''فارم ہاؤس لیکن وین میں تاکہ یہ اس کا محل وقوع نہ دیکھ سکیں۔''

کچھ دیر بعد صابر ایک بڑا سوٹ کیس اٹھائے نمودار ہوا۔ میں نے پوچھا۔ ''اس میں کیا ہے؟''

''میرا کچھ سامان ہے اور رقم ہے۔'' اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا لیکن میں متاثر نہیں ہوا۔ میں تحکمانہ انداز میں بولا۔

''صابر اسے کھول کر دکھاؤ۔''

''کیوں؟'' وہ بدک گیا۔ ''اس میں میری ذاتی چیزیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے ان ذاتی چیزوں کے ساتھ تم جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو ہم جا رہے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

''مطلب یہ کہ ہمارے ساتھ چلنا ہے تو جو میں کہوں وہ کرنا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم اس سوٹ کیس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسلحہ یا کوئی خطرناک چیز لے جا رہے ہو۔"

بادلِ ناخواستہ صابر نے سوٹ کیس کھول کر دکھایا۔ اس میں اس کے اور شازیہ کے کپڑوں کے علاوہ خاصی تعداد میں نوٹوں کی گڈیاں تھیں ایک عدد پستول تھا اور ایک چھوٹی شاٹ گن تھی۔ میں نے اسلحے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ہمارے حوالے کر دو۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے مشتعل ہو کر کہا۔ "کیا تم مجھے پھر قیدی بنا کر لے جا رہے ہو؟"

"نہیں ہم تمہیں اپنی حفاظت میں لے رہے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے تم خود کو پوری طرح ہمارے حوالے کر دو اسی صورت میں ہم تمہاری حفاظت کے ذمے دار ہوں گے۔"

"ورنہ تم اپنی حفاظت خود کرنے کے لیے آزاد ہو۔" وسیم نے کہا۔

صابر کچھ دیر ہونٹ کاٹتا رہا تھا پھر اس نے پستول اور شاٹ گن نکال کر میرے حوالے کر دیں۔ "گڈ اب تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو ایسا کرو سوٹ کیس مجھے دو اور شازیہ کو تم اٹھا لو۔"

"اسے کسی ڈاکٹر کو دکھانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے راستے میں تم کسی کلینک میں اسے دکھا سکتے ہو۔" میں نے کہا اور وسیم کو اشارہ کیا وہ اسے اور شازیہ کو لے گیا۔ شہاب وین بھی اندر لے آیا صابر اور شازیہ کو اس میں منتقل کیا اور میں بیتو کے ساتھ جیپ میں آ گیا۔ ہم فوری طور پر حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ وسیم کے بائیک سوار میری رہنمائی کر رہے تھے اس نے تین آدمی بلوائے تھے ان میں سے ایک ہمارے ساتھ جا رہا تھا اور دو ابھی وسیم کے پاس رک گئے تھے جب وہ صابر اور شازیہ کو لے کر فارم ہاؤس پہنچ جاتا تب یہ دو بھی حویلی چلے جاتے۔ حویلی پنڈی شہر سے کوئی بیس کلومیٹرز کے فاصلے پر تھی۔ ہم پون گھنٹے میں وہاں پہنچے تھے اگر جی ٹی روڈ سے جاتے تو فاصلہ بڑھ جاتا لیکن وقت کم لگتا۔ پرانے شہر کے پُرہجوم اور مختصر راستوں سے گزرنے میں وقت لگا تھا۔

حویلی سچ مچ آئیڈیل قسم کی تھی۔ کسی قدر نشیب میں ہونے کی وجہ سے یہاں زمین میں سیم تھی اور اسی وجہ سے اسے زرعی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیا جا رہا تھا پھر آس پاس اونچے نیچے ٹیلے تھے ہموار زمین بہت کم تھی۔ کسی شوقین نے آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے یہ حویلی تیار کرائی تھی مگر اس کی حالت بتا رہی تھی کہ یہ کم سے کم پندرہ بیس سال سے بے آباد پڑی ہوئی ہے۔ رہنما ہمیں حویلی کے عقبی طرف سے اندر لے گیا وہاں نگرانی کا سسٹم تھا کیونکہ جیسے ہی ہم پھاٹک پر پہنچے فولادی گیٹ کھل گیا اور ہم اندر چلے گئے۔ ایک چھوٹے سے حصے کو صاف کر کے پارکنگ کی صورت دی گئی تھی۔ عمارت میں آمد و رفت کا راستہ بھی پیچھے کی طرف تھا۔ سامنے والے حصے کو بالکل نہیں چھیڑا گیا تھا اور وہ ویسے ہی تھا اگر کوئی سامنے والے حصے میں آ کر دیکھتا تو اسے ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا کہ حویلی زیرِ استعمال ہے۔ بائیک سوار تقریباً چالیس برس کا چاک و چوبند اور چھریرے جسم والا شخص تھا۔ اس نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے کہا۔

"آیئے جناب۔"

"ان دونوں کو اندر پہنچانا ہے۔" میں نے کہا۔ "دیکھو گولیوں کے زخم ہیں ان کی مرہم پٹی کرنی ہے اور سخت نگرانی کرنی ہے یہ بہت اہم قیدی ہیں۔"



"آپ بے فکر رہیں جناب یہاں ان کی صحیح سے دیکھ بھال ہوگی۔" اس نے کہا اور دوسروں کو بلانے چلا گیا۔

میں اور بیتو اندر آئے انہوں نے رہائش اور دوسرے کاموں کے لیے حویلی کے پانچ چھ کمرے صاف کر کے انہیں رہائش کے قابل بنا لیا تھا۔ کچن بھی تھا کھانا وہ خود بناتے تھے۔ یہاں بجلی نہیں تھی لیکن انہوں نے مین روڈ سے گزرنے والی لائن سے کنڈا مار لیا تھا۔ پانی زمین سے نکالتے تھے اور اس کے لیے موٹر تھی۔ کھانا بنانے اور دوسرے کاموں کے لیے گیس سلینڈر استعمال کرتے تھے۔ کمروں میں فرنیچر ڈالنے کے بجائے انہوں نے انڈر لے کے ساتھ وال ٹو وال کارپٹ بچھا لیے تھے اور اسی پر سوتے تھے۔ واش روم ٹھیک کرانے کے لیے وہ پنڈی سے پلمبر اور سامان لے آئے تھے اسی طرح الیکٹریشن لا کر بجلی کا سارا کام کرا لیا تھا۔ ایک کمرے میں کنٹرول روم تھا انہوں نے حویلی میں چاروں طرف خفیہ کیمرے لگا دیئے تھے جن سے بچ کر کوئی اس طرف چھپ کر نہیں آ سکتا تھا۔

قیدیوں کو رکھنے کے لیے تہہ خانہ تھا۔ اس کی سیڑھیوں پر فولادی دروازہ تھا جسے توڑنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ دروازہ بھی انہوں نے خود لگایا تھا۔ تہہ خانہ اندر سے بہت بڑا اور کچا تھا اس میں جا بہ جا ستون تھے جنہوں نے اوپر کی عمارت کا بوجھ سنبھال رکھا تھا۔ عبدل اور اسلم کو یہیں منتقل کر دیا گیا تھا۔ وسیم کے ایک درجن آدمیوں میں سے دو فرسٹ ایڈ جانتے تھے اور چھوٹا موٹا آپریشن بھی کر لیتے تھے۔ زخمی ان کے سپرد کر دیئے گئے میں نے انہ سے کہا۔ "خیال رہے یہ مرنے نہ پائیں اور یہاں سے نکلنے بھی نہ پائیں یہ مرشد کے آدمی ہیں۔"

ہم وہاں دو گھنٹہ رکے..... بیتو نے چھولے کے سالن اور روٹی سے لنچ تناول فرمایا اور بہت حیران ہوا کہ گوشت کے علاوہ بھی کسی چیز میں اتنا ذائقہ ہو سکتا ہے۔ مجھے بھوک نہیں تھی اس لیے میں نے صرف چکھا تھا۔ روٹی کے لیے انہوں نے بنا بنایا تندور لے لیا تھا اس میں بیک وقت درجن روٹیاں لگ جاتی تھیں۔ وہ سب مزے سے اور بے فکری سے رہ رہے تھے۔ کھانا پینا کھلا تھا۔ کھلی فضا تھی۔ تفریح کے لیے انہوں نے ڈش کے ساتھ ٹی وی لگا لیا تھا ایک ڈی وی ڈی پلیئر تھا جس پر وہ موویز دیکھتے تھے۔ اخبارات اور رسائل بھی لے آتے تھے۔ باہر کے کاموں کے علاوہ وسیم نے ان سب کی ڈیوٹی باندھی ہوئی تھی۔ ویرانہ ہونے کے باوجود یہاں موبائل سگنل تھے۔ اس لیے رابطے میں آسانی رہتی تھی۔ جن کے گھر والے تھے اور آس پاس رہتے تھے انہیں ہفتے میں دو دن چھٹی ملتی تھی کہ وہ جا کر گھر والوں سے مل آئیں۔ وسیم نے ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کی ہوئی تھیں اور انہیں دو مہینے کی پیشگی تنخواہیں دے دی گئی تھیں۔

دو بجے وسیم کی کال آئی۔ "میں نے انہیں فارم ہاؤس پہنچا دیا ہے۔ لڑکی کو ٹریٹمنٹ مل گئی ہے اس کی حالت بہتر ہے۔ اب ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔"

"نگرانی میں رکھو لیکن اس طرح کہ صابر کو احساس نہ ہو اور اسے کسی سے رابطہ مت کرنے دینا۔ میں اور بیتو شام تک آئیں گے۔" میں نے کہا۔ "میں ذرا ان دونوں سے ابتدائی پوچھ گچھ کر لوں۔"

مرہم پٹی اور جراحی کے ماہر نے دونوں کے زخموں کی پٹی کر دی تھی میرے شکار کے شانے میں گولی اٹکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی تھی اسے نکالنے کے لیے چھوٹا سا آپریشن کرنا پڑا تھا۔ بہرحال اب وہ دونوں ٹھیک حالت میں تھے۔ میں اور بیتو نیچے تہہ خانے میں آئے۔ یہاں وہ ایک طرف دیوار میں نصب زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے فولادی کڑے ان کے پیروں میں تھے اور وہ ایک حد سے زیادہ حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ زمین پر سوکھی گھاس بچھی تھی جو دبیز اور آرام دہ تھی وہ اسی پر پڑے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھے ان میں سے سیاہ شرٹ والے نے ناک پھلا کر کہا۔ ''تم نے اچھا نہیں کیا ہے تمہیں معلوم نہیں ہے ہم کس کے بندے ہیں۔''

''بندے سب اللہ کے ہوتے ہیں اور جو خود کو اللہ کا بندہ نہیں سمجھتے وہ یقیناً شیطان کے بندے ہوتے ہیں۔ تم کس کے بندے ہو؟''

''ہم مرشد بادشاہ کے آدمی ہیں۔'' سیاہ شرٹ والا بولا ابھی اس کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ میرے جوتے کی نوک اس کے منہ پر لگی اور وہ الٹ کر پیچھے گرا۔

''میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا تم شیطان کے بندے ہو اور تمہیں بھی سمجھ میں آ جانا چاہیے کہ مرشد تمہیں بچانے نہیں آئے گا۔ اس کے نزدیک تمہاری حیثیت باتھ روم کے لوٹے سے زیادہ نہیں ہے۔''

وہ منہ دبائے کراہ رہا تھا یقیناً اس کے کئی دانت ہل گئے تھے یا حلق میں اتر گئے تھے میں نیلی جرسی والے کی طرف متوجہ ہوا جو میرے جارحانہ رویے سے کسی قدر دہشت زدہ نظر آ رہا تھا میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''اسلم۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''یہ عبدل ہے۔''

''پہلے تم دونوں صابر کے کتے تھے لیکن جب مرشد نے بڑی ہڈی دکھائی تو دُم ہلاتے اس کے پاس چلے گئے اور اپنے سابق آقا کے احسانات کا صلہ یوں دیا کہ اس کے پورے گھر کو تباہ کر دیا۔ ان عورتوں کا کیا قصور تھا؟'' میں غصے میں آ گیا۔

''صابر کا رویہ ہمارے ساتھ اچھا نہیں تھا۔'' اسلم نے کہا۔ ''وہ مشکل کام ہم سے لیتا تھا اور ہمیں بہت کم معاوضہ دیتا تھا۔ ہمارے ساتھ اس کا رویہ سچ مچ کتوں جیسا تھا۔''

''تم مجبور نہیں تھے اسے چھوڑ کر جا سکتے تھے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے اگر ہم اسے چھوڑتے تو وہ ہمیں نہیں چھوڑتا۔''

''ٹھیک ہے لیکن اس کے گھر والوں کا..... ان بے گناہ عورتوں کا کوئی قصور نہیں تھا ان کے ساتھ جو ہوا اس میں تم برابر کے شریک ہو۔'' میرے لہجے سے اسلم خوف زدہ ہو گیا۔

''دیکھو ان کے ساتھ جو ہوا وہ مرشد کے حکم سے ہوا تھا۔''

''چپ کر کتے.....'' عبدل نے منہ دبائے دبائے کہا۔

''میرا خیال ہے پہلے تمہارا منہ بند کرنا ہوگا۔'' میں نے عبدل کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں مرشد سے وفاداری کا بخار چڑھا ہوا ہے لیکن جلد یہ بخار اتر جائے گا۔'' میں نے اسلم کی طرف دیکھا۔ ''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ صابر کے گھر والوں کے ساتھ جو ہوا اس میں تمہارا قصور نہیں تھا۔''

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ ہم مرشد کے آدمیوں کو صابر کے گھر



لے گئے تھے۔''

اس بار میں نے اسلم کو لات ماری تھی۔ وہ لڑھکا اور جلدی سے [illegible] ہو گیا۔ ''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

میں نے دوبارہ لات مار کر اسے لڑھکا دیا۔ ''صابر اور اس کی [illegible] تمہارے پاس سے بھی وہ ٹھیک نہیں ہے لیکن جلد اس کی حالت سدھر جائے گی اور وہ تم دونوں کے بارے سب بتا دے گی۔''

میری بات سن کر ان کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ میں نے بات جاری رکھی۔ ''جب میں اس [illegible] کے الزامات سن کر آؤں گا تو تم لوگ اپنی صفائی تیار رکھنا دوسری صورت میں اس تہہ خانے سے صرف [illegible] باہر جا سکیں گی جسم یہیں زمین کھود کر دفن کر دیے جائیں گے تم سے پہلے بھی بہت سارے یہیں دفن کیے گئے ہیں۔''

ان کو دھمکی دے کر میں بیتو کے ساتھ باہر آیا۔ ان لوگوں سے چھٹکارا [illegible] ہمیں روک لیا چائے پی کر ہم روانہ ہوئے۔ اس دوران میں [illegible] جہاں عبدل اور اسلم کا خون گرا تھا۔ بیتو کو یہ جگہ اچھی لگی تھی وہ ویسے بھی [illegible] شہری زندگی کا عادی ہو گیا تھا لیکن اسے اچھے دیہاتی ہی کہتے تھے [illegible] ہمیں کہاں [illegible] آ جاتا ہے دشمن کی نظر سے بھی بچے گا۔''

''یہ جگہ اچھی ہے لیکن شہر سے دور ہے اگر ہمیں [illegible] ٹھکانے تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ دو تین ٹھکانے تیار [illegible] جگہ ہو۔''

''عبداللہ بھائی کی کوٹھی کے ساتھ ایک فارم [illegible] ہے۔''

''ایک جگہ ہمیں اور لینی چاہیے [illegible] ان ہی جگہوں پر ہیں۔ عبداللہ کی کوٹھی [illegible] خان سمیت ہمارے تمام دشمن جانتے ہیں۔ [illegible]''

''آپ ٹھیک بولا ایک جگہ اور ہونا چاہیے۔''

ہم ایک گھنٹے بعد فارم ہاؤس پہنچے۔ شام کا وقت تھا [illegible] اور وقفے وقفے سے بارش کے بعد اب مطلع صاف ہو گیا تھا۔ اگر موسم صبح تک ایسا ہی رہتا [illegible] سکتے تھے۔ عبداللہ بھی آیا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''کیا حال ہیں شہباز صاحب، میں نے ابھی بات کی ہے [illegible] اچھے موسم کا امکان ہے اس لیے ہیلی کاپٹر جائے گا۔''

''گڈ یہ اچھی خبر سنائی ہے تم نے۔'' میں نے [illegible] کہا۔ سفیر چپ بیٹھا تھا ظاہر ہے وہ [illegible] سے دور جانے کے خیال سے آزردہ تھا۔ عبداللہ نے کہا۔

''ایک اچھی خبر اور بھی ہے۔ نادر کا سراغ مل گیا ہے۔''

میں چونک کر سیدھا ہو گیا۔ ''نادر [illegible] کہاں [illegible]؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سیٹلائیٹ ٹاؤن پنڈی کی ایک کوٹھی میں ہے۔ اتفاق سے میرے آدمیوں نے اسے ایک فزیوتھراپی سینٹر سے روانہ ہوتے دیکھ لیا وہ وہاں اپنا چیک اَپ کرانے آیا تھا۔ میرے آدمیوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے ٹھکانے کا پتا چلا لیا۔''

''کوٹھی کس کی ہے؟''

''کسی حشمت اللہ قادری کی ہے۔'' عبداللہ نے بتایا۔ ''دیکھنے میں بہ ظاہر عام سی اور بغیر کسی حفاظتی انتظام کے لگتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے نادر وہاں چھپ کر رہ رہا ہے۔''

''ہاں فزیوتھراپی سینٹر میں بھی اس کے ساتھ صرف ایک ڈرائیور اور ایک ملازم ٹائپ شخص تھا جو اسے سنبھال رہا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی محافظ نہیں لگ رہا تھا۔''

''کیا نادر کی مالی حالت اتنی خراب ہوگئی ہے کہ اب وہ محافظ بھی نہیں رکھ سکتا ہے۔''

''ممکن ہے اس کے پاس رقم نہ ہو مرشد نے اس سے سب چھین لیا ہو۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہمارے آدمی کوٹھی کی نگرانی کر رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے نگرانی جاری رکھو اور اگر ممکن نظر آئے تو نادر کو ابھی اٹھا کر حویلی کے تہہ خانے میں پہنچا دو۔'' میں نے کہا اور پھر وسیم سے پوچھا۔ ''صابر اور اس کی لڑکی کی حالت کیسی ہے؟''

''ابھی تو ٹھیک ہے۔'' وسیم نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''لیکن اس بے چاری کے ساتھ برا ہوا ہے۔''

''وہ تو میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا۔''

''لیڈی ڈاکٹر جس نے اس کا معائنہ کیا ہے اس کا کہنا ہے کہ اسے کئی افراد نے زیادتی کا نشانہ بنایا ہے اور اسے بھرپور توجہ اور نفسیاتی ٹریٹ منٹ کی ضرورت ہے ورنہ وہ خودکشی بھی کر سکتی ہے۔''

''ہم یہ دونوں چیزیں اسے نہیں دے سکتے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اس کا باپ ساتھ ہے شاید وہ اسے سنبھال لے۔ لیڈی ڈاکٹر نے کوئی مسئلہ تو کھڑا نہیں کیا؟''

''نہیں وہ سمجھدار تھی اسے معلوم تھا پولیس تک کیس لے جانے کی صورت میں اسے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ویسے باپ سے زیادہ ایسے سوا قعوں پر ماں کام آتی ہے لیکن وہ بھی دنیا سے جا چکی ہے۔''

''یہ کیسے بچ گئی..... جب کہ اس کی ماں اور بہن کو وہ مار کر گئے تھے؟''

وسیم نے وضاحت کی۔ ''لڑکی کا کہنا ہے اس پر عبدل نے گولی چلائی تھی لیکن نشانہ خطا گیا اور گولی اس کے پہلو کے پاس سے گزر کر زمین پر لگی تھی۔ عبدل سمجھا گولی نشانے پر لگی ہے اس نے چیک نہیں کیا اور اسی وجہ سے شازیہ کی جان بچ گئی اس کا کہنا ہے کہ اس کی ماں اور چھوٹی بہن کو بھی عبدل نے گولی ماری تھی۔ ان ماں بیٹیوں کی بے حرمتی میں عبدل اور اسلم برابر کے شریک تھے۔''

''ایسا لگتا ہے وہ صابر سے کسی بات پر پہلے سے خار کھائے بیٹھا تھا اسے موقع ملا تو اس نے بدلہ لے لیا۔''

''ہم کو بھی ایسا ہی لگتا ہے۔'' بیتو بولا۔ ''کیسا اکڑ رہا تھا کتے کا بچہ۔''

''یہ دونوں قاتل اور مجرم ہیں ان کے لیے کوئی معافی نہیں ہے۔'' وسیم نے کہا تو میں نے اس کی تائید کی۔



''بالکل ان سے کام کی باتیں اگلوا کر ان کا پارسل بنا کر مرشد کو بھیج دیں گے۔ وہ جیسے چاہے ان کا کرم کرے۔''

عبداللہ اور وسیم کل کے منصوبے کے لیے تبادلہ خیال کرنے لگے اور میں اوپر آیا۔ کئی دن سے میری سو سے بات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس کا موبائل نمبر ملایا۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی اور دھڑکتے لہجے میں بولی ''ہیلو..... کون؟''

''بوجھو تو جانیں۔'' میں نے جان کو آواز بدلی لیکن اس نے پہچان لیا۔

''آپ۔'' وہ کھل اٹھی تھی۔ ''کتنی لمبی عمر ہے آپ کی ابھی میں آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔''

میں نے شرارت سے کہا۔ ''اچھا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میرے بارے میں نہ سوچ رہی ہو؟''

وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی۔ ''ہاں یہ تو میں نے خیال ہی نہیں کیا میرا شاید ہی کوئی پل آپ کی سوچ سے خالی جاتا ہو۔''

''اور یہاں جب فرصت ملتی ہے صرف تمہارا ہی خیال آتا ہے۔''

''شہباز میں آپ کے بارے میں بہت سوچتی ہوں اور بہت دعا مانگتی ہوں اس کے باوجود میرا دل ڈرتا ہے۔''

''اپنے دل کو سمجھاؤ.....'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''جو میرے نصیب میں لکھا ہے اس سے زیادہ یا اس سے کم کچھ نہیں ہوگا۔''

''میں کیا کروں..... اندر سے کمزور ہوں۔'' وہ رو دی۔ ''شہباز کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں سب چھوڑ کر یہاں سے کہیں دور چلے جائیں۔''

''بس ہم دونوں..... ؟'' میں نے کہا تو وہ چپ ہوگئی کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ میرا کیا مطلب ہے۔ اس نے سرد آہ بھری۔

''ٹھیک کہا آپ نے معاملہ صرف ہم دونوں کا نہیں ہے میں شاید خودغرض ہو کر سوچنے لگی ہوں۔''

''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے ہم سب ایک ایسی دلدل میں پھنس گئے ہیں جس سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا ہے بس اللہ ہی ہماری مدد کرنے والا ہے۔''

''مجھے اللہ سے امید ہے وہ ہمارے لیے بہتر کرے گا۔'' سویرا بولی اس نے زبردستی لہجہ شگفتہ کر لیا تھا۔ ''آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے جب مجھ سے بات کرتے ہیں میں رو دیتی ہوں۔''

''میں یہی سوچ کر کال کرتا ہوں کیونکہ تم کسی اور سامنے نہیں رو سکتی ہو صرف میرے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی ہو۔''

''آپ مجھے اتنا جانتے ہیں؟'' اس نے کسی قدر تعجب سے کہا۔

''ہاں جیسے میں خود کو جانتا ہوں۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''ایسے ہی تم کو جانتا ہوں۔''

''آپ ٹھیک ہیں نا اپنا خیال رکھتے ہیں؟'' اس نے شرما کر موضوع بدل دیا۔ ''آپ کی صحت کیسی ہے؟''

''ہاں رکھتا ہوں تمہاری خاطر اور صحت پہلے سے بہتر ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کل حویلی میں دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خواتین کی سعدیہ اور مونا کا اضافہ ہو جائے گا۔ سفیر بھی وہیں آ کر رہے گا۔ سفیر اور مونا کے لیے ایک کمرہ سیٹ کر دینا۔"

"بیچ میں۔" اس نے خوشی سے کہا۔

"ہاں میں نے سوچا ہے کہ ان خواتین کی وہاں زیادہ بہتر حفاظت ہو سکے گی۔ مونا امید سے ہے اسے دیکھ بھال، آرام اور بہترین غذا کی ضرورت ہے۔"

"اچھا اس لیے سفیر بھائی بھی آ رہے ہیں۔"

"ہاں، بابا کیا کر رہے ہیں؟"

"بابا آج کل مصروف رہتے ہیں پیچھے کی طرف جو زمین ہے اس کو ہموار کرا لیا ہے اور اس پر کچھ کاشت کار بھی بٹھا دیئے ہیں وہ اپنے کچے پکے مکان بنا رہے ہیں۔"

"وہ صرف کاشت کار ہیں؟"

"نہیں وہ سب فوج سے ریٹائر ہیں اور ان کے پاس اسلحے کا لائسنس بھی ہے وہ پیچھے کی طرف سے حویلی حفاظت بھی کریں گے۔" سویرا نے تفصیل سے ان کے بارے میں بتایا۔ "حویلی کی حفاظت کے لیے اب چھ آدمی ہیں۔"

میرا اندازہ تھا کہ ان سارے انتظامات پر ہر مہینے لاکھ سے زیادہ ہی خرچ آ رہا ہوگا۔ بابا دولت مند تھے لیکن اتنا خرچ کرنا ان کے لیے بھی ذرا مشکل ہی تھا۔ میں نے سویرا سے اس بارے میں پوچھا تو وہ بولی۔ "نہیں بابا کے پاس رقم ہے آپ جانتے ہیں وہ کھل کر خرچ کرتے ہیں لیکن فضول خرچی اور بے جا نمائش سے چڑتے ہیں اس لیے ان کی آمدنی ہمیشہ خرچ سے زیادہ رہی ہے میں نے بھی بابا سے یہی بات کہی تھی۔ اپنی زمین اور دولت بابا کو پیش کی تھی۔"

"پھر جھاڑ کھائی ہوگی؟"

"ایسی ویسی ..... سچ میں مزہ آ گیا تھا۔ بابا نے زندگی میں پہلی بار مجھ پر غصہ کیا۔ بہرحال جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے پاس رقم ہے۔ انہوں نے بنک انٹیمنٹ بھی دکھائی تھیں۔"

میں نے سکون کا سانس لیا۔ "یہ اچھی بات ہے میں نے سوچا ہے جہاں میں بزنس کر رہا تھا۔ وہ جگہ بیچ دیتا ہوں بزنس تو ختم ہو گیا لیکن جگہ کی قیمت مل جائے گی۔"

"بالکل نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "جب حالات ٹھیک ہوں گے اور ہم دوبارہ نارمل لائف کی طرف آئیں گے تب ہم اسی جگہ سے دوبارہ کام شروع کریں گے۔"

اس نے واضح کیے بغیر بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ اس زندگی میں میرا ساتھ دے گی۔ سویرا کے بعد میں نے ماں جی سے بات کی سردی کم ہونے سے ان کے جوڑوں کا درد بھی کم ہوا تھا۔ بھائی جان ان کے لیے ایک مساج مشین لائے تھے جس سے انہیں بہت فائدہ ہوا تھا اور ان کی یہ سردیاں سکون سے گزری تھیں۔ ماں جی کے بعد بابا سے بات ہوئی۔ انہوں نے میرے فیصلے سے مکمل اتفاق کیا کہ خواتین کو حویلی منتقل کر دینا چاہیے۔ آپا اور شمی سے مختصر بات کے بعد میں نے فون بند کیا تو اپنی کیفیت پر حیران رہ گیا میں اندر سے بہت خوش اور پُرسکون تھا۔



جب کہ کچھ دیر پہلے میں ایک بڑی کامیابی حاصل کرنے کے باوجود اندر سے ٹینس اور فکرمند تھا۔ آدھے پون گھنٹے کے لیے میرا ماحول بدل گیا تھا اور میں حویلی پہنچ گیا تھا۔ میں نے صابر کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ ان دونوں باپ بیٹی کو ایک کمرہ دے دیا گیا تھا۔ صابر نے دروازہ کھولا۔ اس کے سر پر دو جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں جہاں عبدل اور اسلم نے ضربیں لگائی تھیں لیکن نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر وہ بہتر لگ رہا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" میں نے کہا تو اس نے بیڈ پر سوئی شازیہ کو دیکھا۔ "اس کی حالت کیسی ہے؟"

"بہتر ہے ڈاکٹر نے اسے چند دن مکمل آرام کرنے اور دواؤں کے زیر اثر رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔" اس نے کہا اور باہر نکل آیا۔ اوپری منزل پر بھی ایک چھوٹا سا لاؤنج تھا ہم وہیں آ گئے۔ "کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ "مرشد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس کا چہرہ تن گیا۔ "اگر مجھے اپنی زندگی دس بار قربان کر کے ایک بار اسے مارنے کا موقع ملے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔"

"کیا تم اسے اتنا آسان سمجھتے ہو؟"

"نہیں میں جانتا ہوں وہ درجنوں مسلح اور چوکس محافظوں کے حصار میں رہتا ہے اور کوئی شخص اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا ہے لیکن میں اب تک سمجھ نہیں سکا ہوں کہ اس سے تمہاری کیا دشمنی ہے۔"

"پرانی دشمنی نہیں ہے یہ سال پرانا قصہ بھی نہیں ہے میرا نام ملک شہباز ہے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ "تم..... شہباز ہو..... میرے خدا..... تمہیں مرشد کے سارے دشمن اور دوست جانتے ہیں۔"

"ہاں میں وہی شہباز ہوں۔ وہ مجھے اپنے بھائی نادر کی معذوری کا سبب سمجھتا ہے اور وہ میرے بھائی میجر شاہد کا قاتل ہے لیکن تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"تم یوں مشہور ہو کہ مرشد تم پر قابو نہیں پا سکا۔ اس نے تمہارے ہاتھوں نقصان اٹھائے ہیں۔ ورنہ اس علاقے میں کوئی اس سے دشمنی کر کے رہ نہیں سکتا ہے۔"

"تمہارے گھر والوں کے ساتھ جو ہوا مجھے اس کا افسوس ہے میں نے تمہارے دو مجرم پکڑ لیے ہیں فی الحال میں ان سے مرشد کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا ہوں۔"

"تم انہیں میرے حوالے کر سکتے ہو؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں لیکن بدلے میں مجھے تم سے کیا ملے گا؟"

"دیکھو میں تمہارے کام آ سکتا ہوں جیسے میں نے خانقاہ میں جانے والے خفیہ راستے کے بارے میں بتایا اس طرح میں مرشد کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔"

"اس کے بارے میں، میں خود بھی بہت کچھ جانتا ہوں مجھے مہرو کی تلاش میں تمہاری مدد درکار ہے۔"

"اگر تم مرشد کے خلاف میری مدد کرو تو میں اس عورت کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دوں گا۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "بھول جاؤ کہ اب تم کبھی آزادانہ کچھ کر سکو گے میرا تو مشورہ ہے تم اپنی بیٹی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے کر یہاں سے نکل جاؤ بلکہ ملک سے بھی باہر چلے جاؤ۔''

''تب میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''تمہارے پاس مہرو سے متعلق جو بھی معلومات ہوں وہ مجھے دے دو باقی میں خود دیکھ لوں گا۔''

اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔''تمہیں اس عورت کی تلاش کیوں ہے؟''

''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔''یوں سمجھ لو کہ میں اسے مرشد کی گرفت میں آنے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''میں اس کے بارے میں جو جانتا تھا وہ تمہیں بتا چکا ہوں ہاں اگر تم چاہو تو میں خود کشمیر تک جا کے اسے تلاش کر سکتا ہوں وہاں میرے روابط ہیں یہ کام میرے لیے آسان ہے۔''

اس کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر وہ مہرو کی تلاش کا ذمہ اٹھا لیتا تو میں اپنی توجہ دوسرے کاموں کی طرف لگا سکتا تھا۔ مگر اس کی شرط تھی کہ میں مرشد کے خلاف اس کا ساتھ دوں۔''

''تم مرشد کے خلاف کس قسم کی مدد چاہتے ہو؟''

''میں اسے فنا کر دینا چاہتا ہوں۔'' اس نے شعلہ فشاں لہجے میں کہا۔''اس کے لیے مجھے اپنی جان بھی دینا پڑے تو میں اسے سستا سودا سمجھوں گا۔''

''تم جانتے ہو یہ کام آسان نہیں ہے دوسرے میں انتقام برائے انتقام کا قائل نہیں ہوں۔ مرشد میرے بھائی کا قاتل ہے اور ایک بار موقع آیا جب میں دنیا سے اس کا وجود مٹا سکتا تھا لیکن میں نے ایسا کرنے سے گریز کیا۔''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔''جب تمہیں موقع ملا تھا تو تم نے اس کا فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔''

''میں نے کہا نا میں صرف انتقام لینے کا قائل نہیں ہوں۔ میں کوئی مجرم یا پیشہ ور قاتل بھی نہیں ہوں جو لوگوں کو قتل کرتا پھروں۔''

اس نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔''پھر مرشد کے خلاف تمہاری اس جدوجہد کا فائدہ... تم اسے موقع دیتے رہو گے لیکن جب اسے موقع ملا تو وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرے گا۔''

میں مسکرایا۔''ایسا نہیں ہے میں بھی کئی بار مرشد کی گرفت میں آیا لیکن وہ مجھے رعایت دینے پر مجبور ہوا ہمارے درمیان کچھ اس قسم کی دشمنی ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کی جان لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تم اس بات کو نہیں سمجھو گے۔ بہرحال اگر تم مرشد کو خودکش انداز میں ہلاک کر کے اپنے گھر والوں کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔''

''تب تم مجھے بے کار میں یہاں لائے۔'' وہ مایوسی سے بولا۔

''نہیں بے کار میں تو نہیں لایا میں تمہیں مرشد کے ہاتھوں جانے سے بچانا چاہتا ہوں مجھے اندازہ تھا کہ تم جذباتی ہو کر اس کا رخ کرو گے اور انجام کار پکڑے جاؤ گے یا مارے جاؤ گے اگر پکڑے گئے تو میرا نام بھی لے دو گے اس طرح مرشد کو پتا چل جائے کہ کالی کوٹھی کی تباہی میرے ہاتھوں ہوئی ہے اور فی الحال میں ایسا نہیں چاہتا۔''



''تم نے کوٹھی کیوں تباہ کی؟''

''وہاں کوئی ایسا ریکارڈنگ سسٹم تھا جو آوازیں ریکارڈ کرتا ہے اور ہمارے پاس وقت نہیں تھا اسے تلاش کرنے کا اس لیے کوٹھی میں آگ لگا دی۔ یہ کہ کوٹھی میں بڑی مقدار میں گولہ بارود بھی تھا آگ اس تک پہنچی اور پوری کوٹھی دھماکے سے تباہ ہو گئی۔''

''وہ مرشد کا بہت اہم ٹھکانہ تھا اس کی تباہی نے اسے دیوانہ کر دیا ہوگا۔'' اس نے کہا۔''میری بیوی اور بیٹی اسی دیوانگی کی بھینٹ چڑھ گئی۔''

میں اس سے کہہ نہیں سکا کہ یہ مکافاتِ عمل تھا۔ اس نے جو بویا تھا اسے وہی کاٹنا پڑا تھا لیکن میں دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ صابر اس صدمے سے سنبھل گیا ہے اور وہ کسی فکر میں ہے۔ شروع میں اس کے لہجے میں مرشد کے لیے جو آتش فشانی تھی وہ اب باقی نہیں رہی تھی۔ شاید اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ مرشد کے مقابلے میں بہت معمولی حیثیت کا بدمعاش تھا جو نقصان ہو چکا تھا وہ اس سے زیادہ نقصان نہیں چاہتا تھا اور اس کی بہترین صورت یہ تھی کہ وہ مرشد سے دور رہے اس سے انتقام کا چکر بھول جائے۔ ابھی وہ مجھ سے مرشد سے بدلہ لینے کے سلسلے میں تعاون کی بات کر رہا تھا تو مجھے اس کا لہجہ مصنوعی لگا تھا۔ اس کے انداز میں تبدیلی نے مجھے چونکا دیا تھا۔

''ابھی تو تم کچھ دن آرام کرو اس کے بعد سوچا کہ تم نے کیا کرنا ہے۔''

''کیا میں باہر جا سکتا ہوں؟'' اس نے بہ ظاہر سرسری انداز میں پوچھا

میں نے انکار کر دیا۔''نہیں ابھی مرشد کے آدمی پاگلوں کی طرح پورے شہر میں تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے تمہارا اور شازیہ کا باہر جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

میں کھڑا ہو گیا۔''اب تم آرام کرو لیکن بلاضرورت کمرے سے باہر آنے کی کوشش مت کرنا جس چیز کی ضرورت ہو وہ مہیا کر دی جائے گی۔''

''میں اس پناہ کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔'' اس نے جیسے سوچ کر کہا۔''تم نے میرے لیے جو کیا ہے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔''

اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ میں نے اس کے لیے کیا کیا تھا کیا وہ اپنے گھر کی تباہی کے حوالے سے یہ بات کر رہا تھا مجھے اس کا ذمے دار قرار دے رہا تھا۔ یک لخت میں نے محسوس کیا کہ اسے یہاں لانا میری غلطی تھی اس کے بجائے وسیم اسے شہر سے باہر کہیں چھوڑ آتا جہاں وہ جان بچانے کے لیے مرشد سے دور جا سکتے تھے۔ اب وہ ہمارا یہ ٹھکانہ دیکھ چکا تھا بے شک اسے اس کے درست محل وقوع کا علم نہیں تھا لیکن ایک بار وہ یہاں سے نکل جاتا تو اس کے لیے فارم ہاؤس کی لوکیشن دیکھنا مشکل نہیں ہوتا۔ میں اسے کمرے تک لایا اور جب اس نے اندر سے دروازہ بند کیا تو میں نے باہر سے بھی کنڈی لگا دی۔ کنڈی میں نے بلند آواز کے ساتھ لگائی تھی تاکہ اسے بھی پتا چل جائے۔ فوراً ہی اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی اور ناکامی پر چلایا۔

''شہباز یہ کیا حرکت ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تمہاری حفاظت کے لیے ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے اس لیے آرام کرو۔''

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں سنے بغیر نیچے آ گیا۔ عبداللہ سفیر کو لے کر جا چکا تھا۔ وسیم ٹی وی دیکھ رہا تھا اس نے میری طرف دیکھا۔ ''کیا کہہ رہا ہے صابر.....''

میں اس کے پاس صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ ''مجھے اس کی نیت میں فتور نظر آ رہا ہے۔''

''مجھے بھی محسوس ہوا ہے اپنے گھر میں جب وہ صدمے میں تھا تو سچ مچ مرشد کے خلاف بول رہا تھا لیکن یہاں آنے کے بعد مجھے لگا جیسے اس کا لہجہ مصنوعی ہو گیا ہے اور وہ صرف ہمیں سنانے کے لیے مرشد کے خلاف بات کر رہا ہے۔''

''یہی چیز میں نے بھی محسوس کی اور اسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مرشد سے ڈر گیا ہے اور اب اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ بات ہمیں کہتے ہوئے ڈرتا ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ بیٹی کو لے کر کہیں بھاگ جائے گا؟''

''ہو سکتا ہے لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ وہ اسے ہمارا کیا دھرا سمجھ کر مرشد کے پاس دست بستہ حاضر ہو جائے۔''

''ہمارا کیا دھرا.....؟''

''مطلب کہ ہماری وجہ سے مرشد نے یہ کارروائی کی ہے اس لیے وہ ہمیں قصوروار سمجھ رہا ہے۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''اگر اس نے یہ حماقت کی تو مرشد کا کام آسان ہو جائے گا وہ اس کی بیٹی کو تو زندہ رکھے گا اور اسے اپنے جلادوں کے حوالے کر دے گا۔''

''ابھی اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے۔ ایک خطرہ اور ہے وہ مرشد کو ہمارے بارے میں بھی بتا دے گا تاکہ مرشد اسے معاف کر دے۔''

''تب یہ بات یقینی ہے وہ زیادہ سے زیادہ نمبر بنانے کی کوشش کرے گا۔''

''اس لیے ابھی اسے قید رکھنا ہے کل ان لوگوں کی روانگی کے بعد اس کا فیصلہ کریں گے۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے سوچا ہے کہ ہمیں ایک ایسا ٹھکانہ مزید تلاش کرنا چاہیے جو پنڈی اور اسلام آباد کے نزدیک ہو اور ہم وہاں سے با آسانی ہر جگہ جا سکیں۔''

''مل جائے گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''کیا اسے مرشد کے خلاف استعمال کریں گے؟''

''ہاں اس کے سارے ٹھکانے ان دونوں شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ صابر نے خانقاہ مرشدیہ کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں ہم ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''

وسیم فکرمند ہو گیا۔ ''کیا ہم اتنے بڑے اڈے میں گھس کر کوئی کارروائی کر سکیں گے؟''

''کوشش کی جا سکتی ہے ہمیں اسے سبوتاژ کرنا ہے اس لیے اندر گھس کر مارو اور بھاگو والی پالیسی پر عمل کریں گے۔ مرشد کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا ہو گا کیونکہ یہ اڈہ اس کا مرکزی مقام ہے۔''

ٹی وی پر ہیڈ لائن آنے لگیں۔ مرشد کا نام آیا تو ہم چونکے تھے۔ خبر کے مطابق مرشد نے حکومت سے



علیحدگی کا اعلان کرتے ہوئے ایک سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی تھی وہ ابھی تک آزاد امیدوار کی حیثیت سے سیاست کے میدان میں تھا لیکن اس نے آنے والی سیاست کا رخ بھانپتے ہوئے یہ چال چلی تھی۔ مرشد نے کوئی نیا کام نہیں کیا تھا ہمارے اکثر سیاست دان ساری عمر یہی ڈھائی گھر کی چال چلتے رہتے ہیں تاکہ ان کا سفر اقتدار کی سڑک پر رہے اور وہ اپوزیشن کی صفوں سے بچ سکیں۔ بہرحال یہ ایک اچھی خبر بھی تھی کیونکہ اب مرشد حکومت کی چھتری سے محروم ہو گیا تھا اگرچہ اس سے اس کی ذاتی قوت اور اثر و رسوخ پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا کیونکہ یہ سب اس کے باس جدی پشتی تھا۔ اس نے اس میں مزید اضافہ کیا تھا۔

''یہ حرامزادہ اب پٹری بدل کر اس پارٹی میں آ گیا جس کے آنے والے الیکشن جیتنے کے امکانات روشن ہیں۔''

''ظاہری بات ہے پارٹی کو بھی جیتنے والے امیدوار چاہئیں اور اپنے علاقے سے مرشد کی سیٹ پکی ہے۔ بلکہ وہ دو صوبائی نشستیں بھی حاصل کر سکتا ہے۔''

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ ''یہ وقت آنے سے پہلے ہمیں مرشد کے خلاف کچھ کرنا ہو گا ورنہ وہ مزید طاقتور اور مزید بے لگام ہو جائے گا۔ اس کی کامیابی ہماری ناکامی ہو گی۔''

''وسیم ہمیں مرشد کے خاندان کے دوسرے لوگوں سے بھی رابطہ کرنا چاہیے جو اندر ہی اندر اس کے خلاف ہیں لیکن گدی اس کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف کچھ کرنے سے قاصر ہیں۔''

''یہ اچھا آئیڈیا ہے۔'' وسیم بولا۔ ''مرشد کے خاندان کے دوسرے لوگوں تک ہماری رہنمائی کرنے والا فرد بھی ہمارے پاس موجود ہے۔''

''رائٹ۔'' میں نے چٹکی بجائی۔ ''صابر سے زیادہ اچھی طرح اس خاندان کو اور کون جانتا ہو گا۔''

''لیکن اگر اس کا ذہن پھر چکا ہے تو وہ اتنی آسانی سے نہیں بتائے گا۔ بلکہ ممکن ہے ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے۔''

''ہم اتنی آسانی سے گمراہ ہونے والے لوگ نہیں ہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بہرحال ان سارے مسائل سے سفیر اور خواتین کی روانگی کے بعد نمٹیں گے۔ صبح کا کیا پروگرام ہے؟''

''صبح چھ بجے عبداللہ فلائٹ کا وقت کنفرم کرے گا اور اس کے فوراً بعد وہ کوٹھی سے روانہ ہو گا۔ میں یہاں سے پہلے ہی پہنچ جاؤں گا اور میرے آدمی اس سے بھی پہلے ایئر کلب کے آس پاس موجود ہوں گے کوئی مشکوک فرد ان کی نظروں سے بچ نہیں سکے گا۔''

یہ حفاظتی انتظامات ٹھیک تھے لیکن میرا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ پہلے طے ہوا تھا کہ میں نہیں جاؤں گا۔ دوپہر کا کھانا اچھا خاصا بچا ہوا تھا رات کو بھی وہی گرم کر کے چلایا۔ کھانے کے دوران میں نے فیصلہ کر لیا۔ ''صبح میں بھی چلوں گا۔''

''مرضی آپ کی لیکن یہاں پیچھے کون رہے گا؟''

''بیتو ہو گا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو وہ سنبھال لے گا۔ وہ اپنے ساتھ مانی کی حفاظت بھی کر سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب ٹھیک ہے۔'' وسیم نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''صبح جلدی اٹھنا ہے اور فریش ہونا ہے اس لیے میری طرف سے گڈ نائٹ۔''

''گڈ نائٹ۔''

○.....❖.....○

کھانے کے بعد میں چہل قدمی کرنے باہر نکل آیا۔ بارش کے بعد سردی میں دوبارہ شدت آ گئی تھی لیکن یہ اچھی لگ رہی تھی۔ بیتو اور مانی اسٹڈی میں گھسے نہ جانے کیا کر رہے تھے انہوں نے کھانا بھی پہلے ہی کھا لیا تھا۔ بیتو نے صابر اور شازیہ کو اوپر کھانا پہنچا دیا تھا سب کو پتا چل گیا تھا کہ اب ان کی حیثیت قیدی کی سی ہے۔ کل مونا اور سعدیہ حویلی چلی جاتیں اور اس کے بعد نہ جانے ان سے کب ملاقات ہوتی مجھے خیال آیا کہ میں ابھی جا کر ان سے مل لوں لیکن یہ احتیاط کے خلاف ہوتا۔ عبداللہ کی کوٹھی ہمارے تمام دشمنوں کی نگاہ میں آ چکی تھی۔ خود عبداللہ بہت احتیاط سے وہاں آمد و رفت کرتا تھا۔ اگر کوٹھی کی نگرانی ہو رہی تھی تو یقیناً نئے آنے جانے والوں پر نظر رکھی جاتی ہو گی۔ اس کا بھی امکان تھا کہ مرشد یا فتح خان کے آدمی صرف میرے لئے وہاں نظر رکھے ہوئے ہوں جیسے ہی میں نظر میں آؤں وہ حرکت میں آ جائیں۔

کچھ دیر بعد میں اندر آیا وقت گزاری کے لیے ٹی وی کھول لیا مگر اس میں بھی ہر جگہ سے بوریت زدہ پروگرام آ رہے تھے۔ اس لیے ٹی وی بند کر کے اخبار اٹھا لیا۔ سفیر روز باہر سے آتے ہوئے تازہ اخبارات لیتا آتا تھا۔ آج وہ اردو کا ایک معروف اخبار لایا تھا۔ اتفاق سے اتوار کا دن تھا اس لیے ایڈیشن بڑا تھا۔ میں نے ذرا دیر میں سارا اخبار دیکھ لیا۔ پھر اشتہارات والا حصہ دیکھنے لگا۔ اچانک ہی مکانات اور جائیداد والے حصے میں ایک اشتہار نے میری توجہ حاصل کر لی۔ یہ راول چوک سے آگے مین مری روڈ پر کسی مکان کو کرائے پر دینے کا اشتہار تھا مالک باہر جا رہا تھا اور کوٹھی کو مکمل فرنش حالت میں سال بھر کے لیے کرائے پر دے رہا تھا۔ کرایہ پچاس ہزار روپے ماہانہ تھا اور پورے سال کا کرایہ ایڈوانس دینا تھا یعنی چھ لاکھ روپے اور چار لاکھ سیکورٹی تھی یعنی دس لاکھ روپے ادا کرنے تھے۔

ایک کنال پر بنی اس کوٹھی میں دو منزلہ عمارت تھی جس میں اوپر تین بیڈ روم اٹیچ باتھ کے ساتھ۔ نیچے ایک بیڈ روم، ایک ڈرائنگ اور ایک ڈائننگ روم تھا۔ کچن ایک ہی تھا۔ آگے اور پیچھے مختصر لان بھی تھے۔ پورچ میں دو سے تین گاڑیاں کھڑی کرنے کی گنجائش تھی۔ گھر تمام سہولتوں سے آراستہ تھا ٹھنڈے گرم پانی کی لائنیں تھیں۔ مجھے یہ اشتہار دلچسپ لگا۔ ہمیں ایک ٹھکانے کی اور ضرورت تھی۔ میں نے اشتہار میں دیئے نمبر پر کال کی۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے مردانہ آواز نے کہا۔ ''افنان احمد بات کر رہا ہوں۔''

''شہباز ملک..... آپ نے اخبار میں اشتہار دیا۔ اس سلسلے میں بات کرنی ہے۔''

''فرمایئے جناب۔'' آدمی نے پڑھے لکھے اور مہذب لہجے میں کہا۔

''مجھے ایک مکان کرائے پر درکار ہے۔ تقریباً اتنا ہی بڑا جتنا آپ نے اشتہار میں بتایا ہے۔''

''آپ آ کر دیکھ لیں..... لیکن خیال رہے کہ یہ رہائشی مکان ہے اسے کسی تجارتی یا معاشی مقصد سے استعمال نہیں کرنا ہے۔''



''مجھے رہائشی مقصد کے لیے ہی درکار ہے۔ میری ایک چھوٹی سی فیملی ہے۔'' میں نے غلط بیانی سے کام لیا۔

''ٹھیک ہے آپ آ کر دیکھ لیں اور مناسب سمجھیں تو ایگری منٹ سائن کر لیں۔ اپنا اصل شناختی کارڈ ساتھ لیتے آیئے گا۔''

میرا اصل شناختی کارڈ اور دوسری دستاویزات عبداللہ کے پاس موجود تھیں میں احتیاطاً اپنے پاس نہیں رکھتا کیونکہ میں آئے دن دشمنوں کے ہاتھوں اٹھتا رہتا ہوں۔ اس لیے اب اپنے پاس سوائے موبائل اور نقد رقم کے کچھ نہیں رکھتا ہوں۔ ''ٹھیک ہے میں کل آپ سے وقت لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔''

''صبح دس سے رات دس بجے تک۔'' افنان احمد نے کہا۔ ''میں ابھی اسی کوٹھی میں مقیم ہوں۔ ہاں ایک بات اور ہے آپ سوچ کر آیئے گا کہ کرایہ اور دوسری شرائط حتمی ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔''

''کرایہ اور شرائط مناسب ہیں۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ یہ اچھا ہوا کہ ایک اہم کام بیٹھے بٹھائے ہو گیا۔ میں نے انگڑائی لی اور گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے بارہ بج گئے تھے۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ آرام کر لوں تاکہ صبح فریش اٹھوں۔ جانے سے پہلے میں نے اسٹڈی میں جھانکا تو مانی اور بیتو بڑے سائز کے ایل سی ڈی پر مووی دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے وائرلیس ہیڈ فون لگا رکھے تھے اس لیے انہیں کچھ کہنا بیکار تھا۔ وہ سنتے ہی نہیں۔ انہوں نے مخصوص عینکیں بھی لگا رکھی تھیں شاید یہ تھری ڈی ایل سی ڈی تھا اور یقیناً حال ہی میں لیا گیا تھا کیونکہ اس سے پہلے میں نے یہ ایل سی ڈی ٹی وی نہیں دیکھا تھا۔ میں دروازہ بند کر کے اوپر آیا۔ کچھ دیر صابر اور شازیہ والے کمرے کے باہر سن گن لیتا رہا لیکن وہ سو چکے تھے۔ اندر خاموشی طاری تھی۔ وسیم بھی سو چکا تھا۔ میں اپنے کمرے میں آیا۔ کپڑے بدل کر ہلکا نائٹ سوٹ پہنا اور کمبل میں گھس گیا۔ کچھ دیر بعد میں گہری نیند سو چکا تھا۔

صبح پانچ بجے وسیم نے دروازے پر دستک دی میں نے بیدار ہو کر کہا۔ ''آ جاؤ یار۔''

اس نے اندر جھانکا۔ ''میں تیار ہو رہا ہوں..... آپ بھی اٹھ جائیں..... میرے ساتھ چلیں گے یا الگ سے جائیں گے؟''

''میں الگ سے جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے عبداللہ ہیلی کاپٹر کے لیے کال کر چکا ہے۔ ایک گھنٹے بعد کنفرم ہو جائے گا۔''

میں نے اٹھ کر گرم پانی سے غسل کیا۔ دوسرے کپڑے نکالے۔ جوتوں میں لیدر شوز کے بجائے سنتھیٹک ربر کے جاگر منتخب کیے۔ بھاگ دوڑ کے لیے یہ بہترین جوتے تھے۔ نیچے آیا تو وسیم نکل رہا تھا اس نے کافی کا مگ میرے سامنے رکھا۔ ''میرے آدمی ائیر کلب کے آس پاس پہنچ رہے ہیں میں بھی جا رہا ہوں۔''

میں نے مگ اٹھا لیا۔ ''میں کچھ دیر میں نکلتا ہوں۔''

وسیم کے جانے کے بعد میں نے گیٹ بند کیا اور واپس اندر آیا۔ صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ میں نے بیتو کو اٹھایا جو ہمیشہ کی طرح نشست گاہ میں سو رہا تھا مانی اسٹڈی میں پڑی لیدر کاؤچ پر سو جاتا تھا۔ ''بیتو میں ائیر کلب جا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ''شوبی بھائی ہم بھی چلے گا۔''

''نہیں تمہیں یہیں رکنا ہے اب یہاں صرف تم اور مانی ہو۔ مانی لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہے تمہیں اپنے ساتھ اس کی حفاظت بھی کرنی ہوگی۔''

''ٹھیک شوبی بھائی۔'' وہ مستعد ہوگیا۔

''بس تو اٹھ کر گیٹ بند کرو اور کوئی بھی مسئلہ ہو تو ہمیں فوراً کال کرنا..... خود اس سے نمٹنے کو کوشش مت کرنا... ٹھیک ہے؟''

''ہم سمجھ گیا شوبی بھائی..... پر ایسا ہو کہ مہلت نہ ملے تو.....؟''

''تب اپنی عقل سے کام لینا اور جو سمجھ میں آئے وہ کرنا..... پر یاد رکھنا جان سب سے اہم ہے اس کے علاوہ کچھ اہم نہیں ہے۔ اگر خطرہ محسوس کرو تو سب چھوڑ کر نکل جانا۔''

میں نے بائیک لی تھی۔ ہیلمٹ کے ساتھ میں خود کو زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔ میرے پاس پستول اور اس کے دو اضافی میگزین تھے۔ میرے خیال میں اتنا اسلحہ کافی تھا۔ عبداللہ نے مجھے اس نجی ایئر کلب کا پتا سمجھا دیا تھا ایک بار کئی سال پہلے میں نے اسے دیکھا بھی تھا جب ایک دولت مند گاہک کے لیے یہاں سے ایک چھوٹا طیارہ چارٹرڈ کرایا تھا۔ جب میں روانہ ہوا تو سورج طلوع ہو رہا تھا۔ دھند نہیں تھی اور آسمان بھی صاف تھا یعنی موسم ہر طرح سے پرواز کے لیے موزوں تھا۔ آدھے گھنٹے بعد میں ایئر کلب کے پاس تھا۔ داخلے سے پہلے انٹری گیٹ پر مجھے گارڈز نے روک لیا۔ انہوں نے مہذب لہجے میں مجھ سے کہا۔

''سرشناخت اور پاس کے بغیر آپ اندر نہیں جا سکتے۔''

''میں یہاں کسی کو سی آف کرنے آیا ہوں۔''

گارڈ نے آگاہ کیا۔ ''تب فلائیٹ چارٹرڈ کرانے والا ہی آپ کو اندر لے جا سکتا ہے۔''

میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''میں آگیا ہوں اندر آنے کے لیے پاس مانگا جا رہا ہے۔''

''آپ ایک منٹ رکیں میں آ رہا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا اور فون بند کر دیا پانچ منٹ بعد اس کی گاڑی آتی دکھائی دی۔ اس دوران میں مجھے نہ تو وسیم والی وین دکھائی دی تھی اور نہ اس کے آدمی کہیں نظر آئے تھے۔ عبداللہ نے آ کر گارڈز کو پاس دکھایا تو انہوں نے پیریڈ اٹھا کر مجھے اندر جانے کی اجازت دی تھی میں بائیک پر ہی رہا۔ عبداللہ آگے میری رہنمائی کر رہا تھا سم ایک چھوٹی سی ایک منزلہ عمارت کے سامنے رکے جس سے کچھ ہی دور ایک دیو ہیکل ہیلی کاپٹر کھڑا تھا اس کے پنکھے ساکت تھے اور دو افراد اس کی دیکھ بھال یا آخری چیکنگ میں مصروف تھے۔ ایک طرف ایک بادردی شخص ہاتھ میں کلپ بورڈ لیے دیکھ رہا تھا۔ میں بائیک سے اترا تو عبداللہ نے کہا۔ ''وہ سب اندر ہیں۔''

میں نے اس کے ساتھ اندر جاتے ہوئے پوچھا۔ ''وسیم اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟''

''وہ اندر نہیں آئے ہیں آس پاس موجود ہیں وین بھی یہاں سے کچھ دور موجود ہے اور وہ اسی سے نگرانی کر رہے ہیں۔''

مونا اور سعدیہ سفیر کے ساتھ ایک لاؤنج میں موجود تھے۔ مونا خوش تھی کیونکہ سفیر اس کے ساتھ جا رہا تھا



جب کہ سعدیہ کچھ کھچی ہوئی تھی۔ میں نے سلام دعا کے بعد اس سے پوچھا۔ ''تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''وسیم جو یہاں رہ گیا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''میں نے تو اس سے کہا تھا کہ وہ میری جگہ چلا جائے لیکن اس نے پتا ہے کیا کہا؟''

''کیا کہا؟'' سعدیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''یہی کہ بھائی اتنی مشکل سے تو جان چھوٹ رہی ہے اور تُو چاہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ چلا جاؤں۔''

''جھوٹ نہ بولیں۔'' سعدیہ نے خفگی سے کہا۔ ''وسیم ایسا نہیں کہہ سکتے۔''

سفیر نے قہقہہ مارا۔ ''لو سنو..... وہ ایسا نہیں کہہ سکتے۔''

''تنگ نہ کریا رے۔'' میں نے سفیر سے کہا اور پھر سعدیہ کو تسلی دی۔ ''تم فکر مت کرو کچھ عرصے بعد وسیم بھی حویلی کا چکر لگاتا رہے گا۔''

''ہمیں کیوں بھیج رہے ہیں؟'' مونا نے پوچھا۔

''بھئی ایک وجہ تو یہ ہے کہ عبداللہ کی کوٹھی دشمنوں کی نظر میں آ چکی ہے اس کے علاوہ کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے جہاں آپ جیسی نازک چیزوں کو رکھا جائے۔ دوسری وجہ ایک ننھا منا ہے جو ابھی اس دنیا.....''

''شوبی۔'' مونا جھینپ کر چلائی۔ ''شرم نہیں آتی؟''

''پہلے اکثر آتی تھی اب کئی کئی دن نہیں آتی۔'' میں ہنسا اور سعدیہ کی طرف دیکھا۔ ''تم کیوں شرما رہی ہو حالانکہ تمہیں شرم آنی چاہیے مونا تم سے آگے نکل گئی۔''

''شوبی بھائی۔'' سعدیہ نے احتجاج کیا۔ ''آپ واقعی بے لگام ہو گئے ہیں۔''

''ظاہر ہے لگام دینے والی جو دور ہے۔'' مونا بولی۔

''ٹھیک کہا تم نے بی بی..... تم دونوں نے تو ٹھیک سے لگام دے رکھی ہے ان بے چاروں کو۔''

عبداللہ ہیلی کاپٹر کے معاملات دیکھنے چلا گیا تھا۔ وہاں صرف میں اور سفیر تھے اس لیے وہ دونوں شرمانے کے ساتھ اس مذاق کو بھی انجوائے کر رہی تھیں۔ سفیر نے بتایا۔ ''یہ کل پینتیس منٹ کی پرواز ہے۔ حویلی میں بات ہوگئی ہے تیرے ابا جی نے حویلی کے سامنے والے حصے کو صاف کرا کے وہاں عارضی ہیلی پیڈ بنوا دیا ہے۔''

سفیر کے ساتھ جانے کے باوجود مونا بھی اداس تھی اور سعدیہ کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے ذرا بھی چھیڑا گیا تو وہ رو دے گی۔ اس لیے میں ہنسانے والی باتیں کر رہا تھا سعدیہ کو چھیڑا کہ مونا اس سے آگے نکل گئی ہے وہ شرمائی اور جھنجھلائی لیکن اس کا موڈ خوشگوار ہوگیا تھا۔ پرواز ٹھیک سات بجے روانہ ہوتی۔ اس کے لیے روٹ اور بلندی کی اجازت لے لی گئی تھی۔ ابھی چھ بج کر پچاس منٹ ہوئے تھے۔ ان لوگوں کا سامان ہیلی کاپٹر میں لاد دیا گیا تھا۔ میں باہر آ گیا۔ ایئر کلب کے آس پاس زیادہ تر کھیت تھے اور ہموار زمین تھی صرف شمال کی طرف کچھ چھوٹی پہاڑیاں تھیں جن کے پیچھے دور تک اونچی ہوتی پہاڑیاں چلی گئی تھیں ایک طرح سے یہ میدانی جگہ کی آخری حد اور پہاڑیوں کا آغاز تھا۔

میں نے چاروں طرف معائنہ کیا۔ اتنی صبح کے وقت ایئر کلب تقریباً ویران تھا۔ ایک طرف کچھ ہیلی کاپٹرز اور چھوٹے طیارے کھڑے تھے۔ یہاں ایئر کنٹرولر کا بندوبست نہیں تھا اس کے لیے اسلام آباد یا اس ریجن کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایئر ٹریفک کنٹرولر سے اجازت لینا پڑتی تھی۔ طیاروں کے لیے رن وے بہت سادہ اور بغیر روشنیوں کا تھا یعنی اسے صرف دن میں استعمال کیا جا سکتا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا نجی ایئر کلب تھا جس میں دولت مندوں کے ذاتی طیارے اور ہیلی کاپٹر کھڑے تھے۔ یا کرائے پر چارٹرڈ ہونے والے طیارے اور ہیلی کاپٹر موجود تھے۔ طیارے تمام پروں والے اور دو یا چار نشستوں کے تھے۔ اس قسم کے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کے لیے زیادہ جدید مواصلاتی آلات، تنصیبات یا کسی بڑے لمبے چوڑے ایئر پورٹ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے یہ چھوٹی سی جگہ سے بھی پرواز کر سکتے ہیں اور اتر سکتے ہیں۔

میں ہیلی کاپٹر کے پاس آیا جہاں عبداللہ فلائنگ سوٹ میں ملبوس اسی شخص سے بات کر رہا تھا جسے میں نے کلب بورڈ کو دیکھتے پایا تھا۔ وہ عبداللہ کو ہاتھ میں موجود کلا بورڈ کی مدد سے کچھ حساب کتاب سمجھا رہا تھا۔ عبداللہ نے بتایا کہ اس فلائیٹ کی ادائیگی چالیس ہزار روپے کی گئی تھی۔ فلائنگ سوٹ والا پائلٹ تھا۔ عبداللہ نے میرا تعارف کرایا تو اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ وہ جوان العمر اور مضبوط جسامت کا لیکن چھوٹے قد کا شخص تھا۔ ''میرا نام شفاعت ہے دو پہلے برس ایئر فورس سے نکالا گیا ہوں۔''

''میں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟''

اس نے شانے اچکائے۔ ''میں پابند زندگی نہیں گزار سکتا ہوں پتا نہیں چھ سال فورس میں کیسے رہ لیا بہر حال اب میں آزاد ہوں اور بہت خوش ہوں۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' میں نے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تمہیں نااہلی کی وجہ سے نہ نکالا گیا ہو۔'' میں نے کہا تو اس کا منہ بن گیا تھا۔ میں نے پروا نہیں کی کیونکہ وہ شخص مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ ہمارے ملک میں فورس میں جانا پیشہ نہیں اعزاز اور جنون سمجھا جاتا ہے اور یہ شخص اگر نظم وضبط کا پابند نہیں ہو سکتا تھا تو اسے فورس میں جانا ہی نہیں چاہیے تھا جہاں ایک ایک فرد کی تربیت پر لاکھوں اور کروڑوں خرچ کیے جاتے ہیں تاکہ وہ وقت آنے پر وطن کی حفاظت کر سکے۔ اکثر سپاہی اور افسران ایک بھی جنگ لڑے بغیر ریٹائر ہو جاتے ہیں لیکن یہ ان کا قصور نہیں ہوتا ہے بلکہ ملک اور قوم کی خوش قسمتی ہے کہ اسے کسی جنگ سے واسطہ نہیں پڑا لیکن فورس جوائن کر کے چھوڑ دینا میرے نزدیک اتنا ہی بڑا جرم ہے جتنا کوئی شخص ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دوسرا کوئی پروفیشن اختیار کر کے کرتا ہے۔ وہ اس سیٹ کو ضائع کرتا ہے جس پر کوئی دوسرا ڈاکٹر بن کر بیماروں کا علاج کر سکتا ہے۔

''میں نااہل نہیں ہوں۔'' اس نے تلخ انداز میں کہا اور ہیلی کاپٹر میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اوپر اور پینل کے بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ میں عبداللہ کو اس سے ذرا سے لے گیا۔

''تمہیں یقین ہے کہ یہ اچھا پائلٹ ہے؟''

''میں نے اس کے بارے میں چھان بین کرائی ہے یہ واقعی نظم وضبط کا پابند نہیں ہو سکتا ہے لیکن جب یہ فلائنگ سیٹ پر ہوتا ہے تو اس کا شمار بہترین پائلٹوں میں ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم مطمئن ہو تو.....'' میں بولتے بولتے رک گیا کیونکہ مجھے شمال کی سامنے والی پہاڑی ڈھلان

۔۔۔

رہی تھی اور یہ ڈھلان زیادہ تھی۔ اس پر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ جب مجھے چمک محسوس ہوئی تھی تو میں نے اس جگہ کو دیکھ لیا تھا اور پھر ذہن نشین کر لیا تھا جہاں سے چمک محسوس ہوئی تھی۔ یہاں گھنے درخت تھے اور ایک درخت پر سفید رنگ کے بے شمار پھول آئے ہوئے تھے اس لیے وہ سب سے الگ محسوس ہوتا تھا۔ میں نے اوپر جانے سے پہلے عبداللہ سے کہا۔ ''سنو کیا فلائیٹ کچھ دیر کے لیے روکی جا سکتی ہے؟''

''اس سے بہت ساری مشکلات ہو سکتی ہیں فلائیٹ پلان کینسل ہو جائے گا اور دوبارہ سے اے ٹی ایف سے اجازت لینی پڑے گی۔''

''پائلٹ سے بات کرو پانچ دس منٹ کی تاخیر سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے کہا اور اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا یہاں سے بیلی کاپٹر ایک معمولی کھلونے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ اس کے آس پاس حرکت کرتے لوگ بمشکل ہی دکھائی دے رہے تھے اور ان میں مرد عورت کی تمیز کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ میری گھڑی کے مطابق سات بج گئے تھے یعنی پرواز کا وقت ہو گیا تھا۔ نیچے سے ہی دشوار نظر آنے والی پہاڑی چڑھنے میں دشوار تر ثابت ہوئی بارش سے بھیگ جانے والی مٹی اب پھسل رہی تھی اور اس میں میرے بہترین جوگر بھی پھسل رہے تھے۔ مجھے خود کو واپس جانے سے روکنے کے لیے چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کا سہارا لینا پڑ رہا تھا۔ اکثر جھاڑیاں گیلی مٹی سے اکھڑ کر میرے ہاتھ میں آ رہی تھیں لیکن میں اس سے پہلے ہی دوسری جھاڑی پکڑ چکا ہوتا تھا اور اس کے اکھڑنے سے پہلے اگلی جھاڑی پکڑ لیتا۔ اس کے علاوہ اوپر جانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

''جناب۔'' عبداللہ کی آواز آئی۔ ''پائلٹ کہہ رہا ہے وہ صرف پانچ منٹ رک سکتا ہے۔ اس کے بعد فلائیٹ پلان کینسل ہو جائے گا اور دوبارہ فلائیٹ پلان حاصل کرنے میں دو گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں کیونکہ سورج نکلتے ہی فلائیٹس کا رش شروع ہو جاتا ہے۔ آگے سے اجازت مشکل سے ملتی ہے۔''

''ٹھیک اس سے کہو پانچ منٹ بعد پرواز کرے۔'' میں نے کہا اور دوبارہ چڑھنا شروع کر دیا۔ سفید پھولوں والا درخت تقریباً سات سو فٹ کی بلندی پر تھا۔ وہاں پہنچنے میں مجھے پانچ منٹ سے زیادہ کا وقت لگ جاتا۔ عبداللہ کے انداز سے لگ رہا تھا کہ پائلٹ اس سے زیادہ وقت نہیں دے گا ویسے بھی وہ مجھ سے خفا تھا اس لیے رعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ممکن ہے وہ اپنی طرف سے کہہ رہا ہو کیونکہ اس قسم کے معاملات میں وقت کی اتنی پابندی کہیں نہیں ہوتی ہے۔ شیڈول ائیر لائنوں کی پرواز میں تاخیر عام سی بات ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا پانچ منٹ پورے ہوئے تو عبداللہ نے کہا۔

''اب فرمائیں جناب۔''

''عبداللہ اسے باتوں میں لگاؤ بس دو منٹ اور ..... میں اس جگہ کے پاس ہی ہوں۔''

''جناب میں دیکھ رہا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن اس ڈھلان میں مجھے کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی ہے۔''

سفید پھولوں والے درخت کے آس پاس کو فوکس کرو۔'' میں نے وسیم سے کہا۔ ''مجھے اسی جگہ سے چمک دکھائی دی تھی۔''



''میں اسی کے آس پاس دیکھ رہا ہوں۔''

عبداللہ پائلٹ سے مذاکرات کر رہا تھا لیکن صاف لگ رہا تھا پائلٹ مزید تاخیر کے لیے تیار نہیں تھا اس نے عبداللہ سے کہا۔ ''اگر فلائیٹ پلان کینسل ہوتا ہے تو آپ کو تاخیر کے چارجز بھی دینا ہوں گے۔''

''چارجز کس بات کے؟'' عبداللہ نے غالباً وقت گزاری کے لیے بحث جاری رکھی۔

''چارجز اس بات کے کہ اگر میری آگے بھی کوئی فلائیٹ ہوئی تو وہ اس تاخیر کی وجہ سے رہ جائے گی اور مجھے نقصان ہوگا۔ تاخیر کی صورت میں آپ مجھے دس ہزار روپے مزید ادا کریں گے۔''

میں ان کی باتیں سنتے ہوئے ہر ممکن تیزی سے اوپر جا رہا تھا مسلسل چڑھنے سے میرا سانس پھول رہا تھا اور اب میں بات کرنے کی کوشش کرتا تو آواز کے بجائے پھونک زیادہ نکلتی۔ بالآخر میں اس ڈھلان تک پہنچ گیا یہاں زمین کسی قدر ہموار ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے یہاں بڑے درخت بھی اگ آئے تھے۔ یہ درختوں کا جھنڈ تھا۔ اب تک میں پیروں کے ساتھ ہاتھ بھی استعمال کرتا آیا تھا لیکن ذرا ہموار زمین آئی تو میں دوبارہ دو پایہ بن گیا اور میرے ہاتھ آزاد ہو گئے جن کا میں نے مصرف یوں نکالا کہ پستول نکال لیا اگر میرا خدشہ درست تھا اور یہاں کوئی شخص دور مار رائفل سمیت چھپا بیٹھا تھا تو پستول کا استعمال ناگزیر تھا۔ میں یہاں آتے ہی محتاط ہو گیا۔ اب تک میں آوازیں پیدا کرتا آ رہا تھا۔ مگر یہاں آواز پیدا کرنے کا مطلب اچانک فوتگی بھی ہو سکتا تھا۔

دبے قدموں میں درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوا۔ یہاں نیم تاریکی تھی اور شاخوں و پتوں سے چھن کر آتی سورج کی شعاعیں بہت عجیب سے ڈیزائن بنا رہی تھیں۔ درختوں کے نیچے تاریکی کے ساتھ یہ روشنی دھندلکا پیدا کر رہی تھی۔ مگر ان شعاعوں کی وجہ سے اندر کا منظر واضح نہیں تھا۔ یہاں کوئی نہیں تھا بس خاموشی اور ویرانی تھی۔ عبداللہ وقفے وقفے سے مجھے پکار رہا تھا وہ فلائیٹ کے بارے میں میرا فیصلہ جاننا چاہتا تھا۔ وسیم نے اسے کہا۔ ''یار وہ کسی ایسی جگہ ہیں جہاں بول نہیں سکتے ذرا صبر کرو۔''

''بھائی میں تو صبر کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن یہ پائلٹ بے صبرا ہوا جا رہا ہے۔''

وسیم نے کہا۔ ''اس سے کہو اپنا منہ بند رکھے اگر فلائیٹ میں تاخیر ہوئی تو اسے ادائیگی کر دی جائے گی۔''

میں ان کی باتیں سن رہا تھا اور یہ گفتگو میرے کان تک محدود تھی اس سے آگے یہاں موجود کوئی فرد اسے نہیں سن سکتا تھا۔ میری نظر اندھیرے سے مانوس ہو گئی تھیں اور اب مجھے کسی قدر بہتر دکھائی دے رہا تھا۔ کسی حد تک اطمینان ہو جانے کے باوجود کہ یہاں کوئی نہیں ہے میں محتاط تھا۔ اچانک مجھے ذرا آگے کسی چیز کی چمک دکھائی دی میں تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ یہاں خشک پتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا جو گزشتہ سرما میں ٹوٹ کر گرے تھے اور اب زمین کا حصہ بننے والے تھے بارش کی نمی سے وہ گھل سڑ رہے تھے اور میرے لباس سے چپک رہے تھے۔ نیچے لیٹنے پر بہت تیز بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی تھی لیکن اس وقت مجھے گندگی اور بدبو کی پروا نہیں تھی میری نگاہ وہاں مرکوز تھی جہاں کوئی چیز چمکی تھی اور یہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی مجھ سے بمشکل سے دس فٹ دور ہو گی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کوئی انسان ہے تو اسے لازمی میری موجودگی کا علم ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ میرے پیچھے نہایت روشن پس منظر تھا جس میں بالکل نمایاں تھا۔

مگر دوسری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باوجود میں نے احتیاط سے کام لیا اور زمین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر لیٹے لیٹے آگے بڑھا۔ عبداللہ نے مجھے پکارنا بند کر دیا تھا اب وہ صبر سے میرے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر میں نے اس چیز کو دیکھ لیا وہ دوبارہ چمکی تھی۔ میں نے گہری سانس لی اور کھڑا ہو گیا یہ کوک کی شیشے کی بوتل تھی جو نصف زمین میں دھنسی ہوئی تھی اور اس کا اوپری حصہ باہر نکلا ہوا تھا۔ نہ جانے کب سے مٹی میں دبی اس بوتل کو گزشتہ روز ہونے والی بارش نے دھو دیا تھا اور اب روشنی پڑنے پر اس کا شیشہ چمک رہا تھا۔ یقیناً میں نے اسی بوتک کے شیشے کی چمک دیکھی تھی۔ میں نے گہری سانس لی۔ مشکل سے تین انچ کی نکلی ہوئی بوتل نے مجھے ڈیڑھ کلومیٹر دور اس پہاڑی پر آنے پر مجبور کر دیا۔

''عبداللہ۔'' میں نے درختوں سے باہر آتے ہوئے کہا۔ ''پائلٹ کو کاپٹر اڑانے کے لیے کہو۔''

عبداللہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''یعنی خطرے کی کوئی بات نہیں ہے؟''

''ہاں خطرہ نہیں ہے۔''

''معاملہ کیا تھا جناب؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ہاں یار کوک کی ایک بوتل تھی فساد کی جڑ وہی چمک رہی تھی بار بار۔''

عبداللہ پائلٹ سے بات کر رہا تھا۔ وہ چلا رہا تھا کہ اب بہت تاخیر ہو گئی ہے لیکن عبداللہ نے اسے قائل کر لیا کہ وہ چانس لے اور اے ٹی ایف کو اپنی روانگی کی اطلاع دے۔ میں دیکھ رہا تھا سفیر، مونا اور سعدیہ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ رہے تھے۔ اتنی دور سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ خواتین کون سی ہیں اور حضرت کون ہیں۔ ان ہی تینوں نے جانا تھا پہلے عبداللہ کے دو آدمی بھی جا رہے تھے لیکن بابا نے حویلی پاس حفاظتی انتظامات کر لیے تھے اس لیے ان کی ضرورت نہیں تھی۔ ہیلی کاپٹر کے پنکھے گردش کرنے لگے۔ اس کے انجن کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔ عبداللہ اور دوسرے لوگ پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اب پر پوری رفتار سے گھوم رہے تھے اور پھر ہیلی کاپٹر آہستگی سے بلند ہوا۔ ابھی وہ ڈول رہا تھا پھر پائلٹ شفاعت نے پیشہ ورانہ مہارت سے اسے سنبھال لیا ایک ہموار ردھم میں ہیلی کاپٹر اوپر اٹھا اور ساتھ ہی اس نے اپنا رخ جنوب مغرب کی طرف موڑنا شروع کر دیا۔

اسی لمحے میرے کانوں نے مسلسل ایسی آوازیں سنیں جیسے لوہے کے ہتھوڑے کو سخت لکڑی پر تواتر سے مارا جائے۔ اس کے ساتھ ہی بلند ہوتے ہیلی کاپٹر نے لڑکھڑانا شروع کر دیا۔ اس کے پچھلے حصے سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ چند لمحے کے لیے تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ پھر وسیم کے چلانے کی آواز آئی۔

''کوئی پہاڑی سے فائرنگ کر رہا ہے..... دور مار رائفل ہے..... شہباز صاحب..... آپ سن رہے ہیں..... میرے خدا اس نے چوپر کو ہٹ کر دیا ہے۔''

میں سن رہا تھا لیکن میں کچھ نہیں سن رہا تھا میری نظریں لڑکھڑاتے ہیلی کاپٹر پر مرکوز تھیں۔ فائرنگ نے اس کے کنٹرول سسٹم کو تباہ کر دیا تھا۔ اچانک اس نے تیزی سے گھومنا شروع کر دیا وہ شفاعت کے قابو سے باہر ہو رہا تھا اور تیزی سے زمین کی طرف جا رہا تھا۔ پھر وہ ایک دھماکے سے زمین پر گرا اور آگ کے گولے میں بدل گیا۔ وسیم چلا رہا تھا عبداللہ چلا رہا تھا لیکن میرے کان کچھ نہیں سن رہے تھے۔ زمین و آسمان میرے گرد گھوم رہے تھے اور مجھے لگا میں چکرا کر نیچے گرنے والا ہوں۔

○.....❖.....○



میں چونکا، وہاں کچھ نہیں تھا، نہ ہیلی کاپٹر آگ کا گولہ بنا تھا اور نہ کوئی دھماکہ ہوا تھا۔ واقعات کی تیز رفتاری نے میرے تخیل کے ساتھ مل کر مجھے وہ دکھایا تھا جو ہو سکتا تھا جس کا خدشہ میرے ذہن میں تھا لیکن وہ حقیقت میں ہوا نہیں تھا۔ ہیلی کاپٹر تھوڑا اوپر اٹھا تھا اور گولیاں لگنے کے بعد دھواں اگلتے ہوئے دوبارہ زمین پر آ بیٹھا تھا وہ جس طرح گرا تھا اسے بیٹھنا ہی کہا جا سکتا۔ اس کا انداز بے ڈھب تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی ایک اسکی ٹوٹ گئی۔ ذرا جھٹکے سے اس کا پر گھومتے ہوئے زمین سے ٹکرایا اور اس نے کنکریٹ کو چھیل دیا اور پھر تصادم نے ایک پر اڑا دیا۔ وہ اڑ کر دور رن وے پر جا گرا۔ عبداللہ اور دوسرے لوگ جو ہیلی کاپٹر کی کریش لینڈنگ سے بچنے کے لیے دور بھاگ رہے تھے معجزانہ طور پر اس سے محفوظ رہے۔ اب ہیلی کاپٹر ایک اسکی پر ٹکا ترچھا کھڑا تھا اور اس کا پر گھومتے ہوئے بار بار فرش سے ٹکرا رہا تھا۔ اگر وہاں کنکریٹ کے ٹھوس فرش کی جگہ کچی مٹی کا میدان ہوتا تو گھومتا پر زمین میں دھنس جاتا اور پھر پر رک جانے سے انجن ہیلی کاپٹر کے جسم کو گھماتا اور امکان تھا کہ وہ خود کلوے ٹکڑے ہو جاتا۔ مگر کنکریٹ پر ہیلی کاپٹر کے پر پڑ پڑ کر اچٹ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا پر بھی ٹوٹ گیا اور اڑ کر اس طرف گیا جہاں چھوٹے طیارے کھڑے تھے۔ وہاں اس نے کیا تباہی مچائی میں دیکھ نہیں سکا تھا۔ اب ہیلی کاپٹر کا ایک ہی پر گھوم رہا تھا اور وہ اسے بھی جھلا رہا تھا۔ اچانک مجھے وسیم کی آواز نے چونکایا۔ وہ چلا رہا تھا۔

''شہباز صاحب..... اس حرامی کو روکیں وہ ہیلی کاپٹر پر فائرنگ کر رہا ہے..... شہباز صاحب۔''

''میں دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے سنبھل کر کہا۔ ''وسیم وین کی گن سے اس جگہ کو نشانہ بناؤ۔''

''نہیں وہاں آپ ہیں۔'' اس نے انکار کر دیا۔ ''اسے روکیں اس سے پہلے وہ چوپر کے ٹینک کو ہٹ کر دے۔''

میں پستول نکالتے ہوئے درختوں کے اوپری حصے کی طرف بڑھا دور مار گن والا وہیں کہیں تھا۔ آواز اسی طرف سے آ رہی تھی۔ وسیم سے گفتگو کے دوران میں جھنڈ میں داخل ہو گیا اور وسیم سے کہا۔ ''وین لے کر فوراً وہاں پہنچو اور انہیں نکالو۔''

''میں پہلے ہی روانہ ہو چکا ہوں۔'' وسیم نے کہا تو میں نے پلٹ کر دیکھا۔ سیاہ وین رن وے پر آ چکی تھی اور تیزی سے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جس کا انجن بند ہو گیا تھا لیکن باقی رہ جانے والا پر گھوم رہا تھا اور جب تک یہ نہیں رک جاتا کوئی اس کے پاس نہیں جا سکتا اور نہ کوئی ہیلی کاپٹر سے اتر کر باہر آ سکتا تھا۔ میں نے فی الحال ہیلی کاپٹر اور اس میں موجود افراد کو ذہن سے نکال دیا اور محتاط قدموں سے اوپر کی طرف بڑھا۔ محتاط ہونے کے باوجود میرے قدموں تلے آنے والے سوکھے پتے جو بارش میں بھیگنے سے محفوظ رہے تھے چرمرا رہے تھے اور معمولی آوازیں نکال رہے تھے۔ وہاں سناٹا تھا اس لیے خود مجھے یہ آوازیں بہت بلند لگ رہی تھی۔ اوپر موجود بھاری مشین گن رہ رہ کر گولیاں برسا رہی تھی۔ میں نے آواز سے شناخت کر لیا تھا یہ میدان جنگ میں استعمال ہونے والا پیدل دستوں کے خلاف سب سے مؤثر ہتھیار تھا۔ اس بھاری مشین گن کی مار ایک کلومیٹر سے زیادہ ہی ہوتی ہے اور اس کی تین انچ لمبی گولی ایک فٹ موٹی ٹھوس کنکریٹ کی دیوار کے پار ہو جاتی ہے۔ اسٹیل کی دو انچ موٹی پلیٹ بھی اسے نہیں روک سکتی ہے۔ اس کی خوفناک مار کے مقابلے میں اس کی آواز بہت کم ہوتی ہے۔ وسیم نے یقیناً اس جگہ کو سپاٹ کر لیا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ میں کہیں آس پاس تھا اگر وہ وین کی دور مار سنا گن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

استعمال کرتا تو امکان تھا میں نہ نشانے پر آ جاؤں۔

اب میں اس جگہ کے بہت پاس تھا جہاں سے مشین گن گولیاں برسا رہی تھی گولیوں کے راہ میں آنے والی گھاس اور پودے ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں بکھر رہے تھے۔ کوئی پون صدی پہلے جرمنوں کی ایجاد کردہ یہ گن آج بھی پروڈکشن میں تھی اور اب اس کے کئی نئے ماڈل آ گئے تھے۔ فائرنگ کرنے والوں نے یقیناً اسے اسٹینڈ پر لگایا ہوگا اسے ہاتھ میں لے کر صرف ریمبو چلا سکتا تھا اور وہ بھی فلموں میں۔ عملی طور پر ایسا ممکن نہیں تھا۔ زمین پر اسے جمانے کے لیے جگہ بنائی گئی ہوگی اور اسے یہاں تک اس کی گولیوں کی بیلٹ یا بکس سمیت لانا بھی کسی ایک آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہاں ایک سے زیادہ آدمیوں کی موجودگی عین ممکن تھی۔ میں ان کے اتنے قریب تھا کہ انہیں شبہ ہو جاتا تو وہ صرف مشین گن کا ہلکا سا رخ بدلتے اور میں فوت ہو جاتا۔

مجھے حیرت تھی کہ انہیں اب تک میری آمد کا پتا کیوں نہیں چلا۔ حالانکہ میں نے درختوں کے باہر آ کر بات کی بھی تھی اور جب اوپر جا رہا تھا تب بھی خاصی آہٹیں ہوئی تھیں۔ بے شک وقفے وقفے سے مشین گن بھی چل رہی تھی اور اس کا بھی خاصا شور تھا لیکن وہ خاموش بھی ہوتی تھی اور اس دوران میں انہیں میری آواز سن لینی چاہیے تھی۔ مگر ایسا لگ رہا تھا وہاں موجود لوگ بہرے تھے۔ یہ چالاکی بھی ہو سکتی تھی کہ میں پاس آؤں اور وہ اچانک مجھے گولی مار دیں۔ جس جگہ سے گولیاں گزر رہی تھیں میں اس سے ذرا بائیں طرف سے اوپر نکلا اور پھر میری آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ کچی مٹی میں مشین گن کا اسٹینڈ گاڑ کر فکس کیا گیا تھا اور مشین گن کی لمبی نال خودکار طریقے سے گولیاں برسا رہی تھی۔ اس کے اوپر ایک دوربین لگی تھی۔ مشین گن کے ساتھ اس کا گولیوں کا بکس تو فٹ تھا۔ ساتھ ہی کچھ اور چیزیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ گن کے نیچے ایک موٹر اور بیٹری کا سسٹم لگا تھا اور اس کے اوپر کنٹرولنگ سسٹم تھا۔ یہ سب میں نے ایک نظر میں دیکھ لیا تھا دوسرے لمحے میں اسے بند کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے اس کے لیے زیادہ کوشش بھی نہیں کرنا پڑی۔ اس کے اوپر ہی ایک چھوٹا سا کھینچنے والا سرخ بٹن لگا تھا میں نے اسے نیچے کیا تو اگلے ہی لمحے مشین گن خاموش ہو گئی۔ میں نے نیچے کی طرف دیکھا ہیلی کاپٹر کا واحد پر بھی رک گیا تھا اور لوگ اس کے آس پاس جمع ہو رہے تھے۔ میں نے موبائل پر وسیم سے کہا۔

''وسیم یہاں ریموٹ سے آپریٹ ہونے والی مشین گن ہے۔ اسے چلانے والا آس پاس ہوگا۔ اس کے پاس شاید لیپ ٹاپ جیسا کوئی آلہ ہوگا لیکن کوئی بھی آدمی ہو اسے چیک ہوئے بغیر جانے مت دینا اگر کوئی رکنے کے بجائے بھاگے تو اسے گولی مارنا۔''

وسیم میری بات سمجھ گیا اور اس نے فوری طور پر اپنے آدمیوں کو ہدایت دینا شروع کر دی۔ میں نے عبداللہ سے پوچھا۔ ''سب خیریت ہے؟''

''ہم انہیں چوپر سے نکال رہے ہیں۔ باقی سب ٹھیک ہیں لیکن موناں بی بی.....''

''کیا ہوا موناں کو؟''

''بظاہر چوپر گرنے سے کوئی چوٹ آئی ہے۔ شکر ہے کیبن فائرنگ سے محفوظ رہا ہے۔ ہم انہیں اسپتال لے جا رہے ہیں۔''

''عبداللہ اپنے دوسرے آدمی بھی بلا لو۔ تم بھی اپنے سارے آدمی بلا لو۔ دشمن کا کوئی بھروسہ نہیں ہے وہ دوسرا وار بھی کر سکتے ہیں۔'' میں نے کہا ان سب کے محفوظ ہونے کا سن کر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ میں نے اس دوران میں گن کا سسٹم مزید سمجھ کر اسے بے کار بنانے کا آغاز کر دیا تھا اس کی بیٹری نکال کر اس کے تار توڑ دیے اور بیٹری نیچے اچھال دی۔ پھر اس کے اوپر لگی دوربین جس میں کیمرہ بھی لگا تھا اسے توڑ کر گن سے اتار لیا۔ آخر میں وائرلیس کنٹرول سسٹم کے تار بھی کھینچ کر توڑ دیے اب یہ کسی صورت استعمال نہیں ہو سکتی تھی۔ میں حیران تھا کہ یہ کام کرنے والا کون ہو سکتا ہے مرشد اس قسم کی کارروائی کا قائل نہیں تھا اس کے پاس مرنے کے لیے آدمی نما کتوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ پھر مجھے فاضلی کا خیال آیا۔ مرشد کے آدمیوں میں وہی یہ کام کر سکتا تھا۔ فاضلی کا خیال آتے ہی میں چوکنا ہو گیا تھا۔

دن کا وقت تھا ورنہ میں وسیم سے کہتا کہ وین کی دوربین کا نائٹ موڈ استعمال کر کے اس ڈھلان میں کسی اور کو تلاش کرنے کی کوشش کرے لیکن دن میں یہ ممکن نہیں تھا۔ میں نے ایک بار پوری ڈھلان کا جائزہ لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ جس نے بھی یہ کام کیا تھا اس نے سب سے پہلے اپنی حفاظت کا بندوبست کیا ہوگا اور اسی لیے اس نے یہ نہایت مہنگا سسٹم یہاں لگایا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں اس سسٹم کی قیمت ایک ملین ڈالرز تھی۔ یعنی کوئی چھ کروڑ پاکستانی روپے۔ (اس زمانے میں ایک ڈالر ساٹھ پاکستانی روپے کا تھا۔) گن استعمال کرنے والا یقیناً کسی ایسی جگہ تھا جہاں سے وہ اپنا کام کر کے فوری فرار ہو سکے۔ اسے ڈھلان پر موجود رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ گن کے ساتھ نہایت مؤثر قسم کا وائرلیس سسٹم تھا اور یقیناً اسے خاصی دوری سے آپریٹ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے گن سے اتاری دوربین سے کام لیا۔ یہ خاصی طاقتور دوربین تھی ایک میل دور کھڑے آدمی کے نقوش واضح دکھائی دیتے تھے میں نے پہلے ہیلی کاپٹر کی طرف رخ کیا اس وقت وین ان سب کو لے کر وہاں سے روانہ ہو رہی تھی۔ میں نے آس پاس کا معائنہ کیا لیکن جہاں تک میں دیکھ رہا تھا مجھے کوئی شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا جب کہ گن کو آپریٹ کرنے والا لازمی آس پاس ایسی جگہ تھا جہاں سے وہ با آسانی اپنی کارروائی کر سکے اور اس کے بعد فرار ہو جائے۔

''وسیم تم کہاں ہو؟''

''میں یہیں ہوں جناب..... عبداللہ اپنے آدمیوں کے ساتھ وین کے پیچھے ہے۔''

''تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''تین بائیک والے ہیں۔''

''میرا خیال ہے گن آپریٹ کرنے والا نیچے کسی ایسی جگہ موجود ہے جہاں سے وہ اپنا کام کر کے آسانی سے فرار ہو سکے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ وہ ڈھلان پر ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا ہے۔''

''وسیم نہ جانے کیوں مجھے خیال آ رہا ہے یہ حرامزادے فاضلی کا کام ہے مرشد کے آدمیوں میں وہی اتنا شاطر اور شیطانی دماغ رکھتا ہے۔''

''آپ نیچے آ جائیں ہم یہاں سے نکلنے والے راستوں پر نظر رکھتے ہیں۔''

''نہیں یہاں سے نکلنے کی کرو کچھ دیر میں پولیس آ جائے گی ویسے عبداللہ کو یہاں رکنا چاہیے تھا وہی پولیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نمٹ سکتا ہے۔"

"عبداللہ واپس آجائے گا۔" وسیم نے کہا۔ "لیکن آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

میں تیزی سے پہاڑی سے نیچے اترا اور کئی بار پھسل کر گرتے گرتے بچا بس اللہ نے بچا لیا ورنہ براہ راست نیچے جاتا اور مجھے بھی اسپتال لے جانا پڑتا۔ میں نے موبائل بند کیا اور بائیک اسٹارٹ کر کے ایئر کلب کی عمارت کی طرف روانہ ہو گیا۔ چوپر سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا اور ایئر کلب کا عملہ ہاتھ سے اس پر کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اسپرے کر رہا تھا۔ اگر اس میں آگ لگ جاتی تو پھر کسی کا بچنا محال تھا۔ اللہ نے بچت کی اور پائلٹ شفاعت نے بہت مناسب انداز میں کریش لینڈنگ کی تھی ورنہ وہ جس طرح بے قابو ہو کر گھوم رہا تھا ایسا لگتا تھا بہت بری طرح گرے گا۔ مگر شفاعت نے واقعی مہارت کا ثبوت دیا تھا اور اس نے کوشش کر کے ہیلی کاپٹر کو مکمل تباہ ہونے سے بچا لیا وہ اس وقت اپنے زخمی پرندے کے پاس کھڑا تھا۔ میں نے اس کی طرف جانے کی کوشش نہیں کیونکہ وسیم مجھے عمارت کے پاس ہی نظر آ گیا تھا۔ جیسے ہی میں نے بائیک روکی وہ پیچھے بیٹھ گیا۔

"یہاں سے نکل جائیں کلب انتظامیہ نے پولیس کو اطلاع کر دی ہے۔"

میں نے بائیک تیزی سے آگے بڑھائی۔ "تم نے کسی مشکوک فرد کو دیکھا؟"

"نہیں ایسا کوئی آدمی نظر نہیں آیا جس پر شک کر سکتا۔"

میں ایئر کلب کے گیٹ کی طرف جا رہا تھا اچانک اس طرف سے فائروں کی آواز سنائی دی۔ کوئی چلایا بھی تھا۔ میں نے بائیک تیز کی اور جیسے ہی درختوں کے پیچھے چیک پوسٹ پر نکلا سامنے دو افراد خون میں لت پت پڑے تھے اور ان میں سے کم سے کم ایک مر چکا تھا کیونکہ گولی اس کے سر میں لگی تھی اور خون کے ساتھ اس کا مغز بھی بہہ نکلا تھا۔ دوسرا شاید زندہ تھا۔ ایک گولی اس کے سینے پر اور دوسری گردن پر لگی تھی۔ دونوں چیک پوسٹ کے گارڈ تھے۔ مجھے اندر آتے ہوئے انہوں نے ہی روکا تھا۔ میں نے بائیک روکی تو وسیم اترا اس نے زخمی گارڈ سے پوچھا۔ "کیا ہوا یہ کس نے کیا ہے؟"

"میں..... اسے روکنے کی کوشش..... کی۔" گارڈ نے مشکل سے کہا۔

"کسے؟" وسیم بولا گارڈ کچھ دیر کا مہمان لگ رہا تھا۔

"لمبے بالوں والا..... سلور رنگ کا گاڑی میں گیا ہے۔"

میں لمبے والوں والے کے لفظ پر چونکا۔ فاضلی کے بال بھی لمبے تھے۔ وسیم اس سے پوچھ رہا تھا کہ گولی اسی نے چلائی تھی؟ گارڈ نے بمشکل بتایا کہ گولی گاڑی میں سے کسی نے چلائی تھی اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں اور ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وسیم جیسے ہی بیٹھا میں نے بائیک دوڑا دی۔ گارڈ نے گاڑی کی وضاحت کس کی تھی لیکن اس کا رنگ بتا دیا تھا۔ آگے سڑک سنسان تھی۔ وسیم اپنے آدمیوں سے موبائل پر رابطہ کرنے لگا کیونکہ وین مونا کو لے کر اسپتال جا چکی تھی۔ وہ آس پاس موجود تھے وسیم نے انہیں سلور رنگ کی گاڑی پر نظر رکھنے کا حکم دیا جس میں ایک لمبے بالوں والا شخص بھی موجود تھا۔ جیسے ہی ان میں سے کسی کو یہ گاڑی نظر آتی وہ فوراً وسیم کو مطلع کرتا۔ میں ہر ممکن رفتار سے بائیک چلا رہا تھا دن ٹو فائیو کا پک اپ اچھا ہے۔



"تمہارے پاس ہتھیاروں میں کیا ہے؟"

"ایک پستول اور ایک مشین پسٹل ہے۔" وسیم نے جواب دیا۔ "آپ فکر نہ کریں مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔"

"ہوشیار رہنا اگر سلور گاڑی میں سچ مچ فاضلی ہوا تو اس سے کچھ بعید نہیں ہے ایٹم بم بھی مار سکتا ہے مومن بغیر لڑے ہی شہید ہو جائے گا۔"

"آپ نے گن کیسے ناکارہ کی؟"

"اس میں سوئچ لگا تھا میں نے اسے بند کیا لیکن اس کے بعد اس کے سسٹم کو تباہ کر دیا دور بین اتار لی تھی تاکہ کوئی میتولی بھی استعمال نہ کر سکے۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس قسم کے ہتھیار اب ہمارے ہاں بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ میں نے اس گن کی ویڈیو دیکھی تھی۔"

"یار ہمارے جو نام نہاد ہمدرد یہاں آئے ہیں وہ سب سے زیادہ اسلحہ ہی لائے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ اس ملک میں تمام متحارب گروہوں کو حلق تک اسلحے سے بھر دیں تاکہ یہ ملک خانہ جنگی سے تباہ ہو جائے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وسیم نے میرے کان میں سرد آہ بھری۔

میں بائیک کو اس کی استعداد سے زیادہ تیزی سے دوڑا رہا تھا اور پھر مجھے آگے سلور رنگ کی گاڑی کی جھلک نظر آ گئی تھی۔ اسی لمحے دائیں طرف سے ایک بائیک سڑک پر آئی۔ وہ وسیم کا آدمی تھا باقی دو پیچھے تھے۔ وسیم نے دوبارہ انہیں کال کر کے مطلع کیا کہ سلور کار نظر آ گئی ہے اور وہ اس طرف آئیں۔ ابھی تک سڑک سنسان تھی لیکن آگے جا کر یہ سڑک پنڈی کے پر ہجوم علاقوں سے بھی گزرتی تھی۔ ابھی تو پنڈی کا مضافات تھا اس لیے ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا مجھے امید تھی آگے جا کر سلور کار کی رفتار لازمی سست ہو گی اور تب ہم اسے جا لیں گے ابھی تو وہ آدھے کلومیٹر سے بھی زیادہ فاصلے پر تھی۔ وسیم نے نہ جانے کہاں سے ایک چھوٹی سی لیکن طاقتور دوربین برآمد کی اور اس کی مدد سے کار میں بیٹھے افراد کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ چلتی بائیک میں یہ کام مشکل تھا۔ سڑک بھی گڑھوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان سے بچنے کے لیے بائیک کو لہرانا پڑ رہا تھا اس لیے وسیم کو اپنا کام کرنے میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی لیکن بالآخر وہ کامیاب رہا۔

"اس میں وہی حرامی لگ رہا ہے..... لمبے بالوں والا..... وہ ڈرائیور کے ساتھ ہے اور گاڑی میں وہی دو بندے ہیں۔"

"ممکن ہے کوئی تیسرا پیچھے سیٹ پر لیٹا ہو۔ گارڈ نے بھی یہی کہا تھا کہ کسی نے گاڑی سے فائرنگ کی تھی اگر ڈرائیور نے کی ہوتی تو وہ اس کا نام لیتا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں دشمنوں سے اچانک نمٹنے کی یہ ترکیب اچھی ہے۔ پچھلی سیٹ کی طرف دھیان نہیں جاتا اور وہیں سے گولی آتی ہے۔ کئی مواقعوں پر ہم نے بھی یہ ترکیب استعمال کی تھی۔"

"جب کہیں فاضلی موجود ہو تو آدمی کو دوگنا چوکنا رہنا چاہیے۔"

"لگتا ہے آپ اس سے متاثر ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں یار میں نے مرشد کے پاس صرف گدھے دیکھے ہیں یا بھیڑیئے ہیں جو بغیر کسی احساس کے آدمی کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ فاضلی پہلا آدمی ہے جو اپنا ذہن استعمال کرتا ہے اور بہت مشکل کام کر جاتا ہے یاد ہے اس نے ایمبولینس کو اغوا کر کے ہمیں کس طرح حیران کر دیا تھا؟"

"آپ نے ٹھیک کہا اگر اس حملے میں مرشد ملوث ہے تو یقیناً اس کی پلاننگ فاضلی نے کی ہے اور شاید گن بھی وہی آپریٹ کر رہا تھا۔"

سلور کار اب آبادی والے علاقے میں داخل ہو گئی تھی اور یہاں سڑک خالی نہیں تھی۔ شروع میں تو بچے سڑک پر کرکٹ کھیل رہے تھے انہیں اپنی لکڑی کی وکٹ ہٹانے کا موقع نہیں ملا اور کار اسے اڑاتی ہوئی نکل گئی۔ میں نے کہا۔ "وسیم وقت آ گیا ہے کار کا ٹائر برسٹ کر کے اسے روکنا ہے۔"

وسیم نے اپنے آدمی کو ہدایت کی۔ اس کے دو بائیک والے ابھی پیچھے تھے لیکن وہ بھی چند منٹ میں پہنچ جاتے اگر ہم کار روکنے میں کامیاب ہو جاتے۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا آگے سڑک پر ٹریفک تھا اور دوسرا ٹریفک جس میں انسانی اور حیوانی ٹریفک دونوں شامل تھا سڑک پر ٹریفک جام کر رہے تھے۔ ہم بائیک پر تھے اس لیے بہتر پوزیشن میں تھے اور رفتہ رفتہ کار کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ وسیم کا آدمی آگے نکل گیا تھا۔ مجھے یقین تو نہیں تھا لیکن شبہ تھا کہ سلور کار والے ہمارے تعاقب سے باخبر ہو گئے تھے اور اب اس ٹریفک سے نکلنے کی دیوانہ وار جدوجہد کر رہے تھے اس میں ان سے غلطیاں بھی ہو رہی تھیں۔ پہلے انہوں نے ایک رکشے کو ٹکر ماری اور وہ ایک ریڑھی میں گھس گیا ریڑھی والا سر عام مالٹے بیچ رہا تھا۔ لوگ ابھی اس حادثے سے محظوظ ہو رہے تھے اور مدد کے بہانے مالٹے لوٹ رہے تھے کہ سلور کار نے غلط سائیڈ سے آتے ایک بائیک سوار کو بچانے کی بالکل کوشش نہیں کی اور بائیک والا بونٹ سے ہوتا ہوا سڑک پر دوسری طرف گرا اس کی بائیک بونٹ کے اسی طرف رہ گئی تھی۔ میں نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا وہ نوجوان لڑکا تھا۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور وہ زار زار رو رہا تھا۔

کار کے ان دو حادثوں نے آگے والے ٹریفک کو ہوشیار کر دیا لوگوں نے فرض کر لیا کہ کار میں کوئی نشہ کر کے ڈرائیو کر رہا ہے یا کوئی جرم کر کے بھاگ رہا ہے دونوں صورتوں میں اس کے سامنے آنا خودکشی کرنے کے مترادف تھا اس لیے اب لوگ رضاکارانہ اسے راستہ دے رہے تھے۔ اس وقت ہم کار سے سو گز کے فاصلے پر آ گئے تھے۔ ابھی ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں تھا فاصلہ بہت تھا اور درمیان میں اور بھی ٹریفک تھا گولی کسی اور کو بھی لگ سکتی تھی۔ میں اور وسیم کا آدمی کار سے فاصلہ کم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ان حادثات سے واضح ہو گیا تھا کہ کار والے ہمارے تعاقب سے واقف ہو چکے تھے اور اب ہم سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک کار سے لمبے بالوں نے اپنا نصف دھڑ باہر نکالا اور ہماری طرف پستول سے فائرنگ شروع کر دی۔ میں نے بائیک لہرائی اور وسیم کا آدمی بھی یہی کرنے لگا۔ فائرنگ کی آواز نے دہشت پھیلا دی تھی اور ہمارے بیچ میں موجود ٹریفک تتر بتر ہونے لگا۔ ایک گولی ایک گدھا گاڑی والے کو لگی اور وہ اپنے گدھے پر گر کر واویلا کرنے لگا اس کے شور سے بدحواس گدھا ایک گلی میں گھس گیا۔ میں نے راستہ صاف ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا ورنہ گدھا وہیں رک کر راستہ بھی روک سکتا تھا۔ اس فائرنگ کا جواب وسیم نے دیا اس نے اپنے پستول سے لمبے بالوں



والے کو ڈرانے کے لیے لگاتار کئی فائر کیے۔ وہ فوراً اندر چلا گیا۔ اس کے بال اس طرح اڑ رہے تھے کہ اس کی صورت صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی اس کے باوجود میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہی فاضلی ہے۔ فائرنگ رکتے ہی میں نے رفتار بڑھائی۔

پھر ایک غیر متوقع مدد سامنے آئی۔ ایک سیمنٹ ڈپو کے سامنے بڑا ٹرک لوڈ ہونے کے بعد ٹرن لے کر ہماری طرف آنے کے لیے مڑ رہا تھا اس نے پوری سڑک بلاک کر دی تھی۔ سلور کار کے ڈرائیور نے اسے ذرا تاخیر سے دیکھا شاید اس کی توجہ عقب کی طرف زیادہ تھی۔ اچانک ٹرک سامنے آیا تو اس نے بریک لگائے لیکن کار کی رفتار خاصی تیز تھی وہ رکتے رکتے بھی ٹرک سے جا ٹکرائی۔ تصادم بہت شدید نہیں تھا لیکن پھر بھی اس میں موجود افراد کے لیے غیر متوقع تھا۔ میں نے رفتار بڑھائی کار کے پاس لوگ جمع ہو رہے تھے اچانک میں نے فائرنگ کی آواز سنی اور لوگ پلٹ کر بھاگے۔ میں نے بائیک کچھ فاصلے پر روک لی بالکل پاس جانا بھی مناسب نہیں تھا ورنہ ان لوگوں کے آسان ہو جاتی اور وہ شکریے کے ساتھ ہمیں گولی رسید کرتے کہ خود مرنے کے لیے سامنے چلے آئے میں نے بائیک اور ہیلمٹ وسیم کے حوالے کیے۔ "میرے پیچھے آؤ۔"

وسیم کا ساتھی دوسری طرف سے گھوم کر جا رہا تھا۔ میں مختلف گاڑیوں اور چیزوں کی آڑ لیتا ہوا کار تک پہنچا لیکن اس میں سوائے ایک ڈرائیور اور ایک عقبی نشست پر لیٹے آدمی کے کوئی نہیں تھا اور ڈرائیور اسٹیرنگ پر سر رکھے ہمیشہ کی نیند سو رہا تھا۔ اس کی کنپٹی میں سوراخ تھا جس سے رہ رہ کر خون ابل رہا تھا۔ پیچھے لیٹے آدمی کی پیشانی میں سوراخ تھا اور لمبے بالوں والا غائب تھا۔ لوگ اب ذرا فاصلے سے حیرت اور خوف سے گاڑی میں موجود لاشوں کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک نوجوان لڑکے کا بازو پکڑا۔ "ان کو مارنے والا کہاں گیا؟"

"اس طرف....." نوجوان نے ایک گلی کی طرف اشارہ کیا تو میں وقت ضائع کیے بغیر اس طرف دوڑا تھا۔ میں نے کنارے سے گلی میں جھانکا تو مجھے لمبے بالوں والا گلی کے سرے پر دائیں طرف مڑتا دکھائی دیا۔ میں نے موبائل پر وسیم کا نمبر ملایا فری ہینڈ میرے کان پر پہلے ہی لگا ہوا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی۔

"میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔" وسیم بولا۔

"تم میرے پیچھے مت آؤ مین روڈ پر رہو وہ یہیں کہیں نکلے گا۔ اپنے آدمی سے کہو وہ آگے چلا جائے۔"

میں گفتگو کے دوران گلی کے سرے تک آیا اور جب اندر جھانکا تو سامنے سے گلی بند دکھائی دی لیکن لمبے بالوں والا غائب تھا۔ وہ یقیناً کسی گھر میں گھس گیا تھا۔ اکثر دروازے بند تھے لیکن ایک دروازے پر صرف پردہ تھا اور ظاہر ہے کوئی بھی اس سے اندر گھس سکتا تھا۔ میں دبے قدموں دروازے تک آیا اور ذرا سا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔ یہ بہت چھوٹا سا شاید ایک کمرے کا مکان تھا جس میں سامنے دس بائی دس کا صحن تھا ایک طرف چھوٹا سا غسل خانہ یا لیٹرین تھا اور اس کے ساتھ باورچی خانہ تھا جس پر صرف چھت تھی وہ بھی سیمنٹ شیٹ کی۔ کمرے کے اوپر پکی چھت تھی۔ صحن میں ایک عورت اپنے دو بچوں کے ساتھ سہمی کھڑی تھی۔ مگر لمبے بالوں والا یہاں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کمرے یا لیٹرین میں گھسنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا اس چوہے دان میں گھس کر وہ آرام سے پکڑا جاتا ورنہ مارا جاتا۔ اچانک چھت کی طرف سے سایا لہرایا اور میں اندر گھس گیا۔ ایک اور مسلح آدمی کو دیکھ عورت نے چیخ مارنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ میں نے پستول اس کی طرف اٹھا دیا اسے خاموش رکھنے کا یہی ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حربہ تھا ورنہ جتنی دیر میں زبان یا اشارے سے اس سے چپ رہنے کی استدعا کرتا وہ چیخ چلا کر سارے محلے کو اکٹھا کر چکی ہوتی۔ پستول نے اثر کیا عورت کی آنکھیں اوپر چڑھ گئیں اور وہ آرام سے فرش پر دراز ہوگئی۔ دونوں بچے نو دس سال کے تھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ میں نے سرگوشی میں ان سے کہا۔

''آپ شور مت کرنا اپنی امی کے منہ پر پانی مارو اور پلاؤ بھی۔''

لڑکی ہوشیار تھی اس نے سر ہلایا اور کونے میں رکھے گھڑے کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے آس پاس دیکھا ایک طرف جگہ بچنے کے لیے چارپائی کو لمبائی کے رخ سے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا تھا۔ دیوار اس سے دو فٹ اونچی تھی اور چھت دیوار سے دو فٹ اونچی تھی۔ میں نے پستول جیکٹ میں رکھا اور پائے پکڑ کر چارپائی پر چڑھ گیا۔ شکر ہے اس نے میرا بوجھ برداشت کر لیا اور ٹوٹی نہیں۔ دیوار پر ہاتھ رکھ کر میرا کام آسان ہوگیا لیکن میں نے فوراً چھت پر جانے سے گریز کیا عین ممکن تھا وہ میرا منتظر ہوتا کہ میرے سر میں بھی سوراخ کرے اور اس کے بعد اطمینان سے یہاں سے فرار ہو جائے۔ میں نے ذرا سا سر نکال کر فوراً نیچے کر لیا لیکن کسی طرف سے بھی گولی نہیں آئی تھی۔ دوسری بار سر نکال کر نیچے کیا اور تیسری بار میں چھت پر چڑھ گیا۔ چھت خالی تھی۔

وہ خبیث دوسری چھت سے ہوتا تیسری چھت پر جا رہا تھا اس نے میرے انتظار میں وقت ضائع کرنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ اس کی بچت اسی میں تھی کہ جلد از جلد یہاں سے نکل جائے۔ اس مکان کے تینوں طرف موجود مکان تین منزلہ تھے۔ اوپر کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی جس کی مدد سے وہ اوپر چڑھتا۔ پھر میری نظر ایک مکان کی نکلی ہوئی اینٹوں پر گئی۔ دیوار مضبوط بنانے کے لیے اینٹیں سیدھی نہیں رکھتے ہیں بلکہ اینٹ پر آدھی اینٹ رکھتے ہیں اور آدھی دوسری اینٹ پر ہوتی ہے اس طرح دیوار مضبوط بنتی ہے اور ایک ڈیزائن بھی بن جاتا تھا۔ یہی ڈیزائن آدھی اینٹ کو دیوار کے کونے سے باہر نکال دیتا ہے۔ وہ یقیناً ان ہی اینٹوں کے سہارے دوسری چھت تک گیا تھا میں بھی اسی ترکیب سے اوپر آیا اور نیچے جاتے جاتے بچا کیونکہ آخری اینٹ ہاتھ میں لیتے ہی ٹوٹ گئی تھی اگر میں بروقت چھت کا کنارہ نہ تھام لیتا تو نیچے جاتا البتہ اینٹ دھماکے سے نیچے گری اور کوئی چلایا۔

''اے کی اے اوتے۔''

لمبے بالوں والا تیسرے مکان کی چھت پر پہنچ گیا تھا شور پر اس نے چونک کر دیکھا اور اس بار میں نے اسے واضح دیکھ لیا وہ منحوس صورت فاضلی ہی تھا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا اور ایک فائر کر کے دوڑ پڑا۔ گولی نہ جانے کہاں گئی اور میں اس کی پروا کیے بغیر چھت پر آ گیا۔ فاضلی مجھ سے مشکل سے پچاس فٹ دور تھا میں نے اطمینان سے اس کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ میں نے خیال رکھا تھا کہ گولی اوپر نہ لگے اس کے پیروں پر لگے۔ تیسری فائر پر اس نے قلابازی کھائی اور میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ میں نے دوڑ کر دو چھتیں پار کیں اور تیسرے چھت پر آیا فاضلی یہیں سے غائب ہوا تھا لیکن ، ، ، غائب ہونے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ چڑھتے دن میں آس پاس گری سوئی بھی صاف دکھائی دیتی۔ فاضلی بن یا بھوت بھی نہیں تھا۔ چھت کے کنارے والی جگہ پر تازہ خون گرا تھا میں نے انگلی لگا کر چیک کیا یہ خون ہی تھا۔

اگلی چھت ذرا نیچی تھی اور شاید کسی خاندانی کباڑی کی تھی کیونکہ اس چھت پر لوہا لکڑ، ٹوٹی چارپائیاں، فرنیچر، ڈبے، ٹن اور نہ جانے کیا کیا پڑا تھا اور کب سے پڑا تھا چھت یقیناً بہت مضبوط تھی ورنہ اس ٹنوں وزنی ملبے



تلے اسے بیٹھ جانا چاہیے تھا۔ فاضلی قلابازی کھا کر یقیناً اسی چھت پر گیا تھا لیکن وہ کہاں تھا یہ نہیں معلوم تھا اگر وہ اس کباڑ میں کہیں چھپ گیا تھا تو اسے تلاش کرنا آسان نہیں تھا اور وہ مسلح بھی تھا جیسے ہی میں نیچے اترتا وہ آرام سے مجھے گولی مار دیتا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا ہو۔ میں نے ذرا پیچھے ہو کر وسیم کو تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا۔ ''تم اگلی گلی کے سرے تک آ جاؤ اور آس پاس سے ہوشیار رہنا اس کے پاس موبائل ہوگا وہ مدد منگوا سکتا ہے۔''

''فکر نہیں ..... میرے آدمی بھی آ گئے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''وین مونا کو اسپتال چھوڑ کر واپس آ رہی ہے۔''

''سفیر اور سعدیہ کہاں ہیں؟''

''سعدیہ کو عبداللہ نے واپس کوٹھی بھیج دیا ہے۔''

''وسیم ہمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے مرشد ہمارے پورے پلان سے واقف ہے۔ اس نے بھی متبادل منصوبے سوچ رکھے ہوں گے۔''

''ہو سکتا ہے جناب۔''

میں نے محفوظ رہ کر چھت کا جائزہ لیا۔ سیڑھیوں والا حصہ کاٹھ کباڑ سے صاف تھا یہ جگہ استعمال کی جاتی تھی کپڑے سکھانے کے لیے اور گرمیوں میں چھت پر سونے کے لیے۔ یہاں دو عدد تخت کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے ایک بار سوچا اور پھر خطرہ مول لیتے ہوئے دوڑ کر نیچے کودا اور قلابازی کھاتا ہوا ایک تخت کے پیچھے جا گرا۔ فاضلی کی چلائی گولی میرے پاس سے گزری تھی۔ میں بچ گیا اور فوراً ایک تخت کی آڑ میں ہوگیا۔ فاضلی لوہے کی ایک پیٹی کے پیچھے تھا۔ میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ وہ بالکل ٹھیک جگہ پھنسا تھا۔ اس مکان کے تین طرف دو منزلہ مکان تھے اور اترنے کے واحد راستے یعنی سیڑھیوں پر میں بیٹھا تھا۔

''فاضلی میرا خیال ہے گولی تمہاری..... میں لگی۔'' میں نے ایک ناقابلِ ذکر جگہ کا ذکر کیا۔ ''اب عافیت اسی میں ہے کہ ہتھیار ڈال کر سامنے آ جاؤ ورنہ کتے کی موت مارے جاؤ گے۔''

جواب میں مشتعل فاضلی نے کئی وزنی گالیوں کے ساتھ ایک گولی بھی ارسال کی تھی جو تخت میں سوراخ کرتی گزر گئی۔ میں محتاط ہوگیا میں اسے محفوظ آڑ سمجھ رہا تھا وہ بالکل بھی محفوظ نہیں تھی۔ میں نے جلدی سے دوسرے تخت کی آڑ لے لی۔ اگرچہ یہ بھی محفوظ نہیں تھا لیکن ایک کے بجائے دو تختوں سے گزر کر آنے والی گولی یقیناً کم خطرناک ہوتی۔ میں نے قہقہہ مارا۔ ''صرف ایک گولی اور تین گالیاں..... لگتا ہے تمہارے پاس دونوں کا اسٹاک کم ہوگیا ہے۔''

جواب میں اس نے ایک فائر اور کیا۔ شاید یہ بتانے کے لیے کہ اس کے پاس گولیاں کم نہیں ہیں لیکن اس کی ایک فائر کی حکمتِ عملی بتا رہی تھی کہ گولیاں سچ مچ کم پڑ گئی تھیں۔ میں نے وسیم کو مکان کی نشاندہی کی۔ ''تم یہیں آ جاؤ..... نیچے کوئی ہو تو اسے قابو کر لینا۔''

''ٹھیک ہے لیکن آپ جلدی کریں فائروں کی آواز یہاں تک آ رہی ہے اور جلد یا بدیر پولیس آ جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم کی بات سے ایک خدشہ اور میرے ذہن میں آیا تھا۔ فاضلی کے پاس موبائل کی موجودگی یقینی تھی اور اس نے مدد تو طلب کی ہوگی ساتھ ہی پولیس کو بھی کال کر دی ہوگی۔ پولیس مرشد کی خادم تھی اس لیے فاضلی کے طلب کرنے پر دوڑی چلی آتی۔ فاضلی اسی وجہ سے فرار کے بجائے اس محفوظ جگہ دبک گیا تھا۔ میں نے گھڑی اتار کر اس کا چمکیلا ڈائل تخت سے باہر کر کے اس ممکنہ جگہ کا جائزہ لیا جہاں فاضلی دبکا ہوا تھا وہاں زیادہ لوہے کا کاٹھ کباڑ تھا جو اسے پناہ مہیا کر رہا تھا۔ میں نے گھڑی ساکت رکھتے ہوئے کہا۔ ''فاضلی کتے کی اولاد..... باہر آجا تیرے پاس صرف تین منٹ کی مہلت ہے۔''

''اس کے بعد تم ایٹم بم پھینک دو گے؟'' اس نے طنز کیا۔

''نہیں میں مرشد کی طرح بے پناہ مال حرام نہیں رکھتا کہ اس خود کار گن جیسا مہنگا اسلحہ خرید سکوں لیکن تم جانتے ہو دستی بم ہمارے ہاں کتنی آسانی سے مل جاتا ہے۔ میرے پاس ایک عدد دستی بم ہے وہ میں نے پھینک دیا تو تم یہیں مارے جاؤ گے۔''

اسے سانپ سونگھ گیا تھا پھر اس نے کہا۔ ''اگر تم نے دستی بم استعمال کیا تو کیا خود بچ جاؤ گے؟''

''ہاں کیونکہ میں سیڑھیوں کے پاس ہوں بم ارسال کرتے ہی میں نیچے اتر جاؤں گا اور چھت بیٹھ گئی تب بھی سیڑھیاں بچ جائیں گی۔''

''پھینک دو۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''تمہارے سامنے ہتھیار ڈالنے سے بہتر ہے میں یہیں مر جاؤں۔''

''فکر مت کرو تمہیں اتنی آسانی سے مرنے نہیں دیں گے۔''

''میں مکان کے سامنے ہوں جناب۔'' وسیم کی آواز آئی۔ ''یہاں تالا لگا ہے اور محلے والے بھی جمع ہیں۔''

میں نے ممکنہ حد تک دھیمی آواز میں جواب دیا۔ ''تالا توڑ کر اندر آجاؤ خود کو کسی ایجنسی کا نمائندہ ظاہر کرو اور لوگوں سے کہو کہ اندر خطرناک مجرم ہیں جنہیں گھیر لیا گیا ہے۔ ایک ایس ایم ایس کر رہا ہوں وہ دیکھو۔''

دھیمی آواز میں بات کرنے کے باوجود مجھے شبہ تھا کہ فاضلی تک آواز جا رہی ہوگی۔ میں نے اصل بات ایس ایم ایس میں کی اور وسیم کا جواب آیا کہ دو منٹ اور لگیں گے۔ اس کا مطلب تھا کہ وین آنے والی تھی۔ تین منٹ بعد نیچے مکان کا تالا ٹوٹنے کی آواز آئی اس سے پہلے وسیم نے خود کو کسی خفیہ ایجنسی کا نمائندہ ظاہر کر کے لوگوں کو منتشر ہونے پر مجبور کر دیا تھا وین گلی میں آگئی تھی۔ اس دوران میں گھڑی کے شیشے سے فاضلی پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ اس کاٹھ کباڑ میں سکون سے نہیں تھا۔ مسلسل حرکت کر رہا تھا۔ شاید اس کا زخم بھی اس بے چینی کی وجہ تھا تالا ٹوٹتے ہی میں نے اعلان کیا۔

''اب تمہارے پاس صرف دو منٹ کی مہلت ہے اس کے بعد.....''

مشتعل فاضلی نے ناقابلِ اشاعت الفاظ میں بتایا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ وہ بری طرح پھنس گیا ہے زخمی الگ ہے اور اس کے مددگار بھی نہیں پہنچے تھے جب کہ دشمن آگئے تھے اس لیے اس کا حوصلہ جواب دے رہا تھا۔ وسیم نے سرگوشی کی۔ ''میں اندر آگیا ہوں جناب۔''

''ٹھیک ہے خاموشی سے اوپر آکر وہ چیزیں مجھے دے دو اور واپس نیچے جا کر انتظار کرو۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ نیچے آجائیں اور میں.....''

''مجھے معلوم ہے وہ کہاں ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

وسیم دبے قدموں سیڑھیوں تک آیا۔ میں نے اسے خبردار کیا کہ سر مت نکالنا۔ اس نے سامنے آئے بغیر دونوں چیزیں میری طرف اچھال دیں اور میں نے انہیں کیچ کر لیا۔ یہ دو چیزیں تھیں ایک گیس ماسک اور دوسرا گیس بم۔ ماسک چہرے پر چڑھا کر میں نے چھوٹے باڈی اسپرے سائز اور صورت کے گیس بم کی چابی گھمائی اور فوراً اس سے دھواں خارج ہونے لگا۔ میں نے بم اس کاٹھ کباڑ میں پھینک دیا جس میں فاضلی چھپا ہوا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اسے ذرا دور پھینکا تھا تاکہ وہ اسے فوراً کہیں اور نہ پھینک دے۔ بم سے گیس خارج ہونے کی رفتار بہت تیز تھی۔ فاضلی نے چلا کر گالی دی اور میری طرف اندھا دھند فائرنگ کی۔ میں پہلے ہی نیچے لیٹ گیا تھا اور سر بازوؤں میں چھپا لیا۔ گولیاں دونوں تختوں کے پار ہو رہی تھیں اور اس کی چوتھی یا پانچویں گولی میری کمر سے رگڑ کھاتی گزر گئی۔ ایسا لگا جیسے کسی نے گرم چھری مرچیں لگا کر کمر پر پھیر دی ہو۔ میں بے ساختہ کراہا تو وسیم نے بے چینی سے کہا۔

''کیا ہوا جناب؟''

''کچھ نہیں ایک گولی کمر کو چھوتی گزر گئی ہے۔'' میں نے زخم ٹٹولتے ہوئے کہا میری انگلیوں سے خون لگ رہا تھا۔ زخم لمبا تھا لیکن گہرا نہیں تھا۔ فاضلی کا پستول خالی ہو گیا تھا اور وہ اسے بھرنے کے قابل نہیں رہا تھا کیونکہ گیس اس تک پہنچ گئی تھی اور وہ کھانس کھانس کر بے حال ہو رہا تھا۔ گیس سے بچنے کے لیے وہ اپنی پناہ گاہ سے نکل آیا تھا اور اب کھلی جگہ کے پاس ہی تھا لیکن میں نے اٹھ کر سامنے آنے کی حماقت نہیں کی۔ اس کے پاس لازمی ایک سے زیادہ ہتھیار تھے۔ مجھے سامنے آنے کی ضرورت بھی نہیں گیس خود اس کا کام کر دیتی۔ چھت اب دھواں دھار ہو رہی تھی۔ فاضلی کھلی جگہ تھا اور میں اسے آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ میں اسے مارنا نہیں چاہتا ہوں زندہ گرفتار کر کے لے جانا مقصد ہے اسی لیے وہ چانس لے کر کھلی جگہ آیا تاکہ میں بھی کھلی جگہ آؤں تو وہ مجھ پر وار کر سکے۔ میں اسے موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑا رہا تھا شاید گولی اسی میں لگی تھی۔

''شہباز۔'' اس نے مجھے للکارا۔ ''سامنے آ.....''

جملے کے خاتمے پر اس نے چار پانچ مرصع گالیاں شامل کی تھیں۔ اس کی آواز سے لگ رہا تھا کہ گیس اس پر اثر کر گئی ہے اور وہ زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جیسے ہی وہ سانس لیتا اسے کھانسی کا دورہ پڑ جاتا تھا گیس اب مجھ تک آگئی تھی لیکن میں ماسک کی وجہ سے محفوظ تھا۔ بالآخر فاضلی لڑکھڑایا اور فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے ایک منٹ اور انتظار کیا اور پھر آڑ سے نکل آیا فاضلی بے ہوش ہو چکا تھا میں نے اس کی [illegible] اور ایک چھوٹا پستول برآمد کر لیا یہ بھرا ہوا تھا اور فاضلی اس کے استعمال کی حسرت لیے [illegible] اس کے پاس سے ایک بڑا خطرناک قسم کا کمانڈو چاقو بھی نکلا تھا۔ میں نے یہ سارے [illegible] اسے کھینچ کر سیڑھیوں تک لے آیا۔ گیس یہاں تک آگئی تھی اور وسیم میری مدد کو نہیں آسکتا تھا اس مرد [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈھو کر نیچے لے جانا تھا لیکن اس وقت میں نے شکر کا سانس لیا جب وسیم کو ماسک سمیت سیڑھیوں پر موجود پایا۔

"پکڑا گیا نا۔" وسیم نے فاضلی کی طرف دیکھا اور کھینچ کر شانے پر ڈال لیا۔ "اس حرامی کو بھی پہنچاتے ہیں حویلی کے تہہ خانے۔ آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں یار معمولی سا زخم ہے۔" میں اس کے پیچھے نیچے اترا۔ گھر والے کہیں گئے ہوئے تھے اور اچھی بات تھی کہ بچ گئے ورنہ فاضلی ان کو یرغمال بنا سکتا تھا یا راستہ روکنے پر بے دریغ اڑا دیتا۔ وسیم نے وین پہلے ہی دروازے تک منگوالی تھی۔ اس نے ماسک نہیں اتارا تھا میں نے بھی ماسک اتارنے سے گریز کیا اچھی بات تھی جتنے کم لوگ ہماری صورت دیکھتے اتنا ہی اچھا ہوتا۔ وسیم نے فاضلی کو وین کے عقبی حصے میں ڈالا اور میں اس سے ہیلمٹ لیتا ہوا بائیک کی طرف بڑھا۔ میں آگے نکلا اور سن پیچھے آئی تھی۔ خفیہ ایجنسی کا نام سن کر لوگ گلی سے غائب ہو گئے تھے اور اب کھڑکیوں اور دروازے کے جھروکوں سے جھانک رہے تھے۔ وسیم نے موبائل پر میرے زخم کے بارے میں پوچھا۔ "وین میں ڈریسنگ کا انتظام ہے۔"

"نہیں میں جا کر ڈریسنگ کرا لوں گا۔ فاضلی کی پوری تلاشی لو یہ بہت خطرناک آدمی ہے اس کا موبائل آف کر دو اور اس کا الیکٹرانک چیک بھی کرو اس کے پاس کوئی سگنل دینے والا آلہ نہ ہو۔"

"آپ بے فکر رہیں میں ابھی چیک کر رہا ہوں اوہ..... اس کے تعویذ میں کچھ ہے۔"

وسیم نے فاضلی کے گلے میں موجود تعویذ میں کوئی سگنل دینے والا آلہ دریافت کر لیا تھا وہ اس نے وین سے باہر پھینک دیا۔ میں نے کال کاٹ کر عبداللہ کا نمبر ملایا۔ "عبداللہ مونا کا کیا حال ہے؟"

عبداللہ کچھ دیر خاموش رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "ڈاکٹر اسے آپریشن روم میں لے گئے ہیں۔ شہباز صاحب آئی تھنک شی از مس کیرج۔"

میرے دل میں ایک کانٹا سا چبھ گیا۔ کیا سچ مچ مونا اور سفیر کی یہ پہلی خوشی چھن جائے گی؟ میں نے سفیر کا پوچھا۔ "وہ مونا بی بی کے ساتھ ہے۔"

"اس کے پاس موبائل ہے؟"

"ہاں موبائل ہے۔" عبداللہ نے بتایا۔ "آپ کہاں ہیں؟"

"میں اور وسیم فاضلی کے پیچھے تھے یہ سب اسی حرامزادے کا کیا دھرا ہے۔"

عبداللہ یہ سن کر بے تاب ہو گیا۔ "تو آپ نے اسے پکڑ لیا؟"

"ہاں شکر ہے وہ ہاتھ آ گیا وسیم اسے لے جا رہا ہے تم اس سے بات کر لو۔" میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ میں اس آبادی سے خاصا دور نکل آیا تھا۔ اور اب خطرے کی بات نہیں تھی اس لیے میں نے سڑک سے ہٹ کر ایک درخت کے ساتھ بائیک روک دی اور سفیر کو کال کی۔ اس نے چند بیل کے بعد کال ریسیو کی۔

"شہباز۔" اس نے بوجھل لہجے میں کہا تو میں سمجھ گیا۔

"سفیر کیا ڈاکٹر نے تصدیق کر دی ہے؟"

"ہاں یار انہوں نے تو آپریشن کے لیے سائن بھی کرا لیے ہیں اگر دیر ہوئی تو مونا کی زندگی کو بھی خطرہ ہو جائے گا۔" سفیر بولا۔ "تو کہاں ہے؟"



"ہم نے اس واقعے کے ذمے دار کتے کو پکڑ لیا ہے وسیم اسے لے گیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"مرشد کا پالتو..... فاضلی۔" میں نے کہا۔ "تو فکر نہ کر میرے یار نقصان تو ہوا ہے لیکن مجرم بھی نہیں بچے گا۔"

"فاضلی صرف ایک مہرہ ہے اصل مجرم مرشد ہے۔" سفیر نے تلخی سی کہا۔

"میرا اشارہ اسی کی طرف ہے۔ فاضلی اچھا کا بہت اہم آدمی ہے وہ اس کے بارے میں بہت کچھ بتائے گا۔"

سفیر کو تسلی دے کر میں نے موبائل بند کیا۔ وسیم کا ایک آدمی میرے ساتھ رک گیا تھا۔ میں نے اسے بھی رخصت کیا اور دوبارہ عبداللہ کو کال کر کے سعدیہ کے بارے میں پوچھا اس نے بتایا کہ وہ واپس کوٹھی پہنچا دی گئی ہے اور اس نے کوٹھی کی سیکورٹی کو الرٹ کر دیا ہے اس کے چھ آدمی اسپتال میں تھے۔ اسپتال کے باہر دو آدمی وسیم کے بھی تھے۔ اس طرف سے تسلی ہوئی تو میں نے فارم جانے کا سوچا لیکن پھر مجھے خیال آیا۔ گزشتہ روز میں نے جس بنگلے کے لیے بات کی تھی وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کے مالک افنان احمد نے مجھ سے کہا تھا کہ دن میں کسی وقت اس سے مل لوں۔ میں نے وسیم اور عبداللہ کو اس بارے میں ایس ایم ایس کیا اور روانہ ہو گیا۔ مری روڈ پر واقع یہ بنگلہ مین روڈ کے ساتھ ہی تھا اور اس کے آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی۔ پورا بنگلہ ایک چھوٹے سے ٹیلے پر تھا۔ مین گیٹ تک جانے کے لیے پتھروں سے بنا خوب صورت ڈرائیو وے تھا اور گیٹ ہی سڑک سے کوئی بیس فٹ بلند تھا اندر بنگلے کی اصل عمارت اس سے زیادہ بلندی پر تھی۔ یہ کوئی باقاعدہ اسکیم نہیں تھی پتا نہیں افنان احمد نے یہاں مکان بنانے کی اجازت کس طرح حاصل کی تھی۔ میں نے کال بیل بجائی تو کچھ دیر بعد اندر سے ایک تقریباً چالیس برس کا گورا چٹا اور سفید فرنچ کٹ والا آدمی نکلا اس کی داڑھی اور سر کے بال بالکل سفید تھے۔ یہ سفیدی عمر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یہ بالوں کا اصلی رنگ تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"افنان احمد؟"

"جی میں ہی ہوں۔"

"شہباز احمد..... آپ سے مکان کے سلسلے میں بات ہوئی تھی کل۔"

اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ "میں نے پہچان لیا آیئے اندر آئیں۔"

وہ مجھے اندر لے گیا کوٹھی کے سامنے والے حصے میں چھوٹا سا خوب صورت لان تھا ٹیلے کی ڈھلان کو برقرار رکھتے ہوئے باغ ترتیب دیا گیا تھا۔ پورچ تک ڈرائیو وے ڈھلان کی صورت میں تھا لیکن پورچ ہموار تھا اور اسی طرح رنگ برنگے پتھروں سے بنا کر ہموار کیا گیا تھا۔ مکان دو منزلہ اور خوب صورت جدید انداز کا بنا ہوا تھا اس میں شیشے کا کام بہت زیادہ تھا اور پر کم سے کم دو کمروں میں گلاس وال تھی ممکن ہے پیچھے کی طرف بھی ہو لیکن ساتھ ہی ڈیزائن والی فولادی گرلز سے حفاظت کا بھی پورا انتظام تھا۔ پورچ کے ساتھ ایک بڑا کمرہ تھا یہ نشست گاہ ثابت ہوئی۔ اس میں وال ٹو وال کارپٹ کے ساتھ سادہ لیکن خوب صورت انداز کے دو بڑے صوفہ سیٹ تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک طرف بڑی سی گلاس ٹاپ والی ڈائننگ ٹیبل تھی جس کے گردوس کرسیاں تھیں۔ صرف یہی کمرہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ باقی گھر کس طرح سے فرنش ہوگا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ اپنا سجا سجایا گھر اس طرح سے کرائے پر دے رہا تھا۔ میں نے اس سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

''مجبوری ہے۔'' افنان احمد نے گہری سانس لی۔ ''میرا ایک ہی بیٹا ہے جو امریکہ میں پڑھ رہا ہے۔ آج کل وہاں کے جیسے حالات چل رہے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اس کے پاس جا کر رہوں۔ حالانکہ یہ گھر میں نے رہنے کے لحاظ سے بنایا ہے اور ایک سال پہلے ہی مکمل ہوا ہے۔''

اس نے پہلے مجھے چائے بنا کر پیش کی۔ پھر اس نے پورا گھر دکھایا۔ اوپر تین بہت اچھی طرح فرنش کیے ہوئے تین بیڈ روم تھے تینوں اٹیچ باتھ کے ساتھ تھے۔ نیچے بھی ایک بیڈ روم تھا۔ کچن مکمل تھا اور اس میں ضرورت کی ہر چیز لگی ہوئی تھی۔ جب ہم واپس ڈرائنگ روم میں آئے تو میں نے کہا۔ ''مجھے آپ کا مکان پسند آیا ہے۔ شرائط بھی مناسب ہیں۔ یہ بتائیں کہ معاہدہ کرنے کب آؤں۔''

''آج شام کو آجائیں۔'' اس نے کہا۔ ''میرے پاس معاہدہ نامہ تیار ہے بس اس پر میرے آپ کے اور دو گواہوں کے سائن اور این آئی سی کی کاپی لگانی ہوگی۔''

''ٹھیک ہے میں آج شام یا کل صبح حاضر ہو جاؤں گا اور ادائیگی کیش کی صورت میں کروں گا۔''

اس نے کسی قدر تامل کے ساتھ کہا۔ ''لیکن میں بنک ڈرافٹ کو ترجیح دوں گا۔''

''ٹھیک ہے لیکن اس صورت میں یہ کام کل صبح ہی ہو سکے گا۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے کل صبح سہی۔'' وہ خوشدلی سے بولا۔ ''دراصل آج کل حالات ایسے نہیں ہیں کہ آدمی اتنے بڑے کیش کو سنبھالے اس میں مالی نقصان کے ساتھ جان کا رسک بھی ہوتا ہے۔''

وہ مجھے چھوڑنے باہر تک آیا تھا۔ میں نے واپس جانے کے بجائے اسپتال جانے کو ترجیح دی۔ پہلے میں نے او پی ڈی میں جا کر اپنے کمر کے زخم کی مرہم پٹی کرائی۔ کمپاؤڈر نے زخم صاف کر کے اس پر خشک کرنے والا پاؤڈر چھڑک کر اوپر سے چکنی پٹی رکھ کر سخت ٹیپ لگا دیا۔ اس نے مجھے ایک دن پانی سے احتیاط کا کہا اور ایک انجکشن بھی لگا دیا۔ زخم معمولی خراش کی صورت میں تھا۔ او پی ڈی سے باہر آ کر اندر جانے کے بجائے میں نے سفیر کو کال کر کے باہر بلا لیا تھا۔ اس کے ساتھ عبداللہ بھی آیا تھا۔ مونا آپریشن کے بعد کمرے میں شفٹ کر دی گئی تھی اور اس کی حالت خطرے سے باہر تھی لیکن اسے دو دن اسپتال میں ہی رہنا تھا۔ عبداللہ نے اسپتال انتظامیہ سے بات کر کے اندر دو مسلح محافظ رکھوا دیئے تھے۔ باہر اس کے چار آدمی مستقل موجود رہتے اور ان کا اندر کے آدمیوں سے ریڈیو پر رابطہ رہتا۔ اندر والے چھوٹے اسلحے سے مسلح تھے لیکن باہر موجود گارڈز کے پاس جدید خود کار اسلحہ اور دو عدد گاڑیاں تھیں۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''یار اتنے انتظامات کے بجائے مونا کو کوٹھی منتقل کر کے ڈاکٹر اور نرس کو وہیں نہ بلوا لیا جائے؟''

''میں نے بھی یہی کہا تھا لیکن جس لیڈی ڈاکٹر نے آپریٹ کیا ہے اس کا کہنا ہے کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں مونا بی بی کو دوبارہ اسپتال ہی لانا پڑے گا۔ اس لیے اسپتال میں رکنا لازمی ہے۔''

''ائیر کلب والے معاملے کا کیا ہوا؟''



عبداللہ بولا۔ ''مجھے علاقے کے ایس پی کی کال آئی تھی میں کچھ دیر میں اس سے ملنے جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے کوشش کرنا کہ سعدیہ کا ذکر نہ آئے صرف مونا اور سفیر کا ذکر بھی کافی ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔ میری کوشش ہوگی لیکن اس میں ائیر کلب والے بھی شامل ہیں اور وہ غلط بیانی نہیں کریں گے۔''

''راجا صاحب سے بات کرو وہ اوپر سے کوئی جیک لگائیں۔''

''راجا صاحب سے میں نے بات کی ہے امید ہے وہ کسی مشکل کی صورت میں معاملے کو سنبھال لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں نے مری روڈ پر راول چوک سے ذرا آگے ایک کوٹھی دیکھی ہے جو ایک بلند ٹیلے پر ہے۔''

''جاتے ہوئے بائیں طرف آتی ہے اوپر والے حصے میں گلاس وال بھی ہے۔'' عبداللہ نے تصدیق چاہی۔

''بالکل یہی کوٹھی ہے فرنش حالت میں پورے سال کے لیے کرائے پر مل رہی ہے۔ میں نے لینے کا فیصلہ کیا ہے میرا آئی ڈی کارڈ تمہارے پاس پڑا ہے وہ مجھے چاہیے اور ہاں ایک دس لاکھ کا بینک ڈرافٹ افنان احمد کے نام سے چاہیے۔''

''ہو جائے گا لیکن یہ کام کل ہی ہو سکے گا۔''

''ظاہر ہے میں تم سے کل صبح لے لوں گا۔ وسیم سے بات ہوئی؟''

''ہاں اس خبیث کے بارے میں سنا تھا۔'' عبداللہ بولا۔ ''میری بھی خواہش ہے اسے دیکھوں اس نے بہت چلر دیئے ہیں۔''

''جلد تم دیکھ سکو گے۔'' میں نے کہا۔ ''سفیر یہیں رہے گا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اسے اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

میں نے سوچ کر کہا۔ ''چلو ٹھیک ہے مونا کو ویسے بھی اس کے مورال سپورٹ کی ضرورت ہے۔''

''میں نے ایاز کو اسپتال کے باہر رہنے کے لیے بلا لیا ہے۔''

''باہر کے بجائے وہ اندر رہے تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' میں نے ہدایت کی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ میرا زیادہ دیر یہاں ٹھہرنا بھی ٹھیک نہیں تھا۔ مرشد کے دوسرے کتوں کی یہاں موجودگی کا امکان تھا۔ راستے میں میں نے وسیم کا نمبر ملایا۔ ''کہاں ہو تم؟''

''ہم پہنچ گئے ہیں ابھی اس ولد الحرام کی مرہم پٹی کر رہے ہیں پھر اس سے پوچھ گچھ کرتے ہیں۔''

میں خود فاضلی سے بات کرنے کا مشتاق ہو رہا تھا۔ ''میں آ رہا ہوں۔''

''یہ اور اچھا رہے گا۔''

میں نے راستے میں بیتو کو کال کی اور اسے مختصراً صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد صابر اور اس کی بیٹی کا پوچھا۔ مونا کا سن کر اسے دکھ ہوا تھا اس نے صابر کے بارے میں بتایا۔ ''وہ بہت شور کر رہا تھا لیکن ہم نے نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنا اب آرام سے ہے۔"

"ہوشیار رہنا خطرناک آدمی ہے۔ وہ ایک سوٹ کیس لایا تھا میں نے اس میں سے اسلحہ نکال لیا تھا لیکن ممکن ہے کوئی چھپا ہوا اسلحہ ہو اس لیے اگر اس کے کمرے میں جانا پڑے تو بہت محتاط رہنا۔"

"آپ فکر مت کرو۔" اس نے کہا۔ "ہم ہوشیار رہے گا۔"

چند دن میں بائیک نے خاصی بھاگ دوڑ کی تھی اور مجھے اس میں پیٹرول ڈالنے کا خیال نہیں رہا تھا یہ سارے کام ایاز نے اپنے ذمے لے رکھے تھے لیکن وہ ابھی کوٹھی میں تھا اس لیے کسی اور نے زحمت نہیں کی۔ ٹینک تقریباً خالی ہو رہا تھا۔ میں نے راستے میں آنے والے پہلے پیٹرول پمپ سے ٹینک فل کرایا اور حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کھلی سڑک پر بائیک نے یہ فاصلہ آدھے گھنٹے میں طے کر لیا جب کہ گاڑی کو پون گھنٹہ لگتا تھا۔ وسیم ایک کمرے میں قالین پر نیم دراز چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کا آدمی مجھے دیکھ کر فوراً فٹ چائے لے آیا میں بھی اس کے پاس نیم دراز ہو گیا۔ "یار کھانے کے وقت چائے۔"

"شہباز صاحب پی کر دیکھیں بہت عرصے بعد مزے کی چائے ملی ہے۔"

"کوئلے پر بنائی ہے جی۔" چائے لانے والا بولا۔

واقعی مزے کی چائے تھی۔ پی کر تھکن اتر گئی اور میں فاضلی کے دیدار کے لیے تازہ دم ہو گیا تھا۔ وسیم سونا کے بارے میں جان گیا تھا۔ اس نے افسوس کا اظہار کیا۔ میں نے عبدل اور اسلم کے بارے میں پوچھا وسیم بولا۔

"ان کے دم خم خاصے نکل گئے ہیں۔"

"چلو بات کرتے ہیں۔"

فاضلی کو ایک ستون کے گرد لپٹی فولادی زنجیر کے دوسرے سرے پر موجود تالے والے کڑے سے باندھا ہوا تھا وہ ایک مخصوص دائرے سے زیادہ حرکت نہیں کر سکتا تھا اور فی الحال وہ حرکت کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔ اس کی ٹانگ سے گولی آپریشن کر کے نکالی گئی تھی۔ عبدل اور اسلم اس سے دور بندھے تھے۔ وسیم نے انہیں بھی ستونوں کے ساتھ لگی زنجیروں سے بندھوایا تھا۔ یہ زنجیریں اتنی مضبوط تھیں کہ وہ کسی صورت نہیں کھول سکتے تھے۔ فاضلی نیم غشی کی حالت میں تھا اس کی پینٹ کا پائنچہ خون میں بھیگا ہوا تھا۔ وسیم کے آدمی نے مہارت سے جراحی کی تھی۔ اس نے بتایا۔ "کل تک اس کی حالت بہتر ہو جائے گی۔"

اچانک فاضلی اٹھ بیٹھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "شہباز تم نے بلاوجہ مجھے یہاں لانے کی زحمت کی تم مجھ سے کچھ نہیں اگلوا سکتے بہتر ہو گا مجھے مار دو۔"

"تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ تمہاری زبان بند رہے گی۔ چند دن رک جاؤ اسی جگہ تم سب اگل رہے ہو گے۔"

فاضلی یوں مسکرانے لگا جیسے میں لاف گزاف کر رہا ہوں۔ وسیم کو غصہ آ گیا۔ "تین دن کی کیا ضرورت ہے یہ حرامی آج ہی بولے گا۔ ایک گھنٹے میں اس کے سارے کس بل نکل جائیں گے۔"

"نہیں یار یہ ایسے ہی بولے گا اور اسے ہاتھ لگانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی یہ خود گڑگڑا کر بتائے گا۔"



فاضلی کے لیے تو یہ بات ناقابلِ یقین تھی۔ وسیم نے بھی سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے سر ہلایا کہ بعد میں بتاؤں گا پھر میں عبدل اور اسلم کی طرف آیا۔ "تم دونوں نے کیا فیصلہ کیا ہے، مرشد کے بارے میں بتاؤ گے۔"

اسلم خوف زدہ تھا اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہم مرشد کے اہم ترین آدمی کو بھی پکڑ لائے تھے اس نے کہا۔

"میں جو جانتا ہوں وہ سب بتا دوں گا۔"

فاضلی نے عقب سے قہقہہ لگایا۔ "تم جانتے ہی کیا ہو کتے کے پے تم صرف بھونک سکتے ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

میرا بھی یہی خیال تھا انہیں مرشد کے ساتھ ملے ہوئے چند دن ہوئے تھے اور مرشد ان پر اس حد تک بھروسہ نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں کوئی اہم بات معلوم ہو۔ عبدل ابھی حوصلے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ شاید اسے امید تھی کہ اسے چھڑا لیا جائے گا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ "فاضلی ٹھیک کہہ رہا ہے یہ صرف بھونکنے والے پلے ہیں مرشد کا اصل کتا یہ خود ہے جو بھونکتا بھی ہے اور کاٹتا بھی ہے یہی اس کے بارے میں بتائے گا۔ ان دونوں کو ناشتہ دو۔"

"کیا۔" عبدل تڑپ کر چلایا۔ "تم ہمیں قتل کر رہے ہو؟"

"اسے قتل نہیں انصاف کہتے ہیں۔" میں نے تصحیح کی۔ "تم نے مرشد کے آدمیوں کے ساتھ مل کر تین بے قصور عورتوں کے ساتھ جو سلوک کیا صرف اسی پر تم کئی بار سزائے موت کے مستحق ہو چکے ہو۔ اس کے علاوہ تم نے انہیں قتل بھی کیا۔ ایک لڑکی اپنی قسمت سے بچ گئی۔ صابر کے ساتھ مل کر تم لوگ اس سے پہلے بھی جرائم کرتے رہے ہو۔"

وسیم کے اشارے پر اس کے آدمیوں نے تہہ خانے کی چھت سے لگے کڑوں سے رسے گزارے اور پھر ان کا پھندہ بنا کر پہلے اسلم کی گردن میں ڈالا۔ اس کی ہتھکڑی کھول دی تھی اس نے بھرپور مزاحمت کی لیکن اس کی ایک نہیں چلی۔ رسی کھینچتے ہی پھندہ اس کے گلے میں فٹ ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں نہیں بندھے تھے اس لیے وہ ہاتھوں سے پھندہ ڈھیلا کرنے کی کوشش کے ساتھ لاتیں بھی چلا رہا تھا۔ ایک بار اس نے پھندہ ڈھیلا کر لیا تھا لیکن وسیم کے آدمیوں نے اچانک رسہ چھوڑ کر دوبارہ کھینچ لیا۔ اس بار پھندہ سختی سے اس کی گردن میں دھنس گیا اور اس کا دم گھٹنے لگا تھا چند منٹ میں اس کی سانس رک گئی اور زبان باہر نکل آئی تھی۔ موت کے کرب نے اس کے نقوش بگاڑ دیے تھے۔ عبدل دہشت زدہ انداز میں اس کی موت کا تماشہ دیکھ رہا تھا اور خوف سے اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔ جیسے ہی اسلم کا دم نکلا اس نے چلانا شروع کر دیا۔

"خدا کے لیے..... مجھے معاف کر دو..... مجھے معاف کر دو۔"

"ان عورتوں نے بھی تم سے زندگی اور عزت کی بھیک اسی طرح مانگی ہو گی۔" وسیم نے اسے لات رسید کی جو سیدھی جبڑے پر لگی اور اس کا جبڑہ ٹوٹ گیا جب وسیم کے آدمی اسے لٹکا رہے تھے تو وہ مضحکہ خیز آواز میں رو رہا تھا۔ دو منٹ سے پہلے اس کی لاش بھی رسی سے جھول رہی تھی۔ میری زندگی میں ایسے مواقع کم آئے تھے جب میں نے کسی انسان کو سوچ سمجھ کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ عبدل اور اسلم کے لیے میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سزائے موت کے پوری طرح مستحق تھے۔ وسیم کے آدمی ان کی لاشیں اوپر لے گئے۔ فاضلی آرام سے ستون سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اس نے ان دونوں کی موت کا ذرا بھی اثر قبول نہیں کیا تھا۔

''مرشد کو اس سے اتنا فرق بھی نہیں پڑے گا جتنا اپنے گندے ہاتھ دھونے سے پڑتا ہے۔''

''تمہارے مرنے سے تو پڑے گا؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مرشد کے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے بس فرق صرف اتنا ہے کہ وہ گدھے ہیں اپنی صحیح قیمت وصول نہیں کر پاتے۔''

''تم عقل مند ہو اپنی قیمت صحیح وصول کرتے ہو۔'' میں نے طنز کیا۔ ''لیکن یہ قیمت اپنی قبر میں تو استعمال کرنے سے رہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''یہ قیمت میں نے اپنے لیے نہیں لی ہے جن کے لیے لی ہے وہ ساری عمر عیش و آرام سے رہیں گے۔''

''تم مرشد کے قریب ترین آدمی ہو اس کے بارے میں سب جانتے ہو۔''

''یہ دعویٰ تو مرشد کی کوئی بیوی بھی نہیں کر سکتی۔ میں بہت کچھ جانتا ہوں لیکن سب نہیں جانتا۔ جو جانتا ہوں وہ تمہیں بتاؤں گا نہیں کیونکہ یہاں مجھے موت سے ہی چاہے میں زبان کھولوں یا نہ کھولوں اور اگر زبان کھول دی تو مرشد میرے گھر والوں کو نہیں چھوڑے گا ورنہ وہ ان سے تعرض نہیں کرے گا۔''

میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ میں وسیم کے ساتھ اوپر آیا۔ وسیم نے کہا۔ ''اب اس کا کیا کرنا ہے آپ نے دعویٰ بہت بڑا کر دیا ہے۔''

''میرے ذہن میں ایک خیال ہے۔'' میں نے کہا اور وسیم کو اپنے آئیڈیئے سے آگاہ کیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''ممکن ہے فاضلی کے معاملے میں یہ حربہ کام نہ کرے۔ ہر شخص کی قوت ارادی مختلف ہوتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے لیکن ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''تم اپنے آدمیوں سے کہو اس پر کام شروع کر دیں۔ دوسری صورت میں اس سے کچھ اگلوا لینا بہت ہی مشکل کام ہوگا ہمیں بھی درندگی کی ان انتہاؤں سے گزرنا پڑے گا جن سے شاید ہم نہ گزر سکیں۔ فاضلی نے بتا دیا ہے کہ معاملہ اس کے گھر والوں کی سلامتی کا بھی ہے اس لیے وہ ہر اذیت سے گزر جائے گا۔''

''ٹھیک ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''اب ان دونوں کا کیا کرنا ہے؟''

''ان کا خوب صورت پارسل بنواؤ اور کسی گاڑی والے کو دے کر مرشد ہاؤس بھیج دو۔''

''ساتھ ہی پولیس کو اطلاع نہ کر دیں؟'' وسیم نے تجویز پیش کی۔

''نہیں یار پولیس اس کی نمک خوار ہے۔ وہ فوراً اسے بتا دیں گے۔ اس کے بجائے تم میڈیا کو اطلاع کر دو۔ وہ اپنے کیمرے لے کر پہنچ جائیں گے تو مرشد مشکل میں پڑ جائے گا۔''

وسیم نے سوچا۔ ''لیکن اس میں ٹائمنگ پرفیکٹ ہونی چاہیے ادھر یہ پارسل مرشد ہاؤس پہنچیں اُدھر میڈیا والے پہنچ جائیں۔''

''بس کوئی ایسی ہی کوشش کرنی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بہتر ہوگا ان کا پارسل تابوت اسٹائل میں ہو لیکن لے جانے والے کو شک بھی نہ ہو اسے عام چارجز سے زیادہ دو گے تو وہ خوشی خوشی لے جائے گا۔''

''میں عبداللہ سے بات کر کے سیٹنگ کرتا ہوں۔''

وسیم کے آدمیوں نے بکرے کی بھی تیار کی تھی۔ جب ہم اوپر آئے تو دسترخوان بچھایا جا رہا تھا کچھ دیر بعد ایک بڑے سے تھال میں بھی کو سجائے دو افراد اندر لائے۔ اسے درمیان میں رکھ دیا۔ بھی سے بھاپ اور اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی۔ سوائے نگرانی پر مامور افراد کو چھوڑ کر سب کھانے کے لیے آ گئے تھے۔ بھی کے ٹانکے کھولے تو اس کے اندر بھرے چاول اور میوے باہر آ گئے۔ سب نے اپنی اپنی طرف سے گوشت کاٹ کر اور چاول نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ بنانے والا ماہر تھا۔ آج ہم بڑے حادثے سے دوچار ہوتے ہوتے رہ گئے تھے۔ مونا اور سفیر کو دھچکا لگا تھا۔ پھر مار دھاڑ اور بھاگ دوڑ کے بعد ابھی ہم نے دو بدبخت افراد کو ان کے کیے کی سزا دی تھی۔ اس کے باوجود ہماری بھوک برقرار تھی اور میں نے ٹھیک طرح سے کھایا تھا۔ یہ پیٹ ایسی چیز ہے جو کسی بھی حالت میں اپنا کام نہیں چھوڑتا ہے۔ کھانے کے بعد میں اور وسیم باہر نکل آئے۔

''یہ ٹھکانہ اچھا ہے لیکن میں نے ایک اور جگہ دیکھ لی ہے۔ کل اس کی بات کر لیں گے۔''

''یہ ضروری ہے ہمارے پاس کئی ٹھکانے ہوں اب تو رقم کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اپنے پیر صاحب سے مدد فرمائی ہے۔''

''آگے بھی فرماتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ ان کی مدد سے ان کا بیرا غرق کریں گے اور انہیں جہنم رسید کریں گے۔''

''آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں واپس جا کر صابر سے بات کرتا ہوں۔ میں اسے بریف کیس کی تلاش پر لگاؤں گا۔''

''وہ قابل بھروسہ نہیں ہے۔''

''ہے نہیں لیکن رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے سوچ لیا ہے اس کی لڑکی ہمارے قبضے میں رہے گی۔''

وسیم چونکا۔ ''یرغمال.....؟''

''بالکل درست..... آج کل شرافت کا دور ہی نہیں ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لڑکی کو عبداللہ والی کوٹھی پہنچا دیا جائے گا اور صابر کو چھوڑ دوں گا اگر وہ اپنی بیٹی کی صحیح سلامت واپسی چاہتا ہے تو بریف کیس حاصل کرے اور اس کے بدلے اپنی بیٹی لے جائے۔''

وسیم خوش ہو گیا۔ ''آپ نے اس آدمی کا بالکل صحیح مصرف تلاش کیا ہے ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ اس کا کیا کریں اگر چھوڑتے ہیں تو خدشہ ہے یہ سیدھا مرشد کے پاس جائے گا اور اپنے ساتھ ہمیں بھی مروا دے گا۔ دوسری طرف اسے مارنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا ہے۔ کم سے کم اس کی بیٹی بالکل بے گناہ اور مظلوم ہے۔''

''درست..... ہم اسے سعدیہ اور مونا کے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ اسے یہاں یا فارم ہاؤس میں رکھنا تو ممکن نہیں ہے۔''

''آپ صابر سے دوٹوک بات کریں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سر ہلایا۔ ''بہتر یہی ہے وہ اپنی بیٹی کو سمجھا دے گا اگر ہم نے زبردستی سے کام لیا تو لڑکی شور مچائے گی یا اسے قابو میں رکھنے کے لیے کہیں قید میں ڈالنا پڑے گا۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں فی الحال یہیں ہوں کیونکہ کئی آدمی ابھی چلے جائیں گے عبداللہ کے پاس نفری کم پڑ رہی ہے۔''

''فارم ہاؤس پر ہم تین بھی کافی ہیں۔'' میں نے کہا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ راستے میں میں نے بہت ساری کھانے کی تیار اور ڈبا بند چیزیں لیں اسی طرح بیکری کا سامان لیا۔ میرا ارادہ تھا کہ مانی اور بیتو کے سپرد یہ چیزیں کروں گا اور ان سے کہوں گا کہ یہی کھاؤ ورنہ باہر لان میں گھاس بہت ہے۔ روز کھانے کے لیے باہر جانا یا بار بار کوریئر سے کھانا منگوانا ٹھیک نہیں تھا اس طرح یہ جگہ اتفاق سے بھی دشمن کی نظر میں آ سکتی تھی۔ وہ دونوں بھوکے بیٹھے تھے اس لیے بیتو نے جھپٹ کر سارا سامان اٹھایا اور کچن کی طرف روانہ ہو گیا۔ کھانے کی کر ان کے حواس بحال ہوئے تو انہیں آج کے واقعات کا خیال آیا۔ میں نے انہیں کسی قدر تفصیل سے بتایا کہ آج کیا ہوا۔ بیتو فاضلی کے بکڑے جانے کا سن کر خوش ہو گیا اس نے کہا۔

''شوبی مجھے اُدھر لے جانا میں دیکھوں گا کیسے اپنی زبان بند رکھتا ہے۔''

''برخوردار وہ بہت اونچی چیز ہے۔ اس کے چکر میں مت پڑو یہ بتاؤ کہ صابر نے کوئی اور ہنگامہ تو نہیں کیا؟''

''نہیں شرافت سے بیٹھا ہے۔ میں نے صبح ناشتہ دے دیا تھا پھر دوپہر میں کھانا دیا تھا۔''

مانی کھانے کی چیزیں چیک کر رہا تھا اس نے مایوسی سے کہا۔ ''شوبی بھائی یہ کیا لائے ہیں؟''

''صبر شکر کر کے کھالو..... آج کے واقعے سے اندازہ ہو گیا ہے کہ دشمن کس حد تک ہماری نگرانی کر رہا ہے اور اگر کوئی بلاوجہ باہر گیا تو وہ اس کی نظر میں آ سکتا ہے۔ اب کم سے کم باہر جانا ہو گا۔''

''مونا دیدی کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے لیکن ابھی اسپتال میں ہے دو دن بعد واپس جا سکے گی۔'' میں نے کہا۔ فاضلی سے یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ مرشد اس کارروائی کے پیچھے ہے اور وہ اب کھلی دشمنی پر اتر آیا ہے غالباً اس نے کالی کوٹھی کی تباہی کو ہمارے کھاتے میں ڈال کر ہمیں سبق سکھانے کے لیے یہ کام کیا ہے۔ میں فکر مند ہو گیا تھا مرشد نے پہلے کبھی اس طرح کھل کر کارروائی نہیں کی تھی وہ مجھے ڈرانے کے لیے ضرور بہت کچھ کرتا رہا تھا اور شاہد بھائی کی موت میں بھی اس سے زیادہ نادر کی خواہش کا عمل دخل تھا۔ وہ اپنی معذوری کا انتقام لینے کے لیے پاگل ہو رہا تھا اور جب مجھ پر بس نہیں چلا تو میرے گھر والوں کے خلاف کارروائی کرنے لگا۔ مرشد کو لگام دینا ضروری ہو گیا تھا۔ میرے پاس مرشد ہاؤس کے نمبر تھے۔ انٹرنیٹ کی مدد سے مرشد ہاؤس کے ایک نمبر پر کال ملائی۔ کچھ دیر بعد ایک لڑکی نے کال ریسیو کی۔

''مرشد سے بات کراؤ۔''

وہ میرے تحکمانہ انداز سے مرعوب ہو گئی۔ ''آپ کون بول رہے ہیں؟''

''میں ایم این اے ملک بات کر رہا ہوں۔''



''صفدر ملک صاحب؟'' لڑکی نے خود تصدیق چاہی تو مجھے ملک صفدر بننے میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا کچھ دیر بعد مرشد لائن پر تھا۔

''یار ملک..... کل ہی تو پارٹی میں ملاقات ہوئی تھی۔ سب طے ہو گیا تھا اب کون سی بات یاد آ گئی۔''

''بات نہیں تمہاری موت یاد آ گئی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

اسے جھٹکا لگا کیونکہ اس نے میری آواز پہچان لی تھی۔ ''شہباز ملک..... تم.....''

''تم مجھے کوئی بھی نام دے سکتے ہو۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ کال ریکارڈ ہو رہی ہو گی اس لیے میں نے شہباز ملک ہونے کا اعتراف نہیں کیا۔ ''اصل بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے۔''

''تم نے کیوں کال کی ہے؟''

''صرف یہ بتانے کے لیے کہ تمہارا خاص آدمی فاضلی میرے پاس ہے اور اس نے سب اگل دیا ہے۔''

''فاضلی میرا ملازم تھا۔'' مرشد نے کوئی ردِعمل ظاہر کیے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''لیکن کل رات وہ مرشد ہاؤس سے رقم اور دوسری قیمتی اشیا چرا کر فرار ہو گیا تھا اس کے خلاف تھانے میں رپورٹ درج کرائی جا چکی ہے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اس کی زبان تمہارے کالے کرتوت کے بارے میں جو اگلے گی وہ مجھے کسی عدالت میں پیش نہیں کرنا ہے۔ مرشد میں تمہیں خود جواب دوں گا اور یہ جواب ایسا ہو گا کہ تمہارے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔''

''تم مجھے..... مرشد علی کو دھمکی دے رہے ہو۔''

''نہیں کالی کوٹھی کا واقعہ تمہیں سمجھانے کے لیے کافی ہونا چاہیے اس کے باوجود تم نہیں سمجھتے ہو تو مرشد ہمارے پاس دوسرے طریقوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بعد میں پچھتاؤ اس لیے ابھی سنبھل جاؤ۔''

''تم تسلیم کر رہے ہو کہ کالی کوٹھی تم نے تباہ کی ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے اس کی عیاری کا عیاری سے دیا۔ ''مجھے علم ہوا ہے کہ وہاں تمہارے آدمیوں نے شہلا نامی ایک عورت کو جنسی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا تھا اور پھر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہاں کچھ ہوا شاید شارٹ سرکٹ سے آگ لگ گئی اور وہاں موجود گولہ بارود کا ذخیرہ آگ لگنے سے پھٹا اور پوری کوٹھی تباہ ہو گئی۔ یہ قدرت کی طرف سے تمہیں ایک اشارہ ہے اگر تم سمجھو تو۔''

''شہباز..... مجھے اس کوٹھی کی تباہی میں بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے اور یہ تمہیں بھی سستی نہیں پڑے گی۔''

''تم اس کی فکر مت کرو جلد تمہیں دو تحفے اور ملیں گے۔''

''کیسے تحفے؟'' اس نے پوچھا۔ اسی لمحے کسی نے اس کی خلوت میں مداخلت کی۔ میں نے ایک آواز سنی۔

''مرشد بادشاہ باہر ایک گاڑی والا دو بکسے لایا ہے۔ کسی نے آپ کے لیے بھیجے ہیں۔''

''میرے لیے۔'' مرشد بولا۔ ''میں نے کسی سے کچھ نہیں منگوایا اور نہ کسی نے مجھے کچھ بھیجا ہے بکسے کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں؟''

''باہر پورچ میں رکھے ہیں مرشد بادشاہ۔''

''پورچ میں..... تمہارا دماغ خراب ہے کسی نے ان میں بم رکھ کر بھیج دیا تو پوری عمارت تباہ ہو جائے گی۔'' مرشد چلایا اور اس نے آنے والے کو چند خاص گالیاں دیں۔ وہ بدحواس ہو گیا۔

''مرشد بادشاہ مجھے کیا معلوم تھا؟''

''دفع ہو جاؤ سیکورٹی سے کہو اسے چیک کرے اور پہلے عمارت سے دور لے جائے۔''

اس آدمی کے جانے کے بعد مرشد کو خیال آیا کہ میں فون پر یہ ساری بات سن رہا تھا۔ اس نے ریسیور میں کہا۔ ''شہباز یہ تمہاری حرکت ہے؟''

''کون سی حرکت؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔

''یہ دو بکس تم نے بھیجے ہیں؟ ابھی تم نے مجھے دو تحفے بھیجنے کی بات کی تھی۔''

''ہاں میرا ارادہ تمہارے انتقال اور سوئم والے دن تمہاری قبر پر پھولوں کی چادر بھیجنے کا ہے۔ بکس کسی اور نے بھیجے ہوں گے۔''

اسی لمحے اسی بدحواس ملازم کی آواز آئی۔ ''مرشد بادشاہ ان بکسوں میں لاشیں ہیں۔''

اس بار مرشد نے لائن کو ہولڈ کر دیا اور اپنے غلام سے نمٹنے لگا جو اسے اتنی اہم اطلاعات عین دوران فون سنا رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وسیم اور عبداللہ نے بہت تیزی سے کام دکھایا تھا اگر عبدل اور اسلم کی لاشوں والے بکس آ گئے تھے تو ساتھ ہی میڈیا والوں کو بھی آنا چاہیے تھا۔ میں نے نمبر کاٹ کر عبداللہ کو کال کی۔ کال ملتے ہی وہ پُرجوش انداز میں بولا۔ ''اگر مرشد کو ہارٹ اٹیک ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں ہو گی۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے کیا میڈیا والے مرشد ہاؤس پہنچ گئے ہیں۔''

''میں یہیں ہوں اور میڈیا والے اب بکسوں سے نکلنے والی لاشوں کی تصویریں اور ویڈیو بنا رہے ہیں۔ مرشد خود باہر نہیں آیا ہے لیکن اس کے ملازم بدحواس ہیں وہ میڈیا والوں کو روک رہے ہیں۔ اب گارڈ آ گئے ہیں اور وہ سب کو دھمکیاں دے کر باہر نکال رہے ہیں۔'' عبداللہ رنگ کمنٹری کر رہا تھا۔ ''مگر میڈیا والے کہاں کسی سے دبتے ہیں وہ اپنا کام کر رہے ہیں۔''

''پولیس کا کچھ اتا پتا ہے؟''

''پولیس جائے بھاڑ میں اب کچھ دیر بعد ٹی وی چینلز پر جب یہ فوٹیج اور ویڈیوز چلیں گی تو آپ سوچ سکتے ہیں پولیس کتنی مجبور ہو جائے گی۔''

''عبداللہ تم نے وہاں پہنچ کر خطرناک کام کیا ہے مرشد کے آدمیوں میں تمہیں پہچاننے والے ہوں گے۔ اس لیے بہتر ہے اب وہاں سے کھسک لو۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ویسے میں اکیلا نہیں ہوں میرے ساتھ دو گارڈز ہیں اور کوئی مجھے آسانی سے ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے ابھی تو مرشد کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ وہ ان لاشوں کے بارے میں کیا جواب دے گا؟''



''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے دوست مرشد سیاست دان ہے وہ لاشوں کو اپنے سیاسی مخالفین کے سر تھوپ سکتا ہے کہ انہوں نے اسے بدنام کرنے کے لیے یہ لاشیں بکسوں میں بند کر کے اس کے گھر بھیجی ہیں اور ساتھ ہی میڈیا کو اطلاع دے دی۔''

''وہ کچھ بھی وضاحت کرے اس چکر میں تو آئے گا۔ وہ لاشوں کو خاموشی سے دفنا کر معاملہ نمٹا نہیں سکتا ہے اور ممکن ہے اس کے خلاف ایف آئی آر بھی درج کروا دی جائے۔''

''یار قانون اس جیسے لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ اس لیے بس اسے دل خوش کرنے کا ایک تماشہ سمجھو۔'' میں نے کہا۔ ''ٹی وی چینل والے بھی ایک دو دن اس خبر کو چلائیں گے اور چند دن بعد وہ اسے بھول چکے ہوں گے ہمارے ہاں لوگوں کی یادداشت کچھ مٹی پاؤ قسم کی ہے جلد سب بھول جاتے ہیں۔''

عبداللہ مایوس ہوا۔ ''یعنی ہماری اتنی تگ و دو کا کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے؟''

''فائدہ تو ہوا ہے مرشد کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتے ہیں ابھی میں نے اسے فون کر کے خوش خبری سنا دی ہے کہ فاضلی ہمارے پاس زندہ سلامت موجود ہے۔ اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے فاضلی کے غائب ہوتے ہی اس کے خلاف تھانے میں چوری کی رپورٹ لکھوا دی ہے اس طرح وہ اس کے کیے سے بری الذمہ ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''ایسا ہو گا نہیں..... اس نے جو حرکت کی ہے اس کے بعد ہم اسے اتنی آسانی سے بچ کر نکلنے کا موقع نہیں دیں گے۔''

''فاضلی کی زبان کھل جائے نا تو پھر مرشد کے گرد قانونی گھیرا بھی ڈالا جا سکتا ہے۔''

''مجھے امید ہے آپ نے جو ترکیب کی ہے اس کی زبان کھل جائے گی۔''

''مگر اس کے بیان کی عدالت میں کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی۔ ہاں فاضلی ہمیں مرشد کی کمزوریوں سے آگاہ کر سکتا ہے ہم ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''

اس گفتگو کے دوران عبداللہ وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ اس سے بات کر کے میں نے دوبارہ انٹرنیٹ سے مرشد ہاؤس کا نمبر ملایا کال اسی لڑکی نے ریسیو کی اور میری آواز پہچان کر رونے والے انداز میں بولی۔ ''آپ نے مجھے مروا دیا جی.....''

''فکر مت کرو مرشد تمہیں کچھ نہیں کہے گا اسے کہو میری کال ہے میں اس سے بات کر لوں گا۔''

''میں پوچھتی ہوں پتا نہیں وہ آپ سے بات کرتے ہیں یا نہیں۔''

لیکن مرشد نے مجھ سے بات کرنا قبول کر لی اور وہ مشتعل تھا اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''بڑا اچھا ڈرامہ تیار کیا ہے تم نے لیکن تم کیا سمجھتے ہو اس طرح مرشد کا بال بھی بیکا ہو گا۔''

''نہیں..... میں احمق نہیں ہوں۔ یہ تو تمہارا دل خوش کرنے کے لیے تھا۔ ایسے چھوٹے موٹے معاملات سے تو تمہارے ملازمین بھی نمٹ لیتے ہیں باقی رہے میڈیا والے تو وہ دو تین دن تمہیں رگڑیں گے اور اس کے بعد بھول کر کسی اور معاملے میں الجھ جائیں گے۔ بہرحال اسے گولی مارو مجھے تم سے دو اہم باتیں کرنی ہیں۔ اول میں نے اس لڑکی کو بے وقوف بنایا کہ میں ایم این اے ملک ہوں۔ امید ہے تم اسے کچھ نہیں کہو گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا تمہاری یہی خواہش ہے؟''

''خواہش تو یہی ہے میں تو تم جیسے موذی انسان کو بھی بے دریغ مار دینے کا قائل نہیں ہوں وہ تو بے چاری عام سی لڑکی ہے۔''

مرشد میرا جملہ پی گیا۔''ٹھیک ہے وہ اس قابل تو نہیں ہے لیکن میں تمہارے کہنے پر اسے معاف کرتا ہوں۔''

''اب آتے ہیں فاضلی کے معاملے کی طرف.....''

وہ میری بات کاٹ کر بولا۔''فاضلی نے جو کیا وہ اپنے طور پر کیا ہے میں نے اس سے ایسا کرنے کو نہیں کہا تھا۔''

''گویا تم کہنا چاہتے ہو کہ فاضلی نے از خود فیصلہ کیا اور ہیلی کاپٹر اڑانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔''

''میں اس سے انکار نہیں کروں گا کہ یہ معاملہ میرے علم میں تھا۔ دراصل تمہارا معاملہ میں نے فاضلی کے سپرد کر دیا ہے اور وہ اپنے طور پر تم سے نمٹ رہا ہے۔''

''مرشد تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔''تم جانتے ہو اب میں اس جنگ میں اکیلا نہیں ہوں مجھے بہت سارے لوگوں کی مدد و حمایت حاصل ہے۔''

''راجا عمر دراز.....'' اس نے کہنا چاہا۔

میں نے قہقہہ لگایا۔''مرشد اس سے اندازہ ہوتا ہے تمہاری انفارمیشن کتنی ناقص ہیں۔ راجا عمر دراز بہت پہلے سے میرے ساتھ ہے لیکن تم نے یہ سوچا ہے کہ تمہارے کتنے دشمن ہیں تمہارے اپنے خاندان میں ایسے کتنے ہیں جو جلد از جلد تمہیں جہنم میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ میں نے اس فارمولے پر عمل کیا ہے۔ ڈیوڈ شاب غیر جانبدار ہے یقین نہیں ہے تو اس سے معلوم کر لو اور عین ممکن ہے کہ کسی وقت اس کی طرف سے حکم آ جائے کہ شہباز کے ساتھ پنگا لینا بند کر دو۔''

''تمہارا کیا خیال ہے میں اس کی بات مان لوں گا۔'' مرشد نے حقارت سے کہا۔

''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے میں تمہیں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ جب میں اپنے زور بازو پر بھروسہ کرتا تھا تب بھی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے تھے لیکن اب طاقت کا توازن تقریباً برابر ہو گیا ہے۔ اس لیے کسی حماقت سے باز رہو۔''

''پہل تم نے کی تھی۔'' اس نے الزام دیا۔

''نہیں تمہارے آدمیوں نے شہلا کو اٹھا کر میرے کام میں مداخلت کی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ اسے واپس لینے کے لیے میں وہاں گیا تھا۔''

مرشد سوچ میں پڑ گیا تھا خاصی دیر بعد اس نے کہا۔''ٹھیک ہے میں تم سے صلح کے لیے تیار ہوں لیکن تمہیں فاضلی کو چھوڑنا.....''

''اسے بھول جاؤ اس کے جرائم کی فہرست خاصی لمبی ہو گئی ہے۔ اس نے ہمیشہ مجھے ذاتی نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے اور مجھے شک ہے کہ شاہد بھائی کا قاتل بھی وہی ہے۔ اگر تم صلح کرنا چاہتے ہو تو تمہاری طرف



سے اس کی قیمت فاضلی ہو گا۔''

''جواب میں تم کیا دو گے؟''

''میں تمہارے معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا دوسرے تم میرے کیس ختم کرانے کی کوشش میں ٹانگ نہیں اڑاؤ گے۔ اگر ایسا ہوا تو سیز فائر ختم ہو جائے گا۔''

''مجھے منظور ہے۔'' اس نے بادلِ ناخواستہ کہا۔ میری طرف سے اتنی تیز کارروائی پھر فاضلی کی ناکام کوشش اور اس کے بعد اس کا پکڑا جانا مرشد کے لیے کم دھچکا نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم اتنے ترنوالے نہیں تھے جتنا اس نے سوچا تھا۔ میں نے کال کاٹ دی۔ باہر شام ہو چکی تھی اور کچھ دیر میں سورج غروب ہو جاتا۔ عبداللہ نے ہیلی کاپٹر کے کریش کے بعد حویلی کال کر کے بابا جان کو مطلع کر دیا تھا لیکن میں نے کال نہیں کی تھی۔ میں نے بابا جان کا نمبر ملایا۔ سلام دعا کے بعد میں نے کہا۔

''اللہ نے کرم کیا لیکن ہمارے دشمن بہت ہوشیار ہیں۔''

''اس واقعے نے مجھے بھی فکر مند کر دیا ہے اب میں حویلی کی حفاظت بڑھانے کا سوچ رہا ہوں۔ پیچھے کی طرف کی زمین لے کر میں نے اس پر فوج سے ریٹائر ہونے والے کچھ لوگوں کو آباد کیا ہے وہ اپنے خاندان سمیت آ گئے ہیں۔ گھر بھی بنا لیے ہیں وہ عقب سے حویلی کی حفاظت کرتے ہیں ان کے پاس لائسنس یافتہ اسلحہ ہے۔''

''بابا جان میرے پاس ایک الیکٹرانک سیکورٹی کا ماہر ہے میں اسے کچھ دن میں حویلی بھیجتا ہوں وہ وہاں ایسا سیکورٹی سسٹم لگا دے گا جس کے ہوتے ہوئے کوئی بے خبری میں حویلی میں نہیں گھس سکے گا۔''

''یہ اچھا ہو گا، میں نے تہہ خانے کا ایک حصہ الگ کر لیا ہے کسی مشکل میں حویلی کے لوگ وہاں پناہ لے سکتے ہیں۔ کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکتا ہے اور اگر لگا لے تو اسے آسانی سے کھول نہیں سکتا ہے۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا ہے۔''

○.....❖.....○

ماں جی اور دوسرے لوگوں سے بات کر کے میں نے فون بند کر دیا سویرا سے بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اسے میں صرف براہ راست کال کر سکتا تھا۔ میں نے اب صابر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں دبے قدموں اس کے کمرے تک آیا بغیر آواز کے کنڈی کھولی اور اچانک دروازہ کھول دیا۔ کرسی پر بیٹھا ہوا صابر چونک گیا۔ شازیہ بستر پر نیم دراز تھی اور اس کی حالت خاصی بہتر لگ رہی تھی۔ میرے اچانک دروازہ کھولنے سے وہ خوف زدہ نظر آنے لگی تھی۔ میں نے صابر سے کہا۔

''میرے ساتھ آؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

اس نے ناگواری سے کہا۔''تم نے ہمیں دھوکا دے کر یہاں قید کیا ہے اور اس طرح اچانک اندر کیوں آئے؟''

''بکواس کرنے کے بجائے باہر آ جاؤ۔'' میں نے اسے گھورا۔''اگر تم اپنی بیٹی کی سامنے بے عزتی کرانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔''

بادلِ ناخواستہ وہ باہر آیا میں اسے خالی کمرے میں لایا اور اچانک اسے پیچھے سے دھکا دے کر منہ کے بل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرایا اور اس کے پشت پر گھٹنا رکھتے ہوئے اس کی تلاشی لینے لگا۔ وہ چیخا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

میں کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کام میں لگا رہا وہ گالیاں دینے لگا۔ اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ میں نے گھٹنا ہٹا لیا۔ وہ مشکل سے اٹھا اور چیخا۔ ''تمہارا دماغ خراب ہے۔''

میں پیچھے ہٹا اور اچانک باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ دروازہ پیٹنے اور شور کرنے لگا میں اس کے کمرے میں آیا تو شازیہ جو پہلے ہی باپ کی چیخ و پکار سے پریشان تھی مجھے دیکھ کر ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ میں نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی لیکن پھر اسے نظر انداز کر کے صابر کے سوٹ کیس کی تلاشی لی۔ اس میں بھی کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میں مطمئن نہیں تھا اس لیے اب پورے کمرے کی تلاشی لی اور بالآخر مجھے بیڈ کے پاؤں والی طرف سے گدا ہٹانے پر وہ چھوٹا سا ریوالور مل گیا جسے صابر نے یہاں چھپایا تھا۔ صرف ریوالور مل جانے سے میرا اطمینان نہیں ہوا تھا میں نے باقی کمرے کی تلاشی بھی لی اور پھر شازیہ سے کہا۔ ''اٹھو..... تمہیں تمہارے باپ کے پاس جانا ہے۔''

وہ لرزتے کانپتے ہوئے کھڑی ہو گئی اس کے منہ سے از خود ڈری ڈری آوازیں نکل رہی تھیں اور اس کی حالت افسوسناک تھی لیکن میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اپنے باپ کا کیا دھرا بھگتنا پڑا تھا میں اسے بھی خالی کمرے میں لایا۔ صابر دروازہ کھلتے ہی جھپٹا لیکن شازیہ اور میرے ہاتھ میں اپنا ریوالور دیکھ کر دیکھ کر چونک گیا۔ میں نے ریوالور نمایاں کیا۔ ''اسے پہچانتے ہو اسے میں نے تمہارے کمرے کے بیڈ کے نیچے سے برآمد کیا ہے۔''

اس نے سر ہلایا اور شکست خوردہ نظر آنے لگا۔ ''تم نے اسے تلاش کر لیا۔''

''ہاں تم نے مجھے دھوکا دیا بے وقوف بنانے کی کوشش کی لیکن میں تمہیں ایک موقع اور دیتا ہوں اپنی اور اپنی بیٹی کی جان بچانے کا۔''

''کیسا موقع؟'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

''جہاں رہنے مجھے مہرو تلاش کر کے لا دو یا اس کے بارے میں یقینی اطلاع ہو اس کے قبیلے کو تلاش کرو۔''

''میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں۔''

''تم کر سکتے ہو تمہارے رابطے ہیں۔''

''لیکن میں تمہارے لیے کیوں کروں؟''

''اگر تمہیں اپنی بیٹی پیاری ہے تو تمہیں یہ کام کرنا ہو گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''تب تک شازیہ ہمارے پاس رہے گی۔''

یہ سنتے ہی شازیہ نے پھر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ صابر نے میری طرف دیکھا۔ ''یہ نہیں رہ سکتی یہ مر جائے گی۔''

''نہیں مرے گی تم اسے سمجھا سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارے پاس آج رات تک کی مہلت ہے اگر تم نے کل تک فیصلہ نہیں کیا تو میں تم دونوں کو مرشد کے حوالے کر دوں گا۔''

صابر لرز گیا۔ ''نہیں تم ایسا نہیں کرو گے۔''



''تم خود اس کے پاس جانے کا سوچو تو ٹھیک ہے اور میں اس کے حوالے کروں تو غلط ہے۔'' میں نے طنز کیا اور کمرے سے نکل آیا دروازہ باہر سے بند کر کے میں نیچے آیا تو مانی نشست گاہ میں بیٹھا تھا اس نے میری طرف دیکھا۔

''شوبی یہ لڑکی کیوں چیخ رہی تھی؟''

''تمہارا کیا خیال ہے میں اس سے کوئی غیر انسانی سلوک کر رہا تھا۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں پوچھا کیونکہ مانی کا لہجہ شک والا تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔

''نن..... نہیں شوبی بھائی..... میرا مطلب ہے وہ کیوں چلا رہی ہے۔''

''میں نے اسے کوٹھی بھیجنے کا فیصلہ کیا اور وہ اپنے باپ سے الگ ہونے کو تیار نہیں ہے۔''

''کوٹھی کیوں بھیج رہے ہیں؟''

بیتو کبھی مجھ سے اس طرح سوال نہیں کرتا تھا اسے معلوم تھا مجھے جو مناسب لگے گا میں اسے بتا دوں گا۔ مانی اس سے مختلف مزاج کا تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی مار دھاڑ نہیں دیکھی تھی اسی لیے وہ ایسی باتوں پر پریشان ہو جاتا تھا۔ میں نے اس بار نرمی سے کہا۔ ''برخوردار تم اس قسم کے معاملات میں اپنے ذہن پر زیادہ زور مت دو۔ اس سے تمہیں سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔''

''اور کیا تم کمپیوٹر چلاؤ..... گیم کھیلو اور مرے کرو۔'' بیتو بولا۔ ''شوبی کا معاملہ شوبی جانے۔''

مانی خاموش ہو گیا لیکن میں نے محسوس کیا وہ مطمئن نہیں تھا۔ شاید اس کے خیال میں ہم نے صابر اور اس کی بیٹی کو یہاں قید کر کے زیادتی کی تھی۔ بہر حال وہ ایسا سمجھتا تھا تو سمجھتا رہے۔ سفیر اپنے پاس تمام اقسام کی دوائیاں رکھتا ہے میں اس کے کمرے میں آیا تو مجھے دواؤں کے شیلف میں مطلوبہ گولیاں مل گئیں یہ نیند کی گولیاں تھیں۔ میں نے اس میں سے پانچ گولیاں نکال لیں اور بیتو کے حوالے کیں۔ ''کھانے کے بعد کافی بنانا اور اس میں یہ گولیاں ملا کر صابر اور اس کی بیٹی کو دے دینا۔''

''ہم سمجھ گیا۔'' وہ بولا مانی کے چہرے پر سوالیہ نشان نظر آیا تھا لیکن اس نے زبان سے نہیں پوچھا اور اچھا ہوا ورنہ وہ مجھ سے جھاڑ کھاتا۔ صبح والے واقعے کے بعد بہ ظاہر میں پُر سکون تھا لیکن میرے اعصاب سخت کشیدہ ہو گئے تھے ہم سب ایک بہت بڑے سانحے سے دوچار ہوتے ہوتے رہ گئے تھے۔ اللہ کی مہربانی کے بعد یہ پائلٹ شفاعت کی مہارت تھی جو اس نے بے قابو ہیلی کاپٹر کو کامیاب طریقے سے لینڈنگ کرائی۔ شروع میں وہ مجھے اچھا نہیں لگا تھا لیکن بعد میں اس نے ثابت کر دیا کہ وہ غیر ذمے دار سہی لیکن اپنے کام میں ماہر تھا اور انعام کا مستحق تھا۔ عبداللہ ائیر کلب اور پولیس کے معاملات سے نمٹ کر آ چکا تھا۔ میں اس سے پوچھنا بھول گیا تھا۔ میں نے دوبارہ اسے کال کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ اس کی کال آ گئی۔

''سوری میں ائیر کلب والی بات بتانا بھول گیا تھا۔ مرشد ہاؤس میں جو ہوا اس نے مجھے ایکسائیٹڈ کر دیا تھا۔''

''ہیلی کاپٹر کس کا ہے اور اس کا نقصان کون پورا کرے گا؟''

''ہیلی کاپٹر کلب کا ہے اور وہ انشورڈ ہے کلب خود انشورنس والوں سے رقم وصول کر لے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شفاعت نے کمال کر دیا وہ انعام کا مستحق ہے۔''

''جی میں اسے پچاس ہزار دے آیا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''وہ لے نہیں رہا تھا بلکہ شرمندہ تھا کہ ایک مسافر زخمی بھی ہوا۔''

''تم نے ٹھیک کیا وہ انعام کا مستحق ہے۔ پولیس میں کیا رپورٹ کرائی ہے؟''

''نامعلوم افراد کے خلاف جنہوں نے بیلی کاپٹر پر فائرنگ کر کے اسے تباہ کرنے کی کوشش کی۔''

''یہ تم نے اچھا کیا۔''

''ایک اچھا کام اور کیا ہے میں نے پولیس کے ش کرنے سے پہلے ہی وہ خودکار گن وہاں سے ہٹا لی اب وہ ہمارے پاس ہے۔ آپ نے اسے خاصا نقصان پہنچایا ہے لیکن وہ سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔ یہ بڑا کارآمد ہتھیار ہے جو کبھی ہمارے کام آ سکتا ہے۔''

''یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ میں نے صابر سے کام لینے کا سوچا ہے اور اس سے کام لینے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کی بیٹی کو یرغمال بنا لیا جائے۔ آج رات انہیں کافی میں نیند کی دوا دے دی جائے گی اور اس کے بعد تم اپنے آدمی بھیج کر لڑکی کو کوٹھی بلوا لینا یہ وہیں رہے گی۔ اگر یہ نارمل رہتی ہے تو اسے سعدیہ اور مونا کے ساتھ رکھنا ورنہ اسے تہہ خانے میں منتقل کر دینا۔''

''صابر سے کیا کام لینے کا سوچا ہے؟''

''مہرو کی تلاش کا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اگر مہرو مل گئی تو اس کا بھی امکان ہے کہ بریف کیس بھی مل جائے۔''

''یہ ٹھیک ہے لیکن وہ مرشد کے ہتھے چڑھ گیا تو.....؟''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا..... ایک منٹ میں وسیم کو بھی کال ملا لوں تاکہ ایک ساتھ سب جان جائیں۔'' میں نے کہا اور وسیم کو کال ملائی پھر عبداللہ کو کانفرنس کال میں لیا۔ میں نے انہیں مرشد سے ہونے والی ڈیل کا بتایا اور ساتھ ہی صابر کے معاملے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا کہ اس وقت اس سے بہترین حکمت عملی ممکن نہیں تھی۔ مرشد پر اصل وار کرنے سے پہلے اسے دھوکے میں رکھنا ضروری تھا۔ عبداللہ نے کہا کہ وہ اپنے دو آدمی بھیج رہا ہے جو شازیہ کو لے جائیں گے۔ وسیم نے فاضلی کے بارے میں بتایا۔

''اسے پہلا ڈوز دیا جا چکا ہے۔''

''گڈ..... وقفے وقفے سے ڈوز جاری رکھو تاکہ وہ جلد از جلد تیار ہو جائے۔''

''امید ہے ایسا ہی ہوگا۔'' وسیم نے کہا۔ ''اب خواتین کی منتقلی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''انہیں منتقل کرنا ہے لیکن دیکھ بھال کر۔''

''سوال یہ ہے کہ اتنی احتیاط کے باوجود مرشد ہمارے پلان سے کیسے واقف ہو گیا؟''

''اس سوال کا جواب فاضلی دے گا اور ابھی اسے دو تین دن لگیں گے۔ بہرحال ہمیں مزید محتاط ہو جانا چاہیے۔ جیسے ہم مرشد کو دھوکا دے رہے ہیں اسی طرح وہ بھی ہمیں دھوکا دے رہا ہے اور اسے جیسے ہی موقع ملے گا وہ پھر وار کرے گا۔''



وسیم نے کہا۔ ''کیا ایسا نہ کیا جائے کہ خواتین کو نئے ٹھکانے پر منتقل کر دیا جائے؟''

''نہیں وہ صرف چھپ کر رہنے کے لحاظ سے ٹھیک ہے خواتین کے لیے وہاں رسک ہے۔ اگر وہاں کھلی سیکورٹی رکھی گئی تو جگہ مشکوک ہو جائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''فی الحال عبداللہ والی کوٹھی ہی ٹھیک ہے۔''

''میرا خیال آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کسی نئی جگہ یا تو نئے سرے سے حفاظتی انتظامات کرنے پڑیں گے یا پھر چھپ کر رہنا ہوگا۔ دونوں صورتوں میں خطرہ باقی رہے گا۔''

ان سے بات کر کے میں نے سفیر کو کال کی تو اس نے اچھی خبر سنائی۔ ''مونا کی حالت اتنی بہتر ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر نے اسے کل صبح لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔''

''وہ جاگ رہی ہے تو میری بات کراؤ۔''

مونا میری آواز سن کر سسکیاں لینے لگی تھی میں نے پیار سے کہا۔ ''گڑیا اس میں رونے کی بات نہیں ہے اللہ دینے والا ہے وہ پھر تم دونوں کو اولاد دے گا اور اس کا شکر ہے کہ تم سب محفوظ رہے۔''

مونا نے خود پر قابو پایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہیلی کاپٹر بے قابو ہو کر جس طرح گھوم رہا تھا مجھے لگا ہمارا آخری وقت آ گیا ہے۔ مگر جب وہ زمین پر گرا اور ہم سب صحیح سلامت رہے تو مجھے یقین نہیں آیا تھا اور پھر میں بے ہوش ہو گئی۔''

''بس تو اب دکھی مت ہونا اور اللہ کا شکر ادا کرنا۔ تم دونوں سلامت رہو گے تو ایسی خوشیاں بہت دیکھنے کو ملیں گی۔''

''اوہ بھائی کیا بددعا دے رہا ہے۔ پندرہ سولہ بچوں کے بعد ہماری لائف کہاں باقی رہے گی۔''

''ٹھیک کہا پھر ٹوبوجھ ڈھونے والا گدھا بن جائے گا۔''

''تب اللہ کرے تیرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو۔ میں حویلی جاتے ہی تیری شادی کی قرارداد پیش کرتا ہوں۔''

''بکواس بند کر کے ذرا میری بات توجہ سے سن۔'' میں نے کہا اور اسے بھی مرشد اور صابر کے بارے میں آگاہ کیا۔ ''کل صبح تک بہت محتاط رہنا مرشد جیسے لوگ اسپتال کا احترام بھی نہیں کرتے ہیں۔''

''تو نے ٹھیک کہا ہے میں اور ایاز یہیں ہیں ایک آدمی اور ہے اور باہر بھی کئی ہیں۔''

''ڈاکٹرز اور نرس کے معاملے میں بھی محتاط رہنا اگر ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر یا نرس کے علاوہ کوئی پاس آنا چاہے تو اسے مونا کے پاس پھٹکنے بھی مت دینا۔ فاضلی ڈاکٹر بن کر ہی اسپتال میں گھسا تھا۔''

''میں محتاط رہوں گا۔'' سفیر نے یقین دلایا کیونکہ معاملہ مونا کا تھا اس لیے مجھے یقین تھا وہ سچ مچ محتاط رہے گا۔ رات ہو چکی تھی بیتو نے مانی کے ساتھ صابر اور شازیہ کے لیے اوپر کھانا پہنچایا۔ باپ کو پاس پا کر شازیہ بہل گئی تھی۔ مگر اس کی حالت سے لگ رہا تھا کہ وہ عبداللہ والی کوٹھی میں خواتین کے ساتھ بھی آسانی سے رہنے پر آمادہ نہیں ہوگی اور اسے تہہ خانے میں دواؤں کے زیر اثر رکھنا پڑے گا۔ وہ نیچے آئے تو ہم نے کھانا کھایا اور پھر بیتو کافی بنانے لگا میں نے لاؤنج میں ٹی وی آن کیا تو حسب توقع مختلف چینلز سے مرشد ہاؤس پہنچنے والی دو لاشوں کا ذکر تھا۔ پولیس نے لاشیں اپنے قبضے میں لے کر انہیں وہاں لانے والے پک اپ ڈرائیور کو گرفتار کر لیا تھا۔ کیونکہ وہ غریب تھا اور اس کی کوئی شناسائی نہیں تھی جب کہ مرشد بااثر اور دولت مند شخص تھا اس لیے پولیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نزدیک مستند تھا اس کا فرمایا ہوا۔

مرشد نے لاشوں کو شناخت کرنے یا ان سے کسی قسم کے تعلق سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے اسے اپنے سیاسی مخالفین کی سازش قرار دیا تھا۔ چینلز اپنے اپنے حساب سے واقعے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ انتظامیہ اور پولیس نے مرشد کے اس واقعے میں ملوث قرار دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈرائیور کے بیان کے بعد کہ لاشوں والے بکس کسی اجنبی آدمی نے بک کرائے تھے مرشد کی پوزیشن خود بہ خود صاف ہو گئی تھی۔ انتظامیہ اور پولیس کو جواز مل گیا مرشد کو بے قصور قرار دینے کا۔ اس دوران میں بیتو کافی لایا تو مانی نے اپنا مگ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ ''دوا احتیاط سے ملائی تھی کہیں ہم نہ سوتے رہ جائیں۔''

''میں تمہاری طرح کام نہیں کرتا ہوں۔'' بیتو نے خفگی سے جواب دیا۔ ''میں انہیں کافی دے آیا ہوں۔''

''کچھ دیر میں عبداللہ کے آدمی آ کر شازیہ کو لے جائیں گے۔''

''شوبی بھائی کیا اسے بھیجنا ضروری ہے۔'' مانی نے کسی قدر بے چینی سے کہا تو بیتو نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

''مانی..... کیا بات ہے تم لڑکی کے جانے کا سن کر بے چین ہے۔''

مانی جھینپ گیا۔ ''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''بات یہ ہے برخوردار کہ ہمیں جلد یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ ممکن ہے کل یا پرسوں ہم اپنے نئے ٹھکانے کی طرف چلے جائیں۔''

''اور یہ جگہ؟'' بیتو نے پوچھا۔

''صابر اس جگہ کو دیکھ چکا ہے اس لیے یہاں رہنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''اچھا خاصا ٹھکانہ ہے۔'' مانی مایوسی سے بولا۔ ''اگلی جگہ پتا نہیں یہ سب سہولتیں ملیں یا نہ ملیں۔''

''وہ جگہ اس سے بھی اچھی ہے اور سڑک کے بالکل ساتھ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اسلام آباد اور پنڈی دونوں کے پاس ہے۔ کوٹھی اس سے بھی جدید انداز کی بنی ہوئی ہے اور اردگرد کا منظر بھی برا نہیں ہے۔ وہاں ہر قسم کی سہولت بھی تھی۔''

''لیکن یہاں سارا سیٹ اَپ ہے اسے لے جا کر پھر سے لگانا پڑے گا۔''

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جیسے یہاں لگایا ہے ویسے ہی وہاں لگا دینا۔ یہ اس سے تو بہتر ہے کہ دشمن یہاں آ جائیں اور تمہیں لے جائیں۔''

دشمن کا سن کر مانی تیار ہو گیا تھا۔ بیتو تو تھا ہی یس ماسٹر ٹائپ کا آدمی۔ ہر حال میں اور ہر حکم پر خوش ہونے والا۔ مانی کو مین میخ نکالنے کی عادت تھی۔ آدھے گھنٹے بعد بیتو نے آ کر رپورٹ دی کہ دونوں باپ بیٹی بے ہوشی کی نیند سو رہے تھے۔ اسی لمحے فارم کے گیٹ پر ایک گاڑی آ کر رکی۔ اس کی اطلاع مانی نے دی تھی۔ بیتو نے جا کر گیٹ کھولا اور عبداللہ کے آدمی گاڑی اندر لے آئے۔ انہوں نے شازیہ کو ایک چادر میں لپیٹ کر گاڑی میں منتقل کیا۔ وہ دونوں اجنبی نہیں تھے۔ میں کئی بار انہیں عبداللہ کے ساتھ دیکھ چکا تھا لیکن نہ جانے کیوں میرا دل نہیں مانا کہ لڑکی کو صرف بھروسہ کر کے ان کے ساتھ کر دوں۔ میں ان کو اتنی اچھی طرح بھی نہیں جانتا تھا ہمارے



سامنے تو وہ یس ماسٹر بنے رہتے تھے۔ میں نے بیتو کو اشارے سے الگ بلایا۔ ''تم ان کے ساتھ جاؤ گے اور ان پر نظر رکھو گے لڑکی تمہاری تحویل میں ہے اگر یہ ذرا بھی گڑبڑ کریں تو عبداللہ کو کال کر دینا۔''

بیتو نے سر ہلایا اور تیار ہونے چلا گیا۔ میں نے عبداللہ کے ان دونوں آدمیوں کو روک لیا۔ وہ گاڑی کے پاس کھڑے تھے۔ ''بیتو بھی تم دونوں کے ساتھ جائے گا۔''

ان کے چہرے پر واضح مایوسی کے آثار نظر آئے تھے۔ بیتو نیچے آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اگر یہ آپس میں کوئی بات کریں تو مجھے اس سے بھی آگاہ کرنا۔ بیتو ان کے ساتھ چلا گیا۔ میں اندر آیا تو مانی اکیلا اداس بیٹھا تھا۔

''کیا ہوا یار؟''

''آج میرا بیتو کے ساتھ گیم تھا۔''

''کوئی بات نہیں کل بیتو آ جائے گا تب تم کھیل سکو گے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا خیال ہے ابھی کچھ کام نہ کر لیا جائے؟''

مانی مستعد ہو گیا۔ ''نیٹ سے متعلق ہے؟''

''بالکل۔''

ہم اسٹڈی میں آئے جہاں مانی نے بڑے سائز کے ایل سی ڈی ٹی وی کو اپنے لیپ ٹاپ سے بھی منسلک کر دیا تھا اور اب یہ مانیٹر بھی تھا۔ یہ چھتیس انچ کا ٹی وی تھا اور ظاہر ہے اس پر ہر چیز بہت واضح دکھائی دیتی۔ میں نے مانی سے گوگل ارتھ اکاؤنٹ کھولنے کو کہا۔ پھر اسے خانقاہ مرشدیہ دکھانے کو کہا۔ اس نے پوچھا۔ ''یہ عمارت ہے کہاں؟''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ صابر نے مجھے اس کی لوکیشن سمجھائی تھی۔ میں نے وہ نئی سڑک تلاش کرنے کو کہا خانقاہ اس سے کچھ ہی دور واقع تھی۔ مانی نے سڑک تلاش کر لی۔ اس سڑک کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ اس نے لائیو ویڈیو کے بجائے ہائی ریزولیوشن امیجز کھولے تھے جن میں ہر چیز بہت واضح تھی۔ اس میں کچھ وقت لگا لیکن بالآخر ہم نے خانقاہ مرشدیہ تلاش کر لی۔ یہ اس سڑک سے کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور خانقاہ تک جانے کے لیے پختہ چوڑی سڑک شاید حال ہی میں بنی تھی۔ صابر نے میاں سبحان نامی زمیندار کے ڈیرے کا بتایا تھا جو اصل میں مرشد کا آدمی تھا اور اس کے ڈیرے سے ایک خفیہ سرنگ مرشد کے اڈے تک جاتی تھی۔ یہ مرشد کے اڈے سے شمال میں تھا۔ مانی نے اسے بھی تلاش کر لیا۔ ڈیرے کی عمارت بہ ظاہر ایک منزلہ اور اینٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ قابلِ ذکر بات اس کا احاطہ تھا یہ بہت بڑا تھا اور شاید نصف ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا جب کہ اس کا کوئی جواز نہیں تھا اگر یہاں گاڑیاں پارک کرنی تھیں تو ایک کنال جگہ بھی بہت ہوتی کیونکہ تصویر بالکل اوپر سے لی گئی تھی اس لیے دیواروں کی اونچائی کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا لیکن احاطے کی فصیل ایک فٹ سے زیادہ چوڑی تھی اور اتنی چوڑی فصیل کم سے کم آٹھ دس فٹ بلند دیوار کی ہوتی ہے۔ گویا اس احاطے کو دوسروں کی نظروں سے چھپانے کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ مانی نے حساب لگا کر بتایا کہ یہ ڈیرہ نئی سڑک کے متوازی مرشد کے ٹھکانے سے کوئی چھ سو میٹرز شمال میں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اصل چیز مرشد کا اڈہ تھا۔ میں اسے خانقاہ کا لفظ نہیں دینا چاہتا کیونکہ ہمارے ذہن میں خانقاہ سے ایک الگ تاثر ابھرتا ہے ایک زمانے میں جب منگولوں کے حملے کے بعد پورے عالم اسلام میں ایک مایوسی اور قنوطیت کی کیفیت پیدا ہوئی تھی لوگوں کا جینے مرنے سے اعتماد اٹھ گیا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ اور دین سے اعتبار بھی اٹھ جاتا۔ ایسے میں صوفیوں نے دین کو بچانے کے لیے خانقاہوں کا جال بچھا دیا۔ ہندوستان سے لے کر وسط ایشیا تک صوفی تحریک نے دین بچانے کی مہم چلائی اور مسلمانوں کو اس مایوسی کی کیفیت سے نکال لیا جس نے بالآخر یورپ کی عیسائی اقوام کو سیکولرازم کی طرف دھکیل دیا۔ صلیبی جنگوں میں عبرتناک شکست کا وہی نتیجہ نکلا تھا اور عیسائیت کو بچانے کے لیے کوئی صوفی تحریک سامنے نہیں آئی اس کا انجام آج سامنے ہے۔

لیکن ان بزرگان دین اور خانقاہوں کی کوششوں کو سبوتاژ کیا خود ان کی آل اولاد اور مقابر کے مجاوروں نے جنہوں نے خانقاہوں کو مزاروں اور اس کی سجادہ نشینی کو موروثیت میں بدل دیا۔ جب یہ حربہ کامیاب رہا تو موقع شناس لوگوں نے نت نئے مزار ایجاد کرنا شروع کر دیے اور وہاں سے خلق خدا کو گمراہ اور ان کا جذباتی استحصال کیا جانے لگا۔ خانقاہ مرشد یہ ایسی ہی ایک ایجاد تھی جہاں اب تمام شیطانی کام پورے زور و شور سے جاری تھے لوگ جانتے تھے۔ حکام واقف تھے لیکن کوئی اس کاروبار کو روکنے والا نہیں تھا۔ مرشد جیسے لوگ اب بے لگام ہو گئے تھے۔ یہ جگہ کوئی نصف مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے چاروں طرف فصیل نما احاطہ تھا۔ وسط میں مرکزی عمارت تھی جس کا کورڈ ایریا کم سے دس ہزار مربع میٹرز تھا۔ احاطے کے داخلی دروازے کے ساتھ ایک چھوٹی عمارت تھی لیکن یہ بھی کم سے کم دو ہزار گز پر پھیلی ہوئی تھی اور شاید مسجد تھی۔ تیسری عمارت مرکزی عمارت کے عقب میں کوئی پچاس ساٹھ میٹرز کے بعد تھی اور بہ ظاہر یہ جگہ باغ لگ رہی تھی۔ اسے باقی احاطے سے الگ کرنے کے لیے دیوار بنائی گئی تھی اور چھوٹی عمارت کے گرد بھی دیوار تھی جیسے کسی کوٹھی کے گرد ہوتی ہے۔ یہ عمارت کوئی ایک ہزار مربع میٹرز پر تھی۔ اس کا ڈرائیوے بھی الگ تھا جو سڑک احاطے کے اندر آتی تھی وہ درمیان میں پارکنگ کی طرف گھوم جاتی تھی جس میں گھنے سایہ دار درخت لگے تھے اسی سے ایک سڑک الگ ہو کر مرکزی عمارت کے گرد گھومتی ہوئی اس چھوٹی عمارت تک جاتی تھی اور راستے میں دو جگہ مزید گیٹ سے گزرتی تھی ایک باغ کے احاطے کے گیٹ سے اور پھر کوٹھی کے احاطے کے گیٹ سے۔

''جناب اس عمارت میں کوئی خاص بات ہے اس کی خاص سیکورٹی کی گئی ہے۔''

''میرا خیال ہے یہ مرشد کی ذاتی رہائش گاہ ہے جہاں وہ اپنے اہل حرم کے ساتھ رہتا ہوگا۔''

''لیکن مرشد ہاؤس؟''

''وہ اس کی سیاسی رہائش گاہ ہے۔ یہاں اس کی ایک آدھ بیوی ہوگی یا صرف ملازمین کے ساتھ رہتا ہوگا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں عورتوں کی کمی تو اسے یہاں بھی نہیں ہوگی بلکہ یہاں کھل کر عیاشی کرتا ہوگا۔''

''بالکل مرشد ہاؤس کو وہ ان ہی سرگرمیوں کے لیے استعمال کرتا ہوگا اپنے گھر میں تو اسے کئی بیویوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہوگا۔ دنیا والوں کے نزدیک وہ مرشد ہے لیکن بیوی تو جوتی کی نوک پر رکھتی ہے۔''

مانی ہنسنے لگا۔ ''بالکل جی، بیوی تو اسے سب سے زیادہ جانتی ہوگی۔''

مانی نے مجھے مرشد ہاؤس کا لائیو منظر بھی دکھایا لیکن ایک تو رات کا وقت تھا دوسرے لائیو بہت واضح نہیں تھا۔ بس روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ احاطے میں چند لوگ ہی چلتے پھرتے دکھائی دے رہے تھے عام لوگوں کے لیے مزار مغرب کے بعد بند ہو جاتا تھا۔ اس لیے یہ اندر کے ملازمین یا گارڈز ہو سکتے تھے۔ احاطے کی دیواروں پر طاقتور سرچ لائٹیں لگی تھیں اور اندر بھی بہت روشنی تھی کوئی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر چوری چھپے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ مانی بہت متاثر تھا اس جگہ کی وسعت دیکھ کر۔ ''یہ تو بہت بڑی جگہ ہے۔''

''ہاں ایسے ہی لوگ اس ملک اور اس کی زمین پر قابض ہیں میرا خیال ہے زمین بھی قبضے کی ہے مرشد یا اس کے خاندان کی ملکیت نہیں ہے لیکن کوئی ان سے چھڑا نہیں سکتا ہے۔''

کچھ دیر بعد بیتو کی کال آ گئی۔ ''شوبی آپ کا اندازہ درست تھا یہ بہت غلط لوگ ہیں میری وجہ سے وہ کوئی حرکت تو نہیں کر سکے لیکن وہ شازیہ کے بارے میں غلط باتیں کر رہے تھے۔''

''عبداللہ کو ان کے بارے میں بتا دو اور اس سے کہہ دو ان کی چھٹی کر دے اور انہیں سمجھا دے کہ کوئی الٹا سیدھا خیال بھی ذہن میں نہ لائیں ورنہ ہمیشہ کے لیے غائب کر دیے جائیں گے۔''

''میں ابھی عبداللہ بھائی کو بتاتا ہوں۔''

''شازیہ کو کہاں رکھا ہے؟''

''اسے ابھی تو دیدی کے کمرے میں رکھا ہے انہوں نے کہا ہے وہ اسے سنبھال لے گی لیکن اگر اس نے شور مچایا تو اسے نیچے تہہ خانے میں ڈال دیں گے۔''

''عبداللہ سے کہنا اس کا خیال رکھے وہ مظلوم لڑکی ہے اس سے سختی سے نہ پیش آئے اگر زبردستی کی ضرورت پڑے تو ڈاکٹر کو طلب کر کے اسے کوئی ٹرنکولائزر دلوا دے۔''

''عبداللہ بھائی بھی یہی کہہ رہا ہے۔'' بیتو نے کہا پھر التجا آمیز لہجے میں بولا۔ ''شوبی میں ادھر رک جاؤں بہت عرصے بعد دیدی کے ہاتھ کا کھانا ملا ہے۔''

''عیش کرو برخوردار جب تک تمہاری یہاں ضرورت نہ پڑ جائے۔''

میں نے موبائل بند کیا تو مانی فکرمند تھا۔ ''آج رات بس ہم دو ہوں گے؟''

''ہاں تمہیں کیا فکر ہے؟''

''فکر کی بات تو ہے جناب آپ اوپر جا کر سو جائیں گے اور دشمن آ گئے تو نیچے میں مارا جاؤں گا۔''

''تب تم اوپر جا کر سو جاؤ۔''

''مجھے کام کرنا ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آج کل ایک پروجیکٹ ملا ہے اگر کام ہو گیا تو دس ہزار ڈالرز ملیں گے۔''

''یہ تو اچھا معاوضہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''چلو میں ایسا کرتا ہوں یہاں کوچ پر سو جاؤں گا۔''

مانی خوش ہو گیا۔ ''آپ میری خاطر یہاں سو جائیں گے؟''

''ہاں یار تم ہم سے کوئی الگ تھوڑی ہو۔ تمہاری مشکلات ہماری ہیں اور ان کو حل کرنا سب کی ذمے داری ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مانی تھوڑا سا جذباتی ہوگیا۔ ''سچ کہہ رہے ہیں شوبی بھائی..... آپ مجھے ملازم نہیں سمجھتے۔''

''برخوردار میں کوئی کمپنی نہیں چلا رہا ہوں جس میں کوئی ملازم ہو۔ ہم سب ساتھی ہیں۔ سفیر، مونا، وسیم سعدیہ، بیتو، عبداللہ اور اب تم۔''

''سفیر بھائی مجھے چھیڑتے ہیں۔' اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ ''مجھے دو ٹکے کا ملازم قرار دیتے ہیں۔''

میں ہنس پڑا۔ ''بے وقوف جینئس اگر وہ تمہیں دو ٹکے کا ملازم سمجھتا تو تمہارے لیے کھانے بناتا۔ سفیر تمہیں چھیڑتا ہے دل کا وہ ہیرہ بندہ ہے۔''

مانی مسکرانے لگا۔ ''ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں خاص طور سے سفیر بھائی کے پراٹھوں کا جواب ہی نہیں ہے۔ اب کھانے پڑیں گے بازار کے پراٹھے یا ڈبل روٹی۔''

''فکر نہیں کرو جب موقع ملے تکے اور پڑے بھی منگوا لینا لیکن ابھی کچھ دن احتیاط کرو مرشد پاگل ہو رہا ہے۔''

مانی نے جھرجھری لی۔ ''خدا کا شکر ہے آپ نے اس کی سازش ناکام بنا دی ورنہ سفیر بھائی، مونا باجی اور سعدیہ باجی تو مارے جاتے۔''

''نہیں یار سب اللہ کی ذات کرتی ہے۔ اگر اس کی مرضی نہ ہوتی تو ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔''

مانی میرے لیے کافی لے آیا اور اس نے رضا کارانہ پیش کش کی کہ وہ صبح کا ناشتہ بھی تیار کر دے گا۔ میں کمبل لے کر کاؤچ پر لیٹ گیا یہ کاؤچ پانچ فٹ کی قامت رکھنے والے شخص کے لیے موزوں تھی میرا تقریباً چھ فٹ قد اس میں مشکل سے سمایا تھا۔ بہرحال نیند کے بار بار میں حکما فرما گئے ہیں کہ وہ سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ یہ تو پھر بھی آرام دہ گدیلی کاؤچ تھی۔ میں سو گیا اور اٹھا تو مانی نیچے قالین میں کمبل میں لپٹا سو رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری آنکھ ایسے ہی کھل گئی ہے لیکن کچھ دیر بعد اوپر سے دروازہ بجانے کی آواز آئی۔ یہ صابر تھا جو جاگ گیا تھا اسے کافی میں دوا دیئے ہوئے دس گھنٹے سے اوپر ہو گئے تھے اور اب تک دوا کا اثر ختم ہو گیا تھا۔ میں اوپر آیا منہ ہاتھ دھوئے اور پھر صابر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ بیتو نے وہاں کمبل اور تکیے دے دیئے تھے۔ دروازہ کھلتے ہی صابر اچھل کر کھڑا ہو گیا اس نے چلا کر کہا۔ ''شہباز شازیہ کہاں ہے؟''

''اس کی فکر مت کرو وہ بالکل آرام اور حفاظت سے ہے۔ ایک مہینے تک وہ اسی طرح رہے گی۔'' میرا لہجہ سرد تھا

''کیا مطلب ہے تمہارا.....؟ ایک مہینے تک..... اس کے بعد؟''

''اس کے بعد میں اسے مرشد کے حوالے کر دوں گا۔''

''نہیں۔'' وہ چیخ کر میری طرف جھپٹا۔ میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ ''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''تم شاید میرے شریفانہ رویے سے دھوکا کھا رہے ہو میں نے تمہارے ساتھ وہ نہیں کیا جو تم اور مرشد جیسے لوگ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں۔'' میں نے حقارت سے کہا۔ ''میں نے کل ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ مجھے بہر صورت مہرو یا اس کا یقینی پتا درکار ہے۔ اس کے لیے تمہارے پاس صرف ایک مہینے کی مہلت ہے۔''

''مجھے یقین نہیں ہے کہ شازیہ خیریت سے ہے۔'' اس نے سوچ کر کہا۔ ''کیا تم مجھے اس کی خیریت کا یقین دلا سکتے ہو۔''

میں نے سوچا اور عبداللہ کو کال کی۔ ''لڑکی کا کیا حال ہے؟''

''سعدیہ کو دیکھ کر پُرسکون ہے سعدیہ نے اسے سنبھال لیا ہے۔ میں نے ڈاکٹر کو بھی بلایا ہے۔''

''گڈ..... اس کا باپ اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

ایک منٹ بعد شازیہ کی آواز آئی تو میں نے موبائل صابر کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے بے تابی سے کہا۔ ''شازیہ میری بچی تم ٹھیک ہو..... ہاں میں ٹھیک ہوں..... ہاں میں نے خود تمہیں بھجوایا ہے..... میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں..... کچھ دن بعد آ کر تمہیں لے جاؤں گا..... ہاں تب تک تم ان کے ساتھ رہو..... یہ بہت اچھے لوگ ہیں..... انہیں تنگ نہ کرنا..... یہ تمہارا خیال رکھیں گے..... خدا حافظ میری بچی۔'' صابر کی آواز بھرا گئی اور اس نے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ عبداللہ کال پر تھا میں نے اس سے کہا۔ ''میں کچھ دیر میں تمہیں کال کرتا ہوں۔''

میں نے کال کاٹ کر صابر کی طرف دیکھا تو اس نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے میں تیار ہوں لیکن تم نے کوئی دھوکا کیا تو.....؟''

''تو تم مرشد کے پاس جانے کے لیے آزاد ہو گے۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے تمہارے دونوں مجرم اپنے کیے کی سزا پا گئے ہیں اور ان کی لاشیں پیک کر کے مرشد ہاؤس پہنچا دی گئی تھیں یہ کل شام کی بات ہے۔''

اس کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''تم عبدل اور اسلم کی بات کر رہے ہو تو مجھے یہ سن کر واقعی خوشی ہوئی ہے مرشد کا کیا ردعمل تھا؟''

''پیچھے سے میڈیا بھی پہنچ گیا اور اس نے لاشوں کی تصویریں اور ویڈیو بھی بنا لی تھیں وہ ابھی بھی چینلز پر چل رہی ہوں۔''

''یہ مرشد کی سیاسی ساکھ پر بہت بڑا دھبہ ہوگا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مرشد کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کا حلقہ انتخاب اس کا حلقہ ارادت بھی ہے اگر میڈیا مرشد خود کو شیطان قرار دیدے تب بھی اس کے لوگ اسے ہی ووٹ دیں گے۔ ہمارے ہاں سیاست تو نام ہی گندگا ہو گیا ہے اس میں موجود افراد کے بارے میں پہلے سے یقین کر لیا جاتا ہے وہ بدترین قسم کے لوگ ہوں گے۔ بہرحال اسے دھچکا تو لگا ہے۔ اب تم اپنا ارادہ بتاؤ۔''

''اگر تم مجھے چھوڑتے ہو تو میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں۔ اس وقت قافلے واپس آنے لگتے ہیں۔ کیونکہ گرمی میں بہت سارے مقامات جو سردیوں میں خالی پڑے ہوتے ہیں۔ یہ قافلے ان مقامات سے سرحد پار کرتے ہیں اور سرحدی چوکیوں کے آباد ہونے سے پہلے یہ کنٹرول لائن کے اس طرف آ جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے آج کسی وقت میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔'' میں نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ کچن میں آ کر ناشتہ تیار کیا خود ناشتہ کر کے صابر کو بھی ناشتہ دیا اور مانی کو اٹھا دیا وہ ابھی تک پڑا سو رہا تھا۔ ''برخوردار ناشتہ کر لو اور ہوشیار ہو جاؤ میں باہر جا رہا ہوں شاید دو تین گھنٹے میں واپسی ہو اور اگر میں تمہیں کال کر کے سب سمیٹے دیکھوں تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کتنی دیر لگے گی۔''

''کم سے کم تین گھنٹے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے سوٹ کیس سے دس لاکھ کی رقم نکالی۔ یہ صرف دو پانچ ہزار کی گڈیوں کی صورت میں آ گئی تھی اور میری جیکٹ کی ایک جیب میں سما گئی تھی۔ سوٹ کیس کے لاک ٹوٹ گئے تھے میں نے مانی سے کہا۔ ''جب نکلنے کا وقت آئے تو اس سوٹ کیس کا خیال رکھنا اسے یہیں نہ چھوڑ جانا۔''

''آپ فکر نہ کریں۔'' وہ بولا۔

میں باہر آیا اور پہلے عبداللہ کو کال کی راستے میں ٹریفک کا شور بہت ہوتا تھا اور آواز ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ''عبداللہ میں مکان کی بات کرنے جا رہا ہوں تم مجھ سے باہر کہاں مل سکتے ہو دس لاکھ کا ڈرافٹ بنواتا ہے اور ہاں میرا این آئی سی لیتے آنا۔''

عبداللہ نے ایک بنک کا بتایا جہاں اس کا اکاؤنٹ تھا ڈرافٹ وہیں سے بنتا۔ میں روانہ ہوا آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچا تو عبداللہ پہلے سے موجود تھا۔ وہ مجھے بنک میں لے گیا میں نے اسے دس لاکھ کی رقم دی تو اس نے کسی قدر بحث کے بعد لے لی اور اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی۔ میں نے افنان احمد کو کال کی اور اس سے ڈرافٹ کے لیے کچھ تفصیلات پوچھیں۔ ''میں ایک گھنٹے کے اندر آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ میرے ساتھ میرا ایک ساتھی ہوگا جو گواہ کے طور پر دستخط کرے گا ایک آدمی آپ بلوا لیں۔''

''میں نے یہ کام کرلیا ہے آپ آ جائیں۔''

ڈرافٹ بنوا کر ہم افنان احمد کی کوٹھی پہنچے تو عبداللہ نے کہا۔ ''مکان تو بہت خوب صورت ہے لیکن نمایاں نہیں ہے؟''

''ہاں ہم نے اسی چیز کا فائدہ اٹھانا ہے۔ یہاں کم سے کم آمد و رفت رکھیں گے اور وہ بھی زیادہ تر رات کو۔ فرنٹ کا حصہ استعمال نہیں کریں گے یہاں بس ایک آدھ گاڑی رہے گی وہ بھی کور سے ڈھک کر رکھیں گے۔''

اسی لمحے کال بیل کے جواب میں افنان احمد آ گیا۔ وہ ہمیں ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ اس کی سجاوٹ دیکھ کر عبداللہ حیران ہوا تھا۔ افنان احمد چائے کا پوچھ کر اندر گیا تو عبداللہ نے سرگوشی میں کہا۔ ''جناب یہ اتنی فرنش کوٹھی دے رہا ہے؟''

''اندر سے بھی بالکل فرنش ہے اس سے بھی زیادہ۔'' میں نے جوابی سرگوشی کی۔

''اتنے کرائے میں تو خالی کوٹھی ملتی ہے یہ پورے سامان کے ساتھ دے رہا ہے۔''

''اس نے اپنے لیے بنائی تھی اب بیٹے کی وجہ سے باہر جا رہا ہے۔ اگر خالی چھوڑ کر جاتا ہے تو خطرہ ہے کوئی نقب لگا کر سامان چرا کر لے جائے گا اور چوکیدار رکھتا ہے تو اس کی تنخواہ الگ دینی پڑے گی۔ یہاں زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ کا سامان ہوگا وہ ہم سے یک مشت دس لاکھ لے جا رہا ہے اگر ہم اس کا سامان اٹھا کر لے جاتے ہیں تب بھی وہ نقصان میں نہیں رہے گا۔ اس کے گھر کی حفاظت بھی ہوتی رہے گی۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ اسی لمحے افنان احمد ایک اور شخص کے ساتھ اندر آیا۔ اس نے تعارف کرایا۔ ''یہ جلیل خانزادہ ہیں میرے وکیل..... معاہدے کے گواہ یہ ہوں گے اور میرے بعد کوٹھی کی دیکھ بھال اور کسی بھی مسئلے سے



نمٹنا ان کی ذمے داری ہے یہ مہینے میں ایک بار آ کر کوٹھی کا معائنہ کریں گے اور آپ معائنہ کرانے کے پابند ہوں گے۔ یہ بات معاہدے میں شامل ہے۔''

افنان احمد سادہ نہیں تھا اس نے پورا بندوبست کیا تھا۔ میں نے بنک ڈرافٹ اسے دیا اپنی اور عبداللہ کی آئی ڈی کارڈ کی کاپی دی جو جلیل خانزادہ نے کرائے داری کے معاہدے پر پن کر دی یہ ایک سال کا معاہدہ تھا۔ ہم نے دستخط کیے۔ یہ مارچ کی اٹھائیس تاریخ تھی۔ افنان احمد نے کہا۔ ''آپ دو دن بعد یکم کو آ سکتے ہیں۔''

''یعنی فرسٹ اپریل کو۔'' عبداللہ بولا۔ ''بڑی غلط تاریخ دے رہیں آپ قبضے کی۔''

''مگر مجھے امید ہے ہم میں سے کوئی فول نہیں بنے گا۔'' افنان احمد نے کہا اور چائے لے آیا۔ بہ ظاہر وہ اکیلا ہی تھا اور سارے کام خود کرتا تھا۔ چائے پی کر ہم کھڑے ہوئے تو میں نے معاہدے کی فائل اٹھانی چاہی تو جلیل نے کہا۔

''اسے چھوڑ جائیں میں اس کی کاپی کرا کے یہ اور بیجنل آپ کو لا دوں گا۔''

''نہیں جناب ہمارے پاس یہی تو ایک پروف ہے کہ ہم نے یہ مکان سال بھر کے لیے دس لاکھ روپے ادا کر کے لیا ہے۔'' میں نے انکار کیا۔ ''جہاں تک کاپی کا تعلق ہے تو وہ ہم کرا کے لے آئیں گے پرسوں۔''

افنان احمد اور جلیل خانزادہ کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نظر آئے تھے انہوں نے کوشش کی کہ میں فائل نہ لے جاؤں لیکن میں نے ان کی سنی نہیں اور فائل اٹھا لی۔ ''افنان صاحب معذرت کے ساتھ میں نے ادائیگی کر دی ہے اور چیز مجھے دو دن بعد ملے گی اس لیے میرے ہاتھ میں کچھ پروف تو ہونا چاہیے کیوں میں نے غلط تو نہیں کہا۔''

مجبوراً ان دونوں نے میری تائید کی تھی۔ ہم باہر آئے تو عبداللہ نے فوراً کہا۔ ''شہباز صاحب مجھے معاملہ مشکوک لگ رہا ہے۔ آخر یہ کرایہ داری کا معاہدہ کیوں قبضے میں کرنا چاہ رہے تھے۔''

وہاں سے کچھ دور ایک مناسب قسم کے اوپن ایئر ریستوران میں بیٹھ کر ہم نے فائل کا بغور مطالعہ کیا لیکن اس میں کوئی بات الگ سے نہیں تھی۔ افنان احمد اور جلیل خانزادہ کے این آئی سی بھی اصلی تھے۔ اس پر ان کی تصاویر بھی اصلی تھیں۔ ان کے پتے پنڈی اور اسلام آباد کے تھے۔ معاہدے میں بھی کوئی دھوکے والی بات نہیں تھی ہر شق صاف الفاظ میں لکھی تھی۔ میں نے عبداللہ کو قائل کرنے کی کوشش کی وہ شاید پرسوں تک بہر صورت معاملہ نمٹانے کے لیے فائل اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے انہیں خدشہ ہوگا کہ کہیں ہم کاپی دینے میں تاخیر نہ کریں اور افنان احمد کی روانگی کا پروگرام متاثر ہو۔ مگر عبداللہ کچھ سوچ رہا تھا اس نے کہا۔

''ممکن ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن مجھے اپنی تسلی کی اجازت دیں؟''

''وہ کس طرح؟''

''میں اپنا ایک آدمی ان کی نگرانی پر لگاتا ہوں۔''

''تمہاری مرضی۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''ویسے ہمارے پاس دو دن تو ہیں۔''

''بس تو میں اپنے آدمی ان کے پیچھے لگاتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''اور ہاں، میں نے ان دونوں کی مٹی کر دی ہے اس سے پہلے بھی ان کے بارے میں شکایت ملتی رہی ہے اور میں انہیں وارننگ دیتا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ اپنی زبانیں بند رکھیں؟''

عبداللہ مسکرایا۔ ''بالکل جی..... ان کے گھر والوں کا پتا ہے انہیں سمجھا دیا تھا کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے انہیں اپنے گھر والوں سے محروم ہونا پڑے۔''

''آدمی کم رکھو لیکن بالکل پکے رکھو۔''

''میں یہی کر رہا ہوں۔ پچھلے کچھ عرصے میں خاصے بندے بھرتی کیے اور ان میں سے کام کے رکھ کر باقی فارغ کر دیے۔''

میں نے اسے صابر کے بارے میں بتایا۔ ''میں اسے چھوڑ رہا ہوں لیکن اس کے بعد ہم فارم بھی چھوڑ دیں گے۔ وہاں رہنا رسکی ہوگا۔''

''بالکل ٹھیک سوچا آپ نے ... صابر جیسے لوگ کبھی بھروسے کے قابل نہیں ہوتے ہیں تب بہتر یہ ہے کہ اسے اس وقت چھوڑیں جب آپ خود وہاں سے نکل آئیں۔''

''اس سے پہلے چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے سر ہلایا اور کھڑا ہو گیا۔ ''میں سوچ رہا ہوں ذرا مرشد کے اڈے کا قریب سے جائزہ لوں۔''

''یہ بہت رسکی ہے جناب۔'' عبداللہ جلدی سے بولا۔ ''آپ پہچان لیے گئے تو.....''

''یار میں پہلے کے مقابلے میں خاصا تبدیل ہو گیا ہوں۔''

''عام لوگوں کے لیے جناب، مرشد اور اس کے آدمی آپ کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔''

میں نے اپنے بڑھے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ''میرا خیال ہے میں کسی سیلون کا چکر لگا لوں اور وہاں مشورہ کرتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''ہاں کسی ماہر سے مشورہ کر لیں لیکن پلیز ہمیں بتائے بغیر کہیں جانے کی کوشش مت کیجئے گا۔'' عبداللہ نے التجا کی۔ ''آپ تو آرام سے دشمن کی تحویل میں چلے جاتے ہیں اور قسمت کے دھنی ہیں کہ صحیح سلامت واپس بھی آ جاتے ہیں۔ یہاں ہماری جان پر بن جاتی ہے۔ جب تک آپ واپس نہیں آ جاتے۔''

میں ہنس پڑا۔ ''اچھا یار نہیں جاؤں گا بغیر بتائے یا مشورہ کیے۔''

عبداللہ رخصت ہوا تو میں نے اسلام آباد کے ایک پوش ایریے میں واقع ایک مہنگے سیلون کا رخ کیا کسی زمانے میں ہمیں یہیں آنا تھا۔ اس وقت میرے بال بڑے اسٹائلش انداز میں بنتے تھے۔ اب تو بال بنائے ہی مہینے گزر جاتے تھے۔ میں اندر داخل ہوا تو آرائش اور عملہ بدلا ہوا تھا۔ یہ اس سیلون کے مالک کا شوق تھا۔ آرائش وہ ہر سال بدلتا تھا اور اس کا عملہ خود بدل جاتا تھا اس کے پاس کام کرنے والے لڑکے جب کام سیکھ جاتے تو خود کہیں جا کر اپنا سیلون کھول لیتے تھے یا اچھی تنخواہ پر ملازم ہو جاتے تھے۔ وہ بھی پروا نہیں کرتا تھا نئے لڑکے لے آتا تھا اور ان سے معمولی معاوضے پر کام لیتا تھا۔ دو تین اچھے لڑکوں کو اتنا معاوضہ دیتا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جاتے تھے اور دو تین سال کام کرتے تھے۔ میرا خیال تھا وہ مجھے نہیں پہچان سکے گا میں تقریباً سال بعد اس کے پاس آیا لیکن اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''آپ..... اتنے عرصے بعد آئے؟'' اس نے مجھ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ اس کا نام [illegible]



تھا لیکن میرا نام لینے سے گریز کیا۔ ''آیئے میں نے آپ کے لیے کچھ اسپیشل چیزیں رکھی ہیں۔''

شفقت مجھے ایک الگ پارلر میں لے آیا اس کا مقصد مجھے دوسروں کی نظروں سے بچانا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی دروازہ بند کیا اور سرگوشی میں بولا۔ ''شہباز صاحب یہ کیا غضب کر رہے ہیں اس طرح سرِ عام گھوم کر۔''

''تم نے مجھے پہچان لیا؟''

''جی اور پولیس بھی دیکھے گی تو پہچان لے گی۔''

میں فکرمند ہو گیا۔ ''تب کیا کروں؟''

''میں کچھ کرتا ہوں جناب۔'' اس نے کہا اور مجھے کرسی پر بٹھایا۔ پہلے تو اس نے تقریباً دس منٹ میرے چہرے کا معائنہ کیا۔ ''آپ کا چہرہ کسی قدر گول بھی ہے اور لمبا بھی ہے اگر بالوں اور داڑھی کی ترتیب رکھی جائے تو اسے دونوں میں سے کوئی بھی صورت دی جا سکتی ہے۔ بالوں کا رنگ ریڈش بلیک ہے۔ اسے ریڈش براؤن یا ریڈش لائٹ گولڈن کیا جا سکتا ہے۔ کونٹیکٹ لینس لگانے سے آپ کی آنکھوں کا رنگ اور کلر بدل جائے گا۔ آپ کا رنگ سرخ و سفید ہے۔ میں ایک کریم دیتا ہوں اسے لگائیں گے تو آپ کا رنگ کسی قدر سانولا ہو جائے گا۔''

''اوکے میرا حلیہ بدلنے کے لیے تم جو مناسب سمجھتے ہو وہ کرو لیکن جلدی ایسا نہ ہو پولیس یا میرے دشمن یہاں آ جائیں اور میرے ساتھ تمہیں بھی لے جائیں۔''

وہ ہنسا۔ ''ایسا نہیں ہے جی..... پولیس میرے سیلون میں قدم نہیں رکھ سکتی ہے۔ ان کو پتا ہے کہ ان کے ڈی آئی جی تک یہیں آتے ہیں۔ میری ایک فون کال پر ان کی پینٹ اتر جائے گی۔''

''مگر میرے دشمن اس کی پروا نہیں کریں گے۔''

اس نے پہلے میرے بال شیمپو کیے پھر انہیں کاٹا۔ اس کے بعد دوبارہ دھو کر ڈرائر سے خشک کیے۔ یہ سارے کام اس نے مشکل سے بیس منٹ میں کر لیے تھے۔ اس کے بعد اس نے کلر کا عمل کیا۔ اس نے ریڈش براؤن کا انتخاب کیا تھا کیونکہ میری سانولی ہو جانے والی رنگت سے میچ کرتے گولڈن براؤن بال مصنوعی لگتے اس نے بہت اعلیٰ درجے کا کلر استعمال کیا تھا۔ کلر کرنے کے نصف گھنٹے بعد اس نے پھر کنڈیشنر سے میرے بال دھوئے۔ انہیں ڈرائر سے خشک کیا۔ میں نے آئینے میں خود کو دیکھا تو بال بالکل مختلف لیکن اصلی لگ رہے تھے۔ اس کے بعد اس نے میری شیو پر کام کیا اور اسے قلموں سے گول شیو کی صورت دی۔ میرا ہیئر اسٹائل بھی ایسا تھا کہ میرا چہرہ گول لگ رہا تھا۔ میری براؤن آنکھوں کو اس نے سرمئی رنگ کے لینس سے تبدیل کیا ان کا تاثر بھی بدل گیا تھا۔ مونچھیں اس نے صاف کر دی تھیں۔ دو گھنٹے بعد آئینے میں میرے سامنے ایک اجنبی تھا میں اس حد تک بدل گیا تھا کہ مجھے دن رات دیکھنے والے بھی مشکل سے شناخت کرتے۔ شفقت واقعی فن کار آدمی تھا۔

اس کے بعد اس نے مجھے کچھ مشورے اور دیے۔ ایک تو یہ کہ بالکل پتلے تلے کے جوتے استعمال کروں اور ذرا جھک کر چلا کروں۔ اس سے میری طویل قامتی کا تاثر زائل ہو جائے گا۔ اگر میں گردن ایک طرف جھکا کر رکھوں اس سے چہرہ بھی واضح نظر نہیں آئے گا۔ اس نے ٹی شرٹ یا جرسی کے بجائے ہاف آستین کی شرٹ اور سادہ ڈریس پینٹ کا مشورہ دیا۔ ''اس سے آپ کا تاثر نرم اور معزز شخص کا ابھرے گا۔''

''وہ تو میں اب بھی ہوں۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں جی میں ان کے نکتہ نظر سے کہہ رہا ہوں جن کو آپ کی تلاش ہے۔ آدمی کا لباس اور حلیہ بھی دوسروں کو متوجہ کرتا ہے۔''

شفقت نے مجھے ایک شاپ کا پتا بتایا جہاں ہر قسم کے ریڈی میڈ سوٹ ملتے تھے اور اگر سائز میں مسئلہ ہوتا تھا۔ تو دکان پر موجود ٹیلر اسے آدھے گھنٹے میں ٹھیک کر کے دے سکتا تھا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور معاوضہ پوچھا اس نے نیاز مندی سے کہا۔ ''آپ جو اپنی خوشی سے دے دیں جناب۔''

مجھے اس کے معاوضے کا اندازہ تھا لیکن یہ سارے کام میں نے پہلی بار کرائے تھے اس لیے اندازے سے معاوضہ دیا۔ اس کے تاثرات نے بتا دیا کہ وہ اس کی توقع سے بڑھ کر ہی تھا۔ کپڑوں کی شاپ شفقت کے بھائی کی ثابت ہوئی تھی۔ اس نے اپنا معاوضہ وصول کر لیا تھا اور اپنے بھائی کا بھی بھلا کر دیا تھا۔ شفقت کا بھائی نزاکت خوش خلقی سے پیش آیا۔ میں نے اس سے تین شرٹس اور تین ہی پتلونیں لیں۔ اتفاق سے سب چیزیں میرے سائز کی مل گئیں اس لیے ان کو ٹھیک کرانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ شاپ سے نکلا تو زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور مانی کے لیے پیک کرا لیا اسے معلوم ہوتا کہ میں نے باہر سے کھایا ہے تو وہ شور مچاتا۔ گھر میں موجود چیزیں اس کے حلق سے کہاں اترتیں؟ گزشتہ رات بھی اس نے منہ بنا کر کھایا تھا۔

میں واپس پہنچا تو مانی حسب توقع بھوکا بیٹھا تھا پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ ''شوبی بھائی یہ آپ ہیں..... جاتے وقت تو کچھ اور تھے۔''

''بس بھائی ایسے ہی دل چاہا حلیہ بدل لیا۔ یہ خواتین بھی تو بیوٹی پارلر جا کر حلیہ بدل لیتی ہیں بعض اوقات بے چارہ شوہر بھی نہیں پہچان پاتا ہے خیر چھوڑو یہ بتا کھانا کھایا۔''

''نہیں۔'' اس نے فریادی لہجے میں کہا۔

میں نے کہا۔ ''اتنی ساری چیزیں پڑی ہیں ان سے کیوں پیٹ نہیں بھرا؟''

''جناب میں ایسی چیزیں نہیں کھا سکتا ہوں۔ صبح بھی بڑی مشکل سے ناشتہ کیا تھا۔''

''یہی سوچ کر تمہارے لیے کھانا لے آیا ہوں ایک ہوٹل سے مٹن کڑاہی ہے اور اسپیشل آئس کریم ہے۔ آئس کریم فریج میں رکھ دی ہے۔''

مانی اچھل کر بھاگا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ٹرے سجا کر لایا اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اس کی مصروفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے وسیم کو کال کر کے تازہ ترین احوال لیا اور اسے یہاں کے احوال سے آگاہ کیا۔ اس نے فاضلی کے بارے میں بتایا کہ اسے اب تک تین ڈوز دیئے جا چکے تھے۔ فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اب ایک کام اور کرو..... ہو سکے تو نادر کو بھی اٹھا لو۔ عبداللہ نے اس کا موجودہ ٹھکانہ دیکھ لیا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ مرشد پر ایک وار اور ہوگا۔''

''مرشد کو نادر کی پروا نہیں ہے لیکن اسے خاندان کے دوسرے لوگوں کی پروا یقیناً ہوگی وہ سب سے ایک ساتھ نہیں لڑ سکتا ہے۔''



''ہم ایسا تاثر دے سکتے ہیں کہ نادر کو مرشد نے غائب کرایا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن نادر کے ساتھ مسئلہ ہے وہ مکمل معذور ہے اور اسے کسی کی دیکھ بھال کی ضرورت ہوگی۔''

''میرا خیال ہے تمہارے آدمی اس کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں۔''

''ہاں یہ بہت مشکل بھی نہیں ہے اسے کب اٹھانا ہے؟''

''تم دیکھو عبداللہ کا کوئی آدمی اس کے ٹھکانے کی نگرانی کر رہا ہے اس سے بات کرو اور اپنے آدمی لگا دو اگر موقع آسان لگے تو لگے ہاتھوں اسے اٹھوا لو۔ ایسا نہ ہو کہ مرشد پہل کر جائے پہلے اس کے ساتھ سیکورٹی تھی لیکن اب وہ ایسے ہی رہا ہے۔''

''میں جلدی کرتا ہوں۔''

وسیم سے بات کر کے میں نے عبداللہ کا نمبر ملایا۔ ''افنان احمد کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اَپ ڈیٹ آئی ہے؟''

''نہیں جب میرے آدمی یہاں پہنچے تو مکان خالی تھا افنان احمد کہیں چلا گیا ہے۔''

''کہیں چلا گیا ہے؟''

''ہاں ابھی مکان خالی ہی ہے اور باہر تالا لگا ہے۔''

''ابھی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی ہے ممکن ہے کسی کام سے گیا ہو۔''

''ممکن ہے لیکن خاص بات یہ ہے جو کلٹس ہم نے کھڑی دیکھی تھی وہ بدستور وہاں موجود ہے۔''

''ممکن ہے وہ ٹیکسی یا کسی اور ذریعے سے گیا ہو۔ اگر شہر کا کام ہو تو بہت سارے لوگ پارکنگ کے مسئلے کی وجہ سے گاڑی لے جانا پسند نہیں رکتے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے۔'' عبداللہ بولا۔ ''افنان احمد نے آپ کو بتایا تھا کہ اس کا بنک اکاؤنٹ کس بنک میں ہے؟''

میں نے نفی میں جواب دیا۔ ''نہیں اس نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔ مجھے بھی پوچھنے کا خیال نہیں رہا۔''

''اب مجھے دال میں پہلے سے زیادہ کالا لگ رہا ہے۔''

''فکر مت کرو یا وال میں جو بھی کالا ہے وہ جلد سامنے آجائے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''وسیم سے بات کر لو..... میں نے اسے نادر کو اٹھانے کا مشورہ دیا ہے۔''

''میں خود بھی یہی مشورہ دینا چاہ رہا تھا خوش قسمتی سے نادر اس وقت بے یار و مددگار ہے اسے اٹھانا زیادہ مشکل نہیں ہوگا وہ مرشد کے خلاف بہت کچھ بتا سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے میرا تو خیال ہے اسے اس طرح اٹھاؤ کہ اسے شبہ ہو اسے کسی سرکاری ایجنسی نے اٹھا لیا ہے۔ آخر مرشد ملک دشمن سرگرمیوں میں بھی ملوث ہو سکتا ہے۔''

''میں ابھی وسیم سے بات کرتا ہوں میرا خیال ہے آج یا کل تک یہ کام ہو جانا چاہیے۔''

کمر کے زخم کی بینڈیج کو چوبیس گھنٹے ہو گئے تھے۔ مانی نے اسے تبدیل کر کے دوسری بینڈیج لگائی اور مجھے آگاہ کیا کہ زخم پر کھرنڈ آگئی ہے۔ میں چاہوں تو نہا بھی سکتا ہوں۔ مانی کو میں نے صابر والے کمرے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے سے منع کیا تھا وہ اس کے بس کی چیز نہیں تھا۔ اسے خود جا کر کھانا دیا اور کچھ تسلیاں بھی دیں کہ جلد اسے رہا کر دیا جائے گا تب تک وہ صبر و سکون سے یہاں بیٹھے۔ مانی کھانے کے بعد اپنے دس ہزار ڈالرز والے پروجیکٹ میں مگن ہو گیا۔ میں نے سفیر سے معلوم کیا اس نے مونا کو واپس کوٹھی منتقل کر دیا تھا۔ یہ وہی بات ہوئی تھی کہ کھایا پیا کچھ نہیں اور گلاس توڑا بارہ آنے۔ جس کام کے لیے ہم نے اتنی بھاگ دوڑ کی اور رازداری سے کام لیا۔ وہ تو ہوا نہیں الٹا ہمیں نقصان اٹھانا پڑا تھا اگرچہ سب کی جان بچ گئی تھی۔ مگر مونا اور سفیر کو بہت بڑا ذاتی نقصان اٹھانا پڑا تھا ہم اس غم میں ان کا بار بھی ہلکا نہیں کر سکتے تھے۔ اگرچہ مونا اور سفیر نے مجھ سے بہت حوصلے سے بات کی تھی لیکن میں ان کی دلی کیفیت کا اندازہ کر سکتا تھا۔

مرشد نے فون پر مجھ سے خاصی لاپروائی سے بات کی تھی لیکن فاضلی جیسے آدمی سے خروی اس کے لیے چھوٹا نقصان نہیں تھی اس کے پاس فاضلی جیسا ایک آدمی بھی نہیں تھا یہ فاضلی تھا جس نے کئی محاذوں پر مرشد کو کامیابی دلوائی۔ فاضلی کے بعد نادر بھی غائب ہو جاتا تو مرشد کی مشکلات میں یقیناً اضافہ ہو جاتا۔ اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا ضروری تھا کیونکہ مرشد کے پاس وسائل اور آدمیوں کی کمی نہیں تھی وہ خود کو محفوظ رکھتے ہوئے لامحدود مدت تک یہ جنگ جاری رکھ سکتا تھا جب کہ ہم لامحدود جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ ہمارے پاس نہ تو وسائل تھے اور نہ افراد جنہیں بے دریغ استعمال کیا جا سکے۔ میری اور میرے ساتھیوں کی مرشد جیسی فطرت بھی نہیں تھی وہ وقت پڑنے پر اپنے سگے بھائی کو بے جان مہرے کی طرح پٹوا سکتا تھا دوسرے لوگوں کی تو اس کی نظر میں کوئی اہمیت ہی نہیں تھی لیکن ہمارے لیے ہمارا ایک ایک فرد قیمتی تھا۔ ایسے میں ضروری ہو گیا تھا کہ مرشد کو اس طرح گھیرا جائے کہ وہ کھل کر ہمارے خلاف کارروائی کرنا بھول جائے۔ اس کی حرکت کا اسے فوری اور بھرپور جواب ملا تھا وہ اپنے مقصد میں تو ناکام رہا تھا ساتھ ہی اپنے اہم ترین آدمی سے ہاتھ بھی دھو بیٹھا تھا۔

فتح خان اور کرنل کا مجھے علم نہیں تھا فی الحال دونوں منظرِ عام سے غائب تھے۔ شہلا کی موت یقیناً فتح خان کے لیے بڑا دھچکا ثابت ہوئی ہو گی کیونکہ وہ بریف کیس والے معاملے میں برابر کی شریک تھی۔ ممکن ہے وہ اس کا سودا کرانے میں مددگار ہو۔ جیسے وہ فتح خان کے لیے ہیرے بیچنے کے لیے تیار ہو گئی تھی یقیناً اس میں اس کا حصہ ہو گا۔ بریف کیس کے معاملے کو شہلا دیکھ رہی تھی۔ اب وہ نہیں رہی تھی اور شاید فتح خان کو اس کی موت کا علم بھی نہیں تھا کیونکہ وہ دھوکے میں ماری گئی تھی۔ نہ صابر پر بھروسہ کرتی اور نہ وہ اسے اتنی آسانی سے مرشد کے حوالے کرتا۔ اس کا امکان تھا کہ شہلا نے فتح خان کو صابر کے بارے میں بتایا ہو لیکن یہ فتح خان کیسے جان سکتا تھا کہ شہلا کی گمشدگی میں صابر کا کوئی کردار ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ شہلا کی گمشدگی کا علم ہو گا۔ اگر اسے علم بھی ہو جاتا کہ شہلا مرشد کے آدمیوں کے ہاتھوں ماری جا چکی ہے تب بھی اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ فتح خان کے لیے شہلا اہم ہستی نہیں تھی وہ صرف کاروباری لحاظ سے اس کی شریک تھی۔ مرشد سے فتح خان پہلے ہی اپنے کزن شہباز خان کا خاصا انتقام لے چکا تھا۔ صرف شہلا کے لیے وہ مرشد پر چڑھ دوڑتا اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔

شام کے وقت وسیم کی کال آئی۔ ''میرے آدمی نادر کے گھر کی ریکی کر رہے ہیں ممکن ہے آج رات ہم اسے اٹھا لیں۔''

''ٹھیک ہے عبداللہ کو میں نے کہا تھا کہ انداز ایجنسی والا رکھنا۔ نادر کو ہم پر شبہ نہ ہو۔''



''بالکل ایسا ہی کریں گے۔ اسے الگ رکھا جائے گا اور پوچھ گچھ بھی اسی انداز میں کی جائے گی۔''

''بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے مرشد کو شک نہ ہو کہ نادر کو اٹھانے والے ہم ہیں۔''

''اس کا پہلا شک ہم پر ہی جائے گا جناب۔''

''شک سے کچھ نہیں ہوتا بس تم کوئی ثبوت مت چھوڑنا اس کے گھر میں کتنے افراد ہیں؟''

''بہ ظاہر دو ہی ملازم ہیں وہی اس کے اور گھر کے سارے کام کرتے ہیں۔''

''کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ مرشد نے اسے یوں چھوڑ دیا ہے۔ اگر مرشد نے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے اور اس سے مالی وسائل بھی چھین لیے ہیں تو اس خاندان میں اور افراد بھی تو ہیں۔''

''میرا خیال ہے وہ بھی مرشد سے ڈرتے اور کھل کر اس کے سامنے آنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے کوئی نادر سے نہیں ملتا ہو گا اور نہ کسی نے اس کی مدد کرنے کی کوشش کی ہو گی''

''ظاہر ہے دولت اور گدی کے ساتھ بدمعاش مریدوں کی ساری طاقت بھی مرشد کے پاس ہے۔ وہ اس سے کھل کر لڑ نہیں سکتے ہیں لیکن اگر ہمارا تعاون حاصل ہو جائے تو وہ بھی ہمت کر سکتے ہیں۔ وہ اندر کے راز جانتے ہیں۔''

''وہ مرشد کے دشمن ہیں پیری مریدی کے اس دھندے کے دشمن نہیں ہیں۔ وہ ہمیں ایسا کوئی راز نہیں بتائیں گے جس سے اس کاروبار کو خطرہ ہو۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اگر ان کو یقین دلا دیا جائے کہ ہمیں صرف مرشد سے جان چھڑانی ہے۔ کیونکہ وہ ہماری جان چھوڑنے کو تیار نہیں ہے تب مجھے یقین ہے وہ ہم سے تعاون پر آمادہ ہو جائیں گے۔''

''لیکن اس کے لیے ضروری ہے ہم اپنی طاقت کا کوئی مظاہرہ کر کے دکھائیں۔''

''کالی کوٹھی کی تباہی کافی نہیں ہے؟''

''نہیں مرشد نے اسے حادثہ ظاہر کیا ہے اور جلد یا بدیر پولیس بھی یہی رپورٹ کرے گی۔ ہمیں مرشد کے اڈے کو نشانہ بنانا ہو گا۔'' میں نے کافی مگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ وسیم سے گفتگو کے دوران میں نے یہ کام کر لیا تھا۔ مانی کے لیے بھی کافی نکالی اور دوسری چیزوں کے ساتھ اسے پہنچا دی وہ کریم اور ڈھیروں چینی کے ساتھ کافی نوشی کرتا تھا۔

''شہباز صاحب آپ نے وہ جگہ دیکھی ہے؟'' وسیم نے ہچکچا کر کہا۔

''ہاں اچھی طرح دیکھ لی ہے مانی نے اس کی سیٹلائیٹ تصاویر نکال کر دکھائی ہیں۔''

''میرے آدمیوں نے وہاں کا سروے کیا ہے وہ مزار پر حاضری اور دکھی فریادی کے بہانے ہر جگہ گھوم پھر کر آئے ہیں۔ عورتوں والا حصہ بھی دیکھا ہے وہاں حفاظتی انتظامات بہت سخت ہیں۔ گارڈز کی تعداد جو جدید ترین سلحے سے لیس ہیں سو سے بھی زیادہ ہے اور ان میں سے اکثر چھٹے ہوئے مجرم ہیں۔ وہاں جانا تو آسان ہے لیکن ہاں سے واپس آنا آسان نہیں ہو گا۔''

''کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا ہے۔ اگر صحیح پلاننگ کی جائے تو ہم جا بھی سکتے ہیں اور واپس بھی آ سکتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''درست پلاننگ میں تھوڑا وقت لگے گا۔''

''یار مجھے کوئن سی جلدی ہے کہ میں آج کل میں مرشد کے اڈے کا رخ کروں گا یہ کام آرام سے اور خوب سوچ سمجھ کر کرنے والا ہی ہے۔ پہلے تو تم برادر خرد کو منتقل کرواس کے بعد مرشد کا ردِعمل دیکھتے ہیں۔''

○.....❖.....○

فی الحال کوئی کام نہیں تھا اس لیے وقت گزاری کے لیے ٹی وی لگا لیا۔ مانی نے دن میں مزے کر لیے تھے لیکن رات میں اسے وہی نن بند کھانا پڑا ساتھ میں فروزن پراٹھے تھے۔ میں نے دودھ اور سیریل کو ترجیح دی تھی کیونکہ کئی دن سے ایسے ہی کھانے کھا رہا تھا۔ مانی نے سیریل کے پیالے کو دیکھا۔ ''شوبی بھائی آپ یہ کیسے کھا لیتے ہیں؟''

''بس مجھے عادت ہے جب میں اسلام آباد آیا تو اکیلا تھا اور کچھ بنانا نہیں آتا تھا باہر سے میں کم ہی کھاتا ہوں اس لیے زیادہ تر اس قسم کی چیزوں پر گزارا ہوتا تھا۔ میں تو سادہ دلیہ نمک مرچ کے بغیر بھی شوق سے کھا لیتا ہوں۔''

مانی کانپ اٹھا۔ ''میں شاید بھوک سے قریب المرگ ہوں تو اس صورت میں جان بچانے کے لیے یہ چیزیں کھا سکتا ہوں ورنہ تو.....''

''ٹھیک کہا تم نے برخوردار جان بچانے کے لیے سب حلال ہے۔ یہ کیا کبھی ایسا موقع آیا تو تم لکڑ پتھر، چھپکلیاں اور چوہے تک کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ گے۔''

مانی نے منہ بنایا۔ ''جی نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔''

کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''وہ آپ کا منتقل ہونے کا پروگرام تھا؟''

''ہاں بات ہو گئی ہے چابی کیم کو ملے گی۔''

''فرسٹ اپریل۔'' مانی نے سوچ کر کہا۔ ''کہیں وہ آپ کو بے وقوف تو نہیں بنا رہا ہے؟''

''عبداللہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے اس نے اپنے آدمی ان کے پیچھے لگائے ہیں اگر ایسا کچھ ہوا تو پتا چل جائے گا۔''

مانی مسکرانے لگا۔ ''میں تو ایسے ہی فرسٹ اپریل کی وجہ سے کہہ رہا تھا لیکن عبداللہ بھائی نے کیوں کہا؟''

میں نے مانی کو بتایا کہ کس طرح افنان احمد نے فائل لینے کی کوشش کی تھی۔ وہ بولا۔ ''آپ نے اچھا کیا اسے فائل نہیں دی۔ ویسے مکان کیا اسی شخص کا ہے؟''

''ہاں اسی کا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ مالک ہے اور بنوایا بھی اسی نے ہے۔''

''تب میں چیک کر سکتا ہوں کہ مکان سچ مچ اس کے نام پر ہے یا نہیں۔''

''تم چیک کر سکتے ہو؟''

''بالکل جناب..... اسلام آباد کی حد میں زمین اور جائداد کا ریکارڈ کمپیوٹرائزڈ ہو گیا ہے۔''

''ابھی چیک ہو سکتا ہے؟''

''کوشش کرتا ہوں دراصل رات میں جب سرکاری دفاتر بند ہوتے ہیں تو عام طور سے کمپیوٹر بھی بند کر



دیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ آن ہوں گے اور انٹرنیٹ ایکسیز ہو گی تب ہی کام ہو سکے گا ورنہ کل صبح تک کا انتظار کرنا پڑے گا۔ جب کمپیوٹر آن ہوں گے اور ان کا انٹرنیٹ بھی کام شروع کرے گا۔''

''چلو برخوردار ابھی چیک کرو اگر کمپیوٹر آن ہیں تو۔''

کھانے کے بعد مانی نے نہایت شرافت سے برتن اٹھائے اور دھو کر بھی رکھے آخر میں کچن بھی صاف کیا تھا۔ وہ کچرے کا شاپر اٹھا کر باہر پھینکنے جا رہا تھا کہ میں نے روک دیا۔ ''بس یار جتنا کر دیا ہے اتنا کافی ہے۔ تمہیں ویسے بھی ان کاموں کی عادت نہیں ہے۔''

''نہیں جی یہ سفیر بھائی نے بدنام کیا تھا اور کچھ ان کی ضد میں نہیں کرتا تھا ورنہ میں امریکہ سے پڑھ کر آیا ہوں وہاں رہنے والا لازمی اپنے کام خود کرنے کا عادی ہوتا ہے۔''

''پھر بھی شاپر میں پھینک آتا ہوں۔ تم جب تک اپنی کوشش کا آغاز کرو۔''

''میں پہلے کافی بنا لوں..... جب تک آپ آئیں گے میں بنا لوں گا۔ معاف کیجئے گا آپ بہت خراب کافی بناتے ہیں۔''

''کیونکہ مجھے تلخ کافی پسند ہے۔'' میں نے باہر جاتے ہوئے کہا ویسے یہ سچ تھا مانی بہت شاندار کافی بناتا تھا میں بھی اسی نیس کیف گولڈ کی کافی بناتا تھا مگر مانی کی کافی کا ذائقہ مختلف ہوتا تھا۔ میں روڈ کے ساتھ رکھے ایک کچرے دان میں شاپر ڈال کر آیا تو مانی کافی بنا چکا تھا اس نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا اور کام میں لگ گیا۔ میں کاؤچ پر نیم دراز ہو گیا۔ مانی جو کر رہا تھا وہ بڑے ایل سی ڈی پر بھی آ رہا تھا اس نے کوئی ایسا سسٹم کر دیا تھا کہ کمپیوٹر کی اسکرین دونوں جگہ آتی تھی۔ اس نے اپنی کوشش کا آغاز کر دیا تھا۔ اس قسم کا سینٹرلائزڈ ریکارڈ بڑے کمپیوٹرز میں ہوتا ہے جن کو مین فریم کہتے ہیں اور وہ ہمہ وقت آن رہتے ہیں ان کو صرف کسی مرمت یا خرابی دور کرنے کے لیے بند کیا جاتا ہے۔ مگر شاید یہاں ان کو بھی عام پی سی کی طرح بند کر دیا جاتا ہو۔ مانی کوشش کرتا رہا لیکن اس کی کوشش کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئی تھی۔ ایک گھنٹے بعد اس نے کوشش ترک کر دی اور مایوسی سے بولا۔

''ایکسیز نہیں مل رہی ہے۔''

''یعنی کمپیوٹرز کا نیٹ سے رابطہ نہیں ہے۔''

''عین ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ عام طور سے اداروں کے درمیان کونٹرانیٹ استعمال ہوتا ہے یعنی اس میں صرف ادارے کے کمپیوٹرز ایک دوسرے سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ مگر اس نیٹ میں بھی دراندازی ممکن ہے یہاں شاید سرے سے کوئی کونٹرانیٹ ہی نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں تم دن میں کوشش کرنا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ صابر کو کھانا دے یا تھا میں نے بچی ہوئی کافی بھی اسے ڈال کر دے دی۔ اس نے پوچھا۔

''تم مجھے کب جانے دو گے میری بچی پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا ہے۔''

''اس پر بھاری لمحات گزر چکے ہیں اور وہ جہاں ہے بالکل آرام سے ہے۔ اتنی محفوظ وہ تمہارے ساتھ نہیں ہو گی جتنی کہ اس وقت ہے۔ بہتر ہو گا کہ میرا کام کرنے کے بعد بھی تم اس وقت اسے وہاں سے لینا جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی محفوظ ٹھکانے کا انتظام کرلو۔"

"میرے پاس محفوظ ٹھکانے ہیں لیکن میں شازیہ کو لے کر باہر چلا جاؤں گا۔"

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔" میں نے کہا اور برتن اٹھا کر باہر آ گیا۔ اپنے کمرے کی طرف آیا تھا کہ وسیم کی کال آ گئی۔

"جناب ہم نادر کے گھر میں داخل ہونے والے ہیں۔"

"کس طرح داخل ہو گے؟"

"براہِ راست گیٹ سے..... ہم نادر سے بات کرنے کے بہانے اندر داخل ہوں گے اور پھر اسے ساتھ لے جائیں گے اس کے نوکر بعد میں یہی بتائیں گے کہ نادر کو لے جانے والے ایجنسی والے تھے۔"

"وہ تمہیں پہچانتا ہے۔"

"میں اس کے سامنے نہیں جاؤں گا میرا ایک آدمی لیڈنگ رول ادا کرے گا۔"

"کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ؟"

"دو گاڑیاں اور سات آدمی ہیں چھ اندر جائیں گے اور میں باہر رہوں گا۔"

"اگر نادر اور اس کے آدمیوں نے مسلح مزاحمت کی تو؟"

"تب اسلحے کا جواب اسلحے سے دیا جائے گا۔"

"لیکن خیال رہے نادر کو بچانا ہے۔"

"اصل خدشہ اس کے آدمیوں سے ہے۔" وسیم نے کہا۔ "میرے آدمی ان کو جھٹکڑیاں لگا کر بے بس کر دیں گے۔"

وسیم یہ سب مجھے راستے میں بتا رہا تھا۔ اس نے اپنے موبائل کا اسپیکر فون آن کر دیا اب مجھے آس پاس کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ وہ نادر کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچ گئے تھے وسیم کے آدمی اتر کر کوٹھی میں داخل ہو رہے تھے وہ دبے لہجے میں مجھے بتا رہا تھا کہ اس کے آدمی کیا کر رہے تھے۔ اس چھاپے میں اس نے وین استعمال نہیں کی تھی بلکہ دو سیاہ گاڑیاں لے کر گیا تھا جیسا کہ سرکاری آدمی استعمال کرتے ہیں۔ اس کے آدمی ریڈیو سے منسلک تھے۔ وسیم کے آدمیوں نے اندر داخل ہوتے ہی نادر کے دونوں آدمیوں کو قابو میں کر لیا تھا اور اب کوٹھی کی تلاشی لیتے پھر رہے تھے۔ نادر اپنے کمرے میں تھا اس نے شور شرابا سن لیا تھا اور وہیں سے نوکروں سے پوچھ رہا تھا کہ یہ ہنگامہ کیسا ہے؟

بالآخر وسیم کے آدمی نادر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وسیم کے لیڈنگ مین نے کھردرے لہجے میں نادر کو بتایا کہ بعض وجوہات کی بنا پر اسے سرکاری تحویل میں لیا جا رہا ہے۔ نادر یہ سن کر چیخنے چلانے لگا تھا کہ وہ کسی کے ساتھ نہیں جائے گا لیکن جانے والے پوری تیاری کے ساتھ گئے تھے انہوں نے نادر کو بے ہوشی کا انجکشن لگایا اور پھر اسے بوری کی طرح لاد کر گاڑی میں لے آئے۔ اس کے د[illegible] نوکر بے بس کر دیئے گئے تھے لیکن وہ ہوش میں تھے اور ساری کارروائی دیکھ رہے تھے وسیم کے آدمی نے ان سے کہا کہ وہ شور نہ کریں اور اس بارے میں پولیس کو رپورٹ نہ کریں کیونکہ نادر کو لے جانے والے خود بھی سرکاری آدمی تھے جلد اسے چھوڑ دیا جائے گا تب



تک وہ آرام سے بیٹھیں اور چاہیں تو نادر کے بھائی کو اطلاع کر دیں۔

وسیم اور اس کے آدمیوں نے خلافِ توقع یہ کام بہت آسانی سے کر لیا تھا جب کہ مجھے توقع تھی کہ وہاں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نادر ترنوالہ نہیں تھا اس کا اتنی آسانی سے ہاتھ آ جانا حیران کن تھا۔ مرشد نے سچ مچ اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ عبداللہ اور اس کے آدمی بیک اَپ میں موجود تھے کہ کوئی غیر متوقع صورتِ حال درپیش آئے تو وہ مداخلت کریں۔ مگر اس کا موقع ہی نہیں آیا وسیم آرام سے نادر کو حاصل کر کے حویلی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں پہلے ہی اس کے لیے ایک کمرہ تیار کر لیا گیا تھا۔ میں نے عبداللہ کو کال ملائی اور ہم کانفرنس میں آ گئے میں نے عبداللہ سے پوچھا۔ "افنان احمد کی نگرانی کی کوئی رپورٹ ملی؟"

"ہاں رپورٹ ملی ہے وہ رات آٹھ بجے واپس آیا تھا اور اب تک گھر میں ہے۔"

"شاید اس کے بارے میں ہمارا شبہ غلط ہے۔" میں نے کہا پھر ہنسا۔ "ویسے مانی بھی اپریل فول والی بات کہہ رہا تھا۔ اس نے انٹرنیٹ سے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ مکان افنان احمد کے نام پر ہی ہے یا نہیں لیکن رات کے وقت سرکاری کمپیوٹر بند ہوتے ہیں۔"

وسیم نادر کو لے کر شہر سے نکل گیا تھا عبداللہ اطمینان کرنے کے بعد کہ کوئی اس کے پیچھے نہیں واپس لوٹ گیا تھا اور آدھے گھنٹے بعد نادر بھی حویلی پہنچ چکا تھا اسے اسپیشل کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ فاضلی کے بارے میں بتایا کہ اسے چوتھا ڈوز بھی دیا جا چکا تھا اور وہ خاموش پڑا تھا۔ میں نے ٹی وی آن کیا مجھے امید تھی کہ مرشد علی نادر کی گمشدگی کی اطلاع پاتے ہی میڈیا پر واویلا کرے گا کہ اس کے بھائی کو ایجنسیوں نے اٹھا لیا ہے تاکہ اسے حکومت کا ساتھ چھوڑنے پر مزہ چکھایا جائے۔ مگر رات بارہ بجے تک ایسی کوئی بریکنگ نیوز نہیں آئی تھی اس لیے میں نے اوپر آ گیا۔ مانی اپنے کام میں ایسا گم تھا کہ اسے خیال ہی نہیں آیا کہ وہ اکیلا ہے ورنہ وہ مجھے اوپر نہیں جانے دیتا۔ کاؤچ پر سونے سے میری کمر میں کبڑے عاشق جیسا خم نکل آیا تھا اور صبح میں بڑی مشکل سے سیدھا ہوا تھا اس لیے آج رات میرا وہاں سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ زخم بھر گیا تھا اور میں نے دو دن بعد غسل کیا تو طبیعت کو بڑی فرحت ملی تھی۔

اگلا دن بھی خاموش اور بورگز را تھا۔ بس وسیم نے نقاب پہن کر نادر سے ذرا پوچھ گچھ کی تھی اور اسے ڈرایا دھمکایا تھا کہ وہ اپنے بھائی کے غیر قانونی کاموں میں برابر کا شریک ہے۔ مگر ابھی نادر کا حوصلہ برقرار تھا۔ فاضلی کو ڈوز دینے کا سلسلہ جاری تھا۔ بوریت دور کرنے کے لیے میں نے دوپہر کا کھانا باہر کھانے کا فیصلہ کیا جس کی مانی کو بہت خوشی ہوئی تھی کیونکہ جب سے وہ یہاں آیا تھا اسے باہر نکلنے کا موقع کم ملا تھا۔ ہم نے پی ای سی ایچ ایس اسلام آباد کا بوفے آزمانے کا فیصلہ کیا جس کی بڑی تعریف سنی تھی۔ مانی مزید خوش ہوا تھا کہ اس طرح اسے اپنی پسند کی ہر چیز کھانے کا موقع ملے گا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اتنا کھا لیا کہ اس کے لیے سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "مجھے لگ رہا ہے اب تمہیں اسپتال لے جانا پڑے گا تمہیں لازمی ہیضہ ہو جائے گا۔"

"ہو جائے۔" اس نے کولڈ ڈرنک پیٹ میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "بھوکے مرنے سے کھا پی کر مرنا بہتر ہے اور سمجھ لیں میں نے رات کا کھانا بھی ابھی کھا لیا ہے ورنہ گھر میں وہی سب چیزیں زہر مار کرنا پڑیں گی جو آپ اٹھا لائے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوٹل والے تمہیں بوفے میں دیکھ کر پچھتا رہے ہوں گے۔''

''کہاں جناب میرے جیسے تو ایک دو ہوتے ورنہ زیادہ تر ایسے آتے ہیں جو سلاد کے پتے براؤن بریڈ میں رکھ کر چکھتے ہیں۔'' مانی نے سامنے والی میز پر بیٹھی لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا جو سچ مچ اسی قسم کا پرہیزی کھانا کھا رہی تھیں۔ وہ پہلے ہی وزن بڑھنے کے اندیشوں سے دبلی ہوئی جا رہی تھیں۔ ان کے دبلاپے کا اندازہ ان کے لباس سے ہوتا تھا جس میں کفایت شعاری مقصود تھی یا دکھاوا۔ میں نے مانی سے اتفاق کیا کہ ہوٹل والے خسارے میں نہیں رہتے ہوں گے۔ اٹھتے اٹھتے بھی مانی نے پشاوری آئس کریم کا ایک کپ خالی کیا تھا۔ وہ گاڑی میں ہی سو گیا اور کچھ دیر بعد باقاعدہ خراٹے لینے لگا تھا۔ اس کے خراٹوں سے بچنے کے لیے میں نے ریڈیو آن کیا اور ایک اسٹیشن لگا لیا جہاں سے موسیقی نشر کی جا رہی تھی۔ ایک گلوکار نے فیض کی نظم کا وہ حشر کیا تھا جو مرشد اپنے دشمنوں کا کرتا تھا۔ سازوں کے شور وغل میں الفاظ مشکل سے سمجھ میں آ رہے تھے۔ بہرحال اس سے یہ ہوا کہ مانی کے خراٹوں نے سمع خراشی کم کر دی تھی۔ فارم ہاؤس پر وہ بمشکل گاڑی سے اترا اور اندر جاتے ہی کاؤچ پر ڈھیر ہو کر پھر خراٹے لینے لگا تھا۔ میں شدت سے بور ہو رہا تھا عبداللہ کی کوٹھی کا چکر لگانے کا سوچا لیکن اسے رسک سمجھتے ہوئے مسترد کر دیا۔ وسیم کے پاس جا سکتا تھا لیکن مانی اکیلا تھا اور بیتو بھی جا کر بیٹھ گیا تھا یہ اس کا سیانا پن تھا وہاں اسے اپنی پسند کے کھانے مل رہے ہوں گے تو وہ یہاں ٹن بند پیک کھانے زہر مار کرنے کیوں آئے گا۔

شام کو مانی سو کر اٹھا تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''رات کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

وہ کھل اٹھا۔ ''دامن کوہ چلیں وہاں باربی کیو بہت اچھا ملتا ہے۔''

''تو تیار ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''ابھی سے؟''

''ہاں کچھ کام بھی ہے۔'' میں نے کہا اور سوٹ کیس سے اچھی خاصی رقم نکالی تھی۔ صابر جس کمرے میں قید تھا وہاں سے وہ از خود نہیں نکل سکتا تھا پھر بھی میں نے نکلنے سے پہلے عبداللہ کو کال کر کے کہا کہ وہ بیتو کو بھیج دے۔ ہماری واپسی تک کوئی تو ہو۔ مانی پُرتجسس تھا کہ ہم کہاں جا رہے تھے۔ میں نے اسے راستے میں بتایا کہ میں اپنی آبائی حویلی کی ای سیکورٹی کروانا چاہتا ہوں اس کے لیے درکار آلات خریدنا تھے۔ مانی نے کہا۔

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔''

''دیکھو سیکورٹی ایسی کرنی ہے کہ کوئی عام آدمی بھی اس کے سسٹم کو سمجھ سکے اور استعمال کر سکے۔ یہ کام تمہیں وہاں جا کر کرنا ہے اور سمجھانا ہے اس کے بعد تم واپس آ جاؤ گے۔ دوسرے لوگ اس سسٹم کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔''

مانی اچھی طرح جانتا تھا کہ کمپیوٹر اور اس کے دوسرے آلات یہاں کہاں سے اور کس قیمت پر ملتے تھے وہ مجھے ایک ایسی ہی مارکیٹ لے گیا۔ اس نے راستے میں مجھ سے حویلی کا سائز اور نقشہ خاصی حد تک سمجھ لیا تھا اس نے اسی لحاظ سے آلات کی خریداری کی اور ہر چیز کا بیک اَپ بھی لیا۔ اس نے دو عدد لیپ ٹاپ لیے۔ اس کے علاوہ درجنوں کے حساب سے سیکورٹی کیمرے اور مائک لیے۔ کئی ایسے آلات لیے جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے اور نہ یہ معلوم تھا کہ ان سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ مانی نے سارا سامان چیک کر کے لیا اور پھر ان کی اصلی



پیکنگ میں پیک کرا لیا۔ یہ سارے آلات دو بڑے کارٹن میں آ گئے تھے اور جب ادائیگی کا مرحلہ آیا تو تقریباً آٹھ لاکھ کا بل دیکھ کر میں حیران ہوا تھا۔

''یہ سب اتنا مہنگا ہے؟''

''آپ کیا سمجھتے ہیں شوبی یہ سب جدید ترین چیزیں ہیں اور اگر میں نہیں ہوتا تو آپ کو دس سے بھی اوپر کی ملتیں۔''

''میں اعتراض نہیں کر رہا حیران ہو رہا ہوں۔ یہ مغرب والے ہم سے چند ڈالرز کے عوض خام مال اور دھاتیں خریدتے ہیں اور انہیں آلات کی شکل دے کر ہم سے ہزاروں ڈالرز وصول کر لیتے ہیں۔''

''یہی تو ٹیکنالوجی کا کمال ہے انہوں نے سائنس میں ترقی کر لی اور ہم پیچھے رہ گئے اس لیے قیمت تو ہمیں ادا کرنی ہوگی۔'' مانی نے پتے کی بات کی۔ ''اب ان آلات کو کیا کرنا ہے۔''

''تم بیتو کے ساتھ جاؤ گے وہاں جا کر پہلے سے سیکورٹی پر موجود افراد کو یہ سسٹم لگا کر سمجھاؤ گے۔ اس میں تین چار دن لگ سکتے ہیں۔''

''یہاں کے سیٹ اَپ کا کیا ہوگا؟''

''اسے ہم وائنڈ اَپ کر دیں گے۔ تم کل صبح بیتو کے ساتھ نکل جاؤ ایاز بھی تمہارے ساتھ جائے گا وہ ڈرائیونگ کرے گا اور میری حویلی سے بھی واقف ہے۔''

''جیسا آپ کہیں۔'' مانی نے کہا۔

ہم نے دامن کوہ کے ایک ریستوران میں کھانا کھایا۔ وہیں سے میں نے عبداللہ کو کال کر کے ایاز کو بھی بھیجنے کو کہا۔ بیتو پہلے ہی فارم ہاؤس جا چکا تھا مانی یہ سن کر اداس تھا کہ ہم یہ فارم ہاؤس چھوڑ رہے تھے۔ ''میرا تو اس جگہ دل لگ گیا ہے۔ یہاں سکون اور آرام ہے۔''

''ہاں لیکن دشمن آ گئے تو یہی جگہ ہمارے لیے خوفناک ہو جائے گی۔ احتیاط کا تقاضہ ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔''

واپسی پر میں نے مری روڈ کی طرف جا کر مانی کو افنان احمد کا گھر دکھانے کا سوچا۔ میرا ارادہ تھا کہ اگلی صبح مانی کو بیتو کے ساتھ روانہ کر دوں گا۔ اس کے بعد ہم افنان احمد سے مکان کی چابی لیں گے اور سامان یہاں منتقل کریں گے۔ مانی اور بیتو یہیں واپس آئیں گے۔ میں نے مانی سے کہا تو وہ بھی تیار ہو گیا۔ کھانے کے بعد ہم اس طرف روانہ ہو گئے۔ بیس منٹ بعد ہم افنان احمد کی کوٹھی کے سامنے تھے اس کا اوپری حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور صرف پورچ میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ مجھے آس پاس عبداللہ کا آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ وہ یقیناً کسی ایسی جگہ تھا جہاں سے ہم اسے نہیں دیکھ سکتے تھے خود میں نے احتیاطاً گاڑی ایک درخت کے نیچے روکی تھی اور اپنے سیاہ رنگ کے باعث یہ بالکل نزدیک آنے پر دکھائی دیتی۔ کوٹھی سے اس کا نظر آنا ممکن نہیں تھا۔ مانی نے کوٹھی کا معائنہ کیا اور بولا۔ ''دیکھنے میں تو اچھی لگ رہی ہے اور جگہ بھی اچھی ہے یہاں بھی سکون ہے۔''

میں نے عبداللہ کو کال کی۔ ''تمہارا آدمی کہاں ہے وہ افنان احمد کی کوٹھی کے پاس نظر نہیں آ رہا ہے۔''

عبداللہ نے پریشانی سے کہا۔ ''میں خود اس سے دو گھنٹے سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موبائل بند جا رہا ہے۔"

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ "میں کوٹھی کے سامنے ہوں اور یہاں سناٹا اور خاموشی ہے۔"

"میں اپنے آدمیوں کے ساتھ نکل رہا ہوں۔ میرے آنے تک آپ دیکھتے رہیے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے میں کچھ نہ کروں؟"

"آپ مانی کے ساتھ ہیں وہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا ہے اور اکیلے اندر جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میں تمہاری آمد کا انتظار کرتا ہوں لیکن حالات میں کوئی تبدیلی آئی تو مجھے ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے۔"

"وہ تو آپ خود سمجھدار ہیں۔" عبداللہ بولا۔ "اسے میری درخواست سمجھیں۔"

میں ہنسا۔ "ہاں بھائی ایسا ہی سمجھ رہا ہوں۔"

میں محسوس کر رہا تھا کہ اس بار جب میں واپس آیا تو میرے ساتھی مجھے کچھ احتیاط سے ٹریٹ کر رہے تھے۔ اگر میں کوئی قدم اٹھانا چاہتا تو وہ فوراً فکر مند ہو جاتے تھے کہ کہیں میں اکیلا ہی کچھ کرنے کے چکر میں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جاؤں۔ کچھ عرصے سے میں نے بھی اغوا ہونے کا نیا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا تھا اس لیے ان لوگوں کی تشویش برحق تھی۔ اس کے باوجود ان کا رویہ مجھے تھوڑا سا محسوس ہو رہا تھا وہ کچھ زیادہ ہی فکر مند تھے ان کے خیال میں، میں زیادہ خطرات مول لینے لگا تھا اور اپنی ذات سے لاپروا تھا حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بعض اوقات حالات دیکھ کر مجھے خطرہ مول لینا پڑتا تھا اور کیونکہ وہ ان حالات کو نہیں سمجھ پاتے تھے اس لیے وہ میرے ردِعمل کو بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اس وقت بھی عبداللہ نے ڈھکے چھپے انداز میں درخواست کی تھی کہ میں خود سے پنگا لینے کی کوشش نہ کروں بلکہ ان کے آنے کا انتظار کروں۔ میرا خود بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مانی یہ گفتگو سن کر سہم گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"کوئی خطرے والی بات ہے تو مجھے اجازت دیں میں ذرا محفوظ فاصلے پر چلا جاؤں؟"

"خطرے والی بات ہے ہر خوردار لیکن تم کہاں جاؤ گے؟"

"وہ سامنے والے ٹیلے پر چلا جاتا ہوں وہاں گولیوں سے بچ جاؤں گا۔"

"موت سے بچ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ممکن ہے وہاں پہلے سے دشمن کا کوئی آدمی موجود ہو جو تمہارا کام تمام کر دے۔"

مانی جو گاڑی سے اترنے کی تیاری کر رہا تھا فوراً واپس سیٹ پر آ گیا اور رونے والے لہجے میں بولا۔

"آپ نے مروا دیا جی، مجھے مکان دکھانے لائے تھے یہاں دوسرا چکر شروع ہو گیا ہے۔ اب میرا کیا ہوگا؟"

"ابھی سے کیوں مرے جا رہے ہو۔ ابھی تو کچھ ہوا نہیں ہے۔"

"جب ہوگا تب رونے سے فائدہ؟" وہ بولا۔ "پہلے کیوں نہ رو لوں۔"

"ٹھیک ہے رو لو۔" میں نے اجازت دے دی۔ "بس آواز گاڑی سے باہر نہ جائے ممکن ہے کوئی دشمن آس پاس ہو ہمارے سروں پر کھنچا چلا آئے۔"

اس کے بعد مانی کی آواز بھی بند ہو گئی تھی۔ میں نے پستول نکال لیا تھا۔ عبداللہ کے آدمی کا غائب ہونا نہایت تشویش ناک تھا اگر وہ کسی اور کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اتنی دیر میں وہ اس سے نہ جانے کیا کچھ معلوم کر چکے ہوں گے۔ سب سے اہم بات افغان احمد کی نگرانی کرتے ہوئے اس کا غائب ہونا ثابت کرتا تھا کہ افغان احمد درست آدمی نہیں تھا۔ عبداللہ کا آدمی کوئی عام شخص نہیں تھا وہ تربیت یافتہ اور لڑنے بھڑنے کا ماہر ہوگا اس کا مسلح ہونا بھی یقینی تھا اس پر قابو پانے والے عام لوگ نہیں ہو سکتے تھے۔ میں نے سوچا کہ مکان کے اتنے پاس گاڑی کھڑی کرنا بھی مناسب نہیں تھا بے شک یہاں تاریکی تھی اور گاڑی کا رنگ بھی سیاہ تھا لیکن کوئی آ جاتا تو اسے گاڑی نظر بھی آ سکتی تھی میں نے مانی سے کہا۔ "برخوردار نیچے اترو۔"

وہ اچھل پڑا۔ "کیوں جناب؟"

"میں گاڑی کو ذرا آگے چھوڑنے جا رہا ہوں تب تک تم یہاں کی نگرانی کرو۔"

"نہیں جی میں اکیلا کسی صورت نہیں رہوں گا۔" اس نے فوراً انکار کر دیا۔

"دیکھو اگر میں گاڑی چھوڑنے گیا اور اس دوران میں یہاں کوئی آیا یا گیا تو ہمیں پتا بھی نہیں چلے گا تم سامنے والی جھاڑیوں میں چھپ جاؤ وہاں سے دیکھتے رہو۔"

"نہیں جناب وہاں دشمن کا کوئی آدمی ہوا تو.....؟ آپ ہی نے تو کہا تھا۔"

میں نے سر پر ہاتھ مارا وہ میری ہی بات مجھے لوٹا رہا تھا میں نے بھنا کر کہا۔ "اچھا بیٹھو۔"

میں نے گاڑی اسٹارٹ کیا اور آگے روانہ ہو گیا میرا رخ مری کی طرف تھا۔ ایک منٹ بعد بائیں طرف سڑک کے ساتھ تھوڑی سے جگہ نظر آئی اور میں نے گاڑی وہیں روک دی۔ گاڑی میں ایک عدد چھوٹی سی آٹو میٹک رائفل تھی۔ میں نے رائفل اور اس کے فاضل میگزین نکال لیے۔ میں نے نیچے اترتے ہوئے مانی سے کہا۔

"اب تم یہیں ٹھہرو۔"

اس نافرمان نے پھر انکار کر دیا۔ "نہیں جناب اکیلا میں نہیں رہوں گا۔"

"میرے ساتھ مارے جاؤ گے یا مجھے مرواؤ گے بہتر ہے تم یہیں رکو اور گاڑی کے دروازے اندر سے لاک کر لو۔"

مانی مجبوراً رکا تھا میں اتر کر روانہ ہوا۔ عبداللہ کو کال کیے پندرہ منٹ ہو چکے تھے اور وہ کسی وقت بھی یہاں پہنچنے والا تھا۔ پیدل واپسی میں پانچ منٹ لگے۔ اگر اتنی دیر میں مکان میں کوئی آیا تھا یا نکل کر چلا گیا تھا تو میں اس سے بے خبر تھا میں سامنے والے ٹیلے پر آیا یہاں بلندی سے مکان کا منظر واضح تھا۔ دوربین کے بغیر بھی سب نظر آ رہا تھا پورچ میں تیز روشنی والا بلب روشن تھا۔ اچانک پورچ کے سامنے مکان کا داخلی دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک شخص نکل کر بھاگتا ہوا باہر آیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ عبداللہ کا آدمی تھا شبہ اس لیے کہ وہ صرف ایک انڈرویئر میں تھا اور سر سے پاؤں تک زخمی تھا۔ اس کا رخ مین گیٹ کی طرف تھا لیکن اسے گیٹ تک پہنچنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ اندر سے افغان احمد برآمد ہوا اور اس نے ایک لمبی نال والے پستول سے فرار ہونے والے آدمی پر گولی چلائی۔ گولی کی آواز نہیں آئی پستول پر سائلنسر تھا۔ بھاگنے والا اچھل کر ڈرائیوے پر گرا اور تڑپنے لگا۔ افغان احمد بھاگتا ہوا آیا اور اسے بازوؤں سے کھینچ کر اندر لے جانے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ ابھی تک نہیں آیا تھا میں نے کچھ دیر سوچا اور پھر ٹیلے سے اتر کر ایسی جگہ سے سڑک کراس کی کہ کوئی کوٹھی سے دیکھ رہا ہو تو میں اسے نظر نہ آؤں پھر سیدھے راستے سے کوٹھی کی طرف جانے کے بجائے میں ٹیلے کے ساتھ ساتھ اوپر آیا۔ کوٹھی کے چاروں طرف سات آٹھ فٹ اونچی دیوار تھی اور اسے پھلانگنا یوں بھی آسان نہیں تھا کہ دیوار پر کانچ کے ٹکڑے لگے تھے۔ ایک جگہ دیوار کے ساتھ کچھ مٹی جمع ہوئی تھی جس سے دیوار کی اونچائی کم ہو کر میرے ہاتھوں کی ریچ میں آگئی تھی۔ مسئلہ شیشوں کا تھا اگر میں ان کو توڑتا تو اس سے آواز پیدا ہوتی۔ سامنے گیٹ کے سوا اندر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں گھوم کر گیٹ کی طرف آیا اور ایک جھری سے جھانکا۔ بہ ظاہر اندر کوئی نہیں تھا۔ تیز روشنی میں ڈرائیو وے پر پھیلا اس شخص کا خون دکھائی دے رہا تھا جسے افنان احمد گولی مارنے کے بعد کھینچ کر اندر لے گیا تھا۔ میں نے ہمت کر کے گیٹ پھلانگ لیا اور فوراً باغ میں چلا گیا یہاں پورچ کے بلب کی روشنی بہت واضح نہیں تھی۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا مکان کے بائیں طرف آیا۔ یہاں کمروں کی کھڑکیاں تھیں اور سب بند تھیں ان کے پیچھے مکمل تاریکی تھی۔ میں مکان کے پچھلے حصے میں آیا یہاں بھی خاموشی اور تاریکی کا راج تھا۔ یہاں ایک دروازہ تھا میں نے چیک کیا تو اسے کھلا پایا۔ یہ کچن کا دروازہ تھا اندر تاریکی تھی۔ میں بغیر آہٹ کے اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ چند لمحے سن گن لیتا رہا اندر بھی مکمل خاموشی تھی۔ میں آگے بڑھا مکان کا نقشہ میرے ذہن میں تھا ذرا آگے ڈائننگ روم تھا اور اس کے بعد ایک بیڈ روم اور پھر ڈرائنگ روم تھا۔ ڈرائنگ روم کے ساتھ ہی سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ ان سیڑھیوں کے نیچے بھی ایک دروازہ تھا لیکن نہ تو مجھے خیال آیا اور نہ افنان احمد نے اس بارے میں بتایا تھا۔ میں سیڑھیوں کے پاس آیا تو میں نے اس دروازے کو کھلا پایا اور اس کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اس روشنی میں نیچے جاتی سیڑھیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ میں کھلے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں وہاں اکیلا نہیں تھا۔ کوئی ڈائننگ ٹیبل کے پاس تاریکی میں ساکت کھڑا تھا۔ جیسے ہی میں نے اس طرف دیکھا تاریکی میں ایک شعلہ چمکا تھا۔

○.....❖.....○



شعلہ اس لائٹر سے برآمد ہوا تھا جو افنان احمد کے ہاتھ میں تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں وہی لمبی نال والا بے آواز پستول تھا۔ پستول کا رخ میری طرف تھا اس لیے میں فوراً ساکت ہو گیا تھا۔ اس نے سرگوشی نما لہجے میں کہا۔ ''اپنا پستول نیچے رکھ دو اور پیر سے میری طرف سرکا دو ..... آہستہ سے..... تیزی مت دکھانا۔''

میں نے پستول نیچے پھینک دیا۔ ''اور کوئی حکم.....؟''

''اب اپنی رائفل بھی شانے سے اتار کر اسی طرح نیچے رکھ کر میری طرف سرکا دو۔''

وہ نہایت چوکس تھا اور اس نے ایک لمحے کے لیے بھی مجھ سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔ بدقسمتی سے اس بند جگہ ہوا بالکل نہیں تھی اور لائٹر کا شعلہ یوں ساکت تھا جیسے بلب ہو اور اس کی روشنی بالکل ہموار تھی۔ اس لیے میں پوری طرح افنان احمد کی نظروں میں تھا۔ اس کے چہرے کے نرم اور مہذبانہ تاثرات بالکل غائب تھے اور وہ کسی بھیڑیے کی طرح چوکنا اور خونخوار دکھائی دے رہا تھا اس نے جتنے آرام سے فرار ہونے والے آدمی کو گولی ماری تھی یہی اس کی اصلیت کھول دینے کے لیے کافی تھا۔ میں نے بہت کم کسی انسان کے ظاہر سے ایسا دھوکا کھایا تھا۔ اگرچہ اسے دھوکا کہنا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ میں نے اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا تھا اور ہم اس کی نگرانی بھی کر رہے تھے لیکن اسے دیکھ کر مجھے ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ اندر وہ اتنا سفاک آدمی ہوگا۔

''وہ آدمی کہاں ہے جسے تم نے گولی ماری تھی۔''

''تہہ خانے میں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اس نے فرار کی کوشش کی تھی۔''

''تم نے اسے کیوں قید رکھا۔''

''وہ اس کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا وہ تمہارا آدمی تھا؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں نے آنکھ بند کر کے تمہیں دس لاکھ روپے نہیں دیے تھے اپنی رقم کی حفاظت بھی تو کرنی تھی۔''

''جھوٹ مت بولو تم پولیس یا کسی ایجنسی کے آدمی ہو۔''

میں چونکا وہ قانون سے خوفزدہ تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ کسی غیر قانونی کام میں ملوث تھا ورنہ خوف زدہ ہونے کا کیا سوال تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اس کے جرائم پیشہ ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ بعد میں بھی ہو سکتا تھا فی الحال تو مرحلہ اپنی جان بچانے کا تھا۔ اس کے عزائم سے لگ رہا تھا کہ وہ گولی چلانے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مظاہرہ نہیں کرے گا۔ ''فرض کرو میں کسی ایجنسی کا آدمی ہوں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''تم لوگ میرے پیچھے لگے ہو؟''

''ہمیں تم پر شک ہے۔'' میں نے گول مول انداز میں کہا۔

''کیا شک ہے؟''

''آج کل حالات ٹھیک نہیں ہیں اور خاص طور سے دارالحکومت کی سیکورٹی سخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے ان تمام افراد کی نگرانی کی جارہی ہے جن پر کسی تخریب کاری میں ملوث ہونے کا شک ہے۔''

میری آمد یقیناً اس کے لیے غیر متوقع تھی لیکن وہ کسی طرح سے میری آمد سے باخبر ہوگیا تھا اور اس نے بالکل درست جگہ گھات لگا کر مجھے گرفتار کرلیا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اس نے حالات کا تجزیہ کرلیا تھا اور طے کرلیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے عبداللہ کے آدمی کو شوٹ کر دیا تھا اور اب وہ ہمیں کسی ایجنسی کا آدمی سمجھ رہا تھا۔ اسے یہاں سے فرار ہونا تھا۔ اس نے کہا۔ ''باہر تمہارے ساتھی موجود ہیں؟''

''بالکل۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''باہر میرے ساتھی موجود ہیں اور ہم نے اس کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔''

''تم جھوٹ بولتے ہو اس صورت میں تم اکیلے اندر نہیں آتے بلکہ تمہیں دھاوا بول دینا چاہیے تھا خاص طور سے جب میں نے تمہاری نظروں کے سامنے تمہارے ایک ساتھی کو شوٹ کیا تھا۔ تم نے اس وقت مجھے گولی کیوں نہیں ماری دی۔''

اس نے میرا جھوٹ پکڑ لیا تھا میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''یہ سب اچانک ہوا تھا۔''

''بکواس کرتے ہو تم..... اصل میں تم اکیلے ہو اور اسی لیے اکیلے اندر آئے ہو۔''

''اگر میں اکیلا ہوں تب بھی کچھ دیر میں میرے ساتھی یہاں پہنچ جائیں گے اندر آنے سے پہلے میں ان کو سگنل دے آیا ہوں تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم ہتھیار ڈال کر خود کو ہمارے حوالے کردو۔''

''اور ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاؤں۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''میرا تو خیال ہے میں تمہیں ہمیشہ کے لیے غائب کر دیتا ہوں، چلو تہہ خانے میں اترو۔''

یہاں اس سے چوک ہوگئی اپنی حفاظت کے خیال سے وہ مجھ سے دور تھا اور اس نے اس وقت بھی پاس آنے کی کوشش نہیں کی جب میں تہہ خانے کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ ایک مختصر سی جگہ کے فوراً بعد سیڑھیاں اندر اتر رہی تھیں۔ میں اندر داخل ہوا اور فوراً ہی میرے ذہن میں خیال آیا میں نے سیڑھیوں کی طرف ہوتے ہوئے اچانک دروازے کو ہاتھ مار کر بند کیا اور پھرتی سے نیچے بیٹھتے ہوئے اندر سے اس کی کنڈی لگا دی۔ افنان احمد نے سوچا نہیں تھا اس لیے اسے ردِعمل دکھانے میں ذرا دیر لگی اس نے لگاتار کئی فائر کیے اور گولیاں دروازے میں سوراخ کرتی اندر آئی تھیں اگر میں کھڑا ہوتا تو یہ سوراخ میرے جسم میں بھی ہو سکتے تھے میں بیٹھے ہونے کی وجہ سے بچ گیا اور فوراً ہی سیڑھیوں سے نیچے لڑھک گیا۔ چالاک افنان احمد نے اندازہ لگایا تھا کہ اب میں سیڑھیوں سے نیچے جاؤں گا اس نے اگلے فائر سیڑھیوں کی طرف کیے اس بار بھی اس نے یہ سوچ کر



نشانہ لیا کہ میں کھڑا ہوں گا گولیاں میرے اوپر سے گزر گئیں اور میں بال بال بچا۔

لڑھک کر نیچے آنے میں چوٹیں لگیں خاص طور سے ایک بار سر سیڑھی سے ٹکرایا تو چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ کہنیاں اور گھٹنے بھی زخمی ہوئے۔ بہرحال یہ چوٹیں فوت ہونے کے مقابلے میں کہیں قابلِ قبول تھیں۔ میں نیچے پہنچا تو افنان احمد نے اوپر فائرنگ کر کے اندر کی کنڈی توڑ ڈالی اور اندر آیا۔ اس وقت میں نیچے تھا اسے دیکھتے ہی میں لپک کر دیوار کی آڑ میں ہوا اور اس کی چلائی دو گولیوں سے بچ نکلا اس کے بعد اس کا پستول خالی ہوگیا کیونکہ اب صرف ٹرچ ٹرچ کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ چند لمحے کی مہلت تھی کیونکہ افنان احمد کا انداز بتا رہا تھا وہ مجھے مرحوم کرنے کا پختہ فیصلہ کر چکا ہے اور بس اس پر عمل درآمد کرنا باقی تھا۔ وہ دوسرا میگزین لگاتے ہی نیچے آتا اور اپنے فیصلے پر عمل کر لیتا اگر اس سے پہلے میں کچھ نہ کر گزرتا۔ میں نے دیوار کی آڑ میں ہوتے ہی آس پاس دیکھا۔

تہہ خانہ اصل میں ایک ہی بیس بائی پندرہ کا کمرہ تھا اور عبداللہ کے آدمی کی لاش یہیں پڑی تھی وہ اوندھے منہ فرش پر لیٹا تھا اور اس کی پشت خون آلود ہو رہی تھی بہ ظاہر وہ لاش ہی لگ رہا تھا۔ تہہ خانے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے میں اپنے دفاع کے لیے استعمال کر سکتا۔ میرے کانوں نے پستول سے میگزین نکلنے کی آواز سنی۔ افنان احمد اس میں دوسرا میگزین لوڈ کر رہا تھا۔ اب وقت بالکل نہیں تھا۔ وہ کسی لمحے بھی نیچے آجاتا اور مجھے دیکھتے ہی شوٹ کر دیتا۔ ایسے وقت جب بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ اچانک ہی ایک خیال الہام کی طرح نازل ہوا۔ تہہ خانے میں روشنی کا واحد ذریعہ سیڑھیوں کے عین خاتمے والی جگہ لگا ہوا انرجی سیور تھا یہ واحد انرجی سیور بیک وقت سیڑھیوں اور تہہ خانے میں روشنی کر رہا تھا۔ اگر میں اسے توڑ دیتا تو تہہ خانے اور سیڑھیوں پر تاریکی چھا جاتی اور افنان احمد کے لیے مجھے نشانہ بنانا آسان نہ رہتا۔

وہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے میں انرجی سیور پر مار کر اسے توڑ دیتا۔ لہٰذا میں نے عجلت میں جوتا اتارا اور انرجی سیور پر کھینچ کر مارا۔ ایک تڑاخے کے ساتھ انرجی سیور ٹوٹا اور تہہ خانے میں اندھیرا چھا گیا۔ افنان احمد جو نیچے آرہا تھا اس کے منہ سے ایک گندی سی گالی نکلی۔ اس دوران میں، میں نے دوسرا جوتا بھی اتار لیا تھا اور وہ سیڑھیوں پر پھینک کر مارا۔ جگہ بڑی مختصر سی تھی اس لیے نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ افنان احمد چلایا تو مجھے بڑی مسرت ہوئی تھی۔ اس سے پہلے میں نے دشمنوں کو گولی سے لے کر گولہ تک ہر ہتھیار مارا تھا لیکن جوتے کو بہ طور ہتھیار استعمال کرنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ جوتا غالباً اس کے منہ پر لگا تھا۔ کم سے کم آواز سے تو ایسا ہی لگا تھا۔ اس نے اشتعال میں آکر دو گولیاں اور چلائیں مگر نیچے آنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے تکلیف زدہ لہجے میں کہا۔

''میں ابھی روشنی کا بندوبست کر کے آتا ہوں اور تمہارے سر میں سوراخ کر دوں گا۔'' وہ ناک سے بول رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ جوتا اس کی ناک پر لگا تھا۔ یہ ایک اور اچھی بات تھی۔ میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اس کے بجائے میرے کان آہٹوں پر مرکوز تھے۔ وہ اوپر جا رہا تھا لیکن یہ دھوکا بھی ہو سکتا تھا وہ واپسی کا تاثر دے کر سیڑھیوں پر موجود ہوتا اور جیسے ہی میں سیڑھیوں پر نمودار ہوتا وہ آرام سے مجھے گولی مار دیتا۔ میں نے فرش پر بیٹھتے ہوئے ٹٹول کو اپنا پہلا جوتا تلاش کیا لیکن وہ تہہ خانے کے دوسری طرف جا چکا تھا میں پھرتی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری طرف پہنچا۔ اپنا جوتا تلاش کیا اور پھر سیڑھیوں پر پھینک کر مارا۔ اس بار جوتا اس کے منہ پر نہیں لگا تھا شاید جسم پر کہیں لگا تھا اور اس نے بے ساختہ گالی کے بعد گولی ارسال کی۔ وہ چالاکی سے سیڑھیوں پر موجود تھا۔ میں نے قہقہہ مارا۔

"میں اسی طرح تمہیں جوتے مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔"

اس نے نہایت اشتعال کے عالم میں ناگفتہ بہ زبان میں بتایا کہ وہ جوتوں اور میرے ساتھ کیا کرے گا اور میرے کیا دو سے زیادہ پاؤں ہیں اب میں تیسرا جوتا کہاں سے لاؤں گا؟ یہ سوال کرتے ہوئے وہ بھول گیا تھا کہ تہہ خانے میں ابھی دو عدد جوتے موجود تھے۔ جب تک وہ بک بک کرتا رہا میں رینگتا ہوا عبداللہ کے آدمی کے پاس پہنچا اور ٹٹول کر اس کے جوتے اتارے۔ اس بے چارے کے جسم پر انڈرویئر کے بعد بس جوتے ہی تھے۔ میں نے دل ہی دل میں اس سے معذرت کی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہ سخت ترین قسم کے چمڑے سے بنے موٹے سول والے وزنی جوتے تھے۔ میں واپس آیا تو افنان احمد خاموش تھا۔ شاید وہ سیڑھیوں سے باہر نکل گیا تھا یا پھر وہیں دبکا بیٹھا تھا۔ میں نے آڑ میں رہتے ہوئے جیب سے ایک سکہ نکال کر اوپر کی طرف اچھالا۔ سکہ ٹن سے گرا اور اس نے بھڑک کر فائر کیا۔ وہ وہیں موجود تھا مگر مکاری سے کام لیتے ہوئے خاموش تھا۔ اس طرح فائر کرنے سے اس کے کشیدہ اعصاب ظاہر ہو رہے تھے۔

میرے پاس موبائل تھا۔ اب تک مجھے موقع نہیں ملا تھا کہ عبداللہ کو کال کروں جو شاید یہاں پہنچ گیا تھا۔ میں نے اس کا نمبر ملایا اور اسکرین کی روشنی چھپانے کے لیے اسے سامنے جیب میں رکھ لیا۔ جیسے ہی عبداللہ نے کال ریسیو کی میں بلند آواز سے افنان احمد سے کہا۔ "افنان احمد مجھے جانے دو تم بھی نکل جاؤ مجھے مارنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ میرے ساتھی تمہارے بارے میں سب جانتے ہیں وہ تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ غرایا۔ "میں اسی جگہ کو تمہارا مقبرہ بنا کر جاؤں گا۔"

"تم کیا سمجھتے ہو اس تہہ خانے میں مجھے محصور کر لو گے۔ ٹھیک ہے میں نے اکیلے آ کر غلطی کی لیکن جلد میرے ساتھی یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

افنان احمد نے تکلیف زدہ قہقہہ لگایا۔ "جب تک وہ یہاں آئیں گے میں جا چکا ہوں گا۔"

عبداللہ نے شروع میں ایک بار ہیلو کہا تھا لیکن میری آواز سنتے ہی وہ خاموش ہو گیا اور پھر موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے اپنے موبائل کے مائک کا والیوم بہت ہلکا کر لیا تھا شاید وہ ٹریفک میں تھا اس لیے شور ہو رہا تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ افنان احمد دیر کیوں کر رہا ہے وہ اوپر سے کوئی ٹارچ یا ایمرجنسی لائٹ لا کر اس کی روشنی میں بھی میری زندگی کا چراغ گل کر سکتا تھا۔ شاید اسے خوف تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں، میں نکل بھاگوں گا۔ ٹارچ یا روشنی والی کوئی چیز کچن یا آس پاس میں نہیں تھی اور اسے دور جانا پڑتا۔ یہی بات درست تھی اور اسی مجبوری کی وجہ سے تہہ خانے کا دروازہ چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ مگر اس دوران میں وہ خالی نہیں بیٹھا تھا ایک تو وہ اوپر سے میری رائفل لے آیا تھا۔ یہ کام اس نے اتنی خاموشی سے کیا کہ میں اس کے جانے اور آنے کی آہٹ نہیں سن سکا۔

پھر اس نے دوسرا کام یہ کیا کہ اس نے اپنی قمیص اتار کر اس کا گولہ بنایا اور پھر اسے لائٹر سے آگ دکھا دی جب گولہ اچھی طرح جلنے لگا تو اس نے اسے تہہ خانے کے فرش کی طرف اچھال دیا وہ آخری سیڑھی پر گرا اور لڑھک کر بالکل میرے سامنے آ گیا۔ میں نے عجلت میں ایک جوتے سے جلتے کپڑے کو اپنی طرف کھینچ لیا اور پھر بال بال بچ گیا افنان احمد نے اوپر سے برسٹ مارا تھا۔ گولیاں میرے ہاتھ کے آس پاس سے گزر گئی تھی میں نے بے ساختہ ہاتھ پیچھے کھینچا اور فوراً ہی جوتا گھما کر اوپر مارا۔ وہ اذیت بھری آواز میں چلایا تو مجھے ایک بار پھر گہری مسرت ہوئی تھی۔ یہ جوتا بھی نشانے پر لگا تھا اور میرے جوتے کی نسبت زیادہ سخت تھا اس لیے چوٹ بھی زیادہ آئی ہوگی۔ افنان احمد نے دوسرا برسٹ مارا لیکن میں آڑ میں تھا۔ کپڑا جل رہا تھا اور اس کی محدود روشنی میں بھی تہہ خانہ نمایاں ہو رہا تھا اگر میں سامنے آنے کی کوشش کرتا تو وہ آرام سے مجھے نشانہ بنا لیتا۔

آڑ سے نکلنا ممکن نہیں تھا میں نے آس پاس دیکھا پھر اوپر کا معائنہ کیا تو مجھے تقریباً سات فٹ کی بلندی پر کنکریٹ کا شیلف دکھائی دیا۔ اس قسم کے شیلف سامان رکھنے کے لیے بنائے جاتے ہیں ان پر لکڑی سے پٹ لگا کر خوب صورت شکل دے دی جاتی ہے اور سیمنٹ والے حصوں پر پلائی چڑھا دی جاتی ہے۔ مگر فی الحال یہ صرف چھجا تھا۔ میں نے اچھل کر دونوں ہاتھوں سے اسے تھاما اور پھر پاؤں دیوار پر لگاتے ہوئے بے آواز اوپر چڑھ گیا۔ افنان احمد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جانا چاہیے تھا اور وہ نیچے آنے والا تھا کیونکہ اس کے بغیر وہ میرا خاتمہ نہیں کر سکتا تھا۔ اب اس کے پاس خودکار رائفل تھی اور وہ زیادہ پُراعتماد تھا۔ ظاہر ہے میں کہیں زیادہ خطرے میں تھا۔ چھجا مشکل سے دو فٹ نکلا ہوا تھا اور اس سے اوپر چھت تک صرف تین فٹ جگہ تھی اور میں اس جگہ میں پیک تھا۔ اگر ایک طرف خلا نہ ہوتا تو میرے لیے حرکت کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ میں آہستگی سے بے آواز حرکت کرتا ہوا عین سیڑھیوں کے اوپر والی جگہ آیا۔

افنان احمد کی قمیص پوری طرح جل کر بجھنے والی تھی اور وہ بجھ جاتی تو اسے شاید اپنی پتلون جلانی پڑتی اور پھر وہ صرف انڈرویئر میں رہ جاتا۔ مگر اس کے لیے مسئلہ نہیں تھا یہاں اس کے پاس کپڑوں کی کمی نہیں تھی۔ اس نے بلاتکلف اپنی پتلون بھی جلا کر نیچے پھینک دی اور اب تہہ خانہ زیادہ روشن ہو رہا تھا۔ میں ساکت بیٹھا اور کان لگائے ہوئے تھا۔ اگر افنان احمد سیڑھیاں اتر رہا تھا تو وہ بالکل دبے قدموں تھا۔ ذرا سے غور کے بعد میں نے ایک لائن آف ایکشن تیار کیا اور خود کو اس پوزیشن میں لے آیا جو عمل کے لیے بہترین تھی اب مجھے انتظار تھا کہ افنان احمد نیچے آئے۔ میں آسانی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھا۔ مرشد اور فتح خان جیسے دشمنوں سے نمٹتا رہا تھا۔ میں نے دل میں سوچا۔ "بیٹا نیچے آؤ تمہیں پتا چلے کہ کس سے مقابلہ ہے۔ اتنی آسانی سے تم مجھ پر قابو نہیں پا سکتے ہو۔"

پتلون اب دھڑا دھڑ جل رہی تھی اور تہہ خانے میں روشنی تیز ہو گئی تھی۔ بالکل آخری لمحے میں مجھے پتا چلا کہ وہ نیچے تک آ گیا ہے۔ وہ اچانک آ کر دائیں طرف گھوما اور ہلکا برسٹ مارا۔ اس کے خیال میں، میں یہاں چھپا ہوا تھا وہ یقیناً سرپرائز ہوا تھا جب اس نے آڑ کو خالی پایا اور پھر وہ دوسری طرف گھوم رہا تھا کہ میں غیر متوقع طور پر اوپر سے نازل ہوا۔ وہ مجھے کے عین نیچے تھا اس لیے میں اس پر کود نہیں سکتا تھا اس لیے میں نے دونوں پاؤں ہوا میں اچھالے میرے دونوں ہاتھ چھجے کے کناروں پر جمے تھے اور میں یوں نیچے آیا جیسے جمناسٹر رسی پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے گھومتے ہوئے نیچے آتا ہے ایک قوس کی صورت میں۔ میرے پاؤں اور پھر پورا جسم افنان احمد سے ٹکرایا اور وہ میرے اور دیوار کے درمیان میں پس گیا تھا۔ اس تصادم نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں نیچے گرا تو میرا سر ایک بار پھر فرش سے لگا اور مجھے چکر آ گیا تھا۔

جس وقت میں اپنے حواس بحال رکھنے کی کوشش کر رہا تھا افنان احمد بھی خود کو سنبھال رہا تھا اور اس کے ہاتھ رائفل تلاش کر رہے تھے۔ وہ بیچ میں انڈر ویئر میں تھا۔ اسی وجہ سے وہ پستول چھوڑ کر آنے پر مجبور ہوا تھا۔ ورنہ وہ پستول لباس میں رکھ لیتا۔ جیسے ہی اس نے رائفل اٹھائی میں نے لات چلائی اور رائفل اس کے ہاتھ سے نکل کر دیوار سے ٹکرائی۔ اس کے ہاتھ پر بھی چوٹ آئی تھی۔ اس نے چلا کر گالی دی۔ اپنی گالیوں سے وہ نہایت تھرڈ کلاس آدمی لگ رہا تھا کوئی مہذب اور تعلیم یافتہ شخص ہنگامی حالات میں بھی ایسی گالیاں نہیں دیتا ہے۔ اس نے مجھے جوابی لات مارنے کی کوشش کی لیکن اس معاملے میں وہ اناڑی تھا۔ اس کا پاؤں بے تکے پن سے مجھے لگا اور میرے حواس بحال ہو گئے تھے اس لیے میں نے اسے بتایا کہ جوتے کے بعد لات کیسے مارتے ہیں۔ چند ٹھوکریں کھانے کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور چلانے لگا۔ ''مجھے مت مارو۔''

پتلون کی آگ بھی بجھ رہی تھی میں نے ایک ہاتھ سے رائفل اور دوسرے سے افنان احمد کے سفید بال پکڑے اور اسے کھینچ کر تہہ خانے سے باہر لانے لگا۔ وہ تکلیف سے چلا رہا تھا لیکن میں نے ذرا رحم نہیں کھایا تھا۔ اس نے ہمارے ایک ساتھی کو سفاکی سے قتل کیا تھا اور مجھے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی وہ کسی صورت رحم کا مستحق نہیں تھا۔ اوپر لا کر میں نے اسے کچن کے فرش پر پٹخ دیا اور وہاں کی لائٹس جلائیں۔ جیب سے موبائل نکال کر عبداللہ سے کہا۔ ''کہاں ہو تم..... حالات میرے قابو میں ہیں؟''

''میں بس پہنچ گیا ہوں۔''

''گیٹ سے اندر آ جاؤ..... یہاں ایک بری خبر بھی ہے۔''

''اشفاق کے بارے میں۔'' اس نے اپنے آدمی کا نام لیا۔

''ہاں اگر وہی ہے تو شاید وہ زندہ نہیں ہے، اس خبیث نے اسے میری نظروں کے سامنے گولی ماری تھی۔''

خود کار رائفل کے سامنے افنان احمد اپنی ساری چالاکی بھول گیا تھا اور بالکل کتے کی دم کی طرح سیدھا پڑا تھا۔ اسے سیدھا کرنے والی نلکی میرے ہاتھ میں تھی۔ ابھی اس سے پوچھ گچھ کا وقت نہیں آیا تھا۔ دو منٹ بعد عبداللہ وہاں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ اس کے دو آدمی اور تھے دو باہر تھے۔ میں نے انہیں تہہ خانے بھیجا کہ وہ اپنے ساتھی کو دیکھیں اور انہوں نے فوری اطلاع دی کہ وہ زندہ تھا اگرچہ اس کی حالت نہایت تشویش ناک تھی۔ عبداللہ نے اسے فوری طور پر دو آدمیوں کے ساتھ ہمراہ اسپتال بھجوا دیا۔ اس دوران میں عبداللہ کے آدمیوں نے کوٹھی کی تلاشی لے لی تھی وہاں سوائے افنان احمد کے اور کوئی نہیں تھا۔ مانی کو بھی اندر بلا لیا تھا۔ افنان احمد خاموش اور متفکر تھا اسے معلوم تھا جلد یا بدیر اسے ہماری تفتیش یا انتقامی کارروائی کا نشانہ بننا پڑے گا۔ ان تمام کاموں سے نمٹ کر جب ہم اسے تہہ خانے میں لے جانے لگے تو وہ گڑگڑانے لگا۔

''خدا کے لیے مجھ پر تشدد مت کرنا تم جو پوچھو گے میں بتا دوں گا۔''



اس وقت رحم کی اپیل کرنے والے کی درندگی اس وقت صحیح سے سامنے آئی جب تہہ خانے میں دوسرا انرجی سیور لگایا اور ہمیں وہاں کا معائنہ کرنے کا موقع ملا۔ اس نے اشفاق کے کپڑے اتار دیئے تھے اور اسے رسیوں سے باندھ کر تشدد کا نشانہ بنا رہا تھا۔ اشفاق نے موقع پا کر کسی طرح سے رسیاں کھول لیں اور فرار کی کوشش کی لیکن افنان احمد نے اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔ وہ اسے کھینچتا ہوا تہہ خانے تک لایا تھا اور فرش پر اس کے خون کے نشانات تھے۔ عبداللہ نے اسے کسی نجی اسپتال میں بھجوایا جس کا مالک جان پہچان والا تھا وہ پولیس کو اطلاع کرنے سے گریز کرتا۔ ہم نے افنان احمد کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اور پھر ان ہاتھوں سے رسی باندھ کر اسے چھت پنکھا لٹکانے والے فولادی کڑے سے گزارا۔ افنان احمد بدستور انڈر ویئر میں تھا۔ وہ اتنا تو سمجھ گیا تھا کہ ہمارا تعلق کسی ایجنسی سے نہیں تھا ورنہ ہم اسے ساتھ لے جاتے یہیں تفتیش نہ شروع کر دیتے۔

اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ ''سنو مجھے تمہارا آدمی مشکوک لگا تو میں اسے پکڑ لیا۔''

''کیسے..... وہ اتنی آسانی سے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔'' میں نے رسی کھینچی تو افنان احمد کے بازو اوپر ہوئے تھے۔ اس نے جلدی سے کہا۔

''میں نے عقب سے جا کر اسے قابو کیا تھا۔''

باقی سب میرے علم میں تھا وہ یقیناً اس سے ہمارے بارے میں پوچھ رہا ہو گا۔ اشفاق کے جسم پر تشدد کے نشانات تھے۔ اس نے اشفاق کو قتل کرنے کی کوشش کر کے اپنی سزا خود منتخب کر لی تھی اور اسے چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن پہلے میں جاننا چاہتا تھا کہ یہ کیا چکر تھا وہ اچھے خاصے شریف اور مہذب آدمی کے لبادے میں اتنا ہی بڑا بدمعاش نکلا تھا اس کا مطلب تھا اس نے پہلے جو بتایا تھا وہ سب جھوٹ تھا۔ عبداللہ کے آدمی اوپر چلے گئے تھے انہیں کوٹھی کے چاروں طرف نظر رکھنے کو کہا مانی کو کچن میں چائے کافی تیار کرنے پر مامور کر کے میں ایک کرسی سمیت نیچے آیا۔ اس دوران میں عبداللہ اس سے تفتیش کر رہا تھا اور وہ شرافت سے اس کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا ان سوالوں کا تعلق اشفاق سے تھا۔ اس نے کہا کہ اس نے بے ساختہ گولی چلائی تھی اس کا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا یہ کہتے ہوئے وہ بھول گیا کہ اس نے کتنی گولیاں مجھے قتل کرنے کے ارادے کے ساتھ چلائی تھیں۔ اب رسی میں نے سنبھال لی اور اسے ذرا کھینچتے ہوئے پوچھا۔ ''افنان احمد اب بتاؤ یہ کیا چکر ہے؟''

''کیسا چکر؟'' وہ انجان بنا۔

''یہ کہ تم تو ایک شریف آدمی تھے اور اپنے بیٹے کے پاس امریکہ جا رہے تھے یہ اچانک تم اتنے بڑے بدمعاش کیسے نکل آئے کہ ایک تربیت یافتہ گارڈ پر قابو پا لیا اور اسے اپنی قید میں رکھ کر پوچھ گچھ کرنے لگے۔ پھر تم نے اسے گولی ماری اور مزید یہ کہ نہایت چالاکی سے مجھے پکڑ کر قتل کرنے کی پوری کوشش کی۔ ظاہر ہے یہ سارے کام کوئی عام آدمی نہیں کر سکتا ہے اس لیے تم اپنی اصلیت آسانی سے اگل دو۔''

''ورنہ ہم مشکل سے اگلوا لیں گے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''پہلے تو اس کوٹھی کو کرائے پر دینے کی وجہ بتاؤ۔''

''یہ میری کوٹھی ہے اور میں کرائے پر دینا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا تو اس کے لہجے کی کمزوری نے مجھے چونکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔

"ذرا اس سے تفتیش جاری رکھو اور اگر اس دوران میں اس کے ہاتھ اکھڑ جائیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے پھر ہم اسے الٹا لٹکائیں گے۔"

رسی عبداللہ کو تھما کر میں اوپر آیا اور اس بار ذرا باریک بینی سے کوٹھی کے بیڈ رومز کا جائزہ لیا۔ الماریاں اور درازیں مقفل تھیں لیکن میں نے بلا تکلف ان کے لاک توڑ دیئے۔ الماریوں میں کپڑے تھے ایک اندر کی دراز سے مجھے کچھ فائلیں ملیں۔ میں نے فائلوں کا معائنہ کیا تو یہ اس مکان کے کاغذات ثابت ہوئے تھے۔ کوٹھی سچ مچ افنان احمد کے نام تھی لیکن جس افنان احمد کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی لگی تھی اس پر لگی تصویر اس شخص سے بالکل مختلف تھی جسے میں تہہ خانے میں بندھا چھوڑ کر آیا تھا۔ البتہ نام ولدیت وہی تھی۔ ایک لمحے کو میں چکرایا کہ ایک ہی نام کے دو آدمی کیسے ہو سکتے ہیں پھر میں نے عقل کو آواز دی اور عقل نے سمجھایا کہ یہ پاکستان ہے یہاں سب ممکن ہے۔ اس کوٹھی کا اصل مالک یہ افنان احمد تھا جس کی آئی ڈی کارڈ کی کاپی لگی تھی اور دوسرے افنان احمد نے یقیناً جعلی شناختی کارڈ بنوایا تھا۔ اب ایک سوال یہ بھی تھا کہ اس کوٹھی کا اصل مالک کہاں گیا اور جعلی افنان احمد نے دھڑلے سے جو ڈرافٹ وصول کیا تھا اس کا اس نے کیا کیا۔ یقیناً اس نے جعلی شناختی کارڈ کی بنیاد پر بنک اکاؤنٹ کھلوالیا ہوگا۔ میں فائل لے کر تہہ خانے میں آیا۔ فائل دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"یہ نقلی افنان احمد ہے یہ کوٹھی اس کی نہیں ہے اور اس نے ہم سے دس لاکھ روپے وصول کر لیے۔" میں نے عبداللہ کو مطلع کیا اور اس سے پوچھا۔ "اصل مالک کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم اور تم مجھ سے دس لاکھ روپے حاصل نہیں کر سکتے۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے ہم تم سے ساری عمر کا کھایا پیا بھی نکلوا سکتے ہیں لیکن ہمیں دس لاکھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہمارے مجرم تم ہو اور تم ہمارے ہاتھ میں ہو۔"

صورتِ حال یک دم بدل گئی تھی اور افنان احمد ایک نقلی آدمی نکلا تھا۔ اصل آدمی کہاں تھا اور عین ممکن تھا وہ پولیس لے کر نازل ہو جاتا۔ اس سے پہلے ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ ابھی میں عبداللہ سے کہنے جا رہا تھا کہ اوپر سے مانی کی چیخ سنائی دی۔ میں اوپر کی طرف لپکا مانی ڈیپ فریزر کے پاس دم بخود کھڑا تھا اور اس کی وجہ فریزر میں ٹھونسی ہوئی لاش تھی وہ بالکل سفید اور برف سے ڈھک گئی تھی اس کے باوجود مجھے شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ اصل افنان احمد تھا۔ میں نے قریب سے لاش کا معائنہ کیا تو اس کے سینے پر عین دل کے مقام پر سوراخ تھا اسے گولی ماری گئی تھی۔ میں نے ڈیپ فریزر بند کر دیا تو مانی چونکا۔ "جناب..... لاش۔"

"ہاں یار ہمارے ساتھ رہو گے تو لاشوں سے ہی واسطہ پڑے گا حسیناؤں سے نہیں۔"

مانی نے خود پر قابو پالیا تھا۔ "میں چائے کے لیے دودھ تلاش کر رہا تھا۔"

"لعنت بھیجو چائے پر یہاں سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کرو اور نکلنے کی کرو۔" میں نے کہا اور تہہ خانے کی طرف آیا عبداللہ کو تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ "اس سے پہلے کہ پولیس یا اور کوئی آئے ہمیں یہاں سے نکل جانا ہوگا۔"

"اس کا کیا کریں۔"

افنان احمد نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور وہ پولیس کے ہاتھ جاتا تو ہمارے بارے میں بتا دیتا اگرچہ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن پولیس مرشد کے اشارے پر پہلے ہی میری دشمن ہو رہی تھی وہ اس کیس میں مجھے ملوث کر سکتی تھی اس لیے بہتر یہی تھا کہ ہم یہاں سے اپنے تمام نشانات مٹا کر نکل جاتے اور آئندہ بھی اس معاملے سے کوئی تعلق ظاہر نہ کرتے۔ گاڑی ایک ہی تھی ہم نے اسی میں بنڈل بنا کر افنان احمد کو ڈالا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ عبداللہ اور اس کے آدمی ایک جگہ اتر گئے تھے عبداللہ کو زخمی اشفاق کو بھی دیکھنا تھا اسے راستے میں اطلاع ملی تھی کہ اسے آپریشن روم میں لے جایا گیا تھا اور ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے دل میں اللہ سے دعا کی کہ اشفاق بچ جائے ورنہ میرے دل پر ایک بوجھ اور آجاتا ایک اور انسان میری خاطر جان سے جاتا۔ عبداللہ نے کہا تھا کہ وہ گمنام کال کر کے پولیس کو اس قتل کی اطلاع کر دے گا۔ میں مانی اور افنان احمد کے ہمراہ حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہم حویلی تک پہنچے۔ مین روڈ سے لائٹ بند کر کے گاڑی حویلی کے عقبی حصے تک لایا تاکہ آس پاس روشنی نمایاں نہ ہو۔ وسیم کے آدمی مستعد تھے انہوں نے گاڑی پہچاننے کے باوجود گاڑی کے اندر روشنی ڈال کر دیکھا اور جب میری صورت دیکھی تو مطمئن ہو گئے۔ میں نے گاڑی روکی اور افنان احمد کے بارے میں ہدایت کی کہ اسے تہہ خانے میں پہنچا دیا جائے لیکن دوسروں سے الگ رکھا جائے۔ مانی حویلی کے ماحول اور تاریکی سے کسی قدر ڈرا ہوا تھا لیکن جب ہم اندر آئے اور اسے وسیم کی صورت دکھائی دی تو اس نے سکون کا سانس لیا اس نے جاتے ہی وسیم سے شکایت کی۔ "آج تو بس اللہ نے بچا لیا ورنہ شوبی بھائی نے مردانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"بیٹے یہ تمہاری غلط فہمی ہے جب میں نے مردانا چاہا تو بچ گئے نہیں۔" میں جوتے اتار کر قالین پر دراز ہو گیا۔ وسیم اچانک مجھے ایک قیدی سمیت دیکھ کر حیران ہوا تھا لیکن سوال جواب سے پہلے اس نے ہمارے لیے چائے منگوائی، ساتھ میں کلچے بھی تھے۔ مانی نے بھوک نہ ہونے کے باوجود ان سے پورا انصاف کیا۔ میں وسیم کو روداد سنانے لگا۔ جو اگرچہ خاصی المناک تھی لیکن وسیم اور مانی دل کھول کر ہنسے تھے خاص طور سے جوتوں کو بہ طور ہتھیار استعمال کرنے کا آئیڈیا انہیں بہت پسند آیا تھا۔ وسیم نے کہا۔

"یہ شخص اسی قابل ہے اسے جوتے سے مارا جائے۔"

"یہ سزائے موت کے قابل ہے۔ اس نے کم سے کم ایک شخص کو قتل کیا، ایک پر اقدام قتل کیا اور ایک کو قتل کرنے کی پوری کوشش کی۔"

"اس کے علاوہ اس نے دھوکا کیا کسی کا مکان کسی دوسرے کو کرائے پر دے دیا اور اس سے سال بھر کی رقم وصول کر لی۔" مانی نے کہا پھر میری طرف دیکھا۔ "فارم ہاؤس نہیں چلنا ہے آج مجھے بہت کام کرنا ہے۔"

"چلتے ہیں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ذرا فاضلی سے تو ملاقات کر لیں دیکھیں وہ کس حال میں ہے۔"

وسیم مسکرایا اور آغا حشر کے انداز میں کہا۔ "شیر لوہے کے جال میں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مانی نے ناک سکیڑ کر کہا۔ ''آپ اسے شیر کہہ رہے ہیں جسے شوبی چوہے کی طرح پکڑ کر لے آئے۔''

''اس وقت تو تقریباً چوہا بن گیا ہے۔'' وسیم ہنسا۔ ''آئیں اس کے ڈوز کا وقت ہو گیا ہے ذرا اس کی حالت دیکھیں۔''

''ابھی تک اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی ہے؟''

''نہیں میں نے سوچا کہ آپ کی بات درست ہے ہر آدمی کی قوت ارادی مختلف ہوتی ہے۔ آج اسے چار دن ہو چکے ہیں۔ کل تک اسے ہر آٹھ گھنٹے بعد دے رہے تھے لیکن آج صبح دیا تھا اور اس کے بعد سے اب تک نہیں دیا ہے۔''

میں وسیم اور اس کے ایک آدمی کے ساتھ نیچے تہہ خانے میں آیا جہاں فاضلی ایک ستون کے ساتھ زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ بھڑکا اور میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا صرف چار دن میں اس کی قابلِ رشک صحت افسوسناک ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ ست گیا تھا اور شانے ڈھلک گئے تھے میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''کیا اسے کھانا نہیں دیتے؟''

''دیتے ہیں لیکن یہ کھاتا نہیں ہے اسے تو بس ایک ہی چیز کی طلب ہے۔ اس نے صبح مشکل سے آدھی روٹی چائے کے ساتھ کھائی تھی لیکن اب بھی یہ کھانا نہیں مانگے گا۔'' وسیم نے اپنے آدمی کی طرف دیکھا تو اس نے ایک سرنج نکالی۔ فاضلی جو اب تک متوقع نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا سرنج پر نظر پڑتے ہی بے تاب ہو گیا۔ اس نے تقریباً گڑگڑا کر کہا۔

''یہ مجھے لگا دو..... خدا کے لیے۔''

اگرچہ یہ تجویز میں نے ہی دی تھی لیکن فاضلی کی حالت دیکھ کر بھی مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''کیا یہ واقعی عادی ہو گیا ہے؟''

''شہباز صاحب ہیروئن بڑی ظالم چیز ہے۔ یہ مضبوط سے مضبوط آدمی کی قوتِ ارادی یوں فنا کرتی ہے کہ وہ اس نام کی چیز بھول جاتا ہے۔ میں نے اس تباہ کن چیز کو قریب سے دیکھا ہے اللہ کا شکر ہے میں اس کے دھندے میں نہیں پڑا جب میں نے اس کے اثرات دیکھے تو مجھے اسی وقت اس چیز سے نفرت ہو گئی تھی۔ اس نے نئی پاکستانی نسل کو ایک زمانے میں تباہ کر دیا تھا اب بھی اس کے اثرات موجود ہیں۔''

فاضلی کو خالص ہیروئن کے انجکشن دیئے جا رہے تھے اور چار دن میں وہ اس کا عادی ہو گیا تھا۔ ہیروئن نے اس کے سسٹم پر اس طرح قبضہ جما لیا تھا کہ اب وہ اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ انجکشن دیکھ کر وہ جس طرح بھڑکا تھا اس سے اس کی طلب واضح تھی۔ میں نے کہا۔ ''فاضلی تمہیں یہ انجکشن چاہیے؟''

''ہاں پلیز یہ مجھے دے دو میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''یہ تمہیں مل جائے گا لیکن پہلے تمہیں ہمارے سوالوں کے جوابات دینا ہوں گے۔''

''میں دوں گا تم جو پوچھو گے وہ بتاؤں گا..... مرشد کے بارے میں..... میرے بارے میں..... میرے باپ کے بارے میں..... میری ماں سمجھتی ہے میں اپنے اصل باپ کے بارے میں نہیں جانتا..... لیکن وہ بے وقوف ہے..... مجھے تب ہی پتا چل گیا تھا جب مجھے پتا چلا تھا کہ انسان باپ کیسے بنتا ہے۔''

ہم نے حیرت سے اس کی بات سنی وسیم نے کہا۔ ''تمہارا اصل باپ کون ہے؟''

''مرشد۔'' اس نے عجیب سے انداز میں ہنس کر کہا۔ ''میری ماں اس کی خادمہ تھی اور معمولی شکل صورت کی تھی اس لیے میرے باپ کو کبھی خدشہ نہیں ہوا تھا۔ مگر اسے نہیں معلوم تھا میری ماں اسے دھوکا دے کر مرشد کی خواب گاہ میں جاتی تھی۔''

ہم سب ہی دم بخود رہ گئے تھے۔ بعض اوقات آدمی اپنے بارے میں کیسے سچ اگلتا ہے اس نے خود کبھی اس بارے میں نہیں سوچا ہوتا ہے۔ فاضلی نے بھی نہیں سوچا ہو گا کہ کبھی اسے اس طرح سچ بولنا پڑے گا یا اس کے منہ اس کی ذات کا نازک ترین سچ نکل جائے گا۔ فاضلی گڑگڑایا تو ہم چونکے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''اب تو دے دو..... میں اس کے لیے مر رہا ہوں۔''

میں نے وسیم کے آدمی کی طرف دیکھ کر سر کو جنبش دی تو اس نے آگے بڑھ کر پہلے فاضلی کے بازو پر رسی لپیٹی اور پھر اس کی نس ابھار کر اس میں سرنج اتار دی۔ جیسے ہی ہیروئن فاضلی کے خون میں شامل ہوئی اس کے چہرے پر سکون کے تاثرات نظر آنے لگے۔ انجکشن لگتے ہی وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا پھر اس نے میری طرف دیکھا اور بوجھل لہجے میں بولا۔ ''شہباز ملک..... سچ سن لیا نا..... جب مجھ سے کچھ پوچھنا ہو تو انجکشن لے کر آ جانا میں اس وقت سچ کے سوا کچھ نہیں..... کہوں گا۔''

مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ جب میرے ذہن میں یہ خیال آیا اور میں نے فاضلی کے حوالے سے وسیم کو اس پر عمل کرنے کا کہا تو اس وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ چیز اتنی مؤثر ثابت ہو گی۔ ہیروئن کا نشہ آدمی کو کس طرح اپنے قابو میں کرتا ہے اس کا اندازہ مجھے فاضلی کی حالت دیکھ کر ہو رہا تھا ایک انجکشن کے لیے اس نے وہ راز کھول دیا جو شاید وہ اپنے سائے سے بھی چھپاتا ہو گا۔ وسیم نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا تو میں چونکا۔ میں جذباتی ہو رہا تھا۔ فاضلی میرا بدترین دشمن تھا اور دشمن کے خلاف ہر حربہ جائز تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''فاضلی اس سے پہلے تم بے کار ہو جاؤ میرے ایک سوال کا جواب اور دو۔''

''پوچھو۔'' اس بار اس نے ذرا مشکل سے کہا ہیروئن کا نشہ اس کے دماغ پر غالب آ رہا تھا۔

''مرشد یہ بات جانتا ہے؟''

فاضلی مسکرایا۔ ''اگر وہ یہ بات جانتا تو کیا میں اب تک زندہ ہوتا۔ وہ بوجھ پالنے والوں میں سے نہیں ہے۔''

''تم نے اپنے گھر والوں کا حوالہ دیا تھا کہ مرشد انہیں نہیں بخشے گا۔ کیا تمہارے بہن بھائی ہیں۔''

''ماں باپ اور بہن بھائی کو میں بہت پہلے چھوڑ چکا ہوں ان سے میرا کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے۔''

''تب تمہارے بیوی بچے ہوں گے۔''

اس نے بمشکل سر ہلایا اور پھر ستون سے ٹکا دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند میں جا چکا ہو درحقیقت نشے نے اس کا ذہن ماؤف کر کے اسے سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔ میں اور وسیم اس سے ذرا دور ہو گئے تو وسیم نے کہا۔ ''یہ بہت عیار شخص ہے نشے نے اس کی قوتِ ارادی کو شکست دی ہے اس کی عیاری ختم نہیں ہوئی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے ٹھیک کہا اس سے پوری طرح ہوشیار رہنا اور اب ہیروئن کی مقدار کم کردو جب یہ بالکل پاگل ہونے لگے تب ہی اسے ہیروئن دینا۔''

افنان احمد اسی تہہ خانے کے ایک حصے میں بندھا ہوا تھا اور اس کے جسم پر وہی انڈر ویئر تھا۔ اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہم کیا تھے اور وہ کن لوگوں سے ٹکرانے کی کوشش کر بیٹھا تھا۔ اس کی اکڑفوں تمام ہوگئی تھی اور ہمیں دیکھتے ہی اس نے گڑگڑانا شروع کر دیا۔ ''دیکھو تم جو پوچھو گے میں سچ سچ بتاؤں گا بالکل جھوٹ نہیں بولوں گا..... بس تم مجھے مارنا مت۔''

میں نے اس عیار شخص کی چالاکی کا جواب چالاکی سے دینے کا فیصلہ کیا اور اس سے کہا۔ ''ٹھیک ہے اگر تم رہائی چاہتے ہو تو ہر سوال کا درست جواب دینا اور یہ سوچ کر دینا کہ ہم تصدیق کریں گے سو میں سے ایک غلط جواب تمہیں معافی سے محروم کر دے۔''

''خدا کی قسم، میں ذرا بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

میں نے اس کے چہرے پر نظر جما کر کہا۔ ''سب سے پہلے تو اس چکر کی وضاحت کرو۔ تم نے اصل افنان احمد کو کیوں قتل کیا اور اس کے نام اور ولدیت پر مبنی جعلی شناختی کارڈ کیوں بنوایا۔ ویسے یہ بتا دوں کہ میں سمجھ گیا ہوں صرف تمہارے منہ سے سننا چاہ رہا ہوں۔''

اس نے بادلِ ناخواستہ کہنا شروع کیا۔ ''یہ میرا اور منور کا کھیل ہے۔ ہم بڑی کوٹھیوں کے مالکوں کے نام سے جعلی شناختی کارڈ بنواتے ہیں اور پھر ان سے بنک اکاؤنٹ کھلواتے ہیں۔ اس کے بعد ہم کوٹھی کو کرائے پر دینے یا فروخت کرنے کا اشتہار دیتے ہیں جیسے ہی پارٹی لگتی ہے اصل مالک کو اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں۔''

''قبضے میں کر لیتے ہو یا اسے دوسری دنیا روانہ کر دیتے ہو۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے جلیل خانزادہ کا اصل کا نام بتا دیا تمہارا اصل نام کیا ہے۔''

''میرا نام ریاض شاہ ہے۔'' اس نے یوں تیزی سے کہا جیسے نام پہلے سے سوچ کر رکھا ہوا تھا سوال کرتے ہی بتا دے۔

''تو تم نے اصل مالک افنان احمد کو قتل کر دیا اور اس کی لاش اس کے اپنے گھر کے ڈیپ فریزر میں ڈال دی اس سے تمہارا کیا مقصد تھا؟''

''ہم اسے قتل کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن اس نے مزاحمت کی تو ہمیں گولی چلانی پڑی اور وہ مر گیا۔ ہم اس کی لاش کہیں لے جا نہیں سکتے تھے اس لیے وہیں ڈیپ فریزر میں ڈال دی۔''

''تاکہ جب کرائے دار آئے اور وہ بے چارہ دیکھے تو مصیبت میں پڑ جائے۔ اگر پولیس کو اطلاع دیتا ہے تب بھی مشکل میں پڑے گا اور اگر لاش چھپانے کی کوشش کرے گا تب بھی پکڑا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ دس لاکھ کہاں ہیں مسٹر..... کیا نام بتایا تھا؟''

''ایاز.....'' وہ روانی میں کہتے کہتے رکا۔ ''ریاض شاہ۔''

میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''یہ جھوٹ بول رہا ہے اور ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ ہمیں بے وقوف بنانے کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔''



وسیم سمجھ گیا اس نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''آپ فکر نہ کریں یہ بتائیں پہلے کیا کرنا ہے۔''

''پہلے اس سے اس کے ساتھی کے بارے میں معلوم کرو اور دس لاکھ روپے نکلواؤ اس کے بعد دیکھیں گے۔''

جعلی افنان احمد کا چہرہ پھر سفید پڑ گیا تھا وہ سمجھ گیا کہ ہم فی الحال اسے چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ وہ پھر رونے گڑگڑانے لگا مگر ہم اس پر توجہ دیے بغیر باہر آ گئے۔ وسیم نے پھر پوچھا۔ ''اس کا بعد میں کیا کرنا ہے؟''

''ویسے یہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اسے چھوڑا جائے لیکن پولیس میں دینے سے الٹا ہمارے لیے مسائل کھڑے ہوں گے اس لیے معاملے کو خاموشی سے نمٹانا ہی بہتر رہے گا۔ پہلے تو اس سے اس کے کرتوت اگلواؤ۔''

''فاضلی والا نسخہ نہ استعمال کریں اس میں نہ ہینگ لگے گی اور نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے گا۔''

میں ہنسا۔ ''تم آج کل بامحاورہ اردو بولنے لگے ہو۔''

''یہ سب مطالعے کا نتیجہ ہے۔'' وسیم نے دانت نکالے۔ ''آج کل فرصت زیادہ ہے اس لیے پڑھنے میں وقت گزرتا ہے۔''

''برادر خورد کا کیا حال ہے۔''

''دہشت سے برا حال ہے وہ سمجھ رہا ہے کہ کسی ایجنسی نے اسے اٹھایا ہے۔ جب اس حیثیت کا آدمی اتنا ڈرتا ہے تو سوچا جا سکتا ہے کہ عام آدمی کا کیا حال ہوگا۔''

''مرشد کے بارے میں کیا اگلا ہے؟''

''کچھ خاص نہیں وہی پرانی باتیں ہیں۔''

''وسیم پرانی اور نئی باتیں ہماری لیے بے کار ہیں اصل میں ہمیں مرشد کے تمام ٹھکانوں کا پتا چلانا ہے اور اس کے تمام دھندوں کے بارے میں جاننا ہے اس کے بعد اس کے خلاف کارروائی کرنی ہے۔ تم فاضلی اور نادر سے پوچھ گچھ میں زیادہ فوکس اسی بات پر رکھو۔''

وسیم نے سر ہلایا اور پھر بولا۔ ''میرا تو مشورہ ہے آپ اور مانی بھی یہیں آ جائیں فارم ہاؤس صابر کی وجہ سے بے کار ہو جائے گا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ ویسے بھی اس معاملے کی وجہ سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے اس کے ساتھی کے پاس آپ کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی سمیت کرائے داری کا معاہدہ موجود ہے اگر وہ اس نے سامنے آئے بغیر پولیس کے حوالے کر دیا تو آپ کے لیے مزید مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ پولیس نئے کیس بنا دے گی۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا اور اتفاق کیا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں کل یہاں آ جاتا ہوں مانی اور بیتو باز کے ساتھ حویلی جائیں گے۔ ہم فارم ہاؤس خالی کر دیتے ہیں۔''

''سفیر اس اسٹیٹ ایجنٹ کو اطلاع کر دے گا جس سے یہ فارم ہاؤس لیا تھا وہ خود آ کر قبضہ لے لے گا۔''

وسیم کے دو ساتھیوں اور ایک گاڑی سمیت ہم فارم ہاؤس پہنچے۔ رات کے دو بج رہے تھے اور سب کا تھکن سے برا حال تھا لیکن یہاں سے اپنا سامان سمیٹنا تھا۔ مانی نے نگرانی کے تمام آلات، کمپیوٹرز اور انٹرنیٹ سے متعلق چیزیں پیک کر کے وسیم کے آدمیوں کے حوالے کیں وہ انہیں لے کر رخصت ہو گئے۔ کچھ اور چیزیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں جیسے ذاتی سامان اور رقم والا سوٹ کیس وہ میں نے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا۔ میری حویلی جانے والا سامان کیرئی جیپ میں منتقل کر دیا گیا تھا اور طے ہوا تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی روانہ ہو جاتے۔ ایاز کام مکمل ہونے کے بعد انہیں واپس لے کر آتا۔ صبح چار بجے ہم فارغ ہوئے تو سب نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھ جھپک لی۔ سات بجے سب اٹھ گئے تھے۔ ایاز، بیتو اور مائی نوری روانہ ہو گئے انہوں نے ناشتہ بھی راستے میں کرنا تھا۔

میں صابر کے کمرے میں آیا۔ اس کی حالت خاصی بہتر ہو رہی تھی اور اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''تم کیوں دیر کر رہے ہو مجھے جانے دو ورنہ تاخیر سے معاملہ خراب ہوا تو تم مجھے الزام نہیں دے سکو گے۔''

''فکر مت کرو اور تیار ہو جاؤ ہم یہاں سے نکل رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تمہیں کہاں چھوڑیں؟''

اس نے سوچ کر کہا۔ ''مجھے کسی ایسی جگہ چھوڑ دو جہاں سے میں مظفر آباد جانے والی گاڑی پکڑ سکوں۔''

اس کے پاس رقم تھی اور سامان بھی تھا میں نے اسے ایک چھوٹا بیگ دیا جس میں اس نے اپنی ساری چیزیں منتقل کیں۔ اس نے اسلحے کا مطالبہ بھی کیا لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔ اس کا ایک عدد پستول اور چھوٹی شاٹ گن میرے پاس تھی۔ سارا اسلحہ دیہم کے آدمی لے جا چکے تھے ان میں صابر کا اسلحہ بھی تھا۔ وہ اس میدان کا کھلاڑی تھا اور اسلحہ حاصل کرنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں اسے لے کر نکلا تو دھوپ نکھر چکی تھی۔ میں نے فارم ہاؤس بند کر کے اس کی چابیاں پورچ میں رکھے ایک گملے تلے رکھ دیں اور پھر سفیر کو کال کر کے اس کے بارے میں بتا دیا۔ اس نے پوچھا۔ ''وہ کہاں جا رہا ہے؟''

''اپنے صابر بھائی کو ڈراپ کر کے بڑے گھر جاؤں گا اب اور کہاں ٹھکانہ رہا ہے۔'' میں نے صابر کی موجودگی میں حویلی کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''تو خوش رہو میں اسٹیٹ ایجنٹ کو مطلع کرتا ہوں وہ خوش ہو جائے گا پورے سال کا کرایہ وصول کر چکا تھا اور اب تم ہاؤس دوبارہ مل جائے گا وہ مالکوں کو بتائے بغیر کسی کو دے کر باقی کرایہ اپنی جیب میں ڈالے گا۔''

''ارے بلا سے یار..... ہمارا کام تو نکل گیا نا۔''

''یہاں اچھا وقت گزرا تھا۔''

''اچھا برا وقت انسانوں کے ساتھ گزرتا ہے جگہوں کے ساتھ نہیں اور اپنے سارے ہمارے پاس ہیں۔''

میں نے جواب دیا اور موبائل بند کر دیا۔ صابر خاموشی سے سن رہا تھا اس نے میری طرف دیکھا۔

''تم میری وجہ سے یہ ٹھکانہ چھوڑ رہے ہو کہ میں نے اس جگہ کو دیکھ لیا ہے۔''

''یہ احتیاط کا تقاضہ ہے آزاد ہونے کے بعد ہو سکتا ہے کہ تمہاری نیت بدل جائے لیکن زیادہ امکان اس کا ہے کہ تم مرشد کے تخت پر چڑھ جاؤ اور ہمارے بارے میں سب بک دو لیکن اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تم شوق سے کسی کو بتاتے پھرو ہم یہ جگہ خالی کر چکے ہیں اب یہاں کوئی نہیں ملے گا۔''

''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا اور اب مرشد کے کتے بھی مجھ سے کچھ اگلوا نہیں سکتے ہیں۔''

''ایسا مت کہو..... آج کل تشدد کا فن سائنس کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ مضبوط سے مضبوط آدمی بھی ٹوٹ جاتا ہے۔'' میں نے کہا تو مجھے نفسی کا خیال آیا۔ اگر ہم اس پر تشدد کرتے تو شاید وہ مر جاتا لیکن ہمیں کچھ



نہ بتاتا اور ہمیں بھی ذہنی کوفت سے گزرنا پڑتا۔ ظاہر ہے ہم درندے نہیں تھے جو کسی کو اذیت دے کر لطف اندوز ہوتے۔ ہیروئن والا طریقہ نہایت موثر رہا تھا اور فاضلی جیسا آدمی بھی ہمارے آگے جھک گیا تھا۔ ''اب ایسے طریقے آ گئے ہیں کہ پوچھنے والے تمہیں انگلی بھی نہیں لگائیں گے اور تم فر فر سب اگلتے جاؤ گے۔''

''سنو تم لوگ شازیہ کا خیال رکھو گے نا؟'' اس نے لجاجت سے کہا۔ ''اگر میں ناکام رہا تو سزا صرف مجھے دینا۔''

''صابر ہم لوگ انسان ہیں اور عورت کا احترام کرنا جانتے ہیں۔ ہمارے پاس تو شہلا جیسی عورت بھی بالکل محفوظ رہی تھی۔ تم شازیہ کے بارے میں بے فکر رہو۔ اسے ہم نے صرف ضمانت کے طور پر رکھا ہے اگر تم نے کوئی غلط حرکت نہ کی تو وہ قطعی محفوظ رہے گی اور اگر تم نے ہمیں مجبور کیا تب بھی ہم خود کچھ نہیں کریں گے اسے مرشد کے حوالے کر دیں گے اور تم اس کے ہاتھ سے اپنی سزا کو پہنچو گے۔''

''اس سے بہتر ہو گا تم اسے اپنے ہاتھ سے مار دو۔'' صابر تلخی سے بولا۔ ''کیا تم نہیں جانتے کہ مرشد اور اس کے آدمیوں کے لیے عورت کیا ہے۔''

میں نے ڈرائیو کرتے ہوئے اچانک ہی الٹا ہاتھ اس کے منہ پر مارا۔ ''کیا یہ خیال تمہیں اس وقت نہیں آیا تھا جب تم شہلا کو اس کے حوالے کر رہے تھے۔''

اس نے اپنا منہ سہلایا۔ ''شہلا کی بات اور تھی وہ پہلے ہی کون سی.....''

''بکواس مت کرو وہ بہر حال عورت تھی اس کے ساتھ جو ہوا اس کے اصل مجرم تم ہو اور میں نے تمہیں صرف اس لیے رعایت دی کہ تم پہلے ہی اپنے کیے کی ٹھیک ٹھاک سزا بھگت چکے ہو۔'' میں نے کہا میرا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ صابر نے خاموش ہونے میں عافیت سمجھی تھی۔ میں نے اسے ایک ایسی جگہ اتارا جہاں سے وہ مظفر آباد جانے والی بس یا کوئی دوسری گاڑی حاصل کر سکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یاد رکھنا آج کے دن سے تمہارے پاس ایک مہینے کی مہلت ہے۔ اگر تم اس دوران میں واپس نہ آئے یا تم نے رابطہ نہ کیا تو.....''

''میں تم سے کیسے رابطہ کروں گا؟''

میں نے سوچا اور ایک مشہور اخبار کا نام لیا۔ ''تم اس کے کلاسیفائیڈ میں صرف اپنے نام اور رابطے کے نمبر کے ساتھ اشتہار دو ہم خود تم سے رابطہ کر لیں گے اشتہار تم کسی بھی دن دے سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے۔''

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ یہ سفیر کی سفاری تھی لیکن اس کی نمبر پلیٹ بدلی ہوئی تھی اس لیے اگر صابر نے نمبر نوٹ کر لیا تھا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ماڈل اور رنگ کی ہزاروں گاڑیاں راولپنڈی اسلام آباد میں گھوم رہی تھیں۔ گزشتہ روز سے واقعات میں بہت تیزی آئی تھی۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ افغان احمد کچھ اور نکلے گا۔ وہ اپنی شخصیت سے فائدہ اٹھاتا تھا اور لوگ آسانی سے دھوکا کھا جاتے تھے۔ وہ اور اس کا ساتھی منور مل کر نہ جانے لوگوں کے ساتھ اس طرح کے دھوکے کر چکے تھے۔ وہ ایسے دولت مندوں کو تاڑتے ہوں گے جو اکیلے ہیں اور جن کے رشتے دار ملک سے باہر ہیں پھر ان کو ٹریپ کر کے ان کی جائیداد کو فروخت یا کرائے پر دینے کا چکر چلاتے تھے رقم وصول کرتے تھے اور نو دو گیارہ ہو جاتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ جائیداد کے اصل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مالکان کو قتل نہیں کرتے ہوں گے کیونکہ اس طرح بات پولیس تک جاتی۔ وہ انہیں آزاد کر دیتے ہوں گے ان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہوگا اس لیے وہ پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہیں کرتے ہوں گے اور جو لٹتے ہوں گے وہ بھی زیادہ تر روپیٹ کر صبر کر لیتے ہوں گے۔ جو چند ایک پولیس کے پاس جا کر شکایت کراتے ان کی کوئی سنتا نہیں ہوگا۔ اصل افغان احمد نے یقیناً کوئی ایسی حرکت کی ہوگی جس کی وجہ سے وہ اسے قتل کرنے پر مجبور ہوئے۔

میں نے ناشتے کی نیت سے راولپنڈی کے ایک مشہور ہوٹل کے سامنے گاڑی روکی اور ایک کونے کی میز سنبھال کر عبداللہ سے رابطہ کیا۔ ''اشفاق کیسا ہے؟''

''آپریشن کامیاب رہا ہے لیکن ڈاکٹروں نے چوبیس گھنٹے اہم قرار دیئے ہیں اگر رات بارہ بجے تک زندہ رہا تو پھر چانس زیادہ ہو جائے گا۔''

''اللہ خیر کرے اس کے گھر والوں کو اطلاع کر دی؟''

''ہاں وہ میر پور کا رہنے والا ہے اس کے بھائی آ گئے ہیں۔ شادی شدہ ہے اور دو سال کا بیٹا بھی ہے۔''

میں نے ایک بار پھر دکھ محسوس کیا۔ بہرحال یہ اس کی تقدیر میں تھا۔ میں نے کہا۔ ''ماتی، بیتو اور ایاز میری حویلی کی طرف گئے ہیں۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا کہ وہاں ای سیکورٹی میں اضافہ کر رہے ہیں اب وہ جگہ زیادہ محفوظ ہو جائے گی تو ہم خواتین کو منتقل کرنے کے پروگرام پر دوبارہ عمل کریں گے۔''

''ہیلی کاپٹر کریش کا معاملہ نمٹ گیا؟''

''ہاں ایئر کلب کے مالکان اثر والے ہیں انہوں نے اصل بات دبا دی اور کریش کی وجہ فنی خرابی بیان کی تھی۔''

''اور وہاں جو دو بے گناہ سیکورٹی گارڈ مارے گئے۔''

''اس واقعے کو الگ سے ظاہر کیا گیا ہے اور ملبہ نامعلوم افراد کے سر ڈال دیا گیا ہے۔ سمجھ لیں کہ معاملہ ختم کر دیا گیا ہے۔ گن میں اٹھوا چکا تھا اس لیے کوئی ثبوت بھی باقی نہیں رہا ہے۔''

''فاضلی کے بارے میں پتا چل گیا ہوگا اس کی ساری اکڑفوں ختم ہو چکی ہے اور وہ سب بتانے کے لیے تیار ہے۔''

''ہاں لیکن اب آپ کے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں پولیس میں موجود میرے ایک واقف کار نے بتایا کہ پولیس پر دباؤ آ رہا ہے وہ بہرصورت آپ کو گرفتار کرے اور اس کے لیے ڈی آئی جی کے حکم سے ایک خصوصی ٹیم بھی تشکیل دی جا رہی ہے جس میں اکرم چشتی جیسے کرپٹ لوگ بھی شامل ہیں آپ کو پتا ہے اسے ڈی ایس پی بنا دیا گیا ہے۔''

میں حیران ہوا۔ ''وہ تو شاید اے ایس آئی تھا.....؟''

''جی ہاں یہ ترقی اسے مرشد کی وجہ سے ملی ہے۔ اس نے جعلی تعلیمی سرٹیفکیٹس جمع کرائے جن کی بنیاد پر اسے یہ ترقی ملی ہے اور وہ اب پہلے سے زیادہ خطرناک ہو جائے گا۔''



''اسے بھی دیکھ لیں گے یار جب مرشد اور فتح خان جیسے بڑے خطروں سے نمٹتے آئے ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا اور پھر عبداللہ کو صابر کے بارے میں بتایا۔ ''اس کے پاس ایک مہینے کی مہلت ہے تم اپنے کسی آدمی کی ڈیوٹی لگا دو اس اخبار کا کلاسیفائیڈ روز چیک کرے۔''

''یہ اخبار آتا ہے میں خود چیک کر لوں گا۔ آپ کہاں ہیں؟''

''فی الحال تو میں ناشتہ کر رہا ہوں۔ مجھے حویلی جانا ہے لیکن میں سوچ رہا ہوں ایک چکر کوٹھی کا بھی لگا لوں۔''

عبداللہ خوش ہو گیا۔ ''میں بھی آپ سے یہی کہنے والا تھا آپ بہت عرصے سے یہاں نہیں آئے ہیں۔ اگر آپ تیار ہیں تو میں گاڑی بھیجتا ہوں اس کے شیشے سیاہ ہیں آپ اس میں آئیں گے تو کسی کو پتا نہیں چلے گا۔''

''ٹھیک ہے تم اسی ہوٹل سے کچھ دور ایک مشہور حلوہ پوری والا ہے اس کے پاس گاڑی بھیج دو ڈرائیور سے کہو کہ دروازہ اَن لاک چھوڑ دے اور خود حلوہ پوری لینے چلا جائے میں موقع دیکھ کر گاڑی میں بیٹھ جاؤں گا۔''

''میں ابھی روانہ کرتا ہوں۔''

اس دوران میں ناشتہ آ گیا اور میں ناشتہ کرنے میں لگ گیا۔ جب تک میں ناشتے سے فارغ ہوا عبداللہ کی کال آ گئی۔ ''ڈرائیور پہنچنے والا ہے سیاہ رنگ کی ہیلکس ہے نمبر.....''

''ٹھیک ہے میں پہنچ رہا ہوں۔''

اپنی سفاری ہوٹل کے باہر ہی چھوڑ دی تھی یہاں اسے کوئی نہیں چھیڑتا اور خود پیدل حلوہ پوری کی دکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ راولپنڈی کے اس علاقے میں بے پناہ رش تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک کا اژدھام تھا اور فٹ پاتھوں پر لوگ چڑھے ہوئے تھے حلوہ پوری کی دکان پر باقاعدہ جنگ کا سماں تھا۔ ہیلکس دکان سے ذرا دور کھڑی تھی اور اس کے آس پاس بھی متعدد گاڑیاں تھیں اگر کوئی ان لوگوں کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا تو اس رش میں اس کا پتا چلانا ناممکن تھا۔ بہرحال میں اللہ کا نام لے کر دیوار والی طرف سے ہیلکس کے پچھلے حصے میں گھس گیا وہاں عبداللہ کا ایک آدمی پہلے سے موجود تھا۔ اگلی اور پچھلی سیٹوں کے درمیان نیم شفاف پلاسٹک نما ربر جیسی چادر موجود تھی اس کے ہوتے ہوئے کوئی ونڈ اسکرین سے اندر نہیں دیکھ سکتا تھا جب کہ آگے پیچھے کے شیشے ایسے تھے کہ باہر سے اندر کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ عبداللہ کے آدمی نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

''بس ہم ایک منٹ میں روانہ ہوتے ہیں۔''

''ڈرائیور کہاں ہے؟''

''حلوہ پوری کی دکان پر گیا ہے لیکن وہ حلوہ پوری لے گا نہیں ابھی واپس آ جائے گا۔''

دکان کے سامنے کوئی سو افراد موجود تھے اور اگر ڈرائیور حلوہ پوری کے چکر میں پڑتا تو اس کا نمبر ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے نہیں آتا۔ وہ چند منٹ بعد ہی مایوسانہ انداز میں واپس آ گیا تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی نکالنے لگا لیکن وہاں خاصا ہجوم تھا۔ اسے دشواری پیش آ رہی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح اس نے ہیلکس نکال لی۔ رش سے نکلتے ہی اس نے ہیلکس کو ویران سڑکوں پر گھمانا شروع کر دیا وہ تعاقب کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جب کوئی گاڑی پیچھے آتی دکھائی نہیں دی تو اس نے کوٹھی کا رخ کیا۔ آدھے گھنٹے بعد ہم عبداللہ والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھی پر تھے۔ میں نے خاصے عرصے بعد کوٹھی دیکھی تھی اور اس کی صورت خاصی بدلی گئی تھی۔ سب سے پہلے تو اس کی چار دیواری بارہ فٹ اونچی ہوگئی تھی اور اس پر مزید تین فٹ تک خار دار تاروں کی ایسی باڑھ تھی جس سے ٹینس کی گیند بھی گزر کر نہیں آسکتی تھی۔ مین گیٹ بھی بدل گیا تھا اور اب پہلے سے کہیں زیادہ موٹی چادر کا بھاری بھرکم گیٹ تھا جو رولر پر پھسل کر کھلتا تھا۔ ورنہ صرف قبضے اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ ایک چیک پوسٹ جیسی جگہ کوٹھی کے اوپری حصے میں بھی بنا دی گئی تھی جہاں سے نگران چاروں طرف نظر رکھ سکتے تھے اور یہیں کیمرے بھی لگے تھے جن سے دور تک کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ مجھے مین گیٹ کے ساتھ ایک عجیب سی مشین دکھائی دی۔ میرے ساتھ بیٹھے آدمی نے کہا۔

''یہ بارود کی نشاندہی کرتی ہے اگر کوٹھی کے سامنے سے کوئی ایسی گاڑی گزرے جس میں بارود ہو تو یہ الارم بجاتی ہے۔''

عبداللہ اپنا کام کر رہا تھا وہ کوٹھی کو زیادہ سے زیادہ محفوظ بنا رہا تھا۔ ہیلکس پورچ میں رکی جو اوپر سے فائبر کی چھت کی وجہ سے کورڈ تھا اور ظاہر ہے آس پاس کی بلند عمارتوں سے بھی اس کے نیچے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ یہ انتظام یقیناً اسی لیے کیا گیا تھا۔ میں گاڑی سے نکلا کو عبداللہ موجود تھا وہ مجھے اندر لے گیا۔ ''آپ کو اتنے عرصے بعد یہاں دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔''

''اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ تم نے کوٹھی کے حفاظتی انتظامات مزید بہتر کر لیے ہیں۔''

''جی میں ان دنوں اسی کام میں لگا رہا ہوں۔ یہ ہمارا مرکز ہے اور ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے ہیں اس لیے اسے زیادہ سے زیادہ محفوظ بنا رہے ہیں بلکہ کچھ دن بعد ہم گلی کے دونوں سروں پر بیریئر لگا کر اسے بند کر دیں گے میری محلے والوں سے بات ہوئی ہے ہم سیکورٹی گارڈز رکھیں گے اور اس کے اخراجات سب شیئر کر لیں گے۔ اس کے بعد گلی میں کوئی غیر متعلق فرد نہیں گھس سکے گا اور نہ ہی گاڑیاں آسکیں گی۔''

''لیکن عقبی گلی تو موجود ہے۔''

''یہی کام وہاں بھی کیا جائے گا۔ گلی کو عام لوگوں کی آمد و رفت کے لیے بند کر دیا جائے گا۔''

عبداللہ کا آئیڈیا اچھا تھا لیکن مجھے اچھا نہیں لگا اس میں راستے بند ہو رہے تھے اور راستے بند کرنا کسی صورت درست نہیں ہوتا ہے۔ بہرحال یہ گلی بند ہونے سے راستے بالکل ہی بند نہیں ہوتے گزرنے والے اگلی یا پچھلی گلی سے گزر سکتے تھے لیکن اگلی پچھلی گلی والوں کو بھی یہ خیال آجاتا تو ظاہر ہے لوگوں کے لیے راستے بالکل بند ہو جاتے اور انہیں بہت لمبا متبادل راستہ اختیار کرنا پڑتا۔ میں نے خیال آرائی سے گریز کرتے ہوئے سفیر مونا اور سعدیہ کے بارے میں پوچھا۔ عبداللہ نے کہا۔ ''میرا خیال ہے وہ سو رہے ہیں کل دیر تک جاگتے رہے تھے۔''

میں نے سفیر کے کمرے کے دروازے پر دستک دی کئی بار دستک کے جواب میں وہ بھنایا ہوا دروازے تک آیا۔ ''کون ہے صبح صبح۔''

''باہر نکل جورو کے غلام۔''

''ابے تُو۔'' سفیر باہر نکل کر مجھ سے لپٹ گیا۔ ''تُو کیسے نازل ہو گیا۔''

''میں نے صبح کال کی تو تُو جاگ رہا تھا۔''



''اسی وقت تو سویا تھا۔ کل رات دیر تک گپ شپ کرتے رہے۔ مونا ڈھیلے ڈھالے لباس میں بُوڑا باندھتی ہوئی نمودار ہوئی۔ پہلے جھجکی جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہو کہ میرے ساتھ اپنا دکھ کس طرح شیئر کرے۔ اسے شرم بھی آرہی تھی پھر وہ میرے شانے سے چمٹ کر رونے لگی۔ میں نے اس کا سر تھپتھپایا۔

''بس اب رونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ سب اللہ کے کام ہیں۔ اپنی حکمت وہی جانتا ہے۔ سوچو اگر تم میں سے کسی کو کچھ ہو جاتا تو.....؟''

مونا نے خود پر قابو پالیا کچھ دیر بعد ہم اس کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ عبداللہ نے کچن کے لیے کُل وقتی باورچی رکھ لیا تھا۔ وہ تینوں وقت کا کھانا بناتا تھا اور یہاں موجود تمام افراد کے لیے بناتا تھا اس طرح انہیں باہر سے کچھ منگوانا نہیں پڑتا تھا۔ سفیر نے کک کو ناشتے کا کہا اور میرے لیے کافی منگوائی۔ مونا کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اس کی حالت خاصی حد تک بہتر ہو گئی تھی۔ سفیر نے سادگی میں بتایا کہ آج لیڈی ڈاکٹر چیک اَپ کے لیے آئے گی تو مونا جھینپ گئی اور پھر گھور کر سفیر کو دیکھا۔ سادی کا کمرہ برابر والا تھا اور شاید اس نے ہماری آوازیں سن لی تھیں وہ اٹھ کر آگئی۔ مجھے دیکھ کر وہ خوش ہو گئی اس نے جوش و خروش سے کہا۔ ''اُف کتنے دن بعد دیکھ رہی ہوں آپ کو..... میں تو آپ کی صورت ہی بھول گئی تھی۔''

''ہاں طوطا چشم لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' سفیر نے تائید کی۔ ''اِدھر بندہ دو تین دن کے لیے غائب ہوا یہ اس کی شکل ہی بھول جاتے ہیں۔''

''آپ مت بولیں۔'' سادی نے خفگی سے کہا۔ ''تین دن سے آپ نے میرا دماغ خراب کر رکھا ہے۔''

''ٹھیک کہا تم نے اصل میں یہ فارغ ہے نا اس لیے دوسروں کا دماغ خراب کرتا ہے۔'' میں نے سادی کی تائید کی۔

''یہ الزام ہے۔'' سفیر نے احتجاج کیا۔ ''جو چیز سرے سے موجود ہی نہ ہو اسے میں کیسے خراب کر سکتا ہوں۔''

''دیکھا آپ نے شوبی۔'' سادی نے فریاد کی۔

''یار تجھے کیا ہو گیا ہے وہاں اُن بچوں کا ناطقہ بند کر کے رکھتا تھا اور یہاں ان معصوم بچیوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔''

''اتنی معصوم نہیں ہیں یہ بچیاں۔''

''کیوں کیا ہم مکار ہیں۔'' مونا نے آنکھیں نکالیں۔

''اب دیکھ لو اپنی زبان سے خود اقرار کر رہی ہیں۔'' سفیر بولا۔

یہ جھگڑا کافی کی آمد پر ختم ہوا باورچی دیکھنے میں تازہ تازہ کسی پنڈ دادن خان سے نو وارد لگتا تھا لیکن اس کے جانے کے بعد مونا نے تصدیق کی کہ اپنے کام کا ماہر تھا۔ قدیم مغلئی و منگول کھانوں سے لے کر جدید ترین چینی اور اٹالین کھانے تک مہارت سے بناتا تھا۔ پھر مقدار میں بناتا تب بھی ذائقے میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ کافی بھی بہت اچھی بنائی تھی۔ جھگڑا ختم ہوا تو میں نے انہیں اپنی تین چار دن کی رُوداد سنائی افنان احمد کے بارے میں جان کر سادی نے کہا۔ ''شوبی سمجھ میں نہیں آتا یہ سارے خاص قسم کے لوگ ہمارے مقدر میں لکھ دیئے گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں کبھی غلطی سے بھی کوئی عام آدمی نہیں ملتا ہے۔''

''یہ تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ اب ضروری تھا کہ درجنوں اشتہارات میں سے میں جس کوٹھی کا انتخاب کرتا وہاں پہلے سے ڈرامہ تیار ہوتا۔ اس کا اصل مالک قتل کیا جا چکا تھا اور اس کی لاش اس کے اپنے ڈیپ فریزر میں پڑی تھی۔ بہرحال وہ فراڈیا ہمارے قبضے میں ہے اسے ہمارے دس لاکھ کے ساتھ پہلے کا کھایا پیا بھی اگلنا پڑے گا۔''

''ویسے یہ دھندہ اچھا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''جس غلط آدمی کو پکڑو اس سے اس کی ساری جمع پونجی ہتھیا لو سزا کی سزا اور ہمارا خرچ بھی نکلتا رہے گا۔''

''جیسے مرشد کے ساتھ کیا ہے۔'' سادی نے کہا۔

''نہیں ہم نے جان بوجھ کر یہ حرکت کبھی نہیں کی ہم چور نہیں ہیں اور نہ ڈاکو ہیں جو دوسروں کے مال پر نظر رکھیں یہ تو اتفاق تھا کہ کالی کوٹھی میں رقم سے بھرا سوٹ کیس مل گیا اگر وسیم اسے نہ لاتا تو وہیں جل کر خاک ہو جاتا اور کسی کے کام نہ آتا۔'' میں نے وضاحت کی۔

''میں کون سا سچ مچ مشورہ دے رہا تھا۔'' سفیر نے کھسیا کر کہا۔

ناشتہ آیا تو وہ سب ناشتہ کرنے لگے مونا اور سادی کے اصرار پر مجھے ان کا ساتھ دینا پڑا تھا۔ ناشتہ جاری تھا کہ سادی کو وسیم کی کال آئی۔ اس نے بتایا کہ میں یہاں آیا ہوں۔ دوسری طرف کی سن کر اس نے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ ''وسیم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''شہباز صاحب..... یہ غیاث الدین تو نہایت بودا نکلا میری مراد جعلی افغان احمد سے ہے۔ رات ہی میں اس نے منور کے بارے میں بتا دیا ہم اسے پکڑ لائے ہیں اور دس لاکھ روپے معہ سود کے وصول کر لیے ہیں۔''

''اس میں سود کتنا ہے؟''

''یہی کوئی چالیس لاکھ۔'' اس نے کہا۔ ''اب ان کا کیا کرنا ہے.....؟ کیا چھوڑ دیں؟''

''اتنی جلدی نہیں ہے کچھ دن اور ان کی میزبانی کرو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ایک کام تو کرنا ہے یہ اپنے چہرے سے دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں ان کے چہرے ان کے اعمال کے مطابق کر دو تاکہ آئندہ کسی کو یہ دھوکا نہ دے سکیں۔''

''ہاں کم سے کم اتنی سزا تو ملنی چاہیے۔ عبداللہ کے آدمی کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔''

''اللہ کرے وہ بچ جائے بیوی بچے والا ہے۔''

''میری کچھ دیر پہلے اس کے بھائی سے بات ہوئی ہے اس کی حالت میں بہتری آئی ہے اور اب ڈاکٹر زیادہ پُر امید ہیں اسے میں نے ہی عبداللہ کے پاس بھیجا تھا۔''

''میں یہاں سے نمٹ کر تمہارے پاس آ رہا ہوں ۔ بعد آگے کا لائحہ عمل طے کریں گے۔''

میں نے موبائل واپس سادی کو دیا تو سفیر بولا۔ ''میں بھی ساتھ چلوں گا۔''

''نہیں تم فی الحال یہیں رکو گے مونا کو تمہاری ضرورت ہے اور وہاں تمہاری خاص ضرورت نہیں ہے۔''

''شوبی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' سادی بولی۔ ''ابھی آپ یہیں رکیں۔''



''کیا ہو گیا ہے بی بی کچھ دیر پہلے تو تم مجھ سے بیزار تھیں۔''

''وہ تو اب بھی ہوں لیکن مونا کی خاطر برداشت کر لوں گی۔''

مونا مسکرا رہی تھی اسے معلوم تھا یہ سب چھیڑ چھاڑ ہے اس میں تلخی اور نفرت کے بجائے محبت اور خلوص کا رنگ ہے۔ سفیر کی ایسی باتوں کا کوئی برا نہیں مناتا تھا حالانکہ وہ مانی اور بیتو کو اس سے زیادہ چھیڑتا تھا۔ وہ بھی وقتی واویلا کرتے تھے اور پھر نارمل ہو جاتے۔ طے ہوا کہ میں دوپہر کے بعد جاؤں گا اور سفیر میرے ساتھ نہیں جائے گا۔ جیسے ہی ہم نشست گاہ میں آئے تو سفیر نے دوبارہ کوشش کی۔ ''یار میں یہاں خواتین میں رہ کر کیا کروں گا۔''

''وہی جو خواتین کرتی ہیں لگائی بجھائی اور دوسروں میں کیڑے نکالنا باقی کاموں کے لیے عبداللہ کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تُو نہیں جا سکتا ابھی مونا کے پاس تیرا ہونا ضروری ہے۔''

''وہ ٹھیک ہو گئی ہے۔''

''صرف جسمانی حد تک..... ابھی روح کا زخم نہیں بھرا ہے۔ اسے تیری دل جوئی کی ضرورت ہے۔''

سفیر خاموش ہو گیا۔ مجھے لگا جیسے وہ یہاں سے فرار چاہتا ہو۔ اس بچے کے لیے وہ بھی مونا کی طرح بے تاب تھا۔ میں سفیر کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ مگر فرار اس مسئلے کا حل نہیں تھا وہ مرد تھا اور اسے زیادہ ہمت کا ثبوت دینا تھا۔ مونا عورت تھی اسے سنبھالنے کی ضرورت تھی۔ عبداللہ آیا تو مجھے راجا عمر دراز کا خیال آیا بہت عرصے سے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی میں نے عبداللہ سے اس کی خیریت پوچھی۔ اس نے کہا۔ ''پچھلے دنوں ان کی طبیعت کچھ خراب رہی تھی لیکن اب بہتر ہے۔ ہر دوسرے تیسرے دن ان کی کال آتی ہے وہ آپ کی خیر خیریت پوچھتے ہیں۔''

''اچھا تم نے بتایا نہیں..... انہیں میری طرف سے پوچھ لیا کرو۔''

عبداللہ مسکرایا۔ ''میں پوچھ لیتا ہوں۔''

میں نے سچ مچ خود کو عبداللہ کا شکر گزار محسوس کیا۔ اس کا اور میرا ساتھ زیادہ پرانا نہیں تھا۔ وہ راجا عمر دراز کا ملازم تھا مگر اس نے بہت جلد میرے ساتھیوں میں جگہ بنا لی تھی۔ اس نے میرے لیے وہ سب کچھ کیا تھا جو سفیر اور وسیم کر سکتے تھے یا بیتو کر سکتا تھا۔ ایاز بھی اس صف میں شامل تھا۔ یہ میرے وہ دست و بازو تھے جن پر میں اپنے جسم کی طرح بھروسہ کر سکتا تھا۔ عبداللہ اور سفیر سے بات کرتے ہوئے اچانک مجھے خیال آیا۔

''میں تو بھول ہی گیا تھا کہ ہماری ساری پونجی سفاری میں ہے اور وہ ہوٹل کی پارکنگ میں کھڑی ہے۔''

''کوئی بات نہیں اسے وہاں کون چھیڑے گا یہ بتا کہ سوٹ کیس نمایاں تو نہیں ہے؟'' سفیر نے کہا۔

''نہیں وہ پچھلے حصے میں رکھا ہوا ہے اور شیشے اندھے ہیں باہر سے جھانک کر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔''

عبداللہ نے دوپہر کے کھانے میں خاصا اہتمام کرایا تھا اور وہ ڈشیں بنوائی تھیں جو مجھے پسند تھیں۔ خاصے عرصے بعد گھریلو ماحول میں گھر کا بنا کھانا کھا رہا تھا۔ کھانے کے بعد مونا اور سادی نے اصرار کیا کہ میں کچھ دیر اور رک جاؤں لیکن میں اب جلد از جلد وسیم کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ کھانے کے دوران ہی ایاز کی کال آئی تھی وہ سب میری حویلی پہنچ گئے تھے۔ سفیر اور عبداللہ متفق تھے کہ پہلے ہمیں فاضلی اور نادر سے مرشد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنی چاہیے اور اس کے بعد کوئی لائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔ سب سے مل کر میں دو بجے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی ہیلکس میں پچھلے حصے میں رُوپوش ہو کر عبداللہ کی کوٹھی سے نکلا پہلے کی طرح گاڑی میں ایک ڈرائیور اور میرے ساتھ ایک مسلح گارڈ تھا۔ ہمارا رخ راولپنڈی کی طرف تھا۔

ڈرائیور حسبِ سابق تعاقب کے سلسلے میں پوری طرح محتاط تھا اس نے پہلے گاڑی کو سنسان سڑکوں پر گھمایا۔ اس کے بعد منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبداللہ کی پولیس والی بات نے مجھے فکر مند کر دیا تھا۔ بہت عرصے سے میں نے ندیم بھٹی سے بات نہیں کی تھی میرے کیس وہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے گھر کا نمبر مجھے یاد تھا وہاں کال کر کے میں نے اس کی بیوی سے موبائل نمبر لیا۔ ندیم کی بیوی شازیہ نے مجھے پہچان لیا تھا اور دماغ کھانے پر آمادہ تھی لیکن میں نے عجلت کا بہانہ کر کے اس سے جان چھڑائی اور ندیم کا نمبر ڈائل کیا۔ وہ عدالت سے فارغ ہو کر اپنے دفتر آ گیا تھا میری آواز سن کر بولا۔ ''ابے تُو میری جان کے دشمن..... تُو ابھی تک زندہ ہے..... اس منحوس مرشد نے تیرا کام تمام نہیں کیا؟''

''فی الحال میرے تمام دشمنوں کا منہ کالا ہے۔ یہ بتا میرے مقدمات کا کیا بنا..... کیا وکیلوں کی روایت کے مطابق یہ میری وفات کے بعد جا کر ختم ہوں گے؟''

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔ مگر تیری اور تیرے دشمنوں کی طرف سے خاموشی ہے۔''

''یہ خاموشی اوپری ہے اندرون خانہ بہت کچھ ہو رہا ہے۔ تُو نے بتایا نہیں کیا ہوا ہے اب تک۔''

''راجا صاحب کے تعاون سے فقیر کے مرڈر والا کیس تو نمٹ گیا ہے بس تیرا انتظار ہے کہ تُو آئے تو جج بری کرنے کا آرڈر جاری کرے۔''

''یہ کام میرے آئے بغیر نہیں ہو سکتا ہے؟''

''مشکل ہے لیکن اس کے بعد پولیس تجھے دوسرے مقدمات میں گرفتار کر لے گی۔ بہر حال اصل کیس یہی تھا جس سے تُو نکل گیا ہے باقی کے معاملات طے کیے جا سکتے ہیں۔''

''پولیس اور انتظامیہ کا رویہ کیسا ہے؟''

''ویسا ہی ہے جیسا کہ تیرے جیسے شخص کے ساتھ ہونا چاہیے۔ سنا ہے ڈی آئی جی کی طرف سے تیری گرفتاری کے لیے خصوصی ٹیم تشکیل دی گئی ہے اس لیے بہت ضروری ہو گیا ہے تُو اپنی منحوس صورت لے کر کہیں غائب ہو جا۔''

''یہ مشکل ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''تب گرفتار ہو جا..... بھگتنے کے لیے ہم بیٹھے ہیں۔'' ندیم نے خفگی سے کہا اور کال بند کر دی۔ اس وقت ہم اسلام آباد سے گزر رہے تھے۔ جیسے ہی گاڑی اسلام آباد سے راولپنڈی کی حد میں داخل ہوئی۔ اچانک گاڑی کے آگے پیچھے دو گاڑیاں نمودار ہوئیں اور یہ پولیس کی گاڑیاں تھیں۔ ڈرائیور نے پیچھے منہ کر کے اطلاع دی۔

''پولیس کی دو گاڑیاں ہیں جی آگے پیچھے..... انداز مشکوک لگ رہا ہے۔''

میں اور گارڈ مستعد ہو گئے۔ میں نے پوچھا۔ ''اسلام آباد پولیس کی گاڑیاں ہیں؟''

''نہیں جناب پنڈی پولیس ہے۔''

مجھے تشویش ہونے لگی۔ پنڈی پولیس نے ہی میرے خلاف تمام مقدمات درج کیے تھے۔ یہ بھی ممکن تھا



کہ پولیس کے بھیس میں مرشد کے گرگے ہوں۔ ہم دھوکا کھا گئے تھے وہ عبداللہ کی کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے اور انہوں نے کسی طریقے سے وہاں میری موجودگی کا پتا چلا لیا تھا وہ یہ بھی جان گئے تھے کہ مجھے کہاں جانا تھا اس لیے وہ متوقع راستے میں پہلے سے موجود تھے ہیلکس دیکھتے ہی وہ حرکت میں آ گئے تھے۔ میں تیزی سے سوچ رہا تھا اور میں نے ان دونوں سے کہا۔ ''اگر یہ پولیس ہوئی تو تم کوئی حرکت نہیں کرو گے یہ بتاؤ تمہارا اسلحہ لائسنس یافتہ ہے؟''

''جی میری رائفل کا لائسنس ہے۔'' گارڈ نے کہا جب کہ ڈرائیور غیر مسلح تھا۔ میں نے کوشش کر کے دیکھا عقبی گاڑی کچھ فاصلے پر تھی جب کہ آگے والی گاڑی کوئی تیس گز آگے تھے۔ سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ اچانک آگے جانے والی گاڑی ایک تنگ سے جگہ گھوم کر رک گئی اور اس نے آگے نکلنے کا راستہ بلاک کر دیا تھا۔ ڈرائیور ہیلکس روکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس دوران میں اگلی گاڑی سے پولیس والے کود کر پوزیشن لے رہے تھے۔ میں نے ان کے پاس ایس ایم جی کی جھلک دیکھی۔ پیچھے والی پولیس موبائل اس طرح رکی تھی کہ پیچھے کا راستہ بھی بند ہو گیا تھا۔ آج ہی عبداللہ نے مجھے خبردار کیا تھا کہ پولیس میرے خلاف سرگرم ہو گئی ہے لیکن یہ میں نے نہیں سوچا تھا کہ پولیس اتنی سرگرم ہو جائے گی اور اتنی مستعدی سے مجھے چھاپ لے گی۔ چند منٹ پہلے ندیم نے غائب ہونے کا مشورہ دیا تھا اور ابھی میں نے اس پر عمل کا سوچا بھی نہیں تھا کہ پولیس نازل ہو گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ پولیس میرے لیے آئی تھی۔ اگلی موبائل سے کوئی چار پولیس والے اترے تھے اور وہ سب ایس ایم جی سے مسلح تھے۔ پیچھے والی موبائل سے بھی اتنے ہی پولیس والے اترے تھے۔

''تم کوئی حرکت نہیں کرو گے۔'' میں نے گارڈ کی طرف دیکھا پھر ڈرائیور سے کہا۔ ''تم ہاتھ اوپر کر کے نیچے اترو اور پولیس والوں سے پوچھو کہ گاڑی کو کیوں روکا گیا ہے؟''

لیکن اس سے پہلے کہ ڈرائیور اترتا میں نے ایک جانی پہچانی آواز سنی جو کہہ رہی تھی۔ ''شہباز ملک میں جانتا ہوں تم اس گاڑی میں ہو۔ شرافت سے ہاتھ اوپر کر کے نیچے اتر آؤ۔ تمہیں دس سیکنڈ کا وقت دیا جاتا ہے اس کے بعد پولیس فائر کھول دے گی۔''

آواز اکرم چشتی کی تھی اور میں اسے کیسے فراموش کر سکتا تھا۔ اس سفاک شخص سے کئی بار میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔ جب اس نے دھمکی دی تو مجھے ذرا بھی شک نہیں رہا تھا کہ پولیس واقعی دس سیکنڈ بعد فائر کھول دے گی۔ مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اکرم چشتی گنتی گن رہا تھا۔ میں نے سوچا اور فوری فیصلہ کیا۔ میں نے اپنا موبائل اور پستول نکال کر گارڈ کے حوالے کیا۔ ''تم دونوں اندر ہی رہو اور جب تک پولیس والے نہ کہیں نیچے اترنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شاید یہ صرف مجھے ہی لینے آئے ہیں۔''

اکرم کے دس کہنے سے پہلے میں نیچے اتر آیا تھا اور میرے دونوں ہاتھ سر پر تھے۔ فوراً ہی آگے پیچھے سے چار پولیس والوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان میں سے ایک نے میرے ہاتھ پشت کی طرف کیے اور ان میں ہتھکڑی ڈال دی۔ مجھے باقاعدہ گرفتار کیا جا چکا تھا۔ اکرم چشتی اتنا بہادر تھا کہ جب تک اس کے آدمیوں نے مجھے مکمل بے بس نہیں کر دیا وہ گاڑی سے اتر کر آگے نہیں آیا تھا وہ پچھلی گاڑی میں تھا۔ میں نے اس کی منحوس صورت خاصے عرصے بعد دیکھی تھی آخری بار میں نے اسے جناح مارکیٹ میں دیکھا تھا جب میں زرین کو شاپنگ کرانے وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے گیا تھا اور اچانک ہی اکرم چشتی بھی وہاں آ گیا تھا۔ اگر زرین ڈرامہ نہ کرتی تو وہ مجھے دیکھ لیتا اور پھر مجھے مار دھاڑ کر کے نکلنا پڑتا۔ مگر اب تو مار دھاڑ کا موقع بھی نہیں تھا۔ اکرم چشتی مزید پھول گیا تھا اس کا چہرہ سؤر سے مشابہہ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پرانا کینہ چمک رہا تھا۔ اس نے سامنے آتے ہی اچانک مجھے تھپڑ مارا۔ اس کا ہاتھ بھاری تھا میرا سر ہلکا سا گھوما لیکن میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں تھا۔

''شہباز ملک... یہ ایڈوانس ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''افسوس کہ تم صحیح سے ایڈوانس دینے کے قابل بھی نہیں رہے ہو۔ حرائخوری نے تمہیں کسی قابل نہیں چھوڑا ہے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اکرم چشتی کا سیاہی مائل چہرہ مزید سیاہ پڑ گیا تھا۔ مگر اس نے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ مجھے موبائل میں بٹھائیں۔ اس نے گاڑی اور اس میں موجود افراد سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ اس نے ایسے ہیلکس اور اس میں بیٹھے عبداللہ کے آدمیوں کو نظر انداز کر دیا تھا جیسے وہ وہاں تھے ہی نہیں۔ جیسے ہی میں اگلی موبائل بٹھایا گیا اور سپاہی اس میں چڑھے وہ حرکت میں آ گئی۔ پیچھے والی موبائل سیدھی ہوئی اور اس موبائل کے پیچھے آنے لگی اس سے زیادہ میں نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ ایک سپاہی نے میلا سا کپڑے کا غلاف میرے منہ پر چڑھا دیا تھا۔ اب میں کچھ دیکھنے سے قاصر تھا۔ بلکہ اس غلاف سے ایسی بو اٹھ رہی تھی کہ میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ میرے ساتھ کسی مستند دہشت گرد کا سا سلوک کیا جا رہا تھا۔ کیونکہ میں مرشد جیسے شخص کا دشمن تھا۔

جب اکرم چشتی نے مجھے تھپڑ مارا تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا تھا۔ اس سے اسی رویے کی توقع تھی۔ تعجب مجھے اس وقت ہوا جب موبائل میں پولیس نے حسب روایت مجھ پر تشدد شروع نہیں کیا جب عام طور سے کسی مستند مجرم کو گرفتار کیا جاتا ہے تو جائے وقوع سے اس کی چھترکاری کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بجائے پولیس والے سکون سے بیٹھے تھے حد یہ کہ انہوں نے گالی گلوچ سے بھی کام نہیں لیا۔ وہ آپس میں بھی بات نہیں کر رہے تھے۔ یہ جدید قسم کی طاقتور انجن والی پولیس موبائل تھی جو حال ہی میں پولیس کو دی گئی تھی۔ جب پولیس موبائلز نے ہیلکس کو روکا تو مجھے شبہ نہیں ہوا کہ یہ پولیس کے بجائے کوئی اور ہیں۔ مگر جب وہ مجھے اس طرح خاموشی سے گرفتار کر کے لے جانے لگے انہوں نے نہ تو عبداللہ کی گاڑی اور نہ اس کے آدمیوں سے تعرض کیا حتیٰ کہ ان سے پوچھ گچھ بھی نہیں کی کہ وہ پولیس کے مطلوب شخص کو اپنی گاڑی میں لیے کیوں پھر رہے ہیں اصولاً تو میرے ساتھ انہیں بھی گرفتار کر لینا چاہیے تھا اور گاڑی بھی پولیس کی تحویل میں چلی جاتی۔ پھر انہوں نے میرے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک رکھا تھا۔ اس سے مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ وہ پولیس والے نہیں تھے یا اگر سچ مچ پولیس تھی تب بھی وہ کسی کی ہدایت پر کام کر رہی تھی۔ شاید مجھے تھانے کے بجائے کہیں اور لے جایا جا رہا تھا۔

اگر مجھے کہیں اور لے جایا جا رہا تھا تو وہ یقیناً مرشد کا کوئی ٹھکانہ ہو سکتا تھا۔ مرشد کے آدمی عبداللہ کی کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے اور انہوں نے کسی طرح مجھے دیکھ لیا تھا۔ فوری طور پر مجھے اٹھانے کا پلان بنایا گیا۔ مرشد نے چالاکی سے کام لیا اپنے آدمیوں کو بھیجنے کے بجائے اس نے اکرم چشتی سے کام لیا جو اس کا زرخرید تھا اور میرا دشمن بھی تھا اس نے خوشی سے یہ ٹاسک لیا اور اسے پورا بھی کر دیا اگر پولیس کی جگہ مرشد کے گرگے ہمیں روکتے تو اتنی آسانی سے مجھے نہیں لے جا سکتے تھے۔ ہم مقابلہ اور مزاحمت کرتے اور ممکن ہے حملہ آوروں کو ان کے مقصد



میں ناکام بنا دیتے۔ مگر پولیس کے خلاف مزاحمت مشکل تھی ان سے تو مقابلہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پولیس کے پاس گولی چلانے کا پورا اختیار ہوتا ہے لیکن یہ میرا اندازہ تھا جو غلط بھی ہو سکتا تھا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ پولیس نے سچ مچ مجھے گرفتار کر لیا تھا اور آغاز میں تعرض نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اب میں پولیس کے پاس تھا وہ آرام سے مجھ سے پوچھ گچھ کر سکتی تھی اور اکرم چشتی پرانے حساب برابر کر سکتا تھا۔ جلد مجھے معلوم ہو جاتا کہ میرا کون سا مفروضہ درست تھا مگر ایک بات یقینی تھی میں مشکل میں پڑ گیا تھا۔

اگر میرا پہلا خدشہ درست تھا تو میں زیادہ مشکل میں پڑنے والا تھا کیونکہ پولیس کا اختیار محدود تھا لیکن مرشد کا اختیار لامحدود تھا وہ میرے ساتھ کچھ بھی کرنے کے لیے آزاد تھا۔ وہ مجھے مار سکتا تھا اور مار کر غائب بھی کر سکتا تھا جب کہ پولیس مجھے عدالت کے سامنے پیش کرنے کی پابند تھی۔ اگرچہ اکرم چشتی کی موجودگی میں یہ خیال بھی آ رہا تھا کہ میں تھا تو پولیس کی تحویل میں لیکن وہ مجھے غیر قانونی تفتیش کے لیے لے جا رہی تھی۔ اکثر پولیس والے جس مزم کے لیے خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ اسے چھڑانے والے فوراً آ جائیں گے اسے متعلقہ تھانے کے بجائے کہیں اور رکھتے ہیں اور وہیں اس سے ''تفتیش'' کرتے ہیں حتیٰ کہ مطلوبہ مقصد حاصل نہیں کر لیتے۔ اس تفتیش کے لیے انہیں کہیں جواب دہ نہیں ہونا پڑتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تفتیش میں بندہ جان سے گزر جاتا تو اسے خاموشی سے کہیں پھینک دیا جاتا ہے۔ یوں پولیس بری الذمہ ہو جاتی ہے۔ اگر اکرم چشتی مجھے ایسی کسی جگہ لے جا رہا تھا تو میری خیر نہیں تھی۔

○.....❖.....○

اب مجھے افسوس ہونے لگا تھا کہ میں نے اتنے بڑے خطرے کو مسلسل کیوں نظر انداز کیا۔ پولیس کو میری تلاش تھی اگرچہ یہ تلاش ٹھنڈی پڑی ہوئی تھی لیکن ختم نہیں ہوئی تھی۔ بس اتفاق کی بات تھی کہ آج تک گرفتاری کی نوبت یوں نہیں آئی تھی کہ پولیس نے مجھے باقاعدہ گرفتار کر لیا ہو مگر اس کا خدشہ تو ہمیشہ موجود تھا۔ آج ہی عبداللہ اور پھر ندیم بھٹی نے اس خطرے سے خبردار کیا۔ میں اپنے دوسرے دشمنوں سے تو محتاط رہا لیکن پولیس کو نظر انداز کر دیا اور بالآخر اپنی لاپروائی کا خمیازہ بھگتنے جا رہا تھا۔ میں نے برابر میں موجود پولیس والے سے کہا۔ ''یہ تو بتا دو کہ کہاں لے جا رہے ہو؟''

''جلدی کیا ہے میاں جی۔'' پولیس والے نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''جلد پتا چل جائے گا۔''

''اسے چھترول کی جلدی ہے۔'' کوئی دوسرا ہنس کر بولا۔

میرا شبہ یقین میں بدلنے لگا وہ پولیس والے نہیں تھے یا میرے معاملے میں ان کا کردار روایتی پولیس کا نہیں تھا کیونکہ ان کے لہجے میں میرے لیے بغض نہیں تھا۔ سمجھ میں آنے والی بات ہے آدمی جس کے خلاف کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو پہلے اس کے خلاف اپنے دل و زبان میں نفرت اور کینہ پیدا کرتا ہے۔ ان لوگوں کے انداز میں میرے لیے استہزاء تھا لیکن نفرت اور کینہ نہیں تھا۔ موبائل تیزی سے جا رہی تھی اور دس بارہ منٹ بعد باہر ٹریفک کا شور کم ہو گیا یعنی ہم کسی کم ٹریفک والی سڑک سے گزر رہے جب کہ پنڈی میں ایسے علاقے بہت کم ہیں جہاں سڑک پر ٹریفک کم ہو۔ کیا یہ مجھے شہر سے باہر کہیں لے جا رہے تھے۔ شروع میں میں نے اپنے ذہن میں سمتوں کا اندازہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن جلد موبائل نے اتنے موڑ کاٹے کہ سارے اندازے آپس میں گڈمڈ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوکر رہ گئے تھے۔ شاید ایسا جان بوجھ کر کیا گیا تھا کہ میں اندازہ نہ کر سکوں کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا تھا سر پر غلاف بھی اسی مقصد سے پہنایا گیا تھا ورنہ یہ کام خفیہ ادارے کرتے ہیں ہماری بادشاہ پولیس اس قسم کے فالتو تکلفات میں نہیں پڑتی ہے۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد جب میں خدشات میں دبلا ہو گیا تھا موبائل ایک جھٹکے سے رکی اور پولیس والے نیچے اترے۔ یہاں بھی سناٹا تھا۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر نیچے اتارا اور بولا۔

''لے بھئی آ گئی تیری منزل بہت بے تاب تھا نا ادھر آنے کے لیے۔''

''بک بک نہ کر۔'' کسی نے اسے ڈانٹا۔ ''اسے اندر لے جا..... چشتی صاحب آ گئے نا تو تیری.....''

آگے کی بات ناقابلِ اشاعت تھی لیکن مجھے اس سے یہ پتا چل گیا کہ چشتی صاحب بھی یہیں آ رہے تھے۔ مجھے بازو سے پکڑ کر اندر لے جایا گیا اور پھر دھکیل کر کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ میرے ہاتھ بدستور پشت پر بندھے تھے اور چہرے پر غلاف تھا۔ اندر بھی سناٹا تھا جب کہ کسی تھانے میں ایسا سناٹا مشکل سے ملتا ہے کیونکہ معمول کی تفتیش کا عمل تو دن میں جاری رہتا ہے اس کے علاوہ لوگوں کی آمد و رفت اور گاڑیوں کا شور ہوتا ہے مگر یہاں ایسی آوازیں عنقا تھیں۔ ایسا سناٹا تھا جیسے عمارت کسی ویران جگہ ہو۔ ہم کسی احاطے میں داخل ہوئے تھے تو اس کا گیٹ یقیناً کھلا تھا اور عمارت زیادہ بڑی تھی تب بھی مجھے سامنے والے حصے میں لایا گیا تھا۔ میرے کانوں نے کچھ دیر بعد ایک اور گاڑی کے انجن کی آواز سنی۔ شاید یہ اکرم چشتی والی موبائل تھی۔ اس کے چند منٹ بعد دونوں گاڑیوں کے انجن اسٹارٹ ہوئے اور وہ اس جگہ سے روانہ ہو گئیں۔

کیا پولیس والے یہاں سے واپس جا رہے تھے؟ اگر میرا پہلا مفروضہ درست تھا تو ان کا کام ختم ہو گیا تھا وہ اصل پولیس والے تھے لیکن اکرم چشتی انہیں کام سے لایا تھا جب کام ہو گیا تو اس نے انہیں رخصت کر دیا تھا۔ اب میں اکرم چشتی یا مرشد کی تحویل میں تھا اور قانون کا اس معاملے سے تعلق نہیں تھا۔ چند منٹ بعد کسی کے بھاری قدموں کی آواز آئی اور میرے سر سے غلاف ایک جھٹکے سے اتار لیا گیا۔ سامنے اکرم چشتی اپنے منحوس چہرے پر خباثت سے بھرپور تاثرات سجائے موجود تھا۔ وہ اس بلی کی طرح مسکرا رہا تھا جس نے چوہے کو بے دست و پا کر دیا ہو اور اب اسے کھانے سے پہلے اس خیال سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔ اکرم چشتی کے بعد میں نے اس جگہ کو دیکھا اور فوراً محسوس کر لیا کہ یہ جگہ ویران تھی۔

میں جس جگہ موجود تھا یہ ترچھی لوہے کی چادر کی چھت والا کمرہ تھا اور خاصا بڑا تھا بالکل کسی بیرک کی طرح، فرش پر مٹی اور پرندوں کی بیٹ کا ڈھیر تھا۔ کمرے کے دونوں طرف بڑے سائز کی کھڑکیاں تھیں جن کے پٹ کب کے غائب ہو چکے تھے بلکہ یہاں سے ہر وہ چیز غائب تھی جو نکالی جا سکتی تھی بس دیواریں تھیں اور اوپر سوراخوں والی ٹین کی چھت تھی۔ کھڑکیوں سے باہر درخت اور جھاڑیاں تھیں اور ان کے پاس کیا تھا یہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اکرم چشتی کے عقب میں کمرے کا دروازہ تھا۔ میرا اندازہ درست تھا مجھے تھانے کے بجائے کہیں اور لایا گیا تھا۔ ''کیا حال ہیں اپنے ملک صاحب۔'' اس کی آواز میں بھی اتنی ہی خباثت تھی جتنی اس کی صورت پر تھی۔

''بہت عرصے بعد ملاقات ہو رہی ہے۔''

''میں نے بھی سؤر آخری بار نیشنل جیوگرافک میں دیکھا تھا مگر اس کے چہرے پر سؤر پن کم تھا۔''

میرے جواب پر اکرم چشتی کا چہرہ بگڑ کر سچ مچ کسی گندے سؤر جیسا ہو گیا وہ غرایا۔ ''بہت زبان چل رہی



ہے ابھی ساری بکواس..... کے راستے سے نکل جائے گی۔''

میں ہنسا۔ ''میرا خیال ہے تمہاری بکواس اسی راستے سے نکلتی ہے۔ ویسے وہ کہاں ہیں تمہارے والدوں میں شامل..... عزت مآب مرشد صاحب..... انہی کے کہنے پر تم نے مجھے پکڑا ہے نا؟''

''میں نے تمہیں کسی کے کہنے پر نہیں پکڑا ہے۔'' اکرم چشتی نے ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔ ''میں نے تم سے پرانے حساب چکانے ہیں۔''

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''ڈی ایس پی بن کر بھی تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آیا۔ پرانے حساب چکاتے ہیں دشمنی نبھانے والے..... تمہاری اتنی اوقات کہاں ہے تم مالک کے اشارے پر بھونکنے اور کاٹنے والے کتے ہو۔''

اس نے مشتعل ہو کر میرے منہ پر گھونسہ مارا۔ یہ خاصا زوردار ہاتھ تھا اس کے پیچھے اس کی ساری قوت کے ساتھ اشتعال بھی تھا میں نے بروقت اپنا منہ اس زاویے پر کر لیا کہ اس گھونسے کو جھیل سکوں ورنہ میرا جبڑا بھی ٹوٹ سکتا تھا۔ مجھے اپنے منہ میں خون کا ذائقہ محسوس ہوا شاید گال اندر سے پھٹ گیا تھا میں نے تھوکا تو اس میں خون بھی شامل تھا۔ تکلیف کو نظر انداز کر کے میں مسکرایا۔ ''میرا اندازہ غلط تھا تم اتنے ناکارہ بھی نہیں ہو کم سے کم بندھے آدمی پر اپنا زورِ بازو آزما سکتے ہو۔''

اچانک کسی نے عقب سے میری گردن میں رسی ڈال کر اسے پیچھے کھینچ لیا۔ میرا سانس رکنے لگا تھا۔ رسی ڈالنے والے نے اسے اتنا سخت نہیں کیا تھا کہ میرا دم بالکل گھٹ جاتا مگر گرفت اتنی سخت ضرور تھی کہ میں مشکل سے سانس لے پا رہا تھا۔ اکرم چشتی نے لگاتار کئی گھونسے میرے سینے اور پیٹ میں مارے اور دانت نکوس کر بولا۔

''شہباز ملک بہت جلد تمہیں اپنی بے قابو زبان پر افسوس ہوگا۔''

عقب میں موجود شخص نے مجھے زبان درازی کی سزا دی تھی۔ کچھ دیر وہ رسی کھینچتا رہا پھر اس نے اکرم چشتی کے اشارے پر رسی ڈھیلی کر دی اور میری رکنے والی سانس بحال ہو گئی۔ میں نے چند گہرے سانس کے بعد کہا۔ ''میں افسوس کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور اگر میں زبان بند رکھوں تو کیا تم وہ سب نہیں کرو گے جس کی حسرتیں تمہارے دل میں مچل رہی ہیں۔ نہیں اکرم چشتی اگر تمہارا بس چلے تو میرے ساتھ بدترین سلوک کرو گے لیکن مجھے لگ رہا ہے فی الحال مجھ پر تمہارا بس نہیں ہے۔''

اکرم چشتی کے چہرے پر آنے والے تاثرات نے میری بات کی تصدیق کر دی تھی اس نے ایک گندی گالی کے ساتھ کہا۔ ''ایک بار تُو پوری طرح میرے ہاتھ آ جائے پھر دیکھنا۔''

میں مسکرانے لگا غالب نے کیا خوب کہا ہے کہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ انسان کی بے شمار خواہشیں ہوتی ہیں مگر افسوس ان میں سے بہت کم پوری ہوتی ہیں۔ پھر میں سنجیدہ ہو گیا۔ ''تم لوگوں نے میرا سراغ کیسے لگایا؟''

اکرم چشتی اب سگریٹ سلگا رہا تھا اس نے اپنے اشتعال پر قابو پا لیا تھا۔ ایک گہرا کش لے کر اس نے کہا۔ ''بہت آسانی سے..... پولیس کے مخبر راجا عمر دراز کی کوٹھی کی نگرانی کر رہے ہیں جیسے ہی تم وہاں پہنچے ہمیں پتا چل گیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تب تم نے کوٹھی پر چھاپہ کیوں نہیں مارا؟"

وہ عیاری سے مسکرایا۔ "کیونکہ تمہاری گرفتاری ظاہر نہیں کرنی تھی۔ کوٹھی پر چھاپہ مارتے تو کئی لوگ گواہ بن جاتے اس لیے تمہیں راستے سے اٹھایا گیا اب کوئی گواہ نہیں ہے کہ پولیس نے تمہیں گرفتار کیا ہے۔"

"تم راجا صاحب کے ملازموں کو بھول رہے ہو تم نے ان کے سامنے مجھے گرفتار کیا ہے۔"

"وہ کچھ بھی کہتے رہیں ان کی بات کون سنے گا۔"

اس کی یہ بات مجھے ہضم نہیں ہوئی تھی کہ پولیس کے مخبر عبداللہ والی کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے اور انہوں نے مجھے کوٹھی میں دیکھ لیا تھا۔ عبداللہ نے اس قسم کے انتظامات کر رکھے تھے کہ میری آمد خفیہ رہے اور کوٹھی کے باہر سے اندر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے اکرم چشتی کی یہ بات جھوٹ تھی۔ ابھی ہماری پولیس کے مخبر اتنے تیز نہیں ہوئے تھے کہ وہ اندر کی بات جان جاتے اس کے پیچھے کوئی اور چکر تھا۔ مجھے خیال آیا کہ پولیس کے لیے کوٹھی کے کسی ملازم کو توڑ لینا مشکل نہیں تھا۔ اسے ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر اپنا آلہ کار بنایا جا سکتا تھا پولیس سے کون بیر لے سکتا ہے اس سے آسان تو دریا میں مگرمچھ سے بیر لینا ہے۔ یہ زیادہ آسان کام تھا مجھے دیکھتے ہی پولیس کے اس مخبر نے کال یا ایس ایم ایس سے اطلاع کر دی ہوگی۔ تیس چالیس افراد میں سے کسی ایک کا بک جانا بعید نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے پولیس کے مقابلے میں کسی عام فرد کی بات کون مانے گا لیکن جب راجا صاحب اس پولیس گردی کی رپورٹ کریں گے تب تو اعلیٰ حکام توجہ دیں گے۔"

"لیکن راجا صاحب یہ نہیں فرمائیں گے کہ ان کی گاڑی میں پولیس کو مطلوب مجرم موجود تھا اور نہ وہ اس کی کیا وضاحت کریں گے۔ وہ زیادہ سے زیادہ پولیس پر اپنے ملازموں کو ہراساں کرنے کا الزام لگا سکتے ہیں۔ مگر اسے کون تسلیم کرے گا جب کہ گاڑی اور ملازموں پر ایک نشان بھی نہیں پڑا ہے۔"

"ممکن ہے اس کے کچھ ثبوت جمع ہو گئے ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب کیسے ثبوت؟" اس نے مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"اکرم چشتی تم ڈی ایس پی بن کر بھی احمق ہی رہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آج کل کیمرے والے موبائل بچوں کے پاس بھی ہوتے ہیں۔ گاڑی کے ڈرائیور کے پاس بھی تھا اور اس نے میری گرفتاری کی تصاویر بنائی ہوں گی ان کے ہوتے ہوئے بھلا کون میری گرفتاری سے انکار کر سکے گا۔" اگرچہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میرے موبائل میں کیمرہ نہیں تھا اور مجھے گارڈ و ڈرائیور کا خیال نہیں آیا تھا۔ درحقیقت مجھے اس چیز کا ہی خیال نہیں آیا تھا۔ مگر یہ بات اکرم چشتی کیسے جان سکتا تھا۔ اب اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا اور اس کے چہرے پر بارہ بج گئے اس نے کمزور لہجے میں کہا۔

"بکواس کرتے ہو۔"

"چلو جی بکواس ہی سہی۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اچانک دروازے کی طرف سے آواز آئی اور میں نے وہاں مرشد علی کو کھڑے دیکھا۔ وہ کب خاموشی سے چلا آیا تھا ہمیں پتا ہی نہیں چلا اکرم چشتی اسے دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔

"جناب..... آپ۔"

مرشد نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم گدھے ہو تمہیں گاڑی اور اس میں موجود افراد کی تلاشی لینی چاہیے تھی۔"

"دیکھا میں بھی یہی کہہ رہا تھا لیکن جعلی ڈگری سے ڈی ایس پی بن جانے سے عقل ڈی ایس پی والی نہیں ہو جاتی۔"

اکرم چشتی نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور بولا۔ "یہ بکواس کر رہا ہے جناب ان لوگوں کے پاس کوئی کیمرے والا موبائل نہیں تھا ورنہ میرے آدمی دیکھ لیتے۔"

"تمہارے آدمی....." میں ہنسا تو اکرم چشتی کا غصے سے برا حال ہو گیا اگر مرشد نہ موجود ہوتا تو شاید وہ مجھ پر ٹوٹ پڑتا اور میرا حشر نشر کر دیتا۔ مرشد نے ناگواری سے میری طرف دیکھا۔

"شہباز اپنا جوکر پن ختم کرو اور سنجیدگی سے بات کرو۔"

"میں بالکل سنجیدہ ہوں لیکن یہ اکرم چشتی مجھے مسلسل ہنسا رہا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں اپنی ہنسی کا گلا گھونٹ لوں تو چلو یہ بھی کر لیتا ہوں۔"

مرشد اپنے مخصوص حلیے کے بجائے اس وقت سیاہ پتلون اور ماؤ کوٹ میں تھا۔ اس کے پیروں میں بہترین قسم کے چمکتے پمپی شوز تھے۔ یہ فرض تو مشکل تھا کہ وہ یہاں اکیلا آیا تھا اس کا محافظ ٹولہ یقیناً کہیں آس پاس موجود تھا ویسے اسے یہاں صرف مجھ سے خطرہ تھا اور میں بے بس ہو کر بندھا ہوا تھا مرشد نے خاص نظروں سے اکرم چشتی کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔ "جناب عالی یہ خطرناک آدمی ہے۔"

"میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں۔" مرشد نے سرد لہجے میں کہا۔ "اب تم اپنے پلے سمیت یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

اکرم چشتی دُم دبا کر اپنے آدمی سمیت باہر چلا گیا۔ وہ عزت بے عزتی سے بے نیاز تھا اس کے نزدیک مفاد اصل چیز تھی۔ جو وہ بہر صورت حاصل کر لیتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد مرشد نے کہا۔ "شہباز میں نے تمہیں یہاں صرف بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔"

"اکرم چشتی تو کہہ رہا تھا کہ مجھ سے پرانے حساب بے باق کرنے ہیں یہ تم میرے منہ پر نشان دیکھ رہے ہو یہ اس کی طرف سے ایڈوانس تھا۔ ایسے میں تمہاری بات پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے؟"

"تم نے اسے اشتعال دلایا ہوگا میں دیکھ رہا تھا تم مستقل اسے مشتعل کر رہے تھے۔ دشمنوں کے ساتھ تمہارا یہی رویہ ہے جو مسائل کو حل ہونے نہیں دیتا ہے۔ میں نے ہمیشہ کوشش کی کہ مسائل....."

"مرشد یہ سب باتیں تم اس کے سامنے کیا کرو جو تمہیں جانتا نہیں ہو۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "پچھلے دنوں بھی تم نے مسائل حل کرنے کی کوشش کی تھی میرے ساتھیوں کی زندگی تھی جو وہ بچ گئے ورنہ تم نے انہیں مار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"میں کہہ چکا ہوں وہ فاصلی کہ اپنی کوشش کی تھی میں نے اسے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔"

"خوب تم نے شکاری کتے کا پٹا ڈھیلا چھوڑ دیا اور اب کہتے ہو اسے شکار کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دیکھو میں یہ مانتا ہوں میں نے اسے تمہارے خلاف کھلا چھوڑ دیا تھا لیکن یہ سب کرنے کا حکم نہیں دیا تھا یہ سب اس کی اپنی پلاننگ تھی۔''

میں نے محسوس کیا کہ اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مرشد نہیں مانے گا اور مجبور میں تھا۔ اس لیے میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے بات کو آگے بڑھانے کے لیے میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔''

اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''شہباز میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں۔ میں اس بلاوجہ کی جنگ سے باہر نکلنا چاہتا ہوں میرے سامنے اور مقاصد ہیں اور میں اب اس چکر میں اپنی توانائی ضائع کرنا نہیں چاہتا۔''

''چلو تمہاری یہ بات بھی مان لی جائے کہ تم اس جنگ کو ختم کرنا چاہتے ہو لیکن تمہارا طریقہ کار بتا رہا ہے تم اصل میں دشمن کو ختم کرنا چاہتے ہو جب دشمن باقی نہیں رہے گا تو دشمنی خود بہ خود ختم ہو جائے گی۔''

خلاف توقع مرشد مشتعل ہونے کے بجائے مسکرایا۔ ''اگر ایسا ہوتا تو تم اس وقت زندہ نہ ہوتے جو پولیس والے تمہیں میرے حکم پر گرفتار کر کے یہاں لا سکتے ہیں وہ تمہیں موقع پر چھلنی کر سکتے تھے اور کوئی ان پر انگلی نہ اٹھاتا، تم پولیس کو مطلوب مجرم ہو اور مسلح حالت میں ایک گاڑی میں اپنے مسلح ساتھیوں کے ہمراہ گھوم رہے تھے پولیس کے روکنے پر تم نے فائرنگ کی اور پولیس کی جوابی فائرنگ سے تم مارے گئے۔ اسے کون غلط کہتا؟''

''میرے ساتھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''انہیں کوئی قائل نہیں کر سکتا اور وہ تمہیں نہیں چھوڑتے۔ مرشد مہربانی کر کے اصل موضوع پر آؤ، تمہاری مجبوری کی وجہ تمہاری شرافت یا اعلیٰ ظرفی نہیں ہے۔ بلکہ ہماری طرف سے طاقت کا وہ اظہار ہے جس نے تمہیں یقین دلایا ہے کہ مقابلہ اب برابری کا ہے۔ کالی کوٹھی کی تباہی نے تمہیں یہ بات سمجھا دی تھی لیکن افسوس تم نے ہٹ دھرمی نہیں چھوڑی۔''

مرشد کے سرخ چہرے پر غیض کی سیاہی ایک لمحے کے لیے غالب آئی تھی مگر فوراً ہی اس نے خود پر قابو پا لیا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں ان باتوں کو ماضی کا حصہ بنا دینا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے اگر تم چاہتے ہو تو میں مستقبل کی بات کرتا ہوں۔''

''پہلے تم اپنے مطالبات سامنے رکھو، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری اور میرے ساتھیوں کی جان چھوڑ دو۔ اپنے شکاری کتوں کو پیچھے ہٹا لو اور مجھے ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ۔ اپنے باقی مسائل سے میں خود نمٹ لوں گا۔''

''مجھے منظور ہے۔'' اس نے کہا۔ ''جواب میں میرا ایک..... بلکہ دو مطالبے ہیں۔ پہلا تم فاضلی کو چھوڑ دو۔''

''ٹھیک ہے چھوڑ دیں گے ویسے بھی وہ اب کسی کام کا نہیں رہا ہے۔''

مرشد کے چہرے پر تشویش نظر آئی تھی۔ ''کیا مطلب؟''

''جب وہ تمہارے پاس پہنچے گا تو اسے دیکھ لینا۔''

''دیکھو شہباز اسے کچھ ہوا تو.....''

''تو تم مجھے توپ دم کر دو گے۔'' میں نے ہنس کر طنز کیا۔ ''ابھی تو تم تنازعات کو ماضی کا حصہ بنانے کا



بھاشن دے رہے تھے۔''

مرشد نے گہری سانس لے کر خود پر قابو پایا ویسے فاضلی کے لیے اس کی تشویش دیکھ کر مجھے فاضلی کی بات درست لگی تھی کہ وہ اس کا فطری بیٹا تھا (انگریز حرامی اولاد کو فطری اولاد کہتے ہیں)۔ مرشد خود ڈیوڈ شا کا پیروکار تھا اس لیے فاضلی کو اس کی فطری اولاد کہا جا سکتا تھا۔ مگر فاضلی کا یہ اندازہ غلط تھا کہ مرشد کو اس بارے میں علم نہیں ہے۔ اسے فاضلی سے انسیت ہو سکتی تھی لیکن یہ اتنی بھی نہیں تھی کہ وہ اس کی فکر میں گھلا جاتا اور میری ہر بات مان لیتا۔ میں نے کہا۔ ''اپنا دوسرا مطالبہ بتاؤ۔''

''میں نادر کی واپسی بھی چاہتا ہوں۔''

''نادر میرے پاس نہیں ہے۔''

''شہباز جھوٹ مت بولو..... میں جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو نادر کہاں ہے۔ اس کے حوالے سے مجھ پر خاندان والوں کا بہت دباؤ آ رہا ہے میں نے اب تک اس بات کو گھر سے باہر نکلنے سے روکا ہے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے نادر کو کسی ایجنسی نے نہیں بلکہ تم نے اٹھایا ہے۔''

''نہ مانو۔'' میں لاپروائی سے کہا۔ ''جو حقیقت ہے وہ میں بتا دی ہے۔''

مرشد مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''شہباز حقیقت میں دوسرے طریقے سے بھی معلوم کر سکتا ہوں۔''

''تو معلوم کر لو تمہیں کس نے روکا ہے میں تو ویسے ہی بے بس اور تمہارے قبضے میں ہوں۔''

''میں تمہیں اپنے جلادوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا ورنہ وہ تمہاری ساری خوش فہمی دور کر دیں گے۔''

''مجھے کوئی خوش فہمی نہیں ہے مجھے وہ منظر آج بھی یاد ہے جب تمہارے جلادوں نے مجھے ڈرانے کے لیے ایک مظلوم لڑکے کو ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیا تھا جس نے اپنی ماں کے غائب ہونے پر احتجاج کیا تھا۔ صرف مجھے ذہنی اذیت دینے کے لیے وہ اس لڑکے کی لاش پر بھی ڈنڈے برساتے رہے تھے حتیٰ کہ اس کی ساری ہڈیاں توڑ کر اسے گوشت کے ایک لوتھڑے میں بدل دیا تھا۔''

مرشد اب کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ ''تمہارے ساتھ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔''

''میں نے کہا نا تم آزاد ہو اپنی مرضی کرنے کے لیے..... ظاہر ہے تم نے صرف مذاکرات کے لیے تو اتنی زحمت نہیں کی ہوگی۔''

''میں چاہتا ہوں معاملہ خراب ہوئے بغیر نمٹ جائے۔''

''اگر تمہارا مطالبہ نادر ہے تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں وہ میرے پاس نہیں ہے ہاں فاضلی کو حوالے کرنے پر بات ہو سکتی ہے وہ ویسے بھی ہمارے لیے بیکار ہو گیا ہے۔''

''اسے کیا ہوا ہے؟''

''پکڑنے کی کوشش میں اس کے سر پر چوٹ آئی اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا ہوش میں آنے کے بعد وہ بہکی بہکی باتیں کرتا رہا اور تمہیں اپنا والد ماجد قرار دیتا رہا۔'' میں نے روانی سے جھوٹ میں سچ ملایا اور مرشد کے چہرے پر اس کا اثر دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ ''ہم نے ایک ڈاکٹر کو بلا کر دکھایا۔ اس نے اسے چوٹ کا صدمہ قرار دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ کیفیت عارضی بھی ہو سکتی ہے اور مستقل بھی، ابھی اس بارے میں کچھ کہا نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے ویسے اس کی جان کو خطرہ نہیں ہے۔''

''اسے میرے حوالے کر دو میں اسے بہترین ڈاکٹروں کو دکھاؤں گا۔''

میں نے تعجب سے مرشد کی طرف دیکھا۔ ''اتنا تو تم اپنے بھائی کے لیے بھی پریشان نہیں ہو جتنا فاضلی کے لیے ہو رہے ہو کہیں اس نے سچ تو نہیں کہا تھا۔''

''کیا کہا تھا؟'' مرشد نے بے خیالی میں پوچھا۔

''یہ کہ تم ہی اس کے والد ماجد ہو۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' مرشد نے اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے کہا۔ ''تم خود بتا رہے ہو کہ وہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔''

''ہاں لیکن بعض اوقات انسان اس کیفیت میں سچ بھی تو بول دیتا ہے جیسے نشے میں انسان بہکتا ہے اور سچ بھی بول دیتا ہے۔ بہرحال حقیقت جو بھی ہو اگر تم فاضلی کو واپس چاہتے ہو تو تمہیں مجھے چھوڑنا ہوگا۔''

''ایسے نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پہلے فاضلی کو چھوڑا جائے گا اس کے بعد ہی تمہاری رہائی عمل میں آئے گی۔''

''اس کے لیے تمہیں میرے ساتھیوں سے بات کرنی ہوگی مجھ سے کچھ کہنا بیکار ہے۔ وہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ فاضلی کو چھوڑنا ہے یا نہیں۔''

مرشد کی آنکھوں میں خطرناک چمک نمودار ہوئی۔ ''انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''اس کا پتا تو اس وقت چلے گا جب تم ان سے بات کرو گے۔ ویسے کیا نادر سچ مچ غائب ہے؟''

وہ چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مرشد تم بہت بڑے ڈرامے باز ہو۔ کیا اس بات کا امکان نہیں ہے کہ نادر کو تم نے خود غائب کر دیا ہو اور دکھاوے کے لیے واویلا کر رہے ہو؟''

''میں اسے کیوں غائب کرنے لگا؟''

''کیونکہ نادر اور تمہارے درمیان اختلافات پیدا ہو چکے تھے۔ میرا خیال ہے وہ گدی نشینی کے اس کاروبار میں اپنا برابر کا حصہ مانگ رہا ہوگا لیکن تم یہ حصہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوگے۔''

''یہ بکواس ہے اس کے اور میرے درمیان اختلاف کی اصل وجہ تم ہو۔ وہ تم سے انتقام کے لیے پاگل ہوا جا رہا تھا اور میں اس سے متفق نہیں تھا جب اس نے میرے علم میں لائے بغیر تمہارے بھائی کا قتل کروایا تب سے میرے اور اس کے درمیان اختلاف آ گیا تھا۔ میں نے اسے محدود کر دیا اور اس کے گرد اپنے آدمی لگا دیے تاکہ وہ میرے علم میں لائے بغیر کوئی حرکت نہ کر سکے۔ میں نے اسے سمجھایا کہ اب یہ چکر ختم کرے لیکن وہ میری ایک سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ مجبوراً مجھے اس کی کفالت سے بھی ہاتھ اٹھانا پڑا مجھے معلوم ہے دولت کے بغیر وہ اتنا ہی بے کار ہے جتنا سانپ زہر کے بغیر ہو سکتا ہے۔''

''تمہارے خاندان کے دوسرے لوگ اس کی مدد نہیں کرتے تھے؟''

''نہیں وہ تو خود میرے ٹکڑوں پر پلتے ہیں وہ نادر کی کیا مدد کرتے۔ نادر جس کوٹھی میں رہ رہا تھا وہ اس کے



نام ہے اور کچھ جمع پونجی ویسے اس کے پاس ہوگی لیکن مجموعی طور پر وہ خالی ہاتھ تھا۔ مجھے امید تھی کہ چند دنوں میں اس کا دماغ ٹھکانے پر آ جائے گا لیکن وہ اس سے پہلے ہی غائب ہو گیا اسے اٹھا لیا گیا۔''

''تم ایک بار پھر سارا الزام نادر پر لگا رہے ہو کیا یہ غلط ہے کہ اسے اصل میں تمہاری شہ حاصل رہی ہے۔''

''کبھی تھی۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''لیکن جب میں نے محسوس کیا کہ یہ دشمنی میرے لیے نقصان دہ ہے تو میں نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا اور اسے بھی سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں عمر بھر کی معذوری نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا۔''

''تم شاید جانتے نہیں ہو ایک بار نادر نے مجھ سے ملاقات کی تھی اس وقت بھی میں اسی طرح بے بس تھا اور اس نے بھی دشمنی ختم کرنے کی بات کی تھی اور الزام تم پر لگایا تھا۔''

مرشد غالباً دم بخود رہ گیا تھا۔ ''مجھ پر..... کیا مجھ سے تمہاری براہِ راست دشمنی ہے۔ یہ سارا کھیل تو اس کا تھا۔''

''وہ بھی یہی بات کہہ رہا تھا وہ اب دشمنی ختم کرنا چاہتا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''تم دونوں بھائی ایک ہی زبان بول رہے ہو لیکن تم ایک چیز فراموش کر رہے ہو۔ وہ ہے میرے بے گناہ بھائی کا خون۔''

''مجھے اس کا احساس ہے اور میں براہِ راست اس میں ملوث نہیں ہوں لیکن تم چاہو تو میں اس کا خون بہا ادا کرنے کو تیار ہوں۔ ہمارا دین اس کی اجازت.....''

''مرشد دین کی باتیں تم جیسے شخص کے منہ سے اچھی نہیں لگتی ہیں تم اچھی طرح جانتے ہو جتنا میں جانتا ہوں دین سے تمہارا اتنا ہی واسطہ ہو سکتا ہے جتنا گٹر میں رہنے والے چوہے کا صفائی ستھرائی سے ہو سکتا ہے اس لیے تم دنیا کے لحاظ سے بات کرو۔''

مرشد نے اس مثال پر برا نہیں منایا۔ ''جیسی مرضی تمہاری، لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں اگر نادر تمہارے قبضے میں ہے تو تم اس سے معلوم کر سکتے ہو کہ تمہارے بھائی کا قتل اس کے اشارے پر ہوا تھا یا نہیں۔ میں یہ کر سکتا ہوں تمہارے مقدمات ختم کرا دوں اور تمہارا جو مالی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کر دوں۔''

''اس کے بدلے تم چاہتے ہو کہ میں فاضلی کو تمہارے حوالے کر دوں۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے تب مجھے آزاد کر دو اور اپنا وعدہ پورا کرو جیسے ہی میرے خلاف مقدمات ختم ہوں گے میں فاضلی کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

''مقدمات اتنی جلدی ختم نہیں ہوں گے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں گا۔ انتظامیہ، پولیس اور سماعت کرنے والی عدالت پر دباؤ ڈالنا ہوگا تب کہیں جا کر یہ کام کئی مہینوں میں ہوگا تم جانتے ہو اب میں اس حکومت میں شامل نہیں رہا ہوں اس لیے میرا اثر بھی پہلے جیسا نہیں ہے۔''

''اس پر بھی تم دن دھاڑے پولیس کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکتے ہو۔'' میں نے طنز کیا۔

''اکرم چشتی میرا خاص آدمی ہے لیکن باقی پولیس میری زرخرید نہیں ہے جب تک میرا سرکاری اختیار تھا وہ میری بات ماننے پر مجبور تھے اب ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنی مجبوری بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا۔ اصل میں یہی مقدمات میرے لیے مسئلہ تھے۔ اگر میں اس پھندے سے نکل جاتا تو مرشد مجھ پر دباؤ نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ طاقت کا توازن اب برابر تھا لیکن قانون کے سامنے وہ معزز تھا اور میں ایک مجرم۔ میں نے سوچ کر کہا۔ ''تمہارا مطلب ہے پہلے فاضلی کو تمہارے حوالے کر دیا جائے اس کے بعد تم کچھ کرو گے اگر تمہیں اس چیز کا احساس تھا تو تم نے پہلے ہی میرے خلاف مقدمات کیوں نہیں ختم کرا دیئے۔''

وہ چونکا۔ ''میں..... ایسا کیسے کر سکتا تھا۔ اپنے دشمن کو جان بوجھ کر کون رعایت دیتا ہے یہ تو لو اور دو کا معاملہ ہے۔ اگر تمہارے پاس جواب میں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے تو میں تمہیں کیوں دوں؟''

میں نے محسوس کیا کہ میں لاجواب ہو رہا تھا۔ مرشد میں حیرت انگیز تبدیلی آئی تھی پہلے وہ مجھ سے بدمعاشوں والے انداز میں پیش آتا تھا مجھے اپنی طاقت اور فرعونیت سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اب وہ مجھ سے برابری کی سطح پر دلائل سے بات کر رہا تھا اور میرے لیے پہلے سے زیادہ مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ ''پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں چاہتا ہوں تم اپنے ساتھیوں سے رابطہ کرو اور ان سے کہو فاضلی کو رہا کر دیں اس کے بعد میں اور تم مل کر طے کریں گے کہ اس جنگ کو ختم کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے۔''

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا تم مجھے احمق سمجھتے ہو کہ میں ایسا کروں گا۔ تم پر بھروسہ کسی صورت ممکن نہیں ہے۔ اگر فاضلی کی رہائی کے بعد بھی تم نے مجھے چھوڑنے سے انکار کیا یا اس جہان سے کوچ کرا دیا تو میں کیا کر لوں گا۔ ابھی تم ہی نے تو کہا تھا کہ یہ اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو والا کھیل ہے۔''

''بالکل ممکن ہے تم اپنی پوزیشن پر غور کرو تو تمہیں یہ ممکن نظر آئے گا۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''مجھے بہر صورت فاضلی واپس چاہیے اور اگر مجھے اس کے لیے کسی حد سے گزرنا پڑے تو میں گزر جاؤں گا۔''

اس کے الفاظ میں واضح دھمکی تھی۔ میں اپنی پوزیشن پر پہلے ہی غور فرما چکا تھا اور میں نے تسلیم کر لیا تھا کہ میں بہت بڑی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔ مرشد مجبور تھا لیکن اتنا بھی نہیں تھا کہ اسے میری کھال اتروانی پڑتی یا دو چار ہڈیاں تڑوانی پڑتیں تو وہ زیادہ تامل کرے۔ مگر ضروری نہیں تھا کہ میں مرشد کے سامنے اپنی کمزوری کا اقرار کرتا۔ اس لیے میں نے اوپری لاپروائی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے تم چاہو تو میرے ساتھ پرانا والا سلوک کر سکتے ہو یقیناً تمہارے دل کی بہت ساری حسرتیں نکلی ہوں گی تم چاہو تو باقی حسرتیں بھی نکال سکتے ہو۔''

مرشد کسی قدر مایوس ہوا تھا۔ ''شہباز تم کیوں خود کو مشکل میں ڈال رہے ہو فاضلی کو میں بہر صورت واپس حاصل کر لوں گا۔ اگر تم بات نہیں کرو گے تو میں براہ راست تمہارے ساتھیوں سے بات کروں گا اور وہ تمہیں بچانے کے لیے میری بات ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''اگر تمہارا یہ خیال ہے تو ایسا بھی کر کے دیکھ لو لیکن یاد رکھنا حالات خراب کرنے کی ذمے داری بھی تم پر آئے گی۔ ابھی تو تمہیں بیلی کاپٹر والی حرکت کا حساب دینا ہے۔''

وہ چونکا ہو گیا۔ ''کیا کرو گے تم؟''



''جب کروں گا تب تمہیں خود پتا چل جائے گا ابھی سے کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مگر ایک بات اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لو مرشد کہ ہماری طرف سے ہر حرکت کا بھرپور جواب دیا جائے گا۔''

اچانک اکرم چشتی اندر آیا اس نے مرشد سے کہا۔ ''جناب عالی میں نے کہا تھا یہ کتے کی دُم ہے ایسے نہیں مانے گا اسے میرے حوالے کریں اور دیکھیں اس کا باپ بھی بتائے گا۔''

وہ چھپ کر ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ مرشد نے اسے ناپسندیدہ انداز میں دیکھا لیکن اسے پہلے کی طرح جھڑکا نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور غالباً یہی سوچ رہا تھا کہ مجھے اکرم چشتی کے حوالے کرے یا نہ کرے۔ اس کا کچھ دیر پہلے والا مفاہمانہ رویہ ایک دھوکا تھا اور شاید وہ جانچ رہا تھا کہ میں کتنے پانی میں ہوں۔ دوسری طرف وہ ڈر رہا تھا کہ میرے اغوا کا نہ جانے کیا ردِعمل سامنے آئے۔ کالی کوٹھی کی تباہی نے اسے سمجھا دیا تھا کہ جوابی کارروائی میں ہم اس سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ میں نے ہیلی کاپٹر والے واقعے کا حساب لینے کا بھی کہا تھا۔ وہ بجا طور پر مشکل میں تھا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے اگر وہ مجھے اکرم چشتی کے حوالے کرتا تو اس کا خمیازہ بھی اسے بھگتنا پڑتا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ فاضلی کو واپس حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ فاضلی کے لیے اتنا بے تاب کیوں ہو رہا تھا؟ فاضلی ایسی کوئی بات جانتا تھا جو ہم اس سے اگلوا لیتے تو یہ مرشد کے لیے اچھا نہیں ہوتا؟ یقیناً ایسی ہی کوئی بات تھی ورنہ مرشد کی اس طرح اپنے کسی آدمی کے لیے بے چینی میرے لیے نئی چیز تھی۔ آدمی اس کے لیے استعمال کی چیز تھے وہ ان کو ٹشو پیپر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ جہاں تک فاضلی کا اس کے نطفے سے ہونے کا تعلق تھا تو مرشد جیسے عیاش آدمی کی ایسی نہ جانے کتنی اولادیں کہاں کہاں موجود تھیں۔ ظاہر ہے وہ ان کی پروا کرنے والا بھی نہیں تھا۔ مجھے اپنا یہی خیال درست لگا تھا کہ فاضلی کسی ایسی بات سے واقف تھا جو مرشد ہر صورت ہم سے چھپانا چاہتا تھا۔ اس کی واپسی کے لیے وہ اس حد تک چلا گیا کہ اس نے مجھے پکڑوا لیا۔ جب کہ وہ جانتا تھا اس کا ردِعمل آئے گا۔ مرشد کی آواز سن کر میں سوچ کی دنیا سے باہر آیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''شہباز تمہارے لیے یہ آخری موقع ہے اپنے آدمیوں سے بات کرو اور ان سے فاضلی کو چھوڑنے کو کہو، میں وعدہ کرتا ہوں جیسے ہی فاضلی میرے پاس آیا میں تمہیں رہا کر دوں گا۔''

''خوشی سے مرنہ جاتے جو اگر اعتبار ہوتا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''مرشد مجھے بے وقوف سمجھنا چھوڑ دو میں سو پیاز کھا کر سو جوتے کھانے کا قائل نہیں ہوں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''تو تم یوں نہیں مانو گے۔ ٹھیک ہے اکرم یہ اب تمہارے حوالے ہے۔''

اس دوران میں اکرم چشتی ٹہلتا ہوا میری پشت کی طرف آ گیا تھا اور پوری طرح تیار تھا۔ مرشد کی بات سنتے ہی میں نے کرسی اٹھنے کی کوشش کی تھی کہ میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اکرم چشتی نے کسی سخت چیز سے بڑا سخت وار کیا تھا۔ میں نیچے گر گیا اور ذہن پر کسی آکٹوپس کی طرح چھاتی تاریکی سے لڑنے لگا۔ اسی تاریکی میں مجھے مرشد کی آواز سنائی دی۔ ''یاد رہے اسے بہ ظاہر کچھ نہیں ہونا چاہیے۔''

''فکر نہ کریں جناب عالی۔'' اکرم چشتی نے کہا۔ ''اسے خراش بھی نہیں آئے گی اور آپ کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ آخری الفاظ تھے جو میں نے سنے اور اس کے بعد میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔ بہت عرصے بعد میں اپنے بدترین دشمنوں کے قبضے میں آیا تھا اور آنے والا وقت میرے لیے نہ جانے کون سی مصیبتیں لانے والا تھا۔

○.....❖.....○

مجھے ہوش آیا تو میں ایک غلیظ قسم کی کوٹھری کے گندے فرش پر یوں پڑا تھا کہ میرے جسم پر سوائے ایک انڈر ویئر کے اور کچھ نہیں تھا۔ رات ہو چکی تھی کیونکہ میں سردی محسوس کر رہا تھا۔ دن میں موسم خوشگوار ہوتا تھا لیکن رات کو کسی قدر خنکی ہو جاتی تھی۔ میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور جب میں نے سر اٹھانے کی کوشش کی تو اندریوں جھٹکے سے چلنے لگے کہ کوٹھری میری نظروں کے سامنے گھوم کر رہ گئی۔ اس کے ایک طرف لوہے کی سلاخوں والا دروازہ لگا تھا اور باہر سے کسی مدقوق سے بلب کی پیلی بیمار روشنی اندر آ رہی تھی۔ پہلی کوشش کے بعد میں نے سر کوٹھری کے سرد اور نم فرش پر رکھ دیا اس سردی سے مجھے بہت سکون ملا تھا۔ چند منٹ بعد میں نے دوبارہ کوشش کی اور اٹھ بیٹھا۔ کوٹھری مشکل سے آٹھ ہائی آٹھ فٹ کی تھی اور اس کی دیواریں سرخ اینٹوں سے بنی تھیں اوپر پکی چھت تھی۔ یعنی میں اس جگہ نہیں تھا جہاں مرشد نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔

یہ شاید مرشد کا کوئی عقوبت خانہ تھا کم سے کم اس کوٹھری سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ میں ایک طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور دل میں سوچا کہ برے پھنسے۔ مرشد نے اکرم چشتی کے حوالے کر دیا تھا۔ پولیس والے ویسے ہی ایسے تشدد کے ماہر ہوتے ہیں جس میں بندہ مرنے کے قریب ہو جاتا ہے لیکن اس کے جسم پر کوئی نشان نہیں آتا ہے۔ مرشد فاضلی کے لیے بے چین تھا اور میں اپنے ساتھیوں سے رابطہ کر کے اسے کمزوری کا تاثر دینا نہیں چاہتا تھا کم سے کم میں اتنی آسانی سے مرشد کی فرمائش پوری نہیں کر سکتا تھا۔ اس کوٹھری میں وقت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ بہ ظاہر یہ جگہ ہمہ وقت تاریک رہنے والی لگ رہی تھی کوٹھری میں کوئی روشن دان نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ رات ہو چکی تھی اور مجھے تقریباً پانچ چھ گھنٹے بعد ہوش آیا تھا۔ میری حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اکرم چشتی نے تیاری کر لی تھی اور بس میرے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے سر کا درد کم ہو رہا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد متلی کی سی کیفیت بھی ہو رہی تھی مگر کچھ دیر بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ اب میں بہتر محسوس کر رہا تھا۔ پولیس کے ہاتھوں اغوا کی خبر فوراً ہی میرے ساتھیوں تک پہنچ گئی ہو گی اور ندیم کے توسط سے انہوں نے معلوم کر لیا ہو گا کہ میں پولیس کی تحویل میں نہیں ہوں۔ اس کے بعد صرف مرشد رہ جاتا ہو گا اگر عبداللہ کے ساتھیوں کو اکرم چشتی کا پتا چل جاتا تو پھر وہ جان جاتے کہ یہ کارروائی مرشد کی ہے۔ ویسے پولیس کی موجودگی ہی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتی۔ میں نے مرشد سے جھوٹ کہا تھا کہ فاضلی ذہنی لحاظ سے معطل ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس کا امکان کم تھا کہ وہ اس بات کی تصدیق کر سکتا۔ براہ راست وہ میرے ساتھیوں سے نہیں کہہ سکتا تھا اور اگر پوچھ لیتا تو وہ کون سا ٹھیک جواب دیتے۔ پھر مرشد نے اس اطلاع پر کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اسے فاضلی کی دماغی حالت سے زیادہ اس کی ہماری تحویل میں موجودگی کی فکر تھی۔ اسے نکالنے کے لیے وہ اس حد تک چلا گیا تھا کہ مجھے اٹھوا لیا تھا۔

جب میں نے مرشد سے پہلے فاضلی کے حوالے سے بات کی تو اس نے لاپرواہی ظاہر کی تھی۔ اس کا



اندازہ ایسا تھا جیسے فاضلی اس کا ایک عام گرگا ہو جس کے ہونے یا نہ ہونے سے اسے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے۔ اس کے بعد شاید حالات میں کوئی تبدیلی آئی اور مرشد فاضلی کو واپس حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ میں سوچ میں گم تھا کہ کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ سامنے ایک تنومند شخص موجود تھا اس نے پرانے زمانے کے حبشی غلاموں کی طرح صرف شلوار پہن رکھی تھی اور اس کا اوپری جسم ننگا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ حبشی نہیں تھا۔ ''باہر آ.....'' اس نے ہاتھ ہلا دے کر کہا۔

''تمہاری والدہ نے بلایا ہو گا، مگر ابھی موڈ نہیں ہے۔'' میں نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔ ''کسی اور کو لے جاؤ۔''

ظاہر ہے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ خود غراتا ہوا اندر آیا۔ جیسے ہی وہ نزدیک آیا میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکتے ہوئے دونوں پاؤں بیک وقت اٹھا کر اس کی رانوں کے درمیان مارے۔ وار سخت اور نازک جگہ تھا اس کی غراہٹ دھاڑ میں بدل گئی اور پیٹ پکڑ کر واپس کوٹھری کے دروازے سے باہر جا گرا لیکن اس سے پہلے میں اٹھتا اکرم چشتی نمودار ہوا اور اس نے اپنے ہاتھ میں موجود عجیب سے پستول کا رخ میری طرف کر دیا۔

''مجھے پتا تھا تم ضرور حرامی پن کرو گے اس لیے میں تمہارا علاج بھی ساتھ لایا ہوں۔''

اس نے پستول کا ٹریگر دبایا تو میں بدک کر پیچھے ہوا فطری طور پر مجھے خیال آیا کہ اکرم چشتی مجھے گولی مار رہا ہے لیکن اس پستول سے پن سی نکل کر میرے سینے میں اتر گئی اس سے ایک باریک تار منسلک تھی۔ اگلے ہی لمحے میرا جسم جیسے زلزلے کی زد میں آ گیا اور میں اپنی جگہ گر کر بے بسی سے لرزنے لگا۔ خبیث اکرم چشتی نے مجھ پر کرنٹ مارنے والا آلہ آزمایا تھا۔ باہر ملکوں میں پولیس کے پاس اس قسم کے کرنٹ مارنے والے آلے موجود ہوتے ہیں لیکن پاکستان میں ابھی یہ پولیس کو مہیا نہیں کیا گیا ہے۔ وہ ویسے ہی ملزم کو کرنٹ لگانے کے ماہر ہوتے ہیں۔ اکرم چشتی نے اپنے طور پر حاصل کیا تھا یا مرشد نے اسے مہیا کیا تھا۔ فاضلی کے آنے کے بعد سے مرشد کے آدمیوں کے پاس بھی جدید قسم کے غیر روایتی ہتھیار نظر آنے لگے تھے۔ مشتعل جلاد نے کوٹھری میں ہی میری گوشمالی کی کوشش کی لیکن اکرم چشتی نے اسے روک دیا۔ ''اسے ہاتھ لگانے کی کوشش مت کرنا ورنہ کرنٹ کا اثر ختم ہو جائے گا اور یہ اپنی جگہ تمہیں لٹا دے گا۔''

''اس کی تو.....'' جلاد نے کہا لیکن اس نے اکرم چشتی کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے مجھ پر تشدد سے گریز کیا اور جھک کر مجھے اٹھا کر آٹے کی بوری کی طرح شانے پر لاد لیا اس سے پہلے اکرم چشتی نے تار کھینچ لیا تھا میرے سینے سے پن نکل گئی۔ ان دونوں کے علاوہ ایک شخص اور تھا اور وہ شاید اس جیل کا نگران تھا کیونکہ اس نے کوٹھری کے دروازے کو بند کر کے تالا لگایا تھا۔ ویسے وہ صرف نگران تھا۔ مجہول سا اور شاید چرسی تھا۔ اپنا کام کر کے وہ کسی روبوٹ کی طرح چلتا ہوا مخالف سمت چلا گیا۔ جلاد مجھے ایک ہال نما کمرے میں لایا جس کا فرش کچا تھا۔ اس نے مجھے پٹخنے کے انداز میں زمین پر ڈال دیا۔ پھر لوہے کا ایک کڑا میرے دائیں ہاتھ میں اور دوسرا کڑا بائیں ہاتھ میں ڈال دیا ان سے درمیانے درجے کی زنجیر منسلک تھی لیکن یہ بھی اتنی مضبوط تھی کہ میں کسی صورت اسے نہیں توڑ سکتا تھا۔ پھر اس نے ایک کونے میں جا کر کچھ کیا تو کسی مشین کی گڑگڑاہٹ کی آواز آئی اور زنجیریں کھنچنے لگیں۔ ساتھ ہی میں بھی کھنچنے لگا اور اوپر اٹھتا چلا گیا۔ میرا جسم شاک کے اثر سے نکل کر کسی حد تک میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قابو میں آ گیا تھا لیکن میں مزاحمت کے قابل نہیں تھا اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ آنے والے لمحات میں مجھے بہت کچھ برداشت کرنا تھا اور میں ابھی سے خود کو اس کے لیے تیار کر رہا تھا۔ ذرا دیر میں مشین نے زنجیروں کو اتنا کھینچ لیا کہ میں عملاً ہوا میں معلق ہو گیا اور میرے دونوں پاؤں بمشکل ہی زمین کو چھو رہے تھے۔ جلاد نے مشین بند کر دی اور واپس آیا۔

اکرم چشتی اس دوران میں بڑے اسٹائل سے سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کا رویہ اس مافیا باس کا سا تھا جس نے سب کچھ اپنے گرگوں پر چھوڑ دیا ہو اور اب اس کے پاس فراغت ہی فراغت ہو۔ میں زنجیروں سے لٹکا ڈھیلے ڈھالے انداز میں جھول رہا تھا اس لیے اکرم چشتی بے خطر میرے پاس چلا آیا اس نے دھواں میرے منہ پر چھوڑا اور استہزائیہ انداز میں بولا۔ ''اور ملک صاحب کیسا لگ رہا ہے۔''

اس کا جواب میں نے عملاً دیا اور اچانک ہی دونوں پاؤں اوپر کرتے ہوئے انہیں اکرم چشتی کی گردن میں ڈال دیا۔ وہ اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھا ورنہ میرے پیروں کا بھی کوئی بندوبست کر کے میرے پاس آتا۔ گردن میں قینچی لگاتے ہی میں نے اسے جھٹکا دینے کی کوشش کی لیکن اتنی دیر میں وہ ہوشیار ہو گیا تھا اس نے دونوں ہاتھ سے میرے پاؤں پکڑ لیے اور گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔ ''مجھے..... چھڑاؤ۔''

جلاد لپک کر آیا اور اس نے عقب سے میری کمر پر گردے والی جگہ پوری قوت سے مکے مارے۔ اس کے ہاتھوں میں واقعی بہت جان تھی دوسرے مکے پر میرا سانس رکنے لگا اور چوتھے مکے پر میں نے مجبوراً اکرم چشتی کو چھوڑ دیا۔ اسے بس ایک دو لمحے کی مہلت مل گئی تھی ورنہ میں اس کی گردن توڑنے یا اسے ایسا جھٹکا دینے میں کامیاب ہو جاتا کہ اسے قبر میں نہیں تو پھر اسپتال میں ہی ہوش آتا۔ مگر اس کی قسمت اچھی تھی۔ آزاد ہوتے ہی وہ جلاد پر برس پڑا تھا حالانکہ اس نے عقل سے کام لے کر اکرم چشتی کی جان بچائی تھی اگر وہ اسے احمقانہ انداز میں آزاد کرانے کی کوشش کرتا تو اس کا پورا امکان تھا کہ اکرم چشتی کی لاش ہی میرے پیروں سے آزاد ہو پاتی لیکن اس نے بالکل صحیح جگہ وار کر کے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ مگر اکرم چشتی نے اپنی فطرت کے مطابق اچھائی کا صلہ برائی سے دیا۔ وہ اس کے خاندان کی عورتوں کو بگھارتے ہوئے چلا رہا تھا۔ ''ماں کے..... کتے کی اولاد..... اتنی دیر کی..... ابھی یہ تیرا باپ میری گردن توڑ دیتا۔''

جلاد اب پچھتا رہا تھا کہ اس نے مجھے اکرم چشتی کی گردن کیوں توڑنے نہیں دی۔ وہ ایک معمولی ملازم تھا اس لیے سر جھکائے اکرم چشتی کی گالیاں سنتا رہا۔ جب اس کی بھڑاس نکلی تو اس نے رُوئے سخن میری طرف کیا اور ناقابلِ اشاعت الفاظ میں بتانے لگا کہ وہ اب میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ سخت مشتعل تھا۔ اس نے جلاد کو حکم دیا۔ ''اس..... کے پیر باندھ دو۔''

وہ دو عدد زنجیروں سے منسلک کڑے اور لایا اور انہیں میرے پیروں میں ڈال دیا۔ یہ لاک نہیں ہوتے تھے بلکہ ہک تھے جنہیں دبا کر کھولا اور بند کیا جا سکتا تھا البتہ جسے پہنائے جاتے تھے وہ کسی صورت ہک نہیں دبا سکتا تھا۔ پھر اس نے کوئی دوسری مشین چلائی اور پاؤں والی زنجیریں پیچھے کی طرف کھنچنے لگیں اور میرا جسم کمان کی طرح مڑنے لگا۔ جب اس نے موٹر روکی تو میرے دونوں پاؤں تقریباً میری کمر تک آ چکے تھے۔ ریڑھ کی ہڈی کمان بن چکی تھی اور پیٹ کے عضلات بری طرح کھنچ رہے تھے۔ اکرم چشتی میرے پاس آیا اور اس نے انتقامی



طاقت سے بھرپور کئی گھونسے مسلسل میرے تنے پیٹ پر مارے اور یہ قیامت کے گھونسے تھے۔ عام حالات میں مجھ پر ان کا خاص اثر نہیں ہوتا لیکن اس حالت میں یہ بہت زیادہ لگ رہے تھے میرے لیے سانس لینا بھی محال ہو گیا تھا۔ تکلیف سے میری آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

''کیسا لگ رہا ہے؟'' اکرم چشتی نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ ''مزہ آ رہا ہے نا۔'' اس نے کہا اور پھر تین چار گھونسے مارے۔

''بہت۔'' میں نے بمشکل کہا۔ ''میری جگہ آ کر دیکھو۔''

''تمہاری زبان اب بھی چل رہی ہے۔'' وہ بولا اور پھر مجھ پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس بار وہ اس وقت رکا جب خود اس کی حالت بری ہو گئی تھی۔ وہ کتے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ خود میری حالت یہ تھی کہ ہانپنا تو ایک طرف رہا مجھ سے سانس ہی نہیں لیا جا رہا تھا۔ اس بار سچ مچ مجھ پر قیامت گزر گئی تھی۔ درد کے گولے تھے جو پیٹ سے اٹھ کر پورے جسم میں دوڑ رہے تھے۔ جب اکرم چشتی کا سانس قابو میں آیا تو اس نے چیخ کر کہا۔ ''زنجیر اور اوپر کرو۔''

حکم کے غلام نے فوراً موٹر چلا دی اور میرے پاؤں والی زنجیر مزید اوپر کی طرف کھنچنے لگی۔ میرا جسم مزید کمان ہونے لگا۔ اب جسم کا سارا زور ریڑھ کی ہڈی پر تھا اور دباؤ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ اس دباؤ کو کم کر کے لیے میں نے ہاتھوں کے بل اوپر ہونا چاہا تو یہ بھی ناممکن ثابت ہوا کیونکہ دونوں ہاتھوں میں کوئی چار فٹ کا فاصلہ تھا جسے کسی صورت کم نہیں کیا جا سکتا تھا کڑے اس طرح سے کلائی میں فٹ تھے کہ میں ہاتھ گھما کر زنجیر بھی نہیں پکڑ سکتا تھا۔ ورنہ زنجیر پکڑ کر خود کو تھوڑا اوپر کر کے کمر کو آرام دے سکتا تھا۔ اکرم چشتی آگے آیا اور مجھے تھپڑ مارتے ہوئے بولا۔ ''کیسا لگ رہا ہے مزہ آ رہا ہے نا؟''

مرشد کی ہدایت کے برعکس وہ مجھے فاضلی کی رہائی پر آمادہ کرنے کے بجائے تشدد کا نشانہ بنا رہا تھا۔ اس نے اب تک ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے پتا چلے کہ اسے فاضلی کی رہائی سے کوئی دلچسپی ہے۔ اگر میرے ہاتھ پاؤں کھلے ہوتے تو اس وقت میرا اکرم چشتی کی گردن مروڑنے کو دل چاہ رہا تھا میں اس آدمی پر اپنے الفاظ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے وہ کیا جو میرے بس میں تھا میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اس نے مشتعل ہو کر مجھے اتنی قوت سے تھپڑ مارے کہ ہر تھپڑ پر میرا منہ گھوم جاتا تھا۔ پھر اس نے اچانک میرے جسم کے زیریں حصے کو جکڑ لیا اور میں تڑپ کر رہ گیا۔ وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ ''اب بول..... کیسا لگ رہا ہے..... مزہ آیا..... بول..... بولتا کیوں نہیں ہے۔''

میں کیا بولتا میں تو تڑپ بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر درد کا مرکز بدل گیا تھا۔ مجھے ذہنی اذیت دینے کے لیے وہ مونا اور سویرا کے بارے میں بکواس کرنے لگا۔ وہ بتا رہا کہ میرے بعد وہ بھی یہاں آئیں گی اور وہ ان کے ساتھ میرے سامنے کیا سلوک کرے گا۔ میں درد برداشت کرتے ہوئے اس کی بکواس بھی نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خود کو صبر کی تلقین کر رہا تھا اور سمجھا رہا تھا کہ کتا بھونک رہا ہے کیونکہ اس کا کام ہی بھونکنا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ کا دباؤ کبھی کم کر دیتا تھا اور کبھی اچانک بڑھا دیتا۔ خدا خدا کر کے اس کی یہ اذیت رسانی ختم ہوئی۔ اس کا گدھ منہ بھی بند ہو گیا۔ میرے جسم پر پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا اور اذیت سے بار بار میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ چند منٹ میں میرا گلا اور زبان خشک چمڑے جیسے ہو گئے تھے۔ مگر یہاں پانی ملنے کا کوئی امکان نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ یہ تو اذیتوں کا آغاز تھا آگے مجھے اس سے کہیں زیادہ برداشت کرنا پڑا تھا۔

اکرم چشتی ایک کرسی پر ڈھیر ستار ہا تھا اور ساتھ ہی سگریٹ کے گہرے کش لے رہا تھا۔ پیٹ پر لگنے والی ضربوں کی وجہ سے مجھے متلی کی کیفیت ہونے لگی اور جب دھواں مجھ تک آیا تو یہ کیفیت مزید بڑھ گئی اور میں نے الٹی کر دی۔ مجھے کھانا کھائے ہوئے آٹھ نو گھنٹے ہو چکے تھے اس لیے معدہ تقریباً خالی تھا۔ میں ابکائیاں لیتا رہا اور کچھ نکلا نہیں۔ جب میری حالت کسی قدر سنبھل گئی تو وہ اٹھ کر پاس آیا لیکن اتنا قریب نہیں آیا کہ میں اس پر تھوک سکتا حالانکہ اب اس پر تھوکنے کے لیے میرے منہ میں لعاب تو تھا نہیں بالکل خشک ہو رہا تھا میرا منہ۔ اس نے وہی بات کی جو میرے ذہن میں تھی۔ ''یہ آغاز ہے..... بہتر۔ مرشد بادشاہ کی بات مان لو۔''

''کون سی بات مان لوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے میرے ساتھی صرف میرے کہنے سے فاضلی کو نہیں چھوڑیں گے وہ خود مرشد سے سودا کریں گے اور اپنی شرائط پر فاضلی کو اس کے حوالے کریں گے۔''

''بکواس مت کرو تم ان کے سرغنہ ہو وہ تمہاری بات کیسے ٹال سکتے ہیں؟''

''ہم میں کوئی کسی کا سرغنہ نہیں ہے ہم سب ساتھی ہیں اور سارے فیصلے مل کر کرتے ہیں۔''

اس نے میرے بال مٹھی میں جکڑے۔ ''اگر تمہاری جان خطرے میں ہو تو وہ تب بھی نہیں مانیں گے؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں وہ کیا فیصلہ کریں گے۔ مرشد سے کہو ان سے براہ راست بات کر لے۔ مجھ پر تشدد کرنے کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

جلاد ایک کونے میں کھڑا تھا اکرم چشتی نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور میرے کان کے پاس منہ لا کر بولا۔ ''اسے ہوا نا ہو مجھے تو ہوگا کب سے میری خواہش تھی تم میرے ہاتھ آؤ اور میں تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں۔''

''تو تم اپنی خواہش پوری کر رہے ہو اور مرشد کے حکم کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر بلند آواز سے کہا اکرم چشتی کے رویے نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ جلاد اصل میں مرشد کا آدمی ہے اور یقیناً یہ جگہ بھی مرشد کی تھی۔ مجھے یاد ہے ایک بار میں مرشد ہاؤس یا اس کے کسی اور ٹھکانے کے نیچے موجود مرشد کی نجی جیل میں رہ چکا تھا لیکن وہ جگہ دوسری تھی اس بار مجھے کہیں اور لایا گیا تھا۔ میری بات سن کر جلاد چونکا تھا۔ مگر اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ اکرم چشتی نے دانت پیسے۔

''تم اس حالت میں بھی اپنی حرامزدگی سے باز نہیں آ رہے ہو۔''

''تم مرشد کو دھوکا دے رہے ہو اس نے تمہیں یہ سب کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اگر مجھے نقصان ہوا تو مرشد کو بھی نقصان ہوگا اور یہ تمہاری وجہ سے ہوگا۔''

''اس کتے کا منہ بند کرو۔'' اکرم چشتی نے غضبناک ہو کر جلاد کو حکم دیا اور اس نے تعمیل کرتے ہوئے ٹاٹ کا ایک ٹکڑا زبردستی میرے منہ میں ٹھونس دیا اس سے نہایت ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔ پھر اکرم چشتی نے اس سے کہا۔

''اسے تار لگاؤ۔''

تار لگانے کا مطلب میں اس وقت سمجھا جب جلاد نے میرے پیروں پر بجلی کی ننگی تار لپیٹ دی۔ میرے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی وہ مجھے کرنٹ سے اذیت دینے جا رہے تھے۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اور اگر کہہ سکتا تب بھی کوئی فائدہ نہیں تھا اکرم چشتی وہی کرتا جو اس کے دل میں تھا۔ میں خود کو اس اذیت کے لیے تیار کرنے



لگا۔ اس نے جلاد کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور اس نے بجلی کا سوئچ آن کر دیا میرے جسم کو شدید جھٹکا لگا اور بجلی میرے جسم میں جیسے آگ اور تیزاب بن کر دوڑنے لگی۔ میں مستقل جھٹکے کھا رہا تھا اور ہر جھٹکے پر جیسے جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ دنیا کی کوئی اذیت ایسی جان لیوا نہیں ہوتی ہے جو بجلی کی اذیت سے بڑھ کر ہو۔ آدمی کے جسم کا ایک ایک ریشہ جیسے ہل جاتا ہے اور ہر رگ اور پٹھا کھنچ کر تڑخ جاتا ہے۔ نہ جانے یہ دور کتنا طویل تھا ایک منٹ یا ایک گھنٹا لیکن جب اکرم چشتی کے اشارے پر جلاد نے سوئچ آف کیا تو مجھے لگا نہ جانے کتنے عرصے بعد مجھے اس اذیت سے نجات ملی تھی۔ اس بار پسینہ یوں بہہ رہا تھا کہ باقاعدہ نیچے کچی زمین پر گر رہا تھا اور میرے جسم سے جیسے آگ نکل رہی تھی۔ گلا اور منہ پہلے بہت بہتر حالت میں تھا لیکن اب لگ رہا تھا اس میں جلتی ہوئی خشک ریت بھر دی گئی ہو۔ میں مردہ حالت میں زنجیروں سے بندھا جھول رہا تھا۔ اکرم چشتی میری حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور غالباً سوچ رہا تھا کہ اب میری اذیت کا کیا سامان کرے۔ مجھ میں بولنے تو کیا سوچنے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔

''کیا خیال ہے شہباز مرشد بادشاہ کی بات مانو گے یا.....''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے پھر جلاد کو اشارہ کیا اور اس بار بے ہوشی نے مجھے اذیت سے بچا لیا تھا۔ جھٹکوں کا آغاز ہوتے ہی میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ مجھے ہوش آیا تو میں کچے فرش پر پڑا تھا۔ زنجیریں اس حد تک ڈھیلی کر دی گئی تھیں کہ مین زمین پر آ گیا تھا۔ اکرم چشتی ایک طرف کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور جلاد غائب تھا۔ میرا چہرہ گیلا تھا شاید ہوش میں لانے کے لیے میرے منہ پر پانی پھینکا گیا تھا۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر نمی کے چند قطرے جذب کر لیے یہ چند قطرے ہی اس وقت نعمت عظیم سے کم نہیں تھے۔ جو میرے منہ کے پیاسے صحرا میں یوں غائب ہو گئے جیسے بارش کے چند چھینٹے صحرائے اعظم میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ اکرم چشتی مجھے ہوش میں آتے دیکھ رہا تھا لیکن وہ سکون سے اپنی جگہ بیٹھا رہا تھا اسے معلوم تھا اول تو مجھ میں کچھ کرنے کی ہمت نہیں تھی دوسرے زنجیریں بس اس حد تک ڈھیلی کی گئی تھیں کہ میں زمین پر آ گیا تھا اگر میں کھڑا ہو جاتا تب بھی چند قدم سے زیادہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

جلاد کہیں گیا ہوا تھا وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ربر پائپ چڑھے مضبوط فولادی پائپ تھے۔ اس نے پائپ ایک طرف رکھے اور مجھے کڑوں سے آزاد کرا کے گھسیٹ کر ایک لکڑی کے تخت پر لٹا دیا۔ اس میں ہاتھ اور پیروں کو پھنسانے والے فکس کڑے تھے اس نے میرے ہاتھ پاؤں ان میں پھنسا کر مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا تھا۔ اب شاید مجھے ربر چڑھے فولادی پائپوں سے پیٹا جاتا۔ اپنا کام کر کے اس نے پائپ اٹھائے اور اکرم چشتی کی طرف دیکھا جو سگریٹ کے کش لیتا ہوا میری طرف آیا اور اس نے اچانک ہی سگریٹ کا جلتا سرا میرے سینے سے لگا دیا اور اس وقت تک لگائے رکھا جب تک وہ بجھ نہیں گیا۔ جسم ویسے ہی درد کا سمندر بنا ہوا تھا اس لیے اس سمندر میں ایک چھوٹا دریا اور گرتا تو اس سے کیا فرق پڑتا اسی طرح مجھے سگریٹ سے جلنے کی اذیت کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔

''پانی ڈالو اس پر۔'' اکرم نے حکم دیا۔ ''لیکن منہ پر مت ڈالنا..... اس کے منہ کے لیے میں نے خاص پانی رکھا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معروف مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی نے خون کے اس قطرہ فساد کے لیے جو انسان کو مقتل کی طرف لے جاتا ہے فرمایا ہے کہ وہ ان کی زبان میں تھا تو کچھ ایسا ہی معاملہ میرے ساتھ بھی تھا۔ تکلیف کے باوجود میں بولنے سے باز نہیں آیا تھا۔ ''تم خود بھی شاید اسی خاص پانی کے عادی ہو۔''

اکرم چشتی سفاکی سے مسکرایا۔ ''مجھے معلوم ہے تم میں بہت دم خم ہے اور مجھے اس کی خوشی ہے اگر تم اتنی جلدی ہار مان جاتے تو مجھے مایوسی ہوتی اب میں اپنے دل کی حسرتیں نکال سکوں گا۔''

نہ جانے کتنی دیر کمر کے بل لٹکے رہنے اور بجلی کے جھٹکے کھانے کے بعد اب مجھے ذرا سکون تھا لیکن میں جانتا تھا یہ سکون عارضی تھا۔ عذاب کا نیا دور شروع ہونے والا تھا۔ اس تختے پر باندھ کر کسی نئی مشقِ ستم کا نشانہ بنایا جانا تھا۔ جب جلاد اور اکرم چشتی نے ربر چڑھے لوہے کے پائپ سنبھالے تو میں تیار ہو گیا۔ اکرم چشتی نے گھٹنے پر ہلکی سی ضرب لگائی۔ ''اب مزہ آئے گا جب میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے تکلیف دوں گا۔''

اس کے اشارے پر جلاد نے پہلے ضرب لگائی اور اس کا نشانہ میرے بائیں پاؤں کا ٹخنا تھا۔ میں تڑپنا چاہتا تھا لیکن تڑپ نہیں سکا تھا۔ کڑوں نے پوری طرح جکڑ رکھا تھا فوراً ہی اکرم چشتی نے دوسری ضرب لگائی۔ اس نے زیادہ قوت استعمال کی تھی۔ پھر ان دونوں کے ہاتھ مشینی انداز میں چلنے لگے۔ پاؤں کے ٹخنے پر لگنے والی ضرب کا اثر میرے دماغ تک آتا تھا۔ میرے اعصاب تڑخنے لگے۔ کچھ دیر تو میں برداشت کرتا رہا پھر تکلیف میری برداشت سے باہر ہوئی تو میں چلانے لگا۔ اکرم چشتی ہنسا۔

''تمہاری چیخیں سن کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔''

اس کی بات سن کر میرا دماغ الٹ گیا تھا۔ میں اسے ماں بہن کی گالیاں دینے لگا اور ایسی دھمکیاں دینے لگا جن پر عمل کرنا فی الحال میرے بس کی بات نہیں تھی۔ اسی طرح چلاتے اور بولتے ہوئے نہ جانے کب مہربان بے ہوشی نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ یہ لمبی بے ہوشی نہیں تھی جلاد نے پانی کا گلاس میرے منہ پر ڈالا تو میں جھرجھری لے کر ہوش میں آ گیا اور بے اختیار کراہنے لگا۔ پیروں میں قیامت کا درد ہو رہا تھا لیکن جلاد اور اکرم چشتی نے اس کی پروا کیے بغیر مجھے زبردستی اٹھایا اور چلانے لگے۔ میں انہیں برا بھلا کہہ رہا تھا۔ میں جانتا تھا یہ ضروری تھا اس طرح چلنے سے میرے پیروں میں جم جانے والا خون پھر سے رواں ہو جاتا ورنہ یہ خون مستقل جم جاتا تو میں چلنے سے معذور بھی ہو سکتا تھا۔ وہ دس پندرہ منٹ مجھے اسی طرح چلاتے رہے حتیٰ کہ ٹخنوں کی تکلیف کم ہونے لگی۔ پھر جلاد ایک بالٹی میں گرم پانی لے آیا اور مجھے اس میں پیر رکھنے کو کہا تو میں نے لات مار کر بالٹی الٹ دی۔ ''اپنی مہربانیاں اپنے پاس رکھو۔''

پانی کے چھینٹے اڑا کر اکرم چشتی تک گئے تھے اس نے پولیس نصاب کی چند منتخب گالیاں دیں اور جلاد کو حکم دیا۔ ''اسے زنجیروں سے باندھ دو۔''

میں نے مزاحمت کی واجبی سے کوشش کی مگر جلاد نے نہایت آسانی سے میرے ہاتھ کڑوں سے باندھ دیئے اور پھر موٹر چلا کر زنجیر کو کھینچ لیا اب میں کھڑا ہوا تھا اور اگلے مرحلے کا سوچ کر میری روح فنا ہو رہی تھی جب وہ میرے پیر بھی باندھتے اور مجھے پھر سے کڑی کمان بنا دیتے۔ مگر جلاد نے صرف ہاتھوں میں کڑے ڈالے تھے۔ اکرم چشتی نے اسے تار لگانے کو کہا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اب تک میں جو تکلیفیں برداشت کی



تھیں ان میں کرنٹ سب سے زیادہ اذیت ناک تھا۔ جیسے ہی جلاد نے سوئچ آن کیا میں جاڑے کے بخار کے مریض کی طرح لرزنے لگا تھا۔

○.....❖.....○

مجھے ہوش آیا تو میں کوٹھری میں پڑا ہوا تھا۔ میرا جسم ایسا ہو رہا تھا جیسے اس میں ہڈیاں باقی نہ ہوں اور میں صرف نرم گوشت کی کوئی جیلی فش قسم کی مخلوق بن کر رہ گیا ہوں۔ اس نرم گوشت میں تکلیف لہروں کی طرح دوڑ رہی تھی۔ درد جیسے ریشے ریشے میں سرایت کر گیا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ موت کی تکلیف کچھ ایسی ہوتی ہے جیسے کانٹے دار جھاڑی میں الجھ جانے والے نازک کپڑے کو یک دم کھینچ لیا جائے اور وہ لیر لیر ہو جائے۔ اگرچہ یہ موت کی تکلیف نہیں تھی لیکن میں کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔ اس عقوبت خانے میں آج مجھے دو دن ہو گئے تھے لیکن یہ دو دن دو صدیاں بن کر گزرے تھے جب میں نے اکرم چشتی اور مرشد کے جلاد کے سوا کسی کو نہیں دیکھا تھا اور انہوں نے مجھ پر ہر وہ ستم توڑا تھا جس کا نشان میرے جسم پر نہ آئے لیکن وہ آزار بن کر میری رگ و پے میں اتر جائے۔

ان دو دنوں میں اکرم چشتی نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا اسے صرف اذیت دینے سے غرض تھی۔ بعض اوقات وہ اتنی کامل بے حسی سے مجھ پر تشدد کرتا تھا جیسے میں انسان نہیں کوئی پتھر یا کسی درخت کا بے جان تنا ہوں جس میں درد محسوس کرنے کی حس نہیں ہوتی ہے۔ میرا چیخنا اور کراہنا اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا لیکن نہیں، معنی رکھتا تھا میری چیخیں اور کراہیں اس کے لیے اضافی انعام ہوتی تھیں۔ مجھ پر مشقِ ستم کر کے اسے جو خوشی ملتی تھی وہ دوگنی ہو جاتی تھی۔ ان دو دنوں میں تکلیف برداشت کرنے کے علاوہ میں نے جو واحد کام کیا تھا وہ دل میں کیا جانے والا عہد تھا جسے میں نے بارہا دہرایا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں اکرم چشتی کو اتنی ہی اذیت دوں گا۔ یہ بات میں نے اسے بتا بھی دی تھی لیکن اس کے لیے اس دھمکی کی بھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

پہلے دن کئی گھنٹے بعد جب مجھے کوٹھری میں واپس لایا گیا تو میں اپنے پیروں پر چل بھی نہیں پا رہا تھا اور جلاد مجھے گھسیٹتا ہوا لایا تھا۔ میں کچے فرش پر پڑتے ہی ایسا غافل ہوا کہ مجھے سولہ گھنٹے بعد ہوش آیا۔ یہ بات مجھے جلاد نے بتائی ورنہ یہاں وقت کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ اس نے مجھے اٹھا کر دال چاول کا ایسا آمیزہ کھانے کو دیا جسے شاید جانور بھی کھانے سے انکار کر دیں لیکن میں نے بے تابی سے کھایا کیونکہ جسم کے تکلیفوں کے ساتھ اب بھوک بھی اذیت دینے لگی تھی۔ چوبیس گھنٹے بعد مجھے صرف ایک گلاس پانی دیا گیا تھا۔ مسلسل پسینہ بہنے سے میں ڈی ہائیڈریشن کا شکار ہو گیا تھا۔ میری جلد سکڑ گئی تھی اور یہ خشک کاغذ جیسی ہو رہی تھی۔ کھانے کے چند گھنٹے بعد جلاد مجھے دوبارہ اسی جگہ لایا۔ اس بار اکرم چشتی نے ایک کیمرے کا بندوبست بھی کیا تھا جو مجھ پر کیے جانے والے تشدد کو ریکارڈ کرتا اور یہ ریکارڈنگ یقیناً میرے ساتھیوں کے لیے تھی۔ دوسرے دن بھی وہی سب دہرایا گیا۔ پانچ چھ گھنٹے میں نے طویل ترین عذاب میں گزارے۔ جب میں آخری بار بے ہوش ہوا تو پھر مجھے کوٹھری میں ہوش آیا تھا نہ جانے کس وقت مجھے لا کر یہاں پھینک دیا گیا تھا۔

کوٹھری کے باہر وہی پیلا منحوس روشنی والا بلب جل رہا تھا۔ میں نے سر گھما کر دیکھا تو ایک کونے میں دو پیالے رکھے نظر آئے۔ ان میں سے ایک میں پانی تھا۔ میں بے تابی سے اٹھا اور اس وقت اپنی تکلیف بھول کر پیالے کی طرف بڑھا لیکن پانی پینے سے پہلے مجھے خیال آیا اور میں نے پورا پیالہ خالی کرنے کی خواہش پر کنٹرول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قابو پاتے ہوئے پانی گھونٹ گھونٹ کر کے پینا شروع کیا۔ یہ خاصا بڑا پیالہ تھا نصف پیالہ پی کر میں نے دوسرے پیالے کی طرف توجہ دی اس میں دلیہ تھا۔ اپنی تمام تر شکستہ حالی کے باوجود میں اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دلیہ کھا کر میں نے باقی نصف پیالہ بھی پی لیا اور پھر یک لخت نقاہت کا شدید حملہ ہوا تھا۔ یہ بہت دیر بعد پیٹ میں کچھ جانے کا فطری ردِعمل تھا۔ میں نڈھال ہو کر لیٹ گیا۔ کچھ دیر جاگنے کی کوشش کرتا رہا لیکن پھر نیند نے مجھے شکست دے دی۔ نہ جانے میں کتنی دیر سوتا رہا پھر اچانک کسی نے میرے پیر پر ٹھوکر ماری۔ ''اٹھ نواب صاحب کی اولاد کیسے مزے سے پڑا سو رہا ہے۔''

میں نے آنکھ کھول کر ٹھوکر مارنے والے کو دیکھا۔ وہ جلاد تھا۔ میں نے کہا۔ ''اگر تمہیں اعتراض ہے تو آ کر میری جگہ سو جاؤ تمہیں پتا چل جائے گا کہ کتنے مزے سے سو رہا ہوں۔''

پانی اور خوراک کے ساتھ آرام نے میری جسمانی حالت کو پہلے سے بہتر کر دیا تھا تکلیف اب بھی تھی لیکن یہ قابلِ برداشت تھی میرے جواب پر اس کے تاثرات بگڑ گئے تھے۔ ''اٹھ جا..... آج تیرے ساتھ تیسرا راؤنڈ ہو گا۔''

''تیسرا راؤنڈ۔'' میں نے سوچا۔ ''یعنی آج تیسرا دن ہو گیا تھا۔''

میں نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر کہا۔ ''تم لوگ قسطوں میں مارنے کے بجائے ایک ہی بار میرا خاتمہ کیوں نہیں کر دیتے ہو؟''

''وہ بھی کریں گے جب مرشد بادشاہ کا حکم ہو گا۔ ابھی تو اتنا ہی کرنا ہے جتنا اس نے حکم دیا ہے۔''

بہ ظاہر یہ تشدد میری سمجھ سے باہر تھا۔ اگر انہوں نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ مجھے فاضلی کی رہائی کے لیے اپنے ساتھیوں سے بات پر آمادہ کر سکیں تو اس کی انہوں نے خاص کوشش نہیں کی تھی اکرم چشتی اور اس جلاد کا سارا زور مجھے زیادہ سے زیادہ تکلیف دینے پر تھا۔ اگرچہ اکرم چشتی نے کہا تھا کہ وہ اپنی تسکین کے لیے مجھے تکلیف دے رہا ہے لیکن اس کی یہ وضاحت میرے دل کو زیادہ نہیں لگی تھی وہ اس کھیل کو اتنا لمبا نہیں کرتا اور جلد از جلد مجھے زیادہ سے زیادہ عذاب کے ساتھ مار دیتا۔ تو کیا یہ مرشد کا کھیل تھا اس کی خواہش تھی کہ مجھ پر اس طرح سے تشدد کیا جائے جس کا بہ ظاہر تو کوئی فائدہ نہیں تھا لیکن مکار مرشد اس سے کوئی فائدہ اٹھا رہا تھا۔ فی الحال میرا ذہن اس معاملے کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ گزشتہ روز میری ویڈیو بنی تھی۔ اگر مرشد نے وہ ویڈیو میرے ساتھیوں کو بھیجی تھی تو وہ ان سے کچھ بھی منوا سکتا تھا۔ وہ فاضلی کو رہا کرا سکتا تھا اور چالاکی سے کام لیتا تو نادرہ کو بھی حاصل کر لیتا۔ یقیناً اس نے کوشش کی ہو گی۔ مگر اب تو اس کھیل کو ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ منحوس صورت جلاد کہہ رہا تھا آج تیسرا راؤنڈ تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے اٹھائے گا لیکن اس نے چالاکی سے کام لیا اور پیچھے ہٹ کر وہی کرنٹ مارنے والا پستول نما آلہ نکال لیا۔ ''اٹھ جاؤ ورنہ پہلے یہیں کرنٹ کھانا پڑے گا۔''

میں کرنٹ کھانے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا اس لیے بادلِ ناخواستہ کراہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے تو سچ مچ مجھے چکر آ گیا تھا اور میں دیوار سے ٹک گیا ورنہ شاید گر جاتا۔ جب نظر کے آگے سے دھند ہٹی تو میں لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا۔ جلاد نے مجھ سے فاصلہ رکھا تھا وہ پیچھے ہٹا اور کوٹھری سے نکل گیا۔ میری خواہش تھی کہ اس کے اور میرے درمیان فاصلہ کم ہو تو میں اپنی ناتوانی کے باوجود اسے دبوچنے کی کوشش کروں



چاہے اس کوشش میں وہ مجھے کرنٹ ہی کیوں نہ لگا دے۔ مگر اس نے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ آج اکرم چشتی نہیں تھا۔ شاید اسے فرصت نہیں ملی تھی یا وہ کسی اور ضروری کام میں مصروف تھا۔ اس لیے صرف جلاد آیا تھا۔ مگر خلافِ توقع اس نے مجھے عقوبت خانے کی طرف لے جانے کے بجائے راہداری میں مخالف سمت چلنے کو کہا۔ میرے جسم پر بدستور وہی انڈر ویئر تھا اور یہ بھی اب نہایت میلا ہو گیا تھا۔ جلاد مجھے ایک کمرے میں لایا۔ یہ پکی اینٹوں والے فرش کا غسل خانہ تھا کیونکہ وہاں نہانے دھونے کا مکمل انتظام تھا۔ وہاں گرم اور ٹھنڈے پانی کی لائنیں تھیں۔ ایک طرف کھونٹی پر تولیے اور صاف ستھرا شلوار قمیص ٹنگا ہوا تھا۔

''لے بھئی اپنا آخری غسل خود کر کے یہ کفن پہن کر تیار ہو جا، ہم نے بس مٹی ڈالنی ہے اپنے لیے دعا بھی خود کر لینا۔'' جلاد نے اپنی طرف سے مذاق کیا تھا۔

''تم جس طرح میرے ساتھ ساتھ پھر رہے ہو لگتا ہے مرشد قبر میں بھی میرے ساتھ ہی ڈالے گا۔ میں بہت گناہ گار ہوں لیکن اتنے بڑے عذاب کا مستحق نہیں ہوں کہ تم وہاں بھی میرے ساتھ ہی رہو۔''

میرا مذاق اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا اس نے غرا کر کہا۔ ''بکواس نہ کر جلدی نہا دھو لے ورنہ ایسے ہی لے جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے لیکن اب تم تو دفع ہو۔ کیا مجھے غسل بھی دو گے۔''

وہ مجھے گھورتا ہوا باہر چل گیا۔ دروازے میں معمولی سی چٹخنی تھی جسے ایک دھکے میں توڑا جا سکتا تھا اس کا صرف یہ فائدہ تھا کہ کوئی اچانک اندر نہیں آ سکتا تھا۔ میں اپنا واحد لباس اتار کر حالتِ فطرت میں آیا اور گرم پانی والا والو کھول کر شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ گرم پانی نے میرے جسم کے درد پر جیسے جادو اثر کیا تھا۔ جسم سے میل کے ساتھ ساتھ درد بھی نچڑ کر نکلنے لگا۔ پندرہ منٹ بعد میں نہا دھو کر تازہ دم ہو گیا تھا۔ شلوار قمیص پرانا لیکن صاف ستھرا تھا۔ اسے پہن کر میں نے خود کو دوبارہ سے انسان محسوس کیا تھا جب تک انسان کے جسم پر لباس ہوتا ہے اس کی عزتِ نفس اس کی اپنی نظروں میں برقرار رہتی ہے لیکن جب لباس اتار لیا جاتا ہے تو انسان سب سے پہلے اپنی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ میں باہر آیا تو جلاد غائب تھا اور اس کی جگہ ایک اسمارٹ اور خوش شکل نوجوان کھڑا تھا لیکن اس کے ہاتھ میں وہی کرنٹ مارنے والا پستول تھا۔ میں اسے دیکھ کر ٹھٹکا۔

''غالباً تم نئے جلاد ہو؟''

وہ مسکرایا۔ ''نہیں جناب میں مرشد صاحب کا سیکرٹری ہوں۔''

اس کے شائستہ لہجے نے مجھے چونکا دیا کیونکہ یہ لہجہ اور آواز میرے لیے نا آشنا نہیں تھیں میں نے کہا۔ ''تم وہ ٹیلی فون آپریٹر ہو جو مرشد ہاؤس میں کال ریسیو کرتے تھے۔''

''آپ نے خوب پہچانا..... اس طرف آیئے۔'' اس نے راہداری میں مزید آگے کی طرف اشارہ کیا اور خود میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ صاف ظاہر تھا وہ کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔ ایک جگہ سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں اور یہاں ایک بھیانک قسم کا گوریلا نما آدمی موجود تھا اس نے بہت بڑی سی رائفل اٹھا رکھی تھی۔ نوجوان کو وہ پہچانتا تھا لیکن میں اس کے لیے اجنبی تھا اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''مرشد کا قیدی ہے اس نے طلب کیا ہے۔'' مجھ سے آپ جناب کرنے والے نوجوان نے خلافِ توقع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرشد کا ذکر یوں کیا جیسے وہ آپس میں لنگوٹیے یار رہے ہوں۔ مگر گورمیلے نے اس کا برا نہیں منایا اور مرشد کا نام سن کر اس نے راستہ چھوڑ دیا تھا۔ ہم اوپر آئے۔ ایک ایسی راہداری میں نکلے جس کے دونوں طرف کمرے تھے اور ان کمروں کے بند دروازوں کے پیچھے جو کھیل کھیلا جا رہا تھا اسے سوائے گندگی کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ نشے میں ڈوبی حیوانیت سے بھرپور آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ سچ یہ ہے کہ مجھے اس جگہ سے گزرتے ہوئے یوں پسینہ آ گیا جیسے میں خود کسی غلط ارادے سے یہاں آیا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ نوجوان نے ان آوازوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ وہ ان کا عادی تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ خود بھی یہاں آتا ہو۔ ظاہر ہے یہ مرشد کے غلام تھے جو فارغ اوقات میں عیش کرتے تھے۔

میرا اندازہ تھا کہ ہم مرشد ہاؤس میں تھے اس کا مطلب تھا تہہ خانے کے بارے میں میرا اندازہ غلط تھا کہ وہ کہیں اور تھا۔ شاید پہلے مجھے تہہ خانے کے کسی اور حصے میں رکھا گیا تھا مرشد کی یہ جیل بھی بہت بڑی تھی۔ اگرچہ میں نے اپنے سوا وہاں کسی کو نہیں دیکھا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہاں مرشد کے اور معتوب بھی موجود تھے۔ مرشد اپنی مخصوص شاہانہ نشست گاہ میں میرا منتظر تھا۔ خلاف توقع وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا اس نے مجھے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب میں بیٹھ گیا تو اس کے نوجوان سیکرٹری نے عقب میں پوزیشن سنبھال لی۔ وہ پوری طرح چوکنا تھا کہ میں کوئی حرکت کروں اور وہ پستول استعمال کر سکے۔ مرشد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شہباز مجھے افسوس ہے....."

میں نے اس کی بات کاٹی۔ "اس میں افسوس کی کوئی بات نہیں ہے افسوس تو تم کرو گے جب میرا وقت ہو گا اور اکرم چشتی اپنے پیدا ہونے پر پچھتائے گا۔"

"اسے میں سزا دوں گا اس نے میرے حکم کے خلاف....."

"تمہارا حکم۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "مرشد تم صاف کیوں نہیں کہتے کہ یہ سب تمہارے حکم پر ہوا ہے۔ میں نے تمہیں اتنا بزدل کبھی نہیں دیکھا۔"

اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ "اس نے میرے حکم سے تجاوز کیا۔ میں نے اسے یہ سب کرنے کو نہیں کہا تھا۔"

میں نے گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے جو مجھ پر گزرنا تھی وہ میں نے بھگت لی۔ اب تم کیا چاہتے ہو میں اپنے ساتھیوں سے اب بھی بات نہیں کروں گا۔"

"تمہاری بچت کی ایک ہی صورت ہے مجھے فاضلی واپس مل جائے زندہ سلامت اور ٹھیک ٹھاک۔"

"فرض کرو ایسا نہ ہوا تو.....؟"

"ایسا مت کہو۔" وہ مضطرب ہو گیا۔ "شہباز ملک تم بہت مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

"فاضلی کے لیے تمہارا یہ اضطراب سمجھ میں نہیں آتا ہے ٹھیک ہے وہ تمہارے لیے اہم ہے لیکن ہے تو ایک ملازم اور میں نے کبھی تمہیں رشتوں کی پروا کرتے نہیں دیکھا۔"

"تم اس بات کو نہیں سمجھو گے۔" مرشد نے مبہم انداز میں کہا۔ "اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے تم فاضلی کو واپس کر دو۔ میں ہر قسم کھانے کو تیار ہوں تمہیں چھوڑ دوں گا اور کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے نادر تمہارے پاس ہے لیکن میں اس کا مطالبہ بھی نہیں کروں گا۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں جس مصیبت میں پھنس چکا تھا اس سے نکلنا اہم تھا۔ فاضلی سمیت باقی سب باتیں ثانوی تھیں۔ اگر میں اسے ایک بار پکڑ سکتا تھا تو دوبارہ پکڑ سکتا تھا لیکن میرا مرشد کے چنگل سے نکلنا ضروری تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ میں مرشد پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا وہ وعدہ کر رہا تھا کہ فاضلی کو حاصل کرتے ہی وہ مجھے چھوڑ دے گا لیکن میرے اس وعدے کی اتنی اہمیت بھی نہیں تھی جتنی بھیڑ کے نزدیک بھیڑیے کے وعدے کی ہو سکتی ہے۔ اگر میں اس پر بھروسہ کرتے ہوئے فاضلی کو رہا کرنے کا کہہ دیتا اور میرے ساتھی اسے چھوڑ بھی دیتے تب بھی مجھے ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ مرشد اپنے وعدے پر عمل کرے گا اور مجھے جانے دے گا۔ وہ غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "غالباً تمہارے دل میں میری طرف سے شک ہے؟"

"لازمی بات ہے۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "کیا شک ہونا نہیں چاہیے۔ میں نے کبھی تمہیں اپنے قول و فعل کا پاس کرتے نہیں دیکھا۔ اس لیے تم مجھ سے توقع بھی مت رکھو کہ میں تم پر اعتماد کروں گا۔"

"تب یہ مسئلہ کس طرح حل ہو گا؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "آخر تم اتنا کیوں مصر ہو کہ فاضلی کو پہلے رہا کیا جائے اور پھر تم مجھے چھوڑو گے۔ تم یہ تبادلہ ہاتھ کے ہاتھ کیوں نہیں کر لیتے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

مرشد جس طرح اصرار کر رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ فاضلی کی واپسی کے بعد وہ اس سے کوئی خاص بات کرتا اور اس خاص بات پر ہی میری رہائی کا انحصار تھا۔ یہ خیال تو پہلے بھی آیا تھا کہ فاضلی کچھ خاص جانتا ہے جو مرشد نہیں چاہتا کہ کسی صورت ہمارے علم میں آئے۔ اس لیے وہ فاضلی کی پہلے واپسی چاہتا تھا اگر فاضلی وہ خاص بات ہمارے سامنے اگل چکا ہوتا تو مرشد میری رہائی ملتوی کر دیتا اور میرے ذریعے میرے ساتھیوں پر دباؤ بڑھاتا۔ اس نے مجھ پر تشدد کی ویڈیو بھی اسی لیے تیار کرائی تھی۔ میں نے اچانک پوچھا۔ "میری ویڈیو دیکھ کر میرے ساتھیوں کا کیا ردعمل تھا؟"

مرشد مسکرایا۔ "ان کا کیا ردعمل ہونا چاہیے۔"

"وہ دکھی ہوں گے تمہیں گالیاں اور دھمکیاں بھی دی ہوں گی لیکن جہاں تک تمہارے مطالبے کا تعلق ہے اس پر انہوں نے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا ہو گا۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اس کا ثبوت اس وقت یہاں میری موجودگی ہے اگر میرے ساتھی تمہاری بات مان چکے ہوتے تو تم میرے ساتھ مغز ماری نہ کر رہے ہوتے۔"

وہ کھسیا گیا تھا۔ "ٹھیک ہے انہوں نے انکار کیا ہے ان کا کہنا ہے جب تک وہ تم سے بات نہیں کر لیں گے مجھ سے مزید کوئی بات نہیں ہو گی۔"

میں نے دل ہی دل میں وسیم کی ذہانت کی داد دی۔ ویڈیو دیکھ کر یقیناً باقی جذباتی ہو گئے ہوں گے لیکن اس نے خود پر قابو رکھا اور وہی فیصلہ کیا جو ان حالات میں ہم کر سکتا تھا۔ یہ طے تھا میری عدم موجودگی میں فیصلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا احیا رویم لو ہوتا ہے اور اس نے بالکل مناسب فیصلہ کیا تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''اس نے ٹھیک کیا۔''

''اس نے حماقت کی ہے۔'' مرشد مشتعل ہونے لگا۔ ''جب میں دوسری ویڈیو بھیجوں گا تب ان کے ہوش ٹھکانے آئیں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں تمہیں کوئی ناقابل تلافی نقصان پہنچادوں۔''

''تم ایسی کوئی حماقت نہیں کرو گے۔'' میں نے سر گھما کر عقب میں کھڑے سیکرٹری کو دیکھا۔ وہ پوری طرح مستعد تھا اور کرنٹ والا پستول اس کے ہاتھ میں تھا وہ ایک لمحے میں مجھ پر فائر کر سکتا تھا۔ ''مرشد تمہارا سیکرٹری اتنا مہذب اور نستعلیق ہے کہ یقین نہیں آتا کہ یہ تمہارا سیکرٹری ہے۔''

سیکرٹری نے کہا۔ ''میں نے اردو ادب میں ایم اے کیا اور گولڈ میڈلسٹ ہوں۔''

''اس کے بعد تم نوکری کی تلاش میں در بدر پھرتے رہے ہو گے لیکن اپنے مقدر کا رزق ہاتھوں سے کمانے کی کوشش نہیں کی ہو گی اور بزعم خود ساری دنیا سے مایوس ہو کر بالآخر مرشد کے دامن میں پناہ لی ہو گی..... ہے نا؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''میں نے اعلیٰ تعلیم مرشد صاحب کی مدد سے حاصل کی ہے اور یہ طے تھا کہ میں ان کا سیکرٹری بنوں گا۔ اب میں ان کا سیاسی مشیر بھی ہوں۔''

''تب تمہیں پولیٹیکل سائنس کی ڈگری لینی چاہیے تھی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے میرا باپ پنڈی کا ایک درمیانے درجے کا سیاست دان تھا۔ وہ کونسلر تو ہمیشہ بنتا تھا ایک بار ایم پی اے بھی بن گیا تھا لیکن اسے ایمان داری کا مرض، میں نے سیاسی تربیت اسی سے حاصل کی ہے۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کاش کہ تم نے اپنے باپ کے نظریات سے بھی کچھ حاصل کیا ہوتا۔''

''وہ بہت برے حال میں سرکاری اسپتال میں کینسر سے لڑتا ہوا مرا تھا اس کے حال سے مجھ سمیت بہت سارے لوگوں نے عبرت حاصل کی تھی۔''

''میرا خیال ہے تم مرشد کے باڈی گارڈ بھی ہو؟''

''ہاں تمہیں اس سلسلے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ میں خالی ہاتھوں سے بھی تمہیں زیر کر سکتا ہوں میں نے جوڈو میں بلیک بیلٹ لی ہے۔''

کہاں تو وہ نہایت شرافت سے کھڑا تھا اور کہاں اس نے بولنا شروع کیا تو مجھے اپنے بارے میں سب بتانے پر تل گیا تھا میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''بس..... بس اتنا کافی ہے میں کافی ڈر گیا ہوں ویسے ہی بہت برے حالوں سے گزر کر آ رہا ہوں۔ بائی دی وے تمہارے پاس اتنی زیادہ صلاحیتیں ہیں تو مرشد کو چاہیے باقی لوگوں کی چھٹی کر دے اور صرف تمہیں رکھے۔''

سیکرٹری کھسیا گیا۔ ہر سیکرٹری کی طرح اپنے باس کے معاملات کو اپنے ذاتی معاملات سمجھتا تھا۔ مرشد نے مجھے ٹوکا۔ ''تم موضوع سے ہٹ رہے ہو۔''

''سوری مجھے میٹنگ کے ایجنڈے کا خیال نہیں رہا۔'' میں نے معذرت کی۔ ''ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟''

''تم کہہ نہیں رہے ہو بلکہ مان نہیں رہے ہو نہ صرف اپنے لیے بلکہ میرے لیے بھی مشکلات کھڑی کر رہے ہو۔'' مرشد پہلو بدل کر بولا۔ ''یہ مت سمجھنا کہ مرشد ڈر گیا ہے یا اس میں ہمت نہیں رہی ہے میں ڈرتا تو خدا سے بھی نہیں ہوں۔''

''تمہارا یہ پہلا سچ ہے جس پر میں صدق دل سے یقین کر سکتا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ تم سمیت تمہارے سارے چمچوں کا نام و نشان مٹا دوں۔'' مرشد اب مشتعل ہو گیا تھا۔ ''اس کوٹھی کو تم کیا سمجھتے ہو میرے آدمی دور سے چند بم پھینکیں گے اور کوٹھی خود اپنے مکینوں کا مقبرہ بن جائے گی۔''

''افسوس کہ ہمارے ہاں گدی نشینی کے بزنس کا رواج نہیں ہے ورنہ اس مقبرے کو مزار میں بدل دیتا۔ کبھی کبھی تو مجھے تم پر رشک آتا ہے۔'' میں بدستور سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''شہباز۔'' مرشد کی قوت برداشت جواب دینے لگی تھی۔ ''یہ مت سمجھو کہ میرے پاس دوسرے طریقے نہیں ہیں۔ میں چاہوں تو یوں چٹکی بجاتے ہی معاملہ نمٹا سکتا ہوں کوئی مائی کا لعل مجھ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا ہے۔''

''تم چٹکی بجا سکتے ہو میں نے نہیں روکا ہے۔''

وہ میری بات اَن سنی کر کے بولتا رہا۔ ''لیکن میں سمجھتا ہوں تم سے الجھ کر میں اپنے دوسرے معاملات میں نقصان اٹھا رہا ہوں۔''

''یعنی گدی اور ملک کی سیاست پر پوری توجہ نہیں دے پا رہے ہو۔''

''شہباز یہ دیکھو۔'' اس نے اپنی نشست کے برابر میں رکھا ہوا ایک چھوٹا اور لمبا سلیڈ راٹھایا۔ اس نے اس کا اوپری حصہ ڈھکن گھما کر کھولا اندر سے ہلکی سی بھاپ نکلی تھی جیسے سرد کنٹینر کھولنے پر نکلتی ہے اس نے اس میں سے ایک جدید ہائپوڈرمک سرنج نکالی جس میں نیلے رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔ مرشد نے اس سامنے کیا۔ ''دیکھو یہ ایک انجکشن تم سے وابستہ میرے اکثر مسائل حل کر سکتا ہے۔''

''اس میں کیا ہے کوئی مہلک زہر جیسے سانائیڈ.....؟''

''نہیں زہر دینے سے زیادہ آسان تو ایک گولی مارنا ہے بلاوجہ اتنی زحمت کون کرے۔''

''پھر کیا ہے اس میں؟''

''یہ ایک جدید ایجاد ہے۔ اسے کسی شخص کو لگا دیا جائے تو مشکل سے دس منٹ کے بعد وہ شخص ہمیشہ کے لیے اپنی شخصیت سے محروم ہو جائے گا۔''

''کیا مطلب..... یہ پاگل بنانے والا انجکشن ہے؟''

''نہیں آدمی اپنی تمام حسیات اور سوچوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اس کی شخصیت روز اول والی بن جاتی ہے۔ وہ کسی نومولود کی طرح معصوم ہو جاتا ہے۔''

میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ کیا واقعی یہ انجکشن اتنا خطرناک تھا یا مرشد اس کی خصوصیات بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا صرف مجھے دہشت زدہ کرنے کے لیے، ظاہر ہے یہ انجکشن میرے لیے تھا۔ اپنی شخصیت سے محروم ہو کر ایک روبوٹ بن جانا۔ نہیں روبوٹ کا بھی ایک پروگرام ہوتا ہے وہ اس کے تحت فنکشن کرتا ہے۔ میں تو پودا بن جاتا۔ جو سانس لیتا ہے زمین سے پانی اور خوراک حاصل کرتا ہے وہ بڑھتا ہے اور اپنی نسل بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھاتا ہے لیکن وہ شعور اور احساس سے عاری ہوتا ہے۔ شاید میں کسی پودے سے بھی گیا گزرا ہو جاتا۔ مرشد میرے ردِعمل کا منتظر تھا میں نے اچانک اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''ذرا دکھانا..... تم پر آزما کر دیکھوں اگر کامیاب رہا تو اس ملک کے تمام شیطان صفت لوگوں کو اس انجکشن کی اشد ضرورت ہے میں ان سب کو لگاؤں گا چاہے اس کے لیے مجھے چندہ جمع کرنا پڑے یا کسی بنک میں ڈاکا مارنا پڑے۔''

مرشد مجھ سے دور محفوظ فاصلے پر تھا۔ اس نے ردِعمل ظاہر نہیں کیا اور سرنج دوبارہ سلیڈر میں رکھ کر اس کا ڈھکن بند کر دیا۔ ''ذرا سوچو تم اپنے ساتھیوں کو اس حالت میں ملو کہ تم ایک پالتو بلی سے زیادہ مختلف نہیں ہو گے۔ تم بھوک لگنے پر رو گے اور ضرورت پڑنے پر بلا تکلف اسی جگہ رفع حاجت کر لو گے جہاں موجود ہو گے۔ تم کپڑے پہنو یا نہ پہنو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ انسان اور انسانوں سے وابستہ رشتے تمہارے لیے بے معنی ہو جائیں گے۔''

''او کے۔'' میں نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''میں دہشت زدہ ہو گیا۔ مگر ایک سوال ہے۔''

''یہی کہ میں نے اسے استعمال کیوں نہیں کیا؟''

''ہاں تم دو دن تک اکرم چشتی اور اپنے جلاد کو زحمت دینے کے بجائے پہلے ہی دن یہ انجکشن استعمال کر لیتے۔''

''لیکن اس صورت میں فاضلی کو کیسے واپس حاصل کرتا؟'' اس نے روانی سے کہا تو مجھے لگا جیسے اس کے منہ سے سچ نکل گیا ہے۔ اسے اصل فکر فاضلی کی تھی اور جب اس نے یہ کہا تو مجھے لگا کہ اسے مجھے انجکشن لگانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ شاید اس نے انجکشن حاصل اسی مقصد کے لیے کیا تھا تو وہ پہلے فاضلی کو حاصل کرتا اور اس کے بعد مجھے انجکشن لگا کر میرے ساتھیوں کے حوالے کر دیتا۔ میں جیسے جیسے اس بات پر غور کر رہا تھا مجھے لگ رہا تھا یہی درست ہے۔ مرشد کا منصوبہ یہی تھا جو اب میری ہٹ دھرمی کی وجہ سے ناکام رہا تھا۔ اس نے مجھ پر تشدد کرایا تھا۔ میں نے سوچا تو اچانک ہی ایک اور خیال ذہن میں جگنو کی طرح چمکا تھا۔ مجھ پر تشدد کا مقصد ویڈیو بنا کر میرے ساتھیوں کو یقین دلانا تھا کہ اس تشدد کی وجہ سے میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا اور اس میں مرشد کی کوئی سازش شامل نہیں تھی۔ میں نے سرسری سے انداز میں مرشد سے سوال کیا۔ ''میرا خیال ہے اس دوا کا نروس سسٹم پر کوئی سراغ بھی باقی نہیں رہتا ہو گا؟''

''ہاں ایک بار جسم میں جانے کے چند گھنٹوں بعد اس کا نشان مٹ جاتا ہے اور پھر دنیا کا کوئی ٹیسٹ یہ نہیں بتا سکتا ہے کہ آدمی کے ساتھ اصل میں ہوا کیا ہے۔''

''اس لیے کوئی نہیں جان سکے گا کہ میں کیسے پاگل ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ منصوبہ ہے نا تمہارا..... اسی لیے تم پہلے فاضلی کو حاصل کرنے کے لیے بے چین تھے۔''

مرشد کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی تھی۔ ''تم بہت چالاک آدمی ہو بالآخر صحیح بات تک پہنچ گئے۔''

''اسی لیے تم نے مجھ پر تشدد کی ویڈیو بنائی اور میرے ساتھیوں تک پہنچائی تا کہ وہ یہ سمجھیں کہ تشدد نے میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔''

مرشد نے اس بار کچھ نہیں کہا لیکن اس کے چہرے پر اقرار تھا کہ اس کا یہی ارادہ تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ



بدلا تو کچھ بھی نہیں تھا میں اس کے قبضے میں تھا۔ وہ اب بھی اپنے منصوبے پر عمل کر سکتا تھا۔ اگر میں جان بھی گیا تھا تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا؟ اس نے سیکرٹری کی طرف دیکھا۔ ''اسے لے جاؤ اور بند کر دو۔''

''ضرور۔'' میں نے آہستگی سے اٹھتے ہوئے کہا اور اچانک ہی مرشد کی طرف جھپٹا۔ میرے عقب میں سیکرٹری پوری طرح چوکنا تھا جیسے ہی میں نے حرکت کی اس نے پستول سیدھا کر لیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے نہیں دیکھ رہا ہوں لیکن میں اسے دیکھ رہا تھا۔ مرشد کے عقب میں ایک بڑی دیوار گیر الماری تھی جس کے شیشے چمکیلی سطح والے تھے اور ان پر عکس واضح دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے سیکرٹری واضح نظر آ رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے پستول سیدھا کیا میں یک دم فرش پر گرا جس پر دبیز قالین تھا۔ میں گرتے ہی چاروں ہاتھوں پیروں پر آگے بڑھا اور میری نظر مرشد پر مرکوز تھی۔ وہ گھبرا کر نشست سے اٹھ رہا تھا۔ جب سیکرٹری کا فائر کیا ہوا پن اس کے جسم میں اتر گیا اسے جھٹکا لگا اور وہ دوبارہ نشست پر گر کر لرزنے لگا۔ پن کے ساتھ بہت باریک تار منسلک تھا جس سے کرنٹ گزر کر مرشد کو لگ رہا تھا۔ میں نے تار پر ہاتھ مار کر اس کے جسم سے پن نکال دی اور اس سے پہلے سیکرٹری حرکت میں آتا میں نے مرشد کو ٹانگ سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ اسے اپنے جسم پر قابو نہیں رہا تھا۔ میرے ہاتھ بے تابی سے مرشد کا لباس ٹٹول رہے تھے۔ اس کے لباس میں کسی ہتھیار کی موجودگی لازمی تھی۔

پھر میں نے اس کی شیروانی کی جیب میں پستول محسوس کر لیا لیکن اس سے پہلے میں اسے نکالتا۔ سیکرٹری عقب سے مجھ پر آ پڑا تھا۔ دیکھنے میں عام جسامت کے سیکرٹری کا وزن اچھا خاصا تھا۔ مجھے لگا جیسے مجھ پر کوئی وزنی جسم گرا ہو۔ میں نے اسے جھٹکنا چاہا لیکن ایک تو وہ مجھ سے چمٹ گیا تھا دوسرے مجھ میں اتنی توانائی نہیں تھی کہ اسے جھٹک سکوں۔ میں نے مرشد کو چھوڑ کر اسے خود سے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ بری طرح مجھ سے چمٹا ہوا تھا۔ کسی صورت مجھے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے غلط بیانی کی تھی کہ اسے جوڈو آتا تھا اگر ایسا تھا تو وہ عقب سے ایک ہی وار کر کے مجھے بے ہوش کر سکتا تھا لیکن اس کے بجائے وہ مجھے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ بھی خاصے اناڑی انداز میں۔ اگر میں فٹ ہوتا تو اب تک اس سے نمٹ چکا ہوتا۔ اس کی کوشش تھی کہ مرشد کے دوسرے محافظوں کے آنے تک مجھے کسی حرکت سے روکے۔

جب میں نے محسوس کیا کہ میں خود کو اس سے چھڑا نہیں سکوں گا تو میں نے دوبارہ مرشد کی جیب ٹٹولی مگر سیکرٹری نے بھانپ لیا اور اس نے مجھے کسی قدر پیچھے کھینچ لیا۔ اب مرشد کی شیروانی کی جیب میری پہنچ سے دور ہو گئی تھی۔ مجھے قابو کرنے کی کوشش کے ساتھ سیکرٹری چیخ چیخ کر مرشد کے دوسرے محافظوں کو بلا رہا تھا اور اس وقت اپنا نستعلیق لہجہ اور زبان بھول کر نہایت روانی سے ناقابلِ بیان القابات کے ساتھ مرشد کے آدمیوں کو پکار رہا تھا۔ میں مرشد کی طرف بڑھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ قسمت بھی آدمی کو کہاں لا کر بے بس کرتی ہے۔ ایک عام سا نوجوان اس وقت میرے لیے بلائے جان بن گیا تھا اور کسی صورت جان نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اس نے میرے گلے میں ہاتھوں سے پھندہ ڈال دیا تھا اور پورے جوش سے گلا دبا رہا تھا۔ ہاتھ مارتے ہوئے اچانک کوئی چیز میرے ہاتھ میں آئی اور میں نے اسے اٹھایا تو یہ وہی دھاتی سلیڈر نکلا جس میں انجکشن تھا۔ میں نے سلیڈر سیکرٹری کے سر پر مارا اور دوسری ضرب میں اس نے کراہ کر والدہ محترمہ کو یاد کیا اور میرا گلا چھوڑ دیا۔ اسے پرے جھٹک کر میں اٹھ بیٹھا۔ وقت بالکل نہیں تھا۔ مرشد کے آدمیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر آئے میں نے تیزی سے سلینڈر سے انجکشن نکال کر اس کی سرنج بے ہوش پڑے مرشد کی گردن میں دبا کر دی۔ اسی لمحے کئی مسلح افراد نشست گاہ میں گھس آئے۔

''خبردار۔'' میں نے للکار کر کہا۔ ''کسی نے حرکت کی تو میں تمہارے آقا کو یہ انجکشن لگا دوں گا۔''

''کوئی حرکت نہ کرے۔'' سیکرٹری نے بوکھلا کر کہا۔ ''پیچھے ہو جاؤ۔''

ایک جاہل گارڈ نے اپنی خوفناک شاٹ گن کا رخ میری طرف کیا اور گالی دے کر بولا..... ''چھوڑ دے مرشد بادشاہ کو۔''

''سیکرٹری اسے بتاؤ کہ یہ کیسا انجکشن ہے۔'' میں نے خود پر قابو پا لیا تھا ورنہ پہلے میرا ہاتھ لرز رہا تھا۔ سیکرٹری گارڈز پر برس پڑا اور ان کے خاندان سے اپنے نہایت غلط قسم کے تعلقات جوڑتے ہوئے اس نے انہیں یہاں سے دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ صورت حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے وہ دفع ہو گئے۔ سیکرٹری نے میری طرف دیکھا اور لرزتی آواز میں بولا۔

''سرنج ہٹا لو ایسا نہ ہو کہ دوا انجکٹ ہو جائے۔''

''دل تو میرا چاہ رہا ہے کہ انجکٹ کر دوں لیکن مجھے زندہ رہنا ہے اس لیے مجبوراً اس وقت تک انجکٹ نہیں کروں گا جب تک مجھے اس کے لیے مجبور نہ کیا جائے۔''

''لیکن تم کب تک اس طرح سرنج رکھو گے؟''

''زیادہ دیر نہیں لگے گی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''جیسے ہی مرشد چلنے پھرنے کے قابل ہوا میں اسے لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔''

مرشد کی شیروانی کی جیب سے چھوٹا لیکن جدید قسم کا پستول نکال لیا اب میں نہتا نہیں تھا۔ میں نے خود کو کسی قدر پُر اعتماد محسوس کیا اور یہ بھول گیا کہ جال وہیں ہوتے ہیں جہاں پرندے بستے ہیں۔ بالکل آخری لمحے میں سیکرٹری کے تاثرات نے مجھے خبردار کیا اور میں نے پلٹ کر دیکھنا چاہا لیکن اس سے پہلے کوئی چیز میرے سر سے لگی اور میں چکرا کر گر پڑا۔ ضرب ایسی تھی کہ نشست گاہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی اور جب ذرا قابو میں آئی تو مجھے لگا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ میرے سامنے فاضلی تھا لیکن یہ کیسے ممکن تھا فاضلی تو حویلی میں قید تھا۔ وہ یہاں کیسے آ گیا؟ فاضلی نے مرشد کی گردن میں گھسی سرنج نکالی اور میرے بازو میں گھونپ دی۔ اس نے میری آنکھوں میں جھانکا اور بولا۔ ''گڈ بائی شہباز ملک۔''

اس نے سرنج کا پسٹن دبا دیا تھا۔

○.....❖.....○

میرا سر گھوم رہا تھا نہ جانے یہ سرنج میں موجود دوا کا اثر تھا جو میرے جسم میں داخل ہو چکی تھی، سر پر لگنے والی ضرب کا نتیجہ یا پھر حیرت کا جھٹکا تھا جو فاضلی کو یہاں دیکھ کر لگا تھا۔ وہ وسیم کی قید میں اتنا ہی بے بس تھا جیسے روح جسم کی قید میں ہوتی ہے اور اس کا چھوٹ جانا میرے نزدیک اتنا ہی ناممکن تھا جتنا خود اپنی روح کو جسم کی قید سے آزاد کرانا لیکن یہ ناممکن، ممکن ہو گیا تھا۔ وہ فاضلی ہی تھا۔ مجھے انجکشن لگا کر وہ پیچھے صوفے پر گر گیا تھا اور یوں ہانپ رہا تھا جیسے میلوں دوڑ کر آیا ہے۔ ظاہر ہے اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کے باوجود اس نے وہ کام کر دکھایا تھا جو مرشد کا سیکرٹری اور اس کے سارے محافظ نہیں کر سکے تھے۔ میں ضرب کھا کر گرا تو سیکرٹری نے جھپٹ کر میرے ہاتھ سے پستول نکال لیا اور اگر اسے موقع ملتا تو وہ فاضلی کو روک دیتا لیکن فاضلی نے سیکنڈ سے بھی پہلے انجکشن مرشد کی گردن سے نکال کر مجھے لگا دیا تھا۔

''یہ تم نے کیا کیا؟'' سیکرٹری بولا۔

''وہی جو یہ مرشد صاحب کے ساتھ کرنے والا تھا۔'' فاضلی نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اس میں زہر ہے؟''

سیکرٹری نے افسوس سے سر ہلایا اور پھر محافظوں کو بلانے لگا۔ پھر اس نے واکی ٹاکی پر کسی ڈاکٹر کو طلب کیا۔ ڈاکٹر شاید مرشد ہاؤس میں موجود تھا کیونکہ وہ دو منٹ بعد ہی آ گیا تھا اس دوران میں سیکرٹری نے ایک محافظ کی مدد سے مرشد کو اٹھا کر صوفے پر لٹایا تھا۔ میں خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر یہ سوچ کر ہی میرا دل ڈوب رہا تھا کہ کچھ دیر میں اپنی سوچوں اور اپنی شخصیت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤں گا۔ ممکن ہے مرشد نے اس انجکشن کے بارے میں مبالغے سے کام لیا ہو لیکن اس کی بات کو جھوٹ بھی نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ ڈاکٹر کے آتے ہی سیکرٹری نے اسے مرشد کو ٹریٹ منٹ دینے کو کہا اور فاضلی کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تم کیسے چھوٹے..... تم اس کے ساتھیوں کی قید میں تھے؟''

فاضلی شاید مجھے گھور رہا تھا کیونکہ چکراتے سر کے ساتھ میں نظروں کو فوکس نہیں کر پا رہا تھا البتہ ان لوگوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ ''میں نے وہاں ایک آدمی کو توڑ لیا..... وہ مجھے ہیروئن کا انجکشن دیتا تھا..... میں نے نقد سودا کیا اور وہاں سے نکل آیا۔''

''نقد سودا کیسے کیا؟''

''میں نے اس سے سودا کیا کہ وہ مجھے آزاد کر دے تو میں اسے دس لاکھ روپے دوں گا۔ یہ رقم میں نے ایک جگہ چھپا رکھی ہے۔ وہ لالچ میں آ گیا اور اس نے مجھے باہر نکال دیا۔''

''کہاں سے؟''

''میں نہیں جانتا کیونکہ وہ مجھے رات کی تاریکی میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر باہر لایا اور پھر ایک گاڑی میں بٹھا کر وہاں سے نکال لایا۔ میں نہیں جانتا وہ جگہ کہاں ہے۔''

''وہ آدمی کہاں ہے؟''

''اسے میں نے مار دیا..... دس لاکھ کہاں تھے اسے دھوکا دیا تھا میں اسے نہیں مارتا تو وہ مجھے مار دیتا۔'' فاضلی بولا، اس کے لہجے میں بے چینی آ گئی تھی۔ ''اس ڈاکٹر سے کہو مجھے دیکھے..... مجھے ہیروئن کی طلب ہو رہی ہے۔''

''فکر مت کرو تمہارا علاج ہو جائے گا۔'' سیکرٹری نے اسے تسلی دی۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ فاضلی اس سے کم تر درجے کا آدمی تھا۔ ظاہر ہے وہ مرشد کا سیکرٹری تھا اور آنے والے دنوں میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی۔ ڈاکٹر نے مرشد کو کوئی دوا دی یا انجکشن لگایا تھا جس سے اس کی توانائی بحال ہو گئی اور وہ فاضلی پر برس پڑا۔ ''یہ تم نے کیا کیا.....؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جو میری سمجھ میں آیا جناب۔'' فاضلی سہمے انداز میں بولا۔ ''کیا میں نے غلطی کی ہے؟''

''تم اسے قابو کر چکے تھے انجکشن دینے کی کیا ضرورت تھی۔'' مرشد نے غرا کر کہا۔

''میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔'' فاضلی کا لہجہ مزید کمزور ہو گیا تھا۔ ''ان لوگوں نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔''

''انہوں نے تم جیسے گدھے کے ساتھ بالکل ٹھیک سلوک کیا ہے۔'' مرشد نے کہا اور ڈاکٹر کو حکم دیا کہ میرا معائنہ کرے۔ ڈاکٹر نے پین ٹارچ سے میری آنکھوں میں روشنی ڈال کر دیکھی۔ پھر نبض اور دل کی دھڑکن اور آخر میں بلڈ پریشر چیک کیا۔

''وائٹل سائن تقریباً نارمل ہیں، یہ بے ہوش نہیں ہے لیکن پوری طرح ہوش میں بھی نہیں ہے۔''

''کیا یہ ہماری باتیں سن رہا ہے؟''

''ہو سکتا ہے سن رہا ہو جناب۔''

''کیا مطلب ہو سکتا ہے۔'' مرشد نے خفگی سے کہا۔ ''یقین سے بتاؤ۔''

''یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں جناب۔'' پریشان ہو گیا۔ ''ویسے اس کے ساتھ ہوا کیا ہے؟''

مرشد نے ڈاکٹر کو بتایا کہ مجھے کس قسم کا انجکشن دیا گیا ہے اور اس کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا۔ ''تب آپ کسی نرو کے ماہر کو دکھائیں یہ دماغ کا معاملہ ہے اور میرے بس سے باہر ہے۔''

مرشد نے چراغ پا ہو کر ڈاکٹر اور فاضلی کو دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ سن چکا تھا کہ فاضلی کس طرح میرے ساتھیوں کی قید سے رہا ہوا تھا، مجھے اس شخص پر افسوس تھا جس نے دس لاکھ روپے کے لالچ میں اپنی زندگی فروخت کر دی تھی اب وہ زندہ بھی نہیں تھا کہ اسے برا بھلا ہی کہا جاتا۔ اپنے کیے کی سزا وہ بھگت چکا تھا۔ البتہ یہ اچھی بات تھی کہ اس نے فاضلی کو حویلی یا اس کا جائے وقوع دیکھنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ مجھے قالین سے اٹھا کر صوفے پر لٹا دیا گیا تھا۔ اگرچہ مرشد اور سکریٹری جانتے تھے کہ مجھے انجکشن لگا ہے اور سر پر چوٹ بھی آئی تھی اس کے باوجود وہ دونوں محتاط تھے اور انہوں نے دوسرے لوگوں سے مجھے اٹھوایا تھا اس وقت بھی میرے سر پر ایک مسلح شخص موجود تھا۔

''اس کا کیا کرنا ہے جناب۔'' سکریٹری نے مرشد سے میرے بارے میں پوچھا۔ ''میرا خیال ہے یہ کام سے گیا۔''

''یہ سب تمہاری نااہلی کی وجہ سے ہوا ہے۔'' مرشد نے اپنی توپوں کا رخ سکریٹری کی طرف موڑ دیا۔ ''وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ یہ کامیاب نہیں ہوا اور فاضلی بروقت آ گیا۔''

''میرا قصور نہیں ہے جناب جیسے ہی میں نے فائر کیا یہ گر گیا۔'' سکریٹری پریشان ہو گیا اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ اس نے اپنے آقائے ولی نعمت کو کرنٹ لگا دیا تھا۔ خود مرشد پریشانی میں یہ بات بھولا ہوا تھا اب اسے یاد آ گیا اس نے سکریٹری کو سنانی شروع کیں۔ وہ ملازم تھا خاموشی سے سنتا رہا۔ خود مرشد کا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ حالانکہ اسے سب سے پہلے فاضلی سے معلوم کرنا چاہیے تھا کہ اس نے اپنے محسن کی لاش کہاں چھوڑی تھی اور وہ کس گاڑی میں یہاں تک آئے تھے۔ فاضلی کو بھی ہیروئن کے



ڈوز کی فکر لگ گئی تھی ورنہ وہ مرشد کو بتاتا۔ سب ہی بوکھلائے ہوئے تھے سوائے میرے کیونکہ میرے پاس کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ سر پر لگنے والی ضرب کا اثر کم ہو رہا تھا کیونکہ مجھے چکر آنا کم ہو گئے تھے۔ البتہ آنکھوں کے سامنے دھندلا پن موجود تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ انجکشن کی دوا جلد مجھ پر اثر کرنے والی تھی کیونکہ دس منٹ ہو گئے تھے یا ہونے والے تھے۔ یہ خیال مرشد کو بھی آیا اس نے سکریٹری سے پوچھا۔

''دس منٹ ہو گئے ہیں؟''

''میرا خیال تو ہو گئے ہیں جناب۔'' وہ بے دلی سے بولا۔

''اب تک اس پر اثر ہو جانا چاہیے۔''

''بالکل ہو گا جناب۔'' سکریٹری نے کہا۔ ''شاید کچھ دیر لگے کیونکہ فاضلی نے انجکشن گوشت میں اتار دیا تھا اگر نس میں لگتا تو جلدی اثر کرتا۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' مرشد نے کہا۔

''آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔'' سکریٹری نے مرشد کو دھیما پایا تو اس کا حوصلہ لوٹ آیا تھا۔ اسے یاد آ گیا کہ وہ مرشد کا مشیر تھا۔ ''آپ کا اصل پلان بالآخر یہی تھا۔ دیکھیں فاضلی خود چھوٹ کر آ گیا اور آپ کو انجکشن لگانے کا حکم بھی نہیں دینا پڑا۔ سب فاضلی کے ہاتھ سے ہو گیا۔''

''ہاں یہ سب سے اچھی بات ہوئی کہ فاضلی ہاتھ آ گیا۔'' مرشد نے بادلِ ناخواستہ سکریٹری کی تائید کی۔ ''لیکن ابھی مجھے اس سے بہت کچھ پوچھنا تھا۔''

''جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اب آگے کا سوچیں اس کا کیا کرنا ہے۔'' سکریٹری نے درست مشورہ دیا۔

''میرا تو دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔'' مرشد نے کہا۔ ''ابھی تو اسے اٹھواؤں یہاں سے.....''

مرشد وہاں سے چلا گیا اور سکریٹری ملازموں کو میرے بارے میں ہدایت دے رہا تھا۔ ''اسے گیسٹ ہاؤس شفٹ کرو اور ہاں اس پر نظر رکھنا یہ کہیں ادھر اُدھر ہوا تو تم لوگوں کو حساب دینا ہو گا۔''

''چل اٹھا اپنے اس پپونوں۔'' سکریٹری کے جانے کے بعد کسی نے کہا اور پھر مجھے دو افراد نے پہلے بازوؤں اور ٹانگوں سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن یہ طریقہ خاصا مشکل تھا۔ میرا وزن تقریباً پچاسی کلوگرام تو تھا اس لیے ان میں سے ایک نے قربانی دی اور مجھے اپنے شانے پر ڈال لیا۔ مگر وہ راستے بھر مجھے سناتا ہی رہا تھا اور دوسرا ہنستا رہا۔ اس نے مجھے نرم بستر پر لا کر پٹخ دیا اور دوسرے پر بگڑنے لگا اس بار اس نے مجھے دوسرے کا والد پاجد قرار دیتے ہوئے کہا۔ ''اٹھاتا ناں اپنی بے بے دے خصم نوں۔''

میرا اندازہ تھا کہ مجھے انجکشن لگے پندرہ منٹ سے اوپر ہو گئے تھے لیکن اب تک میرا ذہن میرے قابو میں تھا اور میں بہ قول مرشد کے نہ تو نوزائدہ ہوا تھا اور نہ بلی کا بچہ بنا تھا۔ شاید اس کی وجہ وہی تھی جو سکریٹری نے بیان کی تھی۔ فاضلی نے انجکشن میرے بازو کے گوشت میں گھونپ دیا تھا۔ گوشت میں لگایا جانے والا انجکشن دیر سے اثر کرتا ہے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اثر ضرور کرتا ہے۔ اس لیے مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ مرشد کی قید میں آنے کے بعد میں اپنے ساتھ ہر سلوک کے لیے تیار تھا اور ذہنی طور پر میں نے تسلیم کر لیا تھا کہ صرف قسمت ہی مجھے مرشد کی قید سے زندہ سلامت نکال سکتی ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی بار مرشد یا دوسروں کی قید میں آنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد میں نکلنے میں کامیاب رہا تھا اور اب بھی مجھے اللہ پر بھروسہ تھا کہ میرے مقدر کی سانسیں باقی ہیں تو میں بچ نکلوں گا۔

مرشد کے آدمی مجھے یہاں لٹا کر آپس میں لڑتے جھگڑتے چلے گئے تھے۔ سیکرٹری نے مجھے گیسٹ ہاؤس میں بھجوایا تھا۔ اس جگہ پہرہ تھا اور میرے بارے خاص طور سے خبردار کیا تھا اس لیے اس کمرے کے باہر یقیناً مرشد کے محافظ موجود تھے۔ اگر مجھے انجکشن نہ دیا گیا ہوتا تب بھی اس کا امکان بہت کم تھا کہ میں یہاں سے فرار ہوسکوں۔ اب میرے پاس سوائے انتظار کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ آگے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

میرا ذہن صاف ہوگیا تھا یعنی چکر آنا بند ہوگئے تھے لیکن آنکھوں کے سامنے ہلکی سی دھند برقرار تھی۔ میں نے آہستہ سے سر گھما کر اس دھند کے پاس کمرے کا معائنہ کیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اٹھ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اس میں بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی البتہ دھند ختم نہیں ہوئی تھی میں نے سر جھٹکا آنکھیں ملیں۔ دھند اپنی جگہ موجود رہی تھی اور یہ شاید دوا کا اثر تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں میرے قابو میں تھے۔ مگر اس دھند کے ہوتے ہوئے میں فرار کی کوشش میں صرف ٹھوکریں کھا سکتا تھا یا مرشد ہاؤس کے باہر جانے کے بجائے مرشد کی بیڈروم میں گھس سکتا تھا۔

میں نے بہتر سمجھا کہ اٹھنے اور گھومنے پھرنے کے بجائے لیٹ جاؤں اور دھند چھٹنے کا انتظار کروں میں نے لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ ابھی تک انجکشن کے اثرات ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ اس وقوعے کو تقریباً آدھا گھنٹہ ہونے کو آیا تھا اور انجکشن لگنے کے بعد پہلی بار میرے دل میں امید کی کرن جاگی کہ شاید انجکشن کا اثر نہیں ہوا تھا۔ مگر اس امید کے باوجود خدشات باقی رہے تھے۔ وقت گزرتا رہا پھر دروازے کے باہر آہٹ ہوئی تو میں سنبھل گیا۔ کئی افراد اندر آئے اور میں نے فاضلی کی آواز سنی۔ ''آپ کو یقین ہے جناب کہ یہ انجکشن اسی طرح اثر کرتا ہے؟''

''یقین ہے۔'' مرشد بولا۔ ''میں نے اس کا تجربہ کرایا ہے۔''

''مجھے یقین نہیں آرہا جناب عالی۔'' فاضلی نے ضدی لہجے میں کہا۔

''جلد تمہیں یقین آجائے گا۔'' سیکرٹری بولا اس کا لہجہ معنی خیز تھا لیکن فاضلی نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ اس نے مرشد سے کہا۔

''آپ اس شخص کو اتنی اچھی طرح نہیں جانتے جتنی اچھی طرح میں جان گیا ہوں۔ یہ شخص قسمت کا دھنی ہے اس وقت بھی بچ کر نکل جاتا ہے جب اسے خود اپنے بچنے کا علم نہیں ہوتا ہے۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' مرشد نے ناگواری سے کہا۔ ''کوئی شخص ہمیشہ نہیں بچ سکتا ہے..... وہ کیا کہتے ہیں..... اونٹ ہاتھی کے نیچے آتا ہے۔'' مرشد نے اپنی جہالت کا ثبوت دیتے کہا اور سیکرٹری نے تصحیح کی۔

''پہاڑ تلے جناب۔''

''ایک ہی بات ہے کہنے کا مطلب ہے کہ اپنے سے بڑی چیز کے نیچے آتا ہے تو یہ بھی میرے قابو میں آگیا۔ اب یہ ساری عمر اسی طرح رہے گا۔''

''میں تو کہتا ہوں اسے اس کے ساتھیوں کے پاس تختے میں بھیج دیں۔'' سیکرٹری نے مشورہ دیا۔ ''وہ بھی



کیا یاد کریں گے۔''

میں نے دل ہی دل میں سیکرٹری کو اتنا اچھا مشورہ دینے پر شاباشی دی۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔ نادان دوست کا کردار وسیم کے آدمی نے کیا اور فاضلی کو آزاد کرا دیا نتیجے میں خود اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اب دانا دشمن کا کردار مرشد کا سیکرٹری ادا کر رہا تھا۔ فاضلی کی یقیناً اس سے لگتی تھی اس لیے اس نے فوراً درمیان میں ٹانگ اڑائی۔ ''لیکن پہلے اس کی تصدیق تو ہو جائے کہ یہ سچ مچ ہمیشہ کے لیے اپنا ذہن کھو چکا ہے۔''

''کسی ڈاکٹر کو دکھانا ہوگا۔''

''لیکن جناب صرف دماغ کا ڈاکٹر ہی تصدیق کرسکتا ہے۔'' سیکرٹری دبے لہجے میں بولا۔ ''اور اسے دکھانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔''

''وہ کیا کرلے گا۔'' فاضلی بدتمیزی سے بولا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس کا کوئی علاج کیا گیا تھا اور ہیروئن کی طلب دب گئی تھی کیونکہ اس کے لہجے میں نہ تو نشہ تھا اور نہ ہی طلب والی بے چینی تھی۔ ''اسے اپنی فیس سے غرض ہوگی۔''

''تم اپنا منہ بند رکھو۔'' سیکرٹری نے اسے جھاڑ دیا۔ ''وہ اسے دیکھ لے گا اور پھر یاد رکھے گا۔ کسی وقت وہ گواہی دے سکتا ہے کہ اس نے شہباز کو کہاں اور کس حال میں دیکھا تھا۔''

''وہ اس کی جرأت نہیں کرے گا اور کرے گا تو اسے دیکھ لیں گے۔'' فاضلی نے کہا۔ ''ویسے معلوم کرنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔''

''دوسرے طریقے.....؟'' مرشد نے پوچھا۔

''آپ نے اسے اکرم چشتی کے حوالے کیا تھا اب میرے حوالے کریں میں اپنی تسلی کروں گا۔''

میں نے اس بار بھی دل ہی دل میں فاضلی کو بے نقط سنائیں۔ وہ یقیناً اس بہانے اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتا تھا۔ ہماری قید میں اسے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا لیکن ہیروئن کا عادی ضرور بنا دیا تھا اور وہ ہمیں بہت کچھ بتانے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اب وہ بدلہ لینے کے لیے بے چین تھا۔ یہ بات مرشد بھی سمجھتا تھا اس لیے اس نے انکار کر دیا۔ ''ابھی تمہاری اپنی حالت ٹھیک نہیں ہے اور میں نے بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے دو چار دن اسے دیکھتے ہیں۔''

''یہ ٹھیک ہے اسے یہیں رکھتے ہیں۔'' سیکرٹری نے کہا۔ ''پتا چل جائے گا کہ انجکشن نے اس پر کیا اثر کیا ہے۔''

''میں تو سمجھا تھا وہ زہر کا انجکشن ہے۔'' فاضلی نے کہا۔ ''ویسے میں ٹھیک ہوں جناب عالی۔''

''خاک ٹھیک ہو۔'' مرشد نے اسے جھاڑا۔ ''اگر ٹھیک ہوتے تو اس آدمی کو مارنے کے بجائے یہاں لے آتے اور پھر ہم اس سے شہباز کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ لیتے ابھی تو ہم بالکل اندھیرے میں ہیں۔ وہ سب بہت بڑا خطرہ ہیں۔ اب اکیلا شہباز ہی دردِ سر نہیں رہا ہے۔''

''لیکن ان کا سرغنہ یہی ہے۔'' فاضلی نے اصرار کیا۔ ''میں کہتا ہوں واپس کرنے کا خطرہ مول نہ لیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے ٹھکانے لگادیں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے اس کے ساتھیوں کو پتا چل گیا ہے کہ یہ میرے پاس ہے کئی گم نام کالز مرشد ہاؤس آ چکی ہیں کہ اگر شہباز کو کچھ ہوا تو مرشد ہاؤس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"

"اتنی جرأت نہیں ہے ان میں....."

"بات جرأت کی نہیں ہتھیاروں کی ہے جب تم وہ خوفناک گن حاصل کر سکتے ہو اور اسے استعمال کر سکتے ہو تو شہباز کے ساتھی تم سے زیادہ ان چیزوں کے بارے میں جانتے ہیں۔ وہ بھی خطرناک اسلحہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مرشد ہاؤس پر آس پاس کی کسی پہاڑی سے راکٹ فائر کیے جا سکتے ہیں اس کے بعد یہ ملبے کا ڈھیر نہیں بن جائے گا۔ میں ان لوگوں کی طرح چھپ کر تو نہیں بیٹھ سکتا ہوں۔" مرشد کے لہجے میں لرزتے خدشات سن کر مجھے حقیقی خوشی ہوئی تھی۔ یہ فرعون صفت شخص اب خوف کھانے لگا تھا جب سے ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینا شروع کیا تھا اس کا دماغ ٹھکانے پر آ گیا تھا وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے کسی بھی عمل کا فوری ردعمل ہوگا۔

"ہلکہ ہو سکتا ہے وہ اس وقت بھی کسی کارروائی کا منصوبہ بنا رہے ہوں۔" سیکرٹری نے لقمہ دیا۔ "بدقسمتی سے ہمارے تمام ٹھکانے ان کے علم میں ہیں۔"

"اور یہ سب تیری وجہ سے ہوا۔" مرشد کا لہجہ غضبناک ہو گیا۔ "تو کیا سمجھتا تھا جیمز بونڈ بن جائے گا۔ تیرا سارا منصوبہ جوتا بن کر تیرے منہ پر پڑ گیا اور الٹا ہمیں بھی مصیبت میں پھنس گیا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے جناب عالی۔" فاضلی سہمے انداز میں بولا۔ "یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"پہلے نہیں بگاڑ سکتے تھے لیکن اب یہ بھی طاقتور ہو گئے ہیں اور ہماری نظروں سے چھپے ہوئے ہیں۔ وہ دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے جو نظروں سے اوجھل ہو۔"

یہ ساری گفتگو، بحث اور مباحثہ میرے پاس ہی جاری تھا۔ مرشد اتنا کھل کر اس وجہ سے بھی بات کر رہا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ دوا مجھ پر اثر کر چکی ہے۔ مرشد نے مجھے بتایا کہ میں دس منٹ میں اپنی شخصیت سے محروم ہو جاؤں گا یعنی میں بھول جاؤں گا کہ میں کون ہوں لیکن اس نے یہ وضاحت نہیں کی تھی کہ میں انسانی خصوصیات سے بھی محروم ہو سکتا ہوں یا نہیں جس میں سب سے اہم بولنا ہے۔ اب تک میں نہ تو اپنے ذہن و سوچ سے محروم ہوا تھا اور نہ ہی میری یادداشت میں کوئی خلل آیا تھا اس کا مطلب تھا دوا مجھ پر اثر نہیں کر سکی تھی۔ مگر میں ان لوگوں کو ایسا ہی تاثر دینا چاہتا تھا کہ دوا مجھ پر اثر کر چکی ہے۔ اگر فاضلی وہاں نہ ہوتا اور مجھ پر شک کا اظہار نہ کرتا تو مجھے اداکاری کرنے میں دشواری پیش نہ آتی۔ مرشد اور سیکرٹری کتنے ہی ہوشیار سہی لیکن وہ عملی میدان کے کھلاڑی نہیں تھے۔ ان کے مقابلے میں فاضلی عملی آدمی تھا اور مجھے اسی سے خطرہ تھا کہ وہ میری اداکاری بھانپ لے گا لیکن مجھے یہ رسک تو لینا تھا۔

میں نے آنکھیں کھولیں اور اٹھ بیٹھا۔ مرشد، سیکرٹری اور فاضلی بے ساختہ پیچھے ہوئے تھے۔ ان کے اس ردعمل پر میں نے ردعمل ظاہر کیا اور یوں بیڈ پر سکڑ گیا جیسے ڈر گیا ہوں۔ میں سہمی نظروں سے ان تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے ردعمل پر مرشد اور سیکرٹری نے سکون کا سانس لیا سیکرٹری بولا۔ "دیکھا جناب دوا نے اثر کیا ہے۔"



"یہ اداکاری بھی ہو سکتی ہے۔" فاضلی نے الٹی رائے دی پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "شہباز..... ذلیل آدمی بولو....." وہ گالیاں دینے لگا اور پھر ایسی باتوں پر اتر آیا کہ عام حالات میں، میں اس کی گردن مروڑنے کو ترجیح دیتا لیکن اس وقت میں مجبور تھا۔ میں یوں اس کی بکواس سن رہا تھا جیسے سب کچھ میرے سر سے گزر رہا ہو اور میں اس کے غضبناک انداز سے سہم رہا ہوں۔ میں نے تکیہ سینے سے لگا لیا اور گویا اس کے عقب میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے اس ردعمل سے فاضلی کو حوصلہ ہوا اور اس نے آگے آ کر مجھے تھپڑ مارنا چاہا تو میں نے تکیہ آگے کر دیا اور حلق سے سہمی سہمی آوازیں نکالیں۔

"تم بے کار کی مشق کر رہے ہو۔" سیکرٹری نے حقارت سے اسے آگاہ کیا۔ "ایک ایسے شخص سے دشمنی نکال رہے ہو جو اب دوستی اور دشمنی کا مفہوم ہی نہیں سمجھتا۔"

"میں نہیں مانتا۔" فاضلی نے مشتعل ہو کر کہا۔ "یہ اداکاری کر رہا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" مرشد نے کہا۔ "لیکن ابھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"

"یہ مجھے مار رہا ہے۔" میں نے مرشد سے شکایت کی۔ "یہ گندہ ہے۔"

وہ تینوں چونکے تھے۔ مرشد نے مجھے غور سے دیکھا۔ "تم کون ہو؟"

"میں۔" میں نے کہا اور سوچ میں گم ہو گیا جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ میں کون ہوں۔ پھر میں نے مرشد کی طرف دیکھا اور الٹا اسی سے سوال کیا۔ "میں کون ہوں۔"

فاضلی نے ایک بار پھر بکواس کی اور مجھے ناقابلِ بیان الفاظ میں بتایا کہ میں کون ہوں میں نے پھر مرشد سے شکایت کی۔ "یہ گالی دے رہا ہے۔"

"فاضلی اپنا منہ بند رکھو۔" مرشد نے اسے گھرکا پھر نرمی سے مجھ سے کہا۔ "تمہیں کچھ یاد نہیں ہے؟"

"کیا یاد نہیں ہے؟"

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

"میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟" میں نے اس بار بھی اس کا سوال دہرایا تو مرشد کسی قدر جھنجھلا گیا۔

"جناب اس کے سوالوں سے بھی ظاہر ہے کہ یہ اپنی شخصیت اور ذہن کھو چکا ہے یہ سوچ کر سوال بھی نہیں کر سکتا ہے صرف اپنی حاجت بیان کر سکتا ہے اسے فاضلی سے خوف ہوا تو اس نے شکایت کر دی۔ اسے بھوک لگے گی تب یہ بولے گا ورنہ اسے باقی چیزوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"یہ اداکاری ہے۔" فاضلی تیز لہجے میں بولا۔ "میں کہتا ہوں اسے میرے حوالے کریں میں ایک گھنٹے میں اسے سیدھا کر دوں گا۔"

"ایک گھنٹے میں تم اسے ادھیڑ کر صرف اپنا بدلہ لے سکو گے۔" سیکرٹری نے تیز لہجے میں کہا۔ "ہمیں ویڈیو دکھاتے ہیں کہ اکرم چشتی نے اس کے ساتھ کیا کیا اور پورے دن تک اسے اذیت دیتا رہا لیکن وہ اس سے ایک چھوٹا سا مطالبہ نہیں منوا سکا۔ تم کیا تیر مار لو گے۔"

"تیری وجہ سے میں پہلے ہی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔" مرشد نے سیکرٹری کی تائید کی۔ "اب تو جا کر آرام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر..... اس کی فکر نہ کر۔"

مرشد نے نرم لہجے میں حکم دیا تھا اور فاضلی اچھی طرح سمجھتا تھا اب اسے یہاں سے چلے جانا تھا۔ اس کے جانے کے بعد مرشد نے سیکرٹری سے کہا۔ "بھئی اس کا اچھی طرح خیال رکھو۔"

"آپ فکر نہ کریں جناب۔" سیکرٹری بولا اور وہ دونوں بھی کمرے سے نکل گئے۔ مجھے ان کے لہجے معنی خیز لگے تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ انہوں نے مجھ پر سو فیصد اعتبار کر لیا تھا۔ مشکوک وہ بھی تھے لیکن فاضلی کی طرح شک نہیں کر رہے تھے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ انجکشن نے سچ مچ اثر کیا تھا یا نہیں۔ اس کے بعد ہی وہ میرے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرتے۔ میں بستر پر بیٹھا لاتعلقانہ انداز میں کمرے اور اس کی سجاوٹ کو دیکھ رہا تھا یہ مرشد ہاؤس کا کمرہ تھا اور اسی کے معیار سے سجا ہوا تھا۔ کمرے کے ساتھ ہی اٹیچ باتھ تھا۔ دو دن سے مجھے باتھ روم جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لیے میں نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے باتھ روم کا رخ کیا۔ جب باہر نکلا تو کمرے میں ایک خادمہ موجود تھی۔ اگرچہ وہ خاصی خوب صورت تھی اور عمر بھی بیس بائیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔ اس نے کپڑے بھی قیمتی پہن رکھے تھے لیکن چہرے کا بھونڈا میک اَپ اور اس سے زیادہ بھونڈے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہاں خادمہ تھی اور تمام اقسام کی خدمات مہیا کرتی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"میں صدقے کیسی ہے میری سرکار؟"

میں اسے سپاٹ نظروں سے دیکھتا رہا پھر جا کر بستر پر بیٹھ گیا۔ خادمہ اس عدم توجہی پر کھسیا گئی۔ حالانکہ زبان کے ساتھ اس نے جسم کی زبان بھی استعمال کی تھی۔ اس بار وہ روکھے لہجے میں بولی۔ "بھوک لگی ہے؟"

میں نے اپنا پیٹ ٹٹولا اور سر ہلایا۔ "ہاں بھوک لگی ہے۔"

میں بولنے کے معاملے بہت محتاط تھا۔ کوشش کرتا تھا وہی لفظ دھراؤں جو سامنے والے نے کہے ہوں تاکہ میرا غائب دماغی کا تاثر قائم رہے کوئی ایسا جملہ یا لفظ نہ کہوں جس سے ذہانت نظر آئے۔ خادمہ چلی گئی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ٹرے میں کھانا سجا کر لے آئی اور میں کھانے پر ٹوٹ پڑا میں نے بدتمیزی سے کھانا شروع کر دیا جیسے بچے کھاتے ہیں میں ایک پر دوسرا نوالہ منہ میں ڈال رہا تھا اور لاپروائی سے کام لیتے ہوئے گرا بھی رہا تھا۔ یہ کڑاہی نما گوشت اور موٹی تندوری روٹی تھی۔ بہ ظاہر یہ ملازمین کا کھانا تھا بوٹیاں بھی ادھ گلی تھیں۔ میں جان بوجھ کر مسالے میں انگلیاں ڈبو رہا تھا۔ ڈٹ کر کھانے کے بعد میں نے ملازمہ کی طرف دیکھے بغیر بستر پر دراز ہو کر سر تکیے سے لگا لیا تھا۔ اگرچہ مجھے خود پر بہت جبر کرنا پڑا تھا لیکن میں نے ایسا ظاہر کیا کہ مجھے اپنے گندے ہاتھوں اور ان سے گندے ہو جانے والے کپڑوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ ملازمہ ٹرے اٹھا کر لے گئی۔

ملازمہ کے جانے کے کچھ دیر بعد فاضلی کمرے میں داخل ہوا تو میں چوکنا ہو کر بستر کے کونے میں سمٹ گیا جیسے فاضلی سے خوفزدہ ہوں۔ وہ دانت پیس کر بولا۔

"میرے ساتھ چالبازی نہیں چلے گی۔"

"چالبازی۔" میں نے سوچ کر کہا۔ "وہ جو ابھی کھانا لائی تھی۔ وہ چلی گئی۔"

فاضلی کی حالت خاصی بہتر لگ رہی تھی۔ حویلی کے تہہ خانے میں وہ تباہ حال پڑا تھا۔ کپڑے گندے ہو رہے تھے اور برائے نام خوراک پھر مسلسل ہیروئن کی ڈوز نے اسے کمزور کر دیا تھا لیکن اس وقت وہ نہا دھو کر صاف ستھرا لگ رہا تھا۔ یقیناً اس کا فوری علاج شروع ہو گیا تھا اور اس نے ہیروئن استعمال نہیں کی تھی۔ ورنہ وہ غسل نہ کرتا تمام نشہ کرنے والے نہانے سے بھاگتے ہیں کیونکہ اس طرح نشہ اتر جاتا ہے اور انہیں دوبارہ نشے کے لیے تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ شاید اسے ہیروئن کے نشے کے خلاف کوئی زود اثر دوا استعمال کرائی گئی تھی۔ اب اس قسم کی دوائیں آ چکی ہیں جو ایک دو ہفتے میں نشہ چھڑوا دیتی ہیں لیکن اس میں اہم کردار نشہ کرنے والا کا ہوتا ہے اگر وہ نشہ چھوڑنا چاہتا ہے تو علاج کارگر ہوتا ہے دوسری صورت میں دنیا کا کوئی علاج کارگر ثابت نہیں ہوتا ہے۔ فاضلی مضبوط قوت ارادی کا مالک تھا اور ہیروئن نے اتنی جلدی اس کے اعصاب کو تباہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ سنبھل جاتا اور جلد اس نشے سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔

میرا خیال تھا کہ میرے جواب پر فاضلی سیخ پا ہو جائے گا لیکن وہ سنجیدہ رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"شہباز میں جانتا ہوں تم ہوش میں ہو، لیکن فکر مت کرو میں مرشد سے یہ بات نہیں کروں گا۔ بشرطیکہ تم بھی بھول جاؤ کہ ہیروئن کی طلب میں مَیں نے تم لوگوں کو کیا کیا بتایا ہے۔"

میں نے دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہا وہ مرشد کے دل میں شک پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب کہہ رہا تھا کہ وہ مرشد کو کچھ نہیں بتائے گا۔ ساتھ ہی وہ نہایت چالاکی سے مجھے دھمکا رہا تھا کہ میں مرشد کو اس کے بارے میں نہ بتاؤں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس صورت خود میرا راز فاش ہو جاتا۔ میرے لیے زبان بند رکھنے اور انجان بنے رہنے میں عافیت تھی۔ فاضلی کی بات کے جواب میں، مَیں کوئی ردِعمل ظاہر کیے بغیر اسے گھورتا رہا۔ فاضلی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مرشد تمہارا دشمن ہے وہ تمہیں مروا دے گا۔"

میں نے آنکھیں پھیلائیں اور ڈرے ڈرے انداز میں بولا۔ "مار دے گا۔"

"ہاں اسے یقین ہے تم بنے ہوئے پاگل ہو اور حقیقت میں پوری طرح ہوش میں ہو۔"

"میں پاگل ہوں؟" میں نے سوچ کر سوال کیا۔

فاضلی نے ایک بار پھر دانت پیسے۔ "شہباز میں کہتا ہوں ہوش میں آؤ ورنہ تمہارے ساتھ بہت برا ہونے والا ہے۔"

"بچاؤ..... بچاؤ۔" میں نے لاؤڈ اسپیکر جیسی آواز نکالی اگرچہ اس کے لیے مجھے اپنے پھیپھڑوں اور گلے کی قوت کو آخری حد تک استعمال کرنا پڑا تھا لیکن میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ فوراً ہی سیکرٹری اندر گھس آیا شاید وہ کہیں آس پاس ہی موجود تھا۔ میں بستر سے کودا اور اس سے چمٹ گیا۔ وہ بوکھلا گیا اس کا خیال تھا کہ میں نے اس پر حملہ کیا ہے۔ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن میں اس طرح چمٹا تھا کہ وہ آسانی سے نہیں چھڑا سکتا تھا۔ وہ جتنا خود کو چھڑانے کی کوشش کرتا میں اتنا ہی اس سے چمٹ رہا تھا اور ساتھ ہی چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔

"بچاؤ..... بچاؤ۔"

"کس سے بچاؤں..... چھوڑ مجھے..... تیری تو....."

فاضلی اس کی مدد کرنے کے بجائے بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "اب خود کو چھڑا کر دکھاؤ سیکرٹری صاحب..... تمہیں بھی پتا چلے ان معاملات میں آدمی کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب سیکرٹری بھی شور کر رہا تھا اور شاید شور سن کر ہی مرشد خود وہاں چلا آیا۔ اس نے گرج کر کہا۔ ''کیا ہو رہا ہے یہ؟''

میں نے سیکرٹری کو چھوڑا اور مرشد سے چمٹ گیا۔ ''مجھے بچاؤ یہ مجھے مار دے گا۔''

میں نے کسی کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا اور میری ساری توجہ مرشد کو پکڑے رکھنے پر تھی۔ وہ بھی بوکھلا گیا اس نے پہلے خود چھڑانے کی کوشش کی پھر فاضلی سے کہا۔ ''اسے دور کرو۔''

فاضلی نے مجھے گردن سے پکڑ کر کھینچا تو میں نے سعادت مندی سے مرشد کو چھوڑ دیا اور پھر شکایتی لہجے میں کہا۔ ''یہ گندہ آدمی مجھے مارے گا۔''

مرشد نے خون خوار نظروں سے فاضلی کی طرف دیکھا۔ ''تُو یہاں کیا کر رہا ہے۔''

''میں اسے دیکھنے آیا تھا۔'' فاضلی جلدی سے بولا۔

''اور میں شور سن کر آیا تو یہ مجھ سے چمٹ گیا۔'' سیکرٹری نے مرشد کے پوچھنے سے پہلے وضاحت کی۔ ''یہ بہت خوفزدہ تھا۔ جناب یہ ہوش کھو چکا ہے۔''

جب میں نے مرشد کو پکڑا تو وہ خوف زدہ ہو گیا لیکن اب وہ بھی سوچ میں پڑ گیا تھا میں نے صرف اسے پکڑا تھا اور اس کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کی تھی۔ میرا انداز فطری تھا حالانکہ اس بہانے میں نے مرشد اور سیکرٹری کے کپڑوں سے اپنے گندے ہاتھ اچھی طرح صاف کر لیے تھے۔ میں اچھی طرح سمجھتا تھا کسی جارحانہ کارروائی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں مرشد یا کسی کو نقصان پہنچا کر یہاں سے نہیں نکل سکتا تھا۔ فی الحال میری عافیت اسی میں تھی کہ اپنا ڈرامہ جاری رکھوں۔ اگر مرشد کو یقین آ جاتا کہ دوا نے مجھے بے کار کر دیا تب وہ شاید مجھے رہا کرنے کا فیصلہ کر لیتا مگر فاضلی منحوس نے پہلے اس کے ذہن میں شک کے بیج بو دیئے تھے اور اب میرے سامنے ہمدرد بن رہا تھا۔ سیکرٹری نے مجھ سے جان چھوٹنے پر سکون کا سانس لیا تھا اور وہ باہر جاتے ہوئے بولا۔

''اس سے جان چھڑائیں جناب..... یہ پورا پاگل ہو گیا ہے۔''

''اچھا۔'' مرشد نے دلچسپی سے مجھے دیکھا۔

''بہتر ہوگا کسی دماغ کے ڈاکٹر کو دکھا لیں۔'' فاضلی نے ایک بار پھر یوں ٹرن لیا۔ مرشد نے سرد نظروں سے اسے دیکھا اور وہاں سے دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ خود مرشد مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ اس وقت وہ کمرے میں اکیلا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے خاصی حد تک یقین ہو گیا تھا کہ میں اپنا شعور کھو چکا ہوں۔ اس نے نرمی سے کہا۔ ''تم شہباز ہو۔''

''میں شہباز ہوں۔'' میں نے بے یقینی سے کہا۔

''نہیں تم بلی ہو۔''

''میں بلی ہوں۔'' میں نے فوراً تسلیم کر لیا۔

''بلی کی طرح بول کر دکھاؤ۔''

اگر میں بلی کی طرح بولتا تو یہ حماقت ہوتی اس سے ظاہر ہوتا کہ کچھ چیزیں میری یادداشت میں ہیں۔ اس لیے میں اس کی طرف دیکھا۔ ''بلی کی طرح کیسے بولتے ہیں؟''

''تمہیں نہیں معلوم کہ بلی کی طرح کیسے بولتے ہیں؟''

میں بے تاثر رہا اور سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔ مرشد نے میرا معائنہ جاری رکھا تھا اور اب اس نے بھی اپنا چہرہ سپاٹ کر لیا تھا۔ اچانک اس کے لباس سے ٹون کی آواز آئی اور اس نے ایک چھوٹا واکی ٹاکی سیٹ نکالا۔ شاید مرشد ہاؤس کی حد میں رابطے کے لیے واکی ٹاکی استعمال کیے جاتے تھے۔ اس نے ایک بٹن دبایا اور بولا۔ ''ہاں بولو.....''

''اکرم چشتی آیا ہے جناب آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں نے سیکرٹری کی مدھم آواز سنی۔

''اسے یہاں بھیج دو میں گیسٹ ہاؤس میں ہوں۔''

چند منٹ بعد اکرم چشتی اندر آیا وہ سادہ لباس میں تھا۔ یہ بہت اعلیٰ درجے کا تھری پیس سوٹ تھا لیکن اس پر یوں چڑھا ہوا تھا جیسے کسی لکڑ بھگے کو سوٹ پہنا دیا جائے۔ اس نے آتے ہی مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر مرشد سے بولا۔ ''جناب عالی یہ میں کیا سن رہا ہوں..... یہ پاگل ہو گیا ہے؟''

''ظاہر ہے۔'' مرشد نے سر ہلایا۔ ''تم نے اس کے ساتھ جو کیا تھا اس کے بعد آدمی پاگل ہی ہوتا ہے۔''

''ڈرامہ کر رہا ہے یہ۔'' وہ بدمزگی سے بولا۔ ''مزید تفتیش سے بچنے کے لیے سارے ملزم اس قسم کی ڈرامے کرتے ہیں لیکن ڈرائنگ روم میں جاتے ہی دو منٹ میں سارے ڈرامے بھول جاتے ہیں۔''

''خوب تم آدمی کو مار مار کر انسان سے دنبہ بنا دو، اس کی کھال کھینچو اور اس میں بھس بھر کر کہو کہ وہ ڈرامہ کر رہا ہے۔'' مرشد نے طنز کیا۔

''جناب عالی آپ کے لیے ہی سب کرتے ہیں ہمیں کسی کو مفت میں مارنے کا شوق تو نہیں ہے۔'' اکرم چشتی نے جوابی طنز کیا۔

''میں سوچ رہا ہوں اسے چھوڑ دوں۔'' مرشد نے اس کا طنز نظر انداز کر کے کہا تو اکرم چشتی چونکنا ہو گیا۔

''اسے کیوں چھوڑ رہے ہیں اگر آپ کے کام کا نہیں رہا ہے تو میرے حوالے کر دیں۔ ویسے بھی اس کی گرفتاری کے لیے خصوصی ٹیم بنی ہے میری واہ واہ ہو جائے گی۔''

یہ سن کر میرا خون خشک ہو گیا۔ اکرم چشتی کے ہاتھ آنے کا مطلب تھا وہ مجھ پر مشق ستم کرنے کے لیے بالکل آزاد ہو جاتا یہاں تو وہ جو کر رہا تھا۔ وہ مرشد کی ہدایات کے مطابق کر رہا تھا۔ اس پر بھی اس نے میرا حشر نشر کر دیا تھا۔ مگر مرشد کے انکار سے میری جان میں جان آئی۔ اس نے کہا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے..... اس کے ساتھیوں کی طرف سے دھمکیاں مل رہی ہیں اور وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔''

اکرم چشتی نے خطرناک لوگوں کو ایک غلیظ گالی دی اور بولا۔ ''آپ ان کی فکر نہ کریں..... ایک بار اس سانپ کا سر کچل دیں باقی سنپولیے خود فرار ہو جائیں گے کوئی آپ کے سامنے نہیں آئے گا پھر ہم ہیں آپ کی حفاظت کے لیے۔''

''تم پولیس والے۔'' مرشد نے پھر طنز کیا۔ ''آج کل تم بے چاروں سے اپنی حفاظت نہیں ہو پا رہی ہے میری حفاظت کہاں سے کرو گے ویسے بھی میں اپنی حفاظت خود کرنے کا قائل ہوں لیکن میں اب ان لوگوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ الجھنا نہیں چاہتا ہوں۔''

''آپ پیچھے ہٹ رہے ہیں جناب عالی۔'' اکرم چشتی نے کسی قدر مشتعل لہجے میں کہا۔

مرشد معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''میں پیچھے ہٹ رہا ہوں لیکن تم آگے رہو گے۔ اب ان لوگوں سے تم نمٹو گے۔''

اکرم چشتی شاید یہ سوچ کر مشتعل تھا کہ مرشد نے دشمنی کا باب ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس لیے اس کی اہمیت بھی ختم ہو گئی تھی دوسرے اس نے مرشد کی خاطر ہمیں بھی دشمن بنا لیا تھا اب مرشد اس کی پشت پناہی سے ہٹ جاتا تو اسے یقیناً مشکل کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر مرشد کی بات سے لگ رہا تھا کہ ایک طرف وہ ہمیں بے وقوف بنا رہا تھا تو دوسری طرف اکرم چشتی کو بھی بے وقوف بنا رہا تھا۔ وہ اسے ہمارے پیچھے لگا رہا تھا۔ یہ ایک تیر سے دو شکار والی بات تھی۔ اکرم چشتی بے وقوف نہیں تھا وہ مرشد کی بات سن کر بدکا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب عالی..... دشمنی آپ کی ہے اور میں ان سے نمٹوں۔''

''تم ان کو قانون کی مار مارو گے..... شہباز پر پہلے ہی خاصے کیس ہیں اس پر مزید کیس بناؤ..... اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی ملوث کرو۔''

''یہ آسان نہیں ہے جناب..... ہمارے سامنے صرف عبداللہ ہے لیکن وہ بھی آسان شکار نہیں ہے۔ یہاں وہ راجا عمر دراز کا آدمی ہے اور اس کی رسائی بھی آئی جی تک ہے۔''

''اثر و رسوخ کی بات مت کرو۔'' مرشد نے غرور سے کہا۔ ''اس معاملے میں وہ میرا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ ایک بار ان کو مقدمات میں الجھا دیا گیا تو ان کی توجہ خود بہ خود میری طرف سے ہٹ جائے گی۔''

''اچھا جی۔'' اکرم چشتی نے بے دلی سے کہا۔ وہ صاف محسوس کر رہا تھا کہ مرشد اپنی جان چھڑا کر اپنے دشمن اس کے سر مارنا چاہتا تھا اور مرشد کی وفاداری میں اس نے پہلے ہی ہم لوگوں کو اچھا خاصا دشمن بنا لیا تھا۔ ابھی اس نے مجھ پر مشق ستم کی تھا اور اسے بجا طور پر خطرہ تھا کہ میں چھوٹ گیا اور میں ٹھیک ثابت ہوا تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے جو کیا تھا اس کے بعد معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کا فکر مند ہونا برحق تھا اس نے مرشد سے کہا۔ ''آپ کو یقین ہے کہ یہ اپنا دماغی توازن کھو چکا ہے؟''

''سو فیصد یقین تو میں کسی پر نہیں کرتا۔'' مرشد نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ''لیکن اس کے بارے میں مجھے خاصی حد تک یقین ہے کہ یہ اپنی شخصیت کھو چکا ہے۔ تبھی میں اس کے سامنے یوں گفتگو کر رہا ہوں۔''

اکرم چشتی کو یہ بات شاید ہضم نہیں ہو رہی تھی اس نے مشکوک لہجے میں کہا۔ ''جناب عالی جب یہ آخری بار بے ہوش ہوا تھا تو بالکل باہوش لوگوں کی طرح مجھے گالیاں دیتا ہوا بے ہوش ہوا تھا۔ پھر یہ دیوانہ کیسے ہو گیا؟''

مرشد غالباً اکرم چشتی کو انجکشن کے راز میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میری حالت کی ٹوپی اس کے سر رکھ رہا تھا۔ اکرم چشتی کے سوال پر اس نے بے نیازی سے کہا۔ ''مجھے کیا پتا..... لوگ تشدد سے کیسے پاگل ہو جاتے ہیں یہ بات ہماری پولیس سے بہتر کون بتا سکتا ہے۔''

مرشد کے طنز پر اکرم چشتی نے برا سا منہ بنایا۔ ''میں اسے چھوڑنے کے حق میں نہیں ہوں جناب..... اگر یہ آپ کے کام کا نہیں رہا ہے تو اسے میرے حوالے کر دیں۔''



''کیا میں نے تم سے پوچھا ہے کہ اس کا کیا کرنا ہے۔'' مرشد نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ میرا مسئلہ ہے اور میں جو چاہے کروں تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے؟''

مرشد کو غصے میں دیکھ کر اکرم چشتی نے عیاری سے پینترا بدلا۔ ''میری کیا مجال جناب عالی کہ اعتراض کروں میں تو عرض کر رہا ہوں۔ دیکھیں یہ شخص میرا سخت دشمن بن چکا ہے۔ آپ کے حکم پر میں نے اسے دو دن رگڑا ہے اب مجھے کہاں چھوڑے گا؟''

''اتنے کمزور ہو تم کہ ایک ملزم سے ڈر رہے ہو۔'' مرشد نے اس بار حقارت سے کہا۔ ''تھانے میں کیسے کام کرتے ہو، میرا خیال ہے تمہیں تو کسی آفس میں کام کرنا چاہیے۔''

''یہ بات نہیں جناب عالی۔'' اکرم چشتی نے صفائی پیش کی۔ ''دل گردہ آپ نے دیکھا ہے میرا..... لیکن یہ اور اس کے ساتھی سکہ بند دہشت گرد ہیں۔ یہ تو انڈیا میں بھی بڑی کارروائیاں کر کے آیا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے انڈیا کو بھی شہباز ملک مطلوب ہے۔''

''تو ان کے حوالے کر دیں جناب عالی۔''

''کیا مطلب؟'' مرشد نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا۔ ''کیا میرے ان سے تعلقات ہیں جو وہ مجھ سے کہیں اور میں شہباز ملک کو ان کے حوالے کر دوں؟''

اکرم چشتی اپنے الفاظ کے جال میں پھنستا جا رہا تھا۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔ ''میرا یہ مطلب نہیں ہے جناب عالی۔''

''تمہارا مطلب میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم کس لیے آئے ہو۔'' مرشد نے اپنے لباس سے ہزار کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر اکرم چشتی کی طرف اچھال دیں۔ ''یہ لو اپنا انعام اور اب دوبارہ اس وقت آنا جب میں بلاؤں۔''

اکرم چشتی کے دانت نکل آئے تھے۔ ''سمجھ گیا جناب عالی..... بالکل سمجھ گیا۔''

اس کے جانے کے بعد مرشد مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''تم نے دیکھا شہباز ملک..... دنیا کیسے مطلب کی ہوتی ہے۔ یہ اکرم چشتی میرے آگے دم ہلاتا ہے لیکن اگر میں اس کے آگے ہڈی نہ ڈالوں تو یہ مجھ پر بھونکتا ہے اور ہڈی ملتے ہی دوبارہ دم ہلانے لگتا ہے۔ یہاں ہر شخص ایسا ہی ہے۔''

مرشد کمرے سے نکل گیا اس کے انداز سے اور گفتگو سے لگ رہا تھا اسے خاصی حد تک یقین آ گیا ہے کہ میں دوا کی وجہ سے اپنی یادداشت اور ذہانت کھو چکا تھا۔ موقع ملتے ہی میں واش روم گیا اور اپنے ہاتھ منہ اچھی طرح دھو کر بلکہ خود پر پانی گرا کر واپس آیا۔ اکیلے ہونے کے باوجود میں نے اداکاری جاری رکھی تھی کیونکہ یہ مرشد ہاؤس تھا اور اس بات کا پورا امکان تھا کہ اس کمرے میں نگرانی کے آلات ہوں۔ یہاں اتنی چیزیں تھیں کہ خفیہ کیمرے اور مائک با آسانی ان میں چھپائے جا سکتے تھے۔ اگر میں کسی موقع پر عقل مندی کا مظاہرہ کرتا نظر آتا تو میرا بھانڈا پھوٹ جاتا اور اس کے بعد زیادہ خطرناک بات یہ ہوتی کہ مرشد مجھے دوبارہ انجکشن لگا دیتا۔

میں نہیں جانتا کہ انجکشن کا نیلا سیال مجھ پر کیوں اثر نہیں کر سکا تھا۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہو سکتی تھیں۔ ول انجکشن ایکسپائر ہو گیا تھا اور اپنی افادیت کھو چکا تھا۔ نمبر دو مرشد نے اسے ایک سرد کنٹینر میں رکھا تھا یعنی دوا کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرمی سے بچانا ہوتا ہے لیکن میں نے انجکشن کنٹینر سے نکال کر خاصی دیر اپنے ہاتھ میں رکھا تھا اور پھر فاضلی نے اسے میرے بازو میں انجکٹ کر دیا تھا۔ وہ تقریباً دس منٹ کنٹینر سے باہر رہا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اتنی دیر میں باہر کی گرمی نے دوا کی کمپوزیشن کو متاثر کیا ہو اور وہ اپنی افادیت کھو بیٹھی ہو۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ یہ نرد کی دوا تھی اور فاضلی نے میرے بازو کے پٹھے میں سوئی گھسا دی تھی۔ ظاہر ہے دوا بھی پٹھے میں گئی اور اسے خون میں شامل ہونے میں خاصا وقت لگا جس سے دوا بے اثر ہو گئی۔ ان میں سے کوئی وجہ ہو سکتی تھی۔ بہر حال اصل وجہ اللہ کی طرف سے مدد تھی۔ جب تک اس کا حکم نہ ہو کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور جب اس کا حکم آ جائے تو کوئی آپ کو بچا نہیں سکتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جب وقت نہیں آتا تو لوگ بدترین حادثوں اور بیماریوں سے بھی بچ جاتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو بیٹھے بیٹھے مر جاتے ہیں۔

خادمہ دوپہر کا کھانا لائی تھی۔ اس کے خاصی دیر بعد مجھے رات کا کھانا ملا تھا۔ حالانکہ دوپہر میں میں نے ڈٹ کر کھایا تھا۔ مگر اس وقت مجھے دوبارہ بھوک لگ گئی تھی۔ اس بار چاول کے ساتھ دال تھی اور آلو کی بھجیا تھی۔ ظاہر ہے اس بار بھی کھانا ملازموں کے کچن سے آیا تھا اور یہ بھی غنیمت تھا ورنہ اب تک تو مار ہی کھاتا آیا تھا۔ شکر ہے اس بار وہ بچ لائی تھی اس لیے میرے ہاتھ گندے ہونے سے بچ گئے اور کھانا اس نے میز پر لگایا تھا اس لیے بستر بھی صاف رہا۔ میں نے ندیدے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے میز پر گرایا جو خادمہ نے خاصا برا مان کر صاف کیا اور جاتے جاتے مجھے بہت کچھ سنا گئی۔ میں نے اس کی بک بک ایسے سنی جیسے بھینس بین کی آواز سنتی ہے۔ کھانے کے بعد میں بچوں کی طرح سکڑ سمٹ کر بیڈ پر لیٹ گیا حالانکہ یہ خاصا بڑا بیڈ تھا۔ میں نے چہرہ تکیے میں چھپا لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہاں کوئی کیمرہ لگا تھا تو اس میں میرے چہرے پر فکر انگیز تاثرات نظر آئیں۔

کچھ دیر میں کروٹیں لیتا رہا پھر اٹھ کر لائٹ کے سوئچ آف کر دیئے۔ کمرے میں تاریکی چھا گئی اور میں سکون سے لیٹ کر سو گیا۔ اگرچہ رات کی تاریکی میں بھی دکھانے والے کیمرے اب عام ہیں لیکن وہ چہرے کے تاثرات نہیں دکھاتے ہیں۔ رات کسی نے مداخلت نہیں کی اور میں آرام سے سوتا رہا۔ صبح ہوئی تو میری آنکھ خود ہی کھل گئی۔ رات مجھے غور و فکر کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مگر اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اصل کام یہ تھا کہ میں اپنی اداکاری برقرار رکھوں اور مرشد کے یقین کو پکا کرتا رہوں کہ میں اپنی یادداشت اور عقل کھو چکا ہوں۔ اس اداکاری پر ہی میری رہائی کا انحصار تھا لیکن دوسری طرف مرشد کو بہکانے والوں کی کمی بھی نہیں تھی۔ ان میں سرفہرست فاضلی تھا جو تنہائی میں میرا ہمدرد بن رہا تھا لیکن اصل میں وہ بہر صورت مجھے اس دنیا سے رخصت کرنا چاہتا تھا۔ اسے شدید خطرہ تھا کہ میری یادداشت درست ہو گئی اور میں نے مرشد کے سامنے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا تو میرے بجائے اسے دنیا سے رخصت ہونا پڑے گا۔

مجھے بھوک اتنی نہیں لگ رہی تھی لیکن میں نے بے قراری زیادہ دکھائی تھی۔ کچھ دیر کمرے میں ٹہلتا رہا پھر دروازے پر ہاتھ مارے۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ یعنی آدھے گھنٹے بعد وہی طرحدار خادمہ ناشتہ لے آئی۔ پہلی بار وہ آئی تو خاصی پُرجوش تھی۔ اس کے خیال میں اس کے حلقہ عشاق میں ایک احمق کا مزید اضافہ ہو گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ متوقع احمق تو کسی نولومود کی طرح اس سے بے نیاز تھا تو اس کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور اب وہ میری شکم سیری کی خدمت مارے باندھے کر رہی تھی اور جب میں کھاتے



ہوئے گراتا تو وہ ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ برا بھلا کہنے سے بھی گریز نہیں کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ مجھے سنا کر اور برتن لے کر رخصت ہوئی تو میں مسکرا رہا تھا۔ اس کے بعد میں انتظار کرنے لگا کہ ابھی مرشد یا اس کے گرگوں میں سے کوئی آئے گا لیکن دن گزرتا گیا اور کوئی سندیسہ نہیں آیا۔ میرا اضطراب بڑھ رہا تھا کیونکہ مرشد کو سوچ و بچار کا جتنا موقع ملتا میرے بارے میں اس کے ذہن میں زیادہ منفی خیالات آتے اور ان خیالات کے نتیجے میں اس کے شکوک بڑھتے تو میری رہائی کا امکان اتنا ہی کم ہوتا جاتا۔

مگر میں اس معاملے میں بے بس تھا۔ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا جو اس وقت کر رہا تھا۔ ہاں دعا ضرور کر سکتا تھا کہ اللہ میرے دشمنوں سے عقل سلیم چھین لے اور ان کو غلطی کرنے کی توفیق عطا فرمائے لیکن ان کو اس غلطی پر پچھتانے کی مہلت نہ دے۔ یہ پورا دن بھی اداکاری کرتے گزر گیا اور شام تک میں اتنا عادی ہو گیا تھا کہ اب مجھے فاتر العقلی کی اداکاری کرنے کی کوشش نہیں کرنا پڑ رہی تھی بلکہ خود بہ خود اداکاری جاری تھی۔ مجھے لگنے لگا کہ اسی طرح میں اداکاری کرتا رہا تو چند دن بعد سچ مچ ہوش و حواس سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔ اس سارے دن میں کمرے کی چیزوں اور آرائشی اشیا کا معائنہ کر کے مجھے خاصی حد تک یقین ہو گیا تھا کہ یہاں کوئی خفیہ کیمرہ نہیں ہے لیکن مائک کی موجودگی عین ممکن تھی۔ اس کے باوجود میں نے ہوش کے مظاہرے سے گریز کیا۔ رات کا کھانا حسب معمول خادمہ کو طیش دلا کر کھایا اور وہ صفائی کے بعد مجھے برا بھلا کہتی ہوئی رخصت ہوئی۔

میں سونے کے لیے لیٹا تھا کہ فاضلی ایک مسلح آدمی کے ساتھ اندر آیا۔ اس نے کہا۔ ''اٹھ جا شہزادے تیری طلبی ہوئی ہے۔''

میں نے اٹھ کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھا تو اس نے مجھے ہاتھ پکڑ کر بستر سے کھینچ لیا۔ میں چاہتا تو اسے جواباً کھینچ کر بستر پر لٹا دیتا اور ہمیشہ کی نیند سلا دیتا۔ جیسے ہی میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اس نے مجھے دروازے کی طرف دھکا دیا۔ اس کے ساتھ آنے والا مسلح شخص پوری طرح مستعد تھا اور اس کے ہاتھ میں چھوٹی نال والی لیکن نہایت مہلک شاٹ گن تھی۔ اس کا فائرنزدیک سے کسی کے چیتھڑے اڑانے کے لیے کافی تھا۔ گارڈ تربیت یافتہ تھا کیونکہ اس نے مجھ سے مخصوص فاصلہ برقرار رکھا تھا۔ وہ مجھے لے کر باہر آئے۔ مرشد ہاؤس کا یہ حصہ عام ملازموں کے لیے ممنوع تھا کیونکہ وہاں گنے چنے افراد ہی نظر آئے۔ فاضلی مجھے ایک بڑے کمرے میں لایا اور یہ ظاہر یہ طبی امداد کے لیے مخصوص لگ رہا تھا کیونکہ وہاں دواؤں کی بو تھی اور فرسٹ ایڈ میں کام آنے والا سامان رکھا تھا۔ ایک لمبا بیڈ تھا جس پر لٹا کر زخمی یا مریض کا معائنہ کیا جاتا تھا۔

''یہاں لیٹ جاؤ۔'' فاضلی نے مجھے حکم دیا اور میں نے اس کی تعمیل کی میں اس سے خوف ظاہر کر رہا تھا اور میں دیکھ رہا تھا اسے اس کی بہت خوشی ہو رہی تھی اس لیے وہ کوشش کر رہا تھا کہ مجھ سے زیادہ سے زیادہ درشت انداز میں پیش آئے تاکہ میں اور سہم جاؤں۔ فاضلی کمرے سے نکل گیا تھا۔ ایک منٹ بعد ایک ادھیڑ عمر اور گول مٹول سا شخص اندر آیا۔ اس نے گول فریم والی عینک لگا رکھی تھی۔ فاضلی اس کے پیچھے تھا اس نے گول مٹول آدمی سے کہا۔

''اس کو دیکھو..... یہ پاگل بنا ہوا ہے یا سچ مچ پاگل ہو چکا ہے۔''

گول مٹول آدمی ڈاکٹر تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اسے زبردستی اس کام کے لیے لایا گیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے بادلِ ناخواستہ میری طرف بیش قدمی کی اور پاس آ کر پہلے میری آنکھوں کا معائنہ کیا۔ نبض دیکھی اور پھر فاضلی کی طرف دیکھا۔ ''تم اسے پاگل کیوں کہہ رہے ہو؟''

''کیا یہ اپنی یادداشت اور شخصیت کھو چکا ہے؟''

گول مٹول آدمی نے بے بسی سے کہا۔ ''یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔''

''تم نیورو فزیشن ہو۔'' فاضلی غرایا۔ ''اتنی سی بات نہیں بتا سکتے؟''

''ایسے کیسے بتا سکتا ہوں۔'' گول مٹول ڈاکٹر نے رد دینے والے لہجے میں کہا۔ ''تم مجھے میرے کلینک سے گن پوائنٹ پر اٹھا لائے ہو اور مجھ سے اس شخص کی ذہنی حالت کے بارے میں پوچھ رہے ہو، میری خود اپنی حالت خراب ہو رہی ہے۔ پتا نہیں صبح کس کا منہ دیکھا تھا..... ہاں یاد آیا اپنا ہی دیکھا تھا شیو کرتے ہوئے..... پہلی بیوی اللہ اسے کبھی نہ بخشے مجھے ہمیشہ منحوس کہا کرتی تھی۔ آج خیال آتا ہے ٹھیک کہتی تھی۔''

مجھے ہنسی آنے لگی لیکن میں بالکل سنجیدہ رہا کیونکہ ڈاکٹر رو رہا تھا اور اس کی ذہنی حالت واقعی خراب نظر آ رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی بول کر اپنی فرسٹریشن نکال رہا تھا درحقیقت خود اسے طبی امداد کی ضرورت تھی۔ میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ''یہ رو رہا ہے؟''

''نہیں گا رہا ہوں۔'' ڈاکٹر نے جل کر کہا۔ ''جب میں روتا ہوں تو میری دوسری بیوی یہی کہتی ہو۔ اللہ اسے جلد جہنم رسید کرے۔''

بہ ظاہر ڈاکٹر بیویوں کا ستم رسیدہ لگ رہا تھا۔ وہ دوسروں کے اعصاب اور دماغ کا علاج کرتا تھا لیکن خود اس کے ذاتی اعصاب تباہ لگ رہے تھے۔ فاضلی کو اٹھا لانے کے لیے یہی ایک نمونہ ملا تھا۔ اس نے زچ لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے تم ایسے نہیں بتا سکتے لیکن پھر کس طرح بتا سکتے ہو اس شخص کے بارے میں۔''

''اسے میرے کلینک لے آؤ میں اسے وہاں داخل کر لیتا ہوں پھر مختلف ٹیسٹوں کی مدد سے پتا چلے گا۔''

فاضلی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر اسے کسی کلینک یا اسپتال لے جا سکتے تو تمہیں اٹھا لانے کا مشکل کام کیوں کرتے؟''

''پھر میں کیسے پتا کر سکتا ہوں۔ یہ دماغ کا معاملہ ہے اوپر سے کچھ پتا نہیں چلتا ہے۔''

''تم اس سے سوال کر کے تو کچھ اندازہ کر سکتے ہو؟''

گول مٹول ڈاکٹر نے میری طرف دیکھا اور اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کر کے مجھ سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

میں نے غور کیا اور الٹا سوال کیا۔ ''میرا نام کیا ہے؟''

''اسے تو اپنا نام بھی نہیں معلوم۔'' ڈاکٹر نے فاضلی سے کہا۔

''اداکاری کر رہا ہے یہ۔'' فاضلی بگڑ کر بولا۔

اپنی جان چھڑانے کے لیے ڈاکٹر نے مجھ سے کئی سوالات کیے اور میں نے تقریباً ہر سوال سے ایک سوال پیدا کر لیا۔ اس نے مایوس ہو کر نفی میں سر ہلایا۔ ''ایسے پتا نہیں چلے گا..... کہ یہ اداکاری کر رہا ہے یا سچ مچ اپنی شخصیت کھو چکا ہے۔ ویسے اس نے جو جواب دیئے ہیں وہ ایک یادداشت اور عقل سے محروم شخص ہی دے سکتا



ہے۔''

فاضلی نے شک سے پوچھا۔ ''تمہارا مطلب ہے یہ اداکاری نہیں کر رہا ہے؟''

''امکان ہے۔'' ڈاکٹر اب کسی قدر سنبھل گیا تھا۔ ''ویسے اسے ہوا کیا ہے؟''

''ممکنہ طور پر اسے کوئی ایسی دوا دی گئی ہے جو دماغ پر اثر کرتی ہے اور یادداشت ختم کر دیتی۔''

''اس صورت میں تو یہ معاملہ اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ٹیسٹ ہوں گے اور پتا چلایا جائے گا کہ اسے کون سی دوا دی گئی ہے۔ تب جا کر فیصلہ ہو گا کہ اس کا دماغ متاثر ہوا ہے اور کس حد تک متاثر ہوا ہے۔''

''ٹیسٹ کی ضرورت نہیں ہے ویسے بھی وہ دوا اپنا نشان نہیں چھوڑتی ہے ہمیں صرف یہ پتا چلانا ہے کہ اس کے دماغ پر کس حد تک اثر ہوا ہے۔''

''اس کے لیے اسے کلینک لے جانا ہو گا۔''

فاضلی بگڑ گیا۔ ''لگتا ہے تم ڈاکٹر نہیں گھسیارے ہو۔''

''میری دوسری بیوی بھی یہی کہتی ہے۔'' ڈاکٹر جلدی سے بولا۔

''ٹھیک کہتی ہے۔'' فاضلی نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا اور پھر گارڈ سے بولا۔ ''ہوشیار رہنا میں اسے ٹھکانے لگا کر آتا ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں جناب؟'' ڈاکٹر چلایا۔ ''آپ نے تو کہا تھا مجھے بحفاظت واپس چھوڑ دیں گے۔''

''تجھے بحفاظت تیرے ٹھکانے تک ہی چھوڑنے جا رہا ہوں۔'' فاضلی نے اسے کمرے سے باہر دھکیلا۔ کچھ دیر ڈاکٹر کا واویلا سنائی دیتا رہا پھر خاموشی چھا گئی۔ گارڈ کمرے میں آتے ہی ایک کونے میں چلا گیا تھا جہاں سے وہ مجھے پوری طرح نشانے پر رکھے ہوئے تھا اور اس دوران میں اس نے ایک لمحے کے لیے بھی توجہ مجھ پر سے نہیں ہٹائی تھی۔ وہ مرشد کے عام گارڈز سے مختلف نظر آ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک پیشہ ورانہ جھلک تھی۔ جیسے وسیم کے ساتھیوں میں تھی۔ مجھے اس غدار کا خیال آیا جسے غداری کا صلہ موت کی صورت میں ملا تھا۔ اس نے دس لاکھ کے لالچ میں اپنی زندگی فروخت کر دی تھی اور اللہ ہی بہتر جانتا تھا کہ سستی بیچی تھی یا مہنگی۔ فاضلی کی پہلی کوشش ناکام رہی تھی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ آرام سے بیٹھ جاتا۔ دو دن میں اس کی حالت میں نمایاں فرق آیا تھا اور کم سے کم ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے ہیروئن کی ذہنی طلب سے نجات حاصل کر لی تھی۔ جسمانی طلب کے لیے یقیناً اس کا علاج جاری تھا۔ دواؤں اور خوراک سے اس کا سابقہ دم خم لوٹ آیا تھا۔

فاضلی کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد مرشد اور سیکرٹری کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اضافی محافظ اور بھی تھا۔ وہ دروازے پر رک گیا تھا۔ مرشد نے کمرے میں موجود محافظ سے رپورٹ طلب کی اور اس نے لفظ بہ لفظ رپورٹ دی۔ مرشد کے چہرے پر ناگواری نظر آنے لگی۔ ''یہ کیا احمقانہ حرکتیں کر رہا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اسے خود ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت ہے۔'' سیکرٹری نے مرشد کی تائید کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہیروئن کے اثرات آدمی کا دماغ بھی الٹ دیتے ہیں۔''

میں اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور بیڈ سے پاؤں لٹکا کر جھلا رہا تھا۔ مرشد نے غور سے میری طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے اب اسے چھوڑ دینا چاہیے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' سیکرٹری نے پھر تائید کی تو میں نے دل ہی دل میں اسے شاباشی دی۔

''لیکن فاضلی.....'' مرشد بولتے بولتے رک گیا۔

''آپ اس کی بات پر اتنی توجہ کیوں دیتے ہیں۔'' سیکرٹری نے اسے قائل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ''مالک آپ ہیں وہ صرف ایک معمولی نوکر ہے۔''

سیکرٹری غالباً فاضلی کی اصل حقیقت سے واقف نہیں تھا لیکن مرشد کے انداز سے لگتا تھا وہ جانتا ہے کہ فاضلی اس کا بیٹا ہے اور شاید کسی وجہ سے مرشد اس کے بارے میں نرم گوشہ بھی رکھتا تھا۔ اس وجہ سے وہ فاضلی کو عام ملازم سے زیادہ اہمیت دینے پر مجبور تھا۔ بلکہ عام ملازم کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ مرشد انہیں شطرنج کے پیادوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ وہ بے دریغ انہیں استعمال کرتا اور جب ضرورت پڑتی تو پٹوا کر ایک طرف ڈال دیتا تھا۔ فاضلی کی اس کے نزدیک اہمیت تھی اور وہ اسے واپس حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ مرشد اس لیے اسے واپس حاصل کرنا چاہتا ہے کہ فاضلی اس کے اہم ترین رازوں سے واقف ہے لیکن اب مجھے لگ رہا تھا کہ فاضلی کی واپسی میں مرشد اور اس کے درمیان اس تعلق کا عمل دخل تھا جو ان دونوں نے سب سے اور شاید ایک دوسرے سے بھی چھپا رکھا تھا۔ یعنی مرشد جانتا تھا کہ فاضلی اس کا نطفہ ہے لیکن وہ سمجھتا تھا فاضلی یہ بات نہیں جانتا ہے۔ اسی طرح فاضلی سمجھتا تھا کہ اس حقیقت سے مرشد ناواقف ہے کہ وہ اس کا باپ ہے۔

لیکن مرشد واقف تھا ورنہ وہ فاضلی کو اتنی اہمیت نہ دیتا اور نہ اسے اپنے آدمیوں میں سب سے اوپر لاتا۔ سیکرٹری اس کے خلاف تھا لیکن وہ مرشد کو فاضلی کی مرضی کے خلاف قدم اٹھانے پر آمادہ کرنے میں ناکام نظر آ رہا تھا۔ کم سے کم اس وقت مجھے مرشد کے تاثرات سے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ فاضلی کی مرضی کے بغیر مجھے رہا کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور دوسرے فاضلی میرے ذہنی معائنے پر بہ ضد تھا۔ اس نے خود مجھے وہ مہلک انجکشن لگایا تھا اور مرشد نے یقیناً اسے دوا کے بارے میں بتا دیا ہوگا اور اس شخص کو بھی دکھا دیا ہوگا جس پر اس نے انجکشن کا تجربہ کیا ہوگا۔ اس کے باوجود فاضلی کو یقین نہیں آ رہا تھا غالباً اسے یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنی آسانی سے کیسے شکار ہو گیا اور اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا تھا۔ وہ اپنا شک رفع کرنا چاہتا تھا۔ سیکرٹری اس دوران میں مرشد کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھ سے نجات حاصل کر لی اور میرے ساتھیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ انہیں یہی بتایا جائے کہ تشدد نے میرا دماغ الٹ دیا اور وہ بے چارے اس امید پر میرا علاج کراتے رہیں گے۔

''وہ اس میں لگ جائیں گے اور آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔''

''وہ اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔'' مرشد نے نفی میں سر ہلایا۔ ''لیکن یہ خیال بھی اچھا ہے اس طرح ان کی توجہ عارضی طور پر ہٹ جائے گی۔''



سیکرٹری اس جواب سے خوش ہوا اور اس نے کوشش مزید تیز کر دی۔ ''اس کا ایک پہلو اور بھی ہے جناب، جب تک اسے رہا نہیں کیا جائے گا اس کے ساتھی چین سے نہیں بیٹھیں گے اور وہ اسے رہا کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ وہ ہمارے کسی ٹھکانے پر حملہ بھی کر سکتے ہیں۔''

مرشد کے ماتھے پر شکنیں آ گئیں۔ اس کا امکان تھا کہ وسیم اور میرے دوسرے ساتھی میرے لیے مرشد کے کسی ٹھکانے پر کارروائی کریں۔ اسے نقصان برداشت کرنا پڑتا۔ اس نے پھر تائید کی۔ ''ہاں اس کا امکان تو ہے، وڈیو دیکھنے کے بعد ان کے مشتعل فون آ رہے تھے۔''

''بس تو مناسب یہی ہے کہ اس سے جلد از جلد جان چھڑا لی جائے۔''

ایسا لگ رہا تھا کہ مرشد سیکرٹری سے تو متفق تھا لیکن وہ فاضلی کو قائل نہیں کر پایا تھا اور اصل مسئلہ یہی تھا۔ فاضلی کمرے میں داخل ہوا تو سیکرٹری برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ فاضلی نے اسے گھورا اور مرشد سے کہا۔ ''اسے کسی اسپتال یا کلینک میں لے جا کر دکھانا ضروری ہے۔''

''یہ بالکل مناسب نہیں ہوگا، بات جتنے زیادہ لوگوں تک جائے گی ہمارے لیے اتنی ہی مشکلات پیدا ہوں گی۔''

''کوئی مشکل نہیں ہوگی۔'' فاضلی نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر ہوئی بھی تو ہم کس لیے ہیں، کیا ہم نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔''

سیکرٹری نے پھر برا سا منہ بنایا اور مرشد سے بولا۔ ''میرا خیال ہے جناب عالی آپ اسے ہی اپنا مشیر بنا لیں، آنے والے انتخابات میں آپ کے راستے کی تمام رکاوٹیں یہ اکیلا دور کر لے گا۔''

''تم نے ٹھیک کہا یہ کام بالآخر ہم جیسے لڑنے مرنے والوں کو کرنا پڑے گا الیکشن اب مشوروں کا کھیل نہیں ہے۔'' فاضلی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''تم دونوں اپنی بکواس بند کرو۔'' مرشد نے تنگ آ کر کہا۔ ''مجھے کنفیوژ کر دیا ہے۔''

''دیکھیں جناب میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اسے جتنی دیر روکا گیا آپ کے لیے اتنی ہی مشکل ہوگی۔ اس کے ساتھیوں نے کوئی جوابی کارروائی کی تو ہمیں وہ نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔''

''تمہیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے تم مرشد ہاؤس میں بالکل محفوظ ہو۔'' فاضلی نے حقارت سے کہا اور مرشد سے بولا۔ ''آپ سن لیں جناب، جب تک پوری تسلی نہیں کر لیتے ہیں اسے چھوڑنا بالکل ٹھیک نہیں ہوگا، ویسے آپ جو حکم کریں۔''

فاضلی نے اپنی بات سامنے رکھ کر چالاکی سے فیصلہ مرشد پر چھوڑ دیا اور اب وہ سیکرٹری کی طرح دم سادھے مرشد کے جواب کا منتظر تھا۔ مرشد سوچ میں پڑ گیا تھا اور اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ خاصی مشکل میں ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے فیصلہ آسان نہیں تھا اگر وہ مجھے رہا کر دیتا اور بعد میں اسے پتا چلتا کہ میں بقائمی ہوش و حواس اسے احمق بناتا ہوا رخصت ہوا تو صدمے کے لیے علاوہ اسے آنے والے حالات سے بھی نمٹنا پڑتا۔ دوسری طرف اگر مجھے رہا نہیں کرتا اور اس دوران میں میرے ساتھی کوئی کارروائی کرتے مرشد کو جانی یا مالی نقصان ہوتا تو یہ بھی اس کے لیے اچھی بات نہیں تھی۔ زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ اسے کوئی ناقابل تلافی نقصان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ ہو جائے اور وہ مجھے گرفتار رکھنے پر مجبور ہو اور یوں اس جنگ کا دائرہ وسیع ہوتا جائے جسے مرشد اب سمیٹنا چاہتا تھا۔ خاصی دیر بعد اس نے گہری سانس لی اور فاضلی سے کہا۔ ''تمہیں کتنی مہلت چاہیے؟''

سیکرٹری کا چہرہ مرجھا گیا اور فاضلی کھل اٹھا تھا اس نے کہا۔ ''میں نے ڈاکٹر سے بات کی ہے اسے تین دن کا وقت چاہیے۔''

''ٹھیک ہے تمہارے پاس تین دن کا وقت ہے۔'' مرشد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''اگر یہ ثابت ہو گیا کہ یہ مکاری کر رہا ہے؟'' فاضلی نے پوچھا۔

''تو میرے پاس ایسے ایک درجن انجکشن موجود ہیں۔'' مرشد نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

سیکرٹری مایوس تھا لیکن فاضلی خوش تھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ میں بہ ظاہر میں جماہیاں لے رہا تھا۔ مرشد کے جانے کے بعد فاضلی نے مرشد ہاؤس کے ڈاکٹر کو طلب کیا شاید اسے میرے حوالے سے پہلے ہی کوئی ہدایت دی جا چکی تھی اس لیے اس نے آتے ہی انجکشن تیار کیا میری شرٹ کی آستین الٹ کر بازو پر ڈوری باندھی، نس ابھار کر اس نے انجکشن نس میں داخل کیا اور دوا انجکٹ کر دی۔ میں دیکھ چکا تھا کہ انجکشن ڈائزاپام کا تھا یعنی نیند کی دوا تھی اس لیے میں نے مزاحمت نہیں کی ورنہ میں ضرور مزاحمت کرتا۔ انجکشن لگتے ہی میرا سر چکرانے لگا اور گرنے سے پہلے میں دوبارہ اسٹریچر نما بیڈ پر لیٹ گیا تھا اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

○.....❖.....○



جب میں بیدار ہوا تو ایک کمرے میں ایک بیڈ پر اس حالت میں لیٹا ہوا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ فولادی ہتھکڑیوں سے بیڈ کے سرہانے والے حصے سے بندھے تھے اور میرے پاؤں بیڈ کے سامنے والے اینگل آئرن سے اسی طرح ہتھکڑی سے بندھے تھے۔ بستر بھی کسی اسپتال یا کلینک کا لگ رہا تھا اور وہاں وہ مخصوص بو تھی جو اسپتالوں میں آتی ہے۔ یہ دواؤں اور جراثیم کش دواؤں کی بو تھی۔ کمرے میں صرف ایک یہی بیڈ اور ایک اس کی سائیڈ دراز کے ساتھ ڈرپ اسٹینڈ تھا جو کونے میں رکھا تھا۔ وہاں خاموشی تھی اور سناٹا تھا جس میں صرف اے سی چلنے کی ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ کمرے میں صرف ایک دروازہ تھا اور اس کے سوا کوئی کھڑکی یا روزن نہیں تھا نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ یہ کمرہ ساؤنڈ پروف تھا۔ میں کتنا ہی چلاؤں یہاں سے آواز باہر نہیں جائے گی۔ میں نے تجربے کے لیے کسی کو آواز دینے کا سوچا تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ میں فاتر العقل تھا اور مجھے کسی ہوش مند آدمی کا شور شرابا نہیں کرنا چاہیے تھا اس لیے میں کسی چھوٹے بچے کی طرح شور شرابا اور مدد کے لیے چیخ و پکار کرنے لگا میں انجانے لوگوں سے درخواست کر رہا تھا۔

''کوئی کھولو..... مجھے کھولو..... مجھے باندھا ہوا ہے..... مجھے کھولو۔'' میری کوشش تھی کہ میری آواز میں درد کے ساتھ بچگانہ پن رہے۔ مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ کسی نے ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میری آواز کسی کے کانوں تک نہیں جا رہی تھی یا جا رہی تھی تو اس نے توجہ نہیں دی۔ کمرے کی دیواریں اور چھت بالکل سادہ تھی۔ ایک طرف ٹیوب لائٹ لگی تھی۔ کوئی ایسی چیز یا جگہ نظر نہیں آئی جس میں کیمرے کا لگایا جا سکتا۔ یعنی یہاں کیمرہ نہیں تھا البتہ مائک کی موجودگی کا امکان تھا۔ اس کا میں نے شور شرابے میں بھی خیال رکھا تھا۔ میں نے ہتھکڑیوں کو آزمایا کہ شاید ان میں کوئی کمزوری ہو لیکن وہ بہت مضبوط تھیں۔ البتہ اس کو جھٹکے دینے سے بیڈ ہلا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے نیچے پہیے لگے تھے۔ یعنی اسے ہلا کر کہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ مجھے کسی اسپتال یا کلینک منتقل کر دیا گیا تھا اور شاید یہ اسی گول مٹول ڈاکٹر کا کلینک تھا جسے پہلے فاضلی نے گن پوائنٹ پر اٹھایا تھا لیکن شاید بعد میں اس نے اس سے ڈیل مکا کر لیا تھا اور اب وہ پیسے کی خاطر یہی کام خوشی خوشی کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ فاضلی نے مجھے نیند کا انجکشن لگوا کر یہاں منتقل کر دیا تھا۔ اب ڈاکٹر مشینوں یا ٹیسٹوں کی مدد سے میری دماغی حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی اپنے دماغ کا معائنہ نہیں کرایا تھا اور نہ ہی کسی اور نے یہ زحمت کی تھی اس لیے میں نہیں جانتا تھا کہ آج کی میڈیکل سائنس اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماہرین کس حد تک ترقی کر چکے تھے۔ وہ کسی شخص کی دماغی حالت کا درست پتا لگا سکتے تھے کہ وہ اپنے پورے ہوش میں ہے یا نہیں۔

البتہ میں نے سنا تھا کہ بہت سارے ملزم جیل میں پاگل بن جاتے ہیں تاکہ ان پر مقدمہ نہ چلایا جا سکے۔ ظاہر ہے ایسے شخص پر کیسے مقدمہ چلایا جا سکتا تھا جو اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے اپنے ہوش میں نہ ہو۔ ایسے لوگوں کا دماغی معائنہ کرایا جاتا ہے لیکن وہ ماہرین اور جدید ترین مشینوں کو بھی دھوکا دے جاتے ہیں۔ یعنی آج تک کوئی ایسی مشین یا طریقہ ایجاد نہیں ہوا جو انسان کے اندر کی خبر من وعن دے دے۔ ہر چیز کو انسان اپنی قوتِ ارادی اور ذہنی مضبوطی سے شکست دے سکتا ہے۔ اس خیال سے مجھے حوصلہ ہوا تھا اگر میں ثابت قدم رہوں تو کوئی ڈاکٹر اور کوئی مشین مجھے ہوش مند ثابت نہیں کر سکتی تھی۔ میں اندر ہی اندر خود کو مضبوط کرنے لگا کہ مجھے کسی صورت فاضلی کے حربوں سے شکست نہیں کھانی ہے۔

مرشد نے میرے خدشوں کی تصدیق کر دی تھی کہ اگر میں باہوش ثابت ہوا تو وہ ٹرائی ٹرائی اگین کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے مجھے پھر اسی دوا کا انجکشن دے گا اور اگر پھر بھی نتیجہ حسبِ پسند نہیں نکلا تو اس نے بتایا تھا کہ اس کے پاس درجن سے زیادہ انجکشن موجود تھے۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ سارے انجکشن مجھ پر خرچ کر سکتا تھا۔ میری عافیت اسی میں تھی کہ میں کسی طرح مرشد اور اس سے پہلے خبیث فاضلی کو یقین دلا سکوں کہ میں اپنے حواس اور شخصیت کھو چکا ہوں۔ میرے ہاتھ پیروں پر پڑی فولادی بیڑیاں اور کڑے بہت مضبوط اور ناقابلِ شکست تھے اس لیے تھک ہار کر میں نے کوشش ترک کر دی۔ فاضلی مجھے اچھی طرح جانتا تھا اسے معلوم تھا کہ میں ذرا سی کوتاہی اور کمی سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں اس لیے اس نے کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے اسپتال منتقل کرنے کے بعد مجھے پوری طرح بے بس کر دیا تھا۔ مجھے یقین تھا اس کمرے کے باہر فاضلی کے مسلح ماتحت ہوں گے جو میرے فرار کو کسی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے مستعد ہوتے۔ فاضلی نے انہیں اچھی طرح سمجھا دیا ہوگا کہ میرے فرار کی صورت میں انہیں کیا سزا ملے گی۔

میرے لیے صبر سے آنے والے حالات کا انتظار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا اس لیے میں انتظار کرنے لگا۔ میرا اندازہ ہے کہ کوئی ایک گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور ایک نرس ایک آدمی کے ساتھ اندر آئی۔ نرس نے ناشتے کی ٹرے اٹھا رکھی تھی اور آدمی خالی ہاتھ تھا لیکن اس کے لباس میں یقیناً کوئی ہتھیار تھا۔ وہ فاضلی کا گرگا تھا۔ نرس نے ناشتے کی ٹرے سائیڈ دراز پر رکھی اور نیپکن میرے سینے پر پھیلا کر چمچ سے مجھے دودھ ملا پورج کھلانے لگی۔ میں نے بلا تکلف پورج کھایا، اس کے بعد اس نے مجھے دو عدد ابلے انڈے قتلے کر کے اور نمک کالی مرچ چھڑک کر کھلائے۔ آخر میں اس نے گھونٹ گھونٹ کر کے مجھے چائے پلائی تھی۔ یہ خاصا تسلی بخش قسم کا ناشتہ تھا اور اب میں فاضلی اور ڈاکٹر سمیت ہر آفت کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ نرس قبول صورت اور تجربے کار تھی اس لیے اس کا انداز مشینی تھا۔ اپنی ڈیوٹی بھگتا کر وہ آدمی سمیت چلی گئی۔ اس دوران میں ان دونوں نے کوئی بات نہیں کی تھی میں نے نرس سے شکایت کرنے کے انداز میں کئی بار کہا تھا کہ مجھے باندھ کر رکھا ہے مجھے درد ہو رہا ہے لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی اور اپنا کام کرتی رہی۔

میرا خیال تھا کہ جلد مجھے کسی آزمائش سے گزرنا پڑے گا اور میرا خیال درست نکلا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد



دروازہ دوبارہ کھلا اور اسی آدمی کے ساتھ ایک تنومند اور نوجوان وارڈ بوائے اندر آیا اس نے میرے بیڈ کو عقب سے پکڑ کر دھکیلنا شروع کیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ فاضلی کا آدمی بھی ساتھ تھا۔ راہداری کے جس سرے پر یہ کمرہ تھا اس کے آخری سرے پر ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا جس میں کئی طرح کی جدید مشینیں لگی تھیں۔ وہاں وہی گول مٹول ڈاکٹر اور فاضلی موجود تھے۔ ان کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ ان کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی ہے اور وہ میرے معاملے میں ایک ہیں۔ ''اسے کھول دو۔'' ڈاکٹر نے وارڈ بوائے سے کہا۔

''اسے کھولنا ضروری ہے؟'' فاضلی نے مداخلت کی۔

''ظاہر ہے اسے بیڈ سمیت تو ایکسرے میں نہیں ڈال سکتے۔'' ڈاکٹر نے ایک بڑی مشین کی طرف اشارہ کیا جس کے درمیان میں گول خلا تھا اور اس خلا سے فولادی تختہ باہر نکلا ہوا تھا۔ فاضلی نے سر ہلاتے ہوئے پستول نکال لیا۔ ڈاکٹر کا رنگ اڑ گیا تھا اس نے بوکھلا کر کہا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت ہے تم اس شخص کو نہیں جانتے، اسے موقع مل گیا تو یہ مجھ سمیت سب کو لہولہان کر نکل جائے گا۔''

نوجوان وارڈ بوائے نے یوں ڈرتے ڈرتے میری ہتھکڑیاں کھولیں جیسے میں کوئی زہریلا سانپ ہوں اور آزاد ہوتے ہی اسے ڈس لوں گا۔ میں بیڈ سے نیچے اترا تو وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ ڈاکٹر نے دور سے مجھ سے کہا۔

''اس پر لیٹ جاؤ۔'' اس کا اشارہ مشین سے نکلے تختے کی طرف تھا یہ شاید سی ٹی اسکین یا اسی قسم کی کوئی مشین تھی۔ میں نے غور سے مشین کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں تم مجھے اس میں بند کر دو گے۔''

''نہیں ہم تمہارا علاج کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر نے چمکار کر کہا۔ ''شاباش اس میں لیٹ جاؤ۔''

میں نے ظاہر کیا کہ ڈاکٹر کی پیار بھرے لہجے نے مجھے متاثر کیا ہے اور میں خاموشی سے تختے پر لیٹ گیا۔ ڈاکٹر کے اشارے پر وارڈ بوائے نے آگے آ کر میرے دونوں ہاتھ سینے پر کراس کر کے سینے پر بیلٹ باندھ دی۔ ایسی ہی دو بیلٹیں اس نے میرے پیٹ اور نیچے گھٹنوں سے ذرا اوپر کسی تھیں اب میں تختے میں بالکل فکس ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے میرے سر اور سینے پر کوئی چار عدد الیکٹروڈ لگائے اور پھر ایک طرف لگے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر چند بٹن دبائے۔ اس کے ساتھ ہی مشین آن ہو گئی اور تختہ خود بہ خود کھسک کر اندر جانے لگا۔ ایک منٹ کے اندر میں مشین کے اندر تھا اور اس میں دائرے میں تیز روشنیاں جل بجھ رہی تھیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ کس قسم کی مشین تھی اور میرے ساتھ کیا فنکشن کرتی۔ روشنیوں کے ساتھ ساتھ پانی کے کھولنے جیسی سنسناتی ہوئی آواز بھی آ رہی تھی۔ شاید اس وجہ سے مجھے باہر کی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شروع میں گھومتی روشنیوں کی تیزی سے میرا سر چکرایا تھا لیکن جلد میں نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ میں شاید آدھے گھنٹے مشین میں رہا اور اس دوران صبر سے کام لیتا رہا۔ ورنہ مجھے تو اسپتال کے ماحول سے وحشت ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ اس چھوٹی سی مشین میں بند ہو جانا۔

جب مجھے باہر نکالا گیا تو شاید میرے چہرے پر بھی اس وحشت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ڈاکٹر اور فاضلی دونوں خاموش تھے اور مجھے نہیں معلوم کہ ان کے درمیان کیا بات ہوئی تھی۔ وارڈ بوائے نے بیلٹ کھولیں اور میں کود کر نیچے اتر آیا۔ ''مجھے اس میں کیوں بند کیا؟'' میں نے ڈاکٹر سے پوچھا اصل میں، میں اندازہ لگا رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ کس نتیجے پر پہنچے تھے۔

''کچھ نہیں ہم تمہارا علاج کر رہے ہیں۔'' وہ پہلے کی طرح نرمی سے بولا۔ ''تمہیں کچھ یاد نہیں ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تمہیں تمہارا ماضی یاد آ جائے۔''

''میرا ماضی؟''

''ہاں تم سب بھول چکے ہو۔'' ڈاکٹر بولا۔

میں نے محسوس کیا کہ فاضلی ڈاکٹر کی باتوں سے متفق نہیں تھا لیکن اس نے ڈاکٹر کی رائے کو مسترد بھی نہیں کیا تھا۔ وہ خاموش تھا۔ یقیناً اس ٹیسٹ میں ڈاکٹر کو ایسا کوئی سراغ نہیں ملا تھا جس سے وہ میری سمجھ بوجھ کے بارے میں حتمی فیصلہ کر سکتا تھا بلکہ وہ میری اداکاری سے متاثر نظر آ رہا تھا میں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ وہ اس اداکاری سے متاثر ہی رہے۔ مجھے ایک بار پھر بیڈ پر لٹا کر ہتھکڑیوں سے باندھ دیا گیا۔ حالانکہ ڈاکٹر نے دبی زبان میں کہا۔ ''اس سے مجھے مشکل پیش آئے گی یوں باندھنے سے آدمی کی ذہنی حالت ویسے ہی ڈسٹرب ہو سکتی ہے۔''

''تم اس معاملے میں دخل مت دو۔'' فاضلی نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''تم اس کام کی طرف توجہ دو جس کے لیے تمہیں پچاس ہزار معاوضہ دیا گیا ہے۔''

''میں اسی کام کے لیے کہہ رہا ہوں۔'' گول مٹول ڈاکٹر نے خفگی سے کہا۔ ''خیر تمہاری مرضی..... اب اس کے کچھ بلڈ اور یورین ٹیسٹ ہوں گے۔''

بلڈ سمپل تو وارڈ بوائے نے وہیں لے لیا تھا اور یورین سمپل اس نے مجھے کمرے میں لا کر لیا۔ اس دوران میں فاضلی کا آدمی بھی وہاں موجود تھا لیکن میں شرما بھی نہیں سکتا تھا۔ اس طرح باندھنے کے بعد ظاہر ہے مجھے بیڈ پان ہی کرنا تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے یہ مرحلہ بھی طے کر لیا۔ اگرچہ مجھے گھن آ رہی تھی لیکن مجبوری تھی۔ فاضلی مجھے آزادی کا ایک لمحہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ مرشد کے آدمیوں میں وہی مجھ سے سب سے زیادہ واقف تھا بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ مرشد سے زیادہ مجھے جانتا تھا۔ ہمارا کئی بار آپس میں براہِ راست ٹکراؤ ہو چکا تھا۔ اس کا خدشہ درست تھا کہ اگر میں اداکاری کر رہا تھا تو مجھے آزادی کا موقع نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ اسی مفروضے کے تحت مجھ سے پیش آ رہا تھا۔

فاضلی نے ڈاکٹر کو بتا دیا تھا کہ مجھے دی جانے والی دوا کا میرے جسم میں اب کوئی نشان نہیں ملے گا اس کے باوجود وہ میرا بلڈ اور یورین ٹیسٹ لے رہا تھا۔ ممکن ہے وہ دوا کے بجائے کچھ اور معلوم کرنا چاہ رہا ہو۔ وارڈ بوائے کے جانے کے کچھ دیر بعد وہی نرس آئی جس نے مجھے ناشتہ کرایا تھا اس نے مجھے ایک انجکشن دیا اور ایک منٹ سے بھی پہلے میں سو چکا تھا۔ جیسا کہ جاگنے کے بعد مجھے علم ہوا کہ یہ فاضلی کے حکم پر ہوا تھا۔ مجھے جاگ آئی تو میں کمرے میں اکیلا نہیں تھا۔ فاضلی اور گول مٹول ڈاکٹر بھی موجود تھے۔ وہ آپس میں بات کر رہے تھے۔ ڈاکٹر برہم تھا اس نے فاضلی سے کہا۔ ''تم اچھا نہیں کر رہے ہو اس طرح مداخلت کر کے۔''

''یہ مداخلت نہیں ہے میں بہتر سمجھتا ہوں اس شخص کو کس طرح رکھنا چاہیے۔''

''یہ مداخلت ہی ہے جب میں نے کہا تھا اسے نیند کی یا کسی قسم کی کوئی دوسری دوا نہیں دینی ہے تو پھر تم



نے اسے کیوں انجکشن لگوایا؟''

''میں نے کہا نا یہ ضروری ہے۔''

''اس طرح میں نہیں بتا سکتا کہ یہ شخص ہوش میں ہے یا نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے واضح کہا۔ ''ناکامی کی تمام ذمے داری تم پر ہوگی اور تم مجھے الزام نہیں دے سکتے۔''

''تم اپنا کام کرو۔'' فاضلی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں الزام نہیں دوں گا۔ یہ بتاؤ کہ ٹیسٹ کے کیا نتائج نکلے؟''

''نیگیٹو۔'' ڈاکٹر نے مایوسی سے کہا۔ ''اگر یہ لاشعوری طور خوف زدہ ہوتا تو اس کے خون میں کچھ ہارمون شامل ہو جاتے لیکن ٹیسٹ میں ہارمون نہیں آئے۔''

''لاشعوری، سے کیا مراد ہے؟''

''باشعور آدمی خود پر قابو رکھ سکتا ہے اس لیے ایسی سچویشن میں جب آدمی خوف محسوس کرتا ہے تو یہ ہارمون خون میں شامل نہیں ہوتے لیکن لاشعوری طور پر خوف بہت مضبوط ہوتا ہے اس لیے ہارمون لازمی خون میں شامل ہوتے ہیں اور ان کا اثر یورین میں بھی آتا ہے۔ اس لیے میں نے اسکین کے فوراً بعد اس کے ٹیسٹ لیے تھے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اس نے خود پر قابو رکھا اور یہ ہوش میں ہے۔'' فاضلی نے فوراً نتیجہ اخذ کیا۔

''یہ تمہارا خیال ہے۔'' ڈاکٹر نے تلخی سے کہا۔ ''تم نے اسے بندھوا کر اچانک خوف زدہ ہونے والی کیفیت سے دوچار ہونے نہیں دیا۔ یہ پہلے سے اس سلوک کے لیے تیار تھا۔ اس لیے ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہوش میں ہے یا نہیں ہے۔''

اس جواب سے فاضلی مایوس ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم دونوں باتیں کر رہے ہو۔''

''میں اور کیا کروں یا تو تم مداخلت بند کر دو اور مجھے میرا کام کرنے دو یا پھر نتائج کی ذمے داری قبول کرو۔''

''مداخلت تو میں کسی صورت نہیں چھوڑ سکتا۔'' فاضلی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''ہاں ذمے داری قبول کر سکتا ہوں۔''

''آخر تم یہ سب کیوں کر رہے ہو کیا یہ شخص تمہارا دشمن ہے؟''

''ہاں اور یہ پولیس کو بھی مطلوب ہے۔''

''تو اسے پولیس کے حوالے کرو۔''

''یہی کرنا ہے۔'' فاضلی نے چالاکی سے کہا۔ ''مجھے شبہ ہے یہ بچنے کے لیے ڈھونگ رچا رہا ہے اس کا پتا چلنا چاہیے کہ یہ ہوش میں ہے یا نہیں۔''

''دیکھو میں تمہیں بتا رہا ہوں اس قسم کے دھوکے کا پتا چلانا بہت دشوار ہے آج تک کوئی ایسی مشین یا طریقہ ایجاد نہیں ہوا جو انسان کی درست دماغی کیفیت کی نشاندہی کر سکے۔ میرے علم میں چار افراد کا قاتل شخص ہے جو دس برس تک کامیابی سے ڈاکٹروں کو پاگل پنے کا دھوکا دیتا رہا۔ وہ دس سال پاگل خانے میں رہا اور موقع ملنے پر فرار ہو گیا لیکن بدقسمتی دو دن بعد ہی پکڑا گیا اور اس پر عدالت میں مقدمہ چلا اسے پھانسی کی سزا ہو گئی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقدمے کے دوران اس نے اعتراف کیا کہ وہ دس سال تک پاگل بن کر ڈاکٹروں کو دھوکا دیتا رہا۔ میں عدالت کی طرف سے بنائے جانے والے میڈیکل بورڈ میں شامل تھا۔"

"میں نے سنا ہے کہ ایسی دوائیں ہیں جو انسان کے لاشعور پر اثر کرتی ہیں اور وہ بے اختیار سچ بولنے لگتا ہے۔"

"ایسی دوائیں ہیں لیکن ان کو خاص حالات میں ہی استعمال کیا جاتا ہے اور عام طور سے مریض کی رضا مندی سے استعمال کیا جاتا ہے اگر وہ راضی نہیں ہوتا اور مدافعت کرتا ہے تو یہ دوائیں بھی اثر نہیں کرتی ہیں، یوں سمجھ لو کہ دماغ دنیا کی طاقتور ترین مشین ہے اور جب تک یہ خود اجازت نہ دے باہر سے کوئی اس میں مداخلت نہیں کر سکتا ہے۔"

"میں بھی ایسا ہی سمجھتا تھا۔" فاضلی نے کہا۔ "لیکن جانتے ہو اس شخص نے میرے ساتھ کیا کیا..... ؟ اس نے مجھے ہیروئن کا عادی بنا دیا اور میری ساری مزاحمت ختم ہو گئی۔"

"وہ دوسری بات ہے نشے کی جسمانی طلب نے تمہیں مجبور کیا۔ ویسے تم چاہو تو یہ حربہ اس پر بھی آزما سکتے ہو۔"

"اتنا وقت نہیں ہے یہ بتاؤ اسے کتنی دیر میں ہوش آئے گا؟"

"مزید ایک گھنٹہ لگے گا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "لیکن میں اس کا جو اگلا ٹیسٹ کرنے والا تھا وہ اب ذرا تاخیر سے ہو گا جب یہ نیند کی دوا کے اثر سے مکمل نجات حاصل کر لے گا۔"

"اگلا ٹیسٹ کیا ہے؟"

"میں اسے جھوٹ اور سچ پکڑنے والی مشین سے ٹیسٹ کروں گا اسے پولی گراف کہتے ہیں۔"

"اچھا۔" فاضلی نے دلچسپی سے کہا۔ "یہ کس طرح جھوٹ پکڑتی ہے؟"

"مختلف طریقوں سے۔ اس میں انسان کی سانس، دل کی دھڑکن، بلڈ پریشر اور دماغ کی لکیروں کے گراف کی مدد سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ بولنے والا سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔"

"صرف اندازہ۔" فاضلی نے مایوسی سے کہا۔

"ہاں اور اہم بات یہ ہے کہ بچے، پاگل اور نشے کے عادی فرد پر یہ ٹیسٹ بے کار ہے۔ اسی طرح جو شخص مستقل بلڈ پریشر کا مریض ہو اس کے ٹیسٹ کا نتیجہ بھی نہیں نکلتا ہے۔"

"یعنی یہ سچ مچ پاگل ہو گیا ہے تو اس ٹیسٹ کا نتیجہ تب بھی درست نہیں ہو گا۔"

"یہ تو ہے۔" گول مٹول ڈاکٹر نے اعتراف کیا۔ "لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں کسی شخص کے پاگل ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ اسی طرح لگا سکتے ہیں۔"

"ایک دماغ کا ٹیسٹ بھی ہوتا ہے جیسے مشین دل کا ٹیسٹ کرتی ہے جسے ای سی جی کہتے ہیں۔"

"دماغ کے ٹیسٹ کو ای ای جی کہتے ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ گراف کی مدد سے دماغی حالت بتاتا ہے لیکن اس سے بھی یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ انسان سوچنے سمجھنے کے قابل ہے یا نہیں اور وہ اپنی یادداشت کھو چکا ہے یا نہیں۔"



"تب اس ٹیسٹ سے کیا معلوم کیا جا سکتا ہے؟" فاضلی نے بدمزگی سے کہا۔

"اس سے ٹیومر یا کسی فزیکلی ڈس آرڈر کا پتا چلتا ہے اور اگر دماغ مکمل ڈس آرڈر کا شکار ہو چکا ہو یعنی آدمی ایک سیکنڈ کے لیے بھی درست انداز میں نہ سوچ سکے اور اس کا ذہن اندر سے مچھلی بازار بن جائے تو الیکٹرونک لہریں اس کا پتا دیتی ہیں۔"

"یہ مکمل پاگل نہیں ہے صرف یادداشت کھو بیٹھا ہے اور عقل استعمال نہیں کر پا رہا ہے یوں سمجھ لو یہ پانچ چھ سال کے بچے جیسا ہو گیا ہے۔"

"پانچ چھ سال کا بچہ۔" گول مٹول ڈاکٹر نے سرد آہ بھری۔ "میرے دو بچے پانچ اور چھ سال کے ہیں۔ الگ الگ بیویوں سے، لیکن دونوں میرے بھی باپ ہیں۔"

"کیونکہ تم ان کے باپ ہو۔" فاضلی خطرناک لہجے میں بولا۔ "ڈاکٹر مجھے لگ رہا ہے تم اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہو۔ یہ مت سمجھنا کہ تم ناکام رہے تو میں اپنی رقم واپس مانگوں، بلکہ یہاں تمہارے کلینک کی جگہ ملبے کا ڈھیر چھوڑ کر جاؤں گا۔"

گول مٹول ڈاکٹر ان چند دنوں میں دیکھ چکا تھا کہ یہ کتنے خطرناک لوگ تھے اور سچ مچ ایسا کرنے کے اہل تھے۔ وہ ڈر گیا اس نے منمنا کر کہا۔ "جناب پوری کوشش کر تو رہا ہوں اور آپ بھی میرے سر پر ہو دیکھ ہی رہے ہو سب بے شک کسی دوسرے ڈاکٹر سے پوچھ لینا اس سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا مجھے بہرصورت اس کے بارے میں معلوم کرنا ہے کہ یہ ہوش میں ہے یا نہیں۔"

"تب آپ اسے میرے سپرد کر دیں۔ ابھی یہ ہوش میں آئے گا اور دوا کے اثرات مکمل ختم ہونے میں کئی گھنٹے لگیں گے اس کے بعد ہی اس کا پولی گراف ہو گا۔"

میرے ہاتھ پاؤں سے ہتھکڑیاں ہٹا دی گئی تھیں اور اب میں کم سے کم بستر کی قید سے آزاد تھا لیکن اس کمرے سے نکل جانا ممکن نہیں تھا۔ اول تو دروازہ ہی بند ہوتا اور اگر دروازہ کھول بھی لیتا تب بھی باہر فاضلی اور اس کے گرگے موجود تھے وہ مجھے بھلا کہاں جانے دیتے؟ بہرحال میں اس قید سے آزادی پر گول مٹول ڈاکٹر کا شکر گزار تھا جس نے فاضلی سے اختلاف کر کے مجھے بیڑیوں سے آزاد کرایا تھا۔ مجھے قبل از وقت ہوش آ گیا تھا اور میں نے فاضلی اور ڈاکٹر کی گفتگو سن لی تھی اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مجھے آنے والے حالات کا پتا چل گیا تھا۔ پولی گراف ٹیسٹ کے بارے میں، میں نے سن رکھا تھا۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس ٹیسٹ کی مدد سے بعض اوقات مجرم پکڑے بھی جاتے تھے لیکن عدالت اسے بہ طور ثبوت نہیں مانتی ہے۔ اسے صرف رائے قرار دیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے کسی کی بے گناہی یا جرم کا فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کی بات درست ہے دماغ دنیا کی طاقتور ترین مشین ہے۔ یہ مشین ایک سیکنڈ چھوٹے بڑے تیس فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کی رفتار کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کا تیز ترین سپر کمپیوٹر بھی تین سال کے بچے کے دماغ کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ یادداشت ذخیرہ کرنے کی صلاحیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دو گھنٹے کسی مصروف بازار میں گزار کر ایک انسان جتنی یادداشت اپنے دماغ میں محفوظ کرتا ہے ان کو بھرنے کے لیے دنیا کی تمام ہارڈ ڈسکیں اور ڈنا اسٹوریج بھی ناکافی ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماہرین نفسیات دماغ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے تین حصے ہوتے ہیں ایک شعور، دوسرا لاشعور اور تیسرا تحت الاشعور۔ شعور انسان کی جاگتی حالت کو کہتے ہیں۔ لاشعور اس کے پیچھے کام کرتا ہے لیکن انسان اسے اپنی مرضی سے کنٹرول نہیں کر سکتا ہے۔ انسان کی شخصیت اور کردار اصل میں اس کے لاشعور کا عکس ہوتا ہے شعور میں رہ کر انسان اداکاری کر سکتا ہے لیکن لاشعور میں اداکاری ممکن نہیں ہے اسی لیے انسان کی اصلیت یا اس کے نفسیاتی مسائل کا کھوج لگانے کے لیے ماہرین لاشعور کو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں اس کے لیے وہ انسان سے سوالات کا سیشن کرتے ہیں اگر مسئلہ اس سے حل نہ ہو تو پھر دواؤں اور ہپناٹزم جیسی تکنیکوں کا سہارا لیتے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ شعور کو تابو میں نہیں کیا جا سکتا ہے اسے معطل یا بے حس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس لاشعور کو معطل یا بے حس نہیں کیا جا سکتا لیکن اسے قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ جدید دور میں پروپیگنڈہ تحریکیں اسی طرح سے کامیاب ہوتی ہیں۔ انسان کو جب تواتر سے ایک بات بتائی جائے چاہے ہو تصویر کی صورت میں، ویڈیو کی صورت میں یا لکھے اور بولے جانے والے الفاظ کی صورت میں تو لاشعور اس سے متاثر ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ اسے قبول کر لیتا ہے۔ جیسے دہشت گردی کی اصطلاح ہے۔ مغرب کے میڈیا اور سیاست دانوں نے اسے اس طرح استعمال کیا ہے کہ اب دہشت گردی اور مسلمان یا اسلام ایک ہی چیز کے دو نام بن کر رہ گئے ہیں۔ اس پروپیگنڈے نے دنیا کے لاشعور پر قبضہ کر لیا ہے۔

تحت الشعور کے بارے میں کہا جاتا ہے جیسے لاشعور شعور کو کنٹرول کرتا ہے اسی طرح تحت الشعور لاشعور کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہاں انسان کا ضمیر، اس کا کردار اور اس کی فطرت محفوظ ہوتی ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ تحت الشعور کو کوئی قابو نہیں کر سکتا ہے۔ یہاں فیڈ پروگرام بچہ اپنی پیدائش کے ساتھ لے کر آتا ہے۔ روحانیت کے ماہر اسکالر اس بارے میں کہتے ہیں یہ پروگرام قدرت کی طرف سے دیا جاتا ہے اور یہ راستی کا پیغام ہوتا ہے۔ جیسے حدیث نبوی ﷺ ہے۔ اس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اور اس کا ماحول اسے عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ یا کسی اور مذہب کا ماننے والا بنا دیتا ہے۔ یہ دین فطرت اس کے تحت الشعور میں موجود ہوتا ہے۔

پولی گراف ٹیسٹ بڑے سادہ اصولوں پر کام کرتا ہے۔ جب انسان جھوٹ بولتا ہے کہ اس کے دل کی رفتار اور بلڈ پریشر میں تبدیلی آتی ہے جب کہ سچ بولنے کی صورت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ مگر یہ کوئی حتمی ٹیسٹ نہیں ہوتا ہے اور عدالتیں اس کے نتیجے پر اہم فیصلے کرنے سے گریز کرتی ہیں لیکن ترقی یافتہ ملکوں کی خفیہ ایجنسیاں اور تفتیشی ادارے ملزموں سے حقیقت اگلوانے کے لیے پولی گراف کا استعمال کرتے ہیں کیونکہ انہیں اپنا یقین حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ اس کے بعد ملزم سے مناسب سلوک کرتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ حتمی نہیں ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اتنے مضبوط اعصاب رکھتا ہو کہ دوران ٹیسٹ خود پر قابو رکھے تو وہ دھوکا بھی دے سکتا ہے۔

میں اپنے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں اتنے مضبوط اعصاب رکھتا ہوں کہ جھوٹ بول سکوں اور میری نبض کی رفتار اور بلڈ پریشر میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ڈاکٹر سے اس ٹیسٹ کا سن کر پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے کسی عدالت میں پیش نہیں کرنا تھا بلکہ میرا واسطہ مرشد اور فاضلی جیسے لوگوں سے تھا



جن کے لیے معمولی سا شک بھی کافی ہوتا ہے اور وہ اس کی بنیاد پر دوسروں کی زندگی و موت کے فیصلے کرتے ہیں۔ اگر دوران ٹیسٹ میں خود پر قابو نہیں رکھ پاتا اور ٹیسٹ سے ظاہر ہو جاتا کہ میں نے کچھ سوالات کے جواب میں جھوٹ بولا ہے تو فاضلی کا مقصد پورا ہو جاتا اور وہ مرشد کو یقین سے بتاتا کہ دوا نے مجھ پر اثر نہیں کیا ہے اور وہ مجھے بلا تکلف دوسرا انجکشن لگا دیتا۔ اس سے بھی مقصد پورا نہیں ہوتا تو وہ باقی انجکشن بھی میرے جسم میں اتار دیتا۔

اس بارے میں سوچتے ہوئے اچانک مجھے خیال آیا کہ انسان کا دماغ خراب کرنے والی دواؤں کی کمی نہیں ہے اور ہمارے ملک میں بھی دستیاب ہوتی ہیں۔ تب کیا وجہ ہے مرشد نے یہی خاص انجکشن استعمال کیا؟ کیا اس وجہ سے کہ اس دوا کا جسم میں کوئی سراغ نہیں ملتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پاگل یا فاتر العقل بنایا گیا ہے بلکہ یہی کہا جاتا کہ کسی صدمے نے میرا دماغ الٹ دیا ہے۔ دوسری وجہ شاید یہ ہو سکتی تھی کہ دوسری دوائیں انسان کو سچ مچ کا پاگل بنا دیتی ہیں اس کا شعور تباہ ہو جاتا ہے۔ اسے اپنی سوچوں، زبان اور جسم پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ہے لیکن مرشد کے مطابق یہ دوا انسان کو صرف یادداشت اور شخصیت سے محروم کر کے کسی بچے کی طرح معصوم بنا دیتی ہے۔ اسے پاگل نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کو شدید صدمہ پہنچے تو دماغ اس کے اثرات سے بچانے کے لیے شعور سے اس کی یادداشت محو کر دیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی یادداشت بحال ہو جاتی ہے۔ اگر انجکشن مجھ پر اثر کر جاتا تو میں بھی ایسا ہی ہو جاتا اور میرے لواحقین اسے کسی دوا کی کارستانی سمجھنے کو تیار نہ ہوتے۔ یوں مرشد کا مقصد پورا ہو جاتا۔

مجھے ہوش میں آئے ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا تھا۔ اس لیے میں نے مقررہ وقت پر آنکھیں کھول دیں اور بستر سے اتر کر فرش پر چلنے پھرنے لگا۔ اتنے دن سے بندھے بندھے جسم بھی بندھ گیا تھا۔ ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ میں جاگ گیا ہوں۔ کیونکہ چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور اسی نرس کی صورت دکھائی دی۔ اس کے پیچھے فاضلی کا وہی ہوشیار گرگا تھا۔ میں نے نرس کو دیکھتے ہی منہ بنا کر کہا۔ ''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''تم یہاں لیٹو۔'' نرس نے پیشہ ورانہ بے حسی سے کہا اور مجھے ہاتھ سے پکڑ کر بستر تک لے آئی۔

''میں..... بہت لیٹ گیا ہوں۔'' میں نے اٹک کر کہا جیسے وضاحت نہیں کر پا رہا ہوں کہ لیٹ لیٹ کر تھک گیا ہوں۔

''اب تمہیں اجازت مل جائے گی تم خوب چلنا پھرنا۔'' نرس بولی۔ وہ میرا چیک اَپ کرنے آئی تھی اس نے درجہ حرارت لیا، پھر نبض اور بلڈ پریشر چیک کر کے نوٹ کیا۔ یہ یقیناً پولی گراف ٹیسٹ کی تیاری تھی۔ اپنا کام کر کے اس نے مجھے اٹھنے کی اجازت دے دی۔ ''میں ابھی تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔''

نرس فاضلی کے گرگے کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ اس کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ خلاف توقع وہ مرغن کھانا لائی تھی۔ میں اس کھانے کا مقصد بھی سمجھ گیا تھا۔ مرغن کھانے سے انسانی ذہن ویسے ہی سُست ہو جاتا ہے۔ بہرحال میں نے انہیں مایوس نہیں کیا اور ڈٹ کر کھایا۔ کھانے کے بعد جب نرس برتن لے جا رہی تھی تو میں نے نہایت سادگی سے اس سے باتھ روم جانے کی حاجت بیان کر دی۔ وہ جھینپ گئی تھی لیکن سر ہلا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس بار میں نے ذرا تمیز سے کھایا تھا جیسے میں سیکھ رہا ہوں کہ کوئی کام کیسے ہوتا ہے۔ کچھ دیر بعد فاضلی کا گرگا ایک اور مسلح آدمی کے ساتھ آیا۔ اس نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ اس کمرے کے ساتھ کوئی واش روم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھا بلکہ واش روم کا من تھا اور اسی راہداری کے آخری سرے پر تھا۔ وہ دونوں بہت محتاط انداز میں میرے پیچھے تھے اور میرے ایک ایک قدم پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

یہ بڑا واش روم تھا جس میں الگ الگ تین لیٹرین لائن سے بنے ہوئے تھے اور تینوں میں کموڈ تھے۔ ایک طرف بڑا سا واش بیسن لگا تھا اور آخری حصے میں باتھ روم تھا جہاں غسل کیا جا سکتا تھا۔ یہ حصہ ایک نیم شفاف پردے سے الگ کیا گیا تھا۔ میں لیٹرین سے فارغ ہو کر آیا تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ نہا لوں۔ کتنے دنوں سے نہیں نہایا تھا۔ میں نے ملتجی انداز میں فاضلی کے گرگے سے کہا۔ ''میں نہا لوں؟''

وہ سوچ میں پڑ گیا لیکن شاید اسے ایسی کوئی ہدایت نہیں تھی کہ مجھے نہانے بھی نہ دیا جائے اس لیے اس نے سر ہلا دیا۔ ''لیکن جلدی کرنا۔''

میں جلدی سے پردے کے پیچھے آیا اسپتال کا لباس اتار کر کھونٹی پر لٹکایا اور شاور کھول کر اس کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اکرم چشتی کے لگائے زخم بھر گئے تھے۔ اس لیے نہانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی میں نے کئی مرتبہ صابن لگا کر جسم پر جمع میل بہایا تو لگا جیسے میں اندر اور باہر سے ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں۔ اس دوران میں میری نظر صابن رکھنے والی دیوار سے لگی صابن کی طرف گئی اور اس کے ساتھ ایک چیز دیکھ کر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ دس منٹ بعد میں کپڑے پہن کر باہر آ گیا تو یہ نہیں تھا لیکن موسم گرم ہو چلا تھا اور میرے کمرے میں اے سی چل رہا تھا اس لیے امید تھی کہ جلد جسم و بال خشک ہو جائیں گے۔ میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ پیٹ بھر کر کھانے اور نہانے کے بعد ایک سکون آمیز غنودگی سی جسم اور ذہن پر طاری ہو رہی تھی لیکن یہ کہنا چاہیے کہ میں ڈاؤن ہو گیا تھا۔ کیونکہ بھاری کھانے کے بعد جسم کا دوران خون معدے کی طرف ہو جاتا ہے اور دماغ کی طرف جانے والے خون میں کمی آ جاتی ہے۔ پھر میں نہا بھی لیا تھا جس سے جسم کا مساج ہوا تو دماغ کو ملنے والے خون میں مزید کمی آ گئی اس لیے مجھ پر غنودگی جیسی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

میں شاید نیند میں تھا یا کچھ جاگ رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور فاضلی کے دونوں آدمیوں کے ساتھ وہی وارڈ بوائے اندر آیا جو مجھے سی ٹی اسکین کے لیے لے گیا تھا۔ اس نے میرا بازو ہلایا۔ ''اٹھو۔''

میں جاگ گیا تھا لیکن نیند کے انداز میں دوسری طرف کروٹ لے لی اور بڑبڑایا۔ ''سونے دو۔''

''اٹھو۔'' اس بار وارڈ بوائے نے مجھے جھنجھوڑا۔ ''تمہیں بلایا ہے۔''

میں خوف زدہ انداز میں اٹھ بیٹھا۔ ''بلایا ہے..... کس نے..... کیوں؟''

''ابھی چلو گے تو سب پتا چل جائے گا۔''

میں ان تینوں کے ہمراہ روانہ ہوا۔ اس بار بھی مجھے اسی کمرے میں لایا گیا۔ وہاں ڈاکٹر کے ساتھ فاضلی بھی موجود تھا۔ وارڈ بوائے نے مجھے ایک طرف کاؤچ پر لٹا کر الیکٹروڈ میرے سینے، بازو اور ماتھے سے لگا دیے۔ یہ الیکٹروڈ جدید قسم کی کمپیوٹرائزڈ مشین سے منسلک تھے اور ظاہر ہے یہی پولی گراف مشین تھی۔ میرے دونوں ہاتھ سیدھے اور رانوں کے ساتھ لگے تھے اور میں آرام دہ پوزیشن میں تھا۔ پھر وارڈ بوائے نے ایک ایسا ہیڈ فون لا کر میرے کانوں پر چڑھا دیا جس نے میرے کانوں کو پوری طرح ڈھانپ لیا تھا اور اب مجھے کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ای مائک بھی تھا۔ شاید میری آواز کی لہروں کا تجزیہ بھی کیا جاتا۔ فاضلی کے



دونوں گرگوں نے کمرے کے ایسے کونے میں جگہ سنبھال لی تھی جہاں میری نظر براہِ راست ان پر نہیں جاتی اسی طرح فاضلی بھی ہٹ گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ابھی ٹیسٹ شروع ہو گا اور ڈاکٹر مجھ سے سوال جواب شروع کر دے گا لیکن اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک نہایت حسین عورت جدید مغربی لباس میں اندر آئی۔ اس نے سیاہ رنگ کے اسکرٹ کے ساتھ ململ جیسے کپڑے کی شرٹ پہن رکھی تھی اور اس کے سامنے کے دو اوپری بٹن سرے سے نہیں تھے اور تیسرا کھلا تھا۔ اسکرٹ کی لمبائی مشکل سے گھٹنوں تک آ رہی تھی۔ اس لباس میں اس کی جسمانی ساخت نمایاں تھی۔ اس کی عمر تیس سے چالیس تک کچھ بھی ہو سکتی تھی لیکن اس میں شبہ نہیں تھا اس نے خود کو بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ اگرچہ اس قسم کی مغرب یافتہ خواتین ہمارے ہاں کم نظر آتی ہیں لیکن بہر حال اب نظر آنے لگی ہیں۔ وہ سیدھی میری طرف آئی اور کسی قدر جھک کر میرے رخسار پر ہاتھ کا الٹا رخ پھیرا۔ اس نے کچھ کہا لیکن مجھے سنائی نہیں دیا تھا۔ اس کے کھلے بال آگے ڈھلک آئے تھے اس لیے میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ بھینی سی خوشبو اس کے وجود سے آ رہی تھی یا بالوں سے۔ جھکنے سے چاک گریبان اور چاک ہو گیا تھا اور مجھے خود کو نظریں چرانے سے روکنے کے لیے خاصی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ میں سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کوئی ردِعمل نہ پا کر وہ مایوسی کے عالم میں پیچھے ہٹ کر اور پولی گراف مشین کی اسکرین کے سامنے بیٹھ گئی اس نے ویسا ہی ہیڈ فون اپنے کانوں پر چڑھا لیا تھا جیسا میرے سر پر تھا۔

''ملک شہباز احمد۔'' میرے کانوں میں عورت کی آواز گونجی اس کی آواز میں مخصوص لوچ اور کشش تھی جسے عرفِ عام میں سیکس اپیل کہتے ہیں۔

''جی؟''

''تمہارا نام شہباز ہے؟''

''جی..... یہ لوگ کہتے ہیں۔''

عورت کی نظریں اسکرین پر مرکوز تھیں۔ ''تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟''

''پتا نہیں۔''

''تم کہاں سے تعلق رکھتے ہو؟''

''پتا نہیں۔''

''اپنے ماضی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

اس بار میں نے ذرا دیر سے جواب دیا میں مختصر جواب بھی رک کر دے رہا تھا۔ ''کچھ نہیں..... مجھے یاد نہیں ہے۔''

مجھے حیرت تھی اس عورت نے اگر یہ پولی گراف ٹیسٹ کی ماہر تھی نہایت اناڑی انداز میں ٹیسٹ کا آغاز کیا تھا اس نے پہلے مجھ سے عام قسم کے سوالات نہیں کیے تھے بلکہ براہِ راست ان سوالوں پر آ گئی جو بعد میں پوچھے تھے۔ وہ اپنے انداز سے ماہر نفسیات بھی نہیں لگ رہی تھی۔ اچانک اس نے سوالوں کا انداز بدل دیا۔

''تمہیں کھانے میں کیا اچھا لگتا ہے؟''

''کھانا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے جواب پر وہ جھنجھلا گئی تھی یہ چیز اس کے تاثرات میں نظر آئی۔ اس نے اگلا سوال کیا۔ ''تمہیں کیا اچھا لگتا ہے؟''

''میں باہر جانا چاہتا ہوں۔''

''باہر کہاں؟''

''پتا نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بس یہاں سے باہر جانا چاہتا ہوں۔''

سوالات کا یہ سیشن تقریباً آدھا گھنٹہ جاری رہا تھا۔ عورت نے اس دوران میں کئی مرتبہ سوالات بدلے۔ کبھی وہ مجھ سے براہِ راست میرے بارے میں سوال کرتی تھی اور کبھی میرے ماضی کو کریدنے کی کوشش کرتی تھی ظاہر ہے میں نے اس کے کسی ایک سوال کا جواب بھی درست نہیں دیا تھا۔ چند ایک بار اس کے خوب صورت چہرے پر جھنجھلاہٹ ضرور آئی تھی لیکن اس کے علاوہ اس کا چہرہ سپاٹ ہی رہا تھا جس سے میں یہ اندازہ کرنے سے قاصر تھا کہ پولی گراف کیا کہہ رہا ہے کیا میرا جھوٹ پکڑا جا رہا ہے یا نہیں۔ آدھے گھنٹے بعد اس نے ہیڈ فون اتار دیا اور وارڈ بوائے کو اشارہ کیا۔ اس نے آ کر میرے جسم سے لگے الیکٹروڈ اور پھر ہیڈ فون اتارا۔ فاضلی اور ڈاکٹر آگے آئے تھے۔ ڈاکٹر اسکرین پر غالباً گراف کا ری پلے دیکھ رہا اور جواب جاننے کے لیے اس نے کانوں سے ہیڈ فون لگا لیا تھا۔ اس عورت کے مقابلے میں اسے اپنے تاثرات پر قابو نہیں تھا اور میں دیکھ سکتا تھا کہ وہ جیسے جیسے میرے جوابات کے ساتھ گراف دیکھ رہا ہے اس کے چہرے پر مایوسی چھا رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ نتیجہ اس کی اور فاضلی کی مرضی کے مطابق برآمد نہیں ہوا تھا۔ فاضلی اسے دیکھ رہا تھا اور اسے بھی نتیجہ جاننے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس کے تاثرات بگڑ گئے۔ اس نے اپنے گرگوں کو حکم دیا۔

''اسے یہاں سے لے جاؤ۔''

ظاہر ہے اشارہ میری طرف تھا۔ دونوں گرگوں نے وارڈ بوائے کو اشارہ کیا اور اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر کاؤچ سے اٹھایا۔ وہ لوگ اتنے محتاط تھے کہ کسی بھی مرحلے پر میرے قریب نہیں آتے تھے ہمیشہ نرس یا وارڈ بوائے میرے پاس آتا تھا اور اگر میں انہیں قابو کرتا تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے اپنے قابو میں رکھنے کے لیے وہ ان دونوں کی قربانی بھی دے سکتے تھے۔ بے شک میں انہیں مار دیتا لیکن وہ مجھے یہاں سے فرار نہ ہونے دیتے۔ مسلح افراد میرے پاس نہیں آتے تھے اور خود فاضلی بھی مجھ سے محتاط رہتا تھا۔ اتنا محتاط تو مجھ سے فتح خان بھی نہیں ہوتا ہے جسے میں اپنا سب سے ذہین دشمن سمجھتا ہوں اور جو مجھے سب سے زیادہ جانتا ہے۔ جب دونوں گرگے مجھے لے کر کمرے سے نکل رہے تھے تو فاضلی اور ڈاکٹر کے درمیان چ چ شروع ہو گئی تھی۔

یہ ڈاکٹر کے کلینک کا اوپری فلور تھا۔ میں نے کسی کھڑکی یا رخنے سے نہیں دیکھا تھا کہ ہم کتنی بلندی پر تھے لیکن یہ کم سے کم پہلا فلور تو تھا کیونکہ ایک جگہ مجھے سیڑھیاں بھی نیچے جاتے دیکھی تھیں۔ البتہ مجھے یہاں ان گنے چنے افراد کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آیا تھا سوائے اس حسین عورت کے جو آج ہی دکھائی دی اور اس نے میرا پولی گراف لیا تھا۔ وارڈ بوائے نے مجھے لے جا کر بستر پر لٹایا اور میں سعادت مندی سے لیٹ گیا۔ اس نے جاتے ہوئے کہا۔ ''اب تم آرام کرو۔''

ان کے جاتے ہی میں نے ٹراؤزر اوپر کر کے ران کو سہلایا جہاں میں لوہے کی وہ چھوٹی سی کیل چبھتا رہا



تھا جو میں نے نہانے کے دوران واش روم کی دیوار سے نکالی تھی۔ پولی گراف کے دوران میں انگلیوں کے درمیان دبی کیل مستقل خود کو چبھوتا رہا تھا اس سے میرا دھیان اس کی تکلیف کی طرف رہا اور میں نے سوالات پر زیادہ غور نہیں کیا اور نہایت آسانی سے پولی گراف کو دھوکا دے دیا۔ تکلیف نے مجھے ٹینشن لینے کا موقع نہیں دیا تھا۔ ران پر وہ جگہ سرخ ہو رہی تھی جہاں میں کیل چبھوتا رہا تھا۔ یہ معمولی سا زخم تھا جو ایک دن میں ٹھیک ہو جاتا لیکن اس نے مجھے بچا لیا تھا۔ میں سونا چاہتا تھا اس لیے کچھ دیر میں سچ مچ سو گیا۔ مجھے نہیں معلوم میں کتنی دیر سویا۔ کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا یہ فاضلی تھا اور کسی قدر بوکھلایا ہوا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''اٹھو ہمیں یہاں سے جانا ہے۔''

میں آرام سے لیٹا یوں دیکھتا رہا جیسے اس کی بات میرے سر سے گزر گئی ہو میرے اس انداز پر وہ جھنجھلا گیا۔ ''میں بھی کس سے مغز ماری کر رہا ہوں۔''

فاضلی کے ساتھ کمرے میں ایک ہی گرگا تھا دوسرا نہ جانے کہاں تھا۔ چند لمحے بعد وہ بھی اندر آیا اور اس نے فاضلی سے کہا۔ ''میں گاڑی گیٹ پر لے آیا ہوں ابھی کوئی نہیں ہے ہم آسانی سے نکل سکتے ہیں۔''

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ گرگے کی بات سے لگ رہا تھا کہ فاضلی اینڈ پارٹی یہاں سے فرار کی تیاری کر رہی تھی اور ظاہر ہے میں اس پارٹی کا ایک زبردستی کا رکن تھا اس لیے مجھے بھی ساتھ جانا تھا یہی وجہ تھی کہ فاضلی مجھے اٹھانے آیا تھا۔ فاضلی نے آنے والے کو حکم دیا۔ ''اسے ساتھ لے کر باہر آؤ لیکن بہت ہوشیار رہنا کوئی مسئلہ ہوا تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔''

فاضلی کمرے سے نکلا تو گرگے نے برا سا منہ بنایا اور میری طرف دیکھا۔ ''چلو لاٹ صاحب..... تم نے سن لیا نا..... کوئی گڑبڑ کی تو..... میں گولی مار دوں گا۔'' اس نے ایک ناقابلِ تذکرہ جگہ کا ذکر کیا۔ میں بستر سے اترا آیا میرے پیروں میں کوئی جوتا یا چپل نہیں تھی اور جسم پر اسپتال کا لباس تھا۔ میں ان دونوں کے ساتھ باہر آیا۔ وہ مجھے اسی ہال نما کمرے کی طرف لائے جہاں دو بار میرا معائنہ ہوا تھا۔ میں اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹک گیا کیونکہ فرش پر ڈاکٹر اور نوجوان وارڈ بوائے کی لاشیں پڑی تھیں۔ دونوں کو سروں میں گولی ماری گئی تھی لیکن آواز اس کمرے سے باہر نہیں گئی ہوگی کیونکہ یہ ساؤنڈ پروف کمرہ تھا۔ لگتا تھا ڈاکٹر اور فاضلی کا تنازعہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔ ذرا آگے آیا تو وہ حسین عورت پولی گراف کے سامنے کرسی پر نظر آئی اس کی گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی۔ فاضلی نے اس عورت پر بھی رحم نہیں کھایا تھا۔ وارڈ بوائے عینی شاہد ہونے کی وجہ سے مارا گیا تھا مجھے نرس کا خیال آیا کہ وہ یہاں نہیں تھی اس لیے بچ گئی۔ مگر ذرا آگے آتے ہی میری یہ غلط فہمی دور ہو گئی۔ نرس کی بے لباس اور بے آبرو لاش پردے کے پیچھے فرش پر پڑی تھی۔ یہ کام یقیناً فاضلی اور اس کے گرگوں کا تھا۔ انہوں نے صرف اس کی جان لینا کافی نہیں سمجھا تھا بلکہ اسے مارنے سے پہلے بے آبرو بھی کیا تھا۔

اشتعال کی لہر اٹھی لیکن میں نے اسے قابو میں رکھا اگر میں اسے بے قابو ہونے دیتا تو وہاں پڑی لاشوں میں میری لاش کا بھی اضافہ ہو جاتا۔ میں نے خود کو سمجھایا کہ میری زندگی ہے اور مجھے آزادی ملے گی تو یقیناً مجھے موقع بھی ملے گا۔ میں یوں رک گیا جیسے لاشیں دیکھ کر سہم گیا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ دونوں مجھے یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیوں لائے تھے۔ کیا یہ سب دکھانے کے لیے لائے تھے۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ انہوں نے اس عام سی صورت والی ادھیڑ عمر نرس کے ساتھ تو یہ سلوک کیا مگر حسین عورت کو صرف مارا۔ میں نے دیکھ لیا تھا اسے کسی نے چھیڑا نہیں تھا۔ جب ایک گرگے نے مجھے آگے دھکیلا تو میں نے کمرے کے آخر میں وہ دروازہ دیکھ لیا جو کھلا ہوا تھا۔ فاضلی اس سے اندر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔ ''اس کی آنکھوں پر کپڑا باندھ دو اور دونوں ہاتھ بھی پیچھے باندھ کر نیچے گاڑی میں لے جاؤں۔''

انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ نرس کے پٹی نما دوپٹے سے میری آنکھوں پر پٹی باندھی گئی اور باقی دوپٹے سے میرے ہاتھ پشت سے باندھ دیئے گئے۔ اب ایک گرگا مجھے ہاتھ سے پکڑ کر چلا رہا تھا اور دوسرا ہمارے پیچھے تھا۔ میرے ساتھ چلنے والا بتا رہا تھا کہ آگے کیا ہے۔ ہم سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے اور فوراً ہی کسی گاڑی کا عقبی دروازہ کھول کر مجھے اس میں دھکیل دیا گیا۔ گاڑی میں ڈرائیور پہلے سے موجود تھا دونوں گرگے بھی ساتھ آ گئے۔ وہاں ایسی خاموشی تھی جیسی عام طور سے پوش رہائشی علاقوں میں ہوتی ہے۔ تقریباً دو تین منٹ بعد فاضلی کی آواز آئی۔ ''یہاں کہاں پھنس گئے ہو ایک پیچھے بیٹھے۔''

میرے ایک طرف بیٹھا گرگا بادلِ ناخواستہ گاڑی کے عقبی حصے میں چلا گیا۔ میں سمجھا کہ فاضلی نے اپنے لیے جگہ بنانے کو کہا تھا لیکن گرگے کے ہٹتے ہی ایک نرم و نازک سا وجود میرے ساتھ آ گرا اور اس کا خاصا بوجھ مجھ پر آیا تھا۔ میں دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن مخصوص بھینی خوشبو نے بتایا کہ یہ اسی حسین عورت کا بدن تھا جس نے میرا پول گراف لیا تھا۔ میں اسے مردہ سمجھا تھا لیکن اس کا دہکتا اور دھڑکتا بدن بتا رہا تھا کہ وہ زندہ تھی۔ شاید اسے بے ہوش کر دیا گیا تھا اور فاضلی کسی وجہ سے اسے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ وہ بے سدھ تھی اس لیے خود کو سنبھال نہیں سکتی تھی، میرے ہاتھ بندھے تھے اور میں اسے سہارا دینے سے قاصر تھا اس لیے وہ تقریباً مجھ پر لڑھک آئی تھی۔ میرے برابر میں بیٹھے گرگے نے حسد سے کباب ہو کر آہستہ سے کہا۔

''مرے ہیں تیرے۔''

حالانکہ میں خاصی مشکل میں تھا کیونکہ خاتون کی کہنی ایک نہایت نامناسب جگہ چبھ رہی تھی اور سر میری بغل میں گھسا ہوا تھا۔ فاضلی آگے بیٹھا کیونکہ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی اور ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ انجن کی آواز بتا رہی تھی کہ یہ کوئی بڑی جیپ نما گاڑی تھی اور فاضلی نے جتنی بے خوفی سے عورت کو میرے برابر میں ڈال دیا تھا اس سے یہ بھی ظاہر تھا کہ گاڑی کے شیشے اندھے تھے اور ہمارے باہر سے دیکھ لیے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ شاید ہمیں واپس مرشد ہاؤس لے جا رہا تھا۔ کپڑے کے پیچھے سے جھلکتی ہلکی سی روشنی سے پتا چل رہا تھا کہ یہ دن کا وقت تھا۔ دوپہر تھی یا شام ہونے والی تھی۔ گاڑی تقریباً آدھے گھنٹے تک تو ہموار راستوں سے گزرتی رہی اس کے بعد ایسا لگا جیسے وہ کثرت سے استعمال ہونے والی کسی کچی سڑک سے گزر رہی ہے اور آخر میں کچا راستہ نہایت خراب ہو گیا تھا کیونکہ جھٹکے شدید ہو گئے تھے ایک موقع پر خاتون لڑھک کر سیٹوں کے درمیان چلی گئی لیکن کسی نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ بہرحال یہ راستہ زیادہ طویل نہیں تھا چند منٹ بعد گاڑی رک گئی۔

''ان دونوں کو اندر لے آؤ۔'' فاضلی نے نیچے اترتے ہوئے حکم دیا اور پھر ڈرائیور کے خاندان سے کچھ



ناجائز رشتے جوڑتے ہوئے اسے بھی ہاتھ بٹانے کا حکم دیا۔ ''لاٹ صاحب بن کر بیٹھا نہ رہ۔''

لاٹ صاحب نے سب سے آسان اور مناسب کام یہ سمجھا کہ عورت کو اٹھا لیا۔ اس نے میرے اترنے یا ہٹنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا اس پر دونوں گرگوں میں سے ایک نے کہا۔ ''ٹھیک کہا ہے اس کے بارے میں ایک نمبر کا حرامی ہے۔ چل بھئی تُو بھی آرام سے بیٹھا ہے۔''

مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچا گرگے کا خیال تھا کہ میں مزاحمت کروں گا لیکن میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی اور آرام سے کھنچا چلا گیا نتیجے میں اس کے اوپر جا گرا اور ہم دونوں ہی زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ وہ چلایا اور مجھے ایک طرف دھکیل دیا اس کا ساتھی ہنس رہا تھا میں جس پر گرا تھا وہ گالیاں دے رہا تھا اس نے میرے پیر پر ٹھوکر ماری۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ جگہ کسی ویرانے میں تھی زمین کچی تھی اور جنگلی پودوں اور جڑی بوٹیوں کی مہک آ رہی تھی۔ وہاں خاموشی تھی اور رہ رہ کر کسی پرندے کی آواز آ رہی تھی۔ میں گاڑی ٹٹولتے ہوئے اٹھا اور جلدی سے بولا۔ ''تم نے خود کھینچا تھا اب گالیاں دے رہے ہو۔''

''تو اس طرح آٹے کی بوری کی طرح کیوں لڑھک گیا۔''

''کیا ہو رہا ہے ابھی تک اسے اندر کیوں نہیں لائے۔'' فاضلی کی گرجدار آواز سنائی دی۔ اس کے دونوں گرگوں نے جلدی سے مجھے بازو سے پکڑا اور اندر لے آئے۔ میرے پیروں تلے پختہ زمین تھی۔ دروازہ بند ہوتے ہی کسی نے میری آنکھوں سے بندھی پٹی کھینچ لی۔ ہم ایک خالی اور گرد آلود کمرے میں کھڑے تھے۔ کھڑکیاں خالی تھیں اور سلاخوں کی جگہ تختے لگا کر ان کا خلا بند کر دیا گیا تھا۔ کمرہ بارہ بائی بارہ فٹ کا تھا اور کسی کیبن کا حصہ لگ رہا تھا۔ ایک کونے میں چھوٹا سا آتش دان بنا تھا۔ مجھے عورت یہاں نظر نہیں آئی تھی۔ فاضلی مجھے گھور رہا تھا پٹی اسی نے اتاری تھی لیکن میرے ہاتھ کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس ویران جگہ کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ اب ابتلا کا کوئی نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ ورنہ فاضلی مجھے مرشد ہاؤس لے جاتا۔ فاضلی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شہباز تم مرشد کو، اس ڈاکٹر کو اور ساری دنیا کو دھوکا دے سکتے ہو لیکن فاضلی کو دھوکا نہیں دے سکتے۔''

''دھوکا کیا ہوتا ہے؟'' میں نے بچگانہ انداز میں پوچھا۔ گرگوں میں سے ایک ہنسا تو فاضلی نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو اس کی ہنسی فوراً رک گئی تھی۔

''دفع ہو جاؤ تم دونوں اور باہر کا خیال رکھو..... اس ڈرائیور کی اولاد سے کہو جا کر کہیں قریب سے کھانے اور پینے کے لیے کچھ لے کر آئے پانی لازمی لائے۔''

وہ دونوں باہر نکل گئے۔ میرے ہاتھ بندھے تھے اس لیے فاضلی مجھ سے خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ میں نے پھر بچگانہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے ڈاکٹر کو کیوں مار دیا وہ اچھا آدمی تھا؟''

''اسی لیے مار دیا میں ہر اچھے آدمی کو مار دیتا ہوں اور جلد اس فہرست میں تمہارا بھی اضافہ ہونے والا ہے۔''

میں عورت کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا اور میں پوچھتے پوچھتے رہ گیا۔ فاضلی نے خود کہا۔ ''تمہیں معلوم ہے تمہارے ساتھ کون بیٹھی تھی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ وہی خوب صورت عورت ہے جو تمہیں ملی تھی اور تم سے سوال پوچھ رہی تھی۔''

''اچھا یہ وہ عورت ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا اور آس پاس دیکھا۔ ''یہ کون سی جگہ ہے؟''

''اب تمہیں یہاں رہنا ہے ہمیشہ۔'' فاضلی بولا۔

''وہ عورت کہاں ہے؟''

''اس کمرے میں۔'' فاضلی نے ایک مضبوط دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''کچھ دیر بعد تمہیں بھی اسی جگہ بند کر دیا جائے گا۔''

''کیوں؟''

''تاکہ تم دونوں بھوک و پیاس سے ہلاک ہو جاؤ۔'' فاضلی نے بے رحم لہجے میں کہا۔

''مگر کیوں۔'' میں نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ ''تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔''

فاضلی کچھ دیر مجھے گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ ''شہباز تم میرے سب سے بڑے دشمن ہو کیونکہ تم میرے باپ کے دشمن ہو اور اگر تم ہوش میں ہو تو خیریت اسی میں ہے کہ ہوش میں ہونے کا اقرار کر لو اور اگر ایسا نہیں ہے تم سچ مچ پاگل ہو گئے ہو تو بھوکے پیاسے مرنا تمہارا مقدر ہے۔''

''یہ عورت بھی تمہاری دشمن ہے؟''

''نہیں یہ اس ڈاکٹر کی بیوی ہے میں اسے بھی مار دیتا لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آ گیا، میں اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا اس لیے یہاں لے آیا اب یہ بھی تمہارے ساتھ ہی مرے گی۔''

یہ میرے لیے انکشاف تھا کہ یہ ماڈرن اور روشن خیال نظر آنے والی خوب صورت عورت اصل میں اس گول مٹول ڈاکٹر کی بیوی تھی اور یقیناً وہی اس کی دوسری بیوی تھی۔ فاضلی کا منصوبہ سچ مچ نہایت خوفناک تھا۔ اس نے میرے لیے زندہ بچنے کا ایک ہی راستہ چھوڑا تھا کہ میں ہوش میں ہونے کا اقرار کر لوں۔ ورنہ بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں اس کمرے میں آسانی سے بند ہو جاؤں جہاں سے امکان یہی تھا کہ میری روح ہی آزاد ہو سکے گی یا مجھے مزاحمت کرنی چاہیے۔ میرے ہاتھ بندھے تھے اور فاضلی کے بارے میں مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ وہ ایک اچھا لڑاکا ہے۔ صرف پیروں کی مدد سے میں اسے قابو نہیں کر سکتا تھا دوسرے میری طرف سے کوئی بھی جارحانہ قدم میرا بھید کھول دیتا۔ اگر میں فاضلی پر قابو پانے میں ناکام رہتا تھا دوسرا انجکشن میرا مقدر بن جاتا۔ میں معاملے کو اس حد تک جانے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں سر جھکائے سوچ رہا تھا کہ فاضلی میرے تاثرات نہ دیکھ سکے۔ جب میں نے سر اٹھایا تو اسے پستول بدست پایا۔ وہ چالاک آدمی جانتا تھا کہ میں ہوش میں ہوں اس صورت میں بمیں جان کی بازی لگا کر آزاد ہونے کی کوشش کر سکتا ہوں اس لیے اس نے اپنی بات کرتے ہی پستول نکال لیا تھا اب میں اسے لاتوں کا بھوت بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کیونکہ وہ اس سے پہلے ہی مجھے گولی مار دیتا۔ میں نے سہم کر کہا۔ ''یہ کیوں نکالا ہے، مجھے بھی مار دو گے؟''

''چلو شاباش اندر چلو۔'' اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ دیوار کی موٹی لکڑی سے بنا ہوا ایسا دروازہ تھا جس پر اندر باہر موٹے تختے لگا کر اسے مزید مضبوط بنا دیا گیا تھا۔ دروازے پر ایک انچ موٹی فولادی کنڈی تھی۔ جسے توڑنا تو کیا اس میں خم پیدا کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ میں بادلِ ناخواستہ آگے بڑھا اور کنڈی سرکا کر دروازہ کھولا۔ فاضلی نے عقب سے دھکا دیا تو میں جان بوجھ کر اندر جا گرا۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ نہایت آسانی سے سنبھال سکتا تھا۔ فاضلی نے ایک قہقہہ لگایا اور دروازہ بند کر دیا۔

ڈاکٹر کی بیوی میرے سامنے فرش پر بے سدھ پڑی تھی۔ اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا پتا نہیں فاضلی نے اس کے سر پر ضرب لگائی تھی یا کوئی دوا استعمال کی تھی۔ میں اٹھنے کے بجائے سرک کر اس کے پاس پہنچا۔ وہ نیم کروٹ کے بل لیٹی تھی ایک ہاتھ پشت پر تھا اور دوسرا سامنے فرش پر پھیلا تھا ٹانگیں گھٹنوں سے خم کھا رہی تھیں۔ ایک ہاتھ پشت کی طرف ہونے سے سینہ نمایاں ہو رہا تھا اور ظاہر ہے بٹن کھلا ہوا تھا اور اس لیے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو رہا تھا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ سامنے کی طرف کر کے اس کی شرٹ کا آخری بٹن بند کر کے شرٹ ممکنہ حد تک درست کر دی۔ اسی لمحے اس نے کراہنا شروع کر دیا۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا ہوش میں آنے کے بعد وہ مجھے اتنے قریب دیکھ کر نہ جانے کیا ردِعمل ظاہر کرے۔ مگر ایک بار کراہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس میں دو طرف کھڑکیاں تھیں لیکن ان پر لکڑی کے تختوں کے بجائے لوہے کی سلاخیں تھیں اور ان کے باہر جھاڑیاں یوں کھڑی تک آ گئی تھیں کہ انہوں نے ایک سائبان سا بنا دیا تھا ان کی وجہ سے باہر کا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دیواریں ٹھوس تھیں اور مجھے کھڑکیوں اور دروازے کی چوکھٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ خاصی موٹی ہیں۔ آمد و رفت کے لیے ایک ہی دروازہ تھا۔ فرش بھی کنکریٹ کا تھا اور اس پر گرد کی خاصی موٹی تہہ موجود تھی۔ ہم اسی خاک پر پڑے تھے۔ ساکت ہو کر میں نے آوازوں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ فاضلی باہر موجود تھا یا نہیں۔ مگر باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ مجھے یاد آیا فاضلی نے ڈرائیور کو کھانا پانی لینے کے لیے بھیجا تھا اگر ہمیں یہاں چھوڑ کر واپس جانا ہوتا تو وہ یہ حکم کیوں دیتا۔ اس کا مطلب تھا اسے بھی یہیں رکنا تھا۔ مجھ پر شک ہونے کے باوجود فاضلی پوری طرح محتاط نہیں تھا اور اکثر ایسی باتیں کر جاتا تھا جو اسے میرے سامنے نہیں کرنی چاہیے۔

اس سے ایک مطلب اور نکالا جا سکتا تھا کہ فاضلی خود مرشد ہاؤس واپس نہیں جا رہا تھا اور اس کا بھی امکان تھا کہ اس نے یہ کام مرشد کی مرضی کے خلاف کیا تھا اور اب وہ فی الحال اس کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہا تھا مرشد کی دی ہوئی تین دن کی مہلت پوری ہو گئی تھی اور وہ میری ذہنی حالت کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں لے سکا تھا۔ مرشد کے حکم کے مطابق فاضلی کو مجھے واپس مرشد ہاؤس لے جانا تھا۔ مگر فاضلی کسی صورت میری صحیح سلامت واپسی نہیں چاہتا تھا۔ وہ مجھے مارنا چاہتا تھا ورنہ مجھے پاگل بنا کر واپس کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے وہ مجھے یہاں لے آیا تھا۔ یہاں روشنی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ بجلی تو سرے سے نہیں تھی لیکن کوئی لیمپ یا دیا جیسی چیز بھی نہیں تھی۔ شام ہو رہی تھی اور کمرے میں ماحول نیم تاریک ہو گیا تھا۔ کچھ دیر اور گزرتی تو یہاں بالکل تاریکی ہو جاتی۔ مگر جو فاضلی ہمیں بھوکا پیاسا مرنے کے لیے اس کمرے میں بند کر چکا تھا اسے اس کی کیا فکر ہوتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ یہاں کچھ دیر میں تاریکی چھا جائے گی۔ میں دیوار سے لگا سوچ میں گم تھا کہ کراہ سن کر چونکا۔ ڈاکٹر کی بیوی ہوش میں آ رہی تھی۔

اس بار وہ سچ مچ ہوش میں آ رہی تھی اور اس نے کراہنے کے بعد کروٹ بھی لی تھی۔ یہ کروٹ خاصی ہوش ربا تھی کیونکہ وہ میری طرف گھومی تھی اور میں نے اس کی شرٹ بند کی تھی وہ دوبارہ سامنے سے کھل گئی۔ اس نے اپنا سر تھام لیا تھا اور جھومتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی تو دوبارہ لیٹ گئی۔ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ شاید اس کے سر پر ضرب لگائی گئی تھی ورنہ وہ اتنی جلدی ہوش میں نہ آتی۔ مگر اس کی حالت بھی خراب ہو رہی تھی۔ مجھے اس چیز کا خوب تجربہ تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے بیٹھے بیٹھے کہا۔ ''لیٹ جاؤ ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور دوبارہ چونکی کیونکہ میرا لہجہ بچگانہ تھا اور اسے سامنے ایک مرد نظر آیا تھا اس نے شاید مجھے پہچانا نہیں تھا۔ اس کی حالت سچ مچ خراب تھی اس لیے اس نے انکوائری کا کام ملتوی کر دیا اور دوبارہ لیٹ گئی۔ شکر ہے اس نے اپنی شرٹ کو درست کر لیا۔ وہ متناسب الاعضا عورت تھی۔ چہرے کے نقوش بھی بہت دل کش تھے۔ مگر وہ ان عورتوں میں سے تھی جن کے حسن میں خوب صورتی کم اور ایک قسم کی حیوانی کشش زیادہ ہوتی ہے۔ ممکن ہے میرا یہ اندازہ درست نہ ہو کیونکہ اتنی ہنگامہ خیز زندگی میں آئے دن نت نئی عورتوں سے واسطہ پڑنے کے باوجود اس صنف کے بارے میں میرا تجربہ کم تھا۔ میں نے اس کے بارے میں یہ رائے شاید اس کے حلیے اور اس کے بے باک انداز کی وجہ سے قائم کی تھی۔ حسن میں وہ زرین سے کم نہیں تھی لیکن زرین مجھے ہمیشہ خوب صورت لگی تھی۔ میں نے اس میں یہ حیوانی کشش محسوس نہیں کی تھی۔

دس منٹ بعد وہ اٹھ بیٹھی اور خود کو گھسیٹ کر مخالف دیوار تک لے گئی۔ تاریکی تیزی سے چھا رہی تھی اور اب ہم ایک دوسرے کو واضح دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس نے سہمے لہجے میں کہا۔ ''تم وہی ہو..... یہ کون سی جگہ ہے؟''

''میں نہیں جانتا..... ہمیں فاضلی یہاں لایا ہے۔''

''فاضلی کون ہے؟''

''وہی جس کے لیے تمہارا شوہر کام کر رہا تھا۔''

وہ اب تک ڈھیلی بیٹھی تھی لیکن میرا جواب سن کر چونک کر سیدھی ہو گئی۔ ''تمہارا دماغ درست ہے۔ میرا شوہر کہاں سے آ گیا۔''

''مجھے کیا معلوم..... مجھ سے فاضلی نے کہا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم اس کا نام فاضلی ہے؟'' اس نے سوال کیا غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ جب میں یادداشت کھو چکا ہوں تو مجھے فاضلی کا نام کیسے یاد ہے؟

''وہ دونوں کہتے ہیں جن کے پاس بندوق ہوتی ہے۔''

اس نے سر ہلایا اور اگلا سوال کیا۔ ''میرا شوہر کون ہے؟''

''ڈاکٹر۔''

''بکواس وہ میرا شوہر نہیں۔'' اس نے پھر تیز لہجے میں کہا۔ ''وہ میرا واقف کار ہے اور اس نے مجھے تمہارے پولی گراف کے لیے بلایا تھا۔ اس کی مشین جدید قسم کی ہے اسے خود آپریٹ کرنی نہیں آتی ہے۔''

''وہ مر گیا ہے..... ان لوگوں نے دوسرے آدمی اور نرس کو بھی مار دیا۔''

وہ ایک بار پھر چونکی۔ ''کیا انہوں نے مجتبیٰ کو مار دیا۔''

''مجتبیٰ کون ہے؟''

''ڈاکٹر کا نام ہے۔'' عورت اب خوف زدہ ہو گئی۔ یہ ساری قتل و غارت گری اس کے علم میں نہیں تھی۔

''یہ فاضلی بہت خطرناک آدمی ہے۔''

''ہاں اس نے ہمیں یہاں بھوکا پیاسا مرنے کے لیے بند کر دیا ہے۔''

''بھوکا پیاسا۔'' اس کے لہجے میں خوف بڑھ گیا تھا ذرا سی دیر میں تاریکی اتنی گہری ہو گئی تھی کہ اب وہ ایک ہیولے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ ''وہ ہمیں یہاں بند کر کے چلے گئے ہیں؟''

''ہاں ہمیں یہاں بند کر دیا ہے۔''

عورت نے اٹھ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ ''کوئی ہے..... ہماری مدد کرو..... پلیز ہمیں یہاں سے نکالو۔''

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، مجھے معلوم تھا کہ فاضلی یا اس کے آدمیوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگے گی اور اگر رینگی بھی تو اس عورت کی شامت آئے گی۔ یہاں مدد کرنے کوئی نہیں آئے گا لیکن میں نے اس کو منع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تھک ہار کر وہ بیٹھ گئی اور سہمے انداز میں بولی۔ ''یہاں تو کوئی نہیں ہے شاید یہ جگہ ویران ہے۔''

جگہ اتنی ویران بھی نہیں تھی باہر فاضلی اور اس کے گرگے موجود تھے اور یہ ممکن تھا یہاں ہونے والی تمام گفتگو سن رہے ہوں۔ بلکہ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ یہ کمرہ خالی تھا لیکن اس کی اونچی چھت مکڑی کی موٹی جالیوں اور تہوں سے بنی تھی اور چھت پر کہیں بھی طاقتور مائک چھپایا جا سکتا تھا جو یہاں کی جانے والی سرگوشی بھی نظر کرتا۔ تاریکی ہونے کے بعد وہ خوف زدہ ہو گئی تھی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آ گئی۔ ''فاضلی تمہارا دشمن ہے؟''

''ہاں اس نے مجھے پکڑ رکھا ہے..... ایک آدمی اور بھی تھا..... اس نے سر پر اونچی سی پگڑی پہن رکھی تھی۔ پھر یہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے آئے۔''

''تمہاری ان سے کیا دشمنی ہے؟''

''میں نہیں جانتا۔''

اسے یاد آ گیا کہ میری یادداشت گم ہے۔ ''دیکھو مجھ سے کہا گیا تھا کہ ایک شخص یادداشت گم ہونے کا ڈرامہ کر رہا ہے اور اس کا پولی گراف ٹیسٹ کرنا ہے۔''

''اچھا وہ شخص کون ہے؟''

''وہ تم ہو بے وقوف لگتا ہے اپنی یادداشت ہی نہیں عقل بھی کھو بیٹھے ہو۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''تم ڈانٹ کیوں رہی ہو۔'' میں نے روہانسے لہجے میں کہا۔ ''میں اب تم سے بات نہیں کروں گا۔''

''سوری۔'' وہ کچھ دیر بعد نرم لہجے میں بولی۔ ''میں پریشان ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو میں کون سا..... خوش ہوں۔''

''تم صورتِ حال کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ یہ لوگ کسی وجہ سے تمہارے دشمن ہیں۔ کیا تمہیں اپنا ماضی بالکل یاد نہیں ہے؟''

''مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔''

''پولی گراف ٹیسٹ سے بھی تم سچے ثابت ہوتے ہو۔'' عورت نے وہ بات کہی جو میں اس سے پوچھنا چاہ رہا تھا لیکن پوچھ نہیں پا رہا تھا۔ ''تمہارے کسی جواب پر تمہارے دل کی دھڑکن اور بلڈ پریشر میں تبدیلی نہیں آئی تھی۔''

''پولی گراف کیا ہوتا ہے؟''

وہ مجھے تفصیل سے سمجھانے لگی کہ پولی گراف کیا ہوتا ہے۔ وہ ماہر نفسیات نہیں تھی بلکہ پولی گراف مشین کے استعمال کی ماہر تھی۔ میں خاموشی سے سنتا رہا اور اسے ذرا تاخیر سے احساس ہوا کہ وہ فضول میں بول رہی ہے۔ اس لیے وہ اصل موضوع پر آ گئی۔ ''انہوں نے مجتبیٰ اور اس کے ماتحتوں کو کیوں مار دیا؟''

''مجھے نہیں معلوم..... میں نے ان کی لاشیں دیکھی تھیں۔ میں تو سمجھا تم بھی مر گئی ہو۔ یہ تمہیں میرے ساتھ یہاں لے آئے۔''

''مجھے نہیں معلوم وہاں کیا ہوا تھا۔ یہ شخص فاضلی ڈاکٹر مجتبیٰ سے لڑ رہا تھا۔ اچانک میری کرسی کے پیچھے آیا اور اس نے اچانک ہی کوئی چیز میرے سر پر ماری اور میں بے ہوش ہو گئی جب ہوش آیا تو یہاں پڑی تھی۔''

اس کا مطلب تھا کہ فاضلی نے قتل بعد میں کیے تھے۔ عورت کو بے ہوش کر کے اس نے پہلے ڈاکٹر اور وارڈ بوائے کو مارا تھا پھر نرس کو اپنے درندہ صفت ساتھیوں کے حوالے کر دیا۔ انجام اس کا بھی موت ہی ہوا تھا۔ یعنی عورت کے لیے اس کی شروع سے نیت تھی کہ وہ اسے ساتھ لے کر آئے گا۔ یہ خیال آتے ہی میں چونک گیا۔ اگر فاضلی کو عورت کو مارنا ہوتا تو اسے وہیں مار دیتا اسے اتنی دور لانے اور میرے ساتھ یہاں بند کرنے کی زحمت نہ کرتا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ فاضلی نے مجھے دھمکی تھی وہ ہمیں سچ مچ بھوک پیاس کے ہاتھوں مارنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس عورت کو میرے ساتھ بند کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ یہ میں فی الحال سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس دوران میں تاریکی مکمل ہو چکی تھی اور نظر آنا بالکل بند ہو گیا تھا۔ عورت نے ڈر کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' میں نے اپنی فریاد کی۔

''بے وقوف..... یہاں سے نکلنے کی سوچو۔''

''کیا سوچنے سے یہاں سے نکل جائیں گے؟'' میں نے خوش ہو کر پوچھا تو وہ جھنجھلا گئی۔

''نہیں کوئی ترکیب سوچو کہ کسی طرح سے یہاں نکلیں۔''

''دروازے سے نکلیں؟''

''نہیں دروازہ بہت مضبوط ہے یہ تو ٹارزن سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔''

''پھر کھڑکیوں سے نکل جائیں۔''



عورت نے دیکھ لیا تھا کہ کھڑکیوں پر کوئی پون انچ موٹی لوہے کی سلاخیں تھیں اگرچہ یہ بری طرح زنگ کھا چکی تھیں لیکن ان کی مضبوطی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس لیے اس نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔ ''چھوڑو میں خود سوچتی ہوں۔''

''تیری مہربانی۔'' میں نے دل میں کہا اور زبان سے بولا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''نعمانہ لیکن سب مجھے نومی کہتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ لوگ تمہیں شہباز کہتے ہیں کیا یہ تمہارا اصلی نام ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' میں نے جھنجھلائے انداز میں کہا۔ ''پتا نہیں میں کون ہوں اور کہاں پھنس گیا ہوں۔''

''انہوں نے تمہیں مارا پیٹا بھی ہے؟''

''نہیں، لیکن باندھ کر رکھا تھا۔''

''تمہاری ان سے دشمنی ہے لیکن تمہیں یہاں کیوں لائے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے تم فاضلی کو اچھی لگی ہو۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' اس بار وہ جھنجھلا گئی۔ ''اگر اچھی لگتی تو یہاں بند کرتا۔''

''ہاں، یہاں تو ہمیں بھوکا پیاسا مرنے کے لیے بند کیا گیا ہے۔''

''پلیز ایسی باتیں مت کرو۔'' وہ مجھ سے چپک گئی۔ ''مجھے مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

''مرنے سے ڈرو یا نہ ڈرو مرنا تو ہوتا ہے۔''

''پھر بھی، اس کا ذکر بھی مت کرو۔ بس اب چپ رہو۔''

خوف سے اس کا جسم سرد پڑ رہا تھا لیکن اس کی گدازیت اور اس کے وجود سے آتی خوشبو تو باقی تھی اور مجھے یہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا اس لیے میں اس سے ذرا دور سرک گیا۔ ''پیچھے ہو کر بیٹھو نا۔''

وہ کھسیانے انداز میں ہنسی۔ ''سوری مجھے ڈر لگ رہا تھا اس لیے تمہارے پاس آ گئی۔''

وہ مجھ سے ذرا دور ہوئی تھی لیکن اٹھ کر نہیں گئی۔ مکمل تاریکی کے کچھ دیر بعد میری آنکھیں کسی قدر دیکھنے لگی تھیں۔ میں اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا اور اس کے تختوں کے درمیان رخنوں سے باہر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا مگر تختے آپس میں جوڑ کر لگائے گئے تھے اور اگر ان میں رخنے تھے تو وہ زمانے کی گرد اور لکڑی کے پھولنے سے بند ہو چکے تھے۔ میں نے فرش پر لیٹ کر نیچے سے باہر دیکھا تو مجھے معمولی سی روشنی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ کوئی آواز تھی اور نہ کوئی آہٹ تھی۔ اگر وہ یہاں سے گئے نہیں تھے تب بھی کیبن کے اندر نہیں تھے۔ دروازہ بند ہونے کے باوجود کھلی کھڑکیوں سے کسی قدر تازہ ہوا اندر آ رہی تھی اس لیے حبس کا احساس نہیں تھا۔ اچانک نومی نے کہا۔ ''کیا کر رہے ہو دروازے کے پاس؟''

''الو کی پٹھی۔'' میں نے دل ہی دل میں کہا اور بولا۔ ''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

''واپس آ جاؤ۔'' اس نے مشورہ دیا۔ ''انہوں نے میری اتنی پکاروں کا کوئی جواب نہیں دیا۔''

میں اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے میرا بازو پکڑا اور سرگوشی میں بولی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا یہ لوگ مجھے یہاں کیوں لے آئے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بھوکا پیاسا مارنے کے لیے۔''

''نہیں مارنا ہوتا تو وہیں مار دیتے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔'' اس نے بھی وہی نتیجہ نکالا جو میں نے نکالا تھا۔ نومی ذہین عورت تھی۔

''فاضلی کہہ رہا تھا تڑپا تڑپا کر مارے گا۔''

''پلیز پلیز۔'' وہ گھگھیائی۔ ''اب اس طرح مت کہنا۔''

''تم ڈاکٹر کے ساتھ کام کرتی ہو؟''

''نہیں میں میڈیکل مشینیں سیل کرنے والی ایک فرم میں سیلز ایگزیکٹو ہوں۔ ہم باہر سے مشینیں منگوا کر یہاں سیل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کو یہ مشین ہم نے ہی فروخت کی تھی۔''

اس لیے ڈاکٹر نے اسے بلایا تھا کہ وہ مشین آپریٹ کرے۔ مگر اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ ڈاکٹر مجتبیٰ اس پر اعتبار کرتا تھا ورنہ وہ اسے ہرگز نہ بلاتا۔ معاملہ بہت رازداری کا تھا۔ اعتبار صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر اور نومی کے تعلقات معمول سے ہٹ کر ہوں۔ یہ کہنا تو مشکل تھا کہ وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے کیونکہ ڈاکٹر مجتبیٰ کی شخصیت اتنی ہی بے کشش تھی جتنی پُرکشش نومی کی شخصیت تھی۔ مگر کیا کہا جا سکتا ہے بعض اوقات بالکل بے جوڑ لوگ بھی ایک دوسرے کو پسند کر بیٹھتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر کاروباری تعلقات ہو سکتے تھے اور ان کی وجہ سے ڈاکٹر نومی پر اعتماد کرتا تھا۔ وہ اپنی فرم میں سیلز ایگزیکٹو تھی خود کاروبار نہیں کرتی تھی بلکہ اوپری درجے کی ملازم تھی۔ ممکن ہے اپنی اسی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے کوئی متوازی کام شروع کر رکھا ہو اور ڈاکٹر اس میں نومی کا معاون ہو۔ اس لیے جب اسے ضرورت پڑی تو اس نے نومی کو بلا لیا۔

میں کم سے کم بولنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ جتنا بولتا پھنسنے کے اتنے ہی زیادہ امکانات تھے۔ کچھ وقت گزرا تو میں نے محسوس کیا کہ باہر روشنی ہوئی ہے۔ مجھے چاند کی تاریخ یاد نہیں تھی لیکن جب میں ان لوگوں کے ہاتھ آیا تو مجھے یاد ہے ایک رات پہلے آسمان پر تقریباً نصف چاند تھا جو بڑا ہو رہا تھا اب اسے مزید بڑا ہو جانا چاہیے تھا۔ باہر چاندنی تھی اس کی روشنی بلا واسطہ طریقے سے اندر کمرے کی تاریکی کو کسی قدر کم کر رہی تھی۔ ایک بار مجھے پھر نومی کا ہیولہ نظر آنے لگا تھا۔ اس کی نظر کا نہیں پتا تھا کہ کتنی تیز ہے۔ میں نے کہا۔ ''تم مجھے تھوڑی سی نظر آ رہی ہو۔''

''وہ تو تم بھی نظر آ رہے ہو آج آسمان پر پورا چاند ہوگا اسی کی روشنی اندر آ رہی ہے۔''

میں نے اٹھ کر کھڑکی کا معائنہ کیا اور پھر سلاخوں سے ہاتھ باہر نکال کر جھاڑیاں ہٹانے کی کوشش کی لیکن جھاڑیاں بہت گھنی تھیں اور ان کی شاخیں آپس میں یوں گتھ گئی تھیں کہ انہیں الگ کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے ہاتھ واپس اندر کھینچ لیا۔ یہ کام صبح کی روشنی میں بہتر طور پر کیا جا سکتا تھا میں فرش پر لیٹ گیا۔ فرش سرد تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ ناقابلِ برداشت ہو جاتا۔ نومی نے کہا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''سو رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بھوک لگ رہی ہے کھانا تو مل نہیں رہا تو سو ہی جاؤں۔''

نومی کو غصہ آ گیا۔ ''ان لوگوں کو کیا حق ہے ہمیں اس طرح بند کر دیں۔'' اس نے کہا اور پھر دروازہ پیٹنے لگی۔ میرا خیال تھا کہ اس بار بھی کوئی جواب نہیں ملے گا لیکن خلافِ توقع ایک منٹ سے بھی پہلے دروازہ کھل گیا۔



یہ بات نومی کے لیے بھی غیر متوقع تھی وہ ڈر کر پیچھے ہٹی اور میں اٹھ بیٹھا۔ باہر روشنی تھی کوئی لیمپ جل رہا تھا اور اس کی روشنی میں فاضلی کسی سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ مجھے لگا اب نومی کی شامت آئے گی لیکن خلافِ توقع وہ نرم لہجے میں بولا۔

''کیا بات ہے؟''

''تم نے اسے اور مجھے یہاں کیوں بند کیا ہے۔'' نومی دبے لہجے میں بولی۔ ''میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق تو ہے۔'' فاضلی نرمی سے ہی بولا۔ ''آخر تم اس شخص کی اصلیت جاننے کے لیے آئی تھیں۔'' اس کا اشارہ میری طرف تھا۔ ''اسی تعلق کی وجہ سے تم یہاں آئی ہو اور یہی شخص تمہاری جان بچا سکتا ہے ورنہ اس نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ تم دونوں کی موت کس طرح واقع ہوگی۔''

نومی کانپ اٹھی تھی۔ ''مت..... تو کیا تم سچ مچ ہمیں بھوک پیاس سے مر جانے دو گے؟''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے مجھے بہرصورت اس کی اصلیت درکار ہے ورنہ میں یہی چاہوں گا کہ اس کی لاش ہی یہاں سے باہر آئے۔''

''لیکن میرا کیا قصور ہے؟''

''میں نے کہا نا تم نے خود ذمے داری قبول کی تھی اس لیے اب یا تو اسے پورا کرو یا سزا بھگتو۔''

''میں نے ذمے داری پوری کی تھی۔ پولی گراف سے ثابت ہوا تھا کہ یہ سچ بول رہا ہے۔''

''یہ سچ نہیں بول رہا۔'' فاضلی قطعی لہجے میں بولا۔ ''تم اس شخص کو نہیں جانتی ہو یہ تم جیسے دس ماہرین نفسیات کو پیچ کر کھا جائے اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔''

''مشین تو جھوٹ نہیں بولتی ہے۔''

''مشین انسان نے بنائی ہے اس لیے انسان مشین کو دھوکا دے سکتا ہے۔'' فاضلی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ ''اب تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ اس سے حقیقت اگلواؤ یا اس کے ساتھ ہی سسک سسک کر مر جاؤ۔ اب دوبارہ دروازہ نہیں بجانا ورنہ میں ایک گھنٹے کے لیے تمہیں اپنے آدمیوں کے حوالے کر دوں گا وہ عورت کا کیا حشر کرتے ہیں شہباز سے پوچھ لو۔''

دروازہ بند ہوا تو نومی اپنی جگہ واپس آ گئی۔ فاضلی کی دھمکی نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا اس نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہا ہے مجھے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دے گا؟''

''اس کے آدمیوں نے بے چاری نرس کو مار دیا اس کے سارے کپڑے اتار دیئے تھے۔'' میں نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق نومی کو بتایا کہ نرس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

''مائی گاڈ یہ درندے ہیں۔'' وہ سہم گئی۔

''بہت گندے لوگ ہیں۔'' میں نے تائید کی۔ ''مجھے ڈر ہے یہ تمہیں لے گئے تو اس نرس جیسا کریں گے۔''

اچانک اسے خیال آیا اور اس نے میری طرف جھک کر کہا۔ ''سنو تم ہوش مند ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں۔'' میں نے فخریہ انداز میں کہا۔

وہ جھنجھلائی۔ ''میرا مطلب ہے تمہیں اپنا ماضی یاد ہے؟''

''نہیں یاد ہے اسی لیے تو یہ ساری مصیبت ہے۔''

''سنو اگر تم اداکاری کر رہے ہو تو فوراً ترک کر دو ورنہ ہمارا بہت برا حشر ہوگا۔''

''یہ بات تو فاضلی کہتا ہے۔'' میں اس سے ذرا دور سرک گیا وہ ویسے بھی گھسی آ رہی تھی۔ ''وہ میرا دشمن ہے تم بھی دشمن ہو۔''

''نہیں..... نہیں میں دشمن نہیں ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''میں تمہاری دوست ہوں ورنہ مجھے یہاں کیوں بند کیا جاتا۔''

''اچھا تم دوست ہو لیکن فاضلی والی بات کیوں کر رہی ہو وہ بھی یہی کہتا ہے۔''

''اچھا اب نہیں کہوں گی۔''

ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔ میں ایک بار پھر فرش پر لیٹ گیا میرا تجربہ رہا ہے کہ بھوک پیاس کے عالم میں جب انسان کچھ نہ کر سکے تو توانائی بچانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سو جائے۔ اس لیے میں بھی سو گیا۔ سچی بات ہے اس وقت بھوک اور پیاس سے زیادہ مجھے یہ فکر تھی کہ کہیں اخراج کا کوئی مسئلہ نہ پیدا ہو جائے۔ یہاں اس بند کمرے میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور فاضلی سے امید نہیں تھی کہ وہ کسی بھی صورت میں ہمیں یہاں سے باہر جانے کی اجازت دے گا۔ بلکہ اسے تو خوشی ہوگی کہ ہم لوگوں کو ذہنی اذیت بھی برداشت کرنی پڑے گی۔ ایک بند کمرے میں بول و براز کا مطلب ہے بدبو آپ کا دماغ الگ خراب کرے گی اور اس وقت ہم دونوں میں سے کوئی یہ اذیت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں بے خبر سو رہا تھا جب نومی نے جھنجھوڑ کر مجھے اٹھایا میں بوکھلا کر اٹھا۔

''کیا ہوا..... کون ہے؟''

کمرے میں تاریکی تھی لیکن کھڑکیوں سے ہلکی سی سفیدی جھلک رہی تھی جیسے باہر صبح ہونے والی ہے۔

''میں ہوں۔'' نومی نے جھینپی آواز میں کہا۔ ''میرے ساتھ یورین کا مسئلہ ہو رہا ہے؟''

''یورین کیا؟''

''احمق سمجھتے نہیں ہو۔'' وہ بولی اور ذرا کھل کر مجھے سمجھایا حالانکہ سمجھ میں پہلے ہی گیا تھا لیکن انگریزی کے لفظ سے واقفیت ظاہر کرنا ٹھیک نہیں تھا۔ میں فکرمند ہو گیا۔

''اب کیا ہوگا یہاں تو بدبو ہو جائے گی۔''

وہ بھنا گئی۔ ''تمہیں بدبو کی پڑی ہے۔ میرا خیال نہیں ہے۔''

''تمہارا کیا خیال کرنا۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''تم واقعی عقل سے ہاتھ دھو چکے ہو۔'' وہ بولی اور اس نے اٹھ کر ایک بار پھر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا اس سے ظاہر تھا کہ ایمرجنسی کتنی شدید تھی کیونکہ رات کو ہی فاضلی نے اسے دھمکی دی تھی کہ دوبارہ دروازہ بجانے پر وہ اسے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دے گا۔ اس بار جواب ذرا دیر سے ملا باہر سے فاضلی کے آدمی کی غصیلی آواز آئی۔

''کیا بات ہے؟''

''مجھے یورین آ رہا ہے۔'' نومی نے چلا کر کہا۔ ''مجھے باہر جانے دو۔''

''وہیں کر لو۔'' فاضلی کا گرگا ہنس کر بولا۔

''تم لوگ درندے ہو۔'' نومی چلائی۔ ''اگر تم نے مجھے باہر جانے کی اجازت نہیں دی تھی تو میں اسی دروازے کے نیچے کر دوں گی اور وہ بہہ کر تمہارے کمرے میں بھی آئے گا۔''

نومی نے بڑی اچھی دھمکی دی تھی۔ دروازے کے نیچے اتنا خلا ضرور تھا کہ کوئی مائع چیز بہہ کر باہر چلی جائے۔ ظاہر ہے بدبو ان کا بھی دماغ خراب کرتی کیونکہ اس کیبن میں بس یہی دو کمرے تھے۔ گرگا خاموش ہو گیا اور شاید پھر فاضلی کو بتانے چلا گیا کیونکہ فاضلی کی آواز نہیں آئی تھی وہ کیبن میں نہیں تھا یا کہیں گیا ہوا تھا اگر وہ گیا ہوا تھا تو نومی کی دھمکی بے کار تھی۔ وہ لوگ کسی صورت دروازہ نہیں کھولتے۔ ہاں فاضلی ہوتا تو وہ کوئی فیصلہ کرتا۔ نومی کو اجازت مل جاتی یا شاید نہ ملتی۔ نومی خاموشی کے باوجود کچھ دیر دروازہ پیٹتی رہی اور پھر تھک کر واپس آ گئی وہ دبی زبان میں گالیاں دے رہی تھی اور ان میں سے بعض خاصی وزنی تھیں۔ اس کے خیال میں میرے سامنے ایسی گالیاں دینے میں کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ ذہنی لحاظ سے میں ''بچہ'' تھا۔

''نہیں جانے دیا نا۔''

''بہت ذلیل اور گھٹیا لوگ ہیں۔'' وہ بولی۔ ''میرے لیے برداشت کرنا مشکل ہو رہا ہے۔''

مسئلہ ایسا تھا کہ مجھے بھی اس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نومی کچھ دیر بیٹھی رہی پھر اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''اب میں برداشت نہیں کر سکتی، پلیز تم منہ دوسری طرف کر لو۔''

میں نے دل ہی دل میں فاضلی کو برا بھلا کہتے ہوئے منہ دوسری طرف کر لیا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی ایسی مشکل سے بھی گزرنا پڑے گا۔ نومی خاصی آزاد خیال عورت تھی لیکن وہ بھی اس سچویشن میں بری طرح جھینپی ہوئی تھی۔ کچھ دیر وہ واپس آئی اور سامنے والی دیوار سے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ فضا میں ہلکی سی بو آ گئی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ بڑھے گی لیکن ساتھ ہی دوسرے مسائل جن میں بھوک و پیاس کا مسئلہ سرفہرست ہوتا اس سے کہیں زیادہ تیزی سے سامنے آتا اور جلد ہم انسانی رکھ رکھاؤ بھول کر صرف کھانے اور پانی کے بارے میں سوچتے۔ میں نے آخری کھانا اچھی طرح کھایا تھا اس لیے بھوک کا مسئلہ ابھی زیادہ نہیں تھا مگر پیاس نے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔

''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے بے دلی سے صرف سر ہلایا۔ باہر روشنی تیز ہوتی جا رہی تھی اور اب ہم بہتر طور پر دیکھ سکتے تھے۔ مٹی پر لیٹنے بیٹھنے سے ہمارے کپڑے اور جسم مٹی سے بھر گئے تھے۔ نومی کے بالوں پر بھی مٹی لگی تھی اور شاید میرے بالوں پر بھی لگی تھی لیکن اس سے مفر ممکن نہیں تھا۔ سورج نکل آیا تو کمرے میں بھی اتنی روشنی ہو گئی تھی کہ ہم سب صاف دیکھ سکتے تھے۔ میں نے اٹھ کر ایک کھڑکی کے ساتھ آئی جھاڑیوں اندر کی طرف کھینچیں۔ یہ نرم شاخوں اور بڑے پتوں والی جھاڑیاں تھیں۔ میں انہیں کھینچ کھینچ کر توڑنے اور اندر ڈھیر کرنے لگا۔ نومی اٹھ کر میرے پاس آئی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کھڑکی کے سامنے سے انہیں ہٹا رہا ہوں۔'' میں نے سادہ جواب دیا۔ ذرا دیر میں کچھ جھاڑیاں صاف ہوئیں تو نومی بھی اٹھ کر اس کام میں شامل ہوگئی۔ شاخیں اور پتے فرش پر ڈھیر کر رہے تھے۔ دس پندرہ منٹ کی محنت کے بعد کھڑکی سے دو فٹ کی دوری تک جھاڑیاں صاف ہوگئی تھیں لیکن کھڑکی سے اوپر اب بھی جھاڑیاں تھیں میں چوکھٹ پر کھڑا ہوا اور یہ جھاڑیاں بھی صاف کرنے لگا اندر اچھی خاصی آگئی تھیں اس لیے اب میں توڑی جانے والی جھاڑیاں نیچے گرانے لگا۔ اوپر کی جھاڑیاں صاف ہوئیں تو کسی قدر آسمان نظر آنے لگا اور روشنی تیز ہوگئی تھی۔ مگر اس مشقت کا یہ نقصان ہوا کہ پیاس لگنے لگی تھی۔ میں فرش پر ڈھیر جھاڑیوں پر بیٹھ گیا۔ نومی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''پیاس لگ رہی ہے۔''

''مجھے بھی لگ رہی ہے۔'' میں نے کہا اور دوبارہ اٹھ کر باہر دیکھنے کے بہانے سلاخوں کا جائزہ لینے لگا۔ میں اوپر سے نیچے تک سلاخوں کو ہاتھ سے کھینچ کر ان کی مضبوطی کا اندازہ کر رہا تھا لیکن تمام ہی سلاخیں اپنی جگہ جمی ہوئی تھیں اور ان میں کسی میں جنبش کے آثار بھی نظر نہیں آئے تھے۔ تمام سلاخیں لکڑی کی مضبوط چوکھٹ میں گہرائی تک گڑی ہوئی تھیں۔ زنگ کا اثر بھی صرف اوپر تھا اندر سے لوہا روز اول کی طرح مضبوط تھا۔ زور آزمائی کے دوران زنگ اتر کر میری ہتھیلیوں پر آگیا اور نیچے سے سیاہ دھات جھلکنے لگی تھی۔ میں نے پتوں سے رگڑ رگڑ ہاتھ صاف کیے۔ ان میں ہلکی سی نمی تھی۔ میں نے تجربے کے طور پر ایک پتے کی نمی کو ہاتھوں میں دبا کر چند قطروں کی صورت میں حاصل کیا اور انہیں چکھ کر دیکھا۔ ذائقہ ہلکا سا کسیلا تھا لیکن یہ پانی ہی تھا۔ نومی بیزار اور خود میں گم ایک طرف بیٹھی تھی اس لیے اس نے توجہ نہیں دی کہ میں کیا کر رہا ہوں اور یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ وہ توجہ دیتی تو لازمی سوالات شروع کر دیتی اور فاضلی اینڈ پارٹی کو پتا چل جاتا کہ میں کچھ کر رہا ہوں۔ میں نے غیر محسوس انداز میں ہاتھ مار کر شاخیں اور پتے فرش پر بچھا دیئے اور ان پر لیٹ گیا۔ سخت اور گرد آلود فرش کے مقابلے میں یہ خاصا نرم بچھونا تھا۔ پتوں اور شاخوں کی نمی سے ایک طرح کا سکون مل رہا تھا۔ پتے اور شاخیں اچھی خاصی مقدار میں تھے میں نے جو بچھونا بنایا تھا اس کے علاوہ بھی اتنے بچ گئے تھے کہ نومی بھی بستر بنا سکتی تھی اس نے کچھ دیر بعد دیکھا۔

''تم اتنے مزے سے لیٹے ہو اور مجھے بتایا نہیں۔''

''تم بھی لیٹ جاؤ۔'' میں نے پیشکش کی۔ ''بہت مزہ آرہا ہے۔''

نومی پاس آئی اس نے شاخیں اور پتے زمین پر پھیلائے اور ان پر بیٹھ گئی۔ ''ہاں فرش سے تو اچھا ہے لیکن کہیں کہیں چبھ رہا ہے۔''

میں خود بھی چاہتا تھا کہ ہم اس بارے میں بات کریں لیکن میں خود سے نہیں کرنا چاہتا تھا اب نومی بول بھی تھی اور میں منتظر تھا کہ فاضلی اینڈ پارٹی کی طرف سے اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اگر وہ ہماری باتیں سن رہے تھے تو لازمی تجسس کا شکار ہوتے کہ ہم نے اس اجاڑ قید خانے میں کون سے سہولت حاصل کر لی ہے۔ توقع کے عین مطابق کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور فاضلی کے ایک گرگے نے اندر جھانکا۔ ہمیں شاخوں اور پتوں پر لیٹے دیکھ کر اس نے غرا کر کہا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

''کون سی؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔



''تم نے جھاڑیاں کیوں توڑی ہیں؟''

''بس روشنی زیادہ کرنے کے لیے توڑی تھیں اب ان پر لیٹے ہیں۔''

نومی نے اسے گھورا۔ ''تمہیں کیا ہے تم سے تو کچھ نہیں مانگا ہے؟''

''تیری زبان بہت چلتی ہے۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔ ''اگر استاد اجازت دے تو آدھے گھنٹے میں تیرے سارے کس بل نکال دوں۔'' اس نے جملے کے آخر میں ایک فحش اشارہ کیا۔ نومی کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں اور میں انجان بنا رہا۔ دروازہ دھڑام سے بند ہوا تو نومی نے دبی زبان میں چرچھ کالیاں دیں۔ وہ سخت مشتعل تھی اور اس کی سانسوں کی تیزی کے آگے شرٹ کا تیسرا بٹن جواب دے گیا۔ [illegible] میں نہیں تھی بلکہ شرٹ ہی کچھ تنگ تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے غصے کا رخ میری طرف مڑ گیا تھا [illegible] مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''تم اتنے کم عقل نہیں ہو جتنا بن رہے ہو۔''

''پھر کتنا کم عقل ہوں؟''

''اب مجھے بھی شبہ ہونے لگا ہے تم بن رہے ہو۔ ورنہ اس طرح جھاڑیاں توڑ کر ان سے بستر بنانے کا خیال تو مجھے بھی نہیں آیا۔''

''میں نے روشنی کے لیے جھاڑیاں توڑی تھیں۔'' میں نے صفائی پیش کی۔

''لیکن اب ان کا بستر بنا لیا۔''

''پتا نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔'' میں انجان بن گیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ ''مجھے نیند آرہی ہے۔''

اس نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔ ''اٹھو..... یہ وقت سونے کا نہیں ہے..... اگر تم اپنی یادداشت کھو چکے ہو تب بھی ان لوگوں سے کہہ سکتے ہو تمہیں سب یاد آگیا ہے۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' میں نے منہ کھول کر پوچھا۔

''یہ ہمیں چھوڑ دیں گے۔''

میں خوش ہوگیا۔ ''بس اتنی سی بات کہہ دینے سے چھوڑ دیں گے، میں ابھی کہتا ہوں۔'' میں کہتے ہوئے کھڑا ہوگیا لیکن اس نے ہاتھ سے پکڑ کر مجھے دوبارہ بٹھا لیا اور سرگوشی میں بولی۔

''احمقانہ باتیں نہ کرو..... انہیں اس طرح یقین نہیں آئے گا۔''

''پھر کس طرح یقین آئے گا؟''

''تمہیں کہنا ہوگا کہ تمہیں کچھ کچھ یاد آنے لگا ہے جیسے تمہارا نام شہباز ملک ہے اور فاضلی تمہارا دشمن ہے تم نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''واقعی؟'' میں نے سہم کر کہا۔ ''میں قتل کر سکتا ہوں۔''

نومی جھنجھلائی لیکن خود پر قابو پا لیا۔ ''کر سکتے ہو، جب آدمی کی جان پر بنی ہو تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ابھی تم نے ظاہر یہی کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں فاضلی سے کہتا ہوں مجھے سب یاد آگیا ہے اور میں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔''

''اس طرح نہیں وہ بہت چالاک آدمی ہے سمجھ جائے گا۔''

''پھر کس طرح؟''

''تم اسے بلاؤ اور کہو کہ مجھے جانے دے پھر تم اسے حقیقت بتاؤ گے۔''

''مجھے جانے دے گا وہ؟''

''تمہیں نہیں مجھے۔'' وہ جھنجھلا گئی۔ ''تم ذرا عقل مندوں کی طرح بات کرنا۔''

''وہ کیسے کرتے ہیں؟''

اس کا صبر جواب دے رہا تھا اور میں جانتا تھا فاضلی یا اس کے آدمی ہماری گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہے ہیں لہٰذا اس کی اسکیم پر عمل درآمد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے بھنا کر کہا۔ ''جیسے ابھی تم کر رہے ہو۔''

''ٹھیک ہے میں کراؤں گا کیا دروازہ بجا کر اسے بلاؤں۔ پہلے وہ تمہیں جانے دے اور جب میں اسے بتادوں کہ مجھے کچھ کچھ یاد آ گیا ہے تو وہ مجھے بھی جانے دے گا۔''

''ہاں وہ تمہیں بھی جانے دے گا۔'' نومی نے صفائی سے جھوٹ بولا۔

میں نے اٹھ کر دروازہ پیٹا۔ ''دروازہ کھولو مجھے یاد آ گیا ہے..... نہیں مجھے کچھ کچھ یاد آ گیا ہے۔''

نومی نے سر پر ہاتھ مارا تھا لیکن اس نے مجھے روکا نہیں۔ میں دروازہ پیٹتا رہا اور میری توقع کے مطابق کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں مایوس ہو کر واپس آ گیا۔ ''کوئی آ ہی نہیں رہا ہے۔ میں کس سے بات کروں۔''

''کوشش کرتے رہو کبھی نہ کبھی تو جواب دیں گے۔''

میری کوشش سے حوصلہ پا کر نومی مجھے سکھانے پڑھانے میں لگ گئی تھی کبھی کبھی وہ جھنجھلا جاتی اور غصہ کرتی لیکن فوراً ہی خود پر قابو پا کر نئے سرے سے لگ جاتی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ یہ زندگی و موت کا مسئلہ ہے وہ کسی بھی طریقے سے یا میری قربانی دے کر یہاں سے نکل سکتی ہے تو اسے نکل جانا چاہیے۔ یہ سارا دن اسی طرح گزرا تھا۔ میں نے وقفے وقفے سے دروازہ پیٹا لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ شام ہوئی اور رات ہوئی تو نومی کا حوصلہ اور طاقت دونوں جواب دے گئے۔ بھوک و پیاس نے اسے نڈھال کر دیا تھا اور وہ لیٹ گئی۔ میری حالت اتنی بری نہیں تھی مجھے اس سے پہلے بھی بھوک و پیاس کا کئی بار تجربہ ہو چکا تھا لیکن میں ظاہر یہی کر رہا تھا کہ میری حالت خراب ہے۔ نومی نے مجھے دن میں سونے نہیں دیا تھا اس لیے رات ہوتے ہی میں لیٹ کر سو گیا۔ بھوک پیٹ میں کروٹیں لے رہی تھی اور پیاس سے حلق خشک ہو رہا تھا اگرچہ اسے کانٹے پڑنا تو نہیں کہا جا سکتا تھا مگر کیفیت اس سے کچھ مختلف بھی نہیں تھی۔ بہرحال ابھی میں برداشت کر سکتا تھا۔ البتہ نومی کی حالت بری تھی وہ سوتے میں کراہ رہی تھی اور کھانے پینے کو مانگ رہی تھی۔

مجھے افسوس تھا لیکن میں اپنے لیے ہی کچھ نہیں کر سکتا تھا اس لیے کیا کرتا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک بار فاضلی کو میری حقیقت کا علم ہو گیا تو میرے ساتھ وہ جو کرے گا وہ سہے گا لیکن نومی کا مقدر صرف موت ہو گی جو نہایت اذیت سے گزر کر نصیب ہو گی۔ وہ مجھے عینی گواہ کی حیثیت سے چھوڑنے کا خطرہ مول لے ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لیے مجھے صبر کے ساتھ اپنی اداکاری پر جمے رہنا تھا اسی میں میری اور نومی کی بچت تھی۔ اندر سے مجھے یقین تھا کہ



فاضلی ہمیں ڈرا رہا ہے اس کا مقصد ہرگز ہمیں بھوک و پیاس سے ہلاک کرنے کا نہیں تھا۔ اس کا اصل پلان کیا تھا میں سمجھ نہیں پایا تھا۔ یہ تو وقت آنے پر ہی پتا چلتا کہ وہ کیا چکر چلا رہا تھا۔ میں رات کسی وقت جاگ گیا تھا۔ نومی سو رہی تھی یا غشی میں تھی۔

وہ بہرحال نرم و نازک عورت تھی اور شاید ان حالات سے پہلی بار واسطہ پڑا تھا۔ بھوک پیاس اس کے لیے اجنبی چیز تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو صبح سے شام تک عادتاً کھاتے پیتے ہیں اور ان کا حقیقی بھوک پیاس سے واسطہ بہت کم پڑتا ہے۔ میں بنا آہٹ کیے اٹھا اور ایک بار پھر کھڑکی کی سلاخوں کو ٹٹولنے لگا۔ لیٹے لیٹے چھت کا بغور معائنہ کرنے سے مجھے اس کا تو سو فیصد یقین ہو گیا تھا کہ وہاں کوئی کیمرہ پوشیدہ نہیں تھا۔ ورنہ میں رات میں بھی اپنی اداکاری جاری رکھتا۔ اب ایسے سی سی ٹی وی کیمرے عام ہیں جو گھپ اندھیرے میں بھی دکھاتے ہیں۔ کھڑکی کی سلاخیں چھ چھ انچ کے بعد لگی تھیں اگر ان میں سے ایک سلاخ نکل جاتی تو اتنا خلا بن جاتا جس سے ہم کوشش کر کے گزر سکتے تھے۔

اس بار میں نے تسلی سے اور پوری طاقت لگا کر کھڑکی کی سلاخوں کو آزمایا۔ مگر ان میں جنبش نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے فاضلی نے بھی اپنی تسلی کے بعد ہمیں یہاں قید کیا ہو گا۔ اس نے یقیناً ان سلاخوں کو چیک کیا ہو گا۔ سلاخیں اور لکڑی کی چوکھٹ پوری طرح اپنی جگہ جمی ہوئی تھیں۔ پھر میں نے سلاخوں سے ہاتھ باہر نکال کر جہاں تک یہ جا رہا تھا دیوار اور زمین کو چیک کیا۔ کھڑکی پرانے طرز کی تھی اور فرش سے صرف تین فٹ اوپر تھی۔ باہر مسلسل مٹی جمع ہونے سے زمین اونچی ہو گئی تھی اور میرا ہاتھ زمین کو چھو رہا تھا۔ میں خاصی دیر تک کھڑکی سے ہاتھ نکال کر باہر ٹٹولتا رہا۔ اس دوران میں پتے توڑ کر اور انہیں مسل کر ان کی نمی اپنی زبان پر لیتا رہا۔ ایک پتے سے بمشکل ایک بوند پانی نکل رہا تھا لیکن ان حالات میں یہ بھی غنیمت تھا۔ جب میں اس شغل سے تھک گیا تو واپس اپنی جگہ آ کر لیٹ گیا۔ نومی بے سدھ پڑی تھی۔ میں نے اسے چیک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ صبح کی روشنی پھیلی تو میں نے اسے ہلایا۔ وہ نیم غنودگی میں تھی۔

''ہاں..... ہاں..... پانی ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بہتر ہے سو جاؤ۔''

وہ اٹھ بیٹھی۔ ''میں ابھی خواب میں پانی دیکھ رہی تھی۔''

''کاش کہ میں بھی سو جاتا۔''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''تم نے عقل مندی کی بات کی ہے۔''

''میں بے وقوف نہیں ہوں۔'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''بس مجھے کچھ یاد نہیں ہے لیکن میں عقل رکھتا ہوں۔''

وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ دو دن کے فاقے اور پیاس سے اس کا چہرہ ست گیا تھا اور چہرے پر جھریاں نمودار ہونے لگی تھیں۔ وہ یک لخت ہی چالیس سال سے زیادہ کی لگنے لگی تھی اور اس تاثر نے اس کی ساری کشش ختم کر دی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اب مجھے یقین آ گیا ہے یہ لوگ سچ مچ ہمیں اس طرح مار دینا چاہتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، میں اکیلی رہتی ہوں اور کوئی مجھ سے ملنے نہیں آتا ہے میں خود اپنے گھر والوں سے ملتی ہوں۔''

''ان کو تو پتا ہوگا جہاں تم کام کرتی ہو؟''

''ہاں ان کو پتا ہوگا۔'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں اسے میرے سوالات سے پھر شک ہو رہا تھا۔

''تب وہ تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔''

''نہیں..... میں دو تین دن دفتر نہ جاؤں تو کسی کو بھی شک نہیں ہوگا، ہاں اس دوران میں وہ مجھے کال کریں گے اور میرا نمبر بند ملے گا۔''

ابھی دو دن ہوئے تھے اس لیے دفتر والوں کا حرکت میں آنے کا کوئی پروگرام نہیں ہوگا اور اگر وہ حرکت میں آ بھی جائیں تو زیادہ سے زیادہ پولیس میں رپورٹ درج کرانے کے اور کیا کر سکتے تھے۔ پولیس نومی کو تلاش کرتی یہاں نہیں آ سکتی تھی۔ وہ مجھے اپنے بارے میں بتانے لگی۔ دقفے دقفے سے وہ رک جاتی تھی کیونکہ گلا پہلے ہی خشک ہو رہا تھا بولنے سے مزید خشک ہو جاتا تھا۔ اس نے بہت غریبانہ پس منظر سے اٹھ کر اتنی ترقی کر لی تھی۔ اس کے پاس واحد اثاثہ اس کی خوب صورتی تھی۔ آج اس کے پاس بہت اچھی جاب تھی، اسلام آباد میں ذاتی فلیٹ تھا اس کے پاس لگژری کار تھی۔ وہ بہت محنت کر کے اور بہت ''قربانیاں'' دے کر اس مقام تک پہنچی تھی اور اب اس کا سب کچھ خطرے میں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ پچھتا بھی رہی تھی۔ مگر اس نے الفاظ میں اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔

وہ بولتی رہی اور تاریکی چھا گئی۔ پھر وہ خاموش ہو گئی جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر میں چاند طلوع ہوا تو اس کی روشنی کمرے میں جھلکنے لگی۔ نومی لیٹ گئی تھی میں نے آہستہ سے کہا۔ ''سو گئی ہو؟''

''نہیں پیٹ میں کوئی نوکیلی سی چیز چبھ رہی ہے۔''

ہمیں بھوک پیاس برداشت کرتے ہوئے یہ صرف دوسرا دن تھا۔ میں نے سنا ہے کہ انسان تین ہفتے تک بغیر خوراک کے زندہ رہ سکتا ہے اور پانی کے بغیر مشکل سے ایک ہفتہ۔ مگر یہ ایک اوسط اندازہ ہے ممکن ہے بعض لوگ کھائے پیے بغیر اس سے زیادہ عرصے زندہ رہ سکتے ہوں اور بعض جلدی مر سکتے ہیں۔ اس کا انحصار جسمانی قوت اور عزم و حوصلے پر بھی ہو سکتا ہے اور اس کا انحصار بھوک پیاس برداشت کرنے کی صلاحیت پر بھی ہوتا ہے۔ افریقہ میں قحط کا شکار اقوام کے افراد اس معاملے میں حیرت انگیز قوت مدافعت رکھتے ہیں وہ کھائے بغیر مہینوں بھی زندہ رہتے ہیں لیکن وہ آزاد ہوتے ہیں۔ ہمیں قید کر دیا گیا تھا اور اب ہمارے مرنے کا تماشہ دیکھا جا رہا تھا۔ ہمارے قریب کچھ لوگ کھا پی رہے تھے اور انہوں نے ہم پر خوراک کا ایک ذرہ اور پانی کا ایک قطرہ بھی بند کر دیا تھا۔ یہ احساس خوراک کی بندش سے زیادہ جان لیوا تھا۔ کم سے کم نومی اسی وجہ سے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی اسے معلوم تھا کہ بچنے کی امید نہیں ہے اس ناامیدی نے اسے قبل از وقت ہی قریب المرگ کر دیا تھا۔ وہ ساری رات سوتی اور روتی رہی جب جاگتی تو اس کی ہچکیاں صاف سنائی دیتی تھیں نیند بھی کہاں آتی تھی۔ بس غشی طاری ہو جاتی تھی۔

اس کے مقابلے میں میری حالت اتنی بہتر ضرور تھی کہ میں اپنی مرضی سے سو سکتا تھا۔ اس لیے اس رات کا

''اس سے تو بہتر ہے یہ ہمیں گولی مار دیں جیسے ڈاکٹر اور دوسرے آدمی کو ماری تھی پھر نرس کو بھی مار دیا تھا۔''

گولی کا سن کر اس کے چہرے پر خوف نمودار ہوا۔ ''میں مرنا نہیں چاہتی ہوں۔''

''مرنا تو ویسے بھی ہے تو سسک سسک کر کیوں مریں؟''

''مگر میں گولی کھا کر نہیں مرنا چاہتی۔'' اس کا لہجہ ہذیانی ہو گیا۔

میں نے اٹھ کر دروازہ پیٹا اور بھوک پیاس کا رونا رونے لگا۔ ظاہر ہے ان لوگوں کے کان پر جوں بھی نہیں رینگنی تھی۔ میری چیخ و پکار اور داد و فریاد رائیگاں گئی۔ نومی میں یہ سب کرنے کی ہمت نہیں تھی اس لیے وہ لیٹی ہوئی فاضلی اور اس کے آدمیوں کو گالیاں دیتی رہی۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''واپس آ جاؤ..... یہ بے رحم لوگ ہماری نہیں سنیں گے۔''

میں واپس آ کر بیٹھا تو پہلی بار میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں فاضلی نے سچ مچ تو نہیں مرنے کے لیے بند نہیں کر دیا ہے۔ میں بدترین حالات کا حوصلے سے مقابلہ کرتا آیا ہوں اور ہار ماننے کا خیال بھی میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا لیکن مجھے اعتراف ہے اس خیال نے مجھے خوف زدہ کر دیا تھا۔ بھوک و پیاس سے سسک سسک کر ہلاک ہونے کا خیال ہی بہت خوفناک تھا۔ میرا خیال تھا بلکہ یقین تھا کہ فاضلی ڈرامہ کر رہا ہے وہ مجھے خوف زدہ کر رہا ہے اور اس عورت کو میرے ساتھ بند کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ مجھ پر دباؤ ڈالے۔ مگر اس لمحے یہ یقین ڈانواں ڈول ہو گیا تھا۔ فاضلی دشمن تھا اور دشمن کا کیا بھروسہ، اس کی تو یہی خواہش ہوتی ہے کہ دشمن دنیا میں نہ رہے۔ شاید فاضلی نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اس لیے یہاں موجود تھا کہ ہمارے مرنے کا تماشہ دیکھے۔

مگر میں نے فوراً ہی اس خیال کو جھٹک دیا۔ واقعات اور حالات بتا رہے تھے فاضلی کسی پلان پر عمل کر رہا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پلان مرشد کا ہو اور اس نے خود پس پردہ رہتے ہوئے فاضلی کو آگے کیا ہو۔ ورنہ فاضلی کچھ بھی سہی، تھا تو اس کا ماتحت۔ وہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ جیسے جیسے دن چڑھ رہا تھا نومی کی حالت خراب ہو رہی تھی وہ بار بار غشی میں چلی جاتی تھی۔ موسم سرد نہیں رہا تھا لیکن گرم بھی نہیں تھا۔ اگر موسم گرم ہوتا تو ان دو دنوں میں ہماری حالت خراب ہو جاتی۔ اس وقت کچھ کھائے پیے بغیر اڑتالیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ میں نے یہ دن بھی سو کر گزارا تھا۔ شام کے قریب نومی اٹھ بیٹھی اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''مجھے لگ رہا ہے میں مر جاؤں گی۔''

''حوصلہ کرو ہو سکتا ہے کوئی مدد آ جائے۔''

اس نے مایوسی سے کہا۔ ''کہاں سے..... یہ جگہ ویرانے میں ہے دو دن سے ہمیں ایک بھی آواز سنائی نہیں دی ہے۔ مدد کو کون آئے گا۔ آئے گا تو پہلے ان لوگوں سے نمٹے گا۔''

''تمہارا کوئی نہیں ہے جو تمہاری مدد کرے؟''

''میرا!'' اس نے تلخی سے کہا۔ ''میرے جو ہیں وہ صرف گدھ ہیں جنہیں موقع ملے تو مجھے نوچ کر کھا جائیں۔ کہنے کو وہ بہن بھائی اور ماں باپ ہیں۔''

''ان کو پتا چل گیا ہوگا کہ تم غائب ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑا حصہ بھی سو کر گزارا تھا۔ جب صبح کی روشنی پھیلی تو میں نے نومی کو عجیب حالت میں پایا۔ ایسا لگا جیسے اس کا سراپا سکڑ گیا ہو۔ اس کے رخساروں کی ہڈیاں نمایاں ہو گئی تھیں اور جو شرٹ اسے پہلے تنگ تھی اب پہلے جیسی تنگ نہیں رہی تھی۔ اس کی گردن، بازوؤں اور پنڈلیوں کا جو حصہ کھلا ہوا تھا اس پر کھال سکڑ سی گئی تھی اور اس پر باریک سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ اس کے جسم میں پانی کی کمی شدت اختیار کر گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اسے آج کے دن پانی نہیں ملا تو وہ اس جہان سے گزر جائے گی۔ وہ ہوش میں تھی لیکن سوائے آنکھیں کھلی رکھنے کے وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ آج کے دن خود میری حالت بھی خراب ہو رہی تھی۔ کمزوری کی وجہ سے سانس بھی کھینچ کر لینا پڑ رہی تھی۔

اچانک دروازہ کھلا اور فاضلی اندر آیا۔ اس نے ہمارا جائزہ لیا اور مسکرایا۔ ''میرا خیال ہے یہ عورت شاید کل تک زندہ نہیں رہے گی۔''

میں دیوار کے ساتھ نیم دراز ہانپتا رہا اور اسے دیکھتا رہا۔ میں نے بولنے کی کوشش نہیں کی۔ فاضلی کچھ دیر ہمیں دیکھتا رہا پھر وہ چلا گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔ فاضلی دیکھنے آیا تھا کہ ہماری حالت اب کیسی ہے۔ وقت گزرتا رہا، نومی کبھی آنکھیں بند کر لیتی تھی اور کبھی کھولتی تب بھی بولنے یا اٹھنے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔ اس میں ہمت باقی نہیں رہی تھی۔ شام کے وقت میں ہمت کر کے اٹھا اور کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر جھاڑیاں ٹٹولنے لگا۔ پھر واپس آ کر اسی انداز میں لیٹ گیا جیسے پہلے لیٹا ہوا تھا۔ نومی مجھ سے کچھ دور چت لیٹی ہوئی تھی لیکن اس کا یہ پوز بالکل بھی کشش انگیز یا جذبات ابھارنے والا نہیں لگ رہا تھا۔ بھوک و پیاس انسان کے احساسات کس طرح بدلتی ہے اس کا مجھے خوب تجربہ ہو رہا تھا۔ ابھی تاریکی چھانے میں کچھ وقت تھا کہ دروازہ پہلے کی طرح اچانک کھلا اور فاضلی اندر آیا۔ اس کا خاص گرگا دروازے پر موجود تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ میں فاضلی کے ہاتھ میں سلینڈر دیکھ کر چونکا جن میں وہ نیلے سیال والے انجکشن رکھے جاتے ہیں۔ یہ دو سلینڈر تھے۔ مگر میں نے اپنے اندر کے تاثرات چہرے پر آنے نہیں دیئے تھے۔ نیم کروٹ لیے فرش پر دیوار کا سہارا لیے لیٹا رہا۔

''اسے پہچانا۔'' فاضلی نے سلینڈر لہرائے۔ ''یہ میں تمہارے اور اس حسینہ کے لیے لایا ہوں جس کی اصلیت کھل گئی ہے۔'' اس نے نومی کی طرف دیکھا۔ ''اس سے اچھی تو وہ نرس تھی کم سے کم جوان تو تھی۔''

''یہ کیا ہے؟'' میں نے بہت دھیمی آواز میں پوچھا۔

''یہ ایک دوا ہے جو میں پہلے اسے انجکٹ کروں گا۔'' اس نے نومی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور اس کا نتیجہ دیکھنے کے بعد تمہیں دوں گا۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''اس سے تمہاری ساری بھوک پیاس ختم ہو جائے گی۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''تب پہلے مجھے دو۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''صبر... صبر۔'' اس نے سلینڈر کھول کر اس میں سے سرنج نکالی جس میں نیلا سیال پہلے ہی موجود تھا۔ وہ نومی کے پاس گھٹنے کے بل بیٹھا اور اس نے نومی کا ہاتھ سیدھا کیا وہ اس پر نس تلاش کر رہا تھا لیکن پانی کی کمی سے اس کی نس غائب ہو گئی تھی۔ فاضلی کچھ دیر نس تلاش کرتا رہا پھر جھنجھلا کر بولا۔ ''لعنت ہو... ایسے ہی لگا دیتا



ہوں۔''

فاضلی کا گرگا بھی دلچسپی سے نومی اور فاضلی کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ اس لمحے میری طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ اس کے خیال میں مجھ میں اتنا دم خم کہاں رہا تھا کہ میں اپنی جگہ سے حرکت بھی کر سکوں۔ مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی اس نے لاپروائی سے کام لیا اور مجھے موقع دیا۔ میں نقاہت اور کمزوری کے باوجود ہر ممکن تیزی سے حرکت میں آیا تھا۔ فاضلی اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کی آنکھیں میری طرف بھی دیکھ سکتی تھیں لیکن سرنج نکالنے کے بعد اس کی ساری توجہ سرنج اور نومی کی طرف تھی۔ اسے ذرا تاخیر سے احساس ہوا اور میرا گھومتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر لگا۔ اگر یہ خالی ہاتھ ہوتا تو اسے کچھ بھی نہ ہوتا لیکن میرے ہاتھ میں ایک گول اور تقریباً پون سیر کا پتھر دبا ہوا تھا اور اس نے فاضلی کو تارے دکھا دیئے تھے وہ کراہ کر نومی پر ڈھیر ہو گیا۔

''خبردار..... خبردار۔'' فاضلی کا آدمی بوکھلا کر دھمکیاں دیتا رہ گیا لیکن میں نے اتنی دیر میں سرنج اٹھا کر فاضلی کے بازو میں داخل کر دی۔ وہ گولی نہیں چلا سکتا تھا کیونکہ فاضلی اور میں بالکل پاس تھے اور اسے گولی لگنے کا پورا امکان تھا۔ میں نے دانت پیس کر کہا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' اور سرنج کا پسٹن دبا دیا۔ دوا فاضلی کے جسم میں داخل ہو گئی۔ وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا البتہ چکرا ضرور گیا تھا بہرحال سوئی کی تکلیف اور پھر جسم میں دوا کے داخل ہونے سے اسے ہوش آ گیا اور وہ حلق پھاڑ کر چلایا۔

''نہیں..... شازی اسے گولی مار دے۔''

''ضرور۔'' میں نے فاضلی کو گردن سے جکڑ کر سامنے کر لیا۔ ''پہلے یہ تمہارا آقا مرے گا اس کے بعد گولی میرے جسم میں اترے گی۔''

شازی تذبذب میں پڑ گیا تھا اور اسی میں مارا گیا۔ میں فاضلی کا لباس ٹٹول رہا تھا اور مجھے اس کی قمیص تلے پتلون کی بیلٹ میں اڑسا ہوا پستول مل گیا۔ میں نے پستول نکالتے ہی شازی پر گولی چلا دی۔ گولی اس کے شانے پر لگی تھی اور وہ فرش پر گر پڑا۔ میں فاضلی کو دھکیل کر باہر کی طرف لپکا۔ فاضلی کا دوسرا گرگا شاٹ گن سنبھالے اندر آ رہا تھا اور اس نے گن میری طرف اٹھا دی تھی اسے موقع دینا خودکشی کرنے کے مترادف تھا میں نے دوسری گولی اس کے ماتھے میں اتار دی اور وہ جھٹکے سے کیبن کے دروازے سے باہر جا گرا۔ اس وقت میں اپنی حالت بھول کر پوری طرح فعال ہو گیا تھا یہ زندگی و موت کا معرکہ تھا اس میں ذرا سی غفلت سے بازی پلٹ جاتی۔ شازی ہوش میں تھا میں نے پستول کا دستہ اس کی کنپٹی پر مارا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ میں واپس اندر کی طرف لپکا۔ فاضلی کے گرگوں سے نمٹ کر مجھے اس کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ ضروری نہیں تھا کہ اس کے پاس یہی ایک ہتھیار ہوتا لیکن وہ نومی کے برابر فرش پر چت پڑا تھا اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ بے تاثر انداز میں چھت کو گھور رہا تھا اس کی وقفے وقفے سے جھپکتی پلکیں بتا رہی تھیں کہ وہ ہوش میں ہے۔ میں نے اس کی مکمل تلاشی لی۔ اس کے پاس سے ایک چھوٹا بند ہو جانے والا خنجر نکلا تھا اس کے سوا صرف گاڑی کی چابیاں اور اس کا پرس تھا جس میں اچھی خاصی رقم تھی میں نے تمام چیزیں نکال لیں اور آخر میں وہ پتھر کھڑکی سے باہر اچھال دیا جو میں نے وہیں سے حاصل کیا تھا۔ نومی کو سہارا دے کر اٹھایا اور باہر لا کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ اسے اپنا ہوش نہیں تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بس وہ میرے سہارے چلی جا رہی تھی۔ اسے ایک طرف بٹھا کر میں مارے جانے والے کی لاش بھی اندر لے آیا تھا۔

اسی جگہ موجود ہونے کے باوجود نومی کو لاش اور زخمی شخص نظر نہیں آیا تھا۔ میں باہر آیا تو حسب توقع یہ جگہ ویرانہ ثابت ہوئی تھی۔ کیبن نہایت خستہ اور قدیم تھا۔ اس کے چاروں طرف دس سے پندرہ فٹ اونچی جھاڑیاں تھیں اور ایک کچا گھاس سے ڈھکا راستہ بتا رہا تھا کہ یہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ کیبن کے سامنے ڈبل کیبن جیپ کھڑی تھی ہمیں اسی میں یہاں لایا گیا تھا۔ میں نے اس کا پچھلا حصہ کھولا تو میرے منہ سے خود بہ خود کلکاری نکل گئی تھی۔ وہاں ایک بڑے سائز کی باسکٹ اور منرل واٹر کی بڑی والی بوتل موجود تھی۔ میں نے نومی کو نیچے لٹایا اور سب سے پہلے بوتل سے کچھ پانی ایک گلاس میں نکال کر اسے تھوڑا تھوڑا پیا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ سات آٹھ لیٹرز کی یہ پوری بوتل منہ سے لگا کر ایک ہی بار میں خالی کر دوں لیکن یہ نقصان دہ ہوتا۔ اس لیے میں نے دل پر جبر کر کے یہ گلاس آہستہ آہستہ خالی کیا اور اس پانی نے مجھے پھر سے تر و تازہ کر دیا تھا۔ دوسرا گلاس میں نے تھوڑا تھوڑا کر کے اسی طرح نومی کو پلایا اور اس کی عجلت کی کوشش کو بزور ناکام بنا دیا۔ وہ پانی پیتی رہی اور مجھے برا بھلا کہتی رہی۔ ایک گلاس پانی پی کر اس کے حواس بھی بحال ہو گئے تھے۔ میں نے باسکٹ کا جائزہ لیا۔ اس میں ڈبل روٹی اور مکھن کے ساتھ کھانے کو اور بھی بہت کچھ تھا لیکن میں نے مکھن اور ڈبل روٹی کو ترجیح دی۔ یہ سادہ اور قوت بخش غذا تھی۔

جتنی دیر میں نومی نے تین پیس حلق سے اتارے میں پوری ڈبل روٹی صاف کر چکا تھا۔ اس نے خفگی سے خالی شاپر دیکھا۔ ''اب میں کیا کھاؤں گی؟''

''باسکٹ میں بہت کچھ ہے۔'' میں نے آدھا گلاس پانی اور پیا۔ ''کھاؤ لیکن احتیاط سے اور پانی تو بہت احتیاط سے پینا ورنہ یہیں بے ہوش ہو جاؤ گی اور دوبارہ ان لوگوں کی قید میں چلی جاؤ گی۔''

اگر اس کا بے دھڑک کھانے پینے کا ارادہ تھا تو اس نے فوراً ترک کر دیا۔ ''لیکن یہ ہوا کیسے..... تم نے ان پر قابو پا لیا اور تم تو عقل مند لگ رہے ہو۔''

''اس لیے کہ میں عقل مند ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور اندر کی طرف روانہ ہوا۔ فاضلی اٹھ بیٹھا تھا اس نے دروازہ کھلنے پر سپاٹ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کیسے ہو فاضلی؟''

اس سوال پر بھی وہ مجھے اسی طرح دیکھتا رہا ایسا لگ رہا تھا انجکشن نے اثر کر دیا تھا۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا تو بغیر مزاحمت کے کھڑا ہو گیا۔ میں اسے باہر لایا اپنے دونوں آدمیوں کو خون میں لت پت پا کر اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات آئے تھے۔ میں اسے باہر لایا تو نومی اچھل پڑی تھی۔ ''میرے خدا یہ آزاد ہے۔''

''فکر مت کرو۔'' میں نے جیپ کے عقبی حصے سے رسی نکالتے ہوئے کہا اور فاضلی کے دونوں ہاتھ پشت سے باندھ کر اسے جیپ کے پچھلے حصے میں دھکیل دیا۔ اس سے پہلے اطمینان کر لیا تھا کہ وہاں کوئی ہتھیار یا ایسی چیز تو نہیں ہے جس سے فاضلی خود کو آزاد کرا لے اگرچہ ایسا لگ رہا تھا کہ انجکشن کی وجہ سے فاضلی اپنی شخصیت اور یادداشت کھو چکا تھا لیکن میں اس پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ممکن ہے جس طرح یہ انجکشن مجھ پر



بے اثر ثابت ہوا تھا فاضلی پر بھی اثر نہ کرتا۔ اس کا امکان تھا کہ میری چال مجھ پر ہی الٹ دے اس لیے میں اس کی طرف سے پوری طرح محتاط تھا۔ نومی نے پیٹ بھر لیا تھا اور اس کی توانائی بحال ہو گئی تھی۔ میں نے اسے فاضلی کی نگرانی پر لگایا۔ باہر گرنے والے نگران کی لاش میں پہلے ہی اندر پہنچا چکا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ نومی یہ لاش دیکھے۔ اب مجھے دوسرے کا فیصلہ کرنا تھا۔ وہ بے ہوش تھا اور اسے ہوش میں لانے کے لیے ایک گلاس پانی استعمال کرنا پڑا تھا۔ گولی نے اس کا شانہ توڑ دیا تھا لیکن یہ اس کے کرتوتوں کی بہت کم سزا تھی۔ وہ ہوش میں آیا اور کراہنے لگا۔

''پانی.....''

''میرے بس میں ہو تو تمہیں پیشاب پلاؤں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن میں تمہاری طرح حیوان نہیں ہوں اس لیے یہ لو۔'' میں نے گلاس میں بچا پانی اس کی طرف بڑھا دیا اس نے بے تابی سے پانی پیا۔

''تمہارا شکریہ۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے یہ تمہارا آخری پانی تھا جو تم نے پیا اور اب تم زندگی سے محروم ہونے جا رہے ہو۔''

میں نے پستول سیدھا کیا تو اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ ''مگر کیوں؟''

''یہ سوال تم سے اس نرس نے بھی کیا ہو گا تم نے کیا جواب دیا تھا۔''

وہ خاموش رہا اور اس کی خاموشی ہی اقرار جرم تھی میں نے ٹریگر دبا دیا گولی اس کے دل میں اتر گئی اور وہ بغیر آواز نکالے لڑھک گیا تھا۔ جب میں نے نرس کی لاش دیکھی تھی تو اسی وقت عہد کیا تھا کہ مجھے موقع ملا تو میں اس کے مجرموں کو ضرور کیفر کردار تک پہنچاؤں گا۔ قدرت نے مجھے یہ موقع دے دیا تھا۔ میں نے پستول قمیص کی جیب میں رکھا تھا کہ باہر سے نومی کی چیخ سنائی دی۔ میں باہر کی طرف لپکا اور پھر ٹھٹک گیا نومی گاڑی کے سامنے زمین پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ اس کا گلا کٹا ہوا تھا اور اس سے خون فوارے کی طرح اچھل رہا تھا۔ میں اس کے پاس آیا اس نے مجھے دیکھ کر ہاتھ اوپر کیا جیسے مجھے خبردار کر رہی ہو لیکن کس سے؟ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسی لمحے مجھے فاضلی کا خیال آیا اور اس سے پہلے میں اپنی جگہ سے حرکت کرتا اچانک جیپ کا انجن غرا کر اسٹارٹ ہوا اور فاضلی ڈرائیونگ سیٹ پر نمودار ہوا وہ نیچے جھکا ہوا تھا۔ جیپ جھٹکے سے آگے آئی میں مشکل سے دو گز کے فاصلے پر تھا بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

○.....❖.....○

جیپ کا طاقتور انجن غرایا۔ اس نے پہلے نومی کی لاش کو روندا اور پھر میری طرف کسی خون آشام درندے کی طرح لپکی۔ میں ذرا ترچھا ہوا کہ تصادم کی شدت کم کر سکوں۔ مجھے بس اتنی ہی مہلت ملی تھی۔ اس کے باوجود جیپ کی ٹکر نے مجھے معمولی کھلونے کی طرح ہوا میں اچھال دیا اور میں از کر عقب میں موجود ایک درخت کے تنے سے کمر کے بل ٹکرایا تھا اور میری کمر میں شدید تکلیف کے ساتھ ایک چمک سی اٹھی جو ذہن تک گئی تھی۔ یہ ایسی تکلیف تھی جیسے کسی نے میری کمر سے بجلی کا ننگا تار لگا دیا ہو۔ درخت سے ٹکرا کر میں نیچے گرا اور پھر الٹ کر درخت کے پیچھے چلا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ میں جیپ اور درخت کے درمیان آنے سے بچ گیا۔ میں آج تک نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھ سکا کہ میں درخت کے پیچھے کس طرح چلا گیا تھا جیپ آ کر درخت کے تنے سے ٹکرائی اور تصادم سے اس کا بونٹ اوپر اٹھ گیا تھا۔

یہ پیپل کا مضبوط تنے والا درخت تھا ورنہ کوئی عام درخت ہوتا تو یقیناً گر جاتا۔ جیپ بہت قوت سے ٹکرائی تھی کیونکہ فاضلی مسلسل ایکسی لیٹر دے رہا تھا اور جیپ نے جس رفتار سے مجھے ٹکر ماری تھی وہ اس سے زیادہ رفتار سے آ کر درخت سے ٹکرائی تھی۔ دھماکہ یقیناً شدید تھا لیکن مجھے دھماکہ سننے کا ہوش کہاں تھا؟ میرے اپنے ہوش اُڑے ہوئے تھے۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن مجھ سے اٹھا نہیں گیا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی پر لگنے والی چوٹ نے فی الحال مجھے ناکارہ کر دیا تھا۔ میں رینگ کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اس درخت کے پیچھے کئی اور درخت تھے اور جیپ آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ فاضلی نے جس طرح مجھ پر جیپ چڑھائی تھی صاف لگ رہا تھا کہ وہ ہو میرے خاتمے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے اس بات کی پروا بھی نہیں کی تھی کہ کچھ فاصلے پر درخت تھا اور جیپ اس سے ٹکرا کر تو اسے بھی نقصان ہو سکتا تھا۔

میں پیچھے سرک رہا تھا کہ وہ جیپ سے اترا اور اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چاقو تھا اسی سے اس نے نوی کا گلا کاٹ دیا تھا۔ صاف ظاہر تھا انجکشن نے جس طرح مجھ پر اثر نہیں کیا تھا اسی طرح فاضلی پر بھی بے اثر رہا تھا اور اس نے میری ترکیب مجھ پر آزمائی تھی۔ وہ شرافت سے ظاہر کرتا رہا کہ اپنی شخصیت کھو بیٹھا ہے اور جب میں نے اسے جیپ کے عقبی حصے میں بند کیا تو اس نے وہاں کہیں چھپا ہوا یہ چاقو نکال لیا پہلے اپنی بندشیں کاٹیں اور پھر باہر نکل کر نوی کا گلا کاٹ دیا۔ میں پوری طرح جیپ کی تلاشی نہیں لے سکا تھا۔ فاضلی نے اسی کا فائدہ اٹھایا تھا۔ درخت اور جیپ کے تصادم میں اسے بھی چوٹ آئی تھی اور اس کے سر سے بہنے والا خون اس کے چہرے پر پھیل کر اسے خوفناک بنا رہا تھا۔ اس نے بھیڑیئے کی طرح دانت نکالے۔

''شہباز تمہارا آخری وقت آ گیا ہے؟''

''ممکن ہے۔'' میں نے بدستور پیچھے سرکتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن میں نے بہت سے لوگوں کے منہ سے آخری جملہ یہی سنا ہے اور اس کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔''

''لیکن میں تمہیں مار کر مروں گا۔'' اس نے کہا اور میری طرف بڑھتا رہا۔ حالت اس کی بھی اچھی نہیں تھی کیونکہ وہ ڈگمگاتے قدموں سے آگے آ رہا تھا۔ میں بدستور پیچھے سرک رہا تھا۔ میں درخت سے ٹکرا کر گرا تو پستول نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ تصادم کے بعد میرے پاؤں سن ہو گئے تھے لیکن کچھ دیر بعد وہ حرکت کرنے لگے تھے۔ اس سے میرا یہ خدشہ دور ہو گیا کہ میری ریڑھ کی ہڈی کو کوئی ناقابلِ تلافی نقصان ہو گیا ہے۔ مگر ابھی میں اس قابل نہیں ہوا تھا کہ پیروں پر کھڑا ہو سکوں۔

''تم نے بیچاری نوی کو بھی مار دیا۔'' میں نے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا۔ ''وہ بے گناہ تھی۔''

''اسے مرنا ہی تھا وہ ہمارے خلاف گواہ تھی لیکن میں نے سوچا اسے تمہارے ساتھ ہی ماروں گا۔''

جیپ نے درخت سے ٹکرانے سے پہلے نوی کے بے جان جسم کو بھی روند دیا تھا۔ اسے تو فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ میرے سامنے ہی دم توڑ چکی تھی البتہ اس کی لاش کی حالت بری ہو گئی ہو گی۔ میں زمین پر سرک رہا تھا، فاضلی سُست قدموں سے سہی لیکن چل کر میری طرف آ رہا تھا اس لیے اس کی رفتار زیادہ تیز تھی۔ چند لمحوں



میں وہ میرے پاس آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود چاقو زیادہ بڑا نہیں تھا اس کا بلیڈ مشکل سے چار انچ چوڑا تھا لیکن یہ دونوں طرف سے ریزر جیسی دھار والا چاقو تھا اور مشاق ہاتھوں میں نہایت مہلک ہتھیار کی حیثیت رکھتا تھا۔ میں اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ فاضلی نے خود پر قابو پا لیا تھا اور اس کی سانپ جیسی تیز آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ وہ یقیناً سوچ رہا تھا کہ کس زاویے سے حملہ کرے کہ مجھے مدافعت کا موقع نہ ملے۔ اسے دھوکے میں رکھنے کے لیے میں اپنی حالت کچھ زیادہ ہی خراب کر کے پیش کر رہا تھا میری آنکھیں نیم وا تھیں اور سر یوں اٹھا تھا جیسے میرے لیے یہ چھوٹا سا کام بھی آسان نہ ہو۔ مگر فاضلی جیسے عیار آدمی کو دھوکا دینا آسان نہیں تھا۔ اس نے پہلے بھی دھوکا نہیں کھایا تھا جب مرشد بھی مطمئن ہو گیا تھا کہ میں واقعی اپنے ہوش کھو بیٹھا ہوں۔

''شہباز تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔'' فاضلی نے اچانک کہا وہ رک گیا تھا۔ ''میرا خیال ہے تم اتنے کمزور نہیں ہو جتنا خود کو ظاہر کر رہے ہو۔''

میں چاہ رہا تھا کہ وہ میرے پاس آئے اور اس کے خبیث ذہن میں خیال نہ آئے کہ کیبن میں اس کے مرے ساتھیوں کے کئی ہتھیار موجود ہیں۔ مگر ایسا لگ رہا تھا کہ میری یہ دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ فاضلی رک گیا تھا اور سوچ رہا تھا۔ ''کیا..... سوچ رہے ہو مرشد کی ناجائز اولاد۔'' میں نے اسے اکسانے کے لیے گالی دی۔

''آؤ مجھے قتل کرو۔''

اس کا موڈ آف ہو گیا۔ ''بکواس مت کرو۔''

''تمہارے نام نہاد باپ کو تمہاری اصل ولدیت کا علم ہے؟''

''اسی نے مجھے بتایا تھا وہ بچپن سے مجھ سے خار کھاتا تھا، مجھے بلاوجہ مارتا تھا، نفرت کا اظہار کرتا تھا۔ ایک دن جب میں جوان ہو گیا تھا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تب اس نے بتایا کہ میں اصل میں مرشد کی اولاد ہوں۔''

''تم نے کیا کیا؟''

''میں نے اس ذلیل شخص کو قتل کر دیا جو بے غیرت تھا۔''

''حالانکہ تمہیں مرشد کو قتل کرنا چاہیے تھا۔''

''میں اسے بھی قتل کروں گا لیکن ابھی نہیں۔ جب میں اس کی ساری طاقت اور دولت حاصل کر لوں گا تب اسے قتل کروں گا۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جو شخص اپنے سگے بھائی کی پروا نہ کرے وہ اپنی ناجائز اولاد کی پروا کیوں کرنے لگا۔''

''اسے ابھی میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔''

مجھے فاضلی کی بات پر ہنسی آئی۔ وہ مرشد جیسے عیار آدمی کو اتنا انجان سمجھ رہا تھا اسے معلوم نہیں تھا کہ مرشد خود بے خبر بن کر اسے بے وقوف بنا رہا ہے لیکن میں نے فاضلی کو بتایا نہیں اس کے بجائے میں نے کہا۔ ''تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ انجکشن نے تم پر بھی اثر نہیں کیا ہے؟''

''میرا خیال ہے یہ سیٹ کسی وجہ سے بیکار ہو گیا ہے۔ شاید مرشد نے اسے رکھنے میں احتیاط نہیں کی اور دوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناکارہ ہوگئی۔"

"تم نے میری ٹوپی میرے سر رکھ دی اور کامیاب رہے۔" میں نے کہا۔ "اب انتظار کس بات کا ہے۔"

فاضلی عیاری سے مسکرایا۔ "میرا خیال ہے اس حالت میں بھی تمہارے نزدیک آنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"مجھے افسوس ہے میں اب تک تمہیں بہادر سمجھتا رہا تھا۔"

"میں بزدل ہی بھلا۔" اس نے جواب دیا اور مڑ کر کیبن کی طرف جانے لگا اس کا ارادہ یقیناً وہاں سے کوئی گن لا کر مجھے دور سے شوٹ کرنے کا تھا۔ اس حالت میں بھی وہ میرے پاس آنے کو تیار نہیں تھا جب کہ اس کے ہاتھ میں چاقو تھا اور میں قطعی نہتا تھا۔ جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا میں حرکت میں آ گیا۔ اتنی دیر میں میرا جسم خاصی حد تک میرے قابو میں آ گیا تھا۔ مگر میں خاصی مشکل سے کھڑا ہو سکا تھا ریڑھ کی ہڈی اور کمر میں خوفناک قسم کے درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور کھڑے ہونے پر ایک لمحے کے لیے وہی بجلی والی چمک ہوئی جو دماغ تک گئی تھی۔ پستول تلاش کرنے میں وقت کا ضیاع ہوتا اس لیے میں ہر ممکن تیزی سے کیبن سے دور جانے لگا۔ میری عافیت اسی میں تھی کہ فاضلی سے ممکن حد تک دور رہوں۔ درختوں کا یہ جھنڈ زیادہ بڑا نہیں تھا۔

اب تک میں تنوں اور شاخوں کا سہارا لے کر چل رہا تھا لیکن جھنڈ سے باہر آ کر جب مجھے اپنے بل بوتے پر چلنا پڑا تو تب مجھے صحیح معنوں میں تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر حالات اور مصائب نے مجھے غیر معمولی قوت برداشت نہ دی ہوتی تو اس وقت میری چیخیں نکل رہی ہوتیں۔ ذرا آگے جھاڑیاں تھیں ایک بار میں ان میں گھس جاتا تو فاضلی کے لیے مجھے تلاش کرنا آسان نہ رہتا۔ اس لیے میں تکلیف کو نظر انداز کر کے ہر ممکن تیزی سے چل رہا تھا۔ فاضلی کسی لمحے بھی واپس آ سکتا تھا اور مجھے جھنڈ میں نہ پا کر زخمی بھیڑیے کی طرح میری تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔ اب اس میں شبہ نہیں تھا کہ وہ مجھے قتل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور دیکھتے ہی گولی مار دیتا۔ میری طرف سے ہر ممکن تیزی کے باوجود فاضلی عین اس وقت نمودار ہوا جب میں جھاڑیوں میں داخل ہو رہا تھا اس نے مجھے دیکھتے ہی شاٹ گن سے فائر کیا اور گولی نہ جانے کہاں گئی۔ درمیان میں کوئی دو سو گز کا فاصلہ آ گیا تھا اس لیے شاٹ گن غیر مؤثر تھی۔

اس کے اگلے فائر سے پہلے میں جھاڑیوں میں داخل ہو گیا تھا۔ مگر اب یہ حصار میرے لیے اتنا کارآمد نہیں رہا تھا کیونکہ فاضلی نے دیکھ لیا تھا کہ میں کہاں ہوں اور وہ سیدھا وہیں آتا اگر میں اس کی لاعلمی میں جھاڑیوں تک آ جاتا تو اسے وسیع رقبے پر پھیلی جھاڑیاں کھنگالنا پڑتیں اور میری بچت کا امکان بڑھ جاتا تھا لیکن اب وہ سیدھا یہیں آتا اور میرے پاس چانس کم رہ گیا تھا مجھے جلد از جلد کوئی جگہ تلاش کرنی تھی جہاں میں کچھ دیر کے لیے پناہ لے سکوں۔ اس حالت میں میرے لیے مزید بھاگ دوڑ محال ہوتی جا رہی تھی۔ میں جھاڑیوں میں کوئی ایسی جگہ دیکھ رہا تھا جہاں میں چھپ سکوں اور فاضلی کو شک بھی نہ ہو۔ ایک چھوٹی اور کم اونچی جھاڑی کے پاس سے گزرتے ہوئے میرا پاؤں کسی گڑھے میں گیا اور میں گرتے گرتے بچا تھا۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ جھاڑی ایک گڑھے کی تہہ میں اگی ہوئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کی اونچائی کم لگ رہی تھی۔ جانوروں نے اس کے پتے چر لیے تھے اس لیے اس کا حجم بھی کم تھا اور بہ ظاہر یہ چھوٹی جھاڑی لگ رہی تھی لیکن گڑھا پوری طرح چھپ گیا تھا اور جب تک بالکل جھک کر نہ دیکھا جائے گڑھا نظر نہیں آتا۔

مجھے یہ جگہ مناسب لگی اور میں کوشش کر کے اس گڑھے میں داخل ہو گیا جس کی تہہ سے جھاڑی اگی تھی۔ یہاں جگہ بہت کم تھی مجھے اپنا جسم کمان کی طرح رکھنا پڑا تب کہیں جا کر میں گڑھے میں پورا آیا تھا لیکن ہیلے کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی تھی اس لیے میں یوں لیٹ گیا جیسے آدمی سردی لگنے پر نیند کے دوران کروٹ لے کر اور گھٹنے سکیڑ کر سینے سے لگا لیتا ہے۔ اس پوزیشن میں مجھے آرام ملا تھا اور میں نسبتاً آسانی سے گڑھے میں سما گیا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میری کسی حرکت سے جھاڑی نہ ہلے۔ فاضلی یقیناً جھاڑیوں میں آ چکا تھا اور مجھے تلاش کر رہا ہو گا۔ جب میں اسے نظر نہیں آتا تو وہ سمجھ جاتا کہ میں کہیں چھپ گیا ہوں اور پھر وہ مجھے جھاڑیوں میں تلاش کرتا۔ کچھ دیر اس کے قدموں کی آواز آنے لگی اور پھر اس کی آواز آئی۔

"شہباز مجھے معلوم ہے تم یہیں کہیں چھپے ہوئے ہو۔"

میں نے جواب میں دل ہی دل میں کہا۔ "اللہ تمہیں عقل سے محروم کرے اور گمراہی اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

"میں جلد تمہیں تلاش کر لوں گا اور کتے کی موت مار دوں گا۔" فاضلی بولا وہ جھاڑیاں ہٹا ہٹا کر دیکھ رہا تھا اور رفتہ رفتہ اس جھاڑی کے پاس آتا جا رہا تھا جس کے نیچے میں موجود تھا۔ "کاش کہ میں نے اس زہریلے ناگ کو زندہ پکڑنے کے بجائے اسی وقت اس کا سر کچل دیا ہوتا۔" میں نے سوچا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ زندگی اور موت کا فیصلہ تو اللہ کرتا ہے اگر فاضلی کی موت آ گئی ہوتی تو وہ یقیناً میرے ہاتھ سے مارا جا چکا ہوتا لیکن ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا تھا۔ فاضلی نزدیک آتا جا رہا تھا اور وہ جس طرح ایک ایک جھاڑی کو ٹٹول رہا تھا مجھے قطعی خوش فہمی نہیں تھی کہ وہ اس جھاڑی کو دیکھے بغیر چھوڑ دے گا۔ اس نے میری حالت دیکھ لی تھی اور جان گیا تھا کہ اس حالت میں، میں زیادہ دور نہیں جا سکتا تھا جب کہ میں پہلے ہی اپنی ہمت سے بڑھ کر چل چکا تھا اس لیے لازمی کہیں آس پاس ہی چھپا ہوں گا۔ اس لیے وہ سکون سے ایک ایک جھاڑی ٹٹول رہا تھا اس یقین کے ساتھ کہ جلد یا بدیر وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔ مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

فاضلی اس جھاڑی کے اتنے پاس آ گیا تھا کہ اس کے جوتے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ شاٹ گن کی نال سے جھاڑیاں ٹٹول رہا تھا پھر وہ جھاڑی کے پاس آ کھڑا ہوا میں نے سانس بھی روک لیا تھا۔ وہ شاٹ گن کی نال سے پتے ہٹا رہا تھا اور کسی بھی لمحے کوئی شاخ ہٹاتا اور اسے میرا دیدار نصیب ہو جاتا اس کے بعد وہ مارے خوشی کے فائر کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کرتا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ جھاڑی ہٹاتا۔ کسی کے للکارنے کی آواز آئی۔ "ادئے یہاں کیا کر رہا ہے؟"

میرا دل ڈوب گیا کیا فاضلی کے مزید کچھ آدمی آ گئے تھے۔ مگر فاضلی کا ردعمل بالکل مختلف تھا۔ اس نے بھڑک کر بولنے والے پر فائر کر دیا۔ شاٹ گن اتنے قریب سے چلی کہ اس کے بارود کا دھواں مجھ تک آیا تھا۔ کوئی چلایا اور جواب میں ایک وقت کئی گولیاں چلیں اور فاضلی لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ کوئی گولی اسے لگی تھی کیونکہ اس کی کراہ میں اذیت شامل تھی۔ میں نے ذرا سر اوپر کر کے دیکھا تو فاضلی میرے بالکل سامنے زمین پر چت پڑا تھا اور اس کے سینے سے رہ رہ کر خون ابل رہا تھا۔ گولی کسی قدر دائیں طرف لگی تھی اور یقیناً پھیپھڑوں میں گھس گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سی۔ فاضلی نے سر ہلایا اور غالباً مجھے بالکل سامنے پا کر دم بخود رہ گیا تھا۔ میں مسکرایا اور آہستہ سے کہا۔

''میں نے کیا کہا تھا میں نے کئی افراد کے منہ سے اپنی موت کی پیش گوئی سنی ہے اور وہ خود فوت ہو گئے شاید تم بھی ان میں شامل ہونے والے ہو۔''

فاضلی نے کوشش کر کے شاٹ گن اٹھانا چاہی لیکن اسی لمحے کسی نے اس کے ہاتھ پر لات ماری اور شاٹ گن دور جا گری۔ اس پر گولی چلانے والے آن پہنچے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھے۔ ان کی تعداد پیروں سے تین لگ رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو الزام دے رہے تھے۔ ''تجھے کس نے کہا تھا گولی چلانے کو۔'' کوئی بولا۔

''تو کیا اسے پھول مارتا، حرامی نے بھی تو گولی چلائی تھی۔'' دوسرا بولا۔ ''بس مولا نے بچت کی۔''

''بچت کی اولاد، چودھری صاحب کو کیا جواب دے گا۔'' تیسرے نے کہا۔ ''ہم یہاں زمین دیکھتے ہیں بندے مارنے کے لیے نہیں ہیں۔''

''بکواس کیے جا رہے ہو پہلے اس نے گولی چلائی تھی۔'' دوسرا بھنا گیا۔ ''چودھری صاحب نے یہ تو نہیں کہا ہے کہ کوئی گولی مارے تو تم کچھ نہ کرو۔''

فاضلی ہاتھ کے اشارے سے ان لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا غالباً وہ انہیں میرے بارے میں بتانا چاہتا تھا لیکن وہ آپس کی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ بالآخر فاضلی کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اچانک پہلے والے نے تشویش سے کہا۔ ''اوئے مجھے یہ بندہ جانا پہچانا لگ رہا ہے۔''

اب تیسرے کو یاد آ گیا۔ ''یہ تو مرشد بادشاہ کا آدمی ہے۔ ہاں یاد آ گیا فاضلی نام ہے اس کا۔''

''مارے گئے۔'' پہلا کراہا۔ ''اب کیا جواب دیں گے اس کے بارے میں؟''

''اسے اٹھاؤ۔'' گولی چلانے والا پریشان ہو گیا۔ ''یہ مر گیا تو اور مصیبت آئے گی۔''

''مصیبت کے پتر گولی چلانے سے پہلے سوچنا تھا۔'' تیسرا بولا۔ ان میں ایک مختصر سا جھگڑا ہوا جس میں ایک دوسرے کی ماں بہنوں کو بے تکلفی سے گھسیٹا گیا اور بالآخر ہمت ہو گئی۔ تینوں کو احساس تھا کہ انہوں نے مرشد کے خاص آدمی پر گولی چلا کر کتنی بڑی غلطی کی تھی اور وہ مر جاتا تو یہ غلطی نہایت سنگین ہو جاتی اور عین ممکن ہے انہیں اس کا تاوان اپنی جان کی صورت میں دینا پڑتا۔ اس لیے انہوں نے مل جل کر فاضلی کو اٹھایا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔ ان کا رخ کیبن سے مخالف سمت میں تھا۔ ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی چودھری کے کارندے تھے اور اس کی زمین کی حفاظت کے لیے یہاں موجود تھے۔ دوسرے ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ مرشد اور فاضلی سے واقف تھے اس کا مطلب تھا کہ میں مرشد کے علاقے میں ہی تھا۔ اس صورت میں میرا جلد از جلد یہاں سے وہ نکل جانا لازمی تھا۔

جیسے ہی وہ فاضلی سمیت جھاڑیوں سے نکلے میں بھی گڑھے سے نکل آیا۔ اتنی دیر آرام کرنے کے بعد میری حالت پہلے سے خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ میں جھاڑیوں کی حد تک جھک کر چلتا رہا اگرچہ یہ پوز تکلیف دہ تھا لیکن میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ ممکن تھا کہ چودھری کے مزید کارندے تفتیش کے لیے اس طرف آ نکلتے اور میں ان کی نظروں میں آ جاتا۔ یہ تو واضح تھا کہ وہ فاضلی کی جانب سے کیے جانے والے فائر کی آواز سن کر



آئے تھے۔ میں نے جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان والا میدان تیزی سے طے کیا کیونکہ اسی میں مجھے دیکھ لیے جانے کا سب سے زیادہ خطرہ تھا لیکن خیریت رہی کسی طرف سے للکار سنائی نہیں دی۔ درختوں میں داخل ہو کر میں نے چند منٹ آرام کیا۔ پھر جیپ کی طرف بڑھا۔ اگر وہ چلنے کے قابل تھی تو میں اسی میں یہاں سے نکل سکتا تھا۔

مگر جیپ کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ چلنے کے قابل نہیں ہے۔ ٹکر سے ریڈی ایٹر ٹوٹ چکا تھا اور پانی بہہ چکا تھا اس حالت میں اگر جیپ کا انجن اسٹارٹ بھی ہو جاتا تو چند منٹ سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا اس کے بعد وہ سیز ہو جاتا۔ میں ذرا آگے آیا تو زمین پر پڑا پستول مل گیا۔ میری نظر نہیں پڑی تھی وہ دھوپ میں چمکا تو مجھے پتا چلا میں نے جھک کر اسے اٹھایا اور پھر جیپ کی طرف آیا۔ پچھلی نشست پر کھانے پینے کا سامان موجود تھا جو جھٹکے کی وجہ سے سیٹ سے نیچے گر گیا تھا۔ پانی کی بوتل محفوظ تھی اس کا ڈھکن بند تھا اس لیے پانی بہہ جانے سے بچ گیا میں نے ڈھکن کھول کر چند بڑے گھونٹ لیے تو میری حالت میں نمایاں بہتری آئی تھی۔ کھانے کی باسکٹ بھی گر گئی تھی لیکن اس میں چیزیں محفوظ تھیں میں نے باسکٹ اور پانی کی بوتل اٹھائی اور کیبن کی طرف آیا۔ میں نے جان بوجھ کر نوی کی لاش کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

کیبن میں آ کر شازی کے دوسرے ساتھی کے جسم سے جیکٹ اور اس کے جوتے اتارے۔ مجھے ان دونوں چیزوں کی ضرورت تھی۔ موسم معتدل ہو گیا تھا لیکن مجھے سامان رکھنے کے لیے جیکٹ کی ضرورت تھی میرے لباس میں جیبیں نہیں تھیں اور جوتے میری ضرورت تھے ننگے پاؤں میں زیادہ دور نہیں جا سکتا تھا۔ جیکٹ پہن کر میں نے جیبوں میں کھانے پینے کی چیزیں اور شاٹ گن کے اضافی بلٹ بھر لیے۔ پستول کے دو فاضل میگزین بھی ساتھ رکھ لیے تھے۔ پانی کی بوتل نصف ہو چکی تھی لیکن اب بھی اس میں ساڑھے تین لیٹرز کے قریب پانی موجود تھا۔ میں نے مزید پانی پیا کیونکہ میں بوتل ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ نہ جانے مجھے کتنی دیر بھٹکنا پڑے اس دوران میں یہی پانی میرے کام آتا۔ دونوں کے لباس سے میں نے رقم بھی نکال لی تھی انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی افسوس کہ ان میں سے کسی کے پاس موبائل فون نہیں تھا۔ ورنہ وہ میرے کام آتا۔ ایک شاٹ گن فاضلی لے گیا تھا دوسری میں نے اٹھا لی۔

باہر آیا تو نہ چاہتے ہوئے بھی میری نظر نوی کی لاش پر پڑ گئی۔ جیپ کے پہیوں نے اس کا جسم روند دیا تھا اور وہ کسی تڑی مڑی گڑیا کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور وہاں سے چل پڑا اس سے زیادہ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سورج کی پوزیشن سے میں نے مشرق کا تعین کیا۔ مغرب کی طرف پہاڑ تھے اور مشرق کی طرف مجھے کوئی نہ کوئی آبادی مل جاتی۔ اگر میں مرشد کے علاقے میں تھا تب بھی مجھے مشرق کا ہی رخ کرنا تھا۔ میری حالت پہلے سے خاصی بہتر ہو گئی تھی لیکن کچھ دیر چلنے کے بعد کمر میں تکلیف شروع ہو جاتی اور مجھے رکنا پڑتا تھا۔ اپریل کا آغاز تھا اس لیے دھوپ میں شدت آ گئی تھی اور مجھے بار بار پیاس لگ رہی تھی۔ یہ اتنے عرصے تک پانی سے محرومی کا قدرتی نتیجہ بھی تھا اس لیے میں ہر پانچ چھ منٹ بعد ایک گھونٹ پانی پی رہا تھا اس سے میرے جسم میں پانی کی کمی رفتہ رفتہ دور ہو رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد میں نے ڈبل روٹی کا ایک توس کھایا۔ باسی ہونے سے اس کا ذائقہ کسی قدر بدلا تھا مگر مجھے ٹھیک لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب دوبارہ روانہ ہوا تو دس منٹ بعد ایک کچی سڑک مل گئی۔ میں نے اس کچے راستے سے جان بوجھ کر اجتناب کیا تھا جس سے گزر کر فاضلی اور اس کے ساتھی کیبن تک آتے جاتے تھے۔ اگر فاضلی ہوش میں آ جاتا اور میرے بارے میں انکشاف کر دیتا تو چودھری کے آدمی یقیناً اسی طرف میری تلاش کرتے اس لیے میں ویران جگہوں سے گزرتا رہا۔ البتہ اس راستے پر آ کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں اس جگہ سے پانچ چھ کلومیٹرز دور نکل آیا تھا اور عین ممکن تھا کہ یہ وہ کچا راستہ نہ ہو۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور کچے راستے پر چل پڑا لیکن میں نے کان کھلے رکھے تھے اگر مجھے کسی گاڑی کی آواز سنائی دیتی تو میں راستہ چھوڑ کر نزدیکی جگہ پناہ لیتا جہاں گزرنے والوں کی نظر مجھے نہ دیکھ پاتی لیکن خاصی دیر گزر جانے کے باوجود کوئی گاڑی تو کیا کوئی پیدل بندہ بھی نہیں ملا اور نہ ہی کسی آبادی کے آثار دکھائی دیئے تھے۔

شام کے چار بج رہے تھے اور اب سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ میں نے شازی کی کلائی سے گھڑی اتار لی تھی۔ اس سے وقت دیکھنے کی آسانی ہو گئی تھی۔ ساڑھے چھ بجے تک سورج غروب ہو جاتا اور تاریکی چھا جاتی اگر میں اس وقت تک کسی آبادی تک پہنچنے میں ناکام رہتا تو رات مجھے اسی ویرانے میں گزارنی پڑتی لیکن مجھے اس کی زیادہ فکر نہیں تھی کیونکہ میرے پاس کھانا پانی تو تھا۔ میں آرام سے کل کا دن بھی گزار سکتا تھا۔ پانچ بجے ایک جگہ رک کر میں نے قبل از وقت ڈنر کیا کیونکہ اندھیرا چھانے کے بعد یہ کام ذرا مشکل ہو جاتا اور اس کا بھی امکان تھا کہ کھانے کی چیزیں خراب ہو سکتی ہیں۔ ویسے بھی کئی دن بھوکے رہنے کے بعد مجھے رہ رہ کر بھوک لگ رہی تھی اور مسلسل چلنے سے کھائی جانے والی چیزیں فوراً ہی ہضم بھی ہو رہی تھیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد میں نے تقریباً تمام چیزیں ختم کر دی تھیں اور اب میرے پاس صرف پانی رہ گیا تھا۔ یہ بھی اب دو لیٹرز رہ گیا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سفر کی تکلیف کم ہو گئی تھی مگر اب بھی چلتے ہوئے جھٹکا لگتا تو کمر میں چمک سی اٹھتی تھی۔ مجھے فاضلی کا خیال آیا۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی اور اس وقت وہ چند منٹ کا مہمان نظر آ رہا تھا لیکن اس کا بھی امکان تھا کہ فوری طبی امداد ملنے سے وہ بچ جائے۔ اس نے مجھے مارنے کی پوری کوشش کی تھی۔ بلکہ آخری لمحے تو وہ دیوانہ ہو گیا تھا۔ جیسے اپنی زندگی کی قیمت پر مجھے مار دینا چاہتا ہو۔ مگر ہوا یہ کہ قدرت نے میرے بجائے اس کا نام مرنے والوں میں شامل کر رکھا تھا۔ اس وقت جب بہ ظاہر وہ پوری طرح بااختیار تھا اور موت مجھ سے صرف ایک جنبش کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ تو اچانک تقدیر نے پلٹا کھایا۔ شاید فاضلی نے بھی نہیں سوچا ہو گا کہ گولی میرے جسم میں اترنے کے بجائے اس کے سینے میں اتر جائے گی۔ اس گولی نے اسے مجبور کر دیا ورنہ اس نے ہار نہیں مانی تھی اور آخری وقت میں بھی مجھے مارنے کی کوشش کی۔ وہ بھول گیا کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔

تاریکی چھانے کے بعد میں نے سفر کی رفتار سست کر دی تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ آج چاند کی سولہ یا سترہ تاریخ ہے اور کچھ دیر میں چاند طلوع ہو جائے گا تب میں زیادہ آسانی سے سفر کر سکوں گا اس لیے میں ایک جگہ رک گیا۔ جھاڑیوں اور گھاس میں رکنے کے بجائے میں نے ایک صاف جگہ منتخب کی جہاں سانپ یا کسی زہریلے کیڑے کے پائے جانے کے امکانات کم تھے۔ کئی گھنٹے کے مسلسل سفر نے مجھے تھکا دیا تھا اس لیے لیٹا تو



پتا نہیں چلا کہ کب آنکھ لگ گئی۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ کوئی میرے پاس ہے کوئی بول رہا تھا۔ میرا ذہن چوکنا ہو گیا۔ جاگتے ہی مجھے اپنے پاس دو افراد کی موجودگی کا احساس ہوا لیکن میں نے حرکت سے گریز کیا پھر ایک سہمی ہوئی نسوانی آواز آئی۔ ''اماں اے زندہ اے کہ مر گیا۔''

''چپ کر کم بختے۔'' دوسری عورت نے جو آواز سے عمر رسیدہ لگ رہی تھی اسے جھڑک دیا۔

''اماں دیکھ تو۔''

''نہ کوئی چکر نہ ہو، کوئی مار کر ڈال گیا ہے پولیس ہمیں پکڑ لے۔''

اتنی دیر میں مجھے پہلی بار کسی انسان سے واسطہ پڑا تھا۔ میں اچانک اٹھا تو دونوں عورتیں کی چیخ نکل گئی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''ڈرو نہیں، میں سو رہا تھا۔ مسافر ہوں تھک گیا تو ادھر آنکھ لگ گئی۔''

''کہاں سے آ رہا ہے۔'' بوڑھی عورت نے پوچھا۔ چاند نکل آیا تھا اور اس کی روشنی میں وہ دونوں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ جوان لڑکی یا عورت خود چاند سے کم نہیں تھی وہ بوڑھی عورت کے پیچھے دبکی اپنی فسوں خیز آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔

''مجھے راولپنڈی جانا ہے۔ یہاں پاس کوئی آبادی ہے جہاں سے مجھے پنڈی جانے کے لیے سواری مل جائے۔''

''پاس ہمارا گاؤں ہے۔'' لڑکی نے جرأت کر کے کہا۔ ''یہاں سے تانگہ مل جاوے گا۔''

''گاؤں کہاں ہے؟''

''اس ٹیلے کے پیچھے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ بوڑھی عورت خاموش تھی اور اسے لڑکی کا بولنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

اس نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''بس اب گھر چل۔''

دونوں ٹیلے کی طرف چل پڑیں ان کے ہاتھوں میں مٹی کے لوٹے تھے اور وہ رفع حاجت کے لیے یہاں آئی تھیں جیسا کہ دیہات کا رواج ہے عورتیں رات کے ابتدائی پہر میں باہر جاتی ہیں لیکن اب یہ رواج بہت ہی دور دراز اور پسماندہ دیہات میں رہ گیا تھا۔ میں نے عورتوں کے پیچھے جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ شکر ہے انہوں نے شاٹ گن نہیں دیکھی تھی وہ زمین پر پڑی تھی اور ان کی نظر اس پر نہیں گئی۔ ان کے جانے کے بعد میں نے شاٹ گن اٹھائی۔ جب میں دوسری طرف سے ٹیلے کے پیچھے گاؤں کے پاس پہنچا تو میرا اندازہ درست ثابت ہوا یہ چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں تقریباً سارے مکان غریب غربا کے تھے۔ گھروں کی تعداد سو سے بھی کم تھی اور وہاں بجلی بھی نہیں تھی باقی سہولتوں کا حال سوچا جا سکتا تھا۔ باڑوں کی کثرت بتا رہی تھی کہ یہ لوگ چرواہے تھے اور مویشی پالتے تھے۔ میں نے گاؤں سے باہر جانے والے راستے کا جائزہ لیا اور شاٹ گن ایک جگہ چھپا دی۔ گاؤں کی واحد دکان کھلی ہوئی تھی۔ لالٹین کی روشنی میں چند افراد بنچوں پر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے مجھے دیکھ کر سب خاموش ہو گئے میں حلیے اور انداز سے گاؤں یا آس پاس کا نہیں لگ رہا تھا۔ اس خاموشی کو میں نے توڑا۔

''السلام علیکم۔''

ان الفاظ نے خوف اور اجنبیت کی دیواریں گرا دیں اور وہ سب اٹھ کر گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگے۔ مجھے بیٹھنے کی دعوت دی گئی اور دکاندار نے عقب میں موجود مکان کی طرف بچے کو دوڑایا کہ چائے لے کر آئے۔ چائے کے لفظ نے میرے اندر زندگی بھر دی تھی۔ انہوں نے کنویں کا تازہ اور مٹی کی خوشبو والا پانی پیش کیا جسے میں بلا تکلف پی گیا۔ حالانکہ میرے پاس منرل واٹر موجود تھا۔ پانی پی کر میں نے اپنا تعارف کرایا اور ظاہر ہے غلط کرایا تھا۔ ''شکاری ہوں، راولپنڈی سے آیا ہوں اور یہاں ایک جگہ راستہ بھول گیا پھر گاڑی بھی خراب ہوگئی۔ اب مجھے راولپنڈی واپس جانا ہے اور میں کئی گھنٹے سے اس علاقے میں بھٹک رہا ہوں لیکن راستہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔''

ان حضرات نے پہلے پوچھا کہ میں شکار کے لیے کہاں گیا تھا میں نے مرشد کی درگاہ والی جگہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام لیا۔ ایک آدمی چمک کر بولا۔ ''میں سمجھ گیا جی..... آپ کی گڈی کہاں ہے؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم، شہر جاؤں گا تو مدد لے کر آؤں گا میرا تو سامان بھی گاڑی میں بند پڑا ہے۔ بس کھانے پینے کا سامان لے کر چلا تھا۔''

انہوں نے ایک کچے نقشے کی مدد سے سمجھایا کہ میں پنڈی سے کوئی پندرہ میل دور تھا اور مجھے یہاں سے پنڈی لے جانے کے لیے تانگہ مل سکتا تھا لیکن وہ مجھے نزدیکی سڑک تک لے جاتا جہاں رات کو بھی ٹریفک چلتا ہے اور مجھے پنڈی جانے کے لیے کوئی نہ کوئی گاڑی مل جاتی۔ تانگے والے کو بلایا گیا۔ درحقیقت یہ ریڑھا تھا جس پر روز صبح و شام دودھ رکھ کر شہر لے جایا جاتا تھا۔ اسے تانگہ کہنا ایسا ہی تھا جیسے کسی کمرشل پک اپ کو کار کہنا، مگر یہ تانگے سے یوں بہتر تھا کہ اس میں جھٹکے کم لگتے۔ تانگے والے سے پہلے چائے آگئی جو خاص دیہاتی طرز کی تھی۔ دودھ میں چند دانے چائے کی پتی کے پکا کر اسے چائے قرار دیتے ہیں۔ میں چائے پی کر روانہ ہونے کو تیار تھا۔ اس نے چائے کا سرور بخشا ہو نہ ہو لیکن مجھے تازہ دم ضرور کر دیا تھا۔ خوش قسمتی سے دکان والے کے پاس پیناڈول بھی تھی۔ میں نے اس سے ایک پتا لے لیا اور دو گولیاں اسی وقت کھالیں۔ دکاندار میری مہمان نوازی پر آمادہ تھا لیکن میں نے منع کر دیا۔

''دوستو تم لوگوں نے جتنی خاطر کر دی ہے وہی بہت ہے۔ میرے گھر والے پیچھے پریشان ہوں گے اور بیوی نے تو اعلان بھی کر دیا ہوگا کہ میں کسی کے ساتھ بھاگ گیا ہوں شکار کا تو بہانہ ہے۔''

وہ مسکرانے لگے تھے بہرحال اس جھوٹ کی وجہ سے مجھے جانے کی اجازت مل گئی۔ ریڑھا ایکسپریس سواری تھی اور اس پر دودھ کے فولادی ڈرم جاتے تھے لیکن میں ڈرم نہیں انسان تھا اس لیے ریڑھے کی ناہموار سطح پر میرے لیے تکلیف کے بے شمار اسباب تھے۔ اس کا حل یہ نکالا گیا کہ دکان والے نے گھر سے ایک روئی کا گدا منگوا کر اس پر بچھا دیا اور میں آرام سے بیٹھ گیا۔ ان لوگوں کے خلوص اور مہمان نوازی نے مجھے متاثر کیا تھا لیکن میں نے غلطی سے بھی ایسا کوئی سوال نہیں کیا جو بعد میں میری نشاندہی کا باعث بن جاتا۔ میں تو یہاں سے جا رہا تھا لیکن یہ معصوم لوگ فاضلی یا چودھری کے عتاب کا نشانہ بن سکتے تھے۔ اب وہ پورے یقین سے کہہ سکتے تھے کہ ادھر آنے والا تو اصل میں شکاری تھا۔ اسی وجہ سے میں نے شاٹ گن اٹھانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ ریڑھے والا بعد میں بتاتا کہ شکاری بابو نے راستے سے ایک شاٹ گن بھی اٹھائی تھی تو میرا کردار مشکوک ہو جاتا۔ راستہ کچا تھا مگر گدے کی وجہ سے آسانی سے طے ہوگیا۔ میں باقاعدہ لیٹ کر سفر کرتا رہا۔



آدھے گھنٹے بعد ریڑھے والے نے مجھے ایک پکی سڑک کے کنارے اتارا۔ رات کے دس بج رہے تھے اور سڑک ویران تھی لیکن ریڑھے کے مالک نے مجھے یقین دلایا کہ یہاں سے وقفے وقفے سے بسیں گزرتی تھیں۔ دوسری ٹریفک بھی چلتی رہتی تھی۔ وہ ہاتھ ملا کر جانے لگا تو میں نے زبردستی اسے دو سو روپے تھما دیئے وہ بہت خوش ہو کر اور بار بار سلام کرتا گیا تھا۔ یہی دو سو روپے میں اتنی طویل مسافت پر کسی ٹیکسی والے کو پیش کرتا تو اس کا منہ سیدھا نہیں ہوتا۔ آدھے گھنٹے بعد تو نہیں لیکن پون گھنٹے بعد ایک بس نمودار ہوئی جو پنڈی کی طرف جا رہی تھی۔ رات کے اس وقت بھی یہ مسافروں اور ان کے اسباب سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ مگر رکنے پر پتا چلا کہ بس بارات لے کر واپس جا رہی ہے۔ مجھے چھت پر موجود بارات کے ساتھ بیٹھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ دولہا بھی وہیں موجود تھا اور دلہن نیچے زنانہ کمپارٹ میں تھی۔ بارات پنڈی سے بھی آگے کہیں واپس جا رہی تھی۔ یہ شہر میں داخل نہیں ہوتی لیکن مجھے شہر کے پاس اتار دیتی۔ آدھے گھنٹے بعد میں ایک ٹیکسی میں پنڈی کی طرف جا رہا تھا۔ راجا بازار میں ساری رات کھلے رہنے والے ایک ہوٹل کے فون سے میں نے عبداللہ کو کال کی۔

''شہباز صاحب.....'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''یار اب تک تو تم لوگوں کو عادی ہو جانا چاہیے میں ایسے ہی غائب ہو کر ایسے ہی واپس آجاتا ہوں۔ ہاں جب دنیا میں نہ رہا تو پھر واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''اللہ نہ کرے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''یہ بتائیں کہ آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں؟''

''لائن محفوظ ہے؟''

''ہاں آپ اس کی فکر نہ کریں۔''

میں نے عبداللہ کو ہوٹل کے بارے میں بتایا۔ جب تک وہ یا اس کے آدمی آتے میں نے ڈنر کر لینا مناسب سمجھا۔ حلیے سے قطع نظر میرے پاس خاصی رقم تھی اس لیے میں نے ویٹر کی مشکوک نظروں کی بالکل پروا نہیں کی البتہ طے کر لیا کہ اس بدتمیز ویٹر کو ٹپ ہرگز نہیں دوں گا۔ جب تک میں ڈنر سے فارغ ہو کر کافی پی رہا تھا تو ایک سیاہ وین آکر ہوٹل کے دوسری طرف رکی۔ میں چوکنا ہو گیا لیکن جب وین سے عبداللہ دو افراد کے ساتھ اترا تو میرے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ عبداللہ اپنے آدمیوں کو باہر چھوڑ کر اندر آیا اس نے اندر آتے ہی مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے سیدھا میرے پاس آیا اس نے بلا تمہید کہا۔ ''شہباز صاحب فوراً چلیں، حالات ٹھیک نہیں ہیں آپ کا اس طرح منظرِ عام پر ہونا ٹھیک نہیں ہے۔''

میں پہلے ہی بل ادا کر چکا تھا اس لیے فوری روانگی میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ عبداللہ کا لہجہ بتا رہا تھا کہ حالات واقعی گھمبیر ہیں لیکن میں نے سوال جواب کسی جگہ پہنچنے تک کے لیے ملتوی کر دیئے۔ سیاہ وین میں مزید تین افراد تھے ایک ڈرائیور اور دو مسلح افراد موجود تھے۔ گویا عبداللہ پانچ افراد کے ساتھ آیا تھا لیکن سیاہ وین چلی تو مزید دو گاڑیاں اور حرکت میں آئیں۔ ان میں سے ایک وین کے پیچھے آگئی اور ایک آگے نکل گئی۔ میں نے عبداللہ کی طرف دیکھا تو اس نے سر کی جنبش سے تصدیق کی کہ یہ اس کے آدمی تھے۔ گویا وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا اگر کوئی مداخلت کرتا تو اسے بھرپور جواب دیا جا سکتا تھا لیکن سیاہ وین کا رخ عبداللہ کی کوٹھی کی طرف نہیں تھا۔ اس لیے میں نے پہلا سوال ضروری سمجھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''پنڈی میں ایک جگہ ہے۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''اسلام آباد میں ہتھیاروں کے ساتھ نقل و حرکت مشکل ہو گئی ہے۔''

میں چونکا۔ ''تم نے کوٹھی چھوڑ دی ہے، سعدیہ اور مونا کہاں ہیں؟''

عبداللہ مسکرایا۔ ''وہ سفیر صاحب کے ساتھ حویلی جا چکی ہیں۔ بیتو اور مانی بھی وہیں ہیں۔''

''یہ کب گئے؟''

''تین دن ہو گئے ہیں۔''

''وسیم اور دوسرے لوگ؟''

''سب اپنی اپنی جگہوں پر ہیں اور خیریت سے ہیں۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ورنہ اسیری کے دنوں میں مجھے سب سے زیادہ یہی خیال پریشان کرتا تھا کہ میرے ساتھی جذباتی ہو کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھا لیں کہ خود انہیں نقصان پہنچ جائے۔ مگر انہوں نے عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ اس دوران میں انہوں نے کرنے والا کام کر لیا تھا یعنی مونا اور سعدیہ کو حویلی پہنچا دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ عبداللہ نے چار مزید تربیت یافتہ آدمی بھی وہاں بھیج دیے تھے جب کہ چھ ایجنسی گارڈز پہلے ہی تھے۔ مانی حویلی کی الیکٹرانک سیکورٹی کرنے گیا تھا تمام آلات اس نے میرے ساتھ مل کر پہلے ہی حاصل کر لیے تھے۔ وہ لوگ یہاں سے زیادہ محفوظ تھے۔ عبداللہ سے موبائل لے کر میں نے حویلی کال کی اور جب تک ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچے میری تقریباً سب سے بات ہو گئی تھی۔ صرف سویرا رہ گئی تھی اور میں چاہنے کے باوجود کسی سے نہیں کہہ سکا تھا کہ اس سے میری بات کرا دے۔ پھر یہاں وین میں بھی سب موجود تھے اس لیے سویرا سے بات میں نے بعد کے لیے ملتوی کر دی۔

نیا ٹھکانہ فیض آباد کے پاس ایک کوٹھی تھی۔ یہ جگہ مری روڈ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ یہ زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن اس کی دو خوبیاں تھیں ایک تو اس کے دونوں طرف گلی تھی اور طویل ڈرائیو دے ایک گیٹ سے دوسرے گیٹ تک تھا۔ آنے جانے کے لیے کوئی بھی گیٹ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے اس کے دائیں بائیں کوئی مکان نہیں تھا اس لیے یہ آبادی میں ہوتے ہوئے بھی آبادی سے الگ تھی۔ میں اندر آیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ کوٹھی باہر سے خالی اور خاموش لگ رہی تھی لیکن اندر سے پوری طرح آباد تھی۔ وہ اس طرح کہ عبداللہ کی کوٹھی والے تقریباً تمام افراد یہاں نظر آ رہے تھے۔ میں نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ ''لگتا ہے تم نے مستقل ٹھکانہ بنا لیا ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لیں۔ میں چھ عرصے سے چکر میں تھا کہ کوئی مناسب جگہ ملے جسے دشمنوں سے چھپ کر حاصل کیا جا سکے۔ اتفاق سے یہ کوٹھی بک رہی تھی مالک باہر جا رہا تھا۔ میں نے سامنے آئے بغیر ایک وکیل کے توسط سے خرید لی۔ پھر اسی وکیل کی مدد سے یہاں کام کراتا رہا اور جب ہمیں ضرورت پڑی تو یہاں منتقل ہو گئے۔ یہ پہلی کوٹھی کی طرح بڑی اور پُر آسائش تو نہیں ہے لیکن سیکورٹی کے لحاظ سے اچھی ہے۔''

پہلی منزل تو صرف نشست گاہ، ملازموں اور دوسرے کاموں کے لیے مخصوص تھی دوسری منزل پر رہائشی کمرے تھے۔ نیچے آٹھ کمرے تھے تو اوپر بھی آٹھ کمرے تھے اور ان میں سے پانچ مکمل بیڈ رومز تھے باقی کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بڑا سا لاؤنج تھا۔ عبداللہ نے اوپر آتے ہوئے کافی کا کہہ دیا تھا پھر اس نے مجھے ایک بیڈ روم دکھایا۔ ''یہ آپ کے لیے ہے، یہاں آپ کا سامان بھی آ گیا ہے اگر چاہیں تو باتھ لے کر فریش کر لیں۔''

خود میرا دل بھی یہی چاہ رہا تھا اس لیے میں تولیہ لے کر باتھ روم میں چلا گیا۔ موسم رات کو سرد ہو جاتا تھا اس لیے گرم پانی مزہ دے گیا۔ پھر میں نے کمر کی بھی سکائی کی جس میں اب بھی درد باقی تھا۔ دس منٹ بعد میں باتھ روم سے نکلا تو جیسے گزشتہ دنوں کے مصائب بھی پانی کے ساتھ بہا آیا تھا اور بالکل ہلکا پھلکا ہو رہا تھا۔ ایک آرام دہ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پہن کر میں لاؤنج میں آیا تو کافی اور کچھ چیزیں آ چکی تھیں۔ عبداللہ نے کہا۔ ''وسیم صاحب بھی روانہ ہو چکے ہیں وہ دس پندرہ منٹ میں یہاں پہنچ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے سند باز جہازی کے نئے سفرنامے کی تفصیل اس وقت تک کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔''

عبداللہ مسکرانے لگا۔ ''یہ آپ نے ٹھیک فرمایا۔ اچانک ہی کسی نئے سفر پر لے جائے جاتے ہیں اور واپسی کے بعد حیرت انگیز کہانیاں سناتے ہیں۔''

''راجا صاحب کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں درمیان میں ان کی طبیعت خراب ہوئی تھی لیکن اب بہتر ہے۔ وہ آپ کے بارے میں روز ہی پوچھتے ہیں۔''

''اللہ ان کو صحت دے۔'' میں نے کہا اور نادر کے بارے میں پوچھا۔

''وہ بدستور سرکاری تحویل میں ہے۔'' عبداللہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اس نے کچھ انکشافات بھی کیے ہیں۔''

''کیسے انکشافات؟''

''ایک تو یہ کہ مرشد کے ڈیرے یعنی نام نہاد درگاہ پر غیر ملکی آ کر رکتے ہیں اور اپنے حلیے اور ڈیل ڈول سے وہ کسی خاص شعبے سے متعلق لگتے ہیں۔''

''کمانڈوز ٹائپ؟''

''آپ نے درست کہا۔ جب وہ آتے ہیں اور عام طور سے گروپ کی صورت میں آتے ہیں تو درگاہ کو عارضی طور پر عام لوگوں کے لیے بند کر دیا جاتا ہے۔''

''یہ نادر کا مشاہدہ ہے یا وہ اس بارے میں کچھ جانتا ہے؟''

''میرا خیال ہے وہ جانتا ہے لیکن بتا نہیں رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے یہ بات اس کے ایک آدمی نے بتائی ہے۔ جو درگاہ میں ہوتا ہے اور نادر کا وفادار ہے۔''

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ عبداللہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے مرشد نے ہمارے خلاف باہر سے کرائے کے گوریلے منگوائے ہیں؟''

''نہیں اسے ان کی ضرورت نہیں ہے اس کے پاس ایسے آدمیوں کی کمی نہیں ہے جو اس کے ایک اشارے پر جان قربان کر دیں۔ یہ کوئی اور ہی چکر لگتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ میری غیر موجودگی میں تم لوگوں نے مرشد کے خلاف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی قدم تو نہیں اٹھایا؟''

''اس بارے میں آپ کو وسیم صاحب ہی بتائیں گے۔''

ادھر عبداللہ نے یہ جملہ کہا اور ادھر وسیم نے اندر قدم رکھا۔ ''میرا ذکر ہو رہا تھا۔'' اس نے کہا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ''شکر ہے آپ کو صحیح سلامت دیکھ رہا ہوں۔''

''لیکن اس سے یہ مت سمجھنا کہ دشمنوں نے کوئی کسر چھوڑ دی تھی۔ بس یہ سمجھ لو کہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس وقت تم لوگوں کے سامنے ٹھیک ٹھاک کھڑا ہوں۔''

''ہم نے جو ویڈیو میں دیکھا تھا وہی بتانے کو کافی تھا۔'' کہتے ہوئے وسیم کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ''لیکن مرشد کو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔''

''شکر ہے تم لوگوں نے کوئی اندھا قدم نہیں اٹھایا۔''

''نہیں قدم تو اٹھایا تھا۔'' وسیم معنی خیز انداز میں بولا۔ ''مرشد، مرشد ہاؤس کے لان میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک گولی نے اس کے کلاہ کے اٹھے ہوئے حصے میں سوراخ کر دیا تھا۔''

''اتنا سچا نشانہ؟''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں نے خود لگایا تھا۔ مرشد ہاؤس سے کوئی سات سو گز کی دوری پر ایک چھ منزلہ فلیٹ کمپلکس ہے اس کی چھت سے نشانہ لیا تھا۔''

''یہ کب کی بات ہے؟''

''ایک ہفتہ ہو گیا ہے جب آپ کو غائب ہوئے دوسرا دن تھا اور اس کے بعد ہی ہمیں ویڈیو ملی تھی۔''

''اس وقت میں اکرم چشتی کے عتاب سے گزر رہا تھا۔ اس حرامزادے نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

''عنقریب وہ ہمارے پاس ہو گا اور تب ہم بھی کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس واقعے کے بعد مرشد دہل گیا تھا اس نے فون پر ہم سے وعدہ کیا کہ آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔''

''مرشد اور اس کا وعدہ۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''تم شیطان کے وعدے پر اعتبار کر سکتے ہو مرشد کے وعدے پر نہیں۔''

''کیا اس نے پھر کچھ کیا تھا؟''

''کچھ نہیں بہت سمجھ لو اس نے مجھ سے ہمیشہ کے لیے جان چھڑانے کا پلان بنا لیا تھا وہ تو قدرت کو منظور نہیں تھا ورنہ اس وقت میں تمہارے پاس کسی پانچ سالہ بچے کی طرح موجود ہوتا۔ اپنی شخصیت اور ماضی سب بھول چکا ہوتا۔''

میں نے انہیں کسی قدر تفصیل سے بتایا کہ مجھ پر کیا گزری تھی۔ جب میں فاضلی کی واپسی تک پہنچا تو وسیم نے کہا۔ ''وہ نہایت شاطر آدمی ہے اس نے نہ جانے کیسے فیصل کو شیشے میں اتار لیا اور اس کی مدد سے فرار ہو گیا۔''

''اس نے فیصل کو دس لاکھ روپے کا لالچ دیا تھا اور جب وہ خطرے کی حدود سے نکلا تو اس نے سب سے پہلے اس غدار کا کام تمام کیا تھا۔''

''ہمیں اس کی لاش مل گئی تھی۔ وہ اچھا آدمی تھا نہ جانے کیسے فاضلی کے چکر میں آ گیا۔'' وسیم نے افسردہ



لہجے میں کہا۔ ''اس کے بھائی آ کر اس کی لاش لے گئے تھے۔''

میں نے داستان آگے شروع کی۔ شخصیت اور یادداشت ختم کرنے والے انجکشن کا سن کر وسیم نے پھر مداخلت کی۔ ''مجھے معلوم ہے، ایک جاپانی کمپنی نے چند سال پہلے بنائے تھے کہ وہ مجرم جو کسی صورت نہیں سدھر سکتے ہیں اور وہ جیل میں بھی سکون سے نہیں رہتے ان کو یہ انجکشن لگا کر مسئلہ ہی ختم کر دیا جائے۔ جاپان میں سزائے موت پر پابندی ہے لیکن جب انسانی حقوق کی تنظیموں نے شور کیا تو اس انجکشن کو بین قرار دے دیا مگر سنا تھا کہ یہ چوری چھپے بک رہے ہیں۔''

''تم بھی کچھ انجکشن منگواؤ۔'' میں نے مشورہ دیا۔ ''ہم اپنے دشمنوں پر آزما سکتے ہیں۔''

''یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

داستان سمیٹتے ہوئے بھی صبح کے تین بج گئے تھے۔ آخر میں فاضلی کے شدید زخمی ہونے کا سن کر وسیم پُرجوش ہو گیا۔ ''اگر وہ مرا نہیں ہے تو کسی اسپتال میں ہو گا وہیں اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔''

میں نے اس سے اختلاف نہیں کیا کیونکہ میرے ساتھی متفق ہو گئے تھے کہ اب دشمن کو اس کے سکون میں ادائیگی کی جائے اور اہنسا کی پالیسی کو بالائے طاق رکھ دیا جائے کیونکہ دشمن اسے مانتا ہی نہیں ہے۔ عبداللہ نے تائید کی۔ ''اگر ایسا ہے تو ایک دشمن سے تو جان چھوٹے گی۔''

''اب مجھے صحیح معنوں میں اندازہ ہوا ہے کہ فاضلی کس قدر خطرناک شخص ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس شخص کو پہلی فرصت میں اس دنیا سے رخصت کر دینا چاہیے۔''

''اس کے عزائم تو اپنے حقیقی باپ کے لیے بھی خطرناک ہیں وہ مرشد کا بھی صفایا کرنا چاہتا ہے لیکن اس سے پہلے وہ اس کی جگہ حاصل کر لے گا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ اچھا ہوا کہ فیصل نے اسے حویلی سے یوں نکالا کہ وہ اس کی لوکیشن نہیں دیکھ سکا ورنہ ہمیں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑتا۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''اسی وجہ سے میں نے فیصل کا قصور معاف کر دیا اور اس کے گھر والوں کو دس لاکھ روپے بھیجے ہیں۔ اب سانپ زخمی ہے اور اس سے پہلے وہ دوبارہ صحت یاب ہو کر ڈسنے کے قابل ہو جائے اس کا سر ہمیشہ کے لیے کچل دینا ہی بہتر ہو گا۔''

''میں ابھی اپنے آدمیوں کو لگاتا ہوں وہ شہر کے تمام اسپتالوں میں اسے دیکھیں۔'' عبداللہ کھڑا ہو گیا۔ ''شہباز صاحب آپ آرام کریں۔ اگر کمر میں تکلیف زیادہ ہے تو ڈاکٹر بھی آ سکتا ہے۔''

''نہیں اب تو معمولی سی رہ گئی ہے۔'' میں نے انکار کر دیا۔ ''اگر تکلیف بڑھ گئی تو صبح کسی ڈاکٹر کو دکھا لوں گا لیکن یہاں کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

میں کمرے آیا میں نے سونے سے پہلے ایک گلاس گرم دودھ کے ساتھ دو پین کلر گولیاں لیں اور پھر جو غافل ہو کر سویا تو اگلے دن دوپہر میں جا کر آنکھ کھلی تھی۔ اتنی طویل نیند کی وجہ سے جسم ٹوٹ رہا تھا اور پیٹ میں خوفناک قسم کی بھوک انگڑائیاں لے رہی تھی۔ میں نے انٹرکام پر کچن سے رابطہ کر کے کھانے کا پوچھا۔ دوسری طرف سے بتایا گیا کہ کھانا آدھے گھنٹے میں تیار ہو جائے گا۔ اس دوران میں، میں نے غسل کر لینا مناسب سمجھا۔ گرم پانی نے میری ساری کسلمندی دور کر دی تھی اور میں تیار ہو کر نیچے آیا تو عبداللہ بھی اسی وقت باہر سے آیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا لگ گیا تھا اس میں پلاؤ کے ساتھ ساتھ شامی کباب تھے اور سیخ بوٹی کے ساتھ پتلی چپاتیاں تھیں۔ یہ سب یہیں بنا تھا۔ عبداللہ کوٹھی سے باورچی کو بھی لے آیا تھا۔ میں نے عبداللہ سے فاضلی کا پوچھا۔ اس نے جواب دیا۔

''اس کا پتا نہیں چلا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ کسی اسپتال میں ہوا تو اصل نام سے نہیں ہوگا اس لیے میں نے گولی کے زخم کے حوالے سے معلوم کرایا۔ میرے آدمی ایجنسی کے سادہ لباس نمائندے بن کر پوچھ گچھ کر رہے تھے لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ یا تو فاضلی کو کسی عام سے کلینک یا اسپتال میں داخل کرایا گیا ہے یا پھر اس کا گھر میں علاج ہو رہا ہے یا پھر.....''

''وہ دنیا سے گزر چکا ہے۔'' میں نے عبداللہ کا جملہ مکمل کیا۔ ''لیکن فاضلی جیسے ڈھیٹ اتنی آسانی سے دنیا سے نہیں جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ بچ گیا ہوگا۔''

''میری بھی یہی خواہش ہے وہ بچ جائے اور ہم میں سے کسی کے ہاتھ مارا جائے۔'' عبداللہ نے تائید کی۔ ''وسیم صاحب کل روکنے کے باوجود واپس چلے گئے تھے۔''

''اس کا اپنی جگہ ہونا ضروری ہے۔ وہ ہماری اصل فورس ہے اور اسے صرف ضرورت کے وقت ہی منظرِ عام پر آنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں کتنے آدمی ہیں؟''

''اگر آپ کی مراد لڑنے والوں سے ہے تو ایسے سات افراد ہیں آٹھواں آپ مجھے شمار کرلیں۔''

''گویا مجھ سمیت نو افراد ہیں؟''

''جی باقی تین نوکر ہیں گھر کے کام کرتے ہیں۔ ایک باورچی ہے۔ ایک نگران ہے اور ایک چوکیدار ہے۔''

''یہ علاقہ کیسا ہے؟''

''یہاں سب اپنے کام سے کام رکھتے ہیں لیکن ہم بھی احتیاط کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کوٹھی سے باہر جاتے وقت مسلح نظر نہ آئیں اس طرح کوٹھی کے کھلے حصوں میں بھی کم آتے جاتے ہیں۔''

''یہ اچھی پالیسی ہے جتنا لوگوں کی نظروں میں کم آئیں گے وہ اتنا ہی کم ہمارے بارے میں سوچیں گے۔''

''گاڑیاں میں نے ساری بدل دی ہیں۔ یہاں فروخت کرنے کے بعد ساری گاڑیاں باہر سے منگوائی ہیں وہ بھی ایک دو کرکے۔ دو لاہور کی گاڑیاں ہیں اور ایک گوجرانوالہ کی اور ایک نوشہرہ کی گاڑی ہے۔''

''یہ بھی اچھا ہوا سوائے کیونکیشن وین کے تقریباً ساری گاڑیاں دشمنوں کی نظروں میں آچکی تھیں اور شاید یں ان کی مدد سے تلاش کرلیا جاتا ہوگا۔''

''یہی سوچ کر میں نے ایک روٹین پالیسی سوچ لی ہے۔ ایک مہینے بعد ان کی جگہ چار دوسری گاڑیاں آجائیں گی۔ اس کے لیے میں نے وہیں کے آٹو ایجنٹس سے بات کی ہے۔ وہ گاڑیاں آئیں گی تو انہیں یہیں فروخت کردیا جائے گا۔ اس میں کچھ رقم لگے گی لیکن ہمیں تحفظ حاصل ہوجائے گا۔''

''کوشش کرنا کہ گاڑیاں زیادہ پرانی نہ ہوں اور اپنے کام میں بہترین ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ایاز کہاں ہے؟''



''اس کی ماں کی طبیعت خراب تھی وہ گھر گیا ہوا ہے۔''

ماں سے مراد ایاز کی خالہ تھی جس نے اس کی پرورش کی تھی۔ ''ایاز مخلص آدمی ہے لیکن اب اس پر گھر اور بیوی کا بوجھ آگیا ہے۔''

''میں نے اس سے ایک دو بار اس سلسلے میں بات کی ہے لیکن وہ ہمارا ساتھ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔''

''یہ بھی ہے۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''اللہ نے ایسے مخلص ساتھی دیئے ہیں جو ہر قدم پر میرے ساتھ ہوتے ہیں اور کبھی چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں۔''

مرشد، فاضلی، اکرم چشتی، فتح خان اور ڈیوڈ شا جیسے دشمن ہونے کے باوجود میں اسی وجہ سے آج بھی زندہ اور آزاد تھا کہ اللہ نے مجھے اتنے ہی مخلص دوست بھی دیئے تھے جتنے خطرناک اور سفاک میرے دشمن تھے اتنے ہی مضبوط اور پُرخلوص دوست تھے۔ کھانے کے بعد میں نے ایاز سے رابطہ کیا وہ میری آواز سن کر خوش ہوگیا۔

''مجھے وسیم صاحب سے اطلاع مل گئی تھی کہ آپ واپس آگئے ہیں۔ میں آج روانہ ہوجاؤں گا۔''

''نہیں تم ابھی وہیں رکو۔ تمہاری والدہ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''پہلے سے بہتر ہے، لیکن آپ آنے سے کیوں منع کر رہے ہیں؟''

''ابھی تمہاری اتنی ضرورت نہیں ہے تمہیں معلوم ہوگا عبداللہ والی کوٹھی چھوڑ دی ہے۔ اکثر لوگ میری حویلی جا چکے ہیں۔ وسیم کا سیٹ اَپ الگ ہے اور ہم ایک نئی جگہ منتقل ہوئے ہیں۔ میں کل رات آیا ہوں اور ابھی کچھ دن حالات کا جائزہ لینا ہے جیسے ہی آگے کا کوئی فیصلہ ہوا تم بھی آجانا لیکن فی الحال تم اپنی والدہ کی خدمت کرو اور شاہین کو وقت دو۔''

یہ کہیں آپ مجھے آرام تو نہیں دے رہے ہیں؟'' اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

''نہیں یار، سچ کہہ رہا ہوں یہاں واقعی فی الحال امن ہے۔ جب کوئی معرکہ ہوگا تب دیکھا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے میں کچھ دن اور رک جاتا ہوں۔''

''نہیں تم تاحکم ثانی گھر پر رہو گے اور رابطے میں بھی محتاط رہو کیونکہ دشمن ہمارا خاتمہ چاہتا ہے۔ اگر ذرا سا بھی خطرہ محسوس کرو تو گھر والوں کو کہیں اور منتقل کردینا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے بادلِ ناخواستہ کہا۔ ''لیکن جیسے ہی میری ضرورت ہو آپ لازمی مجھے بلائیں گے۔''

''دشمنوں سے گھرے انسان کو اللہ کے بعد سب سے زیادہ ضرورت جاں نثار دوستوں کی ہوتی ہے۔ تمہارے پاس رقم ہے؟''

''ہاں عبداللہ نے آتے وقت مجھے پچاس ہزار دیئے تھے۔''

''اگر مزید ضرورت ہو تو بلاتکلف کہہ دینا۔''

ایاز سے بات کرکے مجھے صابر کا خیال آیا۔ اسے روانہ ہوئے سات دن ہو چکے تھے۔ میں نے جس دن صابر کو مظفر آباد جانے کے لیے چھوڑا تھا اسی دن اکرم چشتی کے اسکواڈ نے مجھے اٹھا لیا تھا اور آج اس واقعے کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آٹھواں دن تھا۔ مجھے اس کی لڑکی شازیہ کا خیال آیا اس کے بارے میں عبداللہ سے پوچھا نہیں تھا۔ کھانے کے بعد عبداللہ کہیں چلا گیا تھا میں نے ایک ملازم سے پوچھا تو اس نے بتایا۔ ''وہ باہر نکلے ہیں جناب۔''

ملازم کوٹھی سے آیا تھا۔ ''تمہیں یاد ہے کچھ دن پہلے ایک نئی لڑکی آئی تھی وہ اب کہاں ہے؟''

''وہ جی سعدیہ بی بی اور مونا بی بی کے ساتھ چلی گئی تھی۔'' ملازم نے جواب دیا۔ یعنی وہ حویلی چلی گئی تھی اور عبداللہ اس کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ میرے پاس موبائل نہیں تھا ورنہ میں عبداللہ سے کال کر کے صابر کے رابطے کے بارے میں پوچھتا۔ اسے ایک مخصوص اخبار میں کلاسیفائیڈ میں اشتہار دینا تھا۔ یہاں فون نہیں تھا اور میں سویرا سے بات کرنا چاہ رہا تھا مجھے معلوم تھا وہ کتنی شدت سے میری کال کی منتظر ہوگی۔ عبداللہ کی واپسی تک مجھے انتظار کرنا تھا۔ وقت گزاری کے لیے میں آج کا اخبار لے کر اوپر آ گیا اور ملازم سے کہہ دیا کہ عبداللہ کے آتے ہی وہ اسے میرا پیغام دے دے۔ اخبار میں کوئی خاص خبر نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ آنے والے الیکشنز میں سیاسی پارٹیوں اور سیاست دانوں نے ابھی سے جوڑ توڑ شروع کر دیا تھا۔ ایک چھوٹی سی خبر مرشد کے بارے میں تھی اس نے جونئی پارٹی جوائن کی تھی اس کی طرف سے ایک جلسے میں خطاب کرتے ہوئے اس نے فکر انگیز انکشافات کیے تھے۔ یہ وہی فکر انگیز انکشافات ہیں جو ہمارے سیاست دان ملک کے قیام سے لے کر آج تک کرتے آئے ہیں۔ مثلاً ملک خطرے میں ہے۔ اندرونی اور بیرونی سازشیں جاری ہیں، ملک ایک نئے خطرے کی طرف بڑھ رہا ہے اور ان سب باتوں کا لبِ لباب یہ ہوتا ہے کہ نئی قیادت لائی جائے۔

مرشد نئی پارٹی میں زیادہ سرگرم تھا اور یقیناً وہ آنے والے الیکشن میں کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنے کے چکر میں تھا اس کی نظر کسی اہم وزارت پر لگی ہوگی۔ ایم این اے اور ایم پی اے بننا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کے اپنے علاقے میں ایک قومی اسمبلی اور دو صوبائی اسمبلیوں کی نشستیں پکی تھیں۔ پارٹی کے لیے یہ بھی کشش انگیز چیز تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر مرشد آنے والا انتخاب جیت جاتا ہے اور حکومت میں کوئی اہم عہدہ بھی حاصل کر لیتا ہے تو اس کی فرعونیت مزید بڑھ جائے گی اس سے پہلے اسے روکنا لازمی تھا۔ اس وقت وہ پھنسا ہوا تھا۔ نادر غائب تھا اس کا دست راست اور ناجائز بیٹا فاضلی اگر مرا نہیں تھا تب بھی شدید زخمی ضرور ہوا تھا۔ اس کے سارے پلان ناکام رہے تھے اور وسیم نے اس کے کلے میں سوراخ کر کے اسے عملی طور پر سمجھا دیا تھا کہ اب اس کے مقابل کتنے طاقتور ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مجھے جسمانی نقصان پہنچاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔

○.....❖.....○



مجھے لگ رہا تھا کہ میں رفتہ رفتہ اس فیصلے کی طرف جا رہا تھا جو میں کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر میرے دشمن مجھے اسی طرف دھکیل رہے تھے انہوں نے میرے باعزت جینے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی اور عملاً بتا دیا تھا کہ جب تک ان کا وجود باقی ہے مجھے چین سے رہنا نصیب نہیں ہوگا۔ مرشد کے اشارے پر پولیس پہلے سے زیادہ سرگرمی سے میرے پیچھے لگ چکی تھی۔ امکان یہی تھا کہ اب میں پولیس کے ہاتھ لگا تو مجھے پولیس مقابلے میں پار کر دیا جائے گا۔ اس طرح براہِ راست مرشد پر الزام بھی نہیں آئے گا۔ مرشد اور اکرم چشتی جیسے لوگوں نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں انہیں انہی کے سکوں میں ادائیگی کروں۔ سب سے پہلے مجھے اکرم چشتی سے نمٹنا تھا۔ یہ شیطان صفت شخص میرا ذاتی دشمن نہیں تھا لیکن شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار بننے کے لیے اس نے حد کر دی تھی۔ عبداللہ کچھ دیر سے آیا تھا اور خاصا پُرجوش لگ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''میرے آدمیوں نے پتا لگا لیا ہے۔ فاضلی مرشد ہاؤس میں موجود ہے۔ گزشتہ رات اس کا کسی نامعلوم اسپتال میں آپریشن ہوا اور پھر صبح اسے ایمبولینس میں مرشد ہاؤس منتقل کر دیا گیا۔''

''اس کا مطلب ہے وہ بچ گیا ہے۔''

''میں نے کہا تھا نا کہ وہ بچ جائے تاکہ ہم اسے جہنم رسید کر سکیں۔'' عبداللہ خوش تھا۔ ''اب آپ دیکھیے گا۔''

''اسے چھوڑو وہ ابھی ایک دو ہفتے باہر نہیں آ سکتا ہے مجھے اکرم چشتی کے بارے میں معلوم کر کے بتاؤ۔''

''اس کے بارے میں جو معلوم کرنا ہے مجھ سے پوچھ لیں؟''

''وہ آج کل کہاں ہوتا ہے اور اس کی رہائش کہاں ہے۔''

''وہ خود انویسٹی گیشن آفس میں ہوتا ہے ڈی آئی جی انویسٹی گیشن کے ساتھ اور رہائش اس کی سیلوائیٹ ٹاؤن میں ہے۔''

''اس کا پتا اور ڈیوٹی کے اوقات مجھے بتا دو۔''

''آپ کا کیا ارادہ ہے جناب؟''

''اسے اٹھا کر حویلی پہنچانا ہے۔''

عبداللہ ہچکچایا۔ ''جناب اس سے اچھا یہ نہیں ہے کہ اس کا قصہ ہی پاک کر دیا جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں فی الحال میں اس کا خاتمہ نہیں چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اسے مارنے سے مرشد کو کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ایک اکرم چشتی چلا جائے گا تو پولیس میں اس جیسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو مرشد کے ایک اشارے پر دُم ہلانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اکرم چشتی کو زندہ رہنا چاہیے لیکن ساتھ ہی مرشد کے لیے تنبیہ بن جانا چاہیے۔''

''آپ کے ذہن میں کوئی خیال ہے؟''

''ہاں پہلے اسے اٹھا کر حویلی پہنچاتا ہے۔''

عبداللہ فکرمند ہو گیا۔ ''اس کے گھر سے حویلی خاصے فاصلے پر ہے اور ایک پولیس والے کا اغوا دونوں شہروں کی پولیس کو فوری حرکت میں لے آئے گا۔''

''مجھے ایک سیل فون کی ضرورت ہے میرا خیال ہے وسیم کو بلوا لیتے ہیں اور پھر اس پر بات کرتے ہیں۔''

عبداللہ نے مجھے میرا ہی سیل فون دیا جو میں نے اکرم چشتی کے ہاتھ لگنے سے پہلے عبداللہ کے آدمی کو دے دیا تھا۔ میں نے وسیم کو کال کی۔ ''یہاں آ جاؤ یار ایک ضروری معرکہ درپیش ہے تیاری کے ساتھ آنا ممکن ہے واپسی میں ایک پارسل لے جانا پڑے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔'' وسیم کی پُرجوش آواز آئی۔ ''میں ایک گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔''

کچھ عرصے پہلے تک وسیم خود بھی خاصا محتاط تھا لیکن اب اس میں بھی تبدیلی آئی تھی اور اس نے سمجھ لیا تھا کہ دشمن اس طرح باز نہیں آئے گا۔ اس کے مقابلے میں عبداللہ محتاط تھا کیونکہ بنیادی طور پر وہ مار دھاڑ والا آدمی نہیں تھا وہ منتظم تھا اس لیے ہر کام احتیاط سے کرتا تھا۔ دشمن کو معاف کرنے کا وہ بھی قائل نہیں تھا لیکن ساتھ ہی وہ بلاوجہ پنگا لینے کا مخالف تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہم وسیم سے کہیں باہر ملتے ہیں۔''

''جیسا آپ کہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ میں نے وسیم سے رابطہ کر کے ایک جگہ طے کی عبداللہ کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میں نے بہت عرصے سے شیو نہیں بنائی تھی پہلے فرنچ تھی اب شیو بڑھنے سے وہ باقاعدہ داڑھی کی شکل اختیار کر گئی تھی اور مرشد کے آدمی مجھے اسی حلیے میں دیکھتے رہے تھے اس لیے میں نے کلین شیو کی اور پھر سر پر خود موٹی مشین پھیر لی۔ مشین باتھ روم میں موجود تھی۔ باریک بالوں کی وجہ سے میرا حلیہ خاصا بدل گیا۔ پھر میں نے موٹے فریم والی عینک لگائی جس میں زیرو کے ڈارک شیشے تھے۔ یہ عبداللہ نے مہیا کی تھی۔ اس نے میرا معائنہ کیا اور بولا۔ ''اب آپ تقریباً ستر فیصد بدل گئے ہیں۔''

''لیکن دشمن پھر بھی پہچان جاتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''البتہ پولیس والے دھوکا کھا جائیں گے۔''

ہم ایک کرونا کار میں باہر نکلے اس کے شیشے بھی کسی قدر تاریک تھے۔ اس لیے قریب سے دیکھے بغیر کوئی اندر والوں کو نہیں جان سکتا تھا۔ میں نے وسیم کو ایک پارک کا پتا بتایا تھا۔ وسیم وین کے ساتھ ایک ڈبا نما جیپ بھی لایا تھا یہ پرانی لیکن طاقتور انجن والی ملٹری ماڈل جیپ تھی۔ جس کے پچھلے حصے میں مقامی ساختہ فولاد کا بنا ہوا ڈبا لگایا گیا تھا۔ وسیم وین کے پچھلے حصے میں ہمارا منتظر تھا۔ سلام دعا کے بعد میں نے اکرم چشتی کا معائنہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''اس سے بسم اللہ کرنا نہایت مناسب رہے گا۔ میرا تو خون کھول رہا ہے جب سے اس کی خباثت کا پتا چلا ہے۔''



''جب مجھ پر گزر رہی تھی تو میں نے بھی بہت سارے ارادے باندھے تھے لیکن اب مجھے صرف انتقام کے لیے اسے اٹھانا یا مار دینا مناسب نہیں لگ رہا ہے ہم اس سے کثیر المقاصد فائدے حاصل کریں گے اور پھر اس کا فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے اس لیے فی الحال اسے یوں اٹھانا ہے کہ اس کے ساتھ سوئی بیوی کو بھی پتا نہ چلے۔''

وسیم مسکرایا۔ ''میں پوری تیاری کے ساتھ آیا ہوں۔''

''سب سے پہلے ہمیں اس کے گھر کا معائنہ کرنا ہے۔''

''اس کے لیے یہ وین نہایت موزوں رہے گی۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر گھر کا معائنہ کر سکتے ہیں۔''

''بس تو ہمیں یہ کام کر لینا چاہیے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ہم نے اپنی کرونا اسی پارک کے ساتھ چھوڑ دی۔ وسیم کے ساتھ آئی دوسری گاڑی اور اس میں سوار افراد بھی وہیں رک گئے اور ہم وین میں اکرم چشتی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ سیٹلائیٹ ٹاؤن یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا اور اس کا شمار پنڈی کی پرانی پوش آبادی میں ہوتا ہے۔ یہاں خاندانی رئیس لوگ رہتے ہیں اور ایک زمانے میں سچ مچ خاندانی ہی ہوتے تھے اب تو ہر دولت مند خاندانی ہو جاتا ہے۔ اکرم چشتی کا گھر نسبتاً چھوٹے پلاٹوں والے علاقے میں تھا۔ اس کے باوجود اس کا گھر باہر سے کسی کوٹھی کا منظر پیش کرتا تھا۔ حیرت انگیز طور پر ایک ڈی ایس پی کے گھر پر پولیس گارد لگی تھی اور دو پولیس والے خود کار رائفلیں اٹھائے گیٹ کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ہتھیار خطرناک تھے لیکن پولیس روایتی تھی۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر رائفلیں اٹھا کر فائر کرنے کا سوچنے میں بھی ان کو ایک دو منٹ لگ سکتے ہیں۔ ہم وین میں بڑی اسکرین پر یہ منظر نہایت وضاحت سے دیکھ رہے تھے۔ کیمرہ نہ صرف کوٹھی کا منظر دکھا رہا تھا بلکہ اسے ریکارڈ بھی کر رہا تھا۔ ڈرائیور نے جان بوجھ کر وین کی رفتار نہایت سُست کر دی۔ یہ دو طرفہ گلی تھی جس میں ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکلا جا سکتا تھا اگر یک طرفہ گلی ہوتی تو ہمیں مشکل ہو جاتی۔ پلٹ کر واپس آنا پڑتا۔ ہم گلی سے نکلے اور وین ایک طرف روک کر کیمرے کی بنائی ویڈیو دیکھی۔ وسیم نے اسے ذرا سلوموشن میں کر دیا تھا۔ یہ دو منزلہ کوٹھی تھی جس کے سامنے والے حصے میں خاصا بڑا کار پورچ تھا اور اس وقت بھی وہاں ایک نیلی ہنڈا کار کھڑی تھی۔ عبداللہ نے کہا۔ ''اکرم چشتی گھر پر نہیں ہے کیونکہ وہ سرمئی رنگ کی وِنز استعمال کرتا ہے یہ نئی کار ہے۔''

''حالانکہ اس کی تنخواہ موٹر سائیکل سے اوپر جانے کی اجازت نہیں دیتی ہو گی۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''یہ کوٹھی بھی اس کی حرام کمائی سے بنی ہو گی اور اس کی بیوی یا کسی قریبی عزیز کے نام پر ہو گی۔''

''اکرم چشتی کی دو بیویاں ہیں۔'' عبداللہ نے انکشافات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''ایک کسی گاؤں میں ہوتی ہے وہ اس کی خاندانی بیوی ہے دوسری شہری اور ماڈرن ہے لیکن نام نہاد ہی ماڈرن کہہ سکتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ ایسی ہے جیسے بھینس کے مقابلے میں گائے ہوتی ہے۔ پہلی بیوی سے نامعلوم تعداد میں بچے ہیں لیکن اس بیوی سے اکرم چشتی کی تین اولادیں ہیں۔''

''اس کے علاوہ بھی وہ دوسری جگہوں پر منہ مارتا ہو گا۔'' وسیم نے لقمہ دیا تو عبداللہ ہنسا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو حرام کس لیے کماتا ہے؟''

''حالات ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔'' وسیم نے تشویش سے کہا۔ ''اکرم چشتی نے اپنے گھر کی سیکورٹی سخت کی ہوئی ہے۔ پلان ایسا ہو جس میں ناکامی کا خطرہ ایک فیصد سے بھی کم ہو۔''

''کوٹھی شاید نصف کنال رقبے پر ہے۔ سامنے مکانیت کم ہے کیونکہ کورڈ کار پورچ ہے لیکن اوپر والی عمارت زیادہ بڑی ہے اور میرے خیال میں بیڈ رومز اوپر ہی ہوں گے۔'' میں نے کوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وسیم نے کوٹھی کا منظر پوز کر دیا تھا۔ ''زینے سامنے دکھائی دے رہے ہیں یہ اوپر کوریڈورز میں نکلتے ہوں گے۔''

میرس کو نواڈی گرل کی مدد سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ زینوں کے آخر میں کوئی دروازہ ہو گا۔ وسیم نے کہا۔ ''اگر یہ دروازہ کسی طرح سے کھلوا لیا جائے تو اس کے بعد کا کام آسان ہو جائے گا۔''

''سوال یہ ہے کہ اکرم چشتی یا کوئی اور دروازہ کھولے گا ہی کیوں؟''

وسیم عبداللہ کے سوال پر سوچ میں پڑ گیا۔ ''اگر ان دونوں پولیس والوں میں سے کوئی کسی وجہ سے اکرم چشتی سے بات کرنا چاہے تو.....؟''

''وہ کائیاں آدمی ہے میرا خیال ہے پولیس والوں کی تمام ضروریات کوٹھی کے بیرونی حصے میں پوری ہو جاتی ہوں گی اور انہیں کوٹھی کے اندر جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر رات کسی وقت کوئی پولیس والا اوپر کا دروازہ کھلوانے کی کوشش کرے گا تو اکرم چشتی جیسا شخص لازمی چوکس ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''یہ بھی ممکن ہے اندر اور باہر سیکورٹی کیمرے لگے ہوں۔ یہ آج کل بہت عام ہو گئے ہیں۔'' عبداللہ نے خیال پیش کیا۔ ''اس صورت میں اکرم چشتی پہلے سے ہوشیار ہو جائے گا۔''

''براہِ راست کارروائی کیسی رہے گی؟'' وسیم نے پوچھا۔

''اس کے بجائے اسے راستے میں اٹھا لینا زیادہ مناسب ہو گا۔'' میں نے کہا۔ ''گھر میں گھسنے سے دوسرے مسائل پیدا ہوں گے۔ ممکن ہے شور کی وجہ سے غیر متعلقہ لوگ بھی ملوث ہو سکتے ہیں جیسے اکرم چشتی کے بیوی بچے، اس صورت میں راستے میں کارروائی بہترین آپشن ہے۔''

''اس کی دن کی ڈیوٹی ہوتی ہے نائن ٹو فائیو۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''لیکن واپسی کا کچھ پتا نہیں ہوتا ہے۔''

''البتہ دفتر کے لیے نکلنے کا وقت تقریباً طے شدہ ہو گا۔ نو یا دس بجے تک وہ گھر سے نکل جائے گا۔'' وسیم بولا۔ ''یہی وقت بہترین ہو گا۔''

''بس کل صبح اسے اٹھا لو۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اکرم چشتی کے نہ ہونے سے پولیس کی میرے خلاف جاری مہم کمزور پڑ جائے گی۔''

''میں اپنا رکی اسکواڈ بلوا لیتا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم کل صبح سورج نکلنے سے پہلے یہاں پہنچ جائیں گے۔''

''میں بھی آؤں گا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اکرم چشتی کے گھر کی نگرانی ابھی سے شروع ہو جانی چاہیے۔''

''میں دو افراد ابھی لگا دیتا ہوں وہ گھر اور اکرم چشتی کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں گے۔''

وسیم نے حویلی رابطہ کر کے بائیک سوار بلوا لیے۔ یہ اپنے کام کے ماہر تھے۔ اکرم چشتی کے گھر والی گلی دونوں طرف کھلتی تھی۔ اس لیے دو افراد ضروری تھے۔ ہم گلی سے نکل کر اس سڑک کی پر آ گئے جہاں اندازے کے مطابق اکرم چشتی کو دفتر سے آتے ہوئے گزرنا تھا۔ وین ایک طرف پارک کر دی۔ وسیم نے اس کے کیمرے سامنے سے آنے والی ٹریفک پر مرکوز کر دیے تھے۔ اب ہم ہر گاڑی کے ڈرائیور کو دیکھ سکتے تھے۔ ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اکرم چشتی کی ونڈ خاصی تیزی سے گزری تھی لیکن کیمرے نے اس کے منحوس چہرے کو ریکارڈ کر لیا تھا۔ تشویشناک بات یہ تھی کہ اس کے ساتھ ایک پولیس والا اور بھی بیٹھا تھا۔ یعنی وہ کسی وقت بھی اکیلا نہیں ہوتا تھا سفر میں اپنے ساتھ ایک گارڈ رکھتا تھا۔

''اس کے ٹھاٹ دیکھو ایک گارڈ ساتھ بھی رکھتا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''خیر کوئی مسئلہ نہیں ہے گھر کے باہر سب سے نمٹا جا سکتا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''اب فرض کر لیں کہ یہ کل صبح بھی دفتر جانے کے لیے نکلے گا تو اسے گھیرنے کے لیے سب سے موزوں جگہ کون سی ہو سکتی ہے۔''

''یہ ابھی دیکھ لیتے ہیں۔'' وسیم نے کہا اور ڈرائیور سے پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف چلنے کو کہا لیکن آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جو سنسان ہو اور ہم وہاں آرام سے کارروائی کر سکیں۔ اتفاق سے یہ بہت مصروف رہنے والی سڑک تھی جو سیٹلائیٹ ٹاؤن سے پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف جاتی تھی۔ کسی کارروائی کی صورت میں درجنوں گواہ بن جاتے۔ میں نے کہا۔

''اس طرح کام نہیں بنے گا۔ اس میں پھنسنے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔''

''اکرم چشتی کے گھر کی طرف آنے والی ذیلی سڑک کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' عبداللہ نے اچانک کہا۔ ''وہاں سناٹا ہوتا ہے بڑے پلاٹوں والا رہائشی علاقہ ہے اس لیے لوگ بھی کم نظر آتے ہیں۔''

عبداللہ کا خیال اچھا تھا۔ کم سے کم ہائی وے کے مقابلے میں یہاں خطرہ بہت کم تھا۔ پلاننگ وسیم کا کام تھا اس لیے جگہ کا انتخاب ہونے کے بعد یہ اس پر چھوڑ دیا گیا۔ اس دوران میں اس کے آدمی پہنچ گئے تھے۔ وسیم نے انہیں ذمے داری سمجھائی اور ہمیں واپس پارک کی طرف چھوڑنے روانہ ہو گیا۔ میں نے راستے میں مشورہ دیا۔

''اس کام میں وین مت استعمال کرنا، میرا مطلب ہے بہ ظاہر وین دور رہے اور اکرم چشتی کو کسی دوسری گاڑی میں لے جانا۔''

''یہ ٹھیک ہے، وین کا ہر بار نظر آنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' وسیم بولا۔ ''میں نے ایک اسپرے گن لے لی ہے اور ہمارے پاس کچا پینٹ بھی ہے۔ اس کا رنگ آدھے گھنٹے میں بدلا جا سکتا ہے اور رنگ کو صرف دس منٹ میں واٹر پریشر گن سے اتارا جا سکتا ہے۔''

''تب اس کا رنگ بدل دو اس کا سیاہ رنگ متوجہ کرتا ہے۔''

ہمیں پارک کے پاس چھوڑ کر وسیم واپس روانہ ہو گیا۔ وسیم واپس روانہ ہوا تو ہم بھی چل پڑے میں نے عبداللہ سے شازیہ اور صابر کے بارے میں پوچھا۔ ''شازیہ سعدیہ بی بی سے مانوس ہو گئی تھی اور پھر میں اسے یہاں کہاں رکھتا اس لیے میں نے اسے بھی حویلی بھیج دیا۔ دوسرے مجھے ایک شبہ ہو رہا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چونکا۔ ''شازیہ کے بارے میں؟''

''جی میرا خیال ہے وہ پریگننٹ ہوگئی ہے۔''

''میرے خدا، یہ اس بے چاری کے لیے ایک اور دھچکہ ہوگا۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''وہ بہت مظلوم ہے، باپ کے کیے کی سزا اسے بھگتنا پڑی۔ میں نے وسیم کے توسط سے سعدیہ کو پیغام دے دیا ہے کہ وہ اس مسئلے کا کچھ حل کریں۔ یہ خواتین کا شعبہ ہے۔''

''وہاں ماں جی دیکھ لیں گی۔'' میں نے کہا۔ ''یہ تو خود ناتجربے کار ہیں یہ کیا دیکھیں گی۔ اگر یہ مسئلہ یہیں ہوگیا تھا تو اسے یہیں کسی ڈاکٹر کو دکھا دینا چاہیے تھا۔''

''اس کا وقت نہیں تھا ان لوگوں کی روانگی ہونے والی تھی جب اس کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ اسی حالت میں گئی تھی۔ میرے آدمیوں نے بتایا کہ راستے میں بھی اس کی طبیعت خراب رہی تھی۔''

''تم نے کس طرح انہیں روانہ کیا تھا۔''

''میں نے ہیلی کاپٹر کا رسک لینے کے بجائے انہیں سڑک سے بھیجنے کا فیصلہ کیا اور ہمارے تقریباً سارے آدمی پوری طرح مسلح ہو کر انہیں چھوڑنے گئے تھے راستے میں، میں وہ ہر صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار تھے۔''

میں مسکرایا۔ ''گویا تم نے ڈنکے کی چوٹ پر کام کیا؟''

''نہیں ایسا تو نہیں ہے ہر ممکن احتیاطی تدبیر بھی کر لی تھی۔ اس کے بعد انہیں روانہ کیا تھا۔''

''صابر کی طرف سے کوئی پیغام ملا؟''

''نہیں میں باقاعدگی سے اخبار چیک کر رہا ہوں ابھی تک اس کی طرف سے کوئی اشتہار نہیں آیا ہے۔''

''میں نے اسے ایک مہینے کی مہلت دی تھی اور اس میں سے آٹھ دن گزر چکے ہیں۔''

''شہباز صاحب یہ کام بہت مشکل ہے اگر قسمت نے یاوری کی تو صابر کامیاب ہو سکے گا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن اس میں نے اسے پوری طرح دہشت زدہ کر دیا تھا کہ وہ ناکام رہا تو میں اس کی لڑکی کو مرشد کے حوالے کر دوں گا۔''

عبداللہ نے میری طرف دیکھا۔ ''سچ مچ؟''

''یار میں ایسا کر سکتا ہوں وہ معصوم بچی ہے میں کسی جانور کو بھی مرشد کے حوالے نہ کروں۔ اگر صابر ناکام رہا تب بھی اس کی بچی اس کے سپرد کر دوں گا۔ چینی بریف کیس اہم ہے لیکن یہ ہمارے اولین مقاصد میں نہیں آتا ہے۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''ہمارا اولین نشانہ مرشد ہے اس سے جان چھوٹ جائے تو باقی افراد کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔''

''تم ایسا کرو کہیں سے وہ انجکشن حاصل کرو جو مرشد نے مجھے لگایا تھا لیکن اس کام میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کوئی ماہر بھی ساتھ ہو۔ مرشد کے ساتھ کسی نے ہاتھ کر دیا اور اسے ناکارہ ہو جانے والے انجکشن تھما دیئے تھے۔''



''میں کوشش کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''اس کے لیے سب سے موزوں شخص نادر رہے گا۔ وہ پہلے ہی آدھا مر چکا ہے لیکن اس کا شیطانی دماغ زندہ ہے وہ ناکارہ ہو جائے تو ہمیں اس کا خون اپنے سر لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''صرف نادر نہیں بلکہ شاید کسی بھی دشمن کا خون سر لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''مگر مرشد، فاضلی اور فتح خان جیسے لوگ سزائے موت کے پوری طرح مستحق ہیں۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے لیکن ان کی موت ہمارے لیے مسائل بھی کھڑی کر سکتی ہے اس لیے میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔ مرشد ایک بہت بڑی جاگیر، گدی اور بے شمار دولت کا مالک ہے اس کے بعد جو ان چیزوں کا مالک بنے گا اسے ہم سے دشمنی بھی وراثت میں ملے گی اس لیے اگر مرشد ناکارہ ہو جائے اور زندہ رہے تو یہ سب کسی دوسرے کو نہیں ملے گا اور جب دولت و گدی نہیں ملے گی تو کسی کو ہم سے دشمنی کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔''

عبداللہ نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''یہ تو آپ نے بہت دور کی سوچی ہے۔ ہم میں سے کسی کے دماغ میں یہ بات نہیں آئی ہے۔''

عبداللہ اور میرے دوسرے ساتھی ذہین تھے لیکن وہ فیلڈ میں کام کرنے والے لوگ تھے ان کے ذہن محدود پلاننگ کے ماہر تھے کہ اپنا ٹاسک کیسے حاصل کرنا ہے۔ مگر مستقبل کے بارے میں سوچنا ان کے لیے مشکل کام تھا۔ دوسری بے شمار ذمے داریوں کی وجہ سے ان کے پاس وقت بھی نہیں ہوتا تھا جب کہ دشمنوں کی مہربانی سے مجھے سوچنے اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کا بہت موقع ملتا تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''کیونکہ مجھے سوچنے کے لیے وقت ملتا ہے۔ اس سے بہت ساری چیزیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔''

عبداللہ ہچکچایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب، لیکن مرشد اور فتح خان جیسے لوگوں کو زندہ چھوڑنے کو دل نہیں مانتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو دل تو میرا بھی نہیں چاہتا ہے لیکن یہ انسانوں میں فرق کی بات بھی ہے مرشد اور فتح خان جیسے لوگ ہماری سطح پر نہیں آسکتے ہیں اسی طرح ہم ان کی سطح پر نہیں جا سکتے ہیں۔ ہم اور ان میں بنیادی فرق ہمیشہ رہے گا۔ اگر تقدیر نے ان کی موت ہمارے ہاتھ سے لکھی ہے تو یہ الگ بات ہے لیکن ہمیں صرف جوشِ انتقام میں ان کی موت کا فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے۔''

عبداللہ نے سر جھکا۔ ''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''انسانی معاملات میں آخری چیز موت ہوتی ہے اور اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ہمیشہ سوچو کیونکہ اس کے دوررس اثرات ہوتے ہیں۔''

ہم کوٹھی میں داخل ہوئے تو رات ہو چکی تھی۔ ملازم نے، جسے سب صوفی کہتے تھے اور وہی ایک طرح سے ملازموں کا انچارج تھا، ہمیں آتے ہی رات کا کھانا تیار ہونے کی خبر دی۔ عبداللہ نے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا۔ ''آدھے گھنٹے بعد لگا دینا اور یہ بتاؤ یہاں کوئی کمپیوٹر اور انٹرنیٹ ہے۔''

''آپ کا لیپ ٹاپ ہے اور انٹرنیٹ کے لیے میں نے براڈ بینڈ کی درخواست دے دی ہے شاید ایک دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن میں لگ جائے گا۔''

''مانی نے بڑی زبردست سروس لی ہوئی ہے۔''

''آپ کہیں تو اس کا بندوبست کر لیتے ہیں؟''

''نہیں اتنی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور اوپر آ گیا۔ کمرے میں آتے ہی سویرا کا نمبر ملایا۔ حویلی میں سورج ڈوبتے ہی رات کا کھانا کھا لیا جاتا ہے۔ مجھے امید تھی کہ سویرا فارغ ہو گی۔ مگر بیل جاتی رہی اور اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ شاید وہ کچن میں تھی اور موبائل کمرے میں پڑا ہوا تھا میں نے اس کے نمبر پر میسج کر دیا۔ چند منٹ بعد ہی سویرا کے نمبر سے کال آئی۔

''شہباز۔'' اس نے بے تابی اور سانس میں بھر کر میرا نام لیا۔

''سویرا۔''

''آپ کہاں تھے، میں کب سے انتظار کر رہی تھی۔'' اس نے شکوہ کیا۔ ''بار بار کمرے کی طرف آتی تھی۔''

''دوسرے لوگوں سے میں نے کسی اور نمبر سے بات کی تھی میرا موبائل میرے ایک ساتھی کے پاس تھا اور اب ملا ہے۔''

''آپ کیسے ہیں، میں ہر روز پانچ وقت کی نماز کے بعد آپ کے لیے دعا کرتی ہوں۔''

''سویرا مجھے دنیا میں کسی چیز کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی تمہاری دعاؤں کی ہے۔''

''وہ تو میرا رواں رواں کرتا ہے۔'' وہ بولی اور پھر چہک کر کہا۔ ''اللہ، اتنی رونق ہو گئی ہے حویلی میں، سارا سناٹا ختم ہو گیا ہے۔ شہباز یہ لڑکی شازیہ کون ہے؟''

''میرے ایک دشمن کی بیٹی ہے اور میرے دوسرے دشمن کی بدسلوکی کا شکار ہوئی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

میں نے سویرا کو مختصراً شازیہ کے بارے میں بتایا۔ سویرا حیران رہ گئی۔ ''اس بے چاری کے ساتھ اتنا برا ہوا ہے، مجھے مونا نے کچھ بتایا تو تھا۔ وہ تو امید سے ہے۔'' سویرا کی آواز جھینپ گئی تھی۔

''اس مسئلے کا کوئی حل نکالنا ہو گا۔ تم ماں جی سے بات کرو اور اسے کسی لیڈی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔''

''آپ کا مطلب ہے..... وہ..... مسئلہ ختم کر دیا جائے۔'' سویرا نے اٹک اٹک کر کہا۔

''بالکل اس کے سوا اور کیا راستہ ہے دوسری صورت میں اس لڑکی کی رہی سہی زندگی بھی تباہ ہو جائے گی اسے کون قبول کرے گا؟''

''ٹھیک ہے میں ماں جی سے بات کرتی ہوں۔'' سویرا نے کہا۔ اس سے کچھ دیر بات کر کے میں نیچے آیا تو کھانا لگ رہا تھا۔ کھانے کے بعد میں نے وسیم کو کال کر کے اکرم چشتی کے بارے میں رپورٹ لی۔ وہ گھر آنے کے کچھ دیر بعد ہی گھر سے نکل گیا تھا اور اس نے مری روڈ کی ایک نئی اسکیم کا رخ کیا تھا وہاں وہ ایک مکان میں موجود تھا۔ مکان پانچ چھ مرلے کا تھا اور بہ ظاہر عام سا لگ رہا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''یہ جگہ کیسی ہے؟''

''میرے آدمی کے مطابق ویران ہے نئی اسکیم ہے اور بہت کم آبادی ہے گھر بھی دور دور بنے ہوئے



ہیں۔''

''اکرم کے ساتھ اس کا گارڈ بھی ہے؟''

''بالکل ہے جناب۔ وہ اس وقت بھی مکان کے باہر گاڑی میں موجود ہے۔''

''اگر یہ کوئی باقاعدہ اسکیم ہے تو یہاں کوئی چوکیداری سسٹم بھی ہو گا اپنے آدمی سے کہو چوکیدار کو تلاش کرے اور اس سے معلومات حاصل کرے لیکن اسے شک کا موقع نہ دے۔''

''وہ شک تو کرے گا۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''لیکن اس کا طریقہ ہے۔ رقم اس کا منہ بند کر دے اور رقم کے ساتھ دھمکی اسے خاموش رہنے پر مجبور کرے گی۔''

''اپنے آدمی سے کہو یہ کام کر گزرے، وہاں کتنے لوگ ہیں؟''

''دونوں ہیں۔''

''ٹھیک ہے ایک آدمی مکان اور اکرم چشتی کی نگرانی کرے اور دوسرا چوکیدار کو تلاش کرے۔''

''کیا خیال ہے یہیں اکرم چشتی کو نہ چھاپ لیا جائے؟''

''نہیں کوئی کچا کام نہیں کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''نہ جانے اس مکان میں کون ہے اور پھر وہی بات ہو گی معاملہ فوراً کھل جائے گا اور اکرم چشتی کو حویلی تک لے جانے میں مشکل پیش آ سکتی ہے۔ دوسرے مکان میں موجود افراد گواہ بن جائیں گے۔''

''میں ہدایت کرتا ہوں۔'' وسیم نے کہا اور کال کاٹ دی۔ میں کمرے میں آیا کیونکہ صبح سویرے اٹھنا تھا اس لیے میں نے کھانا کم کھایا تھا۔ کچھ دیر بعد غسل کر کے ایک گلاس دودھ لیا اور سو گیا۔ موبائل میں پانچ کا الارم لگا لیا تھا۔ میری تھکن خاصی حد تک اتر گئی تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ میں پوری طرح فٹ نہیں ہوں۔ مجھے اس میں ایک دو دن اور لگتے۔ الارم بجا تو میری آنکھ کھل گئی میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور نیچے آیا جہاں عبداللہ اور اس کے آدمی تیار تھے میں نے کافی کا کہہ کر عبداللہ سے رپورٹ لی۔ اس نے بتایا۔

''اکرم چشتی اس مکان سے گیارہ بجے نکلا اور واپس اپنی کوٹھی پر آ گیا تھا۔ چوکیدار سے جو معلومات حاصل ہوئیں ان کے مطابق اس گھر میں ایک عورت اور ایک مرد رہتے ہیں لیکن ان کا کردار نہایت مشکوک ہے کیونکہ تقریباً روز ہی نئی شکلوں والے افراد یہاں آتے ہیں اور اکثر لوگ رات کو رک جاتے ہیں۔ کیونکہ آبادی زیادہ نہیں ہے اور جو ہیں وہ بھی خود میں مگن ہوتے ہیں اس لیے عام لوگوں کو ان کے کردار کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے لیکن چوکیداروں سے اس قسم کی چیزیں نہیں چھپ سکتی ہیں۔

''یعنی قصہ مختصر ہے کہ اکرم چشتی یہاں عیاشی کے لیے جاتا ہے۔''

''اس جیسے آدمی سے اسی کردار کی توقع کی جا سکتی ہے۔''

''روانگی کب ہے؟''

''دس منٹ میں۔''

میں تیار تھا عبداللہ نے ایک بریٹا اور اس کے دو عدد فاضل میگزین میرے سپرد کیے۔ کافی پیتے ہوئے میں نے ان کا معائنہ کیا اور مطمئن ہو کر اپنی جیکٹ میں رکھ لیا۔ موسم بہت سرد نہیں تھا لیکن جیکٹ پہننے کی گنجائش تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساڑھے پانچ بجے ہم روانہ ہوئے تو صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ وسیم اور اس کے ساتھی اکرم چشتی کے گھر کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اس کے آدمیوں نے دور سے کوٹھی کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں تاریکی تھی اور کوٹھی کے باہر ایک گارڈ موجود تھا دوسرا یقیناً اندر آرام کر رہا تھا جیسی روح ویسے فرشتے تھے۔ اکرم چشتی جیسے کرپٹ پولیس افسر کے محافظ بھی اس کی طرح حرام خور تھے۔ ہمارے وہاں پہنچنے تک روشنی ہو گئی تھی لیکن ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ وین کے ساتھ وسیم وہی ڈبا نما جیپ بھی لایا تھا۔ اکرم چشتی کو اسی میں ڈال کر لے جانا تھا۔ اس کے علاوہ تین بائیک سوار تھے۔ مجموعی طور پر وسیم کے ساتھ سات افراد تھے اور عبداللہ جو اصل میں بیک اَپ میں تھا وہ پانچ مسلح آدمی ساتھ لایا تھا اس کا کام کسی ہنگامی صورتِ حال میں مداخلت کرنا تھا۔ ہمارے ساتھ دو گاڑیاں تھیں ایک میں، مَیں اور عبداللہ تھے اور دوسری گاڑی میں اس کے پانچ آدمی تھے۔ وسیم نے وین پر نہ صرف کلر کر لیا تھا بلکہ اسے دور کھڑا کیا تھا۔ وین کی وجہ سے تمام لوگ آپس میں ریڈیو سے ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ میں نے ہیڈ سیٹ لگایا اور وسیم سے پوزیشن پوچھی۔ ''تمام لوگ اپنی جگہوں پر ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''پلان کیا ہے؟''

''جیسے ہی اکرم چشتی گھر سے نکلے گا۔ بائیک سوار اس کا پیچھا کریں گے اور خاموش پستول سے گاڑی کا ٹائر برسٹ کر دیں گے۔ آگے سے جیپ کار کا راستہ روکے گی۔''

''اکرم چشتی اتنی آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا وہ مزاحمت کرے گا۔''

''اس کے لیے ہمارے آدمی تیار ہوں گے۔ ان کے پاس بے ہوش کرنے والی ڈارٹ گن ہو گی۔''

''بے ہوشی کی دوا کچھ دیر سے اثر کرتی ہے۔''

''اگر زیادہ مزاحمت کی تو میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کر دی ہے وہ جان لیے بغیر گولی چلا سکتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''ویسے اس قسم کے کاموں میں خطرہ تو ہوتا ہے۔''

گلی کے دونوں سروں پر وسیم کے آدمی موجود تھے اور وہ کوٹھی پر مکمل نظر رکھے ہوئے تھے۔ سات بجے ان میں سے ایک نے اطلاع دی۔ ''جناب اندر سے ایک گاڑی نکلی ہے۔''

''کون سی گاڑی ہے؟''

''نیلی ہنڈا ہے جناب۔''

کار گلی کے کونے پر پہنچی تو ایک بائیک اس کے پیچھے لگ گئی۔ بائیک سوار نے اطلاع دی۔ ''کار میں کوئی ملازم ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔''

''شاید یہ کسی عارضی کام سے نکلا ہو گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس کے پیچھے لگے رہو اور جب ریڈیو کی حد سے نکل جاؤ تو موبائل پر رابطہ کرنا۔''

دس منٹ بعد اطلاع ملی کہ ملازم ایک معروف حلوائی سے حلوہ پوری اور دوسرا سامان لے رہا تھا۔ یہ کام کر کے وہ ساڑھے سات بجے تک واپس کوٹھی پہنچ گیا گویا وہاں ناشتے کی تیاری تھی۔ صبح ہوتے ہی دوسرا گارڈ بھی ڈیوٹی پر واپس آ گیا تھا۔ دن اور رات کے الگ الگ محافظ ہوتے لیکن فی الحال ان کی تبدیلی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ آٹھ بجے ان کے لیے بھی اندر سے ناشتہ آ گیا تھا۔ ہم صبر سے انتظار کر رہے تھے کہ اکرم چشتی دفتر جانے کے لیے باہر نکلے تو ہم اپنی کارروائی کریں۔ سب اپنی اپنی جگہ مستعد تھے تمام گاڑیوں اور بائیکس کی نمبر پلیٹس بدلی ہوئی تھیں۔ جو لوگ اکرم چشتی اور اس کے گارڈ کے سامنے آتے ان کے چہرے چھپے ہوتے اس لیے بعد میں کوئی ثبوت باقی نہیں رہتا۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب گیٹ پر موجود گارڈ مستعد ہو گئے اور اپنی رائفلیں سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔

''میرا خیال ہے اکرم چشتی باہر آنے والا ہے۔'' وسیم نے کہا۔

سب چوکنے ہو گئے۔ چند منٹ بعد وِنز باہر آئی اور اس نے گلی کے اس سرے کا رخ کیا جہاں ہم موجود تھے۔ وسیم کے آدمی لمحہ بہ لمحہ خبردار کر رہے تھے۔ ایک منٹ بعد کار گلی کے سرے پر نمودار ہوئی اور بڑی سڑک کی طرف جانے لگی فوراً ہی تینوں بائیک والے اس کے پیچھے نمودار ہوئے تھے۔ میں عبداللہ کے ساتھ دور تھا اور صرف رواں کمنٹری پر گزارا کر رہا تھا پھر وسیم نے بتایا۔ ''اسے روک لیا گیا ہے۔''

یہ سنتے ہی عبداللہ نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اور جب تک ہم اس جگہ پہنچے اکرم چشتی اور اس کا محافظ بے ہوش کیے جا چکے تھے انہیں حرکت کا موقع نہیں ملا تھا۔ جیپ نے راستہ روکا تھا اور اس سے پہلے کہ اکرم چشتی یا اس کا گارڈ ہوشیار ہوتے انہیں ڈارٹ گن کی مدد سے بے ہوش کیا جا چکا تھا۔ اکرم چشتی کو نہایت پھرتی سے جیپ کے فولادی بکس میں منتقل کر دیا گیا تھا اور اس پر ایسی بوریاں ڈال دی گئی تھیں جن میں کچی روئی بھری ہوئی تھی۔ اب کوئی گاڑی روک کر چیک بھی کرتا تو اسے روئی کی بوریاں ہی ملتیں۔ ہم وہاں نہیں رکے تھے بلکہ یوں دیکھتے ہوئے گزرے جیسے عام لوگ ہوں۔ وین اپنی جگہ موجود تھی اور بائیک والے آگے نکل گئے تھے۔ جیپ روانہ ہوئی اور اکرم چشتی کی کار بے ہوش گارڈ کے ساتھ رہ گئی تھی۔ وہ پنکچر کھڑی تھی اور اس کے دروازے بند تھے اتفاق سے کسی نے بھی یہ سین ہوتے نہیں دیکھا تھا اس لیے اب جب تک کوئی خاص طور سے کار کے پاس جا کر نہ دیکھتا اسے بے ہوش گارڈ کا بھی پتا نہیں چلتا۔

''کمال کر دیا۔'' میں نے ریڈیو پر کہا۔ ''اتنی صفائی سے کام کیا ہے۔''

''ڈارٹ گن صرف دو منٹ میں بے ہوش کر دیتی ہے اور آدمی کو تین چار گھنٹے سے پہلے ہوش نہیں آتا۔'' وسیم نے کہا۔ ''وین پیچھے رہے گی میں خود جیپ میں آ گیا ہوں۔''

''اچھا میں تو تمہیں وین میں سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور عبداللہ کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے تم اپنے باقی آدمیوں کو واپس بھیج دو ہم وسیم کے ساتھ چل رہے ہیں۔''

عبداللہ موبائل پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کرنے لگا جو دوسری گاڑی میں تھے اس گاڑی میں صرف میں اور عبداللہ تھے۔ جیپ میں وسیم اور اس کے ساتھ ڈرائیور تھا۔ باقی تین بائیک سوار تھے۔ مجھے اکرم چشتی کے پکڑے جانے کی خوشی تھی۔ اس شخص سے اپنا حساب برابر کرنا تھا۔ ابھی میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ ممکن ہے اس کے لیے سزائے موت تجویز کی جاتی لیکن ایک چیز میں نے سوچ لی تھی اس سانپ کو اب زہر اور دانت کے ساتھ نہیں چھوڑنا ہے۔ اگر اسے زندہ رہا بھی کیا تو ناکارہ کر کے رہا کریں گے اور اس سے پہلے حویلی کے تہہ خانے میں اسے کچھ یادگار وقت گزارنا تھا جسے وہ مرتے دم تک نہ فراموش کر سکے۔ عبداللہ نے اپنے آدمی واپس بھجوا دیے تھے اور اب خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وین کہیں آس پاس تھی لیکن اس کا مواصلاتی سسٹم بند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیا گیا تھا اس لیے ہم آپس میں بات نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے ہیڈ سیٹ اتار دیا۔ میرے موبائل کی بیل بجی وسیم کال کر رہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔

''کیا ہوا وسیم؟''

''کوئی گڑ بڑ ہے جناب اس سڑک پر آگے پولیس نے ناکہ لگا رکھا ہے۔ گاڑیوں کی تلاشی لی جا رہی ہے۔''

ابھی ہم دور تھے میں نے عبداللہ سے گاڑی سڑک سے ہٹانے کو کہا اور وہ اسے گھما کر سروس روڈ پر لے آیا۔ مزید آگے جا کر ہم ٹریفک کے ہجوم میں پھنس سکتے تھے۔ میں نے کہا۔ ''وسیم یہ ناممکن ہے کہ پولیس اتنی جلدی حرکت میں آ جائے انہیں اکرم چشتی کی تلاش نہیں ہے۔ یہ کوئی اور چکر ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ہم بھی اس چکر کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں۔ ہم آگے آ چکے ہیں اور واپسی کی گنجائش نہیں ہے۔''

صورتِ حال اچانک تشویشناک ہو گئی تھی۔ اکرم چشتی جتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ لگا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ اب کوئی مشکل نہیں ہے لیکن مشکل اچانک ہی سامنے آئی تھی۔ یہ سڑک پنڈی شہر کے اندر تھی اور یہاں اس طرح چیکنگ کا مطلب تھا پولیس کوئی بڑی سرگرمی کر رہی تھی۔ پچھلے کچھ عرصے سے جڑواں شہروں کے حالات ٹھیک نہیں رہے تھے۔ تواتر سے دہشت گردی کی وارداتوں نے پولیس اور انتظامیہ کو چوکنا کر دیا تھا اور ممکن ہے یہ تلاشی بھی اسی سلسلے میں لی جا رہی ہو۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''دائیں بائیں نکلنے کی گنجائش نہیں ہے؟''

''ہے لیکن گرین بیلٹ ہے اسے روند کر نکلے تو پولیس فوراً پیچھے آئے گی ناکے پر دو موبائل موجود ہیں۔''

''تلاشی کس طرح سے لی جا رہی ہے صرف کاغذات دیکھ رہے ہیں یا عملی تلاشی بھی لے رہے ہیں۔''

''عملی تلاشی لی جا رہی ہے۔ تین تین کی قطاروں میں گاڑیاں لگی ہیں۔ ان کی ڈکیاں تک کھلوا کر دیکھ رہے ہیں۔''

''کسی بھی طرح سے وہاں سے نکلو۔'' میں نے کہا۔ ''ایک بار ناکے کے پاس پہنچ گئے تو گلو خلاصی مشکل ہو جائے گی۔''

''ہم دائیں طرف ہیں۔ دوسری والی سڑک پر نکل کر ہم واپس آئیں گے۔ اس پر ٹریفک بہت کم ہے۔''

عبداللہ سن رہا تھا اس نے کہا۔ ''وسیم صاحب سے کہیں واپس آتے ہوئے بائیں طرف سڑک نکل رہی ہے اس پر آ جائیں۔ یہ سیدھی جی ٹی روڈ پر نکلے گی۔''

''جی ٹی روڈ پر پولیس مستعد ہو گی۔'' وسیم نے کہا۔

''آپ نکلیں تو جناب اس کے بعد دیکھتے ہیں۔'' عبداللہ بولا۔ ''یہیں نہ پھنس جائیں۔''

حویلی اٹک سے پہلے جی ٹی روڈ اور پشاور جانے والی موٹروے کے درمیان ایک عام سی شاہراہ کے قریب تھی۔ یہ علاقہ زیادہ آباد بھی نہیں تھا اور اس سڑک پر بھی زیادہ رش نہیں ہوتا تھا لیکن اب اس تک پہنچنا مشکل لگ رہا تھا۔ ہم پنڈی میں ہی پھنس گئے تھے۔ وسیم نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''ہم گرین بیلٹ کراس کر کے دوسری طرف آ گئے ہیں۔''



''گڈ تمہارے ساتھی بھی ہیں؟''

''ہاں وہ تینوں بھی پیچھے آئے ہیں۔''

''پولیس موبائل؟''

''ان کا نہیں پتا، وہ خاصی پیچھے ہیں۔''

''اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ اگر موبائلز پیچھے آنے کی کوشش کریں تو ان کے ٹائر برسٹ کر دیں۔''

''میں پہلے ہی ان سے کہہ چکا ہوں۔'' وسیم نے بتایا۔ ''لیکن ابھی تک کوئی موبائل پیچھے آتی نظر نہیں آ رہی ہے البتہ لوگوں نے بہت گالیاں دیں ہوں گی جن سے جیپ ٹکراتے ٹکراتے بچی۔''

''ان کی فکر مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''وہ بے چارے حق بجانب ہیں گالیاں دینے میں۔''

میں اور عبداللہ سروس روڈ پر تھے اور اسی پر واپسی کے لیے چل پڑے۔ عبداللہ نے مشورہ دیا۔ ''جب تک پولیس متحرک ہے آپ کا باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے اس لیے ہم واپس چلتے ہیں۔ حویلی بعد میں جا سکتے ہیں۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا اور پھر خود کو اتفاق پر مجبور پایا۔ پولیس جس طرح سے ناکہ لگا کر کھڑی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی بڑی گڑبڑ تھی اور شاید دہشت گردی کا معاملہ تھا ورنہ عام مجرموں کے لیے پولیس اور انتظامیہ اس طرح مستعد نہیں ہوتی ہے۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے ہم پنڈی سے نکلنے کی کوشش نہیں کریں گے لیکن جب تک وسیم بحفاظت نہیں نکل جاتا ہے ہم یہیں رہیں گے۔''

''میرا خیال ہے وسیم صاحب کو جی ٹی روڈ کے بجائے پشاور جانے والی موٹروے پکڑنی چاہیے اس پر رش کم ہوتا ہے اور وہاں ناکے کا امکان بھی کم ہو گا۔ بس راستہ ذرا طویل ہو جائے گا۔''

میں نے وسیم کو کال کر کے موٹروے سے جانے کا مشورہ دیا۔ وہ جی ٹی روڈ تک پہنچ گیا تھا۔ اسے اٹک خورد سے پہلے جانا تھا۔ حویلی جی ٹی روڈ اور موٹروے کے درمیان کے علاقے میں تھی۔ وسیم کے تینوں بائیک سوار اس کے ساتھ تھے۔ جیسے جیسے سورج بلند ہو رہا تھا دن گرم ہوتا جا رہا تھا۔ یہ غیر متوقع گرمی تھی کیونکہ اپریل کے آغاز میں بھی راولپنڈی اسلام آباد کا موسم خوشگوار ہی ہوتا ہے۔ عبداللہ نے گاڑی ایک چھوٹے سے ریستوران کے سامنے روک لی اور ہم اندر چلے آئے۔ یہاں ایک دور دراز کی میز سنبھال کر ناشتے کا آرڈر کیا۔ عبداللہ نے ناشتہ کر لیا تھا لیکن میں نے صرف ایک کافی لی تھی اور اب مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ عبداللہ نے اپنے لیے چائے منگوائی تھی۔ جب تک میں ناشتہ کرتا رہا وہ وقفے وقفے سے وسیم کو کال کر کے اَپ ڈیٹ لیتا رہا۔ وسیم موٹروے تک پہنچ گیا تھا۔ جب تک میں ناشتے سے فارغ ہوا وسیم اکرم چشتی سمیت پنڈی کی حدود سے نکل چکا تھا۔

''میرا خیال ہے اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' عبداللہ نے سکون کا سانس لیا۔ ''یہ اکرم چشتی سچ مچ نہایت منحوس آدمی ہے۔ کتنی آسانی سے ہاتھ آ گیا اور کیسی مشکل میں پڑتے پڑتے بچے ہیں۔ اگر وسیم صاحب ذرا اور آگے نکل جاتے تو پھر واپسی کا امکان باقی نہ رہتا۔''

''یہ بہتر ہوا کیونکہ جی ٹی روڈ پر ناکے کا امکان تھا اگر وسیم یہاں نہ پھنستا تو وہاں پھنس جاتا اب وہ موٹروے سے نکل گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حویلی اچھی جگہ ہے لیکن دور بہت ہے ہمیں کہیں آس پاس بھی کوئی ایسا ہی ٹھکانہ تلاش کرنا چاہیے۔''

''اس کے برعکس ان لوگوں کا دور رہنا ہی ٹھیک ہے شہر ہوتے ہوئے دشمنوں کی نظروں میں آنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے راجا صاحب والی کوٹھی سے تمام دشمن واقف ہو گئے تھے اور بالآخر میں وہیں سے نکلنے کے بعد دشمن کے ہتھے چڑھا۔ اس سارے کھیل میں اہمیت وقت اور فاصلوں کی نہیں راز داری کی ہے۔ حویلی دور دراز ہے اس لیے ہمارے دشمن اس تک رسائی نہیں رکھتے ہیں جب کہ پنڈی اور اسلام آباد شہر یا آس پاس ہمارے جتنے ٹھکانے تھے بالآخر دشمن ان تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔''

''ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''اب ہو یہ سکتا ہے کہ ہم متبادل ٹھکانے بنائیں اور یہ کام تم کر رہے ہو۔ یہ کوٹھی لے لی ہے۔ اسی طرح ہم نے فارم ہاؤس لیا تھا اور خاصے عرصے تک اسے استعمال کرتے رہے۔ جب خطرہ محسوس ہوا تو اسے چھوڑ دیا۔ اب ہمیں فارم ہاؤس جیسے کرائے کے ٹھکانے تلاش کرتے رہنے چاہئیں۔''

ہم ریستوران سے نکلے تو دسیم موڑ سے پر خاصا آگے نکل چکا تھا اور اب وہ حویلی کے قریب تھا۔ مگر حویلی کے لیے اسے بہت آگے جا کر واپسی کا راستہ ملتا کیونکہ پاس کوئی انٹرچینج نہیں تھا۔ میں اور عبداللہ واپس کوٹھی پہنچ گئے۔ اکرم چشتی کا یوں ہاتھ آنا ہماری بڑی کامیابی تھی اور اب میں مرشد سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ خوش قسمتی سے جب ہم واپس آئے تو کوٹھی پر پی ٹی سی ایل کی ٹیم آئی تھی اور وہ انٹرنیٹ کے لیے براڈ بینڈ کنکشن کر رہے تھے۔ اس کوٹھی میں ٹیلی فون کا کنکشن پہلے سے موجود تھا لیکن فون کاٹ دیا گیا تھا انہوں نے اسی فون کو بحال کیا اور پھر لائن کو براڈ بینڈ کر دیا۔ چند گھنٹوں بعد انہوں نے انٹرنیٹ آن کر دیا تھا۔ وہ وائی فائی روٹر لگا گئے تھے۔ اس سے لیپ ٹاپ سے بغیر کوئی تار لگائے انٹرنیٹ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت براڈ بینڈ آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور اسپیڈ بھی اتنی نہیں تھی لیکن جتنی تھی وہ کام کرنے کے لیے کافی تھی۔ میں نے مانی کا بنایا ہوا انٹرنیٹ کال کا اکاؤنٹ کھولا اور مرشد ہاؤس کا نمبر ملایا۔ نمبر سیکرٹری نے اٹھایا۔

''مرشد سے بات کراؤ۔'' میں نے کہا۔

''شہباز صاحب؟'' سیکرٹری نے میری آواز پہچان لی تھی۔

''مجھے کوئی موبائل نمبر دو جس پر مرشد سے بات ہو سکے۔'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔

''ایک منٹ۔'' اس نے کہا اور پھر مرشد سے بات کی اور کچھ دیر بعد مجھے ایک نمبر نوٹ کرا دیا۔ ''مرشد صاحب اس پر ملیں گے شہباز صاحب۔''

''میں شہباز نہیں ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے کال کرنے والے سافٹ ویئر کا وائس چینجر آن کیا تاکہ مرشد تک میری آواز بدلی ہوئی جائے اور وہ اس کال کو ریکارڈ کر کے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ میں نے نمبر ملایا۔ مرشد نے فوراً کال ریسیو کی۔

''شہباز.....''

''میں کون ہوں تم اچھی طرح جانتے ہو اس لیے نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''تم جانتے ہو جو ہوا اس میں قصور فاضلی کا تھا۔''

''تب فاضلی کو میرے حوالے کر دو۔''

''اسے اس کے کیے کی سزا مل چکی ہے۔'' مرشد نے چالاکی سے جواب دیا۔ ''وہ شدید زخمی ہے اور اب بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی جان بچتی ہے یا نہیں۔''

''مرشد تم حسب عادت جھوٹ بول رہے ہو۔ اگر اس کی حالت اتنی ہی خراب ہے تو اسے اسپتال میں رکھنے کے بجائے مرشد ہاؤس کیوں منتقل کر دیا گیا ہے۔''

''یہاں بھی بہترین ڈاکٹر تمام انتظامات کے ساتھ اس کا علاج کر رہے ہیں۔ اسپتال میں تم لوگوں کی طرف سے اس کی جان کو خطرہ تھا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے چالاکی کا جواب چالاکی سے دیا۔ ''اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو تم ایک ہفتہ پہلے مرحوم ہو چکے ہوتے۔ مرشد اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ اور اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ تمہاری بقا بھی جینے اور جینے دو میں ہے۔ ہم پہلے کی طرح کمزور نہیں رہے ہیں۔ اہمیت تین چیزوں کی ہوتی ہے۔ دولت، طاقت اور انہیں استعمال کرنے کا حوصلہ، یہ تینوں چیزیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس لیے تم اس وقت سے ڈرو جب ہم تمہاری سطح پر آنے کا فیصلہ کر لیں اور وہ وقت زیادہ دور بھی نہیں ہے جو گولی تمہارے کلے میں سوراخ کرتی گزری تھی اگلی بار وہ تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کرے گی۔''

''میں ایسی دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔'' اس نے حوصلے سے جواب دیا۔

''مجھے معلوم ہے تم دھمکیوں سے ڈرنے والے شخص نہیں ہو۔ مگر تم نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت کی ہے کہ اس دنیا کے تمام رنگ و بو اور تمام عیش تمہارے وجود کے دم سے ہیں اگر تم نہ رہے تو یہ سب بے کار ہو جائے گا۔ تم نے جو جمع کیا ہے اس پر دوسرے عیش کر رہے ہوں گے۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں اپنی جمع کی ہوئی دولت پر عیش کروں۔'' اس نے طنز کیا۔ ''تم میرے اتنے [illegible] رہے ہو؟''

''ہاں کیونکہ تم سے میری کوئی براہ راست دشمنی نہیں ہے۔ نادر نے جو کیا تھا وہ اس کے سامنے آ رہا ہے۔ قدرت نے اسے خود سزا دے دی ہے۔ میرا اس سے مزید الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس لیے اب معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم میرا پیچھا چھوڑ دو تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جلد یا بدیر تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ دو طاقتوروں کے درمیان پُرامن بقائے باہمی ہی بہترین پالیسی ہے۔''

''نادر تمہارے پاس ہے؟''

''فرض کرو وہ میرے پاس ہے تب بھی میں نے تمہارا دردسر ہی کم کیا ہے ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہو وہ تمہارے خاندان کے ان لوگوں کی گود میں جانے کے لیے پر تول رہا تھا جو اس گدی پر اب تمہارا وجود مزید برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔''

مرشد نے میرے الفاظ کو تولا اور کہا۔ ''اگر نادر تمہارے پاس ہے تو میں تم سے سودا کرنے کے لیے تیار ہوں تم اسے میرے حوالے کر دو اور میں تم سے دشمنی ختم کر دوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک ہے تم اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر پہلے میرے خلاف تمام مقدمات ختم کرا دو اور جب پولیس سے میرا پیچھا چھوٹ جائے گا تو میں نادر کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"مقدمات کو بنایا جا سکتا ہے لیکن تم جانتے ہو انہیں ختم کرانا آسان نہیں ہے۔"

"بالکل آسان ہے پولیس جس طرح تمہارے اشارے پر ناچ رہی ہے۔ وہ "نئے شواہد" کی روشنی میں عدالت سے میرے خلاف کیسز واپس لینے کی استدعا کرے گی اور کیس چند ہفتوں میں واپس ہو سکتے ہیں۔ اس سارے پروسیس میں کس طرح تیزی لائی جاتی ہے یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تمہارے پاس اچھا موقع ہے ایک مہینے میں تم یہ کام کر سکتے ہو۔ اس کے بعد میں نادر کو تمہارے حوالے کر دوں گا اور تم سکون سے اپنی الیکشن مہم چلا سکتے ہو۔"

وہ انجان بن گیا۔ "کون سی الیکشن مہم؟"

"جس کے لیے تم دن رات ایک کر رہے ہو لیکن اگر تمہیں کچھ دھچکے اور لگے یا تمہارے مزید کچھ کرتوت سامنے آ گئے تو ممکن ہے پارٹی تمہیں ٹکٹ دینے سے انکار کر دے اور تم کٹی پتنگ بن کر رہ جاؤ۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے اپنے مخصوص تکبر بھرے لہجے میں کہا۔ "اگر پارٹی نے مجھے ٹکٹ نہ بھی دیا تب بھی یہ سیٹ میری ہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم اپنی حیثیت میں جیت جاؤ لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو آزاد امیدواروں کو وہ حیثیت نہیں ملتی ہے جو پارٹی کے لوگوں کو ملتی ہے۔ ورنہ تم پارٹی جوائن نہ کرتے۔ بہرحال میرے کہنے کا مقصد ہے کہ اب تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں رہا ہے۔ ان چند مہینوں کے اندر معاملات کو سلجھا سکتے ہو ورنہ اس کے بعد وقت تمہارے ہاتھ سے بھی نکل جائے جیسے ابھی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔"

مرشد خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میری بات اسے قابلِ غور لگی تھی۔ اس سے پہلے بھی کئی بار میری اس سے اس موضوع پر طویل گفتگوئیں ہو چکی تھیں لیکن مرشد کی طرف سے ہمیشہ بدنیتی کے ساتھ بات ہوتی تھی۔ وہ زبان سے رام رام کر رہا ہوتا تھا لیکن اس کی بغل میں ہمیشہ چھری ہوتی تھی۔ اس لیے مجھے کوئی خاص خوش فہمی نہیں تھی کہ وہ شرافت سے معاملات سدھارنے کی کوشش کرے گا۔ وہ کتے کی ایسی دُم تھا جو روزِ اول سے ٹیڑھی تھی اور سو برس نلکی میں رکھنے کے باوجود اس کا سیدھے ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ صرف انتہائی مجبوری کے عالم میں صلح قبول کر سکتا تھا اور فی الحال وہ مجبور ہو رہا تھا اس لیے میری کوشش تھی کہ اس سے فائدہ اٹھا کر میں کم سے کم اپنے مقدمات اس سے ختم کروا لوں۔ دوسری طرف وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہی مقدمات میرے گلے کا پھندہ تھے اور انہی کی وجہ سے میں عام زندگی گزارنے سے قاصر تھا۔ اس لیے وہ آسانی سے راضی نہیں ہوتا۔ اس لیے جب اس نے خاصی دیر بعد اقرار کیا تو میں حیرت سے اچھل پڑا تھا اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے شہباز، میں تیار ہوں۔ میں کل اپنے وکیل کو تمہارے وکیل سے ملنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ وہ دونوں مل کر قانونی معاملہ دیکھ لیں گے لیکن اب ہمارے درمیان جنگ بندی ہو جانی چاہیے۔"

"بالکل، میں بھی اپنا بہت وقت اور اپنا ایک بھائی اس دشمنی کی نذر کر چکا ہوں۔ میرے دوست اپنی معمول کی زندگیوں سے دور ہیں۔"

"دوسرے تم نادر کو فوراً میرے حوالے کرو گے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" میں نے انکار کر دیا۔ "تم پہلے مقدمات ختم کرو یا کم سے کم انہیں ختم کرانے کی پوزیشن میں لے آؤ اس کے بعد ہی نادر تمہارے حوالے کیا جا سکتا ہے۔"

"دیکھو وہ بیمار آدمی ہے اور اسے مستقل علاج کی ضرورت ہے۔" مرشد نے چالاکی سے کہا۔

"تبھی تم نے اسے بے یار و مددگار اور لاوارث چھوڑ دیا تھا وہ بڑی مشکل سے اپنا علاج کرا رہا تھا۔" میں نے طنز کیا۔ "وہ میرا دشمن ہے لیکن تم فکر مت کرو ہم اس کی اچھی ہی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔"

"اچھا ایسا کرو جب ہمارے وکیل آپس میں مل کر ایک فریم ورک بنا لیں تب تم نادر کو آزاد کر دینا۔"

"مرشد وہ میرے پاس بالکل محفوظ اور آرام سے ہے یقین کرو اسے سوئی چبھنے جتنی تکلیف بھی نہیں ہوئی ہے۔ آخر تم اسے واپس لینے کے لیے اتنے بے قرار کیوں ہو؟"

"میرے کچھ خاندانی مسائل ہیں جن کی وجہ سے نادر کی جلد از جلد واپسی لازمی ہے ورنہ مجھے بڑا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔"

غالباً مرشد کے منہ سے پریشانی میں یہ بات نکل گئی تھی۔ نادر کی گمشدگی اس کے خاندان میں مسائل میں اضافہ کر رہی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ اس گمشدگی کو مرشد کے کھاتے میں ڈال کر اس پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ یہ اچھی خبر تھی اس سے مرشد مجبور ہوتا کہ جلد از جلد مجھ سے صلح کر لے۔ صلح کے لیے میں نے اسے بتا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ "مجھے تمہارے خاندانی مسائل سے کچھ لینا دینا نہیں ہے میں تمہیں صلح کے لیے اپنی شرط بتا چکا ہوں میں تم سے کوئی گارنٹی نہیں مانگ رہا اور سچی بات ہے مجھے تمہاری کسی گارنٹی پر اعتبار بھی نہیں ہوگا اس لیے میں صرف ایک شرط رکھ رہا ہوں میرے کیسز ختم کرا دو۔ اب میں تم سے کل رابطہ کروں گا اگر تمہارے وکیل نے ندیم بھٹی سے رابطہ کیا تو۔"

"میری بات سنو....." مرشد نے کہنا چاہا لیکن میں کال کاٹ دی اور ہیڈ فون اتار دیا اور موبائل سے وسیم کا نمبر ملایا۔

"کیا صورتِ حال ہے؟"

"پارسل پہنچ گیا ہے جناب۔" وسیم نے چہک کر کہا۔ "ہم نے حساب کتاب کی تیاری بھی شروع کر دی ہے۔"

"اچھا۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔ "کیا ہو رہا ہے اس کے ساتھ؟"

"خالص پولیس اسٹائل میں اسے الٹا لٹکایا ہے اور مرچوں کی دھونی دینے کی تیاری ہے۔"

"گڈ بس اتنا خیال رکھنا کہ یہ بدبخت دم گھٹ کر نہ مر جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں جناب اسے پتا چلے گا کہ ہم بھی کچھ کم نہیں ہیں۔" وسیم نے جواب دیا وہ بہت خوش تھا۔ "میری درخواست ہے کہ اسے دو دن کے لیے میرے سپرد کریں اس کے بعد ہی آپ اس سے کوئی بات کیجئے گا۔"

"وہ اب بھی تمہارے سپرد ہے اور تمہیں اس کے ساتھ مناسب سلوک کرنے کے لیے کسی سے اجازت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بس آپ دو دن بعد اسے دیکھئے گا آپ بھی عش عش کر اٹھیں گے۔"

مجھے لگ رہا تھا کہ اکرم چشتی کی شامت قریب تھی اور اس نے ساری عمر میں جو کیا تھا شاید وہ اسے دو دن میں بھگتنا پڑے لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ میں انسانیت اور کسی بھی اچھی صفت سے عاری اس شخص سے اپنے ساتھیوں کا موازنہ کر رہا ہوں۔ وہ کسی بھی سطح پر چلے جائیں اکرم چشتی کی سطح پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ تھانوں میں عام پولیس والے سولہ سترہ سال یا اس سے بھی کم عمر کے افراد کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کرتے ہیں اس کی خبریں آئے دن اخبارات اور ٹی وی پر آتی رہتی ہیں۔ تھانوں میں لوگ تفتیش کے آگے ہار مان کر جان بھی دے دیتے کیونکہ ان کے پاس بتانے کے لیے سچ کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے۔ وہ اپنے سچ پر ڈٹے رہتے ہیں جو عقل مند ہوتے ہیں وہ جھوٹا الزام تسلیم کر کے کھال اور جان بچا لیتے ہیں اور اس کے بعد جب معاملہ عدالت میں جاتا ہے تو وہ عام طور سے بری ہو جاتے ہیں۔ وسیم اور اس کے ساتھی اکرم چشتی کے ساتھ وہ سلوک نہیں کر سکتے تھے جو وہ دوسروں کے ساتھ روا رکھتا تھا۔

بہر حال اکرم چشتی کو زندگی میں پہلی بار یہ ضرور پتا چل جاتا کہ تشدد کیا چیز ہوتی ہے خاص طور پر جب آپ پر کیا جا رہا ہو۔ وسیم سے بات کر کے مجھے ایمن کا خیال آیا بہت دنوں سے اس سے بھی رابطہ نہیں تھا۔ فتح خان کی پہنائی بارودی جیکٹ سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ واپس انگلینڈ چلی گئی تھی۔ میرے موبائل میں اس کا نمبر محفوظ تھا لیکن میں نے اسے انٹرنیٹ کی مدد سے کال کی۔ اس نے کال ریسیو کی اور بوجھل لہجے میں ہیلو کہا۔

"ایمن کیسی ہو؟"

"شہباز۔" وہ چونک کر بولی۔ "تم کہاں ہو میں تم سے رابطہ کرنا چاہ رہی تھی لیکن تمہارا نمبر بند جا رہا تھا اور میں نے ای میل بھی کی ہے۔"

"میں حسب معمول غائب تھا کل واپس آیا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تمہیں کیا ہوا تمہارا لہجہ بدلا ہوا ہے۔"

"شہباز میں بہت تکلیف میں ہوں۔" ایمن کہتے ہوئے رو دی تھی۔ "میں اس وقت بھی اسپتال میں ہوں اور ڈاکٹر بھی میری تکلیف کم نہیں کر پا رہے ہیں۔"

"کیا ہوا ہے..... کوئی حادثہ ہوا ہے؟"

"میری زندگی میں ڈیوڈ شا سے بڑا حادثہ اور کیا ہوگا۔" اس نے خود کو سنبھال کر تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ کل مجھ سے ملنے آیا تھا۔"

"ایمن کیا اس نے کچھ کیا ہے؟"

"ہاں یہ اسی کا کیا دھرا ہے لیکن شہباز میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے اس نے کیا کیا ہے۔ میرے بائیں بازو میں ایسا درد ہے جیسے کسی نے میرا بازو آگ میں ڈال دیا ہے اور وہ مستقل جل رہا ہے۔ تکلیف کی شدت میں ایک لمحے کو بھی کمی نہیں آئی ہے۔" وہ پھر رونے لگی۔

میں نے جہاں تک ایمن کو دیکھا تھا وہ بہت حوصلے والی لڑکی تھی۔ جب فتح خان نے اسے بارودی جیکٹ پہنائی تب بھی اس نے بہت حوصلے سے اس صورت حال کا سامنا کیا تھا ورنہ جسم سے لگی موت کا احساس اچھے اچھوں کے حواس اڑا دیتا ہے۔ مگر اس وقت وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی میں نے بمشکل اسے چپ کرایا اور تسلی دے کر اصل کہانی سنی جو اس نے سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان سنائی تھی۔

گزشتہ روز ایمن شام کے وقت لندن میں واقع اپنے فلیٹ میں پہنچی تو اس نے وہاں غیر متوقع طور پر ڈیوڈ شا کو فلیٹ کی نشست گاہ میں موجود پایا۔ اسے دیکھ کر ایمن مشتعل ہو گئی تھی۔ "تم اندر کیسے آئے، تم نے ٹریس پاس کیا ہے۔"

"آرام سے لڑکی۔" ڈیوڈ شا نے اسے گھور کر دیکھا۔ "میں نے کسی چیز کو نہیں چھیڑا ہے اور میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔"

ڈیوڈ شا کے گھورتے ہی ایمن کو لگا جیسے اس کے اندر ابلتے غصے پر کسی نے برف کا ڈھیر الٹ دیا ہو اور وہ لمحوں میں بالکل ٹھنڈی پڑ گئی۔ بلکہ اسے ڈیوڈ شا سے خوف بھی محسوس ہونے لگا تھا جو شخص چوروں کی طرح لاک کھول کر اندر آئے اس کے ارادے اچھے نہیں ہو سکتے تھے کیا وہ اسے مارنے آیا تھا؟ یہ سوچ کر اس کا جسم مزید سرد پڑ گیا کیونکہ آس پاس کے فلیٹ خالی تھے اور یہاں زیادہ تر بوڑھے لوگ رہتے تھے جن سے کسی مدد کی توقع محال تھی اگر وہ مدد کے لیے چلاتی تو شاید کوئی سننے والا بھی نہ ہوتا۔ ڈیوڈ شا نے اس کی کیفیت بھانپ لی اور اس بار نرمی سے بولا۔ "ڈرو مت میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے نہیں آیا ہوں اگر تم میری بات مانو گی تو آنے والی مشکل سے بچ جاؤ گی۔"

"کیسی مشکل؟" ایمن نے ہمت کر کے پوچھا۔ "کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔"

ڈیوڈ شا نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ "تم نے میرے خلاف عدالت میں کیس فائل کرنے کی تیاری کر لی ہے میں چاہتا ہوں تم ایسا نہ کرو اس کے بدلے تم مجھ سے جو چاہے مانگ لو۔"

"مجھے اپنے باپ کی جاگیر اور خطاب واپس چاہیے۔" ایمن نے کہا۔

"وہ تمہیں کسی صورت نہیں مل سکتا چاہے تم اس کے لیے عدالت میں ہی کیوں نہ چلی جاؤ لیکن میں عدالت کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا ہوں کیونکہ ان دنوں میں اپنی زندگی کے اہم ترین کام میں مصروف ہوں۔ اس لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم چاہو تو مجھ سے نقد رقم یا جاگیر جتنی زمین کہیں بھی لے سکتی ہو۔"

ایمن کا حوصلہ لوٹ آیا اس نے انکار کر دیا۔ "مجھے بھیک نہیں اپنا حق چاہیے۔"

"تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔" ڈیوڈ شا کا لہجہ دوبارہ سرد ہو گیا۔ "میں صرف اس خیال سے چلا آیا کہ میرا تم سے ایک رشتہ بھی ہے لیکن تم ایک ہٹ دھرم اور ضدی لڑکی ہو اس لیے اب سزا بھگتو گی۔" یہ کہہ کر ڈیوڈ شا ایمن کی طرف بڑھا وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیوڈ شا اس پر حملہ کرنے والا ہے لیکن پاس آ کر ڈیوڈ شا نے نرمی سے ایمن کا بایاں بازو پکڑا۔ اس نے بازو ایک لمحے کے لیے پکڑا تھا اور پھر چھوڑ دیا۔ اس وقت ایمن نے محسوس کیا کہ کسی سرد سی چیز نے اسے لمس دیا ہو۔ ڈیوڈ شا پیچھے ہٹا اور دروازے کے پاس جا کر اس نے اپنا ہیٹ اور کوٹ اٹھا کر پہنے پھر ایمن کی طرف دیکھا۔ "اگر تمہیں میری پیش کش کا خیال آئے تو میرے گھر کال کر لینا میرا نمبر تمہیں معلوم ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمن نے منہ سے جواب نہیں دیا لیکن دل ہی دل میں اس نے ڈیوڈ شا کی پیش کش پر تھوکا تھا۔ اس کے جاتے ہی ایمن نے دروازہ بند کر کے تمام زنجیریں اور حفاظتی لاک بند کر دیئے تھے۔ اس وقت اسے کچھ محسوس نہیں ہوا تھا البتہ رات تک اسے بازو میں جہاں ڈیوڈ شا نے چھوا تھا لحاتی سوزش ہونے لگی۔ یہ سوزش بس ایک دو لمحے کے لیے ہوتی تھی اور پھر وہ نارمل ہو جاتی۔ ایمن نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی کیونکہ بازو پر بہ ظاہر کوئی نشان بھی نہیں تھا۔ وہ رات سکون سے سو گئی لیکن صبح چار بجے اس کی آنکھ تکلیف سے کھلی اسے لگا جیسے اس کے بازو پر کوئی گرم چیز گری ہو وہ بوکھلا کر اٹھی اور اپنا بازو چیک کیا وہ بالکل نارمل تھا۔ مگر تکلیف شدت کی تھی اور ٹھیک اسی جگہ ہو رہی تھی جہاں ڈیوڈ شا نے اس کا بازو پکڑا تھا۔ اسے خیال آیا کہ یہ ڈیوڈ شا کی حرکت تھی وہ اس کے بازو کے ساتھ کچھ کر کے گیا تھا اور تب ہی اس نے جاتے ہوئے معنی خیز انداز میں اسے پیشکش کی تھی۔

تکلیف اتنی شدید تھی کہ ایمن نے ایمرجنسی کو کال کر دی اور کچھ دیر میں ایمبولینس معہ ڈاکٹر کے وہاں آ چکی تھی۔ ڈاکٹر نے ایمن کے بازو کا معائنہ کیا لیکن اس کی سمجھ میں بھی نہیں آیا کہ یہ کیا چکر ہو سکتا ہے۔ اس نے بہتر سمجھا کہ ایمن کو اسپتال لے جائے جہاں اس کا زیادہ بہتر معائنہ ہو سکتا تھا۔ اسپتال میں چند گھنٹوں کے اندر اس کے بازو کے بے شمار ٹیسٹ ہو گئے تھے۔ اس کا بلڈ اور یورین ٹیسٹ بھی لیا گیا تھا۔ بازو کا ایم آئی آر ہوا مگر نتیجہ صفر نکلا کہیں کوئی خرابی یا ایسی علامت نہیں تھی جو اس تکلیف کی وضاحت کر سکتی۔ مگر ایمن کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر اسے غلط بھی نہیں کہہ سکتے تھے اس کا رنگ تکلیف سے پیلا پڑ گیا تھا اور چہرے سے ہی وہ برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی۔ جب کسی طرح بھی کچھ سامنے نہیں آیا اور تکلیف میں بھی کمی نہیں ہوئی تو ڈاکٹروں نے اسے مارفین کا انجکشن دے کر سلا دیا۔ مگر تکلیف کی شدت سے وہ کچھ دیر بعد ہی ہوش میں آ گئی تھی۔ دوسرا انجکشن بھی بے اثر رہا تو ڈاکٹروں نے مزید انجکشن لگانے سے گریز کیا۔ تکلیف کے ان لمحوں میں ایمن کو میرا خیال آیا اور اس نے اپنے اسمارٹ فون سے مجھے کال کرنے کی کوشش کے ساتھ ای میل بھی کی۔ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتی تھی۔

"میری خوش قسمتی کہ تم نے خود رابطہ کر لیا۔" اس نے اپنی کہانی کے آخر میں کہا۔ "پلیز شہباز کچھ کرو میں مر رہی ہوں۔"

"حوصلہ رکھو میرا خیال ہے یہ ڈیوڈ شا کی شرارت ہے اس کا مقصد تمہیں عدالت میں جانے سے باز رکھنا ہے۔ مجھے یقین ہے اس کے پاس اس تکلیف کا توڑ بھی ہوگا۔"

"لیکن میں اس ذلیل شخص سے بھیک نہیں مانگنا چاہتی ہوں۔"

"اسے بھیک مانگنا نہیں حکمت عملی کہتے ہیں۔ میں فکر مت کرو میں اس سے بات کرتا ہوں۔"

"شہباز میں اسے چھوڑوں گی نہیں اسے عدالت میں ضرور لے کر جاؤں گی۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"دیکھو ابھی تم مشکل میں ہو اس لیے ضد سے کام مت لو اور صبر سے اس وقت کا انتظار کرو جب ڈیوڈ شا کمزور ہو جائے اور پھر تم اپنا کام کر سکو میں نے تمہیں پہلے بھی خبردار کیا تھا وہ بہت خطرناک آدمی ہے وہ صرف مادی لحاظ سے خطرناک نہیں ہے بلکہ اس کے پاس کچھ ایسے علوم ہیں جن کی مدد سے وہ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف کسی کام کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ کسی کو ضرر پہنچا سکتا ہے۔"



"تمہارا مطلب ہے اس نے میرے خلاف بھی کچھ ایسا ہی کیا ہے؟"

"اس کا امکان ہے ورنہ تم خود سوچو کہ ڈاکٹر تمہیں نارمل قرار دے رہے ہیں اور تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں شدید تکلیف ہے۔"

"میں بھی اور ڈاکٹر بھی حیران ہیں یہ کیسی تکلیف ہے جس کی کوئی وجہ سامنے نہیں آ رہی ہے۔"

"اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے ڈیوڈ شا سے بات کرنے دو۔"

"تم اس سے کیا کہو گے؟"

"دیکھو ابھی کچھ سوچا نہیں ہے لیکن تمہاری تکلیف ختم کرانا اصل مقصد ہے۔"

"وہ تم سے اپنی شرائط منوائے گا۔" ایمن نے خدشہ ظاہر کیا۔

"وہ پہلے بھی کئی بار مجھ سے اپنی شرائط منوا چکا ہے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "اس لیے تم اس کی فکر مت کرو۔"

"ٹھیک ہے تم اس سے بات کر کے دیکھ لو۔" ایمن نے بے دلی سے کہا۔ "مجھے نہیں خیال کہ وہ اتنی آسانی سے مانے گا۔"

"میں بات کرتا ہوں۔" میں نے ایمن کو تسلی دی اور کال کاٹ کر ڈیوڈ شا کے گھر کا نمبر ملایا۔ کال اس کے بٹلر نے ریسیو کی اور مشینی لہجے میں بولا۔

"ہوا زدس۔"

"شہباز احمد۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے ڈیوڈ شا سے بات کرنی ہے فوراً۔"

بٹلر کو میرا لہجہ اچھا نہیں لگا اس لیے اس نے روکھے لہجے میں کہا۔ "میں مسٹر شا کو مطلع کرتا ہوں۔"

تقریباً دو منٹ بعد ڈیوڈ شا کی مخصوص سرد آواز ابھری۔ "شہباز تم اس معاملے سے الگ رہو۔"

"تمہیں کیا پتا کہ میں نے کس معاملے میں کال کی ہے؟"

"مجھے معلوم ہے تم نے ایمن کے سلسلے میں کال کی ہے۔ اس ضدی لڑکی کو اپنی ضد کی سزا بھگتنی ہوگی۔"

"ڈیوڈ شا تم بھول رہے ہو وہ تمہارے خاندان سے ہے اس لیے اس میں ضد تو آئے گی۔ بہرحال تمہارا اندازہ درست ہے میں نے ایمن کے سلسلے میں کال کی ہے۔"

"میں نے کہا نا میں اس سلسلے میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا اس سے کہو اگر وہ اپنی تکلیف ختم کرانا چاہتی ہے تو خود مجھ سے بات کرے۔"

"وہ تمہیں کال نہیں کرے گی چاہے وہ تکلیف سے مر کیوں نہ جائے وہ تو مجھے بھی کال کرنے سے روک رہی تھی۔ حالانکہ وہ بہت تکلیف میں ہے۔ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"یہ ایک خاص زہر ہے جو جلد کے ٹشوز میں سرایت کر کے بارہ سے سولہ گھنٹے بعد شدید سوزش اور جلن کا باعث بنتا ہے۔ اس کا کوئی توڑ نہیں ہے اور اسے جلد میں تلاش بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔" ڈیوڈ شا نے صاف گوئی سے بتا دیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ کوئی دوسرا ایمن کی تکلیف دور نہیں کر سکتا تھا چاہے وہ کتنی جدید طبی سائنس سے کام لے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زہر..... وہ مر بھی سکتی ہے؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''نہیں اس سے کوئی مرتا نہیں ہے۔ یہ زہر اصل میں اعصابی خلیوں کو وہ پیغام دینے پر مجبور کرتا ہے جو وہ تکلیف کی صورت میں دیتے ہیں۔ ہوتا کچھ نہیں ہے مگر دماغ کو ایسا پیغام مل رہا ہوتا ہے کہ جسم کے مذکورہ حصے میں بے پناہ تکلیف ہے۔ اگر وہ تکلیف برداشت کر سکتی ہے تو دس سے بارہ دن میں زہر کا اثر ختم ہو جائے گا۔''

''اس کا کوئی توڑ بھی ہوگا۔'' میں نے سوال کیا کیونکہ ڈیوڈ شا خود ہی مجھے زہر کے بارے میں تفصیل سے بتا رہا تھا۔

''توڑ ہے اور اگر ایمن مجھ سے بات کرے اور کیس کو عدالت میں نہ لے جانے کا وعدہ کرے تو میں توڑ بتا سکتا ہوں۔''

''اس کی طرف سے یہ وعدہ میں کرتا ہوں وہ کیس عدالت میں لے کر نہیں جائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''تم جانتے ہو میں وعدہ خلافی کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''میں تمہیں جانتا ہوں لیکن یہ معاملہ میرے اور ایمن کے درمیان میں ہے اس لیے تم اس میں دخل دینے سے گریز کرو۔''

''ڈیوڈ شا میرے بہت سارے معاملات ایسے تھے جن میں تمہیں دخل نہیں دینا چاہیے تھا لیکن تم نے دخل دیا۔ ابھی بھارتیوں کے ساتھ تمہارا جو معاہدہ ہوا ہے میں اس کے بارے میں بھی جانتا ہوں لیکن میں نے تم سے کوئی شکایت نہیں کی ہے۔ اس لیے اگر تم چاہتے ہو کہ ہمارے درمیان آگے بھی اسی طرح کا تعلق رہے تو تمہیں میری دخل اندازی قبول کرنا ہوگی ورنہ تم آئندہ مجھ سے کچھ منوانے کی پوزیشن میں نہیں رہو گے۔ تم نے مرشد کے بارے میں جو گارنٹی دی تھی وہ اس نے مسترد کر دی اس لیے میں بھی اب تمہارے لیے کچھ کرنے کا پابند نہیں ہوں۔''

''مرشد۔'' ڈیوڈ شا نے غالباً دانت پیسے۔ ''اس نے اچھا نہیں کیا ہے۔''

''وہ پہلے بھی اچھا نہیں کرتا رہا ہے اس لیے آئندہ بھی نہیں کرے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہوگئی کہ وہ تمہارے ساتھ اچھا کرے گا؟''

''میں ڈیوڈ شا ہوں۔''

''تم شاید خود کو بہت کچھ سمجھنے لگے ہو لیکن ڈیوڈ شا تم ایک انسان ہو اور موت کے سامنے اتنے ہی کمزور ہو جتنا ایک انسان ہوتا ہے۔'' میں نے اس کی حقیقت بیان کی۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' وہ جھنجھلا گیا۔

''ایمن کا بازو ٹھیک کر دو۔''

''جب تک وہ مجھ سے بات نہیں کرے گی یہ ممکن نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے یہ تم چچا بھتیجی کا معاملہ ہے اس لیے میں اس میں دخل نہیں دے رہا لیکن ڈیوڈ شا اس بات کو یاد رکھنا کہ میں نے تم سے ایک درخواست کی تھی اور تم نے اسے مسترد کر دیا۔''

وہ نرم پڑ گیا۔ ''میں نے مسترد نہیں کیا ہے۔ میں نے اپنی شرط بتا دی ہے۔''



''وہ نہیں مانے گی چاہے یہ تکلیف اس کی جان کیوں نہ لے لے اور وہ مر گئی تو ہمارے درمیان ہمیشہ کے لیے ایک دراڑ آ جائے گی۔''

''تم اس کی اتنی حمایت کیوں کر رہے ہو۔'' ڈیوڈ شا کے لہجے میں شک آ گیا۔ ''کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟''

''ان معنوں میں نہیں جو تمہارے ذہن میں ہے۔ وہ میری بہت اچھی دوست ہے اور ایک بار اس نے میری جان بچائی تھی۔''

''جان تو تم نے بھی اس کی بچائی ہے۔''

''یہ میرا اور اس کا حساب ہے۔ تم اپنی بات کرو۔ ڈیوڈ شا میں جانتا ہوں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اور میں نے بھی تمہیں انکار نہیں کیا ہے لیکن اس کے بدلے تمہیں میرے لیے بھی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔''

''یعنی اگر میں ایمن ٹھیک کر دوں تو تم میرے لیے کام کرو گے۔''

''نہیں میرے اندر کوئی ناقابلِ مزاحمت انکار نہیں آئے گا۔ تم جو چاہتے ہو اس کی اتنی معمولی قیمت لگا کر اپنے مقصد کی توہین مت کرو۔''

ڈیوڈ شا نے چند لمحے سوچا اور پھر گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے۔ شہباز تم ان چند لوگوں میں سے ہو جو مجھ سے کوئی بات منوا سکتے ہیں لیکن یاد رکھنا اس کی ایک حد ہوگی۔''

''تو تم ایمن کی تکلیف ختم کر دو گے؟''

''ہاں چند گھنٹوں بعد اسپتال والوں کو کوریئر سے ایک انجکشن ملے گا اور وہ اسے ایمن کے بازو میں لگا دیں چند منٹ کے اندر اس کی تکلیف ختم ہو جائے گی۔''

''اسپتال والے آسانی سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کے علم میں آئی تو بات آگے تک جائے گی۔''

''ٹھیک ہے میرا آدمی براہِ راست ایمن کے پاس آئے گا وہ اپنا نام پیٹرک بتائے گا اور پھر میرا حوالہ دے گا انجکشن اس کے پاس ہوگا ایمن لگوا لے گی۔''

''دیکھو وہ بھی اتنی آسانی سے نہیں مانے گی اس کے ذہن میں بھی شک ہوگا کہ کہیں اس بہانے اسے زہر نہ دے دیا جائے۔''

''جہنم میں جاؤ تم سب۔'' اس نے چڑ کر کہا۔ ''کیا میں اس وقت اسے زہر نہیں دے سکتا تھا جب اس کے پاس آیا تھا۔''

''ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے قائل ہو کر کہا۔ ''ٹھیک ہے تم اپنا آدمی ایمن کے پاس بھیج دو میں اس سے بات کرتا ہوں۔''

''پولیس کو خبردار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اگر میرے آدمی نے وہاں نگرانی محسوس کی تو وہ خاموشی سے واپس چلا جائے گا اور ایمن کو زہر کا اثر ختم ہونے تک یہ تکلیف بھگتنا ہوگی۔ اگر وہ اس وقت تک زندہ رہی یا اس کا ذہنی توازن درست رہا۔ یہ تکلیف اسے پاگل بھی کر سکتی ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہوگی اور میرے خیال میں تم جیسے آدمی کو پولیس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ پاکستان نہیں برطانیہ ہے۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا اور فون رکھ دیا۔ میں شرمندہ ہو گیا وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ اپنی حکومت کا کتنا ہی اہم آدمی صحیح لیکن وہ کوئی قانون شکنی کرتے ہوئے پکڑا جاتا تو اسے عدالت کا سامنا کرنا پڑتا لیکن یہ میری غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی۔ ساری دنیا میں غلط کاریوں اور قانون شکنی کی جو روایات انگریز چھوڑ کر آئے تھے وہ بالآخر انگلینڈ تک بھی پہنچ گئی ہیں۔ انہوں نے جو کانٹے دنیا میں بوئے تھے اس کی فصل خود ان کے ہاں بھی اگ آئی ہے۔ میں خیالوں سے چونکا مجھے ایمن کو بھی بتانا تھا میں نے اسے کال ملائی تو اس کا نمبر انگیج جا رہا تھا۔ وقفہ غنیمت جان کر میں نیچے آیا اور صوفی سے کافی کا کہا۔

''صاحب اب تو لنچ کا وقت ہو رہا ہے۔''

''ابھی بھوک نہیں ہے تم کافی اوپر بھجوا دو۔ نو شوگر نو کریم۔''

میں اوپر آیا اور ایمن کا نمبر دوبارہ ملایا۔ اس بار بیل جا رہی تھی اس نے کال ریسیو کی۔ ''میری ایک فرینڈ کا فون آیا تھا۔'' اس نے میری آواز سن کر کہا۔ ''اس لیے تمہیں انگیج ملا ہو گا بہت باتونی ہے بڑی مشکل سے جان چھڑائی ہے میں نے۔''

''میری ڈیوڈ شا سے بات ہو گئی ہے۔ اس کا ایک آدمی اسپتال آئے گا اور تمہیں ایک انجکشن لگائے گا بازو میں۔''

''میں کوئی انجکشن نہیں لگواؤں گی۔'' حسبِ توقع اس نے صاف انکار کر دیا۔ ''مجھے اس شخص پر ایک فیصد اعتبار بھی نہیں ہے۔ وہ مجھے مار دینا چاہتا ہے۔''

''اگر وہ تمہیں زہر دینا چاہتا تو تمہارے گھر میں دے سکتا تھا کسی کو پتا بھی نہیں چلتا اور تم دنیا سے گزر جاتیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ اس زہر کا توڑ ہو گا جو اس نے تمہارے ہاتھ پر لگایا ہے۔ انجکشن کے بغیر اثر ختم ہونے میں دس بارہ دن لگ سکتے ہیں کیا تم اتنے دن یہ تکلیف برداشت کر سکتی ہو؟''

''نہیں۔'' اس کی آواز لرز گئی۔ ''میں تو ابھی سے مر رہی ہوں۔''

''تو بس ہمت کرو اور انجکشن لگوا لو وہ آدمی خاموشی سے آئے گا اپنا نام پیٹرک بتائے گا اور ڈیوڈ شا کا حوالہ دے گا۔ اس انجکشن سے چند منٹ کے اندر تمہاری تکلیف ختم ہو جائے گی۔''

بڑی مشکل سے ایمن اس کے لیے راضی ہوئی تھی لیکن اس نے شرط رکھی کہ جب وہ آدمی آئے گا تو وہ مجھے کال کرے گی اور میری کال کے دوران ہی انجکشن لگوائے گی۔ میں نے اسے اپنا موبائل نمبر دے دیا۔ صوفی خود کافی لے آیا تھا۔ لیپ ٹاپ بند کر کے میں نے کافی لی۔ حالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے کبھی ایسا لگتا کہ معاملات سمٹ رہے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کہ جیسے مزید پھیلتے جا رہے تھے۔ اصل مسئلہ میرے کیسز کا تھا وہ حل ہو جاتا تو پھر میں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتا تھا۔ کیسز سے مجھے ندیم کا خیال آیا اور میں نے انٹرنیٹ سے اس کا نمبر ملایا۔ براہِ راست ملانے میں خطرہ [illegible] ہے اس کا نمبر انڈر آبزرویشن ہو اب تو پولیس بھی سرگرمی سے مجھے تلاش کر رہی تھی۔ ندیم نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو کون؟''

''ندیم میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے نام لیے بغیر کہا۔

''میں کون؟ اس طرح تو نیک بیبیاں اپنے شوہر کے لیے بولتی ہیں نام لیے بغیر.....'' ندیم نے کہا تو مجھے خیال آیا میں نے وائس چینجر آن کیا ہوا تھا اسے آف کر کے دوبارہ کہا۔

''ابے میں ہوں تیرا مجازی باپ۔ اتنی جلدی تو لوگ باپ کو نہیں بھولتے ہیں۔''

وہ ہنسا۔ ''اب بولا نا ٹو اپنی اصل خرخر جیسی آواز میں، پہلے تو زکام زدہ گدھے جیسی آواز آ رہی تھی۔''

''بکواس بند کر، یہ بتا کہ یہ نمبر محفوظ ہے۔''

''ہاں بہت سارے موبائلوں میں محفوظ ہے۔''

''ندیم سنجیدہ ہو جا۔'' میں نے جھنجھلا کر کہا۔ ''آج تجھے کامیڈی سوجھ رہی ہے۔''

''ہاں یار محفوظ ہے میں نے کروایا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ٹو کھل کر بات کر سکتا ہے۔''

میں نے اسے اپنے اور مرشد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا اور پھر اس کی رائے پوچھی۔ ''تو نے ٹھیک بات کی ہے، اگر مرشد چاہے اور پولیس پر ٹھیک طریقے سے دباؤ ڈالے تو معاملہ ختم ہو سکتا ہے ایک مہینہ تو نہیں لیکن دو سے تین مہینے میں تیرے سارے کیس غیر مؤثر ہونے اور نئے شواہد کی روشنی میں عدالت سے خارج ہو سکتے ہیں۔''

''اس کے لیے میرا عدالت میں حاضر ہونا ضروری تو نہیں ہو گا؟''

''نہیں وہ تو اگر میں تیری بریت کی درخواست کروں تب ایسا ہونا ضروری ہو گا لیکن یہ مرشد بڑی حرامی چیز ہے تجھے یقین ہے وہ واقعی کیسز ختم کرانے میں سنجیدہ ہے؟''

''یہ کہنا تو اتنا ہی مشکل ہے جتنا کتے کی دُم کے بارے میں یقین سے کہنا کہ وہ سیدھی ہو سکتی ہے۔ بہرحال اس کی گوٹ پھنسی ہے اور ممکن ہے وہ سچ مچ مان جائے اس کا وکیل کل کسی وقت تجھ سے رابطہ کرے گا۔ اس سے پتا چلے گا کہ اس کی اصل نیت کیا ہے۔''

''اگر اس کے وکیل نے رابطہ کر لیا تو اس کا مطلب ہو گا کہ مرشد واقعی سنجیدہ ہے۔'' ندیم نے کہا۔ ''فقیر والا کیس تو ختم ہو گیا ہے۔ اب تجھ پر اصل کیس نادر علی پر حملے کا ہے۔ دوسرا کیس مرشد کی کوٹھی کی تباہی کا تھا جس میں سات ملازمین سمیت چار پولیس اہلکار بھی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ مگر اس کیس میں جان نہیں ہے مسئلہ وہی ہے۔ اسے دہشت گردی ایکٹ کے تحت درج کیا ہے اور پولیس اوپر سے دباؤ کی وجہ سے سرگرم ہے کہ ایک بار ٹو اس کے شکنجے میں آ جائے۔ عدالت میں اصل کیس نادر والا ہی ہے۔''

''ایف آئی آر مرشد نے خود درج کرائی ہے؟''

''نہیں اس کے ایک ملازم نے جو بہ قول اس کے اس وقت کوٹھی کے پاس موجود تھا اور اس نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو کوٹھی پر حملہ کرتے اور اسے آگ لگاتے دیکھا تھا۔ وہ چشم دید گواہ بھی ہے۔''

''وہ جھوٹا ہے وہاں موجود ہر فرد مارا گیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن بھائی یہاں تو جھوٹ سچ ہوتا اور جو سچ ہوتا ہے اسے جھوٹ قرار دیا جاتا ہے۔'' ندیم نے کہا۔ ''بہرحال ٹو فکر نہ کر میں یہ معاملہ دیکھ لوں گا۔''

کافی پی کر مجھے بھوک لگنے لگی تھی میں نیچے آیا اور باورچی کو کھانا لگانے کو کہا۔ عبداللہ حسبِ معمول غائب تھا میں نے اکیلے کھانا کھایا اور پھر اوپر آ گیا۔ اب مجھے ایمن کی کال کا انتظار تھا۔ اسی انتظار میں بیڈ پر لیٹے لیٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی وقت آنکھ لگ گئی۔ پھر موبائل کی بیل سے آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی۔ نمبر ایمن کا تھا میں نے جلدی سے کال ریسیو کی۔ میری آواز سنتے ہی وہ مرتعش لہجے میں بولی۔ ''شہباز وہ آ گیا ہے۔''

''اپنا نام کیا بتایا ہے؟''

''پیٹرک اور ڈیوڈ شا کا حوالہ بھی دیا ہے۔'' ایمن بولی۔

''اس سے میری بات کراؤ۔''

کچھ دیر بعد فون پر ایک اکھڑ آواز آئی۔ ''کیا بات ہے؟''

''تمہیں ڈیوڈ شا نے بھیجا ہے۔''

''ہاں مجھے اس عورت کو ایک انجکشن دینا ہے۔''

''میری بات غور سے سنو اگر اس انجکشن میں کوئی گڑبڑ ہے تو یقین رکھو تم اس اسپتال سے زندہ باہر نہیں جا سکو گے۔''

''کیا بکواس ہے۔'' اس نے بگڑ کر کہا۔

''اسپتال سے باہر ایک اسنائپر موجود ہے اور اگر تم نے میری اجازت کے بغیر یہاں سے جانے کی کوشش کی تو باہر نکلتے ہی وہ تمہاری کھوپڑی اُڑا دے گا۔'' میں نے اس کی بات نظر انداز کر کے غلط بیانی کی۔

''اچھا اسے کیسے پتا چلے گا کہ میں ہی وہ شخص ہوں۔''

''کیونکہ وہ یہاں چھپے ایک کیمرے کی ویڈیو دیکھ رہا ہے اور اس نے تمہیں اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔'' میں نے غلط بیانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''اس لیے جو کرنا ہے سوچ سمجھ کر کرنا اور تم اس وقت یہاں سے واپس جا سکو گے جب ایمن کے ہاتھ کا درد ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ کچھ ہوا تو میں تمہیں نتائج سے آگاہ کر چکا ہوں۔''

''مجھے دھمکیاں مت دو۔'' اس نے بدمزگی سے کہا۔ ''یہ زہر کا توڑ ہے۔''

''ٹھیک ہے سیل فون ایمن کو دو۔'' میں نے کہا تو اس نے موبائل ایمن کو واپس کر دیا۔ ''ایمن تم انجکشن لگوا لو۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''کچھ نہیں ہوگا اس لیے ڈرو مت۔''

ایمن نے اسے انجکشن لگانے کی اجازت دے دی اور چند لمحے بعد اس کی سسکی سنائی دی۔ ''اس نے انجکشن لگا دیا ہے۔''

''کیسا محسوس ہو رہا ہے؟''

''پتا نہیں لیکن تکلیف کم ہو رہی ہے۔''

پیٹرک کی ہلکی سی آواز آئی۔ ''فکر مت کرو صرف تین منٹ میں تمہاری تکلیف مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔''

واقعی ایسا ہی ہوا تھا تین منٹ بعد ایمن نے کہا۔ ''شہباز میری تکلیف بالکل ختم ہو گئی ہے یقین ہی نہیں آ رہا ہے کہ چند منٹ پہلے میں مر رہی تھی۔''



''ڈیوڈ شا نے بھی یہی کہا تھا۔''

پیٹرک کی آواز آئی۔ ''تمہارا کام ہو گیا ہے کیا اب مجھے جانے کی اجازت ہے۔''

''یہ جانے کو کہہ رہا ہے۔'' ایمن بولی۔

''نہیں اس سے کہو ابھی پندرہ منٹ اور رکے، میں انجکشن کے بارے میں مکمل اطمینان چاہتا ہوں۔''

ایمن نے اسے پندرہ منٹ رکنے کے لیے کہا تو وہ بگڑ گیا۔ ''میں خطرہ مول لے کر اندر آیا ہوں سب سے چھپ کر اور کوئی ڈاکٹر یا اسپتال کا کوئی آدمی آ گیا تو میں مشکل میں پڑ جاؤں گا۔''

''تم فکر مت کرو میں تمہیں اپنا ملاقاتی قرار دوں گی۔'' ایمن نے ہوشیاری سے اس کا اعتراض مسترد کر دیا۔ ''صرف پندرہ منٹ کی تو بات ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن اس کے بعد میں یہاں نہیں رکوں گا۔'' اس نے غرا کر کہا۔ ایمن اٹھ بیٹھی تھی اس نے مجھ سے کہا۔

''شہباز ڈیوڈ شا نے زہر کیسے میرے بازو میں داخل کیا ہوگا؟''

''میں بتاتا ہوں۔'' پیٹرک بولا۔ ''یہ چھونے سے بھی جلد میں سرایت کر جاتا ہے اسے کوئی بھی ہاتھ میں لے کر لگا سکتا ہے۔''

''لیکن پھر اسے بھی اس کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' ایمن نے کہا تو پیٹرک نے جواب دیا۔

''جس کے پاس یہ انجکشن ہے اسے کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے ڈیوڈ شا نے زہر اپنے ہاتھ پر لگا رکھا تھا جب اس نے تمہارا بازو پکڑا تو زہر تمہاری جلد میں سرایت کر گیا اور بارہ گھنٹے بعد اس نے اثر کیا۔''

پندرہ منٹ پورے ہوتے ہی پیٹرک کھڑا ہو گیا۔ ''اب میں جا رہا ہوں۔''

اس کے جانے کے بعد ایمن نے کہا۔ ''شہباز اب میں بالکل ٹھیک ہوں حیرت کی بات ہے کہ انجکشن کا نشان بھی نہیں آیا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہاری کھال موٹی ہے ورنہ مرمریں جلد پر تو چھونے سے بھی نشان آ جاتا ہے۔''

''جی نہیں ایسی نہیں ہے میری جلد۔'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''کیا تم نے مجھے دیکھا اور چھوا نہیں ہے۔''

''ہاں خوش قسمتی سے یہ دونوں کام کیے ہیں۔''

''تب ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟''

''مذاق کر رہا تھا مجھے خوشی ہے تمہاری تکلیف ختم ہو گئی۔''

''شہباز یہ تمہارا مجھ پر ایک اور احسان ہے۔'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا اور کیونکہ میں اس سے کوئی چار پانچ ہزار میل کے فاصلے پر تھا اس لیے اس نے فون کے ساتھ ایک پُرشور حرکت کی۔ میں نے بوکھلا کر کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے تم میری دوست ہو اور دوستی میں احسان نہیں ہوتا ہے۔''

''پھر بھی میں اسے احسان ہی کہوں گی کاش کہ تم میرے سامنے ہوتے۔'' اس نے مزید جذباتی ہو کر کہا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اس کے سامنے نہیں تھا ورنہ نہ جانے کیا کر گزرتی۔ وہ ایک کھلی ہوئی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے باک تہذیب کی پروردہ تھی۔ مجھے یاد ہے پہلی بار جب میں نے فتح خان کی خونخوار محبوبہ شینا سے اسے بچایا تھا تو اس نے میرا منہ چوم لیا تھا حالانکہ وہ ہماری پہلی ملاقات تھی۔ یہ کام اس نے بنا کسی جھجک یا شرم کے کیا تھا کیونکہ اس کی تہذیب میں یہ شکریے کا ایک انداز تھا۔ اس کے پیچھے جنس کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں تھا۔ مگر اس وقت اس کا انداز بڑا خطرناک تھا۔ اس لیے میں نے موضوع بدل دیا۔

''ایمن اب تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے پہلی بات تو یہ کہ میں نے ڈیوڈ شا سے وعدہ کیا ہے کہ تم اس کے خلاف عدالت میں نہیں جاؤ گی۔''

''صرف تمہاری خاطر میں یہ بات مان لیتی ہوں۔'' اس نے سرد آہ بھر کر کہا۔

''دوسرے یہ کہ تم ڈیوڈ شا سے دور رہو گی۔ اپنے فلیٹ کے لاک چینج کراؤ اور وہاں کوئی الارم یا خفیہ کیمرہ لگاؤ جو آنے جانے والوں کو ریکارڈ کر سکے۔''

''یہ اچھا مشورہ ہے میں ایسا ہی کروں گی۔''

''اور ہو سکے تو کچھ دن کے لیے ملک سے باہر چلی جاؤ۔''

وہ ہنسی۔ ''یہ بھی ہو جائے گا کیونکہ سائبیریا میں ایک ڈاکومینٹری بنانی ہے ہم پندرہ اپریل کو روانہ ہو رہے ہیں اور تقریباً ایک مہینے بعد واپسی ہو گی۔''

''یہ تمہاری ڈاکومینٹری ہے؟''

''نہیں یہ ایک ساتھی کی ہے میں کو پروڈیوسر اور میزبان ہوں۔''

''ٹھیک ہے اس بہانے تم یہاں سے چلی جاؤ۔''

''کیا تم میرے لیے خطرہ محسوس کر رہے ہو؟''

''ہاں مجھے محسوس ہوا کہ ڈیوڈ شا بلاوجہ حرکت میں نہیں آیا ہے۔ یہ ظاہر اس نے تمہیں شکار کیا ہے لیکن درحقیقت اس نے مجھ سے رابطہ کیا ہے۔ ورنہ وہ اتنی آسانی سے تمہاری تکلیف ختم کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔''

''کیا اسے معلوم تھا کہ تم اس سے رابطہ کرو گے؟''

''ہاں اسے معلوم ہے کہ تکلیف کا شکار ہونے کے بعد تم مجھ سے رابطہ کرو گی اور میں اس سے بات کروں گا۔''

''یعنی اس نے مجھے چارے کی جگہ استعمال کیا ہے۔'' وہ خفا ہو گئی۔

''اسے شکار کی زبان میں گارا بھی کہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''شیر کو شکار کرنے کے لیے کوئی بکری یا دوسرا جانور کہیں باندھ دیا جاتا ہے جب شیر اسے مار کر کھانے آتا ہے تو مچان پر بیٹھا شکاری اسے شکار کر لیتا ہے۔''

''یعنی میں بکری ہوں، تم شیر ہو اور ڈیوڈ شا شکاری ہے۔''

''تقریباً ایسا ہی سمجھو بس ذرا سا فرق ہے کہ میں تمہارا شکار کرنے نہیں آیا بلکہ ہمدردی میں آیا اور ڈیوڈ شا کا مقصد پورا ہو گیا۔''

''وہ آخر تم سے چاہتا کیا ہے؟''

''اس کے دماغ میں وہی سودا سمایا ہوا ہے جو تمہارے دادا کے دماغ میں سمایا تھا یعنی وادی تک جانے کا



اور وہاں کے عجائبات حاصل کرنے کا نیز وادی کی دریافت کا سہرا اپنے سر باندھنے کا۔ اس کے علاوہ بھی ڈیوڈ شا کے کچھ مقاصد ہوں تو مجھے ان کا علم نہیں ہے۔''

''تم نے سب تو بتا دیا۔''

''ڈیوڈ شا ولیم شا کے مقابلے میں مختلف سوچ کا مالک ہے۔ ولیم شا کی سوچ تو آبادیاتی تھی لیکن ڈیوڈ شا کی سوچ سازشی ہے۔ ولیم شا سپاہی تھا اور ڈیوڈ شا ایک ایجنٹ ہے جو ملکوں میں انتشار برپا کرتا ہے اور قوموں کے خلاف سازشیں کرتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ ابھی تم بھگت چکی ہو۔''

''تم کہہ رہے تھے کہ وہ جادو بھی جانتا ہے۔''

''ہاں وہ اس معاملے میں بھی دخل رکھتا ہے لیکن تم پر اس نے زہر آزمایا تھا۔''

''وہ تمہیں اس وادی تک لے جانا چاہتا ہے؟''

''ہاں کیونکہ بہ قول اس کے اور راجا عمر دراز کے، وادی میں داخلے کی کنجی میں ہوں جو مجھے وہاں لے جائے گا اسے وادی میں داخل ہونے کا راستہ مل جائے گا اور اگر مجھے نہ لے جایا گیا تو وہ ناکام ہو جائیں گے۔''

''شہباز یہ تو میرے لیے بھی ایک اچھا ٹاپک ہے اگر میں اس وادی کو دنیا کے سامنے لے آؤں تو میں ایک دن میں ساری دنیا میں مشہور ہو جاؤں گی۔''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا میں اسے مخالفت یا موافقت کا کوئی تاثر دینا نہیں چاہتا تھا۔ ''تم نے سوچا نہیں یہ اتنا ہی آسان ہوتا تو ڈیوڈ شا جیسا بے انداز وسائل رکھنے والا شخص اب تک وادی اور اس کے عجائبات کو دنیا کے سامنے نہ لا چکا ہوتا۔''

''ممکن ہے اس کی کچھ مجبوریاں ہوں۔''

''ہو سکتا ہے لیکن ایمن اس وادی کی طرف جانا موت کے منہ میں جانے کے مترادف ہے۔ راستہ نہایت دشوار گزار ہے۔ وادی تک فضا سے رسائی بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ وہاں کا موسم ناقابلِ اعتبار ہے۔ ہیلی کاپٹر اتنی بلندی پر نہیں جا سکتا ہے اور طیارے کے وہاں اترنے کی گنجائش نہیں ہے۔''

''یعنی صرف زمینی راستے سے وہاں جایا جا سکتا ہے؟''

''بالکل اور اسے تم کے ٹو یا ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے برابر دشوار سمجھو بلکہ نانگا پربت جتنی دشوار سمجھو۔''

''تم مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں شک تھا۔

''نہیں حقیقت بیان کر رہا ہوں راجا عمر دراز دو بار اس وادی کی طرف جا چکا ہے اور میں نے اس کی زبانی وادی کی کہانی سنی ہے۔''

''وہ بھی تو وہاں جانا چاہتا ہے۔''

''ہاں لیکن اس کی عمر بہت ہو گئی ہے اور وہ بیمار بھی ہے۔'' میں نے جواب دیا میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ایمن کو راجا کی اصل بیماری کے بارے میں بتاؤں۔ ''اس کی طرف سے اب کسی کوشش کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''مجھے شک ہے۔'' ایمن نے صاف گوئی سے کہا۔ ''میں نے راجا عمر دراز کو دیکھا ہے اور وہ انتہائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مستقل مزاج اور اپنی ضد پر اڑا رہنے والا شخص ہے اگر اسے معلوم ہو کہ اس کی زندگی بس چند گھنٹوں کی رہ گئی ہے تب بھی وہ اپنی وادی کی طرف جانے کی خواہش سے باز نہیں آئے گا۔''

میں نے دل میں تسلیم کیا کہ وہ درست کہہ رہی تھی۔ کینسر کے موذی مرض میں مبتلا راجا عمر دراز ابھی بھی اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح میں مان جاؤں اور وہ مجھے لے کر وادی کی طرف روانہ ہو جائے۔ اس کے لیے وہ میری ہر طرح کی مدد کے ساتھ نہایت صبر و سکون سے اس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب میں اپنے مسائل پر قابو پا لوں۔ اس نے ایک بار بھی مجھ پر اپنے احسان جتانے یا ان کا صلہ چاہنے کی کوشش نہیں کی تھی اس کے برعکس اس کے انداز میں مجھے اپنے لیے غرض کے بجائے خلوص نظر آتا تھا۔ میں نے ایمن سے بحث کرنے سے گریز کیا۔

''یہ بتاؤ پاکستان آنے کا ارادہ ہے؟''

''نہیں آج کل وہاں حالات غیر ملکیوں خاص طور سے سفید فاموں کے لیے اچھے نہیں ہیں۔ کچھ ڈاکو میسکریز کا پروگرام تھا لیکن وہ بھی ملتوی کر دیا گیا ہے۔''

''حالات واقعی اچھے نہیں ہیں۔ مگر یہ تم لوگوں کی ہی مہربانی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چمک کر بولی۔

''مطلب یہ کہ پہلے انگریز یہاں مسائل چھوڑ گئے اور اس کے بعد رہی سہی کسر امریکہ اور روس کی آپس کی جنگ نے پوری کر دی۔ اب امریکہ خود براہِ راست یہاں موجود ہے لیکن حالات سدھرنے کے بجائے مزید خراب ہوتے جا رہے ہیں۔''

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن تم لوگوں کو خود بھی اپنی بہتری کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔''

''کاش کہ جو اخلاقیات تمہارے معاشرے میں نظر آتی ہے جہاں کوئی اخبار فٹ پاتھ سے رقم رکھے بغیر نہیں اٹھاتا ہے اور آدھی رات کو اکیلا ڈرائیور بھی سگنل پر رک جاتا ہے۔ یہی اخلاقیات تم لوگوں کی بین الاقوامی سیاست میں نظر آتی تو آج دنیا جنت ہوتی۔''

ایمن نے برا مان کر کہا۔ ''تم لوگ سارا الزام مغرب ہی کو کیوں دیتے ہو۔''

''کیونکہ طاقتور مغرب ہے اور یہ اس کی ذمے داری ہے کہ کمزور ممالک کو ترقی میں مدد دے نہ کہ ان کے خلاف سازشیں کرے اور پولیس افسر کے بجائے ڈاکو کا کردار ادا کرے۔ ہم کمزور ہیں اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایسا کریں تو اسے دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے۔ اپنے ملک میں ایک کرپٹ وزیر برداشت نہ کرنے والے ممالک ہمارے ہاں کرپٹ ترین حکومتوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ان کو آشیر باد دیتے ہیں اور جب وہ اقتدار سے اتر کر چوروں کی طرح ملک سے رخصت ہوتے ہیں تو انہیں اپنے ہاں پناہ دیتے ہیں۔ تیسری دنیا کے کرپشن سے لوٹے گئے کھربوں ڈالرز کہاں محفوظ ہیں؟ ہر بادشاہ، ہر آمر اور ہر نام نہاد جمہوریت پسند اپنے ملک سے بھاگ کر کہاں پناہ حاصل کرتا ہے۔''

''اوکے..... اوکے۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''یہ بین الاقوامی سیاست ہے جس سے میرا یا تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''مس ایمن شاہ تعلق تو عراق کی عوام کا صدام کے جرائم سے بھی نہیں تھا انہوں نے اسے منتخب نہیں کیا تھا



اس کے باوجود انہیں گزشتہ دس سال سے اس بات کی سزا بھگتنا پڑ رہی ہے۔ اس کے برعکس مغرب کے تم جیسے لوگ جو اپنے سیاست دانوں کو اس طرح منتخب کرتے ہو جیسے ہم جوتے یا کپڑے منتخب کرتے ہیں تو تم لوگ ان کے کیے سے کیسے بری الذمہ ہو سکتے ہو؟''

وہ زبردستی ہنسی۔ ''کیا ہو گیا ہے تمہیں..... آج تم مختلف لگ رہے ہو۔''

میں نے گہری سانس لے کر اپنے اعصاب کا بوجھ کم کیا۔ ''سوری... میرے مسائل اور میرے ملک کے مسائل بڑھ رہے ہیں اور بہ ظاہر دونوں کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا ہے۔ شاید اسی لیے میں فرسٹریٹ ہو رہا ہوں۔ ایمن ایک بات میں پوری سنجیدگی اور خلوص سے کہہ رہا ہوں اگر مغرب میں افراد نے اسی طرح اپنی حکومتوں کو بین الاقوامی معاملات میں کھلی چھوٹ دے کر رکھی تو وہ دن دور نہیں ہے جب ان کی دنیا میں لگائی آگ خود ان کے گھر کا رخ کرے گی اور اس وقت تم لوگ کسی کو الزام نہیں دے سکو گے۔''

''سچی بات ہے میں اور دوسرے بہت سارے لوگ اس بات کو محسوس کرتے ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے ہم بعض معاملات میں تم لوگوں سے بھی زیادہ بے بس ہیں۔ تمہارے پاس عمل کرنے کی دوسری راہیں ہوتی ہیں لیکن ہمارے پاس اس کے سوا کوئی راہ نہیں ہے جو پہلے سے طے کر دی گئی ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو ہم وہ خوش قسمت ملت ہیں جس میں کوئی کام غلط ہو رہا ہو تو کچھ نہ کچھ لوگ تھ کرا سے غلط ضرور کہتے ہیں اور اسے روکنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔''

''شکر ہے تم سمجھ گئے۔ ہم اس چیز سے محروم ہیں۔ ہم جانتے ہوئے بھی غلط کو غلط نہیں کہہ سکتے اور اپنے دائرے سے ہٹ کر اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔'' ایمن نے کہا۔ ''اب میں ڈنر سے بات کرنے جا رہی ہوں کہ میں ٹھیک ہوں اور وہ مجھے ڈسچارج کر دیں۔''

''میرا خیال ہے ٹھیک ہونے پر بھی تمہارے ٹیسٹ لیے جائیں گے کہ تم بیٹھے بٹھائے ٹھیک کیسے ہو گئیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے اپنا خیال رکھنا بائے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ مجھے افسوس ہونے لگا کہ میں نے ذرا سخت لہجے میں بات کی تھی۔ بہرحال اب تو کر دی تھی۔ میں نے ٹیپ ٹاپ آن کر کے ڈیوڈ شا کو کال کی۔ کال بلر نے ریسیو کی اور مجھے رکھائی سے اطلاع دی کہ مسٹر ڈیوڈ شا گھر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے میں پوچھتا کہ وہ کب تشریف لائیں گے اس بدتمیز نے فون رکھ دیا۔ میں نے دل ہی دل میں اسے سنائیں کہ تم اور تمہارا آقا دونوں جہنم میں جائیں میں تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ وہ اس کا مستحق نہیں تھا۔ شام ہو چکی تھی کچھ دیر بعد عبداللہ نے دستک دی اور اندر آیا۔ وہ چائے لے آیا تھا۔

''تم نے کیوں زحمت کی ملازم سے بھجوا دیتے۔''

''زحمت کیسی جناب، آپ کی خدمت کر کے خوشی ملتی ہے۔'' اس نے ٹرے میرے سامنے رکھی جس میں تازہ سموسے بھی تھے۔ ''دل پسند کے ہیں جناب ایسے سموسے پورے ملک میں کہیں نہیں ملتے ہیں۔''

''یہ تو ہے۔'' میں نے کہا اور سموسوں سے انصاف کرنے لگا۔ ''تم کیا سموسے لینے گئے تھے؟''

''نہیں جناب، کام سے نکلا تھا راستے میں یہ بھی آ گئے تو لیتا آیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کام کیا تھا؟"

"راجا صاحب نے کوٹھی فروخت کرنے کا حکم دیا ہے۔"

میں چونک گیا۔ "کوٹھی فروخت کرنے کا حکم دیا ہے لیکن کیوں؟"

"میں ایک ملازم ہوں راجا صاحب سے کسی فیصلے کی وجہ کیسے معلوم کر سکتا ہوں؟" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ راجا صاحب کوٹھی اس لیے فروخت کر رہے ہیں کہ وہ دشمن کی نظر میں آ چکی ہے یا کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے؟"

"میرا خیال ہے یہی وجہ ہے کیونکہ سنا ہے راجا صاحب کسی اور توسط سے اسلام آباد میں ہی نئی کوٹھی خرید رہے ہیں لیکن اس کے بارے میں مجھے پتا نہیں ہے۔"

"راجا صاحب کا یہاں بزنس کیا ہے؟"

"رئیل اسٹیٹ کا بزنس ہے۔ پورے اسلام آباد میں ان کی کئی جائیدادیں ہیں جو کرائے پر ہیں میری ذمے داری اصل میں ان کے منیجر کی ہے۔ میں کرایہ جمع کرتا ہوں اور جائیداد کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ ایک ہوٹل بھی ہے لیکن وہ میرے ماتحت نہیں آتا ہے میں صرف اس کی ماہانہ رپورٹ تیار کرتا ہوں۔"

مجھے یہ تو معلوم تھا کہ راجا عمر دراز نہایت دولت مند آدمی ہے لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اسلام آباد میں بھی اس کا اتنا بڑا اسیٹ اَپ ہے۔ عبداللہ نے اس کی جائیدادوں کی جو لوکیشن اور دوسری تفصیلات بتائی تھیں ان سے پتا چلتا تھا کہ ان کی مالیت اربوں میں ہے۔ راجا عمر دراز کا ہوٹل ویسے تو تھری اسٹار تھا لیکن معیار میں وہ کسی فائیو اسٹار سے کم نہیں تھا۔ ظاہری سی بات ہے اس نے کوٹھی فروخت کرنے کا ارادہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ اسے رقم کی ضرورت تھی وہ اسے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے فروخت کر رہا تھا۔ عبداللہ اس پر کچھ افسردہ تھا کیونکہ وہ گزشتہ کئی سالوں سے وہاں رہتا آیا تھا اور اس جگہ سے انسیت ہو گئی تھی۔ شام کے وقت آسمان پر کچھ بادل آئے تھے اور سورج غروب ہونے کے بعد ہلکی سی بارش ہونے لگی۔ بارش زیادہ تیز نہیں تھی لیکن اس کی وجہ سے موسم اچانک سرد ہو گیا۔

"اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟" عبداللہ نے پوچھا۔

"کل صبح حویلی کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔ میں اکرم چشتی سے ملاقات کے لیے بے چین ہوں اور پھر نادر سے بھی بات کرنی ہے۔"

"آپ کے سامنے جانے سے حقیقت کھل جائے گی۔"

"حقیقت کھل چکی ہے۔" میں نے کہا۔ "میں نے مرشد کو بتا دیا ہے کہ اس کا بھائی میرے پاس ہے اور وہ نادر کی واپسی کے لیے سمجھوتا کرنے کو تیار ہو گیا ہے۔"

"واقعی؟" عبداللہ حیران ہوا۔

میں نے اسے تفصیل سے اپنی اور مرشد کے درمیان ہونے والی گفتگو سنائی پھر بر سبیل تذکرہ ایمن اور ڈیوڈ شا کے بارے میں بھی بتایا۔ عبداللہ نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ "جناب اگر آپ کے خلاف کیس ختم ہو جائیں



تو سمجھ لیں آپ آدھی بازی جیت لیں گے۔"

"یہ سوچ کر میں نے نادر کی تحویل کا اقرار کر لیا ہے اب میں نادر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں بھی چل سکتا ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" میں نے کہا۔ "ہم صبح سویرے نکلیں گے جب لوگ دفتروں اور کام پر جانے کے لیے نکلتے ہیں۔"

"اس وقت رش زیادہ ہوتا ہے۔" عبداللہ مسکرایا۔ "کسی ایک آدمی یا گاڑی پر توجہ دینا مشکل ہوتا ہے۔"

"ہاں اس وقت پولیس یا ٹریفک والے بھی گاڑیاں کم روکتے ہیں کیونکہ ہر شخص کو جانے کی جلدی ہوتی ہے۔"

"یہی ٹائم ہے ہمارے شہر سے نکلنے کا ورنہ مجھے یقین ہے پولیس اب بھی مستعد ہو گی۔ کل کچھ دہشت گردوں کی شہر میں موجودگی کی اطلاع ملی تھی اس وجہ سے پولیس کل اور آج چوکس تھی۔"

○.....❖.....○

میں دوپہر میں سو لیا تھا اس لیے رات کے کھانے کے بعد ٹیرس میں چہل قدمی کرتا رہا۔ بارش کی ہلکی سی پھواروں کے ساتھ یخ ہوا کے جھونکے بھی آ رہے تھے لیکن اس وقت برے نہیں لگ رہے تھے۔ کیونکہ میں نے شال لے لی تھی۔ اگر عام لباس کے ساتھ باہر آتا تو ہوا کے جھونکے اتنے اچھے نہیں لگتے۔ جب نیند کا خیال آیا تو اندر آیا۔ گرم پانی سے نہانے کے بعد سونے کے لیے لیٹ گیا۔ گزشتہ دنوں جو ذہنی و جسمانی سختیاں برداشت کی تھیں اب ان کے اثرات تقریباً ختم ہو چکے تھے۔ مسلسل آرام اور بہترین خوراک نے میری ذہنی و جسمانی توانائیاں بحال کر دی تھیں۔ اب میں کسی بھی مہم جوئی کے لیے بالکل تیار تھا۔ صبح میری آنکھ خود بہ خود سورج نکلنے سے پہلے کھل گئی اور میں نے مناسب سمجھا کہ ناشتے سے پہلے کچھ ایکسرسائز کر لوں۔ لان میں زیادہ سے زیادہ چہل قدمی کی جا سکتی تھی اس لیے میں نے کمرے میں ہی کچھ ورزشیں کیں اور پھر واش روم سے فارغ ہو کر نیچے آیا تو عبداللہ بھی تیار موجود تھا۔ میں نے اکثر اسے جاگتے ہوئے اور چاک و چوبند ہی دیکھا تھا آرام کرتے کم پایا تھا اور وہ بھی مختصر وقت کے لیے۔ وہ عام طور سے رات دیر تک جاگتا تھا اور صبح جلدی اٹھ جاتا تھا۔ عبداللہ نے پوچھا۔ "آپ تیار ہیں؟"

"بالکل..... ناشتہ کرتے ہی نکلتے ہیں۔"

لیکن ناشتے کے دوران ہی عبداللہ کو اسٹیٹ ایجنٹ کی کال آ گئی۔ "ہیلو..... موجود ہوں..... کس وقت..... اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے کال کے بعد میری طرف دیکھا۔ "مسئلہ ہو گیا ہے جناب..... کوٹھی کا ایک خریدار اب سے دو گھنٹے بعد کوٹھی دیکھنے آ رہا ہے میرا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔"

"کوئی بات نہیں تم چلے جاؤ، میں ابھی روانہ ہوتا ہوں تم بعد میں آ جانا۔"

"یہ ٹھیک رہے گا آپ کون سی گاڑی میں جانا پسند کریں گے۔"

"یہاں مجھے کوئی بائیک نظر نہیں آ رہی ہے اس لیے کوئی کار لے جاتا ہوں۔"

"ایسا کریں آپ منی جیپ لے جائیں طویل فاصلوں کے لیے اچھی گاڑی ہے اس کا پک اَپ بھی زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

ناشتے کے بعد میں نے وسیم سے رابطہ کیا۔ "میں آ رہا ہوں حالات کیسے ہیں؟"

"بہترین ہیں۔ اپنے ڈی ایس پی صاحب اس وقت کو کوس رہے ہیں جب وہ پیدا ہوئے اور پھر پولیس میں بھرتی ہوئے۔"

"ابھی تو مقاماتِ آہ و فغاں اور آئیں گے بس ذرا مجھے آنے دو۔" میں نے ہنس کر کہا اور فون بند کر دیا۔ عبداللہ رک گیا تھا اسے کچھ دیر بعد جانا تھا اس لیے میں نکل گیا۔ احتیاط کے طور پر میں نے بڑے سائز کا سن گلاس لگا لیا تھا اور ہلکی جیکٹ کے کالر اوپر کر لیے تھے اس سے میں خاصا مختلف دکھائی دے رہا تھا۔ بارش کے بعد دھوپ نکل آئی تھی اور سڑکوں پر ٹریفک کا ہجوم تھا۔ میں نے جی ٹی روڈ کا راستہ اختیار کیا اور اس وقت سکون کا سانس لیا جب کسی پولیس والے کی صورت دیکھے بغیر پنڈی شہر کی حدود سے باہر نکل گیا۔ اب میرا رخ پشاور کی طرف تھا۔ ترنول سے گزرنے کے بعد میں مختلف چھوٹے شہروں سے گزرتا رہا پھر اس لنک سڑک پر آ گیا جو حویلی کی طرف جاتی تھی۔ اس پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد میں حویلی کے سامنے تھا۔ گاڑی دیکھتے ہی اس کا عقبی گیٹ کھل گیا۔ یہاں بارش کچھ زیادہ ہوئی تھی کیونکہ جا بہ جا کچے میں پانی جمع تھا اور حویلی کا عقبی صحن کیچڑ کیچڑ ہو رہا تھا۔ میں کیچڑ بمشکل بچتا ہوا اندر آیا۔ وسیم نظر نہیں آیا میں نے اس کے بارے میں پوچھا۔ ایک آدمی نے بتایا۔

"وہ نیچے تہہ خانے میں ہیں۔"

یعنی وہ اکرم چشتی کے ساتھ تھا۔ میں نیچے تہہ خانے میں آیا تو اس کی در و دیوار پر سیلن آئی تھی۔ یہ بارش کا اثر تھا۔ اکرم چشتی بیچ بیچ ایک جگہ الٹا لٹکا ہوا تھا اور اس کے گلے میں موجود سیاہ ڈوری والا موٹا چاندی کا منقش تعویذ اس کے منہ سے ٹکرا رہا تھا ڈوری کا حلقہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ اس کے سر سے گزر جاتا۔ ایک انڈرویئر کے علاوہ کوئی لباس اس کے جسم پر نہیں تھا۔ مستقل الٹا لٹکے رہنے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی پشت پر سیاہ لکیروں کا ایک جال بنا ہوا تھا۔ ظاہر ہے اس کی ہنٹر سے مرمت ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے جسم پر اور کوئی زخم نہیں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے گڑگڑا کر کچھ کہا لیکن اس کی ٹوٹی پھوٹی زبان میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وسیم اس کی پشت پر موجود تھا اس نے عقب سے لات ماری۔

"ٹھیک سے بول..... اپنی ماردی زبان میں..... باپ تو تیرا کوئی دوغلی نسل کا کتا ہوگا۔" درمیان میں وسیم نے خالص پولیس اسٹائل کی گالیاں فٹ کی تھیں۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

"لگتا ہے تم بھی پولیس میں بھرتی ہونے کے خواہش مند ہو۔"

"اگر ہوا تو صرف اس کے لیے ہوں گا۔" وسیم نے ایک لات اور رسید کی اکرم چشتی تڑپ کر رہ گیا تھا میں نے افسوس سے سر ہلایا۔

"ڈی ایس پی کی خاطر تواضع صرف لاتوں سے..... یہ لاتوں کے بھوت بھی نہیں ہیں ان کو منانے کے لیے کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔"

"کس چیز کی جناب آپ حکم کریں۔" وسیم نے کہا۔



"یہاں بجلی کی کوئی تار ہے؟"

یہ سن کر ہی اکرم چشتی تڑپ گیا تھا۔ اس نے پھر غوں غاں کر کے فریاد کی۔ وسیم سمجھ گیا اور تار کا بندوبست کرنے چلا گیا۔ میں اکرم چشتی کے پاس بیٹھ گیا۔ "صبر کرو اتنی جلدی کیا ہے کرنٹ کھانے کی، یاد ہے تم نے میرے ساتھ کیا کیا تھا۔ مجھے یقین ہے صرف میرے ساتھ ہی نہیں لاتعداد بے گناہوں کے ساتھ تم نے اس سے زیادہ بہیمانہ سلوک کیا ہوگا۔ مجھے کسی سے ذاتی انتقام لینا اچھا نہیں لگتا ہے لیکن ہم تمہیں احساس دلانا چاہتے ہیں اب تم بے بس لوگوں پر تشدد کا ہتھیار آزماتے ہو تو ان پر کیا گزرتی ہے۔"

اکرم چشتی کا موٹا تعویذ اس کے منہ سے ٹکرا رہا تھا اور اس وجہ سے بھی اسے بولنے میں دشواری پیش آ رہی تھی لیکن اس نے کسی طرح سر ہلا کر کہا۔ "شہباز خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

"یہ معافی ہی ہے ورنہ اگر تمہاری موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا تو تمہیں یہاں لانے کی زحمت ہی نہ کی جاتی اور اس وقت تمہاری لاش مردہ خانے میں پڑی ہوتی۔ جوڈیشل گن چلا سکتے ہیں ان کے لیے ایک گولی چلانا کون سا مسئلہ تھا۔ مگر تمہیں اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ سزا تو بھگتنا ہوگی۔"

وسیم ایک ووٹیج اسٹیبلائزر اور تار لے آیا۔ اس کی مدد سے کرنٹ کو کنٹرول کیا جا سکتا تھا اور اسے جان لیوا لمحے سے بچا کر رکھا جا سکتا تھا۔ اس نے تار کا ننگا والا حصہ اکرم چشتی کی دونوں رانوں کے درمیان ایک نہایت حساس مقام سے باندھا۔ وہ تڑپ رہا تھا اور مزاحمت کے ساتھ ساتھ التجائیں بھی کر رہا تھا لیکن وسیم نے اس کی فریادوں پر دھیان دیے بغیر اپنا کام کیا اور تار کا دوسرا حصہ اسٹیبلائزر کے ساکٹ میں لگا دیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے جیلر کی طرح سر سے اشارہ کیا جو جلاد کو اجازت دیتا ہے اور وسیم نے بٹن آن کر دیا۔ کرنٹ لگتے ہی اکرم چشتی نے ایسی چیخ ماری کہ میں بھی اچھل پڑا تھا۔ اس چیخ کے بعد وہ الٹے لٹکے لٹکے یوں تھرتھرانے لگا جیسے کسی جن کا کوئی رقص کر رہا ہو اس کا چہرہ انتہائی سرخ ہو گیا اور یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا سر پھٹ جائے گا۔ آدھے منٹ بعد میں نے کرنٹ بند کرنے کو کہا تو اکرم چشتی کی حالت غیر ہو گئی تھی اس کی زبان منہ سے نکل آئی تھی اور آنکھیں حلقوں میں گردش کر رہی تھیں اور تہہ خانے میں خنکی کے باوجود پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ جب اس کی حالت ذرا سدھری تو وسیم نے مجھ سے پوچھے بغیر سوئچ آن کر دیا اس بار اکرم چشتی کٹے بکرے کی طرح چلایا تھا۔

وقفے وقفے سے ایسے چار دور چلے تو اس کی ہمت جواب دے گئی اور اس نے بے ہوشی میں عافیت سمجھی تھی۔ وہ جھولنے لگا تھا اس کی زبان دانتوں کے درمیان آ کر کٹ گئی تھی اور اس کے پاس سے وحشت جلنے جیسی بو آ رہی تھی میری طبیعت متلانے لگی اور میں اس جگہ سے ہٹ گیا۔ وسیم نے تار اتار دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اکرم چشتی کو کھول کر اس کے پیروں میں کڑا ڈال دیں۔ ہم اوپر آئے تو وسیم نے کہا۔ "فرعون صفت شخص ہے، دل میں آنے کے بعد ہمیں دھمکیاں دے رہا تھا لیکن جب اسے الٹا لٹکا کر پہلی دھونی دی تو دماغ ٹھکانے پر آ گیا اور حقیقت سمجھ آ گیا تھا۔"

"میرا خیال ہے اتنا کافی ہے۔" میں نے کہا۔

وسیم نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا۔ "شہباز صاحب ابھی تو چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ نے دو دن کی اجازت دی تھی۔"

"نہیں یار، میں کسی انسان پر چاہے وہ اکرم چشتی ہی کیوں نہ ہو اس حد تشدد نہیں کر سکتا۔ اسے سزا دینی ہے تو براہ راست دے دو۔"

"آپ کے خیال میں اسے کیا سزا دینی چاہیے؟"

"شیر کے دانت اور پنجے نکال دو تو وہ بے کار ہو جاتا ہے پھر اس کی بے پناہ طاقت بھی کسی کام کی نہیں رہتی ہے۔"

"اس کی طاقت ہے اس کی نوکری اور ہم اس کی نوکری کس طرح چھین سکتے ہیں۔"

"ہم اس کی نوکری نہیں چھین سکتے ہیں لیکن اگر ہم اسے نوکری کے قابل ہی نہ چھوڑیں تو.....؟" میرا لہجہ معنی خیز ہو گیا وسیم نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"آپ کا مطلب ہے اسے فزیکلی طور پر ملازمت کے قابل نہ چھوڑا جائے۔"

"بالکل۔"

وسیم سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے کہا۔ "کس طرح.....؟ کیا اسے اندھا، گونگا اور بہرا کر دیا جائے۔"

"ہاں یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "چپکنے والے کسی سلوشن کی ایک ٹیوب کام کر دے گی۔ اس کے بعد اکرم چشتی کسی کام کا نہیں رہے گا۔"

یہ موضوع ایسا تھا کہ اس پر بات کرتے ہوئے میں اور وسیم دونوں ہی سنجیدہ تھے۔ ہم ایک انسان کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ وہ انسان ہمارا جانی دشمن تھا اور اس کا بس چلتا تو ہمیں دنیا سے مٹا دیتا۔ اس کے باوجود ہم اسے جان سے مارنا نہیں چاہتے تھے لیکن اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ اسے بے ضرر بنانے کا یہ عمل اس کے ساتھ ہمارے لیے بھی تکلیف دہ تھا لیکن یہ ناگزیر تھا۔ میری تجویز کے بعد اصولی طور پر فیصلہ ہو گیا تھا کہ اکرم چشتی کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ اب اس فیصلے پر عمل درآمد وسیم کی ذمے داری تھی۔ مزید گفتگو کے لیے میں نے دوسرے موضوع کا انتخاب کیا۔ "تم نے اپنے آدمیوں کی اسکروٹنی کی۔"

"ممکن حد تک..... دو افراد مجھے ذرا ہلکے محسوس ہوتے ہیں۔ ایک تو فیصل کا ساتھی ہے۔"

"ان پر نظر رکھو اور جب ہم اس ٹھکانے کو چھوڑنے کا وقت آئے تو انہیں چلتا کرنا۔"

"میں نے یہی سوچا ہے۔" وسیم نے سر ہلایا اسی لمحے کوئی باہر چلایا اور جو لفظ میری سمجھ میں آیا تھا وہ پولیس تھا۔ میں اور وسیم بے ساختہ کھڑے ہو گئے۔ وسیم کا ایک آدمی نمودار ہوا۔ اس نے تیزی سے کہا۔

"جناب پولیس..... اس نے چاروں طرف سے حویلی کو گھیر لیا ہے۔"

○.....❖.....○

پولیس کا سن کر ہم سب ہی اچھل پڑے تھے۔ وسیم اس کمرے کی طرف لپکا جہاں کیمروں کے مانیٹرز تھے۔ اس کے آدمی بھاگ دوڑ کر رہے تھے اور اپنے ہتھیار اٹھا رہے تھے۔ کنٹرول روم میں چھ عدد مانیٹرز تھے جو یہاں لگے درجن بھر کیمروں کی مدد سے حویلی کے اطراف دور تک دکھا سکتے تھے۔ پولیس سامنے کی طرف سے آئی تھی اور اس وقت حویلی کے سامنے والے حصے میں پھیل رہی تھی۔ کم سے کم دو پولیس موبائلز سامنے تھیں اور ان سے اتر اتر کر مسلح سپاہی درختوں اور پتھروں کے پیچھے پوزیشن سنبھال رہے تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ "عقبی حصے میں دیکھو۔"

وسیم نے عقبی حصے کے کیمروں کی طرف توجہ دی۔ مگر یہاں فی الحال پولیس نہیں پہنچی تھی۔ میں نے کہا۔ "فوری نکلو اس سے پہلے کہ پولیس یہاں بھی پہنچ جائے اپنے آدمیوں سے کہو چھت سے فائرنگ کر کے پولیس کو اس طرف آنے سے روکیں۔"

وسیم ہدایت دینے لگا اس نے دو افراد کو جو پہلے ہی چھت پر موجود تھے پولیس پر فائرنگ کا حکم دیا لیکن انہیں براہ راست نشانہ لینے سے منع کیا تھا۔ پہلے فائر کے ساتھ ہی پھیلتے ہوئے پولیس والے اپنی جگہ دبک گئے تھے۔ اس دوران میں دو موبائلز مزید سائرن بجاتی آ گئی تھیں۔ اب وہاں چار عدد موبائلز اور کم سے کم دو درجن مسلح پولیس والے موجود تھے۔ یہاں حویلی میں چار عدد گاڑیاں تھیں ان میں کیونکیشن وین شامل نہیں تھی۔ میں نے وین کا پوچھا تو وسیم نے کہا۔ "اس کے انجن میں کچھ مسئلہ ہو رہا تھا۔ اسے ایک قریبی ورکشاپ بھیج دیا ہے۔"

پولیس والوں کی اچانک آمد غیر متوقع تھی اور ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ انہیں باقاعدہ خبر ہے کہ یہاں ان کا مقابلہ کن لوگوں سے ہے اور وہ اسی لحاظ سے تیاری کر کے آئے تھے۔ مگر سوال یہ تھا کہ انہیں ہمارے بارے میں پتا کیسے چلا؟ اگر وہ اکرم چشتی کے لیے آئے تھے تو چوبیس گھنٹے پہلے کیوں نہیں آ گئے۔ انہیں کیسے پتا چلا کہ اکرم چشتی کہاں ہے؟ پولیس والوں کی جانب سے فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وسیم کے آدمی نکلنے کی تیاری کر رہے تھے سامان یعنی اسلحہ اور ضروری چیزیں گاڑیوں میں رکھی جا رہی تھیں۔ اب کنٹرول روم میں، میں اور وسیم تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے عبداللہ کو کال کی۔ کال ریسیو کرتے ہی اسے صورت حال کا اندازہ ہو گیا کیونکہ فائرنگ کی آواز اس کمرے تک بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"فائرنگ کیوں ہو رہی ہے؟"

"پولیس نے حویلی پر ریڈ کیا ہے وہ سامنے موجود ہیں اور ہم یہاں سے نکلنے کی تیاری کر رہے ہیں اب تم میں سے کوئی اس طرف کا رخ نہ کرے۔"

"آپ کہاں جائیں گے؟"

"یہ تو یہاں سے نکلنے کے بعد پتا چلے گا۔" میں نے کہا۔ "سنو ہم نادر کو یہیں چھوڑ کر جائیں گے اور پولیس اسے یقیناً اسپتال لے جائے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے پنڈی لے جایا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں تم اپنے آدمیوں کے ساتھ نادر کو حاصل کرنے کی کوشش کرو امید ہے ایمبولینس کے ساتھ ایک دو سپاہی ہوں گے۔"

"میں سمجھ گیا لیکن اس کے لیے مجھے اپنے آدمیوں سمیت حویلی والی سڑک پر آنا پڑے گا۔ وہیں کہیں گھات لگا کر ایمبولینس کو روکا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن اپنی واپسی کا خیال بھی رکھنا راستہ اتنا طویل نہ ہو کہ پولیس کو پیچھا کرنے یا ناکا بندی کرنے کا موقع مل جائے۔"

وسیم میری گفتگو سے مطمئن نظر آ رہا تھا۔ ہم نادر کو ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ وہ بوجھ بن جاتا اور فرار میں رکاوٹ ثابت ہوتا۔ اسے اس طرح آسانی سے دوبارہ اپنے قبضے میں لیا جا سکتا تھا۔ جیسے ہی میں نے بات مکمل کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے اکرم چشتی کے بارے میں پوچھا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے؟''

میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''وہی جو طے ہوا تھا اپنے کسی آدمی کو اس بارے میں کہہ دو، یہاں نکلنے سے پہلے یہ کام ہو جانا چاہیے۔''

وسیم نے واکی ٹاکی پر اپنے کسی آدمی کو حکم دیا۔ میں مانیٹرز کی طرف متوجہ تھا۔ حویلی کی طرف سے فائرنگ کے بعد پولیس کے اندازے کی تصدیق ہو گئی تھی اور اب ان کی طرف سے اندھا دھند فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ اس فائرنگ میں وہ دور مار رائفلوں کے ساتھ خود کار رائفلیں بھی استعمال کر رہے تھے حالانکہ تین چار سو گز کی دوری سے یہ رائفلیں غیر مؤثر تھیں۔ البتہ دور مار رائفلوں سے خطرہ تھا۔ مگر وسیم کے آدمی مہارت سے خود کو محفوظ رکھتے ہوئے پولیس والوں کو الجھائے ہوئے تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''ہم پیچھے کی طرف سے نکلیں گے یہاں کے راستوں کے بارے میں علم ہے۔''

وسیم مسکرایا۔ ''اچھی طرح جناب..... فارغ وقت میں، میں اور میرے ساتھی یہاں آس پاس گھومتے رہے ہیں اور ہم نے پہلے سے کئی ایسے راستے دیکھ لیے ہیں جن سے ہنگامی صورت حال میں فرار ہو سکتے ہیں۔''

''یہ تم نے اچھا کیا اب ایسا کرو کہ وہ تمام جگہیں جو تمہارے استعمال میں رہی ہیں ان میں آگ والے بم لگا دو تاکہ پولیس کو کوئی نشان نہ مل سکے۔''

وسیم نے سوچا اور خبردار کیا۔ ''اس صورت میں نادر اور اکرم کی جان کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔''

میں نے سوچ کر کہا۔ ''تب انہیں باہر نکال دو لیکن حویلی میں ایسی کوئی چیز مت چھوڑنا جس سے پولیس کو سراغ مل سکے۔''

ابتدائی سراسیمگی کے بعد ہم نے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا تھا۔ پندرہ منٹ ہونے کو آئے تھے لیکن اس دوران میں اچھا خاصا کام کر لیا گیا تھا۔ اب وسیم خود کمروں میں آگ لگانے والے بم رکھ رہا تھا۔ یہ ریموٹ سے اڑائے جا سکتے تھے۔ حویلی سے نکلنے کے بعد صرف ایک بٹن دبانا پڑتا۔ اس کا طریقہ بہت آسان تھا۔ بم کو ایکٹو کرنا پڑتا تھا اور ریموٹ کا بٹن دباتے ہی جتنے بم ایکٹو ہوتے تھے وہ سب بلاسٹ ہو جاتے کیونکہ فریکوئنسی ایک ہی تھی۔ جو بم ان ایکٹو ہوتے وہ ایسے ہی پڑے رہتے۔ اگرچہ اس کا خطرہ تھا کہ پولیس حویلی کے عقب میں بھی آ چکی ہو اور کہیں جھاڑیوں اور ٹیلوں میں رُوپوش ہو تاکہ ہم فرار کی کوشش کریں تو وہ حرکت میں آ جائے لیکن یہ خدشہ موہوم تھا۔ اول تو پولیس اس طرح گھات لگا کر کسی کا راستہ نہیں روکتی ہے دوسرے ہماری پولیس میں اتنی صلاحیت بھی نہیں ہے۔

میں باہر آیا تو وسیم کے آدمی نادر اور اکرم چشتی دونوں کو باہر لے آئے تھے۔ وہ بے ہوش تھے اس نازک موقع پر انہیں کسی دخل اندازی سے روکنے کے لیے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ اکرم چشتی کے بارے میں جو حکم دیا گیا تھا اس کی تعمیل بھی ہو گئی تھی۔ یعنی اس کی آنکھوں اور کان میں سلوشن ڈال دیا گیا تھا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اس کی آنکھیں جڑ گئی تھیں اور اگر وہ ہوش میں ہوتا تو اس وقت سخت اذیت میں ہوتا۔ اسے دیکھتے ہوئے میرا دھیان اس کے تعویذ کی طرف گیا۔ پہلی بار میں نے اس پر غور کیا تھا۔ یہ سائز میں عام تعویذ سے خاصا بڑا اور چاندی جیسی کسی دھات کا بنا ہوا تھا۔ میں نے ڈوری کھینچ کر اسے اکرم چشتی کی گردن



سے اتارا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ غیر معمولی وزنی بھی تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ ٹھوس چاندی کا بنا ہو۔ اگر اس کے اندر کوئی تعویذ ہوتا تو یہ اتنا وزنی نہ ہوتا۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس میں کچھ اور تھا۔ اسے کھول کر دیکھنا ضروری تھا لیکن یہ چاروں طرف سے بند تھا۔

میں نے وسیم کے ایک آدمی سے چاقو طلب کیا اس کے پاس نہیں تھا لیکن اس نے لا دیا۔ میں نے اس کی نوک سے تعویذ کے کناروں کو کھرچا اور پھر اسے کھولنے کی کوشش کی چاندی نرم دھات ہوتی ہے اس لیے وہ اسٹیل بلیڈ کا مقابلہ نہ کر سکی اور تعویذ کھل گیا۔ پھر جو چیز سامنے آئی اس نے مجھے اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ ایک سیاہ دھاتی آلہ تھا جو نصف انچ کے برابر اور تقریباً ایسی ہی صورت کا تھا اور یقیناً یہ سگنل دینے والا آلہ تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ پولیس کس طرح حویلی تک چلی آئی تھی۔ اکرم چشتی کو یقیناً ہم سے خطرہ لاحق تھا تبھی اس نے اتنی حفاظتی تدابیر کی تھیں۔ اس کی حفاظت پر کئی گارڈز تھے۔ مگر اسے معلوم تھا کہ ہم اسے پھر بھی اٹھا سکتے ہیں اس لیے اس نے ایسی کسی صورت حال کے یہ آلہ تعویذ بنا کر گلے میں پہنا ہوا تھا لیکن اس کے سگنل محدود علاقے میں کام کرتے تھے اسی وجہ سے پولیس کو یہاں تک آنے میں کچھ وقت لگا تھا۔ اگر ہم اسے شہر میں رکھتے تو پولیس کل ہی اسے تلاش کر چکی ہوتی۔ میں نے وسیم کو آلہ دکھایا۔ اس نے سرد آہ بھری۔ ''بس اسی بے احتیاطی نے مروا دیا میرے پاس سگنل ڈی ٹیکٹر ہے اگر میں اس سے اکرم چشتی کو چیک کر لیتا تو یہ آلہ پکڑا جاتا۔''

''کوئی بات نہیں یار جو نصیب میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''یہاں سے ٹھکانہ اٹھ گیا ہے۔ بس اب نکلنے کی کرو۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ ہم پہلے خبردار ہو گئے۔''

پولیس کو آئے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ ہونے کو آیا تھا اور اب یہاں سے نکل جانا لازمی تھا۔ اس دوران میں وسیم کے آدمیوں نے ایک کام اور کیا تھا انہوں نے دور مار طاقتور رائفل کی مدد سے تمام موبائل گاڑیوں کے دکھائی دینے والے ٹائر اڑا دیے تھے اب کم سے کم پولیس اس قابل نہیں رہی تھی کہ گاڑیوں پر ہمارا پیچھا کرتی۔ اکرم چشتی کے پاس سے برآمد ہونے والے تعویذ سے مجھے اطمینان ہوا کہ پولیس ہماری کسی غلطی کی وجہ سے خاص طور سے ہمارے لیے نہیں آئی تھی بلکہ وہ اکرم چشتی کو تلاش کر رہی تھی۔ تمام ضروری سامان گاڑیوں میں رکھ دیا گیا تھا۔ ہم تقریباً ڈیڑھ درجن افراد تھے جو آرام سے ان چار گاڑیوں میں آ گئے تھے۔ اشارہ پاتے ہی اوپر موجود ساتھی بھی نیچے آ گئے۔ حویلی کا عقبی گیٹ کھل گیا تھا اور گاڑیاں باہر نکلنے لگیں۔ اگرچہ اس طرف پولیس نہیں تھی لیکن ہم پوری طرح تیار تھے۔ حویلی کے گیٹ پر اپنی گاڑی روک کر وسیم نے جیب سے ایک چھوٹا سا ریموٹ کنٹرول نکالا اور اس کا بٹن دبایا اندر سے دبے دبے دھماکوں کی آواز کے ساتھ ہی شعلے نمودار ہوئی تھی۔ وسیم نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''حویلی میں لکڑی کا کام بہت زیادہ ہے ممکن ہے آگ ساری حویلی کو چاٹ جائے۔''

''یہ اور بھی اچھا ہو گا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''کیا کیمرے اتار لیے تھے؟''

''اس کا موقع نہیں تھا لیکن وہ سسٹم لے آئے ہیں جو کیمروں اور مانیٹرز کو کنٹرول کرتا ہے یہی اصل چیز ہے باقی کیمرے اور مانیٹرز تو بازار میں بہت مل جائیں گے۔ اس کے علاوہ اسلحہ اور رقم والا سوٹ کیس ہے۔''

ہم عقب میں میدان عبور کر کے جھاڑیوں اور ٹیلوں میں داخل ہوئے یہ سارا پوٹھوہار کا مخصوص علاقہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں ہموار زمین کم ہے۔ مسلسل بارش زمین کی زرخیزی بہا کر لے جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ علاقہ کاشت کاری کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہے اور صرف وہیں زمین کاشت کی جاتی ہے جو پانی کی زد میں نہ ہو۔ ورنہ یہ اصل میں چرواہوں کا علاقہ ہے۔ ہم کچھ دور گئے تھے کہ جانور اور ان کے رکھوالے نظر آنے لگے تھے۔ گاڑیاں ان کے لیے اجنبی تھیں اس لیے وہ متجسس نظروں سے ہمیں دیکھتے تھے مگر کسی نے راستے میں آنے یا روکنے کی کوشش نہیں کی۔ آدھے گھنٹے بعد ہم حویلی سے خاصے دور نکل آئے تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے پولیس والے بس پہنچے تھے اور ابھی انہیں موقع نہیں ملا تھا کہ حویلی کو گھیر سکتے۔''

''ہمیں حویلی کے سامنے اور عقب میں موجود ہموار میدان نے بچا لیا اسی وجہ سے پولیس والے زیادہ نزدیک نہیں آسکے تھے۔''

''آپ نے ٹھیک کہا۔'' وسیم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے وہ اب تک حویلی میں داخل ہو چکے ہوں گے اور انہیں نادر اور ڈی ایس پی صاحب مل گئے ہوں گے۔''

میں ہنسا۔ ''لگتا ہے اکرم چشتی پر تمہاری بھڑاس نکلی نہیں ہے؟''

''درست فرمایا آپ نے..... میں نے کئی پلان بنا رکھے تھے افسوس کہ وہ دل میں رہ گئے۔''

''تمہارے آدمی نے اپنا کام اچھی طرح کیا ہے میرا خیال ہے اس کی بینائی اور سماعت دونوں بیکار ہو چکی ہیں۔''

''ہاں یہ نہایت خطرناک سلوشن ہے انسانی جسم کا تو یہ حشر کر دیتا ہے۔''

وسیم نے یہ سارا علاقہ دیکھا ہوا تھا اور اسے معلوم تھا کہ کہاں کہاں آبادی تھی وہ اس سے بچ کر گزر رہا تھا۔ یہاں اکا دکا چھوٹے گاؤں تھے جو مقامی کاشت کاروں اور چرواہوں کے تھے۔ ایک جگہ ہم ایک درگاہ کے پاس سے گزرے اس کے باہر درختوں تلے پڑے منگ بتا رہے تھے کہ یہاں بھی لوگوں کو بے وقوف بنانے کا کاروبار پورے زور و شور سے جاری ہے۔ ہم درگاہ سے دور سے گزرے تھے اس کے باوجود وہاں موجود لوگوں نے یقیناً گاڑیوں کو دیکھا ہوگا۔ مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''پولیس لازمی پیچھے آئے گی۔ ان کے پاس وائرلیس ہے اور وہ ہمارے فرار کے روٹ کا اندازہ کر کے اس سارے علاقے کی پولیس کو خبردار کر سکتے ہیں۔''

''میرے ذہن میں بھی یہی خیال ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ہم کہاں ہیں؟''

وسیم نے گاڑی روک لی، ہمیں رکتے دیکھ کر باقی بھی رک گئے۔ وسیم نے ایک بڑا نقشہ نکال کر اسے اسٹیئرنگ پر پھیلایا۔ یہ راولپنڈی ڈویژن اور اس کے آس پاس کے علاقوں کا تفصیلی نقشہ تھا اور اس میں معمولی سے معمولی چیز کی بھی نشاندہی کی گئی تھی۔ پھر وسیم نے جی پی ایس ریسیور آن کیا اور اسے نقشے سے ملانے لگا۔ پھر اس نے ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''ہم اس وقت یہاں ہیں..... نادر یہ جگہ جی ٹی روڈ سے کوئی بارہ میل دور ہے۔''

''اگر جی ٹی روڈ قریب ہے تو اس تک جانے کے لیے کوئی نہ کوئی لنک روڈ بھی ہوگی۔''

وسیم نے لنک روڈ تلاش کر لی۔ ''یہ ہے..... یہاں سے کوئی دو ڈھائی میل شمال میں ہے۔''



''بس تو ہمیں پہلے لنک روڈ تک پہنچنا ہے اور اس کے بعد ہمیں جی ٹی روڈ تک پہنچ کر الگ الگ سفر کرنا ہوگا۔''

''الگ الگ۔'' وسیم نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''ہاں ہمیں اب بسوں اور ویگنوں میں سفر کرنا ہوگا۔''

''گاڑیاں اور اسلحے کا کیا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے ہمیں گاڑیاں اور اسلحہ چھوڑنا ہوگا کیونکہ جی ٹی روڈ پر پولیس چیکنگ کر رہی ہوگی اور اس صورت میں پکڑے جانے کا بہت زیادہ امکان ہے۔''

''میرے ذہن میں ایک تجویز اور ہے۔''

''وہ کیا؟''

''جی ٹی روڈ سے ایک راستہ نکلتا ہے جو گھومتا ہوا شمال کی طرف مانسہرہ جا نکلتا ہے۔'' وسیم نے کہا اور نقشے پر اس راستے کو واضح کیا۔ ''یہ مشکل ہے مگر محفوظ ہے۔''

''ہم نے مانسہرہ نہیں پنڈی جانا ہے۔'' میں نے کہا۔

''پنڈی صرف ہم جائیں گے۔ گاڑیاں اور اسلحہ مانسہرہ جائے گا اس طرف کوئی چیکنگ نہیں ہو رہی ہے۔ بعد میں یہ واپس آسکتے ہیں۔''

''مانسہرہ یہ کس کے پاس جائیں گے؟''

''وہاں ایک جاننے والا ہے ملک شفقت اللہ۔ وہ کچھ دن میرے آدمیوں اور گاڑیوں کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔''

''اعتماد کا آدمی ہے۔''

''ہاں ہے تو۔'' وسیم نے جھجک کر کہا۔ ''میرا پانچ سال سے اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔''

مجھے یہ بات درست نہیں لگی تھی۔ ''تب وہ تمہارے آدمیوں کو کیسے پناہ دے گا۔''

''یہ وہاں پہنچ کر اس کی مجھ سے بات کرا دیں گے۔''

درحقیقت ہم گاڑیوں اور اسلحے کے حوالے سے بہت مشکل میں پڑ گئے تھے ان کے ساتھ جی ٹی روڈ پر جانا خود کو پولیس کے حوالے کرنے کے مترادف تھا۔ دوسری طرف ہم یہ گاڑیاں اور اسلحہ چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے جب تک ایسا کرنا ناگزیر نہ ہو جائے۔ فیصلہ کرتے ہی وسیم نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ راستے میں اس نے ایک ریڑھا لے جانے والے لڑکے سے تصدیق کی لنک روڈ کچھ دور تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم وہاں تھے۔ یہاں رک کر وسیم نے اپنے پلان پر مزید غور کیا۔ سوائے ہم دونوں کے باقی سب کو مانسہرہ جانا تھا۔ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح بریف کرنے کے بعد وسیم روانگی اختیار کی۔ ہمیں جی ٹی روڈ سے کچھ پہلے اتر جانا تھا۔ ہمیں بس یا ویگن میں سفر کرنا تھا۔ میں کچھ سوچ رہا تھا کہ اس طرح سفر کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ کم سے کم اس وقت پنڈی کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''کیا حرج ہے کہ ہم آج رک جائیں۔''

''کہاں رک جائیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔'' میں نے آس پاس اشارہ کیا۔ ''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ آج جی ٹی روڈ پر جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''اتفاق سے میری چھٹی حس اس بار بھی آپ کی تائید کر رہی ہے۔'' وہ خوش دلی سے ہنسا۔ ''معاملہ ایک ڈی ایس پی کا ہے اس لیے پولیس بہت مستعد ہوگی اور اکرم چشتی کے بیان کے بعد وہ زیادہ سرگرمی سے آپ کو تلاش کرے گی۔''

''اس لیے ہمیں پنڈی سے دور رہنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے کیا حرج ہے اگر ہم بھی مانسہرہ چلیں۔''

وسیم نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا۔ ''خیال تو برا نہیں ہے اور آج کل وہاں موسم بھی شاندار ہوگا۔ اگر ملک شفقت اللہ پہلے جیسا ہوا تو چند دن بڑے مزے سے گزر سکتے ہیں۔''

''بس تو پھر ہم وہیں جا رہے ہیں۔'' میں نے فیصلہ کر لیا۔ ''ملک صاحب اگر میزبانی پر آمادہ نہ ہوئے تو ہمارے پاس متبادل طریقے بھی ہیں۔''

وسیم خوش نظر آنے لگا۔ ''یہ اچھی بات ہے آپ ہوں گے تو مجھے پرانے تعلق کا خیال بھی نہیں کرنا پڑے گا۔''

جی ٹی روڈ کراس کرنے سے پہلے ہم نے ایک جگہ رک کر دوبارہ نقشے کا بغور معائنہ کیا اور طے کیا کہ کہاں سے ہمیں سڑک سے اترنا ہوگا۔ ویسے وہ سڑک خاصی دور تھی لیکن اس تک جانے کے لیے ہم جی ٹی روڈ کراس کر کے کچھ دیر ایک کچے راستے پر سفر کرتے۔ یہ ظاہر ہے سڑک کی نسبت مشکل تھا لیکن محفوظ بھی تھا۔ جب ہم نے سڑک عبور کی تو دوپہر ہو چکی تھی۔ خاصی دیر سے مسلسل سفر میں تھے۔ خوش قسمتی سے یہاں ایک پیٹرول پمپ بھی تھا اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے ہم نے اپنی تمام گاڑیوں کے ٹینک فل کرا لیے۔ پلاسٹک کے ڈرموں میں فاضل ایندھن تھا لیکن اسے ہم نے راستے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ یہیں وسیم نے اپنے دس ساتھیوں کو چھٹی دے دی کہ وہ ابھی اپنے گھر جائیں اور آئندہ کال کا انتظار کریں۔ ظاہر ہے اس نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ اب ہم کہاں جائیں گے۔ اب ہمارے ساتھ چھ آدمی تھے اور یہ سب وسیم کے انتہائی بھروسے کے تھے۔ وہ خاصے عرصے سے اس کے ساتھ تھے اور آزمودہ کار تھے۔ اب ہر گاڑی میں دو دو آدمی تھے۔ خوش قسمتی سے یہاں موبائل سگنل موجود تھے۔ میں نے عبداللہ کو کال کی اور اس نے میری آواز سنتے ہی چہک کر کہا۔

''جناب بٹیر پکڑ لیا ہے اب پنجرے میں لے جا رہے ہیں۔''

یہ اشارہ تھا کہ نادر آسانی سے ان کے ہاتھ آ گیا تھا لیکن میں نے پھر بھی پوچھ لیا۔ ''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا کسی مامے نے تو نہیں دیکھا؟''

''نہیں سب صفائی سے ہو گیا۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

''مانسہرہ کی طرف جا رہے ہیں کیونکہ تمہاری طرف آنا مشکل ہے۔''

''میں بھی یہی کہنے والا ہوں یہاں ہر طرف کتے پھر رہے ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''بٹیر کا خیال رکھنا وہ بیمار بھی ہے۔''

''فکر نہ کریں اس کے لیے میں نے باہر سے خاص دوا بھی منگوالی ہے جو اسے بالکل ٹھیک کر دے گی۔''



عبداللہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''وہی دوا جو میرے لیے بھی منگوائی تھی؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''جی وہی۔'' عبداللہ ہنسا۔ ''دو دن میں آ جائے گی۔''

اس دوران میں ہم روانہ ہو رہے تھے اس لیے میں نے عبداللہ کو خدا حافظ کہا۔ تقریباً دو کلومیٹرز کے بعد ہم سڑک سے اتر کر اس کچے راستے پر آ گئے۔ بھوک سب کو لگ رہی تھی لیکن کھانے کے لیے رکنے کا موقع نہیں تھا اس لیے سب نے چلتی گاڑیوں میں کھانے کو جو تھا اس سے پیٹ پوجا کر لی۔ وسیم کے آدمیوں نے کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ لے لیا تھا۔ کچھ چیزیں پیٹرول پمپ کی ریفریشمنٹ شاپ سے لی تھیں۔ یہاں کچے راستے پر دھول مٹی بے حساب تھی اس لیے سب نے گاڑیوں کے شیشے چڑھا لیے تھے۔ موسم ابھی اتنا گرم نہیں تھا کہ اے سی چلانے کی ضرورت پیش آتی۔ آدھے گھنٹے بعد ہم مانسہرہ جانے والی سڑک پر تھے۔ یہ کسی ہائی وے کی طرح ہموار اور کشادہ تو نہیں تھی لیکن بہرحال پکی سڑک تھی اور اس کچے راستے سے خاصی بہتر تھی جس پر اب تک سفر کرتے رہے تھے۔ یہاں ڈرائیونگ میں نے سنبھال لی۔ وسیم گزشتہ کئی گھنٹے سے مسلسل ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ وسیم نے ایک بار پھر نقشہ نکال کر دیکھا اور بولا۔

''مشکل لگ رہا ہے آج ہم مانسہرہ نہیں پہنچ سکتے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے سورج ڈوبنے کے بعد ہمیں کہیں نہ کہیں رکنا پڑے گا۔''

''اتنی گاڑیوں اور اسلحے کے ساتھ۔''

''ہاں اگر کوئی مناسب جگہ مل گئی تو ٹھیک ہے ورنہ کھلے میں بھی گزارا کر سکتے ہیں۔''

''کھانے کا کیا ہوگا؟''

''اس سڑک پر کہیں نہ کہیں کچھ تو ملے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

پانی ختم ہونے والا تھا لیکن ایک جگہ کھیتوں کے کنارے ہی رہٹ مل گیا جس سے تازہ پانی نکل کر کھیتوں میں جا رہا تھا۔ ہم نے جی بھر کر یہ پانی پیا اور اپنی بوتلوں میں بھر لیا۔ یہیں گاڑیوں کو آرام کا موقع دیا۔ مسلسل سفر سے ان کے انجن گرم ہو گئے تھے۔ آدھے گھنٹے کے آرام کے بعد دوبارہ روانہ ہوئے تو سورج مغرب کی طرف جھکنے لگا تھا۔ وسیم ویلی کا ٹھکانہ چھننے پر اداس تھا۔ ''اچھی جگہ تھی وہاں دل بھی لگ گیا تھا۔ شام کو ہم فٹ بال یا والی بال بھی کھیلتے تھے۔''

''یار اچھا ہی ہوا ہمیں خانہ بدوش بن کر رہنا چاہیے۔ کہتے ہیں کہ خانہ بدوشوں کے خیموں کے پاس گھاس اونچی نہیں ہوتی ہے۔ زیادہ دیر کسی جگہ رکنا دشمن کو متوجہ کرنے کے برابر ہے۔ بزرگ بھی کہتے ہیں کہ حرکت میں برکت ہے۔''

وسیم نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''لیکن بزرگ یہ نہیں بتاتے کہ حرکت کس سمت میں کی جائے تو اس میں برکت ہوگی۔''

''کچھ کام ہمیں خود بھی کرنا چاہیے۔''

میرا خیال تھا کہ اس وقت سڑک پر کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی موٹی ہوٹل مل جائے گا جہاں کھانا بھی مل سکے گا لیکن میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندازہ غلط ثابت ہوا۔ شام بلکہ رات ہوگئی اور صرف ایک ہوٹل ملا جس کا باورچی اپنے ماموں کی میت میں گیا تھا اس لیے وہاں صرف چائے اور باسی بسکٹ دستیاب تھے۔ اس کے بعد مانسہرہ کے پہاڑوں کی چڑھائی شروع ہو گئی تھی۔ یہاں پہنچ کر یہ سڑک مزید تنگ اور خراب ہوگئی تھی۔ وسیم کے نقشے کے مطابق اب ہم اپنی منزل سے کوئی دو گھنٹے کی مسافت پر تھے۔ اس لیے بہتر سمجھا کہ کہیں رکنے کی کوشش کے بجائے سفر جاری رکھا جائے بے شک رفتار کم ہو جائے۔ میں نے وسیم سے اتفاق کیا کہ ہمیں منزل پر پہنچنا چاہیے اس کے بعد حالات دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ رات آٹھ بجے ایک طویل ترین اور نہایت تھکا دینے والے سفر کے بعد ہم ملک شفقت اللہ کی حویلی پہنچ گئے تھے۔ یہاں شدت کی سردی تھی کیونکہ یہ جگہ سطح سمندر سے کوئی پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر تھی۔ حویلی سڑک سے زیادہ دور نہیں تھی اور اس کے پیچھے ڈھلان پر دور تک کھیت اور ان کے درمیان چھوٹے چھوٹے گھر بکھرے ہوئے تھے۔ یہاں بجلی تھی اس لیے روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ سردی اور دیہات ہونے کی وجہ سے رات کے اس پہر وہاں سناٹا ہونا چاہیے تھا اس لیے جہاں تک نظر جاتی تھی نہ بندہ نہ بندے کی ذات تھی۔ مگر جیسے ہی ہماری گاڑیاں حویلی کے بلند و بالا پھاٹک کے سامنے پہنچیں اندر کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ گیٹ کے نیچے سے کئی افراد کے بے چین پاؤں دکھائی دے رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی نیچے اترتا کسی نے ایک چھوٹی سی کھڑکی کھولی اور للکارنے والے انداز میں کہا۔

''کون ہے؟''

وسیم نے شیشہ نیچے کر کے بلند آواز میں کہا۔ ''ہم ملک صاحب سے ملنے آئے ہیں۔''

''کون ہو سامنے آ کر شناخت کراؤ۔'' بولنے والے نے کھردرے لہجے میں کہا۔

''بکو مت۔'' وسیم گرم ہوگیا۔ ''تم مجھے جانتے نہیں ہو، جا کر ملک صاحب کو بلاؤ۔''

جواب میں ایک فائر ہوا اور گولی گاڑی کے سامنے زمین پر لگی۔ ''اگلی گولی گاڑی پر لگے گی۔ اس سے پہلے نیچے اتر آؤ اور اپنی شناخت کراؤ۔''

میرا ماتھا ٹھنکا اور میں نے وسیم سے کہا۔ ''کوئی گڑبڑ ہے ورنہ اس طرح اپنے دروازے پر آئے آدمی کا استقبال کوئی نہیں کرتا ہے۔''

''میرا خیال ہے مجھے نیچے اتر کر بات کرنی چاہیے۔'' وسیم بولا اور میرے کچھ کہنے سے پہلے نیچے اتر گیا۔ وہ گیٹ کی کھڑکی کے پاس گیا۔ ''کیا بات ہے اس سے پہلے کبھی یہاں میرا استقبال گولی سے نہیں ہوا ملک شفقت اللہ کہاں ہے؟''

''ملک صاحب اندر ہیں اپنا نام بتاؤ اور یہ بھی کہ اتنی گاڑیوں کے ساتھ اس وقت یہاں کیوں آئے ہو؟''

''لگتا ہے تم کچھ زیادہ ہی ڈرتے ہو۔'' وسیم نے طنز کیا۔ ''نام اور یہاں کیوں آیا ہوں یہ میں صرف ملک شفقت اللہ کو بتاؤں گا اور ہاں اب گولی چلانے سے پہلے سوچ لینا اسلحہ ہمارے پاس بھی ہے۔''

اس بار اندر سے کوئی جواب نہیں آیا اور جو کھڑکی کھلی تھی وہ بھی بند ہوگئی وسیم ذرا پیچھے ہٹ کر تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے معمول کا لباس پہن رکھا تھا اور یہاں خاصی سردی تھی۔ اس طرح کھل کر کھڑے ہونے سے اسے یقیناً زیادہ سردی لگ رہی ہوگی لیکن وہ برداشت کر رہا تھا۔ جس وقت وسیم گاڑی سے اترا تھا میں نے پیروں کے



پاس موجود خودکار رائفل ہاتھ میں لے لی تھی مجھے یقین تھا کہ وسیم کے ساتھی بھی پوری طرح تیار ہوں گے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد کھڑکی دوبارہ کھلی اور ایک اجنبی آواز آئی۔ ''کون ہو تم اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

''ملک شفقت اللہ تمہاری حویلی پر آج سے پہلے میرا اس طرح استقبال نہیں ہوا۔'' وسیم نے ذرا آگے جا کر کہا۔ ''اگر تمہاری آنکھوں میں اب بھی مروت باقی ہے تو مجھے پہچان لو۔''

''وسیم۔'' اس نے حیرت سے کہا۔

''شکر ہے۔'' وسیم ہنسا۔ ''تمہاری آنکھوں میں اتنی مروت تو ہے اب یہ بتاؤ کہ میرا اس طرح استقبال کیوں ہوا ہے؟''

''ایک منٹ۔'' ملک شفقت اللہ نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ''یہ بتاؤ تمہارے ساتھ کون ہے؟''

''میرے ساتھی ہیں ہم ایک کام سے آئے تھے اُس طرف سے گزرتے ہوئے رات ہوگئی میں نے سوچا تمہیں ایک رات کے لیے زحمت دوں مگر مجھے معلوم نہیں تھا۔''

''بس..... بس مجھے افسوس ہے۔'' ملک شفقت اللہ نے اس کی بات کاٹی۔ ''تم پانچ سال بعد آئے ہو اور میرے آدمیوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہیں پہچان سکے۔''

وسیم نے ظاہر کیا کہ اس نے سخت بے عزتی محسوس کی ہے اور وہ بادلِ ناخواستہ ملک کی معذرت قبول کر رہا ہے۔ گیٹ کھل گیا اور ہماری گاڑیاں حویلی کے احاطے میں داخل ہوگئیں۔ یہاں بڑا سا صحن تھا جو سرخ پکی اینٹوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہاں پہلے سے تین عدد بڑی گاڑیاں کھڑی تھیں لیکن اس کے باوجود خاصی جگہ تھی ہماری چاروں گاڑیاں بھی آرام سے پارک ہوگئیں۔ اندر داخل ہوتے ہی ملک شفقت اللہ نے لپک کر وسیم کو گلے لگایا اور پھر وسیم نے میرا تعارف کرایا۔ ''یہ شہباز صاحب ہیں، میرے دوست اور بہت اچھے ساتھی ہیں۔''

ملک نے مجھے بھی گلے لگایا۔ وہ تقریباً چالیس بیالیس برس کا گٹھے ہوئے جسم کا کسی قدر پستہ قد شخص تھا۔ اس نے کسی قدر جذباتی لہجے میں کہا۔ ''اگر اس وقت میں خدا سے کچھ اور مانگ لیتا تو وہ بھی مل جاتا۔''

وسیم نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔ ''ملک صاحب خیریت ہے میں تمہارے لہجے میں پریشانی محسوس کر رہا ہوں۔''

''بتاتا ہوں لیکن پہلے تم اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتاؤ۔''

وسیم نے سب کا مختصر تعارف کرایا اور جہاندیدہ ملک شفقت اللہ سمجھ گیا کہ اس کے مرتبے کے مطابق صرف میں اور وسیم تھے اس نے ہمارے ساتھیوں کو اپنے ملازموں کے حوالے کیا اور خود ہمیں اندر لے آیا۔ مردانے میں ایک شاندار انداز میں سجی ہوئی نشست گاہ تھی جہاں آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ اس نے سب سے پہلے کھانے کا پوچھا اور ہم نے بلاتکلف اقرار کیا کہ ہم سب ہی بھوکے تھے۔ اس نے ایک ملازم کو بلا کر اسے کھانا کا کہہ کر فوری طور پر خشک میوہ اور قہوہ حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وسیم نے اسے ہوا بھی لگنے نہیں دی تھی کہ ہم کہاں سے آ رہے تھے اور کس لیے آئے تھے۔ وہ اسے ایسا تاثر دے رہا تھا جیسے وہ ابھی تک اسی دھندے میں ہے۔ قہوہ اور خشک میوہ چند منٹ میں آ گئے۔ یہ بہترین قسم کا خوشبودار قہوہ تھا اور خشک میوے بھی اعلیٰ درجے کا تھا اس لیے میں نے ان سے انصاف میں کوتاہی نہیں کی۔ وسیم نے کچھ دیر بعد ملک شفقت اللہ سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم کچھ کہہ رہے تھے۔''

اس نے بلاتکلف اپنی بات کہہ دی۔ ''میں سخت مشکل میں ہوں اور مجھے مدد کی ضرورت ہے۔''

''کیسی مشکل ہے اور میں کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''مشکل ایک لڑکی ہے جو خانہ بدوشوں کی ہے اور اسے میرے بیٹے نے حویلی میں پناہ دے دی ہے۔ اب وہ اپنی لڑکی واپس مانگ رہے ہیں لیکن میرا بیٹا اس کے چکر میں آ گیا ہے اور وہ کسی صورت اس لڑکی کو واپس کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔''

مجھے حیرت ہوئی کہ ملک شفقت اللہ کا بیٹا کتنا بڑا تھا جو ابھی سے لڑکیوں کے معاملے میں اپنے باپ سے مقابلے بازی پر اتر آیا تھا۔ ملک شفقت اللہ اپنے لہجے سے پڑھا لکھا لگ رہا تھا۔ اس نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''دو دن پہلے حویلی پر حملہ ہوا اور میرا ایک آدمی مارا گیا دوسرا زخمی ہو کر اسپتال میں پڑا ہے۔''

''تم نے پولیس میں رپورٹ نہیں لکھوائی؟'' وسیم نے حیرت سے کہا۔ ''تم یہاں کے بااثر آدمی ہو۔''

''میں نے رپورٹ لکھوائی ہے اور میں ان حرامزادوں کو بھی دیکھ لیتا لیکن ملک ریاض ان کی مدد پر اتر آیا۔ تم جانتے ہو ہمارے درمیان پرانی مخاصمت ہے۔''

''ملک ریاض کیوں ان کی مدد کر رہا ہے؟''

''اس کے پاس موقع ہے آنے والے انتخاب سے پہلے وہ مجھے جو نقصان پہنچا سکتا ہے پہنچا دے۔ اس نے پانچ سال میں علاقے کے لیے کچھ نہیں کیا ہے اور اب کوئی اسے ووٹ نہیں دے گا۔''

یہ کہتے ہوئے ملک شفقت کے لہجے میں امید آ گئی تھی کہ شاید عوام اب اسے ووٹ دیں گے حالانکہ ایم این اے یا ایم پی اے بن کر ملک صاحب نے وہی کرنا تھا جو ان کا حریف کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ہمیں صبح ہوتے ہی یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے کیونکہ ہم مزید کسی چکر میں نہیں پڑ سکتے تھے۔

کچھ دیر میں کھانا آ گیا تھا۔ یہ خاص دیہاتی طرز کا مرغن اور بھنا ہوا کھانا تھا۔ ملک شفقت اپنی داستان سنا کر چپ ہو گیا تھا اور وسیم نے بھی سوائے ہمدردی کے کوئی خاص تبصرہ نہیں کیا تھا جس پر وہ سمجھ گیا تھا لیکن میرا اندازہ تھا وہ وسیم سے بات ضرور کرے گا۔ کھانے کے بعد ملک کا ملازم ہمیں کمرے دکھانے آیا۔ مہمان خانے میں ہمیں الگ الگ کمرے ملے تھے۔ یہ بہت پُرتعیش تو نہیں تھے لیکن دیہات کے لحاظ سے اچھے کمرے تھے سب سے اہم بات کہ یہاں سردی سے بچاؤ کا انتظام تھا۔ کچھ دیر بعد وسیم میرے کمرے میں داخل ہوا۔

''مجھے ملک نے بلایا ہے میرا خیال ہے وہ اس معاملے میں مجھ سے مدد کا طالب ہوگا۔''

''تم جانتے ہو ہمیں فی الحال اپنی مدد آپ کی ضرورت ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اس لیے تم مناسب انداز میں اسے ٹال دو۔ ہم صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔'' وسیم نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ''آپ آرام کریں اگر کوئی معاملہ ہوا تو میں دیکھ لوں گا۔''

میں نے جوتے اتارے اور بستر پر دراز ہو گیا۔ یہاں ایک شاندار غیر ملکی کمبل موجود تھا۔ سارے دن کی بھاگ دوڑ کے بعد اب ذرا سکون کا موقع ملا تھا۔ حویلی والا ٹھکانہ ہاتھ سے گیا تھا لیکن ہم نے اکرم چشتی جیسے



زہریلے سانپ کا زہر ہمیشہ کے لیے نکال دیا تھا اور نادر دوبارہ ہمارے ہاتھ میں آ گیا تھا وہ نہایت اہم مہرہ تھا اور اس کی وجہ سے مرشد میرے سامنے مجبور ہو رہا تھا اس کی مجبوری بھائی سے محبت نہیں تھی۔ نادر کی گمشدگی کا ذمے دار اسے قرار دیا جا رہا تھا اور اسے اپنی پوزیشن بچانی تھی۔ اس لیے وہ میرے مقدمات ختم کرنے کو تیار ہو گیا تھا اگرچہ مجھے اب بھی شک تھا کہ مرشد اتنی آسانی سے میرے خلاف مقدمات ختم کرا دے گا۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہاں بھی موبائل سگنل نہیں تھے ورنہ میں ندیم سے تصدیق کر لیتا کہ مرشد کے وکیل نے اس سے رابطہ کیا تھا یا نہیں۔

وسیم کی واپسی نہ جانے کب ہوئی تھی مجھے نہیں پتا چلا کیونکہ میں سو گیا اور پھر میری آنکھ شور سے کھلی تھی۔ باہر سے کچھ افراد کے چلانے کی آواز آ رہی تھی اور پھر فائر ہوا۔ اس کے بعد تو ایسا لگا جیسے محاذ جنگ کھل گیا ہے۔ ہمارے بڑے ہتھیار گاڑیوں میں تھے لیکن میں اور وسیم پستولوں سے مسلح تھے۔ میں اٹھا تھا کہ وسیم اندر آیا۔ ''میرا خیال ہے خانہ بدوشوں یا ملک ریاض کے آدمیوں نے پھر حملہ کیا ہے؟''

''ملک ریاض کون ہے؟''

''ایک مقامی جاگیردار ہے لیکن ملک شفقت کے مقابلے میں زیادہ زمینوں اور زیادہ اثر و رسوخ کا مالک ہے۔ پھر ایم پی اے بھی ہے اور حکومتی پارٹی کا حصہ ہے اس لیے ملک شفقت اس سے دبتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا مقابلہ کرنے کی تیاری بھی کر رہا ہے۔''

''اتنا تعارف کافی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب ذرا معلوم کرو کہ باہر کیا صورتِ حال ہے۔''

''صورتِ حال اچھی نہیں ہے۔'' وسیم نے کہا اور باہر چلا گیا۔ اس کا کہنا درست تھا۔ صورتِ حال صرف ملک شفقت نہیں ہمارے لیے بھی اچھی نہیں تھی۔ اگر دشمن نے باہر گھیرا ڈال لیا تھا تو ہم بھی اندر گھر گئے تھے اور اگر وہ کسی طرح نکل جاتے تب ان سے بڑی مصیبت پولیس کی صورت میں نازل ہو جاتی۔ بہرحال میں اتنا مایوس نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ صورتِ حال اتنی خراب نہ ہو جتنی اس وقت بہ ظاہر لگ رہی تھی۔ وسیم رپورٹ لے کر آتا اس کے بعد ہی درست اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ اگر ہم لڑ بھڑ کر یہاں سے نکل سکتے تب بھی غنیمت تھا۔ یہ پولیس کا سامنا کرنے سے بہتر ہی ہوتا۔ ابتدائی اندھا دھند فائرنگ کے بعد اس میں بتدریج کمی آنے لگی۔ مگر دس منٹ بعد وسیم اندر آیا تو اس کی صورت سے اندازہ ہو گیا کہ صورتِ حال تقریباً اتنی ہی خراب ہے جتنی کہ نظر آ رہی ہے۔

''گڑبڑ ہو گئی ہے۔'' وسیم نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''باہر کم سے کم پچیس تیس مسلح آدمی موجود ہیں اور انہوں نے حویلی کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔''

''رات کو تم نے ملک شفقت سے کیا کہا تھا؟''

''یہی کہ فی الحال میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا مجھے فوری واپس جانا ہے۔ اس کا موڈ خراب ہوا تھا لیکن میں نے پروا نہیں کی تھی۔''

''لیکن اب شاید یہاں سے نکلنا آسان نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ اس دوران میں فائرنگ رک گئی تھی مگر یہ عارضی وقفہ تھا باہر موجود افراد نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا تھا اور اب وہ اندر والوں کے ردِعمل کا انتظار کر رہے تھے۔ ''ملک شفقت نے پولیس کو اطلاع دی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ”یہاں ایک فون ہے اور وہ بھی باہر سے کاٹا جا چکا ہے۔ موبائل کے سگنل نہیں ہیں۔“

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ”یہ اچھا ہی ہوا ورنہ ہم ایک اور مصیبت میں پھنس جاتے۔“

”لیکن ہمارے پاس ایک ذریعہ ہے۔“ وسیم نے سرگوشی میں کہا۔ ”آپ سیٹلائیٹ فون بھول رہے ہیں۔“

”ملک شفقت کو اس کی ہوا بھی مت لگنے دینا۔“ میں نے جوابی سرگوشی کی۔ ”یہاں حویلی میں بندوں اور اسلحے کی کیا پوزیشن ہے؟“

”ملک شفقت کے ساتھ ایک درجن آدمی ہیں اسلحے کی پوزیشن بھی ٹھیک ہے ان کے پاس جدید ترین خود کار اسلحہ ہے اور ایمونیشن بھی ٹھیک ٹھاک ہے مگر یہ محصور ہیں اور حملہ آور آزاد ہیں۔ اگر انہوں نے کوئی حربہ استعمال کیا تو ہم چوہوں کی طرح مارے جا سکتے ہیں۔“

”آگ یا گیس؟“ میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

”بالکل دونوں صورتوں میں یہاں موجود افراد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

”میرا خیال ہے ایسا وقت آنے سے پہلے ہمیں کچھ کر گزرنا چاہیے۔“

”کیا کر گزرنا چاہیے؟“

”سب سے پہلے ہمیں یہاں کا مکمل جائزہ لینا ہوگا۔“ میں نے کہا۔ ”ہمیں اور ہمارے آدمیوں کو مکمل آزادی ہونی چاہیے اس کے بعد ہی ہم صورت حال کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔“

ملک شفقت سخت سردی کے باوجود حویلی کے سامنے والے کھلے حصے میں موجود تھا اور اپنے آدمیوں کو ہدایت دے رہا تھا ایک بیس بائیس سال کا لیکن ہٹا کٹا نوجوان جس نے بڑی کٹاری دار مونچھیں رکھی تھیں اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ شاید وہ اس کا وہی برخوردار تھا جس کی وجہ سے یہ آفت نازل ہوئی تھی۔ میں نے ملک شفقت سے کہا۔ ”ملک صاحب یہ کیا چکر ہے، اگر ایسا کوئی خطرہ تھا تو رات کو ہی بتا دیتے۔“

”تم کیا کرتے؟“ ملک کے بجائے نوجوان نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

”ہم اسی وقت کوئی فیصلہ کر لیتے اب تو ہم بھی پھنس گئے ہیں۔“

”تو ہم نے کہا تھا آنے کو۔“ نوجوان کا لہجہ مزید تیز ہو گیا۔

وسیم نے اسے گھورا۔ ”آرام سے بات کرو۔“

”رفاقت تُو چپ کر۔“ ملک نے اسے گھورا۔ ”ساری مصیبت تیری لائی ہوئی ہے۔“

ملک شفقت کو احساس تھا کہ اس مشکل وقت میں ہم اس کے کام آ سکتے تھے اس لیے وہ نرم بلکہ کسی حد تک عجلے انداز میں بات کر رہا تھا۔ حالانکہ میں نے خاصے اکھڑ انداز میں بات کی تھی اور رفاقت کا ردِعمل بالکل درست تھا مگر جواب میں اسے باپ سے جھاڑ کھانے کو ملی تھی۔ وہ پیچھے ہو کر ہمیں گھورنے لگا تھا۔ ملک نے میری طرف دیکھا۔ ”شہباز صاحب مجھے افسوس ہے لیکن مجھے خود اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنی دلیری دکھائیں گے۔“

”حالانکہ وہ ایک بار پہلے بھی دلیری دکھا چکے ہیں اور تمہارا ایک بندہ مار چکے ہیں۔“ میں نے تلخ لہجے



میں کہا۔ ”قصور بھی تمہارا ہے یہ خانہ بدوش اپنی عورتوں کے معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔“

اس بار ملک شفقت نے قہر آلود نظروں سے اپنے لختِ جگر کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن یہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے حالانکہ اس لڑکی سے اس کا کوئی رشتہ بھی نہیں ہے۔“

”بابا اب وہ میری پناہ میں ہے۔“ رفاقت نے بھڑک کر کہا۔ ”اگر اس کو نکالا تو میں بھی باہر چلا جاؤں گا۔“

ملک رفاقت کم عمری کے جذبات سے بھڑک رہا تھا اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس نے نہ صرف اپنے باپ اور حویلی کے لوگوں کو کتنی مشکل میں ڈال میں دیا تھا بلکہ اس کی وجہ سے ہم بھی مشکل میں پڑ گئے تھے۔ میں ان خانہ بدوشوں کو بھگت چکا تھا اور مجھے اچھی طرح معلوم تھا یہ کتنے خطرناک اور ضدی ہوتے ہیں اگر وہ لڑکی کو لینے کا عزم لے کر آئے تھے تو اسے لیے بغیر واپس نہیں جاتے۔ میں نے ملک سے پوچھا۔ ”انہوں نے کوئی بات کی ہے؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”ایک آدمی ذرا آگے آیا تھا اور اس نے کہا ہے کہ اگر ایک گھنٹے کے اندر لڑکی کو حوالے نہیں کیا گیا تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”آپ کی کیا پوزیشن ہے؟“

”میرے پاس درجن آدمی ہیں لیکن باہر تین گنا زیادہ لوگ ہیں اور وہ کچھ بھی کرنے کے لیے آزاد ہیں۔“

میں ملک کو ایک طرف لے آیا۔ ”ملک صاحب میں ان خانہ بدوشوں کو بھگت چکا ہوں یہ نہایت خطرناک اور مرنے مارنے والے لوگ ہیں۔ پھر نہایت ضدی ہوتے ہیں جو ایک بار طے کر لیں اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ یہ اسلحے کے بغیر بھی خطرناک ہو سکتے ہیں۔“

”وہ کیسے؟“

”یہ آتش زنی کے ماہر ہوتے ہیں باہر سے آپ کی حویلی کو آگ لگا سکتے ہیں اور آپ خود سوچ سکتے ہیں یہاں آگ لگ گئی تو ہمارے پاس باہر نکلنے کے سوا اور کیا راستہ ہوگا اور باہر وہ خود بیٹھے ہیں۔ یہ بتائیں کہ آپ کی فیملی بھی یہاں موجود ہے؟“

ملک شفقت کا رنگ سفید پڑ گیا۔ ”ہاں میری دونوں بیویاں اور بچے ہیں یہاں۔“

حویلی دو منزلہ تھی اس کا سامنے کا نچلا حصہ سارے کا سارا مردانے پر مشتمل تھا۔ زنانہ اوپر تھا۔ فائرنگ کا آغاز ہوتے ہی تمام عورتوں اور بچوں کو درمیان میں ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا جہاں گولی کی رسائی نہیں تھی۔ میں نے ملک سے کئی سوالات اور کیے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ باہر سے کسی مدد کی امید نہیں تھی۔ نیچے گاؤں میں سارے غریب غربا تھے جو ملک شفقت کی زمینوں پر کام کر کے بس اتنا حاصل کرتے تھے کہ دو وقت پیٹ بھر کر کھا سکیں ان کے پاس اسلحہ نہیں تھا اور نہ ہی وہ کسی اور طریقے سے ملک شفقت کی مدد کر سکتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اپنے ہزارعوں کے ساتھ ملک شفقت کا سلوک اچھا نہیں تھا اس لیے وہ ان سے پُرامید بھی نہیں تھا۔ درحقیقت مجھے ملک شفقت اور اس کے آدمی بھی بودے لگ رہے تھے۔ وہ صرف کمزوروں پر اکڑنے والے لوگ تھے اور جب اپنے ہم پلہ لوگوں سے واسطہ پڑا تھا تو ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ”سامان میں نائٹ ویژن ہیں ذرا وہ نکالنا۔“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم ایک گاڑی سے نائٹ ویژن دوربین اور دو عدد نائٹ گلاسز نکال لایا۔ ملک شفقت کے ساتھ ہم اوپر آئے۔ اس کی عورتیں ایک طرف تھیں اس لیے اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور وہ کر بھی نہیں سکتا تھا ہم اس کی مدد کر رہے تھے۔ یہاں سے منظر اتنا واضح نہیں تھا اس لیے ہم چھت پر نکل آئے یہاں ہلکی سردی تھی اور ہم اتنے گرم کپڑوں میں نہیں تھے۔ ملک شفقت نے ہمارے لیے سیاہ گرم چادریں منگوا دیں۔ یہ ہمیں سردی سے بچانے کے ساتھ کیموفلاج بھی کر رہی تھی۔ چھت سے باہر کا منظر واضح تھا۔ حویلی کے سامنے ایک چھوٹا سا میدان اور پھر سڑک تھی سڑک نیچی تھی اور اس کے ساتھ پتھروں کی دیوار تھی۔ محاصرہ کرنے والے اسی دیوار کے پیچھے تھے۔ نائٹ ویژن سے ان کے ہیولے صاف محسوس کیے جا سکتے تھے۔ سامنے درجن سے زیادہ افراد تھے۔ دائیں بائیں ڈھلان کے ساتھ باغات اور ان سے نیچے کھیت تھے۔ باغوں کی چار دیواری تھی اور دائیں بائیں موجود حملہ آور ان دیواروں کی اوٹ میں تھے۔ عقب میں حویلی کے ساتھ بہت ترچھی ڈھلان تھی۔ دراصل حویلی کا پچھلا حصہ بڑھایا گیا تھا اور اس نے ڈھلان کو گھیر لیا تھا نتیجے میں یہ ڈھلان بہت زیادہ ترچھی ہو گئی تھی اور مٹی کو روکنے کے لیے اسے پتھر سیمنٹ کی مدد سے لگا کر پختہ کر دیا گیا تھا۔ یہ ڈھلان والا حصہ دائیں بائیں موجود حملہ آوروں کی زد میں تھا۔ اول تو یہاں سے کوئی جا نہیں سکتا تھا اور اگر وہ جانے کی کوشش کرتا تو لازمی محاصرہ کرنے والوں کی نظر میں آ جاتا اس کے بعد اس کا بچنا محال تھا۔ گاؤں کوئی دو سو گز نیچے تھا اور اب وہاں بیشتر گھروں میں روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔ محاصرہ کرنے والوں کی تعداد اندازے سے زیادہ تھی وہ کم سے کم چالیس تھے۔ میں نے ملک سے پوچھا۔

''ان کی دی ہوئی مہلت میں کتنا وقت باقی ہے؟''

''بیس منٹ۔'' اس نے سرگوشی میں جواب دیا وہ چھت پر ہمارے ساتھ ہی دبکا ہوا تھا۔ آسمان پر چاند تھا اور کبھی کبھی بادلوں سے نکل آتا تھا اس لیے ہمیں محتاط ہونا پڑ رہا تھا۔ اس وقت تین بج رہے تھے۔ گویا خانہ بدوش نصف رات کے بعد کسی وقت یہاں آئے تھے۔

''باغات میں آدمی نہیں ہوتے ہیں؟''

''ہاں لیکن دو بندے ہوتے ہیں۔'' ملک نے مایوسی سے کہا۔ ''وہ تو آرام سے ان کے ہاتھ لگ گئے ہوں گے۔''

پچھلی بار حملہ اسی طرح رات کو ہوا تھا۔ خانہ بدوش خاموشی سے حویلی کے پاس آ گئے تھے لیکن ایک محافظ نے بروقت دیکھ لیا اس نے للکارا تو خانہ بدوشوں نے فائر کھول دیا اور محافظ مارا گیا۔ جوابی فائرنگ کے بعد حملہ آور بھاگ گئے لیکن ملک شفقت کا ایک آدمی اور زخمی کر گئے تھے۔ خانہ بدوشوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔ اس روز وہ شاید بے خبری میں حملہ کرنا چاہتے تھے مگر آج وہ پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے میں نے پوچھا۔ ''تمہیں یقین ہے ملک ریاض ان کی مدد کر رہا ہے۔''

''ان کو اس طرح دیکھ کر بھی پوچھ رہے ہو؟'' اس نے تلخی سے جواب دیا۔ تو میں نے اتفاق کیا۔ خانہ بدوش خطرناک ہوتے ہیں لیکن وہ مارو اور بھاگ جاؤ کی حکمتِ عملی پر عمل کرتے ہیں اس طرح باقاعدہ محاصرہ کر کے بیٹھ جانا ان کی فطرت کے خلاف ہے کیونکہ وہ پاؤں تلے زمین نہ ہونے کی وجہ سے کمزور ہوتے ہیں۔

خانہ بدوشی ان کی طاقت بھی ہے کہ وہ کام کر کے نکل جاتے ہیں مگر اس لحاظ سے کمزوری بھی ہے کہ وہ کہیں جم کر کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اس وقت ان کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں کسی طاقتور کی مدد حاصل ہے اور وہ طاقتور ملک ریاض ہی ہو سکتا تھا۔ یہ دو سیاست دانوں کی جنگ تھی۔ ملک ریاض کی خوش قسمتی کہ اس کے ہاتھ اپنے مستقبل کے حریف کی کمزوری آ گئی تھی اور وہ اس کا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ ملک رفاقت کی عاشق مزاجی اس کے باپ کو مہنگی پڑنے والی تھی۔ ابھی تک میں خود کو ملک شفقت کی مدد کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ہماری لڑائی نہیں تھی اور ہم اس میں شامل ہو کر بلاوجہ ایک دشمن کا اور اضافہ کر لیتے۔ میں نے وسیم کو ایک طرف لے گیا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں ان سے بات کرنی چاہیے۔''

وسیم نے میری بات پر غور کیا۔ ''ہم کیا بات کر سکتے ہیں؟''

''دیکھو اس معاملے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے اگر ہم یہاں سے جانا چاہیں۔''

''بات کر لیتے ہیں لیکن اگلا بندہ کیا فیصلہ کرتا ہے یہ وہی بتا سکے گا۔''

میں واپس ملک شفقت کے پاس آیا۔ ''میں خانہ بدوشوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کر لیں۔'' اس نے بے دلی سے جواب دیا۔ ''مجھے امید نہیں ہے کہ یہ بات مانیں گے۔''

''آپ کو ان سے نہیں اپنے بیٹے سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے سمجھائیں اگر لڑکی واپس نہیں کی تو حویلی کے دوسرے لوگ بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔''

''وہ بہت ضدی ہے میں اسے ہر طرح سے سمجھا چکا ہوں۔''

''تب اس کے ساتھ ضدی بچوں والا سلوک کریں۔'' میں نے کہا۔ ''میں بات کرتا ہوں لیکن مجھے اس معاملے کا یہی ایک حل نظر آ رہا ہے جس میں سب کی بچت ہے۔''

میں نیچے آیا۔ خانہ بدوشوں کے دیئے وقت میں سے صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ پولیس سے بچنے کے لیے ہم نے مانسہرہ کا رخ کیا تھا جیسے گیدڑ شامت سے بچنے کے لیے شہر کا رخ کرتا ہے اور شامت وہیں اس کی منتظر ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہمارے ساتھ بھی ہوا تھا۔ گیٹ کے ساتھ والی چھوٹی کھڑکی کھول کر میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''سامنے آؤ میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو کون ہے؟'' سڑک کی طرف سے آواز آئی۔ سڑک یہاں سے کوئی بیس پچیس گز کی دوری پر تھی۔

''میں ملک شفقت کا ایک مہمان ہوں اور تمہارے سردار سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں بات کر رہا ہوں۔'' وہ آدمی بولا میرا بھی یہی اندازہ تھا کہ وہ سردار ہو گا کیونکہ ان میں پروٹوکول کے مطابق صرف سردار ہی بات کر سکتا تھا۔

''سردار ہم کل رات یہاں آئے تھے اور صبح ہمیں چلے جانا ہے ہمارا اس معاملے سے تعلق نہیں ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ ہمیں یہاں سے جانے دیا جائے۔'' میں نے مطلب کی بات کی۔

''ٹھیک ہے۔'' سردار نے جواب دیا۔ ''تم میں سے جو مہمان ہے وہ ہاتھ اٹھا کر باہر آ جائے ہم اطمینان کر لیں کہ وہ واقعی مہمان ہے تو اسے جانے کی اجازت مل جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ دھوکا دے رہا ہے۔" میرے پاس کھڑے وسیم نے سرگوشی کی۔

"مجھے بھی معلوم ہے یار، میں دیکھنا چاہ رہا ہوں کہ یہ کیا کہتے ہیں۔"

"وقت پورا ہونے والا ہے۔" سردار نے پکار کر کہا۔ "ملک سے کہو کہ جواب دے تاکہ پھر ہم اسے جواب دیں۔"

ملک بھی گیٹ کے پاس آ گیا تھا۔ سردار کے دھمکی آمیز لہجے پر وہ برہم ہو گیا اور اس نے چلا کر کہا۔ "تم لوگ ملک ریاض کی مدد پر اکڑ رہے ہو ورنہ ہمارے جوتے چاٹنے والوں میں سے ہو۔"

"ہاں ہم تمہارے جوتے چاٹتے تھے لیکن اب وہ دور گزر گیا ہے اور اگر ہماری لڑکی واپس نہ ملی تو تم دیکھو گے ہم کیا کرتے ہیں۔"

"کیا کر لو گے تم؟" ملک شفقت جو ویسے تو متحمل مزاج اور کسی قدر ڈرا ہوا تھا مگر اس وقت آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

"بس ایک منٹ رہ گیا ہے۔" سردار نے کہا۔ "پھر تم دیکھ لو گے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔"

مجھے تشویش لاحق ہونے لگی۔ سردار کا لہجہ بتا رہا تھا اس کے پاس ہمارے لیے کوئی سرپرائز تھا۔ حویلی فائرنگ سے محفوظ تھی اس کی دیواریں دس سے بارہ فٹ بلند اور خاصی موٹی پتھروں سے بنی تھیں۔ اوپری منزل بھی محفوظ تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ "اپنے آدمیوں سے کہو گاڑیوں سے گولہ بارود نکال کر اندر لے جائیں۔"

"گولہ بارود۔" ملک شفقت چونکا۔

"ملک صاحب ہم سبزی کے آڑھتی نہیں ہیں جو آلو پیاز لے کر گھومیں۔" وسیم نے ہنس کر کہا۔ "ہمارے پاس تو اسی قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔"

اسی لمحے کوئی چیز شوں سے ہمارے سروں سے گزری اور صحن میں کھڑی ملک شفقت کی جیپ پر جا گری۔ فوراً ہی اس میں شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ وہاں افراتفری پھیل گئی اور ملک کے آدمی آگ بجھانے کے لیے دوڑے تھے۔ صحن میں ایک طرف پانی کی موٹر لگی تھی۔ اسے چلایا گیا اور ابھی پائپ سے جلتی جیپ پر پانی پھینکا جا رہا تھا کہ باہر سے برسٹ چلنے کی آواز آئی۔ روشنیاں مدہم ہوئیں اور لائٹ غائب ہو گئی۔ خانہ بدوشوں نے فائرنگ کر کے حویلی تک آنے والی بجلی کی لائن اڑا دی تھی۔ موٹر رک گئی اور لائٹس بند ہونے سے جلتی جیپ کی روشنی اور نمایاں ہو رہی تھی۔ جیپ کا پچھلا کیبن کینوس کا بنا ہوا تھا اور آگ اسی میں لگی تھی۔ ملک کے آدمی جلنے کی پروا کیے بغیر جیپ کا کینوس اتار رہے تھے اور بالآخر وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہے۔

اس دوران میں وسیم کے آدمی اپنی گاڑیوں سے اسلحہ اور دوسرا سامان اندر منتقل کر رہے تھے۔ یہ گاڑیاں کھلے میں تھیں اور نہایت غیر محفوظ تھیں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ خانہ بدوش کیا کر سکتے ہیں لیکن ذہن کے کسی گوشے میں ایسا ہی خدشہ تھا۔ خانہ بدوشوں نے جو چیز پھینکی تھی وہ مٹی کی بوتل تھی جس میں مٹی کا تیل بھرا تھا اور اس کے منہ پر بندھے کپڑے میں آگ لگی تھی۔ بوتل گرتے ہی ٹوٹ گئی تھی اور اس میں بھرے مٹی کے تیل نے آس پاس آگ لگا دی تھی۔ اسے یقیناً کسی بڑی غلیل کی مدد سے پھینکا گیا تھا۔ خانہ بدوش اس حربے کے ماہر لگ رہے تھے۔ چند منٹ کی افراتفری کے بعد آگ پر قابو پا لیا گیا تھا اور کسی نے اندر موجود جنریٹر بھی اسٹارٹ کر دیا تھا۔



بند ہو جانے والی روشنیاں دوبارہ آن ہو گئیں۔ وسیم کے آدمی اپنا کام پھرتی سے مکمل کر چکے تھے میں ملک شفقت کی طرف آیا جو افسوس سے اپنی جل جانے والی جیپ دیکھ رہا تھا۔ "ملک صاحب..... آپ نے دیکھ لیا کہ یہ کس قدر خطرناک لوگ ہیں اور کیا کر سکتے ہیں۔"

اس نے سر ہلایا۔ "میں ان حرامیوں کو چھوڑوں گا نہیں۔"

میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "ملک صاحب ہوش میں آئیں، ایسی ایک دو درجن بوتلیں اور آ کر گریں تو یہ حویلی راکھ کا ڈھیر بن جائے گی۔ جو آگ سے بچ گئے وہ گولیوں سے مارے جائیں گے۔ یہ خودکشی ہو گی۔ کوئی عقل کا فیصلہ کریں۔"

ملک شفقت نے چونک کر مجھے دیکھا۔ "تم کون ہوتے ہو میری حویلی میں مجھ پر حکم چلانے والے۔"

"میرا خیال ہے تمہارا دماغ قابو میں نہیں ہے۔" میں نے برہمی میں ادب و آداب بالائے طاق رکھ دیے۔ "تم دیکھ نہیں رہے ہو وہ کیا کرنے والے ہیں۔"

جواب میں ملک شفقت نے خانہ بدوشوں کے خلاف گالیوں کا دریا بہا دیا تھا ایسا لگ رہا تھا اس حملے نے اس کی دماغی حالت کو متاثر کیا تھا اس کی بک بک سن کر اس کا فرزند ارجمند دوڑا آیا۔ "کیا ہوا بابا؟"

ملک شفقت نے دھاڑ کر حکم دیا۔ "اوئے ان لوگوں کی....." آگے کی گفتگو ناقابلِ بیان تھی اور اس کا ایک ہی مطلب نکلتا تھا کہ خانہ بدوشوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جائے۔

میں چلایا۔ "تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"بکواس نہ کر۔" ملک رفاقت نے اچانک پستول نکال کر میری طرف سیدھا کیا۔ "تو بھی ان کا ساتھی ہے پہلے تجھ سے نمٹتے ہیں۔"

اس موقع پر مجھے لگا کہ اب مجھے اور میرے ساتھیوں کو حرکت میں آ جانا چاہیے۔ میں نے ملک رفاقت کا پستول والا ہاتھ تھام کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ ایک فائر ہوا گولی دروازے پر لگی اور دوسرا فائر کرنے سے پہلے میں نے اسے گھما کر اس کی گردن بازو میں جکڑتے ہوئے اس سے پستول چھین کر اسی کے سر سے لگا دیا۔ لڑکے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ مجھے شوٹ کرنے والا تھا اور اگر میں ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو شاید وہ گولی چلا بھی دیتا۔ میرے فوری فیصلے نے میری جان بچا لی تھی۔ اس سے پہلے ملک شفقت اور اس کے آدمی کچھ کرتے میں نے انہیں خبردار کیا۔ "کوئی حرکت نہ کرے ورنہ یہ مارا جائے گا۔"

ملک شفقت کا ہاتھ جیب کی طرف جاتے جاتے رک گیا اور اس کے آدمیوں نے اپنے ہتھیاروں کا رخ میری طرف کر دیا تھا۔ وسیم کچھ دور تھا اس نے اپنا پستول ملک شفقت کی طرف سیدھا کر دیا۔ دونوں باپ بیٹے زد میں آئے تو ان کے آدمیوں کے ارادے کمزور پڑ گئے۔ وسیم کے آدمی بھی حرکت میں آ گئے تھے اور انہوں نے اپنا اسلحہ نکال لیا تھا۔ میں نے ملک شفقت سے کہا۔ "اپنے آدمیوں سے کہو ہتھیار پھینک دیں۔"

"رفاقت ٹھیک کہہ رہا تھا۔" ملک شفقت نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم ان لوگوں سے ملے ہوئے ہو۔"

"ہم کسی سے نہیں ملے ہوئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہم تمہیں صرف خودکشی سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تم ان خانہ بدوشوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو کیا ہتھیار ڈال دیں؟'' اس نے تلخی سے کہا۔

''ان کی لڑکی واپس کر دو۔'' میں نے کہا۔

رفاقت میری گرفت میں تڑپ گیا تھا وہ صرف دیکھنے میں تنومند لگتا تھا اور اس میں کسی قدر جان بھی تھی لیکن جسم نرم ہی تھا۔ وہ ایک اچھا پلا ہوا دنبہ تھا۔ اس نے گھٹی آواز میں کہا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا۔''

''یہ ہوگا۔'' میں نے پیار سے کہا۔ ''ملک شفقت میں صرف تین تک گنوں گا اور اس کے سر میں سوراخ کر دوں گا۔ اس کے بعد تم سے اور تمہارے آدمیوں سے بھی نمٹ سکتے ہیں اس لیے اپنے آدمیوں سے کہو ہتھیار پھینک دیں۔''

اس دوران میں وسیم نے ملک شفقت کو کور کر لیا تھا اور اس کے آدمی اپنے جدید ترین ہتھیار نکال کر لے آئے تھے۔ مجبوراً ملک شفقت نے اپنے آدمیوں کو ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا۔ ملک رفاقت میری گرفت میں تڑپ رہا تھا اور اب گالیاں دینے پر اتر آیا تھا لیکن میں نے پستول کی نالی اس کے سر پر ماری تو اس کی زبان رک گئی تھی۔ ضرب ہلکی تھی لیکن اس ناز و نعم میں پلے لڑکے کے اچھی خاصی تھی اسے یقیناً چکر آ گیا تھا۔ ملک شفقت نے تڑپ کر کہا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''کچھ نہیں ہلکا سا سبق دیا ہے۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''اب یہ اپنی زبان قابو میں رکھے گا۔''

ملک شفقت کے تمام آدمی ہتھیار ڈال چکے تھے۔ جو پیچھے کی طرف اور اوپری منزل پر تھے انہیں بھی بلوا لیا گیا تھا۔ وسیم کے آدمی اب ان کی تلاشی لے رہے تھے۔ بعض کے پاس سے چھوٹے ہتھیار برآمد ہوئے تھے۔ ان سب کی تلاشی لے کر انہیں ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ ان کی جگہ اب وسیم کے آدمیوں نے سنبھال لی تھی میں اور وسیم ان باپ بیٹے کو اندر لائے۔ ملک شفقت نے وسیم سے کہا۔ ''تمہارے آدمی نے اچھا نہیں کیا ہے آج سے ہمارے پرانے تعلقات ختم ہو گئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' وسیم نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''میں نے کون سی تمہارے ساتھ رشتے داری کی تھی اس سے پہلے بھی غرض کا رشتہ تھا۔''

''تم کچھ بھی کر لو یہ خانہ بدوش تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' ملک رفاقت نے کہا۔ سر کی چوٹ سے سنبھل کر اس کی زبان دوبارہ کھل گئی تھی۔

''نہیں جب ہم ان کی لڑکی ان کے حوالے کریں گے تو وہ خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' رفاقت بولا۔ ''وہ اسے مار دیں گے۔''

''ممکن ہے لیکن اتنے لوگوں کی موت کے مقابلے میں ایک آدمی کی موت بہتر ہی ہوگی۔'' وسیم نے طنز کیا۔ ''تم شاید بھول رہے ہو یہاں تمہاری ماں بہنیں اور بھائی بھی ہیں اگر خانہ بدوشوں کو لڑکی واپس نہ ملی تو وہ حویلی پر حملہ کر کے سب کو مار دیں گے۔''

ملک شفقت اب اپنے جوش پر قابو پا چکا تھا اس نے بیٹے کی طرف دیکھا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں..... ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میں بھی اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا۔''

''تمہیں ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تمہارے آدمی فائرنگ شروع کر دیتے تو ان کا



کچھ نہیں بگڑتا اور وہ اسی طرح آگ برسا کر پوری حویلی کو جلا چکے ہوتے۔''

''اس کا خطرہ تو اب بھی ہے۔'' وسیم بولا۔ ''اس سے پہلے وہ پھر کوئی کارروائی کریں ہمیں لڑکی کو واپس کرنا ہوگا۔''

رفاقت تڑپنے لگا تھا اور اس کی تڑپن کو قابو میں رکھنے کے لیے ہمیں اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے پڑے تھے۔ ملک شفقت دل پر پتھر رکھ کر حالات سے سمجھوتا کر چکا تھا اور اب ہمارے ساتھ تعاون کر رہا تھا ہم اس کے ساتھ اوپر والی منزل پر آئے کیونکہ میں نے اسے اکیلے جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ''معاف کرنا، تم جذباتی آدمی ہو اگر اوپر جا کر تمہارے دماغ میں کوئی فتور آ گیا تو تم خود بھی مرو گے اور ہمیں بھی مرواؤ گے۔''

ملک شفقت نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا لیکن میں اس پر اعتبار کرنے کا رسک نہیں لے سکتا۔ اس نے ذرا اکڑ دکھانے کی کوشش کی تو میں نے وسیم کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے ملک صاحب کو بھی بیٹے کے ساتھ ہی باندھ دو باقی کام ہم خود کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... لیکن وہاں میری عورتیں ہیں ہر کوئی وہاں نہیں جا سکتا۔''

''ایک تو یہ کہ ہمیں تمہارے حرم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے دوسرے ہم ہر کوئی نہیں ہیں یہ بات تم اچھی طرح جان گئے ہو۔''

بادل ناخواستہ وہ ہمیں اوپر لایا۔ خانہ بدوش لڑکی وہیں تھی۔ اس نے ایک خالی کمرے میں آ کر اپنی زوجہ نمبرون کو آواز دی۔ ''رفاقت کی ماں..... اس لڑکی کو باہر بھیج..... جلدی۔''

اندر کچھ کھلبلی مچی تھی مگر ایک منٹ بعد ایک لڑکی کو تقریباً زبردستی اس کمرے میں دھکیل دیا گیا۔ وسیم تو نارمل رہا تھا کیونکہ اس نے لڑکی کو پہلے نہیں دیکھا تھا لیکن میں دم بخود رہ گیا تھا۔ جب وسیم نے مانسہرہ جانے کا فیصلہ کیا تھا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ قدرت مجھے کس طرف لے جا رہی ہے اور یہاں میری ملاقات کس سے ہوگی۔ میں اسے دیکھ کر جتنا حیران ہوا تھا اتنا ہی وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ پھر اچانک دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ میں بوکھلا گیا۔ وسیم دم بخود تھا اور ملک شفقت کا صدمے سے برا حال تھا کہ جو خاتون کل تک اس کے اُلو بیٹے کو اُلو بناتی رہی تھی آج وہ اس کے سامنے ایک غیر مرد سے چمٹ کر رو رہی تھی۔ میں اسے تسلی دینے لگا۔ ''آرام سے..... آرام سے..... مہرو۔''

اس بار ملک شفقت دم بخود رہ گیا تھا۔ ''تم..... تم اسے جانتے ہو۔''

''اچھی طرح۔'' میں نے کہا۔ ''وسیم تم ذرا ملک صاحب کے ساتھ یہیں رکو۔''

اس سے پہلے کہ ملک شفقت کوئی اعتراض کرتا میں مہرو کا ہاتھ تھام کر نیچے آ گیا۔ مہرو کے سامنے آتے ہی صورت حال یک دم بدل گئی تھی۔ اس حویلی کے باہر خانہ بدوشوں کی موجودگی کے باوجود مجھے خیال نہیں آیا تھا کہ یہاں موجود لڑکی اصل میں مہرو ہوگی۔ وہ جس طرح مجھ سے چمٹ کر روئی تھی اس سے لگ رہا تھا وہ مشکل میں تھی اور مجھے اپنا ہمدرد سمجھ رہی تھی۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تب بھی اسے خانہ بدوشوں کے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں مہرو سے کوئی بات کرتا باہر سے لگاتار فائرز کی آواز آئی اور یہ فائر سنگل شاٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے جو کسی رائفل سے کیے گئے تھے۔ میں باہر آیا۔ میرے پوچھنے سے پہلے ہی وسیم کے ایک آدمی نے کہا۔ ''انہوں نے آگ والی بوتل پھینکی تھی لیکن ہم نے راستے میں اڑا دی۔''

میں نے گیٹ سے باہر جھانکا۔ درمیانی خالی جگہ زمین پر آگ بھڑک رہی تھی جو تیزی کے ساتھ سرد پڑ رہی تھی کیونکہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو آگ پکڑتی۔ میں نے نائٹ ویژن لگائی اور ایک طرف دیوار سے ذرا نکلے ہوئے شخص کا پستول سے نشانہ لے کر لگاتار کئی فائر کیے۔ وہ تاریکی کی وجہ سے مطمئن تھا کہ اسے حویلی سے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے اور اسی وجہ سے وہ دیوار سے باہر نکلا ہوا تھا۔ وہ غائب ہوگیا اور ساتھ ہی اس کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ میں نے پستول اندر کرلیا اور چلا کر کہا۔ ''سردار تم میری آواز سن رہے ہو۔''

''ہاں یہ تم نے کیا کیا؟'' وہ جواباً چلایا۔

''جو تم چاہ رہے تھے۔ میں نے ملک شفقت کو سمجھا رہا ہوں کہ وہ لڑکی تمہارے حوالے کردے اور تم اشتعال انگیزی کررہے ہو۔ یہ اس کا جواب ہے۔ ہمیں کمزور مت سمجھو..... تمہارا ایک ایک آدمی ہماری نظر میں ہے اور ہم چاہتے تو اب تک کئی کو جہنم رسید کرچکے ہوتے لیکن ہم معاملے کو پُرامن طریقے سے سلجھانا چاہتے ہیں۔ اب اگر تمہاری طرف سے کوئی کارروائی ہوئی تو اسے اعلان جنگ سمجھا جائے گا۔''

میری دھمکی سے زیادہ اپنے آدمی کے نشانہ بننے سے سردار نے سبق حاصل کیا تھا اور اب وہ بولا تو اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ ''ٹھیک ہے اب ہماری طرف سے ایک گھنٹے تک کوئی کارروائی نہیں ہوگی لیکن تم نے میرے آدمی کو زخمی کرکے اچھا نہیں کیا۔''

''اس کا ہرجانہ دے دیا جائے گا۔'' میں نے اس کے مطلب کی بات کی۔ ''لیکن تم لوگ بھی اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو۔ وقت سے پہلے معاملہ بگاڑنے کی کوشش نہ کرو۔''

سردار سے بات کرنے اور اس کی طرف سے یقین دہانی حاصل کرنے کے باوجود میں مطمئن نہیں تھا۔ اول تو یہ خانہ بدوش ہی ناقابلِ اعتبار تھے پھر ان کے پیچھے ملک ریاض تھا اور وہ اس لیے ان کی مدد نہیں کررہا تھا کہ وہ اپنی لڑکی لے کر ٹھنڈے ٹھنڈے یہاں سے چلے جائیں۔ وہ جھگڑے کو بڑھانا چاہتا تھا اور اسے وہاں تک لے جانا چاہتا تھا جہاں ملک شفقت کو جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑے۔ اس لیے مجھے یہ معاملہ پُرامن طریقے سے سلجھتا نظر نہیں آرہا تھا مگر میں نے ایک مہلت حاصل کرلی تھی کہ مہرو سے بات کرکے صورتِ حال سمجھ سکوں۔ مہرو بھی میرے ساتھ باہر نکل آئی تھی اور اس نے ساری گفتگو سنی تھی۔ وہ سہمی ہوئی نظر آنے لگی۔ ''شہباز تم مجھے ان درندوں کے حوالے کردو گے.....؟ میں کسی صورت ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔''

''یہ تمہارے لوگ ہیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ میرے لوگ نہیں ہیں، تم جانتے ہو میرے اپنے قبیلے والے میرے خون کے پیاسے ہورہے تھے اور اگر میں ان کے ہاتھ لگتی تو میرا سابق شوہر مجھے ڈنڈے سے مار مار کر ہلاک کرتا۔ قبیلے سے بھاگ جانے والی عورت کو یہی سزا دی جاتی ہے اور سب کے سامنے دی جاتی ہے۔''

میں اسے کمرے میں لے آیا۔ ''پھر یہ کون ہیں وہی لوگ جن کے قبیلے میں شامل ہوکر تم بریف کیس کی تلاش میں گئی تھیں۔''



اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''تمہیں بریف کیس کے بارے میں معلوم ہے۔''

میں مسکرایا۔ ''میں اپنی ہی چیز کے بارے میں نہیں جانوں گا کیا۔ تمہیں فتح خان نے دھوکے باز کرنل زریسکی کی مدد سے بے وقوف بنایا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو بے وقوف بنا رہے تھے نتیجے میں ان میں شدید دشمنی ہوگئی۔''

مہرو نے گہری سانس لی۔ ''اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کرنل مجھے کس طرح سے بے وقوف بنا رہا ہے درحقیقت وہ اسی بریف کیس کے چکر میں پاکستان آیا تھا اسے معلوم تھا کہ اسے اس بریف کیس کی منہ مانگی قیمت مل سکتی ہے۔ یہاں آکر اس نے کسی طرح راجا صاحب کے ہاں ملازمت حاصل کی اور پھر اسے میں ملی تو اس کی لاٹری کھل گئی۔ کیونکہ بریف کیس میرے قبیلے والوں کے پاس تھا۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ مجھ سے متاثر ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ مگر میں اس کی باتوں میں آگئی۔ میں سمجھی کہ وہ سچ مچ مخلص ہے اور مسلمان ہوکر مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''اس نے تمہیں تمہارے قبیلے کے پیچھے روانہ کردیا۔'' میں نے کہا۔ ''آخری بار میں نے تمہیں خانہ بدوشوں کے دوسرے قبیلے میں دیکھا تھا اور تم میری جھلک دیکھتے ہی غائب ہوگئی تھیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں میں حیران تھی کہ تم یہاں کہاں سے آگئے، میں نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اچھے نہیں ہو اس لیے وہ جارحانہ انداز میں تمہاری طرف بڑھے اور تم لوگوں نے نکل جانا مناسب سمجھا۔''

''تمہارا قبیلہ بریف کیس لے کر کہاں چلا گیا تھا؟''

''وہ سرحد پار کرکے کشمیر چلے گیا تھا۔''

''لیکن میں نے سنا ہے کہ سرحد کی سخت نگرانی ہوتی ہے اور کسی کے لیے کنٹرول لائن پار کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''عام لوگوں کے لیے نہیں ہے لیکن ہم لوگ تو سالوں سے آر پار آتے جاتے رہے ہیں۔ اگر دونوں طرف کے فوجی دیکھ لیتے ہیں تو روکتے نہیں ہیں البتہ حالات خراب ہوں تو روک لیتے ہیں۔ میرا قبیلہ سرحد پار کرکے چلا گیا تھا۔''

''اسے بریف کیس کے بارے میں نہیں پتا تھا کہ اس کی کیا اہمیت ہے؟''

''نہیں میرا خیال ہے کہ کسی عام آدمی نے بریف کیس اٹھایا تھا وہ سمجھا کہ اس میں قیمتی چیز یا رقم ہوگی لیکن بعد میں سردار کی نظر اس پر پڑ گئی اور اس نے اسے چھین لیا۔ سردار نے اسے کھولنے کی کوشش کی تھی۔''

میں چونکا۔ ''اس نے کھول لیا تھا؟''

''نہیں وہ ناکام رہا، اس نے اسے توڑنے یا کاٹنے کی کوشش بھی نہیں کی۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''یعنی وہ محفوظ رہا؟''

مہرو نے سر ہلایا۔ ''میں دوسرے قبیلے کے ساتھ سرحد پار پہنچی تھی یہ بہت مشکل اور تکلیف دہ سفر تھا اکثر میں سولہ سترہ ہزار فٹ برف پوش پہاڑوں سے گزرنا پڑا تھا لیکن ہم اس سفر کے عادی ہیں۔ وادی میں داخل ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر ہمیں پتا چلا کہ میرا قبیلہ ایک جگہ موجود ہے۔''

''ایک منٹ یہ بتاؤ کہ تم دوسرے قبیلے کے ساتھ کس حیثیت سے سفر کر رہی تھیں۔''

''یہ کام فتح خان نے کرایا تھا اس نے سردار سے معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ مجھے میرے قبیلے تک پہنچائے گا اور پھر واپس لے کر آئے گا۔''

''اس کے پاس کیا ضمانت تھی کہ سردار تمہیں واپس لے کر آتا اور اگر تم بریف کیس واپس حاصل کرلیتیں تب بھی اسے لے کر واپس کیسے آتی؟''

مہرو نے گہری سانس لی۔''فتح خان نہایت شاطر آدمی ہے اس نے سردار سے وہ ضمانت حاصل کر لی تھا جسے وہ مسترد کر ہی نہیں سکتا تھا۔اس نے سردار کے نوجوان بیٹے کو اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔ میں واپس جاؤں گی تو اسے رہائی ملے گی۔''

''تب ہی یہ لوگ تمہارے لیے پاگل ہو رہے ہیں۔''

''میرے لیے نہیں اس بریف کیس کے لیے پاگل ہو رہے ہیں۔'' مہرو نے تلخی سے کہا۔ میں چونک اٹھا تھا۔

''بریف کیس؟''

○.....❖.....○



مہرو کرنل کے ساتھ ہی راجا عمر دراز کے محل سے نکل گئی تھی۔ اسے راجا یا کسی دوسرے سے غرض نہیں تھی کیونکہ اب اس کی ساری دنیا کرنل تھا۔ ایک طاقتور اور دولت مند شخص، جو اسے وہ سب دے سکتا تھا جس کی مہرو یا کوئی بھی عورت خواہش کر سکتی ہے لیکن اس کے خوابوں کو پہلا دھچکا اس وقت لگا جب فتح خان اس کے سامنے آیا۔ کرنل اسے سوات کے ایک پہاڑی بنگلے میں لایا تھا اور یہ جگہ درحقیقت فتح خان کی ملکیت تھی۔ مہرو فتح خان سے شدید نفرت کرتی تھی اور جب کرنل نے اسے بتایا کہ اب اس نے فتح خان سے صلح کر لی ہے تو وہ اس سے الجھ پڑی تھی۔ مگر کرنل نرمی اور رسانیت سے اسے سمجھاتا رہا کہ یہ ضروری ہے تاکہ اس کا مشن مکمل ہو سکے۔

''تمہارا مشن کیا ہے؟''

''میں ایک چیز لینے پاکستان آیا ہوں لیکن مجھے یہاں تم بھی مل گئی ہو۔ بہرحال وہ چیز بہت اہم اور قیمتی ہے اگر ہم اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم بہت دولت مند ہو جائیں گے۔''

''راجا عمر دراز سے بھی زیادہ؟'' مہرو نے تعجب سے کہا۔

''راجا عمر دراز۔'' کرنل ہنسا۔''وہ بے چارہ اتنا دولت مند کہاں ہے یوں سمجھ لو کہ ہم مغربی پیمانے کے مطابق دولت مند ہو جائیں گے ڈالرز میں کروڑ پتی ہوں گے۔ میں تمہیں یوکرائن لے جاؤں گا وہاں ہم بلیک سی کے کنارے محل بنا کر اس میں رہیں گے۔''

مہرو کو معلوم نہیں تھا کہ یوکرائن کہاں تھا اور بلیک سی کے کنارے محل بنا کر رہنا کیسا ہو سکتا تھا لیکن کرنل کے خواب اس کی آنکھوں میں اتر آئے تھے اور وہ اس کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئی۔ اس نے پوچھا۔''وہ چیز کہاں ہے اور اسے کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔''

''تم جانتی ہو کہ وہ چیز کہاں ہے اور تم ہی اسے حاصل کر سکتی ہو۔'' کرنل نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''جانتی ہو تمہیں وہ جگہ یاد ہے جہاں تمہارے قبیلے والوں نے فتح خان کے ٹھکانے پر حملہ کیا تھا۔''

''ہاں یاد ہے۔''

''وہ وہاں سے ایک بریف کیس لے گئے تھے اور میں وہی بریف کیس لینے آیا ہوں۔''

مہرو حیران ہوئی تھی۔''مجھے نہیں معلوم ہے اور میں اسے کیسے حاصل کر سکتی ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم اپنے قبیلے سے اچھی طرح واقف ہو اس لیے تم ہی اسے حاصل کر سکتی ہو۔''

مہرو کانپ گئی۔ ''نہیں میں نے اپنے قبیلے میں قدم بھی رکھا تو وہ مجھے مار دیں گے۔''

''تم فکر مت کرو تمہاری حفاظت کی جائے گی اور تم بریف کیس بھی نکال لاؤ گی۔''

مہرو پریشان ہوگئی وہ کرنل کو سمجھانے لگی کہ اس کے قبیلے والے کیسے خوفناک لوگ تھے اور وہ اس کے بھی دشمن بن جائیں گے مگر کرنل نے اس کی باتوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا۔ وہ پُر اعتماد تھا لیکن اس وقت وہ پُر اعتماد نہیں رہا جب فتح خان نے اسے اطلاع دی کہ مذکورہ قبیلہ کنٹرول لائن کے دوسری طرف چلا گیا ہے۔ خاصے غور و خوض کے بعد انہوں نے پلان بنایا کہ مہرو اسی قسم کے خانہ بدوشوں کے دوسرے قبیلے کے ساتھ سفر کرے گی اور اپنے قبیلے تک پہنچ کر وہ بریف کیس واپس حاصل کر کے واپس آئے گی۔ یہ کام وہ کیسے کرتی اس کا سارا پلان کرنل نے مہرو کو بنا کر دیا اور پھر اس کی تربیت شروع کر دی وہ اسے ہتھیار چلانے اور خالی ہاتھ سے اپنے دفاع کی تربیت دے رہا تھا۔ مختصر عرصے میں اس نے مہرو کو خاصی حد تک ٹرینڈ کر دیا۔ اس سے مہرو نے اور بھی بہت کچھ سیکھا تھا۔ دوسری طرف فتح خان اس کے سفر کا انتظام کر رہا تھا۔

اب تک مہرو یہی سمجھ رہی تھی کرنل اسے سچ مچ پسند کرنے لگا ہے اور وہ اسے اپنے ساتھ لے کر جائے گا مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اسے احساس ہو رہا تھا کہ کرنل درحقیقت اسے استعمال کر رہا ہے اور شاید شروع سے اس کا مقصد یہی تھا۔ وہ فتح خان اور کرنل کے ساتھ اسلام آباد آئی یہاں فتح خان نے ایک دوسرا قبیلہ تلاش کر لیا پہلے اس نے لالچ دے کر سردار کو اس کام پر آمادہ کیا اور جب وہ آمادہ ہو گیا تو فتح خان نے اس کے نوجوان بیٹے کو اپنے قبضے میں کر لیا اور سردار سے کہا کہ جب وہ مہرو کو صحیح سلامت ان کی مطلوبہ چیز سمیت واپس لے آئے گا تو اس کا بیٹا اسے مل جائے گا۔ اگر سردار کی نیت میں کوئی خرابی تھی تو فتح خان کی اس حرکت کے بعد وہ بالکل تیر کی طرح سیدھا ہو گیا۔ وہ مہرو کو لے کر روانہ ہوا۔ انہوں نے جو تھم سے بھرے راستوں پر سفر کیا اور مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گئے۔ اس سفر میں حسب معمول کئی بوڑھے اور بچے سردی کے ہاتھوں زندگی ہار گئے تھے لیکن ان کے لیے یہ معمول کی بات تھی۔

جلد وہ اس جگہ جا پہنچے جہاں مہرو کا قبیلہ موجود تھا۔ انہوں نے اس کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا تھا۔ دونوں آپس میں ایک ہی نسل اور رسم و رواج سے تعلق رکھنے والے قبیلے تھے اس لیے ان میں میل جول بھی تھا۔ مہرو نے حلیہ بدلا اور اپنے قبیلے گئی۔ کئی دوسری عورتیں اس کے ساتھ تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ اگر بریف کیس قبیلے میں ہوا تو وہ سردار کے قبضے میں ہوگا اور سردار کے پاس ایک بڑا سا دھاتی ٹرنک تھا وہ اپنی تمام قیمتی چیزیں اسی میں رکھتا تھا۔ اس ٹرنک پر ایک نہایت مضبوط قسم کا تالا ہوتا تھا لیکن کرنل نے مہرو کو قفل شکنی کی تربیت اور ضروری آلات فراہم کیے تھے۔ یہی نہیں بلکہ کرنل نے اسے بالکل ویسا ہی ایک بریف کیس بھی دیا تھا۔ مہرو کو یہ رکھ کر دوسرا بریف کیس لانا تھا۔ کام آسان نہیں تھا لیکن مہرو نے کسی طرح سردار کا ٹرنک کھول کر یہ کام کر لیا۔ اس نے بریف کیس اتنی مہارت سے تبدیل کیا کہ سردار کو احساس بھی نہیں ہوا تھا اور نہ کسی نے اسے بدلے ہوئے حلیے میں پہچانا۔ آواز چھپانے کے لیے وہ گونگی بن گئی تھی۔ اس طرح ایک سنسنی خیز مہم انجام کو پہنچی۔

اب واپسی کا سفر تھا لیکن اس دوران میں دوسرے قبیلے میں ایک چکر شروع ہو گیا تھا مہرو کو اس کی خبر نہیں



تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کرنل اور فتح خان کی آپس میں ٹھن گئی ہے۔ جس وقت فتح خان سردار سے گٹھ جوڑ کر رہا تھا اور پھر اسے اپنے شکنجے میں کس رہا تھا اس وقت کرنل نے سردار کے نائب اور دست راست سے معاملہ کر لیا تھا۔ یہ اصل میں سردار کا سپہ سالار اور اس کے اقتدار کی اصل طاقت تھا۔ کیونکہ سردار کا لڑکا ابھی چھوٹا تھا۔ کرنل پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ بریف کیس کے حصول کے بعد فتح خان کا پتا صاف کر دے گا۔ اسی لیے اس نے نائب سے سودا کیا اور اب نائب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح سے بریف کیس پہلے حاصل کر لے اسے دو فائدے ہوتے اول کرنل اسے رقم ادا کرتا دوسرے فتح خان سردار زادے کو وعدہ خلافی پر مار دیتا اور نائب کا راستہ خود بہ خود صاف ہو جاتا۔

مہرو اس جھگڑے سے بے خبر تھی جو نائب اور سردار کے درمیان جاری تھا۔ نائب کا مطالبہ تھا کہ بریف کیس اپنے قبضے میں لے لیا اور منہ مانگی قیمت کے بدلے فتح خان کے حوالے کیا جائے جب کہ سردار اپنے بیٹے کی زندگی خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ نائب کا کہنا تھا کہ انہوں نے اتنا طویل اور مشکل ترین سفر بلاوجہ کیا تھا انہیں اس کا کچھ معاوضہ تو ملنا چاہیے تھا۔ فتح خان نے سودا پانچ لاکھ میں کیا تھا اور پیشگی ایک لاکھ دے کر سردار زادے کو قبضے میں لے لیا تھا۔ ظاہر ہے وہ باقی رقم ادا نہیں کرتا۔ کنٹرول لائن عبور کرنے تک یہ جھگڑا دبا رہا تھا مگر جب وہ سرحد عبور کر کے اس طرف آئے تو جھگڑا کھل کر سامنے آ گیا۔ نائب نے معاملہ سارے قبیلے کے سامنے رکھا اور سردار پر الزام لگایا کہ وہ صرف اپنے بیٹے کی خاطر سارے قبیلے کے مفاد کو نظر انداز کر رہا تھا۔ معاملہ رقم کا تھا اس لیے اکثر لوگ نائب کی حمایت کرنے لگے خاص طور سے وہ لوگ جن کے گھر کے فرد اس سفر میں موسم کا شکار ہوئے تھے۔ وہ زیادہ شور مچا رہے تھے۔

معاملے کو ملتوی رکھنے کے لیے سردار نے روٹ تبدیل کر دیا اور وہ آزاد کشمیر سے پنجاب آنے کے بجائے سرحد میں داخل ہو گئے وہ یہاں بھی آتے تھے مگر کئی سال بعد۔ ہزارہ کے اس علاقے میں انہوں نے ڈیرہ ڈالا اور اپنا جھگڑا سلجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ سردار کسی صورت اپنے بیٹے کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا دوسری طرف وہ اپنے لوگوں کو بھی مطمئن نہیں کر پا رہا تھا۔ نتیجہ شدید جھگڑے کی صورت میں برآمد ہوا اور دونوں طرف سے ہتھیار نکل آئے۔ فائرنگ میں سردار زخمی ہوا اور اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اب معاملات نائب کے ہاتھ میں تھے لیکن اس دوران میں مہرو نے حالات دیکھتے ہوئے چالاکی سے کام لیا اور بریف کیس ایک جگہ چھپا دیا تھا۔ جب نائب نے اس سے بریف کیس مانگا تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ وہ غضب ناک ہو کر اس پر تشدد پر اتر آیا تھا لیکن اتفاق سے اسی وقت ملک رفاقت اپنے آدمیوں کے ہمراہ وہاں سے گزرا اور اس نے مہرو کو دیکھا۔ کیونکہ یہ ان کا علاقہ تھا اس لیے ملک رفاقت نے دخل اندازی کی اس پر مہرو نے موقع سے فائدہ اٹھا کر شور مچایا اور الزام لگایا کہ اس کا اس قبیلے سے تعلق نہیں ہے اور وہ اس کے ساتھ زبردستی کر رہے تھے۔

ایک خوب صورت عورت کی فریاد نے نوجوان ملک رفاقت کو متاثر کیا تھا اور وہ اس کی حمایت کرنے لگا۔ پھر بات اتنی بڑھی کہ ملک رفاقت نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ ملک رفاقت اور اس کے مسلح ساتھی خانہ بدوشوں کے لیے مسئلہ نہیں تھے لیکن یہ ان کا علاقہ تھا اور وہ جھگڑا کر کے یہاں سے نکل نہیں سکتے تھے۔ اس لیے وہ دب گئے اور ملک رفاقت مہرو کو حویلی لے آیا۔ مگر اب خانہ بدوش ملک ریاض کی حمایت پا کر شیر ہو رہے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے حویلی کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس دوران میں ہم بھی یہاں آ کر پھنس گئے تھے اور اب تک یہاں سے نکلنے کی فکر کر رہے تھے مگر مہرو کے سامنے آنے کے بعد صورتِ حال بدل گئی تھی۔ اگر وہ عورت مہرو نہ ہوتی تو ہمارے لیے یہاں سے نکلنا مشکل نہیں تھا مگر مہرو کو ہم کسی صورت خانہ بدوشوں کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔

○.....❖.....○

میں نے غور سے مہرو کو دیکھا۔ ''وہ بریف کیس کہاں ہے؟''

''میں نے ایک جگہ زمین میں دبا دیا تھا۔''

''کیا وہ جگہ محفوظ ہے مطلب یہ کہ کوئی وہاں اتفاق سے نہ پہنچ جائے۔''

''نہیں میں نے خیال رکھا ہے۔'' مہرو بولی۔ ''لیکن اس مصیبت سے جان چھوٹے تو میں بریف کیس نکال سکتی ہوں۔''

''یہ مصیبت اتنی آسانی سے ٹلتی نظر نہیں آ رہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے چھوٹے ملک سے کیا کہا تھا۔''

مہرو کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ ''وہ اصل میں میرے چکر میں پڑ گیا ہے۔''

''اسے نہیں معلوم کہ تم شادی شدہ ہو؟''

''میں نے اسے نہیں بتایا..... مجھے خطرہ تھا اس صورت میں اس کی دلچسپی ختم ہو جائے گی اور وہ مجھے ان لوگوں کے حوالے کر دے گا۔''

ملک رفاقت یقیناً ایسا ہی کرتا۔ مہرو دیکھنے میں لڑکی جیسی لگتی تھی۔ حالانکہ وہ دو شوہر بھگتا چکی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ پہلے اس کی جسامت خاصی مضبوط تھی اور اس میں نسوانیت کا عنصر بھی اس مضبوطی کے تاثر کو زائل نہیں کر پاتا تھا لیکن اب وہ نازک اندام ہو گئی تھی اور مضبوطی والی بات محسوس نہیں ہوتی تھی شاید اسی لیے ملک رفاقت اسے لڑکی سمجھا تھا۔ اس نے مقامی طرز کا لباس پہن رکھا تھا یہ خانہ بدوشوں کے لباس سے خاصا مختلف تھا۔ اس نے اپنی کہانی خاصی تفصیل سے سنائی تھی اور اس میں تقریباً گھنٹہ گزر گیا تھا۔ خانہ بدوشوں کا دیا ہوا وقت ختم ہونے کے تھا اور وہ اس کے بعد حملہ کر سکتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ ان کی پوزیشن بہت مضبوط تھی اور پھر وہ اپنے آگ والے حربے کی وجہ سے سامنے آنے کا خطرہ مول لیے بغیر ہمیں بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتے تھے۔ ہماری جوابی کارروائی بہت زیادہ جانی نقصان کا باعث بن سکتی تھی اور اس سے نئے مسئلے کھڑے ہو جاتے۔ ملک ریاض جیسے سیاست دان بلاوجہ ہمارے دشمن بن جاتے۔

''اب تم کیا کرو گے۔'' مہرو نے پوچھا وہ مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ معاملہ پُرامن طریقے سے نمٹ جائے۔''

''اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔'' اس نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ ''میری قربانی دے دو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پہلے میں سمجھا تھا کہ تم سچ مچ اسی قبیلے کی لڑکی ہو اور اسی لیے میں تمہیں ان کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا لیکن اب معاملہ مختلف ہے اگر تم مہرو نہ ہوتیں تب بھی میں تمہیں ان کے حوالے نہ کرتا۔''

''تمہارے لیے بریف کیس بھی تو اہم ہے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اہم ہے لیکن کسی انسان کی جان سے زیادہ اہم نہیں ہے۔''

میں نے وسیم کو بلا لیا۔ ملک شفقت کو اوپر ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ میں نے وسیم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

''اب بولو اب کیا کرنا چاہیے؟''

''مہرو کو ان کے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''جنگ ناگزیر ہو گی۔''

''میرا خیال ہے پہل ہمیں کرنی چاہیے اور ان کو دہشت زدہ کر کے فرار پر مجبور کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔''

''ملک شفقت کا کیا ہو گا؟''

''یہ اپنے مسائل سے خود نمٹتا رہے گا۔'' وسیم نے شانے اچکائے۔

''ٹھیک ہے تب فوری کارروائی کرو ہمیں صبح سے پہلے یہاں سے نکلنا ہے۔'' میں نے گھڑی کی طرف دیکھا جس میں اب پانچ بج رہے تھے۔ ''ان کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے والی ہے۔''

اپنے آدمیوں کو چوکس کرتے ہوئے ہم چھت پر آئے۔ مشرق کی طرف ہلکی سی سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ ہم نے نائٹ ویژن دوربین اور چشموں سے آس پاس کا جائزہ لیا اور میں نے محسوس کیا کہ شروع کے مقابلے میں اب افراد کی تعداد کم تھی۔ سامنے اور دائیں بائیں اب تیس بتیس افراد تھے۔ وہ مختلف جگہوں پر دبکے ہوئے تھے اور ان کے ہیولے اتنے روشن نہیں تھے ایک آدمی کے زخمی ہونے کے بعد انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہمارے پاس تاریکی میں دیکھنے والے آلات ہیں اس لیے وہ سامنے آنے سے گریز کر رہے تھے۔ وہ ذرا پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے وسیم سے پوچھا۔ ''ہمارے پاس راکٹ لانچر ہیں؟''

''بالکل ہیں جناب۔ چار عدد لانچر اور دو درجن سے زیادہ گرینیڈز ہیں۔''

''ٹھیک ہے چاروں لانچر بیک وقت استعمال کرنے ہیں۔ نشانہ دیواروں کو بنانا ہے۔ دیواریں تباہ ہوں گی تو ان کے پیچھے موجود افراد دہشت زدہ ہو کر بھاگیں گے۔''

''لوگوں کو نشانہ نہیں بنانا ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے انکار کیا۔ ''اصل مقصد انہیں بھگانا ہے۔ دو راکٹ سامنے فائر کرنا اور ایک ایک دائیں بائیں۔ سامنے والے حصے کو صاف کرنا اصل کام ہے تاکہ ہم یہاں سے نکل سکیں۔''

وسیم نیچے روانہ ہو گیا تاکہ آدمی اور ہتھیار لا سکے۔ میں بدستور دوربین سے نیچے کا معائنہ کرتا رہا۔ خانہ بدوش زیادہ محتاط بھی نہیں تھے وہ بار بار اپنی جگہیں بدل رہے تھے۔ اس کی ایک وجہ شاید سردی بھی ہو سکتی تھی جو صبح کے قریب مزاج پوچھ رہی تھی۔ ان کی یہ نقل و حرکت ہمارے لیے مشکل پیدا کر سکتی تھی کیونکہ اگر وہ عین گرینیڈ فائر کرتے وقت اپنی جگہ سے حرکت کرتے تو ہماری احتیاط کے باوجود نشانہ بن سکتے تھے۔ کچھ دیر میں وسیم اپنے تین دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ راکٹ لانچر لے آیا تھا۔ گرینیڈز ایک باکس ٹائپ ڈبے میں بند تھے۔ گرینیڈ ان چاروں نے فائر کرنے تھے۔ وسیم دھیمی آواز میں انہیں بریفنگ دے رہا تھا۔ پھر وہ چاروں تیار ہو گئے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ راکٹ ایک ساتھ فائر کیے جائیں لیکن پھر میں نے ارادہ بدل دیا۔ وہ چاروں ایک ایک کر کے فائر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے تو اس کا اثر الگ ہوتا کیونکہ الگ الگ چار دھماکے محاصرہ کرنے والوں کے ہوش اڑا سکتے تھے۔

پہلے وسیم نے راکٹ سامنے والی دیوار کی طرف فائر کیا۔ ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ راکٹ ٹھیک نشانے پر دیوار پر لگا اور اس کے ٹکڑے بکھر گئے تھے۔ فوراً ہی آگ کی گیند نمودار ہوئی اور دھماکے کے بعد چیخیں سنائی دی تھیں۔ راکٹ نے تقریباً پندرہ فٹ کی دیوار صاف کر دی تھی۔ یہ میرے اندازے سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوا تھا۔ دیوار جس طرح اڑی تھی اس کے پیچھے کسی کا صحیح سلامت ہونا مشکل لگ رہا تھا۔ میں نے نائٹ ویژن آنکھوں سے ہٹائی تھی کیونکہ وہاں اتنی حرارت ہو گئی تھی کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ البتہ لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی میں نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ ''احتیاط سے فائر کرو یہ بہت تباہ کن ہتھیار ہے۔''

''نشانے سے ذرا پیچھے مارو۔'' وسیم نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی اور انہوں نے یکے بعد دیگرے تینوں راکٹ فائر کیے۔ چند سیکنڈ بعد میں نے نائٹ ویژن لگا کر دیکھا۔ بچنے والے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ جرأت کا مظاہرہ کرتے فائر بھی کرتے جا رہے تھے لیکن ان کے قدم نہیں رک رہے تھے۔ چار راکٹوں نے یقیناً ان کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''تم نیچے جاؤ اور روانگی کی تیاری کرو دو آدمی یہیں چھوڑ جاؤ اگر کسی طرف سے مزاحمت ہوئی تو ہم پھر راکٹ ماریں گے۔''

وسیم ایک آدمی کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ میں مستقل چاروں طرف نائٹ ویژن سے دیکھ رہا تھا۔ ابتدائی مورچوں سے تو سب ہی پسپا ہو گئے تھے لیکن کچھ فاصلے پر وہ دوبارہ جمع ہو رہے تھے۔ میں نے ایک ساتھی کو جگہ سمجھا کر راکٹ مارنے کا کہا اس نے ٹھیک اسی جگہ نشانہ لیا۔ یہ جگہ باغ میں تھی اور دھماکے کے ساتھ کئی درخت بھی ہوا میں بلند ہوئے تھے۔ اس سے کچھ فاصلے پر موجود لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا لیکن وہ دہشت زدہ ہو کر بھاگے تھے۔ اس طرح کا ایک گرینیڈ فائر بائیں طرف کیا تو وہاں موجود رہنے والے خانہ بدوش بھی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سامنے والا حصہ انہوں نے پہلے ہی خالی کر دیا تھا۔ وسیم نیچے سے بھاری مشین گن لے آیا تھا اس نے دونوں طرف اس سے کئی برسٹ مارے تاکہ اگر کوئی موجود ہو بھی تو پھر رکنے کی جرأت نہ کرے۔ خانہ بدوشوں نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ ہمارے پاس اتنے خطرناک ہتھیار بھی ہو سکتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان صاف ہو گیا تھا۔

''میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''اتنی عجلت نہیں۔'' میں نے نیچے جاتے ہوئے کہا۔ ''آس پاس نظر رکھو اور اگر وہ پاس آنے کی کوشش کریں تو مناسب کارروائی کرنا۔''

میں نیچے آیا تو وسیم کے آدمی مستعد تھے انہوں نے ملک شفقت کو بھی بیٹے کے ساتھ ایک جگہ بند کر دیا تھا۔ مہرو بے چین تھی مجھے دیکھتے ہی وہ پاس آئی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''ان کو بھگا رہے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ بتاؤ بریف کیس کہاں دفن کیا ہے ہم کچھ دیر میں یہاں سے نکلیں گے اور بریف کیس حاصل کر کے اس علاقے سے نکل جائیں گے۔''

''بریف کیس اس جگہ سے کچھ دور چھپایا ہے جہاں قبیلے والے رکے ہوئے ہیں اور وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ میں تو کہتی ہوں یہاں سے نکل چلو بریف کیس بعد میں حاصل کرتے رہنا۔''



''نہیں بڑی مشکل سے تو بریف کیس سامنے آیا ہے اب میں اسے بہر صورت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے انکار کیا۔ ''تم اندازے سے سمجھاؤ کہ وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے۔''

مہرو نے پین سے کاغذ پر نقشہ بنا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ بریف کیس والی جگہ کس طرف اور کتنی دور تھی۔ فاصلوں کا اسے خود ٹھیک سے علم نہیں تھا۔ میں نے اندازہ لگانے کے بجائے ملک رفاقت سے بات کرنا مناسب سمجھا وہ بے بس بندھا پڑا تھا۔ میں نے اس کے منہ سے کپڑا نکالا اور پوچھا۔ ''وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے جہاں سے خانہ بدوش ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''تم کیوں پوچھ رہے ہو اور باہر کیا ہو رہا ہے؟''

''میں بتاتا ہوں لیکن پہلے میرے سوال کا جواب دو۔''

''شمال کی طرف کوئی دو میل دور ہے اسی سڑک کے ساتھ جانا ہوگا۔''

''ہم نے فی الحال خانہ بدوشوں کو بھگا دیا ہے اور اب یہاں سے جا رہے ہیں تم لوگ اپنی حویلی کی حفاظت کی ذمے داری سنبھال لو۔''

ملک رفاقت کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''تم نے کیسے بھگا دیا اور یہ دھماکے کیسے تھے؟''

''ان ہی دھماکوں کی وجہ سے وہ بھاگے ہیں ممکن ہیں ان کے کچھ آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے ہوں۔''

وسیم کے آدمیوں نے سامان دوبارہ گاڑیوں پر لاد دیا تھا۔ وسیم نے اطلاع دی کہ فی الحال تو آس پاس کوئی فرد نظر نہیں آ رہا ہے۔ صبح ہونے والی تھی میرا ارادہ تھا کہ روشنی ہونے پر یہاں سے نکلیں تاکہ کوئی تاریکی میں گھات لگا کر ہمیں نہ روک سکے۔ ہم نے ملک شفقت اور ملک رفاقت کو آزاد کرا دیا تھا لیکن ان کے آدمی قید تھے اور اسلحہ بھی نہیں دیا تھا۔ ملک رفاقت یہ سن کر تڑپ گیا کہ مہرو ہمارے ساتھ جا رہی ہے۔ ''اسے کیوں لے جا رہے ہو؟''

میں نے نرمی سے کہا۔ ''برخوردار تم اس کے بارے میں شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو وہ لڑکی نہیں بلکہ ایک شادی شدہ عورت ہے اور اس کا شوہر بھی موجود ہے۔''

رفاقت نے ناقابل یقین نظروں سے مہرو کی طرف دیکھا۔ ''یہ..... یہ سچ ہے؟''

''ہاں یہ سچ ہے۔'' مہرو نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے میں نے تم سے یہ بات چھپائی تھی۔''

اپنے فرزند ارجمند کی حماقت سامنے آنے پر ملک شفقت نے اسے گھورا اور مجھ سے کہا۔ ''شہباز صاحب میں آپ کا شکر گزار ہوں جو اس عورت اور خانہ بدوشوں سے میرا پیچھا چھڑوایا ہے۔''

''اسے تو میں لے جا رہا ہوں لیکن خانہ بدوشوں کے بارے میں، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا عین ممکن ہے وہ دوبارہ پلٹ کر اس طرف آئیں۔''

''اب میں انہیں دیکھ لوں گا۔'' ملک شفقت نے حوصلے سے کہا۔

ہم چاروں گاڑیوں کے ہمراہ وہاں سے نکلے اور اوپر کی طرف روانہ ہو گئے۔ سورج ابھی مشرق سے سر اٹھا رہا تھا لیکن پہاڑوں پر روشنی پھیل چکی تھی۔ ہم اپنے ہتھیاروں کے ساتھ پوری طرح ہوشیار تھے۔ وسیم ڈرائیو کر رہا تھا اور میں نے رائفل سنبھال رکھی تھی۔ دس منٹ بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں خانہ بدوش مقیم تھے لیکن اب وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ خالی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں سے پڑاؤ اٹھالیا گیا تھا۔ میں نے پلٹ کر مہرو کی طرف دیکھا۔ ''وہ اسی جگہ تھے؟''

''ہاں لیکن ایسا لگ رہا ہے وہ یہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔''

''ممکن ہے ملک ریاض نے انہیں کہیں اور منتقل کر دیا ہو۔ یہ بتاؤ بریف کیس کس جگہ ہے۔''

مہرو نے ایک بلند چوٹی کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ جو اوپر گھنے درخت نظر آ رہے ہیں ان کے نیچے ایک جگہ چھپایا ہے۔''

وہاں تک پیدل ہی جانا ممکن تھا میں نے وسیم اور تین ساتھیوں کو گاڑیوں کے پاس چھوڑا۔ وسیم ساتھ چلنے پر اصرار کر رہا تھا لیکن میں نے اسے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا یہاں بھی کوئی فیصلہ کرنے والا موجود ہونا چاہیے تھا۔ میں تین ساتھیوں اور مہرو کو لے کر پہاڑ کی طرف بڑھا۔ ہم ممکنہ حد تک درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے اور ایسی جگہوں سے گریز کر رہے تھے جہاں دور سے نظر آ جائیں۔ مجھے شبہ تھا کہ یہاں سے کچھ افراد نگرانی کر رہے ہوں گے۔ خانہ بدوشوں کی غیر موجودگی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ جگہ ملک ریاض کی زمینوں کے پاس تھی شاید بعد میں کسی الزام سے بچنے کے لیے ملک ریاض نے انہیں یہاں سے اٹھا دیا تھا البتہ اس نے یہاں اپنے کچھ افراد کو چھوڑا ہو گا۔ مگر ہمیں کسی نے نہیں روکا اور ہم آرام سے پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔ یہ جگہ سڑک سے کوئی پانچ چھ سو فٹ بلند تھی اور جب میں نے پلٹ کر گاڑیوں کی طرف دیکھا تو وہ مجھے کھلونوں جیسی لگی تھیں۔ مہرو بے تابی سے درختوں میں داخل ہونا چاہتی تھی میں نے اسے روک دیا۔

''اتنی جلدی کیا ہے؟''

وہ خوف زدہ ہو گئی۔ ''کیا اندر کوئی ہے؟''

''ہو سکتا ہے ہمیں ہر صورت حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' میں نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ پھیل کر مختلف سمتوں سے درختوں میں داخل ہونے لگے۔ اگر راستہ صاف تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہاں بھی کوئی نہ ہوتا۔ گھات لگانے کے لیے یہ سب سے اچھی جگہ تھی بشرطیکہ دشمن کو پتا ہوتا کہ ہم یہیں آئیں گے۔ تین ساتھیوں کے بعد میں بھی اندر داخل ہوا اور ہم خاموشی سے سن گن لے رہے تھے۔ مہرو میرے پیچھے چل رہی تھی۔ اندر مکمل خاموشی تھی۔ رفتہ رفتہ ہم نے سارا جھنڈ دیکھ لیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو باہر کی سمتوں پر متعین کیا اور مہرو سے کہا۔ ''اب بتاؤ بریف کیس کہاں ہے؟''

مہرو ایک طرف بڑھی۔ ''وہ یہاں ہے۔''

مہرو دو درختوں کے درمیان والی جگہ داخل ہوئی اور پھر جھٹکے سے رک گئی۔ ''یہ کیا.....؟'' اس کے منہ سے نکلا۔ میں تیزی سے آگے آیا تو میں بھی رک گیا۔ یہاں زمین پر پتھر یوں بکھرے تھے جیسے انہیں ہٹا دیا ہو۔ ان کے ہٹانے سے ایک گڑھا بن گیا تھا اور اس میں ایک کاغذ رکھا تھا میں نے آگے بڑھ کر کاغذ اٹھایا اس پر انگریزی میں ٹائپ تھا۔ ''ڈیئر مہرو بہت شکریے اور پیار کے ساتھ..... امید ہے اب تم سے ملاقات نہیں ہو گی..... صرف تمہارا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ کرنل یہاں کام دکھا گیا تھا۔ وہ پہلے ہی آ کر بریف کیس نکال گیا تھا۔



پرچہ دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ ہاتھ ہو گیا ہے لیکن یہ پرچہ پڑھ کر معلوم ہوا کہ کام کس نے دکھایا ہے مہرو بھی صدمے میں تھی پھر اس نے کاغذ کے بارے میں پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''دیکھ لو۔'' میں نے اس کی طرف بڑھایا پھر مجھے خیال آیا کہ اسے پڑھنا کہاں آتا ہے اردو انگریزی کا سوال تو بعد میں آتا تھا۔ ''یہ کرنل کی طرف سے ہے تمہارے لیے۔''

''کرنل، وہ کہاں سے آ گیا؟'' مہرو نے اضطراری انداز میں کاغذ مجھ سے لے لیا۔ ''کیا لکھا ہے اس میں؟''

میں نے اسے لفظ بہ لفظ پڑھ کر سنایا اور پھر اس کا ترجمہ پیش کیا۔ مہرو کا چہرہ تاریک ہو گیا اس نے زیر لب کہا۔ ''تو وہ یہاں بھی آ گیا تھا۔''

''وہ بہت ذہین آدمی ہے میرا خیال ہے تمہارے نکلنے کے بعد وہ خانہ بدوشوں تک پہنچا ہو گا انہیں تمہارے پیچھے لگا کر اس نے آرام سے بریف کیس تلاش کیا ہو گا اور یہاں کے یہ پرچہ رکھ کر رخصت ہو گیا۔''

''لیکن اسے کیسے پتا چلا کہ میں نے بریف کیس یہاں چھپایا ہے۔''

''بہت آسانی سے..... اس پہاڑی کے آس پاس ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جہاں انسان بلا خوف و خطر کوئی چیز چھپا سکے۔ سوائے اس پہاڑی اور اس جھنڈ کے، کیونکہ یہاں کوئی نہیں آتا ہو گا اور یہاں چھپائی چیز کو تلاش کرنے کا مسئلہ بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے کرنل سیدھا یہیں آیا ہو گا اور اسے کچھ دیر لگی ہو گی لیکن اس نے بالآخر بریف کیس تلاش کر لیا ہو گا۔''

مہرو کا منہ لٹک گیا تھا۔ ''اس کا مطلب ہے وہ بریف کیس ہاتھ سے گیا۔''

''سامنے کی بات ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اب یہاں سے نکلو اس سے پہلے کہ کوئی اور مصیبت نازل ہو جائے۔''

ہم باہر آئے اور نیچے کی طرف روانہ ہو گئے۔ کامیابی بالکل پاس آ کر ناکامی ایک بار میرا منہ چڑا گئی تھی اور ایسا بریف کیس کے معاملے میں ہوتا تھا۔ جب اسے حاصل کرنے کا موقع نظر آتا وہ ہاتھوں میں آ کر پھسل جاتا تھا اور اب وہ کرنل کے پاس جا چکا تھا جو اس کا سودا کسی بڑی طاقت سے کرنے کا اہل بھی تھا۔ گویا بریف کیس تقریباً میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ کرنل صرف اسی کے چکر میں پاکستان آیا تھا اور اب اپنا مقصد پورا کر کے وہ یہاں سے جا رہا تھا۔ یا شاید جا چکا تھا۔ اگر وہ کوئی ہیلی کاپٹر ہائر کرتا تو چند گھنٹوں میں سرحد پار کر سکتا تھا۔ وسیم مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر سمجھ گیا۔ اس نے مایوسی سے کہا۔ ''بریف کیس نہیں ملا؟''

''اسے کرنل زریسکی لے اڑا۔'' میں نے کاغذ اسے تھمایا۔ ''میرا خیال ہے خانہ بدوشوں کے حملے کے پیچھے وہی تھا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وسیم فکر مند ہو گیا۔ ''اگر ملک ریاض اس معاملے میں شامل نہیں تھا تو جلد یہاں پولیس آنے والی ہو گی اور ہمیں اس سے پہلے اس علاقے سے دور نکل جانا چاہیے۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا اور ہم فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں بس مہرو ہاتھ آئی تھی اور وہ ہمارے کسی کام کی نہیں تھی بلکہ اس کی صورت میں ایک اضافی ذمے داری ہمارے سر آ گئی تھی۔ کرنل کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں سن کر اور اس کی تحریر کے بارے میں جان کر وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔ بے شک کرنل دھوکے باز تھا لیکن وہ بہر حال اس کا شوہر تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''مہرو اب تم کیا کرو گی اور کہاں جاؤ گی اس بارے میں سوچا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم کہ میری جیسی بے سہارا عورتوں کا ٹھکانہ کہاں ہو سکتا ہے۔'' اس نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ ''اگر تم میری وجہ سے پریشان ہو تو مجھے کسی بھی شہر میں اتار دینا۔''

''ہم اتنے سفاک نہیں ہیں کہ تمہیں یوں بے سہارا چھوڑ دیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم جانتی ہو ہم کیسی زندگی گزار رہے ہیں اس میں ہمہ وقت خطرات ہوتے ہیں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''اب تو میں بھی خطرات کی عادی ہو گئی ہوں لیکن میں تم لوگوں پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔''

''تمہارا مسئلہ بعد میں دیکھیں گے۔'' وسیم نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔ ''فی الحال تمہارے اس نام نہاد شوہر کا مسئلہ ہے۔''

''وہ سچ مچ میرا شوہر ہے۔'' مہرو نے تیز لہجے میں کہا۔ ''نکاح پڑھایا تھا اگر اس کے دل میں کھوٹ تھا تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔''

''او کے..... او کے۔'' وسیم نے کہا اور مجھ سے بولا۔ ''جناب وہ ابھی راستے میں ہو گا کیا ہم تیزی سے سفر کر کے اسے نہیں روک سکتے ہیں؟''

وسیم کی بات نے مجھے راستہ دکھایا تھا میں نے ایک بار پھر کاغذ کا معائنہ کیا اور مجھے محسوس ہوا کہ یہ بالکل تازہ تھا یعنی اسے پتھروں میں رکھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ کیونکہ رات کو یہاں اوس پڑتی ہے اور کاغذ پر ایسا کوئی نشان نہیں تھا اگر اسے رات کے وقت رکھا گیا ہوتا تو اس پر لازمی کچھ نہ کچھ نمی کا اثر ہوتا۔ ہم بھی بالکل صبح سویرے وہاں پہنچے تھے تو اس کا مطلب تھا کہ کاغذ ہماری آمد سے کچھ پہلے ہی وہاں رکھا گیا تھا اور اس صورت میں کرنل یہاں سے زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔ مگر اس کا پیچھا کرنے میں دو قباحتیں تھیں۔ اول وہ کس راستے سے گیا تھا اور دوسرے وہ کس چیز پر گیا تھا اگر اس کے پاس کوئی طاقتور فور وہیل ڈرائیو تھی تو اس کا تعاقب کرنا آسان نہیں تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''میرا اندازہ ہے وہ کچھ دیر پہلے ہی یہاں سے نکلا ہو گا۔ کاغذ بالکل صاف ہے۔''

''اسی وجہ سے میں نے آپ سے کہا ہے۔''

''یہاں سے جانے کے کتنے راستے ہیں۔''

''ویسے تو کئی راستے ہیں۔'' وسیم نے کہا اور گاڑی ایک طرف روک لی ہم ملک شفقت کی حویلی سے آگے نکل آئے تھے۔ اس نے نقشہ نکالا۔ ''یہ دیکھیں..... یہ سڑک بھی اسلام آباد پنڈی کی طرف جاتی ہے اور یہ سڑک بھی جا رہی ہے۔''

''تم لوگ غلط سمت میں دیکھ رہے ہو۔'' مہرو نے مداخلت کی۔

وسیم نے اسے گھورا۔ ''کیا مطلب؟''

''وہ پنڈی اسلام آباد نہیں بلکہ شمالی علاقے کی طرف گیا ہو گا اسے ان ہی روٹس پر تلاش کرو۔''



''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے وہ شمالی علاقے کی طرف گیا ہو گا۔'' میں نے کہا تو وسیم نے نئے سرے سے نقشہ دیکھنا شروع کیا اور اس بار اس نے زیادہ آسانی سے روٹ تلاش کر لیا۔ ''اگر اس کا رخ سوات کی طرف ہو گا تو وہ لازمی اس راستے سے گزرے گا کیونکہ یہی سب سے آسان اور بہتر ہے۔''

''ہمیں اس طرف کا رخ کرنا چاہیے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''لیکن زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں ہے صرف دو گاڑیاں اور دو آدمی ساتھ لے لو..... باقی گاڑیاں واپس بھیج دو۔''

وسیم تیزی سے حرکت میں آیا اس نے دو جاندار والی گاڑیاں منتخب کیں اور ان میں ضروری اسلحہ منتقل کیا۔ باقی اسلحہ دو گاڑیوں میں منتقل کر کے ان کے ساتھ باقی چار کو واپس جانے کا حکم دیا۔ انہیں عبداللہ کا نمبر دے دیا کہ وہ پنڈی کے پاس پہنچ کر اسے کال کریں اور پھر وہ جو کہے ویسا ہی کریں۔ یہ دو گاڑیاں وہیں سے واپس چلی گئیں دوسری گاڑی میں وسیم کے دو آدمی تھے جب کہ ہم تین پہلی گاڑی میں تھے۔ یہ طاقتور انجن والی ڈبل کیبن جیپ تھی جو پہاڑی راستوں پر بھی بہترین کارکردگی دکھاتی ہے۔ مختلف لنک سڑکوں سے گزرتے ہوئے ہم دو گھنٹے بعد سوات جانے والی سڑک پر آ گئے تھے۔ یہ پہاڑی سڑک بہت اچھی حالت میں تو نہیں تھی لیکن پھر بھی اس قابل تھی کہ اس پر تیز رفتاری سے ڈرائیو کی جا سکتی تھی۔ موسم بہترین تھا اور سورج نکلا ہوا تھا اس لیے وسیم نے اپنی ڈرائیونگ کے جوہر دکھائے۔ بعض اوقات تو وہ خطرناک حد تک رفتار تیز کر لیتا تھا اور مہرو کے ساتھ میرا سانس بھی رک جاتا تھا۔ مگر یہ ٹوکنے کا موقع نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ کرنل بھی آندھی طوفان کی طرح گیا ہو گا۔ سب نے سیٹ بیلٹ باندھ رکھی تھی۔ ہمارے ہاں نوے فیصد گاڑیوں میں سیٹ بیلٹ نہیں ہوتی ہے اور حادثات میں نوے فیصد اموات اسی لیے ہوتی ہیں کہ ان میں سیٹ بیلٹ نہیں بندھی ہوتی ہے۔ اس لیے بعض اوقات معمولی سا حادثہ بھی جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں روڈ اور ڈرائیو سیفٹی کے اصولوں پر اکثر عمل کرتے ہیں اس لیے وہاں شدید حادثوں میں لوگ بچ جاتے ہیں۔

دوپہر تک ویسے تو صحیح سلامت رہے تھے لیکن بھوک سے جان لبوں پر آ گئی تھی اس لیے مجبوراً ایک جھگی ہوٹل کے سامنے رکے جہاں ٹرک ڈرائیور لنچ تناول فرما رہے تھے اور ڈیک پر اونچی آواز میں پشتو گانے چل رہے تھے مہرو کے ساتھ یہاں لنچ کرنا تماشہ بن جانے کے برابر ہوتا اور ہمارے پاس وقت بھی نہیں تھا۔ اس لیے وسیم کے آدمی لنچ پیک کروا لائے انہوں نے بھنا ہوا دنبے کا گوشت اور تندوری نان لیے تھے انہیں سفر کے دوران بھی آسانی سے کھایا جا سکتا تھا۔ ایک بڑا کین پانی کا لے لیا اور ہم آگے روانہ ہو گئے۔ پہلے میں نے اور مہرو نے لنچ کیا اور پھر میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور وسیم نے لنچ کیا تھا۔ اسی طرح دوسری گاڑی میں موجود تین افراد نے لنچ کیا تھا۔ وسیم خاصی دیر سے ڈرائیو کر رہا تھا اس لیے اس بار ڈرائیونگ میں نے سنبھالے رکھی۔ تین بجے موسم بدلنے لگا تھا آسمان پر گھنے بادل نمودار ہوئے اور پھر کچھ دیر بعد بارش ہونے لگی۔ جیسے جیسے ہم آگے جا رہے تھے بارش کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ دراصل ہم بارش کے ریجن میں داخل ہو گئے تھے۔ اب سفر مشکل اور خطرناک ہو گیا تھا۔ سورج نکلا ہوا تھا لیکن بادلوں کے پیچھے روپوش تھا اس لیے ماحول تاریک اور دھواں دھار ہو رہا تھا۔ ایسی حالت میں ایک خاص حد سے زیادہ رفتار خطرناک ہو سکتی تھی۔ بارش کے ساتھ رہ رہ کر بادل بھی گرج رہے تھے اس لیے جب وسیم نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جناب کہیں فائرنگ ہو رہی ہے۔''

تو میں نے جواب دیا۔''بادل گرج رہے ہیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''نہیں یہ فائرنگ کی آواز ہے۔''

اسی لمحے میں نے بھی آواز سن لی اور پھر ایک موڑ کاٹتے ہی منظر بھی سامنے آ گیا۔ ایک بڑی فور وہیل ڈرائیو سڑک کے وسط میں رکی ہوئی تھی اور ذرا آگے موڑ سے کچھ افراد اس پر گولیاں برسا رہے تھے۔ وسیم نے اسی جگہ جیپ روک لی اور پیچھے آنے والی گاڑی بھی رک گئی۔ پھر ہم ذرا ریورس میں آئے کیونکہ اس جگہ تک گولیاں آ رہی تھیں۔ محفوظ مقام پر آتے ہی میں اور وسیم نیچے اتر آئے۔ بارش نے فوراً ہی مزاج پوچھا تھا پانی کے قطرے جیسے سیدھے کسی فریزر سے آ رہے تھے۔ وسیم نے دور مار اسنائپر رائفل نکالی اور میری طرف دیکھا۔''میں اوپر جا رہا ہوں ان افراد کو نشانہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں جو فور وہیل پر گولیاں برسا رہے ہیں۔''

''سنو تم اس معاملے میں کیوں دخل دے رہے ہو۔'' مہرو نے گاڑی سے جھانک کر کہا۔

''کیونکہ ہمیں دخل دینے کی عادت ہے۔'' میں نے جواب دیا اور رائفل لے کر موڑ کی طرف بڑھ گیا میں وسیم کی حکمتِ عملی سمجھ گیا تھا وہ اوپر سے ان لوگوں کو زیادہ آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ جو خود کار رائفلوں سے گولیوں کا مینہ برسا رہے تھے ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ فور وہیل ڈرائیو میں موجود ہر ذی روح کو فوت کرنا چاہتے ہوں۔ ان سے نمٹنے کی دو وجوہات تھیں ایک وجہ تو ان کا یہی قاتلانہ موڈ تھا اور دوسرے وہ ہمارے راستے میں حائل تھے۔ ظاہر ہے وہ شرافت سے ہمیں آگے جانے کی اجازت کہاں دیتے؟ اس لیے ان سے نمٹنا ہی تھا۔ پچھلی گاڑی سے بھی دو افراد اتر کر آ گئے۔ وہ بھی پوری طرح مسلح تھے ایک کو انہوں نے گاڑی میں چھوڑ دیا تھا۔ میں نے نائٹ ویژن دوربین لی۔ ویسے تو یہ رات میں کام آتی تھی لیکن اس وقت بھی تقریباً رات جیسا سماں تھا۔ موڑ تک آ کر میں نے دوربین سے جائزہ لیا فوراً ہی مجھے فور وہیل ڈرائیو میں ایک دھبہ دکھائی دیا یعنی اس میں کوئی زندہ فرد موجود تھا۔ نائٹ ویژن دوربین انفرا ریڈ کی مدد سے دکھاتی ہے اور یہ لہریں اگر طاقتور ہوں یا دیکھنے والی دوربین طاقتور ہو تو چیزوں کے آر پار بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی وجہ سے گاڑی میں دبکا ہوا آدمی بھی نظر آ گیا تھا۔ پھر میں نے دوربین کو موڑ پر چھپے افراد پر فوکس کیا۔ وہاں تین افراد تھے اور ان کے ہاتھوں میں موجود خود کار رائفلیں رہ رہ کر شعلے اگل رہی تھیں جو اس دوربین سے بہت واضح دکھائی دے رہے تھے۔ گولیاں فور وہیل سے ٹکرانے کی آواز یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔ اسی لمحے اسنائپر رائفل چلنے کی آواز آئی اور تین میں سے ایک گر گیا۔ وہ گرتے ہی ساکت ہو گیا تھا یعنی گولی اسے کسی نازک جگہ لگی تھی اور شاید وہ مر چکا تھا۔ باقی دو نے گھبرا کر فائرنگ روک دی اور آس پاس دیکھنے لگے۔ اسی بار وسیم نے ایک کے نچلے دھڑ کا نشانہ لیا اور وہ دھڑام سے نیچے گر گیا۔ دوسرے نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچا۔ اب موقع تھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے ان دونوں سے کہا اور جھک کر فور وہیل ڈرائیو کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ دونوں میرے پیچھے تھے۔ فور وہیل کوئی سو گز دور کھڑی تھی اس تک پہنچ کر میں نے دوبارہ دوربین سے اگلے موڑ کا معائنہ کیا لیکن اب وہاں کوئی روشن ہیولہ نہیں تھا۔ اگر پہلا والا بچ گیا تھا تو اس کے ساتھی اسے بھی اٹھا کر لے گئے



میں نے ایک ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ پہاڑی کی دیوار کے ساتھ ساتھ موڑ کی طرف جانے لگا۔ میں نے فور وہیل کا عقبی دروازہ کھولا اور اندر جھانکا ایک شخص اسٹیرنگ وہیل کے ساتھ والی خالی جگہ دبکا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھلنے کی آہٹ پر حرکت کرنے کی کوشش کی لیکن وہ زخمی تھا اس لیے بس ہل کر رہ گیا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''ہم دشمن نہیں ہیں ہم پر فائرنگ کرنے والوں کو مار بھگایا ہے۔''

وہ کراہا میں نے اس بار فور وہیل کا اگلا دروازہ کھولا اور زخمی کو سیدھا کیا اور دم بخود رہ گیا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹے شاید میری حیرت کے لیے مخصوص تھے۔ پہلے غیر متوقع طور پر مہرو مل گئی اور اس نے بریف کیس کا بھی بتایا تھا۔ پھر بریف کیس کرنل زریسکی عرف عبدالرحمٰن لے بھاگا تھا اور اب وہی کرنل میرے سامنے زخمی حالت میں موجود تھا۔ اس کی جیکٹ سینے اور پیٹ والی جگہ سے سرخ ہو رہی تھی اور وہ نیم وا آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے احتیاط سے اسے کھینچ کر برابر والی نشست پر ڈالا اور نشست کو ممکن حد تک پیچھے کر دیا تب ہی مجھے دونوں سیٹوں کے درمیان چیزیں رکھنے والی مخصوص جگہ چینی بریف کیس نظر آ گیا لیکن فی الحال کرنل میری توجہ کا زیادہ مستحق تھا بہرحال کرنل اور بریف کیس دیکھتے ہی مجھے ان لوگوں پر فائرنگ کا جو تھوڑا بہت افسوس تھا وہ خوشی میں بدل گیا۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔''ہوشیار رہنا اور اگر کوئی مداخلت کرے تو بے دریغ فائر کرنا یہ دشمن ہیں۔''

''میں ہوشیار رہوں جناب۔'' اس نے مستعدی سے کہا۔

میں نے کرنل کی جیکٹ کھولی اسے سینے اور پیٹ پر دو گولیاں لگی تھیں سینے پر گولی دائیں طرف تھی یعنی دل کو نقصان نہیں ہوا تھا لیکن پھیپھڑا متاثر ہوا تھا اور پیٹ والی گولی شاید آنتوں کو نقصان کرتی نکل گئی تھی۔ کسی اہم عضو کو نقصان نہیں ہوا تھا لیکن اس کا خون خاصا بہہ چکا تھا اس کا اندازہ مجھے وہاں نشستوں اور نیچے موجود خون کی مقدار سے ہوا تھا۔ کرنل کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ اس کے زخموں سے اب بھی رہ رہ کر خون ابل رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی کو وہیں رکنے کو کہا اور واپس گاڑی کی طرف بھاگا۔ اس میں طبی امداد کی کٹ موجود تھی۔ وسیم نیچے آ گیا تھا میں نے اسے کرنل کے بارے میں بتایا تو وہ دنگ رہ گیا تھا اور مہرو تڑپ کر گاڑی سے باہر آ گئی۔

''عبدالرحمٰن..... وہ یہاں ہے۔''

''وہ کرنل زریسکی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔''وہ زخمی ہے میں اسے دیکھنے جا رہا ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ فتح خان بھی کہیں آس پاس موجود ہے۔'' وسیم نے کہا۔''میں نے ایک کو شوٹ کر کے ٹھیک کیا۔ بہرحال وہ بھاگ گئے ہیں۔''

میں نے میڈیکل کٹ نکالی اور وسیم کے ساتھ فور وہیل تک آیا۔ ڈرائیونگ سیٹ والے حصے سے اندر آ کر میں نے کٹ سے خون روکنے والے پیڈ نکال کر زخموں پر رکھے اور مضبوطی سے چپکنے والے ٹیپ سے انہیں باندھ دیا۔ وسیم میرے ساتھ تھا اس نے زخم دیکھے اور بولا۔''اسے فوری کسی اسپتال پہنچانا ہوگا ورنہ یہ زیادہ خون بہنے سے مر جائے گا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے تم گاڑی یہاں لاؤ اور اپنے آدمیوں کو الرٹ کر دو مجھے تمہارا خیال درست لگ رہا ہے فتح خان آس پاس موجود ہے یہ اسی کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں واپس جانا ہوگا۔''

وسیم بریف کیس نکال کر لے گیا۔ اس دوران میں مہرو منع کرنے کے باوجود گاڑی سے اتر کر بھیگتی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں آ گئی تھی۔ کرنل کو اس حالت میں دیکھ کر وہ رونے لگی۔ میرے خیال میں وہ جذباتی ہو رہی تھی کیونکہ کرنل اس سے کام نکل جانے کے بعد اسے اپنی زندگی سے خارج کر چکا تھا۔ بہرحال یہ اس کا ذاتی مسئلہ تھا اس لیے میں نے اسے منع نہیں کیا۔ وسیم گاڑی لے آیا اور ہم نے کرنل کو پچھلی نشست پر منتقل کیا۔ مہرو اس کے ساتھ بیٹھ گئی اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ جب میں نے کرنل کو دیکھا تو اس وقت وہ نیم غشی کی کیفیت میں تھا لیکن اب وہ مکمل بے ہوش ہو گیا تھا۔ وہ بریف کیس حاصل کر کے واپس جا رہا تھا کہ اس پر حملہ ہوا اور وہ شدید زخمی ہوا تھا۔ گاڑی میں ایک خودکار رائفل موجود تھی کرنل اس سے اپنا دفاع کرتا رہا تھا مگر حملہ آور تعداد میں زیادہ تھے۔ ان کی فائرنگ سے وہ زخمی ہوا تھا اور اگر ہم وہاں نہ پہنچتے تو حملہ کرنے والے یقیناً اسے مار چکے ہوتے۔ وہ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

اس علاقے میں سب سے بڑا شہر ایبٹ آباد تھا اور وہاں کرنل کو طبی امداد مل سکتی تھی۔ میں نے نقشہ پھیلا کر دیکھا۔ ایبٹ آباد یہاں سے کوئی دو گھنٹے کی مسافت پر تھا لیکن اس موسم میں گاڑی ایک حد سے زیادہ رفتار پر نہیں چلائی جا سکتی تھی ورنہ اس کا بھی امکان تھا کہ سب ہی اسپتال پہنچ جاتے یا اسپتال پہنچنے کے قابل بھی نہ رہتے۔ مہرو ہر تھوڑی دیر بعد رفتار بڑھانے کے کہتی تھی اور وسیم ہر بار اسے بتاتا کہ اس سے زیادہ رفتار سے گاڑی نہیں چل سکتی ہے۔ ایک بار اس نے تنگ آ کر کہا۔ ''تم کیوں رو دھو رہی ہو..... یہ تمہیں چھوڑ کر جا رہا تھا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' وہ روہانسے لہجے میں بولی۔ ''مگر میں کیا کروں میں عورت ہوں اور یہ جیسا بھی ہے میرا شوہر ہے۔''

''فکر نہ کرو اسے کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے مہرو کو تسلی دی۔ ''کرنل سخت جان فوجی رہا ہے اور گولیوں کا زخم اس کے لیے اجنبی نہیں ہے کچھ عرصے پہلے اس کے شانے پر بھی گولی لگی تھی لیکن تم دیکھو اس کا زخم مندمل ہو چکا ہے۔''

میں نے پچھلی گاڑی والوں کو کہا تھا کہ وہ عقب کی طرف سے ہوشیار رہیں۔ مجھے خدشہ تھا کہ فتح خان اس شکست کے باوجود پیچھا کر سکتا تھا۔ اس کے نزدیک آدمیوں کی اہمیت نہیں تھی اور اگر کوئی مر جاتا یا زخمی ہوتا تو وہ اس کی جگہ دوسرا لے آتا تھا۔ اس کے نزدیک اپنے مفاد کی زیادہ اہمیت تھی۔ سب بارش میں بھیگ گئے تھے اس لیے گاڑیوں کے ہیٹر آن کر لیے گئے تھے اس سے کچھ دیر میں کپڑے سوکھنے لگے ورنہ کم سے کم مجھے خاصی سردی لگ رہی تھی۔ میں نے ہلکی جیکٹ اتار کر سامنے ڈیش بورڈ پر ڈال دی تھی تاکہ اندر کی شرٹ ٹھیک سے خشک ہو جائے۔ گرمائش سے کرنل کو بھی فائدہ ہوا تھا اور اس کی سانس کی رفتار بہتر ہوئی تھی اور چہرے کی رنگت بحال ہو رہی تھی۔ جیسے جیسے ایبٹ آباد قریب آ رہا تھا ہمارے ذہنوں میں دوسرے مسائل اٹھ رہے تھے۔ ان میں سب سے اہم مسئلہ پولیس کا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''اگر اسے چھوڑنے اسپتال تک گئے تو وہاں پولیس ہمیں نہیں چھوڑے گی۔''

''درست فرمایا آپ نے۔ اس مسئلے کا کیا حل ہو سکتا ہے؟''

''اس لیے اسے اس طرح اسپتال پہنچانا ہے کہ ہم سامنے نہ آئیں۔''

''میرے ذہن میں ایک خیال ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم شہر میں رضا کار ایمبولینس کے سینٹر پر کرنل کو چھوڑ دیں گے اور وہ خود اسے مناسب اسپتال تک پہنچا دیں گے۔''

''نہیں۔'' مہرو نے تڑپ کر کہا۔ ''تم اسے بے یار و مددگار چھوڑنے کی بات کر رہے ہو۔''

''یہ ہمارا رشتہ دار نہیں ہے۔'' وسیم نے بھنا کر جواب دیا۔ ''اگر تمہیں اتنا خیال آ رہا ہے تو تم اس کے ساتھ اتر جانا لیکن ہمارا اسپتال تک جانا کسی صورت ممکن نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے تم مجھے اس کے ساتھ اتار دینا۔'' وہ بولی۔ ''لیکن مجھے کچھ رقم چاہیے ہوگی میں بالکل خالی ہاتھ ہوں۔''

''ہم تمہیں رقم دے سکتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''لیکن میرا خیال ہے کرنل خالی جیب نہیں ہوگا تم دیکھو ذرا اسے۔''

مہرو نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پرس میں اچھی خاصی رقم پائی گئی تھی۔ پانچ ہزار والے اور ہزار کے خاصے نوٹ تھے۔ پھر اس کی جیکٹ کی اندرونی جیب سے پانچ ہزار والی دو عدد گڈیاں نکلی تھیں۔ میں نے ہنس کر کہا۔ ''تم بلاوجہ پریشان ہو رہی تھیں۔ تمہارا شوہر کروڑ پتی ہے اور کبھی خالی جیب نہیں ہوتا تمہیں معلوم ہے اس نے بھارتیوں سے میرا سودا بیس لاکھ ڈالرز میں کیا تھا۔ اس نے مجھے بھارتیوں کے حوالے کر دیا تھا لیکن ساتھ ہی ایسا بندوبست بھی کیا تھا کہ میں بھارتیوں کی قید میں نہ رہوں۔''

''نہیں یہ تم لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے میں بھی کرنل کے لیے تم سے کوئی رعایت طلب نہیں کروں گی۔'' اس نے آنسو صاف کیے۔ ''ٹھیک ہے تم مجھے ایمبولینس سینٹر پر اتار دینا میں خود اسے کسی اسپتال لے جاؤں گی۔''

شہر شروع ہو گیا تھا اور موسم بھی اچھا ہو گیا تھا اگرچہ اب شام ہو رہی تھی اور تاریکی چھانے کو تھی لیکن بارش والا موسم نہیں تھا۔ تاریکی اچھی ثابت ہوئی تھی ورنہ آس پاس سے گزرنے والے کرنل کو دیکھ سکتے تھے۔ بالآخر ہم ایمبولینس سینٹر پہنچے اور وہاں مہرو خود اتر کر ایمبولینس کے لیے بات کرنے گئی تھی اس نے پتا نہیں کیا داستان سنائی کہ اندر سے فوراً ہی دو عدد رضا کار آئے انہوں نے ایک ایمبولینس سے اسٹریچر اتارا اور کرنل کو اس پر منتقل کرنے لگے انہیں سنانے کے لیے مہرو نے ہم سے کہا۔ ''بھائیو میں آپ لوگوں کی بہت شکر گزار ہوں جو آپ نے میرے زخمی شوہر کو یہاں تک پہنچایا۔''

''یہ تو ہمارا فرض تھا۔'' میں نے رسمی انداز میں کہا اور فوراً رخصت ہو گئے۔ جیسے بس اپنا فرض ہی پورا کر رہے تھے ہمارے جانے کے دوران ہی ایمبولینس حرکت میں آ گئی تھی کیونکہ کرنل کی حالت سچ مچ نازک تھی۔ مہرو اس کے ساتھ ہی ایمبولینس میں موجود تھی۔ انہیں خدا اور حالات کے حوالے کر کے ہم فوری ہی آگے بڑھ گئے تھے۔ شہر میں رکنا ممکن نہیں تھا۔ ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ضروری تھا عین ممکن تھا کرنل کی وجہ سے پولیس حرکت میں آ جاتی اور ہوٹلوں میں تلاش کرتی تو ہم با آسانی بازیافت ہو جاتے۔ ڈنر ہم نے شہر سے باہر ایک اچھے ریستوران میں کیا۔ مگر گاڑیاں اکیلے نہ چھوڑنے کے خیال سے اس میں خاصا وقت لگ گیا تھا۔ ہم نے دو باریوں میں ڈنر مکمل کیا۔

رات نو بجے پنڈی کی طرف روانہ ہوئے تو تھکن سے سب کا برا حال تھا کیونکہ کل کا سارا دن بھی سفر میں گزرا تھا اور یہ دن بھی سفر میں گزر رہا تھا رات سونے کا موقع بھی کم ملا تھا۔ ہم نے واپسی کے لیے مری والا راستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فی الحال راستے میں ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے رات یہیں رکنے پر مجبور ہیں ممکن ہے صبح تک سڑک کلیئر ہو جائے تو ہم ڈیڑھ گھنٹے میں تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ یہ بتاؤ کہ باقی دو گاڑیاں اور بندے پہنچ گئے؟''

''جی وہ آ گئے ہیں۔ سب اوکے ہے۔''

آواز مشکل سے اور کٹ کر آ رہی تھی اس لیے زیادہ دیر بات نہیں ہو سکی تھی۔ وسیم گاڑی سے بریف کیس اور رقم والا سوٹ کیس لے آیا تھا۔ یہ ہمارے پاس ہی تھا۔ اس میں اب بھی ڈیڑھ کروڑ کے قریب رقم موجود تھی۔ مرشد کے دیئے اس تحفے سے ہم نے اب تک بہت فائدے اٹھائے تھے۔ اس کے باوجود اس میں سے ایک چوتھائی سے زیادہ رقم خرچ نہیں ہوئی تھی۔ میں نے چینی بریف کیس کا معائنہ کیا۔ یہ وہی بریف کیس تھا اور کسی نے اسے غلط طریقے سے کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی ورنہ یہ اب تک اپنے اندر موجود رازوں سمیت فنا ہو چکا ہوتا۔ پچھلے دنوں میں ایک امریکی چینل پر چین کی بڑھتی ہوئی فوجی قوت کے بارے میں ایک رپورٹ دیکھ رہا تھا۔ اس رپورٹ میں اگرچہ مبالغے کا عنصر موجود تھا۔ مگر اس سے اس حد تک حقیقت کا عنصر بھی شامل تھا کہ چین آنے والے دو دہائیوں میں نہ صرف دنیا کی سب سے بڑی معاشی قوت بلکہ سب سے بڑی فوجی قوت بھی بن جائے گا۔ اس وقت تک موجودہ سپر پاور ترقی معکوس کرتی ہوئی چین سے نیچے آ جائے گی اور یہ چیز بھی چین کو اوپر جانے میں مدد دے گی۔ مگر میرے خیال میں مغرب کو اصل خطرہ چین کی فوجی قوت سے نہیں ہے بلکہ اس کی ان معاشی بین الاقوامی پالیسیوں سے ہے۔ جن کی مدد سے چین نے دنیا کے بہت سارے ایسے ممالک کو اپنے حلیفوں میں شامل کر لیا ہے جو مغرب کے لیے ہمیشہ دردِ سر بنے رہے اور چین اب ان کے معدنی اور زرعی وسائل سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے چین نے پہلے ان ملکوں کی مدد کی۔ وہاں ترقیاتی کام کرائے اور لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کیں۔ اب وہ اس کا پھل کھا رہا تھا۔ مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو کام مغرب اپنی ہیبت ناک جنگی قوت سے نہیں کر سکا وہ چین نے اپنی مفاہمانہ نرم پالیسی سے ممکن کر لیا۔

اس بین الاقوامی سیاسی صورتِ حال میں اس بریف کیس کی حیثیت مسلّم تھی۔ قسمت نے اسے میرے ذمے ڈال دیا تھا جب ہیلی کاپٹر کریش ہونے کے بعد تمام چینی اہلکار اور افسران مارے گئے تھے اور صرف میں اور بیتو بچے تھے۔ تب یہ بریف کیس ہماری ذمے داری بن گیا تھا اور اسے ساتھ لیے لیے ہم پاکستان آ گئے تھے۔ یہاں یہ غائب ہوا اور اب دوبارہ ہمارے ہاتھ آ گیا تھا۔ اگر ہم اسے کسی اہل چینی سفارت کار تک پہنچا دیتے تو ہماری ذمے داری ختم ہو جاتی۔ اس کے ساتھ ہی میرا ایک اہم مسئلہ بھی حل ہو جاتا۔ ہم شہر کے پاس آ چکے تھے لیکن لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے اس جگہ قید ہو کر رہ گئے تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''میرا خیال ہے آپ کو سامنے آئے بغیر بریف کیس چینی سفارت خانے بھجوا دینا چاہیے۔''

''وجہ؟''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''وجہ سامنے ہے آپ چینیوں کے نزدیک ویسے ہی مشکوک ہیں اور وہ آپ کی تصویر بھی پاکستانی حکام کو دے چکے ہیں اس صورت میں بعد میں کوئی خرابی سامنے آتی ہے تو چینی حکام آپ کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کا ان کے سامنے آنا کسی صورت مناسب نہیں ہے۔''

اختیار کیا تھا۔ یہ شارٹ بھی پڑتا اور مری ہائی وے سے ہم سیدھا عبداللہ کے نئے ٹھکانے پہنچ سکتے تھے۔ مگر مشکلیں ابھی تمام نہیں ہوئی تھیں۔ ابھی ہم مری سے بھی دور تھے کہ ایک جگہ روشنیاں دکھائی دیں۔ یہ بھی کوئی اچھا سیاحتی مقام تھا کیونکہ سڑک کے ساتھ کئی ہوٹلز اور گیسٹ ہاؤسز دکھائی دے رہے تھے۔ دکانیں اور شاپنگ کے مراکز بھی تھے۔ یہاں سے دن میں خاصا ٹریفک گزرتا تھا لیکن اس وقت وہاں بہت گاڑیاں تھیں۔ جیسے ہی ہم ایک جگہ سے مڑے نیچے گاڑیاں رکی دکھائی دیں اور ان میں پولیس کی گاڑیاں بھی تھیں جن کے اوپر روشنیاں گھوم رہی تھیں۔ وسیم نے بے ساختہ گاڑی روک دی۔ ''پولیس.....''

''نہیں یار یہ کوئی اور چکر ہے۔'' میں نے غور کیا۔ ''گاڑیاں رکی ہوئی ہیں شاید آگے کچھ ہوا ہے۔''

''اس صورت میں آگے جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔'' وسیم نے کہا اور گاڑی کو ریورس میں لے جانے لگا۔ ایک مناسب جگہ اس نے گاڑی گھما کر اس کا رخ دوسری طرف کر دیا۔ دوسری گاڑی ہمارے ساتھ ساتھ تھی۔ وسیم نے اس میں سے ایک آدمی کو طلب کیا۔ ''نیچے جا کر دیکھو کیا ہوا ہے ٹریفک کیوں جام ہے؟''

''عام طور سے اس کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے اور وہ لینڈ سلائیڈنگ ہے۔'' میں نے کہا۔

''بعض اوقات کوئی بڑی گاڑی الٹ جاتی ہے اور اس سے بھی سڑک بند ہو جاتی ہے۔'' وسیم نے کہا۔ دس منٹ بعد وسیم کا آدمی واپس آ گیا اور اس نے میرے اندیشے کی تصدیق کر دی۔

''جناب یہاں لینڈ سلائیڈنگ ہو گئی ہے۔ ابھی ٹریکٹر بھی نہیں آئے ہیں جو سڑک صاف کریں وہاں موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ صبح سے پہلے سڑک کلیئر نہیں ہوگی۔''

''لگتا ہے آج رات یہیں کہیں رکنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ ''واپس چلو..... اس سے پہلے دوسرے لوگ بھی آ جائیں اور ہوٹلوں میں جگہ بھی نہ رہے۔''

وسیم نے اتفاق کیا اور ہم واپس اسی راستے پر چل پڑے مگر مقصد واپسی نہیں تھا اتنا طویل فاصلہ طے کر کے کسی دوسرے راستے سے پنڈی تک جانے میں ویسے ہی صبح ہو جاتی۔ اس لیے اب کسی جگہ رکنا مجبوری تھی۔ وسیم نے نظر آنے والے پہلے گیسٹ ہاؤس کے ساتھ سڑک پر گاڑی روک لی۔ وہ خود اتر کر اوپر گیا اور فوراً واپس آ گیا۔

''یہاں تو لان تک بک ہو گئے ہیں۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ایسا لگ رہا ہے آگے بھی کچھ ایسا ہی ٹریفک جام ملے گا۔''

میرا یہ خدشہ بھی درست ثابت ہوا تھا۔ لینڈ سلائیڈنگ سرِ شام ہی ہو گئی تھی اور اس راستے سے گزر کر جانے والے اب اگلی صبح تک ٹھہرنے پر مجبور تھے اس لیے ہوٹلز اور گیسٹ ہاؤسز جو اس سیزن میں ویسے ہی فل جاتے ہیں اب ہاؤس فل ہو چکے تھے اور کہیں جگہ نہیں تھی۔ بڑی مشکل سے ایک کمرہ ملا جس میں تین سے زیادہ افراد کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وسیم کے آدمیوں نے کہا کہ وہ رات گاڑیوں میں گزار لیں گے۔ ان میں سے کوئی ہمارے ساتھ رکنے کو تیار نہیں ہوا تھا۔ گاڑیوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے ان میں اچھا خاصا اسلحہ تھا اور اسے ہوٹل میں بھی نہیں لا سکتے تھے۔ ہوٹل کسی قدر بلندی پر تھا اور جب ہم کمرے میں آئے تو خوش قسمتی سے یہاں میرے موبائل پر سگنل آ گئے تھے میں نے عبداللہ کو کال کی۔ میری آواز سن کر وہ خوش ہو گیا۔ ''شکر ہے آپ لوگوں کی آواز سنائی دی..... لیکن آپ کہاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم نے درست تجزیہ کیا تھا۔ اگرچہ ہم ۔ بریف کیس حاصل کرلیا تھا اور نیک نیتی سے اسے چین کو واپس بھی کرنا چاہتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ خدشہ بالکل سامنے تھا کہ اگر بعد میں کوئی مسئلہ ہوا تو میں مشکل میں پڑ سکتا تھا۔ وسیم سے گفتگو کے دوران اچانک مجھے میجر آدم کا خیال آیا۔ وہ فوج کی انٹیلی جنس میں تھا اور اس نے میرا فیور کیا تھا اگر میں یہ بریف کیس میجر آدم کے حوالے کر دیتا اور وہ اسے فوج یا حکومت کے توسط سے چین کو واپس کرتا تو ہم اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا سکتے تھے یا کم سے کم چین کو خوش کر سکتے تھے جو مغرب کے رویے اور دھمکیوں کے خلاف ہمارا واحد اور قابلِ اعتماد دوست تھا۔ وہ ہر مشکل وقت میں ہمارے ساتھ کھڑا ہوتا تھا اور مستقبل کی اس سپر پاور کا ہمارا دوست رہنا بہت زیادہ ضروری ہے۔ میں نے وسیم سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس نے کہا۔

''آپ دیکھ لیں ویسے مجھے بھی یہ خیال اچھا لگا ہے لیکن آپ اس سے رابطہ کیسے کریں گے جب کہ آپ اس کا اصل نام بھی نہیں جانتے۔''

یہ درست تھا میں اس کا نام بھی نہیں جانتا تھا اور نہ ہی مجھے اس سینٹر کے بارے میں علم تھا جہاں تفتیش کے غرض سے مجھے رکھا گیا تھا۔ میں کس طرح اس سے رابطہ کر سکتا تھا۔ پھر مجھے مری آرمی ریسٹ ہاؤس کا خیال آیا جہاں میں نے ایک رات گزاری تھی اور وہاں یقیناً میرے لیے کچھ نہ کچھ اندراج کیا گیا ہوگا کہ میں کس کے توسط سے وہاں رکا تھا اگر میں کوشش کرتا تو شاید وہاں سے مجھے میجر آدم کا کوئی رابطہ نمبر مل جاتا۔ مری ریسٹ ہاؤس یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن وہاں تک جانے کے لیے اسی سڑک سے گزرنا تھا اور جب تک یہ سڑک کھل نہیں جاتی ہم آگے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک ذرا سی لینڈ سلائیڈنگ نے کتنے معاملات الجھا دیئے تھے۔ مجھے اصل خطرہ فتح خان سے تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ پیچھے ہوگا۔ وسیم نے چائے منگوائی تھی اور اب غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''ہاں کیونکہ واسطہ فتح خان سے ہے اور وہ نہایت شاطر آدمی ہے ہمیشہ وہاں سے وار کرتا ہے جہاں سے آدمی نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔''

''آپ کا خیال ہے وہ ہمارا تعاقب کرتا ہوا یہاں بھی آسکتا ہے؟''

''بالکل کیونکہ یہ بریف کیس اس کے لیے نہایت اہم ہے اور وہ اس کی خاطر مجھے قتل کرنے تک کو تیار ہو گیا تھا۔ وہ اس بات کو راز رکھنا چاہتا تھا کہ وہ بریف کیس کے چکر میں ہے۔ اسے معلوم تھا میں لازمی ٹانگ اڑاؤں گا اس لیے اس نے پہلے میرا پتا صاف کرنے کی کا سوچا تھا۔ وہ تو کرنل نے عین موقع پر مداخلت کی۔''

وسیم مسکرایا۔ ''آپ کی کہانیاں بعض اوقات الف لیلہ کی طرح ناقابلِ یقین لگتی ہیں۔ اکثر قسمت آپ پر مہربان رہتی ہے۔''

''اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ مثبت انداز میں سوچتا ہوں۔ کبھی جان بوجھ کر کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں بلکہ بعض اوقات تو آپ مہاتما بدھ بن جاتے ہیں اور آپ کی اہنسا کی پالیسی ہمیں تکلیف دیتی ہے لیکن اس پالیسی کے نتائج سامنے آتے ہیں تو ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ آپ کے دشمن آپ کے لیے پریشانی کا باعث تو بنتے ہیں لیکن بالآخر وہ خود اپنے انجام کو پہنچتے ہیں اور آپ کو ان کے خون کا داغ اپنے دامن پر نہیں لینا پڑتا ہے۔''

''شاید تمہارا اشارہ شہلا کی طرف ہے۔''

''ہاں میں اسے بار بار چھوٹ دینے کے خلاف تھا میرے نزدیک وہ زہریلی ناگن تھی جس کا سر پہلی فرصت میں کچل دینا چاہیے تھا لیکن جب وہ اپنے انجام کو پہنچی تو اسے دیکھ کر مجھے بھی ترس آنے لگا تھا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''دیکھا جائے تو ایک ایک کر کے ہمارے سارے دشمن مکافاتِ عمل کا شکار ہو رہے ہیں۔ فاضلی زندگی و موت کی کشمکش میں ہے۔ ناور ناکارہ ہو گیا ہے اور اسی کی مدد سے مجھے مقدمات سے نجات ملے گی۔''

''آپ نے ندیم سے بات کی کہ مرشد کے وکیل نے اس سے رابطہ کیا ہے؟''

''نہیں لیکن کوشش کرتا ہوں۔''

میں نے ندیم کو کال کرنے کی کوشش کی لیکن اب سگنل نہ ہونے کے برابر تھے اس لیے بیل بھی نہیں جا رہی تھی۔ کئی ناکام کوششوں کے بعد میں نے موبائل رکھ دیا۔ چائے آگئی تھی وسیم نے کپ تیار کر کے میری طرف بڑھایا۔ ''حویلی تو ہاتھ سے گئی اب کوئی نیا ٹھکانہ دیکھنا پڑے گا۔''

''یہ بہت ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بہتر ہوگا اسی طرح شہر سے نزدیک لیکن غیر آباد علاقے میں کوئی جگہ دیکھو۔''

''ہاں پنڈی کے آس پاس کئی جگہیں ہیں جو شہر کے پاس بھی ہیں اور وہاں آبادی نہیں ہے۔ چک لالا کے پاس بھی ایسی جگہیں ہیں۔''

''نہیں وہ ہائی سیکورٹی کا علاقہ ہے میرا تو خیال ہے کہ تلہ گنگ یا خان پور کے آس پاس دیکھو۔''

کمرے میں ٹی وی تھا لیکن کیبل بند تھی اس لیے بے کار تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اکرم چشتی کے ساتھ کیا گزری اور کل کے ریڈ پر پولیس اور انتظامیہ کا کیا نکتہ نظر تھا۔ روم سروس کو کال کی۔ ''آج کا اخبار مل سکتا ہے بے شک استعمال شدہ ہو۔''

''میں کوشش کرتا ہوں سر۔'' کلرک نے جواب دیا لیکن اس نے کچھ دیر بعد آج کے کئی اخبارات کا ایک پلندہ بھیج دیا تھا یہ یقیناً لاؤنج کے اخبارات تھے کیونکہ ان میں سے کئی صفحے غائب تھے بہرحال کام کی خبر مل گئی تھی۔ پولیس نے ڈی ایس پی اکرم چشتی کی تلاش میں ایک ویران حویلی پر چھاپہ مارا جہاں دہشت گردوں نے ڈی ایس پی کو ایک اور شخص کے ساتھ یرغمال بنا رکھا تھا۔ پولیس مقابلے کے بعد دہشت گرد حویلی کو آگ لگا کر فرار ہو گئے اور پولیس نے دونوں مغویوں کو آزاد کرا لیا لیکن دہشت گردوں نے ڈی ایس پی کی آنکھوں اور کانوں میں مہلک صنعتی سلوشن ڈال دیا تھا اور اسپتال میں ڈاکٹر اس کی بینائی اور سماعت بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسرے مغوی کو نامعلوم افراد راستے میں ایمبولینس روک کر اپنے ساتھ لے گئے جب اسے اسپتال منتقل کیا جا رہا تھا۔ رپورٹر نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ مغوی کے دوبارہ اغوا میں پولیس ملوث تھی اور وہ اصل میں معروف سیاسی اور مذہبی شخصیت مرشد علی کا بھائی نادر علی تھا۔ اس کے بعد بھی رپورٹ خاصی طویل تھی اس میں رپورٹر نے حاشیہ آرائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تھی اور اپنے انداز سے وہ مرشد کا مخالف لگ رہا تھا۔ اس نے الزام لگایا کہ نادر کی پُراسرار گمشدگی میں مرشد کا ہاتھ تھا۔

''میرا خیال ہے اکرم چشتی تو گیا۔'' وسیم نے خوش ہو کر کہا۔ ''وہ سلوشن بہت خطرناک تھا۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے ممکن ہے ڈاکٹر کسی طریقے سے اس کی بینائی اور سماعت بچالیں۔ اس صورت میں اس سے دوبارہ نمٹنا پڑے گا۔''

''کوئی بات نہیں ایک بار بچ گیا تو سلوشن دوبارہ بھی ڈال سکتے ہیں سو روپے کی ٹیوب آتی ہے۔'' وسیم نے خوشدلی سے کہا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہ واپس آیا تو میں نے واش روم کا رخ کیا پانی اچھا خاصا سرد تھا اور یہاں پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ میں واپس آیا تو سونے سے پہلے وسیم نے ایک چکر نیچے پارکنگ کا لگایا جہاں ہماری گاڑیاں تھیں۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ہوشیار رہیں اور سب سونے سے گریز کریں۔ وسیم آیا تو میں کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ تھکن اور نیند کی کمی تھی اس لیے نیند آنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگا تھا جس وقت میں حکیم قادس کے زیر علاج تھا اور وہ مجھے مخصوص دوائیں استعمال کراتا تو ان سے میری قوت ارادی بھی اتنی مضبوط ہو گئی تھی کہ میں جب چاہتا اور جتنی دیر کے لیے چاہتا سو جاتا تھا اور پھر ٹھیک وقت پر خود بہ خود میری آنکھ کھل جاتی تھی۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا دواؤں کا اثر ختم ہو گیا تو قوت ارادی بھی کمزور پڑ گئی اور اب مجھے نیند کے لیے ذرا انتظار کرنا پڑتا تھا اور سونے کے بعد میں اسی وقت اٹھتا تھا جب کوئی مجبوری ہوتی تو نیند پوری ہو جاتی تھی۔

وسیم مجھ سے پہلے اٹھ گیا تھا وہ تیار ہو کر باہر گیا تاکہ صورت حال کا جائزہ لے کر آئے۔ وہ واپس آیا تو بوکھلا ہوا تھا اور اس نے مجھے ہلا کر بیدار کیا۔ ''شہباز صاحب اٹھ جائیں..... مصیبت آ گئی ہے۔''

میں اٹھ بیٹھا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب..... فتح خان۔'' اس نے ایک لفافہ پکڑا دیا اور خود کمرے کے چکر کاٹنے لگا۔ ''کوئی ہمارے کمرے کے نمبر سے نیچے کلرک کو دے گیا تھا اور میں نے باہر نکل کر دیکھا تو ہمارے آدمی اور گاڑیاں غائب ہیں۔''

''میرے خدا۔'' میں نے جلدی سے لفافہ کھولا اس میں ایک رقعہ تھا۔ اس پر تحریر تھا۔

''شہباز خانا تمہارا آدمی میرے پاس ہے اور ابھی خیریت سے ہے اگر صبح دس بجے تک تم بریف کیس لے کر نہیں آیا تو ایک ایک کر کے سب کو ذبح کر دے گا۔ تم راضی ہے تو باہر ایک نیلا کرولا کھڑا ہے نمبر ایل اے بارہ سترہ ہے۔ اس میں آجاؤ تم کو مزید ہدایت مل جائے گا۔''

میں نے رقعہ پڑھ کر گہری سانس لی۔ ''میری چھٹی حس خبردار کر رہی تھی کہ فتح خان اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس نے ہمارا سراغ لگا لیا۔''

''ابھی سات بجے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

''راستے کا کیا ہوا؟''

''ایک گھنٹے میں کلیئر ہو جائے گا۔''

''تب تم کسی بھی طرح سے رقم والا سوٹ کیس لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔''

''اور آپ؟''

''میں اس معاملے کو دیکھتا ہوں۔''

''میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو تم کچھ نہیں کر سکتے اس لیے نکل جاؤ اور پیچھے رہ کر تم میری مدد کر سکو گے۔ دوسرے فتح خان مجھ سے رعایت کرتا ہے لیکن ضروری نہیں ہے وہ میرے ساتھیوں سے بھی رعایت کرے تم اس کے ہاتھ آئے تو میری ایک اور کمزوری اس کے پاس آجائے گی۔ ابھی ان چار آدمیوں پر تو میں رسک لے سکتا ہوں۔''

''اگر فتح خان اڑ گیا تو.....؟''

''تب مجبوری ہو گی..... یہ بریف کیس بہرحال ہمارے ساتھیوں کی جان سے بڑھ کر تو نہیں ہے لیکن ابھی ہمارے پاس وقت ہے اور ہم سوچ سکتے ہیں۔'' میں نے کہا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ فتح خان نے نہ جانے کیسے ان چاروں کو قابو کر لیا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ورنہ کوئی دیکھتا یا شور ہوتا تو اب تک سارے ہوٹل کو پتا چل چکا ہوتا۔ ہم تیار ہو کر نیچے آئے جہاں ناشتہ لگنے لگا تھا۔ میں اور وسیم ناشتے کے ساتھ آنے والے مسائل پر بات کرنے لگے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''میری واپسی کا کچھ پتا نہیں ہے..... میرا مطلب ہے دیر سویر بھی ہو سکتی ہے اس لیے تم لوگ نادر کا معاملہ ہینڈل کرنا..... مرشد سے مذاکرات کرتے رہنا..... دوسرے اکرم چشتی اور فاضلی پر نظر رکھنا ان دونوں میں سے کوئی دوبارہ ایکٹو ہونے لگے تو اسے واپس بستر علالت یا قبر میں پہنچانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہو گا۔''

''آپ فکر نہ کریں۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن آپ اس طرح بے دریغ فتح خان کے بچھائے دام میں جا رہے ہیں۔''

''نہیں میں کوشش کروں گا کہ براہ راست سامنے نہ آؤں اور کوئی متبادل طریقہ اختیار کروں۔ بہرحال ابھی تو ہمیں فتح خان کی ہدایت پر عمل کرنا ہے ورنہ وہ سچ مچ ان چاروں کو ذبح کر دے گا۔''

''اب مجھے مہرو اور کرنل کی فکر بھی لاحق ہو گئی ہے۔'' وسیم بولا۔

''میرا خیال ہے وہ محفوظ ہوں گے فتح خان ہمارا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا اور بدقسمتی سے لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے اسے موقع مل گیا ورنہ اب تک ہم پنڈی پہنچ چکے ہوتے اور اس کی دسترس سے نکل جاتے۔''

''بس چند گھنٹے کی تاخیر نے ہمیں پھنسا دیا۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''ورنہ ہم اب تک نکل چکے ہوتے۔''

''یعنی اس نے خوش قسمتی سے ہمیں پالیا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''لگتا ہے اب اس کا وقت آ گیا ورنہ کرنل جیسا آدمی اس کے سامنے یوں بے بس نہ ہو جاتا۔''

ناشتے کے دوران ہی وسیم نے ایک گاڑی والے سے بات کر لی تھی وہ وہیں موجود تھا۔ اس کے پاس کار تھی اور اس نے پنڈی تک پہنچانے کے پندرہ سو روپے طلب کیے۔ وہ اصل میں پنڈی سے ہی آیا تھا اور اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے واپس جانا تھا۔ وسیم نے بھاؤ تاؤ کیا اور نو سو میں سودا ہو گیا۔ وسیم رکنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے فوری جانے پر مجبور کر دیا۔ ''تم آدمی لے کر واپس آؤ گے اور یہاں کسی ایسی جگہ رکنا جہاں موبائل سگنل ہوں ممکن ہے میں ایک دو دن میں کسی وقت رابطہ کروں دو دن سے زیادہ مت رکنا۔''

میرے پاس پندرہ ہزار کے قریب رقم تھی اس لیے میں نے مزید رقم کی پیشکش مسترد کر دی۔ اسلحے میں میرے پاس ایک پستول اور اس کے دو فاضل میگزین تھے۔ وسیم نے اپنا پستول اور ایمونیشن بھی میرے حوالے کر دیا۔ وہ باہر گیا اور کچھ دیر بعد دوبارہ آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا وہ اس نے میرے سامنے میز پر رکھ دیا۔ ''ایک شخص جیکٹ اور گرم ٹراؤزر بیچ رہا تھا میں نے آپ کے لیے لیے ہیں میرا خیال ہے فٹ ہوں گے۔''

ہمارے پاس ہلکے کپڑے تھے اور اس دوران میں ہم زیادہ تر ٹھٹھرتے ہی رہے تھے۔ وسیم نے یہ اچھا کام کیا تھا وہ چلا گیا۔ میں نے ناشتے کا بل ادا کیا کمرے کا کرایہ ہم پہلے ہی ادا کر چکے تھے اس لیے یہاں سے روانگی میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میں باہر آیا ہوٹل کے ساتھ سڑک کے کنارے ایک مقامی لڑکا چھتریاں اور مختلف سائز کے بیگز بیچ رہا تھا مجھے خیال آیا اور میں نے ایک پشت پر باندھنے والا بیگ لے کر بریف کیس اور کپڑوں کا شاپر اس میں ڈال لیا۔ مجھے نیلی ٹویوٹا کی تلاش تھی۔ وہ ہوٹل کی پارکنگ میں نہیں تھی۔ وہ ہوٹل سے کچھ دور سڑک کے ساتھ کھڑی ملی۔ میں نے اندر جھانکا چابیاں اگنیشن میں نہیں تھیں۔ کار کے دروازے بھی لاک تھے میں نے اگلے اور پچھلے حصے میں مڈگارڈ کے اندر ہاتھ پھیرا۔ چابیاں پچھلے مڈگارڈ سے چپکی مل گئیں۔ ان کے ساتھ طاقتور مقناطیس کی ڈسک تھی۔

انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے میں نے احتیاطاً بونٹ کھول کر انجن چیک کیا۔ ممکن ہے بیٹری کے ساتھ کوئی بم منسلک ہوتا اور چابی گھماتے ہی فرشتہ اجل سے ملاقات ہو جاتی۔ مگر انجن اور بیٹری کے تاروں کے ساتھ ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ پوری گاڑی چیک کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے میں اندر بیٹھا اور سب سے پہلے ڈیش بورڈ چیک کیا۔ حسب توقع وہاں بھی ایک رقعہ ملا۔ فتح خان نے لکھ دیا تھا۔ ''ایبٹ آباد والے راستے پر آؤ میرے آدمی تمہیں کہیں بھی روک لیں گے۔ بریف کیس ان کے حوالے کر دینا میں تمہارے آدمیوں کو چھوڑ دوں گا۔''

اس بار فتح خان چالاکی سے کام لے رہا تھا وہ میرے سامنے نہیں آیا تھا کہ میں اس سے بات کر سکوں یا اپنی بات منوا سکوں۔ وہ رقعوں سے کام چلا رہا تھا اور وہ جانتا تھا میں اس کی ہدایت پر عمل کروں گا۔ میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر کار اسٹارٹ کی۔ جب واسطہ فتح خان جیسے آدمی سے ہو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے اسے خبردار کیا تھا کہ اب وہ میرے راستے میں آیا یا میرے کسی کام میں ٹانگ اڑائی تو یہ کھلی دشمنی ہو گی اور پھر میں اسے کوئی رعایت نہیں دے سکوں گا۔ مگر فتح خان نہایت ڈھیٹ آدمی تھا اس نے میری وارننگ کا کوئی اثر نہیں لیا اور جیسے ہی اسے موقع ملا وہ پھر سامنے آ گیا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اس صورت حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔ ڈرائیو کے دوران میں عقب میں دیکھ رہا تھا لیکن دس منٹ تک جب کوئی گاڑی تعاقب میں نظر نہیں آئی تو میں مطمئن ہو گیا۔ میں نے راستے میں آنے والے پہلے ہوٹل کے سامنے کار روکی اور اتر کر اندر آیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ یہاں فون ہے۔ میں نے استقبالیہ پر موجود آدمی سے مخصوص انداز میں کہا۔

''میجر شہباز ملک..... مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے۔''



حسب توقع میجر کا سنتے ہی کلرک کا دل بیٹھ گیا تھا اور اس نے ادب اور مستعدی کے ساتھ فون میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے پہلے انفارمیشن کا نمبر ملایا اور مری آرمی ریسٹ ہاؤس کے نمبر مانگے۔ نمبرز میں نے ایک پیڈ پر نوٹ کر لیے۔ پھر باری باری ان نمبروں کو ملانا شروع کیا۔ تیسرے نمبر پر کال ریسیو ہو گئی۔ ''میں شہباز ملک بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور کن انکھیوں سے کلرک کی طرف دیکھا اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا کہ میں نے میجر کا حوالہ کیوں نہیں دیا۔

''جی سر میں کیا مدد کر سکتا ہوں۔'' دوسری طرف سے مہذب لہجے میں کہا گیا۔ میں نے تاریخ اور کمرہ نمبر کا حوالہ دیا۔

''اس رات کو میں اس کمرے میں ٹھہرا تھا۔ میں معلوم یہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں کن صاحب نے مجھے ٹھہرایا تھا۔''

''یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔''

''میں انہیں میجر آدم کے نام سے جانتا ہوں لیکن مجھے شبہ ہے کہ یہ ان کا اصل نام نہیں ہے۔ مجھے ان سے بہت ضروری بات کرنی ہے یوں سمجھ لیں کہ میرے پاس ان کے لیے ایک امانت موجود ہے اور اس کا تعلق قومی سلامتی سے ہے۔''

آپریٹر ہوشیار آدمی تھا۔ ''ایک منٹ سر میں آپ کی بات ریسٹ ہاؤس کے منتظم کرنل خواجہ سے کراتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور کلرک کی طرف دیکھا تو وہ اشارہ سمجھ کر کاؤنٹر کے آخری سرے کی طرف چلا گیا۔ میں اس کی مخالف سمت میں ہو گیا تھا۔ چند لمحے بعد کرنل خواجہ لائن پر تھا اس نے میری بات سنی اور پوچھا۔

''آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں؟''

''میں اس وقت مری سے کچھ دور ایک ہوٹل سے بات کر رہا ہوں اور میرے پاس وقت کم ہے پلیز اگر آپ میجر آدم کا کوئی کونٹیکٹ نمبر دے سکتے ہیں تو.....''

''نمبر نہیں دے سکتا آپ آدھے گھنٹے اسی جگہ انتظار کریں میں رنگ بیک کراتا ہوں۔'' کرنل نے کہا اور لائن کٹ گئی۔ میرے پاس انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں سوا آٹھ بجے ہوٹل سے نکل آیا تھا اور اس وقت ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ فتح خان نے مجھے دس بجے تک کا وقت دیا تھا اس کا مطلب تھا اس کے آدمی کسی ایسی جگہ میرے منتظر تھے جہاں میں دس بجے تک پہنچ سکتا تھا اور میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں آدھا گھنٹہ یہاں رکتا مگر اب مجبوری تھی۔ ممکن ہے کرنل خواجہ جلد میجر آدم کو تلاش کر لے اور اس سے میرا رابطہ کرا دے۔ میں کلرک کو کال کے بارے میں بتا کر لاؤنج میں آ بیٹھا۔ یہ ہوٹل بھی اعلیٰ درجے کا تھا اس لیے میں نے کافی منگوانے میں حرج نہیں سمجھا۔ ابھی میں کافی پی رہا تھا کہ فون کی بیل بجی اور کلرک نے میری طرف دیکھا میں پیالی سمیت کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔ دوسری طرف میجر آدم تھا۔ اس نے محتاط انداز میں کہا۔

''شہباز ملک.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ا ں میں بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور کلرک کو اشارہ کیا جو انجان بن کر میری باتیں سننے کی کوشش ا ا ا

تمہارے کسی کام نہیں آئے گا۔''

میں نے رائفل پھینک دی اور گھوم کر دیکھا۔ فتح خان ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''اس بار تمہارے ساتھی اناڑی ہیں۔''

''اناڑی تو نہیں ہیں۔'' فتح خان مکارانہ انداز میں بولا۔ ''دیکھا نہیں تمہارے چار ساتھی کو کیسے اٹھایا خود ان کو بھی پتا نہیں چلا..... پر تمہارے مقابلے میں اناڑی ہے۔''

فتح خان کے دونوں ساتھی کھڑے ہو گئے تھے اور اب شرمندہ نظر آ رہے تھے میں نے کہا۔ ''فتح خان وہ چاروں کہاں ہیں؟''

''پہلے تم بریف کیس دو گے تب ان چاروں کو دیکھ سکو گے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم نے مجھے کچھ زیادہ ہی سادہ لوح سمجھ لیا ہے جو تمہاری باتوں میں آتا رہے گا اور تمہیں چھوٹ دیتا رہے گا لیکن میں بتا دوں اب حد آ گئی ہے۔ بہر حال ابھی میں ان چاروں کو لینے آیا ہوں ان کو دیکھے بغیر بریف کیس تمہارے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

فتح خان نیچے آ گیا اس کے آدمی نے اپنی کلاشنکوف واپس اٹھائی تھی۔ فتح خان نے جیب سے ایک سیٹی نکالی اور منہ سے لگا کر بجائی۔ یہ خاصی سمع خراش آواز والی سیٹی تھی اور جب فتح خان نے سیٹی بجانا بند کر دی تھی تب بھی اس کی آواز پہاڑوں میں گونجتی رہی تھی۔ فتح خان بالکل ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا اور اس کے پاؤں میں جو گولی لگی تھی اس کا زخم یقیناً بھر گیا تھا ورنہ وہ پہاڑوں میں اتنے آرام سے نہ گھوم پھر رہا ہوتا گونج بھی ختم ہو گئی تو فتح خان نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ ''کچھ دیر میں تمہارا ساتھی تمہارے سامنے ہو گا۔''

''فتح خان..... تمہیں کیسے پتا چلا تھا کہ کرنل بریف کیس لینے کے لیے اس طرف آیا ہے۔''

''میں بے وقوف نہیں ہے۔'' فتح خان نے انکشاف کرنے والے انداز میں کہا۔ ''میں جانتا تھا وہ حرامی کس چکر میں ہے۔''

''اس چکر میں تو تم بھی ہو۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''تم بریف کیس کسی کار خیر کے لیے حاصل نہیں کرنا چاہتے ہو۔''

''ہاں میں اسے بیچے گا اور بہت بڑی قیمت پر بیچے گا۔''

''کیسے اب کرنل تو درمیان میں ہے نہیں جو سودا کرائے گا۔''

''کرنل جائے جہنم میں..... میں خود اس کا سودا کر سکتا ہے۔''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ بین الاقوامی سیاست ہے اور بہت خطرناک سیاست ہے تمہیں اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں ہے اس طرح میں اس کا تجربہ بھی حاصل کر لے گا۔'' فتح خان نے اطمینان سے کہا۔ ''شہباز خانا تم بے کار میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ میں سمجھنے والا ہوتا تو میرا باپ کا جوتا کافی تھا۔''

''میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ تمہیں بریف کیس کے بدلے اذیت ناک موت ملے۔''



''پر اس کا امکان بھی تو ہے کہ مجھے بہت سارا دولت مل جائے۔''

''ہاں یوں سمجھ لو دس فیصد امکان ہے۔''

''دس فیصد بہت ہے، میں اس سے بھی کم امکان پر کام کرتا رہا ہے۔'' اس نے جواب دیا اور اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''یہ کدھر رہ گیا ہے۔''

سیٹی بجا کر اس نے یقیناً اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا تھا کہ وہ میرے چاروں ساتھیوں کو لے آئیں۔ دس منٹ گزر گئے تھے اگر وہ ایک میل کے فاصلے پر تھے تو انہیں اب تک آ جانا چاہیے۔ فتح خان نے دوبارہ سیٹی منہ سے لگائی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ سیٹی بجاتا مخالف سمت سے ایک ڈیزل پک اَپ نمودار ہوئی۔ فتح خان سیٹی نکالتا ہوا سڑک کی طرف بڑھا اور جیسے ہی پک اَپ پاس رکی وہ پشتو میں ان پر برس پڑا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے گالیوں کا دریا بہا دیا تھا مگر اس کے ساتھی بے مزہ نہیں ہوئے تھے ایک نے دانت نکال کر کہا۔ ''خان جب تم نے سیٹی بجائی تو ہم پک اَپ کا ٹائر بدل رہے تھے۔''

''اسے کیا ہوا؟''

''پتا نہیں اچانک پھس ہو گیا۔'' آدمی نے سادگی سے کہا۔ اس پر فتح خان نے مزید کچھ سنائیں اور چاروں کے بارے میں پوچھا۔

''وہ پیچھے ہیں۔''

فتح خان نے عقب میں دیکھا اور اشارے سے مجھے بلایا۔ اس کے گرگے اب میرے دائیں بائیں تھے۔ کسی نے میری تلاشی لینے کی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ فتح خان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں مسلح ہوں گا۔ مگر اسے خود پر اعتماد تھا کہ وہ مجھے اسلحے کے استعمال سے باز رکھ سکتا ہے۔ میں نے پک اَپ کے پچھلے حصے میں دیکھا جہاں وسیم کے چاروں آدمی بے بسی سے بندھے پڑے تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کا شرمندگی سے برا حال ہو گیا۔ ان میں سے ایک بولا۔ ''شہباز صاحب میں خدا کی قسم کھاتا ہوں مجھے بالکل نہیں پتا چلا کہ میں کس طرح سو گیا۔''

فتح خان ہنسا۔ ''تم سویا نہیں تھا بلکہ میرا ایک آدمی تم لوگوں کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک ایسی گیس چھوڑ گیا تھا جس کا بو نہیں ہوتا اور تم سب سو گیا۔''

''فکر مت کرو اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی اور فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''انہیں میرے حوالے کر دو میں تمہیں بریف کیس کا پتا بتا دیتا ہوں۔''

وہ ہنسا۔ ''ابھی تم کہہ رہا تھا کہ تم اتنا سادہ لوح نہیں ہے پر لگتا ہے تم نے مجھے سادہ لوح سمجھا ہے۔ شہباز خانا اس ہاتھ بریف کیس دو اور اس ہاتھ اپنے آدمی لے جاؤ۔''

اب تک میں پُر امید تھا کہ میجر آدم کے آدمی فضا سے یا کسی اور طریقے سے ہماری نگرانی کر رہے ہوں گے یا کم سے کم آس پاس ہوں گے مگر آسمان بالکل صاف تھا اور نہ ہی مجھے زمین پر کوئی ایسے آثار نظر آئے تھے کہ میجر کے آدمی آس پاس ہیں۔ شاید وہ اب تک نہیں پہنچ سکے تھے اور اب وقت نہیں تھا۔ اگر انہوں نے میری کار تلاش کر لی ہوتی تو یہ سب مناسب موقع تھا فتح خان کو اس کے آدمیوں سمیت ہینڈز اَپ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے کچھ دیر سوچا اور گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے میں تمہیں اس جگہ لے جاؤں گا جہاں میں نے بریف کیس چھپایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔اس کے بعد تم مجھے میرے ساتھیوں سمیت جانے دو گے؟"

"بالکل۔" فتح خان نے عقب سے کہا اور اچانک میرے سر سے کسی ہتھیار کی نال لگا دی۔ "میں تم کو بالکل جانے کی اجازت دے گا لیکن ابھی اپنا تمام ہتھیار میرے حوالے کر دو۔"

اس نے مجھے بے بس کر دیا تھا اور اس کے ایک آدمی نے تلاشی لے کر میرے دونوں پستول اور فاضل میگزین نکال لیے تھے۔ میں نے سکون سے پوچھا۔ "تم نے پہلے تلاشی کیوں نہیں لی؟"

"شہباز خانا جتنا میں تم کو جانتا ہے اتنا کوئی نہیں جانتا ہے۔ مجھے معلوم تھا تم اس وقت کوئی حرکت نہیں کرے گا جب تک اپنے آدمیوں کو نہ دیکھ لے گا۔ اب تم نے دیکھ لیا ہے اور تم کو بریف کیس دینا ہے اس لیے اب تم حرکت کر سکتا ہے۔"

"تم جانتے ہو حرکت کرنے کے لیے مجھے ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہے میں اس کے بغیر بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہا ہے پر تم ہتھیار کے ساتھ اس سے زیادہ کر سکتا ہے جتنا ہتھیار کے بغیر کر سکتا ہے۔" فتح خان نے عیاری سے کہا۔ "پر ایک بات یاد رکھنا اگر تم نے کچھ کیا تو میرا ایک آدمی بغیر حکم کے تمہارے چاروں آدمیوں کو چھلنی کر دے گا۔" اس نے پک اَپ میں بیٹھے مشین گن بردار کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کو بتا دیا ہے۔"

فتح خان نے نہایت چالاکی سے کام لیتے ہوئے مجھے ہر طرح سے جکڑ لیا تھا اب بریف کیس اس کے حوالے کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں گاڑی میں پچھلی نشست پر بیٹھا تھا اور میرے دائیں بائیں فتح خان کے آدمی تھے۔ اس کے ساتھ مسلح افراد کی تعداد پانچ تھی اور یہ سب خطرناک اسلحے سے لیس تھے۔ وہ خود آگے ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا اور اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ میں نے کہا۔ "میں اور میرے ساتھی واپس کیسے جائیں گے؟"

"پیدل۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "ویسے یہ گاڑی بھی ہے پر یہ چوری کا ہے اگر تم تھانے جانا چاہتا ہے تو اسے لے جانا۔"

میں دنگ رہ گیا۔ "تم نے میرے لیے گاڑی چرائی۔"

"ہاں یہاں کہاں سے گاڑی لاتا۔ پر فکر مت کرو کام کر کے گاڑی اسی جگہ چھوڑ دے گا جہاں سے لی تھی۔"

مجھے گاڑی کی نہیں بلکہ بریف کیس اور اس حوالے سے میجر آدم کے آدمیوں کی فکر تھی اگر وہ نہ آتے تو مجھے بریف کیس فتح خان کے حوالے کرنا ہی پڑتا۔ فتح خان نے میری طرف دیکھا۔ "تم نے بریف کیس کہاں چھپایا ہے؟"

"تم چلتے رہے جب وہ جگہ آئے گی تو میں بتا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے پر شہباز خانا یاد رکھنا کہ غلط بولا تو تمہارے ساتھ چار بندوں کا لاش جائے گا۔"

"دھمکیاں مت دو اگر ایسا ہوتا تو میں سرے سے یہاں آتا ہی نہیں اور تم ان لوگوں کے ساتھ جو چاہے کرتے۔"



"میں جانتا ہے تم اپنے آدمیوں کا بہت خیال رکھتے ہو۔" فتح خان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"اس کے برعکس تم انہیں کتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہو اس لیے کہ ایک مر جائے تو اس کی جگہ دوسرا آ جاتا ہے۔" میں نے دائیں بائیں بیٹھے گرگوں کی طرف دیکھا تو ان کے تیور بگڑ گئے تھے۔

"تم ٹھیک بولا..... فتح خان روگ پالنے والا آدمی نہیں ہے ادھر آدمیوں کی منڈی میں بہت مال ہے پیسہ پھینکو اور اپنی پسند کا آدمی اٹھا لو۔"

"ہاں تمہیں بیچنے اور خریدنے کا بہت تجربہ ہے۔" میں نے طنز کیا۔ "دو دن پہلے تمہارے آقا سے بات ہوئی تھی۔"

"تم ڈیوڈ شا کا بات کر رہا ہے وہ میرا آقا تھا اب نہیں ہے۔"

"ایسا نہیں ہے اگر وہ آج بھی تمہیں بلائے تو تمہیں ان لوگوں کی طرح دُم ہلاتے ہوئے جانا پڑے گا تم ایک بار بک چکے ہو اس لیے انکار نہیں کر سکتے۔"

فتح خان کا موڈ خراب ہو گیا۔ "تم بہت بڑھ بڑھ کر بولنے لگا ہے۔"

"ہاں مجھے یہ جرأت میری آزادی نے دی ہے میں کسی کا غلام نہیں ہوں۔"

"راجا عمر دراز کا بھی نہیں۔" فتح خان نے طنز کیا۔

"نہیں..... تم اسے زیادہ سے زیادہ میرا ہمدرد کہہ سکتے ہو خود سے کہہ کر میں نے اس کا بھی احسان نہیں لیا اگرچہ اس نے میرے لیے جو کیا ہے اسے میں احسان ہی سمجھتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اس تعلق کا موازنہ اپنے اور ڈیوڈ شا کے تعلق سے مت کرو جس کی نوعیت تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ تم عام لوگوں کو کتا کہہ رہے ہو کیونکہ وہ بک رہے ہیں تو اس لحاظ سے تم میں اور ان میں بس نسل کا....."

"تم نے بہت بک بک کر لیا۔" فتح خان کا صبر جواب دے گیا اس نے گاڑی روک لی تھی۔ "بریف کیس کدھر ہے۔"

"تم نے بالکل ٹھیک جگہ گاڑی روکی ہے اب مجھے اترنے کی اجازت دو تا کہ میں تمہیں بتا سکوں کہ بریف کیس کہاں ہے۔"

"اسے ہوشیاری سے لاؤ۔" فتح خان نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "اگر یہ کوئی گڑبڑ مڑبڑ کرے تو اس کا پیر میں گولی مارنا۔"

پہلے ایک اترا اور اس نے مجھے نشانے پر لے کر نیچے اترنے کا حکم دیا میں شرافت سے نیچے اتر آیا۔ فی الحال شرافت کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ فتح خان کے یہ دونوں آدمی اب بہت زیادہ مستعد تھے اور ان کی انگلیاں رائفلوں کی نبلی پر تھی ذرا سی حرکت سے گولی چل سکتی تھی اس لیے میں نے انہیں اشتعال دلانے والی حرکت سے گریز کیا میں آہستہ سے باہر آیا اور فتح خان کی طرف دیکھا جو پہلے ہی میری طرف متوقع نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس نشانی کو دیکھا جس کی سیدھ میں اوپر جا کر مجھے وہ دو درخت مل جاتے جن کے ساتھ چٹان کی جڑ میں بریف کیس چھپایا تھا۔ میں آگے بڑھا اور فتح خان تینوں ساتھیوں کے ہمراہ میرے پیچھے آنے لگا اس نے مجھے پھر وارننگ دی۔ "کوئی غلط حرکت مت کرنا۔ میرا آدمی کوئی رعایت نہیں کرے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں بالکل ٹھیک حرکت کروں گا۔" میں نے خوشدلی سے کہا۔ "یہ دو درختوں کے درمیان چٹان دیکھ رہے ہو بریف کیس دائیں درخت کے ساتھ لگی چٹان اور تنے کے درمیانی خلا میں ہے۔ تمہارا آدمی ہاتھ بڑھا کر نکال سکتا ہے۔"

فتح خان نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھا۔ میں نے اس کی رہنمائی کی اور اس نے خلا میں ہاتھ ڈالا۔ پھر مزید ہاتھ ڈالا۔ اس کا قد مجھ سے کم تھا اسی لحاظ سے ہاتھوں کی لمبائی بھی کم تھی اس لیے اسے بریف کیس تک پہنچنے کے لیے زیادہ تگ و دو کرنا پڑ رہی تھی۔ مگر اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ اسے بریف کیس تک پہنچنے میں ناکامی ہو رہی تھی۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ "کسی دراز قد کو بھیجو میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر بریف کیس خاصا اندر کر دیا تھا۔ اس کا ہاتھ نہیں جا پا رہا ہے۔"

"حفیظ کا ماں اور نقدم کیا؟" فتح خان کنفیوژ ہو گیا۔

"احتیاطاً۔" میں نے وضاحت کی۔ فتح خان اپنے سب سے لمبے آدمی کو طلب کیا اور اسے خلا سے بریف کیس نکالنے کا حکم دیا۔ آدمی نے ڈرتے ڈرتے خلا میں ہاتھ ڈالا۔ شاید اسے خطرہ تھا کہ اندر کوئی سانپ یا اسی قبیل کا زہریلا جانور موجود تھا جو ہاتھ ڈالتے ہی اسے ڈس لے گا۔ اس لیے وہ پورا ہاتھ ڈالتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ فتح خان نے اس کی جھجک محسوس کر لی اور دھاڑ کر اسے پورا ہاتھ اندر ڈال کر بریف کیس نکالنے کا حکم دیا۔ بادلِ ناخواستہ آدمی نے حکم کی تعمیل کی اور اپنا دراز ہاتھ خلا میں ڈال کر بریف کیس پکڑنے کی کوشش کی اور پھر ہانپتے ہوئے بولا۔

"یہاں کچھ نہیں ہے۔"

میں نے بریف کیس جتنا اندر کیا تھا اس آدمی کا ہاتھ لازمی اس تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ فتح خان نے میری طرف دیکھا اور خونخوار لہجے میں بولا۔ "شہباز..... بریف کیس کہاں ہے؟"

"میں قسم نہیں کھاتا لیکن اگر تمہاری تسلی قسم سے ہوتی ہے تو میں قسم کھانے کو تیار ہوں میں نے بریف کیس یہیں رکھا ہے میرا خیال ہے تمہارے آدمی ٹھیک سے نہیں دیکھ رہے ہیں۔"

اس نے پستول لہرایا۔ "ٹھیک ہے تم آ کر ٹھیک سے دیکھ لو پر اب فتح خان قسم کھاتا ہے اگر تمہارا ہاتھ خالی واپس آیا تو تمہارے سر میں سوراخ کر دے گا۔" اس کا لہجہ نہایت خوفناک اور سنجیدہ تھا۔ میں آگے آیا اور خلا میں ہاتھ داخل کیا مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ بریف کیس اسی جگہ رکھا تھا لیکن اب وہاں خلا تھا اور میرا ہاتھ اس میں لہرا رہا تھا۔ اگر بریف کیس وہاں ہوتا تو لازمی میرے ہاتھ میں آ جاتا۔ مگر وہ وہاں نہیں تھا میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے بریف کیس سرک کر آگے [illegible] ہے تم اجازت دو تو میں لکڑی کی مدد سے ٹٹولوں؟"

"یہ بھی کر لو۔" وہ پیچھے ہو گیا۔ "شہباز خانا آج تمہارے پاس آخری موقع ہے۔ جو کرنا ہے کر لو بلکہ چاہو تو کلمہ شریف پڑھ کر اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگ لو۔"

میں نے وہی لکڑی اٹھائی جس کی مدد سے میں نے اس خلا کی پیائش کی تھی۔ میں نے اسے خلا میں داخل کیا اور آخر تک چیک کیا۔ ایک لمحے کو میرا دل رک گیا تھا خلا بالکل خالی تھا بریف کیس وہاں نہیں تھا۔ عقب سے



فتح خان نے کہا۔ "شہباز خانا افسوس تم نے موقع گنوا دیا۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "فتح خان میری بات سنو....."

"تم نے دھوکا کیا اب کیا سنے گا تم گولی کا آواز سنو۔"

میرا جسم تن گیا تھا متوقع گولی کے انتظار میں۔

○.....❖.....○

گولی کے بجائے بوراہ برسٹ چلا تھا لیکن ان میں سے کوئی گولی مجھے نہیں لگی۔ بلکہ سڑک پر موجود فتح خان کے آدمیوں کے چلانے کی آواز آئی۔ کم سے کم ایک موت کا شکار ہوا تھا کیونکہ اس کی چیخ میں موت کا کرب تھا۔ فتح خان بری طرح چونکا تھا اس کی توجہ چند لمحے کے لیے نیچے کی طرف ہوئی تھی اور اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت ہوتی اور میں احمق بننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ چٹان پر ٹیکتے ہوئے پیچھے کی جانب دولتی جھاڑی اور فتح خان ایک دھاڑ کے ساتھ نیچے لڑھک گیا۔ اسے ہوشیار ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب نیچے سے کم سے کم تین چار خودکار ہتھیاروں کی آواز آ رہی تھی۔ شاید میجر آدم کے بھیجے آدمی دیر سے سہی مگر بالآخر پہنچ گئے تھے۔ فتح خان کو دولتی مارنے کے ساتھ ہی میں نے چھلانگ لگائی اور چٹان کے اوپر سے ہوتا دوسری طرف جا گرا۔ پاؤں میں چوٹ آئی تھی لیکن جان بچ گئی تھی کیونکہ فتح خان کے کسی ساتھی نے میری طرف فائر کیا تھا۔ گولی چٹان پر لگی تھی۔ زمین پر گرنے کے بعد میں فوری اٹھا نہیں تھا بلکہ لیٹا رہا اور اسی لمحے میری نظر درخت کے اوپر گئی تھی۔ میں دنگ رہ گیا تھا۔

مگر یہ عالم حیرت میں رہ جانے کا موقع نہیں تھا کیونکہ نیچے فتح خان اپنے آدمیوں سے چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا مگر فائرنگ کے شور میں اس کی آواز سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ابتدائی چیخوں کے بعد کسی کی چیخ سنائی نہیں دی تھی۔ اب یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا جس طرح میں چٹان پھلانگ کر آیا تھا اسی طرح فتح خان یا اس کا کوئی ساتھی چٹان پر چڑھ کر فائر کر سکتا تھا۔ میں زمین پر لیٹے لیٹے کھسکا اور ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ میرا کھسکنا کام آ گیا کیونکہ اسی لمحے فتح خان کا ایک ساتھی چٹان پر نمودار ہوا اور اس نے میری جھلک دیکھتے ہی برسٹ مارا تھا مگر درخت کے تنے کی وجہ سے میں محفوظ رہا ساری گولیاں اس میں پیوست ہو گئی تھی اسے دوبارہ برسٹ مارنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ عقب سے فائر ہوا اور وہ چٹان پر ہی اوندھے منہ گر گیا اس کے سر سے خون کے ساتھ مغز بہہ نکلا تھا۔ میں نے فائر کرنے والے کے نشانے کی داد دی اس نے صرف ایک گولی چلائی تھی اور فتح خان کے آدمی کے سر میں سوراخ کر دیا۔

میرا اندازہ تھا کہ فتح خان کے تین آدمی مارے جا چکے تھے یا کم سے کم ناکارہ ہو گئے تھے اور اب اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ حملہ کرنے والوں کا کوئی جانی نقصان ہوا تھا تو میں اس سے بے خبر تھا لیکن ان کی طرف سے فائرنگ کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ فتح خان اور اس کے ساتھیوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ فائرنگ کا یہ سلسلہ تقریباً پانچ منٹ جاری رہا اور پھر فتح خان کے آدمی چلا چلا کر ہتھیار پھینکنے اور زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔ گویا انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا اور اب مقابلہ کرنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔ کسی نے بلند آواز سے کہا۔ "اپنے ہتھیار پھینک کر اور ہاتھ اوپر کر کے سامنے آ جاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان کے آدمیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ فتح خان انہیں روکنے یا سزا دینے کے لیے موجود نہیں تھا۔ وہ مارا گیا تھا؟ میں نے احتیاط سے درخت کے پیچھے سے جھانکا تھا کہ اسی آدمی نے مجھے پکارا۔ ''شہباز ملک سامنے آئیں۔ ہم میجر کے آدمی ہیں۔''

میں درخت کی آڑ سے نکل کر نیچے آیا تو مجھے سڑک پر فتح خان کے وہی دونوں آدمی سروں پر ہاتھ رکھے گھٹنوں کے بل بیٹھے نظر آئے۔ جب کہ دو خاک وخون میں لتھڑے پڑے تھے۔ آرمی کی وردیوں میں ایک درجن مسلح افراد دکھائی دے رہے تھے۔ ایک جوان کیپٹن آگے آیا۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''شہباز ملک۔''

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''کیپٹن اقبال حسن۔''

میں نے پک اَپ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس میں میرے چار ساتھی ہیں جنہیں ان لوگوں نے یرغمال بنالیا تھا۔''

''وہ محفوظ ہیں ایک شاید معمولی زخمی ہے۔''

میں آس پاس دیکھ رہا تھا لیکن فتح خان کہیں نہیں تھا۔ میں نے کیپٹن اقبال کو اس کے بارے میں خبردار کیا اور اس نے فوراً اپنے آدمیوں کو چاروں طرف پھیل کر فتح خان کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ میرا اطمینان تشویش میں بدل گیا تھا فتح خان کے بچ نکلنے کا مطلب تھا کہ خطرے کی تلوار مستقل میرے سر پر لٹکتی رہے۔ میں نے کیپٹن کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کتنا خطرناک اور شاطر آدمی ہے۔ اگر وہ اکیلا رہ گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ فرار کی کوشش کرے گا بلکہ وہ کہیں آس پاس رہ کر ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی وہ فتح خان کو عام مجرم سمجھ رہا تھا جو قانون کا سامنا ہوتے ہی فرار کے راستے تلاش کرتے ہیں۔ فتح خان کے بجائے اس بریف کیس سے زیادہ دلچسپی تھی۔ ''میجر صاحب نے کسی بریف کیس کا ذکر کیا تھا؟ جو مجھے اپنی تحویل میں لینا ہے۔''

''وہ بریف کیس میں نے اس چٹان کے خلا میں چھپایا تھا۔'' میں نے اوپر موجود چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ ''لیکن جب فتح خان کو یہاں لے کر آیا تو بریف کیس خلا میں نہیں تھا۔''

وہ چونکا۔ ''پھر کہاں گیا؟''

''فتح خان اسی بات پر مجھے شوٹ کرنے والا تھا لیکن آپ لوگوں نے بروقت مداخلت کی۔''

''ہمیں پہنچنے میں ذرا دیر ہوئی۔'' اس نے جواب دیا اور ریڈیو پر اپنے آدمیوں سے رپورٹ لینے لگا۔ وہ بڑی جیپوں میں آئے تھے اور اب یہ جیپیں یہاں آگئی تھیں۔ وہاں چار افراد تھے جو لاشوں کو دیکھ رہے تھے اور ایک آدمی فتح خان کے زندہ ساتھیوں کے سر پر سوار تھا۔ میں پک اَپ کی طرف بڑھا جس میں میرے ساتھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک کے پاؤں گولی چھید کرتی گزر گئی تھی اور اس کے ساتھی اس کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔ سب سے پہلے مشین گن بردار مارا گیا تھا ورنہ فتح خان نے اسے حکم دے رکھا تھا کہ کسی گڑبڑ کی صورت میں ان چاروں کو چھلنی کردے۔ میں نے خیریت دریافت کرنے کے بعد آہستہ سے انہیں کہا۔ ''تم خود کو میرا عام ملازم ظاہر کرو گے۔ اپنے بارے میں زیادہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ بایوڈیٹا درست بتانا۔''



''آپ بے فکر رہیں شہباز صاحب۔'' ان میں سے ایک اعتماد سے بولا۔ ''ہم جانتے ہیں ان کو کیا بتانا ہے۔''

میں پک اَپ سے اتر کر کیپٹن اقبال کے پاس آیا وہ جیپ کے ریڈیو پر کسی سے بات کرتے ہوئے اسے رپورٹ دے رہا تھا یہ خاص زبان تھی جو ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا ہے لیکن میرے دو بھائی آرمی میں تھے اور میں کسی حد تک یہ کوڈ ورڈز سمجھتا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ریڈیو کا مائک میری طرف بڑھا دیا۔ ''میجر صاحب۔''

دوسری طرف میجر آدم تھا۔ ''شہباز تم ٹھیک ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں لیکن فتح خان ہاتھ سے نکل گیا۔''

''اسے جہنم میں جھونکو، بریف کیس کا بتاؤ۔''

''وہ میرے پاس ہے لیکن جب تک مجھے اعتماد نہیں ہوگا کہ فتح خان آس پاس نہیں ہے میں اسے نکالنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''تم اس سے اتنا ڈر رہے ہو؟'' میجر آدم نے حیرت سے کہا۔

''کیونکہ اسے میں جانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اپنے آدمیوں سے کہو کہ میری بات نظر انداز نہ کریں۔ وہ ایسا شخص ہے جسے موقع مل جائے تو وہ ایک منٹ میں بازی پلٹ دیتا ہے۔''

''اوکے میں کیپٹن سے کہتا ہوں وہ تمہارے احکامات کی تعمیل کرے گا لیکن وہ بریف کیس مجھے بہرصورت چاہیے۔ بات اوپر تک جا چکی ہے تم سمجھ رہے ہو نا؟''

''ہاں میں سمجھ رہا ہوں تم اگر مزید آدمی روانہ کرسکتے ہو تو اچھا ہے میرا خیال ہے یہ ایک درجن افراد ناکافی ہیں۔''

''فکر مت کرو ایک دستہ اور روانہ ہو چکا ہے وہ کچھ دیر میں تم تک پہنچ جائے گا۔'' میجر آدم نے کہا۔ ''ریڈیو کیپٹن کو دو۔''

میں نے ریسیور کیپٹن کی طرف بڑھا دیا وہ میجر کی ہدایات سننے لگا۔ میجر سے بات کرنے کے بعد میں پُراعتماد ہو گیا تھا میں نے فتح خان کے آدمیوں سے حاصل کردہ اسلحہ چیک کیا اور اس میں سے پہلے اپنے دونوں پستول اور ان کا اضافی ایمونیشن نکال لیا۔ کیپٹن میرے پاس آیا تو میں نے اس سے کہا۔ ''یہ اسلحہ میرے ساتھیوں کو دے دو۔ جب تک اضافی دستہ نہیں آجاتا ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔''

کیپٹن اقبال نے سر ہلایا اور اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے لگا۔ اسلحہ میرے ساتھیوں کو دے دیا گیا۔ میں نے انہیں آس پاس لگا دیا۔ میرے ذہن میں یہ خطرہ تھا کہ کہیں فتح خان کے پاس اور آدمی نہ ہوں اور وہ ان کی مدد سے دوبارہ ہم پر قابو پانے کی کوشش کرے گا۔ بریف کیس اس کے لیے اتنا اہم تھا کہ اس کے حصول کے لیے وہ بے دریغ اپنے درجنوں آدمی کٹوا سکتا تھا۔ یہاں پڑی تین لاشیں اس کا ثبوت تھیں اور اسے اپنے بچ جانے والے آدمیوں کی پروا بھی نہیں تھی اس کی بلا سے وہ جہنم میں جاتے۔ ایسا آدمی ہماری پروا کہاں کرتا۔ میں اوپر آگیا تھا اسی چٹان کے پاس جس کی جڑ میں بریف کیس رکھا تھا۔ چٹان سے فتح خان کے آدمی کی لاش ہٹالی گئی تھی۔ مگر اس کا خون بدستور چٹان پر پھیلا ہوا تھا۔ مجھے افسوس ہوا تھا کہ دولت کی خاطر انسان کتنی بے دردی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے کی زندگی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ میں چٹان سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔

کیپٹن کے آدمی فتح خان کی تلاش میں ناکام ہو کر واپس آ گئے تھے اور اب اس جگہ کے گرد پھیل کر چاروں طرف نظر رکھے ہوئے تھے۔ کیپٹن شاید میری احتیاطی تدابیر سے مطمئن نہیں تھا لیکن میجر سے احکام حاصل کر کے میری ہدایات پر پوری طرح عمل کر رہا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو چوکنا کر دیا تھا۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی اور سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ تقریباً تین بجے ایک ٹرک نمودار ہوا اور یہ ملٹری ٹرک تھا وہ آ کر ہمارے پاس رکا اور اس سے دو درجن مسلح سپاہی اتر کر چاروں طرف پھیل گئے اور مجھے خوشگوار حیرت ہوئی جب ٹرک کے کمپارٹ سے میجر آدم بھی اترا تھا وہ گرم جوشی سے میرے سینے سے لگا۔ ''میری خواہش تھی کہ تم سے پھر ملاقات ہو اور دیکھو قدرت نے یہ خواہش کس طرح پوری کی۔''

''میں بھی تم سے پھر ملنا چاہتا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اگرچہ امید نہیں تھی کہ ملاقات ہو گی۔''

''بریف کیس کہاں ہے؟''

میں نے اس کے آدمیوں کا معائنہ کیا اور ایک چھریرے جسم والے سپاہی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے ساتھ لے کر میرے ساتھ چلو۔''

ہم اسی چٹان کے پاس آئے اور میں نے سپاہی سے کہا۔ ''جوان اس درخت پر چڑھ جاؤ اور وہ دیکھ رہے ہو شاخوں میں چاندی جیسی چیز جھلک رہی ہے، وہ اتار لاؤ۔''

مستعد سپاہی تیزی سے شاخوں کو پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے وہ شاخوں تک پہنچ گیا اور اس نے وہاں رکھا بریف کیس اٹھا کر اپنی پشت پر ٹانگ لیا۔ اس کا وہ بیگ غائب تھا جس میں اسے حفاظت کے نکتہ نظر سے رکھا تھا اور اسی وجہ سے یہ نظر بھی آیا تھا جب فتح خان کے آدمیوں سے بچتے ہوئے چٹان کے دوسری طرف چھلانگ لگائی تھی تب زمین پر پڑے ہوئے میری نظر شاخوں پر گئی تھی اور وہاں مجھے بریف کیس کی جھلک دکھائی دی تھی۔ اس وقت بھی میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ چٹان کے خلا سے یہ درخت تک کیسے پہنچا۔ میجر آدم نے تعریفی انداز میں کہا۔ ''اچھی جگہ چھپایا تم اسے۔''

''میں نے تو اسے یہاں چھپایا تھا۔'' میں نے چٹان کے خلا کی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے نہیں معلوم کہ یہ وہاں کیسے گیا۔''

سپاہی نیچے آ گیا تھا اس نے کہا۔ ''میں بتاؤں سر یہ وہاں کیسے گیا؟''

''تم جان گئے ہو؟'' میں نے دلچسپی سے کہا۔

''جی صاحب ادھر بندر ہوتے ہیں درخت پر جگہ جگہ ان کے بال ہیں ابھی وہ یہاں نہیں ہیں ورنہ بہت شور مچاتے۔ کوئی بندر اٹھا کر لے گیا ہو گا اور اس نے شاخوں میں رکھ دیا۔''

''اس لحاظ سے بندر کا شکریہ ادا کرنا چاہیے ورنہ فتح خان بریف کیس حاصل کر لیتا اور پھر اسے لے کر غائب ہو جاتا۔''

میجر آدم خان پوری تیاری سے آیا تھا۔ ہم وہاں سے روانہ ہوئے لیکن کچھ دور گئے ہوں گے کہ قافلہ ایک نسبتاً کھلی جگہ رک گیا۔ میں میجر کے ساتھ ایک جیپ میں تھا۔ میرے ساتھی اسی پک اپ میں سپاہیوں کے ہمراہ آ رہے تھے۔ میں نے میجر کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔ ''یہاں سے میں الگ جاؤں گا۔''

ہم نیچے اتر آئے۔ چند منٹ بعد آسمان پر ایک پرندہ نمودار ہوا اور بتدریج نیچے آنے لگا۔ ہیلی کاپٹر سے پہلے اس کا شور آیا۔ وہ یہاں لینڈ نہیں کر سکتا تھا لیکن سڑک سے چند فٹ اوپر ہوا میں معلق ہو گیا۔ میجر نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''پھر ملیں گے اگر خدا نے چاہا تو۔''

''دوست ہمارا کیا ہو گا؟''

''میں نے کیپٹن اقبال سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں مری تک چھوڑ دے گا۔ یہ سب ان آفیشلی ہوا ہے۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''میں بھی یہی چاہتا ہوں دوست ورنہ میرے سامنے آنے سے خاصی پیچیدگیاں ہو سکتی ہیں میرے لیے بھی اور حکومت کے لیے بھی۔''

''اسی بنا پر تمہیں اس معاملے سے الگ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔'' وہ میرے گلے لگ کر بولا۔ ''اللہ حافظ برادر۔''

میجر آدم ایک بار پھر ہاتھ ملا کر ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ گیا۔ اندر موجود افراد نے اس کی مدد کی اور اسے اندر کھینچ لیا فوراً ہی ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا اور بلند ہوتا چلا گیا۔ ذرا دیر میں وہ غائب ہو چکا تھا۔ میرے سر سے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ کئی مہینے پہلے یہ بلا وجہ میرے سر پڑ گیا تھا بہرحال اب جلد چین کی امانت اسے مل جائے گی اور اس کے فوجی راز محفوظ رہیں گے، ہیلی کاپٹر کے جاتے ہی ہمارا قافلہ دوبارہ چل پڑا تھا۔ ٹرک ایک جگہ ہم سے الگ ہو گیا اور یہیں سے دوسری جیپ بھی واپس چلی گئی۔ اس کے ساتھ پک بھی تھی جس میں فتح خان کے زندہ اور مردہ آدمی تھے۔ میرے چاروں ساتھی جیپ میں آ گئے اب کیپٹن اقبال کے ساتھ صرف ایک ڈرائیور تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''ہم آپ کو مری تک پہنچا دیں گے۔''

''یہ تمہاری مہربانی ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''نہیں جناب۔'' وہ احترام سے بولا۔ ''یہ ہمارا فرض ہے۔''

شام کے قریب ہم نے ایک جگہ رک کر دوپہر کا کھانا کھایا جو ٹھنڈا اور بدمزہ ہو چکا تھا لیکن پیٹ بھرنا تھا۔ مری اب کچھ دور تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی ہم مری کے قریب پہنچ گئے۔ لینڈ سلائیڈنگ صاف ہو چکی تھی اور سڑک پر ٹریفک چل رہا تھا۔ یہاں کیپٹن اقبال ہاتھ ملا کر رخصت ہوا۔ میں ایک بار پھر میجر آدم کا احسان مند تھا کہ اس نے مجھے فیور دیا۔ ورنہ اصولاً تو انہیں بریف کیس کے ساتھ مجھے بھی تحویل میں لے لینا چاہیے تھا اور جب تک وہ بریف کیس کی طرف سے اطمینان حاصل نہ کر لیتے مجھے چھوڑنے کا جواز نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس نے مجھے جانے دیا تھا۔ میں نے سب سے پہلے وسیم کو کال کی۔ وہ میری آواز سنتے ہی بے تابی سے بولا۔ ''شہباز صاحب آپ ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں یار کام ہو گیا ہے ہمارے ساتھی بھی بچ گئے ہیں اور بریف کیس بھی محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''برا یہ ہوا کہ میرا موبائل فتح خان کے ہاتھ لگ گیا ہے اس لیے سب سے کہو رابطے کے نمبرز فوری طور پر ترک کر دیں۔''

''میں سب کو خبردار کرتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم آرہے ہیں۔'' میں نے یہ بتانے سے گریز کیا کہ ہم کہاں ہیں۔ فتح خان ڈیوڈ شا کا چیلا رہا تھا اور اس کے پاس وہ سارے گر اور آلات تھے جو ڈیوڈ شا نے اسے مہیا کیے تھے جن کی مدد سے اس نے کئی بار میرا سراغ لگایا تھا۔ بریف کیس ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ زخم خوردہ سانپ بن گیا ہوگا۔ مری آنے والی کئی گاڑیاں اب خالی واپس جارہی تھیں۔ ایک ہائی روف ہمیں مل گئی۔ ڈرائیور نے موقع سے فائدہ اٹھا کر منہ مانگا کرایہ مانگا تھا۔ جب میں مان گیا تو اسے حیرت ہوئی تھی میرا خیال تھا کہ وہ نصف کرائے پر بھی مان جاتا لیکن میں نے بارگیننگ نہیں کی اور وہ سارے راستے مجھ پر واری قربان ہوتا رہا۔ مگر میں نے پھر بھی احتیاطاً اسے فیض آباد کے شروع میں روک دیا اور جب وہ رخصت ہوگیا تو ہم دو ٹیکسیوں میں کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے جہاں سب بے تابی سے ہمارے منتظر تھے۔ ٹیکسیاں رکتے دیکھ کر اندر کھلبلی مچی تھی کہ دشمن نے حملہ تو نہیں کر دیا ہے اور جب ایک ٹیکسی میں میرا چہرہ دکھائی دیا تو دوبارہ کھلبلی مچی۔ گیٹ کھل گیا لیکن ٹیکسیاں اندر لانے کے بجائے ہم نے انہیں باہر سے ہی رخصت کر دیا میرا ارادہ تو انہیں گلی کے کونے سے رخصت کرنے کا تھا لیکن دوسری ٹیکسی آگے نکل گئی اور اس میں سوار تینوں ساتھی اسے کوٹھی تک لے گئے۔ اس لیے مجبوراً مجھے بھی ان کے پیچھے جانا پڑا تھا۔ وسیم باہر ہی مل گیا۔ ''شکر ہے آپ محفوظ ہیں ورنہ میں بہت پریشان تھا۔''

''یار ایسا ہوتا رہتا ہے اب تو عادت ہو جانی چاہیے۔'' میں ہنسا۔ ''پھنس گیا تھا لیکن اللہ کی مدد شاملِ حال رہی اور بازی میرے حق میں رہی۔ فتح خان پھر ناکام رہا۔''

عبداللہ نہا رہا تھا وہ میری آمد کی خبر پا کر جلت میں کپڑے پہن کر چلا آیا تھا اس کے بالوں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ بھی یوں گلے ملا جیسے میں حج یا جہاد سے واپس آگیا ہوں۔ ہم اندر آئے۔ میں نے انہیں مختصراً روداد سنائی۔ کیونکہ میرا تھکن سے برا حال تھا اور میں غسل فرما کر کچھ دیر سونا چاہتا تھا۔ مگر وسیم نے تجویز پیش کی۔

''رات کے کھانے میں کچھ دیر ہے آپ کھانا کھا کر سوئیں ورنہ آدھی رات کو بھوک سے آنکھ کھل جائے گی۔''

مجبوراً اس کی بات ماننا پڑی اور اس بار انہوں نے سوالات کی مدد سے تفصیلات حاصل کیں۔ بریف کیس اٹیلی جنس کی تحویل میں جانے کا سن کر انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ ایک قصہ تو ختم ہوا تھا۔ میں نے واش روم جانے سے پہلے نادر کا پوچھا۔ عبداللہ نے کہا۔ ''وہ یہیں ہے کیونکہ فی الحال کوئی دوسری جگہ نہیں ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں امید ہے ایک دو دن میں کوئی دوسرا ٹھکانہ بھی مل جائے گا۔''

''میں بھی دیکھ رہا ہوں یہ ضروری ہوگیا ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''تب تک غیر ضروری افراد کو چھٹی پر بھیج دو۔'' میں نے مشورہ دیا اور اپنے کمرے میں آیا۔ بیگ سے دوسرا لباس نکال کر باتھ روم میں گھس گیا۔ بھاگ دوڑ نے حلیہ خراب کر دیا تھا۔ موسم معتدل تھا اس لیے عام پانی سے نہانے میں مزہ آیا تھا۔ شیو کر کے میں نے قلمیں لمبی چھوڑ دیں۔ سر کے بال چھوٹے تھے۔ لباس بدل کر سکون ملا تھا۔ کھانے کی میز پر اکرم چشتی کے بارے میں نئی معلومات ملیں۔ ڈاکٹرز اس کی بینائی اور سماعت کی طرف سے مایوسی ظاہر کر چکے تھے۔ شاید اس کا علاج ہو جاتا لیکن رشوت خوری کے باوجود اس کی اتنی اوقات نہیں تھی کہ کسی ترقی یافتہ ملک جا کر علاج کے اخراجات برداشت کر سکتا۔ اس کے آقاؤں کو اس سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہو گی کیونکہ ایسے پولیس افسران کی کمی نہیں ہوگی جو اکرم چشتی کی جگہ لینے کے لیے بے تاب ہوں گے۔ کام کی



اطلاع یہ تھی کہ عبداللہ نے وہ انجکشن منگوا لیے تھے جو آدمی کو پانچ سال کا بچہ بنا دیتے ہیں۔ اس نے ایک آرگ ڈیلر سے یہ انجکشن منگوائے تھے اور اس نے ان کی ضمانت دی تھی۔ یہ خاصے مہنگے پڑے تھے لیکن عبداللہ نے ان کی قیمت نہیں بتائی تھی۔ اس نے بتایا۔

''میں کل صبح راجا صاحب کی کوٹھی کا سودا کرنے جاؤں گا اسی دوران میں کوئی دوسری جگہ بھی دیکھوں گا۔''

اس کوٹھی میں گنجائش کم تھی اور وسیم کے سارے آدمی یہاں مشکل سے سماتے اس لیے وہ ان کی چھانٹی کرنے چلا گیا میں نے بیڈ روم کا رخ کیا اور بستر پر لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی تھی۔ مجھے ندیم سے بات کرنے کا خیال آیا کہ مرشد کے وکلا نے اس سے رابطہ کیا یا نہیں لیکن پھر یہ کام میں نے صبح تک کے لیے ملتوی کر دیا۔ ایک تھکا دینے والے سفر اور بڑی کامیابی کے بعد میں کچھ دیر اس دنیا سے بے خبر رہ کر گزارنا چاہتا تھا۔ میری خواہش پوری ہوئی اور میں صبح تک بے خواب نیند سوتا رہا۔ سورج کی کرنوں کی چکا چوند نے مجھے بیدار کیا۔ کھڑکی کا رخ عین مشرق کی طرف تھا اور پردہ ہٹا ہوا تھا اس لیے سورج نکلا تو دھوپ براہِ راست اندر آئی تھی۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی کھولی اور صبح کی تازہ ہوا میں چند گہرے سانس لیے۔ موسم گرم ہو چلا تھا لیکن صبح کی ہوا میں خوشگوار خنکی تھی۔ میری توجہ سرہانے کی طرف گئی جہاں ایک موبائل فون رکھا ہوا تھا میں نے اسے چیک کیا اس میں سب کے نئے نمبر ناموں سے فیڈ تھے اور اس موبائل کا نمبر بھی تھا۔ میری نیند کے دوران کوئی اسے یہاں رکھ گیا تھا۔ میں نے سویرا کا نمبر ملایا۔ اس کا نمبر پرانا ہی تھا اور فتح خان پہلے ہی اس نمبر سے واقف تھا۔ اس لیے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے کال ریسیو کی اور آہستہ سے بولی۔

''ہیلو۔''

''السلام وعلیکم۔'' میں نے کہا تو اس کی آواز کھل اٹھی۔

''کیسے ہیں آپ؟'' اس نے سلام کا جواب دے کر پوچھا۔ ''مجھے لگ رہا تھا آپ کہیں گئے ہوئے ہیں۔''

''ہاں میں گیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''کل فتح خان کا مجھے فون آیا تھا وہ بہت غصے میں تھا اور آپ کو دھمکیاں دے رہا تھا۔''

''تم نے اس کی بکواس کیوں سنی فون بند کر دیتیں۔''

''میں نے یہی کیا مشکل سے پندرہ سیکنڈ کی کال ہوگی اس دوران میں وہ بولتا ہی رہا۔ میں نے تو بعد میں موبائل بھی آف کر دیا تھا۔''

''تم نے ٹھیک کیا یہ بتاؤ کوئی نئی سم ہے تمہارے پاس؟''

''ہاں اب میرے پاس تین دوسری سمز ہیں۔''

''تم نے نمبر دیکھ لیا ہے اس پر کال کرو اور اب یہ سم پھینک دو۔''

میں نے کال کاٹ دی چند منٹ بعد ایک اجنبی نمبر سے کال آئی۔ یہ سویرا کا دوسرا نمبر تھا میں نے کال ریسیو کی۔ ''تم کیسی ہو حویلی کے حالات کیسے ہیں۔''

''میں ٹھیک ہوں اور یہاں بھی سب ٹھیک ہیں۔'' اس نے چہک کر کہا اور پھر ہنسی۔ ''آپ نے کیا پیڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھیجے ہیں۔انہوں نے تو گاؤں والوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔"

"مانی اور بیتو..... بچے ہیں اور کام کے بچے ہیں۔ بیتو کے بارے میں تو تم جانتی ہو۔ یہ مانی نیا اضافہ ہے۔"

"مانی نے پوری حویلی میں کیمرے لگا دیے ہیں۔اب بابا اور گارڈز اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہر طرف نظر رکھ سکتے ہیں۔" سویرا بتا رہی تھی۔"بابا کے باہر جاتے ہی یہ ہمارے پاس آجاتے ہیں۔ جب بابا ہوں تو شرافت سے مردانے میں رہتے ہیں۔"

"سفیر، مونا اور سعدیہ کیسے ہیں؟"

"تینوں ٹھیک ہیں۔سفیر بھائی کی وجہ سے مونا بہت خوش ہے البتہ سعدیہ اداس ہے۔"

"ہاں یہاں بھی ایک بندہ اداس ہے۔" میں ہنسا۔

"آپ نہیں ہیں؟" اس نے شوخی سے پوچھا۔

"میں بھی ہوں لیکن اس طرح نہیں۔" میں نے جواب دیا۔"شازیہ کا مسئلہ حل ہوا یا نہیں؟"

سویرا جھینپ گئی پھر اس نے اٹک اٹک کر بتایا۔"ماں جی نے اسے کسی لیڈی ڈاکٹر کو دکھایا ہے۔ وہ ہمدرد عورت ہے غلط کام نہیں کرتی ہے لیکن جب اسے شازیہ کے ساتھ ہونے والے ظلم کا پتا چلا تو وہ تیار ہو گئی۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔"یعنی مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ ممکن ہے کچھ دن میں اسے یہاں واپس بلا لیں۔اس کا باپ آئے گا تو اس کے حوالے کر دیں گے۔"

"وہ پھر اسے کسی جہنم میں جھونک دے گا۔" سویرا نے دکھ سے کہا۔"میں اس کی کہانی سن کر کانپ گئی تھی۔اس معصوم نے ذرا سی عمر میں کیا دیکھا اور سہا ہے۔ یہاں خوش ہے۔"

"مگر اس کا وارث اس کا باپ ہے۔" میں نے سویرا کو یاد دلایا۔

"آپ کب آرہے ہیں۔" اس نے موضوع بدل دیا۔

"میں معاملات سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ جلد مجھ پر قائم مقدمات ختم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد میں کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہوں گا۔"

"اللہ وہ وقت جلد لائے۔" سویرا بولی۔اس سے کچھ دیر بات کی۔ پھر حویلی کے نمبر پر کال کر کے ماں جی اور دوسرے لوگوں سے بات کی۔ بابا بھی موجود تھے اور خوش تھے کیونکہ بہت دنوں بعد حویلی میں رونق آئی تھی۔آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لیکن شمی نے بہت دیر میرا سر کھایا تھا۔ مجبوراً اسے عتیق کے حوالے سے چھیڑا تو وہ فون چھوڑ کر غائب ہو گئی۔ اپنے پیاروں سے بات کر کے انسان کیسے ہلکا ہو جاتا ہے خاص طور سے جب وہ بہت دنوں سے ان سے دور ہو۔ یہ بات وہی جانتے ہیں جو اس دوری سے گزر رہے ہوں۔ کال بند کر کے میں نے ندیم کا نمبر ملایا۔اس کے پاس میرا یہ نمبر نہیں تھا اس لیے اس نے بیزاری سے کہا۔

"کون ہے بھائی؟"

"تیرا ایک بھوکا پیاسا موکل..... جسے پھانسی سے پہلے ناشتہ بھی نہیں ملے گا۔"

"ٹو....." ندیم نے گالی دی۔"ابے ٹوٹل جائے تو میں خود تجھے لٹکا دوں میری زندگی کے دشمن۔"



"لگتا ہے مرشد کے وکلا نے رابطہ کر لیا ہے۔" میں ہنسا۔

"ایک وکیل ہے اور بڑا احرامی وکیل ہے۔ یوں سمجھ لے کہ میرا بھی باپ ہے۔"

"تب تو ٹو ہوا نا وہ۔" میں نے کہا۔

"کیا؟" ندیم نے بے خیالی میں کہا اور جب بات سمجھ آئی تو اس نے مزید گالیاں دیں۔

"بس کر میرے گفتار کے غازی..... اس سے زیادہ بکواس کی تو وہاں آ کر شہید کر دوں۔ بہت پہلے کر چکا ہوتا لیکن تیرے بیوی بچوں کا خیال آتا ہے۔"

"بکواس مت کر وہ صبح شام میرے سر پر سوار رہتا ہے۔ اپنا سارا کام چھوڑ کر بیٹھا ہوں۔ دو موکل بھاگ گئے ہیں جن کے کیس کی پیشیاں رہ گئیں۔ آج دو اور بھاگ جائیں گے کیونکہ میں آج بھی عدالت نہیں جا سکوں گا۔"

"چل یار دل جمعی سے کام کر..... ایک بار میرے کیسوں سے چھٹکارا مل جائے تو دل بھر کر پریکٹس کرنا اور دوسروں کو لوٹنا۔" میں نے مشورہ دیا۔ندیم نے کچھ دیر بک بک کرنے کے بعد بتایا کہ مرشد کا وکیل بھی اس سے کم نہیں تھا وہ معاملات کو توڑ مروڑ کر اپنے حق میں لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ فی الحال اس کی کوشش تھی کہ تصفیے میں زیادہ سے زیادہ وقت لگے۔ میں نے کہا۔"رک جا ابھی میں مرشد سے بات کر لوں پھر اس سے ملاقات کرنا۔"

"دیکھ کر اگر تیرے پاس مرشد کی کوئی دکھتی رگ ہے تو اسے ذرا زور سے دبا اور اس حرامی کو پٹا ڈلوا۔ اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو اب تک کیس ری فائل کر چکا ہوتا۔"

"ٹو فکر نہ کر میں ابھی بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

میں نیچے آیا تو ناشتہ تیار ہو رہا تھا۔ وسیم اور عبداللہ ڈائننگ ٹیبل پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ وسیم نے اخبار میں کسی جگہ کا اشتہار دیکھا تھا۔ یہ راول چوک کے قریب کوئی جگہ تھی۔ عبداللہ کو جلدی تھی اس لیے وہ ناشتہ تقریباً کر چکا تھا۔اس نے وسیم سے کہا۔"میں فارغ ہو کر اس جگہ کو بھی دیکھتا آؤں گا۔"

"مگر ہوشیار رہنا پھر کوئی افتاں جیسا چکر باز نہ گلے پڑ جائے۔" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی حویلی بات ہوئی ہے۔" وسیم نے کہا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا..... اوہ اچھا تم بھی کسی کو کال کر رہے ہو گے۔"

"ہاں میں سعدیہ سے بات کر رہا تھا۔"

"میں تو کہہ رہا ہوں تم بھی حویلی کا چکر لگا آؤ۔ ابھی کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جسے دیکھنا ضروری ہو۔"

وسیم نے سر ہلایا۔"میں بھی سوچ رہا ہوں لیکن کہیں انکل یہ نہ سوچیں کہ سب نے حویلی کا راستہ دیکھ لیا ہے۔"

"بابا بہت مہمان نواز ہیں اور تم لوگ مہمان نہیں ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔"بابا بہت خوش ہوں گے۔ وہ تو اب بھی خوش ہیں کہ حویلی میں کتنی رونق ہے۔"

"ٹھیک ہے میں جاتا ہوں۔ میں نے اپنے تقریباً تمام آدمیوں کو چھٹی دے دی ہے۔ بس تین آدمی ہیں۔"

"یہ اچھا ہے، جب تک کوئی نیا ٹھکانہ نہ ملے بھیڑ جتنی کم ہو اچھا ہے۔" میں نے سر ہلایا۔"مجھے مرشد سے بات کرنی ہے اس کا وکیل معاملات کو الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کوشش وہ مرشد کی ہدایت پر کر رہا ہوگا۔'' وسیم نے یقین سے کہا۔ ''ورنہ اس کی اپنی اتنی جرأت کہاں کہ خود سے ایسا کوئی کام کر سکے۔''

''تب ہی مرشد سے بات کرنی ہے۔'' میں نے کہا۔ ناشتہ کر کے چائے لے کر میں اوپر آیا وسیم میرے ساتھ ہی تھا۔ لیپ ٹاپ آن کر کے کال والی سائیٹ کھولی اور مانی کے اکاؤنٹ سے مرشد ہاؤس کا نمبر ملایا۔ اس کے نستعلیق سیکرٹری نے کال ریسیو کی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس معمولی سے کام کے لیے سیکرٹری کا انتخاب کیوں کیا گیا تھا۔ اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''کون بول رہا ہے؟''

''مرشد کا والدِ ثانی جہنم سے بات کر رہا ہوں۔ اسے یہاں بلانا ہے۔''

''شہباز صاحب۔'' اس نے بدستور محتاط انداز میں کہا۔

''مرشد کہاں ہے؟''

''ایک منٹ میں چیک کرتا ہوں۔'' اس نے کہا اور کال ہولڈ پر کر دی۔ کچھ دیر بعد مرشد کی آواز آئی۔

''شہباز.....''

''نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو میں کون ہوں۔''

''میں نے تمہاری بات مان لی ہے اور اپنے وکیل کو تمہارے وکیل کے پاس بھیج دیا ہے۔''

''ہاں وہ اپنا کام اچھی طرح کر رہا ہے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''کیس ری فائل کرنے میں تاخیر کر رہا ہے۔''

''وہ اصل میں یہ قانونی مسائل ہیں اور میں ان سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔'' مرشد نے انجان بننے کی کوشش کی۔

''حالانکہ قانون کو تم جیسے لوگوں نے موم کی ناک بنا رکھا ہے اپنی مرضی سے اسے توڑتے مروڑتے رہتے ہو۔ مجھے بے وقوف مت بناؤ میں پہلے ہی خاصا بے وقوف ہوں۔''

مرشد نے دفاعی انداز میں کہا۔ ''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''مرشد کیس مجھ پر ہے تم پر نہیں اور صلح تم چاہتے ہو میں نہیں۔ اس لیے ابھی اور اسی وقت اپنے وکیل سے کہو کہ وہ صرف میرے وکیل کی معاونت کرے اس کے کام میں مداخلت یا فیصلے نہ کرے۔''

''وہ ایسا نہیں کر رہا ہے۔''

''میری ابھی اپنے وکیل سے بات ہوئی ہے۔ وہ تمہارے وکیل کی حرکتوں سے بالکل خوش نہیں ہے۔ ظاہر ہے وہ تمہاری ہدایات کے برعکس تو کچھ نہیں کر رہا ہوگا اس لیے بہتر ہے تم خود اسے پٹا ڈال دو۔ دوسری صورت میں میرے پاس کچھ آپشن اور بھی ہیں تم سمجھ رہے ہو نا؟''

''تم نادر کا حوالہ دے رہے ہو؟''

''میں نہیں جانتا کہ تم نادر کی بات کیوں کر رہے ہو لیکن تم میری بات سمجھ رہے ہو۔ مرشد تمہارے پاس دو دن ہیں۔ تم اپنے وکیل سے کہو کہ وہ ندیم کے کام میں کوئی مداخلت نہ کرے اور پرسوں تک کیس لازمی ری فائل کر دیئے جائیں۔ میں تب تم سے فیصلہ کن بات کروں گا۔ امید ہے اگر معاملات درست سمت میں چلتے رہے تو ہم



دونوں کے مسائل حل ہو جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے میں اپنے وکیل سے کہتا ہوں کہ وہ تمہارے وکیل کی ہدایت کے مطابق کام کرے۔''

''اور اس کے کسی کام میں ٹانگ بھی نہ اڑائے۔''

''ٹھیک ہے۔'' مرشد نے بادلِ ناخواستہ کہا۔ غالباً اس نے کبھی خود کو اتنا مجبور محسوس نہیں کیا ہوگا۔

''میں نے اسے چھیڑا'' سنا ہے تمہارا ایک خاص آدمی زخمی ہے اب اس کی حالت کیسی ہے؟''

''فاضلی ٹھیک ہے۔'' مرشد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ایک دو دن میں وہ چلنے پھرنے لگے گا۔''

''نہ..... نہ اس سے کہو اتنی جلدی کیا ہے اس بار اسے ہمیشہ کے لئے لٹانا ہے۔''

''شہباز اب اسے بھول جاؤ وہ کبھی تمہارے راستے میں نہیں آئے گا۔''

''مرشد وہ کتے کی دم ہے جسے سو برس بھی نلکی میں رکھو تو وہ ٹیڑھی رہے گی اور فاضلی تو اتنا ٹیڑھا ہے کہ نلکی ٹیڑھی ہو جائے گی اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ کبھی میرے راستے میں نہیں آئے گا۔''

''میں اسے سنبھال لوں گا۔''

''سنبھالو گے۔'' میں نے معصومانہ حیرت سے کہا۔ ''وہ تمہارا ملازم ہے یا تمہاری اولاد ہے جو تم اسے سنبھالو گے۔''

مرشد کو اپنی لاشعوری غلطی کا احساس ہوا۔ ''میرا مطلب ہے وہ میری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرے گا۔''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ تمہارے آدمی تمہارے مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے اگر ان کی طرف سے کوئی کاروائی ہوئی تو دراصل تمہاری طرف سے سمجھی جائے گی۔'' میں نے اسے خبردار کیا اور کال بند کر دی۔

---

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
تیرھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ تھرتھرا دینے والا سنسنی خیز آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز ۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail:alimian_publications@yahoo.com

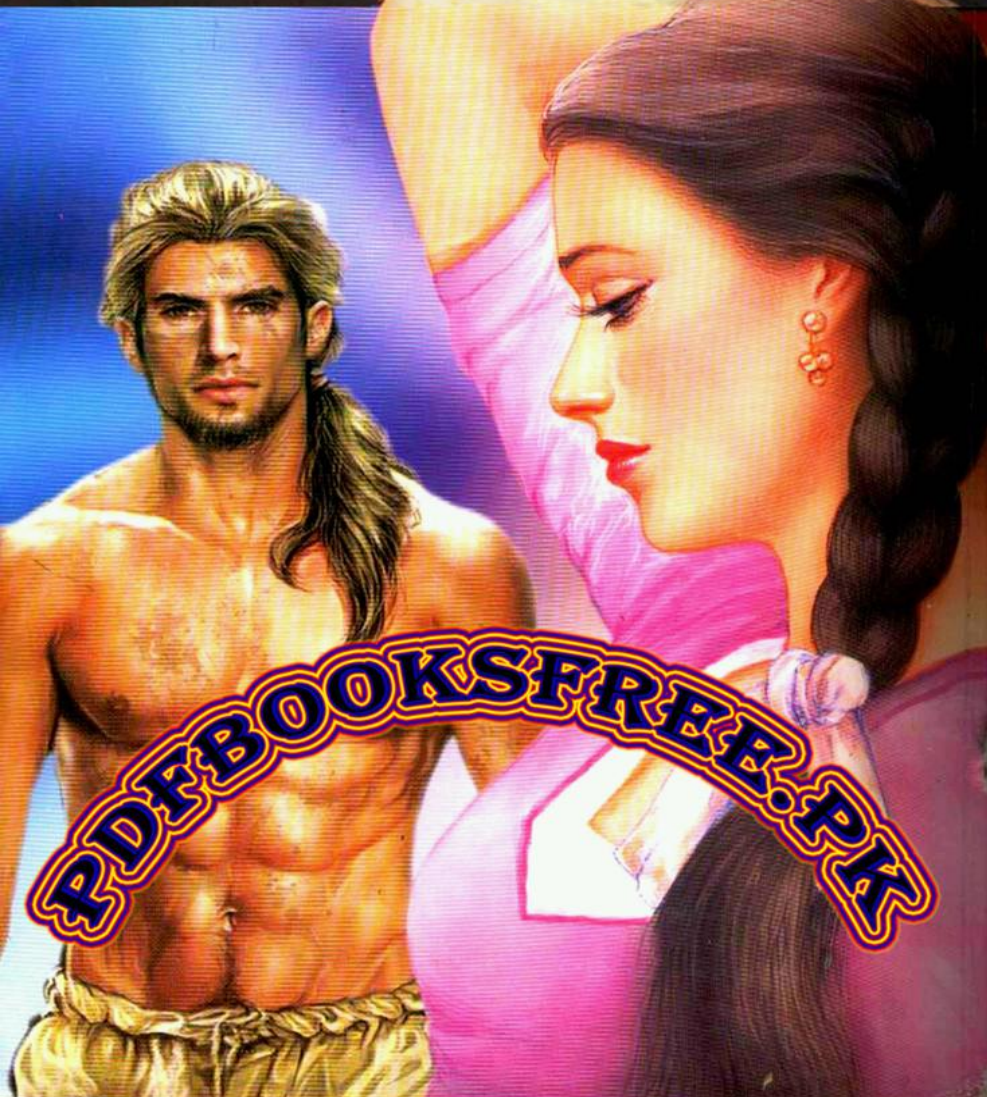
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

13



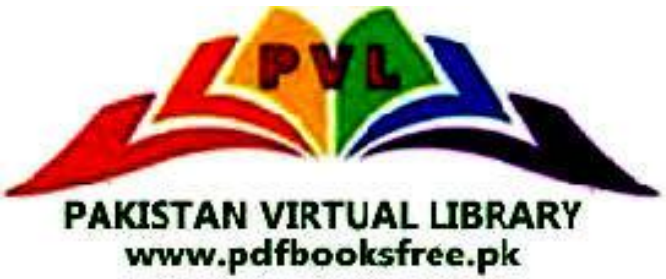
PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

تیرہواں حصہ

کاشف زبیر




علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 ONR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وسیم غور سے سن رہا تھا کیونکہ میں نے لیپ ٹاپ کے اسپیکر آن کر دیئے تھے۔ اس نے کہا۔

"مرشد خود کتے کی دُم ہے یہ اتنی آسانی سے ماننے والا نہیں ہے۔"

"میں نے کل تک وارننگ دے دی ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے یاد آیا ایک بار میں نے تم سے کہا تھا کہ مرشد خاندان کے دوسرے افراد کا پتا چلاؤ جن سے مرشد کی ٹھنی ہوئی ہے۔"

"اس کے چچا کے بیٹے ہیں۔" وسیم نے کہا۔ "میرا خیال ہے تین یا چار بیٹے ہیں۔ مگر ان میں مرشد کا حریف ارشاد علی ہے۔ وہ اس کے چچا کا سب سے بڑا بیٹا ہے اور مرشد کے خلاف وہی سرگرم ہے۔"

"تب اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔"

"میں نے اس کے بارے میں معلوم کرایا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ مرشد کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ اتنا ہی خبیث اور سفاک انسان ہے۔ اس سے کسی قسم کا تعلق سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ مرشد کی جگہ سنبھال لے۔" وسیم نے کہا۔ "مرشد ایک آدمی ہے جب کہ ارشاد کے تین بھائی اور بھی ہیں اس لحاظ سے وہ مرشد سے زیادہ طاقتور ہو سکتے ہیں۔ فی الحال تو مرشد ان پر حاوی ہے کہ گدی اس کے پاس ہے اور اس کے اندھے مرید صرف اس کا اشارہ سمجھتے ہیں۔ ارشاد اور اس کے بھائی صرف آمدنی میں حصے دار ہیں۔"

"تب مرشد نے ان کا صفایا کیوں نہیں کر دیا؟"

"اس کی مجبوریاں ہیں۔ ارشاد اور اس کے بھائی اتنے کمزور بھی نہیں ہیں۔ دولت اور کرائے کے بدمعاشوں کی ان کے پاس کمی نہیں ہے۔ درگاہِ مرشدیہ سے کچھ ہی دور ان کی جاگیر ہے۔"

"مرشد کی اولاد ہے؟"

"بے شمار..... جائز اولادوں کی تعداد ایک درجن ہے۔ اس کی تین بیویاں ہیں۔ اور فاضلی جیسے تو نہ جانے کتنے ہوں گے لیکن اس کے بچے ابھی چھوٹے ہیں سب سے بڑا لڑکا شاید اسکول میں ہے۔"

"مرشد غالباً اس وقت کا انتظار کر رہا ہے جب اس کے بیٹے بڑے ہو کر اس کا دست و بازو بن جائیں تب تک وہ اپنے شریکوں کو چھوٹ دے رہا ہے۔"

"ممکن ہے لیکن اس وقت وہ پھنسا ہوا ہے اور شاید ہمارا کام بن جائے۔"

"کیا اس پر دباؤ بڑھانے کے لئے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کہا تو وسیم سوچ میں پڑ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا تو جا سکتا ہے مرشد اور اس کے چچا زادوں میں دشمنی بھڑکائی جا سکتی ہے۔''

''کوئی ڈرامہ کر کے۔''

''بالکل..... مصنوعی حملہ کیا جا سکتا ہے جو لگے کہ مخالف پارٹی کی کارروائی ہے۔''

''بس تو اس پر غور کرو۔ ہمیں جلد از جلد کچھ کر گزرنا چاہیے۔ مرشد پر جتنا دباؤ بڑھے گا وہ صلح کی طرف اتنا ہی مائل ہوگا۔''

مجھے مہر و اور کرنل کا خیال آیا جنہیں ہم ایبٹ آباد میں چھوڑ آئے تھے وہاں کرنل کو طبی امداد مل گئی ہوگی۔ میں نے آج کے اخبارات منگوائے اور کرنل کے بارے میں ایک جگہ مختصر سی خبر مل گئی۔ عبدالرحمن نامی شخص کو ایبٹ آباد کے اسپتال میں لایا گیا تھا وہ شدید زخمی تھا اور اسے کئی گولیاں لگی تھیں لیکن آپریشن کے بعد اس کی حالت بہتر تھی۔ فی الحال وہ پولیس کو بیان دینے کے قابل نہیں تھا اس کے ساتھ اس کی بیوی کا کہنا تھا کہ وہ تفریح کرنے یہاں آئے تھے کہ نامعلوم افراد نے ان پر حملہ کر کے اس کے شوہر کو شدید زخمی کر دیا۔ بیوی کا کہنا تھا کہ ان کی کسی سے دشمنی نہیں ہے اور شاید یہ ڈکیتی کی واردات تھی۔ فائرنگ کے بعد ڈاکو بوکھلا کر فرار ہو گئے۔ مہرو نے عقل مندی سے بیان دیا تھا اس نے کہیں بھی ہمارا یا فتح خان کا نام نہیں لیا تھا۔

مگر یہ خبر اخبار میں آ گئی تھی۔ مہرو اور کرنل کے لیے مشکل ہو سکتی تھی کیونکہ فتح خان ان کا دشمن بنا ہوا تھا۔ وہ ان کے خلاف کارروائی کر سکتا تھا یا پھر پولیس کو کرنل کی اصلیت بتا سکتا تھا۔ پولیس یا کوئی ایجنسی کرنل کو گرفتار کر لیتی۔ وہ ایک غیر ملکی تھا اور بغیر کسی جواز کے پاکستان کی سرزمین پر تھا اور یہاں اس کی ذات سے کئی جرائم بھی وابستہ تھے جن میں سب سے سنگین جرم بھارتیوں کی مدد تھی۔ اس لحاظ سے کرنل اب بھی شدید خطرے میں تھا۔ اگر اس کی اصلیت کھل جاتی تو اس کی ساری عمر جیل میں گزرتی یا وہ کسی نامعلوم قبر میں دفنا دیا جاتا۔ اس کے ساتھ مہرو بھی لپیٹ میں آ جاتی۔ اگرچہ کرنل نے مجھے دو بار بھارتیوں کے حوالے کیا یا کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا تھا کہ اس کا جرم اتنا سنگین نہیں تھا۔ وہ اصل میں بریف کیس حاصل کرنے آیا تھا۔

بریف کیس کا باب بند ہو چکا تھا اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کرنل کا باب بھی بند ہو چکا تھا اور ہمیں اس میں کوئی دلچسپی باقی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ ہماری بلا سے وہ زندہ اور آزاد رہتا یا جہنم رسید ہو جاتا۔ مگر میں چاہتا تھا کہ وہ فتح خان کا شکار نہ ہو۔ بہرحال ابھی کرنل کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنی حفاظت خود کر سکتا۔ میرا خیال تھا کہ ایک ہفتے سے پہلے اسے اسپتال سے چھٹی بھی نہیں ملے گی۔ اس کے زخم بھرنے اور توانائی بحال ہونے میں اتنا وقت تو لگتا۔ کل کی کارروائی کے بارے میں کسی اخبار میں کوئی خبر نہیں تھی حالانکہ اس میں تین افراد مارے گئے تھے اور دو گرفتار ہوئے تھے لیکن معاملہ ٹاپ سیکرٹ تھا اس لیے کسی اخبار میں خبر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہم نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر وسیم اور میں نے مل کر ایکسر سائز اور لڑائی کی مشق کی۔ حویلی میں وسیم نے اپنے آدمیوں کے لیے باقاعدہ ایک تربیتی پلان ترتیب دے رکھا تھا اور اس کے آدمی اور وہ خود بھی اس پر عمل کرتے تھے۔

عبداللہ سہ پہر میں آیا اور نہا دھو کر کھانا کھانے چلا گیا۔ اس سے ملاقات چائے پر ہوئی۔ ''راجا صاحب کی کوٹھی کی فروخت کا کام شروع ہو گیا ہے۔ میں راول چوک والی جگہ بھی دیکھ آیا ہوں۔ لوکیشن اچھی ہے۔ سڑک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے زیادہ دور نہیں ہے اور آبادی سے ہٹ کر ہے۔ ایک چھوٹا سا فارم ہاؤس ہے شاید ایک ہیکٹر رقبے پر ہوگا۔ اندر تین بیڈ روم کی کوٹھی ہے۔ چاروں طرف گھنے اور اونچے درخت لگے ہیں جو پردہ پوشی کے لحاظ سے بہترین ہیں۔''

''کیا خیال ہے ہم بھی دیکھ کر آئیں؟'' وسیم نے کہا۔

''کوئی حرج نہیں ہے شام کے بعد جایئے گا۔'' عبداللہ بولا۔ ''میں اسٹیٹ ایجنٹ کو کال کر دوں گا وہ کوٹھی دکھا دے گا۔''

''تم نہیں چلو گے؟''

''مجھے ابھی دوبارہ جانا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''کل شاید راجا صاحب کے پاس جانا پڑے کیونکہ معاہدے پر سائن ان کے ہوں گے۔''

''بائی ایئر جاؤ گے۔'' وسیم نے پوچھا۔

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''سڑک سے آنے جانے میں بہت وقت لگ جائے گا۔ پارٹی جلد از جلد سودا فائنل کرنا چاہ رہی ہے۔''

''سودا کتنے میں ہوا ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ایک ارب بیس کروڑ روپے میں۔'' عبداللہ نے بتایا تو ہم حیران رہ گئے میرے ذہن میں تھا کہ وہ جگہ قیمتی ہے لیکن اس کی مالیت ارب سے اوپر ہوگی یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔

''سچ مچ والا ارب جس میں سو کروڑ ہوتے ہیں۔'' وسیم نے نیم سنجیدگی سے پوچھا تو عبداللہ ہنسا۔

''ہاں وہی والا ارب..... تمہاری آسانی کے لیے ایک سو بیس کروڑ روپے کی کوٹھی ہے یہ۔''

''اتنی قیمت کیوں جب کہ رقبہ بھی کوئی بہت زیادہ نہیں ہے شاید دو کنال کی ہوگی؟'' میں نے کہا۔

''ڈھائی کنال۔'' عبداللہ نے تصحیح کی۔ ''یہ اسلام آباد کے چند مہنگے ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ سمجھ لیں صرف پلاٹ کی مالیت ایک ارب روپے ہوگی۔''

عبداللہ کو دوبارہ جانا تھا اس لیے وہ مجھے اسٹیٹ ایجنٹ کا نمبر دے کر چلا گیا۔ مغرب کے قریب میں نے ایجنٹ کو کال کی اور عبداللہ کا حوالہ دے کر کوٹھی دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے کہا کہ وہ آٹھ بجے ہمیں راول چوک پر ملے گا۔ ابھی سات بھی نہیں بجے تھے اور یہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی اس لیے ہم آٹھ بجنے میں پندرہ منٹ پر روانہ ہوئے۔ مری روڈ کا آغاز فیض آباد سے ہی ہوتا ہے۔ یہ اسلام آباد سے ملی ایک چھوٹی سی آبادی ہے اور یہاں زیادہ تر کاروباری عمارتیں ہیں لیکن پیچھے عام آبادی بھی ہے۔ عبداللہ کی کوٹھی اسلام آباد کے نزدیک اسی آبادی میں تھی۔ احتیاطاً ہم نے اپنے حلیوں میں معمولی سی تبدیلیاں کی تھیں کہ اب تو یہ ہو گیا تھا کہ باہر نکلو تو کہیں نہ کہیں دشمن یا غیر متوقع حالات ٹکرا جاتے تھے۔ کچھ ساز و سامان بھی ساتھ لے لیا تھا۔ آٹھ بجے کے قریب ہم راول چوک پر تھے۔ وسیم کا ہم نام ایجنٹ وہیں ہمارا منتظر تھا۔

ہم نے اس سے رابطہ کیا۔ وہ نئے ماڈل کی لیانا کار میں تھا ظاہر ہے جس پائے کا اسٹیٹ ایجنٹ تھا اسے اسی قسم کی گاڑی میں گھومنا چاہیے تھا۔ اس نے مجھ سے اور وسیم سے ہاتھ ملایا اور تعارف ہوا جو ہماری طرف سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بالکل غلط تھا۔ میں شبیر نیازی تھا اور وسیم کمال خان۔ البتہ وہ وسیم احمد تھا۔ جوان آدمی تھا اور اس نے بڑا نفیس سوٹ پہن رکھا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنی ظاہری شخصیت کا بہت خیال رکھتا تھا۔ زبان کا تو تیز تھا ہی ورنہ اسٹیٹ ایجنٹ کیوں کہلاتا۔ ''ایسا کریں میرے پیچھے آئیں۔'' وہ اپنی کار کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''زیادہ دور نہیں ہے۔''

لیکن اس کا یہ زیادہ دور نہیں ہے صرف دو ڈھائی کلومیٹرز کا ثابت ہوا۔ راول ڈیم سڑک سے ہم دائیں جانب مڑے اور کوئی ایک کلومیٹر بعد سڑک سے دائیں طرف ایک کچا راستہ کوئی سو گز دور کوٹھی تک گیا تھا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود تھا۔ ہم نے گاڑیاں باہر ہی چھوڑ دیں۔ چوکیدار پٹھان تھا اور اس نے گلابی اردو میں ہم سے سلام دعا کی۔ وہ وسیم احمد کو جانتا تھا اس لیے اس نے اندر جانے کی اجازت دے دی جو دائیں طرف نام نہاد باغ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یہاں سوائے بڑے درختوں کے اور کچھ نہیں تھا اور زمین پر گزشتہ خزاں کے سوکھے پتوں کا ڈھیر تھا۔ البتہ کوٹھی صاف ستھری اور بہترین حالت میں تھی۔ بس کہیں کہیں رنگ و روغن کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی لیکن اس کے علاوہ سب ٹھیک تھا۔

اندر داخل ہو کر وسیم احمد نے روشنیاں جلا دیں۔ اس دو منزلہ کوٹھی میں نیچے ایک بیڈ روم کے ساتھ ڈرائنگ اور ڈائننگ روم تھا۔ کچن اس سے ہٹ کر تھا اوپر دو بیڈ رومز کے ساتھ ایک لاؤنج تھا۔ گھنے درختوں میں گھری ہونے کی وجہ سے کوٹھی باہر سے مشکل سے نظر آتی۔ اس لحاظ سے یہ اچھی جگہ تھی۔ وسیم احمد کوٹھی دکھا رہا تھا اور خصوصیات بتا رہا تھا۔ سہولتیں ساری تھیں مگر سامان نہیں تھا ہمیں یہاں سب لانا پڑتا۔ اس کا کرایہ چوکیدار سمیت پچاس ہزار ماہانہ تھا۔ بغیر چوکیدار کے کرایہ پینتالیس ہزار ہو جاتا۔ ایک سال کا کرایہ ایڈوانس دینا پڑتا اور معاہدہ بھی ایک سال کا تھا اس سے پہلے مالک ہمیں خالی کرنے کو نہ کہتا اور نہ ہم چھوڑ کر جا سکتے تھے دوسری صورت میں ایڈوانس واپس نہیں ملتا۔ مجھے کوٹھی پسند آئی تھی لیکن میں نے وسیم احمد سے کہا۔ ''ہم فیصلہ کر کے بتائیں گے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔'' وہ خوشدلی سے بولا۔

ہم واپس ہوئے اور خلاف توقع خیر خیریت سے کسی مداخلت کے بغیر واپس گھر پہنچ گئے۔ وسیم کا خیال تھا کہ کوٹھی اچھی ہے لیکن ایک تو آبادی کے قریب ہے اور دوسرے تمام سہولیات سے آراستہ تھی۔ مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں تھا سارا سامان لانا پڑتا۔ آس پاس آبادی دور تھی لیکن بہت دور بھی نہیں تھی اور پھر اسلام آباد اور پنڈی دونوں سے قریب تھی۔ جگہ اور کوٹھی وسیم اور مجھے پسند آئی تھی لیکن حتمی فیصلے سے پہلے عبداللہ سے مشاورت کر لینا مناسب سمجھا۔ یہ نواحی پنڈی کی طرف تھا جو اس جگہ سے زیادہ دور بھی نہ تھی اور محفوظ بھی تھی۔ دوسرے یہاں پانی، بجلی، فون اور گیس سمیت تمام سہولتیں تھیں۔ مگر ہمیں اتنی جلدی بھی نہیں تھی ابھی راوی چین لکھ رہا تھا بہت عرصے بعد سکون کی زندگی ملی تھی جس میں کوئی ٹینشن نہیں تھی اور نہ کوئی ٹاسک تھا۔ اس لیے ہم دل کھول کر آرام کر رہے تھے یا کھاتے پیتے اور ایکسرسائز کرتے تھے۔ اگلے دن ندیم کی کال آئی اس نے بتایا کہ مرشد کا وکیل کتے کی دُم کی طرح سیدھا ہو گیا ہے اور اب وہ سب کر رہا ہے جس کے لیے وہ پہلے تیار نہیں تھا۔

''اصل کتے کی دم مرشد ہے جب میں نے اس کی دُم پر پاؤں رکھا تو اس کا وکیل خود بہ خود سیدھا ہو گیا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتا کہ کیس کب ری فائل کر رہا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دو دن کا کام ہے۔ کل اتوار ہے اور پیر والے دن عدالت کھلتے ہی کیس ری فائل کی درخواست دے دیں گے۔''

''پولیس بھی ایک فریق ہے؟'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ابھی اکرم چشتی کی جگہ دوسرا انویسٹی گیشن آفیسر نہیں آیا ہے۔ اس کے ساتھ بھی برا ہوا۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔''

''ڈی ایس پی صاحب نے اپنی بوئی فصل کاٹی ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''سنا ہے کسی نے ان کی آنکھوں اور کان میں چپکنے والا سلوشن ڈال دیا ہے۔''

ندیم ہنسا۔ ''ساری خرابی آنکھوں میں تھی بے چارے کان بھی لپیٹ میں آ گئے۔ خیر اب ڈی ایس پی صاحب صبح شام اپنے کتے کے ساتھ ہوا خوری کے علاوہ اور کسی کام کے نہیں رہے ہیں۔''

''لیکن یار جب تک دوسرا انویسٹی گیشن آفیسر نہیں آئے گا معاملہ آگے کیسے بڑھے گا؟'' مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔

''اس کی فکر مت کر۔ ابھی تو دو پارٹیوں کے درمیان تصفیے کا کیس ہے پولیس بعد میں نئے شواہد کی بنیاد پر تیرے خلاف ایف آئی آر کی واپسی کی درخواست کرے گی۔''

''ندیم اصل اہمیت اسی کی ہے ورنہ فریقوں کے درمیان تصفیے سے مجھے رہائی نہیں ملے گی۔''

''یار مجھے معلوم ہے۔'' اس نے جھنجھلا کر کہا۔ ''لیکن ایک کام تو ہو جانے دے اگر بعد میں مرشد مکر بھی گیا تب بھی اس حرکت کی وجہ سے اس کا کیس کمزور ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے یار۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میرا مشورہ ہے کہ اب تُو منظرِ عام سے غائب ہو جا۔ کیونکہ یہاں رہے گا تو کہیں نہ کہیں پنگے کرتا رہے گا اور اگر پولیس کے ہاتھ آ گیا تو سمجھ لے سارا کیس الٹ جائے گا۔''

''میں آرام سے ہی ہوں کوئی پنگا نہیں کر رہا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''بھائی یہاں سے دفع ہو جا..... خطرہ کیوں مول لے رہا ہے۔''

''اچھا میں سوچوں گا۔''

''سوچوں گا نہیں سوچ اور اس پر عمل کر۔'' ندیم نے خبردار کیا۔ ''اگر مرشد ایک طرف صلح کر رہا ہے تو دوسری طرف وہ کوئی نہ کوئی سازش بھی کر رہا ہوگا۔ اس کی دکھتی رگ تیرے ہاتھ میں ہے اس لیے وہ کیس تو واپس لینے پر مجبور ہے لیکن ساتھ ہی اس کی کوشش ہوگی کہ کسی طرح تو اس کے یا پولیس کے ہاتھ آ جائے تو بازی اس کے ہاتھ میں آ جائے گی۔ یہ کیس بھی کافی ہیں لیکن پولیس کی تحویل میں تیرے خلاف نئے کیس بنانا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔''

میں نے اسے یاد دلایا۔ ''باہر میں جا نہیں سکتا۔''

''شمال میں کے ٹو سے جنوب میں بحیرہ عرب تک بہت جگہیں ہیں جہاں تُو اپنی منحوس شکل چھپا سکتا ہے۔'' ندیم نے کہا۔ ''دیکھ اللہ اللہ کر کے یہ موقع آیا ہے اسے ذرا سی حماقت سے مت گنوا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ندیم کی بات سے متفق تھا کہ یہ موقع بڑی مشکل سے آیا ہے لیکن میں یہاں سے جانے والی بات سے متفق نہیں تھا۔ اگر میں یہاں سے چلا جاتا تو میدان مرشد کے لیے خالی رہ جاتا اور صرف میری ذات تو نہیں تھی اس میں دس مسئلے اور بھی تھے۔ میرے ساتھی تھے اور میرے دوسرے دشمن بھی تھے۔ نادر علی ہماری تحویل میں تھا وہ اسی کوٹھی کے ایک کمرے میں بند تھا جہاں اس کی دیکھ بھال ہو رہی تھی اور ہر دوسرے دن ایک ڈاکٹر اسے دیکھنے آتا تھا اس کا بندوبست عبداللہ نے کیا تھا۔ مگر اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں اور کس کی تحویل میں ہے؟ میں نے وسیم اور عبداللہ سے ندیم کی تجویز کے بارے میں بات کی اور اپنا خیال پیش کیا۔ وسیم نے کہا۔ ''ندیم ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن آپ کا کہیں رُوپوش ہو جانا مسئلہ کا حل نہیں ہوگا۔ آپ کی موجودگی کی دہشت ہے جو مرشد کو تصفیے پر مجبور کر رہی ہے ورنہ وہ پھر کسی شرارت پر اتر آئے گا۔''

''ہاں اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔'' عبداللہ نے حمایت کی۔ ''آپ باہر آنے جانے میں احتیاط کریں لیکن یہیں رہیں۔ آپ نے کوٹھی دیکھ لی ہے اگر پسند آ گئی ہے تو آپ وہاں منتقل ہو سکتے ہیں۔''

''فی الحال تو وہاں کچھ نہیں ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''سارا سامان لے جانا پڑے گا۔ یہ بتاؤ کہ اسٹیٹ والا قابلِ اعتماد ہے؟''

''ہاں راجا صاحب کی جائیداد کا ایجنٹ یہی ہے۔ میرا اس سے پانچ سال سے تعلق ہے۔''

''ویسے ضروری نہیں ہے یہی کوٹھی لی جائے ہم اشتہار بھی دیکھ سکتے ہیں۔''

''اشتہار سے ڈر لگتا ہے کہ پھر کوئی نہ ٹکر جائے۔'' عبداللہ نے ہنس کر کہا۔

''ہر بار تو کوئی نہیں ٹکرے گا۔'' وسیم نے اسے گھورا۔ اتوار کے دن کئی اخبارات آئے تھے۔ میں اور وسیم وہ لے کر بیٹھ گئے۔ عبداللہ ایک دن پہلے ہیلی کاپٹر پر جا کر راجا سے فروخت کے کاغذات پر سائن کرا آیا تھا۔ اسے آنے اور جانے میں دو گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگا تھا جب کہ سڑک کے راستے صرف جانے میں دس بارہ گھنٹے کا سفر بنتا تھا۔ خریدار کا وکیل عبداللہ کے ساتھ گیا تھا اور اس کے سامنے ساری کارروائی ہوئی تھی۔ صابر ترمذی کا اشتہار دیکھنے کے لیے عبداللہ نے تمام اخبارات لگوا لیے تھے۔ مگر ابھی تک اس کی طرف سے اشتہار نہیں آیا تھا حالانکہ اب اس کی ضرورت نہیں تھی مگر وہ ناواقف ہونے کی وجہ سے اب تک شمالی علاقے میں مہرو کی تلاش میں پھر رہا ہوگا۔ میں نے اسے ایک مہینے کی مہلت دی تھی جس میں سے پندرہ دن گزر چکے تھے اور وہ آنے والے پندرہ دنوں میں لازمی رابطہ کرتا اس کے بعد میں شازیہ کو اس کے حوالے کر سکتا تھا۔ یہ ظاہر تو وہ ہمارے پاس یرغمال تھی لیکن درحقیقت وہ ایک ذمے داری بن گئی تھی۔ سویرا نے ڈھکے چھپے الفاظ میں بتایا تھا کہ لیڈی ڈاکٹر نے شازیہ کا مسئلہ حل کر دیا تھا۔ میں اور وسیم شام کے وقت ایکسرسائز سے فارغ ہو کر اخبارات کا کلاسیفائیڈ والا حصہ دیکھ رہے تھے۔ اچانک وسیم نے کہا۔ ''شہباز صاحب..... ذرا دیکھئے گا۔''

میں سمجھا وہ کوئی اشتہار دکھا رہا ہے لیکن یہ خبر تھی جو اندر کے صفحے پر تھی اور یہ صفحہ کلاسیفائیڈ کے صفحے کے ساتھ تھا اس لیے وسیم کی نظر پڑ گئی۔ نوشہرہ پولیس کو جی ٹی روڈ کے ساتھ بوری میں بند لاش ملی تھی جس کی فی الحال شناخت نہیں ہو سکی تھی۔ شناخت کے لیے پولیس نے لاش کی تصویر شائع کرائی تھی۔ اس اخبار نے خبر کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے اندر کے صفحے پر جگہ دی تھی۔ میں لاش کی تصویر دیکھ کر چونکا۔ اگرچہ چہرے پر زخموں کے نشانات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے لیکن پھر بھی صابر کا چہرہ پہچانا جا رہا تھا۔ مجھے دھچکا لگا تھا۔ کچھ دیر پہلے میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھ پر صابر کی ذمے داری ختم ہوگئی تھی اور وہ آئے تو میں اس کی بیٹی اس کے حوالے کروں اور یہ خبر بتا رہی تھی کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''یار یہ صابر لگ رہا ہے۔''

''میں بھی اسی وجہ سے چونکا۔'' وسیم نے کہا۔ ''اگر یہ سچ مچ صابر ہے تو اس کے قتل میں کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے؟''

''لازمی بات ہے مرشد کا ہاتھ۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''اسے صابر کی تلاش ہوگی اور اس کے آدمیوں نے صابر کو تلاش کرلیا ہوگا۔''

''اگر صابر مرشد کے ہاتھ لگا ہوگا تو اسے پتا چل گیا ہوگا کہ آپ نے صابر کو مہرو کی تلاش میں روانہ کیا تھا۔''

''ہاں یقیناً اسے پتا چل گیا ہوگا۔''

''تب مہرو بھی خطرے میں ہوگی۔'' وسیم نے کہا۔

''مرشد نہیں جانتا کہ مہرو کہاں ہے؟''

''دیکھئے اگر صابر پرسوں تک زندہ تھا تو لازمی بات ہے وہ یہاں واپس آتے ہوئے مرشد کے آدمیوں کے ہاتھ لگا ہے۔ اس لحاظ سے وہ مہرو کے بارے میں بھی اَپ ڈیٹ ہوسکتا ہے۔ اس نے قبیلے والوں کو پکڑا ہوگا۔ اور انہوں نے صابر کو بتا دیا ہوگا کہ مہرو واپس جا چکی ہے۔ اگر اس نے بھی اخبارات دیکھے ہوں گے تو کرنل والی خبر اس کی نظروں سے بھی گزرے ہوگی اس کا مطلب ہے اسے مہرو کا پتا ہوگا اور وہ مرشد کو بتا سکتا ہے۔ مرشد بریف کیس کے چکر میں اسے اٹھوالے گا۔''

وسیم کا تجزیہ قابلِ غور تھا لیکن اس سے بھی زیادہ قابلِ غور بات یہ تھی کہ ہم مہرو یا کرنل کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے سوائے نیک تمنا رکھنے کے۔ اگر ان کی تقدیر میں مرشد سے بچنا لکھا تھا تو وہ بچ جاتے ورنہ مارے جاتے۔ ویسے مجھے امید تھی کہ ہوش میں آتے ہی کرنل اپنے اور مہرو کے تحفظ کا بندوبست کرلے گا وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ہر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور کبھی بے بس نہیں ہوتے ہیں۔ صابر کے لیے دعائے مغفرت کے بعد ہمیں شازیہ کا خیال آیا۔ میں نے کہا۔ ''سویرا کہہ رہی تھی کہ شازیہ حویلی میں رہ جائے اس کی خواہش اس طرح پوری ہوگئی اب اس کا دنیا میں کوئی خونی رشتہ باقی نہیں رہا ہے۔

''اس تک یہ خبر کیسے پہنچائی جائے؟''

''ابھی تو ضرورت نہیں ہے۔ کچھ عرصے بعد میں ماں جی یا سویرا سے کہہ دوں گا وہ خود اسے بتا دیں گے۔''

''ہاں ابھی اسے ایک صدمہ اور برداشت کرنا پڑا ہے۔'' وسیم کا اشارہ اس کے مسئلے کی طرف تھا اور یہ ہر عورت کے لیے نہایت حساس اور نفسیاتی قسم کا مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ ابھی ذہنی لحاظ سے بکھری ہوگی اور باپ کی موت کی خبر اسے مزید بکھیر سکتی تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''پولیس تک صابر ترمذی کی شناخت پہنچا دینی چاہیے۔ ورنہ وہ اسے نامعلوم قرار دے کر دفن کر دیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں عبداللہ سے کہتا ہوں وہ یہ کام بہتر طور پر کرلے گا۔'' وسیم نے سر ہلایا اور عبداللہ کو کال کرنے لگا۔ اسے صابر کے بارے میں بتایا اور پھر پولیس کو انفارم کرنے کو کہا۔ کچھ دیر بعد ہم دوبارہ اصل کام کی طرف متوجہ ہوئے تھے کہ میرے موبائل کی بیل بجی۔ ندیم کی کال آرہی تھی۔ میں نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو۔''

''یار میرے پاس ابھی کسی ارشاد علی کی کال آئی ہے وہ خود کو مرشد کا چچازاد بھائی کہہ رہا ہے۔''

''ہاں مرشد کا اس نام کا ایک چچازاد ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا کہہ رہا تھا وہ؟''

''ایک تو کہہ رہا تھا کہ مرشد ہم سے دھوکا کر رہا ہے۔ کیس ری فائل کرا کے وہ شہباز یعنی تجھے منظرِ عام پر لانا چاہتا ہے، تاکہ اچانک تیرا پتا صاف کردے، میں نے کہا بسم اللہ خادم کیا کرسکتا ہے اس سلسلے میں.....؟''

''تُو بہک رہا ہے۔'' میں نے اسے ٹوکا۔

''بس یار تجھ سے چھٹکارے کا سن کر جذباتی ہوگیا تھا۔ پر اپنے ایسے نصیب کہاں..... بہرحال دوسری بات اس نے یہ کی کہ وہ تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''تُو نے میرا نمبر دے دیا؟''

''یار میں شوہر ہوں گھامڑ نہیں ہوں۔'' ندیم نے بھنا کر کہا۔ ''میں نے کہا کہ سرکار شہباز تو عرصے سے مرشد کے سینگوں کی طرح غائب ہے پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ آپ اپنا نمبر دے دیں اگر شہباز نے مجھ سے رابطہ کیا تو میں اسے نمبر دے دوں گا۔''

''اس نے دے دیا؟''

''ہاں نوٹ کرلے مگر فوراً رابطہ مت کرنا ورنہ وہ سمجھ جائے گا کہ میں تجھ سے مستقل رابطے میں ہوں۔''

''تیرا مطلب ہے اس کے پیچھے مرشد بھی ہوسکتا ہے؟''

''بالکل..... وہ اس کا حریف ہے تو کیا ہوا۔ وہ تجھے گدی کا دشمن بھی بنا سکتا ہے اس صورت میں ارشاد اس کی مدد پر راضی ہوسکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے دیکھتے ہیں اسے بھی..... تُو کل کیس ری فائل کر رہا ہے؟''

''ہاں صبح پہلا کام یہی کرنا ہے۔ اس کے بعد دیکھتے ہیں کیا صورتِ حال بنتی ہے اور ہاں اکرم چشتی کا جانشین آگیا ہے۔ کوئی ڈی ایس پی شیر شاہ ہے۔''

''یہ تو کراچی کی کباڑی مارکیٹ کا نام ہے۔'' میں ہنسا۔ ''کچھ پتا ہے کس قسم کا آدمی ہے؟''

''یار تیرے کیس کے لیے جو بھی آئے گا وہ مرشد کا آدمی ہی ہوگا۔ اس سے خیر کی تو توقع نہیں کی جاسکتی ہے مگر میں معلوم کرتا ہوں اب ہر کوئی اکرم چشتی جتنا حرامی تو نہیں ہوتا ہے۔''

''مرشد کا آدمی تو ہوگا لیکن اپنے پیشرو کا حال دیکھ کر عبرت ضرور پکڑے رہے گا۔''

''یار انسانوں کو پیر پیغمبر اور اولیا ٹھیک نہ کرسکے تیری میری اوقات کیا ہے۔'' ندیم نے کہا اور فون بند کردیا۔ وسیم غور سے سن رہا تھا اور اس نے میری گفتگو سے اندازہ کرلیا تھا کہ ندیم نے کیا کہا ہے۔ پھر بھی میں نے اسے ندیم کی بات تفصیل سے بتائی۔ وسیم نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کا امکان ہے کہ یہ مرشد کی چال ہو۔ مرشد کا حریف ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہمارا حلیف بن سکتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ ارشاد علی سچ مچ مرشد کے خلاف ہماری مدد چاہتا ہو ہمیں اس معاملے میں خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔''

''اگر وہ ہماری مدد بھی چاہتا ہے تو اس کے اپنے مقاصد ہوں گے اور وہ انہیں حاصل کرنے میں ناکام رہا تو پھر وہ بھی ہمارے دشمنوں کی صف میں شامل ہوگا۔'' وسیم نے خبردار کیا۔ ''میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ مرشد سے کم خبیث اور سفاک نہیں ہے۔''

''ابھی اسے ایک طرف رکھتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''پہلے کیس والے کو دیکھتے ہیں کہ مرشد کوئی چکر تو نہیں چلا رہا ہے اس کے بعد ارشاد علی سے بات کر کے بھی دیکھ لیں گے۔''

''یہ دیکھیں۔'' وسیم نے ایک اشتہار میری طرف بڑھا دیا۔ ''پنڈی کے نواحی علاقے اسلام آباد ایکسپریس وے کے ساتھ ایک مکان بک رہا ہے۔ مین روڈ کے پاس ہے اور آس پاس کھیت ہیں۔''

اشتہار کے مطابق مایک کنال کے اس ایک منزلہ مکان میں چھ کمرے تھے۔ پانی بجلی اور گیس کی سہولت کے ساتھ تھا اور عین سڑک پر واقع تھا۔ قیمت چالیس لاکھ تھی لیکن کرائے پر بھی مل سکتا تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک لگ رہا ہے اسے بھی نوٹ کر لو۔ میرا خیال میں اسی طرف دیکھا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔''

''یہ ایک نئی گالا میں بھی بنگلہ ہے۔'' وسیم نے ایک اور اشتہار دکھایا۔

''تم آج ان کے مالکوں سے بات کر لو ہم کل چل کر دیکھ لیتے ہیں۔''

''میں میں خود دیکھ لوں گا۔'' وسیم نے انکار کیا۔ ''دن میں آپ کا باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''بھائی میں گھر میں قید ہو کر نہیں بیٹھ سکتا۔''

''میرے خیال میں ندیم کا خدشہ درست ہے مرشد کے آدمی آپ کو شدومد سے تلاش کر رہے ہوں گے اور آپ ان کے ہاتھ آ گئے تو سارا کیس خراب ہو جائے گا اس بار مرشد آپ کو پولیس کی تحویل میں دے دے گا اور جیل کے اندر آپ کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے میری بلکہ ہم سب کی درخواست ہے کہ آپ کم سے کم باہر نکلیں اور دن میں نکلنے سے قطعی گریز کریں۔''

عبداللہ آنے والے دو دنوں تک کوٹھی کی فروخت کی آخری کارروائی میں مصروف رہا حتیٰ کہ قیمت راجا عمر دراز کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوگئی۔ اس دوران میں وسیم نے ان تینوں جگہوں کو دیکھا۔ وسیم احمد کی دکھائی کوٹھی پہلے ہی منتخب کر لی تھی۔ اس کے علاوہ وسیم نے اسلام آباد ایکسپریس وے والا مکان بھی کرائے پر حاصل کر لیا۔ یہ کوئی دس بارہ کلومیٹرز دور تھا اور اس کے آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی اور نہ ہی کھیت تھے۔ صرف جنگل تھا جس میں مقامی چرواہے اپنے جانور چرانے آتے تھے۔ مکان پرانا اور ایک ٹیلے پر بنا ہوا تھا اور بہت کم کرائے پر مل گیا تھا۔ وسیم نے اس سے چھ مہینے کا معاہدہ کیا تھا اور کرایہ پیشگی دے دیا تھا۔ راول ڈیم روڈ والی کوٹھی کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ اس میں میں، مانی اور چند دوسرے لوگ رہیں گے۔ جب کہ دیہی مکان میں وسیم اپنے آدمیوں کے ساتھ ڈیرہ جمائے گا۔ مکانات کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس نے ایاز اور اپنے آدمیوں کو بلوا لیا تھا اور ان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مدد سے دونوں مکانوں کو ضرورت کے مطابق فرنش کرایا اور سامان پہنچایا۔ ایاز بہت دنوں بعد ملا تھا اس لیے پُر جوش تھا۔ اس نے شرماتے ہوئے اطلاع دی۔

''اللہ نے خوش خبری دی ہے جی.....''

''لو بھئی یہ بھی لگ گیا کام سے۔'' وسیم نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ایک ہم ہیں فراق کے دن کاٹ رہے ہیں۔''

''جب ساتھ تھے تب بھی کون سا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔'' ایاز نے سادگی سے کہا تو وسیم کھسیا گیا۔ میں اور عبداللہ ہنس دیئے تھے۔

''تب تمہیں شاہین کے پاس ہی رہنا چاہیے تھا۔'' میں نے ایاز سے کہا۔ ''بلکہ ایسا کرو یہاں کے کام نمٹا کر واپس چلے جاؤ۔''

''نہیں جناب..... خواتین میں رہ کر میں خود بھی خاتون ہوتا جا رہا تھا۔ ہانڈی چولہا بھی کرنے لگا تھا اس لیے مہربانی کر کے یہیں رہنے دیں۔ میں ہفتہ دس دن میں چکر لگاتا رہوں گا۔''

''ہاں ایاز کی ضرورت ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم نے گاڑیاں بدلنی ہے۔ یہ کام ایاز کرے گا لیکن پہلے مکانوں کا معاملہ نمٹ جائے۔''

''میرے لیے راوی ان دنوں چین لکھ رہا ہے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''میرا خیال ہے دیبی مکان چلا جاتا ہوں۔ وہاں ذرا مصروفیت رہے گی۔ یہاں تو کرنے کو کچھ ہے ہی نہیں۔''

''وہاں بھی سب ہو گیا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن آپ چینج چاہتے ہیں تو آج شام چلیں۔''

''مانی اور بیتو کا کیا پروگرام ہے؟''

''فی الحال ان کا خواتین میں دل لگ گیا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''بلکہ مانی کا کچھ زیادہ ہی لگ گیا ہے۔''

میں چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''سعدیہ کہہ رہی تھی کہ وہ شازیہ کی دل جوئی میں لگا رہتا ہے۔ آج کل اسے کمپیوٹر سکھا رہا ہے۔''

''اس بہانے کچھ اور سکھا رہا ہے۔'' عبداللہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''اب رہ گئے بیتو اور عبداللہ..... تو اللہ ان کا بھی بندوبست کرے گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''امید ہے اس کے لیے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ کیونکہ مظلوم خواتین کا ٹھیکا ہمیں ملا ہوا ہے۔''

''مجھے تو معاف رکھیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''میرے ماں باپ اللہ رکھے موجود ہیں۔ وہی فیصلہ کریں گے۔''

''دیکھا ایسے ہوتے ہیں سعادت مند بیٹے۔'' وسیم ہنسا۔

''تم نے کبھی اپنے گھر والوں کے بارے میں نہیں بتایا؟'' میں نے عبداللہ سے پوچھا تو اس نے سادگی سے کہا۔

''آپ لوگوں نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔''

میں شرمندہ ہو گیا۔ ''سوری یار واقعی ہم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' عبداللہ نے جلدی سے کہا۔ ''ہمیں فرصت سے بیٹھنے کا موقع کب ملا اور یہ سب فرصت کی باتیں ہیں۔''

''تو آج فرصت ہی فرصت ہے اس لیے ہم تمہارے گھر والوں کے بارے میں جاننا چاہیں گے۔''

عبداللہ کا تعلق ایک کشمیری خاندان سے تھا۔ آزادی کے وقت وہ جموں سے لٹ پٹ کر یہاں آئے تھے اور آزاد کشمیر میں آباد ہوئے تھے۔ عبداللہ کے چار بھائی اور اتنی ہی بہنیں تھیں۔ وہ سب سے چھوٹا تھا اس لیے سب سے لاڈلا تھا۔ گریجویشن کے بعد وہ ملازمت کے لیے یہاں آ گیا اور اتفاق سے اسے پہلی ملازمت ہی راجا عمر دراز کے پاس مل گئی۔ اس وقت وہ نائب منتظم تھا پھر اس کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے سیکرٹری بیگ نے اسے یہاں کے تمام امور کا نگران بنا دیا۔ تمام بہن بھائیوں کی شادی ہو چکی تھی اور اب اس کا نمبر تھا لیکن فی الحال وہ شادی سے انکار کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''وجہ؟''

عبداللہ مسکرایا۔ ''والد اور والدہ دونوں کی خواہش تھی کہ میں ان کے خاندان میں شادی کروں لیکن میں ان دونوں لڑکیوں سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ جنہیں انہوں نے پسند کیا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکی کی شادی ہو چکی ہے اور دوسری بیٹھی ہے میں انتظار کر رہا ہوں کہ اس کی بھی ہو تو میں شادی کے لیے ہاں کروں۔''

وسیم ہنسا۔ ''یہ تو کوئی نسوانی افسانہ لگ رہا ہے۔''

''ہاں کیونکہ اس میں کئی خواتین ملوث ہیں۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ پھر اس نے موضوع بدل دیا۔ ''سنا ہے مرشد کا کوئی چچازاد پیدا ہو گیا ہے جو اس کے خلاف ہم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''ہاں لیکن اس کا امکان بھی ہے کہ یہ مرشد کی کوئی چال ہو اس لیے فی الحال اس معاملے میں خاموش رہنے کا سوچا ہے۔ ویسے تمہاری کیا رائے ہے؟''

''وہی جو آپ کی ہے۔ مرشد کے خاندان کا کوئی فرد اس سے کم نہیں ہوگا۔ ان میں سے کسی سے تعلق بہت سوچ سمجھ کر رکھنا ہوگا۔''

''ارشاد کے بارے میں وسیم کی رپورٹ ہے کہ وہ کسی طرح مرشد سے کم نہیں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ گدی اور سجادہ نشینی کی قوت مرشد کے پاس ہے اس لیے وہ سب پر حاوی ہے لیکن ارشاد اور اس کے تین بھائی بڑی قوت ہیں ان کے مقابلے میں مرشد اکیلا ہے۔ نادرنا کارہ ہو چکا ہے اور خود مرشد کے لیے بوجھ بن گیا ہے۔ اس صورت میں اگر مرشد نہیں رہتا تو گدی خود بہ خود اس کے چچازاد بھائیوں کو منتقل ہو جائے گی۔''

''اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ گدی کی منتقلی کا ہم پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس کا امکان بھی ہے کہ گدی کے ساتھ دشمنی بھی منتقل ہو جائے اور ارشاد برادرز ہمارے خلاف جنگ کا پرچم سنبھال لیں۔'' وسیم نے کہا۔

''بالکل مرشد کی دشمن ہونے کے باوجود ارشاد برادرز اگر اسے راستے سے ہٹائیں گے تو اسے عوام الناس اور خاص طور سے مریدوں پر ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ مرشد کی موت کو حادثاتی یا جنوں سے جنگ کے دوران شہادت بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس کا بھی مزار شریف بنا دیا جائے گا۔ اس صورت میں ارشاد برادرز ہم سے جنگ کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ان کے پیچھے مرشد کے اہلِ خانہ اور مریدوں کا دباؤ آ جائے گا۔ زیادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امکان اسی بات کا ہے۔"

"اس لیے مرشد کو راستے سے ہٹانے سے بہتر ہے کہ اس سے صلح کی کوشش کی جائے اور موجودہ حالات میں یہ ناممکن نہیں لگ رہا ہے۔" عبداللہ نے میرے تجزیئے پر غور کرتے ہوئے کہا۔

"ہم اس کی کوشش ہی کر رہے ہیں ورنہ مرشد ایک آدمی ہے جو ایک گولی سے مر سکتا ہے۔" وسیم نے کہا۔

"اس کی موت یا زندگی کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔"

"نادر کا کیا کرنا ہے۔" عبداللہ نے پوچھا۔ "کیا اس پر انجکشن آزمایا جائے؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ کام اس وقت کیا جائے گا جب ہم اسے مرشد کے حوالے کرنے والے ہوں گے۔ اس سے پہلے عین ممکن ہے ہمیں نادر کی کہیں ضرورت پڑ جائے۔"

"ہم اس سے ممکنہ حد تک معلومات حاصل کر چکے ہیں۔" وسیم نے کہا۔ "اس کی گفتگو ریکارڈ شکل میں موجود ہے۔"

"پھر بھی کبھی مرشد کو تصدیق کرانی پڑے کہ نادر ہمارے پاس ہے اس لیے اس کا ہوش حواس میں رہنا ضروری ہے۔"

میری اس دلیل سے وہ قائل ہو گئے ورنہ عبداللہ اور وسیم دونوں کا خیال تھا کہ نادر پر انجکشن آزما لیا جائے۔ ندیم نے مرشد کے وکیل کے ساتھ مل کر میرے کیسز کی فائل کر دیئے تھے اور پولیس یا سرکاری وکیل نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ندیم کا کہنا تھا کہ معاملہ تسلی بخش جا رہا تھا۔ اس کی شیر شاہ سے ملاقات ہوئی تھی اور شیر شاہ کا کہنا تھا کہ پولیس کی جانب سے نئے شواہد کی روشنی میں مجھے بے گناہ دینے کی درخواست میں کچھ وقت لگے گا کیونکہ اکرم چشتی نے آف دی ریکارڈ میرا نام لیا تھا کہ اس کے ساتھ ہونے والی کارروائی کا ذمے دار میں تھا اگرچہ آن دی ریکارڈ اسے ڈاکوؤں کی کارروائی قرار دیا گیا تھا۔ ندیم کا کہنا تھا کہ اگر مرشد ٹھیک طرح سے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے تو یہ معاملہ ایک ہفتے میں نمٹ سکتا تھا۔ میں نے ایک دن پہلے مرشد سے بات کی تھی اور اسے خبردار کیا تھا کہ وہ پولیس کے معاملے میں اپنے اثر و رسوخ کو استعمال نہیں کر رہا ہے تاخیر سے اسے نقصان ہو گا۔ مرشد نے مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ جلد پولیس حکام کو کیس واپس لینے پر مجبور کر دے گا۔

"شہباز تم نہیں جانتے کہ مجھے کتنی شدت سے نادر درکار ہے۔ میرے مریدوں میں ایسی افواہیں بھی پھیلائی جا رہی ہیں کہ میں نے نادر کو مار کر کہیں دفنا دیا ہے۔ اس سے میری ساکھ کو کتنا نقصان ہو رہا ہے۔"

"ویسے تمہاری خواہش تو یہی ہوگی کہ اب اس کے بیکار وجود سے جان چھڑا لی جائے۔" میں نے طنز کیا تو مرشد خاموش ہو گیا تھا۔ شاید میں نے سچ کہہ دیا تھا۔ مرشد نے کچھ دیر بعد التجا کی۔

"شہباز میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے کیس ختم ہو جائیں گے اور میں ہر ضمانت دینے کو تیار ہوں کہ تم سے دشمنی بھی ختم کر دوں گا۔"

"یعنی ابھی تم نے دشمنی ختم نہیں کی ہے؟"

اس نے جلدی سے کہا۔ "نہیں میرا مطلب ہے کہ میں پھر سے کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے دشمنی کا نئے سرے سے آغاز ہو جائے۔ تم نادر کو میرے حوالے کر دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بتا چکا ہوں جس دن عدالت نے مجھ پر قائم کیس ختم کر کے مجھے رہا کر دیا اسی دن میں نادر کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

''لیکن اس میں تو بہت دن لگ.....''

''مرشد علی تمہارے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتی ہیں۔ دیر لگتی ہے عام آدمی کے لیے، عام طور سے انصاف ملنے سے پہلے اس کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ تم عام آدمی نہیں ہو اس لیے انصاف تمہارے لیے جلد ہو سکتا ہے بشرطیکہ تم ایسا چاہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ انتظامیہ اور عدلیہ کے کام کرنے کی رفتار میں کیسے تیزی لائی جاتی ہے۔ تم چاہو تو یہ معاملہ مہینے سے بھی پہلے نمٹ سکتا ہے۔''

''ایسا بہت مشکل ہے۔''

''پھر وہی بات، مشکل عام آدمی کے لیے ہوتی ہے تم جیسے لوگوں کی مشکلات تو خود آسان ہو جاتی ہیں۔ بہر حال اب یہ تم پر ہے کہ تم نادر کو کتنی جلدی حاصل کر لیتے ہو۔ ویسے میں تمہیں بتا دوں اب اس میں کچھ نہیں رہ گیا ہے وہ جسمانی طور پر ٹھیک ہے لیکن اندر سے مر گیا ہے اور جب آدمی اندر سے مر جائے تو باہر سے بھی وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہتا ہے۔ ممکن ہے نادر خود تمہاری مشکل آسان کر دے اور تمہیں برادر کشی کے داغ سے بچا لے مگر اس کے لیے تمہیں جو کرنا ہے بہت جلد کرنا ہے۔ اگر وہ ہمارے پاس مر گیا تو یقیناً تمہاری مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔''

''میں پوری کوشش کروں گا۔''

میں نے مرشد سے جو کہا تھا اس میں مبالغہ نہیں تھا۔ نادر ہماری قید میں بہت خاموش اور مرجھایا ہوا ہو گیا تھا۔ حالانکہ ہم اس کے علاج اور خوراک کا پورا خیال رکھتے تھے۔ مگر وہ برائے نام کھاتا تھا اور اس کی صحت مستقل گر رہی تھی۔ وسیم نے مجھے خبردار کیا تھا کہ اگر معاملہ جلد نہ نمٹایا گیا تو اس کا بھی امکان ہے کہ نادر ڈھے جائے۔ وہ یا تو بیمار پڑ جائے گا یا براہ راست انتقال کر جائے گا۔ دونوں صورتوں میں ہم اس سے متوقع فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ میری ہدایت پر وسیم ڈاکٹر سے اسے ایکسٹرا اسپلی منٹ دلوانے لگا تھا تاکہ اس کی اندر کی توانائی بحال رہے۔ میں نے ایک دو بار سوتے میں اس کا معائنہ کیا تھا وہ سچ مچ بہت کمزور اور صورت سے مظلوم دکھائی دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی فرعون صفت آدمی تھا جو تکبر میں نعوذ باللہ خود کو خدا سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اب بسترِ علالت پر بے بسی و بے چارگی کی تصویر بنا لیٹا تھا۔ میرا دل چاہا کہ اس کی تصویریں اور اس کیپشن کے ساتھ کسی اخبار میں شائع کراؤں۔ ''یہ شخص جو کبھی فرعون تھا۔'' میں شاید ایسا نہ کرتا لیکن میں نے اس کی کئی تصاویر لے لی تھیں۔

میں احتیاط کر رہا تھا اتنے دن سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اپنے حلیے میں تبدیلی کے لیے سر کے چھوٹے بالوں کے ساتھ میں نے فرنچ کٹ رکھ لی تھی اور اس سے اوپر شیو ایک دو دن بڑھا کر رکھتا تھا اس سے میرے رنگ میں سیاہی مائل تاثر آتا تھا۔ نسبتاً گہرے رنگ کے فریم کی عینک لگا کر میرا تاثر خاصا مختلف آ رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ رات کے وقت اس حلیے میں کوئی بالکل پاس سے ہی مجھے شناخت کر سکے تو کر سکے ورنہ دور سے اور سرسری نظروں سے شناخت کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ یعنی اگر کوئی بیڈ لک نہ ہو تو میں محفوظ ہی تھا۔ میرے ذہن میں ندیم کی وارننگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اس کے بعد میں زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ کسی بھی بد احتیاطی کے نتیجے میں میرا کیس بگڑ جاتا اور میرے ساتھیوں کی کوششوں پر پانی پھر جاتا۔ شام کے وقت میں اور وسیم نکلے۔

ایاز پہلے ہی جا چکا تھا۔ اب اسے گاڑیوں کا کام کرنا تھا۔ وسیم کا خیال تھا کہ وہ حویلی سے جو گاڑیاں لائے تھے اب انہیں ٹھکانے لگا دینا چاہیے اور ان کی جگہ دوسری گاڑیاں لے لینی چاہئیں۔ کمیونیکیشن وین مل گئی تھی۔ گزشتہ دن ہی وسیم نے اسے دیہی مکان میں شفٹ کیا تھا اس کا سارا سامان نکال لیا تھا جو اب اس میں دوبارہ فٹ کرنا تھا۔ اب اس پر ہلکا سرمئی رنگ کر دیا گیا تھا جو دن میں واضح نظر آتا لیکن رات کو یہی رنگ سیاہ ہو جاتا اس سے دیکھنے والوں کو کنفیوز کیا جا سکتا تھا۔ وسیم نے اپنے سارے آدمیوں کو بلانے کے بجائے ان دس افراد کو بلایا تھا جو عرصے سے اس کے ساتھ تھے اور جن پر اسے پورا اعتماد ہو گیا تھا۔ ان میں سے چھ سات دیہی مکان میں رہتے اور وہ ایک طرح حویلی کا متبادل بن جاتا۔ تین چار کوٹھی میں رہتے۔ اسلحہ اور تمام خاص چیزیں دیہی مکان میں رکھی جاتیں اور کوٹھی میں صرف ضرورت کی اشیا اور مانی کا سیٹ اَپ کام کرتا۔ اس کی وجہ سے ہمیں بہت آسانی ہو گئی تھی۔ خاص طور سے الیکٹرانک سیکورٹی اور انٹرنیٹ کے استعمال میں۔

ہم دیہی مکان پہنچے عبداللہ کی کوٹھی سے یہ جگہ تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھی اس لحاظ سے یہ حویلی سے بہت بہتر تھی جہاں آنے جانے میں گھنٹے سے کم نہیں لگتا تھا۔ علاقہ ویران تھا اور آس پاس کچھ نہیں تھا۔ زمین کیونکہ شالامار کی تھی اس لیے اس پر درخت اور جھاڑیاں تھیں اور کھیت بھی نہیں تھے۔ بلند جگہ ہونے کی وجہ سے مکان سے آس پاس کا منظر خاصی دور تک صاف دکھائی دیتا تھا۔ رات ہونے کی وجہ سے یہ منظر واضح نہیں تھا۔ یہاں بجلی تھی مگر گیس نہیں تھی۔ پانی کے لیے صحن میں بورنگ کر کے موٹر فٹ کی ہوئی تھی۔ مکان میں چھ بڑے پختہ کمرے تھے۔ جو ایل کی صورت میں بنے ہوئے تھے۔ اس ایل کے سامنے سیمنٹ کی شیٹوں سے برآمدہ بنا ہوا تھا۔ ایک طرف لائن سے کچن، بڑا سا باتھ روم اور لیٹرین بنے ہوئے تھے۔ تینوں بہت اچھے اور ٹائلز سے آراستہ تھے۔ کچن میں ایل پی جی سلینڈر لگا ہوا تھا۔ مکان تعمیر کے لحاظ سے دیہاتی تھا لیکن صاف ستھرا اور رہائش کے لیے بہترین تھا۔

وسیم نے یہاں حویلی والا سیٹ اَپ کیا تھا۔ تین کمروں میں فرش پر دبیز انڈر لے کے ساتھ قالین بچھا لیے تھے اور چوتھے کمرے کو اسلحے، سامان اور کنٹرول روم کے طور پر منتخب کیا تھا۔ دو کمرے خالی تھے ان کا مصرف بعد میں تلاش کیا جا سکتا تھا۔ فی الحال ان کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں نگرانی کرنے والے آلات نہیں تھے۔ مانی آتا تو وہی آلات حاصل کرتا اور پھر انہیں لگاتا۔ صحن بہت بڑا تھا اور یہاں جہازی سائز کی تین چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جن پر پوری بارات آرام کر سکتی تھی۔ پیپل اور نیم کے کئی بڑے درخت تھے جن کے تلے چارپائیوں پڑی تھیں۔ کیونکہ اب دن میں دھوپ قابلِ برداشت نہیں رہی تھی۔ گاڑیاں کھڑی کرنے کے لیے بہت جگہ تھی۔ وسیم کے سارے آدمی ابھی یہیں تھے۔ کوٹھی میں کوئی نہیں تھا اسے مانی اور بیتہ کے آنے کے بعد دیکھا جاتا ویسے خاصا سامان وہاں بھی پہنچایا گیا تھا۔ وسیم کے آدمیوں میں سے کچھ رات کے کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ہمارے آنے سے ذرا پہلے ایاز دو گاڑیاں لے کر چلا گیا تھا۔ وہ ان کا سودا کر کے اور دوسری دو گاڑیاں لے کر ہی واپس آتا۔ اب وسیم کے پاس صرف ایک کار تھی۔ ایاز کی جیپ بھی اس نے فروخت کر دی تھی کیونکہ وہ بھی کئی بار نظروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آچکی تھی۔ حالانکہ اسے اپنی جیپ بہت پیاری تھی اور اس نے اسے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے یہاں موسم خوشگوار تھا۔ رات کا کھانا کھا کر ہم چارپائیوں پر آلیٹے۔ رات کے لیے وسیم نے دو آدمیوں کی ڈیوٹی لگادی تھی۔ یعنی رات بھر دو افراد جاگ کر پہرہ دیتے۔ مکان کے گرد چار دیواری تھی لیکن یہ سات فٹ بلند تھی۔ وسیم نے باہر سے جائزہ لیا تو کئی جگہوں پر دیوار کے ساتھ پتھر مٹی جمع ہونے سے اس کی اونچائی پانچ فٹ رہ گئی۔ دن میں وسیم نے ان تمام جگہوں کو صاف کرایا تھا اور دیوار سے ملبہ ہٹوا دیا تھا مگر دائیں طرف ابھی بھی خاصا ملبہ پڑا ہوا تھا۔ دوسرے مرحلے میں دیواروں پر خاردار باڑھ لگائی جاتی۔ کمروں پر چھت تھی لیکن اوپر جانے کے لیے پختہ سیڑھی نہیں تھی۔ مگر بانس کی ایک سیڑھی تھے جس سے چھت پر چڑھا جا سکتا تھا۔ رات کو کسی قدر ٹھنڈ ہوئی تو ہم اٹھ کر اندر آگئے۔ میں اور وسیم ایک کمرے میں سوئے تھے۔ اس کے آدمی دوسرے کمروں میں تھے۔ کرنے کو کچھ نہیں تھا اس لیے ہم مستقبل کی پلاننگ کرتے رہے۔ بارہ کے بعد مجھے نیند آگئی تھی۔ رات کسی وقت مجھے نیند میں لگا جیسے کوئی گڑبڑ ہے۔ میری آنکھ کھل گئی تھی باہر کچھ بھاگ دوڑ ہو رہی تھی اور وسیم اپنی جگہ نہیں تھا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ میں اٹھ کر دروازے تک آیا۔ کچھ لوگ مین گیٹ کے ساتھ موجود تھے۔

''کیا ہوا ہے؟'' میں نے برآمدے کی طرف آنے والے کو روکا۔

''جناب مکان کے باہر کچھ پُراسرار نقل و حرکت ہو رہی ہے۔'' اس نے سلیس زبان میں جواب دیا۔ ''کمانڈر نے سب کو الرٹ کر دیا ہے۔''

وسیم کے دو آدمی سیڑھی لگا کر چھت پر چلے گئے ان کے پاس نائٹ ویژن دوربین اور عینکیں تھیں۔ وسیم خود گیٹ کے پاس موجود تھا۔ میں اس کے پاس آیا۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''باہر سڑک پر دو گاڑیاں ہیں اور ان سے کچھ لوگ اتر کر مکان کے چاروں طرف پھیل رہے ہیں۔'' وسیم نے دھیمی آواز میں بتایا۔ ''ان کی تعداد کم سے کم آٹھ ہے۔''

''مسلح ہیں؟''

''ابھی کچھ صحیح سے نہیں معلوم، اوپر والے رپورٹ دیں گے تو اس سے پوزیشن واضح ہوگی۔''

''تم ایسا کرو کچھ اسلحہ نکال کر اوپر لے آؤ۔ کوئی دور مار ہتھیار ہو تو بہتر ہے۔'' میں نے سیڑھی کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ چھت اوپر سے مسطح تھی اور کوئی کھڑا ہوتا تو دور سے صاف دکھائی دیتا۔ معمولی سی چار دیواری بھی نہیں تھی۔ وسیم کے دونوں آدمی دو الگ سمتوں میں رخ کیے لیٹے ہوئے تھے۔ میں بھی چھت پر آتے ہی لیٹ گیا جس طرح ہمارے پاس رات کو دیکھنے والے آلات تھے اس طرح آنے والوں کے پاس ان کی موجودگی عین ممکن تھا۔ میں رینگتا ہوا ایک آدمی کے پاس پہنچا اور سرگوشی میں پوچھا۔ ''کیا رپورٹ ہے؟''

''اس طرف تین آدمی ہیں جناب۔'' اس نے جوابی سرگوشی میں کہا اور اپنی نائٹ ویژن عینک اتار کر میری طرف بڑھا دی۔ ''اسی طرف دیکھیں۔''

میں نے عینک لگا کر اس کی بتائی ہوئی سمت دیکھا تو مکان سے کوئی ڈیڑھ سو فٹ کے فاصلے پر تین افراد تقریباً ساتھ ساتھ دکھائی دیئے وہ دبے قدموں مکان کی طرف بڑھ رہے تھے اور ان کے ہاتھوں کی پوزیشن سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندازہ ہو رہا تھا کہ انہوں نے اسلحہ اٹھا رکھا تھا یعنی ہاتھوں کا انداز رائفل بدست تھا۔ یہ مکان کا دائیں طرف والا حصہ تھا۔ دوسرے آدمی کے مطابق عقبی سمت بھی دو افراد موجود تھے لیکن وہ فاصلے پر رکے ہوئے تھے اور مکان کی طرف آنے کی کوشش نہیں کر رہے تھے۔ بائیں طرف دیوار کے ساتھ چھوٹی سے کھائی تھی اور اس طرف سے کسی کا اندر آنا بہت مشکل تھا۔ سب سے آسان دائیں طرف والی دیوار تھی۔ سامنے سے آنا آسان تھا لیکن کوئی بے خبری میں مشکل سے اندر گھس سکتا تھا۔ اس لیے آنے والوں نے آسان ترین راستہ اختیار کیا تھا۔ یہ کمروں کے پیچھے موجود دیوار تھی اس پر چڑھ کر وہ آسانی سے اندر کود سکتے تھے۔ وسیم نے آہستہ سے کہا۔

''کیا خیال ہے یہ دشمن ہیں؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتے۔'' میں نے جوابی سرگوشی کی۔ ''ویسے یہ جس طرح آ رہے ہیں ایسا لگ رہا ہے جیسے ان کو معلوم ہے کہ مکان کے اندر آنے کا آسان راستہ کس طرف سے ہے۔''

وسیم نے غور کیا اور بولا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ اور کسی طرف سے پیش قدمی نہیں کر رہے ہیں صرف اسی طرف سے آ رہے ہیں۔''

وسیم ریڈیو لے آیا تھا اور اب اپنے آدمیوں سے رابطے میں تھا۔ وہ اسے آنے والوں کی پوزیشن سے آگاہ کر رہے تھے۔ ''سوال یہ ہے کہ اگر یہ دشمن نہیں ہیں تو اس طرح خاموشی سے آ کر گھیرا ڈالنے اور ان تین افراد کے مکان کی طرف پیش قدمی کا کیا مقصد ہے؟''

''یہ تینوں آنے والے بتائیں گے۔'' وسیم نے کہا اور اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے لگا کہ آنے والوں کا استقبال کیسے کرنا ہے۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ شور شرابا کیے بغیر یہ کام کرے تاکہ باہر والوں کو خبر نہ ہو۔ اس دوران میں آنے والے دیوار تک پہنچ گئے تھے اس لیے ہم کنارے سے پیچھے سرک گئے ورنہ وہ ہمارے سروں کو ہیولے دیکھ سکتے تھے۔ صحن میں روشنی تھی اور اس کا انعکاس یہاں تک آ رہا تھا۔ وسیم کے آدمیوں نے اندر پوزیشن سنبھال لی تھی۔ آنے والوں میں سے ایک دیوار پر چڑھا اور اندر جھانکا جب اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا وہ اندر اتر آیا۔ اس معاملے میں اس کی مہارت قابلِ تعریف تھی کہ اس کے آنے کی ذرا بھی آہٹ نہیں ہوئی تھی اگر پہلے سے ہوشیار نہ ہوتے تو پتا بھی نہیں چلتا کہ دشمن ہمارے درمیان آ گیا ہے۔ وہ کمروں کی عقبی دیوار کے ساتھ چلتا ہوا صحن کی طرف آیا اور یہیں وسیم کا ایک آدمی اس کا منتظر تھا۔ اس نے صفائی سے اس آدمی کے سر پر کوئی چیز ماری اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ وہ اسے کھینچ کر صحن میں لے گیا۔ اس دوران میں دوسرا دیوار پر چڑھ رہا تھا۔ وہ بھی اتر کر دوسری طرف گیا اور وسیم کے دوسرے آدمی کے ہتھے چڑھ گیا۔ اب تیسرا باہر موجود تھا اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اس کا اندر آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ شاید صرف مدد کے لیے موجود تھا۔

آٹھ میں سے تین افراد اس طرف تھے اور دو عقب میں تھے جب کہ تین سامنے تھے۔ پکڑے جانے والے دونوں افراد مسلح نکلے تھے۔ پستول دونوں کے پاس تھا جب کہ ایک پاس چھوٹی لیکن جدید ترین رائفل تھی۔ وسیم نے پیچھے ہٹ کر اپنے آدمیوں کو تیسرے کے لیے ہدایات دیں اور اس کے نتیجے میں وسیم کے دو آدمی دیوار تک گئے اور ایک نے اوپر چڑھ کر باہر موجود تیسرے فرد کو ہاتھ خفیف سی ''شش'' کر کے متوجہ کیا اور پھر ہاتھ کے اشارے سے اندر آنے کو کہا۔ وہ دبی آواز میں بولا۔ ''احمق میں اندر نہیں آ سکتا، سردار نے منع کیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر وسیم کا آدمی سردار کا نافرمان بنا اسے اشارہ کرتا رہا۔ مجبور ہو کر وہ دیوار کے پاس آیا اور جیسے ہی ذرا اوپر چڑھا وسیم کے آدمی نے اس کے سر پر کچھ مارا اور اس سے پہلے کہ وہ واپس نیچے جاتا۔ اسے پکڑ لیا اور پھر دوسرے کی مدد سے اسے بھی اندر کھینچ لیا۔ اب تین آدمی ہمارے قابو میں آ چکے تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''اب پیچھے موجود دونوں افراد کو بھی قابو کرنا ہے۔''

''اس کا طریقہ میں نے سوچ لیا ہے۔ ہمارے آدمی پیچھے گئے تو یہ ہوشیار ہو جائیں گے اور پیچھے کا حصہ بہت ناہموار ہے۔''

''طریقہ کیا ہے؟''

''ڈارٹ گن۔'' وسیم نے سرگوشی کی۔ ''بے ہوشی کے بلٹ مارتی ہے اور آدمی صرف دس سیکنڈ میں اتنا نقیل ہو جاتا ہے۔''

میں نے نائٹ ویژن سے پیچھے موجود افراد کا جائزہ لیا وہ ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر تھے لیکن یہ فاصلہ اتنا نہیں تھا کہ ایک کو بے ہوشی کا بلٹ لگتا تو دوسرے کو خبر نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ شکار بے ہوش ہونے سے پہلے گلا پھاڑ کر چلاتا تو مکان کے سامنے والوں تک بھی اطلاع پہنچ جاتی اور میں چاہتا تھا کہ وہ سب قابو میں آئیں کوئی فرار نہ ہو۔ اگر کوئی فرار ہو جاتا تو دوسروں کو لا سکتا تھا۔ اس لیے میں نے وسیم کی ڈارٹ گن والی تجویز مسترد کر دی۔ ''تب کیا کیا جائے؟''

''ہم خود باہر جا کر ان کو قابو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''بہت دن ہو گئے ہیں ہاتھ پاؤں ہلائے ہوئے۔''

وسیم کو تجویز اچھی لگی۔ ''لیکن جائیں گے کس طرف سے؟''

''دائیں طرف سے جہاں سے یہ آئے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''بلکہ اپنے کچھ آدمی سامنے والوں کے لیے بھی بھیج دو اگر وہ ان کو قابو نہ کر سکیں تو کم سے کم فرار بھی نہ ہونے دیں۔''

ہم نیچے آئے وسیم نے اپنے تین آدمی بلائے اور انہیں سامنے والوں کے بارے میں ہدایت دینے لگا۔ ہم پانچوں اسی دیوار سے کود کر باہر اترے اور سب نے نائٹ ویژن لگا رکھی تھیں اس لیے ہمیں تاریکی میں بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ وسیم کے آدمی سامنے والے حصے کی طرف چلے گئے اور ہم دونوں عقب کی طرف بڑھے۔ چھت پر موجود دونوں آدمی ریڈیو کی مدد سے ہمیں گائیڈ کر رہے تھے کہ دشمن کہاں تھا اور ہمیں کس طرف سے جانا چاہیے تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ دونوں ہمارے سامنے تھے۔ وہ ایک بڑے پتھر کے دائیں بائیں دبک کر بیٹھے تھے۔ وسیم نے اشارے سے مجھے بتایا کہ وہ ایک کو قابو کرے گا۔ میں نے سر ہلایا۔ وسیم نے ایک پتھر اٹھا کر ان کے عقب میں اچھال دیا۔ وہ چونک کر پیچھے دیکھنے لگے۔ کچھ دیر دیکھتے رہے اور جب مزید کوئی آواز نہیں آئی تو وہ دوبارہ مکان کی نگرانی کرنے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا انہیں اس لیے یہاں بھیجا گیا تھا کہ مکان سے کوئی پیچھے کی طرف سے فرار کی کوشش کرے تو وہ اسے روکیں۔ انہیں پتا نہیں تھا کہ ان کی ایک ٹیم ہمارے قبضے میں آ چکی تھی اور اب ان کی باری تھی۔ وسیم نے کچھ دیر بعد دوسرا پتھر اچھالا تو وہ واضح مشکوک ہو گئے ان میں سے ایک دبی آواز میں بولا۔ ''اس طرف کوئی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں دیکھتا ہوں۔'' دوسرے نے کہا اور اٹھ کر جھکا جھکا اس طرف بڑھ گیا۔ پہلا بھی اسی سمت میں دیکھ رہا تھا اس لیے میں دبے قدموں اس تک پہنچا تو اسے کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس کی کنپٹی پر کھڑی ہتھیلی ماری۔ وہ جھول کر گرا اور ساکت ہو گیا۔ میں نے احتیاطاً ایک ہاتھ اور مارا تا کہ کوئی کسر رہ گئی ہو تو وہ پوری ہو جائے۔ جیسے ہی میں اسے اٹھا کر پیچھے آیا وسیم نے اس کی جگہ لے لی۔ اتنی دیر میں اس کا ساتھی واپس آنے لگا تھا اور جب تک اسے احساس ہوتا کہ اس کے ساتھی کی جگہ کوئی اور ہے وسیم نے اسے قابو کر لیا تھا اس نے اس کا پستول چھین لیا اور اسے نیچے گرا کر اس کا منہ دبا لیا۔ میں نے اس کی تلاشی لی اور اس کے پاس سے ایک خنجر اور پستول کے دو اضافی کلپ برآمد ہوئے تھے۔ وہ وسیم کے نیچے مچل رہا تھا لیکن خود کو چھڑا نہیں پا رہا تھا۔ اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی جو اصل میں کیموفلاج کے لیے تھی کیونکہ اس نے آف وائٹ رنگ کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا اور اسے چھپانے کے لیے اوپر سیاہ چادر اوڑھ لی تھی۔

ہم نے اس کی چادر اسی کے خنجر سے کاٹ کر اسے باندھا اور پھر منہ میں بھی کپڑا ٹھونس کر اوپر سے کپڑا باندھ دیا۔ آخر میں اس کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی گئی۔ اب وہ پارسل کے لیے تیار تھا۔ ہم ان دونوں کو اٹھا کر لائے اور دیوار پر سے اندر کر دیا۔ دوسری طرف وسیم کے آدمیوں نے انہیں سنبھال لیا تھا۔ ہم اندر نہیں آئے بلکہ سڑک کی طرف بڑھے۔ کیونکہ اس طرف بھیجے جانے والے تین افراد کی رپورٹ یہ تھی کہ دونوں گاڑیوں میں دو دو افراد تھے اور وہ اندر تھے۔ قریب جائے بغیر ان پر قابو نہیں پایا جا سکتا تھا، اتفاق سے گاڑیاں اس طرح کھڑی تھیں کہ وہ زمین سے لگ کر جاتے تب بھی ان میں موجود افراد کی نظروں سے نہیں بچ سکتے تھے۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''انہیں باہر لانے کے لیے کچھ کرنا پڑے گا۔''

''کیا کیا جائے؟''

''تمہارے پاس بے آواز پستول ہے۔''

''ہاں لیکن وہ اندر ہے۔''

''منگوا لو۔'' میں نے مشورہ دیا تو وسیم واپس گیا اور پستول لے کر آ گیا۔ اس کا نشانہ مجھ سے بہتر تھا اس لیے اس نے اتنے فاصلے سے ایک گاڑی کا پچھلا ٹائر برسٹ کر دیا کہ گولی چلنے کی خفیف سی آواز بھی گاڑیوں میں بیٹھے افراد تک نہ پہنچے۔ گولی چلنے کی آواز تو ہمیں بھی مشکل سے سنائی دی لیکن ٹائر برسٹ ہونے کا دھماکہ اتنا بلند تھا کہ گاڑیوں میں بیٹھے افراد کے ساتھ ہم بھی اچھل پڑے تھے۔ چاروں فوراً گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ ان میں سے ایک بولا ''یہ کیا تھا؟''

''تیری ماں کا.....'' دوسرے کی باقی بات ناقابل اشاعت تھی۔ ''دیکھ نہیں رہا..... ٹائر برسٹ ہوا ہے۔''

وہ آپس میں بک بک کرنے لگے۔ زبان اور گفتگو سے وہ نچلے طبقے کے جرائم پیشہ لگ رہے تھے۔ ان میں سے ایک خاموش تھا جو بعد میں ان کا سردار ثابت ہوا اس نے دھیمی آواز میں غرا کر کہا۔ ''بکواس بند کرو..... وہ تینوں کہاں مر گئے ہیں اب تک گیٹ کیوں نہیں کھولا؟''

اس کا اشارہ یقیناً دائیں طرف سے آنے والوں کی طرف تھا۔ ان کا کام اندر اتر کر گیٹ کھولنا اور ممکنہ طور پر صحن یا کمروں میں موجود افراد کو قابو کرنا تھا۔ وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ تو مجھے معمولی قسم کے ڈاکو لگ رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔"

"ہوسکتا ہے ویسے مرشد کے گرگے بھی اسی سطح کے ہوتے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے مگر اس صورت میں وہ اتنی خاموشی سے نہ آتے۔ سلطان راہی اسٹائل میں بڑکیں مارتے ہوئے آتے۔ انہیں پولیس یا کسی کا خوف نہ ہوتا۔ دوسرے وہ آٹھ نو بندے نہیں بھیجتا۔ وہ ہمیں اچھی طرح جانتا ہے کم سے کم ڈھائی تین درجن چھٹے ہوئے بدمعاش روانہ کرتا۔"

میں وسیم کی بات سے قائل ہوا۔ "اگر یہ ڈاکو ہیں تو اس غریبانہ سے مکان میں کیا توقع لے کر آئے ہوں گے۔"

"ممکن ہے گاڑیوں سے سمجھے ہوں کہ اندر اچھا خاصا مال مل جائے گا۔"

اس دوران میں سردار کی فکرمندی تشویش میں بدل کر وقفے وقفے سے اس کے منہ سے مغلظات کی صورت میں خارج ہو رہی تھی۔ وہ بے تکلفی سے اندر جانے والوں کے خاندان سے ناجائز رشتے قائم کر رہا تھا۔ بالآخر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور اس نے دو آدمیوں کو اندر جانے اور ان تینوں کی اطلاع لانے کا حکم دیا۔ وہ دائیں طرف سے روانہ ہوئے۔ وسیم نے اپنے آدمیوں کو ان کے بارے میں خبردار کیا۔ "انہیں بھی خاموشی سے قابو میں کرنا۔"

مگر وہ انہیں خاموشی سے قابو میں نہ کر سکے تھے۔ ان میں سے ایک نے قابو کیے جانے کے دوران فریاد کی۔ "ہائے ماں....."

الفاظ کی صورت میں یہ فریاد ہم نے مائیک سے سنی تھی لیکن ویسے یہ آواز سردار اور اس کے دوسرے ساتھی تک بھی پہنچ گئی اور وہ فوری طور پر چوکنا ہوگئے۔ سردار نے کہا۔ "یہ آواز کیسی ہے مجھے گڑبڑ لگ رہی ہے۔ جو..... کا جاتا ہے..... اندر..... ہی بیٹھ جاتا ہے۔" اس نے خالی جگہوں میں مرصع گالیاں فٹ کی تھیں اور لگ رہا تھا کہ اسے خاصی مشق ہے۔ معمولی کوشش کے بعد یہ دو بھی قابو میں آگئے تھے۔ مگر اب باقی دو کو مار دھاڑ کے بغیر قابو میں کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی فائر نہ ہو۔ اگرچہ یہاں دور تک آبادی نہیں تھی لیکن اگر آس پاس کہیں پولیس گشت پر ہوتی اور فائر کی آواز سن کر آجاتی تو ہم بلاوجہ مشکل میں پڑ جاتے اس لیے میری خواہش تھی کہ معاملہ خاموشی سے نمٹا لیا جائے۔ اس موقع پر وسیم کی سابق تجویز کام آئی اور ڈارٹ گن کے دو بلٹ نے انہیں چونکایا ضرور تھا لیکن اس سے پہلے وہ سوچتے اور کوئی ردعمل ظاہر کرتے۔ خواب آور دوا نے ان کے حواسوں پر قبضہ کر لیا اور یوں تمام کے تمام نو افراد ہمارے قابو میں آگئے۔ خاص بات یہ تھی کہ انہوں نے اب تک ہم میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ ہم انہیں اور ان کی گاڑیوں کو اندر لے آئے۔

ہم طے کر چکے تھے کہ ان میں سے کوئی ہم میں سے کسی کی صورت نہ دیکھنے پائے۔ اس لیے تمام نو افراد کو رسیوں سے باندھ کر ان کی آنکھوں پر کپڑا باندھ دیا تھا اور انہیں ایک کمرے میں ڈال دیا گیا۔ میں نے غور کیا ان میں سے چھ نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی اور صرف تین کے جسموں پر پتلون قمیص تھی۔ ان کے چہرے اور حلیے بتا رہے تھے کہ وہ اجڈ قسم کے جرائم پیشہ تھے اور شاید ان کا تعلق دیہات سے تھا۔ ان کے پاس اور گاڑیوں سے اچھا خاصا اسلحہ نکلا تھا۔ اس میں چار عدد عائقلیں، دو مشین گنز اور ایک درجن پستول اور ریوالور تھے۔ اسی حساب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمونیشن بھی تھا۔ مگر ان کے پاس سے کسی قسم کے بم نہیں ملے تھے۔ ان کے پاس رقم بھی تھی لیکن کسی کے پاس کوئی شناختی چیز نہیں تھی۔ سردار کے پاس سے موبائل ملا تھا مگر اس میں نہ تو کوئی نمبر فیڈ تھا اور نہ ہی آنے جانے والی کالز کا کوئی ریکارڈ تھا۔ اس لحاظ سے وہ چالاک لگ رہے تھے۔

گویا ان کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا تھا تو ان ہی سے ہو سکتا تھا۔ آٹھ بے ہوش تھے اور صرف ایک ہوش میں تھا اس لیے تفتیش کا آغاز اس سے کیا گیا۔ پہلے وسیم کے ایک آدمی نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور دوسرے نے اسے پنچنگ بیگ کی جگہ استعمال کیا۔ وہ اچھا خاصا باکسر تھا۔ ایک درجن مکے کھا کر ہوش والے کا حال برا ہو گیا تھا منہ میں ٹھنسے کپڑے کی وجہ سے وہ فریاد بھی نہیں کر سکتا۔ اسے چھوڑا تو وہ آٹے کی بوری کی طرح نیچے لڑھک گیا۔ وسیم نے آگے آ کر اس کے بالوں کو پکڑ کر اسے دوبارہ کھڑا کیا اور بدلے لہجے اور آواز میں بولا۔

"تم سمجھ گئے ہو کہ کن لوگوں کے قبضے میں ہو۔ جس طرح ہم تمہیں آسانی سے قابو میں کر سکتے ہیں اسی آسانی سے تمہیں مار کر یہاں آس پاس دفنا سکتے ہیں۔"

اس نے سر ہلایا اور ناک سے آوازیں نکالیں وہ کچھ بولنا چاہتا تھا۔ وسیم نے اس کے منہ پر بندھا کپڑا اتار دیا اور پھر منہ میں ٹھنسا کپڑا بھی باہر کھینچ لیا۔ وہ ہانپنے لگا۔ اس نے گھگھیا کر کہا۔ "رب کے لیے مجھے نہ مارو۔"

"شکر ادا کرو کہ تمہیں بالکل ہی نہیں مار دیا۔" وسیم نے اسے تھپڑ رسید کیا اور یہ ایسا تھپڑ تھا کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔ "کوشش کرنا مجھے غصہ نہ آئے ورنہ سب کو گولی مار کر ایک ہی جگہ دفن کر دوں گا۔ تم لوگوں کی جرأت کیسے ہوئی میرے گھر میں گھسنے کی۔" وسیم کا لہجہ ڈرانے والا تھا میں نے محسوس کیا کہ وہ لرز گیا تھا۔

"ہمیں معاف کر دیں جی۔"

"تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

"ہم جی جیدا کے آدمی ہیں۔"

وسیم نے غلطی کی اور اسے باتوں سے بتا دیا کہ وہ سب پکڑے گئے ہیں اگر اسے یہ تاثر نہ دیا جاتا تو وہ زیادہ ڈرتا۔ بہر حال اب بھی وہ تعاون پر آمادہ دکھائی دے رہا تھا۔ وسیم نے اس بار چالاکی سے کام لیا۔ "تمہارا سردار ہے جیدا؟"

"جی وہ باہر موجود تھا۔"

"اب وہ بھی اندر ہے۔" وسیم نے کہا۔ "جیدا کیا کرتا ہے؟"

اس نے کسی قدر حیرت سے کہا۔ "آپ نہیں جانتے جیدا تو اس سارے علاقے میں مشہور ہے۔ لوگ اس کے نام سے کانپتے ہیں۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"شاہنواز جی۔" اس نے کہا۔

"جیدا اور تم لوگ کیا کرتے ہو؟"

"ہم ڈاکو ہیں جی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں کیا کرنے آئے تھے؟''

وہ ہچکچایا پھر اس نے جواب دیا۔ ''ہمیں سردار لایا تھا اسے معلوم تھا کہ یہاں کیا کرنا ہے۔''

میرا خیال تھا کہ وہ زیادہ ہی انجان بن رہا تھا یہ بات وسیم نے بھی محسوس کی اور اسے کچھ دیر کے لیے باکسر کے حوالے کیا۔ مزید ایک ورجن کے کھا کر شاہنواز چلانے اور بلبلانے لگا تھا۔ ''ہائے..... ہائے..... اوئے مینوں نہ مار..... ہائے اوئے ربا..... بس کر ظالما۔''

مگر ظالما اس وقت رکا جب وسیم نے اسے اشارہ کیا۔ شاہنواز کی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی کہ کئی منٹ تک وہ بولنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ وسیم نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اب تم سمجھ گئے ہو کہ کسی سوال کا جواب نہ دینے یا جھوٹ بولنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے۔''

میں نے مداخلت کی۔ ''اتنا کھڑاگ پالنے کی کیا ضرورت ہے۔ گولی مارو اور پیچھے کہیں دفنا دو کون پوچھنے آئے گا۔ یہ معمولی درجے کے اچکے ہیں ان سے کیا پوچھنا؟''

''نہیں جی میں بتاتا ہوں۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔ ''ہم..... ڈاکا مارنے آئے تھے۔''

''ڈاکا مارنے آئے تھے اور اس غریب سے مکان میں؟''

''مخبر نے بتایا تھا کہ یہاں پیسے والے لوگ آئے ہیں۔''

''اور تم لوگ دوڑے چلے آئے۔'' وسیم نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''یہ نہیں سوچا کہ واپسی کیسے ہو گی؟''

میں نے وسیم کو اشارہ کیا اور ہم باہر آئے۔ ''مجھے لگ رہا ہے یہ اب بھی پورا سچ نہیں بول رہا ہے۔ ان سے الگ الگ پوچھ گچھ کرنی ہو گی اور یہ کام صبح سے پہلے کرنا ہے۔''

''آپ کے ذہن میں کوئی بات ہے؟''

''ہاں، اگر انہیں کسی نے بھیجا ہے تو ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ہو گا۔''

وسیم سمجھ گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ان سب کو ہوش میں لانے کو کہا۔ ان کے پاس ایمونیا تھی۔ انہوں نے اسے استعمال کیا تو چند منٹ میں سب ہوش میں آ گئے تھے۔ سردار اور اس کا ساتھی کسی قدر مشکل سے ہوش میں آئے تھے کیونکہ وہ دوا کی مدد سے بے ہوش کیے گئے تھے۔ ان کو باری باری لے کر دوسرے کمرے میں سوالات کیے گئے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ان میں سے کوئی بھی پوری بات نہیں بتا رہا تھا۔ ایک بات کا اقرار سب کر رہے تھے کہ وہ ڈاکو تھے اور یہاں ڈاکا مارنے آئے تھے لیکن اس کے علاوہ سب نے کوئی نہ کوئی جھوٹ بولا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سب کوئی نہ کوئی ایسی بات چھپا رہے تھے جو ان کا مشترکہ مقصد تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''وقت نہیں ہے ان سے اگلوانے کے لیے ڈرامہ کرنا پڑے گا۔''

''آپ کے پاس کوئی پلاٹ ہے؟''

''ہاں ایک پلاٹ ہے۔'' میں نے کہا پھر وسیم کو اپنے پلاٹ سے آگاہ کیا۔ اسے پلاٹ پسند آیا تھا اور اس نے چند ترامیم تجویز کیں جو میں نے منظور کر لیں۔ میں اور وسیم کمرے میں آئے وسیم بولا۔ ''تم لوگ پورا سچ نہیں بول رہے ہو اس لیے تمہارے لیے سزائے موت کا فیصلہ ہوا ہے۔ صرف ایک موقع ہے جان بچانے کا اور وہ ہے پورا سچ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ہمیں نہیں ڈرا سکتے۔'' جیدا سردار نے جیداری سے کہا۔

''اچھا پہل تم سے کرتے ہیں۔'' وسیم نے کہا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے جیدا کو بازوؤں سے پکڑ اٹھالیا وہ مچل رہا تھا اور شور شرابا کرتے ہوئے دھمکیاں دے رہا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ مگر اس کی دھمکیاں مضحکہ خیز تھیں۔ ان سب کی آنکھیں بند تھیں اس لیے وہ صرف سن سکتے تھے۔ وسیم کے اشارے پر اس کی آدمی جیدا کو مکان کے عقبی حصے میں لے آئے اور وسیم نے بلند آواز سے کہا۔ ''کلمہ شریف پڑھ لو یا چاہو تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو۔''

سردار اب گالیاں بھی دے رہا تھا۔ وسیم نے اس کے سر کے پاس پستول سے فائر کیا تو اس نے ایسی چیخ ماری جیسے سچ مچ گولی لگی ہو اس سے زیادہ اسے مہلت نہیں ملی کیونکہ وسیم نے ساتھ ہی پستول کی نال اس کے سر پر ماری اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اسے وہیں چھوڑ کر ہم واپس آئے تو جیدا کے باقی ساتھیوں کی حالت خراب تھی۔ ایک تو فارغ بھی ہو گیا تھا اور اس نے قالین گندہ کر دیا تھا۔ وسیم نے خفگی سے کہا۔ ''یہ کیا قالین بچانے کے لیے اسے باہر لے جا کر مارا تو انہوں نے اس طرح گندہ کر دیا۔ باہر نکالو ان حرامیوں کو۔''

وسیم کے آدمی انہیں کھینچ کر باہر لے آئے۔ اس نے پوچھا۔ ''کوئی بچنا چاہتا ہے یا دوسرے بندے کا کام تمام کروں۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' وہ تڑپ کر بولا جس نے قالین گندہ کیا تھا۔

''چپ کر سؤر دے تخم۔'' جیدا کا نائب پھنکار کر بولا۔ ''مرنے سے ایسا ڈر لگتا ہے تو ماں.....''

وسیم نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری تو اس کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ وسیم نے دھاڑ کر اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''اب اس سور ما کو لے چلو۔''

''ہاں لے چلو۔'' نائب بولا وہ سچ مچ جیدار آدمی تھا وہ خود کھڑا ہو گیا اور اسے مکان کے عقبی حصے میں لا کر وہی ڈرامہ کیا گیا۔ ہم واپس آئے تو باقی پارٹی سچ بولنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ مگر ہم ان پر اعتبار نہیں کر سکتے تھے اس لیے انہیں پھر باری باری الگ لے جا کر پوچھ گچھ کی اور اگلے ایک گھنٹے میں صورت حال واضح ہو گئی۔ اس بار انہوں نے سچ ہی بولا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ جیدا اور اس کا گروہ لوٹ مار کرتے تھے۔ ان کا علاقہ یہاں سے آگے تھا مگر کبھی کبھی وہ پنڈی بھی آجاتے تھے۔ یہ مکان انہوں نے خاصے عرصے سے تاڑ رکھا تھا اور ایک دو بار یہاں کرائے دار آئے تو انہوں نے انہیں بھگا دیا۔ دراصل یہ مکان ان کا اڈہ تھا۔ وہ عقبی سمت سے یہاں آمد و رفت کرتے تھے۔ اصل وجہ جس کے لیے سردار اور اس کے نائب نے ''جان دینا'' گوارا کی۔ وہ یہ تھی کہ انہوں نے یہاں لوٹ کا مال چھپا رکھا تھا۔ یہ سن کر ہم حیران رہ گئے تھے۔

صحن میں جہاں نیم کے درخت لگے تھے وہاں زمین پکی تھی اور انہوں نے زمین میں ایک مضبوط قسم کا دھاتی ٹرنک دبا رکھا تھا۔ تقریباً نصف سینٹی میٹر موٹی فولادی چادر کا یہ ٹرنک ایک لکڑی کی پیٹی میں رکھا تھا تاکہ اسے زنگ نہ لگے۔ پہلے آدمی کے بیان سے ہم سمجھے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے جان بچانے کے لیے لیکن جب دوسرے اور تیسرے نے بھی اس کے بیان کی تصدیق کی تو ہمیں یقین آ گیا۔ ہماری قسمت دیکھیں کہ خفیہ ٹھکانہ تلاش کیا تو وہ ڈاکوؤں کا ڈیرہ نکلا۔ وسیم اور میں نے الگ جا کر میٹنگ کی۔ ''یہ تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے باوجود ہمیں یہ جگہ چھوڑنی پڑے گی۔'' وسیم نے کہا۔

میں نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو کیونکہ ان لوگوں کو چھوڑنا پڑے گا آٹھ افراد کا قتل بہت مشکل کام ہے ایک دو ہوتے تو سوچا جا سکتا تھا اور انہیں چھوڑ دیا تو ہم غیر محفوظ ہو جائیں گے۔''

وسیم جھنجھلا گیا۔ ''اپنی بھی کیا قسمت ہے ابھی آ کر بیٹھے بھی نہیں تھے کہ یہ نازل ہو گئے۔ اب یہاں سے بھی جانا پڑے گا۔''

''مجبوری ہے دوست۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''یہ بھی اللہ کی مہربانی ہے کہ ہم بے خبری میں شکار نہیں ہوئے ورنہ یہ ہمیں کہاں چھوڑتے۔''

''تب کیا خیال ہے ہم بھی ان کے ساتھ وہی سلوک نہ کریں؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم جرائم پیشہ نہیں ہیں اس لیے ان کے ساتھ وہ سلوک نہیں کر سکتے۔''

''تب کیا کریں انہیں ایسے ہی چھوڑ دیں؟''

''ایسے ہی نہیں چھوڑیں گے ان کی وجہ سے ہمیں یہ جگہ چھوڑ کر جانی پڑے گی اس لیے انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ ''انہوں نے جو مال دبا رکھا ہے وہ ہم لے جائیں گے۔''

وسیم خوش ہو گیا۔ ''یہ ٹھیک ہے ہمارے لیے تو یہ حلال بھی ہو گا۔''

وقت کم تھا اس لیے ہم تیزی سے حرکت میں آئے۔ سب نے اپنے چہرے نقابوں سے چھپائے اور پھر ان کی آنکھوں سے پٹیاں اتاریں۔ یہ دیکھ کر ان کا صدمے سے برا حال ہو گیا کہ سردار اور اس کا نائب زندہ تھے۔ بلکہ وہ خوفزدہ بھی تھے کہ اب وہ دونوں انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ جس کا پیشاب خطا ہوا تھا اس نے ہم سے کہا۔ ''تم نے دھوکا دیا۔''

''تو کیا شرافت سے پیش آتے تم جیسے ڈاکوؤں سے۔'' وسیم نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''سردار مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔'' اس نے کہا۔ ''بلکہ ہم میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گا۔''

''یہ تم لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے۔'' وسیم نے لاپروائی سے کہا۔ ''اب اٹھو اور زمین کھودو۔''

زمین کھودنے کے آلات بھی وہی لائے تھے ورنہ ہمارے پاس کہاں تھے۔ لکڑی کا بکس زمین میں دو فٹ کی گہرائی میں تھا۔ مٹی بہت سخت نہیں تو بہت نرم بھی نہیں تھی۔ بہر حال تین آدمیوں نے مل کر آدھے گھنٹے میں زمین کھود ڈالی۔ لکڑی کا بکس دو بائی تین فٹ کا تھا۔ اس پر پلاسٹک کور بچھا تھا تاکہ یہ اوپر سے آنے والی نمی سے محفوظ رہے اور تالے پر باقاعدہ پلاسٹک چڑھا کر اسے دھاگے سے سیل کیا گیا اس لیے بکس اور تالا دونوں صاف ستھری حالت میں تھے۔ اس کی چابی سردار کے پاس ملی بلکہ اندر موجود لاکر کی چابی بھی اس کے اور نائب کے پاس تھی۔ یہ دو چابیوں سے کھلنے والا لاکر تھا۔ بکس کا ڈھکن کھولا تو لاکر سامنے آ گیا۔ یہ بالکل صاف ستھری حالت میں تھا کیونکہ اندر بھی پلاسٹک شیٹ بچھائی گئی تھی جو لاکر کو نمی اور مٹی سے محفوظ کر رہی تھی۔ چابیاں لگا کر اسے کھولا تو جب ہم نے اندر جھانکا تو ہماری اپنی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔

لاکر ڈھائی فٹ چوڑا، پونے دو فٹ لمبا اور کوئی دو فٹ ہی گہرا تھا۔ یہ پورا لاکر تقریباً اسی فیصد سونے کے زیورات اور کرنسی کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ کرنسی نیچے تھے اس پر گتے کی ایک شیٹ تھی اور پھر اوپر سونے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیورات بھرے ہوئے تھے۔ ان کا وزن کسی طرح دس بارہ کلوگرام سے کم نہیں تھا۔ یہ میں خالص سونے کا وزن بتا رہا ہوں۔ ورنہ کھوٹ، پتھر نگینے اور ڈوریاں وغیرہ ملا کر وزن بیس کلوگرام سے بھی زیادہ لگ رہا تھا۔ وسیم نے کہا۔

''میرے خدا ان لوگوں نے تو بہت لوٹ مار کی ہے۔''

''پتا نہیں کتنے غریبوں کو ان کی ساری عمر کی جمع پونجی سے محروم کر دیا ہوگا اور نہ جانے کتنی عورتوں سے ان کا زیور لوٹا ہوگا۔''

ایک کھدائی کرنے والے نے حسرت سے کہا۔ ''پانچ سال سے جمع کر رہے تھے۔ سردار نے کہا تھا کہ دس سال میں سب کروڑ پتی ہو جائیں گے۔'' اس نے غضبناک نظروں سے سردار کی طرف دیکھا۔ ''بس ضرورت کا لیتے تھے۔''

میرا خیال تھا کہ سردار انہیں بیوقوف بنا رہا تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں کوئی ٹارگٹ بنا رکھا تھا جب وہ پورا ہو جاتا تو وہ باقی سب کو مار دیتا یا دھوکہ دے کر ایسا غائب ہوتا کہ وہ اسے تلاش ہی کرتے رہ جاتے۔ میں نے مٹھی بھر زیور نکال کر دیکھا۔ اس میں بہت اچھا والا زیور بھی تھا یعنی بھاری اور کئی تولے کا بنا ہوا اور ایسی معمولی چیزیں بھی تھیں جو شاید ایک گرام کی بھی نہ ہوں۔ اتنی ہلکی چیز کوئی غریب عورت ہی پہن سکتی تھی۔ سویرا، ماں جی، بھابی، آپا اور شمی کے پاس کوئی زیور چاہے ہو انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو تولے سے کم کا نہیں تھا۔ میرا سینہ بوجھل ہو گیا۔ ان ڈاکوؤں نے نہ جانے کتنے گھروں کے خواب اجاڑے ہوں گے۔ وہ اتنے سفاک اور بدکردار تھے کہ انہوں نے معمولی سی چیز بھی نہیں چھوڑی تھی۔ پھر مجھے اور وسیم کو غصہ آنے لگا۔ ہمارا ردعمل دیکھ کر کھدائی کرنے والے تینوں ڈاکوؤں کی حالت خراب ہونے لگی۔ ان میں سے ایک بولا۔ ''ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ ہم سردار کے کہنے پر چلتے تھے۔''

''بکواس کرتے ہو۔'' وسیم نے اسے لات ماری۔ ''اگر سردار کہتا اپنی ماں کو لوٹ لو تو کیا تم ایسا ہی کرتے۔ تم سب برابر کے شریک ہو اور اس قابل ہو کہ تمہیں قتل کر کے اسی گڑھے میں دفن کر دیا۔''

وہ سمجھے کہ وسیم کا ارادہ سچ مچ ایسا ہی کرنے کا ہے وہ چلانے اور معافی مانگنے لگے۔ وسیم کے آدمیوں نے انہیں دوبارہ باندھ دیا۔ ان سب کو ایک خالی کمرے میں ڈال دیا۔ ان سب کاموں میں صبح ہو گئی تھی۔ وسیم کے آدمیوں نے روانگی کی تیاری شروع کر دی اور طے ہوا کہ ابھی ہم کوٹھی پر جائیں گے۔ گاڑیاں نہیں تھیں۔ پیکنگ کے بعد دو آدمی کوئی چھوٹا ٹرک لینے گئے۔ وسیم نے انہیں ناشتہ لانے کو بھی کہا تھا کیونکہ کچن کا سامان بھی پیک ہو گیا تھا۔ ایک گھنٹے بعد وہ ایک شہر ور ٹرک کے ساتھ ناشتے میں حلوہ پوری اور چھولے لے آئے۔ باری باری سب نے ناشتہ کیا اور اس دوران میں ٹرک پر سامان بھی لوڈ کرتے رہے۔ ایک گھنٹے بعد جب سورج کسی قدر بلند ہو گیا تھا ٹرک اور دوسری گاڑیاں روانہ ہو گئیں۔ سب سے پہلے لاکر نکال لیا تھا اور گڑھے کو مٹی سے پُر کر دیا تھا۔ اس پر اس طرح سے سوکھے پتے بکھیر دیئے کہ کسی کو کھدائی کا شک نہ ہو۔ آخر میں وہاں صرف میں اور وسیم رہ گئے تھے۔ میں نے وسیم کو روک لیا تھا۔ اس نے وجہ نہیں پوچھی لیکن عبداللہ کو کال کر کے روانگی کا بتا دیا اور پھر اس سے کہا کہ وہ کوٹھی پر آ کر لاکر لے جائے۔ اس کی چابیاں وسیم کے پاس تھیں۔ جب سب چلے گئے تو اس نے پوچھا۔

''ہم کیوں رکے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے اب بھی شک ہے کہ انہوں نے پوری بات نہیں بتائی ہے۔ اس قسم کے ڈاکو کسی قسم کی مدد کے بغیر یوں آزادانہ نہیں پھر سکتے ہیں۔''

''یہ تو لازمی بات ہے ان کو کسی نہ کسی بااثر آدمی کی مدد حاصل ہوگی۔''

''میں یہی دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان کے پیچھے کون ہے۔''

''کیا اس سے کوئی فائدہ ہوگا؟'' وسیم نے کہا۔ ''میرا تو ارادہ ہے ان کو یہیں بندھا چھوڑ کر چلا جاؤں بھوکے پیاسے مرجائیں۔''

''نہیں یار ہم ایسی سفاکی نہیں دکھا سکتے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہوسکتا ہے کوئی فائدہ ہو ہی جائے۔''

''کرنا کیا ہے؟''

ڈاکوؤں کی دونوں گاڑیاں یہاں موجود تھیں۔ ان کا سارا اسلحہ ہمارے قبضے میں آگیا تھا۔ ''ہم انہیں آزاد ہونے کا موقع دیں گے اور پھر پیچھا کر کے دیکھیں گے کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔''

وسیم نے کسی قدر غور کے بعد سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے یہ کر کے دیکھتے ہیں۔ ویسے مجھے بے چارے مالک مکان کا خیال آرہا ہے ہم تو چلے جائیں گے بعد میں وہ مشکل میں نہ پڑ جائے۔''

''اس کا کیا قصور ہوگا۔ اس نے مکان کرائے پر دیا اب اسے کیا معلوم کہ ہم کیسے لوگ تھے۔ وہ سچ بول کر اپنی جان بچالے گا۔''

ہم ڈاکوؤں والے کمرے میں آئے اور وسیم نے ان سے کہا۔ ''تمہاری خوش قسمتی کہ ہم نے تمہارے قتل کا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ ہم یہاں سے جارہے ہیں تمہارا مال لے کر، ہمیں تلاش کرنا بے کار ہے کیونکہ ہم نے سامنے آئے بغیر یہ مکان کرائے پر لیا تھا۔ اس کے باوجود تمہارا دل چاہے تو شوق سے تلاش کرنا۔''

وسیم نے ان میں سے ایک کے ہاتھوں کی بندش کسی قدر نرم کردی۔ وہ کوشش کرتا تو پانچ دس منٹ میں خود کو آزاد کرا سکتا تھا۔ یہ کام کرتے ہی ہم وہاں سے نکل گئے۔ سڑک پر آکر ہم نے گاڑی کچھ آگے لے جا کر جنگل میں کھڑی کردی یہ سڑک سے نظر نہیں آرہی تھی اور خود ایسی جگہ آگئے جہاں سے مکان پر نظر رکھ سکتے تھے۔ ان کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے ایک خیال یہ بھی تھا کہ انہیں پولیس کے حوالے کردیا جائے لیکن اس میں یہ قباحت تھی کہ پولیس مالک مکان کو پکڑتی اور وہ وسیم کا صورت آشنا تھا۔ اگرچہ وسیم نے اسے جو شناختی کارڈ دکھایا تھا اور کاپی دی تھی وہ جعلی تھا۔ وسیم کو اس کا دکھ تھا کیونکہ بقول اس کے مالک مکان نہ صرف صورت سے شریف نظر آتا تھا بلکہ درحقیقت بھی بہت شریف تھا۔ اگر پولیس اس سے پوچھ گچھ کرتی تو خطرہ تھا کہ پولیس کا خیال ہماری طرف جاسکتا تھا۔ دوسرا خطرہ خود یہ ڈاکو تھے۔ ہم نے ان کا سارا مال چھین لیا تھا اور اگر ان کی پشت پر کوئی بااثر شخص ہوتا تو وہ یقیناً ہمیں تلاش کرنے کے لیے اس کا سہارا لیتے۔ ہمارے لیے بلاوجہ کہ ایک مشکل کھڑی ہو جاتی۔ وسیم نے کہا۔ ''فرض کریں ایسا ہی ہو کہ ان کے پیچھے کوئی بااثر آدمی ہو اور وہ اس کی مدد سے ہماری تلاش شروع کریں تو ہمیں کیا کرنا ہوگا۔''

''تب ہم اس شخص کو وارننگ دیں گے کہ وہ اپنے آدمیوں کو باز رکھے ورنہ اسے نقصان ہوگا۔ بہرحال اب یہ ہمارے لیے اندھا تیر نہیں رہیں گے۔ ہم جب چاہیں گے ان کی گردن ناپ سکتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندھے ہوؤں کو آزاد ہو کر نکلنے میں ہمارے اندازے سے زیادہ وقت لگا تھا وہ آدھے گھنٹے بعد گاڑیوں میں باہر نکلے اور مخالف سمت میں روانہ ہو گئے۔ میں اور وسیم گاڑی کی طرف لپکے۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور وسیم نے اوپری خانہ کھول کر دوربین سنبھال لی۔ اس طرح ہم خاصے فاصلے پر رہتے ہوئے بھی ان کا تعاقب کر سکتے تھے۔ ہم سڑک پر آئے تو وسیم نے کہا۔ ''وہ آگے جا رہے ہیں۔''

گاڑیاں مجھے نظر نہیں آ رہی تھیں لیکن وسیم کوئی چار فٹ اونچا تھا اور اس کے پاس دوربین تھی اس لیے اس نے گاڑیاں دیکھ لیں۔ اچھی بات یہ ہوئی کہ وہ دائیں بائیں مڑ نہیں گئی تھیں یہ اسلام آباد ایکسپریس وے تھی اور دائیں بائیں متعدد سڑکیں اس سے نکل رہی تھیں۔ دونوں طرف نئی نئی کالونیاں آباد ہو رہی تھیں اور اب پنڈی شہر اس طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ پنڈی جلد فیصل آباد کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ملک کا تیسرا بڑا شہر بن جائے گا۔ پہلے اور دوسرے نمبر پر ظاہر ہے کراچی اور لاہور ہیں۔ وسیم کے پاس موجود دوربین چھوٹی لیکن خاصی طاقتور تھی۔ اس سے میل بھر کے فاصلے سے آدمی کو شناخت کیا جا سکتا تھا۔ گاڑیاں خاصی تیز رفتاری سے جا رہی تھیں۔ اچانک وسیم نے اطلاع دی۔

''وہ بائیں طرف مڑ رہی ہیں۔'' مجھے اس سڑک تک پہنچنے میں تین چار منٹ لگے اس وقت بھی وہ گاڑیاں میری نظر میں نہیں تھیں لیکن وسیم دوربین سے انہیں نظروں میں رکھے ہوئے تھا۔ اس نے کسی قدر تشویش سے کہا۔

''میرا خیال ہے یہ مرشد کے علاقے کی طرف جا رہے ہیں۔''

اس علاقے میں وہی چوروں ڈاکوؤں کا سب سے بڑا سرپرست ہے ممکن ہے ان کا اس سے یا اس کے کسی چیلے چانچے جاگیردار سے تعلق ہو۔ مگر کوئی مزید آدھے گھنٹے بعد دونوں گاڑیاں درگاہ مرشد یہ میں داخل ہوتی دیکھی گئیں تو میں اور وسیم دنگ رہ گئے تھے۔ ان لوگوں کا تعلق مرشد سے نکلے گا یہ ہم نے سوچا نہیں تھا اور شکر ہے وہ اپنا مال لینے آئے تھے اگر ہمیں پہچان کر آتے تو اس طرح نہ آتے اور ہم مارے نہ جاتے تب بھی مشکل میں پڑ جاتے۔ بہرحال اب وہ جا کر مرشد کو یہ کہانی سناتے اور عین ممکن ہے اس کا شاطر ذہن ہماری طرف جاتا اور وہ ہماری تلاش شروع کر دیتا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''اب مجھے وہ کوٹھی بھی محفوظ نہیں لگ رہی ہے۔ وہ اس جگہ سے کتنی دور ہے ممکن ہے اب مرشد کے آدمی اسٹیٹ ایجنٹوں کو ٹٹولنا شروع کر دیں۔''

وسیم بھی فکرمند ہو گیا تھا۔ اس کا خطرہ تھا۔ یہ بات سامنے آتی کہ کوٹھی ہم نے لی ہے تو مرشد کے گرگے وہاں دھاوا بولنے میں زیادہ دیر نہیں لگاتے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''وسیم اپنے آدمی لگا دو ان لوگوں کی مزید نگرانی کی جانی چاہیے۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

یہاں موبائل سگنل نہیں تھے ہم پیچھے آئے جہاں موبائل سگنل دستیاب تھے وسیم نے کال کر کے اپنے دو بائیک سوار بلوا لیے۔ وہ آدھے گھنٹے میں آ گئے تھے۔ وسیم نے انہیں ڈاکوؤں کی گاڑیوں کے نمبر اور دوسری تفصیلات بتائیں۔ ''ان کا ہوشیاری سے تعاقب کرنا ہے اور دیکھنا ہے کہ وہ کہاں جاتے ہیں خاص طور سے ان کے ٹھکانے کا پتا چلانا ہے۔''

ان کو ڈیوٹی پر لگا کر ہم لوٹ آئے تھے۔ جب کوٹھی پہنچے تو وسیم کے آدمی سارا سامان وہاں سیٹ کر چکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔عبداللہ آ کر لا کر لے گیا تھا۔ وسیم نے اپنے آدمیوں کو پوری طرح ہوشیار رہنے کا حکم دیا اور ہم عبداللہ کی کوٹھی پر آ گئے۔ ان ساروں چکروں میں دوپہر ہو چکی تھی اور ہمیں بھوک لگ رہی تھی اتفاق سے کھانا تیار تھا اور فرمائش پر فوراً ہی لگا بھی دیا گیا۔ کھانے کے دوران عبداللہ ہم سے پوچھتا رہا۔ وہ بھی حیران تھا۔ ''کیا قسمت ہے؟ جہاں جاتے ہیں دشمن پہلے سے موجود ہوتا ہے۔''

''مگر روشن پہلو بھی تو دیکھو کہ ہمیشہ بچ کر آ جاتے ہیں اور الٹا دشمن کو نقصان ہوتا ہے یا اس کے منصوبے ہمارے علم میں آ جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''بلکہ یہاں سے تو بہت بڑا فائدہ ہو گیا۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔

''کاش کہ پہلے پتا چل جاتا کہ وہ مرشد کے آدمی ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''ان کو جانے نہ دیتے مار کر وہیں ڈھیر کر دیتے۔''

''مرشد کے آدمی اس قابل بھی ہیں۔'' عبداللہ نے اس کی تائید کی حالانکہ وہ مار دھاڑ سے ذرا کترانے والا آدمی تھا۔ مگر مرشد اور اس کے گرگوں کے معاملے میں وسیم کا ہمنوا بن جاتا تھا۔ ایاز ابھی تک گاڑیوں کے چکر میں تھا۔ وہ ٹیکسلا چلا گیا تھا وسیم نے اسے بھی کال کر کے انفارم کر دیا تھا کہ کہیں وہ غلطی سے مکان کی طرف نہ چلا جائے۔ اب وہ کوٹھی کی طرف جاتا اس نے دونوں گاڑیاں فروخت کر دی تھیں اور دو گاڑیاں لے لی تھیں۔ اس کے ساتھ وسیم کا آدمی بھی تھا۔ وہ شام تک سارے معاملات نمٹا کر واپس آتا۔ وسیم ابھی تک جھنجھلایا ہوا تھا۔

''شہر میں رہنے میں یہ مسئلہ ہے حویلی اور اس سے پہلے فارم ہاؤس میں ہم نے کتنا عرصہ سکون سے گزارا۔ بلکہ فارم ہاؤس کو تو خود چھوڑ کر آئے تھے۔ کیونکہ وہ آبادی سے دور تھا۔''

''دور تو یہ بھی تھے بس قسمت کی بات ہے۔'' عبداللہ بولا۔

''یار عجیب ناشکرے ہو۔ دولت سے بھرا لاکر مل گیا ہے اب مزے سے جو جگہ چاہے خرید لو۔''

عبداللہ نے کہا۔ ''مری کے بارے میں کیا خیال ہے وہاں آدمی آرام سے سب کی نظروں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور جب ضرورت تو آسانی سے یہاں آ سکتا ہے۔''

''چلو اس طرف بھی دیکھتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن پہلے لاکر دیکھتے ہیں۔''

لاکر اوپر میرے کمرے میں رکھا تھا۔ رات زیادہ دیر سونے کا موقع نہیں ملا تھا اور اس وقت پیٹ بھر کر کھا لیا تھا اس لیے کچھ سستی آ رہی تھی میں بستر پر دراز ہو گیا اور وسیم عبداللہ کے ساتھ مل کر لاکر کھول کر بیٹھ گیا۔ لاکر خود بھی خاصا وزنی تھا۔ بہ قول عبداللہ کے ایک من سے کم نہیں تھا اور اتنا ہی اس کے اندر وزن تھا بڑی مشکل سے تین افراد اسے اوپر لے کر آئے تھے۔ عبداللہ ایک سفید پلاسٹک شیٹ لے آیا اور انہوں نے پہلے سونے کے زیورات نکال کر اس پر ڈھیر کیے۔ پھر نیچے سے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں۔ یہ ساری پانچ سو ہزار اور پانچ ہزار کی رقم تھی۔ اور گڈیوں کی تعداد ڈھائی تین سو سے کم نہیں تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ڈاکوؤں میں اتنا اتفاق کیسے ہو گیا کہ انہوں نے اپنی ساری دولت ایک جگہ رکھی تھی اور جگہ بھی سب کے علم میں تھی۔ یہ جتنی بڑی مالیت کا سونا اور رقم تھی ایسا لگ رہا تھا انہوں نے سب اسی لاکر میں چھپا دیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس ڈاکو نے سچ کہا تھا کہ انہوں نے جتنا کمایا تھا وہ سب اسی جگہ چھپا دیا تھا۔ یقیناً ڈاکوؤں میں ایکا تھا اور آپس میں اعتماد بھی تھا کہ کوئی دھوکا نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے گا۔

عبداللہ کے پاس حساس الیکٹرانک ترازو تھا۔ وہ ترازو اور کچھ نوک دار اوزار لے آیا۔ اس دوران میں کوٹھی کا منتظم شاہ جی کافی لے آیا تھا۔ عبداللہ نے اسے بھی کام پر لگا لیا۔ وہ زیورات کی ڈوریاں لگ کر رہا تھا۔ وسیم اور عبداللہ تکیے نکال خالی زیور ترازو پر رکھتے جا رہے تھے۔ میں دیکھ رہا تھا رفتہ رفتہ وزن بڑھ رہا تھا ایک کلو گرام پھر دو کلوگرام، پانچ کلوگرام، دس کلوگرام اور جب آخری زیور بھی اس پر رکھا تو کل وزن سترہ کلوگرام سے اوپر جا چکا تھا۔ شاہ جی ہیرا رتھا اس لیے کام ختم ہوتے ہی وہ رخصت ہو گیا۔ اس نے اتنے ڈھیر سارے سونے اور دولت میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ عبداللہ نے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ ایک حادثے میں اپنے بیوی بچوں کو گنوانے کے بعد دنیا سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ معمولی کھاتا اور پہنتا تھا اور اپنی تقریباً ساری تنخواہ راہِ خدا میں بانٹ دیتا تھا۔ وسیم نے کہا۔ ''لیں جناب سترہ کلوگرام گولڈ ہے۔''

''اس میں سے کھوٹ نکال دو تو شاید مشکل سے دس کلوگرام بچے گا۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے ہاں عام طور سے جو سونا بائیس کیرٹ کہہ کر بیچا جاتا ہے اس میں اصل سونا اٹھارہ کیرٹ ہوتا ہے۔ اگر اسے خالص کر لیا جائے تو یہ پچیس تیس فیصد کھوٹ ہو گا۔''

''کھوٹ کا پتا کیسے چلے گا؟''

''بہت آسانی سے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''ہم سونا پگھلا کر خالص حالت میں لے آئیں گے اور اس کے ڈلے بنا کر فروخت کر سکتے ہیں۔''

اس وقت سونا کوئی پینتالیس ہزار روپے کا دس گرام تھا یعنی پینتالیس لاکھ روپے کا ایک کلوگرام۔ وسیم نے حساب لگایا۔ ''اگر دس کلوگرام خالص نکل آیا تو صرف سونا ہی ساڑھے چار کروڑ روپے کا ہے۔''

''یہ رقم بھی میرے حساب سے تین کروڑ سے زیادہ کی ہے۔'' عبداللہ نے گڈیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''مرشد کا ایک اور تحفہ، ابھی تو اس کا پہلا مال بھی خرچ نہیں ہوا۔'' میں ہنسا۔ وسیم نے سر ہلایا۔

''لیکن اس میں سے بڑی تیزی سے خرچ ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اس کے بعد کیا کریں گے۔''

''آپ غیریت کی باتیں نہ کریں۔'' عبداللہ نے کسی قدر خفگی سے کہا۔ ''کیا میں نہیں ہوں۔''

''کیوں نہیں ہو یار.....'' میں نے اس کی دل جوئی کی۔ ''رقم کی تو بات ہی نہیں ہے اصل چیز تمہارا اور دوسرے لوگوں کا خلوص ہے۔''

وسیم نے اسے کھینچ کر سینے سے لگا۔ ''ناراض کیوں ہوتا ہے بھائی..... بس یہ دولت چیز ہی ایسی ہے کہ آدمی پاگر تھوڑا بہک جاتا ہے۔''

عبداللہ یاروں کا یار تھا وہ ناراض ہونے والا آدمی ہی نہیں تھا۔ اس لیے فوراً مان گیا۔ اس نے وسیم کے ساتھ مل کر گڈیاں گنی اور مالیت نکالی تو جواب تین کروڑ بارہ لاکھ آیا تھا۔ رقم والا سوٹ کیس بھی یہیں تھا۔ طے ہوا کہ اس کی رقم بھی لاکر میں منتقل کر دی جائے۔ کیونکہ سوٹ کیس ایسے ہی پڑا رہتا تھا۔ اگرچہ عبداللہ اور وسیم کے تمام آدمی قابلِ بھروسہ تھے لیکن کسی کے ایمان کی آزمائش کیوں کی جائے؟ اس لیے سوٹ کیس کی رقم بھی اسی میں منتقل کر دی گئی اور لاکر کو کمرے کے کونے میں دیوار کے ساتھ سیٹ کر دیا گیا۔ کافی پی کر نیند اڑ گئی تھی۔ اس لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نیچے آ گیا۔ عبداللہ نے بھی آدمیوں کی چھانٹی کی تھی۔ اس لیے اب صرف تین ملازم تھے اور اس کے علاوہ خاص آدمیوں کی تعداد چھ تھی۔ ڈنر کے دوران ایاز آ گیا تھا وہ کھانے میں شامل ہو گیا اور کھانے کے دوران اس نے رپورٹ دی۔

''ایک تقریباً نئے ماڈل کی ہیلکس ہے۔ مارکیٹ سے پچاس ہزار کم میں مل رہی تھی۔ دوسری پجارو ہے تین سال پرانی اور سیاہ شیشوں والی۔ اس کی بھی کنڈیشن بہت اچھی ہے۔ اس قسم کی گاڑیوں میں نقل و حرکت آسان ہوتی ہے کیونکہ پولیس یا چیکنگ کرنے والے کم روکتے ہیں۔''

ایاز پانچ لاکھ روپے لے کر گیا تھا اس نے اس میں سے بھی ڈیڑھ لاکھ بچا لیے تھے۔ ڈنر کے بعد وہ وسیم کے ساتھ چلا گیا کیونکہ وسیم نے اس سے مزید گاڑیوں کی بات کی تھی اور اگلے دن ان کو دوبارہ مارکیٹ جانا تھا۔ حویلی میں موجود بائیکس وہیں رہ گئی تھیں۔ نکلنے سے پہلے ان کی نمبر پلیٹیں اتار لی تھیں اور انجن اور چیسی نمبر ریتی سے گھس دیئے تھے ان کی مدد سے پولیس ہمارا سراغ نہیں لگا سکتی تھی۔ وسیم نے عارضی طور پر دو بائیک حاصل کی تھیں لیکن اسے اپنے رائڈر دستے کے لیے اچھی بائیکوں کی ضرورت تھی۔ وہ بہت کارآمد ثابت ہوتے تھے۔ خاص طور سے نگرانی اور خاص مشن کے لیے۔ ان کے لیے طاقتور اور بہترین بائیکس کی ضرورت تھی۔ پہلے بھی بائیکس ایاز نے لی تھیں۔

○.....❖.....○

اگلے دن وسیم کے آدمیوں نے ڈاکوؤں کا ٹھکانہ کھوج لیا تھا۔ وہ درگاہ مرشدیہ کے پاس ہی ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے مگر ان کا ڈیرہ گاؤں میں نہیں تھا بلکہ گاؤں سے کسی قدر ہٹ کر تھا اور گاؤں والے ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ ان میں سے پانچ چھ تو آس پاس کے رہنے والے تھے اور دو اسی گاؤں کے تھے۔ سب جانتے تھے کہ وہ مرشد کے خاص آدمی ہیں اس لیے سب ان سے ڈرتے تھے پولیس والے بھی انہیں جھک کر سلام کرتے تھے۔ انہوں نے بیشمار وارداتیں کی تھیں اور اس دوران میں انہوں نے کئی افراد کو قتل بھی کیا تھا۔ مگر ان کے خلاف کبھی ایف آئی آر نہیں کٹی۔ اگر کسی نے کوشش کی تو نہ صرف اسے منہ کی کھانی پڑی تھی بلکہ پولیس نے الٹا اسے اندر کر دیا تھا۔ اب لوگ ڈرتے تھے اور ان کے سامنے آنے سے گریز کرتے تھے۔ ظاہر ہے مرشد کی اندھیر نگری میں سارا راج ہی چوپٹ تھا۔

یہ معلومات تشویش ناک تھیں۔ وہ مرشد کے بہت قریبی لوگ تھے اور پولیس بھی ان کی ہمنوا تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ مالک مکان رگڑے میں آیا ہوگا اور اس سے ہمارے بارے میں پوچھ گچھ کی گئی ہوگی۔ وسیم اور اس کے آدمی ہوشیار تھے۔ عبداللہ نے اسٹیٹ ایجنٹ سے بات کر لی تھی کہ اگر کوئی اس کے پاس ہمارے بارے میں پوچھتا ہوا آئے تو اسے صاف انکار کر دینا ہوگا۔ اس نے عبداللہ کو یقین دلایا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ وسیم اس کے باوجود مطمئن نہیں تھا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ شہری آبادی سے دور ہی کہیں ٹھکانہ بنائے گا اور اس مقصد کے لیے اس نے تلاش شروع کر دی تھی۔ جب سے جیدا اینڈ کو کا مرشد سے تعلق سامنے آیا تھا تب سے وسیم زیادہ فکرمند تھا۔ اس لیے بھی کہ جیدا اور اس کے ساتھی اپنی دولت کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا کر ہمیں تلاش کر سکتے تھے اور ان سے دور رہنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ ہم خاصی حد تک محفوظ تھے لیکن وسیم کو مالک مکان کے بارے میں فکر تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حویلی میں مانی اور بیتو سے بات ہوئی۔ وہ اب اداس تھے اور واپس آنا چاہتے تھے۔ جب کہ سویرا کہہ رہی ہے کہ ان لوگوں کا یہاں بہت دل لگا ہے اور سادی کا کہنا تھا کہ مانی کا کچھ زیادہ ہی لگ گیا ہے۔ بیتو نے کہا۔

''شوبی ہم کو یہاں بہت مزہ آیا ہے..... آپ کا بابا صاحب بہت اچھا ہے۔ انہوں نے ہم کو بیٹا بنالیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اب میں حویلی میں رہوں گا۔''

''صرف بابا اچھے لگے، ماں جی، آپا شمی اور سویرا بھی تو ہیں۔''

''سب بہت اچھا ہے۔ ماں جی اور سویرا آپ کے بارے میں بہت پوچھتا ہے۔''

''تو رہو وہاں اور مزے کرو، اتنا دیدی لوگ مل گیا ہے اور سب پکانے کا ماہر ہے۔'' وسیم نے اسے چھیڑا۔

''یہاں سارے بے دید ہیں اور کھانا جانتا ہیں پکانا نہیں..... اب تو سفیر بھی حویلی میں رہے گا۔''

''نہیں اب ہم واپس آئے گا بہت دن سے آپ لوگوں سے دور ہے۔'' بیتو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''اچھا دیکھتے ہیں۔'' میں نے اسے ٹالا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ ابھی وہ اور مانی حویلی میں رہیں۔ پھر مانی سے بات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ اس دوران میں اس نے نہ صرف حویلی کی پوری طرح الیکٹرانک سیکورٹی کر دی ہے بلکہ بابا اور وہاں موجود افراد کو آلات کے استعمال کی تربیت بھی دی ہے۔

''شوبی بھائی اب ہم واپس آجائیں؟'' مانی نے بھی کہا تو مجھے حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ سعدیہ کے مطابق اس کا دل لگ گیا تھا۔

''کیوں برخوردار اطلاعات تو کچھ اور ہیں کہ تمہارا واپسی کا ارادہ نہیں ہے۔''

''وہ سادی باجی ہیں نا۔'' مانی جھینپ گیا۔ ''قسم سے سفیر بھائی کا دوسرا ایڈیشن ہیں۔ وہاں انہوں نے جینا حرام کیا ہوا تھا اور یہاں یہ بھی ہیں اس لیے تو میں واپس آنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ابھی حالات مناسب نہیں ہیں۔ ٹھکانے کم ہیں جیسے ہی کوئی مناسب جگہ ملی اور وہاں سیٹ اپ کیا تمہیں بلالیں گے۔''

''کوئی بات نہیں جہاں آپ ہیں وہاں ہم بھی رہ لیں گے۔''

''اتنی عجلت نہیں کرو۔ ابھی آرام سے وہاں رہو۔'' میں نے کہا۔ میں سمجھ رہا تھا شازیہ میں دلچسپی اپنی جگہ لیکن مانی شہر کا رہنے والا تھا اور شہر میں رہنے والوں کے لیے ایک حد سے زیادہ گاؤں میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چاہے وہاں ان کو کتنا ہی آرام کیوں نہ مل رہا۔ ان سے بات کرنے کا مقصد بھی ان کو روکنا تھا۔ ابھی یہاں ان کی ضرورت نہیں تھی اور وہ چین سے بیٹھنے والے بھی نہیں تھے۔ ان دونوں کو باہر کے کھانوں کا چسکا تھا زیادہ باہر گھومنا یا غیر متعلقہ افراد کی آمد و رفت خطرے سے خالی نہیں تھی۔ فارم ہاؤس میں صبح شام کھانے کی چیزیں ڈلیور کرنے والے آرہے ہوتے تھے۔ وہ جی ٹی روڈ پر ایک ایسی جگہ تھا جہاں آس پاس کوئی گھر بھی نہیں تھا لیکن یہ عین شہر تھا اور یہاں اس قسم کی آمد و رفت ٹھیک نہیں تھی۔

دوسرے مجھے یقین تھا کہ مرشد کے آدمی حویلی کے آس پاس ہوں گے۔ بے شک وہ حویلی میں گھس نہیں سکتے تھے لیکن دور سے نگرانی تو کی جا سکتی تھی۔ مرشد کے لیے مقامی طور پر آدمیوں کا حصول مشکل نہیں تھا کیونکہ وہ جس پارٹی میں ہماری طرف سے اسی کا ایم این اے منتخب ہوا تھا اور اس سے ایک بار میرا ٹاکرا بھی ہو چکا تھا۔ مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے بعد میں عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے بات کو بڑھانے سے گریز کیا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میرا تعلق کس خاندان سے ہے اور علاقے میں ہماری ایک حیثیت تھی۔ وہ مجھے چھیڑ کر اپنے ووٹ بنک میں کمی نہیں کرانا چاہتا تھا اس لیے وہ معاملے کو پی گیا مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بھول گیا تھا۔ اب بھی وہ اگر ہمارے خلاف کچھ اس طرح کر سکتا کہ اس کا نام نہ آئے تو وہ ضرور کرتا۔ مرشد اس سے مدد لے سکتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ مانی اور بیتو یا کوئی بھی فرد حویلی سے بغیر حفاظت کے نکلے۔ جب مانی اور بیتو کو بلوانا ہوتا تو یہاں سے وسیم اپنے آدمیوں کو بھیج کر ان کی حفاظت کا بندوبست کر سکتا تھا۔ ان کا اکیلے آنا درست نہیں تھا اس لیے میں نے ان کو منع کر دیا۔ وسیم اپنے کام نمٹا لیتا تو ان کو لینے کے لیے آدمی بھیج سکتا تھا۔

فی الحال اس کے آدمی جیدا گروپ اور درگاہ مرشدیہ کی نگرانی کر رہے تھے۔ وسیم نے بائیکس حاصل کرنے کے بعد چار آدمی لگا دیئے تھے اور وہ بارہ بارہ گھنٹے کی شفٹ میں ڈیوٹی دے رہے تھے۔ ہمارے مکان چھوڑنے کے تیسرے دن رپورٹ آئی کہ جیدا کے آدمی کسی شخص کو اغوا کر کے اپنے گاؤں والے ڈیرے پر لائے ہیں۔ میرے ذہن میں فوراً خیال آیا تھا کہ کہیں وہ بے چارہ مالک مکان نہ ہو۔ اب وہ اس سے اپنے طریقے سے پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہوں گے۔ ظاہر ہے وہ کسی کے کہے پر اعتبار کرنے والے لوگ نہیں تھے۔ اگر وہ مالک مکان تھا تو اس کی عافیت خطرے میں تھی اور ہم اسے بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ صرف دعا کر سکتے تھے کہ وہ خیر خیریت سے رہے اگرچہ یہ ذرا مشکل ہی لگ رہا تھا۔ وسیم نے یقین سے بتایا تھا کہ مکان کا مالک اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اور صرف دو بار اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کا شناختی کارڈ جعلی تھا اور وسیم کی شیو بھی بڑھی ہوئی تھی۔ پھر اس نے سادہ شیشوں والی عینک لگائی تھی۔ وہ وسیم کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا تھا کہ مکان کس کو دیا تھا۔ شام کو وسیم آیا تو پریشان لگ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''کیا ہوا فکر مند لگ رہے ہو؟''

''شہباز میں نے تصدیق کر لی ہے جیدا کے آدمیوں نے مالک مکان کو اٹھا لیا ہے۔ مجھے خطرہ ہے وہ تشدد کر کے اسے مار نہ دیں۔''

''ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

''ہم کر سکتے ہیں لیکن کیونکہ اس سے ہمارا براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے کرنا نہیں چاہتے ہیں۔'' وسیم نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''شہباز صاحب میرا ضمیر مطمئن نہیں ہے وہ عام آدمی ہے اور بیوی بچوں والا ہے اس کی تین بیٹیاں ہیں جو اپنے باپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ جب میں اس سے مکان کی بات کر رہا تھا تو مستقل ان کے فون آ رہے تھے۔''

وسیم بہت مضطرب لگ رہا تھا میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''اگر تم چاہتے ہو تو ہم اسے بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں لیکن کیا یہ اس کے ساتھ مزید دشمنی نہیں ہو گی۔ فرض کرو ہم اسے ابھی چھڑا لیتے ہیں لیکن بعد میں اسے کون بچائے گا۔ یہ تو ایک طرح تصدیق کرنے والی بات ہو گی کہ اس کا ہم سے تعلق ہے۔''

''یہ سب بعد کی بات ہے شہباز صاحب میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ بہت سفاک لوگ ہیں اور پھر ان کی اتنی بڑی دولت چھن گئی ہے اس کی واپسی کے لیے انہیں دس لوگوں کو قتل کرنا پڑے تو وہ یہ بھی کر سکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔"

"یعنی ہمیں ایکشن کر کے اسے وہاں سے نکالنا ہوگا؟"

"بالکل اور یہ مرشد کے لیے ایک دھچکا بھی ہوگا اسے اپنے اہم بندوں سے محروم ہونا پڑے۔"

میں نے سوچا۔"اگر یہ مرشد کے خاص آدمی ہوئے تو یقیناً اس کے لیے دھچکا ہوگا ورنہ اسے آدمیوں کی پروا نہیں ہوتی ہے۔"

"اگر یہ اس کے خاص آدمی نہ ہوئے تو اور اچھی بات ہے۔" وسیم نے کہا۔"اس طرح اس کا شک ہماری طرف نہیں جائے گا۔ ہمیں اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ کہ اس کی مدد کیسے کرنی ہے؟"

"اسے وہاں سے نکالنا ہے اور ان لوگوں کو ٹھکانا لگانا ہے۔" وسیم نے کہا۔"یہ کام آج رات کرنا ہے ورنہ شاید کل تک وہ زندہ نہ رہے۔"

"میں بھی چلوں گا۔"

"نہیں میرا خیال ہے میں اور ایاز چار بندوں کے ہمراہ آرام سے یہ کام کر لیں گے۔"

"مجھے پانچواں شمار کر لو۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

وسیم کو مجبوراً راضی ہونا پڑا تھا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ ہم نصف رات کو وہاں پہنچیں گے اور پھر موقع دیکھ کر کارروائی کریں گے۔ وسیم نے مکان دیکھا ہوا تھا۔ اس نے کاغذ پر خاکہ بنا کر دکھایا۔"یہ احاطہ ہے..... سمجھ لیں کہ کوئی سو فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے۔ تین طرف کھیت ہیں اور چوتھی طرف ایک جوہڑ ہے جس میں بھینسیں نہاتی ہیں اور گاؤں کا گندہ پانی اسی میں آ کر گرتا ہے۔ جوہڑ کے ساتھ سفیدے اور بیری کے درختوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا جھنڈ ہے۔ یہ جھنڈ ہمارے کام آ سکتا ہے کیونکہ بعض درختوں کی شاخیں احاطے کی دیوار تک چلی گئی ہیں۔"

"اندر کی کیا صورتِ حال ہے؟" میں نے خاکے پر غور کیا۔

وسیم نے درختوں والی دیوار کے ساتھ کمرے بناتے ہوئے کہا۔"اس طرف کمروں کی قطار ہے، پھر اس سے مخالف سمت میں دوسری قطار ہے۔ لمبائی بتاتی ہے کہ کمرے اچھے خاصے ہیں۔ پھر اس سمت میں لائن سے شاید لیٹرین، غسل خانہ اور کچن کا چھپر ہے۔ اس میں تندور بھی لگا ہے۔"

"ملازم بھی ہیں وہاں؟"

"ہاں دن میں دو افراد آتے ہیں اسی گاؤں کے ہیں۔ وہ شاید کھانے پکانے اور صفائی ستھرائی کا کام کرتے ہیں۔ وہ صبح سویرے آتے ہیں اور سات بجے تک چلے جاتے ہیں۔"

"ان کے علاوہ کوئی مستقل آتا جاتا ہو؟"

"دو دن پہلے دو عورتیں آئی تھیں اور ان کا تعلق یقیناً اس بازار سے تھا۔ وہ رات بھر وہاں رہیں اور صبح گئی تھیں۔"

عبداللہ کو پتا چلا تو اس نے مخالفت کی۔"یہ تو آخیل مجھے مار کہنے والی بات ہوگی۔"

"نہیں ہوگی یار اور پھر امید ہے کہ کام صفائی سے ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔"ویسے بھی ان کا تعلق مرشد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ہے اس لیے ہم بیل کو مارنے جا رہے ہیں۔"

عبداللہ چپ ہو گیا۔ "آپ کی مرضی مگر صرف ایک بندے کی خاطر....."

"یار وہ ایک بندہ نہیں ہے۔" وسیم نے تیز لہجے میں کہا۔ "اس نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے مکان میرے حوالے کیا اور اب وہ مصیبت میں ہے تو میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ ہم نے اسے نہیں بتایا کہ ہم کون ہیں اور ہماری دشمنی کیسے لوگوں سے ہے اب اس پر ہماری وجہ سے آفت آئی ہے تو ہم اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔"

عبداللہ راضی نہیں تھا مگر اس نے محسوس کیا کہ وسیم فیصلہ کر چکا ہے اس لیے وہ چپ ہو گیا۔ ایاز کوٹھی پر تھا۔ ہم شام کو ڈنر کے بعد نکلے تھے۔ عبداللہ نے ساتھ چلنے کے لیے اصرار کیا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ "تمہارا یہاں ہونا ضروری ہے۔ یہاں نادر بھی ہے اور بہت بڑی رقم بھی۔"

"ٹھیک ہے۔" عبداللہ نے سر ہلایا۔ "لیکن مجھ سے رابطہ رکھیے گا۔ کوئی بھی مشکل ہوئی تو میں آدھے گھنٹے میں آ جاؤں گا۔"

"یہ ٹھیک ہے تم بیک اَپ تیار رکھنا ہم روانہ ہونے سے پہلے تمہیں اطلاع کر دیں گے۔" وسیم نے اس سے کہا لیکن اس وقت ہمیں خیال نہیں آیا کہ جیدا کے ٹھکانے کے آس پاس موبائل سگنل نہیں تھے۔

کوٹھی پر خاصی گہما گہمی تھی۔ کمیونیکیشن وین اور ایاز کی لائی نئی گاڑیاں آ چکی تھیں اور ان کے ساتھ چند لوگوں میں خاصا سامان بھی کوٹھی میں لایا گیا تھا۔ ایک کمرے کو تفریحی لاؤنج میں بدل دیا گیا تھا وہاں ٹی وی اور اے ریسیور تھا۔ کئی طرح کے انڈور کھیلوں کا سامان تھا۔ ڈرائنگ روم سونے کا کمرہ تھا جہاں وال ٹو وال کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ تکیے اور گاؤ تکیے تھے۔ وسیم کا بیڈ روم اوپر تھا اس میں بھی قالین تھا۔ دوسرا بیڈ روم ایاز کے حصے میں آیا تھا۔ وسیم نے پہلے ہی اپنے آدمیوں کو تیار ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ وہ تیار تھے اور اب اپنے اسلحے اور دوسرے آلات کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے تھے۔ سب نے چست سیاہ لباس پہن رکھے تھے اور سروں پر ایسی سیاہ ٹوپیاں تھیں جنہیں کھینچا جاتا تو وہ چہرے پر نقاب بن جاتیں۔ میں نے اور وسیم نے بھی ایسا ہی لباس پہنا۔ میں نے رات کی مہم کے لحاظ سے ہلکا ڈنر کیا تھا۔ پھر گرین ٹی لی تھی۔ اس سے ذہن چاک و چوبند رہتا۔ وسیم سوچ رہا تھا میں نے پوچھا۔ "لائن آف ایکشن کیا ہو گا؟"

"احاطہ بہت بڑا ہے اور کمرے بھی زیادہ ہیں اس لیے گیس کا استعمال بے کار ہو گا۔ خاموشی سے اندر داخل ہونا ہو گا اور جو پہرے پر ہو اسے ٹھکانے لگانا ہو گا۔"

وسیم کا مطلب واضح تھا۔ میں نے ہچکچا کر کہا۔ "کیا یہ مناسب ہو گا؟"

"بالکل جناب ان لوگوں کا تعلق مرشد سے ہے اور خود ان کا کردار سامنے ہے۔ یہ ڈاکو ہیں اور انہوں نے صرف دولت مندوں کو نہیں غریبوں کو لوٹا ہے۔ کتنے افراد کو قتل کیا ہے۔"

ایاز بھی آ گیا تھا اس نے وسیم کی تائید کی۔ "میں اس قسم کے مجرموں کو اچھی طرح جانتا ہوں جناب..... وہ درندوں سے بدتر ہوتے ہیں۔ صرف مال نہیں لوٹتے اور جان ہی نہیں لیتے ہیں بلکہ جہاں جاتے ہیں وہاں عزتیں بھی لوٹ کر آتے ہیں۔ مال کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ جان پر بھی صبر آ جاتا ہے پر عزت کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ پورا گھر برباد کر دیتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے کہا۔ ''اس صورت میں ہم سب کے پاس بے آواز پستول ہونے چاہئیں۔ تاکہ شور نہ ہو۔''

''صرف پستول ہی نہیں رائفلوں پر بھی سائلنسر ہوگا۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''اس مشن کے لیے خاص طور سے چیک ساختہ ایوزی مشین گن نکلوائی ہیں۔ بہت شاندار ہتھیار ہے۔''

کچھ دیر بعد وسیم کا ایک آدمی ہمارا اسلحہ لے آیا۔ اس میں تین عدد سائلنسر لگے پستول اور تین عدد چھوٹی ایوزی گنیں تھیں۔ اسرائیل نے ان کی نقل تیار کی ہے جو مارکیٹ میں یوزی کے نام سے دستیاب ہے۔ ہر ہتھیار کے ساتھ دو عدد فاضل میگزین بھی تھے۔ آپس میں رابطے کے لیے مختصر سے ریڈیو تھے جو صرف کان پر فٹ آجاتے تھے۔ یہ وسیم نے حال ہی میں حاصل کیے تھے اس سے پہلے جو ہیڈ سیٹ تھے ان کا ریسیونگ سیٹ الگ سے جیب میں رکھنا پڑتا تھا۔ کیونکہ وہاں پر لائٹ تھی اس لیے نائٹ ویژن کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر احتیاطاً تیرا کی کے گلاسز جیسے نائٹ ویژن عینکیں سب کے پاس تھیں کہ کہیں تاریکی سے واسطہ پڑے تو ان سے کام چلائیں۔ مشن کے لیے وین کے بجائے ہیلکس اور موٹر سائیکلوں کا انتخاب کیا گیا تھا۔ دو بائیک سوار پہلے سے وہاں موجود تھے اور دو ہمارے ساتھ جاتے۔ ہیلکس میں میں، وسیم اور ایاز ہوتے۔ ڈرائیونگ ایاز کے سپرد تھی۔

بارہ بجے ہم کوٹھی سے نکلے۔ موسم کسی قدر سرد مگر خوشگوار تھا۔ امید تھی کہ اس موسم میں کوئی باہر سونے کی کوشش نہیں کرے گا لیکن ہم ہر صورتِ حال کے لیے تیار تھے۔ وسیم کا اندازہ تھا کہ وہاں آٹھ سے دس افراد سے سامنا ہوسکتا ہے۔ بارہ بجے کے بعد اگر پہرہ ہوا تو دو سے زیادہ افراد نہیں ہوں گے اور کیونکہ بہ ظاہر ان کو کسی سے خطرہ نہیں ہے اس لیے وہ بھی اتنے چوکس نہیں ہوں گے۔ ہم آسانی سے ان پر قابو پا سکتے تھے۔ ایک بار ہم اندر داخل ہو جاتے تو پھر ہمیں کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ بیس منٹ بعد ہم اس جگہ کے قریب تھے ایاز نے خاصی تیز ڈرائیونگ کی تھی۔ ورنہ کوئی اور ہوتا تو آدھے گھنٹہ لگتا۔ قریب آتے ہی وسیم نے اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ جو درگاہ مرشدیہ کی نگرانی کر رہا تھا وہ بھی اب جیدا گروپ کے ٹھکانے کے پاس آگیا تھا۔ ایک سامنے والی طرف تھا اور دوسرا عقب میں کھیتوں کے ساتھ ایک جھنڈ میں رُوپوش تھا اور وہیں سے نگرانی کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ ہیڈ سیٹ کی رینج میں نہیں تھے اس لیے وسیم ایک بزاریڈیو ساتھ لایا تھا۔ اس کی مدد سے دور موجود افراد سے بھی رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ ہیڈ سیٹ آپس میں سوگز کی رینج میں کام کرتے تھے۔ اس سے زیادہ رینج پر یہ کام نہیں کرتے تھے۔ تازہ ترین رپورٹ لے کر وسیم نے ہمیں بتایا۔ ''دو گھنٹے پہلے دو عورتیں آئی ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے اندر سب جاگ رہے ہوں گے؟'' میں نے تشویش سے کہا۔

''امکان یہی ہے۔'' وسیم معنی خیز انداز میں بولا۔ ''لیکن ان میں سے دو تین مصروف بھی ہوں گے۔''

ایاز ہنسا۔ ''باقی کو ہم مصروف کر دیں، جہنم کی طرف مارچ میں۔''

نگرانی کرنے والے اپنی جگہ رہتے۔ کام ہم پانچ افراد کو ہی کرنا تھا۔ ہیلکس اور بائیکس ایسی جگہ چھوڑیں جہاں ہم آسانی سے واپس آسکتے تھے۔ عین ممکن تھا ہمیں عجلت میں فرار ہونا پڑتا۔ ایاز کے لیے فیصلہ ہوا کہ وہ باہر رہے گا اس نے احتجاج کیا۔ ''باہر کیوں؟''

''تاکہ ہماری طرف سے سگنل ملتے ہی ہیلکس احاطے کے پاس لاسکو ہمیں ایک بندے کو بھی لے کر جانا ہے اور امکان ہے وہ اپنے پیروں پر چلنے کے قابل نہیں ہوگا۔'' وسیم نے سمجھایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''او کے باس۔'' ایاز نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں سوچ رہا تھا بہت دنوں بعد کچھ شغل رہے گا۔''

''ممکن ہے تمہاری مدد کی ضرورت پڑ جائے۔'' وسیم نے کہا۔ ''مگر تمہارا اصل کام ڈرائیونگ ہے کسی بھی ہنگامی صورتِ حال میں ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

''کوئی اور یہ کام اتنی اچھی طرح نہیں کر سکتا ہے۔'' میں نے کہا اور ہم سب نیچے اتر آئے۔ طے ہو گیا تھا کہ میں، وسیم اور اس کے دو آدمی درختوں کی مدد سے اندر اتریں گے اور پھر موقع محل دیکھ کر کارروائی کریں گے۔ جوہڑ کے پاس سے گزرتے ۔ ۔ ئے درختوں تک آئے۔ بیری اور سفیدے کے درخت آپس میں اس طرح مل گئے تھے جیسے ایک دوسرے کو سہارا دے رہے ہوں۔ بیری پر چڑھنا ممکن نہیں تھا ورنہ ہم سب خراشوں کے ساتھ دوسری طرف اترتے۔ اس کے لیے سفیدے کا درخت ہی مناسب تھا۔ ایک سفیدہ دیوار سے کوئی پانچ فٹ کے فاصلے پر لگا تھا لیکن اس کا ایک دو شاخہ دیوار کے نزدیک گیا تھا۔ یہ کچی مٹی کی مدد سے بنائی کوئی نو دس فٹ اونچی اور شاید فٹ بھر موٹی دیوار تھی۔ وسیم نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور وہ اوپر چڑھ گیا اس نے دیوار کے نزدیک جا کر ایک رسی باندھ کر نیچے لٹکائی اور دوسرا آدمی رسی کی مدد سے اوپر گیا۔ اس نے اندر جھانکا اور آہستہ سے بولا۔

''اس طرف کوئی نہیں ہے یہ کمروں کے پیچھے خالی جگہ ہے۔''

''نیچے اتر جاؤ۔'' وسیم نے اسے حکم دیا۔ وہ نیچے اتر گیا۔ درخت پر موجود ساتھی نے رسی واپس کھینچ کر ہماری طرف پھینکی اس بار میں گیا میرے بعد وسیم بھی نیچے آ گیا۔ البتہ درخت پر موجود ساتھی کو وہیں چھوڑ دیا۔ جو ہمارے ساتھ اندر آیا تھا اس کا نام حبیب تھا۔ یہاں اندھیرا تھا مگر سامنے والی طرف سے اتنی روشنی آ رہی تھی کہ کام چل رہا تھا۔ کھڑکیوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس طرف چار کمرے تھے۔ یہ ساری پرانی طرز کی گول سلاخوں اور لکڑی کے پٹوں والی کھڑکیاں تھیں اور خوش قسمتی سے تمام کھڑکیاں بند تھیں۔ ورنہ کوئی جھانک کر دیکھتا تو ہم صاف دکھائی دیتے اور فوراً ہی وہ ہمارے استقبال کو دوڑتے۔ وسیم نے اشارے سے مجھے پیچھے کی طرف جانے کو کہا اور خود اپنے ساتھی کے ہمراہ اگلے حصے کی طرف بڑھا۔ میں پیچھے جانے لگا اور جب کسی کھڑکی کے پاس سے گزرتا تو نیچے بیٹھ جاتا کوئی اتفاقاً بھی کھڑکی کھول سکتا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ میں ایک کھڑکی کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اچانک وہ کھلی اور کسی نے کھنکار کر بلغم تھوکا۔ میں دیوار کے ساتھ چپک گیا۔ شکر ہے کہ بلغم مجھ پر نہیں گرا۔

''او..... جلدی آنا..... ابھی دوسروں کو بھی بھگتانا ہے۔'' ایک بوجھل نسوانی آواز نے بتایا کہ اس کمرے میں کیا ہو رہا تھا۔ آدمی نے کھڑکی بند کی اور واپس چلا گیا۔ میں آگے سرکا اور عقبی حصے کی طرف جا نکلا۔ دیوار کے کونے سے جھانک کر دیکھا۔ اس طرف کچھ آگے لیٹرین، غسل خانہ اور اس سے آگے باورچی خانے کا چھپرا تھا۔ کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔

''وسیم اس طرف کوئی نہیں ہے۔''

''سامنے گیٹ کے ساتھ دو بندے بیٹھے ہیں۔'' وسیم نے آگاہ کیا۔ ''پی رہے ہیں مگر یہاں سے فاصلہ زیادہ ہے گولی درست جگہ نہیں لگی تو دوسرے ہوشیار ہو سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے میں ان کو اس طرف بلاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں لیٹرین کی چھت پر کنکر پھینکوں گا۔''

میں نے زمین سے ایک چھوٹا سا کنکر لیا۔ میرا مقصد آواز ان دونوں تک پہنچانا تھا اگر بڑا کنکر لیتا تو آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر کمروں میں بھی جا سکتی تھی۔ لیٹرین اور غسل خانے کی چھت ٹین کی تھی اور جب کنکر اس پر گرا تو آواز میری توقع سے بلند آئی تھی۔ وسیم نے اطلاع دی۔ ''انہوں نے سن لی ہے اور اب ایک اس طرف جا رہا ہے۔ جیسے ہی وہ لیٹرین والے حصے میں آئے آپ اس کا کام تمام کر دیں۔ یہ کام ایک ساتھ کرنا ہے۔''

''اوکے۔'' میں نے جواب دیا اور سائلنسر لگا پستول نکال لیا اور اس طرف آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کچھ دیر بعد نمودار ہوا۔ اس کے شانے پر سیون ایم ایم رائفل لٹک رہی تھی اور وہ متجسس نظروں سے لیٹرین اور غسل خانے کی طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے پوچھا۔

''اوئے اندر کون ہے؟''

میں نے اس کے سر کا نشانہ لیا اور وسیم سے کہا۔ ''ریڈی ٹو شوٹ۔''

''میں بھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تین تک گنوں گا..... ایک..... دو تین۔''

اس کے تین کہتے ہی میں نے گولی چلا دی۔ تقریباً تیس فٹ کے فاصلے سے یہ ذرا مشکل نشانہ تھا مگر گولی ٹھیک جگہ لگی اور وہ بغیر آواز نکالے گر گیا۔ آواز اس کی رائفل کے گرنے سے آئی تھی لیکن یہ اتنی نہیں تھی کہ اندر موجود افراد سن کر چونک جاتے۔ اگر کسی نے سنا بھی تھا تو توجہ نہیں دی۔ میں دوڑا اور اپنے شکار کو کھینچ کر عقبی گلی میں لے آیا تقریباً اسی وقت وسیم نے بھی یہی کام کیا۔ اس کا شکار بھی خاموشی سے مر گیا تھا۔ وسیم نے کہا۔ ''آؤ صحن تک آئیں جب تک ہم کمروں کو کلیئر کرتے ہیں۔''

میں دیوار کے ساتھ لگا ہوا صحن تک آیا وسیم اور اس کے ساتھی پہلے کمرے کے دروازے کے سامنے تھے وسیم نے آہستہ سے اسے کھولنے کی کوشش کی اور وہ کھل گیا۔ وہ یک دم اندر گیا تو میرا دل ایک لمحے کو رک گیا اندر کوئی ہوتا تو وہ وسیم پر گولی چلا سکتا تھا مگر پھر اس نے کہا۔ ''کلیئر۔''

''تیسرے کمرے میں ایک مرد اور ایک عورت ہیں۔'' میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''تب اس کمرے کو نہیں دیکھنا ہے۔'' وسیم نے جواب دیا اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ ''اسے کہ دوسرے کمرے میں رکھا گیا ہوگا۔''

دوسرا کمرہ بھی خالی تھا اور اس کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اب آخری کمرہ رہ گیا تھا۔ وسیم اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک طرف سے میں اور دوسری طرف سے وسیم کا آدمی اسے تحفظ دے رہے تھے۔ ابھی وہ اس کے دروازے تک پہنچا تھا کہ اچانک سامنے والی لائن سے ایک کھڑکی سے رائفل کی نال باہر نکلی اور اس سے پہلے کہ میں وسیم کو خبردار کرتا نال شعلے اگلنے لگی تھی۔ میں نے رائفل اتاری اور کھڑکی کی طرف برسٹ مارا فوراً ہی رائفل غائب ہو گئی تھی لیکن اس سے پہلے وہ دس بارہ گولیاں چلا چکی تھی۔ میں نے وسیم کو پکارا۔ کیونکہ اب میں دیوار اوٹ میں تھا۔ اس نے بھنچی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''میں ٹھیک ہوں۔''

مگر وہ ٹھیک نہیں تھا میں نے جھانک کر دیکھا تو وہ کمرے کے دروازے کے عین سامنے ڈھیر دکھائی دیا تھا۔ میری رائفل بے آواز تھی لیکن دوسری رائفل کے شور نے سب کو ہوشیار کر دیا تھا۔ اب سب اندر ہی اندر رہے تھے اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ کیا ہوا ہے لیکن کوئی کمرے سے باہر آنے کو تیار نہیں تھا۔ سب گھاگ جرائم پیشہ تھے۔ ہنگامی حالات میں بھی اپنے اعصاب قابو میں رکھتے تھے۔ میں نے حفظ ماتقدم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمروں کی طرف ایک برسٹ چلایا اور وسیم کی طرف دوڑا۔ وہ دیوار سے ٹکا بیٹھا تھا اور اس کی دائیں ران سے خون بہہ رہا تھا۔ اس دوران میں اندر موجود افراد نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ کسی نے شاٹ گن سے فائر کیا تو گولی اس کمرے کے دروازے پر لگی جس کے ساتھ وسیم بیٹھا ہوا تھا۔ گولی نے دروازہ میں سوراخ کر دیا اور مجھے فوری خیال آیا۔ دروازہ کے باہر تالا پڑا تھا میں نے پستول سے کنڈی کے آس پاس کئی فائر کیے اور بالآخر وہ ٹوٹ گئی۔ میں نے دروازہ اندر دھکیلا اور وسیم کی جیکٹ کا کالر تھام کر اسے گھسیٹ کر اندر لے آیا۔ دیوار کی آڑ میں آ کر ہم کسی قدر محفوظ ہو گئے تھے۔ اس دوران میں حبیب دیوار کی آڑ سے سامنے والے کمروں کی طرف فائرنگ کر رہا تھا۔ اس سے بھی ہماری پچت ہوئی ورنہ ہم سامنے تھے اور ہمیں آرام سے شوٹ کیا جا سکتا تھا۔

ایاز بار بار پوچھ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے میں نے اندر آ کر اسے بتایا۔ ''ہم ٹریپ ہو گئے ہیں۔ میں اور وسیم ایک کمرے میں ہیں۔ وسیم زخمی ہے۔''

اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ ہم کمرے میں اکیلے نہیں تھے وہاں ایک کونے میں کوئی شخص بیٹھا تھا کیونکہ اندر روشنی نہیں تھی اس لیے اندر آتے ہی احساس نہیں ہوا تھا۔ میں نے پستول کا رخ اس کی طرف کیا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''مجھے مت مارو میں ان کا ساتھی نہیں قیدی ہوں۔''

''یہ مالک مکان ہے۔'' وسیم نے آہستہ سے کہا۔

اس کی طرف سے اطمینان کے بعد میں نے ایاز سے کہا۔ ''ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا لیکن کوئی اندھا قدم مت اٹھانا۔ ابھی دشمن کی طاقت کا درست اندازہ نہیں ہے۔''

وسیم نے حبیب سے پوچھا۔ ''تم کہاں ہو؟''

''میں گیٹ والی سمت ہوں۔''

''ٹھیک ہے وہیں رہو اور اگر کوئی خطرہ محسوس ہو تو واپس چلے جانا۔''

''نہیں۔'' ایاز کی آواز آئی۔ ''ہم آپ کو چھوڑ کر واپس نہیں جائیں گے۔''

میں نے وسیم کے زخم کا معائنہ کیا۔ گولی ران کے اندر تھی لیکن اس نے ہڈی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ میں نے خون روکنے کے لیے اپنا رومال کس کر زخم پر باندھ دیا۔ اس سے خون بہنے کی رفتار میں کسی قدر کمی آئی تھی لیکن وسیم کو طبی امداد کی ضرورت تھی۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ہم عجلت میں جس مہم کو آسان سمجھ کر آئے تھے وہ اتنی آسان بھی نہیں تھی۔ یہ یقیناً جلد بازی اور ناقص پلاننگ تھی جس کی وجہ سے ہم یہاں ٹریپ ہو گئے تھے اور باہر دشمن مورچہ بند تھا۔ اب وہ اتنی آسانی سے ہمیں یہاں سے نکلنے کی اجازت نہ دیتا۔ کمروں کی طرف سے رہ رہ کر پستول، شاٹ گن اور رائفل کا سنگل فائر ہو رہا تھا اور گولیاں دروازے میں سوراخ کرتی گزر رہی تھیں۔ دروازے کے عین سامنے کھڑکی تھی۔ میں پہلے فرش سے لگ کر دائیں طرف گیا کیونکہ یہ کمرہ آخر میں تھا اس لیے دروازے سے گزرنے والی گولیاں زیادہ تر بائیں طرف آ رہی تھیں۔ مالک مکان بھی اسی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ قریب آنے پر مجھے پتا چلا کہ اس کی حالت خراب تھی۔ وہ پھٹے ہوئے کپڑوں میں تھا اور یہ کپڑے جا بہ جا خون سے آلودہ تھے۔ نیم تاریکی میں اس کے چہرے کے زخموں کے نشانات دکھائی دے رہے تھے باقی جسم کا نہ جانے کیا حال تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''ہم تمہیں چھڑانے آئے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ چونکا۔ ''تم کون ہو؟''

''جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔'' میں نے کہا اور خطرہ مول لے کر کھڑکی کے پاس گیا۔ اس کے پٹ کھولے جو مستقل بند رہنے سے جام ہو گئے تھے اور خاصی مشکل سے کھلے۔ اس پر بھی خاصی موٹی سلاخیں تھیں اور انہیں توڑنا تقریباً ناممکن تھا۔ اسٹیل بلیڈ کی آری مل جاتی تب بھی ایک سلاخ کاٹنے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگ جاتا۔ جب کہ وہ بھی نہیں تھی۔ حبیب نے کہا۔ ''یہ لوگ کمروں کے پیچھے آ گئے ہیں اب دیوار کی اوٹ سے مجھ پر فائرنگ کر رہے ہیں۔''

''تم پیچھے گلی میں آ جاؤ۔'' وسیم نے اسے حکم دیا اور پھر ایاز سے پوچھا۔ ''تم کیا کر رہے ہو؟''

''میں اور اسماعیل دیوار کے ساتھ ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''ہم سامنے سے نہیں نکل سکتے ہیں اس کمرے کے پیچھے کھڑکی ہے۔ اگر کسی طریقے سے اس کی سلاخیں نکال دی جائیں تو ہم باہر نکل سکتے ہیں۔ ہم جس شخص کے لیے آئے تھے وہ بھی یہاں موجود ہے۔''

''میں کچھ کرتا ہوں۔'' ایاز نے کہا۔ ''آپ ان لوگوں کو روکیں اور صحن میں نہ آنے دیں۔''

میں نے کہا۔ ''اسماعیل سے کہو کہ وہ گلی کا دوسرا سرا سنبھال لے ورنہ وہ لیٹرین والی سمت سے گھوم کر اس طرف بھی آ سکتے ہیں۔''

اسماعیل اندر آ گیا تھا۔ میں واپس دروازے تک آیا۔ اس دوران میں ان لوگوں نے صحن میں جلنے والی تمام روشنیاں فائرنگ کر کے گل کر دی تھیں۔ اپنے کمروں کی روشنیاں وہ پہلے ہی بجھا چکے تھے۔ یہ ان کی احتیاطی تدبیر تھی لیکن ایک لحاظ سے انہوں نے ہمارا کام آسان کیا تھا۔ میں نے نائٹ ویژن نکال کر پہن لی۔ یقیناً ہمارے باقی ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔ فوراً ہی مجھے سامنے والے کمروں کے دروازوں اور کھڑکیوں کے ساتھ روشن ہیولے دکھائی دینے لگے۔ وہ چھپے ہوئے تھے لیکن کچھ کچھ نظر بھی آ رہے تھے اور یہ سامنے کے چاروں کمروں میں تھے۔ تشویشناک طور پر ان کی تعداد ہمارے اندازے سے زیادہ تھی۔ ان چار کمروں میں کم سے کم دس افراد تھے۔ جب کہ دو مارے گئے تھے اور دو ہمارے برابر والے کمرے میں محصور تھے۔ ان کی طرف سے ابھی تک کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ غیر مسلح تھے۔ وہ خاموش بیٹھ کر موقع کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے حبیب اور اسماعیل کو ان کے خطرے سے خبردار کیا۔ ''گیٹ سے تیسرے کمرے میں کم سے کم ایک جوڑا ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں اگر انہوں نے کوئی حرکت کی تو میں کمرے میں گرنیڈ ماروں گا۔'' حبیب نے کہا اس کے پاس گرنیڈ تھے۔

''نائٹ ویژن سے یہ دکھائی دے رہے ہیں۔ انہیں نشانہ بنانے کی کوشش کرو۔'' میں نے کہا

''شوٹ ٹو کل؟'' حبیب نے تصدیق چاہی۔

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' وسیم غرایا۔ ''کیا اس وقت ہم کوئی میچ کھیل رہے ہیں۔''

''سوری کمانڈر۔'' حبیب نے جلدی سے معذرت کی۔ اس دوران میں ہمیں نے سامنے والے کمرے میں موجود کھڑکی کے پٹ کے ساتھ لگے ہیولے کا نشانہ لیا اور ایوزی کا مختصر برسٹ مارا۔ یہ کارگر رہا کیونکہ دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف سے ایک چیخ سنائی دی اور ہیولہ غائب ہوگیا۔ وہ مرا نہیں تھا تب بھی زخمی ضرور ہوا تھا۔ میں دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ اگر دو عورتیں تھیں تو باقی ایک درجن مرد تھے اور ان میں سے دو مارے گئے تھے ایک زخمی تھا اور ایک برابر والے کمرے میں تھا گویا سامنے والے کمروں میں آٹھ مسلح افراد تھے اور یہ تعداد کم نہیں تھی۔ کیونکہ وہ سب چھٹے ہوئے جرائم پیشہ اور اسلحے کے استعمال سے اچھی طرح واقف تھے۔ فائرنگ سے پتا چل رہا تھا کہ ان کے پاس اسلحے اور ایمونیشن کی کمی بھی نہیں تھی۔ حبیب اور اسماعیل بھی نائٹ ویژن کی مدد سے انہیں نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ہماری طرف سے ایک کارگر فائر کے بعد وہ سب محتاط ہو گئے تھے اور اب محفوظ آڑ میں تھے۔

''جناب میں اندر آنا چاہتا ہوں۔'' ایاز کی آواز آئی۔ ''میں کچھ چیزیں لایا ہوں کھڑکی میں راستہ بنانے کے لیے۔''

میں نے پوچھا۔ ''باہر کون دیکھ رہا ہے۔''

''میں نے سمیر اور کریم کو بلا لیا ہے۔ ایک سامنے ہے اور دوسرا ہماری والی پوزیشن پر ہے۔''

''ٹھیک ہے آجاؤ لیکن محتاط رہنا..... گولیاں دروازے سے گزر کر کھڑکی تک آرہی ہیں۔''

''میں خیال رکھوں گا۔'' ایاز نے کہا اور ایک منٹ بعد کھڑکی کے سامنے نمودار ہوا۔ میں نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ تاکہ گولی اس طرف آئے تو پٹ سے گزر کر آئے۔ ایاز نے ایک بھاری ہتھوڑا اور چھینی اٹھا رکھی تھی۔ اس نے کونے والی سلاخ پر چھینی رکھ کر ہتھوڑے سے ضربیں لگانا شروع کیں۔ سلاخیں سیمنٹ کی چوکھٹ میں پیوست تھیں۔ اگر یہ لکڑی ہوتی تو کام آسان ہو جاتا۔ مگر سیمنٹ اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹتی۔ یہ پرانی دیوار تھی لیکن نہایت مضبوط تھی۔ میں ایاز کی جدوجہد دیکھنے کے بجائے سامنے نظر رکھنے کے لیے آگیا۔ اسماعیل اور حبیب کو بھی محتاط رہنے کو کہا۔ وسیم فی الحال کچھ نہیں کر سکتا تھا اس کا خون بہنا بند ہو گیا تھا اس لیے وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ یہاں موبائل سگنل نہیں تھے بلکہ ان کے لیے درگاہ مرشدیہ کے پاس جانا پڑتا تھا۔ حبیب اور اسماعیل کی موجودگی ضروری تھی۔ جب کہ کریم اور سمیر کا بھی اپنی جگہ رہنا ضروری تھا۔ لازمی بات تھی جس طرح ہم کسی سے رابطہ نہیں کر سکتے تھے اسی طرح جیدا اینڈ کمپنی کسی سے رابطہ کر کے مدد طلب نہیں کر سکتی اس کے لیے یہاں سے نکلنا ضروری تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے کریم سے کہا۔

''عقب کا خیال رکھنا کوئی دیوار پھلانگ کر فرار ہونے کی کوشش نہ کرے۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' کریم نے کہا اور اس طرف گیا اور فوراً ہی فائرنگ کی آواز آئی کریم نے بتایا۔ ''دو دیوار سے کودے تھے میں نے دونوں کو اڑا دیا ہے۔''

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ درگاہ مرشدیہ یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی شاید دو یا ڈھائی کلومیٹرز کے فاصلے پر تھی اور اگر وہ وہاں تک پہنچ جاتے تو مدد لانے میں چند منٹ بھی نہیں لگتے اور ہم گھیرے میں آجاتے۔ وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ کے ذہن میں بروقت خیال آیا۔''

''بس اچانک آگیا۔ تین اطراف ہم نے کور کر رکھی ہیں لیکن وہ عقب سے آسانی سے فرار ہو سکتے ہیں۔ بروقت خیال آگیا ورنہ وہ نکل جاتے تو دس منٹ کے اندر مدد لا سکتے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو افراد کے مارے جانے سے ان لوگوں کا حوصلہ پست ہوا تھا اور انہوں نے پھر کوشش نہیں کی بلکہ اس طرف بھی فائرنگ روک دی تھی اب سناٹے میں صرف ہتھوڑا چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ ایاز پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ اس کے باوجود دیوار ٹوٹنے کی رفتار سست تھی۔ دس منٹ بعد میں جائزہ لیا تو مشکل سے چند انچ گہرا سوراخ ہوا تھا اس رفتار سے کم سے کم دو سلاخیں نکالنے میں کئی گھنٹے لگ جاتے۔ وسیم نے کہا۔ ''ہمیں ہینڈ گرنیڈ استعمال کرنا پڑے گا۔''

''نہیں اس میں خطرہ ہے اس کمرے میں کوئی آڑ نہیں ہے۔'' میں نے تجویز رد کر دی۔ ''ہم انتظار کر سکتے ہیں۔ ایاز اب تم حبیب کو دے دو۔''

ایاز پسینے میں شرابور تھا اور اس کے ہاتھ سے ہتھوڑا پھسل رہا تھا۔ حبیب نے اس کی جگہ سنبھالی اور دیوار کاٹنے لگا۔ ایاز اس کی جگہ چلا گیا تھا۔ وسیم اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے جھول رہا تھا کبھی کبھی اس کا سر آگے ڈھلک جاتا تھا۔ مسلسل خون بہنے سے وہ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ یہاں کہیں پانی بھی نہیں تھا لیکن ایاز باہر سے آتے ہوئے پانی کی بوتل لے آیا اور میں نے وسیم کو پانی پلایا تھا۔ اس کے باوجود ہر گزرتے لمحے اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ میں نے زخم کا معائنہ کیا خون رس رہا تھا۔ رومال مکمل طور پر خون سے بھیگ گیا تھا۔ ایاز نے اپنا رومال دیا تھا میں نے وہ بھی زخم کے اوپر باندھ دیا۔ وسیم کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی اور اس کے لیے یہاں سے نکلنا لازمی تھا۔ حبیب زیادہ بہتر انداز میں کام کر رہا تھا۔ ایاز اسموکر تھا اس لیے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ حبیب کا اسٹیمنا اس سے بہتر تھا اس لیے وہ رکے اور تھکے بغیر مسلسل ہتھوڑا چلا رہا تھا اور اس نے پانچ منٹ میں ایک سلاخ نکال لی۔ اسے زور لگا کر الگ کیا اور پھر نیچے کھینچ کر الگ کر دیا۔ ہر سلاخ کے درمیان پانچ انچ کا فاصلہ تھا اور نصف انچ موٹی سلاخ تھی گویا اب گیارہ انچ کا خلا بن گیا تھا لیکن ہم اس سے نہیں گزر سکتے تھے۔ دوسری سلاخ نکالنا لازمی تھا۔ حبیب اب دوسری سلاخ کے نچلے حصے میں سیمنٹ کاٹ رہا تھا۔ اپنا کام نصف کر کے اس نے ہتھوڑا اور چھینی اسماعیل کو دے دیا اور خود اس کی جگہ سنبھال لی تھی۔ میں نے سمیر اور کریم سے گاؤں والوں کا ردعمل پوچھا۔ کریم نے کہا۔

''اس طرف مکمل خاموشی ہے بلکہ جن گھروں میں روشنیاں تھیں اب وہاں اندھیرا ہے۔''

اس کا مطلب تھا کہ گاؤں والے مداخلت نہیں کرتے۔ اس دوران میں مالک مکان بالکل خاموش بیٹھا تھا نیم تاریکی میں اس کے خدوخال واضح نہیں تھے۔ جب ہم اندر آئے تو وہ خوفزدہ ہوا تھا لیکن اب پُرسکون تھا۔ اب تک مجھے اس کا نام بھی نہیں معلوم تھا۔ حالانکہ وسیم نے متعدد بار اس کا ذکر کیا تھا لیکن ہر بار اسے مالک مکان ہی کہا تھا۔ اسماعیل نے زیادہ تیزی سے کام کیا اور دوسری سلاخ کی سیمنٹ چند منٹ بعد کاٹ دی تھی۔ یہ سلاخ زیادہ مضبوط تھی اس لیے میں نے بھی اسماعیل کی مدد کی اور بالآخر اسے موڑ کر نکالنے میں کامیاب رہے تھے۔ اب خلا تقریباً پونے دو فٹ کا تھا اور ہم کسی قدر کوشش کے بعد اس سے نکل سکتے تھے۔ ایاز نے کہا۔

''میں گاڑی لینے جا رہا ہوں۔ جب تک میں نہ آؤں آپ لوگ کمرے سے مت نکلئے گا۔''

میرا بھی یہی خیال تھا کیونکہ کمرے سے نکل جانے کی صورت میں دشمن کو موقع ملتا اور وہ صحن میں آ سکتا تھا۔ یہاں سے نکلنے کے لیے اسے کمروں میں رکھنا ضروری تھا۔ میں نے کھڑکی سے باہر نکل کر تجربہ کیا۔ میں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مالک مکان اس سے آسانی سے نکل سکتے تھے جب کہ تقریباً بے ہوش وسیم کو مشکل پیش آتی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ نو دس فٹ اونچی دیوار پر کیسے چڑھے گا عام حالات ہوتے تو شاید چڑھ بھی جاتا لیکن پیچھے دشمن تھے اور یہ بات یقینی تھی کہ وہ ہمارے پیچھے آتے۔ اس پر مجھے خیال آیا اور میں نے حبیب سے کہا۔ ''احاطے میں موجود گاڑیوں کے ٹائر اڑا دو۔''

اس نے احاطے میں کھڑی ایک جیپ اور ایک پک اپ کے ٹائر اڑا دیئے اور اب وہ آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں کر سکتے تھے۔ جو خیال مجھے آیا تھا وہی ایاز کو بھی آیا وہ چند منٹ میں ہیلکس لے آیا تھا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''وسیم کیسے آئے گا۔ ہم کسی نہ کسی طرح دیوار پار تو کرا لیں گے لیکن اس میں پیچھے سے حملے کا خطرہ ہے۔''

''یہی بات میرے ذہن میں آئی تھی۔ اس کا کیا حل ہو سکتا ہے۔''

حبیب کے پاس گرنیڈ ہے وہ دیوار اڑا دے۔'' ایاز نے قابل عمل حل پیش کیا۔

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' میں خوش ہو گیا۔ ''امید ہے اتنا بڑا سوراخ ہو جائے گا کہ ہم اس سے با آسانی گزر سکیں گے لیکن تم لوگ ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔''

حبیب اور اسماعیل کمرے میں آ گئے اور حبیب نے گرنیڈ کی پن کھینچ کر اسے کچھ آگے دیوار کے پاس پھینکا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور دیوار کا یہ حصہ ہی زمین بوس ہو گیا۔ جب غبار اور دھواں چھٹا تو مجھے دیوار میں سوراخ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ پہلے میں اور مالک مکان باہر نکلے۔ پھر اسماعیل اور حبیب نے وسیم کو سہارا دے کر کھڑکی سے باہر نکالا اور پھر خود بھی نکل آئے۔ میں نے وسیم کو شانے پر اٹھا لیا اور ان دونوں سے کہا۔ ''مجھے کور دو..... کوئی راستے میں آئے تو اسے بے دریغ اڑا دینا۔''

مگر اپنے چار ساتھیوں کے مارے جانے کے بعد ان کی ہمتیں پست ہو گئی تھیں اور کوئی ہمارے راستے میں نہیں آیا حد یہ کہ تیسرے کمرے میں موجود جوڑے نے بھی دم سادھ لیا تھا۔ ہم بحفاظت سوراخ سے گزر کر باہر آ گئے۔ ایاز ہیلکس پاس ہی لے آیا تھا اس نے عقبی دروازہ کھولا ہوا تھا۔ میں وسیم کے ساتھ اندر گھس گیا۔ اسماعیل اور حبیب پیچھے کھلی جگہ چڑھ گئے۔ تاکہ کسی طرف سے مزاحمت ہو تو وہ فوری جواب دے سکیں۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایاز نے گاڑی چلا دی۔ میں نے کریم اور سمیر سے کہا۔ ''تم بھی پیچھے آؤ..... اگر کوئی تعاقب کرنے کی کوشش کرے تو اس کی گاڑی کو ناکارہ کر دینا۔''

ہم سڑک تک آئے تھے کہ درگاہ مرشدیہ والی سمت سے تیز روشنیاں نمودار ہوئیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کئی بڑی گاڑیاں آ رہی ہوں۔ میں نے ایاز سے کہا۔ ''جلدی نکلو میرا خیال ہے دشمنوں کو مدد آ گئی ہے۔''

مگر جب ایاز نے گاڑی کا رخ پنڈی کی طرف کیا تو سامنے سے بھی دو گاڑیاں نمودار ہوئی تھی۔ ہم دونوں طرف سے گھر گئے تھے۔

○.....❖.....○

سامنے سے نمودار ہونے والی دونوں گاڑیاں بڑی تھیں اور شروع میں مجھے لگا کہ انہوں نے راستہ روک کر سڑک بلاک کر دی ہے۔ مگر جب وہ نزدیک آئیں تو ان کے درمیان میں راستہ تھا۔ انہوں نے ہیلکس کو روکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کے دائیں بائیں سے گزرتی آگے چلی گئیں۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ کچھ آگے نکلتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی وہ ذرا گھوم کر رکیں اور پھر ایک گاڑی کی چھت سے پر ایک شخص ایل ایم جی سمیت نمودار ہوا۔ اس نے اس کا ٹرائی پوڈ چھت پر جماتے ہوئے اس کی نال کا رخ درگاہ مرشدیہ کی طرف سے آنے والی گاڑیوں کی طرف کیا اور پھر فائرنگ شروع کر دی۔ ان گاڑیوں کی روشنی میں وہ شخص صاف دکھائی دے رہا تھا۔ آنے والوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ ان کا استقبال اس طرح کیا جائے گا۔ ایل ایم جی والا گاڑیوں کے ٹائروں اور سامنے والے حصوں کو نشانہ بنا رہا تھا چند سیکنڈ میں سامنے والی بڑی جیپ کے اگلے دونوں ٹائرز برسٹ ہو چکے تھے اور وہ گھوم کر سڑک سے اتر گئی۔ اس کے پیچھے والی گاڑی تقریباً رک چکی تھی مگر وہ بھی ایل ایم جی کی خوفناک مار کے اندر تھی۔ اس کا حشر نشر ہو گیا اور اس میں موجود افراد اتر واپس بھاگے تھے۔ مشین گنر جان بوجھ کر صرف گاڑیوں کو نشانہ بنا رہا تھا اس نے کسی کو مارنے کی کوشش نہیں کی ورنہ ان میں سے کسی کا بچنا مشکل ہو جاتا۔ ایل ایم جی کی گولی ایک فٹ موٹی کنکریٹ سے گزر جاتی گاڑیوں کی پتلی شیٹ کی تو اس کے سامنے کوئی اوقات ہی نہیں تھی۔

تیسری گاڑی جو سب سے پیچھے تھی وہ پہلے ہی واپسی کے مڑ چکی تھی۔ کھیتوں میں اتر جانے والی گاڑی سے بھی لوگ نکل کر بھاگ رہے تھے کسی نے جوابی کارروائی کی کوشش نہیں کی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ ایک فائر کریں گے تو جواب میں گولیوں کی بارش ہوگی اور گولی بھی ایل ایم جی جو فولادی چادر سے بے تکلف گزر جاتی تھی انسانی جسم کی تو اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ دوسری گاڑی کی چھت پر بھی ایک اور ایل ایم جی بردار موجود تھا مگر اس نے کارروائی میں حصہ نہیں لیا تھا ایک ہی کافی ثابت ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ آنے والی گاڑیوں کا کوئی فرد زخمی نہیں ہوا تھا۔ یہ ان کی خوش قسمتی سے زیادہ ایل ایم جی استعمال کرنے والے کی مہارت تھی کہ اس نے صرف گاڑیوں کو ناکارہ کیا اور انہیں دہشت زدہ کیا تھا۔ ایاز نے اس دوران میں ہیلکس کو آگے بڑھا دیا تھا اور ہم ان دونوں گاڑیوں سے کوئی پانچ سو گز آگے نکل گئے تھے۔

اگرچہ یہ ایم ایل جی کی مار کے لحاظ سے دوری نہیں تھی مگر آنے والوں کا انداز دوستانہ تھا اگر وہ ہمارے دشمن ہوتے تو ہمارے پاس سے یوں نہ گزر جاتے اور ہمارے پیچھے آنے والے دشمنوں کے خلاف کارروائی نہ کرتے۔ ایک منٹ سے بھی پہلے میدان صاف ہو گیا اور دونوں گاڑیاں پلٹ کر واپس آئیں۔ ایک ہم سے آگے نکل گئی اور دوسری ہیلکس کے پاس رکی اور اس سے ایک عورت نکلی۔ حالات نے مجھے ہر حال میں پُرسکون رہنا سکھا دیا تھا اور مجھ پر سرپرائز ذرا کم اثر کرتے تھے لیکن اس وقت میں حیران ہوا تھا۔ وہ مہرو تھی۔ وہ بلا تکلف ایاز کے ساتھ والی سیٹ پر آ گئی اور بولی۔ ''اب نکلو، پیچھے کوئی نہیں آئے گا لیکن امکان ہے آگے پولیس نہ آ جائے۔''

''تم کہاں سے آن ٹپکیں؟''

''بس آ گئی۔'' اس نے کہا۔ ''اگلی گاڑی میں کرنل ہے۔''

میں ایک بار پھر حیران ہوا تھا۔ چند دن پہلے تک کرنل شدید زخمی حالت میں ایبٹ آباد کے ایک اسپتال میں پڑا ہوا تھا اور بہ ظاہر خود اپنی مدد کرنے کے قابل نہیں تھا مگر اس وقت جب ہمیں مدد کی ضرورت تھی وہ اچانک نمودار ہوا تھا۔ ''کرنل کی حالت کیسی ہے؟ اور تم لوگوں کو ہمارے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

''بتاتی ہوں۔'' مہرو نے کہا اور اپنی ہلکی سی ہاف جیکٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا واکی ٹاکی نکالا۔ ''سب ٹھیک ہے نا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آل کلیئر میڈم۔'' دوسری طرف سے کسی نے کہا۔ اس دوران میں مہرو کے ساتھ آنے والی دونوں گاڑیاں خاصی آگے نکل گئی تھیں۔ واکی ٹاکی رکھ کر اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور پھر چونکی۔

''وسیم کو کیا ہوا؟''

''اس کی ران میں گولی لگی ہے۔'' میں نے بتایا۔

''ہم پندرہ منٹ میں اپنے ٹھکانے پہنچ جائیں گے وہاں وسیم کو طبی مدد مل سکتی ہے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے ہمارا ٹھکانہ ہے اور زیادہ دور بھی نہیں ہے۔'' میں نے انکار تو نہیں کیا لیکن اس پر واضح کر دیا کہ ہم اس کے ساتھ اس کے کسی ٹھکانے پر نہیں جائیں گے۔ اس نے شانے اچکائے۔

''مرضی تمہاری لیکن ہم تمہارے اس ٹھکانے سے بے خبر نہیں ہیں درحقیقت اسی وجہ سے ہمیں تمہارے بارے میں پتا چلا اور جب تمہارے ساتھیوں سے پتا چلا کہ تم لوگ اس طرف آئے ہوئے ہو اور تم سے رابطہ بھی نہیں ہو رہا تو ہم وہاں سے چل پڑے تھے۔''

''ہمارے ٹھکانے کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

''کیونکہ اتفاق سے ہم اس جگہ کے پاس ہی رکے ہوئے ہیں۔'' مہرو بولی۔

''یہ لاؤ لشکر کہاں سے آیا؟''

''یہ کرنل کے خاص آدمی ہیں مگر یہیں موجود تھے۔ اگر یہ ساتھ ہوتے تو شاید کرنل زخمی نہ ہوتا۔''

''مجھے کچھ ایسا لگ رہا ہے کہ کرنل اور تمہاری آپس میں کوئی سیٹنگ ہو گئی ہے؟''

''ہاں اس نے مجھے اپنی بیوی تسلیم کر لیا۔'' مہرو نے مبہم سے انداز میں کہا۔ اس کی بات سے واضح نہیں تھا کہ کرنل نے صرف اسے بیوی تسلیم کیا ہے اور اس نے جو تبدیلی مذہب اور نکاح کا ناٹک کیا تھا اس کا کیا ہوا۔ اگر اس کی نیت میں دھوکا تھا تو یہ شادی سرے سے ہوئی نہیں تھی۔ انہیں دوبارہ شادی کرنی تھی۔ مگر یہ اس کا خاصی حد تک ذاتی معاملہ تھا اور میں اس میں ایک حد سے زیادہ دخل نہیں دے سکتا تھا اور یہ موقع بھی ایسا نہیں تھا کہ میں اس کی شادی اور کی مذہبی اور معاشرتی حیثیت لے کر بیٹھ جاتا۔ وسیم بے ہوش ہو گیا تھا میں نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس کی ٹانگ کا زخم چیک نہیں کیا تھا۔ مگر اس سے خون بہنا بند ہو گیا تھا۔ جیسے ہی موبائل پر سگنل نمودار ہوئے میں نے کوٹھی کال کی اور وہاں وسیم کی حالت کے بارے میں بتایا۔

''کسی ڈاکٹر کا بندوبست کرو۔ ایمرجنسی میں۔''

فون بند کر کے میں نے مہرو کی طرف دیکھا۔ ''کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ؟''

''چار آدمی ہیں ایک کرنل اور ایک میں ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے حیرت سے کہا۔ ''بس تم لوگ چار آدمیوں کے ساتھ نکل آئے؟''

''ہاں یہ چار آدمی چالیس پر بھاری ہیں۔'' وہ بولی۔ ''تم نے دیکھا نہیں صرف ایک آدمی نے آنے والوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا، ویسے یہ تھے کون؟''

''مرشد کا ٹولہ تھا، ان لوگوں نے ہمارے ایک آدمی کو پکڑ لیا تھا اسے چھڑانے آئے تھے مگر خود پھنس گئے۔ باہر نکلے تو مرشد کے اور آدمی آ گئے۔ میں تو تمہیں بھی ان کا آدمی سمجھا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم کوٹھی کے پاس پہنچ گئے تھے۔ مہرو نے پھر وکی ٹاکی پر رابطہ کیا اور کرنل کو بتایا۔ ''یہ ہمارے ساتھ جانے کے لیے تیار نہیں ہے۔''

کرنل کی آواز آئی۔ ''تمہیں کسی پر اعتماد کرنے والا آدمی نہیں ہے۔''

''ہاں میں یہ تو سو فیصد اعتماد کرتا ہوں یہ بالکل نہیں کرتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''درمیان کی کوئی صورت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو، ویسے میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہنا، ہم تم سے زیادہ دور نہیں ہیں۔''

کوٹھی آ گئی تھی۔ کرنل کی دونوں گاڑیاں وہیں رکی ہوئی تھیں۔ ایاز نے ہیلکس روکی تو مہرو نیچے اتر گئی۔ ''باقی پھر ملیں گے۔''

''بائے۔'' میں نے کہا تو وہ اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے جاتے ہی ایاز نے گاڑی کوٹھی کی طرف بڑھا دی۔ گیٹ کھل گیا اور اندر وسیم کے آدمی موجود تھے اسے اتار کر فوری طور پر اندر لے جایا گیا۔ ان میں سے جو طبی مدد کا ماہر تھا وہ وسیم کو دیکھنے لگا۔ میری ہدایت پر مالک مکان کو اندر پہنچا دیا تھا۔ ابھی تک اس پر غور نہیں کیا تھا کہ یہ مجھے وسیم کی فکر لگی تھی۔ اس کے پاؤں سے پٹی اور پھر پتلون کا پائنچہ کاٹ کر اتارا گیا۔ گولی اندر ہی تھی۔ اسے نکالنے کے لیے ایک ڈاکٹر اور اوزاروں کی ضرورت تھی۔ وسیم کے دو آدمی ڈاکٹر لینے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ ایک دودھ گرم کر کے لے آیا اور چمچ سے وسیم کے منہ میں ٹپکانے لگا۔ اس کا اچھا اثر ہوا اور وہ ہوش میں آنے لگا تھا۔ پندرہ منٹ بعد وسیم کے آدمی ایک ڈاکٹر کو لے آئے وہ اسے اس کے کلینک سے لائے تھے اور راستے میں اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اس لیے وہ سخت ہراساں دکھائی دے رہا تھا کمرے میں لا کر اس کی پٹی کھولی تو اس نے کہا۔

''اوہ بھائی تم لوگ مجھے کہاں لے آئے ہو۔''

''فکر مت کریں ڈاکٹر صاحب۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''آپ کو کوئی مشکل نہیں ہوگی پٹی باندھنا بھی مجبوری تھی آپ زخمی کو دیکھیں اور اسے ٹریٹ کریں۔''

اس نے وسیم کا زخم دیکھا اور مستعد ہو گیا۔ سب سے پہلے اس نے جراثیم کش سے زخم کی صفائی کی۔ خون صاف کیا تا کہ اندر کی پوزیشن بہتر سامنے آئے۔ اس نے کہا۔ ''گولی نکالنی ہے گرم پانی چاہیے۔''

باقی ڈاکٹر کے پاس سب کچھ تھا۔ اسے فوری گرم پانی مہیا کر دیا گیا۔ اس نے پہلے وسیم کو سن کرنے والا انجکشن دیا اور پھر آلات جراحی کی مدد سے باآسانی گولی نکال لی۔ اس دوران میں خون دوبارہ بہنے لگا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''ہڈی کو نقصان تو نہیں ہوا ہے؟''

''نہیں ہڈی بچ گئی ہے لیکن خون بہت بہا ہے بلڈ پریشر کم ہے۔ انہیں طاقت کا انجکشن دے رہا ہوں لیکن تین چار دن احتیاط کریں بیڈ ریسٹ کریں اور قوت والی لیکن زود ہضم خوراک لیں۔ دوائیاں لکھ کر دے رہا ہوں وہ منگوا لیں۔''

''ڈریسنگ کا کیا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی دیکھ لے کہ میں کیسے ڈریسنگ کر رہا ہوں بعد میں اسی طرح ڈریسنگ کرنی ہے تین دن بعد ضرورت نہیں پڑے گی صرف زخم کو رگڑ سے بچانے کے لیے اوپر سے پٹی لپیٹ دیں۔ ایک ہفتے میں ٹھیک ہو جائے گا مگر پندرہ دن تک احتیاط کرنی ہوگی بھاگ دوڑ نہیں کرنی ہے اور نہ ہی اس ٹانگ پر زور دینا ہے۔''

وسیم ہوش میں تھا اور سن رہا تھا اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب کو پورے احترام کے ساتھ چھوڑ آؤ اور ان کے فیس بھی دینی ہے۔''

جو ڈاکٹر کو لائے تھے وہی اسے چھوڑنے اور دوائی لینے چلے گئے۔ دوائی پنڈی سے ملتی کیونکہ اس وقت آس پاس کے سارے میڈیکل اسٹور بند ہو چکے ہوتے ڈاکٹر بھی انہیں فیض آباد سے ملا تھا۔ ٹریٹ منٹ کے بعد وسیم کی حالت بہتر ہوگئی تھی اس نے مجھ سے کہا۔ ''وہاں سے نکلنے میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''نہیں کیونکہ غیر متوقع طور پر مہرو اور کرنل اپنے آدمیوں سمیت مدد کو آ گئے تھے باہر نکلنے پر مرشد کے آدمیوں نے گھیرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے یہ کوشش ناکام بنا دی۔''

وسیم چونکا۔ ''مہرو اور کرنل وہ کہاں سے آ گئے؟''

''یہ تو تمہارے آدمی بتائیں گے کیونکہ وہ ان سے ملے تھے اور انہوں نے ہی انہیں بتایا تھا کہ ہم کہاں ہیں وہ مدد کے لیے چل پڑے۔''

کنگ سائز گلاس میں گرم دودھ نے وسیم کی توانائیاں بحال کر دی تھیں۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اس نے اپنے آدمیوں سے پوچھا اور پھر پتا چلا کہ شجاعت باہر تھا کہ اس کی ملاقات مہرو سے ہوگئی اس نے مہرو کو سب بتا دیا یہ بھی کہ ہم کہاں ہیں۔ وہ مجھ سے ملنے چلی آئی اور جب اسے پتا چلا کہ ہم مہم پر نکلے ہوئے ہیں اور خاصی دیر ہوگئی ہے تو وہ ہماری مدد کے لیے نکل کھڑی ہوگئی تھی۔ وسیم نے شجاع کو جھاڑا اور وہ بے چارہ کان دبائے سنتا رہا پھر میں نے مداخلت کی۔ ''چل یار جانے دے، نادانستگی میں ہوگیا اور پھر ہمارے حق میں اچھا ہی ہوا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ڈسپلن بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اس طرح سب اپنی مرضی سے فیصلے کرتے رہے تو ہمارا بیڑا غرق ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔''

وسیم کو ٹھنڈا کر کے میں باہر آیا تب مجھے بے چارے مالک مکان کا خیال آیا وہ بھی زخمی تھا اور اسے طبی امداد کی ضرورت تھی میں نے اس کے بارے میں پوچھا۔ اس کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی اور دوسرا لباس دے دیا تھا۔ میں کمرے میں آیا تو وہ مکھن لگے سلائس چائے کے ساتھ کھا رہا تھا۔ میں نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا اور مجھے اس کے نقوش جانے پہچانے لگے تھے۔ چہرے پر ہلکی سی بڑھی ہوئی داڑھی تھی اور پھر مار پیٹ کے نشانات بھی تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔ ''میں آپ لوگوں کا شکر گزار ہوں کہ ان لوگوں کی قید سے نکالا لیکن اب مجھے گھر جانے دیں میرے بیوی بچے پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

میں نے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''آپ فکر نہ کریں آپ آج ہی اپنے گھر میں ہوں گے۔''

''میرا نام فرخ شاہ ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ میں چونکا اب میں نے اسے پہچان لیا تھا یہ ان دنوں کی بات تھی جب میں نیا نیا اس مصیبت میں پڑا تھا اور مرشد سے چھپتا پھر رہا تھا۔ راجا عمر دراز نے مجھے اسلام آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک شخص کے پاس بھیجا تھا جو میری اور میرے ساتھیوں کی مدد کرتا۔ اگرچہ اس سے میری ایک ہی ملاقات ہوئی تھی اور دوبارہ ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے نقوش میرے ذہن میں تھے لیکن نام اور موقع بھول گیا تھا۔ اس نے نام بتایا تو مجھے یاد آ گیا۔

''آپ کو شہباز ملک یاد ہے؟''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی جھلک آئی اس نے گرم جوشی سے کہا۔''میرے خدا..... میں بھی سوچ رہا تھا کہ آپ کیوں جانے پہچانے لگ رہے ہیں۔''

''میں نے بھی آپ کو نام سے پہچانا..... اس ایک ملاقات کے بعد دوبارہ موقع نہیں ملا تھا۔''

اس نے سر ہلایا۔''راجا صاحب نے دوبارہ خدمت کا موقع نہیں دیا۔ آپ کے بارے میں اخبارات میں پڑھتا رہا ہوں۔''

''ان لوگوں نے آپ کو کہاں سے اٹھایا؟''

''آپ نے بھارہ کہو میں میرا غریب خانہ دیکھا ہے، بس اس سے نکلا تھا کہ ان لوگوں نے راستہ روک لیا اور زبردستی ساتھ لے آئے۔ میرے خدا بعض اوقات یہ لوگ بالکل وحشی ہو جاتے تھے۔ وہ آپ لوگوں کے بارے میں جاننے کے لیے پاگل ہو رہے تھے اور میرے پاس انہیں بتانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ آخری بار مجھے وارننگ دی تھی کہ اگر میں نے آپ لوگوں کے بارے میں نہیں بتایا تو میرے ہاتھوں کی انگلیاں ایک ایک کر کے کاٹ دی جائیں گی۔ میرے پاس بس چند گھنٹے کی مہلت تھی پھر خدا نے مدد کی اور ان کے پاس کہیں باہر سے عورتیں آ گئیں اور وہ مجھے بھول کر ان میں لگ گئے تھے۔ پھر آپ لوگ فرشتے بن کر آ گئے۔''

میں فکرمند ہو گیا تھا اگر یہ لوگ فرخ شاہ کو اس کے گھر کے پاس سے اٹھا لائے تھے تو اس کا مطلب تھا کہ اس کے گھر سے واقف تھے۔ وہ دوبارہ وہاں جا سکتے تھے اور فرخ شاہ نہیں ملتا تو اس کی بیوی اور بچیوں کو لے جاتے۔ میں نے فرخ شاہ کو اس خدشے سے خبردار کیا تو اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا اس نے گھبرا کر کہا۔''تب مجھے فوری جانا ہوگا۔''

''صرف جانا نہیں ہوگا بلکہ آپ کو وہ جگہ چھوڑنی ہوگی۔ کیا کوئی اور جگہ ہے بلکہ ہو سکے تو فی الحال اسلام آباد سے چلے جائیں۔''

''میرا سارا خاندان لاہور میں ہے۔''

''نہیں کسی ایسی جگہ جائیں جہاں یہ نہ پہنچ سکیں۔ لاہور اور رشتے داروں تک جانا تو بہت آسان ہوگا۔'' میں نے کہا۔

فرخ شاہ اب سوچ میں تھا اس نے کہا۔''ٹھیک ہے میں کر لوں گا لیکن اب مجھے فوری گھر پہنچنا ہوگا اس سے پہلے کہ.....''

''میں اپنے آدمی آپ کے ساتھ کر رہا ہوں وہ اس وقت تک آپ کی اور گھر والوں کی حفاظت کریں گے جب تک آپ خطرے سے نہیں نکل جاتے۔''

میں نے حبیب اور شجاع کو بلایا اور انہیں فرخ شاہ کے ساتھ جانے اور اس کی حفاظت کرنے کو کہا۔ فرخ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہ اب بے چین تھا اس لیے وہ وسیم سے ملے بغیر روانہ ہو گیا۔ رات کا آخری پہر قریب تھا اور میری آنکھیں جل رہی تھیں لیکن سونے سے پہلے میں نے غسل کیا اور پھر وسیم کے آدمیوں کو چوکس رہنے کا کہہ کر وسیم والے بیڈ روم میں چلا آیا۔ یہاں فرش پر قالین اور تکیے وغیرہ تھے۔ سردی تھی لیکن کمبل کی ضرورت نہیں تھی کھیس سے بھی کام چل سکتا تھا۔ صبح میری آنکھ کھلی تو وسیم تکیے کے سہارے بیٹھا چائے نوشی کر رہا تھا اس نے مسکرا کر کہا۔ ''صبح بہ خیر جناب کیا چائے کا کہوں؟''

''نہیں یار پہلے منہ ہاتھ دھولوں۔'' میں نے انگڑائی لی۔ ''تکلیف کیسی ہے؟''

''بہت کم رہ گئی ہے میں نے رات میں دوا لی تھی اب دوبارہ لینی ہے۔ مگر ناشتے کے بعد، آپ واش روم سے ہو آئیں ناشتہ آنے والا ہے۔''

میں واش روم سے آیا تو دسترخوان بچھ رہا تھا اور کچن سے گرما گرم پراٹھے، تلے ہوئے انڈے، سوجی کا حلوہ اور تہہ والی ملائی آ گئی۔ رات ہلکا کھانا کھایا تھا اس لیے زبردست بھوک لگ رہی تھی۔ ناشتے کے دوران وسیم نے فرخ شاہ کی رپورٹ دی۔ حبیب اور شجاع اسے موٹروے تک چھوڑ آئے تھے وہ اپنے بیوی بچوں سمیت کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوا تھا اس کے بارے میں اس نے ان دونوں کو بھی نہیں بتایا تھا۔ میں نے کہا۔ ''یہ اچھی بات ہے کہ وہ دشمن کے توجہ دینے سے پہلے نکل گیا ورنہ اس کا بھی صابر کے گھر والوں جیسا حشر ہو سکتا تھا۔''

''میں جان کر حیران ہوا کہ وہ آپ کا واقف کار نکلا ہے۔''

''میری تو صرف ایک بار ملاقات ہوئی تھی وہ اصل میں راجا صاحب کا جاننے والا ہے۔ انہوں نے مجھے اس کے پاس بھیجا تھا۔''

''یہ اچھا ہوا کہ ہم نے اسے بچا لیا۔'' وسیم خوش نظر آنے لگا۔ ''اب مجھے اپنے زخم کا افسوس بھی نہیں ہے۔''

''یہ تو تقدیر میں تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا ایک ہفتہ لگے گا ٹھیک ہونے میں اس دوران میں تم آرام کرو گے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کام بہت زیادہ ہیں۔ اب یہ جگہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں کہیں اور شفٹ کرنا ہوگا۔ یہاں سے دشمن زیادہ دور نہیں ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہی سڑک درگاہ ہے۔ اس سے خطرہ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔''

وسیم نے اچھا نکتہ اٹھایا تھا۔ مرشد کی درگاہ کی طرف یہی سڑک جاتی تھی اس کا مطلب تھا کہ اس کی اور اس کے آدمیوں کی آمد و رفت یہیں سے ہوتی تھی۔ اتفاقاً آمنا سامنا ہونے کا خطرہ بہت زیادہ تھا۔ میں نے ناشتے کا اختتام کرتے ہوئے کہا۔ ''تب بہتر ہے ہم یہاں سے کوچ کر جائیں، میرا مطلب ہے میں اور تم۔ اپنے کچھ بندے بھی ساتھ لے لو اور باقی کو یہیں چھوڑ دو یہ کم سے کم باہر نکلیں اس سے خطرہ کم ہو جائے گا جب تک ہم کوئی اور جگہ نہیں تلاش کر لیتے یہ یہیں رہیں۔''

ناشتے کے بعد چائے آئی تھی اور ساتھ ہی عبداللہ بھی آ گیا۔ اسے رات کو ہی پتا چل گیا تھا کہ وسیم زخمی ہوا ہے لیکن ہمارا مشن کامیاب رہا تھا۔ فرخ شاہ کا سن کر وہ حیران ہوا تھا۔ ''میں اسے جانتا ہوں..... کسی زمانے میں راجا صاحب کی لیے کام کرتا تھا۔ وہ بھی اصل میں اسٹیٹ ایجنٹ ہے۔ مگر اب یہ کام چھوڑ چکا ہے۔''

''بس اتفاق کیسے کیسے لوگوں کو سامنے لے آتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب وہ کسی محفوظ مقام پر جا چکا ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔"

"جناب میں ایک تجویز لایا ہوں؟"

"کیسی تجویز؟"

"ہمارے پاس تقریباً نو کروڑ روپے کی کرنسی اور سونا ہے اور اتنی دولت گھر میں رکھنا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ یہ رقم بنک میں جمع کرادی جائے۔"

"جب ہمیں ضرورت ہوگی تو کیا کریں گے؟" وسیم نے پوچھا۔

"میری تجویز ہے کہ یہ رقم چار یا پانچ اکاؤنٹس میں ڈال دی جائے اور سب کے اے ٹی ایم کارڈز بنوالیے جائیں اس کے علاوہ کریڈٹ کارڈز بھی بنوائے جاسکتے ہیں۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ بہت رسکی ہے۔ ہم آئے دن دشمن کے ہاتھ لگتے رہتے ہیں۔ اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈز ان کے ہاتھ آئیں گے تو ہمارے بارے میں سراغ مل جائے گا۔ پھر بار بار اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈ بنوانا بھی مسئلہ ہے۔ نقد رقم سب سے بہتر ہوتی ہے۔ تم ایک کام کرو کہ تمام رقم کو ہزار اور پانچ ہزار کی بنک گڈیوں میں تبدیل کرالو۔ زیادہ رقم پانچ ہزار کی گڈیوں کی صورت میں ہو۔ اسی طرح سونا بھی کیش کر لو۔"

"یہ ساری رقم کہاں رکھی جائے؟" وسیم نے پوچھا۔

"کسی تجوری میں۔" میں نے کہا۔ "کوئی چھوٹی لیکن مضبوط اور جدید قسم کی تجوری لے لو۔ یہ لاکر بھی مضبوط ہے لیکن اتنی بڑی رقم کے لیے زیادہ حفاظت کی ضرورت ہوگی۔"

عبداللہ نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے ایسا کرتے ہیں۔"

"بنکوں میں خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں کیمرے اور پولیس والے بھی ہوتے ہیں۔ نیٹ ورک کا حصہ ہونے کی وجہ سے مرشد جیسے طاقتور اور بارسوخ سیاست دان کے لیے ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرلینا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔" میں نے ذرا تفصیل سے اپنا نکتہ نظر واضح کیا تو عبداللہ مطمئن نظر آنے لگا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کیش ہی سب سے بہتر ہے۔"

وسیم ہنسا۔ "اور یہ کون سی ہماری حق حلال کی کمائی ہے جس کے لیے فکرمند ہوں۔"

عبداللہ گاڑی لے آیا تھا ناشتے کے بعد میں اور وسیم اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایاز اب کوٹھی کا انچارج تھا اور وسیم نے اس کے ذمے نئے ٹھکانے کی تلاش کا کام لگا دیا تھا۔ "جیسے ہی ٹھکانہ ملے یہاں سے شفٹ کر ہے۔"

"میں آج ہی تلاش شروع کر دیتا ہوں۔" ایاز نے کہا۔ "بھگوال میں میرے کچھ جاننے والے رہتے ہیں وہاں فارم ہاؤس ہیں۔ شہر سے زیادہ دور نہیں ہے اور سہولتیں بھی ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں وہاں تلاش کروں۔"

میں نے بھگوال دیکھا تھا۔ یہ مری روڈ پر بھارہ کہو سے نکلنے والی سمگلی ڈیم روڈ پر کوئی تین چار کلومیٹرز کے بعد تھا۔ یہ مری کے ذیلی پہاڑیوں کا علاقہ تھا۔ مگر زمین بہت زیادہ اونچی نیچی نہیں تھی اور لوگوں نے اسے جا بہ آباد کر رکھا تھا۔ شہر سے زیادہ دور نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے عافیت اور سکون پسند لوگوں نے یہاں زمین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر فارم ہاؤس بنا لیے تھے جہاں وہ اہلِ خانہ اور دوست احباب کے ہمراہ پکنک منانے یا چھٹیاں گزارنے جاتے تھے۔ مجھے ایاز کی تجویز اچھی لگی۔ یہ شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ البتہ آنے جانے کے لیے واحد قابلِ بھروسہ راستہ مری ہائی وے ہی تھا باقی سڑکیں ناقابلِ بھروسہ اور بہت گھوم پھر کر پنڈی تک آتی تھیں۔ ہم عبداللہ کے ہمراہ اس کی کوٹھی پر آئے۔ دیسم کو بہت احتیاط سے اور زبردستی اٹھا کر گاڑی میں بٹھایا۔ زبردستی اس لیے کہ وہ خود چل کر جانے پر مصر تھا۔ اسی طرح اسے اٹھا کر کوٹھی کے اندر بھی لے گئے تھے۔ عبداللہ نے اس کے لیے ایک واکر منگوالیا تھا اس کی مدد سے وہ پاؤں پر زور ڈالے بغیر چل پھر سکتا تھا اور واش روم جا سکتا تھا۔ میں نے یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے انٹرنیٹ کی مدد سے ندیم کو کال کی۔ وہ راستے میں تھا۔ میری آواز سنتے ہی اس نے حسبِ معمول گالیاں دیں۔ پھر بولا۔ ''شکر ہے تیرا کیس ری فائل ہو گیا ہے۔''

''شکر ہے۔''

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیس دوسرے بھی بن سکتے ہیں۔'' اس نے خبردار کیا۔ ''میں نے تجھ سے کہا تھا یہاں سے دفع ہو جا لیکن تُو اب تک یہیں ہے۔''

''میں فاٹا سے بات کر رہا ہوں۔''

''بکواس نہ کر..... تیرے اس نہ ہونے والے سالے کا فون آیا تھا صبح صبح..... موڈ اور ناشتہ دونوں خراب کر دیئے۔''

''مرشد کی بات کر رہا ہے؟''

''ہاں گرج برس رہا تھا کہ گزشتہ رات تُو نے اس کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔ بیوی بچے سامنے تھے اس لیے میں کھل کر نہیں پوچھ سکا بس یہی کہا کہ شہباز نے ایسا کیا اور کہاں کیا ہے۔''

''مرشد بم کی طرح پھٹا ہوگا؟'' میں ہنسا۔

''اس سے بھی کچھ آگے..... تجھے بھول گیا اور مجھے دھمکیاں دینے لگا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا جب وہ بک بک کر کے چپ ہو گیا تو میں نے کہا کہ سرکار کال ریکارڈ ہو رہی تھی اب یہ سند رہے گی اور بوقتِ ضرورت کام آئے گی۔''

''اس کے طیش کا غبارہ پھٹ گیا ہوگا۔''

ندیم نے ناقابلِ بیان الفاظ میں بتایا کہ یہ سن کر مرشد کا کیا پھٹا تھا۔ ''وہ بالکل الف سیدھا ہو گیا اور بہت میٹھے لہجے میں بولا۔ وکیل صاحب ناراض کیوں ہوتے ہو الفاظ ہی ہیں نا..... میں واپس لے لیتا ہوں جیسے تم عدالت میں اپنے الفاظ واپس لیتے ہو۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے شہباز کا کچھ پتا نہیں ہے میں صرف عدالت میں اس کے معاملات کا ذمے دار ہوں۔''

''اس نے اور کچھ نہیں کہا؟''

''اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ اگر تیری طرف سے اس سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی تو کیس ری فائل خطرے میں پڑ جائے گی۔''

''تُو کیا کہتا ہے سچ مچ خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیا ایک بار وہ کیس واپس لے کر دوبارہ عدالت میں جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا ہے؟''

''یار یہ پاکستان ہے یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ آج کل عدالتیں مضبوط ہو رہی ہیں لیکن نیچے تو سارے وہی لوگ بیٹھے ہیں۔ نئے کیس پیدا کرنا کیا مسئلہ ہے۔ اس لیے اگر تُو کچھ کر رہا ہے تو مہربانی کر کے ایک مہینہ صبر سے بیٹھ جا اسی لیے تجھ سے کہہ رہا ہوں کہیں اور چلا جا۔ نہ یہاں ہو گا اور نہ دشمنوں سے پنگا ہو گا۔ باقی لواحقین کو تُو ویسے ہی حویلی بھیج چکا ہے۔''

''یار میں نے کچھ نہیں کیا۔'' میں نے صفائی سے جھوٹ بولا۔ ''مرشد کے اور دشمن بھی ہوں گے ان میں سے کسی نے کچھ کیا ہو گا وہ میرے سر ڈال رہا ہے۔''

''بیٹے تُو اتنا شریف نہیں ہے جتنا بن رہا ہے کوئی نہ کوئی حرامی پن تجھ سے سرزد ہوتا رہتا ہے۔ بہرحال اپنے خرچ پر خوش رہ..... پکڑا گیا تو ہم موجود ہیں عدالت میں بھگتنے کے لیے۔''

میرا اندازہ تھا کہ مرشد کو جاننے میں دشواری نہیں ہو گی کہ یہ کارروائی ہماری ہے اور اس کے پاس رابطے کا ایک ہی ذریعہ تھا اس نے اسی سے رابطہ کیا۔ میں نے سوچا کہ مرشد سے بات کروں لیکن پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔ میں اس بارے میں غور کرنا چاہتا تھا نادر کا معاملہ طول کھینچ رہا تھا۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ مر جاتا تو ہمارے ہاتھ سے ایک مہرہ کھسک جاتا اور مرشد کے مزے ہو جاتے وہ نادر کی موت کا ذمے دار ہمیں قرار دیتا اور اس کے رشتے داروں اور مریدوں کے غیض وغضب کا نشانہ ہم بنتے۔ جب سے نادر ہماری تحویل میں آیا تھا میں نے اسے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ میں خود اس کی حالت دیکھوں۔ میرا کام ہونے تک اس کا زندہ رہنا ضروری تھا۔ میں نے عبداللہ کو تلاش کیا۔ وہ نیچے ایک کمرے میں تھا۔ میں نے نادر کے بارے میں پوچھا۔ ''اس کی حالت کیسی ہے؟''

''اچھی نہیں ہے دو دن سے کچھ نہیں کھا رہا ہے مجبوراً ڈرپ کی مدد سے اسے طاقتور دوائیں دینا پڑ رہی ہیں۔''

''اس وقت سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے جاگ رہا ہو گا۔ ایک گھنٹہ پہلے ڈاکٹر اسے دیکھ کر گیا ہے۔''

نادر نچلے حصے کے ایک کمرے میں تھا عبداللہ کے آدمی اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے مگر طویل قید، تنہائی اور معذوری نے اسے زندگی سے مایوس کر دیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اب نادر سے ایک ملاقات کر لینی چاہیے۔ ممکن ہے وہ کچھ عرصے بعد ہمارے پاس نہ رہے یا اس دنیا میں نہ رہے۔ میں اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہ مریضوں کے لیے مخصوص بیڈ پر لیٹا ہوا چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کی کھلی آنکھیں ساکت تھیں اور ایک لمحے کو مجھے شبہ ہوا کہ وہ مر چکا ہے لیکن فوراً ہی اس نے سر گھما کر دیکھا اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں کوئی حیرت کا تاثر نہیں آیا تھا۔ گویا اسے پہلے سے معلوم تھا کہ وہ میری قید میں ہے۔

''شہباز ملک۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ وہ بہت کمزور لگ رہا تھا۔ چہرہ ست گیا تھا اور آنکھیں جیسے گڑھوں میں بدل گئی تھیں۔ شیو بڑھنے سے اس کی بے چارگی کے تاثر میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مجھے دنیا میں جن چند لوگوں سے شدید نفرت تھی وہ ان میں سے ایک تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس کی وجہ سے مجھ پر کرب و بلا کا ایک دروازہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھلا۔ میرے پیاروں اور میری زندگی مسلسل آزمائش بن گئی۔ اس نے مونا کے لیے غلیظ عزائم کا اظہار کیا۔ اس نے میرا ہاتھ ناکارہ کرنے کی کوشش کی۔ دونوں بار اللہ نے ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ پھر اس نے دشمنی کا رخ میرے خاندان کی طرف موڑ دیا۔ شاہد بھائی کا قتل نادر نے کرایا تھا۔ میرے دفتر کے چوکیدار گل خان سے لے کر بے شمار بے گناہ لوگوں کے مارے جانے کا ذمے دار یہی شخص تھا۔ اس کے ساتھ میں نے برا نہیں کیا تھا جو کیا قدرت نے کیا۔ اس کے باوجود اس کے جرائم اتنے تھے کہ میں اسے قتل کر دیتا تو یہ عین انصاف ہوتا۔ اس کمرے میں آنے سے پہلے میرا خیال تھا کہ اسے سامنے پا کر میری نفرت بھڑک نہ جائے مگر جب میں نے اسے دیکھا تو میرے اندر اس کے خلاف جلنے والی آگ مدہم پڑنے لگی تھی۔ یہ جان کر مجھے تعجب ہوا کہ مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ میں ایک کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''تم جانتے تھے کہ میری قید میں ہو؟''

اس نے سر ہلایا اور مسکرانے کی کوشش کی۔ ''تمہارے ساتھیوں نے ایجنسی والے بن کر مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر کچھ عرصے بعد میں نے جان لیا تھا کہ میں تمہارے قبضے میں ہوں۔''

''تمہیں خوف نہیں آیا کہ تم میرے قبضے میں ہو اور مجھے تم سے بہت سے حساب بے باق کرنے ہیں۔''

وہ ایک ٹک مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''اس لحاظ سے خوف نہیں آیا کہ تم مجھ پر تشدد کرو گے یا زندگی کو میرے لیے مشکل کر دو گے مجھے معلوم ہے اگر تم نے میری موت کا فیصلہ کیا تو کم سے کم تکلیف کے ساتھ مجھے موت کے گھاٹ اتار دو گے۔''

''یعنی تم مجھے شریف دشمن قرار دے رہے ہو۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''کیا تم نے کبھی سوچا کہ تمہیں بھی دشمنی کے آداب نبھانے چاہئیں؟''

''نہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''بات سوچ کی نہیں فطرت اور تربیت کی ہوتی ہے۔ تم نے وہ کیا جس کی تم نے تربیت حاصل کی اور میں نے وہ کیا جس کی تربیت مجھے ملی۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میں نے کس ماحول میں پرورش پائی ہے۔ جہاں انسان کو انسان نہیں صرف غلام سمجھا جاتا ہے۔ جہاں عورت رشتے کا نہیں جسم کا نام ہو۔ جہاں دوسروں کو ذلیل کر کے اپنے تکبر کی تسکین کی جاتی ہو۔ بے حساب دولت اور حرام کی دولت اور اسے حرام میں خرچ کرنے کے بے شمار طریقے تھے۔''

''میں نے جہاں پرورش پائی وہاں انسان کو انسان سمجھا جاتا ہے۔ وہاں ہر شخص عزت اور احترام کا مستحق ہو یا نہ ہو لیکن اسے بے عزت نہیں سمجھا جاتا ہے۔ مجھے بچپن سے حرام حلال کا فرق اتنی شدت سے بتایا گیا کہ میں سب بھول جاؤں تب بھی یہ چیز نہیں بھول سکتا۔ عورت ہمارے ہاں صرف رشتے کا نہیں بلکہ عزت کا نام ہے۔ اس سے وابستہ ہر رشتہ عزت کا دوسرا نام ہے۔ انسانیت، رحم، مروت اور صبر میری تعلیم میں شامل ہے۔''

''تب ہی تم ایسے ہو۔'' نادر نے سرد آہ بھری۔ ''تمہاری اس قید میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ میرا اتنا ہی خیال رکھا گیا ہے جتنا کہ میرے اپنے گھر میں رکھا جا سکتا تھا۔ کسی نے مجھے ذلیل نہیں کیا۔ کسی نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا، حتیٰ کہ گالی تک نہیں دی۔ تمہارے ساتھی اپنا آرام چھوڑ کر میری دیکھ بھال کرتے رہے۔ میرے لیے مستقل ڈاکٹر آتا ہے لیکن شہباز ملک میں اب زندہ رہنا نہیں چاہتا۔'' وہ بولتے بولتے رکا تو مجھے اس کی آنکھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گڑھوں میں نمی کی جھلک نظر آئی تھی۔

''کیوں؟''

''اگر تم مجھے ذلیل کرتے..... مجھ پر تشدد کرتے..... اپنا بدلہ لیتے تو میں اندر سے مضبوط رہتا..... کبھی تمہارے سامنے ہتھیار نہ ڈالتا..... لیکن شہباز..... تمہاری شرافت نے مجھے مار دیا ہے۔ میں تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہاں مجبور ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اب موت مجھے ساتھ لے جائے۔''

''اتنی مایوسی کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم نے ٹھیک کہا ہے اگر تمہارے بارے میں موت کا فیصلہ ہوا تو تمہیں بنا کسی تکلیف کے موت دی جائے گی مگر اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری مرشد سے بات چل رہی ہے۔ امید ہے جلد ہمارے درمیان تصفیہ ہو جائے گا اور تمہیں اس قید سے رہائی مل جائے گی۔''

مرشد کا نام سن کر وہ چونک گیا۔ اس نے کسی قدر بے چینی سے کہا۔ ''وہ میری رہائی کے لیے تم سے بات کر رہا ہے؟''

''تو اور کون کرے گا؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''اس دنیا میں وہی تمہارا والی وارث ہے۔''

''وہ میرا دشمن ہے۔'' نادر نے تلخی سے کہا۔ ''اس کا بس چلے تو مجھے مار کر میرا بھی مزار بنا دے..... اگر وہ تم سے کوئی معاہدہ کرنا چاہ رہا ہے تو میں تمہیں بتا دوں اس میں سو فیصد دھوکا ہوگا۔ وہ تمہارا ایسا دشمن ہے جو کبھی تمہیں معاف نہیں کرے گا۔''

''میری اصل دشمنی تو تم سے تھی۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھ سے نہیں تھی..... اس دشمنی کو یہاں تک پہنچانے کا سہرا بھی مرشد کے سر ہے۔ اس نے مجھے اکسایا کہ تم لوگوں سے بدلہ لوں۔ وہ چالاکی سے خود گدی نشین اور قابلِ احترام شخصیت بنا ہوا تھا اور مجھے اس نے بدمعاشی کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے لیے لڑوں اور اس کے دشمنوں کا خاتمہ کروں۔''

''یعنی وہ تمہیں اپنی فورس کے سربراہ کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔''

''ہاں جب تک میں ٹھیک تھا اس کے لیے کارآمد تھا لیکن اب میں اس کے لیے ناکارہ ہو چکا ہوں اگر تم نے مجھے اس کے حوالے کیا تو وہ مجھے مار دے گا۔''

''میرا نہیں خیال کہ وہ ایسا کرے گا اور اگر اس نے ایسا کیا تو تمہاری ہی خواہش پوری کرے گا۔'' میں کھڑا ہو گیا۔ ''تم بھی تو مرنا چاہتے ہو؟''

''ہاں لیکن ایسے نہیں۔'' اس نے التجا آمیز انداز میں کہا۔ ''اس سے بہتر ہے تم مجھے مار کر کسی گم نام جگہ دفنا دو۔ وہ مجھے مارے گا اور پھر میرا مزار بنا دے گا۔ اس سے بھی کمائی کرے گا۔''

''لیکن وہ تمہیں آزاد کرانے کے لیے بے چین ہے اس کا کہنا ہے خاندان اور مریدوں کا اس پر دباؤ ہے۔''

''خاندان والے اپنے چکر میں ہیں لیکن وہ مرشد پر دباؤ نہیں ڈال سکتے اور جہاں تک مریدوں کا تعلق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے وہ عقل کے اندھے اس کے غلام ہیں ان کے پاس دماغ ہی کہاں ہے کہ سوچ سکیں۔'' نادر نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''وہ مجھے جلد از جلد زندگی کی قید سے آزاد کرنے کے لیے بے چین ہے تاکہ گدی کا ایک ممکنہ امیدوار کم ہو، ویسے بھی اس کی اپنی اولاد جوان ہو رہی ہے۔ کچھ عرصے بعد اسے ویسے ہی میری ضرورت نہ رہتی۔''

مجھے خیال آیا۔ ''مرشد کے پاس فاضلی بھی تو ہے۔''

''اس کی حرامی اولاد۔'' نادر نے حقارت سے کہا۔ ''وہ سمجھتا ہے کہ یہ بات دوسرے نہیں جانتے ہیں لیکن مجھے معلوم ہے۔ فاضلی کی ماں ایک زمانے میں مرشد کی ذاتی خادمہ تھی۔''

''تمہاری شادی نہیں ہوئی ہے لیکن تم کوئی پارسا آدمی نہیں ہو تم نے کبھی سوچا کہ تمہاری بھی ایسی کتنی ہی اولادیں نہ جانے کہاں کہاں ہوں گی؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر میں ایسا سوچنے والا ہوتا تو یہ سب کیوں کرتا۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں جانے لگا تو اس نے التجا کی۔ ''شہباز خدا کے لیے مجھے مرشد کے حوالے مت کرنا۔ اس سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا صرف مرشد کا فائدہ ہوگا۔''

''میں اس پر غور کروں گا لیکن تم اپنا خیال رکھو، زندگی ایک ہی بار ملتی ہے اور کوئی بھی نقصان اسے کھونے کا ہرگز نہیں رکھتا ہے۔ ہاں جب آدمی عزت سے زندہ رہنے کا ہر راستہ کھو دے تب اسے مر جانا چاہیے۔''

''میں اس لفظ کا مفہوم ہی نہیں سمجھتا۔'' اس نے پیچھے سے کہا۔

''تب تمہیں زندہ رہنا چاہیے۔'' میں نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ نادر سے اس ملاقات سے میرے دل پر بوجھ سا آیا تھا۔ انسان بعض اوقات کیسے بدل جاتا ہے اس کے احساسات اور جذبات بدل جاتے ہیں۔ اگرچہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ نادر میں یہ تبدیلی سچ مچ آئی تھی یا صرف ماحول کا اثر تھا۔ وہ واپس اپنے ماحول میں جاتا تو دوبارہ ویسا ہی ہو جاتا۔ مگر اس وقت مجھے اس کے لہجے میں سچائی محسوس ہوئی تھی۔ میں وسیم کے کمرے میں آیا۔ وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ شاہ جی اس کے لیے دیسی چوزے کی یخنی بنا کر لایا تھا۔ اس کا خاصا خون بہا تھا اور اسے قوت بخش غذاؤں کی ضرورت تھی۔ شاہ جی نے یہ ضرورت پوری کرنے کی ذمے داری سنبھال لی تھی اس نے کہا۔ ''ایک ہفتے میں یہ پہلے سے اچھے نہ ہو جائیں تو بے شک میرا نام بدل دیجیے گا۔''

''تمہارا نام بدل کر کیا رکھیں گے؟'' وسیم نے شرارت سے کہا۔ ''شاہ جی ویسے بھی تم پر سوٹ نہیں کرتا ہے۔''

اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''درست کہا جی، ہم جیسے غریبوں پر یہ نام کہاں اچھا لگے گا۔ اپنا نام تو اللہ رکھایا فیروز ہونا چاہیے تھا۔''

''شاہ جی نام میں کیا رکھا ہے اصل چیز تو بندے کا کام ہوتا ہے اور وہ تم لاجواب کرتے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''خاص طور سے کافی واقعی لاجواب بناتے ہو۔''

''اتنی لمبی تمہید کیوں باندھ رہے ہیں جی۔'' وہ مسکرایا۔ ''کافی ابھی حاضر کرتا ہوں۔''

وہ چلا گیا تو وسیم نے کہا۔ ''بہت اچھا آدمی ہے۔''

''آدمی سارے اچھے ہوتے ہیں بس نفس بہکاتا ہے۔'' میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا اور پھر وسیم کو نادر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بارے میں بتایا۔" ابھی اس کے پاس سے آرہا ہوں خاصا بندے کا پتر بنا ہوا ہے۔"

"اس جیسے لوگ کبھی بندے کے پتر نہیں بنتے ہیں۔" وسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ "قید میں رہ کر اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں رہا ہے اور اس کے سر میں موجود فرعونیت کے کیڑے بے دم ہو گئے ہیں لیکن جیسے ہی یہ آزاد ہو گا اس کا دماغ ٹھکانے پر آجائے گا اور یہ پہلے کی طرح فرعون بن جائے گا۔ سارے کیڑے پھر سے تندرست و توانا ہو جائیں گے۔"

"پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے وہ اب پہلے والا نادر نہیں رہا ہے۔"

"شہباز صاحب، اس کی حالت سے دھوکا مت کھائیں، میں تو کہہ رہا ہوں یہ سانپ ہمارے قابو میں ہے اس کا سر کچل دیں۔ اگر مارنا نہیں چاہتے تو اسے بچہ بنانے والا انجکشن دے دیں۔ ذرا غور کریں یہ اتنے عرصے سے ہماری قید میں ہے لیکن اس نے ایک بار بھی مرشد کے خلاف کوئی کام کی بات نہیں بتائی۔ صرف وہی کچھ بتایا جو ہم پہلے سے جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے ایک لفظ نہیں کہا۔ اصل میں یہ ہمیں بے وقوف سمجھ رہا ہے اس لیے خود پر مظلومیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ کھانا پینا چھوڑ دیا ہے مرنے کی باتیں کر رہا ہے۔ ابھی اسے آزاد کر دیں تو پھر اس کا اصل روپ سامنے آئے گا۔"

وسیم کی باتوں میں یہ بات قابلِ غور تھی کہ نادر نے اب تک ہمیں کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی جو مرشد کے خلاف سچ مچ ہماری مدد کرتی۔ اس کے باوجود میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس میں کوئی نہ کوئی تبدیلی آئی ہے۔ وسیم مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔ "شہباز صاحب کیا آپ نادر کو کوئی رعایت دینا چاہتے ہیں؟"

"نہیں..... اگر اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے تو یہ اس کے لیے ہے ہم تو اس کا فیصلہ اس کے جرائم کو مدِنظر رکھ کر کریں گے۔ ویسے اس کا کہنا ہے کہ مرشد ہمیں دھوکا دے رہا ہے۔ وہ اسے اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پا لے۔"

"اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ اگر مرشد کا بس چلے تو وہ ہمیں ذرا بھی رعایت نہ دے۔" وسیم نے کہا۔ "لیکن اس وقت وہ مجبور ہے اس لیے ہم اس سے جو فائدہ اٹھا سکتے ہیں ضرور اٹھائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" میں نے کہا۔ عبداللہ آ گیا اور ہم گپ شپ کرنے لگے۔ پھر وسیم کی دوا کا وقت ہو گیا تھا اس میں جو پین کلر تھی اسے کھانے سے غنودگی آتی تھی اس لیے ہم اسے سونے کا کہہ کر نیچے آ گئے۔ میں نے عبداللہ کو نادر سے ہونے والی اور پھر اپنی وسیم سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا تو وہ بھی وسیم سے متفق نظر آنے لگا۔ "وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اس نے تائید کی۔ "اس نے منع کیا ہے کہ سعدیہ کو اس کی حالت کے بارے میں نہ بتایا جائے ورنہ وہ پریشان ہو گی۔"

"اچھا کیا اس نے بتا دیا ورنہ شاید میں بتا دیتا۔"

"وہ یہاں آنے پر اصرار کرے گی اور وسیم اسے بلانا نہیں چاہتا ہے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ تین چار دن بعد جب وسیم لمبے سفر کے قابل ہو جائے تو اسے حویلی بھیج دوں اور سفیر کو بلوا لوں۔"

"ہاں اسے آرام کی ضرورت ہے اور سفیر نے بہت آرام کر لیا ہے۔ بتو اور مانی کو بھی بلوا لیں۔ میں سوچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا ہوں اس کوٹھی کی الیکٹرانک سیکورٹی مضبوط ہونی چاہیے ابھی تو ہم عام طریقے سے کام چلا رہے ہیں۔ مانی یہ کام بہتر طور پر کر سکے گا۔"

"ٹھیک ہے وسیم سے بات کرلو اور تین دن بعد اسے بھیج دینا۔ سفیر، مانی اور بنتو ساتھ آجائیں گے۔"

"آپ کا مطلب ہے جو وسیم کو چھوڑنے جائیں گے وہی انہیں لے آئیں گے۔"

"بالکل اس معاملے میں سیکورٹی پوری رکھنی ہے۔ یہاں ہم دشمن کی نظروں میں نہیں ہیں لیکن حویلی پر ان کی نگرانی ضرور ہوگی بے شک آس پاس نہیں ہوں گے لیکن آنے جانے کے راستوں پر ضرور نظر رکھے ہوں گے۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" عبداللہ نے کہا۔ "کیوں نہ ہیلی کاپٹر استعمال کیا جائے۔"

مجھے وہ وقت یاد آگیا جب سفیر، مونا اور سعدیہ ہیلی کاپٹر میں تھے اور اسے گن سے نشانہ بنایا گیا تھا۔ خوش قسمتی سے سب محفوظ رہے تھے سوائے مونا اور سفیر کے ہونے والے بچے کے کسی کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں ہیلی کاپٹر والا آئیڈیا ٹھیک نہیں ہے۔ روڈ کا سفر محفوظ رہے گا۔"

"ٹھیک ہے میں پلان کرتا ہوں کہ کیسے جائیں گے۔" عبداللہ نے کہا۔ "آپ وسیم سے بات کرلیں کیونکہ وہ اتنی آسانی سے نہیں مانے گا۔"

"آسانی سے نہیں مانے گا تو زبردستی بھیج دیں گے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ بھیج سکتے ہیں۔" عبداللہ مسکرایا۔ "میں نے دیکھا ہے کہ وسیم آپ کی بہت عزت کرتا ہے۔"

"ایسا نہیں ہے وسیم دوستوں کا دوست ہے تم بھی کہہ کر دیکھو وہ تمہاری بات کو بھی اتنی ہی اہمیت دے گا۔" میں نے یقین سے کہا۔

"نادر کے بارے میں سوچا آپ نے؟"

"ہاں اسے اس وقت تک آزاد نہیں کرنا ہے جب تک مرشد میرے کیس ختم نہیں کر دیتا۔ ندیم بتا رہا تھا کیس ری فائل ہو گئے ہیں اور اگر پولیس نے تعاون کیا تو ایک سے ڈیڑھ مہینے میں سارے کیس ختم ہو سکتے ہیں۔"

"پولیس اس وقت حرکت میں آئے گی جب اس پر مرشد کا دباؤ ہوگا۔ آپ بتا رہے ہیں کہ اس نے ندیم کو بھی دھمکیاں دی ہیں۔"

"ہاں مگر وہ وکیل ہے۔ مرشد اس سے الجھنے سے گریز کرے گا۔ اس نے اس کو مناسب جواب دیا ہے۔"

"آپ مرشد سے بات کریں گے۔ کیونکہ وہ کل رات کے واقعات پر جھنجلایا ہوا ہوگا۔"

"مجھے اس بارے میں بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس جگہ کا بہ ظاہر مرشد سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر اس نے کہا تو میں انجان بن جاؤں گا۔ ہاں اس سے بات ضرور کرنا چاہوں گا۔ اس کا ردِعمل جاننا ضروری ہے اور دھمکانا بھی۔ ورنہ ممکن ہے وہ کوئی حرکت کرنے کا سوچ رہا ہو۔"

میں اوپر آیا۔ انٹرنیٹ سے کال ملاتے ہوئے میں نے مانی کو دعا دی اس کی وجہ سے یہ بڑی سہولت حاصل ہو گئی تھی اب دشمن سے بغیر کسی نمبر کے بھی بات کی جا سکتی بغیر اس خوف کے کہ وہ میرا سراغ لگا لے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرشد کا پرانا موبائل نمبر میرے ذہن میں تھا میں نے وہی ملایا لیکن وہ بند جا رہا تھا مجبوراً مجھے مرشد ہاؤس کے نمبر پر کال کرنا پڑی۔ اس بار نستعلیق سیکرٹری کے بجائے کسی ملازم نے کال ریسیو کی۔ ''کون ہے جی؟''

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مرشد نے دنیا کے ہر کام کے لیے ملازم رکھے ہوئے تھے تو اس نے مرشد ہاؤس میں ایک کال آپریٹر رکھنے کی زحمت کیوں نہیں کی تھی۔ وہ سیاست دان اور معروف گدی نشین تھا اور یقیناً اسے کال کرنے والوں کی کمی نہیں ہوگی لیکن مرشد ہاؤس میں کال سیکرٹری یا کوئی ملازم ہی ریسیو کرتا تھا۔ میں نے شرافت سے کہا۔ ''مجھے مرشد سے بات کرنی ہے۔''

''سرکار سے۔'' ملازم نے میری بے ادبی پر جز بز ہوتے ہوئے کہا۔

''سرکار ہوگا وہ تمہاری ماں کا۔'' اس بار میں نے شرافت بالائے طاق رکھتے ہوئے غرا کر کہا۔ ''اسے بولو اس کے باپ کی کال ہے۔''

ملازم غالباً دل ہی دل میں مجھے گالیاں دیتا ہوا مرشد کو بتانے گیا اور خود گیا تھا کیونکہ اس جاہل کو فون کال ٹرانسفر کرنا بھی نہیں آتی تھی۔ کچھ دیر بعد مرشد کی آواز آئی۔ ''ہیلو.....''

اس نے میرا نام نہیں لیا تھا لیکن سمجھ گیا ہوگا کہ اس طرح کال کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا۔ ''تم ایک ڈھنگ کی فون آپریٹر نہیں رکھ سکتے ہو؟''

''شہباز تم حد سے بڑھ رہے ہو؟'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

میں سمجھا کہ اس کا اشارہ کل والے واقعے کی طرف ہوگا اس لیے میں پہلے سے طے شدہ پالیسی کے تحت انجان بن گیا۔ ''میں سمجھا نہیں؟''

''تمہیں ایک معمولی ملازم سے میرے بارے میں اس طرح کہنے کی کیا ضرورت تھی اس اُلو کے پٹھے نے بھی چار لوگوں کے سامنے تمہاری بات دھرا دی۔''

مرشد کی حالت کا سوچ کر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ ''اس میں بھی تمہارا قصور ہے میں نے پہلے بھی کہا ہے کوئی فون آپریٹر رکھ لو اس طرح روز روز کی بے عزتی سے بچ جاؤ گے۔''

''پہلی بار میرے کسی ملازم نے ایسی بے وقوفی کی ہے۔''

''اب اس بے چارے کا کیا ہوگا تم نے اسے یقیناً اپنے جلادوں کے حوالے کر دیا ہوگا۔''

مرشد ایک لمحے کے لیے چپ ہوا پھر رکھائی سے بولا۔ ''تم اس کی نہیں اپنی فکر کرو۔ تم نے کل رات میرے ایک ٹھکانے پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا ہے۔ میرے چار آدمی مارے گئے اور ایک درجن زخمی ہوئے ہیں۔''

''کل رات.....'' میں نے تعجب سے کہا۔ ''مرشد کل تم نے یقیناً اپنی درگاہ کے لنگر کا کھانا کھایا ہوگا اور تمہارا پیٹ خراب ہوگا تبھی تمہیں ایسا خواب آیا۔ کل رات میں اپنے بستر میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔''

''مجھے احمق مت سمجھو، میرے ساتھی احمق تھے جو تمہیں پہچان نہیں سکے لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ یہ تمہاری کارروائی ہو سکتی ہے۔ فرخ شاہ کے بارے میں بھی مجھے بعد میں پتا چلا ورنہ اس کی لاش بھی نہ ملتی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون فرخ شاہ؟'' میں نے ایک بار پھر کمال سادگی کا مظاہرہ کیا۔

''میں اس فرخ شاہ کی بات کر رہا ہوں جو ایک زمانے میں راجا عمر دراز کا ایجنٹ تھا۔''

''اگر ایسا کوئی فرخ شاہ تھا تب بھی ضروری نہیں ہے میں اس سے واقف ہوں اور ہائی وی وے... فرخ شاہ سے تمہارا کیا تعلق؟''

''وہ میرے آدمیوں کے قبضے میں تھا لیکن تم لوگوں نے اسے چھڑا لیا اور اس کے بیوی بچوں سمیت اسے کہیں اور منتقل کر دیا۔ میرے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں اور وہ زیادہ دن چھپا نہیں رہے گا۔''

''ممکن ہے مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

''شہباز تم جھوٹ بول رہے ہو۔ فرخ شاہ نے خود قبول تھا کہ اس نے کن لوگوں کو اپنا مکان کرائے پر دیا تھا۔ وہ تمہارے ساتھی تھے۔''

''تم ایک ایسے شخص کی بات پر یقین کرتے ہوئے مجھے الزام دے رہے ہو جسے میں جانتا بھی نہیں ہوں۔'' میں نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''مجھے لگ رہا ہے تمہاری نیت میں کوئی فتور آ گیا ہے اور تم اپنے ہی معاہدے سے پیچھے ہٹنا چاہ رہے ہو۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' مرشد جھنجھلا گیا۔ ''تم میرے ساتھ چالاکی سے کام لے رہے ہو ایک طرف میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں اور دوسری طرف تم میرے خلاف کسی کارروائی کے لیے آزاد ہو۔''

''مرشد میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں اگر اس بہانے تم نے میرے یا میرے کسی ساتھی کے خلاف کوئی کارروائی کی تو اس کے نتائج تمہارے حق میں نہایت سنگین ہوں گے۔ اس لیے کچھ کرنے سے پہلے خوب سوچ لینا۔''

''میرا کچھ کرنے کا ارادہ نہیں ہے لیکن میں تمہیں بھی خبردار کر رہا ہوں اگر تمہاری طرف سے پھر ایسی کوئی کارروائی ہوئی تو کیس ری فائل کا کام رک جائے گا۔''

''تب تم اس بہانے یہی کرنا چاہتے ہو۔'' میں نے اپنا انداز برقرار رکھا۔ ''مرشد تمہارے چچازاد بھائی کا نام کیا ہے۔ شاید ارشاد علی ہے۔''

''ہاں۔'' اس کے لہجے میں تشویش آ گئی۔ ''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''ایسے ہی..... جس طرح تم میرے بارے میں ساری خبریں رکھتے ہو اسی طرح میرا حق بھی ہے کہ تمہارے بارے میں مکمل معلومات رکھوں۔''

''شہباز تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟'' اس کے لہجے کی تشویش بڑھ گئی تھی۔ ''تم جانتے ہو کہ میرے اپنے چچازاد بھائیوں سے تعلقات اچھے نہیں ہیں اس لیے تم ان سے ملنے کی بات کر رہے ہو؟''

''یہ بھی ایک آپشن ہے۔'' میں نے سرسری سے انداز میں کہا۔ ''مجھے امید ہے تم مجھے مجبور نہیں کرو گے کہ میں ان کی طرف جاؤں۔ ویسے مجھے کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے میں خود تم سے اور تمہارے سارے خاندان سے نمٹ سکتا ہوں۔''

''اب تم دعوے کر رہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں دھوئی نہیں ہے۔'' میں نے تردید کی۔ ''یہ حقیقت ہے۔''

''نادر کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے، اس نے جینے کی امید چھوڑ دی ہے لیکن تم جانتے ہو آج کل آدمی اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا ہے اسے زندہ رکھنے کے کئی طریقے ایجاد ہو گئے ہیں۔ تم فکر مت کرو اسے زندہ ہی تمہارے حوالے کیا جائے گا۔ ہاں تم اس کی جان لے لو تو الگ بات ہے۔''

''میں اس کی جان کیوں لوں گا وہ میرا ایک ہی تو بھائی ہے۔'' وہ چالاکی سے بولا۔

''تمہارے بھائی نے تمہیں اپنا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''اس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ تمہارے حوالے کرنے کے بجائے میں اسے اپنے ہاتھ سے ماردوں۔''

''وہ دشمنوں کی باتوں میں آ گیا ہے۔''

''اگر تمہارا اشارہ ہماری طرف ہے تو میں یقین دلاتا ہوں ہم نے نادر کا ذرا بھی بریں واش نہیں کیا ہے۔''

''میں اپنے چچازادوں کی بات کر رہا ہوں میں نے بے وقوفی کی تھی جب نادر کو مرشد ہاؤس سے دور بھیجا اور ان لوگوں کو موقع مل گیا۔''

''تم ان سے خوفزدہ ہو؟''

''نہیں۔'' وہ جھنجھلا گیا۔ ''مجھے صرف رشتے داری کا خیال ہے ورنہ میں ان کو ایک دن میں مٹا دوں۔''

مرشد یقیناً غصے میں تھا ورنہ وہ میرے سامنے اور فون پر اس طرح کی بات نہ کرتا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا اس لیے اس نے جلدی سے بات بدل دی۔ ''شہباز..... اب میں اس معاملے کو جلد از جلد نمٹا دینا چاہتا ہوں۔''

''اپنا پورا زور لگاؤ اور کیسوں کی واپسی کا عمل تیز کرو۔ جیسے ہی مجھے ان سے چھٹکارا ملے گا میں نادر تمہارے حوالے کر دوں گا۔'' میں نے کہا پھر مجھے صابر کا خیال آیا۔ ''مرشد تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو لیکن خود تم کر رہے ہو۔ صابر کو کس نے مارا ہے؟''

''صابر.....؟'' وہ بوکھلایا پھر سنبھل کر ڈھٹائی سے بولا۔ ''میں نہیں جانتا میں نے بھی اخبار میں اس کے بارے میں پڑھا ہے۔''

''مرشد وہ تم سے بچتا پھر رہا تھا اور تمہارے آدمی اس کے پیچھے تھے۔ اس کے دو غدار ساتھی تو ہمارے ہاتھ لگ گئے تھے اور انہوں نے خود تم سے گٹھ جوڑ کا اعتراف کیا تھا۔ صابر کے گھر میں جو ہوا وہ تمہارے کہنے پر ہوا اور اس میں تمہارے ساتھی بھی شامل تھے۔''

''تم جو چاہے کہتے رہو۔'' اس نے اس بار سکون سے کہا۔ ''تمہارے کہنے سے کوئی جرم میرے کھاتے میں شامل نہیں ہو گا۔''

''کیونکہ تم اک بارسوخ سیاست دان اور جاگیردار گدی نشین ہو۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''لیکن تم نے یہ سوچا کہ باقی ہر لحاظ سے ایک عام آدمی ہو۔ تمہیں بالکل کسی ایسی وجہ سے موت آ سکتی ہے جو کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عام آدمی کی موت کی وجہ ہو سکتی ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے تکبر سے کہا۔ ''ایک عام آدمی اور مجھ میں بہت فرق ہے۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ ''ایک عام آدمی کتنا بھی برا ہو جائے وہ تمہارے مقام تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔''

''میرا خیال ہے تمہارے پاس کرنے کے لیے کوئی بات نہیں رہی ہے۔'' اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

''نہیں ایک بات ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آئندہ میرے وکیل کو غیر متعلقہ باتوں کے لیے کال مت کرنا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میرے مقدمات بھی بھاڑ جائیں، مگر تمہاری آئندہ ایسی کسی حرکت کے جواب میں وہ تمہیں عدالت میں کھینچ لے گا۔ تم سوچ سکتے ہو اس قسم کی مقدمے بازی تمہاری سیاسی ساکھ کے لیے کس قدر نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔''

''وہ بلاوجہ بھڑک رہا ہے میں نے اسے ایسا کیا کہہ دیا؟'' مرشد نے ناگواری سے کہا۔

''مرشد میں نے تمہاری ریکارڈنگ سنی ہے۔ تم اپنے کسی ایمان فروش مرید سے نہیں ایک معزز وکیل سے بات کر رہے تھے اگر بات عدالت تک گئی تو جج بھی اس فرق کو نوٹ کرے گا۔ سب منظرِ عام پر آئے گا۔''

''ٹھیک ہے اب میں اسے کال نہیں کروں گا۔'' مرشد نے جلدی سے کہا۔ میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

''دوسرے اپنے وکیل سے کہو کہ اپنے سپریم کورٹ کا وکیل ہونے کا خناس ذہن سے نکال دے اور اس معاملے میں وہی کرے جو ندیم اسے کہے، بلاوجہ اپنی قابلیت نہ جھاڑے۔''

''تم فکر مت کرو اسے پہلے ہی ہدایت دے چکا ہوں اور وہ تمہارے وکیل سے مکمل تعاون کر رہا ہے۔''

''ندیم نے بھی یہی بتایا ہے مگر تم ایک بار پھر اسے کہہ دو۔ دوسرے نیا تفتیشی افسر شیر شاہ تمہارے آدمیوں میں شامل ہے؟''

''وہ میرے آدمیوں میں نہیں ہے لیکن اس سے جو اوپر بیٹھے ہیں ان سے تعلق ہے۔''

''دوسرے لفظوں میں تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ نیا تفتیشی افسر کیسوں کی ری فائلنگ میں روڑے اٹکائے گا تو یہ تمہارا قصور نہیں ہوگا۔''

''تم بلاوجہ بدگمان ہو رہے ہو۔ میں نے کب کہا کہ وہ روڑے اٹکائے گا۔ وہ اپنے اوپر والوں کے حکم سے انکار نہیں کر سکتا ہے۔ ویسے تم نے اکرم چشتی کے ساتھ اچھا نہیں کیا وہ بہت کام کا آدمی تھا یوں سمجھ لو میں اسے براہِ راست حکم دے سکتا تھا لیکن ہر پولیس افسر اس طرح آنکھ بند کر کے میری بات نہیں مانے گا۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا ہے لیکن سنا ہے دشمنوں نے ڈی ایس پی صاحب کو کسی قابل نہیں چھوڑا ہے سوائے بیوی کے.....'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''وہ کیا کہتے ہیں مکافاتِ عمل..... شاید ان کی رسی کھینچنے کا وقت آ گیا تھا۔ مجھے ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور تمہیں بھی افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے پولیس کا محکمہ ایسی کالی بھیڑوں سے بھرا ہوا ہے مجھے تو حیرت ہے کہ اب تک کسی نے اکرم چشتی کی جگہ لینے کی درخواست نہیں کی تم سے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ہنسا۔ ''کئی آئے تھے مگر فی الحال میں نے سب کو ٹال دیا ہے۔ ایک بار ان کو منہ لگا لو تو یہ آئے دن دھرنا دیئے بیٹھے ہوتے ہیں حرام کھانے کے چکر میں۔''

''اور تمہارے پاس حرام ہی حرام ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''گدھ بھی تو وہیں آتے ہیں جہاں مردار ہوتا ہے۔ خیر چھوڑو اپنے فاضلی صاحب کا حال احوال سناؤ۔ میرا خیال ہے خیر سے صحت مند ہو گئے ہوں گے۔''

''فاضلی کو میں باہر بھیج رہا ہوں۔'' اس نے گویا مجھے آگاہ کیا۔ ''صحت یاب ہوتے ہی وہ یہاں سے چلا جائے گا۔''

''افسوس کہ تم نے ابھی اسے پہچانا نہیں ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مرشد تم میرے دشمن ہو لیکن میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں تم اپنی آستین میں سانپ نہیں اژدھا پال رہے ہو۔''

''تم مجھے فاضلی کے بارے میں نہیں بہکا سکتے میں اسے تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''اس کی قید میں، میں رہا ہوں تم نہیں اس لیے تم یہ بات نہیں کہہ سکتے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''بہرحال تمہاری مرضی۔''

میں نے کال کاٹ دی۔ اگر مرشد نے سچ کہا تھا تو اسے یقیناً فاضلی سے کوئی انسیت تھی ورنہ وہ اسے ہم سے بچانے کے لیے یوں کہیں دور نہ بھیجتا اور اس کا امکان بھی تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہو۔ ویسے فاضلی بھی مجھے کہیں جانے والا نہیں لگتا تھا اس کے عزائم بہت اونچے تھے اور مرشد کو ان کی بھنک پڑ جاتی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے مینا اڑ جاتے اور وہ فاضلی سے اپنی انسیت بھول کر اسے ملک سے باہر بھیجنے کے بجائے دنیا سے بھیجنے پر تل جاتا۔ وہ میرے کہنے پر کبھی یقین نہ کرتا لیکن مجھے یقین تھا کہ جلد وقت خود اسے فاضلی کی اصلیت بتا دے گا۔ مرشد کسی پر یقین کرنے والا آدمی نہیں تھا جو اپنے سگے بھائی کے درپے ہو جائے وہ اپنی ناجائز اولاد کو کیوں بخشے گا صرف اتنا یقین ہونے کی دیر تھی کہ فاضلی اس کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ اس کے بعد مرشد اپنے ہاتھ سے اسے قتل کرے گا۔ معاف کرنا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ میں نے اس معاملے کو مرشد اور فاضلی کی قسمت پر چھوڑ دیا تھا۔

اس سے بات کر کے یہ تصدیق ہو گئی تھی کہ اکرم چشتی سچ مچ بے کار ہو گیا تھا۔ اگر اسے نوکری سے نہ نکالا گیا تو کسی ایسی ڈیوٹی پر لگا دیا جائے گا جہاں وہ بیٹھ کر مکھیاں مار سکے ویسے اس کے لیے سب سے موزوں جاب شکایات سننے کی ہو سکتی تھی۔ ایک بار مجھے خیال آیا کہ اکرم چشتی کا بہ چشم خود معائنہ کیا جائے لیکن فوراً ہی میں نے خیالی جھٹک دیا۔ اکرم چشتی اندھا اور بہرا ہوا تھا باقی پولیس فورس کی آنکھیں بالکل سلامت تھیں۔ ایک بار میں اکرم چشتی کو دیکھنے جاتا تو واپسی کیسے ہوتی۔ مرشد کے لہجے میں گزشتہ رات کی کارروائی کی جھنجلاہٹ تھی لیکن وہ اس معاملے میں اتنا برافروختہ بھی نہیں تھا کہ مجھ سے کیا معاہدہ توڑ دیتا۔ ظاہر ہے یہ اس کا براہ راست نقصان نہیں تھا بلکہ اس کے پالتو ڈاکوؤں کا ذاتی نقصان تھا اور ظاہر ہے مرشد کو اس کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ اس سے گفتگو کر کے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جلد از جلد نادر کو حاصل کرنے کے لیے میرے خلاف کیسوں کو جلدی میں ختم کرنے میں سنجیدہ ہے۔

وسیم سو رہا تھا اور عبداللہ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ میں نے اکیلے ہی لنچ کیا اور پھر حویلی کال کی۔ سب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ہوئی۔ سفیر کو میں نے اشارے کنائے میں سمجھا دیا تھا کہ وسیم آنے والا ہے اور وہ اس کی جگہ یہاں آئے گا۔ وہ تاڑ گیا کہ کوئی چکر ہے جب میں نے فون بند کیا تو سفیر کے نمبر سے کال آ گئی۔ وہ اب کہیں اور تھا۔ "شہباز کیا ہوا ہے؟"

"یار ایک مہم پر گئے تھے مہم تو کامیاب رہی اور اس سے پہلے ایک بڑا خزانہ بھی ہاتھ لگا لیکن اس مہم کے دوران وسیم کی ران میں گولی لگی ہے۔ ویسے ٹھیک ہے مگر مکمل ٹھیک ہونے میں پندرہ دن لگ سکتے ہیں۔"

"اچھا صبح تو سعدیہ کی اس سے بات ہوئی ہے۔" سفیر نے حیرت سے کہا۔ "اسے بالکل اندازہ نہیں ہوا۔"

"وسیم منجھا ہوا شوہر ہے یار۔ بہرحال تُو بھاپ بھی مت نکالنا، میرا اشارہ مونا کی طرف ہے تیرے پیٹ میں کوئی بات نہیں ٹکتی ہے۔"

سفیر کھسیا گیا۔ "اب ایسا بھی نہیں ہے۔ وسیم کب تک آئے گا؟"

"چند دنوں میں۔" میں نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ "لیکن تم لوگ ایک گھنٹے کے نوٹس پر روانگی کے لیے تیار رہنا۔"

"ٹھیک ہے لیکن میں مانی اور بیتو سے نہیں کہوں گا وہ اپنی دیدیوں کو پھوٹ دیں گے۔"

"بیتو کی دیدی تو سادی ہے یہ مانی کی دیدی کون ہے؟"

"مونا..... آج کل حویلی میدان جنگ بنی ہوئی ہے۔ سعدیہ اور مانی کی ٹھنی رہتی ہے۔ مونا اپنے بھائی کی حمایت کرتی ہے اور بیتو اپنی دیدی کی۔"

میں ہنسا۔ "وہی تیری ہونی ہوگی۔"

"کم بختی ہے بھائی اگر غلطی سے بھی کسی دوسرے کی حمایت کر دو تو کوئی نہ کوئی پنچ جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتا ہے۔"

"یہ کوئی مونا ہی ہوتی ہوگی۔"

"ہاں یار فارم میں آ گئی ہے۔"

"یہ اچھا ہے سفیر، وہ باہمت لڑکی ہے ورنہ اس کا دکھ معمولی نہیں تھا۔ اولاد کا دکھ ہر دکھ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔"

سفیر چپ ہو گیا پھر اس نے سرد آہ بھری۔ "ٹھیک کہہ رہا ہے میں نے اس بچے کے لیے نہ جانے کیا کیا سوچ لیا تھا جو ابھی ماں کے پیٹ میں شاید مہینے کا بھی نہیں ہوا تھا۔ اگر مجھے اس کا خیال آتا ہے تو یقین کر دل میں جیسے سوئی سی چبھ جاتی ہے۔" سفیر کا لہجہ بدل گیا۔ "مونا کی خاطر میں معمول کے مطابق رہتا ہوں۔"

"حوصلہ کر یار۔" میں نے اسے پیار سے سمجھایا۔ "اسی سے مونا کے دکھ کا اندازہ کر لے۔ ماں کا دکھ باپ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اولاد کے لیے۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہے کبھی میری آنکھ کھلتی ہے تو مونا سوتی بن جاتی ہے پر یار اس کے چہرے پر آنسو ہوتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سفیر وہ بچہ اللہ کی امانت تھا اور جو آئندہ دے گا وہ بھی اسی کی امانت ہوں گے جب چاہے دے اور جب چاہے واپس لے لے۔ مجھے یقین ہے اس بچے کے بدلے تم دونوں کو اولاد کی بہت ساری خوشیاں دے گا۔''

''ان شاء اللہ۔'' اس نے کہا۔

''اگر مونا سیٹ ہے تب آجا ورنہ ابھی وہیں رہ، یہاں کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہاتھ پاؤں سمیٹ کر بیٹھے ہیں۔''

''یار میں سوچ رہا ہوں کہ تیرے پاس آنے کے بہانے ایک چکر دبئی کا لگالوں۔ وہاں میں نے کمپنی بنائی تھی کچھ اس کے معاملات بھی دیکھوں گا اور وہاں موجود رقم کی ٹرانسفر کا بندوبست بھی کروں گا۔ ویسے وہ رقم میں یہاں سے بھی نکال سکتا ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے اس رقم کو وہیں رہنے دے بلکہ ہو سکے تو کسی نفع بخش کام میں لگا دے۔ ایسے ہی پڑے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

''میں سوچ رہا ہوں اسے گولڈ میں تبدیل کرلوں۔ سنا ہے آنے والے چند سالوں میں سونے کی قیمت دو گنی ہو جائے گی۔''

''سنا تو میں نے بھی یہی ہے اور پھر سونے میں تبدیل کرانے سے نقصان بھی نہیں ہوگا یہ بہت آسانی سے کیش ہو جانے والی چیز ہے۔''

سفیر کو یاد آیا۔ ''تو کسی خزانے کا ذکر کر رہا تھا۔''

میں نے اسے ڈاکوؤں سے ملنے والی رقم اور سونے کے بارے میں بتایا۔ ''تقریباً ساڑھے سات کروڑ روپے مالیت کی چیزیں ہیں۔''

''عبداللہ سے کہو کہ سونا فروخت کرنے کے بجائے اسے چھوٹی بارز میں تبدیل کرالے۔ کسی لاکر میں رکھوا دینا۔ بعد میں کام آئیں گی۔''

''بعد میں کب؟''

''جب ان چکروں سے جان چھوٹ جائے گی تو اپنا گھر اور بزنس بھی تو اسٹیبلش کرنا ہوگا۔''

''یار یہ دولت حلال کی نہیں ہے۔ اسے عام استعمال میں نہیں لانا ہے۔ اس سے فی الحال ہمارے اخراجات پورے ہو رہے ہیں اور اگر باقی بچی تو لوگوں میں بانٹ دیں گے۔''

''چل کوئی بات نہیں، ہیروں والی رقم تو ہے۔''

''نہیں وہ تیری اور مونا کی ہے۔''

''تب تُو کیا کرے گا؟'' سفیر خفگی سے بولا۔ ''محنت مزدوری کرے گا۔''

''وہ بھی کرلوں گا۔'' میں ہنسا۔ ''ویسے میری خاصی رقم ندیم کے پاس پڑی ہے اگر اس کی فیس سے بچ گئی تو اپنا کام دوبارہ شروع کروں گا تُو جانتا ہے یہ صرف کام نہیں ہے بلکہ میرا شوق بھی ہے۔ اگر رقم نہیں ہوئی تو تجھ سے ادھار لے لوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بکواس نہ کر اس میں تیرا اور وسیم کا حصہ بھی ہے۔''

''اس طرح تو بیتو بھی ہوا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''وہ بھی اس سفر میں ہمارے ساتھ تھا جس میں ہیرے ملے تھے۔''

''ہاں وہ بھی ہے۔ چار حصے دار ہیں اس رقم کے۔''

''بس تو آجا اور دبئی جا کر یہ کام کر لے۔'' میں نے کہا۔ ''مونا کو نہیں بتائے گا۔''

''اسے بتایا تو وہ حویلی سے نہیں نکلنے دے گی۔''

سفیر سے گفتگو کے دوران عبداللہ آ گیا تھا اس نے ایک بڑا سا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ بیگ میرے سامنے میز پر رکھ کر وہ اندر چلا گیا۔ شاید اس نے کھانا نہیں کھایا تھا جب تک میں نے سفیر سے بات کی وہ واپس آ گیا۔ موبائل بند کر کے میں نے اس سے پوچھا۔ ''کہاں گئے تھے؟''

''گیا تو ایک اور کام سے تھا لیکن میں نے سوچا کہ آپ کی تجویز پر عمل درآمد شروع کر دیا جائے۔ میں دس لاکھ لے گیا تھا انہیں پانچ ہزار کے نوٹوں میں تبدیل کرا لایا ہوں۔'' اس نے بیگ سے پانچ ہزار کے نوٹوں والی دو گڈیاں نکالیں۔ ''ایک جاننے والا بنک منیجر ہے میں نے اس سے بات کی ہے۔ تھوڑی تھوڑی کر کے ساری رقم اسی طرح کرا لوں گا۔''

''یہ اچھا کام شروع کیا ہے تم نے۔'' میں نے کہا اور اسے سفیر کی تجویز کے بارے میں بتایا۔ اس نے سر ہلایا۔

''اتفاق سے میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا اس لیے سامان لینے گیا تھا۔'' اس نے بیگ سے وہ مخصوص برتن نکالا جس میں سونا پگھلایا جاتا تھا اور اس کام کے باقی اوزار بھی تھے۔ وہ سوگرام کے بار کی ڈائی بھی لایا تھا۔ یہ سامان عام نہیں ملتا ہے لیکن مل جاتا ہے۔ عبداللہ نے شاہ جی کو بلا لیا اور زیورات کو پگھلا کر بار میں تبدیل کرنے کا عمل شروع کر دیا۔ یہ کام اوپر میرے کمرے میں ہو رہا تھا۔ کچھ دیر تو میں دلچسپی لیتا رہا لیکن پھر بوریت ہونے لگی تو وسیم کے کمرے میں آیا۔ وہ جاگ گیا تھا اس نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لیے تھے۔ کپڑوں میں وہ آرام دہ ٹی شرٹ اور کھلا شارٹ پہن رہا تھا کیونکہ زخم کی وجہ سے وہ پتلون نہیں پہن سکتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ عبداللہ کیا کر رہا ہے۔ اس نے دلچسپی سے کہا۔ ''اچھا میں بھی دیکھ کر آتا ہوں۔''

وہ واکر کے سہارے چلا گیا اور حسب توقع دس منٹ بعد بور ہو کر واپس آ گیا۔ ''بڑا مشکل کام ہے ابھی تک صرف ایک درجن بار زبنیں ہیں۔''

''کم سے کم سو بار زبنیں گی۔'' میں نے کہا۔ ''اتنا سونا تو ہے۔''

''میری سعدیہ سے بات ہوئی تھی۔''

''میری بھی سب سے بات ہوئی ہے۔ میں نے سفیر کو بتا دیا ہے۔ تم ایک دو دن میں جیسے ہی سفر کے قابل ہوئے حویلی روانہ ہو جانا۔ وہاں سے سفیر، مانی اور بیتو آ جائیں گے۔''

''میرا کیا کام ہے وہاں؟''

''تم آرام کرو گے اور سعدیہ کے ساتھ رہو گے۔ جب تک مکمل فٹ نہیں ہو جاتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔''وسیم اور ایاز کی طرف سے ابھی تک اطلاع نہیں آئی ہے۔''

''آپ کال کر کے معلوم کر لیں۔ ممکن ہے کہیں راستہ خراب ہو تو انہیں دیر ہوئی ہو۔''

چند سال پہلے تک یہاں ہائی ویز کا نظام بہت اچھا نہیں تھا اور خاص طور پر میانوالی کی سڑکیں خستہ حالی کا شکار رہتی تھیں۔ مگر سٹی گورنمنٹس کے قیام سے سڑکوں کے نظام میں خاصی بہتری آئی تھی۔ پھر مرمت کے کام چلتے رہتے تھے اور اس وجہ سے ٹریفک میں خلل لازمی آتا تھا۔ عبداللہ سے بات کر کے میں نے وسیم کو کال کی۔ اس نے کال ریسیو کی۔''جی شہباز صاحب..... ابھی راستے میں ہیں۔ سڑک کئی جگہ بہت خراب ملی اور ٹریفک جام تھا۔ ایاز کا کہنا ہے کہ اب ایک گھنٹے کا سفر باقی ہے۔''

''دوسرا کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''نہیں ابھی تک دشمنوں کی منحوس صورت یا ان کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آئے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

''لیکن ہم ہوشیار ہیں۔''

''ہوشیار ہی رہنا اور حویلی پہنچتے ہی اطلاع کرنا۔'' میں نے کہا۔

''آپ بے فکر رہیں۔''

وسیم سے بات کر کے مجھے اطمینان ہوا تھا۔ حالات بہت عرصے بعد بہتری کی طرف آئے تھے۔ بریف کیس کا مسئلہ حل ہوا تھا اگرچہ یہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں تھا لیکن پھر بھی یہ میرے نام کے ساتھ جڑا ہوا تھا اور آنے والے وقت میں یہ مسئلہ بن بھی سکتا تھا۔ اب اس کا امکان نہیں رہا تھا۔ مرشد دباؤ کے آگے مجبور ہوا تھا اور اس نے میرے کیس ری فائل کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی اور کیس ری فائل کی درخواست بھی دے دی گئی تھی۔ ندیم کا کہنا تھا کہ اگر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو ایک سے ڈیڑھ مہینے میں میرے خلاف تمام کیسز خارج کر دیے جائیں گے۔ اس کے بعد مجھ پر قانون کی گرفت نہ رہتی میں حرکت کرنے اور ملک سے باہر جانے کے لیے آزاد ہو جاتا۔ میں نادر کو ناکارہ بنا کر مرشد کے حوالے کر دیتا اور اگر مستقبل میں مرشد کوئی شرارت کرتا تو اس سے نمٹا جا سکتا تھا۔

فتح خان ہیروں کے ساتھ بریف کیس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور فی الحال نہ گھر کا نہ گھاٹ کا تھا۔ اس کے کچھ ساتھی آرمی انٹیلی جنس کی گرفت میں تھے اور ممکن ہے اب اس کی بھی تلاش کی جا رہی ہو۔ ڈبوڈشا وادی سے ناکام واپسی کے بعد خاموش بیٹھا ہوا۔ حکیم قادس کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اس کا معجزاتی دواؤں کے فارمولوں کا خواب بھی ادھورا رہ گیا تھا۔ ویسے بھی اس دوا کا بنیادی جز اصل میں ہمالیائی وادی میں ملتا تھا۔ گو میرے تقریباً تمام دشمن بے دست و پا تھے یا پھر خاموش بیٹھے رہنے پر مجبور تھے۔

مگر میں ایک دشمن کو بھول رہا تھا جسے ہمارے ہاتھوں دو مرتبہ شدید زک لگی تھی ایک مرتبہ مالی اور ایک مرتبہ جانی زک پہنچی تھی۔ جان کا تو اتنا مسئلہ نہیں تھا مگر ان کی تمام زندگی کی جمع پونجی ہم ہتھیا چکے تھے اور وہ دولت کے پیچھے جان لینے اور دینے والے لوگوں میں سے تھے۔ یعنی جیدا اینڈ کو اور وہ اس دولت کی واپسی کے لیے مرتے دم ہمارا پیچھا کرتا۔ اس وقت ہم نے ایک بات اور نظر انداز کی تھی کہ جیدا بے شک ہمارے بارے میں نہیں جانتا تھا لیکن مرشد ہمارے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا اور جیدا گروپ کا اس سے تعلق تھا وہ اسے ہمارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں بتا سکتا تھا۔ نہ صرف بتا سکتا تھا بلکہ انہیں اکسا کر اپنے سہارے کا یقین دلا کر انہیں ہمارے پیچھے لگا سکتا تھا۔ مرشد نے جذباتی ہو کر ندیم کو کال کر دی تھی اور اس طرح اس نے خود جیدا گروپ سے تعلق کا اعتراف کر لیا تھا اب اگر وہ ہمارے خلاف کارروائی کرتے تو مرشد ان سے لاتعلقی ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ جذباتی نہ ہوتا تو جیدا گروپ کو ہمارے خلاف کھل کر استعمال کر سکتا تھا اور ہم اسے الزام بھی نہ دے پاتے۔ مگر اب بھی اس کا امکان تھا۔ میں اس بارے میں غور کر رہا تھا اور مجھے احساس ہوا کہ کوٹھی میں مجھ سمیت صرف چار افراد تھے اور صرف میں ہتھیار استعمال کر سکتا تھا اور کسی مشکل موقع پر کوٹھی کا دفاع کرنا پڑتا اور اگر دشمن زیادہ قوت کے ساتھ حملہ کرتا تو میں اکیلا کیسے مقابلہ کرتا۔ جب کہ یہاں نہ صرف نادر تھا بلکہ وہ دولت بھی تھی جس کے لیے جیدا گروپ پاگل ہو رہا تھا۔

یہ خیالات آتے ہی میرے اندر بے چینی سے ابھرنے لگی تھی میں نے اٹھ کر کوٹھی کا چکر لگایا۔ دونوں گیٹس پر ایک ہی آدمی تھا وہ بڑی گلی والے گیٹ پر تھا لیکن یہاں سے پچھلی گلی والے گیٹ پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا۔ دوسرا آدمی اندر کے کمروں پر نگران تھا اور شاہ جی ظاہر ہے کچن دیکھنے میں لگا ہوا تھا۔ ساڑھے چھ بجے سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور کچھ دیر میں اندھیرا چھا جاتا۔ میں نے شاہ جی سے چائے کا کہا اور کوٹھی کی چھت پر آیا۔ یہاں سے چاروں طرف دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ بڑی کوٹھیوں کا علاقہ تھا اور بیشتر کوٹھیاں یک منزلہ تھیں اور دور تک دیکھنے میں رکاوٹ نہیں تھیں سرِ شام ہی روشنیاں جل اٹھی تھیں اور گلیاں روشن تھیں۔ بچے کھیل رہے تھے لوگ آ جا رہے تھے۔ پھل سبزی اور دوسری چیزیں فروخت کرنے والے بھی رواں دواں تھے لیکن ان میں مجھے کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آیا۔ سب معمول کے مطابق لگ رہا تھا۔

شاہ جی مجھے تلاش کرتا چائے اوپر ہی لے آیا تھا اس نے چائے کے ساتھ ٹرے میں گھر میں بنائے چھوٹے چائنیز سموسے بھی چٹنی کے ساتھ رکھے تھے۔ ''یہ تم نے نیکی کا کام کیا ہے شاہ جی۔'' میں نے اس سے ٹرے لی۔ ''نیچے موجود دونوں آدمیوں کو کہو کہ پوری طرح ہوشیار رہیں۔''

''میں کہہ دوں گا صاحب۔''

میں اوپر ہی رہا، مجھے عبداللہ کا انتظار تھا۔ کچھ دیر بعد وسیم کی کال آئی۔ ''ہم پہنچ گئے ہیں۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''یہ اچھا ہوا..... لیکن یہاں کوٹھی میں صرف میں ہوں اور تین نوکر ہیں۔ ابھی مجھے خیال آیا ہے کہ ہم جیدا پارٹی کی طرف سے کچھ زیادہ ہی مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں کیونکہ ان کے لیے یہ زندگی و موت کا مسئلہ ہے۔ وہ اپنی دولت واپس حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر سکتے ہیں۔''

''لیکن وہ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں اور فرخ شاہ ان کی گرفت سے دور جا چکا ہے۔''

''تم بھول رہے ہو مرشد ہمارے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے اور جیدا اصل میں اس کا آدمی ہی ہے۔''

وسیم سوچ میں پڑ گیا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مگر مرشد ہمارے اس ٹھکانے سے بے خبر ہے۔''

''ہاں یہ اطمینان کی بات ہے ورنہ اب تک وہ یہاں چڑھائی کر چکا ہوتا۔''

''دراصل اسے فاضلی کے غیر فعال ہونے سے نقصان ہوا ہے۔ وہ اس قسم کے کاموں کا ماہر تھا ورنہ باقی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرشد کے پاس میرا خیال ہے جیرا جیسے نرے بدمعاش ہی ہیں۔"

"میں نے اس سے پہلے بھی مرشد کے پاس کوئی کام کا آدمی نہیں دیکھا۔ یہ تو اس کی قسمت کہ ڈیوڈ شا کی وجہ سے فتح خان جیسا آدمی مل گیا۔"

"فتح خان اب اس کا دشمن ہے۔ ویسے آپ کا کیا اندازہ ہے فتح خان کہاں ہوگا۔"

"فی الحال وہ رُوپوش ہوگا کیونکہ اس کے آدمی آرمی انٹیلی جنس کے ہاتھ لگے ہیں اور بریف کیس والے معاملے میں اس کا نام آیا ہوگا۔ مگر اس کے بارے میں کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا ہے وہ اکثر مجھے حیران کر دیتا ہے۔"

"مہرو یا کرنل کی طرف سے دوبارہ رابطہ نہیں ہوا؟"

"نہیں اور اگر ان کی طرف سے رابطہ کیا بھی گیا تو میری طرف سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی۔ میں ان دونوں میاں بیوی سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

وسیم نے گویا سکون کا سانس لیا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں ان لوگوں سے دور رہا جائے۔"

"مجھے کرنل پسند ہی نہیں ہے۔ جو شخص مذہب کے معاملے میں اس طرح سے دھوکا کرے وہ میرے نزدیک کسی صورت قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتا ہے۔ مہرو کی وجہ سے مجبور ہو کر میں نے اس کی مدد کر دی تھی۔ اگر وہ پوچھ کر ہماری مدد کرنا چاہتا تو میں یقیناً انکار کر دیتا۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے اس حالت میں بھی کسی کا باپ ہمیں نہیں روک سکتا تھا۔"

"بہرحال تمہارے آدمیوں نے وہ کوٹھی چھوڑ دی ہے۔ عبداللہ ان کے ساتھ ہے وہ بھوت بنگلے میں شفٹ ہو چکے ہیں۔"

"بھوت بنگلہ۔" وسیم ہنسا۔ "اچھا نام ہے۔"

"سادی خوش ہے؟"

"ہاں مگر زخم دیکھ کر اس نے بہت سنائی ہیں۔"

"زخمی ہونے پر؟"

"نہیں اسے نہ بتانے پر۔"

ابھی بات کر رہا تھا کہ نیچے دو گاڑیاں آ کر رکیں۔ عبداللہ اپنے آدمیوں سمیت واپس آ گیا تھا۔ میں بات ختم کر کے نیچے آیا۔ عبداللہ اندر آ گیا تھا اور اس کے آدمیوں نے اپنی اپنی جگہوں پر ڈیوٹیاں سنبھال لی تھیں۔ عبداللہ نے آتے ہی معذرت کی۔ "سوری شہباز صاحب میں سارے آدمی لے گیا تھا لیکن اسی صورت منتقلی تیزی سے اور محفوظ طریقے سے ہو سکتی تھی۔"

"کوئی بات نہیں یار..... ویسے میں ہوشیار تھا۔"

"میں نے تعاقب کا خاص خیال رکھا تھا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ مرشد نہ سہی مگر کرنل کے آدمی ہماری نگرانی کر سکتے ہیں مگر اب مجھے یقین ہے ہمارے اس نئے ٹھکانے سے کوئی واقف نہیں ہے۔ حویلی اچھی ہے صاف ستھری اور تمام سہولیات کے ساتھ ہے۔ آس پاس کوئی دو سو گز تک کوئی دوسرا گھر نہیں ہے۔ شہر آنے کے دو تین راستے ہیں۔ میں دوسرے راستے سے ہو کر آیا ہوں یہ اسلام آباد ایکسپریس وے پر نکلتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ اچھا ہوا سفیر اور بیتو وہیں جائیں گے۔ تم سفیر کے لیے دبئی کا ایئر ٹکٹ لے لو۔ میں چاہتا ہوں وہ جلد از جلد دبئی چلا جائے۔''

''صرف سفیر جائے گا۔''

''ہاں اسے وہاں اپنے معاملات نمٹانے ہیں۔'' میں نے کہا پھر اسے وسیم کے بارے میں بتایا۔ گفتگو کا رخ وسیم کی طرف مڑا تو عبداللہ نے کہا۔

''میرا خیال ہے وسیم کی ایک بہن بھی ہے۔''

''سونیا۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن بہت عرصے سے اس سے رابطہ نہیں ہے۔ صرف وسیم جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟''

''اس لحاظ سے یہ اچھا ہی ہے ورنہ ہمارے دشمن اس تک پہنچ جاتے۔ وہ سکون سے اپنے گھر میں ہے ویسے اس بے چاری نے بہت دکھ دیکھے ہیں۔'' میں نے عبداللہ کو سونیا کے بارے میں بتایا۔

''یہ ناصر اگر اتنا ہی اچھا صحافی ہے تو ہمارے کام آسکتا ہے؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر اسے ہمارے کام آنا ہوتا تو وہ بہت پہلے خود ساتھ دیتا۔ میں نے کبھی کسی سے نہیں کہا کہ وہ میری جنگ میں میرا ساتھ دے۔ تم اور دوسرے سب اپنے خلوص اور اپنی رضامندی سے میرے ساتھ آئے۔ میں اسے الزام نہیں دے رہا لیکن وہ لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں تھا۔''

''اس طرح تو ندیم بھی ہے لیکن اس نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔''

''ندیم درمیان میں شامل نہیں ہوا ہے وہ شروع سے میرا دوست اور وکیل رہا ہے۔''

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہر کوئی اس طرح سے ساتھ نہیں دے سکتا۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''لیکن لاہور میں تو اس نے آپ کا بہت ساتھ دیا تھا۔''

''وہ ایک فوری اور ہنگامی ضرورت تھی۔ جب میں وہاں سے نکل گیا تو وہ وہیں رہ گیا تھا۔''

''آپ کے غائب ہونے اور ہجارت میں دریافت ہونے تک ہم میں سے کسی کو صورت حال کا درست معلوم نہیں تھا۔ ان دنوں میں ناصر سے مسلسل رابطے میں تھا لیکن جب راجا صاحب یہاں سے چلے گئے اور پھر مجھے بھی اسلام آباد جانا پڑا تو پھر اس سے رابطہ نہیں رہا۔ بس اتنا معلوم ہوا تھا کہ سونیا اور ناصر نے شادی کر لی ہے۔''

''ہمارے حالات بھی ایسے رہے کہ وسیم سے پوچھنے کا خیال ہی نہیں آیا کہ اس کا سونیا سے رابطہ ہے یا نہیں؟''

''میرا خیال ہے رابطہ ہے۔ خود وسیم نے بھی اپنی بہن کو الگ کر دیا ہے۔ اس لیے وہ اس کا ذکر بھی نہیں کرتا ہے۔''

''لیکن وہ اس سے ملنے بھی نہیں جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں ہمیں تو پتا چلتا۔''

''دشمنوں کو اس سے دور رکھنے کے لیے وہ خود اس سے ملنے سے گریز کرتا ہوگا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''پھر بھی یار مجھے شرمندگی ہو رہی ہے سونیا کا خیال میرے ذہن سے بالکل نکل گیا اور میں نے کبھی وسیم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اس کے بارے میں پوچھا بھی نہیں۔ وہ بھی کیا سوچتا ہوگا کہ مجھے اب اس کی بہن اور بہنوئی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟''

''حالات جناب۔'' عبداللہ نے مجھے تسلی دی۔ ''ہم میں سب سے زیادہ مشکلات کا شکار آپ ہی ہوتے ہیں آئے دن آپ دشمنوں کی قید میں ہوتے ہیں اور وہاں سے چھوٹ کر چند دن سکون کا سانس لیتے ہیں تو کچھ دن بعد کوئی دوسرا دشمن آپ کو لے جاتا ہے۔ ویسے میرا ایک مشورہ ہے؟''

''وہ کیا؟''

''آپ لاہور چلے جائیں کچھ دن کے لیے۔''

''لاہور.....وہاں جا کر کیا کروں گا؟''

''کچھ نہیں آرام کیجئے گا۔ وہاں دشمن نہیں ہوگا اس لیے خطرات بھی کم ہوں گے۔''

''لیکن وہاں تم لوگ بھی تو نہیں ہو گے۔''

''آپ بیتو اور سفیر کو لے جایئے گا۔''

اچانک مجھے خیال آیا۔ ''یار تم کسی خاص وجہ سے یہ سب کہہ رہے ہو؟''

عبداللہ مسکرایا۔ ''ارے نہیں.....بس ایسے ہی خیال آ گیا۔ آپ جانتے ہیں لاہور میں بھی راجا صاحب کا سیٹ اَپ ہے وہاں آپ کو کوئی مشکل نہیں ہوگی۔''

''نہیں یار مجھے چیزوں کے ساتھ مزہ نہیں آتا ہے مجھے اپنوں کے ساتھ مزہ آتا ہے۔''

''جیسے آپ کی مرضی، ویسے سچی بات ہے ہمیں بھی آپ کے ساتھ مزہ آتا ہے جب آپ غائب ہوتے ہیں تو ہم بھی بور ہو رہے ہوتے ہیں۔''

○.....❖.....○

اگلے دن ایاز سفیر، مانی اور بیتو کو لے آیا تھا۔ سفیر اور بیتو نے بھوت بنگلے جانے سے انکار کر دیا۔ وہ میرے پاس آنا چاہتے تھے۔ تینوں اور خاص طور سے بیتو آ کر مجھ سے ایسا چمٹا کہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے بوکھلا کر کہا۔ ''بھائی میں کہیں بھاگا تھوڑی جا رہا ہوں۔''

''بس اب ہم آپ کو نہیں چھوڑے گا۔'' بیتو نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''آپ اچانک غائب ہو جاتا ہے اس بار آپ غائب ہوا تو ہم بھی آپ کے ساتھ غائب ہوگا۔''

''لے بھائی۔'' سفیر نے قہقہہ لگایا۔ ''تیرا ازدواجی مستقبل ابھی سے تاریک نظر آ رہا ہے۔ جب یہ ایسے چمٹا رہے گا تو بیوی کے لیے جگہ ہی کہاں بچے گی۔''

میں اور بیتو دونوں ہی جھینپ گئے۔ بیتو جلدی سے الگ ہو گیا اور شکایتی لہجے میں بولا۔ ''یہ سفیر بھائی بہت تنگ کرتا ہے وہاں بھی ایسا ہی کرتا تھا۔''

''ایسے لوگوں کے لیے اس موسم میں کپڑوں سمیت غسل موزوں ہوتا ہے۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ سفیر نے بھانپ کر فرار ہونا چاہا تھا لیکن اس میں نے اسے پکڑا بیتو اور مانی رضا کار بن کر آئے اور ہم نے سفیر کو زبردستی لے کر شاور کے نیچے کھڑا کر دیا۔ وہ اندر سے باہر آنے کی کوشش کرتا تو ہم اسے واپس دھکیل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیتے۔ سفیر برا بھلا کہہ رہا تھا اور ساتھ ساتھ فقیں بھی کر رہا تھا۔ مگر جب تک وہ بھیگ نہیں گیا ہم نے اسے شاور کے نیچے سے نکلنے نہیں دیا۔ ہم باہر آئے تو وہ بھی بکتا جھکتا اور چھینکتا ہوا باہر آیا۔ عبداللہ کو ذرا دیر سے اطلاع ملی تھی اس لیے وہ محظوظ ہونے سے رہ گیا لیکن کچھ دیر بعد جب سفیر کپڑے بدل کر آ گیا تھا تو اسے مزید تپانے کے لیے بیتو اور مانی نے سارا واقعہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا۔ بالآخر یہ طوفانِ بدتمیزی ختم ہوا۔ مانی کو عبداللہ لے گیا اور بیتو اونگھنے لگا تھا۔ وہ سہ پہر کے وقت یہاں پہنچے تھے اس لیے کھانا راستے میں کھا لیا تھا۔ یہاں چائے کے ساتھ ری فریشمنٹ لی تھی۔

''اب بتا تیرا کیا ارادہ ہے؟'' میں نے سفیر سے پوچھا۔

وہ چائے کا سپ لے کر بولا۔ ''میں دبئی جا کر اپنا سیٹ اَپ دیکھوں گا۔ سچی بات یہ ہے کہ میں مونا کے ساتھ دبئی میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ دوسری صورت میں مجھے اس کو حویلی میں رکھنا پڑے گا اور حویلی کا ماحول اس جیسی شہری خاتون کے لیے موزوں نہیں ہے۔ وہ اس ماحول میں نہیں رہ سکے گی۔ یار مجھے تو تیری حویلی کے ماحول پر رشک آتا ہے۔ بے شک وہاں بھی روایات اور دیہی تہذیب کا پورا خیال رکھا جاتا ہے پر ذرا بھی گھٹن اور جبر کا احساس نہیں ہوتا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ میں وہاں جا کر بور ہوں گا پر میرا واپس آنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔''

''یہ بابا کا بنایا ہوا ماحول ہے۔ بعض معاملات میں وہ بہت سخت ہیں لیکن مجموعی طور پر انہوں نے ہمیں پوری آزادی دی۔ ہمارے ہاں لڑکیوں کو پڑھانے کا رواج نہیں ہے لیکن صغراں آپا کو بابا نے خود اصرار کر کے گریجویشن کرایا۔ اب شمی گریجویشن کر رہی ہے۔''

''یہ دونوں بہت بدمعاش ہیں۔'' سفیر نے مانی اور بیتو کی طرف اشارہ کیا۔ ''جب تک چاچا جی حویلی میں ہوتے یہ شرافت سے مردانے میں رہتے تھے اور ان کے جاتے ہی خواتین کے پاس پہنچ جاتے۔ ویسے مجھے لگتا ہے کہ چاچا جی کو بھی پتا تھا لیکن وہ نظر انداز کرتے تھے۔''

''خواتین سے مجھے یاد آیا شازیہ کیسی ہے اب؟''

''ٹھیک ہے، اس نے خود کو سنبھال لیا ہے۔ وہ سادی سے بہت اٹیچ ہو گئی ہے۔''

''مانی اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔''

''ہاں کچھ محسوس تو کیا تھا لیکن جب میں نے پوچھا تو صاف مکر گیا۔''

''تمہارے سامنے اقرار کر کے اس نے اپنی جان عذاب میں ڈالنی تھی۔''

''یار میں ایسا بھی جلاد نہیں ہوں۔'' سفیر بھنا گیا تھا۔ ''ان دونوں نے مجھے بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔''

''خیر چھوڑ ان کو، یہ بتا کہ جائے گا کیسے؟''

''ظاہر ہے بائی ائیر۔''

''بیٹے تمہارے خیال میں ائیر پورٹ پر مرشد کی نگرانی نہیں ہو گی۔ وہ حکومت میں شامل رہا ہے اور اب بھی اس کا اثر و رسوخ ہے۔''

''تب کیا پیدل چلا جاؤں؟''

''نہیں میں نے سوچا ہے تم یہاں سے نہیں بلکہ لاہور سے جاؤ گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یار وہاں سے ٹکٹ کرانے کا مسئلہ ہوگا۔''

''نہیں ہوگا یہ بتا پاسپورٹ اور دوسری چیزیں ساتھ لایا ہے؟''

''بالکل۔''

''بس تو ہم یہاں سے نکلیں گے اور لاہور میں کسی ٹریول ایجنٹ سے کام کرائیں گے۔''

''ہم۔'' سفیر چونکا۔ ''تم بھی چلو گے۔''

''لاہور تک۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''ہمارے ساتھ بیتو بھی ہوگا۔''

''یہ مصیبت ساتھ جائے گی۔''

''آپ خود مصیبت ہے۔'' بیتو نے آنکھیں بند کیے کیے کہا۔ ''ہم نے مونا دیدی کو کہتے سنا تھا۔''

سفیر مزید بھنا گیا تھا۔ ''دیکھی تم نے اس شخص کی اخلاقی حالت.....؟ میاں بیوی کی باتیں چھپ چھپ کر سنتا ہے۔''

''ہم نے اپنے کمرے میں سنا تھا۔'' بیتو اسی طرح بولا۔ ''مونا دیدی چلا کر کہہ رہا تھا۔''

میں ہنس رہا تھا اور بڑی مشکل سے ان کا جھگڑا ختم کرایا۔ طے ہوا کہ ہم کل صبح سویرے لاہور کے لیے نکل جائیں گے۔ مانی کو پتا چلا کہ بیتو ہمارے ساتھ جا رہا ہے تو وہ دوڑا آیا۔ ''شوبی میں بھی چلوں گا۔''

''سفیر دبئی جا رہا ہے حج کرنے نہیں جو پورا خاندان اسے ایئر پورٹ چھوڑنے جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارا یہاں کام ہے اس لیے تم یہیں رکو گے۔''

مانی نے منہ بسورا۔ ''بوریت.....''

''بیٹے جب راستے میں گولیاں چلیں گی اور دشمن بم وغیرہ پھینکیں گے تب تمہیں مزہ آئے گا۔''

''گولیاں، بم۔'' مانی نے بدک کر کہا۔ ''یہ کہاں سے آگئیں۔''

''جب برسیں گی تب پتا چل جائے گا کہ کہاں سے آ رہی ہیں۔'' سفیر نے اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

''تب میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' مانی نے فوراً فیصلہ واپس لے لیا۔

عبداللہ کو ہمارے اس فیصلے سے اختلاف تھا اس نے کہا۔ ''صرف تین افراد کا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ آپ تین چار محافظ لے کر جائیں۔''

''نہیں یار بھیڑ بھاڑ سے ہم نظر میں آسکتے ہیں اور ایک بار دشمن کی نظر میں آجائیں تو پھر زیادہ آدمیوں سے بھی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ وہ اسی لحاظ سے اپنا پلان بنالے گا۔ ہم جتنی خاموشی سے نکلیں گے اتنا ہی کم امکان ہوگا دشمن کی نظر میں آنے کا۔''

سفیر حامی تھا اس نے کہا۔ ''شوبی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اپنی کسی گاڑی کے بجائے پرائیویٹ گاڑی لے لینی چاہیے۔''

''بالکل ڈرائیور سمیت کار مل جاتی ہے۔ ہم دو دن کے لیے ہائر کرلیں گے اور امید ہے کہ دو دن میں سفیر روانہ ہو جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیسی آپ کی مرضی۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''لیکن آپ مجھ سے مستقل رابطے میں رہیے گا۔''

''مستقل تو مشکل ہے لیکن دن میں چار پانچ بار تم سے رابطہ کریں گے۔''

کیونکہ صبح سویرے نکلنا تھا اس لیے رات سے تیاری شروع کر دی۔ بیتو بہت خوش تھا کہ اسے میرے ساتھ پھر سفر کا موقع مل رہا ہے۔ اسے لاہور دیکھنے کا شوق تھا اور اس نے بڑے تعجب سے پوچھا۔ ''شوبی کیا سچ مچ جولا ہور نہیں دیکھتا وہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''یہ محاورہ ہے منے۔'' سفیر نے کہا اور پھر بیتو کو سمجھانے لگا کہ محاورہ کسے کہتے ہیں۔ سفیر نے ایک اچھا کام یہ کیا تھا کہ ایک اخباری اشتہار دیکھ کر ایک رینٹ اے کار والے سے بات کر لی تھی۔ اب وہ صبح آٹھ بجے فیض آباد کے ایک معروف کیفے کے سامنے ہمارا انتظار کرتا۔ اگر ہم صبح ہی کار تلاش کرتے تو بہت مشکل ہوتی کیونکہ اس قسم کی دکانیں کھلتی ہی گیارہ بجے کے آس پاس تھیں۔ عبداللہ وقت ضائع کیے بغیر کوٹھی کی الیکٹرانک سیکورٹی کرانے میں لگ گیا تھا اور وہ مانی کے ساتھ رات گئے تک گھومتا رہا تھا اور آلات خریدتا رہا تھا۔ جب وہ آیا تو ہم کچھ دیر بیٹھے اور پھر سونے کے لیے اٹھ گئے تھے۔ عبداللہ نے پھر کہا کہ ہم راجا صاحب کی کوٹھی میں رکیں مگر میں نے انکار کیا۔

''یہ بلاوجہ نظروں میں آنے والی بات ہوگی۔ راجا صاحب کی کوٹھی سے دشمن اچھی طرح واقف ہیں لیکن تم وہاں موجود ذمے دار کا نمبر دے دینا اگر مجھے ضرورت پڑی تو میں اس سے رابطہ کر لوں گا۔''

عبداللہ نے مجھے نمبر دیا۔ ''خالد رفیق نام ہے۔ کام کا آدمی ہے لڑنے والا نہیں ہے لیکن ضرورت پڑنے پر سامان اور بندے مہیا کر سکتا ہے۔ اس کا ایک بھائی اندرون لاہور میں اکھاڑا چلاتا ہے۔''

''یعنی بدمعاشی کا اڈہ؟'' میں نے عبداللہ کی بات پر غور کیا۔

''ظاہر ہے شرافت سے اکھاڑا کون چلاتا ہے آج کل۔''

''ٹھیک ہے ضرورت پڑے گی تو میں اس سے رابطہ کروں گا۔''

صبح بیتو نے مجھے بیدار کیا۔ ''شوبی اٹھ جائیں اور تیار ہو جائیں ناشتہ بھی تیار ہو رہا ہے۔''

میں مختصر غسل کر کے اور لباس بدل کر نیچے آیا۔ سفیر اور بیتو پہلے ہی ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ سفیر نے کہا۔ ''گاڑی والے کی کال آئی تھی وہ وقت پر پہنچ جائے گا۔''

ساڑھے سات بج چکے تھے اس لیے عجلت میں ناشتہ نمٹایا گیا۔ عبداللہ رقم نکال لایا۔ اس نے دس لاکھ روپے سفیر کو دیئے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ رقم یہیں سے لے کر جائے اور دبئی میں موجود سرمائے کو نہ چھیڑے۔ یہ پانچ ہزار کی دو گڈیوں کی صورت میں تھے۔ مجھے عبداللہ نے پانچ ہزار، ہزار اور پانچ سو کے الگ الگ نوٹوں کی صورت میں کوئی لاکھ روپے دیئے۔ میرے خیال میں اتنی رقم کافی تھی۔ بیتو کے پاس کچھ رقم موجود تھی اس لیے اس نے مزید لینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ ہم کسی اور کے ساتھ جا رہے تھے اس لیے ہم نے چھوٹے ہتھیار رکھے۔ پھر بھی بیتو نے حفظ ماتقدم ایک چھوٹی مشین گن اپنے بیگ میں کپڑوں کے نیچے رکھ لی یہ اس میں آرام سے آ گئی تھی۔ عبداللہ نے ہمیں مین روڈ تک چھوڑا۔ ہمیں گرم جوشی سے رخصت کر کے وہ واپس کوٹھی کی طرف چلا گیا۔ ہم پیدل ہی کیفے کی طرف چل پڑے جہاں کار والا ہمارا منتظر تھا۔ ٹھیک آٹھ بجے ہم اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے تھے۔ وہ سانولے رنگ کا دبلا اور ذرا شوقین نظر آنے والا نوجوان تھا۔ اس کا ہیئر اسٹائل کچھ عجیب سا تھا سائیڈوں سے لیئرلٹ جیسے خواتین کرواتی ہیں اور پیچھے کے لمبے بال ایک ڈھیلی پونی کی صورت میں باندھ رکھے تھے۔ نام اس کا شاہد تھا۔ اس نے ہمیں دیکھا۔ ''بس آپ تینوں نے جانا ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا اور فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ بیتو اور سفیر پیچھے بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی تین سال پرانے ماڈل کی سیوک تھی اور بہت اچھی حالت میں تھی۔ شاہد ڈرائیونگ سیٹ پر آیا اور کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔

''جناب میں ایک دن کا کرایہ پیشگی لیتا ہوں۔''

''کیوں نہیں۔'' میں نے اسے چار ہزار دیئے۔ ''لیکن ہمیں لاہور میں دو دن کا کام ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ رہو۔''

''کیوں نہیں جی۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔ ''ریٹ آپ کو بتا چکا ہوں ایک دن کے چار ہزار ہوں گے اور اس میں میں آپ کو سو میل تک کہیں بھی لے جا سکتا ہوں۔''

''اور اگر سو میل پورے ہو جائیں تو؟''

''اس کے بعد ہر میل کے پچاس روپے الگ چارج ہوں گے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میٹر نوٹ کر لیں۔''

یہ کام بیتو نے کیا اور مائلو میٹر کی ریڈنگ اپنے پاس لکھ لی۔ شاہد نے کار اسٹارٹ کی اور روانہ ہو گیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا کیونکہ میں بے چین ہو رہا تھا۔ زیادہ دیر کھلی جگہ اور رکے رہنا میرے لیے خطرے سے خالی نہیں تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ مرشد کے آدمی مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ اس لیے سفر کے آغاز سے مجھے سکون ملا تھا۔ جو گزشتہ کچھ عرصے میں میری زندگی میں عنقا ہوتا جا رہا تھا۔ لوگوں کے لیے حرکت وسیلہ ظفر ہوتی ہے میری حرکت بالآخر مجھے کسی نہ کسی مشکل میں لے جا کر پھنسا دیتی تھی۔ جس میں کسی نہ کسی طرح نکل بھی آتا تھا لیکن یہ ایک ٹام اینڈ جیری ٹائپ کی ریس تھی۔ جس نے اب مجھے بیزار کرنا شروع کر دیا تھا اس لیے میری عافیت اسی میں تھی کہ میں دشمن سے ممکنہ حد تک دور رہوں۔ ہم میں طے ہوا تھا کہ دوران سفر کوئی غیر متعلقہ بات ڈرائیور کے سامنے نہیں کرنی ہے۔ اس لیے فی الحال سب منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے تھے۔ سفیر نے ایک اخبار لے لیا تھا اور میں نے نصف اخبار اس سے لے لیا۔ موسم خاصا گرم تھا اس لیے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور اے سی آن تھا۔ بیتو نے کچھ دیر بعد منمنا کر کہا۔

''ہم کیا کرے؟''

''تم اپنے موبائل پر ویڈیو گیمز کھیلو۔'' سفیر نے مشورہ دیا اور بیتو نے عمل شروع کر دیا۔ کار پنڈی شہر کے پُرہجوم ٹریفک سے گزر رہی تھی۔ میں نے پہلے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کوئی ہمارے پیچھے تو نہیں ہے لیکن سینکڑوں کے حساب سے گاڑیوں میں کسی ایک مشکوک گاڑی کا پتا چلانا ایسا ہی تھا جیسے بھوسے سے سوئی کو الگ سے شناخت کرنا اس لیے کچھ دیر بعد میں نے کوشش ترک کر دی اور اخبار دیکھنے لگا۔ اس بہانے میں نے اپنا رخ روشن بھی چھپا لیا تھا تاکہ اتفاق سے بھی کسی کی بدنظر نہ پڑے۔ ایک گھنٹے بعد ہم جی ٹی روڈ پر پنڈی شہر سے نکل چکے تھے اور اب مضافاتی علاقوں سے گزر رہے تھے۔ اس دوران میں، میں اور سفیر پورا اخبار چاٹ چکے تھے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے اب میں نے وقت گزاری کے لیے کار کے ریڈیو سے رجوع کیا۔ شہر سے باہر آنے پر ایف ایم ریڈیو کے سگنل تو نہیں مل رہے تھے لیکن کئی میڈیم ویو ریڈیو آ رہے تھے البتہ معیار خراب تھا۔ شاہد نے کہا۔

''سر ایم پی تھری میں کئی ہزار سونگز ہیں آپ چاہیں تو اپنی پسند کا میوزک سن سکتے ہیں۔''

ایم پی تھری پلیئر سی ڈی پلیئر کے ساتھ ہی تھا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور کچھ غزلیں منتخب کر کے پلے کر دیں۔ کار کے اسپیکر بہت اعلیٰ درجے کے تھے اس لیے میوزک بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ایک زمانہ تھا جب میں، سفیر اور مونا کہیں جمع ہوتے تو ہم میوزک بھی سنتے تھے۔ اگر کوئی اچھی مووی آتی تھی تو سب مل کر دیکھتے تھے۔ کبھی کبھار سینما بھی جاتے تھے۔ اب یہ ساری تفریحات کیے جیسے صدیاں گزر گئی تھی۔ اس وقت میوزک سنتے ہوئے خیال آیا تھا۔ اقبال بانو نے فیض کے الفاظ میں کہا۔ ''ہم دیکھیں گے.....''

''ہاں یار ہم دیکھیں گے۔'' سفیر نے پیچھے سے ٹکڑا لگایا۔ پھر ہم مل کر ہر مصرع کو دھرانے لگے۔ فیض کی یہ غزل ہر مظلوم کے دل کی آواز ہے۔ جو زبردستوں کے ظلم کا شکار ہوتا ہے۔ خاصا سفر موسیقی کے سہارے گزر گیا۔ نہ جانے ڈرائیور نے موٹر وے سے جانے کی کوشش کیوں نہیں کی وہ جی ٹی روڈ پر سفر کر رہا تھا اگرچہ جی ٹی روڈ بھی اب ایک معیاری ہائی وے بن گئی ہے مگر یہ موٹر وے کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ جی ٹی روڈ پر بسوں اور ویگنوں کا رش بہت زیادہ ہوتا ہے اور جا بہ جا مسافر لینے یا چھوڑنے کے لیے یہ رک جاتی ہیں اور اس سے ٹریفک کی روانی متاثر ہوتی ہے۔ پوٹھوہار کے ریجن میں اتنا ٹریفک نہیں تھا لیکن میدانی علاقہ شروع ہوتے ہیں ٹریفک کا دباؤ بڑھنے لگا۔ مجھے یاد ہے کالج کے دور میں جب میں پہلی بار لاہور آیا تھا تو جی ٹی روڈ کے دونوں طرف آبادی کم تھی۔ کھیت، جنگل اور میدان زیادہ تھے۔ مگر اب جہلم کے بعد آبادی کا ایک ایسا سلسلہ بن گیا جو لاہور تک چلتا ہی رہتا تھا۔ رفتار سست تھی اور خدا خدا کر کے ہم ایک بجے کے قریب لاہور میں داخل ہوئے تو سب کا بھوک سے برا حال تھا۔

اس لیے پہلے ایک ہوٹل میں لنچ کیا۔ اس کے بعد ہم ٹریول ایجنٹس کے لیے نکلے۔ شاہد نے لاہور دیکھا ہوا تھا اور وہ جانتا تھا کہ ٹریول ایجنٹس کہاں بیٹھتے ہیں۔ وہ ہمیں سیدھا وہیں لے گیا۔ تیسرے ٹریول ایجنٹ نے دبئی کے لیے اگلے روز کی فلائیٹ میں جگہ نکال لی۔ فلائیٹ رات نو بجے تھی۔ تب تک ہمیں کہیں ٹھہرنا تھا۔ ابھی ہم رہائش کے بارے میں بحث کر رہے تھے کہ شاہد نے مداخلت کی۔ ''جناب میں ایک تجویز دے سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں برخوردار ضرور دو۔'' میں نے کہا۔

''ادھر مال روڈ پر ذرا اندر کر کے ایک ہاسٹل ہے وہاں روز کے لیے بھی کمرے کرائے پر ملتے ہیں۔ کرایہ بھی زیادہ نہیں ہے سنگل بیڈ کا ہزار روپے اور ڈبل کا پندرہ سو روپے ہے۔''

''بس تو وہیں لے چلو..... ویسے بھی ایک دو دن کی بات ہے۔''

ہاسٹل زیادہ دور نہیں تھا اور کوئی پانچ منزلہ جدید طرز کی عمارت تھی۔ یہاں زیادہ تر ایسے ملازم پیشہ رہتے تھے جن کے گھر لاہور میں نہیں تھے اور وہ اچھی اور پُرسکون رہائش کے خواہش مند تھے۔ یہاں دو کمرے لے لیے۔ ایک سنگل اور ایک ڈبل۔ شاہد اپنی کار کے ساتھ موجود ہوتا۔ ہاسٹل میں کھانے کا بندوبست صرف یہاں مستقل رہنے والوں کے لیے تھا جو عارضی مقیم ہوتے ان کو باہر جا کر کھانا پڑتا تھا۔ صبح سے سفر میں تھے اس لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ دیر آرام کر کے ہم رات کے کھانے کے لیے نکلے۔ شاہد سے ہمارا صرف کرائے کا معاہدہ تھا اور اس کی مہ
کوئی ذمے داری ہم پر نہیں تھی لیکن اس بار ہم نے اصرار کر کے اسے کھانے میں شامل کر لیا۔ وہ خوش ہو گیا تو
اس نے پہلی بار اپنے بارے میں بتایا اس کا باپ اس وقت مر گیا تھا جب وہ صرف سولہ برس کا تھا۔ اس نے ٹیکسی
چلانا شروع کر دی کیونکہ صرف میٹرک پاس کو تو چپڑاسی کی ملازمت بھی نہیں ملتی ہے۔ دس سال ٹیکسی چلا کر ا
نے اپنی بہنوں کی شادی کی۔ اتنی رقم جمع کی جس سے اس نے یہ کار خریدی۔

''اب اللہ کا شکر ہے جی، اس گاڑی سے کم دھکے کھا کر زیادہ مل جاتا ہے ٹیکسی میں تو صبح سے شام تـ
لگے رہنا پڑتا تھا۔''

''ہمارے ساتھ بھی تو مستقل ہو۔''

''نہیں جی، دیکھیں نا مزے میں ہوں۔ اچھی جگہوں پر جاتا ہوں۔ آپ جیسے مہربان صاحب لوگ
جاتے ہیں جو ساتھ بٹھا کر کھلا لیتے ہیں۔ گاڑی بھی کم چلتی ہے۔ ابھی آپ سے اتنا مل جائے گا کہ واپس جا
ایک دو دن کام نہ ملے تب بھی فرق نہیں پڑے گا۔ ماں کے پاس رہوں گا۔''

''شادی نہیں کی برخوردار؟''

وہ شرمایا۔ ''جی شادی بھی اسی سال ہو جائے گی۔ منگنی ہو گئی ہے۔''

ڈنر کر کے ہم واپس آنے کے بجائے لاہور کی سڑکوں پر سیر کرتے رہے۔ ایک جگہ ہم نے کافی پی اور
ایک جگہ فالودہ کھایا۔ واپسی میں پشاوری آئس کریم سے دل پشوری کی۔ اندر جانے سے پہلے میں نے شاہد۔
رات کا پوچھا۔ ''تم کہاں سو گے؟''

''میں گاڑی میں سو جاؤں گا۔ میں جب اسی طرح دنوں کے حساب سے کسی کے ساتھ ہوتا ہوں تو گا
میں سوتا ہوں آپ کا جب دل چاہے مجھے اٹھا لینا۔''

''سو جاؤ اب ہم خود صبح اٹھیں گے۔'' میں نے کہا۔

ڈبل بیڈ روم میرے اور بیتو کے حصے میں آیا تھا کیونکہ بیتو نے سفیر کے ساتھ ٹھہرنے سے انکار کر دیا تو
سفیر بھنا گیا تھا۔ ''کیا میں تمہیں کھا جاؤں گا؟''

''آپ ہم کو تنگ کرتا ہے۔'' بیتو بولا۔

''میں کہاں تنگ کرتا ہوں برخوردار۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''جب کسی خاتون سے پالا پڑے۔
تب معلوم ہو گا کہ تنگ کرنا کسے کہتے ہیں۔''

''ہم مونا دیدی کو بتائے گا۔''

''بتا دینا فی الحال ہم تمہاری مونا دیدی سے نہیں ڈرتا۔''

تو بیتو میرے ساتھ تھا۔ ہم حلق تک بھرے ہوئے تھے اس لیے تھکن کے ساتھ نیند سے بھی برا حال تھا۔
جوتے اتار کر جو لیٹا تو صبح بیتو کے ہلانے پر اٹھا تھا۔ ''شوبی اٹھ جاؤ ابھی ناشتہ کرنا ہے۔ سفیر بھائی کہہ رہا ہے
کرنسی بھی چینج کرانا ہے۔''

ہم اٹھے اور تیار ہو کر نیچے آئے تو شاہد مستعدی سے گاڑی کی صفائی میں لگا ہوا تھا۔ اس نے نزدیکی ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ناشتہ کر لیا تھا اور بہ قول اس کے ناشتہ بہت اچھا تھا اس لیے ہم بھی مارچ کرنے اسی ہوٹل کی طرف چلے گئے۔ گزشتہ روز سے اپنے معاملات پر بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کبھی شاہد ہوتا تھا اور کبھی وقت نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے ناشتے کی میز پر سفیر نے کہا۔ ''یار ہمارے دشمنوں کی طرف سے بالکل خاموشی ہے ہم ایسے گھوم پھر رہے ہیں جیسے بالکل معمول کی زندگی میں ہوں۔''

''بیٹے اس پر اللہ کا شکر ادا کرو۔ تم خیر سے دیئ سدھار دو تو ہم بھی واپس جائیں۔''

''نہیں یار یہ خاموشی مجھے عجیب سی لگ رہی ہے۔''

سچی بات تھی کہ مجھے بھی عجیب ہی لگ رہی تھی مگر اب لازمی نہیں تھا کہ ہمارے دشمن ہر وقت ہماری تلاش میں ہوں اور وہ بھی لاہور میں۔ اتفاقات کی بات الگ تھی مگر ہر بار دشمن سے سامنا ہونا بھی ضروری نہیں تھا۔ بیتو نے سفیر کی تائید کی۔ ''ہاں شوبی ایسا لگ رہا ہے سب دشمن اچانک مر گیا ہے اور اب کوئی ہمارے پیچھے نہیں آئے گا۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' میں نے صدق دل سے کہا۔ ''اب میں ایک عام انسان کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں اس مار دھاڑ اور بھاگ دوڑ سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''ویسے یار جب ہم اپنی زندگی میں واپس آئیں گے تو یہ دن بھی کتنے یاد آئیں گے۔ جب ہم سب مل کر بیٹھیں گے تو ان یادوں کو دہرائیں گے۔''

''اللہ وہ دن بھی جلدی لائے۔'' اس بار بھی میں نے خلوص دل سے کہا۔ سفیر نے کسی قدر حیرت سے میری طرف دیکھا۔

''تو اس زندگی سے بیزار لگ رہا ہے؟''

''ہاں یار..... میں کوئی سپر ہیرو نہیں ہوں جس نے سماج سدھارنے کا ٹھیکہ لیا ہو اور نہ ہی میں ایک بے چین زندگی گزارنے پر یقین رکھتا ہوں۔''

''مگر یار تو اس زندگی میں بھی تو ناکام نہیں ہے بلکہ تو اس طرح تبدیل ہوا کہ ہم سب کو حیرت ہوتی ہے۔''

''میں تبدیل ہوا ہوں لیکن میں نے اسے ہمیشہ کے لیے قبول نہیں کیا ہے میرا مقصد آج بھی ایک عام زندگی جینا ہے۔ مجھے اپنا گھر بسانا ہے اور تم لوگوں کے ساتھ مل کر رہنا ہے۔''

ناشتے کے بعد ہم چہل قدمی کرتے ہی واپس آئے تھے۔ سفیر نے شاہد سے کہا۔ ''یار کسی منی چینجر کے پاس چلو۔''

''ادھر پاس بہت ہیں۔'' وہ بولا۔ اس نے دس منٹ بعد ہمیں ایک معروف منی چینجر کے دفتر پہنچا دیا۔ سفیر کو بوائے ای کے درہم کی ضرورت تھی دس لاکھ روپے کے عوض اسے ساٹھ ہزار درہم مل جاتے کیونکہ اس وقت درہم سولہ یا سترہ روپے کا تھا۔ سفیر پندرہ منٹ بعد ہی واپس آ گیا۔ ''چلو کام ہو گیا ہے۔''

دوپہر تک ہم گھومتے پھرتے رہے۔ اب تک کچھ نہ ہونے سے بھی ہم ذرا لاپروا ہو گئے تھے۔ شالامار باغ اور مینار پاکستان دیکھا پھر مقبرہ جہانگیر گئے۔ شام کے قریب واپس ہاسٹل میں آ گئے۔ سفیر نے پوچھا۔ ''تیرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا ارادہ ہے؟''

''تمہیں سی آف کر کے شاہد کے ساتھ واپس جانے کا ارادہ ہے۔''

''میں تو کہہ رہا ہوں حویلی کا ایک چکر لگا لے، ماں جی بہت تڑپتی ہیں تیرے لیے.....''

''ہاں یار ماں ہیں نا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''لیکن ابھی حویلی جا کر میں خود کو اور دوسروں کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔''

بیتو کو لاہور اچھا لگا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی اتنا جلدی کیا ہے ابھی کچھ دن اور ادھر رہو۔''

''دیکھ تو لیا ہے لاہور۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اب کیا رہ گیا ہے۔''

''ادھر باہر گھوم پھر تو سکتا ہے۔'' بیتو نے منہ بنایا۔ ''اُدھر بس گھر میں بیٹھے رہو۔''

''بیٹے یہ تمہارا مقدر ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''ورنہ یہاں کیوں آتے کامی کے ساتھ چینی تمہیں بھی لے جاتے۔ مگر وہ بھی تمہیں کچرا سمجھ کر چھوڑ گئے۔''

بیتو خفا ہو گیا۔ ''ہم کیوں کچرا ہونے لگا۔ ایسا ہوتا تو شوبی ساتھ لاتا۔''

''بیٹے شوبی کو گلے میں ڈھول لٹکانے کا شوق ہے۔''

''بس۔'' میں نے جنگ چھڑنے سے پہلے سیز فائر کرایا۔ ''اب تک کے لیے اتنا کافی ہے باقی تیری واپسی کے بعد۔''

کچھ دیر بعد بیتو سفیر کو فہرست لکھوا رہا تھا کہ اسے دبئی سے اس کے لیے کیا لانا تھا۔ سفیر نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''اتنی لمبی فہرست تو کبھی مونا نے بھی نہیں لکھوائی۔''

''مونا دیدی کو پتا نہیں تھا ورنہ اس سے بھی لمبا کاغذ لکھواتا۔'' بیتو نے دانت نکالے۔

''اوہ بھائی میں صرف دس لاکھ روپے کے مساوی کرنسی لے جا رہا ہوں۔ اس میں یہ سب کہاں سے آئے گا۔''

''آپ چھوڑو۔'' بیتو نے خفا ہو کر سفیر سے کاغذ لینے کی کوشش کی۔ ''ہم یہیں سے لے لے گا۔''

''ناراض کیوں ہوتے ہو منے۔'' سفیر نے کاغذ بچایا۔ ''لے آؤں گا سب، چاہے اس کے لیے مجھے دبئی کا ڈالرز والا اکاؤنٹ کیوں نہ استعمال کرنا پڑے۔''

''یار ایسا کیا لکھوا دیا بے چارے نے۔''

''خود دیکھ لو۔'' سفیر نے مجھے پرچا تھمایا۔ ''برخوردار نے جدید ترین آئی فون منگوایا ہے اور دنیا کی مہنگی ترین چاکلیٹس کا آرڈر بھی ہے۔ باقی فہرست بھی دیکھ لو۔''

مجھے حیرت ہوئی بیتو کو ان سب چیزوں کا علم کیسے ہوا تھا؟ میں نے پوچھا تو اس نے سادگی سے کہا۔ ''ہم نے ٹی وی پر دیکھا۔''

''یہ سب ٹی وی ایڈورٹائزنگ کا کمال ہے۔'' میں نے فہرست سفیر کو واپس تھما دی۔ کیونکہ سفیر کو فلائیٹ سے تین گھنٹے پہلے ائیر پورٹ پہنچنا تھا اس لیے ہم جلدی تیار ہو کر نکل گئے۔ راستہ بھی طویل تھا۔ میں نے چیک آؤٹ کر لیا تھا کیونکہ سفیر کو چھوڑ کر ہم واپس پنڈی کے لیے روانہ ہو جاتے۔ شاہد اس اطلاع پر خوش تھا اسے آج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دن کی رقم بھی مل گئی تھی اور وہ رات اپنے گھر میں گزارتا۔ ان دنوں اتنی سختی نہیں تھی مسافروں کے ساتھ ان کو چھوڑنے والوں کو بھی اندر لاؤنج میں جانے کی اجازت تھی۔ ہم اندر آئے لیکن وہاں پولیس اور سیکورٹی کو دیکھ کر سفیر کسی قدر پریشان ہو گیا تھا اس نے کہا۔

''یار ٹونکل جا، یہاں کوئی جان پہچان والا نکل آیا تو مشکل پڑ جائے گی۔ جگہ ایسی ہے کہ آدمی مار دھاڑ کر کے بھی نہیں نکل سکتا ہے۔''

خود میں بھی بے چینی محسوس کر رہا تھا اس لیے سفیر کی بات سے اتفاق کیا ہم اس سے گلے ملے اور رخصت ہو کر باہر آ گئے۔ پارکنگ ذرا فاصلے پر تھی۔ اب تک سب ٹھیک تھا لیکن ائیر پورٹ آتے ہی میری چھٹی حس خطرے کا اشارہ دینے لگی تھی۔ اگرچہ آس پاس کوئی خطرہ نہیں تھا۔ شاہد کار کے پاس موجود تھا وہ ہمیں جلدی آتے دیکھ کر حیران اور خوش بھی ہوا تھا۔ خوش اس لیے کہ اب ہم اور جلدی واپس جا سکتے تھے۔ اس نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ ''چلیں صاحب؟''

''اتنی جلدی کیا ہے۔'' بیتو نے اسے گھورا۔ ''ابھی ہم کھانا کھائے گا ہم بھوکا ہے۔''

اس وقت ساڑھے نو بج رہے تھے۔ اگر ہم ساڑھے دس بجے بھی یہاں سے روانہ ہوتے تو ڈیڑھ بجے تک واپس پنڈی پہنچ جاتے۔ ائیر پورٹ سے واپسی پر ایک جگہ اوپن ائیر باغ نما ریستوران دکھائی دیا۔ میں نے شاہد سے وہیں رکنے کو کہا۔ شاہد نے بھی ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا تھا۔ مگر اس نے ہاتھ ہلکا رکھا۔ ''ابھی مجھے چار گھنٹے کی ڈرائیو کرنی ہے۔''

بل ادا کر کے ہم باہر آئے۔ کار کے پاس آتے ہی شاہد بے ساختہ کار کی طرف لپکا اس کے منہ سے نکلا۔

''یہ اغرق یہ کیا کیا ہے کسی کنجر نے؟''

تب میں نے دیکھا کار کے چاروں ٹائر زفلیٹ تھے اور عملاً کار زمین پر بیٹھی تھی۔ یہ کسی کی شرارت بھی ہو سکتی تھی لیکن سازش کا بھی امکان تھا۔ میں نے چوکنا ہو کر جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالنا چاہا تھا کہ تاریکی سے سائے ابل آئے۔ کسی نے تیز سرگوشی میں کہا۔ ''خبردار کوئی حرکت نہ کرے ورنہ ان ٹائروں کی طرح فلیٹ ہو جائے گا۔''

ان کی تعداد کم سے پانچ تھی اور وہ سب مسلح تھے۔ انہوں نے ہمیں ایسے گھیر رکھا تھا کہ ہماری ذرا سی حرکت ان سے چھپی نہیں تھی سب کے چہرے چھپے تھے۔ میں اور بیتو ساکت ہو گئے لیکن شاہد کی حالت خراب ہو گئی اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''میرا قصور جناب..... میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

جواب میں ایک نقاب پوش نے اس کے سر پر شاٹ گن کی نال رسید کی اور وہ چکرا کر گرنے والا تھا کہ یک نقاب پوش نے اسے سنبھال لیا دوسرے نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور شاہد کو اندر ڈال دیا۔ ان کی پھرتی اور مستعدی قابلِ دید تھی۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے پوچھا۔ ''کون ہو تم لوگ اور کیا چاہتے ہو؟''

''تمہیں لے جانے آئے ہیں اور لے جانا چاہتے ہیں۔'' سرگوشی کرنے والے نے جواب دیا۔ 'مزاحمت کا فائدہ نہیں ہے۔ ہم تمہیں زندہ یا مردہ بہر صورت لے جائیں گے۔''

''میرا فی الحال مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے ان کی مستعدی محسوس کرتے ہوئے مزاحمت نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ پانچوں مسلح تھے اور ان پانچوں کو دھوکا دینا آسان نہیں تھا اگر میں اور بیتو ہتھیار نکال لیتے تب بھی اتنے افراد کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بادلِ ناخواستہ میں نے ہاتھ اوپر کیے۔ بیتو نے میری تقلید کی۔ ایک تیزی سے آگے آیا اس نے میری تلاشی لی اور پستول کے ساتھ پرس اور موبائل بھی نکال لیا۔ پھر اسی نے بیتو کو بھی نہتہ کر دیا۔ ہماری چیزیں اس نے سرگوشی کرنے والے کے حوالے کیں۔ اس نے نئی ہدایات دیں۔ ''ان کے ہاتھ باندھ دو۔''

ہمارے ہاتھوں میں نائلون کی بنی مخصوص ساخت کی ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ ان کو صرف کاٹ کو کھولا جا سکتا تھا۔ ہاتھ پشت پر باندھے تھے۔ پھر ہمیں دھکیل کر ایک بڑی جیپ کے پچھلے حصے میں بٹھا دیا گیا۔ اندر بیٹھتے ہی ہمارے چہرے پر غلاف چڑھا دیئے گئے تھے۔ مقصد ہمیں باہر دیکھنے سے باز رکھنا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں مرشد کے ہتھے چڑھ گیا تھا؟ اگر ایسا ہی تھا تو صورتِ حال میرے حق میں اچھی نہیں تھی۔ مرشد نے اسکور برابر کر لیا تھا لیکن اگر یہ مرشد اینڈ پارٹی نہیں تھے تو پھر کون تھے؟ ماضی میں لاہور کے مشہور بدمعاش جامی شاہ اور شاہ نواز میرے دشمن رہے تھے لیکن وہ اپنے اپنے گروہ کے ساتھ فنا ہو گئے تھے اور پھر ان کی طرف سے کوئی میرے راستے میں نہیں آیا تھا لیکن اس کا امکان تھا کہ ان کے گروہ کے کچھ لوگ بچ گئے ہوں اور اتفاق سے مجھے دیکھ لیا ہو دو دن سے میں منہ اٹھائے لاہور میں بے دھڑک گھوم رہا تھا۔ یہ ہماری غلطی اور لاپروائی تھی اب اس کا خمیازہ بھگتنا تھا۔

ہمارے بیٹھتے ہی جیپ گھومی میں نے اس کے ساتھ ہی کسی اور گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی دونوں گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہو گئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے مشرق کا رخ کیا تھا۔ یہ مصروف سڑک تھی سامنے سے ٹریفک آ رہا تھا اور گاڑیوں کی لائٹس محسوس کی جا سکتی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ روشنی میں کمی آ رہی تھی۔ ہم ائیر پورٹ کے پاس سے گزر رہے تھے کیونکہ مجھے کسی طیارے کا شور بہت قریب سے سنائی دیا اور اس کے بعد سناٹا چھانے لگا۔ گاڑیاں کسی مضافاتی سڑک پر آ گئی تھیں جس پر ٹریفک کم تھا خاصی دیر بعد سامنے سے کوئی گاڑی گزرتی تھی۔ اس دوران میں گاڑی نے اتنے موڑ کاٹے تھے کہ میں سمتوں کا تعین بھول گیا تھا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ہم مشرق کی طرف ہی جا رہے تھے۔ لے جانے والوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تاکہ ہم نہ جان سکیں کہ ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ جیپ اب سنسان راستوں سے گزر رہی تھی۔ بیتو نے آہستہ سے کہا۔

''شوبی یہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟''

''کسی قید خانے کی طرف۔''

''خاموش بیٹھو۔'' سرگوشی والا اس بار بلند آواز میں بولا۔ ''تمہیں بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''چلو بات کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن ایک سوال کرنے کی اجازت تو ہو گی؟''

''کیسا سوال؟''

''کیا تم مرشد کے آدمی ہو؟''

''کون مرشد؟'' اس کا لہجہ کسی تمسخرانہ تھا۔ مرشد کا کوئی آدمی اس کے بارے میں اس لہجے میں بات نہیں کر سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب مجھے کیوں لے جا رہے ہو؟''

''تمہارے خیال میں تم صرف مرشد نامی کسی بندے کو مطلوب ہو سکتے ہو؟''

''تب بتا دو کہ مجھے اس طرح اغوا کرانے والا کون ہے۔''

''جلد تمہیں پتا چل جائے گا ہمیں بتانے کی اجازت نہیں ہے اور اب چپ کر کے بیٹھو۔'' آخری الفاظ اس نے درشت انداز میں کہے۔

یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا تھا کہ ہم مرشد کے بھیجے نہیں چڑھے تھے۔ پھر یہ کون ہو سکتے تھے۔ اگر فتح خان تھا تو وہ خود کہاں تھا اور اب اسے مجھ سے کیا کام ہو سکتا تھا۔ ہاں وہ مجھے قتل ضرور کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے بریف کیس اس کے حلق سے نکلوا لیا تھا اور یہ ناکامی اسے اتنی آسانی سے ہضم نہیں ہوتی۔ مگر اس کے لیے ہمیں اغوا کرنا ضروری تھا بلکہ ہماری بے خبری میں چلایا جانے والا ایک برسٹ بھی کافی ہوتا۔ مجھے لگ رہا تھا یہ کوئی اور پارٹی تھی اور اغوا کا مقصد بھی جلد سامنے آ جاتا۔ مجھے شاہد کی فکر بھی تھا مارنے والے نے اس کے سر پہ بے دردی سے وار کیا تھا۔ میری دعا تھی کہ اس کی چوٹ شدید نہ ہو اور ہوش میں آنے کے بعد وہ پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہ کرے بلکہ سیدھا اپنے گھر کا رخ کرے اور ہمارے بارے میں اپنی زبان بند رکھے۔ بلکہ اس بات کو ہمیشہ کے لیے بھول جائے۔ میں اس کا معاوضہ اسے دے چکا تھا اس لیے کار کے ٹائروں اور سر کی چوٹ کے علاوہ اسے کوئی اور نقصان نہیں ہوا تھا۔

جیپ اب کسی ویران سڑک سے گزر رہی تھی اور سڑک کی حالت بھی اچھی نہیں تھی اس میں جگہ جگہ جیپ آ رہے تھے۔ جیپ کو رفتار توڑنا پڑتی تھی۔ ہمارے ساتھ ایک آدمی تھا اور دو آگے تھے جب کہ باقی آدمی دوسری گاڑی میں تھے۔ یہ سفر کوئی دو گھنٹے جاری رہا تھا اور پھر جیپ پہلے کسی گیٹ پر رکی۔ گیٹ کھولا گیا اور جیپ اندر داخل ہوئی۔ ٹائروں تلے پختہ فرش تھا۔ تقریباً سو گز بعد جیپ رکی اور ہمیں نیچے اتار لیا گیا۔ یہاں منہ سے غلاف نہیں اتارا گیا تھا۔ دو افراد مجھے اور بیتو کو الگ الگ بازو پکڑ کر لے جانے لگے۔ میں نے نیچے اترتے ہی بیتو کو آواز دے کر ساتھ ہونے کا اطمینان کر لیا تھا۔ بیتو نے کہا۔ ''شوبی ہم ادھر ہی ہے۔''

''خاموش رہو۔'' کوئی بولا۔ ہمیں کسی عمارت میں لایا گیا اور اندر لانے کے بعد ہمارے ہاتھوں سے ناکلون کی بندشیں کسی چاقو سے کاٹ دی گئیں اور پھر ہمارے چہروں سے غلاف کھینچ کر اتار دیئے گئے۔ ہم ایک خالی کمرے میں موجود تھے۔ غلاف اتارتے ہی وہاں موجود دونوں نقاب پوش کمرے سے نکل گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ کمرہ شکل سے قید خانہ لگ رہا تھا۔ دروازہ فولادی تھا جس میں اوپر والے حصے میں چند سلاخیں لگی تھی۔ اس کے علاوہ صرف ایک روشن دان تھا جو دروازے کے مخالف سمت میں دیوار کے اوپری حصے میں تھا اور زمین سے کوئی آٹھ فٹ اونچا تھا۔ ظاہر ہے اس سے جھانکنا ممکن نہیں تھا کم از کم کسی ایک آدمی کے لیے آسان نہیں تھا۔ میں نے پہلے دروازے کی اوپری سلاخوں سے باہر جھانکا۔ یہ راہداری تھی کیونکہ سامنے چار فٹ کی دوری پر دیوار نظر آ رہی تھی۔ پھر میں نے بیتو سے کہا۔ ''اوپر چڑھو اور دیکھو روشن دان کے دوسری طرف کیا ہے؟''

میں نے دونوں ہاتھ جوڑے اور بیتو نے میرے ہاتھ پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ گیا اس کا سر روشن دان تک پہنچ رہا تھا۔ اس نے اچھی طرح معائنہ کیا اور نیچے اتر آیا۔ ''اس طرف خالی صحن ہے۔ درخت لگے ہیں اور زمین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچی ہے۔"

روشن دان آٹھ انچ اونچا اور بارہ انچ چوڑا تھا ظاہر ہے اس سے انسان کا بچہ بھی نہیں گزر سکتا تھا۔ "کچھ اندازہ ہے کہ یہ جگہ کیسی ہے؟"

بیتو نے نفی میں سر ہلایا۔ "چار دیواری بہت اونچی ہے اور آس پاس کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔"

یہاں نہ صرف خاموشی تھی بلکہ ہوا میں نباتات کی ایسی مہک تھی جو صرف دیہاتوں میں آتی ہے۔ شہر میں یہ مہک دوسری چیزوں کی بو میں دب جاتی ہے۔ اگر یہ کوئی دیہات تھا تب بھی اس وقت یہاں سناٹا ہی ہوتا کیونکہ نصف رات قریب تھی۔ ہمیں جہاں لایا گیا تھا یہاں بھی خاموشی تھی۔ بیتو ایک طرف فرش پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اس نے کہا۔ "شوبی ایسا لگ رہا ہے یہاں زیادہ لوگ نہیں ہیں۔"

میں اس کے پاس آ بیٹھا۔ "مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے مگر سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کون سا نیا دشمن پیدا ہو گیا ہے۔"

"یہ ڈیوڈ شا کا آدمی نہ ہو۔" بیتو نے کہا۔

"ہو سکتا ہے لیکن میرا دل کہہ رہا ہے یہ میرے جانے پہچانے دشمنوں میں سے نہیں ہے یہ کوئی اور ہی ہے۔"

"پتا چل جائے گا۔" اس نے جماہی لی۔ "شوبی ہم کو نیند آ رہا ہے۔"

"سو جاؤ۔" میں نے کہا تو وہ وہیں کھسک کر دراز ہو گیا۔ فرش پر ماربل لگا تھا اور موسم گرم ہو چلا تھا اس لیے فرش کی ٹھنڈک اچھی لگ رہی تھی میں بھی دراز ہو گیا۔ اس قسم کے حالات سے آئے دن واسطہ پڑتا رہتا تھا اس لیے گھبرانا چھوڑ دیا تھا جو ہونا جلد سامنے آ جاتا۔ بیتو کے خراٹے سنتے سنتے مجھے بھی کسی وقت نیند آ گئی تھی۔ کمرے میں ایک طرف انرجی سیور روشن تھا مگر اس کا سوئچ باہر تھا اس لیے وہ رات بھر جلتا رہا۔ میری آنکھ کھلی تو روشن دان سے باہر کی قدرتی روشنی جھلک رہی تھی۔ صبح ہو چکی تھی۔ بیتو سکڑ اسمٹا پڑا تھا۔ گھڑی ہم دونوں کے پاس نہیں تھی اس لیے کہنا مشکل تھا کہ کیا وقت ہوا ہے۔ روشن دان سے یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ روشنی کس قدر پھیلی ہے میں نے انگڑائی لے کر جسم کھولا جو سخت فرش کی وجہ سے اکڑ گیا تھا۔

کچھ دیر چہل قدمی اور ہاتھوں کی حرکت سے جسم گرم ہوا تو میں ذرا پیچھے ہوا اور چند قدم دوڑ کر اچھل کر ہاتھ روشن دان کے کناروں پر جما دیئے اور پھر بازوؤں کے بل خود کو اوپر کیا۔ کھلی جگہ دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ دھوپ کے زاویے سے میں نے اندازہ لگایا کہ مشرق بائیں طرف ہے۔ صحن کچا تھا مگر اس کی باقاعدگی سے دیکھ بھال اور صفائی ہوتی تھی۔ دیوار کے ساتھ گھنے درخت تھے۔ روشن دان سے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ ہم جس عمارت میں قید تھے اس کی ساخت کیا تھی اور وہ کتنی بڑی تھی۔ دھوپ بھی بائیں سے دائیں طرف جا رہی تھی اس لیے عمارت کا سایہ بھی نہیں تھا اور جس طرف سایا ہو گا وہاں میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ جب بازو دکھنے لگے تو میں نیچے اتر آیا۔ بیتو اٹھ گیا تھا اور دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اس نے انگڑائی لی۔ "شوبی یہ لوگ ناشتہ نہیں دے گا۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں برخوردار..... ہو سکتا ہے ناشتے کی جگہ کچھ اور کھانے کو ملے۔"

"کچھ اور کیا؟" اس نے غور کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہی گولیاں، لات کے اور ڈنڈے وغیرہ....."

"یہ ہم ناشتے میں نہیں کھا سکتا۔" بیتو سنجیدگی سے بولا۔ "دوپہر میں کھالے گا۔ ابھی تو ناشتہ کھائے گا۔"

"وہ کہاں سے آئے گا؟"

بیتو نے اٹھ کر دروازہ پیٹا اور شور کرنے لگا۔ "کوئی ہے..... ہم بھوکا ہے..... ناشتہ دو۔"

"بے کار ہے۔" میں نے کہا لیکن کچھ دیر میں بیتو کے شور کا نتیجہ نکل آیا اور دروازے کے قریب کسی نے درشت لہجے میں کہا۔ "چپ کر۔"

"کیوں چپ کرے، ہم بھوکا ہے تم نے قید کیا ہے اس لیے تم ناشتے دے گا۔" بیتو نے بے ساختہ کہا۔

"ناشتہ کچھ دیر میں آجائے گا اور اب دروازہ بجانا بند کردو۔"

"ہمیں لیٹرین بھی جانا ہے۔"

"وہ بھی ناشتے سے پہلے....." آدمی نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ بیتو واپس آکر بیٹھ گیا اس نے خوشدلی سے کہا۔

"دیکھا شور کرنے کا فائدہ ہوا نا؟"

"یہ تو ہے بعض اوقات شور کرنا فائدے مند بھی ہوتا ہے۔" میں نے تسلیم کیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور باہر موجود دو افراد نے ہم میں سے ایک کو باہر آنے کو کہا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ "پہلے تم جاؤ۔"

بیتو چلا گیا اور دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔ اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی تھی پھر میری باری آئی۔ میں باہر آیا تو میں راہداری کے کونے پر تھا۔ اس راہداری میں دونوں طرف چار چار کمرے تھے اور یہ مکمل طور پر بند تھی۔ مگر باقی کمروں میں لکڑی کے نفیس قسم کے دروازے لگے تھے لوہے کا دروازہ صرف ہمارے کمرے پر تھا۔ دونوں افراد صورت سے خطرناک قسم کے جرائم پیشہ لگ رہے تھے۔ وہ شاٹ گنوں سے مسلح تھے اور پوری طرح چوکس تھے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ یہ کسی بڑی اور جدید عمارت کا ایک حصہ تھا۔ یہاں خاموشی تھی اور بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ سوائے ہمارے یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ باتھ روم مکمل اور صاف ستھرا تھا لیکن اس میں اندر کنڈی نہیں تھی صرف فلیش لاک تھا جسے باہر سے ہینڈل گھما کر بھی کھولا جا سکتا تھا۔ اندر کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا ایک ایگزاسسٹ فین لگا تھا۔ ایک نے مجھے خبردار کیا۔ "تمہارے پاس صرف دس منٹ ہیں۔"

"بہت ہیں۔" میں نے خوشدلی سے کہا۔ میں ضروریات سے فارغ ہوا اور منہ ہاتھ دھو کر باہر آیا۔ وہ مجھے قید خانے تک چھوڑنے آئے میں نے اندر جانے سے پہلے کہا۔ "ہمیں رات کو یہاں لایا گیا ہے لیکن اب تک ہمیں لانے کا مقصد نہیں بتایا ہے اور نہ ہی کوئی شخص سامنے آیا ہے جو اس کی ذمے داری قبول کرے۔"

"فکر مت کرو۔" ایک نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ "سامنے بھی آئیں گے اور ذمے داری بھی قبول کریں گے۔ ابھی اندر جاؤ۔"

مجھے اندر دھکیل کر وہ دروازہ بند کر کے چلے گئے۔ مزید کوئی آدھے گھنٹے بعد ناشتہ آگیا۔ یہ گوشت کے سالن اور تندوری روٹیوں پر مشتمل تھا۔ ساتھ میں چائے کے بھاپ اڑاتے مگ بھی تھے۔ مجھے خاص بھوک نہیں تھی اس لیے میں نے کم کھایا اور پھر مگ لے کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میرے مقابلے میں بیتو نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈٹ کر کھایا اور عملاً سب صاف کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ کچھ دیر میں کوئی یہاں آئے گا یا ہمیں کہیں بلایا جائے گا کیونکہ ظاہر ہے ہمارا اچار ڈالنے کے لیے تو انھوں نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی شخص اور کوئی نہ کوئی مقصد تھا۔ کوئی پون گھنٹے بعد دروازہ ایک بار پھر کھلا پہلے ایک شخص نے اندر آ کر برتن اٹھائے وہ حلیے سے عام ملازم لگ رہا تھا جب وہ چلا گیا تو مسلح افراد نے مجھے باہر آنے کو کہا۔ بیتو بھی اٹھا تھا لیکن اسے روک دیا۔ ایک نے کہا۔

''تم نہیں صرف یہ جائے گا۔''

''شوبی یہ آپ کو کہاں لے جا رہا ہے؟'' بیتو تشویش زدہ ہو گیا تھا۔

''میں آتا ہوں۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''نہ بھی آؤں تو پریشان مت ہونا ہم دشمن کی قید میں ہیں اور ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

میرے باہر آنے پر دروازہ بند کر دیا گیا میں نے دیکھا کہ اسے لاک نہیں کیا جاتا تھا بلکہ باہر سے مضبوط فولادی کنڈی لگا دی جاتی تھی۔ اگر چاہتے تو اس میں تالا بھی لگا سکتے تھے لیکن یہاں شاید انہوں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان میں سے ایک میرے پیچھے آ گیا اور دوسرا آگے آگے چلنے لگا۔ راہداری کے آخر میں ایک دروازہ تھا اسے کھول کر ہم باہر آئے۔ تب میں نے پہلی بار اس عمارت کو دیکھا۔ میں حیران ہوا کیونکہ عمارت باہر سے اتنی ہی بڑی تھی جتنی کہ اندر سے دکھائی دیتی تھی۔ یعنی کل آٹھ کمروں پر مشتمل تھی۔ یہ چاروں طرف سے کھلی تھی اور اس کے چاروں طرف اونچی چار دیواری تھی۔ اس میں زمین کچی تھی اور اونچے درخت لگے تھے سامنے والے حصے میں کچھ چارپائیاں تھیں اور ایک بڑی جیپ کھڑی تھی شاید اسی جیپ میں ہمیں لایا گیا تھا۔ وہ دونوں مجھے گیٹ سے باہر لائے۔ میرا خیال تھا کہ ہم کہیں باہر نکلیں گے لیکن اس احاطے سے باہر ہم ایک بہت بڑی حویلی کے احاطے میں تھے۔ راستہ حویلی کے پھاٹک تک جا رہا تھا اور یہ حویلی کے اندر ایک الگ سے چھوٹی عمارت تھی جو شاید اسی قسم کے کاموں کے لیے مخصوص تھی۔ ہم تینوں نے درمیانی باغ عبور کیا اور حویلی کی عالی شان عمارت کی طرف بڑھے۔ یہ عمارت کم سے کم دو کنال رقبے پر تھی۔ دو منزلہ عمارت کی تعمیر میں مضبوطی کے ساتھ تعمیراتی حسن کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ اس کی تعمیر میں جدید آرٹ کے ساتھ قدیم مغل طرز تعمیر بھی شامل تھا۔ پوری عمارت کو نیلے اور ہرے سنگ مرمر سے آراستہ کیا گیا تھا اور اس میں بھی فنکاری سے کام لیا گیا تھا۔ یقیناً اس کی تعمیر پر بہت بڑی رقم خرچ کی گئی تھی۔ حویلی کا احاطہ کم سے کم چار پانچ ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ مجھے عمارت کے سامنے والے حصے کے بجائے ایک پہلو کی طرف واقع راستے سے اندر لے جایا گیا تھا اور ایک ایسی نشست گاہ میں پہنچا دیا جس میں چاروں طرف حریری پردے لگے تھے۔ ماحول انتہائی سفید پوش تھا۔ کیونکہ پردوں، قالین اور دبیز صوفوں سمیت سب کچھ سفید تھا۔ ایک نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''یہاں بیٹھ جاؤ اور یہاں سے حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

میں بیٹھ گیا۔ ''مجھے کیا ضرورت ہے اتنی مزے کی جگہ سے حرکت کرنے کی؟''

وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے لیکن مجھے شک تھا کہ وہ یہاں سے گئے تھے اس کا پورا امکان تھا کہ وہ از حریری پردوں کے پیچھے موجود تھے۔ اب اس ہستی کا انتظار تھا جس نے میرے لیے اتنے پاپڑ بیلے تھے۔ ویسے حویلی دیکھ کر مجھے پھر سے شک ہونے لگا تھا کہ میں مرشد کے کسی آدمی کے پاس تھا یہ حویلی کسی عام جاگیردار کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہو سکتی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اچانک ایک طرف سے پردہ ہٹا اور جو ہستی اندر آئی اسے دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا تھا اگرچہ اس سے ملے خاصا عرصہ ہو گیا مگر میں اسے بھولا نہیں تھا۔ وہ بنٹی تھی وہی بنٹی جو مجھے شمالی علاقے میں ملی تھی اور میں نے بھاگ بھری سمیت اس کی کوٹھی میں پناہ لی تھی پھر اس کے خاندانی دشمن کرم دین عرف کرمین سے اس کی اور اس کی بہن ٹینا کی عزت بچائی تھی کیونکہ وہ ان کی اخلاق باختہ تصاویر لینے کا منصوبہ بنا کر آیا تھا تاکہ آنے والے انتخابات میں ان کے والد بزرگوار میاں ممتاز حسین کو شکست دی جا سکے۔ اس واحد ملاقات کے بعد مجھے ان سے ملاقات کا موقع نہیں تھا اور نہ میرے ذہن میں کہیں ملاقات کی کوئی خواہش تھی۔ اس لیے بنٹی کو سامنے دیکھ کر حیران رہ جانا لازمی تھا۔ اس نے سفید شیفون کی ساڑھی پہن رکھی تھی اور اس کے نیچے نہایت مختصر سا سفید ہی بلاؤز تھا۔ ساڑھی نہایت سنسنی خیز انداز میں باندھی تھی۔ اسے بالی ووڈ اسٹائل کہتے ہیں۔ یعنی ناف سے خاصی نیچی تھی۔ اس کے پیٹ اور کمر کا بیشتر حصہ نمایاں تھا۔ اگرچہ میں اسے دیکھ کر دم بخود رہ گیا تھا لیکن وہ میری محویت کی وجہ کچھ اور سمجھی اور مسکرائی۔

''لگ رہا ہے آج میں تمہیں اچھی لگی ہوں۔''

''لاحول ولا۔'' میں نے ہڑبڑا کر کہا۔ ''میں تو تمہیں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔ اب تم نے یہ کام بھی شروع کر دیا ہے؟''

''کون سا کام؟'' وہ لہرا کر ایک خاص زاویے سے میرے سامنے صوفے پر ٹک گئی۔ یہ زاویہ بھی خاصا نظر نواز تھا۔

''یہی مردوں کو اغوا کرانے کا کام.....''

وہ ہنسی۔ ''یہ میرا کام نہیں ہے میرے پاپا کا کام ہے۔''

''اور ظاہر ہے انہیں اس قسم کے جرائم کا وسیع تجربہ ہے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''خیر سے وہ اس قوم کے رہنماؤں میں سے ہیں۔''

بنٹی کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ وہ بولی تو اس کا لہجہ سرد تھا۔ ''شہباز تم اس وقت نہایت مشکل صورت حال میں ہو اور تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہیں پاپا نے اغوا کرایا ہے ورنہ اب تک.....''

''میرا سوئم بھی ہو چکا ہوتا۔'' میں نے طنز جاری رکھا۔ ''لیکن کیونکہ تمہارے پاپا نے مجھے جذبہ خیر سگالی کے لیے اغوا کرایا ہے اس لیے مجھے شکوے شکایت کرنے کے بجائے ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔''

بنٹی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن اس نے خود پر قابو رکھا اور اپنا نازک لب دانتوں میں دبا لیا پھر اس نے گہری سانس لی اور کسی قدر عاجزی سے بولی۔ ''پلیز شہباز..... کیا تم کچھ دیر کے لیے یہ سب بھول کر مجھ سے بات نہیں کر سکتے۔''

مجھے احساس ہوا کہ میں ایک عورت سے طنزیہ گفتگو کر کے بدتہذیبی کا ثبوت دے رہا تھا۔ میرے اعصاب خود تنے ہوئے تھے اور یہ گفتگو شاید اسی کا ردِعمل تھا۔ میں نے گہری سانس لے کر اپنے اعصاب کو نرم کیا اور بولا۔ ''سوری..... اب میں نارمل بات کروں گا۔''

وہ خوش ہو گئی۔ ''تھینک یو..... اب پہلے بتاؤ کہ تم کیا کھاؤ گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کچھ نہیں..... لیکن کچھ معلوم ضرور کرنا چاہوں گا۔"

مگر بنٹی نے ہلکے سے تالی بجائی اور فوراً ایک طرف سے ایک لڑکی نمودار ہوئی اس نے چوڑی دار پاجامہ اور فراک پہن رکھی تھی۔ اپنے انداز اور دلکشی سے وہ کہیں سے خادمہ دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن وہ خادمہ ہی تھی کیونکہ بنٹی نے اسے تحکمانہ انداز میں چائے اور کھانے کے لیے لانے کو کہا۔ اس کے جانے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔ "ہاں پوچھو؟"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟"

وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا لیکن یہاں حویلی میں میرے جاسوس ہوتے ہیں جو ہر نئی چیز پر نظر رکھتے ہیں ان سے پتا چلا کہ تم لوگ یہاں لائے گئے ہو لیکن کون ہو یہ آج صبح پتا چلا۔"

"یعنی ہماری اس ملاقات کا علم تمہارے پاپا کو نہیں ہے؟"

"بالکل بھی نہیں، ویسے بھی پاپا لاہور گئے ہوئے ہیں اسی لیے مجھے موقع مل گیا تم سے ملاقات۔"

"اب تم یہ کہو گی کہ تمہیں بھی نہیں معلوم کہ میاں ممتاز نے مجھے کیوں اغوا کرایا ہے۔"

"سامنے کی بات ہے۔ جہاں تک میرے آدمی جانتے ہیں ان کو بھی کچھ نہیں معلوم ہے۔"

"کیا تمہارے باپ نے مرشد سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کے برعکس وہ اس پارٹی میں ہیں جو مرشد کی پارٹی کی مخالف پارٹی ہے۔"

"تب بھی اس اغوا کا کوئی مقصد تو ہو گا۔"

"تم ذرا صبر سے کام لو..... جلد پاپا واپس آئیں گے اور میں ان سے پوچھ لوں گی۔"

"کیا وہ اپنے معاملے میں تمہاری مداخلت پسند کریں گے؟"

"میں اس معاملے میں دخل دے سکتی ہوں۔ تم ہمارے محسن ہو، تم نے صرف ہماری جان ہی نہیں بچائی بلکہ ہمیں بدنامی سے بھی بچایا۔"

"کرمین والے معاملے کا کیا ہوا تھا۔"

"ان سب کو غائب کر دیا گیا تھا۔ وہ آج تک غائب ہیں حالانکہ کرمین کے خاندان والوں نے بہت کوشش کی کہ ہم اس کی لاش کا پتا ہی بتا دیں لیکن پاپا نے صفائی سے انہیں انکار کر دیا۔"

"ان کی طرف سے جوابی کارروائی نہیں ہوئی؟"

"انہوں نے سوچا تو ہو گا۔" بنٹی نے شانے ہلائے۔ "مگر اس واقعے کے بعد پاپا نے ہماری سیکورٹی بہت ٹائٹ کر دی ہے۔"

"سیکورٹی ٹائٹ کی ہے یا تم دونوں کو ٹائٹ کیا تھا۔"

وہ ہنسی۔ "یہ بھی کیا تھا پورے ایک مہینے کے لیے پاپا نے ہمارا حویلی سے باہر جانا بند کر دیا تھا۔ ٹینا تو روتی تھی۔"

"حالانکہ اسے اپنے کرتوتوں پر رونا چاہیے تھا۔" میں نے دل میں کہا اور بنٹی سے پوچھا۔ "تمہارے پاپا میرے بارے میں جانتے ہیں.....؟ آئی مین میں نے تم لوگوں کے لیے کیا کیا تھا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت اچھی طرح....."

"اس کے باوجود مجھے گن پوائنٹ پر اغوا کرایا میرے ڈرائیور کے سر پر ضرب لگائی گئی تھی پتا نہیں اس کا کیا ہوا اور مجھے اور میرے ساتھی کو ایک خالی فرش والے کمرے میں رات گزارنی پڑی۔"

بنٹی کے چہرے پر پریشانی نظر آنے لگی تھی۔ مجھے یاد تھا کہ اس کا نام شاید نورالنسا ہے مگر اس نے اسے بنٹی کر لیا تھا۔ نینا کا نام بھی شاید اسی قسم کا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "میرا خیال ہے پاپا کو تمہارے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ بہ قول تمہارے وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اسی وجہ سے تو میں کہہ رہی ہوں یہ مس انڈراسٹینڈنگ ہے۔ تم فکر مت کرو اب تم آرام سے رہو گے۔"

"قید میں؟"

"ہاں سوائے قید کے تمہیں اور کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" بنٹی نے یقین سے کہا۔ میں نے اسے خاصے عرصے بعد دیکھا تھا اور اس دوران میں اس نے اپنے وزن میں مناسب کمی کی تھی اور افزائش حسن کے دوسرے نکتوں سے بھی کام لیا تھا اس نے بال لائٹ گولڈن براؤن ڈائی کرائے تھے۔ آنکھوں میں لائٹ گرے کلر لینس تھے۔ وہ بلاشبہ پہلے سے زیادہ دلکش لگ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ تیار ہو کر کہیں جا رہی تھی کہ اسے میرے بارے میں پتا چلا اور اس نے مجھے یہاں بلا لیا۔ اس دوران میں ملازمہ چائے اور دوسرے لوازمات لے آئی تھی۔ بنٹی نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور خود چائے بنائی۔ لوازمات میں خستہ پیٹس تھے، نمک پارے اور کوکیز تھے۔ اس نے اپنے لیے صرف چائے بنائی تھی سیاہ اور بغیر شوگر کے، مجھ سے پوچھ کر سب ڈالا تھا۔ میں نے کچھ چیزیں لیں۔

"میں کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے اچانک پوچھا۔

"تم..... اچھی لگ رہی ہو۔"

"پہلے کے مقابلے میں کیسی لگ رہی ہوں۔"

"بہت بہتر۔" میں نے اعتراف کیا۔ "پہلے تم ذرا وزنی تھیں اب وزن کم کر لیا ہے۔ کسی اچھے پارلر نے بھی تمہارے حسن کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کیا تم کہیں جا رہی تھیں؟"

"نہیں تو۔" وہ بولی۔ "تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تمہاری تیاری دیکھ کر....." میں نے جھینپ کر کہا۔ وہ ہنسی تو میں مزید خفیف ہو گیا۔ وہ جس طبقے سے تھی وہاں آدمی نارمل میں اتنا تیار ہوتا ضروری نہیں ہے کہ کہیں جاتے ہوئے ٹک سک سے تیار ہو۔

"میں تو ہمیشہ اسی طرح تیار رہتی ہوں۔"

"دراصل تمہیں پہلے دیکھا تھا تو تم عام سے لاپرواحلیے میں ہوتی تھیں۔"

"ہاں وہاں ہم تفریح کرنے گئے تھے اور وہاں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا لیکن یہاں حویلی میں ہم اس طرح نہیں رہ سکتے پاپا بخشیں گے نہیں۔"

خاطر تواضع ہو چکی تھی اس لیے اب میری واپسی کا وقت آ گیا تھا یہ بات میں نے اس کے انداز سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسوس کر لی اس لیے میں کھڑا ہو گیا۔ ''تمہارے پاپا کی واپسی کب تک ہو گی؟''

''آج شام تک آئیں گے وہ پارٹی رہنماؤں کی میٹنگ میں شرکت کرنے گئے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''پلیز تم خود پر قابو رکھنا اور انتظار کرنا میں اس مسئلے کو سلجھا لوں گی۔''

بنٹی نے کہا اور حریری پردوں کے پیچھے غائب ہو گئی۔ میں نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔ ایک منٹ بعد وہی دونوں مسلح افراد نمودار ہوئے اور انہوں نے مجھے چلنے کے لیے کہا لیکن اس بار ان کا انداز بہتر اور محتاط تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ بنٹی نے میرے بارے میں خاص طور سے ہدایت دی ہے۔ وہ مجھے اسی عمارت میں لائے لیکن اس کمرے کے بجائے انہوں نے ایک دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہ اندر سے اچھا خاصا آراستہ پیراستہ تھا۔ قالین کے ساتھ ڈبل بیڈ تھا۔ اس کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ ایک طرف چھوٹا صوفہ سیٹ اور اس کے سامنے گلاس ٹاپ ٹیبل تھی۔ دیوار میں کھڑکی تھی اور اس کے ہلکے نیلے رنگ کے پردے سرسرا رہے تھے۔ ایک طرف اٹیچ واش روم تھا۔ دیوار پر اسپلٹ اے سی کا یونٹ لگا ہوا تھا۔ مجھے لانے والے نے کہا۔ ''اب آپ یہاں رہیں گے؟''

''میرا سامان؟''

''اسے بھی یہیں لا رہے ہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ انٹرکام کا بٹن ہے لیکن خیال رہے آپ کوئی غلط حرکت نہیں کریں گے۔''

''میں نے تو اس وقت بھی کوئی غلط حرکت نہیں کی تھی جب تم لوگوں نے ہمیں لا کر بنگلے فرش پر ڈال دیا تھا۔''

''کھانے کے لیے ایک گھنٹہ پہلے بتانا ہو گا۔'' اس نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ لہجہ اور طرز تخاطب تبدیل ہونے سے ان کی چوکسی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ میری طرف سے اسی طرح محتاط تھے۔ کچھ دیر بعد بیتو بھی آ گیا اور کمرہ دیکھ کر حیران ہوا پھر اس نے سر ہلایا۔

''لگتا ہے آپ کا دشمن لوگ سے بات بنا ہے۔ ویسے یہ کون ہے؟''

''دشمن نہیں ہیں بلکہ میں نے ایک بار ان لوگوں کو بچایا تھا۔''

''بچایا تھا۔'' بیتو دنگ رہ گیا۔ ''تب اس نے قید کیوں کیا؟''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''ایک بزرگ نے پانی میں ڈوبتے بچھو کو بچایا اور پانی سے نکال دیا اس نے باہر آتے ہی بزرگ کو ڈنک مارا۔ کسی نے بزرگ سے پوچھا کہ یہ کیا آپ نے اس کی جان بچائی اور اس نے بجائے شکریہ ادا کرنے کے ڈنک مار دیا۔ بزرگ نے کہا۔ یہ اس نے شکریہ ہی ادا کیا ہے۔ بچھو، سانپ اور بعض انسان اسی طرح شکریہ ادا کرتے ہیں۔''

بیتو مسکرانے لگا۔ ''ہم سمجھ گیا یہ لوگ اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہے۔ پر یہ ہے کون؟''

بیتو ان کے بارے میں نہیں جانتا تھا کیونکہ وہ مجھے اس سے پہلے ملے تھے۔ میں نے اسے تفصیل سے ان دنوں کے واقعات سنائے۔ وقت گزاری کے لیے یہ ایک اچھا مشغل ثابت ہوا اور اسی میں ایک بج گیا۔ ہم نے انٹرکام پر لنچ کے لیے اپنی پسند کے کھانوں کا بتایا۔ ایک گھنٹے بعد لگژری قسم کا لنچ فراہم کیا گیا۔ یہ یقیناً حویلی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باورچی خانے سے تیار ہو کر آیا تھا کیونکہ ہر چیز بہت اعلیٰ درجے کی اور بہترین بنی ہوئی تھی۔ اس شاندار لنچ کے بعد میں نے کافی منگوائی۔ بیتو کو چائے کافی جیسی چیزوں کا زیادہ شوق نہیں تھا۔ اس نے اپنے لیے کیلے کا شیک منگوایا تھا۔ شیک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس نے میاں ممتاز کے بارے میں پوچھا۔ ''شوبی آپ کبھی اس سے ملا ہے؟''

''نہیں۔''

''تب اسے آپ سے کیا بات ہو سکتا ہے۔ اس طرح تو دشمن کرتا ہے۔ بلکہ ایسا سلوک تو دشمن بھی نہیں کرتا ہے۔ اب تک جب فتح خان نے ہم کو پکڑا اچھے طریقے سے رکھا۔ پر اس نے تو ہم کو جانور کی طرح خالی کمرے میں ڈال دیا۔''

''یہ بات اس کی بیٹی بھی نہیں جانتی ہے بہرحال ہم سے بہتر سلوک اسی کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔''

''شوبی کیا وہ مرشد سے نہیں مل سکتا؟''

''نہیں وہ مرشد کی مخالف پارٹی میں ہے۔''

''اس نے پارٹی بدل لیا ہوگا۔ ہم دیکھتا آپ کا لیڈر ایسے پارٹی بدلتا جیسے ہم کپڑے بدلتا ہے۔''

''ہاں تقریباً ایسا ہی ہے لیکن مرشد کے بارے میں آخری اطلاع یہ تھی کہ اس نے وہ پارٹی بھی چھوڑ دی ہے اور اب آزاد سیاست کرے گا۔''

''یعنی سب کا عورت بنے گا۔'' بیتو نے غور کیا۔ ''ادھر ہمارے علاقے میں جو کسی کا عورت نہیں بنتا تھا وہ سب کا عورت بنتا تھا۔''

''یہ مثال بھی اچھی دی ہے تم نے..... ہماری سیاست کچھ اسی قسم کی ہے۔ طوائف بھی اس کے سامنے شریف نظر آتی ہے۔''

اچانک بیتو سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''شوبی اگر یہ میاں صاحب ہمارا دشمن نکلا تو ہمارے لیے بہت مشکل ہوگا۔ یہ تو کنور جیسا بڑا آدمی لگتا ہے۔''

''درحقیقت یہ ویسا ہی ہے۔ جدی پشتی جاگیردار اور سیاست دان۔'' میں نے بیتو سے اتفاق کیا اور اب مجھے بھی تشویش ہونے لگی تھی آخر میاں ممتاز جیسے ممتاز سیاست دان کو مجھ سے کیا پرخاش ہو گئی تھی جو اس نے مجھے اس طرح اغوا کرایا۔ اگر بیتو کا خدشہ درست تھا تو میری اور میرے ساتھیوں کی مشکلات میں اضافہ ہونے والا تھا کیونکہ میاں ممتاز کی سیاسی طاقت مرشد کی نسبت کہیں زیادہ تھی۔ وہ مرکزی سطح کا سیاست دان تھا جب کہ مرشد علاقائی سیاست دان تھا۔ آخر اسے مجھ سے یا میرے ساتھیوں سے کیا پرخاش تھی؟ بیتو پر پیٹ بھر کر کھانے کے بعد خمار طاری ہو رہا تھا وہ جا کر بستر پر دراز ہو گیا۔ اے سی چل رہا تھا اس لیے کمرہ خنک تھا یہ خنکی بھی ذہن پر سستی طاری کر رہی تھی۔ بیتو کچھ دیر میں خراٹے لینے لگا تھا میں نے اٹھ کر پہلے کھڑکی کا معائنہ کیا۔ اس پر شیشے اور المونیم سے بنے سلائیڈنگ پٹ تھے۔ باہر کی طرف مضبوط قسم کی فینسی گرل لگی تھی۔ واش روم میں باہر کی طرف چھوٹا سا روشن دان تھا لیکن اس سے گزرنا کسی بلی کے بچے کے لیے تو ممکن تھا ہمارا گزرنا ناممکن تھا۔ آخر میں دروازے کا معائنہ کیا۔ یہ کسی مضبوط لکڑی کا بنا ہوا پالش والا دروازہ تھا۔ شاید اس کے وسط میں پلائی دی ہوئی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس سے دروازہ نہ صرف موٹا بلکہ مضبوط بھی ہو گیا تھا۔ اس پر نہ صرف مضبوط قسم کا ہینڈل لاک تھا بلکہ باہر کی طرف کنڈی بھی تھا جسے اندر سے کسی صورت نہیں کھولا جا سکتا تھا۔ یہ ذرا پرتعیش قسم کا قید خانہ تھا۔

شام ہوئی اور باہر روشنی مدہم ہونے لگی تو میں نے اندر کی روشنیاں جلا لیں۔ بیتو اٹھ گیا اس نے آنکھیں ملتے ہوئے وقت پوچھا۔ دیوار پر لگی گھڑی کے مطابق شام کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ میں نے انٹرکام پر چائے کا کہا۔ ''شوبی کسی نے آپ سے بات کیا؟''

''ابھی تک تو کسی نے رابطہ نہیں کیا ہے۔''

''پیچھے سب پریشان ہورہا ہوگا۔'' بیتو نے کہا۔ ''سفیر بھائی کو تو پتا بھی نہیں ہوگا۔''

''اسے پتا چل گیا ہوگا کیونکہ ہم سے رابطہ نہ ہونے پر عبداللہ نے اس سے رابطہ کیا ہوگا یوں اسے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہم غائب ہیں۔''

سورج ڈوبا تو باہر کی روشنیاں بھی جل اٹھی تھیں۔ یہاں لوڈ شیڈنگ کی لائٹ نہیں جا رہی تھی اس کا مطلب تھا کہ بجلی کا کوئی متبادل سسٹم تھا جیسے ہیوی ڈیوٹی جنریٹر اور یو پی ایس ہوں گے۔ جو لائٹ جانے کی صورت میں بھی بجلی بحال رکھتے ہوں گے۔ میں نے رات کا کھانا بھی ہلکا کھایا تھا۔ جب کہ بیتو نے تکلف ایک طرف رکھ کر کھایا تھا اس لیے اسے پھر جلدی نیند آنے لگی تھی۔ میں نے کافی بھی لی تھی اس لیے نیند غائب تھی۔ کوئی گیارہ بجے دروازہ کھلا اور وہی دو مسلح افراد دکھائی دیئے۔ انہوں نے مجھے باہر آنے کو کہا۔ میں نے بیتو کو سونے دیا اور باہر آیا۔ ''کیا بات ہے؟''

''آپ کو میاں صاحب نے طلب کیا ہے۔''

میاں ممتاز حسین محل نما عمارت کے ایک کمرے میں میرا منتظر تھا۔ کمرہ سادہ سا تھا وہاں صرف ایک صوفہ نما کرسی اور فرش پر قالین تھا۔ کرسی پر میاں ممتاز براجمان تھا اور اس کے ساتھ تپائی پر مے نوشی کے لوازمات تھے۔ وہ تقریباً پچاس برس کا سرخ و سفید رنگت کا صحت مند شخص تھا۔ بال کسی اچھے ہیئر کلر سے ڈارک گرے ہو رہے تھے جو نیچرل کلر لگ رہا تھا۔ اس نے ریشمی گاؤن پہن رکھا تھا اور آنکھوں میں قریب کی عینک لگی تھی کیونکہ وہ ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے کتاب اپنے زانوں پر رکھ لی تب میں نے دیکھا وہ جان گریشم کا ناول تھا۔ جان گریشم میرا پسندیدہ ناول نگار ہے اور میں نے اس کے تمام ناول پڑھ رکھے ہیں۔ میاں ممتاز نے میری توجہ بھانپ لی اور بولا۔ ''غضب کا لکھنے والا ہے۔''

''درست فرمایا، میں نے اسے کوئی ہلکی چیز لکھتے نہیں دیکھا ہے۔ بڑے لوگ ہمیشہ بڑا کام کرتے ہیں۔''

اس نے میری بات پر غور کیا۔ ''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''یہی کہ میں نے آپ کو بڑا آدمی سمجھا ہے اور میں آپ سے کسی چھوٹے کام کی توقع نہیں کر سکتا۔''

میاں ممتاز نے میرے ساتھ آنے والے دونوں افراد کی طرف دیکھا تو وہ آنکھ کا اشارہ سمجھ کر خاموشی سے باہر چلے گئے۔ اب وہاں سوائے میرے اور میاں ممتاز کے کوئی نہیں تھا۔ وہ ظاہر کر رہا تھا کہ اسے مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کا ایک ہاتھ گاؤن کی جیب کے پاس تھا اور اس میں یقیناً کوئی ہتھیار تھا۔ اپنے آدمیوں کے جانے کے بعد اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تمہارے خیال میں مجھ سے کوئی چھوٹا پن سرزد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا ہے۔''

''میرے اور میرے ساتھی کے اغوا کو آپ کیا کہیں گے؟'' میرا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ ''ہمارا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھ سے آپ کو کبھی کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ شاید فائدہ ہی ہوا ہے۔''

''تم شاید کوٹھی والے واقعے کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔''

''میاں صاحب میں کوئی اشارہ نہیں کر رہا ہوں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ میں مرشد جیسے طاقتور شخص سے لڑ رہا ہوں اور میں نے اسے کسی حد تک مجبور بھی کر دیا ہے۔ اب آپ درمیان میں آ گئے ہیں۔''

''تم سمجھ رہے ہو کہ میں مرشد کی حمایت کر رہا ہوں۔''

''ان حالات میں، مَیں اور کیا سمجھوں..... آپ کو مجھ سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔''

''میرا مرشد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ دوستی کا اور نہ دشمنی کا۔''

میں کسی قدر حیران ہوا تھا۔ ''تب مجھے اس طرح اٹھوانے کا مقصد..... میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے کم سے کم ایسا نہیں ہے کہ مجھے جبراً اٹھوانے کی ضرورت پیش آئے۔''

میں اب تک اس کے سامنے کھڑا تھا اور کمرے میں کسی بھی دوسری نشست کی عدم موجودگی بتا رہی تھی کہ مجھے کھڑے ہی رہنا تھا۔ غالباً میاں ممتاز کے خیال میں، مَیں اس کے سامنے بیٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ اگر وہ دشمن تھا تب بھی اس کا رویہ نہایت گھٹیا تھا۔ وہ بڑا آدمی بن ضرور گیا تھا لیکن اندر سے وہ برتری کے زعم میں مبتلا شخص تھا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے پیتا رہا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سوچ رہا ہو کہ مجھے اپنے اغوا کی وجہ بتائے یا نہ بتائے۔ آخر اس نے گلاس رکھا اور بولا۔ ''شہباز ملک میں تمہیں صرف نام سے جانتا ہوں یا میں نے تمہارے کچھ کارنامے سن رکھے ہیں جو تم نے انجام دیئے ہیں۔ سرحد کے اُس پار بھی اور اس طرف بھی۔ کچھ عرصے پہلے میرے ایک دوست نے مجھ سے رابطہ کیا اور اس نے تمہیں تلاش کرنے میں میری مدد مانگی۔ میں نے اس سے معذرت کر لی۔ کیونکہ تم میری حدود سے باہر پنڈی اسلام آباد کی طرف سرگرم عمل تھے۔ مگر اتفاق سے تم میرے آدمیوں کو لاہور میں نظر آ گئے۔ انہوں نے مجھے اطلاع دی اور میں نے اپنے دوست سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ کسی بھی قیمت پر تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہے اس لیے میں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ تمہیں لے آئیں اور وہ تمہیں لے آئے۔''

''گویا آپ نے کسی کی فرمائش پر یہ کام کیا ہے۔ یعنی آپ کو مجھ سے کوئی پُرخاش نہیں ہے؟''

''نہیں بلکہ ایک طرح سے تم سے ہمدردی ہے۔ مگر یہ معاملہ دوستی کا ہے میں اسے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے میں اسے انکار کرتا تو وہ کسی اور کے توسط سے کام کرا لیتا اور ممکن ہے اس طرح تم براہِ راست اس کی تحویل میں چلے جاتے۔''

''یہ آپ نے مجھے اس سے محفوظ رکھا ہے؟''

''ہاں تم اس کے بارے میں جانتے ہو وہ بہت بڑی آفت ہے۔ مجھے دلچسپی ہے کہ آخر وہ تمہیں کیوں حاصل کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا ہے۔''

''آپ مجھے اس کے حوالے کر دیں گے؟'' میں نے پوچھا ویسے میں اس کے انداز سے سمجھ گیا تھا کہ وہ مجھے ابھی اس شخصیت کے بارے میں نہیں بتائے گا۔ اس لیے میں نے اس کے بارے میں پوچھا بھی نہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں جب تک میں پوری بات نہیں جان جاؤں گا اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔''

''میاں صاحب آپ کی بات سے لگ رہا ہے کہ آپ میری حوالگی کا فیصلہ بھی کر سکتے ہیں ممکن ہے جس طرح آپ نے دوستی میں مجبور ہو کر یہ کام کیا ہے اسی طرح مزید مجبور ہو کر آپ مجھے اس کے حوالے کر سکتے ہیں۔''

''اب میں ایسا بھی مجبور نہیں ہوں میں انکار بھی کر سکتا ہوں۔'' اس نے لہجے میں بے نیازی برقرار رکھنے کی کوشش کی لیکن ایسا لگا جیسے میں نے اس کے دل کا چور پکڑ لیا ہو۔ وہ سیاست دان تھا جو ویسے ہی بدنام ہوتا ہے ہوا کے رخ کے ساتھ بدل جانا اپنے قول و فعل کو کپڑوں کی طرح بدلنا اور وعدے کر کے ڈھٹائی سے مکر جانے کو ہی ہمارے ہاں فنِ سیاست کہتے ہیں۔ میاں ممتاز اسی قسم کا سیاست دان تھا۔ اس کی اور اس کی اولاد کی اخلاقی حالت میں دیکھ چکا تھا ایسے لوگوں کو صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ میں اس کی قید میں تھا اور اسے کوئی ضرورت نہیں تھی کہ مجھے صفائی پیش کرتا مگر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوا تھا اور یہ مجبوری یقیناً اس کی بیٹی تھی۔ اب مجھے اس شخص کی فکر ہو رہی تھی کہ جس نے میاں ممتاز سے میری فرمائش کی تھی۔ وہ کون ہو سکتا تھا۔ میاں ممتاز انکاری تھا کہ وہ مرشد نہیں ہے اگر وہ مرشد نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ دوسرے ضروری نہیں تھا کہ میاں ممتاز دیگر معاملات کی طرح اس بارے میں بھی سچ بول رہا ہو۔ میں نے سوچا اور بہت ناپ تول کر کہا۔

''میاں صاحب..... آپ اچھی طرح جانتے ہیں انسان کو اپنے کیے ہر فعل کا کہیں نہ کہیں حساب اور جواب دینا پڑتا ہے۔''

''فی الحال تو ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو مجھ سے حساب اور جواب لے سکے۔'' اس کے لہجے میں تکبر آ گیا۔

''میاں صاحب..... اس کا پتا اس وقت چلتا ہے جب وقت آ جاتا ہے۔ آپ اگر میرے بارے میں جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میں اتنا لاوارث بھی نہیں ہوں۔ میرا ایک خاندان ہے۔ میرے کچھ سرپرست ہیں اور میرے کچھ ساتھی ہیں جو میری بازیابی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور جب ان کو معلوم ہو گا کہ میری گمشدگی میں کس کا ہاتھ ہے تو آپ.....''

''تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟'' میاں ممتاز کا چہرہ کسی قدر سرخ ہو گیا تھا۔

''میں آپ کو نتائج سے آگاہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آپ سیاست دان ہیں حکومت سے باہر ہوں یا حکومت کے اندر جو کرتے ہیں اپنا ہاتھ پاؤں بچا کر کرتے ہیں تا کہ آپ آئندہ کہیں پھنس نہ جائیں۔ مگر معذرت کے ساتھ مجھے اٹھانے کا کام کرتے ہوئے شاید آپ نے زیادہ غور نہیں کیا۔''

''میں چھوٹے موٹے معاملات پر زیادہ غور نہیں کرتا۔''

''ایک بار پھر معذرت کے ساتھ چھوٹے موٹے معاملات ہی اکثر اوقات آدمی کے گلے پڑ جاتے ہیں، ہمارے ہاتھ کی لکھی ایک تحریر منتخب وزیر اعظم کو ملک یا دنیا سے باہر پہنچا دیتی ہے جسے انہوں نے کسی وقت بہت معمولی سمجھا ہوتا ہے۔ میری آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس معاملے پر ایک بار پھر غور کر لیں۔''

میاں ممتاز کی کشادہ پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ اس کا ہاتھ تپائی کی طرف گیا تھا میں سمجھا کہ شاید وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گلاس اٹھا رہا ہے لیکن اس کے بجائے اس نے کچھ اور کیا جو میں دیکھ نہیں سکا تنہائی کا کچھ حصہ میری نظروں سے اوجھل تھا کیونکہ فوراً ہی وہ دونوں گارڈز آئے۔ میاں ممتاز نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''اسے لے جاؤ۔''

میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر بے کار سمجھتے ہوئے گارڈز کے ساتھ باہر آ گیا۔ نہ جانے میاں ممتاز نے انہیں کیا اشارہ دیا تھا کہ وہ میری طرف سے بہت چوکنا نظر آنے لگے تھے۔ وہ مجھے حویلی سے باہر لے جا رہے تھے میرا خیال تھا کہ وہ مجھے واپس قید خانے میں لے جائیں گے لیکن اس کے بجائے وہ مجھے اسی حریری پردوں والے سفید براق تاثر رکھنے والے کمرے میں لے آئے جہاں بنٹی سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اس بار وہ پہلے سے وہاں موجود تھی اس نے گارڈز کی طرف دیکھا تو ان میں سے ایک نے معذرت کی۔ ''بی بی صاحبہ..... میاں صاحب نے سخت نگرانی کا حکم دیا ہے۔''

''بکومت۔'' بنٹی غرائی۔ ''دفع ہو جاؤ یہاں سے.....''

بادل ناخواستہ وہ دونوں پردوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔ بنٹی نے لباس بدل لیا تھا۔ وہ اسکن فٹ جینز اور کسی ریشم جیسے کپڑے سے بنے کرتے میں تھی۔ کرتے کے اوپری بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس کی طرف دیکھنا آسان کام نہیں تھا۔ گارڈز کے جاتے ہی اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''پاپا سے کیا بات ہوئی؟''

''انہوں نے کسی کے فرمائشی پروگرام پر مجھے اٹھایا ہے لیکن وہ اس کے بارے میں بتانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

بنٹی تشویش زدہ ہو گئی۔ ''میری پاپا سے بات ہوئی تھی لیکن انہوں نے مجھے اس معاملے سے الگ رہنے کو کہا ہے۔''

''بنٹی مجھے لگ رہا ہے میاں صاحب میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر چکے ہیں۔ ان کے خیال میں، میں نے تم دونوں کو بچا کر اگر کوئی احسان کیا تھا تو وہ بہت معمولی درجے کا تھا اس لیے انہیں میرا زیر بار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ان کے لیے اپنے دوست کی فرمائش پوری کرنا زیادہ اہم ہے۔''

''پاپا ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ کسی قدر برہمی سے بولی۔ ''اگر ان کے خیال میں تم نے کوئی احسان نہیں کیا ہے تو یہ ان کا خیال ہے میں سمجھتی ہوں تم نے ہم پر احسان ہی کیا ہے اور میں تمہیں اتنی آسانی سے کسی کے حوالے نہیں کرنے دوں گی۔''

''اسی میں تم لوگوں کی بھی بہتری ہے۔ میں میاں صاحب کو بھی بتا چکا ہوں کہ میں کوئی لاوارث آدمی نہیں ہوں اور میرے لوگ مجھے تلاش کریں گے یقین کرو انہیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ جب معاملہ ان کے ہاتھ میں ہو گا تو وہ مجھے بازیاب کرانے کے لیے سب کر گزریں گے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟''

بنٹی نے اپنا لب مخصوص انداز میں دانتوں میں دبا لیا تھا جب وہ پریشان ہوتی تو ایسا ہی کرتی تھی۔ ''میں پاپا کی نسبت تمہارے بارے میں کہیں زیادہ جانتی ہوں کیونکہ مجھے تم سے دلچسپی رہی ہے۔ میں بھی سمجھتی ہوں پاپا غلطی کر رہے ہیں۔''

''تم جانتی ہو وہ کس کے لیے یہ سب کر رہے ہیں؟''

بنٹی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''لیکن وہ کوئی بھی ہو اتنا اہم نہیں ہو سکتا کہ پاپا اس کے لیے یہ سب کریں۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر ان سے بات کرتی ہوں۔"

"میں تمہارے لیے دعا کروں گا کہ پاپا تمہاری بات سمجھ جائیں اور اس سے پہلے خرابی حد سے بڑھ جائے اس مسئلے کو حل کر لیا جائے۔"

بنٹی نے سر ہلایا۔ اس نے تالی بجائی تو دونوں گارڈز اندر آئے۔ "تم فکر مت کرو اور جا کر آرام کرو۔"

میں گارڈز کے ساتھ روانہ ہوا اس بار وہ مجھے میرے کمرے میں چھوڑ گئے۔ بیتو بدستور محوِ خواب تھا اور میری نیند اڑ گئی تھی۔ آنے والا کل میرے لیے کیا لانے والا تھا اس کا پتا کل ہی چلتا۔ میں نے جاگتے رہنے سے بہتر سمجھا کہ سو جاؤں۔ میں نے غسل کیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ صبح میری آنکھ کھلی تو باہر روشنی کا آغاز ہو رہا تھا۔ میری نیند پوری نہیں ہوئی تھی بلکہ آنکھ کسی وجہ سے کھلی تھی میں نے غور کیا تو باہر سے ایسی مشینی گڑگڑاہٹ کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی بڑا انجن چل رہا ہو۔ میں اٹھ کر کھڑکی تک آیا اور پٹ سرکایا تو آواز یک دم واضح ہو گئی یہ ہیلی کاپٹر تھا جو اتر گیا تھا کیونکہ اب اس کی آواز گھٹ رہی تھی اور پھر آواز آنا بند ہو گئی۔ یہاں صبح سویرے کوئی ہیلی کاپٹر آیا تھا۔ میاں ممتاز کی حویلی اتنی بڑی تھی کہ یہاں آرام سے کئی ہیلی کاپٹر اتر سکتے تھے۔ میری چھٹی حس اشارہ دینے لگی کہ ہیلی کاپٹر کی آمد اور میری یہاں موجودگی کا آپس میں تعلق ہے۔ میں کھڑکی بند کر کے واپس آیا۔ تقریباً دس منٹ بعد دروازہ کھلا اور گارڈز نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ بیتو اس بار بیدار ہو گیا تھا۔

"آپ کہاں جاتا ہے؟"

"پتا نہیں مجھے بلایا ہے۔" میں نے جوتے پہنتے ہوئے کہا۔

"دیر مت کرو جلدی کرو۔" گارڈ نے سخت لہجے میں کہا تو اس کے طرزِ تخاطب سے میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ کیا میرے حوالے سے کوئی فیصلہ ہو گیا تھا تب ہی گارڈز کا لہجہ بھی بدل گیا تھا۔ وہ مجھے لے کر عمارت سے باہر آئے اور حویلی کی طرف بڑھے۔ لان سے گزرتے ہوئے میں نے حویلی کے پہلو میں کھلی جگہ کھڑے ہیلی کاپٹر کی جھلک دیکھی یہ ایک چھوٹا اور جدید قسم کا ہیلی کاپٹر تھا۔ مجھے حویلی کے اسی کمرے میں لے جایا گیا جہاں میاں ممتاز نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔ اب وہاں ایک کے بجائے دو صوفہ نما کرسیاں تھیں اور دوسری کرسی پر موجود شخص کو دیکھ کر میں اچھل پڑا تھا۔ وہ میرے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ راج کنور تھا۔ وہی راج کنور جو مجھے انڈیا میں ملا تھا اور جس نے اپنے بڑے بھائی کے لیے میرے جسم سے خون نچوڑ لینا چاہا تھا بلکہ خاصا خون نچوڑ لیا تھا اور یہ میری زندگی تھی کہ بچ گیا ورنہ ان لوگوں نے مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ راج کنور کے بڑے بھائی کو جسے سب بڑے کنور کہتے تھے۔ اسے ایک سانپ نے ڈس لیا تھا اور اس کے پورے جسم پر کوڑھ جیسا مرض چھا گیا تھا یہ آہستہ آہستہ اس کے جسم کو گلا رہا تھا۔ سندھو ناتی ماہر سپیرا اس کا علاج کر رہا تھا اور اس نے بڑے کنور کے مرض کا علاج بھی دریافت کر لیا تھا۔ اس کے علاج کے لیے ایسے فرد کا خون درکار ہوتا تھا کہ جسے شیش ناگ قسم کے سانپ نے ڈسا ہو اور وہ بچ جائے۔ اس کے خون میں کچھ ایسی خاصیت پیدا ہو جاتی جو بڑے کنور کے علاج کے لیے بنائی جانے والی دوا کا خاص جزو بن جاتا تھا جیسے حکیم قادس کی دواؤں میں اس پُراسرار وادی سے آنے والا خاص پتھر استعمال ہوتا تھا۔ بدقسمتی سے مجھے انڈیا میں ایک سانپ نے ڈس لیا تھا اور اس نے معمول سے کوئی چار گنا زیادہ زہر میرے جسم میں اتار دیا تھا مگر ایک تو قدرت کی طرف سے میرا وقت نہیں آیا تھا دوسرے میں سپیرے سندھو کو مل گیا۔ یہ اصل میں اس کا ایک مفرور سانپ تھا جس نے مجھے ڈسا تھا اس کی تلاش میں نکلے سندھو کو میں مل گیا اور اس نے میرا علاج کیا تھا۔

جب میں سندھو کے ہاتھ لگا تو اس کی کم عمر بیٹی اوشا مجھ پر فریفتہ ہو گئی تھی اور اس نے میری مدد کی کوشش بھی کی لیکن بدقسمتی سے ہم دونوں پکڑے گئے اور کنوروں کے قبضے میں چلے گئے۔ اس کے بعد وہاں ہنگامہ ہوا اور میں وہاں سے نکل گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کنوروں، سندھو اور اوشا پر کیا گزری تھی۔ صرف سندھو کے بارے میں پتا چلا تھا کہ وہ ہنگامے میں مارا گیا ہے لیکن یہ بھی یقینی نہیں تھا۔ بعد میں رانا ویاس نے تصدیق کی کہ کنور خاندان بچ گیا تھا اور کنوروں کی بہن سادھنا ہمارے ساتھ آ گئی تھی۔ اب وہ سعدیہ تھی اور اس کا کنوروں سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا اس نے خود یہ تعلق توڑ دیا تھا۔ زمین اور ہیروں کی لالچ میں انہوں نے بے دریغ ہزاروں قبائلیوں کا قتلِ عام کرایا تھا اور اب وہ زمین اور ہیروں کی کان یقیناً ان کے قبضے میں تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ طاقتور بن چکے تھے اور اس کا ثبوت راج کنور کی یہاں موجودگی تھی۔ وہ مجھے طنزیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''شہباز جی کیا پہچانا نہیں مجھے..... جو ایسے دیکھ رہے ہو؟''

''شیطان کو میں ہر روپ میں پہچان لیتا ہوں۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''تمہیں تو میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا چہرہ بگڑا تھا۔ ''آج بھی تمہاری زبان بہت تیز ہے۔''

''کام کی بات کرو۔'' میں نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میاں صاحب نے بتایا ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھے۔''

اس بات پر غالباً اسے خیال آیا کہ وہ کس لیے یہاں آیا تھا۔ اس کی ہیلی کاپٹر سے آمد بتا رہی تھی کہ وہ قانونی طریقے سے سرحد پار کر کے نہیں آیا ہے بلکہ اس کے ہیلی کاپٹر نے ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزی کی تھی اور اب پورے دھڑلے سے اس سرزمین پر موجود تھا۔ مجھے افسوس ہوا میں میاں ممتاز کو صرف ایک مخصوص ذہنیت کا سیاست دان سمجھتا تھا لیکن کنور کی یہاں موجودگی بتا رہی تھی کہ وہ اس زمین کا غدار بھی ہے ورنہ ایک بھارتی جاگیردار اور سیاست دان کی اس طرح یہاں موجودگی کو کیا کہا جا سکتا تھا۔ مگر یہ سب میں نے دل میں سوچا تھا اور اپنی زبان اور تاثرات کو قابو میں رکھا تھا۔ کنور نے سر ہلایا۔ ''یہ درست ہے میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔ تم جانتے ہو تم بھارتی حکومت کو مطلوب ہو اور تم پر دہشت گردی کے بے شمار الزامات ہیں.....''

''انہیں میں اپنے جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''کنور میں نے کہا نا..... کام کی بات کرو۔''

''مہاشے جی۔'' وہ پھر تپ گیا۔ ''یہاں تم ایک قیدی ہو اس لیے زیادہ بڑھ کر مت بولو۔''

''ٹھیک ہے میں قیدی ہوں۔ اس سے تمہیں کیا؟''

''میاں جی..... میرے اچھے واقف کاروں میں سے ہیں۔ ہم ایک جیسے لوگ ہیں۔ میں نے ان سے کہا اور انہوں نے تمہیں تلاش کر لیا۔''

گویا میاں ممتاز نے اسے یہ کہا تھا کہ اس نے مجھے تلاش کیا ہے۔ میں نے سوچا مگر راج کنور کی بات کی تردید نہیں کی۔ اول تو اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا پھر میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میاں ممتاز نے یہ غلط بیانی کیوں کی؟ میں ابتدائی جھٹکے سے سنبھل گیا تھا اور کسی حد تک سمجھ رہا تھا کہ راج کنور یہاں کیوں آیا ہے اور وہ میاں ممتاز کے توسط سے مجھے کیوں تلاش کروا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''بڑے کنور کا کیا حال ہے کیا وہ زندہ ہے؟''

اپنے بھائی کے بارے میں سن کر اس کا رنگ بدلا تھا۔ ''ہاں وہ زندہ ہیں مگر ان کا مرض بڑھ رہا ہے۔''

''ظاہر ہے اب تم لوگوں کے پاس نہ سندھو ہے جو کسی کے خون سے اس مرض کی دوائی تیار کر کے دے اور نہ کوئی ایسا فرد جس کا خون مخصوص قسم کا ہو۔''

''سندھو کی جگہ دوسرا آدمی تلاش کر لیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ماہر ہے مگر کوئی ایسا بندہ اب تک نہیں ملا ہے جس کا خون کام آ سکے۔''

''تم لوگوں کے پاس مجبور انسانوں کی کیا کمی ہے تم سینکڑوں لوگوں کو بھی سانپ سے ڈسوا کر ایسا آدمی تلاش کر سکتے ہو جو زہر سے بچ جائے اور اس کے خون میں وہی چیز آ جائے۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔'' میرے طنز کے جواب میں اس نے دبی زبان میں کہا۔ ''ہم نے کچھ لوگوں پر تجربہ کیا مگر وہ بچ نہ سکے۔ اصل میں سندھو ایسے لوگوں کو مخصوص جڑی بوٹیاں دے کر بچاتا تھا ان جڑی بوٹیوں کا کسی کو پتا نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ نیا آدمی سندھو سے زیادہ ماہر ہے۔"

"اس کا طریقہ علاج دوسرا ہے لیکن جب اس بارے میں پتا چلا تو اس نے دعویٰ کیا کہ وہ تمہارے خون سے کہیں زیادہ مؤثر دوا بنا سکتا ہے جو بڑے کنور کو چند مہینوں میں بالکل ٹھیک کر سکتی ہے اور خون بھی زیادہ نہیں درکار ہوگا۔ ہر ہفتے صرف آدھا لیٹر خون چاہیے ہوگا۔"

میرا خدشہ درست نکلا تھا وہ اسی مقصد کے لیے یہاں آیا تھا۔ میں میاں ممتاز کا قیدی تھا اگر وہ مجھے بے دست و پا کر کے اس کے حوالے کر دیتا تو میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ "یہ خون تمہیں میرے جسم سے چاہیے؟"

"ہاں مگر اس کے بدلے تمہیں بھی فائدہ ہوگا۔ تمہارے خلاف انڈیا میں جتنے کیس ہیں ان سب سے تمہارا نام نکال دیا جائے گا اور دوسرے تم جو رقم مانگو گے وہ تمہیں دی جائے گی۔"

ایسے ہی وعدے مرشد نے بھی کئی بار مجھ سے کیے تھے لیکن ان پر عمل درآمد کی نوبت اس وقت آئی جب وہ میرے سامنے بالکل مجبور ہو گیا تھا۔ جب کہ کنوروں کو ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی اور وہ مرشد سے کہیں زیادہ گھٹیا قسم کے سیاست دان تھے۔ گزشتہ رات جب میاں ممتاز نے اچانک ہی مجھے معزز مہمان سے معزز قیدی کا درجہ دیا تھا تو میں دنگ رہ گیا تھا اور فوری طور پر میرے ذہن میں اس مشکل سے نکلنے کا کوئی طریقہ نہیں آیا۔ جب کہ میاں ممتاز نے پوری منصوبہ بندی سے مجھے جکڑ لیا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو بھی دھوکا دیا تھا۔ میں یوں بھی کنفیوز تھا کہ مجھے اس دشمن کا علم نہیں تھا جس نے میاں ممتاز سے رابطہ کیا تھا۔ اب وہ دشمن سامنے تھا اور مقصد بھی واضح تھا۔ وہ مجھے یہاں سے لے جانے آیا تھا جب کہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں کسی صورت اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "راج کنور اگر میں تمہارے ساتھ جانے سے انکار کروں تو....."

"تو اس صورت میں جلد بھارتی حکومت کی طرف سے تمہاری حوالگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر تمہیں حوالے نہیں کیا گیا تو یہ معاملہ عالمی اداروں میں جائے گا۔ تمہیں کسی مستند دہشت گرد تنظیم کا رکن قرار دیا جائے گا تم سوچ سکتے ہو اس کے بعد کیا ہوگا۔" راج کنور کا لہجہ مجھے ڈرانے والا تھا۔

"میرے خلاف بھارتی حکومت کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"ثبوت ہیں۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "فوج کے خلاف استعمال ہونے والے اور ہمارے سینا کے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے کئی ہتھیاروں پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ہیں۔ اسی طرح کم سے کم سو افراد موجود ہیں جنہوں نے تمہیں انڈیا میں مجرمانہ کارروائیاں کرتے دیکھا ہے۔ دوسرے ثبوت بھی ہیں۔"

مجھے لگا اس بار راج کنور ٹھیک کہہ رہا تھا میں نے بھارتی کی سرزمین پر بے شمار ہتھیار استعمال کیے تھے اور ان پر سے میری انگلیوں کے نشانات لینا عین ممکن تھا۔ میں اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا مگر موازنے کے لیے ان کے پاس میری انگلیوں کے نشانات کہاں سے آئے میں نے یہی سوال راج کنور سے کیا تو اس نے کہا۔ "یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے یہاں میری موجودگی سے تمہیں اندازہ ہو گیا کہ ہماری رسائی کہاں تک ہے۔"

راج کنور اپنی گفتگو میں ہندی کے وہ الفاظ استعمال کر رہا تھا جو ناجائز طور پر اس میں شامل کیے گئے تھے اور اسے شدھ ہندی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر الفاظ میرے سر سے گزر رہے تھے اور مجھے اندازے سے سمجھنا پڑ رہا تھا کہ وہ کیا فرما رہا ہے۔ میں اس کی گفتگو کو آسان بنا کر پیش کر رہا ہوں۔ میں تشویش زدہ ہو رہا تھا مگر اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انداز سے میں نے ظاہر نہیں کیا۔ اس کے بجائے میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے تم یہاں بہت اثر و رسوخ رکھتے ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مجھے اتنی آسانی سے لے جا سکو گے۔''

''آسانی سے نہیں تو مشکل سے لے جاؤں گا۔'' راج کنور نے غرا کر کہا۔ وہ اپنے اصل روپ میں آ رہا تھا۔ ''میاں جی نے مجھے وچن دیا ہے کہ وہ میری مدد کریں گے۔''

''تب تم میاں جی سے بات کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میرا دماغ کیوں کھا رہے ہو؟''

''تم راضی خوشی چلو گے تو تمہیں بھی فائدہ ہوگا۔ ورنہ تمہیں قیدی بنا کر لے گیا تو تم کو کچھ نہیں ملے گا۔'' اس نے دھمکی دی۔

میں خاموش رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا نہیں کہ میں راضی خوشی بھی گیا تو مجھے کچھ نہیں ملے گا۔ سوائے اذیت ناک موت کے۔ اسی لمحے میاں ممتاز وہاں آ گیا۔ حسبِ معمول وہ تر و تازہ اور سو برگ لگ رہا تھا اس نے گاؤن پہن رکھا تھا۔ وہ اپنی نشست پر آیا اور اس نے راج کنور کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے تمہاری بات ہو گئی ہے۔''

''کہاں میاں جی۔'' اس نے شکایت کرنے والے انداز میں کہا۔ ''یہ کچھ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔''

''بھیڑیا بھیڑ سے کہے کہ دیوار سے نیچے آ جاؤ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا تو کیا بھیڑ اس کی بات مان لے گی؟'' میں نے سادہ سے لہجے میں پوچھا۔

''میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' راج کنور بولا۔ ''بس چند مہینوں کی بات ہے۔''

''اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ رہا ہے عدالت میں ایک خاتون نے وکیل کے سوال پر اپنی عمر اٹھائیس سال اور چند مہینے بتائی، جب وکیل نے چند مہینوں کی وضاحت کرنے کو کہا تو یہ مہینے ڈیڑھ سو نکلے تھے۔ تو راج کنور صاحب مجھے یقین ہے آپ کے چند مہینے بھی اس سے کم نہیں ہوں گے۔''

میاں ممتاز زیرِ لب مسکرایا تھا مگر اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تب اس مسئلے کا کیا حل نکل سکتا ہے؟''

''میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور اگر مجھے زبردستی اس کے ساتھ روانہ کیا گیا تو میاں صاحب سمجھ سکتے ہیں آئندہ میرا اور میرے ساتھیوں کا ردِعمل کیا ہوگا۔''

''میں تمہارا ہمدرد ہوں۔'' اس نے ناگواری سے کہا۔ ''مگر کنور فیملی سے میرے دیرینہ مراسم ہیں۔''

''تب آپ مجھے ان کے حوالے کر دیں۔''

میاں ممتاز نے تپائی سے سگار کیس اٹھایا۔ سگار نکال کر سلگایا اور ایک گہرا کش لے کر دھواں چھوڑا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے۔''

میں کسی حد تک سمجھ رہا تھا کہ یہ کیوں ممکن نہیں ہے۔ یقیناً بنٹی باپ کے آڑے آئی تھی۔ میری معلومات کے مطابق میاں ممتاز حسین کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ نور النسا عرف بنٹی اور مہر النسا عرف ٹینا۔ کوئی بیٹا نہیں تھا مگر جہاں تک اس کا نام روشن کرنے کا تعلق تھا تو یہ دو بیٹیاں دس بیٹوں پر بھاری تھیں ان کے کرتوت میں خود ملاحظہ کر چکا تھا۔ وہ ان کے آگے مجبور تھا۔ راج کنور یہ سن کر اچھل پڑا تھا اس نے کسی قدر برہمی سے کہا۔ ''میاں جی آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں اتنا خطرہ مول لے کر اس لیے یہاں آیا ہوں کہ ایسے ہی واپس چلا جاؤں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دیکھو ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے اگر دونوں طرف افہام و تفہیم کا جذبہ ہو۔''

''جو ہمارے سیاست دانوں میں بہت پایا جاتا ہے۔'' میں نے لقمہ دیا۔ مگر میاں ممتاز نے برا نہیں منایا اس کے بجائے اس نے سر ہلایا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ فطری اصول ہے جو طبقہ جتنا متحد ہوگا وہ دوسرے طبقوں پر اتنا ہی حاوی ہوگا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ وہ اقلیت میں ہے اور اکثریت پر حکمران ہے۔ دنیا میں دیکھو تو یہودی اس کی بہترین مثال ہیں۔''

''اور ہماری حکمران کلاس۔'' میں نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ ''انہوں نے اپنے مفاد کے لیے ایکا کیا ہوا ہے اور عوام کو تقسیم کر رکھا ہے۔''

راج کنور بولا۔ ''صرف پاکستان نہیں ایسا ہر جگہ ہوتا ہے۔ انڈیا میں بھی سیاست دان متحد ہیں لیکن میاں جی میں یہاں سیاست پر بحث کرنے نہیں آیا ہوں آپ مجھے بتائیں کہ اس شخص کو میرے حوالے کر رہے ہیں یا نہیں، اگر آپ کا جواب انکار میں ہوتا ہے تو سوچ لیجیے گا بعد میں ہمارے پاس بھی انکار کا موقع آئے گا۔''

یقیناً میاں ممتاز اور کنوروں کے درمیان کوئی مالی مفاد کا چکر تھا اور راج کنور اسے اسی حوالے سے دھمکی دے رہا تھا۔ مگر میاں ممتاز نے بہ ظاہر کوئی اثر نہیں لیا۔ اس کے بجائے اس نے ایک گہرا کش اور لیا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''میرے پاس ایک تجویز ہے اگر تم دونوں مان لو؟''

''میاں صاحب میں اس شخص سے کسی قسم کا تعاون نہیں کروں گا۔'' میں نے واضح الفاظ میں کہا۔ ''اس سے بہتر ہے میں شیطان سے تعاون کر لوں آپ جانتے ہیں یہ شخص ہزاروں معصوم افراد کا قاتل ہے جن میں اکثریت عورتیں اور بچے تھے۔''

''اگر تمہارا اشارہ قبائلیوں کے قتل عام کی طرف ہے اس کی ذمے داری جتنی کنور خاندان اور بھارتی حکومت پر عائد ہوتی ہے اتنی ہی ان قبائلی زعما پر ہوتی ہے جنہوں نے ہیرے کی کان اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے اپنے لوگوں کو مروا دیا۔'' میاں ممتاز نے سرد لہجے میں کہا۔ ''انہیں پیشکش کی گئی تھی کہ وہ یہ جگہ چھوڑ دیں تو انہیں نہ صرف متبادل جگہ فراہم کی جائے گی بلکہ اس کا معاوضہ بھی دیا جائے گا۔''

''متبادل زمین۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''میاں صاحب میں اس لفظ کے معنی بہت اچھی طرح جانتا ہوں ہزاروں سال سے طاقتور حکومتیں محکوموں کو اس طرح کے لارے دیتی رہی ہیں۔ امریکہ کی تو پوری تاریخ ہی اس لفظ کے گرد گھومتی ہے جب مقامی باشندوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کر کے متبادل زمین کے دھوکے دیئے گئے اور انڈیا میں متبادل زمین ہے کہاں؟''

میاں ممتاز کے چہرے پر بیزاری دکھائی دینے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ میں فوراً اس کی تجویز مان لوں گا اور میرا ردعمل اس کی توقع کے خلاف تھا۔ راج کنور خاموش تھا ایسا لگ رہا تھا کہ مذکورہ تجویز پہلے سے اس کے علم میں تھی کیونکہ اس نے بارے میں ذرا بھی اشتیاق کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ امکان یہی تھا کہ دونوں مل کر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں خاموش ہوا تو میاں ممتاز نے جھنجھلا کر کہا۔ ''شہباز تم ایک بار میری تجویز سن تو لو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے معلوم ہے آپ کیا تجویز پیش کریں گے۔''

میری اس بات پر وہ چونکا۔ ''تمہیں کیسے معلوم؟''

''میاں صاحب اللہ نے مجھے عقل دی ہے۔ آپ یہی تجویز کرتے تاکہ میں یہیں رہوں۔ آپ مجھے راج کنور کے حوالے نہیں کریں گے لیکن اسے ضرورت کے مطابق میرا خون مہیا کیا جاتا رہے گا۔''

اس بار میاں ممتاز کے ساتھ راج کنور بھی چونکا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کو جس طرح دیکھا اس سے ان کی ملی بھگت واضح ہوگئی۔ میاں ممتاز نے بادلِ ناخواستہ سر ہلایا۔ ''یہ درست ہے۔''

''میں راضی خوشی اپنے جسم سے صرف اضافی پانی ہی دے سکتا ہوں۔'' میں نے کہا تو راج کنور اچھل پڑا تھا۔

''بس میاں جی میں اس سے زیادہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔''

''بے عزتی۔'' میں نے طنز کیا۔ ''جو لوگ اپنی سگی بہن کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر فرار ہو جائیں وہ بے عزتی کا مطلب سمجھتے ہیں۔''

راج کنور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اس نے غرا کر کہا۔ ''بکواس مت کرو، آشا قبائلیوں کے حملے میں ہلاک ہو گئی تھی انہوں نے اس کی لاش بھی جلا دی تھی۔''

''چلو یہ مسئلہ بھی حل ہوا اور تمہاری عزت بچ گئی۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''لاش بھی تم نے شناخت کی ہو گی۔''

میاں ممتاز نے سگار نئے سرے سے سلگا کر فضا کو دھواں آلود کرتے ہوئے کہا۔ ''تم دونوں بیکار کی بحث میں الجھ گئے ہو۔ ماضی میں جو ہوا اسے بھول جاؤ، حال کے مسئلے پر بات کرو۔''

''میاں جی میں اسے لے کر جاؤں گا۔'' راج کنور نے میری طرف اشارہ کیا۔

''میں کسی صورت اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا اور یہ بات میاں صاحب بھی سمجھتے ہیں کہ میرے ساتھ زبردستی کرنے کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں۔''

''اسی لیے میں نے متبادل تجویز رکھی ہے۔''

''میاں جی، شہباز انکار کر رہا ہے۔'' راج کنور نے کہا۔

''شہباز تم اپنے رویے سے میرے اور اپنے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔'' اس بار میاں ممتاز نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میاں صاحب، مشکلات نہ آپ کے لیے نئی ہیں اور نہ میرے لیے نئی ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''اس لیے آپ یہ مت سوچیں کہ میں مشکلات کی وجہ سے آپ کی تجویز سے متفق ہو جاؤں گا۔''

''اس میں حرج ہی کیا ہے۔'' میاں ممتاز نے پھر لہجے میں شہد گھول کر کہا۔ وہ بلاشبہ ماہر سیاست دان تھا ورنہ اس کی جگہ اس حیثیت کا کوئی اور شخص ہوتا تو اب تک مشتعل ہو کر اپنے اصل روپ میں آ چکا ہوتا۔ ''راج کنور کا کہنا ہے کہ اسے ہفتے میں نصف لیٹر خون درکار ہے جب کہ اس سے پہلے تم کئی بار ایک لیٹر تک خون دے چکے ہو۔ یہاں بہترین ڈاکٹر تمہاری دیکھ بھال کریں گے۔ تمہیں بہترین غذائیں اور سہولتیں دیئے جائیں گے اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی کمی ہوئی تو وہ متبادل طریقے سے پوری کر دی جائے گی۔"

"میں جانتا ہوں میاں صاحب کہ نصف لیٹر خون دینے سے میری صحت پر خاص فرق نہیں پڑے گا۔ اگر کسی کی جان بچانے کا سوال ہوتا تو میں اپنی پروا بھی نہ کرتا لیکن ان بھائیوں کے لیے میرے پاس کیا ہے وہ میں لا چکا ہوں۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

اس گفتگو کے ابتدائی حصے میں، مَیں سمجھ چکا تھا کہ میاں ممتاز اور راج کنور اصل میں ایک پارٹی ہیں مگر میاں ممتاز بہ ظاہر اقوام متحدہ کا کردار ادا کر رہا تھا اور وہ درحقیقت اقوام متحدہ کا کردار ہی ادا کر رہا تھا یعنی وہ کردار جو اقوام متحدہ ثالثی کے نام پر بڑی طاقتوں کے لیے ادا کرتی ہے۔ وہ سب پہلے سے طے کر کے آئے تھے اور اس میں یقیناً یہ بھی شامل تھا کہ میں تعاون سے بالکل انکار کر دوں تو وہ پھر کیا کریں گے۔ میاں ممتاز نہ سہی لیکن راج کنور مجھے اچھی طرح جانتا تھا اسے معلوم تھا میں کسی صورت نہیں مانوں گا۔ بات اس طرف جا رہی تھی جب متبادل طریقہ سامنے آتا۔ دوسرے لفظوں میں بلی تھیلے سے باہر آ جاتی۔ میاں ممتاز نے گہری سانس لی۔ "شہباز مجھے افسوس ہے کہ تم نے میری تجویز مسترد کر دی۔"

"اس لیے آپ اب مجھے راج کنور کے حوالے کر دیں گے؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اگر تم راضی خوشی چلے جاتے تو ٹھیک تھا لیکن اس صورت میں جب کہ تم کنور خاندان کو اپنا دشمن قرار دے رہے ہو تمہیں ان کے حوالے کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"یعنی مجھے یہیں رکھ کر میرا خون نچوڑا جائے گا۔"

"مجبوری ہے۔" میاں ممتاز نے پُرتفکر انداز میں کہا۔ "تم نے کوئی اور راستہ چھوڑا نہیں ہے۔"

"میاں صاحب تب بہتر ہے یہ کام آپ پوری احتیاط سے کریں۔ میں اس سلسلے میں آپ سے کسی قسم کا تعاون نہیں کروں گا۔ بلکہ ہر ممکن مزاحمت کروں گا۔"

"مجھے بھی اسی بات کا خدشہ تھا۔" میاں ممتاز نے سر ہلایا۔ اس نے اپنا موبائل نکال کر نمبر ملایا اور پھر کسی سے کہا۔ "کیا رپورٹ ہے.....؟" دوسری طرف سے سن کر اس نے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ "لو بات کرو۔"

میں نے موبائل کان سے لگایا تو دوسری طرف سے بیتو کی آواز آئی۔ "شوبی..... شوبی آپ کہاں ہے؟"

"بیتو۔" میرا دل دھڑکا تھا۔ "تم کہاں ہو؟"

"یہ لوگ ہم کو محل سے کہیں باہر لایا ہے۔ آنکھ پر پٹی باندھ کر..... ادھر ہم کو قید کیا ہے..... آپ ٹھیک ہو نا۔"

"بیتو میں ممتاز ہاؤس میں ہی ہوں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اسی اثنا میں کسی نے بیتو سے موبائل لے کر کال کاٹ دی۔ میں ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔ میں نے غصے میں میاں ممتاز کا موبائل ایک دیوار پر دے مارا اور اس کے پرزے بکھر گئے تھے۔ مگر میاں ممتاز پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اس کے بجائے اس نے سگار کا ایک گہرا کش لیا اور بولا۔ "شہباز ملک اب تم سمجھ گئے ہو گے۔"

"جی سمجھ گیا ہوں۔" میں نے دانت پر دانت جما کر کہا۔ "مجھے امید ہے ابھی آپ نہیں سمجھے ہیں لیکن جلد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھ جائیں گے۔"

ظاہر ہے اس دھمکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ راج کنور کھل اٹھا تھا اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ "اچھا میاں جی بہت شکریہ..... میں پھر چکر لگاؤں گا۔"

"لیکن سرحد کے راستے۔" میاں ممتاز نے کہا۔ "آپ کا اس طرح آنا جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

راج کنور نے یہاں نہ تو کچھ کھایا پیا تھا اور نہ ہی اس نے میاں ممتاز سے ہاتھ ملانے کی کوشش کی۔ وہ چھوت چھات کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس کے اس رویے کے باوجود بہ قول میاں ممتاز اس کے کنور خاندان سے مراسم تھے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ورنہ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں میاں ممتاز مجھے راج کنور کے حوالے نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا کرنے پر تل جاتا تو میں اس کے سامنے قطعی بے بس تھا۔ اگرچہ یہاں بھی حالات اچھے نظر نہیں آ رہے تھے لیکن ایک تو میں اپنے ملک میں تھا دوسرے یہاں میں فرار کی کوشش کر سکتا تھا۔ راج کنور کے جانے کے بعد میاں ممتاز نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے شہباز، مگر میں بعض وجوہات کی بنا پر راج کنور کو صاف انکار نہیں کر سکتا تھا۔"

"آپ افسوس نہ کریں ممکن ہے اس کا موقع کبھی بعد میں آئے۔"

اس نے ناگواری سے مجھے دیکھا۔ "تم خود کو کچھ سمجھنے لگے ہو۔ میں نے تو یہ بھی سوچا تھا کہ انہیں کسی اور کا خون دے دوں گا۔ مگر ان کے پاس تمہارے خون کا نمونہ موجود ہے اس لیے وہ دھوکا نہیں کھائیں گے۔"

"آپ نے بہت دور تک کا سوچا ہوا تھا۔" میں نے سادگی سے طنز کیا۔ "دھوکا بھی آپ انہیں ہی دیتے ہیں جو راضی خوشی دھوکا کھا لیں۔ جیسے اس بدنصیب ملک کی عوام جس کے آپ جیسے لیڈرز ہیں۔"

اس بار اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور اس نے اپنے گارڈز کو طلب کر لیا۔ وہی دونوں اندر آئے۔ میاں ممتاز نے ان سے کہا۔ "اسے لے جاؤ اور پوری طرح چوکس رہنا۔" ان کو ہدایت دے کر اس نے میری طرف دیکھا۔ "شہباز تمہاری کسی غلط حرکت یا عدم تعاون کا خمیازہ کسے بھگتنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے تم سمجھ گئے ہو؟"

وہ مجھے بیتو کی دھمکی دے رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ بیتو کی اہمیت سمجھتا تھا۔ بیتو پر تشدد کیا جا سکتا تھا اسے قتل بھی کیا جا سکتا تھا یا اسے کنور خاندان کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ وہ کنوروں کے دشمن قبائل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لیے میں شرافت سے واپس اس کمرے میں پہنچ گیا جو میرا زندان تھا۔ ایک گھنٹہ پہلے میرے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ مجھے راج کنور کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میرے خیال میں وہ میرے ماضی کا ایک حصہ بن چکا تھا لیکن اس نے اچانک سامنے آ کر بتا دیا تھا کہ کبھی کبھی وقت خود کو دوہراتا ہے۔ اس وقت سورج کسی قدر بلند ہوا تھا۔ کمرے میں آ کر میں دیکھا تو سات بج رہے تھے اور وہاں ناشتہ میرا منتظر تھا۔ یہ قوت بخش قسم کا ناشتہ تھا۔ اس میں ایک گلاس دودھ، ایک گلاس اورنج جوس، ہاف بوائل انڈے، شہد، پنیر اور براؤن بریڈ تھی۔

چائے یا کافی جیسی مُضر صحت چیزوں کا دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے جب کنوروں کے محل میں میرا خون لیا جا رہا تھا تب بھی مجھے چائے یا کافی نہیں دی جاتی تھی کہ اس سے کچھ مسئلہ ہوتا تھا۔ اب بھی میرے ساتھ یہی کیا گیا تھا۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ ناشتہ کروں لیکن مجبوری تھی اگر میں ناشتہ نہ کرتا یا بھوک ہڑتال کر دیتا تب بھی یہ میرا خون ضرور نچوڑتے۔ اس لیے اگر مجھے خود کو صحت مند اور جدوجہد کے قابل رکھنا تھا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھانا پینا لازمی تھا۔ میں نے پہلے تو خود کو معمول پر لانے کے لیے سانس کی چند مشقیں کیں۔ پھر کمرے میں ہی ہلکی پھلکی ایکسرسائز کی۔ واش روم میں نہانے کی سہولت تھی لیکن فی الحال میں نے صرف منہ ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں لیٹ گیا۔

اب تک میں نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ میرے ساتھیوں پر میری اور بیتو کی گمشدگی کا کیا اثر ہوگا اور وہ مجھے تلاش کرنے کی کوشش کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ سوچ آتے ہی میں اٹھ بیٹھا۔ میرے ساتھی سب سے پہلے اس شاہد کو تلاش کریں گے۔ اگرچہ شاہد کو سفیر نے ہائر کیا تھا اور پھر ہم نے اسے کوئی نہیں بلایا تھا بلکہ خود فیض آباد کے ایک کیفے کے سامنے پہنچے تھے جہاں وہ ہمارا منتظر تھا۔ عبداللہ ہمیں چھوڑنے آیا تھا لیکن وہ بھی ہمیں دور اتار کر چلا گیا تھا۔ اس لیے اب شاہد کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا سوائے سفیر کے، لیکن یہ کوئی مشکل کام نہیں عبداللہ سفیر سے رابطہ کر کے شاہد کے بارے میں پوچھ سکتا تھا اور ایک بار اس کا نمبر مل جاتا تو اسے تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مگر شاہد نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا تھا اور امکان یہی تھا کہ مار کھا کر اور لہولہان ہونے کے بعد شاہد کو اس کا ہوش ہی نہ ہو کہ وہ ہمیں اغوا کرنے والوں یا ان کی گاڑی کو دیکھ سکے۔

شاہد زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکتا تھا کہ ہمیں کہاں سے اغوا کیا گیا۔ اس صورت میں مجھے اور بیتو کو تلاش کرنا آسان نہ رہتا۔ بہرحال امید پر دنیا قائم ہے۔ بہت سارے معاملات انسان قسمت پر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور تقدیر کے فیصلے کا انتظار کرتا ہے۔ سوچوں کا رخ بنٹی کی طرف مڑ گیا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ وہ اب اصل معاملے سے واقف ہو گئی تھی اور شاید اسی کا دباؤ تھا جس کی وجہ سے میاں ممتاز مجھے راج کنور کے حوالے نہیں کر سکا۔ اپنی باتوں سے میں نے اسے جتنا مشتعل کیا تھا اس کے بعد وہ یقیناً ایسا کرنا چاہ رہا ہوگا۔ سوال یہ تھا کہ میرے ساتھ جو ہونے والا تھا کیا اس میں بنٹی کی رضا شامل تھی؟

اگر بنٹی کی رضا اس میں شامل تھی کہ مجھے قید میں رکھ کر میرا خون لیا جائے تو اس کی طرف سے کوئی امید بے کار تھی ویسے بھی وہ ایک حد سے زیادہ اپنے باپ کی مخالفت نہیں کر سکتی تھی۔ میں اس کا محسن سہی لیکن وہ مجھے اپنے باپ اور اس کے مفادات پر ترجیح نہیں دے سکتی تھی۔ بیتو کا ساتھ میرے لیے پھندہ بن گیا اب میں کسی بھی کارروائی کے لیے آزاد نہیں تھا۔ میاں ممتاز نے چالاکی سے کام لیا اور اسے کہیں اور منتقل کر دیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ میں میری کمزوری بن گیا تھا۔ میں سوچ میں گم تھا کہ دروازہ کھلا اور وہی دو گارڈز دکھائی دیئے۔ لگتا تھا انہیں مستقل میرے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ ان میں ایک گورا تھا اور ایک سانولا تھا۔ گورا باس لگتا تھا کیونکہ وہی مجھ سے بات کرتا تھا اور حکم دیتا تھا۔ سانولا چپ رہتا تھا اور حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ گورے نے مجھ سے کہا۔ "آپ کو بلایا گیا ہے جناب؟" اس کا لہجہ پھر بدل گیا تھا اور وہ اب عزت سے بات کر رہا تھا۔ اس سے پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے میں جوتے پہن کر باہر آیا۔ البتہ راستے میں مجھے خیال آیا۔

"میرے ساتھی کے پاس ایک بیگ تھا اس میں میری چیزیں اور کپڑے تھے۔"

"آپ کی ہر چیز محفوظ ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"مجھے اپنے کپڑے چاہئیں۔"

"آپ کے کمرے میں پہنچا دیے جائیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا خیال تھا کہ مجھے عمارت میں ہی کہیں لے جایا جا رہا ہے لیکن وہ مجھے ایک عقبی دروازے سے باہر نکال لائے۔ اس طرف بھی دور تک پھیلا ہوا لان تھا۔ یہاں گھنے درخت بھی تھے اور پھولدار پودوں کے تختے بھی تھے۔ ہم پختہ روشوں سے گزرتے درختوں کے پیچھے پہنچے تو وہاں چار دیواری کے گوشے میں ایک سفید رنگ کی مختصر عمارت تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی دواؤں کی بو نے بتایا کہ یہ عمارت طبی مقاصد کے لیے مخصوص تھی۔ مجھے ایک کمرے میں لایا گیا۔ وہاں ایک ڈاکٹر اور ایک نرس پہلے سے موجود تھے۔ سانولا باہر رک گیا تھا لیکن گورا میرے ساتھ اندر تک آیا۔ گورے نے مجھ سے کہا۔ ''آپ کے لیے میاں صاحب کا حکم ہے کہ ڈاکٹر سے مکمل تعاون کریں۔''

میں نے دل ہی دل میں میاں صاحب اور ان کے حکم کی ایسی کم تیسی کی اور ڈاکٹر کی طرف دیکھا وہ سوکھے چہرے اور بڑی بڑی ابلی ہوئی سرخ آنکھوں والا کرپٹ نظر آنے والا شخص تھا۔ ''تم ڈاکٹر ہو۔''

اس نے سر ہلایا اور اسٹریچر نما کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس پر آ جائیں۔''

میں لیٹا تو اس نے پہلے معمول کا طبی معائنہ کیا۔ یعنی درجہ حرارت اور بلڈ پریشر چیک کیا۔ اس کے بعد آنکھوں اور زبان کا معائنہ کیا۔ زبان دکھانے کے مطالبے پر میں نے چڑانے والے انداز میں زبان دکھائی جس پر نرس کی ہنسی نکل گئی اور جب ڈاکٹر نے اسے گھورا تو یہ ہنسی رک گئی تھی۔ وہ نوعمر اور گول مٹول سی لڑکی تھی۔ سرخ و سفید رنگت اور قدرتی لائٹ براؤن بالوں کے ساتھ وہ دلکش لگ رہی تھی۔ جسامت بھاری تھی مگر یہ بھی بری نہیں لگ رہی تھی۔ چست یونیفارم میں اس کا جسم بھی چست لگ رہا تھا۔ وہ موٹی لڑکیوں کی طرح تھل تھل نہیں کر رہی تھی بلکہ ٹھوس جسامت کی مالک تھی۔ اپنا کام مکمل کر کے ڈاکٹر نے اسے حکم دیا۔ ''بلڈ سیمپل لو۔''

''ایک منٹ۔'' میں نے نرس کو سرنج گھونپنے کی تیاری کرتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ ''یہ سیمپل کس لیے لیا جا رہا ہے۔''

''بلڈ کا جنرل چیک اَپ ہوگا کہ کوئی کمی تو نہیں ہے اور کسی بیماری کے جرثومے تو نہیں ہیں۔''

اس بار میں نے اعتراض نہیں کیا اور نرس نے کوئی ایک چھٹانک خون میری رگوں سے کشید کر لیا اور پھر سرنج کو بہت احتیاط سے کیپ لگا کر ایک پلاسٹک شاپر میں پیک کیا۔ ڈاکٹر نے مارکر سے اس پر کچھ لکھا اور اسے ایک طرف موجود چھوٹے سے فریج میں رکھ دیا۔ اس کا کام ہو گیا تھا اس لیے اس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ مجھے واپس کمرے میں پہنچا دیا گیا اور میں وقت گزاری کے لیے ایکسرسائز کرنے لگا۔ وقفے وقفے سے کی جانے والی ورزش نے جب مجھے تھکا دیا اور کسی قدر پسینہ بھی بہہ نکلا تو میں نے واش روم کا رخ کیا اور شاور لیا۔ میرے کپڑے آ گئے تھے لیکن یہ صرف کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ بیگوں کا سارا سامان غائب تھا بیتو کے کپڑے بھی نہیں تھے اور میرے بیگ کے ساتھ صرف میرے کپڑے تھے۔ اسلحے اور دوسری چیزوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال کپڑے مل گئے تھے یہی بڑی بات تھی۔ اب تک گارڈز کے علاوہ کسی کی صورت دکھائی نہیں دی تھی لیکن کچھ دیر بعد کھانے کے وقت بنٹی کی خاص خادمہ بانو کھانے کی ٹرالی لے کر آئی تھی۔ گورا اس دوران میں اندر نہیں آیا تھا لیکن وہ مستعدی سے باہر موجود رہا تھا۔ بانو نے حسب معمول حیدرآبادی فراک اور چست پاجامہ پہن رکھا تھا جو اس کی متناسب جسامت پر سج رہا تھا۔ اس نے میز پر کھانا لگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بے بی کہہ رہی ہیں آپ فکر نہ کریں آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

اس سے بڑا نقصان اور ہو سکتا تھا کہ میرا خون ایک خبیث انسان کو صحت دینے میں کام آتا اور وہ صحت پا کر نہ جانے کتنے انسانوں کی بربادی کا باعث بن جاتا۔ یہاں زبردستی میرا خون لیا جاتا۔ یہ بھی کم نقصان نہیں تھا۔ میں نے بھی آہستہ سے کہا۔ ''میں بنٹی سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''میں پیغام دے دوں گی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کھانا دینے میں ہی آؤں گی۔ آپ کو اور کوئی کام ہے تو مجھے بتا دیں۔''

مجھے چائے یا کافی کا خیال آیا مگر وہ ملتی نہیں۔ پھر مجھے اپنے کپڑوں کا خیال آیا۔ ''کپڑے دھلوانے ہیں۔''

''دے دیں میں چند گھنٹوں میں دھو کر لا دیتی ہوں۔'' وہ بولی۔ میں نے اسے اپنے اتارے کپڑے دے دیئے۔ لنچ میں بھی سادہ اور قوت بخش غذائیں تھیں۔ جیسے دیسی چوزے کی یخنی، ولیے، مٹن اور مشروم سمیت بعض سبزیوں کی مدد سے ایک ڈش تیار کی گئی تھی۔ یہ گاڑھے سوپ کی طرح تھی۔ پھر ایک کھیر نما میٹھی ڈش تھی جس میں کھجور کے ٹکڑے ڈالے گئے تھے۔ تمام چیزیں غیر روایتی لیکن مزے کی تھیں اور قوت بخش تو لازمی تھیں۔ انہیں دینے کا مقصد یہی تھا کہ میری صحت میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو وہ بحال ہو جائے اور میرا جسم بہترین حالت میں آ جائے۔ اس طرح ہر بہتے ہونے والی خون کی کمی کو آسانی سے پورا کیا جا سکے گا لیکن خون لینے کا سلسلہ ایک حد سے اوپر جاتا تو لازمی مجھ پر اثر ہوتا۔ کنوروں نے میرے ساتھ جو کیا تھا اس کے بعد میں تقریباً مرتے مرتے بچا تھا۔ آخری بار جب قبائلیوں نے مل پر حملہ کیا تھا تو میرا دوگنا خون یعنی دو لیٹرز سے زیادہ خون نکال لیا گیا تھا۔ وہ تو قبائلیوں نے میری دیکھ بھال کی اور کچھ میں بھی سخت جان تھا اس لیے بچ گیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا ہر بار میری بچت ہو جاتی۔ میں نے دل میں دعا کی کہ کاش میری خون کی وہ تاثیر ختم ہو گئی ہو جس کی وجہ سے وہ بڑے کنور کے علاج کے لیے تریاق بن گیا تھا۔ وہ محض ہلکہ یہ پورا خاندان اس قابل تھا کہ گھل گھل کر مر جائے۔ مگر ابھی اللہ نے ان کی رسی دراز رکھی ہوئی تھی۔

مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں نے تمام چیزوں سے پوری طرح انصاف کیا تھا۔ کھانے کے دوران مجھے بیتو کا خیال آیا۔ وہ بھی قید میں تھا اور اس کی سوائے اس کے کوئی اہمیت نہیں تھی کہ میاں ممتاز نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ اسے ٹھیک طرح سے رکھنا اور اس کا خیال رکھنا ان لوگوں کے لیے ضروری نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے اسپتال لے جایا گیا یا کسی وجہ سے اس کمرے سے نکالنے کی بات کی تو میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میری بیتو سے بات نہیں کرا دی جائے گی۔ کھانا بانو لے کر آئی تھی لیکن برتن ایک ملازم لڑکا لے گیا۔ وہ صاف ستھرا اور سجا سنورا ہوا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں تمام ملازم شخصیت کے لحاظ سے اچھے اور تربیت یافتہ تھے ان کے انداز میں رکھ رکھاؤ تھا۔ شاید ان کو باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی اور خاص ملازموں کی تعلیم کا بندوبست بھی کیا ہوگا۔ جیسے بانو اپنے انداز اور رکھ رکھاؤ سے کہیں سے خادمہ نہیں لگتی تھی۔ رات کے کھانے کے ساتھ بانو میرے دھلے ہوئے کپڑے اور ان کے ساتھ ایک بڑا شاپر لائی تھی۔ اس نے شاپر کرسی پر رکھا۔

''بے بی نے یہ آپ کے لیے بھیجا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے شاپر میں جھانکا۔ اس میں دو پینٹ اور شرٹ سوٹس تھے۔ ایک سلیپنگ سوٹ اور سوتی پاجامہ تھا یہ شاید ایکسر سائز کے لیے تھا۔ میں نے اپنے پیغام کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔ ''میں نے بے بی سے کہہ دیا تھا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔''

''ٹھیک ہے تم اس سے پھر کہنا اور میرے ساتھی بیتو کے بارے میں پتا ہے اگر نہیں تو مجھے اس کے بارے میں معلوم کر کے بتاؤ یا میری اس سے بات کراؤ۔''

بانو نے سر ہلایا اور کھانا لگا کر رخصت ہو گئی تھی۔ گورا مجھے اور بانو کو بات کرتے دیکھتا تھا لیکن اس نے اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کوئی پابندی لگائی تھی۔ کھانے کے بعد میں کچھ دیر کمرے میں چہل قدمی کرتا رہا اور جب تھک گیا تو لیٹ کر سو گیا۔ اگلی صبح مجھے ناشتے سے پہلے بیدار کیا گیا۔ یہاں دروازے میں کنڈی تھی اور میں کنڈی لگا کر سویا تھا۔ کوئی دروازے پر مستقل دستک دے رہا تھا۔ میں نے کنڈی کھولی تو باہر گورا موجود تھا۔ ''چلنا ہے۔'' اس نے بلا تمہید کہا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''جب تک میرے ساتھی بیتو سے میری بات نہیں کرائی جائے گی میں کہیں نہیں جاؤں گا۔''

گورے نے چوکنا ہو کر شاٹ گن کا رخ میری طرف کر دیا اور غرایا۔ ''تم انکار نہیں کر سکتے ہو۔''

''کر سکتا ہوں تم مجھے گولی مار سکتے ہو لیکن یہاں سے چلنے پر مجبور نہیں کر سکتے ہو۔'' میں دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ وہ چند لمحے مجھے گھورتا رہا پھر اس نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ غالباً وہ اس بارے میں ہدایات لے رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد دروازہ کھلا اور گورے نے ایک موبائل میری طرف بڑھایا اور ساتھ ہی وارننگ دی۔

''اپنے ساتھی سے بات کر لو مگر کوئی غلط حرکت مت کرنا۔''

دوسری طرف بیتو موجود تھا اس نے میری آواز سنتے ہی بے تابی سے کہا۔ ''شوبی یہ کیا ہے یہ ہم کو آپ کے پاس کیوں نہیں لاتا۔''

''بس میری جان مجبوری ہے۔ تمہیں کنور یاد ہیں۔''

''ہم ان کو کیسے بھول سکتا ہے۔'' اس نے نفرت سے کہا۔ ''وہ ہمارا گھر اور لوگوں کا قاتل ہے۔''

''یہ منحوس یہاں بھی آ گیا۔'' میں نے کہا اور بیتو کو کسی قدر تفصیل سے بتایا کہ راج کنور کیوں آیا اور کیا چاہتا ہے۔ بیتو دم بخود رہ گیا تھا۔

''تو ہم کو اس لیے الگ کیا ہے۔''

''یہ تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک تو نہیں کر رہے ہیں؟''

''نہیں شوبی ویسے ٹھیک ہے۔ اچھا کمرہ ہے اور کھانا بھی ٹھیک ہے پر ہم کو آپ کا فکر ہے۔ یہ آپ کے ساتھ پھر وہی کر رہا ہے۔''

''اللہ مالک ہے یار، پہلے بھی ایسی صورت حال میں وہ مدد کرتا رہا ہے آگے بھی وہی کرے گا۔ تم فکر مت کرو۔'' میں نے تسلی دی اور موبائل گورے کو واپس کر دیا کیونکہ وہ اب کچھ بے چین ہو رہا تھا۔ بیتو کی خیریت معلوم کر کے مجھے تسلی ہو گئی تھی۔ اس لیے میں ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ وہ مجھے اسی کلینک میں لے گئے جہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر اور گول مٹول سی نرس موجود تھے۔ اتنی صبح بلانے کا مقصد ناشتے سے پہلے کچھ سمپل لینا تھا۔ یہ یورین، تھوک اور بلڈ سمپل تھے۔ اس بار خون کم لیا گیا تھا۔ پھر ڈاکٹر نے مجھے ایک انجکشن لگانا چاہا تو میں پوچھا۔ ''یہ کس لیے ہے؟''

''یہ ایکسی لیٹر ہے جسمانی پرفارمنس بہتر بناتا ہے۔''

''یعنی اسٹرائڈز جیسی کوئی چیز ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''لیکن اسی جیسی چیز ہے۔''

میں اسٹرائڈز کے نقصانات سے واقف ہوں کیونکہ میرا تعلق کوہ پیماؤں سے بھی رہا ہے۔ وہ پہاڑوں میں اپنی جسمانی کارکردگی بڑھانے کے لیے اپنے پاس ایسی دوائیں اور انجکشن رکھتے تھے جن میں اسٹرائڈز ہوتے تھے۔ دوسرے کھیلوں میں ان کا استعمال عرصے سے جاری ہے اور اسپورٹس مین اور وومین کی ایک بڑی تعداد کارکردگی بڑھانے کے لیے ان کا بے دریغ استعمال کرتی ہے۔ کئی دہائیوں پہلے جب ان پر پابندی نہیں تھی تو کھلاڑی میچ جیتنے اور میڈل حاصل کرنے کے لیے انہیں استعمال کرتے تھے۔ اب ان پر پابندی لگ گئی ہے اس کے باوجود ہر سال بے شمار کھلاڑی انہیں استعمال کرتے ہوئے پکڑے جاتے ہیں۔ انہیں جیت کا ایسا جنون ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے اپنی جان پر کھیلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

اسٹرائڈز کی وضاحت کر دوں۔ یہ ایسی ادویات ہوتی ہیں جو انسانی جسم میں موجود توانائی کے چھپے ذرائع کو کام میں لے آتی ہیں۔ یہ ہماری ریزرو توانائی ہوتی ہے۔ جب ہم بیمار پڑتے ہیں، کسی حادثے کا شکار ہوتے ہیں یا ہمارے اعصاب کو کوئی بڑا صدمہ برداشت کرنا پڑتا ہے تو یہ توانائی ہمیں اس حادثے یا صدمے یا بیماری سے لڑنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ توانائی طویل عرصے میں بنتی ہے اور اگر اسے خرچ کر دیا جائے تو انسان میں غیر متوقع حالات کا سامنا کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور بہ ظاہر ٹھیک ٹھاک انسان کسی معمولی بیماری یا وجہ سے دنیا سے گزر جاتا ہے۔ کئی شاندار صحت رکھنے والے کھلاڑی اسی وجہ سے اچانک نوجوانی میں دنیا سے رخصت ہوئے تو اسٹرائڈز کے نقصانات سامنے آئے اور ان پر پابندی لگی۔

مگر اب بھی لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ اب اسٹرائڈز کا استعمال عام لوگوں نے بھی شروع کر دیا ہے اور وہ ایسا بے خبری میں کر رہے ہیں۔ اس میں زیادہ ہاتھ ان نام نہاد ڈاکٹروں اور عطائیوں کا ہے جو معمولی بیماریوں میں لوگوں کو اسٹرائڈز دے دیتے ہیں۔ فلو کا شکار کوئی شخص کسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور وہ اسے اسٹرائڈ کا انجکشن دیدیتا ہے۔ چند منٹ کے بعد آدمی کو لگتا ہے جیسے اسے کبھی فلو تھا ہی نہیں اور وہ خود کو کسی گھوڑے کی طرح فٹ اور طاقتور محسوس کرنے لگتا ہے۔ جنسی معاملات میں بھی ان کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے اور لوگوں کو پتا ہی نہیں چلتا کہ اس طرح وہ خود اپنی قبر تیار کر رہے ہیں ایک دن اچانک ہی بغیر کسی خاص وجہ کے وہ مر جاتے ہیں اور لوگ کہتے رہ جاتے ہیں کہ کیا دور آ گیا ہے اب انسان بیٹھے بٹھائے مر جاتا ہے۔ ان کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ایسا بے وجہ نہیں ہے۔ کوئی ان ڈاکٹروں کو نہیں پوچھتا ہے لیکن لوگوں کو تو اپنا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ کسی ڈاکٹر سے جو دوا لے رہے ہیں وہ اصل میں ہے کیا؟ بدقسمتی سے اسٹرائڈز بہت سستے مل جاتے ہیں۔ ان کی گولیاں اور انجکشن ہول سیل میں چند روپے میں دستیاب ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے انکار کیا۔

''یہ ضروری ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''ڈاکٹر مجھے بے وقوف مت بناؤ۔'' میں نے اسے گھورا۔ ''مجھے اچھی طرح معلوم ہے اس قسم کی دوائیں کیسے کام کرتی ہیں۔''

بادلِ ناخواستہ اس نے انجکشن واپس رکھ دیا اور بولا۔ ''اس صورت میں تمہیں طاقتور غذائیں لینا پڑیں گی اور اس کے ساتھ باقاعدگی سے سپلی منٹس بھی لینا ہوں گے۔''

''یہ ٹھیک ہیں۔''

اس نے مجھے گولیاں اور کیپسول دیئے اور بتایا کہ کس طرح کھانے ہیں۔ ساتھ ہی مشورہ دیا۔ ''پانی زیادہ سے زیادہ پیو۔ اس سے گردوں کا فنکشن بہتر ہوگا۔''

میں نے اس کی ہدایات ذہن نشین کر لیں۔ واپسی پر میں نے گورے سے کہا۔ ''مجھے جم درکار ہے اگر یہاں جم نہیں ہے تو مجھے کھلی جگہ چاہیے جہاں میں ایکسر سائز کر سکوں۔''

''اس کا بندوبست ہو جائے گا۔'' وہ بولا۔ ''جم ہے لیکن وہ صرف میاں صاحب کی فیملی کے لیے ہے۔''

میں نے ایک بار پھر دل میں میاں صاحب اور ان کی فیملی کی ایسی کم تیسی کی اور اس سے مطالبہ کیا۔ ''میری بنٹی سے بات کراؤ دوسری صورت میں، میں کسی قسم کا تعاون نہیں کروں گا۔''

بنٹی کا نام اس طرح لینے پر اس نے مجھے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں اور دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ مگر میری وارننگ کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ناشتے کے ساتھ بانو آ گئی۔ اس نے ناشتہ لگانے کے دوران حسبِ معمول دھیمی آواز میں کہا۔ ''بے بی آپ سے نہیں مل سکتی ہیں میاں صاحب کی طرف سے پابندی ہے۔''

''یہ مجھ سے تعاون نہیں کر رہے ہیں۔ دوسری صورت میں، میں بھوک ہڑتال کر دوں گا۔''

بانو نے اپنی فراک کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا واکی ٹاکی نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔ ''یہ بے بی نے آپ کے لیے بھیجا ہے اس سے آپ کسی وقت بھی ان سے رابطہ کر سکتے ہیں۔''

یہ دو طرفہ واکی ٹاکی سیٹ تھا جس کی فریکوئنسی طے شدہ ہوتی ہے اور اس سے کہیں اور رابطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ واکی ٹاکی ہلکا سا گرم ہو رہا تھا اور ہلکا سا نم بھی تھا۔ یہ گرمی اور نمی بانو کی مٹھی میں اسے لیتے ہوئے جھینپ کر لیکن وہ بالکل نارمل رہی تھی۔ میں نے پہلے ناشتہ کیا اور پھر واکی ٹاکی آن کر کے بنٹی کو پکارا۔ اس کی طرف سے جواب نہیں ملا۔ شاید وہ کہیں مصروف تھی مگر میں مستقل مزاجی سے ہر دو تین منٹ بعد اسے پکارتا رہا تھا۔ بالآخر اس نے جواب دیا۔ ''سوری میں باتھ لے رہی تھی۔''

''بنٹی تم جانتی ہو میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔''

''میں جانتی ہوں اور تم فکر مت کرو میں تمہیں کوئی نقصان نہیں ہونے دوں گی۔''

اگرچہ وہ بہت خلوص سے کہہ رہی تھی لیکن میں اس کی ضمانت پر بھروسہ کرنے والا نہیں تھا وہ تو میں اس لیے مجبور تھا۔ اس لیے میں نے اس کی بات تسلیم کر لی۔ ''میں جانتا ہوں میرے لیے تم نے اپنے پاپا سے رعایت لی ہے اور مجھے راج کنور کے حوالے کیے جانے سے بچایا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شکر ہے تم سمجھ گئے۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔ ''پاپا نے مجھے ضمانت دی ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں ہو گا۔''

''تمہیں معلوم ہے یہ ہر ہفتے میرا خون چاہتے ہیں اور کوئی انسان ہر ہفتے خون نہیں دے سکتا چاہے وہ جسمانی طور پر کتنا ہی فٹ کیوں نہ ہو۔''

''اسی لیے میں نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق تمہاری ڈائٹ ترتیب دی ہے۔''

''اسے بھاڑ میں جھونکو۔ میں اپنا پروگرام خود بنا رہا ہوں اور مجھے میری مرضی کے مطابق کچھ سہولیات درکار ہوں گی؟''

''مثلاً؟''

''ایک تو مجھے جم چاہیے۔ دوسرے خوراک میری مرضی کے مطابق اور میرے بتائے وقت پر دی جائے۔ قصہ مختصر میں اپنا ٹائم ٹیبل خود بناؤں گا۔''

''جم یہاں موجود ہے۔ نیچے بیسمنٹ میں ہے۔ تم جیسے کہو گے تمہیں ویسی سہولت مہیا کی جائے گی۔''

''یہ بات گارڈز کو بھی سمجھا دو۔''

''تمہاری خوراک کا معاملہ بانو کے ہاتھ میں ہے تم اس سے جو کہو گے وہ کرے گی۔''

''تم پر پابندی کیوں ہے؟''

اس نے گہری سانس لی۔ ''پتا نہیں، پاپا اس شرط پر میری بات مانے کہ میں تم سے نہیں ملوں گی۔''

''تم نے جو وا کی ٹا کی بھیجا ہے اس کی بیٹری کتنی دیر چلتی ہے؟''

''خاصی دیر چلتی ہے جیسے ہی بیٹری کمزور ہو گی اس کے اوپر ایک سرخ لائٹ ہر پانچ سیکنڈ بعد جلے گی۔ بانو کو بتا دینا وہ دوسری بیٹری لا دے گی۔''

''مجھے بیتو کی بھی خیریت معلوم ہونی چاہیے۔''

''روز تو نہیں لیکن میں حیات سے کہہ دوں گی وہ تمہاری اس سے بات کرا دیا کرے گا۔''

''حیات کون؟''

''جو گورا گارڈ ہے۔ وہ بہت ماہر آدمی ہے اور پاپا کے خاص آدمیوں میں سے ہے۔''

''جبھی انہوں نے میرے سر پر مسلط کیا ہے۔'' میں نے کہا اور وا کی ٹا کی بند کر دیا۔ دس منٹ بعد بانو اندر آئی وہ ایک نوٹ پیڈ لے کر آئی تھی۔ میں نے اسے لکھوایا کہ مجھے کس کس وقت کیا چاہیے ہو گا۔ لکھوا کر میں نے اس سے پوچھا۔ ''اس میں آگے پیچھے بھی ہو سکتا ہے تو میں تمہیں کیسے بتاؤں گا۔''

''اب بے بی کا وا کی ٹا کی میرے پاس ہو گا۔'' اس نے کہا۔ ''آپ اس پر مجھ سے کسی وقت بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔''

میں نے اپنی ڈائٹ تین کے بجائے چار بار کر لی تھی اور اس میں مختلف مائع جات کا اضافہ کر لیا تھا۔ صبح سات بجے سے رات دس بجے تک ہر پانچ گھنٹے کے بعد مجھے کھانا فراہم کیا جاتا۔ صبح میں کمرے میں ہلکی پھلکی ورزش کرتا اور ناشتے کے دو گھنٹے بعد میں دو گھنٹے کے لیے جم جاتا۔ اسے طرح شام سات بجے میں دوبارہ دو گھنٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے جم جاتا۔ یہ پروگرام اسی دن سے شروع ہو گیا تھا اور نو بجے حیات نے دروازہ کھولا اور مجھ سے کہا۔ ''آپ نے جم جانا ہے۔''

حیات اور اس کا ساتھی مجھے ممتاز ہاؤس کے تہہ خانے میں واقع جم تک لائے۔ اس میں آنے جانے کے دو راستے تھے۔ مجھے ایک ایسے راستے سے لایا گیا تھا جو اصل میں سروس ڈور تھا اور جسے صفائی اور دوسرے کاموں کے لیے مخصوص ملازمین یہیں سے آتے جاتے تھے۔ مالکان جس دروازے سے آتے جاتے تھے وہ اندر کے حصے میں واقع تھا۔ ظاہر ہے اسے بند کر دیا گیا ہوگا۔ اس پر بھی حیات اور اس کا ساتھی احتیاطاً جم میں براجمان ہو گئے تھے۔ گویا وہ مجھے سوائے میرے کمرے کے کسی جگہ بھی اکیلے چھوڑنے کو تیار نہیں تھے۔ جب میں کلینک میں ہوتا تب بھی حیات خود میرے سر پر مسلط رہتا تھا۔ یہ چھوٹا سا جم تھا جہاں ایکسرسائز کی تمام سہولتیں مہیا تھیں حتیٰ کہ ایک طرف ایک چھوٹا سا سوئمنگ پول بھی بنا ہوا تھا۔ مجھے جو ایکسرسائز کرنا تھیں ان کا سامان یہاں موجود تھا۔ میں تمام باتیں ذہن سے جھٹک کر ایکسرسائز میں لگ گیا۔

شاید میرا رویہ عجیب لگے۔ میں ایک دوست نما دشمن کی قید میں تھا اور اس نے اس قید کو مضبوط کرنے کے لیے بیتو کو یرغمال بنا لیا تھا کہ میں فرار کا سوچوں بھی نہیں۔ میرے ساتھیوں کو پتا نہیں تھا کہ میں کہاں تھا اور میری جان کے دشمن میرا خون نچوڑنے کی تیاری کر رہے تھے۔ ایسے میں بے فکری سے ڈائٹ پلان بنانا اور ایکسرسائز کرنا عجیب ہی لگے گا۔ مگر اس کی کچھ وجوہات تھیں۔ میں اس جدوجہد کے آغاز سے دیکھتا آیا کہ جب کوئی مشکل پیش آتی اور میں صبر و حوصلے کے ساتھ اس کا سامنا کرتا تو جلد یا بدیر مجھے موقع ملتا تھا اور میں آزاد ہو جاتا یا دشمن پر حاوی ہو جاتا۔ یہ چیز اب میری عادت بن چکی تھی کہ کسی بھی موقع پر پریشان نہیں ہونا۔ دوسرے اگر میں یہ سب نہ بھی کرتا تب بھی یہ میرے جسم سے لازمی خون حاصل کرتے اور اس کا نقصان مجھے ہوتا۔ اس لیے مجھے اپنا خیال رکھنا تھا کہ ان ڈریکولاؤں سے مجھے کم سے کم نقصان ہو اور جب قدرت مجھے موقع دے تو میرا جسم اتنا تو انا ضرور ہو کہ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر خود کو آزاد کرا سکوں۔ یہی سوچ کر میں یہ سب کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا ہمیشہ کی طرح مجھے موقع ضرور ملے گا اور نہ بھی ملا تب بھی میں زندہ اور صحت مند تو رہوں گا۔ دشمن کی قید میں رہتے ہوئے مجھے موقع مل رہا تھا تو میں کیوں نہ فائدہ اٹھاتا۔

ڈیڑھ گھنٹے کی ایکسرسائز کے بعد میں نے آدھا گھنٹہ سوئمنگ کی اور جب میں کمرے میں واپس آیا تو مجھے خوفناک قسم کی بھوک لگ رہی تھی میں نے بانو کو کال کر کے کھانا لانے کو کہا اور خود نہانے چلا گیا۔ میرے پاس محدود کپڑے تھے اس لیے جب بانو آئی تو میں نے اس سے چند اسپورٹس شارٹس اور ایک گاؤن کا کہا۔ ''میں ابھی لاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ ''میرا خیال ہے آپ کو ایک الماری اور کپڑے ہینگ کرنے کی جگہ کی ضرورت ہے۔''

میں آرام کر رہا تھا تو بانو کچھ ملازمین کے ساتھ آئی انہوں نے ایک درمیانے سائز کی دو پٹ والی الماری اٹھا رکھی تھی۔ وہ انہوں نے کمرے میں ایک طرف رکھ دی۔ پھر انہوں نے واش روم میں کپڑے ٹانگنے والی ایک خوب صورت کھونٹی لگائی۔ جب ملازمین چلے گئے تو اس نے میرے کپڑے بیگ سے نکال کر سلیقے سے الماری میں لگائے۔ وہ مزید سوتی پاجامے، اسپورٹس شارٹس، بنیانیں، گاؤن اور چار عدد نئے تولیے لائی تھی۔ وہ میرا ہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ممکن خیال رکھ رہی تھی۔ صرف وہی نہیں کر رہی تھی جو میں اسے کہتا تھا۔ اپنے طور پر اسے جو بہتر لگتا وہ بھی کر رہی تھی۔ اپنا کام کر کے اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''آپ مطمئن ہیں ناصر، کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔''

''میں بور ہوتا ہوں.....'' میں نے کہا۔

''میں ہوں ناصر۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''آپ کہیں گے تو میں آپ کو کمپنی بھی دے سکتی ہوں۔''

اگرچہ اس کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں تھی اس نے بہت سادہ اور عام سے انداز میں پیشکش کی تھی لیکن میں نے جلدی سے کہا۔ ''میری بوریت، کسی پڑھنے والی چیز، جیسے اخبار رسالے اور ٹی وی سے بھی دور ہو سکتی ہے۔''

''اس بارے میں مجھے بے بی سے پوچھنا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے معلوم کر لو۔'' میں نے دوبارہ بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ میں نے جو ڈائٹ پلان بنایا تھا اس میں صبح کا ناشتہ بھاری اور بارہ بجے کسی قدر ہلکا کھانا ہوتا۔ شام پانچ بجے پھر بھاری کھانا اور رات سونے سے پہلے ہلکا کھانا تھا۔ دوپہر اور رات کے وقت میں آرام کرنا صحت کے لیے جتنا ضروری کھانا پینا اور ورزش ہے اتنا ہی ضروری آرام اور نیند ہے۔ مجھے دوپہر میں سونے کی عادت نہیں تھی اس لیے آرام کر سکتا تھا۔ شام کے کھانے کے دو گھنٹے بعد میں نے حیات اینڈ کمپنی کے ساتھ دوبارہ ورزش کا رخ کیا۔ میں ورزش کر رہا تھا کہ غیر متوقع طور پر وہاں میاں ممتاز آ گیا۔ اس کے آدمی الرٹ ہو گئے تھے لیکن میں توجہ دیئے بغیر مشین پر رننگ کرتا رہا۔ اس نے دلچسپی سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ''لگتا ہے تم نے خود کو پوری طرح تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔''

''ظاہر ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں یہ نہیں بھی کروں گا تب بھی میرے جسم سے خون نکالا جائے گا۔''

''اس سے تمہاری ری کوری تیز ہو جائے گی۔'' میاں ممتاز نے سر ہلایا۔ ''کیا مرشد سے تمہاری کوئی سیٹل منٹ ہو رہی ہے؟''

اس کا سوال غیر متوقع تھا لیکن میں گڑبڑایا۔ ''کیسی سیٹل منٹ؟''

''یہی کہ وہ تمہارے خلاف موجود مقدمات جو اصل میں اسی کے اشارے پر شروع ہوئے تھے۔ اب ختم کرا رہا ہے؟''

''اگر وہ ایسا کر رہا ہے تو اس کا علم میرے وکیل کو ہو گا۔ میں نے قانونی معاملات اسی پر چھوڑ رکھے ہیں۔''

میاں ممتاز کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا۔ ''تم بتانا نہیں چاہتے ہو تو تمہاری مرضی لیکن اگر تم واقعی ایسا کچھ کر رہے ہو تو میں اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالوں گا بلکہ تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔''

میں رننگ مشین سے اتر آیا اور ایک تولیے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''میاں صاحب آپ میری جتنی مدد کر رہے ہیں میرے لیے وہی کافی ہے۔''

وہ ایک لمحے کو کھسیایا پھر بولا۔ ''مرضی تمہاری۔'' وہ واپس جانے کے لیے مڑا پھر رکا اور بولا۔ ''پرسوں ون لیا جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میاں ممتاز کہہ کر چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد حیات نے غرا کر کہا۔ ''میاں صاحب کے سامنے لہجہ اور زبان قابو میں رکھا کرو۔''

میں نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میاں صاحب کو میری زبان اور لہجے پر کوئی اعتراض نہیں ہے تب تم کو کیا اعتراض ہے؟''

''وہ مالک ہیں۔''

''تمہارے ہوں گے میرے نہیں ہیں۔'' میں نے کہتے ہوئے سوئمنگ پول کا رخ کیا۔ حیات کا چہرہ بگڑ گیا تھا لیکن مجھے ایسے لوگوں کی کوئی پروا نہیں ہوتی جو ایک انسان کی غلامی میں حد سے آگے چلے جاتے ہیں۔ میں واپس کمرے میں آیا تو غیر متوقع طور پر وہاں دیوار پر ایک خاصا بڑا سا ایل سی ٹی وی لگا ہوا تھا۔ اس میں ڈی وی ڈی پلیئر بلٹن تھا اور ڈی وی ڈی بھی دیکھی جا سکتی تھی۔ بیڈ کی سائیڈ دراز پر آج کے اخبارات اور کچھ رسائل رکھے تھے۔ گویا میرے مطالبے کو مان لیا گیا تھا۔ بانو بھی وہاں تھی اس نے مجھے بتایا کہ ٹی وی ایک ہزار چینل والے سیٹلائیٹ سسٹم سے منسلک تھا۔ اس کی مدد سے میں دنیا کا کوئی بھی چینل دیکھ سکتا تھا۔ وہ ڈی وی ڈیز کا ایک بنڈل بھی لائی تھی۔ یہ سب موویز تھیں۔

''یہ آج کے اخبارات ہیں دو انگریزی کے ہیں اور تین اردو کے اور یہ کچھ رسائل ہیں۔''

رسائل میں اکثر فیشن میگ تھے ظاہر ہے یہاں اگر سنجیدہ نوعیت کے رسائل آتے تھے تو بنٹی کے پاس نہیں تھے اور اس کے پاس یہی ہو سکتے تھے۔ میں نے کہا۔ ''یہ کافی ہیں لیکن رسائل میرے کام کے نہیں ہیں انہیں لے جاؤ۔''

رات کا کھانا کھا کر میں نے کچھ دیر ٹی وی دیکھا اور اخبارات سرسری نظر ڈالی۔ اس بھاگ دوڑ کی زندگی میں ہم حالاتِ حاضرہ سے اتنے بے خبر ہو گئے تھے کہ ہمیں پتا نہیں چلا کہ کب الیکشن بھی ہو گئے۔ ہم خود سے غافل ہو گئے تھے۔ زندگی میں روٹین نام کی کوئی چیز نہیں تھی جب موقع ملا کھا لیا، جب موقع سو لیے۔ ورزش بھول چکے تھے۔ اس کا اندازہ مجھے دو بار کی ایکسرسائز سے ہوا جب معمولی ورزشوں سے میرا سانس پھولنے لگا تھا۔ میرا اسٹیمنا بہت کم ہو گیا تھا۔ رننگ مشین پر دس منٹ بعد میرا سانس پھولنے لگتا تھا۔ اس لیے بھی میں اسے قدرت کی طرف سے موقع سمجھا تھا اور اپنے جسم کو آنے والے حالات کے لیے تیار کر رہا تھا۔ رات میں گیارہ سے صبح چھ بجے تک سات گھنٹے کی نیند میرے لیے کافی تھی۔ سونے سے پہلے میں نے حیات سے کہا کہ وہ مجھے صبح چھ بجے اٹھا دے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں بانو سے کوئی کلاک کیوں نہ منگوالوں۔ میں نے اسے کال کی تو وہ جاگ رہی تھی۔ میں نے اس سے الارم کلاک کا کہا تو اس نے کہا۔ ''میں ابھی لاتی ہوں سر۔''

''نہیں اتنی جلدی کی ضرورت بھی نہیں ہے ابھی میں نے حیات سے کہہ دیا ہے وہ مجھے صبح اٹھا دے گا۔ تم کل لا دینا، ابھی آرام کرو۔''

''میں یہاں آرام کرنے کے لیے نہیں ہوں، اپنی ذمے داریاں نبھانے کے لیے ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''میں کلاک لا رہی ہوں۔''

چند منٹ بعد اندر آئی۔ اس نے ایک چھوٹا سا ڈیجیٹل کلاک اٹھا رکھا تھا۔ پہلی بار میں نے اسے دوسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لباس میں دیکھا۔ اس نے سادہ سا لان کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ شرٹ سلیولیس تھی اور کسی قدر کشادہ گلے سے اس کی سنہری جلد جھلک رہی تھی۔ شاید یہ اس کا آرام کا لباس تھا۔ اس نے مجھے کلاک کا استعمال سمجھایا۔ اس دوران میں وہ اتنی قریب آ گئی کہ اس کے وجود سے اشتہی بھینی سے مہک مجھے پریشان کرنے لگی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں سمجھ لوں گا۔ اب تم جا سکتی ہو۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ شاید یہاں کوئی ایسا نہیں ملتا ہوگا جو اس کے قریب آنے سے یوں گھبرائے۔ مگر اس نے کچھ کہا نہیں سوائے گڈ نائٹ کے اور کمرے سے نکل گئی۔ میں نے الارم سیٹ کیا اور سو گیا۔ آنے والے دو دن تک یہ معمول برقرار رہا تھا۔ میاں ممتاز نے بتایا کہ دو دن بعد خون لیا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا اس کے بجائے اگلے دن صبح سویرے میرا خون لیا گیا۔ خون نکالنے کا سارا پروسیس ڈاکٹر نے خود کیا تھا۔ صرف کینولا گول مٹول نرس نے لگایا تھا۔ ڈاکٹر نے بہت احتیاط سے نصف لیٹر کی تھیلی بھری اور اس نے مجھے واضح دکھایا کہ تھیلی میں نصف لیٹر خون ہی گیا ہے۔ اس نے اپنا کام کرنے کے بعد مجھے طاقت کا ایک انجکشن دیا اور فوری طور پر جوس اور اس کے ساتھ منرل سالٹ دیا۔ ''ہمارے پاس پلازمہ ہے لیکن ابھی آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اس کی ضرورت کب پڑے گی؟''

''شاید چوتھی بار خون لینے کے بعد۔''

''ڈاکٹر ایک شخص کتنا خون اور کتنے عرصے بعد دے کر صحت مند رہ سکتا ہے؟''

''ایک لیٹر خون دو مہینے بعد۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور میرے جسم سے مہینے میں دو لیٹرز سے زیادہ خون نکالا جائے گا۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''کیا یہ خطرناک نہیں ہے؟''

''آپ کی جان کو خطرہ نہیں ہے لیکن آپ کمزور ہو جائیں گے۔ البتہ ہم دواؤں اور خوراک سے اس کمزوری کو کم سے کم رکھنے کی کوشش کریں گے۔'' ڈاکٹر نے جلدی سے کہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خطرے کو کم سے کم کر کے دکھا رہا ہو۔

اس پہلی بار خون نکالے جانے کے بعد مجھے محسوس نہیں ہوا تھا اگر کمزوری ہوئی بھی تھی تو وہ طاقت کے انجکشن اور جوس سے پوری ہو گئی تھی۔ البتہ ڈاکٹر نے احتیاطاً مجھے صبح کے سیشن میں ایکسرسائز سے منع کر دیا تھا۔ اس سے توانائی استعمال ہوتی جب کہ مجھے آنے والے چوبیس گھنٹے میں توانائی کی ضرورت تھی۔ اس نے ڈھکے چھپے انداز میں بتایا کہ اگلی بار خون نکالے جانے کے بعد مجھے آرام کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ میں نے شام کو دو گھنٹے تک ایکسرسائز کی اور مجھے اپنی طاقت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مگر یہ آغاز تھا۔ اس کے بعد ایک معمول بن گیا۔ چوبیس گھنٹے میں میرا ہر لمحہ کسی نہ کسی مصروفیت میں گزرتا تھا مجھے ٹی وی یا اخبارات دیکھنے کا موقع بھی کم ملتا تھا۔ رات کو بستر پر لیٹتے ہی نیند آ جاتی اور پھر صبح الارم سے آنکھ کھلتی تھی۔ دو دن بعد بیتو سے میری بات ہوتی تھی۔ وہ بدستور آرام سے تھا اور اسے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ بانو ہمہ وقت میرے لیے مخصوص تھی اور میں کسی بھی وقت اس سے کوئی کام کہہ سکتا تھا یا اسے طلب کر سکتا تھا۔ گویا بنٹی نے اپنی خادمہ مجھے ادھار دے دی تھی مگر خود وہ مجھ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملنے نہیں آسکتی تھی۔ اس کے باپ کی طرف سے پابندی تھی۔

خون دینے کے بعد چوتھے دن جم میں تھا۔ حسبِ معمول حیات میری نگرانی پر تھا اور اس کا ساتھی اوپر جم کے دروازے پر موجود تھا۔ اچانک ہی بانو وہاں آئی اور اس نے حیات سے کہا۔ ''تم کچھ دیر کے لیے باہر جاؤ۔''

''مجھے یہاں سے جانے کا حکم نہیں ہے۔'' حیات نے انکار کیا۔

''مجھے یہاں کچھ کام ہے۔'' بانو نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''یہ بے بی کا حکم ہے۔''

حیات سوچ میں پڑ گیا۔ اگرچہ اسے میاں ممتاز نے میری نگرانی کا حکم دیا ہوا تھا لیکن بنٹی بھی اس کی مالکن تھی اور وہ اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''کیا بی بی سے میری بات ہو سکتی ہے؟''

بانو نے اپنے واکی ٹاکی سے بنٹی سے رابطہ کیا۔ ''بے بی، حیات آپ سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔''

اس نے واکی ٹاکی حیات کی طرف بڑھا دیا اس نے لے کر بات سنی اور پھر واکی ٹاکی واپس کر کے اپنی شاٹ گن سنبھالتا ہوا اوپر کی طرف چلا گیا۔ بانو اس کے ساتھ تھی وہ دروازہ اندر سے بند کر کے آئی۔ میں ویٹ مشین پر پیروں سے وزن اٹھانے والی ورزش کر رہا تھا۔ اب تک میں نے بانو سے پوچھا نہیں تھا کہ اسے کیا کام تھا جس کے لیے اس نے حیات کو باہر بھیج کر اندر سے دروازہ بھی بند کر لیا تھا مگر وہ میری طرف نہیں آئی اور جم میں آنے والے دوسرے دروازے کی طرف بڑھ گئی جہاں سے مالکان آتے جاتے تھے۔ اس نے اندر سے دروازہ کھولا اور خود باہر چلی گئی اس کی جگہ بنٹی اندر آئی تھی۔ میں نے گہری سانس لی تو یہ سارا چکر بنٹی مجھ سے ملاقات کے لیے چلا رہی تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ اس نے بھی ورزش کا لباس پہن رکھا تھا اور یہ خالص ویسٹرن اسٹائل کا تھا۔ یعنی چست نیکر اور مختصر سی بنیان، بہ ظاہر وہ ایکسر سائز کرنے یہاں آئی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''اگر تمہارے پاپا کو پتا چل گیا کہ تم ان کے حکم کی خلاف ورزی کر رہی ہو اور وہ بھی کس حلیے میں تو ان کا کیا ردِعمل ہوگا۔''

''کچھ نہیں۔'' وہ ایکسر سائز سائیکل پر آتے ہوئے بولی۔ ''ویسے وہ باہر ہیں ان کو پتا نہیں چلے گا۔''

''تقریباً تمام اولادوں کو یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ ان کی حرکتوں کا ان کے والدین کو پتا نہیں چلے گا۔''

''وہ دوسری اولادیں ہوتی ہیں۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''ویسے تم اس کے لیے فکر مت کرو اگر انہیں پتا بھی چل گیا تو میں سنبھال لوں گی۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں نے دیکھا ہے تم میاں صاحب سے اپنی بات منوا لیتی ہو کیا بیٹا میں بھی یہ کوالٹی ہے؟''

''نہیں اسے ان معاملات سے کوئی غرض نہیں ہے اور ویسے بھی پاپا نے اسے اسٹڈی کے لیے انگلینڈ بھیج دیا ہے۔''

''اسٹڈی کے لیے یا اسے کرمن جیسے لفنگوں سے دور کرنے کے لیے۔ ظاہر ہے اس کے اور بھی ایسے دوست ہوں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شاید۔'' اس نے تسلیم کیا۔ ''تمہیں جم کیسا لگا؟''

''بہترین، یہاں ہر سہولت موجود ہے۔''

''میں نے خاص طور سے ڈیزائن کرایا ہے۔'' وہ فخر سے بولی۔ ''جب میں تم سے ملی تو مجھے اس کے بعد سے ایکسرسائز کا شوق ہوا۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''مجھ سے ملنے کے بعد کیوں؟''

''میں نے سوچا کہ انسان کی زندگی میں کسی وقت بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسے جسمانی طور پر فٹ ہونا چاہیے۔ جیسے کہ تم ہو۔ اسی لیے میں نے جم بنوایا اور میں نے سیلف ڈیفنس کی تربیت بھی حاصل کی ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''اچھا لگتا نہیں ہے۔ تم تو پہلے سے زیادہ نازک اندام ہو گئی ہو۔''

''میرا استاد جاپانی ہے۔'' وہ بولی۔ ''اس نے مجھے اس طرح سے سیلف ڈیفنس کی تربیت دی ہے کہ میرے جسم پر اثر نہیں پڑا ہے۔ اگر یقین نہیں آ رہا تو ایک دوستانہ مقابلہ کر کے دیکھ لو۔'' وہ سائیکل سے اتر آئی ذرا سی دیر میں اس کے چہرے پر پسینہ موتیوں کی طرح نمودار ہو گیا تھا۔ میں ویٹ مشین سے اٹھ گیا۔ اور تولیہ سے جسم صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے یقین ہے تم نے اچھی تربیت حاصل کی ہے۔''

''پلیز میں اسے آزمانا چاہ رہی ہوں۔''

مجھے بھی ہاتھ پاؤں کھولے خاصے دن ہو گئے تھے۔ میں نے سوچا اور تولیہ اچھال کر اس کی طرف بڑھا۔ ''کیا خیال ہے مقابلے کے ساتھ ساتھ کچھ گفتگو بھی کر لی جائے۔''

''کیسی گفتگو؟'' اس نے میرے پاس آتے ہی اسٹانس لیا اور ایک پیر اور ایک ہاتھ آگے نکال کر مخصوص کراٹیکاز کے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

''یہی کہ کنور فیملی تمہارے پاپا پر اس قدر حاوی کیسے ہے؟''

''ان سے پاپا کے پرانے تعلقات ہیں۔''

''میں ان تعلقات کی نوعیت سمجھنے سے قاصر ہوں کیونکہ کنور خاندان اعلیٰ ذات کا ہندو ہے اور وہ چھوت ات کے قائل ہیں۔ راج کنور اتنا بڑا خطرہ مول لے کر یہاں آیا اور اس نے یہاں سے ایک گلاس پانی پینا بھی وارا نہیں کیا۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا۔ کنور خاندان مسلمانوں سے شدید نفرت کرتا ہے اور یہ بات میں نے ا کی قید میں رہ کر بہت واضح محسوس کی پھر وہ تمہارے پاپا کے دوست کیسے ہو گئے؟''

وہ میری بات میں الجھ کر اپنا اسٹانس بھول گئی اور میں نے اچانک زمین پر بیٹھتے ہوئے سوئپ کک لگائی۔ میں زور نہیں تھا ورنہ اسے بہت زیادہ چوٹ لگتی۔ پھر بھی وہ چیخ مار کر گری تھی۔ یہاں فرش پر موٹا ربر میٹرس تھا اس لیے اسے چوٹ نہیں لگی۔ میں نے کہا۔ ''جب کسی سے مقابلے کے لیے تیار ہو تو اس کی باتوں سے زیادہ اس مقابلے پر دھیان دیا کرو۔''

وہ اٹھتے ہوئے خفت سے مسکرائی۔ ''تم نے سوال ہی ایسا کیا، میں الجھ کر رہ گئی۔ خیر اب نہیں الجھوں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے دوبارہ اسٹانس بنایا اور بولی۔ ''میں اس بارے میں زیادہ نہیں جانتی، لیکن میرا اندازہ ہے کہ یہ کوئی مالی مفاد کا معاملہ ہے۔ پاپا اور ان کے درمیان کوئی ڈیل ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے بجلی کی طرح لپک کر میرا اور مجھ پر کرنے کی کوشش کی یعنی سوئپ کک ماری مگر میں اچھل کر بچا گیا۔ وہ گھومی اور اپنے بدن کی قدرتی لچک کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے کک کو ریوائز کیا۔ مگر زمین پر قدم پڑتے ہی میں دوبارہ اچھلا تھا اور اس کا یہ وار بھی ناکام گیا۔ وہ پنجوں کے بل اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ ''تم بہت پھرتیلے ہو۔''

میں نے اس سے کہا نہیں کہ وہ سُست تھی۔ شاید اس نے کچھ معمولی سا سیکھا تھا اور اسے کسی عام آدمی کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنا آ گیا تھا۔ مگر وہ میرا یا کسی ماہر فن کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے بعد اس نے مجھ پر کئی حملے کیے مگر میں نے باآسانی انہیں ناکام بنا دیا۔ ساتھ ساتھ اس سے بات چیت کرتا رہا تھا۔ اس نے مجھے باتوں سے زیادہ کچھ دوسری چیزوں میں الجھانا چاہا لیکن ناکام رہی۔ آخر میں اس نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ''میں ہار گئی، تم سے نہیں جیت سکتی۔''

''چند مہینے میں تم نے بہت کچھ سیکھا ہے لیکن ابھی تمہیں اس سے کہیں زیادہ سیکھنا ہوگا۔''

اس کا سٹیمنا بھی زیادہ نہیں تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا اور میری نسبت کہیں زیادہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔ جب کہ میرا سانس بھی معمول پر تھا۔ اس چند دن کی ورزش نے میرا اسٹیمنا اور قوتِ کار کو خاصا بہتر بنایا تھا اس نے رشک سے مجھے دیکھا۔ ''تمہارا سانس ذرا نہیں پھولا۔''

''ہاں میرا اسٹیمنا بہتر ہوا ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''ابھی ایک بار میرا خون لیا گیا ہے۔ جب مزید خون لیا جائے گا تب میں اتنا بہتر نہیں رہوں گا۔''

''لیکن پاپا نے تو کہا تھا کہ تمہاری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' وہ بے چین ہوگئی۔

''شاید انہوں نے درست نہیں کہا ہے میری ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ کسی صحت مند آدمی کے لیے دو مہینے میں ایک بار ہی ایک لیٹر خون دینا مناسب ہے اس سے زیادہ خون دینا اس کی صحت پر اثر ڈالتا ہے جب کہ میرا ہر ہفتے نصف لیٹر خون لیا جائے گا۔ اگر اس سے میری جان کو خطرہ نہ بھی ہوا تب بھی میں کمزور پڑ جاؤں گا۔ ہوسکتا ہے میں بیمار پڑ جاؤں۔''

میں دیکھ رہا تھا کہ اس کی تشویش بڑھ رہی ہے۔ یہ اچھی بات تھی وہ جتنا تشویش زدہ ہوتی میرے لیے اتنی ہی کوشش کرتی۔ ''ایسا نہیں ہوگا اگر تم کمزور ہوئے تو خون لینے کا سلسلہ روک دیا جائے گا۔''

''کیا یہ تمہاری میاں صاحب سے ڈیل ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں تم سے ملنا چاہ رہی تھی لیکن موقع نہیں ملا، اس لیے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا میں نے سوچا اس بہانے ایکسر سائز بھی کر لوں گی۔''

اگرچہ بنی کا رویہ کوئی بہت زیادہ متوجہ ہونے والا نہیں تھا پھر بھی مجھے لگتا تھا کہ وہ میری توجہ چاہتی تھی۔ مختلف بہانوں سے قریب آنا اور خود کو نمایاں کرنا شاید اسی سلسلے کی کڑی تھی لیکن وہ میری فطرت اچھی طرح جان گئی تھی اس لیے کسی براہِ راست کارروائی سے گریز کر رہی تھی۔ میرے ساتھ ہمدردی کی آڑ میں یقیناً اس کی ذاتی دلچسپی تھی۔ ورنہ شاید اسے مجھ سے کوئی غرض بھی نہ ہوتی۔ کوٹھی میں جب میں نے اسے اور ٹینا کے کرم دین اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرمین کی سازش سے بچایا تھا تب بھی اس کا رویہ بہت لگاؤ والا ہو گیا تھا۔ مجھے اس وقت بھی اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ وہ میرے نزدیک نہ آنے پائے اور اسے اپنی توہین کا احساس بھی نہ ہو ورنہ وہ اپنے پاپا کی صف میں جا کھڑی ہوتی اور میرے لیے مشکل ہو جاتی۔ ایک گھنٹے کے دوران اس نے ایکسر سائز تو اتنی نہیں کی لیکن باتیں زیادہ کیں۔ جب میں اسے کنور خاندان اور اس کے پاپا کے موضوع کی طرف لانے کی کوشش کرتا وہ صفائی سے کنی کترا جاتی۔

جب میں نے سوئمنگ پول کا رخ کیا تو وہ واپس چلی گئی اور اس کی جگہ بانو اندر آئی۔ وہ حسب معمول حیدر آبادی فراک اور پاجامے میں تھی۔ ڈیوٹی کے وقت ایک طرح سے یہ اس کا یونیفارم تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر حیات کو اندر بلایا اور خود اسی دروازے سے باہر چلی گئی۔ اندر آ کر حیات نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے انداز میں کچھ عناد بھی تھا جیسے اسے بانو کا میرے ساتھ یہاں اکیلے رہنا پسند نہیں آیا تھا مگر میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ورزش کے بعد تیراکی سے جسم ایک تو ٹھنڈا ہو جاتا ہے دوسرے اس سے جسم کے پھیل جانے والے مسلز تیزی سے اپنی پوزیشن میں آ جاتے ہیں اور ان میں سختی پیدا نہیں ہوتی ہے جیسا کہ باڈی بلڈر کے مسلز میں آ جاتی ہے اور وہ پھرتی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ میں اکثر ایسی ورزشیں کر رہا تھا جو جسم کو بنانے کے بجائے اسٹیمنا اور قوت میں اضافہ کرتی ہیں ساتھ ہی جسمانی لچک اور ردِعمل کو بھی بڑھاتی ہیں۔

دو دن بعد بنٹی پھر اسی طرح آئی اور اس دن وہ ذرا معقول حلیے میں تھی یعنی اس نے ٹراؤزر کے ساتھ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ میاں ممتاز کے بارے میں اس نے انکشاف کیا کہ وہ صوبائی حکومت کی تشکیل کے لیے لاہور میں مقیم تھا اور اس کی جلد ممتاز ہاؤس واپسی کا کوئی امکان نہیں تھا اسی لیے بنٹی پھر جم چلی آئی تھی۔ اس دن بنٹی نے بھی سنجیدگی سے ورزش کی۔ گفتگو کا سلسلہ بھی جاری تھا مگر یہ گفتگو زیادہ تر حالاتِ حاضرہ اور دلچسپی کے دوسرے موضوعات پر تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ اپنے باپ اور کنور خاندان کے تعلقات کے بارے میں بات کرنے سے گریز کرتی ہے اس لیے میں نے دوبارہ یہ ذکر نہیں چھیڑا۔ البتہ اس نے بانو کا ذکر چھیڑ دیا۔ ''کیا بات ہے تم اس سے اتنا گریز کیوں کرتے ہو؟''

''میں گریز کرتا ہوں؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''وہ بے چاری تو سارا دن میری خدمت میں لگی رہتی ہے۔ ہر تھوڑی دیر بعد میں اسے کسی نہ کسی کام کے لیے کہتا ہوں۔''

''میں وہ بات نہیں کر رہی ہوں۔'' بنٹی نے منہ بنایا۔ ''وہ خوب صورت لڑکی ہے۔''

''اگر تمہارا مطلب ہے کہ میں اس کی خوب صورتی کی طرف توجہ نہیں دیتا ہوں تو تم جانتی ہو میں عورت کو صرف عورت سمجھنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''میں جانتی ہوں۔'' بنٹی نے مفاہمانہ انداز اختیار کیا۔ کیونکہ میرا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ''تم اکیلے ہو، کوئی تفریح نہیں ہے۔ ایک طرح سے قید میں ہو۔ میں تمہارے پاس نہیں آ سکتی ہوں اس لیے میں چاہتی ہوں بانو تم کو کمپنی دے وہ پڑھی لکھی اور ذہین لڑکی ہے۔ تم اس سے بات کر سکتے ہو۔''

''تم سے بات ہو تو جاتی ہے۔'' میں نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

''ہاں لیکن اس طرح کئی دن بعد۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''تم نہیں جانتے اس ایک ملاقات کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے مجھے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔"

"میری ساکھ پر کیا گزرتی ہے اس بارے میں تم سوچتی بھی نہیں ہوگی۔"

وہ چونکی۔ "تمہاری ساکھ، کیا ہوا اسے؟"

"تم خود سوچو کہ بانو اس طرح حیات کو یہاں سے رخصت کر کے اندر سے دروازہ بند کرتی ہے اور حیات کے خیال میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ میرے ساتھ رہتی ہے۔ تو میرے بارے میں کیا سوچتا ہوگا۔"

"وہ حکم کا غلام ہے اس کی جرأت کہ کچھ سوچ سکے۔" بنی کو غصہ آ گیا۔ "کیا اس نے تم سے کچھ کہا ہے۔"

"نہیں....."

"تب تمہیں اپنی ساکھ کی فکر کیوں لگ گئی ہے؟"

"کیونکہ میں سیلف ریسپکٹ کا قائل ہوں۔" میں نے بھنا کر کہا۔ "میری عزت سب سے پہلے میری اپنی نظر میں ہے۔"

"ٹھیک ہے جب تم کوئی غلط کام نہیں کر رہے ہو تو یہ عزت تمہاری اپنی نظر میں بحال رہنی چاہیے۔" اس نے مجھے لاجواب کرنے کے انداز میں کہا۔ "حیات ایک معمولی سا ملازم ہے۔"

"کچھ دن پہلے تو تم اسے میاں صاحب کا اہم ترین گارڈ اور آدمی قرار دے رہی تھیں۔"

"ملازم کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو ملازم ہی ہوتا ہے۔" بنی نے ایک آفاقی حقیقت بیان کی۔

اس دن جب میں حیات کے ساتھ واپس کمرے کی طرف جا رہا تھا تو اس کا موڈ پہلے سے زیادہ خراب تھا اس نے آج بیتو سے میری بات بھی نہیں کرائی تھی جب میں نے خود توجہ دلائی تو وہ رکھائی سے بولا۔ "بیٹری چارج کر رہا ہوں، ابھی نہیں کرا سکتا۔"

"تب ایک گھنٹے بعد کرا دو اور میں نے کون سا گھنٹوں بات کرنی ہوتی ہے مجھے اپنے ساتھی کی خیریت معلوم کرنی ہوتی ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ جب اس نے ایک گھنٹے بعد بھی بیتو سے میری بات نہیں کرائی تو میں نے بانو کو کال کی وہ میرے لیے کھانا لا رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ حیات کے دماغ میں کوئی کیڑا کلبلا رہا ہے اور وہ بیتو سے میری بات کرانے سے گریز کر رہا ہے تو اس نے کہا۔ "میں آ رہی ہوں ابھی حیات سے بات کرتی ہوں۔"

شاید بیتو بھی حیات کی تحویل میں تھا اور اس سے بات کرانے کی ذمے داری اس کی تھی۔ یعنی وہ نمبر کسی اور کے پاس نہیں تھا جس سے بیتو سے بات کی جا سکتی تھی اس لیے حیات کو بائی پاس کر کے اس سے رابطہ ممکن نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ دروازے کے باہر کوئی بول رہا ہے۔ میں نے دروازے سے کان لگائے تو دوسری طرف سے بانو کی آواز آئی۔ "تم نے شہباز صاحب کی ان کے ساتھی سے بات کیوں نہیں کرائی؟"

"یہ میرا کام ہے تمہیں اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" حیات نے اکھڑ انداز میں کہا۔

"میرا بھی اس سے تعلق ہے۔ بے بی نے ان کی ذمے داری مجھے سونپی ہے۔ اگر ان کو کوئی مشکل ہوگی تو....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بہت خیال ہے تمہیں اس کی مشکلوں کا۔'' حیات کا لہجہ زہریلا ہو گیا تھا۔ ''جم میں دروازہ اندر سے بند کر کے تم اس کی کون سے مشکل آسان کرتی ہو؟''

''ذلیل شخص۔'' بانو نے کہا اور ایسی آواز آئی جیسے اس نے حیات کو تھپڑ مارا ہو۔ ایسا ہی ہوا تھا کیونکہ پھر حیات کی سرد آواز آئی۔

''بانو میں یہ تھپڑ ہمیشہ یاد رکھوں گا اور ایک وقت آئے گا جب تمہیں اس کا حساب دینا ہوگا۔''

''اس سے پہلے میں تمہیں دوسرا تھپڑ لگاؤں میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔'' بانو برہمی سے بولی۔ ''تم اس قابل بھی نہیں ہو کہ میں تم سے بات کروں۔ میں نے بے بی سے شکایت کر دی تم ایک منٹ میں فارغ کر دیئے جاؤ گے۔''

''وہ بہت قابل آدمی ہے۔'' حیات پھر زہریلے انداز میں بولا۔ اس پر بنٹی سے شکایت کرنے کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ بانو اس کی بکواس پر توجہ دیئے بغیر دروازے تک آئی تھی اس سے پہلے وہ دروازہ کھول کر اندر آتی میں واپس بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ اندر آئی تو اس کا گلابی چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور وہ اپنا نچلا گداز لب دانتوں میں دبا رہی تھی۔ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''خیریت..... یہ لال پیلی کیوں ہو رہی ہو۔''

اس نے گہری سانس لے کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ عام طور سے وہ اندر آنے کے بعد دروازہ بند نہیں کرتی تھی لیکن اس وقت اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اس وقت وہ چپ چاپ میز پر کھانا لگانے لگی۔ جب میں ہاتھ دھو کر آیا تو اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کچھ نہیں، آدمی ملازمت میں مجبور ہو جاتا ہے لیکن میری مجبوری ان سے کہیں زیادہ ہے وہ ملازمت چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتے ہیں۔''

''ایسی کیا بات ہو گئی؟'' میں نے کہا۔ ''اور میرا خیال ہے تم بنٹی کے پاس ملازم ہو۔''

''نہیں..... میں میاں صاحب کی پروردہ ہوں۔ بچپن سے اسی جگہ رہی ہوں۔ انہوں نے مجھے پڑھایا لکھایا اور پھر مجھے بے بی کو دے دیا۔ یہ ملازمت نہیں ہے۔''

وہ جذباتی طور پر منتشر تھی اس لیے یہ بات کہہ گئی پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اس نے جلدی سے معذرت کی۔ ''سوری سر، یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے میں نے بلاوجہ آپ کو بتا دیا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا۔ ''اول تو میں نے خود پوچھا تھا اور دوسرے آدمی کسی کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کر لے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔''

''تھینک یو سر۔ آپ اچھے آدمی ہیں۔'' اس نے ممنونیت سے کہا۔

میں ہنسا۔ ''میرے اکثر جاننے والے یہی کہتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ درست کہتے ہیں۔''

''نہیں سر، آپ سچ مچ اچھے آدمی ہیں۔'' اس بار وہ بے ساختہ بولی۔ ''آپ نے کبھی ان نظروں سے مجھے نہیں دیکھا جن سے یہاں کا ہر فرد دیکھتا ہے۔''

میں نے موضوع بدل دیا۔ ''میرے لیے کھانا کون بناتا ہے؟''

''میں خود بناتی ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے حیرت سے کہا۔ ''اچھا میں تو سمجھتا تھا کہ شیف بناتا ہے۔''

''وہ عام کھانے بناتا ہے دراصل میں نے محسوس کیا کہ وہ آپ کے لیے مخصوص کھانے اس طرح نہیں بناتا جیسے اسے بنانے چاہئیں اس لیے اب میں خود بناتی ہوں۔''

''اسی وجہ سے مجھے چار پانچ دن سے کھانے کے ذائقے میں واضح فرق لگ رہا ہے۔''

اس نے ڈرے ڈرتے پوچھا۔ ''کیا مزے کا نہیں ہے سر، میں نے تو اسی لیے شیف سے لیا تھا کہ.....''

''بہت مزے کا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''شیف بھی برا نہیں بناتا تھا لیکن تمہارے بنائے کھانے کا ذائقہ الگ سے محسوس ہوتا ہے۔''

''تھینک یو سر۔''

''مجھے سر مت کہا کرو، مجھے اس لفظ سے الرجی ہے۔ سن کر ہی برا لگتا ہے میرا نام شہباز ہے اگر تم چاہو تو نام لے سکتی ہو یا چاہو تو شہباز صاحب کہہ سکتی ہو۔''

''شہباز صاحب ٹھیک رہے گا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''آپ کھانا کھایئے پھر مجھے کال کیجئے گا میں نے آپ کے لیے اسپیشل شیک بنایا ہے۔''

جاتے ہوئے اس کا موڈ اچھا ہو گیا تھا۔ کھانے کے بعد وہ میرے لیے شیک لے آئی۔ یہ خاص کالے انگور، لیچی اور انناس سے بنایا ہوا شیک تھا اور واقعی لاجواب تھا۔ میں نے شیک کی دکانوں سے بے شمار قسم کے پھلوں کا اور کاک ٹیل شیک بھی پیا ہے لیکن اس کا ذائقہ واقعی سب سے منفرد تھا۔ میں نے تعریف کی تو وہ خوش ہو گئی۔ ''اب میں آپ کے لیے روز بناؤں گی۔''

''روز نہیں ایک دن چھوڑ کر ورنہ میں عادی ہو جاؤں گا اور پھر مجھے اتنا اچھا نہیں لگے گا۔''

''جیسے آپ کہیں، میں بدل بدل کر بھی شیک بنا سکتی ہوں۔''

''تب ٹھیک ہے تم روز شیک لے آؤ۔'' میں نے اجازت دے دی۔ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد حیات نے دروازے پر دستک دی اور موبائل مجھے پکڑا دیا۔ مجھے شرارت سوجی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''خیریت تمہارا منہ سوجا ہوا ہے کیا کسی نے مارا ہے۔''

اس نے خونخوار نظروں سے مجھے دیکھا اور خون کے گھونٹ پی کر بولا۔ ''ابھی تک کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو میرے منہ پر تھپڑ مار سکے۔''

میں نے مزید شرارت آمیز سادگی سے کہا۔ ''اچھا تھپڑ مارا ہے، میاں صاحب تو یہاں ہیں نہیں تو پھر کس نے اتنی جرأت کی؟''

جواب میں اس نے دروازہ دھڑام سے بند کر کے مجھے شٹ اَپ کال دی۔ میں نے بیتو سے بات کی اور وہ نمبر ڈہن نشین کر لیا جس سے وہ بات کر رہا تھا۔ کال ختم کر کے میں نے جوابی کال اور پھر ایس ایم ایس کرنے کی کوشش کی لیکن دونوں بار مجھے بیلنس ختم ہونے کی کوشجری سنائی گئی۔ ٹھنڈی سانس لے کر میں نے موبائل حیات کو واپس کر دیا۔ وہ ۔ بے وقوف نہیں تھا کہ بیلنس کے ساتھ موبائل مجھے دے دیتا۔ اس وقت لون لینے کی سہولت بھی نہیں تھی ورنہ میں لون لے کر کال کرتا۔ بانو کے معاملے میں اس کا غصہ اپنی جگہ لیکن اس نے میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معاملے میں اپنی مکاری برقرار رکھی تھی اور مجھے کوئی ہلکا سا موقع دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔

دو دن بعد میرا خون نکالا گیا تھا اس بار بھی نصف لیٹر تھا لیکن خون دینے کے بعد میں نے ہلکی سی کمزوری محسوس کی تھی۔ اگرچہ یہ کمزوری چند منٹ کے لیے تھی جیسے ہی مجھے انجکشن لگا اور جوس پیا میں خود کو پہلے کی طرح محسوس کرنے لگا تھا۔ اس دن صبح کی ایکسرسائز نہیں کی تھی اور آرام کیا تھا لیکن جب شام کو جم گیا تو خلاف معمول میں نے تھکاوٹ محسوس کی تھی۔ میں دو گھنٹے کے بجائے ایک گھنٹے میں واپس آ گیا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ صرف دوسری بار خون دینے سے میں تھکاوٹ اور کمزوری محسوس کر رہا تھا آئندہ نہ جانے میرا کیا حال ہونے والا تھا۔ میں قوت بخش زود ہضم غذائیں زیادہ مقدار میں لے رہا تھا۔ باقاعدگی سے ورزش نے میری صحت کو پہلے سے کہیں بہتر بنا دیا تھا۔ مجھے اتنی جلدی کمزوری کا شکار نہیں ہونا چاہیے تھا مگر اگلے دن تک میں نارمل ہو گیا تھا اس لیے تشویش بھی مدہم پڑ گئی۔

ایک وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی تھی کہ جب پہلی بار میرا خون لیا جا رہا تھا تو مجھے حکیم قادس سے علاج کرائے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور اس وقت میرے جسم میں معجزاتی دواؤں کا اثر باقی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں بہت زیادہ خون نکالنے کے باوجود کمزوری کا شکار نہیں ہوا تھا اور آخری مرتبہ غیر معمولی مقدار میں خون لینے کے باوجود بچ گیا تھا۔ مگر اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دواؤں کا اثر بہت کم ہو گیا تھا۔ ممکن ہے اس وجہ سے میں کم مقدار میں خون دینے کے باوجود میں کمزوری کا شکار ہو رہا ہوں۔ مگر ضروری نہیں تھا یہی وجہ ہو۔ ان دواؤں کا ایک اثر اب تک برقرار تھا کہ میرے زخم چاہے وہ کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں غیر معمولی تیزی سے بھر جاتے تھے۔ پھر خون بھی صرف نصف لیٹر لیا جا رہا تھا جب کہ آدمی ایک لیٹر خون دے کر بھی بغیر کمزوری کے صحت مند رہ سکتا ہے۔

○.....❖.....○

میاں ممتاز واپس آ گیا تھا یہ اطلاع مجھے بانو نے دی۔ مگر وہ آرام کرنے آیا تھا کیونکہ سیاسی جوڑ توڑ نے اسے توڑ دیا تھا اور دن رات اس میں لگے رہنے کے بعد وہ تھک گیا تھا اس لیے چند دن کے لیے ستانے کو ممتاز ہاؤس آیا تھا۔ بانو کا کہنا تھا کہ وہ چند دن بعد دوبارہ جائے گا۔ ابھی صوبائی حکومت کی تشکیل کا مرحلہ باقی تھا۔ اگرچہ میاں ممتاز کی موجودگی اور غیر موجودگی کا مجھ پر زیادہ اثر نہیں پڑتا تھا۔ سوائے اس کے کہ بنٹی مجھ سے ملنے نہیں آ سکتی تھی مگر اس سے ملنا اتنا ضروری بھی نہیں تھا۔ اتنا تو میں نے جان لیا تھا کہ وہ اپنے باپ کی مرضی کے خلاف میری کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ پھر بھی میں اس سے مایوس ہونا نہیں چاہتا تھا اور پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ کے مصرع پر عمل پیرا تھا۔

بانو اب کھانا کے لانے کے ساتھ کبھی کبھی وہیں رک جاتی تھی اور جب تک میں کھانا کھاتا وہ گپ شپ کرتی تھی۔ ظاہر ہے وہ میرے ساتھ کھا نہیں سکتی حالانکہ میں نے کئی بار اسے دعوت دی مگر اس نے سوری کر لی۔ یہ حفظِ مراتب کے خلاف ہوتا۔ میں بھی زیادہ اصرار نہیں کرتا تھا۔ ورنہ شاید حفظ مراتب کی اس خلاف ورزی پر اسے کچھ سہنا پڑتا۔ اس کی حیات سے جھڑپ پرانی بات ہو گئی تھی اور میرا خیال تھا کہ دونوں نے معاملہ گول کر دیا تھا۔ بانو کے لیے اس میں بے عزتی تھی اور حیات کے لیے بے عزتی کا خطرہ اور بھی زیادہ تھا۔ شاید اس نے بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں موقع پا کر بانو سے معافی مانگ لی ہوگی۔ جب میں کمرے میں ہوتا تھا تو حیات یا اس کے ساتھی میں سے ایک ہی شخص باہر ہوتا تھا اور دوسرا اس دوران میں آرام کرتا تھا لیکن میرے کمرے سے باہر نکلنے کے وقت حیات لازمی موجود ہوتا تھا۔ میاں ممتاز کی طرف سے یہ اس کی لازمی ذمے داری تھی۔

تیسری بار خون نکالنے سے ایک دن پہلے جب میں جم میں مصروف تھا تو بانو اندر آئی اسے دیکھ میں سمجھ گیا کہ بنٹی آنے والی ہے اور یقیناً میاں ممتاز سیاسی دنگل میں دوبارہ شرکت کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اسے دنگل سے زیادہ اقتدار کی چھین جھپٹ کہنا زیادہ مناسب ہوتا۔ بانو کو دیکھ کر حیات حسبِ معمول کچھ اور سمجھا تھا اور اسے گھورتا ہوا باہر گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بانو دانت پیستی واپس آئی۔ وہ دروازہ بند کرنے گئی تھی۔ حیات اور اس کے ساتھی کو بے خبر رکھنا لازمی تھا اس لیے بنٹی کی آمد سے پہلے جم کا سروس ڈور اندر سے لازمی بند کیا جاتا تھا ورنہ اس بات کا خطرہ تھا کہ حیات کسی وقت بھی اندر آ سکتا تھا۔ بانو دوسرے دروازے سے باہر نکلی اور اس کی جگہ بنٹی اندر آئی۔ آج وہ پھر مختصر سے لباس میں تھی۔ مجھے خیال آیا کہ یہ لباس وہ صرف میری موجودگی میں پہن کر آتی تھی یا پھر وہ اس جم میں اسی لباس میں ورزش کرتی تھی۔ ویسے یہ جتنا روشن خیال گھرانہ تھا اس کے افراد سے ہر چیز کی توقع کی جا سکتی تھی۔

''میاں صاحب چلے گئے؟'' میں نے کہا۔

''ہاں.....تم سناؤ کیسا چل رہا ہے سب؟''

''دوسری بار خون دینے کے بعد مجھے ہلکی سی کمزوری محسوس ہوئی تھی حالانکہ جب میں کنوروں کی قید میں تھا اور انہوں نے میرے جسم سے فی ہفتہ ایک لیٹر خون نکالا تھا تب بھی میں نے اتنی کمزوری محسوس نہیں کی تھی۔''

وہ فکر مند ہو گئی۔ ''ایسا کیوں ہے۔ میں ڈاکٹر سے پوچھتی ہوں۔''

کنوروں کی بات آئی تو اس نے پہلی بار خود پوچھا۔ ''تم ان کے ہاتھ کیسے لگے؟''

''یہ لمبی داستان ہے۔''

''تم مختصر کر کے سنا دو۔'' اس نے اصرار کیا تو میں ایکسرسائز کے ساتھ ساتھ اسے بتانے لگا کہ میں کنوروں کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔ حسبِ معمول سوالات کی مدد سے داستان لمبی ہوتی چلی گئی۔ اوشا کا ذکر آیا تو وہ چونک گئی۔ ''سپیرے کی بیٹی، کیسی تھی؟''

''سیاہ فام تھی لیکن خوب صورت تھی۔''

''تم سے متاثر ہوئی ہوگی؟'' اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''ایسا بھی نہیں ہے کہ میری زندگی میں آنے والی ہر لڑکی مجھ سے متاثر ہو جائے۔''

''لیکن متاثر ہونے والیوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔''

اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ اوشا کس طرح میری دیوانی ہو گئی تھی کہ اپنے باپ سے بغاوت کر بیٹھی تھی اور اس سے اپنی کھال اتروالی تھی تو نہ جانے اس کا کیا ردِعمل ہوتا۔ اس لیے اوشا کا ذکر ایک حد میں رکھتے ہوئے میں نے اسے کنور خاندان کے ہاتھ لگنے کا واقعہ سنایا پھر انہوں نے کیوں میرا خون نچوڑنے کی کوشش کی اور کس طرح میری جان بچی۔ جب میں نے قبائلیوں کے خلاف کنور خاندان کی سازش اور بھارتی حکومت کی بربریت کا بتایا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ حیران ہوئی تھی۔ اس نے بے ساختہ کہا۔ ''اتنے سفاک لوگ ہیں۔''

میں نے ملائمت سے کہا۔ ''تمہیں ایک جاگیردار خاندان کی نورِ چشم ہو کر بھی نہیں معلوم کہ غریبوں کے ساتھ اس قسم کے لوگ کیا سفاکی دکھاتے ہیں۔''

''ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا ہے۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے ہم جاگیردار ہیں لیکن اپنے لوگوں کا خیال بھی رکھتے ہیں۔''

''جیسے بانو کا رکھا ہوا ہے؟''

میں نے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''تمہیں بانو نے بتایا ہے؟''

میں نے سر ہلایا اور پھر اسے حیات کے ساتھ بانو کی جھڑپ کے بارے میں بتایا۔ ''وہ اس سے دل برداشتہ تھی اس لیے اس کے منہ سے نکل گیا۔''

بنٹی نے سر ہلایا۔ ''میں جانتی ہوں وہ میری وفادار ہے مجھ سے محبت کرتی ہے۔''

''لیکن ہے تو تم لوگوں کی پروردہ۔''

''اس کا باپ پاپا کی زمین پر کام کرتا تھا اور ماں یہاں ملازمہ تھی۔ ایک بار یہ لوگ کسی کی رشتے دار کی شادی میں جا رہے تھے کہ بارات کی بس کو حادثہ پیش آ گیا۔ دونوں ماں باپ مارے گئے بس یہی بچی تھی۔ پولیس بانو کو ہمارے پاس لے آئی تھی۔ اس کے اور رشتے دار بھی تھے لیکن جب میں نے اسے دیکھا تو بابا سے کہا کہ اسے رکھ لیں۔ بابا مان گئے۔ اسے ایک ملازمہ کے سپرد کر دیا گیا۔ بڑی ہوئی تو اسکول میں داخل کرایا گیا۔ اس نے لاہور کے ایک اچھے کالج سے گریجویٹ کیا۔ میں تو چاہتی تھی کہ وہ مزید پڑھے اور اپنا مقام بنائے ہو سکے تو کوئی پروفیشنل ڈگری حاصل کرے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس نے مجھ سے اور بابا سے کہا کہ اسے کوئی ذمے داری دی جائے وہ ایسے ہی یہاں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ تب میں نے اس سے کہا کہ وہ میری سیکرٹری بن جائے۔

''مگر اسٹینس سے وہ سیکرٹری کی جگہ خادمہ لگتی ہے۔''

''میں اسے سیکرٹری کا درجہ دیتی تھی نا۔ اس نے مجبور کیا کہ اسے ملازمہ کے لحاظ سے ٹریٹ کیا جائے۔''

مجھے حیرت ہوئی اگر بنٹی درست کہہ رہی تھی تو یہ لوگ بانو پر مہربان تھے اور اس نے موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ کوئی پروفیشنل ڈگری حاصل کر لیتی تو اپنی لائف خود بنا سکتی تھی۔ بے شک وہ ممتاز ہاؤس میں ملازمہ تھی اور بنٹی کی خادمہ کی حیثیت سے وہ الگ ہی تھی لیکن تو ملازمہ چاہے اسے کوئی بھی تنخواہ دے دی جاتی یا یہاں وہ کتنے ہی سکون و آسائش سے رہتی۔ شاید اس میں ہمت نہیں تھی اور وہ باہر نکل کر دنیا سے اپنا حصہ طلب کرتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ ممتاز ہاؤس بچپن سے اس کے لیے گوشہ عافیت رہا تھا اور وہ یہاں سے نکلتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ بنٹی نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ''کیا بات ہے آج بانو میں بہت دلچسپی لے رہے ہو؟''

''ایسے ہی۔'' میں نے سوئمنگ پول کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''کیا پتا نہیں ہو سکتا کہ کل تم خون لینے کے موقع پر میرے ساتھ وہاں رہو۔''

''میں کوشش کروں گی۔'' اس نے وعدہ کرنے سے گریز کیا۔ جب میں سوئمنگ کرنے جاتا تو وہ رخصت ہو جاتی تھی اس روز بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے جاتے ہی بانو آئی اور سروس ڈور کی طرف گئی۔ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کے کچھ دیر بعد حیات اندر آیا۔ وہ کب آیا میں نے غور نہیں کیا تھا ایک بار میں نے دیکھا تو وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سوئمنگ کر کے میں واپس کمرے میں آیا۔ نہا دھو کر میں کھانے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر جب مقررہ وقت پر بانو نہیں آئی تو میں نے اسے وا کی ٹا کی پر کال کی۔ مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا بس سائیں سائیں کرتی آواز آ رہی تھی۔ غالباً کسی وجہ سے وا کی ٹا کی کا رابطہ نہیں رہا تھا۔ میں نے انتظار کیا پھر دروازہ بجایا۔ باہر سے حیات نے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

''بانو ابھی تک کیوں نہیں آئی کھانا لے کر؟''

''بڑی بے چینی ہے تمہیں بانو کی۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

میں نے اسے گھورا۔ ''میری بات کا جواب دو وہ اب تک کیوں نہیں آئی ہے؟''

وہ رکھائی سے بولا۔ ''مجھے کیا معلوم، میں اس کا نگران نہیں ہوں۔''

مجھے کھانے سے زیادہ بانو کی فکر ہو رہی تھی جب سے اس نے یہ ذمے داری سنبھالی تھی گھڑی کی سوئیوں کی سی باقاعدگی سے کام کرتی تھی۔ اور آج بارہ بج کر بیس منٹ ہونے والے تھے اور وہ نہیں آئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور دروازہ کھلا۔ میں سمجھا کہ بانو ہوگی لیکن اس کی جگہ وہی نوجوان ملازم تھا جو پہلے دن نظر آیا تھا وہ کھانے کی ٹرالی لایا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''بانو کیوں نہیں آئی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم جناب۔'' وہ بولا۔ ''میرا تعلق کچن سے ہے۔''

''بانو میرا کھانا بناتی ہے کیا وہ کچن میں آئی تھی؟''

''پتا نہیں جناب، مجھے شیف نے بلا کر یہ ٹرالی آپ کے لے جانے کا حکم دیا میں لے آیا۔''

دوسرے لفظوں میں اسے بالکل علم نہیں تھا کہ کھانا بانو نے بنایا ہے یا نہیں اور وہ کہاں تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''کیا بے بی تک میرا پیغام لے جا سکتے ہو۔''

''بے بی تک صرف بانو پیغام لے جا سکتی ہے۔'' اس نے معذرت کی اور رخصت ہو گیا۔ کھاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ ایسی کیا بات ہو گئی کہ بانو نہیں آئی۔ اگرچہ یہ کوئی خاص بات بھی نہیں تھی بانو کا نہ آنا اور آنا تقریباً برابر تھا اگر بنٹی اس سے لے کر یہ ذمے داری کسی اور کے سپرد کر دیتی تب بھی مجھے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ مگر اچانک بانو کا نہ آنا مجھے کھٹک رہا تھا اس کا تعلق بنٹی سے تھا اور بنٹی اس گھر میں میری واحد ہمدرد تھی۔ اس کی کوششوں سے میں راج کنور کے قبضے میں جانے سے محفوظ رہا تھا۔ اگر اس کی سوچ میں کوئی تبدیلی آئی تھی تو مجھ پر اس کا لازمی اثر پڑتا اس لیے میں بانو کے لیے فکر مند تھا۔ بہر حال یہ فکر مجھ پر زیادہ دیر سوار نہیں رہی تھی کیونکہ میں ہر قسم کے حالات کا بہت جلد عادی ہو جاتا ہوں۔ اس قید میں میرے لیے سب سے زیادہ تشویش ناک بات بیتو کی قید تھی۔ اس کی وجہ سے میں اپنے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ ورنہ اب تک آزاد ہونے کی کوشش کر چکا ہوتا۔ مگر اب میری ایسی کسی کوشش کا اثر بیتو پر پڑتا اور اسے خمیازہ بھگتنا پڑتا۔ اس لیے میں دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔

اگلے روز میں خون کے لیے صبح سویرے کلینک پہنچا۔ ڈاکٹر نے پھر نصف لیٹر خون نکالا اور جب میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خون دے کر اٹھنے کی کوشش کی تو ایک لمحے کو مجھے چکر آ گیا تھا۔ اس لمحے میں سب بلیک آؤٹ ہو گیا۔ گول مٹول نرس پاس کھڑی تھی اس نے میری کیفیت بھانپ لی اور مجھے سہارا دیا ورنہ شاید میں گر جاتا۔ مگر دوسرے لمحے میں ہوش میں آ گیا اور میں نے خود کو سنبھال لیا۔ ڈاکٹر نے مجھے دوبارہ لیٹنے کو کہا اور مجھے اس بار طاقت کا انجکشن چھوٹی ڈرپ میں لگا کر دیا۔ اس سے میری کیفیت خاصی بہتر ہوئی تھی پھر جوس پی کر میری طبیعت تقریباً بحال ہو گئی تھی۔ مگر اپنی لمحاتی کیفیت نے مجھے فکرمند کر دیا تھا۔ کیا میری صحت عام معیار سے بھی نیچے جا چکی تھی۔ واپسی کے بعد بھی میں اپنی کیفیت بھانپنے کی کوشش کرتا رہا۔

گزشتہ دن سوائے ناشتے کے باقی دن وہی لڑکا مجھے کھانا لا کر دیتا رہا تھا لیکن میں اسے ہر وقت طلب نہیں کر سکتا تھا اسی طرح میرا بنٹی سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ کمزوری کی وجہ سے میں صبح جم نہیں گیا اور شام کو بھی میری ہمت نہیں ہو رہی تھی لیکن صرف اس وجہ سے جم گیا کہ شاید اب بانو آئے اور حیات کو یہاں سے رخصت کر دے اور میری بنٹی سے ملاقات ہو۔ مگر ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی مجھ سے ورزش ہوئی تھی۔ واپسی پر میں نے کتوں کا شور سنا وہ زور سے بھوک رہے تھے اور آوازوں سے لگ رہا تھا کہ کتوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ اگر یہاں کتے نہ ہوتے تو مجھے تعجب ہوتا کیونکہ ہمارے ہاں جاگیردار کتوں کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لڑکا آخری بار آیا تو میں نے کہا۔ ''سنو اگر تم بے بی تک رسائی نہیں رکھتے ہو تو کسی ایسے شخص کو تو جانتے ہو گے جو بے بی تک رسائی رکھتا ہے۔ اس سے کہو میں بے بی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''رستم صاحب سے کہہ دوں گا۔'' وہ بولا۔ ''وہ ممتاز ہاؤس کے منتظم ہیں۔''

''میری بہت سی چیزوں کا خیال بانو رکھ رہی تھی اب کون ان کو دیکھے گا۔''

''مجھے اس بارے میں نہیں معلوم ہے۔'' اس نے حسب معمول جواب دیا۔

''تو پھر کسے معلوم ہے؟'' میں نے بھنا کر کہا اور دروازہ کھول کر حیات کو پکارا۔ ''ادھر آؤ تم؟''

''کیا ہے؟'' اس نے کھردرے لہجے میں کہا۔

''جا کر اپنے میاں صاحب کو بتا دو کہ اب میں خون نہیں دوں گا اور اگر وہ نہیں ہیں تو بے بی کو یہ بات کہہ دو۔'' میں نے کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔ حیات کے تاثرات نہیں دیکھے تھے البتہ اپنے تاثرات غیض و غضب والے رکھے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ برآمد ہو گا۔ میں بنٹی سے رابطہ چاہتا تھا۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد حیات نے مجھ سے ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ اور اس کے ساتھی دونوں موجود تھے اور وہ مجھے بنٹی والے حصے میں لائے۔ اپنی نشست گاہ میں موجود تھی اور اسے دیکھتے ہی لگا کہ وہ پریشان ہے۔ اس نے آنکھ سے حیات کو اشارہ کیا اور خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔ اب وہاں میں اور بنٹی تھے۔

''تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟''

''بانو کیوں نہیں آ رہی؟''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے؟''

''کیا معلوم ہے؟''

''یہی کہ بانو کل صبح سے غائب ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چونک گیا۔ ''غائب ہے..... کب سے اور کس طرح سے غائب ہے؟''

''وہ کل صبح جب جم سے نکلی تو اس کے بعد میرے پاس نہیں آئی۔ بارہ بجے میں نے اس کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا ہے۔ تب مجھے تمہارا خیال آیا اور میں نے شیف سے پوچھا اس نے کہا کہ بانو کچن میں بھی نہیں آئی۔ میں نے اسے تمہارے کھانے کے بارے میں ہدایت دی اور پھر بانو کو پورے ممتاز ہاؤس میں دیکھا گیا لیکن وہ کہیں نہیں ملی۔ اس کے کمرے میں اس کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ حد یہ کہ اس کا پرس اور موبائل بھی موجود ہے۔ آج اسے کتوں کی مدد سے تلاش کیا گیا۔ پاپا کے ڈاگ ہاؤس میں بلڈ ہاؤنڈ ہیں جو کسی شخص کی بو میلوں دور سے سونگھ لیتے ہیں۔ وہ بھی اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے۔''

''گھر میں کتوں کی مدد سے تلاش؟''

''ہاں تم نے دیکھا ہے نا ممتاز ہاؤس کتنا بڑا ہے اس میں کوئی بندہ گم ہو جائے تو اتنی آسانی سے نہیں ملتا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ بیمار یا بے ہوش ہو کر نہ پڑی ہو اس لیے کتوں سے مدد لی۔''

مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔ ''گیٹ کیپرز کیا کہتے ہیں؟''

''ان کا کہنا ہے کہ بانو نہ تو پیدل اور نہ ہی کسی گاڑی میں باہر نکلی ہے۔''

''ممتاز ہاؤس سے باہر جانے کا اور بھی کوئی راستہ ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پہلے ایک گیٹ اور تھا مگر سیکورٹی کے نکتہ نظر سے اسے بند کر دیا گیا۔''

''کوئی خفیہ راستہ ہے؟''

''لازمی بات ہے لیکن اسے صرف میں، پاپا اور ٹینا استعمال کرنا جانتے ہیں۔ اس سے کوئی اور نہیں گزر سکتا ہے۔''

''تب کیا بانو کبھی بن کر یہاں سے نکلی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس پر مجھے یاد آیا یہاں ہیلی پیڈ بھی ہے۔''

''لیکن کل یہاں نہ تو کوئی ہیلی کاپٹر آیا اور نہ گیا۔''

''اگر وہ خود سے جاتی تو اس کا کوئی نہ کوئی نشان ملتا اور اس کا سامان بھی غائب ہوتا۔''

''تمہارا مطلب ہے اسے کسی نے غائب کیا ہے۔'' بنٹی چونک گئی۔

''سامنے کی بات ہے وہ کل جم سے نکلی اور اس کے بعد غائب ہو گئی۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''گیٹ پر آنے جانے والوں کا مکمل ریکارڈ ہو گا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ ریکارڈ بھی چیک ہوا ہے کل سے اب تک کوئی دو درجن گاڑیاں اندر آئی اور گئی ہیں۔ ان میں سپلائی کی گاڑیاں بھی ہیں اور لانڈری کی گاڑی بھی اور ہماری گاڑیاں بھی ہیں۔''

میں چونکا۔ ''لانڈری کی گاڑی کیا اس میں بانو کو بے بس کر کے نہیں لے جایا جا سکتا ہے؟''

''لے جایا جا سکتا ہے لیکن آخر کسی کو اس سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔''

''دشمنی ضروری نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم بھول رہی ہو وہ نوجوان اور دلکش لڑکی ہے اور شاید کنواری بھی ہے۔''

اس نے مجھے گھورا۔ ''شاید نہیں وہ یقیناً کنواری ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب کسی کی نیت بھی اس پر خراب ہو سکتی ہے۔''

''تم ممتاز ہاؤس کے کسی فرد کو الزام دے رہے ہو۔''

''ظاہر ہے اسے یہاں سے یہیں کا کوئی بندہ لے جا سکتا ہے اور کیا یہاں سب شریف اور پارسا لوگ ہیں۔''

بنٹی سوچ میں پڑ گئی تھی۔''میری سمجھ میں تو نہیں آ رہا ہے۔ میں نے کل پاپا کو کال کر دی تھی۔ مگر ان کا کہنا ہے ابھی پولیس کے پاس جانے کے بجائے اسے خود تلاش کیا جائے۔ ہمارے آدمی آس پاس کے علاقے میں دیکھ رہے ہیں۔''

''فرض کرو کہ بانو کی گمشدگی میں اندر کا آدمی ملوث ہے تو تلاش کی اس مہم کو ناکام بنانا اس کے لیے نہایت آسان ہوگا۔''

''میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا ہے آج یا کل پاپا آ رہے ہیں وہی اس معاملے کو دیکھیں گے۔''

''تب تک اس بے چاری کے ساتھ نہ جانے کیا ہو جائے۔'' میں نے سرد آہ بھری اور ساتھ ہی اطمینان محسوس کیا کہ بنٹی اور دوسرے حالات میں میرے حوالے سے کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ پھر مجھے شرمندگی ہوئی۔ اس لڑکی کا خیال کم تھا اور اپنا خیال مجھے زیادہ تھا۔ مگر یہ انسان کی فطرت ہے وہ کسی بھی معاملے میں پہلے اپنا مفاد دیکھتا ہے اور اس کے بعد کسی اور کی فکر کرتا ہے۔ بنٹی نے کہا۔

''میں نے تمہاری ذمے داری اکرم کو سونپ دی ہے۔''

اکرم وہی لڑکا تھا جو آج کل میرے لیے کھانا لاتا تھا۔ بنٹی کے حکم پر اب وہ ہمہ وقت کمرے کے باہر موجود رہتا اور میرے ہر حکم کی تعمیل کرتا۔ بنٹی نے پھر معنی خیز انداز میں کہا۔''اب تم نہیں کہہ سکتے کہ تمہیں بانو کی فکر نہیں ہے۔''

''فکر ہے لیکن ان معنوں میں نہیں اور دوسرے آدمی خود غرض ہوتا ہے مجھے لگا کہ شاید تم نے اسے ہٹا دیا ہے اور شاید تم مجھ سے فرنٹ ہو گئی ہو۔''

''سوری میں کلینک نہیں آ سکی تھی لیکن میں نے رپورٹ لی تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ تمہیں چکر آیا تھا۔''

''ہاں یہ میرے لیے تشویشناک بات ہے کیونکہ میں نے اتنا خون نہیں دیا ہے کہ مجھے کمزوری محسوس ہو۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے میں نے اس سے دوگنا خون دے دیا ہے جتنا مجھے دینا چاہیے تھا۔''

''ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ تمہاری بلڈ ٹیسٹ رپورٹ بہترین آئی ہے۔ اسی طرح یورین اور دوسرا بلڈ ٹیسٹ بھی کلیئر ہے۔ یعنی جسمانی طور پر تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''یہ ڈاکٹر تم لوگوں نے ہائر کیا ہے؟''

بنٹی چونکی۔''نہیں تو، یہ صرف اسی کام کے لیے آیا ہے۔''

اس بار میں چونکا۔''باہر.....؟ کہاں سے؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن پاپا کہہ رہے تھے اسے خاص طور سے اسی کام کے لیے بلایا ہے۔''

میں سوچ میں پڑ گیا بنٹی مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔''اس میں کوئی خاص بات ہے جو تم پوچھ رہے ہو اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب کچھ فکر مند بھی لگ رہے ہو؟''

میں نے جلدی سے خود کو نارمل کیا۔''نہیں ایسے ہی میں سوچ رہا ہوں کہ ڈاکٹر سے کہہ کر ایک بار اپنے ٹیسٹ کراؤں۔''

''میرا مشورہ ہے اب خون دینے کے بعد تم پلازمہ لے لینا اس سے خون کی مقدار پوری ہو جائے گی۔''

میں نے سر ہلایا۔''اس سے کہوں گا۔''

بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ میں اپنی صحت کے بارے میں بہت فکر مند ہوں اور میں بنٹی کو بھی یہی تاثر دینا چاہتا تھا۔یعنی میں ان سے پوری طرح تعاون کر رہا تھا۔ میں نے گفتگو کا رخ دوبارہ بانو کی طرف موڑ دیا۔''اگر سے غائب کیا گیا ہے تو اسے لے جانے والے اسے زندہ چھوڑنے کا خطرہ تو کسی صورت مول نہیں لے سکتے۔''

بنٹی نے گہری سانس لی۔''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔شاید اب اسے نہ دیکھ سکوں۔''

''مگر اس طرح سے ایک جیتا جاگتا بندہ غائب ہو جانا اس گھر کی سیکورٹی پر بہت بڑا سوالیہ نشان نہیں ہے؟''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہاں فول پروف سیکورٹی ہے پورے ممتاز ہاؤس کو دو سو سے زائد سیکورٹی کیمرے کور کرتے ہیں لیکن کسی کیمرے میں کوئی خلاف معمول بات نہیں آئی ہے۔''

''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام کرنے والے سیکورٹی سے پوری طرح واقف تھے اور انہوں نے ہاتھ پاؤں بچا کر کام کیا ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ بانو کی گمشدگی ریہرسل ہو۔''

بنٹی پھر چونکی۔''کیا مطلب؟''

''یہ کام کرنے والوں کا نشانہ کوئی اور ہو سکتا ہے لیکن اسے اٹھانے سے پہلے انہوں نے بانو پر ریہرسل کر لی۔''

بنٹی کچھ خوف زدہ ہوئی تھی۔''تمہارا مطلب ہے ہم میں سے کسی کو اغوا کرنے کا پلان ہو سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں کیا تم لوگوں کے دشمن نہیں ہیں۔کرمین والے واقعے کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا اور اس کے خاندان والے تم لوگوں سے اس کی لاش کا مطالبہ بھی کر چکے ہیں اگر وہ تم میں سے کسی کو قبضے میں کر لیں تو میاں صاحب پھر ان کا مطالبہ مسترد کر سکتے ہیں۔''

''نہیں.....مگر یہ بہت مشکل کام نہیں ہے۔''

''تم اس نکتہ نظر سے سوچو کہ تمہارے پاپا ایک معروف سیاست دان ہیں اگر گھر سے باہر ایسی کوئی کارروائی ہوئی تو سب یقین کریں گے لیکن اگر تم گھر سے غائب ہو جاؤ اور تمہارے پاپا شور کریں تو کوئی اس پر یقین نہیں کرے گا۔اسے ان کا سیاسی اسٹنٹ قرار دیا جائے گا۔''

بنٹی قائل نظر آنے لگی حالانکہ یہ نہایت احمقانہ تصوری تھی۔گھر میں اس قسم کی کارروائی گھر کے افراد کے تعاون کے بغیر ناممکن ہے اور پولیس جب چھترول کرے گی تو اصل مجرم کو اگلتے ہی بنے گی۔اس قسم کے کام ہمیشہ گھر سے باہر ہوتے ہیں۔اس میں آسانی ہوتی ہے اور پولیس کے ہاتھ آنے کا امکان بھی نہیں ہوتا ہے لیکن بنٹی کی سوچ محدود تھی اس لیے وہ فوراً فکر مند ہو گئی۔ میں یہی چاہتا تھا کہ وہ اس رخ پر سوچے اور اپنے باپ کو قائل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرے اس طرح سے وہ زیادہ تندہی سے بانو کو تلاش کر سکتے تھے۔ جب بانو کی تلاش کی جاتی تو لازمی بات تھی یہ ممتاز ہاؤس کے معمولات سے ہٹ کر ہوتی اور ممکن ہے اس دوران میں مجھے کوئی موقع ملتا۔ جب میں واپس کمرے میں آیا تو اپنی کارکردگی سے مطمئن تھا۔ میری تین دن سے بیتو سے بات نہیں ہوئی تھی اور بنٹی نے روانگی سے پہلے حیات کو وارننگ دی تھی کہ اب مجھے شکایت کا کوئی موقع نہ دے۔ میں نے اس سے مطالبہ کیا۔

''میری بیتو سے بات کرائی جائے۔''

بادلِ ناخواستہ اس نے اسی موبائل پر بیتو سے میری بات کرائی۔ وہ ٹھیک تھا۔ مگر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا اس نے کہا۔ ''شوبی اب ہم سے برداشت نہیں ہو رہا ہے یہ ہم کو آپ کے پاس لائے ورنہ ہم اب شرافت سے نہیں رہے گا۔''

''ابھی تم کچھ نہیں کرو گے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''دیکھو ہمیں موقع ملے گا اس لیے جلد بازی نہیں کرو۔''

''شوبی آپ قید ہو کر سکون سے رہ سکتا ہے ہم نہیں۔'' اس نے فریاد کی۔ ''ہم کو اس کا عادت نہیں ہے۔''

''تو ڈالو یار۔'' میں نے کہا۔ ''بلاوجہ ہنگامہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ الٹا یہ تمہارا کھانا پانی بند کر دیں گے۔''

''ہم کو یہ فکر ہے کہ جیسے جیسے یہ آپ کا خون نکالتا رہے گا ویسے ویسے آپ کمزور پڑ جائے گا۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے تسلی دی۔ ''یہاں میرا پورا خیال رکھا جا رہا ہے اور ڈاکٹر میری دیکھ بھال کرتا ہے اگر میں کمزور ہوا تو یہ خون لینا بند کر دیں گے۔''

''شوبی ہم کو یقین نہیں ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''دشمن کی بات کا کبھی اعتبار نہ کرو۔''

''میں کون سا ہنسی خوشی کر رہا ہوں مجبوری ہے۔''

''ہم بھی مجبور ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

''بس تو ابھی صبر کرو۔''

اس دن میں دونوں وقت ورزش نہیں کر سکا تھا کیونکہ کمزوری کا احساس باقی تھا بس کھانے کے بعد چہل قدمی کر لیتا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے لیکن یہ گڑبڑ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ صرف ایک چیز سمجھ میں آ رہی تھی کہ اس کا تعلق خون نکالنے سے تھا۔ یعنی گڑبڑ کلینک میں کی جا رہی تھی۔ دوسرے دن جا کر میری حالت اس قابل ہوئی کہ میں جم جا کر ایکسرسائز کر سکوں اور یہ بھی میں پورے اسٹیمنا سے نہیں کر سکا تھا۔ آخر میں میری مانس بے قابو ہونے لگی تھی اس لیے میں ورزش ادھوری چھوڑ کر سوئمنگ پر مجبور ہوا تھا۔ جیسے جیسے میں اس بارے میں سوچ رہا تھا میری چھٹی حس خبردار کرنے لگی تھی کہ میرے ساتھ کوئی چکر کیا جا رہا تھا۔ مگر کیسے کیا جا رہا تھا یہ سمجھ سے باہر تھا۔ ڈاکٹر میرے سامنے میرے کینولا سے نصف لیٹر کی تھیلی منسلک کرتا تھا اور جب یہ بھر جاتی تو مجھے لگتا تھا کہ اس نے میرا اتنا خون نکالا ہے۔ بہ ظاہر اس میں کہیں گڑبڑ نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجھے بنٹی کے انکشاف نے مشکوک کر دیا تھا کہ ڈاکٹر اسی کام کے لیے باہر سے آیا اور ممتاز ہاؤس کا ڈاکٹر ہوتے ہوئے بھی باہر سے کسی لٹر کو بلانا مجھے کھٹک رہا تھا کیونکہ خون لینا کوئی اتنا بڑا کام نہیں تھا جس کے لیے خاص طور سے ڈاکٹر اور نرس ہائر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

تیسرے دن میری حالت ٹھیک ہوگئی اور میں پوری توانائی محسوس کرنے لگا تھا۔ بانو کی جگہ اکرم آ گیا تھا اور وہ میرا پورا خیال رکھتا تھا۔ میں نے بنٹی سے کہا تھا کہ وہ اکرم کو رابطہ کرنے کی اجازت دے تاکہ اگر میں اسے کوئی فوری پیغام دینا چاہوں تو مجھے مشکل نہ ہو۔ دو دن گزر جانے کے باوجود بانو کا کہیں پتا نہیں تھا اور میاں ممتاز بھی نہیں آیا تھا۔ شاید حکومتی جوڑ توڑ اسے واپس آنے کی مہلت نہیں دے رہا تھا۔ اس ہفتے کے دوران بنٹی سے میری ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ہی بانو کا پتا چلا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بے سہارا لڑکی کسی زور آور کی زبردستی کا شکار ہو گئی تھی۔ بہ ظاہر میاں ممتاز اور بنٹی اس کے سرپرست تھے لیکن اس کی پُراسرار گمشدگی پر ان کا رویہ واضح تھا۔ میاں ممتاز نے پولیس میں رپورٹ کرنے سے منع کر دیا تھا اور بنٹی بھی خاص فکرمند نہیں تھی۔ وہ ان کے لیے صرف ملازمہ تھی اور وہ نہیں رہے گی تو اس کی جگہ دوسری ملازمہ آ جائے گی۔ اگر اس کے ساتھ کچھ برا ہوتا ہے تو یہ لوگ صرف افسوس کریں گے۔ اس سے زیادہ کی توقع نہیں جا سکتی تھی۔ غالباً اس سے زیادہ فکر انہیں اپنے سیکورٹی نظام کی ناکامی کی ہوگی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کے لیے کیا کر رہے تھے۔

میرا خون جمعرات کی صبح لیا جاتا تھا۔ چوتھی جمعرات آئی اور میں صبح کلینک جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ حیات نے چھ بجے ہی دروازہ بجانا شروع کر دیا تھا لیکن میں آرام سے تیار ہو کر سات بجے نکلا۔ اس نے مجھے تاخیر کرنے پر گھورا تھا لیکن منہ سے کچھ کہا نہیں۔ وہ اپنے ساتھی سمیت مجھے کلینک کی عمارت میں لے کر آیا۔ جہاں حسبِ معمول ڈاکٹر اور گول مٹول نرس میرے منتظر تھے۔ اس دن میں نے پہلی بار اس کمرے کا بغور معائنہ کیا۔ یہاں صرف دو کرسیاں اور ایک وہ اسٹریچر نما بیڈ تھا جس پر میں لیٹ کر خون دیتا تھا۔ یہ زمین سے کوئی تین فٹ اونچی تھی۔ کیونکہ خون لینا ہوتا تھا اس لیے اسٹینڈ استعمال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ خون کی تھیلی اسٹریچر کے ساتھ نیچے لٹکائی جاتی تھی۔ بیڈ کے نیچے خلا نہیں تھا بلکہ یہ چاروں طرف سے بند تھا۔ یہ بات مجھے ذرا ہٹ کر لگی تھی ورنہ عام طور سے اس قسم کے بیڈز کے نیچے خلا ہوتا ہے کیونکہ یہ اینگل آئرن سے بنے ہوتے ہیں۔ کرسیاں ڈاکٹر اور نرس کے لیے تھیں اور حیات کا کام کھڑے رہنا تھا اس لیے وہ مستعد کھڑا رہتا تھا۔ ایک چھوٹی سی ٹرالی تھی جس پر دوائیاں، پانی اور منرل جوس کی بوتل رکھی تھی۔ یہ سب خون لینے کے بعد میرے لیے تھا۔

گول مٹول نرس نے مجھے بیڈ پر لیٹنے کو کہا اور پھر میرے بازو سے کینولا منسلک کرنے لگی۔ خون نکالنے کے لیے جو کینولا استعمال کیا جاتا ہے اس کی سوئی خاصی موٹی ہوتی ہے اور جب اسے نکال لیا جاتا تھا تب بھی کچھ دیر تک سوئی والی جگہ سے ہلکا سا خون رستا تھا جسے اینٹی سیپٹک روئی پر لگا کر دبانا پڑتا تھا تب کہیں جا کر خون رکتا تھا۔ نرس نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو اس نے آگے تھیلی کی نلکی کینولا سے منسلک کی۔ میں نے جھک کر دیکھا وہ تھیلی ہی لگا رہا تھا اس کے علاوہ وہاں کچھ نہیں تھا۔ البتہ تھیلی سے منسلک نلکی خاصی لمبی تھی یہ شاید ڈیڑھ گز تھی جب کہ اس سے نصف لمبی نلکی سے بھی کام چل سکتا تھا۔ تھیلی منسلک کر کے ڈاکٹر نے اسٹاپر کھولا تو خون نلکی سے ہوتا ہوا تھیلی میں جانے لگا تھا۔ میں سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔ خون جانے کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی۔ مگر اسی لمحے میں نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر نے پھر اسٹاپر کو چھیڑا ہے۔ میں نے جھک کر دیکھنا چاہا لیکن گول مٹول نرس جو میرے بائیں طرف کھڑی تھی اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بار بار مت جھکیں اس سے کینولا پر دباؤ پڑ سکتا ہے۔''

میں سیدھا لیٹ گیا اور اپنی ساری حسیات کسی آہٹ یا معمولی سی حرکت پر مرکوز کر لی تھیں۔ ڈاکٹر واپس جا کر اپنی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ میں آنکھ بند کر کے ساکت لیٹا ہوا تھا۔ یہاں کوئی گھڑی نہیں تھی۔ جس سے مجھے اندازہ ہوتا کہ کتنی دیر تک خون لیا جائے تو تھیلی بھر جائے گی۔ مگر مجھے محسوس ہوا کہ خاصی دیر گزر گئی ہے اور یہ وقفہ تھیلی کو بھرنے کے لیے کافی تھا۔ اسی لمحے بیڈ کے ساتھ بہت معمولی سی حرکت کا احساس ہوا۔ ایسا لگا جیسے بیڈ سے منسلک کوئی چیز ہلی ہو۔ نلکی کو ہلنے سے روکنے کے لیے بچانے سے بیڈ کے ساتھ ایک کلپ سے فکس کر دیا گیا تھا۔ پھر کیا چیز ہل رہی تھی۔ میں ان چیزوں پر پہلے توجہ نہیں دی تھی۔ قدرتی طور پر میری توجہ اپنے بدن سے نکلتے خون پر مرکوز ہوتی تھی۔ میں نے یہ بھی پہلے نوٹ نہیں کیا تھا کہ گول مٹول نرس ہمیشہ میرے دائیں طرف بالکل ساتھ کھڑی ہوتی تھی۔ جیسے میری نگراں ہو اور مجھے حرکت کرنے سے روک رہی ہو۔ عام طور سے اس کے چہرے پر نرم تاثرات ہوتے تھے لیکن اس وقت اس کے چہرے پر سخت اور کچھ عجیب سے تاثرات تھے۔ میں نے مسکرا کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ اور اپنا بایاں پہلو کھجایا۔

''پلیز ہلیں مت۔'' نرس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''مجھے خارش ہو رہی ہے۔'' میں نے بدستور بایاں پہلو کھجاتے ہوئے اچانک دائیں طرف کروٹ لی۔ ڈاکٹر ہڑبڑا کر اٹھا تھا اور پیچھے سے نرس نے بھی مجھے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اتنی دیر میں، میں دیکھ چکا تھا۔ بیڈ کے نچلے حصے میں جہاں تھیلی ہونی چاہیے تھی وہاں تھیلی نہیں تھی بلکہ نلکی ایک چھوٹے سے خلا میں جا رہی تھی۔ ظاہر ہے اس خلا میں کوئی تھا جس نے تھیلی کو نلکی سمیت اندر کر لیا تھا اور مقصد بھی واضح تھا۔ اندر کسی اور تھیلی میں میرا مزید خون لیا جا رہا تھا۔ یہ دھوکا تھا کہ میرا صرف نصف لیٹر خون لیا جا رہا ہے۔ اس طریقے سے کہیں زیادہ مقدار میں خون لیا جا رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہی میں نے کینولا کھینچ کر بازو سے الگ کر دیا۔ ڈاکٹر میری طرف آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو خون ضائع ہو جائے گا۔''

وہ میری زندگی ضائع کر رہے تھے۔ جتنا خون لینا تھا شاید اس سے دوگنا یا تین گنا زیادہ خون لے رہے تھے۔ ڈاکٹر نے دیکھ لیا تھا کہ میں نے ان کا دھوکا پکڑ لیا ہے۔ مگر اسے فکر تھی کہ نلکی کھینچنے سے تھیلی میں موجود خون نہ ضائع ہو جائے۔ اس دوران میں، میں طے کر چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے میں نے گھوم کر عقب سے مجھے قابو کرنے کی کوشش کرتی گول مٹول نرس کے نرم وجود سے سر ٹکایا اور نزدیک آتے ڈاکٹر کی گردن پر لات ماری۔ پوری قوت سے اور درست جگہ لگی تھی۔ بڑی چیخنے کی آواز آئی اور ڈاکٹر حیات پر جا گرا۔ میں تڑپ کر اٹھنے لگا۔ یہ موقع تھا میں حیات سے گن چھین سکتا تھا۔ ایک بار ہتھیار میرے ہاتھ میں آجاتا تو میں پانسا پلٹ دیتا۔

مگر اس موقع پر گول مٹول نرس بیڈ تسمہ پا بن کر عقب سے چمٹ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ میری بغلوں سے گزارتے ہوئے مجھے جکڑ لیا۔ یہ بڑی نرم گرم اور گداز یت سے بھرپور جکڑ تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو مجھے اس سے آزاد ہونے کی اتنی جلدی بھی نہ ہوتی لیکن اس وقت میری جان پر بنی ہوئی تھی۔ خون نکلنے سے مجھے کسی کمزوری کا احساس بھی ہو رہا تھا اور میں حیات کے سنبھلنے سے پہلے اس پر قابو پانا چاہتا تھا۔ مگر جب خود کو نرس چھڑانے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ وہ صرف موٹی نہیں تھی بلکہ اس میں اچھی خاصی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قوت بھی تھی اس کے باوجود وہ مجھے اتنی آسانی سے قابو نہیں کر سکتی تھی لیکن جدوجہد کے ساتھ ساتھ ہی مجھے تیزی سے بڑھتی کمزوری کا احساس ہونے لگا اور میرا سر چکرا رہا تھا۔ میں نے زور آزمائی کے بجائے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور نرس کو کہنیاں مارنے لگا مگر میری پہلی کوشش کی طرح یہ وار بھی کمزور تھے۔

نرس چلائی۔ ''جلدی کرو..... یہ نکل رہا ہے۔''

میں نے ڈاکٹر کی لاش کو ایک طرف دھکیل کر حیات کو اپنی سمت جھپٹتے دیکھا۔ ڈاکٹر یقیناً مر چکا تھا کیونکہ اس کی گردن غیر فطری انداز میں جھول رہی تھی اور اس کا جسم دیوار سے لگا تو سر گھوم کر پیچھے آ گیا۔ حیات نے شاٹ گن میری طرف کر رکھی تھی اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ مجھے شوٹ کرنے والا ہے لیکن پاس آنے پر اس نے اس کی نال گھما کر میری بائیں کنپٹی پر رسید کی۔ میرا سر جو پہلے ہی [illegible] ہا تھا اس ضرب کی تاب نہ لاتے ہوئے یک دم ہی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ ایسا لگا جیسے میں کسی تاریک دلدل میں اتر رہا ہوں۔ یہ احساس لمحاتی تھا اس کے بعد ہر احساس فنا ہو گیا۔ یہ دو چار ہاتھ لب بام رہ جانے والی بات تھی جب ایک کمزور اور صنف نازک سے تعلق رکھنے والی نرس نے میری جدوجہد کو ناکام بنا دیا اور میں آزاد ہوتے ہوتے دوبارہ قید ہو گیا تھا۔ اگر مجھے اس کی گرفت سے آزادی مل جاتی تو میں حیات کو بھی ناکارہ کرنے کی کوشش کرتا اور اس سے شاٹ گن حاصل کر لیتا تو اس کے بعد دوسروں کو قابو کرنا زیادہ مشکل نہ رہتا۔ مگر ہر خواہش اور کوشش کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتی ہے۔

○.....❖.....○

مجھے ہوش آنے لگا تو پہلا احساس شدید تکلیف کا تھا۔ سر میں دردیں حرکت کر رہا تھا جیسے واٹر بیلون کے غباروں میں پانی حرکت کرتا ہے۔ بہت تیز اور تند انداز میں۔ ایسے ہی درد کھوپڑی کی شاید بہت پتلی ہو جانے والی دیواروں سے ٹکرا رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی کھوپڑی توڑ کر پانی کی طرح بہہ نکلے گا۔ میں نے اٹھنے یا آنکھیں کھولنے کی کوشش نہیں کی۔ میں درد کے قابلِ برداشت ہونے کا انتظار کر رہا تھا ورنہ مجھے لگ رہا تھا کہ میں نے آنکھ کھولی یا اٹھا تو درد کی شدت مجھے دوبارہ بے ہوش کر دے گی۔ اس وقت مجھ سے سوچا بھی نہیں جا رہا تھا اس لیے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے اور میرے سر پر کیا قیامت گزری ہے؟ شاید اس وقت بھی اپنی شخصیت بھی یاد نہیں تھی۔ میں سب بھولا ہوا تھا بس درد اور تکلیف کا احساس تھا۔ میں سانس بھی لیتا تو درد بھر جاتا اس لیے سانس بھی بہت سنبھل کر اور آہستگی سے لے رہا تھا۔ رفتہ رفتہ درد میں کمی آنے لگی۔

میں سوچنے کے قابل ہوا تو مجھے سب سے پہلے یہ یاد آیا کہ میں کون ہوں اور پھر یاد آیا کہ میرے ساتھ ہوا کیا تھا؟ مجھے آغاز سے دھوکا دیا جا رہا تھا اور اس دھوکے میں میاں ممتاز بھی شامل تھا۔ نہایت چالاکی سے مجھے باور کرایا گیا کہ ہر ہفتے میرے جسم سے صرف نصف لیٹر خون لیا جائے گا۔ مگر اس طرح سے یقیناً نصف لیٹر سے زیادہ ہی خون لیا جا رہا تھا۔ نصف لیٹر تو بہ ظاہر لیا جاتا۔ بیڈ کے اندر خالی حصے میں کوئی پہلے سے موجود ہوتا تھا اور جب میں سیدھا لیٹ جاتا تو وہ چھوٹا سا خانہ کھول کر تھیلی کو نلکی سمیت اندر کھینچ لیتا اور نلکی کو الگ کر کے دوسری تھیلی سے لگا دیتا تھا۔ جب وہ بھر جاتی تو نلکی دوبارہ نصف لیٹر والی تھیلی سے لگا دیتا اور دوبارہ اس کی جگہ لگا کر خانہ بند کر دیتا۔ ڈاکٹر چالاکی سے اسٹاپر کو پورا کھول دیتا تھا اور مجھے علم ہی نہیں ہوتا تھا کہ میرا کتنا خون لیا جا رہا تھا۔ اسی وجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے میں دوسری بار ہی خون دے کر کمزوری محسوس کرنے لگا تھا اور تیسری بار تو میں واضح کمزور ہوا تھا۔ اس دن مجھے نہیں معلوم کہ میرا کتنا خون نکالا گیا تھا۔ سر کی چوٹ نے مجھے ویسے ہی کمزور کر دیا تھا اس لیے بھی میں اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ خون نکلنے سے ہونے والی کمزوری کتنی ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس بار ہر دفعہ میرا ڈیڑھ لیٹر خون نکالا گیا تھا۔ ورنہ پچھلی بار ایک لیٹر خون دینے سے اتنی کمزوری نہیں ہوئی تھی اس لیے لازمی اس سے زیادہ خون لیا جا رہا تھا۔

درد اب قابلِ برداشت حد میں آ گیا تھا۔ اس لیے میں نے پہلے آنکھیں کھولیں۔ میں ایک تاریک کمرے میں تھا۔ دیواروں کا رنگ کبھی سفید تھا مگر اب میلا ہو گیا تھا۔ چھت پر لکڑی کی بلیوں کے سہارے سیمنٹ شیٹ کی چھت تھی۔ میں ایک کھاٹ نما بستر پر پڑا تھا جس پر پتلا سا گدا تھا اور اس سے ناگوار سی بو اٹھ رہی تھی۔ میری طبیعت ایسی ہو رہی تھی کہ یہ ہلکی سی بو بھی چبھ رہی تھی۔ میں یقیناً ممتاز ہاؤس میں نہیں تھا وہاں اس جیسے کمرے کا تصور بھی محال تھا۔ کمرہ بہت چھوٹا سا تھا۔ شاید دس بائی آٹھ کا تھا۔ جب میں نے محسوس کیا کہ اب میں درد میں اضافے کا خطرہ مول لیے بغیر اٹھ سکتا ہوں تو میں اٹھ بیٹھا اور فوراً ہی لیٹ گیا تھا۔ سر چکرایا تھا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا تھا۔ یقیناً میرا اتنا خون نکال لیا گیا تھا کہ میں کمزوری کا شکار ہوا تھا اور اس کے بعد میری توانائی کیا بحال کی جاتی الٹا مجھے سر پر چوٹ برداشت کرنا پڑی تھی۔ میں نے سر چھوا تو کنپٹی سے کھال پھٹ گئی تھی یہاں ہلکے بال تھے اس لیے چوٹ شدید آئی تھی اور خون بہہ کر جم گیا تھا۔

کچھ دیر بعد میں ہمت کر کے اٹھ بیٹھا۔ اگر میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں لیٹا ہی رہتا۔ دشمن کی قید میں رہتے ہوئے آرام کرنا عقل مندی نہیں تھی۔ کھڑا ہوا تو چکر آیا تھا مگر میں نے دیوار کا سہارا لے لیا۔ بستر لکڑی کا تخت تھا جس پر روئی کا پتلا سا گدا بچھا ہوا تھا۔ کمرے میں اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایک طرف چھوٹے سے روشن دان سے دن کی روشنی جھلک رہی تھی۔ روشن دان زمین سے سات فٹ سے زیادہ اوپر نہیں تھا اور تقریباً چھت سے لگ رہا تھا۔ فرش کچے سیمنٹ کا تھا۔ بہ ظاہر یہ جگہ کسی دیہاتی ڈیرے میں لگ رہی تھی اور انداز بھی غریبانہ تھا۔ ابھی میری حالت بہتر نہیں ہوئی تھی اور سر کا درد رہ رہ کر اٹھ رہا تھا۔ چکروں میں کمی آئی تھی مگر یہ اب بھی ذہن پر حملہ کر رہے تھے۔ کسی ایڈونچر سے پہلے ضروری تھا کہ میں اپنی حالت بہتر کر لوں۔ اس لیے واپس تخت پر بیٹھ گیا اور سانس کی مشق کرنے لگا۔

اب سوال یہ تھا کہ حیات نے مجھ پر قابو پا لیا تھا تو وہ مجھے کہاں لے آیا تھا اور یہاں کس کی اجازت سے قتل کیا گیا تھا۔ ممتاز ہاؤس میں قید خانوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ جس کمرے میں میں تھا وہ بھی اچھا خاصا قید خانہ تھا۔ تب مجھے ایسی کسی جگہ منتقل کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ کیا یہ میاں ممتاز کے حکم سے ہوا تھا؟ اگر وہ مجھے اپنی قید میں رکھنا چاہتا تھا تو کسی اور جگہ بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سانس کی مشقوں سے میری حالت خاصی بہتر ہوئی تھی اب میں بہتر طور پر سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ جیسے جیسے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بہتر ہو رہی تھی یہ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اس کارروائی میں شاید میاں ممتاز کا اتنا ہاتھ نہیں تھا۔ اس کے پس پشت حیات اور وہ سفر تھا جو میرے ہاتھوں جہنم رسید ہوا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس میں ان کا کیا مفاد تھا تو اس کا جواب بہت سادہ تھا ان کا مفاد نوٹ تھے اور یہ نوٹ انہیں راج کنور سے ملے تھے اس لیے وہ معاہدے سے ہٹ کر میرا زیادہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ خون نکالنے پر راضی ہو گئے تھے اور یہ سارا کام میاں ممتاز اور مجھ سے چھپا کر کیا جا رہا تھا۔

ان کی بدقسمتی کہ میں نے گزبز بھانپ لی اور پھر اسے دیکھ بھی لیا۔ ڈاکٹر کی وفات نے الگ مصیبت پیدا کر دی ہو گی۔ اس لیے حیات نے مناسب سمجھا کہ مجھے ممتاز ہاؤس کہیں اور منتقل کر دے اور یہ کام اس کے لیے مشکل نہیں تھا وہ میاں ممتاز کا معتمد ترین شخص تھا اور یقیناً ممتاز ہاؤس کے بہت سارے رازوں سے واقف تھا۔ ممکن ہے وہ خفیہ راستے سے بھی واقف ہو جس کے بارے میں بنٹی کا یقین سے کہنا تھا کہ صرف وہی تین اس کے بارے میں جانتے تھے لیکن پہلے بانو اور پھر میری گمشدگی سے واضح تھا کہ کوئی اور بھی اس راستے سے واقف تھا۔ بانو سے مجھے خیال آیا اور میں چونک گیا۔ کہیں بانو کی گمشدگی میں بھی حیات کا ہاتھ تو نہیں تھا۔ وہ جس طرح جم میں بانو کے میرے ساتھ اکیلے ہونے پر خار کھاتا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ شاید اس کی بانو پر نظر تھی اور جب یہ بات اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے اسے غائب کر دیا۔

حیات کسی طرح یہ رسک نہیں لے سکتا تھا کہ میں اس کا پول کھول دوں۔ وہ میاں ممتاز کا کتنا ہی معتمد سہی لیکن اگر وہ غدار نکل آتا تو اس کا انجام عبرت ناک ہی ہوتا۔ اب ممکنہ طور پر حیات نے ڈاکٹر کی موت میرے کھاتے میں ڈال کر مجھے مفرور ظاہر کیا ہو گا۔ نرس زندہ تھی لیکن وہ اس کام میں برابر کی شریک تھی اس لیے وہ کسی صورت حقیقت نہیں اگل سکتی تھی۔ کچھ دیر آرام کے بعد میری حالت اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ میں روشن دان تک آیا اور دونوں ہاتھ اس کے کنارے پر جما کر خود کو اوپر کیا اور باہر جھانکا۔ اس طرف شاید چھوٹا صحن تھا کیونکہ سامنے ایک دیوار دکھائی دے رہی تھی اور نیچے کچی زمین تھی۔ کچرہ سا پڑا تھا جیسے وہاں صفائی معمول نہ ہو اور دیوار کچی مٹی کی تھی۔ اگر یہ کسی احاطے کی دیوار تھی تو یہ بہت معمولی سا ڈیرہ تھا۔ شاید مجھے اس لیے یہاں رکھا گیا کہ کسی کا شک اس طرف نہ جائے۔ یہ تو طے تھا کہ اگر میرے فرار کی کہانی سنائی گئی تھی تب بھی میاں ممتاز کے آدمی مجھے شکاری کتوں کی طرح قرب و جوار کے علاقوں میں تلاش کر رہے ہوں گے۔ یہ اور بات ہے کہ میں ان کی پہنچ سے دور ہی ہوں گا۔ یہ جگہ محفوظ ہو گی اس لیے ہی حیات نے مجھے یہاں رکھا تھا اسے یقین ہو گا کہ نہ تو کوئی مجھے یہاں تلاش کر سکے گا اور نہ میں یہاں سے فرار ہو سکوں گا۔

میاں ممتاز کے شکاری کتوں کے ساتھ ہی مجھے بیتو کا خیال آیا اور میں جو کسی قدر سکون میں آ گیا تھا پھر سے مضطرب ہو گیا۔ اگر حیات نے میری گمشدگی کو فرار بتایا ہو گا تو اس وقت بیتو اس کی سزا بھگت رہا ہو گا۔ میاں ممتاز کے نزدیک بیتو مجھ پر صرف دباؤ ڈالنے کا ایک حربہ تھا اور اس کی کوئی اور اہمیت نہیں تھی۔ میں اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کی راج کنور سے مفروضہ ڈیل خطرے میں پڑتی تو اس کا انتقام بیتو سے لیا جاتا۔ وہ یقیناً اس وقت مشکل سے گزر رہا ہو گا۔ ممکن ہے میاں ممتاز نے اسے فوری کوئی تکلیف نہ دی ہو لیکن اگر میں اسے نہ ملتا یا اسے حقیقت کا پتا نہ چلتا تو بیتو اس کے لیے بے مصرف ہو جاتا اور ایسے لوگ بے مصرف چیزوں اور انسانوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ سب سوچتے ہوئے میرے جسم میں خوف کی سرد لہری دوڑ گئی تھی۔ پتا نہیں وسیم اور عبداللہ کی تلاش کہاں تک پہنچی ہو گی یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ پوری کوشش کر رہے ہوں گے۔ وسیم اب تک لازمی واپس آ چکا ہو گا میری گمشدگی کا سن کر اس کے لیے حویلی میں بیٹھے رہنا ممکن ہی نہیں تھا اس کا زخم بھی تک بھر گیا ہو گا اس لیے وہ پوری سرگرمی سے میری تلاش میں ہو گا۔ اگر وہ اب بھی پتا چلا لیں تو کم سے کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیٹو کو چھڑا سکتے تھے۔

میں واپس تخت پر آ کر بیٹھ گیا بلکہ لیٹ گیا۔ باہر کی روشنی سے ایسا لگ رہا تھا کہ سورج مغرب کی طرف جھکنا شروع ہو گیا تھا یعنی دوپہر کے دو یا تین بج رہے تھے اور اس بند کمرے میں کسی قدر گرمی تھی۔ میرے جسم پر وہی لباس اور جوتے تھے جو میں نے بے ہوش ہوتے ہوئے پہنے تھے۔ کمرے کے باہر اور آس پاس خاموشی تھی۔ میں نے اب تک جو حرکت کی تھی وہ بنا آہٹ کے کی تھی۔ ممکن ہے جیسے میں خاموش تھا اسی طرح کوئی باہر بھی خاموشی سے موجود ہو اور اگر میں کوئی آواز پیدا کروں تو وہ جان جائے کہ میں ہوش میں آ گیا تھا جب کہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ سر کا درد بہتر تھا لیکن اب مجھے پیاس لگنے لگی تھی اور ہر گزرتے لمحے اس کی شدت میں اضافہ ہو رہا۔ خون نکلنے سے میرے جسم میں ویسے ہی پانی کی کمی ہوئی تھی۔ پھر گرم موسم اور پھر سر کی چوٹ، یہ سب مل کر پیاس کو رفتہ رفتہ انتہا کی طرف لے جا رہے تھے۔ مگر میرے پاس سوائے برداشت کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ پانی حاصل کرنے کے لیے مجھے دروازہ بجانا پڑتا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ قید کرنے والوں کو میرے ہوش کی خبر ہو۔ اگر تین بج رہے تھے تو مجھے بے ہوش ہوئے پونے نو گھنٹے ہو گئے تھے۔ یہ مدت کافی سے زیادہ ہوتی ہے اور میری طویل بے ہوشی دیکھنے کے لیے کسی نہ کسی کو آنا تھا۔

مگر ایسا لگ رہا تھا کہ مجھے یہاں ڈالنے والے جیسے ڈال کر بھول گئے تھے۔ یہاں شاید کوئی نہیں تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا کہ یہاں کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے میں ہتھیار کا کام لے سکوں لیکن وہاں ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ تخت کیکر اور پرتل کی لکڑی کا بنا ہوا تھا اور یہ ساری لکڑی نہایت مضبوطی سے آپس میں جڑی ہوئی تھی میں خالی ہاتھ سے تخت سے لکڑی الگ نہیں کر سکتا اور اگر میں کوشش کرتا تو اس سے بہت شور ہوتا۔ باقی کمرہ خالی تھا۔ تخت کے نیچے تاریکی تھی لیکن میں نے ہاتھ سے ٹٹول کر تسلی کر لی تھی کہ وہاں کچھ نہیں تھا سوائے مدتوں سے جمع ہونے والی گرد کے۔ یہاں شاید صفائی کا کوئی رواج نہیں تھا اس لیے کوٹھری گرد آلود ہو رہی تھی۔ بستر شاید اس لیے صاف تھا کہ استعمال ہوتا تھا ورنہ اس پر بھی مٹی جمی ہوتی۔ مگر گدے سے آتی بو بتا رہی تھی کہ اسے استعمال کرنے والا کوئی گندہ آدمی تھا ورنہ انسان اپنے ذاتی استعمال کی چیز تو صاف رکھ سکتا ہے۔ یہ کوٹھری اور اس کا محدود سامان بتا رہا تھا کہ یہاں کوئی بہت ہی نچلے طبقے کا فرد رہتا ہے۔

نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا کہ میں عارضی طور پر یہاں قید کیا گیا تھا۔ ورنہ یہ جگہ باقاعدہ قید خانہ نہیں تھی۔ تقریباً دو گھنٹے بعد میں نے دوبارہ روشن دان سے جھانک کر دیکھا تو گگن میں کسی درخت کا طویل ہوتا سایا نظر آیا۔ اس سے لگ رہا تھا کہ سورج واضح طور پر مغرب کی طرف جھک چکا تھا۔ کچھ دیر میں سورج غروب ہو جاتا اور یہاں اندھیرا چھا جاتا جب کہ یہاں بجلی بھی نہیں تھی۔ کم سے کم اس کوٹھری میں مجھے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی ایک طرف دیوار سے نکلی ہوئی کھونٹی تھی جس سے شاید لالٹین لٹکائی جاتی ہو گی۔ میں نے احتیاط سے دروازہ ہلانے کی کوشش کی لیکن یہ نہایت مضبوط لکڑی سے بنا دو پٹ کا دروازہ تھا جس میں کہیں خلا بھی نہیں تھا کہ باہر جھانکا جا سکتا۔ اگر اس میں کنڈی لگی تھی تو وہ خاصی بڑی اور مضبوط تھی جس نے دروازے کو مکمل طور پر بند کر دیا تھا۔

کچھ دیر میں اندھیرا چھا گیا۔ رات بہت تیزی سے آئی تھی۔ اندر تو تقریباً تاریکی تھی بس روشن دان سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی قدر روشنی چھلک رہی تھی جو ستاروں کی تھی۔ چاند کی ابتدائی تاریخیں تھیں اور ابھی چاند نکلا بھی نہیں تھا اس لیے روشنی بہت کم تھی۔ اب مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ کیا مجھے اس جگہ بند کر کے وہ لوگ بھول گئے تھے۔ اتنی دیر میں مجھے نہ تو کسی انسان کی آواز آئی تھی اور نہ کسی جانور کی، کبھی کبھی کسی پرندے کی آواز آتی تھی۔ ہوا میں نباتات کی مہک تھی۔ مگر کوئی مخصوص خوشبو نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ جگہ کسی ویرانے میں تھی۔ ایک بار میں نے تخت پر کھڑے ہو کر چھت پر زور آزمائی کی لیکن وہ بھی ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ سیمنٹ کی شیٹ مضبوط تھی لیکن ساتھ ہی ایسا لگ رہا تھا کہ اس پر خاصا بوجھ رکھا ہوا تھا اور اسے اٹھانا میرے بس کی بات نہیں تھا۔ تھک ہار کر میں لیٹ گیا اور اپنی توانائی برقرار رکھنے کے لیے سانس کی مشق کرنے لگا۔ اس سے میرے سر درد میں بہت افاقہ ہوا تھا۔ مگر اس قید سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

اچانک ہی ایسا لگا کہ کہیں دور کوئی بول رہا ہے۔ پہلے میں اسے اپنا وہم سمجھا تھا لیکن جب آواز دوبارہ اور واضح آئی تو میں اٹھ بیٹھا۔ یہ دو افراد تھے۔ ان میں سے ایک بلند آواز میں بول رہا تھا اور دوسرا دھیمی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ بلند بولنے والا اسے لتھاڑ رہا تھا کہ وہ نشہ کر کے سو رہا تھا اگر قیدی یعنی میں فرار ہو جاتا تو بابو ان دونوں کی کھال کھینچ لیتا۔ دھیمی آواز والا منمنا کر وضاحت کر رہا تھا۔ یعنی میں یہاں اکیلا نہیں تھا بلکہ ایک عدد نگران تھا اور وہ سو رہا تھا۔ آنے والا کوٹھری کے پاس آیا۔ مگر اس نے کوٹھری کھول کر اندر جھانکنے کی زحمت نہیں کی کہ میں کس حال میں تھا۔ دونوں پنجابی میں بات کر رہے تھے اور مجھے ان کی انداز میں کوئی بات کھٹک رہی تھی۔ آنے والے نے کسی بابو کا ذکر کیا تھا جو ان دونوں کی کھال کھینچ لیتا اگر یہ خاکسار کوشش کر کے یہاں سے شارٹ ہو جاتا۔ مگر میں نے موقع گنوا دیا کہ کوشش ہی نہیں۔

میں سوچ رہا تھا کہ مجھے یہاں حیات نے قید کیا لیکن یہاں کوئی بابو نکل آیا کیا وہ حیات کا گرگا تھا۔ اتنا مجھے یقین تھا کہ میری یہاں موجودگی کے پیچھے حیات کا ہاتھ تھا۔ اب پیاس ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ پھر باہر دو افراد کی موجودگی بھی ثابت ہو گئی تھی اور ان کا اندر آنے کا کوئی ارادہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا کہ میں آزاد ہونے کی ایک کوشش ہی کرتا۔ اس لیے اب میں نے دروازہ بجانے میں کوئی تکلف نہیں کیا اور ایسے بجایا جیسے توڑنے کی کوشش کر رہا ہوں بلند آواز والا بوکھلا کر آیا۔ "اوئے کی ہے آرام نال بہ۔"

"مجھے پانی دو۔"

"کوئی پانی ونی نہیں اے۔"

"تب میں اسی طرح دروازہ بجاتا رہوں گا" میں نے کہا اور پھر دروازہ پیٹنے لگا۔ اگرچہ میرا اپنا دماغ خراب ہو رہا تھا مگر میں مستقل مزاجی سے بجاتا رہا۔ حتیٰ کہ بلند آواز نے چلا کر کہا۔ "اوئے لاتا ہوں..... بند کر شور۔"

میں نے ہاتھ روک دیا۔ میرا خیال تھا کہ دروازہ کھلے گا۔ مگر اس کے بجائے دروازے کے اوپری حصے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی۔ مشکل سے دس بائی سات انچ کی اس کھڑکی کو الگ سے پٹ میں ایک تختہ لگا کر بنا گیا تھا اور پتا نہیں اس کا کیا مقصد تھا بہرحال اس سے اس وقت ایک گلاس سامنے آیا۔ "لے پانی ہن چپ کر کے بیٹھیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ بڑا سا پیتل کا گلاس تھا جیسا کہ عام طور سے گاؤں دیہات میں لسی یا دودھ پینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گلاس کے پیچھے ایک ہاتھ تھا لیکن بندہ کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے فوری پانی نہیں پیا حالانکہ پیاس ایسی تھی کہ میں پورا گلاس ایک بار میں پی جانا چاہتا تھا۔ مگر میں دل پر جبر کر کے چسکی لینے کے انداز میں تھوڑا تھوڑا پینے لگا۔ اگر میں ایک ساتھ پیتا تو عین ممکن تھا خالی پیٹ مجھے الٹی ہو جاتی۔ اس طرح میری پیاس میں کمی آئی اور سر کا درد بھی بہتر ہوا تھا۔ نصف گلاس بچا کر ایک طرف رکھ دیا۔ میں نہ جانے کیسے لوگوں کے قبضے میں تھا جو مجھے بعد میں پانی دیتے بھی یا نہیں۔ پانی پی کر میں نے ایک بار پھر دروازہ بجایا۔ پہلے تو کوئی اثر نہیں ہوا مگر دوبارہ بجانے پر دھیمی آواز والے نے پوچھا۔ ''کی اے تینوں چین نیں اے۔''

''مجھے یہاں کون لایا ہے اور یہ کون سی جگہ ہے۔''

''چپ کر کے بیٹھ۔'' اس نے گھرک کر کہا۔ ''ہن بوانہ کھڑکائیں۔''

مجھے اس کی زبان میں پھر کوئی بات عجیب لگی تھی۔ مگر اس وقت میں سمجھا نہیں تھا۔ ''ٹھیک ہے اب میں دوبارہ نہیں بولوں گا لیکن اگر کھانے کو کچھ دے سکتے ہو دے دو۔''

اس نے جواب نہیں دیا مگر چند منٹ بعد دروازے کے اوپر والی کھڑکی کھلی اور ایک چنگیز اندر آئی۔ جیسے ہی میں نے چنگیز لی کھڑکی بند ہو گئی۔ روشن دان سے آتی ہلکی روشنی میں میری آنکھیں کسی حد تک دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں مگر پھر بھی چیزوں کو باریکی سے نہیں دیکھ سکتا تھا بس ہیولے سے دکھائی دے رہے تھے اس لیے مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ چنگیز میں کیا ہے؟ میں نے ٹٹول کر دیکھا تو روٹی کے ساتھ کچھ اچار تھا۔ روٹی دیسی انداز کی تھی یعنی موٹی اور تندور کی لگی تھی اور کم سے کم چوبیس گھنٹے کی باسی تھی۔ بہر حال کھانے کے قابل تھی۔ پھر اچار کے ساتھ اس نے رہ دیا تھا۔ جب میں نے کھانا شروع کیا تو مجھے پتا چلا کہ میں کس قدر بھوکا تھا دیکھتے ہی دیکھتے دونوں روٹیاں میرے پیٹ میں منتقل ہو گئی تھیں۔ کھا کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور تخت پر دراز ہو گیا۔ حالات کے بارے میں سوچنا بے کار تھا جو ہونا سامنے آجاتا۔ ایک بار میں نے کھڑکی والے حصے پر زور آزمائی کی لیکن وہ بھی دروازے جتنی مضبوط ثابت ہوئی تھی۔

نصف رات کو میری پیاس سے آنکھ کھلی تو اس نصف گلاس پانی نے مجھے سہارا دیا تھا مگر میں آغاز میں اسے پی جاتا تو اس وقت مارے پیاس کے مجھے دوبارہ نیند نہیں آتی۔ نیند نے میری طبیعت کو تقریباً ٹھیک کر دیا تھا۔ جب میں صبح کے قریب اٹھا تو میرے سر کا درد ختم ہو چکا تھا اور اب کمزوری بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بھوک پیاس کا احساس تھا لیکن یہ قابو میں تھا۔ روشن دان سے باہر صبح کی روشنی نمایاں تھیں۔ سورج نہیں نکلا تھا مگر نکلنے والا تھا۔ میرے سر کا زخم خشک ہو رہا تھا البتہ خون کے ٹکڑے جمے ہوئے تھے اور انہیں صاف کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ مجھے یہاں تک لانے والے یا تو نہایت بے حس اور انسانیت سے عاری لوگ تھے یا پھر وہ اتنی عجلت میں تھے کہ انہیں میرے زخم کو صاف کرنے کا موقع نہیں ملا اور وہ مجھے یہاں ایسے ہی ڈال کر چلے گئے تھے۔ مجھے سات آٹھ گھنٹے بعد ہوش آیا تھا اور اس دوران میں مجھے ممتاز ہاؤس سے سینکڑوں میل دور لے جایا جا سکتا تھا۔

مجھے دوسری بات درست لگ رہی تھی کیونکہ اگر حیات راج کنور کے لیے کام کر رہا تھا تو لازمی بات ہے ان لوگوں کو میرے خون کی مزید ضرورت تھی اور وہ مجھے جسمانی طور پر کمزور کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ یقیناً کوئی ایسی مجبوری تھی کہ وہ مجھے یہاں بے سروسامانی کی حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مجھے ہر قیمت پر اسی کوٹھری میں محدود میں رکھنا تھا کیونکہ ان کے پاس ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ اس سے باہر نکال کر مجھ پر قابو رکھتے۔ بعد میں میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ صرف یہی کوٹھری مجھے قید رکھ سکتی تھی۔ کیونکہ کھانا پانی بہت کم میرے پیٹ میں گیا تھا اس لیے ابھی تک اخراج کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا مگر میں نے اس کا شور کرنا مناسب سمجھا اس طرح شاید مجھے باہر جانے کا موقع ملتا۔ میں نے دروازہ بجایا تو اسی دھیمی آواز والے نے غنودگی کی کیفیت میں پوچھا۔ ''ہن کی اے؟''

میں نے اسے دیہاتی زبان میں بتایا کہ مجھے کیا تکلیف تھی اور اس کے لیے مجھے یہاں سے باہر نکالنا ضروری تھا مگر اس نے انکار کر دیا۔ ''اندر ہی کر لے۔''

''تمہارا دماغ درست ہے۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''یہاں کچھ کیا تو میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔''

''نئیں ہوگا۔'' وہ بدستور پہلے کے سے انداز میں بولا۔ اس نے کوئی نشہ کر رکھا تھا۔ ''میں نئیں کھول سکدا، باہر تالا پیا اے، چابی میرے کول نئیں اے۔''

''اچھا مجھے پانی اور کچھ کھانے کو تو دو۔''

اس نے کھڑکی کھولی۔ ''گلاس دے، میں پانی لے آواں، پر ہن کھانے کو کج نئیں اے۔''

میں نے اسے گلاس تھمایا تو اس نے بھر کر پانی لا دیا۔ میں نے اسے دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ ایک طرف تھا۔ مجھے بس ایک جھلک دکھائی دی۔ وہ سیاہی مائل مخنس تھا۔ چہرے پر گھنی داڑھی تھی۔ اس بار بھی میں نے بہت احتیاط سے پانی پیا۔ اس لیے نہیں کہ پانی ملنے کا امکان نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ اخراج کے مسئلے کو تادیر ٹالا جا سکے۔ میں نے پتلون کی جیب ٹٹولی تو اتفاق سے اس میں رکھا ہوا رومال نکل آیا۔ میں نے اسے پانی سے بھگویا اور اپنی کنپٹی پر جما خون صاف کرنے لگا۔ میری توقع کے عین مطابق چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد اندر کا زخم تقریباً خشک ہو گیا تھا صرف اوپر خون جما ہوا تھا۔ وہ صاف ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب زخم بھی قابلِ توجہ نہیں رہا ہوگا کوئی غور سے دیکھے گا تو اسے محسوس ہوگا ویسے بھی وہ بالوں تلے تھا۔ اس موالی نے خوشخبری سنا دی تھی کہ اب کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ اس لیے میں مزید کی توقع نہ رکھو۔ بہرحال دو بڑی تندوری روٹیاں کھانے کے بعد اب میں شام تک رہ سکتا تھا۔

میں دوبارہ لیٹ گیا اور آرام کرنے لگا۔ جب ذہن پر سوچوں کی یلغار ہوتی تو سانس کی مشق کرتا اس سے ذہن پُرسکون ہو جاتا۔ روشن دان سے باہر روشنی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ صبح دروازہ بجانے پر موالی کے آنے سے لگتا تھا کہ بلند آواز والا یہاں نہیں تھا شاید وہ صرف دیکھنے آیا تھا اور رات کو ہی یہاں سے چلا گیا تھا۔ اب یہاں موالی چوکیدار کے طور پر موجود تھا۔ مجھے یہاں بند کرنے والوں کو یقین تھا کہ میں کسی صورت یہاں سے نہیں نکل سکوں گا سوائے اس کے کوئی میری باہر سے مدد کرے اور باہر سے مدد کے امکانات کو ختم کرنے کے لیے ہی مجھے یہاں رکھا گیا تھا۔ اب تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب تھے۔ باہر میری تلاش جاری تھی اور شاید اس کھنڈر نما احاطے کی طرف کسی کا ذہن نہیں گیا ہوگا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ اگر میاں ممتاز کے آدمی مجھے تلاش کر رہے ہوئے تو وہ مجھے لاہور جانے والی سمت میں تلاش کرتے کیونکہ آزاد ہوتے ہی میں شہر جانے کی کوشش کرتا۔ تاکہ اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھیوں سے رابطہ کر سکوں۔

میرا ذہن الجھنے لگا۔ اگر مجھے میاں ممتاز سے بچانے کے لیے یہاں رکھا گیا تھا تو اب خاصی دیر ہو گئی تھی۔ اگر ایسا نہیں تھا تو پھر ان لوگوں کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ جب میں لیٹے لیٹے تھک گیا تو اٹھ کر کوٹھری میں چہل قدمی کی کوشش کی۔ اسے کوشش ہی کہا جا سکتا تھا یہاں چہل قدمی کی گنجائش نہیں تھی۔ میں دروازے کے پاس تھا تو مجھے لگا جیسے باہر کوئی دور سے کچھ کہہ رہا ہو۔ آواز باریک سی تھی مگر میں نے سنی تھی۔ میں نے دروازے سے کان لگایا۔ آواز بس ایک لمحے کو آئی تھی۔ اگر یہ سچ مچ کسی کی آواز تھی تو اسے دوبارہ آنا چاہیے تھا۔ مگر جب کئی منٹ گزرنے کے باوجود آواز نہیں آئی تو میں نے دروازے سے سر ہٹانا چاہا اور اسی لمحے مجھے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔

''خدا کے لیے مجھے پانی دو۔''

آواز بہت مدہم اور دور کی تھی لیکن الفاظ صاف سنائی دیئے تھے۔ میں شناخت نہیں کر سکا کہ آواز بانو کی تھی یا نہیں کیونکہ اس میں ایک تھکن اور درد والی کیفیت بھی شامل ہو گئی تھی۔ پھر وہ پوری قوت سے بول رہی تھی اور ایسے میں آواز کا تبدیل ہونا لازمی تھا۔ بانو کا ذکر میں نے یوں کیا کہ یہ نسوانی آواز سنتے ہی میرے ذہن میں بانو کا خیال آیا تھا۔ وہ بھی میری طرح غائب تھی۔ اس لیے یہاں اس کی موجودگی بھی عین ممکن تھی۔ مجھے پہلے بھی حیات پر شبہ تھا کہ بانو کی گمشدگی میں اس کا ہاتھ تھا اور وہ جس طرح مجھے ممتاز ہاؤس سے نکال کر لے گیا تھا اس سے یہ شبہ تقریباً یقین کو پہنچ گیا تھا۔ اس لیے عورت کی آواز سنتے ہی مجھے بانو کا خیال آیا۔ میں واپس آتے آتے رک گیا اور دوبارہ کان دروازے سے لگا دیا۔

عورت کی آواز سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خاصی دور تھی۔ میرا نہیں خیال تھا کہ یہ احاطہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں کسی کو دور بھی رکھا جاتا ہو۔ یہ تاثر کوٹھری کا سائز اور روشن دان سے نظر آنے والے صحن سے آیا تھا لیکن اس کا بھی امکان تھا یہ احاطہ خاصا بڑا ہوتا اور اس میں کہیں اور بھی تعمیرات ہوتیں۔ جہاں کسی اور کو رکھا جا سکتا تھا۔ عورت کی آواز پھر نہیں آئی مگر اس کے ایک جملے سے واضح تھا کہ وہ تقریباً میری جیسی صورتِ حال سے دوچار تھی اور شاید اس کا کھانا پانی بھی بند تھا۔ یہاں پانی تھا مگر موالی کو اٹھ کر دیتے ہوئے موت آتی تھی۔ کھانے کا اس نے منع کر دیا تھا اور اس کا کسی صورت پتا نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے یا اسے کھانا دیتے ہوئے بھی موت آ رہی تھی۔ میں نے بے دھڑک شور مچا دیا تھا مگر اس عورت میں شاید اس کی جرأت نہیں تھی اور وہ صرف فریاد کر رہی تھی۔ جب دوبارہ اس کی آواز نہیں آئی تو میں بھی آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

دوپہر ہو چکی تھی اور رات کا کھانا ہضم ہو چکا تھا اس لیے معدے نے فریاد شروع کر دی تھی مگر یہ اب بلند آہنگ نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے شور کرنا مناسب سمجھا۔ دروازہ بجانے پر موالی آیا اور خفگی سے بولا۔ ''تینوں چین نیں اے۔''

''مجھے کچھ کھانے کو دو ورنہ میں اسی طرح شور کرتا رہوں گا۔'' میں نے ممکنہ حد تک بلند آواز میں کہا۔

''ہن کج نیں اسے۔''

''نہیں ہے تو منگواؤ، ورنہ میں دروازہ بجاتا رہوں گا۔''

''میں سر توڑ دیاں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے لیے تمہیں اندر آنا پڑے گا اور ایک بار تم اندر آ گئے تو تمہارا صرف سر نہیں ٹوٹے گا میں گردن بھی توڑ دوں گا۔''

''اوہ میرے پیو، میں وی بھوکا واں۔'' اس نے عاجزی سے کہا۔

''تم یہاں اکیلے ہو؟''

وہ محتاط ہو گیا۔ ''توں کیوں پچھ ریا ایں؟''

''میں نے ابھی کسی عورت کی آواز سنی تھی وہ پانی مانگ رہی تھی۔''

''اس نوں وی پانی دے دیتا اے۔''

''تم یہاں چوکیدار ہو؟''

''آہو۔'' وہ جان چھڑانے کے انداز میں بولا۔ ''ہن مینوں تنگ نہ کریں۔''

''تم اس عورت کو جانتے ہو۔''

''نیں جی اس نوں وی تیری طرح لائے سی۔''

''کون؟''

اس نے صاف انکار کیا۔ ''اے میں نیں دس سکدا۔''

''اچھا لڑکی نے نیلی فراک پہنی ہے جس پر پیلے پھول کاڑھے ہوئے ہیں؟''

وہ حیران ہوا۔ ''تینوں کیویں پتا چلیا۔''

''وہ میری ساتھی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے تم غریب آدمی لگ رہے ہو ہمیں یہاں لانے والے جرائم پیشہ ہیں۔ اگر کوئی مصیبت آئی تو تم مارے جاؤ گے اور یہ بچ جائیں گے۔''

''کیسی مصیبت؟'' وہ فکر مند ہو گیا۔

''فرض کرو ہمیں چھڑانے کے لیے یہاں پولیس نے چھاپہ مارا تو تم ہی پکڑے جاؤ گے۔''

''میں کیوں۔'' وہ بدکا۔

''کیونکہ تم ان کے ساتھی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے یہ جگہ کہاں ہے؟''

''تو نیں جاندا؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''میں جانتا تو تم سے کیوں پوچھتا، ویسے یہ میاں ممتاز کا علاقہ ہے؟''

وہ حیران ہوا۔ ''کون میاں ممتاج؟''

''تم میاں ممتاز کو نہیں جانتے وہ صوبائی اسمبلی کا ممبر ہے اور بہت بڑا جاگیردار ہے۔''

''ہتھے کوئی میاں ممتاج نیں اے۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

اس کا مطلب تھا کہ مجھے کسی بہت دور دراز جگہ لایا گیا تھا امکان یہی تھا کہ میں لاہور کی حدود سے باہر تھا۔ تبھی موالی کو میاں ممتاز کا علم نہیں تھا ورنہ دیہات میں عام طور سے لوگوں کو چالیس کوس تک پائے جانے والے تمام مشہور افراد اور خاص طور سے سیاست دانوں کی پوری ہسٹری معہ خاندانی تاریخ کے زبانی یاد ہوتی تھی۔ جب کہ یہ نام بھی نہیں جانتا تھا۔ اس خیال سے ایک سوال اور پیدا ہوا کہ اگر مجھے اتنی دور لے آیا گیا تھا کہ یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میاں ممتاز کے آدمی نہیں پہنچ سکتے تھے تو پھر اس طرح رکھنے کا کیا جواز تھا؟ اگر حیات راج کنور کے لیے کام کر رہا تھا تو مجھے اس طرح رکھنے کا جواز نہیں تھا۔ اگر وہ میاں ممتاز سے بچ رہا تھا تب بھی ضروری نہیں تھا۔ اب ایک ہی صورت رہ جاتی تھی کہ حیات مجھے اتفاقاً یہاں لے آیا تھا وہ خود بانو کے چکر میں تھا اور اس کے خیال میں میرے بانو سے غلط قسم کے تعلقات تھے۔ اسی لیے بانو اسے جم سے نکال کر میرے ساتھ وہاں رہ جاتی تھی۔ مگر یہ بھی ایک مفروضہ تھا اور یہاں قید رہ کر میں صرف مفروضے قائم کر سکتا تھا حقیقت اپنے وقت پر میرے سامنے آتی۔

اب مجھے جھنجھلاہٹ ہونے لگی تھی۔ آج تک میرے کسی دشمن نے مجھے اتنی بے نیازی سے قید نہیں کیا تھا کہ پلٹ کر پوچھنا ہی بھول جائے۔ ایسا لگ رہا تھا مجھے قرنطینہ میں ڈال دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس قید میں مجھے سوائے بھوک پیاس کے اور کوئی تکلیف نہیں تھی۔ مگر اب میں اس سے نکلنا چاہتا تھا اور اس کے لیے باہر موجود کسی مشکل کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار تھا۔ مگر میرے بس میں کچھ نہیں تھا۔ ان حالات میں ہونا وہی تھا جو میرے دشمن چاہتے یا جو انہوں نے میرے لیے سوچ رکھا تھا۔ دن ڈھلنے لگا۔ دوپہر کے بعد سورج مغرب کی طرف جھکا۔ روشنی کے دائیں طرف مغرب کی سمت تھی اور بائیں طرف مشرق کی سمت تھی۔ اگرچہ مجھے اس معلومات کا فائدہ نہیں تھا۔ جب تک میں آزاد نہ ہو جاتا۔ آج بھی ابھی تک کوئی ایسی آواز نہیں آئی تھی جس سے اس جگہ کے بارے میں کچھ اندازہ ہوتا۔ مجھے یاد تھا کہ کل جب بلند آواز والا آیا تھا تب بھی کوئی ایسی آواز نہیں آئی تھی جسے مشینی انجن کی آواز سمجھا جاتا۔ وہ پیدل آیا تھا یا سائیکل نما کسی خاموش سواری پر آیا تھا۔ اگر وہ کسی گھوڑے یا جانور پر آیا تھا تب بھی اس نے اسے یہاں سے دور چھوڑا تھا۔

سوچ سوچ کر میرا دماغ خراب ہونے لگا تھا اب تو سانس کی مشق کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے ایسی جھنجھلاہٹ بہت کم محسوس کی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی میں ایسے صبر آزما مواقعوں سے دوچار ہوا تھا۔ شاید خون نکالنے سے میں کمزور ہوا تھا اور جب انسان کا جسم کمزور ہوتا ہے تو اس کے اعصاب خود بہ خود کمزور ہو جاتے ہیں۔ بیمار انسان اسی وجہ سے زیادہ غصہ کرتا ہے۔ اوپر سے ان لوگوں کا رویہ بھی ایسا تھا۔ یہ مجھے کسی بوری کی طرح یہاں ڈال کر بھول گئے تھے۔ جب مجھے اپنی جھنجھلاہٹ کا احساس ہوا تو میں اس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اپنا ذہن موجودہ معاملے سے ہٹانے کے لیے اپنے ساتھیوں اور پیاروں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ یہ حربہ بہتر رہا۔ خاص طور سے جب سوچوں کا رخ سویرا کی طرف آیا۔ پھر مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ وقت کس طرح گزر گیا تھا۔

باہر سے آتی آوازوں نے مجھے چونکایا۔ باہر تاریکی چھا رہی تھی اور کوٹھری کے اندر تاریکی چھا چکی تھی۔ بہت معمولی سا نظر آ رہا تھا۔ میں اٹھ کر دروازے تک آیا۔ اس بار بولنے والوں کی تعداد دو سے زیادہ تھی اور پھر ان میں حیات کی آواز سن کر میری رگوں میں خون تیز ہو گیا تھا۔ وہ موالی اور بلند آواز والے سے بات کر رہا تھا۔ شاید وہ ان سے رپورٹ لے رہا تھا کیونکہ اس کا انداز تحکمانہ تھا۔ وہ میرے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ موالی دبی زبان میں اسے بتا رہا تھا کہ اس دوران میں، مَیں نے کیا کیا۔ پھر حیات نے حکم دیا۔ ''اسے نکال کر لاؤ۔''

چند لمحے بعد دروازے پر آہنی کھٹ پٹ ہوئی اور تالا کنڈی کھل گئی۔ دروازہ کھلتے ہی جیسے روشنی کا سیلاب اندر آیا تھا کیونکہ سورج اسی سمت میں غروب ہونے والا تھا اور اس کی آخری کرنیں براہِ راست کوٹھری میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھس آئی تھیں۔ چند لمحے کے لیے میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ جب میں کسی قدر دیکھنے کے قابل ہوا تو میں نے دو افراد کو سامنے پایا جن کی داڑھیاں بے ترتیبی سے بڑھی ہوئی تھیں اور سر پر انہوں نے مخصوص ساخت کی پگڑیاں باندھ رکھی تھیں۔ میں چونک گیا کیونکہ وہ سکھ تھے۔ اب میں سمجھا کہ مجھے ان کی زبان کیوں عجیب لگ رہی تھی وہ سکھوں والی پنجابی بول رہے تھے جو ہماری پنجابی سے کسی قدر مختلف ہوتی ہے۔ یہ فرق الفاظ سے زیادہ بولنے کے انداز کا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک نے چھوٹی نال والا بریٹا اٹھا رکھا تھا۔ اعشاریہ اڑتیس کا بریٹا دنیا کی چند مہلک ترین ہینڈ گنوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ بلند آواز والا تھا اس نے مجھے حکم دیا۔ ''باہر آؤ۔''

میں آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہوا باہر آیا۔ میری توقع کے خلاف یہاں بہت بڑا کچا احاطہ تھا اور میں جس کوٹھری میں قید تھا وہ اس احاطے میں بالکل الگ تھلگ تھی۔ اس کے تین اطراف میں بلند قامت درخت تھے اور دور شمالی طرف چند کوٹھریاں اور نظر آ رہی تھیں درمیان میں درختوں تلے کئی چارپائیاں پڑی تھیں اس کے علاوہ یہ احاطہ بالکل خالی تھا جو کم سے کم دو کنال رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ مغرب کی سمت احاطے میں ایک چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ تھا۔ چارپائیوں پر حیات کے ساتھ اس کا وہی ساتھی موجود تھا جو ممتاز ہاؤس میں میری نگرانی کرتا تھا۔ گویا وہ غداری میں حیات کے ساتھ شریک تھا۔ لازمی بات تھی حیات اکیلا نہیں تھا بانو اور مجھے وہاں سے بحفاظت اور کسی کی نظروں میں لائے بغیر نکالنے کے لیے اسے یقیناً کئی افراد کی مدد حاصل رہی ہوگی۔ ممکن تھا کہ اس سانولے رنگ کے شخص کے علاوہ بھی وہاں اس کے کئی ایک ساتھی ہوں۔ بلند آواز والے نے مجھے لے جا کر حیات کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں میرا جائزہ لیا اور طنزیہ لہجے میں بولا۔

''کیا حال ہیں سورما.....؟''

''اللہ کا شکر ہے وہ جس حال میں بھی رکھے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم لوگ اپنے اللہ کا ذکر بہت کرتے ہو۔'' اس کے انداز میں طنز مزید بڑھ گیا تھا۔

میں چونکا۔ ''کیوں تمہارا اللہ نہیں ہے؟''

اس نے میرا سوال نظر انداز کیا اور بولا۔ ''تمہیں اندازہ ہے کہ تم کہاں ہو؟''

الفاظ سے زیادہ اس کے انداز نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا تھا اور میرے اندر ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ سکھوں کو دیکھ کر مجھے پہلے ہی خدشہ محسوس ہونے لگا تھا مگر اب یہ شبہ یقین کی حدوں میں داخل ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے حیات مجھے مزید دبانے کی کوشش کرتا میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''ہاں شاید میں انڈیا میں کہیں ہوں۔''

حیات نے حیرت سے دیکھا۔ ''تمہیں پروا نہیں ہے کہ تم اب سرحد کے اس طرف ہو۔''

اگرچہ مجھے نانوے فیصد یقین ہو گیا تھا لیکن حیات نے تصدیق کر کے اسے سو فیصد کر دیا کہ میں انڈیا میں ہی تھا۔ ''اگر میرے پروا کرنے سے میں واپس اس طرف جا سکتا تو تم مجھ سے زیادہ پریشان کسی کو نہ پاتے۔''

''یہاں تمہارے خلاف بے شمار مقدمات ہیں۔'' اس نے ڈرانے والے انداز میں کہا۔ ''ہر کیس میں تم کو کم سے کم سزائے موت ہوگی۔''

''یہاں پاکستانیوں کو بغیر کسی جرم کے بھی سزائے موت ہو جاتی ہے۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''اس لیے مجھے ڈرانا بے کار ہے۔ دو میں سے ایک ہی بات ہوگی یا تو میں یہاں سے بچ کر واپس چلا جاؤں گا یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں بچ سکوں گا۔ تیسری کوئی صورت نہیں ہو سکتی ہے۔"

میں حیات اور اس کے ساتھیوں کے سامنے خود کو بے خوف ظاہر کر رہا تھا اور درحقیقت مجھے خوف نہیں تھا کیونکہ جو میں نے کہا تھا وہ الفاظ نہیں میرا ایمان تھا لیکن میں فکر مند ضرور ہو گیا تھا۔ جس جگہ اتفاقیہ آنے کے بعد میں کتنے جتن کر کے نکلا تھا ایک بار پھر ایک غدار کی وجہ سے وہیں آ پھنسا تھا۔ حیات نے صرف میاں ممتاز سے غداری نہیں کی تھی اس نے اپنی زمین سے بھی غداری کی تھی۔ غداروں کا انجام اچھا نہیں ہوتا ہے لیکن فی الحال وہ مزے میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ "تم جانتے ہو تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں؟"

"ظاہر ہے تم راج کنور کے زر خرید ہو اور یہاں اسی کے لیے مجھے لائے ہو۔ وہاں بھی میرا خون لیا جا رہا تھا اور یہاں بھی تم میرا خون نکالو گے۔"

"اور اس کے بعد.....؟" اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"اس کے بعد..... مجھے کسی بھارتی ایجنسی کے حوالے کر دیا جائے گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تمہیں خوف نہیں ہے؟"

"کیوں نہیں ہے، جب کہ میں جانتا ہوں کہ ان کے مقابلے میں جنگل کے درندے بھی رحم دل ہوتے ہیں۔ مگر سوال وہی ہے خوف زدہ یا پریشان ہونے سے میری بچت ہو جائے گی۔"

حیات کے علاوہ اس کے دو ساتھی بھی مسلح تھے۔ انہوں نے اپنے ہتھیار ریڈی پوزیشن میں رکھے تھے۔ گویا وہ مجھ سے اچھی طرح واقف تھے۔ صرف موالی خالی ہاتھ تھا اور اس کی شاید کوئی حیثیت نہیں تھی اگر میں اس پر قابو پا بھی لیتا تو اس کے مرنے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری بے خوفی سے وہ دونوں سکھ متاثر ہوئے تھے خاص طور سے موالی جواب مجھے قابلِ تحسین نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"البتہ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ہے؟"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ گزشتہ چوبیس گھنٹے سے مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے اب تک تو مجھے کنور خاندان کے کسی زنداں میں ہونا چاہیے تھا۔"

"جلد ایسا ہی ہوگا۔" حیات نے کہا۔ "اصل میں مجھے ممتاز ہاؤس کے معاملات نمٹا کر آنے میں کچھ وقت لگا ہے۔"

"وہاں کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔ "ویسے میرا اندازہ ہے کہ ڈاکٹر کی موت اور پھر فرار کا الزام لگا کر تم صاف بچ گئے ہو گے۔"

وہ مسکرایا۔ "اتنی آسانی سے نہیں..... میاں ممتاز نے مجھے بھی رگڑ دیا تھا۔ مجھے ایک مصنوعی زخم بھی بنانا پڑا تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح جان چھوٹ گئی۔" اس نے اپنی قمیص کی آستین الٹ کر زخم دکھایا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ "تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ تمہارے اس طرح غائب ہونے سے میاں ممتاز کس طرح تلملا رہا تھا۔" اب اس کے لہجے میں میاں ممتاز کے لیے کوئی احترام نہیں تھا جب کہ ایک وقت اس نے مجھے دبانے کی کوشش تھی کہ میں میاں ممتاز سے لاپروائی سے بات کرتا ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مگر تم یہاں ہو، اس طرح غائب ہونے سے میاں صاحب کو شک نہیں ہوگا؟''

''ہوتا رہے اب مجھے واپس تو نہیں جانا ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''میرے ساتھی کا کیا ہوا؟''

''وہ میاں ممتاز کے پاس ہے اسے دوسری جگہ رکھا گیا تھا اور وہاں بندے میرے قابو میں نہیں تھے اس لیے اسے نہیں لا سکا ورنہ اسے بھی لے آتا۔''

''اسے کیوں؟''

''وہ بھی کنور جی کا مجرم ہے۔ باغی قبائل سے تعلق رکھتا ہے۔''

میں نے سکون محسوس کیا کہ وہ بیتو کو لانے میں ناکام رہا تھا ورنہ اسے یہاں سوائے موت کے اور کچھ نہ ملتا۔ راج کنور اسے فوری سزا دیتا البتہ مجھے وہ زندہ رکھنے پر مجبور ہوتا۔ اگرچہ میاں ممتاز سے بھی امید نہیں تھی کہ وہ بیتو سے کوئی اچھا سلوک کرے گا یا اسے آزاد کر دے گا مگر یہاں سے تو بہتر ہی ہوتا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے بلاوجہ اس کوٹھری سے نہیں نکالا گیا تھا۔ شاید حیات مجھے لے جانے کے لیے آیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا جب وہ اٹھ کھڑا ہوا اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ ''اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔''

تین گنوں کے سامنے مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میرا خیال تھا کہ وہ رسی سے ہاتھ باندھیں گے لیکن انہوں نے جدید ترین اسٹیل اور نائلون کی بنی ہوئی ہتھکڑیاں میرے ہاتھ میں ڈال دیں۔ پھر ایسی ہی بیڑیاں پیروں میں ڈالیں۔ ان کے درمیان ایک فٹ کی نائلون کی ڈوری تھی میں زیادہ قدم اٹھا کر نہیں چل سکتا تھا۔ جب مجھے باندھ دیا تو حیات نے موالی کو حکم دیا۔ ''اسے بھی لے آ۔''

موالی سچ مچ موالی ہی لگتا تھا وہ دبلا پتلا لیکن لمبا اور نہایت غلیظ سکھ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کئی مہینوں سے نہیں نہایا تھا اور اس کے پاس سے بدبو آ رہی تھی۔ مجھے یہ سوچ کر کچھ ہو رہا تھا کہ اسی نے مجھے کھانا پانی دیا تھا شکر ہے کھانے میں گوشت والی کوئی چیز نہیں تھی ورنہ وہ حرام ہوتی اور مجھے کیا معلوم ہوتا کہ میں کہاں تھا اس لیے میں تو کھا لیتا۔ وہ کونے میں بنی کوٹھریوں کی طرف گیا تو مجھے عورت کا خیال آیا جس کے بولنے کی آواز آئی تھی۔ موالی نے لباس کی حد تک تصدیق کر دی تھی کہ وہ بانو ہی تھی مگر پھر بھی ایک شبہ باقی تھا اور مکمل تصدیق ہونا باقی تھی۔ حیات نے شاید اسے لانے کا حکم دیا تھا۔ میری نظر کوٹھریوں کی طرف تھی۔ موالی نے درمیان والی کوٹھری کا دروازہ کھولا۔ موالی نے اندر موجود عورت کو بازو سے پکڑ کر باہر نکالنا چاہا تو وہ خوف سے چلانے لگی۔ ''چھوڑ مجھے..... کتے..... ذلیل۔''

اس بار میں نے واضح پہچانا۔ وہ بانو ہی تھی۔ موالی اسے کھینچتا ہوا باہر لایا اور حیات کے پاس لا کر ہلکا سا دھکا دیا وہ لڑکھڑا کر گرنے لگی تھی کہ حیات نے اسے سنبھال لیا۔ مگر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا۔ وہ زہریلے لہجے میں بولی۔ ''مت ہاتھ لگاؤ مجھے۔''

حیات نے برا نہیں مانا اور ہنس کر بولا۔ ''اچھا نہیں لگاتا پر جلد تجھے ہر طرح سے ہاتھ لگاؤں گا اور تو مجھے نہیں روک سکے گی۔''

بانو کی حالت سے لگ رہا تھا کہ وہ آسانی میں نہیں رہی تھی شاید اسے بھی کھانا پانی نہیں دیا جا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسلسل خوف اور آرام کی کمی نے اس کے چہرے کی رونق ختم کر دی تھی اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے آ گئے تھے۔ لباس بھی بھی مگر ٹھیک حالت میں تھا صرف کسی قدر میلا ہو گیا تھا۔ اسی طرح اس کے بال بھی کنگھی اور صفائی کے بغیر روکھے ہو رہے تھے ان کی ریشمی چمک غائب تھی۔ البتہ کسی نے اس سے دست درازی نہیں کی تھی ورنہ اس کا لباس ٹھیک حالت میں نہ ہوتا۔ یہ نفیس قسم کی ہلکی لان تھی جو آسانی سے پھٹ سکتی تھی۔ مجھے غائب ہوئے دو دن ہوئے تھے تو اسے غائب ہوئے دس دن ہوئے تھے۔ لڑکی ہونے کے ناطے اسے کہیں زیادہ خدشات تھے اس لیے اس کی ظاہری حالت کہیں زیادہ خراب تھی۔ اب تک اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا پھر اس کی نظر پڑی تو وہ چونک گئی۔ ''شہباز صاحب آپ ان کے ساتھ.....''

''میں بھی قیدی ہوں۔'' میں نے جلدی سے وضاحت کی۔

''شہباز صاحب۔'' حیات نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اب بھی اتنی عزت سے نام لے رہی ہو؟''

''کیونکہ یہ عزت کے قابل ہیں۔ تمہاری طرح گندی سوچ اور آنکھیں نہیں رکھتے ہیں۔'' بانو نے کہا تو حیات نے مشتعل ہو کر اسے تھپڑ مارا۔ تھپڑ میں زیادہ زور نہیں تھا ورنہ بانو پیچھے جا گرتی۔ البتہ اس کا سر گھوم گیا تھا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ مگر اس نے آواز نہیں نکالی۔

''اب بھی اس کی حمایت کر رہی ہو۔ اور کتنا عزت والا ہے مجھے معلوم ہے۔ جم میں تم دونوں دروازہ بند کر کے کیا کرتے تھے؟''

''میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہاں بے بی آتی تھی۔'' بانو نے روہانسے لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم سب کو اپنی طرح سمجھتے ہو۔''

میں نے اس کی حمایت کی۔ ''حیات تم ایک بلاوجہ کا شک لے کر ایک مظلوم لڑکی پر تشدد کر رہے ہو۔''

''بکو مت۔'' وہ غرایا۔ ''تم دونوں اتنے شریف نہیں ہو جتنے بن رہے ہو۔''

انہوں نے بانو کے ہاتھ پاؤں نہیں باندھے تھے۔ حیات اسے اچھی طرح جانتا تھا اور اسے اس سے فرار یا دوسری طرح کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے اسے ہتھکڑیاں پہنانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اتنی دیر میں سورج غروب ہو گیا تھا اور تاریکی چھانے لگی تھی موالی نے پہلے ہی دو گیس لیمپ جلا لیے تھے اس لیے صحن کی حد تک فرق نہیں پڑا تھا۔ مجھے ہتھکڑیاں پہنانے اور بانو کو باہر نکالنے سے لگ رہا تھا کہ اب ہم یہاں سے روانہ ہونے والے تھے۔ ایسا ہی ہوا۔ ایک منٹ بعد حیات نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ ''انہیں لے چلو..... لیکن اس سے ہوشیار رہنا یہ بندھے ہاتھوں سے بھی کم خطرناک نہیں ہے۔''

''اب اتنا بڑھا چڑھا کر بھی نہ بیان کرو۔'' میں بولا۔ ''میں ایک عام سا انسان ہوں۔''

''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' حیات کے لہجے کی تلخی کم ہو گئی۔

سوائے موالی کے ہم سب باہر آئے تھے جہاں احاطے سے ذرا دور ایک بڑے سائز کی جیپ کھڑی تھی۔ دریوں کہ احاطہ بلند زمین پر تھا اور جیپ ڈھلان چڑھ کر اتنی اوپر نہیں آ سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی یہاں سناٹا تھا کیونکہ زمین سے کوئی سو فٹ کی بلندی پر تھے اور آس پاس کی ہموار زمین اور کھیتوں میں کام کرتے لوگوں اور مشینوں شور ہم تک نہیں آ پاتا تھا۔ ہم ڈھلان سے اتر کر جیپ کی طرف جانے لگے۔ باقی سب آرام سے چل رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے لیکن مجھے مشکل ہو رہی تھی کیونکہ میرے پاؤں ایک فٹ سے زیادہ دوری تک نہیں جا سکتے تھے۔ کہیں کہیں اس سے زیادہ قدم بڑھانے کی ضرورت پیش آتی تو مجبوری کی وجہ سے میں لڑکھڑا جاتا تھا لیکن اس موقع پر کسی نے میرے پاس آنے اور مجھے سہارا دینے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بہت محتاط تھے۔ ان کی بلا سے میں لڑھک کر نیچے پہنچتا۔ جیسے تیسے میں نیچے پہنچا۔ بانو کو بھی مشکل پیش آ رہی تھی وہ بھی ناہموار راستوں پر چلنے کی عادی نہیں تھی۔

ہم نیچے پہنچے تھے اور سب سے پہلے مجھے اور بانو کو جیپ کے عقبی حصے میں بٹھا دیا گیا۔ یہ حصہ خالی فرش تھا جس پر ربر میٹ بچھا ہوا تھا اور شکر ہے یہاں اکٹھی یا اس قسم کی کوئی چیز نہیں تھی ورنہ شاید ہمیں اس پر بیٹھنا پڑتا۔ اس کے باوجود اس میں سفر آسان نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ناہموار راستوں پر سفر کرتے تو ہم لڑھکتے ہی رہتے۔ سکون سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ لوگ جیپ میں بیٹھ رہے تھے کہ اچانک بلند آواز والے نے کہا۔ ''بابو بی ایس ایف والے آ رہے ہیں۔''

میں سن رہ گیا۔ بی ایس ایف سے مراد یقیناً بارڈر سیکورٹی فورس تھی۔ بی ایس ایف بھارتی فوج کا ایک حصہ تھا۔ کیا ان کی آمد میرے لیے تھی؟



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بی ایس ایف کی آمد کا سن کر وہاں سنسنی پھیل گئی تھی اور اس سنسنی کا ستر فیصد یقیناً میری رگوں میں تھا۔ باقی سب کو اتنا فرق نہ پڑتا لیکن بی ایس ایف والے مجھے لے جاتے تو مجھے بہت فرق پڑتا۔ یہ فرق شاید زندگی اور موت کا ہوتا۔ حیات نے بھی فکرمندی لہجے میں کہا۔ ''یہ کنجر کہاں سے آ گئے۔''

وہ کنور خاندان کا زرخرید تھا مگر تھا تو پاکستانی اور غیر قانونی طور پر انڈیا کی حدود میں موجود تھا اس لیے اس کا فکرمند ہونا بھی لازمی تھا۔ اب جیپ کے ڈیزل انجن کا شور سنائی دینے لگا تھا اور پھر یہ شور آ کر اس جیپ کے پاس رکا۔ کسی نے بلند آواز سے پوچھا۔ ''اوئے جیپ میں کون ہے؟''

حیات نیچے اتر آیا۔ ''ہم راج کنور کے آدمی ہیں سرکار۔''

''میں نے پوچھا ہے جیپ میں کون ہے؟'' بولنے والا صاف اردو یا ہندی میں بول رہا تھا اور لہجے سے فسر ریک کا لگ رہا تھا۔

''کیپٹن صاحب.....'' حیات نے کہنا چاہا۔

''بکواس بند کرو۔'' کیپٹن نے گرج کر کہا اور شاید اپنے آدمیوں سے بولا۔ ''جیپ کی تلاشی لو۔''

''ایک منٹ کیپٹن۔'' حیات کا لہجہ اچانک بدل گیا۔ ''میرے ساتھ ادھر آؤ میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ں..... ڈرو نہیں۔''

''میں ڈروں گا.....'' کیپٹن نے مشتعل ہو کر گالی دی۔

''تو پھر بات سن لو۔'' حیات ہنس کر بولا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کیپٹن سے کم نہیں تھا۔ اس کے لہجے نے پٹن کو اس کی بات ماننے پر مجبور کر دیا اور وہ اسے کہیں دور لے گیا اور جب کیپٹن واپس آیا تو اس کا لہجہ بالکل ا ہوا تھا اس نے اپنے آدمیوں کو واپسی کا حکم دیا۔ حیات اور وہ تقریباً پانچ چھ منٹ الگ رہے تھے۔ اس دوران حیات نے کوئی گیدڑ سنگھی گھمائی تھی جس کے بعد بی ایس ایف کا کیپٹن بالکل رام ہو گیا تھا۔ جیپ اسٹارٹ ا اور بی ایس ایف والے روانہ ہو گئے۔ حیات اور اس کے ساتھی بھی جیپ میں آئے۔ پچھلا خانہ درمیان میں دی جالی لگا کر اگلے خانے سے الگ کر دیا تھا۔ اس کا دروازہ بھی صرف باہر سے کھل سکتا تھا۔ گویا یہ قیدیوں لانے لے جانے کے لیے بنایا گیا تھا۔ بی ایس ایف کے واپس جانے پر میں نے سکون کا سانس لیا۔ بانو ے برابر میں دبکی بیٹھی تھی۔ جیپ روانہ ہوئی اور اس کے انجن کا شور گونجنے لگا۔ بانو نے آہستہ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''انہوں نے آپ کو کیوں اور کیسے پکڑا؟''

''یہ میرے پرانے دشمن کے آدمی ہیں اسی کے لیے میرا خون لیا جا رہا تھا مگر اب وہ مجھے براہ راست اپنی تحویل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ دھوکا کر رہے تھے بہ ظاہر میرا آدھا لیٹر خون لیتے تھے لیکن میز کے نیچے خفیہ خانے میں موجود کوئی آدمی تھیلی بدل دیتا تھا اور مجھے پتا ہی نہیں چلتا کہ میرا کتنا خون لیا جا چکا ہے۔ اسی لیے میں خلاف توقع کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اب دیکھو یہ کیا کرتے ہیں میرے ساتھ۔ میں نے ڈاکٹر کو مار دیا تھا لیکن بدقسمتی سے سر چکرانے کی وجہ سے میں حیات کے قابو میں آ گیا اور پھر مجھے ہوش آیا تو میں یہاں تھا۔''

بانو سہمے انداز میں بولی۔ ''یہ بہت خطرناک آدمی ہے وہاں کیسے میاں صاحب کا تابعدار بن کر رہتا تھا لیکن یہ ان کو بھی دھوکا دے رہا تھا۔''

''میاں ممتاز جیسے لوگ ہوتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ دوسروں کو دھوکا دیں اور مکافات عمل میں دوسروں سے دھوکا کھائیں۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

بانو ذرا چپ ہوئی تھی پھر اس نے کہا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

میں نے موضوع بدل دیا۔ ''تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''جب میں بے بی کے جانے کے بعد سروس والے دروازے سے باہر آئی تو اچانک ہی کسی نے عقب سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس میں دبے رومال سے کلوروفارم کی بو آ رہی تھی۔ میں نے مزاحمت کی لیکن جیسے ہی سانس لی مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔''

''دروازے سے باہر نکلتے ہی؟''

''ہاں بس میں ایک یا دو قدم آگے نکلی ہوں گی۔''

''حیات اور اس کے ساتھی وہاں تھے؟''

''نہیں وہ مجھے نظر نہیں آئے تھے۔'' بانو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پھر مجھے غور کرنے کا موقع ہی کہاں ملا تھا یوں سمجھ لیں کہ ایک دو سیکنڈ لگے تھے۔''

''تمہارے جانے کے کچھ دیر بعد حیات آ گیا تھا۔ پھر تمہاری گمشدگی کا پتا چلا تو ممتاز ہاؤس میں تمہاری تلاش شروع ہو گئی تھی۔ آدمیوں سے تلاش کرانے کے بعد بنٹی نے کتوں کی مدد بھی لی تھی مگر تمہارا سراغ نہیں ملا۔ پولیس کو رپورٹ نہیں کی تھی لیکن میاں ممتاز کے آدمی تمہیں پولیس سے باہر تلاش کرتے رہے تھے۔''

''وہ مجھے کیسے تلاش کر سکتے تھے جب کہ اسی دن میں سرحد پار آ گئی تھی۔''

''ممتاز ہاؤس میں لگے کیمروں سے بھی کچھ پتا نہیں چلا تھا اور نہ ہی تم مین گیٹ سے نکالی گئی تھیں۔ بنٹی نے بتایا کہ پولیس میں آمد و رفت کا ایک خفیہ دروازہ بھی ہے۔''

بانو نے سر ہلایا۔ ''میں نے دیکھا ہے لیکن اسے کیسے کھولا اور بند کیا جاتا ہے میں نہیں جانتی۔''

''مجھے شبہ ہے کہ حیات نہ صرف اس راستے سے واقف ہے بلکہ وہ اسے کھولنے اور بند کرنے کا طریقہ بھی جانتا ہے۔ مجھے اور تمہیں اسی راستے سے نکالا گیا اور کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلا۔''

''یہ جتنی آسانی سے ہمیں سرحد پار لے آیا ہے مجھے لگ رہا ہے حیات وہ نہیں ہے جو دکھائی دیتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مجھے یہ پاکستانی نہیں لگتا ہے۔ آپ نے دیکھا بی ایس ایف کا کیپٹن کیسے دُم دبا کر چلا گیا۔''

بانو پڑھی لکھی تو تھی اور پھر ممتاز ہاؤس کی پروردہ تھی اس لیے سیاست اور سرحدی معاملات سے عام آدمی کے مقابلے میں زیادہ واقفیت رکھتی تھی۔ خود میاں ممتاز کا تعلق بھی سرحد پار سے ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے غور کیا تو اس کی بات درست لگی تھی۔ حیات یہاں آ کر اس طرح پُر اعتماد تھا جیسے کوئی بچہ اپنے گھر میں پُر اعتماد ہوتا ہے۔ سوال یہ تھا کہ حیات کا تعلق اصل میں کس سرزمین سے تھا۔ اس نے مجھے سورما کہا تھا جو خالص ہندی کا لفظ ہے اسی طرح اللہ کے نام پر اس نے مجھ پر طنز کیا تھا۔ پھر اس کے ساتھی اسے مسلسل بابو کہہ رہے تھے کسی نے اسے ایک بار بھی حیات نہیں کہا تھا۔ اگرچہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ حیات کا تعلق اصل میں کہاں سے تھا۔ وہ پہلے ہی تکمیل دشمنی پر آمادہ تھا۔ مگر وہ بھارتی تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ میاں ممتاز کی جاسوسی کے لیے وہاں موجود تھا۔ وجہ تو واضح ہے میاں ممتاز ایک اہم سیاست دان تھا اور بہت سے حکومتی راز یقیناً اس کے علم میں بھی ہوتے ہوں گے۔ حیات کے توسط سے یہ راز سرحد پار جاتے ہوں گے۔

بدقسمتی سے ہمارے سیاست دان، میڈیا اور خاصی حد تک عوام بھی بھارت کے معاملے میں سافٹ کارنر رکھتے ہیں۔ انٹیلی جنس کے معاملات سے تو ہم روشن خیالی کے دور میں ہاتھ اٹھا چکے تھے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بھارت کو ہر معاملے میں فری ہینڈل گیا۔ یہ ایسا ہی تھا کہ آپ بپھرے ہوئے کینہ پرور بیل کے سامنے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیئے جائیں کہ وہ آپ کے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے۔ دوسری طرف بھارت کے عزائم دن بہ دن خطرناک ہوتے جا رہے ہیں۔ پانی کی بندش سے لے کر ملک میں جاری فسادات میں اس کا ہاتھ روزِ روشن کی طرح واضح ہے مگر ساتھ ہی وہ ان معاملات میں بھی پوری طرح سرگرم ہے جن پر ہمارے ارباب اختیار اور ملکی سلامتی کے ذمے داروں کی نظر نہیں گئی ہے۔ حیات کا میاں ممتاز کے گھر میں موجود ہونا اور اس کے معتمد کی حیثیت رکھنا اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ بھارتی کینسر کی طرح ملک کے ہر شعبے میں سرایت کر رہے ہیں اور ہم آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔ امن کی آشا کے راگ الاپ رہے ہیں۔

جیپ ناہموار راستوں پر تیزی سے چل رہی تھی۔ اس لیے ہم بھی سکون سے نہیں بیٹھ پا رہے تھے کبھی بانو مجھ پر لڑھک جاتی اور کبھی میں نا چاہتے ہوئے بھی اس سے ٹکراتا۔ وہ جب ٹکراتی تو شرمندہ ہو کر معافی مانگتی تھی۔ حالانکہ وہ نازک لڑکی تھی اور اس کے لیے زیادہ مشکل ہو رہی تھی۔ میں نے اس کا حل یہ نکالا کہ دونوں پاؤں دروازے پر جما دیئے اور پشت جالی سے ٹکا دی اس طرح میں لڑھکنے سے بچ گیا تھا۔ بانو کے ہاتھ پاؤں کھلے تھے مگر وہاں پکڑنے کے لیے کچھ نہیں تھا اس لیے وہ حرکت میں رہنے پر مجبور تھی۔ باہر تاریکی چھا رہی تھی اور کچھ دیر میں مکمل تاریکی ہو گئی۔ اب جیپ ہیڈ لائٹس کے سہارے سفر کر رہی تھی کیونکہ اس کچے راستے پر کہیں کوئی روشنی نہیں تھی۔

خدا خدا کر کے یہ بیہودہ راستہ ختم ہوا اور جیپ ایک ہموار سڑک پر آئی اگرچہ سڑک بھی اتنی ہموار نہیں تھی لیکن اس کچے راستے کی نسبت کہیں بہتر تھی۔ دن ڈھلنے کے بعد گرمی کا اثر بھی زائل ہو رہا تھا لیکن جیپ کے اس بند حصے میں گرمی لگ رہی تھی۔ ذرا سکون ملنے کے بعد میں نے بانو سے پوچھا۔ ''ان لوگوں نے تمہارے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی مس بی ہیو تو نہیں کیا؟"

"نہیں اللہ کا شکر ہے سوائے قید اور بعض اوقات کھانے پینے کی تکلیف کے اور کوئی تکلیف نہیں دی۔ ورنہ جب ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو اس جگہ پایا تو مرنے کی حد تک خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ایک بے بس لڑکی کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ اس کا سوچ کر ہی میں مرنے کی آرزو کر رہی تھی مگر انسان کو موت بھی اپنی مرضی سے کہاں آتی ہے؟" اس کا لہجہ بے بس ہو گیا تھا۔ میں نے اسے تسلی دی۔

"آدمی پر ایسی مشکلات آتی رہتی ہیں اسے ہمت سے کام لینا چاہیے اور موت کے بجائے اللہ سے آسانی مانگو۔"

وہ افسردگی سے مسکرائی۔ "میں جانتی ہوں آپ ایسے ہی شخص ہیں جو سخت ترین حالات میں بھی ہار نہیں مانتے ہیں۔ بے بی اکثر مجھے آپ کے بارے میں بتاتی تھیں۔ وہ دنیا میں کسی آدمی سے متاثر ہیں تو وہ آپ ہیں لیکن میں ایک کمزور لڑکی ہوں۔"

"کوئی کمزور یا طاقتور نہیں ہوتا۔" میں نے ملائمت سے کہا۔ "یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے۔ اصل چیز کامیابی ہے میں نے بڑے بڑے سورماؤں کو مٹی میں ملتے دیکھا ہے اور کمزور لوگ بچ جاتے ہیں۔ میں خود کو کمزور ہی سمجھتا ہوں کہ موت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں وہ جب آئے گی تو مجھے یوں لے جائے گی جیسے شیر کسی کمزور ہرن کو اچک کر لے جاتا ہے۔"

"مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا ہے مگر بے آبرو ہو کر مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"اللہ پر بھروسہ رکھو وہ بہتر ہی کرے گا۔" میں نے اپنے پاؤں کھولتے ہوئے کہا سختی سے دروازے پر جمانے سے وہ اکڑ گئے تھے۔ بانو بھی اب سکون سے بیٹھی تھی۔ رات تاریک تھی اور چاند بھی نہیں نکلا تھا جس سے سمت کا اندازہ ہوتا۔ مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ہم شمال کی طرف جا رہے تھے جہاں کنوروں کی جاگیر تھی۔ یہ شاید ہماچل پردیش کے شمالی حصے میں تھی۔ بھارت کی یہ ریاست بیک وقت کشمیر، پنجاب، ہریانہ اور اتر کھنڈ سے لگتی تھی۔ یہاں زیادہ تر تبتی نسل کے لوگ رہتے تھے اور یہیں دھرم شالہ میں تبت کے روحانی پیشوا دلائی لاما جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ یہاں صرف دلائی لاما ہی نہیں ان کے لاکھوں پیروکار بھی بستے تھے۔ شملہ نامی تاریخی مقام ہے جہاں انگریز وائسرائے گرمیاں گزارنے آتا تھا اور شملہ کو بہت سی تاریخی سیاسی سرگرمیوں کی میزبانی کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ سفر کرتے ہوئے دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب سندھو کے ڈیرے سے راج کنور ہم سب کو لے گیا تھا تب بھی اس کی جاگیر تک پہنچنے میں چند گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ راستے میں ایک جگہ رک کر جیپ میں ایندھن بھروایا گیا لیکن اس دوران میں ہمیں پانی کا بھی نہیں پوچھا تھا۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی اور یقیناً بانو کو زیادہ لگ رہی تھی مگر اس نے ایک بار بھی شکایت نہیں کی تھی۔

جیسے جیسے رات گہری ہو رہی تھی اور جیپ شمال کی طرف جا رہی تھی موسم سرد ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے ہم اسلام آباد جتنی بلندی پر آ گئے تھے۔ اسلام آباد سطح سمندر سے تقریباً آٹھ سو میٹرز یا تین ہزار فٹ بلند ہے۔ اسی وجہ سے یہاں موسم خوشگوار ہوتا ہے۔ ہماچل پردیش اسلام آباد ریجن کی سیدھ میں آتی ہے اور یہ کشمیر سے نیچے ہے لیکن یہ تقریباً کشمیر جتنے بلند پہاڑوں پر مشتمل ہے اور اس کا شمالی حصہ ہمالیہ کے برف والے حصے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے لگتا ہے جہاں دنیا کی بلند ترین چوٹیاں ہیں۔ اب گرمی زائل ہوگئی تھی اور کسی قدر خنکی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ پیاس کی شدت کم ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد جیپ نے جلدی جلدی موڑ کاٹنا شروع کر دیئے اور اب اس کا رخ اوپر کی طرف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چڑھائی شروع ہوگئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ بیتو کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ میں اس وقت اس کے آبائی علاقے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے اسے اور اس کے قبیلے کو مار کاٹ کر نکالا گیا تھا۔

میرا اندازہ تھا کہ کنور پیلس اب ایک گھنٹے کی مسافت پر رہ گیا تھا۔ مگر رات ہونے کی وجہ سے زیادہ دیر لگی تھی اور ہم تقریباً مزید ڈیڑھ گھنٹہ سفر کے بعد کنور پیلس کی عالی شان عمارت تک پہنچے تھے۔ جب قبائلیوں نے یہاں حملہ کیا تھا تو یہاں شدید تباہی پھیلی تھی اور خاص طور سے محل اور کلینک قبائلیوں کا نشانہ بنے تھے اور یہاں آگ بھی لگا دی گئی تھی۔ مگر جب جیپ روشنیوں سے جگ مگاتے ہوئے پیلس میں داخل ہوئی تو وہاں اس تباہی کا ذرے برابر معمولی نشان بھی باقی نہیں رہا تھا اور کوئی اجنبی دیکھتا تو وہ بالکل نہیں جان سکتا تھا کہ تقریباً چھ مہینے پہلے یہاں کیا ہوا تھا۔ بہار کا موسم آنے پر مرجھایا ہوا سبزہ اور پودے بھی کھل اٹھے تھے اور اب یہ جگہ پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوب صورت ہوگئی ہوگی۔ مگر اس کے اندر چھپی بدصورتی میں دیکھ اور بھگت چکا تھا اس لیے میں ظاہری خوب صورتی سے دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا یہاں میرے لیے مشکلات ہوں گی اور قسمت ہی ہوگی جو میں یہاں سے زندہ سلامت جا سکوں گا۔

جیپ محل کے بجائے ایک اور چھوٹی عمارت کے پورچ میں رکی۔ یہ قید خانہ تھا اور یہاں پہلے بھی ایک بار میں رہ چکا تھا۔ جیپ کا عقبی دروازہ کھلا اور حیات کے سانولے ساتھی نے مجھے کھینچ کر نیچے اتارا۔ بانو خود اتر آئی تھی۔ وہاں وہ خبیث صورت شخص موجود تھا جس سے میں نفرت کرتا تھا۔ یعنی راج کنور کا دستِ راست تائیک موجود تھا۔ اس کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے شدید طنزیہ انداز میں کہا۔ ''خوش آمدید شہباز جی۔''

''ظاہر ہے میری آمد پر تمہیں خوشی ہوگی تم اپنی پچھلی چوٹیں بھولے نہیں ہوگے۔''

اس کا چہرہ بگڑ کر سؤر جیسا ہوگیا۔ ''جیادہ خوش مت ہو اس بار تمہیں پتا چلے گا۔ اس بار کوئی چھڑانے والا بھی نہیں آئے گا۔''

''تمہاری خوش فہمی ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ حیات خاموش کھڑا تھا اس نے تائیک سے کہا۔

''اب یہ تمہارے سپرد ہیں۔''

تائیک نے حریص نظروں سے بانو کی طرف دیکھا۔ ''اور یہ دیوی جی؟''

''اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' حیات نے جس طرح دوٹوک انداز میں کہا تھا اس سے مجھے لگا کہ وہ اس سے برتر نہیں تو کم تر بھی نہیں تھا۔ اس نے بانو کا بازو پکڑا اور اسے لے جانے لگا۔ اس نے مزاحمت کی۔

''چھوڑو مجھے۔''

میں نے قدم بڑھایا تھا کہ سانولے نے پستول میری کمر سے لگا دیا۔ ''آرام سے کھڑے رہو۔''

''حیات تم اسے کیوں لائے ہو؟'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''میں اسے اپنے لیے لایا ہوں۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''میرا نام حیات نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ کہہ کر وہ بانو کو کھینچتا ہوا وہاں سے لے گیا تھا۔ میں فی الحال بانو کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا اس لیے صرف ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ میں نے سانولے کی طرف دیکھا۔ ''اس کا نام کیا ہے اور تمہارا اصل نام کیا ہے۔''

''وہ رامن بابو ہے اور میں جوشی ہوں۔''

اگرچہ مجھے ایسی ہی امید تھی لیکن یہ جان کر مجھے دھچکا لگا تھا کہ وہ دونوں ہندو تھے۔ بانو اب رامن کے قبضے میں تھی۔ اس کی عزت جس کے لیے وہ خوفزدہ تھی اب واضح خطرے میں دکھائی دے رہی تھی۔ جوشی نے میری ہتھکڑی اور بیڑی کھولی۔ نائیک کے ساتھ قید خانے کا نگران اور اس کے مسلح گارڈز موجود تھے۔ مجھے ان کے حوالے کیا گیا۔ میرے مطالبے پر پہلے مجھے رفع حاجت کا موقع دیا گیا۔ یہ کسی قدر صاف ستھرا لیٹرین تھا۔ شاید اڑتالیس گھنٹے بعد مجھے فارغ ہونے کا ملا تھا اس لیے بڑا سکون ملا تھا۔ اتفاق سے قید خانے میں مجھے وہ کوٹھری ملی جس میں پہلی بار بھی آیا تھا۔ پہلی بار جب میں آیا تو شدید سردی کا موسم تھا اور کوٹھری میں ڈھیر ساری خشک گھاس تھی۔ یہ گرم ترین گھاس قیدیوں کو شدید سردی میں بھی گرم رکھتی تھی اور ان کو اوڑھنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی تھی۔ اگرچہ سردی ہوتی تھی مگر وہ قابلِ برداشت ہو جاتی تھی لیکن اب موسم بدل گیا تھا۔ کوٹھری کے خالی فرش پر صرف ایک چٹائی اور ایک کمبل تھا۔ میں نے چینی نقوش والے نگران سے کہا۔ ''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔''

''فکر نہ کرو شاہی مہمان ہے تجھے سب ملے گا۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا شاید اسے بھی معلوم تھا کہ مجھے قربانی کا بکرا بنا کر لایا گیا تھا۔ جسے قربان کرنے سے پہلے اچھی طرح کھلایا پلایا جاتا۔ یہاں گارڈز مجھے پہلے کی طرح بیتو جیسے قبائلی لگے تھے ان کے نقوش ویسے ہی تھے۔ کنور خاندان قبائلی بچوں کو اپنے قبضے میں کر کے ان سے کام لیتا تھا۔ ان میں مرد عورت دونوں شامل ہوتے تھے۔ مردوں کو حفاظت اور دوسرے بیرونی کام سونپے جاتے تھے جب کہ عورتوں کو محل کے اندر ذمے داریاں دی جاتی تھیں اور ان کی سب سے اہم ذمے داری کنور خاندان اور ان کے معزز مہمانوں کی تمام جسمانی ضروریات پورا کرنا تھا۔ یہ سب میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے منرل واٹر کی ایک بوتل فراہم کی گئی۔ میں پانی پی رہا تھا کہ مجھے کوٹھری کے روشن دان سے رامن کی آواز سنائی دی۔

روشن دان فرش سے کوئی سات فٹ اونچا تھا۔ میں نے اچھل کر اس کے کناروں پر ہاتھ جمائے اور پھر خود کو اوپر اٹھایا۔ سلاخوں کے پار پارسنگ نظر آئی تھی اور وہاں جیپ کے پاس رامن اور جوشی دونوں موجود تھے۔ رامن کہیں جا رہا تھا اور وہ جوشی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ بات مکمل کر کے اس نے جیپ آگے بڑھائی۔ جوشی وہیں رہ گیا تھا۔ میں سن نہیں سکا تھا کہ ان دونوں میں کیا گفتگو ہو رہی تھی لیکن رامن کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کہیں عجلت میں جا رہا ہے اس نے ابھی تک وہی میلا لباس پہنا ہوا تھا۔ مجھے امید ہوئی کہ اگر وہ کچھ دن کے لیے دفع ہوا ہے تو بانو اس دوران میں اس سے محفوظ رہے گی۔ جب بانو کے بارے میں اس کے عزائم محسوس کرتا تو میرا خون کھولنے لگتا تھا۔ مگر فی الحال میں مجبور تھا۔ البتہ میں نے دل میں سوچ لیا تھا کہ اگر بانو کو اس سے ذرا سا بھی نقصان ہوا تو میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گا۔

میں سوچ رہا تھا کہ کوئی راستہ ہو کہ بانو محفوظ رہے۔ کنور خاندان اور اس کے سارے چیلے چپٹے میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شدید قسم کے دشمن تھے اگر میں ان سے کہتا کہ بانو سے کوئی برا سلوک نہ کریں تو عین ممکن تھا وہ مجھے اذیت دینے کے لیے میرے سامنے اس سے برا سلوک کرتے۔ یہ انسان کو صرف مطلب برابری کی چیز سمجھنے والے لوگ تھے اور ایک بانو ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی میں سوچ رہا تھا کہ کوٹھری کا دروازہ باہر سے کھلا۔ یہ فولادی دروازہ تھا جس میں اوپری حصے میں سلاخیں لگی تھیں اور باہر سے کوئی اندر دیکھ سکتا تھا۔ دروازہ کھلا تو منشی دل جی کی صورت نظر آئی۔ یہ بڑے کنور کا معتمد خاص تھا جیسے بیگ راجا عمر دراز کا سیکرٹری تھا۔ اس کے ساتھ ایک پٹھان نظر آنے والے شخص نے بڑی سی ٹرے اٹھا رکھی تھی اور ٹرے سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ یقیناً میرے لیے طعام لایا گیا تھا۔ منشی دل جی اور پٹھان اندر آئے۔ پٹھان نے ٹرے رکھ کر گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

''صیب ام دل نواز خان اے، آپ کا خادم..... آپ کا طعام ام بنایا۔''

منشی دل جی نے کہا۔ ''شہباز جی، یہ مسلمان ہے اور آپ کا کھانا اسی کی ذمے داری ہے۔ جانور بھی یہ خود ذبح کرتا ہے۔''

میں نے سرسری نظر سے ٹرے کی طرف دیکھا اگرچہ یہ دل گردے کا کام تھا کیونکہ میں چوبیس گھنٹے سے بھوکا تھا اور بھوک سے بیتاب تھا۔ مگر میں نے ظاہر کیا کہ فی الحال کھانے کی میری نظر میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔

''منشی جی آپ مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کھانا حلال ہے اور مجھے بلا کھٹکے کھا لینا چاہیے؟''

''آپ ٹھیک سمجھے شہباز جی۔''

''اس کے بعد آپ میرا خون نچوڑیں؟'' میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''آپ جانتے ہیں یہ کام تو بہرصورت ہونا ہے۔'' منشی دل جی کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔

''ایک انسان کے جسم میں کوئی ساڑھے چار لیٹرز خون ہوتا ہے اگر تم لوگ ایک وقت میں کوشش کرو تو شاید چار لیٹرز خون حاصل کر لو لیکن اس کے بعد میرے مردہ جسم سے تمہیں ایک قطرہ خون نہیں ملے گا۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' منشی دل جی نے عیاری سے کہا۔ ''ڈاکٹر ہدایت کے خلاف آپ کا زیادہ خون لے رہا تھا اور اسے آپ نے خود سزا دے دی لیکن یہاں آپ سے ہفتے میں صرف نصف لیٹر خون لیا جائے گا اور یہ بڑے کنور کے علاج کے لیے کافی ہوگا۔ نصف لیٹر کا مطلب ہے دو مہینے میں آپ ساڑھے چار لیٹرز خون دیں گے اور ڈاکٹر کا کہنا ہے معمولی کمزوری کے سوا آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''

''جو ڈاکٹر میرے ہاتھ بلکہ لات سے جہنم رسید ہوا وہ بھی یہی کہہ رہا تھا مگر اس نے کیا کچھ اور تھا اور وہ تم لوگوں کی ہدایت کے مطابق کام کر رہا تھا۔''

''بڑے کنور کا کہنا ہے کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ خون آپ کی تسلی کے بعد لیا جائے گا۔''

میں نے دل ہی دل میں بڑے کنور اور اس کی ضمانت کی ایسی کم تیسی کی اور بولا۔ ''منشی دل جی، آپ مزید بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ آپ لوگ اس مقصد کے تحت مجھے زبردستی ڈرپ یا طاقتور دواؤں سے زندہ نہیں رکھ سکتے کیونکہ مقصد زندہ رکھنا نہیں بلکہ مجھ سے مسلسل خون حاصل کرنا ہے اور یہ اس صورت میں ممکن نہیں رہے گا۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں اور جب کوئی فیصلہ کر لوں تو اسے نبھا بھی سکتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منشی دل جی کے تاثرات میں فکر مندی محسوس کر کے مجھے یقین ہو گیا کہ میری دھمکی کارگر تھی۔ اگر میں واقعی بھوک ہڑتال پر آجاتا تو وہ منصوبے کے تحت مجھ سے خون حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ شاید یہ صورت حال اس کے لیے غیر متوقع تھی اس لیے اس نے سر ہلایا اور بولا۔ ''میں بڑے کنور تک یہ بات پہنچا دیتا ہوں اس کے بعد وہ جو فیصلہ کریں۔''

''منشی جی میرا فیصلہ کوئی حتمی نہیں ہے ممکن ہے آپ لوگوں کی طرف سے کوئی ضمانت ملے تو میں مان جاؤں۔ ابھی آپ میرے فیصلے میں نرمی کے لیے ایک کام کر سکتے ہیں۔''

منشی دل جی نے پُر امید نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کون سا کام؟''

''میرے ساتھ ایک لڑکی بھی یہاں لائی گئی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ محفوظ رہے اور اسے اچھی طرح رکھا جائے۔''

منشی دل جی نے سر ہلایا اور جانے لگے تو میں نے ان سے کہا۔ ''یہ خوان بھی لیتے جائیں۔ جب مجھے بانو کے بارے میں معلوم ہو جائے گا تو میں کھا لوں گا۔''

منشی دل جی کے اشارے پر دل نواز خان نے ٹرے اٹھائی۔ ان کے جاتے ہی فولادی دروازہ بند ہو گیا۔ میں چٹائی پر بیٹھ گیا۔ میرے خیال میں ابھی دس یا گیارہ بجے کا وقت ہوا تھا۔ گویا مجھے لیٹ نائٹ ڈنر دیا جا رہا تھا۔ میری دھمکی پر منشی دل جی کا ردِ عمل حوصلہ افزا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ بڑے کنور کو میرے خون کی اشد ضرورت تھی۔ ممتاز ہاؤس میں نکالا جانے والا خون شاید ابتدائی علاج کے لیے کافی تھا لیکن اب علاج کو مستقل جاری رکھنے کے لیے مزید اور مسلسل خون کی فراہمی کی ضرورت تھی۔ مجھے امید تھی کہ جلد اس کا ردِ عمل سامنے آئے گا۔ میرا اندازہ درست نکلا جب نصف گھنٹے بعد کوٹھری کا دروازہ دوبارہ کھلا اور پہلے دل نواز خان اندر آیا وہ اکیلا تھا اور اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی اور بیڑی تھی اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''صیب ام کو حکم اے آپ کو یہ پینا دے۔''

لہجے سے وہ پکا قبائلی لگتا تھا لیکن انڈیا میں بھی اب تک بہت سی جگہوں پر پٹھان صدیوں سے اپنے مخصوص قبائلی انداز میں زندگی بسر کر رہے ہیں ان کی زبان اور طرز معاشرت وہی ہے جو علاقہ غیر کے پٹھانوں کی ہوتی ہے۔ اسے یوں اندر بھیجنے کا مطلب تھا کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور اگر میں اسے قابو کر لیتا یا مار دیتا تو ان لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر میں اس بے چارے سے ان لوگوں کی ملازمت کا انتقام نہیں لے سکتا تھا۔ ممکن ہے اس کی خدمات عارضی طور پر صرف میرے لیے حاصل کی گئی ہوں۔ اس لیے میں نے خاموشی سے ہتھکڑی اور بیڑی پہن لی۔ میرے بے بس ہوتے ہی منشی دل جی ایک گارڈ کے ساتھ نمودار ہوئے۔ یہ قید خانے کا گارڈ نہیں تھا بلکہ یقیناً محل کا گارڈ تھا اور اس کے نقوش نیپالی گورکھاؤں سے ملتے تھے۔ شاید قبائلیوں کے حملے کے بعد محل کے تمام محافظ بدل دیے گئے تھے۔ اب مقامی قبائلی محل میں نہیں رکھے گئے تھے۔ مجھے تو حیرت تھی کہ اتنے بڑے سانحے کے بعد بھی یہاں قبائلی موجود تھے۔ جب کہ کنور خاندان نے ان کی ساری نسل کو ختم کرا دیا تھا۔ شاید ان کو اعتماد تھا کہ اب یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے تھے یا پھر وہ بنیا فطرت کے مطابق مفت کے ہاتھ آئے غلام چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منشی دل جی گارڈ کے ساتھ لے کر مجھے روانہ ہوئے۔ قید خانے اور محل کے درمیان کھلی جگہ سے گزرتے ہوئے پتا چلا کہ یہاں رات کو اچھی خاصی سردی ہو جاتی تھی میرے جسم پر گرمیوں کے لحاظ سے کپڑے تھے اور یہ ناکافی تھے۔ راستے میں منشی دل جی نے مجھے بانو کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں نے بھی پوچھنے سے گریز کیا جو بھی تھا جلد سامنے آجاتا۔ عین ممکن تھا کہ میرا اندازہ غلط ہو یہ مجھے اپنا جبر و قوت دکھانے کے لیے لے جا رہے ہوں۔ محل میں داخل ہوئے تو موسم معتدل ہو گیا۔ وہاں ہر طرف رنگ و خوشبو تھی۔ چند مہینے پہلے یہاں جو ہوا تھا اس کا کوئی اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رات کے اس پہر بھی محل میں ملازم موجود تھے اور حسین و دلکش خادمائیں اسی مختصر سے لباس میں گھوم پھر رہی تھیں۔ مجھے اب تک راج کنور کا منحوس چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ شاید اسے مجھ سے دور رہنے کو کہا گیا تھا۔ بڑے کنور اور منشی دل جی نرم پالیسی کا چکر چلا رہے تھے۔ جب وہ ناکام رہتے تو مجھے راج کنور اور نائیک کے سپرد کیا جا سکتا تھا۔

بڑا کنور اسی کمرے میں کرسی پر بیٹھا تھا۔ کمرے میں آتش دان جل رہا تھا اور شمال کی طرف کھلی کھڑکی سے سرد ہوا اندر آ رہی تھی۔ بڑا کنور اسی مخصوص چغے میں تھا جس نے اسے سر سے پاؤں تک ڈھانپ رکھا تھا۔ عام طور سے اس قسم کے چغے شیطان کے پجاریوں کے لیے مخصوص سمجھے جاتے ہیں۔ اپنی مجبوری یا فطرت کی وجہ سے وہ یہ چغہ پہننے پر مجبور تھا۔ اصل میں اسے جلد کی بیماری تھی۔ پورے جسم پر سانپ جیسی دھاریاں تھیں اور شاید جلد روشنی سے بھی حساس ہو گئی تھی اس لیے وہ اپنی حفاظت اور دوسروں کی نظروں سے بچنے کے لیے چغہ پہننے پر مجبور تھا۔ میں اس کے سامنے آیا تو اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ ''شہباز ملک تم ایک بار پھر یہاں ہو۔''

''بدقسمتی سے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''لیکن اب یہاں قبائلی نہیں ہیں جو آپ کو آزاد کرا کے لے جائیں۔'' منشی دل جی نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا وہ مسلح گارڈ سمیت میرے پیچھے موجود تھا۔

''مجھے معلوم ہے وہ سب خود زندگی کی قید سے آزاد کر دیے گئے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے قبائلیوں کا حملہ اصل میں تم لوگوں کی سازش تھی تاکہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کا جواز پیدا کیا جائے اور پھر ان کا قتل عام کیا جائے۔ حملے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ اس ساری جاگیر سے سینکڑوں گنا زیادہ مالیت کی ہیروں کی کان تمہارے ہاتھ آ گئی۔ ہاں ایک نقصان ہوا کہ تمہاری بہن اس حملے میں ماری گئی تھی یا قبائلیوں کے ہاتھ لگ گئی اور پھر اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔''

میں نے جان بوجھ کر سعدیہ کا ذکر کیا۔ کیونکہ راج کنور کی گفتگو اور انداز سے لگا تھا کہ وہ بے خبر ہے کہ اس کی بہن یعنی سابقہ سادھنا عرف آشا اور موجودہ سعدیہ ہمارے پاس ہے۔ مگر یہ ان مکاروں کی کوئی چالاکی بھی ہو سکتی تھی۔ اس کا امکان تھا کہ وہ جانتے ہوں کہ ان کی بہن اصل میں ہمارے پاس ہے اور وہ اسے بھی خاموشی سے تلاش کرا رہے ہوں۔ اگر وہ میاں ممتاز تک رسائی رکھتے ہوں گے تو انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ مرشد میرا جانی دشمن ہے اور وہ مرشد سے رابطہ کر کے میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں پوری معلومات لے سکتے تھے۔ ان میں سعدیہ بھی شامل تھی۔ مگر بڑے کنور پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اس نے صرف سر ہلایا۔ ''یہ سب اب ماضی کا حصہ بن گیا ہے۔ میں نے تمہیں حال پر بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یعنی آپ میرا خون چاہتے ہیں لیکن منشی جی نے بتا دیا ہوگا کہ اب میں تیار نہیں ہوں اور زبردستی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ایک شخص مر جائے جو آپ کا دشمن ہے۔''

''تم نے بانو کا ذکر کیا تھا کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔'' وہ بدستور نرم لہجے میں بول رہا تھا ویسے یہ اس کا انداز تھا۔

''ہاں وہ ایک بے گناہ لڑکی ہے جسے تمہارا آدمی رامن بلاوجہ اٹھا لایا ہے۔ وہ میاں ممتاز کی منہ بولی بیٹی بھی ہے اور جب یہ بات اسے معلوم ہوگی تو یقیناً اس سے تمہارے جو بھی تعلقات ہیں ان پر اثر پڑے گا۔''

''وہ ایک معمولی ملازمہ ہے۔''

''یہ جھوٹ رامن نے بولا ہوگا۔ آپ بانو سے معلوم کر سکتے ہیں اور اگر ایسا نہیں بھی ہے تب بھی میں ایسا چاہتا ہوں اگر آپ کو میرا خون درکار ہے تو اس کی کچھ نہ کچھ قیمت تو ادا کرنی پڑے گی۔''

بڑا کنور خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے منشی جی سے کہا۔ ''لڑکی کو لے آؤ۔''

منشی دل جی باہر چلا گیا اور چند منٹ بعد وہ بانو کو لے آیا۔ اس نے لباس بدل لیا تھا۔ وہ ساڑھی میں تھی اور بہتر حالت میں لگ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے مرجھائے چہرے پر رونق آ گئی۔ بڑے کنور نے اس سے پوچھا۔ ''لڑکی تیری ممتاز ہاؤس میں کیا حیثیت تھی؟''

''میں میاں صاحب کی منہ بولی بیٹی اور ان کی بیٹی نور النسا بی بی کی پرسنل سیکرٹری ہوں۔'' بانو نے وہی جواب دے کر مجھے حیران کر دیا جو میں چاہتا تھا میں نے منہ بولی بیٹی والی بات اپنی طرف سے کی تھی مگر بانو نے بھی کہہ دیا۔ بڑے کنور نے اشارہ کیا تو منشی دل جی بانو کو واپس لے گیا۔ اس کے جانے کے بعد بڑے کنور نے مجھ سے پوچھا۔

''اب کہو تم کیا چاہتے ہو؟''

''سب سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ بانو کی عزت آبرو محفوظ رہے اور اسے یہاں کوئی تکلیف نہ ہو۔ پھر میں چاہتا ہوں کہ اسے واپس ممتاز ہاؤس بھیج دیا جائے۔ اس کے بدلے میں خون کی فراہمی کے لیے تم سے مکمل تعاون کروں گا۔''

بڑا کنور پھر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ اس کی خاموشی بلا سبب نہیں تھی۔ یقیناً کوئی ایسی بات تھی کہ بڑا کنور میرے مطالبے پر خاموش ہو گیا تھا۔ اگر بانو کو حیات لایا ہوتا تو شاید اس کے لیے مسئلہ نہیں تھا لیکن اب مجھے لگ رہا تھا کہ اس کے پس پشت کچھ اور چکر تھا۔ کچھ دیر بعد بڑے کنور نے کہا۔ ''فی الحال میں بانو کو واپس نہیں بھیج سکتا اس میں کچھ پیچیدگیاں ہیں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے واپس ضرور بھیجوں گا۔ البتہ وہ بالکل محفوظ ہوگی اسے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

بڑے کنور کے وعدے کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔ جس طرح ڈیوڈ شامیکا ولی کا سیاسی پیروکار تھا اسی طرح بھارت کا برہمن چانکیہ کا شاگرد تھا۔ ان کے نزدیک صرف اپنا مفاد اہم ہوتا ہے اور اس کے لیے ہر حربہ اور ہر چیز جائز تھی۔ بہر حال اتنا بھی کافی تھا کہ وہ بانو کو محفوظ رکھنے کا وعدہ کر رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''مجھے دن میں ایک بار اس سے ملنے کا موقع بھی دیا جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر تم کہو تو وہ تمہارے ساتھ بھی رہ سکتی ہے۔'' بڑے کنور نے پیشکش کر کے مجھے حیران کر دیا۔

''وہ نازک لڑکی ہے اس قید خانے میں کیسے رہے گی۔''

''تم اب اسی محل میں رہو گے۔ لڑکی تمہارے ساتھ یہاں رہے گی۔''

میں نے سوچا تو مجھے عجیب لگا تھا کہ میں ایک لڑکی کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہوں لیکن میں اور بانو عام حالات میں نہیں تھے۔ ہم یہاں درندوں کے درمیان تھے۔ اگرچہ اس کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ بانو میرے ساتھ رہ کر بھی محفوظ رہے گی۔ اگر وہ اپنی من مانی کرنا چاہتے تو میں انہیں نہیں روک سکتا تھا۔ بہر حال پھر بھی مجھے تسلی رہتی۔ مجھے بڑے کنور کی پیشکش پر حیرت ہو رہی تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے اس صورت میں، میں آپ سے تعاون کروں گا۔''

''کل ڈاکٹر تمہارا معائنہ کرے گا۔ اس دوران میں تمہارا ہر ممکن خیال رکھا جائے گا۔ اگر خون نکالنے کے دوران تمہاری حالت خراب ہوئی تو یہ عمل عارضی طور پر روک دیا جائے گا جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتے۔''

''میں آپ کا شکر گزار ہوں۔'' میں نے کوشش کی کہ میرے لہجے سے طنز نہ جھلکے۔ بڑے کنور نے کہا کچھ نہ اور منشی دل جی کو اشارہ کیا۔ وہ مجھے لے کر روانہ ہو گیا۔ محل کے الگ تھلگ حصے میں جہاں گورکھا محافظ موجود تھے مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ خاصا پُر آسائش اور سجا سجایا کمرہ تھا جس میں دور جدید کی ہر سہولت اور چیز موجود تھی۔ ایک بڑا سا ایل سی ڈی ٹی تھا۔ اس کے ساتھ ڈی وی ڈی پلیئر تھا۔ مگر ایک مسئلہ تھا کہ وہاں بڑا سکی لیکن ایک ہی بیڈ تھا۔ بہر حال اس مسئلے کو بھی حل کیا جا سکتا تھا۔ کمرے میں ایک طرف سلائیڈنگ ڈور والی کھڑکی تھی لیکن اس کے باہر بہت مضبوط قسم کی گرل لگی تھی۔ کھڑکی پائیں باغ میں کھل رہی تھی اور اس کے عین سامنے ایک سیب کا درخت تھا۔ جس کی ہری بھری شاخ کھڑکی تک آ رہی تھی۔ فرش پر سرمئی اور سفید دھاریوں والا دبیز قالین تھا۔ ایک طرف آتش دان تھا لیکن اس موسم میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ آتش دان کے پاس دو عدد ڈبل سیٹ والے لیدر صوفے تھے اور ان کے سامنے چھوٹی سی گلاس ٹاپ ٹیبل تھی۔ کمرے کے ساتھ پُر تعیش قسم کا واش روم بھی تھا۔ کمرے کا معائنہ کرتے ہوئے میں اپنے فیصلے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

بہ ظاہر بڑے کنور نے بانو کو میرے ساتھ ٹھہرنے کی اجازت دے کر کھلے پن کا ثبوت دیا تھا لیکن یہ اس کی چالاکی بھی تھی۔ بانو میرے ساتھ ہوتی تو میں اس کی طرف سے بے فکر ہو جاتا لیکن ساتھ ہی میں یہاں سے رار کے بارے میں مشکل سے سوچتا۔ اکیلے آدمی کے لیے کچھ کرنا آسان ہوتا ہے لیکن جب اس کے ساتھ ایک ڑکی یا خاتون ہو تو وہ کوئی بھی قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہے۔ بڑے کنور نے ایک زنجیر اور میرے پیروں میں ڈال ی تھی۔ میں جھنجھلا رہا تھا۔ اس خبیث رامن کو بھی ضروری تھا کہ بانو کو بھی لے آتا پھر مجھے خیال آیا کہ بانو پہلے وا ہوئی تھی اور میں بعد میں اغوا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور بانو اندر آئی۔ اس بار وہ پہلے سے زیادہ خوفزدہ ئی اور مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر زیادہ اطمینان آیا تھا۔ اسے اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ بانو نے ہانسے لہجے میں کہا۔

''شہباز صاحب یہ سب کیا ہے، یہ کون لوگ ہیں اور مجھے کیوں یہاں لائے ہیں؟''

میں نے گہری سانس لی اور اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''بانو یہ میرے پرانے دشمن ہیں اور تم جانتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں لیکن تمہیں کیوں لائے ہیں اس سے میں بھی اتنا ہی بے خبر ہوں، بہ پہلے میں سمجھ رہا تھا کہ حیات یعنی رامن تمہیں اپنی مرضی سے لایا ہے۔"

بانو دنگ رہ گئی تھی۔ "رامن..... وہ مسلمان نہیں ہے؟"

"ہاں وہ نہ صرف ہندو ہے بلکہ انڈین ہے وہ پاکستان میں کسی خاص مقصد کے تحت حیات بن کر رہ رہا تھا۔"

"کیا وہ مجھے اپنے لیے....." بانو بولتے ہوئے جھجکی۔ "میرا مطلب ہے وہ کیوں لایا ہے؟"

"میں نہیں جانتا، میں نے یہاں کے بڑے آدمی کے سامنے شرط رکھی ہے کہ تمہیں کچھ نہیں ہونا چاہیے اور تمہیں واپس بھیج دیا جائے تو میں اس سے تعاون کروں گا۔"

بانو کھل اٹھی تھی۔ "وہی چغے والا آدمی نا..... وہ مان گیا ہے؟"

"ہاں وہ راج کنور کا بڑا بھائی ہے اس کا نام مجھے یاد نہیں ہے لیکن سب اسے بڑا کنور کہتے ہیں۔ اس نے میری ایک بات مان لی کہ تم محفوظ رہی گی اور یہاں میرے ساتھ رہو گی لیکن پاکستان واپس بھجوانے والی بات ابھی نہیں مانی ہے۔"

بانو کا جوش و خروش ماند پڑ گیا تھا۔ "مجھے بھی اس کی قید میں رہنا ہوگا۔ مگر وہ مجھے کیوں روک رہا ہے؟"

"ممکن ہے وہ ابھی میاں ممتاز سے یہ بات چھپانا چاہتا ہو میاں ممتاز کو یہ معلوم ہے کہ میں کلینک میں ڈاکٹر کو قتل کر کے فرار ہو گیا ہوں۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں اصل میں کنور خاندان کے قبضے میں ہوں تو اس کے اور کنور خاندان کے تعلقات متاثر ہوں گے۔"

بانو نے سر ہلایا۔ "اب سمجھ میں آ رہا ہے اگر میں واپس گئی تو میاں صاحب تک یہ بات پہنچ جائے گی۔"

"بالکل اور کنور ابھی یہ نہیں چاہتا۔"

بانو نے گہری سانس لی۔ "شکر ہے اب میں ذرا مطمئن ہوں ورنہ یہاں آنے کے بعد تو میرا اندیشوں اور فکر سے برا حال ہو گیا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میں درندوں سے بھرے جنگل میں آ گئی ہوں۔"

وہ ٹھیک محسوس کر رہی تھی۔ جنگل کے درندے بھی ان لوگوں کے مقابلے میں رحم دل ہوتے ہیں۔

دروازے پر دستک ہوئی اور پھر دروازہ کھلا اس بار دل نواز خان کھانے کی ٹرالی کے ساتھ آیا تھا۔ اس کے ساتھ گارڈ تھا جو باہر ہی رہا۔ دل نواز خان میز پر کھانا لگانے لگا تھا کہ بانو نے اسے روک دیا۔ "تم جاؤ، میں دیکھ لوں گی۔"

"آدھے گھنٹے بعد کافی لے آنا۔" میں نے کہا۔ "اگر کوئی روکے تو میرا حوالہ دینا۔"

دل نواز خان سر ہلا کر رخصت ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے ساتھ بانو کو دیکھ کر کسی قدر بدمزہ ہوا تھا۔ شاید اس کا ذہن اس منفی پہلو کی طرف گیا تھا جو ایک مرد اور ایک عورت کو ایک جگہ موجود دیکھ کر عام آدمی کے ذہن میں فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ بانو نے بھی اس کے تاثرات محسوس کر لیے تھے اور وہ جھینپ رہی تھی۔

ہم نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ میں کئی وقت سے بھوکا تھا مگر میں نے ہاتھ روک کر کھایا۔ ابھی مجھے سونا تھا اور پیٹ کی گرانی کے ساتھ نیند مشکل سے آتی۔ کھانا ختم ہوتے ہی دل نواز خان کافی لے آیا تھا۔ میں نے ٹہلتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کافی پی۔ دل نواز برتن سمیٹ کر لے گیا تھا اور اس بار اس نے زیادہ تاثرات دکھائے تھے۔ اس کے جانے کے بعد بانو روہانسی نظر آنے لگی جب میں نے کافی ختم کی تو اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''آپ نے دیکھا وہ مجھے کس طرح دیکھ رہا تھا۔''

''میں نے بھی محسوس کیا ہے۔ میں نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا جب میں نے بڑے کنور کی پیشکش مانی تھی۔ ہماری تہذیب اور معاشرت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ مرد اور عورت ایک جگہ رہیں، ہمارا مذہب بتاتا ہے کہ دو مرد اور عورت کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے لیکن یہاں ہم دونوں مجبور اور ہنگامی حالت میں ہیں۔ مجھے تمہاری فکر تھی کہ کہیں یہ کوئی مس بی ہیو نہ کریں اور دوسرے مجھے ان پر اعتبار نہیں ہے خاص طور سے بڑے کنور کا بھائی راج کنور پورا شیطان ہے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھوں لیکن اگر تم سمجھتی ہو کہ ٹھیک نہیں ہے تو تم الگ رہ سکتی ہو۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ کانپ اٹھی۔ ''یہاں مجھے ہر آنکھ میں شیطان نظر آیا ہے۔''

''تب لوگوں کی فکر نہ کرو اور آرام سے یہاں رہو۔ کوئی ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہے ہمیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے اگر ہمارا ضمیر مطمئن ہے۔ باقی میری طرف سے تم بے فکر رہو۔''

''آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ جسے بے بی باکردار کہیں وہ شخص یقیناً باکردار ہوگا۔''

بانو کی بات سے ہرگز یہ مراد نہیں تھی کہ بنٹی بے بی خود بڑی باکردار تھیں اس لیے وہ دوسروں کو کردار کا سرٹیفکیٹ دے سکتی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ بنٹی نے اپنی ناکام تگ و دو کی کہانی بانو کو سنا دی ہوگی جب میں نے اس کا نسائی حملہ کامیابی سے پسپا کیا تھا۔ ''بس تو سب اپنے ذہن سے نکال دو اور تم بستر پر لیٹ جاؤ۔''

''آپ.....'' اس نے جھجک کر پوچھا۔

''میں نیچے قالین پر لیٹ جاؤں گا۔''

''آپ اوپر لیٹ جائیں.....''

''یہ میرا حکم ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا تھا۔

چہل قدمی کر کے میں بہتر محسوس کر رہا تھا اس لیے میں نے باتھ لینے کا فیصلہ کیا۔ میرے جسم پر ممتاز ہاؤس الا لباس تھا اور یہ خاصا میلا ہو گیا تھا۔ میں نے دروازہ بجایا تو گورکھے گارڈ نے باہر سے کھولا وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ ں کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔ میں نے کہا۔ ''مجھے اپنے سائز کا ایک آرام دہ لباس چاہیے اسی وقت اور اگر تم نہیں سکتے ہو تو منشی دل جی سے کہو۔''

دس منٹ بعد موٹا سوتی پاجامہ اور کرتہ آ گیا تھا۔ ساتھ میں میرے سائز کی بنیان بھی تھی۔ بانو واش روم ے آ گئی اور ہلکا کمبل لے کر لیٹ گئی تھی۔ شاید اس کے لیے یہاں شلوار سوٹ نہیں ملا تھا یا جان بوجھ کر اسے ڑھی دی گئی تھی جب کہ وہ اس کی عادی نہیں تھی۔ اس کے لیے میں بعد میں بات کر سکتا تھا۔ گرم پانی سے غسل ر کے میری طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی تھی۔ کسل مندی، تھکن اور ایک عجیب سی کیفیت تھی وہ سب غائب ہو ا۔ میں ہلکا کمبل اور تکیہ لے کر قالین پر لیٹا تو پھر مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ کب سو گیا اور صبح مجھے بانو نے اٹھایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اٹھ جائیں، یہ لوگ دو بار ناشتے کا پوچھ چکے ہیں۔''

''اچھا مجھے پتا ہی نہیں چلا کیا وقت ہو رہا ہے؟''

''نو بج رہے ہیں، کٹاری مونچھوں والا بھی آیا تھا۔'' بانو نے کہا اس کی مراد منشی دل جی سے تھی اسی کی کٹاری مونچھیں تھیں۔ میں اٹھا اور واش روم سے آیا اس دوران میں ناشتہ آ چکا تھا۔ بانو ناشتے کے دوران بار بار ساڑھی کا پلو ٹھیک کر رہی تھی شاید اس لیے بھی کہ اسے عادت نہیں تھی اور دوسرے اس کا بلاؤز خاصا مختصر اور ناپ سے کم تھا۔ اس لیے اسے پلو سے ستر پوشی کرنا پڑ رہی تھی۔ ادھر ناشتہ کیا اور ادھر منشی دل جی نازل ہو گیا۔ اس نے آتے ہی ناگواری سے کہا۔ ''بہت دیر کی ہے آپ نے ڈاکٹر انتظار کر رہا ہے۔''

''ذرا سے انتظار سے وہ مر نہیں جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''رات مجھے یہ لباس دے دیا تھا لیکن پیروں میں کیا یہی جوتے پہنوں۔''

''ابھی پہن لیں بعد میں.....''

''سوری میں ننگے پاؤں جا سکتا ہوں لیکن اس لباس کے ساتھ یہ جوتے نہیں پہن سکتا۔''

خون کے گھونٹ پی کر منشی جی نے میرے لیے سلیپر منگوائے۔ یہ معمولی سے استعمال شدہ مگر شاندار قسم کے چرمی سلیپر تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ جب میں پھنسا ہوا تھا تو انہیں کیوں چھوڑتا جہاں بھی ممکن تھا میں نے اپنی بات منوانے اور ان کی ناک میں دم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بانو کمرے میں رہی تھی باہر آتے ہی میں نے منشی جی سے کہا۔ ''آپ کو خیال ہونا چاہیے کہ ہم انسان ہیں۔ اگرچہ آپ مانتے نہیں ہوں گے لیکن فی الحال ماننے پر مجبور ہیں اس لیے ہمارے ساتھ انسانوں والا ٹریٹ کریں۔ ایک تو ہمیں ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کریں۔ بانو کے لیے کسی خادمہ کو بھیجیں جو اس کی ضروریات کے مطابق چیزیں مہیا کرے آپ میری بات سمجھ رہے ہیں خواتین کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔''

''جی سمجھ رہا ہوں۔'' منشی جی نے سر ہلایا۔

''دوسرے کمرے میں ایک ڈبل بیڈ ہے اسے ابھی دو سنگل بیڈز سے تبدیل کر دیں۔ میرا خیال ہے میری واپسی تک یہ سارے کام ہو جائیں گے۔''

''آپ حکم کریں تو ابھی کر دیتے ہیں۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اتنی جلدی دکھانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ خاص طور سے جب آپ کو مجھ سے کوئی سرٹیفکیٹ بھی نہیں ملے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

پہلے کلینک محل کے قریب ایک الگ عمارت میں تھا لیکن اب اسے محل کے ایک حصے میں بنا دیا گیا تھا۔ ایک بڑے ہال نما کمرے میں کلینک کا مکمل سیٹ اَپ تھا۔ اس بار ایک خوش شکل نوجوان ڈاکٹر وہاں موجود تھا اور اس کے ساتھ نظر نواز قسم کی نرس تھی۔ منشی دل جی مجھے وہاں گورکھا گارڈ کی نگرانی میں چھوڑ کر خود چلے گئے تھے۔ نرس نے مجھے شارٹ دیا۔ ''یہ پہن لیں۔''

ایک طرف اسکرین موجود تھی میں نے اس کے پیچھے جا کر کپڑے اتارے اور شارٹ پہن لیا۔ ڈاکٹر نے مجھے چمڑے کی کاؤچ پر لٹا کر پہلے میرا معمول کا طبی معائنہ کیا۔ بلڈ پریشر، ٹمپریچر، زبان اور آنکھوں کا معائنہ کیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر اس نے میری جسمانی طاقت جانچنے کے لیے کچھ ٹیسٹ لیے۔ وہاں اس مقصد کے لیے مشینیں موجود تھیں۔ آخر میں اس نے میرے خون، تھوک، ٹشوز اور یورین کے سیمپل لیے۔ میں ایک گھنٹہ وہاں رہا تھا۔ منشی جی آدھے گھنٹے بعد ہی آ گئے تھے۔ جب ڈاکٹر نے اپنا کام مکمل کر لیا تو میں نے اپنے کپڑے پہنے اور ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میں شعوری طور پر محل کی ساخت سمجھنے اور یاد رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ قید خانہ اور کلینک زیادہ دور نہیں تھا اور شاید میری وجہ سے اس حصے کی سیکورٹی بڑھا دی گئی تھی۔ مجھے کم سے کم نصف درجن مسلح گورکھے دکھائی دیئے تھے۔ محل میں بیتو کے قبیلے کا کوئی مرد نظر نہیں آیا تھا۔ یہاں صرف گورکھے تھے۔ ان میں سے دو میرے کمرے کے باہر موجود تھے۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو ٹھیک گیا منشی جی نے سچ مچ پھرتی دکھائی تھی۔ کمرے کا بیڈ تبدیل کر دیا گیا تھا اور اب وہاں دو عدد لکڑی سے بنے سنگل بیڈ تھے لیکن یہ سنگل بیڈ بھی چار بائی سات فٹ کے تھے۔ بانو نے دروازہ بند ہونے کے بعد کہا۔ ''شکر ہے ان لوگوں کو خیال آیا اور اب آپ کو نیچے نہیں سونا پڑے گا۔''

''اتنے اچھے نہیں ہیں ان کو کہنا پڑا ہے تو یہ کام ہوا ہے اور ابھی اور بھی ہوگا۔''

''اور کیا ہوگا؟''

''بس دیکھ لینا۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں میری حیثیت وہی ہے جو ممتاز ہاؤس میں تھی یعنی ایک وی آئی پی قیدی جس کی ہر بات مانی جاتی ہے بشرطیکہ وہ آزاد ہونے کی بات نہ کرے۔''

''جی ہاں میاں صاحب کا حکم تھا کہ آپ کا ہر ممکن خیال رکھا جائے اور ہر بات مانی جائے۔''

مجھے میاں صاحب سے خیال آیا۔ ''تم نے کہا تھا کہ تم میاں ممتاز کی منہ بولی بیٹی ہو؟''

وہ جھینپ گئی۔ ''میں نے ان لوگوں پر زور ڈالنے کے لیے کہا تھا۔ ویسے میاں صاحب مجھ پر مہربان تھے اور میں نے کبھی ان کے انداز میں اپنے لیے کوئی الگ بات محسوس نہیں کی۔''

میں اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ عیاش طبع میاں ممتاز میں اتنی انسانیت ضرور تھی کہ اس نے اپنی ایک معمولی پرورده کو کھلونا بنانے سے گریز کیا تھا۔ بانو متجسس تھی کہ مجھے کہاں لے گئے تھے اور میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟ میں نے اسے اختصار سے کلینک کے بارے میں بتایا۔ یہاں ٹی وی تھا میں نے ریموٹ اٹھا کر اسے آن کیا۔ ٹی وی کے ساتھ لاتعداد چینل والا سیٹلائیٹ ریسیور بھی تھا۔ اس سے دنیا اور خاص طور سے اس حصے کا ہر چینل دیکھا جا سکتا تھا۔ جب ملک میں ہوتے تھے تو عام طور سے بیرون ملک کے چینل دیکھتے تھے لیکن اس وقت وطن سے دور ہوئے تو بے اختیار مقامی چینلز کی تلاش ہوئی۔ بڑی دیر بعد جا کر چند پاکستانی نیوز اور انٹرٹینمنٹ کے چینلز کا ایک گروپ ملا۔ بانو بھی خوش ہو گئی تھی۔ نیوز چینلز انتخابات کے بعد کا جوڑ توڑ دکھایا جا رہا تھا۔ سیاسی پارٹیوں کی مفاہمت کی سیاست کا مرکزی نکتہ کھاؤ اور کھانے دو تھا۔ یہ مفاہمت ان کے ذاتی مفادات کے لیے تھی۔ قطار بنا کر ووٹ ڈالنے والوں کا اس مفاہمت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے بور ہو کر ریموٹ بانو کے حوالے کر دیا اور وہ ایک چینل سے آنے والا مارننگ شو دیکھنے لگی۔ جس میں میزبان خاتون ایک دیہاتی خاندان کو جمع کر کے آنسو بہا رہی تھی۔ خاندان کسی وڈیرے کے ظلم کا شکار ہوا تھا۔ شو اتنا متاثر کن تھا کہ بانو کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ایک خادمہ اندر آئی۔ اس نے لباس خادماؤں والا ہی پہن رکھا تھا۔ پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے توجہ نہیں دی لیکن پھر دیکھا اور چونک گیا۔ وہ اوشا تھی سپیرے سندھو کی بیٹی اوشا، جو کسی وقت میری دیوانی ہوگئی تھی اور میری خاطر اپنے باپ سے بغاوت کر کے بھاگنے کو بھی تیار ہوگئی تھی۔ اس پر اسے اپنی پشت کی کھال سے محرومی بھی برداشت کرنا پڑی تھی۔ وہی اوشا میرے سامنے موجود تھی۔ مختصر سی چولی میں سینے اور پیٹ کا بڑا حصہ نمایاں تھا اور نیچے اس نے تنگ پاجامہ نما کوئی چیز پہن رکھی تھی جو اس کی پنڈلیوں تک آ رہی تھی یہ یہاں کی خادماؤں کا مخصوص لباس تھا۔ اس لباس میں اس کا سیاہ سے تانبے جیسا سرخ ہو جانے والا رنگ نمایاں تھا۔ شاید یہ موسم اور ماحول کا اثر تھا ورنہ اس سے پہلے وہ سیاہ رنگ کی تھی۔ یہ تانبے جیسا رنگ اسے مزید پُرکشش بنا رہا تھا۔ لباس کے علاوہ دیگر سولہ سنگھار بھی کیے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے وہ کنور پیلس کی خادمہ تھی۔ ممتاز ہاؤس میں بانو بھی بہت سج دھج کر رہتی تھی۔ بڑے لوگوں کے ملازم بھی الگ سے نظر آنے چاہئیں۔ جیسے میں حیران تھا اسی طرح وہ بھی دنگ رہ گئی تھی جیسے اسے یہاں میری موجودگی کی توقع نہ ہو۔

''شہباز۔'' اوشا نے بمشکل کہا اور لپک کر میرے پاس آئی اس نے میرا بازو تھام لیا تھا۔ ''تم پھر ان کے ہاتھ آ گئے۔''

''بدقسمتی سے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''تم کیسی ہو، سندھو کے بارے میں مجھے معلوم ہو گیا تھا مجھے اس کا افسوس ہے۔''

''اس نے جو بویا وہ کاٹ لیا۔'' اوشا افسردگی سے بولی۔ یہاں رہ کر اس کی زبان بھی خاصی حد تک صاف ہوگئی تھی اور اس نے ابھی تک ایک بار بھی اپنا مخصوص لفظ ''رے'' نہیں بولا تھا۔ ''ہم ٹھیک ہیں تم دیکھ رہے ہو اب ہم یہاں ملازمہ ہوں۔''

''تم یہاں کام کرتی ہو؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

وہ مسکرائی۔ ''شہباز بابو انجان بن رہے ہو، ہم یہاں بے مول کی ملازمہ ہیں۔ سب کرتے ہیں اور بدلے میں بس تن کا یہ کپڑا اور دو وقت کا کھانا ملتا ہے۔''

''ان جیسے لوگوں سے یہی توقع ہو سکتی ہے۔'' میں نے موضوع کو بڑھانے سے گریز کیا ورنہ اوشا سے کچھ بعید نہیں تھا وہ کچھ نا گفتنی قسم کے انکشافات پر اتر آتی۔ کنور پیلس میں عورت کی اور خاص طور سے جب اس کا کنور خاندان سے تعلق نہ ہو کیا وقعت تھی۔ یہ میں اچھی طرح جان گیا تھا۔ اوشا عرصے سے یہاں تھی اور ظاہر ہے وہ بے بس تھی اس کے ساتھ وہ سب ہوا ہوگا اور ہوتا ہوگا جو کنور پیلس کی دوسری خادماؤں کے ساتھ ہوتا تھا اور ہوتا ہے۔ ''تم یہاں سے نکل کر کہیں جا نہیں سکتی ہو؟''

''ہم کیسے جا سکتے ہیں؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''یہاں سب گلام ہیں کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ جو بھاگتا ہے اس پر کتے چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر باہر ہمارا ہے کون جس کے پاس جائیں۔ یہاں چھت تو ملی ہوئی ہے۔''

اس چھت تلے اس کے ساتھ جو ہوتا تھا وہ واضح تھا۔ اوشا مجھے دیکھ کر دکھی تھی وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کنور میرے خون کے پیاسے تھے۔ حقیقتاً بھی اور محاورتاً بھی، ایک بار میں قبائلیوں کی وجہ سے ان کے چنگل سے نکل بھاگا تھا مگر ان کے ہاتھ لمبے تھے انہوں نے مجھے دوبارہ پکڑ لیا۔ یہ وہ بات تھی جو اوشا کی سادہ سی سمجھ میں آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتی تھی اس لیے میں نے اسے یہی بتایا۔ وہ دکھی ہوگئی۔ ''بھگوان تمہاری رکھشا کرے۔'' اس نے کہا اور پھر چونکی۔ ''لو ہم جس کام سے آئے تھے اور بھول گئے منشی جی کھال اتار دیں گے۔''

''فکر مت کرو جب تک میں یہاں ہوں کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔''

''سچ شہباز بابو۔'' وہ خوش ہوگئی۔ ''سچ کہو ہم یاد آتے تھے؟''

''یاد۔'' میں بوکھلا گیا کیونکہ بانو سب کچھ بغور دیکھ اور سن رہی تھی۔ ''ہاں یاد تو آتی تھی۔''

''تم بھی ہمیں بہت یاد آتے ہو۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

''تم کام سے آئی تھیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''پر تمہیں دیکھ کر سب بھول گئے اب تو منشی جی کھال بھی اتار دیں تو دکھ نہیں ہوگا۔ تمہاری خاطر ایک بار پہلے بھی یہ تکلیف بھوگ چکے ہیں۔'' کہتے ہوئے اس کا انداز ماضی کی طرح نشیلا ہوگیا تھا۔ میں نے دل میں لاحول پڑھی۔ وہ مظلوم سہی لیکن اس میں ایک خاص قسم کی نسوانی بدمعاشی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب میں اس کے اور اس کے باپ کے قابو میں تھا تب اس نے اس بدمعاشی کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔ مگر ساتھ ہی وہ میرے کام بھی آئی تھی۔ مگر یہاں اس قسم کی بدمعاشی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے میں نے ذرا دوٹوک انداز میں کہا۔

''ماضی کی باتیں بھول جاؤ اور ابھی کے مسائل پر توجہ دو یہ بتاؤ کہ منشی جی نے تمہیں کس لیے بھیجا ہے؟''

وہ ذرا بجھ گئی اور آہستہ سے بولی۔ ''آپ کو جو چاہیے وہ لادوں۔''

''ٹھیک مجھے کچھ لباس چاہئیں۔''

''آپ لکھ کر دے دیں۔'' اس نے ایک رف پیڈ اور کاغذ میرے سامنے کیا۔ ''ہوسکتا ہے کہ بولیں تو ہماری سمجھ میں نہ آئے۔''

میں نے اپنے لباس اور جوتے چپل کے بارے میں لکھ دیا۔ اس کے علاوہ بھی جو سمجھ میں آیا وہ لکھ دیا۔ کون سا میرے اکاؤنٹ سے کچھ جا رہا تھا۔ اپنا پرچہ پھاڑ کر میں نے رف پیڈ بانو کی طرف بڑھا دیا۔ ''تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو اس پر لکھ دو، سب بلا تکلف لکھ دو۔''

بانو نے سر ہلایا اور اپنے بیڈ پر بیٹھ کر لکھنے لگی۔ میں نے آہستہ سے اوشا سے کہا۔ ''سنو، میں یہاں ایک مستوب فرد ہوں، کل میں کہاں ہوں کچھ پتا نہیں، لیکن تمہیں یہیں رہنا ہے اس لیے مجھ سے تعلق ظاہر مت کرنا۔ نہ ہی کسی سے میرے بارے میں بات کرنا۔''

''ہم جانتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ جذباتی ہوگئی۔ ''چاہے یہ ہمیں کتوں کے آگے کیوں نہ ڈال دیں۔''

''اوشا سمجھنے کی کوشش کرو، ہوسکتا ہے کہ تمہارا اور میرا تعلق ان کے علم میں آجائے تو یہ تمہیں یہاں نہ بھیجیں۔ محل میں خادماؤں کی کمی تو نہیں ہے۔ ممکن ہے کسی وقت تم میری مدد کر سکو۔''

''ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔ ''ہاں یہ تم ٹھیک کہتے ہو، ہم اب کسی کو نہیں بتائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانو نے اپنا پرچہ لکھ کر اسے موڑ کر اوشا کے حوالے کیا اور پھر اس کے ساتھ دروازے تک گئی اور سرگوشی میں اسے کچھ کہنے لگی۔ اس کی آسانی کی خاطر میں واش روم میں چلا گیا۔ ابھی کیونکہ خون لینے کا مرحلہ دور تھا اس لیے فی الحال چائے کافی پر پابندی نہیں تھی۔ باہر موجود گورکھا گارڈز کو کہنا کافی ہوتا تھا کچھ دیر میں چائے کافی آجاتی تھی۔ جب اوشا چلی گئی تو بانو نے اس کے بارے میں سوالات کا آغاز کیا میں جانتا تھا وہ لازمی پوچھے گی اس لیے میں نے مناسب جوابات پہلے ہی سوچ لیے تھے۔ جو مختصر اور پُراثر تھے۔ بانو کی تسلی نہیں ہوئی تھی لیکن اس سے آگے وہ پوچھ نہیں سکتی تھی۔ البتہ اس نے یہ ضرور کہا۔ "آپ سے بہت متاثر لگ رہی ہے۔"

"میرے دوست اور دشمن سب مجھ سے متاثر ہوتے ہیں۔" میں نے ٹالنے کے انداز میں کہا تو وہ سمجھ گئی اور پھر اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ دوپہر کا کھانا ویسا ہی تھا جیسا کہ میں کچھ عرصے سے کھاتا آرہا تھا۔ یعنی سادہ لیکن مزیدار اور غذائیت سے بھرپور۔ بانو کی خوراک محدود سی تھی۔ وہ شاید میری خوراک کا چوتھا حصہ بھی نہیں کھاتی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ "تم اپنی خوراک پر توجہ دو، تم بہت کم کھاتی ہو۔"

"میں اتنا ہی کھاتی ہوں۔"

"نہیں اس سے زیادہ کھاؤ، یہ مت بھولو کہ تم دشمن کی قید میں ہو اور کسی وقت بھی تم پر برا وقت آسکتا ہے۔ اگر مضبوط ہوگی تو مشکل وقت گزار سکوگی اور مضبوط بننے کے لیے خوراک اور ایکسرسائز پر توجہ دو۔"

اس نے بے توجہی سے کہا۔ "میں لڑکی ہوں کتنی کوشش کرلوں مضبوط نہیں بن سکتی۔"

"یہ سب سوچ ہے اللہ نے مرد اور عورت کو بہت مختلف نہیں بنایا ہے۔ عورت صنفِ نازک ہے لیکن اسے کمزور سمجھنا درست نہیں ہے نازکی اور کمزوری میں فرق ہوتا ہے۔ عورت بھی چاہے تو خود کو مضبوط بنا سکتی ہے بے شک مرد جیسی مضبوطی اور طاقت نہیں آسکتی ہے لیکن جس حد تک ممکن ہے اتنا تو مضبوط ہونا چاہیے نا۔"

"آپ کہہ تو ٹھیک رہے ہیں۔" وہ سوچ کر بولی۔ "تب میں کیا کروں۔"

"ایکسرسائز کرو اور خوراک بہتر بناؤ۔"

"جو ایکسرسائز آپ کرتے تھے؟"

"نہیں ہلکی پھلکی، جیسے واک کرنا، ہلکی دوڑ لگانا ایسی جسمانی ایکسرسائزز جو چھوٹی جگہ بھی کی جاسکتی ہیں۔ یہاں بھی خاصی جگہ ہے۔" میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ "یہ لوگ شاید ممتاز ہاؤس جیسا جم تو نہ دیں اس لیے مجھے اسی کمرے میں کچھ کرنا ہوگا۔"

درحقیقت کمرہ خاصا بڑا تھا یہ شاید پچیس بائی اٹھارہ فٹ کا کمرہ تھا۔ میں نے سوچا کہ منشی جی سے کچھ مشینوں کا کہتا ہوں۔ ورنہ میں خود بھی اچھی خاصی ایکسرسائز کرسکتا تھا۔ کھانے کے دو گھنٹے بعد میں نے ہلکی اسکپنگ شروع کی۔ یعنی پنجوں کے بل اچھلنے لگا۔ جسم گرم کرنے کے لیے یہ اچھی ایکسرسائز ہے۔ بانو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کرتہ اتار دیا کیونکہ پسینہ آنے لگا تھا۔ جب جسم گرم ہوگیا تو نیچے لیٹ کر دونوں ہاتھ گردن پر رکھے اور پاؤں ملا کر انہیں سمیٹنے اور کھولنے لگا۔ یہ خاصی سخت ورزش تھی۔ ذرا سی دیر میں پسینے پسینے ہوگیا تھا۔ بانو نے کہا۔

"دیکھنے میں تو آسان لگ رہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن کرنے میں بہت سخت ہے۔ یہ بیک وقت کمر، پیٹ اور پیروں کی ورزش ہے۔''

''کیا میں بھی کروں؟''

''نہیں تم فی الحال واک کرو۔''

''میں نے ایک دو بار بے بی کے ساتھ جم میں ایکسر سائز کی تھی لیکن میرا دل نہیں لگا۔ اس لیے پھر نہیں کی۔''

ایک گھنٹے بعد اوشا ہمارے لیے کپڑے لے آئی تھی۔ اس نے دو عدد بیگ اٹھا رکھے تھے۔ میں نے تولیہ لے کر واش روم کا رخ کیا۔ نہا کر وہی کپڑے پہنے اور باہر آیا تو اوشا بانو کو اس کی چیزیں دے کر جا چکی تھی۔ وہ میری موجودگی میں بھی سب بتا اور دے سکتی تھی مگر بانو شرمندہ ہوتی اس لیے میں واش روم چلا گیا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ایک ہی کمرے میں رہنا آسان نہیں تھا۔ آدمی کو چاہے وہ مرد یا عورت ہو پرائیویسی درکار ہوتی ہے۔ مجھے خیال آیا کہ اگر منشی جی ہمیں ایسے کمروں میں منتقل کر دے جو برابر ہوں اور درمیان میں رابطے کا دروازہ ہو تو مجھے اور بانو دونوں کو آسانی رہے گی لیکن ایسے کمرے محل میں میسر ہوتے اور منشی جی وہاں منتقل کرنے پر آمادہ ہو۔ باہر آ کر میں نے دوسرے کپڑے لیے اور پھر واش روم میں جا کر تبدیل کیے۔ میرے بعد بانو اندر گئی اس نے دوسرا سوٹ ساتھ لے لیا تھا یہ اس کا پسندیدہ فراک پاجامہ سوٹ تھا۔ کچھ دیر آرام کر کے میں نے منشی جی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ گورکھے گارڈ نے کہا۔

''ان کو بتاتا ہے۔''

گورکھے کی اردو یا ہندی واجبی سی تھی۔ مگر وہ سمجھ لیتا تھا اور اپنی بات سمجھا بھی لیتا تھا۔ بانو نہا کر اور لباس بدل کر آئی تو تازہ دم لگ رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''سنو میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ میں منشی جی سے بات کرتا ہوں وہ ہمیں دو ایسے کمرے دے دے جو درمیان سے ملے ہوں۔''

وہ ڈر گئی۔ ''میں اکیلی رہوں گی۔''

''نہیں تم ایک طرح سے میرے ساتھ ہی ہو گی لیکن تمہاری اپنی پرائیویسی بھی ہو جائے گی۔''

اس نے سوچا اور پھر سر ہلایا۔ ''اگر ایسا ہو تو ٹھیک ہے لیکن اس صورت میں، میں باہر والا دروازہ اندر سے بند ہی رکھوں گی۔''

''اسے بھی دیکھ لیں گے پہلے منشی جی سے بات کر لیں اور کمرے مل جائیں۔''

منشی دل جی کچھ دیر بعد آیا اور کسی قدر طنزیہ انداز میں بولا۔ ''حکم شہباز جی۔''

''منشی جی ایک قیدی آپ کو کیا حکم دے گا۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''گزارش کر سکتا ہے ماننا یا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔''

''ہم تو خود آپ کے رحم و کرم پر ہیں۔'' وہ کسی قدر تلخ ہو گیا۔ ''بہر حال حکم کریں۔''

''منشی جی ایک تو ہمیں ایسے دو کمروں میں منتقل کر دیں جو درمیان سے ملے ہوں۔ ایک کمرے میں پرائیویسی مشکل ہو جاتی ہے۔''

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ہو جائے گا لیکن کل تک ہی ہو سکے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دوسرے مجھے اپنی صحت بہتر بنانے کے لیے کچھ ایکسرسائز ایکو پمنٹ درکار ہیں۔''

''وہ بھی کل تک مل جائیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''آج کسی وقت آپ کے ٹیسٹوں کی رپورٹ آجائے گی اور کل صبح سویرے آپ کو ڈاکٹر سے ملنا ہوگا۔''

''میں تیار رہوں گا لیکن منشی جی کیا میں اس شخص سے مل سکتا ہے جو بڑے کنور کے لیے میرے خون سے دوا تیار کرے گا۔''

''مجھے بڑے کنور سے اجازت لینا پڑے گی۔'' منشی جی نے کہا۔ اس کے جانے کے بعد بانو نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔

''آپ اتنے مطمئن ہیں کہ لگ ہی نہیں رہا ہے کہ آپ دشمن کی قید میں ہیں۔''

''حالانکہ تم مجھے پہلے بھی دیکھ چکی ہو۔ ممتاز ہاؤس میں بھی میں قیدی تھا اور وہاں بھی میں اتنے سکون سے رہ رہا تھا۔ البتہ مجھے موقع ملا تو میں نے اس ڈاکٹر کو دنیا سے رخصت کر دیا جو میرا خون نچوڑ رہا تھا۔ موقع ملتا تو رامن بھی مارا جاتا مگر میری کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اس نے مجھ پر قابو پالیا تھا۔ میں ہمیشہ پُر امید رہتا ہوں کہ مجھے موقع ملے گا اور یقین کرو ایک بار بھی مجھے مایوسی نہیں ہوئی میں اس مرحلے سے اتنی بار گزر چکا ہوں کہ اب بالکل عام سی بات لگتی ہے اور یہی وجہ ہے میں اتنا پُرسکون رہتا ہوں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مجھے ان معاملات کا کوئی تجربہ نہیں ہے میں تو ممتاز ہاؤس سے بھی کم نکلی تھی اس لیے یہ سب میرے لیے بہت دہشت ناک ہے یقین کریں آپ نہ ہوتے تو شاید میں اب تک دہشت سے مر چکی ہوتی۔''

رات کے کھانے کے بعد میں نے کچھ دیر چہل قدمی کی اور پھر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ بانو لیٹنا چاہتی تھی لیکن میرے سامنے لیٹتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ جب میں کمبل اور تکیہ لے کر قالین پر دراز ہوا تو وہ بھی لیٹ گئی تھی۔ بانو کے ساتھ ہونے سے مجھے کوفت تو ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں لی تھی بلکہ اس کا انداز بدستور پہلے والا تھا اور وہ مجھ سے ادب و آداب سے پیش آرہی تھی۔ میری حالت بہتر ہو رہی تھی۔ آرام اور بہترین خوراک سے میری کمزوری تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ اگلی صبح میری آنکھ جلد کھل گئی۔ بانو سو رہی تھی میں نے پاجامہ پہنا اور ایکسرسائز کی۔ گزشتہ روز کی نسبت تھکن کم ہوئی تھی۔ مجھے آخری بار خون دیئے ہوئے چار دن سے زیادہ کا وقت گزر گیا تھا۔ مگر مجھے امید تھی کہ ہفتہ واری خون لینے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔

ایکسرسائز سے فارغ ہو کر میں نے غسل کیا اور باہر آیا تو بانو جاگ گئی تھی اس نے کمبل تہہ کر کے دھو دیئے تھے۔ مجھے گڈ مارننگ کہہ کر وہ واش روم چلی گئی۔ ٹھیک آٹھ بجے دل نواز خان ناشتہ لے آیا۔ جب وہ پہلی بار مجھ سے ملا تو خاصا پُرجوش تھا لیکن بانو اور مجھے ایک کمرے میں رہتے پا کر اس کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اس وقت بھی اس نے کسی قدر معاندانہ انداز میں ناشتہ لگایا۔ اس بار کافی نہیں تھی اور چائے صرف بانو کے لیے تھی۔ یہ بات اس نے واضح کر دی کہ مجھے چائے یا کافی سے منع کر دیا گیا ہے۔ بانو آئی تو ہم نے ناشتہ کیا۔ ناشتے کے فوراً بعد منشی دل جی آگیا تھا اور مجھے کلینک لے گیا۔ جہاں ڈاکٹر میرا منتظر تھا۔ اس نے معمول کا چیک اپ کیا اور بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کچھ کمزوری ہے لیکن جسم اور خون میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ میں کچھ دوائیں دے رہا ہوں جو دو دن لینی ہیں اس کے بعد دوبارہ چیک اَپ ہوگا۔''

''یعنی ابھی میرا خون نہیں لیا جائے گا؟''

''نہیں دوبارہ چیک اَپ کے بعد فیصلہ ہوگا۔'' ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے مجھے تین چار طرح کی گولیاں اور کیپسولز کھانے کے لیے دیں اور بتایا کہ دن میں کتنی بار لینی ہیں۔ میں نے سکون کا سانس لیا کہ ابھی مجھے خون نہیں دینا ہوگا البتہ منشی جی کا موڈ خراب ہوگیا۔ اس نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''دیکھنے میں تو شہباز جی ٹھیک لگ رہے ہیں۔''

''یہ میرا معاملہ ہے۔'' ڈاکٹر نے خلاف توقع رکھائی سے جواب دیا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ کب ان سے خون لینا مناسب ہوگا۔''

یہ ڈاکٹر اس قصائی نما ڈاکٹر سے مختلف لگ رہا تھا جو پہلے یہاں میرا خون نکالتا تھا اور بعد میں پتا چلا کہ وہ معتوب قبائلیوں اور کنور خاندان کے دشمنوں کے اعضا بھی نکالتا تھا۔ ظاہر ہے اس کے بعد وہ موت کی آغوش میں چلے جاتے تھے۔ مگر کیا کہا جا سکتا تھا۔ میں نے انسانوں کو ایسے ایسے نقابوں کے ساتھ دیکھا تھا کہ ایک بار تو فرشتے بھی دھوکا کھا جائیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب مجھے ڈاکٹر توفیق جیسے شیطان سے واسطہ پڑا تھا اور اس نے زرین اور مجھ پر جان لیوا دائرس کا تجربہ کیا۔ میری موت کا وقت نہیں آیا تھا اس لیے میں محفوظ رہا تھا لیکن زرین اپنی جان سے گئی تھی۔ اگر یہ ڈاکٹر اتنا ہی اچھا ہوتا تو اس وقت یہاں کنور ہاؤس میں موجود نہ ہوتا۔ واپسی میں منشی جی مجھے اس کمرے کی طرف نہیں لے گیا تھا جہاں میں اور باتو رہ رہے تھے بلکہ اس نے اسی راہداری میں ایک اور کمرے کا دروازہ کھولا۔

''شہباز جی آپ کی خواہش کے مطابق یہ کمرے کھولے گئے ہیں۔ دیوی جی برابر والے کمرے میں ہیں پر درمیان کا دروازہ موجود ہے۔'' کہتے ہوئے اس کا لہجہ معنی خیز ہوگیا تھا۔ میں نے اسے گھورا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ آپ دیوی جی کی طرف سے مطمئن رہیں گے۔'' منشی جی نے جلدی سے لہجہ بدل دیا۔ ''آپ نے جو مشینیں کہی تھیں وہ بھی آگئی ہیں۔''

ہم اندر آئے۔ یہ کمرہ جدید مگر سادہ انداز کا تھا۔ فرش پر وال ٹو وال کھلتے نیلے رنگ کا کارپٹ تھا۔ ایک طرف چھوٹی سائیڈ دراز کے ساتھ سنگل بیڈ تھا۔ دراز کے ساتھ ٹو سیٹر صوفہ اور اس کے سامنے میز تھی۔ اندر آنے والا دروازہ واش روم کے سامنے کھلتا تھا۔ کمرہ ایل شکل کا تھا۔ دروازے کے ساتھ اور واش روم کے بالکل سامنے وارڈ روب تھی۔ کمرے میں ایک طرف ایکسر سائز مشینیں لگی تھیں۔ بیڈ کے عین سامنے ایل سی ڈی ٹی وی اور ڈی وی ڈی پلیئر تھا۔ ریک میں بے شمار ڈی وی ڈیز رکھی تھیں۔ کمرے پر میٹ فنش ہلکا آسمانی رنگ تھا۔ بیڈ کے ساتھ کھڑکی تھی جس پر فیروزی رنگ کے پردے تھے۔ وارڈ روب اور واش روم کے درمیان برابر والے کمرے کا دروازہ تھا۔ منشی جی سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جب میں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تو اس نے خود پوچھ لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کمرہ کیسا لگا؟''

''پنچھی کو قید خانے سے کیا فرق پڑتا ہے منشی جی۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''پنجرہ سونے کا بھی ہو تو پنجرہ ہوتا ہے۔''

اگر منشی جی نے مجھ سے اتفاق کیا تھا تو ظاہر نہیں کیا اور رخصت ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نیم ابر والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بانو شاید لگی کھڑی تھی کیونکہ دوسرے سیکنڈ میں دروازہ کھل گیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر گویا سکون کا سانس لیا۔ ''شکر ہے ورنہ میں پریشان ہو گئی تھی۔ آپ کے جاتے ہی وہ لڑکی آئی اور مجھے یہاں لے آئی۔''

''اوشا؟'' میں نے کہا۔

''ہاں۔'' وہ جھینپ گئی۔ ''بہت بدتمیز ہے مجھ سے ایسے سوال کر رہی تھی کہ مجھے ڈانٹنا پڑا۔''

''وہ ان پڑھ اور بہت معمولی طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ تم اسے بہت پالش شدہ شکل میں دیکھ رہی ہو ورنہ وہ اپنے باپ کے سامنے بھی ایسی باتیں اور حرکتیں کر جاتی تھی کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔''

بانو ہچکچائی پھر اس نے کہا۔ ''وہ مجھ سے آپ کے بارے میں کرید کرید کر پوچھ رہی تھی۔''

''کیا پوچھ رہی تھی؟'' میں نے بانو کے کمرے کا جائزہ لیا سوائے ایکسر سائز مشینوں کے یہ بالکل میرے کمرے کی طرح فرنش تھا۔ ہمارے کپڑے اور دوسری چیزیں بھی الماریوں میں آ گئی تھیں۔

''یہی کہ میرا آپ سے کیا تعلق ہے؟'' بانو جھینپ کر بولی۔ ''اس پر میں نے اسے ڈانٹ دیا۔''

''تم نے ٹھیک کیا۔ یہاں ہم اپنی خوشی سے نہیں آئے ہیں جو دوسروں کا خیال رکھیں۔ ابھی ہم حاوی ہیں اس لیے جو بات محسوس ہو وہ صاف کہہ دیا کرو۔''

''ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟'' اس نے موضوع بدل دیا۔

''فی الحال تو بچت ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے دو دن بعد دوبارہ ٹیسٹ لینے کو کہا ہے۔''

''اللہ کرے وہ آپ کو ان فٹ قرار دے دے۔''

میں اس کی دعا پر ہنسا۔ ''بی بی یہ بچ نہیں ہے کہ ان فٹ ہونے کے بعد مجھے بچ سے نکال دیا جائے۔ اس کے بجائے یہ مجھے دنیا سے رخصت کر دیں گے اور ظاہر ہے پھر تمہارے ساتھ بھی اچھا نہیں ہو گا۔''

وہ سہم گئی۔ ''یہ تو میں نے سوچا نہیں۔''

''دیکھو ابھی وقت ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''خون لینے کا سلسلہ ہی کئی مہینے چلے گا۔ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے ہمیں کوئی نہ کوئی موقع مل جائے گا۔ بس ہمیں صبر سے انتظار کرنا ہو گا۔''

''لیکن یہ پھر وہی حرکت نہ کریں۔'' بانو نے خدشہ ظاہر کیا۔ ''نصف لیٹر کا کہہ کر زیادہ خون نکال لیں۔''

''نہیں مجھے امید ہے اس بار ایسا نہیں ہو گا۔ وہاں میں کنور خاندان کے پوری طرح قابو میں نہیں تھا اور انہیں یہ خدشہ بھی ہو گا کہ میں فرار نہ ہو جاؤں اس لیے وہ حفظ ماتقدم کے طور پر میرا زیادہ خون لے رہے تھے مگر یہاں میں ان کے قابو میں ہوں اور سونے کا انڈہ دینے والی مرغی کو صرف احمق لوگ ذبح کرتے ہیں۔''

''اگر آپ ان کے قابو میں ہیں تو پھر یہاں سے کیسے نکلیں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اللہ مالک ہے پہلے بھی وہی مدد کرتا آیا ہے آگے بھی وہی کرے گا اور اگر اس نے کوئی اور فیصلہ کر لیا ہے تو بھی ہمارے پاس رضا بہ راضی رہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے یہ انہوں نے اچھا کیا ہے کہ ہمیں الگ کمرے دے دیئے۔''

وہ مسکرائی۔ ''ہاں، سچ میں مجھے آپ کے سامنے سوتے ہوئے شرم آتی تھی اور بے چینی کی وجہ سے بڑی مشکل سے نیند آتی تھی۔''

''اب تم آرام سے سو سکو گی۔ درمیان والا دروازہ بھی بند کر لینا۔''

''ایسا نہیں ہے کہ مجھے آپ پر بھروسہ نہیں ہے۔'' وہ سنجیدہ ہو گئی۔ ''بات صرف جھجک کی ہے اور یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ البتہ اس دروازے کے اندر کوئی چیز نہیں ہے بند کرنے والی سوائے لاک کے۔''

لاک کو بٹن دبا کر اندر سے بند کیا جا سکتا تھا لیکن اسے چابی کی مدد سے باہر سے کھولا بھی جا سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ہم اس معاملے میں مجبور ہیں۔ اگر انہوں نے کچھ کرنا ہوگا تو ہم بند دروازوں کے پیچھے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اس لیے لاک یا اندر سے بند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' پھر اسے یاد آیا۔ ''اوشا میرے اور آپ کے لیے کچھ اور لباس اور چیزیں لائی ہے۔ میں نے آپ کے کپڑے اور چیزیں آپ کی الماری میں رکھ دی ہیں۔''

میں نے چیک کیا۔ تین مکمل لباس تھے۔ ایک نائٹ سوٹ تھا جو آرام دہ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پر مشتمل تھا۔ دو شارٹس تھے اور ایک واش روم سلیپر تھا۔ شیونگ کا مکمل سیٹ۔ نیل کٹر اور کچھ دوسری ضروری اشیا تھیں جن کی ضرورت آدمی کو پڑتی رہتی ہے۔ یہاں بھی واش روم شاندار اور تمام سہولیات سے آراستہ تھا۔ میں نے ایکسرسائز شروع کی تو کچھ دیر میں بانو بھی آ گئی۔ اس نے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

''لگتا تم نے میری بات مان لی۔''

''ہاں پھر یہاں کرنے کے لیے اور کچھ ہے نہیں۔ کیوں نہ میں بھی ایکسرسائز کروں۔''

''پہلے تم رننگ مشین پر چلو۔'' میں نے مشورہ دیا اور پھر اسے عملی طور پر کر کے بھی دکھایا۔ معمولی سی کوشش سے وہ خود بھی سیکھ گئی۔ اس نے مشین پر واک کی اور پھر ہلکی رننگ کی اور اس کے بعد سائیکل چلائی۔ ایک گھنٹے کی ایکسرسائز نے اسے پسینے پسینے کر دیا تھا اور سانس بے قابو ہو رہا تھا میں نے افسوس سے کہا۔ ''تم دیکھنے میں صحت مند لگتی ہو لیکن تمہارا اسٹیمنا بہت کم ہے۔ بہر حال ایک ہفتہ لگ کر کرو گی تو اسٹیمنا بہتر ہو جائے گا۔''

جو کھانا میرے لیے آتا تھا وہی بانو بھی کھاتی تھی۔ اسے سادہ اور غذائیت سے بھرپور خوراک ملی تو سچ مچ چند دنوں میں اس کا اسٹیمنا اور صحت پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ میں دو وقت ایکسرسائز کرتا تھا اور میرا دورانیہ دو گھنٹے ہوتا تھا لیکن وہ ایک گھنٹہ کرتی تھی۔ اس کے لیے یہ بھی کافی تھا۔ تین دن بعد میرے ٹیسٹ دوبارہ ہوئے تھے اور اگلے دن رپورٹ آئی تھی کہ میں اب بالکل فٹ تھا اس لیے مزید تین دن بعد خون نکالنے کا ہفتہ وار پروگرام دوبارہ شروع کیا جا رہا تھا۔ مسلسل بہترین خوراک اور ایکسرسائز کے بعد مجھے فٹ تو ہونا ہی تھا۔ بانو یہ سن کر حیران ہوئی تھی کہ میرا خون لیا جائے گا۔

''یہ تو ہونا ہی تھا۔'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''اسی مقصد کے لیے میری جان کے دشمن میرے لیے اتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تگ و دو کر رہے ہیں لیکن اسی بہانے میری جان بھی بچی ہے۔"

بانو کی فکر کم نہیں ہوئی تھی۔ مجھے راج کنور کی فکر تھی ان دونوں بھائیوں میں میرے خون کا اصل پیاسا وہی تھا بڑے کنور کو میرا خون صرف علاج کے لیے درکار تھا وہ براہ راست میرا دشمن نہیں تھا مگر راج کنور میرا ذاتی دشمن بن گیا تھا۔ ایک تو وہ کینہ پرور شخص تھا اور دوسرے میں نے کئی مواقعوں پر اسے منہ توڑ جواب دیئے تھے لیکن جب سے میں یہاں آیا تھا مجھے ایک بار بھی اس کی منحوس صورت نظر نہیں آئی تھی ہاں جب آیا تھا تو اس کا چیلا نائیک ضرور دکھائی دیا تھا اس کے بعد سے وہ بھی غائب تھا۔ یقیناً ایسا نہیں تھا کہ وہ مجھے بڑے کنور کے حوالے کر کے بھول گیا تھا۔ بلکہ وہ منتظر ہوگا کہ کب بڑے کنور کا کام ختم ہو اور میں اس کے ہاتھ آؤں۔ اس کا ایک اور چیلا یعنی رامن بھی غائب تھا اگر وہ کنور پیلس آیا تھا تب بھی میرا اس سے سامنا نہیں تھا۔ وہ بھی بانو کے ہاتھ سے نکل جانے سے تلملا رہا ہوگا۔ میں جب ان کے ہاتھ آتا وہ یقیناً اپنے دل کی ہر ممکن بھڑاس نکالتے۔ میرے ساتھ بانو بھی ماری جاتی۔ اگرچہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ ایک حسین اور جوان لڑکی تھی اور اس پر رامن کا دل آ گیا تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ میرے ساتھ اغوا ہوئی تھی۔ اگر رامن صرف اسے لے آتا تو یقیناً وہ اب تک اپنی من مانی کر چکا ہوتا۔ میرے خلاف اندر ہی اندر کیا کھچڑی پک رہی تھی میں اس سے فی الحال بے خبر تھا۔

ایک ہفتے بعد بانو نے دوسری ایکسرسائزز شروع کر دی تھیں جیسے کمر اور بازوؤں کی۔ وہ بنچ پریس بھی کر رہی تھی۔ نوجوان تھی اس لیے اسے بہت تیزی سے اثر ہوا تھا۔ پہلے وہ ذرا بے ڈول تھی۔ پیٹ بڑا تھا اگرچہ یہ بدنما نہیں لگتا تھا۔ ہمارے مشرقی لباس بے ڈول جسم کو بھی خوب صورت بنا کر پیش کرتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں صحت اور جسم کی بہتری کی طرف کم ہی توجہ دی جاتی ہے اور خواتین کا سارا زور اچھے اور خوب صورت لباس پر ہوتا ہے۔ یہی حال بانو کا بھی تھا۔ مگر ایکسرسائز کی تو اس کی شیپ بدل گئی۔ پیٹ کم ہو گیا تھا۔ اضافی چربی چھٹ گئی تھی۔ جسم مضبوط اور اسٹیمنا کہیں بہتر ہوا تھا اب وہ بغیر تھکے ایک گھنٹے کی رننگ یا سائیکلنگ کر سکتی تھی۔ اپنی اس پروگریس پر وہ بہت خوش تھی اور اس کا مطالبہ تھا کہ میں اسے سیلف ڈیفنس بھی سکھاؤں۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ایک ہفتہ اور لگ کر ایکسرسائز کرے اور خود کو مزید مضبوط بنائے اس کے بعد میں اسے ضرور سکھاؤں گا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق تین دن بعد میرا خون لیا گیا تھا اور اس بار ڈاکٹر نے مجھے واضح دکھا کر نصف لیٹر خون لیا تھا۔ خون دے کر مجھے کسی قسم کی کمزوری محسوس نہیں تھی۔ اس روز بھی میں نے معمول کے مطابق ایکسرسائز کی تھی۔ اب مجھے ایک ہفتے بعد خون دینا تھا اور جلد ایک ہفتہ گزر گیا۔ مجھے ناشتے کے بعد کلینک لے جایا گیا تھا جب کہ ممتاز ہاؤس میں ناشتے سے پہلے میرا خون لیا جاتا تھا اور وہ طریقہ کار غلط تھا صبح انسان خالی پیٹ ہوتا ہے اور رات بھر میں اس کی توانائی کا بڑا حصہ خرچ ہو چکا ہوتا ہے ایسے میں خود دینے سے جسم مزید کمزور ہو جاتا ہے۔ اب میں ناشتہ کر کے گیا تو مجھے معلوم بھی نہیں ہوا تھا۔ دوسرے ہفتے میں ناشتہ کر کے منشی جی کے ساتھ روانہ ہوا۔ کمرے سے باہر منشی جی اور گورکھا گارڈ لازمی میرے سر پر ہوتے تھے اگر منشی جی کچھ دیر کے لیے کہیں چلے بھی جاتے تب بھی گارڈ لازمی ہوتا تھا۔ اس روز بھی منشی جی کچھ دیر بعد کلینک سے کہیں چلے گئے تھے۔ میرا خون لیا گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر میں گارڈ کے ساتھ واپس روانہ ہوا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے میرے کمرے کی طرف لے جائے گا لیکن اس کے بجائے اس نے درمیان سے راستہ بدل دیا۔ میں رک گیا۔

''یہ کہاں لے جا رہے ہو؟''

''آپ کو بلایا گیا ہے۔''

''کس نے؟''

''آپ دیکھ لینا۔'' وہ بولا۔ ''دیر مت کریں مالک ناراض ہوں گے۔''

مجھے خیال آیا کہ کہیں بڑے کنور نے تو نہیں بلایا ہے۔ میں گارڈ کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے ایک دروازے تک لایا اور بولا۔ ''آپ اندر چلے جائیں۔''

مجھے تعجب ہوا کہ اگر بڑا کنور اندر موجود تھا تو مجھے اس طرح جانے کو کیوں کہا جا رہا تھا جب کہ بڑے کنور سے میری ملاقات کے دوران نہ صرف یہ گارڈ بلکہ منشی دل جی بھی موجود رہا تھا۔ میں ہچکچایا اور دروازہ کھول کر اندر آیا تھا کہ رک گیا۔ سامنے ایک شاہانہ قسم کی کرسی پر راج کنور بیٹھا تھا اور اس کے عقب میں نائیک کھڑا تھا۔ راج کنور سنجیدہ تھا لیکن نائیک دانت پیسنے کے انداز میں مسکرا رہا تھا البتہ ایک چیز مشترک تھی اور وہ ان کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت تھی۔ پیچھے دروازہ بند ہو گیا تھا۔ خطرے کے احساس نے مجھے چوکنا کر دیا تھا۔

''شہباز جی۔'' راج کنور نے مخصوص طنزیہ انداز میں کہا۔ ''بہت دنوں بعد ملاقات ہو رہی ہے۔''

''میں بھی سوچ رہا تھا کہ بہت دنوں سے تم نے یاد نہیں کیا۔''

''تمیز سے بات کرو۔'' نائیک غرایا۔

میں نے استہزائیہ نظروں سے نائیک کو دیکھا۔ ''راج کنور تمہارا یہ کتا بھونکتا بہت ہے۔ اسے کاٹنا بھی سکھاؤ۔''

راج کنور کی آنکھوں میں شعلہ سا لپکا تھا اسے اس لہجے کی عادت کہاں تھی۔ نائیک کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میری بوٹیاں اڑا دے۔ راج کنور نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''بہت زبان چل رہی ہے تیری۔''

''یہ بتاؤ مجھے یہاں کیوں بلایا؟'' میں نے اس کی بات نظر انداز کی۔

''تجھے یہ بتانے کے لیے کہ بہت جلد تیری یہ چلنے والی زبان ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گی۔''

''بہت جلد کیوں۔'' میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''ابھی کیوں نہیں راج کنور؟''

راج کنور کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ ''ابھی سے نہیں آیا ہے۔''

''اب تم جیوتشی بن رہے ہو۔'' میں ہنسا۔ ''صاف کیوں نہیں کہتے کہ اپنے بڑے بھائی کے سامنے مجبور ہو۔ ویسے ہمارے ہاں ایک کہاوت ہے کہ خدا کتا بنا دے چھوٹا بھائی نہ بنائے کہیں تم.....''

''خاموش۔'' راج کنور دھاڑ کر کھڑا ہو گیا اور نائیک یوں اس کے پیچھے سے نکلا جیسے مجھ پر چڑھائی کا مصمم ارادہ کر چکا ہو۔ مگر راج کنور کے اشارے پر سیل ختم ہو جانے والے کھلونے کی طرح رک گیا۔ ''اگر میں نے کنور کو وچن نہ دیا ہوتا تو.....'' وہ خاموش ہو کر ہونٹ کاٹنے لگا۔ میرا دل چاہا کہ بولوں اسے پتا بھی ہے وچن ہتے کس کو ہیں مگر میں نے محسوس کیا کہ ایک حد آ گئی تھی اور اگر میں نے اسے مزید چھیڑا تو کچھ نہ کچھ کر گزرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔ مجھے اپنی فکر تو نہیں تھی لیکن میرے ساتھ بانو موجود تھی اور فی الحال وہی میری واحد کمزوری تھی۔ جب مجھے یہ خیال آیا تو اسی وقت راج کنور نے روپ بدلا اور بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تمہارے ساتھ موجود ناری بہت سندر ہے۔''

''اگر تم اس کے حوالے سے دھمکی دے رہے ہو تو بے کار ہے۔ میں نے بڑے کنور سے کہہ دیا ہے کہ اسے میرا تعاون اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک اس لڑکی کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔''

''ابھی نہ سہی بعد میں تو ہو سکتی ہے۔'' راج کنور کا لہجہ معنی خیز ہو گیا میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر ایک خیال کسی الہام کی طرح آیا تھا۔

''راج کنور اس لڑکی کو تم نے رامن سے اغوا کرایا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے اسے میاں ممتاز کے پاس دیکھا تھا مجھے اچھی لگی تو میں نے میاں جی سے مطالبہ کر دیا تھا مگر وہ بگڑ گیا۔''

''اس کا مطلب ہے اس میں کچھ غیرت باقی ہے۔''

''اب یہ غیرت یہاں ہے۔'' راج کنور شیطانی انداز میں بولا۔ ''میں نے سوچا ہے جب وہ میرے بالا روم میں چند راتیں گزار لے گی تو میں خود اسے میاں جی کو واپس بھیج دوں گا۔''

میں نے بے ساختہ اس کی طرف قدم بڑھایا تھا کہ عقب سے سرد سا لوہا آ کر میری گردن سے لگ گیا اور رامن کی آواز آئی۔ ''بس سورما، مزید کوئی قدم مت اٹھانا۔''

میرے قدم بے اختیار رک گئے تھے۔ اگرچہ مجھے یقین تھا کہ راج کنور مجھے نقصان پہنچانے کی ہمت نہیں رکھتا ہے لیکن اس وقت رامن کے لہجے میں ایسی کوئی بات تھی جس نے مجھے روک دیا تھا۔ وہ کس وقت اندر آیا مجھے بالکل پتا نہیں چلا تھا۔ شاید جس وقت میں اندر آیا اور گورکھا گارڈ دروازہ بند کر رہا تھا اسی وقت وہ بھی دبے قدموں اندر آ گیا تھا اور عین ممکن ہے دروازہ اسی نے بند کیا ہو جب کہ میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ گارڈ کا کام ہے۔ میں نے چند گہرے سانس لیے اور خود کو پُرسکون کرتے ہوئے راج کنور سے کہا۔ ''راج تمہارے یہ الفاظ مجھ پر ادھار ہیں۔ اگر اللہ نے مجھے موقع دیا تو بہت جلد تمہیں ان کی ادائیگی کروں گا۔''

عقب سے رامن ہنسا۔ ''میں سوچ رہا تھا اتنی دیر سے تم نے اپنے اللہ کا نام نہیں لیا۔''

اب تک کرسی پر بیٹھ راج کنور اٹھ کر نپے تلے قدموں سے میری طرف آیا اور بالکل میرے چہرے کے سامنے آ کر اس نے سرد تر لہجے میں کہا۔ ''بہت جلد یہ الفاظ حقیقت کا روپ دھار لیں گے اور ممکن ہے یہ سب تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو۔''

راج کنور واپس اپنی جگہ بیٹھا تو نائیک تڑپ کر بولا۔ ''کنور جی میں آپ کی وجہ سے چپ تھا لیکن اب میں برداشت نہیں کر سکتا مجھے اجازت دیں میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں۔''

مجھے اپنا موڈ بدلنے کا موقع مل گیا اور میں نے راج کنور سے کہا۔ ''اسے اجازت (اجازت) دے دو ہاتھ یہ میری زبان کھینچ لے، ورنہ میں اس کا کچھ اور کھینچ لوں۔ جس کے بعد یہ نمائشی مرد بھی نہ رہے۔'' کہتے ہوئے میرا لہجہ حقارت آمیز ہو گیا۔ نائیک بے تاب ہو کر ایک بار پھر میری طرف لپکا تھا لیکن راج کنور نے پھر اسے روک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔

''ابھی نہیں۔''

میں نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔''تم پھر کسی مقابلے کی تاریخ کا اعلان کرنے والے ہو؟''

''آج یہ خون دے کر آیا ہے۔''

مگر میرا موڈ مکمل طور پر بدل گیا تھا اور میں نائیک کو توڑ پھوڑ کر راج کنور کو پیغام دینے کے لیے بیتاب ہو گیا تھا۔ میں نے اسی لہجے میں کہا۔''تم فکر مت کرو کنور ایسوں سے تو میں بغیر خون کے بھی نمٹ سکتا ہوں۔''

''ابھی نہیں تمہارا مقابلہ نائیک سے ہوگا لیکن پرسوں اور مقابلے کی جگہ بھی دوسری ہوگی یہ مناسب مقام نہیں ہے۔''

راج کنور کے اشارے پر مجھے واپس بھیج دیا گیا۔ گورکھا باہر موجود تھا۔ وہ بہت چوکس شخص تھا اس کی شاٹ گن یوں اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی جیسے جسم کا کوئی حصہ ہو اور عقب سے اس کی نگاہیں ہمہ وقت مجھ پر مرکوز رہا کرتی تھیں۔ اسے اچھی طرح چن کر میرے ساتھ لگایا گیا تھا۔ وہ تقریباً دو ہفتے سے میرے ساتھ تھا اور اب تک ایک بار بھی میں نے اسے لمحے بھر کے لیے غافل نہیں پایا تھا۔ وہ چوبیس گھنٹے چوکس رہنے والے کوبرا سانپ کی طرح تھا۔ میں واپس آیا تو بانو میرے کمرے میں موجود تھی اور بے چین لگ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے میری طرف آئی اور لرزتی آواز میں بولی۔

''آپ کے جانے کے بعد وہ آیا۔''

''وہ کون؟''

''راج کنور۔'' بانو روہانسی نظر آنے لگی۔''وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے مجھے اغوا کرایا اور وہ.....'' وہ چپ ہو کر ہونٹ کاٹنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اور اندیشے تیر رہے تھے۔

''بانو تم یہ کیوں بھول گئیں کہ ہم دشمن کی قید میں ہیں اور یہ سکون کا عارضی مرحلہ ہے آنے والے وقت میں ہمارے لیے یقیناً عذاب تیار کیے جا رہے ہوں گے۔ میں خود راج کنور سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس نے خود مجھ سے بکواس کی ہے افسوس کہ میں اس کی زبان بھی کھینچ نہیں سکا۔''

''شہباز صاحب میرا دل کر رہا ہے کہ اس ذلت کے آنے سے پہلے خودکشی کر لوں۔''

''ہرگز نہیں خودکشی ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ کیونکہ خودکشی کرنے والا اللہ سے مایوس ہو جاتا ہے اور مایوسی کفر ہوتی ہے۔''

''تب میں کیا کروں؟''

''حوصلہ رکھو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، انسانوں کے بس میں کچھ نہیں ہے وہی سب کرنے والا ہے۔ تم خود کو مضبوط کر رہی ہو اس لیے تمہارے منہ سے خودکشی کی بات اچھی نہیں لگتی ہے۔''

بانو نے آنسو صاف کیے۔''تب آپ مجھے سیلف ڈیفنس سکھانا شروع کر دیں۔''

میں بھی یہی سوچ رہا تھا اگر بانو پر کوئی افتاد پڑ جاتی تو وہ کسی حد تک اپنا دفاع کرنے کے قابل تو ہوتی۔ سو نے اسی دن سے اسے سکھانا شروع کر دیا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں نازک تھے۔ ان سے کسی مرد پر وار کیا جاتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو وہ اتنا کارگر نہ ہوتا اس لیے ضرورت اس کی تھی کہ پہلے وہ اپنے ہاتھ پاؤں مضبوط کرے۔ میں نے منشی دل جی سے ایک پنچنگ بیگ منگوالیا تھا اور میں بھی اس پر مشق کرتا تھا۔ میں نے اس کی بلندی کم کی اور بانو کو سکھایا کہ کس طرح پنچ مارتے ہیں اور کس طرح کک چلاتے ہیں۔ شروع میں وہ جلد ہمت ہار جاتی تھی کیونکہ پنچنگ بیگ پر مارنے سے اسے بھی چوٹ آتی تھی دو دن بعد وہ رواں ہوگئی۔ دو ہفتے کی ایکسرسائز سے اس کا اسٹیمنا، طاقت اور وزن تینوں میں اضافہ ہوا تھا۔ رنگ مشین میں وزن بتانے والا آلہ بھی لگا تھا۔ جب بانو نے ایکسرسائز شروع کی تو اس کا وزن پچپن کلوگرام تھا اور قد پانچ فٹ چار انچ تھا۔ قد کے لحاظ سے وزن کسی قدر کم تھا اور وہ نازک اندام لگتی تھی۔ ایکسرسائز کرنے سے اس کی خوراک بڑھی تھی اور اسی تناسب سے وزن بھی بڑھا تھا۔ اب اس کا وزن انسٹھ کلوگرام ہوگیا تھا۔ اس میں یقیناً چربی کم ہوئی تھی اور پٹھوں کا وزن بڑھا تھا۔ ٹانگیں اور بازو مضبوط ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ باسٹھ یا تریسٹھ کلوگرام وزن اسے زیادہ مضبوط بناتا۔

راج کنور نے مجھے دو دن کا وقت دیا تھا۔ تیسرے دن میں نے ناشتہ ہلکا کیا تھا۔ کیونکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کس وقت میرا بلاوا آجائے۔ یہاں آنے کے بعد میرے لیے طے شدہ پروگرام میں پہلی تبدیلی کی جارہی تھی اور میں اسی کا انتظار کررہا تھا۔ اس سے پہلے بھی جب دشمن نے کسی مقصد کے تحت مجھے قید کیا تو اس نے پہلے سے طے کیے ہوئے پروگرام کے تحت مجھے قید رکھا اور اسی لحاظ سے میرے فرار کی کوشش کو ناکام بنانے کے اقدامات کیے۔ مجھے موقع اس وقت ملا جب پروگرام میں کوئی غیر متوقع تبدیلی آئی۔ یہاں بھی اب تک میں ایک لگے بندھے معمول کے مطابق زندگی گزار رہا تھا اور اس کے لیے کنوروں نے میری نگرانی اور مجھے فرار سے روکنے کا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ اس دوران میں مجھے کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ اس لیے میں نے کسی حرکت سے گریز کیا لیکن اب یہ غیر متوقع تبدیلی آئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے موقع ملے تو مجھے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے یا نہیں کیونکہ فرار کی راہ میں اور بھی کئی رکاوٹیں حائل تھیں۔ جیسے کنور پیلس کی سیکورٹی، پھر انڈیا سے فرار ہونا۔ پہلے بھی مجھے وطن واپسی میں بہت سی دشواریاں پیش آئی تھیں اور اب بھی ایسا لگ رہا تھا کہ میں آسانی سے واپس نہیں جاسکوں گا۔

مگر مجھے یہاں سے نکلنا تو تھا۔ ملنے والے موقع سے فائدہ اٹھانا ہی اصل کامیابی ہوتی اور میں موقع کا انتظار کررہا تھا۔ بارہ بجے میں ہلکی پھلکی ایکسرسائز سے فارغ ہوا تھا کہ دروازہ کھلا اور منشی جی اندر آئے۔ ان کے چہرے پر فکرمند تاثرات تھے۔ انہوں نے آتے ہی بلا تمہید کہا۔ ''کل آپ راج کنور جی سے ملے تھے۔''

''وہ مجھ سے ملا تھا۔'' میں نے تصحیح کی۔

''کیا آج کوئی بات طے ہوئی ہے؟'' انہوں نے غور سے مجھے دیکھا۔

''منشی جی آپ یہ سب راج کنور سے بھی پوچھ سکتے ہیں اور وہ آپ کو بہتر بتا سکتا ہے مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ آج نائیک مجھ سے اپنے ہاتھ پاؤں تڑوائے گا۔''

''نائیک جائے نرکھ میں۔'' منشی جی نے صاف کہا۔ ''مجھے اور بڑے کنور کو آپ کی فکر ہے کہ آپ کو کوئی نقصان نہ ہو۔''

بڑے کنور کو میری نہیں بلکہ میری رگوں میں دوڑتے خون کی فکر تھی۔ ''اگر راج کنور نے کوئی دھوکا نہ کیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امید ہے مجھے خراش بھی نہیں آئے گی۔"

منشی دل جی ہچکچایا۔ "بڑے کنور کو اسی کی فکر ہے۔ وہ پہلے ہی دیوی جی کی طرف سے دباؤ میں ہیں۔" بانو اپنے کمرے میں تھی اس لیے منشی جی نے کھل کر بات کی۔ "آپ کو پتا تو چل گیا ہے کہ دیوی جی کو راج جی نے بلوایا ہے۔"

"اغوا کرایا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "تم اس کے جرم پر الفاظ کا پردہ مت ڈالو۔"

منشی جی نے میری بات نظر انداز کی۔ "بڑے کنور چاہتے ہیں کہ آپ کو کوئی نقصان نہ ہو۔"

"ظاہر ہے، اس دنیا میں وہی میرے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں لیکن کیا بہتر نہیں ہوگا کہ وہ یہ سب اپنے برادر خورد سے کہیں، کیونکہ یہ سب اسی کی فرمائش پر ہو رہا ہے۔ مجھے نمائشی مقابلوں کا کبھی شوق نہیں رہا ہے۔"

منشی جی نے اپنی چندیا سہلائی۔ "راج جی بہ ضد ہیں کہ یہ مقابلہ ضرور ہوگا۔"

"تب میں کیا کر سکتا ہوں۔" میں نے شانے اچکائے۔ "بڑے کنور مقابلہ نہیں چاہتے ہیں اور راج کنور چاہتا ہے۔ میں دونوں کے سامنے بے بس ہوں۔"

"بڑے کنور چاہتے ہیں کہ آپ راج جی سے معافی مانگ لیں اس طرح معاملہ نمٹ جائے گا۔" بالآخر منشی جی نے وہ بات اگل دی جو کہنے آئے تھے۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس بار میں خود اپنے سامنے بے بس ہوں۔ میں ران کنور سے معافی نہیں مانگ سکتا۔ اگر میرا کوئی قصور ہوتا تب بھی نہیں مانگتا۔"

منشی جی پریشان ہو گئے۔ "تب کیا ہو سکتا ہے؟"

"نائیک کا کچھ نہ کچھ ہوگا۔" میں نے کہا۔ "اگر بڑے کنور کو میری اتنی ہی فکر ہے تو ان سے کہو کہ یہ مقابلہ اپنی نگرانی میں کرالیں تاکہ راج کنور کو کچھ کرنے کا موقع نہ ملے۔ باقی میں نمٹ لوں گا۔"

بات غالباً منشی جی کی سمجھ میں آ گئی اور وہ عجلت میں رخصت ہو گئے اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ مقابلے کا وقت قریب تھا اور کچھ ہی دیر میں راج کنور کی طرف سے میرا بلاوا آ سکتا تھا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا جب کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور گارڈ کے ساتھ رامن دکھائی دیا۔ اس نے پستول اٹھا رکھا تھا اس کی نال سے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا لیکن میں نے حرکت نہیں کی۔ اس پر وہ غراتا ہوا اندر آیا۔ "سنا نہیں تو نے؟"

"ہاں اب تم نے اصلی آواز نکالی ہے۔" میں نے کہا۔ "ویسے میں تمہاری طرح اشاروں کا تربیت یافتہ نہیں ہوں اس لیے مجھ سے زبان سے بات کیا کرو۔"

رامن کا چہرہ آگ کی طرح دہکنے لگا تھا اور جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں بھی حرارت تھی۔ "سور ما اتنا نچامت اڑو کہ منہ کے بل گرو۔"

"مشورے کا شکریہ، مجھے اونچا اڑنے کا شوق نہیں ہے لیکن تم جیسے لوگ مجبور کر ہی دیتے ہیں۔"

"آج تمہیں پتا چل جائے گا۔" اس نے کہا۔ "چلو نائیک بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

"وہ میرا نہیں اپنی شامت کا انتظار کر رہا ہے۔"

"زبان کے بجائے ہاتھ پاؤں چلانے کی تیاری کرو۔" رامن نے کن انکھیوں سے برابر والے کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دروازے کی طرف دیکھا۔ ''یہاں بھی اسے ساتھ ہی رکھا ہے۔''

''افسوس میں غلط سمجھ رہا تھا کہ بانو پر تمہاری نظر ہے۔ اس پر تو تمہارے آقائے نامدار کی نظر نکلی لیکن تسلی رکھو وہ اسے بھی نہیں ملے گی۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔'' وہ بولا۔ ''وہ راج جی کے بعد مجھے ملے گی۔''

''اچھا تم شروع سے جھوٹا اور بچا کھچا کھانے کے عادی ہو۔'' میں نے اپنا طیش دباتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

''بس اب چلو۔'' اس نے پستول تان لیا۔ ''کوئی غلط حرکت مت کرنا ورنہ ۔۔۔۔''

''تم مجھے شوٹ کر دو گے؟'' میرا انداز طنزیہ ہو گیا۔ ''اگر مجھے مار دیا تو اپنے آقا کو کیا جواب دو گے۔''

''تمہیں مارنے پر پابندی ہے لیکن اگر میں تمہارے گھٹنے پر ایک فائر کر دوں تو باقی عمر لکنز بھگتے کی طرح جیو گے۔''

''اوکے۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''چلتا ہوں۔''

رامن مجھے لے کر محل کی عمارت سے باہر آیا۔ موسم مزید خوشگوار ہو گیا تھا کیونکہ مئی کا آغاز تھا۔ میدانوں میں اس وقت یقیناً شدید گرمی پڑ رہی ہو گی لیکن یہاں تقریباً سات ہزار فٹ کی بلندی پر موسم ابھی بھی سرد تھا۔ رات کو اچھا خاصا سرد ہو جاتا تھا اور دن میں خوشگوار ہوتا تھا یوں سمجھ میں جیسے مری اور بھوربن کا موسم ہوتا ہے دھوپ نکلی ہوئی تھی مگر اس میں چبھتی کیفیت نہیں تھی۔ مجھے محل کے مخصوص باغ میں لایا گیا مجھے یاد آیا کہ یہیں میں نے پہلی بار سعدیہ کو دیکھا تھا۔ جب میں گارڈ کی نگرانی میں چہل قدمی کر رہا تھا اور اس نے ایک دیوار کے اوپر سے جھانکا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں ہو گا کہ میں اس وقت اس کے بھائیوں کے قبضے میں تھا اور وہ ایک بار پھر میرا خون نکال رہے تھے۔ سعدیہ کے ساتھ دوسرے یاد آئے جن کو یاد کرنے سے گریز کر رہا تھا کیونکہ جب انہیں کو یاد کرتا تو اندر سے ایک دہشت ابھرتی تھی اور میں چاہتا کہ تمام زنجیریں توڑ کر ان لوگوں کے پاس چلا جاؤں۔ اس لیے آج کل میری کوشش ہوتی تھی کہ انہیں یاد نہ کروں۔

محل کا خاندان کے لیے مخصوص باغ کچھ ایسا تھا اس میں دائرے میں مختلف سطحوں والے گھاس، پھولدار پودوں اور آرائشی درختوں کے تختے تھے۔ نیم دائرے میں سیڑھیاں اوپر چڑھتی اور نیچے اترتی تھیں۔ ہر تختے کے گرد دو سے تین فٹ اونچی اور فٹ بھر موٹی سفید پتھروں سے دیوار بنائی گئی تھی۔ مقابلے کے لیے الحاذ ایک ایسے ہی تختے کو منتخب کیا تھا۔ تقریباً تیس فٹ قطر کے دائرے میں سوائے بہت سبز اور نفیس گھاس کے کچھ نہیں تھا اس کے ایک طرف تقریباً چھ فٹ اونچی دیوار تھی جو دونوں طرف دائرے میں کم ہوتی ہوئی مخالف سمت میں تین فٹ رہ گئی تھی۔ چھ فٹ والی دیوار کے پیچھے راج کنور موجود تھا جب کہ نیچے نائیک صرف ایک شارٹ میں ملبوس تھا اس کا مضبوط جسم شاید کسی تیل کی مالش سے چمک رہا تھا اور پٹھے بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ میں پونکا کے دو مہینے پہلے والے نائیک کے مقابلے میں وہ بہت مختلف لگ رہا تھا۔ اس کا جسم نہ صرف متناسب اور مضبوط تھا بلکہ اس کا کھڑے ہونے کا انداز بتا رہا تھا کہ اس نے فن حرب میں بھی دسترس حاصل کی تھی۔

''شہباز ملک۔'' راج کنور نے گونجتی سی آواز میں کہا۔ ''آج تمہیں پتا چلے گا تمہیں کہ روپ میں کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے ہوتے ہیں۔"

میں مسکرایا۔"تم نے ثابت کیا کہ تم بنیا قوم سے تعلق رکھتے ہو۔ کاش کہ تم خود میرے سامنے آتے لیکن نائیک بھی برا نہیں ہے اگر یہ ٹوٹ پھوٹ جائے تو برا مت ماننا۔"

"یہ زبان بہت اچھی چلاتا ہے۔" رامن نے گویا شکایت کی۔

"فکر مت کرو آج کے بعد یہ سب چلانا بھول جائے گا۔" راج کنور نے سفاک لہجے میں کہا۔"شہباز ملک تم نائیک سے مقابلے کے لیے تیار ہو؟"

"اگرچہ میں ایسی احمقانہ حرکتوں میں نہیں پڑتا ہوں لیکن تم نے مجبور کر ہی دیا ہے تو ..." میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر شانے اچکائے۔

"یہ مقابلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم دونوں میں سے کوئی ایک ہار نہیں مان لیتا یا پھر مقابلے کے قابل نہیں رہتا....."

میں نے ہاتھ اٹھایا۔"راج کنور شرائط بیان کرنے کے بجائے اپنے اس پلے سے کہو کہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے باقی سب بے کار ہے۔"

راج کنور کا رنگ بدلا تھا کیونکہ میں نے بلاواسطہ اسے کتا قرار دیا تھا مگر اس نے اپنی بے عزتی کو نمایاں کرنے کے بجائے پی جانے کا فیصلہ کیا اور بولا۔"تم خود اجازت دے رہے ہو؟"

"ہاں۔"

راج کنور نے غضب ناک ہو کر نائیک کی طرف دیکھا۔"نائیک تُو نے سن لیا اب اگر یہ مارا بھی گیا تو تجھ پر کوئی دوش نہیں ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرے معاملے میں راج کنور بڑے کنور کو بھی بائی پاس کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خون اس کے بھائی کے علاج کے لیے لازمی ہے۔ کیا دونوں بھائیوں میں کوئی کھٹ پٹ ہوئی تھی؟ یا راج کنور کی نیت خراب ہوگئی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ بڑا کنور صحت یاب ہو؟ اپنی بیماری کی وجہ سے بڑا کنور عملی زندگی سے دور تھا اور جاگیر کا سارا کام راج کنور کے ہاتھ میں تھا ممکن ہے وہ مالک نہ ہو کیونکہ یہودیوں کی طرح ہندوؤں میں بھی بڑے بیٹے کو ساری دولت اور کاروبار کا وارث بنانے کا رواج ہے تاکہ دولت ایک ہی جگہ رہے۔ راج کنور اگر مالک نہیں بھی تھا تو عملاً مالک کے اختیارات وہی استعمال کر رہا تھا اور اس کا بھی امکان تھا کہ بڑا کنور مر جاتا تو وہی مالک ہوتا۔ اس لیے بڑے کنور کا ٹھیک ہونا اس کے مفاد میں نہیں تھا۔

میں سوچ میں تھا اور نائیک نے مجھے غافل سمجھ کر اچانک حملہ کیا۔ وہ میرے نزدیک آیا اور اس نے گھونسہ مارنے کی کوشش کی۔ یہ بڑا جاندار وار تھا اگر میرے منہ پر لگتا تو یقیناً مجھے دن میں تارے نظر آجاتے لیکن میں نے سر ایک طرف کر کے اس کا وار ناکام کیا اور میرا گھٹنا اس کے پیٹ میں لگا۔ میں نے جان بوجھ کر زیر ناف نہیں مارا تھا ورنہ شاید مقابلہ اسی وقت ختم ہو جاتا۔ نائیک کراہ کر پیچھے گیا۔ مگر فوراً ہی سنبھل گیا تھا۔ اگلے چند داروں سے پتا چلا کہ اس نے خاصی محنت کی تھی۔ وہ فری اسٹائل لڑ رہا تھا اسے اسٹریٹ فائٹنگ تو نہیں کہہ سکتے مگر کچھ ایسا ہی انداز تھا۔ خود میں بھی کسی خاص انداز میں لڑنے کے بجائے اسی انداز کو ترجیح دیتا ہوں۔ ایک مخصوص انداز میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑنے سے مخالف اس انداز کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔

جیسے جوڈو اور کراٹے میں حملے سے زیادہ سیلف ڈیفنس کو اہمیت دی جاتی ہے ان میں جارحیت کا عنصر کم ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں تائی کوانڈو اور کنگ فو جارح انداز ہیں۔ خاص طور سے کنگ فو مہلک ہے اس کے بیشتر وار موت کے گھاٹ اتارنے والے ہوتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ان میں سیلف ڈیفنس کمزور ہوتا ہے۔ ان کا اصل دفاع ان کی جارحیت ہوتی ہے مخالف ان ہی باتوں کا فائدہ اٹھاتا لیکن فری اسٹائل میں اس کا عنصر کم ہو جاتا ہے۔ اس میں ہر حربہ اور ہر داؤ چلتا ہے۔ بس آدمی کا دماغ اور اس کے ریفلکس بھی تیز ہونے چاہئیں۔ سب سے اہم بات فری اسٹائل میں چوٹوں کی پروا نہیں کی جاتی ہے جب کہ باقی مخصوص انداز میں لڑنے والوں کی زیادہ توجہ خود کو بچانے پر ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا نہیں لیکن سنا ہے کہ اگر فری اسٹائل لڑنے والا تیز طرار ہو تو وہ کسی بھی انداز کے لڑنے والے ماہر ترین فرد کو بھی شکست دے سکتا ہے۔

ایک وار کے بعد ہی نائیک کا سانس تیز چلنے لگا تھا جو اس بات کی نشانی تھی کہ وہ شراب یا اسی قسم کا کوئی نشہ کرتا تھا۔ پے در پے کئی ناکام واروں کے بعد وہ جھنجھلانے لگا تھا۔ میں نے اب تک خود سے کوئی وار نہیں کیا تھا اسی کے وار ناکام بناتے ہوئے اسے کچھ چوٹیں لگائی تھیں۔ میں راج کنور اور اس کے پیچھے کھڑے رامن پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ عقب سے وار کر جاتے۔ اچانک راج کنور نے کہا۔ ''اس طرح ہاتھ پیروں کی لڑائی میں فیصلہ دیر سے ہوگا کیوں نہ لاٹھیوں سے لڑائی کی جائے؟''

میں اور نائیک رک گئے تھے نائیک نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''میں تیار ہوں۔''

یہ پہلے سے طے شدہ پلان تھا۔ پہلے میں نے سوچا کہ انکار کر دوں مگر نائیک تیار تھا اب میں پیچھے ہٹتا تو یہ بھی ان کی فتح ہوتی اس لیے میں نے شانے اچکائے۔ ''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ اچھا ہے اب مجھے اس کے گندے جسم کو ہاتھ نہیں لگانا پڑے گا۔''

رامن نے پاس موجود لاٹھیاں ہماری طرف اچھال دیں میں نے نوٹ کیا کہ اس نے خاص طور سے ہمیں لاٹھیاں دی تھیں یعنی جو نائیک کو دینی تھی وہ اسی کی طرف اچھالی اور دوسری میری طرف پھینکی تھی اور انداز دینے والا انہیں بلکہ پھینک کر مارنے والا تھا۔ گھومتی لاٹھی پکڑنے سے میری ہتھیلی پر چوٹ آئی تھی۔ مجھے اس سے پہلے کبھی لاٹھی سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اگر میں نے اسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا بھی تھا تو عام سے انداز میں لیکن نائیک نے لاٹھی پکڑتے ہی جس طرح اسے گھما کر اور نچا کر دکھایا تھا اس سے پتا چل گیا کہ وہ لاٹھی کے استعمال کا ماہر تھا۔ یہ مضبوط بانس کی ہلکی اور پانچ فٹ لمبی لاٹھیاں تھیں مگر ان کی چوٹ یقیناً سخت ہوتی۔ البتہ ان سے ہڈی توڑنا مشکل تھا کیونکہ وزن نہیں تھا البتہ گوشت اور پٹھوں کا حشر کیا جا سکتا تھا۔ جیسے ہی نائیک نے لاٹھی گھمائی میں محتاط ہو گیا تھا۔ وہ مسکرایا تو اس کے دانت وحشیانہ انداز میں باہر نکل آئے تھے۔

اس نے اچانک تیزی سے گھما کر لاٹھی ماری تو میں نے بمشکل اس کا وار روکا اور فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ اس کی لاٹھی خاصی وزنی تھی ورنہ اس قوت سے وار نہیں لگتا۔ میری لاٹھی لرز کر رہ گئی تھی۔ اگر میں وار براہِ راست روکتا تو یہ ٹوٹ بھی سکتی تھی۔ مگر میں نے وار ترچھا روکا تھا اس لیے بچت ہو گئی۔ تو ان لوگوں کا اصل پلان یہ تھا راج کنور بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ نائیک دو بدو مقابلے میں میرے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا اور لاٹھی سے لڑائی میں وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھ پر حاوی ہو جاتا۔ پھر لاٹھیوں میں بھی فرق تھا۔ نائیک کو جو لاٹھی دی گئی تھی وہ کہیں زیادہ مضبوط اور وزنی تھی۔ جب کہ مجھے دی جانے والی لاٹھی ہلکی اور کمزور تھی۔ اگرچہ دیکھنے میں دونوں ایک جیسی ہی لگ رہی تھیں۔ پہلے وار کے بعد نائیک لاٹھی اپنے دائیں بائیں گھمانے لگا۔ اس طرح یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ کس طرف سے وار کرے گا۔ میں نے لاٹھی درمیان سے تھام لی اس طرح میں دونوں طرف سے وار روک سکتا تھا۔

''سنبھل کر میاں۔'' نائیک نے کہا اور دائیں طرف سے وار کیا لیکن یہ دھوکا تھا۔ میں نے دفاع کرنا چاہا تو اس نے لاٹھی کا رخ گھما۔ تو ہوئے بدلا اور میرے بائیں پہلو پر وار کیا۔ بچاتے ہوئے بھی لاٹھی کو لہے سے ذرا اوپر لگی تھی اور درد کی ایک لہر سی اٹھی تھی۔ فوراً ہی اس نے پیروں پر وار کیا اور میں بچنے کی کوشش میں نیچے گرا تھا اس نے ایک لمحہ ضائع بغیر میرے سر پر وار کرنا چاہا حالانکہ گرے فریق پر وار کرنا کسی بھی لڑائی میں بدترین حرکت تصور کی جاتی ہے۔ میں نے سر بچانے کے لیے لاٹھی سامنے کی تو وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا لاٹھی درمیان سے دو ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ نائیک نے دوسرا وار کرنا چاہا تو میں نے اس کے پیر پر ٹھوکر ماری۔ ایڑی کا یہ وار کارگر ثابت ہوا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا تھا۔ اس دوران میں مجھے اٹھنے کا موقع مل گیا تھا۔

لاٹھی ٹوٹ کر دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ میں نے انہیں تولا اور مجھے لگا کہ اب میں انہیں زیادہ بہتر انداز میں استعمال کر سکتا تھا۔ پیچھے ہٹنے کے بعد نائیک دوبارہ لاٹھی گھماتا میری طرف آیا لیکن میں نے لاٹھی کے بجائے اس کی آنکھوں پر نظر رکھی۔ وہ میرے دائیں پاؤں کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس نے بائیں کا جھکاوا دے کر لاٹھی دائیں پاؤں پر مارنا چاہی تھی میں تیار تھا۔ جیسے ہی اس کی لاٹھی حرکت میں آئی میں اپنی جگہ سے اچھلا اور ساتھ ہی بایاں ہاتھ پوری قوت سے گھمایا۔ نائیک لاٹھی گھما چکا تھا اس وار کے پیچھے اس کی ساری قوت تھی اور پھر لاٹھی کا وزن بھی تھا۔ یقیناً اس کا مقصد میری پنڈلی توڑنا تھا۔ اس کا وار کارگر ہوتا تو مقابلہ یہیں ختم ہو جاتا۔ لاٹھی میرے پیروں کے نیچے سے گزری اور زور میں گھومتے ہوئے نائیک کا سر میرے سامنے تھا۔ میرے دائیں ہاتھ میں موجود لاٹھی کا ٹکڑا اسپرنگ سے نکلے ہوئے انداز میں لپکا اور اس کے سر سے ٹکرایا۔

نائیک چیخ مار کر پیچھے ہوا۔ کنپٹی سے اس کا سر پھٹ گیا تھا اور یقیناً اسے دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ ممکن ہے کوئی باظرف حریف ہوتا تو میں خود اسے سنبھلنے کا موقع دیتا لیکن نائیک جیسے گھٹیا آدمی کو موقع دینا بالکل مناسب نہیں تھا۔ اس لیے میں نے فوراً ہی اس کے بازو اور پسلیوں پر وار کیے۔ دو لاٹھیوں کا فائدہ یہ ہوا کہ میں الگ الگ جگہوں پر تیزی سے وار کرنے کے لیے آزاد تھا۔ میرے ہاتھ مشین کی طرف چل رہے تھے۔ لاٹھی کے دونوں ٹکڑے نائیک کے سر، جسم اور ہاتھ پیروں پر اتنے تواتر سے پڑ رہے تھے کہ اسے دفاع کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ اس کے بجائے ہر ضرب پر اس کی مدافعت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ ایک کے بعد ایک زخم اس کے جسم اور چہرے پر نمودار ہو رہا تھا۔ میری لاٹھی کو دو ٹکڑے کر کے اس نے خود یہ آفت مول لی تھی۔ کچھ دیر میں اس کے ہاتھ لاٹھی سنبھالنے کے قابل بھی نہیں رہے تھے اور وہ اسے پھینک کر ہاتھوں سے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میرے سامنے یہ بہت مشکل کام تھا۔ اب وہ چیخ و پکار پر اتر آیا تھا اور اپنے مالک کو دہائیاں دے رہا تھا کہ وہ اسے بچائے۔ راج کنور کا چہرہ سپاٹ تھا مگر آنکھوں میں جیسے انگارے دہک رہے تھے ایک بار میں نے نائیک کے سر کو نشانہ بنایا تو راج کنور کی آواز آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس شہباز رک جاؤ۔''

میرا دل بھی بھر گیا تھا۔ نائیک کی کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹی تھی لیکن وہ اب کم سے کم ایک ہفتہ بیڈ پر دراز ہی رہتا۔ میں نے آخری بار اس کے گھٹنے پر وار کیا اور مڑ کر راج کنور کی طرف دیکھا جو اب اپنے ہونٹ چبا رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بذات خود میرا خون پی جائے۔ اسے توقع نہیں تھی کہ نائیک ایک بار پھر یوں مجھ سے آسانی سے مار کھا جائے گا۔ نائیک گھاس پر پڑا ہوا کتے کی طرح رونے کے انداز میں کراہ رہا تھا۔ راج کنور نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے مڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ رامن کے تاثرات بھی اچھے نہیں تھے اس نے مڑ کر کسی کو اشارہ کیا۔ چند لمحے بعد اوپر سے دو ملازم نیچے آئے اور نائیک کو سہارا دے کر وہاں سے لے گئے انہوں نے اس کی اور میری لاٹھی کے ٹکڑے بھی اٹھا لیے تھے اس دوران میں رامن پستول لیے چوکنا کھڑا رہا تھا نائیک کے جانے کے بعد وہ نیچے اتر آیا اور میرے قریب آ کر زہریلے انداز میں بولا۔

''اس کامیابی پر اکڑنے کی ضرورت نہیں ہے کبھی مجھ سے واسطہ پڑا تو.....''

''تم بھی آ جاؤ۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''میری سمجھ میں تم لوگ نہیں آئے ہو۔ مجھ سے بلاوجہ کی دشمنی پالی ہے۔ خود سے مقابلے کرا رہے ہو اور جب تمہارا آدمی پٹتا ہے تو روتے بھی ہو۔''

رامن نے میری پیشکش کا کوئی جواب نہیں دیا اور بولا۔ ''اب چلو۔''

وہ مجھے واپس کمرے تک لے آیا۔ میری کمر جہاں لاٹھی لگی تھی دکھ رہی تھی اور چلنے کے دوران اس میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں لیکن میں نے رامن کے سامنے ظاہر نہیں کیا تھا۔ کمرے میں بانو میری منتظر تھی۔ اس نے بے قراری سے پوچھا۔ ''یہ لوگ آپ کو بے وقت کہاں لے گئے تھے؟''

میں نے بانو کو مقابلے کے بارے میں نہیں بتایا تھا وہ پریشان ہو جاتی۔ میں نے واش روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''بتاتا ہوں۔''

واش روم میں آ کر میں نے ٹی شرٹ اتاری۔ اور آئینے میں کمر کا معائنہ کیا۔ تقریباً چھ انچ لمبا سیاہ نشان بنا رہا تھا کہ اندر گوشت پھٹ گیا تھا اور خون جم گیا تھا۔ میں نے کپڑے اتار کر ٹب میں کسی قدر تیز گرم پانی بھرا اور اس میں کمر ڈبو کر بیٹھ گیا۔ اس سکائی سے بڑا سکون ملا تھا۔ جب درد کم ہو گیا تو میں نے دوبارہ آئینے میں کمر کا معائنہ کیا نشان ہلکا پڑا تھا مگر موجود تھا اور درد بھی باقی تھا۔ میں باہر آیا تو بانو دل نواز سے کھانا لگوا رہی تھی۔ کھانے کے دوران میں نے اسے نائیک سے مقابلے کی مختصر رُوداد سنائی۔ وہ پریشان ہو گئی۔ ''یہ کیا جہالت ہے..... اس طرح کے مقابلے تو کسی زمانے میں ہوتے تھے۔''

''تم کن خیالوں میں ہو؟'' میں نے نوالہ چباتے ہوئے کہا۔ ''رومن دور گزر گیا ہے لیکن انسانوں کے درمیان خونریز معرکے آج بھی کرائے جاتے ہیں۔ اب تو باقاعدہ ٹورنامنٹ ہوتے ہیں جن میں آدمی اپنے فریق کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے اور بعض اوقات تو زندہ بچنے والا ہی فاتح ہوتا ہے۔''

بانو کانپ گئی۔ ''ایسا بھی ہوتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ پہلے لوگ زندگی کے لیے لڑتے تھے اور اب پیسے کے لیے لڑتے ہیں۔ جو فاتح ہوتا ہے وہ اتنا حاصل کر لیتا ہے کہ پھر اسے ساری عمر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"آپ کو چوٹ تو نہیں آئی۔"

"کمر پر ایک لاٹھی لگی تھی۔ درد تھا مگر سکائی کے بعد بہتر ہے۔"

"مجھے دکھایئے گا۔" بانو نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"نہیں اگر چوٹ زیادہ ہے تو میرے واش روم میں میڈیسن ہیں ان میں بام رکھا ہے۔"

میں نے سر ہلایا۔ کھانے کے بعد بانو نے اصرار کیا تو میں نے اسے کمر دکھائی وہ فکرمند ہو گئی۔ "آپ اسے معمولی چوٹ کہہ رہے ہیں۔ نیل پڑ گیا ہے اور گوشت ابھر آیا ہے۔"

"دیکھنے میں لگ رہا ہے مگر اتنا خطرناک نہیں ہے۔"

"نہیں آپ لیٹیں میں بام لگاتی ہوں۔" اس نے اتنے اصرار سے کہا کہ مجھے انکار کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔ میں بستر پر اوندھے منہ لیٹ گیا اور وہ بام لے آئی۔ نہ جانے بام بہت پر اثر تھا یا اس کی نرم انگلیوں میں مسیحائی کی تاثیر تھی۔ مجھے ایسا لگا کہ میرا درد کھنچ کر نکل رہا ہوں۔ وہ گھٹنے ٹیک کر بستر کے پاس بیٹھی تھی۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا اس لیے چاہنے کے باوجود اسے بس کرنے کو نہ کہہ سکا۔ اس نے خود کچھ دیر بعد پوچھا۔ "اب کیسا محسوس کر رہے ہیں۔"

"بہت اچھا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ابھی لیٹے رہیں۔ اس سے زیادہ فائدہ ہوگا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں گرم پانی کی بوتل لاتی ہوں اس کی سکائی سے درد جلد ختم ہو جائے گا۔"

میں ایک بار پھر اوندھے منہ لیٹ گیا۔ وہ ربر بوتل میں گرم پانی بھر کر لائی اور اسے میری کمر پر رکھ کر اوپر سے کشن رکھ دیا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ "میں تو سوچ رہی تھی کہ اب آپ سے دوستانہ مقابلہ کر کے براہِ راست سیکھوں گی مگر آپ کو چوٹ لگی ہے۔"

"کوئی بات نہیں تم اپنی مشقیں جاری رکھو۔ میں ایک دو دن میں ٹھیک ہوتے ہی تمہاری تربیت شروع کرتا ہوں۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "لیکن بانو ایک بات یاد رکھو صرف دفاع ہی سب کچھ نہیں ہوتا ہے آدمی کو حملہ کرنا بھی آنا چاہیے۔ دوسرے کو تکلیف پہنچانا اور ضرورت پڑنے پر قتل کرنا آسان کام نہیں ہے اس میں آدمی کو بڑا دل گردہ چاہیے ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات ایسا کرنا پڑتا ہے۔"

"قتل کرنا پڑتا ہے؟" وہ گھبرا کر بولی۔

"اگر تمہاری عزت پر بن آئے تو کیا تم قتل نہیں کرو گی؟ تمہارے پاس بچنے کا اور کیا راستہ ہوگا؟"

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ بے شک وہ سیلف ڈیفنس کی تربیت لے رہی تھی اور خود کو مضبوط بھی بنایا تھا لیکن بنیادی طور پر ایک نرم خو اور نازک لڑکی تھی۔ اپنی فطرت کے خلاف یہ سب کرنا اس کے لیے آسان کام نہیں تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ جلد اس پر وہ وقت آنے والا تھا جب اسے انتخاب کرنا پڑتا۔ اسی لیے میں اس کی جسمانی تربیت کے ساتھ ذہنی تربیت بھی چاہتا تھا۔ میری کوشش تھی کہ وہ خود اپنی حفاظت کی اہل ہو جائے۔ اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھی اس کی عزت کے لیے خطرہ پیدا ہوتو وہ اس کا تدارک کر سکے۔ عام بے بس لڑکیوں کی طرح ہتھیار نہ ڈال دے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ایسا نہیں کر سکتی۔''

''تمہیں یہی کرنا ہوگا۔ دیکھو جسمانی مضبوطی اور سیلف ڈیفنس بھی اہم ہے بالکل کسی جدید پستول یا رائفل کی طرح لیکن جب تک آپ اسے استعمال کرنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں کرو گی یہ بے کار ہوں گے۔ دفاع لاحاصل ہے۔ فرض کرو کوئی تم پر حاوی ہونا چاہتا ہے اور تم صرف دفاع کرتی رہو گی تو اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ تم جارح کو موقع دو گی کہ وہ مسلسل جارحیت کرتا رہے اسے روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے مار دیا جائے یا اسے ناکارہ کر دیا جائے۔''

''میں.....'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔'' کیسے کر سکوں گی؟''

''سب سے پہلے تو خود کو ذہنی طور پر تیار کرو۔ اس کے بعد کا مرحلہ آسان ہے۔ تمہاری کمزوری کیا ہے تم ایک نازک لڑکی ہو لیکن ساتھ یہی چیز تمہاری طاقت بھی ہے۔ ایک مرد اس سے آسانی سے دھوکا کھا جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ عورت اس پر مہلک وار نہیں کر سکے گی اور جب وہ اس پر وار کرتی ہے تو مرد اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں رہتا ہے۔''

بانو کا تذبذب دور ہو گیا تھا اور اس نے پہلی بار دلچسپی سے پوچھا۔''مہلک وار کیسے کرتے ہیں۔''

میں سکائی کے بعد بہتر محسوس کر رہا تھا اس لیے اٹھ گیا۔'' آؤ تمہیں بتاتا ہوں۔''

میں اور بانو آمنے سامنے آئے۔ میں نے بانو کی گردن پر نرخرے اور پھر بائیں شانے سے نیچے دل سے ذرا اوپر اشارہ کیا۔'' یہ وہ جگہ پوائنٹ ہیں ان پر اگر صحیح انداز اور قوت سے وار کیا جائے تو اچھا طاقتور مرد بھی موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ اب دیکھو وار کیسے کرتے ہیں۔ وار ہمیشہ توازن اور قوت کا نام ہے۔ انسان بنیادی طور پر کمزور جسم کا مالک ہے اس لیے اسے جارحیت کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے جسم کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اسے نقصان نہ ہو اور وار بھی مؤثر ہو۔''

میں اسے سکھانے لگا کہ نرخرے اور دل سے اوپر جو شریان دماغ کی طرف خون لے جاتی ہے یہ صرف دماغ ہی نہیں بلکہ جسم کے دوسرے اہم اعضا کو بھی خون فراہم کرتی ہے اور یہ جلد کے پاس ایسی جگہ ہے جہاں اسے پٹھوں اور گوشت کی مناسب آڑ میسر نہیں ہے اس لیے اسی پر قوت سے وار کیا جائے تو یہ چک جاتی ہے زخمی ہونے سے اس پر سوجن آتی ہے اور خون کی روانی رک جاتی ہے۔ اسی طرح نرخرہ بہت نازک مقام ہے۔ اس میں سانس کی نالی اور آواز کا تار ہوتا ہے۔ اگر اس پر ٹھیک سے وار کیا جائے تو یہ چک جاتا ہے۔ آدمی کی سانس رک جاتی ہے اور اگر نرخرہ زیادہ متاثر ہو تو سانس رکنے سے چند منٹ میں موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ میں عمل کے ساتھ زبانی بھی بانو کا سمجھا رہا تھا۔

''اگر ایک عورت یہ وار کرے تو اس کے لیے بہت ضروری ہے کہ مرد کو غافل رکھ کر کرے۔ ورنہ وہ جسم سخت کر لے گا اور وار اتنا مؤثر نہیں رہے گا۔''

لیکچر کے بعد میں نے اسے پریکٹس کے ذریعے سمجھایا۔ ایک گھنٹے میں وہ خاصی حد تک سمجھ گئی تھی۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پنچنگ بیگ پر دونوں مقامات کا اسکیچ بنا کر بانو سے کہا کہ وہ اس پر مشق کرے۔ کھڑے رہنے سے چوٹ والی درد ہونے لگا تھا مگر یہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ بہر حال میں نے اس دن ایکسرسائز کے بجائے آرام کرتے ہوئے ٹی وی کے سامنے وقت گزارا تھا۔ میری جگہ بانو نے ایکسرسائز اور میری بتائی ہوئی مشقیں کی تھیں۔ وہ کچھ زیادہ ہی فکرمند ہوگئی تھی اور میرے خیال میں یہ بہتر تھا۔ وہ جتنی جلدی سیکھتی اور اپنے دفاع کے قابل ہوتی اس کے لیے اچھا ہوتا۔ ہم دشمن کی قید میں تھا اور کب برا وقت آجائے کچھ پتا نہیں تھا۔ اگرچہ یہ سب اس کے تحفظ کی ضمانت نہیں تھی۔ مرد شہر روترین عورت کو بھی قابو اور بے بس کر سکتا ہے۔ دس حربے ہیں لیکن کچھ ہونا آپ کے لیے نقصان دہ نہیں ہے جتنا کہ نہ ہونا۔

بانو نے ایکسرسائز کے لیے اوشا سے اپنے لیے ڈھیلا ڈھالا لباس منگوالیا تھا جیسا کہ جوڈو کراٹے کھیلنے والے پہنتے ہیں۔ اس میں وہ آرام سے سب کرتی تھی اور اسے یہ خدشہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ جسم نمایاں ہوگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس معاملے میں بہت احتیاط کرتی تھی۔ مجھے اس کی یہ بات بہت اچھی لگی تھی۔ اتنے دن سے ساتھ رہنے کے باوجود وہ نہ تو ایک حد سے زیادہ بے تکلف ہوئی تھی۔ بلکہ اس کا انداز ادب آمیز سنجیدہ ہی ہوتا تھا دوسرا وہ اوڑھنے چھپنے کا پورا خیال رکھتی تھی۔ بلا ضرورت میرے کمرے میں نہیں آتی تھی اور نہ بلا وجہ بیٹھتی تھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ مجھے ملنے والی دوسری تمام خواتین اور لڑکیوں سے مختلف تھی۔ اس دن اس نے اتنی ایکسرسائز اور مشق کی پسینے پسینے ہوگئی تھی اور اس کا سانس بے قابو ہو رہا تھا۔ میں نے اسے روک دیا کہ آج کے لیے اتنا کافی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں گئی تھی کہ منشی جی آگئے۔

''آپ کو بڑے کنور یاد کر رہے ہیں۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ وہ میرا اور نائیک کا مقابلہ دیکھنے آئیں گے۔''

''انہوں نے اسی سلسلے میں بلایا ہے۔'' منشی جی نے کہا۔

میں نے راستے میں کہا۔ ''میرا خیال ہے انہوں نے راج کنور سے اس سلسلے میں کوئی بات کی ہوگی۔''

منشی جی چونکے۔ ''آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟''

''کیونکہ راج کنور اور اس کے چیلوں نے کوئی حربہ استعمال نہیں کیا۔ اگرچہ چالاکی سے کام لے کر لاٹھیوں سے مقابلہ کرایا تھا۔''

منشی جی پھر چونکے۔ ''لاٹھیوں سے۔'' اس نے تشویش سے کہا۔ ''نائیک بنوٹ کا ماہر ہے۔''

''وہ ماہر ہے تو اس کا یہ حال ہے۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''آپ نے اسے دیکھ تو لیا ہوگا۔''

''شہباز جی آپ بہت ماہر آدمی ہیں اس لیے اس کا یہ حال ہوا ہے ورنہ وہ تین چار سے اکیلا ہی لڑتا ہے اور کوئی اسے چھو نہیں سکتا ہے۔''

''یہ تین چار بے چارے ملازم ہی ہوں گے۔'' میں نے طنز کیا۔ ''کبھی اس نے آزادانہ مقابلہ کیا ہے جیسے مجھ سے واسطہ پڑ گیا؟''

''نہیں مقابلہ کرتے تو نہیں دیکھا ہے۔'' منشی جی خفت سے بولے۔

''تب اس سے کہیں کہ اس فن کا نام بدنام نہ کرے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑا کنور اپنے کمرے میں پردہ نشین موجود تھا۔ اس دن صرف منشی جی اندر آئے گارڈ باہر ہی رہ گیا تھا۔ آداب تسلیمات کے بعد اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''شہباز یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو تم نے پہلے نائیک کو چیلنج کیا تھا اور اب رامن کو للکارا ہے۔''

میں دم بخود رہ گیا تھا۔ ''میں نے.....؟ ارے جناب یہ آپ کے بھائی کا کام ہے۔ وہی چاہتا تھا کہ میں نائیک سے لڑوں اور اس بہانے وہ میرا بھرکس نکلوا سکے لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی الٹا نائیک کا بھرکس نکل گیا۔''

بڑا کنور چونکا اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''تم نے اسے چیلنج نہیں کیا۔''

''صرف اسے ہی نہیں بلکہ میں نے رامن کو بھی نہیں للکارا ہے۔ مجھے قطعی شوق نہیں ہے لوگوں سے بلاوجہ لڑتا پھروں۔''

''اگر تم نے چیلنج نہیں کیا تو پھر مقابلے پر کیوں گئے؟'' اس نے کہا۔ ''تم انکار کر دیتے کوئی تمہیں مجبور نہیں کر سکتا تھا۔''

''معذرت کے ساتھ، میں بھلا کس طرح انکار کر سکتا ہوں جب کہ میں آپ بھائیوں کا مشترکہ قیدی ہوں۔ دوسرے یہ میری عزت نفس کے خلاف ہوتا۔''

''تم اگر قیدی بھی ہو تو صرف میرے ہو۔'' بڑے کنور نے کہا۔

''ایک بار پھر معذرت کے ساتھ اگر آپ کا قیدی ہوں تو راج کنور کس طرح مجھے طلب کر رہا ہے اور گارڈز اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مجھے اس کے پاس کیوں لے گئے تھے؟'' میرا لہجہ چبھتا ہوا ہو گیا۔

بڑا کنور شاید صورت حال سے بے خبر تھا میرا اندازہ درست تھا سارا انتظام راج کنور کے ہاتھ میں تھا اور بڑا کنور اس کا مختار تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''اب ایسا نہیں ہو گا؟''

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''میں آپ سے اکیلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

میری بات پر منشی جی نے برا سا منہ بنایا۔ مگر اس وقت اس کا منہ کھلا رہ گیا جب بڑے کنور نے اسے وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ اس کے ساتھ ایسا بھی ہو گا۔ جب اس نے کچھ دیر حرکت نہیں کی تو بڑے کنور نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔ ''تم نے سنا نہیں؟''

''جی سن لیا کنور جی۔'' وہ گھگیایا۔ ''لیکن کیا یہ مناسب ہو گا کہ آپ اس کے ساتھ یہاں اکیلے.....''

''یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے اب تم جا سکتے ہو۔''

اس بار منشی جی کو حکم کی تعمیل کرنا پڑی تھی اور جب وہ باہر جا رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں مجھے راج کنور اور نائیک جیسی نفرت دکھائی دی تھی۔ اس کا بس چلتا تو اپنی اس بے عزتی پر وہ مجھے قتل کر دیتا۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا میں بڑے کنور کے پاس آیا۔ ''آپ یہ مت سمجھئے گا کہ میں آپ کو بہکانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن گزشتہ تین ہفتے میں جو دیکھا ہے اس سے میرے ذہن میں ایک خیال جڑ پکڑ چکا ہے۔''

''کیسا خیال؟''

''میں اپنا خیال بتاتا ہوں لیکن پہلے مجھے اپنے کچھ سوالوں کے جواب چاہئیں اگر آپ انکار کرتے ہیں تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اپنا خیال خود تک رکھوں گا۔"

"پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"پہلی بات یہ کہ سندھو کے بعد دوسرا ماہر آدمی کہاں سے آیا؟"

"اسے نائیک تلاش کر کے لایا ہے۔"

"دوسری بات کیا اس نے بھی علاج کے لیے میرے خون کا مطالبہ کیا تھا؟"

"ظاہر ہے ورنہ تم یہاں کیوں ہوتے؟"

"میاں ممتاز سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"میں اور میاں ممتاز لندن میں ایک ہی اسکول میں زیر تعلیم تھے اور وہیں میری اس سے دوستی ہوئی تھی پھر جب مجھے سانپ نے کاٹا اور میری تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو میاں ممتاز سے دوستی بھی ختم ہو گئی۔ چند سال پہلے وہ اچانک ہی مجھ سے ملنے یہاں آیا تھا۔ دراصل وہ مجھ سے ملنے نہیں آیا تھا۔ وہ یہاں پائے جانے والے ہیروں کے چکر میں آیا تھا۔ وہ ناتراشیدہ ہیرے خرید کر انہیں باہر سے تراشوانا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہاں کے سارے ہیرے بالآخر ہمارے پاس آتے تھے اور ہم آگے سپلائی کرتے تھے اس لیے میاں ممتاز سے ایک کاروباری لنک بن گیا۔"

"میں ان جوابات پر آپ کا شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا۔ "بس ایک آخری سوال، آپ کے علاج کی دوا تیار کرنے کے لیے میرا کتنا خون درکار ہوگا۔"

"اس آدمی کا کہنا ہے کہ ایک من خون چاہیے ہوگا اس میں اتنی دوا تیار ہو جائے گی جو میرے علاج کے لیے کافی ہوگی۔"

علاج کے لیے ایک من خون درکار تھا جب کہ میرا اب تک کوئی سات لیٹر خون حاصل کیا گیا تھا۔ مجھے صحیح سے نہیں معلوم تھا کہ لیٹر خون کا وزن کیا ہوتا ہے اور یہ کلوگرام میں کتنا ہوتا ہے اور سیر میں کتنا آتا ہے۔ مگر میرا اندازہ تھا کہ وزن کے لحاظ سے یہ آٹھ سیر بھی نہیں ہوگا یعنی درکار خون کا صرف بیس فیصد ملا تھا اور باقی خون حاصل کرنے میں سات سے آٹھ مہینے لگ سکتے تھے لیکن پہلے میاں ممتاز کی تحویل میں میرا زیادہ خون لیا گیا یہ سوچے بغیر کہ اس کا مجھ پر کیا اثر ہوگا۔ پھر یہاں راج کنور کھل کر سامنے آ گیا۔ اس نے بغیر پروا کیے کہ میں اس کے بھائی کے لیے کتنا اہم ہوں مجھے ایک بچگانہ مقابلے میں نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اللہ نے مجھے محفوظ رکھا الٹا اسی کا دست راست اس وقت لمبا پڑا ہوا تھا۔ میں نے مناسب الفاظ میں اور محتاط لہجے میں بڑے کنور کو یہ ساری روداد سنائی۔

"جناب مجھے نہیں لگ رہا کہ میرے ساتھ کیا جانے والا سلوک آپ کے حق میں ہے۔ اگر مجھے نقصان ہوا۔ میں مر گیا یا خون دینے کے قابل نہیں رہا تو یہ اصل میں آپ کا نقصان ہوگا۔"

بڑا کنور خاموشی سے سن رہا تھا۔ وہ بہت ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا۔ وہ بہت دھیمے لہجے میں بولتا تھا اور اس کے لہجے میں شاذ ہی جذباتیت کی آمیزش محسوس ہوتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بولا تو اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "ٹھیک ہے میں اس بات پر غور کروں گا۔ تم بے فکر رہو اب تمہیں کوئی نہیں چھیڑے گا اور نہ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا۔''

مگر میں بڑے کنور کی یقین دہانی سے زیادہ مطمئن نہیں تھا اس سے پہلے بھی وہ اس قسم کی کئی یقین دہانیاں کرا چکا تھا مگر میں نے دیکھا تھا کہ راج کنور کے سامنے وہ بے اثر ثابت ہوتی تھیں۔ میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن اگر اس کے برعکس ہوا تو میں خون دینے کے معاملے میں اپنا تعاون واپس لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ ایک بات اور، آپ نے بانو کے بارے میں کہا تھا کہ آپ اسے واپس بھیج دیں گے کچھ عرصے بعد، اب اس بات کو بیس دن ہو چکے ہیں۔''

''مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔'' بڑے کنور نے کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔ ''دراصل اس موقع پر میاں ممتاز سے تعلقات خراب نہیں کیے جا سکتے ہیں اگر بانو واپس گئی تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ تمہیں اور بانو کو صبر سے کام لینا ہوگا۔''

''راج کنور کے عزائم بانو کے بارے میں ٹھیک نہیں ہیں وہ اس حوالے سے مجھے براہ راست دھمکی دے چکا ہے۔''

''میں نے کہا نا تم فکر مت کرو تمہاری اور بانو کی پوری حفاظت کی جائے گی۔'' بڑے کنور کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا تھا میں نہیں دیکھ سکا کہ اس نے کیا کیا تھا لیکن دروازہ کھلا اور منشی جی اندر آئے۔ ظاہر ہے وہ اجازت کے بغیر اندر نہیں آ سکتے تھے۔ انہیں کوئی اشارہ ملا تھا تبھی وہ اندر آئے تھے۔ بڑے کنور نے حکم دیا۔ ''شہباز ملک کو ان کے کمرے میں پہنچا دو۔''

منشی جی نے راستے میں کہا۔ ''شہباز جی آپ نے میری بے عزتی کر کے اچھا نہیں کیا؟''

''میں نے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''آپ کو بڑے کنور نے کمرے سے جانے کا حکم دیا تھا اور میرا خیال ہے وہ اس کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ بہر حال مالک ہیں آپ کے، مالک کے حکم میں عزت بے عزتی نہیں ہوتی ہے۔''

منشی جی دانت پیس کر رہ گئے میں نے اسے آئینہ دکھایا تھا کہ نوکر کتنا ہی سر چڑھا کیوں نہ ہو جائے بہر حال وہ نوکر ہی ہوتا ہے۔ وہ چالاک آدمی تھا اس نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اسے نکال کر میں نے بڑے کنور سے کیا بات کی تھی۔ اسے معلوم تھا میں نہیں بتاؤں گا اور اس کی مزید بے عزتی ہوگی۔ راستے میں مجھے خیال آیا کہ میں نے اس سپیرے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ جو سندھو کی جگہ بڑے کنور کا علاج کرنے آیا تھا اور اس بد بخت نے میرے ایک من خون کی فرمائش کی تھی۔ جیسے خون نہ ہو پانی ہو۔ منشی جی نے پلٹ کر اس کا جواب نہیں دیا تھا اور بڑے کنور سے میں کہنا بھول گیا تھا میں نے منشی جی کو یاد دلایا تو وہ غرایا۔ ''اسے بھول جاؤ اس سے تمہاری ملاقات نہیں ہو سکتی ہے۔''

''کیا اس لیے کہ میں اس کی حقیقت نہ سمجھ جاؤں کہ وہ بڑے کنور کا علاج کر بھی سکتا ہے یا نہیں۔'' میں نے کہا اور منشی جی کے تاثرات دیکھے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا۔ بانو اپنے کمرے میں تھی۔ میں نے بتایا کہ وہ بلا ضرورت میرے کمرے میں نہیں آتی تھی اکثر کھانا بھی اپنے کمرے میں ہی کھاتی تھی صرف صبح کا ناشتہ میرے ساتھ کر لیتی تھی۔ شام کے سات بج رہے تھے۔ میں آ کر لیٹ گیا تھا۔ چوٹ والی جگہ بخار رہا تھا کیونکہ وہ بستر پر لگتی تو ٹیس سی اٹھتی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''آ جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے والی اوشا تھی۔ جب سے میں نے اسے دیکھا تھا وہ تین چار بار سے زیادہ یہاں نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں وہ خود محتاط ہوگئی تھی یا پھر اسے منع کیا گیا تھا۔ دو تین بار وہ آئی تو اتفاق سے میں کمرے میں نہیں تھا یا نہا رہا تھا۔ وہ بانو سے بات کرکے اور اسے مطلوبہ چیزیں دے کر چلی گئی۔ میں چونکا کیونکہ خادماؤں والے لباس کے بجائے اپنے ماضی کے حلیے میں تھی یعنی اس نے سادہ ریشمی ساڑھی باندھی ہوئی تھی اور اس کے نیچے کچھ بھی نہیں تھا۔ یقیناً اس کا یہ انداز زیادہ ہوش ربا تھا لیکن یہ یہاں کا لباس نہیں تھا۔ اگرچہ جو لباس یہاں خادمائیں پہنتی تھیں وہ بھی کم ہوش ربا نہیں تھا۔ پھر بھی اوشا الگ ہی نظر آرہی تھی۔ میں اٹھ بیٹھا۔ ''خیریت آج تم اپنے پرانے انداز میں دکھائی دے رہی ہو۔''

''تجھے پسند جو ہے رے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ابھرے ہوئے تانبے جیسے سرخی مائل ہونٹ ذرا وا ہوئے تو اندر سے بہت سفید دانت جھلکنے لگے تھے۔ اس کا لہجہ اور بولنے کا انداز بھی پرانا تھا۔

''میری پسند کہاں سے آگئی یہ تو تمہارا بچپن کا پہناوا ہے۔''

''ہاں پر ہمیں معلوم ہے تجھے پسند ہے۔''

''ٹھیک ہے بابا مجھے پسند ہے لیکن آگے بھی تو کہو۔''

وہ میرے پاس آئی اور بیڈ کے پائنتی پر بیٹھ گئی۔ ساڑھی کا پلو بہت زیادہ چوڑا نہیں تھا اور اس کا سرکش شباب جامے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ کچھ اس نے بھی جان کر لاپروائی برتی ہوئی تھی۔ میں نے لاحول پڑھی اور نظروں کو بھٹکنے سے روکا۔ اس نے بال کھلے چھوڑے ہوئے تھے جو اس کے عریاں شانوں اور کمر کی ستر پوشی کر رہے تھے۔ اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی پہلے وہ لڑکیوں کی طرح چھریری تھی حالانکہ شاید لڑکی وہ اس وقت بھی نہیں تھی۔ مگر اب جسم کسی قدر بھر گیا تھا۔ بہتر خوراک کے ساتھ یقیناً دوسری سرگرمیاں بھی اس کی وجہ تھیں۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا ہاتھ گرم ہو رہا تھا۔

''تمہیں بخار ہے؟''

''نہیں رے میرا بدن اسی طرح گرم رہتا ہے۔ تُو جانتا تو ہے سپیرے کی بیٹی ہوں، بچپن سے سانپوں کے ساتھ رہی ہوں۔''

''اوشا تم یہاں خوش ہو؟''

''ہاں رے۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔ ''کیا برائی ہے، کھانے اور پہننے کو ملتا ہے، تھوڑا کام کرنا پڑتا ہے اور کوئی تنگ بھی نہیں کرتا۔''

''تنگ سے کیا مراد ہے؟''

''وہی جو تیرے ذہن میں ہے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''تُو سمجھتا ہے نا ہم یہاں کنوروں کا رکھیل ہیں۔''

''اگر میں ایسا سمجھتا ہوں تو کیا غلط ہے؟''

''ہاں غلط ہے۔'' وہ بولی۔ ''کوئی مرد میرے پاس نہیں آسکتا سوائے تیرے.....''

میں نے پھر لاحول پڑھی اور اس سے ہاتھ چھڑا لیا۔ ''لگتا ہے تمہارے دماغ میں پھر پرانا کیڑا کلبلا رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ مجھے معاف رکھو۔''

''سچ کہہ رہی ہوں رے۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''باپو نے بھی کہا تھا کہ بس تُو ہی میرا مرد بن سکتا ہے۔''

''مجھ میں ایسی کیا بات ہے؟''

''تو وش برداشت کر سکتا ہے۔'' اوشا نے انکشاف کرنے کے انداز میں کہا۔ میں چونک گیا۔

''کیا مطلب میں زہر برداشت کر سکتا ہوں کیا تم زہریلی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''بچپن میں ایک بار باپو کے سانپ نے مجھے ڈس لیا تھا۔ باپو نے مجھے بچا لیا لیکن میرا جسم وش کا عادی ہو گیا۔ چند مہینے میں ایک بار مجھے سانپ نہ کاٹے تو میری حالت خراب ہونے لگتی تھی۔ تب باپو اپنے کسی ہلکے وش والے سانپ سے مجھے ڈسواتا تھا۔ جوان ہونے تک میں وش کنیا بن گئی تھی۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ جس زمانے میں زندگی کا مقصد صرف پڑھنا ہوتا تھا تب میں نے بے شمار ایسی کہانیاں پڑھی تھیں جن میں وش کنیاؤں کا ذکر تھا کہ انہیں بچپن سے زہر دے کر تیار کیا جاتا تھا اور جوان ہوتے ہوتے وہ اتنی زہریلی ہو جاتی تھیں کہ کسی کو کاٹ لیں تو وہ مر جاتا تھا اسی طرح ان سے جسمانی تعلق قائم کرلے والا مرد بھی مارا جاتا تھا۔ انہیں خاص طور سے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ میں اسے ایک خیالی چیز سمجھتا تھا۔ مگر آج اوشا نے بتایا کہ یہ سچ تھا۔ وہ اتنی زہریلی تھی کہ کوئی مرد اس کے پاس نہیں آ سکتا تھا۔ میرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا میں نے پوچھا۔ ''تم نے مجھے پکڑا ہوا ہے کیا اس سے بھی زہر میرے جسم میں جا سکتا ہے؟''

وہ پھر نشیلے انداز میں مسکرائی۔ ''ابھی تو صرف پکڑا ہے رے، پر کبھی تجھ سے سر سے پاؤں تک لپٹی بھی تھی۔ تب بھی تجھے کچھ نہیں ہوا تھا۔''

جب میں سندھو کی قید میں تھا اور اس نے جڑی بوٹیوں کی مدد سے مجھے بے حس کر دیا تھا تب اوشا نے میری مدد کی تھی اور مجھے جسمانی طور پر متحرک کرنے کے لیے وہ بے لباس ہو کر مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ میں جھینپ گیا۔ ''میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

''ہاں باپو کہتا تھا جسے میں چھوؤں اسے بھی وش پہنچے گا پر بہت تھوڑا سا، وہ مرے گا نہیں، ہاں جسے میں کاٹ لوں یا کوئی مرد میرے پاس آئے تو وہ نہیں بچے گا۔''

میں نے جھرجھری لی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیشہ مجھے بھٹکنے سے محفوظ رکھا تھا۔ اگر میں مفاد کردار کا نہ ہوتا تو شاید آج زندہ نہ ہوتا۔ میرا اندازہ غلط تھا کہ اوشا یہاں سب کی داشتہ بن کر رہ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''کنور جانتے ہیں کہ تم زہریلی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''جب یہ لوگ دوبارہ یہاں آئے تو ایک رات راج کنور نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا تھا میں نے اسے بتا دیا کہ میں وش کنیا ہوں۔ وہ بہت ڈر گیا تھا۔ پھر اس نے مجھے ڈاکٹر کو دکھایا اور اس نے کہا کہ میرے خون میں اتنا زہر ہے جتنا ایک بڑے ناگ میں ہوتا ہے۔''

مجھے خیال آیا کہ کاش اوشا یہ بات راج کنور کو نہ بتاتی تو آج وہ اس دنیا میں نہ ہوتا لیکن میں نے منہ سے نہیں کہا۔ ''دوسروں کو بھی معلوم ہے؟''

''بڑے کنور اور کچھ اور لوگوں کو معلوم ہے۔ بڑے کنور نے مجھ سے بہت سے سوالات کیے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ واقعی حیرت انگیز تھی۔ جہاں تک مجھے علم تھا جدید سائنس اسے ناممکن قرار دیتی ہے کہ ایک انسان اپنے جسم میں زہر رکھ سکے اور اسے کوئی نقصان نہ ہو۔ یا تو انسان کا جسمانی نظام علاج کی مدد سے زہر ختم کر دے گا یا پھر زہر انسان کو ختم کر دے گا۔ عام قسم کے زہروں میں سنکھیا سب سے خطرناک اور مؤثر ہوتا ہے اس کی خاص بات یہ ہے کہ اگر اسے تھوڑا تھوڑا کر کے بھی دیا جائے تو یہ اثر رکھتا ہے اور انسان بیمار ہو کر مر جاتا ہے۔ اس کے اثرات کا بھی مشکل سے پتا چلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب انگریزوں کو برصغیر میں اس زہر کے اثرات کا پتا چلا تو انہوں نے اسے اپنے سب سے بڑے دشمن نپولین پر آزمایا تھا اور وہ پُراسرار انداز میں بیمار ہو کر مر گیا۔ صدیوں بعد آج اس کے ناخنوں اور بالوں کا جدید انداز میں تجزیہ کیا گیا تو ان میں سنکھیا کی آمیزش معمول سے چودہ گنا زیادہ پائی گئی جو اس کا حتمی ثبوت ہے کہ نپولین کو سنکھیا دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔ مفروضہ وش کنیا بھی سنکھیا کھلا کر تیار کی جاتی تھیں۔ عین ممکن ہے انہیں سنکھیا کے ساتھ ایسی جڑی بوٹیاں دی جاتی ہوں جن کی مدد سے جسم سنکھیا کے مُضر اثرات پر قابو پا کر اسے اپنے اندر رہنے کی اجازت دے دیتا ہو۔ مگر اس کا کوئی ثبوت یعنی سچ مچ کی وش کنیا سامنے نہیں آئی۔ انہیں نہایت رازداری سے رکھا جاتا تھا اور جس مقصد کے لیے تیار کیا جاتا تھا وہ پورا ہونے کے بعد یقیناً انہیں مار دیا جاتا ہوگا۔

اوشا بھی روایتی وش کنیا نہیں تھی بلکہ اسے سانپ کا زہر ملا تھا۔ سانپ کا زہر دو طرح سے اثر کرتا ہے ایک یہ دماغ کو بے حس کر دیتا ہے جس سے سانس اور دل کی دھڑکن رک جاتی ہے۔ دوسرے یہ خون کو پانی کی طرح پتلا کر دیتا ہے جس سے جریانِ خون شروع ہو جاتا ہے۔ میں نے بھی سنا ہے کہ بعض عادی نشے باز نشے کو دوبالا کرنے کے لیے سانپ سے ڈسواتے ہیں مگر صرف سنا ہی سنا ہے۔ مگر اس کا امکان ہوتا ہے۔ شاید دماغ کو بے حس کر دینے والے سانپ کے زہر کا اثر نشے کی طرح ہوتا ہو کیونکہ کسی بھی قسم کا نشہ بنیادی طور پر دماغ کے فنکشن کو متاثر کرتا ہے۔ دماغ اپنا روایتی کام چھوڑ دیتا ہے۔ شعور متاثر ہوتا ہے۔ انسان ہواؤں میں اڑنے لگتا ہے۔ سوچیں منتشر ہونے سے انسان اپنی پریشانیاں اور مسائل عارضی طور پر بھلا دیتا ہے اور اسی کیفیت کو نشہ کہتے ہیں۔ دماغ بہت نازک اور حساس عضو ہے۔ جسم کے دوسرے اعضا کے برعکس یہ خون کو فلٹر کر کے استعمال کرتا ہے اور دماغ میں داخل ہونے والا خون صرف آکسیجن اور گلوکوز لے کر جا سکتا ہے۔ مگر کچھ کمپاؤنڈز ایسے ہوتے ہیں جو ان فلٹرز سے گزر جاتے ہیں اور یہی کمپاؤنڈز نشہ کہلاتے ہیں۔ الکوحل، افیم، بھنگ، چرس اور مارفین بنیادی نشے ہیں جو حیاتیاتی نشے بھی کہلاتے ہیں۔ کچھ کیمیکلز کمپاؤنڈز بھی نشے کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

''اس طرح چھوتے سے جو زہر سرایت کرے گا اس کا کیا اثر ہوگا؟''

''تجھ پر کچھ نہیں ہوگا رے۔ تُو پہلے ہی وش والا ہے۔ تبھی تو تجھ پر ناگ دیوتا کا وش بھی بے کار رہا تھا۔''

''میں نے کبھی کوئی زہر استعمال نہیں کیا۔''

''میں نہیں جانتی پر باپو کہہ رہا تھا کہ تُو نے کچھ ایسا کھایا ہے جس سے تیرے خون میں وش کی سہار تا ہو گئی ہے۔''

میرا خیال فوری طور پر ان دواؤں کی طرف گیا جو حکیم قادس نے مجھے استعمال کرائی تھیں اور جن میں راسرار وادی سے لائے گئے پتھر کا سفوف جزِ اعظم کے طور پر شامل تھا۔ یہ دوائیں زخم بہت تیزی سے بھر دیتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں۔ بلکہ ان کا اثر اب تک تھا میرا زخم غیر معمولی تیزی سے بھر جاتا تھا اسی طرح مجھے عام بیماریاں بھی کم ہوتی تھیں۔ شاید اسی کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ مجھ پر مہلک ترین سانپ کے بہت زیادہ زہر نے بھی اثر نہیں کیا تھا۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ میں اندر سے زہریلا ہو گیا تھا۔ اس دوران میں کئی بار میرے خون کا مکمل ٹیسٹ ہو چکا تھا اگر اس میں زہر شامل ہوتا تو لازمی رپورٹ میں اس کی نشاندہی ہوتی۔ میں نے اوشا سے کہا۔ ''میرا نہیں خیال کہ ایسا ہی ہے۔''

''یہ بات میں نہیں جانتی پر بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جسے ڈاکٹر نہیں جانتے۔'' وہ بولتے ہوئے جذباتی ہو گئی۔ ''میں تیرے لیے کب سے تڑپ رہی ہوں۔''

میں نے اس سے ہاتھ چھڑا لیا۔ ''تو جانتی ہے میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔''

''میں بنا دوں گی۔'' اس نے کہا اور ساڑھی کا پلو گرا دیا۔ میں نے جلدی سے نگاہیں پھیر لیں۔ میں نے پارسائی کا دعویٰ کبھی نہیں کیا اور ہمیشہ خود کو کمزور انسان ہی سمجھا۔

''اوشا اسے ٹھیک کر لو۔ تم مجھے نہیں جانتی ہو اس لیے سمجھتی ہو اس طرح خود کو دکھا کر مجھے اپنا بنا لو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔''

''تب مجھے دیکھتا کیوں نہیں ہے رے۔'' اس نے چیلنج کرنے والا انداز میں کہا اور تن کر کھڑی ہو گئی۔

''کیونکہ ہمیں دیکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اوشا تم اچھی لڑکی ہو خود کو اس طرح تماشہ مت بناؤ۔''

اگر میں سخت انداز اختیار کرتا اور اسے درشتگی سے جھٹک دیتا تو اس کا وہ اثر نہ ہوتا جو نرم لہجے کا ہوا تھا۔

''تب میں کیا کروں، تو نہیں جانتا وش نے مجھے کسی کے قابل ہی نہیں چھوڑا ہے اس نے مجھے اندر سے آگ بنا دیا ہے۔'' اس کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔ ''میں اس آگ کو ٹھنڈا بھی نہیں کر سکتی۔''

وہ کہتے ہوئے قالین پر گر گئی اور اپنے زانوں پر جھکتے ہوئے سسک سسک کر رونے لگی تھی۔ بال ہٹ گئے تھے اور اس کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے پہلے میں کچھ کہتا یا کچھ کرتا اچانک بانو کے کمرے کا دروازہ کھلا اور بانو نمودار ہوئی۔ اوشا کو اس حال میں اور روتے دیکھ کر اس کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔ پھر اس سے پہلے میں اسے کچھ کہتا وہ پلٹی اور اپنے کمرے میں چلی گئی اس نے دروازہ بھی بہت آہستگی سے بند کیا تھا اوشا کو اس کے آنے یا جانے کا پتا نہیں چلا تھا۔ مجھے اس مظلوم لڑکی پر ترس آنے لگا۔ قدرت نے اسے حسین بنایا تھا بے شک اس کا رنگ پہلے سیاہ اور اب تانبے جیسا گہرا سرخ تھا لیکن اس کے نقوش اور جسمانی پیچ و خم کسی بھی حسین ترین عورت سے کم نہیں تھے۔ مگر اس حسن و سراپے کے ساتھ اسے زہریلا بنا دیا تھا کوئی مرد اس کے پاس نہیں آ سکتا تھا۔ دوسری طرف اس کے وجود میں موجود زہر نے اسے بے پناہ جذباتی بنا دیا تھا میں خود کئی بار اس کے جذبات دیکھ چکا تھا۔ میں نے بانو کے جانے کے بعد جھک کر اسے شانوں سے تھام کر اٹھایا۔ اس کی ساڑھی کا پلو درست کیا اور اسے صوفے پر بٹھا کر پانی دیا۔ اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا اور بولی۔

''مجھے جگ دو۔''

میں نے اسے جگ تھما دیا اور وہ اسے بھی پی گئی۔ شاید اس کے اندر لگی آگ اتنی زیادہ تھی کہ اسے بجھانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے یہ پانی بھی کم پڑ گیا تھا۔ جگ خالی کر کے اسے کچھ سکون ملا تھا اور وہ گہرے سانس لے رہی تھی۔ پھر اس نے ساڑھی کا پلو ٹھیک سے لیا۔ اس کا چہرہ جو پہلے آگ کی طرح دہکنے لگا تھا اب نارمل ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اچانک آگے جھکتے ہوئے میرے سینے سے لگتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ ''شہباز تو کھترے میں ہے۔''

پہلے میں کچھ اور سمجھا تھا کہ شاید اسے جذبات کا دوسرا دورہ پڑا ہے لیکن اس کے جملے اور سہمے ہوئے انداز نے میری غلط فہمی دور کر دی۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے اس نے پھر اسی انداز میں سرگوشی کی۔ ''آہستہ بول، یہاں ہونے والی بات سنی جاتی ہے۔''

میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے مجھے یہ خیال تو آیا ہی نہیں تھا کہ ان کمروں میں مائیک لگے ہوں گے۔ کنور مجھے قید کر کے آرام سے نہیں بیٹھ گئے تھے وہ مجھ پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے تھے اور ان کو میری ایک ایک حرکت کا علم تھا۔ اوشا کے اس انداز نے میری چھٹی حس کو بھی جھنجھوڑ دیا تھا۔ کمرے میں بات کرنا ٹھیک نہیں تھا اب ایک ہی جگہ بچتی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے واش روم میں لے آیا۔ یہاں پہلے میں نے نہانے والا شاور کھول دیا اور پھر اوشا کے کان کے پاس آ کر پوچھا۔ ''تجھے کیسے پتا؟''

''میں نے راج جی سے سنا، وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں تیرے پاس آؤں اور تجھے رجھاؤں۔ میں تو کب سے تیرے لیے تڑپ رہی تھی۔''

''تم نے یہ نہیں سوچا کہ راج کنور کا مقصد مجھے مارنا ہوگا۔''

''مجھے معلوم تھا پر یہ بھی پتا ہے تُو مرے گا نہیں، باپو نے کہا.....''

''باپو کا کہا آخری نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''سوچ اگر یہ غلط ہوا تو میں مر جاؤں گا کیا تُو مجھے مارنا چاہتی ہے۔''

میرے قریب اس کا جسم کانپ اٹھا تھا۔ ''نہیں رے، میں تو تجھ پر جان واردوں۔''

''اوشا تُو نے ٹھیک کہا یہاں میری جان کو خطرہ ہے۔ راج کنور میرا دشمن بن گیا ہے وہ ہر قیمت پر مجھے مارنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے تجھے بھیجا ہے۔ یہ بتا کہ اگر تُو ناکام رہی تو وہ کیا کرے گا؟''

''پتا نہیں شاید سزا دے یا مار دے۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''اوشا تُو اتنے عرصے سے یہاں ہے تجھے پتا ہوگا کہ باہر جانے کے راستے کہاں ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''پتا ہے لیکن سب پر پہرے ہیں۔''

''اوشا مجھ سے ملتی رہنا، راج کنور کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ تم ناکام رہی ہو لیکن ابھی باہر نکل کر میں کچھ ایسی باتیں کروں گا جن سے راج کنور سمجھے گا کہ میں تم سے متاثر ہوں تب تم اس سے کہو گی کہ تم مجھ سے بار بار ملو گی کبھی نہ کبھی تو کامیابی ملے گی۔''

وہ خوش ہو گئی۔ ''تُو نہ کہتا تب بھی میں یہی کہتی میں تجھ سے بار بار ملنا چاہتی ہوں۔ ایک بات بتا یہ ناری کون ہے؟''

''بانو کی بات کر رہی ہو؟''

''ہاں وہ مجھے اچھی نہیں لگتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہیں اس سے جلنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم صرف کچھ وقت کے ساتھی ہیں۔"

"پر وہ دن رات تیرے ساتھ تو ہے۔" اوشا نے حسد سے کہا۔ "سندر بھی ہے۔"

اوشا بانو کو اپنے پیمانے پر تول رہی تھی حالانکہ وہ بالکل مختلف مزاج کی اور اپنی عزت کی حفاظت کرنے والی لڑکی تھی۔ اوشا بھی بری نہیں تھی لیکن اس نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی اور جو اسے پیچھے سے ملا تھا اس میں عورت کی عزت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی پھر وہ کنور پیلس کے ہوسناک ماحول میں رہی تھی اور اس نے یہاں مختصر عرصے میں وہ سب دیکھ لیا تھا جو اپنی بیس سالہ زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ اس میں اس حوالے سے رہی سہی جھجک اور شرم بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اس کے باوجود میں اسے قصور وار نہیں سمجھ رہا تھا۔ اصل قصور وار اس کا ماحول اور اس کا پس منظر تھا۔ ہم باہر آئے اور میں نے کچھ ڈائیلاگ کہے جن سے سننے والے کو لگتا کہ میں بھی اوشا کے حسن سے متاثر تھا۔ کچھ دیر بعد وہ چلی گئی۔ مجھے بانو کا خیال آیا جو اوشا کو میرے کمرے میں اور میرے بستر کے پاس ناگفتہ بہ حالت میں دیکھ چکی تھی۔ ہم دونوں ہی اس وجہ سے شرمندہ ہوتے۔

مگر بانو سے زیادہ مجھے راج کنور نے فکر مند کر دیا تھا۔ وہ اب کھل کر میری دشمنی پر اتر آیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ اسے بڑے کنور کی پروا بھی نہ ہو۔ بلکہ شاید وہ اسے بھی دھوکا دے رہا تھا۔ مجھے تو وہ سپیرا بھی فراڈ لگ رہا تھا جس نے میرے خون سے بڑے کنور کا علاج کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ میں نے صرف سنا تھا کہ اس کے علاج سے بڑے کنور کو فائدہ ہوا تھا مگر بڑے کنور کی حالت بدستور پہلے جیسی تھی۔ وہ اتنا ہی کمزور اور بیمار تھا جتنا میں نے اسے پہلے پایا تھا۔ سندھو کی بات اور تھی اس نے کوشش کر کے بڑے کنور کی بیماری کا علاج دریافت کر لیا تھا یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔ اگر راج کنور کوئی سازش کر رہا تھا تو لازمی بڑے کنور کے ساتھ اس کا نشانہ میں بھی ہوتا۔ وہ مجھے کسی صورت زندہ نہ چھوڑتا۔ نائیک سے مقابلہ بھی اس کی ایک کوشش تھی۔ نائیک کی لاٹھی وزنی اور سخت تھی اس کے چند خطرناک وار کسی بھی انسان کو موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے لیکن اس کی یہ کوشش ناکام رہی تھی۔

پھر اس نے اوشا کا حربہ آزمایا اسے امید تھی کہ میں اوشا کے حسن و شباب کے آگے پگھل جاؤں گا اور اس کے وجود میں موجود زہر میرا خاتمہ کر دے گا۔ ابھی تک راج کنور ڈھکے چھپے انداز میں کوشش کر رہا تھا بڑے کنور کی وجہ سے وہ کھل کر میرا خاتمہ کرنے کے لیے کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا ورنہ یہ بہت آسان کام تھا۔ اس کے گرگے ایک اشارے پر مجھے گولی مار سکتے تھے اور میری لاش کسی نامعلوم قبر میں چھپائی جا سکتی تھی۔ صرف بڑے کنور کی وجہ سے وہ کھل کر کچھ کرنے سے رکا ہوا تھا مگر راج کنور کی بیتابی بتا رہی تھی کہ اب وہ کھل کر سامنے آنے میں زیادہ دیر بھی نہیں لگائے گا۔ اس بیتابی کی ایک وجہ شاید بانو بھی تھی جسے وہ اپنے قبضے میں کرنا چاہتا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو میں خیالوں سے باہر آیا۔ "آجاؤ۔"

دروازہ کھلا اور دل نواز خان کھانے کی ٹرالی لے کر اندر آیا۔ وہ کھانا میز پر سجانے لگا تھا اس کے جانے کے بعد میں نے بانو کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ وہ جھینپی ہوئی لگ رہی تھی شاید اس منظر کی وجہ سے جو اس نے میرے کمرے میں دیکھا تھا۔ "کھانا لگ گیا ہے۔"

وہ خاموشی سے آ گئی اور ہم نے خاموشی سے ہی کھانا کھایا۔ جب دل نواز خان برتن سمیٹ کر لے گیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانو جانے کے لیے کھڑی ہوئی پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''میں معافی چاہتی ہوں اس طرح اچانک بغیر دستک دیئے آپ کے کمرے میں آ گئی تھی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے کہا۔

''آئندہ میں خیال رکھوں گی۔'' اس نے کہا پھر جھجک کر بولی۔ ''شہباز صاحب میں اتنے عرصے میں آپ کو اچھی طرح جان گئی ہوں اس لیے کوئی بھی بات اور کوئی بھی منظر میرا آپ کے کردار پر اعتماد متزلزل نہیں کر سکتا ہے۔''

''میں اس اعتماد کے لیے شکر گزار ہوں۔'' میں نے کہا۔ پھر ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے چپ رہنے کو کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر واش روم میں لے آیا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر فکر کے تاثرات نظر آئے تھے لیکن اس نے مزاحمت نہیں کی۔ میں نے شاور چلایا اور سرگوشی میں کہا۔ ''بانو ہمارے کمرے بگڈ ہیں یہاں مائیک لگے ہوئے ہیں اور ہماری آوازیں دوسری جگہ سنی جاتی ہیں۔''

بانو کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''لیکن کیوں؟''

''یہ اس طرح ہم پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم فرار کا یا کوئی ایسا منصوبہ بنائیں جو ان کے خلاف ہو تو یہ پیشگی آگاہ ہو جائیں لیکن اوشا سے ایک خطرناک بات کا علم ہوا ہے۔ راج کنور مجھے حیلے بہانوں سے مارنے پر تل گیا ہے۔''

''اسی لیے اس نے آپ کو زبردستی لڑنے پر مجبور کیا تھا؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''اوشا کو بھی اسی مقصد کے تحت میرے کمرے میں بھیجا ہے۔''

''وہ اوشا سے آپ کو قتل کرانا چاہتا ہے؟'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''لیکن کیسے وہ تو کمزور سی لڑکی ہے۔''

''وہ کمزور لڑکی بجائے خود ایک خطرناک ترین ہتھیار ہے۔'' میں نے کہا اور پھر اوشا کے زہریلے پن کا انکشاف کرتے ہوئے ڈھکے چھپے انداز میں بتایا کہ وہ کس طرح آدمی کو موت کے گھاٹ اتار سکتی ہے۔ بانو جھینپ گئی تھی مگر فوراً تشویش سے بولی۔

''یہ آپ کے لیے بہت خطرناک ہے۔ فرض کریں وہ آپ کو کاٹ لے تب بھی اس کا زہر اثر کرے گا۔''

''وہ مجھ سے مخلص ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن کیا کہا جا سکتا ہے کہ آدمی کب کیا کر گزرے۔''

''میرا خیال ہے وہ آپ کو پسند کرتی ہے۔'' بانو نے پہلی بار میرے ذاتی معاملے پر اظہار خیال کیا۔ ''لیکن کیا آپ اس پر پورا بھروسہ کر سکتے ہیں؟''

''سچی بات ہے سو فیصد نہیں کر سکتا ہوں۔ وہ نفس پرست ہے اور جو اپنے نفس کے پیچھے بھاگتا ہے وہ کبھی بھی سو فیصد اعتماد کے قابل نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ میں نے بانو کو بڑے کنور سے ہونے والی ملاقات کا نہیں بتایا۔ اگرچہ ہم شاور کے پاس کھڑے ہو کر بات کر رہے تھے اور آواز بھی بس اتنی رکھی تھی جو دوسرے کو سنائی دے۔ مگر امکان تو تھا کہ شاید مائیک اتنے طاقتور ہوں کہ ہماری آواز پھر بھی کیچ کر لیں۔ اس لیے میں بڑے کنور سے ہونے والی گفتگو خود تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''اوشا سے بچانے میں تم اہم کردار ادا کر سکتی ہو۔ جب اوشا آیا کرے تم بھی آ جایا کرو۔ اس سے راج کنور کی چال ناکام ہو گی اور وہ اوشا کو مورد الزام بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ٹھہرا سکے گا۔"

اگرچہ بانو کو میرا اوشا کا اتنا خیال رکھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن اس نے مخالفت نہیں کی اور سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے لیکن مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ وہ آئی ہے اس وقت بھی میں اتفاق سے آ گئی تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہاں وہ آپ کے ساتھ ہے۔"

"اس کے لیے تم درمیان کا دروازہ کھول کر کھا کرو اس طرح میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوگی تو تمہیں پتا چل جائے گا اور تم فوراً یہاں آ جانا۔"

"اگر وہ لیٹ نائٹ آئی۔"

"تب بھی تم آ جانا یہ سوچے بغیر کہ یہاں تمہاری موجودگی کو کیا معنی پہنائے جا رہے ہیں۔"

اس کا چہرہ ذرا سرخ ہوا تھا۔ ہم باہر آئے تو وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے واپس آ کر کمرے کا جائزہ لیا۔ میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ مائیک کہاں چھپایا گیا ہے۔ کمرے کے وسط میں بڑا سا فانوس لگا ہوا تھا جس میں درجن سے بھی زیادہ کینڈل بلب لگے ہوئے تھے اور شیشے کی بہتات تھی یہاں مائیک آسانی سے چھپایا جا سکتا تھا۔ فانوس تک رسائی ممکن نہیں تھی کیونکہ اس کا نچلا حصہ زمین سے تقریباً بارہ فٹ اونچا تھا اور یہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس پر چڑھ کر میں اتنی بلندی تک پہنچتا۔ میں نے ایل سی ڈی وی کا معائنہ کیا اور اسے دیوار میں فکسنگ سے نکال کر دیکھا۔ مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ بیڈ اور صوفوں کے نیچے بھی کچھ نہیں تھا۔ دیواروں پر عام روشنی کے پینل انرجی سیور لگے تھے۔ وہ بھی میری رسائی سے باہر تھے۔ ایک گھنٹے بعد میں نے تھک ہار کر کوشش ترک کر دی۔ مائیک بہت مہارت سے چھپائے گئے تھے۔ بستر پر لیٹا تو کمر کی تکلیف یاد آئی لیکن یہ بہت کم رہ گئی تھی۔ مجھے امید تھی کل تک اتنی کم رہ جائے گی کہ میں معمول کی ایکسرسائزز کر سکوں گا۔

○.....❖.....○

اگلے دن سچ مچ میری تکلیف خاصی حد تک کم ہو گئی تھی۔ صبح میں نے ہلکی ایکسرسائز کی اور شام کو پورے ردھم سے ایکسرسائز کرنے لگا۔ بانو دونوں وقت آئی تھی لیکن اب ہم گفتگو میں احتیاط کرتے تھے۔ شام کو میں نے بانو کو حملہ کرنے کی اصلی مشق کرائی۔ وہ مجھ پر حملہ کرتی اور میں اپنا دفاع کرتا تھا۔ چند دنوں کی مشق سے اس کے ہاتھ پیروں میں سختی آ گئی تھی اور وہ ٹھیک سے وار کرنے لگی تھی۔ مجھے امید تھی کہ اس پر کوئی برا وقت آیا تو وہ آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالے گی۔ جسم کے ساتھ میں اس کے ذہن کو بھی سخت بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگلے روز میں نے بھی حملے کی مشق کی اور بانو دفاع کرتی رہی۔ دو دن میں اس نے مزید بہتری دکھائی تھی۔ تیسرے ہفتے کے آخر تک اس کا وزن اکسٹھ کلوگرام ہو گیا تھا۔ شانوں، بازوؤں اور ٹانگوں کا وزن بڑھنے سے اس کے وار کی شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ تیسری بار خون دینے کے لیے جانے سے پہلے میں نے اس سے آدھے گھنٹہ مقابلہ کیا تھا اور وہ تھکے بغیر لڑتی رہی تھی۔ کوئی بھی خاص گفتگو ہم واش روم میں شاور چلا کر کرتے تھے۔ اس وقت بھی ہم واش روم میں آئے تھے۔ میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

"تم بہت تیزی سے سیکھ رہی ہو۔"

"اس کے لیے میں آپ کی شکر گزار ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بانو تم میں سیکھنے کی حیرت انگیز صلاحیت ہے۔ صرف تین ہفتے میں ایک نازک اندام لڑکی سے درمیانے درجے کی ماہر لڑاکا میں تبدیل ہونا ہر لڑکی کے بس کی بات نہیں ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے تم ذہنی لحاظ سے بھی مضبوط ہو۔ اصل تبدیلی ذہن کی ہی ہوتی ہے۔ تم نے اپنی خوراک اور اپنا وزن بڑھایا ہے۔''

''سچ کہوں تو مجھے لگتا ہے کہ اب راج کنور جیسے شخص کو میں آسانی سے شکست دے سکتی ہوں۔''

''جسمانی شکست ممکن ہے لیکن تم بھول رہی ہو راج کنور کی اصل طاقت اس کی حیثیت اور اس کے آدمی ہیں۔ اس لیے صرف جسمانی شکست کوئی معنی نہیں رکھتی ہے۔ جب تک تم اپنا ذہن بھی استعمال نہیں کرو گی اس پر حاوی نہیں آسکتی ہو۔''

مقررہ وقت پر فشی جی اور ایک نیا گارڈ مجھے لینے آئے۔ کمرے کے باہر اب بھی وہی گورکھا ہوتا تھا لیکن آنے جانے کے لیے یہ نیا گارڈ تھا شاید یہ بڑے کنور کا اعتماد کا آدمی تھا اور وہی کرتا جو بڑا کنور کہتا۔ حسب معمول میرا خون نکالا گیا اور پھر مجھے واپس کمرے میں چھوڑ دیا گیا۔ بانو اپنے کمرے میں تھی لیکن دروازہ بند ہوتے ہی وہ آئی۔ اس کا سرخ چہرہ اور تیز سانس بتا رہی تھی کہ وہ ہیجان میں تھی اور یقیناً کوئی خاص بات ہوئی تھی۔ اس نے اشارہ کیا اور میں اس کے ساتھ واش روم میں آیا۔ واش روم میں جاتے ہوئے میں کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیتا تھا تاکہ کوئی اچانک اندر نہ آسکے۔ شاور چلاتے ہی بانو نے میرے کان میں کہا۔ ''آپ کے جانے کے بعد راج کنور پھر آیا تھا۔''

میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ ''کیا کہہ رہا تھا وہ؟''

بانو کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ ''وہ ذلیل شخص اس لیے آیا کہ.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ''آپ جانتے ہیں نا وہ کیا چاہتا ہے؟''

میں اچھی طرح جانتا تھا کہ راج کنور کیا چاہتا تھا لیکن مجھے بانو کا انداز اچھا لگا۔ اس نے رونے یا روہانسا ہونے کے بجائے طیش اور تندی کے ساتھ مجھے بتایا تھا۔ وہ غصے میں تھی اور میں یہی چاہتا تھا۔ وہ اپنی جذباتیت کو کمزوری کے بجائے اپنا ہتھیار بنالے۔ ''میں سمجھ رہا ہوں وہ کس قسم کا شخص ہے اور کیا کہہ سکتا ہے۔ یہ بتاؤ تم نے کیا جواب دیا؟''

''دل تو چاہ رہا تھا کہ اسے ہاتھوں سے جواب دوں۔ وہ اکیلا اندر آیا تھا لیکن باہر اس کے چیلے یقیناً موجود تھے۔ اس لیے میں نے صبر سے کام لیا میں نے اسے کہا۔ ''میں اس کے قبضے میں ہوں وہ چاہے تو مجھے زبردستی..... حاصل کر سکتا ہے لیکن اپنی خوشی سے میں مر کر بھی اس کے پاس نہیں آؤں گی۔''

''تم نے بالکل ٹھیک جواب دیا۔ اس کا کیا ردعمل تھا۔''

''اس کی صورت بگڑ گئی تھی۔ کہنے لگا کہ میں چاہوں یا نہ چاہوں مجھے اس کی خواہش پوری کرنا ہی پڑے گی۔''

''بانو ابھی وہ اپنے بھائی کی وجہ سے مجبور ہے۔ اس وجہ سے باتوں سے کام نکالنے کی کوشش کر رہا ہے جب اس پر بھائی کا دباؤ نہیں رہے گا تو وہ طاقت کے استعمال پر اتر آئے گا۔''

''میں کیا کروں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ڈرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ تمہارے پاس کوئی چنسل جیسی لمبی اور نوکیلی چیز ہے۔''

''نہیں ایسی کوئی چیز.....'' وہ کہتے کہتے رکی جیسے اسے کچھ یاد آیا ہو۔ ''ہاں ہُوڑے والی سلائی ہے۔ یہ پانچ انچ لمبی اور سخت لکڑی کی بنی ہوئی ہے ایک طرف نوک ہے۔''

''اسے لے کر آؤ۔''

بانو اپنے کمرے سے ہُوڑا سلائی لے آئی۔ یہ ایک طرف سے خاصی نوکیلی تھی اگر اسے قوت سے مارا جاتا تو یہ جسم کے نرم حصے میں گھس سکتی تھی۔ جیسے گردن میں۔ اس کے دوسری طرف والا حصہ کسی قدر گول چھوٹے سائز کے اخروٹ جیسا تھا۔ میں نے اخروٹ والا حصہ ہتھیلی میں رکھ کر سلاخ درمیانی انگلی سے نکالی۔ یوں میرے گھونسے پر ایک نوکدار ہتھیار کا اضافہ ہو گیا تھا میں نے بانو سے پوچھا۔ ''کیسا ہے۔''

اس نے اشارے سے بتایا کہ بہترین ہے۔ میں نے وار کر کے بتایا کہ اس سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔ اسے سمجھایا کہ وہ اسے ہُوڑے سے اچانک نکال کر کس طرح سامنے والے کے حلق میں اتار سکتی تھی۔ یہ وار نہ صرف کسی کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا بلکہ اسے مرنے سے پہلے خاموش بھی کرا دیتا۔ بانو نے اس کی مشق کی اور خوش نظر آنے لگی اس نے مبہم انداز میں کہا۔ ''یہ بہت زبردست ہے۔''

''بس تو اس کی مشق کرتی رہو۔''

بار بار واش روم میں جانا راج کنور کو مشکوک کر سکتا تھا اس لیے بانو نے متبادل طریقہ نکالا۔ اس نے اوشا سے رف پیڈ اور پنسل حاصل کر لی تھی۔ اب ہم اس سے لکھ کر بات کر سکتے تھے۔ بانو نے مجھ سے اوشا کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کیوں نہیں آ رہی ہے؟''

میں نے جواب لکھا۔ ''ممکن ہے راج کنور کے خیال میں وہ ناکام رہی ہو اور اس نے اسے دوبارہ نہ بھیجا ہو۔''

''مجھے گڑبڑ لگ رہی ہے۔ راج کنور کا یہاں آنا ٹھیک نہیں ہے۔ فرض کریں وہ کوئی سازش کر جاتا ہے مجھے اور آپ کو نقصان پہنچا دیتا ہے تو اس کا بھائی اسے مار تو نہیں دے گا یا اس سے تعلق ختم نہیں کر لے گا۔''

میں نے تائید کی۔ ''سامنے کی بات ہے بڑے کنور کے لیے بھائی زیادہ اہم ہے۔''

''اس لیے مجھے لگ رہا ہے کوئی گڑبڑ ہے ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔''

''ہم اس سے زیادہ اور کیا ہوشیار ہو سکتے ہیں؟''

اس نے تجویز دی۔ ''ہمیں اپنے کمروں کے دروازے اندر سے بند رکھنے چاہئیں۔''

''میں ایسا ہی کرتا ہوں۔''

سچی بات ہے میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ میرے اردگرد کچھ زیادہ ہی سناٹا طاری تھا۔ ایسا سناٹا جیسا کہ طوفان آنے سے پہلے ہوتا ہے۔ راج کنور اور اس کے دونوں دست راست یعنی نائیک اور رامن میرے جانی دشمن تھے اور وہ بالکل چپ تھے۔ اگر وہ کچھ کر نہیں پا رہے تھے تب بھی چھیڑ تو کر سکتے تھے۔ راج بانو سے بات کرنے آیا تھا مگر مجھے اس نے نائیک سے مقابلے کے بعد بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ اس بار بھی نصف لیٹر خون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لینے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑا تھا میں نے ایکسر سائز معمول کے مطابق کیں اور مجھے کمزوری محسوس نہیں ہوئی تھی۔ البتہ بھوک کچھ زیادہ ہی کھل کر لگ رہی تھی۔ رات کے کھانے کے لیے ہانو آئی تو اس نے ریشم جیسے کپڑے کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ یہ ٹراؤزر نما پاجامے اور کرتے نما شرٹ پر مشتمل تھا لیکن ساتھ میں بڑا سا دوپٹہ تھا۔ وہ رف پیڈ اور پین ساتھ لائی تھی۔ پچھلا لکھا ہوا پھاڑ کر فلیش میں بہا دیتی تھی۔ دل نواز خان کے جانے کے بعد اس نے لکھا۔

''آج آپ کا خون لیا گیا، یہاں کوئی دھوکہ تو نہیں کر رہے ہیں؟''

''یہ ظاہر تو ایسا نہیں لگ رہا ہے کیونکہ میں کمزوری محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ جب کہ ممتاز ہاؤس میں جب میرا کئی گنا زیادہ خون لیا جا رہا تھا تب میں شدت سے کمزوری محسوس کرتا تھا۔''

''پھر بھی آپ محتاط رہیے گا۔'' اس نے لکھا اور منہ سے بولی۔ ''آج میں نے نیا سوٹ پہنا ہے۔''

''یہ تم پر اچھا بھی لگ رہا ہے۔'' میں نے تعریف کی تو وہ خوش ہوگئی۔ وہ لیے دیئے رہتی تھی لیکن تعریف تو ہر عورت اور لڑکی کو اچھی لگتی ہے۔

''اوشا نہیں آئی کئی دن سے اس سے کچھ کام بھی تھا۔''

''ضروری نہیں ہے وہ آئے اگر تمہیں کام ہو تو گارڈ سے کہہ کر اسے بلا لیا کرو۔''

''کل بلا لوں گی۔ اگر آپ کو کچھ چاہیے تو بتا دیں میں اس سے کہہ دوں گی۔''

''اس سے کہنا کچھ صاف تولیے لا دے اور ایک نائٹ سوٹ مزید منگوا لینا اسی ناپ کا ہو۔ یہ میلا ہو گیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور نائٹ سوٹ نہیں ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں کہہ دوں گی۔''

کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ دل نواز خان برتن لینے آیا تو مجھے نیند آ رہی تھی۔ سُستی اور ہلکی سی تھکن کا احساس تھا شاید یہ خون دینے کا نتیجہ تھا۔ میں اندر سے دروازہ بند کر کے بستر پر لیٹا اور چند لمحے بعد ہی گہری نیند میں ڈوب گیا تھا۔ مجھے ہلکا سا شبہ بھی نہیں ہوا کہ کھانے میں کوئی چیز شامل تھی جس نے غیر محسوس انداز میں مجھے سونے پر مجبور کر دیا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو ناک میں کسی تیز چبھنے والی بو موجود تھی۔ مجھے چھینک آئی اور میں اٹھ بیٹھا۔ فوراً ہی چکر آیا تھا اور کھلی آنکھوں کے سامنے کمرہ ڈولتا ہوا لگا تھا۔ مگر زور سے سانس لینے پر وہی تیز چبھتی بو آئی اور اس نے یک دم ذہن صاف کر دیا۔ اس بار میں نے واضح انداز میں دیکھا۔ میرے پاس وہی گورکھا گارڈ کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی شیشی تھی اور اسی سے وہ چبھنے والی تیز بو اٹھ رہی تھی۔ بو امونیا کی تھی۔ گارڈ میرے ہوش میں آتے ہی پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے پیچھے اوشا کھڑی تھی۔

''یہ کیا ہے تم اندر کیسے آئے؟'' میں نے سر جھٹک کر کہا۔ مگر گورکھا گارڈ میرے سوال کا جواب دیئے بغیر باہر چلا گیا تھا اور پھر رامن اندر آیا۔

''ہوش آ گیا تمہیں؟'' اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ اب مجھے گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا اتنی رات گئے گورکھا گارڈ، اوشا اور پھر رامن کا کمرے میں آنا اور مجھے ہوش آنے سے پہلے کانوں کان خبر نہ ہونا کسی بڑی گڑبڑ کی نشاندہی کر رہے تھے۔ یقیناً اس سے پہلے میں بے ہوش تھا۔ میں نے بستر سے اٹھنا چاہا تو رامن نے پستول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکال لیا اور سخت لہجے میں بولا۔ ''اپنی جگہ بیٹھے رہو۔''

میں واپس بیٹھ گیا اور اوشا کی طرف دیکھا۔ ''اوشا یہ سب کیا ہے؟''

مگر اوشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مخصوص انداز کی ساڑھی میں تھی اور اس کی آنکھیں کسی ناگن کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے جواب نہیں دیا خاموش کھڑی رہی۔ اچانک مجھے بانو کا خیال آیا۔ ''رامن بانو کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا لہجے میں واضح شرارت تھی۔ اس بار میں اس کی پروا کیے بغیر اٹھا اور بانو کے کمرے تک آیا وہ کمرے میں نہیں تھی میں نے واش روم بھی چیک کر لیا۔ میں واپس کمرے میں آیا تو میری رگوں میں خون کی جگہ کوئی گرم سی چیز دوڑ رہی تھی۔ میں نے رامن سے پوچھا۔

''بانو کہاں ہے؟''

جواب میں اس نے ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر اسے آن کیا اور پھر ایک چینل لگایا۔ میں اچھل پڑا تھا کیونکہ ایک شاہانہ قسم کے بیڈ روم میں گول جہازی سائز بیڈ پر بانو بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے وہی ریشمی لباس پہنا ہوا تھا جو بغیر دوپٹے کے اس کے جسم کے ساتھ لگ کر اسے نمایاں کر رہا تھا۔ سانسوں کی آمد و رفت کے ساتھ ڈوبتا ابھرتا جسم بتا رہا تھا کہ وہ سو رہی ہے یا بے ہوش ہے۔ میری رگوں میں آگ بڑھ رہی تھی۔ میں نے دانت پر دانت جماتے ہوئے پوچھا۔ ''رامن یہ کہاں ہے۔''

''راج جی کے بیڈ روم میں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ محفوظ ہے اور صبح تک محفوظ رہے گی اگر تم نے.....''

''کیا میں نے.....؟''

رامن کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ ''اگر تم نے اوشا کے ساتھ رات گزار لی تو.....''

○.....❖.....○

امونیا سونگھنے کے باوجود میرے ذہن پر ہلکی سی بے حسی طاری تھی شاید یہی وجہ تھی کہ مجھے رامن کی بات سمجھنے میں کچھ وقت لگا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اوشا کے ساتھ شب باشی کروں۔ میں نے اوشا کی طرف دیکھا وہ بدستور ساکت انداز میں کھڑی تھی۔ تب میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ میں نے اسے آواز دی۔ ''اوشا یہ سب کیا ہے کیا تم بھی ان لوگوں کے ساتھ ہو؟''

میرا لہجہ جذباتی تھا مگر اندر سے میں جذباتی نہیں تھا میں صرف اوشا کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا پہلے کی طرح کھڑی رہی۔ اسے کوئی ایسی دوا دی گئی تھی کہ بہ ظاہر جاگ رہی تھی لیکن اس کا ذہن سو رہا تھا۔ رامن نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''یہ تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے گی۔ ہاں جو تم کہو گے وہ کرے گی۔''

میں نے نظریں جما کر رامن کی طرف دیکھا۔ ''تم اور تمہارا آقا جانتے ہیں کہ وہ مجھ سے کس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں جانتے ہیں تب ہی تو کر رہے ہیں۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ ''راج جی دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم میں زہر برداشت کرنے کی کتنی شکتی ہے۔''

''راج کنور کو اپنے بھائی کا خیال نہیں ہے۔ اگر مجھے کچھ ہوا تو اس کے علاج کا کیا ہوگا؟''

''تم اس کی فکر مت کرو۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''اپنی اور بانو کی فکر کرو۔ اگر تم نے انکار کیا تو لائیو شو دیکھو گے۔'' اس نے ٹی وی اسکرین کی طرف اشارہ کر کے شیطانی لہجے میں کہا۔ اس بار بھی میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا تھا۔ ورنہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ پستول کی پروا کیے بغیر اس کا گلا دبا دوں۔ مگر عملی طور پر یہ ممکن نہیں تھا رامن کسی زہریلے سانپ کی طرح چوکنا اور ہوشیار تھا۔ اس کی نظریں مجھ پر مرکوز تھیں۔

''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میں راج کنور کی بات مان لوں تو بانو محفوظ رہے گی؟''

''کوئی ضمانت نہیں ہے تمہیں راج جی پر اعتماد کرنا پڑے گا۔''

راج کنور کے بجائے میں کسی زہریلے ناگ پر زیادہ اعتبار کر سکتا تھا۔ مگر میں نے منہ سے نہیں کہا۔ میں کشمکش میں پڑ گیا تھا۔ میری توقع کے عین مطابق راج کنور کھل کر سامنے آ گیا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ میں یوں دنیا سے گزر جاؤں کہ اس کے دامن پر میرے خون کا کوئی داغ نہ آئے۔ اگر میں اوشا کی قربت کی وجہ سے مارا جاتا تو راج کنور آسانی سے اس کا الزام میری ہوس پرستی پر لگا سکتا تھا۔ اوشا اس قابل نہیں تھی کہ حقائق بیان کر سکتی۔ اسے کچھ یاد ہی کہاں ہوتا۔ راج کنور بنا کسی الزام کے ایک طرف میرا پتا صاف کر دیتا دوسری طرف بڑا کنور بدستور بیمار رہ کر اس کا محتاج بنا رہتا اور یہی راج کنور کا اصل منصوبہ تھا۔ مجھے مارنا اور اپنی سفاک فطرت کی تسکین ایک ثانوی مقصد تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ آم کے ساتھ ساتھ گٹھلیوں کے دام بھی حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ بانو کو شاید خبر بھی نہیں ہوئی تھی۔ اگر راج کنور صبح تک اپنا مقصد حاصل کر کے سے واپس کمرے میں پہنچا دیتا تو وہ بھی یہی سمجھتی کہ میں نے سفلی جذبات سے مجبور ہو کر اوشا کی قربت اور موت کو قبول کر لیا ہوگا۔

''شہباز تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' رامن نے کہا۔ ''بس دس منٹ کی مہلت ہے اس کے بعد نو کی عزت نہیں بچے گی۔''

''تم بے غیرت آدمی ہو جس لڑکی پر نظر رکھتے ہو اسے کسی اور کے بستر پر دیکھ سکتے ہو؟'' میں نے اسے لسانے کے انداز میں کہا۔

''میں اس سے کوئی محبت نہیں کرتا ہوں بلکہ نفرت کرتا ہوں۔ ممتاز ہاؤس میں یہ کئی بار میری توہین کر چکی ہے وہاں یہ خود کو کچھ سمجھتی تھی لیکن یہاں اسے اپنی اوقات پتا چل جائے گی۔ ہم ویسے بھی راج جی کے نوکر ہیں نا کا بچا کھچا کھاتے ہیں۔'' وہ بے حیائی سے ہنسا۔ ''یہ بھی جھوٹا کھا لیں گے۔''

''فرض کرو میں تمہاری بات ماننے سے انکار کرتا ہوں اور بانو کی بے عزتی بھی برداشت کر لیتا ہوں۔''

''تو.....'' وہ گڑبڑا گیا۔ ایسی کسی صورت حال کے بارے میں اس نے سوچا نہیں تھا۔

''اس کے بعد میں بڑے کنور سے تعاون سے بھی انکار کر دوں گا۔ میں بھوک ہڑتال کر دوں گا تو وہ میرا کر لے گا۔ اسے میرا خون چاہیے لیکن اس صورت میں اسے میرا چند ہی لیٹر خون ملے گا اور وہ بھی اگر وہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ نکلوا لے۔ اس کے علاج کے لیے ایک من خون درکار ہے اور ابھی اس کے پاس مشکل سے اس کا تہائی جمع ہوا ہے۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔" رامن نے سوچ کر کہا۔ "ابھی تو وہ کرو جو تم سے کہا جا رہا ہے۔"

میں نے اس کی بات اَن سنی کر کے اپنی بات جاری رکھی۔ "میرا خیال ہے کہ راج اسٹیٹ، اس پیلس اور تمام کاروبار کا اصل مالک بڑا کنور ہے اور راج کنور صرف بھائی کا طفیلیہ ہے۔ اگر بڑا کنور غصے میں آ گیا تو کیا راج کنور اس کا عتاب برداشت کر سکے گا۔ جب کہ میں اسے بتاؤں گا کہ راج کنور اس کے خلاف سازش کر رہا ہے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ "مجھے جو راج کنور نے کہا ہے میں وہی کروں گا۔"

"ٹھیک ہے میں راضی ہوں۔" میں نے اوشا کی طرف قدم بڑھایا اور اس سے کہا۔ "اوشا ساڑھی اتار دو۔"

یہ سنتے ہی وہ مشینی انداز میں حرکت میں آئی تھی اور اس نے ساڑھی کا پلو ہٹا دیا۔ حسبِ معمول اس نے ساڑھی کے نیچے کچھ نہیں پہنا ہوا تھا۔ پلو گرانے کے بعد پھر کسی تراشے مجسمے کی طرح ساکت کھڑی ہو گئی تھی۔ یہ پوز ایسا نہیں تھا جسے کوئی مرد نظر انداز کر سکتا۔ رامن کی نظر بے ساختہ اس کی طرف گئی تھی اور میں اسی موقع کا منتظر تھا میں نے قالین پر گرتے ہوئے رول کیا اور رامن کے نزدیک آتے ہوئے دایاں پاؤں گھمایا۔ اس نے بچنے کی کوشش کی لیکن میری ٹھوکر اس کی کہنی پر لگ گئی تھی۔ وار زوردار تھا اس کے منہ سے چیخ کے ساتھ گالی نکلی۔ مگر پستول نہیں نکلا تھا۔ البتہ تکلیف نے اس کا بازو بے کار کر دیا تھا۔ میں نے قالین پر ہی سیدھا ہوتے ہوئے اس کے گھٹنے پر وار کیا۔ اگر یہ ٹھیک طرح سے لگتا تو اس کا گھٹنا ٹوٹ جاتا۔ مگر اس بار بھی وہ وار بچا گیا۔ میری ایڑی اس کے گھومتے گھٹنے کے پہلو میں لگی اور پاؤں مڑنے سے وہ دھڑام سے نیچے گرا۔ اس بار بھی اسے چوٹ آئی تھی۔ پستول والا ہاتھ میری طرف تھا اور اب وہ اپنی تکلیف پر قابو پا چکا تھا اس نے بلا تکلف گولی چلا دی۔

مگر میں اس کا اس کا ارادہ بھانپ کر میں پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔ گولی میرے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان بننے والے خلا سے گزری تھی۔ کمرے کی محدود فضا دھماکے سے گونج اٹھی تھی۔ میں اچھلا اور پشت کے بل اس پر گرا تھا۔ وہ اٹھ رہا تھا۔ میرے وزن نے اسے دوبارہ زمین چٹا دی۔ اس کا منہ قالین پر لگا۔ اسی وجہ سے اس کا منہ ناک ایک ہوتے ہوتے رہ گیا تھا لیکن اسے دن میں تارے یقیناً نظر آ گئے ہوں گے لیکن یہ خیال میری غلط فہمی تھی اسے معمولی چوٹ آئی تھی اور اس نے جھٹکا دے کر مجھے اچھالنا چاہا تھا۔ میں اچھلا اور دوبارہ اس پر گرا۔ میری کوشش تھی کہ کسی طرح اس سے پستول حاصل کر لوں۔ دوسری طرف وہ مجھے نشانہ بنانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس نے جس طرح گولی چلائی تھی۔ صاف لگ رہا تھا وہ ذہنی طور پر مجھے شوٹ کرنے کے لیے تیار ہو کر آیا تھا اور یہ بڑی خطرناک صورتِ حال تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ راج کنور اس کمرے میں ہونے والی کشمکش اور ہنگامے سے واقف تھا۔ فائر کی آواز کہاں تک گئی تھی اور جلد کون سی بلا مزید نازل ہونے والی تھی۔ ان سب باتوں کو ذہن سے نکال کر میں رامن کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

رامن آسان آدمی نہیں تھا وہ تربیت یافتہ لڑاکا تھا۔ اوندھے منہ پڑے ہونے کی وجہ سے وہ پستول کو اوپر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے میرے خلاف استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ مجھے اپنے اوپر سے جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں کہنی سے اس کے پستول والے بازو پر وار کر رہا تھا۔ ہر وار پر اس کی کراہ نکل رہی تھی لیکن وہ پستول چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پھر میں نے سر اس کے سر پر مارا۔ اس کا سر قالین سے لگا۔ اس بار اس کا جسم ڈھیلا ہوا تھا۔ میں نے دوسری بار وار کرنے کے لیے سر اوپر کیا تھا۔ میری توجہ اسے دبائے رکھنے سے ذرا چوکی اور اس نے اچانک خود کو پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ وہ مجھے دھوکا دینے میں کامیاب رہا تھا۔ میں بے ساختہ اچھلتا ہوا قالین پر گرا اور وہ تڑپ کر مجھ سے دور ہو گیا۔ اس نے اٹھتے ہوئے پستول میری طرف کیا۔ میں قالین سے اٹھتے اٹھتے رک گیا۔

میں نے ایک جوا کھیلا تھا۔ اوشا کی مدد سے رامن کی توجہ بھٹکا کر اس پر قابو پانے کی کوشش کی تھی ایک بار میں اس سے پستول حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اسے مجبور کر کے اپنی اور بانو کی آزادی کے لیے مجبور کر سکتا تھا۔ مگر وہ میری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔ یہ مختصر بازی جیت لینے پر رامن بھیانک انداز میں مسکرایا۔ اس کی باچھوں سے خون رس رہا تھا اور ماتھے پر بھی نیل کا نشان آ گیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں سفاکی اور اس کے اندر کی درندگی نمایاں ہو رہی تھی۔ اس کے ہونٹ ذرا ہلے اور سرگوشی نما آواز آئی۔ ''گڈ بائی مسٹر شہباز۔''

میرا جسم اکڑ گیا تھا۔ چند فٹ کے فاصلے سے نشانہ خطا ہونے کا امکان کم تھا لیکن اس سے پہلے وہ گولی چلاتا۔ اچانک کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھلا اور منشی دل جی نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا لیکن مہلک پستول تھا۔ اس نے آتے ہی کڑک کر کہا۔ ''رامن خبردار.....''

رامن رک گیا تھا۔ اس کے پستول کا رخ میری طرف ہی تھا اور اسے گولی چلانے میں سیکنڈ کا دسواں حصہ لگتا۔ منشی جی نے پستول کی نال اس کے سر سے لگا دی اور سرد لہجے میں بولے۔ ''کیا تم مرنا چاہتے ہو؟''

رامن مرنا نہیں چاہتا تھا اس نے پستول والا ہاتھ نیچے کر لیا اور فوراً ہی منشی جی نے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا اور غرا کر بولے۔ ''یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ ''اس نے مجھے غصہ دلایا اور مجھ پر حملہ کیا میں اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔''

''بکواس کرتا ہے یہ شخص۔'' میں نے ٹی وی اسکرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کو پوری بات بتاؤں گا لیکن پہلے آپ بانو کو بچائیں۔ وہ اس وقت راج کنور کے بیڈ روم میں ہے اور اس کی عزت اور جان کو خطرہ ہے۔''

منشی جی نے ایک نظر ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھا اور لباس سے ایک واکی ٹاکی نکال کر کسی سے دھیمی آواز میں بات کرنے لگا۔ رامن مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اوشا ویسے ہی کسی حسین مجسمے کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ اس کی ساڑھی کا پلو بدستور ڈھلکا ہوا تھا۔ میں نے اس کا لباس ٹھیک کیا تب بھی اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا لیکن وہ کسی قدر ہوش میں تھی تبھی اس نے میرے حکم پر فوری عمل بھی کیا تھا۔ واکی ٹاکی پر بات کر کے منشی جی نے رامن سے کہا۔ ''یہاں سے چلو۔''

''منشی جی.....'' میں نے کہنا چاہا تو اس نے میری بات کاٹی۔

''شہباز جی آپ ذرا صبر سے کام لیں بانو کچھ دیر میں واپس آ جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔'' میں نے دیوار میں لگنے والی گولی کی طرف اشارہ کیا۔

''گولی کا یہ نشان ثبوت ہے اور یہ سازش اصل میں بڑے کنور کے خلاف ہو رہی ہے۔''

''ہم سب دیکھ لیں گے، آپ یہیں رہیں۔ اسے بھی یہیں روک کر رکھیں اور دروازہ اندر سے بند کر لیں جب تک میری آواز نہ سنیں دروازہ مت کھولے گا۔''

مجھے ہدایت دے کر منشی جی رامن کو لے کر چلے گئے۔ میں نے گہری سانس لی اور خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر میں نے دروازے اندر سے بند کیے۔ اوشا ابھی تک خاموش کھڑی تھی۔ وہ زہریلی لڑکی تھی اور نہ جانے اسے کون سی دوا استعمال کرائی گئی تھی جس کے زیر اثر وہ دوسرے کی ہر بات پر عمل کر رہی تھی۔ میں نے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھا۔ ابھی تک اس میں بانو کے علاوہ کوئی اور فرد دکھائی نہیں دیا تھا ویسے رامن کی دی ہوئی دس منٹ کی مہلت پوری نہیں ہوئی تھی۔ ایک منٹ بعد اچانک اسکرین تاریک ہو گئی۔ میں نے جلدی سے ریموٹ اٹھا کر چینل چیک کیے۔ دوسرے چینل آ رہے تھے صرف اسی چینل پر اسکرین تاریک ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ دوسری طرف سے کوئی کارروائی ہوئی تھی اور کیمرہ جو ڈیوٹی شروع کر رہا تھا وہ بند کر دیا گیا تھا۔ میں مضطرب ہو گیا۔ اگر یہ راج کنور کی کارروائی تھی تو وہ رامن کی ناکامی سے آگاہ ہو گیا تھا اور اب بانو کے خلاف کچھ کرنے جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد پورا نہیں ہوا تھا اس لیے کیمرہ آن رکھنا بھی لازمی نہیں تھا۔

مجھے راج کنور کی جانب سے خطرہ تو تھا لیکن اس کی یہ حرکت میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ مجھے اس طرح سے مجبور کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کا اصل مقصد بڑے کنور کو علاج سے محروم کرنا تھا اور ثانوی مقصد میرا خاتمہ تھا۔ بانو اسے بونس میں ملتی۔ یوں وہ ایک تیر سے کئی شکار کرتا۔ اس نے پہلے اوشا کو بھیج کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا اور اس میں ناکامی کے بعد وہ راست اقدام پر اتر آیا جسے کسی صورت راست قدم نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اوپری طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود راج کنور ذاتی طور پر گھٹیا کردار کا مالک تھا۔ اس سے ایسے ہی کام کی توقع کی جا سکتی تھی۔ میں اوشا کے پاس آیا۔ ''اوشا میری بات سن رہی ہو؟''

اس نے جواب میں صرف سر ہلایا۔ میں نے پوچھا۔ ''تمہیں یہاں کون لایا ہے؟''

اس سوال پر وہ ساکت رہی۔ صرف اسی سوال پر نہیں بلکہ میری طرف سے پوچھے گئے ہر سوال پر اس کا ایک ہی جواب تھا۔ البتہ جب میں اسے کچھ کرنے کو کہتا تو وہ فوری عمل کرتی تھی۔ گویا اس کا ذہن صرف احکامات پر عمل کی حد تک فعال تھا ورنہ اس کا شعور گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ وہ یہاں کیسے آئی اور اسے کون لایا تھا؟ مجھے یقین تھا کہ جاگنے کے بعد اسے کچھ یاد نہیں رہے گا۔ منشی جی کو گئے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا لیکن ابھی تک بانو کی واپسی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ بے چین ہو کر میں نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ باہر سے بند نکلا۔ بانو کے کمرے کا دروازہ بھی باہر سے بند تھا۔ جب کہ پہلے یہ دروازے بند نہیں ہوتے تھے۔ یقیناً یہ ابھی بند کیے گئے تھے اور ایسا منشی جی کی ہدایت پر کیا گیا تھا۔ مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ میں باہر نہ نکلنے پاؤں۔ میں نے دروازہ بجایا اور چلا کر کہا۔

''کوئی ہے۔''

''آرام سے بیٹھو۔'' باہر سے کوئی بولا۔ یہ گورکھا گارڈ کی آواز نہیں تھی جو ہمارے کمروں کے باہر پہرہ دیتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔

''منشی دل جی کہاں ہے؟''

''ہم کو نہیں معلوم آرام سے بیٹھو۔'' اس نے پھر کہا۔

''آرام کے بچے، جلدی سے منشی جی کو بلاؤ ورنہ میں تمہارا دماغ خراب کر دوں گا۔''

وہ میری دھمکی کو محض دھمکی سمجھا تھا لیکن جب میں نے چار کلو گرام وزنی ڈمبل سے دروازہ بجانا شروع کیا تو وہ بوکھلا گیا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟'' اس نے چلا کر کہا۔

''آرام کر رہا ہوں۔'' میں نے ہاتھ روک کر زہریلے لہجے میں کہا۔ ''میں اسی طرح آرام کرتا ہوں۔ اب جب تک منشی جی نہیں آتے میں دروازہ بجاتا رہوں گا ہو سکتا ہے دروازہ ٹوٹ جائے۔''

ٹھیک ہے دروازہ مضبوط تھا لیکن چار کلو گرام وزنی ڈمبل کی مسلسل ضربوں کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بات باہر موجود آدمی بھی سمجھتا تھا اس لیے اس نے مجبوراً منشی جی سے رابطہ کیا تھا۔ چند منٹ بعد ہی منشی جی کی آواز سنائی دی۔ ''شہباز جی، آپ کیا کر رہے ہیں۔''

''پون گھنٹے کا وقت گزر گیا ہے اور بانو اب تک نہیں آئی ہے۔ منشی جی کیا اسے شملہ سے لانا ہے؟''

''وہ یہیں موجود ہے۔'' منشی جی نے کہا۔ ''محفوظ ہے بڑے کنور معاملہ سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''وہ جتنی جلدی معاملہ سلجھا لیں اتنا اچھا ہے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تاخیر سے صرف بڑے کنور کو نقصان ہوگا۔ ان کو میرا ایک قطرہ خون نہیں ملے گا۔''

یہ دھمکی نہیں تھی میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر بانو کو ذرا بھی نقصان ہوا تو اب یہ لوگ مجھ سے خون حاصل نہیں کر سکیں گے۔ منشی جی سے بات کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور بانو منشی جی کے ساتھ اندر آئی تھی۔ اس کی حالت اچھی نہیں تھی اور وہ لڑکھڑا رہی تھی مجھے دیکھ کر وہ تیزی سے آگے آئی تو گرنے لگی تھی میں نے بروقت اسے تھام لیا۔ اس نے سُست لہجے میں کہا۔ ''شہباز..... آپ..... میں یہاں سے کیسے گئی؟''

''یہ سازش ہے میں تمہیں آرام سے بتاؤں گا یہ بتاؤ کہ اس وقت کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''ٹھیک ہوں، مجھے کوئی بو والی چیز سونگھائی تھی جب مجھے ہوش آیا تو میں کسی اور کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ پھر منشی جی مجھے لے کر یہاں آئے۔''

''شہباز جی دیکھ لیں یہ بالکل ٹھیک ہے۔'' منشی جی بولے۔

''میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ اسے لے جائیں اسے بھی کوئی دوا دی گئی ہے۔'' میں نے اوشا کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا معائنہ کرائیں۔ میں ذرا بانو سے بات کر لوں اس کے بعد میں بڑے کنور سے بات کرنا چاہوں گا۔''

منشی جی نے میری بات پر غور کیا۔ ''کیا یہ ضروری ہے؟''

''سمجھ لیں زندگی اور موت جتنا ضروری ہے۔''

منشی جی نے سر ہلایا اور اوشا کا بازو تھام کر رخصت ہو گئے۔ میں بانو کو سہارا دے کر اس کے کمرے تک لایا۔ پانی پی کر اس کی حالت کسی قدر سنبھل گئی تھی۔ میں نے اسے کسی قدر تفصیل سے بتایا کہ راج کنور نے میرے خلاف کیا سازش کی تھی اور میں نے کس طرح اسے ناکام بنایا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے بھرائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز میں کہا۔ ''میں آپ سے کہہ رہی تھی کہ ان لوگوں کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔ راج کنور مجھ سے کسی مقصد کے تحت ملا تھا۔''

''بانو ہم ان کے قیدی ہیں۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اب تک بچے ہوئے ہیں۔ میری جان اور تمہاری عزت محفوظ ہے لیکن ہمیں ہر صورتِ حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

اس نے سہمی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''آپ کا مطلب ہے اگلی بار یہ کامیاب بھی ہو سکتے ہیں؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں نے کہا نا ہم ان کے قبضے میں ہیں۔''

اس کا دوپٹہ یہاں نہیں تھا شاید جب اسے لے جایا جا رہا تھا تو راستے میں کہیں رہ گیا ہوگا۔ کچھ عرصے میں اس کی جسامت میں بھی فرق آیا تھا اور پہلے والے لباس اسے تنگ ہونے لگے تھے۔ اسی لیے وہ میرے سامنے جھینپ رہی تھی اس کی کیفیت محسوس کر کے میں اٹھنے لگا تو اس نے سہمے انداز میں کہا۔ ''مجھے اکیلے رہتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔''

''بانو حوصلہ کرو۔ میرے ساتھ ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑے گا۔ وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا اس لیے اس سے دعا کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ویسے بھی مجھے شاید کچھ دیر میں بڑے کنور کی طرف سے بلاوا آجائے۔''

''آپ اس سے کیا بات کریں گے؟''

''دیکھو آ کر بتاؤں گا۔'' میں نے ٹالنے کے انداز میں کہا تو وہ سمجھ گئی کہ میں مائیک کی وجہ سے کھل کر نہیں کہہ سکتا۔ اس نے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے میں آرام کرتی ہوں۔ اب بھی میرا سر گھوم رہا ہے پتا نہیں کون سی دوا دی تھی ان لوگوں نے۔''

میں اپنے کمرے میں آیا۔ میری غنودگی غائب ہو گئی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو میری جسمانی مضبوطی تھی کوئی دوا مجھ پر زیادہ دیر اثر نہیں کرتی تھی اور دوسری وجہ حالات تھے جنہوں نے نیند اڑا دی تھی۔ اگر میں رامن پر حاوی نہ ہوتا تو اس سے آگے نہ جانے کیا ہوتا۔ اگر میں راج کنور کا مطالبہ پورا نہ کرتا تو بانو کی عزت نہ بچتی اور اگر پورا کر دیتا تو جان سے جاتا یا نہ جاتا لیکن اس کے بعد ساری عمر خود سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہتا۔ رامن پر حملے کے وقت میرا خیال تھا کہ وہ مجھے قتل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا صرف اپنا بچاؤ کرے گا لیکن اس نے جس طرح مجھ پر گولی چلائی اس سے اس کے عزائم بالکل واضح تھے۔ اگر شی جی بروقت نہ آتے تو وہ مجھے شوٹ کر چکا ہوتا۔ اصل بات راج کنور کے میرے بارے میں عزائم نہیں تھے۔ میرے لیے پریشانی کا اصل سبب اس کا بڑے کنور کو نظر انداز کرنا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میں بڑے کنور کے لیے کیا اہمیت رکھتا ہوں۔ میرا خون اس کے علاج کے لیے لازمی ہے اس کے باوجود وہ مجھے جان سے مارنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

مجھے یقین کی حد تک شبہ ہونے لگا تھا کہ راج کنور کا اصل مقصد بڑے کنور کو صحت یابی سے روکنا تھا۔ وہ ٹھیک ہو جاتا تو اسٹیٹ اس کے ہاتھ میں آجاتی۔ فی الحال سارے معاملات راج کنور دیکھ رہا تھا اور بڑا کنور اس پر انحصار کرنے پر مجبور تھا۔ یہ اقتدار کا کھیل ہے جو ہمیشہ سے کھیلا جاتا رہا ہے اس میں اصل اہمیت اقتدار کی ہوتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ خون کے رشتوں کی اہمیت ثانوی ہوتی ہے۔ مجھے بڑے کنور سے کوئی ہمدردی نہیں تھی بلکہ دیکھا جائے تو میری اصل دشمنی اسی سے تھی اور وہی مجھ پر آنے والی اس افتاد کی اصل وجہ تھا۔ وہ میرا خون اپنے مقصد کے لیے حاصل کر رہا تھا اور مجھے ایک فیصد بھی شبہ نہیں تھا کہ اپنا کام نکلوانے کے بعد وہ اپنے وعدے سے مکر جائے گا۔ یہ لوگ سرے سے اخلاقیات کے قائل ہی نہیں تھے۔ ان کے نزدیک صرف اپنے مفاد کی اہمیت تھی۔ بڑے کنور کا مفاد مجھ سے تھا اس لیے میں پُرآسائش قید خانے میں تھا اور وہ میری ہر بات ماننے پر مجبور تھا۔ اب تک میں اس کے دباؤ میں تھا کیونکہ اس نے وعدہ کیا ہوا تھا کہ میری اور بانو کی حفاظت کرے گا اور پھر بانو کو بحفاظت میاں ممتاز کے پاس بھجوا دے گا لیکن راج کنور کی حرکت نے صورت حال کو بدل دیا تھا۔ اگرچہ یہ اچھا نہیں ہوا تھا لیکن مجھے اس سے ایک خیال سوجھا تھا اور میں کوشش کرتا تو اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

میں کمرے میں ٹہلتے ہوئے غور کر رہا تھا کہ مجھے بڑے کنور سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔ معاملات پُرسکون چلتے چلتے اچانک اتھل پتھل ہو گئے تھے۔ میں اس اونچ نیچ سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ ایک خیال میرے ذہن میں واضح ہو رہا تھا۔ سات بجے میں نے معمول کی ایکسرسائز کی۔ بانو بھی اٹھ کر آ گئی تھی۔ اس نے میرا ساتھ دیا پھر ہم نے لڑائی کی مشق کی۔ نہ جانے حالات کی بات تھی یا بانو میں اس کی فطری صلاحیت تھی وہ دن بہ دن بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ میں جو وار اسے سکھاتا۔ وہ ایک دو دن میں اس میں مہارت حاصل کر لیتی تھی۔ جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو حیدر آبادی فراک پاجامہ میں وہ نازک اندام دوشیزہ نظر آئی تھی اور درحقیقت وہ نازک اندام تھی۔ مگر اب اس کی نزاکت مضبوطی میں بدل گئی تھی۔ مگر اس سے اس کی دلکشی میں فرق نہیں آیا تھا۔

میں نے اس سے کہا۔ "کسی بھی قسم کی لڑائی میں جسمانی قوت اور لڑنے میں مہارت سے پہلے نمبر آپ کی دماغی مضبوطی اور تکلیف برداشت کرنے کی صلاحیت کا آتا ہے۔ بہت سے اچھے لڑنے والے اس لیے مات کھا جاتے ہیں کہ وہ دماغی طور پر مضبوط نہیں ہوتے جلد گھبرا جاتے ہیں اور مشکل کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ دوسرے جب تک آپ زخم اور اس کی تکلیف برداشت کرنا نہیں سیکھ لیتے آپ اچھے لڑنے والے نہیں بن سکتے ہیں۔"

وہ پنچنگ بیگ کے ساتھ کک اور باکسنگ کی مشق کر رہی تھی اس نے ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔ "آپ کا مطلب ہے مجھے مار کھانے کی عادت بھی ڈالنا ہوگی؟"

"بالکل کوئی اس کے بغیر ماہر نہیں بنتا ہے۔ لڑائی کا اصل فن مار کھا کر بھی کھڑے رہنا ہے۔"

ہمارے پاس باکسنگ گلوز اور سر پر چوٹ سے بچاؤ کے مخصوص ہیلمٹ بھی تھے۔ بانو اور میں نے گلوز و ہیلمٹ پہنے اور مدمقابل آ گئے۔ میں نے پنجوں کے بل اچھلتے ہوئے کہا۔ "مقابلہ کرتے وقت اپنا عورت پن بھول جایا کرو۔ اپنی ساری توجہ صرف ایک چیز پر مرکوز رکھو کہ تمہیں اپنے حریف پر حاوی آنا ہے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔

میں نے اچانک اس کے جسم کے ایک نازک مقام پر پنچ مارا۔ وہ گڑبڑائی تو میں نے بازو سے پکڑ کر اپنی کمر سے گھماتے ہوئے زمین پر پٹخ دیا۔ میں نے قوت کم رکھی تھی اس کے باوجود اسے خاصی چوٹ آئی۔ "تم نہیں سمجھیں۔ میں نے پنچ مارا تو تم لڑنا بھول گئیں اور میں نے تمہیں با آسانی زیر کر لیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا لیکن وہ پھرتی سے اٹھی اور پنجوں کے بل اچھلتے ہوئے دوبارہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئی۔ یہ باکسنگ سے زیادہ فری اسٹائل تھائی کک باکسنگ تھی۔ جو باکسنگ سے کہیں زیادہ مشکل اور خطرناک فن ہے کیونکہ اس میں ہاتھوں سے زیادہ پیر استعمال ہوتے ہیں اور پیروں کی ضرب کہیں زیادہ سخت اور قوت والی ہوتی ہے۔ دس منٹ کی لڑائی میں بانو کا حشر ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑا رہی تھی اور اس کے لیے سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی خاصی مرمت لگا دی تھی لیکن اس کا حوصلہ قابلِ تعریف تھا وہ اب تک ڈٹی ہوئی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر ایسی ضربیں لگانے سے گریز کیا تھا جس سے اسے خون یا نیل والی چوٹ آئے۔ ناک اور منہ کے کھلے حصوں کو نشانہ نہیں بنایا تھا۔ دس منٹ بعد میں نے ہاتھ روک لیے۔

''بس آج کے لیے اتنا کافی ہے۔''

وہ صوفے پر ٹک کر ہانپنے لگی۔ ''شکر ہے ورنہ مجھے لگ رہا تھا آپ مجھے بے ہوش کر کے چھوڑیں گے۔ قسم سے جسم ٹوٹ رہا ہے۔''

میں نے مشورہ دیا۔ ''جا کر گرم پانی سے غسل کر لو ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

اس کے جانے کے بعد میں نے خود واش روم کا رخ کیا۔ نہا کر واپس آیا تو ناشتہ آ چکا تھا۔ بانو لگا رہی تھی۔ میں نے اشارے سے بانو سے کہا کہ وہ پہلے کھائے۔ اس نے پہلے کھایا۔ میں اس کا معائنہ کرتا رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد بھی جب وہ پوری طرح چاک و چوبند رہی تو میں نے مطمئن ہو کر خود بھی ناشتہ کیا۔ بانو نے تسلیم کیا کہ گرم پانی سے غسل کر کے وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''درد کو نظر انداز مت کرو اسے اپنے وجود کا ایک حصہ سمجھ لو کہ اب تمہیں اس کے ساتھ گزارا کرنا ہے۔ شام کو ایک سیشن اور ہو گا۔''

''آپ نے تو مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔''

''ڈرو مت اس سے لطف لو۔ دیکھو دنیا میں جب تک کسی کام میں لطف حاصل نہیں کرو گی تم اس میں کمال حاصل نہیں کر سکتیں۔''

''مار کھانے میں کمال۔''

''ہاں مار کھانے میں کمال ہی انسان کو بچاتا ہے۔ یہ فطرت کا اصول ہے وہی جاندار باقی رہتے ہیں جو سختی برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ہر طرح کے حالات میں گزارا کر لیتے ہیں۔ کروڑوں سال پہلے ڈائنا سور جیسے عظیم الجثہ جانور مٹ گئے تھے لیکن لال بیگ جیسا کمزور کیڑا ماہرین کے مطابق دو ارب سال سے اس زمین پر موجود ہے۔ کیونکہ اس میں نامساعد حالات برداشت کرنے بے پناہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔''

''آپ مجھے لال بیگ بننے کا مشورہ دے رہے ہیں۔'' اس نے شکوہ کیا۔ میں مسکرایا۔

''یہی سمجھ لو کہ اسی میں بقا ہے۔''

میرا خیال تھا کہ جلد نہ سہی بڑا کنور کچھ دیر سے مجھے طلب کر لے گا کیونکہ میں نے نشی جی سے واضح پیغام بھجوایا تھا لیکن اس سارے دن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا یعنی مجھے طلب نہیں کیا گیا تھا۔ اس شام بانو سے دوسری باؤٹ ہوئی اس بار بھی میں نے ہاتھ ہلکا رکھا تھا اور اس نے جم کر مقابلہ کیا۔ وہ پوری قوت سے حملے کر رہی تھی کیونکہ میں نے اسے کہا تھا۔ کئی کامیاب وار کیے مگر زیادہ تر مار ہی کھائی۔ میں ہاتھ ہلکا رکھتا تھا مگر جان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوجھ کر اس کی نسوانیت کو نشانہ بناتا۔ وہ گڑبڑا جاتی لیکن جلد سنبھل بھی جاتی۔ وہ میرا مقصد جان گئی تھی اس لیے خود کو ذہنی طور پر اس چیز کے لیے تیار کر رہی تھی کہ جب وہ کسی کے مدِمقابل آئے گی تو وہ اس کے جسم کے کمزور حصوں کو نشانہ بنانے کی پوری کوشش کرے گا اس لیے اسے پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔ اس سے لڑتے ہوئے میں خود دس منٹ میں پسینے پسینے ہو گیا تھا اور سانس بھی کسی قدر پھول گیا تھا۔ ایکسر سائز کرنا الگ بات تھی اور کسی سے مقابلہ کرنا الگ۔ گھنٹوں ایکسر سائز سے مجھے اتنی تھکن نہیں ہوتی تھی۔ جتنی اس دس منٹ کے نمائشی مقابلے سے ہو جاتی تھی۔ یہ مشق صرف بانو کے لیے ہی نہیں میرے لیے بھی مفید ثابت ہو رہی تھی۔ صبح کی مشق کو مدِنظر رکھتے ہوئے اسے تھکا یا زیادہ تھا لیکن چوٹیں کم لگائی تھیں اس کے باوجود اس کا برا حال تھا۔ اس کی حوصلہ افزائی کے لیے میں نے بھی کچھ ہائے وائے کی اور بولا۔ ''لگتا ہے آج مجھے بھی گرم پانی سے ہاتھ لینا پڑے گا۔''

وہ خوش ہو گئی۔ ''اس کا مطلب ہے اس بار میں نے اچھا مقابلہ کیا ہے۔''

''ہر بار پہلے سے بہتر ہوتی جا رہی ہو۔'' میں نے واش روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ اگلے روز جب ناشتہ آیا تو میں نے پوری بھوک کے باوجود اپنی اصل خوراک کا صرف ایک تہائی کھایا تھا۔ بانو حیران ہوئی۔ اس نے تشویش سے پوچھا۔

''بس اتنا سا؟ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں ٹھیک ہے۔''

''تب اتنا سا کیوں کھایا ہے؟''

''بس آج سے میں اتنا ہی کھاؤں گا۔'' میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''میں اپنا خون اتنا رکھوں گا کہ خود زندہ رہ سکوں۔ اب میں کسی اور کو خون نہیں دوں گا۔''

بانو میرا مقصد سمجھ گئی۔ خود اس نے ڈٹ کر کھایا تھا۔ صرف دو بار جسمانی مقابلہ کرنے سے اس کی بھوک بڑھ گئی تھی۔ ماہرین کہتے ہیں جس کام میں انسانی ذہن کا سوچنے والا حصہ شامل نہ ہو وہ کتنی بار اور کتنا زیادہ کیا جائے انسانی جسم جلد اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اسے معمول کے مطابق لیتا ہے۔ جیسے ایکسر سائز کتنی کر لی جائے اس کا فائدہ ایک حد تک ہوتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے جب زیادہ ورزش کرنے سے بھی آپ کا جسم مزید مضبوط اور طاقتور نہیں ہوتا ہے۔ مگر کسی دوسرے سے مقابلہ مختلف چیز ہوتی ہے اس میں انسان کا ذہن استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گھنٹوں کی ورزش بھی ہم پر وہ اثر نہیں ڈالتی تھی جو دس منٹ کا مقابلہ ڈالتا تھا۔ یہ کلیہ صرف جسمانی کاموں پر ہی نہیں بلکہ ذہنی کاموں پر بھی صادق آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک برس مطالعہ کرنے سے بہتر ہے آدمی ایک گھنٹہ کسی عالم کی صحبت میں گزارے کیونکہ عالم سے بات کرتے ہوئے انسان کا دماغ استعمال ہوتا ہے اور مطالعے سے صرف معلومات جمع کرنے والا حصہ کام کرتا ہے۔

جیسے کمپیوٹر میں اس کا سب سے چھوٹا پرزہ یعنی پروسیسر سب سے زیادہ توانائی استعمال کرتا ہے کیونکہ وہ اس کا سوچنے والا حصہ ہے اسی طرح انسانی دماغ کا سوچنے والا حصہ سب سے زیادہ توانائی استعمال کرتا ہے۔ ویسے بھی عام آدمی کا دماغ کل توانائی کا بیس فیصد استعمال کرتا ہے۔ جو زیادہ دماغ استعمال کرتے ہیں ان کا دماغ اس سے زیادہ ہی توانائی استعمال کرتا ہوگا۔ عام طور سے لوگ دماغی کام کرنے والوں کو سست اور جسمانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لحاظ سے کمزور سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ جسمانی کام کرنے والوں سے زیادہ توانائی استعمال کرتے ہیں۔ انسانی زندگی اور صحت کا دارومدار ہی توانائی کے حصول اور اسے سو فیصد خرچ کرنے پر ہے۔ جو لوگ زیادہ کھاتے اور کم توانائی خرچ کرتے ہیں وہ بالآخر بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں اور قبل از وقت دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ بانو نے کہا۔

''آپ نہ کھائیں لیکن مجھے تو آج معمول سے زیادہ بھوک لگ رہی ہے۔''

''تم کھاؤ کیونکہ تمہارے خون سے کسی کو کوئی سروکار نہیں ہے۔''

کچھ دیر میں دل نواز خان آ کر برتن لے گیا۔ اب وہ محتاط رہتا تھا اور اپنے تاثرات پر قابو رکھتا تھا۔ اس کے دل میں کیا تھا اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں نے اسے نظر انداز کر کے سمجھا دیا تھا کہ اس کے ذاتی خیالات کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی اور دوسرے وہ مسلمان سہی لیکن میرے بدترین دشمنوں کا نوکر تھا۔ اس لیے وہ ان ہی کی صف میں شامل تھا۔ کم کھانے کے باوجود میں نے معمول کی ورزش کی تھی۔ دوپہر میں بھی اسی طرح کھایا اور نتیجے میں پیٹ فریاد کرتا رہ گیا لیکن میں نے فی الحال اس کی فریاد پر توجہ نہیں دی۔ انسان بہت پیٹ کے کہنے پر چلتا ہے کبھی پیٹ کو بھی انسان کے کہنے پر عمل کرنا چاہیے۔ میرے پیٹ کے ساتھ ساتھ بانو کو بھی تشویش ہو رہی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

''اس طرح آپ کمزور ہو جائیں گے۔''

''ہاں لیکن مروں گا نہیں، البتہ خون دینے کے قابل بھی نہیں رہوں گا۔''

اس نے خدشہ ظاہر کیا۔ ''یہ کوئی دوسرا حربہ استعمال کر سکتے ہیں آپ کا خون لینے کے لیے۔''

''تم فکر مت کرو وہ زبردستی نہیں کر سکتے۔ وہ جانتے ہیں اس کا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ انہیں میرا خون مخصوص مقدار میں میری مرضی سے ہی مل سکتا ہے۔''

شام کی ایکسرسائز اور مقابلے میں ہی مجھے فرق محسوس ہونے لگا تھا۔ میں جلد تھک رہا تھا اور سانس بھی پھول رہی تھی۔ اس بار بانو حاوی رہی تھی میں اسے اتنی ضربیں نہیں لگا سکا تھا جتنی کہ گزشتہ روز مقابلوں میں لگائی تھیں۔ وہ سیلف ڈیفنس کے طریقے بھی تیزی سے سیکھ رہی تھی۔ مقابلے کے بعد جب میں ہانپ رہا تھا تو اس نے رف پیڈ پر لکھا۔ ''آپ ٹھیک نہیں کر رہے ہیں اس طرح کمزور ہو کر آپ دشمن کا فائدہ کر رہے ہیں۔''

''یہ ضروری ہے۔ تم فکر مت کرو میں ایک حد سے زیادہ کمزور نہیں ہوں گا اور ابھی تو کم خوراکی کا آغاز ہے اس لیے کمزوری محسوس ہو رہی ہے جلد میرا جسم اس کا عادی ہو جائے گا۔''

''آپ ٹھیک سے کھائیں لیکن ان پر یہی ظاہر کریں کہ آپ کم کھا رہے ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلا کر لکھا۔ ''وہ اس طرح دھوکا نہیں کھائیں گے۔ بھیجے جانے والے اور بچنے والے کھانوں کی مقدار کا حساب رکھا جاتا ہوگا اس سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں انہیں دھوکا دے رہا ہوں۔''

''پھر بھی آپ کچھ تو خوراک بڑھائیں۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''میں اپنی خوراک کم کر دیتی ہوں۔''

''نہیں میں ایک پلاننگ کے تحت یہ سب کر رہا ہوں۔ اگر میں ٹھیک سے کھاؤں گا تو میرے جسم پر اثر نہیں ہوگا میں جسمانی طور پر کمزور نظر آنا چاہتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانو مجھ سے متفق نہیں تھی لیکن وہ ایک حد سے زیادہ بحث یا اصرار بھی نہیں کر سکتی تھی اس لیے خاموش ہو گئی۔ رات کا کھانا کم کھانے کے بعد مجھے نیند مشکل سے آئی تھی اور دیر تک میں کروٹیں ہی بدلتا رہا تھا۔ بڑے کنور کے ابتدائی ردعمل کے بعد میں ذہنی طور پر تیار ہو گیا تھا کہ وہ اس معاملے کا بھی تاخیر سے نوٹس لے گا۔ اس دوران میں، میں اپنا وزن خاطر خواہ کم کر سکتا تھا۔ ایک دن پہلے میرا وزن بیاسی کلوگرام تھا اور ایک دن میں یہ کم ہو کر اسی کلوگرام رہ گیا تھا۔ اگلے روز بھی یہ معمول برقرار رہا تھا۔ میں نے خوراک کم رکھی اور ورزش پوری کرتا رہا۔ ورزش سے مجھے اتنا مسئلہ نہیں تھا لیکن جب بانو سے مقابلہ کرتا تو مجھے خاصا فرق محسوس ہوتا تھا۔ اس روز بھی میری کم خوراکی کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا تھا۔ رات کے وقت بانو نے میری توجہ دلائی۔ اس نے کاغذ پر لکھا۔ ''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بڑے کنور کو اس بات کا علم ہی نہ ہو کیونکہ یہاں مائیک راج کنور نے لگوائے ہیں۔''

''مگر کھانا تو منشی جی کی نگرانی میں بنتا اور آتا ہے۔ انہیں معلوم ہو گا کہ میں اتنی خوراک نہیں لے رہا جتنی معمول کے مطابق لیتا ہوں۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دل نواز خان نے اسے بتایا ہی نہ ہو۔ دل نواز کے خیال میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہو گی۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ بانو کی باتوں میں وزن تھا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ بڑے کنور کو صورتِ حال کا علم تھا اور وہ کسی وجہ سے اب تک خاموش تھا۔ میں نے ٹھوس خوراک کم کی تھی لیکن جوسز لے رہا تھا۔ البتہ دودھ چھوڑ دیا تھا میرے لیے جو جوسز آتے تھے ان میں اضافی منرلز اور وٹامنز ہوتے تھے۔ ان سے میرا جسم کمزور ہونے کے باوجود منرلز اور وٹامن کی کمی کا شکار نہ ہوتا۔ بہرحال ایک کھیل میں کھیل رہا تھا اور میرے دشمن بھی کوئی چال چل رہے تھے۔ دیکھنا یہ تھا کہ ہم میں سے کامیاب کون ہوتا ہے۔ اس سے اگلے دن سے میں نے ورزش کی تعداد اور دورانیہ بھی گھٹانا شروع کر دیا کیونکہ کم خوراک کے ساتھ میرا وزن تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ تیسرے دن تک میرا وزن اٹھتر کلوگرام ہو گیا تھا اور بہ قول بانو کے میں واضح کم ہو رہا تھا۔ البتہ ابھی مجھے کمزور نہیں کہا جا سکتا تھا۔

ورزش کم کرنے کے باوجود بانو سے مقابلہ جاری رکھا۔ اگرچہ اس نے اصرار کیا تھا کہ اب میں مقابلہ نہ کروں یا دن میں ایک بار کروں لیکن میں نے مقابلہ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا مجھے الگ فائدہ ہو رہا تھا۔ اب ہمارا مقابلہ دوستانہ مقابلے سے ذرا ہٹ کر سنجیدگی کی طرف جا رہا تھا۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا جیسے ہم سچ مچ دشمن ہیں اور ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ میں نے بانو سے کہہ دیا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی رعایت نہ کرے اور بالکل یوں مقابلہ کرے جیسے میں اس کا دشمن ہوں۔ مگر اب میں خود بھی اسے کم رعایت دیتا تھا۔ اکثر اسے برابر کی چوٹ پڑتی تھی۔ کئی بار اسے زخم آئے یا نیل پڑ گئے۔ شروع میں وہ ہائے ہائے کرتی تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ چوٹوں کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے لڑائی کے بعد دیر تک اس کا سانس قابو نہیں آتا تھا لیکن اب اس کا اسٹیمنا اس لحاظ سے بھی بہت بہتر ہو گیا تھا۔

اس کی صحت بھی اچھی ہوتی جا رہی تھی۔ تین دن میں میرا وزن چار کلوگرام کم ہوا تھا تو اس کے وزن میں مزید ایک کلوگرام کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کا وزن باسٹھ کلوگرام سے اوپر چلا گیا تھا۔ اس کے پرانے سوٹ تنگ ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے تھے۔ مگر اس دن کے بعد سے اوشا بھی نہیں آئی تھی کہ وہ اپنے لیے نئے سائز کے کپڑے منگواتی اس لیے انہی سے گزارا کر رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اب تم روایتی ملبوسات کے بجائے اپنے سائز کے ٹراؤزر اور ٹی شرٹس منگوانا۔ یہ آرام دہ بھی ہوتے ہیں اور ان میں فٹنگ کا اتنا مسئلہ نہیں ہوتا تم نمایاں بھی نہیں ہوگی۔''

وہ جھینپ گئی۔ ''ہاں ان کپڑوں میں اب بہت نمایاں ہونے لگی ہوں۔''

میں بوکھلا گیا۔ ''میرا مطلب ہے کہ تم میں آنے والی تبدیلی دشمن محسوس نہیں کرے گا ورنہ وہ چوکنا بھی ہو سکتا ہے اور اس کے پاس حربوں کی کمی نہیں ہے۔''

اوشا چوتھے دن آئی تھی۔ اب تک ہمارا کام دل نواز خان کر رہا تھا۔ میرے کپڑے دھونے کے لیے وہی لے جاتا تھا لیکن بانو نے اسے اپنے کپڑے دینے سے انکار کر دیا۔ ''بے شک یہ مسلمان ہے لیکن میرے بارے میں جس طرح سوچتا ہے مجھے گوارا نہیں کہ یہ میرے کپڑوں کو ہاتھ لگائے۔''

وہ اوشا کے آنے سے خوش ہوگئی۔ ''تم کہاں تھیں اتنے دن سے؟''

''ہماری طبیعت خراب ہوگئی تھی ڈاکٹر علاج کر رہا تھا۔'' اوشا نے دُزدیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''آپ کو کوئی کام تھا۔''

بانو اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ کچھ دیر بعد وہ باسکٹ میں اس کے کپڑے لے کر نکلی اور میرے پاس آئی۔ بانو نہیں آئی تھی اور میں بھی یہی چاہتا تھا۔ میں اوشا سے اکیلے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اسے واش روم میں لے آیا۔ ''اوشا تجھے کیا ہوا تھا؟''

وہ میرے پاس آ کر خوش تھی۔ اس نے مخصوص نشیلے انداز میں کہا۔ ''پتا نہیں رے، چار دن پہلے رات بستر پر لیٹی تو پھر ہوش نہیں رہا۔ ہوش آیا تو محل کے اسپتال میں تھی۔ ایک دن وہیں رہی پھر ڈاکٹر نے جانے دیا۔''

''اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ تجھے کیا ہوا ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بس بول رہا تھا ہم بیمار ہو گئے تھے اب ٹھیک ہیں۔''

''اوشا یہ سب جھوٹ ہے۔'' میں نے کہا اور اسے مختصر الفاظ میں بتایا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا اور اسے کس مقصد کے لیے میرے کمرے میں لایا گیا تھا۔ اس وقت وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اوشا کی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئی تھیں۔

''کیا کہہ رہا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں میرا خیال ہے تمہیں کھانے یا پینے کی کسی چیز میں دوا دی گئی تھی اس کے اثر سے تم ایسی ہوگئیں جیسے سو گئی ہو لیکن تمہارا جسم جاگ رہا تھا اور دوسرے جو کہہ رہے تھے تم اس پر عمل کر رہی تھیں۔''

اس نے سادگی سے پوچھا۔ ''پھر تُو نے کیا کیا ہمارے ساتھ رات بتا نا؟''

''لاحول ولا.....'' میں نے گڑبڑا کر کہا۔ ''ایسا ہوتا تو آج میں زندہ ہوتا۔''

''تجھے کچھ نہیں ہوگا رے، باپو کا کہا کبھی غلط نہیں ہوتا تھا۔''

میں نے دل ہی دل میں اس کے باپو کو سنائیں اور منہ سے بولا۔ ''راج کنور بہر صورت مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو آج تم بھی زندہ نہ ہوتیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے چہرے پر خوف نمودار ہوا۔ ''ہمیں بھی مار دیتا وہ؟''

''ہاں قتل کے بعد آلہ قتل کون رکھتا ہے اسے سب سے پہلے ٹھکانے لگاتے ہیں۔''

''تب تُو نے اسے ناکام کیسے کیا؟''

میں نے کہانی کا آخری حصہ سنایا کہ کیسے میں نے رامن پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اس نے جھرجھری لی۔

''تُو نے اچھا نہیں کیا رے اگر وہ گولی مار دیتا تو.....''

''تو میں مر جاتا لیکن ہوا نہیں اس کا کیا رونا۔''

اوشا پریشان ہو گئی تھی۔ ''نہیں تو سوچ یہ کھل کر تیرے خلاف ہو گئے ہیں۔ میں تیرے لیے کیا کر سکتی ہوں۔''

''تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتی ہو میں تمہیں ہوشیار کر رہا ہوں یہ پھر تمہیں میرے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہاں محل میں کوئی چکر چل رہا ہے۔ راج کنور اور بڑے کنور میں میری وجہ سے کشیدگی پیدا ہوئی ہے مجھے نہیں معلوم یہاں کیا ہو رہا ہے۔ تم باہر ہوتی ہو اور جاننے کی کوشش کر سکتی ہو۔''

''ہم سمجھ گئے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تیرے لیے راز کھوجنا ہے۔''

''اسے آسان زبان میں جاسوسی کہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن بہت ہوشیاری سے اور کسی کو شک کا موقع دیئے بغیر اپنا کام کرنا اگر کسی کو شک ہو گیا تو تم جانتی ہو تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔''

اس نے جھرجھری لی۔ ''یہ بہت جالم لوگ ہیں جس نوکر سے ناراج ہوں اسے کتوں کے آگے ڈلوا دیتے ہیں۔''

پتا نہیں صاحبان اقتدار اپنے مخالفوں کو کتوں کے آگے کیوں ڈلواتے ہیں؟ میں نے سوچا اور اوشا سے کہا۔ ''باہر چلو اب ہم کھل کر بات کریں گے۔''

''اتنی جلدی کیا ہے رے۔'' اس نے شوخی سے کہا اور میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ آج وہ خادماؤں والے لباس میں تھی۔ اس کے وجود سے کشش انگیز حرارت اٹھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے اس کی بانہیں گلے سے نکالیں۔

''جلدی ہے یہ لوگ اب زیادہ نظر رکھتے ہیں اور شک ہو گیا تو ہم اس طرح بات کرنے سے بھی رہ جائیں گے۔''

بادلِ ناخواستہ وہ میرے ساتھ باہر آئی۔ اس نے کچھ کہا نہیں لیکن جب میں نے بتایا کہ بانو کو بچانے کے لیے میں رامن سے بھڑ گیا تھا تو اس کا منہ بن گیا تھا اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میں بانو کے لیے اس حد تک جاؤں۔ ساتھ ہی وہ جانتی تھی کہ مجھے ٹوکے گی تب بھی میں منع نہیں ہوں گا اس لیے اس نے کچھ کہا نہیں۔

''صاحب جی تمہارے لیے کیا لائیں؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ہو سکے تو منشی جی کو کہہ دینا میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

وہ سر ہلا کر چلی گئی۔ ایک گھنٹے بعد وہ بانو کے لیے کپڑے اور دوسری چیزیں لے آئی تھی۔ بانو کی چیزیں سے دے کر اوشا نے مجھے کہا۔ ''منشی جی کہہ رہے ہیں وہ مصروف ہیں پر جلد آپ کے پاس آئیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوشا کی بات سن کر میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا تھا۔ ابتدائی تین دن کم خوراکی نے مجھے پریشان کیا تھا کھانے کے کچھ دیر بعد بھوک اندر سے پیٹ میں پنجے مارنا شروع کرتی تھی لیکن اب میں عادی ہو رہا تھا۔ پیٹ نے سمجھ لیا تھا کہ اسے اس سے زیادہ خوراک نہیں ملے گی۔ اس لیے وہ شور نہیں کر رہا تھا۔ ورزش بھی خوراک کے تناسب سے کم کر دی تھی اور بس اتنی کر رہا تھا جس سے میں فٹ رہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ وزن کم ہونے سے میرے ریفلیکسز تیز ہو گئے تھے اور بانو سے مقابلے میں یہ کام آتے تھے۔ اوشا غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''صاحب ٹو کمزور ہو گیا ہے۔''

''میں ٹھیک ہوں۔''

''اور وہ بڑی بھاری ہو رہی ہے۔'' اوشا نے معنی خیز انداز میں بانو کے کمرے کی طرف دیکھا۔ ''پرانے کپڑے نہیں آ رہے ہیں۔ نئے منگوائے ہیں۔ اندر والے کپڑے کا سائز بھی بدل گیا ہے۔''

میں نے اسے ٹوکا۔ ''تو اس چکر میں نہ پڑ۔ بیٹھ کر کھا رہی ہے اس لیے وزن تو بڑھے گا۔''

اس شام بانو سے مقابلہ کیا تو مجھے اوشا کی بات ٹھیک لگی تھی۔ اس کا وزن واقعی نمایاں طور پر بڑھا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے گھونسوں اور پاؤں کے وار میں قوت آ گئی تھی۔ پہلے اس کا پنچ لگتا تو مجھے پتا بھی نہیں چلتا تھا لیکن اب پنچ لگتا تو اس کے پیچھے موجود قوت کا واضح احساس ہوتا تھا۔ اس کے لڑنے کے انداز میں جارحیت آ گئی تھی۔ پہلے وہ جسم سمیٹ کر اور جھک کر لڑتی تھی لیکن اب وہ بے فکری سے حملے کرتی تھی۔ اس نے اچانک ایک اپر کٹ مارا۔ میں بروقت دفاع نہ کر سکا اور گھونسہ میری تھوڑی پر لگا۔ ایک لمحے کو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا تھا اور جب یہ اندھیرا چھٹا تو میں قالین پر پڑا ہوا تھا۔ دبیز قالین کی وجہ سے چوٹ تو نہیں آئی تھی لیکن اس وار نے مجھے ناک آؤٹ کر دیا تھا۔ بانو پریشانی میرے پاس بیٹھی۔

''کیا ہوا آپ ٹھیک ہیں۔''

جواب میں میں نے ٹانگیں ہوا میں گھمائیں اور ایک ٹھوکر اس کی پشت پر رسید کی۔ وہ لڑھک گئی اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''گرے ہوئے دشمن کی خیریت دریافت نہیں کرتے ہیں۔''

اس نے منہ بسورا۔ ''آپ میرے دشمن نہیں ہیں۔''

''چلو دشمن نہ سہی حریف تو ہوں ابھی۔'' میں نے تھوڑی سہلائی۔ ''تمہارے وار میں بہت قوت تھی ایک لمحے کو میرے حواس ہی گم ہو گئے تھے۔''

وہ شرمندہ ہو گئی۔ ''آپ ہی نے کہا ہے کہ میں پوری قوت سے لڑا کروں۔''

''تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی کرنا ہے۔ میں نے بالکل بھی برا نہیں مانا بلکہ خوش ہوں کہ تم میری ہدایت پر عمل کر رہی ہو۔'' میں نے دوبارہ لڑائی کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

اس دن مقابلے کے بعد میں ہانپ رہا تھا اور بانو کا سانس ہموار تھا۔ یہ یقیناً خوراک میں کمی کا نتیجہ تھا۔ اس سے پہلے بھی بارہا دور ایسے گزرے جب عملاً فاقہ کشی سے واسطہ پڑا تھا لیکن اس وقت کوئی میرا خون نچوڑنے کے درپے نہیں ہوتا تھا۔ مجھے اپنی صحت برقرار رکھنے کے لیے اتنی کوشش نہیں کرنا پڑتی تھی۔ حالات بالکل بدلے ہوئے تھے۔ ایک بھائی ڈریکولا بنا ہوا تھا اور مجھے میرے خون کی خاطر زندہ رکھے ہوئے تھا تو دوسرا بھائی بھیڑیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرح مجھے ایک ہی بار میں چیر پھاڑ دینا چاہتا تھا۔ بانو نے پھر اصرار کیا۔ ''اب آپ ورزش نہ کریں صرف مجھ سے مقابلہ کیا کریں اگر آپ اسی رفتار سے کمزور ہوتے رہے تو پھر میں ٹھیک سے نہیں سیکھ سکوں گی۔''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مگر میں اپنا وزن مزید کم کرنا چاہتا تھا اور یہ خوراک میں کمی کے ساتھ ورزش سے ہی ہوسکتا تھا اگر میں ورزش چھوڑ دیتا تو وزن میں اتنی تیزی سے کمی نہیں آسکتی تھی۔ میں اپنی قوت بھی جانچ رہا تھا۔ وزن میں کمی اصل میں گوشت اور چربی میں کمی تھی۔ میرے مسلز پہلے کی طرح مضبوط اور بڑے تھے۔ جسم سے چربی چھٹی تو یہ زیادہ نمایاں ہونے لگے تھے۔ میری قوت میں بھی خاص کمی نہیں آئی تھی۔ تین دن بعد میں سنبھل گیا تھا۔ چھٹے دن تک میرا وزن کم ہو کر چوہتر کلوگرام رہ گیا تھا اور اب وزن میں کمی کے اثرات چہرے اور جسم پر واضح محسوس کیے جاسکتے تھے۔ اگلا دن خون لینے کا تھا۔ میں اسی مرحلے کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا اور میں اپنی کارکردگی سے مطمئن تھا۔ جب اوشا نے بانو کے بھاری ہوتے جسم کی طرف اشارہ کیا تو میں فکر مند ہو گیا تھا جو بات اوشا محسوس کر سکتی تھی وہ دوسرے بھی کر سکتے تھے میں نے بانو کو یہ بات بتائی اور مشورہ دیا۔

''اب تم اپنی خوراک پر قابو پانے کی کوشش کرو تا کہ وزن مزید نہ بڑھے اور جسمانی چستی میں اضافہ ہو۔''

میرے مشورے کے بعد وہ بھی خوراک کم لینے لگی تھی۔ ورزش اتنی ہی کرتی تھی اور مجھ سے مقابلے کا دورانیہ اب بیس منٹ ہو گیا تھا۔ اس لیے چند دن میں اس پر بھی فرق نظر آنے لگا خاص طور سے چہرہ جو بھر کر موٹاپے کا اشارہ کر رہا تھا پھر سے دبلا ہو گیا۔ چہرے سے بھی انسان کی صحت جھلکتی ہے۔ بعض لوگ اتنے صحت مند نہیں ہوتے ہیں لیکن ان کا چہرہ بھرا ہوتا ہے اس لیے لوگ انہیں صحت مند یا اوور ویٹ سمجھتے ہیں۔ جب کہ بعض اچھے خاصے صحت مند لوگ صرف دبلے چہرے کی وجہ سے کمزور سمجھے جاتے ہیں۔ ساتویں دن صبح ناشتے کے بعد منشی جی نازل ہو گئے۔ پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر چونکے۔ ''شہباز جی آپ کو کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''میں نے خوراک کم کر دی ہے اور ورزش چھوڑ دی ہے۔''

''لیکن کیوں؟''

''منشی جی، آپ انجان نہ بنیں، میں نے آپ سے براہ راست کہا اور پھر ملازموں سے کہلوایا کہ میں آپ سے اور بڑے کنور سے ملنا چاہتا ہوں لیکن آپ مسلسل ٹالتے رہے۔ اس لیے میں نے خون نہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔''

منشی جی فکر مند ہو گئے۔ ''مگر کیوں، جب مسئلہ حل ہو گیا تھا۔''

''یہ مسئلے کا عارضی حل تھا۔ راج کنور پھر شرارت کرنے کے لیے آزاد ہے۔ میں نے بڑے کنور سے مشروط تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ وہ میری اور بانو کی حفاظت نہیں کر سکے اس لیے میں نے بھی اپنا تعاون واپس لے لیا ہے۔ آئندہ تعاون صرف اسی صورت میں ہوگا جب وہ مجھ سے ملاقات کریں گے۔''

منشی جی کچھ دیر خاموش رہے پھر بدلے ہوئے لہجے میں بولے۔ ''آپ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی سزا ملے گی لیکن میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔ جب تک میری بڑے کنور سے ملاقات نہیں ہوتی اور وہ میرے کچھ مطالبات نہیں مانتے میں خون نہیں دوں گا۔ ویسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کے قبضے میں ہوں چاہیں تو ایک ہی بار میں سارا خون نکال لیں میرے جسم سے۔"

دھمکی کو رائیگاں جاتے دیکھ کر منشی جی نے دوبارہ پینترا بدلا۔ "شہباز جی آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ بڑے کنور چیک اپ کے لیے دلی گئے ہوئے تھے آج کسی وقت واپس آئیں گے تب آپ کی ان سے ملاقات ہو سکے گی۔"

میں نے عیاری کا جواب چالاکی سے دیا۔ "ٹھیک ہے مجھے بھی کوئی جلدی نہیں ہے۔ ان سے ملاقات ہو جائے تب میں آپ کے ساتھ کلینک چلوں گا۔"

منشی جی پریشان ہو گئے۔ "لیکن خون نکالنے کے انتظامات ہو گئے ہیں۔"

میں ہنسا۔ "منشی جی، یہ کسی بڑے آپریشن کے انتظامات نہیں ہیں خون نکالنا معمولی سا عمل ہے۔ یہ پانچ منٹ کے نوٹس پر دوبارہ انتظام کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے میں فی الحال خون دینے کے قابل نہیں ہوں آپ میری صحت دیکھ رہے ہیں۔ ابھی میں معمول کا کھانا پی رہا ہوں۔ اگر میں کھانا چھوڑ دوں تو ایک ہفتے بعد خون نکالنے کے لیے ڈاکٹر کو میری نس بھی نہیں ملے گی۔ اس لیے بڑے کنور سے جتنی جلد میری ملاقات ہو جائے۔ میرے اور ان کے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا۔ جب تک بڑے کنور سے ملاقات نہیں ہوگی اور میرے مطالبات نہیں مانے جائیں گے میں معمول کا کھانا پینا اور ورزش نہیں کروں گا۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ ایسا کر رہے ہیں ورنہ میں پہلے ہی بات کرتا۔" منشی جی نے مکاری سے کہا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

"کیا دل نواز خان نے بتایا نہیں کہ میں نے خوراک کم کر دی ہے کھانا بچ کر واپس جاتا ہے۔"

"اس حرام خور نے ایک بار بھی نہیں بتایا۔" منشی جی غیض و غضب سے بولے۔ "میں ابھی اس سے پوچھتا ہوں۔"

"آپ اس سے پوچھیں اور مجھے یقین ہے بڑے کنور بھی کچھ حرام خوروں سے پوچھ گچھ کریں گے جو کھا تو ان کا رہے ہیں لیکن کام کسی اور کے لیے کر رہے ہیں۔"

منشی جی کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ "شہباز جی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ نہیں۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "ویسے منشی جی جو شخص بڑے کنور کا علاج کر رہا ہے اسے آپ ہی تلاش کر کے لائے تھے؟"

"ہاں اسے میں نے تلاش کیا ہے۔" وہ فخر سے بولے۔ "سندھو جیسا ماہر تو نہیں ہے لیکن اس کا دعویٰ ہے وہ بڑے کنور کا علاج کر سکتا ہے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا اسے بڑے کنور کا علاج کرتے ہوئے؟"

"چار مہینے سے کر رہا ہے۔"

"یقیناً بڑے کنور کو فائدہ ہوا ہوگا۔"

"ہاں فائدہ تو ہوا ہے۔" منشی جی یک دم محتاط ہو گئے۔ "شہباز جی اگر آپ تعاون جاری رکھیں تو بڑے کنور جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری طرف سے تو پورا تعاون تھا لیکن اس محل کے کچھ لوگ شاید بڑے کنور کو صحت یاب دیکھنا نہیں چاہتے ہیں۔ اس لیے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔''

''ایسی کوشش نہیں کی گئی۔'' منشی جی نے جلدی سے تردید کی۔ ''آپ جانتے ہیں راج جی کی خواہش کیا ہے۔''

''اس کی خواہشات بہت زیادہ ہیں اور بعض اوقات انسان جسے خواہش سمجھ رہا ہوتا ہے وہی اس کی موت ثابت ہوتی ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''منشی جی، اوشا کو میرے پاس بھیجنے کا کیا مقصد تھا۔ وہ سندھو کی بیٹی ہے اور آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں وہ وش کنیا ہے۔ جو مرد اس کے پاس آئے گا وہ زندہ نہیں رہے گا۔ آپ خود اسے یہاں سے لے کر گئے تھے اور وہ اپنے حواسوں نہیں تھی۔ اب بھی آپ کہتے ہیں کہ وہ مجھے قتل کرنے کی کوشش نہیں تھی۔''

''اگر ایسا بھی تھا تو میں یقین دلاتا ہوں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' منشی جی نے صلح کن انداز میں کہا۔ ان کی کوشش تھی کہ مجھے خون دینے پر آمادہ کر لیں لیکن جب میں ٹس سے مس نہیں ہوا تو وہ مایوس لوٹ گئے۔ بانو وہاں موجود تھی اور خاموشی سے ہماری باتیں سن رہی تھی۔ منشی جی کے جاتے ہی وہ رف پیڈ اور پنسل لے آئی۔ ''آپ نے اس سے بہت کھل کر بات کی ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟''

''دشمن سے رازداری اچھی چیز ہے لیکن بعض اوقات کھل کر بات کرنا بھی مفید ہوتا ہے۔'' میں نے جواباً لکھا۔ ''دیکھو دشمن ہمیں بے وقوف سمجھ رہا ہے تو ہم یہ تاثر کیوں نہ دیں کہ ہم بے وقوف بن رہے ہیں۔ اس طرح ہم اس کے عزائم بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ پہلے میرا خیال تھا کہ بڑا کنور اس کھیل میں شامل ہے لیکن اب مجھے لگ رہا ہے مجھے جان بوجھ کر بڑے کنور تک رسائی کا موقع نہیں دیا جا رہا ہے دوسری طرف اسے شاید یہ بتایا جا رہا ہے کہ سب ٹھیک ہے میں خوش و خرم ہوں اور پوری طرح تعاون کر رہا ہوں۔''

''لیکن جب خون نہیں ملے گا تو یہ بڑے کنور کو کیا کہیں گے؟''

''یہی میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ اپنی حکمتِ عملی چلاتے ہیں یا پھر کوئی پینترا بدلتے ہیں۔ بڑے کنور کے گرد تقریباً تمام افراد اس سے مخلص نہیں ہیں شاید ایک دو ہوں جو اسے خبردار کر سکتے ہوں تو ان کو اس کے پاس سے ہٹایا جا سکتا ہے۔''

''آپ کا کیا خیال ہے کیا منشی جی بھی راج کنور سے ملا ہوا ہے؟''

''اگر وہ ملا ہوا نہیں ہے تب بھی وہ بعض معاملات میں اس کی حمایت کر رہا ہے۔ جیسے اس نے بروقت آ کر مجھے رامن سے بچایا لیکن اب وہ اس معاملے کو بڑے کنور تک جانے سے روک رہا ہے۔ مجھے یقین ہے تمہاری رہائی میں بڑے کنور کا ہاتھ نہیں ہوگا بلکہ اسے شاید خبر بھی نہیں ہوگی کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے۔''

''تب راج کنور نے مجھے کیسے چھوڑ دیا؟''

''وہ منشی جی کے سامنے مجبور ہوا ہوگا شاید منشی جی نے معاملے کو دبانے کے لیے یہی شرط رکھی ہوگی کہ وہ تمہیں واپس کر دے اور پھر ہم سے کوئی تعرض نہ کرے۔''

''سوال یہ ہے کہ منشی جی نے بڑے کنور کو کیوں بے خبر رکھا۔ اگر وہ راج کنور کے ساتھ نہیں ملا ہے تو ایسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیوں کر رہا ہے؟"

"میرا اندازہ ہے شنی جی کے خیال میں بڑے کنور کی کہانی جلد یا بدیر ختم ہونے والی ہے اور راج کنور ہی اگلا حکمران ہوگا۔ اس لیے وہ ابھی سے اس کے دل میں اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کر رہے ہیں۔ دوسری طرف اسے یہ خیال بھی ہے کہ ابھی بڑا کنور زندہ ہے اور وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ یہ سارا مفادات کا کھیل ہے اس میں سب حلیف ہیں اور سب حریف ہیں۔"

بانو نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "آپ نے بہت گہرائی سے ان کا تجزیہ کیا ہے۔"

"دشمن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش ہی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اگر آپ دشمن کے بارے میں جانتے ہیں تو بہت کم قوت سے بھی اسے انجام تک پہنچا سکتے ہیں ورنہ بہت زیادہ طاقت بھی آپ کے کام نہیں آتی ہے۔ یہ اصول بڑی سلطنتوں سے لے کر عام آدمی تک یکساں لاگو ہوتا۔"

لکھ لکھ کر میرا ہاتھ تھک گیا تھا۔ اتنا زیادہ میں صرف امتحان میں لکھتا تھا اور اس سے بھی میری جان جاتی تھی۔ میری کوشش ہوتی تھی کہ بی کاپی لینے کی نوبت نہ آئے جب کہ میرے آس پاس کے لڑکے دھڑا دھڑ بی کاپیاں لے رہے ہوتے تھے لیکن میرے مارکس ہمیشہ ان سب سے زیادہ ہی آتے تھے۔ بانو جتنی تیزی سے لکھ رہی تھی لگتا تھا وہ بھی امتحان میں کئی بی کاپیاں لیتی تھی۔ اس نے لکھا۔ "اگر آپ بڑے کنور سے ملتے ہیں تو اس سے کیا مطالبہ کریں گے؟"

"میں تمہیں باحفاظت باہر بھجوانے کا مطالبہ کروں گا۔"

اس نے نفی میں سر ہلا کر لکھا۔ "وہ مجھے واپس نہیں بھیجے گا۔"

"میں ممتاز ہاؤس کی بات نہیں کر رہا میں تمہیں اپنے ساتھیوں کے پاس بھجواؤں گا وہاں سے تم اپنے طور پر کہیں جانے یا اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہوگی۔"

وہ خوش ہوگئی۔ "میں بھی اب ممتاز ہاؤس واپس نہیں جانا چاہتی۔ میں اپنی زندگی آپ جینا چاہتی ہوں۔"

"مجھے امید ہے بڑا کنور مان جائے گا۔ اسے صرف میاں ممتاز کی فکر ہے کیونکہ اس سے اس کے کاروباری تعلقات ہیں۔ وہ ان تعلقات کو خراب نہیں کرنا چاہتا ہے۔ اگر میاں ممتاز کو علم نہ ہو تو اسے اعتراض نہیں ہوگا۔"

"لیکن اسے یہ فکر تو ہوگی کہ آپ کے ساتھیوں کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کہاں ہیں اور آپ کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"کنور تاشقان یہاں کا حکمران ہے اور یہاں ان کی ذاتی طاقت بھی ہے اور ان کو ریاست کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ میرے ساتھی پاکستان سے آ کر یہاں ان کے خلاف کیا کر سکتے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ یہ لوگ اس بارے میں فکر مند ہوں گے۔"

"وہ کوشش تو کر سکتے ہیں۔" بانو بولی۔ "اگر وہ آپ کی طرح ہیں تو مجھے یقین ہے وہ آپ کو آزاد کرانے کے لیے انڈیا تو کیا دنیا کے آخری سرے تک بھی جا سکتے ہیں۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی میرے ساتھی ایسے ہی تھے۔ وسیم، سفیر، بیتو، عبداللہ اور ایاز کو پتا چلتا تو وہ یہاں بھی آ جاتے۔ مگر شاید بڑا کنور اس بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ چانس لے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھوں گا ہو سکتا ہے وہ بانو کو یہاں سے بھیجنے پر آمادہ ہو جائے اس کے بعد میں اکیلے بہتر طور پر حالات کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ مجھے یہاں آئے ہوئے مہینہ ہونے کو آیا تھا اور اب تک میں نے آزاد ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں اتنے عرصے دشمن کی قید میں رہا تھا اور خود کو آزاد نہیں کرا سکا تھا۔ بانو میرے پاؤں میں ایک زنجیر کی طرح تھی۔ میں اسے کھولے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اپنا ملک ہوتا تو شاید میں اتنی پروا نہ کرتا لیکن میری پاکستانیت کو یہ گوارا نہیں تھا کہ ایک پاکستانی لڑکی کو ان دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ جاؤں۔ جن کے عزائم بانو کے لیے واضح تھے وہ بھیڑیوں کی طرح اس پر رال ٹپکاتے ہوئے دانت تیز کر رہے تھے اور بے تابی سے اس وقت کے منتظر تھے جب انہیں اس پر تصرف حاصل ہو جاتا۔ راج کنور کی ایک سازش میں نے ناکام بنا دی تھی۔ مگر ضروری نہیں تھا کہ میں اس کی ہر سازش ناکام بنا دیتا۔

جب میں بانو سے لکھ کر بات کر رہا تھا تو اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے سوچا کہ میں اوشا کی مدد سے بڑے کنور کو پیغام بھجوا سکتا تھا۔ اگر وہ بے خبر تھا تو خبردار ہو جاتا۔ اوشا ملازمہ تھی لیکن اسے محل میں حرکت کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ اگر بڑے کنور کے حصے کی طرف جانے پر کچھ پابندی تھی تو وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں جا سکتی تھی اور بڑے کنور کو میرا پیغام دے سکتی تھی۔ میں نے بانو کو اپنے خیال کے بارے میں بتایا وہ پُرجوش ہو گئی۔ ''واقعی، یہ تو آسان ہے۔ وہ بڑے کنور تک جا سکتی ہے۔''

''کوشش کر سکتی ہے۔''

بانو معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''آپ کے لیے وہ سب کر سکتی ہے۔''

میں جھینپ گیا۔ پھر میں نے رف پیڈ سے ایک کاغذ الگ کیا اور اس پر بڑے کنور کے لیے انگریزی میں پیغام لکھا۔ ''بعد آداب عرض ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو ان حالات کا علم ہے۔ راج کنور نے میرے اور بانو کے خلاف سازش کی ہے ہمیں کھانے میں بے ہوشی کی دوا دی اور بانو کو راج کنور کے بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا۔ پھر ٹی وی پر دکھا کر مجھے دھمکی دی گئی کہ اگر میں نے اوشا کے ساتھ رات نہیں گزاری تو بانو کی عزت محفوظ نہیں رہے گی۔ میں نے جان پر کھیل کر راج کنور کی یہ کوشش ناکام بنا دی اور منشی جی بانو کو واپس لے آئے لیکن اس دوران میں رامن نے مجھے مارنے کی نیت سے گولی چلائی۔ ویسے بھی یہ میرے قتل کا منصوبہ تھا کیونکہ اوشا کے ساتھ رات گزارنے کا مطلب اس دنیا سے انتقال کر جانا ہے۔ میں نہیں سمجھ رہا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں لیکن میرے مطالبے کا کوئی جواب نہیں دیا جا رہا ہے۔ میں نے گزشتہ ایک ہفتے سے جب سے یہ واقعہ ہوا ہے۔ کھانا پینا کم کر دیا ہے اور میں خون دینے کی حالت میں نہیں ہوں اور نہ ہی میں خون دوں گا جب تک میرے کچھ مطالبات مان نہیں لیے جاتے۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

مخلص

دشمن

کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کہیں کسی موقع پر یہ برآمد نہ ہو جائے اس لیے اسے صوفے کی گدی کے خلا میں ڈال دیا کہ ضرورت پڑنے پر میں آرام سے واپس نکال سکتا تھا۔ بانو دیکھ رہی تھی اس نے تعریفی انداز میں سر ہلایا اور رف پیڈ پر لکھا۔ ''شہباز صاحب اگر ایسا ہو گیا تو میں ساری عمر آپ کا احسان نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھولوں گی۔ میں آپ کے ساتھ ہوں اس کے باوجود یہاں کا ایک ایک لمحہ مجھ پر بھاری ہے۔"

"احسان غیروں پر ہوتا ہے اور اب میں تمہیں اپنا ساتھی سمجھنے لگا ہوں۔ میرے اکثر ساتھی میری طرح ہیں۔ وہ اتنے مخلص اور بے غرض لوگ ہیں کہ اس جنگ میں جو ان کی نہیں ہے بے لوث میرا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"لیکن میں ان کی طرح نہیں ہوں میں تو خود آپ پر بوجھ ہوں۔" اس نے افسردگی سے کہا تو میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میرا اندازہ ہے آپ آرام سے بیٹھنے والے شخص نہیں ہیں۔ اب تک اس قید سے آزاد ہو گئے ہوتے یا کم سے کم کوشش ضرور کرتے لیکن آپ کوشش بھی نہیں کر رہے ہیں اور اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ آپ میری وجہ سے صبر کر رہے ہیں۔"

میں نے سر ہلایا۔ "ہاں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ اسی لیے میں تمہیں جلد از جلد یہاں سے نکالنا چاہتا ہوں۔ اللہ مجھے میرے مقصد میں کامیاب کرے۔"

بانو رف پیڈ لے کر چلی گئی تھی۔ یہ خاصا موٹا رف پیڈ تھا جو صفحے لکھ لیے جاتے تھے۔ بانو انہیں اپنے واش روم میں جلا کر ان کی راکھ واش بیسن میں بہا دیتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کاغذ بہائے تو ممکن ہے یہ آگے کہیں نظروں میں آجائیں اس لیے جلا کر راکھ بہانا ہی زیادہ مناسب تھا۔ مسلسل لکھ کر بات کرنے سے رف پیڈ سوکھ کر آدھا رہ گیا تھا۔ اوشا ہر دوسرے تیسرے دن چکر لگاتی تھی اور وہ دو دن پہلے آخری بار آئی تھی میرا اندازہ تھا کہ وہ آج یا اگلے روز چکر لگاتی تب میں اس کے ہاتھ رقعہ بڑے کنور کو بھیج سکتا تھا۔ اگرچہ اس میں رسک تھا۔ عین ممکن تھا کہ اب بڑے کنور کے حصے کی طرف کسی کو جانے کی اجازت نہ ہو اور راج کنور کے اعتماد کے لوگ ہی اس طرف جا سکتے ہوں گے۔ اس صورت میں اوشا کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہوتے۔

اوشا شام کو آئی اور بڑے غلط موقع پر آئی۔ میں نے ہلکی پھلکی ورزش کی تھی اور پھر حسب معمول بانو سے مقابلہ ہو رہا تھا۔ اس دن وہ بڑے جارحانہ موڈ تھی۔ ایک موقع پر میرا پاؤں پھسلا اور میں نیچے گرا تو وہ مجھے سوار ہو کر گھونسے برسانے لگی۔ میں اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور اوشا باسکٹ اٹھائے اندر آئی۔ بانو کو یوں مجھ پر سوار گھونسے برساتے دیکھ کر اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ اسے بلکہ شاید ہی کسی کو معلوم تھا کہ میں اور بانو لڑائی کی مشق کرتے تھے۔ اس لیے وہ اسے اصل لڑائی سمجھی۔ بانو کو مجھ پر حاوی دیکھ کر اس کا غصہ فطری تھا۔ اس نے باسکٹ ایک طرف پھینکی اور چیخ مار کر جھپٹی۔ بانو کا منہ نیچے تھا اس لیے وہ اسے نہیں دیکھ سکی لیکن میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اوشا کا منہ کھلا ہوا تھا اور اس کے سفید دانت جھلک رہے تھے۔ یہ بڑا خطرناک انداز تھا وہ بانو کو کاٹنے آ رہی تھی۔ میں نے بانو کو دوسری طرف اچھال دیا اور اس دوران میں اس کے دو تین گھونسے بھی کھائے۔ بانو گری اور اٹھ رہی تھی کہ اوشا رخ بدل کر اس کی طرف لپکی۔ اسے آواز سے روکنے میں رسک تھا اگر وہ نہ سنتی اور بانو کو دانت مار دیتی تو اس کا زہر بانو کو منٹوں میں موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ میں نے اوشا کے پیروں پر ٹھوکر ماری وہ لڑکھڑا کر گری لیکن بانو اس سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اس نے بانو کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اس پر منہ مارنے کی کوشش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن میں نے بروقت اس کی ٹانگ پکڑ کر اسے پیچھے کھینچ لیا۔

ہلکے پھلکے بدن سے قطع نظر اس کا وزن خاصا تھا کیونکہ مجھے پورا زور لگا کر کھینچنا پڑا تھا۔ دوسری طرف بانو نے اس سے ہاتھ چھڑا لیا۔ اوشا نے پھر کوشش کی لیکن وہ بانو کا ہاتھ نہیں پکڑ سکی تھی۔ اسے پیچھے کھینچ کر میں نے اٹھتے ہوئے اس کی کمر گھٹنے سے دبائی۔ وہ تڑپی۔ ''چھوڑ رے..... مارے گا کیا؟''

''یہ کیا کر رہی تھیں؟'' میں نے برہمی سے کہا اور بانو کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن بادلِ ناخواستہ چلی گئی۔ اوشا جواب تک تڑپ اور اینٹھ رہی تھی اس کے جاتے ہی ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اٹھ گئی اور ہانپتے ہوئے بولی۔

''میں اسے مار ڈالوں گی۔''

''تمہارا دماغ درست ہے۔ ہم آپس میں مقابلہ کر رہے تھے۔''

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''وہ تجھے مار نہیں رہی تھی؟''

''نہیں یہ مشق تھی۔'' میں نے اس بار نرمی سے کہا۔ ''تُو نے بلاوجہ دخل دیا۔ جا کر اس سے معافی مانگ، اگر میں بروقت تجھے نہ روکتا تو تُو نے اسے مار ہی دیا تھا۔''

''معافی تو میں مانگ لوں گی رے، پر یہ کیسا مقابلہ تھا وہ تو لگا تجھے جان سے مار رہی تھی۔''

''مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ دیکھو ہم دونوں نے دستانے اور ہیلمٹ پہن رکھے ہیں۔''

اس بار اوشا شرمندہ ہو گئی۔ ''تب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی رے، اب میں کیا کروں؟''

''اس سے معافی مانگ لو۔ بات ختم ہو جائے گی۔''

میں اسے بانو کے کمرے میں لایا میں اسے اکیلے بھیجنے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا ممکن تھا بانو غصے میں اسے کچھ کہہ دیتی اور وہ پھر بپھر جاتی۔ بے شک بانو جسمانی لحاظ سے اس سے کہیں مضبوط ہو گئی تھی اور لڑائی میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اوشا جیسی چار بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں لیکن اوشا کا واحد ہتھیار یعنی اس کا زہر سب پر بھاری ہوتا۔ اس کے دانتوں کی ایک کاٹ بانو کو مارنے کے لیے کافی تھی۔ بانو سچ مچ برہم تھی اور اس نے بڑی مشکل سے اوشا کی معافی قبول کی۔ بہرحال یہ معاملہ نمٹ گیا اور میں اوشا کو لے کر اپنے والے روش روم میں آیا شاور چلا کر میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اوشا تجھے میرا ایک کام کرنا ہو گا پر کام بہت مشکل اور احتیاط والا ہے۔''

''تُو اوشا کی جان مانگ لے رے۔''

''جان لینا اور دینا دونوں بہت آسان کام ہیں لیکن زندہ رہتے ہوئے دشمن کے عزائم ناکام بنانا اصل کام ہے۔ تجھے میری ایک چٹھی بڑے کنور تک اس طرح پہنچانی ہے کہ کسی کو بھی پتا نہ چلے۔ نہ تیرے جانے کا اور نہ تیرے چٹھی پہنچانے کا۔ بول یہ کام کرے گی۔''

وہ فکرمند ہو گئی۔ ''ادھر بڑے کنور کے حصے پر پابندی ہے ہر کوئی نہیں جا سکتا۔ میں بھی نہیں جا سکتی پر تیرے لیے کوشش کروں گی۔''

اس نے میرے خدشات کی تصدیق کر دی تھی۔ بڑا کنور اپنے ہی محل میں قید کر دیا گیا تھا۔ ''اوشا کامیابی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے زیادہ اہم رازداری ہے اگر تُو محسوس کرے کہ پکڑی جائے گی تو جو کاغذ تجھے دوں وہ کھالینا۔ کسی اور کے ہاتھ نہ آئے میری بات سمجھ رہی ہے نا؟''

''ہم سب سمجھتے ہیں۔'' اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پاس ہونے کی کوشش کی۔ ''تُو جانتا ہی نہیں ہے اوشا کے لیے تُو کیا ہے رے۔''

''میں جانتا ہوں اور تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن ابھی میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔''

وہ بجھ گئی اور ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''بھگوان نے کیا انیائے کیا ہے ہمارے ساتھ۔''

میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے ساتھ بالکل ٹھیک ہوا تھا ورنہ وہ میرے لیے مسلسل خطرے کی گھنٹی بنی رہتی۔ میں اسے کمرے میں لایا اور صوفے کی گدی میں دبا کاغذ نکال کر اسے دیا جو تعویذ کی طرح لپٹا ہوا تھا۔ اس نے کاغذ لے کر اسے اپنی نہ ہونے کے برابر بلاؤز کے گریبان میں غائب کر دیا۔ پھر مسکرا کر مجھے دیکھا تو میں جھینپ گیا کیونکہ میں خاصے غور سے یہ سارا عمل دیکھ رہا تھا۔ اس نے شوخی سے کہا۔ ''ایسے کیا دیکھتا ہے تجھ سے تو کچھ چھپا نہیں ہے رے۔''

میں نے موضوع بدلنا مناسب سمجھا۔ ''میری چیزیں لائی ہو؟''

اس نے گری ہوئی باسکٹ اٹھائی۔ اس میں سے بانو کے لیے لائی ہوئی اشیا نکالیں تو میں نے اسے ٹوکا۔

''ایسے نہیں سب پہلے کی طرح رکھو اور پہلے بانو کو دے آؤ۔ پھر میری چیزیں مجھے دینا۔''

اس نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''شہباز تُو اس کا کچھ زیادہ ہی خیال نہیں رکھتا ہے۔''

''ہاں کیونکہ یہاں وہ میری ذمے داری ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم اسے کسی اور معنوں میں مت لیا کرو۔ وہ خود بھی ایسی لڑکی نہیں ہے۔ اس کا اور میرا تعلق مرد عورت والا نہیں ہے۔''

''اچھا۔'' اس نے بے دلی سے کہا اور باسکٹ اٹھا کر بانو کے کمرے میں چلی گئی۔ اگر اس وقت کوئی مائیک پر کان لگائے بیٹھا ہوگا تو اسے یہاں ہونے والے ہنگامے کی سن گن مل گئی ہوگی۔ بہرحال اس سے اتنا فرق نہیں پڑتا کیونکہ راج اینڈ کمپنی اتنا تو جانتی تھی کہ بانو بھی ورزش کرتی ہے اور مجھ سے لڑائی کی تربیت بھی حاصل کر رہی تھی لیکن وہ اس کے مقاصد سے لاعلم تھے اور میں انہیں زیادہ سے زیادہ لاعلم رکھنا چاہتا تھا۔ اوشا چند منٹ بعد آئی اور میرا سامان نکال کر میز پر رکھا اور پھر لہراتی بل کھاتی چلی گئی۔ بعض خواتین مردوں کے معاملے میں ہار کی قائل ہی نہیں ہوتی ہیں۔ اس معاملے میں ان کا کوا ہمیشہ سفید ہوتا ہے اوشا بھی ان میں سے ایک تھی۔ میرا رویہ اس پر بالکل واضح تھا لیکن وہ ہمیشہ نئے سرے سے حملہ کرتی تھی اور ناکامی سے بددل نہیں ہوتی تھی۔ اس کا یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی میں اس کے سامنے مجبور ہو جاؤں گا۔

اس کے جاتے ہی بانو آ گئی۔ اس نے کپڑے بدل لیے تھے۔ روایتی مشرقی ملبوس کے بجائے اس نے مستقل فراوزر اور شرٹ یا کرتہ پہننا شروع کر دیا تھا۔ یہ تمام کپڑے ڈھیلے اور اسٹریچ ایبل تھے۔ ان کے ساتھ وہ دوپٹہ لے لیتی تھی۔ توقع کے عین مطابق اس کا مزاج برہم تھا۔ ''شہباز صاحب میں اسے مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ نہ جانے کیا سمجھتی ہے اور بلاوجہ میرے پیچھے پڑی ہے۔''

''وہ نادان ہے اور تم سمجھدار ہو اس لیے اس کی سطح پر مت آؤ۔ وہ جو سمجھتی ہے اسے سمجھنے دو اس سے تمہیں یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

وہ کچھ ٹھنڈی ہوئی۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اگر وہ کامیاب ہو جاتی مجھے کاٹ لیتی تو اب تک میں مر چکی ہوتی۔" اس نے کہتے ہوئے جھرجھری لی۔

"وہ جذباتی ہو گئی تھی لیکن میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ اب وہ محتاط رہے گی۔" میں نے کہا اور اشارے سے اسے منع کیا کہ اب اس موضوع پر مزید بات نہ کرے۔ اس نے سر ہلایا اور بولی۔

"ٹھیک ہے ویسے وہ بری لڑکی نہیں ہے۔"

"ٹھیک کہا اصل میں وہ ماحول برا ہے جس میں وہ رہ رہی ہے۔ بہرحال وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔"

بانو نے سر ہلایا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "آئندہ اسے اندر سے بند رکھے گا۔"

"تم فکر مت کرو میں خیال رکھوں گا۔"

اوشا کی بات سے تصدیق ہو گئی تھی کہ بڑے کنور کے خلاف سازش کا جال مضبوط ہو رہا تھا اسے مجھ سے بے خبر کر دیا تھا اور اس بے خبری میں اس کا معتمد خاص منشی جی بھی شامل تھا۔ اگر سازش کا آغاز تھا تو اس کی تکمیل میں زیادہ دیر باقی نہیں رہی تھی کیونکہ بڑا کنور جس درجے کا آدمی تھا وہ زیادہ دیر بے خبر نہیں رہ سکتا تھا اور ایک بار وہ خبردار ہو جاتا تو اسے شکار کرنا یا اپنے راستے سے ہٹانا آسان نہ رہتا۔ یہ اصل میں ہاتھی کا شکار تھا۔ ہاتھی ایک بار خبردار ہو جائے تو الٹا شکاری کو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ راج کنور اینڈ پارٹی اپنے منصوبے کو آخری مرحلے میں لے آئی تھی۔ اگر بڑا کنور مارا جاتا یا بے بس کر دیا جاتا تو اس کے فوری بعد میرا نمبر آتا۔ جیسے جیسے میں غور کر رہا تھا میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ راج کنور کی اصل کامیابی بڑے کنور کو راستے سے ہٹانا تھا لیکن وہ اس کامیابی کا جشن مجھے قتل اور بانو کو بے آبرو کر کے مناتا۔

اس سے پہلے وہ اپنی سازش میں کامیاب ہوتا میرا بڑے کنور سے رابطہ لازمی تھا۔ میری ہر کوشش ناکام ہو گئی تھی اب آخری امید اوشا سے باقی رہ گئی تھی۔ اگر وہ اس تک پہنچ جاتی تب کچھ ہو سکتا تھا۔ مگر میں نے مزید غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ بڑا کنور اس وقت نہایت نازک پوزیشن میں تھا۔ وہ بیمار تھا اور اس کے آس پاس تمام ہی لوگ راج کنور کے وفادار یا زر خرید تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس کے ایک اشارے پر بڑے کنور کے تمام مددگاروں کو مکمل طور پر موت کی وادی میں دھکیل سکتے تھے۔ میں نے بانو کو اشارہ کیا کہ وہ رف پیڈ اور پنسل لائے۔ وہ جلدی سے لے آئی اور میں لکھ کر اسے اپنے خدشات سے آگاہ کیا۔ وہ بھی پریشان ہو گئی۔ "کب ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"بانو تیار رہو کسی وقت بھی مشکل آ سکتی ہے۔ ذہنی اور جسمانی طور پر نمٹنے کے لیے تیار رہو۔"

"لیکن ہم خالی ہاتھ کیا کر سکتے ہیں۔"

بانو کے پاس اس کی ہوڑے والی سلاخ تھی۔ وہ اسے مہلک ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتی تھی لیکن اس کے لیے دشمن کا غافل اور نزدیک ہونا لازمی تھا۔ ہمیں اس سے بہتر ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ مجھے کمرے میں موجود ورزش کی مشینوں کا خیال آیا۔ ان میں راڈز، تاریں اور رسیاں تھیں۔ میں نے ایک مشین سے دو عدد راڈز نکالیں۔ یہ دو فٹ لمبی اور تقریباً تین کلوگرام وزنی ٹھوس اسٹیل پائپ سے بنی تھیں۔ نزدیک سے حملے یا دفاع کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے یہ بہترین ہتھیار ثابت ہوتا لیکن آتشیں ہتھیاروں کے سامنے بے کار تھا۔ ان میں کہیں سوراخ نہیں تھا جس سے رسی باندھ کر انہیں دور مار ہتھیار بنایا جا سکتا بہر حال کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا۔ میں نے راڈز مشین میں یوں لگا دیئے کہ ضرورت پڑنے پر انہیں فوری نکالا جا سکتا۔ یہ پائپ ویسے بھی کلپس سے لگے ہوئے تھے۔

وزن کھینچنے والی مشین میں بہت مضبوط نائلون کی رسیاں تھیں مگر اتنی مضبوط گرہ کے ساتھ بندھی تھیں کہ انہیں صرف کاٹ کر نکالا جا سکتا تھا اور ہمارے پاس کاٹنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس موقع پر بانو کے پاس موجود لائٹر کام آیا اور اس سے جلا کر رسی مشین سے الگ کر لی تھی۔ رسی مشین کے پیچھے تھی۔ اس لیے جب تک کوئی مشین استعمال کرنے کی کوشش نہ کرتا اسے پتا نہیں چلتا کہ رسی ہے ہی نہیں۔ گلا گھوٹنے کے لیے رسی ہاتھوں سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ رسی کے دو ٹکڑے کر کے ان کے سروں پر موٹی گرہ لگا کر میں نے بانو کو طریقہ سمجھایا کہ کس طرح شکار کے گلے میں رسی ڈال کر اسے کھینچنا ہوگا جس سے وہ بے بس ہو جائے اور زیادہ مزاحمت نہ کر سکے۔ رات سونے سے پہلے ہم نے راڈز سے حملے کی مشق کی۔ اصل میں مشق بانو نے کی۔ میں نے اسے متواتر وار کرنا سکھایا۔ جس میں فریق کو سنبھلنے کا موقع نہ ملے۔ بانو نے پوچھا۔

''اگر فرض کریں یہ ہمیں الگ کر دیں۔ مجھے آپ کی مدد حاصل نہ ہو تو اس میں صورت میں کیا کروں۔''

''جس وقت یہ تمہیں قابو کر کے الگ کر رہے ہوں اس وقت مزاحمت مت کرنا کیونکہ وہ پوری طرح ہوشیار اور تعداد میں زیادہ پھر مسلح بھی ہوں گے۔ جب کوئی اکیلے تمہارے پاس آئے تب تم اس پر قابو پا سکو گی۔ تمہیں پستول یا اس جیسا کوئی ہتھیار حاصل کرنا ہوگا۔''

''مجھے چلانا نہیں آتا ہے۔''

''بہت آسان ہے اور اسے درست طریقے سے پکڑنا تو آتا ہوگا۔ اس کے بعد کام آسان ہو جائے گا۔ تم اگر راج کنور کو یرغمال بنا لو تو ان سے اپنی بات منوا سکتی ہو لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ موقع ملنے پر تم اسے قتل کرنے کے بجائے ناکارہ کر دو۔ کامیابی کی صورت میں تم مجھے بلواؤ گی اور اس کے بعد ہم مل کر طے کریں گے کہ اب کیا کرنا ہے۔''

اس کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہاں سے نکلنے کا ایک یہی طریقہ ہے۔ اچھا ہوا میں نے آپ سے بات کر لی اب واضح ہے کہ ہنگامی صورت حال میں مجھے کیا کرنا ہے۔''

''ممکن ہے راج کنور ہاتھ نہ آئے تو اس صورت میں تم کسی اور کو قابو کر سکتی ہو لیکن رامن سے الجھنے سے گریز کرنا مجھے وہ بہت خطرناک اور ماہر آدمی لگتا ہے۔ الٹا تم پر قابو پا لے گا اور پلان ناکام ہو جائے گا۔ تمہارا بہترین ہتھیار عورت اور بہ ظاہر کمزور ہونا ہے۔ اس لیے تم اسے استعمال کرنا اور انہیں کمزور ہونے کا تاثر دینا جب دھوکے میں آ جائیں تب وار کرنا۔ ایک بار پھر کہہ دوں کچا وار کرنے کے بجائے صبر سے کام لینا بے شک تمہیں تھوڑا بہت برداشت بھی کرنا پڑے تو کر لینا میری بات سمجھ رہی ہو نا؟''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا وہ سمجھ گئی کہ میں اس کی نسوانیت کے حوالے سے بات کر رہا ہوں کہ اس حوالے سے ان لوگوں کی حرکتیں بھی برداشت کرے۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سوتے وقت اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھنا۔'' میں نے کہا۔ ''ہوڑے کی سلاخ اور چھوٹی سی رسی تم اپنے لباس میں چھپا سکتی ہو۔''

یہ ساری گفتگو حسبِ معمول لکھ کر کی جا رہی تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ پہلے کی طرح ہمیں کھانے میں نیند کی دوا دی جائے گی۔ اس لیے ہم یہ کرتے تھے کہ پہلے بانو کھانا کھاتی اور اس کے نصف گھنٹے بعد میں کھاتا جب مجھے اطمینان ہو جاتا کہ کھانے میں کوئی خواب آور شے شامل نہیں ہے۔ خاص طور سے رات کے کھانے میں احتیاط کرتے تھے۔ میں نے بانو سے کہہ رکھا تھا کہ اگر وہ محسوس کرے کہ کھانے کے بعد اسے خلافِ معمول غنودگی محسوس ہو رہی ہے تو قے کر کے پیٹ خالی کر لے۔ یہ ساری احتیاطیں اس لیے کی جا رہی تھیں کہ ہم بے خبری میں ان لوگوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ بلکہ یہ ہمارے لیے ایک چانس بھی تھا اگر ہمیں کھانے میں خواب آور دوا دی جاتی اور ہم اسے ناکام بنا دیتے تو راج کنور اینڈ پارٹی پر قابو پا سکتے تھے۔ راج کنور اصل آدمی تھا وہ ہمارے ہاتھ آ جاتا تو ہم اس کے آدمیوں سے کچھ بھی منوا سکتے تھے۔

منشی جی دوبارہ نہیں آئے اور نہ ہی خون لینے پر اصرار کیا اس کا مطلب تھا کہ اب انہیں میرے خون کی ضرورت نہیں تھی۔ خون کی ضرورت بڑے کنور کو تھی اور اس کے خلاف سازش کی جا رہی تھی جو یقیناً اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔ فی الحال سازشیوں کی ساری توجہ اس طرف تھی اس لیے ہم محفوظ تھے لیکن جیسے ہی وہ بڑے کنور پر غلبہ حاصل کرتے یقیناً اس کے بعد ہماری باری آتی۔ یہ آر یا پار والا معاملہ ہوتا۔ اس میں یا تو دشمن کامیاب ہو جاتا یا پھر ہم اس کے چنگل سے آزاد ہو جاتے۔ میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ہم نے راج کنور پر قابو پا لیا اور اس کی مدد سے یہاں سے نکلنے میں کامیاب رہے تو محفوظ جگہ پہنچتے ہی میں اس سانپ کا سر کچل دوں گا۔ وہ ایسا دشمن تھا جو کبھی دشمنی ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوتا اور اسے چھوڑ دیتا تب بھی وہ میرا پیچھا نہ چھوڑتا۔ اسی طرح مجھے موقع ملتا تو نائیک اور رامن دونوں کو نرکھ کا ٹکٹ تھما تا۔ مگر یہ سب موقع ملنے پر تھا۔

اگلے دن اوشا غیر متوقع آئی۔ بہ ظاہر وہ نئے لے کر آئی تھی۔ شاید راج کنور کی طرف سے اس پر پابندی عائد نہیں کی گئی تھی وہ اسی کا فائدہ اٹھا رہی تھی لیکن اس نے آتے ہی اشارہ کیا کہ اس کے پاس وقت کم ہے اور میں اس سے واش روم میں بات کروں۔ ہم واش روم میں آئے تو اس نے جان بوجھ کر میرے گلے سے لگ کر کان میں سرگوشی کی۔ ''شہباز یہاں گڑبڑ ہے۔ محل میں نوکر کہہ رہے ہیں کہ بڑے کنور کو اس کے کمرے میں قید کر دیا ہے اور وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے دروازے پر راج کنور کے گورکھے نوکر ہیں۔ میں نے ایک بار جانا چاہا پر انہوں نے روک دیا میں نے صفائی کا بہانہ کیا تھا۔''

''اوشا راج کنور سازش کر رہا ہے اور وہ کامیاب رہا تو جانتی ہو کیا ہوگا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ مجھے مار دے گا اور اسے اپنی رکھیل بنا لے گا۔'' اس کا اشارہ بانو کی طرف تھا۔ میں نے سوچ کر کہا۔

''سن اب تو بڑے کنور کی طرف نہیں جائے گی۔ وہ کاغذ کہاں ہے؟''

وہ ذرا پیچھے ہٹی اور اپنے بلاؤز سے کاغذ نکالا وہ اس کے بدن کی گرمی اور نمی سے لپسا ہوا تھا۔ میں نے اسے جیب میں ڈال لیا۔ ''اوشا اب تو ایک کام اور کرے گی۔ کیا تو باورچی خانے میں جا سکتی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں جا سکتی ہوں۔''

''وہاں ایک پٹھان دل نواز خان ہے وہی ہمارے لیے کھانا تیار کرتا ہے۔''

''جانتی ہوں رے آگے بول۔''

''تمہیں اس پر نظر رکھنی ہوگی۔ ہمیں پہلے بھی کھانے میں کوئی دوا دی گئی تھی جس سے ہم بے ہوش ہو گئے تھے۔ اب بھی شاید ایسا ہو۔''

''اگر ہمیں پتا چل جائے تو ہم کیا کریں؟''

''تم کسی بھی طرح مجھے خبردار کرو گی۔'' میں نے کہا۔ ''اوشا مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے اگر میں یہاں سے نکلنے میں کامیاب رہا تو تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں گا۔''

وہ خوش ہوگئی۔ ''سچ؟''

''ہاں کیونکہ تمہیں یہاں چھوڑا تو یہ سفاک لوگ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ تم میرا ساتھ دو گی تو میں تمہیں مرنے کے لیے چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں۔''

وہ مزید خوش ہو کر مجھ سے مزید چپک گئی تھی۔ ''اگر میں جان دے کر تجھے بچا سکتی ہوں تو ضرور بچاؤں گی۔''

''اب تم جاؤ اگر زیادہ دیر یہاں رہیں تو ان لوگوں کو شک ہو سکتا ہے اور وہ تم پر پابندی لگا سکتے ہیں یا تم کو ہی کہیں نہ کر دیں گے اور تم کچھ نہیں کر سکو گی۔''

''یہ تو ہے رے۔'' اس نے بے دلی سے کہا اور بادل ناخواستہ مجھ سے الگ ہوئی۔ مجھے خیال آیا اور میں نے پوچھا۔

''باہر پہرے پر کون ہے؟''

''رامن ہے۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''اس کے ساتھ ایک گورکھا ہوتا ہے۔''

''رامن دن رات تو نگرانی نہیں کر سکتا ہے رات کے وقت کون ہوتا ہے۔''

''پتا نہیں رات کو ہم ادھر آئے نہیں۔''

''آج رات آنے کی کوشش کرنا اور پھر دیکھنا کہ یہاں کون ہوتا ہے؟''

بانو اپنے کمرے میں تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے اسے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

''ایسا لگ رہا ہے وہ وقت قریب ہے جب راج کنور ہمارے خلاف حرکت میں آئے گا۔ بڑا کنور تقریباً قید تنہائی میں ہے۔''

''اگر یہ اس پر قابو پا چکے ہیں تو ہمارے خلاف اتنے سکون سے کیوں بیٹھے ہیں؟''

''میرا خیال ہے کچھ معاملات ہیں جو ابھی راج کنور دیکھ رہا ہوگا۔ جاگیر اور دوسرے کئی معاملات ہو سکتے ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ بڑے کنور سے ملکیت منتقل کرانے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ بڑے کنور کو راستے سے ہٹانے سے پہلے یہ ضروری ہوگا۔ بہرحال راج کنور ہمیں بھولا نہیں ہوگا وہ بے تابی سے ہمارے خلاف کچھ کرنا چاہ رہا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب ہمیں بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔'' اس نے کہا۔ میں نے تائید کی اور بڑے کنور کے لیے لکھا ہوا کاغذ بھی اس کے حوالے کر دیا کہ وہ دوسرے کاغذات کے ساتھ اسے بھی جلا دے۔ میرے اندر ایک مسلسل بے چین کرنے والی کیفیت موجود تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ جلد کچھ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ رات کا کھانا خلاف توقع دل نواز خان کے بجائے ایک اور ملازم لایا۔ وہ شکل وصورت سے بیتو کا ہم قبیلہ لگ رہا تھا۔ اس نے طریقے سلیقے سے کھانا میز پر لگایا اور چلا گیا۔ حسب معمول پہلے بانو نے کھایا۔ میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے بیس منٹ میں کھانا ختم کر لیا تھا اور سر کے اشارے سے اوکے کہا لیکن میں نے کچھ دیر اور انتظار کرنے کا سوچا۔ بعض خواب آور دوائیں دیر سے اثر کرتی ہیں۔ بانو اٹھی تھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھی کہ رک گئی اس نے سر تھام لیا اور پریشان نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں تیزی سے اسے کے پاس آیا۔

''کیا ہوا؟''

''سر چکرا رہا ہے اور دل گھٹ رہا ہے۔''

میں اسے بازو سے تھام کر واش روم میں لایا اور شاور چلا دیا۔ ''الٹی کر دو، جلدی.....''

اس نے کموڈ پر جھکتے ہوئے کوشش کی۔ پھر بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''نہیں ہو رہی ہے۔''

''پلیز کوشش کرو ورنہ دوا تمہیں بے ہوش کر دے گی۔''

اس نے حلق میں انگلیاں ڈالیں اور پھر کوشش کی اس بار اسے ابکائی آ گئی۔ کوشش کر کے اس نے کھایا پیا نکال دیا تھا۔ اگرچہ وہ ساری خوراک نکال نہیں سکی تھی لیکن کھانے کا بڑا حصہ باہر آ گیا اور اس کی طبیعت کسی قدر سنبھل گئی تھی۔ پھر اس نے منہ دھویا۔ وقت کم تھا ہم باہر آئے۔ میں نے دل پر جبر کر کے کھانے کا اتنا حصہ ضائع کیا جتنا میں کھاتا تھا تاکہ آنے والوں کو شک نہ ہو۔ ہمارے برتنوں میں کچھ کچھ کھانا موجود تھا۔ پھر میں اور بانو اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے اشارے سے کہا کہ وہ یوں ظاہر کرے جیسے نیند آ رہی ہے۔ اس نے بلند آواز سے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ ''آج اتنی جلدی نیند آنے لگی ہے۔''

''ہاں مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' میں نے بوجھل لہجے میں کہا۔ ''کہیں ان لوگوں نے پھر کھانے میں کچھ ملا تو نہیں دیا ہے۔''

''ہاں شاید.....'' بانو بولی۔ میں نے اشارے سے اسے ساکت ہو جانے کو کہا۔ اس کی آنکھیں سچ مچ بوجھل ہو رہی تھیں اور مجھے خدشہ تھا کہ وہ سو ہی نہ جائے۔ وہ خود بھی یہ بات محسوس کر رہی تھی اس لیے جاگنے کی کوشش کرتے ہوئے بار بار اپنی انگلی دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔ خود کو تکلیف دے کر ذہن پر چھاتی غنودگی کو بھگا رہی تھی۔ کھانے سے پہلے مجھے بھوک لگ رہی تھی لیکن یہ جان کر بھوک اڑ گئی کہ کھانے میں خواب آور دوا موجود ہے۔ میں نے اٹھ کر دروازے سے کان لگا کر سن گن لی لیکن باہر مکمل سناٹا تھا۔ بانو نے میری طرف دیکھا اور اشارے سے کہا کہ وہ نیند بھگانے کے لیے ورزش کرنا چاہتی ہے۔ میں نے سر ہلا کر اجازت دی تو اس نے اٹھ کر اسکپنگ شروع کر دی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ جیسے ہی باہر کوئی آہٹ ہو وہ واپس اپنی نشست پر آ کر سوتی بن جائے۔ میں جسم ڈھیلا چھوڑ کر صوفے پر ذرا پھیل کر بیٹھ گیا۔ تقریباً نصف گھنٹہ گزر گیا۔ میرے حساب سے اب تک انہیں آ جانا چاہیے تھا۔ مگر کوئی نہیں آیا تھا۔ بانو نیند بھگانے کے لیے وقفے وقفے سے ورزش کر رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک دروازے پر کھٹکا ہوا۔ بانو صوفے سے دور تھی اور اس کے پاس موقع نہیں تھا۔ اس نے عقلمندی کا مظاہرہ کیا اور نیچے قالین پر گر گئی اور وہیں ساکت ہو گئی۔ میں نے بھی آنکھیں بند کر لیں اور نیند کے انداز میں گہرے لیکن سست سانس لینے لگا۔ آنے والے دو تھے اور میں نے رامن کی منحوس آواز سنی۔

''گئے دونوں؟''

''ہائے کیا سندر ناری ہے۔'' نائیک نے للچائے انداز میں کہا۔ ''کیسی بھری بھری ہو رہی ہے۔''

رامن کو اس کا تبصرہ ناگوار گزرا۔ ''زیادہ قوی بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے راج جی کے بیڈ روم میں پہنچانا ہے۔''

''جرور۔'' نائیک ہنسا۔ ''اس کے بعد تو ہمیں ہی ملے گی۔''

ان دونوں کی بکواس سن کر میرا خون کھولنے لگا تھا نہ جانے بانو کا کیا حال تھا لیکن غنیمت رہا کہ اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ نائیک میری طرف آیا۔ اس نے بکواس جاری رکھی تھی لیکن اس کا رخ بدل گیا تھا اب وہ مجھے گالیاں دیتے ہوئے بڑکیں مار رہا تھا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ رامن نے پھر ٹوکا۔ ''جب موقع تھا تب تو کچھ کر نہیں سکے۔''

نائیک کھسیا گیا۔ ''اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''ٹھیک نہیں تھی یا اس نے ٹھیک کر دی تھی۔'' رامن نے طنز کیا۔

''اب میں اسے بتاؤں گا۔'' نائیک نے مشتعل ہو کر میرے منہ پر تھپڑ مارا۔ میں ذہنی طور پر پہلے سے تیار تھا اس لیے بے ہوش آدمی کا سا ردِعمل دیا۔ میرا سر بے جان انداز میں گھوم گیا۔ ان دونوں کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ رامن اب نائیک سے برتر حیثیت رکھتا تھا کیونکہ نائیک اس سے دب کر بات کر رہا تھا اور وہ اسے ذلیل کیے جا رہا تھا اگر وہ اس کے مساوی ہوتا تو نائیک یقیناً اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ وہ بات برداشت کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ رامن نے پھر اسے ٹوکا۔

''زور بعد میں دکھانا ابھی تو اسے اس کے اصل ٹھکانے پر لے جاؤ۔''

''میں اسے راج جی کے کتوں کو کھلاؤں گا۔'' نائیک کتے کی طرح بھونکا اور اس نے مجھے کھینچ کر صوفے سے نیچے گرا دیا۔ ''اس وزنی لاش کو میں اکیلے کیسے لے جاؤں گا۔''

''تب کسی کو بلا لو۔'' رامن نے لاپروائی سے کہا اور بانو کو اٹھا کر شانے پر ڈال لیا۔ کروٹ کے بل گرنے سے مجھے یہ فائدہ ہوا تھا کہ میں آنکھوں میں جھری پیدا کر کے دیکھ سکتا تھا۔ رامن بانو کو لے کر چلا گیا اور نائیک میرے ساتھ وہاں رہ گیا تھا۔ رامن کے حکم کے باوجود اس کے دماغ سے کیڑا نکلا نہیں تھا اور جیسے ہی رامن بانو کو لے کر وہاں سے نکلا اس نے جلدی سے اندر سے دروازہ بند کیا اور تیزی سے میری طرف آیا۔ اس کے عزائم خطرناک لگ رہے تھے اس نے اپنے کرتے کی جیب سے ایک چھوٹا کھل جانے والا چاقو نکالا اور میرے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ابھی تجھے مجا آئے گا.....'' جملے کے آخر میں اس نے ایک گندی گالی دی اور میرے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پکڑی تھی کہ میں نے بائیں ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی اور اس سے پہلے کہ ہوشیار ہوتا میں نے سرا ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بھرپور ٹکر اس کی ناک پر رسید کیا۔ وہ یقیناً حلق پھاڑ کر چلانا چاہتا تھا لیکن گردن میری گرفت میں تھی اس کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔ دوسری ٹکر پر وہ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ دروازہ وہ پہلے ہی اندر سے بند کر چکا تھا اس لیے اس کی فکر نہیں تھی کہ کوئی اندر آجائے گا۔ میں نے چھوٹی رسی نکالتے ہوئے اس کے گلے میں ڈالی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی تلاشی لیتا رہا لیکن اس بد بخت کے پاس سوائے اس چاقو کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے رسی اس طرح کھینچی ہوئی تھی کہ وہ سانس لیتا رہے لیکن اگر آواز نکالنے کی کوشش کرے تو وہ اس کمرے سے باہر نہ جائے۔ اس لحاظ سے میں بے فکر تھا کہ جب تک نائیک خود کسی کو نہ بلاتا کوئی یہاں نہیں آتا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ ان دونوں کے ساتھ ہی آتا۔ اس کی تلاشی لے کر میں نے اسے جھٹکا دے کر قالین پر چت لٹایا اور اسی کا چاقو اس کی گردن سے لگایا تو اس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ وہ سمجھا میں اس کا گلا کاٹنے والا ہوں۔ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''شہباز جی مجھے نہ مارو۔''

''کیوں؟'' میں نے خونخوار سرگوشی کے ساتھ پوچھا۔ ''تم اس قابل ہو کہ تمہیں معاف کیا جائے؟''

اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ ''میں نوکر ہوں جو مالک کہتے ہیں کرتا ہوں۔''

''اگر تم مالک کے کہنے پر عمل نہ کرو تو.....؟''

''تو وہ مالک ہیں مار ڈالیں گے۔''

''اب تمہارا آقا میں ہوں۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو زندہ نہیں رہو گے۔'' میں نے اسے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔

وہ کھڑے ہوتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں بولا۔ ''مانوں گا جو تم کہو گے مانوں گا۔''

''باہر کون کون ہے؟''

''صرف ایک گورکھا ہے۔''

''اسے اندر بلاؤ۔'' میں نے اس کی گردن پر چاقو رکھتے ہوئے کہا۔ پھر مشین سے لوہے کا پائپ نکالا اور دروازے کے پاس نائیک کے ساتھ یوں کھڑا ہو گیا کہ آنے والا گورکھا مجھے فوراً نہ دیکھ سکے۔ صرف بے ہوش ہونے سے پہلے دیکھ سکے۔ نائیک نے آدھا دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کو کہا۔ عقب سے چاقو کی نوک نائیک کی گردن سے لگی تھی اور میں پوری طرح تیار تھا اگر وہ کوئی اشارہ کرتا یا آواز نکالتا تو میں بلا تکلف اس کی گردن کاٹ دیتا اور اس کے بعد جو ہوتا دیکھا جاتا۔ مگر نائیک کو اپنی جان پیاری تھی۔ اس نے کوئی اشارہ یا حرکت نہیں کی اور گورکھا اس کے حکم پر اندر آیا۔ میں نے دروازہ بند کیا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اس کا ہاتھ اپنے شانے پر موجود رائفل کی طرف گیا لیکن اس سے پہلے لوہے کا وزنی پائپ اس کے سر پر لگا وہ چکرا کر نیچے گرا تھا۔ اس موقع پر نائیک نے چالاکی کی وہ گورکھے کے زیادہ نزدیک تھا اس نے گورکھے کی گن اتارنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کا کرتہ پکڑ کر اسے پیچھے کھینچا اور قالین پر پھینک دیا۔ گورکھے کے سر پر ایک اور ضرب لگا کر اس کی بے ہوشی کو پکا کیا اور پھر اس کے شانے سے لٹکی خودکار رائفل اتار لی۔ یہ شاید بھارتی ساختہ جی ٹو رائفل کا کوئی ورژن تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی یہ گن نہیں دیکھی تھی لیکن اس کے فنکشن تقریباً دوسری سروجہ خودکار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رائفلوں جیسے تھے۔ میرے ہاتھ میں رائفل آتے ہی نائیک پھر شریف بن گیا تھا۔ گورکھے کے پاس اس کا ایک اضافی میگزین بھی تھا۔ اس کی نبض دیکھی۔ نبض سست تھی اور دو تین گھنٹے سے پہلے اس کے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

میں نے نائیک کی طرف دیکھا جو خوف زدہ لگ رہا تھا اس نے رعایت حاصل کرنے کا موقع گنوا دیا تھا۔

''اب بتاؤ یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''تم بے ہوش نہیں ہوئے؟''

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ بانو کو کہاں لے گئے ہیں۔''

''راج جی کے بیڈروم میں۔''

''راج کا بیڈروم کہاں ہے؟'' میں نے اپنے اندر ابھرتے اشتعال کو دباتے ہوئے بولا۔

''اسی محل میں ہے۔''

میری ٹکروں نے نائیک کی ناک کو افسوسناک بنا دیا تھا لیکن وہ کتے کی دُم اتنی آسانی سے سمجھنے والا شخص نہیں تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر اچانک اس کے سر پر گھونسہ مارا۔ وہ کراہ کر زمین پر دراز ہوا تو میں نے اسے اوندھے منہ لٹا کر رسی سے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور منہ میں ایک چھوٹا تولیہ ٹھونس دیا۔ پھر میں نے چاقو کی نوک اس کی کلائی پر آزمائی تو وہ تڑپ گیا لیکن میں نے پروا کیے بغیر پہلے ایک ہاتھ اور پھر دوسرے ہاتھ پر چار پانچ انچ لمبے اور کوئی نصف انچ گہرے کٹ لگائے۔ میرا گھٹنا اس کی پشت سے لگا ہوا تھا اس لیے وہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ بس تڑپ رہا تھا۔ میں نے جھک کر کہا۔ ''نائیک..... تم میرے کچھ سوالوں کا جواب دو گے۔ ہر غلط بیانی اور جواب سے انکار پر ایسے ہی ایک زخم کا اضافہ ہوتا رہے گا۔''

اس نے سر زمین پر ٹیک کر اقرار کیا۔ میں نے اسے آواز کے معاملے میں خبردار کرتے ہوئے کپڑا اس کے منہ سے نکال دیا۔ اس نے ناک سے رونے جیسی آواز نکالتے ہوئے کہا۔ ''بھگوان کے لیے اب کچھ مت کرنا میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔''

''راج کا بیڈروم کہاں ہے؟''

''یہاں سے کچھ دور ہے۔'' وہ بولا۔ ''میں تمہیں لے چلتا ہوں۔''

''کتنی دور ہے اور کہاں کہاں سے گزرنا پڑے گا تفصیل سے بتاؤ۔ راستے میں دوسرے گارڈز اور کیمرے بھی ہوں گے۔''

''میں تمہیں ایسے راستے سے لے جاؤں گا جہاں کیمرے اور گارڈز نہیں ہوں گے۔'' وہ سسکتے ہوئے بولا۔ وہ چھوٹے دل کا آدمی تھا لیکن اس وقت تو بچوں سے بھی گیا گزرا ہو رہا تھا۔

''نائیک تم مجھے جانتے ہو اور میری پوزیشن بھی سمجھ رہے ہو۔ میرے لیے یہ آر یا پار والا معاملہ ہے یا تو میں بچ نکلوں گا یا یہیں مارا جاؤں گا لیکن ایک بات یقینی ہے یہاں مارے جانے کی صورت میں مرنے والا میں اکیلا نہیں ہوں گا اس میں اور بھی لوگ شامل ہوں گے۔ ان میں سے ایک فرد کے بارے میں، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے لہجے کو خوفناک بناتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کک..... کس کے بارے میں؟'' وہ ہکلایا۔

میں نے اسے گردن سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ ''تمہارے بارے میں..... تم مرنے والوں میں شامل ہو گے۔ اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہو تو کوشش کرو کہ مرنے مارنے کی نوبت نہ آئے۔ میرا پلان بہت سادہ اور پُر امن ہے میں راج کنور کو یرغمال بنا کر اپنی ساتھی سمیت بحفاظت یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں جب کسی محفوظ جگہ پہنچ جاؤں گا تو راج کنور کو بھی چھوڑ دوں گا تم نے تعاون کیا تو ظاہر ہے تم زندہ رہو گے۔''

میں اسے امید دلا رہا تھا ورنہ اسے اپنی زندگی کے بارے میں زیادہ خدشات لاحق ہوتے تو وہ جان بچانے کی کوشش ضرور کرتا۔ اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''تم مجھے چھوڑ دو گے؟''

''کیوں نہیں کیا مجھے تمہارا اچار ڈالنا ہے اور دوسرے میں تم لوگوں کی طرح نفسیاتی مریض نہیں ہوں جو بلا وجہ دوسروں سے بیر پال لوں۔ ٹھیک ہے تم لوگوں نے میرے خلاف سازش کی اور مجھے مارنے کی کوشش کی لیکن اگر تم اور راج کنور مجھ سے تعاون کریں تو میں دشمنی بھول جاؤں گا۔ اس صورت میں تمہیں مار کر میں بھارتی پولیس کو اپنے پیچھے لگانا پسند نہیں کروں گا۔''

اس نے رونا اور کراہنا بند کر دیا تھا۔ اس نے میری بات پر غور کیا اور سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں تمہیں لے جاؤں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا اگر یہاں گولی چلی، مجھے یا راج جی کو نقصان ہوا تو پھر تم لوگوں کا نکلنا ناممکن ہو گا۔''

''فکر نہ کرو مجھے اپنی زندگی پیاری ہے لیکن میں کوئی چکر بازی برداشت نہیں کروں گا۔ اس لیے شرافت سے چلنا۔''

''اس حصے میں کیمرے اور گارڈز نہیں ہیں پر راج جی کی کھاس کھاوا مائیں ہیں۔''

میں سمجھ گیا وہ راج کنور کی حرم سرا کی بات کر رہا تھا وہیں کیمروں اور مرد گارڈز کی موجودگی ممکن نہیں تھی لیکن وہاں تک جانے کے لیے بھی تو ہمیں محل کے دوسرے حصوں سے گزرنا پڑتا۔ یہ بات میں نے نائیک سے کہی۔ ''تم فکر مت کرو ہمیں کوئی نہیں ملے گا۔''

نائیک کی کلائیاں اور آستین لہولہان تھیں۔ پہلے اس نے واش روم میں سرد پانی سے اپنے زخم دھوئے اس سے خون رک گیا تھا۔ آستینیں خود دھل گئی تھیں۔ تکلیف سے اس کی کراہیں نکل رہی تھیں۔ میں نے لوہے کے دونوں پائپ ساتھ لے لیے تھے۔ انہیں عقب میں ٹراؤزر میں اڑس لیا۔ پہلے نائیک باہر نکلا اور میں اس کے بالکل پیچھے تھا۔ رائفل کی نال اس کی پشت سے لگی تھی اور میں نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ میری انگلی ٹریگر پر ہے اور کسی بھی غیر متوقع صورت حال میں اسے نرکھ رسید ہونے میں ایک لمحہ لگے گا۔ میں اس سے یوں لگ کر چل رہا تھا کہ کوئی دیکھتا تو اسے رائفل نظر نہ آتی۔ ویسے بھی یہ چھوٹے دستے والی گن تھی۔ کمرے کا دروازہ میں نے اندر سے لاک کر کے بند کیا تھا اب باہر سے کوئی اسے بغیر چابی کے نہیں کھول سکتا تھا۔ پہلے چابی گورکھے کے پاس تھی اور اب میری جیب میں تھی۔ پہلی راہداری میں نائیک بائیں طرف مڑ گیا۔ جب مجھے کلینک لے جاتے تھے تو دائیں طرف جاتے تھے۔ بڑے کنور کی رہائش گاہ بھی اسی سمت میں آتی تھی میں پہلی بار محل کے اس حصے میں جا رہا تھا اور یہ میرے لیے مکمل اجنبی تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے اوشا کا خیال بھی آیا تھا میں نے اسے دل نواز خان کی نگرانی کرنے کو کہا تھا کہ وہ کھانے میں کچھ شامل کرے تو مجھے خبردار کر دے۔ شاید اسے موقع نہیں ملا تھا۔ پھر کھانا بھی کوئی اور لایا تھا اس لیے اوشا کو خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی۔ ورنہ وہ لازمی مجھے خبردار کرتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ خود کسی مشکل میں پڑ گئی ہو۔ مگر فی الوقت میں اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے اس جگہ پہلا موقع ملا تھا اور میں اسے ذرا سی غفلت سے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ نائیک کو قبضے میں کر کے میں نے کوئی بہت بڑا کام نہیں کیا تھا۔ نائیک راج کنور کے کتنا ہی قریب سہی لیکن تھا تو ایک ملازم اور وہ اپنا مفاد و جان خطرے میں دیکھ کر بے دریغ اسے قربان کر دیتا۔ یہ بات نائیک بھی سمجھتا تھا اس لیے وہ پوری احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ کوئی موڑ مڑنے سے پہلے وہ جھانک کر دیکھتا تھا۔ ہم دو راہداریاں عبور کر چکے تھے اور اب تک کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا جہاں تک میں نے دیکھا تھا کوئی کیمرہ بھی نظر نہیں آیا تھا ہاں کوئی پوشیدہ کیمرہ لگا ہو تو مجھے خبر نہیں تھی۔ نائیک ایک بڑے سے دروازے کے سامنے رکا۔ اس پر لکڑی کے کام سے فحاشی کے ایسے نمونے تیار کیے گئے تھے کہ بیان سے باہر تھے۔

''یہاں کیوں رکے ہو؟'' میں نے ممکنہ حد تک دھیمی آواز میں پوچھا۔

''یہی راج جی کا حصہ ہے۔''

جب دروازہ ایسا رنگین تھا تو اندر کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ میں نے سرگوشی کی۔ ''راج جی کی اولاد، اندر کیسے جائیں گے؟''

''میں کھلواتا ہوں میں یہاں جا سکتا ہوں۔'' اس نے کہا اور ہاتھ بڑھایا تھا کہ میں نے اسے روک دیا۔

''ایک منٹ ذرا ادھر آؤ۔'' میں اسے کھینچ کر راہداری کے ایک ایسے گوشے میں لے گیا جہاں نسبتاً تاریکی تھی۔ ''تم دروازہ کھلواؤ گے تو کھولے گا کون؟''

''چنبیلی کھولے گی۔''

''یہ چنبیلی کون ہے؟''

راج جی کی کھاس ملازمہ ہے۔ وہ یہاں کی نگران بھی ہے۔''

''اور کتنی عورتیں ہیں۔''

آٹھ ہیں۔'' نائیک نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''راج جی نے پورے ہندوستان سے چن کر ہیرے جمع کیے ہیں۔''

میں الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اگر آٹھ مرد ہوتے تو مجھے اتنا خطرہ نہ ہوتا لیکن آٹھ عورتوں کو خاموش کرانا دنیا کا دشوار ترین کام ہے ان میں سے کسی ایک پر بھی ہسٹریا کا دورہ پڑ جاتا۔ تو میں ناکام ہو سکتا تھا۔ میرے لیے اہم ترین امر راج کنور پر قابو پانا تھا۔ وہ عیار آدمی اگر خطرہ بھانپ کر غائب ہو جاتا تو میں اور بانو یہاں پھنس کر رہ جاتے۔ پھر آزادی کے لیے ہمیں اپنی جان پر کھیلنا پڑتا۔ میں نے پوچھا۔ ''چنبیلی کے پاس اسلحہ ہوتا ہے؟''

''میں نے تو نہیں دیکھا۔''

''وہ لباس میں چھپا سکتی ہے۔''

نائیک پہلی بار مسکرایا۔ ''وہ اور دوسری عورتیں جو پہنتی ہیں اسے لباس نہیں کہا جا سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے دروازہ کھلواؤ اور یہ تمہارا کام ہوگا کہ چنبیلی کو قابو کرو۔''

''میں کیسے؟'' وہ بدکا۔

''مرد ہو ایک نازک عورت کو قابو نہیں کر سکتے۔'' میں نے اسے جھاڑا۔ ''گلا دبا دینا لیکن مارنا مت بے ہوش کرنا۔''

اس نے بادلِ ناخواستہ سر ہلایا۔ راج کنور کی خاص خادمہ پر ہاتھ اٹھانے کے خیال سے وہ ڈر رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اسے سمجھایا کہ کام پوری طرح سے کرنا۔ کوئی کسر رہ گئی اور ہنگامہ ہوا تو سب سے پہلے وہ مارا جائے گا۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے دروازے پر دستک دی۔ انداز مخصوص تھا فوراً ہی اندر سے ایک لوچ دار آواز آئی۔ ''کیا ہے نائیک؟''

''دروازہ کھول چنبیلی، راج جی سے ملنا ہے۔''

''راج جی تو اس وقت یم دوت سے بھی نہ ملیں۔'' چنبیلی معنی خیز انداز میں بولی۔ ''آج تو ان کی دل پسند ناری آئی ہے بیڈ روم میں۔''

''چنبیلی وقت ضائع مت کر، معاملہ بہت اہم ہے راج جی کو فوراً بتانا ہے۔'' اس بار نائیک نے سخت لہجے میں کہا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اندر سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ میں نے نائیک کو آگے دھکیلا اور وہ چنبیلی کو عملاً رگڑتا ہوا اندر گیا تھا۔ چنبیلی نے ہلکی سی برہم آواز نکالی۔

''یوں کیوں گھسا آ رہا ہے۔''

مگر مجھے دیکھتے ہی اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی تھی۔ میں نے رائفل کا رخ ان دونوں کی طرف کیا اور نائیک سے بولا۔ ''اپنا کام کرو۔''

جواب میں نائیک نے لپک کر اس کا گلا دبوچ لیا۔ میں نے دروازہ بند کیا۔ یہ راہداری تھی جس کے دونوں طرف چار چار دروازے تھے اور ان میں یقیناً راج کا حرم مقیم تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا کہ وہاں اور کوئی عورت نہیں تھی۔ وہ یقیناً اپنے کمروں میں تھیں۔ آخری حصے میں ایک بند دروازہ تھا اور وہ شاید راج کنور کے بیڈ روم میں کھلتا تھا۔ چنبیلی کی زبانی سن کر کہ بانو راج کے بیڈ روم میں پہنچ گئی تھی میرے اندر پھر وہی آگ سرسرانے لگی تھی جو مجھے نتائج کی پروا کیے بغیر مرنے مارنے پر مجبور کرتی تھی۔ بانو کو مجھ سے جدا ہوئے آدھے گھنٹہ ہونے کو آیا تھا اور یہ وقت کافی سے زیادہ تھا۔ میں دعا ہی کر سکتا تھا کہ اللہ نے اسے اور اس کی عزت کو محفوظ رکھا ہو۔ دروازہ بند کر کے میں نے نائیک اور چنبیلی کی طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ نائیک با آسانی اس حسین عورت پر قابو پا لے گا۔

وہ کسی قدر طویل قامت تھی اور نہایت متناسب جسم تھا۔ وہ عمر کے اس دور میں تھی جب عورت پر شباب اپنے شباب پر ہوتا ہے۔ یعنی تیس بتیس سال کی تھی۔ اس نے ریشم جیسے کسی کپڑے کا ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ کپڑا اتنا ہلکا تھا کہ اس کی ٹانگیں جھلک رہی تھیں۔ اوپر اس سے بھی ہلکے کپڑے کا چھوٹا سا کرتہ پہن رکھا تھا جس کا گریبان بلا ضرورت تا حدِ نگاہ کشادہ تھا۔ بلا ضرورت یوں کہ اگر کرتہ میں گریبان نہ ہوتا تب بھی سب نظر آ رہا تھا۔ مجھے نائیک سے اتفاق کرنا پڑا کہ اس ٹرانسپیرنٹ لباس میں اسلحہ چھپانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی ذاتی حشر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامانیاں کم نہیں تھیں مگر یہ اسلحہ موجودہ صورت حال میں بے کار تھا۔

لیکن اس وقت جو ہوا وہ میرے لیے غیر متوقع تھا۔ نائیک نے اس کا گلا دبوچا تھا۔ جواب میں اس نے اپنا گھٹنا نائیک کے زیر ناف رسید کیا۔ اس بد بخت نے فوراً اس کا گلا چھوڑ دیا۔ آزاد ہوتے ہی وہ سر جھکاتے ہوئے گھومی اور نیچے سے سر اوپر لاتے ہوئے نائیک کے پہلے سے زخمی منہ پر مارا۔ ایک گھٹی گھٹی چیخ کے ساتھ نائیک اچھل کر پیچھے آیا اور اس کا ارادہ واویلا مچانے کا تھا۔ میں اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لیے میں نے عقب سے اپنے بائیں بازو کی کہنی اس کی گردن پر ماری اور وہ بنا کوئی آواز نکالے بغیر نیچے ڈھیر ہو گیا۔ دبیز قالین کی وجہ سے کوئی آواز نہیں آئی۔ اس ایک وار نے بتا دیا تھا کہ چنبیلی لڑنے بھڑنے میں مہارت رکھتی تھی۔ حالانکہ دیکھنے میں وہ قطعی بے ضرر اور عام سی عورت نظر آتی تھی۔ میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ ''کوئی آواز نہ نکالنا اور نہ حرکت کرنا ورنہ یہ تم سے زیادہ شور کر سکتی ہے۔''

''کیا چاہتے ہو تم؟'' اس نے سکون سے پوچھا۔ وہ بالکل بھی ہراساں نہیں لگ رہی تھی۔ مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ نائیک جیسے نامردوں کے مقابلے وہ کہیں زیادہ حوصلے والی تھی۔

''میری ساتھی راج کنور کے بیڈ روم میں ہے۔ میں اس کی واپسی چاہتا ہوں۔''

''اب تو دیر ہو گئی ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''راج جی اپنا کام کر چکے ہوں گے۔''

''اس صورت میں مجھے راج سمیت تم سب کی جان چاہیے۔'' میں نے رائفل بلند کی۔ ''آگے چلو اور دونوں ہاتھ اوپر کر لو۔''

اس نے ہاتھ اوپر کیے اور بولی۔ ''لو کر لیے۔''

''تم راج کنور کی خاص خادمہ ہو اور پھر عورت ہو کسی بھی وقت اس کے بیڈ روم میں جا سکتی ہو۔''

''ہاں میں کسی وقت بھی جا سکتی ہوں۔''

''تب چلو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''راج جی بعد میں مجھے معاف نہیں کریں گے۔''

''کسی کو معاف کرنے یا نہ کرنے کا مرحلہ بعد میں آئے گا۔ ابھی تو یہ فیصلہ ہونا ہے کہ میں اسے معاف کروں گا یا اس نے اپنے لیے معافی کا ہر دروازہ بند کر لیا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا تو وہ فکر مند نظر آنے لگی۔ میں نے پھر کہا۔ ''میں تین تک گنوں گا اور اس کے بعد تمہیں شوٹ کر دوں گا۔ یہ دروازہ کھولنا کوئی مسئلہ نہیں ہے ایک برسٹ اسے کھولنے کو کافی ہو گا۔ ایک..... دو..... تین۔''

''او کے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''میں تیار ہوں لیکن دروازہ کھلے گا یا نہیں میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ راج جی انکار کر دیں گے تو میں مجبور نہیں کر سکوں گی۔''

''تم فکر مت کرو پہلے دستک تو دو۔ دروازہ کھولنے کے اور بھی طریقے مجھے آتے ہیں۔''

وہ متوالی چال چلتے ہوئے دروازے تک پہنچی۔ اس نے مخصوص انداز میں دستک دی لیکن کچھ کہا نہیں۔ اندر سے جواب نہیں ملا تھا۔ ایک منٹ بعد اس نے پھر دستک دی۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''اگر تم کوئی غلط اشارہ دے رہی ہو تو یہ اصل میں یم دود (موت کے فرشتے) کے لیے ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری بار جواب نہ ملنے پر اس کے چہرے پر تشویش نظر آنے لگی۔ ''ایسا کبھی نہیں ہوا راج جی جواب ضرور دیتے ہیں۔''

''فرض کرو وہ جواب دینے کے قابل نہ ہوں۔''

وہ چونکی۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ جس ناری کو تر نوالہ سمجھ کر یہاں بلوایا ہے وہ تم سے کم نہیں ہے۔''

''کیا اس نے راج جی کے ساتھ کچھ کیا ہے؟''

میں چنبیلی کی طرف سے ہوشیار تھا اور ایک فاصلہ رکھے ہوئے تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''بالکل اب تم عام انداز میں دستک دو اور آواز سے بولو کہ اندر جو ہے وہ دروازہ کھول دے۔''

چنبیلی ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں تھی لیکن جب میں نے رائفل کی نال اس کی طرف کی تو مجبوراً اس نے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے زور سے دروازہ بجایا اور بلند آواز سے بولی۔ ''اندر جو ہے دروازہ کھول دے۔''

اس کے فوراً بعد میں نے کسی قدر اونچی آواز میں کہا۔ ''بانو یہ میں ہوں۔ کیا تم اندر ہو؟''

میری آواز پر ردِعمل ہوا اور اندر سے ایک ہلکی سی آواز آئی۔ ''شہباز یہ آپ ہیں؟''

''ہاں میں ہوں۔'' میں نے زیادہ بلند آواز سے کہا۔

یقیناً کمرہ ساؤنڈ پروف نوعیت کا تھا اور دروازے کے پاس پہنچ کر بلند آواز سے بولنے سے بھی مشکل سے اندر سنائی دے رہی تھی۔ بانو کی آواز سن کر میں نے نہ جانے کتنی دیر بعد سکون کا سانس لیا تھا۔ بظاہر میں اوپر سے پُرسکون تھا لیکن اندر سے تشویش سے برا حال تھا۔ بانو کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ آزاد ہے۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس کی صورت نظر آئی اور مجھے دیکھتے ہی وہ لپک کر آنے لگی۔ چنبیلی اسی لمحے کی منتظر تھی اس کے قریب آتے ہی اس نے بلاتکلف بانو کے پیٹ میں گھٹنا مارا۔ بانو کی رفتار کی وجہ سے قوت دوہری ہوگئی تھی۔ بانو کے لیے یہ وار غیر متوقع تھا وہ کراہ کر جھکی تو چنبیلی نے مہارت سے اس کے بال پکڑتے ہوئے اسے گھمایا اور اپنے سامنے کر لیا۔ اس نے بانو کی گردن دائیں بازو سے کس لی اور بایاں ہاتھ اس کی دائیں کنپٹی پر جما دیا۔ ساتھ ہی اپنے پاؤں بانو کے پیروں میں اس طرح پھنسائے کہ وہ بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ اس نے اتنی تیزی سے کیا کہ میں کچھ کر ہی نہیں سکا تھا۔ وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

''بس اتنی سورما ہے یہ؟''

''چھوڑ دو اسے ورنہ میں گولی مار دوں گا۔''

''مار دو پہلے یہ مرے گی۔''

وہ دھمکی نہیں دے رہی تھی چنبیلی نے بانو کو اس طرح جکڑا تھا کہ وہ اس کی گردن توڑ سکتی تھی اور یہ پیشہ ور لگ تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ راج کنور کے حرم سرا کی نگران اتنی ماہر لڑاکا نکلے گی۔ بانو خود کو چھڑانے کے لیے زور لگا رہی تھی مگر یہ طاقت کا نہیں بلکہ مہارت کا کھیل تھا اور مہارت میں وہ چنبیلی سے کوسوں پیچھے نظر آ رہی تھی۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اتنی کوشش کے بعد میں ہتھیار نہیں ڈال سکتا۔ تم بانو کو چھوڑ دو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' میں کہتے ہوئے ایک قدم آگے آیا تو وہ بانو کو لیے ایک قدم پیچھے ہٹی اور دروازے میں داخل ہوگئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن وہ اسے بند نہیں کر سکتی تھی اس کے لیے اسے بانو کو چھوڑنا۔ میں مزید آگے بڑھا اور وہ اسی طرح پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ کمرے میں آتے ہی میں نے دروازہ بند کر دیا۔

یہ شاہانہ قسم کا کمرہ تھا۔ جس میں نہ صرف عیش و عشرت کے تمام لوازمات فراہم کیے گئے تھے بلکہ رنگین لمحوں کو دوبالا کرنے کے لیے تمام انتظامات بھی موجود تھے۔ کوئی شریف عورت اس کمرے میں ایک لمحے کے لیے بھی سر اٹھا کر نہیں رہ سکتی تھی۔ بانو اس حالت میں بھی گھبرائی ہوئی تھی اور چنبیلی بالکل پُرسکون تھی۔ راج کنور جہازی سائز گول بیڈ پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ یہ بیڈ میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا جب بانو کو بے ہوش کر کے اس پر ڈالا گیا تھا اور ایک کیمرہ یہ منظر دکھا رہا تھا۔ چنبیلی نے ایک نظر اسے دیکھا۔ ''کیا یہ مر گیا ہے؟''

''نہیں زندہ ہے حرکت تو کر رہا ہے۔''

ایک لمحے کو چنبیلی کی توجہ بیڈ کی طرف گئی اس کی گرفت بانو پر ذرا ڈھیلی پڑی تھی۔ بانو بھی صبر سے انتظار کر رہی تھی اور اب تک اس نے معمولی سی مزاحمت نہیں کی تھی اسی وجہ سے چنبیلی اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوئی۔ بانو نے اس کا سر تھامتے ہوئے خود کو پوری قوت سے آگے جھکایا۔ چنبیلی عملاً اس سے چمٹی ہوئی تھی مگر اس کا جسم اوپر اور آزاد تھا نتیجے میں وہ گھوم کر سامنے قالین پر آ گری اور بانو اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی لیکن جب بانو نے اسے گھونسہ مارنے کی کوشش کی تو اس نے نیچے پڑے پڑے دونوں پاؤں جوڑ کر بانو کے سینے پر مارے اور وہ اچھل کر پیچھے جا گری۔ اسی لمحے میرے پاؤں کی ٹھوکر چنبیلی کے سر پر لگی۔ اس نے آخری لمحے میں بچنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ وہ گھوم کر گری دوبارہ اٹھ رہی تھی کہ میں نے فولادی پائپ سے اس کا سر بجایا اور اس بار وہ سکون سے لیٹ گئی۔ میں نے بغیر کسی رعایت کے وار کیا تھا وہ نہایت خطرناک ثابت ہو رہی تھی اور اسے عورت ہونے کی رعایت دینا آخری غلطی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی پھر بھی میں نے نبض دیکھی۔ اس کی طرف سے اطمینان کر کے بانو کے پاس آیا وہ اٹھ گئی تھی۔

''کیسی ہو تم؟ اسے تم نے قابو کیا ہے؟'' میں نے راج کی طرف دیکھا۔ وہ تکلیف میں تھی لیکن میرے سوال پر فخر سے مسکرائی۔

''ایک منٹ لگ تھا، میں نے اسے آواز نکالنے کا یا کسی کو مدد کے لیے بلانے کا موقع نہیں دیا۔''

بانو یہاں پہنچائی گئی راستے میں رامن نے کئی بار اس کے صبر کا امتحان لیا لیکن وہ خود پر ضبط کر کے بے ہوش بنی رہی۔ رامن اسے یہاں ڈال کر چلا گیا اور اس کے جاتے ہی راج کنور آ گیا۔ جیسے ہی نزدیک آیا۔ بانو نے لیٹے لیٹے اس کے حلق پر لات ماری۔ وار کی شدت ہلکی رکھی تھی کہ گردن نہ ٹوٹ جائے مگر اس کی آواز بند ہو جائے۔ وہ کامیاب رہی۔ راج کنور نیچے جا گرا اور سانس لینے کی کوشش کرنے لگا۔ بانو نے اٹھ کر اس کی گردن پر ہاتھ مارا۔ تیسرے وار پر وہ بے ہوش ہو گیا تھا اس کی بیہوشی کو یقینی بنانے کے لیے بانو نے اس کے کنپٹی پر کئی گھونسے بھی رسید کیے تھے۔ پھر اسے کھینچ کر بیڈ پر ڈال دیا۔ اس نے جوش و خروش سے یہ سارا منظر نامہ بیان کیا۔ میں اسے داد دیتا رہا پھر میں نے بے اختیار اس کا شانہ تھپتھپایا۔

''تم نے کمال کر دیا۔''

''اس کے بعد میں انتظار کرنے لگی آپ نے کہا تھا کہ آپ آئیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فرض کرو میں نہ آتا؟''

''تب میں راج کنور کے ہوش میں آنے کے بعد اس کی مدد سے آپ کو تلاش کرا کے یہاں بلوا لیتی۔ میں اس کا دم خم دیکھ چکی ہوں اسے آسانی سے قابو کر سکتی ہوں لیکن یہ کیا بلا ہے؟''

''یہ راج کنور کے حرم سرا کی انچارج ہے اور میرا خیال ہے یہ مارشل آرٹ کی ماہر ہے اس نے نائیک کو بھی مارا تھا۔''

بانو نے غور سے اسے دیکھا۔ ''دیکھنے میں تو عام سی لگتی ہے۔''

''مارشل آرٹ کے ماہر عام طور سے ہلکے اور عام سے جسم کے مالک ہوتے ہیں۔''

''آپ یہاں کیسے آئے؟'' بانو نے آس پاس کے ماحول کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''ایک منٹ تم یہاں رکو میں ذرا نائیک کو لے آؤں وہ باہر پڑا ہوا ہے۔ کسی نے دیکھ لیا تو شور مچ جائے گا۔''

لیکن جب میں باہر آیا تو نائیک اپنی جگہ سے غائب تھا اور یہاں سے نکلنے والا دروازہ جسے میں نے اندر سے بند کیا ہوا تھا اب کھلا ہوا تھا۔ میں تیزی سے واپس آیا۔ ''وہ خبیث غائب ہے اس کا مطلب ہے سارے محل کو علم ہو جائے گا۔''

ہم نے اندر سے دروازے بند کیے اور پورے کمرے کا معائنہ کیا کہ اس میں آمد و رفت کا کوئی اور راستہ تو نہیں ہے لیکن وہاں کوئی اور راستہ نہیں تھا ایک شاہانہ قسم کا واش روم تھا جس میں جہازی سائز باتھ ٹب بھی تھا لیکن اس سے بھی نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''یہ بات یقینی ہے کہ راج کنور کے محافظ اس کمرے کے باہر جمع ہو رہے ہوں گے۔ انہیں اندر آنے سے روکنا ہوگا۔''

''دروازے اندر سے بند ہیں۔''

''انہیں کھولا جا سکتا ہے گولی مار کر یا کسی اور طریقے سے، وہ اندر گیس بھی چھوڑ سکتے ہیں۔''

''گیس۔'' وہ پریشان ہو گئی۔

''راج کو چھڑانے کے لیے وہ سارے حربے استعمال کریں گے۔ اس لیے اس کا جلد ہوش میں آنا ضروری ہے۔'' میں نے راج کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کی کنپٹی پر ہلکی سی سوجن آ گئی اور نبض سست تھی۔ میرا خیال تھا کہ راج کے اس عشرت کدے میں کہیں ہتھیار بھی چھپے ہوں گے لیکن تلاش بسیار کے بعد ایسی کوئی چیز نہیں ملی تھی اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی کہ یہاں عورتیں اور لڑکیاں زبردستی بھی لائی جاتی ہوں۔ اگر ان کے ہاتھ ہتھیار لگ جاتا تو راج کنور مارا جاتا۔ اس لیے یہاں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ بانو نے دیواروں پر لگی تمام واہیات تصاویر اتار اتار کر ایک طرف ڈھیر کرنا شروع کر دیں۔ ایک تصویر اتاری تو اس کے پیچھے چھپا ہوا سیف سامنے آ گیا۔ اس دوران میں، میں نے ایک دراز میں رکھی سوتی رسی برآمد کی اور اس سے چنبیلی کے ہاتھ پشت پر کر کے باندھ دیئے۔ دونوں پاؤں باندھے اور پھر ان کو کھینچ کر ہاتھوں کی رسی سے ملا دیا۔ اب اس کے پاؤں پیچھے کی طرف اٹھے ہوئے تھے اور کمر کمان ہو رہی تھی۔ بانو نے دلچسپی سے دیکھا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے بے بس کر رہا ہوں۔''

ان سب کاموں سے فارغ ہو کر میں نے سیف کا معائنہ کیا۔ یہ جدید ترین سیف تھا جو بیک وقت نمبروں اور فنگر پرنٹ کی مدد سے کھلتا تھا۔ ایک چیز بھی کم ہو تو سیف نہ کھلتا۔ سیف میں کیا تھا یہ تو راج کے ہوش میں آنے کے بعد پتا چلتا۔ ہمیں یہاں آئے ہوئے ایک گھنٹہ ہونے کو آیا تھا۔ میں نے چنبیلی کو جس طرح باندھا تھا وہ تکلیف سے جلد ہوش میں آ گئی۔ اس نے کسمساتے ہوئے کہا۔ ''کھولو مجھے۔''

''آرام سے لیٹی رہو اور اوپر والے کا شکر ادا کرو کہ ابھی تک زندہ ہو۔''

''تم لوگ بے کار کوشش کر رہے ہو یہاں سے نکلنا ممکن نہیں ہے۔''

''جلد تم اس ناممکن کو ممکن ہوتے دیکھو گی۔''

بانو نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا اس نے تصاویر اتار دی تھیں اور مجسمے گرا دیئے تھے۔ اب ماحول کسی قدر بہتر لگ رہا تھا۔ چنبیلی نے سر گھما کر دیکھا اور تمسخرانہ انداز میں بولی۔ ''یہ کیا کر رہی ہے؟''

''وہی جو ہر شریف لڑکی کو کرنا ہے۔ تم شریف نہیں ہو اس لیے یہ بات نہیں سمجھو گی۔''

''راج بے ہوش ہے؟''

''ہاں لیکن بے ہوش ہونے سے اس کی عزت میں کوئی کمی آئی ہے جو تم اسے اس طرح پکار رہی ہو۔''

''میں نے کبھی اس کی عزت نہیں کی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''میں ہمیشہ اس سے نفرت کرتی رہی ہوں۔''

''اور اس کی نوکری بھی کرتی رہی ہو۔'' میں ہنسا۔ ''ویسے میرا اندازہ ہے تم نے اپنی نوکری کا آغاز اسی بیڈ روم سے کیا ہو گا۔''

''ہاں۔'' وہ لڑھک کر پہلو کے بل لیٹ گئی اس کے موجود لباس میں یہ پوز نہایت سنسنی خیز تھا اور وہ عملاً جامے سے باہر ہو رہی تھی۔

''اس لیے تم اس سے نفرت کرتی ہو؟''

''نہیں۔'' وہ بولی۔ ''نفرت کی وجہ کچھ اور ہے وہ میں تمہیں یا کسی کو نہیں بتا سکتی۔''

''ٹھیک ہے میں مان لیتا ہوں تم اس سے نفرت کرتی ہو۔ تب یہاں کیوں ہو چلی جاتیں کہیں اور یا راج کنور کا کام تمام کر دیتیں۔''

''یہ دونوں کام ممکن نہیں ہیں۔''

''تب بہتر ہو گا اپنی بکواس بند کرو۔''

''مجھے کھولو مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔''

''تھوڑی تکلیف برداشت کر لو۔''

''مجھے کھولو ورنہ میں چیخنے لگوں گی۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔ اس شاطر عورت نے بھانپ لیا تھا کہ میں عورت سے بلاوجہ سخت سلوک نہیں کر سکتا تھا اس لیے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''شوق سے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا اور راج کنور کی طرف بڑھا۔ بیڈ کی تلاشی لیتے ہوئے ہم نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے الٹ پلٹ دیا تھا۔ چنبیلی چیخ چلانے لگی۔ میں نے ریشمی بیڈ شیٹ کا ایک ٹکڑا چاقو سے کاٹا اور واپس آ کر اسے چنبیلی کے منہ میں ٹھونس دیا۔ بانو خوش ہو کر بولی۔

''یہ ٹھیک کیا اس کے ساتھ۔''

میں نے کھانا نہیں کھایا تھا اور اب مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ وہاں ایک طرف میز پر بے شمار پھل سجے ہوئے تھے۔ انہیں واش روم میں دھویا اور ان سے پیٹ پوجا کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد بانو بھی میرا ساتھ دے رہی تھی۔ اس نے جو کھایا تھا وہ الٹی کر کے نکال دیا تھا۔ اسے بھی بھوک لگ رہی تھی۔ اس دوران میں میں نے اسے اپنی رُوداد سنائی۔ اس نے کہا۔ ''تائیک نے سب کو خبردار کر دیا ہوگا۔''

''لازمی بات ہے۔ ویسے یہ کام تو بعد میں بھی ہوتا۔ اگر راج سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔ بہرحال اب بھی بازی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ شاہ ہمارے نرغے میں ہے۔''

گفتگو کے دوران میں راج پر نظر رکھے ہوئے تھا اور وقفے وقفے سے چنبیلی کو بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ حیرت انگیز عورت ثابت ہوئی تھی اور کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ خود کو آزاد کرا لیتی۔ ایک بار اس نے کوشش کر کے اسی طرح کروٹ لی کہ اس کا رخ ہماری طرف ہو گیا تھا۔ اس سے ایک تو اس کے ہاتھ پاؤں چھپ گئے تھے اور دوسرے سامنے سے اس کا جسم بہت نمایاں ہو رہا تھا اس لیے بانو نے دوبارہ اسے الٹ دیا۔ وہ ناک سے غوں غاں کر کے اسے برا بھلا کہتی رہی تھی۔ جواب میں بانو نے آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا۔ ظاہر ہے اس نے یہی دھمکی سنائی ہوگی۔ جب سے اس نے بانو پر ہاتھ اٹھایا تھا وہ اس سے تپی ہوئی تھی۔ پیٹ بھر کر میں نے خود کو آسودہ محسوس کیا تھا اور میرے خیال میں اب حرکت میں آ جانا چاہیے تھا۔ البتہ مجھے باہر والوں کی خاموشی پر حیرت تھی۔ کیا وہ کسی چکر میں تھے؟

''راج کو ہوش میں لاتا ہوگا۔'' میں نے کہا اور وہاں موجود فریج سے یخ بستہ پانی کی بوتل نکالی اور راج کے منہ پر انڈیلنے لگا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ بوتل ختم ہونے سے پہلے کسمسانے لگا تھا۔ پھر اس نے زیر لب گالی دی اور بڑبڑایا۔

''کیا بدتمیزی ہے..... تائیک کہاں مر گیا ہے؟''

''اٹھ جاؤ بیٹے ورنہ تائیک سے پہلے تم جہنم رسید ہو جاؤ گے۔'' میں نے اسے تھپڑ مارا۔ دوسرے تھپڑ پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور تیسرے تھپڑ پر اس کے حواس بحال ہو گئے تھے۔ اصل میں اس کے ہوش مجھے دیکھ کر ٹھکانے آئے تھے۔ اس نے بے یقینی سے کہا۔

''شہباز تم.....''

''نہیں یہ میرا بھوت ہے۔'' میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''بہتر ہوگا جلدی سے اپنے حواس بحال کر لو کیونکہ میں اور تم دونوں نہایت سنگین صورتِ حال سے دوچار ہیں۔''

وہ بھیگے بستر پر اٹھ بیٹھا اور اپنا منہ صاف کیا۔ بانو کو دیکھ کر وہ چونکا اور پھر اس کی آنکھوں میں سفلی جذبات لہرائے تھے کہ میں نے گھما کر اس کے شانے پر لات رسید کی اور وہ بستر سے نیچے لڑھک گیا۔ میں نے اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور دوبارہ بیڈ پر دھکیل دیا۔ ''اب تم نے بانو کو اس طرح دیکھا تو آنکھیں نکال دوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لہجے پر وہ لرز اٹھا۔ شاطر آدمی تھا اس نے فوراً پینترا بدلا۔ ''ٹھیک ہے اب میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا لیکن تم میرے ساتھ ایسا سلوک مت کرو۔''

''تم اس سے بھی برے سلوک کے مستحق ہو لیکن فی الحال تمہیں کچھ نہیں کہوں گا ہاں تم خود بھی کوئی بے عزتی والا کام یا بات مت کرنا۔''

اس نے اس بار شرافت سے بانو کی طرف دیکھا۔ ''میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ چند دنوں میں اتنی تیز ہو جائے گی۔ یہ تو بالکل بدل گئی ہے۔''

''راج کنور یہ تمہیں موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی ہے لیکن شکر کرو صرف بے ہوش کیا۔ کیونکہ ابھی ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔''

راج کنور کی نظر جینیلی پر گئی پہلے وہ چونکا اور پھر اس کے چہرے پر مایوسی آ گئی تھی۔ ''تم لوگوں نے اسے بھی قابو کر لیا ہے۔''

''ہاں، البتہ نائیک نکل گیا اور اس نے یقیناً تمہارے سارے کمانڈوز کو اس کمرے کے باہر جمع کر لیا ہو گا۔''

''نائیک بچ گیا۔'' مایوسی کی جگہ فوراً امید نے لے لی۔

''ہاں، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ کسی بھی احمقانہ حرکت کی صورت میں وہ صرف تمہاری لاش حاصل کر سکتے ہیں۔ انہیں کسی احمقانہ حرکت سے باز رکھنا تمہاری ذمے داری ہے۔ اس لیے انہیں حکم دو کہ اس کمرے سے دور رہیں اور کسی حرکت سے گریز کریں۔''

''میں کہہ سکتا ہوں لیکن اس کے لیے مجھے باہر جانا ہو گا۔'' اس نے چالاکی سے کہا لیکن میں ایک طرف موجود جدید قسم کے انٹرکام کو دیکھ چکا تھا اس کی مدد سے راج کنور پورے محل میں کسی سے بھی رابطہ کر سکتا تھا میں نے اس کا کورڈلیس اٹھا کر اسے تھمایا۔

''اس کے ہوتے ہوئے باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے آدمیوں سے رابطہ کرو اور جو کہا ہے وہی کرو۔''

اس نے مایوسی سے کورڈلیس لیا اور اس پر ایک نمبر دبایا۔ میں نے رائفل کی نال اس کے سر سے لگا دی۔ بادلِ ناخواستہ اس نے دوسری طرف کال ریسیو کرنے والے کو حکم دیا۔ ''رامن سے بات کراؤ..... رامن سب میرے کمرے سے دور چلے جائیں اور میرے حکم کے بغیر کوئی حرکت نہ کریں۔''

جیسے ہی اس نے جملہ مکمل کیا میں نے اس سے کورڈلیس لے کر اسے آف کر دیا۔ ''امید ہے اب تمہارے ساتھی کچھ دیر سکون سے بیٹھیں گے۔''

''تم یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ تمہیں کنور پیلس کی سیکورٹی کا اندازہ نہیں ہے۔''

''مجھے اندازہ ہے یا نہیں لیکن تمہیں ایک چیز کا اچھی طرح معلوم ہو جانا چاہیے کہ تمہاری سیکورٹی مجھ سے نہ ملک ہے۔ اگر مجھے کوئی خطرہ ہوا تو وہ تم سے گزر کر مجھ تک آئے گا۔ اگر دنیا سے رخصتی کا وقت آیا تو امید یہی ہے تم مجھ سے پہلے وفات پاؤ گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانو ذرا دور صوفے پر بیٹھی چنبیلی کی نگرانی کر رہی تھی۔ وہ میرے پاس آئی۔ ''اس سے دوسری عورتوں کا پوچھیں وہ کہاں ہیں اور چپ کیوں ہیں؟''

یہ سوال میرے ذہن میں بھی تھا لیکن دوسری چیزوں میں الجھ کر ذہن سے نکل گیا تھا۔ میں نے چنبیلی کے بجائے راج کنور سے پوچھ لیا۔ ''یہاں آٹھ عورتیں اور ہیں لیکن اس ہنگامے کے دوران کسی نے اپنے کمرے سے جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔''

اس نے بانو کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''انہیں سخت حکم ہے جب ان کی ڈیوٹی نہیں ہوگی وہ اپنے کمرے تک محدود رہیں گی اور باہر کچھ بھی ہو جائے وہ باہر نہیں آئیں گی۔''

میں نے تجسس سے پوچھا۔ ''یہ تمہاری ملازم ہیں یا تم نے انہیں زبردستی رکھا ہوا ہے؟''

''یہ چھ مہینے کے کنٹریکٹ پر آئی ہیں۔ چھ مہینے بعد ان کا معاوضہ دے کر واپس بھیج دیا جائے گا۔''

''سب واپس چلی جاتی ہیں؟''

''نہیں جو مجھے اچھی لگتی ہیں ان کو میں دوبارہ پیشکش کرتا ہوں۔''

اس عشرت کدے میں داخل ہونے کے دو دروازے تھے اور دونوں اندر سے بند تھے۔ کوئی کھڑکی نہیں تھی اور نہ ہی روشن دان دکھائی دے رہا تھا مگر یہاں گھٹن کے بجائے ایسی تازگی تھی جیسے ہم کھلی فضا میں سانس لے رہے ہوں۔ یقیناً یہاں وینٹی لیشن سسٹم کام کر رہا تھا۔ میں اور بانو ہر ممکن تلاشی لے چکے تھے لیکن ہمیں یہاں کوئی ہتھیار نہیں ملا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا راج کنور نے کسی خفیہ جگہ ہتھیار چھپایا ہوگا۔ ''راج کنور یہاں تمہارے پاس جو ہتھیار ہے میرے حوالے کر دو۔''

''یہاں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔'' اس نے فوراً انکار کیا۔

''سوچ لو بعد میں کوئی ہتھیار نکل آیا تو تمہیں اس جھوٹ کی سزا ملے گی۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں بلاوجہ اسے نہیں مار سکتا اور نہ نشدد کر سکتا ہوں وہ میری اس مجبوری کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اوکے فی الحال میں مان لیتا ہوں اگرچہ مجھے یقین نہیں ہے تمہاری بات کا۔ اس سیف میں کیا ہے؟'' میں نے دیوار میں لگے سیف کی طرف اشارہ کیا۔

''سیف میں کیا ہوتا ہے؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''دولت، قیمتی اشیا اور قیمتی راز و دستاویزات۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اسے کھولو۔''

''کیوں؟'' وہ بدکا۔

''میں دیکھنا چاہتا ہوں اس میں کیا ہے؟''

''اس سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''تم شاید میرے شریفانہ رویے سے دھوکا کھا رہے ہو۔ اگر تم نے ایک منٹ کے اندر سیف نہیں کھولا تو تمہاری دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کاٹ دوں گا۔''

اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا میں نے نائیک کا چاقو نکال کر اسے کھولا۔ اس کا بلیڈ چھوٹا لیکن نہایت تیز دھار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ ایک منٹ پورا ہونے پر میں نے اسے بیڈ پر اوندھے منہ گرایا اور اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اس نے مدافعت کی کوشش کی لیکن اس کا یہ ظاہر صحت مند مگر عیاشی سے کھوکھلا ہو جانے والا جسم میرا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ گھما کر پشت پر کیا اور چاقو اس کی چھوٹی انگلی سے لگایا تھا کہ وہ تڑپ کر بولا۔ ''اچھا..... اچھا کھولتا ہوں، پلیز ایسا مت کرو۔''

میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پشت سے اتر آیا۔ پھر اسے کھینچ کر بیڈ سے نیچے اتارا اور سیف کی طرف دھکا دیا۔ ''کھولو اسے لیکن کوئی چالاکی مت دکھانا جو تمہیں قبل از وقت مرحوم کر دے۔''

اس کی حالت بری ہو رہی تھی اور وہ کانپ رہا تھا۔ دوسروں کی زندگیوں اور جسموں سے خدا بن کر کھیلنے والوں کو میں نے اپنے حوالے سے اسی طرح بزدل پایا تھا۔ اس نے سیف کے سامنے پہنچ کر میری طرف دیکھا اور التجا آمیز لہجے میں بولا۔ ''شہباز اس میں تمہارے مطلب کی کوئی چیز نہیں ہے۔''

''یہ فیصلہ سیف کھلنے کے بعد میں خود کروں گا۔'' میں نے کہا اور اس سے دو قدم پیچھے کھڑا ہو گیا۔ میرا زاویہ ایسا تھا کہ سیف کھلتے ہی اندر موجود چیزیں میری نظر میں آتیں۔ اس کا پورا امکان تھا کہ اندر کوئی ہتھیار رہتا اور راج کنور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا۔ بادلِ ناخواستہ اس نے پہلے سیف کے فنگر پرنٹ چیک کرنے والے حصے پر یکے بعد دیگرے اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے لگائے اور پھر نمرک پیڈ پر ایک طویل نمبر ملایا۔ اسے زبانی یاد تھا اور ملانے کی ایسی مشق تھی کہ اس کی انگلیاں رقص کے انداز میں چل رہی تھیں۔ میں کوشش کے باوجود نمبر یاد نہ رکھ سکا۔ آخری نمبر ملتے ہی کلک کی آواز آئی۔ میں نے بانو کو سانس روکنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی سانس روک لی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ایک خاص انداز سے سیف کھولنے پر اندر موجود بے ہوش کر دینے والی گیس آزاد ہو جاتی اور مجھے پتا ہی نہ چلتا۔ خود راج خاموشی سے سانس روک لیتا اور گیس سے محفوظ ہو جاتا لیکن ایسی کوئی حفاظتی تدبیر اس سیف کے ساتھ منسلک نہیں تھی۔ راج بدستور گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس نے ہینڈل گھما کر سیف کا بھاری بھرکم دروازہ کھولا۔ میں نے گن تان لی تھی اور اسے حکم دیا۔

''راج بہت آہستہ سے حرکت کرنا۔''

سیف کا دروازہ کھلا اور اندر موجود چیزیں نظر آنے لگیں۔ اندر کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ البتہ دو الگ الگ خانوں میں تہ در تہ کرنسی نوٹوں کی گڈیاں اور سونے کی اینٹیں رکھی تھیں۔ یہ بہت بڑی دولت تھی۔ صرف نوٹوں کی گڈیاں ہی کئی سو کی تعداد میں تھیں۔ پورے سیف میں بس یہی دو چیزیں تھیں۔ کرنسی کی گڈیاں اس طرح رکھی تھیں کہ ان کی مالیت اور ملک سے تعلق کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ میں نے اسے حکم دیا۔

''اسے پورا کھولو۔''

اس نے دروازہ پورا کھول دیا۔ مگر اندر اور کچھ نہیں تھا۔ ''کرنسی کس ملک کی ہے۔''

''انڈین، ڈالرز اور یورو ہیں۔'' اس نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری اب اس کا یہ سوچ کر دم نکل رہا تھا کہ میں اس کی یہ دولت نہ ہتھیا لوں۔ حالانکہ اسے اپنی جان کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ میرا نکتہ نظر اس سے بالکل الگ تھا۔ میں نے اگلا حکم دیا۔

''کرنسی اور سونا باہر نکالو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے احتجاج کرنا چاہا لیکن میرے تاثرات دیکھ کر اس کی ہمت نہ کر سکا تھا۔ وہ کرنسی نکال کر نیچے قالین پر ڈھیر کرنے لگا۔ بانو میرے پاس آئی۔ ''یہ آپ کیا کر رہے ہیں یہاں سے نکلنے کی سوچیں۔''

''تم پریشان مت ہو جلد یہاں سے نکلیں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تم اپنا کام کرو چنبیلی پر نظر رکھو اور اگر یہ آزاد ہونے کی کوشش کرے تو بے دریغ اس پر پائپ استعمال کرنا۔''

میں نے دونوں پائپ بانو کے حوالے کر دیئے تھے۔ اس سے بات کرتے ہوئے میں راج پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا کہ وہ کہیں چھپا ہوا ہتھیار نہ نکال لے۔ مگر اس سیف میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ کرنسی کے بعد اس نے اندر سے سونے کی اینٹیں نکال کر قالین پر رکھنا شروع کیں۔ یہ خاصی بڑے سائز کی اینٹ تھی میں نے راج سے ایک اینٹ لے کر دیکھا اس پر ٹو کے جی لکھا تھا۔ اندر ایسی پچاس سے زائد اینٹیں تھیں یعنی یہ سو کلوگرام سے زیادہ سونا تھا۔ جس کی مالیت کروڑوں میں تھی۔ کرنسی اس سے کہیں زیادہ مالیت کی تھی کیونکہ نصف رقم ڈالرز اور یورو میں تھی۔ اب سیف خالی تھا اور اس میں کچھ نہیں رہا تھا۔ راج کنور نے رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور ڈوبتے لہجے میں بولا۔

''تم اس کا کیا کرو گے؟''

میں نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تم نے احمقانہ سوال کیا ہے تمہیں اصل میں یہ پوچھنا چاہیے کہ میں تمہارا کیا کروں گا۔''

مگر وہ مخصوص بنیا ذہنیت رکھتا تھا اور صدمے سے اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ کرنسی اور سونے کو اسی طرح پڑے چھوڑ کر میں راج کنور کو ایک طرف لایا۔ اس نے التجا کی۔ ''مجھے کچھ پینے دو ورنہ شاید میرا ہارٹ فیل ہو جائے۔''

مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا تھا۔ صدمے سے اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ''ٹھیک ہے پی لو لیکن ایک حد تک، مجھے تم سے بات کرنی ہے اور اس کے لیے تمہارا ہوش میں رہنا نہایت ضروری ہے۔''

اس نے برانڈی کی ایک بوتل سے اپنے لیے گلاس میں کچھ مقدار نکالی اور اسے ایک ہی سانس میں پی گیا۔ وہ بلانوش تھا ورنہ تقریباً چوتھائی گلاس یوں نہ پی جاتا۔ دوسری بار گلاس خالی کر کے اس کی حالت بہتر ہوئی تھی اور اس نے تیسری بار گلاس میں انڈیلنا چاہا تو میں نے اسے روک دیا۔ ''بس اتنا کافی ہے۔''

مجبوراً اس نے بوتل اور گلاس ریک پر رکھ کر حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور میری طرف متوجہ ہوا۔ ''شہباز کیا چاہتے ہو تم؟''

''آسان الفاظ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ بڑے کنور کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ مت سمجھنا مجھے اس سے کوئی ہمدردی ہے۔ بلکہ ایک طرح سے میری جان چھوٹ رہی ہے۔''

''ان کی طبیعت خراب ہے اس لیے وہ ابھی کسی سے مل نہیں رہے۔''

''تم نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑا کنور تمہاری قید میں ہے اور اس کا علاج روک دیا گیا ہے کیونکہ میرا خون نہیں لیا گیا اور نہ ہی مجھے اس سے ملنے کی اجازت دی گئی۔ تم نے اپنے بھائی کے خلاف بغاوت کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس جاگیر اور تمام دولت کا مالک بڑا کنور ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سوال پر راج کنور کا چہرہ بگڑ گیا تھا اس نے نفرت سے کہا۔ ''یہ سچ ہے۔''

''اور تم اس کے دست نگر تھے۔ مگر تم اب سے نہیں بہت عرصے سے اپنے بھائی کے دست نگر تھے اور اس نے سب تم پر چھوڑ رکھا ہے۔ تو اب ایسا کیا ہوا کہ تم بغاوت پر اتر آئے؟''

''ایسی بات نہیں ہے.....''

''او کے نہ بتاؤ.....'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں بڑے کنور سے معلوم کرلوں گا۔''

وہ چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ بڑا کنور یہیں موجود ہے اور اب میں چاہوں تو اس سے یا کسی سے بھی مل سکتا ہوں۔''

اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اس نے جلدی سے کہا۔ ''سنو شہباز میں تمہیں اور اس لڑکی کو بحفاظت پاکستان واپس بھیج سکتا ہوں۔''

''وہ کیسے؟''

''میرے پاس سرحد تک پرواز کا لائسنس اور ہیلی کاپٹر ہے۔ میرا پائلٹ ایک سابق انڈین ایئر فورس آفیسر ہے وہ سرحد پر بعض ایسی جگہوں سے واقف ہے جہاں ریڈار کام نہیں کرتا ہے۔ وہ وہاں سے ہیلی کاپٹر لے جاتا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ میں ممتاز ہاؤس آیا تھا۔''

''بالکل یاد ہے۔''

''بس اسی طرح میں تمہیں بھی وہاں لے جاسکتا ہوں۔ اس میں صرف ایک گھنٹہ لگے گا۔''

راج کنور کی پیشکش پُرکشش تھی۔ ہیلی کاپٹر کی مدد سے ہم بہت کم وقت میں پاکستان جاسکتے تھے لیکن راج کنور نے اچانک ہی مفاہمت کی بات کی تھی یہ میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی آخر وہ کس لیے یوں تعاون پر اتر آیا تھا؟ میں نے محسوس کیا کہ جب میں نے بڑے کنور سے ملنے کی بات کی تو وہ کچھ بدحواس ہوا اور پھر جلدی سے یہ پیشکش کی۔ تو کیا وہ چاہتا تھا کہ میں بڑے کنور سے نہ ملوں۔ اس میں اس کا کوئی مفاد پوشیدہ تھا۔ حالانکہ ان بھائیوں کی آپس کی لڑائی سے میرا کیا مفاد وابستہ ہوسکتا تھا۔ مگر کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور تھی۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے اس معاملے میں دلچسپی لینی چاہیے یا نہیں۔ جیسے میرے حالات تھے اور میں بہ ظاہر آزاد ہونے کے باوجود مشکل حالات سے دوچار تھا۔ ذرا سی دیر میں بازی پلٹ سکتی تھی اور میں ایک بار پھر راج کنور جیسے شیطان صفت آدمی کا قیدی بن جاتا۔ میری تو خیر تھی کہ اس معاملے میں وسیع تجربہ رکھتا تھا لیکن بانو کے ساتھ کچھ غلط ہو اور میرے سامنے ہو یہ میری برداشت سے باہر ہوتا۔ اس صورت میں راج کنور کی پیشکش مان لینا ہی مناسب تھا۔ مگر میں جلدی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اس کی پیشکش پر کوئی ردِعمل ظاہر کیے بغیر مطالبہ کیا۔

''راج کنور مجھے دو عدد پستول اور ایک شاٹ گن چاہیے۔''

''کیوں تمہارے پاس یہ رائفل ہے تو۔''

''بحث مت کرو جب میں نے کہا ہے تو فوراً منگواؤ۔''

اس نے ایک بار پھر انٹرکام سے رابطہ کیا اور پھر میری طرف دیکھا۔ ''کس قسم کے ہتھیار چاہییں؟''

''پستول غیر ملکی ہوں، بریٹا یا ولسن اینڈ اسمتھ اور شاٹ گن ری پیٹر ہو، ان سب کی اضافی گولیاں اور ہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس رائفل کے دو میگزین اور منگواؤ۔"

راج کنور نے یہ تمام چیزیں نوٹ کرادیں تو میں نے اس سے انٹرکام لے کر دوسری طرف موجود فرد سے کہا۔ "یہ سب سامان اوشا کے ہاتھ بھجوادو۔"

"شہباز۔" دوسری طرف سے رامن کی آواز آئی۔ "بہتر ہوگا راج جی کو چھوڑ دو تمہیں یہاں سے نکلنے دیا جائے گا۔"

"مشورے دینے کے بجائے اپنی فکر کرو۔ اگر میں نے راج سے تمہاری جان مانگ لی تو یہ اپنی جان بچانے کے لیے میری بات مان لے گا۔ تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔ جب اوشا آئے تو سب دروازے سے دور ہٹ جائیں۔ کوئی بھی شرارت کرتے ہوئے سوچ لینا کہ راج جی کو مرنے میں بس ایک سیکنڈ لگے گا۔" میں نے بات مکمل کر کے انٹرکام بند کر دیا۔ مگر اسے رکھنے لگا تو اس کی مترنم بیل بجی۔ میں نے بٹن دبایا۔ "اب کیا ہے؟"

"شہباز جی میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس بار منشی دل جی کہ مکار آواز آئی۔

"کریں منشی جی، سنا ہے آپ نے بھی پٹڑی بدل لی ہے۔"

"نہیں جی، ہم تو پشتوں سے کنور پریوار کے نمک خوار ہیں۔" اس نے کمال صفائی سے الزام جھٹلا دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کی وفاداریاں بڑے کنور یا راج کنور نہیں بلکہ کنور خاندان کے ساتھ تھیں۔

"تب فرمایئے کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"آپ راج جی کو چھوڑ دیں۔ اس کے بدلے آپ جہاں کہیں گے آپ کو پہنچا دیا جائے گا۔"

"جیسے دوسری دنیا۔" میں نے سادگی سے کہا۔ "منشی جی کیا ایسا ہی ہوگا۔"

"میں آپ کو یقین....."

"منشی جی اس یقین کی ضرورت آپ کو ہونی چاہیے اور آپ کو میری اس بات پر ذرا بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ راج کو چھڑانے کی کسی کوشش کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے ہاتھ چند لاشیں آئیں گی اور ان میں سے ایک لاش یقینی طور پر راج کنور کی ہوگی۔ اس لیے فی الحال جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا کریں اور ہاں اب میں بڑے کنور سے ملنا چاہوں تو میرا خیال ہے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔"

منشی جی کو ایک لمحے کے لیے چپ لگی تھی پھر انہوں نے کہا۔ "بڑے کنور کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"جب ایک بیمار آدمی کا علاج ہی بند کر دیا جائے گا تو اس کی طبیعت کیسے ٹھیک ہوگی لیکن مجھے امید ہے مجھے دیکھ کر ان کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"نہیں جی مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" اس نے بادلِ ناخواستہ کہا۔

میں نے انٹرکام رکھ کر راج کنور سے کہا۔ "یہاں سب ایک سے بڑھ کر ایک مکار ہیں۔ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو اس بیمار اور بے بس شخص کے خلاف۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں بڑے کنور سے کوئی ہمدردی نہیں ہے؟" راج کنور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اب تم اس معاملے میں پڑ رہے ہو۔ شہباز تم یہاں جتنا الجھو گے اتنا ہی تمہاری بحفاظت واپسی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امکانات کم ہو جائیں گے۔"

"مجھے اس سے ہمدردی نہیں ہے لیکن تم لوگ مکاری دکھا رہے ہو اور مجھے یقین ہے اتنی آسانی سے یہاں سے جانے نہیں دو گے۔"

"میں ضمانت دیتا ہوں۔"

"تم کیسے ضمانت دو گے؟"

"میرا پائلٹ تمہیں ہیلی کاپٹر میں لے جائے گا اور ایک گھنٹے بعد تم سرحد کے پاس ہو گے۔"

"ایک گھنٹے میں انڈین ایئر فورس کا کوئی معمولی جیٹ طیارہ اس ہیلی کاپٹر کو مار گرائے گا۔ اگر تم ضمانت دے رہے ہو تو ٹھیک طرح سے دو۔"

"کیا مطلب؟"

"تم بھی اس ہیلی کاپٹر میں ہو گے اور ہمیں سرحد پار چھوڑ کر واپس آ جاؤ گے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے انکار کیا۔

"تم انکار کی پوزیشن میں نہیں ہو۔" میں نے کہا اسی لمحے اندر کی طرف کھلنے والے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے بانو کو اشارہ کیا اور اس نے نزدیک جا کر پوچھا۔

"کون ہے۔"

"ہم اوشا ہیں۔" باہر سے اوشا کی آواز آئی۔

"تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" بانو نے پھر سوال کیا۔

"کوئی نہیں۔" اوشا نے کسی قدر ہچکچا کر جواب دیا۔

"تمہارے ساتھ کوئی ہے۔" بانو سخت لہجے میں بولی۔ "اس سے کہو ایک منٹ کے اندر دور چلا جائے ورنہ راج کنور کا ایک کان کاٹ دیا جائے گا۔"

میں بانو کی چالاکی پر مسکرایا۔ اب وہ ان معاملات کو سمجھنے لگی تھی۔ ایک منٹ بعد اوشا نے اطلاع دی کہ اب کوئی نہیں ہے۔ بانو نے سائیڈ پر ہوتے ہوئے ذرا سا دروازہ کھولا اور جیسے ہی اوشا اندر آئی دروازہ بند کر دیا۔ اوشا نے ایک چھوٹا سا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ وہ اس نے قالین پر رکھ دیا اور تیزی سے میری طرف آئی۔ اس نے میرا بازو تھام لیا۔

"شکر ہے بھگوان، ورنہ ہم تو مرنے والے ہو گئے تھے۔"

"تم نے اپنا کام ٹھیک سے نہیں کیا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔ "ہمارے کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی تھی۔"

"بھول ہو گئی ہم سے۔" وہ شرمندگی سے بولی۔ "ہم اس پٹھان کو دیکھ رہے تھے اور بھوجن کوئی اور لے گیا۔"

"اس بیگ میں کیا ہے؟"

"پتا نہیں ہمیں منشی جی نے دیا تھا۔" وہ سادگی سے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے راج کنور کو بیگ کی طرف دھکیلا۔ ''اسے کھولو اگر اس کے ساتھ کوئی ٹریپ ہوا تو تم اس کا شکار ہو گے۔''

''نن.....نہیں۔'' وہ ہکلایا۔

''کھولو اسے۔'' اس بار میرے دھکے سے وہ بیگ کے پاس جا گرا اور جلدی سے یوں اس سے دور ہو گیا جیسے اس میں کوئی زہریلا سانپ ہو۔

''اس کا مطلب ہے تمہیں یقین ہے اس میں کچھ ہے۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور انٹر کام پر منشی جی سے رابطہ کیا۔ ''منشی جی میں نے کہا تھا چالاکی مت کرنا۔''

وہ انجان بن گیا۔ ''میں نے کیا کیا ہے جی؟''

''تم نے ایک ٹریپ والا بیگ بھیجا ہے اور اسے تمہارا آقا کھولے گا۔ اب تم بتاؤ اس میں کیا ہے۔''

منشی جی کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''بیگ کو نیچے کی طرف لگی زپ سے کھولیں تو کچھ نہیں ہوگا۔''

''اگر اسے اوپر سے کھولا جائے تو کیا ہوگا؟''

''اس میں بے ہوشی کی گیس بھری ہے وہ آزاد ہو جائے گی۔''

''یہ خدشہ تو نیچے سے کھولنے میں بھی ہے۔''

''نہیں نیچے سے کھولنے کی صورت میں گیس نہیں نکلے گی۔''

''اچھا دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور راج کنور کو حکم دیا۔ ''بیگ اٹھاؤ اور واش روم چلو۔''

وہ تیار نہیں تھا لیکن جب میں نے چاقو سے اس کی گردن پر ہلکا سا چرکا لگایا تو وہ مان گیا اور کراہتے ہوئے بیگ اٹھا لیا۔ ''شہباز تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''مجھے تسلیم ہے کہ میں اچھا نہیں کر رہا ہوں لیکن میں بہت برا بھی نہیں کر رہا ہوں اور تم مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں اس سے زیادہ برا سلوک کروں۔''

اوشا اور بانو باہر رہ گئے تھے میں نے واش روم کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور رائفل کا رخ راج کی طرف کرتے ہوئے اسے بیگ کھولنے کو کہا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے بیگ کو الٹا۔ اس کے نیچے بھی ایک زپ کمال صفائی سے لگی تھی۔ جیسے ہی وہ زپ کھولنے لگا میں نے سانس روک لی۔ راج نے بھی سانس روک لی تھی۔ میں نے اسے حکم دیا۔ ''سانس لو۔''

جب اس نے سانس نہیں لی تو میں نے عقب سے اس کی کمر پر عین گردے کے مقام پر ٹھوکر رسید کی۔ مارے تکلیف کے اس کا منہ کھل گیا اور اس نے بے ساختہ سانس لی۔ پھر جلدی سے سانس روک لی لیکن میرا مقصد پورا ہو گیا تھا اگر بیگ سے کوئی گیس نکلی تھی تو راج کنور نے سانس لے کر اسے اپنے جسم میں اتار لیا تھا۔ راج کنور بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا تھا اور اس نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ میں سمجھا کہ شاید اس پر گیس اثر کر رہی ہے مگر اس کے چہرے پر صرف بے پناہ خوف کے آثار تھے۔ ایسا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ اس پر کسی گیس نے اثر کیا ہے۔ جب کچھ لمحے تک کچھ نہیں ہوا تو اس نے ڈرتے ڈرتے دوبارہ سانس لی۔ اس کا خوف اور احتیاط دیکھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے دال میں کالا محسوس ہونے لگا۔ اس نے چند گہرے سانس لیے اور ٹھیک رہا تو میں نے بھی سانس لی۔ میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ چند گہرے سانس لے کر دوبارہ سانس روکی اور اسے بیگ سے اسلحہ نکالنے کا حکم دیا۔ اس بار بھی اس کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے پستول، شاٹ گن اور ایمونیشن نکالا۔ بیگ خالی کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ میں نے شاٹ گن شانے پر ٹانگی اور دونوں پستول اٹھا لیے۔

''اب یہ سب سمیٹ کر باہر چلو۔''

''بیگ بھی؟''

''ہاں بیگ بھی۔''

مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ منشی جی نے ایک بار پھر چالاکی دکھائی تھی بیگ میں بے ہوش کرنے والی گیس ہوتی تو راج کنور کی حالت اتنی خراب نہ ہوتی۔ شاید بیگ میں کوئی مہلک قاتل گیس تھی۔ راج نے میگزین اور شاٹ گن کے بلٹ کا ڈبا اٹھا لیا تھا۔ ہم باہر آئے۔ بانو اور اوشا ایک طرف بیٹھے آپس میں سر جوڑے محو گفتگو تھے۔ میں نے چاقو سے چنبیلی کے ہاتھ پیروں کی رسیاں کاٹیں اور اسے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اتنی دیر سے اس مشکل پوز میں بندھے بندھے اس کی حالت غیر ہوگئی تھی اور منہ میں کپڑا ہونے کی وجہ سے وہ آواز بھی نہیں نکال سکتی تھی۔ میں اسے بازو سے تھام کر دروازے تک لایا۔ میرے اشارے پر بانو نے دروازہ کھولا اور میں نے چنبیلی کو باہر دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گری۔ بانو نے دروازہ اندر سے بند کر کے لاک کر دیا اور آہستہ سے بولی۔ ''شہباز صاحب ہمیں راج کی پیشکش قبول کر لینی چاہیے۔ ورنہ کسی اور طریقے سے یہاں سے نکلنا مشکل ہوگا۔''

''اتنی عجلت کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ہم بہت مشکل صورت حال سے دوچار ہیں باہر موجود لوگ حد درجے سفاک اور سازشی ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے بہت محتاط رہنا ہوگا مجھے شبہ ہے اس بیگ میں کوئی زہریلی گیس پوشیدہ ہے جو انسان کا کام تمام کر سکتی ہے۔''

''زہریلی گیس۔'' بانو نے خوفزدہ نظروں سے بیگ کی طرف دیکھا۔ ''اسے بھی باہر پھینک دیں۔''

''نہیں یہ ایک اچھا ہتھیار ہے۔''

''تب آپ نے چنبیلی کو کیوں باہر نکالا؟''

''وہ بے کار تھی اس کی جان کی کسی کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے اور وہ خطرناک ہو سکتی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ رات ہمیں یہیں گزارنا ہوگی اور پوری طرح ہوشیار رہنا ہوگا۔ چنبیلی کے ہوتے ہوئے دو آدمیوں پر نظر رکھنا پڑتی اب صرف راج کی نگرانی کرنا ہوگی۔''

''ٹھیک ہے۔'' بانو نے بے دلی سے کہا۔

''آج رات تمہیں اور کچھ سیکھنے کو ملے گا۔''

''وہ کیا؟''

میں نے ایک پستول کا میگزین نکالا اور پھر ایک طرف کر کے اس کا ٹریگر دبایا۔ بعض اوقات چیمبر میں گولی ہوتی ہے اور لوگ میگزین نکال کر سمجھتے ہیں کہ پستول خالی ہے۔ آئے دن لوگ اسی غلط فہمی میں خود مرتے ہیں یا کسی اور کو مار دیتے ہیں۔ کلک کی آواز آئی۔ میں نے پستول بانو کو تھمایا۔ ''پہلے اس کے فنکشن سمجھو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ بریٹا تھا اور اصلی تھا۔ استعمال کے لحاظ سے یہ آسان اور مہلک پستول ہے اس کی رینج اور درستگی اپنے سائز کے دوسرے ہتھیاروں سے بہتر ہے۔ بانو دلچسپی لے رہی تھی۔ اسے پستول کے فنکشن سمجھنے میں چند منٹ لگے۔ اس کے بعد میں نے اسے میگزین لوڈ اور اَن لوڈ کرنے کی پریکٹس کرائی۔ بھرے پستول سے وہ کسی قدر خوفزدہ دکھائی دی تھی لیکن اس نے ہمت کر کے یہ کام کر لیا۔ آدھے گھنٹے تک میں اسے آتشیں اسلحے کے بارے میں بریف کرتا رہا ایک بات درجن بار دھرائی تا کہ اس کے ذہن نشین ہو جائے۔ اس آدھے گھنٹے میں وہ تیزی اور مہارت سے پستول کو لوڈ ان لوڈ، لاک اَن لاک کرنا سیکھ گئی تھی۔ دوسرا اعشاریہ اڑتیس ولسن اینڈ اسمتھ تھا یہ استعمال میں ذرا مشکل تھا کیونکہ نال بہت چھوٹی ہوتی ہے اور صرف ماہر لوگ ہی اس سے اچھا نشانہ لگا سکتے ہیں۔ میں نے بریٹا بانو کے سپرد کر دیا۔

''اب تم نشانے بازی کی مشق کرو گی۔''

''میں پستول چلاؤں گی؟'' وہ گھبرا کر بولی۔

''ہاں تو یہ سب کس لیے سکھا رہا ہوں؟'' میں نے ملائمت سے کہا۔

میں نے راج سے کہا۔ ''منشی جی کو اطلاع کر دو کہ ہم کچھ شوٹنگ پریکٹس کر رہے ہیں اس لیے فائرنگ کی آواز سن کر بھڑ کنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ کمرے میں جو عریاں مجسمے موجود تھے ان کو ٹارگٹ کے طور پر استعمال کیا۔ بانو نے پہلا فائر بہت ڈرتے ڈرتے کیا اور جھٹکے سے پستول اس کے ہاتھ سے گر گیا اس نے چیخ بھی ماری تھی۔ میں نے اسے ڈانٹا۔ ''یہ کیا حرکت ہے۔ پستول مضبوطی سے پکڑو اور دھیان سے فائر کرو ڈرو مت۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔''

دو تین فائر کر کے بانو کا خوف کم ہوا اور ایک میگزین ختم کرتے کرتے اس کا نشانہ بھی اتنا بہتر ہو گیا کہ وہ دس گز کے فاصلے سے مجسمے کے سینے کا نشانہ لیتی تو گولی کہیں نہ کہیں ضرور لگتی تھی۔ اتنے فاصلے سے نشانہ لینے کے لیے اسے واش روم کے پاس جانا پڑتا تھا اور ہم سب احتیاطاً کمرے کے ایسے حصوں میں چلے جاتے کہ گولی کسی صورت ہمیں نہ لگے۔ اب بانو اتنی پُر جوش ہو گئی کہ وہ مزید فائر کرنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے روک دیا۔ ''اتنا کافی ہے دوسرے میگزین کم ہیں۔ اب بریٹا کے تین میگزین فالتو ہیں۔''

اوشا یہ سب دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اس نے مجھ سے کہا۔ ''مجھے بھی سکھا رہے۔''

''ابھی نہیں گولیاں کم ہیں ہاں یہاں سے نکلے تو تم کو سکھاؤں گا۔'' میں نے کہا۔ ''ہاں یہ دیکھو کہ اسے پکڑتے کیسے ہیں اور چلاتے کیسے ہیں۔''

میں نے اسے دوسرے پستول سے تربیت دی۔ میرا خیال تھا کہ وہ نہیں سمجھ سکے گی لیکن اس نے بانو سے بھی زیادہ تیزی سے پستول کو استعمال کرنا سیکھ لیا تھا بس اب عملی مشق کی ضرورت تھی۔ ضرورت پڑنے پر وہ کچھ نہ کچھ کر سکتی تھی اور کچھ نہیں تو ٹریگر دبا سکتی تھی۔ راج کنور بیڈ پر بیٹھا تھا۔ میں نے اسے اٹھنے کو کہا ایک طرف شاہانہ قسم کے صوفے رکھے تھے۔ میں نے بانو اور اوشا سے کہا۔ ''تم دونوں یہاں لیٹ کر آرام کر لو تا کہ کل صبح کے لیے پوری طرح چاک و چوبند ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور آپ؟''

''میں تین چار گھنٹے جاگتا رہوں گا پھر تمہیں اٹھا دوں گا اور تم راج کی نگرانی کرو گی اس دوران میں، میں نیند پوری کرلوں گا۔''

وہ بستر پر لیٹ گئیں۔ میں راج کنور کے سامنے آ بیٹھا۔ وقت گزاری کے لیے اس سے سوال کرنے لگا۔

''تم دو بھائی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''دو بہنیں بھی ہیں۔ ایک کی شادی کر دی تھی اور دوسری قبائلیوں کے حملے میں غائب ہو گئی۔''

''تم لوگوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''بہت کوشش کی بڑے بھیا تو پاگل ہو گئے تھے ان کی بہت لاڈلی تھی۔ ہمارے آدمی آپریشن کے بعد بھی مہینوں قبائلیوں کے علاقے میں اسے تلاش کرتے رہے لیکن کوئی سراغ نہیں ملا۔ شاید وہ آپریشن کے دوران ماری گئی یا اسے لے جانے والے قبائلیوں نے انتقاماً مار دیا ہو۔''

میں نے اسے یاد دلایا۔ ''تم نے ان کے ساتھ کچھ کم کیا تھا۔ ہزاروں لوگ تو میری آنکھوں کے سامنے مارے گئے تھے اور وادی میں جو تھے وہ بھی کہاں بچے ہوں گے، بعد میں سنا تھا کہ زیر زمین بستی کو بم سے دھماکہ کر کے بٹھا دیا گیا تھا؟''

راج کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''پانچ ہزار سے زیادہ قبائلی بچے تھے۔ جوان کم تھے زیادہ عورتیں اور بچے بوڑھے تھے۔ انہیں ریاست کے شمال مشرق میں ایک جگہ دی ہے۔''

''جنگل جہاں وہ اپنی بقا کی جدوجہد کر رہے ہوں گے یا بھوک اور موسم کے ہاتھوں فنا ہو چکے ہوں گے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''کیا وہ تمہاری اور میری طرح انسان نہیں تھے۔''

راج کنور خاموش رہا۔ وہ شرمندہ ہونا جانتا ہی نہیں تھا بس میرے سامنے اس وقت اکڑ نہیں سکتا تھا۔ انسان کے حق میں جتنا سفاک خود انسان ہے اتنے سفاک تو درندے بھی نہیں ہوتے ہیں۔ میں نے اگلا سوال کیا۔ ''تم نے دو بار مجھے مروانے کی کوشش کی۔ ایک بار نائیک کے ہاتھوں اور دوسری بار ادوشا کی مدد سے، دونوں بار تمہیں ناکامی ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ تم میری موت کیوں چاہتے ہو اور وہ بھی اس طرح کہ تمہارے دامن پر داغ نہ آئے۔''

''مجھے تسلیم ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''وجہ تم جو چاہے سمجھتے رہو۔''

''میں چاہوں تو تم اپنی زبان سے بھی بتا سکتے ہو لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے میں جانتا ہوں۔ البتہ بڑے کنور سے تمہارا اختلاف کس بات پر ہوا ہے اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

''وجہ کوئی نہیں ہے میں اس کی غلامی کرتے کرتے تنگ آ گیا ہوں۔ سب کچھ میں کرتا ہوں اور میرے نام پر کچھ بھی نہیں ہے۔ میرے بعد میرے بیوی بچوں کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔''

میں چونکا۔ ''تمہارے بیوی بچے ہیں؟''

''ہاں لیکن وہ یہاں نہیں ہیں میں نے ان کو شہر میں رکھا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دوسرے لفظوں میں تم نے جاگیر کی آمدنی سے ہیر پھیر کر کے خاصا کچھ بنا لیا ہے اور وہ سب شہر میں ہے جہاں تمہارے بیوی بچے ہیں۔ بائی دی وے کتنے بچے ہیں؟''

''دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔''

''بڑے کنور نے شادی نہیں کی؟''

''وہ چاہتا تو اسے لڑکی مل سکتی تھی۔ اسے بیماری ہے لیکن وہ ناکارہ نہیں ہے اس نے خود شادی نہیں کی۔''

''شاید اسے خوف ہوگا کہ کہیں اس کی اولاد میں بھی یہ بیماری نہ منتقل ہو جائے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''اگر بڑے کنور کا انتقال ہو جائے تو یہ جاگیر اور سب کچھ تمہارے نام ہوگا؟''

''لازمی بات ہے اس کا میرے سوا کوئی وارث نہیں ہے۔''

''تمہاری دو بہنیں بھی تو ہیں؟''

''ایک غائب ہے اور دوسری میرے حق میں دستبردار ہو گئی ہے۔''

''گویا تم نے پورا بندوبست کر رکھا ہے۔ کیا تمہاری بہن اپنی خوشی سے دستبردار ہوئی یا تم نے اس کے ساتھ زبردستی کی ہے؟''

اس سوال پر وہ خاموش رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر سادھنا یہاں ہوتی تو وہ بھی جاگیر کی وارث ہوتی۔ راج کنور اس کا بھی دشمن بن جاتا اس لحاظ سے یہ اچھا ہوا کہ وہ یہاں نہیں تھی ہمارے ساتھ محفوظ اور وسیم کے ساتھ خوش و خرم تھی۔ بانو اور اوشا بارہ بجے قریب لیٹی تھیں۔ میں نے چار بجے ان دونوں کو اٹھا دیا۔ وہ واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر آئیں تو میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔ بانو کے پاس برینا تھا اور وہ راج کنور کی نگرانی کر سکتی تھی۔ میں نے اسے خبردار کیا۔ ''مجھے سوتا پا کر کسی شرارت کا خیال ذہن میں مت لانا میں تمہیں گولی مارتے ہوئے ایک بار سوچوں گا لیکن یہ تمہیں شوٹ کر کے بہت خوش ہوگی۔ اس لیے صبح تک زندہ رہنے کی کوشش کرنا۔''

میں بستر پر دراز ہوا اور چند منٹ میں گہری نیند سو گیا تھا۔ میں نے آٹھ بجے اٹھانے کو کہا تھا لیکن اوشا نے مجھے ساڑھے سات بجے ہی جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ ''شہباز دروازے پر کوئی ہے۔''

میں جاگ گیا تھا اور دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک سن سکتا تھا۔ بانو مستعدی سے راج کنور کی نگرانی کر رہی تھی جو صوفے پر دراز سو رہا تھا۔ میں اٹھ کر دروازے تک آیا اور سائیڈ پر ہو کر بلند آواز سے پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''شہباز دروازہ کھولو۔'' ایک دھیمی آواز نے کہا تو میں چونک گیا۔

''بڑے کنور؟'' میں نے شک سے پوچھا۔

''ہاں میں ہوں دروازہ کھولو تم سے بات کرنے آیا ہوں۔''

بڑے کنور کا وہاں آنا میرے لیے غیر متوقع تھا کیونکہ منشی جی کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ بڑے کنور تک رسائی میں ہر ممکن رکاوٹ ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ مگر بڑا کنور خود کمرے کے باہر موجود تھا۔ میں بلند آواز سے بات کر رہا تھا اور راج کنور بیدار ہو گیا تھا۔ بڑے کنور کا نام سن کر وہ بھی چونکا تھا میں اس کے پاس آیا اور اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ ''باہر بڑا کنور آیا ہے وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''بڑا کنور۔'' اس نے ناقابلِ یقین لہجے میں کہا۔ ''وہ یہاں کیسے آ سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں آ سکتا کیا اس لیے کہ وہ تمہاری قید میں تھا۔'' میرا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ اس نے اقرار کر لیا۔

''ہاں اسے کہیں جانے کی اجازت نہیں تھی۔''

''تب اس کی باہر موجودگی بتا رہی ہے کہ باہر کوئی بڑی تبدیلی آ چکی ہے جس کے نتیجے میں بڑا کنور یہاں تک آیا ہے۔''

میری چھٹی حس اشارہ دے رہی تھی کہ گڑبڑ ہو گئی تھی۔ راج کنور بھی سخت تشویش زدہ ہو رہا تھا میں اسے دروازے تک لایا۔ پستول اس کی پشت سے لگا کر اوشا کو دروازہ کھولنے کو کہا۔ اس نے دروازہ کھولا تو عین سامنے بڑا کنور اپنے مخصوص چغے میں رُوپوش کھڑا تھا اس کے دائیں طرف منشی جی اور بائیں طرف رامن تھا۔ نائیک ان کے پیچھے تھا ان کے علاوہ چھ مسلح گورکھے بھی کھڑے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بڑا کنور اب آقا تھا اور وہ سب اسے کی آقائی تسلیم کر چکے تھے۔ پانسہ پلٹ گیا تھا صرف میرے لیے نہیں بلکہ راج کنور کے لیے بھی۔ بڑے کنور نے پہلی بار بلند اور تیز آواز میں کہا۔ ''شہباز ملک ہتھیار ڈال دو اور باہر آ جاؤ۔''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اطمینان سے کہا۔ ''اگر میں ایسا نہ کروں تو.....؟''

''تب مجبوراً مجھے اپنے آدمیوں سے کہنا پڑے گا۔'' بڑے کنور نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تمہارے آدمی؟'' میں نے استہزائیہ انداز میں منشی جی، رامن اور نائیک کو دیکھا۔ ''کل تک یہ راج کنور کے جوتے چاٹ رہے تھے اور تمہیں معزول بادشاہ کی طرح قید کر رکھا تھا۔''

''وہ کل کی بات تھی اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔''

میں نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''تم ان لوگوں پر بھروسہ کر رہے ہو جو ہمارے سیاست دانوں کی طرح پٹری بدلنے کے ماہر ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے اگر راج کنور میرے قبضے سے نکل جائے گا تو یہ دوبارہ تمہیں قید نہیں کرے گا؟''

''یہ بعد کی بات ہے۔'' اس نے معمول کے مطابق سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''بہتر ہوگا تم ہتھیار ڈال کر خود کو راج سمیت میرے حوالے کر دو، میں وعدہ کرتا ہوں چند مہینے بعد تمہیں اس لڑکی سے سمیت واپس پاکستان بھیج دوں گا۔''

''ہتھیار ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہاں ایک کام ہو سکتا ہے تم ہمیں یہاں سے جانے دو۔ ہم جیلی کاپٹر میں یہاں سے نکل جاتے ہیں اور ہمیں سرحد پار چھوڑ کر راج کنور واپس آ جائے گا اور پھر تم دونوں بھائی آپس میں اپنے معاملات نمٹاتے رہنا۔ جہاں تک میرے خون کا تعلق ہے تو اب اسے بھول جاؤ۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

''سب ممکن ہے۔'' میں نے اوشا کو دروازہ بند کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس پر غور کرو، یقین کرو اس مسئلے کا سب سے بہتر حل یہی ہے دوسری صورت میں بہت خون خرابا ہوگا۔''

رامن، منشی جی اور نائیک پیچ و تاب کھا رہے تھے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دیں۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے میں نے مشورہ دیا۔ ''بڑے کنور جی، ایک مخلصانہ مشورہ ہے۔ ان تین افراد سے فوری چھٹکارا حاصل کر لیں۔ یہ آستین کے سانپ ہیں اور آپ پہلے ہی سانپ کے ڈسے ہوئے ہیں۔''

اوشا نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ اور بانو ہتھیار بدست پوری طرح تیار تھے۔ خاص طور سے بانو پُرعزم تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ کسی صورت زندہ ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آئے گی۔ میں راج کنور کو واپس صوفے تک لایا اور اس پر دھکیل کر کہا۔ ''تم نے دیکھا راج کنور بازی کیسے پلٹتی ہے۔ کل تک تمہارے پیچھے دُم ہلانے والے آج بڑے کنور کے ساتھ کھڑے ہیں۔ کیا خیال ہے اگر میں تمہیں بڑے کنور کے حوالے کر دوں؟''

''نہیں۔'' وہ کانپ اٹھا تھا اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ ''وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔''

''مطلب کہ وہ بھول گیا ہے کہ تم اس کے بھائی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے اس کا علاج بند کیا اور اسے قید رکھا وہ اس پر مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔''

''کیا کرے گا قتل کر دے گا؟''

''اس سے بھی زیادہ۔'' راج کنور نے سہمے انداز میں کہا۔ ''وہ مجھے اپنے کتوں کے آگے ڈلوا دے گا۔ تم اس کے نرم لہجے پر مت جاؤ وہ مجھ سے بھی زیادہ سفاک ہے۔''

''اس میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''مجھے یقین ہے وہ ایسا ہی کرے گا لیکن کیا اس صورت میں، میں اور تم ایک ہی لیول پر نہیں آ گئے ہیں۔ بلکہ میں اس کے لیے ضروری ہوں اور تمہارا کانٹا وہ جلد از جلد نکال دینا مناسب سمجھے گا۔''

راج کنور نے جواب نہیں دیا لیکن اس کے تاثرات بتا رہے تھے وہ بھی یہی سوچ رہا ہے۔ بانو بھی فکر مند ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''اس صورت میں بڑا کنور اس کی پروا کیے بغیر کوئی کارروائی کر سکتا ہے۔''

''وہ نہیں کرے گا رے۔'' اوشا بولی۔ ''اسے شہباز کا کھون چاہیے۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے میں اس کے لیے ضروری ہوں اور اگر مجھے کوئی نقصان ہوا تو اس کے علاج کا امکان ختم ہو جائے گا۔''

''لیکن وہ آپ کو یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔'' بانو نے کہا۔ ''اس صورت میں وہ اس کی پروا بھی نہیں کرے گا کہ آپ کو نقصان ہوتا ہے یا نہیں۔''

''تمہاری بات بھی قابلِ غور ہے۔'' میں نے کہا۔

''کاش کے ہم رات کو ہی نکل جاتے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' راج کنور بولا۔ ''میرے پاس صرف دن میں پرواز کا لائسنس ہے اور دوسرے یہ ہیلی کاپٹر رات میں پرواز کے قابل بھی نہیں ہے صرف دن میں اڑ سکتا ہے۔''

میں ظاہر نہیں کر رہا تھا لیکن اندر سے میں تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ بڑے کنور نے اچانک راج پاٹ دوبارہ حاصل کر کے میرے ہوتے کام میں رکاوٹ ڈال دی تھی۔ راج کنور پر میں نے اسی لیے قبضہ کیا تھا کہ وہ شاہ تھا مگر دشمن کی قید میں جاتے ہی رعایا نے اسے معزول کر کے معزول شاہ کو قید خانے سے نکال کر دوبارہ تخت پر لا بٹھایا تھا۔ بادشاہ مر گیا..... نیا بادشاہ آ گیا..... بادشاہ زندہ ہے..... تاج و تخت زندہ باد۔ یہ کہانی اس چھوٹی سی ریاست میں بھی دہرائی گئی تھی۔ راج کنور کی حیثیت ختم ہو گئی تھی اس لیے اب یہاں سے بہ حفاظت نکلنے کے لیے اس کا سہارا نہیں لیا جا سکتا تھا۔ اس میں بہت رسک آ جاتا۔ بڑا کنور جس طرح لاؤ لشکر کے ساتھ آیا تھا اس نے واضح پیغام دیا تھا کہ میں راج کنور یا طاقت کے بل پر یہاں سے نہیں نکل سکتا تھا۔ صرف ایک چیز نے بڑے کنور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو فوری ایکشن سے روک دیا تھا کہ میں اس کے علاج کی واحد امید تھا۔ اگر مجھے کوئی نقصان ہوتا تو اسے علاج کے لیے میرا خون نہ ملتا۔

میں سوچنے لگا کہ راج کنور کا ٹرمپ کارڈ اب اتنا کارآمد نہیں رہا تھا لیکن میرے ہاتھ میں یہ ایک چیز تو تھی۔ میں اس سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا تھا اس کا انحصار آنے والے حالات پر تھا۔ راج کنور کا یہ عشرت کدہ کنورہ پیلس کے عین وسط میں تھا گویا میں اور میرے ساتھی چاروں طرف سے دشمن کی کچھار میں تھے۔ یہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ پیلس کے دو ڈھائی سو محافظوں کے ساتھ راج کنور کے پالے بدمعاشوں سے بھی مقابلہ تھا اور ان سب سے لڑ بھڑ کر صرف سپر مین یا کوئی فلمی ہیرو ہی یہاں سے نکل سکتا تھا۔ ایک عام کیا میرے جیسے خاص انسان کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ میری طرح راج کنور بھی حالات پر غور کر رہا تھا اور جیسے جیسے غور کر رہا تھا اس کی حالت بھی خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا اگر بڑے کنور نے اسے قبضے میں کر لیا تو اس کے ساتھ کیا ہو سکتا تھا۔ وہ میرے ساتھ ہی محفوظ تھا۔

عجیب بات تھی کچھ عرصے پہلے میں بڑے کنور کی زندگی کا باعث بن رہا تھا اور یہ راج کنور کو گوارہ نہیں تھا اور اب راج کنور میرے پاس تھا اور بڑا کنور اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ اسے بچانا مجھ پر فرض نہیں تھا لیکن اس پُرتعیش قید خانے سے نکلنے کے لیے راج کنور یا بڑے کنور میں سے کسی کا میرے قبضے میں ہونا ضروری تھا۔

کچھ دیر بعد راج کنور نے زبان کھولی۔ ''شہباز یہاں میری زندگی کو خطرہ ہے اگر تم مجھے یہاں سے نکال لے جاؤ تو میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں سرحد پار پہنچا دوں گا۔''

''غالباً موت کی سرحد کے پار۔'' میں نے نیم سنجیدہ انداز میں کہا لیکن میں اس کی بات پر غور کر رہا تھا۔

''تم دونوں بھائی ایک نمبر کے مکار ہو۔''

''نہیں میں سوگند کھاتا ہوں اپنے بچوں کی۔'' وہ یقین دلانے لگا۔ ''پھر میں تمہارے قبضے میں ہوں گا اگر میں ذرا بھی وعدہ خلافی کروں تو تم مجھے گولی مار دینا۔''

وہ اسی قابل تھا کہ اسے گولی مار دی جائے لیکن فی الحال اس کی زندگی میرے لیے ضروری تھی۔ صبح کے چھ بج رہے تھے اور باہر یقیناً روشنی نمودار ہو گئی ہو گی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ ناشتہ کر لیا جائے کیونکہ اس کے بعد پھر نہ جانے کب ملے یا نہ ملے۔ کھانے کے لیے وہاں پھل تھے اور فریج میں فلیور ملک موجود تھا۔ ہم نے اس سے ناشتہ کیا۔ راج کنور نے برائے نام کھایا۔ اپنا اقتدار جاتا دیکھ کر اس کی بھوک مر گئی تھی اور اپنی موت کے خوف سے وہ ادھ موا ہوا جا رہا تھا۔ اس دوران میں اس نے مجھے دو تین بار پیشکش کر دی تھی کہ وہ میری مدد کر سکتا ہے۔

کھانے کے بعد میں نے کہا۔ ''راج کنور تم فضول کی پیشکش کر رہے ہو یہاں سے نکلنے کے بعد تو میں خود بھی پاکستان جا سکتا ہوں۔ اصل کام اس پیلس سے نکلنا ہے۔ یہاں سے نکلنے میں تم کیا مدد کر سکتے ہو۔''

راج کنور کے چہرے پر تفکر آمیز تاثرات آ گئے تھے اور وہ سوچ میں پڑ گیا۔ میں اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے یقیناً وہ یہاں سے نکلنے کے کسی راستے سے واقف تھا یا تو وہ اسے استعمال کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا یا پھر اس فکر میں تھا کہ مجھے بتائے یا نہیں۔ اسے مصروف دیکھ کر میں نے مناسب سمجھا کہ اسلحے کا جائزہ لے لوں۔ ایک عدد خودکار رائفل اور اس کے جا۔ اضافی میگزین، جدید ساخت کی چھوٹی شاٹ گن اور اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تقریباً سو کارتوس تھے۔ اسی طرح بریٹا اور اعشاریہ اڑتیس کے تین تین اضافی میگزین تھے۔ یوں دیکھا جائے تو اسلحے کے لحاظ سے پوزیشن بری نہیں تھی لیکن اگر ہمیں محدود پیمانے پر اپنا دفاع کرنا پڑتا۔ یہ اسلحہ ایک دو درجن مسلح ترین افراد کی فوج سے مقابلہ کرنے کے لیے ناکافی تھا۔ مگر جس وقت میں نے یہ اسلحہ منگوایا تھا اس وقت یہی خیال تھا کہ بس راج کنور کو قابو کرنا ہے اور باقی سب خود قابو رہیں گے۔ پھر ہم تینوں میں صرف میں ہی اسلحہ ڈھنگ سے استعمال کر سکتا تھا۔ بانو اناڑی تھی اور اوشا سے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ میں نے راج کنور کی طرف دیکھا۔

''میرا خیال ہے تم نے کافی سوچ لیا ہے اب فیصلہ کر لو کہ ہمیں اس خفیہ راستے سے باہر لے جاؤ گے یا نہیں۔''

وہ حیران ہوا۔ ''تم کیسے جانتے ہو؟''

''یہ کوئی مشکل سوال نہیں ہے۔ اس قسم کے محلات میں جہاں دنیا کی آسائشیں ہوں وہاں برا وقت آتے بھی دیر نہیں لگتی ہے اور اسی برے وقت سے بچنے کے لیے یہاں فرار کا خفیہ راستہ رکھا جاتا تھا۔ جب قبائلیوں نے حملہ کیا ہوگا تب بھی تم لوگ اسی راستے سے نکلے ہو گے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''لیکن یہ پیلس کے اہم ترین رازوں میں سے ہے اس سے صرف میں اور بڑا کنور واقف ہیں۔''

''کوئی بات نہیں اگر ہم بھی واقف ہو جائیں ویسے بھی اب تمہارا اور بڑے کنور کا راستہ الگ ہے اور اگر قسمت نے یاوری کی اور تم دوبارہ یہاں کے حکمران بن گئے تو خفیہ راستہ پھر سے بنوا لینا۔ تمہارے لیے کیا مشکل ہوگا۔''

''خفیہ راستے کے بجائے اپنی فکر کرو۔'' بانو نے کہا۔ ''اگر بڑے کنور نے ہمارے خلاف طاقت کا استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر بھاگ بھی نہیں سکتے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''اگر اس نے حملے کے بجائے کوئی اور حربہ استعمال کیا جیسے گیس چھوڑ دی۔ یا وہ سکون سے بیٹھ کر انتظار بھی کر سکتا ہے۔ یہاں ہمارے پاس کھانے کو کیا ہے دو تین دن بعد بھوک خود ہمیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گی۔''

راج کنور پریشان ہو گیا۔ ''دیکھو یہ اتنا آسان نہیں ہے۔''

''خفیہ راستے تک پہنچنا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ یہاں سے کچھ دور ہے اول تو ہمیں وہاں تک کوئی جانے نہیں دے گا اور ہم اس تک پہنچ گئے تب بھی ہمارا پیچھا کیا جائے گا اور اگر باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تب بھی یہ لوگ وہاں پہنچ کر ہمیں روک سکتے ہیں۔''

''تمام مفروضات ٹھیک ہیں لیکن ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔ اب بولو اگر تم راضی نہیں ہو تو.....''

''تو تمہارا کیا فائدہ۔'' بانو نے اس کے سر سے پستول لگا دیا۔ ''کیوں نہ یہاں تمہاری لاش چھوڑ جائیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راج کنور لرز گیا۔ ''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں انکار نہیں کر رہا لیکن اس میں بہت زیادہ خطرہ ہے۔''

''تم اس کی پروا مت کرو۔''

''کیسے نہ کروں مجھے بھی تو تمہارے ساتھ جانا ہوگا میری جان کو بھی خطرہ ہوگا۔'' اس نے بلبلا کر کہا۔

''جان کا خطرہ تو یہاں بھی ہے۔'' بانو نے کہا۔ ''ہم تمہیں زندہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ دشمن جتنے کم ہوں اتنا اچھا ہوتا ہے۔''

''تب تم باہر جا کر بھی مجھے مار دو گے۔''

''دشمن تم اس وقت بنو گے جب آزاد ہو گے اور ہمارے ساتھ تم قیدی ہو گے اس لیے دشمن نہیں رہو گے۔ جب آزاد کرنے کا وقت آئے گا تو ہم اپنی حفاظت کا بندوبست کر لیں گے۔''

بانو بڑی ہوشیاری سے اسے قائل کر رہی تھی۔ میں نے بھی زور دیا۔ ''راج کنور سوچ میں وقت ضائع مت کرو بعض اوقات وقت کا ضیاع ہی ناکامی کا سبب بن جاتا ہے۔''

اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''ٹھیک ہے میں تیار ہوں آگے جو بھگوان کی مرضی۔''

جیسے ہم کہتے ہیں کہ سب کر کے دیکھ لیا آگے اللہ کی مرضی۔ یعنی پہلے ہم اپنی مرضی کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جو ہوتا ہے وہ ہمیشہ ہی اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ وہاں کاغذ کے نام پر چھوٹا نوٹ پیڈ تھا اس لیے ایک صاف سفید کپڑے کا سہارا لیا گیا اور راج کنور نے اس پر پیلس کے اس حصے کا ایک تفصیلی نقشہ بنایا۔ اس نقشے کی مدد سے اس نے سمجھایا کہ ہمیں کہاں جانا تھا۔ یہ جگہ اس عشرت کدے سے کوئی چالیس میٹرز شمال میں تھی۔ اس تک جانے کے لیے ہمیں پہلے ایک ایل شکل کی راہداری سے گزرنا تھا اور جہاں یہ راہداری ختم ہو رہی تھی وہاں سے دائیں طرف مڑنے کے بعد ہم اس جگہ پہنچ سکتے تھے۔ دونوں راہداریاں کھلی تھیں اور ان میں کہیں کوئی آڑ نہیں تھی۔ یہ فاصلہ اصل میں اسی میٹرز تھا اور اگر ہم پوری رفتار سے کام لیتے تو ایک منٹ سے کم وقت میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔

لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ نائیک اینڈ رامن اینڈ کمپنی کی صورت میں موجود ہوتی۔ ان کا ہونا اتنا ہی یقینی تھا جتنا اس کمرے کے باہر کنور پیلس کا ہونا۔ وہ بھرپور مزاحمت کرتے۔ دونوں جانب سے گولیوں کا تبادلہ ہوتا۔ ہماری طرف سے اس تبادلے کے لیے صرف تین عدد افراد تھے اور خودکار رائفل صرف ایک تھی جب کہ دوسری طرف تمام ہی افراد خودکار رائفلوں سے مسلح ہوتے۔ یہ ایک یک طرفہ جنگ ہو سکتی تھی۔ جس میں ہمارے بچنے اور بچ کر نکلنے کی گنجائش بہت کم ہوتی۔ راج کنور بھی یہ بات سمجھ رہا تھا اور اسی لیے ہماری مخالفت کر رہا تھا۔ مگر وہ ہمارے آگے بے بس تھا۔ مجھے غور و فکر کرتے پا کر اس نے کہا۔ ''شہباز ایک بار پھر سوچ لو یہ بہت رسکی ہے۔ وہ ہمیں اس دروازے سے زیادہ دور جانے نہیں دیں گے۔ ہم مارے جائیں گے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''اس صورت میں ان کو دھوکا دے کر کام نکالا جا سکتا ہے۔''

''کیسا دھوکا؟''

''اس بارے میں غور کرنا پڑے گا۔ یہ بتاؤ کہ یہاں ہونے والے گفتگو کہیں اور تو نہیں سنی جا رہی ہے؟''

''نہیں یہاں سب میرے کنٹرول میں ہے اور کوئی دوسرا فرد گفتگو نہیں سن سکتا ہے جب تک میں نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہوں۔"

"اس کی مدد سے؟" میں نے واکی ٹاکی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ مسکرایا۔ "نہیں وہ سسٹم ایسا ہے کہ تم اسے پکڑ بھی نہیں سکتے۔ وہ میری آواز سے کام کرتا ہے اگر میں ایک خاص لفظ ادا کروں گا تو سسٹم کام کرنے لگے گا اور یہاں کی آوازیں باہر سنائی دیں گی۔"

"جب ہم نے تمہیں قابو کیا تو کیا تم نے ہوش میں آنے کے بعد وہ لفظ ادا کیا تھا؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کی ضرورت نہیں تھی ٹائیک سے ان کو پہلے ہی پتا چل گیا تھا۔"

"ممکن ہے تمہارے علاوہ بھی کسی کو اس سسٹم کا علم ہو۔"

"تب بھی وہ بغیر بولے اسے ایکٹی ویٹ نہیں کر سکتا ہے۔" راج کنور نے کہا تو میں قائل ہو گیا۔ اگرچہ اس کا رویہ پہلے بھی تابعدارانہ تھا لیکن جب سے اس نے بڑے کنور کو آزاد دیکھا تھا نہایت شرافت سے پیش آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی سرشت ہی بدل گئی ہے لیکن بین کی حرکت کے ساتھ سانپ کے جھومنے سے اس کی زہرناکی پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور نہ اس کی ڈسنے کی جبلت میں تبدیلی آتی ہے۔ میں راج کنور کی طرف سے ہوشیار تھا۔ میں نے اس سے ان راہداریوں کے اطراف میں موجود کمروں اور پیلس کے حصوں کے بارے میں پوچھا۔ راج کنور نے وضاحت کی کہ ان میں سے بیشتر کمرے پیلس والوں کے لیے مخصوص ہیں یعنی وہ چاہیں تو انہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ ان میں بیڈ رومز اور نشست گاہیں شامل تھیں۔ ایک کمرہ چھوٹا ڈائننگ روم تھا۔ جیسے جیسے راج بتا رہا تھا میں کپڑے کے نقشے پر اضافہ کر رہا تھا۔ کمروں کے مزید دروازے کہاں کہاں کھلتے تھے یہ معلومات بھی اہم تھیں۔ اس سے پتا چلتا کہ کہاں سے دشمنوں کو مزید کمک مل سکتی تھی۔ میرے ذہن میں ایک ممکنہ پلان واضح ہوتا جا رہا تھا لیکن اس پر مزید کام کرنے کی ضرورت تھی۔ جب میں نے راج کنور سے تمام ممکنہ معلومات حاصل کر لیں۔ تو اوشا کو پاس بلایا۔

"تم پیلس کے تمام حصوں سے واقف ہو؟"

"ہاں رے۔"

میں نے اسے نقشہ دکھایا اور پھر سمجھایا کہ ہم کہاں تھے؟ جب وہ سمجھ گئی تو میں نے راج کنور کی دی ہوئی معلومات کا موازنہ اس کی معلومات سے شروع کیا۔ کچھ دیر میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ راج کنور نے کہیں غلط بیانی نہیں کی تھی۔ اوشا نے میری طرف دیکھا۔ "تو یہ کیوں پوچھ رہا ہے؟"

"ہمیں یہاں جانا ہے؟" میں نے اوشا کو خفیہ راستے والے کمرے کے خانے پر انگلی رکھ کر کہا۔

"پر کیوں یہاں تو کچھ نہیں ہے رے۔"

"یہاں پیلس سے باہر جانے کا راستہ ہے۔"

اوشا فکرمند ہو گئی۔ "پر وہ جانے کہاں دیں گے؟"

"ہمیں راستہ بنانا ہوگا اور اس کے لیے خطرہ مول لینا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "ویسے ہمارے پاس ایک ڈھال تو ہے۔"

راج کنور کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ تمہاری غلط فہمی ہے وہ سب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے مجھے ماریں گے۔ اس کے بعد تم بھی نہیں بچو گے۔"

"میں مذاق کر رہا ہوں مجھے بھی معلوم ہے بڑا کنور اور اس کے آدمی تمہارے دشمن ہیں اور دوسرے خفیہ راستہ تم ہی کھولو گے اس لیے ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔"

"جب تک تم ہمیں دھوکا نہیں دیتے زندہ رہو گے۔" بانو بولی۔

راج کنور نے رشک سے مجھے دیکھا۔ "شہباز تم نے ایک سادہ سی ناری کو کیا بنا دیا ہے۔ میں نے آج تک کسی کو اتنی تیزی سے بدلتے نہیں دیکھا ہے۔"

"اس میں میرا نہیں بانو کا کمال ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے خود بھی آج تک کسی کو اتنی جلدی خود کو بدلتے نہیں دیکھا۔ کبھی میں بھی ایک عام آدمی تھا اور جب حالات نے مجھے اس ڈگر پر ڈالا تو مجھے خود کو بدلنے میں اس سے کہیں زیادہ وقت لگا تھا۔"

بانو جھینپ گئی۔ "آپ لوگ میری تعریف ہی کرتے رہیں گے یا یہاں سے نکلنے کا کوئی طریقہ سوچیں گے۔"

"طریقہ تو ہے۔" میں نے کہا اور بانو کو ایک کونے میں لایا۔ "ہمیں حکمتِ عملی سے کام لینا ہوگا۔ مار دھاڑ کر کے اس جگہ تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہوگا۔"

"کیسی حکمتِ عملی؟"

"پلان یہ ہے کہ میں بڑے کنور سے بات کہتا ہوں میں اس سے کہوں گا کہ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ ہم یہاں سے نکلیں گے اور جب خفیہ راستے والے کمرے کے پاس پہنچیں گے تو اپنا راستہ بدل لیں گے۔ اس وقت ہمیں روکنا ذرا مشکل ہو جائے گا۔"

بانو نے نکتہ اٹھایا۔ "اس میں ایک رسک ہے کہ باہر نکلتے ہی ہم پر حملہ نہ ہو جائے۔"

"اس کا امکان ہے لیکن مجھے امید ہے کہ جب میں بڑے کنور کو مذاکرات کی بنیاد پر ہتھیار ڈالنے کا چارہ دوں گا تو وہ اس پر ضرور منہ مارے گا۔ اس کی بھی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ میں صحیح سالم اس کے ہاتھ آ جاؤں۔"

"ٹھیک ہے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"تمہارا کردار اہم ہے۔ جیسے ہی ہنگامہ شروع ہوگا تم اوشا راج کنور کو لے کر اس کمرے تک جاؤ گی اور خفیہ راستہ کھلواؤ گی۔ اس دوران میں، میں بڑے کنور کے لوگوں کو روکوں گا۔"

بانو فکرمند ہو گئی۔ "لیکن اگر آپ کہیں پھنس گئے یا راج کنور نے کوئی چالاکی دکھائی.....؟"

میں اس کے خدشات سمجھ رہا تھا درحقیقت مجھے خود بھی پوری طرح یقین نہیں تھا کہ میں کامیابی سے اس پلان پر عمل کر سکوں گا۔ مشکلات بہت زیادہ تھیں اور کامیابی کا امکان کم تھا۔ ایک دوسرا پلان بھی تھا اس میں بانو اور اوشا یہاں سے نکل جاتیں اور میں خود کو بڑے کنور کے حوالے کر دیتا۔ اس کی کامیابی کا امکان تھا لیکن میں پھر بڑے کنور کے چنگل میں پھنس جاتا اور نہ جانے پھر گلوخلاصی ہوتی بھی یا نہیں۔ میں نے بانو کے سامنے یہ پلان بھی رکھا تو اس نے اسے فوری مسترد کر دیا۔ "یہ ممکن نہیں ہے ہم سب ساتھ یہاں سے نکلیں گے ورنہ نہیں....."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بھی ایک آپشن ہے اگر ہم ناکام رہے اور پکڑے گئے تو پھر اسے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔''

''پہلے میں شاید یہ بات مان بھی جاتی لیکن اب میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔'' اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

میں نے بحث نہیں کی اور موضوع بدل دیا۔ ''ٹھیک ہے میں بڑے کنور سے بات کر رہا ہوں لیکن اس سے پہلے ہمیں پوری طرح پلان سمجھ لینا چاہیے۔''

راج کنور غور سے ہماری طرف ہی دیکھ رہا تھا اور شاید باتیں سننے کی کوشش بھی کر رہا تھا لیکن میں اور بانو بہت دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اب جو پلان تھا اس سے راج کنور کو بے خبر رکھنا ضروری تھا کیونکہ وہ درمیان میں گڑبڑ کر سکتا تھا۔ ویسے بھی عمل ہم تین افراد نے کرنا تھا اس لیے اس کا بے خبر رہنا ضروری تھا۔ میں نے اسے واش روم کے دروازے کے پاس جانے اور منہ دیوار کی طرف کر کے کھڑے ہونے کا حکم دیا تو اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ ''یہ کیوں؟''

میں غرایا۔ ''سوال مت کرو جو کہا جا رہا ہے ہو کرو۔''

''اور اچھے بچوں کی طرح دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔'' بانو ہنسی۔ ''سمجھ لو آج تمہیں ہوم ورک نہ کرنے پر سزا دی جا رہی ہے۔''

راج کنور خون کے گھونٹ پی کر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ ہم سے کوئی چھ سات گز کی دوری پر تھا۔ میں نے اوشا، بانو اور اپنے درمیان نقشہ بچھایا اور سرگوشی میں ان کو سمجھانے لگا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ اوشا بھی یہ سن کر پریشان ہو گئی تھی کہ میں پیچھے رہ کر آنے والوں سے نمٹوں گا اور وہ راج کنور کے ہمراہ خفیہ راستہ کھولنے جائیں گی۔ اوشا نے کہا۔ ''شہباز تُو ساتھ رہ۔''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔'' بانو نے اس کی تائید کی۔

''تم دونوں عقل سے سوچو اگر ہم تینوں ہی اس کمرے میں پہنچ گئے تو دشمن باہر تک آ جائے گا اور ممکن ہے وہ ہمیں فرار ہونے ہی نہ دے اس لیے راستہ کھلنے تک ان لوگوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔''

ان کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ میری رائے سے متفق نہیں تھیں۔ بانو اب کمزور نہیں تھی اور اوشا تو بذات خود ہلاکت خیز ہتھیار تھی اس کے باوجود وہ میرے بغیر خود کو کمزور اور اکیلا محسوس کر رہی تھیں اور خوفزدہ تھیں۔ میں نے اعشاریہ اڑتیس اوشا کے سپرد کیا۔ یہ استعمال میں آسان تھا اور اس جھٹکا بھی ہلکا ہوتا ہے۔ وہ اسے آسانی سے استعمال کر سکتی تھی۔ برٹا سے بانو نے فائرنگ کی مشق بھی کر لی تھی اور وہ اس کا تیز جھٹکا برداشت کر سکتی تھی۔ پھر خالی ہاتھوں سے بھی راج کنور کو قابو کر سکتی تھی۔ میں نے ان سے کہا۔ ''باہر نکلتے ہی تم دونوں راج کنور کے ساتھ رہو گی بلکہ ہو سکے تو اس سے چمٹ جانا۔''

''میں ایسا نہیں کر سکتی۔'' بانو نے فوراً انکار کر دیا۔ ''اس سے بہتر ہے میں گندے جانور کے ساتھ چمٹ جاؤں۔''

اوشا ہنسی۔ ''میں چمٹ جاؤں گی۔ اس کا آکھری سے اچھا بیتے گا۔''

''خدا کے لیے آہستہ بولو۔'' میں نے راج کنور کی طرف دیکھا۔ ''ابھی سے مرنے مارنے کی باتیں کرو گی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو وہ بدک جائے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں ہم یہ کام کرلیں گے۔" بانو نے اس بار حوصلے سے کہا۔

"ایک اہم بات ذہن نشین کرلو۔ راج کنور ہماری ڈھال ہے اس لیے اس کی آڑ میں رہنا لیکن اگر تم لوگ کسی مرحلے پر محسوس کرو کہ پکڑی جاؤ گی تو اسے شوٹ کر دینا۔ اسے زندہ نہیں چھوڑنا ہے۔"

وہ دونوں فکر مند نظر آنے لگیں بانو نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوگا؟"

"یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "بس ایک بات طے ہے ہم زندہ نہ رہیں یا پکڑے جائیں تو اس صورت میں راج کنور کو زندہ نہیں بچنا چاہیے۔ اس جگہ وہی ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے وہ آزاد ہوگیا اور اس نے دوبارہ اختیار حاصل کرلیا تو ہمارے ساتھ بد سے بدتر کرنے کی کوشش کرے گا۔"

بانو نے جھرجھری لی۔ "آپ کی بات سن کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ اسے ابھی شوٹ کر دوں۔"

"بی بی اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو گی تو ہم یہاں سے سلامتی کے ساتھ نکل سکتے ہیں۔"

اس نے سعادت مندی سے کہا۔ "میں کوشش کروں گی جیسا آپ نے کہا ہے ویسا ہی کروں۔"

"میں بھی۔" اوشا نے جذباتی انداز میں میرا بازو تھام لیا۔ "شہباز اگر میں جیتی رہی تو تیرے نام سے جیوں گی اور مرگئی تو تیرے نام سے مروں گی۔"

"ابھی مرنے کی نہیں جینے کی بات کرو۔" میں نے جھینپ کر کہا۔ اس کا انداز اتنا جذباتی تھا کہ بانو بھی کھسیا گئی لیکن اوشا کو ایسی باتوں کی پروا کبھی نہیں رہی تھی جذبات کے اظہار میں وہ اتنی کھلی ڈھلی تھی کہ اپنے باپ کی پروا بھی نہیں کرتی تھی۔ اوشا دکھی ہوگئی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں رے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "لیکن میں تم سب سمیت جینا چاہتا ہوں۔ ہم خودکشی کرنے نہیں جا رہے ہیں۔ اگر موقع آئے کہ ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو ہتھیار ڈال دینا جیسے ابھی ہمیں موقع ملا ہے اس طرح بعد میں بھی ملے اصل بات زندہ رہنا ہے۔ بس یہ چیز طے ہے کہ راج کنور نہ بچے۔"

انہوں نے سر ہلایا تو میں نے ایک بار پھر انہیں ذہن نشین کرایا کہ کس موقع پر کیا کرنا ہے۔ پلان سادہ تھا۔ میں بڑے کنور سے بات کرتا اور اس کے پاس جانے کی اجازت طلب کرتا۔ وجہ یہ ہوتی کہ میں اس سے مذاکرات کرنا چاہتا تھا اور اس کے سامنے کچھ شرائط رکھنا چاہتا تھا۔ وہ مان جاتا تو ہم یہاں سے نکلنے میں بڑے کنور سے کہہ دیتا کہ راستے میں اس کے آدمی نہ آئیں اس لیے امکان تھا کہ اس کا لشکر دور ہٹ جائے گا۔ ایل شکل کی راہداری سے نکلنے کے بعد بڑے کنور کے حصے کی طرف جانے کے لیے ہمیں بائیں طرف مڑنا ہوتا لیکن ہم دائیں طرف مڑ جاتے اور یہاں سے اصل مرحلہ شروع ہوتا۔ امکان تھا کہ بڑے کنور کے آدمی بائیں طرف ہی ہوں گے اور دائیں طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا یا اس طرف ہوئے بھی تو زیادہ نہیں ہوں گے اور ان سے نمٹا جاسکتا تھا۔ میں نے باری باری اوشا اور بانو سے پوچھا کہ انہیں کیا کرنا ہے اور ان کے جوابات سے مطمئن ہو کر میں نے انٹر کام اٹھایا۔ دوسری طرف منشی جی تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''منشی جی، میں بڑے کنور سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ مجھے حکم کریں؟'' اس نے چاپلوسی سے کہا۔ ''ہم بھی آپ کے خدمت گار ہیں۔''

''منشی جی میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں آپ اس کا بندوبست کر دیں۔'' میں نے کہا تو اسے سانپ سونگھ گیا۔ پھر اس نے کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے شہباز جی۔''

''میں جانتا ہوں اسی لیے بڑے کنور سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں بات کراتا ہوں۔''

کچھ دیر بعد بڑا کنور لائن پر آ گیا۔ ''شہباز تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''میں نے محسوس کیا ہے کہ میرا اور میرے ساتھیوں کا یہاں سے زندہ نکلنا ممکن نہیں ہے اس لیے میں خود کو آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے میں آپ سے مل کر کچھ شرائط پر بات کروں گا۔ کیا مجھے آپ کے پاس آنے کی اجازت ہے۔''

ایک خدشہ یہ بھی تھا کہ کہیں بڑا کنور خود یہاں آنے کی بات نہ کرے اس صورت میں پلان فیل ہو جاتا۔ بڑا کنور کچھ دیر خاموش رہا اور پھر اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے تم آ جاؤ۔''

''میں راج کنور اور اپنے ساتھیوں سمیت آؤں گا۔'' میں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے شرط رکھی۔

''کوئی ہم سے ہتھیار نہ مانگے اور نہ راستے میں آئے۔''

''سب کیوں بس تم آ جاؤ۔''

''گستاخی معاف بڑے کنور صاحب، میں چالاک نہیں ہوں لیکن بے وقوف بھی نہیں ہوں۔ میں آپ سے ملنے آؤں اور پیچھے آپ کے کمانڈوز میرے ساتھیوں پر قابو پا لیں۔ یہ دو عورتیں بے چاری کیا کر لیں گی۔ اس لیے سب ساتھ آئیں گے راج کنور بھی ہمارے ساتھ ہو گا اور اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو اس کا پہلا نشانہ یہی بنے گا۔''

''کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی لیکن میرے محافظ تمہیں ہتھیار بدست میرے پاس نہیں آنے دیں گے۔''

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا اور آپ سوچیں کہ اس جگہ سوائے آپ کے سب میرے خون کے پیاسے ہیں اگر میں نے آپ کو کوئی نقصان پہنچایا تو مجھے ان لوگوں سے کون بچائے گا۔ میں نے بہت غور کرنے کے بعد آپ پر اعتماد کرنے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ آپ سے میری جان کو کوئی فوری خطرہ نہیں ہے۔ اگر آپ نے میری شرائط مان لیں تو سب پہلے کی طرح ہو جائے گا۔''

بڑا کنور خاموش ہو گیا غالباً وہ اس معاملے پر غور کر رہا تھا وہ اپنے بھائی راج کنور کے مقابلے میں کہیں زیادہ ذہین تھا۔ اس نے اپنا وقت تعلیم حاصل کرنے اور مطالعے میں گزارا تھا جب کہ راج کنور نے جوان ہوتے ہی عیاشی شروع کر دی تھی۔ مجھے خدشہ ہونے لگا کہ کہیں وہ اصل بات نہ بھانپ جائے۔ اتنا وہ بھی سمجھتا تھا کہ راج کنور جان بچانے کے لیے خفیہ راستے کو استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ دور کا خیال تھا۔ وہ سوچ سکتا تھا کہ ہم راج کنور کے کہیں زیادہ دشمن تھے اور وہ ہمیں اس خفیہ راستے کے بارے میں بتانے کی حماقت نہیں کرے گا کیونکہ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے ساتھ لے جائیں گے اور خطرے سے نکلتے ہی اس کا کام تمام کر دیں گے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے جواب کا منتظر تھا۔ بالآخر اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے تم لوگ آ سکتے ہو۔''

پہلا مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ ''میں ایک بار پھر خبردار کر رہا ہوں اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو آپ کو صرف چند لاشیں ملیں گی۔ اپنے آدمیوں سے کہیں کہ وہ بے شک آپ کے کمرے کے باہر مورچے بنا لیں لیکن کوئی راستے میں نہ آئے۔''

''کوئی راستے میں نہیں آئے گا۔'' بڑے کنور نے مخصوص دھیمے لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے ایک بار پھر کہہ رہا ہوں خود کو میرے حوالے کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم یہاں سے نکل جاؤ اور پھر خود پلٹ کر میرے پاس آؤ۔''

''ایسا کبھی نہیں ہو گا بڑے کنور۔'' میں نے کہا اور انٹر کام رکھ دیا۔ میں نے غور نہیں کیا کہ بڑے کنور نے یہ بات کیوں کہی تھی۔ راج کنور بدستور دیوار کی طرف منہ کیے غالباً نوشتہ دیوار پڑھ رہا تھا۔ میں نے اسلحہ تقسیم کر دیا۔ بانو اور اوشا کا لباس ایسا نہیں تھا کہ وہ اضافی میگزین آرام سے رکھ سکتیں۔ بانو نے موٹے سوتی کرتے کے ساتھ جری کا ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔ اس کی جیبوں میں میگزین آ گئے لیکن وہ بوجھ سے لٹکنے لگی تھیں۔ اوشا کے مختصر لباس میں جیب نام کی کوئی چیز نہیں تھی لیکن اس نے پستول کے میگزین اپنی دھوتی نما چست ساڑھی میں سامنے کی طرف اڑس لیے تھے۔ یہ خاصا مشکل کام تھا کیونکہ ساڑھی پہلے ہی خاصی نیچے بندھی تھی اگر اوشا مخصوص جسمانی ساخت کی حامل نہ ہوتی تو میگزین کیا ساڑھی کا بھی اپنی جگہ رہنا محال ہوتا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تمہیں مشکل ہو گی ایسا کرو یہ بانو کو دے دو۔ اگر ضرورت پڑی تو بانو سے لے لینا۔''

اس نے میگزین نکال کر بانو کے حوالے کر دیئے۔ وہ نرم ٹراؤزر کے لٹکنے سے پہلے ہی پریشان تھی۔ اس نے واش روم کا رخ کیا تاکہ اس کی ڈوری مضبوطی سے باندھ کر آئے۔ سونا اور کرنسی بدستور قالین پر ڈھیر تھے۔ میرے اور بانو کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ البتہ اوشا شروع میں دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی لیکن اب وہ بھی اس دولت سے بے نیاز لگ رہی تھی۔ میں نے راج کنور کو یرغمال بناتے ہوئے کچھ اور سوچا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ جب یہاں سے نکلنے لگیں گے تو کنور پیلس کے ملازموں اور گارڈز کو بلا کر یہ سونا اور کرنسی ان میں تقسیم کر دوں گا۔ میرا سلطانہ ڈاکو بننے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ان غریب لوگوں کے ہاتھ جب اتنی بڑی دولت آتی اور میں اس دولت سمیت انہیں فرار کا مشورہ دیتا تو یقیناً بہت سے اس پر عمل کرتے اور کنوروں کی غلامی پر لعنت بھیج کر یہاں سے نکل بھاگتے۔ کنور خاندان ان ہی لوگوں کے بل بوتے پر اپنی بادشاہت قائم رکھے ہوئے تھا۔ اس لیے وہ پھر کس سے ہمارا راستہ روکتا۔ چند ایک وفادار یا کم ہمت ساتھ رہ جاتے تو ان سے نمٹا جا سکتا تھا۔

مگر راج کنور کی اہمیت ختم ہونے کے بعد یہ پلان بھی اپنی موت آپ مر گیا تھا۔ اس لیے میں نے چن کر کرنسی کے ڈھیر سے یورو اور انڈین کرنسی کی کچھ گڈیاں نکالیں۔ انڈین کرنسی پانچ سو اور ہزار کے نوٹوں پر مشتمل تھی۔ جب کہ یورو ہزار کے نوٹ والے تھے۔ میں نے تین گڈیاں اوشا کے سپرد کیں۔ اس نے پوچھا۔ ''ان کا کیا کرنا ہے رے؟''

''رکھو راستے میں کام آئیں گی۔ ان سے ہی بہت سے راستے کھلیں گے۔''

میں نے خود یورو کی تین اور انڈین کرنسی کی دو گڈیاں رکھی تھیں اور اتنی ہی بانو کے سپرد کیں۔ اس نے بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساختہ کہا۔ ''میرا ٹراؤزر پھٹ جائے گا۔ پہلے ہی اتنا بوجھ ہے۔''

''ان کا وزن زیادہ نہیں ہے۔'' میں نے تسلی دی تو اس نے بادلِ ناخواستہ انہیں بھی ٹراؤزر میں رکھ لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ واقعی مشکل میں تھی۔ اس کا ٹراؤزر نرم جرسی کے کپڑے کا تھا اور یہ بوجھ سے لٹک رہا تھا۔ چھ عدد میگزینز اور پھر رقم کا بھی بوجھ تھا اگر کہیں ہاتھا پائی کی نوبت آتی تو بانو آزادی سے نہیں لڑ سکتی تھی۔ میں نے کہا۔ ''ایک منٹ ایک کام ہوسکتا ہے۔''

''وہ کیا؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

گیس والے بیگ پر شانے سے لٹکانے والا الگ سے اسٹرپ لگا ہوا تھا۔ میں اسے اٹھا کر واش روم کی طرف بڑھا تو بانو نے اضطراب سے کہا۔ ''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور واش روم میں آ کر دروازہ بند کر لیا پھر چند گہرے سانس لے کر میں نے سانس روک لی اور احتیاط سے شولڈر اسٹرپ بیگ سے الگ کرنے لگا۔ اس کام میں ایک منٹ لگا تھا۔ میں سانس روکے روکے باہر آیا اور واش روم کا دروازہ بند کر کے سانس لی تھی۔ بیگ بھی ساتھ لے آیا تھا۔ میں نے اسٹرپ بانو کے حوالے کی۔ ''اسے شرٹ کے نیچے باندھ لو۔ تمام میگزینز اس میں آسانی سے آ جائیں گے اور تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہو کر بولی پھر فوراً فکرمندی سے کہا۔ ''لیکن میں واش روم نہیں جاؤں گی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

میں خود بھی اس کے یا کسی کے واش روم جانے کے حق میں نہیں تھا۔ ''ایسا کرتے ہیں میں اور راج کنور دوسری طرف منہ کرتے ہیں تم اوشا کی مدد سے یہ کام کر لو۔''

راج کنور ابھی تک دیوار کے پاس کھڑا تھا میں بھی اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اس نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔ ''میں نے آج تک ایسی ذلت برداشت نہیں کی۔''

''درست کیونکہ تم دوسروں کو ذلیل کرنے کے عادی ہو۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''آج کے دن تم نے بہت کچھ دیکھا ہوگا اور ابھی مزید دیکھو گے۔''

''تم بہت خطرناک کام کرنے کرنے جا رہے ہو۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''اگر بڑے کنور نے تمہیں کوئی گارنٹی دی ہے تو اس کے پیچھے کوئی دھوکا ہی ہوگا۔''

''میں نے کبھی کسی کی گارنٹی پر اعتماد نہیں کیا ہے اور نہ ہی اب کروں گا۔ مجھے صرف اللہ اور اپنے زورِ بازو اعتماد ہے۔ باقی جو قسمت میں لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔''

''تمہارا کیا پلان ہے؟''

''جلد تمہارے سامنے آ جائے گا لیکن راج کنور ایک بات یاد رکھنا یہ ہمارے لیے زندگی اور موت کا مرحلہ ہوگا۔ اس میں یا تو سب پار ہوں گے یا سب ڈوب جائیں گے۔ اس لیے دل میں شرارت کا کوئی خیال ہے تو نکال دو۔ ورنہ سب سے پہلے تم فوت ہو گے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں میں کچھ نہیں کروں گا۔'' اس نے گھبرا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے تمہارے وعدے کی ضرورت نہیں ہے میں صرف تمہیں خبردار کر رہا ہوں۔''

بانو اور اوشا نے مل جل کر یہ مشکل کام نمٹایا۔ جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو مجھے ہنسی آ گئی تھی۔ بانو اب درمیان سے ذرا پھولی سی ہو رہی تھی۔ وہ کھسیا گئی۔ ''ہنس کیوں رہے ہیں کیا میں بری لگ رہی ہوں۔''

''نہیں بی بی میں نے آج تک کسی خاتون کو برا لگتے نہیں دیکھا۔''

اتنی لیے دیئے رہنے والی بانو کو اس سنگین صورتِ حال میں بھی اس بات کی فکر تھی کہ وہ بری تو نہیں لگ رہی تھی۔ بھاری میگزینز سے نجات ملی تو اس نے اوشا کی رقم بھی اپنے ٹراؤزر کی جیبوں میں رکھ لی تھی۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں اسے سزا دینا چاہتی ہوں۔'' اس کا اشارہ راج کنور کی طرف تھا۔ راج کا چہرہ حسبِ معمول خوف سے سفید پڑ گیا۔ وہ میرے اندازے سے زیادہ بزدل ثابت ہو رہا تھا۔

''کیوں؟'' اس نے بلبلا کر کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ تعاون کر رہا ہوں۔''

''فکر مت کرو میں تمہیں کوئی جسمانی سزا نہیں دے رہی ہوں۔'' بانو نے کہا اور شراب کی ایک بوتل اٹھا کر کرنسی نوٹوں کے ڈھیر پر الٹنے لگی۔

''یہ کیا کر رہی ہو یہاں آگ لگ جائے گی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا ہے اس سے ذرا افراتفری پھیلے گی اور ان لوگوں کی توجہ ادھر بھی ہو گی تو ہمیں اس کا فائدہ ہو گا۔'' بانو بولی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ راج کنور مزید گھبرا گیا۔ ''بھگوان کے لیے یہ بہت بڑی دولت ہے۔''

''اسی لیے تو آگ لگا رہی ہوں۔'' بانو نے کہا اور لائٹر جلاتے ہوئے ایک گڈی کو آگ دکھا کر اسے نوٹوں کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ اس نے بھک سے آگ پکڑ لی تھی۔ بانو کی اس حرکت سے مجھے خیال آیا کہ جب آگ لگانی ہے تو صحیح سے کیوں نہ لگائیں۔ میں نے شراب کی مزید بوتلیں بستر اور پردوں پر خالی کرنا شروع کر دیں۔ راج کنور گھگیا رہا تھا کہ اس طرح پورے پیلس میں آگ لگ جائے گی۔ بانو نے اسے ڈانٹا۔ ''تم اس دولت یا پیلس کی نہیں اپنی فکر کرو۔''

''بالکل تم زندہ رہو گے تو ہر چیز کی اہمیت ہو گی تم مر گئے تو سب بے کار ہے۔''

وہ روہانسا ہو گیا۔ ''نہیں اس کی سزا میرے بیوی بچوں کو ملے گی۔''

''جو جرم تم نے کیا ہی نہیں ہے اس کی سزا تمہارے بیوی بچوں کو کیسے ملے گی؟''

''تم جانتے نہیں ہو اس دنیا میں سزا صرف کمزور کو ملتی ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ''اب میں کمزور ہوں۔''

''کوئی بات نہیں کل تک تم بھی دوسرے کے ناکردہ گناہوں کی سزا ان کے بیوی بچوں کو دیتے آئے ہو گے آج سمجھ لو پہیا الٹا ہو گیا ہے اور اب تمہاری باری ہے۔'' میں نے کہا اور انٹر کام اٹھا کر بڑے کنور سے رابطہ کرنے کو کہا۔ ابھی نوٹ جل رہے تھے اس لیے زیادہ دھواں نہیں ہوا تھا اور نہ آگ کا شور سنائی دے رہا تھا بڑا کنور لائن پر آیا تو میں نے کہا۔ ''ہم باہر آ رہے ہیں دو منٹ کے اندر تمہارے تمام آدمی راستے سے ہٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں۔"

"چلے آؤ تمہارا راستہ کوئی نہیں روکے گا۔"

میں نے انٹر کام رکھ دیا۔ اس دوران میں بانو اور اوشا شراب چھڑکنے کا کام کر رہی تھیں۔ راج کنور بت بنا اپنے عشرت کدے کی آنے والے تباہی کا سوچ رہا تھا۔ اس کا دکھ اس کے چہرے پر عیاں تھا۔ اس کا رویہ فطری تھا اس نے صرف چیزوں سے محبت کی تھی اور انسان جن سے محبت کرتا ان ہی بربادی اسے رلاتی ہے۔ اس نے منہ بند رکھا تھا اسے معلوم تھا کہ احتجاج کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ہم وہی کریں گے جو ہمارا دل کہے گا۔ آخر میں بانو ایک بوتل کو انڈیلتے ہوئے جلتے نوٹوں کے ڈھیر تک لائی اور جیسے ہی شراب نے آگ تک رسائی حاصل کی وہ اس کے سہارے کمرے کی باقی چیزوں کی طرف لپکی تھی۔ نوٹوں سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اب کمرے میں گرمی، دھویں اور حبس کی صورت میں آگ کے اثرات محسوس ہونے لگے تھے۔

"بس اب نکل چلو۔" میں نے کہا تو اوشا اور بانو نے لپک کر راج کنور کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر آیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ یہ اچھی بات تھی ورنہ وہ میرے ساتھ نکلنے والا ہلکا سا دھواں بھی دیکھ لیتا۔ وہ تینوں میرے پیچھے آئے اور اوشا نے دروازہ بند کر دیا۔ اب آگ کے اثرات اس وقت دوسروں تک پہنچتے جب یہ بہت بڑھ چکی ہوتی۔ مجھے تعجب ہوا کہ دنیا جہان کی آسائشیں جمع کرنے والوں نے فائر الارم لگانے کی زحمت نہیں کی تھی حالانکہ یہ خوب صورت پیلس ایک بار پہلے بھی آگ کی تباہ کاریوں سے گزر چکا تھا۔ میں آگے تھا۔ میرے ہاتھ میں خود کار رائفل تھی اور شاٹ گن شانے سے لٹک رہی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ لگا چل رہا تھا اور وہ عین میرے پیچھے تھے۔

راہداری کے اس سرے پر ایک گورکھا گارڈ موجود تھا لیکن اس کی رائفل اس کے شانے سے لٹک رہی تھی۔ میں نے اشارے سے اسے وہاں سے جانے کو کہا تو اس نے سعادت مندی سے حکم کی تعمیل کی تھی۔ ایل شکل کی راہداری کے دوسرے حصے میں بھی کوئی نہیں تھا لیکن جب ہم اس راہداری تک پہنچے جس کے بائیں طرف جانے کی صورت میں ہم بڑے کنور کے حضور پہنچ جاتے اور دائیں طرف آزادی کا راستہ تھا۔ تو وہاں رامن تین مسلح گارڈز کے ساتھ موجود تھا۔ اس کی موجودگی میں اگر ہم دائیں طرف جاتے تو وہ یقیناً مزاحمت کرتا۔ میں رک گیا۔ رامن مجھے گھور رہا تھا۔ اس نے اپنے سابق آقائے ولی نعمت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جو ہمارے گھیرے میں تھا۔ "رامن بڑے کنور نے کہا تھا کہ کوئی ہمارے راستے میں نہیں آئے گا پھر تمہاری موجودگی کا کیا مطلب ہے؟"

وہ مسکرایا۔ "میں تمہارا راستہ نہیں روک رہا ہوں لیکن یہاں سے تمہیں ہماری نگرانی میں چلنا ہوگا۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ طے نہیں ہوا تھا۔ تم لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔"

"اگر میں ایسا نہ کروں تو؟" رامن نے شرارت سے کہا۔ مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ میرا ایک ہاتھ عقب میں تھا میں نے اشارے سے بانو کو پیچھے ہونے کو کہا۔

"تو پھر میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" رامن کے لہجے کی شرارت بڑھ گئی۔ "اگر یقین نہیں آ رہا تو واپس جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیکھ لو۔"

اس کا مطلب تھا کہ بڑے کنور کے آدمیوں نے راج کنور کے عشرت کدے پر قبضہ کر لیا ہوگا لیکن عملی طور پر یہ ممکن نہیں تھا کیونکہ وہاں پہلے ہی آگ کا قبضہ تھا۔ البتہ رامن کو ابھی اس کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ہاں اس کا امکان تھا کہ درمیان میں آنے والے کمروں میں اس کے آدمی چھپے ہوں۔ بانو میرے اشارے کو سمجھتے ہوئے راج کنور سمیت پیچھے ہٹ گئی تھی اور اب وہ رامن اور اس کے آدمیوں کی زد سے باہر تھی۔ میں نے لہجہ بدل کر کہا۔

"رامن میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔"

وہ میرے لہجے سے چوکنا ہو گیا۔ "تم لڑائی کے موڈ میں لگ رہے ہو۔"

میں نے محسوس کیا کہ جتنی دیر ہوگی ہمارے بچنے کا امکان اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔ خفیہ راستے والا کمرہ یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ یہ ناؤ اور نیدر والا معاملہ تھا۔ میں نے جسم کو حرکت دیئے بغیر اچانک رامن اور اس کے ساتھیوں کی طرف برسٹ مارا۔ میں نے جسم کا نشانہ لیا تھا اور بغیر کسی رعایت کے فائر کیا تھا۔ اس وقت دشمن کو رعایت دینا خودکشی کے برابر ہو سکتا تھا۔ وہ تیار تھے بوکھلا کر بچنے کی کوشش کی لیکن گولیوں سے زیادہ تیز نہیں ہو سکتے تھے۔ رامن کے سینے پر کم سے کم دو گولیاں لگی تھیں وہ پلٹ کر گرا۔ اس کے ایک ساتھی کی گردن سے گولی پار ہو گئی تھی اور باقی دو بھی نشانہ بنے تھے مگر وہ جوابی کارروائی کے قابل تھے اور انہوں نے کارروائی کی بھی۔ فائرنگ کا شور بے پناہ تھا اس میں کان جھنجھنا گئے تھے۔ میں بروقت پیچھے آیا اور اسی کی گولیوں نے اس کنارے کو ادھیڑ دیا جس کے پیچھے میں رُوپوش تھا۔ عقب سے اوشا اور بانو نے ہلکی سی چیخیں ماری تھیں۔ اوشا چلائی۔

"شہباز پیچھے آؤ۔"

"اپنے پیچھے نظر رکھو۔" میں نے دھاڑ کر کہا۔ "راج کنور کے پیچھے ہو جاؤ۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ دوسری طرف سے فائرنگ کا سلسلہ تھمے تو میں آگے کارروائی کروں۔ مگر دونوں بچ جانے والے گارڈز رہ رہ کر برسٹ مار رہے تھے۔ ان کا مقصد مجھے جوابی کارروائی کا موقع نہ دینا تھا۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر نیچے بیٹھتے ہوئے صرف رائفل دیوار سے نکال کر ایک برسٹ مارا۔ ایک چیخ سنائی دی اور فائرنگ رک گئی۔ میں نے سماعت پر زور دیا کیونکہ مسلسل گونجتی آوازوں نے کانوں کو وقتی طور پر ناکارہ کر دیا تھا۔ چند لمحے بعد مجھے ایسی آہٹ سنائی دی جیسے کوئی گھسٹ کر فرار ہو رہا ہو۔ میں نے خطرہ مول لے کر جھانکا تو بچ جانے والا گارڈ ایک کمرے میں گھستا دکھائی دیا۔ دو گارڈز کی لاشیں پڑی تھیں لیکن رامن غائب تھا وہ زخمی ہوا تھا اور بھاگ نکلا تھا۔

راہداری خالی تھی۔ بانو نے اوشا کو راج کنور کی نگرانی پر لگا دیا تھا اور خود عقب کی طرف نگرانی کر رہی تھی مگر ابھی تک اس طرح سے کوئی نہیں آیا تھا۔ جیسے ہی میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک شخص اچانک ایک کمرے سے نکلا اور اس کے ساتھ دھویں کا ریلا آیا تھا۔ بانو نے اسے دیکھتے ہی فائر کیا اور وہ سینہ تھام کر واپس کمرے میں جا گرا۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ میں آگے آیا اور کمرے میں جھانکا۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا مگر دھویں کی موجودگی بتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی کہ آگ راج کنور کے عشرت کدے سے خاصی آگے تک پھیل چکی تھی۔ اب اس طرف کسی کے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے بانو کے شکار کو واپس کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر لیا لیکن اتنی سی دیر میں راہداری میں خاصا دھواں آ چکا تھا۔ دروازہ بند ہونے کے باوجود دھویں کی مقدار میں کمی نہیں آئی تھی بلکہ یہ چند سیکنڈ میں اور بھی بڑھ گیا تھا تب مجھے پتا چلا کہ دھواں اصل میں عشرت کدے کی طرف سے آ رہا تھا۔ اس کی آگ بے قابو ہو گئی تھی اور آس پاس کے کمروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ شاید دروازہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ گیا تھا اس لیے دھواں پھیل رہا تھا۔

ایک لمحے کو مجھے ان آٹھ حسین عورتوں کا خیال آیا جو راج کنور کا دل بہلانے کے لیے پورے انڈیا سے منتخب ہو کر آئی تھیں۔ وہ اس عشرت کدے کے بالکل برابر میں تھیں اور آگ نے یقیناً ان کے کمروں کو بھی متاثر کیا ہو گا مگر دوسرے لمحے یہ خیال جھٹک کر میں بانو کی طرف واپس آیا جو اب راہداری کے دوسری طرف کی نگرانی کر رہی تھی۔ اوشا ہوشیاری سے راج کنور کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ وہ اتنی تجربے کار نہیں تھی اور لڑنا بھڑنا بھی نہیں جانتی تھی راج کنور اس سے پستول چھین لیتا تو بازی پلٹ سکتا تھا۔ اس لیے میں نے پلٹ کر راج کنور کا بازو اپنی گرفت میں لیا اور راہداری کے سرے تک آیا میں نے پوچھا۔ ''خفیہ راستے والا کمرہ کون سا ہے؟''

اس نے دائیں طرف دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس میں ہے۔''

''رانو اسے لے کر چلو۔'' میں نے بانو سے کہا۔ ''اوشا تم اس کے پیچھے رہو گی اور میں تمہارے پیچھے۔''

بانو نے راج کنور کی پشت سے پستول لگا دیا۔ ''آگے چلو۔''

پہلے مارے جانے کے خیال سے راج کنور پر لرزہ طاری تھا اور اس کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ بانو نے اس کے ساتھ بالکل مناسب سلوک کیا۔ ذرا پیچھے ہٹ کر اس نے راج کنور کو لات ماری۔ وہ اس سلوک کے لیے بالکل تیار نہیں تھا اس لیے بے ساختہ آگے جا گرا۔ بانو کے وار میں اتنی قوت تھی کہ وہ تقریباً پہلے دروازے کے پاس جا کر گرا تھا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا بانو نے اس کے پاس جاتے ہوئے کہا۔ ''آگے چلو ورنہ اسی طرح لاتیں کھاتے رہو گے۔''

مجبوراً وہ آگے بڑھا تھا۔ بانو کے پیچھے اوشا آ گئی تھی اس نے دہشت زدہ نظروں سے لاشوں کی طرف دیکھا اور جلدی سے منہ پھیر لیا۔ اب دھواں اس طرف راہداری میں آنے لگا تھا۔ منظر ہلکا سا دھندلا رہا تھا اور اسی دھندلاہٹ کے پار ایک ہیولا نمودار ہوا میں نے بے دریغ فائر کیا اور ہیولا اچھل کر واپس جا گرا تھا۔ دوسری طرف کھلبلی مچی اور کم سے کم دو خود کار رائفلوں سے فائرنگ ہوئی تھی۔ گولیاں اندھا دھند چلائی گئی تھیں مگر ہم بالکل کھلی جگہ تھے جہاں سوائے ایک دوسرے کے کوئی آڑ نہیں تھی۔ گولیاں دیواروں سے لگیں اور کچھ آس پاس سے گزریں معجزانہ طور پر ہم سب ہی بچ گئے تھے۔ بانو اور راج کنور اس کمرے کے دروازے کے سامنے تھے اور اسے کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں اس طرف جھپٹا۔ ''دیر کیوں کر رہے ہو؟''

''دروازہ لاک ہے۔'' راج کنور نے کانپتی آواز میں کہا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ان دونوں کو پیچھے ہٹایا اور لاک والی جگہ ہلکا سا برسٹ مارا۔ لاک ٹوٹ گیا اور دروازہ کھل گیا۔ میں نے بانو کو اندر جانے کو کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اندر ہوئی۔ پھر میں نے اوشا کو دھکیل دیا اور راج کنور کو روکے رکھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ وہ اندر جا کر کوئی حیران کن کام نہ کر جائے اس لیے میں اسے اس عالم میں بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا جب راہداری کے سرے پر مسلح افراد موجود تھے۔ ان کی طرف سے دوسری بار فائرنگ کی گئی گولیاں ہمارے آس پاس سے گزری تھیں اب یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے راج کنور کو دھکا دیا اور خود بھی اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ وہ کراہتے ہوئے فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں سمجھا کہ شاید اسے گرنے سے چوٹ آئی ہے لیکن اسی لمحے اوشا چلائی۔ ''خون..... اس کا خون نکل رہا ہے۔''

تب میں نے دیکھا کہ اٹھنے کی کوشش کرتے راج کنور کے پہلو سے خون پھوٹ رہا تھا۔ میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے سیدھا کیا۔ گولی اس کے دائیں پہلو میں نچلی پسلیوں میں لگی تھی اور میں اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے کتنا نقصان کیا ہوگا۔ اگر گولی سیدھی گئی تھی تو دل تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ مگر وہ ہوش میں تھا اور خون بھی اب رک رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ کسی اہم عضو یا رگ کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ میں نے اسی کی شرٹ کی آستین پھاڑ کر اس کی پٹی بنائی اور زخم پر رکھ کر دوسری آستین سے اس پر پٹی باندھ دی تھی۔ بانو دروازے کے پاس تھی اور وقفے وقفے سے جھری سے باہر جھانک رہی تھی۔ یہ کمرہ فرنیچر کے لحاظ سے خالی تھا اور فرش پر دبیز قالین تھا۔ میں نے راج کنور سے کہا۔ ''گولی لگی ہے لیکن خاص نقصان نہیں ہوا ہے۔''

وہ بلبلا کر بولا۔ ''مجھے گولی لگی ہے اور تم کہہ رہے ہو خاص نقصان نہیں ہوا ہے۔''

''مطلب یہ کہ تم مرو گے نہیں۔ اب جلدی سے خفیہ راستہ کھولو اس سے پہلے کہ بڑے کنور کے ہرکارے آ کر تمہیں سچ مچ فوت کر دیں۔''

''جلدی کرو۔'' بانو بولی۔ ''وہ آگے آ رہے ہیں۔''

میں جھپٹ کر دروازے کے پاس آیا اور رائفل باہر نکالتے ہوئے ایک برسٹ مارا۔ یہاں فائرنگ کا شور بے پناہ تھا کیونکہ جگہ بند تھی اور کان جھنجھنا جاتے تھے۔ برسٹ کا شور ختم ہوا تو کسی کے چلانے کی آواز آئی شاید کوئی زخمی ہوا تھا پھر منشی جی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ ''شہباز جی یہ کیا کر رہے ہیں۔ فائرنگ بند کریں اور آپ باہر آ جائیں۔''

''تاکہ تمہارے آدمی مجھے آرام سے شکار کر لیں۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔ یہ رامن کی شرارت تھی۔ وہ اب قید خانے میں ہے۔''

''تو کیا تم رامن سے الگ ہو۔'' میں نے کہا اور راج کنور کو اشارہ کیا کہ اب وہ کارروائی شروع کرے۔ وہ اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے ایک طرف بڑھا۔ بانو اس کے ساتھ تھی اور اوشا میرے ساتھ کھڑی تھی۔ ''منشی جی تم لوگوں کی بدنیتی شروع سے ظاہر ہو گئی ہے۔ بڑا کنور بھی اپنے بھائی سے مختلف نہیں ہے۔''

''شہباز جی میں نے کہا نا یہ سب رامن کا حرامی پن تھا۔ اسے سزا ملے گی۔ آپ خود سوچیں بڑے کنور کو آپ کے خون کی ضرورت ہے وہ آپ کو کیسے نقصان پہنچانے کا کہہ سکتے ہیں۔''

''تمہارے بڑے کنور کی ایسی کم تیسی۔'' میں نے دل میں سوچا اور بلند آواز سے کہا۔ ''منشی جی حالات آپ کی بات کی گواہی نہیں دے رہے ہیں۔ صرف رامن ہی نہیں اس کے ساتھ تین مسلح گارڈز نے بھی ہم پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائرنگ کی ہے۔ ان میں سے دو میرے ہاتھ سے مارے گئے۔ پھر ایک آدمی کمرے میں چھپا ہوا تھا۔''

''آپ نے راج جی کے حصے میں آگ لگا دی۔'' منشی جی نے کہا۔ ''لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے آپ سامنے آجائیں اور بڑے کنور جی سے بات کرلیں۔''

''اس دھوکا دہی کے بعد یہ ممکن نہیں ہے۔''

منشی جی نے مجھے یاد لانے کے انداز میں کہا۔ ''شہباز جی آپ اس کمرے میں محصور ہیں اور یہاں سے نکل کر نہیں جاسکتے۔ اس لیے آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ ہتھیار ڈال دیں۔''

''منشی جی اس واقعے کے بعد میں آپ لوگوں پر کیسے اعتماد کروں۔''

''آپ ایک بار کر کے تو دیکھیں۔ کیا پہلے بھی آپ کی ہر بات نہیں مانی گئی۔'' اس نے مکارانہ عاجزی سے کہا۔

راج کنور بانو کی مدد سے قالین ہٹا رہا تھا۔ میں دیکھ نہیں سکتا تھا کہ اس طرف کیا ہے۔ راج کنور نے بانو سے کہا۔ ''اسے کھولنا ہوگا۔''

بانو جھک کر کسی چیز کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگی لیکن یہ شاید اس اکیلے کے بس کی بات نہیں تھی اس نے میری طرف دیکھا اور دبے لہجے میں بولی۔ ''آپ آئیں مجھ اکیلے سے نہیں اٹھ رہا ہے۔''

میں نے اوشا کی نگرانی پر لگایا اور ان دونوں کے پاس آیا۔ قالین کے نیچے فرش پر فولادی چادر بچھی تھی۔ یہ دو بائی دو کے سائز کی تھی اور یقیناً خاصی موٹی اور وزنی تھی ورنہ بانو اسے اٹھا سکتی تھی۔ ایک طرف دو ہینڈل لگے ہوئے تھے لیکن یہ اس طرح چادر کے اندر تھے کہ اوپر ذرا بھی ابھار نہیں تھا۔ راج کنور اپنے زخم کی طرف سے جھکا ہوا کھڑا تھا۔ اس سے مدد کی توقع محال تھی۔ میں نے جھک کر دونوں ہینڈل تھامتے ہوئے اسے اٹھانے کی کوشش کی وہ ذرا اٹھا تھا مگر مجھ سے بھی پورا نہیں اٹھ رہا تھا۔ راج کنور نے کہا۔ ''یہ بہت وزنی ہے دو بہت طاقتور آدمی مل کر اسے اٹھاتے ہیں۔''

میں نے رائفل اور شاٹ گن اتار کر پاس رکھ لی اور پھر کوشش کی، مگر اس بار بھی تختہ پورا نہیں اٹھا تھا۔ یہ دیکھ کر بانو آگے آئی اور اس نے اٹھے تختے میں ہاتھ پھنسائے۔ جگہ مختصر تھی اس لیے اسے مجھ سے لگ کر ہی یہ کام کرنا پڑ رہا تھا مگر یہ شرمانے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے بھی پورا زور لگایا اور ہم نے تختہ الٹ دیا۔ خوش قسمتی سے دوسری طرف دبیز قالین تھا ورنہ اس کے گرنے کا بہت زوردار دھماکہ ہوا تھا۔ پھر بھی دھمک ہوئی تھی اور میں فکر مند ہوگیا کہ یہ دھمک باہر تک نہ گئی ہو۔ تختے کے نیچے ایک دروازہ تھا جس پر نمبروں والا تالا لگا ہوا تھا۔ راج کنور نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا نمبر ملایا۔ میں اس کی طرف دھیان دیئے بغیر رائفل اور شاٹ گن اٹھا کر دروازے تک آیا۔ باہر راہداری دور تک سنسان تھی۔ اب دھواں کم ہوگیا تھا اس کا مطلب تھا وہ لوگ آگ پر قابو پا رہے تھے۔ میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے منشی جی میں آپ کی بات مان لیتا ہوں لیکن میری ایک شرط ہے۔''

''کیسی شرط؟'' اس نے بیتابی سے پوچھا۔

''رامن کو یہاں لایا جائے اور میرے سامنے گولی ماری جائے تب مجھے یقین آجائے گا کہ بڑے کنور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سازش میں شامل نہیں تھے۔"

یہ شرط سن کر منشی جی کو سانپ سونگھ گیا انہوں نے کچھ دیر بعد منمناتی آواز میں کہا۔"شہباز جی یہ تو بہت کڑی سزا ہے۔"

"کڑی سزا۔" میں نے طنز کیا۔"تم لوگ تو اس سے معمولی باتوں پر اپنے ملازموں کو کتوں کے آگے ڈلوا دیتے ہو اور وہ انہیں چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔ رامن کا جرم اتنا معمولی ہے کیا اور تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ راج کنور کو گولی لگی ہے اور وہ بے ہوش ہے۔ اگر جلد اس کا علاج نہ کیا گیا تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ منشی جی اب فیصلہ کر لو اگر تم نے یا بڑے کنور نے کرنا ہے اس کے لیے تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔"

میں منشی جی سے وقت لے رہا تھا۔ محرم راز ہونے کے ناطے اتنا تو وہ جانتے ہوں گے کہ اس کمرے میں پیلس سے باہر جانے والا خفیہ راستہ تھا۔ اس لیے میں اس کی تسلی کے لیے جھوٹ بول رہا تھا۔ دوسرے میں اس طرح وقت لے رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جتنی دیر میں ہمیں منشی جی سے بات کروں گا راج کنور تالا کھول لے گا۔ مگر جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ پریشان دکھائی دیا تالا نہیں کھلا تھا۔ میں اس کے پاس آیا۔"کیا بات ہے تالا کیوں نہیں کھولا اب تک؟"

"پتا نہیں کیا بات ہے میں نمبر ملا رہا ہوں لیکن یہ کھل نہیں رہا۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے رائفل کی نال اس کے سر پر رکھ دی۔"راج کنور لگتا ہے تمہارے دماغ میں کوئی ٹیڑھ آ گئی ہے اور مجھے تمہارا دماغ باہر نکالنا پڑے گا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں اس کا نمبر ڈبل فائیو ڈبل سیون نائن فور نائن تھا۔ تم خود دیکھو میں ملا رہا ہوں لیکن یہ کھل نہیں رہا ہے۔"

اس نے ملا کر دکھایا مگر تالا کھلا نہیں تھا۔ یہ عام قسم کا تالا نہیں تھا۔ بلکہ بہت موٹی اسٹیل سے بنا ہوا مضبوط ترین تالا تھا۔ اس کا حلقہ ہی کوئی پون انچ موٹا تھا اور باقی تالا بھی خاصی موٹی چادر سے بنا ہوا تھا بلکہ اسے شاید ایک پیس کی صورت میں ڈھالا گیا تھا۔ ہم اسے گولی مار بھی نہیں توڑ سکتے تھے۔ اس پر تو شاید بم کا اثر بھی نہ ہوتا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو؟" میں نے غرا کر کہا اور نال سختی سے اس کے سر سے لگا دی۔ اس کا چہرہ لمحوں میں پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔

"شہباز مجھے میرے بچوں کی سوگند..... میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تم خود سوچو یہاں سب سے زیادہ خطرہ مجھے ہے اور میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔"

اگرچہ وہ نہایت مکار دشمن تھا لیکن اس وقت مجھے لگا وہ سچ کہہ رہا ہے۔ البتہ میں نے مزید دھمکانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔"تمہارے پاس دس منٹ ہیں اس کے بعد میں تمہارے زخم پر پستول رکھ کر ایک گولی اور ماروں گا۔ باہر والوں کو پتا چل گیا ہے کہ تم زخمی ہو اس لیے کسی کا شک مجھ پر نہیں جائے گا۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے فائر کی آواز ان کے کانوں تک جائے گی۔"

"نہیں ہم اس کے ساتھ ہی باہر کی طرف بھی فائر کریں گے اس لیے کسی کو شک نہیں ہو گا اور اگر ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ جب ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے تو ہمارے پاس لڑ کر مرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں رہے گا اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے تم اپنی فکر کرو۔"

اس نے عاجزی سے کہا۔ "سنو کسی نے لاک نمبر بدل دیا ہے اور ایسا صرف بڑا کنور کر سکتا ہے۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "دس منٹ بعد تمہاری زندگی کا چراغ لازمی گل ہو جائے گا۔"

"میں..... میں کوشش کرتا ہوں۔" اس نے کہا اس وقت وہ اپنا زخم بھی بھول گیا تھا۔

"اسی میں تمہاری عافیت ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور پلٹ کر دروازے کی طرف آیا۔ راہداری میں جہاں تک نظر جا رہی تھی کوئی نہیں تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ رامن کے سینے پر دو گولیاں لگی تھیں لیکن منشی نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے پتا چلتا کہ وہ شدید زخمی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس نے لباس کے نیچے بلٹ پروف جیکٹ پہن رکھی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ بلٹ پروف جیکٹ بہت خاص چیز سمجھی جاتی تھی اور اہم ترین افراد کے لیے مخصوص تھی یا دولت مند ممالک نے خاص مجرموں سے نمٹنے کے لیے جو ٹاسک فورس بنا رکھی تھیں ان کے ارکان کو بلٹ پروف جیکٹ فراہم کی جاتی تھی لیکن افغان جنگ کے بعد بہت ساری ایسی چیزیں، آلات اور ہتھیار اب عام لوگوں تک بھی پہنچ گئے ہیں جو پہلے مخصوص سمجھے جاتے تھے۔ اب نجی ادارے بھی بلٹ پروف جیکٹس اور دوسرا سامان تیار کر رہے ہیں اور جب سے دہشت گردی کا مسئلہ اٹھا ہے اس نے سیکورٹی کو باقاعدہ ایک انڈسٹری بنا دیا ہے۔ اب بھی یہ چیزیں مہنگی ہیں لیکن ناقابلِ حصول نہیں رہی ہیں۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی اور یہاں کسی کے پاس گھڑی نہیں تھی راج کنور کی گھڑی شاید اس کے عشرت کدے میں رہ گئی تھی۔ وہاں وال کلاک تھی اس لیے گھڑی کا خیال نہیں آیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ منشی جی کو دی گئی مہلت میں سے پانچ چھ منٹ گزر چکے تھے۔ اوشا سہمی ہوئی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

"شہباز یہ منحوس تالا نہ کھلا تو ہمارا کیا ہوگا؟"

"وہی جو منظورِ خدا ہوگا۔" میں نے سرد آہ بھری۔

وہ روہانسی ہونے لگی۔ "تجھے تو کچھ نہیں کہیں گے اور تیری وجہ سے بانو کو بھی چھوڑ دیں گے پر میں ماری جاؤں گی۔"

"اوشا یہاں جو ہوگا سب کے ساتھ ہوگا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "اگر بچے تو سب بچیں گے ورنہ کوئی نہیں۔"

اس کے چہرے پر ذرا رونق آئی۔ "سچ کہہ رہا ہے نا رے، تُو ہمیں مرنے کے لیے تو نہیں چھوڑے گا۔"

"تم نے مجھے بہت عرصے سے دیکھا ہوا ہے تم ایسا سمجھتی ہو کہ میں کسی سے کام نکل جانے کے بعد آنکھیں پھیر لینے والا شخص ہوں۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تُو ایسا نہیں ہے پر تُو انسان ہے حالات کے آگے بے بس ہو سکتا ہے بس اس سے ڈر لگتا ہے۔"

میں نے سرد آہ بھری۔ "تب مجھے معاف کر دینا۔"

مجھے اور اوشا کو آہستہ آہستہ بات کرتے دیکھ کر بانو ہماری طرف آئی۔ اس نے بھی وہی سوال کیا۔ "کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس تالے کو توڑا نہیں جا سکتا ہے؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ بہت مضبوط ہے۔ گولی بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہے دوسرے اگر ہم نے فائرنگ کر کے اسے توڑنے کی کوشش تو باہر موجود لوگوں کا اس کا علم ہو جائے گا اور وہ پھر ہمیں روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔"

"یہ نہیں کھول پا رہا ہے۔" بانو نے راج کنور کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی اور وہ سہارا لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ سے وہ مسلسل تالے پر مختلف نمبر ملا کر اسے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں پلٹ کر اس کے پاس آیا۔

"راج کنور آرام سے..... آرام سے۔"

اس نے وحشت زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "کیسے آرام سے..... دس منٹ پورے ہوتے ہی تم مجھے گولی مار دو گے۔"

وہ سچ مچ دہشت زدہ تھا اور اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "اس بات کو بھول جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ تالے کا نمبر بڑے کنور نے تبدیل کر دیا ہے۔ اب تم سوچو کہ بڑا کنور کیا نمبر رکھ سکتا ہے۔ وہ تمہارا بھائی ہے تم اس کے مزاج کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ عام طور سے انسان پاس ورڈ ٹائپ کی چیز خود سے متعلق رکھتا ہے۔ تاکہ وہ اسے بھول نہ جائے۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

اس نے سر ہلایا اور اس کا چہرہ ذرا نارمل ہوا۔ "سچ کہہ رہے ہو مجھے نہیں مارو گے؟"

"ہاں کم سے کم اس وجہ سے نہیں ماروں گا کہ تم تالا کھولنے میں کیوں ناکام رہے لیکن اب تم پوری کوشش کرتے رہے۔ تم جانتے ہو بڑا کنور شاید مجھے اور میرے ساتھیوں کو چھوڑ دے لیکن تمہارے ساتھ وہ اچھا نہیں کرے گا۔"

وہ دیوار سے ٹک گیا۔ "میں سمجھتا ہوں..... پانی مجھے پانی مل سکتا ہے؟"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور پلٹ کر دروازے تک آیا۔ میں نے منشی جی کو آواز دی۔ "آپ نے کیا سوچا؟"

"میں نے بڑے کنور جی سے کہہ دیا ہے اب وہ فیصلہ کریں گے۔"

"ہمیں پانی اور مرہم پٹی کا سامان چاہیے تم کسی ملازمہ کے ہاتھ بھجوا دو۔"

"ابھی بھجواتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہو سکے تو درد کش اور اینٹی بایوٹک گولیاں بھی بھیج دو۔"

چند منٹ بعد ایک نیپالی نقوش والی خادمہ منرل واٹر کی پانچ لیٹر والی بوتل، بڑے میں مرہم پٹی کا سامان اور ادویات بھی لے کر آئی تھی۔ میں نے اسے آگے آنے سے روک دیا میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ راج کنور کو تالہ کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھے۔ "بس یہ یہیں رکھ دو اور واپس جاؤ۔"

اس نے جلدی سے حکم کی تعمیل کی۔ بوتل اور ٹرے نیچے رکھی اور واپس چلی گئی۔ میں نے اوشا سے کہا۔ "تم اٹھا کر اندر لاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوشا ڈرتے ڈرتے گئی اور جلدی سے دونوں چیزیں اٹھا کر واپس لے آئی۔ ٹرے میں ایک عدد گلاس بھی تھا۔ میں نے پہلے منرل واٹر کی بوتل کا معائنہ کیا۔ اس میں پانی کا رنگ ویسا ہی نیلگوں شفاف تھا جیسا کہ ہوتا ہے اور بوتل بھی سیل تھی۔ غور سے دیکھنے پر بھی اس میں کہیں کوئی سوراخ بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ حفظ ماتقدم میں نے پانی کو منہ میں لے کر محسوس کیا لیکن اس میں کسی قسم کا کوئی الگ ذائقہ نہیں تھا یہ صاف ستھرا پانی ہی تھا۔ یہ گھونٹ حلق سے اتار کر میں نے راج کنور کو بوتل تھما دی اور وہ بیتابی سے دو گلاس پی گیا۔ میں نے اسے روکا۔ ''آرام سے آرام سے..... ابھی اخراج کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ یہاں کوئی واش روم نہیں ہے۔''

''یہ تو بڑی مصیبت ہے۔'' بانو بولی۔ ''اگر ہم یہاں زیادہ دیر رہے تو مسئلہ ہو سکتا ہے۔''

''اس کا طریقہ ہے کہ کم سے کم پانی پیو جب تک پیاس شدت نہ اختیار کر جائے۔'' میں نے جواب دیا اور ٹرے میں موجود ادویات کا جائزہ لیا۔ ان میں ایک پناڈول پین کلر کا تھا اور ایک ہائی پوٹنسی پین کلر تھی۔ اس کے ساتھ ایم پنسلین کے اینٹی بایوٹک کیپسول تھے۔ یہ بھی پیک تھے۔ زخم صاف کرنے والا محلول، روئی، زخم پر چھڑکنے والا پاؤڈر، چکنی پٹی، لپیٹنے والی پٹی کا رول اور میڈیکوٹیپ بھی تھا۔ جب تک گولی زخم میں تھی اسے اینٹی بایوٹک کیپسول دینا بے کار تھا۔ میں نے راج کنور کو ہائی پوٹنسی پین کلر دیں۔ ''یہ کھالو اس سے درد کم ہو گا۔''

اس نے ذرا پیچھے ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگائی اور پانی سے دونوں گولیاں نگل لیں۔ ''پتا نہیں یہ دوا ہے یا زہر ہے۔''

''یہ پیک گولیاں ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

وہ تلخ انداز میں مسکرایا۔ ''یہ انڈیا ہے، یہاں سب ممکن ہے دوا کی پیکنگ میں زہر بھی ملتا ہے۔''

میں ہنسا۔ ''یہ تو ہم پاکستانی بھی اپنے ملک کے بارے میں کہتے ہیں۔''

''دونوں ملکوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' راج کنور نے کہا اور پھر جلدی سے بولا۔ ''میرا اشارہ مذہب اور سماج کی طرف نہیں ہے اس میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''پلیز کیا یہ بات تم ہمارے روشن خیال طبقے کو سمجھا سکتے ہو جسے دونوں ملکوں کے سماج اور شاید مذہب میں بھی کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے۔''

راج کنور ہنسا۔ ''انہیں چند مہینے کے لیے انڈیا بھیج دو فرق خود سمجھ میں آ جائے گا۔ میرا اشارہ اس بدعنوان نظام کی طرف ہے جو انگریزوں نے تیار کیا تھا اور ہم جیسے لوگ اسے سنبھال کر بیٹھے ہیں۔ کیونکہ اسی میں ہمارا مفاد ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم بھی اس قسم کی باتیں سوچ سکتے ہو۔''

اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''سوچتے سب ہیں لیکن ہم جیسے لوگ سوچوں کو نظر انداز کرتے ہیں جب تک کوئی مصیبت نہ پڑ جائے جو ہمیں سوچنے پر مجبور کرے۔''

''اب سوچنے کے بجائے ذرا کام کرو اور جلد از جلد اس تالے کو کھولو۔'' میں نے کہا تو راج کنور کھسک کر تالے کے پاس آ گیا اور پھر سے نمبر ملانا شروع کر دیئے تھے۔ آرام اور پین کلر لینے سے چند منٹ میں اس کی حالت خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ گولی جسم کے اندر نہیں اتری تھی بلکہ شاید پسلیوں میں ہی پھنسی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ میں نے اسے دوبارہ کام کرنے کو کہا۔ اس دوران میں میری نظر پہلی بار اس بیگ پر گئی جس میں زہریلی گیس تھی اور مجھے یاد تھا کہ اسے ہم راج کنور کے عشرت کدے میں چھوڑ آئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ یہاں کیسے آیا؟''

''میں لائی ہوں۔'' بانو نے کہا۔ ''مجھے خیال آیا کہ یہ بھی اچھا ہتھیار ہو سکتا ہے۔''

''ہاں ہو تو سکتا ہے لیکن تمہیں ڈر نہیں لگا اس سے؟''

''شہباز صاحب، میں نے کچھ عرصے میں دیکھا ہے کہ انسان کتنا ہی ڈرے اور احتیاط کرے موت اپنے وقت پر آتی ہے۔ اس لیے ملنے والے موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت ہوگی۔''

''گڈ، اس کا مطلب ہے اب تم زندگی اور موت کی حقیقت سمجھنے لگی ہو۔''

''میں نے ٹھیک کیا نا؟'' وہ خوش ہوگئی شاید اس کا خیال تھا میں اس طرح پوچھے بغیر بیگ لانے پر سرزنش کروں گا۔

''کام کرنے کے بعد کبھی مت سوچا کرو کہ اچھا کیا ہے یا برا کیا ہے یہ بات آنے والا وقت تمہیں خود بتا دے گا۔'' میں نے کہا اور دروازے کی طرف آیا۔ اس کی لاک والا حصہ بے کار ہو گیا تھا لیکن اوپر مضبوط قسم کی چٹخنی لگی تھی کسی ہنگامی موقع پر ہم کچھ دیر کے لیے دروازہ بند کر سکتے تھے۔ میں نے منشی جی کو آواز دی۔ ''دس منٹ کی مہلت کب کی ختم ہو چکی ہے۔''

''ذرا صبر کریں۔'' منشی جی نے کہا۔ ''معاملہ بڑے کنور کے پاس ہے۔ انہیں فیصلہ کرنے میں دیر لگ سکتی ہے۔''

''لگتا ہے تم لوگ پھر کوئی چکر چلا رہے ہو، منشی جی یہ آخری موقع ہوگا میں اس قید سے تنگ آ گیا ہوں اپنے ساتھیوں سمیت نکل نہ سکا تو ماروں گا اور مر جاؤں گا لیکن اب تم لوگوں کے ہاتھ نہیں آؤں گا۔''

''میرا نہیں خیال کہ آپ اس قسم کا کوئی کام کریں گے آپ صبر سے کام لیں۔''

میں صبر سے ہی کام لے رہا تھا اور میرا ارادہ مرنے مارنے کا ہرگز نہیں تھا لیکن دشمن کو دھمکانے میں کیا حرج تھا۔ ''منشی جی صبر بہت ہو گیا اور مجھے لگ رہا ہے کہ تم لوگوں کو اب راج کنور کی زندگی سے زیادہ اس کی موت سے دلچسپی ہے۔''

''ایسا نہیں جی ہمیں ان کی فکر ہے۔''

''تبھی اس کے زخمی اور بے ہوش ہونے کا سن کر تم نے ایک بار بھی اس کی خیریت کا نہیں پوچھا اور نہ اسے طبی مدد دینے کی بات کی۔''

منشی جی کچھ دیر خاموش رہے اور پھر ذرا بدلے ہوئے لہجے میں بولے۔ ''شہباز جی مجھے شبہ ہے کہ راج جی زخمی ہیں۔ وہ ٹھیک ہیں اور کسی خاص مقصد کے تحت آپ کو یہاں لائے ہیں اگر وہ میری بات سن رہے ہیں تو میں بتا دوں کہ اب اس بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ اس کا اشارہ خفیہ راستے سے فرار کی طرف تھا اور یہ بری خبر تھی کہ اب اسے بھی آگے سے بند کر دیا گیا تھا۔ یقیناً جہاں یہ راستہ نکلتا ہوگا وہاں بڑے کنور نے اپنے آدمی بھیج دیے ہوں گے لیکن بہرحال اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مفروضے پر ہم اپنی جدوجہد ترک نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے انجان بن کر کہا۔ ''منشی جی آپ کس مفروضے کی بات کر رہے ہیں اور اگر آپ کو یقین نہیں ہے کہ راج کنور زخمی اور بے ہوش ہے تو آپ خود یہاں آ کر دیکھ سکتے ہیں۔''

منشی جی ایک بار پھر خاموش ہوئے اور کچھ دیر بعد کہا۔ ''شہباز جی معافی چاہتا ہوں میں نہیں آ سکتا ہوں لیکن میں کسی اور کو بھیج دیتا ہوں وہ آ کر راج جی کو دیکھ لے۔''

''کوئی اور نہیں صرف آپ۔'' میں نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ ''اگر آپ راضی ہیں تو آ جائیں۔''

مجھے امید تھی کہ منشی جی کو اپنی جان پیاری ہوگی اور وہ کسی صورت یہاں نہیں آئیں گے۔ میری امید پوری ہوئی اور انہوں نے جواب میں چپ سادھ لی۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''منشی جی اگر راج کنور مر گیا تو اس کی تمام تر ذمے داری بڑے کنور پر ہوگی۔ رامن کو سزا دینے کے معاملے میں جتنی دیر ہوگی میرا شبہ اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔ اگر رامن نے یہ سب اپنی مرضی سے کیا ہے تو بڑے کنور کو اسے فوری سزا دے کر دوسرے نمک خواروں کے لیے ایک مثال بنا دینی چاہیے کہ نمک حرامی کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں۔''

''بس زیادہ دیر نہیں لگے گی۔'' منشی جی نے کہا۔

اس سے بات کرتے ہوئے اچانک مجھے خیال آیا کہ بڑے کنور کی جی حضوری کرنے والے یہ لوگ کہیں چالاکی سے کام تو نہیں لے رہے ہیں۔ پہلے رامن نے بڑے کنور کی ہدایات کے برخلاف کارروائی کی اور اب منشی جی بھی اس کی پیروی کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ بڑا کنور راج کنور کی طرح تمام معاملات اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا اور وہ اکثر ان ملازموں کا محتاج ہوتا۔ اپنی من مانی کے لیے بڑا کنور ایک آئیڈیل آقا تھا اور وہ فطرت میں بھی راج کنور سے مختلف تھا۔ راج کنور سے غداری کر کے اب وہ کسی صورت اسے زندہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ انہیں بجا طور پر خوف تھا کہ راج کنور نے کسی طرح پھر سے راج پاٹ حاصل کر لیا تو سب سے پہلے ان کی شامت آئے گی اور انہیں اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس لیے رامن اور منشی جی کی پوری کوشش تھی کہ راج کنور کا پتا صاف کر دیا جائے۔ وہ مر جاتا تو اس کا الزام بعد میں با آسانی مجھ پر لگایا جا سکتا تھا۔ جیسے جیسے میں اس مفروضے پر غور کر رہا تھا میرا شک پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ منشی جی رامن کے ساتھ مل کر اپنا ہی کھیل کھیل رہے تھے اور بڑا کنور اس سے بے خبر تھا اگر یہ بات درست تھی تو رامن قید نہیں تھا۔

اب اگر راج کنور ہم سمیت زندہ ان کے ہاتھ آ جاتا تب بھی امکان یہی تھا کہ وہ اسے مار دیتے اور پھر بڑے کنور کے سامنے اس کا الزام ہم پر یا راج کنور پر رکھ دیتے کہ اس نے مزاحمت کی اور مارا گیا۔ بڑا کنور ان کی بات ماننے پر مجبور ہوتا۔ مگر ساتھ ہی اس کا بھی امکان تھا کہ یہ سب بڑے کنور کے اشارے پر ہو رہا تھا۔ لڑائی کا مقصد راج کنور کو ختم کرنا تھا اور اتفاق کی بات ہے ہم سب میں سے نشانہ بھی بس وہی بنا ورنہ فائرنگ تو اندھا دھند کی گئی تھی۔ اپنے بارے میں مجھے یقین تھا کہ بڑے کنور نے ہر صورت میری حفاظت کرنے کو کہا ہوگا لیکن منشی جی اور رامن کو اس سے اتفاق نہیں ہوگا وہ راج کنور کے ساتھ میرا پتا بھی صاف کرنا چاہتے ہوں گے۔ اس سے بڑے کنور کی صحت یابی کا امکان بھی ختم ہو جاتا اور بیمار بڑا کنور ان کے رحم و کرم پر آ جاتا اور ان لوگوں کو کھل کر اپنی من مانی کرنے کا موقع ملتا۔ ورنہ وہ صحت مند ہو کر راج کنور کی طرح سب پر حاوی ہو جاتا۔ اپنے شبہے کی تصدیق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے میں نے منشی جی کو آواز دی۔

''منشی جی آپ موجود ہیں؟''

''جی جناب میں یہیں ہوں۔''

''میں بڑے کنور سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''اس کے لیے آپ کو بڑے کنور کے پاس جانا ہوگا۔'' اس نے سادہ مکاری سے کہا یعنی ہمیں اس کمرے سے نکلنا ہوگا۔

''اتنی زحمت کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے اسی کے انداز میں مکاری سے جواب دیا۔ ''جیسے آپ نے پانی اور دوسری چیزیں بھیجی تھیں اسی طرح ملازمہ کے ہاتھ ایک دا کی ٹا کی بھیج دیں میں اس پر بڑے کنور سے بات کرلوں گا۔''

منشی جی گڑبڑا گئے تھے۔ ''جی میں دیکھتا ہوں۔''

''اس میں دیکھنے کی کیا بات ہے؟'' میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ ''یہ کوئی بڑا مطالبہ تو نہیں ہے میں نے یہاں گارڈز کے پاس بھی وا کی ٹا کی دیکھا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اس کے لیے بڑے کنور سے اجازت لینا ہوگا۔''

میں ہنسا۔ ''منشی جی آپ مذاق کر رہے ہیں۔ رامن کو مجھے اور میرے ساتھیوں کو مارنے کے لیے بڑے کنور کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی لیکن اسے سزا دینے کے لیے بڑے کنور کی اجازت کی ضرورت ضرور ہے۔ کیا آپ نے پانی اور دوسری چیزیں بھیجتے ہوئے بھی بڑے کنور سے اجازت لی تھی۔''

''وہ دوسری بات تھی۔'' منشی جی کا لہجہ سپاٹ ہوگیا۔ ''اس معاملے میں بڑے کنور سے اجازت لینا ہو گی۔''

میں دروازہ بند کرکے راج کنور کے پاس آیا جو مسلسل تالے پر نئے کمبی نیشن آزما رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''تم نے سنا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ بھی رہا ہوں، یہ بڑے کنور کو استعمال کر رہے ہیں انہیں خوف ہے کہ میں واپس آگیا تو انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ بڑا کنور میرا دشمن بھی ہو جائے تب بھی وہ مجھے قتل نہیں کرائے گا۔ یہ منشی دل جی اور رامن کی خواہش ہوگی۔''

''اسی لیے وہ وا کی ٹا کی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

''ان کا بس چلتا تو یہ وہیں ہمارے خلاف کارروائی کرتے لیکن وہاں انٹرکام سے رابطے کی سہولت تھی۔ یہاں ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔'' راج کنور نے مایوسی سے کہا۔

''تمہیں یقین ہے کہ بڑا کنور تمہیں قتل نہیں کرانا چاہتا ہے؟'' بانو نے پوچھا وہ کچھ دور دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

''وہ میرا بھائی ہے اور میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔'' راج کنور نے یقین سے کہا۔ ''ہم بھائیوں میں وہ بہت بہتر انسان ہے۔ بعض اوقات وہ دوسروں کو بھی معاف کر دیتا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن یہ اقتدار اور اس کی زندگی کا معاملہ ہے۔''

''اس کے لیے مجھے قتل کرنا ضروری نہیں ہے اپنی زندگی کی حد تک وہ مجھے یہاں سے بے دخل رکھے گا لیکن اس کے بعد یہ جاگیر اور دولت مجھے اور میری اولاد کو ہی ملے گی۔ یہ پریوار کا معاملہ ہے انسان اپنی ذات پر اپنے پریوار کو ترجیح دیتا ہے۔ مجھے موقع ملتا تو میں بھی اسے نہیں مارتا بس بے بس بنا کر اپنے قبضے میں رکھتا۔''

''تمہارے قبضے میں تو وہ پہلے بھی تھا تم ہی سب دیکھتے تھے اور عیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔''

''ہاں لیکن بڑے کنور کے کان بھرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔'' اس نے نفرت سے کہا۔ ''سب سے آگے تو یہ منشی جی ہے۔''

''لیکن اسی منشی جی کو تم نے بڑے کنور کے خلاف اپنے ساتھ ملا لیا۔''

''یہ بھی اس کی چالاکی تھی اس نے محسوس کیا کہ اگر میں جاگیر پر قابض ہو گیا تو سب سے پہلے اس کی چھٹی کروں گا اس لیے وہ میرا وفادار بن گیا۔''

''اور جیسے ہی تم قید ہوئے وہ دوبارہ بڑے کنور کی طرف لوٹ گیا۔''

''مجھے شبہ ہے کہ وہ کبھی میرا وفادار تھا۔ وہ ایک منصوبے کے تحت آیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بڑے کنور کی رضامندی سے آیا ہو۔''

''یہ تو طے ہے کہ وہ بڑے کنور کا بھی پورا وفادار نہیں ہے وہ اسے بھی لاعلم رکھ رہا ہے۔''

''شہباز۔'' راج کنور نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر تم نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا تو میری درخواست ہے مجھے اپنے ہاتھ سے گولی مار دینا میں ان کتوں کے ہاتھ سے مرنا نہیں چاہتا۔''

''اگرچہ انسان موت و زندگی کے بارے میں بے بس ہے لیکن ایسا موقع آیا تو میں تمہاری درخواست کو مدِنظر رکھوں گا۔''

راج کنور لاک نمبر ملانے میں لگ گیا۔ یہ بہترین قسم کا کمبی نیشن لاک تھا جس میں اپنی مرضی کا اور کسی بھی عدد کا نمبر بہ طور لاک لگایا جا سکتا تھا یہ بھی ممکن تھا کہ اصل نمبر صرف چار ہندسوں پر مشتمل ہو یا یہ دس نمبروں پر بھی مشتمل ہو سکتا تھا۔ درست نمبر معلوم کرنا تقریباً بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کرنے کے برابر تھا۔ فی الحال آرام کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا اس لیے میں بھی ایک طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بانو میرے قریب کھسک آئی اور مجھے معلوم تھا کہ اب سوالات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ میں تیار ہو گیا۔ اس نے پہلا سوال کیا۔ ''اگر یہ کمبی نیشن لاک نہ کھول سکا تو.....؟''

''تب ہم یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔'' میں نے سادہ جواب دیا۔ ''ہاں کوئی معجزہ ہو جائے تو الگ بات ہو گی۔''

''منشی جی اور رامن اگر بڑے کنور کی مرضی کے خلاف کام کر رہے ہیں تب وہ ہمیں زندہ نہیں پکڑیں گے۔''

''اس کا امکان ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن وہ کھل کر یہ کام نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ انہیں بڑے کنور کو جواب دینا ہے اس لیے منشی جی کی کوشش ہے کہ ہم آسانی سے ان کے ہاتھ آ جائیں اور وہ اپنی مرضی سے ہمارا کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمام کرسکیں۔"

بانو نے جھرجھری لی۔ "آپ اتنی خوفناک باتیں کتنے آرام سے کر رہے ہیں۔"

"یہ سب میرے لیے نیا نہیں ہے بلکہ اب تو تمہیں بھی عادی ہو جانا چاہیے۔"

بانو کچھ سوچ رہی تھی پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ "آپ جانتے ہیں راج کنور کے ساتھ رامن بھی میرے پیچھے پڑا ہے۔ اگر ہم ان کے ہاتھ آ گئے تو۔۔۔"

"اتنی دور کا مت سوچو۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "ابھی ہم پوری طرح بے بس نہیں ہوئے ہیں۔"

"میرے لیے یہ دور کی بات نہیں ہے۔" بانو روہانسی ہو گئی۔ "میں آپ کو بتا دوں اگر ایسا کوئی وقت آیا تو میں زندہ ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آؤں، ایک دو کو مار کر مروں گی۔"

"یہ اچھی اسپرٹ ہے لیکن اسے آخر کے لیے بچا کر رکھو۔ جب انسان عزت سے جی نہ سکے تو عزت سے مر جائے۔"

اوشا سامنے دیوار سے کمر ٹکا کر سیدھی بیٹھی ہوئی تھی اس نے وہی ملازماؤں والا مختصر سا لباس پہن رکھا تھا اور اسے احساس نہیں تھا کہ اس پوز میں وہ کوئی تراشا ہوا مجسمہ لگ رہی تھی۔ وہ ہماری باتیں سن رہی تھی اور اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھیں ساکت تھیں ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی ناگن سکتے کی کیفیت میں ہو۔ بانو نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے سیاہ رنگ کی لڑکیوں میں اس سے زیادہ حسین اور پرکشش لڑکی نہیں دیکھی۔"

"میں نے بھی۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اس کے جسم میں جو زہر ہے کیا اسے کسی طریقے سے ختم نہیں کیا جا سکتا تاکہ یہ بھی نارمل زندگی گزار سکے۔"

"میرا خیال ہے میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی علاج تو ہو گا۔" میں نے جواب دیا اور ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ وہ نارمل ہو گئی تو سیدھا میرا رخ کرے گی۔ اوشا ہماری باتیں سن رہی تھی وہ اٹھ کر ہمارے پاس چلی آئی۔

"تم لوگ میرے بارے میں بات کر رہے ہو نا؟"

"ہاں میں کہہ رہی ہوں کہ اگر کسی طریقے سے تمہارے جسم سے زہر خارج کر دیا جائے تو تم نارمل زندگی کی طرف آ سکتی ہو۔"

"چاہتے تو ہم بھی یہی ہیں رے۔" اس نے حسرت سے مجھے دیکھا۔ "پر باپو کا کہنا تھا کہ ہم ساری عمر وش کے ساتھ رہیں گے۔ اس کا کوئی اپائے نہیں ہے۔"

"تمہارا باپو جدید میڈیکل سائنس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس لیے ایسا کہہ رہا تھا۔ اب دنیا میں ہر مرض اور ہر چیز کا علاج ممکن ہے۔ آخر ان کا بھی تو علاج ہوتا ہے جن کو زہریلے سانپ کاٹ لیتے ہیں یا وہ کسی اور طریقے سے زہر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ علاج کر کے ان کے جسم سے زہر کے اثرات ختم کر دیئے جاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اس بارے میں معلوم کرا چکا ہوں۔" تالے پر جھکے راج کنور نے اچانک کہا۔ "میں نے انڈیا کے ماہر ترین ڈاکٹروں سے بات کی جو زہر کے اثرات ختم کرنے کے ماہر ہیں لیکن ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ اوشا کے بدن سے زہر ختم نہیں ہوگا۔ یہ اس کے سسٹم کا ایک حصہ بن گیا ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا جو چیز انسانی سسٹم کا حصہ بن جائے اسے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا ایسا کرنے سے انسان مر بھی سکتا ہے۔ اس کی بات سن کر مجھے تعجب ہوا تھا۔ "تم نے کیوں یہ زحمت کی اور وہ بھی ایک معمولی ملازمہ کے لیے۔"

راج کنور نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ سر جھکائے کمبی نیشن ملاتا رہا پھر میں نے اوشا کی طرف دیکھا تو جواب سمجھ میں آ گیا۔ راج کنور بھی اس کے حسن سے متاثر تھا لیکن زہر کی وجہ سے وہ بس دور سے دیکھنے پر مجبور تھا اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے اس نے اوشا کا زہر ختم کرنے کے لیے ڈاکٹروں سے بات کی تھی اور اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اوشا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "شہباز ہم کم نصیب ہیں رے کوئی ہمارے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہے۔"

"یہ تمہاری سوچ ہے میری سوچ اس سے الگ ہے۔ اس زہر نے تمہاری عزت محفوظ رکھی۔"

"تُو جانتا ہے میں ایک سپیرے کی بیٹی ہوں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "ہم جانتے ہی نہیں کہ عجت کیا ہے رے؟"

"ایسا نہیں ہے ہر انسان صاحب عزت ہے اگر اس کی اپنی نظر میں عزت ہو تو۔"

"بھلا آدمی کی دوسرے عجت نہ کریں تو کھد کیسے اپنی عجت کرے؟" اس نے ذرا تعجب سے کہا۔ میں اس نادان ناری کے ساتھ وقت ضائع کر رہا تھا۔ جب کہ مجھے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اس مشکل سے کیسے نکلوں۔ میں نے بانو کی طرف دیکھا تو وہ اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے بی بی؟"

"کچھ نہیں شہباز صاحب۔" وہ ذرا شوخی سے بولی۔ "بس ایک خیال آ رہا تھا کہ جب آدمی ڈھول گلے میں ڈال لیتا ہے تو اسے بجانا ہی پڑتا ہے۔"

اوشا نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ "تُو ہمیں ڈھول کہہ رہی ہے؟"

"بالکل نہیں تم کہاں سے ڈھول ہو گئیں۔ وہ تو بہت موٹے اور بھدے انسان کو کہتے ہیں۔" بانو نے جلدی سے تردید کی۔ "تم تو اسمارٹ ہو۔"

یہ سن کر اوشا دکھی ہو گئی۔ "لگتا ہے تُو اب انگریجی میں برا کہہ رہی ہے۔"

میں ہنسا۔ "اسمارٹ کا مطلب ہے چست اور دبلی جیسی کہ تم ہو۔"

"تُو سچ کہہ رہا ہے؟" اس نے شک سے پوچھا تو بانو ہنسی تھی۔ اوشا خفا ہو گئی اور اسے باقاعدہ منانا پڑا تھا۔ اس چھوٹی سی کامیڈی نے ہم سب کے تنے اعصاب ذرا ڈھیلے کر دیئے تھے۔ راج کنور ذرا تعجب سے ہمیں دیکھ رہا تھا لیکن اس نے درمیان میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے کام میں لگا ہوا تھا جب تھک جاتا تو کچھ دیر کو ستانے کے لیے رک جاتا اور پھر ہمت آتے ہی دوبارہ کام میں لگ جاتا۔ یہ تو طے تھا کہ وہ اپنی ہمت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بڑھ کر کوشش کر رہا تھا کیونکہ اس کے جسم میں گولی موجود تھی اور زخم تازہ تھا۔ بے شک پین کلرز نے عارضی طور پر زخم دبا دیا تھا لیکن پھر گولی کا زخم کم تکلیف دہ نہیں ہوتا ہے خاص طور سے جب گولی جسم میں موجود ہو۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب اس کا زہر پھیلتا ہے تو یہ زیادہ تکلیف دینے لگتا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ انسان کا بچہ بن کر ہم سے تعاون کے جذبے سے سرشار اس کام میں جتا ہوا تھا۔ یہ برادر کلاں اور اس سے زیادہ اپنے سابق نمک خواروں کا خوف تھا جو راج کنور خفیہ راستے کا تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پہلے تو مجھے اتنا کھلا ہوا "خفیہ راستہ" دیکھ کر تعجب ہوا تھا۔ بس ایک قالین ہٹاؤ اور دروازہ سامنے آجاتا۔ یہ تالا ہمارے لیے مسئلہ بنا ہوا تھا ورنہ کوئی اور دشمن ہوتا تو ہم مار کر یا بہت سارے لوگوں کی مدد سے اس دروازے کو توڑ کر راستہ بنا چکا ہوتا۔ جب کہ میرے خیال میں خفیہ راستہ ایسا ہوگا کہ کوئی دیکھ کر شک نہ کرے کہ یہاں خفیہ راستہ ہو سکتا ہے۔ جیسے کسی آتشدان کے پیچھے یا کسی الماری کے پٹ کے عقب میں۔ جسے خاص طریقے سے کھولا جا سکے جیسے کوئی کل دبا کر یا فرش کی ٹائلوں میں سے کسی مخصوص ٹائل کو دبا کر لیکن لگتا تھا کنور خاندان کو فکشن سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وہ دولت مند ضرور تھے لیکن ذرا اجڈ قسم کے۔ مجھے راجا عمر دراز کے محل کے خفیہ راستے کا خیال آیا جس سے میں نے بھی سفر کیا تھا۔ وہ بالکل روایتی جاسوس کہانیوں والے خفیہ راستے کی طرح تھا۔

میں اٹھ کر فولادی دروازے کے پاس آیا۔ اس کی چادر پوری طرح طرح کنکریٹ سے لگی ہوئی تھی۔ میں نے شاٹ گن کے فولادی دستے سے کنکریٹ بجا کر دیکھا۔ یہ ہر جگہ سے ٹھوس تھا۔ میں نے راج کنور سے پوچھا۔ "اس خفیہ راستے کی تعمیر کب ہوئی؟"

"آج سے کوئی پندرہ سال پہلے۔"

"کس کی نگرانی میں ہوئی تھی؟"

"ظاہر ہے میری نگرانی میں۔"

"اس فولادی دروازے کے قبضے کہاں ہیں۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا کیونکہ آدمی جو چیز استعمال کرتا ہے اس کی ساخت پر زیادہ توجہ نہیں دیتا ہے خاص طور سے جو ساخت چھپی ہوئی ہو۔ چند لمحے بعد اس نے کہا۔ "دیکھو یہ اس طرح سے اوپر اٹھتا ہے اس لیے اس کے قبضے اس طرف ہوں گے۔ مگر مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے کہ قبضے کہاں کہاں لگے ہیں۔"

"ان کی تعداد یاد ہے اور یہ کہ قبضے کنکریٹ میں ہیں یا اس دروازے کا چوکھٹ سمیت فولادی ڈھانچہ ہے۔"

"نہیں اس کے قبضے کنکریٹ میں پیوست ہیں۔" اس نے تردید کی تو مجھے دلچسپی محسوس ہوئی۔ "قبضوں کی تعداد یاد نہیں لیکن کم سے کم دو ہوں گے۔"

"اگر یہ کنکریٹ میں پیوست ہے تو اسے توڑا جا سکتا ہے۔"

"لیکن کیسے اول تو ہمارے پاس اوزار نہیں ہیں اور دوسرے اسے توڑنے کے لیے بہت طاقت درکار ہو گی۔" راج کنور نے مایوسی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''انسان کوشش کرے تو سب کرسکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم اپنا کام کرتے رہو۔''

وہ دوبارہ تالے پر جھکتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تو یہ کھلتا نظر نہیں آرہا ہے لگتا ہے کم سے کم میرا آخری سے آگیا ہے۔''

میں اس کے پاس سے ہٹا تو بانو نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ کے ذہن میں کوئی خیال آیا ہے۔''

اس مختصر سے کمرے میں دوسروں سے چھپا کر گفتگو کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے بانو کو چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''نہیں بس ایسے ہی خیال آیا تھا۔''

ہمیں اس کمرے میں محصور ہوئے دو گھنٹے ہونے والے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ صبح کے دس بج رہے تھے۔ اوشا نے دروازے کی ذمے داری سنبھال لی تھی اور وقفے وقفے سے دروازہ کھول کر باہر جھانکتی تھی۔ کبھی کبھی تھوڑا سا باہر نکل کر بھی دیکھ لیتی۔ میں نے اسے منع کیا کہ باہر نہ نکلے۔ باہر والے شرارت پر آمادہ تھے اور کوئی گولی بھی چلا سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

''ہم کب تک ایسے بیٹھے رہیں گے۔''

''جب تک حالات اجازت نہیں دیتے۔''

راج کنور کی حالت بگڑ رہی تھی تکلیف بڑھنے سے اس کے ماتھے پر بار بار پسینہ آرہا تھا حالانکہ اس کمرے میں خنکی تھی۔ وہ ایک بار نمبر ملاتا اور ناکامی کے بعد نڈھال ہو کر پیچھے بیٹھ جاتا تھا۔ جب ہمت آتی تو دوبارہ کوشش کرتا۔ ہر بار اسے پہلے سے زیادہ دیر لگتی تھی۔ میں نے اسے روکا اور پھر زخم سے پٹی ہٹا کر اس کا معائنہ کیا۔ زخم کے آس پاس سوجن نمودار ہو رہی تھی اور رنگ بھی بدل گیا تھا۔ زخم واضح طور پر خراب ہو رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ذرا حوصلہ کرو میں انگلی سے زخم ٹٹولنے جا رہا ہوں مجھے لگ رہا ہے گولی اوپر ہی موجود ہے اگر اسے نکال دیا تو تمہیں سکون ملے گا۔''

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا اور اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو اب یہاں ایسی تکلیف ہے جیسے اندر انگارہ رکھ دیا ہو۔''

''کاش کوئی چاقو ہوتا تو کام آسان ہو جاتا۔''

''چاقو ہے۔'' بانو نے چاقو پیش کر کے مجھے حیران کر دیا یہ چھوٹی نوک والی چھری تھی جس سے پھل کاٹا جاتا تھا بانو راج کنور کے عشرت کدے سے آتے ہوئے اسے اٹھا لائی تھی۔ میں نے خوش ہو کر کہا۔

''یہ کیا نا تم نے کام۔''

میں نے لپیٹی جانے والی پٹی کا گولا بنا کر راج کنور کی طرف بڑھا دیا۔ ''اسے اپنے منہ میں ٹھونس لو ایک تو آواز نہ نکلے دوسرے کہیں زبان دانتوں تلے آکر نہ کٹ جائے۔''

وہ خوفزدہ تھا لیکن اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے منہ دبا لیا تھا۔ میں نے پہلے جراثیم کش محلول روئی پر لگا کر اس سے اس کا زخم صاف کیا۔ اس محلول نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ منہ بند تھا لیکن اس نے ناک سے اتنا واویلا مچایا کہ مجھے خدشہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں اس کی آوازیں باہر تک نہ پہنچ جائیں۔ بہرحال اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میں نے زخم صاف کر چاقو بھی اسی محلول سے صاف کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھر اپنا پاؤں راج کنور کے سینے پر رکھا تا کہ وہ ہل نہ سکے اور چاقو اس کے زخم میں داخل کیا۔ وہ اتنی زور سے تڑپا کہ چاقو ہلا اور زخم خود بڑا ہو گیا۔ فوراً ہی خون بہنے لگا تھا۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر انگلی زخم میں داخل کی اور گولی تلاش کرنے لگا۔

راج کنور تڑپ رہا تھا مگر میرے بوجھ تلے زیادہ نہیں ہل پا رہا تھا۔ انگلی گھماتے ہوئے بالآخر میں نے گولی تلاش کر لی۔ اس کے جائے وقوع کا اچھی طرح اندازہ کر کے میں نے چاقو کی نوک اندر داخل کی اس بار بھی راج کنور نے ناک سے شور کیا تھا مگر میں نے پروا کیے بغیر چاقو کی نوک سے گولی نکال ہی لی۔ وہ آخری بار تڑپا اور بے ہوش ہو گیا۔ میں نے اس افسوس سے کہا۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ شخص اتنا کم ہمت نکلے گا۔''

خون بہہ رہا تھا میں نے پرانی پٹی کو استعمال کیا اور اس سے زخم دبا کر خون روکتا رہا جب خون رک گیا تو جراثیم کش محلول سے اسے صاف کیا۔ اس پر خشک کرنے والا پاؤڈر چھڑک کر اوپر سے چکنی پٹی رکھ کر ٹیپ سے بند کر دیا۔ پھر روئی سے اپنے خون آلود ہاتھ صاف کیے۔ پانی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ گولی نکلنے سے یقیناً راج کنور کی تکلیف میں کمی آئی تھی اس لیے جلد اسے ہوش آ گیا میں نے پانی کے ساتھ دو پین کلرز اور دو اینٹی بایوٹک کیپسول اسے کھلا دیئے۔ وہ دیوار سے ٹک کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ دس منٹ بعد اس کی حالت خاصی بہتر نظر آنے لگی تھی۔ وہ مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یقیناً وہ سوچ رہا تھا کہ میں اس جیسے دشمن کے لیے اتنی تگ و دو کیوں کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں لیکن شہباز میری سمجھ میں تمہارا رویہ نہیں آ رہا ہے۔''

''کیسا رویہ؟''

''یہی کہ میں تمہارا بدترین دشمن ہوں اور تم میرے لیے اتنا کر رہے ہو؟''

میں تمہارے لیے نہیں اپنے لیے کر رہا ہوں اور اس سے پہلے تم جیسے اور بھی کئی بدترین دشمن میرا رویہ سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ اس کی بڑی سادہ سی وجہ ہے میں ایک عام انسان ہوں۔ مجھے غصہ بھی آتا ہے اور میں نے بیشمار لوگوں کو اپنے ہاتھ سے مارا ہے لیکن میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ قابو میں آئے دشمن سے برا سلوک کروں یا صرف اپنی تسکین کے لیے اسے ذلیل کروں۔ اسی طرح میرے لیے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ تمہیں دشمن سمجھ کر علاج سے محروم رکھوں۔ ہاں میں یہ کر سکتا ہوں کہ اگر تم سے مجھے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان ہوتا تو میں ایک گولی مار کر تمہیں سے دنیا سے رخصت کر دیتا۔''

''میرے بس میں ہوتا تو.....''

''راج کنور اپنا موازنہ مجھ سے مت کرو۔'' میں نے اسے ٹوک دیا۔ ''میں تم سے بالکل مختلف آدمی ہوں۔''

وہ چپ ہو گیا کچھ دیر بعد سرد آہ بھر کر کہا۔ ''اگر میں بچ گیا تو اس وقت کو یاد رکھوں گا۔''

''یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر دروازے تک آیا۔ منشی جی وہاں موجود تھے میری پکار کے جواب میں وہ لپکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حکم کریں شہباز جی؟''

''منشی جی اتنی تاخیر سے تم لوگوں کی بدنیتی تو واضح ہوگئی ہے۔ اب میں انتظار کر رہا ہوں کہ تم لوگ حرکت میں آؤ تو میں جواب دوں۔''

''آپ بے فکر رہیں یہاں کوئی آپ کے خلاف کچھ نہیں کرے گا۔''

''خوشی سے مر نہ جاتے گر اعتبار ہوتا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ منشی جی اینڈ پارٹی کی بدنیتی تو واضح تھی لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر اس نے کچھ کرنا ہی تھا تو اس میں اتنی تاخیر کیوں کر رہا تھا۔ اسے بہت پہلے اس کمرے پر ہلہ بول دینا چاہیے تھا۔ میرے خیال میں اب ہماری طرف سے کچھ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور راج کنور کے پاس آیا۔ ''یہ بتاؤ اس دروازے کے ساتھ کوئی دھماکہ خیز ٹریپ تو نہیں ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ایسا کوئی ٹریپ نہیں ہے تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''میں اس دروازے کو توڑنے جا رہا ہوں۔''

اس نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''اسے تو کوئی ہاتھی بھی نہیں توڑ سکتا ہے۔''

''میں ہاتھی نہیں انسان ہوں۔'' میں نے کہا اور اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کمرے کے دوسرے کونے میں لایا۔ ''یہاں بیٹھو۔''

''شہباز صاحب آپ کیا کرنے جا رہے ہیں۔'' بانو نے پوچھا۔

''بانو تم دروازے کے پاس رہو گی اور اگر کوئی اندر آنے کی کوشش کرے تو اسے بے دریغ شوٹ کر دینا۔'' میں نے اس کا سوال نظر انداز کر کے حکم دیا۔ تو وہ دروازے کے پاس چلی گئی میں نے اوشا کو بھی کونے میں جانے کا حکم دیا۔ میں نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور شاٹ گن سنبھالی۔ اس میں ایک وقت میں سات کارتوس آتے تھے اور جو پاؤچ میرے پاس تھا اس میں سو کے قریب کارتوس مزید تھے۔ یہ سب نہایت مہلک بلٹ تھے جو بیس گز کی دوری تک کسی کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کافی ہوتے۔ بازوؤں اور ٹانگوں کے علاوہ یہ کہیں بھی لگتے تو آدمی کا بچنا مشکل تھا۔ میں نے ایک مخصوص زاویے سے کھڑے ہو کر دروازے کے گرد کنکریٹ کی چوکھٹ کا جائزہ لیا۔ پھر اس کے قبضے والے حصے کا معائنہ کیا اور اوشا کو پاس بلایا۔ وہ لپک کر آئی۔

''کیا ہے رے؟''

''اوشا روئی سب کو دو اور اپنے کانوں میں بھی ٹھونس لو۔ اس بند کمرے میں دھماکے بہت زیادہ گونجیں گے۔''

اوشا نے ایک پیکٹ پھاڑ کر روئی نکالی اور سب کو دینے لگی۔ مجھے بھی دی جو میں نے گول مول کر کے کانوں میں ٹھونس لی۔ اب میں اور دوسرے دھماکوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔ میں ایسے زاویے سے کھڑا تھا کہ گولی پلٹ کر میری طرف نہ آئے اور پھر یہ کنکریٹ تھا اس میں گولی ویسے بھی پلٹتی نہیں ہے۔ ہاں دھات کی کوئی چیز ہو اور بہت مضبوط ہو تو گولی ان سے اچٹ کر واپس آ سکتی ہے۔ کانوں میں روئی ٹھونسنے کے باوجود پہلا دھماکا ایسا تھا کہ سیدھا کان کے پردے سے جا ٹکرایا تھا۔ میں بھی اچھل پڑا تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گولی نے فولادی تختے کے ساتھ کنکریٹ ادھیڑ دیا تھا۔ میں نے دل کڑا کر کے اسی جگہ دوسرا فائر کیا اور اس بار بھی اچھا خاصا کنکریٹ ادھڑ اتھا۔ صرف روئی دھماکوں کی آواز روکنے میں ناکام رہی تھی۔ ان تینوں نے کانوں پر ہاتھ بھی رکھ لیے تھے۔ میں نے ایک بار کام شروع کر دیا تھا۔

باہر والوں کو یقیناً اطلاع مل چکی تھی اور اس سے پہلے کہ ان کی طرف سے کوئی جوابی کارروائی ہوتی میں جلد از جلد کنکریٹ میں سوراخ کر لینا چاہتا تھا۔ ہر فائر کے ساتھ کنکریٹ کے ذرے اڑتے تھے اور کمرے میں بارود کا دھواں پھیل رہا تھا۔ ہر فائر کے ساتھ میں آنکھیں بند کر لیتا تھا کیونکہ ذرے اڑ کر منہ تک بھی آ رہے تھے۔ کوئی ایک درجن فائر کے بعد میں نے اپنی کارگزاری کا جائزہ لیا۔ شاٹ گن کے بلٹس نے کنکریٹ میں سوراخ کر دیئے تھے اور اس کی اوپری سطح غائب ہو چکی تھی۔ میں نے بٹ سے کنکریٹ صاف کیا اور اندازہ کرنا چاہا کہ اس کے قبضے کہاں تھے ایک بار قبضے نظر میں آ جاتے تو میں خاص طور سے ان کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ بلٹس کی کمی نہیں تھی۔ فائرنگ میں وقفہ آیا تو پتا چلا کہ باہر کوئی چلا رہا تھا۔ میں نے کانوں سے روئی نکالی۔ آواز منشی جی کی تھی۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ میں فائرنگ کیوں کر رہا تھا۔ میں نے جواب دینے کے بجائے دوبارہ کانوں میں روئی ٹھونسی اور ان جگہوں کو نشانہ بنانے لگا جہاں میرے خیال میں دروازے کے قبضے موجود تھے اب تک کنکریٹ میں ان کا نشان نہیں آیا تھا۔

مزید نصف درجن فائر کے بعد مجھے رک جانا پڑا کیونکہ اب کمرے میں بارود کا زہریلا دھواں اتنا زیادہ بھر گیا تھا کہ اس میں سانس لینے سے حلق میں جلن ہو رہی تھی۔ شاٹ گن کے بلٹ میں جس طرح گولی بڑی ہوتی ہے اس طرح اس میں بارود بھی اچھا خاصا بھرا ہوتا ہے۔ میں نے دروازہ کھولا اور پہلے ذرا سا کھول کر باہر جھانکا وہاں کوئی نہیں تھا۔ دروازہ کھلتے ہی دھواں کم ہونے لگا تھا۔ اس کمرے میں وینٹی لیشن سسٹم نہیں تھا لیکن اس سے باہر تو موجود تھا اس لیے دھواں تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ منشی جی سخت تشویش زدہ تھے کہ میں کیوں فائر کر رہا تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اسے جواب دے لوں۔ ''منشی جی فکر نہ کریں ایسے فارغ بیٹھا تھا سوچا نشانہ بہتر کر لوں۔''

''شہباز جی آپ فائرنگ بند کریں۔''

''اگر میں ایسا نہ کروں تو.....؟''

''تو آپ کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔'' منشی جی نے دھمکی دی۔ ''آپ کس پر فائر کر رہے ہیں؟''

''تمہارے سابق آقا پر نہیں کر رہا ہوں وہ ویسے بھی کچھ دیر کا مہمان ہے۔''

اس دوران میں دھواں تقریباً نکل گیا تھا اس لیے میں نے بانو کی ڈیوٹی دروازے پر لگائی۔ منشی جی پریشان ہو رہے تھے اور کوئی بعید نہیں تھا کہ اپنے کمانڈوز روانہ کر دیتے۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''کوئی بھی نظر آئے اس پر فائر کرنا۔ کسی کو کمرے کے قریب مت آنے دینا۔''

'میں سمجھ گئی لیکن اگر وہ دوسری طرف سے آیا تو؟''

''اوشا بھی مستعد رہے گی۔'' میں نے اوشا کی طرف دیکھا وہ بھی دروازے کے پاس آ گئی اور میں دوبارہ فائرنگ کی مشق کے لیے تیار ہوا۔ اس بار مجھے ایک قبضہ نظر آ گیا تھا اور یہ تقریباً نصف انچ موٹی اور تین انچ چوڑی فولادی پلیٹ پر مشتمل تھا جو نہ جانے کنکریٹ میں کتنا گھسا ہوا تھا۔ میں تاک کر اس کے آس پاس فائر کرنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب کیونکہ دروازہ کھلا ہوا تھا اس لیے اب دھواں بھی جمع نہیں ہو رہا تھا۔ تین درجن شاٹس مکمل کرنے کے بعد مجھے ہاتھوں سے جمع ہو جانے والا ملبہ ہٹانا پڑا تھا اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ دونوں قبضے نمایاں ہو گئے تھے۔ ان پر سے کئی انچ تک کنکریٹ صاف ہو گیا تھا اور مزید فائر کے بعد ان کے نکل آنے کا امکان تھا۔ میں وقت ضائع کیے بغیر پھر فائر کرنے لگا۔ مزید ایک درجن فائر کے بعد ایک قبضہ نکل گیا تھا میں نے اسے ہلا کر دیکھا۔ دوسرا ابھی تک اٹکا ہوا تھا۔ میں اس پر فائر کرنے جا رہا تھا کہ بانو نے فائر کیا۔

''کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی اس طرف آیا تھا میں نے فائر کیا تو واپس بھاگ گیا۔''

''گڈ اسی طرح محتاط رہو میں کامیابی کے قریب ہوں۔'' میں نے کہا اور دوسرے قبضے پر فائر کرنے لگا۔ اسی اثنا میں باہر سے کسی نے ہلکا سا برسٹ مارا گولیاں دروازے کے سامنے سے گزر گئی تھیں۔ میں نے بانو کو دروازہ بند کرنے کا اشارہ کیا۔ ''سب کونوں میں چلے جائیں۔''

''آپ دروازے کے سامنے ہیں۔'' بانو نے فکرمندی سے کہا وہ اور اوشا ایک کونے میں چلے گئے تھے۔

''اللہ مالک ہے۔'' میں نے کہا اور اس بار قریب سے قبضے پر لگا تار کئی فائر کیے۔ یہ بہت اچھی والی شاٹ گن تھی ورنہ کوئی عام شاٹ گن ہوتی تو اتنی دیر میں اس کی نال جواب دے جاتی۔ اس کی نال بھی دہک رہی تھی اور اسے ہاتھ سے پکڑنا ممکن نہیں تھا۔ مگر یہ اب بھی فائر کر رہی تھی۔ جلد دوسرا قبضہ بھی جواب دے گیا۔ میں نے شاٹ گن نیچے رکھی اور زور لگا کر فولادی تختہ اٹھانے کی کوشش کی۔ کسی قدر دقت کے ساتھ یہ چوکھٹ سے نکل گیا تھا۔ نیچے جانے کے لیے سیڑھیاں نمودار ہوئی تھیں۔ راج کنور جلدی سے اٹھ کر پاس آیا وہ بے خیالی میں یا جان بوجھ کر رائفل اور شاٹ گن کے پاس آ گیا تھا اس لیے میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ وہ اس کی پروا کیے بغیر پُرجوش انداز میں بولا۔

''شہباز تم نے ناممکن کو ممکن کر دیا ہے اب نکل چلو اس سے پہلے کہ وہ آ جائیں۔''

میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ اس دوران میں منشی جی کے آدمی دروازے کے پاس آ گئے تھے اور کسی نے ترچھا برسٹ مارا اگر وہ سامنے فائر کرتا تو ہم سامنے ہی کھڑے تھے میں نے جلدی سے رائفل اٹھاتے ہوئے جوابی برسٹ مارا پھر بانو اور اوشا کو اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے پاس آ گئیں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''نیچے اتر جاؤ لیکن پوری طرح محتاط رہنا ہو سکتا ہے نیچے کوئی ہو۔''

پہلے بانو گئی تھی پھر اوشا اتری میں نے اسے پانی کی بوتل پکڑائی۔ راج کنور نے دوائیاں اور دوسرا سامان اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ بانو زہریلی گیس والا بیگ یہیں چھوڑ گئی تھی اور اسے دیکھتے ہوئے مجھے ایک خیال آیا۔ وہاں راج کنور کی شرٹ کی استعمال شدہ آستینیں پڑی تھیں میں نے جلدی سے انہیں اٹھا کر پٹیوں کی صورت میں پھاڑا۔ اور پھر اسے ایک ڈوری کی صورت دے کر اسے بیگ کی زپ سے منسلک کر دیا۔ بیگ کی اگلی زپ کھول کر اس میں کنکریٹ کا ملبہ بھر دیا اب یہ بھاری ہو گیا تھا اگر میں زپ کھینچتا تو بیگ نہ کھنچا آتا۔ راج کنور بھی نیچے جا چکا تھا۔ اس کے اترتے ہی میں بھی اتر گیا لیکن سیڑھیوں پر رہا۔ نیچے تاریکی تھی۔ میں نے کمرے میں موجود واحد پینسل لائٹ پر فائر کیا اور وہ بجھ گئی۔ اب مکمل تاریکی تھی۔ نیچے سے بانو نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کیا ہے؟"

"آگے جا کر لائٹر روشن کر لو راج کنور بھی نیچے آ گیا ہے۔" میں نے اسے خبردار کیا۔ وہاں تاریکی تھی اور ہم نہیں جانتے تھے کہ وہاں کیا ٹریپ تھے اور ممکن ہے کوئی ہتھیار بھی ہو۔ راج کنور اچھی طرح جانتا تھا وہ تاریکی میں بھی اپنا کام کر سکتا تھا۔ بانو سمجھ گئی۔ اس نے جلدی سے لائٹر آن کر لیا اور راج کنور کو اپنی نظروں میں کر لیا۔ پھر اس نے دبی آواز میں کہا۔ "آپ کیوں نہیں آ رہے ہیں؟"

"میں کچھ کر رہا ہوں۔ تم لوگ دس پندرہ گز آگے نکل جاؤ۔" میں نے جواب دیا میرے کان آہٹ پر مرکوز تھے۔ باہر سے گارڈز کی آوازیں آ رہی تھیں اور پس منظر میں کہیں منشی جی کی آواز بھی شامل تھی۔ وہ یقیناً ہمیں روکنے کا حکم دے رہے تھے۔ میں چوکھٹ سے کوئی دو فٹ نیچے تھا اس لیے امکان نہیں تھا کہ کوئی آتے ہی مجھے دیکھ لے گا۔ بانو اور اوشا راج کنور کو لے کر دور چلی گئیں تھیں اور نیچے تقریباً تاریکی تھی۔ ایک منٹ بعد دروازے پر ایک برسٹ مارا گیا اور پھر کسی نے لات مار کر دروازہ کھولا۔ میں نے سانس روکتے ہوئے تیزی سے ڈوری کھینچی۔ بیگ کی زپ کھلی تھی اور اس کے ساتھ ہی میں نیچے اتر گیا۔ اوپر سے گارڈز کے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں وہ شاید بتا رہے تھے کہ خفیہ راستہ کھلا ہے اور ہم غائب ہو چکے ہیں۔ نیچے آنے پر میں نے خود کو ایک ایسی سرنگ میں پایا جو تقریباً چھ فٹ قطر کی اور تقریباً گول تھی۔ یہ صاف ستھری اور سیمنٹ سے بنی تھی۔ یہاں بو یا گندگی نہیں تھی۔ وہ تینوں آگے بڑھے اچانک تیز روشنی لہرائی اور بانو کی آواز آئی۔

"شہباز صاحب جلدی کریں۔"

مجھے خود جلدی تھی کیونکہ میں بیگ میں بھری گیس کی اثر انگیزی اور حد سے ناواقف تھا۔ ممکن تھا وہ بہت تیزی سے پھیلنے والی گیس ہو اور اس کا اثر یہاں تک پہنچ جائے۔ میں جلدی سے ان کے پاس پہنچا۔ بانو کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا برقی لیمپ تھا۔ لالٹین کی صورت کے اس لیمپ میں تیز روشنی والے ایل ای ڈی بلب لگے تھے۔ ایسا ہی ایک لیمپ اوشا کے ہاتھ میں تھا اور راج کنور خالی ہاتھ تھا۔ میں نے یہاں آ کر سانس لیا اور پھر انہیں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "جلدی..... چلو..... میں نے بیگ کی گیس کھول دی ہے۔"

یہ سن کر راج کنور سب سے زیادہ دہشت زدہ ہوا تھا اس نے کہا۔ "وہ سوفٹ دور تک بھی اثر کرتی ہے۔"

یہ سنتے ہی سب کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی اور شاید سب نے ہی سانس روک لی تھی۔ سرنگ سیدھی جا رہی تھی۔ میں نے اوشا سے لے کر لیمپ آن کیا۔ اب یہاں زیادہ روشنی تھی۔ ایک بار میں نے مڑ کر دیکھا تو آخری سرے تک کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ گیس نے اثر کیا تھا اور کمرے میں گھسنے والے یقیناً اس کا شکار ہو گئے تھے ورنہ کوئی تو تعاقب میں آتا۔ پیچھے کی طرف سے اطمینان کے بعد میں نے راج کنور سے پوچھا۔ "سرنگ کتنی لمبی ہے؟"

وہ اپنے زخم کی وجہ سے کسی قدر جھک کر چل رہا تھا اس نے جواب دیا۔ "تقریباً ایک کلومیٹر لمبی ہے۔"

میں حیران ہوا تھا۔ ان لوگوں نے خاصی طویل سرنگ بنوائی تھی لیکن وہ بنوا سکتے تھے ان کے پاس دولت اور طاقت تھی۔ "اتنی طویل سرنگ بنوانے کے لیے درجنوں مزدور استعمال کیے ہوں گے پھر اسے خفیہ کیسے رکھا؟"

راج کنور نے اس سوال کا جواب نہیں دیا تھا لیکن جواب واضح تھا۔ جن سے سرنگ کھدوائی تھی۔ ان کو مروا دیا گیا تھا اس لیے سرنگ کا راز راز رہا۔ ایک لمحے کو اشتعال کی لہر اٹھی اور میرا دل چاہا کہ راج کنور کی گردن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مروڑ دوں۔ یہ سفاک لوگ اپنے معمولی سے کاموں پر بھی انسانوں کو اس طرح قربان کر دیتے تھے۔ مگر اس سے پہلے میں اس اپنے خیال پر عمل درآمد کرتا اشتعال کی لہر گزر چکی تھی۔ اب سرنگ بار بار گھوم رہی تھی۔ یہ علاقہ شاید ریت مٹی والا تھا ورنہ پتھروں اور چٹانوں میں اتنی طویل سرنگ کھودنا بہت مشکل کام ہے جب کہ اسے چھپانا بھی تھا۔ راستے میں ہر سو قدم کے بعد دیسی ہی برقی لالٹینیں لٹکائی ہوئی تھیں۔ جیسی ہمارے پاس تھیں یہاں بجلی کا سسٹم نہیں تھا اس کے متبادل کے طور پر یہ لالٹینیں رکھی ہوئی تھی۔ ان میں شاید طویل عرصے تک چلنے والی بیٹریاں تھیں۔

پانی کی بوتل اوشا نے اٹھائی ہوئی تھی اور اسلحہ بانو کے پاس تھا۔ میرا اسلحہ میرے ساتھ تھا۔ شاٹ گن کی نال اب بھی گرم تھی اس لیے اسے ہاتھ میں رکھنا پڑ رہا تھا۔ جب ہمیں سفر کرتے ہوئے تقریباً دس منٹ گزر گئے اور میرے خیال میں وہ جگہ قریب آ گئی جہاں یہ سرنگ نکلتی تھی تو میں نے رکنے کا حکم دیا۔ ''راج کنور سرنگ کا دہانہ کتنی دور ہے؟''

''بس کچھ دور ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا اسے باہر سے کھولا جا سکتا ہے؟''

''نہیں اسے صرف اندر سے کھولا جا سکتا ہے۔'' اس نے انکار کیا۔

''راج کنور بے شک سرنگ تم نے بنوائی ہے لیکن بڑا کنور بھی اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے۔ کیا وہ باہر اپنے آدمی نہیں بھیج سکتا ہے؟''

یہ سن کر راج کنور کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ وہ بھولا ہوا تھا کہ بڑا کنور باہر کے راستے کی نگرانی بھی کروا سکتا ہے اور ادھر ہم نکلتے اور ادھر پکڑے جاتے یا مارے جاتے۔ راج کنور شاید یہ سوچے ہوئے تھا کہ اب وہ بڑے کنور کی پہنچ سے دور نکل گیا ہے۔ ''ایسا ہو سکتا ہے بلکہ ایسا ہی ہوگا۔''

''تم سمجھا سکتے ہو کہ باہر یہ راستہ کہاں نکلتا ہے؟''

''راستہ ایک چٹان میں واقع چھوٹے سے غار سے نکلتا ہے۔ غار بلندی پر ہے اور اس کے پیچھے ایک بلند ہوتا ہوا پہاڑ ہے۔'' راج کنور وضاحت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس معاملے میں اناڑی تھا لیکن میں نے سمجھ لیا اور مایوس ہوا تھا کیونکہ جو صورت بن رہی تھی اس میں غار کا محاصرہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ اگر ہم نکلنے کی کوشش کرتے تو مارے جاتے۔ بانو اور اوشا ایک طرف ٹک کر بیٹھ گئی تھیں۔ یہاں کسی قدر گھٹن تھی لیکن اتنی بھی نہیں تھی کہ سانس لینا محال ہو جاتا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہوا کی آمد و رفت کا انتظام تھا۔ راج کنور سے باہر کی سچویشن سمجھ کر میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''تم دونوں یہیں ٹھہرو اور پیچھے سے ہوشیار رہنا۔''

''کیا اب بھی خطرہ ہے؟''

''بالکل گیس کا اثر ختم ہوتے ہی وہ دوبارہ پیچھے آئیں گے۔'' میں نے کہا۔ ہم جس جگہ رکے تھے یہاں سرنگ میں موڑ تھا۔ بانو اور اوشا اس طرف چلی گئیں۔ میں نے راج کنور کو اشارہ کیا۔ ''آگے چلو اور راستہ کھولو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں وہ باہر ہوں گے مجھے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔'' میں نے اسے تسلی دی اور پھر سمجھایا۔ ''ہم ساری عمر یہاں تو نہیں رہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے۔ بلکہ دو تین دن بھی نہیں گزار سکتے۔"

اس نے سوچا اور سرد آہ بھر کر بولا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

راج کنور آگے بڑھا، کوئی پچاس فٹ بعد سرنگ کا آخری حصہ آ گیا۔ یہاں بھی سرنگ لوہے کی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر جا رہی تھی۔ میں نے روشنی اوپر کی یہاں بھی ایسا ہی ایک فولادی دروازہ نظر آیا۔ جیسا اس سرنگ کے آغاز پر تھا۔ البتہ اس کے نیچے صرف ایک ہینڈل لگا ہوا تھا جسے گھما کر کھولا جا سکتا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہاں تالا نہیں تھا ورنہ اس جگہ تو اسے توڑنا بھی ممکن نہیں تھا۔ صرف ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا جا سکتا تھا اور ہم باہر نکل جاتے لیکن یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ باہر کون سے آفتیں ہماری منتظر ہوں گی۔ میں نے اوشا کو آواز دی وہ آئی تو اسے راج کنور کی نگرانی پر لگا کر میں خود اوپر چڑھا۔ دروازے کا ہینڈل بڑے آرام سے گھوم گیا۔ میں نے رائفل کی اوپر کی اور دروازے پر دباؤ ڈالا۔ یہ اوپر کی طرف کھلتا تھا۔ یہ زیادہ وزنی بھی نہیں تھا کیونکہ کسی قدر دقت کے ساتھ اوپر اٹھ گیا۔ لالٹین میں نے دانت سے پکڑ لی تھی لیکن دروازہ کھلتے ہی باہر سے تیز روشنی اندر آئی۔ ایک لمحے کو میری آنکھیں چکا چوند ہو گئی تھیں۔

میں نے دروازہ ذرا نیچے کیا اور جب آنکھیں روشنی کے قابل ہوئیں تو میں نے دوبارہ دروازہ اوپر کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ بارہ بجے تھے تو سورج سر پر ہونا چاہیے تھا پھر اس کی روشنی اس غار میں کیسے آ رہی تھی۔ اب تک اس طرف سے نہ تو کسی نے مداخلت کی تھی اور نہ ہی کوئی آہٹ سنائی دی تھی۔ میں آنکھوں کے بجائے کانوں پر زیادہ زور دے رہا تھا۔ کچھ پرندوں کی آوازیں ضرور سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ دور تھیں۔ اتنی دیر گھٹے ہوئی سرنگ میں رہنے کے بعد باہر کی تازہ ہوا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس میں تازگی کے ساتھ پھولوں اور نباتات کی مخصوص مہک بھی تھی۔ میں سن گن لیتا رہا اور جب کوئی مشکوک آواز سنائی نہ دی تو میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا اور راج کنور سے کہا۔ "اوپر آؤ۔"

"نہیں۔" وہ لرزتی آواز میں بولا تو میں نے اوشا سے کہا۔

"اوشا اگر یہ میرے باہر نکلنے تک اوپر نہ آئے تو اسے گولی مار دینا۔"

اوشا نے غالباً پستول سیدھا کیا تھا کہ راج کنور کا انکار اقرار میں بدل گیا۔ "میں آ رہا ہوں۔"

میں نے دروازہ پورا کھول دیا اور وہ پیچھے کسی چیز سے جا ٹکا۔ اب وہ واپس نہیں گر سکتا تھا۔ میں ذرا اوپر ہوا تو سورج کی روشنی براہ راست اندر آنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ اس غار کا دہانہ اوپر کے رخ پر تھا۔ یہ اصل میں ایک پوری چٹان تھی جو شاید بارشوں سے کھوکھلی ہو گئی تھی۔ اس میں جا بہ جا چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ اوپر والے سوراخ کو ان لوگوں نے بڑا اور گول کر کے ہموار کر لیا تھا جب کہ نیچے کے چھوٹے سوراخ برقرار رہنے دیئے تھے۔ یہ حشرات الارض جیسے چھپکلیوں اور گرگٹوں کی پناہ گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ بارش کے پانی کی نکاسی کا کام بھی کرتے تھے۔ ورنہ بارش کا پانی سرنگ کے دروازے کے اوپر جمع ہو جاتا۔ دروازے کا اوپری حصہ نہایت مہارت سے چٹان کی صورت میں تراشا گیا تھا اور اسے بند کرنے پر شبہ نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی الگ سے دروازہ ہے۔

میں نے جن حشرات الارض کا ذکر کیا وہ خاصی تعداد میں یہاں موجود تھے اور میرے باہر آتے ہی وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افراتفری میں ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ میں نے شکر ادا کیا کہ میرے ساتھ خواتین نہیں تھیں ورنہ کم سے کم بانو نے چیخیں مارنی تھیں۔ ایک بار اس نے واش روم میں چھپکلی دیکھ کر چیخ ماری تو میں پریشان ہو گیا تھا۔ یہاں تو چیخ مارنے کے بہت سے اسباب تھے اور فی الحال آواز نکالنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے ان سے بچ کر اوپر جاتے ہوئے راج کنور کو باہر آنے کو کہا۔ یہاں سیڑھیوں جیسے اسٹیپ بنا دیئے تھے۔ اس لیے کوئی مشکل نہیں ہو رہی تھی۔ ورنہ سیدھی ڈھلان پر تو آدمی پھسل کر واپس آ جاتا۔ ہانپتا کانپتا ہوا راج کنور اوپر آ گیا۔ میں نے آس پاس دیکھا اور ایک تقریباً انسانی سر کے سائز کا پتھر اٹھا کر اسے دہانے سے ذرا اوپر کیا اور فوراً نیچے کر لیا۔ اگر کوئی دور سے نگرانی کر رہا ہو تو اسے لگے گا جیسے کسی نے باہر سر کیا اور پھر اندر کر لیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''دیکھ رہا ہوں باہر کوئی نگرانی کر رہا ہے یا نہیں۔''

''وہ ہوں گے۔'' راج کنور نے یقین سے کہا۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا کہ بڑا کنور اس جگہ کو خالی چھوڑ دے۔''

دو تین بار پتھر نکالنے کے بعد میں نے اپنے ذاتی سر کا خطرہ مول لیا اور اسی طرح ایک ایک لمحے کے لیے سر اٹھا کر باہر کا جائزہ لیتا رہا۔ چند بار کی جھلک سے ایک تصویر سامنے آئی۔ چٹان کے سامنے ڈھلان کا مشرقی حصہ تھا۔ اس کے پیچھے شمال میں پہاڑ بلند ہو رہا تھا۔ دہانے سے مشرق اور جنوب کا صاف دکھائی دے رہا تھا اور یہاں چھوٹے درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ بڑے درخت کسی زمانے میں ہوتے تھے لیکن اب کاٹ دیئے گئے تھے اور ان کے بڑے سائز کے تنے بچے ہوئے تھے جن میں سے بعض سے دوبارہ شاخیں پھوٹ آئی تھیں۔ جا بہ جا بڑے سائز کے پتھر پڑے تھے اور جہاں مٹی تھی وہاں لازمی سبزہ تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی کوئی نقل و حرکت محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن اس سے یہ سمجھ لینا بے وقوفی تھی کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے راج کنور سے کہا۔ ''ان لوگوں کو اوپر بلاؤ۔''

وہ واپس گیا اور اس نے اوشا تک میرا پیغام پہنچایا۔ پہلے اوشا اوپر آئی اور اس نے واجبی سی ڈری ڈری آواز نکالی لیکن بانو کی اوپر آتے ہی گھگی بندھ گئی تھی۔ یہی غنیمت تھا کہ اس نے آسمان سر پر نہیں اٹھا لیا۔ البتہ وہ تقریباً دہانے تک چلی آئی اگر میں اسے نہ روکتا تو وہ شاید باہر بھی نکل جاتی۔ ''اتنی جلدی کیا ہے بی بی ابھی کوئی گولی مار دے گا۔''

''پلیز چلیں یہاں سے۔'' اس نے دہشت زدہ نظروں سے چھپکلیوں اور گرگٹوں کو دیکھا۔ ''یہاں میرا دم نکل جائے گا۔''

''میرا خیال ہے اور راج کنور کو یقین ہے کہ باہر بڑے کنور کے آدمی ہیں اب بتاؤ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔''

اس سوال پر بانو ذرا سکون میں آئی تھی۔ چھپکلیاں اور گرگٹ بہرحال جان لیوا نہیں تھے لیکن باہر جو دشمن تھے وہ جان لے لیتے۔ میں نے راج کنور کو حکم دیا کہ وہ سرنگ کا دروازہ بند کر کے اس پر بیٹھ جائے تاکہ کوئی پیچھے سے کھولنے کی کوشش کرے تو کامیاب نہ ہو۔ بانو نے کہا۔ ''ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔''

مجھے تعجب ہونے لگا۔ منشی جی اینڈ کمپنی کی طرف سے اتنی خاموشی تعجب انگیز تھی۔ میں نے ذرا خطرہ مول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے کر دہانے سے تھوڑا نکل کر باہر کا جائزہ لیا اور اس بار بھی کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ یہ چکر سمجھ سے بالاتر تھا۔ منشی جی اینڈ کمپنی کہاں تو ہماری جان کی دشمن تھی اور کہاں انہوں نے ہمیں آزادی سے نکلنے کا پروانہ عطا کر دیا تھا۔ بانو نے ایک نسبتاً محفوظ گوشہ دریافت کر لیا تھا اور وہاں دبکی ہوئی تھی اس کی ساری بہادری ہوا ہو گئی تھی۔ البتہ اوشا نے اپنے ابتدائی خوف پر قابو پا لیا اور دلچسپی سے ان آس پاس دیکھ رہی تھی۔ ایک گرگٹ نے ذرا بے تکلفی دکھائی اور اس کے ہاتھ کے پاس آیا تو اوشا نے اسے اٹھا کر باہر اچھال دیا تھا۔ اس پر بھی بانو نے ہلکی سی ڈری آواز نکالی۔

''تمہیں کیا ہے؟'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''یہ تمہیں کھا نہیں جائیں گے۔''

''مجھے بچپن سے ان سے ڈر لگتا ہے۔'' بانو روہانسی ہو گئی۔

''اب تم بچی نہیں ہو بڑی ہو گئی ہو۔ دل مضبوط کرو۔'' اس بار میں نے لہجہ نرم رکھا تھا۔

بانو خاموش ہو گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''آپ نے کیا سوچا ہے ہم زیادہ دیر یہاں نہیں بیٹھ سکتے ہیں۔''

''میں نے سوچ لیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پہلے میں باہر جاؤں گا۔ کسی جگہ پوزیشن لے کر جائزہ لوں گا اور اس کے بعد تم لوگوں کو بلاؤں گا۔ جیسے میں کہوں ویسا ہی کرنا۔''

بانو نے سر ہلایا۔ ''راج کنور کا کیا کرنا ہے؟''

''اس کا ابھی سوچا نہیں ہے۔'' میں نے اسے ٹال دیا۔ ''یہاں ہوشیار رہنا۔''

میں نے شاٹ گن اب شانے پر ٹانگ لی اس کی نال ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ رائفل کا بٹ بغل میں دبا کر میں دہانے سے نکلا اور چٹان سے نیچے اترتے ہوئے نزدیک ایک درخت کے کٹے تنے کے ساتھ دبک گیا۔ میں شمالی ڈھلان اور مغرب کا بھی جائزہ لینا چاہتا تھا۔ سورج سر پر ہونے سے یہ فائدہ تھا کہ یہ پوری جگہ بالکل واضح دکھائی دے رہی تھی اور حیران کن طور پر جہاں تک نظر جاتی تھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ تو کیا منشی جی نے اس طرف کسی کو بھیجا ہی نہیں تھا؟ پوزیشن بدل کر میں نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ چند منٹ بعد مجھے یقین آ گیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا میں نے بانو کو آواز دی۔ ''اوشا کو یہاں بھیج دو۔''

''میں آ جاؤں؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نے کیا کہا ہے۔'' میرا لہجہ سخت ہو گیا تو بادلِ ناخواستہ بانو نے اوشا کو باہر بھیج دیا۔ وہ مشکل سے نیچے آئی کیونکہ اس نے پاؤں میں گرگابی جیسی چیز پہنی ہوئی تھی۔ بانو کے پاؤں میں کینوس شوز تھے اور اس لحاظ سے وہ بہتر پوزیشن میں تھی۔ اوشا کو ان پہاڑوں پر چلنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ میں نے اوشا کو ایک طرف جانے کا اشارہ کیا اور کہا۔ ''نیچے دیکھتی رہو جیسے ہی کوئی حرکت محسوس ہو یا کوئی نظر آئے تو مجھے خبردار کرنا۔''

اوشا ایک جھاڑی کے ساتھ دبک گئی۔ میں نے راج کنور کو آواز دی۔ ''تم چٹان پر چڑھو اور آس پاس دیکھو۔''

''میں زخمی ہوں۔'' اس نے عذر پیش کیا۔ ''اوپر نہیں چڑھ سکتا۔''

میری طرف سے کسی ردِعمل سے پہلے بانو نے اسے سبق سکھایا۔ اس کے چلانے کی آواز آئی تھی۔ بانو نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ ''اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ جو کہا جائے اس پر فوراً عمل کرو تاخیر تمہاری صحت کے لیے نقصان دہ ہے تم جاتے ہو یا.....''

راج کنور کراہتا ہوا نمودار ہوا اور اوپر چڑھنے لگا۔ وہ ننگے پاؤں تھا اسے کچھ پہننے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی اور ہمیں بھی خیال نہیں آیا تھا کہ راج کنور کو جوتے یا کوئی چپل پہننے کو کہہ دیتے۔ وہ ڈر کے مارے دیوار سے چمٹا ہوا تھا۔ مشکل سے سر اٹھا کر آس پاس دیکھ رہا تھا میں نے دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہا لیکن یہ اس کی فطرت تھی وہ بزدل تھا اور زندہ رہنا چاہتا تھا اس لیے موت سے ڈر رہا تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ چٹان پر چڑھ گیا اور اس نے لیٹ کر آس پاس دیکھنا شروع کیا۔ اوشا نیچے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہلکی سی آواز میں کہا۔ ''شہباز..... ادھر دیکھ رہے۔''

اوشا ہاتھ سے اشارہ کر رہی تھی۔ میں نے نیچے دیکھا دور چند افراد حرکت کرتے دکھائی دیئے۔ وہ اتنی دور تھے کہ ان کی ساخت بھی واضح نہیں ہو رہی تھی بس ایسا لگ رہا تھا جیسے انہوں نے کنور پیلس کے گارڈز کی مخصوص خاکی رنگ کی وردی پہنی ہو۔ اب وقت نہیں تھا میں نے بانو کو آواز دی اور راج کنور کو بھی نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ نیچے اتر آیا۔ بانو بھی دہانے سے نکل کر آ گئی تھی اور کسی قدر خفا نظر آ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی جان سب سے زیادہ نکل رہی تھی اور میں نے اسے آخر تک غار میں روکے رکھا۔ راج کنور کی حالت بری تھی زخم درد کر رہا تھا اور کراہ رہا تھا۔ میں نے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ ''شاید یہ پیلس کے گارڈز ہیں ان کے آنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

راج کنور نے غور سے نیچے کی طرف دیکھا اور سر ہلایا۔ ''یہ پیلس کے گارڈز ہی ہیں۔ ان کی شرٹ پر چمک دار دھاتی بٹن ہوتے ہیں دیکھو دھوپ پڑنے سے یہ بٹن چمک رہے ہیں۔''

وہ درست کہہ رہا تھا واقعی آنے والے افراد کے لباس سے رہ رہ کر چمک اٹھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''سب اوپر کی طرف چلیں۔ بانو تم آگے ہو گی اور اوشا تم سے پیچھے ہو گی۔ راج کنور تم میرے آگے چلو گے۔''

ہم اسی ترتیب سے اوپر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر میں ہم چٹان سے آگے نکل گئے تھے۔ میں اب تک حیران تھا کہ منشی جی نے اپنے آدمی یہاں کیوں نہیں بھیجے تھے۔ اس کی اب تک ایک ہی وجہ میرے ذہن میں آئی تھی کہ یہ بڑے کنور کا کام نہیں تھا۔ وہ شاید اپنے کمرے میں تھا ویسے بھی اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے کمرے سے باہر زیادہ دیر رہ سکے۔ میں نے ہمیشہ اسے اپنی آرام کرسی پر بیٹھے ہی دیکھا تھا۔ منشی جی اپنی مرضی چلا رہے تھے اور اسی وجہ سے اس نے معاملے میں بس اپنے چند اعتماد یافتہ افراد کو شامل کیا ہو گا اور وہ پیلس کے باقی گارڈز سے کام نہیں لے سکا ہو گا۔ شاید اس لیے اس کے پاس اتنے لوگ نہیں تھے کہ وہ یہاں کا محاصرہ بھی کروا سکتا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس حوالے سے جھوٹ بول رہا تھا۔ یقیناً کنور پیلس میں شدید قسم کی کھچڑی پک رہی تھی اور میں اس سے بالکل بے خبر تھا۔ راج کنور یقیناً مجھ سے زیادہ جانتا تھا لیکن اس حالت میں بھی میں اس سے توقع نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مجھے پیلس کے اندرونی معاملات کے بارے میں بتائے گا۔

بہر حال جو بھی تھا اس وقت میرے حق میں رہا تھا۔ اگر بڑا کنور ٹھیک اور ورنہ کرتا یا دوسرے لفظوں میں منشی جی اور رامن اس کے حق میں نہ ہو جاتے تو مجھے راج کنور کی مدد سے وہاں سے نکلنا پڑتا اور یہ آسان نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیلس کے تمام گارڈز سے نمٹنا ناممکن تھا اور ہمارے پیلس سے نکلتے ہی معاملہ قانون کے ہاتھ میں جا سکتا تھا۔ جس کے بعد میرے انڈیا میں ایک مصیبت اور کھڑی ہو جاتی۔ مگر ملازموں کی سازشوں کی وجہ سے وہ لوگ پوری طرح حرکت میں نہیں آ سکے تھے۔ ممکن ہے بعد میں بڑے کنور کو پتا چلا ہو کہ میں راج کنور کو لے کر نکل گیا ہوں اور پھر اس نے آدمی بھیجے ہوں۔ نیچے آنے والے بڑے کنور کے بھیجے لوگ تھے۔ سرنگ والے راستے سے ابھی تک کوئی نہیں نکلا تھا۔ شاید چند افراد کے مرنے کے بعد وہ خوفزدہ ہو گئے تھے اور ابھی تک اس طرف سے نکلنے کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔ یہ سب ہمارے لیے قدرت کی طرف سے آسانیاں تھیں۔

جب ہم پیلس والوں کی پہنچ سے دور نکل جاتے تو اس کے بعد سوچا جاتا کہ اب پاکستان کی طرف کیسے نکلا جائے۔ میرے اور بانو کے لیے پہاڑی راستوں پر چلنے آسان ہو رہا تھا کیونکہ ہم دونوں نے کریپ سول والے کینوس شوز پہن رکھے تھے۔ اگرچہ یہ بھی پہاڑوں پر چلنے کے لحاظ سے مثالی نہیں تھے جیسے جوگرز ہوتے ہیں لیکن برے بھی نہیں تھے۔ اوشا مشکل سے چل رہی تھی۔ اس کی نازک گرگابی پیلس کے مخملیں قالینوں اور چکنے فرشوں پر چلنے کے لیے تھی اس کھردرے پتھریلے راستے پر یہ بے کار تھی۔ سب سے زیادہ مشکل میں راج کنور تھا۔ ننگے پاؤں اور پسلیوں کے زخم کے ساتھ اس کے یہاں چلنا بہت دشوار ہو رہا تھا۔ پتھر اس کے پیروں میں لگ رہے تھے اور وہ یقیناً ایسی مشکلوں کا عادی نہیں تھا اس لیے جب کوئی پتھر چبھتا تو بے ساختہ کراہ اٹھتا تھا۔ ہم تقریباً ایک کلومیٹر دور آئے ہوں گے کہ وہ ایک پتھر پر ٹک کر تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہانپنے لگا۔ میں نے اسے گھورا۔

''رک کیوں گئے ہو چلتے رہو ہم زیادہ دور نہیں آئے ہیں۔''

''مجھ سے نہیں چلا جا رہا ہے یہ دیکھو میرے پیروں کا حال۔'' اس نے پاؤں اوپر کیے اس کے تلوؤں پر جگہ جگہ کٹ لگے ہوئے تھے اور خون کی سرخی جھلک رہی تھی۔ واقعی حالت بری تھی۔

''ٹھیک ہے لیکن ہم رک نہیں سکتے ہیں تم جانتے ہو موت کے ہرکارے پیچھے ہیں اگر انہوں نے آلیا تو ہم شاید بچ نکلیں لیکن تم مارے جاؤ گے اس لیے ہمت کرو اور چلتے رہو۔''

مجبوراً وہ پھر چلنے کے لیے آمادہ ہوا تھا۔ ہمہ وقت نفیس لباس اور بہترین حلیے میں رہنے والے راج کنور کا حلیہ ابتر تھا۔ اس نے سلک جیسے کپڑے کی شرٹ پہنی تھی جس کی دونوں آستینیں غائب ہو چکی تھیں اور نیچے نرم سوتی پاجامہ تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور جسم گرد آلود ہو رہا تھا۔ نیلگوں رنگ کی شرٹ پر خون کی سرخی بھی لگی ہوئی تھی۔ اوشا بھی ایسی مشقت کی عادی نہیں تھی۔ وہ ہانپ رہی تھی مگر پوری استقامت سے ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ اس نے اس دوران میں ایک بار بھی رکنے کے لیے نہیں کہا اور نہ راستے کی شکایت کی۔ وہ بھی سمجھتی تھی کہ ہمارا جلد از جلد دور نکل جانا بہتر تھا۔ میں اور بانو بہتر پوزیشن میں تھے صرف لباس اور جوتوں کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ہم کہیں زیادہ فٹ بھی تھے۔ اسی لیے اس دشوار ترین راستے پر ایک کلومیٹر کی تیز واک کے بعد بھی ہمارے سانس ہموار تھے۔ دوسرے کلومیٹر کے بعد راج کنور پھر بیٹھ گیا۔ وہ ہانپتے ہوئے رک رک کر بولا۔

''اب..... مجھ سے..... نہیں چلا جا..... رہا۔''

یہاں پانی کی بوتل میں نے لے لی تھی کیونکہ اوشا اس کے وزن کے ساتھ اور مشکل میں پڑ جاتی۔ شاٹ گن بانو کو دے دی تھی۔ میں نے پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔ ''پانی پیو اور کچھ دیر آرام کرو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پانی پی کر اس نے اپنے پیر دیکھے جن کے زخم مزید بڑھ گئے تھے اور کچھ سے تو باقاعدہ خون رس رہا تھا اس نے مایوسی سے کہا۔ ''میں مزید نہیں چل سکوں گا۔''

میں اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر ایک بلند چٹان پر چڑھا اور نیچے دیکھا۔ یہاں بلند اور کئی فٹ قطر تنوں والے درخت تھے جو منظر کی راہ میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ نیچے لینڈ اسکیپ کلر فل تھی اور اس میں کسی چھوٹی حرکت کرتی چیز کو تلاش کرنا دشوار کام تھا۔ میں نظر جما کر دیکھتا رہا اور کچھ دیر بعد مجھے دائیں طرف ڈھلان پر جہاں سرنگ والی چٹان تھی کچھ حرکت کا احساس ہوا۔ یہاں کچھ لوگ حرکت کر رہے تھے لیکن وہ پہلے سے زیادہ دور تھے اس لیے یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ کس طرف جا رہے تھے۔ یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ ہم ان سے خاصی دور نکل آئے تھے لیکن ابھی خطرے سے دور بھی نہیں تھے۔ ان کو یہ اندازہ کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی کہ ہم کس طرف گئے تھے اور پھر وہ اسی طرف کا رخ کرتے۔ یہ بہت بلند پہاڑ تھا اور اس کا آخری حصے میں برف بھی دکھائی دے رہی تھی۔ حالانکہ یہ مئی کا وسط تھا شاید سولہ یا سترہ تاریخ تھی۔ میں نیچے آیا۔

''بس اب چلو وہ لوگ سرنگ والی چٹان تک آ گئے ہیں اور اب یقیناً اس طرف آئیں گے۔''

''میں نہیں چل سکتا۔'' راج کنور نے نفی میں سر ہلایا۔

''اس صورت میں، میں تمہاری لاش چھوڑ کر جانا پسند کروں گا۔'' میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

''تم مجھے گولی مارو گے۔'' راج کنور مسکرانے لگا۔ ''فائر کی آواز ان تک جائے گی اور انہیں پتا چل جائے گا کہ تم کہاں ہو؟''

''ان کا باپ بھی پتا نہیں چلا سکتا تم پہاڑوں کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے ہو یہاں آواز اس طرح گونجتی ہے کہ سمت کا پتا نہیں چلتا اور دوسرے میں تمہاری گردن بھی توڑ سکتا ہوں اس میں بس اتنی آواز آئے گی کہ تمہارے کان ہی سن سکیں گے۔ بولو اب کیا کہتے ہو؟''

''تم میرے زخم دیکھ رہے ہو۔'' وہ دوبارہ عاجزی پر اتر آیا۔ ''ان کے ساتھ میں زیادہ دور تک نہیں چل سکتا ہوں۔''

''ان زخموں کے ساتھ زندہ رہنا یقیناً بہتر ہے بہ نسبت اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھ مارے جانے میں۔ تمہارے پاس ایک منٹ ہے فیصلہ کرنے کے لیے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں دشمنی کرنے کے لیے زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تب تم مجھے بعد میں بھی نہیں چھوڑو گے۔''

''اگر میں اس جگہ سے بحفاظت نکل گیا اور پاکستان پہنچنے کی راہ نظر آئی تو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔ اس وقت چھوڑوں گا تو تم میری راہ میں ہر ممکن رکاوٹ کھڑی کرو گے۔''

''میں وعدہ کرتا.....'' اس نے جلدی سے کہنا چاہا۔

''وقت پورا ہو گیا ہے۔'' میں نے رائفل اوشا کو پکڑا دی اور اس کی طرف بڑھا۔ میرے عزائم میری صورت پر نظر آ رہے تھے اس لیے وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے میں چل رہا ہوں۔''

''تمہیں اگر گھسٹ کر چلنا پڑے تب بھی تم چلو گے اور اب اسی وقت انکار کرنا جب تم مرنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''شاید تم میرے نرم رویے سے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو۔ تم صرف میری مجبوری ہو۔''

راج کنور آگے بڑھا تو میں نے اوشا سے رائفل لے لی وہ سہمی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ''باپ رے.....تو اس طرح بھی بات کر سکتا ہے رے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''میرے ساتھ رہو گی تو اور بھی بہت کچھ جان لو گی۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''تیرے ساتھ ہی تو رہنا چاہتے ہیں۔'' وہ بولی اور آگے بڑھ گئی۔ بانو ذرا دور تھی لیکن سن رہی تھی۔ اوشا کے آگے جانے پر وہ میرے پاس آئی۔

''یہ آپ سے کچھ زیادہ ہی فری نہیں ہو رہی ہے۔'' اس نے احتیاطاً انگریزی میں کہا۔

''ہو تو رہی ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''بعد میں آپ کے لیے مشکل نہ بن جائے۔''

''بی بی آسان حالات اور انسان تو عرصہ ہوا مجھے نہیں ملے ہیں اسے بھی بھگت لوں گا۔'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ بانو سمجھ گئی کہ میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا اس لیے اس نے موضوع بدل دیا۔

''شہباز صاحب، ہم مسلسل بلندی کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ نے محسوس کیا ہے کہ اس بلندی پر دن کے وقت تیز دھوپ میں بھی سردی لگ رہی ہے۔ رات کو یہاں درجہ حرارت بہت کم ہو جائے گا اور ہم میں سے کوئی سردی سے بچاؤ کا سامان نہیں رکھتا ہے۔''

''یہ تو ہے۔''

''دوسرے ہمیں بالآخر نیچے کا رخ کرنا ہو گا اس لیے جتنا بلندی کی طرف جائیں گے اتنا دور ہوتے جائیں گے۔''

''تب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

''میرا تو خیال ہے ڈھلان کے متوازی سفر کرنا چاہیے۔'' اس نے مشورہ دیا جو معقول بھی تھا اس لیے میں نے قبول کرتے ہوئے فوری رخ بدل لیا۔ بانو خوش ہو گئی اس نے اوشا کو آواز دی اور اسے بتایا کہ اب ہم نے مغرب کی طرف سفر کرنا تھا۔ راج کنور سن رہا تھا اور شاید اس نے ہی سب سے بڑا سکون کا سانس لیا تھا کیونکہ گولی کے زخم اور زخمی پیروں کے ساتھ اوپر چڑھنا اس کے لیے عذاب تھا۔ اب متوازی سفر کی صورت میں مشکل اتنی زیادہ نہیں تھی۔ سورج بلندی سے ہو کر کسی قدر مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا ڈیڑھ سے دو بجے تک کا وقت تھا۔ ہم سب نے صبح ناشتے میں پھل کھائے تھے اور وہ کب کے ہضم ہو چکے تھے۔ پھر اس پہاڑی سفر نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ جب میرے پیٹ میں چوہا دریں جاری تھی تو یقیناً باقی سب کا بھی یہی حال تھا۔ مگر ان پہاڑوں میں ہمارے کھانے کا کوئی سامان نظر نہیں آ رہا تھا۔ بعض مقامات پر اسٹرابیری کے پودے دکھائی دیئے تھے لیکن ان پر پھول تھے اور ابھی اسٹرابیری نہیں آئی تھی۔ بلندی پر پھل ہمیشہ دیر سے پکتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدھے گھنٹے بعد ہم رک گئے۔ اب پیچھے کوئی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ وہ لوگ بہت پیچھے رہ گئے تھے اور شاید وہ ہمارے فرار کی سمت کا تعین بھی نہیں کر سکے تھے۔ ابتدائی مشکلات کے بعد ہم جتنی آسانی سے نکل آئے تھے اس سے مجھے ایک دو بار شبہ بھی ہوا کہ کہیں اس میں کوئی چکر تو نہیں ہے۔ مگر ہم آزاد تھے اور راج کنور ہمارا قیدی تھا اس لیے میں نے اس شبہے کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ راج کنور کی حالت مزید ابتر ہوگئی تھی۔ اس کے پیروں تلے چھالے بن کر پھوٹ رہے تھے۔ وہ زمین پر پاؤں رکھتا تو کراہتا تھا اگر اسے جان کا خوف نہ ہوتا تو شاید ساری دنیا کی دولت کے بدلے بھی وہ اس وقت سفر پر آمادہ نہ ہوتا۔ میں نے افسوس سے کہا۔ ''اگر تم نے خود پر ذرا بھی سختی کی ہوتی تو تمہیں اتنی مشکل نہ ہوتی۔''

اس نے بھنا کر کہا۔ ''مجھے کیا معلوم تھا کہ کبھی ایسا وقت بھی آئے گا۔''

یہاں نزدیک ہی جھاڑی لگی تھی جس کے پتے بڑے اور دبیز تھے۔ راج کنور نے پتے توڑے اور ان کو پیروں پر لپیٹا۔ پھر اس نے درختوں سے لٹکتے بال لے کر ان کو دھاگے کی جگہ استعمال کیا اور کسی قدر کوشش کے بعد اپنے لیے خود ساختہ جوتے بنانے میں کامیاب رہا۔ میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''یہ جوتے زیادہ دیر نہیں چلیں گے اس لیے ان کا مزید سامان ساتھ لے لو۔''

اس نے ایسا ہی کیا۔ دس منٹ آرام کے بعد ہم دوبارہ چل پڑے۔ میں نے راج کنور سے پوچھا۔ ''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ ہم کس سمت جا رہے ہیں اور آگے کیا ملے گا؟''

''پیچھے تو کچھ نہیں ہے کسی زمانے میں قبائلیوں کی بستیاں ہوتی تھیں لیکن اب کچھ نہیں ہے۔ ہم نے یہاں جانور چرانے والوں پر بھی پابندی لگا دی۔''

''ہیروں کی کان کی وجہ سے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ابھی وہاں کام شروع نہیں ہوا ہے سال کے چار مہینے کام ہوتا ہے اس دوران میں موسم بہتر رہتا ہے اس کے بعد کام روک دیا جاتا ہے۔''

مجھے ہیروں سے دلچسپی نہیں تھی اس لیے اسے ٹوک دیا۔ ''میں نے پوچھا ہے آگے کیا ملے گا؟''

راج کنور نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''میرا خیال ہے کچھ دیر بعد ہمیں ایک سڑک ملے گی۔ یہ شمال سے آتی ہے اور اسٹیٹ کے پاس یہی سڑک ہے ہمیں جب شہروں کی طرف جانا ہوتا ہے تو اسی سے سفر کرتے ہیں۔''

''اس علاقے میں یہ ایک ہی سڑک ہے؟''

''نہیں سڑکیں تو اور بھی ہیں لیکن وہ پورے سال سفر کے قابل نہیں رہتی ہیں اور ان کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے ہائی وے کلاس کی یہ واحد سڑک ہے۔''

''اس کا مطلب ہے اس پر ٹریفک رہتا ہے۔''

''صرف بہت زیادہ برف باری کی صورت میں ٹریفک بند ہوتا ہے اور یہاں بہت زیادہ برف سال میں ایک دو بار ہی گرتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہاں ٹریفک چل رہا ہوگا۔''

''بالکل۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب چلو، رات سے پہلے ہم سڑک تک پہنچ گئے تو وہاں سے لفٹ مل سکتی ہے۔''

''اس اسلحے کے ساتھ کوئی لفٹ نہیں دے گا۔'' راج کنور نے ہمارے ہتھیاروں کی طرف اشارہ کیا۔

''فکر مت کرو ہمیں لفٹ لینا آتی ہے۔'' میں نے کہا اور ہم آگے روانہ ہو گئے۔ اوشا اب بانو کے ساتھ چل رہی تھی اور راج کنور میرے ساتھ تھا۔ بعض مقامات پر بانو اوشا کو اور مجھے راج کنور کو سہارا دینا پڑتا تھا اگرچہ یہ مجھے ناگوار گزرتا تھا۔ راج کنور ان چند افراد میں سے ایک تھا جن سے میں شدید نفرت کرتا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس کے چنگل سے نکلنے کا موقع ملا اور وہ میرے قابو میں ہوا تو اسے قتل کر دوں گا۔ وہ ایسا زہریلا ناگ تھا جس کا پھن پہلی فرصت میں کچل دینا ہی مناسب تھا ورنہ وہ آزاد ہوتے ہی آپ کو دوبارہ ڈسنے کی سعی کرے گا۔ ایسے فرد کو قیدی کی حیثیت سے بھی ساتھ رکھنا میرے لیے صبر آزما تھا میں اپنی فطرت کے مطابق اس سے برا سلوک نہیں کر سکتا اور ایک ہی وار میں اسے ختم کرنے کی شدید خواہش پر عمل بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ جب تک اس کا وقت نہیں آ جاتا اسے میں یا کوئی بھی ختم نہیں کر سکتا تھا۔

بلندی پر دھوپ تیز تھی اگرچہ موسم خنک تھا مگر ساتھ ہی خشک بھی تھا اور چلنے سے جسم کا پانی پسینے کی صورت میں خارج ہو رہا تھا اس لیے سب کو بار بار پیاس لگ رہی تھی۔ آنے والے ایک گھنٹے میں پانچ لیٹرز پانی کی بوتل میں مشکل سے ایک لیٹر پانی بچا تھا۔ اب تک ہمیں پانی کا کوئی چشمہ یا ندی دکھائی نہیں دی تھی جہاں سے پانی لے سکتے اور کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ صبر کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ابھی تک وہ سڑک نہیں آئی تھی جس کا راج کنور نے ذکر کیا تھا اور نہ ہی اس کے آثار دکھائی دیئے تھے لیکن میں نے محسوس کیا کہ اب ہم بلندی سے نشیب کی طرف جا رہے تھے حالانکہ ہم نے نیچے کا رخ نہیں کیا تھا مگر یہاں پہاڑ کی بلندی کم ہو رہی تھی۔ میں نے ایک دو بار راج کنور سے سڑک کے بارے میں پوچھا تو وہ خود کنفیوز ہو گیا۔ ظاہر ہے اس نے کبھی ان راستوں پر سفر کر کے سڑک تک رسائی حاصل نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ صحیح سے بتا نہیں سکتا تھا۔ البتہ اسے یقین تھا کہ سڑک اسی سمت تھی۔

مزید ایک گھنٹے بعد جب سورج واضح طور پر مغرب کی طرف جھک چکا تھا اور اس کی روشنی آنکھوں میں گھس رہی تھی۔ اس لیے بھی شاید سڑک اس وقت نظر آئی جب ہم اس کے پاس پہنچ گئے تھے بلکہ سڑک نہیں اس پر سے گزرنے والا ایک ٹرک دکھائی دیا تھا جس پر خشک بھوسہ بھرا ہوا تھا لیکن وہ شمال کی طرف جا رہا تھا۔ بانو اور اوشا خوش ہو گئی تھیں کیونکہ بھوک کا فی الحال کوئی مداوا نہیں تھا لیکن چل چل کر بھی برا حال ہو گیا تھا اور اس سے نجات ملنے کی امید نظر آئی تو وہ خوش ہو رہی تھیں۔ راج کنور دو مرتبہ اپنے ''جوتے'' تبدیل کر چکا تھا اور دونوں بار جوتے پھٹ چکے تھے دوسرے جوتے بھی سڑک تک پہنچتے پہنچتے جواب دے گئے۔ اس لیے وہ بھی خوش تھا کہ اب چلنے کے لیے کم سے کم ہموار سڑک تو ملے گی۔ سڑک کے پاس پہنچ کر سب ایک جگہ نرم سبز گھاس پر ڈھیر ہو گئے۔ میں اور بانو بھی تھک گئے تھے مگر اوشا اور راج کنور بے حال تھے وہ لیٹے تو جیسے نیم بے ہوش ہو گئے تھے۔ میں بیٹھا تھا اور بانو نیم دراز تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا حال ہیں؟''

''بھوک لگی ہے اور دل چاہ رہا ہے اچھا سا کھانا ملے اور اس کے بعد نرم بستر مل جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دونوں کا امکان کم ہے۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''اگر تم جاگتے رہنے کا وعدہ کرو تو میں ذرا چکر لگا آؤں۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''اسی سڑک پر ذرا آگے تک جاؤں گا ممکن ہے کوئی گاڑی مل جائے یا پھر کوئی گھر نظر آ جائے۔ شام قریب ہے اور رات سے پہلے سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ مل جائے تو بہتر ہو گا۔''

''ہاں کوئی آبادی یا گھر مل جائے تو وہاں سے کھانا بھی مل جائے گا۔ ہمارے پاس رقم بھی ہے۔'' بانو خوش ہو گئی۔

''رقم تو اتنی ہے کہ ہم فائیو اسٹار کھانا بھی افورڈ کر سکتے ہیں لیکن فی الحال کھانے کے لائق کچھ مناسب مل جائے تو یہ بھی غنیمت ہو گا۔'' میں نے روانہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''ہوشیار رہنا اور بہتر ہو گا کنارے سے ذرا ہٹ جاؤ تا کہ کوئی اچانک آ جائے تو پکڑے نہ جاؤ۔ اگر کوئی مسئلہ ہوتا تو چھوٹے پستول سے فائر کرنا اس کی آواز زیادہ دور تک نہیں جاتی ہے لیکن میں سن لوں گا ہاں پیلس کے لوگ آ جائیں تو کوئی رعایت مت کرنا۔''

''ٹھیک ہے۔''

میں جنوب کی طرف بڑھا تھا۔ یہاں بل کھاتی سڑک ایک ٹیلے کے پیچھے غائب ہو رہی تھی۔ میں موڑ تک پہنچا تو سامنے دور تک پہاڑوں کے درمیان نشیب کی طرف جاتی سڑک دکھائی دی۔ یہاں ڈھلان تھی اور کہیں بھی آبادی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ سڑک بھی خالی تھی یعنی دور تک کسی گاڑی کا نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا اس کا مطلب تھا کہ ہمیں مزید مارچ کرنا تھا اور فی الحال مارچ کی ہمت مجھ سمیت کسی میں نہیں تھا۔ آگے جانا بے کار تھا میں تین چار کلو میٹرز چل کر جاتا اور کچھ نہ ملتا تو اتنا ہی واپس آنا پڑتا اس لیے بہتر یہی تھا کہ واپس چلا جائے اور سڑک کے کنارے کسی گاڑی کا انتظار کیا جائے اگر قسمت میں ہوا تو گاڑی مل جائے گی ورنہ رات شاید اسی ویرانے میں بھوکے پیاسے بسر کرنی پڑے گی۔ پیاسے یوں کہ اب پانی بھی ختم ہونے والا تھا اور ان پہاڑوں میں اب تک پانی کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آیا تھا حالانکہ ہم شاید دس بارہ کلو میٹرز چلے تھے کئی خشک ندی نالوں سے گزرے۔ ابھی اوپر کہیں بارش نہیں ہوئی تھی اس لیے پانی نایاب تھا۔

میں واپس آ رہا تھا کہ شمال کی طرف سے ایک بڑی گاڑی نمودار ہوئی۔ پہلے میں اسے درمیانے سائز کا ٹرک سمجھا تھا۔ اس وقت ہمارے لیے کوئی چھکڑا بھی آ جاتا تو غنیمت تھا یہ تو پھر بھی مشینی سواری تھی۔ وہ خاصی دور تھی اور بہت سست روی سے آ رہی تھی۔ اس لیے مجھے تیز چلنے کی وجہ سے اس کی آمد سے پہلے واپس پہنچنے کا موقع مل گیا۔ بانو نے اس دوران میں راج کنور اور اوشا کو سڑک کے کنارے سے ذرا دور بٹھا لیا تھا۔ اس نے بھی آنے والی گاڑی کو دیکھ لیا تھا اور آنکھوں کے سامنے چھجا بنا کر غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اسلحہ ایسی جگہ چھپا دیا جہاں سے وہ خود فوری حاصل کر سکتی تھی لیکن راج کنور سے دور تھا ویسے بھی اوشا اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔ ''شہباز صاحب ذرا دیکھئے گا یہ انوکھی گاڑی نہیں ہے عام گاڑیوں سے ہٹ کر۔''

گاڑی کا انوکھا پن اس کے نزدیک آنے پر واضح ہوا تھا۔ یہ اصل میں سفری گھر تھا۔ طاقتور ڈاج پک اَپ کے پیچھے تقریباً بارہ فٹ لمبا اور کوئی آٹھ فٹ چوڑا سفری گھر تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے گاڑی خاصی لمبی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وزنی ہوگئی تھی اس لیے وہ اس پہاڑی سڑک پر بہت سُست روی سے سفر کر رہی تھی۔ یہاں تیز رفتاری کی وجہ سے یہ بے قابو ہو سکتی تھی۔ بانو اور میں نے اپنے ہتھیار چھپا دیئے اور صرف پستول پاس رکھے تھے اوشا کا اعشاریہ اڑتیس کا پستول اب میرے پاس تھا۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''ویسے تو امکان نہیں ہے کہ اس گاڑی میں دشمن ہوں گے لیکن پھر بھی پوری طرح ہوشیار رہنا خطرہ محسوس کرتے ہی رائفل اور شاٹ گن اٹھانے کی کوشش کرنا۔''

گاڑی کے نزدیک آنے سے پہلے ہم سڑک پر آ گئے تھے اگر ہم اچانک سڑک پر نمودار ہوتے تو شاید گاڑی والوں کے نزدیک مشکوک ہو جاتے اس لیے ہم ٹہلنے کے انداز میں سڑک پر موجود رہے تھے۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''کہانی یہ ہوگی کہ ہماری گاڑی بے قابو ہو کر کھائی میں گر گئی لیکن خوش قسمتی سے ہم جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اور تم مسٹر اینڈ مسز کمار ہیں۔''

بانو سرخ ہوئی تھی پھر اس نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''ان کے بارے میں کیا کہیں گے؟''

''راج کنور کا اصل نام ٹھیک رہے گا اور وہ ہمارا ایک واقف کار ہے۔ دشمن بھی تو واقف کار ہی ہوتا ہے اور اوشا کے لیے ملازمہ کا رول مناسب رہے گا۔''

''وہ مان جائے گی؟'' بانو نے دبے لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں مانے گی؟''

''آپ کے حوالے سے اسے اب بات بات پر اختلاف ہونے لگا ہے۔ میرے ساتھ ہوتی ہے اس لیے ہینڈل کر لیتی ہوں آپ کو نہیں بتاتی۔''

''تم فکر مت کرو اس نے اعتراض کیا تو میں اسے ہینڈل کر لوں گا۔''

گاڑی نزدیک آئی تو ڈاج پک اَپ کے کیبن میں مجھے ایک جوڑا نظر آیا۔ مرد ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اور عورت اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ میں اور بانو ان کو دیکھتے ہی ہاتھ ہلانے لگے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر انہوں نے رکنے کا عندیہ نہیں دیا تو نزدیک آنے پر میں پستول نکال لوں گا۔ مگر اس کی ضرورت پیش نہیں آئی ہمیں دیکھتے ہی پک اَپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ نزدیک آ کر وہ رکی اور مرد نے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔ ''ہیلو... کوئی مسئلہ ہے؟''

میں اس کی طرف آیا۔ ''مسئلہ سا مسئلہ، ہم دہلی سے یہاں تفریح اور شکار کے لیے آئے تھے واپسی میں گاڑی حادثے کا شکار ہو گئی اس کے بریک فیل ہو گئے تھے اور ہم بڑی مشکل سے اس سے چھلانگ لگا کر بچ سکے تھے۔''

''اوہ افسوس ہوا۔'' مرد نے کہا۔ ''سوری میں نے تعارف نہیں کرایا۔ میں شیام کپور ہوں اور یہ میری پتنی رینا ہے۔ ہم آگرے میں رہتے ہیں۔''

میں نے ہندوؤں کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑے اور اپنا طے شدہ تعارف کرایا۔ شیام اور رینا لہجے سے پڑھے لکھے اور مہذب لگ رہے تھے۔ شکل صورت کے بھی اچھے تھے۔ کپور لوگ اصل میں شمال سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے خدوخال اور رنگ و روپ پٹھانوں جیسا ہوتا ہے۔ جیسے راج کپور فیملی کا تعلق پشاور سے تھا۔ شیام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرخ وسفید تھا لیکن رینا کی رنگت کی ملاحت بتا رہی تھی کہ اس کا تعلق وسط یا جنوبی انڈیا سے تھا۔ رینا نیچے اتر آئی۔ اس پر شیام نے اسے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں اور مجھ سے پوچھا۔ ''مسٹر وجے کمار میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''ہمیں آگے کسی معقول جگہ تک لفٹ درکار ہے جہاں ہم کچھ سامان خرید سکیں اور آگے کے لیے ٹرانسپورٹ حاصل کریں۔ حادثے میں سارا سامان بھی برباد ہو گیا۔''

شیام اور رینا نے ہماری کہانی تسلیم کر لی تھی اور شیام مدد پر بھی آمادہ ہو گیا تھا لیکن جب ہماری کہانی میں راج کنور اور اوشا کا اضافہ ہوا تو اچانک ہی شیام کے تاثرات بدل گئے تھے اس نے جلدی سے کہا۔ ''ایک منٹ مسٹر کمار، میں سوری کر رہا ہوں۔ میں سمجھا آپ دو افراد ہیں لیکن آپ چار ہیں اس لیے آپ کسی اور سے لفٹ حاصل کر لیں۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''آپ کی پک اَپ خاصی بڑی ہے۔ اور پیچھے لگے گھر میں تو پورا قبیلہ آ سکتا ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلانا جاری رکھا۔ ''میں ایک بار پھر سوری کرتا ہوں۔''

میں نے خوش خلقی سے کہا۔ ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہم آپ کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔''

''تم بدمعاشی کر رہے ہو۔'' شیام کا لہجہ بدل گیا۔ ''ہمیں نہتا اور عام فرد سمجھ رہے ہو۔'' شیام نے کہتے ہوئے پستول نکال لیا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا لیکن اسی لمحے بانو کی آواز آئی۔

''شیام جی کوئی حماقت مت کرنا ورنہ دودھوا ہو جاؤ گے۔''

بانو کے ہاتھ میں شاٹ گن اور اس کا رخ اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر شیام دنگ رہ گیا تھا اور جب میں نے اس کے ہاتھ سے پستول لیا تو اس نے قطعی مزاحمت نہیں کی تھی۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''دودھوا عورت ہوتی ہے اگر شیام جی کوئی حماقت کرتے تو رینا دودھوا ہو جاتی۔''

بانو نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور پوچھا۔ ''اگر عورت مر جائے تو ہندی میں اس کے شوہر کو کیا کہتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے اصل میں مرد کو خوش قسمت ہی کہتے ہیں۔'' میں نے شیام کی تلاشی لی۔ شیام اور رینا اب پریشان تھے۔

''آپ لوگ کون ہیں؟'' رینا نے ہمت کر کے پوچھا۔

''ہم وہی ہیں جو آپ کو بتایا تھا۔'' میں نے شائستگی سے کہا۔ ''لیکن خاتون آپ کے شوہر وہ نظر نہیں آ رہے ہیں جو دکھائی دیتے ہیں۔''

''پلیز میں ان کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔'' رینا نے کہا۔ ''یہ جلد غصے میں آ جاتے ہیں۔''

''آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے معافی ہم مانگیں گے جب آپ سے رخصت ہوں گے۔''

شیام عجیب نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا وہ چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ہم تمہارے ساتھ چل رہے ہیں۔''

''زبردستی۔''

میں نے شانے ہلائے۔ ''جو تم چاہے سمجھ لو۔ اگر تم نے سمجھداری سے کام لیا تو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اگر تم چاہو تو ہم اس رائڈ کا معاوضہ بھی ادا کریں گے۔''

بانو نے دیکھا کہ صورت حال میرے قابو میں ہے تو وہ اوشا اور راج کنور کو لینے چلی گئی۔ بانو نے رائفل اور شاٹ گن مجھے تھمائی اور پھر وہ تینوں براہ راست سفری ٹریلر میں چلے گئے۔ میں نے رینا سے کہا۔ ''دیوی جی آپ ٹریلر میں جائیں میں آپ کے پتی کے ساتھ بیٹھوں گا۔''

''ان کے ساتھ کیوں؟''

''ان کا غصہ بے قابو ہے اسے قابو میں رکھنے کے لیے۔'' میں نے شیام کی طرف دیکھا تو وہ ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ یقیناً اسے خود پر قابو پانے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ رینا نے اسے دیکھا اور آنکھوں آنکھوں میں صبر کی تلقین اور خاموشی سے ٹریلر کی طرف چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی شیام نے کہا۔

''تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''مجھے تسلیم ہے لیکن مجبوری ہے۔''

''اگر تمہاری گاڑی کسی کھائی میں گر گئی ہے تو تم زبردستی دوسروں سے لفٹ لیتے پھرو اس میں مجبوری کہاں سے آ گئی؟'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''مجبوری یہ ہے کہ رات قریب ہے۔ ہمارے پاس نہ کھانے کو ہے اور نہ پینے کو۔ ہمارا واقف کار زخمی ہے اور مدد کے مستحق ہیں۔ تم نے خود انکار کیا اور پھر پستول نکال لیا۔ تم نے خود ہمیں مجبور کیا کہ تمہارے ساتھ زبردستی والا سلوک کریں۔ اب اندر بیٹھو۔''

میں اس سے پہلے پک اَپ میں سوار ہو گیا اور ڈیش بورڈ کی تلاشی لی۔ اس کے خانے میں کوئی اور ہتھیار موجود نہیں تھا۔ میں نے شیام کپور سے لیا پستول اپنے پاس رکھ لیا۔ شاٹ گن اور رائفل بھی تھی اور میں یہ سارے ہتھیار اٹھانے پر مجبور تھا۔ میں کچھ زیادہ ہی مسلح تھا۔ بانو کے پاس برینا تھا اور وہی کافی تھا۔ وہاں راج کنور موجود تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے اتفاق سے ہتھیار حاصل کرنے کا موقع ملے وہ بانو سے آسانی سے پستول نہیں چھین سکتا تھا۔ شیام نے پک اَپ اسٹارٹ کی اور آگے بڑھائی۔ اس نے کہا۔ ''یہاں سے تیس کلومیٹرز نیچے ایک چھوٹا قصبہ ہے تم چاہو تو وہاں اتر سکتے ہو۔''

''اس کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے۔''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''کیا مطلب کیا تم اس سے آگے بھی ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہو؟''

''میں نے کہا نا اس کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو وہ چپ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''سچ بتاؤ تم لوگ کون ہو؟''

''میرا خیال ہے ہم نے بتایا تو ہے۔''

''نہیں تم لوگوں نے غلط کہا تھا۔''

''تم اس چکر میں مت پڑو کہ ہم کون ہیں اپنی توجہ اس پر مرکوز رکھو کہ تم نے اپنی پیاری سی پتنی سمیت زندہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہنا ہے اور اس کے لیے بہت ضروری ہے کہ تم ہم سے تعاون کرتے رہو۔ میں صرف اتنا اطمینان دلا سکتا ہوں کہ ہم سے تمہاری جان، مال اور عزت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

اچانک ڈیش بورڈ کے سامنے والے حصے میں نصب ریڈیو کھڑکھڑایا اور اس سے بانو کی آواز آئی۔ ''یہ میں ہوں، یہاں کھانے پینے کو سب کچھ ہے میں بہت مزے کا دال چاول کھا رہی ہوں آپ کیا کھائیں گے؟''

شیام نے ریڈیو کا ایک بٹن دبایا اور بولا۔ ''تم بات کر سکتے ہو۔''

''جو بھی کھانے کو ہو۔'' میں نے کہا۔ ''میں اس وقت پورا کچن کھا سکتا ہوں برتنوں سمیت۔''

بانو ہنسی۔ ''بس تو دس منٹ رکیں میں کھالوں تو آپ پیچھے آ جایئے گا۔''

''یہ شیام جی کچھ فرنٹ ہو رہے ہیں اور ممکن ہے تنہائی پا کر بہک جائیں۔ ان کا کیا کرنا ہے؟''

''ان کی تنہائی میں دور کر دوں گی۔'' بانو نے روانی سے کہا اور پھر اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے تو اس نے جلدی سے تصحیح کی۔ ''میرا مطلب ہے اسے میں دیکھ لوں گی۔''

میں نے بٹن آف کر کے کہا۔ ''تم نے اچھا سسٹم نصب کیا ہوا ہے کیا یہ صرف اسی گاڑی کی حد تک کام کرتا ہے؟''

''میں الیکٹریکل انجینئر ہوں۔'' شیام نے انکشاف کیا۔ ''میں نے ایف ایم ریڈیو کے ساتھ ایک مائیک نصب کر دیا ہے ایسا ہی ایک ریڈیو ٹریلر میں لگا ہوا ہے۔ اکثر رینا ٹریلر میں ہوتی ہے اور اسے رابطہ کرنا ہو تو اس سے بات کر لیتی ہے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''اکثر.....؟ کیا تم لوگ سفر میں رہتے ہو؟''

''نہیں۔'' وہ دھیان سے ایک موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔ اس پہاڑی علاقے میں وہ رفتار کو بیس کلومیٹرز فی گھنٹہ سے اوپر نہیں لے جا رہا تھا۔ ''گرمیوں کے چند مہینے ہم اس علاقے میں گزارتے ہیں۔ یہاں دولت مندوں نے گھر بنا رکھے ہیں۔ میرا کئی افراد سے کانٹریکٹ ہے۔ میں گرمیوں میں آ کر ان کے گھروں میں الیکٹرانکس کی چیزوں اور سیکورٹی کی مینٹی نینس کرتا ہوں۔ ہماری تفریح بھی ہو جاتی ہے اور کچھ آمدنی بھی مل جاتی ہے۔''

''شہر میں تم جاب کرتے ہو؟''

''نہیں وہاں بھی میرا اپنا بزنس ہے ایک چھوٹی سی فرم ہے۔ اسی لیے تو دو تین مہینے کے لیے یہاں آ سکتا ہوں ورنہ جاب کرنے والا کیسے نکل سکتا ہے۔''

اس نے اچھا سسٹم کیا ہوا تھا یہ ایسے علاقے میں زیادہ کام آتا جہاں موبائل سگنل نہ ہوں۔ دس منٹ بعد بانو نے ریڈیو پر گاڑی روکنے کو کہا۔ شیام نے گاڑی روکی۔ بانو اتر کر آئی اور اس نے میری سیٹ سنبھال لی۔ میں نے روانہ ہونے سے پہلے شیام کو خبردار کیا۔ ''کوئی الٹا سیدھا خیال دل میں مت لانا ورنہ یہ تمہیں سیدھا کر دے گی۔''

''آپ فکر نہ کریں۔'' بانو نے اپنا بریٹا نکال کر اس کا معائنہ کیا اور پھر اسے ہاتھ میں رکھا۔ میں ٹریلر میں آیا۔ یہ اچھا خاصا بڑا اور پُرتعیش قسم کا ٹریلر تھا۔ ایک طرف بیڈ روم تھا جو عقبی حصے میں تھا۔ درمیان میں کچن اور مختصر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سا واش روم تھا اور دوسری طرف لاؤنج تھا۔ یہاں چھوٹے صوفے اور ایک عدد ایل سی ڈی بھی لگا ہوا تھا۔ راج کنور اور اوشالا ڈنج والے حصے میں تھے۔ رینا کچن میں مصروف تھی۔ اس نے دال چاول بنائے تھے اور ساتھ میں آلو کی بھجیا اور اچار بھی تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیا ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ وہ ہندو تھے اور اگر کوئی ایسی چیز ہوئی جس میں گوشت ہوا اور میں نے کھانے سے انکار کیا تو وہ سمجھ جاتے۔ جب کہ میں اپنا مذہب اور قومیت فی الحال راز میں رکھنا چاہتا تھا۔ سفر میں دال چاول ہی سب سے آسان اور بہترین خوراک ہوتے ہیں۔ اس نے ایک بڑی ٹرے میں سب سجا کر لا کر میرے سامنے رکھ دیا اور خوفزدہ نظروں سے اسلحے کی طرف دیکھا۔

میں نے کھانے کا آغاز کیا اور راج کنور کی طرف دیکھا۔ ''اب تم آرام سے ہو۔''

''ہاں لیکن ابھی ہم خطرے میں ہیں۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''وہ کیسے؟''

''اس علاقے سے باہر جانے والی یہ واحد سڑک ہے اور اس پر وہ لوگ موجود ہوں گے؟''

''تمہارا مطلب ہے بڑے کنور کے گرگے؟''

اس نے سپاٹ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے وہ منشی جی اور رامن کے آدمی ہیں۔ تمہاری طرح میرا بھی یہی خیال ہے کہ بڑا کنور بے بس ہو گیا ہے۔ یہ لوگ اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔''

''میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔ منشی جی محرم راز اور تم لوگوں کے بہت نزدیک سہی لیکن ہے تو ایک ملازم۔ وہ اس طرح سے سازش کیسے کر سکتا ہے؟''

''وہ کر سکتا ہے۔'' راج کنور نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس نے اپنے زخموں کی دوبارہ مرہم پٹی کر لی تھی اور اس کے پیروں پر بھی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ شرٹ کا خون بھی ممکنہ حد تک صاف کر لیا تھا یعنی وہ خاصی بہتر حالت میں تھا۔ ''تم نہیں جانتے ہو منشی دل جی صرف ہمارا ملازم نہیں۔ ہے وہ کنور خاندان کا ایک حصہ ہے۔''

میں حیران ہوا تھا۔ ''وہ بھی کنور ہے؟''

راج کنور نے سر ہلایا۔ ''رشتے میں وہ ہمارا چچا لگتا ہے۔''

میں اس کی بات پر غور کر رہا تھا۔ یہ نیا انکشاف تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ جاگیر کا مالک بھی بن سکتا تھا جب میں نے راج کنور سے پوچھا تو اس نے تصدیق کی۔ ''اگر میں اور بڑے کنور نہ رہیں تو وہ اس جاگیر کا مالک بن سکتا ہے۔''

''اس صورت میں بھی جب کہ تمہاری ایک بہن موجود ہے؟''

''ہاں۔'' راج کنور نے پھر پہلو بدلا۔ ''وہ جاگیر سے پہلے ہی دستبردار ہو چکی ہے۔''

اگرچہ مجھے اس سے کوئی فرق پڑتا تھا کہ یہ جاگیر کس کے پاس جاتی ہے اور کون اس کا مالک بنتا ہے لیکن فی الحال اس سیاست کا مجھ پر سنگین اثر پڑ رہا تھا۔ اگر یہ بات درست تھی تو دونوں کنوروں کے ساتھ میں بھی منشی جی اور رامن کا نمبر ون نشانہ تھا اور وہ مجھے مارنے کی بھی ہر ممکن کوشش کرتے۔ مجھے بھی خطرے کا احساس ہونے لگا۔ میں نے کھانے سے فارغ ہوتے ہی رینا سے ریڈیو طلب کیا۔ اس نے مجھے پرانے موبائل کے سائز کا ریڈیو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاکر دیا اور اس کے فنکشن سمجھائے۔ میں نے کال کی اور شیام سے کہا۔ ''اگر آگے کہیں ناکا نظر آئے تو تم فوراً گاڑی روک لو گے ناکے کے پاس نہیں جاؤ گے۔''

''تم پولیس ناکے کی بات کر رہے ہو؟'' وہ تشویش زدہ ہو گیا۔

''میں ہر قسم کے ناکے کی بات کر رہا ہوں جہاں گاڑیوں کو روک کر چیک کیا جا رہا ہو۔ بانو تم نظر رکھنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ شام کے چونچ رہے تھے اور سورج پہاڑوں کی طرف جھک چکا تھا شام کے سائے تیزی سے طویل ہو رہے تھے۔ کچھ دیر میں اندھیرا ہو جاتا اور اس میں سفر تو کیا جا سکتا تھا لیکن ناکوں پر نظر نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ رینا نے چائے بنائی تھی۔ ہمارے شریفانہ رویے سے اسے حوصلہ ہوا تھا اور اب وہ اتنی خوفزدہ نہیں تھی۔ اس نے اوشا کو ایک شال دے دی تھی کیونکہ رات ہوتے ہی سردی میں اضافہ ہوا تھا۔ اوشا خاموش تھی اور اس نے خود کو میرے سہارے پر چھوڑ دیا تھا اب تک وہ اپنی ہمت سے بڑھ کر میرا اور بانو کا ساتھ دیتی آئی تھی مگر اب اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ وہ تھکی ہوئی تھی میں نے اس سے کہا۔ ''اوشا تم لیٹ جاؤ۔''

''نہیں رے ہم ٹھیک ہیں۔'' وہ مسکرائی۔ ''ہم تیرے لیے پریشان ہیں۔ منشی جی اچھا آدمی نہیں ہے وہ ان دونوں کنوروں سے زیادہ خطرناک ہے۔''

''تم فکر مت کرو میں اس سے پہلے بھی ایسے لوگوں سے نمٹتا رہا ہوں اور آگے بھی نمٹ لوں گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تم بیڈ روم میں چلی جاؤ۔''

اوشا جانا نہیں چاہتی تھی لیکن میرے اصرار پر چلی گئی۔ میں خود بھی چائے نوشی کرتے ہوئے ریلیکس کر رہا تھا۔ ٹریلر میں جہاں جہاں کھڑکیاں تھیں وہاں پردے بھی لگے تھے اس لیے اندر کا منظر باہر سے نظر آتا تھا اور باہر دیکھنے کے لیے بھی پردہ سرکانا پڑتا تھا۔ میں نے لاؤنج کا سامنے والا پردہ سرکا دیا تو پک اَپ کے اوپر سے آگے کا منظر دکھائی دینے لگا تھا۔ ٹریلر میں ہم بلندی پر تھے۔ اس لیے زیادہ بہتر دیکھ سکتے تھے۔ شاید اسی لیے مجھے وہ منظر پہلے نظر آ گیا جو شیام اور بانو کچھ دیر بعد دیکھتے۔ کچھ آگے ایک جیپ ترچھی کھڑی تھی اور اس نے سڑک بلاک کر دی تھی۔ میں نے جھپٹ کر ریڈیو اٹھایا اور بٹن دبا کر کہا۔ ''بانو شیام سے گاڑی رکواؤ آگے سڑک بلاک ہے ایک جیپ کھڑی ہے۔ بانو تم میری بات سن رہی ہو؟''

لیکن دوسری طرف سے خاموشی تھی۔ میرے بار بار پکارنے پر بھی دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا اور ہم سڑک پر کھڑی جیپ کے پاس ہوتے جا رہے تھے۔ میرا دل خدشے سے دھڑکنے لگا تھا۔ بانو یا شیام جواب کیوں نہیں دے رہے تھے جب کہ وہ دونوں گاڑی میں دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک پک اَپ نے بریک لگائی اور میں سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے لڑھک گیا تھا۔ راج کنور میرے پاس گرا تھا۔ میں سنبھل کر اٹھا تو میں نے دو افراد کو پک اَپ کی طرف آتے دیکھا۔ ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی دونوں صاف دکھائی دے رہے تھے اور ان میں سے ایک رامن تھا۔ اسی لمحے میری نظر راج کنور پر گئی جو شیام کا گر جانے والا پستول اٹھا رہا تھا۔

○.....❖.....○

میں نے بروقت راج کنور کے ہاتھ پر لات ماری وہ پستول کا رخ میری طرف کر رہا تھا۔ پستول اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ سے نکل کر رینا کے پاس جا گرا تھا لیکن وہ خوفزدہ سی کھڑی تھی۔ اس نے پستول اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ راج کنور کے ہاتھ پر چوٹ آئی تھی وہ ہاتھ تھامے کراہ رہا تھا میں نے اٹھتے ہوئے کہنی سے اس کے سر پر وار کیا تو وہ گر کر بے سدھ ہو گیا۔ اسی لمحے باہر پے در پے فائرز ہوئے۔ یہ آواز بریٹا کے فائرز کی تھی فوراً ہی خودکار رائفل گرجی۔ ٹریلر کا سامنے والا شیشہ ٹوٹا اور رینا چیخ کر نیچے گری تھی۔ میں سمجھا کہ اسے گولی لگ گئی ہے لیکن وہ ڈر کر نیچے گری تھی۔ میں رینگتا ہوا آگے گیا اور اس کے جسم کے نیچے دبا پستول نکال لیا۔ وہ ٹھیک تھی مگر کانپ رہی تھی۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''لیٹی رہنا اٹھنا مت۔''

اوشا اٹھ گئی تھی اور بیڈ روم کی دیوار کے ساتھ دبکی ہوئی تھی اس نے مجھے آواز دی۔ ''شہباز یہ کیا ہے رے؟''

رینا نے چونک کر مجھے دیکھا وہ مجھے ہندو سمجھ رہی تھی لیکن اوشا نے بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ بہرحال اس وقت مجھے اپنے راز سے زیادہ باہر آنے والوں کی فکر تھی۔ خودکار رائفل سے فائر یقیناً رامن یا اس کے ساتھی نے کیا تھا کیونکہ بانو کے پاس صرف بریٹا تھا۔ میں نے اٹھ کر ایک لمحے کے لیے باہر جھانکا اور فوراً سر نیچے کر لیا اس کا امکان تھا کہ باہر کوئی تاک میں ہو۔ اس ایک جھلک میں مجھے اب سامنے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ فائرنگ بھی تھم گئی تھی۔ میں نے چلا کر کہا۔ ''بانو تم ٹھیک ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں لیکن شیام جی.....''

رینا تڑپ کر اٹھی۔ ''کیا ہوا شیام کو؟''

میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''لیٹی رہو باہر دشمن ہیں وہ پھر فائرنگ کریں گے۔''

''میں شیام کے پاس جاؤں گی۔'' وہ رونے لگی۔

میں نے چلا کر پوچھا۔ ''بانو شیام کو کیا ہوا ہے؟''

''گولی لگی ہے لیکن زندہ ہے۔''

''حملہ کرنے والے کہاں ہیں؟''

''رامن کے ساتھ آنے والا میری فائرنگ سے مارا گیا ہے یا زخمی ہے اور رامن بھاگ گیا۔ رائفل سے فائرنگ اسی نے کی تھی۔''

''تم اندر رہو۔'' میں نے کہا اور رینا سے بولا۔ ''تم اندر رہو میں جا کر دیکھتا ہوں کسی بھی صورت میں نیچے مت اترنا اور اوشا تم اس کی نگرانی کرو۔ اگر یہ کوئی حرکت کرے تو اسے کاٹ لینا۔'' میں نے راج کنور کی طرف اشارہ کیا اور خود نیچے اتر گیا۔ نیچے اترتے ہی میں ٹریلر کے عقبی حصے میں آیا جس طرف سے اترا تھا اس طرف کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا دوسری طرف بھی کوئی نہیں تھا۔ پھر میں نے نیچے سے جھانک کر دیکھا ٹریلر اور پک اَپ کے نیچے بھی کوئی نہیں تھا۔ بلکہ دور تک سڑک صاف تھی۔ میں محتاط قدموں سے پک اَپ کی طرف بڑھا اور پاس پہنچ کر میں نے آہستہ سے بانو کو پکارا۔ ''بانو.....''

''میں یہاں ہوں۔'' بانو نے جواب دیا۔ وہ سیٹ کے نیچے دبکی ہوئی تھی اور شیام ڈرائیونگ سیٹ پر بے سدھ بیٹھا ہوا تھا۔ آگے سو گز تک سڑک صاف تھی۔ اس کے بعد موڑ تھا جہاں رامن اینڈ کمپنی نے ناکا لگایا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بانو نے جسے نشانہ بنایا تھا وہ بھی غائب تھا۔ جہاں سڑک مڑ رہی تھی اس سے ذرا آگے ہی دشمنوں کی گاڑی موجود تھی مگر وہ یہاں سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر شیام کا معائنہ کیا۔ گولی اس کے دائیں شانے سے ذرا نیچے لگی تھی اور خون بہہ رہا تھا وہ نیم بے ہوش تھا۔ میں نے چابی نکال کر ہینڈ بریک کھینچے اور اسے کھینچ کر نیچے اتارا اور پک اَپ کے عقبی حصے میں ڈال دیا۔ یہاں کچھ سامان پڑا تھا۔ بانو بھی نیچے اتر آئی تھی میں نے اسے خود کار رائفل دی۔ اس نے کہا۔ ''جیسے ہی نظر آئے میں نے رامن اور اس کے ساتھی پر فائر کیا۔ دوسرا گرا اور پھر رامن نے برسٹ مارا۔ میں نیچے ہوگئی لیکن شیام بیٹھا رہا اسے گولی لگی۔ کچھ دیر بعد میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ بھاگ گئے تھے۔ دوسرا شاید اتنا زخمی نہیں تھا ورنہ وہ اس طرح بھاگ نہیں سکتا تھا۔''

''تم نے بالکل ٹھیک کیا۔ اب اوپر چڑھ جاؤ اور نگرانی کرتی رہو جیسے ہی کوئی نمودار ہو برسٹ مارنا۔''

میں نے بانو کو دوسری رائفل دی اور وہ مستعدی سے اوپر چڑھ گئی اور اس نے عقبی حصے میں کھڑے ہو کر پک اَپ کی چھت سے رائفل نکالی تھی۔ میں واپس ٹریلر کی طرف آیا۔ رینا دروازے سے لگی کھڑی تھی میں نے پوچھا۔ ''فرسٹ ایڈ کا سامان ہے؟''

''ہاں..... شیام ٹھیک ہے؟''

''اسے گولی لگی ہے خون روکنا ہے۔ وہ سامان لے کر پک اَپ میں آجاؤ۔''

رینا اندر لپکی تھی میں بھی اندر آیا۔ اسلحہ وہیں تھا وہ سمیٹا اور پھر راج کنور کو ہوش میں لانے کے لیے اس کے منہ پر پانی ڈالا۔ وہ جھرجھری لے کر ہوش میں آگیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے گھبرا کر کہا۔ ''میں پستول تمہارے لیے نہیں اٹھا رہا تھا۔''

''تاویل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے درشت لہجے میں کہا۔ ''چلو..... تمہارے سابق نمک خوار آگئے ہیں۔''

''رامن۔'' راج کنور کا چہرہ ست گیا۔ ''وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

''ظاہر ہے تم سے زیادہ بہتر کون جانتا ہوگا۔'' میں نے طنز کیا۔ رینا فرسٹ ایڈ کٹ اٹھا لائی تھی میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے ایک بیگ چاہیے۔''

''وہ بہت خطرناک آدمی پہلے بھارتی اسپیشل فورس میں تھا۔'' راج کنور بدستور گھبرایا ہوا تھا۔ ''بلیک کیٹ کمانڈوز میں تھا پھر کچھ عرصے را میں کام کیا لیکن کسی چکر میں نکال دیا گیا۔''

''پھر وہ تمہارے پاس آگیا۔'' میں نے رینا کے دیئے بیگ میں اسلحہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''اب اٹھو ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

رینا پہلے ہی جا چکی تھی اور پک اَپ میں پڑے شیام کا زخم دیکھ کر روتے ہوئے اس کی مرہم پٹی کر رہی تھی۔ ٹریلر ایک ہک کی مدد سے پک اَپ سے منسلک تھا۔ اسے کھول کر فولادی پٹی کو ذرا اوپر اٹھا کر دونوں کو الگ کیا جا سکتا تھا۔ میں نے راج کنور سے کہا۔ ''میں یہ راڈ اٹھاؤں گا تم ہینڈ بریک ریلیز کرو گے جیسے ہی میں کہوں فوراً دوبارہ بریک لگا دو گے۔''

رامن اینڈ کمپنی نے دوبارہ مداخلت نہیں کی تھی۔ بانو کی کارروائی نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن سوال یہ تھا کہ انہوں نے دوبارہ حملہ کیوں نہیں کیا تھا۔ راج کنور نے میری ہدایت پر عمل کیا اور پک اَپ ٹریلر سے الگ ہوگئی۔ راڈ الگ کرنے سے پہلے میں نے ٹریلر کے اگلے دونوں ٹائروں کے آگے پتھر رکھ دیئے تھے ورنہ آزاد ہوتے ہی وہ بھی چل پڑتا۔ پک اَپ کے آزاد ہوتے میں نے اوشا اور راج کنور کو عقبی حصے میں سوار ہونے کو کہا۔ ''راج کنور تم پیچھے ہو گے لیکن فرار کا خیال مت لانا۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ہمارے ساتھ رہو ورنہ بڑے کنور سمیت اب یہاں صرف تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اچک کر پک اَپ میں سوار ہوگیا۔ اوشا سردی سے بچنے کے لیے شال اوڑھے ہوئے تھے۔ اس سے اس کی ستر پوشی بھی ہو رہی تھی ورنہ اپنے نہ ہونے کے برابر لباس میں وہ جامے سے باہر ہو رہی تھی۔ میں اور بانو پک اَپ میں آئے۔ ڈرائیونگ سیٹ میں نے سنبھالی تھی۔ بانو برابر میں آئی۔ میں نے اسے خبردار کیا۔

''بانو ہم اب تک کی جدوجہد کے سب سے خطرناک مرحلے میں داخل ہونے والے ہیں۔ موڑ کے بعد رامن اینڈ کمپنی گھات لگائے بیٹھی ہوگی اور وہ ہمیں مارنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ یوں سمجھ لو ہمیں آگ کے دریا سے گزر کر پار جانا ہے۔''

''تب ہمارا اس طرف جانا ضروری نہیں ہے۔'' وہ بولی۔ میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ دشمن سامنے گھات لگائے بیٹھا تھا تو ضروری نہیں تھا ہم اسی طرف سے جاتے، ہم واپس جا کر کوئی اور راستہ بھی تلاش کر سکتے تھے۔ رامن کے ساتھ ایک آدمی تھا لیکن اس کا امکان تھا کہ اس کے ساتھ پورا ٹولہ ہوگا اور نصف درجن افراد بھی اگر اس پک اَپ پر خودکار ہتھیاروں سے فائرنگ کرتے تو کسی ایک فرد کا بچنا بھی مشکل نظر آ رہا تھا۔ اگر ٹائر برسٹ ہو جاتے تو تیز رفتاری کی کوشش میں پک اَپ قابو سے باہر ہو جاتی اور سڑک کے ایک طرف نہایت گہری کھائی تھی اس میں گر کر کسی کا سلامت رہنا بھی معجزے سے کم نہ ہوتا۔ آگے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ موڑ تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھا دشمن یقیناً ہماری نگرانی کر رہا تھا اور اگر ہم اس طرف جاتے تو وہ ہمارے استقبال کو تیار ہوتا۔ ذرا غور و فکر کے بعد میں نے تسلیم کیا کہ ان حالات میں بانو کا مشورہ بہترین تھا ایک بار ہم دشمن کی پہنچ سے نکل جاتے تو فیصلہ کر سکتے تھے کہ اب کہاں کا رخ کریں اور یہاں سے کیسے نکلیں۔ میں نے عقب والوں سے کہا۔

''ہوشیار رہو اور نیچے سر کر لو ہم یہاں سے نکلنے والے ہیں۔''

میں نے اللہ کا نام لے کر انجن اسٹارٹ کیا اور پک اَپ کا رخ بدلا۔ فوراً ہی موڑ کی طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی۔ میں اور بانو بھی بے ساختہ جھک گئے تھے۔ بانو کی طرف کا شیشہ ٹوٹ گیا اور باڈی پر گولیاں ٹناٹن کر کے لگیں لیکن غنیمت رہا کہ کوئی ٹائر نشانہ نہیں بنا۔ اب میں نے احتیاط بالائے طاق رکھ کر پک اَپ موڑنے کی کوشش شروع کی۔ یہاں سڑک خاصی تنگ تھی اور پک اَپ خاصی بڑی تھی اسے موڑنا آسان نہیں تھا۔ میں چند فٹ آگے لے جاتا اور پھر چند فٹ پیچھے لاتا۔ اس عمل کے دوران دیوانہ وار اسٹیرنگ کاٹنے میں مصروف تھا۔ بانو نے ہمت کی اور رائفل اوپر کر کے موڑ کی طرف ایک برسٹ مارا۔ اسے تجربہ نہیں تھا اس لیے برسٹ میں پورا میگزین ہی خالی ہوگیا لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ دشمن جو آگے آ گئے تھے وہ پلٹ کر واپس بھاگے۔ میں نے اسٹیرنگ سے لڑتے ہوئے اسے شاباش دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن میگزین کا خیال رکھو ہر بار ایک میگزین خالی کرتی رہیں تو جلد ہمارے پاس ایمونیشن ختم ہو جائے گا۔''

''سوری مجھے اس کا تجربہ نہیں ہے۔'' اس نے خفت سے کہا۔

میں تین بار میں پک اَپ کو تقریباً موڑنے کی پوزیشن میں لے آیا تھا اب میں اسے ایک بار اور آگے پیچھے کرتا تو میں پک اَپ آگے کرنے جا رہا تھا کہ میری نظر موڑ کی طرف گئی اور اس اتفاق نے ہمیں بچا لیا۔ موڑ کی طرف سے ایک شعلہ نمودار ہوا اور ہماری طرف لپکا۔ میرے ذہن نے لمحے کے سویں حصے میں اس خطرے کو بھانپ لیا اور میں نے بے ساختہ ایکسی لیٹر دبا یا۔ پک اَپ جھٹکے سے آگے گئی اور دوسرے لمحے میں بریک لگا چکا تھا لیکن یہاں چند فٹ کی جگہ تھی۔ اسی لمحے شعلہ پک اَپ کے عقبی حصے کے اوپر سے گزرا اور ٹریلر سے ٹکرایا۔ ایک دھماکہ ہوا اور ٹریلر کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ یہ گرنیڈ تھا جسے لانچر سے فائر کیا گیا تھا۔ ہم بال بال بچے تھے اس کا نشانہ پک اَپ تھی لیکن میں نے بروقت آگے کر کے اسے بچا لیا تھا۔

میں نے بریک لگائی تھی لیکن جب پک اَپ نہیں رکی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا کیونکہ آگے بس کھائی تھی۔ بریک لگانے کے ساتھ میرے ہاتھ خود کار انداز میں حرکت میں تھے۔ میں نے ریورس گیئر لگایا اور ایکسی لیٹر دبایا۔ ٹائروں کے چیخنے کی آواز گرنیڈ کے دھماکے میں دب گئی تھی۔ پک اَپ آگے گئی۔ اس کا رخ نیچے کی طرف تھا۔ ایک لمحے کو ایسا لگا کہ پک اَپ سیدھی کھائی میں جائے گی۔ میں نے بے ساختہ کلمہ پڑھا مگر اسی لمحے جیسے پک اَپ کو کسی نے پیچھے سے پکڑ کر واپس کھینچ لیا۔ مجھے یقین ہے اس کے اگلے ٹائر کھائی کے خلا میں جا چکے تھے اور صرف پچھلے ٹائر انجن کی طاقت سے اسے واپس نہیں کھینچ سکتے تھے یہ کوئی غیبی ہاتھ تھا جس نے پک اَپ کو واپس کیا۔ یہ اصل میں ہاتف تقدیر کا ہاتھ تھا جسے ابھی ہماری موت قبول نہیں تھی۔ پک اَپ اتنی قوت سے پیچھے گئی کہ پہاڑی ڈھلان پر چڑھ گئی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اب مجھے جگہ مل گئی اور میں نے اسٹیرنگ کاٹتے ہوئے پک اَپ کو ایک ہی بار میں موڑ لیا اور یہ جلتے ٹریلر کو تقریباً چھوتی ہوئی آگے گئی تھی۔

اس جدوجہد کے دوران میری حس سماعت نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور میرے ساری جان میرے ہاتھوں اور آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔ جب ہم ٹریلر کے پاس سے گزرے تب مجھے بانو اور پیچھے موجود خواتین کی ہسٹریائی چیخیں سنائی دیں۔ مگر ان پر توجہ دینے کا وقت نہیں تھا۔ رامن اینڈ کمپنی پیچھے موجود تھی اور اس بار وہ خطرناک جنگی ہتھیاروں سے حملہ کر رہے تھے۔ اب سمجھ میں آیا کہ وہ آگے کیوں نہیں آئے تھے جیسے ہی تصدیق ہوئی کہ پک اَپ اور ٹریلر میں ہم ہیں وہ واپس گئے اور گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جیسے ہی ہم حرکت میں آئے انہوں نے حملہ کر دیا۔ مکار رامن نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم پک اَپ لے کر فرار کی کوشش کریں گے اور اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ ایک ساتھ ہی ہم سب کو اڑا دے گا۔ مگر اس کا منصوبہ دو وجوہات کی بنا پر ناکام ہوا۔ ایک تو ہم نے آگے جانے کے بجائے پیچھے جانے کا فیصلہ کیا دوسرے یہ سراسر تائید خداوندی تھی جس نے ابھی ہماری موت کا فیصلہ نہیں کیا تھا اور یہی اصل وجہ تھی باقی سب اسباب تھے۔

جیسے ہی پک اَپ ٹریلر سے آگے نکلی دوسرا گرنیڈ فائر ہوا۔ میں عقبی آئینے میں دیکھ رہا تھا شعلہ نظر آتے ہی میں نے پک اَپ ٹریلر کی آڑ میں کر لی اور شعلہ ہمارے برابر سے ہوتا ہوا کھائی کی طرف چلا گیا اور چند لمحے بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا تھا۔ میں نے ایکسی لیٹر دبایا اور پک اَپ اچھل کر آگے گئی۔ چودہ سو سی طاقتور ڈیزل انجن بہترین حالت میں تھا۔ چند سیکنڈ میں رفتار دس سے بڑھ کر تیس میل فی گھنٹے پر پہنچ گئی تھی۔ رات کے وقت اور اس سڑک پر یہ رفتار زیادہ تھی لیکن میں پک اَپ کنٹرول کر سکتا تھا خطرہ عقب سے آنے والے تیسرے گرینڈ سے تھا یہاں بچنے کی گنجائش کم تھی۔ بانو نے خود پر قابو پالیا تھا اور اب پیچھے دیکھ رہی تھی۔ تیسرے گرینڈ سے اس نے خبردار کیا۔ وہ چلائی۔

''شہباز بچیں۔''

میں نے پک اَپ لہرائی اور ہم نہ جانے کیسے بچ گئے تھے کیونکہ گرینڈ بہت پاس سے گزرا اور سو گز آگے سڑک پر پھٹا تھا۔ میں نے رفتار کم کی اور سڑک پر نمودار ہونے والے گڑھے سے بچتے ہوئے بمشکل پک اَپ آگے نکالی۔ بانو بدستور نگرانی کر رہی تھی اسی نے خبردار کیا۔ ''ایک گاڑی پیچھے آ رہی ہے۔''

اس مار دھاڑ میں کسی اور گاڑی کے اس طرف آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر کوئی اس طرف آ رہا ہوتا تو یقیناً پلٹ کر واپس بھاگتا۔ یہ یقیناً رامن اور اس کے ساتھی تھے جو ہمارے پیچھے آ رہے تھے۔ میں نے رفتار بڑھائی۔ بانو نے عقب میں بنی کھڑکی کا شیشہ ہٹا کر رائفل باہر نکالی تھی۔ رینا اپنے شوہر کے اوپر ڈھال بنی پڑی تھی جب کہ اوشا اور راج کنور بھی دبکے ہوئے تھے لیکن وہ سب خیریت سے تھے۔ بانو نے رائفل کا میگزین تبدیل کیا اور ان سے کہا۔ ''سب لیٹے رہیں کوئی سر نہ اٹھائے وہ پیچھے آ رہے ہیں۔''

رات پوری طرح مسلط ہو چکی تھی اور فوراً ہی سردی نے مزاج پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ کھڑکی کے ٹوٹ جانے والے شیشے سے نہایت سرد ہوا اندر آ رہی تھی۔ باہر والوں کا یقیناً زیادہ برا حال تھا۔ رینا نے سر اٹھا کر کہا۔ ''پلیز کسی ہاسپٹل چلو، شیام کو طبی امداد کی ضرورت ہے۔''

''فی الحال تو ہمیں پیچھے آنے والوں سے بچنا ہے۔'' بانو نے جواب دیا۔ ''تم خون روکنے کی کوشش کرو۔''

میں ان سب باتوں سے بے نیاز اپنی پوری توجہ ڈرائیونگ پر دے رہا تھا ہم دشمن سے جتنا دور نکل جاتے اتنا ہی محفوظ رہتے۔ اس وقت میں اور پک اَپ دو جسم ایک قالب بن گئے تھے۔ اس لیے میں اس سے بہترین کام لے رہا تھا۔ بانو نے مجھ سے کہا۔ ''وہ ذرا پیچھے رہ گئے ہیں لیکن ان کی گاڑی کی روشنی نظر آ رہی ہے۔''

''وہ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑیں گے بھی نہیں۔''

''کچھ کرنا ہوگا؟''

''لازمی بات ہے۔ مگر فی الحال دور نکلنا ہے یہ ان کا علاقہ ہے اور وہ آسانی سے مدد لے سکتے ہیں دوسرے یہاں چھپنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں ایسی جگہ تک جانا ہوگا جہاں چھپنے کی گنجائش ہو اور کئی راستے ہوں تب ہم رک کر ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔''

میں نے اسلحے والا بیگ آگے رکھا تھا۔ ہمارے پاس دو خودکار رائفلیں تھیں۔ دو شاٹ گنز میں سے ایک میں نے راستے میں چھوڑ دی تھی۔ البتہ شیام کے پستول سمیت ہمارے پاس تین پستول آ گئے تھے۔ سوائے شاٹ گن کے تمام ہتھیاروں کا ایمونیشن تسلی بخش مقدار میں تھا۔ شاٹ گن کے مشکل سے تیس پینتیس کارتوس رہ گئے تھے۔ پیٹ بھرنے کے بعد میں پوری طرح فارم میں تھا اور کسی بھی مشکل کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ یہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حال بانو کا تھا۔ اسے زیادہ بھوک لگ رہی تھی۔ اس لیے وہ زیادہ خوش تھی۔ اس نے خلوص سے کہا۔ ''اللہ کا شکر ہے جس نے اس ویرانے میں کھانا، پانی اور یہ گاڑی دی۔''

میں ہنسا۔ ''جن کا یہ سب ہے ان بے چاروں کا برا حال ہے۔ وہ ہمارے برعکس اپنے بھگوان سے شکوہ کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟''

بانو نے پیچھے دیکھا۔ ''شیام ہوش میں آ گیا ہے۔''

یہ اچھی بات تھی اس کا مطلب تھا گولی نے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا تھا لیکن پیچھے جو موت کے ہرکارے آ رہے تھے یہ اچھی بات نہیں تھی۔ اس لیے میں نے اطلاع پر تبصرہ کیے بغیر ڈرائیونگ جاری رکھی۔ آج شاید مہینے بعد مجھے آزادی سے کچھ کرنے کا موقع ملا تھا اور میں کسی صورت اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ بانو وقفے وقفے سے پیچھے آنے والوں کے بارے میں خبردار کر رہی تھی۔ وہ نزدیک آ رہے تھے مگر ابھی اتنے قریب نہیں آئے تھے کہ ہم پر اپنے ہتھیار استعمال کرتے۔ کچھ دیر بعد ہم اس جگہ سے گزرے جہاں ہم سڑک تک پہنچے تھے اور یہیں سے ہم نے رینا اور شیام سے لفٹ لی تھی۔ اب رینا اور شیام خود ہمارے ساتھ جا رہے تھے۔ مگر اس حالت میں کہ شیام زخمی تھا اور ان کا سفری گھر تباہ ہو چکا تھا۔ یہ ہماری وجہ سے ہوا تھا مجھے اس کا افسوس تھا لیکن میں اتنا جذباتی نہیں تھا کہ دشمن کو نظر انداز کر کے ان سے معافی تلافی کرنے لگ جاتا۔ میں شیام کے زخم کا مداوا بھی نہیں کر سکتا تھا مگر ان کے نقصان کی تلافی کر سکتا تھا بشرطیکہ ہمیں یہاں سے بچ کر نکلنے کا موقع مل جاتا۔

میری خواہش تھی کہ جلد از جلد کسی ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں راستہ کہیں اور بھی نکلتا ہو اور ہم دشمن سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کریں۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''ایسا کرو تم کسی طرح اس کھڑکی سے پیچھے نکل جاؤ اور ذرا بلندی سے دیکھ کر مجھے بتاؤ اگر کوئی راستہ کسی اور طرف نکل رہا ہو۔''

''میں کوشش کرتی ہوں۔'' اس نے کہا اور رائفل رکھ کر مڑی۔ پہلے اس نے سر نکالا اور پھر جسم نکالنے کی کوشش کی۔ میں نے ایک طرف ہو کر اسے موقع دیا۔ بانو کا جسم بھر گیا تھا اور مضبوط بھی ہوا تھا اس لیے مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ اس مختصر سی کھڑکی میں پھنس نہ جائے لیکن اس کی قدرتی جسمانی لچک اور نرمی برقرار تھی اس لیے وہ کسی نہ کسی طرح رگڑ کھا کر پیچھے جانے میں کامیاب رہی۔ اس نے باہر نکل کر اندر سے رائفل لی اور کھڑی ہو کر آگے دیکھنے لگی۔ اس کا سر میرے سر سے تقریباً پانچ فٹ زیادہ بلند تھا اور اسی لیے اسے میری نسبت زیادہ دور تک دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے میں نے رامن اینڈ کمپنی کا نالہ پہلے دیکھ لیا تھا کیونکہ میں ٹریلر میں زیادہ بلندی پر تھا۔ بانو آگے کے ساتھ پیچھے بھی دیکھ رہی تھی پھر اوشا نے یہ ذمے داری لے لی وہ پیچھے دیکھ رہی تھی اور بانو آگے۔ کچھ دیر بعد دونوں نے بیک وقت مجھے اطلاع دی۔

''وہ پیچھے ہیں رے۔'' اوشا بولی۔

''آگے ایک کچا راستہ سڑک سے ہٹ کر نکل رہا ہے دائیں طرف۔'' بانو بولی۔

''کتنی دور ہے؟'' میں نے بانو سے پوچھا۔

''شاید آدھا کلومیٹر ہو گا روشنی ہوتی تو پہلے نظر آ جاتا۔ ایک منٹ میں دوبارہ دیکھتی ہوں۔'' بانو نے سیدھے ہو کر معائنہ کیا اور بولی۔ ''ذرا سا سڑک مڑتے ہی ہے۔ اسی لیے نظر آ گیا ورنہ سیدھی سڑک پر پتا بھی نہ چلتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے عقب میں دیکھا اور پک اَپ کی تمام لائٹس آف کر دیں۔ آسمان پر ستارے موجود تھے اور کسی قدر نظر آ رہا تھا۔ مگر اس طرح سے ڈرائیونگ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ بڑے خطرے سے بچنے کے لیے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا تھا۔ میں نے رفتار کم کر دی تھی اور آنکھوں پر پورا زور دے رہا تھا۔ میں نے بانو سے کہا۔ ''سب خود کو سنبھالیں شاید جھٹکے لگ سکتے ہیں۔''

بانو اور اوشا نیچے بیٹھ گئیں۔ ایک منٹ بعد راستہ آ گیا یہ کچا راستہ اوپر کی طرف جا رہا تھا اور پک اَپ جیسی بڑی گاڑی کے لیے موزوں نہیں تھا لیکن میں نے فور وہیل گیئر لگاتے ہوئے بلا تکلف پک اَپ اس پر چڑھا دی۔ زبردست جھٹکے لگے اور ایسا لگا کہ پک اَپ واپس سڑک پر آ جائے گی کیونکہ ڈھلان توقع سے زیادہ ترچھی تھی لیکن پک اَپ کے طاقتور انجن نے یہ معرکہ سر کر لیا اور وہ اوپر چڑھنے لگی۔ یہ جگہ درختوں کے درمیان تھی اس لیے دیکھنے میں زیادہ دشواری پیش آ رہی تھی۔ میں شاید ہی زندگی میں کبھی بینائی پر اتنا زور دیا تھا جتنا کہ اس وقت دے رہا تھا۔ رفتار خود بہ خود کم ہو گئی تھی۔ اس لیے تصادم یا راستے سے اترنے کا خطرہ کم تھا لیکن مجھے پیچھے آنے والوں کی فکر تھی وہ پاس آتے تو پک اَپ کے انجن کا شور سن سکتے تھے اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ ہم کہاں تھے؟ یہ گھومتا ہوا کچا راستہ تھا جو پہاڑ کے اوپر جا رہا تھا اور آگے مزید تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ تقریباً پچاس ساٹھ گز اوپر آنے کے بعد آگے جانے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے پک اَپ روک کر ہینڈ بریک کھینچا اور انجن بند کر دیا۔ اچانک خاموشی ہوئی تو پتا چلا کہ اس دشوار راستے پر انجن کتنا شور مچا رہا تھا۔ یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ اب پک اَپ واپس نہیں جائے گی میں نیچے اتر آیا۔ بانو بھی اتر آئی تھی۔

''وہ بھی آنے والے ہیں۔'' اس نے اشارہ کیا۔

''ہوشیار رہو..... ہو سکتا ہے وہ جان گئے ہوں اور اب سیدھا اسی طرف آئیں گے۔ اس صورت میں ان کو حملے میں پہل کا موقع نہیں دینا ہے۔''

''میں نیچے جاؤں؟''

''نہیں کوئی رسک مت لو۔ یہیں رک کر ان کے ردِعمل کا انتظار کرنا ہے۔'' میں نے کہا اور جھک کر شیام کو دیکھا۔ ''تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''تکلیف ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''لیکن بہتر ہوں۔''

''میں ریڈیو پر رابطہ کر رہا تھا لیکن تمہاری طرف سے جواب نہیں دیا جا رہا تھا۔''

''میں نے ریڈیو آف کر دیا تھا۔'' اس نے شرمندگی سے کہا۔ ''اسی کا نتیجہ بھگتا ہے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اس نے خمیازہ بھگت لیا تھا مزید کچھ کہنا بے کار تھا۔ رینا نے تلخی سے کہا۔ ''یہ سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا؟''

''مجھے تسلیم ہے خاتون۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''لیکن ہماری بھی مجبوری تھی۔ بہر حال اس مصیبت سے نکلیں تو تمہارے لیے کچھ کرتے ہیں اور تم فکر مت کرو تمہارے نقصان کی تلافی بھی کر دی جائے گی بشرطیکہ زندہ رہے۔''

وہ دونوں ڈر گئے تھے۔ شیام بولا۔ ''تم ہمیں مار دو گے؟''

''ہم نہیں ہمارے دشمن..... تم بے ہوش تھے لیکن رینا نے دیکھا کہ انہوں نے گرنیڈ مارے وہ تو قسمت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھی تھی کہ ہم بچ گئے البتہ تمہاری گاڑی تباہ ہوگئی۔"

"کیا؟" شیام نے اٹھنے کی کوشش کی۔ "ٹریلر تباہ ہوگیا؟"

"ہاں۔" میں نے اسے واپس لٹا دیا۔ "پہلا گرنیڈ اسی پر لگا تھا۔"

"تم نے مجھے بتایا نہیں۔" شیام نے رینا سے کہا تو اس کے لہجے میں تندی تھی۔

"تمہاری حالت ٹھیک نہیں تھی اس لیے نہیں بتایا۔" وہ سہمے انداز میں بولی۔ "فائدہ بھی نہیں تھا اس میں کچھ بچا کہاں ہوگا؟"

میں ان کی گفتگو سے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اسی اثنا میں سڑک کی طرف سے مشینی انجن کی گونج سنائی دی۔ دشمن آگئے تھے یقیناً ہماری گاڑی کی لائٹس غائب ہونے سے وہ کنفیوز ہوئے تھے اور اب ذرا سست رفتاری سے چلتے ہوئے ہمیں تلاش کر رہے تھے۔ یہ بڑے سائز کی جیپ تھی۔ چند لمحے بعد وہ اس کچے راستے کے پاس پہنچی، ایک لمحے کو اس کی رفتار سست ہوئی اور مجھے لگا کہ وہ رک جائے گی یا پھر اس راستے پر چڑھ آئے گی لیکن پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ بانو میرے ساتھ ہی سانس روکے کھڑی تھی۔ ان کے آگے جانے پر اس نے سانس لی اور بولی۔ "شکر ہے دفع ہوگئے۔"

میں ہنسا۔ "تم مرد دو اور منحوس مارے وغیرہ لگانا بھول گئیں۔"

وہ جھینپی۔ "کیا کروں عورتوں والی فطرت تو نہیں جاتی۔"

راج کنور اتنی دیر سے خاموش تھا وہ پہلی بار بولا۔ "اس طرح چھپنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا وہ جلد جان جائیں گے کہ تم کہیں چھپ گئے ہو اور وہ واپس آئیں گے۔"

"جب تک وہ آئیں گے ہم یہاں سے جا چکے ہوں گے۔" میں نے کہا اور شیام سے پوچھا۔ "تم یہاں اکثر آتے جاتے رہتے ہو، اگر ہم جنوب کی طرف جائیں تو کہاں ہمیں متبادل سڑک ملے گی۔"

"کیبن میں ایک نقشہ ہے وہ نکالو۔" اس نے کہا تو میں ڈیش بورڈ کے خانے سے پلاسٹک پر بنا ہوا نقشہ نکال لایا۔ اسے دیکھنے کے لیے ٹارچ بھی وہیں سے ملی۔ شیام نے نقشہ پھیلایا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"یہ دیکھو۔" اس نے ایک مقام پر انگلی رکھی۔ "ہم یہاں ہیں اور اگر جنوب کی طرف جاتے ہیں تو تقریباً بارہ کلومیٹرز کے بعد ہمیں متبادل سڑک ملے گی یہاں....." اس نے دوسری جگہ انگلی رکھی تب تک ہمیں اسی سڑک پر سفر کرنا ہے۔"

میں نے نقشے کا معائنہ کیا۔ بیس کلومیٹرز کے بعد متبادل سڑکوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ میں نے ایک جگہ انگلی رکھی۔ "میرا خیال ہے یہاں انہوں نے ناکا لگایا تھا۔"

راج کنور بھی نقشہ دیکھ رہا تھا اس نے تصدیق کی۔ "یہ جگہ اسٹیٹ سے آنے والی سڑک سے کچھ پہلے ہے۔"

"میرا خیال ہے ناکا ہوگا۔" بانو بولی۔ "وہ اس جگہ کو خالی نہیں چھوڑیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن ہمیں نکلنا ہے مجھے یقین ہے اس جانے والی گاڑی میں رامن ہوگا اور وہی ہمارے لیے خطرناک ترین آدمی ہے۔ آگے دوسرے لوگ ہوں گے تو ان سے نمٹا جا سکتا ہے۔ اس پہلے رامن آئے ہمیں واپس جانا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سردی کی شدت بڑھ رہی تھی اور اب واضح محسوس ہونے لگی تھی رینا اور بانو تو کانپ بھی رہی تھیں۔ ہمارا حال بھی اچھا نہیں تھا لیکن اوشا صرف شال میں آرام سے تھی۔ رینا نے اس سے پوچھا۔ ''تمہیں سردی نہیں لگ رہی ہے؟''

''نہیں رے ہمیں سردی نہیں لگتی ہے۔'' وہ بولی۔ ''یہ بھی ایسے ہی لی ہے۔''

اس کے جسم میں بھرے زہر کی گرمی اسے سردی سے بچا رہی تھی۔ میں نے مداخلت کی۔ ''باتوں کے بجائے چلنے کی فکر کرو۔'' میں نے پہلے ایک پانے کی مدد سے پک اَپ کی اگلی پچھلی بریک لائنس توڑ دیں کیونکہ ان کو بند کرنا ممکن نہیں تھا۔ صرف ہیڈ لائٹس اور انڈی کیٹنگ لائٹس قابو میں تھیں۔ رینا اور شیام خاموشی سے ٹریلر کے بعد اپنی جیپ کا حشر ہوتے دیکھ رہے تھے اور غالباً اپنی خیر منا رہے تھے کہ ان چیزوں کے بعد کہیں ان کی باری نہ آجائے۔ یہ کام کرکے میں نے پک اَپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور بانو نیچے رہ کر گائیڈ کرنے لگی کہ پک اَپ کس طرح اتاری جائے۔ ریورس میں جانا اوپر چڑھنے کی نسبت کہیں مشکل کام ثابت ہوا تھا۔ اگر بانو مدد نہ کر رہی ہوتی تو شاید میں پک اَپ کہیں ٹکرا دیتا یا حادثے کا شکار ہو جاتی۔ بڑی مشکل سے میں اسے سڑک پر لانے میں کامیاب رہا۔ نیچے آتے ہوئے میں نے اسے ریورس کرلیا اور اب ہمارا رخ جنوب کی طرف تھا۔ بانو اور اوشا پچھلے حصے میں سوار ہوگئیں۔ پک اَپ کی لائٹس بند کرکے اس کا رخ جنوب کی طرف کردیا۔

اس بار تاریکی کے باوجود میں نے رفتار تیز رکھی تھی تاکہ جلد از جلد اس جگہ سے نکل جائیں۔ میرے ذہن میں اس جگہ کی کچھ نشانیاں تھیں جہاں رامن اینڈ کمپنی نے ناکا لگایا تھا۔ بانو عقب میں نظر رکھے ہوئے تھے اور فی الحال پیچھے کوئی گاڑی یا اس کی روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں جیپ کی واپسی سے پہلے ناکے سے گزر جاؤں۔ بالآخر ہم ایک جگہ پہنچے جہاں سڑک گھوم رہی تھی اور اس سے ذرا آگے ٹریلر جل رہا تھا۔ میں نے پک اَپ روکی اور نیچے اتر آیا۔ بانو بولی۔ ''یہاں کیوں رکے ہیں؟''

''یہاں سے میں پیدل آگے جاؤں گا۔''

''اکیلے؟'' وہ فکرمند ہوگئی۔

''ہاں تم لوگ یہاں ہوشیار رہنا۔ راج کنور ڈرائیونگ سیٹ پر رہے گا اور تم اس کی نگرانی کرو گی۔ اگر وہ لوگ واپس آئے تو تم لوگ پک اَپ لے کر آگے آؤ گے۔ میں راستے میں مل جاؤں گا۔ میں وہاں پہنچ کر ناکا دیکھوں گا اور اگر راستہ صاف ہوا تو میں سیٹی بجاؤں گا۔''

''سیٹی یہاں تک سنائی دے گی؟''

''اگر دوسروں کے سن لینے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ابھی بجا کر دکھاتا۔ مجھے یاد ہے گاؤں میں جب نہر پر نہانے جاتا تھا تو واپسی کے وقت سیٹی بجا کر حویلی میں اطلاع کرتا تھا اور میرے لیے گرم گرم روٹی ڈالی جاتی تھی۔ نہر حویلی سے نصف میل دور تھی اور یہ تو اس سے کم فاصلہ ہے۔''

بانو ہنسی تو میں جھینپ گیا قصہ کچھ زیادہ ہی طویل ہوگیا تھا۔ ''ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گی۔''

''اگر میری سیٹی کے جواب میں تم لوگ نہ آئے تو میں پستول سے ایک ایک سیکنڈ کے وقفے سے تین فائر کروں گا۔ اسی طرح اگر کوئی خطرہ ہوا تو تم دو فائر کرو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سڑک کے ساتھ ڈھلان کے ساتھ روانہ ہوا۔ یہاں تاریکی زیادہ تھی اور اگر کوئی موڑ پر نگرانی کر رہا تھا تو میرے نظر آنے کا امکان کم تھا۔ جب میں ناکے والے موڑ کے پاس پہنچا تو سڑک سے ڈھلان پر چڑھ گیا اور اب مجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا۔ کیونکہ ذرا پاؤں غلط رکھتا تو گرنے کا امکان تھا اسی طرح اگر میرے پاؤں تلے آ کر پتھر لڑھک جاتے تو دشمن باخبر ہو جاتا۔ دونوں موڑ کے درمیان دو سو گز کا فاصلہ تھا۔ قریب آ کر میں مزید بلندی کی طرف گیا تا کہ ذرا دور تک دیکھ سکوں اگرچہ وہاں دیکھنے کی گنجائش کم تھی۔ ایک چٹان کی اوٹ سے میں نے سڑک کا معائنہ کیا۔ جہاں پہلے جیپ کھڑی تھی وہاں اب کوئی نہیں تھا لیکن مجھے یقین کی حد تک شک تھا کہ رامن وہاں کسی نہ کسی کو چھوڑ کر گیا ہوگا اور اب وہ یہاں گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔ کئی منٹ تک میں نظریں جمائے بیٹھا رہا لیکن نہ تو کوئی نظر آیا اور نہ ہی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ جو بھی تھا یا تھے بہت خاموشی سے میری طرح ڈھلان پر یا نیچے کھائی والی سمت میں چھپے ہوئے تھے۔ جب کوئی سامنے نہیں آیا تو میں نے ایک آزمودہ نسخہ آزمایا۔ ایک پتھر اٹھا کر سڑک سے آگے کھائی میں اچھال دیا۔ پتھر خاصی آواز کے ساتھ گرا اور پھر اس کے لڑھکنے کی آواز بھی آئی تھی۔ فوراً ہی کوئی بولا۔

''یہ کیا تھا؟''

جواب میں کسی دوسرے نے اس کی والدہ کے حوالے سے ایک ناقابلِ بیان بات کی۔ ''کتے کے بچے چپ نہیں رہ سکتا۔''

''اور تُو خود جو بھونک رہا ہے۔'' کتے کے بچے نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ خاموش ہو گئے لیکن میرا مقصد پورا ہو گیا تھا مجھے ان دونوں کی لوکیشن کا پتا چل گیا۔ وہ مجھ سے کوئی بیس گز آگے اسی ڈھلان پر موجود تھے۔ میں بہت آہستہ سے اپنی کمین گاہ سے نکلا موسم کو نظر انداز کر کے اپنے جوتے اتار دیئے ورنہ یہ سلپ کرتے یا کوئی پتھر ان کے نیچے آ کر لڑھک جاتا تو دشمن قبل از وقت میری آمد سے باخبر ہو جاتے۔ ننگے پاؤں میں زیادہ بہتر چل سکتا تھا۔ انچ انچ سرکتے ہوئے میں اپنے اندازے کے مطابق عین ان کی پشت پر پہنچا۔ مزید تصدیق کے لیے میں وہی تکنیک آزمائی اور ایک پتھر سڑک کی طرف اچھال دیا لیکن اتفاق سے درمیان میں موجود ایک درخت سے ٹکرایا اور وہیں گر گیا۔ بلکہ شاید ان پر ہی گرا تھا کیونکہ وہ اچھل پڑے تھے۔

''کوئی ہے۔'' پہلے والا چلایا۔

''پاس ہے۔'' دوسرے نے تصدیق کی تو میرا کام آسان ہو گیا۔ میں نے ایک درخت کی آڑ سے رائفل کا رخ ان کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ فائرنگ کے بے پناہ شور میں ان کی چیخیں دب گئی تھیں۔ ایک بار دس بارہ گولیوں کا برسٹ مار کر میں رک گیا۔ مگر پہاڑوں میں فائرنگ کی گونج جاری تھی۔ اسے تھمنے میں ذرا وقت لگا۔ میں نے دوبارہ اندازے سے اسی طرف ہلکا برسٹ مارا۔ اس بار دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔ پستول سے فائر ہوئے۔ نشانہ میں تھا لیکن تمام گولیاں درخت کے تنے میں لگیں۔ میں نے شعلوں سے جگہ کا تعین کیا اور اگلا برسٹ اسی طرف مارا۔ اس بار چیخ نے بتایا کہ میں کامیاب رہا تھا۔ وہ گولیاں کھا کر نیچے لڑھک گیا تھا۔ دوسرا پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ میں نے ٹارچ روشن کی لیکن خود سامنے نہیں آیا جب کوئی ردِعمل ہوا تو میں نے جھانک کر دیکھا۔ ایک وہیں سامنے پڑا تھا اس کا نصف سر اڑ گیا تھا اور دوسرا ڈھلان پر سڑک سے ذرا اوپر پڑا ہوا تھا۔ وہ بھی ساکت تھا۔

!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں جوتے پہن کر نیچے آیا۔ دوسرا زندہ تھا لیکن اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا شکل صورت سے دونوں مقامی لگ رہے تھے۔ میں نے ان کا اسلحہ اور ایمونیشن سمیٹا اور سڑک پر آیا۔ سیٹی بجائی جو کچھ دیر پہاڑوں میں گونجتی رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ سیٹی سن کر روانہ ہوئے تو ایک منٹ سے بھی پہلے یہاں پہنچ سکتے تھے۔ مگر جب دوسرا منٹ ہونے پر بھی وہ نہیں آئے تو میں فکر مند ہو کر خود روانہ ہو گیا۔ اب کوئی مسئلہ نہیں تھا اس لیے میں نے کھلی سڑک پر دوڑ لگائی اور ایک منٹ سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ پک اَپ کو اپنی جگہ موجود پا کر میں نے سکون کا سانس لیا ورنہ میرے ذہن میں کئی خدشات سر سرانے لگے تھے۔ مگر قریب جاتے ہی گڑبڑ کا احساس ہوا اور سکون ہوا ہو گیا۔ وہاں بانو اور راج کنور دونوں ہی نہیں تھے۔ پچھلے حصے میں اوشا، رینا اور شیام تھے۔ اوشا مجھے دیکھتے ہی بولی۔

''راج کنور نے حرامی پن کیا ہے وہ بھاگ گیا ہے۔ بانو اس کے پیچھے گئی ہے۔''

یہ ایک نئی پریشانی تھی۔ راج کنور نے بڑے غلط موقع پر حرکت کی تھی اور بانو نے بھی جذباتی ہو کر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔ میں نے اسے آواز دی لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے اوشا سے پوچھا۔ ''وہ کس طرف گئے ہیں؟''

''اس طرف۔'' اوشا نے ڈھلان کے اوپری حصے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہم اسے آواز دیتی رہ گئے پر وہ رکی نہیں۔''

مجھے راجن کا خیال بھی تھا وہ کسی وقت بھی واپس آ سکتا تھا اور میں ان لوگوں کو چھوڑ کر جاتا تو یہ اس کا آسان شکار بن جاتے۔ میں نے رینا اور شیام سے کہا۔ ''تم لوگ اتر کر درختوں میں آ جاؤ۔''

''میں نہیں اتر سکتا۔'' شیام نے عذر کیا۔ ''میں زخمی ہوں۔''

''ٹھیک ہے تب بیٹھے رہو جب وہ واپس آ کر گرنیڈ ماریں تب بھی بیٹھے رہنا۔'' میں نے کہتے ہوئے پک اَپ کا ہُنڈ کھول کر اس کا ڈسٹری بیوٹر کا کیپ اتار لیا۔ اب پک اَپ کسی صورت اسٹارٹ نہیں ہو سکتی تھی۔ مقصد رینا اور شیام کو فرار سے روکنا تھا۔ میں نے اوشا کو ساتھ لیا اور اوپر کی طرف بڑھا۔ مجبوراً رینا اور شیام بھی نیچے اتر آئے اور رینا شوہر کو سہارا دے کر اوپر لانے لگی۔ اوشا بتا رہی تھی کہ راج کنور نے چالاکی سے کام لیا اس نے بانو سے کہا کہ اسے شمال کی طرف روشنی دکھائی دی ہے وہ پک اَپ پر چڑھ کر اس طرف دیکھ رہی تھی کہ راج کنور خاموشی سے سرک گیا۔ جب تک بانو کو احساس ہوتا وہ درختوں میں جا چکا تھا اور پھر بانو اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ میں نے اوشا سے کہا۔ ''تم ذرا آگے چلو اور بانو کو آوازیں دو۔ اگر راج کنور کہیں آس پاس ہوا تو تمہیں اکیلا سمجھ کر سامنے آ جائے گا۔''

اوشا سمجھ گئی اور اس نے اعتراض نہیں کیا کہ میں اسے قربانی کا بکرا کیوں بنا رہا ہوں ممکن تھا کہ راج کنور اس پر حملہ کر کے اسے مارنے کی کوشش کرتا۔ وہ پوری بے لوثی سے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور میں اس سے کچھ پیچھے رہ گیا۔ اوشا بانو کو آواز دینے لگی۔ اس کی آواز خاصی تیز تھی اور دور تک جا رہی تھی پہاڑوں کی گونج اسے بڑھا رہی تھی مگر بانو کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ میرا دل دھڑک اٹھا اگر بانو جواب نہیں دے رہی تھی اس کا ایک ہی مطلب تھا وہ ٹریپ ہو گئی تھی اور جواب دینے کے قابل نہیں تھی۔ جب اوشا خاموش ہوتی تو میں اپنی سماعت استعمال کرتا تھا۔ یہاں تاریکی زیادہ تھی اور ایسے میں آنکھوں سے زیادہ کان کام آتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بار جیسے ہی اوشا خاموشی ہوئی اوپر کہیں آواز آئی جیسے پتھر گرے ہوں۔ میں نے اس طرف رخ کر کے ٹارچ روشن کی تو ایک سفید پوش ہیولہ بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ راج کنور نے بھی سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ لمحوں میں وہ گھنے درختوں میں غائب ہو گیا۔

''راج کنور۔'' میں نے چلا کر کہا۔ ''تم بھاگ نہیں سکتے۔''

مگر وہ غائب تھا میں ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھا تو اوشا بھی میری طرف آئی تھی۔ ''کیا ہوا رے؟''

''راج کنور کی جھلک دکھائی دی تھی وہ اوپر درختوں میں ہے۔''

''اسے نرکھ میں ڈالو بانو کو تلاش کرو۔''

''بانو اسی کے ساتھ تھی۔ ہمیں اوپر دیکھنا ہوگا۔''

اس روز اگر میں یہ فیصلہ نہ کرتا تو شاید ساری عمر پچھتاتا رہتا۔ جیسے ہی میں اس مقام پر پہنچا جہاں راج کنور نظر آیا تھا۔ ایک درخت کے پیچھے کسی کے پاؤں دکھائی دیئے۔ پاؤں جوتوں سے عاری تھے۔ مگر نسوانی تھے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس طرف آیا تو بانو اوندھے منہ پڑی تھی۔ میں بے تابی سے اس کی طرف لپکا ٹارچ اوشا کو تھما کر بانو کو سیدھا کیا۔ اس کا سر ایک طرف سے لہولہان تھا اور خون بہہ کر نصف چہرے پر آ گیا تھا۔ میں نے گردن پر اس کی نبض دیکھی اور اسے چلتا پا کر سکون کا سانس لیا۔ مگر جب اس کے سر کا زخم دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ یہ خاصا گہرا زخم تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کوئی سخت چیز بہت زور سے اس کے سر پر ماری گئی تھی اور ضرب نے شاید کھوپڑی چٹخا دی تھی۔ خون بہہ رہا تھا اور بانو مکمل طور پر بے ہوش تھی۔

''اسے کیا ہوا؟'' اوشا نے سہمے انداز میں پوچھا۔

''راج کنور نے بے خبری میں حملہ کیا۔ ہم بروقت آ گئے ورنہ وہ شاید اسے مار کر جاتا۔ ابھی اسے صرف جوتے اتارنے کا موقع ملا۔''

اوشا نے ٹارچ سے چاروں طرف روشنی ڈالی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے بانو کو اٹھا کر شانے پر ڈالا اور اوشا سے کہا۔ ''ٹارچ سے راستہ دکھاؤ ورنہ میں گرا تو پھر مجھے بھی اٹھا کر لے جانا پڑے گا۔''

اوشا روشنی دکھانے لگی اور میں بانو کے وزن کے ساتھ سنبھل کر اترتا رہا۔ اس وقت میں پہلی بار پچھتایا کہ بانو کو وزن بڑھانے کا مشورہ کیوں دیا تھا۔ تقریباً چونسٹھ پینسٹھ کلوگرام وزنی بانو کو اٹھا کر اس ڈھلان سے تاریکی میں اترنا کس قدر مشکل کام ثابت ہوا تھا یہ میں لفظوں میں نہیں بتا سکتا۔ نہ جانے کیسے میں اسے لے کر صحیح سلامت نیچے پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا لیکن میرا سانس پھول گیا تھا اور آخر میں گھٹنے لرزنے لگے تھے۔ پک اَپ سامنے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور بانو کو اس کے پچھلے حصے میں لٹا دیا۔ خوش قسمتی سے رینا آتے ہوئے پانی کی ایک بوتل لیتی آئی تھی۔ میں نے پانی بانو کے چہرے پر چھڑکا اور منہ میں ٹپکایا لیکن اس کی طرف سے کوئی ردِعمل نہیں آیا تھا پانی بھی اس کے حلق میں جانے کے بجائے باچھوں سے بہہ نکلا تھا اور یہ خطرناک علامت تھی۔ رینا اور شیام ہمیں دیکھ کر نیچے اتر آئے تھے۔ میں نے رینا اور اوشا سے کہا۔

''اس کے زخم کی مرہم پٹی کرو۔''

بانو کی رائفل اور پستول مع اضافی میگزین کے غائب تھا اور وہ یقیناً راج کنور کے ہاتھ لگا تھا لیکن وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بزدل تھا اس لئے حملے کے بجائے اس نے فرار کو ترجیح دی تھی۔ ورنہ وہ آسانی سے مجھے اور اوشا کو بھی ٹھکانے لگا دیتا۔ بہرحال اس وقت اسلحے یا راج کنور کے بجائے مجھے بانو کی فکر لاحق ہو گئی تھی اسے جلد از جلد کسی اسپتال پہنچانا ضروری تھا ورنہ اس کے سر کی چوٹ جان لیوا بھی ہو سکتی تھی۔ اسلحے والا بیگ پک اپ کے کیبن میں تھا اور چابی میرے پاس تھی لیکن اس کی کھڑکی کا شیشہ غائب تھا اگر رینا یا شیام کو اس کا خیال آتا تو وہ اسلحہ حاصل کر سکتے تھے۔ بانو کے پاس موجود رقم موجود تھی راج کنور کو رقم نکالنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ میں نے اپنے پاس رکھ لی اور رامن کے آدمیوں سے حاصل کیا ہوا اسلحہ بیگ میں ڈال دیا۔ ڈسٹری بیوٹر کا کیپ لگا کر میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اسے آگے بڑھایا۔ عقب سے اوشا نے کہا۔

"زخم صاف کیا ہے پر بہت گہرا ہے کھون نہیں رک رہا۔"

"خون روکنے کی کوشش مت کرو۔" میں نے کہا۔ "زخم کسی چیز سے ڈھک دو اور اس کا خیال رکھو۔"

"اوشا بے چاری نے اس حد تک خیال کیا کہ اپنی شال اسے اوڑھا دی حالانکہ سب سے کم کپڑے اسی نے پہنے ہوئے تھے۔ رینا نے مجھ سے پوچھا۔ "فائرنگ کس نے کی تھی؟"

"میں نے تاکہ اگر دشمن کہیں چھپا ہو تو سامنے آجائے لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔" میں نے غلط بیانی سے کام لیا اسے یا شیام کو بتانا غیر ضروری تھا کہ میں دو دشمنوں کو ٹھکانے لگا کر آرہا ہوں۔ ہم اس جگہ سے گزرے تو میں نے جان بوجھ کر پک اپ ذرا کنارے کی طرف کر لی تھی کہ ڈھلان کی ساتھ پڑی لاش اتفاق سے بھی نظر میں نہ آئے۔ اس بار میں نے رفتار تیز رکھی اور ہیڈ لائٹس بھی آن کر لی تھیں۔ نقشے کے مطابق پہلا قصبہ یا آبادی یہاں سے کوئی پندرہ کلو میٹر دور تھی۔ جب بارہ کلو میٹر بعد دوراہا آیا تو میں نے نقشہ دیکھ کر سڑک کا تعین کیا۔ اس وقت میں راستہ بھٹکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ روانگی کے نصف گھنٹے بعد ہم اس پہاڑی قصبے میں داخل ہوئے۔ یہاں بجلی تھی اور شاید ایک ہزار گھر تھے۔ سڑک کے ساتھ ہوٹل اور دکانیں تھیں۔

○.....❖.....○

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
چودھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ تھرتھرا دینے والا سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا منظور تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414

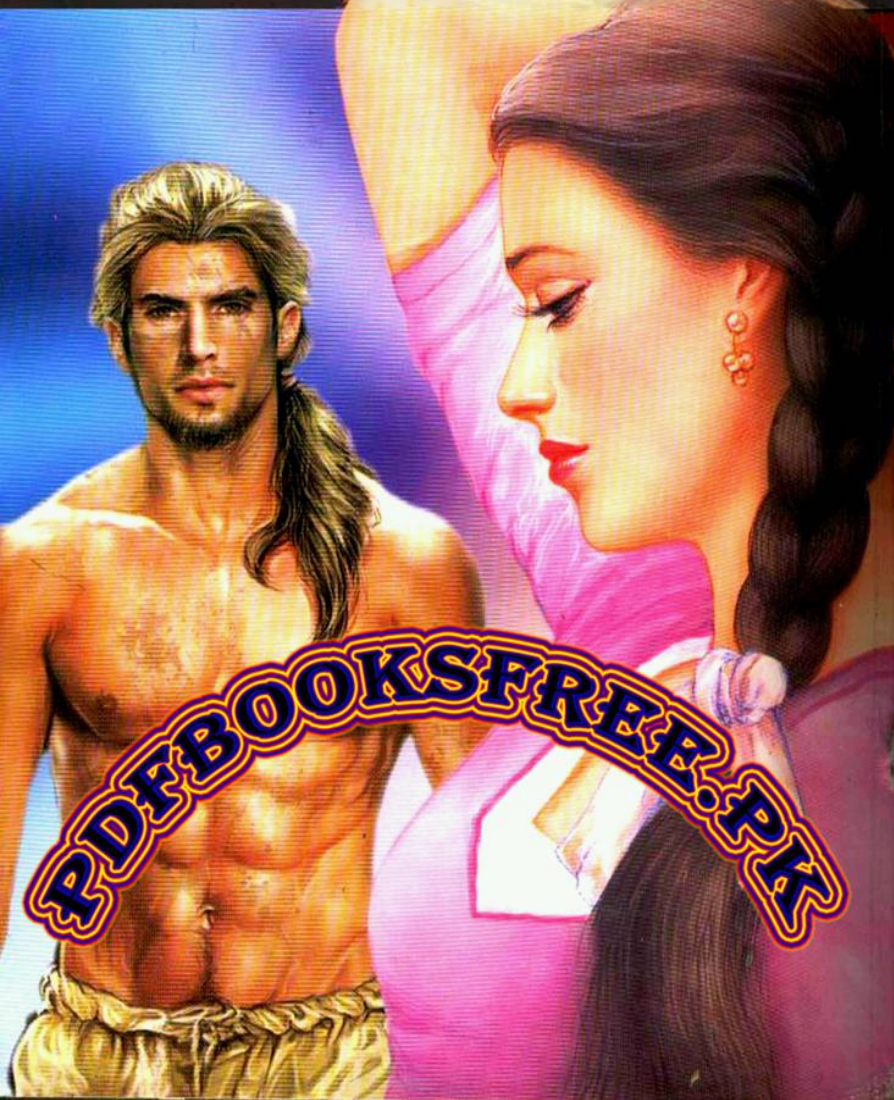
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

14



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

چودھواں حصہ

کاشف زبیر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ہوٹل ابھی بھی کھلا ہوا تھا۔ پک اپ کی آواز سن کر اندر سے ایک نوعمر لڑکا نکلا۔ وہ یقیناً ویٹر تھا اور اتنی سردی میں کسی گاہک کے چکر میں باہر آیا تھا۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی اردو یا ہندی میں پوچھا۔

"کیا چاہئے..... ؟ کھانا ہے..... کمرہ بھی ہے۔"

"میرے ساتھ دو زخمی ہیں ہمیں کسی اسپتال یا ڈاکٹر کا بتاؤ۔"

"میرے کو نہیں پتا۔" اس نے رکھائی سے کہا ایک نظر میں موجود افراد کو دیکھا اور واپس مڑ گیا۔ میں نے عجلت میں اسے آواز دی۔

"اے ایک منٹ میں تمہیں پانچ سو روپے دوں گا۔"

میری بات نے وہ اثر کیا جو طاقتور ترین میگنٹ بھی لوہے پر نہیں کرتا ہے۔ وہ پلٹ کر کھنچا چلا آیا۔

"کیا..... کیا دے گا۔"

"پانچ سو روپے۔" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم مجھے اسپتال یا ڈاکٹر تک پہنچاؤ گے۔"

"پہلے پانچ سو روپیہ دو۔"

میں نے پانچ سو والی گڈی سے ایک نوٹ کھینچ کر اس کی طرف بڑھایا وہ لینے لگا تو میں نے کہا۔ "اندر آؤ۔"

وہ جھجکا لیکن پھر لالچ غالب آ گیا شاید وہ سارا دن کام کر کے چالیس پچاس روپے کماتا ہو گا اس کے لئے پانچ سو روپے بہت بڑی رقم تھی۔ وہ اندر آ گیا۔ میں نے اسے نوٹ دیا۔ "اب بتاؤ ڈاکٹر کہاں ہے۔"

"ادھر اسپتال نہیں..... ڈسپنسری ہوتا..... ڈاکٹر بھی ادھر ہی رہتا۔"

اس کا مطلب تھا کہ ڈاکٹر بھی ڈسپنسری میں یا اس کے پاس رہتا تھا مجھے تسلی ہوئی۔ میں اس کی رہنمائی میں پک اپ آگے بڑھاتا گیا۔ اسے بٹھاتے وقت میں بھول گیا کہ اسلحے والا بیگ آگے فرنٹ سیٹ کے سامنے رکھا تھا لڑکے کے پاؤں اس سے ٹکرائے تو اندر سے لوہا بجنے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ "اس میں کیا ہوتا؟"

"اوزار ہیں۔" میں نے جواب دیا مگر اس کا ردعمل بتا رہا تھا کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ بیگ میں کیا ہے۔ اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسم اکڑ گیا تھا اور وہ مجھ سے ذرا دور ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر اور ڈسپنسری دونوں اوپر تھے۔ پک اَپ فور وہیل ڈرائیو تھی اس لیے کسی نہ کسی طرح اس نہایت ترچھے راستے پر اوپر چڑھ گئی۔ درحقیقت پورا قصبہ ہی بہت ترچھی ڈھلان پر آباد تھا۔ یہ پیدل کے راستے تھے جن پر میں گاڑی چڑھا لایا تھا۔ شکر ہے ڈسپنسری کے سامنے جگہ ہموار اور بڑی تھی وہاں آرام سے پک اَپ پارک ہو گئی۔ لڑکے نے کہا۔ ''اب ہم جاتا..... ادھر مالک انتظار کرتا۔''

''ضرور جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''پر یاد رکھنا کسی سے ہمارے بارے میں کچھ الٹا سیدھا کہا تو ہم آ جائیں گے اور تم سے صرف پانچ سو نہیں تمہاری جان بھی لے جائیں گے۔''

وہ سہم گیا۔ ''ہم کسی سے نہیں بولے گا۔''

''اگر نہیں بولا تو نیچے ہوٹل میں رہتا جاتے ہوئے پانچ سو اور دے کر جائے گا۔'' میں نے اسی کے لہجے میں کہا۔ ''یہ تو ڈسپنسری ہے ڈاکٹر کدھر ہوتا ہے؟''

''وہ اوپر والا اس کا گھر ہے نیچے سے گھنٹی بجاؤ تو وہ آ جائے گا پر مریض دیکھنے کی فیس لے گا۔''

میں نیچے اتر آیا۔ لڑکا نیچے چلا گیا اور میں نے گھنٹی بجائی۔ اوپر سے کوئی چلایا۔ ''کائے کو آیا ہے..... اتی رات گئے۔''

''مریض ہے اس لیے آیا ہے۔'' میں نے نیچے سے جواب دیا لہجے سے ڈاکٹر جنوب کا لگتا تھا۔ ڈسپنسری سرکاری تھی لیکن لڑکا بتا چکا تھا کہ وہ فیس لیتا ہے یعنی آدمی بدعنوان تھا اور ایسے آدمی سے ڈیل کرنا بہتر ہوتا ہے۔ بانو کے سر میں چوٹ آئی تھی لیکن شیام کا زخم گولی کا تھا۔ ڈاکٹر اس کی پولیس رپورٹ پر اصرار کرتا لیکن وہ نوٹوں والا آدمی تھا اس لیے امید تھی کہ پولیس رپورٹ پر اصرار نہیں کرے گا اور ملنے والے نوٹوں سے سروکار رکھے گا۔ ایک منٹ بعد گنجا، کالا اور چھوٹے قد کا ڈاکٹر نیچے آیا۔ اس کی شکل پر وہی مکروہ پن تھا جو اس مقدس پیشے کو کاروبار بنا لینے والوں کے چہرے پر ہوتا ہے مگر اس وقت ہمیں اپنا کام نکلوانا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔

''کس کو دیکھنا ہے؟''

''دو زخمی ہیں، راستے میں حادثہ پیش آ گیا تھا۔ ایک لڑکی بے ہوش ہے۔''

اس نے سر ہلا کر ڈسپنسری کا تالہ کھولا اور زخمیوں کو اندر لانے کو کہا۔ میں نے بانو کو اٹھایا جب کہ رینا نے شیام کو سہارا دیا اور اوشا خود چلی آئی یوں ہمارا سارا قافلہ اندر پہنچ گیا۔

ڈاکٹر نے بدمزگی سے دیکھا۔ ''یہ جلوس کدھر کو لاتا ہے۔''

''ڈاکٹر باہر سردی بہت ہے دوسرے ہم تمہیں ہر چیز کی ادائیگی کریں گے۔ اس لیے اعتراض اور بحث مت کرو مریضوں کو دیکھو۔ پہلے اس لڑکی کو دیکھو اس کے سر پر شدید چوٹ ہے۔''

ڈاکٹر نے بانو کو دیکھا تو اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے اس نے کہا۔ ''اسے اندر لاؤ۔''

اندر ایک چھوٹا سرجیکل روم تھا۔ میں نے بانو کو ٹیبل پر لٹایا۔ ڈاکٹر نے اس کا زخم دیکھا اور جلدی سے ایک الماری سے ایک شیشی نکال کر اس کی دو اسرنج میں بھر کر بانو کو نس میں انجکٹ کر دی اور پھر اس کی نبض اور گھڑی پر نظر رکھ کر دیکھنے لگا۔ ایک منٹ بعد اس نے بانو کا ہاتھ چھوڑا اور بولا۔ ''چوٹ ٹھیک نہیں ہے اس انجکشن کا اثر نہیں ہوا ہے ایک اور انجکشن دے گا اگر اس کا اثر بھی نہیں ہوا تو لڑکی کو کسی بڑے اسپتال لے جانے کا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا دماغ متاثر ہوا ہے؟''

''سر کا چوٹ ہے اور کیا ہوئے گا'' اس نے کہا اور الماری سے ایک انجکشن نکال کر اس کی سیل توڑی اور سرنج میں بھر کر اسے بانو کے بازو میں لگا دیا۔ ''انٹرنل بلیڈنگ ہو سکتا ہے۔''

میرے اندر رفتہ رفتہ غصہ ابھرنے لگا تھا۔ راج کنور کے پہلے ہی مجھ پر کئی قرض تھے اور اس نے بانو کے قرض کا بھی اضافہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگا کر بتایا۔ ''ابھی آدھے گھنٹے بعد پتا چلے گا کیا ہوا ہے۔''

''ٹھیک ہے تب تک تم دوسرے آدمی کو دیکھو اسے گولی لگی ہے۔''

''گولی۔'' وہ بدکا۔ ''یہ پولیس کیس ہے۔''

''پولیس کو کیا پتا۔'' میں نے انڈین روپے کی ہزار والی گڈی نکالی اور اس میں سے دو نوٹ نکال کر ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیئے۔ ''یہ رکھو، یہ معاوضہ نہیں ہے اس زحمت کا شکریہ ہے جو تمہیں ہوئی ہے۔''

ان دو نوٹوں نے اس کی مزاحمت آن واحد میں ختم کر دی تھی اور اس نے یوں نوٹ لے کر جیب میں ڈالے جیسے اس کا حق تھے۔ وہ باہر آیا شیام کا معائنہ کیا اور پھر اسے بھی سرجیکل روم میں لے آیا ٹیبل پر بانو لیٹی تھی اس لیے اسے پھیل جانے والی کرسی پر بٹھایا۔ پہلے اسے زخم سن کرنے والا انجکشن دیا اور زخم صاف کیا۔ اس کے بعد اپنے آلات گرم پانی سے صاف کیے۔ گرم پانی کے لیے وہاں برنر اور شیشے کا برتن موجود تھا۔ نوٹ لینے کے بعد اس نے پھر کوئی سوال نہیں کیا کہ کیا ہوا تھا اور گولی کیسے لگی؟ اسے شیام کے پاس چھوڑ کر میں باہر آیا جہاں رینا اور اوشا بیٹھے تھے۔ اوشا نے بانو اور رینا نے شیام کے بارے میں پوچھا۔ ''شیام ٹھیک ہے، ڈاکٹر اس کی گولی نکال رہا ہے لیکن بانو کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

اوشا پریشان ہو گئی۔ ''تب کیا ہو گا رے؟''

''شاید اسے کسی بڑے اسپتال لے جانا پڑے لیکن ابھی ڈاکٹر نے آدھے گھنٹے کا کہا ہے۔''

میں سوچ رہا تھا کہ بانو کو کسی بڑے اسپتال لے جانا خطرناک ہو سکتا تھا کیونکہ وہاں ہماری شناختی دستاویزات مانگی جاتیں اور مشکوک ہونے کی صورت میں پولیس کو کال کی جا سکتی تھی لیکن ڈاکٹر نا کام رہتا تو بانو کو اسپتال لے جانا بھی لازمی تھا۔ گویا خطرہ مول لینا پڑتا۔ دوسری طرف رامن اینڈ کمپنی بھی ہماری تلاش میں ہو سکتی تھی۔ یہ قصبہ اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھا بلکہ پہلی آبادی یہی تھی اور رامن یہاں لازمی تلاش کرتا۔ وہ سب سے پہلے ہوٹلوں میں پوچھتا اور اس کے بعد یہاں تک آنا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ میں واپس ڈاکٹر کے پاس آیا۔ وہ شیام کے زخم سے گولی نکال چکا تھا اور اب پٹی لگا کر خون روک رہا تھا۔ شیام کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا مگر اب اس پر تکلیف کے آثار نہیں تھے۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''سنو ہم بھوکے پیاسے ہیں اگر کھانے پینے کو مل جائے تو ہم ادائیگی کریں گے؟''

''کھانا مل جائے گا چائے بھی ملے گا۔'' اس نے کہا۔ ''پانی ادھر ڈسپنسری میں بہت ہے۔ کھانا چائے کچھ دیر بعد ملے گا۔''

اس کا مطلب تھا کہ وہ یہاں سے فارغ ہو کر ہمارے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرے گا۔ اپنا کام وہ ختم کر چکا تھا۔ صورت اور کردار سے قطع نظر وہ ماہر ڈاکٹر تھا اس نے بہت تیزی سے بانو اور شیام کو ٹریٹ منٹ دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ میں بانو کے پاس آیا کلائی سے اس کی نبض دیکھی۔ پہلے کے مقابلے میں مجھے اس میں معمولی سی بہتری نظر آئی تھی۔ اس کا سانس بھی دھیما لیکن باقاعدگی سے چل رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ دماغ پر لگنے والی چوٹ فی الحال خطرناک نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے شیام کی پٹی سے فارغ ہو کر بانو کے سر کی بینڈیج کی لیکن اس نے زخم پر ایسی کوئی چیز نہیں رکھی جس سے خون رک جاتا یا زخم پر دباؤ آتا۔ آدھے گھنٹے میں سے بیس منٹ گزر چکے تھے۔

اپنا کام کر کے ڈاکٹر نے دوسرے کمرے میں جا کر فون اٹھا کر کسی کو مراٹھی زبان میں ہدایت دی۔ مجھے صحیح سے معلوم نہیں تھا بس اندازہ تھا کہ یہ مراٹھی زبان ہے۔ وہ شاید کھانے کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ میں نے درمیان میں مداخلت کی۔ ''ہم ویجی ٹیرین ہیں میٹ نہیں کھاتے۔''

''ادھر بھی میٹ نہیں ہوتا ہے۔'' اس نے تسلی دی۔ ''ابھی بیس منٹ میں سب آجائے گا۔''

میں نے ہچکچا کر کہا۔ ''ڈاکٹر ہمارے ساتھ ایک مسئلہ اور ہے ہمیں کپڑے بھی چاہئیں۔ یہ کپڑے موسم کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہیں۔''

''ادھر نیچے کپڑے کا دکان ہے۔ پر وہ صبح کھلے گا۔''

''ہم صبح تک انتظار نہیں کر سکتے ہیں۔ راستے میں سردی سے بچاؤ کے لیے کپڑے مل سکتے ہیں۔ اگر دکان والا ہمارے لیے زحمت کرے تو ہم اسے قیمت سے اوپر دیں گے۔''

اس نے سوچ کر کہا۔ ''اگر تم کو ایمرجنسی ہے تو دکان ابھی کھل سکتا ہے میرے جاننے والے کا دکان ہے۔ پر وہ بیوپاری ہے اس وقت اپنی مرضی کا قیمت لے گا اور ایک پیسہ بھی کم نہیں کرے گا۔''

میں خوش ہو گیا۔ ''یہ اچھی بات ہے اپنے جاننے والے کو بلاؤ میں اسے زیادہ معاوضہ دوں گا۔''

ڈاکٹر نے کسی کو کال کی اور اس سے بھی مراٹھی میں بولتا رہا انداز ایسا تھا جیسے لڑ رہا ہو۔ اس نے فون بند کیا اور بولا۔ ''بہت کھڑوس بڈھا ہے پر بزنس کا معاملہ ہے ابھی ادھر آئے گا۔''

''لڑکی کا کیا حال ہے؟''

وہ سرجیکل روم میں آیا جہاں بانو بدستور بے سدھ پڑی تھی اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی نبض، دل کی دھڑکن اور آنکھ کی پتلی کا معائنہ کیا اور پھر سر ہلایا۔ ''کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے اب اسے بڑے اسپتال لے جانے کا ہے؟''

''بڑا اسپتال کہاں ملے گا؟''

''ادھر شملہ میں ملے گا۔''

میں فکر مند ہو گیا۔ ''شملہ یہاں سے دور ہے۔''

''کدھر دور ہے بابا..... سو میل کا دوری ہے یہاں سے۔ یہ مانڈی کا علاقہ ہے شملہ تھوڑا دور ہے۔''

وہ جو نام لے رہا تھا وہ سب میرے لیے اجنبی تھے۔ مجھے بس اتنا معلوم تھا کہ ہم بھارتی ریاست ہماچل پردیش میں تھے اس کے کس علاقے میں تھے اور وہ کسی دوسری جگہ سے کتنا دور تھا یہ بالکل پتا نہیں تھا۔ اس کی اطلاع نے مجھے مایوس کیا تھا میں سمجھ رہا تھا کہ بانو کی حالت شاید بہتر ہو جائے اور شاید اسے کسی باقاعدہ اسپتال لے جانے کی ضرورت نہ پڑے مگر اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور اب اسے کسی بڑے اسپتال لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''اس کی حالت کو کوئی فوری خطرہ تو نہیں ہے؟''

''ابھی تو نہیں ہے لیکن بے ہوشی کا نائم جیسے جیسے بڑھے گا خطرہ بڑھتا جائے گا۔''

تھوڑی دیر میں اوپر سے ایک لڑکا بڑے سے تھال میں گرما گرم پوریاں اور بھاجی لے آیا۔ ساتھ میں اچار اور چٹنی بھی تھی۔ بھوک نہیں تھی حالانکہ دال چاول کب کے ہضم ہو چکے تھے مگر حالات نے بھوک اڑا دی تھی خاص طور سے بانو کی حالت نے۔ مگر جسم کی گاڑی چلانے کے لیے کھانا ضروری تھا۔ میں نے اوشا اور رینا کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ شیام کے لیے بڑے سے گلاس میں گائے کا دودھ آیا تھا جس پر دیسی گھی تیر رہا تھا۔ یہ اس کے لیے بہترین خوراک تھی۔ میں نے کھانے کے دوران رینا سے کہا۔ ''میرا مشورہ ہے تم لوگ یہیں رہ جاؤ۔''

''یہاں کیسے؟'' وہ پریشان ہو گئی۔ ''ہم بالکل خالی ہاتھ ہیں اور کچھ بھی نہیں ہے۔''

''میں تم کو اتنی رقم دے جاؤں گا کہ تمہارے نقصان کی تلافی بھی ہو جائے گی اور تم لوگ آرام سے چند دن یہاں رہ سکو گے۔ اس دوران میں شیام کی حالت ٹھیک ہو جائے گی اور پھر تم واپس جا سکو گے۔''

رینا نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے لیکن کیا تم ہم پر اعتماد کر سکتے ہو؟''

''کیا مطلب؟''

''تمہارے جانے کے بعد ہم پولیس کو اطلاع دے سکتے ہیں۔''

''اس صورت میں تمہیں اس رقم سے ہاتھ دھونا پڑیں گے جو میں تمہیں دے کر جاؤں گا وہ کسی کی رقم ہے جو میں نے اس سے زبردستی لی ہے۔ اگر تم چھپاؤ گی تب بھی پولیس اگلوا لے گی اور تم جانتی ہو پولیس کس طرح اگلواتی ہے۔ پولیس کو اطلاع دے کر تم خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارو گی۔''

رینا سہم گئی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہم کسی سے نہیں کہیں گے۔''

میں نے ایک یورو کی گڈی نکال کر اسے دی۔ ''یہ ایک لاکھ یورو ہیں بھارتی روپے میں ساٹھ لاکھ روپے بن جائیں گے۔ میرا خیال ہے تمہاری گاڑی اور ٹریلر کی قیمت اس سے کم ہی ہو گی۔ اس میں تم دونوں چیزیں نئی لے سکتے ہو۔''

وہ خوش ہو گئی۔ ''تھینک یو۔''

میں نے اسے دس ہزار بھارتی روپے بھی دیئے۔ ''یہ مقامی اخراجات کے لیے ہیں یورو چھپا کر رکھنا کسی کو پتا چل گیا تو اس رقم کے لیے تمہیں قتل بھی کر سکتا ہے۔''

رینا نے فوری طور پر رقم اپنے گریبان کے سیف میں غائب کر لی۔ ڈاکٹر سرجیکل روم میں تھا اس لیے میں نے موقع دیکھ کر یہ بات کر لی۔ میرے ذہن میں تھا کہ میں ان دونوں کو یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ یہی نہیں میں نے پک اَپ بھی چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس کا ذکر ان لوگوں کے سامنے ضروری نہیں تھا۔ کھانے کے فوراً بعد گرما گرم چائے آ گئی اور اس کے بعد ہم کچھ ضروریات سے فارغ ہوئے۔ اس دوران میں ڈاکٹر کا واقف کار آ گیا تھا وہ ڈاکٹر کا دوسرا نمونہ تھا۔ میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور ڈاکٹر سے کہا۔ ''تمہارا واقف کار تم سے کچھ زیادہ ہی نہیں ملتا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''کیونکہ یہ میرا سگا بھائی ہے پربھگوان کسی دشمن کو بھی ایسا بھائی نہ دے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک کہا۔'' اس کے بھائی نے اس کے خیال سے اتفاق کیا۔ ''تیرے جیسا بھائی دینے سے بہتر ہے نرکھ بھیج دے۔''

''وہاں تم جائے گا اپنے کرتوت کی وجہ سے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا اور اس سے پہلے یہ برادرانہ لڑائی طول کھینچتی میں نے سیز فائر کرایا۔

''بس آج کے لیے اتنا کافی ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

''سجاش گپتا۔''

''اس کی بیوی اوباش گپتا بولتی ہے۔'' ڈاکٹر نے مداخلت کی جس پر بھائی نے اسے خونی نظروں سے دیکھا تھا اور انکشاف کیا کہ ڈاکٹر شوکیہ گپتا کو اس کی بیوی کیا کہتی تھی۔ شوکیہ کا ہم قافیہ یہ لفظ قطعی ناقابلِ اشاعت تھا۔

''ڈاکٹر پلیز..... یہاں خواتین بھی ہیں۔ آپ دونوں اپنے خاندانی معاملات خاندان تک محدود رکھیں۔ میرے ساتھ ایک شدید زخمی خاتون ہے جسے فوری کسی بڑے اسپتال منتقل کرنے ضرورت ہے۔'' اس بار میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا اور ڈاکٹر شوکیہ کو مزید دو ہزار پیش کیے جو اس نے بلا جھجک قبول کر لیے اس کا مطلب تھا کہ یہ معقول فیس تھی۔ سجاش گپتا کے ساتھ روانہ ہونے سے پہلے میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''میرے یہ ساتھی صبح تک تمہارے ساتھ ہوں گے پھر ان کی کسی ہوٹل تک رہنمائی کر دینا جہاں یہ چند دن رک سکیں۔''

''تم فکر مت کرو۔'' اس نے مسرور لہجے میں کہا۔ چند گھنٹوں میں چار ہزار کما کر وہ خوش تھا۔ کسی بڑے شہر کا ڈاکٹر ہوتا تو اسی کیس کے دو تین گنا زیادہ وصول کر لیتا۔

میں نے اوشا کو وہیں رکنے اور بانو کی دیکھ بھال کرنے کو کہا۔ سجاش گپتا کی دکان نیچے سڑک پر تھی۔ رات گہری ہونے کے ساتھ دھند بھی اتر آئی تھی اس لیے بیس گز کے بعد کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دکان چھوٹی تھی لیکن سجاش گپتا نے اس میں دنیا جہان کا مال ٹھونس رکھا تھا۔ نومولود بچے سے لے کر سات فٹ قد و قامت کے شخص کے کپڑے اس کے پاس دستیاب تھے۔ میں نے اپنے لیے دو عدد جینز پینٹس اور شرٹس کے ساتھ ہلکی جیکٹ لے لی۔ تقریباً ایسے ہی لباس اوشا کے لیے لیے۔ البتہ بانو کے لیے ایک گرم جیکٹ اور چھوٹا کمبل لے لیا۔ سجاش گپتا کے پاس جوتے بھی تھے۔ اپنے لیے جوگرز لیے اور اوشا کے لیے ایسے لیدر شوز لیے جن میں چلنے پھرنے میں آسانی ہو۔ یہ سارا سامان ایک بیگ میں آ گیا اور سجاش گپتا نے موقع سے فائدہ اٹھا کر تین گنا دام مانگے جو میں نے ادا کیے تو وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچا تھا اس کا خیال تھا کہ بھاؤ تاؤ کے بعد میں اسے دو گنے دے دوں گا۔

''ایک چیز اور چاہیے۔'' میں نے کہا تو وہ دل و جان سے مہیا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

''حکم کرو جی۔''

''میرے پاس پک اَپ ہے لیکن مجھے بے ہوش مریضہ کو لے جانا ہے اس کے لیے گاڑی درکار ہے۔''

''ادھر ٹیکسی تو نہیں ملے گی لیکن پرائیویٹ کار ہو گی۔'' اس نے کہا۔ ''ایک لونڈا ہے رپن کمار وہ چلاتا ہے۔''

''اسے بلا لو میرے پاس وقت کم ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ رات کو جاتا تو نہیں ہے لیکن میں بات کرتا ہوں۔'' اس نے موبائل نکالا۔

''اس سے کہنا میں نارمل کرائے سے دوگنا دوں گا اور ٹپ الگ ملے گی۔''

خاصی دیر بعد رپن کمار نے کال ریسیو کی اور سبھاش گپتا کو بے نقط سنائیں۔ جواب میں اس نے بھی بہت کچھ کہا اور پھر میرے اشارے پر اصل بات پر آیا۔ پہلے تو رپن کمار نے اس وقت سورگ جانے سے بھی انکار کیا لیکن جب سبھاش گپتا نے میری پیشکش دھرائی تو وہ نرکھ جانے پر بھی راضی ہو گیا۔ وہ دس منٹ بعد آ گیا۔ نام کے برعکس وہ کسی قسم کا کمار نہیں لگ رہا تھا اس کے بجائے چینی فلموں کا ایکسٹرا لگ رہا تھا کیونکہ اس کے نقوش چینی تھے۔ اس ریاست میں رہنے والے مقامی افراد کے نقوش تبتی ہیں جو چینیوں سے مشابہ ہیں۔ وہ بیس اکیس برس کا نوجوان تھا اور گاڑی اصل میں اس کے باپ کی تھی لیکن ان دنوں وہ دلی گیا ہوا تھا۔

''کہاں جانا ہے؟'' اس نے آتے ہی پوچھا۔ ''کتنا لوگ ہے؟''

''شملہ جانا ہے اور تین افراد ہیں۔'' میں نے بتایا۔ ''ایک مریضہ ہے اسے جلد از جلد شملہ کے کسی اچھے اسپتال تک پہنچانا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تین ہزار ہوں گے۔''

''منظور ہے اگر تم نے جلدی اور آرام سے پہنچایا تو انعام الگ ملے گا۔''

اس نے سر کھجایا۔ ''جلدی اور آرام سے..... دونوں کام ایک ساتھ؟''

''مطلب یہ کہ رفتار تیز ہی رکھنا لیکن گاڑی کو جھٹکے نہ لگیں بیمار کو تکلیف نہ ہو۔'' میں نے سمجھایا۔ ''اب تم فٹا فٹ گاڑی شوکیہ گپتا کی ڈسپنسری تک لے آؤ۔''

میں واپس آیا سبھاش گپتا دکان میں رہ گیا تھا۔ اوشا اور رینا میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے اوشا کو کپڑے دیئے۔ ''یہ پہن کر آؤ۔''

وہ باتھ روم میں چلی گئی میں رینا کے ساتھ شیام کے پاس آیا وہ مزید بہتر حالت میں تھا۔ ڈاکٹر شوکیہ اوپر چلا گیا تھا اس لیے میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر شیام سے بھی بات کر لی اور اسے سمجھا دیا کہ پولیس یا میرے دشمنوں کے پاس جانے کی صورت میں نقصان انہیں ہو گا۔ ''میں نے رینا کو ایک لاکھ یورو کی رقم دے دی ہے جو تمہارے کُل نقصان سے کئی گنا زیادہ ہے اور میں پک اَپ بھی چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر رینا کو ڈرائیونگ آتی ہے تو تم کل ہی یہاں سے جا سکتے ہو۔''

''ہم پولیس کے پاس نہیں جائیں گے اور نہ ہی ان لوگوں سے رابطہ کرنے کا ارادہ ہے۔'' شیام نے مجھے یقین دلایا۔

''تم لوگوں کی عافیت اسی میں ہے کہ جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ ورنہ ان لوگوں کی سفاکی تم دیکھ چکے ہو۔'' میں نے اسے مزید ڈرایا۔ ''اگر ان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ اذیت دے کر ماریں گے۔''

رینا اور شیام کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔ اوشا لباس بدل کر آئی۔ پینٹ شرٹ دونوں اس کے ناپ کے مطابق تھے اور وہ ان میں کہیں اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد میں نے کپڑے بدلے۔ پھر اوشا کی مدد سے بانو کو جیکٹ پہنائی۔ رپن کمار اپنی نسان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کار لے آیا تھا یہ سولہ سترہ سال پرانی کار تھی لیکن بہترین حالت میں اور اندر سے خاصی کشادہ تھی ہمیں ایسی ہی گاڑی درکار تھی۔ میں نے بانو کو اٹھا کر اس کی عقبی نشست پر لٹایا اور اوشا بھی وہیں ایک کونے میں آ گئی وہ بانو کو بھی سنبھالتی۔ اس پہاڑی راستے پر جھٹکے لازمی تھے۔ میں آگے آ جاتا۔ میں نے رپن کمار سے کہا۔ ''ڈکی کھولو سامان رکھنا ہے۔''

وہ ڈکی کھولنے لگا اور میں پک اَپ کی طرف آیا تا کہ اسلحے والا بیگ لے سکوں لیکن جب میں نے دروازہ کھولا تو مجھے فرنٹ سیٹ کے آگے خلا نظر آیا تھا۔ ہاتھ مارنے پر تصدیق ہو گئی وہاں سے بیگ غائب تھا۔ یک دم میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی اور میں نے بے ساختہ آس پاس دیکھا۔ میرے پاس صرف ایک پستول تھا اور اگر رامن اینڈ کمپنی یہاں آ گئی تھی تو اس ایک پستول سے مقابلہ مشکل تھا۔ مگر جہاں تک نظر جاتی تھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں واپس کار تک آیا اور ڈکی میں کپڑوں والا بیگ رکھا۔ رینا باہر آئی تھی۔ میں نے اسے پک اَپ کی چابی دی۔

''ہوشیار رہنا دشمن یہاں بھی آ سکتا ہے۔''

اس کا رنگ اڑ گیا۔ ''اب مجھے ڈر لگ رہا ہے تمہارے جانے کے بعد وہ آ گئے تو.....؟''

اب تک مجھے آس پاس کوئی مشکوک فرد نظر نہیں آیا تھا بلکہ سرے سے کوئی آدمی ہی نہیں تھا سردی میں سب اپنے گھروں میں مقید ہو گئے تھے ویسے بھی شہروں سے ہٹ کر گاؤں دیہات میں جلد سونے کا رواج ہے۔ کچھ دیر بعد مجھے لگنے لگا کہ اسلحے والے بیگ کی گمشدگی رامن اینڈ کمپنی کا کام نہیں تھا اگر وہ یہاں تک آئے ہوتے تو صرف اسلحہ غائب کرنے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اب تک دھاوا بول چکے ہوتے۔ ہم سب سامنے تھے اور میں صرف ایک پستول سے مسلح تھا۔ رامن کے پاس مجھ پر قابو پانے یا مجھے قتل کرنے کا اس سے بہتر موقع اور کیا ہوتا۔ یہ سب سوچتے ہوئے میرے ذہن میں ایک خیال آ رہا تھا۔ میں نے رینا کو مشورہ دیا۔ ''پک اَپ یہاں سے ہٹا کر کھڑی کرو اور ڈسپنسری کے اندر رہنا۔''

''نہیں ڈاکٹر ہمیں اپنے مکان میں لے جا رہا ہے۔''

''یہ اور اچھی بات ہے۔'' میں نے کہا اور رپن کمار کے ساتھ والی سیٹ پر آ گیا۔ ''اپنا خیال رکھنا۔''

''تم لوگ بھی۔'' رینا نے ہاتھ ہلایا۔

رپن کمار کار بہت احتیاط سے نیچے لایا تھا۔ اس کے ٹائر اتنے گرپ والے نہیں تھے اور بعض جگہوں پر تو پھسل رہے تھے بہرحال ہم کسی نہ کسی طرح نیچے آ گئے۔ اس نے کار آگے بڑھانے کا ارادہ کیا لیکن میں نے اسے ہوٹل کے سامنے رکوایا اور اندر آیا جہاں کاؤنٹر پر ایک مقامی آدمی اونگھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تمہارے ہوٹل میں ایک لڑکا کام کرتا ہے پندرہ سولہ سال کا ہو گا سر پر سرخ اونی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔''

''رگھو۔'' آدمی نے کہا۔

''ہاں.....

''وہی مجھے اسے ٹپ دینا تھی۔ وہ کہاں ہے؟''

آدمی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ حرامی تو چلا گیا۔ نوکری چھوڑ گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہاں گیا اس کا گھر کہاں ہے۔''

''پیچھے پہاڑوں میں کہیں رہتا ہے یہاں کام کرتا تھا لیکن ابھی کچھ دیر پہلے آیا اور اپنا حساب کر کے چلا گیا۔''

لڑکا میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا تھا اس نے اسلحے والا بیگ دیکھ لیا تھا اور موقع پا کر اسے نکال لیا۔ اسے اسلحے کی قیمت کا اندازہ تھا اسی لیے وہ عجلت میں نوکری چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ اسلحہ وہ اچھے داموں فروخت کر سکتا تھا۔ اس پورے خطے میں غیر ملکی اسلحے کی مانگ تھی اسے گاہک تلاش کرنے میں دشواری پیش نہ آتی۔ میرے پاس وقت نہیں تھا کہ اس کے پیچھے جاتا۔ اگر بانو کا مسئلہ نہ ہوتا تو شاید میں جانے کا سوچتا لیکن اس وقت میں بالکل نہیں جا سکتا تھا۔ میں آدمی کا شکریہ ادا کر کے باہر آ گیا۔ رپن کمار نے کوئی سوال کیے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس میں ہیٹر نہیں تھا لیکن بند کھڑکیوں کے ساتھ اس کی ضرورت نہیں تھی اور جیسے جیسے ہم نیچے جاتے موسم اور بہتر ہو جاتا۔ شملہ کے بارے میں، میں صرف اتنا جانتا تھا کہ کسی زمانے میں وہاں شملہ معاہدہ ہوا تھا اور یہ گرمائی تفریحی مقام تھا۔ البتہ رپن کمار شملہ کے بارے میں خاصا جانتا تھا۔ اس نے مجھے تفصیل سے بتایا۔

''صاحب یہ عجیب جگہ ہے ادھر ایک ہی وقت میں ایسا موسم ہوتا ہے کہ آدمی کوٹی شرٹ میں گرمی لگتی ہے اور شہر کے اوپر والے حصے میں آدمی کو گرم کپڑوں کے ساتھ جیکٹ لینا پڑتی ہے۔ ادھر عام کپڑوں میں گزارا نہیں ہوتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے صاحب کہ شملہ کا نچلا حصہ صرف تین سو میٹرز اونچا ہے سی لیول سے اور اوپر والا حصہ بائیس سو میٹرز اونچا ہے۔ تو فرق ہوا ناں؟''

یہ واقعی حیرت انگیز بات تھی کہ ایک ہی شہر میں بلندی کا اتنا فرق تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ لاہور اور مری کی بلندی کا فرق تھا جو ایک ہی شہر میں پایا جاتا ہے۔ اسلام آباد بھی پانچ سو میٹرز بلند ہے۔ اس کے پاس بلند ترین جگہ دامن کوہ کے اوپر والے پہاڑ ہیں جو تقریباً ستر سو میٹرز اونچے ہو جاتے ہیں۔ رپن کمار نے بتایا کہ سردیوں میں جب اوپر شدید برف پڑتی ہے تو وہاں کے رہنے والے نیچے آ جاتے ہیں۔ نیچے بھی سردی تو اچھی خاصی ہوتی ہے لیکن برف نہیں پڑتی ہے۔ میں رپن کمار کی باتوں سے ذہن بٹانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بانو کے لیے تشویش بڑھ رہی تھی۔ جب ہم روانہ ہوئے تو اسے بے ہوش ہوئے تقریباً تین گھنٹے گزر چکے تھے اور اس کی بے ہوشی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے خطرہ بڑھ رہا تھا اور اس سے پہلے کہ زخم اس کے دماغ کو متاثر کرتا اس کا علاج ضروری تھا۔ شملہ بڑا شہر تھا مجھے امید تھی کہ وہاں ایسا اسپتال ضرور ہو گا جہاں بانو کا علاج کیا جا سکے۔

ایک خدشہ یہ تھا کہ راستے میں پولیس نہ روک لے۔ اسے دکھانے کے لیے ہمارے پاس کوئی شناختی چیز نہیں تھی اور صرف ایک پستول کی مدد سے میں پولیس والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ رامن اینڈ کمپنی کی طرف سے مجھے اطمینان تھا کہ وہ پولیس کو خبردار نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہ خود جرم کر رہے تھے۔ مگر ساتھ ہی ایک موہوم سا خدشہ تھا کہ رامن سابق را ایجنٹ تھا وہ اپنے سورس استعمال کر سکتا تھا اور بھارت کی خفیہ ایجنسیوں کو میرے پیچھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا سکتا تھا مگر ابھی تو وہ خود مجھے تلاش کر رہا تھا۔ یہ حربہ وہ ناکام ہونے کے بعد استعمال کرتا کیونکہ میں اگر بھارتی ایجنسیوں کی گرفت میں آتا تو اس کے بھی پول پٹے کھل جاتے۔ خاص طور سے وہ کنور پیلس میں جس کھیل میں ملوث تھا یہ اس کے گلے پڑ جاتا۔ میں نے رپن کمار سے پوچھا۔ ''راستے میں چیک پوسٹ تو نہیں آتی ہیں؟''

''آتی ہیں لیکن وہ گاڑی کے کاغذات دیکھ کر جانے دیتے ہیں۔''

''تلاشی لیتے ہیں؟''

''نہیں جب تک کوئی غیر معمولی بات نہ ہو تلاشی نہیں لیتے۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ایک گھنٹے بعد پہلی چیک پوسٹ آئی اور رپن کمار چند منٹ میں کاغذات دکھا کر واپس آ گیا۔ دوسری چیک پوسٹ شملہ میں داخل ہونے سے پہلے ملی اور یہاں بھی معاملہ خیر و عافیت سے نمٹ گیا۔ کار اور ڈرائیور لینے کا یہ فائدہ ہوا کہ مجھے خود کسی سے بات نہیں کرنا پڑی۔ اگر میں پک اپ لے آتا تو مجھے پہلی چیک پوسٹ پر دھر لیا جاتا۔ چند منٹ بعد ہم شملہ کے تاریخی شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تھے اور سڑکوں پر سناٹا تھا۔ میں نے رپن کمار سے کسی اچھے اسپتال کا کہا تھا لیکن وہ یہاں اسپتالوں سے واقف نہیں تھا لیکن اس نے کہا۔ ''فکر مت کرو صاحب ادھر ہوٹل میں سارا انفارمیشن ملتا ہے۔''

شملہ انڈیا کا ٹورسٹ ہب کہلاتا ہے اور یہاں سیاحوں کی سہولت کے لیے بے شمار ادارے اور افراد کام کر رہے ہیں۔ رپن کمار نے ایک تھری اسٹار ہوٹل کے سامنے کار روکی اور اندر جا کر اسپتال کے بارے میں معلوم کر کے آ گیا۔ اس نے بانو کی حالت بتائی تھی اور ہوٹل میں چوبیس گھنٹے کھلے رہنے والے ٹورسٹ گائیڈ کاؤنٹر سے معلوم کر لیا کہ اسے کس اسپتال لے جایا جائے جہاں اسے بہترین ٹریٹ منٹ مل سکتی تھی۔ میں نے ایسی کوئی چیز پاکستان کے کسی ٹورسٹ پوائنٹ پر نہیں دیکھی ہمارے ہاں عام طور سے لوگوں کو یہی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ ان کے ہوٹل یا دکان کے آگے والی عمارت یا دکان میں کیا ہے؟ رپن کمار نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''ادھر ایک نندور ماڑسٹ ہاسپٹل ہے پر مہنگا ہے۔''

''رقم کا مسئلہ نہیں ہے لیکن ہمارے پاس کاغذات نہیں ہیں۔''

''صاحب ہوا کیا تھا؟'' رپن کمار نے پہلی بار مجھ سے کوئی سوال کیا۔

''راستے میں گاڑی کو حادثہ پیش آیا وہ سامان سمیت کھائی میں گر گئی اور ہم مشکل سے اپنی جانیں بچا سکے تھے میری بہن کو اسی دوران میں چوٹ لگی۔ ڈاکٹر شوکیہ کہہ رہا تھا کہ دماغ پر چوٹ لگی ہے۔''

اس نے مجھے تسلی دی۔ ''یہ کوئی سرکاری ہاسپٹل تھوڑی ہے جو کاغذات مانگے گا۔''

کچھ دیر بعد رپن کمار نے نندور ماہاسپٹل کے سامنے کار روکی۔ یہ وسطی شملہ میں کئی منزلہ اور خاصا بڑا ہاسپٹل تھا۔ ایمرجنسی ایریا میں کار رکتے ہی دو پیرامیڈک آگے آئے۔ میں نے اترتے ہوئے انہیں اسٹریچر لانے کو کہا۔ جب تک میں نے بانو کو گود میں اٹھا کر باہر نکالا وہ اسٹریچر لے آئے تھے۔ بانو کو اس پر لٹایا اور وہ اندر لے جانے لگے میں نے رپن کمار سے کہا۔ ''تم یہیں پارکنگ میں رکو ممکن ہے تمہاری مزید ضرورت ہو۔''

''ہم ادھر ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔

اوشا میرے ساتھ آئی تھی۔ ایمرجنسی میں موجود ڈاکٹر نے فوری طور پر بانو کو اٹینڈ کیا اور مجھ سے تفصیل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھی۔ میں نے چوٹ کی نوعیت اور ڈاکٹر شوکیہ کا خدشہ بیان کر دیا۔ اس نے کہا۔ ''سی ٹی اسکین کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے پاس رقم ہے تو بیس ہزار روپے کاؤنٹر پر جمع کرا کے رسید لے لیں ان کا سی ٹی اسکین کرنا ہے۔''

''میں جمع کراتا ہوں آپ ٹریٹ منٹ شروع کریں۔'' میں نے کہا اور کاؤنٹر پر آیا۔ یہاں بانو کا نام رینا دجے اور اپنا نام شیام دجے بتایا تھا فوری طور پر ذہن میں یہی نام آئے تھے۔ اوشا کا نام کسی نے پوچھا نہیں۔ بانو سے رشتہ بہن کا بتایا تھا جس پر اوشا خوش ہوئی تھی۔ ورنہ وہ بانو سے بھی جلنے لگی تھی۔ کوائف کے ساتھ میں نے بیس ہزار روپے جمع کرائے۔ مجھ سے میرے یا بانو کے کاغذات نہیں مانگے گئے تھے۔ اس پر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ سارے کام نمٹا کر ہم ویٹنگ روم میں آ گئے۔ یہ خاصا آرام دہ اور اضافی سہولتوں سے آراستہ ویٹنگ روم تھا۔ ایک کونے میں چائے کافی، کولڈ ڈرنک اور اسنیکس کی مشینیں لگی تھیں۔ لوگ اس میں مطلوبہ قیمت ڈال کر چیز نکال سکتے تھے۔ یہ سب کچھ مناسب داموں پر دستیاب تھا۔ سہولت کے نام پر لوٹ مار نہیں تھی۔ میں اپنے لیے کافی اور اوشا کے لیے چائے نکال لایا۔ اس نے کافی لینے سے انکار کیا تھا۔

رات کے دو بج رہے تھے اور ہم گزشتہ بیس گھنٹے سے مسلسل بھاگ دوڑ میں تھے۔ نہایت دشوار گزار سفر کیا تھا۔ باقی وقت میں بھی کوئی آرام نہیں ملا تھا اس لیے ہم دونوں کا تھکن سے برا حال تھا۔ خاصی دیر بعد پہلا موقع تھا کہ ہم سکون سے بیٹھے تھے کیونکہ اب ہمارے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ ویٹنگ روم میں نشستیں آرام دہ تھیں اس لیے اوشا تو چائے پی کر وہیں دراز ہو گئی۔ ویسے بھی اس وقت ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس لیے ہم بے تکلفی سے اٹھ بیٹھ سکتے تھے۔ میں نیم دراز تھا اور منتظر تھا کہ ڈاکٹر بانو کے بارے میں بتائے میں نے اوشا کو سمجھا دیا تھا کہ یہاں مجھے شہباز نہ کہے اور بانو کا لفظ بھی زبان پر نہ لائے۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ہم سمجھتے ہیں رے سب سن لیا ہے۔''

''دوسروں کے سامنے تم نہیں بولو گی ورنہ وہ تمہاری زبان سن کر چونک سکتے ہیں۔''

''اسی لیے تو خاموش ہیں رے۔ ہم بدھی کم رکھتے ہیں پر پاگل نہیں ہیں۔''

''تم تو خود دوسروں کو پاگل بنا دو۔''

اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھے اور مسکرائی۔ ''تو تو نہیں بنا پاگل؟''

میں اسے کیا بتاتا آدمی محبت کا پاگل پن ایک بار کرتا ہے اور میں یہ پاگل پن کر چکا تھا۔ ''میں اس قسم کا آدمی ہی نہیں ہوں۔''

''ہم نے تو آج تک ایسا آدمی ہی نہیں دیکھا۔ اگر تجھے چھو کر نہ دیکھا ہوتا تو سپنا سمجھتے۔ بھگوان سمجھتے۔''

''لاحول ولا.....''

میں نے ہڑبڑا کر کہا۔ ''میں انسان ہوں اور مجھے انسان رہنے دو۔ تم نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔''

''تو ٹھیک کہہ رہا ہے رے ابھی دیکھا ہی کیا ہے، بچپن سے جوانی تک باپو کو دیکھا۔ پھر راج محل کے لوگوں کو دیکھا۔''

''دنیا اس سے کہیں بڑی ہے اور اس میں بہت کچھ ہے اب تم وہاں سے نکل آئی ہو اس لیے بہت کچھ دیکھو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز تو ہمیں اپنے ساتھ رکھے گا نا؟''

''ہاں جب تک حالات اجازت دیتے ہیں۔''

''حالات کیا؟''

''تم دیکھ رہی ہو میں کیسے مارا مارا پھر رہا ہوں اگر حالات تمہیں مجھ سے جدا کر دیں تو میں کیا کر لوں گا۔''

''اچھا اگر ہم بچھڑ گئے تو ہمیں تلاش کرے گا؟''

''کیوں نہیں..... جب تک میں تمہارے بارے میں مطمئن نہیں ہو جاتا تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھوں گا۔''

اوشا کچھ اور پوچھنا چاہتی تھی کہ ڈاکٹر آ گیا یہ وہی ڈاکٹر تھا جس نے بانو کا معائنہ کیا تھا۔ ''ڈاکٹر رینا کیسی ہے؟''

''نائٹ بیڈ..... بٹ نائٹ گڈ۔'' اس نے جواب دیا۔ ''برین کور پر سوجن ہے۔''

''وہ ٹھیک ہو جائے گی؟''

''ہاں سوجن ریموو کرنے کے لیے ایک مائنر آپریشن کرنا پڑے گا اس کے لیے آپ کو کچھ ڈاکومنٹس سب مٹ کرنا ہوں گی۔''

''ڈاکٹر ہم دلی سے آئے ہیں اور ہماری گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اس میں سب تباہ ہو گیا رینا کو چوٹ آئی ہے اب ہمارے پاس کوئی شناختی دستاویز نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے آئیڈینٹٹی نہیں ہے تو کوئی ریفرنس دے سکتے ہیں۔ آپریشن کے لیے یہ لازمی ہے۔ اس کے بغیر آپریشن نہیں ہو گا۔''

''دیکھیے یہ اس کی زندگی و موت کا مسئلہ ہے۔''

''آئی نو..... بٹ اِٹ از رولز آف اوور ہاسپٹل..... اور میں کوئی بہت مشکل کام تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ آپ آسانی سے دلی یا پورے انڈیا سے کسی کا بھی ریفرنس دے سکتے ہیں۔ وہ شخص تصدیق کر دے کہ آپ کو جانتا ہے تو کام ہو جائے گا۔''

میں سوچ رہا تھا کہ اس دشمن سرزمین پر کس کا حوالہ دوں یہاں ایک بھی ایسا مہربان نہیں تھا جو تصدیق کرنے کے لیے تیار ہو جاتا جو جانتے تھے وہ میری جان کے دشمن تھے۔ اچانک مجھے رانا ویاس کا خیال آیا۔ راجا عمر دراز کا دوست ہونے کے ناطے وہی انڈیا میں میرا ہمدرد ہو سکتا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور ڈاکٹر سے کہا۔ ''مجھے ایک فون کی ضرورت ہے اور ڈائریکٹری بھی چاہیے۔ حادثے میں میرا سیل فون بھی برباد ہو گیا سارے کونٹیکٹس اسی میں تھے۔''

''آیئے میرے ساتھ، فون ڈائریکٹری نہیں ہے لیکن ہیلپ لائن سے آپ نام بتا کر کسی کا نمبر لے سکتے ہیں۔''

وہ مجھے ایک کمرے میں لایا اور پھر اکیلا چھوڑ گیا۔ میں نے پہلے ہیلپ لائن سے رانا ویاس کے محل کے نمبرز مانگے۔ آپریٹر نے مجھے درجن بھر نمبرز لکھوا دیئے۔ میں نے پہلا نمبر ملایا اور محل کی سنسنی خیز لہجے والی آپریٹر نے کال ریسیو کی۔ میں نے کہا۔ ''رانا صاحب سے بات کرنی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون سے رانا صاحب؟'' اس نے رس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''رانا وہاس؟''

''وہ تو اس وقت آرام کر رہے ہیں اور اس وقت کسی سے بات نہیں کر سکتے ہیں۔''

''اچھا ان کے سیکرٹری یا محل کے کسی اہم آدمی سے بات کرائیں یہ ایمرجنسی ہے۔''

''آپ نے اپنا نام تو بتایا نہیں؟''

''آپ کہہ سکتی ہیں کہ میں راجا عمر دراز کے ریفرنس سے بات کر رہا ہوں۔''

''ایک منٹ ہولڈ کریں۔'' اس نے کہا اور میوزک بجنے لگا۔ ایک منٹ بعد ایک مرد لائن پر آ گیا۔

''شاد احمد سپیکنگ آپ کون ہیں۔''

''شاد صاحب مجھے ایمرجنسی میں رانا وہاس صاحب سے بات کرنی ہے۔''

''اس کے لیے راجا عمر دراز کا حوالہ کافی نہیں ہے۔ اپنا تعارف بھی کرائیں۔''

''بعض وجوہات کی بنا پر میں اپنا تعارف نہیں کرا سکتا لیکن آپ رانا صاحب کو مزید حوالہ دے سکتے ہیں کہ ہاتھ والا بات کرنا چاہتا ہے۔ میں بتا دوں کہ یہ ایمرجنسی ہے اور رانا وہاس صاحب سے بہر صورت رابطہ لازمی ہے۔''

''آپ کچھ دیر ہولڈ کریں۔'' اس نے کہا اور پھر میوزک چلنے لگا۔ میں صبر سے انتظار کرنے لگا۔ طویل فاصلے کی یہ کال یقیناً مہنگی تھی لیکن یہ لوگ مجھ سے کال بھی چارج کر سکتے تھے۔ بیس ہزار روپے پیشگی جمع کرا کے میں نے یہ استحقاق حاصل کر لیا تھا۔ تقریباً تین منٹ بعد رانا وہاس خود لائن پر تھا اس نے مجھ سے تصدیق چاہی۔

''تم ہاتھ والے بات کر رہے ہو؟''

''اگر آپ میری آواز پہچان سکتے ہیں تو.....''

''ٹھیک ہے لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' رانا وہاس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس بار بھی خود نہیں آیا ہوں لایا گیا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میری ایک ساتھی شملہ کے نندورما ہاسپٹل میں داخل ہے اور اس کی برین سرجری ہونی ہے اس کے لیے انتظامیہ کو کسی کا ریفرنس چاہیے۔ میرے ذہن میں صرف آپ ہیں۔''

''میں سمجھ گیا میری بات کراؤ۔''

میں ہولڈ کرا کے باہر آیا ڈاکٹر موجود تھا اس نے اندر آ کر رانا وہاس سے بات کی اور جب اس نے اپنے حوالے دیئے تو ڈاکٹر فون پر مؤدب ہو گیا تھا۔ آخر میں اس نے کہا۔ ''آپ تو اتنی بڑی شخصیت ہیں کہ آپ سے بات کرنا ہی میرے لیے اعزاز کی بات ہے..... جی آپ بالکل بے فکر رہیں..... مس رینا کو مکمل کیئر دی جائے گی۔ ہمارا اسٹینڈرڈ انٹرنیشنل ہے۔'' اس نے بات کر کے فون میری طرف بڑھا دیا۔

''جی رانا صاحب۔''

''میں نے بات کر لی ہے تم اخراجات کی طرف سے بھی بے فکر رہو بل میں ادا کروں گا۔''

''نہیں رانا صاحب آپ کا یہی احسان کم ہے بل کا مسئلہ نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شٹ اَپ۔'' اس نے شفقت سے کہا۔ ''جب بڑے کچھ دے رہے ہوں تو چھوٹوں کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں تم کہاں رکے ہو؟''

''فی الحال تو کہیں بھی نہیں.....''

''یہاں ایک ہوٹل ہے ہمالیہ ہوٹل کے نام سے.....تم وہاں چلے جانا اور میرا حوالہ دو گے تو کمرے مل جائیں گے اور کوئی تم سے نام بھی نہیں پوچھے گا۔''

''اب میں پہلے سے زیادہ احسان مند ہوں۔ مجھے اس کی اشد ضرورت تھی۔''

''پھر وہی بات.....خیر تم اپنا کام کرو اور جلد از جلد واپس چلے جاؤ اگر اس میں مسئلہ ہو تو مجھے کال کرنا۔''

رانا وِیاس سے بات کرتے ہی میرے لیے راستے کھلنا شروع ہو گئے تھے۔ مگر اس نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ میں جتنی جلدی ہو سکے بھارت کی حدود سے نکل جاؤں یہاں میرے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ اگر میں پکڑا جاتا تو پھر رانا وِیاس بھی میرے لیے شاید ہی کچھ کر پاتا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ فون پر محتاط تھا اس نے کوئی نام نہیں لیا حد یہ کہ عمر وراز کی بات نہیں کی اور ٹو دی پوائنٹ بات کر کے فون بند کر دیا۔ میں ڈاکٹر کے پاس آیا۔ ''ڈاکٹر کس نوعیت کی سرجری ہے۔''

''یہ ہلکی قسم کی سرجری ہوتی ہے اس میں کھوپڑی کھولنا نہیں پڑتی ہے۔ ہم ایک چھوٹا سا سوراخ کر کے آپریٹ کر لیتے ہیں اور کامیاب سرجری کی صورت میں آدمی تین سے چار دن میں ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ اس اسپتال میں بین الاقوامی معیار کی سہولیات تھیں۔ رانا وِیاس سے بات ہونے کے نصف گھنٹے کے اندر بانو کو آپریشن روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس دوران میں اس کے تمام ضروری ٹیسٹ ہو گئے تھے اور اس کے گروپ کا خون مہیا کر لیا گیا تھا۔ زخم کان کی سیدھ میں ماتھے کے ساتھ بالوں کے نیچے تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق آپریشن تقریباً دو گھنٹے جاری رہ سکتا تھا۔ تب تک یہاں رکنا بیکار تھا۔ میں اوشا کو لے کر باہر آیا۔ ڈاکٹر نے آپریشن کی فیس پر بات کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جب میں باہر آ رہا تھا تو کاؤنٹر پر موجود آدمی نے مجھے بلا کر جمع کرائی بیس ہزار کی رقم بھی واپس کر دی تھی۔ ریسپشن کمار پارکنگ میں اپنی کار میں سو رہا تھا میں نے اسے جگایا۔

''آپ صاحب.....اب کدھر چلنا ہے؟''

''ہمالیہ ہوٹل دیکھا ہوا ہے؟''

''بالکل دیکھا ہوا ہے۔'' اس نے مستعدی سے کہا۔

''بس تو اس طرف چلنا ہے اور اگر میں تمہیں مستقل ہائر کرنا چاہوں۔ میرا مطلب ہے آنے والے تین چار دن کے لیے؟''

''کیوں نہیں صاحب۔'' وہ خوش ہو گیا۔ ''بالکل ہو گا، دن کے ہزار روپے ہوں گے اور ڈیزل آپ ڈلواؤ گے۔''

''میں پندرہ سو دوں گا ڈیزل بھی اس میں شامل ہو گا یہ ٹھیک ہے؟''

''ایک دم ٹھیک ہے۔'' وہ خوش ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمالیہ ہوٹل مزید بلندی پر تھا اور یہاں سے دور تک پھیلی روشنیوں کا نظارا بھلا لگ رہا تھا۔ ہوٹل جدید ترین اور شیشوں والی عمارت میں تھا۔ بہ ظاہر یہ کسی چین ہوٹل کا نہیں تھا لیکن اس کا معیار کسی مشہور فائیو اسٹار ہوٹل سے کم نہیں تھا۔ ہم اندر آئے۔ ریسیپشن پر دو خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں۔ ایک نے شستہ انگریزی میں پوچھا۔

''میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔''

اوشا اس کی زبان نہیں سمجھی تھی لیکن اس کے لگاوٹ بھرے انداز پر اس نے برا منایا اور گھور کر اسے دیکھا۔ میں نے جواب دیا۔ ''میں رانا ویاس کے ریفرنس سے آیا ہوں۔''

اس نے اپنے سامنے رکھے ایل سی ڈی پر چیک کیا۔ یہ جدید ترین ٹچ اسکرین ایل سی ڈی تھا۔ پھر مسکرائی۔ ''بالکل ریفرنس موجود ہے میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔''

''مجھے دو سنگل روم چاہئیں لیکن کمرے ساتھ ہوں۔''

لڑکی کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت دکھائی دی تھی کہ میں اوشا کے لیے الگ کمرہ لے رہا تھا۔ مگر اس نے اعتراض نہیں کیا۔ تیسرے فلور کے دو کمروں کی چابیاں اس نے کاؤنٹر پر رکھیں۔ ایڈوانس کا پوچھنے پر حسب توقع اس نے انکار کر دیا اور بولی۔ ''تمام پے منٹس مسٹر رانا ویاس کے ذمے ہیں آپ ہوٹل کی ہر سروس ان کے بی ہاف پر استعمال کر سکتے ہیں۔''

میں نے بوجھ سا محسوس کیا۔ رانا ویاس عمر دراز کا دوست ہونے کے ناطے میرے لیے بڑا اور قابل احترام تھا اور اس نے پہلے بھی میرے اور میرے ساتھیوں کی بے لوث مدد کی تھی لیکن اس طرح سے میری ہر ذمے داری اٹھا لینا مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا اگر میرے پاس رقم نہ ہوتی تب بھی میں اس سے یا کسی سے مدد لینا پسند نہ کرتا۔ مگر اب مجبوری تھی میں اس معاملے میں انکار کر کے اسے ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک اسمارٹ بیل بوائے نے ہمیں ہمارے کمروں تک پہنچایا۔ میں نے کپڑوں کا بیگ لے لیا تھا۔ ویسے ضرورت نہیں تھی مگر میں سوچ رہا تھا کہ صبح ہوتے ہی ہوٹل اور اپنی شخصیت کی مناسبت سے کپڑے لے لینے چاہئیں۔ ہم نے جو پہنا ہوا تھا وہ اس معیار کا نہیں تھا۔ اوشا کو پینٹ شرٹ کی عادت نہیں تھی اس لیے وہ بھی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ بیل بوائے کو ٹپ کے ساتھ رخصت کر کے میں اوشا کے کمرے میں آیا۔ اس نے کمرے کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی محل سے کم نہیں ہے رے۔''

رانا ویاس جس ہوٹل میں رکتا ہوگا اسے اسی معیار کا ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اوشا سے کہا۔ ''تم دروازہ بند کر کے سو جاؤ یہاں تم بالکل محفوظ ہو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ فون اٹھا کر نمبر دبا کر کہہ سکتی ہو چیز یہیں پہنچ جائے گی۔''

''ہم سمجھتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اس وقت تو دل چاہ رہا ہے بس اشنان کر کے سو جائیں۔''

''ایسا ہی کرو، میں ابھی اسپتال جاؤں گا اور شاید وہاں سے دیر سے واپس آؤں تم پریشان مت ہونا۔ یہ کمرے کی چابی سنبھال لو۔''

میں اپنے کمرے میں آیا۔ دو دن سے نہانے کا موقع نہیں ملا تھا اور پہاڑوں اور جنگلوں میں پھر کر حلیہ خراب ہو رہا تھا۔ نہا کر تھکن کم ہوئی تھی۔ میں نے باہر آ کر کافی کا آرڈر دیا۔ ابھی ایک گھنٹہ گزرا تھا آدھے گھنٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد میں دوبارہ اسپتال جاتا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر ڈاکٹرز نے چوبیس گھنٹے میں بانو کو چھٹی دے دی تو میں اسے ریلیز کرا کے یہیں لے آؤں گا۔ اسپتال عوامی جگہ تھی اور وہاں کسی وقت بھی شناخت کا مسئلہ سامنے آسکتا تھا یہاں یہ خدشہ نہیں تھا۔ بانو کے مکمل صحت یاب ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل کر جا سکتے تھے۔ کافی پی کر میں نیچے آیا اور چابی کاؤنٹر پر جمع کرادی۔ ''میری ساتھی اوپر آرام کر رہی ہے اس کا خیال رکھیے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں رانا صاحب کا نام ہی کافی ہے اب آپ اور آپ کی ساتھی مکمل طور پر ہماری ذمے داری ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ ہوٹل کے یہ دونوں کمرے بک ہی نہیں ہیں۔'' لڑکی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کوئی یہاں آپ تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔''

لگتا ہے رانا ویاس نے کچھ زیادہ ہی بریف کر دیا تھا۔ میں مطمئن ہو کر باہر آیا۔ رپن کمار ہوٹل کے باہر موجود تھا کیونکہ اسے پارکنگ میں رکنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ میں نے یہاں تک آنے کی رقم ادا کر دی تھی۔ اس لیے وہ مطمئن تھا۔ ہم اسپتال پہنچے۔ کیونکہ اس بار ایمرجنسی نہیں تھی اس لیے گاڑی باہر کوالی اور رپن کمار سے انتظار کرنے کو کہا۔ میں ایمرجنسی کی طرف بڑھا کیونکہ فی الحال بانو وہیں تھی۔ ابھی میں کچھ دور تھا کہ ایک گاڑی تیزی سے میرے پاس سے گزری اور ایمرجنسی کے سامنے رکی اور پھر اس سے جو شخص اترا اسے دیکھ کر میں اچھل پڑا تھا وہ رامن تھا اور مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اسٹریچر والوں کو اشارہ کیا اور وہ اسٹریچر لے کر نیچے آئے۔ رامن کے ساتھ آنے والے نے اس کے ساتھ مل کر عقبی نشست سے ایک آدمی کو اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا۔ میں اتنی دیر میں ایک درخت کی آڑ میں ہو چکا تھا اور میں دوبارہ اچھل پڑا کیونکہ اسٹریچر پر لیٹا ہوا شخص راج کنور تھا۔ وہ شدید زخمی اور بے ہوش لگ رہا تھا۔ اس کے سفید لباس پر جا بہ جا خون کے دھبے تھے اور وہ ساکت تھا۔ اس کے لیٹتے ہی پیرامیڈک اسٹریچر اندر لے گئے۔

میں اس اتفاق پر حیران تھا جہاں میں بانو کو لے کر آیا تھا وہیں رامن راج کنور کو لے آیا لیکن سوال یہ تھا کہ وہ راج کنور کا دشمن تھا پھر وہ اسے اسپتال کیوں لے کر آیا تھا۔ اس کا اور منشی جی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً سے پیشتر اس کا کام تمام کر دیں۔ وہ اس وقت اپنے سابق آقا کے لیے سخت پریشان لگ رہا تھا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ جب میں نے راج کنور کو چھوڑا تو وہ تقریباً ٹھیک تھا گولی نکالنے کے بعد اس کا زخم بھی بہتری کی طرف مائل تھا پھر اس کے ساتھ کیا ہوا کہ وہ اس حالت میں اسپتال تک پہنچا تھا۔ رامن باہر موجود تھا اور موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ شکر ہے یہاں آتے ہوئے اس کی نظر مجھ پر نہیں پڑی ورنہ وہ یقیناً راج کنور کو بھول کر میرے پیچھے پڑ جاتا۔ اسے موبائل پر بات کرتے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ میرے پاس موبائل نہیں تھا دوسرے مجھے اپنے پیارے یاد آئے جو میرے لیے بے قرار ہوں گے اور پاگلوں کی طرح میری تلاش میں ہوں گے میں انہیں اطلاع دے سکتا تھا کہ اب آزاد ہوں۔ مگر فی الحال رامن کے خطرے سے نجات حاصل کرنی تھی اگر وہ اندر بانو کو دیکھ لیتا تو اس کے لیے خطرہ بن جاتا۔ ایک بار بانو کے بارے میں انکشاف ہوتا کہ وہ پاکستانی ہے تو بات پولیس تک چلی جاتی اور پھر میری اور ادشا کی آزادی بھی خطرے میں پڑ جاتی۔

میں سوچ رہا تھا کہ اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے اور میرے ذہن میں ایک ہی خیال آیا تھا۔ پستول میری جیکٹ میں موجود تھا۔ میں راستے کے بجائے باغ والے حصے میں درختوں اور تاریکی کی آڑ لیتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رامن کی طرف بڑھا اب اس نے کار سے ٹیک لگا لی تھی اس کے ساتھ آنے والا شخص راج کنور کے ساتھ اندر جا چکا تھا اور جب رامن نے بات مکمل کر کے اپنے قدم اندر کی طرف بڑھائے تو میں اس کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اس سے پہلے وہ سیڑھیوں تک پہنچتا میں اس کے بالکل پیچھے آ گیا اور پستول اس کی پشت سے لگا دیا۔ وہ رک گیا تھا اور اس نے کن انکھیوں سے مجھے دیکھا اور سکون سے بولا۔ ''شہباز..... تم.....؟ کیا چاہتے ہو؟''

''تمہاری جان لینا نہیں چاہتا ورنہ راستے میں کہیں بھی تمہیں گولی مار سکتا تھا یہاں بھی آرام سے تمہیں شوٹ کر کے چلا جاتا اور کسی کو میری جھلک بھی نظر نہ آتی۔''

''او کے تم میری جان لینا نہیں چاہتے پھر؟''

''واپس چلو اور گاڑی میں بیٹھو۔'' میں نے حکم دیا۔ ''میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا لیکن تم مرنا چاہو تو مجھے اعتراض کے بجائے خوشی ہوگی۔''

بادلِ ناخواستہ وہ واپس آیا۔ میں نے اسے نشانے میں لیتے ہوئے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور اس کے بیٹھتے ہی میں بھی اندر آ گیا اس کا ہاتھ اپنی جیکٹ کی طرف جا رہا تھا لیکن جب میں نے نال اس کی گدی پر رکھی تو وہ ساکت ہو گیا میں نے جیکٹ سے اس کا پستول نکال لیا پھر ہاتھ پھیر کر تلاشی لی لیکن مجھے کوئی اور آتشیں ہتھیار نہیں ملا ہاں کوئی چاقو خنجر تھا تو اس کا پتا نہیں تھا۔ میں نے ڈیش بورڈ کا خانہ کھولنے کا حکم دیا اس نے تعمیل کی ایک پستول اس میں بھی تھا اور دونوں پستولوں کے چھ عدد فاضل میگزین بھی تھے میں نے یہ خزانہ سمیٹ لیا۔ اس وقت یہ اسلحہ میرے لیے خزانے سے کم نہیں تھا۔ رامن جیسے آدمی سے یہی توقع تھی کہ وہ سر سے پاؤں تک مسلح ہو گا۔ مزید تلاشی کا موقع نہیں تھا۔ نہتا ہوتے ہی اس کا سکون ہوا ہو گیا تھا اور اس نے اضطرابی انداز میں پوچھا۔

''اب کیا چاہتے ہو؟''

''یہاں سے چلو۔''

''میرے ساتھی نے مجھے غائب پایا تو.....''

''وہ پہلے تمہیں کال کرے گا اور تم اسے مطمئن کرو گے۔ اب چلو یہاں سے۔'' میں نے کہتے ہوئے نال سختی سے اس کی گدی میں دبائی تو اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی اسپتال سے باہر لے آیا۔ یہاں آتے ہوئے میں نے شملہ کا کچھ معائنہ کیا تھا میں اسے سڑک پر سیدھا چلنے کو کہا۔ راستے میں مجھے ایک قدرتی تفریحی باغ دکھائی دیا تھا اور رات کے اس پہر وہاں کسی کی موجودگی ممکن نہیں تھی۔ میں نے سیٹ بیلٹ باندھ لی کہ اگر رامن کوئی شرارت کرے تب بھی مجھے بے قابو نہ کر سکے۔ ''تم حیران ہو گے کہ تم میری تلاش میں تھے اور میں نے تمہیں تلاش کر لیا؟''

''میں ایسی باتوں پر حیران نہیں ہوتا ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں سمجھتا ہوں جو میں دشمن کے خلاف کر سکتا ہوں وہ وہی میرے خلاف بھی کر سکتا ہے۔''

''گڈ تم ایک عقل مند آدمی ہو۔ اس لیے مجھے امید ہے تم میرے سوالوں کا جواب دو گے اور اپنی عقل مندی جھاڑنے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اتنی جلدی کیا ہے؟ کچھ دیر بعد پوچھوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''وہ آگے جو باغ نظر آ رہا ہے گاڑی اس کے پاس روک لینا، بلکہ اندر لے چلو۔''

اس نے ایک چھوٹی سڑک جو باغ کے اندر تک جا رہی تھی اس پر گاڑی موڑ دی۔ ایک جگہ جو مین روڈ سے خاصی دور تھی وہاں گاڑی رکوائی اور ہم دونوں نیچے اتر آئے تھے۔ میں پوری طرح چوکنا تھا رامن عام آدمی نہیں تھا وہ بلیک کیٹ کمانڈو اور را کا ایجنٹ رہ چکا تھا اور یقیناً لڑائی کے تمام طریقوں سے واقف تھا لیکن میں اپنے انداز سے ظاہر نہیں کر رہا تھا کہ میں بہت زیادہ چوکنا ہوں میں ایسا ظاہر کر رہا تھا کہ میں اسے عام سا دشمن سمجھ رہا ہوں۔ یہاں کہیں کہیں پول لیمپ روشن تھے۔ مگر باغ کا بڑا حصہ تاریکی میں تھا۔ میں نے حکم دیا۔ ''اپنا موبائل دو۔''

اس نے جیب سے موبائل نکال کر میری طرف اچھال دیا۔ یہ جدید ترین آئی فون تھا۔ میں نے اسے جیب میں رکھ لیا اور اس کی طرف دیکھا۔ ''رامن میرے کچھ سوالوں کے درست جواب دے کر تم اپنی زندگی بچا سکتے ہو۔ ہر غلط جواب پر میں تمہیں ایک گولی ماروں گا پہلے ایک پاؤں میں پھر دوسرے پاؤں میں اور دونوں ہاتھوں کے بعد تمہارے دل و دماغ کی باری آئے گی۔ تم سمجھ رہے ہو کہ تمہارے پاس چوائس محدود ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم مجھے مارنا چاہتے ہو پھر بہانے کیوں تلاش کر رہے ہو؟''

''سچ بھی یہی ہے لیکن میں قاتل جبلت نہیں رکھتا ہوں میں ممکن حد تک دشمن کو بھی قتل کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ تم چاہو تو اس جبلت کا فائدہ اٹھا سکتے ہو۔''

وہ سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔''

''تب گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور دونوں ہاتھ گردن پر رکھ لو۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے؟''

''جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو اس نے تعمیل کی اور بیٹھ گیا۔

''اب پوچھو۔''

''راج کنور کیسے تمہارے ہاتھ لگا؟''

''وہ سڑک پر زخمی حالت میں ملا تھا۔ میں اسے پیلس لے گیا۔''

''اتنی دیر سے اسپتال کیوں لائے؟''

''میں نہیں جانتا وہاں میں نے اسے منشی جی کے سپرد کر دیا تھا اور وہ پیلس کے ڈاکٹر کو دکھا رہے تھے پھر مجھ سے کہا کہ اسے اسپتال لے جاؤں۔''

مجھے لگا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ''تم اور منشی جی دونوں اس کی جان کے دشمن ہو رہے تھے تو اتنی مہربانی کیوں؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم نے ماننا ہے تو مانو ورنہ تمہاری مرضی۔''

''راج کنور کی حالت کیسی ہے؟''

''ٹھیک نہیں ہے پیلس کے ڈاکٹر نے اسے اسپتال لے جانے کو کہا تھا۔''

''تب اسے آرام سے ایمبولینس میں لایا جا سکتا تھا اس طرح گاڑی میں ڈال کر کیوں لائے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وقت نہیں تھا ایمبولینس آنے میں وقت لگتا۔''

''پیلس میں کیا ڈرامہ چل رہا ہے؟''

''تم جانتے ہو وہاں رہے ہو اور اس کے پیچھے اصل میں منشی جی ہے۔''

''اور تم؟'' میں نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔

''میں صرف ایک مہرہ ہوں۔''

''تم نے جس طرح سے گرینڈ مارے اس سے لگ رہا تھا کہ تم ہم سب کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو اس لیے اچانک راج کنور کے سلسلے میں پالیسی کیوں تبدیل ہوئی۔''

''میں نہیں جانتا۔''

''بڑے کنور کی کیا پوزیشن ہے؟''

''وہ اپنے کمرے میں نظر بند ہے اور معاملات منشی جی کے ہاتھ میں ہیں۔''

''خفیہ راستے سے فرار کے وقت ہمیں روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی گئی؟''

''میں نہیں جانتا میں آدمی لینے باہر گیا ہوا تھا۔''

''آدمی کیوں..... پیلس میں آدمیوں کی کمی تھی؟''

''میں اپنے آدمی لینے گیا تھا بعد میں انہی کی مدد سے تمہیں روکنے کی کوشش کی۔ ابھی پیلس کے کسی آدمی پر اعتبار نہیں کر سکتے ہیں۔ اندر کی تبدیلیوں کا باہر کے لوگوں کو علم نہیں ہے۔''

میرا بھی یہی خیال تھا صرف ایک چیز کھٹک رہی تھی کہ یہ راج کنور کو بچانے کی کوشش کیوں کر رہے تھے۔ میں نے رامن سے کہا۔ ''میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں مجھے بتا دو کہ راج کنور کو بچانے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟''

''میں جواب دے چکا ہوں۔'' اس نے کہا اور اچانک اسپرنگ کی طرح اچھلا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر فائر کیا لیکن وہ ان جھاڑیوں کے عقب میں جا گرا جن کے ساتھ بیٹھا تھا میں اس کے پیچھے جھپٹا تو وہ بھاگتا دکھائی دیا۔ ذرا سی دیر میں وہ دس بارہ گز آگے نکل گیا تھا اس بار میں نے سکون سے نشانہ لیا اور فائر کیا۔ میں پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ میرے قابو میں آیا تو اسے بخشوں گا نہیں۔ اس نے فرار ہو کر میرے لیے فیصلے پر عمل کرنا آسان بنا دیا تھا۔ فائر ہوتے ہی وہ قلابازی کھا کر گرا اور جب میں بھاگ کر اس مقام پر پہنچا تو وہ غائب تھا لیکن ہلکی روشنی میں وہاں زمین پر خون کا دھبہ نمایاں تھا۔ گولی اسے لگی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی جگہ تھی جس میں پتھر تھے اور گھاس اگی ہوئی تھی اس سے آگے ایک ندی بہہ رہی تھی یہ زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن کوئی اس میں گرتا تو یہ اسے بہا کر لے جا سکتی تھی۔ خون کے دھبے ندی تک گئے تھے۔ تو کیا رامن ندی میں کود گیا تھا یا گر گیا تھا؟ مجھ سے بچنے کے لیے وہ یہ خطرہ مول لے سکتا تھا۔

اب اس کے پیچھے وقت ضائع کرنا بیکار تھا۔ فائر کی آواز دور تک گئی ہوگی اور اگر آس پاس پولیس موجود ہوتی اور وہ تفتیش کے لیے آ جاتی تو مشکل میں پڑ جاتا اس لیے تیزی سے واپس آیا۔ کار کی چابیاں غائب تھیں۔ رامن نے اترتے وقت چابیاں نکال لی تھیں۔ میں نے تار چھیل کر انجن ہاٹ وائر کیا اور واپس اسپتال کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روانہ ہوگیا۔ کار اسپتال سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ چھوڑ کر باقی فاصلہ پیدل طے کیا اور رپن کمار کے پاس پہنچا۔ وہ حسب معمول کار میں سو رہا تھا میں نے شیشہ بجایا تو وہ اٹھ گیا اور مجھے دیکھ کر باہر نکل آیا۔ ''آپ آگیا صاحب..... میم کیسا ہے؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''یہی تو مجھے معلوم کرنا ہے لیکن میں اندر نہیں جا سکا۔ یہاں مجھے اپنے کچھ دشمن نظر آئے ہیں۔ اگر ان سے سامنا ہوگیا تو مسئلہ ہو جائے گا۔''

وہ فکرمند ہوگیا۔ ''آپ کا دشمن..... میں آپ کے ساتھ ہے۔''

''فکر مت کرو وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے کوئی بڑی دشمنی نہیں ہے یوں سمجھ لو خاندانی جھگڑا ہے۔ تم اندر جاؤ اور ریسپشن سے رینا کی حالت پوچھ کر آؤ۔''

''رینا۔'' وہ چونکا۔ ''آپ تو میم صاحب کو بانو بولتا تھا۔''

''یہ اس کا نک نیم ہے۔ اصل نام رینا ہے۔ تم نے یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہاں غیر متعلقہ لوگ کتنے ہیں۔ یعنی باہر کے لوگ۔''

رپن کمار نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ گیا۔''

وہ نیچے اترا اور جاتے جاتے پلٹ آیا۔ ''صاحب کوئی لفڑا تو نہیں ہے میں بہت غریب آدمی ہے۔''

''کوئی لفڑا نہیں ہے تم بے فکری سے جاؤ۔'' میں نے اسے تسلی دی اور جیسے ہی وہ اسپتال کے گیٹ میں داخل ہوا میں بھی کار سے اتر کر اس کے پیچھے گیا تھا وہ چابی لے گیا تھا اس لیے میں نے کار لاک کر دی۔ وہ ایمرجنسی میں گیا اور میں نزدیک ہی باغ میں ایک درخت کے پیچھے ٹک گیا۔ یہاں سے ایمرجنسی کا دروازہ زیادہ دور نہیں تھا رپن کمار اندر گیا تھا کہ رامن کے ساتھ آنے والا شخص باہر نکلا۔ وہ موبائل پر دیکھ کر کچھ کر رہا تھا۔ اچانک میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں نے جلدی سے رامن کا موبائل نکال کر بیل آف کر دی اسی لمحے اسکرین روشن ہوئی اور اس پر سنتوش لکھا ہوا آیا۔ دوسری طرف وہ شخص کان سے لگائے انتظار کر رہا تھا کہ کال ریسیو کی جائے۔ مزید تصدیق کے لیے میں نے کال کاٹ دی۔ فوراً ہی اس نے موبائل ہٹا کر دیکھا اور دوبارہ نمبر ملایا۔ وہی سنتوش تھا اور رامن کو کال کر رہا تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا لیکن امکان تھا کہ اس کا کوئی دوسرا ساتھی اندر نہ ہو۔ وہ دوبارہ کال ملاتے ہوئے گیٹ کی طرف جانے لگا۔ میں اس کے جانے کے بعد باغ سے نکلا اور ایمرجنسی میں آیا۔ وہاں رپن کمار ریسپشن پر موجود آدمی سے بات کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

''اچھا ہوا صاحب آپ آگیا یہ مجھ کو کچھ نہیں بتا رہا۔''

میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''تم جاؤ اور گاڑی میں میرا انتظار کرو۔''

رپن کمار گیا تو میں نے ریسپشنسٹ سے پوچھا۔ ''میری سسٹر رینا کا آپریشن ہوا ہے میں ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہوں۔''

اس نے ریکارڈ دیکھا۔ ''یہ کیس ڈاکٹر انتونی کے پاس ہے وہ کمرہ نمبر بارہ میں ہوں گے۔ اسی گیلری میں آگے دائیں طرف مڑ جائیں سیدھے ہاتھ کا دوسرا کمرہ ہے۔''

میں بارہ نمبر کمرے میں آیا جہاں ڈاکٹر انتونی موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا تو میں نے سکون کا سانس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لہٰذا اس کا مطلب تھا سب ٹھیک تھا۔ پھر اس نے تصدیق کی۔ ''کانگریچولیشن..... آپریشن کامیاب رہا ہے۔ مس رینا کو کمرے میں شفٹ کر دیا ہے۔''

''کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''ضرور لیکن ابھی وہ بے ہوش ہیں۔ تقریباً سات گھنٹے بعد ہوش آئے گا۔ اس کے بعد ہم چیک کریں گے اور اس کے بعد ہی کوئی ان سے مل سکے گا۔''

''میں صرف ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کم ود می۔'' وہ بولا۔

بانو ایک کمرے میں بستر پر دراز تھی اسے اسپتال کا لباس پہنا دیا گیا تھا اور اس کے سرہانے مختلف اقسام کی مشینیں اس کی جسمانی حالت بیان کر رہی تھیں۔ سر پر پٹی تھی اور چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر انتھونی نے کہا۔ ''یہ بہت مضبوط لڑکی ہے مجھے امید ہے یہ چند دن میں ری کور کر لے گی۔''

''مجھے بھی امید ہے۔'' میں نے کہا۔ اس کمرے کے ایک طرف شیشے کی دیوار تھی اس کا پردہ ہٹا ہوا تھا۔ باہر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص بانو کو دیکھ سکتا تھا۔ میں نے پردہ برابر کر دیا اور ڈاکٹر انتھونی سے کہا۔ ''پلیز اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اس کمرے میں کوئی غیر متعلقہ فرد نہ آئے۔ میں اپنی بہن کے معاملے میں حساس ہوں۔''

''آپ فکر نہ کریں میں عملے کو ہدایت کر دیتا ہوں۔ ویسے چند گھنٹے بعد ایک نرس آ جائے گی اور وہ مستقل یہاں رہے گی۔''

ہم واپس ڈاکٹر کے کمرے کی طرف جا رہے تھے کہ میں نے راج کنور کو اسٹریچر پر دیکھا دو پیرامیڈک اسے کہیں لے جا رہے تھے۔ اسے چادر سے ڈھکا ہوا تھا اور سر پر پٹی بندھی تھی۔ میں چونکا اور ڈاکٹر سے کہا۔ ''یہ اشوک جی ہیں۔''

''نہیں یہ کنور ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''اچھا مجھے شکل دیکھ کر شک ہوا تھا میرے ایک جاننے والے ہیں یہیں شملہ میں رہتے ہیں لیکن بہت عرصے سے رابطہ نہیں ہے ورنہ میں ان کا ریفرنس دیتا۔ انہیں کیا ہوا؟''

''ایکسی ڈینٹ۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''بلندی سے گرنے سے کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں پسلیاں ٹوٹنے سے پھیپھڑے اور دل کی جھلی متاثر ہوئی ہے۔''

''جان کو خطرہ تو نہیں ہے؟''

''آنے والے بارہ گھنٹے اہم ہیں۔''

میں نے مزید سوالات سے گریز کیا اور ڈاکٹر کا شکریہ ادا کر کے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ راج کنور کو کہیں اور لے جایا جا رہا تھا اور امید کم تھی کہ راج کنور کے لیے آنے والوں میں سے کوئی اتفاق سے بانو کو دیکھ سکے۔ میں باہر نکل رہا تھا کہ رامن کے ساتھ آنے والا اندر آیا۔ اگرچہ میں اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا لیکن امکان تھا کہ اس نے مجھے دیکھا ہو۔ اسے آتے دیکھ کر میں جلدی سے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ وہ ریسیپشن پر آیا اور پھر وہاں موجود شخص سے بات کر کے اندر کی طرف بڑھا وہ میرے پاس سے گزرا تو میں ستون کے دوسری طرف سے ہوتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے اس کی پشت پر نکلا اور باہر کی طرف بڑھا۔ ایک مشکل مرحلہ آسانی سے طے ہو جانے پر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

اب میں کچھ دیر آرام کر سکتا تھا۔ میرے پاس سات آٹھ گھنٹے کا وقت تھا۔ چھ سات گھنٹے کی نیند مجھے تازہ دم کر دیتی اور اس کے بعد میں اپنا لائحہ عمل تیار کر سکتا تھا کہ مجھے آگے کیا کرنا ہے۔ رپن کمار کے ساتھ ہوٹل واپس آیا اور ہوٹل استقبالیہ پر اسے اپنا ڈرائیور قرار دے کر ہوٹل کی پارکنگ میں جگہ دلوادی۔ اوپر کمرے میں آیا اور بستر پر لیٹا تو نیند کے بجائے آنکھوں میں اپنوں کی تصویریں آ گئیں۔ اب تک مجھے موقع نہیں ملا تھا۔ کوئی رابطے کا ذریعہ نہیں تھا لیکن اب مجھے ایک عدد موبائل مل گیا تھا۔ میں نے اسے اسپتال میں آف کر دیا تھا اب دوبارہ آن کر کے میں نے پہلے عبداللہ کا نمبر ملایا۔ اس پر بیل جا رہی تھی لیکن کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ عبداللہ سوتے میں بھی بیل آف نہیں کرتا تھا۔ شاید وہ موبائل سے دور تھا یا سروس میں مسئلہ آ رہا تھا کہ مجھے بیل سنائی دے رہی تھی اور وہاں بیل نہیں بج رہی تھی۔ دوسری بار ناکام کوشش کے بعد میں نے کاٹ کر سویرا کا نمبر ملایا یہ دوسرا نمبر تھا جو میرے ذہن میں تھا۔ اس نے چند بیلز کے بعد کال ریسیو کی اور آہستہ سے بولی۔ ''ہیلو۔''

''سویرا۔'' میں نے کہا تو وہ یقیناً تڑپ گئی تھی۔

''شہباز..... آپ شہباز ہیں۔''

''ہاں میری جان۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''میں شہباز ہوں۔''

اس وقت میں احتیاط کا تقاضہ بھی فراموش کر گیا تھا اور اپنے نام کا اقرار کر لیا۔ سامنے وہ ہستی تھی جس کے آگے میں انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ رونے لگی۔ ''آپ کہاں چلے جاتے ہیں..... کیوں مجھے اتنا ستاتے ہیں..... میں پل پل جیتی مرتی ہوں۔''

''تم جانتی ہو میں حالات کے آگے مجبور ہوں۔ وقت کا کھلونا ہوں۔ وقت جہاں چاہتا ہے مجھے لے جاتا ہے۔''

وہ خود پر قابو پانے لگی۔ ''آپ کہاں ہیں نمبر کے ساتھ انڈیا کا کوڈ آ رہا ہے۔''

''میں انڈیا میں ہی ہوں۔ اب خیریت سے ہوں اور اللہ نے چاہا تو چند دن میں تم لوگوں کے پاس ہوں گا۔''

''ان شاء اللہ۔'' وہ بولی۔ ''سب بہت پریشان ہیں، بیتو واپس آ گیا تھا اور اس کے ساتھ وسیم اور سفیر لاہور گئے تھے۔ اس سے زیادہ مجھے نہیں معلوم ہے۔ سفیر آپ کے غائب ہونے کا سن کر دبئی سے آ گیا تھا۔''

بیتو کی واپسی کا سن کر میں نے بہت عرصے بعد اچھا محسوس کیا تھا۔ میں نے سویرا سے کہا۔ ''میں زیادہ دیر بات نہیں کر سکتا ہوں۔ تم باقی سب کو بتا دینا اور عبداللہ سے کہنا کہ میں اسے کال کروں گا۔ اگر کوئی لاہور میں ہے تو اسے مزید کارروائی سے روک دیا جائے۔ یہ پیغام لفظ بہ لفظ پہنچانا۔''

''ٹھیک ہے۔''

''امی جی اور بابا کو سلام کہنا۔ میں جلد دوبارہ رابطہ کروں گا۔''

''پلیز اتنی جلدی مت بند کریں۔'' اس نے التجا کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں دیارِ غیر میں ہوں اور یہاں احتیاط لازمی ہے۔ میں اپنی واپسی کے دروازے بند کرنا نہیں چاہتا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''پھر کال کریں گے؟''

''ہاں..... اللہ حافظ۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر موبائل بند کر دیا۔ یہ رامن کا موبائل تھا اور اسے زیادہ دیر استعمال کرنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا حکومتوں کے لیے کسی موبائل سے جگہ کا پتا چلانا کوئی مشکل کام نہیں تھا اسی طرح یہ بات تقریباً یقینی تھی کہ پاکستان کی جانے والی کالز کی نگرانی ہوتی ہوگی۔ سو یہ اسے بات کر کے میرا ذہن ہلکا ہو گیا تھا اور میں لیٹا تو کچھ دیر میں سو چکا تھا۔ پھر میری آنکھ دروازے پر ہونے والی دستک سے کھلی۔ گھڑی میں صبح کے دس بج رہے تھے گویا میں چھ گھنٹے سو لیا تھا۔ دروازے پر اوشا تھی۔ وہ اندر آئی۔

''تو نے ڈرا دیا رے..... ہم کتنی دیر سے دروازا بجا رہے تھے۔''

''میں دیر سے آیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''تم کب اٹھیں؟''

''دیر ہوئی، ناشتہ بھی کر لیا۔''

''اب مجھے کرنا ہے لیکن پہلے نہا لوں۔'' میں نے اٹھ کر جسم کھولا۔ ''بانو ٹھیک ہے آپریشن ہو گیا ہے۔ ناشتہ کر کے باہر چلیں گے پہلے کپڑے اور کچھ چیزیں لیں گے اس کے بعد بانو کی طرف جائیں گے۔''

وہ بانو اور شانگ کا سن کر خوش ہو گئی۔ میں نے روم سروس کو ناشتے کا آرڈر دیا اور واش روم میں آ گیا جب تک نہا کر باہر آیا۔ ناشتہ آ گیا تھا اور کئی دن بعد یہ پہلا ڈھنگ کا کھانا تھا جو میں نے کھایا۔ اوشا نے صرف چائے میں ساتھ دیا۔ اس نے کہا۔ ''رات من بہت گھبرا رہا تھا دل چاہ رہا تھا تیرے پاس آ جائیں۔''

''نئی جگہ ہے اس لیے گھبرا رہا ہوگا۔''

''نہیں تیری یاد آ رہی تھی۔ تُو نے الگ کمرہ کیوں لیا ہم ایک کمرے میں رہ سکتے ہیں۔''

''نہیں ایک کمرے میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ دشمن ہماری تاک میں ہیں اور اگر انہوں نے دھاوا بولا تو سب ایک ہی جگہ مل جائیں گے۔ ہمارا الگ الگ رہنا ہی ٹھیک ہے۔''

وہ ہنسی۔ ''دشمن کا بہانہ کیوں کرتا ہے یہ بول نا کہ ہمارے ساتھ اکیلے رہتے ہوئے گھبراتا ہے۔''

''یہ بھی ہے ماچس اور پیٹرول ایک جگہ رہیں تو آگ بھڑکنے کا خطرہ تو ہوتا ہے۔''

''تو بھڑکنے دے نا؟'' اس نے اس طرح کہا کہ مجھے پسینہ آ گیا۔

''اوشا تُو کیوں بھول رہی ہے کہ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں اور تُو زہریلی ہے۔''

اس نے مایوسی سے کہا۔ ''اگر میں وش کنیا نہ ہوتی تب بھی تُو میرے پاس نہ آتا۔''

''نہیں یہ میرے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''اوشا اگر میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو آئندہ اس پر بات مت کرنا۔''

اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ٹھیک ہے رے، رہنا تو تیرے ساتھ ہے اب جیسے چاہے رکھ۔''

میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اوشا کمبل ہوتی جا رہی تھی اور میں اسے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ جب کہ اسے یہاں چھوڑ کر جانا بھی مشکل لگ رہا تھا وہ کنور پیلس میں ٹھیک تھی وہاں آرام سے رہ رہی تھی اور اس کے بدن میں بھرے زہر کی وجہ سے کوئی اسے کھلونا بھی نہیں بنا سکتا تھا۔ گنجائش نہیں تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے مسئلے کا بھی کوئی نہ کوئی حل نکالنا تھا۔ ناشتے کے بعد ہم نیچے آئے تو لابی میں اوشا نے پوچھا۔ ''وہ ہتھیاروں والا بیگ کہاں ہے؟''

''آہستہ بولو۔'' میں نے آس پاس دیکھا لیکن کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ''وہ ڈسپنسری کے باہر گاڑی سے چوری ہو گیا تھا۔''

''تو اب خالی ہاتھ ہے؟'' وہ پریشان ہو گئی۔ ''اگر رامن اور اس کے لوگ مل گئے تو کیا ہو گا؟''

''نہیں ایک پستول ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ اسے دو عدد مزید پستولوں کے بارے میں نہیں بتایا دوسری صورت میں اسے پوری داستان سنانی پڑتی اور فی الحال اس کے لیے وقت نہیں تھا۔ جو مال غنیمت میں ملے تھے۔ مجھے رامن کا خیال تھا اگر وہ بچ گیا تھا تو پھر خبر مشکل تھی لیکن اگر مارا گیا تھا تو دوپہر تک خبر آ جانی چاہیے تھے۔ میرے اور اوشا کے کمرے میں ٹی وی تھا لیکن مجھے دیکھنے کا خیال نہیں آیا۔ ہوٹل کی پارکنگ میں رپن کمار فریش اور تیار تھا اس نے پوچھا۔

''کہاں جانا ہے صاحب؟''

''کسی اچھے شاپنگ سینٹر میں لے چلو جہاں کپڑے مل سکیں۔''

کچھ دیر بعد رپن کمار نے ایک اعلیٰ درجے کے گارمنٹ اسٹور کے سامنے گاڑی روکی۔ ''یہاں سب ملے گا صاحب۔''

میں اور اوشا اندر آئے تو فوراً ہی ایک سیلز گرل ہماری طرف لپکی اور بچھ جانے والے انداز میں بولی۔

''میڈم سر میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟''

''ہمیں کچھ کپڑے چاہئیں۔ ان کے لیے ساڑھیاں اور شلوار سوٹ دکھاؤ۔ مجھے سوٹ اور کچھ ڈریس پینٹس اور شرٹس درکار ہیں۔''

سیلز گرل نے ایک سیلز بوائے کو بلا کر مجھے اس کے حوالے کیا۔ ''دنیش آپ کو بہترین گائیڈ کرے گا میڈم میرے ساتھ ہیں۔''

وہ اوشا کو خواتین والے حصے میں لے گئی۔ مردوں والے حصے میں اعلیٰ ترین سوٹ بھی تھے لیکن میں نے ایک مناسب قیمت کے سوٹ کے ساتھ دو پینٹس اور شرٹس کے ساتھ بنیان، نیکرز اور موزے بھی لیے تھے۔ ایک نائٹ سوٹ لیا اور ایک سادہ سوتی ٹراؤزر اور اس کے ساتھ ٹی شرٹ بھی لے لی۔ سیلز بوائے میری خریداری سے کچھ مایوس ہوا تھا۔ مگر وہ اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ بل بھی اعلیٰ معیار کا تھا یہ سارا سامان صرف پچیس ہزار میں آیا تھا اور کیونکہ میرے پاس دشمنوں کا مال تھا اس لیے میں نے بلا جھجک ادائیگی کر دی اور پانچ سو سیلز بوائے کو ٹپ دی تھی تو وہ خوش ہو گیا تھا۔ دوسری طرف اوشا نے ساری کسر پوری کر لی تھی۔ وہ اَن پڑھ تھی اور دنیا بھی نہیں دیکھی تھی لیکن شاپنگ خواتین کی فطرت میں ایسے شامل ہوتی ہے جیسے مچھلی کی فطرت میں تیرنا اور پرندے کی فطرت میں اڑنا شامل ہوتا ہے۔ اس نے تین عدد بہترین ساڑھیاں، ان کے بلاؤز، تین عدد شلوار سوٹ جو جدید ترین فیشن کے تھے۔ دو عدد کرتے پاجامے، نائٹ سوٹ جو خاصا سنسنی خیز تھا اس کے علاوہ کچھ خفیہ اشیا جنہیں اس نے خفیہ رکھنے کی قطعی کوشش نہیں کی تھی۔ سیلز گرل مجھے بتا۔ز برآمادہ تھی کہ ان میں سے کس شے کی کیا قیمت تھی لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''مجھے صرف ٹوٹل بل بتایا جائے۔''

اس نے ٹوٹل بل جو کمپیوٹر سے پرنٹ ہو کر نکلا تھا مجھے تھما دیا اور یہ پچپن ہزار روپے کی رقم تھی۔ بل ادا کرتے وقت میں نے دعا کی کہ سویرا شاپنگ کی ایسی شوقین نہ ہو۔ اس پر مجھے اپنی محنت کی کمائی خرچ کرنا تھی۔ یہ خاصا سامان تھا اس کے لیے یہیں سے دو چھوٹے سوٹ کیس لیے۔ اسٹور میں جوتوں اور سینڈلز کا شعبہ بھی تھا۔ میں نے اوشا سے کہا۔ ''تم یہاں ٹرائی روم میں اس میں سے کوئی لباس پہن لو۔''

وہ خود بھی یہی چاہتی تھی اس لیے خوش ہو گئی۔ میں جوتوں والے شعبے میں آیا میرے پیروں میں جو گر آرام دہ لیکن عام سے تھے یہاں سے میں نے بہترین قسم کے برانڈڈ جوتوں کے دو جوڑے اور ایک سلیپر لیا۔ ابھی میں نے لباس تبدیل نہیں کیا تھا۔ میرے ذہن میں تھا کہ مجھے اپنا حلیہ تبدیل کرنا چاہیے۔ جوتوں کے بعد میں گھڑیوں اور سن گلاس والے حصے میں آیا۔ یہاں ایک سن گلاس اور ایک ریم لیس زیرو کی عینک لی۔ ایک عدد گھڑی لی۔ اس اثنا میں اوشا آ گئی۔ سیلز گرل نے اسے ساڑھی پہننے میں مدد ہی نہیں دی تھی بلکہ اس کا ہیئر اسٹائل بنا کر ہلکا سا میک اَپ بھی کر دیا تھا اور وہ بالکل بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ میں دم بخود رہ گیا۔ وہ پہلی بار شرماتے ہوئے بولی۔ ''ایسے کیا دیکھ رہا ہے رے۔''

اس کی زبان پر سیلز گرل مہذبانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''دیکھ رہا ہوں کہ کیا تھیں اور کیا ہو گئیں۔''

''کیا ہم پہلے اچھے نہیں تھے؟'' وہ افسردہ ہو گئی۔

''نہیں بابا اچھی تو تم پہلے بھی تھیں لیکن اس لباس نے تو نکھار دیا ہے۔''

آف وائٹ اور ہلکے پیلے پھولوں والی ریشمی ساڑھی اور مختصر کسا ہوا بلاؤز اس کے سراپے کے تناسب میں ڈھل رہا تھا۔ جدید وضع کے آرام دہ سینڈل پہننے کے بعد رہی سہی کسر پوری ہو گئی۔ میں نے چہرہ چھپانے کے لیے بڑے سائز کے سن گلاس لیے جن کا فیشن ان دنوں تھا۔ اوشا مکمل طور پر بدل گئی تھی اب اسے کوئی دیکھتا تو اس کا دھیان کنور پیلس کی خادمہ کی طرف ہرگز نہ جاتا۔ مجھے بھی اپنا حلیہ بدلنا تھا اس لیے اسپتال جانے سے پہلے ہم واپس ہوٹل آئے۔ ہوٹل کے سیلون میں، میں نے نیا ہیئر اسٹائل بنوایا۔ سائیڈوں سے بال چھوٹے کرتے ہوئے اوپر بڑے بال چھوڑ دیئے تھے۔ مانگ ترچھی تھی۔ بڑھی ہوئی شیو صاف کرائی۔ فیشل اور اسکرب سے چہرہ صاف کیا اور میرا ہلکا جانے والا رنگ نکھر گیا تھا۔ اس حلیے کے ساتھ ریم لیس عینک لگانے پر میں نے خود کو بدلا ہوا محسوس کیا۔ یہ حلیہ کسی بزنس ایگزیکٹو جیسا تھا۔ سوٹ پہن کر میں اوشا جتنا ہی بدل گیا تھا۔ اب دیکھنے والا آسانی سے مجھے شہباز کی حیثیت سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔

دوپہر کا کھانا ہم نے اپنے کمروں میں کھایا اور اس دوران میں، میں دل پر جبر کر کے خود کو پاکستان کال کرنے سے روکتا رہا۔ میں خود کو یاد دلاتا رہا کہ ایسا کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اگر ایک بار بھارتی ایجنسیوں اور پولیس کو میرے بارے میں پتا چل گیا کہ میں بھارت میں ہوں تو اس کے بعد یہاں سے نکلنا میرے لیے مزید مشکل ہو جائے گا۔ دو بجے ہم بانو کو دیکھنے کے لیے اسپتال روانہ ہوئے۔ وہاں مجھے راج کنور سے متعلقہ کوئی شخص دکھائی نہیں دیا تھا اور رامن کو بھی فی الحال میں نے ذہن سے نکال دیا تھا۔ ریسیپشن پر اب ایک خاتون تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن ڈاکٹر انتھونی موجود تھا اور پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ پھر مسکرایا۔ ''مائی گاڈ آپ بالکل بدلے ہوئے انسان لگ رہے ہیں۔ اب آپ کی اصل پرسنالٹی سامنے آئی ہے اور دیوی جی بھی بدل گئی ہیں۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''بس حادثے اور پھر دربدری نے پریشان کر دیا تھا اب ذرا اطمینان ہوا ہے ہمارا تو سارا سامان بھی حادثے میں برباد ہو گیا تھا۔ خیر یہ باتیں ہوتی رہیں گی یہ بتایئے رینا کیسی ہے کیا اب ہم اس سے مل سکتے ہیں؟''

''بالکل آپ ٹھیک وقت پر آئے ہیں۔ وہ ہوش میں ہیں اور دو گھنٹے بعد ان کو دوبارہ سلا دیا جائے گا۔ کیونکہ پین کلر کا اثر کم ہو گا تو وہ پین محسوس کریں گی۔''

ہم ڈاکٹر انتھونی کے ہمراہ بانو کے کمرے میں آئے۔ ایک نرس اسے چمچ سے سوپ پلا رہی تھی۔ وہ ہمیں دیکھ کر کھل اٹھی۔ میں نے ڈاکٹر انتھونی سے کہا۔ ''پلیز کیا ہم کچھ دیر کے لیے اکیلے میں مل سکتے ہیں۔''

''یہ نرس اپنا کام ختم کر لے پھر.....''

''یہ کام ہم کر لیں گے۔'' اوشا نے آگے بڑھ کر کہا تو نرس اٹھ گئی اور پھر ڈاکٹر کے ساتھ باہر چلی گئی۔ اوشا نے بانو سے ہاتھ ملایا۔ ''کیسی ہو اب؟''

''میں تو ٹھیک ہوں لیکن آپ لوگ تو ایسا لگ رہا جیسے بنی مون منا کر آ رہے ہیں۔''

'ہنی مون کیا؟'' اوشا نے پوچھا۔ میں نے بوکھلا کر کہا۔

''مطلب گھوم پھر کر آ رہے ہیں۔ بانو کی بچی دماغ پر چوٹ لگی ہے اور قابو زبان پر نہیں رہا۔''

وہ کھسیا گئی۔ ''سوری..... چوٹ کی وجہ سے واقعی ایسا ہوا ہے۔ جب سے ہوش آیا ہے ڈاکٹروں نے سوال پوچھ پوچھ کر دماغ خراب کر دیا ہے۔''

میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''شکر ہے تمہیں بروقت یہاں لے آئے اور آپریشن ہو گیا۔''

''ہمارا تو من بیٹھا جا رہا تھا تمہیں بے ہوش دیکھ دیکھ کر۔'' اوشا نے اسے چمچ سے سوپ پلانا شروع کیا۔

''بانو یہاں تمہارا نام رینا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میرا نام شیام ہے اور اوشا تو اوشا ہی ہے۔''

''ڈاکٹر جب مجھ سے میرے بارے میں کوئی سوال کرتا تو میں کہتی کہ میرے بھائی کو بلائیں میں ان کے سامنے ہی کسی سوال کا جواب دوں گی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''شاباش.....'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''بانو مجھے تم پر فخر ہے۔ تم نے کسی موقع پر مجھے مایوس نہیں کیا ہے۔ بس یہ بات یاد رکھنا اور ہاں ہمارا تعلق دلی سے ہے اور ہم تفریح کر کے واپس آ رہے تھے کہ گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا۔''

بانو مسکرائی۔ ''میں نے یہی بتایا ہے۔''

''اب بتاؤ کہ ہوا کیا تھا ویسے مجھے بھی اندازہ ہے کہ کیا ہوا تھا اور راج کنور نے تم پر چھپ کر حملہ کیا تھا۔''

''ہاں وہ بھاگا تو میں اس کے پیچھے گئی اور اس نے ایک جگہ چھپ کر کسی سخت چیز سے میرے سر پر وار کیا اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔''

''اتفاق سے راج کنور بھی یہیں داخل ہے۔ وہ بلندی سے گر کر شدید زخمی ہوا تھا اس کا آپریشن ہوا ہے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر اس کے لیے بارہ گھنٹے اہم قرار دیے ہیں۔"

بانو کے ساتھ اوشا بھی چونک گئی اس نے شکوہ کیا۔ "تو نے ہمیں بتایا نہیں۔"

"موقع نہیں ملا..... مجھے بھی اتفاق سے معلوم ہوا اور اسے میرے سامنے یہاں لائے تھے۔"

"کون لایا تھا؟" بانو نے سوال کیا۔

"رامن اور ایک اجنبی شخص تھا۔"

"آپ نے رامن کو ایسے ہی جانے دیا؟" بانو نے سوال کیا وہ اوشا کی نسبت زیادہ ذہین تھی اور مجھے بھی سمجھنے لگی تھی۔

"ہاں مجھے موقع نہیں ملا۔" میں نے جواب دیا۔ "بانو میں نے تمہیں رانا ویاس کے بارے میں بتایا تھا۔ مجھے اس سے مدد لینا پڑی اور اس سے یہاں میرے لیے بہت آسانی ہو گئی ہے۔ میں نے پاکستان والوں کو اطلاع کر دی ہے۔ وہ پہلے بھی جان گئے ہیں کیونکہ بیتو میاں صاحب کی قید سے فرار ہو گیا تھا۔"

پاکستان کا سن کر وہ بے قرار ہو گئی تھی۔ "ہم یہاں سے کب جائیں گے؟"

"جیسے ہی تم ٹھیک ہوتی ہو۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ بولی۔

"نہیں تمہارا آپریشن ہوا ہے اور جب تک ڈاکٹر تمہیں ٹھیک نہ قرار دے دے تمہیں سفر نہیں کرنا ہوگا۔"

وہ کسمسائی۔ "شہباز صاحب جب سے میں نے سنا ہے راج کنور یہاں ہے مجھے بے چینی ہو رہی ہے۔ اگر میں سفر نہیں کر سکتی تو مجھے کہیں اور شفٹ کر دیں۔"

"میں نے بھی یہی سوچا ہے ہم جس ہوٹل میں مقیم ہیں وہ بہت محفوظ ہے اور وہاں رانا ویاس کا اثر بھی ہے میں تمہیں وہیں لے جاؤں گا اور کوشش کریں گے کہ ڈاکٹر وہیں تمہارا چیک اپ کرتا رہے۔ مگر فی الحال تمہیں اسپتال سے کہیں منتقل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تم آپریشن کی تکلیف میں ہو۔"

"تب آپ ڈاکٹر سے پوچھیں کہ مجھے کب تک اجازت مل سکتی ہے۔"

"میں بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور باہر آیا۔ ڈاکٹر اپنے کمرے میں تھا میں نے اس سے بانو کو ریلیز کرنے کا پوچھا تو اس نے جواب دیا۔

"چھتیس گھنٹے آپریشن کی تکلیف شدید رہتی ہے جسے صرف مارفین سے دبایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اسے عام پین کلر سے قابو کیا جا سکتا ہے اور بہتر گھنٹے بعد اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"زخم کتنے دن میں بھر جائے گا اور یہ ائیر ٹریول کر سکے گی؟"

"اس میں کم سے کم پانچ دن چاہئیں۔ ہم نے کھوپڑی میں صرف دو ملی میٹر کا سوراخ کیا تھا اسے بھرنے میں اتنے دن لگ سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن وہ ہاسپٹل کے ماحول سے گھبراتی ہے اگر میں اسے ہوٹل شفٹ کرنا چاہوں نرس سمیت، یہ کتنی دیر میں ممکن ہو سکے گا۔"

"یہ بھی کم سے کم چھ گھنٹے بعد ہو سکے گا۔ جب ہم دوبارہ سی ٹی اسکین سے چیک کر لیں کہ سوجن ٹھیک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہی ہے۔"

یعنی بانو کل صبح سے پہلے ہاسپٹل سے ریلیز نہیں ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "کل صبح چوبیس گھنٹے مکمل ہوتے ہی ان کا سی ٹی اسکین اور دوسرے ٹیسٹ ہوں گے اس کے بعد جانے کی اجازت ملے گی۔ مگر چوبیس گھنٹے میں ایک بار چیک کے لیے ہاسپٹل لانا لازمی ہوگا۔"

میں واپس آیا تو نرس آ چکی تھی اور اس نے اطلاع دی کہ ملاقات کا وقت ختم ہو گیا تھا اور اب بانو کو دوائیں دی جانی تھی۔ ہم روانہ ہوئے اوشا نے راستے میں کہا۔ "کیوں نہ ہنی مون منائیں۔"

رپن کمار جس طرح چونکا تھا میں پچھتایا کہ ہنی مون کی یہ وضاحت کیوں پیش کی تھی۔ رپن کمار شرارت سے بولا۔ "صاحب میڈیم صاحب کہہ رہی ہے تو منا لو۔"

"تم ڈرائیونگ پر توجہ دو۔" میں نے اسے ڈانٹا اور اوشا سے کہا۔ "باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے ہمارے دشمن بھی یہاں آ گئے ہیں اور ان سے سامنا ہو گیا تو بلاوجہ مسئلہ ہو جائے گا۔ جب تک بانو ٹھیک نہیں ہو جاتی ہمیں ہوٹل میں رہنا ہوگا۔"

اوشا نے منہ بنایا لیکن پھر مان گئی۔ اس نے خود کو کلی طور پر میری مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ یہ شام ہم نے ہوٹل میں ٹی وی کے سامنے گزاری تھی اور میں مختلف نیوز چینل لگا کر رامن کے بارے میں خبریں تلاش کرتا رہا تھا۔ اس دوران میں مجھے پہلی بار بھارتی میڈیا کو ٹھیک سے دیکھنے کا موقع ملا اور مجھے پہلی بار ٹھیک سے پتا چلا کہ یہاں پاکستان کے بارے میں کس طرح بات کی جاتی ہے۔ پاکستان سے متعلق یا اس کے کسی فرد کے بارے میں کوئی بھی خبر ہو انڈین میڈیا کا رویہ انتہائی منفی ہوتا تھا۔ معمولی بات کو یوں پیش کیا جاتا جس سے پاکستان کا خراب تاثر ابھرتا تھا۔ جب کہ جن معاملات پر بھارت سے ہمارے تنازعات تھے ان پر رپورٹنگ کا انداز اخلاق کی ہلکی ترین سطح سے گرا ہوتا تھا اور بعض چینلز پر تو کھلم کھلا گالیاں دی جا رہی ہوتی تھیں۔ یہ سب دیکھ دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا تھا اور مجھے اپنے وطن کے میڈیا کا خیال آیا جو دن رات بھارت سے دوستی اور امن کی آشا کے گیت گاتا ہے اور بھارتی چینلوں کے پروگرام دکھانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور بھارت کے ساتھ دیرینہ تنازعات کا ذکر کیا بھی جاتا تو نہایت معذرت خواہانہ انداز میں۔ کاش کہ یہ لوگ تین چار دن بیٹھ کر بھارتی میڈیا کو دیکھیں کہ وہ پاکستان اور اس کی حکومت کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

ایک اہم خبر جو کشمیر اور اس سے اوپر لداخ میں بہنے والے دریاؤں اور گلیشیرز کے بارے میں تھی۔ یہ پانی کا بہت بڑا منبع تھے اور بھارت ان دریاؤں اور گلیشیرز کا پانی اپنے قابو میں کرنے کے لیے چالیس بڑے پروجیکٹس پر کام کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک درجن پروجیکٹس وہ ہمارے حصے کے دریاؤں پر بنا رہا تھا۔ رپورٹ کے مطابق ان پروجیکٹس کی تکمیل کے بعد انڈیا ہمارے حصے کا نوے فیصد پانی روکنے پر قادر ہو جائے گا اور جب چاہے گا یہ پانی چھوڑ کر سیلاب سے ہماری فصلوں اور آبادیوں کو برباد کر سکتا تھا۔ یہ الفاظ اس رپورٹر کے تھے جو ان پروجیکٹس کے بارے میں بتا رہا تھا۔ ہمارا میڈیا اور ارباب اختیار مصلحتوں کا شکار ہیں یا وہ ملک کے نقصان کو اپنا نقصان نہیں سمجھ رہے ہیں۔ عوام کو ان گنت مسائل میں اس طرح گم کر دیا گیا ہے وہ صبح شام بجلی، گیس، پانی، مہنگائی اور امن و امان کے سوا کچھ سوچتے ہی نہیں ہیں۔ سربراہ مملکت سے لے کر عام فرد تک خود میں گم ہے۔ پتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہمارا کیا ہوگا؟ میں نے نہایت دکھی دل کے ساتھ ٹی وی بند کیا۔

رامن کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ یہاں شام کو بھی دو اخبارات چھپتے تھے میں نے ہوٹل والوں سے انگریزی کا اخبار منگوایا اور اس کا بھی باریک بینی سے مطالعہ کیا مگر رامن تو رامن کسی زخمی یا لاش کے بارے میں بھی کوئی خبر نہیں تھی۔ اگر وہ مارا گیا ہوتا تو اس کی لاش لازمی دریافت ہوتی وہ ندی زیادہ بڑی نہیں تھی اور نیچے آبادیوں سے گزرتی تھی۔ رامن نہ صرف بچ گیا تھا بلکہ اس نے اسے پولیس کیس بھی بننے نہیں دیا تھا جس سے اخبار والوں کو خبر ملتی۔ شاید اس نے چھپ چھپا کر اپنا علاج کرا لیا تھا۔ میں نے اب تک اس کا موبائل آف رکھا تھا۔ میں نے صرف ایک بار پاکستان رابطہ کیا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال موجود تھا کہ رامن را کا سابق ایجنٹ تھا اور وہ اپنے تعلقات استعمال کر کے اپنے نمبر کی نگرانی کرا سکتا تھا اگر وہ بھارتی حکام کو میرے بارے میں بتا دیتا تو یقیناً میرے لیے بہت زیادہ مشکل کھڑی ہو سکتی تھی۔ شملہ زیادہ بڑی جگہ نہیں تھی یہاں کسی کو تلاش کر لینا زیادہ مشکل نہیں تھا اور اگر تلاش حکومت کی جانب سے ہوتی تو یہ بہت آسان ہو جاتا۔ بھارتی حکام کے پاس میری تصویر موجود تھی۔ یہ مشتہر ہو جاتی تو میرے لیے کہیں بھی چھپنا بہت مشکل ہو جاتا۔ بہر حال اب بھی مجھے شبہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح میری تلاش جاری تھی اور میں اسی وجہ سے یہاں سے پاکستان رابطہ کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

اوشا میرے ساتھ خوش تھی اور وہ مُصر تھی کہ آج رات میرے کمرے میں رکے گی لیکن میں نے کسی نہ کسی طرح اسے اپنے کمرے میں جانے پر راضی کر لیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سکون سے سوچا اور آنے والے دنوں کے حوالے سے چند فیصلے کیے خاص طور سے اوشا کے بارے میں اور پھر سو گیا۔ صبح میری آنکھ جلدی کھل گئی تھی۔ بہت دنوں بعد میں نے ایکسر سائز کی اور اور پھر باتھ لے کر اوشا کے کمرے تک آیا۔ دستک کے جواب میں اس نے بستر سے اٹھ کر دروازہ کھولا اس کی آنکھوں میں ابھی تک نیند کا خمار تھا اور اس نے گزشتہ روز لی ہوئی نائٹی زیب تن کی ہوئی تھی۔ رانوں سے ذرا نیچے اس باریک نائٹی میں اس کے بدن کی تمام حشر سامانیاں نمایاں تھیں۔ میں بے ساختہ لاحول پڑھ کر رہ گیا اور پھر پوچھا۔ ''تم ابھی تک سو رہی ہو۔ کپڑے نہیں بدلے۔''

''ہاں رے.....'' وہ لاپروائی سے بولی۔ ''کرنا ہی کیا ہے۔''

''ناشتہ کرنا ہے اور پھر مجھے بانو کو لینے جانا ہے۔''

''ہمیں نہیں لے جاؤ گے؟'' اس نے جلدی سے کہا

''نہیں آج تم آرام کرنا۔ ویسے بھی تم آرام کے موڈ میں ہو اور اب جلدی سے کپڑے پہن لو میں ناشتہ منگوا لوں۔''

''پہنے ہوئے تو ہیں اچھے نہیں لگ رہے۔'' اس نے شوخی سے کہا اور گھوم کر خود کو دکھایا۔

''اچھے ہیں۔'' میں نے جز جز ہوتے ہوئے کہا۔ ''لیکن کم ہیں۔''

''تو بھول رہا ہے ہم تو اس سے بھی کم کپڑے پہنتے تھے رے۔'' وہ واش روم جاتے ہوئے بولی۔ نصف گھنٹے میں وہ تیار ہوئی اس دوران میں ناشتہ آ گیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نیچے آیا اور ریسپشن پر موجود اسی خاتون سے بات کی جس نے مجھے رانا ویاس کے حوالے سے تسلی دی تھی۔

''مجھے ایک کمرہ اور چاہیے۔ اس میں ایک مریضہ کا قیام ہوگا اور ساتھ میں اس کی نرس بھی ہوگی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں نہیں سر۔'' اس نے مستعدی سے کہا۔ ''نرس خود ہائر کریں گے یا ہوٹل کی طرف سے مہیا کی جائے ہمارے پاس ڈاکٹر بھی ہوتا ہے۔''

''نہیں نرس ساتھ آئے گی۔''

''روم اسی فلور پر چاہیے جہاں آپ ہیں۔''

''اگر وہاں مل جائے تو اور اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن کنفرم نہیں ہے کہ مریضہ کب تک آسکے گی۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا روم ابھی سے آپ کے نام ہو جائے گا۔ آپ جب چاہیں اسے یوز کر سکتے ہیں۔''

میں باہر آیا تو مجھے یاد آیا کہ میں نے ابھی تک رپن کمار کا معاوضہ نہیں دیا تھا۔ میں نے اسے گزشتہ روز اور آج کے معاوضے کے ملا کر تین ہزار دیئے۔ وہ خوش ہو گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''تم گاڑی میں آرام سے رہ لیتے ہو؟''

''کیوں نہیں صاحب کوئی پہلی بار تھوڑی ادھر آیا ہے سیزن میں تو زیادہ وقت ایسے ہی گزرتا ہے بہت کم بستر پر سونا نصیب ہوتا ہے۔ ہم کو عادت ہے۔ ابھی جوان ہے ہر طرح سے گزارا کر لیتا ہے جب بوڑھا ہو جائے گا تب بستر پر آرام کرے گا۔''

ہم اسپتال پہنچے۔ اس بار بھی میں احتیاط سے دیکھ بھال کر اندر گیا تھا۔ ریسیپشن والا مجھے پہچاننے لگا تھا میں نے اس سے پہلے راج کنور کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بغیر سوال کے بتایا کہ اس کے آپریشن کامیاب رہے تھے اور اب وہ پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ مجھ پر اس کا ایک قرض اور ہو گیا تھا لیکن ابھی میں بانو کو یہاں سے منتقل کرنا چاہتا تھا اس کے بعد اسے دیکھتا۔ ڈاکٹر انتھونی آف تھا اس کی جگہ ڈاکٹر امرتسر سنگھ ڈیوٹی پر تھا وہ روایتی ہنس کھ سکھ تھا جو سادگی میں بھی پھلجھڑیاں چھوڑتا ہو۔ اس نے بانو کا سن کر کہا۔ ''لو سر جی..... کا کی فٹ فاٹ ہے آپ جب چاہو لے جاؤ، پر چوبیس گھنٹے میں ایک بار اس کا چیک لازمی ہو گا اگر بہکی بہکی باتیں کرے تو فوراً ادھر لانا ہو گا۔''

''تُسی فکر ہی نہ کرو امرتسر جی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ویسے ادھر امرتسر میں پیدا ہوئے ہو؟''

وہ ہنسا۔ ''نہیں جی میرا پیو ادھر کا تھا پر جوانی میں یہاں شملہ آ گیا اور میں یہیں پیدا ہوا پیو نے باپ کی محبت میں میرا نام امرتسر رکھ دیا۔ دیکھا ایک بار بھی نہیں ہے۔''

مجھے یقین نہیں آیا کہ یہ خالص سکھ نمونہ پنجاب سے باہر پیدا ہوا تھا اور یہیں پلا بڑھا تھا۔ بانو کا سی ٹی اسکین ہو گیا تھا اور دماغ کی جھلی پر آنے والا ورم تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ دوسرے ٹیسٹ بھی مثبت آئے تھے۔ اسی لیے اسے اتنی جلدی جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ ڈاکٹر امرتسر سنگھ نے اسپتال کی طرف سے ایک نرس ساتھ کی جسے بانو کے بارے میں مکمل ہدایات دی گئی تھیں اور تمام ضروری دوائیں ساتھ کی تھیں۔ میں نے ریلیز آرڈر اور بل پر سائن کیے جو اب رانا ویاس کو بھیجا جانا تھا اور مجھے اس کی ایک کاپی بھی دی گئی تھی۔ وہ ایمبولینس ساتھ کر رہے تھے لیکن میں نے صرف وہیل چیئر لی۔ بانو کو اسی پر بٹھا کر باہر گاڑی تک لائے اور ہوٹل روانہ ہو گئے۔ بانو گزشتہ دن کے مقابلے میں زیادہ بہتر لگ رہی تھی اور اس کے چہرے کی سرخی بحال ہونا شروع ہو گئی تھی۔ البتہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پین کلر کی وجہ سے وہ کسی قدر غنودگی میں تھی۔ اسے وہیل چیئر پر اس کے لیے مخصوص کمرے میں پہنچایا گیا جہاں ہوٹل انتظامیہ نے وہاں سے عام بیڈ ہٹا کر مریضوں کے لیے مخصوص بیڈ بچھا دیا اور نرس کے لیے ایک آرام دہ کاؤچ کا بندوبست کر دیا تھا۔ یہ کمرہ بھی اسی فلور پر تھا۔ بانو لیٹتے ہی سو گئی تھی۔ یہ اس کے لیے اچھا تھا وہ جتنا آرام کرتی اتنی جلدی اس کی صحت بحال ہو جاتی۔ نرس اس کی خوراک کا مکمل چارٹ بھی لائی تھی اور اسے اسی لحاظ سے دن میں چار سے پانچ بار کھانا دیا جاتا۔ یہ بھی اس کی جلد بحالی کے پروگرام کا حصہ تھا۔ اوشا کو پتا چلا تو وہ بھی آئی تھی لیکن بانو سو رہی تھی۔ میں نے کہا۔

''اسے سونے دو یہ جتنا آرام کرے گی اتنی جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔''

بانو کو دوپہر میں جاگی مگر دو گھنٹے بعد کھانا اور دوائی لے کر پھر غنودگی میں چلی گئی۔ اب اسے مارفین نہیں دی جا رہی تھی اور پین کلر گولی کی صورت میں دی گئی تھی۔ اس کے اثر سے وہ چار سے پانچ گھنٹے درد سے بچی رہتی۔ نرس نے بتایا کہ دو سے تین گھنٹے اسے درد برداشت کرنا ہوگا اور اس کے بعد اگلی پین کلر دی جائے گی اس سے ایک تو وہ عادی نہیں ہوگی اور جسم پر پین کلر کے منفی اثرات کم ہوں گے دوسرے درد سے اندازہ ہوگا کہ یہ نارمل نوعیت کا ہے یا کوئی مسئلہ ہو رہا ہے۔ میں اور اوشا بھی شام تک اس کے ساتھ رہے تھے۔ جاگنے کے بعد وہ دو گھنٹے ہم سے گپ شپ کرتی رہی اور کھاتی پیتی رہی پھر دوا لے کر سو گئی۔ اگلی صبح اس کی حالت اتنی بہتر ہو چکی تھی کہ اس نے نرس سے مزید پین کلر نہ دینے کی درخواست کی۔ نرس نے ڈاکٹر کو کال کر کے اس کا مشورہ لیا اور اس نے کہا کہ اگر درد حد سے زیادہ نہ ہو تو ٹھیک ہے۔ بانو سارا دن جاگتی رہی اور نرس کے سہارے کے بجائے وہ خود چل کر واش روم گئی تھی البتہ نرس اس کے ساتھ تھی کہ اگر اسے چکر آئے تو وہ اسے سنبھال لے۔

شام کو اسے اسپتال لے گئے جہاں اس کا ایک سی ٹی اسکین اور ہوا۔ اس میں تصدیق ہو گئی کہ جھلی پر آنے والی لوے فیصد سوجن ختم ہو چکی تھی اور دس فیصد سوجن بھی ایک دو دن میں اتر جاتی۔ اس کی پروگریس دیکھتے ہوئے ڈاکٹر نے چوبیس گھنٹے والی حاضری سے منع کر دیا اور اب وہ اڑتالیس گھنٹے بعد دوبارہ اسپتال جاتی۔ سر سے بینڈیج اتار کر صرف ایک چھوٹی سے پٹی ٹیپ کی مدد سے لگا دی گئی تھی۔ اسے سر کے علاوہ باقی جسم دھونے کی اجازت مل گئی تھی۔ اب وہ آرام سے چل پھر رہی تھی اور دن کا زیادہ وقت وہ چلنے پھرنے میں گزار رہی تھی۔ وہ جلد از جلد خود کو بھاگ دوڑ کے قابل بنا رہی تھی اسے بھی معلوم تھا کہ ابھی سب سے اہم مرحلہ باقی تھا جس میں اسے سرحد پار جانا تھا۔ میری بھی یہی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد سفر کے قابل ہو جائے۔ وہ تو ایکسرسائز بھی کرنا چاہ رہی تھی لیکن نرس نے اسے روک دیا۔ ڈاکٹر نے ابھی ایسی کسی سرگرمی کی اجازت نہیں دی تھی۔

دو دن بعد وہ اسپتال گئی تو اندرونی چوٹ کو مکمل ٹھیک قرار دیا گیا تھا باہر سے بھی زخم بس نشان کی صورت میں باقی تھا کچھ دنوں میں اس کا کھرنڈ اتر جاتا تو نشان بھی باقی نہ رہتا۔ ڈاکٹر نے اسے فضائی سفر کی اجازت دے دی تھی۔ کچھ دوائیں دی تھیں جن سے اندر کی چوٹ کا رہا سہا اثر بھی جاتا رہتا اور یہ دوائیں اسے تین دن مزید کھانا تھی۔ اپنی اس پروگریس پر بانو بہت خوش تھی۔ اسپتال سے واپسی پر میں اسے ایک ریستوران لے گیا۔ ایک مقصد تو ذرا آؤٹنگ تھا وہ ایک ہفتے سے کمروں میں بند تھی۔ دو دن پہلے جب اسپتال گئی تھی تو وہاں سے واپسی پر اسی گارمنٹ اسٹور سے بانو نے بھی شاپنگ کی۔ اس کے علاوہ وہ باہر نہیں نکلی تھی لیکن اصل مقصد اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے آئندہ کے عزائم کے بارے میں بریف کرنا تھا۔ خاص طور سے اوشا کے بارے میں جو سوچا وہ بانو کو بتایا کہ میں اسے یہیں چھوڑ کر جانا چاہتا تھا۔

وہ پریشان ہوگئی۔ ''اوشا مان جائے گی؟''

''وہ مجبور ہوگی۔ نہ ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''وہ آپ کے لیے جنونی ہے نہ مانے گی تو دوسرے مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

''میرا خیال ہے ہوٹل والے معاملہ سنبھال لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''ایک منٹ میں ایک کال کر کے آتا ہوں۔''

میں کال کر کے واپس آیا تو بانو کھانے کا آرڈر دے چکی تھی۔ اس نے یہاں اپنی پسند کا حیدرآبادی فراک اور پاجامہ تلاش کر لیا تھا اور وہی پہنے ہوئے تھی۔ یہ لباس اس پر جچتا تھا۔ کھانے کے بعد ہم ہوٹل کے لیے روانہ ہوئے۔ اوشا ہماری منتظر تھی۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے رپن کمار کو اس کا باقی معاوضہ معہ ایک دن کے اضافی معاوضے کے دیا تو وہ بہت خوش ہوا اور شکریہ ادا کرتا ہوا رخصت ہوا تھا۔ اب اس کی ضرورت نہیں تھی اگر مجھے ضرورت پڑتی تو میں ٹیکسی لے سکتا تھا یا ہوٹل کی طرف سے گاڑی معہ ڈرائیور کے مل سکتی تھی۔ بانو کے لیے رکھی جانے والی نرس بھی رخصت کر دی تھی اور اب اس کا کمرہ دوبارہ نارمل فرنیچر سے آراستہ کر دیا گیا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد جب اوشا سونے چلی گئی تو میں کمرے سے نکل کر نیچے اسسٹنٹ منیجر کے پاس آیا۔ منیجر دن میں ہوتا تھا میں نے اس سے تفصیلی بات کی اور اسے بتایا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ وہ کسی قدر پریشان ہوگیا۔ ''کیا آپ نے خاتون سے بات کر لی ہے؟''

''آپ سمجھ نہیں رہے ہیں اسے بے خبر رکھنا ہے اور صبح آپ نے میری ہدایت کے مطابق اسے بتانا ہے۔ اس کے بعد بھی سارے انتظامات آپ کے ہوٹل کے توسط سے ہوں گے اور میں تمام اخراجات کے لیے آپ کو پیشگی رقم دوں گا۔''

''رقم کا مسئلہ نہیں وہ سب رانا صاحب کے ذمے ہے۔ مسئلہ ان کی اجازت کا ہے۔''

''فون رکھا ہوا ہے آپ بات کریں اور اجازت لے لیں۔''

اس نے رانا ویاس کے محل کال کی اور چند لمحے بعد رانا ویاس لائن پر آ گیا۔ اسسٹنٹ منیجر نے اسے بتایا کہ میں کیا چاہتا ہوں پھر اس نے مجھ سے بات کی اور خفگی سے بولا۔ ''مجھ بڈھے کو رات کو کیوں تنگ کرتا ہے پہلے ہی اتنی مشکل سے نیند آتی ہے۔''

''رانا صاحب معذرت خواہ ہوں لیکن یہ بھی ایمرجنسی تھی میں بہرصورت اس معاملے میں آپ کی رضامندی چاہتا ہوں۔''

''فون منیجر کو دو۔'' اس نے کہا تو میں نے ریسیور اسسٹنٹ منیجر کی طرف بڑھا دیا۔ رانا ویاس اس سے بات کرنے لگا۔ منیجر نے بات کر کے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے سر جیسا آپ کہیں ہم ویسا ہی کریں گے۔''

''یہ کام ابھی کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔ منیجر نے مجھے ایک وائس ریکارڈر فراہم کیا اور پھر مجھے تخلیہ فراہم کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔اس کے جانے کے بعد میں نے ریکارڈنگ کا بٹن دبایا اور کہنے لگا۔

''اوشا.....تم شاید آخری بار میری آواز سن رہی ہو۔میری زندگی بہت سی مشکلات کا شکار ہے اور تم مجھے عزیز ہو۔میں تمہیں ان مشکلات میں مزید شامل نہیں کرنا چاہتا۔پھر مجھے واپس جانا ہے اور تم میرے ساتھ نہیں جا سکتیں۔میں تمہیں اکیلا اور بے سہارا چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتا اس لیے تمہیں رانا ویاس کو سونپ کر جا رہا ہوں۔وہ بہت اچھے اور مہربان آدمی ہیں ان کے محل میں تم آرام سے رہو گی اور تمہیں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔تم ملازم نہیں ہو گی لیکن اگر تم چاہو تو اپنی مرضی سے کوئی ذمے داری سنبھال سکتی ہو۔اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو میری بات ضرور مانو گی اور میں چاہتا ہوں کہ تم رانا صاحب کے پاس چلی جاؤ۔جس وقت تم یہ پیغام سنو گی میں اور بانو یہاں سے جا چکے ہوں گے۔ہوٹل انتظامیہ تمہارے جانے کا بندوبست کر دے گی۔ان سے تعاون کرنا۔اگر زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔''

میں نے ریکارڈر بند کیا اور منیجر کو بلایا۔''اس میں موجود پیغام صرف اوشا سنے اور یہ ریکارڈر اسے دے دیا جائے۔''

''ٹھیک ہے جناب.....آپ کے لیے نئے کمرے سیٹ کر دیئے ہیں اور آپ کا سامان بھی وہاں پہنچا دیا ہے۔بے بی جا چکی ہیں اور یہ آپ کے کمرے کی چابی ہے۔''

یہ نئے کمرے چوتھے فلور پر تھے اور یہاں آمنے سامنے تھے۔بانو آ چکی تھی۔میں نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔وہ جاگ رہی تھی۔دروازہ کھلنے پر وہ افسردہ دکھائی دی اس نے کہا۔''آپ نے اوشا کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہے اسے بہت دھچکا لگے گا۔''

''میں جانتا ہوں لیکن اس کے لیے یہ دھچکا ہی اچھا ہو گا۔میں اسے ساتھ نہیں رکھ سکتا اور واپس تو ہرگز نہیں لے جا سکتا۔اگر کسی ہنگامی موقع پر اسے چھوڑنا یا چھوڑنا پڑتا تو وہ بے یار و مددگار رہ جاتی۔یہ اچھا نہیں ہے کہ میں اسے محفوظ ہاتھوں میں دے کر جا رہا ہوں۔اب وہ آرام سے رہے گی۔اسے ہمارے ساتھ دھکے نہیں کھانا پڑیں گے۔رانا ویاس کا محل کنور خاندان سے کہیں شاندار ہے اور وہ انسانی لحاظ سے بھی اچھا ہے۔مجھے امید ہے اوشا جلد وہاں سیٹ ہو جائے گی۔''

بانو نے گہری سانس لی۔''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن پھر بھی دکھ ہو رہا ہے۔''

''افسوس تو مجھے بھی ہے۔اس نے کمزور ہونے کے باوجود پوری طرح ہمارا ساتھ دیا ہے۔''

''اب کیا کرنا ہے؟''

''واپس جانا ہے۔''میں نے کہا۔''لیکن اس کے لیے راج کنور کو قابو کرنا ہو گا۔''

بانو چونکی۔''وہ تو اسپتال میں ہے اور زخمی ہے۔''

''کوئی بات نہیں چند دن میں بہتر ہو جائے گا۔''

''مجھے لگ رہا ہے آپ رامن کے بارے میں کچھ چھپا رہے تھے؟''

میں نے گہری سانس لی۔''تم بہت ذہین ہو،واقعی میں اوشا کے سامنے نہیں بتانا چاہ رہا تھا میں رامن کو اٹھا کر لے گیا تھا اور اس سے پوچھ گچھ کی لیکن اس نے کچھ خاص نہیں بتایا اور پھر فرار کی کوشش کی میں نے گولی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلائی اور وہ زخمی بھی ہوا مگر بھاگ نکلنے میں کامیاب رہا۔ مجھے شبہ ہے وہ بچ گیا ہے اور شاید کہیں علاج کرا رہا ہے۔"

بانو تجسس میں پڑ گئی تھی اس نے سوالات کیے اور آخر میں وہی بات کی جو میرے ذہن میں تھی۔ "یہ راج کنور کے اتنے خیر خواہ کب سے ہو گئے کہ اسے علاج کے لیے اسپتال لے آئے۔"

"معلوم تو مجھے بھی نہیں ہے لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کنور پیلس میں کوئی تبدیلی آئی ہے اسی کے نتیجے میں راج کنور کو علاج کے لیے اسپتال بھیجا گیا ہے۔"

"کیسی تبدیلی؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا بڑے کنور نے ٹیک اوور کر لیا ہے؟"

"اس کا امکان ہے۔ منشی جی کے ساتھ چند ہی آدمی تھے اور وہ بھی لالچ میں اس کے ساتھ آئے ہوں گے جب کہ پیلس میں کنور خاندان کے لاتعداد وفادار ہیں۔ ممکن ہے بڑے کنور کو کسی طرح ان سے رابطے کا موقع مل گیا ہو اور انہوں نے بازی پلٹ دی ہو۔"

"بڑا کنور ہی بھائی کا کسی حد تک فیور کر سکتا ہے ورنہ منشی جی اور رامن اسے ہر قیمت پر مار ڈالنا چاہتے تھے۔"

"لیکن ایک ابہام ہے۔ اگر بازی پلٹ گئی تو رامن نہ صرف معاف کر دیا گیا بلکہ اس پر اتنا اعتماد کیسے کر لیا گیا کہ اسے راج کنور کو اسپتال لے جانے کی ذمے داری سونپ دی گئی۔"

"ممکن ہے اسی کی وجہ سے بڑے کنور کو آزادی ملی ہو۔" بانو نے خیال ظاہر کیا۔ "اس صورت میں وہ معتمد بن سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے وہ مجبوراً منشی جی کے ساتھ شامل ہوا تھا مگر اس نے ہمیں مارنے کی پوری کوشش تو کی تھی۔"

"تب اس کی اصل وفاداری بڑے کنور کے ساتھ ہو گی اور وہ راج کنور بھی کو بھی اسی کے حکم پر بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

ہم سوچ کے تکے لگا رہے تھے اور حقیقت کا علم نہیں تھا۔ رات گہری ہو رہی تھی اس لیے میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ نیند دیر سے آئی اور پھر آنکھ فون بیل سے کھلی۔ یہ انٹر کام تھا میں نے ریسیو اٹھایا۔ "یس۔"

"سر یہ آپ نے کتنی خطرناک لڑکی ہماری سپرد کی ہے۔" دوسری طرف سے اسسٹنٹ منیجر کی بوکھلائی آواز آئی۔ "جب اسے آپ کا میسج دیا گیا تو وہ پاگل ہو گئی۔ میرے آدمیوں پر چڑھ دوڑی اور جب اسے قابو کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے ایک آدمی کو کاٹ لیا۔ اس کی حالت خراب ہو گئی اور اسے اسپتال بھیجا ہے۔"

"مائی گاڈ۔" میں نے کہا۔ "منیجر وہ زہریلی ہے، وش کنیا ہے۔ اپنے آدمی کو فوراً کسی اچھے اسپتال بھیجو ورنہ وہ مر بھی سکتا ہے۔"

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ بولا۔

"میرا نہیں خیال تھا کہ اس کا ردِعمل یہاں تک پہنچ جائے گا۔ اب وہ کیسی ہے؟"

"آدمی کو کاٹنے کے بعد اس کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ہے لیکن سب ڈرے ہوئے ہیں۔ کوئی اس کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

میری نیند اُڑ گئی تھی اور ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ "مجھے ایک موبائل فون مہیا کریں اور اپنے موبائل فون سے اس پر کال کر کے اوشا سے میری بات کرائیں۔ ظاہر یہ کریں کہ میں کہیں اور ہوں اور آپ نے بڑی مشکل سے مجھ سے رابطہ کیا ہے۔"

پانچ منٹ بعد ایک ویٹر دروازے پر دستک دے کر ایک موبائل فون دے گیا اور چند منٹ بعد اس کی بیل بجی میں نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف اسسٹنٹ منیجر تھا۔ "جناب آپ کہاں ہیں؟" اس نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کی ساتھی نے مسئلہ کھڑا کر دیا ہے انہوں نے مزاحمت کر کے ہمارے ایک آدمی کو کاٹ لیا ہے اور وہ اسپتال میں داخل ہے۔"

"میری اوشا سے بات کراؤ۔" میں نے کہا چند لمحے بعد اوشا کی آواز آئی۔

"شہباز یہ تُو ہے؟"

"اوشا یہ کیا کر رہی ہو کیا تم نے میری بات نہیں سنی تھی۔"

"تُو ہمیں کیوں چھوڑ گیا ہے رے۔" وہ رونے لگی۔ "ہم تیرے بنا نہیں رہ سکتے۔"

"اوشا..... اوشا میری بات سنو....." میں نے کہا اور بڑی مشکل سے اسے رونے سے روکا۔ "میری مجبوری سمجھو..... میں یہاں نہیں رہ سکتا..... مجھے واپس جانا ہے اور اب تو میں بہت دور آ گیا ہوں آج یا کل تک یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"تُو پھر کبھی نہیں آئے گا؟"

"آؤں گا جب حالات بہتر ہوں گے۔" میں نے جھوٹ بولا۔ "لیکن ابھی یہاں کے حالات میرے لیے ٹھیک نہیں ہیں۔ تُو کیا چاہتی ہے میں راج خاندان یا حکومت کے ہاتھ لگ جاؤں وہ میرے خون کے پیاسے ہیں۔"

"نہیں رے۔"

"تب میری بات مانو اور رانا دیاس کے پاس چلی جاؤ اور وہاں میرا انتظار کرو۔"

"اگر تُو کہتا ہے تو چلے جاتے ہیں ورنہ ہم کسی رانا کو نہیں جانتی۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"وہ میرے بڑے ہیں ان سے احترام سے پیش آنا۔" میں نے کہا۔ "وہاں تمہیں کنور پیلس سے بالکل مختلف ماحول ملے گا۔ مجھے امید ہے تم وہاں خوش رہو گی۔"

اسے خوش کرنے کے لیے میں کچھ دیر اس سے بات کرتا پھر منیجر سے بات کی۔ "اب یہ مزاحمت نہیں کرے گی۔ اس کی روانگی کا کیا بندوبست ہے؟"

"دوپہر دو بجے کی فلائیٹ میں سیٹ ہے۔ یہ دہلی اور کلکتہ سے ہوتی مرشد آباد جائے گی اور وہاں رانا صاحب کا آدمی اسے ریسیو کرے گا۔"

میں فکر مند ہو گیا۔ "یہ باہر کی دنیا کے بارے میں بہت کم جانتی ہے اس کے لیے اکیلے سفر کرنا مشکل ہو گا بہتر ہے کسی کو اس کے ساتھ بھیجا جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے میں کوشش کرتا ہوں۔'' اسسٹنٹ منیجر نے کہا۔

منیجر سے بات کر کے میں واش روم میں آیا اور نہا دھو کر ناشتہ طلب کیا۔ بانو بھی اٹھ گئی تھی اور اس نے بتایا کہ اس نے ہلکی پھلکی ایکسر سائز بھی کی تھی اور اسے کوئی مشکل نہیں ہوئی۔ زخم کا کھرنڈ پکا ہو گیا تھا اس لیے احتیاط سے نہانے کی اجازت بھی مل گئی۔ ناشتے کے دوران اسے اوشا کی ہنگامہ آرائی کے بارے میں بتایا وہ پریشان ہو گئی۔ ''یہ اچھا نہیں ہوا..... اس آدمی کا کیا حال ہے۔''

''زہر کا اثر ہوا ہے لیکن امید ہے کہ بچ جائے گا۔''

اسسٹنٹ منیجر کے انداز سے بھی لگ رہا تھا کہ آدمی کی حالت اتنی خراب نہیں ہے۔ مگر معاملہ زہر کا تھا اور بعد میں کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو اوشا پھنس جاتی۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائے ایک بار وہ رانا دیاس کے پاس چلی جاتی تو وہ سب سنبھال لیتا۔ ایک گھنٹے بعد میں نے فرم کیا۔ منیجر آ گیا تھا اور اس نے مجھے یقین دلایا کہ اوشا کو پوری ذمے داری سے مرشد آباد تک پہنچا دیا جائے گا۔ بارہ بجے اوشا کو ہوٹل کی گاڑی لے گئی۔ اس کے ساتھ عملے کی ایک عورت جا رہی تھی جو اسے مرشد آباد پر رانا دیاس کے آدمیوں کے حوالے کر کے واپس آتی۔ یہ طویل فلائٹ تھی جو شام ساڑھے سات بجے مرشد آباد پہنچتی۔

لنچ کے بعد میں بانو کو چھوڑ کر ہوٹل سے نکلا۔ سوٹ کے بجائے میں نے ٹراؤزر شرٹ اور اوپر ہلکی جیکٹ کے ساتھ سن گلاسز لگا رکھے تھے۔ ایک جگہ سڑک کے کنارے ٹھیلے پر پی کیپس بک رہی تھیں میں نے ایک جیکٹ سے میچ کرتی پی کیپ خرید لی۔ اب میرا حلیہ خاصا بدل گیا تھا اور اگر اسپتال میں مجھے کوئی دیکھتا تو آسانی سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ٹیکسی نے مجھے اسپتال پہنچایا۔ میں گیٹ سے اندر آیا لیکن ایمرجنسی میں سامنے سے جانے کے بجائے عقبی حصے میں آیا۔ یہاں سروس ڈور تھا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ میں انتظار کرنے لگا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ایک ادھیڑ عمر شخص اندر سے نکلا اس نے بڑا سا ڈسٹ بن اٹھا رکھا تھا یہ اس نے دروازے کے ساتھ رکھے لوہے کے کچرے دان میں خالی کیا اور اس سے پہلے وہ واپس جاتا میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

''اے چاچا ایک منٹ رکنا۔''

وہ رک گیا اور خلاف توقع وہ مسکرایا۔ ''اندر کسی سے ملنا چاہتے ہو؟''

''ہاں بس تھوڑی دیر کے لیے۔'' میں نے ایک سو کا نوٹ اس کے ہاتھ میں دبایا۔ ''سامنے والے جانے نہیں دے رہے۔''

''کہاں جانا ہے؟''

''تیرہ نمبر میں۔'' میں نے تکا مارا۔

''اچھا اچھا..... جس میں سندر سی ناری ہے۔''

میں نے آنکھ دبائی۔ ''تم سمجھدار ہو چاچا۔''

''زیادہ دیر مت لگانا۔ اگر پکڑے گئے تو میرا نام مت لینا۔''

''تمہارا نام کیسے لے سکتا ہوں جب کہ تمہارا نام جانتا ہی نہیں ہوں۔'' میں نے اندر جاتے ہوئے کہا۔

میرے ذہن میں ایمرجنسی والے حصے کا نقشہ تھا اس لیے مجھے راستہ تلاش کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روم والے حصے میں آیا۔ راج کنور یہیں کہیں ہوسکتا تھا۔ میں باری باری دروازے کھول کر دیکھنے لگا اور اگر کوئی مریض یا دوسرا فرد نظر آتا تو سوری کہہ کر دروازہ بند کر دیتا۔ پانچویں کمرے میں راج کنور دکھائی دیا وہ آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ میں خاموشی سے اندر آ گیا۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اس کی ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ پر پلاسٹر لپٹا ہوا تھا اور گردن میں کالر تھا۔ سر اور منہ پر بھی چوٹوں کے معدوم ہو جانے والے نشانات تھے۔ اسے یقیناً اچھی خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ سر کے بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ صحت بہتر ہو رہی تھی۔ مجموعی طور وہ بہتر لگ رہا تھا۔ بانو پر حملہ کرنے کا صلہ یقیناً اسے مل گیا تھا لیکن ابھی حساب پورا نہیں ہوا تھا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کیا۔ آہٹ سن کر وہ چونکا اور پھر اس نے آنکھ کھولی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کا ہاتھ سرہانے لگے بٹن کی طرف گیا تھا۔ مگر میرے ہاتھ میں موجود پستول پر نظر پڑتے ہی رک گیا اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''شہباز تم.....؟''

''تم یقیناً مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہوئے ہو گے۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور کرسی کھینچ کر بستر کے پاس بیٹھ گیا۔ احتیاطاً اس کے بیڈ کو ذرا اونچا سرکا کر بٹن اس کی پہنچ سے دور کر دیا تھا۔ ''تمہارا خیال ہو گا کہ میں پاکستان جا چکا ہوں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ چند دن پہلے تک تم یہاں تھے؟''

''یہ بات رامن نے بتائی ہو گی اس کا مطلب ہے وہ بچ گیا ہے؟''

''اس کے بازو میں گولی لگی تھی۔''

''مجھے زیادہ تعجب تمہارے بچ جانے پر ہے یہ چمتکار کیسے ہوا، میرے خیال میں تو بڑے کنور سمیت سب ہی تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اگر میں زندہ ہوں تو یہ ان کی مہربانی نہیں مجبوری ہے۔''

''کیسی مجبوری؟''

''جاگیر اور بزنس سے متعلق بعض اہم دستاویزات میرے پاس ہیں جب تک وہ انہیں حاصل نہیں کر لیتا مجھے نہیں مار سکتا ہے۔''

''وہ کون؟''

''بڑا کنور اور کون؟''

''اس کا مطلب ہے پیلس میں اس نے اقتدار پھر سے حاصل کر لیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بالکل اور اسی وجہ سے میں بچ گیا۔ منشی دل جی فرار ہو گیا تھا اور جب رامن مجھے وہاں لے گیا تو حالات بڑے کنور کے قابو میں آ چکے تھے۔''

یعنی میرا اور بانو کا اندازہ درست تھا۔ ''رامن کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم..... وہ کل ملنے آیا تھا اور مجھے دھمکی دے کر گیا ہے اگر میں نے کاغذات بڑے کنور کے حوالے نہ کیے تو بات میرے بیوی بچوں تک جا سکتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''رامن پٹڑی بدلنے کا ماہر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ بڑے کنور نے اس پر اعتماد کیسے کر لیا؟''

''میں نہیں جانتا، ویسے بھی میں بے ہوش تھا۔ مجھے یہاں اسپتال میں ہوش آیا تھا۔''

''تب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ اگر رامن تمہارے بیوی بچوں کو اٹھا لایا تو تم بالکل مجبور ہو جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کاغذات دے کر بھی تم لوگوں کی جان نہ بچے۔''

راج کنور کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے بھی یہی خدشہ تھا۔ اس نے مایوسی سے کہا۔ ''میں کیا کر سکتا ہوں یہاں مجبور اور بے بس ہوں۔ جیسے ہی ذرا ٹھیک ہوں گا یہ مجھے یہاں سے لے جائیں گے۔''

میں بھی یہی چاہتا تھا لیکن میرا منصوبہ کیا تھا یہ صرف میرے ذہن میں تھا اور اسی وجہ سے میں یہاں رکا ہوا تھا۔ اگر میں کامیاب رہتا تو بہت آرام سے پاکستان پہنچ سکتا تھا جیسے وہاں سے لایا گیا تھا۔ میں نے ذرا آگے جھک کر کہا۔ ''راج کنور نشی جی کا پتا صاف ہو گیا ہے اور اب رامن رہ گیا ہے اگر وہ بھی نہ رہے تو تم دونوں بھائیوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے والا کون رہ جائے گا؟''

''کوئی بھی نہیں..... اصل سازشی نشی جی تھا۔ مگر بڑا کنور مجھ سے پوری طرح بدظن ہو گیا ہے وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''اگر رامن نہیں رہے گا تو اس کا رویہ بھی چینج ہو گا۔ ہر ایک تمہارے ساتھ وہ نہیں کر سکتا ہے جو رامن کر سکتا ہے۔ ابھی وہ کسی وجہ سے مجبور ہے لیکن موقع پاتے ہی تمہیں مار ڈالے گا کیونکہ موقع پاتے ہی تم بھی اس کے ساتھ یہی کرو گے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' وہ بولا۔ ''تمہارا مقصد کیا ہے اگر تم مجھے قتل کرنے آئے ہو تو اتنی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں تمہیں قتل کرنے نہیں آیا ہوں میری ایک پیشکش ہے۔''

''کیسی پیشکش؟''

''میں رامن کا پتا صاف کر دیتا ہوں اور تم مجھے واپس پاکستان چھوڑ کر آؤ گے۔''

''وہ کیسے؟''

''اپنے ہیلی کاپٹر کی مدد سے، تم نے مجھے بتایا نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ بھارت سرکار کی طرف سے اس ہیلی کاپٹر کو سرحد پار کرنے اور واپس آنے کی کلیرنس دی جاتی ہے ورنہ اتنی حساس سرحد پر یوں دن کی روشنی میں آنا جانا ممکن نہیں ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا ہے میں نے خصوصی اجازت لی ہوئی ہے۔''

''تم اب بھی پوری بات نہیں بتا رہے ہو۔ یہ اجازت تمہیں بھگوان واسطے نہیں ملی ہے اس کے بدلے تم سرکار کا کوئی نہ کوئی کام کرتے ہو گے۔ سامان اور بندے لاتے لے جاتے ہو گے۔''

اس کے تاثرات نے پھر تصدیق کی کچھ ایسا ہی تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز کیا تم مجھ پر اعتبار کر رہے ہو؟''

''نہیں اس کے برعکس تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارا اشارہ اس طرف ہے نا کہ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رامن کا کام تمام کردوں۔ اس کے بعد تم مجھ سے تعاون سے مکر جاؤ تو میں کیا کرلوں گا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میرا یہی مطلب ہے؟''

''راج کنور اگر تم بڑے کنور کے چنگل سے نکلنا چاہتے ہو تو تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔ اگر تم میرا ساتھ دو گے تو میں تمہیں موقع دوں گا تم واپس آ کر نکل جاؤ۔ تم بڑے کنور کو دھوکے میں رکھ سکتے ہو کہ تم صحت یاب ہوتے ہی دستاویزات اس کے حوالے کردو گے۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''تم مجھے اس کے چنگل سے کیسے نکالو گے؟''

''یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا پہلے رامن سے نمٹ لوں۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''تم بدقسمتی کہہ سکتے ہو جب تک میرے پاس جوتے نہیں تھے میں ایک بار بھی نہیں گرا اور جب بانو سے جوتے حاصل کیے تو کچھ دیر بعد ہی پاؤں پھسلا اور میں لڑھک کر نیچے سڑک تک آ گرا اور اسی وجہ سے بچ گیا۔ ورنہ کسی ویران جگہ ہوتا تو وہیں پڑے پڑے مر جاتا۔ اتفاق سے اسی وقت رامن وہاں سے گزرا اور اس نے مجھے دیکھ لیا۔''

رامن یقیناً ہماری ناکام تلاش کے بعد واپس آ رہا ہوگا جب اس نے راج کنور کو سڑک کے کنارے پڑے پایا۔ ''ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں تمہیں کب تک ڈسچارج کیا جا سکتا ہے؟''

''مزید دو دن لگ سکتے ہیں، میری گردن میں چوٹ آئی ہے اور ریڑھ کی ہڈی متاثر ہوئی ہے اس کی طرف سے اطمینان کے بعد ہی ڈاکٹر مجھے جانے دیں گے۔''

''یہاں تمہاری نگرانی کے لیے کوئی نہیں ہے؟''

''سنتوش ہے، وہ رامن کا خاص آدمی ہے لیکن وہ کمرے میں نہیں آ سکتا وینٹنگ روم میں رہتا ہے۔''

اچھا ہوا میں سامنے کی طرف سے نہیں آیا ورنہ سنتوش سے سامنا ہوتا۔ ''وہ مجھے پہچانتا ہے؟''

''میں نہیں جانتا مگر رامن کا آدمی ہے اور اس نے یقیناً تمہارے بارے میں بتایا ہوگا خاص طور سے جب تم نے اس پر حملہ کیا ہے۔''

''تمہارے پاس رابطے کے لیے کچھ ہے؟''

اس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس معاملے میں انہوں نے مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا ہے حد یہ کہ انتظامیہ کو بھی منع کر دیا ہے کہ مجھے کسی سے رابطے کا موقع نہ دیا جائے۔''

مجھے تعجب ہوا۔ ''انتظامیہ مان گئی؟''

''ان کو پیسے سے مطلب ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔ ''جو پیسہ دیتا ہے اس کی ہر بات مانی جاتی ہے۔''

میں کھڑا ہو گیا۔ ''راج کنور یہ ہمارا آخری معاملہ ہے امید ہے تم کسی چالاکی سے گریز کرو گے جس کا نقصان مجھے اور تمہیں بھی ہو۔ تم نے دیکھ لیا کہ میں نے کبھی خود سے دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی۔ اب بھی میں نیک نیتی سے پیشکش کر رہا ہوں۔''

راج کنور نے کچھ کہا نہیں وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ میں باہر آیا آتے وقت بھی مجھے کسی نے نہیں روکا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عقبی دروازے سے باہر نکلا تھا اور باہر آتے ہی سرد دھات میری گردن سے لگ گئی اور رامن کی سرگوشی سنائی دی۔ ''بس ہلنا مت شہباز..... مجھے معلوم تھا تم راج کنور کے چکر میں یہاں آؤ گے۔''

○.....❖.....○

جس وقت رامن نے پستول میری گردن سے لگایا میں دروازہ بند کر رہا تھا۔ میں اور دروازہ دونوں حرکت میں تھے۔ یہ دھماکی سوئنگ ڈور تھا جو اندر باہر یکساں کھلتا تھا اور بند ہونے کے بعد خود بہ خود لاک ہو جاتا تھا۔ اندر سے یہ صرف ہینڈل گھمانے سے کھلتا تھا مگر باہر سے کھولنے کے لیے چابی کی ضرورت پڑتی تھی۔ میں اسے باہر کی طرف کھولتے ہوئے نکل رہا تھا جب رامن نے پستول کی نال میری گردن سے لگائی۔ میں نے کنور پیلس میں قید کے دن بہت صبر سے اس امید پر گزارے کہ قدرت مجھے موقع دے گی اور میں آزادی حاصل کر سکوں گا۔ میری امید پوری ہوئی اور میں کنوروں کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب رہا۔ ایک بار آزاد ہونے کے بعد میرے ذہن کے گوشوں میں یہ بات تھی کہ یہ شاید آخری موقع ہے اور میں دوبارہ کسی صورت ان لوگوں کی قید میں نہیں جانا چاہتا تھا جو دونوں لحاظ سے میرے لہو کے پیاسے تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ایسا کوئی موقع آیا تو میں آخری حد تک لڑوں گا۔ ایک فیصد زندگی کے چانس پر بھی رسک لوں گا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ ابھی رامن کا جملہ منہ میں تھا کہ میں نے شاید اپنی زندگی کا سب سے بڑا رسک لیا۔ باہر آتے آتے میں اسپرنگ کی سی تیزی سے واپس گیا اور ساتھ ہی دروازہ پوری قوت سے کھولا۔ رامن دروازے کے پیچھے تھا۔ ٹھک کی ہلکی سی آواز آئی اور دروازہ پوری قوت سے رامن کو لگا تھا۔ گولی میرے چہرے کے پاس سے گزری تھی اور اس کی تپش اور رفتار میں نے اپنے چہرے پر محسوس کی تھی۔ آڑ میں آتے ہی میں نے واپس آنے والے دروازے کو پھر دھکیلا اور اس بار اپنے جسم کی پوری قوت کو استعمال کیا۔ رامن دیوار سے ٹکرایا اور کسی مرتے بھینسے کی طرح ڈکرایا۔ دوسری بار دروازہ اسے لگا تو وہ چلا اٹھا تھا۔ اب وہ دروازے اور دیوار کے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ مگر وہ مسلح تھا اور دروازے کے دوسری طرف سے بھی فائر کر سکتا تھا۔ کسی قدر موٹے المونیم سے بنا یہ دروازہ یقیناً گولی نہیں روک سکتا تھا اس لیے میں رامن کو دروازے اور دیوار کے درمیان دبائے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا ساتھ ہی اپنا پستول بھی نکالنا چاہتا تھا۔

رامن نے اچانک اپنی طاقت کو استعمال کیا اور دروازے کو اتنی قوت سے دھکیلا کہ میں لڑکھڑا کر پیچھے آیا اور سنبھلنے کی کوشش میں گرا تھا۔ مگر اس دوران میں پستول نکال چکا تھا۔ دروازے کی رکاوٹ ہٹتے ہی رامن نے اپنا پستول میری طرف کیا تھا۔ یہ چھوٹا پستول تھا جس کی نال پر بڑا سائلنسر عجیب لگ رہا تھا اور شاید اسی وجہ سے رامن دروازے کے پیچھے سے اسے استعمال نہیں کر سکا تھا۔ اس کی لمبائی قریب پون فٹ ہو گئی تھی دوسری صورت میں پستول صرف چار انچ لمبا تھا اور آسانی سے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میرے پستول کا رخ اس کی طرف تھا اور میری نظر رامن کے پستول پر جمی ہوئی تھی۔ اگر وہ فائر کرنے کے لیے لبلبی دباتا تو میں بھی پوری طرح تیار تھا۔ ہمارے درمیان مشکل سے سات آٹھ فٹ کا فاصلہ تھا۔ کسی کا نشانہ مشکل سے ہی خطا ہوتا۔ یہ بات رامن نے بھی محسوس کر لی اور فوری گولی چلانے سے گریز کیا۔ اس کی نظر بھی یقیناً میرے پستول پر تھی۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز پستول پھینک دو۔ میں تمہیں ماروں گا نہیں۔''

''یہی پیشکش میری بھی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم بچ نہیں سکتے میرے اور آدمی بھی ہیں یہاں۔''

''ضرور ان کو بھی بلا لو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تمہیں کوئی بچا نہیں سکے گا۔''

اس کے چہرے پر فکر کے آثار دکھائی دیئے۔ ''شہباز تم کیا چاہتے ہو؟''

''ایک موقع.....'' میں نے کہا۔ ''ہم دونوں کے لیے برابر کا۔''

''کیا مطلب؟''

''اگر تم پستول استعمال کرنا چاہتے ہو تو میرا جواب بھی گولی ہوگی۔ اس تبادلہ خیال میں نہ جانے کون بچے اور کون مارا جائے ہو سکتا ہے دونوں مارے جائیں۔ میں چاہتا ہوں کہ زندگی و موت کا فیصلہ کیوں نہ ہم اپنے زور بازو پر کر لیں۔''

رامن کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ ''تم مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو؟''

''ایک بار تم نے کہا تھا کہ تم سے واسطہ پڑا تو تم بتا دو کہ تم نائیک نہیں ہو۔ اگر تمہارا چیلنج برقرار ہے تو.....''

ہم دونوں ہی ایک بند گلی میں پھنس گئے تھے اور اس سے نکلنے کا یہ خیال الہام کی طرح میرے ذہن میں نازل ہوا تھا۔ رامن بھی اس بات کو سمجھ رہا تھا اور بالآخر اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے، تم پستول پھینک دو۔''

''پہلے تم۔''

اس کے تیور خطرناک ہوئے ایسا لگا کہ وہ گولی چلا دے گا مگر پھر اس نے اپنا پستول ایک طرف پھینک دیا۔ میں کھڑا ہو گیا اور اپنا پستول مخالف سمت میں تقریباً اتنے ہی فاصلے پر پھینک دیا جتنا رامن نے پھینکا تھا۔ اس نے بنیان کے ساتھ خاکی شرٹ پہن رکھی تھی اور اس کے بازو پر زخم تھا۔ اگرچہ اس بات کو کئی دن گزر گئے تھے مگر مجھے امید تھی کہ اس کا زخم ابھی بھرا نہیں ہوگا۔ یہ ایک کمزور پہلو تھا اس کا۔ اس نے پیروں میں سخت لیدر شوز پہن رکھے تھے جب کہ میرے پیروں میں جوگرز تھے۔ موومنٹ کے لحاظ سے میں بہتر پوزیشن میں تھا لیکن اس کے جوتے زیادہ سخت ہتھیار ثابت ہو سکتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ بہتر پوزیشن میں تھا۔ میں نے پی کیپ بھی اتار کر ایک طرف اچھال دی۔

''رامن تم نے اتنی تیزی سے قلابازیاں کھائی ہیں کہ کیا کوئی لنگور کھاتا ہوگا۔''

''تمہارا اشارہ وفاداریاں بدلنے کی طرف ہے تو یہ سارا مفاد کا کھیل ہے۔'' وہ نیم دائرے میں گھومنے لگا۔ میں فاصلہ برقرار رکھے ہوئے تھا۔ مجھے بھی اس کے ساتھ گھومنا پڑ رہا تھا۔

''پلیس میں پانسا کیسے پلٹا؟''

''یہ منشی کی حماقت تھی میں نے کہا بھی تھا کہ سانپ قابو میں ہے اس کا پھن کچل دو۔'' وہ صاف گوئی سے کام لے رہا تھا غالباً اسے کوئی خطرہ نہیں تھا کہ اس کی گفتگو بڑے کنور تک پہنچ سکے گی اس کا اشارہ یقیناً بڑے کنور کی طرف ہی تھا۔ ''مگر منشی لمبے چکر میں تھا۔''

''جاگیر پر قبضے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے حیرت سے کہا۔ ''تم جانتے ہو؟''

''میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔''

''تمہیں راج نے بتایا ہو۔'' اس نے کہا اور اچانک تیزی سے آگے آیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے مجھ پر گھونسے بازی کی مشق کرنا چاہتا ہو لیکن یہ دھوکا تھا اس نے میرے گھٹنے پر ٹھوکر ماری تھی اور اگر یہ ضرب صحیح جگہ لگ جاتی تو میرا گھٹنا بھی ٹوٹ سکتا تھا مگر میں نے بروقت پاؤں موڑتے ہوئے یہ وار پنڈلی پر روکا۔ وار سخت تھا اور درد کی لہر اٹھی تھی لیکن میں نے برداشت کرتے ہوئے جوابی ٹھوکر ماری۔ وہ آرام سے میری زد سے نکل گیا۔ وہ یقیناً مارشل آرٹ کا ماہر تھا۔

''راج نے بھی بتایا ہے اور میری معلومات کے کچھ ذرائع اور بھی ہیں۔'' میں نے پیچھے ہوتے ہوئے کہا۔

''بڑے کنور نے اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے بعد تمہیں کیوں بخش دیا۔ بغاوت میں تم برابر کے شریک تھے۔''

اس نے بھیڑیئے کی طرح دانت نکالے۔ ''میں صرف ان لوگوں کا نمک خوار نہیں ہوں میری ایک حیثیت اور بھی ہے۔''

''را کے ایجنٹ کی۔''

اس بار اس نے سچ مچ دانت پیسے تھے۔ ''راج کنور.....''

میں ہنسا۔ ''وہ بے چارہ مجبور تھا۔ جیسے اب مجبور ہے۔''

''بس کچھ دن کی بات ہے پھر میں اس شخص کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔''

''یہ شاید اتنا آسان نہ ہو۔'' میں نے کہا اور اس کی طرف بڑھا۔ وہ وار روکنے کے لیے ہوشیار ہو گیا۔ میں نے اچانک گھوم کر لات چلائی۔ وہ مار کھا گیا۔ لات اوپر سے نیچے آئی تھی۔ کنور پیلس میں بانو سے لڑائی کی مشق میں، میں نے اس وار کی بہت پریکٹس کی تھی۔ راؤنڈ کک کے مقابلے میں یہ زیادہ خطرناک وار ہے کیونکہ اوپر سے نیچے آتی جسم کے کسی نہ کسی حصے پر لگتی ہے اور اس کی قوت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ رامن کے پاس پیچھے ہٹنے کا وقت نہیں تھا اس نے بمشکل ہاتھ اوپر کرتے ہوئے وار روکا اور لڑکھڑا کر پیچھے گیا تھا۔ ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں حیرت دکھائی دی جیسے وہ مجھ سے اس وار کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ اس کے لڑکھڑانے کے دوران میں نے سینے پر ایڑی مارنا چاہی لیکن اس نے ہاتھ سے روک کر یہ وار بھی ناکام بنا دیا مگر میرا پاؤں پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اب تک وہ محتاط تھا لیکن اس بار اس نے احتیاط بالائے طاق رکھ کر مجھ پر کئی حملے کیے۔ وہ جس طرح سے ہاتھوں، ٹھوکروں اور کہنیوں کا استعمال کر رہا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کنگ فو جانتا ہے۔ اس میں دشمن کے پاس رہتے ہوئے مہلک وار کیے جاتے ہیں۔ مگر ماہر فن ہونا شرط ہے ورنہ دشمن اس قربت کا فائدہ اٹھا سکتا ہے جیسا کہ میں نے اٹھایا اور ایک گھونسے نے اس کا جبڑا ہلا دیا تھا۔ میری کوشش تھی کہ وہ اشتعال میں آئے اور اندھا دھند کارروائی کرے لیکن گھونسہ کھا کر وہ پیچھے گیا اور اس نے دوبارہ فاصلہ کر لیا تھا۔ اس دوران میں اس کی ایک کہنی میری پسلیوں میں اور ایک شانے پر لگی تھی۔ دونوں وار مہلک تھے لیکن میں نے ناکام بنائے اس کے باوجود اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔ رامن خطرناک لڑاکا تھا اور یقیناً ان چند اچھے لڑنے والوں میں سے تھا جن سے میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقابلہ ہوا تھا۔ مجھے جسمانی مقابلوں کے موقع کم ہی ملتے تھے اور ان میں زیادہ تر میرا پلہ بھاری رہا تھا۔ صرف ایک بار ایسا ہوا تھا کہ ڈیوڈ شا کے گرگے مارشل نے مجھے اپنی مہارت سے شکست ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں لڑاکا تھا۔ رامن اس کے پائے کا نہیں تھا مگر وہ بھی اسی میدان کا مرد تھا۔ اس نے پیچھے ہو کر تھوکا تو منہ سے خون نکلا تھا۔ یک لخت اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور چہرے سے وحشیانہ تاثرات جھلکنے لگے تھے۔

''بڑے کنور نے میرے بارے میں کیا حکم دیا ہے؟''

''تمہیں تلاش کرنے کا۔''

''تم نے اسے بتایا نہیں کہ میں یہاں ہوں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''بتایا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ تم بدستور یہاں ہو۔ میں نے خیال ظاہر کیا کہ تم یہاں سے جا چکے ہو۔''

''بڑے کنور نے تمہاری بات کا یقین کر لیا؟''

اس سوال کے جواب میں اس نے حملہ کیا اور اس کا انداز غضب ناک تھا اس لیے میں نے آسانی سے اس کا حملہ ناکام بنا دیا اور اس کے ماتھے پر ایک عدد نیل کا اضافہ ہو گیا۔ وہ پیچھے گیا اور دانت پیسنے لگا پھر اس نے کہا۔ ''بڑا کنور جائے نرکھ میں، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''کیوں نہیں۔'' میں ہنسا۔ ''ویسے تم نائیک کی نقل کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

اس طعنے نے اسے آتش زیر پا کر دیا۔ اس بار اس نے سچ مچ بہت خطرناک حملے کیے میں نے بمشکل خود کو بچایا اور چوٹیں کھائیں۔ اس بار میرا ہونٹ پھٹ گیا اور بازو پر لگنے والی ضرب نے تڑپا دیا تھا۔ پیروں اور سینے پر بھی کئی ضربیں لگیں۔ مگر اس کا ناک منہ بھی برابر ہو گیا تھا۔ وہ یوں پیچھے ہٹا جیسے مجھ پر دوبارہ حملے کی تیاری کر رہا ہو لیکن یہ اس کی عیاری تھی۔ وہ اچانک اپنے پستول کی طرف جھپٹا۔ اتفاق سے میں بھی اپنے پستول سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم دونوں تقریباً ایک ساتھ اپنے ہتھیار اٹھا سکتے تھے لیکن اس کے بعد کون کامیاب ہوتا اور کون ناکام یہ کہنا مشکل تھا۔ میں نے چانس مول لیا اور پستول کے بجائے رامن کی طرف جھپٹا۔ وہ پستول اٹھا چکا تھا اور میری طرف گھوم رہا تھا کہ میں نے بلا تکلف لات ماری اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اس کے ہاتھ پر سخت چوٹ آئی تھی اس نے گالی دی۔ جواب میں اسے دوسری ٹھوکر کو لہے پر لگی اس نے بچنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا توازن بگڑا تھا۔ اگلی ضرب اس کے گھٹنے کے جوڑ پر اندر کی طرف سے لگی اور وہ زمین پر گرا۔ پھر میرے پاؤں مشینی انداز میں چلنے لگے۔ چند ٹھوکروں تک اس نے مزاحمت کی اس کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس کے بازو کا زخم ہرا ہو گیا تھا جہاں گولی لگی تھی اور رہی سہی کسر اب میں پوری کر رہا تھا۔ آخری ٹھوکر اس کے منہ پر ماری اور وہ الٹ کر دیوار سے ٹکرایا اور ساکت ہو گیا۔ اس کا سر خاصی آواز سے لگا تھا اور مجھے امید تھی کہ وہ کئی گھنٹے تک ہوش میں نہیں آئے گا۔ میں مطمئن ہو کر پیچھے ہٹا اور اس کا گرا پستول اٹھا لیا۔ یہ اچھا ہتھیار تھا سائلنسر لگا ہوا۔ جب رامن نے گولی چلائی تو بہت معمولی سی آواز پیدا ہوئی تھی۔

جس دوران میں یہ سب ہوا اور یہاں کوئی اور نہیں آیا تھا اس لیے کسی نے یہ منظر نہیں دیکھا۔ مگر اس بات کا خطرہ تھا کہ اچانک اندر سے اسپتال کا کوئی فرد آ جائے۔ دروازہ بند ہو گیا تھا اور اب اسے اندر سے ہی کھولا جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا تھا۔ حفظِ ماتقدم میں نے وہاں موجود ایک وائپر اٹھا کر دروازے کے ہینڈل کے نیچے رکھ دیا اب اسے اندر سے بھی کوئی کھول نہیں سکتا تھا جب تک وائپر نہ ہٹایا جاتا دروازہ نہیں کھل سکتا تھا۔ میں نے رامن کا پستول اس کی طرف کیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ جب اس شخص پر قابو پایا اسے دنیا سے رخصت کر دوں گا۔ بہت کم لوگوں کے لیے میرے دل میں قطعی رحم نہیں تھا اور رامن ان میں سے ایک تھا۔ مگر جب میں نے گولی چلانے کا ارادہ کیا تو اندر سے کمزور پڑنے لگا۔ میرا ضمیر مجھے ایک بے بس اور بے ہوش پڑے دشمن کو مارنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میں نے ضمیر کو یاد دلایا کہ یہ شخص ایک موذی سانپ ہے اور اس کی ڈسنے کی فطرت اور زہر کبھی ختم نہیں ہوگا اس لیے اس کا ختم ہو جانا لازمی ہے۔ بالآخر ضمیر کمزور پڑ گیا اور میرا ارادہ جیتنے لگا۔

مگر جو چند لمحے میں نے ضمیر سے بحث میں ضائع کیے وہی رامن کی زندگی کی وجہ بن گئے۔ اچانک اسپتال کے آگے کی طرف سے آنے والے راستے سے سنتوش نمودار ہوا۔ اس نے پستول اٹھا رکھا تھا اور اس پر بھی سائلنسر تھا اس لیے اس نے بلا تکلف فائر کیا مگر اسے دیکھتے ہی میں حرکت میں آ چکا تھا۔ میں شیڈ کی طرف بھاگا جہاں اسپتال کا عملہ صفائی کا سامان اور دوسری فالتو چیزیں رکھتا تھا۔ کچرہ بھی یہیں پیک کر کے رکھا جاتا تھا تاکہ بدبو نہ پھیلے۔ سنتوش نے دو تین فائر کیے اور تمام گولیاں میرے آس پاس سے گزر گئیں۔ میں نے جوابی فائر کیا تو وہ بدحواس ہو کر جلدی سے عمارت کی آڑ میں ہو گیا۔ میں شیڈ میں گھسا یہ خاصا بڑا شیڈ تھا اور مجھے امید تھی کہ یہاں کوئی راستہ عقبی سمت میں نکلتا ہوگا۔ جہاں سے کچرہ لینے والی گاڑی یہاں سے کچرہ لے جاتی ہوگی۔ میرا اندازہ درست نکلا عقبی حصے میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا لیکن وہ بند تھا۔ اس پر اندر کی طرف تالا لگا تھا۔

یقیناً سنتوش کو علم تھا کہ رامن یہاں کیا کر رہا ہے اور شاید اسے آگے کی طرف لگایا تھا کہ میں وہاں سے فرار کی کوشش کروں تو وہ مجھے روکے لیکن جب رامن نے آنے میں دیر کی تو وہ خود صورتِ حال دیکھنے کے لیے چلا آیا۔ اس کی بروقت آمد سے رامن بچ گیا۔ اب وہ میری ناک میں تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا سنتوش شیڈ کے باہر کہیں موجود تھا لیکن اس نے اندر گھسنے کی جرأت نہیں کی تھی یہاں نیم تاریکی تھی اور میں آسانی سے اسے نشانہ بنا سکتا تھا۔ غالباً اسے علم نہیں تھا کہ یہاں ایک دروازہ ہے۔ ورنہ شاید وہ اندر آ جاتا اور شاید نہ آتا کیونکہ اس کی اور میری کوئی ذاتی دشمنی تو تھی نہیں اور کچھ رقم کی خاطر اپنی جان کو داؤ پر کیوں لگاتا؟ میں نے تالے پر فائر کیا اور اس کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے۔ اگر سنتوش نے یہ آواز سنی بھی تھی تو یہاں آئے بغیر وہ حقیقت حال سے واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسرے لمحے میں باہر تھا۔ یہ عقبی گلی تھی جسے عرف عام میں گندی گلی کہتے ہیں۔

سنتوش کی آمد کے علاوہ رامن کی جاں بچنے کی ایک اور وجہ اور بھی تھی۔ میں لاشعوری طور پر محسوس کر رہا تھا مگر اس وقت سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ جب اسپتال سے نکلنے لگا تب سمجھ میں آیا کہ اگر رامن مارا جاتا تو بڑا کنور شاید راج کنور کو فوری بلا لیتا یا اس پر ایسے پہرے لگا دیتا کہ میرے لیے اس تک رسائی بہت مشکل ہو جاتی اور میرا پلان فیل ہو سکتا تھا۔ اس لیے رامن کا فی الحال زندہ رہنا ضروری تھا۔ وہ دوہرا کھیل کھیل رہا تھا اس نے یقیناً بڑے کنور کو میرے بارے میں غلط بتایا ہوگا کیونکہ بڑے کنور کا پہلا حکم یہ تھا کہ مجھے زندہ رکھ کر اس نے پاس لایا جائے اور رامن پہلی فرصت میں مجھے دنیا سے رخصت کر دینا چاہتا تھا۔ میں نے گھوم کر اسپتال کے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی بلکہ گلیوں اور چھوٹی سڑکوں سے ہوتا اسپتال سے دور نکل گیا تھا۔ رامن کا سائلنسر لگا پستول کارآمد چیز تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی مہربانی سے میرے اسلحہ خانے میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پہلے بھی دو عدد پستول ہاتھ لگے تھے اور یہ تیسرا تھا۔ ایک جگہ سے ٹیکسی لی اور ہوٹل پہنچا۔

پہلے اپنے کمرے میں آیا۔ گرم پانی سے غسل کیا تو چوٹوں کو خاصا آرام ملا تھا۔ کوئی چوٹ ایسی نہیں تھی جس کا ظاہری اثر نظر آتا۔ بس کسی قدر رہونٹ کا گوشہ سوجا ہوا تھا اور وہ بھی غور سے دیکھنے پر پتا چل رہا تھا۔ غسل سے فارغ ہو کر روم سروس کو کافی اور کسی نارمل چین کلر کا کہا۔ دونوں چیزیں کچھ دیر میں پہنچ گئیں۔ اس دوران میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے پاکستان والوں سے رابطے کے لیے کوئی محفوظ ذریعہ تلاش کرنا چاہیے اور اس کا سب سے محفوظ ذریعہ انٹرنیٹ ہو سکتا تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ خود مارکیٹ میں گھومنے کے بجائے یہ کام ہوٹل والوں سے لوں جو رانا ویاس کی وجہ سے میرے خادم بنے ہوئے تھے۔ میں نیچے منیجر کے پاس آیا اس نے گرم جوشی سے استقبال کیا۔ ''کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟''

''آپ پہلے ہی بہت خدمت کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے ایک اچھا لیپ ٹاپ انٹرنیٹ کے ساتھ چاہیے۔''

''یعنی آپ کو صرف لیپ ٹاپ چاہیے کیونکہ ہوٹل میں ہمارے کسٹمرز کے لیے وائی فائی ہے۔''

''نہیں مجھے الگ سے انٹرنیٹ چاہیے۔ اگر یو ایس بی ڈیوائس ہو تو سب سے بہتر ہے۔''

''ویسے ہمارا وائی فائی بھی سو فیصد محفوظ ہے لیکن جیسے آپ حکم کریں۔ آپ ماڈل بتا دیں میں ابھی منگوا دیتا ہوں۔''

''ماڈل کیسے بتاؤں؟''

منیجر نے اپنے کمپیوٹر پر لیپ ٹاپ سے متعلق ایک سائٹ کھولی اس میں وہ سارے ماڈلز تھے جو انڈیا میں دستیاب تھے۔ میں نے سونی کا ایک چھوٹا لیپ ٹاپ پسند کیا۔ اس کا سائز مختصر تھا اور وزن بھی کم تھا اسے باآسانی کہیں بھی لے جایا جا سکتا تھا اور یہ کارکردگی میں کسی دوسرے لیپ ٹاپ سے کم نہیں تھا۔ مہنگا تھا مگر رقم کا مسئلہ نہیں تھا میں نے انڈین روپے میں اس کی قیمت دیکھی اور رقم منیجر کے سامنے رکھی۔ ''یہ منگوا دیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پلیز ہمیں رانا صاحب کی طرف سے سختی سے حکم ہے کہ آپ سے کوئی چارج نہ کیا جائے اور آپ جو سہولت چاہیں وہ آپ کو فراہم کی جائے۔''

''یہ میری ذاتی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا لیکن منیجر نہیں مانا تھا مجبوراً مجھے رقم واپس اٹھانا پڑی۔ اس نے کہا۔

''ایک گھنٹے کے اندر دونوں چیزیں آپ کے پاس پہنچ جائیں گی اور اگر کوئی مدد درکار ہو گی تو ہمارا آئی ٹی کا آدمی موجود ہے۔''

اس کا شکریہ ادا کر کے میں اوپر آیا۔ بانو شاید میری منتظر تھی کیونکہ میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا ادھر اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر بولی۔ ''آپ آ گئے میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''تمہارا ابھی کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔''

وہ ہنسی اور دروازہ بند کر کے میرے کمرے میں آ گئی۔ ''مجھ سے آپ اتنی آسانی سے جان نہیں چھڑا سکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے اوشا سے چھٹکارا ملی ہے۔''

''تمہارے ساتھ مجھے ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' میں نے سرسری سے انداز میں کہا۔''تم جانتی ہو اوشا کس چکر میں تھی اور میں اسے ساری عمر کے لیے گلے کا طوق نہیں بنا سکتا ہوں۔ دوسرے وہ اسی ملک کی رہنے والی ہے جب کہ تم میری ہم وطن اور ہم مذہب ہو۔ اوشا میری عارضی ذمے داری تھی لیکن تم میری مستقل ذمے داری ہو جب تک تم سیٹل نہ جاؤ۔''

''میں نے آج ہوٹل کے جم میں ایکسرسائز کی ہے۔ وہاں لیڈیز کے لیے الگ جگہ ہے۔''

''ابھی تمہیں احتیاط کی ضرورت ہے۔''

''میں نے رک رک کر ایکسرسائز کی اور زیادہ مشکل والی نہیں۔ اصل میں، مَیں ایکسرسائز کی عادی ہوگئی ہوں جب تک نہ کرلوں بے چینی رہتی ہے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ ویسے تم فٹ ہو لیکن میں چاہتا ہوں کہ مکمل فٹ ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''اسپتال میں کیا رہا..... راج کنور سے ملاقات ہوئی؟''

''راج کنور سے بھی ہوئی اور اس کے سابق گرگے رامن سے بھی ہوئی۔ وہ بھی کیا یاد کرے گا جب مجھ سے ملتا ہے کچھ ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اس کی۔''

بانو فکرمند ہوگئی۔''آپ کا اس سے جھگڑا ہوا۔''

''اس نے تو مارنے کی کوشش کی تھی۔'' میں نے کہا اور بانو کو تفصیل سے اسپتال میں پیش آنے والا واقعہ سنایا۔ اس نے جھرجھری لی۔

''آپ نے بہت بڑا خطرہ مول لیا۔''

''اب تو عادت ہوگئی ہے اور بہت مواقعوں پر اس طرح بچا ہوں کہ اس معاملے میں یقین پکا ہوگیا ہے کہ موت سے پہلے مروں گا نہیں اور جب وقت آئے گا تو جی نہیں سکوں گا۔''

''آپ نے اسے زندہ چھوڑ کر اچھا نہیں کیا اس جیسے موذی کا سر فوراً کچل دینا چاہیے تھا۔ آپ نے دیر کی اور اس کا آدمی آ گیا۔''

''سوچا تو میں نے بھی یہی تھا لیکن ایک تو بے بس آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھا۔ دوسرے اس کے مرنے سے میرے آئندہ کا پلان متاثر ہوتا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ اچھا ہی ہوا۔''

''کیسا پلان؟''

''یہاں سے واپسی کا۔''

بانو سنجیدہ ہوگئی۔''شہباز صاحب، کیا ہمیں یہاں سے فوراً نہیں چلے جانا چاہیے۔ ہمارے لیے خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں لیکن یہاں ہم محفوظ ہیں اور اگر تم سمجھ رہی ہو کہ واپس جانا آسان ہے تو تم غلطی پر ہو۔ انڈیا کی طرف سے چھپ کر سرحد عبور کرنا مشکل ترین کام ہے۔ اس پوری سرحد پر انڈین سیکورٹی فورس اور پولیس نے اس طرح پہرہ لگا رکھا ہے کہ چڑیا کا بچہ بھی ان سے چھپ کر نہیں جا سکتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن سرحد کے دونوں طرف اسمگلنگ تو ہوتی ہے۔''

''وہ باہمی رضا مندی سے ہوتی ہے لیکن میرا معاملہ دوسرا ہے۔ میں بھارت کو مطلوب ہوں اور یقیناً بھارت نے اسمگلروں میں اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہوں گے۔ حکومت کو اسمگلنگ پر اعتراض نہیں ہوگا لیکن اگر اس کی آڑ میں ملک کے خلاف کچھ ہو یا ان کے مطلوبہ افراد سرحد پار آئیں جائیں تو وہ اس سے نمٹنے کے لیے یقیناً تیار ہوں گے۔ فرض کرو ہم کسی اسمگلر سے رابطہ کرتے ہیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ بھارتی ایجنٹ نہیں ہو گا۔ اول تو ایسا اسمگلر تلاش کرنا بھی آسانی نہیں ہے۔ ہم یہاں کسی کو نہیں جانتے ہیں اور اپنے بل بوتے پر سرحد پار کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ خاص طور سے تمہارے ہوتے ہوئے میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔''

''آپ رانا ویاس سے مدد نہیں لے سکتے؟''

''رانا ویاس کا حلقہ اثر بنگال ہے۔ یہ جگہ وہاں سے بہت دور ہے وہ اپنا سرکاری اثر و رسوخ بھی استعمال نہیں کر سکتا ہے پچھلی بار وہ میری وجہ سے حکومت کے نزدیک مشکوک بن گیا تھا۔ جب اس نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو پناہ دی تھی۔ وہ اس طرح سے مدد کر سکتا ہے لیکن سرحد پار کرنا دوسرا مسئلہ ہے۔ اس میں وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا ہے۔''

''پھر بھی آپ اس سے بات تو کر کے دیکھیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ جب میری اس سے بات ہوئی اور اسے پتا چلا کہ میں انڈیا کی سرزمین پر ہوں تو اس نے مجھے اپنے پاس بلانے یا واپسی میں مدد کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ وہ اس معاملے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اتنا تو رانا ویاس بھی سمجھتا ہوگا کہ آپ کا سب سے بڑا مسئلہ انڈیا سے واپس جانا ہے اور اس نے کوئی پیشکش نہیں کی۔'' وہ قائل ہوگئی۔

''میرا سب سے بڑا سہارا اللہ ہے اور مجھے بھروسہ ہے کہ میں واپس جا سکتا ہوں۔''

شام قریب تھی بانو نے روم سروس کو کال کر کے چائے اور ریفریشمنٹ کا کہا۔ بیس منٹ بعد ان چیزوں کے ساتھ منیجر کا آدمی لیپ ٹاپ اور یو ایس بی انٹرنیٹ ڈیوائس بھی لے آیا۔ اس نے تعارف کرایا۔ ''میں سومترنجن ہوں سر نوٹ بک میں تمام ضروری سوفٹ ویئر انسٹال ہیں پھر بھی کسی سافٹ ویئر کی ضرورت ہو تو مجھے طلب کر لیجئے گا۔ انٹرنیٹ ڈیوائس بھی ریڈی ہے۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے رخصت کر دیا۔ بانو چائے تیار کر رہی تھی اس نے دلچسپی سے دیکھا۔ ''اس سے آپ پاکستان رابطہ کریں گے؟''

''ہاں ارادہ تو یہی ہے۔'' میں نے کہا۔ میں نے ایڈاپٹر لگا کر لیپ ٹاپ کھول کر آن کیا اور اسے چیک کرنے لگا۔ ابھی اس کی بیٹری پوری طرح چارج نہیں تھی۔ اس میں واقعی کام کے سارے سافٹ ویئرز انسٹال تھے۔ میں نے یو ایس بی لگائی۔ یہ پلگ اینڈ پلے تھی۔ انٹرنیٹ اسپیڈ بھی اچھی تھی۔ اس دوران میں چیزوں کے ساتھ چائے بھی لیتا رہا۔ مجھے مانی کا انٹرنیٹ اکاؤنٹ یاد تھا جس سے کسی موبائل یا فکسڈ فون پر کال کی جا سکتی۔ میں نے اسے آن کیا۔ مگر جب میں نے یوزر آئی ڈی اور پاس ورڈ ڈالا تو سرور نے اسے مسترد کر دیا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوبارہ کوشش کی اس بار بھی یہی نتیجہ نکلا۔ اس کا مطلب تھا کہ مانی نے پاس ورڈ چینج کر دیا تھا۔ میں نے مایوس ہو کر سائٹ بند کر دی۔ اس مسئلے کا حل تھا۔ میں نے نیٹ پر سرچ کیا اور کچھ ایسے میسنجر نکال لیے جن پر کریڈٹ کی مدد سے دنیا میں کسی بھی فون نمبر پر کال کی جا سکتی تھی۔ ان میسنجرز کی تعداد درجنوں میں تھی میں نے بہتر سمجھا کہ خود آزمانے کے بجائے سومترنجن سے مشورہ کر لوں۔ میں نے آپریٹر سے اسے ملانے کو کہا۔ وہ لائن پر آیا تو میں نے میسنجرز کے بارے میں مشورہ کیا اس نے کہا۔

''آپ اسکائپ کر لیں یہ نیا آیا ہے لیکن اس کی کارکردگی بہت اچھی ہے۔''

''مجھے فون پر کال کرنی ہے۔''

''آپ اس کا کریڈٹ لے کر کال کر سکتے ہیں۔''

''کریڈٹ کہاں سے ملے گا؟''

''آپ کی اجازت ہو تو میں آ کر کر دیتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''کیوں نہیں فوراً آ جاؤ۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ چند منٹ بعد آیا۔ اس وقت تک میں نے اپنی آئی ڈی بنا لی تھی۔ اس نے آ کر کسی ایسے اکاؤنٹ کی مدد سے مجھے اسکائپ کریڈٹ دیا جو انٹرنیٹ کے ذریعے ادائیگی کر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

''میں نے ہزار منٹ کر دیئے ہیں اگر آپ کو مزید ضرورت ہو تو مجھے طلب کر لیجئے گا۔''

سومترنجن کام کا آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اسکائپ کی مدد سے عبداللہ کا نمبر ملایا۔ اپنے ساتھیوں میں مجھے اسی کا نمبر یاد تھا۔ یا پھر حویلی کا اور سویرا کا نمبر یاد تھا۔ عبداللہ نے کچھ دیر بعد کال ریسیو کی اور محتاط انداز میں بولا۔ ''ہیلو.....''

''عبداللہ۔'' میں نے کہا تو وہ چلا اٹھا تھا۔

''شہباز صاحب آپ؟'' نوٹ بک کے اسپیکر سے عبداللہ کی تیز آواز آئی۔ ''میرے خدا آپ کہاں ہیں؟''

''اسی دنیا میں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں چند دن پہلے تم کو کال کر رہا تھا لیکن تم اٹھا نہیں رہے تھے اس لیے پھر میں نے سویرا کو کال کی۔''

''جی انہوں نے بتا دیا تھا۔ یہاں سگنل پرابلم تھی اس لیے مجھے پتا نہیں چلا۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''ہم سب آپ کے لیے پریشان تھے وہ تو بیتو میاں ممتاز کی قید سے بھاگ کر آیا تو ہمیں پتا چلا کہ آپ کہاں تھے؟ وسیم او سفیر لاہور گئے تھے۔ مگر پتا چلا کہ آپ وہاں بھی نہیں ہیں۔''

''میاں ممتاز نے کیا جواب دیا؟''

''اس کا کہنا ہے کہ آپ اس کے گھر دو افراد کو قتل کر کے فرار ہو گئے۔''

''وہ ٹھیک کہتا ہے، کیونکہ اصل حقیقت اسے بھی نہیں معلوم ہے۔ مگر مجھے قید رکھنے کا ذمے دار وہی تھا۔'' میں نے کہا اور مختصراً عبداللہ کو اپنی سرگزشت سنائی۔ وہ دنگ رہ گیا تھا۔

''حرامزادہ..... معصوم بن رہا تھا۔'' اس نے میاں ممتاز کی شان میں گستاخی کی۔ ''وسیم ٹھیک کہہ رہا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کی گمشدگی میں اسی کا ہاتھ ہے۔ وہ تو مرنے مارنے پر تلا ہوا تھا بڑی مشکل سے میں نے اور سفیر نے اسے روکا۔"

"تم لوگوں نے ٹھیک کیا۔" میں نے کہا۔ "میاں ممتاز ایک طاقتور سیاست دان ہے اور اس سے مخاصمت ہمارے لیے مشکلات کھڑی کر سکتی۔ کبھی فرصت ملی تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔"

"آپ کہاں ہیں؟"

"انڈیا کے شمال میں ایک ریاست ہے ہماچل پردیش میں اس کے دارالحکومت شملہ میں ہوں۔ بڑی خوب صورت جگہ ہے۔" میں نے کہا۔ "تم اسکائپ پر آسکتے ہو۔ میں باقی سب سے بھی بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں آسکتا ہوں، سفیر اور بیتو باہر گئے ہیں۔ وسیم ہے۔"

"بس تو اسکائپ پر آجاؤ۔ میں دس منٹ میں لاگ اِن ہوتا ہوں۔" میں نے عبداللہ کو اپنی اسکائپ آئی ڈی بتائی اور کال کاٹ دی۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں اس قسم کی کالز بھی چیک نہ ہوتی ہوں کیونکہ ان کی تعداد محدود ہوتی ہے اس کے مقابلے میں میسنجر پر بات کرنا زیادہ محفوظ تھا اس پر بیک وقت لاکھوں کروڑوں لوگ بات کرتے ہیں اور سب کی نگرانی بہت مشکل کام ہے۔ میں نے کال کاٹ کر سومتر نجن سے رابطہ کیا۔ "مجھے ایک اچھا ہیڈ فون مائیک درکار ہے۔"

"میں بھجواتا ہوں سر۔"

بانو خاموشی سے سن اور دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔ "آپ اپنے ساتھیوں کو میرے بارے میں کیا بتائیں گے؟"

"جو سچ ہے۔" میں نے کہا۔

وہ جھینپی۔ "کہیں وہ غلط نہ سمجھیں۔"

"اگر انہوں نے غلط سمجھا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے ان کو غلط سمجھا تھا ویسے فکر مت کرو وہ بالکل بھی غلط نہیں سمجھیں گے۔"

چند منٹ بعد ایک ویٹر ڈبا پیک ہیڈ فون مائیک دے گیا۔ میں نے اسے لگا کر اسکائپ پر لاگ اِن کیا۔ عبداللہ کی ریکوئسٹ آگئی تھی اسے قبول کیا۔ وہ آن لائن تھا۔ میں نے ویڈیو کال کی۔ فوراً ہی اسکرین پر عبداللہ اور اس کے ساتھ سر گھسائے وسیم کی تصویر آگئی اسی طرح بانو میرے عقب میں تھی اور وہ بھی ویب کیم میں دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے پہلے میں کچھ کہتا عبداللہ نے دلچسپی سے کہا۔ "یہ آپ کے پیچھے کون ہیں۔"

"بانو۔" میں نے تعارف کرایا۔ "میاں ممتاز کی بیٹی بنٹی کی سیکرٹری تھی۔"

عبداللہ اور وسیم اچھل پڑے۔ "اور یہ آپ کے ساتھ ہے؟"

"ہاں کیونکہ اب یہ ہمارے ساتھ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے میرا خیال تھا کہ پہلے تم لوگ میرا حال احوال دریافت کرو گے۔"

"سوری۔" وسیم شرمندہ ہوگیا۔ "آپ کیسے ہیں؟"

"تمہارے سامنے ہوں۔" میں نے کہا۔ وہ دونوں بے چین تھے کہ میں جلد از جلد انہیں اپنی روداد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سناؤں لیکن میں چاہتا تھا کہ بیتو اور سفیر بھی آجائیں تو ایک ساتھ ہی سنا دوں ورنہ دوبارہ سنانی پڑتی۔ عبداللہ نے سفیر کو کال کر دی تھی اور وہ گھر کی طرف آ رہے تھے۔ کیونکہ ہیڈ فون سے صرف میں سن سکتا تھا اس لیے میں نے ہیڈ فون اتار دیا تا کہ بانو بھی سن سکے ویسے بھی لیپ ٹاپ کے اسپیکر خاصے طاقتور تھے۔ وقت گزاری کے لیے پہلے عبداللہ نے بتایا۔

''آپ نے جب لاہور سے رابطہ نہیں کیا تو میں پریشان ہو گیا۔ آپ سب کے نمبر بند جا رہے تھے۔''

''بس یار میاں ممتاز کی دختر نے ایسے چکر دیئے کہ اب تک چکر آ رہے ہیں۔ وہ مجھے مہمان بنا کر لے گئی تھی لیکن اس کے باپ نے قیدی بنا لیا۔ کنور خاندان سے اس کے کچھ تعلقات ہیں انہوں نے میاں ممتاز سے درخواست کی تھی کہ مجھے تلاش کیا جائے۔ میاں ممتاز ایک لحاظ سے میرا احسان مند تھا کہ میں نے اسے بدنامی سے بچایا تھا۔ یہ قصہ تو تم لوگوں کے علم میں ہے۔'' میں نے بانو کی موجودگی میں تفصیل میں جانے سے گریز کیا۔

''اس لیے اس نے قید تو کر لیا لیکن مجھے کنوروں کے حوالے نہیں کیا۔'' میں نے بتایا کہ میاں ممتاز نے کیا درمیانی راستہ نکالا تھا۔

''پھر آپ انڈیا کیسے پہنچے؟''

''بدقسمتی سے یہاں ایک ملازم انڈین اور کنور خاندان کا ایجنٹ تھا اسی نے سازش کی۔ پہلے میرا خون بہت زیادہ مقدار میں لیا جانے لگا جب مجھے شک ہوا اور میں نے طریقہ واردات پکڑ لیا تو مجھے بے ہوش کر کے انڈیا منتقل کر دیا۔ اس وقت بھی مجھے علم نہیں ہوا تھا کہ میں انڈیا میں ہوں۔ جب سکھوں کو دیکھا تو پتا چلا۔'' باتوں باتوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی میں خاصا کچھ بتا گیا تھا۔ ''تم لوگ اس دوران میں کیا کرتے رہے؟''

''جب مجھے پتا چلا تو میں حویلی سے یہاں آ گیا۔''

''اس کا زخم ٹھیک نہیں تھا لیکن یہ رکنے کے لیے تیار نہیں تھا۔'' عبداللہ نے انکشاف کیا۔ ''بڑی مشکل سے سفیر کے واپس آنے تک روکا۔''

''پھر میں اور سفیر لاہور روانہ ہوئے۔ ہمیں ایک خطرہ یہ تھا کہ کہیں آپ پرانے دشمنوں کے ہتھے نہ چڑھ گئے ہوں جن میں شاہنواز کے گروہ کے لوگ تھے۔ وہ ابھی سرگرم ہیں لیکن جب میں نے اپنے ذرائع سے معلوم کیا تو ان میں سے کوئی بھی ملوث نہیں نکلا۔ پھر ہم نے تھانوں میں معلوم کیا، ہر اس جگہ گئے جہاں آپ کے اور بیتو کے پائے جانے کا امکان ہو سکتا تھا۔ مگر آپ کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔''

''تم لوگوں نے اس گاڑی والے کو نہیں تلاش کیا جسے ہم لے گئے تھے۔''

''وہ بہت مشکل سے ملا۔ اتفاق سے اس کا نمبر بھی سفیر سے مس ہو گیا تھا۔ اس نے صرف اتنا بتایا کہ ایک لڑکی نما عورت آپ کو لے گئی تھی اور وہ بہت دولت مند اور اونچے خاندان کی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد ہم اس کھوج میں پڑ گئے کہ ایسی کون سی بہت دولت مند اور اونچے خاندان کی لڑکی نما خاتون ہے جس کے ساتھ آپ رانجی بدرضا اور خوش خوش چلے جائیں اور پھر غائب ہو جائیں۔''

''دوسرے لفظوں میں تم لوگ ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔''

''جب تک بیتو نہیں ملا۔'' وسیم نے اعتراف کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کارنامہ تو اس کے بعد بھی کوئی انجام نہیں دیا تھا۔'' عبداللہ نے دبے لفظوں میں کہا تو وسیم بھنا گیا۔

''تم لوگوں نے میری ٹانگ پکڑ رکھی تھی ورنہ میں میاں ممتاز کو اس کی اوقات بتاتا۔''

''عبداللہ نے ٹھیک کیا میاں ممتاز سے الجھنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس سے مجھ پر کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔ یہ چکر ہی دوسرا تھا میرے سرحد پار دشمن پوری طرح حرکت میں آ گئے ہیں۔''

وسیم فکر مند ہو گیا۔ ''یہ تو پرانی صورت حال ہو گئی ہے۔ پہلے بھی ہم کتنی مشکلات سے نکلے تھے۔''

''مشکلات اب بھی ہیں۔''

اسی اثنا میں سفیر اور بیتو آ گئے۔ بیتو آگے تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ویب کیم سے گھس کر میرے پاس پہنچ جائے۔ وہ جذباتی ہو کر تقریباً رونے لگا تھا اور جب اسے معلوم ہوا کہ میں کہاں ہوں تو اس نے کہا۔ ''ہم بھی وہاں آئے گا۔''

''کوئی نہیں آئے گا۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''میں خود یہاں سے نکلنے کی فکر میں ہوں۔''

سفیر نے حسب معمول گالیاں دیں اور پھر میرے عقب میں موجود بانو کو دیکھ کر اس کی زبان کو بریک لگ گئی۔ میں نے کہا۔ ''بیٹے تم گئے تھے دبئی مزے کرنے اور ہمیں دشمن لے گئے۔''

''مزے تو تمہارے بھی کم نہیں تھے۔'' اس نے بھنا کر کہا۔ ''ملا تھا ان خاتون سے..... وہ کسی کو بھی اغوا کر کے لے جا سکتی ہے۔'' اس کا اشارہ بنٹی کی طرف تھا۔ ''میں نے وسیم سے کہا کہ اسے اٹھا لیتے ہیں اس کا باپ بھی شہباز کو واپس کرے گا۔''

''یہ تجویز مونا نے ویٹو کر دی ہو گی۔''

''مونا سے پہلے سادی نے۔'' وسیم نے کہا۔ ''شادی کے بعد یہ خواتین ہمارے پیشہ ورانہ امور میں بھی مداخلت کرتی ہیں۔''

''شوبی ان کا باتوں میں مت آنا۔'' بیتو نے خبردار کیا۔ ''یہ آپ کو شادی کے خلاف بہکاتا ہے۔''

''بہکاتے نہیں خبردار کرتے ہیں کہ بعد میں نہ پچھتائے۔'' سفیر بولا۔

''تم فکر مت کرو یار، میں بھی شادی کے بعد پچھتاؤں گا۔''

''سویرا دیدی بہت اچھا ہے ان کی بیویوں کی طرح نہیں ہے۔'' بیتو نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔ سفیر نے اس کی گردن دبوچی اور وسیم نے اس کا ساتھ دیا بڑی مشکل سے عبداللہ نے اسے چھڑایا۔ ایک منٹ کے لیے اچھا خاصا ہنگامہ ہوا تھا۔ بیتو نے اپنی گردن سہلاتے ہوئے خفگی سے کہا۔ ''آپ لوگ خود صبح سے شام تک ان کے بارے میں کیا کیا بولتا ہے میں نے کبھی گردن پکڑا۔''

''وہ ہماری بیویاں ہیں۔'' سفیر غرایا۔ ''کسی کے منہ سے ہم ان کے بارے میں ایک لفظ نہیں سن سکتے۔''

''ہاں ایک لفظ تو ان کے لیے بہت کم ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کم سے کم ایک پیراگراف تو ہو۔''

''بیٹے تم دور بیٹھے ہو اس لیے بول سکتے ہو۔'' سفیر نے گھورا۔ بانو مسلسل ہنس رہی تھی۔ ''ان خاتون کو بہت ہنسی آ رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حالانکہ رونے کا مقام ہے۔''

''میرا نام بانو ہے۔'' بانو بولی۔ ''آپ بار بار خاتون نہ کہیں۔''

''ٹھیک ہے نہیں کہتے۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''یہ شہباز بھی قسمت کا دھنی ہے۔''

''کوئی فضول بات نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''بانو نے یہاں بہت کڑے وقت میں میرا جس طرح ساتھ دیا ہے شاید تم لوگ بھی نہ دے پاتے۔''

''ظاہر ہے ہم کیسے دے سکتے ہیں۔'' سفیر بدمعاشی پر آمادہ تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اب اصل موضوع پر آجاؤں۔

''اگر تم لوگ شرافت سے سننے کے موڈ میں ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں اسکائپ بند کر رہا ہوں۔''

اس پر وہ فوراً شریف بن گیا۔ بانو نے آہستہ سے میرے کان میں کہا۔ ''یہ چھچھورے آدمی ہیں۔''

''ٹھیک پہچانا تم نے۔'' میں ہنسا تو وہ سب چونک گئے۔

''میرے بارے میں کچھ کہا ہے۔'' سفیر نے شک سے کہا۔

''نہیں تمہارے کان بج رہے ہیں۔'' میں بولا۔ اتنے عرصے بعد اپنوں سے ہلکی پھلکی باتوں نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا۔ میرے اندر ایک کہر سی جم گئی تھی اس مختصر سی گفتگو نے وہ کہر پگھلا دی تھی۔ بانو نے کیتلی میں موجود چائے نکالی۔ یہ مخصوص میٹریل سے بنی کیتلی تھی جس میں چائے بہت دیر تک گرم رہتی تھی اور میں نے اپنی داستان شروع کی۔ وہ سب ہمہ تن گوش ہو گئے تھے۔ درمیان میں سوالات بھی ہوتے رہے۔ پھر بات سے بات نکلتی رہی اور اکثر داستان ٹریک سے اتر کر آس پاس گھومنے لگتی تھی اسے دوبارہ ٹریک پر لانا پڑتا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ یہ جلد ختم ہو جائے مگر بات مکمل ہوتے ہوتے بھی تین گھنٹے گزر گئے تھے۔ اس دوران میں بانو اپنے کمرے میں چلی گئی وہ یہ سب جانتی تھی۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ ایسی باتیں کیں جو اس کی موجودگی میں نہیں کر سکتا تھا خاص طور سے سفیر کو خبردار کیا۔

''یار یہ بالکل مختلف مزاج کی لڑکی ہے۔ آج کا دور ایسا ہے کہ صرف لڑکے ہی نہیں لڑکیاں بھی جنس زدہ ہو گئی ہیں جہاں انہیں کسی مرد کے نزدیک آنے کا موقع ملتا ہے وہ خود کو اس سے وابستہ کر لیتی ہیں۔ مگر بانو اس معاملے میں بہت پختہ کردار کی لڑکی ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں نے اسے بہن بنا لیا ہے یا وہ مجھے بھائی سمجھتی ہے لیکن ہمارے درمیان بہت صاف اور شفاف تعلق ہے۔ بہت سے دنوں سے وہ میرے ساتھ ہے [illegible] ساتھ اس کے رویے میں روزِ اول جیسی احتیاط ہے۔''

''سمجھ گیا یار میں مذاق کر رہا تھا۔'' سفیر بولا۔

''یار تیرا مذاق میں سمجھتا ہوں ہر ایک نہیں۔''

''شہباز صاحب یہاں آنے کے بعد وہ ہمارے ساتھ [illegible]؟'' عبداللہ نے سوال کیا۔

''یا اسے بھی پناہ گزین کیمپ بھیج دیا جائے گا؟'' وسیم نے لقمہ دیا اس کا اشارہ حویلی کی طرف تھا۔

''پہلے واپس تو آ لینے دو۔'' میں نے کہا۔

''وہاں کے حالات سمجھ میں آ گئے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن آپ [illegible] کے بارے میں کیا سوچ رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں آپ نے بتایا نہیں۔"

"میں راج کنور کو استعمال کرنے کا سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اس کے پاس ذریعہ ہے وہ ہیلی کاپٹر میں سرحد پار آتا جاتا رہا ہے۔"

"اس پر بھروسہ کرنا خطرناک ہوگا۔" سفیر نے اعتراض کیا۔ "وسیم کا سالا سخت ناقابلِ اعتبار شخص ہے۔"

"وہ میرا سالا نہیں ہے۔" وسیم بولا۔

"جورو کا بھائی اور کیا کہلائے گا۔" سفیر نے وسیم کا اعتراض مسترد کر دیا۔

"وسیم بھائی کا سالا صرف ہم ہے۔" بیتو نے صرف سفیر کی بات کی نفی کے لیے سالا ہونے کا دعویٰ کیا۔

"ہاں بیٹے تم شکل سے پیدائشی سالے لگتے ہو۔" سفیر نے اسے گھورا۔

"سیز فائر..... بہت دیر ہوگئی ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ابھی مجھے فائیو اسٹار ڈنر بھی کرنا ہے۔"

"مزے ہیں تیرے۔" سفیر نے رشک سے کہا۔ "کمرہ تو بڑا شاندار نظر آرہا ہے۔"

"یہ شاید سیون اسٹار ہوٹل ہے لیکن رانا دیاس کی مہربانی ہے۔"

وسیم نے کہا۔ "شہباز صاحب میرا خیال ہے کہ آپ کسی پر زیادہ بھروسہ نہ کریں۔ رانا دیاس مخلص آدمی ہے لیکن اس کے آس پاس دوسرے لوگوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے ان میں سے کوئی سرکاری ایجنٹ ہوا تو آپ مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں کوشش کر رہا ہوں جلد از جلد یہاں سے نکل جاؤں۔" میں نے کہا۔ "ایک دو دن میں اپنے پلان کو حتمی صورت دے کر میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

"شہباز صاحب لیپ ٹاپ اور انٹرنیٹ آپ کا ہے؟" عبداللہ نے سوال کیا۔

"ہاں میرا ہے۔"

"تب آپ اسکائپ آن رکھیں اس سے رابطے میں آسانی رہے گی۔"

"ٹھیک ہے میں آن رکھوں گا۔"

"کاش میں آپ کے پاس آسکتا۔" وسیم نے سرد آہ بھری۔

"ہم بھی جائے گا۔" بیتو نے فوراً مطالبہ کیا۔

"بیٹے یہ کسی اور چکر میں جا رہا ہے۔" سفیر نے حسبِ معمول شرارت کی۔ "شہباز کا تو صرف بہانہ ہے۔"

"بچے کو مس گائیڈ مت کرو۔" وسیم نے اسے گھورا۔

"ہم مس کیسے ہو سکتا ہے۔" بیتو نے اعتراض کیا۔ "ہم کو معلوم ہے مس لڑکی کو کہتے ہیں۔"

"مانی، ایاز اور دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"

"مانی اور ایاز بھگوال والی حویلی میں ہیں۔" عبداللہ نے بتایا۔ "مانی وہاں کام کر رہا ہے۔"

"یہاں کوئی دوسرا ٹھکانہ دیکھا؟"

"نہیں فی الحال اسی کوٹھی میں ہیں لیکن مانی نے یہاں بہت اچھی اپ سکیورٹی کر دی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یعنی کام جاری ہے دشمنوں کا کیا احوال ہے۔ مرشد نے مزید کوئی گند تو نہیں کی؟''

''نہیں ان دنوں بالکل سدھرا ہوا ہے۔ تیرے کیسز پر کام جاری ہے پرسوں پیشی ہے شاید اس میں کوئی پیش رفت ہو لیکن ندیم مطمئن ہے۔ وہ تیرے یہاں جانے سے خوش ہے۔ اس کا کہنا ہے تو بے شک جہنم میں رہ لیکن ابھی یہاں مت آنا۔''

''اس کی خواہش تقریباً پوری ہوئی یہ سارا عرصہ میں نے جہنم جیسی قید میں ہی گزارا ہے۔''

کچھ دیر ان لوگوں سے بات کر کے میں کال ختم کرنے والا تھا کہ سفیر کو خیال آیا۔ ''یار اب حویلی میں بھی انٹرنیٹ لگ گیا ہے۔ مانی نے وہاں فون لائن ڈی ایس ایل کرالی تھی اور ایک عدد لیپ ٹاپ بھی چھوڑ آیا ہے۔ ہم لوگ بھی اسکائپ پر بات کر لیتے ہیں۔''

''یہ تو اچھا ہے۔'' میں خوش ہو گیا۔ ''بہت دن ہو گئے سب کو دیکھے ہوئے۔''

''سب کو یا ان کو؟'' سفیر نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''سنا ہے وہ بھی بہت بے چین ہیں۔''

سفیر کی بات کا جواب میں نے کال کاٹ کر دیا اور بانو کے کمرے تک آیا۔ دستک کے جواب میں اس نے دروازہ کھولا تو اس کا چہرہ ستا ہوا لگا اور آنکھوں میں بھی ہلکی سی نمی کی جھلک تھی۔ میں اندر آیا۔ ''تم روئی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں.....''

''سفیر کی بات پر؟''

اس نے پھر سر ہلایا۔ ''ہاں.....''

''بانو میں اس کا دفاع نہیں کروں گا اس کی زبان ایسی ہی بے قابو ہے ورنہ وہ دل کا برا نہیں ہے۔''

''یقیناً ایسا ہی ہو گا لیکن شہباز صاحب آپ کے لیے میرے دل میں جتنی عزت ہے۔ اس کے بعد کوئی آپ کے اور میرے تعلق کے بارے میں ذرا سی بات کرے تو مجھے بہت فیل ہو گا۔''

وہ اوپر سے بہت مضبوط ثابت ہوئی تھی اور اس نے حالات کا مقابلہ بھی کیا تھا کسی موقع پر کمزوری نہیں دکھائی تھی لیکن اندر سے وہ کمزوری لڑکی ہی تھی جسے ذرا سی بات رلا دیتی ہے۔ ''میں سفیر کی طرف سے سوری کرتا ہوں۔''

''نہیں.....نہیں مجھے ان سے بھی کوئی شکوہ نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''پلیز آپ ایسا نہ کہیں۔ آپ مجھے ڈانٹ سکتے ہیں مار سکتے ہیں لیکن سوری نہیں کہہ سکتے۔''

''اچھا بابا نہیں کہوں گا لیکن اب مسکراؤ۔ مجھ سے تمہاری سنجیدہ صورت برداشت نہیں ہو رہی۔''

وہ مسکرانے لگی پھر سنجیدہ ہو گئی۔ ''شہباز صاحب میں اللہ کا شکر نہیں ادا کر سکتی کہ اس نے مجھے آپ سے ملوایا اور آپ نے مجھے سہارا دیا۔''

''سب اللہ کا احسان ہے۔'' میں نے کہا۔ ''صرف میں تمہارا سہارا نہیں بنا بلکہ تم بھی میرا سہارا بنی ہو۔ اگر تم نہ ہوتیں تو شاید میں کنوروں کی قید سے آزاد نہ ہو پاتا۔''

''اس کے برعکس مجھے لگتا ہے جیسے آپ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے اور آپ اکیلے ہی سب کر سکتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا نہیں ہے میں ایک عام انسان ہوں اور ہر انسان کو دوسرے انسان کی مدد کی ضرورت رہتی ہے۔''
میں نے کہا اور موضوع بدل دیا۔ ''ڈنر کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''نیک خیال ہے کیونکہ مجھے زور سے بھوک لگی ہے آج بہت دنوں بعد ایسی بھوک لگ رہی ہے۔''

''یہ جم جانے کا نتیجہ ہے اور بی بی اب ذرا احتیاط کرو۔ بعد میں تمہارا ہونے والا مجازی خدا مجھے کوسے گا کہ گل بانو کو گل خان بنا دیا۔''

وہ شرمائی۔ ''اب ایسا بھی نہیں ہے۔''

''اس کا پتا تو مجھے اس وقت چلا جب تمہیں پہاڑ کے اوپر سے اٹھا کر نیچے لایا تھا۔ یقین کرو آخر میں میری ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں اور سانس قابو میں نہیں رہا تھا۔''

''سچ میں بہت وزنی ہوگئی ہوں؟'' اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''مجھے تو اپنا وزن زیادہ نہیں لگتا ہے۔''

''کل جم میں ویٹ کرنا، میرا اندازہ ہے تمہارا وزن پینسٹھ کے جی کے آس پاس ہوگا۔''

''لیکن اب مجھے ایسے اچھا لگتا ہے۔'' وہ انٹر کام اٹھاتے ہوئے بولی اس نے روم سروس سے رابطہ کیا اور پھر مجھ سے پوچھ کر ڈشز لکھواتی رہی۔ انٹر کام رکھ کر اس نے کہا۔ ''بلکہ میں سوچتی ہوں کہ مزید مضبوط ہو جاؤں۔ جب ہم واپس جائیں گے اور میں اپنے بل بوتے پر زندگی گزاروں گی تب مجھے آسانی رہے گی۔''

''وہ بعد کی بات ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرا تعاون ہمیشہ تمہیں حاصل رہے گا۔''

''شہباز صاحب میں جانتی ہوں اپنے ملک میں بھی آپ کی زندگی آسان نہیں ہے وہاں بھی آپ کو دشمنوں سے اسی طرح چھپ کر رہنا پڑتا ہے۔ جب تک آپ اپنی معمول کی زندگی کی طرف نہیں آجاتے میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔''

میں نے انکار کیا۔ ''میں تمہیں مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔''

''پلیز۔'' اس نے اصرار کیا۔

''اچھا اسے دیکھیں گے۔ میں بھی تمہیں ایسے ہی نہیں چھوڑ دوں گا جب تک مجھے اطمینان نہیں ہوگا تم میری ذمے داری رہو گی۔''

وہ خوش ہوگئی۔ ''یہ تو میں کہہ رہی ہوں میں آپ کی ذمے داری ہوں گی اور مددگار بھی۔''

روم سروس کے ویٹرز ڈنر لے آئے تھے میں نے وہم سے ایسے ہی کہا تھا کہ ڈنر فائیو اسٹار ہوگا یہ سچ مچ تقریباً فائیو اسٹار ڈنر ہی تھا۔ اس میں سترہ تو نہیں لیکن اچھی خاصی ڈشز ضرور تھیں۔ ویٹرز کے جانے کے بعد میں نے بانو کو گھورا۔ ''مالِ مفت دل بے رحم.....''

''رانا صاحب جتنے دولت مند ہیں ان کو کیا فرق پڑے گا۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ کھانے کے دوران میں اسے بتاتا رہا کہ اسکاٹ پر مزید کیا گفتگو ہوئی۔ حویلی کے ذکر پر اس نے تجسس سے پوچھا کہ وہاں کون کون تھا۔ اسے حویلی اور اس کے موجودہ مکینوں کے بارے میں بتایا۔ سویرا کے نام پر اس نے پوچھا۔ ''یہ کون ہیں؟''

''میرے بھائی کی بیوہ اور جب میں واپس جاؤں گا تو اس سے شادی کروں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تجسس میں پڑ گئی۔ ''کیا یہ آپ کی روایت ہے؟''

میں ہچکچایا۔ ''نہیں..... میں سویرا کو پسند کرتا ہوں۔''

''پہلے سے؟'' وہ سمجھ گئی تھی۔ میں نے گہری سانس لی اور پھر اسے اپنے سویرا کے تعلق کے بارے میں بتایا۔ وہ افسردہ ہو گئی۔ ''بہت سیڈ اسٹوری ہے۔ پہلے آپ کی محبت نہ مل سکی اور پھر بھائی نہ رہا۔''

''انسان کے مقدر میں جو ہوتا ہے وہی اسے ملتا ہے۔'' میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ میری بھوک ختم ہو گئی تھی۔

''کھائیں نا؟''

''نہیں بس کھا لیا۔'' میں نے ٹشو سے ہاتھ صاف کیا اور پھر واش روم کا رخ کیا۔ واپس آیا تو بانو بھی کھا چکی تھی اس نے روم سروس کو برتن لے جانے اور چائے کافی لانے کو کہا۔ میں نے اپنے لیے کافی کا کہا تھا۔ بانو نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''اگر سویرا کو پتا چلے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں تو وہ فیل نہیں کریں گی۔''

''وہ شک نہیں کرے گی کیونکہ مجھ پر اعتماد کرتی ہے لیکن تم خود عورت ہو اور اچھی طرح جانتی ہو عورت حاسد ہوتی ہے۔ جسے چاہتی ہے اس کے آس پاس کسی کو برداشت نہیں کرتی ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

کافی کے بعد میں آرام کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ بانو خود بھی آرام کے موڈ میں تھی۔ میرا ارادہ حویلی بات کرنے کا تھا۔ میں نے اسکائپ آن کیا اور سویرا کا موبائل نمبر ملایا۔ رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے اور اس وقت حویلی میں سناٹا ہو جاتا تھا سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تھے۔ پھر جس نے جاگنا ہوتا تھا وہ اپنے کمرے میں جاگتا لیکن محفل لگا کر رت جگا نہیں کیا جاتا تھا۔ سویرا اپنے کمرے میں تھی لیکن اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ پورا گینگ تھا۔ یعنی مونا، سادی، شمی اور شازیہ۔ سویرا نے محتاط انداز میں ہیلو کہا اور پھر میری آواز سن کر ذرا نارمل لہجے میں خیر خیریت پوچھی تو میں سمجھ گیا۔ ''تم اکیلی نہیں ہو؟''

''ہاں سب ہیں۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔ ایسا کرو اسکائپ پر آ جاؤ۔'' میں نے کہا اور اسے اپنی آئی ڈی بتائی۔ اس نے کہا۔

''میں آپ کو ایڈ کرتی ہوں۔''

اس دوران میں پیچھے سے مونا، شمی اور سادی کی آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ پوچھ رہی تھیں کہ کون ہے ویسے انہیں شک ہو گیا تھا کہ میں ہی ہوں۔ میں نے کال کاٹ دی۔ چند منٹ بعد مجھے سویرا کی طرف سے رکوئسٹ آئی۔ میں نے اسے قبول کیا اور پھر ویڈیو کال کرنے لگا۔ اس بار میں اکیلا تھا اس لیے ہیڈ فون مائیک لگا لیا۔ جیسے ہی اسکرین آئی۔ بیک وقت مونا، سادی اور شمی کے چہرے نمودار ہوئے۔ میں نے ہڑبڑانے کی اداکاری کی۔ ''لاحول ولا..... کیا صورتیں ہیں۔''

''اچھا جی ہماری صورتیں پسند نہیں ہیں۔'' مونا چلائی۔

''ظاہر ہے انہیں تو ایک ہی صورت پسند ہو گی۔'' سادی بولی۔

''شوبی آپ کیسے ہیں۔'' شمی نے پوچھا۔ ''اللہ کتنا خوب صورت کمرہ ہے۔ آپ کہاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک سپر اسٹار ہوٹل میں جس کا سارا عملہ میرے آگے پیچھے ہوتا ہے۔ ان چڑیلوں سے بولو پیچھے ہٹیں۔ ان کی صورتیں دیکھنے والے آگئے ہیں اس لیے دوسروں کو نہ ڈرائیں۔''

''ہم تو نہیں ہٹیں گے۔'' مونا نے ڈھٹائی سے کہا۔

''ہم چڑیلیں ہیں۔'' سادی خفا ہوگئی۔ ''ٹھیک ہے جارہے ہیں۔''

''کوئی نہیں جائے گا۔'' شمی نے اسے ڈانٹا۔ ''یاد نہیں کیا طے ہوا تھا؟''

کچھ دیر کی چھیڑ چھاڑ کے بعد وہ سب نارمل ہوگئیں اور پھر سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابھی میں ایک سوال کا جواب دے رہا ہوتا تھا کہ دوسرا سوال سامنے آجاتا۔ خدا خدا کر کے سوالات کا یہ سلسلہ ختم ہوا۔ پھر شازیہ نے مجھ سے سلام دعا کی میں نے اس کے باپ کی تعزیت کی۔ وہ افسردگی سے بولی۔ ''پاپا نے جو کیا اس کا خمیازہ ہم نے بھی بھگتا اور انہوں نے بھی۔''

سویرا نے کہا۔ ''ماضی میں جو ہوا اسے بھول جاؤ، آنے والا کل اللہ نے چاہا تو ضرور اچھا ہوگا۔''

''اب تم ہماری ذمے داری ہو۔''

''سنا ہے ایک ذمے داری وہاں بھی ہے۔'' مونا نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔ وہ بانو کا ذکر رہی تھی اور یقیناً سفیر نے اسے بتا دیا تھا وہ پیٹ کا ہلکا تھا اور مونا سے کوئی بات نہیں چھپا سکتا تھا۔ میں نے ان کو بانو کے بارے میں بتایا۔ سادی نے اعتراض کیا۔

''پہلے کیوں نہیں بتایا تھا؟''

''تاکہ تم لوگ میرا ناک میں دم نہ کرسکو۔ ایک ساتھ لا کر پیش کر دیتا تو تم لوگ خود ہی سب پوچھ لیتے اس سے۔''

''سن رہی ہو تم حویلی تک لانے کا ارادہ ہے۔'' مونا نے سویرا سے کہا۔ وہ مسکرائی۔

''حویلی تک تو تم سب بھی آئی ہو۔''

''جی نہیں ہماری بات دوسری ہے۔'' سادی تڑخ کر بولی۔ ''ہم شوبی کے کچھ لگتے ہیں۔''

''اپنی باتوں سے تو دشمن لگ رہے ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''وہ کیا کہا ہے شاعر نے..... ہوئے تم جس کے دوست.....''

''آپ باتیں ٹالیں نہیں ان صاحبہ کے بارے میں بتائیں۔'' مونا بولی۔

''تم لوگ بولنے کا موقع دو تو بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور انہیں بانو کے بارے میں بتایا۔ جیسے جیسے میں بتا رہا تھا ان کا رویہ اور انداز بدلتا جارہا تھا اور آخر میں وہ پُرجوش ہوگئی تھیں کہ جلد از جلد بانو سے بات کریں۔

''ابھی میں اپنے کمرے میں ہوں وہ بھی سوگئی ہوگی صبح بات کر لینا۔''

مونا کی صحت ٹھیک تھی اور سادی ذرا صحت مند ہورہی تھی۔ وہ جس مرحلے سے گزر رہی تھی اس میں صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ شازیہ بھی ٹھیک تھی۔ سب سے پہلے وہ رخصت ہوئی۔ اس کے بعد شمی گئی۔ وہ بابا، ماں جی اور دوسروں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ آپا بھی سو رہی تھیں اس لیے طے ہوا کہ ان سے صبح بات کی جائے گی۔ سویرا گفتگو میں شریک تھی لیکن اکا دکا باتیں کر رہی تھی۔ بالآخر ان دونوں کو بھی خیال آیا اور مونا نے کہا۔ ''چلو جی اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان سے ہم برداشت نہیں ہو رہے ہیں۔"

"کہا تو تم نے ٹھیک ہے لیکن میں مروت میں خاموش ہوں۔"

سادی کچھ دیر سے چپ چپ تھی اس نے مونا کی بات سنی تھی لیکن اٹھنے کے بجائے جھجکتے ہوئے بولی۔

"شہباز بھائی..... بڑے کنور کیسے ہیں؟"

میں نے گہری سانس لی۔"ان کی حالت پہلے سے خراب ہوئی ہے میں نے بتایا نا کہ یہاں سازشیں چل رہی ہیں۔ صرف راج کنور ہی نہیں بلکہ منشی دل جی بھی سازش کر رہے ہیں۔ میری اطلاعات کے مطابق بڑے کنور نے فی الحال سب پر قابو پالیا ہے اور راج کنور اسپتال میں ہے۔ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے؟"

"بڑے کنور راج بھیا کو جاگیر سے نکال دیں اس مسئلے کا یہی حل ہے۔"

"ہوسکتا ہے لیکن مجھے یہ معاملہ اتنا آسان نہیں لگتا ہے۔ شروع میں ایسا لگ رہا تھا کہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے ہیں مگر پہلے راج نے بڑے کنور کو رعایت دی اور اس کے بعد بڑے کنور نے راج کنور کو چھوٹ دی اگر وہ نہ چاہتا تو راج کنور اس حادثے میں مر بھی سکتا تھا۔ صحت یاب ہونے کے بعد اسے دوبارہ پیلس لے جایا جائے گا۔ سننے میں یہ آیا ہے کہ راج کنور کے پاس جاگیر اور اس سے وابستہ کاروبار کے کچھ اہم کاغذات ہیں۔"

سادی نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔"میں سب جانتی ہوں لیکن شہباز بھائی آپ سب چیزوں پر لعنت بھیج کر وہاں سے نکل آئیں۔ آپ جانتے ہیں اب آپ ہی میرے باپ بھائی ہیں۔ میں ماضی سے سارے ناطے توڑ کر آئی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں، لیکن کبھی کبھی ماضی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ جتنی جلد ہو سکے یہاں سے نکل جاؤں۔" میں نے کہا لیکن سادی یا ان میں سے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ میں کس طرح سے یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ مونا اور سادی بھی اٹھ گئیں۔ ان کے جاتے ہی سویرا لپک کر لیپ ٹاپ کے پاس آئی تھی۔ اس نے دھانی رنگ کی لان کا شلوار سوٹ پہن رکھا اور اس پر اچھا لگ رہا تھا۔ پہلے کے مقابلے میں اس کی صحت بھی بہتر ہوئی تھی جب میں نے اسے شاہد بھائی کے انتقال کے بعد دیکھا تھا تو وہ کمزور ہو رہی تھی۔ اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"آپ کیسے ہیں؟"

میں نے شرارت کی۔"ایسے نہیں ویسے ہی پوچھو جیسے فون پر پوچھا تھا۔"

"تب کیسے پوچھ سکتی تھی۔" وہ محجوب ہوگئی۔"تب سب یہاں موجود تھے۔"

"میں کیسا لگ رہا ہوں؟"

"پیچھے ہٹ کر دکھائیں۔" اس نے فرمائش کی اور میں نے تعمیل کی۔"صحت تو ٹھیک لگ رہی ہے لیکن یہ ہونٹ کے گوشے پر سوجن کیوں ہے۔"

کسی نے نوٹ نہیں کیا لیکن اس نے کر لیا تھا۔"چوٹ لگی تھی؟"

"کسی سے لڑائی ہوئی تھی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم جانتی ہو میری زندگی ہی مار دھاڑ میں گزر رہی ہے۔''

''پلیز آپ جلد واپس آجائیں انڈیا پاکستانیوں کے لیے بہت خطرناک ملک ہے وہاں تو بے گناہ پاکستانی بھی سالوں جیل میں سڑتے رہتے ہیں۔''

''میں کوشش کر رہا ہوں۔''

وہ خود پر قابو پانے لگی پھر آہستہ سے پوچھا۔ ''مجھے یاد کرتے ہیں؟''

''سویرا تمہاری یاد میرے وجود میں سانس اور دل کی دھڑکن کی طرح ہے۔ کوئی انسان ان دونوں چیزوں کے بغیر رہ سکتا ہے۔''

''نہیں۔'' وہ شرمائی تو اس کے چہرے پر رنگ بکھر گئے تھے۔ میں دنگ رہ گیا کیا کوئی اتنا خوب صورت بھی ہو سکتا ہے؟ شاید میرا خیال غلط تھا اصل خیال یہ ہونا چاہیے تھا کہ کیا اتنا خوب صورت بھی لگ سکتا ہے۔ وہ آج بھی ویسی ہی معصوم اور شفاف سی سویرا تھی۔ میں نے شوق سے کہا۔

''تم بھی تو خود کو دکھاؤ کیسی ہو رہی ہو آج کل۔''

''جی نہیں۔''

''پلیز۔'' میں نے التجا کی تو وہ شرماتے ہوئے پیچھے ہوئی اور دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ پھر جلدی سے واپس آگئی۔ ''بھئی مجھے شرم آرہی ہے ایسی فرمائشیں مت کیا کریں۔''

''پہلے کب کی ہیں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کاش وہ وقت جلدی سے آئے جب تم میری کسی فرمائش سے انکار نہ کر سکو۔''

اس کے چہرے پر پھر گلال بکھرا تھا۔ اس نے جلدی سے موضوع بدل دیا اور حویلی کے حالات بتانے لگی۔ شجاع بھائی اور بھابی پچھلے دنوں آئے تھے اور دو دن حویلی میں رک کر گئے تھے۔ مانی حویلی کی سکیورٹی کر گیا تھا اور اب تین گارڈز بہت آسانی سے پوری حویلی اور اس کے آس پاس کی نگرانی کر سکتے تھے۔ گارڈز کے لیے علیحدہ سیٹ اَپ بنا دیا گیا تھا۔ بابا نے نئی زمین پر جن لوگوں کو آباد کیا تھا وہ بھی حویلی کے محافظوں میں شامل تھے۔ کسی بھی ناگہانی حملے کی صورت میں درجن بھر مسلح افراد پانچ منٹ سے پہلے مدد کو آسکتے تھے۔ سویرا یہ سب بتا رہی تھی کہ اچانک اس نے کہا۔ ''اوہ میں ایک اہم بات بتانا بھول گئی۔ حویلی کے نمبر پر فتح خان کی کال آئی تھی وہ آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ بابا نے بتایا کہ آپ لاپتا ہیں لیکن وہ نہیں مانا۔ اس نے ذرا دھمکی آمیز انداز میں کہا کہ بہتر ہوگا آپ اس سے رابطہ کر لیں ورنہ آپ کا بہت بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔''

میں فکر مند ہو گیا۔ فتح خان ایسا شخص نہیں تھا جسے آسانی سے نظر انداز کیا جاتا۔ ''اور کیا کہا اس نے؟''

''بس یہی بات کی۔'' سویرا بولی۔ ''ممکن ہے کچھ اور بھی کہا ہو تو آپ بابا سے پوچھ لیجئے گا۔ انہوں نے اتنا ہی بتایا ہے۔''

''اس نے دوبارہ کال کی؟''

''یہ بھی نہیں معلوم، لیکن بابا نے اس کال کے بعد گارڈز کو چوکس کر دیا تھا اب وہ رات کو کئی بار خود بھی چکر لگاتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بابا سے بات کروں گا۔''

ابھی میں سویرا سے بات کرنا چاہ رہا تھا مگر میں نے محسوس کیا کہ وہ ہچکچا رہی تھی۔ ''کیا بات ہے کوئی مسئلہ تم ٹھیک سے بات نہیں کر رہی ہو؟''

اس نے گہری سانس لی۔ ''شہباز آپ میرا مزاج سمجھتے ہیں اور میری پوزیشن بھی جانتے ہیں۔ مجھے مناسب نہیں لگ رہا ہے کہ اس طرح آپ سے بات کروں جب کہ دوسروں کو بھی پتا ہو۔''

''یہ لیپ ٹاپ کس کے پاس ہوتا ہے۔''

''ہوتا تو میرے پاس ہی ہے لیکن کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے۔''

''تب تم مجھ سے بات نہیں کرو گی تب بھی دوسرے ایسا ہی سمجھیں گے۔''

''نہیں میں شمی کے پاس جاؤں گی۔ اسے مہندی لگوانی تھی۔ وہ لگاؤں گی۔''

''مہندی خیریت؟''

''کل عتیق آ رہا ہے صحت یاب ہونے کے بعد وہ پہلی بار حویلی آئے گا۔''

''اچھا تو اس کی تیاری ہو رہی ہے۔'' میں ہنسا۔ ''لیکن دیکھو اسے تو کوئی خوف نہیں ہے کہ وہ عتیق کے آنے پر مہندی لگا رہی ہے اور اسے کوئی کچھ کہے گا۔''

''شمی کا حق ہے۔''

''حق تو تمہارا بھی ہے۔''

''ہاں لیکن میں اسے ایک بار استعمال کر چکی ہوں۔ پھر میرا مزاج بھی اس سے مختلف ہے۔''

''چلو پھر ٹھیک ہے تم جا کر اسے مہندی لگاؤ۔''

''آپ ناراض تو نہیں ہیں نا۔'' وہ پریشان ہو گئی۔

''تم پاگل ہو..... بھلا کوئی خود سے بھی ناراض ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا اللہ حافظ میں صبح دس بجے کے بعد کسی وقت کال کروں گا۔ اسکائپ آن رکھنا۔''

رات کے دو بج رہے تھے جب میں نے گھڑی کی طرف دیکھا تو حیران ہوا تھا اتنی لمبی بات ہوئی تھی اور وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ مجھے اوشا کا خیال آیا کہ وہ اب تک رانا دیاس کے محل میں پہنچ گئی ہو گی لیکن ہوٹل منیجر کی طرف سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی تھی۔ میں نے منیجر کو کال کی وہ ڈیوٹی سے آف ہو گیا تھا لیکن اس کا نائب موجود تھا میں نے اس سے پوچھا۔ ''میری ساتھی اپنی منزل پر پہنچ گئی ہے؟''

''مجھے معلوم نہیں ہے میں کنفرم کر کے بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ اس نے پانچ منٹ بعد کال کی۔ ''جی سر وہ اپنی منزل پر پہنچ گئی ہیں۔''

میں نے شکریہ ادا کیا اور پھر آپریٹر سے رانا دیاس کے ایک نمبر پر کال ملانے کو کہا۔ اس کے سیکرٹری نے کال ریسیو کی۔ رانا دیاس کا پہلا سیکرٹری جو مسلمان تھا اور میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے مارا گیا تھا اس کے بعد رانا نے دوسرا سیکرٹری بھی مسلمان ہی رکھا تھا۔ وہ غیر متعصب اور کھلے ذہن کا شخص تھا۔ راجا عمر دراز سے دوستی اس بات کا ثبوت تھی۔ میں نے اپنا نام لیے بغیر سیکرٹری سے اوشا کے بارے میں پوچھا اس نے محتاط انداز میں بتایا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوشا خیریت سے وہاں پہنچ گئی تھی اور اس کا مکمل خیال رکھا جا رہا تھا۔ رانا صاحب اسے میرے لحاظ سے ٹریٹ کریں گے۔ میں نے اطمینان محسوس کیا اور اس کا شکریہ ادا کر کے فون رکھنے لگا تھا کہ اس نے کہا۔

''آپ کے لیے ایک مشورہ ہے اب محل کے کسی نمبر پر کال مت کیجئے گا۔''

میں چونکا۔''اگر رابطہ کرنا ہو تو؟''

''منیجر سے بات کر لیجئے گا وہ گائیڈ کرے گا۔''

یقیناً کسی وجہ سے رانا ویاس بہت محتاط ہو رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے محل کی طرف سے مجھ سے براہ راست رابطہ نہیں کیا جا رہا تھا اب میں نے بھی محتاط رہنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اٹھ کر گرم پانی سے غسل کیا اور پھر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ میں نے صبح چھ بجے کا الارم لگایا تھا۔ الارم سے ہی آنکھ کھلی۔ منہ ہاتھ دھو کر میں نے ایکسر سائز کی اور نہا کر کپڑے بدلے۔ بانو سو رہی تھی میں نیچے ہوٹل کے اسسٹنٹ منیجر کے پاس آیا۔ یہ رات کو موجود ہوتا تھا وہ مجھے دیکھ کر مستعد ہو گیا۔''مجھے طلب کر لیا ہوتا سر۔''

''کوئی بات نہیں میں آ گیا۔''

''حکم کریں اور کیا پیش کروں؟''

''کافی منگوا لیں آپ کے ہوٹل کی کافی لاجواب ہے۔''

وہ خوش ہو گیا۔''برازیل کے ایک خاص فارم سے براہ راست ہمارے پاس آتی ہے اور یہ کافی صرف ہمالیہ ہوٹل چین کے لیے مخصوص ہے۔''

''مجھے کرائے پر ہیلی کاپٹر درکار ہے۔''

وہ حیران ہوا شاید یہ فرمائش اس کے لیے کچھ زیادہ تھی۔ مگر فوراً اس نے اپنے تاثرات پر قابو پا لیا۔

''کیوں نہیں سر..... یہاں شملہ میں کئی فلائنگ کلب ہیں جہاں سے ہیلی کاپٹرز اور چھوٹے طیارے چارٹرڈ کرائے جا سکتے ہیں۔''

''میں کسی ایسے ہیلی کاپٹر کو ترجیح دوں گا جو لمبی پرواز کرنے کی سکت رکھتا ہو اور کسی کمپنی کی ملکیت نہ ہو۔ کسی ایک فرد سے معاملہ طے ہو جائے۔''

''اس کے لیے معلومات حاصل کرنا پڑیں گی۔''اس نے کہا۔

''تب آپ معلومات حاصل کریں لیکن بغیر کسی ریفرنس کے، میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟''

''جی سر بالکل سمجھ رہا ہوں۔ ہمالیہ ہوٹل یا آپ کا نام نہیں آئے گا۔''

''آپ مناسب دو تین نام ریفر کر دیں میں ان سے خود بات کر لوں گا۔''

''ابھی ارلی مورننگ ہے میرا خیال ہے میں دس بجے تک معلومات حاصل کر لوں گا۔''

''مجھے بھی کوئی جلدی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔''ہاں ایک کام اور ہے۔ نند ورما ہاسپٹل میں ایک ڈاکٹر امرتسر ہے مجھے اس کا پرائیویٹ کونٹکٹ نمبر چاہیے۔''

وہ پھر حیران ہوا مگر مستعدی سے کہا۔''یہ بھی مل جائے گا سر۔''

اس دوران میں کافی آ گئی تھی میں نے کافی نوشی کے دوران ہمالیہ ہوٹل کے معیار اور یہاں کی سروس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تعریف کی وہ خوش ہو گیا۔ ''سر ہم آپ کی خدمت کے لیے بیٹھے ہیں۔''

وہ خدمت کے لیے نہیں بلکہ کمانے کے لیے بیٹھے تھے۔ یقیناً وہ رانا دیاس سے لاکھوں کا بل وصول کرتے اور کوئی تعجب نہیں ہوتا اگر بل کی رقم سات ہندسوں میں چلی جاتی۔ میں نے جو کافی پی تھی اس کی قیمت میں کسی اچھے ریسٹورینٹ میں فیملی ڈنر کیا جا سکتا ہوگا۔ اس سے بات کر کے میں اوپر آیا۔ آٹھ بج رہے تھے میں نے بانو کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ جاگ گئی تھی اور ایکسرسائز کر رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو اس کی سانس تیز تھی اور چہرے پر پسینہ چمک رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''بس کر و بی بی اور تیار ہو کر میرے کمرے میں آجاؤ ناشتے کے لیے۔''

''آپ کہہ دیں میں بیس منٹ میں آتی ہوں اور ہاں ناشتہ دیسی اسٹائل کا ہو۔''

''یعنی انڈہ پراٹھا، حلوہ پوری بھاجی اور چنوں کا سالن۔''

''بالکل۔''

''یہ ہمالیہ ہوٹل ہے۔''

''اگر یہ سب نہ ملا تو پھر کیا فائدہ ہمالیہ ہوٹل کا اس سے اچھا تو لاہور کا کمالیہ ہوٹل ہے وہاں یہ سب ملتا ہے۔''

''کیا یاد دلا دیا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''کبھی ہم بھی لاہور جاتے تھے اور وہاں کے پکوان کھاتے تھے۔ اچھا کوشش کرتا ہوں۔''

میں حیران ہوا جب روم سروس نے بلا حجت میرا آرڈر نوٹ کر لیا اور جب تک بانو تیار ہو کر آئی ناشتہ آچکا تھا۔ وہ خوش ہو گئی۔ ہمیں نہ صرف اپنی پسند کا ملا تھا بلکہ اسی معیار تھا۔ ڈٹ کر ناشتے کے بعد بانو کی فرمائش پر چائے یا کافی کے بجائے لسی نوش کی گئی۔ میں نے بانو کو بتایا کہ گزشتہ رات میں نے حویلی بات کی تھی اور تمام خواتین اس سے بات کرنے کے لیے بے تاب تھیں۔ اس نے سر ہلایا۔ ''مجھے خیال تھا کہ آپ حویلی بات کریں گے۔''

''تمہیں اس لیے شامل نہیں کیا کہ پھر کوئی ایسی بات نہ ہو جو تمہارے دل کو لگے۔ تمہارے بارے میں بتایا ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ تم واپس جا کر ان کے پاس حویلی میں رکو۔''

وہ ہچکچائی۔ ''کیا یہ مناسب ہوگا؟''

''کیوں نہیں..... دیکھو میرا مونا اور سادی کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن ہمارے درمیان تعلق بہت مضبوط ہے۔ ایک حیران کن حقیقت تو میں نے تمہیں بتائی نہیں۔ کنور پیلس میں منہ سے نہیں نکال سکتا تھا اور وہاں سے نکلنے کے بعد حالات تیزی سے بدلتے رہے۔ کبھی وقت نہیں ہوتا تھا اور کبھی ذہن میں نہیں ہوتا تھا سچی بات ہے خود میرے ذہن میں بھی یہ بات تھوڑی تھوڑی محو ہوتی جا رہی ہے۔''

''کون سی بات؟''

''یہی کہ سعدیہ عرف سادی اور سابق سادھنا کنوروں کی بہن ہے۔''

بانو سچ مچ حیران رہ گئی تھی۔ ''رئیلی..... میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کنور برادرز اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔ جب قبائلیوں نے پیلس پر حملہ کیا تو افراتفری میں وہ لوگ سعدیہ کو نہیں لے جا سکے اور قبائلی اسے بھی عام ملازمہ سمجھ کر ساتھ لے گئے۔ میں اسے جانتا تھا پھر میں نے اسے تحفظ دیا کیونکہ وہ سچ مچ بہت معصوم لڑکی تھی اپنے بھائیوں کے جرائم سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ قبائلیوں کے سردار کمار سے وابستہ ہو گئی انہوں نے شادی کر لی تھی مگر پھر کمار ہیپاٹائٹس کا شکار ہو گیا اور سعدیہ دوبارہ میری ذمے داری بن گئی۔ میں اسے یہاں سے نکال کر لے گیا۔ پھر میرے ساتھی وسیم نے سعدیہ کے زخم پر مرہم رکھا اور اسے اپنا لیا۔ اب وہ سعدیہ ہے۔ اگر کنور برادران کو اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ سعدیہ کو واپس حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''اب میری سمجھ میں آیا کہ آپ ان لوگوں کو چھوٹ کیوں دیتے رہے ہیں یقیناً اس کی ایک وجہ سعدیہ بھی ہے۔''

''یہ ٹھیک ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس نے ماضی سے سارے تعلق توڑ لیے ہیں مگر وہ اس کے بھائی ہیں اسے یاد آتے ہوں گے۔''

''آپ نے اچھا کیا بتا دیا اب میں گفتگو میں کنوروں کو برا بھلا نہیں کہوں گی۔''

ناشتے کے بعد گپ شپ میں دس بج گئے تھے میں نے اسکائپ آن کیا اور کال کی۔ ٹمی لیپ ٹاپ لے کر ماں جی کے پاس بیٹھی تھی۔ اسکرین پر میری ویڈیو نمودار ہوتے ہی وہ تڑپ کر پاس آئی تھیں۔ ''شہباز..... پتر۔''

''ماں جی۔'' میری آواز بھی گلے میں پھنسنے لگی۔ وہ رو رہی تھیں اور میں انہیں دلاسہ دے رہا تھا وہ اسکرین چھو چھو کر دیکھ رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے وہ بات کرنے کے قابل ہوئیں۔ ان کی گفتگو کا ہر دوسرا جملہ یہی ہوتا تھا کہ پتر شہباز واپس آ جا۔ اس دوران میں دوسرے بھی آ گئے تھے۔ بانو نے ماں جی اور دوسروں سے سلام دعا کی پھر بابا آ گئے تو سب پیچھے ہٹ گئے۔ خلاف توقع بابا سلام دعا کے بعد لیپ ٹاپ اپنے کمرے میں لے گئے وہ مجھ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتے تھے۔ یقیناً کوئی ایسی بات تھی جو وہ سب کے سامنے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد انہوں نے کہا۔

''شہباز حالات ٹھیک نہیں ہیں تمہیں پتا چل گیا ہو گا فتح خان کی کال آئی تھی۔''

''جی بابا۔''

''میں نے گھر میں پوری بات نہیں بتائی۔'' بابا تفکر آمیز لہجے میں بولے۔ ''پہلی بات تو یہ کہ فتح خان جانتا ہے کہ تم انڈیا میں ہو۔''

میں حیران ہوا۔ ''اس نے اپنی سورس بتائی؟''

''میرا خیال ہے ڈیوڈ شانا می بندہ ہے۔ کیونکہ فتح خان نے اس کے حوالے سے بھی بات کی تھی۔''

یک لخت میرے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں اور میں جو خود کو اس عالی شان ہوٹل میں محفوظ و مامون سمجھ رہا تھا۔ یہ احساس آنِ واحد میں اڑ گیا۔ ''بابا مجھے تفصیل سے بتائیں فتح خان نے کیا کہا تھا؟''

''اس نے پہلے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں تم سے بات کراؤں لیکن جب میں نے کہا کہ تم لاپتا ہو تو اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا کہ وہ جانتا ہے کہ تم انڈیا میں ہو اور شہباز کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ ڈیوڈ شا سے رابطہ کرلے ورنہ وہ بہت بڑے خسارے میں رہے گا۔"

"اس نے کوئی دھمکی بھی دی؟"

"نہیں بس یہی دھمکی تھی۔"

"میں ڈیوڈ شا سے کیسے رابطہ کرسکتا ہوں۔"

"اس نے کچھ نمبرز دیئے ہیں جن پر تم رابطہ کرسکتے ہو۔ میں نے نوٹ کرلیے تھے۔" بابا نے کہا۔ "تم لکھ لو۔"

میں نے نوٹ پیڈ اور پین اٹھالیا۔ بابا نے تین نمبرز لکھوائے جو میں نے کاغذ پر اتار لیے۔ "بابا آپ بہت محتاط رہیں فتح خان بہت موذی شخص ہے۔ وہ مسلسل میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"میں محتاط ہوں بیٹا، لیکن ایسا کب تک چلے گا؟"

میں نے سرد آہ بھری۔ "بابا اگر یہ سب میرے اختیار میں ہوتا تو کب کا ختم کرچکا ہوتا۔ آپ جانتے ہیں میں بے بس ہوں۔"

بابا کچھ دیر خاموش رہے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "شہباز میں اور تمہاری ماں اپنی زندگی گزار چکے ہیں اب ہمیں تمہاری اور سویرا کی فکر ہے۔"

"میں جانتا ہوں بابا لیکن میرے لیے اصل اہمیت آپ کی اور ماں جی کی ہے آپ کے بغیر ہم اور ہماری ہر خوشی ادھوری ہے۔"

"شہباز کیا ڈیوڈ شا سے بات کرکے تم دشمنی کے اس چکر کو ختم کرسکتے ہو؟"

"ڈیوڈ شا ایک ناقابلِ اعتبار آدمی ہے۔ وہ اثر و رسوخ کا حامل ہے اور بہ ظاہر مرشد جیسا شخص بھی اس کی جی حضوری کرتا ہے۔ اسی طرح فتح خان اس کا ملازم ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے مرشد کے معاملے میں اس کی ضمانت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے؟"

"بالکل اور ایک بار ایسا ہو بھی چکا ہے جب مرشد نے ڈیوڈ شا کی ضمانت کے باوجود میرے خلاف کارروائی کی تھی۔"

"ڈیوڈ شا تم سے کیا چاہتا ہے؟"

"وہ ہمالیائی وادی تک کے سفر میں مجھے لے جانا چاہتا ہے کیونکہ اسے اور راجا عمر دراز دونوں کو یقین ہے کہ اس وادی میں میرے بغیر داخلہ ممکن نہیں ہے۔"

"یہ احمقانہ بات ہے۔" بابا نے ناگواری سے کہا۔

"میں بھی یہی سمجھتا ہوں لیکن یہ دونوں اسے پوری طرح حقیقت سمجھتے ہیں۔"

"اب تم کیا کرو گے ڈیوڈ شا سے رابطہ؟"

"ابھی سوچا نہیں ہے فی الحال تو میں واپس آنے کی کوشش کررہا ہوں۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں تم نے جو کرنا ہے واپس آکر کرو وہاں تمہارے لیے خطرات بہت زیادہ ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لگتا ہے آپ کو میرے بارے میں بریفنگ ملی ہے؟'' میں نے دبی زبان میں کہا تو بابا نے سر ہلایا۔

''شجاع نے بہت کچھ بتایا ہے اس کے پاس تمہاری فائل آئی تھی۔''

''بابا کیا شجاع بھائی اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔''

''وہ کوشش کر رہا ہے لیکن اس کی ایک حد ہے۔ معاملات دونوں طرف سے ہی سیٹل ہو سکتے ہیں۔''

''ندیم کوشش کر رہا ہے کہ میرے خلاف کیسز ختم کر دیے جائیں۔''

''مجھے معلوم ہے تمہاری مرشد سے کوئی ڈیل چل رہی ہے۔''

''جی بابا یہ اسی کا نتیجہ ہے۔'' میں نے کہا اور اس سے مجھے خیال آیا کہ میں نے عبداللہ اور وسیم سے نادر کے بارے میں پوچھا نہیں تھا کہ اس کی کیا حالت تھی۔ یقیناً وہ پہلے جیسا تھا اگر کوئی تبدیلی آتی تو وہ خود مجھے بتاتے۔ کچھ دیر بابا سے بات ہوئی پھر انہوں نے لیپ ٹاپ ثمی کے حوالے کر دیا۔ خواتین سے میری بات ہو چکی تھی اس لیے میں نے اب ہیڈ فون بانو کے سپرد کر دیا۔ گیارہ بج رہے تھے اور اسسٹنٹ منیجر نے دس بجے تک کا وقت دیا تھا ابھی میں اسے کال کرنے کا سوچ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا ایک ویٹر سنہری طشتری میں ایک سیل لفافہ لیے کھڑا تھا میں نے لفافہ لیا اور اسے ٹپ دے کر اندر آیا۔ لفافے پر ہوٹل کا مونوگرام تھا۔ یہ خود بہ خود بند ہو جانے والا لفافہ تھا جسے پھر پھاڑ کر ہی کھولا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے پھاڑا اندر سے ایک چھوٹا سا پرنٹ آؤٹ نکلا۔ اس پر تین افراد کے نام اور ان کے کونٹیکٹ نمبرز لکھے تھے۔ دو نام اجنبی تھے البتہ تیسرا نام ڈاکٹر امرتسر سنگھ کا تھا۔ میں نے ہوٹل کے آپریٹر سے اس کا نمبر ملوایا۔ کچھ دیر بعد وہ لائن پر تھا۔

''سردار جی میں شیام بات کر رہا ہوں۔ رینا کا بھائی۔'' میں نے آہستہ سے کہا بانو کمرے کے دوسرے کونے میں تھی اور مجھے امید تھی کہ وہاں تک میری آواز نہیں جائے گی۔

''حکم کرو جی، کاکی نوں کوئی مسئلہ ہے؟''

''کاکی ٹھیک ہے پر ایک بندہ اور ہے آپ کے اسپتال میں مجھے آپ سے اس کے بارے میں بات کرنی ہے اگر آپ میرے لیے تھوڑا وقت نکالیں تو.....''

''وقت ہی وقت ہے جی آپ جب چاہے آجاؤ۔ پر ابھی میں گھر پر ہوں۔ آپ کو یہاں آنا ہوگا۔''

میں نے اس سے پتا لیا اور بانو کو اشاروں میں اپنی روانگی کا کہہ کر نکل آیا۔ ایک ٹیکسی نے مجھے شہر کے نچلے حصے میں اس متوسط کالونی تک پہنچایا میں چاہتا تو ہوٹل کی کار میں آ سکتا تھا لیکن اس پر ہوٹل کا نام اور مونوگرام تھا اوجہ تشہیر ہوتی۔ میں نے ٹیکسی والے کو روک لیا اور خود اتر کر ڈاکٹر امرتسر کے مکان کی طرف بڑھا، یہ خوبصورت ولدار بیلوں اور پودوں سے سجا ہوا مکان تھا۔ سامنے برآمدے میں ایک چھوٹا سا کتابہ طور کال بیل موجود تھا میں نے دروازے پر ہاتھ رکھا تھا کہ اس نے بھونکنا شروع کر دیا فوراً ہی اندر سے ڈاکٹر امرتسر نکل آیا اس نے گاؤن ن رکھا تھا۔ وہ مجھے چھوٹے سے لان پر موجود چیئرز تک لایا۔ ''معاف کرنا شیام جی میری بیوی میکے گئی ہوئی ہے ا لیے چائے کافی نہیں کر سکوں گا ہاں سافٹ اور ہارڈ ڈرنک ہے۔''

''فی الحال کچھ نہیں۔'' میں نے شکریے کے ساتھ کہا۔

''حکم کرو جی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سردار جی آپ کے اسپتال میں راج کنور نامی ایک بندہ داخل ہے۔''

اس نے داڑھی میں خلال کرتے ہوئے سر ہلایا۔''وی آئی پی بندہ ہے اس پر دو بندے لگے ہوئے ہیں۔''

''وہ زیرِ نگرانی ہے۔''میں نے کہا تو امرتسر حیران ہوا۔

''وہ کیوں جی؟''

''یہ خاندانی جاگیر اور دولت کا چکر ہے۔ بہرحال امرتسر جی بات یہ ہے کہ اس پر نگرانی میری وجہ سے ہے کہ میں اس سے ملاقات نہ کر سکوں۔''

''آپ سے کیوں نہ ملے جی؟''

''سردار جی کچھ معاملات ہیں ایسے، قصہ مختصر میں راج کنور سے ملنا چاہتا ہوں لیکن ہاسپٹل جائے بغیر۔''

وہ بھونچکا رہ گیا۔''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''بالکل ممکن ہے اگر آپ میری اس سے موبائل پر بات کرا دیں۔''

امرتسر سنگھ سادہ آدمی تھا لیکن اتنا سادہ بھی نہیں تھا کہ معاملے کو شریفانہ سمجھ لیتا اس نے گڑبڑ محسوس کر لی تھی اور انکار کی تمہید باندھنے لگا۔''دیکھیں شیام جی..... بات یہ ہے کہ.....''

میں تیار ہو کر آیا تھا میں نے پانچ سو کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھ دی اور اس کا جملہ منہ میں ادھورا رہ گیا اس کی نظریں گڈی پر جم گئی تھیں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔''سردار جی یہ پچاس ہزار ہیں، آپ کو بہت چھوٹا سا کام کرنا ہے کہ جب میں کہوں اس سے میری موبائل پر بات کرا دیں۔ بے شک اپنے موبائل سے کرا دیں اس طرح آپ پر کوئی الزام بھی نہیں آئے گا۔''

''الزام تو آئے گا۔''

''میرا مطلب ہے کہ آپ اسے کوئی موبائل دیں گے تو آپ پر الزام آئے گا۔ اپنا موبائل تو آدمی دس لوگوں کو استعمال کے لیے دیتا ہے۔''

''میں نہیں دیتا۔''اس نے انکشاف کرنے کے انداز میں کہا۔''اپنی بیوی کو بھی نہیں دیتا۔''

''کوئی بات نہیں اب دے دیں اور پچاس ہزار کے بدلے یہ سودا برا نہیں ہے۔''

وہ لالچ میں پڑ گیا تھا۔''کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟''

''سردار جی کوئی گڑبڑ والا کام ہوتا تو میں ہاسپٹل کے کسی معمولی ملازم کو پکڑتا اور دو ہزار روپے میں یہ کام کر دیتا۔''

''تو آپ نے کیوں نہیں کرایا؟''

''بات ساری رازداری کی ہے۔ معمولی ملازم نہ تو عقل استعمال کرتا اور نہ اتنی احتیاط کرتا۔ راج کنور کی نگرانی کرنے والے اسے پکڑ لیتے تو پھر میں اس سے بات نہیں کر پاتا۔ اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ ہوشیار آدمی ہیں اور پھر ڈاکٹر ہیں جتنی بار بھی چاہیں راج کنور کے کمرے میں جا سکتے ہیں۔''

سکھ عقل مندی کی سند پا کر خوش ہوا تھا۔ وہ سچ مچ سادہ آدمی تھا اسی لیے میری حد درجے سادہ وضاحت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مطمئن ہو گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو دس سوال کرتا اور پھر بھی مطمئن نہ ہوتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی آمادگی میں زیادہ زور پچاس ہزار روپے کا ہو۔ اس نے گڈی اٹھالی۔ ''آپ کا کام ہو جائے گا۔ میری ڈیوٹی شام سات سے صبح سات تک ہے۔''

''بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی یہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہے تو پر کیا کریں تنخواہ اچھی ملتی ہے اور کام بھی زیادہ نہیں ہے۔''

''سردار جی آپ نے ایک چیز کا خیال اور رکھنا ہے اگر راج کنور کو اچانک ڈسچارج کرایا جائے تو اس کی اطلاع مجھے فوراً دیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس کا گھٹنے کا جوڑ ہلا ہوا ہے اور کم سے کم دو دن اور رکنا ہوگا۔ ایکسرے کے بعد دیکھا جائے گا کہ جوڑ ٹھیک ہو رہا ہے تبھی اسے جانے کی اجازت دی جائے گی۔''

''یہ تو آپ کی رائے ہے ہو سکتا ہے اس کے نگرانوں کی رائے کچھ اور ہو اگر گھر والے اپنے بندے کو لے جانے پر اصرار کریں تو آپ زبردستی تو نہیں روک سکتے۔''

''ایہہ ٹھیک کہا۔'' امرتسر سنگھ نے سر ہلایا۔ ''پر میں آپ کو بتاؤں گا کیسے؟''

''میں ہمالیہ ہوٹل میں مقیم ہوں آپ کمرہ نمبر چار سو بارہ کہہ کر ملوا لینا مگر نام مت لینا۔''

میری بات پر وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا لیکن کچھ کہا نہیں۔ رامن والا واقعہ شاید کسی کے علم میں نہیں تھا اس لیے امرتسر سنگھ نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ تو طے تھا کہ وہ رامن اور سنتوش کو راج کنور کے نگرانوں کی حیثیت سے جانتا ہوگا۔ میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا کہ راج کنور کی نگرانی پر کتنے لوگ ہیں اس نے بتایا کہ فی الحال ایک ہے دوسرا کل سے غائب ہے۔ رامن کہیں اپنی مرہم پٹی کرا رہا ہوگا۔ میں نے امرتسر سنگھ سے اس کا موبائل نمبر لیا اور وہاں سے نکل آیا۔ ٹیکسی والا منتظر تھا میرے بیٹھنے پر اس نے کہا۔ ''اب کدھر جانا ہے سر؟''

''کسی اچھے پی سی او چلو مجھے کچھ کالز کرنی ہیں۔''

ٹیکسی والا لوئر شملہ کی ایک کمرشل اسٹریٹ پر لے آیا۔ یہاں سیاحوں اور خریداروں کا خاصا رش تھا۔ یہاں ایک بڑا پی سی او تھا جس میں رازداری سے بات کرنے کے لیے کیبن بنے ہوئے تھے۔ میں نے بی اے سنگاری نامی پائلٹ کا نمبر آپریٹر کو دیا اور اس نے کیبن نمبر نو کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔ ''جب ریڈ لائٹ آن ہو تو ریسیو اٹھا لینا۔''

میں کیبن میں داخل ہوا۔ یہ چاروں طرف سے بند تھا اور اوپر ایک چھوٹا سا ایگزاسٹ فین لگا تھا تاکہ اندر گھٹن نہ ہو۔ جیسے ہی ریڈ لائٹ آن ہوئی میں نے ریسیو اٹھا لیا۔ ''بی اے سنگاری۔''

''بات کرتا ہے۔'' دوسری طرف سے گورا شاہی اردو میں کہا گیا۔

''میرا نام شیام لال ہے اور مجھے ہیلی کاپٹر چارٹرڈ کرانا ہے۔''

''کدھر کے لیے؟''

''اوپر ہمالیہ کا نظارا کرنا ہے۔''

''ایسا کرو میرا دفتر آ جاؤ۔'' اس نے کہا اور پتا بتایا جو میں نے ذہن نشین کر لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ابھی آرہا ہوں۔''

''آجاؤ میں بیٹھا ہے۔''

میں نے دوسری کال ہمالیہ ہوٹل کی اور آپریٹر سے بانو کو ملانے کو کہا۔ وہ ابھی تک اسکائپ پر لگی ہوئی تھی اور بہت خوش تھی وہ ان کو ہولڈ کرا کے آئی میری آواز سن کر چہکی۔ ''آپ کہاں ہیں مجھے ان سے بات کر کے بہت مزہ آرہا ہے۔''

''مزے لیتی رہو میں نے یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ میں کچھ دیر سے آؤں گا پریشان مت ہونا۔''

''ٹھیک ہے۔''

میں پی سی او سے نکلا اور ٹیکسی والے کو بی اے سنگاری کا دیا پتا بتایا۔ اس کا منہ لٹک گیا۔ ''یہ تو شہر سے باہر ہے سر۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے ایک پانچ سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ ''بچہ لو تمہارا میٹر چل رہا ہے اگر اوپر بنیں تو لے لینا ورنہ باقی تمہارا ہوگا۔''

اس کا منہ صحیح پوزیشن میں آگیا اور اس نے مستعدی سے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ قدم قدم پر مشاہدہ ہوتا تھا کہ روپیہ انسانی رویوں میں کس طرح تبدیلی لاتا ہے۔ فرض کی ادائیگی سے زیادہ اہم لوگوں کے نزدیک اضافی آمدنی تھی۔ ہم مزید نیچے کی طرف آئے اور اس جگہ کسی قدر گرمی تھی۔ ایک چھوٹا سا ایئر کلب ہائی وے سے کچھ دور تھا بلندی سے وہاں کھڑے کوئی درجن بھر طیارے اور ہیلی کاپٹر دکھائی دیئے تھے۔ دو منزلہ عمارت میں کنٹرول ٹاور اور آپریٹرز کے دفتر تھے۔ میں نے بی اے سنگاری کا نام لیا تھا کہ ایک شخص نے کونے میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھے ادھیڑ عمر شخص کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پکا دیسی تھا یعنی رنگ وروپ قطعی انڈین تھا مگر لہجے سے اینگلو انڈین بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب انگریز بوریا بستر باندھ کر یہاں سے رخصت ہوا تو ایسے مقامی افراد کی کمی نہیں تھی جو خالصتاً ہندوستانی تھے مگر ان کی مائیں انگریزوں کے گھر کام کرتی تھیں اور انہوں نے نہایت بے غیرتی سے دعویٰ کیا کہ وہ اپنے باپ کے بجائے اصل میں اس انگریز کی اولاد ہیں۔ اس وقت معاشرے میں مقام حاصل کرنے کا یہ شارٹ کٹ طریقہ تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ بے حیا رواج انڈیا تک محدود رہا۔ البتہ ہمارے ہاں ایک طبقہ ہے جو اپنی معنوی ولدیت انگریزوں سے جوڑتا ہے۔ قارئین میرا اشارہ سمجھ گئے ہوں۔ بے حیائی میں یہ ان نام نہاد اینگلو انڈین لوگوں سے کم نہیں ہے۔ میں بی اے سنگاری کی طرف بڑھا جو کوکا کولا کی بوتل میں یقیناً دیسی ٹھرا پی رہا تھا اس سے نہایت ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔

''شیام لال۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملانے کی کوشش نہیں کی۔

''بدری آنند سنگاری۔'' اس نے کسی قدر خمار آلود لہجے میں کہا۔ ''کتنا آدمی ہے اور کب جانا ہے؟''

میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''تین سے چار آدمی ہوں گے اور وقت کا تعین نہیں ہے۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔'' اس نے اعتراض کیا۔ ''کنٹرول والوں سے اجازت لینا پڑتا ہے فلائٹ پلان بتانا ہوتا ہے۔''

''اس کام میں کتنی دیر لگتی ہے؟''

Courtesy, www.pdfbooksfree.pk

''ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ۔'' اس نے جواب دیا اور بوتل سے ایک گھونٹ بھرا۔

''ٹھیک ہے تمہیں وقت ملے گا۔ مگر تمہیں چوبیس گھنٹے اسٹینڈ بائی پر رہنا ہوگا۔''

''فلائٹ ٹائم صبح نو بجے سے شام چھ بجے تک ہے اگر موسم صاف ہو رات کو فلائٹ نہیں ہوتا۔''

''ہمیں دن میں جانا ہے رات کو کیا نظر آئے گا۔ میں وقت کا خیال رکھوں گا۔ اگر میں تم کو چوبیس گھنٹے انگیج رکھوں تو تمہارے چارجز کیا ہوں گے؟''

اس نے اپنی سفید ہو جانے والی داڑھی کھجائی۔ ''کتنا انگیج رکھے گا؟''

''آنے والے دو دن۔''

''ایک دن کا دس ہزار روپیہ ہوگا اور فلائٹ چارجز ایک گھنٹے کا دس ہزار روپیہ ہوگا۔''

میں نے اسے بیس ہزار دیئے۔ ''یہ تمہارے دو دن کے ہو گئے اب تم مجھے صبح سات سے شام چھ بجے تک ملو گے۔ تمہارا فون بند نہ ہو اور تم ٹن نہ ہو۔'' میں نے بوتل کی طرف دیکھا۔ ''اسے پی کر تم بغیر ہیلی کاپٹر کے بھی پرواز کر سکتے ہو لیکن مسئلہ ہمارا ہے۔''

''یہ.....'' اس نے کھسیا کر کہا۔ ''میرے لیے پانی ہے۔''

''شراب پی پی کر مرنے والے سارے شرابی یہی کہتے ہیں۔ بہرحال یہ تمہارا مسئلہ ہے۔'' میں کھڑا ہو گیا۔

''تمہارا نام اور کوئی آئی ڈی؟''

''نام بتا دیا ہے اور آئی ڈی کی کیا ضرورت ہے تم جو چاہے لکھوا دینا۔'' میں نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے میں نٹ لے گا۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ایک مرحلہ اور طے ہو گیا تھا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ راج کنور کا ہیلی کاپٹر ہی استعمال کروں گا لیکن اب وہ یقیناً بڑے کنور کے اشارے کا غلام تھا اور راج کنور خود سے اسے نہیں بلا سکتا تھا۔ اس پائلٹ کا فائدہ یہ ہوتا کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ سرحد کہاں سے پار کرنی ہے۔ مگر کوئی بھی تجربے کار پائلٹ یہ کام کر سکتا تھا اگر راضی خوشی نہیں کرتا تو اس سے کرایا جا سکتا تھا۔ بی اے سنگاری نے اپنا ہیلی کاپٹر دکھایا۔ یہ پانچ نشستوں والا ہلکا ہیلی کاپٹر تھا لیکن ایک بار فیول لے کر دو گھنٹے سے زیادہ پرواز کر سکتا تھا۔ اتنا وقت کافی تھا کیونکہ ہمیں ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ پرواز نہیں کرنی تھی اور اس دوران میں ہم لازمی سرحد عبور کر جاتے۔ ہیلی کاپٹر کسی قدر پرانا تھا مگر اس کی دیکھ بھال ہوتی تھی اس لیے نیا لگ رہا تھا۔ سنگاری نے مجھے بتا کر حیران کر دیا۔

''میں اسے دس سال سے اڑا رہا ہے۔''

''یہ دس سال پرانا تو نہیں لگتا۔''

''یہ اس سے بھی پرانا ہے لیکن اس کا پراپر مینٹی نینس ہوتا ہے۔ سارا اہم پرزہ چینج کیا جاتا ہے۔ فلائنگ مشین میں ایک پرزہ بھی ٹھیک نہ ہو تو یہ دھڑام سے نیچے گر سکتا ہے۔''

اس بار میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ ''میں تم سے رابطہ کروں گا تم تیار رہنا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹیکسی والا منتظر تھا اور اونگھ رہا تھا مجھے دیکھ کر ہوشیار ہو گیا۔ ''اب کدھر جانا ہے سر؟''

''وہیں جہاں سے تم نے مجھے اٹھایا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ میں نے ہمالیہ ہوٹل کا حوالہ نہیں دیا۔ ٹیکسی بھی میں نے ہوٹل سے کچھ فاصلے سے لی تھی۔ میں اب محتاط ہو گیا تھا۔ خاص طور سے جب فتح خان اور ڈیوڈ شا کے بارے میں پتا چلا تھا کہ وہ انڈیا میں میری موجودگی سے واقف تھے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ انہیں بالکل درست پتا ہو کہ میں کہاں تھا لیکن یہ بھی کم نہیں تھا کہ وہ انڈیا میں میری موجودگی سے واقف تھے۔ بابا نے جو تین نمبرز دیئے تھے اور ان پر ڈیوڈ شا سے رابطہ کیا جا سکتا تھا۔ مگر میرا فی الحال رابطہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جب میں ٹیکسی سے اترا تو دو بج رہے تھے۔ میں ہوٹل کے مخالف سمت کی طرف چل پڑا اور جیسے ہی ٹیکسی نظروں سے اوجھل ہوئی میں نے یوٹرن لیا اور ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ بانو اپنے کمرے میں تھی اور میری منتظر تھی اس نے لنچ نہیں کیا تھا۔ اس نے آرڈر کیا۔ ہم نے طے کیا ہوا تھا کہ کھانا اپنے کمرے میں کھایا کریں گے اور غیر ضروری طور پر باہر جانے سے گریز کریں گے۔ تاکہ کسی کی نظروں میں آنے کا امکان کم سے کم ہو۔ کھانے کے دوران میں نے اسے اپنی کارگزاریوں سے آگاہ کیا۔ وہ غور سے سن رہی تھی۔ کھانے کے بعد اس نے سوال کیا۔

''شہباز صاحب کیا یہ خطرناک نہیں ہے؟''

''ہاں ہے تو۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''لیکن خطرات تو تمام طریقوں میں ہیں۔''

''اگر ہیلی کاپٹر کو ہٹ کیا گیا تو بچنے کا امکان بہت کم ہو گا۔''

''رامن اسی طریقے سے آتا جاتا رہا ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''جب وہ ہمارے ساتھ ہو گا تو انڈیا کی طرف سے کوئی مشکل نہیں ہو گی اور میرا اندازہ ہے کہ دوسری طرف اس مقام پر شاید ریڈار کی نگرانی اتنی اچھی نہیں ہے اس لیے ان کو ہیلی کاپٹر کی آمد و رفت کا پتا نہیں چلتا ہے۔''

بانو محبِ وطن پاکستانی کی طرح فکر مند ہو گئی۔ ''یہ تو اچھی بات نہیں ہے اس طرح سے ہمارے ملک کا دفاع کمزور ہو جائے گا۔''

''تم فکر مت کرو واپس جا کر ہم متعلقہ اتھارٹیز کو خبردار کر سکتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''فی الحال تو یہ ہمارے لیے موقع ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ہم واپس جا سکتے ہیں۔''

''راج کنور کیسے ہمارے ہاتھ آئے گا؟''

''اس کا بندوبست بھی کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر امرتسر سنگھ سے اسی لیے رابطہ کیا ہے۔''

اس کا نام سن کر بانو کا چہرہ ذرا سرخ ہوا تھا۔ ''ٹھرکی آدمی ہے۔ بلاوجہ میرے سر پر سوار رہتا تھا اور فری ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ میں نے ڈاکٹر انتھونی سے شکایت کی تو اس کے بعد سیدھا ہو گیا تھا۔''

''تم نے پہلے بتانا تھا۔ خیر ابھی اس سے سلام دعا ہے اللہ نے چاہا تو جاتے جاتے اسے بھی کوئی جھٹکا دے جائیں گے۔''

''آپ کو یقین ہے کہ اس طرح ہم راج کنور کو حاصل کر لیں گے۔''

''یقین تو نہیں ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔ خود مجھے بھی لگ رہا تھا کہ میں نے جو منصوبہ بنایا ہے وہ کوئی اتنا اچھا نہیں ہے اور اس کی کامیابی میں بہت سے اگر مگر حائل تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز صاحب ہمیں کوئی ایسا پلان بنانا چاہیے جس میں کامیابی کا امکان زیادہ ہو اور معاملات ہمارے ہاتھ میں ہوں۔''

میں نے غور کیا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ ہمیں راج کنور کو خود قابو کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

''بالکل..... اس معاملے کو بڑے کنور کی طرف سے کارروائی پر مت چھوڑیں۔''

''کیا ایک اسپتال میں اس قسم کا کام آسان ہوگا۔''

''بالکل ہوگا وہاں ہمیں مسلح افراد کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جب کہ راج کنور کو منتقل کیا گیا تو یقیناً اس کے ساتھ زیادہ پہریدار ہوں گے۔''

''یہاں بھی رامن اور سنتوش ہیں۔''

''یہ دو ہیں اور مجھے امید ہے رامن کہیں پڑا اپنے زخموں کی سکائی کر رہا ہوگا۔ ہمیں صرف سنتوش سے نمٹنا پڑے گا۔''

بانو کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر ایک خیال میرے ذہن میں آیا۔ ''سنو اگر ہم ڈاکٹر اور نرس بن کر چلیں تو اسپتال میں کوئی ہمیں نہیں روکے گا۔''

بانو اچھل پڑی۔ ''یہ آئیڈیا بہترین ہے۔ وہاں کوئی کسی پر توجہ بھی نہیں دیتا ہے۔ بہت بڑا اسپتال ہے میرا خیال ہے درجنوں ڈاکٹرز اور نرسیں کام کرتی ہوں گی سب کی صورتیں کسی کو یاد نہیں ہوں گی۔''

''اس کے لیے ہمیں ڈاکٹر اور نرس کا لباس درکار ہوگا اور حلیے میں بھی تبدیلی کرنا ہوگی۔''

''میرا مشورہ ہے آپ اس کام کے لیے ہوٹل کے منیجر سے بات کریں وہ سب کر لے گا۔'' بانو نے دوسرا بہترین مشورہ دیا۔ میں نے پُرتحسین نظروں سے اسے دیکھا۔

''شاندار..... کاش کہ تم لڑکا ہوتیں۔''

''کیوں؟''

''میں تمہاری پشت تھپکتا۔''

وہ ہنسی۔ ''آپ مجھے لڑکا سمجھ سکتے ہیں۔''

''نہیں سمجھ سکتا۔'' میں نے کہا۔ ''سمجھ لو میں نے تمہاری پیٹھ تھپک دی ہے۔''

''میرا خیال ہے آپ فوری عمل کریں اور اس سے پہلے طے کر لیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟''

میں نے غور کیا۔ ''سب سے پہلے ہمیں اسپتال میں آمد و رفت کے راستوں کے بارے میں جاننا ہے۔''

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے ویٹنگ روم میں دیوار پر ایک نقشہ لگا ہوا ہے جس میں پورے اسپتال کی وضاحت کی گئی ہے۔''

''لیکن وہاں راج کنور کا کوئی نہ کوئی آدمی ہوگا۔''

''تب آپ ڈاکٹر امرتسر سے بات کریں۔ میرا خیال ہے وہ نقشہ لا دے گا آپ یہی کہیے گا کہ راج کنور سے ملنا ہے اور اس کے نگرانوں سے بچنا ہے۔''

میں نے آپریٹر سے امرتسر سنگھ کو کال ملوائی وہ سو رہا تھا۔ اس نے فریاد کی۔ ''اوہ بھائی مینوں سونے دیو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شام ڈیوٹی بھی دینی ہے۔"

"سردار جی مجھے اسپتال کا نقشہ چاہیے۔"

"کوئی ای میل ہو تو بتاؤ میں ابھی بھیج دیتا ہوں۔" خلاف توقع اس نے فوراً مسئلہ حل کر دیا اور میں نے اسے اپنا ای میل دے دیا۔ اس نے سچ مچ دو منٹ میں نقشہ ای میل کر دیا پتا نہیں اس کے پاس کہاں سے آیا تھا لیکن اس سے میرا کام بن گیا۔ میں نے سوستر نجن کو کال کی اور اس سے ایک پرنٹر مانگا۔ وہ بھی آ گیا اور نقشہ پرنٹ کر لیا گیا لیپ ٹاپ کی چھوٹی اسکرین پر یہ فٹ نہیں آ رہا تھا۔ مگر کاغذ پر اب اسپتال کا مکمل نقشہ ہمارے سامنے تھا۔ میں دو راستوں سے واقف تھا لیکن ایک تیسرا راستہ اسٹاف کے لیے تھا یہ براہ راست ان کے لیے مخصوص پارکنگ میں کھلتا تھا۔ یہاں سے اندر داخل ہونے کے بعد دو راستوں سے پرائیویٹ روم تک پہنچا جا سکتا تھا۔ ایک ڈاکٹروں کے ایریا سے گزرتا تھا اور دوسرا اسپتال کے کیفے ٹیریا اور میس سے گزرتا تھا۔ میں نے بانو سے کہا۔

"یہ کام تو آسان ہو گیا۔"

"ہم پارکنگ والے راستے سے اندر داخل ہوں گے۔" بانو خوش ہو گئی۔ "سردار نے بڑا کام کیا ہے اس پر اس کا کاٹھر کی پن معاف کیا جاتا ہے۔"

میں نقشہ دیکھ رہا تھا کہ میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ "بانو تمہارا ایک چیک اَپ اور ہونا ہے۔ اس کے بعد تمہیں فضائی سفر کے لیے کلیئر کیا جائے گا۔ میرا مشورہ ہے تم چیک اَپ کے لیے جاؤ میں کہیں سے ڈاکٹر کا سفید کوٹ حاصل کر کے پارکنگ والی جگہ سے اندر داخل ہوں گا اور راج کنور کو لے کر نکل جاؤں گا۔"

"اس کے لیے ایمبولینس کرنا پڑے گی۔"

"یہاں پرائیویٹ ایمبولینس سروس ہو گی۔ وہاں سے ایمبولینس منگوائی جا سکتی ہے۔ وہ اسی پارکنگ میں آ جائے گی۔ تم چیک اَپ کراؤ گی اور جیسے ہی تم باہر جانے لگو گی میں بھی راج کنور کو لے کر نکل جاؤں گا۔"

"لیکن مجھے [illegible] سے جانا پڑے گا اور وہاں راحمن یا اس کا آدمی ہو گا۔"

"اس کا حل ہے تم [illegible] جاؤ گی۔ اس طرح ہمیں کم سے کم لوگوں کو ملوث کرنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ معاملہ ہوٹل انتظامیہ تک نہ پہنچے ورنہ وہ رانا ویاس کی نشان دہی پر مجبور ہو جائیں گے اور یہ اس کی نیکی کا اچھا صلہ نہیں ہو گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اس وقت بلاوجہ مجھے لڑکا بنا رہے تھے۔"

میں جھینپ گیا۔ "اس وقت یہ تجویز بہترین لگی تھی۔"

"گویا اب ہمیں ایک ڈاکٹر والا کوٹ، ایک عبایا اور ایک ایمبولینس کا بندوبست کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اچھا ہوا کہ اب ہمیں نرس کے لباس کا بندوبست نہیں کرنا ہو گا ڈاکٹر بننے کے لیے ایک سفید کوٹ سے کام چل جاتا لیکن نرس کے لیے تو مکمل یونیفارم درکار ہوتا۔"

"بالکل، لیکن پہلے ڈاکٹر انتونی کو کال کر کے چیک اَپ کا وقت لیتے ہیں۔"

ڈاکٹر انتونی ڈیوٹی پر تھا اس نے کہا کہ ہم کسی بھی وقت آ جائیں اس کا چیک اَپ ہو جائے گا اور اس میں تقریباً دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ پھر میں نے آپریٹر سے کسی پرائیویٹ ایمبولینس سروس کا پوچھا۔ اس نے مجھے چار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عدد سروسز کے نمبر مہیا کر دیئے۔ وہ رابطہ کرا کے دے رہا تھا لیکن میں نے منع کر دیا کہ میں خود رابطہ کر لوں گا۔ اب مجھے ایک موبائل فون کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ ورنہ کال کرنے کے لیے میں ہوٹل آپریٹر اور پی سی او کا محتاج ہو رہا تھا۔ جب پہلی بار انڈیا آیا تب میں نے یہاں کئی بار موبائل لیے اور سم بھی حاصل کیں لیکن اب حالات مختلف تھے اور میں زیادہ محتاط تھا۔ اس لیے خود سے موبائل اور سم لینے کے بجائے میں نے منیجر سے کہا کہ وہ میرے لیے ایک سیل فون کا بندوبست کرے لیکن اس کا تعلق ہوٹل یا مجھ سے نہ ہو۔ منیجر سمجھ گیا اور اس نے کہا کہ وہ کچھ دیر میں سیل فون بھجوا رہا ہے۔

آدھے گھنٹے بعد ہوٹل کا ایک آدمی ڈبے میں بند سیل فون دے گیا۔ اس میں سم بھی تھی اور اس کا نمبر ڈبے کے اندر لکھا ہوا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہوٹل والوں نے یہ سیل فون کیسے حاصل کیا تھا۔ میرا کام ہو گیا تھا۔ میں نے ایمبولینس سروس کو کال کی اور ان میں سے ایک سروس کا انتخاب کیا کیونکہ وہ چوبیس گھنٹے کے لیے ایمبولینس دینے کو تیار تھے اور ان کا مرکز بھی ہوٹل ہمالیہ کے نزدیک تھا۔ ان چکروں میں شام ہو گئی تھی۔ اس لیے یہ کام آج ممکن نہیں تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ بانو کا چیک اپ کرا لیا جائے۔ ہم باہر نکلے۔ بانو کے لیے عبایا تو آسانی سے مل گیا تھا لیکن مجھے ڈاکٹر کا کوٹ بڑی مشکل سے ملا۔ یہاں سے ایک ٹیکسی کر کے ہم اسپتال روانہ ہوئے۔ بانو نے گارمنٹ اسٹور میں ہی عبایا پہن لیا تھا اور چہرہ نقاب سے ڈھک لیا۔ میں نے اسے اسپتال کے سامنے اتارا۔

''میں انتظار کروں گا۔''

''نہیں بہت دیر لگ سکتی ہے آپ واپس چلے جائیں میں خود آ جاؤں گی۔'' بانو نے اصرار کیا لیکن میں نے انتظار کو ترجیح دی۔ اگرچہ وہ عبائے میں تھی اس کے باوجود اسپتال میں رامن اور اس کے آدمیوں کی موجودگی کے خیال سے مجھے بے چینی ہو رہی تھی۔ اگر بانو شناخت کر لی جاتی اور وہ اسے قبضے میں کر لیتے تو یہ ان کی بڑی کامیابی ہوتی۔ کچھ دیر بعد میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو دو سو روپے دیئے اور کہا۔

''تم رکو میں آتا ہوں اگر میم صاحب آئے تو اسے لے کر فوراً چلے جانا میرا انتظار مت کرنا۔''

''ٹھیک سر، پر وہ میری بات مانیں گی؟'' ٹیکسی ڈرائیور نے دبی زبان میں کہا۔

''اسے کہنا کہ یہ فالکن نے کہا ہے۔'' میں نے کہا تو اسے تعجب ہوا تھا مگر بانو اشارے سے سمجھ جاتی کہ یہ بات فالکن یعنی شہباز یعنی میں نے کی ہے۔ میں نے ڈرائیور کو زیادہ رقم نہیں دی کہ وہ لے کر نو دو گیارہ نہ ہو جائے اور پھر ہمیں ٹیکسی کے لیے خاصا آگے جانا پڑتا۔ میں نے سڑک پار کر کے اسپتال کی دیوار کے ساتھ رکتے ہوئے موبائل سے ڈاکٹر انتونی کا نمبر ملایا۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''ڈاکٹر صاحب میں شیام بات کر رہا ہوں رینا آ گئی ہے۔''

''یس شی از ہیئر۔'' اس نے تصدیق کی۔

''تھینک یو ڈاکٹر، جب اس کا چیک اپ ہو جائے تو آپ پلیز مجھے اسی نمبر پر کال کر دیجئے گا میں اسے لینے آ جاؤں گا۔''

''وائے ناٹ۔'' اس نے جواب دیا۔ یہ تصدیق ہو جانے کے بعد کہ بانو خیریت سے اندر پہنچ گئی ہے اصولاً مجھے شرافت سے واپس ٹیکسی کی طرف آ جانا چاہیے تھا مگر میں نے سوچا کہ جب یہاں تک آ گیا ہوں تو ذرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ راستہ بھی دیکھ لوں جس سے گزر کر راج کنور تک رسائی حاصل کرنی تھی اور پھر اسے نکال کر لے جانا تھا۔ نقشے اور حقیقت میں کچھ نہ کچھ فرق تو ہوتا ہے۔ اتفاق سے کوٹ میرے پاس تھا۔ یہ شاپنگ والے شاپر میں تھا۔ میں گیٹ سے اندر آیا اور اس بار بائیں طرف مڑا۔ عملے کے لیے مخصوص پارکنگ اسی طرف تھی اور اس کی نشان دہی کے لیے ایک بورڈ بھی لگا ہوا تھا تاکہ عام افراد اس طرف جانے سے گریز کریں۔ یہاں سناٹا تھا اور کسی نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ میں آرام سے اس دروازے تک پہنچ گیا جس سے ڈاکٹر اور دوسرا اسٹاف اندر آتا جاتا تھا۔ اس کے سامنے پارکنگ میں جگہ تھی۔ اندر جانے سے پہلے میں نے ڈاکٹر والا کوٹ پہن لیا اور اس کا شاپر کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ میں نے اندر قدم رکھا۔ اس میں رسک تھا اگر کسی جان پہچان والے سے سامنا ہو جاتا اور وہ پہچان جاتا تو میں مشکل میں پڑ سکتا تھا۔ میرے لیے وضاحت مشکل ہو جاتی کہ میں ڈاکٹر جیسے کوٹ میں یہاں کیا کر رہا تھا۔ اندر سے دو نرسیں اپنی ہائی ہیل کی ایڑیاں بجاتی ہوئی باہر جا رہی تھیں اور آپس میں بات کر رہی تھیں انہوں نے میری طرف توجہ نہیں دی اور برابر سے گزر گئیں۔ راہداری کے کونے پر پہنچ کر میں نے نقشہ ذہن میں تازہ کیا اس کے مطابق مجھے دائیں طرف مڑنا تھا اور پھر پھر بائیں طرف مڑتا تو پرائیویٹ روم ایریا تک پہنچ جاتا۔ راج کنور کا کمرہ اسی جگہ تھا لیکن جیسے ہی میں دائیں طرف مڑا مجھے ڈاکٹر انتھونی دکھائی دیا وہ ایک نرس سے بات کرتا اور ایک چارٹ دیکھتا اسی طرف آ رہا تھا اس سے پہلے اس کی نظر مجھ پر پڑتی میں تیزی سے واپس آیا اور جو پہلا دروازہ دکھائی دیا اسے کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ یہ کسی ڈاکٹر کا کمرہ تھا اور خوش قسمتی سے خالی تھا۔ میں نے دروازہ ذرا سا کھلا رکھا۔ ڈاکٹر انتھونی نرس سے بات کرتا ہوا راہداری میں سیدھا نکل گیا تھا اس نے مڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نرس اس کے ساتھ تھی۔ ان کے جاتے ہی میں باہر نکل آیا اور دبے قدموں دائیں طرف مڑا۔ اس بار کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور میں با آسانی راج کنور کے کمرے تک پہنچ گیا۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے آہستہ سے دروازے کا ہینڈل گھمایا تھا کہ میرے کانوں نے بڑے کنور کی دھیمی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''راج تم بلاوجہ شک کر رہے ہو۔ اگر تم کاغذات میرے حوالے کر دو گے تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ ورنہ میرے لیے کیا مشکل ہے کہ تمہارے بیوی بچوں کو بلا لوں۔''

''مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔'' راج کنور نے کہا۔ ''وہ کاغذات میری زندگی کی ضمانت ہیں۔''

''نہیں ہماری زندگیوں کی ضمانت وہ اَن لکھا معاہدہ ہے جو خاندان میں آپس میں خون بہانے سے منع کرتا ہے اسی وجہ سے تم نے مجھے نہیں مارا اور میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اگر تم مجھے کاغذات دے دو تو سب پہلے کی طرح ہو جائے گا۔''

''تم مجھے معاف کر کے جاگیر کا انتظام میرے ہاتھ میں دے دو گے۔'' راج کنور نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''نہیں یہ ممکن نہیں ہے لیکن شہر کا بزنس میں تمہارے حوالے کر دوں گا اور میرا حصہ دے کر تم اس سے کما سکتے ہو۔''

''اس سے کیا ملے گا مہینے کے دس پندرہ لاکھ۔ اس میں میرا گزارا کیسے ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے پہلے بھی بہت کمایا اور بچایا ہوگا۔'' بڑے کنور کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ''اسے بھی بزنس میں لگا سکتے ہو۔ پھر میرے بعد سب تمہیں ہی ملے گا۔''

''میں سوچوں گا۔'' راج کنور نے عیاری سے کہا۔

''تمہارے پاس کل تک کی مہلت ہے۔'' بڑے کنور نے خبردار کیا۔ ''میں نے ڈاکٹر سے بات کر لی ہے کل تمہیں یہاں سے شفٹ کیا جا سکتا ہے اگر تم کاغذات دے دو تو تمہیں پیلس نہیں جانا پڑے گا تم یہیں سے اپنے بیوی بچوں کے پاس جا سکتے ہو۔''

''میں پیلس نہیں جاؤں گا۔'' راج کنور کے لہجے میں پہلی بار خوف آیا۔ میں نے دروازہ ذرا سا کھلا رہنے دیا تھا اور کان اندر کی طرف لگائے ہوئے تھے لیکن نظریں آس پاس مرکوز تھیں کوئی اچانک میرے سر پر آ جاتا تو میں رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا اور اگر رامن یا سنتوش آ جاتا تو پھر جان بچانے کی کوشش کرنا پڑتی۔

''راج تم بے بس ہو اسے اپنے لیے آخری وارننگ سمجھو۔''

''تم مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتے۔''

''میں جانتا ہوں تم کس کے بل پر اکڑ رہے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ شہباز ملک تمہیں بچا لے گا لیکن یہ تمہاری اور اس کی بھول ہے۔ وہ بہت جلد خود میرے پاس آئے گا۔''

''وہ کیسے؟'' راج کنور نے حیرت سے پوچھا۔ ''میرا تو خیال ہے وہ اب تک انڈیا سے نکل چکا ہوگا۔''

''بے شک وہ انڈیا سے بھی نکل جائے اس کے باوجود خود میرے پاس آئے گا۔ تم اس پر تکیہ مت کرو۔ میری پیشکش کا فائدہ اٹھاؤ۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ بڑا کنور بہت پُراعتماد لہجے میں یہ بات کہہ رہا تھا اور اس کے پیچھے کوئی چکر تھا۔ آخر میں خود کیوں اس کے پاس آنے پر مجبور ہوتا؟ ایسا میں صرف اپنے کسی ساتھی کے لیے کر سکتا تھا لیکن میرے تمام ساتھی اس کی دسترس سے باہر تھے۔ اچانک مجھے بانو کا خیال آیا۔ میں تیزی سے وہاں سے ہٹا اور دروازے کھول کھول کر دیکھنے لگا۔ دو کمروں میں مجھے مریض ملے اور میں نے سوری کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔ تیسرا کمرہ خالی ملا تھا۔ میں اندر داخل ہوا اور موبائل نکال کر ڈاکٹر انتھونی کو کال کی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''یس۔''

''ڈاکٹر اٹ از شیام۔'' میں نے کہا۔ ''رینا کا چیک اَپ کس مرحلے میں ہے؟''

''ایم آئی آر ہو رہا ہے۔'' وہ بولا۔

''ڈاکٹر میں اس کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔''

''وائے ناٹ..... آپ آ جائیں، کسی سے ایم آئی آر سیکشن کا پوچھ لینا۔''

ڈاکٹر انتھونی کی بات سے لگ رہا تھا کہ وہ فی الحال بانو سے دور تھا۔ میں کمرے سے نکلا اور راج کنور کے کمرے تک آیا۔ بڑا کنور جا چکا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ اکیلے یہاں تک کیسے آ گیا تھا۔ جب کہ وہ جانتا تھا کہ میں یہاں تھا۔ شاید اس کے محافظوں کو اندر آنے نہیں دیا گیا تھا اور اسے بہ ظاہر یہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ الٹا اس کی بات نے مجھے پریشان کر دیا تھا اور میں ممکنہ خطرے کو بھانپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک نرس نے مجھے ایم آئی آر سیکشن کے بارے میں بتایا اس نے پوچھا۔ ''آپ نئے آئے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں میں ایک دوسرے ہاسپٹل سے وزٹ پر آیا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کی بتائی ہوئی سمت مڑ گیا۔ یہ لیب ایکسرے کا ایریا تھا اس لیے یہاں معمول سے زیادہ سناٹا تھا۔ ایم آئی آر روم کے باہر تختی لگی تھی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو نیلے یونیفارم میں ملبوس میں چینی نقوش والا اٹینڈنٹ حیران پریشان کھڑا تھا اور اس کی پریشانی کی وجہ بھی نظر آ گئی۔ وہ ٹرے جس پر لٹا کر آدمی کو ایم آئی آر مشین میں ڈالا جاتا ہے۔ وہ خالی تھی اور بانو وہاں کہیں نہیں تھی۔ میرا خدشہ درست ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے نوجوان کا گریبان پکڑ کر کھینچا اور خونخوار لہجے میں بولا۔ ''لڑکی کہاں ہے؟''

''مم..... مجھے نا ہی معلوم۔'' اس نے ہکلا کر کہا۔

''بکواس مت کرو وہ یہیں تھی۔'' میں نے لہجے کو مزید خونخوار کیا۔

اس نے جلدی سے سر ہلایا۔ ''وہ یہیں تھی لیکن میں ٹرے میں کر کے اسے لٹا کر گیا تا کہ مشین آپریٹ کر سکوں۔ جب واپس آیا تو وہ نا ہی تھی۔''

وہ نہیں ذرا کھینچ کر بول رہا تھا۔ میں اسے کھینچ کر مشین تک لے گیا۔ ''تم کہاں گئے تھے؟''

اس نے مشین کا آپریٹنگ سیکشن دکھایا۔ یہ سچ مچ ایسی جگہ تھا جہاں سے ٹرے والا حصہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''کوئی اندر آیا تھا؟''

''نہیں میں نے کوئی آواز نہیں سنی۔''

میں پریشان ہو گیا۔ اگر بانو اپنی مرضی سے نہیں گئی تھی تو اسے لے جانے والے نہایت ماہر تھے انہوں نے ذرا بھی آہٹ پیدا نہیں کی تھی۔ میں نے اگلا سوال کیا۔ ''تم نے کسی کو بتایا؟''

''میں ڈاکٹر انتھونی کو کال کرنے جا رہا تھا کہ آپ آ گئے۔''

''اسے کال کرو اور لڑکی کے غائب ہونے کا بتاؤ۔ میں لڑکی کا بھائی ہوں لیکن ڈاکٹر سے کہنا جب تک میں اس سے رابطہ نہ کروں کوئی کارروائی نہ کرے مطلب پولیس وغیرہ کو کال نہ کرے۔ ورنہ یہ کال خود اس کے گلے پڑ جائے گی۔ میری بات سمجھ لی ہے؟''

''جی سر۔'' نوجوان نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

''اسے لفظ بہ لفظ بتا دینا اور کہنا میری کال کا انتظار کرے۔'' میں کہہ کر باہر نکل آیا۔ میں نے پتلون کی بیلٹ سے پستول نکال کر کوٹ کی جیب میں رکھ لیا تھا اور اس کا دستہ میری گرفت میں تھا۔ میرا رخ ویٹنگ روم کی طرف تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہاں سنتوش یا رامن کے کسی اور آدمی کو ہونا چاہیے تھا لیکن کسی کو بھی وہاں نہ پا کر میرے اندر خطرے کا دھمکتا احساس مزید بڑھ گیا تھا۔ یقیناً بڑا کنور میری نقل و حرکت سے باخبر تھا اور وہی بانو کو لے گیا تھا۔ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا اور اب میں خود اس کے پاس حاضر ہو جاتا۔ وہ راج کنور سے یہی کہہ رہا تھا۔ میں واپس راج کنور کے کمرے کی طرف آیا ایک خدشہ یہ تھا کہ وہ اسے بھی نہ لے گیا ہو لیکن راج کنور کو بستر پر پا کر میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ میں نے جھانک کر اسے دیکھا تھا۔ اس وقت میں بہت چوکنا تھا اور ایک سیکنڈ کے نوٹس پر مار دھاڑ کے لیے تیار تھا۔ میں نے سامنے سے نکلنے کے بجائے اسٹاف والے دروازے کا رخ کیا اور وہاں سے نکل رہا تھا کہ ڈاکٹر انتھونی کی کال آ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مسٹر شیام واٹ از دس۔'' وہ کسی قدر تیز لہجے میں بولا۔ ''رینا یہاں سے کہاں گئی؟''

''میں نہیں جانتا ڈاکٹر اور میں اسے تلاش کر رہا ہوں۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''اصل میں یہاں ہمارے کچھ دشمن بھی ہیں۔ مجھے شبہ ہے وہ رینا کو کڈنیپ کر کے لے گئے ہیں۔''

''ہاسپٹل سے.....؟ یہ ناممکن ہے۔''

''ڈاکٹر یہ ممکن ہو گیا ہے اور لڑکی تمہارے آدمی کے سامنے سے غائب ہوئی ہے لیکن فی الحال تم پولیس کو اطلاع نہیں دو گے۔ جب تک میں اوکے نہ کروں۔ دوسری صورت میں تم خود پولیس کے سوالوں کے جواب دیتے رہنا۔ میں اور رینا یہاں واپس نہیں آئیں گے۔''

ڈاکٹر انھونی سمجھ رہا تھا کہ اس صورت میں اس کی کیا پوزیشن ہو جائے گی۔ اس نے کہا۔ ''اوکے میں پولیس کو کال نہیں کروں گا۔''

میں باہر آیا اور اسپتال سے باہر نکل کر ٹیکسی کو تلاش کیا مگر ٹیکسی وہاں نہیں تھی جہاں میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ میں حیران پریشان سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ مشکل سے آدھے گھنٹے کے اندر ہی سب پلٹ کر رہ گیا تھا اور پھر مجھے احساس ہوا کہ میں اس طرح یہاں کھڑا ہو کر دشمن کے لیے ایک آسانی اور پیدا کر رہا تھا۔ کوٹ اتارتے ہوئے میں تیز قدموں سے جانے لگا۔ میری نگاہیں آس پاس کسی ممکنہ دشمن یا مشکوک شخص کو تلاش کر رہی تھیں لیکن وہاں نہ تو کوئی مشکوک شخص دکھائی دیا تھا اور نہ کوئی جانا پہچانا دشمن۔ مگر دشمن وہاں موجود تھا ورنہ وہ اتنی آسانی سے بانو کو کیسے لے جاتا۔ اس کا مطلب میں شروع سے ان کی نظروں میں تھا اور انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ میں کہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ بڑے کنور اور رامن کے آدمی ہماری نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے چالاکی سے کام لیا۔ بڑا کنور جانتا تھا کہ اگر مجھے براہ راست چھیڑا گیا تو میں مرنے مارنے پر تل جاؤں گا اور اس میں مجھے نقصان ہو سکتا تھا۔ یہ ہرگز اس کی منشا نہیں تھی اسے میری جان نہیں میرا خون درکار تھا۔ اس لیے اس نے حکمت عملی سے کام لیا۔ بڑے کنور نے بانو کو قابو کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ کام ہوٹل میں ممکن نہیں تھا کیونکہ وہاں کی سکیورٹی بہت سخت تھی اور وہاں کیمرے بھی لگے ہوئے تھے۔ یہ کام اسپتال میں ممکن تھا اور جیسے ہی بانو اسپتال آئی وہ اسے وہاں سے لے گئے۔

ایک سوال یہ تھا کہ اگر بڑا کنور کسی وجہ سے شروع سے شملہ میں میری اور بانو کی موجودگی سے واقف تھا تو اس نے پہلے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ اس کا ممکنہ جواب یہ تھا۔ شاید اس لیے کہ بانو زخمی تھی اور اسے علاج کی ضرورت تھی اگر بڑے کنور اسے پہلے اٹھوا لیتا تو اس کا علاج ادھورا رہ جاتا اور وہ مر بھی سکتی تھی اس لیے اس نے صبر سے انتظار کیا جب بانو تقریباً ٹھیک ہو گئی تو اس نے اپنا کام کر لیا۔ راج کنور کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی اس لیے اس نے اسے وہیں چھوڑ دیا۔ اپنے آدمیوں کو میرے ممکنہ غیض و غضب سے بچانے کے لیے انہیں اسپتال سے ہٹا لیا تھا لیکن وہ اسپتال کے آس پاس موجود تھے اور کسی نامحسوس طریقے سے راج کنور کی نگرانی بھی جاری ہو گی ویسے وہ بستر کا قیدی تھا اپنی مرضی سے کہیں نہیں جا سکتا تھا مگر اسے لے جایا تو جا سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بڑے کنور نے اس کا بندوبست بھی کر رکھا ہو گا کہ راج کنور اسپتال سے اپنی مرضی سے نہ جا سکے۔

چلنے کے دوران میں آس پاس دیکھ رہا تھا۔ کسی نگرانی کے معاملے میں میری چھٹی حس خاموش تھی لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عقل کہہ رہی تھی کہ ان حالات میں نگرانی نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اچانک سامنے سے ایک رکشہ نمودار ہوا۔ پہاڑی شہر ہونے کی وجہ سے یہاں رکشے کم تھے مگر اکا دکا نظر آتے تھے۔ میں نے سامنے آ کر اسے روکا اور اس سے پہلے رکشے والا کچھ کہتا میں اس میں سوار ہو گیا۔ ڈرائیور مقامی تھا اس نے گڑگڑاتی زبان میں کچھ کہا جو میرے سر سے گزر گیا میں نے کہا۔ ''ہندی یا انگریزی بولو میں ٹورسٹ ہوں۔''

میں نے اپنی بات انگریزی میں بھی دھرائی اور اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ڈرائیور مناسب انگریزی میں بولا۔ ''کہاں جانا ہے سر؟''

''رنز ہوٹل کے پاس اتار دینا۔'' میں نے جواب دیا یہ ہوٹل ہمالیہ ہوٹل سے کچھ ہی دور تھا۔ شام تیزی سے اتر رہی تھی اور کچھ دیر میں رات کا تاریکی چھا جاتی۔ اس کم ہوتی روشنی میں مجھے کوئی گاڑی رکشے کے تعاقب میں نظر نہیں آئی۔ رکشہ کئی چھوٹی گلیوں اور سڑکوں سے گزرا تھا۔ اگر کوئی تعاقب میں ہوتا تو لازمی نظروں میں آتا۔ آدھے گھنٹے بعد میں ہمالیہ ہوٹل کے پاس اترا اور اب میں تذبذب میں تھا اگر دشمن پیچھے نہیں تھا تو میری تھیوری غلط تھی۔ دوسری صورت میں مجھے چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر بڑا کنور بانو کو اپنے قبضے میں کر چکا تھا تو اتنی دیر میں اسے مجھ سے رابطہ کر لینا چاہیے۔ میرے پاس اس کی بات ماننے کے سوا اور کیا چارہ ہوتا۔ میں پیدل ہمالیہ ہوٹل کی طرف چل پڑا اور ایک امید کے ساتھ ریسپشن پر موجود لڑکی سے پوچھا۔ ''میری ساتھی یہاں آئی ہے؟''

''یس سر وہ کچھ دیر پہلے پہنچیں اور آپ کے لیے پیغام ہے کہ ان کی آمد سے آپ کو آگاہ کر دیا جائے۔''

میں نے سکون کا طویل سانس لیا تھا کہ موبائل کی بیل بجی میں نے دیکھا۔ ہوٹل کے نمبر سے کال آ رہی تھی میں لڑکی کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے ہٹا اور کال ریسیو کی۔ دوسری طرف بانو تھی۔ ''آپ کہاں ہیں میں وہاں سے نکل آئی ہوں۔''

''ہوٹل میں ہوں اوپر آ رہا ہوں۔''

میں نے بہت دیر بعد سکون محسوس کیا تھا میرا خیال سراسر غلط نکلا تھا اور میں خوش تھا کہ غلط نکلا۔ بڑا کنور ہماری وجہ سے نہیں بلکہ راج کنور کی وجہ سے یہاں آیا تھا۔ میں اوپر آیا جہاں بانو بے تابی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی لپک کر پاس آئی۔ ''شکر ہے کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی ورنہ میں تو ڈر گئی تھی۔''

''وہاں کیا ہوا تھا؟'' میں نے صوفے پر گرتے ہوئے پوچھا۔ ویسے میں کسی حد تک سمجھ گیا تھا لیکن بانو کے منہ سے سننا چاہ رہا تھا۔

''میں اندر داخل ہوئی تو بڑا کنور وہاں موجود تھا اور وہ ڈاکٹر انتھونی سے بات کر رہا تھا میں سن گن لینے کے لیے وہیں رک گئی۔ بڑا کنور اپنا چیک اَپ کرانے آیا تھا۔ ڈاکٹر انتھونی اسے بتا رہا تھا کہ اس کے کچھ نئے ٹیسٹ ہوں گے اور اسے دو دن بعد دوبارہ آنا ہوگا۔ پھر وہ راج کنور کے بارے میں پوچھنے لگا۔ جب بڑا کنور وہاں سے چلا گیا تو میں ڈاکٹر انتھونی کے پاس آئی۔ وہ مجھے ایم آئی آر روم میں لے آیا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ مجھے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اگر میں بڑے کنور یا اس کے کسی آدمی کی نظر میں آ جاتی تو وہ آپ کو مجبور کرنے کے لیے مجھے ہر صورت قابو کرنے کی کوشش کرتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل یہی خدشہ میرے ذہن میں تھا۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''بلکہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ بڑا کنور میری یہاں موجودگی سے واقف تھا اور ہماری نگرانی کرا رہا تھا موقع پاتے ہی اس نے تمہیں اغوا کرلیا ہے۔ یہ سوچ کر میرا برا حال ہوگیا کہ وہ ہم پر نظر رکھے ہوئے تھا اور میرے منصوبے سے واقف تھا۔ میں تو اس سے رابطے کا سوچ رہا تھا مگر ایک چیز سے کھٹک گیا جب میں نے دیکھا کہ کوئی میری نگرانی نہیں کر رہا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ایک بار میں اس کی نظروں میں آجاتا اور وہ میری نگرانی نہ کراتا۔ شکر ہے میں نے جلد بازی سے کام نہیں لیا۔''

''انہی خدشات کی بنا پر میں نے بھاگ نکلنے کا فیصلہ کیا۔ جیسے ہی اٹینڈنٹ مشین کے پیچھے گیا میں دبے قدموں اٹھی۔ اپنا عبایا اور سینڈلز اٹھائے اور وہاں سے نکل گئی۔ اتفاق سے پیچھے کا راستہ میرے ذہن میں تھا اور میں وہیں سے نکلی۔''

''اس وقت میں بڑے کنور اور راج کنور کی جاسوسی کر رہا تھا۔''

''باہر نکلی تو ٹیکسی والے نے آپ کا پیغام دیا اور جب اس نے کہا کہ یہ فالکن کا حکم ہے تو میں سمجھ گئی اور اس کے ساتھ ہوٹل آگئی۔ میں نے ٹھیک کیا نا؟''

''سو فیصد۔'' میں نے کہا۔ ''اگرچہ تمہارا چیک اَپ ادھورا رہ گیا لیکن تم محفوظ رہیں یہ زیادہ اہم ہے۔ مجھے بڑے کنور کی ایک بات نے پریشان کردیا۔ وہ میرے لیے بے فکر ہے اس کا کہنا ہے کہ میں اس ملک سے نکل بھی جاؤں تب بھی خود اس کے پاس واپس آؤں گا اور ایسا صرف ایک صورت میں ممکن ہے۔''

''جب وہ آپ کے کسی ساتھی کو پکڑ لے۔''

''بالکل میں اسی لیے تمہاری طرف سے بہت زیادہ فکر مند ہوگیا تھا۔''

''شہباز صاحب۔'' بانو سنجیدہ ہوگئی۔ ''میری درخواست ہے اگر ایسی کوئی بات ہو تب بھی آپ خود کو بڑے کنور کے حوالے نہیں کریں گے۔ مجھے آزاد کرانے کی کوشش کریئے گا لیکن ایسا نہ ہوسکے تو مجھے میری تقدیر پر چھوڑ دیجئے گا۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بہرحال اللہ کا شکر ہے میرا خدشہ غلط نکلا۔''

اس نے موضوع بدل دیا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ کل شام کے وقت ہم یہاں سے نکلتے ہیں۔ اگر ہم سورج ڈوبنے کے بعد سرحد پار کریں تو رات کی تاریکی پردے کا کام کرے گی اور بچنے کا امکان بڑھ جائے گا۔''

''ہاں دن میں تو ہم آرام سے نظر میں آجائیں گے۔'' بانو بولی۔ ''لیکن سرحد کہاں سے پار کریں گے؟''

میاں ممتاز کی زمین اور حویلی کس علاقے میں ہے؟''

''پکھیالا میں۔'' بانو نے جواب دیا۔ ''فیروز پور سے ذرا پہلے جی ٹی روڈ سے ایک لنک روڈ پکھیالا کی طرف آتا ہے۔ ہم لاہور آمد و رفت کے لیے اسے ہی استعمال کرتے ہیں۔''

میں نے انٹرنیٹ پر اس علاقے کا تفصیلی نقشہ نکال کر دیکھا۔ سرحد یہاں سے تین چار کلومیٹرز دور تھی۔ اس مقام پر دریائے راوی کچھ زیادہ ہی بل کھا رہا تھا اور کبھی ایک ملک کی حد میں جا رہا تھا تو کبھی دوسرے ملک کی حد میں گھس رہا تھا۔ بعض مقامات پر بیک وقت دونوں ملکوں میں بہہ رہا تھا۔ اگرچہ اب راوی بہتا نہیں ہے۔ مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیلاب کے دنوں میں جب انڈیا پانی کھولتا ہے تو یہ اپنے پرانے دنوں کی جھلک دکھلاتا ہے۔ مگر عام دنوں میں راوی خشک اور ضعیف رہتا ہے۔ اب تو اس میں باقاعدہ کچی آبادیاں بن گئی ہیں۔ بانو نے انگلی سے رکھ کر بتایا۔ ''یہاں کئی جگہوں پر زمین بہت نشیبی ہے اور سیلاب کے وقت پانی تلے آجاتی ہے۔''

میرا اندازہ تھا کہ یہیں وہ رخنہ تھا جو ہمارے ریڈار کی نظروں سے اوجھل تھا اور جس سے فائدہ اٹھا کر راج کنور ہیلی کاپٹر میں میاں ممتاز کے پاس آتا تھا۔ انڈیا کی طرف سے اسے چھوٹ تھی کیونکہ وہ ان کی خدمت انجام دیتا تھا اور اپنا کام بھی نکالتا تھا۔ کسی ہیلی کاپٹر کے لیے یہ تین چار کلومیٹرز کا فاصلہ طے کرنا ایک ڈیڑھ منٹ سے زیادہ کا کام نہیں تھا۔ اگر ائیر ڈیفنس سسٹم ہیلی کاپٹر کا سراغ لگا بھی لیتا تو یہ وقت کارروائی کے لیے کم تھا۔ راج کنور کہاں سے سرحد پار کرتا تھا یہ بات وہی جانتا تھا۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ امکان تھا کہ امرتسر سنگھ ڈیوٹی پر آگیا ہوگا لیکن میں نے پہلے ڈاکٹر انتونی کو کال کی۔ ''ڈاکٹر پولیس کو کال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رینا واپس آگئی ہے۔ اس نے بھی دشمنوں کو دیکھ لیا تھا اور اسپتال میں کسی ممکنہ گڑبڑ کے خیال سے وہاں سے نکل آئی۔''

ڈاکٹر انتونی نے سکون کا سانس لیا۔ ''تھینکس گاڈ۔''

''میں پھر اسے چیک اَپ کے لیے لاؤں گا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ بھول جائیں کہ رینا آج چیک اَپ کے لیے آئی تھی۔''

''آئی سی اِٹ۔'' وہ بولا۔

''تھینک یو ڈاکٹر۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اس بار امرتسر سنگھ کا نمبر ملایا۔

''ہیلو جی۔''

''ڈاکٹر میں بات کر رہا ہوں۔ میں مریض سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی ذرا مشکل ہے میں موقع دیکھ کر کراتا ہوں۔''

''مجھے اسی نمبر پر کال کرنا۔''

میں نے موبائل رکھا تو بانو نے پوچھا۔ ''آپ راج کنور سے کیا بات کریں گے؟''

''اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں اس سے اس راستے کے بارے میں پوچھوں گا جس سے گزر کر وہ سرحد پار کرتا ہے تو تم غلطی پر ہو میں اس سے بڑے کنور کی آمد کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں اور ہمارے کل کے پلان پر عمل کے لیے کچھ معلومات چاہتا ہوں۔''

بانو نے سر ہلایا۔ ''میرا خیال ہے فون پر اس قسم کی گفتگو بہت خطرناک ہو سکتی ہے۔''

''تم فکر نہ کرو میں محتاط ہوں۔'' میں نے اسکائپ آن کیا۔ ''ابھی کھانے کا موڈ نہیں ہے ایسا کرو چائے کا کہہ دو۔''

''لیکن مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''تب تم اپنے لیے کھانا منگوالو اور میرے لیے چائے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

''تب میں کھانا اپنے کمرے میں کھا لیتی ہوں۔'' بانو نے جاتے ہوئے کہا۔ میں نے عبداللہ کا نمبر ملایا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رابطہ ہوتے ہی کہا۔

''عبداللہ.....اسکائپ پر آؤ۔''

''میں باہر ہوں، وسیم سے کہتا ہوں وہ آجائے گا اگر مجھ سے بات کرنی ہے تو میں بھی دس منٹ میں پہنچ سکتا ہوں۔''

''سب سے بات کرنی ہے اس لیے تم بھی جتنی جلدی ہو سکے پہنچ جاؤ۔ میں اسکائپ پر ہوں۔''

''میں آرہا ہوں۔''

چند منٹ بعد وسیم اسکائپ پر آگیا اور اسی اثنا میں چائے بھی آگئی۔ ویٹر کو رخصت کر کے میں واپس آیا۔ وسیم کے ساتھ سفیر بھی تھا۔ ابھی عبداللہ کے آنے میں وقت تھا اس لیے میں ان سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتا رہا حالانکہ سفیر نے مجھے بہت اکسایا کہ میں اصل بات کروں لیکن میں نے انکار کر دیا۔ ''سب کا ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی اور لیپ ٹاپ ہے تو وہ بھی لے آؤ اگر نہیں ہے تو اس سے بھی کام چل سکتا ہے۔''

''دوسرا نہیں ہے۔'' سفیر نے آگاہ کیا۔ ''تم نے نادر کے بارے میں تو پوچھا ہی نہیں۔''

''بس یار ان دشمنوں نے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ پرانے دشمن ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ اس کا کیا حال ہے؟''

''بہتر ہو گیا ہے۔'' وسیم نے بتایا۔ ''جب سے اسے پتا چلا ہے کہ ہم اسے مرشد کے حوالے کرنے والے ہیں اس کی ہوا خراب ہے اور وہ ہماری منت سماجت کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے گریز کریں۔ مگر وہ پہلے کے مقابلے میں سنبھل گیا ہے۔''

''مرشد کی طرف سے کوئی ردعمل ہوا ہے؟''

''وہ ندیم سے رابطے میں ہے۔'' سفیر بولا۔ ''کل تیرے کیسز کے بارے میں اہم پیشی ہے۔ پولیس کیس واپس لینے کی درخواست کرے گی۔''

میں خوش ہو گیا۔ ''یہ بہت اہم پیش رفت ہے۔ تم لوگوں نے بتایا نہیں۔''

''بیٹے زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے اصل مسئلہ مرشد ہے۔ ایک بار نادر اس کے ہاتھ آگیا تو وہ نئے کیس بنا سکتا ہے اور خود کو بری الذمہ بھی قرار دلوا سکتا ہے۔''

''ایک بار تو ان کیسز سے جان چھوٹے۔'' میں نے کہا۔ ''میں اپنی ہی سرزمین پر آزادی سے نہیں گھوم سکتا۔ مرشد کو دوبارہ دیکھ لیں گے لیکن میرا خیال ہے وہ دوبارہ مشکل سے پنگا کرے گا۔''

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے تو وہ کتے کی دُم لگتا ہے اتنی آسانی سے سیدھی نہیں ہوتی۔''

وسیم کا بھی یہی خیال تھا۔ اسی اثنا میں عبداللہ آگیا۔ ''جی شہباز صاحب.....''

''میں کچھ بتا رہا ہوں تم لوگوں نے درمیان میں سوال نہیں کرنا ہے جب میں اپنی بات مکمل کر لوں تو پھر جو چاہے پوچھنا۔''

''مجھے ایک بات پوچھنی ہے۔'' حسبِ توقع سفیر نے ٹانگ اڑائی۔

''پوچھو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا تمہارے ساتھ وہ گل بانو بھی آئے گی؟''

میں نے گہری سانس لی۔''اس نے تمہارے بارے میں بالکل درست کہا تھا؟''

''کیا..... کیا کہا تھا اس نے؟''سفیر چمک کر بولا۔

''یہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا ویسے تم اپنے سوال پر غور کرو تو شاید اس کا جواب مل جائے۔''

وسیم اور عبداللہ ہنس رہے تھے۔سفیر نے بھنا کر کہا۔''تم لوگ کس خوشی میں دانت نکال رہے ہو؟''

''شکر کرو ابھی بیتو نہیں ہے، ورنہ تمہارا صحیح سے ریکارڈ لگتا۔''

وسیم کی بات پر میں نے کہا۔''وہ تو بعد میں بھی لگ سکتا ہے واپس آ کر میری بیتو اور مونا دونوں سے ملاقات ہو گی۔''

''تم تو بلیک میلنگ پر اتر آئے ہو۔''سفیر گھبرا کر بولا۔

''شہباز صاحب۔''وسیم سنجیدہ ہو گیا۔''میرا خیال ہے آپ دیر کر رہے ہیں آپ کو فوراً وہاں سے نکل آنا چاہیے۔''

''میں تم سے متفق ہوں اور اسی لیے تم سب سے بات کرنا چاہ رہا ہوں۔''میں نے کہا۔''اللہ نے چاہا تو کل میں اور بانو تمہارے پاس ہوں گے۔''

وہ چونکے عبداللہ نے بے تابی سے کہا۔''وہ کیسے؟''

میں نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتانا شروع کیا کہ میں کیا چاہتا ہوں اور کس طرح ہم دو گھنٹے سے بھی پہلے پاکستان پہنچ سکتے ہیں۔وہ خاموشی سے سنتے رہے۔جب میں خاموش ہوا تو وسیم نے کہا۔''شہباز صاحب یہ بہت خطرناک ہو سکتا ہے دونوں طرف میں سے کسی بھی طرف سے فائر کیا جانے والا ایک میزائل ہیلی کاپٹر تباہ کر سکتا ہے۔''

''یہ تو ہے لیکن اس کا امکان بہت کم ہے۔''میں نے سر ہلایا۔''اول تو میرے ساتھ راج کنور ہو گا اور وہ انڈین حکام سے راہداری لے سکتا ہے۔پھر دوسری طرف پالیسی اتنی سخت نہیں ہے۔پہلے وارننگ دی جاتی ہے اور اگر سرحدی خلاف ورزی کرنے والا واپس نہ جائے تو ایئر ڈیفنس سسٹم حرکت میں آتا ہے لیکن ان سارے کاموں میں کچھ وقت لگتا ہے اور مجھے امید ہے اتنی دیر میں ہیلی کاپٹر کم سے کم ہمیں ڈراپ کر دے گا اس کے بعد وہ واپس جاتا ہے۔پکڑا جاتا ہے یا گرا لیا جاتا ہے یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔یہ بھی ممکن ہے ہمارے سرحدی محافظوں کو پتا ہی نہ چلے۔''

''وہ کیسے؟''

''راج کنور کا کہنا ہے کہ اس طرف کچھ ایسا رخنہ ہے جہاں ریڈار نیچی پرواز کرنے والے ہیلی کاپٹر کو ٹریس نہیں کر سکتا ہے۔دوسرے سرحد پار کرنے کے دو سے تین منٹ کے اندر میں اس جگہ پہنچ جاؤں گا جہاں تم لوگ میرے منتظر ہو گے۔''

''یہ جگہ کہاں ہے؟''عبداللہ نے سوال کیا۔

''تم نیٹ سے واہگہ بارڈر کا نقشہ نکالو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ نے نقشہ نکالا۔ ''نکال لیا۔''

میں نے نشان دہی کی۔ ''اس پر دیکھو اوپر پاکستان میں پکھیالا ہے۔ میاں ممتاز کی جاگیر اسی علاقے میں ہے۔''

''یہ بھی دیکھ لیا۔''

''اس کے اوپر نارنگ منڈی سے آنے والی سڑک چکیاں روڈ سے مل رہی ہے۔''

''بالکل۔'' وسیم بولا کیونکہ انہوں نے ویب پیج کھولا ہوا تھا اس لیے ان کی تصویر نہیں آ رہی تھی اور نہ میری تصویر ان کو دکھائی دے رہی تھی البتہ ہم ایک دوسرے کی باتیں سن رہے تھے۔

''تم لوگ نارنگ منڈی سے آنے والی سڑک کراس کر کے چکیاں روڈ پر تقریباً ایک کلومیٹر آگے انڈیا کی طرف آ کر ہمارا انتظار کرو گے۔ یہاں یہ سڑک مقبول پور روڈ کہلاتی ہے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔'' وسیم نے کہا۔ ''ایک زمانے میں، مَیں یہاں بہت گھوما پھرا ہوں۔ دریائے راوی میں سردیوں کے دنوں میں پرندے آتے تھے میں ان کا شکار کرنے جاتا تھا یہاں دریا کسی قدر چوڑا اور گہرا ہے اور سردیوں میں بھی یہاں پانی ہوتا ہے۔''

''بالکل نقشے پر یہ سڑک موجود ہے لیکن اس کی اصل صورت حال کیا ہے یہ تم لوگ بتاؤ گے۔ میں چاہتا ہوں تم کل صبح روانہ ہو جاؤ اور اسی علاقے میں موجود رہو۔ وہاں کی صورت حال سے مجھے آگاہ کرو۔ ہمارے اترتے ہی ہمیں بہت تیزی سے اس علاقے سے نکل جانا ہوگا کیونکہ سکیورٹی والوں کی آمد متوقع ہوگی میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''بالکل، آپ کہیں تو ہم ابھی روانہ ہو جاتے ہیں۔''

''نہیں کل صبح نکل کر بھی تم لوگ ڈھائی تین گھنٹے میں وہاں پہنچ سکتے ہو۔ ابھی تم غور کرو کہ تم لوگوں کو کیا کرنا ہے۔ مجھے ایک خیال آ رہا ہے آج کل جی پی ایس عام ہو گیا۔ تم وہاں پہنچ کر کوئی مناسب پوزیشن تلاش کر کے اس کی جی پی ایس لوکیشن بتانا۔ ہیلی کاپٹر ٹھیک وہیں پہنچ جائے گا اور ہمیں بھٹکنا نہیں پڑے گا امکان ہے کہ ہمیں اتارتے ہی ہیلی کاپٹر واپس چلا جائے گا۔''

''راج کنور سمیت۔'' وسیم نے معنی خیز سوال کیا۔

''ابھی اس بارے میں سوچا نہیں ہے۔''

''تو سوچ لیں۔'' وسیم نے اصرار کیا۔ ''اسے بھی یہیں اتار لیں گے اور پھر کسی مناسب جگہ ٹھکانے لگا کر ہمیشہ کے لیے زمین میں دبا دیں گے۔''

''میرا خیال ہے اس کا فیصلہ وہاں پہنچ کر کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ تم ایک بات بھول رہے ہو وہ سعدیہ کا بھائی ہے اور ہمیں اس بات کا خیال بھی رکھنا ہے۔''

''اسے اپنی بہن کا کوئی خیال نہیں ہوگا۔'' وسیم نے تلخی سے کہا۔ ''اسے پتا چل جائے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے اور مسلمان ہو چکی ہے تو وہ اس کا بھی دشمن بن جائے گا۔''

''اس میں اور ہم میں فرق ہے یار۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے اپنا منصوبہ بتا دیا ہے آگے اب تم لوگوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلان کرنا ہے کہ کس طرح یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔"

بیتو آ گیا تھا اس نے پوچھا۔ "کون سا کام شوبی بھائی؟"

"تمہاری شادی کا۔" سفیر نے جواب دیا۔ "کامی تو اب ایک سپر پاور ملک کی شہری بن چکی ہے اور وہ تمہیں گھاس نہیں ڈالے گی۔ اس لیے شوبی نے تمہارے لیے ایک لوکل دلہن تلاش کی ہے اسے ساتھ لا رہا ہے۔"

"شوبی سچ؟" بیتو نے بے یقینی سے کہا۔

"تم بھی کس کی باتوں میں آ رہے ہو۔" میں ہنسا۔

"ہم کو پہلے ہی شک تھا یہ سفیر بھائی اتنا اچھا کب سے ہو گیا کہ ہمارا شادی کا بات کرے یہ تو خود دوسری شادی کا فکر میں رہتا ہے۔"

"اوہ میرے دشمن سالے کیوں مونا کو بیوہ کرنا چاہ رہا ہے۔" سفیر بلبلا گیا۔

"وہ بھی مونا کے اپنے ہاتھوں۔" میں نے لقمہ دیا۔ "جھوٹ کی ابتدا تو تم کی تھی۔"

"پر ہم جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ یہ سفیر بھائی ٹی وی پر آنے والی عورتوں کو بہت غور سے دیکھتا ہے۔"

سفیر بھنا گیا۔ "اس کا مطلب ہے میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر نہیں کرنا چاہتا تو کیوں دیکھتا ہے؟" بیتو نے دوسرا سوال کیا۔

"اب بولو بیٹے تمہیں بہت شوق ہے نا سوال کرنے کا۔" میں نے کہا۔ "ویسے بیتو مزہ تو جب آئے گا جب مونا کے سامنے یہ سوال کیے جائیں۔"

"میں مکر جاؤں گا کہ میں ٹی وی ہی نہیں دیکھتا۔"

"مونا دیدی ہمارا بات کا یقین کرے گا۔" بیتو نے دعویٰ کیا۔ "وہ جانتا ہے ہم جھوٹ نہیں بولتا۔"

"بیٹے بات یہ نہیں ہے۔" سفیر نے سرد آہ بھری۔ "بیوی اپنے شوہر کے سوا ہر ایرے غیرے کی بات کا یقین کرتی ہے۔"

"بشرطیکہ شوہر تیرے جیسا ہو۔" میں نے لقمہ دیا جس پر سفیر نے مجھے خونی نظروں سے دیکھا۔

"میرا خیال ہے یہاں کوئی کام کی بات نہیں ہو گی۔" وسیم نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ "میرا خیال ہے کہیں چل کر ڈسکس کرتے ہیں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔" سفیر ان کے پیچھے لپکا۔

ان کے جاتے ہی بیتو نے لیپ ٹاپ سنبھال لیا۔ "شوبی ہم آپ کے بغیر بہت اداس ہے۔"

پہلی بار بیتو سے کھل کر بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ "مجھے بھی تمہارا بہت خیال آتا تھا۔ مجھے فکر تھی کہ میاں ممتاز تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کرے۔"

"ہم اس کے ساتھ برا سلوک کرتا مگر ہم کو وسیم بھائی نے روک دیا۔ ان کو عبداللہ بھائی نے روکا تھا۔"

"تم وہاں سے فرار کیسے ہوئے؟"

"ایک بار ہنگامہ کیا تو ہم کو مارا تھا اور کمرے میں بند کر دیا تھا ہم شرافت سے مار کھاتا رہا اور روتا رہا۔ اس پر وہ سمجھا کہ ہم شریف ہے۔ پھر ایک دن ہم کو موقع ملا اور ہم دو آدمیوں کو لٹا کر وہاں سے نکل گیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ہنسی آ گئی۔ ''تو تم شریف نہیں ہو؟''

''سفیر بھائی کی طرح نہیں۔'' بیتو نے دانت نکالے۔ ''یہ بانو دیدی کیسا ہے؟''

''بہت اچھی اور پُرخلوص لڑکی ہے۔ اس اجنبی جگہ اس نے جس طرح میرا ساتھ دیا ہے یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''پھر وہ اچھا ہوگا۔'' بیتو نے فیصلہ دیا۔ ''شوبی جس کو آپ اچھا بولو وہ ضرور اچھا ہوتا ہے۔''

کچھ دیر بیتو سے بات ہوتی رہی۔ اس نے مجھ سے منوالیا کہ وہ بھی اس پارٹی کا حصہ ہوگا جو مجھے ریسیو کرنے آئے گی۔ اب مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں نے کھانے کا کہہ دیا اور کھانا آنے تک بیتو سے بات جاری رکھی۔ اس دوران میں بانو آ گئی۔ لیپ ٹاپ اس کے حوالے کر کے میں کھانے میں مصروف ہو گیا۔ بانو بھی بیتو سے بات کر کے خوش ہوئی تھی دونوں میں ایک قدر مشترک نکل آئی تھی کہ دونوں سفیر سے خار کھاتے تھے۔ بیتو کا معاملہ شروع سے تھا اور اب بانو بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔ میں ان کی باتیں سن کر مسکراتا رہا۔ ادھر میں نے کھانا ختم کیا اور اُدھر سردار جی کی کال آ گئی۔ اس نے کال ریسیو کرتے ہی کہا۔ ''شیام جی، جلدی بات کر لو ادھر بندہ نہیں ہے ورنہ وہ منٹ منٹ پر آ کر جھانک رہا تھا۔ ابھی کہیں باہر دفع ہوا ہے۔''

چند لمحے بعد راج کنور کی آواز آئی۔ ''شہباز..... کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''ڈاکٹر ہے یا جا چکا ہے؟''

''فکر مت کرو میں اس کے سامنے تمہارا نام نہیں لے رہا وہ باہر ہے۔''

''بڑا کنور تمہارے پاس کیوں آیا تھا۔''

وہ حیران ہوا۔ ''تم جانتے ہو، اس کا مطلب ہے تم میری نگرانی کر رہے ہو؟''

''کیا مجھے نہیں کرنی چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''رامن کا کیا حال ہے؟''

''وہ پاگل ہو رہا تھا اگر اسے بڑے کنور کا خوف نہ ہوتا تو وہ تجھے بھی نہ چھوڑتا۔ وہ مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔''

''تم نے کیا جواب دیا؟''

''میں نے صاف منع کر دیا کہ مجھے تمہارے بارے میں نہیں معلوم ہے اور نہ تم میرے پاس آئے تھے۔''

''اب رامن کہاں ہے؟''

''وہ اکثر یہیں ہوتا ہے اور کبھی کبھی کہیں چلا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جب تک ہوتا ہے ہر دس منٹ بعد میرے کمرے میں آ کر جھانکتا ہے۔''

''اس کے علاوہ کون ہے؟''

''سنتوش نامی ایک شخص ہے اور ایک پائل نامی بندہ ہے۔ مگر وہ کم ہوتا ہے۔''

''تمہاری کنڈیشن کیسی ہے؟''

''آج میرا ایم آئی آر ہوا۔ اس میں گھٹنے کی پوزیشن صحیح ہے اور بازو کی ہڈی بھی سیٹ ہو گئی ہے۔ اب مجھے گھر شفٹ کیا جا سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن تمہیں جہاں شفٹ کیا جائے گا وہ گھر نہیں ہوگا۔''

''میں کیا کر سکتا ہوں میں مجبور ہوں۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''تم نے میری آفر کے بارے میں سوچا۔''

''میں کیسے تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔''

''تم اس پوائنٹ سے واقف ہو جہاں سے ہیلی کاپٹر سرحد پار کرتا ہے۔''

''ہاں لیکن اس کے لیے میرا ہیلی کاپٹر میں ہونا ضروری ہے۔''

''اگر میں تمہیں لے جاؤں تو.....''

''میں کسی صورت نہیں جاؤں گا۔'' اس نے کہا۔ ''تمہیں نہیں معلوم ہے اس سہولت کا غلط استعمال مجھے کن مشکلات میں پھنسا سکتا ہے۔''

میں نے دل میں کہا۔ بیٹے تمہیں جانا تو پڑے گا۔ چاہے تم کتنی بڑی مشکل میں کیوں نہ پھنس جاؤ۔ ''راج کیا اس بات کا امکان ہے کہ کل تمہیں ڈسچارج کر دیا جائے۔''

''نہیں۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ ''ڈاکٹر کا کہنا ہے کل میرے ایک زخم کے ٹانکے کٹیں گے اور پھر مجھے ڈسچارج کیا جائے گا۔''

''راج کنور میری پیشکش پر غور کرنا اگر تمہیں اس مشکل صورتِ حال سے کوئی نکال سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ تم غور کرو بڑے کنور کو میں ہر صورت زندہ سلامت درکار ہوں اور وہ میری بات ماننے پر مجبور تھا اس لیے مجھے اس کی طرف سے جان کا خطرہ نہیں ہے لیکن وہ تمہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ اگر تم ایک بار پلیس واپس پہنچ گئے تو پھر تم کاغذات بھی دو گے اور اپنی جان بھی۔ اگر بڑے کنور نے تمہیں معاف بھی کر دیا تو ہمیشہ کے لیے کسی قید خانے میں ڈال دے گا جہاں سے تم اس کے جیتے جی نہیں نکل سکو گے۔ وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا۔''

''میں جانتا ہوں۔ اس سے زیادہ رامن میرے خون کا پیاسا ہے۔'' وہ بولا۔ ''لیکن میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔''

اتنے میں ڈاکٹر امرتسر واپس آ گیا اس نے راج کنور سے کہتے ہوئے موبائل چھین لیا۔ ''وہ مصیبت آ گئی ہے۔''

اس نے کال کاٹ دی تھی۔ بانو بیتو سے بات کر رہی تھی پھر اس نے برا سا منہ بنایا اور لیپ ٹاپ کی اسکرین نیچے کر دی۔ ''کیا ہوا؟''

''وہ صاحب آ گئے ہیں۔'' بانو دھیمی آواز میں بولی۔ ''بیتو کی باتیں سن لی تھیں اور اب دونوں میں جھگڑا ہو رہا ہے۔''

''بیتو میرا بہت پیارا اور معصوم ساتھی ہے۔ وہ راج کنور کے علاقے کا رہنے والا قبائلی ہے اس کا پورا قبیلہ ان لوگوں کی ہوس کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ان کا قتلِ عام ہوا اور انہیں علاقے سے نکال دیا گیا۔ بہت کم لوگ زندہ بچے تھے۔''

بانو نے سر ہلایا۔ ''مجھے بیتو نے بتایا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب سے وہ ہمارے ساتھ ہے۔ درحقیقت ہم میں سے اکثر ایسے ہی دکھی اور زمانے کے ستائے لوگ ہیں۔ سعدیہ کے بارے میں تمہیں معلوم ہوگا۔ پھر وسیم ہے۔ میرا ایک ساتھی ایاز ہے اس کی بیوی شاہین بھی ہمیں اسی طرح ملی تھی۔ سفیر اور مونا شروع سے میرے دوست تھے لیکن وہ بھی دشمنی کی لپیٹ میں آ گئے۔ اب ہم ایک خاندان کی طرح ہیں۔ ہم میں عبداللہ ہے، مانی ہے اور ایک لڑکی شازیہ بھی ہے۔''

''آپ مجھے بھول رہے ہیں۔'' بانو نے یاد دلایا۔

''میں بھولا نہیں ہوں لیکن میں نے کسی کو بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کو نہیں کہا۔ بلکہ میری کوشش تھی کہ میرے ساتھی اس دلدل سے نکل جائیں اور میں حالات کا تنہا سامنا کروں۔ مگر مجھ سے پیار کرنے والے مجھے اکیلا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں انہوں نے ہر مشکل میں میرا مجھ سے زیادہ ساتھ دیا اور کسی موقع پیچھے نہیں ہٹے۔ ان میں سے ہر ایک نے مجھ سے زیادہ مشکلات برداشت کیں اس کے باوجود میری خواہش ہے کہ وہ خطرے سے دور رہیں۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنا چاہتی ہوں۔'' بانو نے پہلی بار کھل کر کہا۔ ''آپ نے جس طرح مجھ بے سہارا لڑکی کو سہارا دیا اور پھر اس قابل بنایا کہ میں اکیلے بھی دشمنوں سے مقابلہ کر سکوں۔ میں یہ احسان کس طرح بھول سکتی ہوں لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں اب بھی واپس جا کر اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرنا چاہتی تھی۔''

''اور اب؟''

''اب میں خود کو آپ کے اس خاندان کا ایک حصہ تصور کرتی ہوں اور کوئی اپنے خاندان سے الگ نہیں ہو سکتا ہے۔''

''اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو ہم تمہیں خوش آمدید کہیں گے لیکن بانو ایک بار پھر غور.....''

اس نے بات کاٹ کر کہا۔ ''قطع کلامی معاف، انسان غور وہاں کرتا ہے جہاں اس کے پاس چوائس ہو اور میرے پاس کوئی دوسری چوائس نہیں ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے۔ اب میرا کل کا پلان سنو، لیکن ایک منٹ.....'' میں لیپ ٹاپ تک آیا۔ وہاں سفر اور بیتو آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ان کی لڑائی زبانی کلامی ہوتی ہے۔ ابھی ایک منٹ بعد وہ دونوں کہیں بیٹھے ہنس بول رہے ہوں گے۔ میں نے سفیر کو بلایا۔ ''مجھے کل صبح تک تم لوگوں کی طرف سے فائنل پلان چاہیے اور دوپہر ایک بجے تک لوکیشن جہاں ہمیں آنا ہے۔''

''تم فکر مت کرو۔ میں اور وسیم صبح سویرے نکل جائیں گے۔ ہمارے ساتھ دو افراد اور ہوں گے۔ بیتو اور عبداللہ ایک گھنٹے بعد آئیں گے۔ یعنی دو گاڑیاں اور چھ افراد ہوں گے ساز و سامان ہر قسم کا ہوگا۔''

''یہ ضروری ہے بلکہ گاڑیاں تین کر لو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ایاز کہاں ہے؟''

''بھگوال میں لیکن وہ آ سکتا ہے۔''

''بس تو اسے بلوا لو۔ وہ تیسری گاڑی میں ہوگا۔ بلکہ ایسا کرو وسیم اور عبداللہ کو بھی بلا لو میرے ذہن میں ایک پلان آیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دونوں کچھ دیر میں سامنے تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''آپ نے کیا سوچا ہے۔''

''پک اَپ پوائنٹ تک ایک گاڑی آئے گی۔ اس میں تم اور عبداللہ ہو گے۔''

''ہم بھی ہوگا۔'' بیتو نے مداخلت کی۔

''او کے بیتو بھی ہوگا لیکن پھر گاڑی بڑی رکھنا کیونکہ تین افراد ہم بھی ہوں گے۔''

''باقی دو گاڑیاں کہاں ہوں گی۔''

''وہ نارنگ منڈی روڈ اور چکیاں روڈ کی کراسنگ پر ہوں گی۔ جیسے ہی ہم وہاں پہنچیں گے۔ افراد ان دو گاڑیوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور یہ سب الگ الگ سمتوں میں روانہ ہوں گی۔ نارنگ منڈی جانے والی گاڑی گھوم کر جی ٹی روڈ پر آئے گی اور گوجرانوالہ پہنچے گی۔ باقی دو گاڑیاں بھی اپنے روٹس سے گوجرانوالہ پہنچیں گی اور وہاں سے ہم آگے روانہ ہوں گے۔ کیا خیال ہے؟''

''بہترین تقریباً یہی ہم نے سوچا ہے فرق صرف تین گاڑیوں کا ہے۔ ہم نے دو گاڑیوں کا سوچا تھا۔''

''معاملہ حساس ہے اس لیے امکان ہے کہ مقامی دفاعی اداروں کی طرف سے ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ احتیاط بہتر ہوگی ہم تین افراد جو باہر سے آئیں گے وہ الگ الگ گاڑیوں میں سفر کریں گے۔''

''اس صورت میں بہتر ہے کہ کم سے کم افراد ہوں اور اسلحہ بھی خطرناک والا نہ ہو۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میرے ذہن میں ایک تجویز اور آ رہی ہے۔ اگر ہم پنجاب پولیس کی وردی حاصل کر لیں۔''

''اگر اصلی پولیس سے ٹاکرا ہو گیا۔''

''تو کیا جب تک شک والی بات نہیں ہوگی کوئی ہم سے نہیں پوچھے گا۔''

''اگر وردی آسانی سے مل سکتی ہے تو ٹھیک ہے لیکن ساتھ ہی ایسا بندوبست بھی کرنا کہ موقع ملتے ہی وردیوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔''

''یہ تو آسان ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم لباس پر ہی وردی پہن لیں گے اور جہاں اتارنی ہوگی ایک منٹ میں اتار دیں گے۔''

مزید نصف گھنٹے تک پروگرام کی نوک پلک درست ہوتی رہی۔ پھر ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کیا میں نے اپنا موبائل نمبر دے دیا لیکن ساتھ ہی کہا کہ اس پر صرف اشد ضرورت کے تحت ہی رابطہ کیا جائے۔ بانو خاموشی سے سن رہی تھی۔ جب لیپ ٹاپ بند کیا تو اس نے کہا۔ ''آپ مجھے کچھ بتانے جا رہے تھے؟''

''بانو کل ہمارے لیے بہت اہم دن ہے۔ اس کا امکان ہے اور مجھے اللہ کی ذات سے پوری امید ہے کہ کل ہم شام تک سرحد پار کر کے جا چکے ہوں گے لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اس طرف یا دوسری طرف اجل کا شکار ہو جائیں اور ہمارے جسم ہیلی کاپٹر میں جل کر خاکستر ہو جائیں۔''

بانو نے جھرجھری لی۔ ''اللہ نہ کرے۔''

''امید تو یہی ہے لیکن ہر صورت کے لیے تیار ہو کر جانا ہوگا۔ اس سے پہلے ہمیں اسپتال سے راج کنور کو اغوا کرنا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ کیسے؟''

''میں ایمبولینس لے کر اسپتال جاؤں گا اور ڈاکٹر بن کر راج کنور کو نکال لاؤں گا۔''

''اس کے بعد؟''

''اس کے بعد ہم ائیر کلب کا رخ کریں گے جہاں ہیلی کاپٹر موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم ایسے وقت سرحد پار کریں جب تاریکی تقریباً چھانے والی ہو۔ ہلکی روشنی میں ہیلی کاپٹر آرام سے اتر سکے گا اور اس کے بعد تاریکی ہو جائے گی اور اس میں ہماری تلاش آسان کام نہیں ہوگا۔''

بانو نے حساب لگایا۔ ''آج کل سورج سوا سات تک غروب ہو رہا ہے۔ اگر ہم یہاں سے ساڑھے پانچ بجے نکلیں تو ہیلی کاپٹر سرحد تک کا فاصلہ ڈیڑھ گھنٹے میں طے کر سکتا ہے۔''

''ہاں ہم ریڈار سے بچنے کے لیے نیچی پرواز کریں گے اس لیے رفتار زیادہ نہیں ہوگی۔ پھر ہم پائلٹ کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس طرح چلے کہ ہم سوا سات بجے کے بعد سرحد عبور کریں۔ میرا خیال ہے فاصلہ دو سو میل بھی نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور تصدیق کے لیے انٹرنیٹ پر نقشہ نکال کر دیکھا۔ واقعی فاصلہ تقریباً دو سو میل بن رہا تھا۔ بانو نے نکتہ اٹھایا۔

''ائیر کلب پہنچ کر ایمبولینس ڈرائیور کے ساتھ کیا کرنا ہے؟''

''کچھ نہیں وہ بھلا کیوں سوچے گا کہ ہم کوئی غلط کام کر رہے ہیں۔''

''جب ہم پائلٹ کو مجبور کریں گے تب تو وہ سوچے گا؟''

''ہم پائلٹ کو اس وقت مجبور کریں گے جب وہ پرواز کر جائے گا اور زمین پر موجود ایمبولینس ڈرائیور کو کیسے پتا چلے گا۔'' میں نے کہا تو بانو قائل نظر آنے لگی۔ پھر اس نے دوسرا نکتہ اٹھایا۔

''جب ہم راج کو زبردستی لے جائیں گے تو وہ ہنگامہ نہیں کرے گا؟''

''امید تو ہے کہ نہیں کرے گا۔''

''فرض کریں کہ اس نے کیا تو؟''

بانو کے سوال نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسے ہنگامہ آرائی یا مزاحمت سے باز رکھنا ضروری تھا۔ میں نے ڈاکٹر امرتسر کو کال کی اور اس سے کسی ایسی دوا کا پوچھا جسے کسی کو دیا جائے تو بہ ظاہر وہ ہوش میں ہو لیکن اس کا ذہن سو جائے اور وہ فرمانبرداری سے دوسرے کی مرضی پر چلے۔ پہلے تو امرتسر سنگھ نے غیر متعلقہ سوالات کیے کہ کیوں چاہیے اور کس کے لیے چاہیے لیکن جب میں نے اسے یاد دلایا کہ میں نے اسے پچاس ہزار سوالات کرنے کے لیے نہیں دیے ہیں تو وہ راہِ راست پر آ گیا اور اس نے مجھے ایسی چند دواؤں کے نام بتائے۔ یہ سب انجکشن کی صورت میں ملتی ہیں میں نے پوچھا۔ ''میڈیکل اسٹورز پر مل جائیں گی اور کوئی ڈاکٹر کی پرچی تو نہیں مانگے گا۔''

''بھاجی یہ انڈیا ہے یہاں سب ملتا ہے اور سب چلتا ہے۔''

میں نے دواؤں کے نام نوٹ کر لیے تھے پھر میں نے ہوٹل منیجر کو کال کی۔ ''مجھے کچھ دواؤں کی ضرورت ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں آدمی بھیج رہا ہوں آپ اسے نام دے دیں۔''

منیجر کا آدمی آکر دواؤں کے نام لے گیا اس نے کہا کہ شاید کچھ دیر لگے کیونکہ رات کے وقت عام میڈیکل اسٹورز بند ہو جاتے تھے۔ میں نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں تم آرام سے تلاش کرو اور ڈسپوزیبل سرنجوں کا ایک سیٹ بھی لینا۔''

''یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔'' بانو نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

''ویسے تم نے خواتین کے بارے میں میری رائے کسی قدر بدل دی ہے۔''

وہ ہنسی۔ ''یہی کہ ہم عقل سے پیدل ہوتے ہیں۔''

''نہیں عقل مند تو بہت ہوتی ہیں مگر اپنی عقل مندی خاص خاص میدانوں تک محدود رکھتی ہیں اور عام حالات میں اور ہنگامی حالات میں جب آس پاس کوئی صاحبِ عقل موجود ہو تو ذاتی عقل کے بے جا استعمال سے گریز کرتی ہیں۔''

رات گہری ہو رہی تھی اور سارا دن بھاگ دوڑ میں گزر گیا تھا مگر آنکھوں میں نیند نہیں تھی بلکہ جو تھی وہ بھی آنے والے کل کا سوچ کر اڑی جا رہی تھی جب یا تو ہم اپنوں کے درمیان ہوتے یا پھر کہیں نہ ہوتے۔ میں نے کافی کی تجویز پیش کی لیکن بانو نے انکار کیا۔ ''اب میں نے چائے بھی پی تو مجھے مشکل سے نیند آئے گی۔ میرے سر میں ہلکا سا درد ہو رہا ہے۔''

''تب بہتر ہے تم سو جاؤ تاکہ کل کے معرکے کے لیے تازہ دم ہو۔''

بانو چلی گئی۔ میں جاگتا رہا اور سوچتا رہا۔ میں خطرہ مول لے رہا تھا۔ اب تک مجھے یہ اتنا زیادہ محسوس نہیں ہوا تھا لیکن وسیم اور عبداللہ سے بات کر کے شاید میں اسے زیادہ محسوس کرنے لگا تھا اور رہ رہ خیال آ رہا تھا کہ میں نے اندازے کی غلطی تو نہیں کی ہے۔ جب سوچوں نے زیادہ پریشان کیا تو تنگ آ کر میں نے سونے کی تیاری شروع کر دی۔ گرم پانی سے غسل کر کے آیا تو ذہن کسی قدر ہلکا ہو گیا۔ اسی اثنا میں منیجر کا آدمی دوائیاں لے آیا۔ یہ مختلف دوائیاں تھیں جو ایک ہی مقصد کے لیے تھیں۔ ان کے ساتھ چھوٹی سرنجوں کا ایک سیٹ بھی تھا۔ میں نے دواؤں کے ساتھ موجود ہدایات پڑھیں اور انہیں ذہن نشین کر لیا۔ بستر پر لیٹا اور آرام سے سو گیا۔ صبح میری آنکھ کھلی تو کھڑکی سے سورج کی روشنی کمرے میں آ رہی تھی۔ نو بج رہے تھے اور میں خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ بانو بھی جاگ گئی تھی۔ ضروریات سے فارغ ہو کر ہم نے ناشتہ کیا اور اس دوران میں اپنے پلان کی نوک پلک درست کرتے رہے تھے۔ بانو ذہین تھی اور یہ بات اس نے بارہا ثابت بھی کی تھی۔ اب بھی اس کی وجہ سے میں خطرات کو کم سے کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے ایمبولینس سروس کو کال کی جہاں سے پہلے ایک ایمبولینس طویل دورانیے کے لیے بک کرانے کی بات کی تھی۔ دوسری طرف موجود شخص نے بتایا کہ اس کے لیے مجھے خود ان کے سینٹر آنا ہو گا اور ادائیگی کے بعد ہی میں ایمبولینس حاصل کر سکوں گا۔ یہ کمرشل سروس تھی اور انہیں صرف رقم سے غرض تھا۔ میں سروس سینٹر تک گیا اور ادائیگی کر کے ایک ایمبولینس چوبیس گھنٹے کے لیے حاصل کر لی۔ مجھے بتایا گیا کہ ایمبولینس شملہ سے سو میل کے دائرے سے دور نہیں جائے گی اس صورت میں مجھے مزید ادائیگی کرنا پڑے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے بتایا کہ مجھے سروس شملہ کی حدود میں چاہیے۔ اب میں ایک گھنٹے کے نوٹس پر ایمبولینس کو کہیں بھی طلب کر سکتا تھا۔ اس کے بعد میں نے بی اے سنگاری کو کال کی۔

''مجھے دوپہر تین بجے کی فلائیٹ چاہیے۔ ہیلی کاپٹر میں ایندھن فل ہو ممکن ہے ہمیں ذرا دیر تک پرواز کرنا پڑے۔''

''میں ٹھیک تین بجے تیار ملوں گا اور فیول میں ہمیشہ فل رکھتا ہوں۔''

''پورے ایندھن کے ساتھ ہیلی کاپٹر کتنی دیر پرواز کر سکتا ہے؟''

''ڈھائی سے تین گھنٹے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''بلندی اور اسپیڈ پر ڈی پینڈ کرتا ہے۔''

میں نے اطمینان محسوس کیا کیونکہ اتنا وقت کافی تھا اور ہم آرام سے پاکستان پہنچ سکتے تھے اس کے بعد بی اے سنگاری واپس شملہ تک نہیں آ سکتا تھا مگر وہ سرحد پار کر کے واپس جا سکتا تھا۔ اس کے بعد وہ کسی بھی ائیر فیلڈ پر اتر سکتا تھا۔ امرتسر زیادہ دور نہیں تھا اور وہ یقیناً پکڑا جاتا لیکن میری بلا سے۔ میں ہوٹل واپس آیا تو بانو تیاری کر رہی تھی۔ اس نے میرے اور اپنے کپڑوں کے سوٹ کیس تیار کر لیے تھے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اس میں سے کچھ ہمارے ساتھ نہیں جائے گا۔''

''لیکن کیوں؟''

''یہ بلاوجہ کا بوجھ ہے۔ مگر اسے ٹھکانے لگانا ہوگا ورنہ بعد میں تفتیش ہوگی تو یہ لباس ہمارے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال ہو سکتے ہیں۔''

بانو کا دل دکھ رہا تھا۔ ''اللہ اتنے اچھے کپڑے ضائع جائیں گے۔''

''اللہ اور دے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی اور اسکائپ آن کر کے عبداللہ کو کال کی۔ کیونکہ وہ نکل چکے تھے اس لیے اب کمپیوٹر سے بات ممکن نہیں تھی مجھے موبائل پر کال کرنا تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ لیپ ٹاپ اور یو ایس انٹرنیٹ ڈیوائس ساتھ رکھوں گا اس سے رابطے میں آسانی رہے گی۔ پھر میں نے منیجر کو کال کی۔ اسے بتایا کہ ہم جا رہے ہیں لیکن کل تک یہ کمرے ہمارے لیے بک رہیں گے۔ میں نے اسے اشاروں میں کہا کہ ہم یہاں آئے ہی نہیں تھے بہتر ہوگا وہ یہاں ہماری موجودگی کے تمام ثبوت ضائع کر دے ان میں سی سی ٹی وی کیمروں کی ریکارڈنگ بھی شامل تھی۔ اس نے یقین دلایا کہ سب ضائع کر دیا جائے گا۔ روانگی سے پہلے ہم نے ہلکا لنچ کیا کیونکہ اب بھاگ دوڑ کا مرحلہ تھا اور اس میں بھاری پیٹ رکاوٹ بن سکتا تھا۔ ہوٹل والے کسی قدر حیران ہوئے کہ ہم بغیر کسی گاڑی کے سامان سمیت پیدل روانہ ہوئے تھے مگر کسی نے اظہار نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد بانو نے تھک کر کہا۔ ''اُف یہ مصیبت لاد کر لانا ضروری تھا؟''

''بالکل ضروری تھا۔''

''ہم ٹیکسی بھی کر سکتے ہیں۔''

''بالکل لیکن اس صورت میں ان سوٹ کیسز کو کہاں ٹھکانے لگاتے اور وہ بھی ڈرائیور کی نظروں سے بچ کر۔'' میں نے کہا تو بانو چپ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد ہم نے دونوں سوٹ کیس ایک بڑے ڈسٹ بن کے سپرد کیے۔ جہاں سے انہیں کوئی نکال کر بھی لے جاتا تو اب اسے ہمیں کوئی فرق نہ پڑتا۔ پھر میں نے ایمبولینس سروس کو کال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی اور ایمبولنس آنند ورما ٹرسٹ ہاسپٹل کے باہر بھیجنے کو کہا۔ ساتھ ہی تاکید کی کہ ڈرائیور باہر رک کر میرا انتظار کرے خود سے اندر جانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے بعد ہم نے ایک ٹیکسی لی اور اسپتال کی طرف روانہ ہو گئے۔ ٹیکسی اسپتال سے کچھ پہلے چھوڑ دی تھی۔ اسلحہ اور رقم ہمارے پاس تھی جب کہ لیپ ٹاپ اپنے چھوٹے سے بیگ میں میرے شانے سے لٹک رہا تھا۔ میں نے ایک پستول بانو کے حوالے کر دیا تھا اور انڈین رقم بھی اسے دے دی تھی۔ اگر ہم کسی وجہ سے بچھڑ جاتے تب بھی وہ خالی ہاتھ نہ رہتی۔ اسپتال کے سامنے پہنچ کر میں نے اس سے کہا۔ ''تم یہیں رہو لیکن نمایاں مت رہنا اور میری واپسی کا انتظار کرنا۔''

''آپ کتنی دیر میں آ جائیں گے؟'' وہ کسی قدر فکر مند تھی۔

''کچھ کہنا مشکل ہے لیکن آدھا پون گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔'' میں نے کہا اور کوٹ پہن لیا۔ لیپ ٹاپ والا بیگ بانو کے حوالے کر دیا۔ اسی لمحے سڑک پر ایمبولینس نمودار ہوئی۔ بانو جلدی سے سڑک کے ساتھ لگی باڑھ کی طرف بڑھ گئی اور میں سڑک کراس کر کے ایمبولینس کی طرف آیا۔ ڈرائیور نے مجھے سرسری نظروں سے دیکھا لیکن جب میں فرنٹ ڈور کھول کر اندر آیا تو وہ چونک گیا۔

''اوہ اچھا یہ آپ ہے آپ ڈاکٹر ہے؟''

''ہاں اندر چلو۔'' میں نے کہا تو اس نے ایمبولینس آگے بڑھا دی۔ اسے روکنے یا چیک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہم آرام سے اسٹاف پارکنگ ایریا میں پہنچ گئے۔ میں نے ایمبولینس دروازے کے سامنے رکوائی اور ڈرائیور سے کہا۔ ''میں مریض کو لینے جا رہا ہوں اگر کوئی کہے کہ یہاں کیوں رکے ہو تو کہنا کہ ڈاکٹر انتھونی نے کہا۔''

''ٹھیک صاحب۔'' وہ بولا میں نیچے اترا اور ایک طرف رکھی وہیل چیئر لیے اندر داخل ہوا۔ راج کنور کو اس پر آسانی سے ایمبولینس تک لایا جا سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے کسی نے راستے میں نہیں روکا۔ میں نے وہیل چیئر راج کنور کے کمرے کے باہر چھوڑی اور دوا سے بھری سرنج نکالی۔ میرا ارادہ تھا کہ اندر داخل ہوتے ہی راج کنور کو دوا انجکٹ کر دوں گا۔ جیسے ہی وہ دوا کے زیر اثر آئے گا میں اسے لے کر نکل جاؤں گا لیکن اندر گھستے ہی مجھے جھٹکا لگا۔ راج کنور کا بیڈ خالی تھا۔ اس کے واش روم جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کے سارے کام بیڈ پر ہوتے تھے۔ اچانک عقب سے آواز آئی۔

''کون ہو تم ادھر کیا کر رہے ہو؟''

میں نے مڑ کر دیکھا تو ڈاکٹر امرتسر سنگھ میرے مقابل تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک سرجیکل نائف تھی۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر امرتسر مجھے دیکھ کر چونکا۔ ''آپ..... یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''ڈاکٹر، راج کنور کہاں ہے؟''

''وہ.....؟'' وہ کسی قدر بوکھلایا۔ ''مجھے نہیں معلوم۔''

ڈاکٹر کے انداز سے لگ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ اس سے سوال جواب کا وقت نہیں تھا میں نے سوچا اور پستول نکال کر اس پر تان لیا۔ ''ڈاکٹر شرافت سے بتا دو کہ راج کنور کہاں ہے؟ ورنہ تمہارے جسم میں ایک سوراخ اور ہو جائے گا۔''

اس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ اوپر کر لیے تھے۔ مگر سرجیکل نائف بدستور اس کے ہاتھ میں تھی۔

''مینوں.....نن.....نہیں معلوم۔''

میں نے اس کا چاقو والا ہاتھ تھام کر اسے آگے کھینچا اور لات مار کر دروازہ بند کر دیا۔ اس نے قطعی مزاحمت نہیں کی اور میں نے اس کا ہاتھ مروڑا تو اس نے بلبلا کر چاقو چھوڑ دیا۔ ''اوئے میرا ہاتھ ٹوٹ جائے گا۔''

میں نے اس کے واویلے پر توجہ دیئے بغیر اسے گھما کر اوندھے منہ بستر پر گرایا اور گھٹنا اس کی ریڑھ پر جمایا۔ پھر اس کے ماتھے پر ہاتھ جما کر گردن پیچھے کھینچی تو وہ اس پوزیشن میں آ گیا کہ اس کی گردن اور کمر دونوں ٹوٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔ اس نے مرتی بکری جیسی آواز نکالی۔ اب آواز نکالنا بھی اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے سفاک لہجے میں کہا۔ ''سردار، میں نے ذرا زور دیا تو تمہاری گردن یا ریڑھ کی ہڈی میں سے ایک کوئی چیز ٹوٹ جائے گی۔ دونوں صورتوں میں تم مرنے سے بچ گئے تب بھی ہمیشہ کے لیے بستر پر لیٹ جاؤ گے اور ڈاکٹر سے مریض بن جاؤ گے۔ کیا تم ایسا چاہتے ہو؟''

''نن.....نہیں'' وہ رد دینے والے انداز میں بولا۔

''تب میرے سوال کا جواب دو۔ راج کنور کو یہاں سے کون اور کیسے لے گیا ہے۔''

''اس کا وہی آدمی جو یہاں نگرانی کرتا تھا۔'' امرتسر نے جواب دیا۔

میری گرفت نرم پڑ گئی۔ ''رامن.....گورا سا جس کے ماتھے پر چوٹ کا نشان ہے۔''

''وہی حرامی لے جا رہا تھا..... میں آ گیا اور پوچھا کہ مریض کو بغیر اجازت کہاں لے جا رہے ہو تو اس نے میرے منہ پر مکا مارا۔ دانت ہلا دیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے سیدھا کیا اور پستول اس کے ماتھے پر رکھ دیا۔ ''کتنی دیر ہوئی ہے اور وہ کیسے لے گیا ہے؟''

''پتا نہیں جی۔ بس لے گیا ہے اس نے مجھ سے زبان بند رکھنے کو کہا۔ پر آپ تو اس سے بھی ظالم ہو۔ اس نے تو دھمکی دی تھی آپ گولی مار دو گے۔''

''صرف دھمکی دی تھی؟'' میں نے شک سے پوچھا اور اس کی تلاشی لی۔ اس نے مزاحمت کی لیکن کوٹ کی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالنے سے نہ روک سکا تھا۔ ''خبیث آدمی تم نے اس سے بھی رشوت لی ہے۔ میرے بارے میں بھی بتایا ہوگا۔'' میں مشتعل ہو گیا۔ میرے تاثرات دیکھ کر وہ کانپنے لگا تھا۔

''نہیں مینوں رب دی سوں..... میرے بچوں دی سوں میں نے تمہارا نہیں بتایا۔''

''یہ کتنی دیر پہلے کی بات ہے؟''

''مشکل سے دس منٹ کی۔''

بازی پلٹ گئی تھی جیسا میں نے سوچا تھا ویسا نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے الٹ ہی ہو گیا تھا۔ آپ نے گھوڑے کے پہلے پھونک مارنے والا قصہ تو سنا ہوگا یہاں بھی وہی کیس ہو گیا تھا گھوڑے نے پہلے پھونک مار دی تھی۔ رامن راج کنور کو نکال کر لے گیا تھا۔ اب پتا نہیں اس نے یہ کام اپنی مرضی سے کیا تھا یا بڑے کنور نے اسے حکم دیا تھا۔ میں نے امرتسر سنگھ سے پوچھا۔ ''وہ ان کا آدمی تھا پھر اس طرح لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''پتا نہیں جی مجھے بھی حیرت ہوئی تھی۔ تبھی تو سوال کیا۔'' اس نے داڑھ سہلا کر کہا۔ اب مجھے جانا تھا اور سردار کو ایسے ہی چھوڑ جاتا تو اس نے ایک منٹ سے بھی پہلے سارا اسپتال جمع کر لینا تھا۔ میں نے سہلانے کے لیے ایک جگہ کا بندوبست اور کیا یعنی اس کی گدی پر پستول کا دستہ رسید کیا۔ سر پر پگڑی تھی جو حفاظتی خود سے کم نہیں تھی۔ اس کے لیے سردار جی کو پلٹنا پڑا تھا۔ اس کے حلق سے اوق کی آواز نکلی اور وہ بستر پر اوندھے منہ گر گیا۔ میں نے نبض چیک کی جو دھیمی لیکن مستقل تھی۔ اس کے دو ڈھائی گھنٹے سے پہلے ہوش میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے اسے بستر کے نیچے دھکیل دیا جہاں سے وہ خود ہی نکلنا کسی کے دیکھ لینے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ باہر نکل کر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ رامن بازی لے گیا تھا اور اب مجھے جواب دینا تھا۔ باہر ایمبولینس والا منتظر تھا۔ میں نے اس سے گیٹ تک چلنے کو کہا وہ حیرت سے بولا۔ ''صاحب پیشنٹ نہیں لایا؟''

''نہیں اسے دوسری ایمبولینس میں لے جایا گیا ہے۔''

میں نے گیٹ پر ایمبولینس رکوائی اور گیٹ کیپر کے پاس آیا۔ وہ مجھے ڈاکٹر اور اسپتال سے متعلق سمجھ کر مستعد ہو گیا۔ ''یس سر؟''

''کچھ دیر پہلے کوئی ایمبولینس یہاں سے نکلی ہے۔''

''یس سر ایک سفید پرائیویٹ ایمبولینس نکلی ہے۔'' گیٹ کیپر نے تصدیق کی۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ریکارڈ وقت کے مطابق ایمبولینس دو بج کر تیس منٹ پر نکلی تھی جب کہ ابھی پونے تین کا وقت تھا یعنی ایمبولینس کو نکلے ہوئے پندرہ منٹ ہو چکے تھے اور وہ یقیناً یہاں ہماری آمد سے پہلے جا چکی تھی۔ پندرہ منٹ کافی وقت تھا اور میں اگر جانتا بھی کہ وہ کہاں گئی ہے تب بھی اسے پکڑنا مشکل تھا۔ میں ایمبولینس کے ہمراہ باہر آیا تو بانو باڑھ کے پیچھے سے نکل آئی۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں پھر ایمبولینس سے اتر گیا۔ ڈرائیور کے سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ممکن نہیں تھی۔ اس لیے بانو کو ایک طرف لے جا کر بتایا تو وہ مضطرب ہو گئی۔

''اب کیا ہو گا ہمارا سارا پلان ہی راج کنور پر منحصر ہے۔''

میں نے خیال ظاہر کیا۔ ''شاید رامن اسے کنور پیلس کی طرف ہی لے گیا ہے۔''

''مجھے تو راج کنور خطرے میں نظر آ رہا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''بڑے کنور کو اسے اس طرح بلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔''

''اور مجھے لگ رہا ہے کہ رامن نے اس طرح مجھے چیلنج کیا ہے۔ اس نے راج کنور کو لے جا کر مجھ سے کہا ہے کہ میں اسے چھڑا لوں۔''

''تب آپ کیا کریں گے؟''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''میرے پاس اس چیلنج کو قبول کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''ہم کیا کریں گے؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور واپس ہاسپٹل کے گیٹ کیپر کے پاس آیا اور اس سے ایمبولینس کا رنگ اور سائز پوچھا۔ اس نے مجھے تفصیل سے بتایا۔ یہ سفید رنگ کی بڑے سائز کی ایمبولینس تھی۔ اس پر چاروں طرف اور اوپر بھی سرخ رنگ سے کراس کا نشان تھا۔ میں ایمبولینس تک آیا اور بانو سے کہا۔ ''ہم ایئر کلب جا رہے ہیں۔''

''راج کنور کے بغیر۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا اور ہم روانہ ہو گئے۔ ایمبولینس ڈرائیور کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ ہم بغیر کسی مریض کے جا رہے تھے اور اس کی ایمبولینس کو ٹیکسی کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ میں ادائیگی کر چکا تھا اس لیے اسے کہیں بھی لے جانے کے لیے آزاد تھا۔ میں نے اسے رفتار تیز رکھنے کو کہا اور سنکاری کو کال کی۔ ''ہم آدھے گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں تم پرواز کے لیے تیار رہو۔''

''میں تیار ملوں گا۔'' اس نے جواب دیا۔ بانو فکر مند تھی لیکن ڈرائیور کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ صورتِ حال کی اچانک تبدیلی نے ہم دونوں کو ہی پریشان کر دیا تھا۔ معاً مجھے خیال آیا کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو اس تبدیلی سے آگاہ نہیں کیا ہے وہ یقیناً میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں نے لیپ ٹاپ نکال کر اس میں یو ایس بی ڈیوائس لگائی اور آن کر کے دیکھا۔ اس جگہ سگنل آ رہے تھے میں نے ڈرائیور سے ایمبولینس سڑک کے کنارے روکنے کو کہا۔ وہ حیران ہوا تھا لیکن اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں ایمبولینس رکتے ہی نیچے اتر آیا۔

''تم چند منٹ انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں۔''

میں ایمبولینس سے اتنا دور چلا گیا کہ ڈرائیور میری آواز نہ سن سکے پھر میں نے وسیم کو کال کی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''یہ آپ ہیں؟'' اس نے نام لینے سے گریز کیا۔

''ہاں میں ہوں، ایک گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

''کیسی گڑبڑ؟''

''راج کنور غائب ہے اسے رامن اسپتال سے نکال کر لے گیا ہے۔ راج کنور کے بغیر ہم سرحد کراس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کر سکتے ہیں۔"

وسیم پریشان ہو گیا۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔ اب آپ کیا کریں گے؟"

"میں راج کنور کے پیچھے جا رہا ہوں۔"

"کیسے؟" اس نے پوچھا۔ "آپ کو پتا ہے وہ کہاں ہے؟"

"میں ایک چانس لے رہا ہوں۔ میں اسی ہیلی کاپٹر میں نکلوں گا اور کنور پیلس کی طرف جانے والی سڑک پر ایمبولینس تلاش کروں گا۔ اگر کامیاب رہا تو راج کنور کو واپس حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور اس میں بھی کامیاب رہا تو پلان مکمل کیا جا سکتا ہے۔"

"آپ فیصلہ کر چکے ہیں؟"

"ہاں تم لوگوں کو آگاہ کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کچھ دیر بعد دوبارہ رابطہ کروں۔" میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ واپس ایمبولینس کی طرف آیا بانو نے نیچے اترنے یا میرے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ "ہر ممکن تیزی سے چلو وقت کم ہے۔"

اس نے ایمبولینس آگے بڑھا دی عقب سے بانو نے پوچھا۔ "بات ہو گئی۔"

"ہاں میں نے بتا دیا ہے کچھ مسئلہ ہو گیا ہے دیر ہو جائے گی اس لیے پریشان نہ ہوں۔"

ڈرائیور یہی سمجھ رہا تھا کہ مریض کی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے اور لواحقین پریشان ہو رہے ہیں اگر اسے ذرا سے بھی بھنک لگ جاتی کہ یہ معاملہ کیا ہے تو وہ شاید ایمبولینس چھوڑ کر بھاگ نکلتا۔ تقریباً بیس منٹ بعد ہم ایئر کلب کے پاس تھے۔ ایمبولینس کی وجہ سے گیٹ پر موجود گارڈز نے بغیر تعرض کے جانے دیا ورنہ پہلے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں کس سے ملنے آیا ہوں۔ میں نے ایمبولینس کلب کی عمارت کے سامنے رکوائی لیکن پھر مجھے سنگاری نظر آ گیا وہ اپنے ہیلی کاپٹر کے پاس کھڑا تھا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا۔ "تم یہیں رک کر انتظار کرو گے۔"

"کب تک صاحب؟"

"جب تک ہم واپس نہیں آتے، تم ایمبولینس کو پارکنگ میں لے جاؤ۔"

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ میں بانو کے ساتھ سنگاری کی طرف بڑھا۔ وہ ہیلی کاپٹر میں ایندھن بھر وا رہا تھا اور یہ عمل آخری مراحل میں تھا۔ ایک چھوٹا ٹینکر فیولنگ کر رہا تھا۔ جیسے ہی ہیلی کاپٹر کا ٹینک فل ہوا۔ اس نے فیولنگ بند کر دی اور پھر ٹینکر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سنگاری نے مجھے اور بانو کو دیکھا۔ "بس تم دو ہے؟"

"ہاں ہم دونوں نے جانا ہے۔" میں نے کہا۔ "وقت کم ہے فوری روانگی اختیار کرنی ہے۔"

"تمہارا لک آج موسم بہت اچھا ہے۔" اس نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ یہ درمیانے سائز کا ہیلی کاپٹر تھا۔ اس میں آگے دو افراد اور پیچھے تین افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ بانو پیچھے چلی گئی اور میں فرنٹ سیٹ پر آ گیا۔ ہیلی کاپٹر کا اگلا حصہ تقریباً سارا ہی شیشے کا تھا اس سے نہ صرف سامنے بلکہ نیچے دیکھنے میں بھی آسانی رہتی۔ سنگاری نے ہمیں کانوں کو ڈھانپ لینے والے ہیڈ فون دیے۔ "یہ پہن لو ورنہ دماغ خراب ہو جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا ہم بات کر سکیں گے؟''

''ہاں اس سے آسانی رہے گی۔ اس میں ہیڈ فون اور مائیک دونوں ہیں۔'' اس نے بھی ہیڈ فون پہنتے ہوئے کہا اور پھر کنٹرول والوں سے پرواز کی اجازت لینے لگا۔ یہ کام کر کے اس نے ریڈیو بند کر دیا۔ پھر اس نے انجن آن کیا۔ پر گھومنے لگے اور ایک منٹ سے بھی پہلے وہ پوری رفتار پر آ گئے۔ کانوں پر ہیڈ فون کے باوجود شور کانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ ہم نے سیٹ بیلٹ باندھ لی۔ سنکاری نے فلائنگ اسٹک کھینچی اور ہیلی کاپٹر ایک ہلکے سے دھچکے سے اوپر اٹھ گیا۔ بلندی پر آنے کے بعد سنکاری نے اس کا رخ شمال کی طرف کر دیا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ میں اسے گائیڈ کرتا میں نے بلند آواز سے کہا۔

''ہیلی کاپٹر کو شمال کی طرف جانے والی ہائی وے کے اوپر رکھو۔''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تم نے ہمالیہ نہیں دیکھا ہے؟''

''دیکھا ہے لیکن ہم ہائی وے دیکھتے ہوئے جائیں گے۔''

سنکاری نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ ممکن نہیں ہے اس میں بہت وقت اور ایندھن لگے گا۔''

''لگنے دو، جیسا کہا ہے ویسا کرو۔''

''یہ فلائٹ پلان کے خلاف ہوگا۔'' اس نے احتجاج کیا۔

سنکاری وقت ضائع کر رہا تھا اس نے ہیلی کاپٹر بلند کر لیا تھا اور اب مجھے شملہ کے شہر کے ساتھ شمال کی طرف جانے والی ہائی وے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ ایمبولینس کو روانہ ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ ہونے والا تھا اور اس سڑک پر وہ تیس پینتیس کلومیٹرز سے زیادہ آگے نہیں جا سکی ہوگی۔ پیلس تک کا سفر کئی گھنٹے پر مشتمل تھا۔ اگر وہ سڑک پر تھی تو ہم اسے روک سکتے تھے لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ جلد از جلد اس تک پہنچ جائیں۔ ورنہ وقت ضائع ہوتا اور ہماری سرحد پار روانگی خطرے میں پڑ جاتی۔ جب کہ میں بہر صورت آج کے دن سرحد پار کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ یہ موقع دوبارہ مشکل سے ملتا۔ میں نے پستول نکال لیا اور سنکاری دم بخود رہ گیا۔ ''تم دباؤ کے ساتھ ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے پستول اس کی گردن سے لگا دیا اور ہاتھ بڑھا کر ریڈیو کا پاور بٹن آف کر دیا۔ ''جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا کرو۔''

''ہم کو مارنا مت ہم ویسا ہی کرے گا۔'' وہ گھگیایا۔ ''نو رگاڈ ہم کو مت مارنا۔''

''گاڈ کے لیے نہیں ماروں گا اپنی جان بچانے کے لیے ماروں گا اس لیے شرافت سے رہو اور زندہ رہو۔''

''بائی گاڈ ہم شریف رہے گا۔ زندہ رہے گا۔'' اس نے کہا اور فوری طور پر ہیلی کاپٹر کو شمال کی طرف جانے والی شاہراہ کے اوپر لانے لگا۔

''اس شاہراہ پر اس طرح چلو کہ اس کا کوئی حصہ نظر سے اوجھل نہ رہے۔''

وہ ہچکچایا پھر اس نے پوچھا۔ ''تم کو کسی کا تلاش ہے؟''

''ایک بڑی سفید ایمبولینس کا..... اس پر سرخ رنگ سے کراس بنے ہیں۔''

''ایمبولینس میں کون ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری محبوبہ۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کا باپ شادی کے لیے تیار نہیں تھا اور اس کی ٹانگیں توڑ کر اسے اسپتال میں لٹا دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اسے اسپتال سے لے کر بھاگ جاؤں مگر میرے رقیب نے محبوبہ کے باپ کی آشیر واد سے اس منصوبے پر پہلے عمل کر لیا۔''

کیونکہ انڈیا میں فلموں کا رواج ہے اور معاشرہ ان سے متاثر ہے اور اتفاق سے ان فلموں میں کہانیاں بھی اسی قسم کی ہوتی ہیں اس لیے سنکاری نے اس کہانی پر یقین کر لیا اور فکر مند ہو کر بولا۔ ''تمہارا رقیب بھی وہیں والا ہوگا۔''

''بالکل ہوگا۔ وہ میرا اہم پلہ ہے۔''

''تب تم اپنی لوز کو واپس لے گا تو وہ بلٹ چلائے گا؟''

''اس کا امکان ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔

''تب ہم مارا جائے گا۔''

''تم فکر مت کرو تم کو کچھ نہیں ہوگا۔''

''بابا جب بلٹ چلتا ہے تو کسی کو نہیں دیکھتا۔''

''پر بلٹ چلانے والا دیکھتا ہے اور میرا رقیب رقابت میں اندھا ہے لیکن آنکھ سے اندھا نہیں ہے۔ تم میں اور مجھ میں بہت فرق ہے اس لیے فکر نہ کرو وہ دیکھ کر بلٹ چلائے گا۔''

سنکاری کی حالت خراب تھی۔ مگر وہ مجبور تھا۔ یہاں بھی اس کے سر کے ساتھ پستول لگا ہوا تھا اور اس میں بھی بلٹ تھا۔ چند منٹ میں ہم شملہ سے آگے نکل گئے تھے اور اب ہیلی کاپٹر ہائی وے کے ساتھ ساتھ پہاڑوں میں گھوم رہا تھا۔ میری نظر ہائی وے پر آتی جاتی گاڑیوں پر مرکوز تھی۔ میں نے سنکاری سے پوچھا۔ ''ہیلی کاپٹر میں کمیونیکیشن کا کوئی اور سسٹم بھی ہے؟''

''نہیں ریڈیو ہوتا ہے اوایک ٹرانسپونڈر ہوتا ہے جو چوپر کا بتاتا ہے۔''

''اسے بھی بند کر دو۔'' میں نے حکم دیا تو اس نے ڈیش بورڈ پر لگا ہوا ایک سوئچ آف کر دیا۔ مجھے طیاروں اور ہیلی کاپٹر میں استعمال ہونے والے آلات کا اتنا علم نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی مواصلاتی آلہ کام کر رہا ہوتا اور مجھے اس کا علم نہ ہوتا۔ بہر حال بہت کچھ انسان کو تقدیر پر بھی چھوڑ دینا ہوتا ہے۔ اپنے طور پر میں پوری طرح چوکس تھا۔ بانو نے سیٹ بیلٹ باندھ لی تھی کیونکہ اس کی سیٹ سیدھی تھی اور اس میں پھسلنے کا خطرہ تھا۔ ہم شملہ سے کوئی دس بارہ کلومیٹرز آگے نکل آئے تھے۔ سڑک کے لحاظ سے یہ فاصلہ کوئی بیس بائیس کلومیٹرز تھا۔ اب تک ایمبولینس نظر نہیں آئی تھی لیکن اب اس کے نظر آنے کا امکان بڑھ گیا تھا۔ اس لیے میں سنبھل کر بیٹھ گیا اور سنکاری سے کہا۔ ''اب ہیلی کاپٹر کو ذرا آہستہ کر لو۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت وہ تقریباً سو کلومیٹرز فی گھنٹے کی رفتار سے پرواز کر رہا تھا۔ سنکاری نے اسے مزید آہستہ کر لیا۔ اب وہ تقریباً ٹہل رہا تھا۔ بانو نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''اگر ایمبولینس مل گئی تو کیا کرنا ہے؟''

''اسے روکنا ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''یہ کام میں کروں گا۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں تم ہیلی کاپٹر میں رکو گی۔'' میں نے انکار کیا تو وہ سمجھ گئی کہ میں اسے سنکاری کے سر پر چھوڑ کر جانا چاہتا تھا۔

''جیسے آپ کی مرضی لیکن آپ اکیلے.....''

''فکر مت کرو اس سے پہلے بھی بہت سے معرکے اکیلے ہی سر کیے ہیں۔'' میں نے کہا۔ میرے پاس چار عدد پستول تھے۔ ایک سائلنسر والا تھا اور ان سب کے کئی فاضل میگزین بھی تھے اس لیے اسلحے کے لحاظ سے پوزیشن تسلی بخش تھی۔ مگر دوسری طرف رامن اینڈ کمپنی دانتوں تک مسلح ہوتی اور ان کے پاس خودکار ہتھیاروں کی موجودگی بھی عین ممکن تھی۔ وہ تعداد میں بھی زیادہ ہوتے۔ اس کے باوجود مجھے ان کو روکنا تھا اور راج کنور کو واپس حاصل کرنا تھا۔ میں سوچ میں تھا اور بہ ظاہر نیچے دیکھ رہا تھا مگر نگاہیں فوکس نہیں تھیں اس لیے ایمبولینس سنکاری نے دیکھی اس نے کہا۔

''وہ دیکھو..... نیچے.....''

سڑک پر ایک بڑی سفید ایمبولینس جا رہی تھی، اس کی چھت پر فلیش پٹی لگی تھی۔ حلیے سے وہی ایمبولینس لگ رہی تھی میں نے سنکاری سے کہا۔ ''ہیلی کاپٹر اس کے قریب لاؤ۔''

وہ ہیلی کاپٹر کو نیچے لانے لگا۔ تقریباً دو سو فٹ کی بلندی سے ایمبولینس کے اطراف میں لگے سرخ رنگ کے کراس بھی دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ وہی ایمبولینس تھی۔ اس کے آس پاس کوئی دوسری گاڑی نہیں تھی اس کا مطلب تھا کہ سب ایمبولینس میں تھے۔ اس سے مجھے امید ہوئی کہ شاید رامن ایمبولینس کے ساتھ نہیں تھا مگر یہ بات یقینی تھی کہ اس کا کوئی نہ کوئی گرگا یا گرگے ایمبولینس میں موجود ہوں گے۔ اب سوال یہ تھا کہ اسے روکا کیسے جائے۔ فضا سے روکنا تو ناممکن تھا۔ الٹا ہمیں لینے کے دینے پڑ سکتے تھے کیونکہ اگر نیچے سے کیا جانے والا فائر ہیلی کاپٹر کے کسی نازک مقام پر لگ جاتا تو یہاں کریش لینڈنگ کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ مجھے جو کرنا تھا کہیں اتر کر کرنا تھا۔ ایک منٹ بعد میں نے سنکاری سے دوبارہ ہیلی کاپٹر اوپر کرنے کو کہا۔ اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ ''واپس جانے کا ہے؟''

''آگے چلو اور جب ایمبولینس سے دو تین کلومیٹرز آگے نکل جاؤ تو ہیلی کاپٹر نیچے لے آنا۔''

سنکاری کا منہ لٹک گیا تھا لیکن اس نے حکم کی تعمیل کی۔ بانو نے پوچھا۔ ''اگر آپ نے اترنے کا ارادہ کیا تو اس جگہ ہیلی کاپٹر کیسے اترے گا؟''

سنکاری نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ ''سوڈ بنجرس..... چوپر ادھر نہیں اتر سکتا۔''

''ہونے کو سب ہو سکتا ہے۔'' میں نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب ہیلی کاپٹر نیچے لے آؤ۔ سڑک سے سو فٹ اوپر رکھنا۔''

''یہ بھی ڈینجرس ہے۔'' میں نے کہا تو وہ بادلِ ناخواستہ ہیلی کاپٹر نیچے لے آیا۔ سڑک سے صرف سو فٹ کی بلندی پر یہ ہمالیہ پہاڑوں کے درمیان اڑ رہا تھا۔ اس نے میرے کہنے پر رفتار سست کر لی تھی۔ میری نظریں سڑک کے ساتھ کسی موزوں جگہ کی تلاش میں تھیں۔ میں وقفے وقفے سے سنکاری سے پوچھ رہا تھا کہ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس جگہ سے کتنی دور نکل آئے تھے جہاں ایمبولینس دیکھی تھی۔ وہ فاصلہ بتا رہا تھا۔ تقریباً سات آٹھ کلومیٹرز آگے نکلنے کے بعد مجھے ایک جگہ موزوں لگی۔ میں نے سنکاری سے ہیلی کاپٹر اس کے پاس لانے کو کہا۔ وہ چوپر سڑک سے صرف بیس پچیس فٹ کی بلندی پر لے آیا اور مجھے مطلع کیا۔

''اس سے نیچے نہیں آسکتا ہے۔''

یہاں درخت نہیں تھے مگر ایک طرف ڈھلان تھی اگر ہیلی کاپٹر زیادہ نیچے آتا تو اس کے پنکھے ڈھلان سے ٹکرا سکتے تھے۔ میں نے سڑک کے دوسری طرف ڈھلان والی اس جگہ کو غور سے دیکھا اور یہ مجھے اپنے کام کی لگی تھی۔ میں نے سنکاری سے کہا۔ ''آگے چلو اور کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں ہیلی کاپٹر اتارا جا سکے لیکن اس جگہ سے زیادہ دور نہ ہو۔''

''اس جگہ۔'' وہ کراہا۔ ''ادھر اڑانا مشکل ہے تم اتارنے کو بولتا ہے۔''

روندنے کے باوجود اس نے ہیلی کاپٹر آگے بڑھا دیا تھا اب وہ سڑک کے دوسری طرف نیچے کی ڈھلان کی طرف اڑ رہا تھا اور کوئی ایسی جگہ تلاش کر رہا تھا جہاں ہیلی کاپٹر اتارا جا سکے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے کام میں ماہر تھا۔ مناسب جگہ کوئی نصف کلومیٹر کے بعد ملی۔ یہاں سڑک چوڑی تھی اور پہاڑ والی طرف بھی زمین ہموار تھی۔ کسی قدر کوشش سے ہیلی کاپٹر اتارا جا سکتا تھا۔ سنکاری نے مجھے آگاہ کیا اور ہیلی کاپٹر نیچے لانے لگا۔ وہ بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر ایسی مشین ہے جو تیز رفتاری میں توازن رکھتی ہے لیکن جب یہ ہوا میں معلق ہو تو بے توازن ہو کر ڈولنے لگتی ہے۔ اس وقت بھی ہیلی کاپٹر ڈول رہا تھا۔ اس کے اسکیز سڑک کے پاس ہوتے جا رہے تھے۔ اچانک بانو چیخ اٹھی۔ ''ٹرک.....''

سنکاری نے عجلت میں بے اختیار ہیلی کاپٹر اوپر کیا اور مخالف سمت سے آتا ٹرک پریشر ہارن بجاتا نیچے سے گزر گیا۔ میری اور سنکاری دونوں کی نظر سڑک پر مرکوز تھی اور خوش قسمتی سے بانو نے آتے ٹرک کو دیکھ لیا۔ اس کے ڈرائیور نے بھی بالکل قریب آ کر ہیلی کاپٹر دیکھا تھا۔ سنکاری نے دہشت زدہ ہو کر چیخ ماری۔ ''ڈیم اٹ..... ابھی ہم سب مرتا..... بائی گاڈ سب مرتا..... تم سب کو مروا تا۔''

''مرا نہیں ہے۔'' میں نے اسے ڈانٹا۔ ''مرد بنو..... فلائنگ کرتے ہو اتنا سا دل ہے تمہارا؟''

''ہم بال بچے والے ہیں۔''

بانو بولی۔ ''مجھے تو لگ رہا ہے ٹرک چھوتا ہوا گیا ہے۔''

''بہت ڈینجرس جگہ ہے۔'' سنکاری لرزتی آواز میں بولا۔ ''ادھر اترا تو مارا جائے گا۔''

''ابھی تو تم اترو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ویسے وہ صحیح کہہ رہا تھا اوپر سے سڑک ڈھلان پر گھومتی ہوئی آ رہی تھی۔ یہ پہاڑی کا ایک ڈسک نما حصہ تھا جس پر سڑک گھومتی تھی اسی وجہ سے پہاڑ یہاں کسی قدر ہموار تھا مگر سڑک پر آنے والی گاڑی مشکل سے پچاس گز پہلے سڑک پر موجود کسی چیز کو دیکھ سکتی تھی اور بیس کلومیٹرز فی گھنٹے کی رفتار سے یہ فاصلہ صرف چند سیکنڈ میں طے ہو جاتا۔ اگر ڈرائیور کا دھیان ذرا بھی بٹا ہوتا تو آنے والی گاڑی ہیلی کاپٹر سے ٹکرا سکتی تھی۔ مگر اس کا حل تھا۔ سنکاری نے چوپر نیچے اتار لیا اور میرے کہنے پر اس کا انجن بند کر دیا۔ فوراً ہی اس کا عذاب ناک شور مدہم پڑ گیا اور ایک منٹ بعد اس کے پنکھے رک گئے تھے۔ میرے اشارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر بانو اور سنکاری نیچے اتر آئے۔ بانو نے اپنا پستول نکال کر اس کا معائنہ کیا اور واپس رکھ لیا۔ یہ اشارہ تھا سنکاری کے لیے کہ اسے اکیلا نہ سمجھے۔ ویسے وہ خالی ہاتھ سے بھی سنکاری کو آسانی سے قابو کر سکتی تھی۔ میں نے سنکاری سے کہا۔ ''تم اس کے ساتھ دوسری طرف جاؤ اور سڑک پر پتھر رکھ کر اسے بند کر دو اس طرح امکان نہیں رہے گا کہ کوئی گاڑی بے خبری میں تمہارے ہیلی کاپٹر سے ٹکرا جائے۔''

''آپ جائیں ہم یہ کام کر لیں گے۔'' بانو بولی۔

میں نے سنکاری کو خبردار کیا۔ ''کوئی چالاکی مت کرنا ورنہ میری ساتھی تمہیں بے دریغ شوٹ کر دے گی۔ اگر یہاں سے تم فرار ہو بھی گئے تو ہم تمہارے گھر بھی آ سکتے ہیں تم چھپ نہیں سکو گے۔''

''ہم کیا کر سکتا ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری اور بانو کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میں واپس شملہ کی طرف روانہ ہوا۔ چند لمحے بعد میں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ کیونکہ جو جگہ میں منتخب کی تھی وہاں تک ایمبولینس پندرہ بیس منٹ میں پہنچ سکتی تھی اور اس میں سے دس بارہ منٹ گزر چکے تھے مجھے جگہ کا معائنہ کرنا تھا اور پھر لائحہ عمل طے کرنا تھا۔ ایک خیال تو ذہن میں تھا لیکن اس پر عمل کا حتمی فیصلہ میں اس جگہ کو دیکھ کر ہی کر سکتا تھا جو اوپر سے دیکھی تھی۔ اوپر سے دیکھنے اور زمین سے دیکھنے میں خاصا فرق ہو سکتا تھا۔ چند منٹ بعد میں اس مقام پر تھا اور ابھی تک دور پہاڑوں میں بل کھاتی سڑک پر سفید ایمبولینس نمودار نہیں ہوئی تھی۔ میں نے سڑک کے کنارے اتر کر اس جگہ کو دیکھا۔ یہاں ڈھلان پر تقریباً چالیس درجے کے زاویے سے ہموار جگہ تھی اور کوئی دس گز نیچے پاس پاس بڑے تنوں والے مضبوط درخت لگے تھے۔

میں نے ان کا معائنہ کیا۔ اگر ایمبولینس اس ڈھلان پر اتر جاتی تو یہ درخت اسے مزید نیچے گرنے سے روک سکتے تھے۔ مگر اس کا بھی امکان تھا کہ وزنی اور بہت قوت سے آنے والی ایمبولینس ان درختوں کو بھی گراتی نیچے کھائی کی طرف نکل جاتی۔ ذرا آگے ڈھلان یک دم بہت زیادہ ہو گئی تھی اور اس صورت میں ایمبولینس تقریباً دو سو فٹ نیچے گرتی اور کسی کے بچنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ واپس اوپر آیا تو ایمبولینس نمودار ہو چکی تھی اور وہ ابھی تقریباً ایک کلومیٹر دور تھی لیکن وہ جس رفتار سے آ رہی تھی اسے یہاں تک آنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگتے۔ میں نے ایک مناسب جگہ دیکھی۔ اور پھر سڑک کے ساتھ ڈھلان پر اس چھوٹے سے پتھر کے ساتھ دبک گیا جو مجھے پوری طرح چھپا تو نہیں سکتا تھا لیکن یہ کسی جوابی حملے سے کسی قدر تحفظ دے سکتا تھا۔

اس پتھر کے پیچھے پوری ڈھلان تھی۔ اس کے فوراً بعد وہ ڈھلان تھی جو میں نے منتخب کی تھی۔ اگر میرا پلان مکمل ہوتا اور سب ٹھیک رہتا تو ایمبولینس اس ڈھلان پر اتر کر معمولی حادثے کا شکار ہوتی۔ اس میں موجود افراد زخمی ہو سکتے تھے لیکن کسی کے مرنے کا امکان نہیں تھا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔ ایمبولینس بڑے حادثے کا شکار ہو کر نیچے گر جاتی یا پھر حادثے سے بچ جاتی تو دونوں صورتوں میں میرا منصوبہ تقریباً ناکام ہو جاتا۔ راج کنور ہاتھ نہ آتا، یا آتا تو کسی قابل نہ ہوتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ مجھے لینے کے دینے پڑ جاتے اور خود میرا یہاں سے صحیح سلامت نکلنا ممکن نہ رہتا۔ یہ تمام امکانات میرے ذہن میں تھے۔ میں نے دو پستول نکال لیے تھے۔ سائلنسر والا چھوڑ دیا تھا اور چوتھا بانو کے پاس تھا۔ سائلنسر والا زیادہ کارآمد لیکن طاقت کے لحاظ سے کم تھا۔ اس وقت مسئلہ راز داری کا نہیں بلکہ دشمن کو کچل دینے کا تھا کہ وہ ذرا بھی مزاحمت کے قابل نہ رہے۔ میرے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت اور قوت دونوں کم تھیں۔

ایمبولینس اب اس موڑ تک آچکی تھی جہاں سے وہ مستقل میری نظر میں رہتی۔ یہاں سڑک کوئی ڈیڑھ سو گز تک سیدھی تھی اور پتھر کے پاس سے یہ تقریباً یوٹرن لے رہی تھی۔ یہاں بیس کلومیٹر زفی گھنٹا کی رفتار بھی زیادہ تھی۔ میرے حساب سے ڈرائیور کو دس سے اوپر نہیں جانا چاہیے تھا۔ مگر ایمبولینس خاصی رفتار سے آرہی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر دو افراد تھے۔ دور سے ان کی صورتیں واضح نہیں تھیں پھر سورج ان کے عقب میں چلا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں مستعد اور تیار تھا۔ ایمبولینس کوئی تیس گز دور تھی کہ میں پتھر کی آڑ سے نکل آیا۔ میرے دونوں ہاتھ سیدھے تھے اور میرا نشانہ ایمبولینس کا اگلا بایاں ٹائر تھا۔ میں نے فائرنگ شروع کی۔ میری انگلیاں مشینی انداز میں چل رہی تھیں۔ تیسری یا چوتھی گولی پر ٹائر دھماکے سے پھٹا اور ایمبولینس لہرائی۔ اس کا رخ ڈھلان کی طرف ہوگیا۔ اسی وقت ڈرائیور اسٹیرنگ گھما رہا تھا مگر ٹائر کے برسٹ ہونے سے وہ ناکام رہا اور تب میں نے دیکھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر رامن تھا۔ دوسرا آدمی اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ جوابی کارروائی کر سکتے۔

ایمبولینس کا رخ میری طرف ہوا تھا۔ میں نے ذرا پیچھے ہوتے ہوئے اس بار پچھلے بائیں ٹائر کو نشانہ بنایا۔ ایمبولینس بری طرح لڑکھڑا رہی تھی اور رامن یقیناً اسٹیرنگ سے کشتی لڑ رہا تھا کہ گاڑی کو کھائی میں جانے سے روکے۔ اس کی یہ کوشش میں نے دوسرا ٹائر برسٹ کر کے ناکام بنا دی۔ جیسے ہی ٹائر پھٹا میں نے پیچھے کی طرف چھلانگ لگائی اور ایمبولینس تقریباً مجھے چھوتی گزر گئی۔ ایمبولینس زندگی کی علامت ہے۔ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا انسانوں کو حیات کی طرف لے جاتی ہے لیکن اس دن اگر ایمبولینس مجھ سے ٹکرا جاتی تو یہ قاتل بن جاتی۔ میں ڈھلان پر گرا اور لڑھکتا ہوا نیچے جانے لگا۔ میں نے پستول وہیں چھوڑ دیئے تھے اور ہاتھ مارتے ہوئے خود کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈھلان زیادہ تھی اور میں زور سے نیچے آیا تھا۔ پھر ایک پودے نے سہارا دیا میں نے اسے پکڑا اور مگر فوراً ہی وہ جڑ سے اکھڑ گیا۔

البتہ اس ذرا سے سہارے نے میری رفتار کم کی اور میں قلابازی کھا کر پیٹ کے بل ڈھلان پر گرا اور چھپکلی کی طرح اس سے چمٹ گیا۔ مگر چھپکلی لمبی اور ہلکی ہوتی ہے۔ میں انسان ہوں اور وزنی ہوں اس لیے سیدھا گرنے کے باوجود مومینٹم زیادہ تھا۔ کشش ثقل مجھے کھینچ رہی تھی اور حرکت کرتا جسم سر سے اٹھ کر دوبارہ گرنے کے لیے زور لگا رہا تھا۔ اگر ایک بار میں اور قلابازی کھا جاتا تو اس کے بعد اس ڈھلان پر رکنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے آخری کوشش کی اور پورا جسم سخت کر لیا۔ خاص طور سے گھٹنے سیدھے کر لیے اور پیروں پر زور ڈالا۔ میں دباؤ کو اتنا کم کر چکا تھا کہ دوبارہ منہ کے بل ڈھلان پر گرا۔ منہ بچانے کا وقت نہیں تھا اگر ہاتھ آگے کرتا تو اس کا جھٹکا مجھے دوبارہ پیچھے لے جاتا اس لیے میں نے خود کو سینے کے بل گرنے دیا اور ہاتھ پیچھے کر لیے۔ جھٹکے سے منہ زمین سے ٹکرایا۔ خوش قسمتی سے یہاں پتھر نہیں تھا بلکہ مٹی تھی اس کے باوجود خاصی چوٹ آئی تھی۔ بہرحال اس وقت جان پر بنی تھی اس لیے چوٹ کی پروا کسے تھی۔ زمین پر گر کر اس سے چمٹ گیا۔

میں جتنے آسان انداز میں بیان کر رہا ہوں یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ اگر میں جسمانی طور پر مضبوط اور فٹ نہ ہوتا تو یہ سب نہیں ہو سکتا تھا۔ گرنے کی قوت اور کششِ ثقل مجھے نیچے کھینچ لیتی۔ چند لمحے میں پڑا ہانپتا رہا۔ پھر تیزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اٹھا۔ جب تک میں خود کو گرنے سے بچانے کی جدوجہد کر رہا تھا میں اردگرد سے مکمل غافل ہو گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ایمبولینس کے ساتھ کیا ہوا اور وہ کہاں گئی۔ میں اتنا غافل تھا کہ میں نے کوئی آواز بھی نہیں سنی۔ اوپر آتے ہوئے میں نے اپنے دونوں پستول اٹھائے۔ لڑھکنے کے دوران میں مجھے چوٹیں آئی تھیں لیکن فی الحال ان کی طرف توجہ دینے کا وقت نہیں تھا۔ ایمبولینس سڑک پر نہیں تھی میں ڈھلان کی طرف بھاگا اور جب میں نے نیچے دیکھا تو ایمبولینس دو درختوں سے اسی طرح ٹکی نظر آئی جیسے میں نے سوچا تھا۔ ایمبولینس ساکت تھی اور اس کا انجن بھی بند تھا۔ مزید کوئی سرگرمی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

میں نے پستول سامنے کیے اور محتاط انداز میں ایمبولینس کی طرف آیا۔ اچانک اس کا فرنٹ سیٹ والا دروازہ کھلا اور ایک آدمی نیچے گرا۔ میں نے بے ساختہ فائر کیا۔ اسے گولی لگی مگر وہ پہلے ہی مر چکا تھا کیونکہ اس کی گردن غیر معمولی حد تک پیچھے مڑی ہوئی تھی۔ یہ رامن کا دوسرا ساتھی تھا۔ میں آگے آیا۔ جیسے جیسے میں آگے آ رہا تھا ڈرائیونگ کمپارٹ نمایاں ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے جھٹکا لگا کہ رامن ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں تھا۔ ایمبولینس اس کی طرف سے درخت کے تنے سے ٹکرائی تھی۔ ونڈ اسکرین ٹوٹ گئی تھی لیکن کوئی اس سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ خطرے کے احساس نے مجھے چوکنا کر دیا اور میں تیزی سے ایمبولینس کے عقبی حصے میں آیا۔ میں نے ایک طرف ہوتے ہوئے اس کا دو پٹ والا دروازہ کھولا تھا کہ رامن کی منحوس آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ''شہباز کوئی حماقت مت کرنا ورنہ میں راج کو مار دوں گا۔''

میں نے احتیاط سے ایک لمحے کے لیے اندر جھانکا تو رامن راج کنور کو جکڑے دکھائی دیا۔ اس نے راج کنور کی گردن کو نیک لاک لگایا ہوا تھا اور وہ ایک سیکنڈ میں اس کی گردن توڑ سکتا تھا۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن یہ اس کی مکاری بھی ہو سکتی تھی وہ اس طرح خود کو نہتا شو کر کے مجھے سامنے آنے پر اکسا رہا تھا اور میں سامنے آتا تو اچانک مجھے شوٹ کر دیتا۔ اس لیے میں آڑ میں رہا۔ رامن کا چہرہ لہولہان تھا یقیناً اس حادثے میں اسے خاصے زخم آئے تھے مگر ان میں سے ایسا کوئی زخم نہیں تھا جو اسے ناکارہ کر دیتا۔ راج کنور بہ ظاہر ٹھیک لگ رہا تھا لیکن رامن کی گرفت کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے آس پاس کا جائزہ لیا اور ایمبولینس کے نیچے بھی جھانک لیا کہ کہیں رامن کا مزید کوئی ساتھی نہ ہو۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

اگر رامن حادثے میں نہتا ہو گیا تھا تو اس نے حاضر دماغی سے کام لے کر اپنے بچاؤ کا فوری بندوبست کر لیا تھا یعنی راج کنور کو یرغمال بنا لیا۔ اسے اندازہ تھا کہ میں اس کے پیچھے آیا ہوں اگر میں نے رامن کو نہتا پا لیا تو اس بار اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا اور فوراً ٹھکانہ کر دوں گا۔ درحقیقت میں نے سوچا بھی یہی تھا مگر رامن راج کنور پر قابو پا کر عارضی طور پر محفوظ ہو گیا تھا۔ میں تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میری جنگ رامن کے ساتھ ساتھ وقت سے تھی اور مجھے جلد از جلد راج کنور کو حاصل کر کے واپس جانا تھا۔ میں نے جواب دیا۔ ''تم بھی کوئی حماقت مت کرنا۔ ورنہ اس بار تم خود کو ہر رعایت سے محروم کر لو گے۔ راج کنور کو چھوڑ دو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔''

''میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر تم نے چھڑانے کی کوشش کی تو یہ مر کر چھوٹے گا۔''

''میرا خیال ہے تم کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہو کہ میں راج کنور کا ہمدرد بن گیا ہوں اور ہر قیمت پر اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جان بچانا چاہتا ہوں۔ اگر تم ایسا سوچ رہے ہو تو بہت بڑی غلطی پر ہو۔ میں راج کنور کا دشمن ہوں اور رہوں گا۔ اگر مجھے موقع ملے گا تو میں اسے ضرور مار دوں گا لیکن فی الحال مجھے اس کی ضرورت ہے۔"

وہ تشویش کا شکار ہو گیا۔ "تمہیں اس کی ضرورت کیوں ہے؟"

"تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے لہجہ بدل کر کہا۔ "رامن، میرے پاس وقت نہیں ہے، مجھے کچھ ہی دیر میں یہاں سے نکل جانا ہے۔ میں یا تو راج کنور کو لے کر جاؤں گا یا پھر تم دونوں کو ختم کر دوں گا۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اور تمہارے پاس صرف دو منٹ ہیں۔"

"اس کے بعد تم توپ چلا دو گے۔" رامن نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "اگر تم مجھے گولی مارو گے تو وہ راج کو لگے گی۔"

"نہیں میں تم پر یا راج پر نہیں ایمبولینس کے پیٹرول ٹینک پر گولی چلاؤں گا اور تم دونوں اندر ہی روسٹ ہو جاؤ گے۔ ایک طرف کھائی اور دوسری طرف میں ہوں جس طرف بھی گئے موت استقبال کرے گی۔ اب ڈیڑھ منٹ رہ گیا ہے۔"

میری بات پر رامن کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ حادثے میں پیٹرول ٹینک کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ "ایک منٹ رہ گیا ہے، ویسے جب تم آرام سے راج کنور کو اسپتال سے لے جا سکتے تھے تو اس طرح لانے کی کیا تک تھی؟"

"اس حرامی نے ہاسپٹل ایڈمنسٹریشن سے مدد مانگ لی تھی کہ اس کی مرضی کے بغیر اسے ڈسچارج نہ کیا جائے چاہے کوئی بھی کہے۔ معاملہ سرکار تک چلا گیا تھا۔ اس سے پہلے یہ ہاتھ سے نکل جاتا میں اسے اغوا کر کے نکال لایا۔"

میں راج کنور کی چالاکی پر حیران ہوا تھا۔ اس نے مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کہ وہ انتظامیہ سے مدد مانگ چکا ہے۔ تو یہ وجہ تھی کہ رامن نے راست اقدام کیا۔ "اس پر تمہارے خلاف اغوا کا کیس نہیں بنے گا۔ ڈاکٹر امرتسر سنگھ گواہ ہے۔"

رامن نے سردار جی کو ایک ناقابلِ بیان گالی دی۔ "وہ..... کس منہ سے پولیس کو بیان دے گا۔ اس نے لاکھ روپے لے کر میری مدد کی ہے۔"

میں نے سر سہلایا۔ گھامڑ نظر آنے والا سکھ تو بہت ہوشیار نکلا دو مخالف پارٹیوں سے پیسے وصول کر لیے۔ اس کے پاس سے صرف دس ہزار برآمد ہوئے تھے یعنی باقی رقم اس نے کہیں چھپا دی تھی۔ وقت پورا ہو گیا تھا۔ میں نے رامن کو مطلع کیا اور کہا۔ "مجھے جواب چاہیے ہاں یا نہ؟"

"میں راج کنور کو نہیں چھوڑ سکتا دوسری صورت میں تم مجھے نہیں چھوڑو گے۔"

"وہ تو میں تمہیں پہلی صورت میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے واضح کیا۔ "میرا خیال ہے تم نے جواب دے دیا ہے۔ بہر حال میں پھر بھی تین تک گن کر گولی چلاؤں گا۔ ایک..... دو..... تین....."

"رک جاؤ۔" رامن چلایا۔ پہلی بار اس کے لہجے میں خوف کی جھلک دکھائی دی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ میں سچ مچ گولی چلا دوں گا۔ "کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''کوئی ضمانت نہیں ہے تمہیں میرے کہے پر بھروسا کرنا ہوگا۔''

''اگر میں راج کنور کو چھوڑ دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے۔ مجھے شوٹ نہیں کرو گے؟''

میں نے سوچ کر جواب دیا۔ ''میں تمہیں ایک چانس دوں گا۔ تم اس ڈھلان سے اتر جاؤ میں وعدہ کرتا ہوں تیس سیکنڈ تک تم پر کوئی فائر نہیں کروں گا۔ بے شک تم سامنے بھی ہو اس کے بعد میں تمہیں شوٹ کر دوں گا تمہیں منظور ہے؟''

''تیس سیکنڈ کم ہیں؟''

''یہ وقت ایمبولینس سے باہر آنے پر شروع ہوگا۔'' میں نے کہا اسی لمحے مجھے بانو اور سنکاری اپنی طرف آتے دکھائی دیئے میں نے اشارے سے بانو کو وہیں رکنے کو کہا۔ وہ رک گئی۔ ''بولو کیا کہتے ہو؟''

''مجھے منظور ہے۔'' رامن نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

''تب راج کو چھوڑ کر ایمبولینس سے باہر نکل جاؤ۔ تمہارے باہر آتے ہی میں بلند آواز سے گننا شروع کروں گا۔ تیس تک تم جتنی دور جا سکتے ہو چلے جانا۔''

''تم میرے پیچھے آؤ گے؟''

''نہیں میں ڈھلان پر قدم نہیں رکھوں گا میں نے کہا نا میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''مجھے صرف ایک بات کا جواب دے دو تو میں تمہاری بات مان لوں گا کہ تمہارے پاس وقت کم ہے۔''

''کس بات کا جواب؟''

''ہمارے اوپر اڑنے والے ہیلی کاپٹر میں تم تھے؟''

میں رامن کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔ اس نے بہت عجلت میں درست نتیجہ نکالا تھا۔ ''اگر میں مان لوں تو اس سے میری بات کی تصدیق کیسے ہوگی؟''

''اس کا مطلب ہے تم راج کنور کو لے کر سرحد پار جانا چاہتے ہو۔ صرف راج کنور جانتا ہے کہ سرحدی حکام سے کیسے ڈیل کرنا ہے۔''

میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ رامن کچھ زیادہ ہی ذہین ثابت ہو رہا تھا بلکہ چند لمحے بعد مجھے پتا چلا کہ اس کے سر میں شیطان کا دماغ فٹ تھا، جب اچانک راج کنور کے چلانے کی آواز آئی۔ ''بچاؤ اس نے آگ لگا دی ہے۔''

مجھے ایک جھلک دکھائی دی تھی۔ رامن ٹوٹی ونڈ اسکرین سے نکلا تھا۔ میں اس کی طرف لپکا لیکن وہ فوراً ہی ڈھلان پر غائب ہو گیا۔ جب میں کنارے پہنچا تو وہ قلابازیاں کھاتا دکھائی دیا تھا اور چند لمحوں میں کوئی بیس گز نیچے جا چکا تھا میں نے اس پر لگاتار فائر کیے مگر کوئی گولی نشانے پر نہیں بیٹھی اور وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ جس رفتار سے نیچے جا رہا تھا اس کے بچنے یا کم سے کم صحیح سلامت رہنے کے امکانات بہت کم نظر آ رہے تھے۔ میں واپس آیا کیونکہ راج کنور دہشت سے مسلسل چلا رہا تھا۔ وہ جس اسٹریچر پر لیٹا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی فرش پر شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اور یہ پھیل رہے تھے۔ مکار رامن نے کسی آگ پکڑنے والے محلول کی بوتل توڑ کر اسے آگ دکھا دی تھی۔ اگر راج کنور کو فوری نہ نکالا جاتا تو شعلے اسے لپیٹ میں لے لیتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راج کنور اسٹریچر پر نیم دراز تھا اور رامن نے اس کے پیچھے بیٹھ کر اسے قابو کیا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگیں اور سینہ بھی بیلٹوں سے بندھا ہوا تھا اسی وجہ سے وہ حادثے کے باوجود اپنی جگہ موجود رہا تھا۔ اگر وہ بندھا نہ ہوتا تو اسے مزید زخم لگ سکتے تھے اور وہ وفات بھی پا سکتا تھا۔ میں نے اسٹریچر کھینچا مگر وہ کسی میکنزم سے فٹ تھا۔ میں نے جھک کر دیکھا تو ایک فولادی کلپ اسے پکڑے ہوئے تھا۔ اسے کھولا تو اسٹریچر آرام سے باہر نکل آیا تھا اس دوران میں شعلے اور دھواں بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ میں اسٹریچر کو کھینچتا ہوا سڑک تک لایا اور پھر اسے سڑک پر چڑھاتے ہوئے ایمبولینس سے دور بھاگا۔ اسٹریچر ادپر نیچے بھی ہو جاتا تھا۔ اس کے پہیے بڑے اور رواں تھے اس لیے مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بانو اور سنکاری میری طرف آئے تھے۔ میں ان کے پاس پہنچا تھا کہ ایمبولینس کی طرف سے دھماکہ ہوا اور شعلہ بلند ہوا تھا اس کا پیٹرول ٹینک پھٹ گیا تھا۔ سنکاری نے دہشت زدہ ہو کر سینے پر کراس بنایا۔ ''گاڈ..... گاڈ واٹ از دس۔''

''بلاسٹ۔'' میں نے بدستور بھاگتے ہوئے کہا۔ ''میری مدد کرو اس مُردے کو کھینچنے میں ورنہ دوسرا بلاسٹ ہم سب کو اوپر پہنچا دے گا۔''

سنکاری دم بخود رہ گیا تھا۔ اول تو میری مبینہ محبوبہ کے بجائے اسٹریچر پر حرام صورت راج کنور تھا دوسرے وہ بالکل بھی مردہ نہیں تھا۔ سنکاری نے شک سے کہا۔ ''یہ تمہارا محبوبہ ہے؟''

''تمہارا دماغ درست ہے یہ اس کا باپ ہے۔''

''پر تم نے تو کہا تھا.....''

ڈھلان پر اسٹریچر ریس نے مجھے تھکا دیا تھا اس لیے میں رک گیا اور وقت گزاری کے لیے پستول سنکاری کی طرف سیدھا کیا۔ ''لگتا ہے تم یہیں رہنا چاہتے ہو ٹھیک ہے ہیلی کاپٹر ہم خود لے جائیں گے۔''

وہ گڑبڑایا۔ ''میں نے کب انکار کیا؟''

اس نے جلدی سے آگے سے اسٹریچر پکڑ لیا اور اسے کھینچنے لگا۔ میں پیچھے سے دھکیل رہا تھا۔ بانو ساتھ دوڑ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا ہوا آپ کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں زخمی ہیں۔''

''معمولی زخم ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''پلان کامیاب رہا لیکن رامن نکلنے میں کامیاب رہا۔''

بانو تشویش زدہ ہو گئی۔ ''یہ برا ہوا۔''

''اس سے بھی زیادہ برا یہ ہے کہ وہ اصل پلان سے واقف ہو گیا ہے کہ ہم کس طرح راج کنور کو استعمال کریں گے۔''

بانو مزید فکر مند ہو گئی۔ ''کیا اس صورت میں پلان پر عمل کرنا مناسب ہو گا؟''

میں نے موبائل پر وقت دیکھا۔ ''ابھی سوا چار ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے کافی وقت ہے ہمارے پاس۔ رامن ڈھلان پر لڑھک رہا تھا۔ اگر بچ بھی گیا تو اس کی ہڈی پسلی ایک ہو چکی ہو گی اور اگر ٹھیک رہا تب بھی یہاں سے نکل کسی ایسی جگہ پہنچنے میں اسے خاصا وقت لگے گا کہ وہ کسی سے رابطہ کر کے ہمارا راستہ رکوا سکے۔''

راج کنور ہماری گفتگو سن رہا تھا اس نے مداخلت کی۔ ''یہ بہت خطرناک ہو گا۔ اگر رامن نے رابطہ کر لیا تو ہم مارے جائیں گے۔ درحقیقت اسی نے ہمارے لیے یہ سہولت حاصل کی تھی۔ وہ اس کے طریقہ کار سے پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح واقف ہے۔"

"مجھے یقین ہے وہ اس قابل نہیں ہوگا کہ اعلیٰ حکام سے رابطہ کر سکے۔"

"یہ رسک ہے۔" راج کنور نے کوشش جاری رکھی۔ "فرض کرو اس نے کر لیا تو....."

"تب تم ہمارے ساتھ ہی پرلوک سدھارو گے۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "لیکن ایسا ہوگا نہیں، رامن گولی کی رفتار سے تقریباً تین سو فٹ گہری کھائی میں جا رہا تھا تم خود سوچو وہ زندہ بچ بھی گیا تو کیا چوٹیں اسے کچھ کرنے کے قابل چھوڑیں گی۔ اس لیے تم رامن کو اپنے ذہن سے نکال دو اور یہ سوچو کہ تم نے زندہ رہنا ہے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

راج کنور نے سر ہلایا اور رو دینے والے لہجے میں بولا۔ "اس کے بعد یہاں والے مجھے کہاں چھوڑیں گے؟"

"تم سے تفتیش ہوگی لیکن تمہیں پھانسی نہیں چڑھا دیا جائے گا۔ تم بچنا جانتے ہو اس لیے فضول کی بحث سے گریز کرو۔" کہتے ہوئے میرا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔ یہ شٹ اَپ کا حکم تھا اور راج کنور شٹ اَپ ہو گیا۔ سنکاری کے کان بھی ہماری گفتگو پر لگے ہوئے تھے اور وہ سخت متوحش نظر آ رہا تھا۔ لیکن اس نے سوالات سے گریز کیا اور ہم ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ گئے۔ جس کے دوسری طرف کئی گاڑیاں کھڑی تھیں اور حیران پریشان لوگ ہیلی کاپٹر کے پاس جمع تھے کہ یہ کہاں سے سڑک پر آن ٹپکا اور اس کا عملہ کہاں ہے؟ ہمیں دیکھ کر کچھ لوگ آگے آئے مگر جب انہوں نے بانو کو مسلح دیکھا تو الٹے قدموں پیچھے لوٹ گئے۔ وہ خوفزدہ تھے اور مجھے بھی مسلح پاکر ان کے خوف میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ میں نے قریب جا کر کہا۔ "لیڈیز اینڈ جنٹل مین پیچھے ہٹ جائیں ابھی یہ ہیلی کاپٹر یہاں سے اڑے گا اور آپ کو راستہ مل جائے گا مگر ابھی پیچھے ہٹ جائیں۔"

یہ سنتے ہی لوگ عجلت میں پیچھے ہٹنے لگے۔ بلکہ آگے والے تو اپنی گاڑیاں بھی پیچھے لے جانے لگے اور یہ اچھی بات تھی کیونکہ پرواز کے وقت ہیلی کاپٹر کچھ ڈولتا بھی ہے۔ اس کے پنکھے کسی گاڑی سے ٹکراتے تو ہمارا مشن بارڈر کراس یہیں ختم ہو جاتا۔ میں نے سنکاری کی مدد سے راج کنور کو اٹھا کر عقبی نشست پر بٹھایا۔ اس کے بازو کا پلاسٹر کھول دیا تھا اور اب صرف سیلنگ بندھی ہوئی تھی البتہ ٹانگ پر گھٹنے کا پلاسٹر برقرار تھا۔ اسے بٹھا کر سیٹ بیلٹ سے جکڑ دیا تھا۔ بانو اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ وہ دنیا میں جس فرد سے سب سے زیادہ نفرت کر سکتی تھی وہ راج کنور ہی تھا۔ لیکن یہ ضروری تھا۔ مجھے آگے بیٹھنا تھا تاکہ سنکاری پر پوری نظر رکھ سکوں۔ وہ بانو سے چھپا کر کوئی حرکت کر سکتا تھا لیکن مجھ سے چھپانا مشکل تھا۔ اب ایک ہیڈ فون راج کنور کو بھی دے دیا گیا۔ سرحد پار کرانے کے لیے اسے اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ سنکاری نے پائلٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "اب کدھر جانے کا ہے؟"

"ہمیں امرتسر تک جانا ہے کیا چوپر کا ایندھن کافی ہوگا۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ابھی فیول کم ہے۔ لینا پڑے گا۔"

"ہم نے مشکل سے پندرہ منٹ کی پرواز کی ہے؟"

"ہاں پر یہ لو لیول اور لو کروز تھا اس میں فیول بہت خرچ ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے فیول کہاں سے لو گے؟''

''اپنے ائیر کلب سے.....'' اس نے جواب دیا۔ ''ادھر سستا پڑتا ہے۔''

''تم سستے کے چکر میں مت پڑو۔ وہاں تمہارے بہت سے جاننے والے ہوں گے بلاوجہ آجائیں گے۔ کسی ایسی جگہ سے لے لو جہاں زیادہ لوگ نہ ہوں اور کام آسانی سے ہو جائے۔'' میں نے کہا۔ ''ادائیگی میں کروں گا۔''

''ٹھیک ہے پھر ادھر ہوشیار پور سے لے سکتا ہے۔ ادھر کچی چھوٹا ائیر فیلڈ ہے اور کوئی زیادہ بات بھی نہیں کرتا ہے۔''

میں نے نقشے پر پہلے ہوشیار پور دیکھا۔ یہ تقریباً روٹ کی سیدھ میں آتا تھا۔ جب کہ سنگاری امرتسر منزل سمجھ رہا تھا۔ ہمیں اس سے اوپر جانا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے ہوشیار پور ہی چلو مگر کوئی ہوشیاری مت دکھانا۔ تم بار بار گاڈ کہتا ہے اس کا مطلب ہے گاڈ پر اور اس کے بنائے رول پر یقین رکھتا ہے۔ غلط حرکت کر کے جیل جانے کی کوشش مت کرنا۔''

اس نے پستول کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اس کے ہوتے ہم کیا ہوشیاری دکھا سکتا ہے۔''

''بس ایک خیال رکھنا کہ تم نے زندہ رہنا ہے اور اپنا انعام حاصل کرنا ہے۔''

وہ چونکا۔ ''انعام.....؟''

میں نے جیب سے ہزار کے نوٹ والی گڈی نکالی۔ ''یہ ایک لاکھ روپے ہیں، اگر تم نے ہمیں منزل پر پہنچا دیا تو یہ تمہارے ہوں گے معاوضے کے علاوہ۔''

پہلی بار وہ خوش نظر آیا۔ ''ہم پہنچائے گا..... کیوں نہیں پہنچائے گا۔''

سنگاری نے انجن اسٹارٹ کرنا شروع کر دیا۔ چند لمحوں بعد ہیلی کاپٹر کے پنکھے گردش میں آگئے تھے اور ایک منٹ سے بھی پہلے انہوں نے پوری طاقت پکڑ لی۔ سنگاری نے اسٹک کھینچی اور ہیلی کاپٹر ایک ہلکے سے دھچکے سے اوپر اٹھ گیا تھا۔ لوگ اپنی گاڑیوں سمیت پیچھے ہٹ گئے تھے۔ چند لمحوں میں ہم خاصی بلندی پر آگئے تھے۔ میں نے سنگاری سے کہا۔ ''اس بار رفتار ہر ممکن تیز رکھنا۔''

''مجھے ٹرانسپونڈر آن کرنے دو، ورنہ چوپر کا آئی ڈی نہیں آئے گا ریڈار پر مسئلہ ہو سکتا ہے۔''

میں نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے آن کر لو۔ مگر کیا یہ ضروری ہے؟''

''ہاں..... تیزی کے لیے اوپر جانا ہو گا چھ ہزار فٹ کی بلندی پر ادھر ائر تھک نیس کم ہوتا ہے اس لیے چوپر تیزی سے چلتا ہے۔''

مغرب کی طرف جاتے ہوئے بتدریج ہیلی کاپٹر کی بلندی بھی بڑھ رہی تھی۔ ہم ویسے ہی چار ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ میں سنگاری کا مطلب سمجھ گیا تھا کہ بلندی پر اڑنے کی وجہ سے ہم ریڈار پر نظر آتے اور اگر ہیلی کاپٹر کی طرف سے ایک مخصوص آئی ڈی نہیں ملتی تو ائیر ٹریفک کنٹرولر کوئی کارروائی بھی کر سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ انڈیا میں بے پناہ غربت کے باوجود ایک خاص طبقے میں دولت کی ریل پیل تقریباً مغرب جیسی ہو گئی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اب یہ طبقہ مغربی ارب پتیوں کے انداز میں زندگی گزار رہا تھا۔ بے انتہا عالی شان محلات، قیمتی گاڑیاں اور نجی ہیلی کاپٹر و طیاروں کا استعمال۔ شملہ جیسی چھوٹی جگہ پر کئی ایئر کلب تھے اور ہر ایئر کلب میں درجنوں طیارے اور ہیلی کاپٹرز موجود تھے۔ راج کنور جیسے لوگوں کے ذاتی ہیلی پیڈ تھے۔ اس لیے مجھے امید تھی کہ میدانی علاقوں میں بے شمار ہیلی کاپٹرز اور نجی طیارے ہمہ وقت محو پرواز رہتے ہوں گے۔ ایسے میں ہمارا ہیلی کاپٹر کسی خاص توجہ کا مستحق نہیں رہے گا۔ بشرطیکہ اس کا ٹرانسپونڈر آن رہے۔

چھ ہزار فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد ہیلی کاپٹر کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ اب یہ تقریباً دو سو کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے اڑ رہا تھا۔ ہوشیار پور شملہ اور پاکستان کے تقریباً وسط میں تھا۔ مجھے ایک اطمینان اور ہو گیا۔ پہلے مجھے خلش تھی کہ میں سنکاری کو استعمال کروں گا اور اسے پاکستان تک لے جاؤں گا اور پھر اسے واپس جانا ہوگا۔ اس کے پاس ایندھن اتنا نہیں ہوگا اور ممکن ہے اسے راستے میں کریش لینڈنگ کرنا پڑتی اور ممکن ہے وہ مارا جاتا۔ اب ہوشیار پور سے پورا فیول ٹینک بھر لینے کے بعد وہ آرام سے واپس ہوشیار پور تک آ سکتا تھا بشرطیکہ بھارتی دفاعی حکام اسے پکڑ نہ لیتے۔ راج کنور کی وجہ سے یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ شوٹ ڈاؤن کر دیتے۔ مگر بعد میں یقیناً اس کی کم بختی آتی اور اسے تفتیش کے رگڑے سے گزرنا پڑتا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''ہم کتنی دیر میں ہوشیار پور پہنچ جائیں گے؟''

''اب آدھا گھنٹہ لگے گا۔'' اس نے کنٹرول پینل دیکھتے ہوئے کہا۔

میرا ارادہ تھا کہ ہوشیار پور میں جب سنکاری ایندھن لے رہا ہوگا تو راج کنور سے بات کروں گا۔ اس سے مکمل تفصیل لوں گا کہ وہ سرحد کس طرح پار کرتا ہے۔ اگر مجھے محسوس ہوگا کہ اس طرح کوئی خطرہ ہے تو پھر بھارتی حکام سے بات نہیں ہوگی۔ مجھے امید تھی جب تک ان کا ایئر ڈیفنس سسٹم حرکت میں آئے گا ہم سرحد پار کر جائیں گے لیکن اس کے لیے راج کنور سے بات کرنا ضروری تھی۔ میں سیٹ پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ ڈھلان پر گرنے کے دوران جسم پر لگنے والی چوٹیں اب دُکھ رہی تھیں اور یوں آرام کرنے سے مزہ آ رہا تھا۔ لیکن میری نظریں پوری طرح چوکس تھیں اور سنکاری کی ایک ایک حرکت پر نظر تھی۔ عقب میں بانو اور راج کنور بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ بانو اس سے شدید نفرت کرتی تھی اور بہت مجبوری کے عالم میں اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی ایک بار میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سیٹ کے انتہائی کونے میں راج کنور سے ممکنہ حد تک دور بیٹھی تھی۔ اسی لمحے اس نے راج کنور کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نفرت چمکی تھی۔ راج کنور اس سے بے خبر اپنی خیریت کے بارے میں فکر مند لگ رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز تم بہت خطرناک کام کرنے جا رہے ہو۔''

سنکاری چونکا۔ ''تم مسلم ہے پر تم نے تو.....''

''میں نے غلط بتایا تھا۔'' میں نے غرا کر کہا۔ ''اپنا منہ بند کر کے اپنا کام کرو۔''

''تم سرحد پار نہیں کر سکو گے۔'' راج کنور نے شر انگیزی جاری رکھی۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''بس اتنا یاد رکھو کہ اگر تم زندہ رہے تو اس کا مطلب ہے میں سرحد پار جا چکا ہوں دوسری صورت میں تمہارے زندہ رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے، میں نے رامن سے غلط نہیں کہا تھا۔ اگر تم میری ضرورت نہ ہوتے تو میں تم دونوں تو ایک ساتھ ہی دنیا سے رخصت کرتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قتل و خون سے بھرپور یہ گفتگو سن کر سنکاری کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے مگر وہ پوچھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ راج کنور کو دوا دینے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور پھر میں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس خیال نے بھی مجھے باز رکھا کہ کہیں وہ ٹن نہ ہو جائے اور بہ وقت ضرورت کسی کام کا نہ رہے۔ مگر اب وہ شرارت پر آمادہ تھا۔ فی الحال میں اسے چپ نہیں کرا سکتا تھا اس لیے صبر سے کام لے رہا تھا مگر بانو سے صبر نہیں ہو سکا۔ اچانک وہ کراہا تو میں نے مڑ کر دیکھا۔ بانو نے پستول سے اس کے شانے پر ضرب لگائی تھی۔ بانو اس سے کہہ رہی تھی۔ ''اپنا منہ بند رکھ کتے..... اب آواز نکالی تو زبان کاٹ دوں گی۔''

وہ تکلیف کے باوجود خباثت سے باز نہیں آیا تھا۔ ''کاٹ دو پھر میں بات کیسے کروں گا۔''

بانو نے دوسری ضرب لگائی۔ ''وہ تمہارا باپ بھی کرے گا زبان میں بعد میں کاٹ سکتی ہوں اور زبان کیا میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر سکتی ہوں مجھے پہلے والی بانو مت سمجھنا۔''

بانو کا یہ روپ وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا جب وہ اپنے عشرت کدے میں اسے بھگت چکا تھا۔ بانو نے اس کا نشہ ہرن کر دیا تھا۔ راج کنور خوفزدہ ہو گیا۔ ''شہباز نے مجھے زبان دی ہے؟''

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم جو چاہے بکواس کرتے رہو۔'' میں نے کہا۔ ''اگر عتاب سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی کوشش کرو ورنہ تمہارے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں یہ آپ کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں اسے کتے کی دُم کی طرح سیدھا کر دوں گی۔''

''حالانکہ کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''میں کر سکتی ہوں۔'' بانو نے دعویٰ کیا۔

سنکاری نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ''تھینک گاڈ میں نے کوئی غلط بات نہیں کیا، یہ چھوکری تو بہت ڈینجرس ہے۔ زبان کاٹ دیتا ہے۔''

ہیلی کاپٹر میں ذرا سکون ہوا تو مجھے رامن کا خیال آیا۔ اس نے بہت چالاکی سے کام لیا۔ مجھے باتوں میں لگایا اور پھر ایسا کام کیا کہ میں اس کے پیچھے نہ جا سکوں۔ وہ بہت تیز ذہن شخص تھا اس نے باتوں کے دوران طے کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے دوا یا محلول کی شیشی توڑی اور اسے آگ دکھا دی۔ پھر وہ ونڈ اسکرین کے راستے نکل گیا، اس طرح وہ میرے سامنے بھی نہیں آیا تھا۔ جان بچانے کے لیے وہ تقریباً خودکشی کے انداز میں نیچے گیا تھا۔ مگر مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ مارا جائے گا۔ اس جیسی ڈھیٹ ہڈی اتنی آسانی سے نہیں مرتے۔ مگر مجھے بڑی حد تک امید تھی کہ وہ اوپر والوں سے رابطہ نہیں کر سکے گا۔ ہاں اگر اس نے کر لیا تو ہم مشکل میں پڑ سکتے تھے۔ پھر بھی اس کا امکان بہت کم تھا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے سنکاری سے پوچھا۔ ''تمہاری فیملی ہے؟''

اس نے سر ہلایا اور اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر میری طرف بڑھا دی۔ ایک تقریباً سیاہ فام عورت ایک بچے کو گود میں اٹھائے مسکرا رہی تھی۔ اس کی اصل خوب صورتی اس کی ممتا تھی۔ بچے میں ماں باپ کی خصوصیات جھلک رہی تھیں مگر اس کے چہرے پر دلفریب معصومیت تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''اچھی ہے۔''

''مجھ کو ریٹا دیر سے ملا پر اب میں خوش ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم خوش ہو اور دیسی ٹھرا پی کر اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہو۔'' میں نے ملامت کی تو وہ کھسیا گیا۔

''کیا کرے بارہ سال کی عمر سے منہ کو لگا ہوا ہے۔ فادر مر گیا تو ہم آزاد ہو گیا۔''

''اگر تم اسی طرح پیتے رہے تو تمہارا بیٹا تم سے بھی پہلے آزاد ہو جائے گا۔'' میں نے اسے خبردار کیا تو وہ چپ ہو گیا۔ میرے خیال میں اتنی نصیحت کافی تھی۔ اس مشکل وقت میں میرا سماج سدھار مہم چلانے کا قطعی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنی بیوی بچے کی تصویر واپس جیب میں رکھ لی۔ میں نے گھڑی دیکھی پانچ بجنے میں دس منٹ تھے۔ سورج مغرب کی طرف آ گیا تھا اور اس کی کرنیں اب سامنے سے پڑ رہی تھیں۔ ہیلی کاپٹر کا کیبن پریشرائز نہیں تھا اس لیے بلندی کی وجہ سے سردی لگ رہی تھی لیکن میدانی علاقوں میں یقیناً شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ خاص طور سے پنجاب یقیناً دہک رہا ہو گا۔ میں نے اسلحے کی وجہ سے ہلکی جیکٹ لی ہوئی تھی کیونکہ صرف شرٹ تلے اتنا اسلحہ چھپانا ممکن نہیں تھا۔ سنگاری سے پردہ نہیں رہا تھا لیکن ہوشیار پور میں ایئر فیلڈ پر کسی کی نظر پڑ جاتی تو ہم مشکل میں پڑ سکتے تھے۔ میں جیکٹ نہیں اتار سکتا تھا اور اس گرمی میں جیکٹ سے مشکوک ہو جاتا۔ بہر حال ضروری نہیں تھا کہ ایسا ہی ہوتا۔ میں ہیلی کاپٹر کے اندر رہتا اور بانو سنگاری کے ساتھ باہر جاتی یہ بات میں نے اسے بتا دی۔ اس نے اعتماد سے کہا۔ ''آپ فکر نہ کریں میں ہینڈل کر لوں گی۔''

''ہم پہنچنے والے ہیں۔'' سنگاری نے پانچ بجے اعلان کیا۔ ''بس پانچ منٹ کا راستہ اور ہے اب ریڈیو آن کر کے اجازت لینا ہو گا۔''

''کیا فلائٹ پلان بتانا ہو گا؟''

''نہیں بس فیول کے لیے اترنا ہے اس کے لیے فلائٹ پلان بتانا ضروری نہیں ہوتا ہے۔''

''دوبارہ پرواز کے لیے بھی ضروری نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' سنگاری نے نفی میں سر ہلایا۔ اس دوران میں وہ ہیلی کاپٹر نیچے لا رہا تھا۔ ''صرف ٹیک آف کا بولنا ہو گا۔''

زمین اب واضح ہو رہی تھی، پہاڑ تو شملے کے فوراً بعد ختم ہو گئے تھے۔ پھر کہیں جنگل کہیں کھیت اور کہیں آبادیاں نظر آنے لگی تھیں۔ شملہ اور ہوشیار پور ایک ہی عرض البلد پر ہیں لیکن بلندی اور پہاڑوں کی قربت سے دونوں کے موسم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس کا اندازہ مجھے ہیلی کاپٹر اترنے کے بعد ہوا تھا۔ وہاں شام کے وقت بھی خاصی گرمی تھی۔ کچھ دیر بعد ایئر فیلڈ نمایاں ہونے لگی تھی۔ سنگاری ریڈیو آن کر کے اترنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ اسے اجازت مل گئی اور کچھ دیر بعد ایک سرخ ریکٹ تھامے شخص ہیلی کاپٹر کو اشارہ کرنے لگا۔ وہ جگہ بتا رہا تھا جہاں ہیلی کاپٹر کو اترنا تھا۔ سنگاری ہیلی کاپٹر مخصوص پوزیشن میں لانے لگا۔ چند لمحے بعد ہیلی کاپٹر نیچے اترنے لگا۔ میں نے راج کنور کو خبردار کیا۔ ''کوئی احمقانہ حرکت مت کرنا تم پہلے ہی برے حالوں میں ہو۔ اگر مزید فریکچرز سے محفوظ رہنا ہے تو زبان بند کر کے بیٹھنا۔''

سنگاری سچ مچ بہت اچھا پائلٹ تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر یوں اتارا کہ پتا ہی نہیں چلا۔ جب انجن کی آواز مدھم ہوئی تو پتا چلا کہ ہم لینڈ کر گئے ہیں۔ انجن بند ہوتے ہی پنکھوں کی گردش کم ہو گئی تھی۔ سنگاری اپنی سیٹ بیلٹ کھولنے لگا۔ ''ابھی فیول کے لیے جانا پڑے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پوچھا۔ ''فیول لینے میں کتنی دیر لگے گی؟''

''آدھا سے پون گھنٹا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''مجھے اترنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے تم بانو کے ساتھ جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''یاد رکھنا یہ ہمارے لیے زندگی و موت کا مسئلہ ہے اگر کوئی ہمارے راستے میں آیا تو مارا جائے گا۔''

اس نے سر ہلایا اور نیچے اتر گیا۔ بانو بھی اتر گئی تھی۔ میں نے پلٹ کر راج کنور کی طرف دیکھا جو ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا اور تکلیف زدہ لگ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''شہباز تم بہت خطرناک کام کرنے جا رہے ہو۔''

''اگر تم میرے بارے میں جانتے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے میں نے اکثر کام بہت خطرناک کیے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ خطرناک جسے تم خطرناک سمجھ رہے ہو۔''

''شہباز پلیز میں بہت بڑی مشکل میں پھنس جاؤں گا۔'' اس نے لجاجت سے کہا۔ ''مجھ پر غداری کا کیس بن جائے گا۔''

''پھر تو تم معتبر ہو جاؤ گے۔'' میں ہنسا۔ ''غداری کا الزام تو اس خطے کی روایات میں شامل ہے۔ ویسے تمہارے پاس گن پوائنٹ کا جینوین عذر ہوگا۔''

''میری کوئی نہیں سنے گا اب مجھے بڑے کنور کی سپورٹ بھی حاصل نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''ممکن ہے اس کی نوبت ہی نہ آئے۔ تم آتے جاتے رہتے تھے اور سمجھ لو ایک بار پھر جا رہے ہو۔ اسی طرح واپس بھی آ جاؤ گے۔''

''تم نہیں سمجھ رہے ہو، رامن اس کھیل کا ایک اہم مہرہ ہے اس کے بغیر میں سرحد پار نہیں کر سکتا ہوں اگر میں نے ایسا کیا تو فوراً گرفت میں آ جاؤں گا۔''

''اگر تم گرفت میں آ گئے تب بھی تمہارے پاس بچاؤ کے راستے ہوں گے۔ پاکستان انڈیا میں اوپری طبقے کو سزا دینے کی روایت نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے بڑا کنور ہی تمہیں بچا لے گا۔''

میں صرف اسے قائل کرنے کے لیے اتنی بحث کر رہا تھا اور اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس کے خدشات سرحد کے اس پار نہیں تھے بلکہ اُس پار تھے یعنی اسے خطرہ تھا کہ میں ایک بار اسے پاکستان لے گیا تو واپس نہیں جانے دوں گا اور سچی بات ہے میرا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا۔ میں اسے وہاں اتار لیتا اور پھر فیصلہ کرتا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ وہ مکاری سے یہاں کی بات کر رہا تھا اور جانے سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں ٹھیک کہہ رہا تھا اگر وہ واپس آ جاتا تو سزا سے بچ سکتا تھا۔ بڑا کنور بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتا کیونکہ راج کنور کو سزا ہونے کی صورت میں ان کے خاندان کی بدنامی ہوتی۔ راج کنور کی مکاری کے جواب میں، میں بھی مکاری سے کام لے رہا تھا اور اسے بہلا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''میری وجہ سے تمہیں ایک چانس ملے گا۔ رامن تمہیں تقریباً اغوا کر کے لے جا رہا تھا اور اس کا بھی امکان تھا کہ وہ تمہیں شملہ کے پہاڑوں میں کہیں دفن کر کے بڑے کنور سے کہہ دیتا کہ شہباز تمہیں اغوا کر کے لے گیا ہے۔ بڑا کنور اس کی بات ماننے سے انکار کر سکتا تھا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں۔'' راج کنور نے اعتراف کیا۔ ''وہ ایک طرح سے بڑے کنور کا کام کرتا کیونکہ بڑا کنور کھل کر میرے خاتمے کا حکم نہیں دے سکتا ہے البتہ میں مر جاؤں تو اسے بہت خوشی ہوگی ایک مستقل بوجھ سے اس کی جان چھوٹ جائے گی۔''

''اس صورت میں واپسی کے بعد تم اپنی مرضی سے کہیں جانے کے لیے آزاد ہو گے۔''

''ہاں اگر میں واپس آسکا۔'' راج کنور نے سرد آہ بھری۔ ''اگر رامن نے اوپر والوں سے رابطہ کر لیا تو اس کے بعد سرحد پار کرنا تمہارا خواب بن جائے گا۔ اس سے پہلے ہی کوئی میزائل فضا میں اس ہیلی کاپٹر کے ٹکڑے کر دے گا۔''

''میرا نہیں خیال کہ ایئر ڈیفنس سسٹم اتنی تیزی سے حرکت میں آئے گا۔'' میں نے تردید کی۔

''یہ تمہارا خیال ہے، انڈیا نے اپنا ڈیفنس بجٹ بہت بڑھا دیا ہے اور اس نے اپنا ایئر ڈیفنس سسٹم سب سے زیادہ امپروو کیا ہے کیونکہ ہمیں سب سے زیادہ خطرہ پاکستان کی فضائیہ اور اس کے میزائلوں سے ہے۔''

''حالانکہ انڈیا کی فضائیہ بھی ہم سے دوگنی بڑی ہے۔''

''ہاں لیکن ہمارے پاس زیادہ تر روسی ساختہ طیارے ہیں جب کہ پاکستان کے پاس مغربی طیارے بھی ہیں جو روس سے بہتر ٹیکنالوجی رکھتے ہیں۔''

ایک انڈین کے منہ سے یہ اعتراف سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ ہماری فضائیہ انڈیا سے بہتر ہے، اور انڈیا اس سے خوف کھاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اپنی فضائی قوت میں تیزی سے اضافہ کر رہا ہے جیسے کہ وہ بحری قوت میں پہلے ہی بہت زیادہ اضافہ کر چکا ہے۔

میں نے پوچھا۔ ''سرحد پار کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟''

وہ ہچکچایا پھر اس نے کہا۔ ''ہوشیار پور سے تو مجھے نہیں معلوم لیکن امرتسر سے پرواز کے بعد ہم سرحد سے پانچ کلومیٹرز پہلے صرف سو فٹ کی بلندی پر آجاتے ہیں۔ اس وقت پاکستانی ریڈار ہمیں ٹریک نہیں کر سکتا ہے۔ صرف انڈین ہماری موومنٹ سے واقف ہوں گے۔ سرحد پار کرنے سے پہلے فوجی حکام ریڈیو پر رابطہ کرتے ہیں اور انہیں مخصوص پاس ورڈ بتانا پڑتا ہے۔ تب گزرنے کی اجازت ملتی ہے۔''

''کیا یہ نشریات کہیں اور نہیں سنی جا رہی ہوتی ہے؟''

''نہیں..... فوجی ریڈیو مخصوص فریکوئنسی پر کام کرتا ہے۔''

''لیکن یہ عام ہیلی کاپٹر ہے۔ اس کا ریڈیو اس فریکوئنسی کو کیچ کر لے گا؟''

''ہاں جب میں پائلٹ کو مخصوص فریکوئنسی بتاؤں گا تو وہ رابطہ کر سکے گا بلکہ وہ صرف ٹیون کرے گا رابطہ حکام خود کریں گے۔''

''فرض کرو انہوں نے رابطہ نہ کیا تو اور تم نے پھر بھی سرحد پار کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام کیا ہوگا؟''

''کسی خفیہ میزائل بیٹری سے ایک میزائل نکلے گا اور اس ہیلی کاپٹر کے پرزے اڑ جائیں گے۔''

میں دنگ رہ گیا۔ ''بغیر کسی وارننگ کے؟''

اس نے سر ہلایا اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''یہ ہائی سکیورٹی زون ہے گزشتہ پانچ سال میں کم سے کم ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درجن طیاروں اور ہیلی کاپٹرز کو اسی سسٹم نے ہٹ کیا ہے ان میں سے ایک یا دو پاکستانی بھی تھے جو غلطی سے سرحد پار کر گئے تھے۔ یہ آٹو پینک سسٹم ہے جو پہلے سے دی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کرتا ہے۔''

''یہ درندگی ہے..... کسی مہذب ملک میں ایسا نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر کبھی اس سسٹم کو کوئی مسافر بردار طیارہ مشکوک لگا تو کیا اسے بھی ہٹ کر دیا جائے گا؟''

راج کنور نے سر ہلایا۔ ''ایک چھوٹا مسافر بردار طیارہ امرتسر ایئر پورٹ سے پرواز کے بعد نشانہ بنا تھا۔ وہ غلطی سے اوپر جاتے ہوئے ریڈزون میں آ گیا تھا۔ بعد میں اسے حادثہ قرار دے دیا گیا تھا۔''

''تم لوگ اتنی ڈھٹائی سے اپنی فاش غلطیوں پر پردے ڈالتے ہو۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''انسانی جانوں کی تم لوگوں کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے؟''

''صرف ہم نہیں ساری دنیا میں ایسا ہوتا ہے۔ امریکا نے ایران کا طیارہ گرا دیا۔ روس نے جنوبی کوریا کا طیارہ مار گرایا۔ کس نے اپنی غلطی تسلیم کی؟''

وہ درست کہہ رہا تھا ایسے ہی کئی پُراسرار فضائی حادثے میرے ملک میں ہو چکے تھے اور ان کا کچھ نہیں پتا چلا تھا کہ ان کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا۔ ایک مسافر بردار طیارہ تو سرے سے غائب تھا اور اس کا آج تک کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ راج کنور سے باتوں میں مجھے خیال آیا کہ وقت خاصا ہو گیا تھا اور ابھی تک نہ تو سنکاری اور بانو واپس آئے تھے اور نہ ہی ہیلی کاپٹر میں فیول بھرنے کے آثار دکھائی دیئے تھے۔ میں نے وقت دیکھا۔ پانچ بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے یعنی سنکاری اور بانو کو گئے ہوئے بیس منٹ ہونے کو آئے تھے اور اتنی دیر میں انہیں واپس آ جانا چاہیے تھا۔ اگر فیولنگ میں کچھ دیر تھی تب بھی وہ واپس تو آ سکتے تھے۔ یہ کوئی بہت بڑا ایئر کلب نہیں تھا جہاں کہیں آنے جانے میں زیادہ وقت لگے جب کہ ایئر کلب کی عمارت بھی مشکل سے سو گز کے فاصلے پر تھی۔ راج کنور نے میرے چہرے سے بھانپ لیا اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کوئی گڑبڑ ہے؟''

''ہاں لیکن تم اس گڑبڑ کا حصہ مت بننا۔'' میں نے اسے خبردار کیا اور نیچے اتر آیا۔ دروازے کے شیشے کے پیچھے سے راج کنور مجھے دیکھ رہا تھا وہ بھاگ نہیں سکتا تھا مگر کیا کہا جا سکتا ہے کہ جب انسان کی جان پر بنی ہو تو وہ کیا حرکت کر گزرے۔ کم سے کم وہ چیخ چلا کر مدد تو طلب کر سکتا تھا۔ یہاں قطار میں کئی ہیلی کاپٹر کھڑے تھے۔ چھوٹے طیارے ذرا فاصلے پر تھے۔ یہ چھوٹا ہی نجی یا سرکاری ایئر پورٹ تھا۔ خاموشی اور نہ ہونے کے برابر چہل پہل تھی۔ ایئر پورٹ کی عمارت اور دوسری تنصیبات ذرا فاصلے پر تھیں۔ جہاں تک نظر جاتی تھی سنکاری اور بانو دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یہاں دھوپ تیز تھی اور شام کے وقت بھی اچھی خاصی تیز روشنی تھی۔ اس میں سب صاف نظر آ رہا تھا ایک کونے میں دو افراد ایک چھوٹے طیارے کے انجن کے ساتھ لگے تھے۔ ایک سویپر جگہ جگہ اڑ کر نے آنے والے کاغذ کے ٹکڑے اور شاپرز جمع کر رہا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے خود جا کر دیکھنا ہو گا مگر سوال یہ تھا کہ میں راج کنور کو کس پر چھوڑ کر جاتا۔ وہ لازماً اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا۔ اسے ساتھ لے جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ اسی لمحے مرکزی عمارت کے پیچھے سے بانو اور سنکاری دو افراد کے ساتھ نکلتے نظر آئے میں فوری طور پر ہیلی کاپٹر کی آڑ میں ہو گیا۔ بانو اور سنکاری آگے تھے اور وہ دونوں افراد پیچھے چل رہے تھے۔ نقوش اور رنگت سے مقامی نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے والے یہ دو افراد چہرے سے جرائم پیشہ اور سفاک دکھائی دے رہے تھے اور ساتھ ہی بہت چوکنا تھے۔ ان کی نظریں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں اور وہ یوں بانو اور سنگاری کو آگے رکھے ہوئے تھے جیسے انہیں گن پوائنٹ پر لیا ہوا ہو۔ سنگاری کی حالت تو خراب تھی ہی بانو بھی بادلِ ناخواستہ چل رہی تھی۔

میں تشویش زدہ ہو گیا۔ یہ کیا چکر تھا؟ میرا ذہن رامن کی طرف گیا کہ کیا اس نے کوئی حرکت کی تھی؟ لیکن اس صورت میں یہاں فورس ہوتی۔ صرف دو افراد نہ ہوتے۔ وہ بھی اپنے انداز سے کسی فورس سے متعلق نہیں لگ رہے تھے۔ سنگاری خوفزدہ تھا۔ بانو کے ہاتھ خالی تھے شاید اس کا پستول چھین لیا گیا تھا۔ دونوں افراد نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی اور ان کے ہاتھ پتلونوں کی جیبوں میں تھے۔ جیبوں کے ابھار بتا رہے تھے کہ انہوں نے ہتھیار تھام رکھے تھے۔ جیسے جیسے وہ ہیلی کاپٹر کی طرف آ رہے تھے میں نیم دائرے میں گھومتا ہوا ہیلی کاپٹر کے دوسری طرف جا رہا تھا پھر مجھے نہ صرف آڑ میں ہونا پڑا بلکہ برابر میں کھڑے ہیلی کاپٹر تک جانا پڑا۔ کیونکہ وہ ذرا اور آگے آتے تو لازمی مجھے دیکھ لیتے اور اس کے بعد مجھے کارروائی کرنا پڑتی تو یہاں ایک کھلی جنگ چھڑ جاتی اور فی الحال میں کسی جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس ہیلی کاپٹر کے شیشے سیاہ تھے۔ میں نے دروازہ چیک کیا اتفاق وہ کھلا تھا اور میں اندر گھس گیا۔ فوراً ہی وہ لوگ آ پہنچے۔ اب انہوں نے اپنے ہتھیار نکال لیے تھے۔ ایک آدمی نے چھوٹے سائز کا بریف کیس اٹھا رکھا تھا۔ دونوں چالیس کے آس پاس تھے۔ رنگ سیاہی مائل اور چہرے پر جرم کی چھاپ تھی جسمانی طور پر مضبوط تھے اور ان کا پستول پکڑنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ انہیں استعمال کرنے میں ماہر تھے۔ انہوں نے آتے ہی ہیلی کاپٹر میں جھانکا اور دوسرے کو اطلاع دی۔ ''ادھر ایک ہی آدمی ہے۔''

دوسرے نے سنگاری کی گردن پکڑ لی۔ ''بول کہاں ہے تیری ماں کا یار؟''

یقیناً وہ میرے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میری تشویش ایک بار پھر بڑھ گئی اگر وہ خاص طور سے میرے لیے آئے تھے تو یقیناً ان کے پیچھے اور لوگ بھی تھے۔ میں نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ ذرا سا کھلا رکھا تھا اس لیے مجھے ساری آوازیں آ رہی تھیں۔ سیاہ شیشوں کے پیچھے دیکھنا ان کے لیے ممکن نہیں رہا تھا البتہ مجھے وہ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ سنگاری نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ ''میرے کو کیا معلوم وہ کدھر ہے۔ لڑکی سے پوچھو یہ اسی کا ساتھی ہے۔ میں تو گن کے آگے مجبور ہے۔''

''لڑکی وہ کہاں ہے؟'' دوسرے نے بانو کا ہاتھ پکڑا تو اس نے ہاتھ چھڑا لیا اور بپھر کر بولی۔

''مجھے دوبارہ ہاتھ مت لگانا۔''

''اچھا بڑا جور ہے دیکھیں گے تیرا جور بھی۔'' اس کے انداز میں خباثت نمایاں تھی۔

''رگھو یہاں سے نکلو پولیس نہ آ جائے۔ اس پر لعنت بھیجو۔'' دوسرے نے کہا۔ ''وہ لوگ پیچھے ہیں۔ ادھر آگے تو ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔''

''اس چھوکری کو بھی لے جانا ہے۔'' رگھو نے للچائے لہجے میں کہا۔ ''کیا چیز ہے یہ.....؟''

جواباً چیز نے اس کے ساتھ جو کیا وہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ بانو نے اچانک گھوم کر اسے راؤنڈ کک ماری۔ اس کا نشانہ پستول والا ہاتھ تھا اور ضرب نے پستول اڑا دیا۔ وہ کمزور نہیں تھا مگر اچانک کیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے والے وار کے آگے مدافعت نہ کر سکا۔ دوسرا سنکاری کو چھوڑ کر مضطرب لہجے میں بولا۔ ''اے.....اے گولی ماردوں گا۔''

''نہیں گرج۔'' رگھو بولا۔ ''اسے میں ٹھیک کروں گا اسے ساتھ.....''

اس کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ بانو کی کک اس بار اس کے منہ پر پڑی تھی اور اس لات نے اسے دن میں تارے دکھا دیئے تھے۔ وہ پلٹ کر نیچے گرا۔ اس بار گرج نے فیصلہ کن انداز میں بانو کی طرف پستول سیدھا کیا لیکن اس سے پہلے وہ گولی چلاتا میرے سائلنسر لگے پستول سے شعلہ نکلا اور اس کی کھوپڑی میں اتر گیا۔ وہ اوندھے منہ گرا۔ میں نے کھوپڑی کا نشانہ ہی لیا تھا اسے ایک لمحے کی مہلت دینا بانو کی زندگی سے کھیلنے کے مترادف تھا۔ وہ سب ہیلی کاپٹر کی اس والی طرف تھے۔ گرج کے گرتے ہی رگھو بہت تیزی سے حرکت میں آیا تھا اس نے جھپٹ کر اپنا پستول اٹھایا اور اسے مہلت دینا کسی زہریلے سانپ کو مہلت دینے کے برابر تھا۔ میں نے اسے شوٹ کر دیا ایک گولی اس کی گردن پر لگی وہ نیچے گرا اور غرغراتا ہوا اٹھا تھا کہ دوسری گولی نے اسے ہمیشہ کے لیے لٹا دیا۔ یہ اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر لگی تھی۔ سنکاری یہ سب دہشت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور بانو مجھے تلاش کر رہی تھی۔ پہلے وہ نہیں دیکھ سکی تھی کہ میں کہاں تھا۔ پھر وہ ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑی میں دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

''مجھے یقین تھا آپ کچھ کریں گے۔'' بانو نے میرا بازو تھام لیا۔ وہ بہت پُرجوش ہو رہی تھی۔

''ہوش کرو ان کا کچھ کرنا ہے اس سے پہلے کہ کوئی یہاں آ جائے اور ہم پکڑے جائیں۔''

سنکاری سکتے میں کھڑا تھا۔ مجھے فوری طور پر یہی خیال سوجھا کہ لاشوں کو سیاہ شیشے والے ہیلی کاپٹر میں ڈال دیا جائے۔ میں نے رگھو کو ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچا اس کے سر سے زیادہ خون نہیں نکلا تھا اور اسے ہیلی کاپٹر میں ڈال دیا۔ البتہ منحوس گرج نے زمین خون خون کر دی تھی۔ اسے بھی اندر ڈال کر میں نے کسی ایسی چیز کی تلاش کی جس سے زمین کا خون صاف کیا جا سکے۔ اسی ہیلی کاپٹر سے ایک تولیہ نما کپڑا مل گیا اور اس نے خون خاصی حد تک صاف کر دیا تھا مگر فرش پر اب بھی سرخی موجود تھی۔ میں نے کچھ دور ایک واش روم سے تولیہ دوبارہ دھو کر باقی خون صاف کیا اب وہاں پر گہرے رنگ کا دھبہ تھا جسے آئل بھی سمجھا جا سکتا تھا۔ شکر ہے اس دوران میں کوئی اس طرف نہیں آیا ویسے بھی شام کا وقت تھا اور رات کے وقت یہاں سے پرواز نہیں ہوتی تھی۔ پانچ بجے اکثر عملہ چھٹی کر کے چلا جاتا تھا۔ یہ سب سنکاری نے بتایا۔ بانو آس پاس اور ان دونوں کی نگرانی کر رہی تھی۔ میں نے خون صاف کر کے بانو سے پوچھا۔ ''یہ کیا چکر تھا تم لوگ فیول لینے گئے تھے اور ان کو لے آئے؟''

''یہ خود ہمارے سر ہو گئے تھے۔ ابھی سنکاری فیول کی بات کر رہا تھا کہ یہ دونوں آ گئے اور غیر محسوس انداز میں ہمیں ہینڈز اَپ کرا کے ایک طرف لے گئے۔ پھر وہ اس سے پوچھتے رہے۔'' بانو نے سنکاری کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس نے سب اُگل دیا۔''

''ہم کیا کرتا؟'' وہ بلبلا کر بولا۔ ''اِدھر بھی دبین اُدھر بھی دبین درمیان میں ہم۔''

''یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں؟'' میں نے بریف کیس کا معائنہ کیا۔ رگھو کے ہاتھ سے گرنے کے بعد وہ فرش پر پڑا تھا اور کسی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی میں نے اسے اٹھایا۔ یہ خاصا وزنی تھا۔ جیسے اس میں کوئی بھاری چیز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔

''انداز سے تو مجرم لگ رہے تھے جو پولیس سے بھاگ رہے ہوں۔'' بانو نے کہا اور دلچسپی سے بریف کیس دیکھا۔

''اسے کھولیں؟''

میں نے کھولا اور حیران ہوا تھا۔ اس میں سلیقے سے تہہ لگائی ہوئی پلاٹینم کی اینٹیں رکھی تھیں۔ چند انچ سائز کی ان اینٹوں کا وزن ایک کے جی تھا اور بریف کیس میں ان کی تعداد سولہ تھی یعنی اس بریف کیس میں سولہ کلو گرام پلاٹینم تھی۔ اس کی مالیت سونے سے دوگنی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کم سے کم بیس لاکھ ڈالرز مالیت کی تھی۔ میں نے بانو کو بتایا تو وہ حیران ہوئی۔ یہ قیمتی دھات اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ وہ ممتاز ہاؤس میں پلی بڑھی تھی جہاں دولت کی ریل پیل تھی۔ یہ جرائم پیشہ نہ جانے کہاں سے یہ بریف کیس لے کر آئے تھے اور پولیس سے بچنے کے لیے فضائی راستے سے نکل جانا چاہتے تھے۔ بانو اور سنکاری کو یرغمال بنانے کا مقصد بھی یہی ہو سکتا تھا۔ میں نے صفائی کی زحمت اسی لیے کی تھی کہ ابھی یہاں فیول ٹینکر آنا تھا اور ممکن ہے اس دوران میں کوئی اور بھی آجاتا مگر اب میں محسوس کر رہا تھا کہ یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے سنکاری سے کہا۔ ''ہمیں کہیں اور سے فیول لینا ہوگا۔ آس پاس کوئی اور جگہ ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''دوسرا ایئر کلب یہاں سے کچھ ہی دور ہے۔''

''تو بس وہاں چلو..... یہاں ان کے اور ساتھی ہوئے تو ہم مصیبت میں پڑ جائیں گے۔''

سنکاری کی حالت خراب تھی وہ خود بھی یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے قتل و خون کہاں دیکھا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش شروع کی تو میں نے اسے ٹوک دیا۔ ''پہلے کنٹرول والوں سے اجازت لو۔''

اس نے سر ہلایا اور خود پر قابو پاتے ہوئے کنٹرول سے رابطہ کرنے لگا۔ اس نے پرواز کی اطلاع دی اور اپنی سیٹ کے نیچے سے ایک بوتل نکال کر منہ سے لگانے لگا تھا کہ میں نے اس سے بوتل چھین لی۔ ''یہ کیا حرکت ہے تم پی کر ہیلی کاپٹر اڑاؤ گے۔''

''اپنے کو اس کا ضرورت ہے۔'' وہ کانپتی آواز میں بولا۔ ''اس کے بغیر فلائٹ نہیں کر سکے گا۔''

خلاف توقع بانو نے اس کی تائید کی۔ ''شوبی اسے دے دیں، یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اسے ضرورت ہے۔''

بادلِ ناخواستہ میں نے بوتل اسے واپس کر دی۔ یہ ذرا بہتر قسم کی شراب تھی۔ تیز والا دیسی ٹھرا نہیں تھا جو اسے ٹن کر دیتا ویسے ٹن وہ دیسی ٹھرا پیتے ہوئے بھی نظر نہیں آیا تھا جب میں نے اسے ہائر کرنے کے لیے اس سے بات کی تھی۔ چند گھونٹ لے کر وہ پُرسکون نظر آنے لگا اس نے بوتل بند کر کے واپس سیٹ کے نیچے خانے میں رکھی اور پھر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اسی لمحے چند افراد اسی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ ذرا پھیلے ہوئے اور یوں آس پاس دیکھ رہے تھے جیسے انہیں کسی کی تلاش ہو۔ ان کے ہاتھ اپنی جیبوں میں تھے۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا۔ ''سنکاری جلدی کرو..... میرا خیال ہے ان کے ساتھی آگئے ہیں۔''

سنکاری نے انجن کو اسپیڈ دی اور یک لخت پنکھوں کی رفتار میں تیزی آئی لیکن یہ ابھی اتنے تیز نہیں ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے کہ ہیلی کاپٹر اڑ سکتا۔ آنے والے تین افراد تھے۔ ہیلی کاپٹر کے انجن کی آواز نے انہیں چونکایا اور اب وہ دوڑتے ہوئے ہماری طرف آ رہے تھے۔ انہوں نے ہتھیار نکال لیے تھے اگر وہ پاس آ جاتے تو خطرہ بن سکتے تھے۔ میں نے پستول نکالا اور دروازہ کھولتے ہوئے سنکاری سے کہا۔ ''جلدی کرو.....''

میں نے اچانک فائرنگ کی تو وہ بھڑک کر منتشر ہو گئے اور دوسرے ہیلی کاپٹرز کی آڑ میں چھپنے لگے۔ اسی لمحے ہیلی کاپٹر ایک جھٹکے سے اوپر اٹھا۔ اگر میں نے سیٹ تلے پاؤں نہ پھنسا رکھا ہوتا تو میں باہر گرتا۔ پھر بھی میرا جسم جھٹکے سے باہر گیا۔ بانو نے چیخ ماری اور آگے ہو کر میرا بازو پکڑ کر اندر کھینچنے لگی۔ اس کی مدد سے میں اندر آ گیا۔ اس وقت تک ہیلی کاپٹرز زمین سے کوئی دس بارہ فٹ اوپر آ چکا تھا۔ وہ لوگ دوبارہ آ رہے تھے اور اب ہیلی کاپٹر کا نشانہ لے کر فائرنگ کر رہے تھے۔ یہ بہت خطرناک تھا۔ ہیلی کاپٹر کوئی پرندہ نہیں ہوتا ہے اس کا سائز کسی درمیانے ٹرک کے برابر تھا اور کسی حساس حصے پر گولی لگنے کی صورت میں وہ تباہ ہو سکتا تھا۔ دس بارہ فٹ کے فاصلے سے اسے نشانہ بنانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں اوپر سے اکیلا فائرنگ کر کے انہیں نہیں روک سکتا تھا۔ وہ پھیلے ہوئے تھے۔ اسی لمحے ایک خیال الہام کی طرح نازل ہوا اور میں نے بریف کیس اٹھا کر کھولتے ہوئے اسے ہیلی کاپٹر کے باہر اچھال دیا۔ وہ ہوا میں گیا اور اس میں موجود پلاٹینم کی اینٹیں بکھر کر ٹریک پر گریں۔ نتیجہ حسب منشا نکلا وہ لوگ فائرنگ بھول گئے اور اینٹوں کی طرف جھپٹے اور جلدی جلدی انہیں سمیٹنے لگے۔

''تھینک گاڈ۔'' سنکاری کانپتے لہجے میں بولا۔ ''ابھی کوئی گولی فیول ٹینک پر لگتا اور ہم سب مارا جاتا۔ چوپر کا فیول بہت تیزی سے برن کرتا ہے۔''

جب تک وہ لوگ دوبارہ ہیلی کاپٹر کی طرف متوجہ ہوتے ہم فائرنگ کی حد سے نکل آئے تھے۔ عقب سے بانو نے داد دی۔ ''واہ کیا ترکیب کی آپ نے..... اگر ان کتوں کے آگے ہڈی نہ ڈالتے تو کاٹ ہی لیتے۔''

''بالکل درست فرمایا تم نے۔'' میں نے پستول کا میگزین بدلتے ہوئے کہا۔

سنکاری نے تائید کی۔ ''آپ ہم سب کو بچا لیا۔''

''نہیں بچانے والی اللہ کی ذات ہے۔ اسی نے عقل دی اور میں نے اسے استعمال کیا۔'' میں نے جواب دیا اور نیچے دیکھا۔ ہم زمین سے خاصا اوپر آ گئے تھے۔ سنکاری نے ہیلی کاپٹر کو اب ایک طرف موڑ دیا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھا۔

''یہ جو شوٹ آؤٹ ہوا ہے اس کی اطلاع پر پولیس ہمیں تلاش نہیں کرے گی۔''

''ہمارا اس سے کیا تعلق ہے۔'' سنکاری نے جواب دیا۔ ''ہم کچھ دیر اتر ادوبارہ فلائی کر گیا۔''

''مطلب یہ کہ اگر تلاش کیا تو دوسرے ایئر کلب تک تو نہیں آ جائے گی؟''

''اسے کیا پتا ہم کدھر گیا ہے۔'' سنکاری نے کہا اور دوبارہ ہیلی کاپٹر نیچے کرنے لگا۔ جب ہم اس دوسری ایئر فیلڈ پر اترے تو پونے چھ بج رہے تھے۔ اس بار بھی بانو سنکاری کے ساتھ گئی۔ راج کنور خاموش بیٹھا تھا اس نے پہلی بار زبان کھولی۔

''اگر وہ لاشیں دریافت ہو گئیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''جب تک پولیس جائے وقوع پر آئے گی میں سرحد پار کر چکا ہوں گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''یہ امریکا یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یورپ نہیں ہے جہاں پولیس دس منٹ میں پہنچ جائے۔ دس منٹ تو اسے کرسی سے ہلنے میں لگتے ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہ ایئرپورٹ کا معاملہ ہے۔''

''تم فکر مت کرو تمہاری دلی آرزو پوری نہیں ہوگی۔'' میں نے کہا اور بیگ سے لیپ ٹاپ اور یو ایس بی نکالی۔ میں ہیلی کاپٹر سے باہر نکل آیا تھا تاکہ راج کنور میری گفتگو نہ سن سکے۔ توقع کے عین مطابق یہاں سگنل تھے۔ یہ یو ایس بی انڈیا کی حد میں کہیں بھی استعمال کی جاسکتی تھی۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔

''تم لوگ کہاں ہو؟''

''اپنی جگہ پہنچ گئے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''پلان کے مطابق سب نے اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لی ہے۔''

''میں آرہا ہوں۔ شاید سات کے آس پاس میں وہاں پہنچ جاؤں۔ جی پی ایس لوکیشن بتاؤ۔''

عبداللہ نے جی پی ایس کی ریڈنگ بتائی جو میں نے موبائل میں محفوظ کرلی۔ عبداللہ نے ڈھکے چھپے انداز میں پوچھا۔ ''مسئلہ حل ہوگیا؟''

''ہاں ایک شاندار ایڈونچر کے بعد عزت مآب راج کنور صاحب دوبارہ میری کشتی میں ہیں۔''

''ہم ان کے استقبال کے لیے بے تاب ہیں نادر کے ساتھ والا کمرا ان کے لیے مخصوص ہوگا۔''

''بس میں نے یہی اطلاع دینی تھی۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر واپس ہیلی کاپٹر میں آگیا کیونکہ یہاں رن وے پر خاصی چہل پہل تھی۔ میں غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس بار میں نے سویرا کا نمبر ملایا۔ وہ موبائل ہر وقت ساتھ رکھنے لگی تھی کہ نہ جانے کب میری کال آجائے۔ مگر اس نے ذرا تاخیر سے کال وصول کی۔ وہ پھولی سانسوں کے درمیان بولی۔

''آپ..... آپ ہیں نا؟''

''ہاں میری جان میں ہوں۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''آپ کہاں ہیں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے آپ کب واپس آئیں گے؟'' سویرا کی آواز بھرا گئی۔

''بس میں آرہا ہوں کچھ دیر بعد اپنے ملک میں ہوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن سویرا میں دشمنوں کے درمیان میں ہوں۔ پتا نہیں اللہ نے میرے لیے کیا لکھا ہے۔''

''ایسا نہ کہیں۔'' وہ رو دی۔ ''میں آپ کے لیے بہت دعا کر رہی ہوں آپ ضرور آئیں گے۔''

''مجھے بھی یہی امید ہے لیکن سویرا بعض اوقات انسان جیسا سوچتا ہے ویسا نہیں ہوتا ہے اس لیے میں نے سوچا تم سے بات کرلوں۔''

اس بار وہ جذباتی نہیں ہوئی اور اس نے خود کو سنبھال لیا۔ ''شہباز میرا دل کہتا ہے آپ کو کچھ نہیں ہوگا آپ کامیاب واپس آئیں گے۔ پھر آپ میرے ہوں گے۔''

''ہاں میری زندگی۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''سویرا میرے لیے دعا کرنا میرے لیے آنے والی مشکل آسان ہو۔''

راج کنور پیچھے بیٹھا میری بات سن رہا تھا لیکن مجھے اس کی پروا نہیں تھی اس وقت تو میں ہجوم میں بھی اکیلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا۔ سویرا حوصلہ کرتے کرتے بکھر جاتی اور میں اسے پیار سے سمیٹتا پھر وہ مجتمع ہو جاتی تو میں بکھرنے لگتا۔ وہ مجھے سمیٹتی۔ اس نے بتایا کہ وہ موبائل کو سائلنس پر کر کے اپنے وجود سے لگا کر رکھتی ہے کیونکہ اس نمبر پر صرف میں کال کرتا ہوں اس لیے وہ ایک لمحے کو بھی موبائل خود سے جدا نہیں کرتی ہے۔ اس نے بتایا نہیں کہ موبائل کہاں رکھتی ہے لیکن میں سمجھ گیا تھا۔ ابھی موبائل وائبریٹ ہوا تو وہ ماں جی اور آپا صغراں کے ساتھ بیٹھی تھی جلدی سے بہانہ کر کے وہاں سے اٹھ گئی۔ میں نے شمی، سعدیہ اور مونا کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ حویلی سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ بابا نے جو نیا باغ بنایا تھا وہاں تھیں۔ جب سے موسم گرم ہوا تھا وہ اکثر شام کے وقت حویلی کے صحن یا باغ میں چلی جاتی تھیں۔

جس وقت میں بات کر رہا تھا ایک فیول ٹینکر ہیلی کاپٹر تک آیا اور اس میں فیول بھرنے لگا۔ سنکاری اور بانو کچھ دیر بعد آئے لیکن وہ باہر ہی رہے۔ سنکاری معائنہ کرتا رہا کہ فیول کتنا جا رہا ہے۔ بانو اس کی نگرانی کرتی رہی۔ اگرچہ سنکاری نے اب تک کوئی غلط حرکت نہیں کی تھی مگر بانو اس کی نگرانی میں ذرا بھی غفلت نہیں برت رہی تھی شاید اس وجہ سے بھی وہ اب تک راہِ راست پر تھا۔ تقریباً بیس منٹ فیول بھرتا رہا اور میں نے ان بیس منٹوں کے ایک ایک سیکنڈ سے فائدہ اٹھایا۔ سویرا کی آواز اور اس کے جذبات اپنی سماعتوں میں محفوظ کرتا رہا۔ بالآخر مجھے کال ختم کرنا پڑی کیونکہ فیول بھر گیا تھا اور سنکاری ادائیگی کر کے ہیلی کاپٹر میں آ گیا۔ میں نے اسے بیس ہزار دیئے تھے اس کے بعد اسے کوئی رقم نہیں دی تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس کا معاوضہ اسے دے دوں۔ میں نے ایک لاکھ بھارتی روپیا اسے دینا چاہا تو اس نے لاپروائی سے کہا۔

''ابھی نہیں، بچ گیا تو لوں گا ورنہ ابھی کیا فائدہ؟''

''سنکاری مجھے اپنا پتا بتاؤ، اگر ہم نہ بچ سکے تو بھی تمہارے گھر اتنی رقم پہنچ جائے گی کہ تمہاری بیوی کچھ عرصے آرام سے گزارا کر سکے اس میں یہ رقم بھی شامل ہو گی۔''

وہ ہچکچایا لیکن پھر اپنا پتا بتا دیا۔ میں نے عبداللہ کو کال کی۔ اسے پتا نوٹ کرایا اور کہا کہ اگر ہم سرحد پار نہ آ سکیں اور مارے جائیں تو وہ پائلٹ کے گھر پانچ لاکھ بھارتی روپے کی رقم پہنچائے گا۔ عبداللہ پریشان ہو گیا۔

''خدانہ کرے کہ ایسی کوئی بات ہو لیکن میں نے سب نوٹ کر لیا ہے۔''

''بس یہی کہنا تھا ہم یہاں سے نکلنے والے ہیں۔''

''اللہ آپ کو حفظ و امان میں رکھے۔'' عبداللہ نے دعا کی۔

''آمین۔'' میں نے کہتے ہوئے کال کاٹ دی اور سنکاری کو ہیلی کاپٹر بلند کرنے کو کہا۔ وہ میری طرف عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے جوابی نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے ہچکچا کر کہا۔

''میں اب تک نہیں سمجھ سکا آپ کیسا آدمی ہے۔ ہم کو کڈنیپ کر کے لایا۔ ادھر دو بندہ کتے کی طرح مار دیا اور اب میرا بیوی بچہ کا خیال کر رہا ہے۔''

''تم اس چکر میں مت پڑو دانہ ہو جاؤ کیونکہ وقت کم ہے۔ سمجھ لو آج تمہاری صلاحیتوں کا امتحان ہے، یہ بتاؤ ہیلی کاپٹر میں جی پی ایس ہے؟''

''بالکل ہے اس کے بغیر اب کوئی مشین فلائی نہیں کر سکتی ہے۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے موبائل پر جی پی ایس لوکیشن دکھائی۔

''ہمیں یہاں جانا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''آپ کو بالکل اسی جگہ لے جائے گا۔''

ہیلی کاپٹر ایک دھچکے سے اوپر اٹھا تو میں خاص قسم کی سنسنی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس سارے منصوبے کا اہم ترین مرحلہ آ گیا تھا۔ ایک گھنٹے سے بھی پہلے ہم سرحد پار ہو جاتے یا زندگی کی سرحد پار کر جاتے۔

''کتنا وقت لگے گا؟''

''تقریباً پون سے ایک گھنٹا۔'' سنکاری نے جواب دیا۔ وہ انسٹرومینٹل پینل کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ایک ایک چیز چیک کر رہا ہو۔ ظاہر ہے اس کے لیے بھی یہ اہم ترین پرواز تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ امرتسر کے بعد بلندی پانچ سو فٹ سے کم کرنی ہے اور سرحد کے پاس سو فٹ سے کم۔ وہ چونکا۔ ''اتنی کم بلندی کیوں؟''

''اس بلندی پر مین پورٹیبل میزائل بیکار ہو جاتے ہیں۔'' میرے بجائے راج کنور نے جواب دیا۔ ''وہ حدت پر لپکتے ہیں اور کم بلندی کی وجہ سے زمین کی حدت ان کے سینسر کو ناکارہ کر دیتی ہے۔ صرف بہت جدید میزائل دھوکا نہیں کھاتے ہیں لیکن وہ پاکستان کے پاس نہیں ہیں۔''

میں نے اسے یاد دلایا۔ ''ابھی پچھلی جنگ میں پاکستان نے ایسے ہی میزائلوں سے دو بھارتی جنگی طیارے مار گرائے تھے۔''

''وہ طیارے تھے، اتنی کم بلندی پر پرواز نہیں کر سکتے ہیں اور پھر وہ مقام بھی پہاڑی تھا۔ یہ میدان ہے اور ہم ہیلی کاپٹر میں ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سنکاری نے راج کنور کی تائید کی۔ ''میں پچاس فٹ کی بلندی پر بھی اڑا سکتا ہوں۔''

''انڈیا کے پاس ایسے میزائل ہیں وہ دس فٹ کی بلندی پر اڑتے ہیلی کاپٹر کو بھی نشانہ بنا سکتے ہیں۔'' راج کنور نے انکشاف کیا تو سنکاری گھبرا گیا۔

''پھر تو ہم مارا جائے گا۔''

''تم فکر مت کرو یہ انڈین حکام سے اجازت لے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''ممکن ہے اجازت نہ ملے۔'' راج کنور نے کہا۔

''اس صورت میں تم بھی ہمارے ساتھ مرو گے۔'' میں نے اسے گھورا۔

''یہ ہر صورت مرے گا۔'' بانو نے نفرت سے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' راج کنور سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''میں تم سے تعاون کروں یا نہ کروں موت میرا مقدر ہے۔''

''ایسا نہیں ہے ممکن ہے تم بچ جاؤ۔'' میں نے بانو کو گھورا۔ ''یہ جذباتی ہو رہی ہے۔''

''میں اسی معمولی سی امید پر چانس لے رہا ہوں میں تم سے تعاون کروں گا تو شاید میں بچ جاؤں۔'' راج کنور نے ہیلی کاپٹر کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ مجھے امید نہیں ہے کہ میں بچ سکوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیلی کاپٹر چھ ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گیا تھا اور اب دوبارہ سردی لگنے لگی تھی جب کہ نیچے گرمی سے برا حال تھا۔ جب تک ہیلی کاپٹر رکا رہا ہم پسینے میں نہائے رہے تھے۔ مگر حالات کی گرمی نے ماحول کی گرمی کو محسوس نہیں ہونے دیا تھا۔ رفتار ایک سو اسی کلومیٹر فی گھنٹا تھی۔ میں نے کہا۔ ''رفتار تیز نہیں ہو سکتی ہے؟''

''فیول فل ہے اور میدانی جگہ پر ہوا بھی تھک ہوتی ہے اس لیے رفتار کم ہے۔ ابھی فیول کم ہو جائے گا چوپر ہلکا ہوئے گا تو رفتار بڑھے گا پر تب تک تو ہم امرتسر پہنچ جائے گا۔''

سویرا سے بات کر کے دل کچھ بوجھل سا تھا۔ میں بغیر کسی جذبے کے میکانکی انداز میں حرکت میں تھا۔ سیٹ سے پشت ٹکا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر پہلے ہونے والا واقعہ اہم تھا اور ہم بچ گئے تھے لیکن اس کی اہمیت آنے والے وقت کی اہمیت کے سامنے دب گئی تھی۔ نہ جانے کیا قسمت تھی جہاں جاتا ہوں وہاں کوئی نہ کوئی چکر شروع ہو جاتا ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ جب کچھ نہ ہو اور وقت خیر خیریت کے ساتھ گزر جائے۔ بریف کیس میں موجود دو ملین ڈالرز کا پلاٹینم بتا رہا تھا کہ وہ لوگ کوئی بڑا ہاتھ مار کر آ رہے تھے۔ شاید پولیس نے ناکہ بندی کی ہوئی تھی اس لیے انہوں نے اس مجی ایئر کلب سے ہیلی کاپٹر یا طیارہ ہائی جیک کر کے نکلنے کا سوچا تھا۔ بدقسمتی سے وہ سنکاری کا انتخاب کر بیٹھے جو پہلے ہی ہمارے ہاتھوں یرغمال بنا ہوا تھا۔ شاید بانو کو دیکھ کر بھی ان کی نیت خراب ہوئی تھی۔ وہ فرار کے ساتھ ساتھ اس کے چکر میں بھی پڑ گئے تھے۔

مجھے خیال آیا کہ آنے والے دونوں افراد فرار کے لیے بے چین تھے تو پھر وہ کون تھے؟ جو ان کے پیچھے آئے تھے۔ اگر وہ ان کے ساتھی تھے تو ان کو بھی لے کر جانا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہیں تھا اس کا امکان تھا کہ وہ دوست کے بجائے وہی لوگ ہوں جن سے وہ یہ خزانہ حاصل کر کے فرار ہوئے تھے اور وہ پیچھا کرتے عین اس وقت ایئر فیلڈ پہنچ گئے جب ہم روانہ ہو رہے تھے اور وہ سمجھے کہ ہیلی کاپٹر میں رگھو اور گرج ہیں۔ شکر ہے ان کی کوشش کے باوجود ہیلی کاپٹر کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اگر کوئی گولی لگی بھی تھی تو اس نے نقصان نہیں کیا تھا۔ اب امکان یہ تھا کہ انہوں نے ایئر کلب پر جو شوٹنگ کی تھی اس کے بعد ہیلی کاپٹر سے ملنے والی لاشیں بھی ان کے سر ماری جائیں گی اگر پکڑے گئے تو کیس پکا ہو گا ورنہ پولیس تلاش کرے گی۔ میں نے راج کنور سے پوچھا۔

''رابطہ کب کرنا ہے؟''

''امرتسر کے بعد۔'' اس نے جواب دیا۔ ''بلندی لازمی کم کر لینا ورنہ نارمل فوجی ریڈار ہیلی کاپٹر کو ٹریک کر لے گا اور وارننگ مل جائے گی کہ ریڈ زون سے دور رہا جائے۔''

میں نے سنکاری سے کہا۔ ''اب اس معاملے میں تم خود اس سے بات کرو یہ تمہیں مخصوص ریڈیو فریکوئنسی بھی بتائے گا جس سے رابطہ کیا جائے گا۔''

سنکاری اس سے بات کرنے لگا۔ راج کنور اسے بتا رہا تھا کہ سرحد پار کرنے کا طریقہ کار کیا ہے۔ سنکاری سن رہا تھا اور اپنی تسلی کے لیے اس سے سوال بھی کر رہا تھا۔ ہیڈ فون کی وجہ سے ہم با آسانی ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے ورنہ ہیلی کاپٹر کے شور میں گلا پھاڑ کر بات کرنا پڑتی اور دوسرے کو شاید پھر بھی سنائی نہ دیتا۔ چلانا تو اب بھی پڑ رہا تھا لیکن بہر حال بات کی جا سکتی تھی۔ اس کا مائیک خاص نوعیت کا ہوتا ہے صرف پاس کی آواز کیچ کرتا ہے۔ اس کے باوجود بے پناہ شور آ رہا تھا۔ سنکاری سمجھ رہا تھا پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں سمجھ گیا ہے۔ تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈنجرس اینڈ رسکی.....ذرا سا اِدھر اُدھر ہوا.....میزائل آ کر لگا۔''

''اِدھر اُدھر ہونے کی کیا ضرورت ہے صحیح جگہ رہو گے تو کوئی میزائل نہیں نکلے گا۔'' میں نے کہا اور راج کنور سے پوچھا۔ ''ریڈزون کتنا بڑا ہے؟''

''مجھے صحیح سے نہیں معلوم لیکن شاید سرحد سے پانچ کلومیٹرز پہلے ریڈزون شروع ہو جاتا ہے۔ اس میں داخل ہونے والے کسی بھی طیارے کو خبردار کیا جاتا ہے اگر وہ پانچ سوفٹ کی بلندی سے اوپر ہو اور اگر وہ اس سے نیچے ہو تو اسے شوٹ ڈاؤن کر دیا جاتا ہے۔''

''بغیر وارننگ کے؟'' سنکاری دہشت زدہ ہو گیا۔

''ہاں.....اس لیے ریڈزون سے دور رہ کر کال کا انتظار کرنا ہو گا۔'' راج کنور نے کہا۔ ''کم سے کم بلندی سوفٹ رکھنی ہو گی ورنہ ہیلی کاپٹر مشکوک ہو جائے گا اور بلا وارننگ شوٹ کیا جا سکتا ہے۔''

جیسے جیسے راج کنور تفصیلات بتا رہا تھا خطرات اور خدشات بڑھ رہے تھے۔ وہ اتنا شریف نہیں تھا کہ رضا کارانہ بتاتا مگر اس کی جان پر بنی ہوئی تھی، اسے معلوم تھا کہ اگر ہیلی کاپٹر کو نشانہ بنایا گیا تو وہ بھی مارا جائے گا اس لیے وہ سب کھل کر بتا رہا تھا۔ اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے پاس مجھ سے تعاون کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر وہ کوئی بات چھپاتا تو اس کا نقصان اسے بھی ہوتا۔ دوسری صورت میں اسے امید تھی کہ شاید اس کی جان بچ جائے۔ میں اسے چھوڑ دوں یا اسے قسمت کوئی موقع دے۔ اسی امید پر وہ فرمانبرداری سے تعاون کر رہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد سنکاری نے اعلان کیا۔ ''ہم امرتسر کے پاس ہیں اس کے اوپر سے آگے نکلیں گے۔''

ہم سب سنبھل کر بیٹھ گئے تھے۔ میں نے اور بانو نے بھی سیٹ بیلٹ باندھ لی۔ ہیلی کاپٹر کا رخ بتدریج بدل رہا تھا اور اب یہ شمال مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ پکھیالا کا علاقہ لاہور سے اوپر پڑتا تھا۔ سنکاری نے کہا۔ ''اب ہم سرحد سے بیس کلومیٹرز دور ہے۔''

راج کنور نے کہا۔ ''بلندی کم کرو۔ ہزار فٹ پر آ جاؤ لیکن خیال رکھنا امرتسر سے اڑنے والی فلائیٹ بھی اسی علاقے سے گزرتی ہیں۔''

اس وقت بلندی چار ہزار فٹ تھی۔ سنکاری نے رفتار اور بلندی دونوں کم کرنا شروع کر دی تھی۔ چھ بج کر پچاس منٹ پر سورج مغربی افق پر جا ٹکا تھا۔ اس کا آتشیں گولہ ذرا بائیں طرف تھا۔ مشکل سے پندرہ منٹ بعد سورج غروب ہو جاتا اور ہمیں اسی دوران میں اپنی منزل تک پہنچ جانا تھا۔ سنکاری اتنی مہارت سے ہیلی کاپٹر کو نیچے لا رہا تھا کہ ہمیں احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اعلان کر رہا تھا کہ اب کتنے کلومیٹرز دور ہے سرحد۔ آخر جب اس نے دس کلومیٹرز کا اعلان کیا تو راج کنور نے کہا۔ ''ریڈیو آن کر کے فریکوئنسی سیٹ کر لو کوئی غلطی نہ ہو۔ ایک بار پکارنے پر جواب نہ ملے تو دوبارہ نہیں پکارا جاتا ہے۔ دوسری بار میزائل فائر ہوتا ہے۔''

''بار بار کیوں بتاتا ہے۔'' سنکاری نے خفگی سے کہا اور کنفرم کر کے ریڈیو فریکوئنسی سیٹ کر لی۔ اب ہم تیار ہو گئے تھے۔ اس دوران میں ہیلی کاپٹر ہزار فٹ سے نیچے آ گیا تھا اور اس کی بلندی میں مزید کمی واقع ہو رہی تھی۔ مزید دو کلومیٹرز آگے نکلنے کے بعد سنکاری نے رفتار بہت کم کر دی تھی اور اب ہیلی کاپٹر ٹہل رہا تھا۔ میرا دل تیز دھڑک رہا تھا۔ میرا وطن میرے پیاروں کی سرزمین یہاں سے صرف آٹھ کلومیٹرز کے فاصلے پر تھی۔ اگر ہیلی کاپٹر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوری رفتار سے چلتا تو یہ فاصلہ صرف پانچ منٹ میں طے ہوسکتا تھا۔ مگر یہ آٹھ کلومیٹرز اور پانچ منٹ دنیا کے مشکل ترین فاصلے اور وقت تھا۔ ایک آگ وخون کا دریا پار کرنا تھا۔ اب ہیلی کاپٹر پانچ سے سوفٹ سے بھی نیچے آگیا تھا۔ نیچے سبز جھاڑیوں سے بھرا میدان اور کہیں کہیں کھیت دکھائی دے رہے تھے۔ اب زمین پر سورج کی روشنی تیزی سے کم ہورہی تھی۔ سائے پھیل رہے تھے۔ سنکاری نے بتایا کہ سرحد اب سات کلومیٹرز دور تھی۔ اس نے کہا۔

''اس سے آگے جانے میں خطرہ ہوسکتا ہے۔''

راج کنور نے بلندی پوچھی اور کہا۔ ''اسے ڈیڑھ سوفٹ پر لے آؤ۔ اگر ریڈیو سے پکارا گیا تو میں جواب دے سکوں گا؟''

''ریڈیو کا ہیڈتم کو دے دیا ہے۔'' سنکاری نے جواب دیا۔ ''اپنے ہیڈفون پر رائٹ پر لگا بٹن دبائے گا تو تمہارا مائیک آن ہوجائے گا۔''

کیونکہ یہاں سے آگے بڑھنے میں خطرہ تھا اس لیے سنکاری نے ہیلی کاپٹر کو ایک چھوٹے دائرے میں گھمانا شروع کردیا تھا۔ ایک ہی جگہ رکے رہنے سے ایندھن کا استعمال بڑھ جاتا۔ ہم سب ٹینشن کے عالم میں انتظار کررہے تھے کب انڈین سائیڈ سے پکارا جاتا ہے مگر ابھی تک کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ وقت سُست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ میری نظر گھڑی پر مرکوز تھی۔ مجھے خیال آیا کہ اگر ہمیں انڈین سائیڈ سے نہ پکارا گیا تو کیا میں اپنی اور مزید تین افراد کی جان کی بازی لگا کر سرحد پار کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ اسی لمحے گھڑی میں سات بجے اور اس کے ساتھ ہی ریڈیو جاگ اٹھا۔ اس سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی اور پھر کسی نے کہا۔ ''پی ایس کے..... فائیو تھری ٹو..... ہواز دیئر۔''

میں نے پلٹ کر دیکھا اور راج کنور کی طرف پستول سیدھا کرلیا تھا اس نے ہیڈفون پر لگا مائیک کا بٹن دبایا اور بولا۔ ''آئی ایس کے..... نائن ٹو فائیو..... ڈو یو ریڈی؟''

''راجر..... یور آئیڈینٹی پلیز؟'' بولنے والا نرا خشک اور فوجی لگ رہا تھا۔ اس کی آواز میں کرختگی تھی۔

جواب میں راج کنور نے سنبھل کر ایک طویل نمبر بتایا جس میں انگریزی کے الفابیٹ بھی آرہے تھے۔ جب وہ خاموش ہوگیا تو دوسری طرف سے کہا گیا۔

''راجر..... پرمیشن اپروو..... فار نیکسٹ ٹو آورز۔''

راج کنور کے اشارے پر سنکاری نے ریڈیو بند کردیا اور ہم سب نے سکون کا طویل سانس لیا۔ سنکاری نے ریڈیو آف کیا تو راج کنور نے کہا۔ ''مجھے دو گھنٹے کے لیے ریڈزون استعمال کرنے کی اجازت ملی ہے۔''

''یعنی تم دو گھنٹے میں واپس آجاؤ۔''

''بالکل اگر اس سے دیر لگے گی تو دوبارہ پرمیشن لینا پڑے گی۔'' راج کنور بولا۔ ''لیکن یہ بہت رسکی ہوگا کیونکہ پاکستان کی طرف سے آنے کی صورت میں بعض اوقات وارننگ نہیں ملتی ہے۔ سسٹم آٹو میٹک شوٹ کرتا ہے اسے روکنے کے لیے آپریٹر کے پاس صرف چند سیکنڈ کی مہلت ہوتی ہے۔''

سنکاری نے اس سے پوچھا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہیلی کاپٹر نیچے لاتے ہوئے سرحد کراس کرو۔ سرحد پار کرتے ہوئے بلندی سو فٹ سے کم رکھنا۔''

میرے لیے یہ تسلیم کرنا مشکل تھا کہ اتنی اہم سرحد پر ہماری طرف سے کوئی پہرہ نہیں ہوگا۔ اگر زمینی ساخت کی وجہ سے ریڈار کی نگرانی ممکن نہیں تھی تو دوسرے کئی طریقے تھے جن سے نگرانی کی جا سکتی تھی اور کچھ نہیں تو زمینی فورسز کی موجودگی لازمی تھی جو سرحد سے گزرنے والے ہیلی کاپٹر کو دیکھ سکتی تھی۔ راج کنور اب سنگاری کو گائیڈ کر رہا تھا کہ اسے کہاں سے گزرنا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی راج کنور وہ مخصوص اصطلاحات استعمال کر رہا تھا جو ہیلی کاپٹر اور طیاروں کے نیوی گیٹر استعمال کرتے ہیں۔ سنگاری اس زبان کو خوب سمجھتا تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر کو اسی لحاظ سے بڑھا رہا تھا۔ نیچے منظر تاریک ہو رہا تھا کیونکہ سورج ڈوبنے کے قریب تھا۔ ہم ایک متروک ہو جانے والی سڑک پر اڑ رہے تھے۔ راج کنور نے کہا۔ ''جب تقسیم نہیں ہوئی تھی تو یہ سڑک راوی کے پار جاتی تھی۔ پھر تقسیم نے اسے ختم کر دیا۔ اس کا پل بھی متروک ہو گیا۔''

''سرحدیں بہت سے راستوں کو ختم کر دیتی ہیں اور نئے راستوں کو جنم دیتی ہیں۔'' میں نے کہا۔

مشکل سے پچاس فٹ کی بلندی پر اڑتے ہوئے ہیلی کاپٹر سرحد کے پاس ہوتا جا رہا تھا۔ سنگاری نے کہا۔ ''ہم چار کلومیٹرز دور ہے۔''

ہیلی کاپٹر کی رفتار نوے کلومیٹرز فی گھنٹا تھی۔ یعنی پونے تین منٹ میں سرحد عبور کر جاتے۔ میں نے جھک کر نیچے دیکھا۔ دور ایک نشیب دکھائی دیا جس میں پانی چمک رہا تھا۔ یہی دریا راوی تھا اس کے پار میرا ملک میرا وطن تھا۔ سنگاری نے پوری قوت سے فلائنگ اسٹک تھام رکھی تھی اور اس کے چہرے پر کشیدگی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ شاید ہم سب کے چہرے کشیدہ تھے۔ ہر گزرتے لمحے دلوں کی دھڑکنیں بھی بڑھ رہی تھیں۔ بانو نے سیٹ پر ہتھیلیاں جما رکھی تھیں جیسے کسی متوقع دھچکے سے بچنا چاہ رہی ہو۔ سنگاری نے کہا۔ ''دو کلومیٹرز۔''

''ہم ریڈزون سے گزرنے والے ہیں۔'' راج کنور نے کہا۔

''لیکن گزرے نہیں ہیں۔'' میں نے زیر لب کہا۔ اب تقریباً ڈوب جانے والے سورج کی آخری کرنیں دریا کے پانی پر مچل رہی تھیں۔ ہیلی کاپٹر دریا کی وادی میں داخل ہوا اور پانی کے اوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف جانے لگا۔ سنگاری نے کہا۔

''ہم نے بارڈر کراس کر لیا ہے۔''

یہ سن کر میرا دل ایک لمحے کو تھم گیا۔ راج کنور بولا۔ ''ہم بارڈر پہلے ہی کراس کر چکے تھے۔ دریا پاکستان کی حد میں ہے۔''

دریا کراس کر کے ہیلی کاپٹر آگے آیا تو سڑک کا آغاز ہو گیا۔ سنگاری اب جی پی ایس کی مدد سے بتائی ہوئی لوکیشن کی طرف جا رہا تھا۔ عبداللہ اور وسیم اسی مقام پر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ نارنگ منڈی روڈ کی طرف سے کراسنگ کر کے آنے والی سڑک مشکل سے چار کلومیٹرز لمبی تھی۔ میں نے عبداللہ سے بات کی تھی تو اس نے کہا تھا کہ وہ خاصی دیر سے یہاں تھا۔ مگر پچاس فٹ کی بلندی سے جہاں تک سڑک نظر آتی تھی اس پر کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ جب کہ وسیم نے کہا تھا کہ وہ آخری حد تک آ جائے گا۔ دونوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا سنگاری نے مجھ سے کہا۔ ''ہم پہنچ گیا ہے جی پی ایس لوکیشن پر۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے بے یقینی سے نیچے دیکھا مگر سڑک اور آس پاس زمین دور تک خالی تھی۔ شمال کی طرف دور ایک آبادی کے آثار تھے مگر اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ جنوب میں کچھ قدر اونچی جھاڑیاں تھیں اور ویرانہ تھا۔ عبداللہ اور وسیم کو بالکل اسی جگہ موجود ہونا چاہیے تھا اور اگر وہ کسی وجہ سے سڑک پر موجود نہیں تھے تب بھی آس پاس حدِ نظر میں ہونا چاہیے تھا مگر وہ بالکل غائب تھے۔ بانو بھی دوسری طرف سے نیچے دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔ ''شوبی یہاں تو کوئی نہیں ہے۔''

''انہیں یہیں ہونا چاہیے تھا۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''کوئی وجہ ہوئی ہے جو وہ یہاں نہیں ہیں ہمیں دیکھنا ہوگا۔''

سنکاری نے کہا۔ ''جلدی بولو اب کیا کرنا ہے؟ ابھی واپس جانے کا بھی ہے۔''

''ہیلی کاپٹر نیچے اتارو۔'' میں نے حکم دیا تو سنکاری نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔

''ابھی اتارنے کا نہیں ہے۔'' سنکاری بولا۔ ''میں نیچے کرتا ہوں تم کود جاؤ۔''

''بکومت۔'' میں نے پستول دوبارہ اس کی گردن سے لگا دیا اور گرج کر کہا۔ ''نیچے اتارو..... جلدی۔''

مجبوراً اس نے ہیلی کاپٹر نیچے کرنا شروع کیا اور میری طرف دیکھا۔ ''یہ اچھا نہیں ہے ابھی کوئی آ گیا تو ہم پکڑا جائے گا جاسوسی کے الزام میں بند ہوگا موت کا سزا ہوگا۔''

''یہاں نہیں۔'' میں نے منع کیا وہ سڑک پر اتار رہا تھا۔ میں نے جھاڑیوں کے درمیان ایک صاف جگہ اشارہ کیا۔ ''وہاں اتارو۔''

''ادھر جھاڑی ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔ ''چوپر کا بلیڈ ٹکرائے گا۔''

''کچھ نہیں ہوگا یہ نرم جھاڑیاں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر بلیڈ لگے بھی تو ان کو نقصان نہیں ہوگا۔''

بادلِ ناخواستہ سنکاری ہیلی کاپٹر کو اس جگہ لایا اور آہستگی سے نیچے اتارنے لگا۔ ہوا کے زور سے جھاڑیاں خود جھک کر ہیلی کاپٹر کے بلیڈ سے دور ہو رہی تھیں۔ زمین ناہموار تھی لیکن ہیلی کاپٹر کے اسکیز ٹک گئے۔

''اب ہم مارا جائے گا۔'' سنکاری نے فریاد کی۔ ''بائی گاڈ ہم کبھی ایسا کام کرنے کا سوچا بھی نہیں۔''

''کچھ نہیں ہوگا انجن بند کرو۔'' میں نے اگلا حکم دیا تو وہ اچھل پڑا۔

''ابھی انجن بند کر دیا تو دوبارہ اسٹارٹ ہو کر فلائنگ میں ایک منٹ لگے گا۔ ابھی پاکستانی اپنی تلاش شروع کر چکا ہوگا۔ ریڈار نہ سہی آنکھ سے دیکھتا ہوگا۔''

وہ درست کہہ رہا تھا اس کا تقریباً سو فیصد امکان تھا کہ یہاں زمین سے نگرانی کی جا رہی ہوگی اور ہیلی کاپٹر کی تلاش شروع کی جا چکی ہوگی اسی لیے میں نے اسے یہاں جھاڑیوں کے درمیان اتروایا تھا۔

''انجن بند کرو۔'' میں نے پہلے والے لہجے میں کہا تو حکم کی تعمیل کرتے بنی۔ ہیلی کاپٹر کا انجن بند ہوا اور پنکھے رکنے لگے۔ اس کا شور زمین پر یقیناً بہت دور سے سنا جا سکتا تھا۔ راج کنور بھی مضطرب ہو گیا اس نے کہا۔

''شہباز تمہارا کام ہو گیا ہے اب ہمیں جانے دو۔ جتنا وقت گزرے گا ہمارے لیے خطرہ اتنا بڑھتا جائے گا۔''

''فی الحال یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور بانو کی طرف دیکھا۔ ''بانو ان دونوں پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر رکھنا اگر کوئی غلط حرکت کرے تو اسے بلا جھجک شوٹ کر دینا۔"

میں کہتے ہوئے نیچے اتر آیا۔ ہم پاکستانی سرحد میں چار کلومیٹرز اندر آ گئے تھے اور ابھی نارنگ منڈی روڈ کراسنگ سے دو کلومیٹرز دور تھے۔ میں فکر مند تھا میرے ساتھیوں کو یہیں ہونا چاہیے تھا اور وہ غائب تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ میں ان سے رابطہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ انٹرنیٹ ڈیوائس انڈیا میں کام کرتی تھی یہاں اس کے سگنل مشکل سے ہی ملتے پھر بھی میں نے اسے لیپ ٹاپ سے لگا کر دیکھا۔ مگر کنکشن نہیں ہوا تھا۔ انٹرنیٹ کنکشن پر کراس آر ہا تھا۔ پھر میں نے موبائل چیک کیا اور حسب توقع اس پر بھی سگنل غائب تھے۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ ہیلی کاپٹر کا انجن بند ہونے کے بعد یہاں ناقابل بیان قسم کا سکوت چھا گیا تھا۔ میں نے جھک کر مٹی اٹھائی اور اسے سونگھا۔ اس کی مہک نے مجھے یقین دلایا کہ میں اپنے وطن میں ہوں۔ وہ تینوں ہیلی کاپٹر میں بیٹھے تھے۔ اصولاً تو مجھے یہ کرنا چاہیے تھا کہ بانو اور راج کنور کو اتار کر سنکاری کو واپس جانے دیتا۔

لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے اور سنکاری کو یہاں روکنا ضروری تھا۔ ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ میرے ساتھی یہاں موجود نہ ہوں جب تک اس کی کوئی بہت سنگین وجہ نہ ہو۔ اس کا امکان تھا کہ پولیس یا رینجرز ان لوگوں کو لے گئی ہو۔ بہرحال یہ سرحد کے پاس حساس علاقہ تھا اگرچہ اسے سیکورٹی زون قرار نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ کچھ ہی دور ایک گاؤں آباد تھا۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ گاؤں کی طرف جانا چاہیے یا پھر اسی سڑک پر آگے جا کر دیکھنا چاہیے تھا کہ میرے ساتھی کہیں آگے تو نہیں تھے؟ میں سوچتے ہوئے سڑک تک آ گیا تھا۔ دوبارہ واپس ہیلی کاپٹر کی طرف آیا اور بانو کو نیچے آنے کا اشارہ کیا وہ بھی مضطرب تھی اس نے نیچے آتے ہی کہا۔ "ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن میرے ساتھی غائب ہیں اور ایسا کسی بہت بڑی وجہ کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے۔"

"اگر وہ کسی وجہ سے یہاں نہیں ہیں تب بھی ہمیں رکنا نہیں چاہیے۔ راج کو اتار لیتے ہیں اور اسے جانے دیں۔ اس کی وجہ سے ہم دوسرے خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔ اگر ہمارے سیکورٹی والے آ گئے تو سوچ سکتے ہیں کیا ہوگا؟ کون مانے گا کہ ہم انڈیا کے جاسوس نہیں ہیں۔ شوبی مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے اس معاملے میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ہیلی کاپٹر یہاں محفوظ ہے۔ جب تک کوئی اوپر سے نہیں دیکھے گا یہ نظر نہیں آئے گا۔ میں سوچ رہا ہوں سڑک پر آگے جا کر دیکھوں ہو سکتا ہے وہ مل جائیں۔"

"تب تک یہ ہیلی کاپٹر یہیں کھڑا رہے گا؟"

"ہاں..... ویسے بھی تاریکی چھا رہی ہے اور چند منٹ میں مکمل تاریکی ہو جائے گی تب یہ فضا سے بھی نظر نہیں آئے گا۔ زمین سے بھی پاس آنے پر دکھائی دے گا۔ تم یہیں رکو اور اگر کوئی خطرہ دیکھو تو خود کو بچانے کی کوشش کرنا ان کی پروا مت کرنا۔" میرا اشارہ سنکاری اور راج کنور کی طرف تھا۔ "اگر الگ ہو جاؤ تو اسی سڑک کے ساتھ آگے پہنچنا۔ تمہارے پاس پستول بھی ہے اور رقم بھی ہے ان سے کام لینا۔"

ہم دونوں ہیلی کاپٹر سے دور تھے اور دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے اس لیے امکان نہیں تھا کہ وہ دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماری گفتگو سن سکیں۔ بانو نے سر ہلایا اور پوچھا۔ ''اس صورت میں راج کنور کا کیا کرنا ہے؟''

''اسے بھی چھوڑ دینا جو اس کی قسمت میں ہوگا بھگتے گا۔''

بانو ذرا مایوس ہوئی تھی اس کا خیال تھا کہ میں راج کنور کو شوٹ کرنے کا حکم دوں گا۔ مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ''میں بیس منٹ میں آنے کی کوشش کروں گا اگر آدھے گھنٹے زیادہ دیر ہو جائے تو تم اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہوگی۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے آپ جائیں۔''

میں وقت ضائع کیے بغیر سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔ چند لمحے بعد میں پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ جس زمانے میں جاگنگ کا شوق تھا تو میرا اسٹیمنا اتنا اچھا ہو گیا تھا کہ میں ایک کلومیٹر کا فاصلہ چار منٹ میں طے کر لیتا تھا۔ اس لحاظ سے مجھے آٹھ منٹ میں کراسنگ تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ چند منٹ بعد تاریکی چھا گئی۔ آسمان پر بادل تھے اس لیے ستارے اور اگر چاند تھا تو اس کی روشنی بھی غائب تھی۔ مجھے یاد تھا کہ آسمان پر چاند تھا یہ شاید آدھا یا اس سے کچھ بڑا تھا۔ مگر بادلوں نے سب چھپا لیا تھا اور ایک طرح سے یہ اچھی پردہ پوشی تھی لیکن میں جس رفتار سے دوڑ رہا تھا اگر کوئی گڑھا یا رکاوٹ آ جاتی تو ٹھیک ٹھاک چوٹ لگتی۔ میں خطرہ مول لے کر دوڑ رہا تھا پھر مجھے یاد آیا کہ موبائل میں ٹارچ بھی تھی میں نے وہ آن کر لی لیپ ٹاپ والا بیگ بانو کو دے آیا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں کام آسان ہو گیا تھا۔ اس کا فائدہ بھی ہوا آگے سڑک بہت خراب تھی اور اس میں گڑھے تھے۔ اگر میں اندھا دھند بھاگتا تو امکان تھا کہ کسی گڑھے میں میرا پیر آ جاتا۔ اب میں ان سے بچ کر بھاگ رہا تھا۔

آٹھ تو نہیں دس منٹ بعد میں کراسنگ پر پہنچ گیا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ نارنگ منڈی روڈ تھی اور اس پر دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔ اب میں صحیح معنوں میں فکر مند ہو گیا تھا میرے سارے ساتھی محاورے کے مطابق سینگوں کی طرح غائب تھے۔ یہاں تین گاڑیاں معہ چھ افراد کے ہونی چاہیے تھیں۔ مگر نہ کوئی گاڑی تھی اور نہ ہی کوئی فرد۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں واپس جاؤں یا پھر دائیں بائیں میں سے کسی طرف کا رخ کروں۔ یہ خیال کچھ اچھا نہیں لگا میرے ساتھیوں کے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ پیچھے بانو تھی میں اسے کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اگر ایک فیصد بھی امکان ہوتا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی یہاں موجود ہوتا۔ اگر میں دیر کرتا اور بانو بھی چل پڑتی تو اس کو بھی تلاش کرنا پڑتا۔

اس لیے میں واپس چل پڑا میرا سانس کسی قدر بے ترتیب تھا لیکن مجھے امید تھی کہ میں اسی رفتار سے دوڑتا ہوا بروقت ہیلی کاپٹر تک پہنچ جاؤں گا اس سے پہلے کہ بانو اپنے طور پر کوئی فیصلہ کر سکے۔ مگر ابھی میں نے نصف راستہ طے کیا تھا کہ عقب سے روشنی محسوس ہوئی جو چند لمحے بعد ہی تیز ہو گئی تھی یہ کوئی گاڑی تھی جو تیزی سے قریب آ رہی تھی لیکن میں نے پلٹ کر دیکھے بغیر دوڑنا جاری رکھا۔ مجھے خطرہ صرف سکیورٹی ادارے کے افراد سے تھا اور اگر میں مڑ کر دیکھتا تب بھی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ آنے والے کون ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ گاڑی میں کون تھا؟ شاید وہ کوئی عام فرد ہو یا پھر میرا کوئی ساتھی ہو سکتا تھا مگر میں رک کر وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ گاڑی بالآخر مجھ تک آ ہی جاتی میں اس سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ اس طرح ہیلی کاپٹر سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاڑی آکر میرے پاس سے گزری پھر زوردار انداز میں بریکیں گونجیں۔ گاڑی رک گئی۔ یہ چھوٹے ماڈل کی مگر طاقتور جیپ تھی۔ جیپ رکتے ہی اس سے عبداللہ چھلانگ مار کر برآمد ہوا۔ بیتو اس کے پیچھے تھا۔ عبداللہ نے حفظ مراتب کا خیال رکھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ ''شکر ہے آپ آگئے..... یہاں.....''

ابھی عبداللہ کا جملہ منہ میں تھا کہ بیتو بلا تکلف مجھ سے چمٹ گیا۔ ''شوبی آپ آگیا..... لیکن یہاں بڑا گھوٹالا ہو گیا ہے۔''

''تم لوگ کو غائب دیکھ کر مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا۔'' میں نے عبداللہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور بیتو کو ایسے ہی کھینچ کر گاڑی کی طرف لے جانے لگا۔ ''لیکن تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ فوراً آگے چلو دیر سے نقصان ہو سکتا ہے۔''

عبداللہ نے سمجھداری کا ثبوت دیا اور بغیر کوئی سوال کیے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور میں اس کے برابر میں آگیا۔ بیتو اس چھوٹی جیپ کے پچھلے حصے میں گھس گیا۔ میں نے بیٹھتے ہی کہا۔ ''عبداللہ تیز چلاؤ اور مجھے مختصر الفاظ میں بتاؤ مسئلہ کیا ہوا ہے؟''

عبداللہ نے جیپ دوڑا دی اور ساتھ ہی بولنے لگا۔ ''مسئلہ حویلی میں ہوا ہے۔ کچھ افراد سعدیہ کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔''

میں اچھل پڑا۔ ''سعدیہ کو..... کیسے اور کہاں سے؟''

''وہ، مونا اور شمی باہر باغ میں تھے۔ شمی اور مونا کا کہنا ہے کہ کچھ افراد اچانک وہاں آگئے۔ انہوں نے شمی اور مونا کو بے ہوش کیا۔ شمی کا کہنا ہے انہوں نے کوئی گیس سی اسپرے کی اور وہ تینوں ہی بے ہوش ہو گئی تھیں۔ سعدیہ سب سے پہلے بے ہوش ہوئی تھی۔ اس کے کچھ دیر بعد گارڈ نے شمی اور مونا کو باغ میں بے ہوش پڑے دیکھ لیا تھا۔ مگر سعدیہ غائب تھی۔''

عبداللہ بہت خوفناک خبر سنا رہا تھا۔ میں صحیح معنوں میں دہل گیا تھا۔ سعدیہ امید سے تھی۔ ''میرے خدا وسیم کا کیا ردعمل ہوا؟''

''اسی نے تو ساری گڑبڑ کی تھی۔'' عبداللہ بولا اس گفتگو کے دوران ہم ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ گئے تھے۔ جیپ رکتے ہی میں نیچے اتر آیا۔ عبداللہ اور بیتو بھی نیچے آگئے۔ میں جھاڑیوں میں آیا اور وہاں ہیلی کاپٹر بانو سمیت تینوں کو موجود پا کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میرے جانے کے بعد بانو ہیلی کاپٹر میں آگئی تھی۔ یہاں وہ راج کنور اور سنگاری کی نگرانی بھی کر سکتی تھی۔ میں نے تعارف کرایا اگرچہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اسکاپ پر سب ایک دوسرے کو دیکھ چکے تھے اور تعارف بھی ہو گیا تھا مگر ہم پاکستانیوں کو بہت سے کام غیر ضروری کرنے کی عادت ہے۔ ان میں سے ایک بلاوجہ تعارف کرانا بھی ہے۔ بانو سے سلام دعا کے بعد عبداللہ نے آگے بات شروع کی۔ ''وسیم پاگل ہو گیا۔ وہ گاڑی لے کر بھاگا، میں اس کے پیچھے گیا۔ پھر ایاز بھی ہمارے پیچھے آگیا۔ ہم نے ایمن آباد تک جانے والی سڑک تک اس کا تعاقب کیا اس کے بعد وہ کھو گیا۔ ہمیں آپ کا خیال بھی پریشان کر رہا تھا۔ وہاں معاملات دیکھنے والا کوئی نہیں تھا جب وسیم کھو گیا اور اس نے کال بھی ریسیو نہیں کی تو ہم واپس آگئے۔ میں ایاز اور سفیر کے ذمے لگا کر آیا ہوں کہ وہ وسیم سے رابطے کی کوشش کرتا رہے۔ یہاں سگنل نہیں ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہیں میں نے سفیر کو کال کر کے صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے وہ بھی وسیم سے رابطے کی کوشش کر رہا ہو گا۔''

''سفیر بھی آیا ہے۔''

''ہاں میں اسے اسلام آباد چھوڑ رہا تھا مگر وہ ضد کر کے آ گیا۔ یہاں ہم پانچ اور وسیم کے دو آدمی آئے ہیں۔ وہ وسیم والی گاڑی میں تھے۔ ایاز اور سفیر الگ گاڑی میں ہیں اور بیتو میرے ساتھ ہے۔''

میں عبداللہ سے بات کر رہا تھا اور میرے ذہن میں بڑے کنور کی آواز گونج رہی تھی۔ ''بے شک شہباز سرحد پار بھی چلا جائے تب بھی وہ واپس آئے گا۔''

اس وقت میں نہیں سمجھا تھا کہ بڑا کنور کیوں اتنا بڑا دعویٰ کر رہا تھا لیکن اب میں کسی حد تک سمجھ گیا تھا کہ اس نے یہ دعویٰ کیوں کیا تھا۔ اگر سعدیہ کے ساتھ شمی اور مونا بھی غائب ہوتے تو میرا ذہن اس طرف نہ جاتا مگر صرف سعدیہ کے غائب ہونے سے واضح تھا کہ یہ کام کس کا ہے۔ بڑا کنور یقیناً اتنی قدرت رکھتا تھا کہ پاکستان سے کسی کو اٹھوا سکتا تھا۔ اس کے پاس بے حساب دولت تھی اور دولت ہر مشکل کام کو آسان بنا دیتی ہے۔ ممتاز جیسے طاقتور سیاست دان سے اس کے روابط سامنے کی بات تھی مزید نہ جانے کہاں کہاں اس کی ڈوریں موجود تھیں۔ جس انداز میں سعدیہ کو اغوا کیا گیا تھا اس سے ظاہر تھا یہ بہت منظم اور تربیت یافتہ لوگوں کا کام تھا۔ عبداللہ نے زور سے آواز دی تو میں چونکا۔ ''شہباز صاحب آپ کہاں گم ہیں فوراً چلیں ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔''

''ہاں وقت نہیں ہے تم بانو اور بیتو کو لے جاؤ۔ راج کنور بھی تمہارے ساتھ جائے گا۔''

عبداللہ حیران ہوا تھا۔ ''راج کنور آپ کے ساتھ ہے؟''

''ہاں وہ ہیلی کاپٹر میں موجود ہے اسی کی مدد سے ہم نے اتنی آسانی سے سرحد پار کی ہے۔''

بیتو نے بیقرار ہو کر کہا۔ ''شوبی آپ کیوں نہیں چلے گا؟''

''مجھے واپس جانا ہو گا۔'' میں نے کہا تو بیتو اور بانو ایک ساتھ چلائے تھے۔

''کیوں.....؟''

''شہباز صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' عبداللہ مضطرب لہجے میں بولا۔ ''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' بہ صد احترام اس نے میری دماغی حالت پر مہذب پیرائے میں سوال کیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور میرا دماغ نہیں چلا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے سعدیہ کہاں ہے؟''

''کہاں ہے؟'' بانو بولی پھر وہ چونک گئی۔ ''میرے خدا کہیں بڑے کنور نے.....''

''مجھے یقین ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''اسے کسی طرح معلوم ہو گیا کہ سعدیہ ہمارے پاس ہے اور وہ خاموشی سے اسے واپس حاصل کرنے کی پلاننگ کرتا رہا۔ جب میں اس کے ہاتھ سے نکلا تو اس نے اپنے مہرے ہلائے اور سعدیہ کو حاصل کر لیا۔''

''شہباز صاحب یہ صرف ایک مفروضہ ہے ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے ممکن ہے یہ مرشد.....''

میں نے نفی نے سر ہلایا۔ ''اس صورت میں وہ تینوں کو لے جاتا۔ صرف سعدیہ کو لے جانا بیوقوفی ہوتی۔ یہ کام صرف بڑے کنور کا ہے مجھے یقین ہے اگر مجھ سے اس کا مقصد پورا ہو جاتا تو وہ کبھی سعدیہ کو نہ چھیڑتا وہ اس سے محبت کرتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ محبت ہے؟'' بانو نے تلخی سے کہا۔

''تم اسے اپنے پیمانے پر مت ناپو ہر شخص مختلف انداز میں محبت کرتا ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''مجھے واپس جانا ہوگا۔''

''نہیں آپ نہیں جائے گا۔'' بیتو بولا۔

''بیتو مجھے جانا ہے۔'' میں نے کہا تو وہ مجھ سے لپٹ گیا۔

''اگر آپ جائے گا تو ہم بھی جائے گا۔''

''تم نہیں جاؤ گے۔''

''کیوں نہیں جائے گا سادی دیدی ہمارا دیدی ہے ہم بھی جائے گا۔'' وہ جذباتی لہجے میں بولا۔ ''اگر آپ سعدیہ دیدی کے لیے نہ جاتا تب بھی ہم آپ کے ساتھ جاتا۔ آپ کو اکیلا جانے نہ دیتا۔''

سنکاری بیلی کاپٹر سے اتر کر ہمارے پاس چلا آیا۔ ''شہباز صاحب جو کرنا ہے جلدی کرو اگر ادھر رکنے کا ہے تو ہم کو اجازت دو ہم بھاگ جائے۔''

''میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔''

''ہم بھی.....'' بیتو بولا۔

''بیتو.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ پاؤں پٹخ کر بولا۔

''ہم نہیں سنے گا آپ کے ساتھ جائے گا ضرور جائے گا اگر آپ ایسے نہیں لے گیا تو ہم پیدل آجائے گا۔''

بیتو میری کہانی کا ایسا کردار ہے جو میرے سائے کی طرح ہے۔ وہ میرا ہم وطن نہیں ہے ہم مذہب ہی نہیں ہے۔ میں نے اس کے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا۔ میں نے جو اس کے لوگوں کے لیے کیا تھا وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھی کیا تھا اس میں خالص مدد کا عنصر کم تھا۔ لیکن جب بیتو میرے ساتھ ہوا تو بس میرے لیے ہو گیا۔ میرے ہر ساتھی کی اپنی زندگی تھی اپنی ذمے داریاں تھیں۔ مجھ سے ہٹ کر بھی ان کی مکمل لائف تھی بلکہ میرے ساتھ وہ خطرات میں پڑے ہوئے تھے۔ اگر مجھ سے الگ ہوتے تو سکون سے زندگی گزارتے لیکن بیتو بس مجھ سے متعلق تھا میری ہر ذمے داری اس کی تھی۔ وہ خود کو میرے ساتھ محفوظ سمجھتا تھا اور مجھ سے الگ ہونے کے خیال سے ہراساں ہو جاتا تھا۔ ایسی محبت اور اتنا خلوص تو آج کل بھائیوں سے نہیں ملتا ہے جو بیتو میرے لیے رکھتا تھا۔ میں کچھ دیر تاریکی میں اسے دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر سمجھانے کی کوشش کی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ نہیں سمجھے گا۔ ''بیتو وہاں خطرہ ہی خطرہ ہے اور میرے کسی ساتھی پر آنچ آئے مجھے بالکل گوارہ نہیں ہے۔''

جواب میں بیتو گاڑی کی طرف گیا اس نے عقبی نشست سے دو خودکار رائفلیں اور ان کے میگزین نکالے اور سنکاری سے بولا۔ ''بیلی کاپٹر اڑاؤ۔''

''یہ نہیں مانے گا۔'' عبداللہ نے دبے لہجے میں کہا۔ ''آپ پر گیا ہے۔''

''یعنی میری طرح ضدی ہے۔'' میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''عبداللہ میں واپس جا رہا ہوں لیکن دشمن کی قید میں نہیں جا رہا ہوں اللہ نے چاہا تو سعدیہ کو لے کر واپس آؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ سمجھ گیا تھا کہ میں نہیں رکوں گا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں بانو بی بی اور راج کنور کو لے کر واپس جاتا ہوں۔''

اچانک بانو بولی۔ ''شوبی پلیز اتنی عجلت میں ایسا فیصلہ نہ کریں۔ آپ پہلے تصدیق تو کرلیں۔''

''تصدیق؟'' میں نے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کی۔ ''وہ کیسے کروں؟''

''آپ بڑے کنور سے خود بات کریں۔''

بانو اس سے پہلے بھی کئی مواقع پر بہترین مشیر کا کردار ادا کر چکی تھی اور اس نے مجھے بروقت عقل کی بات سجائی تھی اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ جو بات میرے جذباتی ہوتے ذہن میں نہیں آرہی تھی وہ اس نے سوچ لی۔ سرحد پار واپس جانا بہت بڑا فیصلہ تھا اور یہ فیصلہ مجھے کسی مفروضے کی بنیاد پر نہیں کرنا چاہیے تھا، چاہے وہ مفروضہ حقیقت سے کتنا ہی قریب کیوں نہ محسوس ہو بلکہ ٹھوس حقیقت کی بنیاد پر کرنا چاہیے تھا۔ اب تک میں نے سوچا نہیں تھا مگر بانو نے سوچ دی تو باقی سب خود میرے ذہن میں آنے لگا۔ میں بڑے کنور سے رابطہ سکتا تھا اور رابطے کا نمبر مجھے راج کنور دیتا۔ میں ہیلی کاپٹر کی طرف آیا۔ راج کنور فکرمند سا بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''راج مجھے کوئی ایسا فون نمبر دو جس پر میں بڑے کنور سے براہ راست بات کرسکوں۔''

وہ خوفزدہ ہوا۔ ''بڑے کنور سے..... کیوں؟''

''راج کنور دیر مت کرو ورنہ ہم پھنسے تو تم بھی پھنسو گے۔ مجھے نمبر دو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا تو راج نے مجھے دو نمبرز بتائے۔ ایک سیل کا تھا اور دوسرا کنور پیلس کا لینڈ لائن فون تھا۔ اس کے دو نمبرز اور بھی تھے وہ میں نے موبائل میں محفوظ کرلیے۔ پھر میں عبداللہ کے پاس آیا۔ ''موبائل سگنل کہاں ملیں گے؟''

''ہمیں نارنگ منڈی روڈ کراس کر کے آگے جانا ہوگا۔'' اس نے جواب دیا اور مضطرب لہجے میں بولا۔ ''لیکن شہباز صاحب اس وقت یہاں رکنا نہایت خطرناک ہے کسی وقت بھی سکیورٹی ادارے کے اہلکار یہاں آسکتے ہیں اور ہم سب پکڑے جائیں گے۔ ہم ان سے مقابلہ بھی نہیں کرسکتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے انہوں نے آنا ہوتا تو اب تک آچکے ہوتے لیکن شاید وہ دفاعی نظام میں اس رخنے سے بے خبر ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن احتیاطاً سب چلیں گے۔''

''راج کنور کو بھی لے جانا ہے؟'' بانو نے پوچھا۔

''نہیں اسے ہیلی کاپٹر میں باندھ دو۔'' میں نے کہا۔ ''سنکاری ہمارے ساتھ جائے گا۔''

جب سنکاری کو بتایا گیا تو وہ بدک گیا۔ ''ہم کیوں جائے گا؟''

''اگر تم یہاں رہے تو بھاگ جاؤ گے یار کے اور سکیورٹی والے آگئے تو ان کے ہتھے چڑھ جاؤ گے میں یہ دونوں باتیں نہیں چاہتا تھا۔''

''اس لیے ہمارا ساتھ چلو۔'' بیتو نے اسے گردن سے پکڑ کر دھکا دیا۔ عبداللہ نے جیب سے ایک رسی برآمد کی اور ماہرانہ انداز میں راج کنور کے دونوں ہاتھ جکڑ کر اسے چھت پر لگے ہینڈل سے بھی باندھ دیا اور پھر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اب وہ چیخ چلا کر کسی کو متوجہ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ مزاحمت نہیں کررہا تھا غالباً اس نے سمجھ لیا تھا کہ مزاحمت کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اسے باندھ کر ہم نے ہیلی کاپٹر کے اندر جلنے والی ہلکی سی سرخ روشنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی بند کروادی۔ اول تو منی جیپ میں راج کنور کی جگہ نہیں تھی اور اگر وہ پکڑا جاتا تو میری بلا سے۔ اس لیے اسے چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ سنگاری بادلِ ناخواستہ ہمارے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ میں آگے آیا۔ بانو، بیتو اور سنگاری پیچھے بیٹھ گئے تھے۔ بیتو بانو سے پوچھ رہا تھا۔

''دیدی تم اسکائپ میں تو اتنا صحت مند نہیں دکھتا تھا پر تمہارا صحت تو ہم سے بھی اچھا ہے۔ ہم کو یاد ہے پہلے تم دبلا سا تھا۔ اب تم کیا کرتا ہے؟''

یہ بیتو کا کمزور پہلو تھا وہ کھانے میں کسی پہلوان سے کم نہیں تھا لیکن اس کا جسم چھریرا سا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس کا وزن بڑھے اور اس کے لیے وہ کوشش بھی کرتا تھا مگر تا حال وزن میں بہتری کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ اسی لیے جب اس نے صحت مند بانو کو دیکھا تو اس سے تفتیش کرنے لگا۔ بانو اسے بتانے لگی کہ وزن بڑھانے کے لیے اس نے کیا کیا تھا اور کس طرح میں نے اسے عام لڑکی سے ایک خاص لڑکی میں بدل دیا تھا۔ وہ سیلف ڈیفنس کر سکتی تھی اور ہتھیار چلانا بھی جانتی تھی۔ بیتو ہنسا۔ ''دیدی یہ شوبی ایسا ہی آدمی ہے، دوسرے آدمی کو خاص بنا دیتا ہے۔ پہلے ہم بھی عام لڑکا تھا کسی کو تھپڑ بھی نہیں مارتا تھا۔''

''میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک مہینے میں میرا وزن اتنا بڑھ جائے گا۔ میرے ہاتھ پاؤں مضبوط ہو جائیں گے۔''

بیتو نے حسرت سے سنا۔ ''کاش ہم بھی لڑکی ہوتا تو وزن تو بڑھا لیتا۔''

عبداللہ زور سے ہنسا تو بیتو کو اپنی بات کا احساس ہوا اور اس نے جلدی سے کھسیا کر کہا۔ ''یہ تو ہم ایسے ہی بول رہا ہے۔''

''بانو نے صرف خود کو بہتر ہی نہیں کیا ہے، یہ بہت ذہین بھی ہے ابھی تم لوگوں نے دیکھ لیا اس جذباتی موقع پر جب ہم تجربے کار اپنی عقلیں بالائے طاق رکھ کر سوچ رہے تھے اس نے درست گائیڈ لائن دی۔''

''ماشاءاللہ'' عبداللہ نے حلق سے آواز نکالی۔

''ایاز اور سفیر کہاں ہوں گے؟''

''وہ گوجرانوالہ سے پہلے کھالیہ کے پاس جی ٹو روڈ لنک پوائنٹ پر موجود ہیں۔ یہاں سے کوئی بیس میل دور ہے۔ میں نے کہا ہے جب تک میں نہ کہوں وہ وہاں سے نہ ہلیں وہاں سے وہ دونوں سمتوں میں کسی طرف بھی بہت تیزی سے حرکت کر سکتے ہیں۔''

''یہ تم نے ٹھیک کیا۔'' میں نے کہا۔ جیپ اتنی دیر میں نارنگ منڈی روڈ تک پہنچ گئی تھی۔ اسے کراس کر کے ہم آگے بڑھے۔ عبداللہ نے اپنا موبائل فون نکال کر دیکھنا شروع کر دیا۔ مجھے رہ رہ کر وسیم کا خیال آ رہا تھا۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کا سہی لیکن سعدیہ اور پھر اپنے ہونے والے بچے کے لیے وہ عام آدمی تھا۔ اس کا ردِعمل عام آدمی جیسا تھا۔ مجھے سعدیہ کی بھی فکر تھی اور مجھے حیرت ہوئی جب میں نے خود کو خواہش کرتے پایا کہ اسے بڑے کنور کے آدمی لے گئے ہوں۔ مرشد اور اس کے آدمی عورت کے معاملے میں شیطان سے بھی بدتر تھے۔ اگر سعدیہ ان کے قبضے میں تھی تو ہم اس کے لیے کسی اچھائی کی امید مشکل سے رکھ سکتے تھے۔ بڑا کنور سعدیہ کا بھائی تھا اور اس سے محبت کرتا تھا بے شک ایسے نہیں کرتا تھا جیسے عام بھائی اپنی بہنوں سے کرتے ہیں لیکن وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا ضرور تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ سعدیہ کہاں ہے اور اس نے صرف ہمیں قبول کر لیا ہے بلکہ مسلمان بھی ہو گئی ہے۔ اس کے باوجود اس نے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ مجھے اشارہ تک نہیں دیا کہ وہ سعدیہ کے بارے میں جان چکا ہے۔ جب اس کی قید میں اس کے ساتھ کھینچا تانی چل رہی تھی اور بعض اوقات میں نے اس کی بات ماننے اور خون دینے سے انکار کیا تھا۔ خاص طور سے جب آخر میں کھانا پینا ترک کر دیا تھا تب بھی اس نے مجھے سعدیہ کے حوالے سے دھمکی نہیں دی تھی۔ مگر ساتھ ہی اس نے ایسا بندوبست بھی کر لیا تھا کہ اگر میں اس کے ہاتھ سے نکل جاؤں تو وہ سعدیہ کو اپنے قبضے میں کر سکے۔ اس نے اس پتے کو آخر کے لیے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ جب بازی اس کے ہاتھ سے نکلنے لگے تو وہ اسے پھینک کر بازی ایک بار پھر اپنے حق میں کر لیتا اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

''سگنل آ گئے ہیں۔'' عبداللہ نے کہا تو میں نے چونک کر دیکھا۔

موبائل پر دو سگنل آ رہے تھے۔ میرے حساب سے یہ ناکافی تھے میں نے عبداللہ سے مزید آگے چلنے کو کہا اس نے سر ہلایا۔ ''بہتر سگنل مجھے ذرا آگے ملے تھے۔ شاید ایک کلومیٹر اور آگے جانا پڑے۔''

سڑک کی حالت بہتر نہیں تھی اس کے باوجود عبداللہ ہر ممکن تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ جیسے ہی سگنلز کی تعداد چار ہوئی میں نے عبداللہ کو رکنے کو کہا اور نیچے اتر آیا۔ میں نے سب سے پہلے وسیم سے رابطہ کیا۔ اس کے موبائل پر کال جاری تھی۔ بیل بجتی رہی اور اس نے ریسیو نہیں کیا۔ میں نے غصے میں دوبارہ ملایا۔ عبداللہ بھی اتر آیا بلکہ بانو بھی اتر آئی تھی البتہ بیتو اندر تھا۔ وہ یقیناً سنکاری کی نگرانی کر رہا تھا۔ بیتو کی ایک بہترین خوبی یہ تھی کہ وہ ہنگامی حالات میں خود اپنی ذمے داری کا تعین کر کے مذکورہ کام میں لگ جاتا۔ اسے کہنا نہیں پڑتا تھا۔ اس کا نیچے آنا اور ہماری بات سننا ضروری نہیں تھا اس کے بجائے اس نے سنکاری کی نگرانی ضروری سمجھا۔ جیپ میں اسلحہ بھی تھا اس لیے سنکاری کو اکیلے چھوڑنا بالکل بھی مناسب نہیں تھا۔ دوسری بار بھی بیل بج بج کر بند ہو گئی اور میرا غصے سے برا حال ہو گیا۔ میں نے عبداللہ سے کہا

''یہ نہایت غیر ذمے دارانہ حرکت ہے۔ مجھے وسیم سے ایسی توقع نہیں تھی اس کے خیال میں بس اسے ہی سعدیہ کی فکر ہے ہمیں اس کا کوئی خیال نہیں ہے وہ کال تک ریسیو نہیں کر رہا ہے۔''

''اسے ہم دیکھ لیں گے۔'' عبداللہ نے مجھے ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ راج کنور سے بات کریں۔''

''جی شوبی وقت کم ہے۔'' بانو نے بھی احساس دلایا۔

میں راج کنور کا بتایا ہوا موبائل نمبر ملایا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ بڑے کنور کا اپنا موبائل تھا اور یہ نمبر بس چند مخصوص لوگوں کے علم میں تھا۔ نمبر سے پہلے انڈیا کا کوڈ ملایا تھا۔ بیل جانے لگی تو میرا دل دھڑک اٹھا تھا۔ تیسری بیل پر بڑے کنور نے کال ریسیو کی اور اپنے مخصوص ٹھہرے انداز میں بولا۔ ''شہباز ملک.....؟''

''تم جانتے تھے کہ میں کال کروں گا؟''

''ہاں مجھے یقین تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر تمہاری کال آئے گی۔''

میں نے اس سے براہ راست سعدیہ کے بارے میں پوچھنے سے گریز کیا۔ ''تمہیں یہ یقین کیوں ہے؟''

اس بار وہ ہلکے سے ہنسا۔ ''تم بہت محتاط ہو شاید میرے منہ سے سننا چاہ رہے ہو؟''

''چلو ایسا ہی سمجھ لو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوکے میں بتاتا ہوں سادھنا جلد میرے پاس آنے والی ہے۔'' اس نے تصدیق کی تو میرے اندر ایک رہی سہی امید تھی وہ بھی دم توڑ گئی۔ حقیقت پوری طرح عریاں ہو کر سامنے آ گئی۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو؟''

''نمبر بتا رہا ہے تم پاکستان جا چکے ہو۔'' اس نے کہا۔ ''خیر یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے تم تقریباً بارہ گھنٹے بعد کال کرو تو میں سادھنا سے تمہاری بات کرا سکتا ہوں۔''

''اوکے میں نے مان لیا لیکن جب تم سعدیہ کے بارے میں جانتے تھے تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔''

''میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں اسی وقت جان گیا تھا جب ایک شخص نے سادھنا کو.....''

''وہ اب سعدیہ ہے۔'' میں نے ٹوکا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ میرے لیے وہ سادھنا رہے گی۔''

''جب تم جان گئے تھے تو تم نے اسے واپس حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔''

''اس کی چند وجوہات تھیں۔ اول میں اسے راج سے بچانا چاہتا تھا۔ دوسرے وہ اپنی زندگی بنا چکی تھی اور اس سے مطمئن تھی۔ مجھے مناسب نہیں لگا کہ اسے چھیڑوں۔ وہ بہرحال میری بہن ہے اور مجھے اس کی خوشی عزیز ہے۔''

''تبھی تم نے اسے اغوا کرایا ہے۔''

''تم کہہ سکتے ہو میں نے اپنی بہن کو واپس حاصل کر لیا ہے لیکن وہ واپس اپنے شوہر کے پاس جا سکتی ہے بشرطیکہ.....''

''میں تمہیں اپنا خون پیش کر دوں۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''تم جانتے ہو وہ پریگننٹ ہے اگر اسے یا اس کے بچے کو کچھ ہوا.....''

''انہیں کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''اسے لانے والے مکمل پروفیشنل ہیں اور جانتے ہیں کون سا کام کس طرح کرنا ہے اسے خراش بھی نہیں آئے گی۔''

''اسے گیس سے بے ہوش کیا گیا ہے اور تم جانتے ہو بے ہوشی کی کوئی گیس غیر مہلک نہیں ہوتی ہے۔''

''بے ہوشی کی گیس بے ضرر ہے اور اسے بھی بہت احتیاط سے استعمال کیا گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں ضمانت دے رہا ہوں سادھنا کو ذرا بھی نقصان نہیں ہوگا۔''

''میں.....'' میں نے کہنا چاہا اسی لمحے لائن کٹ گئی میں نے موبائل دیکھا وہ آن تھا اور بیٹری بھی چارج تھی۔ ''یہ کیا ہوا؟''

''میرا خیال ہے بیلنس ختم ہو گیا۔'' عبداللہ نے معذرت سے کہا۔ اس نے پرس سے اسکریچ کارڈ نکالا اور اسے اسکریچ کر رہا تھا کہ موبائل پر کال آنے لگی۔ بڑے کنور کا نمبر تھا میں نے کال ریسیو کی۔

''شہباز اب کیا کہتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کیا کہوں تم نے میرے لیے اور راستہ ہی کہاں چھوڑا ہے؟'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم جانتے ہو واپس آنا اتنا آسان نہیں ہے۔ مجھے اپنے ساتھیوں سے بھی پوچھنا پڑے گا۔''

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے جو لوگ سادھنا کو لا رہے ہیں وہ تمہیں بھی آرام سے انڈیا پہنچا دیں گے۔''

میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ راج کنور نے خود بتا دیا تھا کہ سعدیہ کو اس کے پاس پہنچنے میں بارہ گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ وہ یہ جان گیا تھا کہ میں پاکستان پہنچ گیا ہوں لیکن اسے یقیناً یہ علم نہیں تھا کہ میں کن حالات میں اور کس وقت یہاں پہنچا ہوں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اب مجھے واپس آنے کے لیے کوشش کرنا پڑے گی جب کہ اس وقت واپس جانا میرے اختیار میں تھا۔ میں نے سوچ کر بڑے کنور سے کہا۔ ''مجھے دو دن کی مہلت چاہیے اس وقت تک سعدیہ بھی تمہارے پاس ہو گی اور میں تصدیق کر سکوں گا کہ وہ ٹھیک اور خیریت سے ہے۔''

''مجھے منظور ہے تم دو دن سوچ سکتے ہو اس کے بعد ہاں کرو گے تو اٹھارہ سے چوبیس گھنٹے میں تم میرے پاس آ سکتے ہو۔'' خلاف توقع وہ فوراً مان گیا۔ ''تم نے اچھا کیا جو مجھے سادھنا کی پرمننسی کے بارے میں بتا دیا۔ میں ان لوگوں کو بریف کر دوں گا اور کنور پیلس میں تو تمام سہولتیں ہیں تم دیکھ چکے ہو۔''

''ہوں'' میں نے ہنکارا بھرا۔

''ٹھیک ہے میں تم سے دو دن بعد رابطہ کروں گا۔'' اس نے کہا۔ ''اسی نمبر پر۔''

''نہیں یہ کسی اور کا نمبر ہے میں خود کر لوں گا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ عبداللہ اور بانو سن رہے تھے۔ بانو نے فوراً کہا۔

''آپ واپس نہیں جائیں گے۔''

عبداللہ نے اس کی تائید کی۔ ''بالکل اور اکیلے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں کسی کو نہیں لے جا سکتا۔''

''ہم جائے گا۔'' گاڑی کی طرف سے بیتو کی آواز آئی۔

''ہاں صرف بیتو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ وہاں سے واقف ہے اگر پکڑا بھی گیا تو اس پر کم سے کم پاکستانی ہونے کا الزام نہیں لگے گا جو انڈیا میں سب سے سنگین جرم ہے۔''

اس دوران میں عبداللہ نے موبائل میں کارڈ لوڈ کر لیا تھا اس نے سفیر کو کال کی۔ ''تم لوگ کہاں ہو؟''

''ہم جی ٹی روڈ کے قریب اسی جگہ ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''شہباز آ گیا؟''

''ہاں میرے ساتھ موجود ہیں۔'' عبداللہ نے کہا اور موبائل میری طرف بڑھا دیا۔ اس نے اسپیکر فون آن کر لیا تھا۔

''سفیر نیمہ واپس جانا ہے۔'' میں نے بلا تمہید کہا۔ ''سعدیہ کو بڑے کنور نے اغوا کرایا ہے وہ اگلے بارہ گھنٹے میں اس کے پاس پہنچ جائے گی۔''

''ہم آ رہے ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''بات کرتا رہ۔''

میں نے مختصر الفاظ میں سفیر کو بڑے کنور سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ ''اس کی واحد شرط یہ ہے کہ میں واپس جاؤں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں۔'' سفیر نے مخالفت کی۔ ''یہ سخت ناقابلِ اعتبار لوگ ہیں، مجھے یقین ہے وہ شرافت سے سعدیہ کو واپس نہیں کرے گا۔''

''میں جانتا ہوں یار، میں بھی مکاری کے جواب میں چالاکی سے کام لے رہا ہوں۔ میں نے اس سے دو دن کی مہلت حاصل کی ہے لیکن میں ابھی واپس جا رہا ہوں اور اس سے پہلے سادھنا کنور پیلس تک پہنچے اسے چھڑانے کی کوشش کروں گا۔''

''شہباز یہ سب خطرناک ہے، یار اتنی مشکل سے تو تُو واپس آیا ہے اور پھر اسی دلدل میں اترنا چاہتا ہے۔''

''سفیر مجبوری ہے میں سعدیہ کو واپس لانا چاہتا ہوں۔ وہ صرف وسیم کی بیوی نہیں ہے ہماری بھی بہت کچھ ہے۔''

''میں جانتا ہوں یار وہ سونا اور سویرا جیسی ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''پر ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔''

''میں نے سوچ لیا ہے اور اس سے زیادہ کا وقت نہیں ہے ہیلی کاپٹر تیار ہے اور اس سے پہلے کوئی مسئلہ ہو مجھے واپس جانا ہے۔''

''رک جا یار ہم پہنچنے والے ہیں۔ یہ ایاز میری جان ہتھیلی پر رکھ کر ڈرائیونگ کر رہا ہے بس دعا کر خیر خیریت سے پہنچ جائیں۔''

''کتنی دیر لگے گی؟''

سفیر نے ایاز سے پوچھا اور پھر مجھے بتایا۔ ''یہ کہہ رہا ہے دس منٹ لگ سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔''

میں نے موبائل عبداللہ کو واپس کیا تو اس نے پھر کہا۔ ''شہباز صاحب آپ سوچ لیں۔ جہاں تک سعدیہ کا تعلق ہے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے بعد میں ہم کسی اور طریقے سے اسے واپس حاصل کر سکتے ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے بڑے کنور نے یہ انتہائی قدم اس لیے اٹھایا ہے کہ میں واپس نہ جاؤں۔ نہیں اگر میں نے انکار کیا تو سعدیہ وہاں آرام سے نہیں رہ سکے گی۔''

بانو کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''آپ کا مطلب ہے وہ اپنی سگی بہن کو تشدد کا نشانہ بنا سکتا ہے؟''

''وہ ایسا ہی کرے گا، یہ اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں آدمی سوائے اپنی ذات کے اور کسی سے پیار نہیں کرتا ہے۔ بڑا کنور بہر صورت اپنی بیماری سے چھٹکارا چاہتا ہے اور اس کے لیے اسے میرا خون درکار ہے۔ اس کے لیے وہ ہر حربہ استعمال کرے گا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''مجھے فکر آپ کی واپسی کے طریقے کی ہے اس میں خطرہ بہت زیادہ ہے۔''

''ہم جیسے آئے ہیں ایسے ہی واپس جائیں گے۔ انڈیا میں خطرہ نہیں ہے کیونکہ وہاں کے حکام کی باقاعدہ اجازت سے آئے ہیں۔ یہاں خطرہ نہیں ہے کیونکہ ہم بلا روک ٹوک اندر تک پہنچ گئے اسی طرح واپس بھی پہنچ جائیں گے۔''

عبداللہ نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اسی لمحے سڑک پر روشنی نمودار ہوئی، آنے والی گاڑی بہت تیزی سے آ رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی مگر قریب آتے ہوئے اس کی رفتار کم ہوئی تھی۔ گاڑی آ کر پاس رکی۔ اس سے سفیر اور ایاز نکل کر مجھ سے گلے ملے۔ سفیر یہ جان کر بے چین ہو گیا کہ میں واپس انڈیا جا رہا ہوں اس نے خفگی سے کہا۔ ''تیرا دماغ خراب ہے۔''

''میں سعدیہ کو لینے جا رہا ہوں۔ میں اسے بڑے کنور کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تُو اس کی توقع پوری کر رہا ہے۔''

''یار مجبور ہوں، تُو جانتا ہے سادی ہمارے لیے کیا ہے۔ وسیم نے آج تک میرے لیے ہی کیا ہے مجھ سے کچھ لیا نہیں ہے یار آج اس کی بیوی اور ہونے والا بچہ مشکل میں ہیں تو میں کیسے پیچھے ہٹ جاؤں۔''

''میں بھی تیرے ساتھ چل رہا ہوں۔'' سفیر نے کہا۔

''تم لوگوں کا دماغ خراب ہے۔'' اس بار میں برہم ہو گیا۔ ''کوئی نہیں جائے گا۔''

''بس ہم جا رہا ہے شوبی کے ساتھ۔'' بیتو نے یوں فخر سے کہا جیسے کوئی ٹرافی جیت لی ہو۔

''تم تو جاؤ گے انڈیا کے چچے۔'' سفیر بولا۔

''ہاں ہم انڈیا کا چچہ ہے اپنے ملک کا ہے۔'' بیتو نے کہا۔ ''آپ پاکستان کا چچہ نہیں ہے۔''

''خدا کے لیے۔'' میں نے پریشان ہو کر کہا۔ ''یہ تم لوگوں نے کیا چچوں کی جنگ شروع کر دی ہے۔''

عبداللہ ہنسا۔ ''پچھلے دنوں انڈیا پاکستان کا کرکٹ میچ تھا ویسے تو ان دونوں کو کرکٹ سے خاص دلچسپی نہیں ہے مگر ایک دوسرے کی مخالفت میں پورا میچ دیکھا اور پورے میچ میں لڑتے رہے۔''

بات مسکرانے والی تھی لیکن اس وقت میرا موڈ نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''سفیر..... ایاز تم لوگ واپس جاؤ اور وسیم کو سنبھالو۔ اسے کہنا یہ میرا حکم ہے وہ کوئی حرکت نہیں کرے گا اور انڈیا آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔''

''وہ نہیں مانے گا۔'' سفیر بولا۔

''اوکے میں رابطہ کر کے خود اس سے بات کروں گا۔ بانو لیپ ٹاپ والا بیگ دو۔''

بانو نے صرف بیگ ہی نہیں بلکہ اپنے پاس موجود ساری رقم نکال کر دے دی۔ ''یہ آپ کے کام آئے گی۔''

''تھینک یو مجھے واقعی اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' میں نے نوٹوں کی گڈیاں بھی لیپ ٹاپ والے بیگ میں ڈال لیں اور اسے اسٹرپ سے شانوں پر پہن لیا۔ بانو جذباتی ہو کر میرے بازو سے لگ گئی۔

''ایسا کیوں کہتے ہیں میں تو خود آپ کی احسان مند ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے رو پڑی تھی۔

''احسان کیسا تم بھول رہی ہو اب تم اس فیملی کا حصہ ہو۔'' میں نے اس کا سر تھپکا پھر سب سے کہا۔ ''عبداللہ، سفیر، ایاز اب بانو ہماری ذمے داری ہے۔ اس کا ہر ممکن خیال رکھنا ہے۔''

''انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔'' عبداللہ نے یقین سے کہا۔

میں نے بانو سے کہا۔ ''بس اب جاؤ اور دعا کرنا اللہ مجھے کامیاب واپس لائے۔''

''میں بہت دعا کروں گی۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے پیچھے ہوئی۔ ایاز، سفیر اور عبداللہ باری باری میرے گلے لگے تھے۔ یک لخت میرا دل بوجھل ہو گیا تھا۔ اپنے ملک اور اپنی سرزمین آنے کی جو خوشی ملی تھی وہ کافور ہو گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اور اب مجھے دوبارہ اسی سرزمین پر جانا تھا جہاں سوائے دشمنوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ پتا نہیں میرے نصیب میں کیا تھا۔ عبداللہ نے کہا۔

''جب آپ سعدیہ کو واپس حاصل کرلیں تو اس بار یہاں سے آپ کی واپسی کا بندوبست کریں گے۔''

''کوئی سورس ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''جبھی تو کہہ رہا ہوں، آپ رابطے میں رہیے گا۔''

ان کو بھی جلد جانا تھا اور مجھے تو یہاں سے جلد نکلنا تھا۔ ابھی ہمیں ہیلی کاپٹر تک جانا تھا۔ وہ سب جانا چاہتے تھے لیکن میں نے منع کردیا۔ ''ہمیں ایاز چھوڑنے جائے گا۔''

ایاز خوش ہوگیا۔ وہ ایک طاقتور فور وہیل ڈرائیو لے کر آیا۔ ایک بار پھر عبداللہ اور سفیر سے گلے مل کر اور بانو کا سر تھپک کر میں گاڑی میں آگیا۔ بیتو بھی سنکاری کو لے آیا تھا۔ ہم روانہ ہوئے عقب میں وہ لوگ کچھ دیر نظر آتے رہے اور پھر تاریکی غالب آگئی۔ ایاز ہر ممکن تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسے ساتھ لانے کی وجہ یہ بھی تھی کہ اگر ہمیں غیر متوقع صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا تو ایاز ماہر ڈرائیور تھا اور یہ گاڑی بھی بہت شاندار تھی۔ مجھے خیال آیا۔ ''شاہین کیسی ہے؟''

''بہت اچھی ہے اور خوش ہے۔ آپ کو دعائیں دیتی ہے کہ آپ مل گئے۔''

''شاید شاہین جیسے پُرخلوص لوگوں کی دعائیں ایسے وقت میں کام آتی ہیں جب میں بھی بے بس ہو جاتا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ آپ کبھی بے بس ہوتے ہوں گے۔''

''نہیں یار میں بھی انسان ہوں بہت بار بے بس ہوا۔ ہاں اتنا ہے کبھی ہار نہیں مانی۔''

''یہی چیز آپ کو دوسروں سے منفرد کرتی ہے۔''

چند منٹ بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے۔ میں نے ایاز سے پہلے ہی گاڑی کی لائٹس بند کروادی تھیں۔ ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ کر گاڑی رکوادی۔ ہم نیچے اتر آئے۔ آس پاس تاریکی تھی۔ مجھے لگا کہ وہاں سب ویسا ہی تھا جیسا میں چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے سب کو گاڑی کے پاس رکنے کو کہا اور خود بے قدموں جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا۔ دیوہیکل پرندہ ساکت کھڑا تھا میں نے پاس جا کر دیکھا راج کنور بدستور بندھا بیٹھا تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور ہلکی سی سیٹی بجائی۔ چند لمحے بعد وہ سب جھاڑیوں سے برآمد ہوئے۔ میں نے ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھولا اور راج کنور کو آزاد کیا۔ منہ سے کپڑا ہٹتے ہی اس نے کہا۔ ''شہباز تم بہت دیر کر رہے ہو مجھے صرف دو گھنٹے کی اجازت ملی ہے۔''

''فکر مت کرو اس میں سے صرف ڈیڑھ گھنٹہ گزرا ہے ابھی مہلت ہے اور خبر یہ ہے کہ سنکاری کے ساتھ صرف میں اور میرا ساتھی جائے گا۔ تم یہیں رہو گے۔''

اس نے جلدی سے کہا۔ ''شہباز تمہیں مجھے واپس لے جانا ہوگا۔''

''فی الحال تو میں نے ایسا نہیں سوچا ہے۔'' میرا لہجہ سرد ہوگیا۔

''تمہیں معلوم ہے واپسی کے لیے بھی ایک پاس ورڈ ہے۔ اگر پوچھنے پر وہ پاس ورڈ نہیں دیا تو ہیلی کاپٹر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مار گرایا جائے گا۔"

"تم جھوٹ بولتا ہے۔" بیتو آگے آیا اور اس نے راج کنور کے منہ پر ہاتھ مارا۔ وہ طیش میں آ گیا تھا۔ راج کنور وہ شخص تھا جس کی ہوس اقتدار و دولت پر بیتو کا خاندان اور قبیلہ مارا گیا تھا۔ جب تک میں نے بیتو کو پیچھے کھینچا وہ اسے کئی ہاتھ رسید کر چکا تھا۔ راج کنور چلانے لگا۔

"شہباز اسے روکو میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"ایک منٹ شہباز صاحب۔" ایاز نے مداخلت کی۔ "وقت نہیں ہے کسی وقت بھی کوئی آ سکتا ہے۔ آپ اسے ساتھ لے جائیں اور اگر اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہو۔ واپسی میں کسی نے پاس ورڈ نہیں مانگا تو اسے ہیلی کاپٹر سے نیچے پھینک دیجئے گا۔"

"تم نے سن لیا رانا۔ میں نے اس سے کہا۔" یہاں تمہارے پاس زندہ رہنے کا ایک چانس ہوگا لیکن اگر ایسا نہیں ہوا جیسا تم کہہ رہے ہو تو میں یہی کروں گا۔"

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے تم دیکھ لوگے۔"

میں نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے تم ساتھ چلو گے۔"

سنکاری پائلٹ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کے پرزوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی۔ میرے اشارے پر سنکاری نے انجن اسٹارٹ کیا اور ایاز آخری بار گلے مل کر پیچھے ہوا تو بیتو نے خفگی سے کہا۔ "ہم آپ کا کچھ نہیں لگتا ہے بس شوبی سے ملنے جا رہا ہے۔"

"لگتا کیوں نہیں دشمن جان۔" ایاز نے اسے گلے سے لگایا۔ اتنی دیر میں ہیلی کاپٹر کے پنکھے حرکت میں آ گئے تھے۔ ذرا سی دیر میں ان کی رفتار اتنی تیز ہوئی کہ شور اور ہوا ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ ایاز پیچھے ہٹ گیا اور بیتو اندر آ گیا۔ دروازہ بند کیا تو ہوا سے نجات ملی لیکن شور کانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ ہیڈ فون پہن کر ذرا سکون ملا تھا۔ سنکاری چلا چلا کر بیتو سے ہیڈ فون پہننے کو کہہ رہا تھا۔ بالآخر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ہوا کے ساتھ مٹی اڑ رہی تھی اور اب ایاز نظر نہیں آ رہا تھا وہ یقیناً پیچھے ہٹ گیا تھا۔ میں نے اپنے پاس ایک پستول رکھا تھا اور باقی اسلحہ بیتو والے بیگ میں ڈال دیا تھا جس میں خودکار رائفلیں بھی تھیں۔ سنکاری نے اسٹک کھینچی تو ہیلی کاپٹر ڈولتا ہوا ہوا میں بلند ہوا تھا۔ ذرا بلند ہوا تو ان لوگوں کے ہیولے دکھائی دیئے تھے۔ میں جانتا تھا وہ مجھے نہیں دیکھ پا رہے تھے لیکن پھر بھی میں نے ہاتھ ہلایا تھا۔ سنکاری نے ریڈیو آف کیا ہوا تھا اس لیے اگر ہمیں پاکستان کے دفاعی حکام کی طرف سے وارننگ دی جا رہی تھی تو ہمیں علم نہیں تھا۔ سنکاری نے پچاس فٹ کی بلندی رکھتے ہوئے انڈین سرحد کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ایک منٹ بعد سنکاری نے خبردار کیا۔

"ہم بارڈر کے پاس ہے۔"

میں نے نیچے دیکھا۔ نیم تاریکی میں دریا کی وادی نظر آنے لگی تھی اچانک کہیں عقب سے شعلہ چمکا۔ میں نے چلا کر سنکاری سے کہا۔ "میزائل..... بچو۔"

سنکاری نے بے ساختہ انجن کو پاور دی اور ہیلی کاپٹر بہت کم بلندی پر بہت تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ اس نے زمین کی طرف جانے کے بجائے دریا کی وادی کو ترجیح دی تھی کیونکہ یہاں کسی چیز کے اچانک سامنے آنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امکان نہیں تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ میری نظر پڑ گئی ورنہ اس ہیلی کاپٹر میں میزائل وارننگ سسٹم نہیں تھا۔ چند لمحوں میں ہیلی کاپٹر کی رفتار دو سو کلومیٹر فی گھنٹا تک پہنچ گئی تھی مگر پیچھے لپکنے والا میزائل اس سے کہیں تیز رفتار تھا۔ راج کنور کی بات بکواس ثابت ہوئی تھی کہ پاکستان کے پاس نیچے اڑنے والے ہیلی کاپٹرز کے خلاف کارروائی کے لیے میزائل نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ خوشی کی بات تھی کہ میرے وطن کے محافظ غافل نہیں تھے مگر ان کی مستعدی سے ہماری جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ یقیناً اس ہیلی کاپٹر کو مارک کر لیا گیا تھا اور جیسے ہی یہ دوبارہ فضا میں بلند ہوا اسے نشانہ بنا لیا گیا تھا۔ میں جھک جھک کر دیکھ رہا تھا کہ میزائل کس طرف سے آ رہا تھا اس وقت رات کی تاریکی کام آ رہی تھی ورنہ دن کی روشنی میں اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا جب تک وہ بالکل پاس نہ آ جاتا اور جب وہ پاس آ جاتا تو اس کے بعد صرف اجل کی آمد باقی رہ جاتی۔ میزائل تقریباً ایک کلومیٹر پیچھے بائیں طرف سے آ رہا تھا۔ یہ لازماً پاکستانی سرزمین سے فائر کیا گیا تھا۔

''میزائل بائیں طرف تقریباً ایک کلومیٹر پیچھے ہے۔''

سنکاری فی الحال ہیلی کاپٹر کو سیدھا اڑا رہا تھا تاکہ رفتار میں کمی نہ آنے پائے۔ میزائل کہیں تیز رفتار اور کہیں پھرتیلا ہوتا ہے۔ ہم ننانوے فیصد خطرے میں تھے اور بچنے کا امکان صرف ایک فیصد تھا۔ میزائل بہت تیزی سے پاس آ رہا تھا۔ جب وہ چند سو گز دور رہ گیا تو میں نے سنکاری کو خبردار کیا اور اس نے ہیلی کاپٹر لہرانا شروع کر دیا۔ باقیوں کا مجھے نہیں معلوم لیکن میرا برا حال تھا۔ ابھی اپنے پیاروں سے مل کر رخصت بھی نہیں ہوا تھا کہ موت پیچھے لگ گئی تھی اور موت بھی اپنوں کی طرف سے بھیجی گئی تھی۔ نیچے دریا کا پانی چمک رہا تھا۔ جب میں نے سنکاری کو خبردار کیا اس کے مشکل سے آدھے منٹ بعد میزائل ہیلی کاپٹر کے بہت پاس آ گیا تھا اور ہیلی کاپٹر کے ساتھ ساتھ وہ بھی لہرا رہا تھا جیسے بین کی لے پر سانپ لہراتا ہے۔ اب سنکاری عقبی طرف خود دیکھ کر میزائل سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔

''سیٹ بیلٹ باندھ لو۔''

''ہم نے باندھ لیا ہے۔'' اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''شوبی آپ نیچے کود جاؤ ادھر پانی ہے۔''

میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا مگر ایسا لگ رہا تھا کہ اس پر عمل کرنے کا وقت نہیں تھا۔ ہیلی کاپٹر جس طرح لہرا رہا تھا درست انداز میں کودنا ممکن نہیں تھا اور پانی کے بجائے کہیں اور گرتے تو ہڈی پسلی لازمی ایک ہو جاتی۔ لاش کا بھی کچومر نکل جاتا۔ سنکاری نے بالکل پاس آنے والے میزائل سے بچنے کے لیے ہیلی کاپٹر لہرایا تھا کہ ایک دھماکہ ہوا۔ فضا شعلے سے روشن ہو گئی۔ ایک لمحے کو ایک ایسا لگا کہ دھماکے سے ہیلی کاپٹر اور ہمارے بھی پرزے اڑ گئے تھے۔ مگر جب حواس بحال ہوئے تو ہیلی کاپٹر ٹھیک تھا اور پرواز کر رہا تھا۔ مگر اسی لمحے سنکاری چلایا۔ ''ہم ہٹ ہو گیا ہے۔''

میں نے مڑ کر دیکھا تو ہیلی کاپٹر کے عقبی حصے سے شعلے نکل رہے تھے اور اس کی دُم کا ایک حصہ اُڑ گیا تھا اب ہیلی کاپٹر از خود لہرا رہا تھا۔ کیبن میں جیسے زلزلہ آیا ہوا تھا۔ اگر کوئی اور میزائل پیچھے ہوتا تو اس کے لیے درست نشانہ لینا ممکن نہیں تھا۔ میں نے نشست کو سختی سے تھام رکھا تھا حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی سیٹ بیلٹ نے مجھے جکڑا ہوا تھا۔ ہیلی کاپٹر جس طرح لہرا رہا تھا صاف لگ رہا تھا وہ جلد کریش ہونے والا ہے۔ میں نے چلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر سنکاری سے کہا۔ ''اسے پانی میں اتارنے کی کوشش کرو۔''

''نہیں کر سکتا۔'' وہ اسٹک سے کشتی لڑتے ہوئے بولا۔ ''یہ میرے قابو میں نہیں ہے۔''

زمین تیزی سے نزدیک آ رہی تھی ہم دریا کی وادی میں تھے۔ گرم موسم کے باوجود دریا میں پوری طرح پانی نہیں تھا کہیں یہ چوڑا تھا اور کہیں بس برائے نام پانی تھا۔ سو کلومیٹرز سے اوپر رفتار سے پانی میں گرنے سے بھی بس اتنا فائدہ ہوتا کہ ہیلی کاپٹر میں آگ نہیں لگتی۔ زمین اتنی قریب آ گئی کہ ہیلی کاپٹر بس اب تب میں گرنے والا تھا۔ وہ دائیں طرف کٹ رہا تھا اور پانی بائیں طرف تھا۔ میں نے جھپٹ کر سنکاری کا اسٹک والا ہاتھ پکڑا اور اسے پوری قوت سے بائیں طرف کھینچا۔ ہیلی کاپٹر جھوم کر مڑا اور اگلے لمحے پانی کی سطح سے جا ٹکرایا تھا۔ ایک دھماکہ ہوا اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔

○.....❖.....○

دھماکے سے ہیلی کاپٹر زمین یا پانی سے ٹکرایا اور چاروں طرف اندھیرا ہوا تھا مگر یہ اندھیرا ذہن کا نہیں تھا، سچ مچ اندھیرا ہو گیا تھا کیونکہ ہیلی کاپٹر پانی میں اتر گیا تھا۔ تصادم کے فوراً بعد دائیں طرف کی ٹوٹ جانے والی کھڑکی سے پانی کا دھارا اندر داخل ہوا تھا۔ اس وقت تک شور اتنا تھا کہ کچھ اور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر جیسے ہی گرنے کے بعد انجن بند ہوا شور بھی کم ہونے لگا اور مجھے بیتو کی آواز آئی وہ چلا رہا تھا۔ ''شوبی آپ ٹھیک ہے..... شوبی جواب دو.....''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں چلایا۔ ''تم ٹھیک ہو۔''

''ہاں پر یہ بیلٹ نہیں کھل رہا۔''

میرے برابر میں سنکاری گھگھیائی آوازیں نکالتے ہوئے اپنی سیٹ بیلٹ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے سیٹ بیلٹ کھولی اور ڈولتے ہیلی کاپٹر میں توازن قائم رکھتے ہوئے پیچھے کی طرف بڑھا۔ اب مجھے راج کنور کی آواز آئی۔ وہ بھی واویلا مچا رہا تھا اور یہ ایک پرفیکٹ کریش لینڈنگ ثابت ہوئی تھی جس میں سب بچ گئے تھے۔ پانی یہاں خاصا گہرا تھا کیونکہ ذرا سی دیر میں ہماری کمروں تک پانی آ گیا تھا۔ میں نے ٹٹول کر بیتو کی سیٹ بیلٹ کھولی اور اس سے کہا۔ ''باہر نکلو۔''

بیتو نے آزاد ہوتے ہی ہیلی کاپٹر کا اپنی طرف والا سلائیڈنگ ڈور کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ سنکاری فائدے میں رہا تھا اس کا سوئنگ ڈور تھا مگر اس کے کھلتے ہی پانی کا تازہ ریلا اندر آیا تھا۔ میں نے سنکاری سے پوچھا۔ ''ہم کہاں ہیں؟''

''آف کورس دریا میں.....'' اس نے کانپتی آواز میں جواب دیا۔

''میں ملک کا پوچھ رہا ہوں۔'' میں نے سوال واضح کیا۔ ''ہم انڈیا میں ہیں یا پاکستان میں؟''

''پتا نہیں اپنا حواس گم تھا۔ اِدھر بھی ہو سکتا ہے اور اُدھر بھی۔''

ہیلی کاپٹر اب تک گیا تھا اور مزید نیچے نہیں جا رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ یہاں پانی سات آٹھ فٹ سے زیادہ گہرا نہیں تھا۔ البتہ پانی بہنے سے ڈول رہا تھا۔ راج چلا رہا تھا۔ ''مجھے نکالو یہاں سے میں ڈوب جاؤں گا۔''

''تم اسی قابل ہے۔'' بیتو نے اسے ڈانٹا۔ ''اپنا منہ بند کرو اور بھگوان سے اپنے پاپ کا معافی مانگو، ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہیں اس کے پاس جانا ہے۔"

"یہ چھوکرا کیا بولتا۔" سنکاری نے گھبرا کر کہا اور ہیلی کاپٹر سے باہر نکل گیا۔ مجھے اس کی چیخ سنائی دی تھی۔ اس نے چلانا شروع کر دیا۔ "ہم کو بچاؤ بائی گاڈ ہم تیرنا نہیں جانتا۔"

میرا لیپ ٹاپ والا بیگ کسی قدر بھیگ گیا تھا لیکن مجھے امید تھی کہ اس میں لیپ ٹاپ محفوظ رہے گا۔ اب میں اسلحے والا بیگ تلاش کر رہا تھا۔ مگر وہ نہیں مل رہا تھا۔ بیتو دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا اور اب چلا چلا کر مجھے بھی باہر آنے کو کہہ رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے کانوں پر چڑھا ہیڈ فون اتار پھینکا اب پتا چلا کہ ہم سب کو کیوں چلا چلا کر بات کرنا پڑ رہی تھی کیونکہ ہیڈ فون کی وجہ سے آواز کانوں تک کم آ رہی تھی۔ میں نے بیتو سے بھی ہیڈ فون اتارنے کو کہا۔ "میں اسلحے والا بیگ تلاش کر رہا ہوں اور اب چلانا بند کر دو۔"

"شوبی وہ میرے پاس ہے اسے کیسے چھوڑ سکتا ہے۔"

اب ہیلی کاپٹر میں چار فٹ تک پانی بھر گیا تھا۔ یہ میرے سینے تک آ گیا تھا۔ راج کنور نہ جانے کہاں تھا۔ اس کی آواز اب نہیں آ رہی تھی لیکن میں باہر نکلنے لگا تو اس نے میری ٹانگ پکڑ لی اور بولا۔ "بھگوان کے لیے شہباز مجھے بھی نکالو میں ڈوب جاؤں گا۔"

پلاسٹر والی ٹانگ کے ساتھ اس کے لیے تیرنا ممکن نہیں تھا مگر اس وقت مجھے اپنی پڑی تھی اسے کہاں سے بچاتا۔ میں ٹانگ جھٹک کر آگے بڑھا۔ بیتو اسکیز پر کھڑا تھا اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر مجھے کھینچا کیونکہ ہیلی کاپٹر دوسری طرف جھک رہا تھا۔ میں نے نیچے دیکھا تو دریا کا پانی چمک رہا تھا۔ یہاں آسمان کہیں کہیں صاف تھا مگر چاند نہیں تھا اور ستارے نظر آ رہے تھے۔ میں نے دریا کا مشرقی کنارہ دیکھا وہ کوئی سو فٹ دور تھا۔ پانی سست روی سے بہہ رہا تھا۔ سنکاری بھی ہیلی کاپٹر کی اسکیز سے چمٹا ہوا تھا۔ بیتو نے اسلحے والا بیگ شانے سے ٹانگ لیا تھا۔ وہ بولا۔ "شوبی جلدی کرو، اس سے پہلے کوئی ادھر آئے ہم کو نکل جانا چاہیے۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ راج کنور کونے میں خود کو پانی سے اوپر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا سر اور ایک شانہ پانی سے باہر تھا باقی جسم پانی میں تھا۔ میں نے پانی میں چھلانگ لگائی اور بیتو سے کہا۔ "جلدی نکلو....."

بیتو کے پاس اسلحے والا وزنی بیگ تھا وہ اسے ہی لے جاتا تو کافی تھا میں نے سنکاری سے کہا۔ "میرے پاس آ جاؤ۔"

"ہم ڈوب جائے گا۔" وہ ہیلی کاپٹر سے چپٹے ہوئے بولا۔

جواب میں، میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچی اور وہ چیخ مار کر پانی میں گرا۔ میں نے اسے گھما کر اس کی گردن قابو میں کی اور دوسرے ہاتھ سے پانی کاٹتے ہوئے کنارے کی طرف جانے لگا۔ بیتو مجھ سے آگے تھا۔ یہاں دریا کا پاٹ سو گز سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ درحقیقت ہم بالکل وسط میں گرے تھے۔ پچاس فٹ کے بعد میرے پاؤں زمین سے ٹکرانے لگے تھے۔ سنکاری بھی اب سنبھل گیا تھا۔ کنارے سے تیس فٹ پہلے پانی کم ہو گیا تھا اب ہم چل کر کنارے تک جا رہے تھے۔ کہیں کہیں گڑھے آ جاتے تو ہم غوطے کھا جاتے تھے۔ بیتو مجھ سے پہلے پہنچا۔ اس نے بیگ ریت پر پھینکا اور پلٹ کر آیا پھر مجھ سے سنکاری کو لے لیا۔ ہم کنارے پر پہنچے اور ریت پر گر گئے۔ بیتو ہانپ رہا تھا اور میری سانس بھی بے ترتیب تھی لیکن سنکاری جسے کچھ نہیں کرنا پڑا تھا اس کی حالت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب سے بری تھی، وہ یوں منہ کھول کھول سانس لے رہا تھا جیسے سب سے زیادہ مشقت اسی نے کی ہو۔ میں واپس جانے کے لیے پلٹا تھا کہ بیتو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

''شوبی کدھر جاتا ہے۔''

میں راج کنور کو نظر انداز کر کے ہیلی کاپٹر سے نکل آیا تھا اگر میں اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیتا تو وہ اس کا مستحق تھا۔ اسے بچانا مجھ پر بالکل بھی فرض نہیں تھا جب کہ وہ کئی بار مجھے مارنے کی پوری کوشش کر چکا تھا۔ اس وقت ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ضروری تھا کیونکہ ہیلی کاپٹر کریش معمولی واقعہ نہیں تھا اور یہ کریش میزائل کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم جس ملک کی حدود میں گرے تھے اس کے لوگ جلد یا بدیر یہاں پہنچنے والے تھے۔ مگر اس کے باوجود میرے دل نے گوارہ نہیں کیا کہ اسے یوں بے بسی سے مرنے کے لیے چھوڑ دوں۔ میں نے بیتو کو آگاہ کیا۔ ''میں راج کنور کو لینے جا رہا ہوں۔''

''چھوڑو شوبی مرنے دو اس کتے کو۔''

''نہیں وہ آگے ہمارے کام آئے گا۔'' میں نے کہا۔ اگر میں بیتو کو انسانیت کا بھاشن دیتا اور اس سے بحث کرتا تو اس کا وقت نہیں تھا۔ بیتو نے میرا بازو چھوڑا تو میں نے لیپ ٹاپ والا بیگ بھی اتار کر اسے دے دیا۔ بیتو کو بتایا۔ ''اس میں لیپ ٹاپ ہے۔''

میں نے پانی میں چھلانگ لگائی اور چلنے کے بجائے تیرتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف جانے لگا۔ اس سے رفتار تیز ہو جاتی۔ ہیلی کاپٹر رفتہ رفتہ پانی میں ڈوب رہا تھا پانی میں گرنے سے اسے مزید نقصان نہیں ہوا۔ اس کے پر سلامت تھے بس دُم کا ایک حصہ اڑ گیا تھا اور ایک طرف کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا۔ اپنے وزن کی وجہ سے وہ دریا کے کیچڑ میں دھنس رہا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوا کہ وہ ایک ہی جگہ تھا۔ میں ہیلی کاپٹر تک پہنچا اور اسکیز پکڑ کر اوپر چڑھا۔ میں نے راج کنور کو آواز دی لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ اندر پانی بھر گیا تھا اور راج کنور کا ہیولا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے کنارے بیٹھ کر اپنے پاؤں اسکیز میں پھنسائے اور سانس روکے ہوئے پشت کے بل پانی میں گیا۔ میرے ہاتھ راج کنور کو تلاش کر رہے تھے۔ وہ نہ جانے کہاں تھا۔

مجھے جا کر واپس آنے میں پانچ چھ منٹ تو لگے تھے اور اگر راج کنور ہمارے جاتے ہی ڈوب گیا تو اس کی زندگی کی توقع محال تھی۔ راج کنور پتا نہیں کہاں تھا؟ میرا سانس اکھڑنے لگا تھا کہ اچانک ہی اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اوپر ہوتے ہوئے اسے کھینچا اور سیدھا ہو کر اسے پانی سے باہر نکالا۔ راج کنور بے جان انداز میں جھول رہا تھا۔ یہاں اس کے پھیپھڑوں میں بھر جانے والا پانی روایتی ابتدائی امداد کے طریقے سے نکالنا مشکل تھا اس لیے میں نے آسان طریقہ اختیار کیا اور اسے پیٹ کے بل کنارے پر لٹا دیا۔ اب اس کی ٹانگیں ہیلی کاپٹر کے کیبن کے اندر تھیں اور باقی دھڑ باہر جھول رہا تھا۔ اس کا سر نیچے کی طرف تھا۔ میں نے اس کی پشت پر مکے مارے۔ اس طرح اس کے پیٹ اور پھیپھڑوں میں بھر جانے والا پانی نکل جاتا۔ چند مکوں کا کوئی اثر نہیں ہوا لیکن پھر اس نے الٹی کی اور کھانسنے لگا۔ وہ ڈھیٹ تھا بچ گیا تھا۔ چند لمحے کھانسنے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور خود کو الٹے لٹکے پا کر گلا پھاڑ کر چلایا تھا۔

''خاموش رہو۔'' میں نے کہا۔ ''تم بچ گئے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں مرجاؤں گا۔'' اس نے گھگیا کر کہا۔

''اگر یہی حرکتیں رہیں تو مرو گے بھی۔'' میں نے کہا اور پانی میں اتر کر اسے نیچے کھینچا تو وہ ذبح کیے جانے والے بکرے کی طرح بلبلایا۔

''میری ٹانگ.....''

''اسے بھول جاؤ اور جان بچ جانے پر بھگوان کا شکر ادا کرو۔''

میں نے اسے بھی سنگاری کی طرح گردن سے پکڑا اور کنارے کی طرف کھینچنے لگا۔ یہ کسی ڈوبتے شخص کو جو تیرنا نہیں جانتا ہو بچانے کا بنیادی اصول ہے، اسے کبھی سامنے سے نہ پکڑو ورنہ وہ آپ کو چمٹ جائے گا اور بعض اوقات اسی طرح ڈوبنے والے بچانے والے کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ سب سے آسان طریقہ ہے کہ پشت سے آکر بازو سے گردن اور سینہ جکڑ لو۔ اس سے ڈوبنے والا آپ کو نہیں پکڑ سکتا ہے۔ ابھی تک کسی طرف سے ہیلی کاپٹر کریش پر کوئی ردعمل نہیں ہوا تھا۔ نہ آسمان سے اور نہ زمین سے۔ چاروں طرف تاریکی تھی اور اگر کوئی متوجہ ہوتا تو روشنی کے ساتھ آتا۔ شاید آس پاس کوئی آبادی بھی نہیں تھی اور پھر ہیلی کاپٹر بہت بلندی سے نہیں گرا تھا۔ اس لیے یہ دور سے نظر بھی نہیں آیا ہوگا۔ یہ دریا کی نشیبی وادی میں اڑ رہا تھا۔ دھماکہ بھی زیادہ دور تک نہیں سنا گیا ہوگا۔ راج کنور سنگاری کے مقابلے میں زیادہ وزنی تھا اور اپنا ایک پاؤں استعمال کرنے کے قابل بھی نہیں تھا۔ پھر اتنی دیر سانس رکنے سے بھی اس کی حالت بری ہو رہی تھی۔ وہ رہ رہ کر کھانس رہا تھا۔ مشکل سے سہی مگر میں اسے کنارے تک لانے میں کامیاب رہا۔ بیتو بادلِ ناخواستہ آگیا اور اسے کھینچ کر کنارے لے گیا۔ اسے ریت پر پھینک کر اس نے مایوسی سے کہا۔ ''بچ گیا حرامی۔''

''انڈین فلموں کی روایت کے مطابق۔'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''ولن سب سے آخر میں مرتا ہے بعض اوقات ہیرو کے بھی بعد مرتا ہے۔''

سنگاری اب جان کے بجائے اپنے آنے والے مستقبل کے لیے فکرمند تھا اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ ''تم فلموں کی بات کرتا ہے، ادھر اپنا فلم بننے والا ہے۔ شوٹ آؤٹ ان رادی والا۔''

مجھے ہنسی آگئی۔ ''فکر مت کرو کسی کو پتا نہیں چلے گا تم بچ گئے ہو، خاموشی سے اپنے گھر چلے جاؤ۔''

''ابھی یہ ہیلی کاپٹر ملے گا تو جلد اس کے سیریل نمبر سے پتا چل جائے گا کہ یہ میرا ہے۔ پولیس اور انٹیلی جنس والا سیدھا میرے گھر آئے گا۔''

کیونکہ یہ میرا مسئلہ نہیں تھا اس لیے میں نے اس پر سوچا نہیں تھا۔ مگر یہ سنگاری کا مسئلہ تھا اس نے سوچ لیا۔ میں نے کہا۔ ''فی الحال تو یہاں سے نکلنا ہے اس کے بعد سوچتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔''

میں نے بیتو سے لیپ ٹاپ والا بیگ لے کر پشت پر پہن لیا۔ اسلحے والا بیگ بیتو نے اٹھا لیا تھا۔ میرا پستول پانی میں اچھی طرح بھیگا تھا مگر یہ ایک نمبر اسمتھ اینڈ ولسن تھا اس لیے امید تھی کہ یہ کام کرے گا۔ البتہ بعد میں اس کی صفائی ضروری تھی۔ دریا کا پانی سرد تھا مگر باہر آئے تو گرمی تھی اور کپڑے مشکل سے دس منٹ میں خاطر خواہ خشک ہو گئے۔ راج کنور کی حالت بہتر تھی مگر اس کی کھانسی جاری تھی اور وہ اس معاملے میں احتیاط سے کام بھی نہیں لے رہا تھا۔ اس کی باآواز بلند کھانسی یقیناً اس سناٹے میں خاصی دور تک سنائی دے رہی ہوگی۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے بیتو نے اسے خبردار کیا۔ ''اپنا کھانسی بند کرو ورنہ گلا دبا کر بند کر دے گا۔''

''میں..... کھانسی کیسے روکوں.....'' راج کنور نے جواب دیا۔

''یہ حق بجانب ہے۔'' میں نے راج کنور سے کہا۔ ''اس لیے بہتر ہے اس کے کہنے پر عمل کرو۔''

بیتو نے کہا۔ ''اس مُردے کو کون لے جائے گا؟''

''اسے سنکاری پائلٹ کرے گا۔'' میں نے کہا۔

سنکاری اب اپنے ہیلی کاپٹر کا ماتم کر رہا تھا، وہ اس کا ذریعہ روزگار تھا اور اب یہ پانی میں پڑا تھا۔ اس نے حسرت سے کہا۔ ''ہم دوسرا نہیں لے سکتا۔''

''یہ دلائے گا۔'' میں نے راج کنور کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ اتنا دولت مند ہے کہ ایسے دس ہیلی کاپٹر دلا سکتا ہے۔''

سنکاری نے سرد آہ بھری۔ ''کوئی فائدہ نہیں ہوگا مجھے ایجنسی والا لے جائے گا۔''

میں اور بیتو سارے بیگز لاد چکے تھے۔ بیتو نے ایک پستول نکال لیا تھا۔ اس کا بیگ واٹر پروف تھا اس لیے اسلحہ بھیگنے سے محفوظ رہا تھا۔ مجھے پتا چلا تو میں نے اپنا پستول واپس رکھ کر سائلنسر والا لے لیا۔ اس کا بس ایک اضافی میگزین باقی رہ گیا تھا۔ اسی لمحے ایک طرف سے بادل ہٹے اور چاند نکل آیا۔ اس سے ہمیں سمت کا تعین کرنے میں آسانی ہوئی۔ چاند مشرق کی طرف تھا اور یہ شاید سات یا آٹھ تاریخ کا چاند تھا۔ میں نے راج کنور کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا دوسری طرف سے سنکاری نے اسے سنبھال لیا اور ہم دریا کی ڈھلان پر اوپر چڑھنے لگے۔ کنارہ کم سے کم بھی تیس فٹ اونچا تھا۔ انڈیا نے اپنی طرف کے پشتے بہت اونچے رکھے تھے اور شدید سیلاب کی صورت میں شاید ہی پانی ان تک آتا ہوں گا۔ نیچے دریا کی مخصوص ریت تھی جس پر چلنا آسان کام نہیں تھا خاص طور سے جب آپ کسی کو سہارا دے کر چل رہے ہوں۔ پاؤں رکھنے پر یہ دبتی اور پھسلتی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا ہم خشک دلدل پر چل رہے ہوں۔

راج کنور کی حالت اچھی نہیں تھی اور اس نے سارا بوجھ ہم دونوں پر ڈال رکھا تھا۔ کنارے تک آتے آتے سب کی حالت بری ہوگئی تھی سوائے بیتو کے کیونکہ وہ صرف بیگ سنبھالے خراماں خراماں ہمارے پیچھے چلا آرہا تھا۔ اس نے اخلاقاً بھی راج کنور کو سہارا دینے کی کوشش نہیں کی اُس کا بس چلتا تو وہ اسے واپس پانی میں دھکا دے دیتا۔ پشتے پر پہنچ کر میں نے راج کنور کو چھوڑ دیا اور وہ کراہتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے آس پاس دیکھا۔ فی الحال تو دور دور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ ہم سرحد سے زیادہ دور نہیں تھے اور یہاں سکیورٹی فورس کا گشت جاری رہتا ہوگا۔ کسی وقت بھی کوئی آسکتا تھا اور یہاں بھاگنے کی جگہ نہیں تھی۔ دریا کے دوسری طرف دور تک میدان تھا جس میں جا بہ جا جھاڑیاں تھیں۔ ایسی جھاڑیاں مجھے اس وقت بھی ملی تھیں جب میں غلطی سے راستہ بھٹک کر انڈیا پہنچ گیا تھا۔ یہ سخت کانٹے دار جھاڑیاں تھیں مگر یہاں یہ فاصلے سے تھیں اور ان کے درمیان سے گزرنے کی جگہ تھی۔ اگر ضرورت پڑتی تو ہم ان میں پناہ لے سکتے تھے۔

چاند کی روشنی اتنی تھی کہ راستہ نظر آرہا تھا۔ چند منٹ آرام کے بعد میں نے راج کنور اور سنکاری سے کہا۔ ''بس اٹھ جاؤ، ہمیں آگے جانا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نہیں اٹھ سکتا۔'' راج کنور نے کہا۔ ''مجھ میں ہمت نہیں ہے۔''

''اس صورت میں تمہیں زندہ چھوڑ کر جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔'' میں نے پستول نکال کر اس کی طرف کیا تو اس نے کوئی حرکت نہیں کی اور مسکرانے لگا۔

''شہباز میں تمہیں جان گیا ہوں، تم انتہائی اشد ضرورت کے وقت ہی کسی کی جان لیتے ہو۔''

''پر ہم تو لے سکتا ہے۔'' بیتو غرایا۔ ''چلتا ہے یا تیرا ادھر ہی مرڈر کرے۔''

''ہولی کرائسٹ۔'' سنکاری نے سینے پر کراس بنایا۔ ''ہم آنکھ بند کرلے۔''

''بہتر ہوگا اسے اٹھاؤ۔'' میں نے راج کنور کی طرف اشارہ کیا تو سنکاری نے بادلِ ناخواستہ اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ راج کنور چلنے میں جان بوجھ کر سستی کر رہا تھا مگر جب بیتو نے اپنے پستول سے اس کا شانہ بجایا تو اس کی ساری سستی دور ہوگئی اور اس نے بلبلا کر مجھ سے کہا:

''شہباز یہ آدمی بہت ظالم ہے۔''

''اس کے برعکس یہ تمہارے ساتھ بہت رحم دلی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اس کا سارا خاندان اور قبیلہ تم لوگوں کی ہوس اور سفاکی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔''

راج کنور چونکا۔ ''اس کا تعلق قبائلیوں سے ہے؟''

''ہاں یہ تب سے میرے ساتھ ہے۔''

راج کنور نے مجھے مشکوک انداز میں دیکھا۔ ''تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟''

''یہ میرا ساتھی ہے۔''

''میرا مطلب ہے.....''

''اپنا مطلب اپنے پاس رکھو اور اب منہ بند کر کے چلو۔'' میں نے اس بار سخت لہجہ اختیار کیا۔ ہم جھاڑیوں تک پہنچ گئے۔ اگر یہاں کوئی ہوتا تو ہماری آوازیں سن سکتا تھا۔ انسان پر آنے والی اکثر آفتیں اس پر زبان کے غیر ضروری استعمال کی وجہ سے آتی ہیں۔ ''اب بالکل خاموشی سے چلنا ہے کوشش کرنی ہے کہ چلنے میں کوئی آواز نہ ہو میری بات سمجھ رہے ہو نا۔''

راج کنور نے بادلِ ناخواستہ سر ہلایا۔ اسی دوران میں چاند بادلوں کے پیچھے چھپ گیا اور اب یہاں تاریکی تھی۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ اس قسم کی جھاڑیوں میں گڑھے بھی ہوتی ہیں، جب آدمی ان میں گرتا ہے تب پتا چلتا ہے۔ اس لیے میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا، باقی سب میرے پیچھے تھے۔ کچھ دیر میں آنکھیں عام کرنے لگیں تو چاند نکل آیا۔ آسمان پر بادلوں کی چاند کے ساتھ آنکھ مچولی جاری تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ جب چاند ہوگا تب ہم سفر کریں گے اور تاریکی میں رک جائیں گے۔ جیسے ہی رکتے راج کنور اور سنکاری بیٹھ جاتے تھے۔ ایک بار وہ بیٹھے تو میں کہا۔ ''زمین پر ہاتھ مارتے رہو یہاں سانپ ہو سکتے ہیں۔''

''اسنیک۔'' سنکاری نے ہڑبڑا کر کہا۔ ''کدھر ہے؟''

''ہے نہیں ہو سکتا ہے، وہ بے خبری میں تمہاری طرف آ سکتا ہے۔ اس لیے زمین پر ہاتھ مارتے رہو۔''

''تب تو وہ جان کر آئے گا۔'' سنکاری نے سادگی سے کہا تو مجھے ہنسی آ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں سانپ ہمیشہ بے خبری میں انسان کے پاس آتا ہے اور پھر اس کے حرکت کرنے پر بے اختیار ڈس لیتا ہے۔ سانپ زمین پر ہلکی سی بھی دھمک سن لیتا ہے اگر اسے کہیں سے دھمک ملتی ہے تو وہ اس طرف جانے سے گریز کرتا ہے۔"

یہ سن کر سنکاری اور راج کنور جلدی جلدی زمین پر ہاتھ مارنے لگے۔ بیتو نے سنکاری سے کہا۔ "اتنا شور کائے کو کرتا ہے سانپ آئے تو بولو بھائی ہے اس کا، وہ ایسے ہی چلا جائے گا۔"

بیتو کا اشارہ راج کنور کی طرف تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میری قسمت میرے ساتھ کون سا کھیل کھیل رہی تھی۔ میں کتنی کوشش کے بعد سرحد پار کر کے گیا تھا اور پھر بس سرزمین چھو کر واپس آ گیا۔ مجھے سویرا کا کچھ خیال آیا جو بے تابی سے میری منتظر تھی۔ اسے پتا چلے گا کہ میں آ کر واپس چلا گیا تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟ جب تک میں انڈیا میں تھا اس کا سارا وقت کس ٹینشن میں گزر رہا تھا یہ صرف وہی جانتی تھی، میں بھی صرف اندازہ کر سکتا تھا۔ میرے ساتھ جن کے دن رات میری فکر میں تھے اب دوبارہ اسی فکر میں رہیں گے۔ مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ تقدیر نے پھر مجھے سرحد کے اُس پار دھکیل دیا تھا۔ سادی بھی بیتو کی طرح اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی تھی۔ وہ چاہتی تو اپنے بھائیوں اور اپنی پُرتعیش زندگی کی طرف واپس جا سکتی تھی مگر اس نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو ترجیح دی۔ وہ پہلے کمار سے وابستہ ہوئی۔ اس کے بعد وسیم نے اس کے زخموں پر مرہم رکھا، اسے اپنا لیا۔ اب سادی ہماری فیملی کا ایسا جزو بن گئی تھی جس کے بغیر یہ خاندان نامکمل تھا۔

چند گھنٹے پہلے میں جتنی شدت اور بے تابی سے پاکستان جانے کے لیے بے چین تھا اب اتنی ہی شدت سے خواہش کر رہا تھا کہ میں انڈیا کی سرزمین پر رہوں۔ میں نے اس علاقے کا نقشہ دیکھا تھا۔ یہاں راوی سرحد کے ساتھ لگ کر اس طرح بہتا ہے کہ کبھی ایک ملک اور کبھی دوسرے ملک میں ہوتا ہے اور کبھی یہ عین سرحد پر بہتا ہے اس لیے یقین سے کہنا بہت مشکل تھا کہ درحقیقت ہم کہاں تھے۔ میزائل سے بچنے کے لیے ہم نے شمال کا رخ کیا تھا اور ہمیں ایک منٹ سے زیادہ کا وقت نہیں ملا تھا۔ اس کے بعد بھی ہیلی کاپٹر نے شاید دو تین منٹ پرواز کی تھی اور پھر کریش ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے ہم اس جگہ سے شاید بیس کلومیٹرز سے زیادہ دور نہیں آئے تھے۔ میں نے ذہن میں نقشہ تازہ کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آیا کہ شمال کی طرف راوی انڈیا میں بہتا تھا یا پاکستان میں۔

"شوبی چلنے کا نہیں ہے، اٹھاؤں اس حرامخور کو۔" بیتو نے مجھے ہلایا اور راج کنور کی طرف اشارہ کیا۔ پاکستان میں رہ کر وہ بہت کم عرصے میں مخصوص الفاظ بولنے لگا تھا۔

"ہاں چلو۔" میں نے کہا اور بازو تھام کر راج کنور کو کھڑا کیا اس بار میں نے بھی اسے سہارا دیا تھا۔ مجھے راوی کا مقام تو یاد نہیں آیا تھا لیکن نقشے پر اس علاقے میں ایک انٹرنیشنل سڑک یاد آئی تھی جو سرحد سے مشکل سے دو کلومیٹرز کے فاصلے پر تھی۔ اگر ہم انڈیا میں تھے تو یہ سڑک ملنی چاہیے تھی اور سڑک پر کوئی نہ کوئی ٹریفک ہوگا۔ گاڑی مل جاتی تو ہم باآسانی یہاں سے نکل جاتے۔ پندرہ منٹ میں ہم نے شاید ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا تھا کہ دوبارہ اندھیرا ہو گیا۔ ہم آرام کرنے بیٹھے تھے کہ مجھے خیال آیا اور میں نے لیپ ٹاپ والا بیگ کمر سے اتارا۔ یہ اوپر سے خشک ہو گیا تھا۔ یہ بہت اعلیٰ درجے کے پیراشوٹ کے کپڑے سے بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود اندر پانی جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا تھا لیکن جب میں نے لیپ ٹاپ نکالا تو وہ مکمل طور پر خشک تھا۔ مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔ بیگ کے اندر ذرا بھی نمی نہیں تھی۔ لیپ ٹاپ کے ساتھ کرنسی کی گڈیاں اور انٹرنیٹ ڈیوائس بھی خشک تھی۔ میں نے لیپ ٹاپ کھولا تو اس کی اسکرین فوراً روشن ہوگئی تھی۔ میں نے سکون کا سانس لے کر انٹرنیٹ ڈیوائس نکال کر لگائی تو چند لمحے بعد اس کی روشنی جلنے لگی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ یہاں انٹرنیٹ کے سگنلز دستیاب تھے۔ مشکل سے ایک منٹ میں انٹرنیٹ کنکشن آن ہوگیا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فوراً عبداللہ کا نمبر ملایا۔ وہ شاید منتظر تھا اس نے بیل مکمل ہونے سے پہلے کال ریسیو کرلی۔ ''آپ.....؟''

''ہاں پہنچ گئے ہیں.....'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔ ''مسئلہ ہوگیا تھا۔ پرندہ پانی میں اتر گیا۔ ہم سب ٹھیک ہیں۔''

''جناب ایاز نے دیکھ لیا تھا نیچے سے روشنی کی لکیر لپکی تھی۔'' عبداللہ بھی مبہم انداز میں بولا۔ ''اس کے بعد سے ہم سب بہت پریشان تھے۔''

''تم لوگ فوراً واپس جاؤ اور وسیم کو کسی بھی جذباتی قدم سے روکو۔''

''ہم واپس جارہے ہیں۔ سفیر مسلسل وسیم سے رابطے کی کوشش کررہا ہے۔''

اسی لمحے سفیر کی آواز آئی۔ اس نے دھاڑ کر کہا۔ ''کال کیوں نہیں ریسیو کررہا تھا..... ہاں سب سوتیلے ہیں تو ہی ایک سگا ہے..... شہباز آیا تھا پھر واپس چلا گیا ہے..... وہ ہی ایک سگا ہے نا..... ہاں سادی کو بڑے کنور نے اٹھوایا ہے..... شہباز کی اس سے بات ہوئی ہے..... وہ کل تک اس کے پاس پہنچ جائے گی..... شہباز کی کال آئی ہے..... اچھا اچھا۔'' سفیر نے کہا اور عبداللہ سے موبائل لے کر مجھے وسیم کا نمبر بتایا۔ ''لیں اُلو کے پٹھے سے بات کر۔''

میں نے نمبر کاٹ کر وسیم کا نمبر ملایا۔ میں بلوٹوتھ ہینڈ فری کی مدد سے بات کررہا تھا اس لیے میں لیپ ٹاپ وہیں چھوڑ کر ان لوگوں سے ذرا دور چلا گیا تھا تاکہ وہ میری گفتگو نہ سن سکیں۔ واپس آکر میں نے دوبارہ کال ملائی اور وسیم نے کال ریسیو کی۔ ''یہ آپ نے کیا کیا آپ واپس کیوں چلے گئے؟''

''بڑے کنور کی شرط یہی تھی۔ میں نے اسے دھوکا دیا ہے اور دو دن کا وقت مانگا ہے۔ میری کوشش ہے کہ بارہ گھنٹے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں اور راستے میں ہی سادی کو واپس حاصل کرلوں۔''

''آپ اور بیتو ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''کاش میں بھی آسکتا۔''

''ہرگز نہیں تم میں سے کوئی میرے حکم کے بغیر اس طرف نہیں آئے گا۔ میں اور بیتو کافی ہیں۔''

''شہباز صاحب۔'' وسیم کی آواز بھرا گئی۔ ''آپ جانتے ہیں وہ ماں بننے والی ہے۔''

''میں جانتا ہوں یار اور بڑے کنور کو بھی خبردار کردیا ہے، وہ بہرحال اس کا بھائی ہے۔ اس نے کہا وہ جانے والوں سے کہے گا کہ سادی کا اس حوالے سے بھی خیال رکھیں۔''

''اسے سادی کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

''دبئی میں سادی کو کسی انڈین نے دیکھ لیا تھا۔ شاید اسی سے پتا چلا تھا لیکن اس نے کچھ نہیں کیا تھا۔ اگر اس واپس نہ آتا تو وہ اب بھی سادی کو نہ چھیڑتا۔ وہ خوش ہے کہ سادی اپنے گھر میں خوش ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''خوش ہے۔'' وسیم نے تلخی سے کہا۔ ''یہ محبت ہے اس کی اپنی بہن سے؟''

''تم ایسے ہمارے پیمانے سے مت ناپو۔ یہ ایلیٹ کلاس ہے۔ ان کی محبت کے پیمانے بھی الگ ہوتے ہیں۔''

''ابھی آپ کہاں ہیں؟''

''میرا اندازہ ہے کہ لکیر کے دوسری طرف ہیں مگر کنفرم نہیں ہے۔

''سفیر بتا رہا تھا کہ آپ کو ہٹ کیا گیا تھا؟''

''ہاں بڑی خوفناک صورت حال تھی مگر بس اوپر والے نے رحم کیا۔'' میں نے کہا۔ ''میں پھر بات کروں گا، ابھی تو یہی بتانے کے لیے کال کی تھی۔ ایک بار پھر وارننگ دے دوں مجھ سے پوچھے بغیر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔''

''آپ بے فکر رہیں میں اب ٹھیک ہوں۔ اسلام آباد کے پاس پہنچ گیا ہوں۔ وہ لوگ بھی پیچھے بکتے جھکتے آ رہے ہیں۔''

''تیار ہو جاؤ سفیر سخت غصے میں ہے۔''

میں نے کال کاٹ دی اور ڈیوائس نکال کر لیپ ٹاپ دوبارہ بیگ میں ڈال دیا۔ اس کی بیٹری شاندار قسم کی تھی۔ ابھی بھی تین چوتھائی بیٹری تھی جب کہ میں اسے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ استعمال کر چکا تھا۔ ہمالیہ ہوٹل کے منیجر نے بہترین چیز منگوائی تھی۔ اسی طرح اسکائپ کریڈٹ کی وجہ سے میرے لیے کہیں کال کرنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ ہم دوبارہ روانہ ہوئے اور دس منٹ بعد ہی سڑک نظر آ گئی۔ بلکہ اس سے گزرنے والی گاڑیاں نظر آئی تھیں۔ ان کی روشنی کی وجہ سے ہمیں پتا چلا کہ ہم سڑک کے پاس پہنچ گئے تھے۔ سڑک سے کچھ دور میں نے راج کنور کو بیتو کی نگرانی میں چھوڑا اور خود سنگاری کے ہمراہ سڑک تک آیا۔ یہ کوئی ہائی وے نہیں تھی بلکہ ایک طرح کی ذیلی سڑک تھی جو گاؤں دیہاتوں کو دور دراز علاقوں سے ملاتی ہے۔ مطلب یہ ایک سڑک تھی اور زیادہ بڑی بھی نہیں تھی لیکن اس کا معیار بہت اچھا تھا۔ زمین سے اونچی اور ہموار سڑک تھی۔ رات کے وقت یہاں ٹریفک کم تھا۔ اس وقت دس بجنے والے تھے۔

کچھ دیر بعد ایک ٹرک نمودار ہوا وہ جنوب سے آ رہا تھا۔ میں نے سنگاری سے کہا۔ ''تم یہیں رکو میں ٹرک روکنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن غائب مت ہونا میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔''

''ہم نہیں جائے گا ادھر ہی رہے گا۔'' اس نے یقین دلایا مگر میں اس پر نظر رکھے ہوئے سڑک پر آ گیا ٹرک سو گز دور تھا اور اس کے ڈرائیور نے یقیناً مجھے دیکھ لیا تھا۔ مگر اس نے رفتار کم کرنے کی زحمت نہیں کی حالانکہ میں مسلسل رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ مجھے اس کا خدشہ تھا اس لیے میں نے ٹرک روکنے کا بندوبست کر لیا تھا جیسے ہی وہ قریب آیا تو میں نے ایک طرف ہٹتے ہوئے ہاتھ میں موجود پتھر اس کی ونڈ اسکرین پر کھینچ مارا۔ ایک دھماکہ ہوا۔ اسکرین ٹوٹی تو نہیں لیکن اس پر یقیناً بال آ گیا تھا۔ ٹرک مجھ سے فٹ بھر کے فاصلے سے گزرا تھا۔ حسب توقع ڈرائیور نے مشتعل ہو کر ٹرک روکا اور نیچے اتر آیا۔ وہ گالیاں دے رہا تھا اور میرے ٹوٹے کرنے کا اعلان کر رہا تھا لیکن پاس آتے ہی اس کی زبان بند ہو گئی کیونکہ میں نے پستول نکال لیا تھا۔ وہ جوان عمر کا لمبا تڑنگا سکھ تھا۔ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا کہ میں انڈیا پہنچ گیا تھا۔ سکھ بڑے جارحانہ موڈ میں آیا تھا اور پستول دیکھ کر اس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ مگر اس کی زبان نہیں رکی تھی۔ بس ٹون بدل گئی تھی۔

''اوئے..... سرکار..... اے کی اے میں تے بس ایویں غصے وچ آ گیا سی.....''

''تے میں بھی محبت توں نکالا اے جانی۔'' میں نے کہا۔ ''گل اے ہے کہ سانوں لفٹ چاہیدی اے۔''

''توانوں۔'' وہ چونکا۔ ''ہور کون اے؟''

''پہلے تم بتاؤ ٹرک میں اور کون ہے؟''

''کوئی نہیں ہے جی میں کلاں واں۔'' اس نے یقین دلایا مگر میں نے ٹرک میں دیکھ کر یقین کیا ٹرک خالی تھا۔ ڈرائیور کا نام اگر سنگھ تھا اور وہ ڈیوٹی کر کے گھر جا رہا تھا۔ وہ اسی علاقے میں ٹرک چلاتا تھا اور بار برداری کا کام کرتا تھا۔ اگر اسے اعتراض تھا کہ لفٹ لینے کا یہ کون سا طریقہ ہے، پہلے پتھر مارا اور اب پستول نکال لیا تھا تب بھی اس نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ میں نے سنگاری کو آواز دی وہ دوڑا ہوا آیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''جا کر ان دونوں کو لے آؤ۔''

اگر سنگھ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں ڈاکو ہوں اس نے شبہے کا اظہار کیا۔ ''تسی ڈاکو نہیں لگدے۔''

''ہاں نہیں لگتا۔'' میں نے اقرار کیا۔

''پر تسی ہو۔''

''میں نہیں ہوں۔''

''تے فیر اے پستول.....''

''ہر پستول والا ڈاکو نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے ڈانٹا۔ ''پستول تو پولیس کے پاس ہوتی ہے اور فوج کے پاس بھی تو کیا وہ ڈاکو ہیں؟''

''نہیں جی پر وہ وردی میں ہوتے ہیں۔''

''بعض پولیس والے وردی میں نہیں ہوتے ہیں۔''

اگر سنگھ سکھ تھا مگر عقل سے پیدل نہیں تھا کہ مجھے خفیہ پولیس والا یا کسی خفیہ ایجنسی کا نمائندہ تسلیم کر لیتا۔ اسے بھی معلوم تھا وہ لوگ اس طرح پیدل مارے مارے نہیں پھرتے ہیں، ان کے پاس گاڑیاں اور تمام وسائل ہوتے ہیں۔ بہر حال اسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ ہم ڈاکو نہیں ہیں اور اس کا ٹرک نہیں چھینیں گے۔ یہ ٹاٹا کا بہت پرانے ماڈل کا ٹرک تھا جو آج بھی بھارت کے گاؤں دیہاتوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ یہ سستا اور آسانی سے مرمت ہونے والا ٹرک ہے اس لیے عام دیہاتی بھی اسے افورڈ کر سکتا ہے اور وہ اپنی پیداوار منڈی تک پہنچانے اور اچھے دام وصول کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں دیہاتی کسان کو کسی قابل ہی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ وہ آج بھی آڑھتیوں کا محتاج ہے۔ بنتو اور سنگاری راج کنور کو لے آئے اور وہ تینوں ٹرک کے پچھلے حصے میں سوار ہو گئے۔ میں اگر سنگھ کے ساتھ ڈرائیونگ کیبن میں آ گیا۔ اس نے ٹرک اسٹارٹ کرنے سے پہلے پوچھا۔

''تسی کتھے جانا اے؟''

''تم کہاں جا رہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں ڈیرہ بابا نانک جا رہا ہوں وہیں کا رہنے والا ہوں۔'' اس بار اس نے پنجابی چھوڑ کر صاف لہجے میں کہا۔

''تم پڑھے لکھے ہو؟''

''ہاں جی امرتسر کالج سے گریجویشن کیا ہے۔'' اس نے فخر سے بتایا۔

''اور ٹرک چلا رہے ہو؟''

اس نے اسٹیئرنگ بیلنس کرتے ہوئے سادگی سے کہا۔ ''ہاں تو کیا برا ہے؟''

میں شرمندہ ہو گیا۔ واقعی گریجویشن کر کے ٹرک چلانے میں کیا برائی ہے۔ یہ ہمارا معاشرتی احساسِ کمتری ہے کہ پڑھا لکھا انسان کوئی محنت کا کام نہ کرے۔ یہ کم پڑھے لکھوں یا اَن پڑھوں کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ کم سے کم ہمارے ہاں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ رات کے ساڑھے دس بجنے والے تھے اور میں نے اب تک سوائے دھکوں کے کچھ نہیں کھایا تھا۔ باقیوں کا نہیں پتا لیکن اس وقت میرا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ لفٹ مل گئی تھی اور ہم خطرے والی جگہ سے دور جا رہے تھے اس لیے اب پیٹ کی فکر لگی اور میں نے اگلا سوال اسی سے متعلق کیا۔ ''ہم سب بھوکے ہیں کھانے کو مل سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں جی۔'' اس نے کہا۔ ''میرے گھر چلو۔''

''میں تمہیں معاوضہ دوں گا۔ وٹہ اسکرین کے پیسے بھی لے لینا۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''پھر ہمیں ہوشیار پور جانا ہے۔ اس کے لیے کوئی ٹیکسی یا گاڑی مل سکتی ہے۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''ادھر بابا نانک میں کئی ٹیکسی والے ہیں پر اس وقت شاید ہی کوئی جانے کو تیار ہو۔''

''منہ مانگے معاوضے پر بھی نہیں جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔ ''میں ڈبل دوں گا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''پھر جائے گا۔ جب تسی چنگے بندے ہوتے فیر پستول کیوں نکالا؟''

''مجبوراً۔'' میں نے کہا تو وہ بھونچکا رہ گیا۔

''مجبور ہو کر کون پستول نکالتا ہے۔''

''بات یہ ہے کہ یہاں سڑک پر ڈاکوؤں نے ہماری گاڑی روکی اور سب لوٹ لیا۔''

''پر آپ کے پاس پستول تھا؟'' اس نے اعتراض کیا۔

اس پر میں نے لطیفہ بیان کیا۔ ''شکر ہے اس پر نظر نہیں پڑی۔ ورنہ یہ بھی جاتا۔ ہم دو گھنٹے سے یہاں سڑک پر کسی گاڑی کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر کوئی رکا نہیں، ہم رکے تھے اور لٹ گئے۔''

وہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر اسٹوری آگے بڑھائی۔ ''انہوں نے ہمیں لے جا کر دریا میں دھکیل دیا اور خود ہماری گاڑی لے کر فرار ہو گئے۔ یہ جو تم ہمارا حال دیکھ رہے ہو اسی وجہ سے ہے۔''

بادلِ ناخواستہ اس نے میرا سفید جھوٹ تسلیم کیا۔ وہ دکھی نظر آ رہا تھا جیسے میں نے سکھوں والا لطیفہ اپنے نام سے بیان کر کے اس کا استحقاق مجروح کیا ہو۔ اس نے اصل نکتہ اعتراض اٹھایا۔ ''وٹہ کیوں ماریا سی..... شیشے پر نشان پڑ گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے کہا نا اس کی بھی ادائیگی کروں گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

ڈیرہ بابا نانک زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم مشکل سے دس منٹ میں وہاں پہنچ گئے۔ یہ ایک درمیانے درجے کا قصبہ تھا لیکن پکے گھروں سے خوشحالی جھلک رہی تھی۔ سرحد سے یہ مشکل ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور خوشحالی کی وجہ ظاہر تھی۔ یہاں کی معیشت اسمگلنگ پر مبنی تھی۔ مگر سارے ہی اسمگلر نہیں تھے۔ کچھ یقیناً اگر سنگھ کی طرح محنت کر کے کماتے ہوں گے۔ اس کا گھر قصبے کے شمال میں اور آخر میں تھا۔ اس نے ٹرک ایک احاطے کے ساتھ روکا اور بولا۔ ''یہ میرا گھر ہے۔''

''گھر میں کون کون ہے؟''

''میری ماں، بھائی اور اس کی بیوی؟''

''تمہاری شادی نہیں ہوئی۔''

''پہلی نوں نے کون سے سکھ دیئے ہیں جو ماں دوسری لے کر آئے۔'' اس نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا اور نیچے اتر گیا۔ وہ بھائی سے دل برداشتہ لگ رہا تھا۔ میں بھی نیچے آیا، بیتو بھی عقبی حصے سے کودا تھا۔ اگر سنگھ دروازے کی طرف بڑھا تو میں اس کے ساتھ تھا اگرچہ ابھی تک اپنے انداز سے وہ خطرناک نہیں لگا تھا مگر اب میں نے انسانوں کے ظاہری روپ پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اوپر سے زنجیر ہٹائی اور اندر داخل ہو گیا۔ میں اس کے پیچھے تھا اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ عام سا دیہاتی گھر تھا۔ تقریباً نصف کنال کا پلاٹ تھا اس پر درمیان میں چند کمرے بنے ہوئے تھے اور کمروں کے چاروں طرف سیمنٹ کی شیٹوں سے برآمدہ بنا ہوا تھا۔ مکان پکی اینٹوں کا تھا۔ سامنے والے صحن میں نیم کے دو بڑے درخت تھے جن کے تلے چارپائیاں تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''بیٹھو جی۔''

وہ اندر جانے لگا تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور آہستہ سے بولا۔ ''اگر سنگھ تم مجھے مہمان بنا کر لائے ہو اس لیے مجھ پر فرض ہے کہ اس گھر کی سلامتی کا خیال رکھوں..... کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ میں اپنا فرض بھول جاؤں۔''

''نہیں جی تسی اب مہمان ہو۔'' اس نے کہا اور اندر بڑھ گیا۔ میں نے دروازے تک جا کر بیتو کو آواز دی۔

''ہاں شوبی۔'' اس نے ٹرک کے پاس سے کہا۔

''ان دونوں کو بھی اندر لے آؤ۔''

ایک منٹ سے پہلے وہ تینوں اندر تھے۔ راج کنور کا حلکن اور تکلیف سے برا حال تھا اور سنکاری کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ وہ آتے ہی چارپائیوں پر ڈھیر ہو گئے۔ بیتو نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی ایک منٹ ادھر آ کر ہمارا بات سنو۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ ایک کونے میں آیا۔ بیتو نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''شوبی ان لوگوں کو بیکار میں اٹھائے پھر رہا ہے، دفع کرو۔ ہم کنور پیلس کی طرف چلتا ہے۔''

''جلدی مجھے بھی ہے لیکن ان دونوں کو نہیں چھوڑنا ہے۔ راج ایک ایسا سانپ ہے جسے فی الحال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں مارنا، سنگاری کو چھوڑ دیا اور وہ بھارتی پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تو ہمارے بارے میں سب بک دے گا۔"

"اسے کیا معلوم کہ ہم کہاں جا رہا ہے؟"

"وہ بے وقوف نہیں ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں کتنی کوشش کر کے سرحد پار گیا تھا اور اب واپس آیا ہوں تو لازماً وہیں واپس جاؤں گا۔ کم سے کم وہ شملہ کی حد تک تو جانتا ہے کہ میں کہاں جا سکتا ہوں۔ پولیس میرے بارے میں جانتی ہے، اس سے پہلے بھی وادی میں ہونے والی لڑائی میں میرا نام آ چکا ہے۔ پولیس مجھے وہیں تلاش کرے گی یا کم سے کم وہاں کی پولیس کو خبردار کر دے گی۔"

بیتو نے مجھے سنگاری کو ختم کرنے کا مشورہ نہیں دیا وہ جانتا تھا کہ میں کسی انسان کو اس طرح موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا تھا۔ خود بیتو بھی اس مزاج کا نہیں تھا۔ میں نے اسے تسلی دی۔ "ہم نے انہیں کون سا اٹھا کر لے جانا ہے، یہ بھی گاڑی میں جائیں گے۔"

"راج کنور کتے کی طرح کراہ رہا تھا۔" بیتو نے مطلع کیا۔ "اسے تکلیف ہو رہا ہے۔"

راج کنور کو اس سفر میں جو جھٹکے برداشت کرنے پڑے تھے یقیناً اس کی جڑ جانے والی ہڈی دوبارہ ہل گئی ہو گی۔ میں راج کنور کو اپنے ساتھ لے جانے کی نیت سے لے گیا تھا مگر وہ مجھ سے چمٹا ہوا واپس آ گیا۔ اگرچہ اس کے دعویٰ کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی کہ اسے واپسی کا بھی ایک کوڈ بتانا تھا جس کے بعد ہمیں انڈیا کے ریڈ زون سے گزرنے کی اجازت ملتی۔ اس سے پہلے ایک پاکستانی میزائل نے ہیلی کاپٹر کو ہٹ کر دیا تھا۔ پھر اسے ڈوبتے ہیلی کاپٹر سے بھی نکال لایا اور اب اسے ساتھ رکھنا مجبوری تھی۔ فی الحال میں نے سوچا نہیں تھا کہ اس کا کیا کرنا ہے؟ اسے درد ہو رہا تھا۔ اس کا علاج تو کوئی آرتھوپیڈک ہی کر سکتا تھا مگر ہم اس کے لیے پین کلر دوا لے سکتے تھے۔ چند منٹ بعد اگر سنگھ اندر سے برآمد ہوا تو میں نے اس سے پہلا سوال پین کلر کا ہی کیا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ "میں لاتا ہوں کھانے کا بول دیا۔"

"کھانے میں کیا ہو گا؟" میں نے کہا۔ "میں ویجی ٹیرین ہوں گوشت نہیں کھاتا۔"

"یہاں گوشت ملے گا بھی نہیں۔" اس نے کہا۔

میں نے دل ہی دل میں اس سفید جھوٹ کی معافی مانگی اللہ سے جس نے اپنے بندے کو ہمیشہ بہترین گوشت کھلایا تھا۔ اگر سنگھ اندر سے لکڑی کی ایک میز اٹھا لایا اور اس نے پانی کا جگ اور گلاس رکھا تو سب ہی ٹوٹ پڑے تھے۔ خود میں دو گلاس پی گیا تھا تب مجھے پتا چلا کہ میں کتنا پیاسا تھا۔ ایک تو موسم گرم تھا دوسرے بھاگ دوڑ نے حشر کر دیا تھا۔ ہیلی کاپٹر کریش سے پہلے خون بھی خشک ہوا تھا۔ ہماری پیاس دیکھتے ہوئے اگر سنگھ دوبارہ پانی بھر کر لے آیا۔ اس نے معذرت کی کہ روٹی تیار ہونے میں کچھ دیر ہے۔ بیتو نے اس سے انگلی اٹھا کر سوال کیا۔ "لیٹرین کدھر ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" اس نے بیتو سے کہا اور اسے مکان کے عقبی صحن کی طرف لے گیا۔ چند منٹ بعد بیتو خوش باش اور صاف ستھرا ہو کر آیا تو میں نے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ پیچھے لائن سے لیٹرین اور غسل خانے بنے ہوئے تھے۔ دونوں پکے اور صاف ستھرے تھے۔ اندر پانی سمیت ہر سہولت تھی۔ میں نے لیٹرین اور غسل خانے دونوں سے استفادہ کیا۔ منہ ہاتھ دھو کر اور بال ٹھیک کر کے میں خود کو خاصا بہتر انسان محسوس کرنے لگا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کپڑے ریت والے پانی میں بھیگ کر خشک ہونے کے بعد عجیب سے ہو گئے تھے۔ بہرحال اب ٹھیک تھے۔ ہمارے پاس مزید کپڑے نہیں تھے۔ بیتو نے جینز اور اوپر اسکن فٹ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اس لیے اس کا تو پتا نہیں چل رہا تھا۔ سنگاری نے فلائنگ جمپ سوٹ پہن رکھا تھا اور سب سے برا حال راج کنور کا تھا جس کا اسپتال کا سلکی لباس چمرا گیا تھا۔ پلاسٹر کے اندر پانی چلا گیا تھا اور روئی بھیگی ہوئی تھی اسے دوبارہ پلاسٹر کی ضرورت تھی۔ میں نے اگر سنگھ سے کسی اسپتال کا پوچھا تو اس نے کہا:

''ادھر بٹالہ یا گورداسپور جانا پڑے گا۔ بٹالہ پاس ہے گورداسپور ذرا دور ہے لیکن وہاں سہولتیں بٹالہ سے زیادہ ہیں۔''

میں نے ذہن میں نقشہ تازہ کیا تو مجھے یاد آیا کہ شملہ اصل میں ہوشیار پور اور امرتسر سے بھی نیچے ہے یعنی میں گورداسپور کی طرف جاتا تو اوپر کی طرف نکل جاتا ہے اور عین ممکن ہے اس طرف سے شملہ جانے کا کوئی آسان راستہ بھی نہ ملتا تو میری معلومات کے مطابق کشمیر اور ہماچل پردیش کے درمیان راستے نہیں ہیں۔ اس لیے مجھے بٹالہ کی طرف جانا تھا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ راج کنور کو علاج کی سہولت ملتی یا نہیں۔ بہرحال میں جلد از جلد شملہ اور پھر کنور پیلس کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد کھانا آ گیا تھا۔ یہ تندور کی لگی گرما گرم موٹی روٹیوں، سرسوں کے ساگ، آلو کی بھاجی اور اچار کے ساتھ لسی پر مشتمل تھا۔ بیتو کے چہرے پر بارہ بج گئے تھے کیونکہ وہ گوشت کے علاوہ کچھ کھاتا نہیں تھا۔ مگر اس وقت موقع نہیں تھا اس لیے اس نے یہ کھانا زہر مار کر لیا۔ البتہ میرے ساتھ سنگاری اور راج کنور نے بھی ڈٹ کر کھایا۔

یہاں بجلی تھی اور صحن میں بلب جل رہا تھا لیکن اگر سنگھ نے مزید روشنی کے لیے ایک لالٹین کی شکل والی ایمرجنسی لائٹ بھی لا کر رکھ دی تھی۔ یہ میڈ ان چائنا تھا اور انڈیا چائنا کا دوست نہیں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چین کی مصنوعات دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ چکی ہیں۔ اس سے دوست دشمن سب مستفید ہوتے ہیں۔ سیر ہو کر کھانے کے بعد سب نے لسی کے گلاس چڑھائے اور پھر اونگھنے لگے تھے۔ اگر سنگھ نے بھی ہمارے ساتھ کھایا تھا اور سب کھایا تھا اس لیے مجھے شبہ نہیں ہوا کہ اس نے کوئی مکاری کرتے ہوئے کھانے میں کچھ ملایا ہو۔ کھانے کے بعد سب پر خمار طاری ہونے لگا تھا مگر یہ آرام کا موقع نہیں تھا۔ ہمیں یہاں روانہ ہونا تھا۔ میں نے کھانے کے دوران ہی اگر سنگھ سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی ٹیکسی والے سے بات کرے ہمیں بٹالہ جانا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بٹالہ کا سن کر کوئی نہ کوئی ٹیکسی والا تیار ہو جائے گا کیونکہ یہ صرف بیس میل دور تھا۔ اس سے آگے کے لیے ہمیں کوئی نہ کوئی سواری مل جاتی۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے ساڑھے گیارہ بج گئے تھے۔ اگر سنگھ نے روانگی سے پہلے پوچھا۔

''ویسے بٹالہ تک کے یہاں سے سو روپے لگتے ہیں۔ پر کتنے پر معاملہ کرلوں۔''

''میں پانچ سو دوں گا۔'' میں نے کہا تو اس کا منہ کھل گیا تھا۔

''پانچ سو دو گے آپ؟''

''ہاں۔'' میں نے اس کی دلچسپی محسوس کر کے کہا۔ ''اگر تم لے جا سکتے ہو تو چلو اچھی بات ہے کسی اور کو ہمارے بارے میں علم بھی نہیں ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں چلتا ہوں جی۔'' وہ فوراً راضی ہو گیا تو میں نے اسے ہزار کا نوٹ دیا۔

''یہ تمہارا کرایہ اور کھانے کا بلکہ یہاں لانے کا بھی اور باقی سمجھ لو تمہاری ٹپ ہو گی۔'' میں نے دوسرا نوٹ پیش کیا۔ ''یہ شفٹنے کے ڈینٹ کے بدلے ہے۔''

وہ خوش ہوا تھا اس نے نوٹ لے لیے۔ ''میں ماں کو بتا کر آتا ہوں۔ وہ مجھے رات کے بعد باہر نہیں جانے دیتی ہے۔''

اس دوران میں نہ تو اگر سنگھ کی ماں اور نہ ہی اس کی بھابی اور بھائی باہر آئے تھے۔ یہ ایک طرح سے اچھا ہی تھا کہ کم سے کم لوگ ہمیں دیکھیں۔ یہاں گاؤں میں آتے ہوئے بھی کسی نے ہمیں اگر سنگھ کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ اگر سنگھ آیا تو ہم تیار تھے۔ کھا پی کر جسم کی بیٹری چارج ہو گئی تھی۔ راج کنور کو آرام کا موقع ملا تو اس کی تکلیف میں بھی خاصی کمی آئی تھی پھر اسے پیراسیٹامول کا انڈین ورژن دیا تھا۔ ہم پہلے کی طرح ٹرک میں سوار ہوئے یعنی بیتو، سنکاری اور راج کنور کے ساتھ پیچھے تھا۔ باڈی سے شکستہ حال نظر آنے والا ٹرک انجن اور سسپنشن کے لحاظ سے اچھی حالت میں تھا۔ اگر سنگھ اسے گلی سے نکالنے لگا تھا۔ جب ہم سڑک کی طرف روانہ ہوئے اور کراسنگ پر پہنچے تو مجھے جنوب کی طرف سے کئی روشنیاں گاؤں کی طرف مڑتی دکھائی دی تھیں۔ آنے والی گاڑیاں ساتھ تھیں اور ان کے رفتار تیز تھی۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں نے اگر سنگھ سے کہا۔

''رفتار تیز رکھو ہمیں جلدی بٹالہ پہنچنا ہے۔''

''فکر نہ کرو آدھے گھنٹے میں پہنچا دوں گا۔''

''کوشش کرو ہم اس سے کم وقت میں پہنچ جائیں ورنہ نصف رات کے بعد ہوٹلوں میں جگہ بھی مشکل سے ملتی ہے۔ بازار اور دکانیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔''

اس سڑک کی حالت بھی بہت اچھی تھی اور رات کے اس وقت ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اگر سنگھ نے رفتار بڑھائی اور ایک منٹ میں ٹرک تقریباً سو کلومیٹرز فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑنے لگا۔ اس رفتار پر اس کی باڈی کے شکستہ حصے آواز دے رہے تھے مگر ان کے ٹوٹ کر الگ ہو جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے مڑ کر عقب والی چھوٹی سی کھڑکی کھولی اور بیتو کو آواز دی۔ وہ پاس ہی تھا۔ ''ہاں شوبی.....؟''

''دیکھو اگر پیچھے کوئی گاڑی یا گاڑیاں آئیں تو فوراً بتانا۔''

''ہم دیکھتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہمارے پیچھے کون آئے گا؟'' اگر سنگھ فکرمند ہو گیا۔

''کوئی نہیں..... تم فکر مت کرو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو تم پوری رفتار سے ٹرک چلاؤ گے۔''

''خطرے کی بات ہے تو مجھے بتا دو۔''

''تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ اس وقت ہم بٹالہ کی طرف جانے والے تیسرے سنگ میل کے پاس سے گزر رہے تھے۔ ابھی سترہ میل سے زیادہ کا سفر باقی تھا۔ کئی گاڑیوں کی روشنیاں دیکھ کر مجھے خیال آیا تھا کہ وہ انڈین سکیورٹی فورسز کے لوگ ہو سکتے تھے۔ وہ یقیناً ہیلی کاپٹر تک پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے تھے اور اب ہماری تلاش میں تھے اگر وہ امرتسر کی طرف سے آئے تھے تو لازماً اس سے آگے ہی ہمیں تلاش کرتے۔ اس راستے میں کئی چھوٹے گاؤں آئے تھے اور بڑا قصبہ ڈیرہ بابا نانک تھا۔ گویا ہماری تلاش کا دائرہ وسیع کیا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے یہ دائرہ پھیل کر ہم تک آتا ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ میں اس وقت کسی ایسے معاملے میں نہیں الجھنا چاہتا تھا کہ جس سے کنور بیلس کی طرف میرے سفر میں تاخیر ہو۔ اچانک بیتو نے عقب سے کہا۔

''شوبی دوردو گاڑیوں کا روشنی پیچھے آیا ہے وہ تیزی سے آ رہا ہے۔''

میں نے اسپیڈومیٹر دیکھا ٹرک کی رفتار سو سے اوپر تھی لیکن آنے والی گاڑیاں اس سے کہیں تیز رفتار ہو سکتی تھیں۔ بارڈر سیکیورٹی والوں کے پاس ہمیشہ بہترین گاڑیاں ہوتی ہیں۔ یہ ٹرک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ہمیں آ لیتے تو مقابلے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔ آنے والے تعداد میں زیادہ اور بہتر طور پر مسلح ہوتے۔ اگر ہم کسی طرح ان پر قابو پا بھی لیتے تو یقیناً یہ اطلاع اوپر تک پہنچ جاتی اور اس علاقے کو اسپاٹ کر کے وسیع پیمانے پر تلاش شروع کر دی جاتی۔ اس سلسلے میں فضا سے بھی مدد لی جا سکتی تھی۔ میں سوچ رہا تھا اور میں اس مسئلے کا کوئی پُر امن حل نکالنا چاہتا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے کہا۔ ''اگر سنگھ میں نے فیصلہ بدل دیا اب ہمیں گورداسپور جانا ہے۔''

''کیوں جی؟''

''بس بدل دیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم راستے میں کسی ذیلی سڑک سے مڑ جاؤ اور ٹرک کی روشنیاں بند کر دو۔''

''روشنیاں بند کر دوں تو ٹرک کیسے چلے گا یہ کچے میں اتر جائے گا۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں ڈبل معاوضہ دوں گا۔''

وہ چپ ہوا پھر اس نے ٹرک کی لائٹس بند کر دیں۔ اس نے ایک سوئچ دبایا تو بریک لائٹس بھی بند ہو گئیں یہ بات اس نے مجھے بتائی۔ اکثر ڈرائیور اس قسم کا مینول سسٹم بھی رکھتے ہیں تاکہ وائرنگ شارٹ ہو تو بیٹری کو بچایا جا سکے۔ ''آگے وڑائچ نامی گاؤں ہے اس سے راستہ نکلتا ہے پر وہ بہت لمبا اور خراب ہے دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں وقت مسئلہ نہیں ہے اب۔''

بیتو نے پھر پیچھے سے اطلاع دی۔ ''گاڑی تیزی سے آ رہا ہے شاید ایک میل دور ہے اب۔''

بیتو کی نظر بہت تیز تھی اس نے گاڑیاں خاصی پہلے دیکھ لی تھیں۔ اسی لمحے وڑائچ کی طرف مڑنے والی ذیلی سڑک آ گئی اور جیسے ہی ٹرک اس پر آیا جھٹکے لگنا شروع ہو گئے تھے۔ سڑک واقعی بہت خراب تھی۔ اگر سنگھ نے رفتار سست کرنا چاہی لیکن میں نے منع کر دیا۔ ''اسی رفتار سے چلو۔''

اگر سنگھ نے سوال نہیں کیا تھا لیکن وہ سمجھ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ ہمارے پیچھے کچھ لوگ آ رہے ہیں اور ان سے بچنے کے لیے ہم نے راستہ تبدیل کرایا تھا۔ سو تو نہیں مگر اسی کلومیٹرز کی رفتار بھی اس سڑک پر بہت زیادہ تھی۔ ٹرک اچھل رہا تھا اور ظاہر ہے ہم لوگ بھی اچھل رہے تھے۔ اب ٹرک کی باڈی زیادہ بھیانک آوازیں نکال رہی تھی۔ اگر سنگھ بتدریج رفتار کم کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ جب تک گاڑیاں ذیلی سڑک تک آئیں ہم اتنے دور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا چکے ہوں کہ ٹرک کا ہیولہ بھی نظر نہ آئے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''نظر رکھو کہ روشنیاں ہماری طرف تو نہیں مڑ رہی ہیں؟''

''میں دیکھ رہا ہوں۔'' بیتو نے شور کی وجہ سے چلا کر کہا۔ ''شوبی..... وہ ادھر مڑے ہیں۔''

میں نے اگر سنگھ سے کہا۔ ''سنو ہمارے پیچھے جان کے دشمن ہیں ہم تک آ گئے تو ہمارے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔ یہاں ٹرک سمیت چھپنے کی کوئی جگہ ہے جو سڑک سے نظر نہ آئے۔''

''آگے ایک ڈیرہ ہے اس کے چاروں طرف درخت ہیں اس موسم میں ویران ہوتا ہے۔ گندم کی کٹائی کے دنوں میں استعمال ہوتا ہے۔''

''بس تو وہیں چلو۔'' میں نے کہا اور بیتو سے پوچھا۔ ''دونوں گاڑیاں ہیں؟''

''نہیں ایک ہے دوسری سیدھی گزر گئی تھی۔''

اس کا مطلب تھا کہ انہیں پکا یقین نہیں تھا کہ ہم اس سڑک پر مڑے ہیں اس لیے ایک گاڑی اس طرف آئی ورنہ دونوں آتیں۔ میں نے اگر سنگھ سے پوچھا۔ ''ڈیرہ کتنی دور ہے؟''

''بس کچھ دور ہے۔'' وہ بولا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ سید حا لیکن حوصلہ مند جوان تھا۔ پہلی بار مجھے پستول بدست دیکھ کر وہ گھبرا گیا تھا لیکن اس موقع پر اس نے حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ راستے اس کے لیے جانے پہچانے تھے اس لیے وہ بند ہیڈ لائٹس کے ساتھ بھی ڈرائیو کر رہا تھا۔ کوئی ناواقف ہوتا تو اب تک ٹرک کو کئی بار کچے میں اتار چکا ہوتا۔ اس نے اچانک ہی ٹرک گھمایا تو وہ رفتار کی وجہ سے ذرا غیر متوازن ہوا تھا مگر اس نے فوراً ہی اسے قابو کر لیا۔ یہ راستہ بالکل کچا تھا اس لیے رفتار کم کرنا پڑی۔ درختوں کے درمیان سے گزرتے ہم ایک کچے احاطے میں داخل ہوئے۔ اس وقت وہاں ویرانی تھی ورنہ ٹرک کے انجن کی غراہٹ سن کر کوئی نہ کوئی تو آتا۔ اگر سنگھ نے چابی گھما کر انجن بند کر دیا اور اچانک سناٹا ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ٹرک کا انجن کس قدر شور مچا رہا تھا۔ میں نے اگر سنگھ سے کہا۔

''نیچے اترو میرے ساتھ۔''

وہ نیچے اتر آیا۔ بیتو بھی نیچے آ گیا تھا اور اس نے اسنیچ والے بیگ کو حرزِ جاں بنایا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لیے بھی اسے نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ہم تینوں درختوں کے آخری حصے تک آئے جہاں سے ذیلی سڑک کچھ ہی دور تھی۔ میں نے سائلنسر والا پستول نکال لیا تھا۔ بیتو کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی۔ اس نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔

''شوبی اگر وہ لوگ ادھر آ گیا تو.....؟''

''ہم نے ان کے ہاتھ نہیں آنا ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ہم سمجھ گیا۔'' بیتو نے جواب دیا۔ اسی لمحے سڑک پر روشنی ہوئی اور ایک درمیانے سائز کی ملٹری جیپ تیزی سے گزری۔ وہ ٹرک کے تعاقب میں آگے نکل گئی تھی۔ میں نے اور اگر سنگھ نے سکون کا بہت بڑا سانس لیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''ہم واپس چلیں؟''

''نہیں ممکن ہے آگے دشمن موجود ہوں۔ واپس ڈیرہ بابا نانک کی طرف بھی نہیں جا سکتے اس لیے یہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکو۔ جب آنے والے واپس چلے جائیں گے تو ہم آگے سفر کریں گے۔"

"یہ تو بارڈر سکیورٹی فورس کی جیپ تھی۔"

"ہاں لیکن ایسی جیپیں اب عام ہیں بارڈر پر رہنے والے بھی استعمال کرتے ہیں بلکہ اسمگلر بھی استعمال کرتے ہیں اس سے وہ شک سے بچ جاتے ہیں۔"

اگر سنگھ چونکا۔ "یہ اسمگلر ہیں؟"

"یہ اس سے بڑے مجرم ہیں۔" میں نے کہا۔ "اگر یہ یہاں آجائیں تو تم بھاگ جانا ان کے سامنے آگئے تو یہ بے دریغ تمہیں بھی اڑا دیں گے۔"

میں اگر سنگھ کر پکا کر رہا تھا اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ یہ سچ مچ بارڈر سکیورٹی فورس والے ہیں تو شاید اس کی حب الوطنی جاگ جاتی اور وہ بلاوجہ مصیبت بن جاتا۔ مجھے پورا اطمینان نہیں ہوا تھا اور میرا خیال تھا کہ جیپ واپس آئے گی کیونکہ ہم آگے نہیں ملیں گے تو ان کا شبہ آس پاس چھپنے والے مقامات کی طرف جائے گا اور وہ ایسی جگہیں چیک کریں گے جہاں ایک ٹرک چھپایا جا سکے۔ یہ ڈیرہ اس کام کے لیے موزوں تھا۔ جیسے جیسے میں سوچ رہا تھا میرا شبہ بڑھتا جا رہا تھا کہ جیپ واپس آئے گی اور یہ جگہ چیک کی جائے گی۔ یہ تو طے تھا کہ وہ یہاں آجاتے تو ہم نے ان کے ہاتھ نہیں آنا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ پھر ان کا کیا کرنا تھا؟ میں اس پر غور کر رہا تھا کہ سڑک کی طرف سے پھر روشنی نمودار ہوئی اور اس بار یہ مخالف سمت سے آئی تھی جس طرف جیپ گئی تھی۔ ایک منٹ سے بھی پہلے جیپ وہاں آگئی اور اس راستے پر رکی جہاں سے ٹرک احاطے کی طرف مڑا تھا۔ جیپ کے ساتھ ہی ہم سب کے سانس بھی رک گئے تھے۔ پھر وہ آہستہ سے مڑی اور کچے پر اتر آئی۔ میں نے بیتو سے کہا۔

"واپس جاؤ اور ٹرک کے پاس گھات لگا لو جب میں کہوں تو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو گرانے کی کوشش کرنا۔ میں سیٹی بجاؤں گا لیکن جب تک میں نہ کہوں تم نے کچھ نہیں کرنا ہے۔"

"جی شوبی۔" بیتو نے کہا اور تاریکی میں رینگ گیا۔

"اگر سنگھ تم اس درخت پر چڑھ جاؤ اور خود کو شاخوں میں چھپا لو جب تک میں نہ کہوں نیچے مت آنا اگر تم نے ایسا کیا تو اپنی موت کے خود ذمے دار ہو گے۔"

اس نے بغیر کچھ کہے میرے حکم کی تعمیل کی اور اوپر چڑھ گیا۔ وہ دیہات کا رہنے والا تھا درختوں پر چڑھنا اس کے لیے مشکل کام نہیں تھا۔ اس دوران میں جیپ ہمارے پاس سے گزری اور اس کی روشنی کے انعکاس سے بچنے کے لیے میں تنے کے پیچھے ہو گیا۔ جیپ کے اندر ہلکی روشنی تھی اور چار افراد صاف دکھائی دیئے تھے ان میں سے دو آگے بیٹھے تھے اور دو پیچھے۔ سب فوجی وردیوں میں تھے اور میں نے بروقت اگر سنگھ کو اوپر چڑھایا تھا ورنہ وہ ان کی وردیاں دیکھ لیتا۔ اسمگلر سکیورٹی فورس جیسی جیپ میں گھوم سکتے ہیں لیکن وہ فوجی وردیاں استعمال نہیں کرتے ہیں۔ اوپر سے اگر سنگھ یہ سب نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں جیپ کے ساتھ ساتھ حرکت کرنے لگا۔ احاطے کے گیٹ تک پہنچتے ہی جیپ والوں نے ٹرک دیکھ لیا تھا کیونکہ ان میں کھلبلی مچی تھی اور جیپ رک گئی تھی۔ فوراً ہی اس کی لائٹس آف ہو گئیں اور اس سے سائے اتر کر احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ پھیل گئے تھے مگر ان سورماؤں نے اندر جانے کی ہمت اور کوشش نہیں کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو میری طرف آئے تھے اور دوسری طرف چلے گئے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اصولاً تو ترک نظر آنے ہی انہیں فوراً ریڈیو پر اپنے لوگوں سے رابطہ کرنا چاہیے تھا لیکن اس کے بجائے وہ اس بڑے احاطے میں کارروائی کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طرح پھیلنے کا تو یہی مقصد ہو سکتا تھا۔ ان کے پاس خود کار ہتھیار تھے۔ ان کے مقابلے میں میرے پاس صرف ایک پستول تھا۔ بیتو اندر تھا اور وہ اندر سے فوری مدد کو نہیں آ سکتا تھا جب کہ میں نے اسے بغیر اشارے کے حرکت میں آنے سے منع کیا تھا۔ اب مجھے ہی ان سے نمٹنا تھا۔ میری طرف آنے والے دونوں افراد ایک دوسرے سے زیادہ دور نہیں تھے اگر ایک کے ساتھ کچھ ہوتا تو دوسرے کو فوراً پتا چل جاتا اور یہی میں نہیں چاہتا تھا۔ میں کونے والے کے ساتھ حرکت کرتا ہوا دائیں طرف جا رہا تھا اور بہت پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا کہ میرے پیروں تلے آ کر کوئی سوکھی لکڑی ٹوٹتی یا پتا چرمراتا تو وہ چوکنا ہو جاتے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ ''بھوپت تُو اس طرف جا دیکھ کوئی فرار نہ ہونے پائے۔''

بھوپت وہی تھا جس کے پیچھے میں تھا۔ وہ مزید آگے جانے لگا اور میں اس کے پیچھے تھا۔ بادل ہلکے ہو گئے تھے اس لیے چاند چھپے ہونے کے باوجود کسی قدر روشنی ہو گئی تھی اور کھلی جگہ پر دکھائی دے رہا تھا البتہ درختوں تلے تاریکی تھی۔ وہ کسی قدر بے احتیاطی سے چل رہا تھا۔ اس کے بھاری فوجی بوٹوں تلے آ کر پتے چرمر کر رہے تھے اور سوکھی شاخیں ٹوٹ رہی تھیں۔ اس سے مجھے آسانی ہو رہی تھی اور اب میں کسی قدر آسانی سے تعاقب کر رہا تھا۔ میرا اس سے فاصلہ تقریباً بیس فٹ تھا لیکن میں اسے دس فٹ تک لانا چاہتا تھا اسی لیے اس کے قریب بھی جا رہا تھا۔ وہ احاطے کے دوسرے کونے تک پہنچا اور اس طرف سے مڑا تھا کہ میں بھی تیزی سے کونے تک پہنچ گیا۔ میں نے جھانکا تو وہ کوئی دس بارہ فٹ آگے دیوار کے اوپر سے اندر جھانک رہا تھا اور پھر اس نے جس طرح عجلت میں رائفل اوپر کی اور کسی کا نشانہ لینے لگا۔

میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا اور میں نے احتیاط بالائے طاق رکھ کر اس کے سر کا نشانہ لے کر دو گولیاں چلائیں۔ عجلت کے باوجود گولیاں نشانے پر بیٹھی تھیں اسے جھٹکا لگا اور وہ جھول کر پیچھے آیا اور پھر نیچے گرا۔ رائفل چھوٹ کر نیچے گری اور کسی پتھر سے ٹکرائی کیونکہ اچھی خاصی آواز پیدا ہوئی تھی۔ میں تیزی سے آگے آیا اور اسے کھینچ کر درختوں میں لے گیا۔ اس کی رائفل وہیں پڑی تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ آواز اس کے دوسرے ساتھی تک پہنچ گئی تھی۔ جب تک میں اسے درختوں تک لے گیا اس کا ساتھی کونے سے نمودار ہو چکا تھا اور وہ بہت خاموشی سے آیا تھا۔ میرے ہاتھ مرنے والے کی وردی ٹٹول رہے تھے۔ اس کے پاس رائفل کے اضافی میگزین اور نیام میں فوجی خنجر بھی تھا۔ میں نے خنجر نکال لیا۔ اتنی دیر میں اس کا ساتھی وہاں پہنچ گیا تھا جہاں بھوپت کی رائفل اور وہ خود گرا تھا۔ اس نے آہستہ سے آواز دی۔

''بھوپت.....''

وہ مجھ سے کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر تھا میں اسے نشانہ بنا سکتا تھا لیکن اگر نشانہ خطا جاتا تو اس کی جوابی کارروائی سے اس کے ساتھیوں کو پتا چل جاتا۔ اس لیے میں نے سر کے بجائے اس کے جسم کا نشانہ لیا اور اس پر بھی دو گولیاں چلائیں۔ اس نے ہلکی سی چیخ ماری اور لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ دوسرے لمحے سے اس نے رائفل کا رخ میری طرف کر کے برسٹ مارا تھا۔ میں بروقت نیچے گرا اور نہ اوپر سے گزرنے والی گولیاں مجھے چاٹ جاتیں۔ فو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی میں کھسک کر ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ دو گولیاں اسے لگی تھیں لیکن وہ مرا نہیں تھا۔ اب اس نے فائرنگ بند کر دی تھی اور غرارے جیسی آواز نکال رہا تھا بعد میں پتا چلا کہ ایک گولی اس کے گلے سے گزر گئی تھی اور یہی جان لیوا تھی ورنہ دوسری گولی اس کے بائیں بازو میں لگی تھی۔ معاملہ کھلی جنگ تک جا پہنچا تھا۔ اب بیتو کو اشارے دینا مناسب ہوتا میں نے سیٹی بجائی۔ فوراً ہی دیوار کے دوسری طرف سے ایک لمحے کے لیے بیتو کا سر برآمد ہوا اور میں نے اس بار ہلکی سی سیٹی بجا کر اسے اپنے جائے وقوع سے آگاہ کیا۔ اس لڑائی کا اگلا مورچہ اسے سر کرنا تھا۔ میں درختوں کے مزید اندر جانے لگا اور میرے کان آہٹوں پر مرکوز تھے۔

باقی دو دوڑتے ہوئے آئے تھے لیکن اب محتاط تھے۔ اس کے باوجود ان کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ میں نے ایک جگہ دیکھی یہاں درخت بہت پاس پاس تھے اور تنوں سے اچھی آڑ میسر تھی۔ مجھے وہ جگہ نظر آ رہی تھی جہاں بھوپت مارا گیا تھا اور اس کا ساتھی وہیں پڑا دم توڑ رہا تھا۔ آنے والے اس کے پاس آئے اور اپنے ساتھی کو گرے دیکھ کر انہوں نے یک دم زمین پر بیٹھتے ہوئے پوزیشن سنبھال لی۔ ایک کا رخ درختوں کی طرف تھا اور دوسرا دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کسی کے ان دونوں میں سے ایک جگہ پائے جانے کے امکانات تھے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بیتو بے خبری میں سر نکال کر معائنہ نہ کرنے لگ جائے ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا ضروری تھا۔ میں نے اس کا نشانہ لیا جو دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھا تھا۔ اس کا جسم کم نظر آ رہا تھا اس لیے نشانہ خطا گیا البتہ پستول سے نکلنے والا شعلہ دوسرے نے دیکھ لیا اور اس نے میری طرف برسٹ مارا اور چلایا۔

''ادھر ہے.....'' باقی الفاظ ناقابلِ اشاعت گالیوں پر مشتمل تھے۔ اس سے ظاہر تھا کہ اپنے ساتھی کے مارے جانے پر وہ کتنا مشتعل تھا۔ دوسرے نے بھی گھوم کر اس کا ساتھ دیا اور دو رائفلیں مجھ پر گولیاں برسانے لگیں۔ مگر میں ایک فائر کے بعد ہی خود کو آڑ میں کر چکا تھا اور اب بیتو کی طرف سے کارروائی کا منتظر تھا۔ ان دونوں کی طرف سے اندھا دھند فائرنگ سے گولیاں درختوں کے تنوں اور شاخوں کو چھلنی کرتی گزر رہی تھیں۔ میں جس درخت کی آڑ میں تھا اگر اس کا تنا موٹا نہ ہوتا تو شاید کوئی گولی مجھے بھی چاٹ جاتی۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تیسری رائفل اس آتشیں نغمے میں شامل ہوئی تو دونوں سپاہیوں کی چیخوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ بیتو نے احتیاطاً پورا راؤنڈ چلا دیا تھا تاکہ ان کے بچنے اور جوابی کارروائی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ جب اس کی رائفل خاموش ہوئی تو میں نے بلند آواز سے کہا۔

''فائر مت کرنا میں باہر آ رہا ہوں۔''

''ایک منٹ ہم میگزین بدل لے۔'' بیتو بولا اور اپنا کام کر کے اس نے پکارا۔ ''اب آ جاؤ۔''

میں درختوں کے ساتھ آڑے ترچھے پڑے فوجیوں تک آیا۔ بیتو نے انہیں چھلنی کر دیا تھا۔ ایک کا سر بھی اڑ گیا تھا۔ میں نے خون کی پروا کیے بغیر ان میں سے ایک کی تلاشی لی اور مجھے ٹارچ مل گئی۔ اسے روشن کر کے میں نے پہلے چاروں کا معائنہ کیا اور اس دوران میں بیتو دیوار کے مورچے پر پوری طرح مستعد رہا تھا۔ چاروں میں سے کوئی نہیں بچا تھا۔ مجھے ان کو مار کر ذرا بھی افسوس نہیں تھا کیونکہ وہ بھی ہمیں قتل کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی اصولاً انہیں کوشش کرنا چاہیے تھی کہ ہمیں زندہ پکڑیں اور اگر ہم ہتھیار نہ ڈالیں تب ہمیں ماریں مگر وہ تو پہلے ہی مارنے کے ارادے سے آئے تھے۔ اگر میں بروقت بھوپت کو نہ مارتا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بیتو کو مار دیتا میں نے بیتو کو بتایا اس نے کہا۔

''ہم ادھر ہی چھپا تھا شوبی۔''

''فائرنگ کی آواز دور تک گئی ہو گی۔ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے لیکن اس سے پہلے ان کی وردیاں اتارنی ہوں گی۔''

بیتو دیوار کود کر ادھر آ گیا۔ ''اور ان کی لاشیں؟''

''وہ یہاں درختوں میں چھوڑ دیں گے۔''

''شوبی ادھر ایک خالی کنواں ہے اس میں نہ ڈال دے۔'' بیتو نے دیوار کے پار اشارہ کیا۔

''پہلے وردیاں اور سامان۔'' میں نے کہا۔

جسے پہلے شوٹ کیا تھا اس کی وردی صاف ستھری تھی یعنی اس پر خون نہیں لگا تھا۔ البتہ باقیوں کی وردیاں خون آلود تھیں اور گولیوں کے سوراخ بھی ہو گئے تھے مگر ہمارے کام آ سکتی تھیں۔ وردیاں اتار کر ہم نے لاشیں دیوار کے دوسری طرف پھینکیں اور پھر بیتو ایک ایک کر کے انہیں اندھے کنویں میں پھینکنے لگا۔ لاشوں سے ہم نے سب اتار لیا تھا اب ان کی شناخت آسانی سے نہیں ہوتی۔ وردی کے ساتھ ان کی تمام چیزیں لے لی تھیں۔ بیتو صفائی میں لگا رہا۔ احاطے میں ایک کنواں تھا جس پر رہٹ لگا ہوا تھا میں نے رہٹ چلایا اور اس نے تین وردیاں دھوئیں۔ اس دوران میں ہم ٹرک بھی دیکھتے رہے تھے۔ دہشت زدہ راج کنور اور سنکاری اس میں موجود تھے۔ بیتو نے فوجی اسلحہ اور ایمونیشن بھی بیگ میں ڈال لیا تھا اور اب اس کا بیگ اتنا وزنی ہو گیا تھا کہ وہ بہ مشکل اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اعتراض نہیں کیا آگے نہ جانے ہمیں کون سے معرکے درپیش تھے اور معرکے اسلحے سے لڑے جاتے ہیں۔

مشکل سے آدھے گھنٹے میں یہ سارے کام نمٹا کر ہم روانگی کے لیے تیار تھے۔ اگر سنگھ کا پتا نہیں تھا کہ وہ درخت پر چڑھا ہوا تھا یا اتر کر بھاگ گیا تھا۔ اب مجھے اس سے مطلب نہیں تھا۔ میں نے صاف ستھری وردی پہنی اور اپنے کپڑے ساتھ رکھ لیے پھر جیپ اسٹارٹ کر کے ٹرک کے پاس لایا۔ ہم نے سارا سامان اس کے عقبی حصے میں واقع خانے میں ڈالا۔ جیپ کی چابیاں ایک لاش کے پاس سے ملی تھیں۔ جب سنکاری اور راج کنور کو نیچے اترنے کو کہا تو سنکاری نے کانپتی آواز میں پوچھا۔ ''یہ کیا ہوا تھا؟''

''کیا ہوا تھا؟'' میں نے الٹا سوال کیا۔

''یہ گن شاٹ کیسا تھا؟''

''کون سا گن شاٹ؟'' میں نے پھر حیرت سے پوچھا۔

''اندر چلو۔'' بیتو نے کہا۔ ''ابھی ادھر پولیس آ گیا تو اس سے پوچھنا پھر وہ تم کو بتائے گا۔''

راج کنور کی حالت ایک بار پھر بری ہو رہی تھی مگر وہ خاموش تھا البتہ اس نے جیپ میں بیٹھنے کے بعد کہا۔

''یہ بی ایس ایف کی جیپ ہے۔''

''ہاں ہے تو؟'' میں نے اعتراف کیا۔

''تب وہ کہاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ ہمیں جیپ دے کر سونے چلا گیا ہے۔" بیتو نے جواب دیا۔ "اب ہم گشت کرے گا۔ تم کو اعتراض ہے؟"

راج کنور میں اعتراض کی جرأت نہیں تھی خاص طور سے بیتو کے سامنے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ نوجوان اس کا دشمن ہے اور اس نے موقع دیا تو وہ اسے خوشی خوشی قتل کر دے گا۔ ویسے اسے اور سنگاری کو یقین تھا کہ ہم نے جیپ والوں کو مار دیا تھا اور اسی وجہ سے خاص طور سے سنگاری کی حالت بری تھی۔ میں نے جیپ باہر نکالی اور سڑک پر آ کر گورداسپور کی سمت روانہ ہو گیا۔ درحقیقت مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ سڑک کہاں نکلے گی میں اندازے سے سفر کر رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں نقشہ دیکھ سکتا تھا۔ میں نے کچھ آگے جانے کے بعد لیپ ٹاپ آن کر کے انٹرنیٹ لگایا اور گوگل میپ پر علاقے کا نقشہ نکال اور فوراً ہی میں نے وہ روٹ جان لیا جس پر مجھے سفر کرنا تھا۔ انڈیا میں انٹرنیٹ سسٹم بہت اچھا تھا۔ اس دور دراز دیہی علاقے میں بھی کام کر رہا تھا۔ میں نے لیپ ٹاپ بیتو کے حوالے کیا اور خود ڈرائیو کرنے لگا۔ نقشے کے مطابق یہ سڑک ایک قصبے کالانوا نز پر نکلتی تھی اور یہاں سے ہائی وے پچیس جس پر ہم پہلے بھی سفر کرتے رہے تھے سیدھی گورداسپور جاتی تھی۔ کالانوا نز کوئی چھ میل کے فاصلے پر تھا اور ہم دس منٹ بعد وہاں پہنچ گئے۔ ہائی وے پر آتے ہی میں نے جیپ کی رفتار تیز کی تھی۔ ابھی موقع نہیں تھا کہیں سکون سے بیٹھ کر میں شملہ تک اور اس سے آگے جانے والا آسان ترین روٹ نکال سکتا تھا۔

اس جیپ میں آسانی تھی کہ کہیں روکا نہیں جاتا لیکن اس پر زیادہ دیر تک سفر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ گورداسپور بڑا شہر تھا اور یہاں سے ہم کوئی گاڑی لے سکتے تھے جیپ کو کہیں چھوڑا جا سکتا تھا جہاں وہ فوری دستیاب نہ ہوتی۔ مگر رات کے اس پہر جب کہ ایک بجنے والا تھا۔ ہمیں مشکل سے ہی کوئی گاڑی ملتی اور اگر خطرہ اٹھا بھی لیتے تو کاغذات اور ہماری شناخت کا مسئلہ ہوتا۔ یہ بات یقینی تھی کہ ہمیں راستے میں کئی چیک پوسٹس سے گزرنا پڑے گا۔ راج کنور اور سنگاری کا ساتھ مصیبت بن جاتا اور ہم انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا اگر ہم اسی جیپ پر ہوشیار پور پہنچ جاتے تو وہاں ائیر کلب سے کوئی ہیلی کاپٹر یا چھوٹا طیارہ مل سکتا تھا جو ہمیں گھنٹے سے بھی پہلے شملہ پہنچا سکتا تھا۔ آدھے گھنٹے سے بھی پہلے ہم گورداسپور پہنچ گئے تھے لیکن میں نے شہر میں داخل ہونے سے گریز کیا اور ایک جگہ رک کر میپ کا معائنہ کیا۔ ہائی وے پچیس کا ایک انٹرلنک شہر سے باہر ہی آگے نکل رہا تھا اور تقریباً دس بارہ میل کے بعد یہ موٹر وے اے ون سے مل جاتا تھا اے ون کے ذریعے ہم ہوشیار پور جا سکتے تھے۔ میں نے یہی لنک استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران میں بیتو نے ایک وردی پہن لی تھی جو اسے کسی قدر ڈھیلی تھی اور باقی دو وردیاں اس نے زبردستی راج کنور اور سنگاری کو پہنا دی تھیں۔ انہیں میگزین نکال کر رائفلیں بھی دے دی تھیں اب ہم بی ایس ایف والے نظر آ رہے تھے۔ راج کنور نے خبردار کیا۔

"ہم بالکل بھی فوجی نہیں لگ رہے ہیں اگر کسی کو شک ہو گیا تو....."

"تو ہم اسے پکڑ لے گا۔" بیتو نے اسے ڈانٹا۔ "اس لیے اپنا منہ بند رکھو اور چپ کر کے بیٹھو۔"

آدھے گھنٹے بعد ہم اے ون پر تھے۔ ٹول پوسٹ سے ہم مزے سے گزر گئے۔ فوجی گاڑی دیکھتے ہی ہمیں اجازت مل گئی تھی اور پوسٹ والوں نے ہمارے یا گاڑی کے کاغذات مانگنے کی جرأت نہیں کی۔ میں ذرا تھک گیا تھا اس لیے ڈرائیونگ سیٹ بیتو کے سپرد کر دی اور خود آرام کرنے لگا۔ میرا فیصلہ فی الحال صحیح ثابت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہا تھا۔ فوجی گاڑی کی وجہ سے ہمیں سہولت مل گئی تھی ورنہ لازمی بار بار ہماری چیکنگ ہوتی اور ہمارے پاس کاغذات نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ موٹر وے پر آنے کے بعد بیتو نے سنکاری اور راج کنور سے رائفلیں لے لی تھیں کیونکہ ان کے دستوں سے کام لیا جا سکتا تھا۔ ہم دونوں ہی آگے تھے اور وہ پیچھے تھے۔ ہم جہاں سے موٹر وے پر چڑھے تھے وہاں سے کوئی تیس میل کے بعد ایک لنک روڈ نکل کر ہوشیار پور جانے والی موٹر وے کو ملا رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم مستقل سفر کرتے تو ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ سکتے۔ ایاز نے بیتو کو ماہر ڈرائیور بنا دیا تھا یہی نہیں اسے مکینک کا کام بھی سکھایا تھا۔ بیتو نے فخر سے بتایا۔ ''اگر پارٹ کا مسئلہ نہ ہو تو ہم ہر فالٹ ٹھیک کر سکتا ہے۔''

موٹر وے پر آنے والے پہلے پیٹرول پمپ سے جیپ کا ٹینک فل کرایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا اسٹور اور ری فریش منٹ کیفے بھی تھا میں نے وہاں سے کاغذی کپوں میں چائے اور کھانے و پینے کا خاصا سامان لے لیا۔ اس کی راستے میں ضرورت پڑ سکتی تھی۔ یہاں رش نہ ہونے کے برابر تھا اور زیادہ ملازمین بھی نہیں تھے اس لیے ہم بنا کسی مشکل کے وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔ اسٹور سے پین کلرز مل گئی تھیں میں نے وہی انرجی ڈرنک کے ساتھ راج کنور کو دے دیں۔ اس نے کسی قدر بے چینی سے کہا۔ ''میرے پاؤں میں اندر زخم ہے اور پانی اسے خراب کر دے گا مجھے باقاعدہ ڈریسنگ اور نئے پلاسٹر کی ضرورت ہے۔''

اس پر بیتو نے اسے بتایا کہ اسے ڈھائی من لکڑی کی ضرورت ہے جو جلد اسے مل جائے گی۔ ہوشیار پور کی طرف جانے والے لنک پر مڑنے کے بعد میں نے سنکاری سے کہا۔ ''کیا ہمیں ہوشیار پور کے کسی ایئر کلب سے ہیلی کاپٹر یا چھوٹا طیارہ مل سکتا ہے۔''

''مشکل ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''رات کے وقت بہت کم طیارے اور ہیلی کاپٹر پرواز کر سکتا ہے، ان میں رات کو پرواز کرنے والے آلات نہیں ہوتے اسی طرح ایئر کلب میں بھی رات کو ٹیک آف اور لینڈنگ کے آلات نہیں ہوتے۔''

''او کے ہم صبح ہوتے ہی پرواز کر سکتے ہیں مگر رات کو بات کر سکتے ہیں تمہارا کوئی جاننے والا ہے جو ہمیں شملہ تک لے جا سکے؟''

''شملہ۔'' سنکاری چونکا۔ ''تم شملہ واپس جانا چاہتا ہے۔''

راج کنور بھی حیران ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ میں کیوں واپس جا رہا تھا بس وہ حیران تھا۔ اس نے ایک دو بار پوچھا بھی کہ میں اتنے جتن سے سرحد سے پار کرنے کے بعد واپس کیوں آیا تھا لیکن میں نے اس کے سوال پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ راج کنور نے بھی تعجب سے کہا۔ ''تم واپس جا رہے ہو مگر کیوں؟''

''اس سے تم دونوں کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور سنکاری سے بولا۔ ''تم نے جواب نہیں دیا۔''

''میرا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔'' سنکاری نے انکار کیا۔

''او کے تب تم کسی پائلٹ کی تلاش میں ہماری مدد کرو گے جس کے پاس ذاتی طیارہ یا ہیلی کاپٹر ہو۔ تم خود پائلٹ ہو اور تمہارے پاس لائسنس کے ساتھ کاغذات بھی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ تو ہیں۔'' اس نے مجبوراً اقرار کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ احاطے میں ہونے والی کارروائی کے بعد اس کا رویہ بدلا ہوا تھا۔ وہ عام آدمی تھا اور اس نے محسوس کیا تھا کہ میں نے بے دریغ فوجیوں کو مارا تھا۔ اس سے پہلے بھی اس کے سامنے دو جرائم پیشہ افراد کو جہنم رسید کیا تھا مگر فوجیوں کا معاملہ مختلف تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب اس کا کیا کروں اسے چھوڑا تو وہ پولیس کے پاس جا سکتا تھا اسے کم سے کم شملہ تک میری منزل کا پتا تھا پھر وہ راج کنور کے بارے میں بتا سکتا تھا اب تک لازماً ایمبولینس کو پیش آنے والے حادثے کی اطلاع ریاست کی پولیس تک پہنچ گئی ہوگی اور پولیس کو معلوم ہوگا کہ اس میں کنور خاندان کا فرد تھا۔ کڑی سے کڑی ملانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ واپسی کے بعد سنکاری کو جانے دوں گا لیکن اب میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کا ساتھ ہونا ضروری تھا۔ ایک تو وہ میرے خلاف کچھ کر نہیں سکتا تھا دوسرے وہ پائلٹ تھا اور کسی موقع پر ہمارے کام آ سکتا تھا۔ یہ بات اس نے بھی محسوس کر لی تھی۔ اس نے التجا کی۔

''میرے کو جانے دو میں پولیس یا کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔''

''وہ کیسے، تم گھر جاؤ گے اور پولیس وہاں موجود ہوگی بلکہ آرمی انٹیلی جنس کے بندے ہوں گے اور وہ تم سے تمہارے ہیلی کاپٹر کے بارے میں پوچھیں گے۔''

''میں کہہ دوں گا کچھ لوگوں نے ہیلی کاپٹر ہائر کیا اور مجھے ایک ویران جگہ چھوڑ کر ہیلی کاپٹر لے گئے۔ میں پہاڑوں میں بھٹکتا ہوا واپس آیا ہوں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ کسی کی بات پر یقین کرنے والے لوگ نہیں ہیں وہ اپنے طریقے سے پوچھیں گے اور تم کسی صورت اپنی زبان بند نہیں رکھ سکو گے۔''

''ہم کوشش کر سکتا ہے۔''

''نہیں مجھے سوچنے دو میں کوئی ایسا طریقہ سوچوں گا جس میں میرے اور تمہارے لیے کوئی خطرہ نہ ہو۔''

میں نے اپنے لیے کافی لی تھی اگرچہ اس کا ذائقہ اتنا اچھا نہیں تھا مگر پھر بھی یہ کافی تھی۔ اس نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا باقی سب نے چائے لی تھی۔ بیتوازجی ڈرنک سے شغل کر رہا تھا۔ سوا گھنٹے بعد ہم موٹر وے سے ہوشیار پور میں داخل ہوئے۔ رات کے تقریباً ساڑھے تین بجے سڑکیں سنسان اور بندہ نہ بندے کی ذات تھی۔ البتہ پولیس والے گشت کر رہے تھے مگر کسی نے فوجی جیپ کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے انٹرنیٹ پر ہی ایئر کلب کی طرف جانے والا راستہ کھوج نکالا۔ چار بجے ہم ایئر کلب کے پاس تھے۔ ایک جگہ رک کر ہم نے دوبارہ کپڑے بدلے اور عام حلیے میں آ گئے۔ اس کے بعد جیپ سے ایسے نشانات مٹائے جن سے یہ دور سے فوجی جیپ نظر آتی تھی۔ اس کے اندر موجود ریڈیو جسے میں نے سوار ہوتے ہی آف کر دیا تھا اسے نکال کر ایک کوڑے میں پھینک دیا۔ نمبر پلیٹ پر اس طرح کیچڑ ملا کہ اس کا رنگ بھی چھپ گیا۔ اب اسے قریب سے دیکھے بغیر ملٹری جیپ قرار دینا مشکل تھا۔

ایئر کلب کی پارکنگ میں بہت جگہ تھی اور رات کے گارڈ نے سنکاری کا پائلٹ لائسنس دیکھ کر ہمیں اندر جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے اپنے طور پر فرض کر لیا تھا کہ ہم سنکاری کے ساتھ تھے۔ یہ وہ ایئر کلب تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں سے ہم نے جاتے ہوئے ایندھن بھروایا تھا۔ بیتو اور راج کنور کو جیپ میں چھوڑ کر میں اور سنکاری ائیر کلب کی عمارت کی طرف آئے۔ وہ تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور صرف اس کے منیجر کے کمرے میں روشنی تھی مگر وہاں منیجر نہیں تھا بلکہ رات کا نگران تھا جو ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس نے لیٹ نائٹ آنے والی فلم لگا رکھی تھی جو غالباً بالغان کے لیے تھی۔ لاؤنج سے ہوتے ہوئے ہم بلا تکلف اندر پہنچ گئے اور جب دروازے سے اندر جھانکا تو وہ چونکا اور جلدی سے ٹی وی آف کر کے باہر آ گیا۔ اس نے خفگی سے کہا۔ ''کون ہو تم لوگ اس طرح بغیر پرمیشن کے اندر کیوں آئے ہو؟''

''ادھر آنے کا واسطے پرمیشن کون لیتا ہے۔'' سنکاری نے کہا۔ ''مجھ کو پرمیشن نہیں چاہیے۔'' سنکاری نے اپنا پائلٹ لائسنس دکھایا۔ نوجوان ذرا مرعوب ہوا تھا۔

''اچھا تم پائلٹ ہو لیکن اس وقت یہاں فلائٹ کی پرمیشن نہیں ہے۔''

''ہم پہلے آ گئے ہیں۔'' میں نے نوجوان سے کہا۔ ''تم یہاں کے نائٹ انچارج ہو؟''

اس نے سر ہلایا اور کسی قدر فخر سے بولا۔ ''ہاں میں یہاں کا نائٹ انچارج ہوں۔''

''ہمیں صبح کے قریب ایک ہیلی کاپٹر یا چھوٹا طیارہ چاہیے۔''

''مل جائے گا لیکن پائلٹ صبح ہی آئیں گے۔'' اس نے کہا۔

''سنو ہمیں ایمرجنسی میں جانا ہے۔'' میں نے ایک ہزار کا نوٹ اس کے ہاتھ میں دباتے ہوئے کہا۔ یہ آزمودہ نسخہ تھا جو اس بار بھی کام آیا۔ وہ مسکرانے لگا۔ اس نے نیازمندانہ انداز میں پوچھا:

''میں کیا کر سکتا ہوں سر؟''

''تمہارے پاس یقیناً ایسے پائلٹس کے کوآرڈینیٹ نمبرز ہوں گے جو انفرادی طور پر کمرشل فلائٹ لے جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انہیں کسی کو جواب دہ ہونا نہیں پڑتا ہے۔ ہم براہ راست ان سے بات کر سکتے ہیں۔''

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ایک آدمی ہے۔ لیکن ابھی مشکل سے ملے گا۔ اس کی بیوی بہت خطرناک ہے۔ فون وہی ریسیو کرتی ہے اور ذرا سا شک ہو جائے تو ایسی گالیاں دیتی ہے۔''

''اس حد تک زن مرید شخص پائلٹ کیسے بن گیا؟'' سنکاری نے اعتراض کیا۔ ''اس کا تو لائسنس کینسل ہو جانا چاہیے۔''

''بیوی ایسی ہے۔'' نوجوان نے دانت نکالے۔ ''بالکل کترینہ کیف لگتی ہے۔''

''تب ٹھیک ہے۔'' سنکاری اپنا اعتراض واپس لے لیا۔

میں نے جان بوجھ کر نوجوان سے نام نہیں پوچھا ورنہ اپنا نام غلط بتانا پڑتا۔ ''اس کے پاس طیارہ کون سا ہے اور اس میں کتنے لوگ جا سکتے ہیں؟''

''ایک چھوٹا سیسنا ہے۔'' نوجوان نے بتایا۔ ''اس میں پائلٹ کے علاوہ چار آدمی جا سکتے ہیں۔''

''اتفاق سے ہم چار ہی ہیں۔'' میں نے کہا۔

نوجوان چونکا۔ ''چار.....؟ تم لوگ تو دو ہو۔''

''دو باہر گاڑی میں بیٹھے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان کو بھی اندر لے آؤ۔'' اس نے کہا۔ ''باہر تو خاصی گرمی ہے۔''

ائیر کلب کی عمارت تو نہیں لیکن نیچر کا کمرا اے سی تھا۔ ہزار کا نوٹ پا کر نوجوان تابعدار خادم بن گیا تھا۔ وہ سنکاری کے ساتھ جا کر راج کنور کو خود اندر لانے پر کمربستہ ہو گیا تھا اسے بڑی مشکل سے روکا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ فوجی جیپ دیکھے۔ میں سنکاری کے ساتھ واپس گیا اور راج کنور کو لے آیا۔ بیتو اپنا اسلحے والا بیگ لا رہا تھا لیکن میں نے منع کر دیا۔ یہ مشکوک نظر آتا۔ ہم دونوں کے پاس پستول تھے اور فی الحال یہ بھی کافی تھے۔ ہم اندر آئے تو نوجوان نے ہمیں کولڈ ڈرنک ٹن پیش کیے۔ راج کنور کو ایک کاؤچ مل گئی تھی اس نے کولڈ ڈرنک کے ساتھ مزید پین کلر گولیاں نگلیں اور نڈھال ہو کر پڑ گیا۔ سنکاری ایک کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔ اس کی بیزاری میں نشے سے دوری بھی شامل تھی اور اپنے مستقبل کی فکر بھی۔ اس کا واحد اثاثہ ہیلی کاپٹر کریش میں تباہ ہو گیا تھا اور اسے بھارتی ایجنسیوں کی تفتیش کے مرحلے سے بھی گزرنا تھا۔

''آپ لوگوں نے کہاں جانا ہے؟''

''دہلی۔'' میں نے مخالف سمت بتائی۔

اس کو تعجب ہوا۔

''دہلی یہاں سے کتنی دور ہے۔''

''بائی روڈ کم سے کم دس گھنٹے لگیں گے اور بائی پلین ہم ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں پہنچ جائیں گے۔''

میں نے کہا اور راج کنور کی طرف اشارہ کیا۔ ''مسئلہ اس کا ہے۔ اسے جلد از جلد لے جا کر ڈاکٹر کو دکھانا ہے اس کا خاص آپریشن ہوا ہے اور آپریٹ کرنے والا ڈاکٹر ہی دیکھ سکتا ہے۔ سڑک سے لے جانے میں اسے بہت تکلیف ہوتی۔''

نوجوان مطمئن ہو گیا۔ بیتو نے ٹی وی کا ریموٹ چلا کر آن کیا اور پھر چینل بدلنے لگا۔ اچانک ایک چینل پر وہ رکا۔ یہاں سے ٹی وی رپورٹر سول ایوی ایشن کے حوالے سے ہیلی کاپٹر کریش کی رپورٹ دے رہی تھی۔ لڑکی بتا رہی تھی کہ پاکستان انڈیا کی سرحد کے بالکل پاس کریش ہونے والا یہ ہیلی کاپٹر شملہ کے ایک ائیر کلب میں رجسٹرڈ تھا اور اس کا پائلٹ بی اے سنکاری گزشتہ شام کچھ لوگوں کو لے کر ہمالیہ کی طرف گیا تھا مگر اب اس کا ہیلی کاپٹر دریائے راوی میں پڑا تھا۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ اور دوسرے مسافر غائب تھے۔ پولیس اور بارڈر سکیورٹی فورس انٹیلی جنس اس معاملے میں تحقیق کر رہی تھی اور امید تھی کہ جلد سنسنی خیز انکشافات ہوں گے۔ لڑکی کی رپورٹ نامکمل تھی بی ایس ایف والے جس طرح ہمارے پیچھے آئے تھے اس سے لگ رہا تھا کہ انہیں بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ یقیناً اس ہیلی کاپٹر کے بارے میں دفاعی حکام جانتے تھے کہ یہ ان کی طرف سے کلیرنس لے کر پاکستانی سرحد کے پار گیا تھا اور اسے واپسی میں نشانہ بنا گیا تھا اس لیے اب وہ اس کے مسافروں کی تلاش میں تھے۔

نوجوان کی توجہ ٹی وی کی طرف نہیں تھی اس لیے وہ بی اے سنکاری کے نام پر چونکا نہیں تھا۔ اس کے بجائے وہ اپنی کرسی سیٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بیتو کو گھورا تو اس نے جلدی سے چینل تبدیل کر دیا۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے میں نے مناسب سمجھا کہ کچھ دیر آرام کر لوں۔ میں گزشتہ بیس گھنٹے سے مسلسل جاگ رہا تھا اور حرکت میں تھا۔ جسم اب آرام طلب کر رہا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا کہ میں کچھ دیر آرام کروں گا وہ سمجھ گیا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب سب دیکھنا اس کی ذمے داری ہے اس نے مستعدی سے کہا۔ ''آپ سو جاؤ ہم جاگ رہا ہے۔''

میں ایک کرسی پر نیم دراز ہو گیا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد مجھے نوجوان نے ہلایا۔ ''میری پائلٹ سے بات ہو گئی ہے وہ آنے والا ہے۔''

میں نے انگڑائی لی۔ ''یہ تم نے اچھا کیا..... یہ بتاؤ کوئی چائے کافی ملے گی ہم اس کی ادائیگی کریں گے۔''

''میرے پاس سامان ہے میں ابھی بناتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ ساتھ میں واش روم سے فریش ہو جائیں۔''

واش روم اچھا اور صاف ستھرا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر میں تازہ دم ہو گیا۔ بیتو جاگ رہا تھا میں نے اسے سونے کو کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ ''ہم ٹھیک ہے ذرا باہر سے آتا ہے۔''

اسے اسلحے کی فکر تھی اگرچہ جیپ لاک تھی مگر بیتو اپنی تسلی کرنے گیا تھا اس نے چالاکی سے کام لے کر ایک موقع پر جب نوجوان کمرے میں نہیں تھا ٹی وی کیبل کی تار ایک جگہ سے کاٹ دی تھی تاکہ وہ ٹی وی نہ دیکھ سکے۔ اس کا پورا امکان تھا کہ ہر چینل اب اس پر رپورٹنگ کر رہا ہو گا۔ ممکن ہے انڈیا کے اسٹوری ساز میڈیا نے اس دوران میں کوئی کہانی بھی بنا لی ہو جب معاملہ پاکستان کا ہو انڈین میڈیا کے نزدیک سفید جھوٹ بولنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ پائلٹ سات بجے وہاں پہنچا اس وقت تک باہر بہت تیز روشنی ہو چکی تھی۔ موسم پرواز کے لیے سازگار تھا۔ پائلٹ کا نام آڈیسی منکنڈ تھا۔ وہ تقریباً پینتیس برس کا سیاہ رُو مگر اچھے نقوش والا آدمی تھا۔ اگر اسے کترینا کیف جیسی بیوی مل گئی تھی تو اسے اس سے ڈرنا ہی چاہیے تھا۔ کیونکہ معاملہ بزنس کا تھا اس لیے علیک سلیک کے بعد وہ مجھے لاؤنج میں الگ جگہ لے آیا۔ اس نے پوچھا۔ ''کہاں جانا ہے اور صرف جانا ہے یا آنا بھی ہے؟''

''ہمیں شملہ جانا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ممکن ہے واپس بھی آنا پڑے۔''

''اس صورت میں چالیس ہزار روپے ہوں گے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''شملہ میں اسٹے بھی تمہارے ذمے ہو گا۔''

''میں پینتالیس ہزار دوں گا اسٹے اور کھانا پینا تمہارا اپنا ہو گا۔'' میں نے کہا تو وہ خوش ہو گیا کہ میں نے کوئی بارگیننگ نہیں کی تھی۔ ''لیکن یہاں کسی کو ہماری منزل کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ تم ائیر کلب والوں کو بھی نہیں بتاؤ گے۔''

''اے ٹی ایف کو بتانا پڑے گا۔''

''اسے بے شک بتاؤ..... میں عام لوگوں کے لیے منع کر رہا ہوں۔ ہمارے ساتھ ایک بڑی شخصیت ہے اس کا تعلق ایک سابق راجا خاندان سے ہے سکیورٹی کی وجہ سے ہم اس کا سفر پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔''

''بھیجنے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''مجھے رقم ایڈوانس میں چاہیے۔''

''پیسے تمہیں ابھی ملیں گے اور بیس واپسی کے وقت دوں گا۔'' میں نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کوئی ٹیکسی والا نہیں ہوں جو بھاگ جاؤں گا۔ رقم ایڈوانس میں چاہیے اور میں بتا دوں کہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔''

''ممکن ہے چوبیس گھنٹے سے زیادہ لگ جائیں تو.....''

''معاوضے میں مزید پانچ ہزار کا اضافہ ہوگا۔''

''ٹھیک ہے.....لیکن تم کسی صورت میرے حکم کے بغیر واپس نہیں آؤ گے اور نہ فلائنگ کرو گے۔''

''ڈن۔'' اس نے ہاتھ آگے کیا اور میں نے ہاتھ ملا کر اسے پینتالیس ہزار بھارتی روپے کے مساوی ڈالرز دے دیئے۔ ریٹ انٹرنیٹ سے پتا چل گئے تھے۔ بھارتی روپے تیزی سے کم ہو رہے تھے کیونکہ اب تک ان سے ہی خرچ کر رہا تھا۔ یورو کی ایک گڈی شیام اور رینا کو دی تھی۔ اس کے باوجود یورو اور ڈالرز کی صورت میں خاصی رقم موجود تھی۔ اس لیے اب میں بھارتی کرنسی بچانے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ ہر جگہ ڈالرز اور یورو نہیں چلتے ہیں اور ان کا استعمال لوگوں کو چونکاتا بھی ہے۔ میں اس کے ساتھ باہر آیا۔ ایک طرف طیاروں کے ساتھ اس کا سیسنا اسکائی ہاک طیارہ کھڑا تھا۔ طیارہ تقریباً نئی حالت میں تھا۔ یہ اس کا نیا ماڈل تھا جس میں تین کے بجائے چار مسافروں کی گنجائش ہوتی ہے۔ ایک پائلٹ کے ساتھ بیٹھتا ہے اور تین پیچھے آتے ہیں۔ طیارے میں ایندھن بھرا ہوا تھا۔ آڈیسی نے بتایا۔

''دو دن پہلے ایک پارٹی نے بکنگ کرائی تھی اور عین موقع پر پروگرام کینسل ہو گیا تب سے یہ ایسے ہی کھڑا ہے۔''

''تمہارا نقصان ہوا ہوگا؟''

''نہیں۔'' اس نے دانت نکال کر کہا۔ ''میں ہمیشہ ایڈوانس لیتا ہوں اگر کوئی پروگرام کینسل کرتا ہے تو میں رولز کے تحت ٹوکن پر سے کاٹ کر واپس کرتا ہوں۔''

وہ ہوشیار آدمی تھا۔ سنکاری نے صرف دس ہزار روپے لیے تھے اور ایندھن بھی اسی رقم سے ڈلوایا تھا۔ اس کے مقابلے میں آڈیسی یقیناً ہوشیار آدمی تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''کتنی دیر میں پرواز کے لیے تیار ہو سکتے ہو ہمیں جلد از جلد روانہ ہونا ہے۔''

''آدھا گھنٹا اور لگے گا مجھے طیارے کو چیک کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم اسے چیک کرو۔'' میں نے واپس عمارت کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''ہم آدھے گھنٹے میں آتے ہیں۔''

میں نے صرف چائے لی تھی اور باقی سب ناشتہ کر رہے تھے ان ہی چیزوں سے جو میں نے پیٹرول پمپ کے اسٹور سے لی تھیں۔ بیتو نے مجھے ایک چاکلیٹ بن پکڑا دیا۔ ''کھا کر دیکھو مزے کا ہے۔''

''ہمیں آدھے گھنٹے میں روانہ ہونا ہے۔'' میں نے کہا اور سنکاری کی طرف دیکھا۔ ''ہمیں ائیر کلب سے جانے کے لیے گاڑی درکار ہوگی وہ کیسے ملے گی۔''

''تم کال کر کے کیب منگوا سکتے ہو۔'' اس نے کہا اور دو کیب کمپنیوں کے نمبرز بتائے۔ میں نے اسی وقت ایک کیب کا نمبر ملایا اور ایک کیب شملہ کی ائیر فیلڈ پر بھیجنے کو کہا۔ میرے پاس ابھی تک ہمالیہ ہوٹل کے نمبر کا دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موبائل تھا اور کام آ رہا تھا۔ سنگاری اور راج کنور سمجھنے سے قاصر تھے کہ میں کیا کر رہا تھا اور انہیں کیوں لیے لیے پھر رہا تھا۔ گاڑی کا مسئلہ حل ہونے کے بعد میں باہر آیا اسلحے والا بیگ لا کر اندر بیتو کے حوالے کیا اور پھر جیپ لے کر ائیر فیلڈ سے نکل آیا۔ کچھ دور آ کر جیپ ایک جگہ درختوں کے درمیان چھوڑی اور اس پر سے تمام ممکنہ جگہوں پر اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے۔ جب تک میں پیدل واپس آیا آڈیسی طیارے کو پرواز کے لیے تیار کر چکا تھا۔ کیونکہ گیٹ کیپر مجھے جاتے ہوئے دیکھ چکا تھا اس لیے اس نے واپسی کے وقت بغیر کسی اعتراض کے مجھے اندر آنے دیا۔ آڈیسی اور اس کا طیارہ پرواز کے لیے تیار تھے۔ میں اندر جا کر سب کو لے آیا۔ راج کنور کو پیچھے سیٹ پر بٹھا دیا۔ سنگاری کو اس کے ساتھ والی جگہ ملی تھی۔ آڈیسی نے اسلحے والا بیگ دیکھا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''اس میں کچھ آلات ہیں اور کچھ آٹو موبائل پرزے ہیں۔'' میں نے بیگ کے بھاری پن کے پیش نظر گھڑ کر جھوٹ بولا۔ بیتو بیگ سمیت پیچھے گھس گیا آڈیسی نے کہا۔

''بیگ سیٹ کے پیچھے خانے میں رکھ دو۔''

بیتو نے خانہ کھول کر بیگ اس میں رکھ دیا۔ آڈیسی نے انجن چلانے سے پہلے ائیر ٹریفک کنٹرولر سے ریڈیو پر اجازت لی اور اسے فلائٹ پلان بتایا گیا۔ میں نے مداخلت نہیں کی۔ میرا اندازہ تھا کہ انٹیلی جنس جس طرح سے میرا تعاقب کر رہی تھی وہ ہر جگہ مجھ سے گھنٹوں پیچھے تھے۔ اگر سب میری پروگرام کے مطابق ہوتا تو ہم آج کے دن ہی سادی کو حاصل کر کے واپس آ سکتے تھے۔ اس کے بعد واپسی کا لائحہ عمل طے کیا جاتا۔ طیارے نے آٹھ بجے ٹیک آف کیا۔ یہ زیادہ تیز طیارہ نہیں ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ رفتار دو سو کلو میٹرز فی گھنٹا ہے۔ ٹیک آف کے وقت کیبن پریشر نہ ہونے کی وجہ سے کانوں کو بے پناہ شور اور بوجھ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ آڈیسی نے پرواز سے پہلے بتا دیا کہ الٹی آنے کی صورت میں سیٹ کے ساتھ تھیلی موجود تھی اسے استعمال کیا جائے۔ مگر خوش قسمتی سے کسی کو ضرورت نہیں پڑی۔ آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر آ کر طیارہ سیدھا ہو گیا۔ اب شور اور دباؤ کم ہو گیا تھا۔ ہم شملہ کی طرف اڑنے لگے۔ ہم کسی قدر جنوب مشرق کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے بتایا کہ شملہ طول البلد میں امرتسر اور لاہور سے بھی نیچے ہے لیکن کیونکہ یہ پہاڑوں میں ہے اس لیے اس کا موسم سرد اور تقریباً مری جیسا ہے۔ آڈیسی نے کہا۔

''ہم آدھے گھنٹے بعد شملہ میں ہوں گے۔''

یعنی ہم ساڑھے آٹھ بجے شملہ میں ہوتے۔ میں نے سوچا کہ اگر وہاں سے کوئی فوری ڈیل ڈرائیول گئی تو ہم چار گھنٹے میں کنور پیلس کے پاس پہنچ سکتے تھے۔ گاڑی ڈرائیور سمیت تلاش کی جا سکتی تھی۔ میری ساری تگ و دو کا مرکز وقت بچانا تھا اور اس کے لیے میں خطرہ بھی مول لے رہا تھا۔ اس طرح کھلے بندوں طیارے میں روانگی بالآخر بھارتی انٹیلی جنس کے علم میں آ جاتی اور تلاش کا دائرہ شملہ تک پہنچ جاتا۔ میرے پاس بس آج کا دن تھا رات بالکل صبح تک لازمی طیارے تک رسائی حاصل کر لی جاتی اور پھر میں آڈیسی کو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ میرا منصوبہ تھا کہ آج کے دن سادی کو حاصل کر کے ہم واپس بھارتی پنجاب آ جاتے اور اس کے بعد میں عبداللہ سے کہتا کہ وہ ہمیں سرحد پار بلوانے کے لیے اپنے چینل استعمال کرے۔ اس کے سرحد پار والوں سے تعلقات تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شروع میں سنکاری اور راج کنور کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر اب ان کا حل بھی سوچ لیا تھا۔ میں نے جو دوائیں امرتسر سنگھ سے پوچھ کر منگوائیں تھیں۔ ان کو استعمال کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن اب میں انہیں استعمال کر سکتا تھا۔

آٹھ بج کر پچیس منٹ پر آڈیسی نے طیارے کی بلندی کم کرنا شروع کر دی اور پریشر کی وجہ سے پھر ہمیں اسی تکلیف سے گزرنا پڑا تھا۔ بے پناہ شور اور کانوں پر ایسا دباؤ تھا کہ کان کے پردے پھٹتے ہوئے لگ رہے تھے۔ آڈیسی اور سنکاری اس کے عادی تھے۔ مگر مجھے، بیتو اور راج کنور کو مشکل ہو رہی تھی۔ کچھ دیر میں شملہ کا وہی ائیر فیلڈ دکھائی دینے لگا جہاں سنکاری کا ہیلی کاپٹر کھڑا ہوتا تھا۔ سنکاری وہاں جانا پہچانا فرد تھا اس کا طیارے سے باہر آنا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو طیارے میں چھوڑ کر کیب لینے جاؤں گا وہ پارکنگ میں ہو گی۔ طیارے سے براہ راست ان لوگوں کیب میں منتقل کر کے ہم وہاں سے نکل جائیں گے۔ سنکاری کا جیٹ سوٹ توجہ کا مرکز بن سکتا تھا اس لیے اس کا نظروں میں نہ آنا ہی بہتر تھا۔ آڈیسی نے ائیر کلب والوں سے اترنے کی اجازت لی اور ایک منٹ بعد طیارہ لینڈ کر رہا تھا۔ میں نے آڈیسی سے کہا۔ ''طیارے کو الگ تھلگ جگہ روکنا۔''

اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور طیارے کو ٹیکسی کراتا ائیر کلب کی عمارت سے کچھ دور ایک جگہ پارک کر دیا۔ میں نیچے اتر آیا اور راج کنور سے کہا۔ ''آپ بیٹھیں میں گاڑی یہیں لاتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے باہر نکل کر کیب کے دفتر کال کی تو بتایا گیا کہ مذکورہ کیب پہنچ گئی ہے اور پارکنگ میں ہماری منتظر ہے۔ پارکنگ میں ایک بڑی سفید کار کھڑی تھی۔ یہ نیا ماڈل تھا اور اگر اس پر کیب کا مخصوص نشان نہ ہوتا تو اسے کسی صورت ٹیکسی تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ڈرائیور اندر موجود تھا۔ میں نے شیشہ بجایا تو اس نے شیشہ نیچے کیا اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا میں نے کہا۔ ''کیب میں نے ہائر کی ہے دروازہ کھولو۔''

اس نے بیک سیٹ کا دروازہ کھولا اور میرے اندر بیٹھتے ہی ادائیگی کا مطالبہ کر دیا میں نے بدمزگی سے کہا۔ ''میں بھاگا نہیں جا رہا منزل پر پہنچ کر تمہیں ادائیگی کر دی جائے گی۔''

اس نے دوبارہ مطالبہ نہیں کیا اور میری رہنمائی میں کیب کو رن وے پر پارک طیارے تک لے آیا۔ میں نے کیب اس طرح رکوائی کہ وہ طیارے اور عمارت کے درمیان میں آ گئی۔ وجہ میں نے بیمار راج کنور کو قرار دیا جسے کم سے کم تکلیف کے ساتھ ٹیکسی میں منتقل کرنا تھا۔ راج سے پہلے بیتو نے سنکاری کو پھرتی سے کیب میں دھکیلا اور پھر ہم راج کنور کو بھی لے آئے آخر میں بیتو نے اسلحے والا بیگ کیب کی ڈکی میں منتقل کیا اور ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سچی بات ہے کہ روانگی تک میرا دل مسلسل دھڑکتا رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ بھارتی حکام اتنی جلدی میرا سراغ نہیں لگا سکیں گے لیکن یہ ایک مفروضہ ہوتا اور اگر کوئی تیز طرار شخص اس کیس پر کام کر رہا ہوتا اور وہ سارے چینلز استعمال کرتا تو یہ پتا چلانا مشکل نہیں ہوتا کہ ہم ایک طیارہ ہائر کر کے شملہ پہنچے ہیں اور اس کا بھی امکان تھا کہ پولیس یہاں ہماری منتظر ہوتی۔ یہ بات یقینی تھی کہ چار سکیورٹی والوں کا قتل بھارتی حکام کو تیزی سے حرکت میں آنے پر مجبور کرتا۔

جب ہم بحفاظت باہر آ گئے تو میں۔ نے سکون کا سانس لیا۔ کیب سڑک پر پھسلتی ہوئی تیزی سے شملہ کی طرف رواں دواں تھی۔ جہاں ایئر کلب تھا وہاں بھی موسم سخت گرم تھا اور تپش کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ کیب اے سی تھی۔ اس لیے اس میں باہر کا موسم پتا نہیں چل رہا تھا مگر یہ یقینی تھا جیسے جیسے ہم اوپر جا رہے تھے موسم خنک ہو رہا ہوگا۔ آڈیسی نے ہمارے ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔ اس کا مطلب تھا وہ اپنا بندوبست خود کر لیتا ممکن ہے کسی ہوٹل کے بجائے وہ ایئر کلب کی عمارت میں رک جاتا اور ہوٹل کا خرچ بچا لیتا۔ شملہ کے پاس آ کر ڈرائیور نے پوچھا۔ ''سر کہاں جانا ہے۔''

میں اس دوران میں گوگل میپ پر ایک اسپتال دیکھ چکا تھا میں نے اس کا نام لیا۔ ''پہلے ہم یہاں جائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔''

اسپتال اتفاق سے شملہ کے نچلے علاقے میں تھا۔ اس لیے دس منٹ بعد ہم وہاں پہنچ گئے تھے لیکن میں نے کیب اسپتال کے اندر لے جانے کے بجائے باہر رکوائی اسے یہاں تک آنے کا کرایہ دیا جو نارمل ٹیکسی سے کئی گنا زیادہ تھا۔ ''ہمارا انتظار کرنا ہم آتے ہیں۔''

راج کنور سمجھ رہا تھا کہ میں اسے ڈاکٹر کو دکھانے لایا ہوں اور یہ سچ بھی تھا لیکن اسپتال کے اندر جانے کے بجائے میں ان کو باغ میں لے آیا کیونکہ موسم یہاں بھی گرم تھا اس لیے باغ اس وقت ویران تھا۔ میں نے بیتو کو اشارہ کیا اور اس نے پستول نکال لیا۔ راج کنور اور سنکاری پریشان ہو گئے تھے۔ راج کنور نے پوچھا۔ ''شہباز تم کیا چاہتے ہو؟''

''بتاتا ہوں۔'' میں نے لیپ ٹاپ والے بیگ سے انجکشن اور سرنجیں نکالیں۔ سنکاری چونکا۔

''یہ کیا ہے؟''

میں نے سرنج بھری اور راج کنور کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ سختی سے اس کے بازو کی نس ابھر آئی اور میں نے اس میں سرنج کی نوک اتار دی۔ راج کنور نے مزاحمت کی کوشش کی تو بیتو نے پستول اس کی گدی سے لگا دیا۔ ''فکر مت کرو تم کو زہر لگانے کے لیے اتنی دور نہیں لایا ہے۔''

میں نے پوری دوا اس کی نس میں انجیکٹ کر دی اور پھر اسے پھینک کر دوسری سرنج میں دوسرے انجکشن کی دوا بھری۔ ڈاکٹر امرتسر سنگھ کے مطابق یہ سب سے مؤثر دوا تھی اور اس کا اثر چوبیس گھنٹے برقرار رہتا تھا۔ بشرطیکہ اس کا توڑ نہ کر دیا جائے انجکشن دینے کے پانچ سے دس منٹ کے اندر دوا اثر کرتی تھی اور اس کے بعد آدمی ایک خاص کیفیت میں چلا جاتا تھا اس کا ذہن مزاحمت کرنا چھوڑ دیتا تھا اور اسے جو کہا جاتا وہ اس پر عمل کرتا تھا۔ میں نے سنکاری سے کہا۔ ''ہاتھ آگے کرو۔''

''یہ کیا ہے؟''

''فکر مت کرو یہ نقصان دہ نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''اسے دیکھو کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔''

راج کنور آنکھیں جھپکا رہا تھا اور اس کا چہرہ سپاٹ تھا لیکن ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے لگتا کہ دوا نے اس پر منفی اثر ڈالا ہے۔ جب بیتو نے پستول اس کی پشت سے لگایا تو سنکاری نے بادلِ ناخواستہ ہاتھ آگے کیا اور میں نے سرنج اس کی نس میں خالی کر دی۔ دوا کی شیشی اور استعمال شدہ سرنجیں نزدیک ہی ڈسٹ بن میں ڈال دیں۔ دس منٹ پورے ہو گئے تھے اور راج کنور بدستور پلکیں جھپکا رہا تھا میں نے آہستہ سے کہا۔ ''راج کنور تم میرے کیا ہو؟''

''میں تمہارا دشمن ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کس حد تک؟''

''اس حد تک کہ جب تک تمہارا وجود مٹا نہ دوں مجھے چین نہیں آئے گا۔'' وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔

''میں نے تم سے بہت کچھ پوچھا تم نے بتایا اس میں کوئی جھوٹ بھی شامل تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا کہ واپسی کے ریٹ زون کا پاس ورڈ ہوتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو اثر کر چکی تھی۔ ''کوئی ایسی بات جو تم نے آج تک مجھ سے چھپائی ہو۔''

''میں جانتا ہوں کہ سادھنا تم لوگوں کے پاس ہے۔''

میں دہل گیا تھا میں سمجھ رہا تھا کہ یہ بات صرف بڑے کنور کے علم میں تھی۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''بڑے کنور کے آدمیوں میں میرے مخبر ہیں وہ مجھے بتاتے تھے۔''

''تب تم نے کیا سوچا؟''

''میں نے سادھنا کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔'' اس نے بلا جھجک انکشافات جاری رکھے۔ ''میں برداشت نہیں کر سکتا کہ میری بہن میرے دشمنوں اور مسلمانوں کے پاس رہے۔''

''تمہیں معلوم ہے اب سادھنا کہاں ہے؟''

''وہ تمہاری حویلی میں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی معلومات اَپ ڈیٹ نہیں تھیں۔

''تمہیں معلوم ہے میں یہاں واپس کیوں آیا ہوں؟''

''نہیں لیکن میں حیران ہوں۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''راج کنور میں تمہاری ٹانگ کے علاج کے لیے تمہیں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں تم یہاں ایڈمٹ رہو گے اور سنکاری تمہارے ساتھ ہو گا سنکاری تم سمجھ گئے ہو۔''

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں سمجھ گیا ہوں۔''

''جب تک میں واپس نہیں آؤں گا تم یہاں اسپتال میں رہو گے۔ راج تم آرام کرو گے اور کسی سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ تم دونوں زیادہ سے زیادہ سونے کی کوشش کرو گے۔''

ان دونوں نے یقین دلایا کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔ میں بیتو کو باہر چھوڑ کر سنکاری کے ساتھ اندر آیا۔ یہ چھوٹا اسپتال تھا لیکن یہاں فوری طبی امداد اور آرتھوپیڈک سرجن کی سہولت موجود تھی میں نے انتظامیہ سے کہا کہ وہ راج کنور کو چوبیس گھنٹے کے لیے داخل کر لیں۔ سنکاری اس کی تیمارداری کے لیے اس کے ساتھ رہے گا۔ کیونکہ میں تمام اخراجات پیشگی ادا کر رہا تھا اس لیے اسپتال والوں نے بہ خوشی راج کو داخل کر لیا اور سنکاری کے ساتھ رہنے پر اعتراض بھی نہیں کیا۔ سنکاری جمپ سوٹ میں تھا لیکن اس نے اوپری شرٹ اتار دی تھی اور اندر ٹی شرٹ نما بنیان تھی۔ پتلون سے پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ پائلٹ ہے یا نہیں۔ اس کی شرٹ میں نے لے لی تھی۔ آدھے گھنٹے میں تمام مراحل نمٹ گئے اور ڈیوٹی پر موجود آرتھوپیڈک سرجن نے مجھے یقین دلایا کہ مریض کی بہترین دیکھ بھال کی جائے گی۔ میں نے خود کو ایک انسانی ہمدرد ظاہر کیا تھا اور راج کنور یا سنکاری سے کسی قسم کا تعلق تسلیم نہیں کیا تھا۔ سنکاری کی موجودگی کی وجہ سے اسپتال والے مطمئن تھے۔ ویسے بھی ان کو پیشگی رقم مل گئی تھی اس لیے مسئلہ نہیں تھا۔ میں باہر آیا بیتو باغ میں منتظر تھا ہم کیب کی طرف آئے بیتو نے توجہ دلائی۔

''شوبی ہم دونوں کا لباس خراب ہو رہا ہے اس کا کچھ کرو۔''

''تم نے اچھا یاد دلایا۔'' میں نے کہا اور کیب ڈرائیور سے کسی ایسے شاپنگ اسٹور چلنے کو کہا جو صبح نو بجے بھی کھلا ہو اور وہاں سے کپڑے مل سکیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیب والا ہمیں لوئر شملہ میں ایک شاپنگ سینٹر لے گیا۔ یہ بہت اچھا تو نہیں تھا مگر یہاں کپڑے دستیاب تھے۔ میں نے اور بیتو نے ایک ایک ذرا ہلکا جوڑا لیا اس میں سوتی ٹراؤزر اور پوری آستین کی ہلکی شرٹ تھی اور ایک کسی قدر گرم جوڑا لیا، یہ بھی سوتی تھا مگر سردی کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ہم نے پیراشوٹ کے بنے ہوئے اپرز لیے یہ بارش سے بچا سکتے تھے۔ میرے پیروں میں جوتے تھے میں نے جوگرز لیے اور وہیں اسٹور کے ٹرائی روم میں چینج کر لیے۔ اسلحے کے لیے ایک چرمی بیگ لیا کیونکہ پیراشوٹ اور کپڑے سے بنے اس بیگ میں بعض اوقات اسلحہ نمایاں ہونے لگتا تھا۔ ٹرائی روم میں ہی اسلحہ چرمی بیگ میں منتقل کیا۔ بھوک لگی تھی لیکن ناشتے کا وقت نہیں تھا۔ بیتو نے شاپنگ کے دوران ایک بڑی ڈبل روٹی، ابلے ہوئے انڈے، مکھن کا پیک، پنیر اور اسی قسم کی کئی اشیا لے لیں جو راستے میں ہم آرام سے کھا پی سکتے تھے۔ بیتو نہ جانے کیا کیا خرید رہا تھا میں نے اسے رقم دے دی تھی کہ وہ الگ کاؤنٹر پر بل ادا کر دے تاکہ ہمیں تاخیر نہ ہو۔ باہر آ کر میں نے کیب والے کو فارغ کیا۔ یہ بازار تھا اور مجھے امید تھی کہ یہاں کوئی اچھی فور وہیل ڈرائیو مل جائے گی۔ ایک جگہ کئی گاڑیاں کھڑی تھیں جن کے مالک ان کے آس پاس ہی ٹہل رہے تھے بیتو ان سے مذاکرات کرنے چلا گیا اور میں نے انٹرنیٹ کی مدد سے بڑے کنور کو کال کی۔ اس نے کال ریسیو کی۔

''تمہارے دیئے ہوئے بارہ گھنٹے گزر چکے ہیں سادی سے میری بات کراؤ۔''

''ابھی اس کی آمد میں کچھ تاخیر ہے اس کی پرسنلٹی کی وجہ سے میرے آدمی آرام سے سفر پر مجبور ہیں۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''تب میں کب کال کروں؟''

''تم انڈیا کے وقت کے مطابق شام چھ بجے تک کال کرنا۔'' اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں انٹرنیٹ کی مدد سے کال کر رہا تھا کیونکہ اس میں انڈیا کا کوئی نمبر آ رہا ہوگا یا پرائیویٹ نمبر لکھا آتا ہے۔ میں نے اسے خبردار کیا۔

''وہ تمہاری بہن ہے لیکن اس کے معاملے میں، میں تم پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں یاد رکھنا اسے ذرا بھی نقصان ہوا تو اس کا حساب تمہیں دینا ہوگا۔''

''تم فکر مت کرو اسے کچھ نہیں ہوگا۔'' بڑے کنور نے سپاٹ لہجے میں کہا اور کال کاٹ دی۔ بیتو ایک چینی نقوش والے شخص سے مذاکرات کر رہا تھا بعد میں وہ تبتی ثابت ہوا اور وہ چین کا سخت دشمن تھا کیونکہ جب میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ چینی ہے تو اس کا ردعمل کچھ اس قسم کا تھا کہ اللہ نہ کرے میں چینی ہوں۔ اس کی ہندی واجبی تھی اور انگریزی بھی بس کام چلاؤ تھی لیکن اس کے پاس ایک بہترین فور وہیل ڈرائیو لینڈ کروزر تھی اور وہ ڈرائیور بھی ماہر تھا۔ میں نے اسے انٹرنیٹ پر نقشہ دکھایا اور کنور پیلس کی طرف مڑنے والی ذیلی سڑک کے مقام پر انگلی رکھی۔

''ہمیں اس جگہ پہنچنا ہے۔''

''میں پہنچا دوں گا۔'' اس نے یقین دلایا۔ ''چار ہزار روپے ہوں گے اور چار گھنٹے لگیں گے۔''

وہ شہر میں تھا اور یہاں آنے والے سیاحوں کی کمی نہیں تھی جو منہ مانگے دام دینے کو تیار تھے اس لیے اس کے ریٹ بھی اسی مناسبت سے تھے ورنہ ہم اس سے چوتھائی رقم میں یہاں آئے تھے۔ بہرحال میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ واضح کر دیا کہ اسے ہمارے ساتھ رہنا ہوگا۔ اس نے بھی واضح کیا۔ ''اس رقم میں، میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چوبیس گھنٹے تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ نہیں۔"

میں نے بحث نہیں کی۔ کیونکہ واپسی کی بعد میں دیکھی جاتی، چوبیس گھنٹے بہت تھے۔ ہم فوری روانہ ہو گئے۔ ڈرائیور کا نام آئی کن کھوہونسا تھا۔ مجھے اتنا ہی یاد ہے ورنہ نام اس کے بعد بھی جاری تھا۔ گاڑی کے انجن کے ساتھ اس کی زبان بھی چل پڑی تھی کیونکہ اسی وقت میں نے اس سے چینی ہونے کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس نے اس بہتان کی تردید میں خاصی لمبی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ چینی نہیں تبتی ہے۔ اس کا باپ صرف سولہ سال کی عمر میں تبت سے دلائی لاما کے ساتھ بھاگ آیا تھا۔ واضح رہے کہ دلائی لاما تبت پر چینی قبضے کے بعد سے انڈیا میں پناہ گزین تھا۔ وہ آج بھی مغرب کی مدد سے آزاد تبت کی مہم چلا رہا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مہم میں جان ختم ہوگئی تھی۔ اب یہ ایک گھسا پٹا کیس تھا جو مغرب کی طاقتوں نے اس وقت کے لیے سنبھال رکھا ہے کہ کبھی چین کمزور ہو اور وہ اس سے اپنی بات منوانے کے لیے اسے استعمال کریں مگر فی الحال چین میں کمزوری کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ آئی کن سخت متعصب تبتی تھا جس کا کہنا تھا کہ تبت صرف تبتیوں کا ہے۔ اس کا باپ آزادی کے لیے لڑنے والوں میں شامل تھا۔ اس نے بتایا کہ گزشتہ ساٹھ سالوں میں چین نے تبت پر اپنا قبضہ اس حد تک مستحکم کر لیا ہے کہ اب وہاں جتنے مقامی تبتی ہیں اس سے دس گنا زیادہ تعداد میں چینی باشندے ہیں۔

یہ قابضین کی خاصیت ہوتی ہے۔ وہ کسی زمین یا ملک پر قبضہ کرتے ہیں تو اسے مستحکم رکھنے کے لیے وہاں اپنے لوگ بساتے ہیں۔ یہ پالیسی سوویت یونین نے وسط ایشیا پر قبضے کے دوران اختیار کی تھی اور جب ان ریاستوں نے روسی غلامی کا جوا اتار پھینکا تو بعض ملکوں میں چالیس فیصد آبادی روسیوں کی تھی۔ یہی پالیسی زیادہ سفاکی کے ساتھ گوروں نے امریکا اور آسٹریلیا میں اپنائی۔ جب انہوں نے بے بس اور لاچار مقامی آبادی کا بے دریغ قتلِ عام کیا اور انہیں ختم کر کے ان کی جگہ یورپ سے سفید فاموں کو لا کر ان ملکوں میں آباد کیا۔ اس سے پہلے اسپینش یہی پالیسی جنوبی امریکا میں آزما چکے تھے۔ مگر چین ذرا مختلف پالیسی پر عمل کر رہا ہے وہ مقامی آبادی کو ختم کیے یا انہیں نقصان پہنچائے بغیر اپنے لوگوں کو آباد کر رہا ہے اس نے اسی حکمتِ عملی کے تحت منچوریا، ترکستان اور تبت میں مقامی آبادی کو اقلیت میں بدلا ہے لیکن ساتھ ہی وہ مقامی آبادی کو ترقی کے دھارے میں شامل کر رہا ہے اس کا ثبوت یہ ہے اب زیادہ تر قیاتی کام مشرقی چین میں ہو رہے ہیں۔ تاکہ ان علاقوں سے غربت اور پسماندگی کو دور کیا جا سکے۔ چینی یہاں دنیا کے جدید ترین ذرائع مواصلات اور سہولتیں لے آئے ہیں جیسے انہوں نے تبت کے دارالحکومت لہاسا تک ٹرین چلا دی ہے جو دنیا کے بلند ترین ٹرین ٹریک سے گزرتی ہے۔ یہاں دنیا کے بلند ترین علاقوں میں نت نئے شہر آباد ہو رہے ہیں شاہراہیں بن رہی ہیں اور صنعتیں قائم کی جا رہی ہیں۔ جن سے مقامی لوگوں کو بھی روزگار اور فنی تعلیم کے مواقع مل رہے ہیں۔ جب آئی کن کی تقریر ختم ہوئی تو میں نے پوچھا۔

"جب تمہارا باپ تبت سے آیا تو وہاں لوگ کن چیزوں پر سفر کرتے تھے؟"

"جانوروں پر۔" اس نے جواب دیا۔ "لوگ گھوڑوں، یاکوں اور خچروں پر سفر کرتے تھے۔"

"کیسے مکانات میں رہتے تھے کیا کھاتے پیتے تھے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم پتھروں اور مٹی کے بنے مکانوں میں رہتے تھے۔ ہماری خوراک گوشت، دودھ اور بعض سبزیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔''

مزید سوالات کے جواب میں اس نے بتایا کہ تبت میں صرف ایک درجن گاڑیاں تھیں اور وہ سب دلائی لاما کے محل میں تھیں وہ محل سے باہر نہیں چل سکتی تھیں کیونکہ پورے تبت کیا لہاسا کے شہر میں بھی کوئی سڑک ایسی نہیں تھی جس پر گاڑی چل سکتی۔ بجلی کے لیے محل میں ایک جنریٹر تھا باقی پورا تبت بجلی سے نا آشنا تھا۔ عام لوگ جلانے کے لیے جانوروں کا گوبر استعمال کرتے تھے اور اوپری طبقہ (جو سارا مختلف قسم کے لاماؤں اور ان کے ساتھیوں پر مشتمل تھا) باہر سے آنے والی مہنگی لکڑی اور کوئلہ استعمال کرتا تھا۔ پھر اس نے خود بتایا کہ آج تبتی جدید سہولتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں وہ حکومت کی طرف سے بنائے ہوئے گھروں میں رہتے ہیں۔ پورے تبت میں سڑکوں اور اب ریل کا جال بچھ رہا ہے۔ نت نئے ایئر پورٹ تعمیر ہو رہے ہیں۔ تبتی اب دنیا جہان کی چیزیں کھاتے ہیں اور ہر کپڑے کا لباس پہنتے ہیں۔ بجلی کی سہولت ہر شہری کو میسر ہے اب تبت میں فصلیں کاشت ہونے لگی تھیں کیونکہ چین نے ہمالیہ سے نکلنے والے دریاؤں پر ڈیمز بنا کر بجلی پیدا کرنے کے ساتھ اس کے پانی کو کاشت کاری کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ تبت کے بنجر زمینوں پر جا بہ جا جنگل لگائے جا رہے تھے تاکہ ماحول اچھا رہے۔ سڑکیں اور ریل کی مدد سے دنیا کی ہر چیز اب آسانی سے تبت میں آ رہی تھی۔ میں نے ملامت سے کہا۔

''اس کے باوجود تم لوگ چین کے خلاف مغربی دنیا کی زبان بول رہے ہو۔''

''چین نے ہمارے ملک پر قبضہ کیا ہے۔''

''لیکن چین نے تمہارے ملک کو بنا بھی دیا ہے۔ ساٹھ سال پہلے تم لوگ کیا تھے اور آج تم لوگ کیا ہو؟ کسی غلط فہمی میں مت رہنا۔ اگر چین تبت پر قبضہ نہ کرتا تو برٹش گورنمنٹ کا جانشین انڈیا اس پر قبضے کی تیاری مکمل کر چکا تھا مگر چین نے پہل کر کے اس کے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔''

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''یہ جھوٹ ہے۔''

''یہ سچ ہے لندن میں انڈیا آفس لائبریری میں اس کے بارے میں دستاویزات موجود ہیں۔ یہ اصل میں برطانیہ کا منصوبہ تھا، اگر دوسری جنگ عظیم نہ ہوتی تو برطانیہ تبت پر بھی چڑھائی کر چکا ہوتا۔''

''اس سے ہمیں کیا فرق پڑتا؟''

''فرق یہ پڑتا کہ جو حال آج برصغیر کا ہے وہی تبت کا بھی ہوتا۔ انگریز جہاں جاتا تھا سب سے پہلے وہاں کے گھٹیا ترین لوگوں کو چن کر اوپر لاتا تھا اور انہیں اچھے لوگوں پر مسلط کر دیتا تھا۔''

آئی کن خاموش ہو گیا لیکن اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ متفق نہیں ہے۔ انڈیا اور مغربی میڈیا نے اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے۔ تبت کے لوگ چینی قبضے کے بعد وہاں سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئے اور یہ لوگ اب بھی اپنے رشتے داروں سے رابطے میں تھے۔ ان کے توسط سے چین کے خلاف خیالات تبت تک پہنچ رہے تھے اور وہاں بے چینی کا سبب بن رہے تھے تقریباً یہی صورت حال ترکستان میں رہنے والے اغور نسل کے مسلمانوں میں تھی۔ وہ بھی چین سے مطمئن نہیں تھے اور وقفے وقفے سے وہاں فسادات ہوتے رہتے تھے جن کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں چین کا الزام تھا کہ ان میں شدت پسند مسلمانوں کے ساتھ مغربی استعمار کا بھی ہاتھ تھا۔ یہ وہی پالیسی تھی جو سوویت یونین کے خلاف استعمال کی گئی تھی اور اب چین کے خلاف بروئے کار لائی جا رہی تھی لیکن چین نہایت ہوشیاری سے اس پالیسی سے نمٹ رہا تھا۔ وہ سختی کے ساتھ بہتر ذرائع زندگی اور تعلیم کی مدد سے مقامی آبادی کو کنٹرول کر رہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد ہم اپر شملہ سے نکل چکے تھے۔ موسم اچھا ہو گیا تھا اور اب کھڑکی سے آنے والے ہوا کے جھونکے خنکی لیے ہوئے تھے۔ میں فرنٹ سیٹ پر تھا اور بیتو نے پچھلی سیٹ سنبھالتے ہی اونگھنا شروع کر دیا تھا اس نے خود کو سیٹ بیلٹ سے باندھ لیا تھا اور کچھ دیر میں وہ سو چکا تھا۔ میں نے ڈبل روٹی، مکھن اور پنیر کی مدد سے ناشتہ کیا۔ ابلے ہوئے انڈے بعد کے لیے رکھ چھوڑے تھے۔ میں نے بیتو کو سونے دیا کیونکہ میں صبح ایک گھنٹے سو لیا تھا مگر وہ مسلسل جاگ رہا تھا۔ میں موبائل فون دیکھ رہا تھا۔ ایک قصبے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس پر سگنل نمودار ہوئے تو میں نے وہیں رک کر وسیم کو کال کی۔ میں گاڑی روک کر نیچے اتر آیا تھا اور سڑک کے کنارے چھوٹی سی منڈیر پر ٹک گیا۔ وسیم نے کال ریسیو کی اور محتاط انداز میں بولا۔ ''ہیلو۔''

''میں بات کر رہا ہوں۔''

''آپ۔'' اس نے سکون کا طویل سانس لیا اور فوراً شکوہ کیا۔ ''کہاں تھے ہم سب کی جان سولی پر لٹکی ہے۔''

''راستے میں ہیں تمہارے سسرال جا رہے ہیں۔ میری بات ہوئی تھی۔ تمہاری بیگم شام میں کسی وقت پہنچ جائیں گی بھیا کے پاس اور ہاں ایک خبر اور ہے۔ چھوٹے بھیا بھی جانتے ہیں کہ بہنا کہاں ہیں۔''

''ان سالوں کی تو.....'' وسیم نے بے ساختہ گالی دی۔ ''کاش آپ نے مجھے نہ روکا ہوتا تو میں اب تک آ چکا ہوتا۔ میرے تعلقات ہیں۔''

''ان تعلقات کو ہماری واپسی کے لیے استعمال کرنا۔'' میں نے کہا۔ ''میں زیادہ دیر بات نہیں کر سکتا تم جانتے ہو آج کل موبائل محفوظ نہیں ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''سب کو بتا دینا میں بعد میں کال کروں گا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر موبائل آف کر دیا۔ یہ بھی احتیاطی تدبیر تھی۔ اگر موبائل ٹریس ہو جائے تو آف کرنے کی صورت میں اس کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا ہے لیکن آن کرنے پر اس کا سراغ مل جاتا ہے۔ میں واپس گاڑی میں آیا۔ اتنی دیر میں آئی کن نے گاڑی کا پانی چیک کر لیا تھا۔ اس گاڑی کا انجن اتنی جلدی گرم نہیں ہوتا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے۔ تین گھنٹے بعد بیتو خود اٹھ گیا اسے بھوک لگی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر کھانے پینے کا سامان اس کے حوالے کر کے میں پیچھے آ گیا اور سیٹ بیلٹ باندھ کر آرام کرنے لگا۔ یہ آسان طریقہ تھا کیونکہ پہاڑی راستوں پر گاڑی اتنا گھوم رہی تھی کہ لیٹ کر آدمی بس کبھی آگے اور کبھی پیچھے ہی پھسلتا رہتا آرام خاک بھی نہیں کر سکتا تھا۔ سیٹ بیلٹ پکڑ لیتی تھی اور آدمی سو جائے تو گرتا بھی نہیں تھا چاہے جھٹکا کیسا ہی شدید کیوں نہ ہو۔ چند منٹ بعد مجھے نیند آ گئی تھی۔ مگر آدھے گھنٹے بعد ہی آنکھ کھل گئی۔ بیتو ہلا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی ادھر مسئلہ ہوگیا ہے۔''

مسئلہ آنکھ کھلتے ہی نظر آ گیا تھا۔ سامنے ایک جگہ لینڈ سلائیڈنگ ہوئی تھی اور اس کے پیچھے گاڑیوں کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔ آئی کن نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے لینڈ سلائیڈنگ دیکھتے ہی لینڈ کروزر کو گھما کر اس کا رخ دوسری طرف کر لیا تھا۔ پھر وہ اتر کر صورتِ حال معلوم کرنے گیا۔ ۔ نے مجھے آئی کن کے جانے کے بعد اٹھایا تھا۔ میں فکر مند ہوگیا۔ ''یہ تو مسئلہ ہوگیا ہے۔''

''یہ بھی غائب ہے آئے تو پوچھتا ہے اب کدھر سے جانا ہوگا۔''

اتفاق سے اس جگہ کے پاس ہی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا گاڑیاں رکتے ہی وہاں سے عورتیں اور بچے ہر وہ چیز لے کر اوپر آ گئے تھے جو فروخت کی جا سکتی تھی۔ اس میں کھانے پینے کا سامان بھی تھا۔ ایک دس گیارہ سال کا لڑکا بڑی سی کیتلی لیے چائے بیچ رہا تھا۔ اس نے ایک اسٹینڈ پر چھ کپ لٹکا رکھے تھے اور اس کی ماں سڑک کے کنارے پانی لیے بیٹھی تھی۔ وہ استعمال شدہ کپ اسے دیتا اور وہ اسے دھلا ہوا دوسرا کپ پکڑا دیتی تھی۔ صبح سے چائے نہیں پی تھی اور اس وقت نیند کی کمی کی وجہ سے شدت سے طلب ہو رہی تھی۔ میں نے بچے کو آواز دے کر تین کپ دینے کو کہا۔ معیار کے بارے میں مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی مگر حیرت انگیز طور پر چائے بہترین نکلی۔ اس میں دودھ اور چینی مناسب تھی جو زیادہ لیتے تھے بچہ ان کے لیے الگ سے چینی اور دودھ بھی رکھے ہوئے تھا۔ وہ ہوشیار بچہ تھا۔ جانتا تھا کہ شہری لوگ کیسی چائے پسند کرتے ہیں بلکہ اس کی ماں ہوشیار تھی۔ چائے اسی نے بنائی تھی۔ بچہ تو صرف بیچ رہا تھا۔ تیز گرم سنہری مشروب پیتے ہوئے ہونٹ جلے تھے لیکن اس کا بھی اپنا الگ ہی مزہ تھا۔ آئی کن آیا تو چائے دیکھ کر خوش ہوگیا۔

''صبح سے نہیں ملی سر گھوم رہا ہے۔''

میں نے بچے سے دوسرے کپ کی فرمائش کر دی، بیتو نے بھی مانگی۔ میں نے آئی کن سے پوچھا۔ ''اس مصیبت سے کیسے نکلیں؟''

اس نے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''ادھر چار پانچ میل پیچھے ایک راستہ نکلتا ہے جو اوپر جا کر دوبارہ اسی سڑک پر آ جاتا ہے۔ اس میں دو گھنٹے کا وقت اور لگے گا۔''

''سلائیڈ کے بارے میں پتا کیا ہے یہ کب تک صاف ہو سکتی ہے؟''

آئی کن مسکرایا۔ ''صاف تو تب ہوگی جب صفائی کرنے والے آئیں گے۔ ابھی کوئی نہیں آیا ہے لوگ خود سے مٹی صاف کر رہے ہیں مگر یہ بلڈوزر کا کام ہے۔''

''تب واپس چلو اور اسی راستے کی طرف جو اوپر سے گھوم کر واپس سڑک پر آتا ہے۔'' میں نے فوری فیصلہ کیا۔

آئی کن نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ''اس کا ہزار روپیہ اوپر ہوگا۔''

''لے لینا مگر ابھی تو چلو ایسا نہ ہو واپسی کا راستہ بھی بند ہو جائے۔'' میں نے گاڑیوں کے بڑھتے دباؤ کو دیکھ کر کہا۔ ہمارے پیچھے بھی کئی درجن گاڑیاں جمع ہو چکی تھیں اور اگر یہ وطنِ عزیز ہوتا تو اب تک سڑک بھی بند ہو چکی ہوتی لیکن ان لوگوں نے گاڑیاں ایک طرف رکھی تھیں واپسی کا راستہ برقرار تھا۔ ایک ایسے ہی موقع پر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے شمالی علاقے کی ایک معروف سڑک پر میلوں لمبا ٹریفک جام دیکھا تھا جس میں واپسی کی گنجائش بھی نہیں رہی تھی۔ آئی کن نے چائے ختم کی تو ہم روانہ ہوئے اس دوران میں بیتو نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ خریداری کر لی تھی اس نے بھیڑ کے بالوں سے بنا ایک کمبل لیا تھا۔ یہ زمین پر بچھانے کے لیے بہترین چیز تھی۔ اس کے علاوہ اس نے شہد اور آٹے سے بنی ٹکیاں بھی لی تھیں۔ اس نے مجھے آگاہ کیا۔

''شوبی بہت مزہ کا ہوتا ہے۔''

میں نے چکھ کر دیکھی واقعی ذائقہ اچھا تھا۔ یہ محفوظ خوراک تھی۔ ہم اسے بعد میں استعمال کر سکتے تھے۔ پندرہ منٹ بعد لینڈ کروزر بائیں طرف اوپر جانے والی ایک سڑک پر گھومی۔ درحقیقت یہ شملہ سے آنے کی صورت میں دائیں طرف پڑتی۔ سڑک پر آتے عام سڑک اور ہائی وے کا فرق سامنے آ گیا۔ یہ عام سے بھی گئی گزری سڑک تھی جو اصل میں پہاڑوں کے اوپر کے کچھ گاؤں دیہات کو ہائی وے سے ملاتی تھی۔ اس میں جا بجا کچی اور ناہمواری تھی۔ جیپ اچھلتی اور ساتھ ہی ہم بھی اچھلتے تھے۔ آغاز میں بیتو اس ورزش سے خوش تھا اسے مزہ آ رہا تھا مگر جب یہ خود کار ورزش مستقل جاری رہی تو وہ بیزار ہو گیا میں پہلے ہی بیزار بیٹھا تھا۔ بیتو نے شکوہ کیا۔ ''شوبی یہ کس مصیبت میں پڑ گیا ہے۔''

میں نے آئی کن کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔ ''ایک گھنٹے کا راستہ ہے۔''

میں نے بیتو کو تسلی دی۔ ''بس ایک گھنٹہ برداشت کر لو پھر ہم اسی سڑک پر ہوں گے۔''

''ہمارا دل چاہ رہا ہے پیدل چلا جائے۔''

سچی بات ہے خود میرا بھی یہی دل چاہ رہا تھا ایک تو جھٹکے، اوپر سے رفتار اتنی تھی کہ میں اتر کر اس سے زیادہ تیز چل سکتا تھا۔ آئی کن نے تسلی دی۔ ''بس یہ ٹکڑا خراب ہے آگے اچھی سڑک ملے گی۔''

دس منٹ بعد اس کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور سڑک اس حد تک بہتر ہو گئی کہ اب ہم اچھل نہیں رہے تھے لیکن دابھریٹ کے انداز میں ہل ضرور رہے تھے۔ اس ایکسر سائز نے بھوک جگا دی تھی مگر یہ کھانے کا وقت نہیں تھا۔ ہمیں پانی کا خیال نہیں رہا تھا مگر آئی کن کے پاس ایک بڑی بوتل تھی جس میں اس نے راستے میں آتے ہوئے ایک پہاڑی چشمے کا پانی بھر لیا تھا۔ ہم یہی نوش کر رہے تھے۔ ایک بجے ہم دوبارہ ہائی وے پر تھے اور یہاں سے کنور پلیس اب ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ وہاں پہنچ کر کسی ایسی جگہ مورچہ جمانا ہے جہاں سے بیک وقت آس پاس اور سڑک پر نظر رکھی جا سکے۔ یہ سوچتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میرے پاس دوربین بھی ہونی چاہیے تھی جس سے میں دور سے نظر رکھ سکتا تھا لیکن یہ خیال مجھے یہاں آ رہا تھا جہاں دوربین تو کیا کوئی عام چیز بھی ملنا مشکل تھی۔ یہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے جہاں دکانیں اور چیزیں نایاب تھیں۔

بہرحال اب تو بھول ہو گئی تھی اور مجھے دوربین کے بغیر گزارا کرنا تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ آئی کن کو کہاں روکا جائے جب وہ بہ وقت ضرورت فوری دستیاب ہو۔ اگر میں اسے ساتھ رکھتا اور مار دھاڑ ہوتی تو وہ بدک جاتا اور اس کے بعد اسے بھی گن پوائنٹ پر رکھنا پڑتا تھا اور مجھے ایسی باتوں سے سخت کوفت ہوتی تھی جب مجھے کسی عام فرد کو اپنے ساتھ زبردستی رکھنا پڑتا تھا۔ میری کوشش ہوتی تھی کہ میری وجہ سے کسی غیر متعلقہ فرد کو تکلیف نہ ہو دوسری صورت میں مجھے خود خاصی کوشش اور خود پر جبر کرنا پڑتا تھا۔ سنکاری کا معاملہ ابھی تک اٹکا ہوا تھا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہتا تھا کہ وہ تفتیش کے رگڑے میں نہ آئے۔ وہ میرے بارے میں تو پھوٹ دیتا ساتھ ہی وہ خود میرا ساتھ دینے پر مارا جاتا۔ بھارتی ایجنسیوں سے کسی خیر کی توقع نہیں تھی یہ اپنے لوگوں کے حق میں کتنے سفاک ہوتے ہیں میں دیکھ چکا تھا۔ اس کا پورا امکان تھا کہ سنکاری ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتا۔

مسئلے مسائل خاصے زیادہ تھے اور میرا ٹارگٹ سادی کو واپس لے کر جانا تھا۔ بلکہ پرائم ٹارگٹ سادی کو کنور پیلس میں جانے سے روکنا تھا۔ ایک بار وہ وہاں چلی جاتی تو اسے نکالنا تقریباً ناممکن ہو جاتا۔ کنور پیلس میں رہ کر مجھے وہاں کی سکیورٹی کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ اس جگہ کی سکیورٹی شاید ملک کے صدر یا وزیراعظم کی رہائش گاہ جتنی تھی۔ دیکھا جائے تو صرف دو افراد کے ساتھ یہ کام مشکل سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ مگر مجھے اللہ اور اپنے زور بازو پر بھروسا تھا۔ آئی کن پوری توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ بلاشبہ اچھا ڈرائیور تھا اور اس پہاڑی علاقے سے اچھی طرح واقف بھی تھا۔ کنور پیلس کے آس پاس کوئی ایسی آبادی یا جگہ نہیں تھی جہاں وہ رک سکتا۔ سڑک کے ساتھ رکے رہنا بھی مناسب نہیں تھا اور سڑک سے ہٹ کر گاڑی چھپانے کے لیے اسے قائل کرنا پڑتا اور میرے پاس اس کا وقت نہیں تھا اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اسے بھی وہی انجکشن دینا ہوگا جو راج کنور اور سنکاری کو دیا تھا۔

پون گھنٹے بعد ہم اس جانی پہچانی سڑک پر تھے جو کنور پیلس کی طرف جاتی تھی۔ سڑک ایک پہاڑ کے ساتھ گزرتی تھی جو اصل میں کنور پیلس کے سامنے تھا اور اس تک جانے کے لیے اس سڑک کو ایک پل کی مدد سے اس ڈھلان سے ملایا گیا تھا جس پر کنور پیلس آباد تھا۔ یہ اس ہموار ڈھلان والے پہاڑ کا نچلا حصہ تھا جہاں کنور پیلس تھا اور وہ جگہ خاصی اوپر تھی جہاں کنور پیلس سے شروع ہونے والی خفیہ سرنگ جا کر نکلتی تھی۔ میں نے اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں سے سڑک پل سے کنور پیلس سے ملتی تھی۔ یہاں بلندی سے میں بیک وقت کنور پیلس اور ہائی وے سے مڑنے والی گاڑیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اسی جگہ مورچہ لگا کر ہم سادی کو لانے والوں کو روک سکتے تھے۔ میں نے آئی کن سے کہا کہ وہ اسی سڑک پر آگے سفر جاری رکھے۔ کنور پیلس کی طرف جانے والے پل کے پاس سے گزرنے کے بعد یہ سڑک اچانک ہی خستہ حال اور عام سی ہو گئی تھی۔ وجہ صاف ظاہر تھی پہلے سڑک کنور پیلس تک جا رہی تھی اور اس کا معیار ہائی وے جیسا تھا۔ اس سڑک سے کئی کچے راستے دائیں بائیں نکل رہے تھے۔ مگر یہ خاصے دور تھے۔ ہم واپس آئے اور میں نے ایک کچے راستے کی طرف اشارہ کیا۔

"تم اس پر گاڑی لے جا سکتے ہو؟"

"کیوں لے جائے؟" اس نے اعتراض کیا تو میں نے گہرا سانس لیا اور لیپ ٹاپ والا بیگ کھولتے ہوئے اسے گاڑی روکنے کا حکم دیا اس بار اس نے تعمیل کی۔ میں نے سرنج میں انجکشن بھرنا شروع کیا تو اس نے اگلا سوال کیا۔ "یہ کس کے لیے ہے تم بیمار ہو؟"

"نہیں..... بیمار تم ہو، تمہیں سوالات کرنے کی بیماری ہے..... بیتو۔"

بیتو نے اسے عقب سے ہاتھ ڈال کر گردن سے جکڑ لیا اور میں نے اس کا ہاتھ کھینچ کر سیدھا کیا اس کا جسم مزاحمت کے لیے سخت ہوا تو لمس خود بخود ابھر کر سامنے آ گئی۔ میں نے اس میں سوئی داخل کی اور ساری دوا اس کے جسم میں انجکٹ کر دی۔ چند منٹ بعد اس کا جسم خود ڈھیلا پڑ گیا۔ بیتو نے اسے چھوڑ دیا اور وہ آنکھیں جھپکانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا۔ میں نے دس منٹ پورے ہونے کا انتظار کیا اور پھر اس سے کہا۔ ''تم اب وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔''

''یس سر۔'' اس نے سر ہلایا۔

''تم ایک تبتی بھگوڑے ہو۔''

''ہاں میں بھگوڑا ہوں۔''

''تم انڈین پٹھو ہو۔''

اس بار بھی اس نے اقرار کیا۔ میں نے کئی ایسی باتیں اس کی زبان سے کہلوائیں جو وہ نارمل حالت میں کسی صورت نہیں کہہ سکتا تھا۔ بیتو بہت انجوائے کر رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''شوبی کمال کا دوا ہے ہم کو دینا واپس جا کر ہم بھی انجوائے کرے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''ایک سفیر بھائی کو لگائے گا پھر وہ ہمارا ہر بات مانے گا اور ایک مانی کو لگائے گا وہ گیم میں بے مانی کرتا ہے۔ ہم اسے بے مانی نہیں کرنے دے گا۔''

بیتو نے اچھا استعمال سوچا تھا مگر یہ واپسی کے بعد کی بات تھی اور ممکن ہے مونا اور باقی خواتین بھی فرمائش کر دیتیں کہ انہیں بھی انجکشن فراہم کیے جائیں تاکہ شوہر کم سے کم چوبیس گھنٹے کے لیے ان کے فرمانبردار بن کر رہیں۔ فی الحال یہاں کے مسائل زیادہ اہم تھے۔ اس بار میں نے آئی کن کو لینڈ کروزر اس کچے راستے پر چڑھانے کا حکم دیا تو اس نے بلا چوں چرا حکم کی تعمیل کی تھی۔ راستہ گاڑیوں کے لیے نہیں تھا مگر اوپر تنگ ہونے سے پہلے ایک جگہ کسی قدر ہموار ہوا تھا اور یہاں گاڑی کو ہینڈ بریک لگا کر اور پھر اس کے پہیوں کے نیچے پتھر رکھ کر روک دیا گیا تھا۔ نیچے سے گزرنے والوں کی نظروں سے بچانے کے لیے جھاڑیاں کاٹ کر اس کے عقبی حصے پر پھیلا دی تھیں۔ ہم ان کاموں سے آدھے گھنٹے میں فارغ ہو گئے۔ میں نے آئی کن سے کہا کہ وہ گاڑی میں رکے اور ہوشیار رہے۔ میں اور بیتو اسلحے والا بیگ اٹھا کر روانہ ہو گئے۔ ہم نے سڑک پر آنے کی بجائے اوپر پہاڑ سے گزرنے کو ترجیح دی اور یہ آسان کام نہیں تھا۔

یہاں راستہ نہیں تھا پتھروں، درختوں کی ابھری جڑوں اور سرکتی مٹی پر پاؤں رکھ کر آگے جانا پڑ رہا تھا۔ ایک جگہ گول پتھروں کا ڈھیر تھا اور بیتو نے اس پر پاؤں رکھا تھا کہ اسکیٹ کرتا ہوا نیچے جانے لگا۔ میں نے بروقت اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ یہ بیتو کی لاپروائی تھی ورنہ وہ خود پہاڑوں کا پلا ہوا تھا اسے معلوم تھا کہ یہاں کیسے سفر کیا جاتا ہے میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''دیکھ کر، ابھی ہم کسی چوٹ کے چکر میں نہیں پڑ سکتے۔''

''سوری شوبی اب دیکھ کر چلے گا۔'' اس نے ندامت سے کہا۔ ''جب ہم چھوٹا تھا تو اپنے بھائیوں کے ساتھ ایسا گول پتھر پر چڑھ کر پھسلتا تھا، پھر گرتا اور چوٹ لگتا تو گھر جا کر ماں سے مار کھاتا۔''

''اپنے گھر والے یاد آتے ہیں۔''

''پہلے کم آتا تھا شوبی آپ لوگ کے ساتھ رہ کر ہمارا دکھ کم ہوا تھا پر آج کل بہت یاد آتا ہے۔ سچ ہے ہم یہ جگہ دیکھنے کے واسطے بھی ادھر آیا ہے۔ ہم چھوٹا تھا تب ان پہاڑوں میں پھرتا تھا، ہمارا باپ جانور پالتا تھا وہ ہم کو چار سال کا عمر سے باہر لے جاتا ہم دو تین ہفتے باہر رہتا باپ کے ساتھ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس تم دونوں ہوتے تھے؟''

''نہیں گاؤں کا بہت سارا لوگ ہوتا تھا۔ بہت سارا جانور لے کر چراتا تھا۔ جب سردی ختم ہوتی تو ہم یہاں نیچے آتا تھا پر جب کنوروں سے لڑائی ہوا تو ادھر آنا بند کر دیا اس کا آدمی ہمارا لوگ مارتا یا جانور کے ساتھ اٹھا کر لے جاتا۔''

کنور پیلس میں تقریباً سارے ملازمین بیتو کے قبیلے کے لوگ تھے جنہیں زبردستی اغوا کر کے یہاں لایا گیا تھا۔ اکثر کو بچپن میں اغوا کیا گیا تھا اور اب وہ کنوروں کے غلام بن گئے تھے۔ لڑکوں کو تربیت دے کر ملازم اور گارڈ بنایا جاتا تھا جب کہ عورتوں کو محل کے کاموں کی تربیت دی جاتی تھی۔ ان میں جو خوب صورت ہوتیں وہ ان لوگوں کی ہوس کا نشانہ بھی بنتی تھیں۔

''یہ خاصا بڑا علاقہ ہے اور یہاں اچھی چراہ گاہ دکھائی دے رہی ہے۔ اس سے محروم ہونے کے بعد تم لوگوں نے کیا کیا؟''

''ہم پھر دوسرے علاقوں میں جانے لگا مگر وہ بہت دور تھا اور اتنا اچھا بھی نہیں تھا۔ اس پر کنوروں سے ہماری لڑائی ہوئی۔''

''اصل لڑائی تو ہیروں کی کان پر تھی۔''

''ہاں اصل لڑائی اسی پر تھا مگر ہم قبیلے کا عام لوگ سمجھتا تھا کہ کنور ہم کو مویشی چرانے نہیں دیتا ہے اس لیے لڑائی ہے۔''

''ہر جگہ حکمرانوں کا ایک ہی انداز ہے وہ پہلے اپنا مفاد دیکھتے ہیں اور پھر ملک و قوم کا۔'' میں تبصرہ کیا۔

''ان لوگوں کو کیا ملا؟'' بیتو نے تلخی سے کہا۔ ''خود بھی مرا اور ہم کو بھی مروا دیا۔ کیا تھا جو کان کنوروں کو دے دیتا..... اب بھی تو ان کا قبضے میں ہے۔''

''میں نے کہا نا حکمران ہر جگہ اپنے مفاد دیکھتے ہیں ان کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ وہ اپنے ساتھ اپنی قوم کا بھی بیڑا غرق کر رہے ہیں۔''

''شوبی اگر ہم قبیلے کا سردار ہوتا تو ہم کبھی ایسا نہیں کرتا۔''

''تب تم سردار نہیں ہوتے کیونکہ ایک مخصوص طبقہ سردار ہی اسے بناتا ہے جو اس کے اشاروں پر چلے اور اس کے مفاد کے لیے کام کرے۔''

بیتو نے حسرت سے کہا۔ ''شوبی ہم آپ جیسا شخص حکومت کیوں نہیں کر سکتا ہے۔''

''کیونکہ ہم اس مخصوص طبقے کے لیے کام نہیں کریں گے اور وہ ہمیں آنے نہیں دیں گے اور اگر آ جائیں تو ہمارے خلاف سازشیں ہوں گی۔'' میں نے کہا۔ سفر کے دوران میں کنور پیلس پر نظر رکھے ہوئے تھا مجھے اس کے وسیع پورچ والی جگہ پر نظر رکھنی تھی لیکن وہ ذرا مغرب کی طرف تھا اور اسے دیکھنے کے لیے ہمیں ذرا آگے جانا تھا۔ یہ اچھا ہی تھا کیونکہ آگے جا کر ہی ہم بیک وقت سڑک اور پیلس پر نظر رکھ سکتے تھے۔ میں نے اسلحے والا بیگ اٹھا رکھا تھا جب کہ بیتو کے شانے پر وہ بیگ تھا جس میں پہلے اسلحہ تھا اور اب اس میں بیتو کی شاپنگ بھری ہوئی تھی میرا خیال تھا اس نے کھانے پینے کا سامان لیا ہوگا۔ بالآخر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سڑک تقریباً سو فٹ نیچے تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور یہاں سے نہ صرف پیلس کا بڑا حصہ بلکہ ذیلی سڑک بھی ہائی وے تک دکھائی دے رہی تھی۔

یہاں سڑک ایک کلومیٹر طویل تھی اور اگر کوئی گاڑی اس پر مڑتی تو اسے یہاں تک آنے میں کم سے کم چار پانچ منٹ لگ جاتے کیونکہ یہ سڑک تنگ تھی اور کئی مقامات پر گھوم رہی تھی۔ میں نے ایک جگہ منتخب کی۔ یہ چٹان تھی جو اوپر سے ہموار ہوگئی تھی۔ اس کی جڑ میں سامان رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے یہاں سے لڑھکنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جب کہ چٹان سے نیچے کا نظارا اچھی طرح کیا جا سکتا تھا سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہاں ڈھلان کم تھی اور اگر ہم نیچے جانا چاہتے تو دو منٹ میں پہنچ سکتے تھے۔ بیتو نے اپنا بیگ رکھا تو میں نے پہلی بار اسے دلچسپی سے دیکھا۔ ''کیا بھر کر لائے ہو برخوردار..... کیا کیا ہے اس میں؟''

''شوبی بہت سارا سامان ہے جو کام آئے گا۔'' اس نے جواب دیا اور چٹان پر چڑھ گیا۔ ''یہاں سے تو سب صاف نظر آ رہا ہے۔''

میں بھی اس کے برابر میں آیا۔ ''تبھی اس جگہ کو منتخب کیا ہے۔''

اسی لمحے دو گاڑیاں ہائی سے سڑک پر مڑیں اور میں مضطرب ہوگیا۔ ''کاش کہ دوربین ہوتی تو نگرانی میں آسانی ہو جاتی۔''

''کاش کیوں بولتا ہے، ہے نا۔'' بیتو نے ہنس کر کہا اور نیچے جھک کر بیگ اٹھا لیا اس نے اس میں سے دو عدد طاقتور دوربینیں نکالیں۔ ''یہ لو شوبی۔''

''شاباش۔'' میں نے بے اختیار اس کی پیٹھ تھپکی۔ ''تم نے آج واقعی کام دکھا دیا۔''

میں نے کہتے ہوئے دوربین آنکھوں سے لگائی۔ یہ واقعی بہت طاقتور دوربین تھی۔ منظر یک دم سمٹ کر آنکھوں میں آ گیا اور تب میں نے دیکھا۔ اگلی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر رامن تھا اس کے ساتھ ڈرائیور کی وردی والا تھا اور گاڑی مرسیڈیز تھی۔ یہ کنور پیلس کی گاڑی تھی کیونکہ اس پر پیلس کا مخصوص نشان تھا۔ اس سے پیچھے والی گاڑی پولیس کی تھی۔ رامن کے سر پر پٹی بندھی تھی لیکن وہ جس طرح بیٹھا تھا لگ رہا تھا اسے کوئی ایسی چوٹ نہیں لگی تھی کہ وہ لیٹ جاتا۔ میرا اندازہ درست تھا اس جیسی ڈھیٹ چیز اتنی آسانی سے دنیا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ مرسیڈیز میں صرف وہی اور ڈرائیور تھا جب کہ پیچھے آنے والی پولیس جیپ میں بھی دو افراد تھے ایک وردی کے نشانات سے انسپکٹر لگ رہا تھا دوسرا ڈرائیور تھا اور شاید کانسٹیبل تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ رامن بچنے کے بعد کسی اسپتال تک پہنچا تھا اور وہاں سے اس نے کنور پیلس رابطہ کیا تھا اسے لینے کے لیے گاڑی بھیجی گئی تھی اور پولیس شاید اسے بحفاظت پیلس تک چھوڑنے آ رہی تھی۔ بیتو بھی دوربین سے دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔ ''شوبی یہ ہم کو حیات لگتا ہے۔''

''وہی ہے لیکن اس کا اصل نام رامن ہے اور یہ را کا سابق ایجنٹ ہے۔ کئی بار مجھ سے ٹکراؤ ہوا لیکن ہر بار بچ گیا۔ آخری بار میں نے اسے ایک کھائی میں گرتے دیکھا تھا اور یہ اس سے بھی بچ کر نکل آیا۔''

''یہ آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہے۔'' بیتو نے دانت نکالے۔ ''شوبی موقع ہے اسے اڑا نہ دے۔''

''نہیں ہم سادی کے لیے یہاں آئے ہیں۔ کوئی ایسا کام نہیں کرنا جس سے اس کی واپسی مشکل ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہائے۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ کہے۔" بیتو نے سعادت مندی سے کہا۔ وہ میرے ساتھ خوش تھا اور کسی قدر شوخ ہو رہا تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے کچھ دیر پہلے اس سے سخت لہجے میں بات کی تھی۔ حالانکہ وہ میری ڈانٹ ڈپٹ کا بھی برا نہیں مناتا تھا بلکہ فوراً سر تسلیم خم کر لیتا تھا۔ پھر وہ کبھی اپنی ذمے داری سے غافل نہیں ہوتا تھا جیسے ابھی اس نے دوربین لی اور مجھے خیال نہیں آیا۔ میں نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے خیال آ گیا دوربین کا؟"

"ہم وسیم بھائی کے ساتھ رہا ہے۔ وہ ہم کو بتاتا رہا ہے کہ کس مشن کے لیے کیا کیا ہونا چاہیے۔ جب ہم نے سوچا تو ہمارے ذہن میں دوربین اور دوسرا چیزوں کا آیا تھا۔"

کیونکہ اس وقت ہم دوربین سے گاڑیوں کا جائزہ لے رہے تھے اس لیے مجھے دوسری چیزوں کا خیال نہیں آیا تھا۔ چند منٹ بعد گاڑیاں چھوٹا پُل کراس کر کے کنور پیلس کے مین گیٹ تک پہنچیں اور انہیں وہاں پوری تلاشی کے بعد اندر جانے دیا گیا تھا۔ گیٹ پر جدید ترین سکیورٹی تھی۔ وہاں یقیناً کیمرے اور ہتھیاروں کی نشان دہی کرنے والے آلات بھی لگے ہوں گے۔ گاڑیاں اندر داخل ہوئیں اور پورچ میں رکیں۔ رامن مرسیڈیز سے اترا۔ اسے لنگڑاتے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اس کا ایک پاؤں شاید سخت بینڈیج سے سیدھا باندھ دیا گیا تھا اور وہ سہارے سے اٹھا کر چل رہا تھا۔ رامن اندر چلا گیا اس کے ساتھ انسپکٹر بھی تھا۔ البتہ کانسٹیبل اور مرسیڈیز کا ڈرائیور باہر ہی رہے تھے۔ ان کا اندر کوئی کام نہیں تھا۔ دوربین سے تقریباً چھ سات سو گز دور کا منظر یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ دس بارہ فٹ دور ہو۔ میں نے دوربین سے باقی پیلس کا جائزہ لیا۔ مجھے اندر کے گارڈز پہلے سے زیادہ تعداد میں دکھائی دیے تھے۔ اسی طرح وہاں روشنیوں کا اضافہ ہوا تھا۔ محل کے اندر بھی کئی حفاظتی دیواریں بنائی گئی تھیں اسی طرح خاردار تاروں کا بھی اضافہ کر دیا گیا تھا۔ بڑے کنور نے اپنی اور پیلس کی سکیورٹی میں اضافہ کر دیا تھا۔

بیتو نے چٹان پر کمبل بچھا لیا تھا اور اب اس پر بیٹھنا آسان تھا۔ اس نے بیگ سے منرل واٹر کی ڈیڑھ لٹر والی بوتل نکالی۔ اندر ایسی ایک بوتل اور بھی تھی۔ میٹھی ٹکیوں والا شاپر بھی اسی میں تھا۔ میں نے کچھ ٹکیاں نکالیں اور کھانے لگا۔ ڈھائی بج رہے تھے اور سورج اب مغرب کی طرف جھکنے لگا تھا۔ ہم خاصی بلندی پر تھے۔ کنور پیلس تقریباً چھ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ ہم اس سے بھی پانچ چھ سو فٹ اوپر تھے۔ ہوا ہلکی لیکن موسم گرم تھا کیونکہ آسمان بالکل صاف تھا اور دھوپ خاصی تیز تھی۔ آس پاس کی چٹانیں یقیناً گرم ہو رہی تھیں لیکن یہ چٹان جس پر ہم تھے آڑ میں تھی اس لیے یہ ٹھنڈی تھی۔ بیتو نے کہا۔ "آپ سو جاؤ ویسے بھی اتنا نہیں سویا ہم سو لیا تھا۔"

"ٹھیک ہے لیکن تم ہوشیار رہنا۔" میں نے لیٹتے ہوئے کہا۔

"آپ فکر نہ کرو۔" بیتو نے اطمینان دلایا۔

"مجھے ساڑھے چار بجے لازمی جگا دینا۔" میں نے کہا۔

"ہم جگا دے گا۔"

میں لیٹا اور اعصابی کشیدگی کے باوجود چند منٹ میں سو گیا۔ اس کی وجہ تھکن اور بے آرامی تھی۔ گزشتہ صبح سے مسلسل حرکت میں تھا۔ اس دوران میں کئی سو میل کا فضائی اور زمینی سفر کیا تھا۔ دو ملکوں کی سرحد دو بار کراس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، ایک ہیلی کاپٹر کریش میں بچا اور ایک خونی معرکہ لڑا تھا اور پھر آرام کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے بہت گہری اور بے خبری کی نیند آئی۔ اس کی ایک وجہ بیتو کی موجودگی بھی تھی اس کے ہوتے مجھے زیادہ فکر نہیں تھی اور میں گہری نیند سو گیا۔ دو گھنٹے بعد بیتو نے مجھے بلایا۔ ''شوبی اٹھ جاؤ۔ ساڑھے چار بجنے والا ہے۔''

میں نے انگڑائی لی اور اٹھ بیٹھا۔ ''کچھ ہوا تو نہیں؟''

''نہیں بس پولیس کا جیپ واپس چلا گیا۔ شوبی یہاں سے کوئی گاڑی بھی نہیں گزر رہا ہے۔''

''شاید یہ سڑک کنوروں نے اپنے لیے مخصوص کی ہوئی ہے۔''

''تو شوبی اگر پلیس سے ہمارا گاڑی دیکھا ہوگا تو ان کو شک نہیں ہوگا؟''

بیتو کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ واقعی اتنی دیر میں یہاں سے کوئی گاڑی نہیں گزری سوائے ان تین گاڑیوں کے اور اگر انہوں نے پلیس سے سڑک کی نگرانی کا کوئی بندوبست کر رکھا ہو تو لازمی ہماری لینڈ کروزر ان کی نظروں میں آئی ہوگی یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ کسی بھی ٹیلی لینس کیمرے سے باآسانی یہ کام کیا جا سکتا تھا۔ وہ سڑک سے گزرنے والوں کی تصویر بھی بنا سکتا تھا۔ اس طرح کہ گزرنے والوں کو خبر بھی نہ ہو۔ میں نے جلدی سے دوربین نکالی اور اس کی مدد سے پلیس کے ان حصوں کا جائزہ لینے لگا جہاں کیمرا لگایا جائے تو وہ باہر سڑک تک دکھا سکے لیکن ایسے تمام حصوں کا جائزہ لینے کے بعد بھی مجھے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جسے کیمرا قرار دیا جا سکے۔ میں نے دوربین رکھی اور بیتو سے کہا۔ ''میرا نہیں خیال کہ انہوں نے سڑک سے گزرنے والوں کی نگرانی کا بندوبست بھی کر رکھا ہوگا۔ دوسری صورت میں اب تک پلیس کے گارڈز کو حرکت میں آ جانا چاہیے تھا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہا ہے بس ایسے ہی ہمارے ذہن میں خیال آ گیا۔''

''یہ سڑک زیادہ بڑی نہیں ہے اور آگے سے بند ہے اس لیے بھی کوئی گاڑی یہاں نہیں آتی ہے بس وہی آتی ہیں جنہوں نے کنور پلیس جانا ہو۔ کنور پلیس کی سکیورٹی بہت زیادہ ہے اس لیے انہوں نے سڑک کی نگرانی کی ضرورت محسوس نہیں کی ہوگی۔''

''شوبی اب کیا کرنا ہے؟''

''میری بڑے کنور سے بات ہوئی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ سادی چھ بجے تک یہاں آئے گی۔''

''اس نے آپ کو بتا دیا؟'' بیتو حیرت سے بولا۔

''ہاں کیونکہ اس کے خیال میں، مَیں پاکستان میں ہوں۔'' میں نے بتایا۔ ''پہلی بار میں نے اسے پاکستان سے کال کی تھی اس لیے وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اس کی قید سے آزاد ہو کر پاکستان چلا گیا ہوں۔ اب اتنی جلدی میں واپس بھی آ جاؤں گا یہ اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا۔''

''شوبی دشمن کے بارے میں ایسا مت سوچو وہ بھی سوچ سکتا ہے جو آپ سوچ سکتا ہے۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''منے تم تو بڑے سمجھدار ہو گئے ہو۔''

وہ ہنسا۔ ''آپ بھی ہم کو منا کہتا ہے سفیر بھائی کی طرح۔''

''دیکھا جائے تو تم ہم سب کے منے ہی ہو۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

''تب سفیر بھائی ہم سے لڑتا کیوں ہے؟'' بیتو نے شکوہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ بس دل لگی کرتا ہے۔ تم یہیں رہو میں ذرا آئی کن کو دیکھ آؤں۔ ایسا نہ ہو جب اس کی ضرورت ہو تو وہ غائب ہو۔''

پانچ بجنے والے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ لینڈ کروزر سڑک پر آ جائے تا کہ بوقتِ ضرورت ہم اس سے فوری استفادہ کر سکیں۔ میں اوپر سے ہوتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں جیپ موجود تھی اور آئی کن اس میں محوِ استراحت تھا میں نے اسے جگایا تو اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ''آپ..... مجھے نیند آ گئی تھی۔''

''اچھی بات ہے اب رات کو ڈرائیونگ کرنا پڑے گی تو تمہیں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔ تم جیپ نیچے لاؤ۔''

ہم نے پہلے جیپ کے ٹائروں تلے رکھے پتھر ہٹائے۔ پھر آئی کن نے انجن اسٹارٹ کیا اور آہستہ آہستہ بریک ریلیز کرتا ہوا لینڈ کروزر کو سڑک پر لے آیا۔ ایک خاص کیفیت میں ہونے کے باوجود اس کی ڈرائیونگ کی صلاحیت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ میں اس کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا۔ ''چلو اور جہاں میں کہوں وہاں رک جانا۔''

اس نے سر ہلایا اور جیپ آگے بڑھا دی۔ پونے چھ بجے میں نے جیپ ایک ایسی جگہ رکوائی جہاں سے کنور پیلس نظر آنے کا آغاز ہوتا تھا۔ میں نے آئی کن سے کہا۔ ''تم یہیں رکو گے اور جب پستول کے لگاتار تین فائر سنو گے تو تم آگے آؤ گے۔ کیا کہا ہے میں نے؟''

''میں پستول کے تین لگاتار فائر سنوں گا تو آگے آؤں گا۔'' اس نے بغیر کسی خوف یا جذبے کے اظہار کے کہا جب کہ وہ عام آدمی تھا اسے ڈرنا چاہیے تھا مگر دوا کے زیرِ اثر وہ سب بھولا ہوا تھا۔

''گڈ بس اس بات کو یاد رکھنا۔'' میں نے کہا اور نیچے اتر آیا لیکن سڑک سے آگے بڑھنے کی بجائے میں ذرا اوپر چڑھا اور آگے بڑھنے لگا۔ اس طرح پیلس سے کسی کی نظروں میں آنے کا امکان کم ہو گیا تھا۔ ویسے بھی میں شمال کی طرف والی ڈھلان پر تھا اور سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اوپر جنگل میں کسی قدر روشنی تھی لیکن جو جگہیں سائے میں تھیں وہاں تاریکی سی آ گئی تھی، اس کے مقابلے میں کنور پیلس روشنی میں تھا اور وہاں سے کسی کا دیکھ لینا ممکن نہیں تھا۔ یہاں سے وہ چٹان زیادہ دور نہیں تھی مشکل سے دو سو گز کے فاصلے پر تھی جہاں بیتو اور میں نے مورچہ لگایا تھا۔ آئی کن جس جگہ رکا تھا وہاں سڑک یوٹرن لے رہی تھی اس لیے پیلس کی طرف سے جیپ کا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا جب تک کوئی اس موڑ تک نہ آتا۔ ایکشن کا وقت آ گیا تھا اس لیے خطرہ تو مول لینا تھا۔ میں اوپر چٹان تک آیا تو چھ بجنے میں دس منٹ تھے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''اسلحہ نکالو اور ہر گن لوڈ کر لو۔''

بیتو اپنے کام میں لگ گیا اور میں نے موبائل نکالا۔ اس پر سگنل تھے۔ کنور پیلس کی وجہ سے اس علاقے میں موبائل نیٹ ورک کوریج تھی۔ میں نے عبداللہ کا نمبر ملایا۔ کال ملتے ہی میں نے کہا۔ ''میں بات کر رہا ہوں۔ تم اپنے موبائل سے بڑے کو کال کرو اور اس سے سادی کا پوچھو۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ چھ بجے تک یہاں آ جائے گی۔ کال ٹھیک چھ بجے کرنا۔''

''آپ کہاں ہیں؟''

''ایک محفوظ جگہ ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں چھ بج کر پانچ منٹ پر کال کروں گا۔''

کال کاٹ کر میں نے اسلحہ دیکھا۔ ہم نے بی ایس ایف کے لوگوں کا اسلحہ بھی سمیٹ لیا تھا۔ یہ جی ٹو رائفل تھی۔ اس جرمن ساختہ رائفل کے بے شمار ورژن نکلے تھے۔ ہماری فوج اس کا جی تھری ورژن استعمال کرتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ یہ آج بھی دنیا کی چند مؤثر ترین اسالٹ رائفلوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ہر گن کے ساتھ دو فاضل میگزین تھے۔ ان کے علاوہ دو عدد روسی ساختہ اے کے چوہتر رائفلیں بھی تھیں۔ ایک امریکی ساختہ ری پیٹر تھا اور ایک عدد سیون ایم ایم رائفل تھی۔ چار عدد پستول اس کے علاوہ تھے میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''ہم تو پورا اسلحہ خانہ لیے گھوم رہے ہیں۔''

''صرف اسلحہ خانہ نہیں ہے اور بھی ہے۔'' بیتو نے کہا اور دوسرے بیگ سے ایک واکی ٹاکی سیٹ نکالا۔ اب ایسی چیزیں عام ملنے لگی ہیں اور ان کا شمار بچوں کے کھلونوں میں ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں ان کا رکھنا بھی جرم شمار ہوتا تھا اور ہمارے ملک میں تو ریڈیو بھی بغیر لائسنس کے غیر قانونی ہوتا تھا۔ یہ چائنا کے بنے لیکن اچھی کوالٹی کے واکی ٹاکی سیٹ تھے جن کی رینج تقریباً تین سو میٹرز تک تھی اور کھلی فضا میں یہ رینج مزید بڑھ جاتی تھی۔ ان کا سائز ایک عام قسم کے موبائل سیٹ سے بڑا نہیں تھا اور یہ دو عدد پنسل سیل سے کام کرتے تھے۔ بیتو اضافی پنسل سیل بھی لے آیا تھا اور یہ بہت اچھی قسم کے تھے۔ اس نے ایک واکی ٹاکی سیٹ مجھے دیا۔

''اب ہم دور رہ کر بھی بات کر سکے گا۔''

''ان کے علاوہ کیا ہے۔''

اس نے بیگ سے جدید ترین ایل ای ڈی ٹارچ لائٹس نکالیں یہ کئی موڈ پر کام کرتی تھیں۔ یہ سرچ لائٹ بھی بن سکتی تھیں اور عام ٹارچ بھی۔ یہ بھی پنسل سیل سے کام کرتی تھی۔ رات میں اشارے دینے والے لائٹس جو صرف مخصوص دائرے میں نظر آتی تھیں۔ رسیاں، چاقو، کلپس اور ہکس تھے جو کوہ پیمائی میں بھی کام آتے ہیں۔ ٹارچ بالشت بھر لمبی تھی اور آرام سے جیب میں آسکتی تھی۔ بیتو نے ایک اے کے چوہتر شانے پر ٹانگی اور ری پیٹر لیا۔ ایک پستول اس نے کمر کی بیلٹ میں لگا لیا تھا اور دوسرا سامنے لگایا۔ پھر وہ نیچے اتر گیا۔ اس نے کوئی پچاس فٹ دور جا کر واکی ٹاکی پر زور سے کہا۔

''شوبی ہمارا آواز آتا ہے۔''

''بالکل آتا ہے واکی ٹاکی کے بغیر بھی آرہا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بھائی اس میں سرگوشی میں بات کی جاتی ہے۔''

''اچھا اب ہم آہستہ بات کرے گا۔''

بیتو نے نیچے سڑک پر ایک جگہ مورچہ جما لیا تھا۔ یہ کنور پیلس کی طرف مڑنے والے حصے سے ذرا پہلے تھا۔ میں ہائی وے والے حصے کی طرف دیکھ رہا تھا اور وقفے وقفے سے گھڑی پر بھی نظر ڈال رہا تھا۔ چھ بج گئے تھے اور ابھی تک سڑک کی طرف سے کوئی گاڑی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ بڑے کنور نے چھ بجے کا کہا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس کے آدمی ٹھیک چھ بجے ہی سادی کو لے کر آتے۔ ان کو تاخیر بھی ہو سکتی تھی۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں سادی کو پہلے ہی تو نہیں لے آیا گیا تھا اور بڑا کنور ہم سے جھوٹ بول رہا تھا کہ وہ چھ بجے تک آئے گی۔ یہ خیال خاصا پریشان کن تھا کیونکہ اگر ایسا ہی تھا تو میری ساری پلاننگ ناکام ہو گئی تھی اور اب سادی کو کنور پیلس سے نکالنا ناممکن حد تک دشوار کام تھا۔ سوچنے کے دوران میں وقت بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ چھ بج کر پانچ منٹ پر میں نے بیتو سے کہا۔ ''اب مجھے مخاطب مت کرنا میں عبداللہ کو کال کرنے جا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک شوبی ہم خیال رکھے گا۔''

میں نے عبداللہ کا نمبر ملایا اور اس نے فوری کال ریسیو کی۔ ''میری اس سے بات ہوئی ہے۔''

''سادی سے.....؟'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''نہیں جناب بڑے کنور سے۔'' عبداللہ نے تردید کی۔ ''اس کا کہنا ہے کہ سادی کو لانے میں تاخیر ہو رہی ہے مگر وہ آج کے دن ہی کنور پیلس پہنچ جائے گی۔''

''وہ دھوکا دے رہا ہے۔''

''کیا کہہ سکتے ہیں اور وہ کہہ رہا تھا کہ آپ تیار رہیں اسی طرح آپ کو بھی چوبیس گھنٹے میں اس کے پاس پہنچایا جا سکتا ہے۔''

میں نے سامنے کنور پیلس کی طرف دیکھا۔ ''اسے نہیں معلوم کہ میں پہلے ہی یہاں موجود ہوں۔''

''جناب میرا مشورہ ہے ایک.....''

''کہو.....''

''جناب آپ کوئی بھی فیصلہ جلد بازی میں مت کریے گا۔ بہت سوچ سمجھ کر کنور کے مطالبات ماننے کا فیصلہ کریے گا۔''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔ سادی بڑے کنور کی بہن ہے اور وہ بہرحال اس پر ایک حد سے زیادہ سختی نہیں کر سکتا۔ خاص طور سے اس حالت میں۔''

''پہلے ہم تصدیق کریں گے کہ سادی اس کے پاس پہنچ گئی ہے اور پھر سوچیں گے کہ اب کیا کرنا ہے۔ فی الحال ہمارے پاس ایک پتا ہے کہ آپ وہاں نہیں ہیں اور آپ کو بڑے کنور تک پہنچنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔''

''لیکن سوال یہ ہے کہ وقت لے کر ہم کیا کریں گے؟''

''ہم سب مل کر سوچیں گے جناب۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''وسیم پوچھ رہا ہے کہ راج کنور آپ کے ہاتھ سے تو نہیں نکلا ہے؟''

''نہیں تقریباً ہاتھ میں ہے۔''

''اس کا کہنا ہے راج کنور بہت اہم ہے وہی ہمیں کامیابی دلائے گا اس کا ہاتھ میں رہنا ضروری ہے۔''

''میں نے اسے ایک جگہ جمع کرا دیا ہے۔ امید ہے وہ چوبیس گھنٹے سے پہلے وہاں سے نہیں نکل سکے گا اور اگر میں کامیاب رہا تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہوگی لیکن خدانا خواستہ میں ناکام رہا تو پھر میں اسے وہاں سے حاصل کر لوں گا۔''

''بڑے کنور نے کوئی وقت نہیں دیا ہے اس نے کہا ہے کہ اس نے میرا نمبر نوٹ کر لیا ہے اور وہ سادی کے آنے پر مجھ سے رابطہ کرے گا۔ میں نے اس سے وسیم بن کر بات کی تھی۔''

''تم نے ٹھیک کیا..... وہ میرے بارے میں پوچھ رہا تھا؟''

''ہاں میں نے کہا کہ اس سفر کے دوران آپ زخمی ہوئے ہیں اور آپ کی صحت ویسے بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' عبداللہ بتاتے ہوئے ہنسا۔ ''اس کا تشویش سے برا حال ہو گیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں اس وقت میرے ماں باپ سے زیادہ اسے میری صحت کی فکر ہے۔ میں اس کے لیے قربانی کا بکرا جو ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''او کے میں پھر کال کروں گا۔''

''اگر کوئی مسئلہ ہو تو میں آپ کو کال کر لوں؟''

''ہاں لیکن کوشش کرنا صرف انتہائی ایمرجنسی میں کال کرو۔''

میں نے کال کاٹ کر موبائل کو وائبریٹ پر کر لیا تاکہ عبداللہ یا کوئی کال کرے تو کہیں کسی غلط موقع پر یہ بج کر معاملہ نہ خراب کر دے۔ اس موبائل کی بیٹری بھی لانگ لائف تھی ایک بار چارج ہونے کے بعد یہ اب تک چل رہی تھی اور اس کے آدھے سیل ابھی باقی تھے۔ کال کے دوران میں سڑک کی طرف بھی دیکھ رہا تھا اور اب تک کوئی گاڑی نہیں آئی تھی۔ بڑے کنور کے مطابق سادی کی آمد میں تاخیر ہو رہی تھی۔ رات ہو جاتی تو ہمارے لیے مشکل ہو سکتی تھی کہ تاریکی میں شکل کیسے نظر آتی اور آنے والی گاڑی میں سادی کے ہونے یا نہ ہونے کا کیسے پتا چلتا۔ ساڑھے چھ بجے کے بعد یہاں تاریکی چھانا شروع ہو جاتی اور سات بجے تک باقاعدہ طور پر ماحول تاریک ہو جاتا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ واکی ٹاکی سے بیتو کی ہلکی سی آواز آئی۔

''شوبی.....''

میں نے چونک کر بٹن دبایا۔ ''ہاں.....''

''آپ کا بات ہوا؟''

''ہاں ہوئی ہے وہ ابھی تک نہیں آئی ہے۔'' میں نے سادی کا نام لیے بغیر کہے۔ ''اب اس پر نام مت لینا..... یہ عام فریکوئنسی پر کام کرتا ہے اور جس کے پاس ایف ایم ریڈیو ہو وہ ہماری بات سن سکتا ہے۔''

''اب نام نہیں لے گا۔''

''اس کا استعمال بھی کم سے کم کرو۔'' میں نے دوسرا مشورہ دیا۔ ''اوپر آؤ تم سے بات کرنی ہے۔''

بیتو چند منٹ بعد میرے سامنے تھا۔ میں نے اسے عبداللہ سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنایا اور پھر کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی گاڑی میں سادی کو لایا گیا تو ہم اسے کیسے روکیں کہ اس سے نقصان نہ ہو میرا اشارہ سادی کی طرف ہے؟''

''ہم گاڑی کو ناکارہ کر دے گا اور پھر سادی کے ساتھ آنے والوں کو اڑا دے گا۔''

میرے ذہن میں بھی یہی تھا مگر پلان کی بات اور ہوتی ہے اور جب اس پر عمل کیا جاتا ہے تو بات اور ہو جاتی ہے۔ امکان یہی تھا کہ سادی کو ایک گاڑی میں دو تین افراد کے ساتھ لایا جائے گا کیونکہ بڑے کنور کے خیال میں میں تو پاکستان جا چکا تھا اور سادی کے لیے زیادہ سکیورٹی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ لیکن ہم سادی کو چھڑانے کی کوشش کریں گے تو یہ دو تین افراد بھی مسلح مزاحمت کریں گے۔ گولیاں چلیں گی اور اس میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کسے گولی لگے گی اور کون بچ نکلے گا؟ سادی گاڑی میں ہوگی۔ ہماری کارروائی سے اسے نقصان ہو یہ مجھے گوارہ نہیں تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ہم فول پروف پلان بنائیں اور گاڑی کو اس طرح روکیں کہ رکنے والوں کو شک نہ ہو۔ مجھے اچانک خیال آیا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''جا کر آئی کن سے پوچھو کہ اس کے پاس کیلیں ہیں؟''

''اگر اس کے پاس کیل نہ ہوا تو؟'' بیتو نے متبادل حالت کا پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب تم اس کے ساتھ جا کر پیچھے والے قصبے سے کیلیں لے کر آؤ جن کے سرے چپٹے ہوتے ہیں اور یہ موٹے ریڈیل ٹائر بھی پنکچر کر سکیں۔ قصبہ یہاں سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر ہے تم دونوں ایک گھنٹے میں آ سکتے ہو۔''

''آئی کن کہاں ہے؟''

میں نے جگہ بتائی جہاں آئی کن تھا بیتو اپنا بڑا اسلحہ چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ دو منٹ بعد مخالف سمت سے جیپ نمودار ہوئی اور تیزی سے ہائی وے کی طرف چلی گئی۔ عبداللہ سے بات کر کے مجھے امید ہوئی تھی کہ بڑا کنور اگر دھوکا نہیں دے رہا تھا تو سادی کی جلدی آمد کی امید نہیں تھی۔ اس کے باوجود میں نے نگرانی جاری رکھی۔ ہو سکتا تھا کہ میرا اندازہ غلط نکلتا اور سادی جلدی آ جاتی۔ اس صورت میں، مَیں نے سوچ لیا کہ میں اکیلا کارروائی کروں گا اور گاڑی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ میرے پاس سائلنسر لگا پستول تھا اور اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ ساڑھے چھ بجے تک نیچے سڑک سائے میں آ گئی تھی اور جنگل والا حصہ تو خاصا تاریک ہو گیا تھا۔ کچھ دیر جاتی تو مکمل تاریکی چھا جاتی۔ میرے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہی مناسب موقع تھا۔ اگر تاریکی چھا جاتی تو گاڑی میں سادی کی موجودگی کا پتا چلانا اسی وقت ممکن تھا جب گاڑی کے اندر روشنی ہو۔ دوسری صورت میں مجھے ہر گاڑی روکنا پڑتی اور میں اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک بار غلط گاڑی روکنے پر جنگ چھڑ جاتی جس کے بعد مجھے یہاں سے نکلنا پڑتا۔

اسی ادھیڑ بُن میں وقت سرک گیا اور سورج پہاڑوں کے پیچھے چلا گیا، اس کے چند منٹ بعد اتنی تیزی سے تاریکی چھائی کہ جہاں میں تھا وہاں چند گز کے بعد کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب اوپر تکے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے سامان سمیٹا اور اسے لے کر سنبھلتا ہوا نیچے اس جگہ آیا جہاں بیتو نے مورچہ بنا رکھا تھا۔ اب ہمیں ایسی جگہ مورچہ بنانا تھا جہاں سے براہِ راست ہائی وے سے آنے والی گاڑیوں پر نظر رکھ سکیں اور انہیں خاصا پہلے دیکھ لیں۔ یہ جگہ مجھے مناسب نہیں لگی تھی اس لیے میں ہائی وے کی طرف روانہ ہو گیا۔ سڑک بھی تاریکی میں آ گئی تھی اور دیکھ لیے جانے کا ڈر نہیں تھا۔ اس لیے میں نے سڑک پر ہی سفر کیا اور بالآخر اس کے آخری حصے تک جا پہنچا۔ جہاں ہائی وے کے بعد تقریباً دو سو گز تک سڑک سیدھی تھی اور ہائی سے گاڑی مڑتے ہی نظر میں آ جاتی۔ میں دل میں دعا کر رہا تھا کہ بیتو پہلے آ جائے۔

میری دعا قبول ہوئی اور آئی کن کی گاڑی ساڑھے سات بجے واپس آئی اور جب وہ پاس پہنچی تو میں سڑک پر آ گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ رک گئے اور بیتو نیچے اتر آیا۔ ''شوبی آپ یہاں کیوں آیا؟''

''وہ جگہ رات میں بیکار ہے۔ اب ہمیں یہیں مورچہ لگانا ہو گا۔ تم کیلیں لائے؟''

''بالکل ویسا مل گیا جیسا آپ نے بولا تھا۔'' اس نے ایک ڈبا نکالا اس میں پچیس تیس کے سکے کے برابر چپٹے سرے والی ڈیڑھ انچ لمبی کیلیں تھیں۔ سوائے غیر معمولی بڑے ٹائروں کے یہ ہر ٹائر کو پنکچر کر سکتی تھیں۔ سا نے آئی کن سے کہا۔ ''تم واپس جاؤ اور ہائی وے پر دائیں طرف مڑ کر تقریباً سو گز کسی جگہ رک جاؤ۔'' میں نے اسے واکی ٹاکی سیٹ دیا۔ ''اسے آن رکھنا اور جب ہم کوئی بات کریں تو یہ بٹن دبا کر تم جواب دے سکتے ہو۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے واکی ٹاکی لیا اور جیپ موڑ کر چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ نے ہائی وے پر کیوں بھیجا۔ وہ دور ہے اس کا ضرورت پڑا تو.....؟''

''پبلس کے سامنے سے بار بار گزرنا ٹھیک نہیں تھا اور ابھی ہم یہاں کیلیں بچھائیں گے ایسا نہ ہو کہ ہماری گاڑی ان کا شکار ہو جائے اس لیے اس کو ہائی وے پر رکھا ہے۔ دور نہیں ہے واکی ٹاکی سے ہم اسے فوراً بلا سکتے ہیں۔''

بیتو مطمئن ہو گیا۔ ''کیل کدھر بچھانا ہے؟''

میں نے جگہ سوچ لی تھی یہ ہائی وے سے کوئی سو گز اندر تھی اگر یہاں سے گزرتے ہوئے گاڑی پنکچر ہوتی تو وہ رکتے رکتے بھی اس جگہ آ جاتی جہاں میں نے مورچہ لگانے کا سوچا تھا اور گاڑی کے رکتے ہی ہم دھاوا بول دیتے۔ میں اور بیتو سڑک کے اس حصے میں آئے یہاں سڑک تقریباً بائیس یا چوبیس فٹ چوڑی تھی۔ میں اور بیتو اس طرح کیلیں بچھانے لگے کہ گاڑی کا دایاں ٹائر ان سے بچ کر نہ گزر سکے بائیں ٹائر کی طرف اس لیے نہیں بچھائی کہ اس کے برسٹ ہونے کی صورت میں گاڑی بائیں طرف کی کھائی میں اتر سکتی تھی اور یہ کھائی خاصی گہری تھی۔ ڈبے میں کوئی دو سو کیلیں تھیں اور یہ بیتو کو تھیسے کے ہارڈ ویئر کی دکان سے باآسانی مل گئی تھی۔ آنے جانے میں پون گھنٹا لگا تھا اور بیتو نے ایک کام بھی کیا تھا کہ اس نے تھرماس لے کر وہاں ایک ہوٹل سے چائے بھروالی تھی۔ ساتھ ہی وہ پراٹھے اور آلو کی ترکاری بھی لے آیا تھا اس کا پیٹ بھر سکتا تھا۔

''اس وقت ہم یہ نہیں کھا سکتے ابھی چاق و چوبند رہنے کی ضرورت ہے۔''

''شوبی ہم رہ سکتا ہے۔'' اس نے یقین دلایا۔ ''آج ہمارا بھوک کھل گیا ہے۔''

کیلیں بچھا کر ہم واپس آئے تو بیتو کھانے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ میں نے ہاتھ روک کر کھایا حالانکہ پراٹھے گرم اور ترکاری بہت لذیذ اور ہلکی سی چٹ پٹی تھی۔ دونوں چیزیں سرسوں کے تیل میں پکی ہوئی تھیں۔ ڈنر کر کے ہم نے چائے پی۔ بیتو کاغذی کپ بھی لے آیا تھا۔ آٹھ بج رہے تھے اور تاریکی ہوتے ہی سردی میں اضافہ ہونے لگا تھا مگر یہ اضافہ ایسا نہیں تھا کہ ہم ٹھٹھرنے لگتے۔ بیتو نے کہا۔ ''شوبی ہم گھاس جمع کرے یہ سردی سے بچاتا ہے۔''

ان پہاڑوں پر جابہ جا گھاس کے سوکھے پودے کھڑے تھے۔ یہ گھاس بارش میں اُگ آتی تھی اور جب چند دن بارش نہیں ہوتی تو پودے کھڑے کھڑے سوکھ جاتے تھے۔ بیتو ان کی بات کر رہا تھا کہ انہیں جمع کر لے۔ یہ بہت گرم ہوتے ہیں اور ان کا بستر بنا لیا جائے تو یہ سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔ میں نے منع کیا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے ہمیں آرام نہیں کرنا ہے ہوشیار رہنا ہے۔ اس کے لیے یہ سردی اچھی ہے۔''

''ہم ہوشیار ہے۔ آپ کے آرام کا کہہ رہا ہے۔''

''نہیں یار واپس جا کر ایک ہی بار آرام کریں گے۔'' میں نے کہا اور اپنی رائفل چیک کرنے لگا۔ اس کا میگزین اور دوسرے پارٹس ٹھیک حالت میں تھے۔ پھر میں نے سائلنسر والا پستول کھول کر صاف کیا کیونکہ یہ پانی میں بھیگا تھا۔ صفائی کے لیے اپنی شرٹ استعمال کی تھی۔ مجھے امید تھی کہ ضرورت کے وقت یہ ٹھیک کام کرے گا۔

بیتو سڑک پر تھا، اچانک ہائی وے کی طرف سے روشنی لہرائی اور ہم چوکنا ہو گئے۔ بیتو ذرا آگے جانے لگا تھا کہ میں اسے روک دیا۔ ''بیتو واپس آؤ۔''

''شوبی اگر یہ کیل سے بچ گیا تو.....'' اس نے واپس آتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہائی وے سے مڑنے والی گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ چند سیکنڈ میں وہ اس جگہ پہنچی جہاں کیلیں بچھی تھیں۔ اچانک ہی ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ گاڑی لہرائی اور پھر پہاڑ کی طرف آئی۔ رفتار کی وجہ سے ڈرائیور بریک نہیں لگا سکا تھا اور گاڑی ڈھلان پر چڑھی اور پھر الٹ گئی۔ اب وہ پہلو کے بل ڈھلان سے رگڑتی آگے آرہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہم تک آگئی۔ ہم پیچھے ہوئے ورنہ گھسٹتی گاڑی کی زد میں آجاتے۔ یہ فورویل ڈرائیو تھی۔ اس کا نچلا حصہ ہمارے سامنے تھا اور کیبن والا حصہ پیچھے تھا۔ جیسے ہی گاڑی رکی ہم اس کی طرف دوڑے۔ بیتو اور میں نے ٹارچ روشن کر لی تھیں۔ سامنے آتے ہی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص دکھائی دیا اور اس نے روشنی دیکھتے ہی ایک پستول سامنے کیا تھا میں نے بے اختیار اس پر گولی چلا دی۔ گولی ونڈ اسکرین سے گزرتی ہوئی اس کے سینے میں اتر گئی اور وہ جھٹکا لے کر سیٹ بیلٹ سے بندھے بندھے ساکت ہو گیا تھا۔ بیتو گھوم کر پیچھے والے حصے میں جھانک رہا تھا۔ مجھے سادی کی فکر تھی کہ گاڑی اس طرح الٹنے سے اسے کوئی تکلیف نہ ہوئی ہو۔

بیتو بھی بے تابی سے اسے آواز دے رہا تھا۔ اچانک اندر سے ایک فائر ہوا اور بیتو گھوم کر گرا تھا میرا دل رک گیا۔ مگر فوراً ہی بیتو رینگتا ہوا میری طرف آیا۔ چھت سے آنے والی گولی بیتو کو لگی تھی مگر دائیں شانے میں۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''اندر کوئی ہے۔''

گولی چلانے والے نے چھت سے گولی ماری تھی جو سوراخ کرتی بیتو کے شانے میں اتر گئی تھی۔ بیتو نے زخم کس کر دبا رکھا تھا تاکہ خون نہ بہے اور آفرین ہے، اس نے ذرا بھی آواز نہیں نکالی تھی۔ اگر وہ سادی کو آواز دینے کی غلطی نہ کرتا تو اندر موجود فرد کو پتا نہ چلتا اپنے ساتھی کے مارے جانے کے بعد اس نے بے دھڑک فائر کیا تھا۔ اب ہم اس پر اس طرح اندھا دھند فائر نہیں کر سکتے تھے۔ بیتو نے سرگوشی میں کہا۔ ''سادی اندر ہے۔''

میں نے ٹارچ کی روشنی میں اس کا زخم دیکھا۔ گولی اندر ہی تھی اور خون بہت تیزی سے نہیں بہہ رہا تھا۔ میں نے اپنا رومال اس کے زخم پر رکھا اور اپنی شرٹ کا دامن پھاڑ کر اس کی پٹی سی بنا کر بیتو کے زخم پر باندھ دی۔ بیتو کا ہاتھ اور جسم کا دایاں حصہ خون سے بھر گیا تھا۔ یقیناً اسے تکلیف ہو رہی تھی مگر وہ اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ پٹی کے بعد اس نے الٹے ہاتھ سے رائفل تھام لی۔ وہ رائٹ ہینڈر تھا اور الٹے ہاتھ سے پستول کا استعمال بیکار تھا۔ ہاں رائفل استعمال کی جا سکتی تھی۔ اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''اب کیا کرنا ہے؟''

میں نے سائلنسر لگا پستول استعمال کیا اور اندر موجود فرد نے چھوٹے کیلی بر کا پستول استعمال کیا تھا اس لیے آواز کم تھی مگر کیا کہا جا سکتا تھا کہ فائر کی یہ آواز کنور پیلس تک پہنچی ہو اور وہاں سے گارڈز آنے والے ہوں۔ اس سے پہلے ہمیں اپنا کام کرنا تھا۔ میں نے واکی ٹاکی پر آئی کن سے رابطہ کیا۔ ''آئی کن میری آواز سن رہے ہو؟''

''ہاں صاحب سن رہا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم گاڑی ہائی وے سے اندر لے آؤ مگر پچاس گز کے بعد رک جانا اس سے آگے کیلیں بچھی ہیں، سمجھ گئے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سمجھ گیا صاحب۔'' اس نے کہا تو میں نے واکی ٹاکی جیب میں رکھ لیا۔ میں بہت ہلکی آواز میں بات کر رہا تھا اس لیے امکان تھا کہ آواز گاڑی میں موجود فرد تک نہیں جا رہی ہوگی۔ اس دوران میں ایک ترکیب سمجھ میں آئی تھی۔

''گاڑی الٹنی ہوگی۔'' میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم پیچھے ہٹ جاؤ میں یہ کام کرتا ہوں۔''

''ہم ٹھیک ہے ایک ہاتھ سے کام کر سکتا ہے۔'' بیتو نے کہا۔

بحث کا وقت نہیں تھا اس لیے میں نے بات مان لی۔ ''ٹھیک ہے تم فرنٹ سیٹ والی طرف آؤ میں پیچھے سے دھکا دیتا ہوں اور دھکا دیتے ہی فوراً ڈھلان پر درخت کی آڑ میں چلے جانا اور وہاں سے ٹارچ کی روشنی گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈالنا ٹھیک ہے؟''

بیتو نے سر ہلایا اور ہم گاڑی کے نچلے حصے کی طرف آئے یہ پہلے ہی کسی قدر ترچھا تھا کیونکہ گاڑی ڈھلان پر بھی چڑھ گئی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے پوری قوت سے گاڑی کو دھکا دیا۔ بیتو نے بھی حسبِ توفیق مدد کی اور گاڑی چرچرا کر یک دم چھت کے بل گر گئی۔ بیتو واپس بھاگا اور میں کسی قدر عقبی سمت میں ہو گیا۔ اندر موجود فرد نے گولیاں چلائی تھیں مگر ہم اس کے سامنے نہیں تھے۔ پھر بیتو نے درخت کی آڑ میں ہوتے ہوئے ٹارچ کی روشنی گاڑی کی عقبی سیٹ پر ڈالی اور ایک لہولہان مردانہ چہرہ سامنے آیا۔ وہ باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ میری موجودگی محسوس کر کے اس نے ہتھیار والا ہاتھ آگے کیا تھا کہ میں نے اسے شوٹ کر دیا، گولی اس کے سر پر لگی اور وہ فوراً مر گیا۔ پھر میں تیزی سے دوسری طرف آیا اور ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔ ایک چادر پوش گول مول سا ہو کر پڑا تھا۔ مجھے وہ سادی لگی اور میں نے بے اختیار اس پر سے چادر ہٹائی۔ مجھے جھٹکا لگا تھا میرے سامنے راج کنور تھا وہ سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس گاڑی میں راج کنور تھا تو پھر سادی کہاں تھی؟ اسی لمحے آسمان کی طرف سے ہیلی کاپٹر کا شور سنائی دیا میں نے پلٹ کر دیکھا ایک ہیلی کاپٹر کنور پیلس کے ہیلی پیڈ پر اتر رہا تھا۔

○.....❖.....○

کنور پیلس کا ہیلی پیڈ کا حصہ بقعہ نور بنا ہوا تھا لیکن وہ حصہ میری نظروں سے اوجھل تھا۔ گاڑی میں بس یہ دو ہی لوگ تھے۔ تیسرا فرد راج کنور تھا۔ میں نے بیتو کو آواز دی۔ ''ادھر آؤ اسے دیکھو۔''

بیتو نے اسے دیکھ لیا تھا اور میری طرح حیران تھا۔ راج کنور کو ہم اسپتال میں جمع کرا کے آئے تھے اور بیتو زخمی تو تھا مگر یہاں تھا۔ میں نے بیتو کو واکی ٹاکی دیا اور کہا۔ ''آئی کن کو بلاؤ اور اسے گاڑی میں منتقل کر کے میرا انتظار کرو۔''

''آپ کدھر جاتا۔''

''سوال مت کرو۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''وقت نہیں ہے جو کہا ہے وہ کرو۔''

میں پیلس کی طرف دوڑا میرے ذہن میں ایک اندیشہ سر سرا رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر ہیلی پیڈ کے اوپر پہنچ گیا تھا۔ میں اس طرف جا رہا تھا جہاں سے میں ہیلی کاپٹر کو پیلس میں اترتے دیکھ سکوں۔ اس جگہ پہنچ کر میں ڈھلان پر اوپر چڑھنے لگا۔ ابھی تک پیلس کی طرف سے کسی کی آمد کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ میں پہاڑ کی ڈھلان پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوپر چڑھ رہا تھا اور مڑ کر دیکھتا جا رہا تھا جب مجھے ہیلی پیڈ نظر آنے لگا تو میں نے رک کر دوربین آنکھوں سے لگائی۔ سارا منظر یک دم سمٹ کر آنکھوں میں آ گیا۔ ایک شخص مخصوص بلا اٹھائے ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کی رہنمائی کر رہا تھا اور وہ ہیلی کاپٹر نیچے لا رہا تھا۔ یہ کنور پیلس کا ہیلی کاپٹر تھا اور مجھے یاد آیا میں نے پہلے اسے ہیلی پیڈ پر نہیں دیکھا تھا۔ مگر اس وقت توجہ نہیں دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر نیچے اتر گیا۔ میں نے دوربین ہیلی کاپٹر پر مرکوز کر دی۔ نیچے اترتے ہی اس کا انجن بند ہو گیا تھا کیونکہ شور میں یک لخت کمی آئی تھی۔

مجھے آس پاس حرکت محسوس ہوئی تو میں نے دوربین گھمائی اور مجھے بڑا کنور دکھائی دیا۔ وہ چار محافظوں کے ساتھ تھا جنہوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ ہیلی کاپٹر کا اترنے والا دروازہ دوسری طرف تھا یہ سائیڈ میری نظروں سے اوجھل تھی لیکن ہیلی کاپٹر سے اترنے والا کوئی فرد میری نظروں میں آئے بغیر پیلس میں نہیں جا سکتا تھا۔ بڑے کنور کو خود ہیلی پیڈ پر دیکھ کر میری رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی تھی۔ وہ کسی عام فرد کے لیے ہیلی پیڈ تک نہیں آ سکتا تھا۔ اب ہیلی کاپٹر کے دوسری طرف حرکت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے دوربین مرکوز رکھی اور پھر میں نے ایک عورت کو ایک شخص کے ساتھ آگے بڑھتے دیکھا۔ میری ساری بینائی کھنچ کر آنکھوں میں آ گئی تھی۔ وہ چال ڈھال اور جسامت سے سادی لگ رہی تھی۔ اس نے لان کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے اسے ہلکی شال دی گئی تھی۔ وہ آگے آئی اور بڑے کنور کے سامنے رک گئی۔ بڑے کنور نے اسے دیکھ کر بازو پھیلائے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اس کے سینے سے لگ جائے گی۔ کچھ بھی سہی وہ اس کا بڑا بھائی تھا مگر وہ ساکت کھڑی رہی۔ اس کی طرف سے کوئی ردِعمل نہ پا کر بڑے کنور کے ہاتھ خود نیچے ہو گئے۔ وہ اچانک مڑا اور اندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ جاتے ہوئے اپنے آدمیوں کو ہدایت دے گیا تھا کیونکہ ان میں سے دو اس کی طرف آئے اور اسے گھیرے میں لے لیا۔ اس نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا اور پیچھے مڑی تب میں نے سادی کا معصوم اور روتا چہرہ دیکھا۔ وہ بہت سہمی ہوئی اور پریشان لگ رہی تھی۔ بڑے کنور سے جو رویہ تھا، وہ عکاسی کر رہا تھا کہ اپنے بھائیوں کے لیے اس کے دل میں کوئی گنجائش تھی تو اسے یوں اغوا کرنے سے وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ کسی نے اسے ہاتھ نہیں لگایا مگر کہا ضرور ہو گا۔ وہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ اندر کی طرف روانہ ہو گئی اور میں بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔ میری ساری کوشش اور جدوجہد رائیگاں گئی تھی۔ میرا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ بھارتی حدود میں آنے کے بعد سادی کو کنور پیلس تک لانے کا سب سے آسان اور تیز ترین طریقہ ہیلی کاپٹر ہے۔

سادی کے اندر جانے کے بعد میں نے دوربین سے پیلس کے سامنے والے حصے کا جائزہ لیا وہاں سب معمول کے مطابق تھا اس کا مطلب تھا کہ حادثے اور اس کے بعد ہونے والی فائرنگ کی آواز وہاں پہنچ نہیں پائی تھی۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی تھیں۔ اول اسی دوران میں ہیلی کاپٹر آ گیا تھا اور اس کے انجن کے شور میں فائرنگ کی آواز دب گئی تھی، دوسرے فائرنگ دو ہتھیاروں سے ہوئی تھی۔ میرے پستول پر سائلنسر تھا اور مارے جانے والے کے پاس کم آواز والا ہتھیار تھا۔ پھر یہ جگہ پیلس سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ اب یہاں رکنا بیکار تھا۔ راج کنور ہاتھ لگا تو تھا مگر وہ ہاتھ سے نکل بھی گیا تھا اور بیتو زخمی تھا۔ مجھے ان دونوں کو دیکھنا تھا۔ میں واپس گیا۔ حادثے کا شکار ہونے والی گاڑی میں اب صرف لاشیں تھیں۔ بیتو راج کنور کو لے کر جا چکا تھا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مجھے دیکھ لیا اور دور سے لائٹ مار کر سگنل دیا۔ میں نے ٹارچ سے جوابی سگنل دیا اور سڑک پر بچھی کیلوں سے بچتا ہوا گاڑی تک پہنچا۔ بنتو فرنٹ سیٹ پر تھا اور اس نے شانہ تھام رکھا تھا۔ راج کنور پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پچھلی نشست پر بیٹھتے ہی کہا۔ ''اب نکلو یہاں سے۔''

بنتو نے پلٹ کر پوچھا۔ ''کیا ہوا شوبی، سادی.....؟''

میں نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''وہ پیلس پہنچ گئی ہے بیلی کاپٹر اسے ہی لے کر آیا تھا۔''

آئی کن نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ بنتو نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ہم بلاوجہ سڑک کا نگرانی کرتا رہا۔''

''ہاں ساری کوشش بیکار گئی۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''زخم کیسا ہے؟''

''شوبی درد ہو رہا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''پہلے کم تھا اب بڑھ رہا ہے۔''

''کہاں جانا ہے صاحب؟'' آئی کن نے ہائی وے پر گاڑی روک کر پوچھا۔

''بائیں طرف چلو۔'' میں نے کہا۔ ''جس قصبے سے کیلیں لی تھیں ہمیں وہیں جانا ہے۔''

وہاں بنتو کو طبی امداد مل سکتی تھی۔ پہلے بھی ڈاکٹر شوکیہ گپتا نے رقم کے بدلے ہماری مدد کی تھی اور مجھے امید تھی کہ وہ اس بار بھی انکار نہیں کرے گا۔ آئی کن کو ہدایات دے کر میں راج کنور کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بالکل خاموش اور بے تاثر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس پر انجکشن کا اثر تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''راج کنور تمہیں اسپتال سے کس نے نکالا۔ تم بڑے کنور کے آدمیوں کے ہتھے کیسے چڑھے؟''

''وہاں راوالے آ گئے تھے۔ انہوں نے سنکاری اور مجھے گرفتار کر لیا۔'' راج کنور نے سپاٹ لہجے میں بتایا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ مجھے اسی کا خدشہ تھا۔ انٹیلی جنس والے بہت تیزی سے حرکت میں آئے تھے۔ انہوں نے آڈیسی کا طیارہ ٹریس کیا اور شملہ تک آئے اس کے بعد کیب تک رسائی حاصل کی جس نے ہمیں اسپتال پہنچایا تھا۔ وہاں پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس سے آگے ہم خود گئے تھے۔ اگر انجنسی والوں نے اس بازار میں بھی پوچھ گچھ کی ہوگی تو عین ممکن ہے انہیں کوئی فرد مل جائے جس نے ہمیں آئی کن کے ساتھ جاتے دیکھا ہو گا۔ اگر ایسا ہوا تھا تو جلد یہاں بھی ہمیں بھارتیوں سے واسطہ پڑنے والا تھا۔ میں نے راج کنور سے پوچھا۔ ''اگر وہ راوالے تھے تو انہوں نے تمہیں کیسے چھوڑ دیا؟''

''میں نہیں جانتا وہ مجھ سے اور سنکاری سے سوالات کرتے رہے لیکن ہم نے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ پھر وہ سنکاری کو لے گئے اور دو گھنٹے بعد یہ لوگ مجھے وہاں سے لے آئے۔''

''کون لوگ؟''

''جنہیں تم نے مار دیا۔''

''تمہیں معلوم تھا کہ وہ بڑے کنور کے آدمی ہیں؟''

''اس وقت نہیں معلوم تھا لیکن جب وہ پیلس کے پاس پہنچے تو مجھے اندازہ ہو گیا۔''

راج کنور کے جسم پر اسپتال کا لباس تھا اور اس کے پاؤں سے پلاسٹر اتار کر ایک جدید قسم کی بینڈیج چڑھا دی گئی تھی۔ یہ پاؤں کو پلاسٹر کی طرح پکڑ لیتی تھی مگر اسے اتارا بھی جا سکتا تھا۔ چند گھنٹے اسپتال میں گزار کر اس کی حالت خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رانے اسے اتنی آسانی سے کیسے بڑے کنور کے سپرد کر دیا تھا جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ انہیں ایک اہم ترین کیس میں درکار تھا۔ وہ ملزم نہیں تھا مگر بھارت کے ملزموں کے ساتھ ضرور تھا۔ اس نے سرحد پار کرنے کا کوڈ اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا اور پاکستان کی طرف سے شوٹ کیے جانے والے ہیلی کاپٹر میں وہ بھی موجود تھا۔ پھر اس نے میری ہدایت کے مطابق سوالوں کے جواب دینے سے بھی انکار کیا تھا۔ ممکن ہے اس کی رہائی کے پس پشت بڑے کنور کا دباؤ اور ضمانت ہو۔ اس نے ضمانت دی ہوگی کہ جب را کو تفتیش کی ضرورت ہوگی تو راج کنور تک رسائی دی جائے گی۔ اسپتال والے اور را کے افسران بھی اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ راج کنور اور سنگاری دوا کے زیر اثر تھے۔ راج کنور فی الحال آزاد تھا مگر سنگاری ان لوگوں کے پتے چاٹ چکا تھا اور جلد یا بدیر وہ سب اگل دیتا اور اس کے بعد وسیع پیمانے پر میری تلاش شروع ہو جاتی۔ گویا میرے پاس وقت کم تھا۔

''راوا لے کب اسپتال پہنچے تھے؟''

''میرا خیال ہے دو بجے کا وقت تھا۔'' راج کنور نے سوچ کر کہا۔ ''مجھے صحیح سے یاد نہیں ہے، میں سو رہا تھا جب انہوں نے مجھے اٹھایا، اس کے کچھ دیر بعد میں نے گھڑی دیکھی تھی اس میں سوا دو بج رہے تھے۔''

میں نے اسے اور سنگاری کو زیادہ تر سونے کی ہدایت کی تھی۔ وہ اس پر عمل کرتے رہے تھے۔ راج کنور بدستور دوا کے زیر اثر تھا۔ مگر میں اس کی طرف سے ہوشیار تھا۔ اس سے پہلے بھی میں دھوکا کھا چکا تھا جب میں فاضلی کو دوا کے زیر اثر سمجھ رہا تھا اور دوا نے اس پر اثر نہیں کیا تھا۔ عین ممکن تھا راج کنور جو کہانی سنا رہا ہو وہ اس کی اپنی بنائی ہوئی ہو۔ اس کی کہانی میں واحد مشکوک بات را کا اسے اتنی آسانی سے جانے کی اجازت دینا تھا۔ اگرچہ اس کی وجوہات تھیں مگر یہ میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھیں۔ آئی کن میری ہدایات پر ہر ممکن تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں نے راج کنور سے پوچھا۔ ''کنور پیلس سے باہر جانے کا کوئی اور خفیہ راستہ ہے، اس کے علاوہ جہاں سے ہم باہر نکلے تھے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں وہی ایک راستہ ہے اور اب وہ بھی بند ہو گیا ہوگا کیونکہ اب وہ خفیہ نہیں رہا تھا اسے ڈائنامائٹ سے اڑا دیا ہوگا اور محل میں داخل ہونے والے راستے کو کنکریٹ ڈال کر بند کر دیا ہوگا۔ یہ طے شدہ فیصلہ تھا کہ سرنگ کا راز فاش ہوتے ہی اسے تباہ کر دینا ہے۔''

یہ بات بھی مجھے ہضم نہیں ہوئی تھی۔ متبادل راستہ تیار کیے بغیر وہ اس سرنگ کو تباہ نہیں کر سکتے تھے ہاں اس کی نگرانی کی جا سکتی تھی۔ مگر راج کنور کہہ رہا تھا کہ سرنگ کو تباہ کیا جا چکا ہوگا۔ شاید اس لیے کہ میں اس سرنگ کے راستے کنور پیلس میں داخل ہونے کی کوشش نہ کروں۔ راج کنور بالکل معمول بنا ہوا تھا۔ وہ نہ تو خود سے کوئی حرکت کر رہا تھا اور نہ بات کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر سیٹ سے ٹکا لیا اور آنکھیں بند کر لیں جیسے سو رہا ہو۔ اس کی ٹانگ پر جو جدید بینڈیج لگائی تھی یہ گھٹنے کے پاس سے مڑ بھی سکتی تھی اس لیے وہ آرام سے بیٹھا ہوا تھا ورنہ پہلے اس کے لیے سیٹ پر بیٹھنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے دوسرے زخم تقریباً بھر گئے تھے یا اب تکلیف دہ نہیں رہے تھے۔ خاص طور سے چہرے والے زخموں کے بس نشانات باقی رہ گئے تھے۔ میں نے راج کنور کو ہلایا۔

''اٹھو اب مت سونا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''اب نہیں سوؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راج کنور تمہارے بیوی بچے کہاں ہیں؟''

''دہلی میں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیا راج کنور اور رامن جانتے ہیں کہ تمہارے بیوی بچے کہاں ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''جانتے ہیں۔''

''تب تمہیں خطرہ نہیں ہے کہ وہ ان کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں۔''

''وہاں میرا سسرال ہے۔ وہ طاقتور لوگ ہیں، میرے بیوی بچوں کی حفاظت کر سکتے ہیں اس لیے میں ان کی طرف سے بے فکر ہوں۔''

اسی لیے راج کنور اپنے بیوی بچوں کی طرف سے مطمئن تھا۔ ''راج بڑے کنور کی کمزوری کیا ہے؟''

''اس کی صحت۔'' راج کنور نے جواب دیا۔ ''اپنی صحت کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہو سکتا ہے۔ وہ تمہارے خون کا پیاسا ہے لیکن صرف اپنی صحت کی وجہ سے تمہارے آگے جھکتا رہا ہے۔ مگر جیسے ہی اس کا مطلب نکلے گا وہ تمہیں عبرتناک موت مارے گا۔''

''مجھے بھی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔'' میں نے آگے دیکھا جہاں قصبے کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ یہ راستے میں آنے والا پہلا بڑا قصبہ تھا۔ میں نے آئی کن سے تصدیق چاہی۔ ''کیا ہم پہنچ گئے ہیں؟''

''جی صاحب۔''

''شوبی ہم کدھر جاتا ہے۔'' بیتو نے اتنی دیر میں پہلی بار زبان کھولی۔ اس کے لہجے سے تکلیف جھلک رہی تھی۔

''یہاں ایک ڈاکٹر ہے جو پیسے لے کر کوئی بھی کام کر سکتا ہے۔'' میں نے کہا اور آئی کن کو سمجھانے لگا کہ اس نے کس راستے سے گاڑی اوپر کی طرف موڑنی تھی اور یہ چڑھائی صرف فور وہیل چڑھ سکتی تھی۔ اس نے سر ہلا کر بتایا کہ وہ سمجھ گیا ہے۔ اسلحہ اور دوسرا سامان گاڑی کے پچھلے حصے میں تھا۔ بیتو زخمی ہونے کے باوجود سب سامان بھی ساتھ لے آیا تھا۔ رات ہونے کے ساتھ سردی شدید ہوتی جا رہی تھی اور اب ہمارے ہلکے سوتی کپڑے اس کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے اس کا اندازہ مجھے ڈاکٹر گپتا کے کلینک کے سامنے اترنے کے بعد ہوا۔ بند گاڑی میں اتنا پتا نہیں چل رہا تھا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تم یہاں رکو اور ہوشیار رہو۔''

''ہم ہوشیار ہے شوبی۔''

میں نے کلینک کے اوپری زینے کے ساتھ لگی کال بیل بجائی تو اوپر سے ڈاکٹر گپتا کی آواز آئی۔ ''کون ہے؟''

''ایک پرانا پیشنٹ۔'' میں نے کہا۔ ''نیچے آؤ۔''

ڈاکٹر گپتا اپنے آبائی علاقے سے دور اس پہاڑی قصبے میں یقیناً کمانے کے لیے بیٹھا ہوا تھا اس لیے پیشنٹ کا سنتے ہی ایک منٹ میں نیچے آ گیا۔ اس نے کوٹ کے بجائے صدری پہن رکھی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ چونکا۔

''تم وہی ہے.....؟''

''ہاں میں وہی ہوں لیکن اس بار میرے ساتھ کچھ دوسرے لوگ ہیں۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم کیا پیشنٹ لاتا ہے۔'' اس نے شک سے کہا۔

میں نے جواب دیا۔ ''اگر تم کو اعتراض ہے تو میں کسی اور ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔''

''اپن کا یہ مطلب نہیں ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا اسے یاد تھا کہ میں نے اس کی منہ مانگی فیس دی تھی۔ ''پیشنٹ کدھر ہے؟''

''گاڑی میں..... تم کلینک کھولو۔'' میں نے کہا۔ وہ کلینک پر لگا تالا کھولنے لگا اور میں گاڑی کی طرف آیا۔ پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے راج کنور سے کہا۔ ''نیچے اترو۔''

اس بار بھی اس نے بلا چوں چرا میرے حکم کی تعمیل کی اور باہر نکل کر گاڑی کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''آئی کن کے ساتھ اندر آؤ اس سے کہنا گاڑی لاک کر دے۔''

میں سہارا دے کر راج کنور کو اندر لے گیا۔ بیتو خود اندر آیا تھا۔ ڈاکٹر گپتا راج کنور کو مریض سمجھا اور اسے اندر والے کمرے میں لے جانے کا اشارہ کیا لیکن اسے میں نے وہیں بنچ پر بٹھا دیا۔ ''پیشنٹ آرہا ہے اسے گولی لگی ہے۔''

وہ پھر چونکا۔ ''ایک اور بلٹ پیشنٹ..... بابا یہ تم ہر روز کہاں سے لاتا ہے۔''

''پھر سوال۔'' میں نے ڈانٹا۔ ''تم پیسے کس بات کے لیتے ہو، علاج کرنے کے یا سوال کرنے کے؟''

وہ گڑبڑا گیا۔ ''ناراج کائے کو ہوتا ہے۔''

بیتو آئی کن کے ساتھ اندر آیا اس کی لہو میں بھیگی شرٹ بتا رہی تھی کہ بلٹ پیشنٹ وہی ہے۔ ڈاکٹر گپتا اسے اندر لے گیا اور آئی کن راج کنور کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ دونوں ایک سے انداز میں آنکھیں جھپکا رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ''تم دونوں یہیں بیٹھو اور میرے آنے تک اپنی جگہ سے ہلنا مت نہ کسی سے بات کرنا۔''

انہوں نے سر ہلائے تو میں کلینک سے باہر آیا دروازہ بند کر کے میں نے جھری سے اندر جھانکا۔ یہ جھری میں نے تاڑ لی تھی۔ اس سے اندر کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ دونوں بنچ پر ساکت بیٹھے ہوئے۔ میں کوئی پانچ منٹ باہر رہا اور وہ بیٹھے رہے۔ سردی نے مزاج پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ جب خاصی دیر راج کنور نے کوئی مشکوک حرکت نہیں کی تو میں اندر آیا اور آئی کن سے گاڑی کی چابی لے کر اپنا کپڑے والا بیگ اندر لے آیا۔ ایک طرف اسکرین رکھی تھی اس کے پیچھے جا کر میں نے گرم لباس اور ہلکی جیکٹ پہنی تو ذرا سکون ملا تھا۔ راج کنور نے ہاسپٹل والا ہلکا سوٹ پہن رکھا تھا اور اسے سردی لگ رہی تھی البتہ آئی کن نے جیکٹ پہن لی تھی۔ میں نے ڈاکٹر گپتا کے آپریشن روم میں جھانکا تو وہ بیتو کا زخم صاف کر کے گولی نکالنے کی تیاری کر رہا تھا۔ بیتو کی شرٹ اتار دی تھی اور اب وہ صرف پتلون میں تھا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''یہ کام کر کے کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی کر دینا۔''

''ابھی بولتا ہے۔'' اس نے کہا اور دفتر میں آ کر انٹر کام پر مراٹھی زبان میں اوپر کچھ ہدایات دیں اور واپس آپریشن روم میں چلا گیا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا۔ اس نے بانو یا شیام کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ وہ ان کی فیس وصول کر چکا تھا اس لیے ان میں دلچسپی بھی نہیں رہی تھی۔ یہ بات میں نے بھارت میں شدت سے محسوس کی تھی یہاں رسمی علیک سلیک کا رواج نہیں تھا۔ لوگ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ اگر پیشہ ور امور میں کسی سے دس بار بھی ملاقات ہو تو اسے پیشے کی حد تک محدود رکھتے تھے، اسے ذاتی سطح پر نہیں لاتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر گپتا نے دس منٹ میں بیتو کے زخم سے گولی نکال کر اس کی مرہم پٹی کر دی اور پھر اسے یکے بعد دیگرے کئی انجکشن دیئے۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''فکر کا بات نہیں ہے گولی سامنے تھا زیادہ نقصان نہیں کیا۔ احتیاط کرے گا تو تین دن میں زخم ٹھیک ہو جائے گا اور ایک دیک بعد بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے پہلے کی طرح اسے دو ہزار دیئے جو اس نے خاموشی سے رکھ لیے۔ کچھ دیر میں اوپر سے کھانا آ گیا۔ حسبِ معمول یہ پوریوں، ترکاری اور اچار پر مشتمل تھا۔ لیکن لذیذ اور چٹ پٹا تھا۔ بیتو نے بھی شوق سے کھایا حالانکہ کچھ گھنٹے پہلے وہ ڈٹ کر پراٹھا اور بھاجی کھا چکا تھا۔ میں نے ہاتھ ہلکا رکھا تھا اس لیے اب ٹھیک سے کھایا۔ کھانے کے بعد سب کے لیے چائے آئی اور بیتو کو دودھ میں گائے کا گھی کا ڈال کر دیا گیا جو اس نے بڑی مشکل سے اور منہ بنا کر پیا۔ بعد میں اس نے بتایا کہ اس کی ماں اسے مار مار اس طرح دودھ میں گھی ڈال کر پلاتی تھی کہ اس سے جسم اور ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ میں نے سر ہلایا۔

''ہڈیاں تو مضبوط ہیں تمہاری اور یہ اسی دودھ گھی کی وجہ سے ہے۔''

کیونکہ ڈاکٹر گپتا نے مزید رقم کا مطالبہ نہیں کیا تھا اس کا مطلب تھا کہ کھانا پینا بھی اسی رقم میں شامل تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب یہاں سے کہاں جائیں۔ اس قصبے میں کئی ہوٹل تھے لیکن ہم کسی ہوٹل میں نہیں رک سکتے تھے سوائے آئی کن کے اور کسی کے پاس کاغذات نہیں تھے۔ ہوٹل والے مشکوک ہو جاتے تو پولیس کو بتا سکتے تھے اور اگر نہ بھی بتاتے تو ہماری تلاش شروع ہوتے ہی سب سے پہلے ہوٹلوں میں تلاش کی جاتی۔ اس وقت کسی ہوٹل کا رخ کرنے کا مطلب خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنا بھی ہو سکتا تھا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ مجھے خیال آیا اور میں نے ڈاکٹر گپتا سے پوچھا۔

''ڈاکٹر ہمیں رات کو کہیں رکنا ہے یہاں کوئی گھر ہے جہاں ہمیں ایک آرام دہ کمرا مل جائے۔''

''ادھر کئی ہوٹل ہے۔''

''ہم ہوٹل میں ٹھہرنا نہیں چاہ رہے۔'' میں نے انکار کیا۔ ''ہم ادائیگی کریں گے اگر کھانا پینا دیا تو اس کے پیسے بھی دیں گے۔''

ڈاکٹر گپتا نے سر ہلایا وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''ٹھیک ہے ادھر میرا سسٹر ہے، بیوہ ہے، بچہ ہے اور اسے پیسے کا ضرورت رہتا ہے۔ میں اس سے بات کرتا ہے۔''

میں خوش ہو گیا۔ ''ہم سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ میں ہوٹل سے زیادہ ہی کرایہ دوں گا۔''

اس نے فون اٹھایا اور نمبر ملا کر مراٹھی میں چخ چخ کرنے لگا کم سے کم اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ لڑ رہا ہو یا شدید قسم کی بحث کر رہا ہو لیکن اس چخ چخ کا نتیجہ مثبت نکلا تھا۔ فون رکھ کر اس نے کہا۔ ''میرا سسٹر مان گیا ہے۔ پر وہ ایک دن کا ہزار روپیہ مانگ رہا ہے کھانے پینے کا الگ ہو گا۔''

''مجھے منظور ہے لیکن ہم چار ہیں اس لیے کمرا ایسا ہو کہ ہم چاروں آرام سے رہ سکیں گھس گھسا کر نہ رہنا پڑے۔''

''اس کا کانیج اچھا ہے، شوہر فاریسٹ کنزرکیٹر تھا۔ پر ایک حادثے میں مر گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے رسمی افسوس کیا۔ مرہم پٹی اور کھانا کر بیتو چاق و چوبند ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر گپتا نے کیپسول اور گولیوں ایک ایک کا بتا دیا۔ کیپسول اینٹی بایوٹک تھے اور گولیاں پین کلر تھیں۔ اس نے کہا۔ ''کیپسول ہر چھ گھنٹے بعد ایک گلاس سادہ دودھ کے ساتھ لینا ہے پر دودھ گرم نہ ہو اور پین کلر اس وقت لینا جب درد بہت ہو اور سونا ہے۔''

''اس کی پٹی کیسے تبدیل ہو گی۔''

اس نے پٹی تبدیل کرنے کا سامان دیا اور طریقہ بھی بتایا۔ میں نے احتیاطاً لے لیا لیکن ساتھ ہی اس سے کہا۔ ''جب تک ہم یہاں ہیں تم پٹی تبدیل کرنا میں فیس دوں گا۔''

''میں کر دے گا۔'' اس نے راج کنور کی طرف دیکھا۔ ''اس کا کیا مسئلہ ہے۔''

''اسے گھٹنے میں فریکچر تھا اب ٹھیک ہے پر کبھی کبھی پین ہوتی ہے۔''

''پین ہو تو یہی گولی اسے بھی دے دینا پر ایک سے زیادہ مت دینا بہت ہائی پوٹینسی ہے۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ڈاکٹر شوکیہ گپتا غلط کام کر رہا تھا لیکن وہ ہمارے بہت کام آیا تھا۔ اس نے تقریباً سارے مسائل حل کر دیئے تھے۔ ہم گاڑی میں آئے۔ ڈاکٹر نے کلینک بند کر دیا اور ہمارے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ اس کی بہن کا گھر اس کے کلینک کے متوازی پہاڑی کے دوسرے حصے میں تھا۔ یہ قصبے کا پوش حصہ تھا یہاں زمین چھوڑ کر کاٹیجز اور بنگلے بنے ہوئے تھے۔ یہاں راستے نسبتاً بہتر اور سڑکیں ہموار تھیں۔ ڈاکٹر گپتا نے ایک دو منزلہ کاٹیج کے سامنے گاڑی روکوائی اور اتر کر اندر چلا گیا۔ کاٹیج کے سامنے چھوٹا سا باغ تھا جس میں انگور کی بیلیں اور اسٹرابیری کے پودے لگے تھے۔ باغ اور کاٹیج کی حالت سے لگ رہا تھا کہ ڈاکٹر گپتا کی بہن کھاتی پیتی بیوہ تھی۔ جب کہ اس کا کہنا تھا کہ وہ ضرورت مند ہے۔

ممکنا ہے وہ ٹھیک کہہ رہا ہو شوہر تو رہا نہیں تھا تو آمدنی کے ذریعہ بھی نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر گپتا کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کی بیوہ بہن بس بچوں کے ساتھ یہاں رہتی تھی۔ مجھے تعجب ہوا کہ وہ کتنے آرام سے چار اجنبی افراد کو اس کے پاس ٹھہرانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس سے زیادہ حیرت اس کی بہن پر تھی۔ گپتا خاصی عمر کا سیاہ رنگت اور بدصورت نقوش والا شخص تھا اوپر سے اس کے کرتوت بھی اس کے چہرے پر آ گئے تھے۔ اس کی بہن اگر اس پر گئی تھی تو اسے لحاظ سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا مگر آبرو کے علاوہ جان اور مال کا خطرہ بھی تو ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گپتا کوئی دس منٹ بعد اندر سے برآمد ہوا اور اس نے کہا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ ہمیں کاٹیج کے برآمدے کے ساتھ والے کمرے میں لایا اس کا دروازہ باہر کھلتا تھا اور ایک دروازہ اندر بھی کھلتا تھا۔ فرش پر دبیز قالین تھے اور دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے اور سلیقے سے تہہ کیے ہوئے چار کمبل رکھے تھے۔ کمرا کارنر کا تھا اور دو طرف کھڑکیاں تھیں۔ جن پر اچھے دبیز پردے تھے۔ کمرا بہ ظاہر بہت اچھا تھا۔ لیکن یہاں کوئی تیسرا دروازہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر گپتا نے دوسرے دروازے کے بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ گھر میں کھلتا ہے اور اندر سے بند تھا۔ گویا ہم باقی گھر سے الگ تھے۔ یہ ایک لحاظ سے اچھا تھا کہ کوئی ہمارے کمرے میں بھی اچانک نہیں آ سکتا تھا۔ مگر ایک مسئلہ تھا۔ یہاں کوئی باتھ روم نہیں تھا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''بعض اوقات فطرت آدمی کو پکارتی ہے۔''

وہ کنفیوژ ہو گیا۔ ''کیا..... کیا بولا..... کون کس کو پکارتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا مطلب ہے کال آف نیچر۔'' میں نے سلیس انگریزی میں سمجھایا اور مزید سمجھانے کے لیے چھوٹی انگلی بھی کھڑی کر کے دکھائی جو یونیورسل اشارہ ہے۔ اس نے دانت نکالے۔

''اچھا.....اچھا.....اس کا بھی انتظام ہے میرے ساتھ آؤ۔''

وہ مجھے کاریج کے عقبی حصے میں لے گیا یہاں الگ سے ایک چھوٹا واش روم تھا جس میں حوائج ضروریہ کے علاوہ غیر ضروریہ سے فارغ ہونے کے بھی انتظامات تھے۔ ڈاکٹر نے مجھے تسلی کرا کے ایک دن کا کرایہ پیشگی لیا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ صبح کے ناشتے کا بھی ابھی سے کہہ دوں۔ میں نے پانچ سو مزید دیئے اور اسے آرڈر نوٹ کرا دیا۔ ناشتے میں ابلے اور تلے ہوئے انڈے، پراٹھے، ڈبل روٹی، چائے اور کافی درکار تھی۔ ڈاکٹر گپتا رقم لے کر اندر چلا گیا۔ ابھی تک اس کی بہن سامنے نہیں آئی تھی اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہم ڈاکٹر گپتا کے توسط سے آئے تھے اور وہی سب دیکھ رہا تھا۔ دو منٹ بعد اس نے واپس آ کر مجھ سے کہا۔ ''تم لوگ اس کمرے تک رہے گا اور باہر بھی صرف واش روم کے لیے جائے گا۔ واک بھی نہیں کرے گا۔ نہ اس کے لیے باہر جائے گا۔''

''ہم بلاضرورت کمرے سے نہیں نکلیں گے، لیکن یہ گاڑی کھڑی کرنی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ بلاوجہ یہ لوگوں کی نظر میں آئے اور وہ سوچیں کہ یہاں کچھ لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''تم گاڑی ادھر مکان کے کونے میں سڑک پر کھڑا کر دو لوگ سمجھے گا کہ کسی اور کا گاڑی ہے۔ سیتا کی گاڑی اندر کھڑی ہے۔''

''تمہاری سسٹر کا نام سیتا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''سیتا دیوی۔''

ڈاکٹر گپتا رخصت ہو گیا میں نے آئی کن سے گاڑی کاریج کے کونے پر اس طرح کھڑی کروائی کہ بہ ظاہر اس کا تعلق کاریج سے نہ لگے۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے اور آئی کن اور راج کنور صبح نو بجے تک انجکشن کے زیر اثر رہتے لیکن میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے پہلے انہیں دوسرا انجکشن دے دوں گا۔ ابھی تک را کی تلاش کا دائرہ یہاں تک دراز نہیں ہوا تھا۔ اگر ہوا تھا تو فی الحال اس قصبے تک نہیں آئے تھے۔ مجھے امید تھی کہ یہ رات ہم سکون سے گزار سکیں گے۔ بیتو کو آرام کی اشد ضرورت تھی۔ ابھی تو اسے پین کلر کا انجکشن دیا ہوا تھا۔ اس کا اثر تھا اس لیے وہ لیٹ کر آرام سے سو گیا۔ اس کے لیے خوراک سے زیادہ آرام ضروری تھا۔ میں نے راج کنور اور آئی کن کو سونے کا حکم دیا تو انہوں نے سعادت مندی سے اس کی تعمیل کی۔

میں نے بیتو کو کمبل اوڑھا دیا تھا۔ آپریشن کے بعد اسے گرم شرٹ پہنا دی تھی لیکن جیکٹ نہیں پہنی تھی۔ آئی کن نے جیکٹ پہن رکھی تھی اس لیے اس نے صرف ٹانگوں تک کمبل لیا البتہ راج کنور کمبل میں گھس کر اچھی طرح لیٹ گیا تھا۔ اس نے سردی کے لحاظ سے ہلکا لباس پہنا ہوا تھا۔ ان کے لیٹنے کے بعد میں نے اسلحے والا بیگ اپنے اور بیتو کے درمیان رکھا۔ ان کو کمرے کے کونے میں جگہ دی تھی۔ میں اور بیتو دروازے کے پاس تھے بلکہ میں نے اپنا ڈیرہ بالکل دروازے کے سامنے جمایا تھا۔ یہ اندر کی طرف کھلنے والا سنگل ڈور تھا اور جب تک میرا تکیہ نہ ہٹایا جاتا دروازہ نہیں کھل سکتا تھا۔ مگر میرا سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے لیپ ٹاپ نکالا اور سب سے پہلے لیپ ٹاپ اور موبائل چارجر سے لگائے۔ یہاں کمرے میں ایک طرف دیوار پر ملٹی ساکٹ لگا ہوا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس میں ہر طرح کا پلگ لگ سکتا تھا۔ اگر چہ دونوں کا آدھا آدھا چارج باقی تھا لیکن میں نے اسے فل کرنے کا فیصلہ کیا۔

چارج پر لگا کر میں نے لیپ ٹاپ سے انٹرنیٹ یو ایس بی ڈیوائس لگائی اور کنکشن آن ہوتے ہی اسکائپ پر آ گیا۔ میں نے عبداللہ کا نمبر ملایا مگر وہ بند جا رہا تھا پھر میں وسیم کا نمبر ملانے لگا تھا کہ مجھے خیال آیا اور میں نے سفیر کا نمبر ملایا۔ اسکائپ سے میں نے ابھی تک سفیر کو کال نہیں کی تھی۔ عبداللہ اور وسیم کے نمبر ممکنہ طور پر بڑے کنور اور اس کے توسط سے بھارتی حکام کے علم میں آ چکے تھے اس لیے ان پر کال کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے بلوٹوتھ ہینڈ فری لگا لیا تھا۔ سفیر نے کال ریسیو کی اور آہستہ سے بولا۔ ''یہ ٹو ہے؟''

''نہیں میرا بھوت ہے۔''

''ہم سب بھی مر چکے ہیں انتظار کر کے۔'' اس نے حسبِ معمول بھنا کر کہا۔ ''کہاں مر گیا تھا تُو؟''

''بس یار سمجھ لے کام نہیں ہوا۔''

سفیر ایک لمحے کو چپ ہوا تھا پھر اس نے پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''بھیا کے پاس پہنچ گئی، ہم زمینی راستے پر انتظار کر رہے تھے اور بھیا نے بائی ایئر بلوا لیا۔''

''یہ تو بہت برا ہوا۔'' سفیر نے تشویش سے کہا۔ ''اس کا ہونا سونا تو پاگل ہو رہا ہے۔''

''اسے قابو میں رکھو یہاں حالات ٹھیک نہیں ہیں منے کے شانے میں چوٹ آئی ہے۔ اس کی مرہم پٹی کرا کے ایک جگہ آرام کر رہا ہوں۔''

''کیا ہوا اسے..... وہ ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں ڈاکٹر نے آپریٹ کر کے مرہم پٹی کر دی ہے ابھی سو رہا ہے۔''

''ہوا کیا تھا؟''

''ہم نے ایک گاڑی روکی جو بھیا کے محل کی طرف جا رہی تھی۔ یہ سوچ کر کہ اس میں بہنا ہو گی، مگر اس میں دوسرا بھیا نکل آیا۔ اسے بڑے بھیا نے وہاں سے منگوا لیا تھا جہاں میں نے اسے محفوظ کیا تھا۔ اسے روکا تو ساتھی جھگڑنے لگے۔ ان کو تو سلا دیا مگر منے کے شانے پر بھی چوٹ آئی۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے تین لگ سکتے ہیں ٹھیک ہونے میں۔''

''تب تک تو کیا کرے گا؟''

''آرام اور تم لوگ اب بڑے بھیا سے گفت و شنید کرو۔ اگر مجھ سے بات کرنا چاہے تو مجھے بتا دینا میں رابطہ کر لوں گا مگر اسے یہی بتانا کہ میں فی الحال صحت بحال کر رہا ہوں۔''

''تُو ایک بات بھول رہا ہے پرندہ گرنے میں تیرا نام بھی آیا ہو گا۔''

میں سنکاری کو بھول گیا تھا۔ وہ راداوالوں کے پاس تھا۔ میں نے سر پر ہاتھ مارا اور سفیر کو مطلع کیا کہ بڑے بھیا تک میری یہاں موجودگی کی اطلاع پہنچ چکی ہو گی۔ اب وہ اس کی طرف سے رابطے پر میرے بارے میں لا علمی ظاہر کریں۔ بلکہ عبداللہ اور وسیم فی الحال اس کا فون بھی اٹینڈ نہ کریں۔ سفیر نے طعنہ دیا۔ ''تجھے کیا ہو گیا..... سامنے کی بات تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس یار ذہن پر بوجھ اتنا ہے کہ بعض اوقات سامنے کی چیز دکھائی نہیں دیتی ہے۔ اچھا ہوا تجھ سے بات ہوگئی اور بات کلیئر ہوگئی۔ اب میں اس پر نئے زاویے سے سوچوں گا۔'' میں نے کہا اور مبہم انداز میں اپنی مہم جوئی اور بھارتیوں کی طرف سے تلاش کا بتایا۔ سفیر یہ سن کر فکر مند ہوگیا کہ ہم بدستور کنور پیلس کے پاس ہیں۔

''اب تیرا زیادہ دیر وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''ہاں، لیکن تُو جانتا ہے میں اسے لیے بغیر واپس نہیں آسکتا۔ یار میں نے اسے دیکھا تھا جب وہ بڑے بھائی کے سامنے آئی اور اس نے بازو پھیلائے تو وہ اس کی طرف نہیں بڑھی، بھائی کے سینے سے نہیں لگی۔ وہ ان لوگوں سے تعلق توڑ چکی ہے۔ اب وہ ہماری ہے۔ ہماری ذمے داری ہے۔''

''تو میں کب انکار کر رہا ہوں یار، اسے اپنی بیگم کی طرح سمجھتا ہوں۔''

میں ہنسا۔ ''اس کے شوہر نامدار نے سنا تو تیرا مرڈر کردے گا۔''

''وہ برابر میں بیٹھا دانت نکال رہا ہے لے، اس سے بات کر۔''

''آپ ٹھیک ہیں؟'' وسیم کی آواز آئی۔

''تقریباً تم نے سب سن لیا ہے، نہیں تو یہ بتادے گا، نام کسی کا بھی نہیں لینا۔''

''منے کا سنا تھا، وہ ٹھیک ہے؟''

''ہاں تین چار دن میں فٹ ہو جائے گا۔'' میں نے کہا اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ وسیم کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ ان معاملات کا ماہر تھا اور مجھے اچھا مشورہ دے سکتا تھا۔ اس نے کہا۔

''میں مانی کی مدد سے انٹرنیٹ پر دیکھ کر آپ کو بہتر مشورہ دے سکوں گا۔''

''بالکل یار اس چیز نے بہت آسانی کر دی ہے، اس کی مدد سے میں بالکل اجنبی علاقوں میں آسانی سے گھومتا رہا ہوں۔ اللہ مانی کا بھلا کرے اس نے بہت اہم چیزیں سکھائی ہیں، اس کا کیا حال ہے؟''

''منے کے بغیر اداس ہے اور دوبارہ حویلی جانے پر ضد کر رہا ہے۔''

''کیونکہ وہاں شازیہ ہے۔'' پیچھے سے سفیر نے کہا۔ ''یہ دونوں ایک نمبر کے بدمعاش ہیں۔''

''منا شریف ہے۔'' میں نے بیتو کا دفاع کیا۔ ''بدمعاش مانی بھی نہیں ہے لیکن وہ بیتو سے مختلف ذہن کا لڑکا ہے۔''

''آپ کے لیے ایک اچھی خبر ہے، آج ہی عدالت سے آپ کے خلاف تمام کیسز خارج کر دیئے گئے ہیں۔'' وسیم نے انکشاف کیا۔

''ارے واہ۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''اور تم لوگ اب بتا رہے ہو۔''

''وکیل صاحب نے ایک گھنٹا پہلے مطلع کرنے کی زحمت کی تھی۔'' وسیم ہنسا۔ ''اب ہمیں وعدے کے مطابق پیرزادے کو پیر جی کے حوالے کرنا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو وکیل صاحب سے تصدیق کر کے پیرزادے کو حوالے کر دو۔ ویسے اس کی حالت کیسی ہے؟''

''پہلے سے بہتر ہے، اب گزرنے کا خطرہ نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کارِ خیر برادر کلاں کے ہاتھ انجام پائے تو زیادہ اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اسکائپ پر آسکتے ہو؟''

''ہاں میں آن لائن ہوتا ہوں۔'' سفیر نے کہا۔ میں نے کال کاٹ دی۔ اگرچہ ہمالیہ ہوٹل کے آئی ٹی کے ماہر نے ہزار منتس کا کریڈٹ ڈلوایا تھا لیکن میں اسے محفوظ رکھنا چاہتا تھا نہ جانے کب کہاں اس کی ضرورت پڑ جائے۔ ایک منٹ بعد سفیر آن لائن ہوا لیکن وڈیو میں مانی نظر آیا۔ اس نے پُرجوش طریقے سے علیک سلیک کی لیکن نام نہیں لیا غالباً اسے پہلے ہی بتا دیا۔ کیونکہ مانی ان چیزوں کا ماہر تھا اس لیے میں نے اس سے پوچھا کہ میں اس طرح اسکائپ استعمال کر رہا ہوں اس میں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟

''بالکل ہے۔'' اس نے کہا۔ ''انڈیا والے اس معاملے میں خاصے آگے ہیں اور انہوں نے حکومتی سطح پر اس کا انتظام بھی کیا ہوا ہے۔ وہ کسی بھی انٹرنیٹ سرگرمی کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ آپ کو احتیاط کرنی چاہیے۔''

''وہ کیسے؟''

''کم سے کم بات کریں اور جگہ بدلتے رہیں۔''

کیونکہ جگہ بدلنا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے مانی کے دوسرے مشورے پر عمل کیا اور مختصر بات کر کے اسکائپ بند کر کے لیپ ٹاپ بھی بند کر دیا۔ مانی کا کہنا تھا یو ایس بی ڈیوائس صرف استعمال کے وقت لگایا کروں ورنہ اس سے سگنل جاتے رہتے ہیں اور اس کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ یعنی میں نے خاصی دیر بات کی تھی۔ آئی کن باقاعدہ خراٹے لے رہا تھا لیکن راج کنور خاموشی سے لیٹا ہوا تھا۔ مجھے اب تک شک تھا کہ وہ اب دوا کے زیر اثر نہیں رہا تھا۔ اسے اسپتال میں اینٹی ڈوٹ دے دیا گیا تھا۔ اینٹی ڈوٹ کسی بھی دوا کے توڑ کو کہتے ہیں۔ بہرحال اس کا پتا چلانا اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک وہ خود کوئی حرکت نہ کرتا۔ راج کنور پر تو شک تھا ہی ساتھ ہی میں کسی ممکنہ ریڈ سے بھی ہوشیار رہنا چاہتا تھا۔

یہ سوچنا کہ بھارتی یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے خوش فہمی تھی۔ وہ جتنی تیزی سے پیچھے آئے تھے اور اسپتال تک پہنچ کر سنکاری کو قبضے میں لیا تھا اس کا امکان تھا کہ میرے بارے میں جانتے ہی وہ زیادہ مستعدی سے حرکت میں آجائیں اور اس سارے علاقے میں بڑے پیمانے پر میری تلاش شروع ہو جائے گی۔ پچھلے ایک عشرے میں ہماری سلامتی کے اداروں کو جتنے انتشار اور مسائل کا سامنا تھا۔ وہ قومی سلامتی کے بجائے دوسرے کاموں میں الجھا دیئے گئے اور اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریاں پوری کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ ان اداروں کی جو ساکھ تھی اسے شدید نقصان ہوا تھا۔ بعض ایسے دل گداز سانحے پیش آئے جن سے عوام کی نظروں میں ان اداروں کی ساکھ خراب ہوئی تھی۔

روشن خیال آمرانہ دور میں جہاں ایک طرف ملک کی نظریاتی اساس کو نقصان ہوا وہیں ہمارے بیرون ملک آپریشن متاثر ہوئے۔ دہشت گردی کی جنگ میں ایک بار سر نیڈر کرنے کے بعد ہم گرتے ہی چلے گئے اور حتیٰ کہ بھارت جیسا ازلی دشمن اور ریاستی دہشت گردی کا بانی ملک ہمیں طعنے اور گالیاں دینے لگا جو ہم خاموشی سے سننے لگے۔ بیرون ملک آپریشن بند ہونے سے بھارت کو فری ہینڈ ملا اور کشمیر میں اسے ریلیف دینے کا صلہ یہ ملا کہ اس نے ہمارے ملک کے مختلف حصوں میں مداخلت شروع کر دی۔ جس عشرے میں ہمارے سلامتی کے ادارے انحطاط پذیر ہوئے اسی دوران میں بھارت نے مغرب کے تعاون سے اپنے سلامتی کے اداروں کو نئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرے سے منظم اور مضبوط کیا اور اپنے ملک میں ان کا وسیع جال بچھا دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب بھارت کے پاس ریاستی اداروں کا بہت بہتر نظام موجود ہے جو اس کی سلامتی کو لاحق کسی بھی خطرے سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس لیے مجھے ذرا بھی شک نہیں تھا کہ بھارتی یہاں تک رسائی حاصل کر سکتے تھے اور درحقیقت میں مگر مچھ کے جبڑے میں موجود ہونے جیسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار تھا۔ جس لمحے یہ جبڑے آپس میں ملتے میں ان کے شکنجے میں آجاتا۔ میں صرف اللہ کے بھروسے پر تھا اور بہ ظاہر اس کا امکان کم تھا کہ میں یہاں سے صحیح سلامت نکل سکوں گا یا سادی کو واپس حاصل کرنے کے مشن میں کامیاب ہوں۔ مگر ساتھ ہی مجھے تجربہ تھا کہ صبر اور تحمل کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے سے کوئی نہ کوئی راہ نکل آتی ہے۔ میں لیٹا ہوا تھا اور جب نیند کے جھونکے آنے لگتے تو اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ رات میں راج کنور نے اٹھ کر واش روم جانے کی فرمائش کی اور مجبوراً مجھے یہ ناگوار کام کرنا پڑا تھا اسے سہارا دے کر واش روم تک لے گیا اور پھر وہاں سے واپس لایا۔

باہر سردی اچھی خاصی تھی، اس کے مقابلے میں کاٹیج میں سردی کم تھی۔ اس کی نچلی منزل کا فرش اور دیواریں پتھر سے بنی تھیں جب کہ چھت اور اوپری منزل لکڑی سے بنی تھی یہی وجہ تھی یہاں موسم کی شدت کا اثر کم تھا۔ چھ بجے روشنی ہوئی اور اوپر کھٹ پٹ ہونے لگی تھی۔ شاید سیتا دیوی اور اس کے بچے جاگ گئے تھے۔ میں نے ڈاکٹر گپتا سے کہا تھا کہ ہمیں نو بجے ناشتہ درکار ہوگا۔ رات میں نے ایک بار بیتو کو اٹھا کر اینٹی بایوٹک دوا دی تھی۔ اس وقت تک پین کلر انجکشن کا اثر تھا لیکن سات بجے اس کی آنکھ کھلی تو اسے تکلیف شروع ہوگئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''فکر مت کرو ناشتے کے بعد تمہیں پین کلر دیتا ہوں۔''

''آپ جاگتا رہا رات بھر؟''

''ہاں مجبوری تھی میں نہیں سو سکتا تھا خیر میں ناشتے کے بعد سو جاؤں گا۔ ابھی ان دونوں کو دوبارہ انجکشن دینا ہے۔''

''پہلے دے دو۔'' بیتو نے مشورہ دیا۔

آٹھ بجے اثر ختم ہو جاتا۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ میں نے انجکشن نکالے اور پہلے راج کنور کو لگایا۔ اس نے بلا جھجک بازو آگے کر دیا۔ اس کے بعد میں نے آئی کن کو انجکشن دیا۔ اس نے بھی مزاحمت نہیں کی تھی۔ بیتو جاگ رہا تھا اس لیے میں واش روم سے ہو کر آیا اس کے بعد بیتو گیا۔ آخر میں آئی کن میرے ساتھ گیا۔ اس پر ڈیڈ میں ناشتے کا وقت قریب آگیا تھا۔ میں آئی کن کے ساتھ گیا تھا اور جب واپس آیا تو برآمدے میں ایک جوان اور دلکش عورت موجود تھی۔ اس نے سردی سے قطع نظر روایتی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ مختصر سرخ بلاؤز اور ساڑھی میں اس کا سراپا نمایاں تھا۔ صاف رنگت جسے گوری تو قرار نہیں دیا جا سکتا تھا مگر وہ سانولی بھی نہیں تھی۔ بندھے ہوئے لائٹ براؤن بال اور اسی رنگ کی آنکھیں تھیں۔ نقوش بھی اچھے تھے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا تو میں نے سر ہلا کر جواب دیا۔

''ناشتہ تیار ہے۔'' وہ بولی۔

''لے آؤ۔'' میں نے کہا پھر مجھے خیال آیا۔ ''سیتا دیوی سے ملاقات ہو سکتی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دلآویز انداز میں مسکرائی۔ ''آپ سیتا دیوی سے ہی مل رہے ہیں۔''

میں دنگ رہ گیا۔ میرے خواب وخیال میں نہیں تھا کہ شوکیہ گپتا اور سبھاش گپتا جیسے منحوس صورت بھائیوں کی بہن اتنی خوب صورت ہوگی۔ وہ ان کے مقابلے میں کم عمر بھی تھی۔ اس کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے معذرت کی۔ ''سوری میں سمجھا تھا کہ آپ ایجڈ ہوں گی..... اور آپ گڈ لک بھی ہیں۔''

''تھینک یو۔'' وہ مسکرائی اور پلٹ کر چلی گئی۔ اس کی چال بھی دلکش تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ جوان اور خوب صورت عورت تھی اور اس نے اتنی آسانی سے چار اجنبی افراد کو اپنے گھر میں ٹھہرایا تھا۔ بے شک یہ کرایا باقی گھر سے الگ تھا لیکن تھا تو گھر کا ایک حصہ اور اس کا کھانے کے لیے ہمارے پاس آنا جانا رہتا۔ اس کا اعتماد قابلِ داد تھا۔ دس منٹ بعد ایک دس سال کے بچے کے ساتھ ٹرالی میں ناشتہ لے آئی۔ لڑکا صورت سے اس کا بیٹا لگ رہا تھا۔ اس نے سلیقے سے قالین پر دسترخوان بچھایا اور ٹرالی سے ناشتے کا سامان اٹھا کر سجانے لگا۔ پراٹھے کپڑے میں لپٹے اور گرم تھے۔ انڈوں کا خاگینہ اور ابلے ہوئے انڈے الگ تھے۔ نمک اور کالی مرچ ساتھ تھی۔ ڈبل روٹی، مکھن اور ایک کٹوری میں شہد بھی تھا۔ یہ اچھا اور بھرپور ناشتہ تھا۔ چائے خاص کیتلی میں تھی جس میں یہ دیر تک گرم رہتی۔ سب سے اچھی بات کہ دودھ اور شکر الگ سے تھے۔ برتن بہت اچھے والے تھے۔ پانی کا جگ اور گلاس الگ سے تھے۔ ناشتہ لگانے کے بعد سیتا دیوی نے کہا۔ ''آپ ناشتہ کرلیں میرا بیٹا پراوین برتن لے جائے گا۔''

''ٹھیک ہے آپ آدھے گھنٹے بعد پراوین کو بھیج دے گا۔'' میں نے کہا اور ان کے جاتے ہی سب ناشتے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ رات کا کھایا پیا رات میں ہی ہضم ہوگیا تھا۔ اَن فٹ بیتو اور راج کنور بھی پورا ساتھ دے رہے تھے۔ آدھے گھنٹے میں دسترخوان کی ہر چیز ہمارے پیٹوں میں منتقل ہوگئی تھی، اس میں دس پراٹھے بھی شامل تھے۔ اپنی اپنی پسند کی چائے پی کر سب خود کو آسودہ محسوس کرنے لگے تھے۔ میں نے بچ جانے والے دودھ کے ساتھ بیتو کو دوا کھانے پر مجبور کیا۔ آدھے گھنٹے بعد پراوین آکر برتن لے جانے لگا تو میں نے اس سے کہا۔ ''بیٹا اپنی امّا جی سے کہو میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ برتن سمیٹ کر لے گیا اور میں بھی باہر برآمدے میں نکل آیا۔ سیتا دیوی کچھ دیر بعد اندر سے برآمد ہوئی۔ وہ غالباً کام کرتی ہوئی آئی تھی کیونکہ اس نے ساڑھی کا پلو اڑس رکھا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اتنے اچھے ناشتے کا شکریہ..... اب ہم رات کو کھانا کھائیں گے۔''

''دوپہر میں نہیں کھائیں گے؟''

''نہیں میں آپ کو زیادہ مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔''

''مشکل تو نہیں ہوگی۔'' اس نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔ شاید اس لیے کہ اب تین وقت کے بجائے دو وقت کے کھانے کی رقم ملے گی۔ وہ یقیناً اس سے بھی اچھا خاصا بچا رہی ہوگی۔ ''مجھے بتا دیں کیا کھانا ہے میں بنا دوں گی۔ گوشت والی ڈش بھی بنا سکتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے مٹن کڑاہی بنا لیجیے گا اس کے علاوہ جو ہو وہ ویجی ٹیرین ہو۔'' میں نے اسے پانچ سو کا ایک نوٹ دیا جو اس نے اپنے بلاؤز میں غائب کر دیا۔ ''دوسرے ہم اب کمرے میں رہیں گے بلاضرورت کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر نہیں آئے آپ بھی اگر کسی سے ہمارا تذکرہ نہ کریں تو اچھا ہوگا۔ ہمیں لوگوں کی توجہ نہیں چاہیے۔"

اس نے بغیر کسی تاثر کے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے، ویسے آپ نے اور کتنے دن رکنا ہے؟"

"کم سے کم آج رات اور..... میرے ساتھی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہماری گاڑی مکان کے ساتھ کھڑی ہے اگر کوئی پوچھے تو آپ لاعلمی ظاہر کرے گا۔"

"ٹھیک ہے دن میں چائے، کافی، پانی یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو دروازے کو بجا کر بول دے گا۔"

اپنے بھائیوں کی نسبت اس کی زبان صاف ستھری اور کسی حد تک دہلی والوں کی سی تھی۔ شاید وہ اچھے کالج سے پڑھی ہوئی تھی۔ اب مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ ڈاکٹر کی بہن تھی بھی یا گپتا نے اسے منہ بولی بہن بنایا ہوا ہے۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے یہ سوال پوچھ لیا تو وہ ہنسی۔

"سب یہی سمجھتے ہیں، لیکن میں شوکیہ اور سبھاش کی اکلوتی بہن ہوں۔ ان سے پورے پندرہ اور تیرہ سال چھوٹی ہوں۔ وہ پتاجی پر گئے ہیں میں ماتاجی پر گئی ہوں۔ ابھی کچھ چاہیے؟"

اس نے خود پیش کش کی تھی اس لیے میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ "ہاں اگر کافی مل جائے..... کھانے کے علاوہ بھی جو آپ دیں گی اس کی بھی ادائیگی ہوگی۔"

وہ خوش ہوگئی۔ "میں بھیجتی ہوں۔"

میں کمرے میں آیا تو راج کنور اور آئی کن اونگھ رہے تھے حالانکہ وہ ساری رات سوئے تھے۔ شاید بھاری ناشتہ کر کے انہیں اونگھ آ گئی تھی۔ ابھی تک آئی کن نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ اسے جانا ہے اور اس کے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اچانک اس کی جیکٹ سے موبائل کی بیل بجی اور اس نے موبائل نکالا۔ "ایک منٹ کال ریسیو مت کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "کس کی کال ہے؟"

آئی کن نے موبائل دیکھا۔ "میری بیوی کی۔"

"او کے اسے بتاؤ کہ تم سیاحوں کے ساتھ ہو اور کچھ دن میں واپس آؤ گے وقت کا بتا نہیں سکتے۔"

اس نے سر ہلا کر کال ریسیو کی اور نارمل انداز میں جو میں نے کہا تھا وہ اپنی بیوی سے کہہ دیا لیکن اس کا انداز مناسب تھا اس لیے اس کی بیوی کو شک نہیں ہوا کہ وہ کسی مشکل میں ہے۔ مجھے خیال نہیں آیا کہ اس کے پاس موبائل ہو سکتا ہے۔ جب اس نے بیوی سے بات کر لی تو میں نے اس سے موبائل لے کر آف کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ گاڑی کی چابیاں پہلے ہی میرے قبضے میں تھیں۔ راج کنور کے پاس کچھ نہیں تھا پھر بھی میں نے احتیاطاً اس کی تلاشی لی۔ بیتو غور سے دیکھ رہا تھا اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "شوبی انجکشن نے بچا لیا ورنہ ان دونوں کے ساتھ تو مارا جاتا۔"

"یہ دوا بڑے کام کی چیز ہے شیر کو بکری بنا دینے والی۔"

"یہ شیر نہیں کتا ہے۔" بیتو نے راج کنور کی طرف دیکھا۔ "پر ابھی دُم دبائے بیٹھا ہے۔"

اس بے عزتی پر بھی راج کنور نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا اس وقت وہ یقینی طور پر انجکشن کے زیر اثر تھا۔ اگر دوا میں گڑبڑ ہوتی تو آئی کن پر بھی اثر نہ ہوتا۔ "تکلیف میں کمی ہوئی ہے؟"

بیتو نے سر ہلایا۔ "ابھی بہتر ہے۔ آپ سو جاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کافی منگوائی ہے وہ پی کر سوؤں گا۔''

پراوین کافی کا مگ لایا تھا۔ یہ سلیقے سے چھوٹی ٹرے میں اور ڈھکا ہوا کپ تھا۔ ہم خوش قسمت تھے کہ ایک گھر میں اچھے ہوٹل والی سہولتیں حاصل کر رہے تھے اور یہاں ہم سے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں تھا۔ سیتا دیوی سادہ مزاج عورت تھی۔ اس نے صورت دیکھ کر مجھ پر اعتبار کر لیا تھا اور صرف کنڈی کے سہارے خود کو محفوظ سمجھ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ہماری جگہ سچ مچ کے مجرم اور جرائم پیشہ ہوتے تو اس کی جان، مال اور آبرو سب خطرے میں ہوتی۔ کافی پی کر میں لیٹ گیا اور سونے سے پہلے بیتو سے کہا۔ ''تم ٹھیک چار بجے مجھے جگا دینا، درمیان میں تمہیں دوا بھی لینی ہے۔''

''شوبی اب کھانا کب ملے گا؟''

''شام میں.....'' میں نے کہا۔ ''اس دوران میں کمرے سے باہر مت جانا اور کوئی ایمرجنسی ہو تو مجھے فوراً اٹھا دینا۔''

''آپ فکر مت کرو۔''

میں مسلسل جاگ رہا تھا۔ گزشتہ چھتیس گھنٹے سے زیادہ وقت میں مجھے مشکل سے دو ڈھائی گھنٹے سونے کا موقع ملا تھا مگر پریشانی کی وجہ سے نیند حاوی نہیں ہو پا رہی تھی، اس وقت بھی سونے میں کچھ وقت لگا۔ مگر یہ مدہوش اور بے خواب نیند تھی۔ ساڑھے چار بجے بیتو نے مجھے اٹھا دیا۔ میں نے انگڑائی لی۔ چھ گھنٹے کی نیند نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''اس دوران میں کچھ ہوا تو نہیں؟''

''نہیں۔'' بیتو بولا۔ ''ہم نے دوا لے لیا ہے درد بڑھ گیا تھا اب ٹھیک ہے۔''

میں اٹھ کر باہر آیا اور دروازہ بجایا۔ ایک چھوٹی بچی نے دروازہ کھولا اور معصومیت سے بولی۔ ''جی انکل۔''

''بیٹا اپنی ماتا جی سے کہو ہمیں چائے چاہیے۔''

بچی سات آٹھ سال کی تھی اس لیے مجھے امید تھی وہ ماں تک بات پہنچا دے گی۔ میں واش روم میں آیا۔ ابھی دن تھا اور موسم اتنا سرد نہیں تھا لیکن پانی خاصا سرد تھا۔ اس کے باوجود میں نے دل کڑا کر کے غسل کر لیا۔ دریا کی ریت اب تک جسم سے چپکی محسوس ہو رہی تھی، غسل کر کے میں تازہ دم ہو گیا تھا۔ کپڑے صاف ستھرے تھے۔ اس علاقے میں پسینا آتا ہے اور نہ دھول مٹی ہوتی ہے۔ میں خوش خوش واپس آیا تو بیتو نے حسرت سے مجھے دیکھا۔ ''آپ مزے سے نہا لیا ہم ابھی نہیں نہا سکتا۔''

''ہاں جب تک زخم ٹھیک نہیں ہو جاتا تم نہیں نہا سکتے۔'' میں نے تائید کی۔ ''واش روم جانا ہے کسی نے؟''

آئی کن اور راج کنور دونوں نے جانا تھا۔ میں باری باری انہیں لے گیا۔ اس دوران میں چائے آ گئی تھی یہ صبح کی طرح گرم رکھنے والی کیتلی میں اور دودھ و شکر الگ سے تھی۔ چائے کی پتی بھی اعلیٰ درجے کی تھی۔ بیتو نے غسل تو نہیں کیا تھا لیکن تقریباً نہا لیا تھا۔ نچلے حصے پر پانی بہایا تھا اور اوپر گیلے کپڑے پھیر لیے تھے۔ وہ بھی آیا تو تکلیف کے باوجود خوش تھا۔ ''شوبی مزہ آ گیا۔'' اس نے مسرور لہجے میں کہا۔ ''پانی ٹھنڈا پر مزے کا ہے ہم کو یاد آ گیا، بچپن میں ماں ہم کو پکڑ کر نہلاتا تھا، ہم بھاگتا تھا نہیں نہاتا تھا۔''

''بچپن میں سب ایسا کرتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی آپ خوش قسمت ہے۔'' اچانک وہ اداس ہوگیا۔ ''آپ کا ماں باپ..... بہن بھائی سب آپ کے پاس ہے..... آپ سے محبت کرتا ہے..... ہمارا ماں باپ بہن بھائی سب بھگوان کے پاس چلا گیا۔''

میں اس کے پاس آبیٹھا۔ ''ہاں یہ اوپر والے کی مرضی ہے۔ پر وہ تم سے محبت کرتے ہوں گے اور اب تم ہمارے ساتھ ہو کیا تمہیں ہم میں سے کسی کی محبت پر شک ہے۔ سفیر تم سے کتنا لڑتا ہے تمہیں تنگ کرتا ہے لیکن جب میں نے اسے بتایا کہ تم زخمی ہو تو وہ بے قرار ہوگیا تھا۔ تم سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن تم سو رہے تھے۔''

بیتو کا چہرہ چمکنے لگا۔ ''ہم جانتا ہے آپ سب ہم سے بہت محبت کرتا ہے۔ ہم کو پتا ہے آپ کا حویلی کے زنانے میں کوئی باہر کا مرد نہیں جا سکتا پر ہم بابا سے چھپ کر وہاں گھسا رہتا تھا۔ بابا بھی منع نہیں کرتا، پر ہم کو اچھا نہیں لگتا تھا اور کوئی منع نہیں کرتا تھا۔ ماں جی ہم کو بہت پیار کیا۔ ہم کو بیٹا بنا لیا۔ سویرا اور شمی دیدی نے ہم سے کہا کہ شوبی جب حویلی واپس آئے گا ہم آپ کے ساتھ ہوگا۔''

''ہاں تم میرے ساتھ ہو گے۔'' میں نے کہا۔ ''باقی سب میرے ساتھی ہیں لیکن تم میرے وجود کا ایک حصہ ہو۔''

''سفیر بھائی بولتا ہم آپ کا دستِ ناراست ہے۔'' بیتو نے شکوہ کیا۔

میں ہنسا۔ ''حالانکہ وہ نالائق خود ایسا ہے۔ تم میرے کارآمد بازو ہو۔''

بیتو بہت سادہ انسان تھا وہ اس خیال سے خوش ہوگیا کہ اب ہماری عمر میرے ساتھ رہے گا۔ وہ سارا دن جاگتا رہا تھا اور تھکن بھی ہو رہی تھی پھر اسے آنے والی رات میں بھی جاگنا تھا اس لیے وہ سو گیا۔ پراوین چائے کے برتن لینے آیا تو میں نے اس سے کہا۔ ''بیٹے اپنی ماتا جی سے کہو ڈاکٹر گپتا کو بلا لیں، میرے ساتھی کی پٹی تبدیل کرنی ہے۔''

مجھے شبہ ہوا تھا کہ بیتو نے بے احتیاطی سے کام لیا تھا اور پانی کا اثر زخم تک نہ گیا ہو اس لیے میں چوبیس گھنٹے سے پہلے پٹی تبدیل کرانا چاہتا تھا۔ پراوین نے کچھ دیر بعد بتایا۔ ''انکل..... شوکیہ ماموں سات بجے آئیں گے۔''

یہ بھی اچھا تھا بیتو اتنی دیر سو لیتا اور پھر اس کے بعد کھانا کھا کر دوبارہ سو جاتا میں، اسے دو تین بجے اٹھا کر خود سو سکتا تھا۔ ابھی تک میں نے سوچا نہیں تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ بیتو اس قابل ہو جائے کہ بھاگ دوڑ کر سکے۔ اس میں اسے کم سے کم تین دن لگتے۔ یہاں زیادہ دیر رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن یہاں سے نکل کر کہاں جاتے۔ اگر شملہ کی طرف جاتے تو امکان تھا بھارتی ایجنسیاں سب سے زیادہ وہیں سرگرم ہوں گی۔ یہ تو بھیڑیوں کے بھٹ کے جانے کے مترادف ہوتا۔ اس لیے بہتر یہی تھا جب تک ہمیں یہاں کوئی مسئلہ نہ ہو ہم یہیں رکیں۔ ڈاکٹر گپتا اور اس کی بہن اپنے کام سے کام رکھنے والے لوگ تھے۔ سات بجے ڈاکٹر آگیا اس نے بیتو کو جگا کر اس کے زخم کی دوسری ڈریسنگ شروع کی۔ توقع کے برخلاف اس کا زخم بہت بہتر حالت میں تھا۔ وہ خشک ہو رہا تھا اور اس کا منہ بھی چھوٹا ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر گپتا نے صفائی کی ضرورت محسوس نہیں کی اس نے پاؤڈر چھڑک کر اوپر سے روئی رکھ کر دوسری پٹی رکھ کر اسے ٹیپ سے چپکا دیا۔ احتیاطاً اس نے بیتو کو ایک اور اینٹی بایوٹک انجکشن دے دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس سے زخم جلدی بھرے گا۔'' اس نے اپنا بیگ بند کرتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگوں کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟''

''نہیں بلکہ بہت آرام ہے، مجھے شرمندگی ہوتی ہے سیتا دیوی ہمارا زیادہ ہی خیال رکھ رہی ہیں۔''

''وہ اچھی عورت ہے پر قسمت خراب ہے۔'' ڈاکٹر گپتا نے کہا۔ ''ابھی جوان ہے خوب صورت ہے دوسرا پتی مل جائے گا پر مانتی نہیں ہے۔''

''اسے اپنے سورگباسی پتی سے بہت محبت ہوگی۔''

اس بات پر ڈاکٹر گپتا کا چہرہ عجیب سا ہوا تھا مگر صرف ایک دو لمحے کے لیے پھر وہ نارمل ہوگیا اور سر ہلاتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ ''کوئی بات کہنی ہے۔''

''نہیں رات کے کھانے کا میں نے صبح ہی کہہ دیا تھا۔''

اس شام بادل آگئے تھے اور کچھ سرد ہوا بھی چل رہی تھی کبھی کبھی پھوار سی پڑتی تھی اس سے موسم اور سرد ہو رہا تھا۔ آٹھ بجے کھانا آگیا اور کھانا کے بعد چائے پی کر سب کمبلوں میں گھس گئے۔ آج موسم کل سے زیادہ سرد تھا۔ نو بجے بارش شروع ہوگئی تھی۔ بارش تیز نہیں تھی لیکن ایک مستقل رفتار سے ہو رہی تھی۔ بوندیں گرنے کی آوازیں خاموشی میں نمایاں تھیں۔ بیتو دوالے کر پھر سو گیا تھا۔ راج کنور اور آئی کن بھی سو رہے تھے یا کمبلوں میں دبکے لیٹے تھے۔ انجکشن نے انہیں بندہ بے دام بنا دیا تھا ان کی طرف سے کسی حرکت یا سوالات کا اندیشہ بھی نہیں رہا تھا۔ گرم کمبل میں لیٹے رہنے سے مجھے بھی اونگھ آنے لگی تھی۔ کبھی کبھی نیند کا جھونکا آتا لیکن پھر میں چونک جاتا۔ ایسے ہی ایک بار چونکا تو میں سمجھا شاید ایسے ہی چونکا ہوں مگر فوراً ہی کسی گاڑی کا انجن زور سے غرایا جیسے بند کرنے سے پہلے انجن کو ریس دی جاتی ہے اور پھر انجن بند ہوگیا۔

میں چوکنا ہو کر اٹھا اور سامنے والی کھڑکی سے پردہ ہٹا کر باہر دیکھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ کاٹیج کے ڈرائیوے کے سامنے ایک بڑی جیپ رکی تھی اور پھر اس سے ایک شخص اتر کر اندر آیا۔ اس نے ہاتھ اندر ڈال کر گیٹ کی کنڈی کھولی اور بے تکلف اندر آگیا۔ جاگنے کے بعد میں نے خطرہ محسوس کیا تھا اور مجھے خیال آیا کہ میری بو سونگھنے والے کتے یا آخر یہاں تک آگئے تھے مگر حواس بحال ہونے اور ایک شخص کے یوں بے تکلفانہ اندر آنے سے مجھے اپنا خیال غلط لگا تھا۔ اول تو اتنے زور و شور سے گاڑی نہیں روکی جاتی دوسرے آنے والا ایک نہیں ہوتا اور نہ وہ یوں منہ اٹھائے آتا۔ اس کے باوجود میں نے پستول نکال لیا اور بیتو کو ہلایا وہ جاگ گیا۔ ''کیا کیا ہوا شوبی؟''

''باہر کوئی ہے۔'' میں نے کہا اور کمرے کی لائٹ آف کر دی۔ کمرے میں تین چھوٹے انرجی سیور جلتے تھے، رات کو ان میں سے دو آف کر دیے جاتے تو تیسرا نائٹ بلب بن جاتا۔ میں نے اسے بھی آف کر دیا اور اب کمرے میں اندھیرا تھا صرف برآمدے میں جلنے والی لائٹ کی ہلکی سی روشنی پردے سے چھلک کر اندر آ رہی تھی۔ آنے والا لکڑی کی سیڑھیاں چڑھتا اور عملاً انہیں بجاتا ہوا برآمدے میں آیا اور اس نے سیتا دیوی کے دروازے کی کال بیل بجائی۔ اندر کہیں ہلکی سی مترنم گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ میں نے اٹھ کر اپنا تکیہ اور کمبل دروازے کے سامنے سے ہٹایا اور آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ گھر کے اندر جانے والا دروازہ مشکل سے پانچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فٹ کے فاصلے پر تھا۔ مجھے تجسس تھا کہ آنے والا کون تھا اور اتنی رات گئے یہاں کیوں آیا تھا۔ سیتا نے دروازہ نہیں کھولا تھا اس نے ایسے ہی پوچھا۔

''کون ہے؟''

''تیرا پتی.....'' آنے والے نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔ وہ نشے میں لگ رہا تھا۔ ''دروازہ کھول.....''

''ارون۔'' سیتا کی برہم آواز آئی۔ ''تُو یہاں کیوں آیا اب تیرا میرا کوئی سمبندھ نہیں ہے۔''

''سمبندھ تو ہے، یہ دو بچے تُو اپنے میکے سے لائی تھی۔ دروازہ کھول۔''

''تُو مجھے طلاق دے چکا ہے۔'' سیتا کی آواز تیز ہوگئی۔ ''اب یہاں سے چلا جا اس سے پہلے میں پولیس کو کال کروں۔''

ارون ہنسا۔ ''کردے تُو جانتی ہے یہاں کی پولیس میرا نام سنتے ہی فون [illegible]ے گی۔ وہ میرے کتے ہیں میرا کھاتے ہیں مجھ پر کیسے بھونک سکتے ہیں۔''

سیتا کو چپ لگ گئی تھی۔ یہ انکشاف تھا وہ بیوہ نہیں مطلقہ تھی اور اس کا سابق شوہر ارون بدمعاش قسم کی چیز تھا۔ اس وقت بھی وہ بدمعاشی کے ارادے سے آیا ہوا تھا۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ سیتا کے شوہر کے ذکر پر ڈاکٹر گپتا کا چہرہ متغیر کیوں ہوگیا تھا۔ سیتا نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''تُو کیا چاہتا ہے؟''

''بچوں کو دیکھوں گا تجھ سے کچھ پیار بھری باتیں کروں گا اور چلا جاؤں گا۔'' ارون کے لہجے سے خباثت جھلک رہی تھی۔

''تیرا میرا کوئی رشتہ نہیں ہے، پیار کی باتیں ان کتیاؤں سے کر جن کے پاس تُو اُس وقت گھسا رہتا تھا جب میں تیری بیوی تھی۔ بچوں سے ملنا ہو تو صبح آنا دن کی روشنی میں، تُو اچھی طرح جانتا ہے میں شریف عورت ہوں۔''

ارون نے دروازے پر لات ماری۔ ''کھول دروازہ..... ورنہ.....'' اس کی آگے کی بات ناقابلِ بیان تھی۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی تھی۔ مگر میں نے کوئی حرکت نہیں کی۔

''ارون چلا جا..... یہاں سے چلا جا.....'' سیتا رونے لگی۔ ''میرا تجھ سے اب کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق ہو جائے گا تُو دروازہ کھول.....'' ارون نے مزید بکواس کی۔ ''آخر تُو نے گھر میں ہوٹل بھی تو کھول رکھا ہے غیر مردوں کی سیوا کرتی ہے آج میری کرلے اور تیرے لیے کون سی نئی بات ہوگی۔''

''ارون چلا جا..... یہ دروازہ تجھ پر ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے۔''

جواب میں ارون نے دروازے پر مزید چند ٹھوکریں ماریں اور بکواس کی۔ مجھے لگا کہ اب میری برداشت کی حد جواب دے جائے گی اور میں باہر نکل کر اس گھٹیا شخص کو ماروں گا۔ مگر ایسی نوبت آنے سے پہلے وہ بکتا جھکتا وہاں سے دفع ہوگیا اور جانے سے پہلے اس نے جان بوجھ کر جیپ کا ہارن زور زور سے بجایا۔ سیتا شاید دروازے سے لگی کھڑی تھی کیونکہ اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے بہت آہستگی سے دروازہ بند کردیا اور پھر مجھے احساس ہوا کہ میرا چہرہ جو دروازے کے کھلے حصے سے لگا ہوا تھا برف ہو رہا تھا۔ کمبل اور کمبل ٹھیک کرکے میں نے بیتو سے سونے کو کہا تو وہ بولا۔ ''اس کا آدمی کتنا خراب ہے ہمارا دل چاہ رہا تھا باہر نکل کر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا زبان کھینچ لے۔"

"اگر وہ ایک دو منٹ اور نہ جاتا تو اس کے ساتھ یہی ہوتا۔" میں نے کہا۔ "اتنی اچھی عورت اور قسمت دیکھو..... ایسا لگتا ہے اس دنیا میں اب خوشیاں کم ہو گئی ہیں اور ہر گھر میں دکھ زیادہ ہو گئے ہیں۔"

"اس سے شادی کر کے غلطی کیا۔ پر اچھا کیا جو طلاق لے لیا۔"

مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے پانی پیا۔ سیتا نے دو لیٹر کی بوتل اور گلاس بھیج دیا تھا تا کہ ہمیں پانی کا مسئلہ نہ ہو۔ تین بجے بیتو کو جگا کر اسے دوا دی اور میں سو گیا۔ رات کے کھانے کے برتنوں کے ساتھ ہی اگلے چوبیس گھنٹے کا کرایہ اور صبح ناشتے کی رقم دے دی تھی۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے بیتو نے اٹھایا۔ "شوبی سیتا دیوی آپ کو بلاتا۔"

پراوین آیا تھا۔ میں جوتے پہن کر اس کے ساتھ گیا۔ میرا خیال تھا کہ سیتا دیوی باہر ہو گی مگر وہ دروازے کے اندر تھی۔ اس نے مجھے اندر بلا لیا۔ اس نے شال لپیٹ رکھی تھی اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ مجھے لگا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور اس نے تصدیق بھی کر دی۔ "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں آپ لوگوں کے لیے ناشتہ نہیں بنا سکوں گی۔" اس نے معذرت بھرے انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں ہم باہر سے ناشتہ منگوا لیتے ہیں کیا آپ کا بیٹا لا دے گا؟"

"ہاں..... آں۔" اس نے مشکل سے کہا۔ اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں اچانک وہ لہرائی اور اس سے پہلے وہ گرتی میں نے اسے تھام لیا۔

"سیتا دیوی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ مگر وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کا بدن جل رہا تھا۔ میں نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا اور پراوین سے پوچھا۔ "بیٹا آپ کی ماما کی طبیعت خراب ہے۔ ان کا کمرا کہاں ہے؟"

وہ ماں کی حالت دیکھ کر پریشان تھا۔ "اوپر ہے۔"

"مجھے دکھاؤ۔" میں نے کہا اور اس کی رہنمائی میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا۔ سیتا دیکھنے میں مناسب جسامت کی لگتی تھی لیکن اس کا وزن اتنا زیادہ نہیں تھا۔ اس کا بیڈ روم خوب صورتی سے آراستہ تھا۔ بیڈ ڈبل تھا، فرش پر قالین بچھا تھا۔ ایک طرف شیشم کی ڈریسنگ اور الماری تھی۔ میں نے اسے بیڈ پر لٹا دیا اور اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کر کے نبض چیک کی۔ نبض سست مگر خطرے کی بات نہیں تھی۔ اس نے یقیناً رات والے واقعے کی ٹینشن لی تھی اور اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ جب تک میں نے اس کا معائنہ کیا پراوین نے اپنے ماموں کو کال کر دی۔ کیونکہ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ واپس چلا جاؤں۔ پراوین کو اپنی ماں کا خیال رکھنے کا کہہ کر میں نیچے آیا اور دروازے سے باہر نکلا تھا کہ ٹھٹک گیا۔ سامنے اردن موجود تھا۔ وہ گورے چٹے رنگ کا مگر مکروہ صورت شخص تھا۔ ممکن ہے اس کے کرتوت اتنے سیاہ نہ ہوتے تو وہ خوب صورت لگتا۔ اس نے چبھتی نظروں سے مجھے دیکھا۔ "تم کون ہو اور اندر کیا کر رہے تھے؟"

"میں یہاں پے انگ گیسٹ ہوں، ناشتے کا کہنے گیا تھا مگر بچے نے بتایا کہ سیتا دیوی کی طبیعت خراب ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا طبیعت خراب ہے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''رات ایسا کیا کیا؟''

''تم کون ہو؟'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''مجھ سے فضول کی باتیں کیوں کر رہے ہو جب کہ میں تمہیں جانتا بھی نہیں ہوں۔''

''بہتر ہے مجھے جان لو، میں ارون کمار ہوں۔''

''ایک اور کمار۔'' میں نے زیرلب کہا اور کسی قدر طنزیہ انداز میں پوچھا۔ ''سچ مچ کے کمار ہو یا بنے ہوئے ہو؟''

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا اور میرے قریب آ کر اچکنے کی کوشش کی۔ اس کا قد مجھ سے چار انچ کم تھا اس لیے کوشش کے باوجود وہ میرے چہرے کے سامنے نہ آ سکا۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میرا نام پیدائش سے ارون کمار ہے۔''

''او کے مسٹر ارون کمار، اگر تم یہاں رہائش کے ارادے سے آئے ہو تو یہاں کا واحد کمرا میں لے چکا ہوں۔''

''کمرا۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''یہ پورا گھر میرا ہے۔ میں سیتا کا پتی ہوں۔''

''رئیلی میں نے سنا ہے تم مر چکے ہو، آئی مین سیتا دیوی بیوہ ہے تو اس کا شوہر مر چکا ہے۔''

''اس نے بکواس کی ہے، ہر ایک سے جھوٹ بولتی ہے۔ کسی سے کہتی ہے بیوہ ہے اور کسی کو ڈائیورس کا بتاتی ہے۔''

''تمہارا اور اس کا ذاتی معاملہ ہے۔'' میں نے ڈاکٹر گپتا کو اندر آتے دیکھ کر کہا۔ درحقیقت میں اسی لیے اس گھٹیا آدمی سے باتوں میں الجھایا ہوا تھا کہ ڈاکٹر آ جائے ورنہ یہ اندر گھس جاتا اور نہ جانے وہ کس ارادے سے آیا تھا۔ ڈاکٹر گپتا اسے دیکھ کر تیزی سے آگے آیا اور اس نے نفرت سے کہا۔

''تم..... اب یہاں کیوں آیا ہے؟''

''یہ میرا گھر ہے۔'' ارون نے ڈھٹائی سے کہا۔

''مجھ سے بھی اس نے یہی کہا ہے۔'' میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''سیتا دیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ شاید بے ہوش ہو گئی۔''

''تم سے بعد میں بات کرتا ہے۔'' ڈاکٹر گپتا نے کہا اور تیزی سے اندر چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ دروازہ اندر سے بند کر گیا تھا۔ کیونکہ ارون نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو ناکام رہا۔ میں مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گیا پیچھے سے میں نے ارون کو بلی زبان میں گالیاں دیتے سنا، نہ جانے اس کا ہدف کون تھا۔ سب سراپا انتظار تھے۔ میرے نہیں ناشتے کے کیونکہ رات کا کھانا ہضم ہو چکا تھا۔ میں نے اطلاع دی۔

''فی الحال صبر کیونکہ سیتا دیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹر گپتا اسے دیکھنے آیا ہے۔ وہ ٹھیک ہو گی تو براہ راست ہمیں باہر سے ناشتہ لا دے گا۔''

بیتا کا منہ لٹک گیا۔ ''باہر کا ناشتہ..... ڈبل روٹی اور مکھن۔''

''حلوہ پوری بھی مل سکتی ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''بہت دن ہو گئے کھائے ہوئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم کو بھی حلوہ پوری کھائے بہت دن ہو گئے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے تم لوگ دن رات باہر سے کھاتے تھے تو حلوہ پوری کیسے نہیں کھائی ہو گی؟''

بیتو جھینپ گیا۔ ''آنے سے بس ایک دن پہلے کھایا تھا۔ سفیر بھائی لایا تھا کہیں سے، بہت مزے کا تھا۔''

''یعنی صرف تین دن پہلے اور ایسا لگ رہا ہے جیسے تم نے ایک سال سے حلوہ پوری نہیں کھائی۔''

''آپ نے آخری بار کب کھایا تھا؟''

''جب یہاں سے نکلے تھے۔ شملہ کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔''

بیتو ہنسا۔ ''یعنی تین دن ہوا ہے۔''

اس بار میں جھینپ گیا۔ ''منے تم سچ مچ تیز ہو گئے ہو۔ میرا خیال ہے تمہیں سرحد پار چین بھیج دیا جائے۔''

''ہم چین نہیں جائے گا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''آپ نے وعدہ کیا ہے ہم آپ کے پاس رہے گا۔''

کچھ دیر وقت گزاری کر کے میں باہر آیا۔ اردن کمار جا چکا تھا۔ گھر والا دروازہ کھلا اور پراوین باہر آیا۔

''اب آپ کی ماما کی طبیعت کیسی ہے؟''

''وہ ٹھیک ہیں، ماموں نے انجکشن لگایا تھا۔ ماما ہوش میں آ گئیں انہوں نے کہا ہے آپ کے لیے ناشتہ لے کر آؤں۔ مجھے پیسے بھی دیئے ہیں۔'' اس نے پانچ سو کا نوٹ دکھایا۔ ''آپ بتائیں کیا کیا لاؤں؟''

''یہاں شہد والا کیک اور حلوہ پوری بھاجی ملتی ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''بہت اچھی ملتی ہے۔''

''بس تو چالیس پوریاں لے لینا۔ اگر حلوہ الگ سے ملتا ہو تو لینا اور شہد والے کیک لے آنا۔ تعداد تم خود دیکھ لینا اور چائے کافی کا کیا ہو گا۔''

''چائے میں بناؤں گا۔ ماما نے مجھے بنانا سکھائی ہے کافی نہیں آتی۔''

''ٹھیک ہے چائے چلے گی اب فٹافٹ لے آؤ۔''

وہ چلا گیا تو میں برآمدے میں بچھی کین کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہاں چار کرسیوں اور میز کا سیٹ تھا۔ اندر سے بھی مکان بہت اچھا اور اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ مجھے لگا کہ اردن کمار مکان کی ملکیت کے بارے میں ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اگر مکان سیتا دیوی کے نام پر تھا تب بھی یہ اسی نے بنایا ہو گا۔ ڈاکٹر گپتا اور اس کے بھائی کی اتنی اوقات نہیں لگ رہی تھی کہ وہ بہن کو جہیز میں اتنا شاندار مکان دے سکتے۔ علیحدگی کی وجہ تو رات کو ہی سامنے آ گئی تھی۔ اردن کمار ایک اوباش اور بدفطرت شخص تھا۔ کوئی بھی عورت شوہر کی یہ حرکتیں برداشت نہیں کرتی ہے۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر گپتا اندر سے برآمد ہوا اور میرے پاس آ گیا۔ ''تھینک یو، تم نے سیتا کا مدد کیا۔ ابھی مجھے بتایا اس نے اور پراوین نے۔''

''یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ شخص رات کو بھی یہاں آیا تھا اور نشے میں دھت تھا۔''

''اردن۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''اس نے سیتا کا زندگی تباہ کر دیا..... اپن اور سبھاش بہت سمجھایا پر سیتا نہیں مانا..... اس پر اردن کا بھوت سوار تھا۔''

''لو میرج۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں وہ دلی میں پڑھتی تھی، اُدھر رہی ساری عمر..... اپنی موسی کے پاس پھر موسی کا انتقال ہوا تو اِدھر آ گیا۔ اِدھر آ کر اس کا ملاقات ارون سے ہوا۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ سیتا بالکل سیدھا..... ایک دم بدھو..... شہر میں رہا پر ذرا بھی چالاک نہیں تھا۔ اس نے ارون سے شادی بنایا اور پھر پچھتایا۔''

''ڈائیورس کب ہوئی؟''

''ابھی سال پہلے..... عدالت سے لیا..... یہ مکان اور خرچ بھی ملا۔ پر ارون نے خرچ بند کر دیا اور اب تنگ کرتا ہے۔''

''کیوں تنگ کرتا ہے؟''

''بس بلاوجہ یہاں آتا ہے سیتا اور بچوں سے ملنے کی کوشش کرتا ہے۔ کورٹ اسے دور رہنے کا کہا ہے پر یہ آ جاتا ہے۔''

''یہ مکان اسی نے سیتا دیوی کو دیا تھا؟''

ڈاکٹر گپتا نے سر ہلایا۔ ''عدالت کے آرڈر سے سیتا اور بچوں کو ملا ورنہ اس حرامی نے کچھ نہیں دیا۔''

ڈاکٹر گپتا کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ لوگ ارون کمار سے ڈرتے تھے۔ وہ اسے روکنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ میں نے کہا۔ ''تم لوگ کورٹ کیوں نہیں جاتے۔''

''سیتا تیار نہیں ہے۔ ارون نے اسے دھمکی دی ہے اگر وہ کورٹ گئی تو وہ بچے کڈنیپ کر کے لے جائے گا۔ وہ بہت ڈری ہوئی ہے۔''

مجھے سیتا اور اس کے بچوں سے ہمدردی تھی لیکن میں ان کے لیے عملی طور پر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس معاملے میں اتنی دلچسپی لینے کا مقصد یہ جاننا تھا کہ ارون کمار ہمارے لیے کس حد تک خطرہ بن سکتا تھا۔ یہ جگہ فی الحال پُرسکون پناہ گاہ ثابت ہو رہی تھی اور میں چاہتا تھا کہ بیتو کا زخم مناسب حد تک بھرنے تک میں ہم یہیں رہیں۔ اب اس پُرسکون جگہ پر ارون کمار نامی شیطان آ گیا تھا۔ میں ڈاکٹر گپتا سے بات کر رہا تھا کہ پراوین ناشتے کا سامان اٹھا کر لے آیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''انکل میں ابھی سب ٹرالی میں رکھ کر لاتا ہوں۔''

''بیٹے آپ اکیلے سب کر لو گے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔ وہ دس سال کا بچہ تھا۔

''جی انکل کر لوں گا۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ کام کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور ڈاکٹر گپتا کی طرف دیکھا۔ ''اگر تمہیں یا سیتا دیوی کو اعتراض نہ ہو۔''

''نہیں..... نہیں تم اچھا آدمی ہے، تم اندر بھی جا سکتا ہے۔'' اس نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''اب جاتا ہے کلینک کا ٹائم ہو گیا ہے۔''

میں پراوین کے ساتھ کچن میں آیا۔ یہ جدید امریکن طرز کا کچن تھا۔ میں نے چائے کا پانی چڑھایا اور پراوین حلوہ پوری ہاٹ پاٹ میں رکھنے لگا۔ بھاجی اور چنے کا سالن اس نے ڈونگوں میں نکالا۔ ہنی کیک ٹرے میں رکھے اور پھر سارا سامان ٹرالی میں رکھا۔ بیتو اور باقی دونوں بھی بھوک سے بے تاب تھے۔ میں نے پراوین سے کہا۔ ''یہ آپ لے جاؤ جب تک چائے تیار ہوتی ہے۔ مجھے کیتلی دے دو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے کیتلی دی اور ٹرالی لے کر چلا گیا۔ چائے تیار ہوئی تو میں نے اسے کیتلی میں ڈالا۔ ملک اور شوگر پاٹ موجود تھے۔ سارا سامان ٹرے میں رکھ کر میں جانے کو تیار ہوا تھا کہ اوپر سے سیتا نمودار ہوئی۔ مجھے دیکھ کر چونکی۔ ''ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔''

''سوری آپ کی اجازت کے بغیر آپ کا کچن استعمال کیا۔'' میں نے معذرت کی۔

''میں اس کی بات نہیں کر رہی آپ چائے خود کیوں بنا رہے ہیں؟''

''پراوین بچہ ہے، مجھے اچھا نہیں لگا سارا بوجھ اس پر ڈال دوں۔ خاص طور سے گرم چائے ہینڈل کرنا اس کے لیے خطرناک بھی ہو سکتا تھا اس لیے چائے میں نے خود بنالی۔''

سیتا کی حالت بہتر تھی۔ اس کے چہرے کی سرخی بحال ہو گئی تھی اور وہ چاق و چوبند نظر آ رہی تھی۔ ''میں آپ کی شکر گزار ہوں اگر آپ نہ ہوتے تو بچے بہت پریشان ہو جاتے۔''

''یہ میرا فرض تھا۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے آپ کو ابھی آرام کرنا چاہیے۔''

''نہیں میں اب بالکل ٹھیک ہوں، بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا۔ بھیا نے انجکشن دیا تو اب ٹھیک ہے۔ لائیے چائے میں لے چلوں۔''

''میں لے جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔ ''اجازت دیجیے ناشتہ کرنا ہے۔''

''جی..... جی ہاں۔'' اس نے کہا۔ میں چائے لے کر آیا تو وہ تینوں آدھا ناشتہ صاف کر چکے تھے۔ مجھے بچے کھچے پر گزارا کرنا پڑا، پیٹ بھرا نہیں تھا بس گزارا ہو گیا تھا۔ اس دوران میں آئی کن اور راج کنور انجکشن کے اثر سے نکل آئے تھے اور بیتو نے اب انہیں پستول کی مدد سے قابو کیا ہوا تھا۔ راج کنور پُرسکون تھا لیکن آئی کن کا تشویش سے برا حال تھا۔ وہ بار بار خوفزدہ نظروں سے بیتو کے برابر میں رکھے پستول کو یوں دیکھتا تھا جیسے وہ کوئی جاندار پیتو ہو اور موقع پاتے ہی اس پر حملہ کر دے گی۔ البتہ ناشتے میں اس نے اپنی تشویش کو ذرا بھی آڑے آنے نہیں دیا تھا۔ ناشتے کے بعد چائے نوشی کے دوران اس نے التجا کی۔

''صاحب ہم کو جانے دو..... میرا بیوی بچہ پریشان ہو گا۔''

''فکر مت کرو تم کو جانے دیں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''ابھی ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ تمہیں تمہاری خدمت کا پورا معاوضہ بھی دیا جائے گا۔''

اس نے دہشت زدہ نظروں سے پستول کی طرف دیکھا۔ ''صاحب تم ہم کو گولی تو نہیں مارو گے۔''

میں نے نظروں میں بیتو کو اشارہ کیا اور اس نے پستول اپنے لباس میں چھپا لیا۔ ''ہم بلاوجہ کسی کو نقصان پہنچانے والے لوگ نہیں ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا اور راج کنور کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میرا بدترین دشمن ہے لیکن یہ ہمارے ساتھ زندہ ہے اور اس سے پوچھو میں نے کتنی بار اس کی جان بچائی ہے اور کتنی بار میں اسے مار سکتا تھا لیکن نہیں مارا۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' راج کنور نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم فکر مت کرو تم کو کچھ نہیں ہو گا۔''

آئی کن کی مزید تسلی کے لیے میں نے اسے اس کا مزید تین دن کا معاوضہ بھی دیا تھا۔ نوٹ پا کر وہ خوش ہو گیا تھا۔ ناشتے کے بعد پراوین برتن لینے آیا اس نے کہا۔ ''ماما آپ کو کافی پر بلا رہی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاید وہ اس طرح شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''آدھے گھنٹے میں آتا ہوں۔''

پراوین کے جانے کے بعد بیتو معنی خیز میں مسکرایا۔ ''سیتا دیوی آپ پر مہربان لگتا ہے۔''

میں نے بیتو کو بتایا کہ اس کی طبیعت خراب تھی اس حالت میں بھی میں نے اس کی مدد کی وہ اسی کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی۔ اس وضاحت پر بیتو کے چہرے پر مزید شرارت بھرے تاثرات نمودار ہوئے تھے لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتا میں نے کہا۔ ''لگتا ہے منے سفیر کی صحبت نے تم پر اثر ڈالا ہے۔''

سفیر کے نام پر اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''ہم سفیر بھائی جیسا نہیں ہے۔''

''تب باتیں اس جیسی کیوں کر رہے ہو؟''

بیتو کے زخم کو تقریباً اڑتیس گھنٹے گزر گئے تھے اور اب تکلیف ایسی نہیں تھی کہ اسے پین کلر لینا پڑتی۔ معمولی تکلیف تھی جسے وہ برداشت کر رہا تھا۔ یہ اچھی بات تھی اس طرح وہ جلدی عادی ہو جاتا کیونکہ زخم مکمل طور پر بھرنے میں ایک ہفتہ دس دن لگ سکتا تھا۔ راج کنور ہوش میں آ گیا تھا میں نے پوچھا۔ ''تمہیں یاد ہے گزشتہ دو دن میں کیا کیا ہوا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''سب یاد ہے، بس اس وقت میرا ذہن قابو میں نہیں تھا۔ یہ اس دوا کا اثر ہے نا جو تم انجکشن سے دیتے ہو؟''

''ہاں یہ قوت ارادی کو ختم کر دیتی ہے۔''

''میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہاری بات پر عمل کرتا رہا۔''

''راج تم جانتے تھے کی سادی ہمارے پاس ہے؟''

''میں بتا تو چکا ہوں۔''

''تم نے یہ بھی کہا تھا کہ تم اسے مارنے کا فیصلہ کر چکے تھے؟''

''ہاں لیکن دوسرے معاملات میں الجھ کر مجھے موقع نہیں ملا۔''

''وہ تمہاری سگی بہن ہے۔''

''وہ میری بہن تھی، اب وہ میرے دشمنوں کے ساتھ ہے۔''

''یعنی تمہیں اب بھی موقع ملے گا تو تم اسے قتل کر دو گے؟''

اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا، کم سے کم اس وقت میرا یہی خیال ہے۔ آگے کا مجھے نہیں معلوم۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''تم نے اچھا کیا جو کھل کر بات کر لی اب میں ذرا کھل کر بات کروں گا۔ بڑے کنور نے سادی کو پاکستان سے اغوا کرا لیا ہے۔''

راج کنور چونکا۔ ''لیکن کیوں.....؟ اس کا ارادہ سادھنا کو چھیڑنے کا نہیں تھا۔''

''یہ درست ہے، اس نے مجھے مجبور کرنے کے لیے یہ کام کیا ہے اور دو دن پہلے شام کے وقت سادی یہاں پہنچ گئی ہے۔ میں نے خود اسے کنور پیلس کے ہیلی پیڈ پر اترتے دیکھا ہے۔''

راج کنور ذرا بے چین ہو گیا۔ ''تمہیں یقین ہے تو ٹھیک ہو گا لیکن تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سادی کو واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ تمہارے اور سنگاری کے توسط سے بڑے کنور کو علم ہو گیا ہے کہ میں واپس آ گیا ہوں۔''

''میں نے کچھ نہیں بتایا، میں دوا کے زیر اثر تھا پھر بڑے کنور نے ڈوریاں ہلائیں اور ایجنسی والے مجھے اس کے آدمیوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے۔ البتہ سنگاری سے انہوں نے تمہارے بارے میں معلوم کر لیا ہو گا۔''

''راج کنور تم جانتے ہو میں دشمن کو بھی بے وجہ صرف اپنے کسی جذبے کی تسکین کے لیے مارنے کا قائل نہیں ہوں لیکن میں منافقانہ اہنسا کا پجاری بھی نہیں ہوں۔ مجھے محسوس ہو گا کہ اگر تم آئندہ میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے خطرہ بنو گے تو میں مار دوں گا۔ اب تک میں تمہیں اپنے ساتھ اسی لیے رکھے ہوئے ہوں، کئی بار تمہاری جان میری وجہ سے بچی ہے۔ یہ سب اس لیے کہ شاید کبھی تم میرے کام آ جاؤ۔ اب تمہارے پاس چار گھنٹے کا وقت ہے تم سوچ لو کہ تم کس طرح میری مدد کر سکتے ہو اور مجھے قائل کر لو دوسری صورت میں.....''

''تم مجھے مار دو گے؟'' راج کنور نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

میرے بجائے بیتو نے جواب دیا۔ اس نے پستول نکال کر اسے راج کنور کی طرف کیا اور یوں پستول سے نشانہ لینے لگا جیسے فرضی مشق کر رہا ہو مگر اس کی حرکت راج کنور کو سمجھانے کے لیے ضرورت سے زیادہ کافی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''تمہارے پاس چار گھنٹے ہیں۔''

ان دونوں کو انجکشن نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میرے پاس ایک ہی سیٹ رہ گیا تھا۔ دوسرے انجکشن بھی تھے لیکن ڈاکٹر امرتسر کے مطابق وہ زیادہ مؤثر نہیں تھے اس لیے اب میں کچھ وقت گزار کر ضرورت کے وقت انہیں انجکشن دیتا تب تک یہ گن پوائنٹ پر بھی رکھے جا سکتے تھے۔ میں جانے لگا تو آئی کن نے کہا۔ ''صاحب آپ اجازت اور موبائل دو تو میں اپنی بیوی کو بتا دوں۔''

''تم بتا چکے ہو وہ اتنی جلدی پریشان نہیں ہو گی۔''

اس نے لجاجت سے کہا۔ ''صاحب وہ پریگننٹ ہے، صاحب تھوڑی بات کر دوں گا۔''

اس بار میں نے اسے موبائل دے دیا اور خبردار کیا۔ ''کوئی الٹی سیدھی بات مت کرنا ورنہ تمہارا بچہ یتیم پیدا ہو گا۔''

''ہم نہیں کرے گا۔'' اس نے کہا اور اپنی بیوی کو کال کرنے لگا۔ اس نے دو منٹ بات کی اور اس دوران میں کوئی مشکوک بات نہیں کی۔ بات کر کے اس نے موبائل مجھے واپس کر دیا۔ ''آپ کا بہت شکریہ صاحب۔''

میں بیتو کو ہوشیار رہنے کا کہہ کر باہر آیا اور کال بیل بجائی۔ ایک منٹ بعد سیتا کی بیٹی نے دروازہ کھولا۔ وہ بڑی پیاری بچی تھی۔ نقوش میں ماں پر گئی تھی اور رنگ باپ کی طرح بہت گورا تھا۔ میں اندر آیا تو سیتا اوپر سے نیچے آ رہی تھی۔ وہ مجھے کچن میں لے آئی۔ ''تھینک یو کہ آپ نے میری دعوت قبول کی؟''

''شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہیے۔ کافی مجھے بہت پسند ہے۔''

''میں جان گئی ہوں۔'' اس نے کہا اور کافی تیار کرنے لگی۔ یہ نیس کیفے گولڈ تھی۔ اس کی مہک اور ذائقہ دونوں لاجواب ہیں۔ سیتا نے ساڑھی بدل لی تھی صبح وہ سادہ ساڑھی میں تھی لیکن اس وقت اس نے دھنک رنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریشمی ساڑھی پہن لی تھی۔ سیاہ رنگ کے بلاؤز میں اس کا سنہری رنگ دمک رہا تھا۔ وہ اپنے لیے بھی کافی تیار کر کے لائی تھی۔ اس نے مگ میرے سامنے رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ ''آپ ارون کمار سے مل چکے ہیں اور آپ نے دیکھ لیا کہ وہ کیسے مجھے تنگ کر رہا ہے۔''

اس کی بات پر میں محتاط ہو گیا۔ ''جی اور مجھے افسوس ہے کہ آپ مشکل میں ہیں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عذاب سے کیسے بچوں؟..... ارون یہاں کا طاقتور اور دولت مند شخص ہے۔ اس کے پاس بدمعاشوں کا ایک ٹولہ ہے۔ قصبے کے عام لوگ اس سے ڈرتے ہیں اور پولیس اس کی دولت کی وجہ سے اس کے پیچھے دُم ہلاتی ہے۔ میں کسی سے شکایت بھی نہیں کر سکتی۔ میرے بھائی شریف لوگ ہیں۔ ان میں بدمعاشوں سے لڑنے کی سکت نہیں ہے۔''

''میرا خیال ہے وہ اس مکان کے چکر میں ہے کسی طرح اسے آپ سے واپس حاصل کر لے۔''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''بالکل یہی بات ہے، آپ نے کیسے جانا؟''

''جب آپ بے ہوش ہوئی تھیں اور میں آپ کو بیڈ روم تک پہنچا کر واپس جا رہا تھا تب میرا اس سے سامنا ہوا تھا اور اس کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا۔''

''بالکل یہی بات ہے، اس کے پاس دولت کی کمی نہیں ہے اس کے باوجود اس سے برداشت نہیں ہو رہا کہ یہ مکان میرے اور بچوں کے پاس رہے۔ وہ کئی بار مجھ سے کہہ چکا ہے کہ میں مکان اس کے حوالے کر دوں تو وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گا لیکن یہ مکان میرے بچوں کا مستقبل ہے۔''

''آپ کے بچوں کا مستقبل آپ ہیں اور یہ جگہ زیادہ بڑی نہیں ہے آپ چاہتی ہیں کہ ان کا مستقبل بنے تو انہیں یہاں سے لے جائیں اور یہ مکان سیل کر دیں۔''

''میں دہلی میں رہی ہوں، وہاں میری موسی تھیں۔ ماتا جی کے مرنے کے بعد انہوں نے میری پرورش کی پھر ان کا بھی دیہانت ہو گیا تو میں یہاں آنے پر مجبور ہوئی اور ارون کے چکر میں پھنس گئی۔''

''غلطی انسان سے ہوتی ہے۔ آپ اس غلطی کو اس طرح ٹھیک کر سکتی ہیں کہ واپس دہلی چلی جائیں اور وہاں نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں، آپ پڑھی لکھی ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''دہلی یونیورسٹی میں ماسٹر کر رہی تھی جب موسی کا دیہانت ہوا۔ ماسٹر ادھورا چھوڑ کر یہاں آنا پڑا تھا۔''

''آپ واپس جا کر ماسٹر مکمل کر سکتی ہیں۔ دہلی بڑا شہر ہے وہاں مواقع زیادہ ہیں۔ یہاں تو آپ کو جاب بھی نہیں ملے گی۔ پے انگ گیسٹ سے تو کام نہیں چلتا ہوگا۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''یہی بات ہے، میرے پاس واحد چیز یہ مکان ہے۔ میں اسے سیل کرنا چاہتی ہوں لیکن ارون کے ڈر سے کوئی لینے کو تیار نہیں ہے۔''

''آپ کسی اسٹیٹ والے کی مدد حاصل کریں وہ بکوا سکتے ہیں ان کو زیادہ کمیشن کا لالچ دیں۔''

''یہ بھی کر کے دیکھ لیا ہے۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کئی گاہک آئے اور لینے کو بھی تیار ہو گئے مگر ارون نے انہیں بھگا دیا۔ اب تو وہ ایک اور چکر میں ہے۔'' کہتے ہوئے سیتا کا رنگ سرخ ہو گیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے دیکھا تو اس نے مشکل سے کہا۔ ''وہ میرے چکر میں ہے۔''

میں نے انجان بن کر کہا۔ ''لیکن آپ کو ڈائیورس دے چکا ہے۔''

''وہ تھرڈ کلاس شخص ہے اس کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' سیتا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''وہ عزت بے عزتی کا مطلب ہی نہیں سمجھتا ہے۔ سب کو اپنی طرح سمجھتا ہے۔''

میں ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ سیتا مجھے یہ سب کیوں بتا رہی تھی۔ کیا وہ صرف دل کی بات کر رہی تھی یا پھر مجھ سے کسی قسم کی مدد طلب کر رہی تھی۔ میں قبل از وقت کوئی تاثر دے کر غلط فہمی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے مناسب ردِعمل دیتے ہوئے کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ سیتا کے بچے پراوین اور سویتا اسکول میں پڑھ رہے تھے، اس کی گزر اوقات پے انگ گیسٹ اور بھائیوں کی مدد سے ہوتی تھی۔ وہ خود ملازمت کرنا چاہتی تھی لیکن یہاں کوئی ملازمت تھی ہی نہیں۔ اس نے سوچا تھا کہ نیچے کے پورے حصے کو ہوٹل میں بدل دے لیکن اس کے لیے اچھی خاصی رقم کی ضرورت تھی جو اس کے پاس نہیں تھی۔ اصل مسئلہ ارون کمار تھا وہ چاہتی تھی کہ کسی صورت اس سے نجات مل جائے۔

اس نے کھل کر نہیں کہا لیکن اس کی باتوں سے ایسا تاثر آیا جیسے وہ ارون سے جانے چھڑانے میں کسی کی مدد چاہتی ہو کیونکہ پولیس ارون کی مٹھی میں تھی اور دوبارہ عدالت تک جانے کے لیے وہ تیار نہیں تھی۔ ارون کا دباؤ بھی تھا۔ مگر وہ مکان بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کے مسئلے یہی تھے اور اسی لیے میں نے اسے یہ مشورہ دیا تھا۔ جس طرح اس نے اپنی بات کی تھی اسی طرح میں نے بھی کھل کر کہے بغیر اپنی بات کہہ دی کہ میں خود بہت مشکل میں تھا اور اسی وجہ سے عارضی طور پر یہاں رکا ہوا تھا۔ میں کسی چکر میں پڑنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ سیتا کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔ مجھے اس پر ترس آیا۔ نہ جانے کیا بات تھی جو اس نے مجھ سے مدد کی توقع کی تھی۔ وہ اچھے مزاج کی عورت تھی۔ اگر اس کے کردار میں خرابی ہوتی تو وہ ارون کی بات نہ مان لیتی۔ اس لیے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کسی اور نکتہ نظر سے مجھ سے بات کر رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''میں اور میرے ساتھی شاید ایک یا دو دن اور یہاں رکیں گے پھر ہمیں جانا ہوگا۔ جب تک ہم یہاں ہیں کوئی آپ کو یا آپ کے بچوں کو تنگ نہیں کر سکے گا۔ اس سے آگے کا میں کہہ نہیں سکتا۔''

میری اس بات سے اس کے چہرے پر کسی قدر اطمینان آیا تھا۔ میں کافی کا شکریہ ادا کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ سیتا نے گھر کو بہت صاف ستھرا اور قرینے سے رکھا تھا۔ باغ بھی ہرا بھرا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کی اچھی خاصی مالیت تھی۔ یہ تقریباً نصف کنال رقبے پر تھا۔ پہاڑی قصبہ ہونے کے باوجود یہاں ہر سہولت تھی۔ اس علاقے میں ہر گھر خوب صورت اور بڑا تھا۔ یہ امرا کی آبادی تھی۔ ممکن ہے یہاں بہت سارے گھر میدانی علاقوں میں رہنے والے امرا کے ہو سکتے تھے جو گرمیاں گزارنے یہاں آتے ہوں گے۔ شاید اسی وجہ سے اس جگہ زیادہ چہل پہل نہیں تھی۔ سامنے سڑک سے بہت کم لوگ یا گاڑیاں گزرتی دکھائی دیتی تھی۔ میں واپس آیا تو بیتو اونگھ رہا تھا۔ وہ رات سے جاگ رہا تھا مگر اونگھتے ہوئے بھی وہ پوری طرح ہوشیار تھا۔ میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''تم سو جاؤ۔''

بیتو نے مشورے پر عمل کیا اور لیٹ کر کچھ ہی دیر میں خراٹے لینے لگا۔ دوپہر میں وہ کچھ دیر کے لیے اٹھا جب سیتا نے سوئٹ ڈش بھیجی تھی جو خوبانی، سیب اور شہتوت ملا کر بنائی گئی تھی اور بہت مزے کی تھی۔ پراوین نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتایا کہ یہ اس کی ماما کی طرف سے تھی یعنی اس کا کوئی چارج نہیں لیا جائے گا۔ رات کے کھانے کا میں نے ملاقات میں ہی بتا دیا تھا اور رقم بھی دے دی تھی۔ دوپہر کا کھانا گول کرنے کا مقصد ہماری یہاں موجودگی کو کم سے کم ظاہر کرنا تھا۔ مگر اس کے باوجود آمد و رفت کم نہیں ہوئی تھی۔ کمرا باہر کی طرف تھا اور سڑک پر آتے جاتے لوگ با آسانی برآمدے تک دیکھ سکتے تھے۔ مجھے خیال آیا اور میں نے سوچا کہ اب سیتا سے ملاقات ہوئی تو میں اس سے درخواست کروں کہ ایسے تمام کاموں کے لیے گھر کے اندر کھلنے والا دروازہ استعمال کرے۔ بے شک صرف مخصوص وقت کے لیے کھولے اور پھر بند کر لے۔

میرا مقصد تھا کہ سامنے کی طرف سے آنا جانا کم سے کم ہو۔ ہم خود دن میں صرف دو بار باتھ روم جاتے تھے۔ ایک صبح سویرے اور دوسرے سورج غروب ہونے کے بعد، یہ دونوں وقت ایسے تھے جب سڑک پر اور آس پاس لوگ کم نظر آتے تھے۔ پراوین شام کی چائے لایا تو میں نے اس کے توسط سے سیتا کو پیغام بھجوا دیا۔ راج کنور سارا دن خاموش پڑا رہا تھا۔ چائے نوشی کے دوران اس نے پہلی بار زبان کھولی۔ ''شہباز تم کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہے تمہارے گرد خطرات گھیرا تنگ کر رہے ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مگر میں فی الحال یہاں رکنے پر مجبور ہوں۔''

''اس کی وجہ سے؟'' راج کنور نے بیتو کی طرف دیکھا۔

''یہ بھی وجہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے دوپہر میں تمہیں وقت دیا تھا اور اس سے زیادہ ہی وقت گزر گیا ہے۔''

اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تمہاری مدد کیسے کروں کیونکہ میں پلیس کی حد تک تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا ہوں۔ وہاں اب میرا کوئی وفادار نہیں رہا ہے۔''

''تب تم میرے لیے بیکار ہو، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم مدد نہیں کر سکتے تو بیکار کے بوجھ ہو، تم سے چھٹکارا حاصل کر لینا ہی مناسب ہوگا۔''

''ہم بھی یہی کہہ رہا ہے ادھر سے نکلتے ہی اسے کسی کھائی میں ڈالو۔'' بیتو نے مشورہ دیا۔

''میرا خیال ہے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔''

راج کنور دہشت زدہ ہو گیا۔ اس سے زیادہ آئی کن خوفزدہ نظر آنے لگا۔ اس نے گڑگڑا کر کہا۔ ''صاحب میرا قصور نہیں ہے۔''

''تم نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن اگر تم نے ہمارے بارے میں زبان کھولی تو پھر ہم تمہارے گھر بھی پہنچ سکتے ہیں۔ یہ مشکل نہیں ہے تمہارے ڈرائیونگ لائسنس پر پتا دیکھ لیا ہے اگر تم کہیں اور رہتے ہو تب بھی تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہمیں خود نہیں آنا پڑے گا صرف چند ہزار خرچ ہوں گے اور کرائے کے قاتل آ کر تم سمیت تمہارے پورے گھر کا خاتمہ کر دیں گے۔''

آئی کن کا چہرہ سفید پڑ گیا اور آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس نے گڑگڑا کر کہا۔ ''بدھا کا سوگند میں کسی سے کچھ نہیں کہے گا صاحب۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسی میں تمہاری عافیت ہے۔''

شام سات بجے ڈاکٹر گپتا خود آ گیا تھا۔ اس نے بیتو کی پٹی ہٹائی تو زخم کی حالت دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''مزید ٹریٹ منٹ کا ضرورت نہیں ہے بس اوپر سے پٹی رکھ کر ٹیپ کرنا ہوگا زخم کو رگڑ نہ لگے۔''

''دوا کب تک کھانی ہے؟''

''ابھی پورا ہفتہ کھانی ہے۔ میں نے تین دن کی دی تھی۔''

''باقی چار دن کی اور دے دو۔'' بیتو نے کہا۔ ''اب پین کلر نہیں کھانا۔''

''اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، جوان آدمی ہے تھوڑا درد برداشت کر لے گا۔'' ڈاکٹر گپتا نے اپنے بیگ سے اینٹی بایوٹک کیپسول کا ایک پتا اور نکال کر دیا۔ وہ ضروری دوائیں ساتھ رکھتا تھا۔ اس نے کچھ خشک پٹیاں اور میڈیکو ٹیپ کا ایک رول بھی دیا۔ میں نے رکھ لیا کہ بعد میں کبھی کام آئے گا۔ میں نے ڈاکٹر سے زخم صاف کرنے والا محلول اور خشک کرنے والا پاؤڈر بھی لیا۔ وہ حیران تھا کہ میں بلاوجہ یہ سب کیوں لے رہا ہوں مگر اس نے انکار نہیں کیا میں اسے قیمت دے رہا تھا۔ یہ اچھی خبر تھی کہ بیتو کا زخم تیزی سے بھر رہا تھا۔ اب کوئی ایمرجنسی ہوتی تو ہم کل بھی یہاں سے جا سکتے تھے ورنہ میرا ارادہ پرسوں تک نکلنے کا تھا۔ اس شام بھی موسم ابر آلود تھا اور نو بجتے ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ آج گزشتہ روز کی نسبت تیز بارش تھی اور بادل بھی گرج رہے تھے۔ تیز ہواؤں کا شور الگ ماحول پر حاوی ہو گیا تھا۔ آٹھ بجے کھانے اور چائے کے بعد سب اونگھ رہے تھے۔

سیتا نے ہمیں رات کا کھانا اندر والے دروازے سے فراہم کیا تھا۔ وہیں سے ٹرالی لائی اور برتن واپس لے گئی۔ سامنے سے آنا جانا نہیں ہوا تھا۔ سیتا نے کہا کہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہو اسی دروازے پر ناک کر کے مانگ لیا کریں۔ وہ معاوضہ لے رہی تھی مگر اسے پوری طرح حلال بھی کر رہی تھی۔ کھانا بہت اچھا ہوتا تھا۔ چائے کافی دونوں لاجواب بناتی تھی۔ دوپہر میں میٹھا بھی بہترین تھا۔ وہ یقیناً بہت محنت سے کھانا بناتی تھی۔ برتن اعلیٰ درجے کے اور صاف ستھرے ہوتے تھے۔ ہمیں تو ہوٹل سے زیادہ یہاں آرام تھا۔ بے شک ایک کمرے میں چار افراد تھے لیکن اس میں بھی کوئی مشکل نہیں تھی۔ فرش پر دبیز اور آرام دہ قالین تھا۔ صاف ستھرے گاؤ تکیے اور کمبل تھے۔ مسلسل آرام، بہترین علاج اور خوراک سے بیتو کی توانائی بھی بحال ہو گئی تھی۔ اس نے شام سے دایاں ہاتھ ہلانے اور اس سے کام لینے کی مشق شروع کر دی تھی۔ میں نے اسے بھاری چیزیں اٹھانے سے منع کیا تھا ورنہ وہ شاید یہ کام بھی شروع کر دیتا۔ میگزین نکال کر وہ خالی پستول سے مشق کر رہا تھا اور جان بوجھ کر راج کنور کو دہشت زدہ کر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف پستول کر کے ٹریگر دباتا اور اس کی جان پر بن آتی تھی۔

دس بجے میں باہر آیا اور آئی کن کی جیپ میں قہبے کا ایک راؤنڈ لگا کر آیا۔ مقصد ذرا جسم کھولنا اور جیپ کی بیٹری کو رننگ کنڈیشن میں رکھنا تھا۔ اس دوران میں بارش جاری تھی مگر لینڈ کروزر کے بہترین ٹائر سڑک پر گرپ کر رہے تھے اور مجھے ہلکی رفتار سے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ جیپ کا ٹینک دو تہائی بھرا ہوا تھا اور پیچھے بھی ایک دس لیٹر کا کین رکھا تھا۔ میں واپس آیا تو کسی قدر بھیگ گیا تھا۔ جیکٹ پیراشوٹ کی تھی اس لیے پانی اندر نہیں گیا بس بال اور چہرہ بھیگا تھا۔ بیتو فکرمند تھا اس نے آتے ہی پوچھا۔ ''آپ کہاں گیا تھا؟''

''جیپ لے کر نکلا تھا۔ کیوں کیا ہوا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی ابھی اندر سے تھوڑا آواز آیا جیسے کچھ گرا ہو۔ پھر بچہ بھی چلایا تھا۔''

''ہوسکتا ہے بچے کو چوٹ لگی ہو؟''

''نہیں شوبی اس کے بعد بالکل خاموشی ہے بچہ روتا تو یا سیتا دیوی کچھ کہتا پر ایسا لگ رہا ہے سب سو گیا ہے۔''

میرا سیتا کے معاملات میں دخل اندازی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن اگر اس کے گھر میں کچھ ہوا تھا اور بات پولیس تک جاتی تو ہم بھی اس کی لپیٹ میں آسکتے تھے پولیس کے ہاتھ نہ بھی آتے تو تب بھی ہمیں بھاگنا پڑتا اور اس کے بعد سکون ختم ہو جاتا۔ بیتو کا شک نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا اگر سیتا کے گھر میں کچھ غلط ہوا تو جلد یا بدیر ہم بھی اس میں ملوث ہو جاتے۔ میں نے درمیانی دروازہ چیک کیا وہ اندر سے بند تھا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔ ''دروازہ اندر سے بند ہے۔''

وہ چونک گیا۔ ''شوبی سیتا دیوی نے دروازہ کھلا چھوڑا تھا۔ یہ کس نے بند کیا؟''

اس کا ممکنہ جواب یہ تھا کہ اندر آنے والے یا والوں نے یہ دروازہ بند کر دیا تھا تا کہ ہماری طرف سے مداخلت کا خدشہ نہ رہے۔ ''تم یہیں رکو اور ہوشیار رہو۔'' میں نے بیتو سے کہا اور باہر نکل آیا۔

میں نے پہلے داخلی دروازے سے سن گن لی مگر اس طرف سناٹا تھا۔ تالے کے سوراخ سے اندر لاؤنج میں تاریکی نظر آرہی تھی۔ جب کہ عام طور سے یہاں روشنی ہوتی تھی۔ میں گھوم کر اور برآمدے سے اتر کر مکان کے بائیں طرف آیا۔ یہاں لاؤنج اور کچن کی کھڑکیاں تھیں ان سے بھی کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ باہر شور تھا اس لیے اگر اندر کچھ آوازیں ہو رہی تھیں تو وہ اس شور میں باہر سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ میں پیچھے کی طرف آیا یہاں کچن کا دروازہ تھا اور اس کے ساتھ نشست گاہ کی کھڑکی تھی۔ نشست گاہ کے ساتھ ہی سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ عقبی دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ میں کھڑکیاں بھی چیک کر رہا تھا۔ ان پر گرل نہیں تھی اس لیے اگر کوئی کھڑکی کھلی ہوتی تو میں اندر جا سکتا تھا۔ لاؤنج اور کچن والی کھڑکیاں بند تھیں مگر جب نشست گاہ والی کھڑکی چیک کی تو اس کا ایک پٹ کھلا پایا۔ اسے اندر سے کھٹکا نہیں لگایا تھا۔ شاید کسی بچے نے کھول دیا تھا اور پردے کی وجہ سے پتا نہیں چلا کہ کھٹکا کھلا ہے۔ میں نے آہستہ سے پٹ اندر دھکیلا اور ساتھ ہی پردہ پیچھے کیا۔ کوشش کر کے اتنی جگہ بنالی کہ اندر جا سکوں۔

میرے جوتے مٹی اور کیچڑ زدہ ہو رہے تھے اور میرے لباس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سیتا کے قالین کا حشر ہو رہا تھا۔ میں نے اندر آکر کھڑکی بند کی اور دبے قدموں لاؤنج کی طرف آیا۔ نشست گاہ کا دروازہ اوپن تھا اور پردے کے طور پر موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ میں نے احتیاط سے کونے سے جھالر ہٹا کر لاؤنج میں قدم رکھا۔ اندر آنے کے بعد باہر کا شور بہت کم سنائی دے رہا تھا اور میرے کان مکان میں ہونے والی کسی آہٹ پر مرکوز تھے لیکن اب تک سناٹا ہی تھا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں بیتو نے غلط تو نہیں سن لیا تھا اور میں بلاوجہ یہاں گھس آیا تھا۔ اگر سیتا یا اس کا کوئی بچہ مجھے یہاں دیکھ لیتا تو میں مشکل میں پڑتا یا نہ پڑتا لیکن میری ساکھ ضرور خراب ہو جاتی میں مشکوک بن جاتا۔

میں سوچتا رہا پھر میں نے جوتے اتارے اور دبے قدموں اوپر کی طرف بڑھا۔ نیچے میں دیکھ چکا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی نہیں ہے یہاں چھپنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ میں نے پستول نکال لیا تھا اور بہت آہستگی سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ یہ لکڑی کی تھیں اور زیادہ زور سے وزن ڈالنے پر چرچراتیں۔ میں ابھی نصف سیڑھیوں پر تھا کہ مجھے اوپر سے گھٹی ہوئی نسوانی آواز آئی جیسے کسی کا منہ بند ہو اور وہ ناک سے آواز نکالے۔ اوپر دو بیڈ رومز تھے ایک سیتا کا تھا اور دوسرا یقیناً بچوں کا تھا۔ باتھ روم کامن تھا یہ باتھ روم کے اوپر تھا جسے نیچے ہم استعمال کرتے تھے۔ دونوں بیڈ رومز ساتھ ساتھ تھے۔ سیڑھیاں گھوم کر جا رہی تھیں اور یہ لاؤنج میں داخلی حصے کے عین اوپر نکلتیں۔ جہاں سے سیڑھیاں گھوم رہی تھیں وہاں سے بیڈ رومز کے دروازے نظر آ رہے تھے اور اگر وہاں کوئی ہوتا تو مجھے دیکھ لیتا اس لیے میں جھک کر نظروں سے بچتا ہوا اوپر آیا اور پھر کونے سے اوپر جھانکا مگر دونوں کمروں کے دروازے بند تھے اور وہاں کوئی نہیں تھا۔

میں اوپر آیا اور سیتا کے کمرے کے دروازے سے کان لگائے۔ چند لمحے تو سناٹا رہا پھر دبی ہوئی مردانہ آواز آئی۔ الفاظ سمجھ میں نہیں لیکن لہجہ نشیلا تھا۔ میں نے بہت آہستہ سے ہینڈل گھمایا دروازہ کھلا تھا کیونکہ آزاد ہوتے ہی وہ اندر کی طرف کھلا تھا۔ میں نے پستول آگے کیا اور یک دم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ارون بیڈ کے پاس کھڑا تھا اور نہایت شرمناک حالت میں تھا۔ سیتا بستر سے بندھی تھی اور حالت اس کی بھی اچھی نہیں تھی۔ ارون نے مجھے دیکھتے ہی منہ کھولنا چاہا تھا کہ میں نے آگے بڑھ کر پستول کی نال اس کے کھلے منہ میں رکھ دی۔ غالباً میرے تاثرات بھی خونخوارانہ تھا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور پھر اچانک وہ لہرا کر نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اگر وہ دھوکا دے رہا تھا تو میں دھوکا کھانے کے لیے تیار نہیں تھا، اس لیے نہایت بے دردی سے اس کے سر پر وار کیا اور وہ اب سو فیصد بے ہوش تھا۔ اس سے مطمئن ہو کر میں سیتا کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی ساڑھی اور بلاؤز غائب تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک مختصر سا پیٹی کوٹ اور انڈر گارمنٹ تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے اس کا منہ کھولا اور پھر اس کے ہاتھ آزاد کیے۔

''میں اسے باہر لے جا رہا ہوں تم اپنا حلیہ درست کر کے آؤ، ویسے تم ٹھیک ہو نا؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میرے بچے.....''

''میں دیکھتا ہوں ویسے ان کو پتا نہ چلے تو اچھا ہے۔''

ارون کے کپڑے وہیں بکھرے ہوئے تھے میں نے اس کے کپڑے اس پر ڈالے اور اسے ٹانگ سے کھینچ کر باہر لے آیا۔ میں نے بہ مشکل اسے پتلون پہنائی۔ یہ بھی صرف ستر پوشی کے لیے۔ اتنی دیر میں سیتا کپڑے پہن کر آ گئی تھی۔ اس نے نفرت سے ارون کو دیکھا اور پھر اس پر تھوک دیا۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ اکیلا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم، میں سو رہی تھی۔ مجھے کسی بچے کے چلانے کی آواز آئی۔ میں باہر نکلی اور سیڑھیوں سے نیچے آئی تھی کہ اس نے ڈرائنگ روم سے نکل کر میرے منہ پر کچھ رکھا اور مجھے ہوش نہیں رہا۔ ہوش آیا تو میں بستر پر بندھی تھی.....'' کہتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسے یاد آیا کہ وہ کس حالت میں تھی۔

''تم بچوں کو دیکھو کہیں وہ بھی بے ہوش نہ ہوں۔''

وہ جلدی سے بچوں کے کمرے کی طرف لپکی۔ فوراً ہی اس کی آواز آئی وہ بیٹے اور بیٹی کو پکار رہی تھی پھر اس نے کہا۔ ''پلیز انہیں دیکھو یہ جاگ نہیں رہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بچوں کے کمرے میں آیا۔ دونوں بچے گہری بے ہوشی میں تھے ان کے سانس اور دل کی دھڑکن ذرا سُست تھی مگر خطرے کی علامت نہیں تھی۔ ان کے منہ سے کلوروفارم کی بو آ رہی تھی۔ ارون نے کلوروفارم استعمال کیا تھا۔ مجھے خیال آیا میں نے سیتا سے پوچھا۔ ''یہ بے ہوش ہیں پھر تم اتنی جلدی کیسے ہوش میں آ گئیں۔ میرا خیال ہے یہ سب آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں ہوا ہے؟''

سیتا سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے کہا۔ ''مجھے ہوش میں آتے ہوئے کھٹی سی بو کا احساس ہوا تھا۔''

میں اس کے کمرے میں آیا سیتا میرے پیچھے تھی۔ میری متجسس نگاہیں دیکھ کر اس نے پوچھا۔ ''کیا تلاش کر رہے ہیں؟''

''یہ۔'' میں نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی چھوٹی سی بوتل اٹھائی یہ مشکل سے تین انچ لمبی اور انچ بھر قطر کی تھی میں نے ڈھکن ہٹا کر سونگھا اور امونیا کی تیز کھٹی بو نے تصدیق کر دی۔ ''یہ امونیا ہے وہ تمہیں اس کی مدد سے ہوش میں لایا تھا۔ اب میں اسے لے جا رہا ہوں اور تم بچوں کو ہوش میں لاؤ اور اگر انہیں متلی کی شکایت ہو تو قے کرنے دینا۔ پانی پلانا۔ پھر یہ بوتل مجھے نیچے لا دینا۔''

''آپ اسے کہاں لے جا رہے ہیں پولیس کو دینے؟''

میں رک گیا۔ ''سیتا میں پولیس کے چکر میں نہیں پڑ سکتا۔ اگر تم اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتی ہو تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ بے ہوش ہے اور میں اسی وقت اپنے ساتھیوں سمیت یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''نہیں..... نہیں۔'' اس نے بے تابی سے کہا۔ ''پلیز آپ نہ جائیں..... مجھے معلوم ہے پولیس اسے چھوڑ دے گی اور یہ دوبارہ آ جائے گا۔''

''یہ اندر کیسے آیا؟ کیا تم نے گھر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند نہیں کی تھیں؟ میں خود نشست گاہ کی کھلی رہ جانے والی کھڑکی سے آیا ہوں لیکن یہ وہاں سے نہیں آیا ہے۔''

''آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''میں باہر گیا تھا۔ میرے ساتھی نے تمہارے بچے کی چیخ سنی تھی۔''

''میں آپ کی احسان مند ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر آپ نہ بچاتے تو آج میں خود کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہتی۔''

''بچانے والا اوپر بیٹھا ہے۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔ ''تم بچوں کو دیکھو میں اسے لے جا رہا ہوں بچوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ وہ بچے ہیں بعد میں کسی اور کے سامنے بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''میں خیال رکھوں گی۔'' اس نے کہا میں نے ارون کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ اسے اوپر سے دھکا دے دوں یا ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا لے جاؤں۔ مجھے کسی کو قتل کرنے والے سے اتنی نفرت محسوس ہوتی ہے جتنی کسی عورت سے زیادتی کرنے والے سے ہوتی ہے۔ ارون کو مُردہ کتے کی طرح کھینچتا ہوا میں نے اسے لاؤنج میں کھلنے والے دروازے سے اندر لایا۔ بیتو بے تابی سے میرا منتظر تھا۔ اس نے بے ہوش ارون کو دیکھ کر پوچھا۔

''یہ کون ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سیتا دیوی کا سابق شوہر نامدار..... اسی کے چکر میں آیا تھا، کلوروفارم سونگھا کر سب کو بے ہوش کر دیا تھا مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' میں نے اروِن کو رسی سے باندھتے ہوئے کہا۔ رسی بیتو سامان کے ساتھ لایا تھا۔ راج کنور نے مسکرا کر کہا۔

''ایک بوجھ اور اٹھا لائے اب اسے بھی لیے لیے پھرو گے۔''

''نہیں جب ہم یہاں سے نکلیں گے تو تمہارے ساتھ اس کا بھی فیصلہ ہو گا۔'' میں نے کہا۔ اروِن کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے اور پھر اس کے منہ پر مضبوط میڈیکو ٹیپ لگا دیا۔ بیتو نے پوچھا۔

''سیتا دیوی، اس کا بچہ ٹھیک ہے؟''

''سیتا ٹھیک ہے اور وہ بچوں کو دیکھ رہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ایک منٹ میں اپنے جوتے لے آؤں۔''

میں لاؤنج میں آیا اور نشست گاہ کے پاس رکھے جوتے اٹھائے تھے کہ اوپر سے سیتا نمودار ہوئی۔ مجھے دیکھ کر وہ تیزی سے نیچے آئی۔ ''دونوں ہوش میں آ گئے ہیں، میں نے پانی پلایا تو ان کی حالت ٹھیک ہو گئی۔ میں یہ دینے آئی تھی۔'' اس نے امونیا کی بوتل مجھے تھما دی۔ ''ان کو کچھ دے سکتی ہوں؟''

''ہاں سیاہ چائے یا کافی دو اس سے ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''میں بناتی ہوں آپ کے لیے بھی بناؤں؟''

''زحمت ہو گی ہم چار افراد ہیں۔''

''میرا خیال ہے باقی سو رہے ہوں گے آپ یہیں آ کر پی لیں۔''

''نہیں وہ جاگ رہے ہیں۔''

''جب میں سب کے لیے بناتی ہوں لیکن آپ یہیں آیئے گا۔''

مجھے عجیب لگ رہا تھا، اگرچہ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ مجھے کوئی خاتون ٹکرائی اور میں نے کسی معاملے میں اس کی مدد کی ہو مگر پھر بھی مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بیتو میرے ساتھ تھا۔ وہ مجھ سے محبت اور مجھ پر اعتماد کرتا تھا مگر کسی کے ذہن میں سوچ آنے سے خود انسان بھی نہیں روک سکتا ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔ ''نہیں مجھے اروِن سے نمٹنا ہے تم وہیں لا دینا۔''

اس کا چہرہ ذرا بجھا تھا مگر میں توجہ دیئے بغیر واپس آ گیا۔ اروِن کی ناک سے امونیا کی بوتل لگائی تو وہ فوراً کلبلانے لگا اور چند سانس لینے کے بعد ہوش میں آ گیا۔ میں نے بوتل ہٹالی اور سرد لہجے میں کہا۔ ''تم میری آواز سن رہے ہو؟''

اس نے سر ہلایا اور خود کو ہلانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ''تم بندھے ہوئے ہو۔'' میں نے مطلع کیا۔ ''یہ بتاؤ تم ہوش میں ہو؟''

اس بار اس نے ذرا دیر سے سر ہلایا۔ میں نے خبردار کیا۔ ''میں تمہارے منہ سے ٹیپ ہٹا رہا ہوں لیکن اگر کوئی غلط آواز نکلی تو وہ تمہاری آخری آواز ہو گی۔''

اس نے سر ہلایا تو میں نے ٹیپ ہٹا دیا اور ساتھ ہی خنجر نکال لیا، یہ بھی بیتو نے لیا تھا۔ وہ دہشت زدہ نظر آ رہا تھا۔ ایک کمزور عورت پر ظلم کی تیاری کرنے والا سور ما پستول اپنے حلق میں موجود پا کر بے ہوش ہو گیا تھا، اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے مجھے امید نہیں تھی کہ وہ شور شرابا کرے گا۔ اس کی گھگی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے خنجر کی نوک اس کی گردن سے لگائی تو اس نے لرزنا شروع کر دیا اور ہکلا کر بولا۔ ''مم..... مجھے..... مم..... معاف..... کر..... کر دو۔''

''تم مکان میں کیسے گھسے؟'' میں نے اس کی التجا نظر انداز کر کے خنجر کی نوک گردن میں گھسائی تو اس نے بلبلا کو کہا۔

''سو..... سو یتا سے کھلوایا..... در..... دروازہ.....''

''اور پھر اسے بے ہوش کر دیا۔'' میں نے اس کی بات مکمل کی۔ ''تم سیتا سے اور کیا چاہتے ہو؟''

''میں..... اپنا مکان واپس لینا چاہتا ہوں۔''

''اس کے لیے اس کی عزت سے کھیلنا ضروری نہیں تھا۔'' میں نے خنجر کی نوک سے شغل جاری رکھا۔ اس کی گردن سے خون بہنے لگا تھا۔

''مجھے معاف کر دو، میں پاگل ہو گیا تھا۔''

میں نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا اور وہ خنجر کی نوک کے سامنے فر فر جواب دیتا رہا۔ اس نے اپنے بارے میں بتایا کہ اس کے پاس اس علاقے میں خاصی جائیداد تھی۔ بینک بیلنس تھا اور اس نے جنگل کی کٹائی کے دو بڑے ٹھیکے لے رکھے تھے۔ یہاں وہ اکیلا آیا تھا اور اسی وجہ سے مارا گیا۔ اگر اس کے ساتھی ہوتے تو وہ اتنی آسانی سے میرے قابو میں نہ آتا لیکن اس کا خیال تھا کہ سیتا اس کے لیے تر نوالہ ہو گی۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ یہاں ہے۔ اس کی گاڑی بھی مکان سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ یہ جاننے کے بعد میں نے اس کے منہ پر دوبارہ ٹیپ لگایا۔ اس کے جیب سے پرس اور دوسری چیزیں میں پہلے ہی نکال چکا تھا، اس میں گاڑی کی چابیاں اور ایک جدید ترین آئی فون تھا۔ یہ میرے کام آ سکتا تھا۔ سیتا سب کے لیے چائے اور میرے لیے کافی بنا لائی تھی۔ کافی پی کر میں باہر نکلا اور دو گلی نیچے کھڑی ارون کی گاڑی لے کر روانہ ہو گیا۔ قصبے سے باہر نکل کر گاڑی ایک کھائی میں گرا دی اور پیدل واپس روانہ ہوا۔ گاڑی میں ایک چھتری اور برساتی موجود تھی، میں نے وہی استعمال کی اور بھیگے بغیر واپس پہنچ گیا۔ اس کام میں ایک گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگا تھا مگر اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ارون یہاں موجود ہے۔

میں مکان میں داخل ہوا تو کسی کو برآمدے میں دیکھ کر رک گیا۔ لائٹ آف تھی لیکن ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ پہلے میں چوکنا ہوا مگر اندر داخل ہوتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سیتا تھی۔ وہ اس سردی میں باہر موجود تھی۔ میں اوپر آیا تو اس نے بے قراری سے پوچھا۔ ''آپ کہاں چلے گئے تھے؟''

''ارون کی گاڑی ٹھکانے لگانے گیا تھا۔ وہ یہاں ملتی تو اس کی گمشدگی کا شک تم پر جاتا۔''

''گمشدگی۔'' اس نے فکرمندی سے کہا پھر بولی۔ ''اندر چلیں یہاں بہت سردی ہے۔''

اس سے پہلے میں کچھ کہتا وہ بے تکلفی سے ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔ میں نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

''بچے ٹھیک ہیں اب؟''

''ہاں..... شکر ہے انہیں کچھ نہیں ہوا، اب سو رہے ہیں۔ میں نیچے آئی تو آپ کے ساتھی نے بتایا آپ باہر گئے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کچن میں لے آئی۔ میں نے برساتی اتار دی تھی اور ہاتھ مل رہا تھا۔ اس نے کافی کا پانی رکھ دیا۔ اندر اتنی سردی نہیں تھی۔ میں خود کو بہتر محسوس کرنے لگا۔ اس نے کافی تیار کر کے مگ سامنے رکھا۔ ''مجھے آپ کا نام نہیں معلوم۔''

''میرا خیال ہے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کل تک میں اپنے ساتھیوں سمیت یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''کیوں یہاں کوئی پریشانی ہے کیا؟''

''تم میرے بارے میں نہیں جانتیں، میں دشمنوں سے بچتا پھر رہا ہوں۔ اگر وہ یہاں آ گئے تو مجھ سمیت سب کو قتل کر سکتے ہیں۔ ارون ان کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے وہ تمہارے ساتھ تمہارے بچوں کی جان بھی لے سکتے ہیں۔ اس گھر کو آگ لگا سکتے ہیں۔ وہ ایسے ہی سفاک لوگ ہیں۔''

سیتا کا رنگ اُڑ گیا۔ ''ہائے بھگوان..... تو اتنے خطرناک لوگوں سے دشمنی کیوں کی؟''

''کون خوشی سے دشمنی کرتا ہے۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''سیتا مجھے تم سے ہمدردی ہے تمہارے لیے میں جو زیادہ سے زیادہ کر سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ ارون سے ہمیشہ کے لیے تمہاری جان چھڑا دوں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ میرے ساتھ جائے گا اور دوبارہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''امید ہے اس بات سے تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں اور میرے کتنے نزدیک آنا مناسب ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر میرا بازو تھامتے ہوئے آہستہ سے بولی۔ ''آپ مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں؟''

''میں تمہیں حقیقت سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ سیتا تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے بہتر ہے کہ تم بھول جاؤ کہ یہاں کچھ لوگ آئے تھے تو وہ کون تھے اور انہوں نے کیا کیا۔ تم نے ہمیں کرائے پر کمرا اور تین وقت کا کھانا دیا اور اس کا معاوضہ لیا۔ اس سے زیادہ تم ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ رہی ہوں۔''

''پولیس اور ممکن ہے کچھ دوسرے لوگ بھی آئیں۔ اگر تم نے اس سے ہٹ کر کچھ اور کہا تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گی اور میں یا کوئی اور تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔''

اس نے ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔ ''اب تم مجھے ڈرا رہے ہو ایسی کیا بات ہے آخر؟''

''یہ سب مت پوچھو۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

وہ میرے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔ ''اچھا ایک بات بتاؤ یہ جو تمہارے ساتھ دو آدمی اور ہیں۔''

''ان میں سے جو گورا ہے مقامی نقوش والا ہے۔ اسے تم ارون ثانی سمجھو دوسرا صرف ڈرائیور ہے۔ اسے میں چھوڑ دوں گا وہ دوبارہ نہیں آئے گا لیکن ارون اور یہ شخص دوبارہ آ سکتے ہیں اس لیے علاج ضروری ہے۔'' میں جانے کے لیے پلٹا تھا کہ مجھے خیال آیا۔ ''سنو تم ارون سے الگ ہو گئی ہو لیکن اس کی اولاد ہی اس کی وارث ہو گی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا اس کا کوئی اور وارث بھی ہے؟''

''نہیں..... اس دنیا میں اس کی ایک ماں اور ایک بھائی تھا دونوں مر چکے ہیں۔ بھائی کو اس نے خود مارا تھا۔ یہ پولیس کا شبہ ہے وہ گرفتار بھی ہوا تھا مگر ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے رہا ہو گیا۔ ماں اس صدمے سے مر گئی۔''

''گویا یہ قاتل بھی ہے؟''

''ایک شخص کا نہیں۔'' سیتا نے انکشاف کیا۔ ''ارون پر کئی افراد کے قتل کا شبہ ہے، ان میں جنگل سے لکڑی کاٹنے والے مزدوروں کا لیڈر مدن موہن بھی شامل ہے۔ کسی نے اس کے گھر میں گھس کر اسے اور اس کی بیوی دونوں کو کلہاڑی سے قتل کر دیا تھا۔ سب جانتے ہیں کہ مدن کی ارون سے دشمنی تھی کیونکہ وہ مزدوروں کی مزدوری کم دیتا ہے اور لکڑی چوری کرتا ہے۔''

''گویا اس شخص کا وجود اس دھرتی پر بوجھ ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اگر یہ نہ رہے تو اس کی ساری دولت و جایداد اس کے بچوں کو ملے گی؟''

''ہاں اس کا کوئی اور وارث نہیں ہے۔'' سیتا بولی۔

''کافی کا شکریہ۔'' میں نے کہا اور اندر والے دروازے کے بجائے باہر کے دروازے سے واپس کمرے میں آیا۔ بیتو ہوشیار تھا۔ وہ سارا دن سو لیا تھا اس لیے اسے نیند کی اتنی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں نے بیتو کو اپنی کارگزاری سے آگاہ کیا اور سونے کے لیے اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ گرم کمبل میں نیند آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا تھا کہ مجھے صبح چار بجے اٹھا دے لیکن اس نے پانچ بجے اٹھایا اور جماہی لیتے ہوئے بولا۔

''شوبی اب نیند برداشت نہیں ہوتا ہم سو جاتا۔''

''تم نے چار بجے اٹھانا تھا۔'' میں نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ ''بس دو منٹ اور جاگ لو میں واش روم سے آتا ہوں۔''

واش روم سے آ کر میں نے بیتو کو سونے کی اجازت دے دی۔ راج کنور اور آئی کن سو رہے تھے حتیٰ کہ ارون بھی کروٹ کے بل پڑا سو رہا تھا حالانکہ وہ خاصے مشکل پوز میں بندھا ہوا تھا۔ اس کے سر کی ضرب والی جگہ کا ورم خاصا کم ہو گیا تھا۔ میں نے لیپ ٹاپ نکالا اور سکائپ سے سفیر کو کال کی۔ وہ سو رہا تھا اور کسی قدر دیر سے کال ریسیو کی۔ وہ جماہی لے کر بولا۔ ''یہ ٹو ہے میری نیند کے دشمن نمبر دو۔''

''اول نمبر مونا کا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کہاں غائب تھا بڑی مشکل سے خود کو کال کرنے سے روکا ہوا تھا۔''

''اچھا کیا..... یہاں معاملات جوں کے توں ہیں، یہ بتا بڑے بھیا نے رابطے کی کوشش تو نہیں کی؟''

''بہت..... اس کے ذرائع وسیع ہیں۔ اس نے راجا عمر دراز سے رابطہ کر لیا تھا مگر اس نے بھی ہمارے بارے میں لاعلمی ظاہر کی ہے۔''

''اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتنا بے تاب ہے۔''

''اسے معلوم ہو گیا ہے کہ ٹو وہیں ہے اس نے کہا کہ ٹو اس سے جلد رابطہ کر لے کیونکہ تیری تلاش جاری ہے اور اگر ٹو کسی مشکل میں پڑ گیا تو وہ بھی تیری مدد نہیں کر سکے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سمجھ رہا تھا، مشکل میں پڑنے سے بڑے کنور کی کیا مراد تھی، یقیناً بھارتی ایجنسیاں اور خاص طور سے را میری تلاش میں تھی۔ اگر میں ان کے ہاتھ آجاتا تو بڑا کنور بھی مجھے نہیں چھڑا سکتا تھا۔ وہ ایک طرح سے مجھے دھمکا رہا تھا میں نے پوچھا۔ ''اس نے شادی کے حوالے سے کوئی بات کی۔''

''نہیں لیکن راجا عمر دراز سے کہا تھا کہ وہ خیریت سے ہے اور اگر اس کا شوہر اس سے بات کرنا چاہے تو پیلس کے نمبرز پر کال کر کے کر سکتا ہے۔''

''وسیم کا کیا ردِعمل ہے؟''

''اس نے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ آپ کی ہدایت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔''

''یہ اس نے اچھا کیا۔'' میں نے کہا اور مختصراً اسے یہاں کے احوال سے آگاہ کیا۔ ''منے کی حالت بہتر ہے زخم تقریباً بھر گیا ہے بس کوئی بھاری کام نہیں کر سکتا ہے۔''

''تُو نے اچھا کیا جو ٹھکانہ تلاش کر لیا۔ راجا نے ایک مشورہ دیا ہے؟''

''رانا سے مدد حاصل کرنے کا؟''

''تُو سمجھ گیا..... ہاں اس نے یہی مشورہ دیا ہے۔''

''فی الحال میں نے اس کا نہیں سوچا ہے لیکن اگر مجبوری ہوئی اور کوئی راستہ نہ نکلا تو رانا سے بھی مدد مانگ سکتے ہیں۔ وہ منع نہیں کرتا ہے لیکن اس کا انداز خاصا لیا دیا سا ہوتا ہے جیسے وہ میرے معاملے میں ذاتی طور پر شامل نہیں ہونا چاہتا ہے۔''

''وہ راجا عمر دراز کا دوست ہے۔''

''یار اول تو یہ دوستی ہماری دوستی جیسی نہیں ہے اور اس بات کو نصف صدی سے زیادہ کا وقت گزر چکا ہے۔ ظاہر ہے اب ان کے تعلق میں وہ گہرائی نہیں ہوگی جو کبھی ہوا کرتی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں لیکن رانا دیاس اس کے لیے اپنی پوزیشن خطرے میں نہیں ڈالے گا۔ اس نے اپنی عمر گزار لی ہے اب اس کی اولادیں ہیں۔ اس کے بھائی کی اولادیں ہیں۔ ان کا وقت ہے اور رانا دیاس کی کسی حرکت کی سزا انہیں ملے گی۔ وہ ایسا ہرگز نہیں چاہے گا۔''

سفیر کسی حد تک قائل ہوا۔ ''کہہ تو تُو ٹھیک رہا ہے۔''

''اسی لیے میں اس سے رابطہ کرنے سے ہچکچا تا رہا تھا۔ اب بھی جب تک مجبور نہ ہوں میرا اس سے رابطے کا ارادہ نہیں ہے۔''

''اب تیرا کیا ارادہ ہے؟''

''میں یہاں سے نکل کر سوچوں گا۔ میں ایک آبادی میں ہوں اور راج میرے پاس ہے۔ میں اس کے لاف کھل کر کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ اسے کسی ویرانے میں لے جاؤں گا۔''

''تُو بلاوجہ اسے اٹھائے گھوم رہا ہے، کہیں ٹھکانے لگا دے۔''

''یہ کام تو کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ اس سے مجھے کچھ معلوم ہوگا۔ وہ کنور پیلس کے نکوں میں سے ہے اور وہاں کے رازوں کے بارے میں جانتا ہوگا۔ کامیابی کے لیے اس کی زبان کھلوانا لازی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔''

''ٹھیک ہے یار اور رابطہ کرتا رہا کر..... ہم لوگ ٹینشن میں پڑ جاتے ہیں۔''

''میں رابطہ رکھوں گا۔'' میں نے کہا اور اسکائپ سے لاگ آف ہو گیا۔ اس کے بعد میں اس علاقے کے بارے میں کچھ سرچنگ کرتا رہا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ انٹرنیٹ اس قدر کارآمد چیز ثابت ہو گا۔ دو دن کے آرام سے نہ صرف ذہنی اور جسمانی تھکن اتر گئی تھی بلکہ میرے ذہن میں ایک خاکہ بھی واضح ہونے لگا تھا۔ بیتو کی وجہ سے میں نے سیتا سے ناشتہ نو بجے لانے کو کہا تا کہ وہ کچھ دیر اور سو لے۔ ارون اور باقی سب صبح جاگ گئے تھے۔ جب ناشتے کا وقت آیا تو میں نے بیتو کو جگا دیا۔ وہ چار گھنٹے سو کر تازہ دم ہو گیا تھا۔ واش روم سے فارغ ہو کر سب نے ناشتہ کیا سوائے ارون کے۔ وہ بے بسی سے بندھا ہوا ہمیں کھاتے پیتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لیے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال اسے بھوکا پیاسا رکھنا تھا۔ راج کنور نے اس کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن میری جھڑکی کھا کر چپ ہو کر بیٹھ گیا۔ ناشتے کے بعد میں نے بیتو سے کہا۔ ''میرے ساتھ باہر چلو تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''یہ لوگ.....'' اس نے ان کی طرف دیکھا۔

میں نے اسلحے اور سامان کا بیگ اٹھا لیا۔ ''یہ یہیں رہیں گے تم یہ لیپ ٹاپ والا بیگ اٹھا لو۔'' میں نے بیتو سے کہا اور پھر راج کنور کو خبردار کیا۔ ''ہم سامنے موجود ہیں کوئی احمقانہ حرکت مت کرنا۔''

''میں کچھ نہیں کروں گا۔''

میں بیتو کو باغ میں لایا اور بولا۔ ''بیتو کنور پیلس کے عقب میں موجود علاقہ تمہارا دیکھا بھالا ہے۔''

''ہاتھ کا لکیر کی طرح۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''ہمارا سارا بچپن ادھر ہی گزرا ہے۔''

''اگر ہم وہاں چھپنا چاہیں تو کوئی مناسب جگہ ملے گی جو کنور پیلس سے زیادہ دور بھی نہ ہو؟''

''بہت جگہ ہے، اُدھر ہمارا گھر بھی ہوتا تھا اور غار بھی ہوتا جہاں ہم ٹھہرتا تھا۔''

''گھر تو ختم کر دیے گئے ہوں گے، غار مناسب رہیں گے۔''

''اُدھر ایک غار ہے جدھر ہم بھائیوں کے ساتھ جاتا تھا۔ وہ ہمارا غار تھا اور اوپر ہے، اس لیے کوئی اور نہیں جاتا تھا۔ وہ ہم کو یاد ہے۔''

''مشکل تو نہیں ہے۔'' میں نے پوچھا۔ ''آنے جانے اور فرار ہونے کے لحاظ سے۔''

''اس لحاظ سے تو اچھا ہے شوبی..... اس کا ایک راستہ پیچھے بھی نکلتا ہے۔ مگر وہ چھوٹا ہے، جب ہم بچہ تھا تو آسانی سے نکل جاتا تھا ایک بار بابو جی نے پکڑ لیا اور بہت مارا کیونکہ اُدھر پہاڑی بہت خطرناک تھا پھر اس نے راستہ بند کر دیا پر وہ کھولا جا سکتا ہے۔ شوبی کیا ارادہ ہے؟''

''ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا۔ میں راج کنور سے سکون سے پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

''ان دو کا کیا کرنا ہے؟''

''سیتا کے شوہر کو کسی کھائی میں پھینکنا ہے اور آئی کن کو انجکشن لگا کر چھوڑ دیں گے۔''

''شوبی اس کا گاڑی بہت اچھا ہے ایسا کرو آپ اسے خرید لو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو کی بات سے مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے اردن کا پرس نکال کر دیکھا اس میں ایک ڈیبٹ کارڈ اور ایک کریڈٹ کارڈ بھی تھا۔ میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''میرا خیال ہے ادائیگی اردن سے کرائی جائے۔''

بیتو خوش ہوگیا۔ ''یہ ٹھیک رہے گا۔''

ہم اندر آئے، میں نے اردن کو انجکشن دیا اس نے مزاحمت کی کوشش کی۔ اس کے خیال میں، میں اسے خطرناک انجکشن دے رہا تھا۔ دس منٹ بعد وہ پُرسکون ہوگیا اور مخصوص انداز میں پلکیں جھپکانے لگا۔ اسے کھولنے سے پہلے میں نے آزمائش کے لیے کچھ سوالات کیے اور اس نے فرفر جواب دیئے خاص طور سے مزدور لیڈر اور اس کی بیوی کے قتل کے اعتراف سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ پوری طرح دوا کے زیر اثر آ گیا تھا۔ میں نے اسے کھولا اور اسے پانی پینے کو دیا۔ پانی پی کر اس نے بھوک کی شکایت کی۔ میں نے تسلی دی۔ ''ہم باہر جا رہے ہیں تم کو کھانے کو ملے گا۔''

میں نے سامان والا بیگ خالی کر کے ساتھ لے لیا تھا۔ ہم باہر آئے۔ میں نے اسے آئی کن کی گاڑی کی پچھلی نشست پر لیٹنے اور سر نیچے رکھنے کو کہا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی اور اس سے پوچھا۔ ''تمہارا اکاؤنٹ کس بینک میں ہے؟''

اس نے بینک کا نام بتایا۔ اکاؤنٹ کرنٹ تھا اور وہ اے ٹی ایم سے لامحدود مقدار میں رقم نکلوا سکتا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کے اصل میں دو اکاؤنٹس تھے، ایک میں گیارہ لاکھ پچھتر ہزار کی رقم تھی اور دوسرے میں سترہ لاکھ پچاس ہزار سے اوپر رقم تھی۔ مجھے حیرت ہوئی وہ جس حیثیت کا آدمی تھا یہ رقم خاصی کم تھی۔ میں نے مزید سوالات کیے تو اس نے انکشاف کیا کہ اصل رقم تو اس کے گھر کی تجوری میں تھی۔ اس کی مالیت ایک کروڑ روپے سے اوپر تھی اور یہ ساری رقم ڈالرز اور یورو میں تھی۔ اس سے زیادہ مالیت کا سونا اور جواہرات تھے۔ اس کا گھر اسی جگہ میں سڑک کے دوسری طرف تھا اور میرا اس طرف جانے کا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا۔ میں نے اسے نیچے پہنچنے سے پہلے بیگ تھما کر جیپ سے اتار دیا۔ ''اب تم پیدل بینک تک جاؤ گے اور اے ٹی ایم سے جتنی رقم نکلوا سکتے ہو وہ نکلوا کر اس بیگ میں ڈال لو گے۔ دونوں اکاؤنٹس سے نکلوانا۔ اگر ایک بینک کے اے ٹی ایم سے رقم نہ نکلے تو دوسرے اور پھر اس سے آگے والے سے ٹرائی کرنا اس کے بعد رقم لے کر واپس یہیں آنا بینک میں کسی صورت نہیں جاؤ گے، سمجھ گئے؟''

اس نے سر ہلایا اور جیپ سے اتر کر پیدل روانہ ہوگیا۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے میں نے خاص طور سے اس کا حلیہ ٹھیک کرایا تھا تاکہ بینک جانا پڑے تو وہ مشکوک نظر نہ آئے۔ بینک والے عام طور سے اے ٹی ایم میں بیس پچیس لاکھ سے زیادہ رقم نہیں رکھتے ہیں۔ یہ چھوٹا دیہاتی علاقہ تھا مگر اس قصبے میں مرکزی سڑک پر مجھے کئی بینک نظر آئے تھے۔ یہ قصبہ یقیناً آس پاس کی کاروباری سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ میں نے جیپ ایک جگہ روک دی جہاں سے اردن پر نظر رکھ سکتا تھا۔ وہ پہلے اس بینک کے اے ٹی ایم میں داخل ہوا جہاں اس کا اکاؤنٹ تھا۔ انڈیا میں ہزار سے زیادہ کا نوٹ نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے اردن کو خاصی کرنسی ملتی اور اسے ایسے ہی بیگ میں بھرنا پڑتی کیونکہ نوٹ گڈی کی صورت میں بھی نہیں ہوتے۔ ساری رقم کھلی ملتی۔ وہ تقریباً دس منٹ بعد اس اے ٹی ایم سے نکلا اور واپس پیچھے ایک بینک کے اے ٹی ایم تک آیا یہاں اسے زیادہ وقت لگا تھا شاید دوسرا بینک ہونے کی وجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اے ٹی ایم پر وسیس میں زیادہ وقت لے رہا تھا بہر حال وہ پندرہ منٹ بعد وہاں سے بھی نکل آیا۔

پہلے اے ٹی ایم سے نکلتے وقت بیگ ہلکا تھا مگر اب وہ واضح بھاری ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس نے ساری رقم نکلوالی تھی مگر وہ تیسرے بینک کے اے ٹی ایم کی طرف بڑھا۔ یہاں اسے دس منٹ لگے اور جب وہ باہر آیا تو بیگ مشکل سے اٹھائے ہوئے تھا۔ اس نے واپسی اس جگہ کا رخ کیا جہاں میں نے اسے اتارا تھا۔ وہ اپنی دھن میں میرے پاس سے گزر گیا۔ میں جیپ تک آیا اور اسٹارٹ کر کے اسے ارون کے پیچھے لایا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ ایکشن اتنے کمال کے نکلیں گے۔ گلی میں داخل ہونے کے بعد میں نے آس پاس دیکھا اور جیپ لے جا کر ارون کے پاس روکی۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''ہری اَپ اندر آجاؤ۔ پہلے کی طرح لیٹ جاؤ اور بیگ نیچے رکھ لو۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے جیپ آگے بڑھا دی۔ جیپ سیتا کے گھر کے سامنے روک کر میں نے پھر آس پاس دیکھا اور کسی کو نہ پا کر ارون کو بیگ سمیت اندر جانے کا حکم دیا۔ میں جیپ لگا کر اندر آیا تو ارون کمرے میں بیگ سمیت موجود تھا۔ بیتا اسے اکیلے آتے دیکھ کر کسی قدر پریشان ہوا تھا مجھے دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ ''ہم تو ڈر گیا تھا۔''

''فکر مت کرو یہ پوری طرح قابو میں ہے۔'' میں نے بیگ لے کر اسے قالین پر الٹ دیا اور اندر بھرے کرنسی نوٹ بکھر گئے تھے۔ یہ ہزار اور پانچ سو کے کرنسی نوٹ تھے جب کہ سو والے نوٹ بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے ارون، آئی کن اور راج کنور کو لگا دیا کہ وہ نوٹ الگ کر کے سب کی سو سو والی گڈیاں بنائیں۔ پھر میں نے درمیانی دروازے سے لاؤنج میں جھانکا سیتا کچن میں تھی۔ میں لاؤنج میں آ گیا۔ ''مجھے چھوٹے ربر بینڈز کی ضرورت ہے تمہارے پاس ہیں؟''

''دیکھتی ہوں ورنہ پراوین سے منگوا دیتی ہوں۔''

''پلیز ضرورت ہے۔''

''چائے کافی.....؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے لیے کافی باقی کے لیے چائے۔''

وہ میرے پاس آئی اور آہستہ سے بولی۔ ''ارون کہاں ہے؟''

''یہیں ہے۔'' میں نے جوابی سرگوشی کی۔ ''لیکن تم فکر مت کرو وہ پوری طرح میرے قابو میں ہے۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے، تم نے اسے آزاد کر دیا تو وہ پھر میرے لیے مصیبت بن جائے گا۔''

''تم اس کی طرف سے بے فکر رہو۔'' میں نے کہا۔ سیتا نے پراوین کو بلا کر اس سے ربر بینڈز کا پوچھا تو اس نے پوری تھیلی لا دی۔ اس میں کئی سو اچھی کوالٹی کے چھوٹے ربر بینڈز تھے جیسے مجھے درکار تھے۔ پراوین کے جانے کے بعد میں نے سیتا سے کہا۔ ''چائے کافی خود لے کر آنا پراوین کو مت بھیجنا۔''

''میں سمجھتی ہوں وہاں ارون ہے۔''

''ہاں لیکن ایک وجہ اور بھی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جب تم آؤ گی تو دیکھ لو گی۔''

میں واپس آیا اور ربر بینڈز ان کے حوالے کیے۔ وہ نوٹوں کی گڈیاں بنا کر ان پر ربر بینڈ چڑھانے لگے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی طریقے سے نوٹ سٹ کر رہ سکتے تھے۔ ارون پوری رقم نکلوا لایا تھا اور یہ انتیس لاکھ سے اوپر کی رقم تھی۔ زیادہ نوٹ ہزار اور پانچ سو کے تھے اس لیے کام جلد نمٹنے لگا۔ جب تک سیتا چائے اور کافی لے کر آئی نصف نوٹ گڈیوں کی صورت میں آ چکے تھے۔ سیتا کی آنکھیں پھیل گئی تھیں لیکن میں نے اشارے سے اسے کچھ کہنے سے منع کیا اور وہ خاموشی سے واپس چلی گئی۔ ٹی بریک کے بعد ان تینوں نے باقی کام نمٹایا۔ اب ہزار کے نوٹوں کی سولہ گڈیاں تھیں اور کچھ نوٹ الگ سے تھے۔ پانچ سو والی چوبیس گڈیاں تھیں اور کچھ نوٹ الگ سے بچ رہے تھے جب کہ سو والی دس گڈیاں تھیں۔ گڈیوں کی صورت میں کل انتیس لاکھ روپے کی رقم آئی تھی۔ میں نے آئی کن سے کہا۔ ''میں تمہاری گاڑی خریدنا چاہ رہا ہوں۔ کتنے میں سودا کرو گے؟''

وہ حیران ہوا تھا۔ ''تم جیپ کیوں خرید رہا ہے؟''

''مجھے ضرورت ہے تم اس سے اچھی لے لینا۔''

وہ ہچکچایا۔ ''یہ دو ہزار پانچ کا ماڈل ہے میں نے ایک سال پہلے بیس لاکھ میں لیا ہے۔''

''ٹھیک ہے اس میں سے بیس لاکھ لے لو۔'' میں نے نوٹوں کی گڈیوں کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''تم بیس لاکھ دے رہو؟''

''ہاں تو اور کیا کہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن خیال رہے، اگر تم یہاں سے جانے کے بعد پولیس کے پاس دوڑے گئے تو تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔''

''اگر گاڑی پولیس کے ہاتھ لگی تو.....''

''اس صورت میں تم آزاد ہو گے اپنی جان بچانے کے لیے جو چاہے بیان دو مگر اس سے پہلے تم نے زبان کھولی تو وہی ہوگا جو میں نے کہا تھا۔ کوئی کرائے کا قاتل آ کر تمہیں تمہارے بیوی بچے سمیت مٹا دے گا۔ اگر منظور ہے تو رقم لے لو۔''

آئی کن نے سوچا اور پھر ڈھیر سے بیس لاکھ کی گڈیاں الگ کرنے لگا۔ البتہ میرے کہنے پر اس نے سو اور پانچ سو والی گڈیاں لے لی تھیں۔ اب صرف نو گڈیاں بچی تھیں۔ آئی کن نے اپنی رقم بیگ میں ڈال لی۔ میں باقی رقم لے کر سیتا کے پاس آیا۔ اس وقت وہ بچوں کو کھانا دے رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''مجھے تم سے بات کرنی ہے اکیلے میں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ نشست گاہ میں لے آئی۔ میں نے اسے نو لاکھ کی رقم دی تو وہ حیران رہ گئی۔ ''یہ کہاں سے آئی..... مجھے کیوں دے رہے ہیں؟''

''یہ ارون کی رقم ہے..... کیسے حاصل کی اس چکر میں مت پڑو لیکن میرا خیال ہے اس پر تمہارا اور تمہارے بچوں کا حق ہے۔ پھر تمہیں اپنے بچوں کے وراثتی حق کے لیے بھی رقم کی ضرورت ہوگی۔''

''لیکن یہ بہت بڑی رقم ہے۔''

''نو لاکھ روپے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ارون کی دولت میں یہ کچھ بھی نہیں ہے، وہ کروڑ پتی ہے۔ زمین جایداد کے علاوہ کروڑوں تو صرف نقدی اور سونا و دیگر قیمتی اشیا کی صورت میں ہیں اس کے پاس۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا۔ ''میں جانتی ہوں۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک اجنبی میرے لیے اتنا کچھ کرے گا۔'' وہ کہتے ہوئے جذباتی ہوگئی۔

''تم نے ان چند دنوں میں میرا اور میرے ساتھیوں کا خیال رکھا اور ہم پر اعتماد کیا، یوں سمجھ لو کہ یہ اس کا شکریہ ادا کیا ہے میں نے۔'' میں نے کہا۔ ''میرا ایک مشورہ ہے اگر تم مانو، اروِن سے چھٹکارے کے بعد یہاں سے چلی جانا۔ اروِن کے اور ساتھی اور رشتے دار ہوں گے وہ تمہارے لیے مشکل پیدا کر سکتے ہیں۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔''

''یہاں اروِن کا جو بنگلا ہے اس کی تجوری میں اس نے اپنا سارا اثاثہ رکھا ہوا ہے، یقیناً زمین و جایداد کے کاغذات اور دوسرے بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات بھی اسی میں ہوں گی۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں جانتی ہوں وہ بہت بڑی اور مضبوط تجوری ہے۔ بیک وقت نمبروں اور چابیوں سے کھلتی ہے۔''

''ایک منٹ رکو میں اروِن سے پوچھ کر آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور واپس آکر اروِن سے تجوری اور اسے کھولنے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے آرام سے بتا دیا کہ اس کی چابیاں اس کے بیڈ روم میں ایک خفیہ جگہ رکھی تھیں۔ اس نے خفیہ جگہ بتائی اور پھر تجوری کھولنے کا پورا طریقہ کار بتایا۔ اس میں نمبرز بھی شامل تھے۔ میں نے اسے ذہن نشین کر لیا اور واپس سیتا کے پاس آکر اسے لکھوا دیا۔ اس طرح امکان نہیں تھا کہ وہ کوئی غلطی کر جائے۔ تجوری میں کوئی ٹریپ نہیں تھا لیکن اگر اسے غلط طریقے سے کھولنے کی کوشش کی جائے تو اس میں کرنٹ آجاتا تھا۔ سیتا خوش تھی۔

''اس مکان میں صرف ایک ملازم ہوتا ہے۔ اروِن اگر دنیا میں کسی پر اعتماد کرتا ہے تو وہ یہی آدمی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے تم اس وقت تک تجوری تک رسائی حاصل نہیں کر سکتیں جب تک کورٹ سے آرڈر نہ لے لو۔''

''ایسا ہی لگ رہا ہے۔''

''اس صورت میں تو لاکھ روپے کم ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم یہ مکان بھی سیل کر دینا اب تمہیں روکنے والا کوئی نہیں ہوگا اور مقامی وکیلوں کے بجائے شملہ جا کر وکیل کر لینا۔ شملہ بڑا شہر ہے اور وہاں ہر طرح کی سہولت ہے۔''

''اگر تمہارا مشورہ ہے تو میں شملہ منتقل ہو جاتی ہوں۔''

''یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوگا، میرا مشورہ یہاں سے جانے کا ہے۔''

''تم یہاں سے جا رہے ہو؟'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں کل ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ سب بھول جاؤ، اگر یہاں کوئی پوچھ گچھ کرنے آئے تو انجان بن جانا۔''

''کون آسکتا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ممکن ہے سرکاری لوگ آئیں۔ لیکن تم پڑھی لکھی اور سمجھدار عورت ہو، ان کو اس طرح سے ہینڈل کرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ مطمئن ہو جائیں کیونکہ اگر ذرا بھی شبہ ہو گیا کہ میرا اور تمہارا خلاف معمول کوئی تعلق ہے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گی۔"

وہ پریشان ہو گئی۔ "اس صورت میں، میں انکار نہ کر دوں کہ یہاں کوئی ٹھہرا ہی نہیں۔"

"یہ نا سمجھی ہو گی، کیونکہ سرکار کے لیے جھوٹ پکڑنا مشکل نہیں ہو گا۔ تم جانتی ہو کہ پولیس اور دوسری ایجنسیاں کیسے تفتیش کرتی ہیں، اس لیے وہ جھوٹ بولو جو قابل قبول ہو خود کو مشکوک مت بنانا اور یہ اچھا ہوا کہ بچوں کے سامنے کچھ نہیں آیا تم بھی چھپا کر رکھنا ان سے بھی پوچھ گچھ ہو سکتی ہے۔"

"اب مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈرو مت حوصلہ رکھو..... تم نے کچھ غلط نہیں کیا ہے اس لیے تمہارے خلاف کچھ نہیں ہو گا۔ جب تک تم خود نہ اقرار کر لو اور ہاں یہ رقم اور کوئی ایسی چیز جس سے ہماری نشان دہی ہو اس مکان سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دو یہاں کی مکمل تلاشی لی جا سکتی ہے ایک سوئی بھی چھپی نہیں رہے گی۔"

"میں ایسا ہی کروں گی۔"

مجھے کچھ کام اور تھے اس لیے میں واپس اس کمرے میں آیا۔ میں نے ارون سے پوچھا۔ "یہاں کوئی ایسا سپر اسٹور ہے جہاں سے کپڑے اور ڈبا بند خوراک مل سکے؟"

اس نے سر ہلایا۔ "سب مل جائے گا لیکن ایک جگہ نہیں۔"

"میرے ساتھ چلو۔" میں نے اس سے کہا اور بیتو سے ہوشیار رہنے کا کہہ کر ارون کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ اسی طرح گاڑی میں چھپا رہا۔ مارکیٹ کے پاس اسے اتار کر رقم دی اور بتایا کہ کیا کیا لینا ہے۔ میں نے اسے اپنے اور بیتو کے کپڑوں کا سائز بھی دے دیا تھا۔ ہمارے پاس سردی کا مقابلہ کرنے کے لحاظ سے بس ایک ہی سوٹ تھا اور ہمیں ایسے ایک سوٹ کی مزید ضرورت تھی۔ بیتو کے پاس جیکٹ تھی میرے پاس نہیں تھی۔ ارون تقریباً ایک گھنٹے بعد آیا اس نے کئی شاپرز اٹھا رکھے تھے۔ میں نے جیپ ایسی جگہ کھڑی کی تھی جہاں زیادہ چہل پہل نہیں تھی۔ ارون نے شاپرز اندر رکھے اور خود بھی اندر آ گیا۔ میں نے وہیں چیک کرنے کے بجائے واپس گھر پہنچ کر دیکھنا زیادہ مناسب سمجھا۔ میں ارون کے ساتھ جتنی دیر باہر رہتا زیادہ لوگوں کی نظر میں آتا۔

واپس آ کر میں نے دیکھا۔ ایک اچھی اور گرم جیکٹ تھی۔ پیروں میں گھٹنوں سے اوپر تک آنے والے گرم موزے تھے۔ میرے اور بیتو کے ناپ کی اونی پینٹ اور جرسی کی ہائی نیک شرٹس تھیں۔ اونی ٹوپے اور دستانے پہلے سے ہمارے پاس تھے۔ شام کے چار بجے اچانک ہی بادل گھر آئے اور بہت تیز بارش شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ٹھنڈ کی شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ پانچ ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اگر بارش ہو جائے تو موسم بہت سرد ہو جاتا ہے اور نارمل میں بھی رات کو سردی ہوتی ہے۔ سب کمبلوں میں دبک گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ جب سے میں سیتا کو پولیس یا ایجنسی کا حوالہ دیا تھا وہ اور اس کے بچے یہاں نہیں آئے تھے ورنہ وہ ہر تھوڑی دیر بعد پوچھتی تھی۔ کبھی خود پوچھتی اور کبھی بچوں سے کہلواتی تھی۔ کچھ دیر بعد پراوین نے درمیانی دروازے سے جھانکا اور چائے لانے کا بتایا۔ چائے کے ساتھ گھر میں بنے ہوئے سموسے، پکوڑے اور کچوری تھی۔ ساتھ ہی اس نے سیتا کا پیغام دیا وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو خوش ہو گیا تھا کیونکہ اسے تین وقت کھانے کی عادت تھی اور یہاں دوپہر کا کھانا گول ہوتا تھا۔ اگرچہ ناشتہ اور رات کا کھانا ساری کسر پوری کر دیتا تھا مگر درمیان میں کچھ وقت کے لیے پیٹ بالکل خالی ہو جاتا تھا۔ میں تمام چیزوں سے انصاف کر کے اور چائے کا مگ لے کر لاؤنج میں آیا جہاں سیتارات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے معذرت کی۔ ''سوری میں نے اتنی دیر سے پوچھا نہیں۔ اصل میں یہ سب تیار کرنے میں مصروف تھی۔''

مجھے اپنی سوچ پر اندر ہی اندر شرمندگی ہوئی تھی۔ ''کوئی بات نہیں میں بھی آرام کر رہا تھا۔''

''کل کس وقت جاؤ گے؟''

''صبح سویرے۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا ہے قصبے میں چہل پہل ہونے سے پہلے یہاں سے چلا جاؤں۔''

''ناشتہ کب کرو گے؟''

''چھ بجے۔''

وہ افسردہ ہو گئی۔ ''پھر کبھی نہیں آؤ گے؟''

''امکان تو یہی ہے۔''

''میں تمہیں یاد کروں گی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''تمہارا احسان ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

''میرے لیے یہی بہت ہے کہ کوئی مجھے اچھے الفاظ میں یاد کرے گا۔ میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''پوچھو..... اگر جواب دے سکا تو ضرور دوں گا۔''

''تم مسلمان ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے کسی قدر تعجب کے ساتھ کہا کیونکہ میں نے گفتگو میں بہت خیال رکھا تھا کہ ایسی کوئی بات نہ کہوں مگر شاید کہیں بے احتیاطی ہو گئی تھی۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''میں جس کالج میں پڑھتی تھی وہاں اکثر لڑکیاں مسلمان تھیں۔ میری ساری سہیلیاں مسلمان تھیں مجھے معلوم ہے مسلمان کس طرح بات کرتے ہیں۔''

''لیکن میں نے اپنی گفتگو میں ایسا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا جو خاص مسلمان بولتے ہیں۔''

''ہاں لیکن تم نے ہندی کے وہ لفظ بھی نہیں بولے جو ہر ہندو بولتا ہے۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ تم مسلمان ہو۔''

میں کچھ دیر خاموش رہا۔ ''امید ہے اس سے تمہارے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچی ہو گی؟''

''نہیں ہم چھوت چھات کے قائل نہیں ہیں۔'' وہ بولی۔ ''میں نے کہا نا میری ساری سہیلیاں مسلمان تھیں۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ یہ صرف اللہ کی مدد تھی کہ مجھے اب تک ہمدرد اور مددگار لوگ ملے تھے۔ بے شک انہوں نے پیسے کے لیے مدد کی تھی لیکن یہ بھی بڑی بات تھی۔ اس متعصب ملک میں جہاں بعض اوقات صرف مسلمان ہونا جرم بن جاتا تھا اور اس پر اعلیٰ عدالتیں تک سزائے موت جیسی انتہائی سزا دے دیتی ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسلمان سب سے بڑی اقلیت ہوتے ہوئے بھی سکھوں اور عیسائیوں حتیٰ کہ بدھسٹوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں ان تینوں قوموں کا حصہ مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ عام لوگوں میں اب تک کوئی ایسا شخص نہیں ملا تھا جو صرف مسلمان یا پاکستانی ہونے کے جرم میں میرا دشمن ہو جاتا۔ میں نے سیتا کو مزید رقم دینا چاہی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔

''تم نے اتنا کیا ہے کہ میں کسی صورت اس کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔ اس لیے پلیز اب میں جو کر رہی ہوں اسے میرا خلوص سمجھو۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ جذباتی ہو رہی تھی اور جب میرے پاس آنے والی کوئی عورت جذباتی ہوتی ہے تو میں الجھن میں پڑ جاتا ہوں کہ نہ جانے اس کی جذباتیت کیا رخ اختیار کرے۔ یہ چیز بعض اوقات مشکل کا باعث بن جاتی تھی۔ اس لیے میں نے موضوع بدل دیا۔ اس کے بچوں کے بارے میں بات کرنے لگا۔ پراوین چھٹی کلاس میں تھا اور سمیتا چوتھی میں تھی۔ دونوں سرکاری اسکول میں پڑھ رہے تھے کیونکہ سیتا کی اتنی استطاعت نہیں تھی کہ وہ اپنے بچوں کسی نجی اسکول میں پڑھا سکتی۔ وہ خوش تھی کہ اب وہ اپنے بچوں کو بہترین اسکول میں پڑھا سکے گی۔ اس نے مسرور لہجے میں بتایا کہ شملہ میں انڈیا کے بہترین اسکول تھے۔ وہ ان میں سے کسی میں پراوین اور سمیتا کو داخل کرائے گی۔ اب اس کے وسائل بھی تھے۔ اس کا موڈ بدل گیا تھا۔ میں واپس آیا تو بیتو اونگھ رہا تھا، وہ آج صبح سے جاگ رہا تھا، رات میں بھی صرف چار گھنٹے سویا تھا۔ میں نے پٹی ہٹا کر اس کا زخم دیکھا جو مکمل طور پر خشک ہو گیا تھا اور جہاں سے کھال غائب ہوئی تھی وہاں اب سرخ رنگ کی جھلی آ گئی تھی۔ زخم بہت بہتر حالت میں تھا۔''

''شوبی ہم نے اس ہاتھ سے بیگ اٹھا کر دیکھا ذرا سا درد ہوا پر کوئی مشکل نہیں ہوا۔'' بیتو نے انکشاف کیا۔

''ایسا کرو ابھی سو جاؤ تمہیں رات کو جاگنا ہوگا۔ کھانا آنے میں تین گھنٹے ہیں۔''

''نیند نہیں آ رہی ہے شوبی کیا اُدھر والوں سے بات ہو سکتی ہے۔'' بیتو نے دبی زبان میں کہا۔ ''وہ سب یاد آ رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن لمبی بات نہیں کرنا۔'' میں نے کہا اور اسکائپ سے سفیر کو کال کر کے اسکائپ پر آنے کا کہا۔ چند منٹ بعد وہ اسکائپ پر تھا۔ بیتو نے ہینڈ فری لگا لیا تھا اور لیپ ٹاپ سامنے رکھ لیا۔ کچھ دیر میں مانی اور دوسرے بھی آ گئے تھے۔ سب بیتو کو دیکھ کر خوش تھے البتہ سفیر چھیڑ خانی کر رہا تھا مگر بیتو نے برا نہیں مانا وہ ہنستا رہا۔ اس نے سفیر سے کہا۔ ''ہم جانتا ہے آپ ہم سے بس اوپر اوپر سے ایسا کرتا ہے۔ ہم مر گیا تو سب سے زیادہ آپ یاد کرے گا۔''

جواب میں سفیر نے کچھ کہا تو وہ پھر ہنسا۔ ''ہاں منہ ہی ایسا ہے۔ پر آپ سے اچھا ہے۔''

پندرہ منٹ بعد میں نے بیتو سے ہینڈ فری لیا اور باہر برآمدے میں آ گیا۔ یہ یہاں سے بھی کام کر رہا تھا۔ بس نے وسیم اور سفیر کو مختصراً اپنے پلان سے آگاہ کیا۔ ''میں کل یہاں سے نکلوں گا اور کنور پیلس کے پاس کوئی جگہ تلاش کروں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہاں آپ سے رابطہ مشکل ہوگا۔'' وسیم نے کہا۔

''ہاں وہاں موبائل سگنل مشکل سے ہوں گے، انٹرنیٹ کا نہیں پتا لیکن مسئلہ نہیں ہے۔ میں نے ایک لینڈ کروزر لے لی ہے اس کی مدد سے کسی ایسی جگہ تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے جہاں سگنلز ہوں۔ میں اگر روز نہیں تو دو دن بعد لازمی رابطہ کروں گا۔ وہاں کی کیا صورت حال ہے؟''

''نادر کو مرشد کے حوالے کر دیا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''ٹھیک ہے اب تم لوگ زیادہ محتاط رہو۔''

''آج کل محتاط رہنے کے سوا کچھ نہیں کر رہے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

''بڑے کنور کا راجا عمر دراز سے رابطہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہمارے بارے میں کچھ زیادہ ہی جانتا ہے۔ لازمی مرشد سے بھی واقف ہوگا۔ اگر اس نے مرشد سے رابطہ کر لیا تو ہمارے لیے پھر سے مشکلات کا آغاز ہو جائے گا۔ فتح خان کی انڈیا میں موجودگی کا مطلب ہے کہ ڈیوڈ شا بھی یہیں ہے ورنہ فتح خان کی دلچسپی کی کوئی چیز یہاں نہیں ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے ہمارے دشمن آپس میں مل رہے ہیں؟'' وسیم نے صورت حال کا خلاصہ کیا۔

''بالکل یہی بات ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جیسے ہی راج کنور کی مدد سے مجھے کنور پیلس میں گھسنے کا موقع ملا میں سادی کو وہاں سے نکال لوں گا۔''

''اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو.....'' وسیم نے کسی قدر جذباتی لہجے میں کہا۔

''یار ہم مفروضات پر بات نہیں کر سکتے بہر حال ایک بات طے ہے کہ سادی کو بڑے کنور کی قید میں نہیں چھوڑا جاسکتا ہے، اسے آزاد کرانے کے لیے اگر مجھے خود کو بڑے کنور کے حوالے کرنا پڑا تو میں.....''

''آپ اپنے طور پر ایسا کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔'' وسیم نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''سوری میں جذباتی ہو گیا تھا۔''

''یار ایک دوسرے کے لیے یہ جذبات ہی تو ہمارا سرمایہ ہیں ورنہ کسی کو دوسرے سے کیا غرض ہو سکتی ہے۔''

''ٹھیک کہا تو نے۔'' سفیر نے تائید کی۔

میں نے کچھ دیر بعد کر کے کال کاٹ دی اور لیپ ٹاپ بند کر کے اسے اور موبائل دونوں کو چارج پر لگا دیا۔ ارون کے پاس سے جو آئی فون نکلا تھا وہ اس کا چارجر نہیں تھا لیکن بیٹری فل تھی۔ اسے آف رکھا ہوا تھا۔ ابھی تو اس کا کام نہیں تھا لیکن ممکن تھا کہ آگے چل کر اس کی ضرورت پڑ جاتی۔ اسے بھی سامان میں شامل کر لیا تھا۔ اس بار میں نے تفصیل سے دیکھا کہ بیتو نے کیا کیا لیا تھا۔ اس میں بہت ساری کام کی چیزیں تھیں۔ حتیٰ کہ اس نے ماچس اور لائٹرز بھی لیے تھے۔ اسلحے سمیت سارا سامان دو بیگز میں آ گیا تھا۔ سب سے بات کر کے بیتو خوش تھا، وہ لیٹ گیا۔ وہ مسلسل اینٹی بایوٹکس کھا رہا تھا اور یہ دوائیں انسان کو کمزور بھی کرتی ہیں۔ مگر ان کے بغیر گزارا نہیں تھا۔ آج رات بیتو کے زخم کو چار دن ہو جاتے۔ ڈاکٹر گپتا نے تین دن کا کہا تھا اس لحاظ سے اب وہ حرکت کر سکتا تھا۔

بیتو نے جس جگہ کا بتایا تھا وہاں تک جیپ کی رسائی مشکل لگ رہی تھی اور یقیناً کچھ فاصلہ پیدل طے کرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑتا۔ یہاں سے اس کا امتحان شروع ہوتا۔ سفر کی مشکل پھر سامان اٹھانا اور غار کی بے آرامی بیتو کے لیے مشکل پیدا کر سکتی تھی۔ بہر حال اس کا زخم بگڑنے کا اندیشہ بہت کم تھا اور پھر ہمارے پاس دوائیں بھی تھیں۔ میں نے جو سامان منگوایا تھا اس میں ٹیٹرا پیک دودھ بھی شامل تھا، بہ وقت ضرورت یہ کھانے اور پینے دونوں کے کام آسکتا تھا۔ چائے کی پتی اور کافی بھی شامل تھی۔ خاصی چیزیں تھیں جو اس بے سروسامانی میں ہمارے کام آتیں۔ یہ سب ایک الگ شاپر میں پیک تھیں۔ رات کا کھانا آیا تو میں نے بیتو کو جگا دیا۔ کھانے کے بعد وہ دوبارہ سو گیا تھا۔ نو بجے باہر شدید سردی اور شدید سناٹا تھا۔ بارش رک گئی تھی لیکن درختوں سے ٹپکتے قطروں کی آواز اندر تک آرہی تھی۔ چائے اور کافی نے وقتی طور پر نیند کو بھگایا تھا لیکن جب کمبل میں لپٹ کر بیٹھتا تو غنودگی حملہ کرتی تھی۔ یہاں ٹہلنے کی گنجائش کم تھی اس لیے میں کمبل اتار دیتا تاکہ سردی سے جسم چاق و چوبند ہو جائے۔ ایک بار میں کمبل میں تھا کہ درمیانی دروازہ کھلا اور میں آنکھ بند کر کے سوتا بن گیا۔ میں دیکھ نہیں سکا تھا لیکن چوڑیوں کی کھنک نے بتایا کہ آنے والی سیتا تھی شاید وہ مجھے بلانے آئی تھی مگر میں بیتو کو سوتا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

میں نے بیتو کو تین بجے اٹھایا۔ وہ چھ گھنٹے سو لیا تھا اور اب چاق و چوبند تھا۔ وہ واش روم سے ہو کر کانپتا ہوا آیا تو میں سونے کے لیے لیٹا۔ بیتو نے کہا۔ ''شوبی باہر بہت سردی ہے۔''

''کل سے ہمیں اسی سردی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''اُدھر زیادہ سردی ہوگا۔'' بیتو نے خبردار کیا۔ ''ادھر برف والا پہاڑ پاس ہے نا وہاں سے ٹھنڈ آتا ہے۔''

''دیکھ لیں گے یار یاد نہیں ہے ہم نے کئی دن کیسے برفانی علاقے میں گزارے تھے جہاں سوائے برف کے اور کچھ نہیں تھا۔''

''ادھر تو بہت سردی تھا۔''

کچھ دیر بعد میں سو گیا تھا۔ چھ بجے بیتو نے مجھے اٹھا دیا۔ ''شوبی سیتا دیوی ناشتے کا بول کر گیا ہے۔''

''ہاں بس ہمیں روانہ ہونا ہے۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ واش روم سے ہو کر آیا اور درمیانی دروازے سے اندر جھانکا جہاں سیتا اکیلی ناشتہ بنا رہی تھی۔ اتنی صبح بچے یقیناً سو رہے تھے۔ میں لاؤنج میں آیا اور کھنکارا۔ اس نے چونک کر دیکھا اور مسکرائی۔

''اٹھ گئے۔''

''ہاں فریش ہوں۔'' میں میز کے کنارے ٹک گیا۔

''کافی پیو گے ناشتے میں ذرا دیر ہے، سوری میری آنکھ وقت پر نہیں کھلی۔''

''کیوں نہیں اور کوئی بات نہیں ہم ذرا تاخیر سے نکل جائیں گے۔''

اس نے کافی کا پانی رکھ دیا۔ ''تم شملہ جاؤ گے؟''

''ہاں لیکن ہماری منزل اس سے دور ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ پراٹھے بنا رہی تھی۔ ''میں نے راستے کے لیے بھی کچھ چیزیں بنا دی ہیں، ایک دو وقت کھا سکتے ہو۔''

''اس کی ضرورت نہیں تھی تم نے زحمت کی۔''

''میں نے سوچا کہ راستے میں بھی باہر کا کھاؤ گے تو میں کیوں نہ بنا دوں ٹھنڈا ہوگا پر گھر کا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے کافی بنا کر میرے سامنے رکھی اور آہستہ سے بولی۔ ''مجھے ارون کا سوچ کر ڈر لگ رہا ہے۔''

''میں نے کہا نا اس کی طرف سے بے فکر رہو وہ واپس نہیں آئے گا لیکن اس کی گمشدگی کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ مت کہنا۔ میرا خیال ہے جلد اس کی گمشدگی کی خبر پھیلے گی اور پولیس تمہارے پاس آئے گی تب تم وراثت کے لیے کارروائی کرنا اور وہ بھی اس وقت جب پولیس اس کا کیس بند کر دے۔ تم پولیس سے رابطے میں رہو گی تو خود پتا چلتا رہے گا۔ پراوین اور سمیتا اس کے وارث کی حیثیت سے عدالت میں درخواست دے سکتے ہیں۔''

''تم فکر مت کرو میں کسی اچھے وکیل سے مشورہ کر کے یہ کام کروں گی۔''

جب تک میں نے کافی پی اس نے ناشتہ تیار کر دیا اور خود ہی دینے آئی۔ ارون اسے دیکھ کر چونکا مگر وہ اسے دیکھ کر زیادہ چونکی تھی اس نے مجھ سے کہا۔ ''تم نے اسے ایسے ہی چھوڑ رکھا ہے؟''

''میں نے اسے ایسی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے جو نظر نہیں آتی لیکن فولاد سے زیادہ مضبوط ہے یہ صرف بے بس ہی نہیں پوری طرح میرے قابو میں ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''اے ارون ادھر آؤ۔'' میں نے اسے حکم دیا۔ ''کتے کی طرح چاروں ہاتھ پیروں پر چل کر آؤ۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے سیتا کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے قدموں میں سر رکھو۔''

اس بار بھی اس نے حکم کی تعمیل کی تو سیتا اچھل پڑی تھی۔ ''یہ کیسے کیا؟''

''مجھے جادو آتا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور ارون کو واپس جانے کا اشارہ کیا۔ سیتا ناشتہ لگا کر واپس چلی گئی تھی۔ ہم نے ناشتہ کیا۔ اس دوران میں باہر دھوپ پھیل رہی تھی جب کہ مجھے توقع تھی کہ موسم ابر آلود ہو گا مگر خلاف توقع دھوپ نکل آئی تھی۔ ناشتے کے فوراً بعد میں نے سارا سامان ارون اور آئی کن پر لدوایا۔ چاروں کے آرام سے راج کنور کے پاؤں کی حالت خاصی بہتر ہوئی تھی لیکن وہ ابھی اس قابل نہیں ہوا تھا کہ کوئی بوجھ اٹھا سکے۔ بیتو کو ان کے ساتھ روانہ کر کے میں اندر آیا۔ جہاں سیتا دیوی کچن کی میز پر متفکر چہرے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

''ہم جا رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

''شکریہ تو مجھے کہنا چاہیے۔'' اس نے رندھے لہجے میں کہا پھر یک دم اٹھ کر میرے سینے سے لگ گئی۔ ''شوبی میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گی۔''

میں نے نرمی سے اسے خود سے جدا کیا۔ ''میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا اور تمہارے لیے دعا گو رہوں گا۔''

اس نے آنچل سے آنسو صاف کیے۔ ''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کبھی تم کال کرو اگر ملنے نہ آ سکو تو؟''

''کوشش کروں گا۔'' میں نے سر ہلایا حالانکہ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

اس نے ایک بڑا سا تھرمس مجھے پکڑایا۔ ''اس میں کھانا ہے، یہ بارہ گھنٹے گرم رہے گا۔'' پھر اس نے دو تھرماس پکڑائے۔ ''اس میں چائے ہے اور اس میں کافی ہے۔''

''میں ایک بار پھر تمہارا شکر گزار ہوں۔'' میں نے کہا اور باہر جانے لگا تو اس نے ساتھ چلنا چاہا لیکن میں نے روک دیا۔ ''نہیں تمہارا میرے ساتھ نظر آنا مناسب نہیں ہے اگر بعد میں کوئی پوچھے تو تم کہہ سکتی ہو کہ کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں رکنے والے صبح سویرے تمہارے علم میں آئے بغیر یہاں سے چلے گئے۔"

اس نے سر ہلایا اور میں کمرے کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ جب میں گیٹ سے نکل رہا تھا تو سیتا لاؤنج کی کھڑکی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے متوجہ پا کر اس نے ہاتھ ہلایا میں نے جواب دیا اور جیپ کی طرف آیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر آئی کن تھا۔ بیتو اس کے ساتھ تھا۔ جب کہ ارون اور راج کنور پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کے ساتھ آ گیا۔ آئی کن نے جیپ آگے بڑھائی اور ہم اترائی میں جانے لگے تھے۔ میں نے آئی کن سے کہا کہ وہ مرکزی سڑک پر کسی ایسی جگہ نکلے جہاں زیادہ رش نہ ہو۔ اس نے مختلف سڑکوں پر گھماتے ہوئے جیپ کو جنوب میں بالکل قصبے کے آخری حصے میں نکالا تھا۔ یہاں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ سڑک پر آ کر اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "اب کدھر جانا ہے؟"

"بتاتا ہوں۔" میں نے کہا اور عقب سے اس کا بازو پکڑ کر پیچھے کیا۔ اس نے تڑپ کر چھڑانے کی کوشش کی لیکن بیتو نے بھی اسے جکڑ لیا اور میں نے آخری انجکشن آرام سے اسکے ہاتھ میں اتار دیا۔ انجکشن دے کر اسے چھوڑ دیا۔ اس نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔ "تم کو ٹرسٹ نہیں ہے۔"

"نہیں۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "تم بیس لاکھ روپے لے کر دھوکا دے سکتے ہو اور پولیس کے پاس جا سکتے ہو۔"

دس منٹ بعد انجکشن نے اس پر غلبہ پا لیا تھا۔ میں نے اسے حکم دیا۔ "اب تم شملہ کی راہ پکڑو گے پھر سیدھا دہلی جاؤ گے وہاں سے بمبئی جانے والی فلائٹ میں بیٹھ جاؤ گے اور پھر وہاں سے مدراس کی فلائٹ پکڑو گے۔"

"میں ایسا ہی کروں گا۔" اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"گڈ اب روانہ ہو جاؤ اور جلد از جلد شملہ پہنچنے کی کوشش کرو اس کے لیے کوئی پرائیویٹ گاڑی ہائر کر لو۔"

آئی کن سعادت مندی سے قصبے کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ گاڑی اسے وہیں سے مل سکتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور جیپ کا رخ شمال کی طرف کر دیا۔ بیتو نے اسلحے والا بیگ اور دوسرا بیگ پیچھے رکھ دیا تھا۔ اگرچہ یہ حصہ بھی جیپ کے اندر ہی تھا لیکن اس تک رسائی صرف عقبی دروازے سے ممکن تھی اس لیے راج کنور کی طرف سے خدشہ بھی نہیں تھا۔ روانگی سے پہلے میں نے ایک بار پھر اس کی تلاشی لی تھی کہ اس نے موقع پا کر کوئی چیچ یا کانٹا نہ چھپا لیا ہو۔ وہ اب خود چل رہا تھا۔ اگرچہ ہلکا سا لنگڑا رہا تھا مگر اب اسے سہارا نہیں دینا پڑتا تھا۔ آگے کا کہہ نہیں سکتے تھے کہ جب ہمیں پیدل سفر کرنا پڑتا تو اس کی کیا حالت ہوتی؟ ذرا دیر بعد ہم قصبے سے باہر نکل آئے تھے۔ یہاں سے کنور پلس ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا۔ بیتو نے ارون کمار کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کا کیا کرنا ہے؟"

"راستے میں کہیں اتار دیں گے۔" میں نے سرسری سے انداز میں کہا۔ بیتو سمجھ گیا اس نے دانت نکالے تھے۔ میں نے پوچھا۔ "زخم میں تکلیف کیسی ہے؟"

"بہت کم شوبی بس کبھی اچانک زور سے ہاتھ ہلائے تو ٹیس اٹھتا ہے۔ لگتا ہے ہم ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان شاء اللہ۔'' میں نے جیپ کی رفتار بڑھائی تھی کیونکہ یہاں سڑک تقریباً سیدھی اور ہموار تھی۔ ڈرائیونگ کے دوران میری نظر ڈھلان پر بھی لگی ہوئی تھی بعض جگہ جیپ روک کر میں نے گہرائی کا جائزہ بھی لیا تھا۔ مگر جگہ موزوں نہیں لگی۔ بالآخر ایک جگہ مجھے ٹھیک لگی۔ سڑک کے ساتھ یہ تقریباً نوے درجے زاویے کی گہرائی تھی اور اس کی تہہ کم سے کم بھی دو سو فٹ نیچے تھی میں نے جھانک کر دیکھا جھاڑیوں کے درمیان بڑے بڑے پتھر ابھرے ہوئے تھے اور اگر کوئی اوپر سے ان پتھروں پر گرتا تو اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بیتو اور راج کنور سمجھ رہے تھے کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں اور ارون کمار انجکشن کے زیر اثر بے حس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے جیپ سے اترنے کو کہا وہ سعادت مندی سے نیچے اتر آیا۔ بیتو اندر رہا تھا۔ میں نے ارون سے کہا۔

''ارون تمہیں ایک بہادری کا کام کرنا ہے۔''

''کیسا کام؟'' اس نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

''تم یہاں سے دوڑتے ہوئے جاؤ گے اور اس خلا میں چھلانگ لگا دو گے۔'' میں نے کھائی کی طرف اشارہ کیا تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔

''تب تو میں نیچے گر کر مر جاؤں گا۔''

''نہیں مرو گے نیچے ایک جال ہے جیسا کہ سرکس میں ہوتا ہے تم اس پر گرو گے اور بچ جاؤ گے۔''

ہچکچاہٹ کے ساتھ اس نے سر ہلایا۔ ''میں بچ جاؤں گا نا؟''

''ہاں لیکن زور سے خلا میں چھلانگ لگانا تاکہ سیدھا جال پر جاؤ ورنہ ڈھلان پر گرو گے تو لڑھکتے ہوئے نیچے پہنچو گے۔''

میں ایک بار پھر تجربہ کر رہا تھا کہ یہ دوا کس حد تک آدمی کی قوت ارادی ختم کرتی ہے اور وہ کس حد تک آپ کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ارون کمار اس صریحاً خودکشی سے انکار کر دے گا۔ قوت ارادی ختم ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آدمی کہنے پر خودکشی کر لے۔ مگر حیرت انگیز طور پر وہ تیار ہو گیا۔ وہ ذرا پیچھے گیا اور میری طرف دیکھا۔ ''کیا چھلانگ لگا دوں؟''

میں ہاں کہنے والا تھا کہ شمال کی طرف سے ایک گاڑی نمودار ہوئی اور میں نے اسے روک دیا۔ ''نہیں رک جاؤ..... یہ گاڑی گزر جائے اس کے بعد چھلانگ لگانا۔''

یہ بڑے سائز کی نیلے رنگ کی فاکس ویگن تھی۔ اب یہ ماڈل آنا بند ہو گیا مگر برصغیر پاک و ہند میں نظر آتا ہے۔ وہ پاس سے گزری اور جب آگے جا کر ایک موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے ارون کمار سے کہا۔

''اب چھلانگ لگا دو۔''

وہ ہچکچایا۔ ''میں بچ جاؤں گا؟''

''بالکل تم فکر مت کرو۔'' میں نے اسے تسلی دی اور دل ہی دل میں اللہ سے اپنے اس جھوٹ کی معافی مانگی جو میں ایک عورت اور اس کے بچوں کو اس موذی شخص سے نجات دلانے کے لیے بول رہا تھا۔ ارون پیچھے ہٹا اور پھر تیزی سے کنارے کی طرف بڑھا۔ میرا دل ایک لمحے کو رکا تھا۔ آج سے پہلے میں نے بے شمار لوگوں کو مرتے دیکھا تھا کتنے ہی میرے ہاتھ سے مارے گئے تھے لیکن یہ پہلا موقع تھا جب میں کسی شخص کو ایسے مرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ رہا تھا کہ وہ میرے کہنے پر از خود موت کے منہ میں چھلانگ لگا رہا تھا۔ اروِن نے کنارے پہنچ کر ایک لمبی چھلانگ لگائی اور خلا میں غائب ہو گیا اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی اور اس وقت تک نکلتی رہی جب تک وہ نیچے نہیں جا گرا۔ دھپ کی ایک رونگٹے کھڑے کرنے والی آواز آئی تھی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑ رہی تھی۔ میں نے جھکتے ہوئے کنارے سے نیچے جھانکا تو اروِن کا ٹوٹ پھوٹ جانے والا جسم ایک چٹان پر پڑا تھا اور اس کے آس پاس کا پتھر خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ مجھ سے اس سے زیادہ نہیں دیکھا گیا اور میں نے بے اختیار پلٹتے ہوئے قے کر دی۔ صبح کا کھایا پیا ناشتہ نکل گیا تھا۔ بیتو اتر کر میرے پاس آیا اور میری پشت سہلانے لگا۔

''شوبی ٹھیک ہے سب ٹھیک ہے وہ اسی انجام کا مستحق تھا۔''

میں نے پانی کی بوتل لے کر کلی کی اور پھر چند گھونٹ پانی کے پیا۔ ''ہاں یار پر میں نے کسی کو اس طرح راضی خوشی مرتے نہیں دیکھا ہے، اس نے میرے حکم پر چھلانگ لگائی ہے۔''

''آجاؤ ادھر سے چلو کوئی آ گیا تو بلاوجہ شک ہوئے گا۔'' بیتو مجھے جیپ تک لایا اس نے ڈرائیونگ خود سنبھال لی۔ میں نے قمر ماس سے کافی نکال کر لی اس سے میری حالت تیزی سے سنبھلی تھی۔ راج کنور ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد بھرائی آواز میں کہا۔ ''میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ دوا اتنی بھیانک ہو گی۔''

''پتا نہیں کیا بلا ہے اور ذرا سوچو میڈیکل اسٹور پر عام مل رہی ہے بغیر ڈاکٹر کی ہدایت تو ایسی دوائیں کتنی خطرناک ہوں گی جو اسی مقصد کے تحت بنائی گئی ہوں گی اور وہ مارکیٹ میں دستیاب بھی نہیں ہوں گی۔''

بیتو نے کہا۔ ''شوبی اس پر بھی آزماؤ ہم چاہتا ہے یہ کتے کی طرح بھونکے، ہمارے پاؤں چاٹے اور پھر ہم اسے کتے مار زہر دے کر کھانے کو بولے تو یہ کھالے۔''

راج کنور بے حد خوفزدہ ہو گیا تھا۔ ''تم..... تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''ہم اس سے بھی زیادہ کر سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن بیتو کا آئیڈیا اچھا ہے۔ اگر تم نے ہماری مدد نہیں کی تو ہم ایسا ہی کریں گے۔ بیتو راستے میں آنے والے اگلے قصبے سے کتے مار زہر لے لیتا۔''

''میں بتا چکا ہوں میں تمہاری کنور پیلس کی حد تک کوئی مدد نہیں کر سکتا ہوں۔'' اس نے لبوں پر زبان پھیری۔ ''بڑا کنور جانتا ہے کہ میں تمہارے ہاتھ لگ چکا ہوں اس لیے اس نے وہ سارے راستے بند کر دیئے ہوں گے جہاں سے تم میری مدد سے اندر داخل ہو سکتے ہو۔''

''تمہارا اشارہ خفیہ راستے کی طرف ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ لازمی بند ہو چکا ہو گا۔ اس کے علاوہ کنور پیلس کی سکیورٹی میں کچھ لوپس تھے وہ بھی بڑے کنور نے بند کر دیئے ہوں گے۔''

''کیسے لوپس؟''

''مین گیٹ اور اگلی سکیورٹی لائن کے درمیان فاصلہ تھا اگر کوئی گیٹ کے گارڈز پر قابو پا لیتا تو وہ اندر داخل ہو جاتا۔ اگرچہ پیلس کی اصل عمارت تک پہنچنا پھر بھی ناممکن حد تک مشکل ہوتا لیکن آدمی اندر جا سکتا ہے۔ اس علاوہ پیلس کے دائیں طرف ایک کھائی ہے یہ وہی کھائی جس سے پیلس میں جانے والا پُل گزرتا ہے یہ سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ہوتی ہوئی دائیں طرف جاتی ہے۔ اس کی ڈھلان کے ساتھ لگی دیوار صرف بارہ فٹ اونچی تھی اور اس پر باڑھ بھی نہیں تھی لیکن اب یہ راستہ بھی بند ہو گیا ہو گا کیونکہ میں نے خود اسے اونچا کر کے اس پر کیمرے لگانے کا حکم دیا تھا، بس اور کام شروع ہونے والا تھا۔"

"اندر سکیورٹی گارڈز کی تعداد کیا ہے؟"

"ان کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے۔ باہر کے گارڈز سو سے زائد ہیں لیکن پیلس کی اصل سکیورٹی ان پچاس گورکھوں کے پاس ہے جو ہائیلی ٹرینڈ اور مرنے مارنے کو کھیل سمجھتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے پیلس کے اندر داخل ہونا ناممکن ہے۔ وہ بلٹ پروف جیکٹوں اور گیس ماسک سے مسلح ہوتے ہیں۔ ان کے پاس خود کار رائفلیں، خطرناک چھوٹے دستی بم، چاقو اور تاریکی میں دیکھنے والی عینکیں بھی ہوتی ہیں۔ وہ سب جدید ترین وائرلیس کی مدد سے آپس میں رابطے میں ہوتے ہیں۔"

"ان کی تعداد کتنی ہے؟"

"ان کی تعداد پچاس ہے لیکن سب ہر وقت ڈیوٹی پر نہیں ہوتے ہوں گے۔"

اس نے سر ہلایا۔ "عام حالت میں ایک وقت میں بیس ڈیوٹی پر ہوتے اور آٹھ گھنٹے بعد ڈیوٹی بدلتی ہے۔ اسی طرح باہر ایک وقت میں پچاس گارڈز ہوتے ہیں لیکن تمام گارڈز ہمہ وقت چوکنے ہوتے ہیں اور پانچ منٹ کے نوٹس پر وہ پورے پیلس میں کہیں بھی پہنچ سکتے ہیں اس کی باقاعدہ ریہرسل ہوتی ہے۔"

راج کنور پیلس کی سکیورٹی کے بارے میں بتا رہا تھا اور میں ان معلومات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرتا جا رہا تھا۔ بیتو توجہ سے ڈرائیونگ کر رہا تھا اچانک اس نے کہا۔ "شوبی ایک نیلا ویگن آ رہا ہے۔ یہ پہلے ہمارے پاس سے گزرا تھا دوسری طرف گیا تھا اب پیچھے آ رہا ہے۔"

میں نے عقبی آئینے میں دیکھا تقریباً سو گز پیچھے نیلی فاکس ویگن آ رہی تھی لیکن یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ وہی فاکس ویگن تھی یا کوئی دوسری گاڑی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔ "رفتار تیز کرو۔"

بیتو نے ایکسی لیٹر دبایا اور چند لمحے میں لینڈ کروزر بیس میل سے چالیس میل فی گھنٹے کی رفتار پر آ گئی۔ فوراً ہی میں نے فاکس ویگن کی رفتار میں اضافہ ہوتے دیکھا۔ رفتار کے معاملے میں وہ کسی طرح لینڈ کروزر سے کم نہیں تھی مگر اس کے ٹائر سڑک کو اتنا اچھا گرپ نہیں کر سکتے جتنا لینڈ کروزر کے ٹائر کرتے ہیں۔ یہاں سڑک سیدھی تھی اس لیے فاکس ویگن کو دوبارہ سو گز تک پیچھے آنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ بیتو نے مہارت سے ایک موڑ کاٹا اور فوراً ہی پوری بریک لگائی تھی کیونکہ سامنے ہی دو عدد جیپیں کھڑی تھی اور ان کے ساتھ کم سے کم نصف درجن افراد خوف کار ہتھیاروں سے لیس پوزیشن سنبھال کر کھڑے تھے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ "ریورس کرو۔"

لیکن اس سے پہلے بیتو جیپ ریورس کرتا عقب سے فاکس ویگن نمودار ہوئی اور اس نے ترچھا ہو کر راستہ بند کر دیا تھا۔ ہم پھنس گئے تھے۔ پھر فاکس ویگن کا سلائیڈنگ ڈور کھلا اور اس سے ایک شخص نیچے اترا۔ میں نے پلٹ کر اسے دیکھا اور گہری سانس لے کر رہ گیا۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب سے میں نے سنا تھا کہ فتح خان انڈیا میں موجود ہے تب سے میرے ذہن کے کسی گوشے میں موجود تھا کہ کسی وقت بھی اس سے سامنا ہوسکتا ہے۔ اس سے پہلے بھی فتح خان متعدد بار ڈرامائی انداز میں میرے سامنے آچکا تھا۔ مگر گزشتہ کچھ عرصے سے اس کا منحوس سایا مجھے اپنے آس پاس نظر نہیں آیا تھا۔ کبھی کبھی مجھے لگتا کہ اب فتح خان سے میری جان چھوٹ گئی ہے کیونکہ گم شدہ ہیروں کی تلاش میں، میں اس کی مدد نہیں کرسکا تھا اور شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ میں مدد کر بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر اس وقت فتح خان کی صورت دیکھ کر میری ساری خوش فہمی دور ہوگئی تھی۔ فاکس ویگن سے اترنے والا فتح خان ہی تھا۔ اس نے صدری نما لباس پہن رکھا تھا اور بہ ظاہر خالی ہاتھ تھا لیکن مجھے یقین تھا اس کے اس ڈھیلے لباس میں کئی طرح کا اسلحہ روپوش ہوگا اور وہ سیکنڈ کے نوٹس پر اسے نکالنے اور استعمال کرنے پر قادر ہوگا۔ اسے دیکھتے ہی بیتو نے پستول نکالنا چاہا لیکن میں نے روک دیا۔

''نہیں..... ہم گھرے ہوئے ہیں کوئی غیر ضروری حرکت مت کرنا۔''

''شوبی ہم ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔'' بیتو غصے سے بولا۔ ''یہ کتے کا بچہ ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتا۔''

''کیونکہ یہ کتے کا بچہ ہے۔'' میں نے تائید کی۔

فتح خان نیچے اتر کر کھڑا ہوگیا تھا۔ وہ خاموش تھا یعنی اس نے کوئی بکواس نہیں کی تھی۔ میں بھی خاموش بیٹھا رہا۔ البتہ میرا پستول میرے ہاتھ کی پہنچ میں تھا۔ راج کنور ذرا حیران تھا۔ اس نے تجسس سے پوچھا۔ ''شہباز یہ کون ہیں؟''

''میرے دشمن۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا اگر کوئی غلط حرکت کی تو میں تمہیں ضرور شوٹ کردوں گا۔''

اس نے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے ساتھ میں کوئی غلط حرکت کیسے کرسکتا ہوں؟''

فتح خان خاموشی سے غالباً میری بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا تھا اتنا تو وہ بھی سمجھتا تھا کہ اگر میں نے کچھ کرنا ہوتا تو اب کر چکا ہوتا۔ جیپ کا انجن اسٹارٹ تھا۔ بیتو نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی ہم ریورس کر کے ویگن کو ٹکر مارتا ہے اسے راستے سے ہٹا کر ہم یہاں سے نکل سکتا ہے۔''

میں نے بیتو کی تجویز پر غور کیا اور فوراً مجھے محسوس ہوا کہ یہ بہت رسکی تجویز ہے۔ اول تو ہمارے سامنے چھ سے سات مسلح افراد تھے۔ جیپ کے حرکت میں آتے ہی ان کی خود کار گنوں کے دہانے بھی کھل جاتے۔ اتنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہتھیاروں کے خلاف سامنے سے ہمیں کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ دوسرے اگر جیپ ویگن سے ٹکراتی تب بھی لازمی نہیں تھا کہ وہ راستے سے ہٹ جاتی۔ پھر پیچھے فتح خان اور اس کے چند ساتھی اور بھی تھے وہ بھی مزاحمت کرتے۔ اس کے بعد بھی ہم ریورس میں پیچھے جاتے تو بہت دور تک جیپ موڑنے کی کوئی جگہ نہیں تھی اتنی دیر میں سامنے موجود دونوں جیپیں ہمیں آلیتیں۔ اس لیے میں نے بیتو کی تجویز مسترد کر دی۔ ''یہ بہت خطرناک ہے۔ اگر ہم بچ بھی گئے تب بھی فرار مشکل ہے یہ آسانی سے ہماری گاڑی ناکارہ بنا سکتے ہیں۔''

بیتو نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''شوبی تو کیا خود کو ایسے حوالے کر دے؟''

''حالات کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''فی الحال صبر بہتر رہے گا۔'' میں نے کہتے ہوئے بایاں ہاتھ باہر نکال کر بلند کیا اور بولا۔ ''فتح خان میں نیچے آرہا ہوں اپنے کتوں کو پٹا ڈال کر رکھو۔''

''فکر مت کرو شہباز خاناں پٹا ڈلا ہوا ہے ہمارا کتا میری مرضی کے بغیر بھونکتا بھی نہیں ہے۔''

سامنے موجود افراد کے چہرے ساکت رہے یعنی انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ میں اور فتح خان انہیں کتا قرار دے رہے تھے۔ یقیناً انہیں چوں نہ کرنے اور دُم ہلاتے رہنے کا بہت بھاری معاوضہ دیا گیا ہوگا۔ میں نیچے اتر آیا اور نپے تلے قدموں سے فتح خان کی طرف بڑھا۔ وہ چوکنا ہو گیا تھا۔ جب میں دس قدم دور تھا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''بس شہباز خان وہیں رک جاؤ۔''

''اتنی گنوں کے ہوتے ہوئے بھی تم خوفزدہ ہو۔'' میرا لہجہ ہلکا سا استہزائیہ ہو گیا۔

''ہاں..... فتح خان نے اپنی حفاظت کے لیے کبھی دوسرے کا گن پر اعتبار نہیں کیا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''یہ تمہارے واسطے ہے ہمارے واسطے نہیں۔''

میں ٹھہر گیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں ہی بولا۔ ''فتح خان تم کیا چاہتے ہو؟ کیوں بار بار میرے راستے میں آتے ہو۔ میں نے تم سے کیا کہا تھا کہ اب تم میرے سامنے آئے تو مروت اور لحاظ کا ہر رشتہ ختم ہو جائے گا۔''

''ہم کو یاد ہے۔'' اس نے اپنی سفید ہو جانے والی خشخشی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ ''یقین کرو شہباز خان ہم بھی ہر بار یہی سوچتا ہے کہ اب تمہارا سامنا نہیں کرے گا۔ ہم خطرناک دشمن پالنے کا قائل نہیں ہے یا تو اسے مار دیتا ہے اور مار نہ سکے تو اس سے دور رہتا ہے۔ پر تم سے ہمارا ستارہ ملتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسا سبب ہو جاتا ہے کہ تم سے ملنا پڑتا ہے۔''

''اب ایسا کیا سبب ہو گیا؟''

فتح خان نے پھر اپنی خشخشی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ ''پرانا سبب ہے، تم جانتا ہے ڈیوڈ شاتم سے کیا چاہتا ہے۔''

یہ پہلا موقع تھا کہ فتح خان کھل کر بات کر رہا تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''جانتا ہوں لیکن وہ حماقت کر رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایک ایسا انگریز جو جدید دنیا کا پروردہ ہے ایسی احمقانہ بات کا اتنی سنجیدگی سے قائل ہو جائے گا۔''

''معاملہ اُدھر کا نہیں اِدھر کا ہے۔'' فتح خان نے دماغ کے ساتھ دل کی طرف اشارہ کیا۔ ''ادھر کوئی بات منطق سے نہیں آتا ہے اس لیے منطق سے کیسے نکالا جا سکتا ہے۔'' اَن پڑھ اور بہ ظاہر جاہل نظر آنے والے فتح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان نے دانشوروں کی سی بات کی تھی اور وہ یقیناً ہمارے ان بہت سے نام نہاد دانشوروں سے بہتر ہے جن کی ساری دانشوری ان کے نظریات کے تابع ہوتی ہے۔ میں نے سر ہلایا۔

''میں سمجھتا ہوں لیکن ڈیوڈ شا سے اس سلسلے میں میری جتنی بار بات ہوئی اور جو طے ہوا وہ ویسا نہیں کر سکا۔ تب وہ مجھے کس طرح مجبور کر سکتا ہے کہ میں اس کے ساتھ کسی احمقانہ ایڈونچر میں شامل ہو جاؤں۔''

''وہ تم سے ایک اور آخری بار بات کرنا چاہتا ہے۔'' فتح خان نے داڑھی پر ہاتھ پھیرنا چھوڑ کر ناخن سے دانتوں میں خلال شروع کر دیا۔ ''جہاں تک مجبوری کا بات ہے تو اتنا آدمی کس واسطے لایا ہے تم ان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ کیا تم مجبور نہیں ہے؟''

میں نے دل میں تسلیم کیا میں مجبور تھا اتنے مسلح لوگوں سے صرف سپر مین لڑ سکتا تھا کیونکہ اس پر گولیاں اثر نہیں کرتی ہیں لیکن میں گوشت پوست سے بنا انسان ہوں جسے ایک گولی سفر آخرت اختیار کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اس لیے میں زندہ رہنے کے لیے مجبور تھا۔ البتہ ضروری نہیں تھا کہ میں فتح خان کے سامنے اس کا اقرار بھی کرتا۔

''تم جانتے ہو میں نے کبھی خود کو بے بس نہیں سمجھا۔''

اس نے دانت نکالے۔ ''ہم جانتا ہے، اس لیے پورا بندوبست کر کے آیا ہے۔ ہم یہ بھی کر سکتا تھا کہ دو بندے لاتا اور وہ تم کو اور تمہارے ساتھی کو بے ہوشی والا بلٹ مارتا اور ہم تم کو آرام سے ڈھو کر لے جاتا۔ ہم پہلے بھی کئی بار یہ کام کیا پر اب ہم کو اچھا نہیں لگتا ہے تم اچھا اور معزز آدمی ہے اس لیے ہم تم کو معزز آدمی کی طرح لے جانا چاہتا ہے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا اس بار اس کے لہجے میں شرارت نہیں تھی۔ وہ بالکل سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔ ''معزز آدمی کی طرح جانے کی کیا صورت ہے؟''

''تم اپنا اور اپنے ساتھی کا سارا ہتھیار ہمارے حوالے کرے گا۔ کوئی موبائل یا رابطے کا چیز تمہارے پاس نہیں رہے گا۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں لے گا۔''

''تو باقی کیا بچا..... بس کچھ رقم اور یہ گھڑی۔'' میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''فتح خان ہتھیار تم کو دے کر کیا میں خالی ہاتھ رہ جاؤں۔ اس کے بعد تم میرے ساتھ جو چاہے کرو۔''

''نہیں ہم وعدہ کرتا ہے۔ اپنی مری ماں کی قسم کھاتا ہے تمہارے ساتھ کوئی غلط سلوک نہیں کرے گا۔'' فتح خان نے بات کرتے ہوئے اپنی گھڑی دیکھی۔ ''شہباز خان فیصلہ ذرا جلدی کرو ابھی تم کو لے کر جانا بھی ہے۔''

''ڈیوڈ شا کہاں ہے؟''

''شملہ میں ہے۔'' اس بار بھی اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''فرض کرو یہ غلط سلوک ڈیوڈ شا نے کرنے کا فیصلہ کر لیا تو تمہاری مری ماں کی قسم ٹوٹ نہیں جائے گی؟''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''تم جانتا ہے ڈیوڈ شا ٹھنڈے دماغ کا آدمی ہے۔''

''ہاں وہ کھانا کھاتے ہوئے کسی کو ٹھنڈے دماغ سے قتل کر کے اپنا کھانا مکمل کر سکتا ہے۔''

''شہباز خان تم جانتا ہے وہ تم سے کام لینا چاہتا ہے تمہارا جان لینا ہوتا تو اس کے لیے بہت مواقع آیا تھا پر اس نے ایسا نہیں کیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے دل میں تسلیم کیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ''میں اس وقت ایک بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں اور وہ میرے لیے ہر کام سے بڑھ کر ہے اس صورت میں، مَیں ڈیوڈ شا کے کام آنے سے انکار کروں گا تو اس کا ردِعمل کیا ہوگا؟''

''میں جانتا ہے تم کس کام سے جا رہا ہے۔'' فتح خان نے کہا اور ذرا آگے آ کر آہستہ سے بولا۔ ''تم چاہے تو ڈیوڈ شا تمہارے کام آ سکتا ہے۔ کنور پیلس سے کسی کو نکالنا بہت مشکل کام ہے کم سے کم تم دو افراد کے بس کا نہیں ہے۔ اس کے لیے درجنوں مسلح اور تربیت یافتہ افراد اور بہت سارا جدید اسلحہ چاہیے۔''

''جو صرف تم اور ڈیوڈ شا مہیا کر سکتے ہو۔''

''وہی کر سکتا ہے ہمارا اتنا اوقات نہیں ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ میں گفتگو کو بلاوجہ طول نہیں دے رہا تھا میں فتح خان اور اس کے باس کے عزائم جاننے اور اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ فتح خان مجھے ترغیب دے رہا ہے کہ میں شرافت سے اس کے ساتھ چلا چلوں اور اسے ہنگامہ آرائی نہ کرنی پڑے۔ اس کے پاس مجھے مجبور کرنے کے لیے تمام تر قوت تھی لیکن وہ اس کا استعمال نہیں چاہتا تھا ایک بار گولیاں چلنا شروع ہو جائیں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون بچے گا اور کون مارا جائے گا۔ اس وقت زیادہ امکان تو میرا اور بیتو کا تھا۔ ہم دو تھے اور ہمارے مقابلے پر کم سے کم دس افراد تھے۔ فتح خان مجھے غور سے دیکھ رہا تھا میں نے کہا۔

''تم نے کیسے پتا چلایا کہ میں یہاں ہوں۔''

''جیسے ہی مجھے پتا چلا کہ سعدیہ یہاں آ گیا ہے میں نے اِدھر جال بچھا دیا۔ مجھے معلوم تھا تم اِدھر آئے گا اور تم آیا۔''

میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ یہ بات بھارتی ایجنسیوں کی عقل میں نہیں آئی یا ممکن ہے انہیں سعدیہ کی واپسی کا علم ہی نہ ہو۔ میں نے فتح خان سے مطالبہ کیا۔

''میں ایک بار ڈیوڈ شا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم کو اس سے بات کرانے کے واسطے تو لے جا رہا ہے۔'' فتح خان نے عیاری سے کہا اور گھڑی دیکھ کر بولا۔ ''شہباز خاناں وقت ختم ہو گیا۔ اب فیصلہ کرلے ہوش میں جانا ہے یا ہم تم کو بوری کی طرح اٹھا کر لے جائے۔''

فاکس ویگن کے کھلے دروازے سے ایک نال نمودار ہوئی جس کا کیلی بر کسی عام نال سے بڑا تھا یہ تقریباً پون انچ قطر کی تھی۔ یقیناً اس سے بے ہوش کرنے والے ڈارٹ فائر کیے جاتے ہوں گے۔ میں نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''اوکے..... اوکے.....''

''لڑکے کو نیچے بلا لو۔''

میں نے بیتو کو آواز دی۔ ''نیچے آ جاؤ۔''

وہ نیچے اتر آیا اور فتح خان کے سامنے جا کر بولا۔ ''ہمارا نام لڑکا نہیں بیتو ہے۔''

فتح خان نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''بڑا کرنٹ ہے تیرے میں بھی آزما کر دیکھے گا۔''

''فتح خان کام کی بات کرو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب تم اپنا سارا ہتھیار نیچے ڈال دو۔''

میرے اور بیتو کے پاس پستول تھے وہ ہم نے نیچے ڈال دیے۔ فتح خان نے ہمیں پیچھے ہٹنے اور دونوں ہاتھ گردن پر رکھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں نے اعتراض کیا۔ ''یہ کس خوشی میں جب ہم اپنے ہتھیار پھینک چکے ہیں؟''

''تمہارا تلاشی ہوگا۔'' فتح خان نے کہا۔

''ضرور۔'' میں نے کہا۔ ''میرے پاس موبائل ہے میں وہ نکال رہا ہوں۔''

اس سے پہلے فتح خان مجھے روکتا۔ میں نے موبائل نکال اور اچانک ہی ہاتھ گھما کر اسے نیچے کھائی میں پھینک دیا۔ کھائی اچھی خاصی گہری تھی اور اب فتح خان اپنے آدمیوں کو بھیج بھی دیتا تو یہ بھوسے میں سوئی تلاش کرنے کے مترادف ہوتا۔ موبائل میں سفیر، عبداللہ اور وسیم کے نمبرز اور خاصی معلومات تھیں جو کسی صورت فتح خان کے ہاتھ نہیں لگنی چاہئیں تھیں اس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''یہ تم نے اچھا نہیں۔''

''میں اکثر اچھا نہیں کرتا ہوں۔'' میں نے لاپروائی سے کہا اور گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ گردن پر رکھ لیے۔ بیتو تیار نہیں تھا لیکن میرے اشارے پر مجبوراً وہ گردن پر ہاتھ رکھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ فتح خان کے اشارے پر اس کے آدمیوں نے ہمیں گھیر لیا تھا اور متعدد گنوں کے دہانے ہماری طرف تھے۔ تلاشی لے کر انہوں نے میرے پاس سے چاقو اور رقم نکال لی تھی۔ اصل رقم لیپ ٹاپ والے بیگ میں تھی لیکن اس وقت رقم کے بجائے مجھے اپنی اور بیتو کی فکر تھی۔ فتح خان نے چاقو اور رقم رکھ لی۔ میں نے اروِن کا آئی فون اس کھائی میں پھینک دیا تھا جس میں اس نے چھلانگ لگائی تھی اسے اپنے پاس رکھنا قتل کا ثبوت لیے پھرنے کے مترادف تھا۔ فتح خان کی بات سے میں نے اطمینان محسوس کیا کہ وہ سیتا کے بارے میں بے خبر تھا۔ اس آئی فون کی مدد سے وہ بہت کچھ جان سکتا تھا۔ جب اروِن کی لاش ملتی تو اس سے میرا تعلق ثابت ہو جاتا۔ ہماری مکمل تلاشی لے کر ہمارے ہاتھوں میں نائلون کی ہتھکڑیاں لگا دی گئی تھیں۔

میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''میں اس وقت خود کو خاصا معزز محسوس کر رہا ہوں۔''

''ایسا ہوتا ہے یہ جتنا بڑا لیڈر لوگ ہے پہلے اسی طرح جیل جاتا ہے پھر معزز بنتا ہے۔''

''تم مجھے معزز بنا رہے ہو یا گالیاں دے رہے ہو۔ اللہ نہ کرے جو میں اس قسم کا لیڈر بنوں جیسے آج کل ہمارے لیڈر ہیں۔''

''قائداعظم کا دور ان کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔'' فتح خان نے لاپروائی سے کہا اور ہمیں وین میں ڈالنے کا اشارہ کیا۔ ہمیں دھکیل کر وین میں بٹھا دیا گیا۔ اس میں آمنے سامنے چوڑی نشستیں تھیں۔ فتح خان اپنے ایک آدمی کے ساتھ اندر آیا۔ میں نے کہا۔

''یہ گاڑی، اس کا سامان اور اس میں بیٹھا ہوا آدمی تمہارے پاس میری امانت ہے اس میں سے ایک چیز بھی کم ہوئی تو تمہیں حساب دینا ہوگا۔''

''شہباز خان فکر نہ کرو سب پورا ملے گا۔'' اس نے کہا اور سلائیڈنگ ڈور بند کر دیا۔ یہ حصہ بالکل بیک تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑکیوں اور عقبی شیشے گہرے سرمئی رنگ کے تھے اور باہر کا منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ دروازہ بند کرتے ہی وین حرکت میں آئی اس نے موڑ کاٹا اور واپس روانہ ہوگئی۔ دوسری گاڑیوں اور ہماری جیپ کا پتا نہیں تھا لیکن امکان تھا کہ وہ پیچھے آرہے ہوں گے۔ فتح خان کے بیٹھا ہوا دوسرا شخص خاموش اور بہ ظاہر خالی ہاتھ تھا مگر یہاں اس کی موجودگی کا مقصد یقیناً ہمیں قابو میں رکھنا تھا۔ شملہ تک خاصا طویل سفر تھا میں نے فتح خان سے کہا۔

''کیا ہمیں پورا راستہ اسی طرح بندھے ہاتھوں سے بیٹھنا پڑے گا؟''

اس نے ایک بار پھر گھڑی دیکھی اور بولا۔ ''نہیں بس کچھ دیر صبر کرو پھر تم شا کے سامنے ہوگا۔''

''یہ کچھ دیر کئی گھنٹوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''مجھے معلوم ہے شملہ یہاں سے کتنا دور ہے۔''

''میرے کو بھی معلوم ہے۔'' وہ بولا۔ اسی لمحے وین کی رفتار کم ہوئی اور وہ کسی کچے راستے پر آئی تھی۔ وہ ہائی وے سے ہٹ گئی تھی اور کسی قدر بلندی کی طرف جارہی تھی۔ فتح خان نے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز خاناں تم نے ادھر بہت کارنامہ انجام دیا ہے۔ پورا انڈین گورنمنٹ پریشان ہے۔''

''وہ میری تلاش میں ہیں اور اگر راستے میں انہوں نے روک لیا تو میرے ساتھ تم بھی لپیٹ میں آجاؤ گے۔''

''کسی کا باپ بھی ہم کو نہیں روک سکتا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ اسی لمحے وین رک گئی۔ فتح خان نے اس کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر گیا۔ پھر اس نے مجھے اور بیتو کو نیچے آنے کو کہا۔ ہم بھی وین سے اتر آئے۔ یہ جگہ سڑک سے ہٹ کر ایک کسی قدر گول ہموار سطح والی پہاڑی پر تھی اور خاص بات یہاں موجود ایک چھوٹا ہیلی کاپٹر تھا۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ فتح خان کچھ دیر میں ہمیں ڈیوڈ شا کے سامنے پیش کرنے کی بات کیوں کہہ رہا تھا؟ ہمیں باقی سفر یقیناً اسی ہیلی کاپٹر سے کرنا تھا۔ فتح خان نے پستول نکال لیا تھا اور بہت چوکنا ہو رہا تھا۔ یہاں تک صرف وین آئی تھی اور باقی گاڑیاں یقیناً ہائی وے پر محوِ سفر تھیں ویسے بھی ہیلی کاپٹر میں پائلٹ کے علاوہ چار افراد کی گنجائش تھی۔ مجھے اور بیتو کو درمیان میں اس طرح جگہ ملی کہ فتح خان کا ساتھی درمیان میں آیا تھا۔ خود فتح خان پائلٹ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ کیونکہ ہمارے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اس لیے فتح خان کے ساتھی نے میری اور بیتو کی سیٹ بیلٹس باندھی تھیں۔

ہمارے بیٹھتے ہی پائلٹ نے انجن چلا دیا تھا اور ایک منٹ سے بھی پہلے ہیلی کاپٹر کے پنکھے پوری رفتار سے گردش کرنے لگے تھے۔ میں نے دیکھا وین واپس جارہی تھی اور اسی لمحے ہیلی کاپٹر ایک دھچکے سے اوپر اٹھ گیا۔ چند منٹ میں ہیلی کاپٹر خاصا بلند ہو کر جنوب کا رخ کر رہا تھا۔ دس بج رہے تھے اور سورج خاصا بلند ہو رہا تھا۔ بیتو خاصا مایوس تھا اس نے چلا کر میرے کان میں کہا۔ ''شوبی یہ کیا ہے ہم پھر پکڑا گیا۔''

''یہ ہمارا نصیب ہے۔'' میں نے بھی آہ بھری۔ ''ہر کچھ عرصے بعد یہ مشق دہرائی جاتی ہے۔''

''پر شوبی ہر بار ہم بچ جاتا ہے۔''

''کیونکہ ہم زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' میں نے کہا ہیلی کاپٹر نے رفتار پکڑ لی تھی۔ اس چھوٹے لیکن جدید ہیلی کاپٹر کا انجن طاقتور تھا اور یہ سنکاری کے ہیلی کاپٹر سے کہیں تیز تھا۔ مشکل سے بیس منٹ گزرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں گے کہ شملہ کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اگرچہ ہم نے ہیڈ فون نہیں لگا رکھے تھے اس کے باوجود اندر شور کم تھا۔ ورنہ اب تک جن ہیلی کاپٹرز میں سفر کیا تھا ان کا شور دماغ خراب کرنے کے لیے کافی ہوتا تھا۔ مزید چند منٹ بعد ہم ایک پہاڑی کے اوپری حصے میں بنے خوب صورت مینشن کے ہیلی پیڈ پر اتر رہے تھے۔ تمام پہاڑی مقامات کی طرح شملہ میں بھی آبادیاں مختلف پہاڑی ڈھلانوں پر ہیں۔ کہیں عام افراد کی آبادیاں تھیں۔ یہاں قریب قریب کھلونوں کی طرح مکانات تھے۔ طرز تعمیر بس گزارے لائق تھا۔ کہیں درمیانے درجے کی آبادیاں تھیں جن میں صاف ستھری اور خوب صورت کئی کئی منزلہ عمارات، بازار اور چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے۔

چند ایک آبادیاں امرا کی تھیں جن میں جگہ چھوڑ اعلیٰ تعمیراتی ذوق کی حامل عمارات تھیں۔ ان کی شان و شوکت ان کی وسعت سے ظاہر تھی۔ یہ پہاڑی بھی امرا کے لیے مخصوص تھی۔ یہاں صاف ستھری کشادہ سڑکیں جن کے ساتھ گرین بیلٹ بھی تھی۔ ڈھلان پر جا بہ جا اونچے اور خوب صورت پہاڑی درختوں کے چھوٹے چھوٹے جنگل، سڑکوں کے علاوہ پیدل آمد و رفت کے لیے جگہ جگہ پتھر اور لکڑی سے بنی سیڑھیاں تھیں جن کے دائیں بائیں ریلنگ بھی لگائی گئی تھی۔ ہیلی کاپٹر سے یہ سب صاف نظر آ رہا تھا۔ ہم جس مینشن کے ہیلی پیڈ پر اتر رہے تھے اس میں کئی عمارتیں تھیں۔ کئی سطحوں پر بنے باغات تھے۔ ایک بڑا کار پورچ تھا جس میں نصف درجن قیمتی گاڑیاں پارک تھیں اور اس سے کہیں زیادہ گاڑیاں پارک ہو سکتی تھیں۔ تمام عمارتوں کے اوپر گلابی کھپریل کی چھت تھی اور عمارتوں پر دودھیا گلابی رنگ تھا۔ ہیلی کاپٹر ہلکے سے دھچکے کے ساتھ ہیلی پیڈ پر اتر گیا۔ پائلٹ نے انجن بند کیا اور سیٹ بیلٹ کھولتا ہوا نیچے اتر گیا۔

فتح خان کے ساتھی نے ہماری سیٹ بیلٹس کھولیں اس دوران میں فتح خان بھی نیچے اتر گیا تھا اس نے میری طرف کا دروازہ کھولا اور میں نیچے اترا فتح خان مسکرایا۔ ''دیکھا تم کو گھنٹے سے بھی پہلے ادھر لے آیا ہے۔''

''تمہاری مہربانی۔'' میں نے چاروں طرف دیکھا۔ ''یہ کون سی جگہ ہے۔''

''اسے پنک مینشن کہتے ہیں۔'' فتح خان نے بتایا۔ ''راجستھان کے ایک ٹھاکر کی ملکیت ہے۔''

''اوہ اسی مناسبت سے پنک ہے۔'' میں نے کہا۔ بیتو اور فتح خان کا ساتھی بھی اتر آئے تھے۔ فتح خان نے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ ایک چھوٹی عمارت کی طرف بڑھا۔ دروازے پر ایک راجپوتی گارڈ موجود تھا اس نے سوالیہ نظروں سے فتح خان کی طرف دیکھا تو اس نے اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ ''ہٹو راستے سے خانہ خراب۔''

گارڈ جس نے راجپوتی پگڑی باندھ رکھی تھی خونخوار نظروں سے فتح خان کو دیکھا جو اس کی طرف دیکھے بغیر اندر جا چکا تھا۔ مگر وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں اور بیتو فتح خان کے پیچھے تھے اور فتح خان کا آدمی ہمارے پیچھے تھا۔ فتح خان ہمیں ایک نشست گاہ میں لایا۔ یہاں فرش پر قالین اور چند گدیوں والے صوفے تھے دیواریں سادہ اور ایک طرف آتش دان تھا۔ فتح خان نے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے اپنے آدمی کو حکم دیا۔

''ان کے ہاتھ کھول دو۔''

اس نے چاقو نکالا اور نائلون کی ہتھکڑی کاٹ دی۔ میرا ہاتھ آزاد ہوتے ہی فتح خان نے پستول نکال کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا رخ بیتو کی طرف کر دیا۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ کس لیے فتح خان؟''

''حفظِ ماتقدم۔'' وہ مکاری سے بولا۔

''تمہاری اردو خاصی بہتر ہو گئی ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ میری کلائیوں پر نشان پڑ گئے تھے لیکن میں نے فتح خان کے سامنے انہیں سہلانے سے گریز کیا۔ بیتو آزاد ہو کر میرے ساتھ بیٹھا تھا کہ فتح خان نے حکم دیا۔

''اسے لے جاؤ یہاں سے۔''

''یہ یہیں رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے جو بات کرنی ہے اس کے سامنے کرو ورنہ چپ رہو۔''

میرے دوٹوک لہجے پر فتح خان کا رنگ بدلا تھا مگر وہ چالاک آدمی تھا۔ اس نے بات بدل دی۔ ''ٹھیک ہے کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اصل میں ڈیوڈ شا سے صرف تمہاری ملاقات ہو گی۔''

''تب کی تب دیکھی جائے گی، ویسے ڈیوڈ شا کہاں ہے؟''

فتح خان نے شانے اچکائے۔ ''وہ باس ہے میں کیا کہہ سکتا ہے لیکن اس کو پتا چل گیا ہو گا تم ادھر آ گیا ہے وہ تم سے ملے گا۔ تم کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟''

''ہاں کوئی گرم چیز مل جائے تو اچھا ہے۔ گرم چیز سے مراد چائے کافی ہے۔''

فتح خان نے میز پر رکھی گھنٹی کا بٹن دبایا اور مترنم آواز گونجی فوراً ہی دروازے کھلا اور ایک نوعمر خادمہ اندر آئی۔ اس کی عمر شاید سولہ سترہ برس تھی لیکن وہ لڑکی نہیں رہی تھی۔ ایک خاص قسم کی تجربے کاری اس کے چہرے اور تاثرات سے جھلک رہی تھی۔ اس نے ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ وہ اندر آ کر دونوں ہاتھ جوڑ سے کھڑی ہو گئی۔ فتح خان نے اسے حکم دیا۔ ''چائے اور کافی کے ساتھ کچھ کھانے کو لاؤ..... پر خیال رکھنا ادھر سب مسلمان ہے کوئی حرام یا جھٹکے والا چیز مت لانا۔''

خادمہ کے جانے کے بعد میں نے فتح خان سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں ایسی چیزوں سے فرق پڑتا ہے؟''

''کلمہ شریف تو میں بھی پڑھا ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔ اس نے اب پستول گود میں رکھ لیا تھا مگر اس کے دستے پر اس کی گرفت موجود تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ میری طرف سے کچھ زیادہ ہی چوکنا تھا۔ شاید ڈیوڈ شا نے اسے وارننگ دی تھی کہ کسی گڑبڑ کی صورت میں ذمے دار اسے قرار دیا جائے گا۔ حالانکہ ہم یہاں آ گئے تھے تو اب یہاں سے فرار تقریباً ناممکن حد تک مشکل تھا۔ جس جگہ ڈیوڈ شا تھا وہاں کی حفاظت میں کوئی سقم مشکل سے پایا جا سکتا تھا۔ میں نے راج کنور کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''راستے میں ہے۔''

''وہ یہاں آئے گا؟''

''نہیں وہ کہیں اور جائے گا۔''

''میری گاڑی اور سامان؟''

''گاڑی نہیں آئے گی سامان آ جائے گا۔'' فتح خان نے صاف گوئی سے کہا۔

''تب ہو سکے تو ایک کام کرو گاڑی کو شملہ میں کہیں لاوارث چھوڑ دو۔ پولیس اسے خود اس کے مالک تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہنچا دے گی۔"

فتح خان نے سر ہلایا۔ "میرے آدمی ایسا ہی کریں گے۔"

میں صوفے پر ذرا پھیل کر بیٹھ گیا۔ "تمہارے دماغ سے ہیروں کا خناس نکل گیا ہے یا ابھی باقی ہے؟"

"ابھی ہم اس پر نہیں سوچ رہا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے خناس باقی ہے۔" میں نے کہا۔ "فتح خان تم نے جتنا وقت، رقم اور قوت ان ہیروں کے چکر میں ضائع کی ہے کسی اور کام میں لگاتے تو ان ہیروں کی مالیت سے زیادہ ہی حاصل کر سکتے تھے۔"

"کبھی کبھی ہم بھی سوچتا ہے۔" اس نے اپنی شیو کھجائی۔ "پر کوئی اور ایسا کام ملا ہی نہیں۔"

"حالانکہ جو کام تم ڈیوڈ شا کے لیے کر رہے ہو یہی کر لیتے۔ اس خطے میں اسلحے اور منشیات کی اسمگلنگ سے زیادہ نفع بخش کاروبار اور کوئی نہیں۔ انسانوں کی اسمگلنگ بھی اب اربوں کا بزنس بن چکا ہے۔ اگر اس سے نیچے کا کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو وطنِ عزیز میں زمینوں پر قبضہ بھی ایک اچھا بزنس ہے۔ اسی طرح ایک لائن لگی ہے تمہارے مطلب کے کاموں کی۔"

"بات وہی ہے میں نے توجہ نہیں دیا۔" اس نے ٹھنڈا سانس لیا۔

"اب اپنے باس سے بات کرلو وہ تمہیں یورپ لے جائے وہاں اس کام میں بہت پیسہ ہے یعنی کرائے کے فوجی وہاں بہت کماتے ہیں۔"

"میں سوچے گا۔" فتح خان نے بیزاری سے کہا۔ "پہلے ایک کام تو کر دے۔"

"اگر تمہارا اشارہ میری طرف ہے تو تم یہ کام کر چکے ہو۔"

"ہاں مگر اصل کام باقی ہے تم کو ڈیوڈ شا کا کام کرنے پر راضی کرنا۔"

"یہ تمہارا نہیں اس کا کام ہے۔"

فتح خان نے جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان بھی تھا حالانکہ اس نے اپنا مشن کامیابی سے مکمل کر لیا تھا۔ کچھ دیر بعد خادمہ ایک ٹرالی پر چائے اور کافی کے لوازمات کے ساتھ کھانے پینے کو بھی اچھا خاصا لے آیا۔ اس میں سموسے، سینڈوچز، ترکاری اور روٹی سے بنے پورے تھے۔ اس کے ساتھ مختلف طرح کی چٹنیاں تھیں۔ ان کے متوازی کوکیز، بسکٹس اور کیک پیس کی انگلش ریفرشمنٹ بھی تھی۔ وہ سب سے پوچھ پوچھ کر چیزیں نکال کر سرو کرنے لگی۔ بیتو نے بلا تکلف سب نکلوا لیا۔ میں نے سموسے اور پورے لیے ایک کٹوری میں املی کی چٹنی بھی تھی۔ فتح خان نے بھی سموسے لیے تھے۔ ابھی اس نے کھانا شروع کیا تھا کہ موبائل نے بیل دی۔ اس نے پلیٹ رکھ کر موبائل نکالا اور اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اس نے نظروں میں اپنے آدمی کو کوئی اشارہ کیا اور کال ریسیو کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ میں نے صرف اتنا سنا۔

"یس سر....."

فتح خان کے جاتے ہی میں نے حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے برابر میں بیٹھے بیتو کو کہنی ماری تو اس نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلایا تو وہ سمجھ گیا۔ فتح خان کا آدمی ہمارے دائیں طرف موجود تھا۔ وہ دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ میں نے سرخ مرچوں کی چٹنی کی پلیٹ اٹھائی اور اسے اپنی طرف کھینچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور فوراً ہی اس پر کھینچ مارا۔ ابھی پلیٹ راستے میں تھی کہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا میرا خیال تھا کہ چٹنی کی پلیٹ اس کے منہ نہیں تو جسم پر ضرور لگی ہو گی مگر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ وہ ایک طرف کھسک کر پلیٹ اور چٹنی سے بچ گیا۔ پلیٹ دروازے سے ٹکرا کر ٹکڑوں میں بٹ گئی اور چٹنی نے دروازے اور دیوار پر نئے ڈیزائن بنائے تھے۔ فتح خان کا آدمی بچ گیا بس چٹنی کے چند چھینٹے اس پر آئے تھے۔

میں کافی کی تام چینی کی کیتلی اٹھاتے ہوئے اس کی طرف جھپٹا اور گھما کر اسے کیتلی ماری۔ اس بار بھی وہ حیرت انگیز پھرتی سے بچ نکلا تھا اس نے غوطہ مارا اور ایک طرف جا گرا اگلا وار بیتو نے کیا اس نے چائے کی کیتلی اٹھا کر ماری۔ میرا خیال تھا کہ وہ اب نہیں بچ سکے گا مگر وہ تو شاید بجلی کا بنا ہوا تھا اٹھتے اٹھتے وہ واپس گرا اور چائے دانی اس کے اوپر سے گزر دیوار سے ٹکرائی اور بکھر گئی لیکن اس سے پہلے کہ کھولتی چائے اس پر گرتی اس نے سانپ کی طرف کروٹ لی اور دیوار سے دور ہو گیا۔ چٹنی کی پلیٹ کی پرواز کے ساتھ ہی خادمہ چیخ مار کر مخالف کونے میں چلی گئی تھی۔ مسلسل تین وار سے بچ کر اس نے ثابت کر دیا تھا کہ فتح خان ایسے ہی اسے ہم پر مسلط کر کے نہیں گیا تھا۔ میں یک دم محتاط ہو گیا۔ میں نے اس پر نظر جماتے ہوئے بیتو سے کہا۔ ''خادمہ کے پاس چلے جاؤ اسے قابو رکھو۔ درمیان میں مداخلت مت کرنا یہ میرا حکم ہے۔''

بیتو زخمی تھا اور اس کا زخم ابھی پورا طرح نہیں بھرا تھا اس لیے میں اسے اس شخص سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ بیتو ویسے بھی جسمانی لڑائی کا ماہر نہیں تھا عام آدمی کو آسانی سے قابو کر سکتا تھا لیکن یہ یقیناً عام شخص نہیں تھا۔ وہ قالین سے اٹھا اور مسکرایا تو اس کے چوڑے اور سفید دانت نمایاں ہوئے تھے۔ نقوش سے وہ مقامی لگ رہا تھا شاید اس کی رگوں میں ملی جلی نسلوں کا خون تھا اس میں تبتیوں کی جھلک بھی تھی۔ سرگھٹا ہوا تھا اور جسم گٹھا ہوا تھا۔ کسی قدر لوز پتلون اور ڈریس شرٹ میں اتنا پتا نہیں چل رہا تھا۔ اس نے نرم لہجے اور انگریزی میں کہا۔ ''مسٹر شہباز..... پلیز کام ڈاؤن.....''

جواب میں، میں نے اس کے مشورے کے برعکس کیا اور اس بار دوسری چٹنی کی پلیٹ اس پر ماری اور ساتھ ہی خود بھی جھپٹا میرا نشانہ اس کا جبڑا تھا لیکن میرا مکا جب اس مقام پر پہنچا جہاں اس کا جبڑا ہونا چاہیے تھا تو وہاں مجھے خلا ملا۔ وار میں بہت قوت تھی اور اس قوت نے مجھے گھمایا۔ اس نے نیچے بیٹھتے ہوئے کک گھمائی اور میں جو پہلے ہی غیر متوازن تھا دھڑام سے نیچے گرا۔ دبیز قالین نے کسی چوٹ سے محروم رکھا۔ مگر ناکامی کا صدمہ بھی کم نہیں تھا۔ میں نے دونوں ٹانگیں گھمائیں اور وہ پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ اوپر کرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر شہباز مجھے تسلیم ہے تم ایک اچھے فائیٹر ہو لیکن اس وقت تم بیکار کی مشق کر رہے ہو ممکن ہے تم مجھ پر قابو پا لو لیکن تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔''

''یہ میں تم پر قابو پانے کے بعد سوچوں گا۔'' میں نے اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''تم میری بات نہیں سمجھ رہے ہو ذرا اپنے ساتھی کی طرف دیکھو۔''

میں نے اس پر سے نظر نہیں ہٹائی اور بیتو سے پوچھا۔ ''تم ٹھیک ہو؟''

''نہیں شوبی۔'' وہ مرجھائے لہجے میں بولا۔ ''ہم نرپ ہو گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس بار اس کی طرف دیکھا۔ بجائے اس کے وہ خادمہ کو قابو کرتا الٹا خادمہ نے اسے قابو کر رکھا تھا اس نے نہ جانے کہاں سے ایک چھوٹا سا چاقو نکال کر بیتو کی گردن سے اس کی نوک لگا رکھی تھی۔ میں نے گہری سانس لی اور دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ ''او کے میچ ڈرا.....''

اسی لمحے فتح خان اندر آیا اور اس نے سرسری سے انداز سے کمرے کا جائزہ لیا اور سوالیہ نظروں سے اپنے آدمی کی طرف دیکھا اس نے کہا۔ ''مسٹر شہباز ایک میچ چاہ رہے تھے۔''

اس نے ناگواری سے میری طرف دیکھا۔ ''تم باز نہیں آؤ گے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔ ''میں باز آ گیا..... تمہاری چند پلیٹوں اور کیتلیوں کا نقصان ہوا ہے وہ اس رقم سے کاٹ لینا جو تم نے مجھ سے قبضے میں لی تھی۔''

فتح خان نے پستول نکال لیا اور اپنے آدمی سے کہا۔ ''اسے لے جاؤ'' اس کا اشارہ بیتو کی طرف تھا۔

''یہ نہیں جائے گا'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' فتح خان لاپروائی سے بولا اور اس نے خادمہ کی طرف دیکھا۔ ''اس کا ایک کان کاٹ دو۔''

خادمہ نے بیتو کا کان پکڑا تھا کہ میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''او کے اسے لے جاؤ لیکن اسے کوئی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔''

فتح خان کے اشارے پر اس کے آدمی نے بیتو کا بازو پکڑا اور اسے وہاں سے لے گیا۔ فتح خان نے ملازمہ کو صفائی اور دوسری چیزیں لانے کا حکم دیا۔ میرا اندازہ اس کے بارے میں غلط نکلا تھا وہ صرف ایک معاملے میں ہی نہیں بلکہ دوسرے کئی معاملات میں خاصی تجربے کار تھی اس نے بیتو کو مہارت سے قابو کر رکھا تھا۔ اس نے پلیٹوں اور کیتلیوں کے ٹکڑے ٹرالی میں جمع کیے اور وہاں سے چلی گئی۔ میں اور فتح خان ایک بار پھر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ خادمہ صفائی کا سامان لائی اور اس نے تیزی سے دیواروں اور قالین سے صفائی کی اور چلی گئی۔ فتح خان نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم بلاوجہ یہ سب کر رہے ہو تم کسی صورت یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے ہو تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ یہاں کیسی سکیورٹی ہے۔''

''اور تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ انسان کے اندر آزادی کی کیسی تڑپ ہوتی ہے۔''

''یہاں سے صرف تمہاری روح آزاد ہو کر جا سکتی ہے۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن یہ دھمکی مجھے کوشش کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی ہے فتح خان یہ بات تم بھی جانتے ہو۔''

''میں دھمکی نہیں دے رہا بچ کہہ رہا ہوں یہاں خودکار اسنائپر گن لگا ہوا ہے اس کا کمپیوٹر کسی بھی غیر متعلقہ آدمی کو دیکھتے ہی شوٹ کر دیتا ہے۔ تم یہاں سے باہر جائے گا اور مارا جائے گا۔''

''کمپیوٹر یہ فیصلہ کیسے کرتا ہے کہ کون متعلقہ ہے اور کون نہیں ہے؟''

''یہ میں نہیں جانتا لیکن میں دیکھ چکا ہے یہاں کچھ جگہیں ہیں جہاں کوئی نہیں جاتا ہے اور اگر کوئی چلا جائے تو مارا جاتا ہے۔ یہاں زمین اور دیوار میں پھندے ہیں جو آدمی کو پکڑ لیتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک آدمی نشے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس حصے میں چلا گیا اور گن نے اسے شوٹ کر دیا۔ وہ خود کار ڈھا۔"

میں حیران ہوا۔ "یہ سیکورٹی اس مینشن کی ہے یا خاص طور سے ڈیوڈ شا کے لیے کی گئی ہے؟"

"میرا خیال ہے اسٹائپر گن ڈیوڈ شا کی ہے۔" فتح خان نے کہا۔ "باقی سیکورٹی پہلے سے ہے۔ ٹریپ بنانا چند دن کا کام نہیں ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا ڈیوڈ شا جدید الیکٹرانک سیکورٹی پر بہت انحصار کرتا تھا کیونکہ اس میں آدمی کم ہوتے ہیں اور الکوریسی زیادہ ہوتی ہے اسے دھوکا دینا بھی مشکل کام ہوتا ہے۔ آدمی بک جاتے ہیں یا اپنی کمزوری کی وجہ سے ناکام ہو جاتے ہیں جب کہ آلات نہ تو بکتے ہیں اور نہ ہی ان میں کمزوری ہوتی ہے۔ فتح خان نے مجھے سب آرام سے بتا دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ خود بھی ڈیوڈ شا کے لیے دل سے کام نہیں کر رہا تھا اس کا رویہ کسی قدر باغیانہ لگ رہا تھا۔ میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ "کیا بات ہے تم ڈیوڈ شا سے فرنٹ لگ رہے ہو؟"

اس نے گہری سانس لی اور پھر اچانک ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ وہ منہ سے بولا تو اس کا لہجہ نارمل تھا۔ "تمہیں غلط فہمی ہوا ہے۔ میں شا کے لیے ہی کام کر رہا ہے۔"

"پھر تم مجھے سب اتنی آسانی سے کیوں بتا رہے ہو؟"

اس نے شانے اچکائے۔ "اس بار شا نے مجھ کو منع نہیں کیا۔ اس لیے بتا رہا ہے۔"

"کیا ڈیوڈ شا میرا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہے؟"

"یہ تو وہی جانتا ہے۔" فتح خان نے مطمئن انداز میں سر ہلایا جیسے میں بالکل درست بات کر رہا ہوں۔ "پر وہ مجھ کو ہر بار مکمل ہدایت دیتا ہے اس بار ایسا نہیں دیا۔ وہ جانتا ہے میں دماغ کا آدمی نہیں ہے۔ میں تو عمل کرنا جانتا ہے۔"

"بیتو کہاں ہے؟"

"فکر مت کرو وہ ادھر ہی ہے۔"

"اگر تم یا ڈیوڈ شا سمجھ رہے ہو کہ مجھے یا میرے کسی ساتھی کو یرغمال بنا کر کام پر آمادہ کر لو گے تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔"

"مجھ کو کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔" فتح خان نے کہا۔ "یہ فیصلہ شا نے کرنا ہے۔"

شاید بیتو کو مجھ سے الگ کرنے کا فیصلہ پہلے ہی کر لیا گیا تھا تاکہ میرے ہاتھ پاؤں بندھے رہیں اور میری حرکت کو جواز بنا کر اس پر عمل کیا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ فتح خان اور ڈیوڈ شا مجھے کم سے کم تاثر دینا چاہتے تھے کہ وہ مجھ پر کوئی جبر کر رہے ہیں۔ خادمہ نئے سرے سے ٹرالی سجا کر لے آئی تھی لیکن اب میرا موڈ نہیں تھا میں نے صرف کافی طلب کی جو اس نے نزاکت اور سلیقے سے بنا کر پیش کی۔ اس وقت یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ اسی لڑکی نے کچھ دیر پہلے بیتو کو قابو کر لیا تھا۔ میں نے کافی کا سپ لیا اور فتح خان کی طرف دیکھا۔ "بے شک تم لوگوں نے مجھے قابو کر لیا ہے لیکن تم جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں ڈیوڈ شا کا ایک مقصد ہے۔ وہ مجھ سے تعاون چاہتا ہے دوسری طرف میرے ساتھی مشکل میں ہیں۔ سعدیہ اپنے ہی بھائی کی قید میں ہے۔ مجھے بہر صورت اسے وہاں سے نکالنا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھ رہا ہے۔''

''تم نہیں سمجھ رہے ڈیوڈ شا سے کہو کہ اگر وہ مجھ سے تعاون چاہتا ہے تو میرا وقت ضائع نہ کرے۔ جتنا وقت گزرتا جائے گا میرے ساتھیوں کا اضطراب بڑھے گا اور جب میں ان سے رابطہ نہیں کروں گا تو وہ یہاں آنے کی سوچیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ یہاں آئیں۔ اس لیے ڈیوڈ شا جلد مجھ سے بات کرے اور مجھے میرے ساتھیوں سے رابطے کی مہلت دی جائے۔''

فتح خان سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ ''شا کو بتاتا ہے۔ وہی فیصلہ کرے گا۔''

''اسے بتا دینا تاخیر سے صرف مجھے ہی نہیں اسے بھی نقصان ہوگا۔ اس لیے جو کرنا ہے جلد کرے۔'' میں نے خبردار کرنے کے انداز میں کہا۔ فتح خان کمرے سے نکل گیا۔ خادمہ وہیں تھی اور وہ فتح خان کے جانے کے بعد چوکنا ہوگئی میں نے مسکرا کر کہا۔

''فکر مت کرو، میں عورتوں پر ہاتھ اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔''

''اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ میری حیثیت ایک خادمہ سے زیادہ نہیں ہے۔''

''ہر انسان کی ایک حیثیت ہوتی ہے بہر حال تم جن لوگوں کے لیے کام کرتی ہو وہ اپنے سوا کسی کو انسان سمجھتے ہی کہاں ہیں؟..... ایسی وے تمہارا کوئی نام ہوگا؟''

اس نے سر ہلایا اور سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''مجھے پوجا کہتے ہیں سر۔''

پوجا کسی قدر بھرے جسم کی اور چھوٹے قد کی لڑکی تھی۔ خادمہ ہوتے ہوئے بھی وہ نک سک سے تیار تھی اور اس نے مکمل میک اَپ کر رکھا تھا حد یہ کہ آنکھوں کا میک اَپ بھی تھا۔ میں نے کافی کا مگ میز پر رکھا۔ ''خوب صورت نام ہے۔''

''سر میں خود بھی خوب صورت ہوں اگر آپ کو میری کسی اور خدمت کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔''

اس کا اشارہ واضح تھا میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہارے آقا جنہوں نے مجھے یہاں قید کیا ہے اور تمہاری صورت میں ایک حسین نگران مقرر کیا ہے وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں میں پھول کو کھلا دیکھ کر خوش ہونے والوں میں سے ہوں اسے شاخ سے توڑنے اور مسلنے کا مجھے قطعی شوق نہیں ہے۔''

''سر اور کافی پیش کروں؟''

''ضرور یہاں سردی کچھ زیادہ نہیں ہے اور وہ بھی اس موسم میں؟''

''یہ جگہ سات ہزار چار سو فٹ بلند ہے سر اور کل رات بارش بھی ہوئی ہے اس لیے سردی بڑھ گئی ہے۔''

سردی کی صرف یہی ایک وجہ نہیں تھی بلکہ شملہ کا یہ حصہ برف پوش پہاڑوں کی قربت میں تھا اس وجہ سے بھی یہاں سردی زیادہ تھی۔ ورنہ طول البلد میں شملہ لاہور سے بھی نیچے ہے۔ میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔ ''ٹھاکر یہیں ہوتا ہے؟''

''نہیں ٹھاکر جی بہت کم یہاں آتے ہیں۔'' اس نے مختصر اور غیر واضح جواب دیا۔

''کوئی نام ہوگا ٹھاکر جی کا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی ٹھاکر گھمبیر سنگھ..... راجستھان اسمبلی کے ممبر بھی ہیں۔''

''گویا خیر سے نیتا جی بھی ہیں۔'' میں نے کہا۔ اس وقت بارہ بج رہے تھے۔ میری گزشتہ روز ہی پاکستان بات ہوئی تھی کم سے کم آج کا دن انہیں ٹینشن نہیں ہوتی لیکن جب میں مزید ایک دن اور رابطہ نہ کرتا تو میرے ساتھی پریشان ہو جاتے اور مزید ایک دو دن بعد وہ یہاں آنے کی تیاری شروع کر دیتے کم سے کم وسیم کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ رہ نہیں سکے گا میرے ساتھ اسے سعدیہ کی فکر بھی ہوگی۔ درحقیقت میں اپنے ساتھیوں کے بغیر خود کو ادھورا اور کمزور محسوس کر رہا تھا اور ایسا بہت کم ہوا تھا ورنہ میں دشمن اور حوادث کے سامنے اکیلا ہو کر خود کو زیادہ مضبوط محسوس کرتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے ساتھی کسی مشکل میں پڑیں یا ان کی وجہ سے میں کہیں مجبور ہو جاؤں لیکن بعض مقامات ایسے آتے ہیں جب انسان کو دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ معاملہ ایسا ہی تھا میں اور بیتو اس سے نمٹنے کے لیے ناکافی تھے مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا مزید کوئی ساتھی اس جہنم میں آ کر پھنسے جہاں پاکستانی ہونا سب سے بڑا جرم تھا۔ بلکہ اب تو میں اور بیتو بھی پھنس گئے تھے۔ پونے ایک بجے دروازہ کھلا اور فتح خان اندر آیا۔

''شاکھانے کا ٹیبل پر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

میں کھڑا ہو گیا۔ ''لیکن پہلے میں واش روم جاؤں گا۔''

''آؤ میرے ساتھ۔'' فتح خان نے کہا اور مجھے ایک آراستہ پیراستہ واش روم تک لے آیا۔ ''جلدی کرنا لنچ ایک بجے شروع ہو جاتا ہے۔''

''پتا ہے مجھے انگریزوں کا ان کا بس چلے تو مرنے کا وقت بھی خود طے کریں اور پھر اسی وقت پر مریں۔'' میں کہتے ہوئے واش روم میں آ گیا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے منہ ہاتھ دھوئے اور خود کو تازہ دم کیا۔ بال درست کیے میری شیو بڑھی ہوئی تھی لیکن اس نے باقاعدہ داڑھی کی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ سر کے بال بھی مناسب تھے میں برا نہیں لگ رہا تھا۔ واش روم سے نکل کر فتح خان کے ساتھ روانہ ہوا۔ ہم باہر آئے مینشن کی مرکزی عمارت کی طرف بڑھے۔ یہاں بڑے ڈائننگ ہال میں کم سے کم پچاس افراد کے لیے مخصوص میز پر ڈیوڈ شا اکیلا موجود تھا۔ فتح خان مجھے یہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ڈیوڈ شا سربراہ والی کرسی پر براجمان تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور بغیر کسی تاثر کے بولا۔

''شہباز ملک..... تمہیں دوبارہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔''

میرا دل چاہا کہ کہوں اسے دیکھ کر مجھے کوفت ہوئی ہے لیکن اس کے بجائے میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''میرا خیال ہے شروع کیا جائے مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

ڈیوڈ شا نے سر ہلایا۔ وہاں موجود دو خادماؤں نے سرونگ شروع کر دی۔ یہ مغربی انداز کا کھانا تھا جس میں ایک ایک چیز سامنے لائی جاتی تھی اور جب وہ کھالی جاتی تو دوسری چیز پیش کی جاتی تھی۔ تمام ڈشز اعلیٰ معیار کی تھیں۔ کھانا مکمل خاموشی سے کھایا گیا اور اس کے بعد سیاہ چائے پیش کی گئی۔ چائے کے بعد ڈیوڈ شا نیپکن سے منہ صاف کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ ''شہباز میرے ساتھ آؤ۔''

ہم اسی عمارت کی ایک شاندار نشست گاہ میں آئے۔ اس کا رخ شمال کی طرف تھا اور اس طرف پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوار ایک ہی شیشے سے بنی تھی۔ شیشہ یقیناً کئی سو کلوگرام وزنی ہوگا اور اسے دیوار میں فکس کرنا ہی مہارت کا کام تھا۔ شیشے کے پار شملہ کا قدرتی حسن، اس کے پہاڑ اور دور برف پوش چوٹیاں کسی سینری کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ جدید ترین لیدر صوفے نیم دائرے میں اس طرح رکھے تھے کہ ان پر بیٹھنے والا ہر فرد یکساں طور پر اس منظر سے لطف اندوز ہو سکتا تھا۔ صوفوں کے درمیان نیم دائرے شکل کی ماربل ٹاپ میز تھی۔ ڈیوڈ شا نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود شیشے والی دیوار کے ساتھ ٹہلنے لگا۔ وہ ہمیشہ کی طرح صحت مند اور تر و تازہ لگ رہا تھا۔ دیکھنے میں وہ ایک مہذب انگلش جنٹل مین لگتا تھا لیکن اس کا دکھاوا کسی خوب صورت سانپ جیسا تھا جس کے اندر مہلک زہر چھپا ہوتا ہے۔ میں آرام سے ذرا پھیل کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی طرف سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی مجھے یقین تھا جو میں نے فتح خان سے کہا تھا وہ اس تک پہنچ گیا تھا۔ ٹہلتے ہوئے اس نے اچانک رک کر کہا۔

"شہباز تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہ سوال تو مجھے کرنا چاہیے مجھے تم نے زبردستی بلوایا ہے۔"

"تمہیں پتا ہے میں کیا چاہتا ہوں اور اس کی ہر قیمت ادا کر سکتا ہوں۔"

"ڈیوڈ شا احمقانہ دعوے مت کرو" میں نے ناگواری سے کہا۔ "تم نے پہلے بھی مجھ سے ایک معاہدہ کیا تھا لیکن کیا ہوا تمہارا مرید یعنی مرشد اور ایک معمولی ملازم تمہاری خیانت کو جوتے کی نوک پر رکھ گئے۔"

"مارشل کی لاش بغیر کھال کے ایک نامعلوم قبر میں پڑی ہے اس کی کھال میں بھس بھروا کر میں نے اسے اپنے گھر میں سجا لیا ہے اور جہاں تک مرشد کی بات ہے جلد اسے بھی اپنے کیے کا حساب دینا....."

"مجھے مرشد سے نمٹنے کے لیے تمہاری یا کسی کی مدد کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم اس وقت اپنی بات کرو۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ میں تم سے کیا چاہتا ہوں اور اسی لیے تم سے پوچھ رہا ہوں۔ تم جو کہو گے میں مانوں گا۔"

"کیا تم سعدیہ کو بڑے کنور کے چنگل سے نکلوا سکتے ہو؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں نکلوا سکتا ہوں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "تم جانتے ہو وہ کیا ہے اور اس کے پیلس کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے؟"

"ہاں میں جانتا ہوں لیکن کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا ہے اگر پلاننگ اچھی ہو تو یہ کیا جا سکتا ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "تم سودا کر رہے ہو کہ میں سعدیہ کو بڑے کنور کے چنگل سے نکلوا کر دوبارہ پاکستان بھیج دوں تو تم میرے لیے کام کرو گے۔"

میں نے یہ بات طنزاً کہی تھی اور مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ڈیوڈ شا اتنی تیزی سے مان جائے گا۔ اگرچہ فتح خان پہنچے بھی میری اس موضوع پر بات ہوئی تھی اس کے باوجود مجھے خیال نہیں تھا۔ کنور پیلس پر حملہ معمولی بات نہیں تھی۔ بڑے کنور کا بھارتی حکومت پر اثر و رسوخ مسلم تھا اور اس کی ایک فریاد پر بھارتی حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آ جاتی۔ ڈیوڈ شا بین الاقوامی طور پر کتنا ہی طاقتور سہی لیکن وہ غیر ملک میں تھا اور یقیناً اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوتے چاٹنے والوں کے لیے بھی یہ کام آسان نہیں ہوتا وہ کھل کر اس کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ دوسری طرف ڈیوڈ شا کا انداز بتا رہا تھا کہ یہ اس کے لیے بہت مشکل یا ناممکن کام نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ اس میں خطرہ دوسرے لوگوں کے لیے تھا۔ جو ڈیوڈ شا کے آدمی ہوتے ان کے مرنے سے بھی اسے فرق نہیں پڑتا اور کنور پیلس کے گارڈز اور لوگ تو تھے ہی دشمن۔ ڈیوڈ شا کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ میں خاموش تھا اس نے غور سے مجھے دیکھا۔

''اگر تم چاہو تو تم سوچ بھی سکتے لیکن تم ہی نے کہا تھا کہ تمہیں اس معاملے میں جلدی ہے۔''

''ہاں مجھ پر ایک ایک لمحہ بھاری ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''شہباز میری ایک آفر ہے میں تمہیں فری ہینڈ دیتا ہوں۔ تمہیں آدمی، اسلحہ اور جو آلات درکار ہوں میں مہیا کروں گا۔ تم پلاننگ کرو اور سعدیہ کو وہاں سے نکال لو۔ اگر تمہیں یہ قبول نہیں ہے تو سب مجھ پر چھوڑ دو اور میں سعدیہ کو وہاں سے نکال لاؤں گا۔ بولو کیا کہتے ہو؟''

اس بار میں سچ مچ سوچ میں پڑ گیا میں نے ہچکچا کر کہا۔ ''میں غور کرنا چاہوں گا۔''

''ضرور کرو۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن شہباز جیسے تمہارے پاس وقت کم ہے اسی طرح میرے پاس بھی وقت کم ہے۔ آج انیس جون ہے اور اگست کے آخر تک وادی والے خطے میں موسم خراب ہونے لگتا ہے وہاں جانے والی کسی بھی مہم کو میں اگست سے پہلے واپس آنا ہوتا ہے ورنہ برف باری کے ساتھ طوفان آنے لگتے ہیں اور راستے بند ہو جاتے ہیں۔''

''میں بہت وقت نہیں لوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے آج شام تک سوچنے کی مہلت دو اور ہاں میں اپنے ساتھیوں سے رابطہ چاہتا ہوں میری گاڑی میں میرا لیپ ٹاپ والا بیگ تھا مجھے وہ چاہیے۔''

ڈیوڈ شا نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا واکی ٹاکی نکالا اور کسی کو وہ بیگ لانے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ گاڑی کا سامان یہاں آ چکا تھا۔ میں نے راج کنور کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''وہ بیکار تھا۔'' ڈیوڈ شا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

میں نے حیرت سے کہا۔ ''تم نے اسے مار دیا۔''

''نہیں میں نے اسے چھوڑ دیا۔''

میں اچھل پڑا تھا۔ ''میں نے فتح خان سے کہا تھا وہ میرا قیدی ہے پھر اسے کیوں چھوڑا۔''

''اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے تم بلاوجہ اسے لیے پھر رہے تھے۔ وہ صرف بوجھ تھا جسے زمین میں اتارنا ہی مناسب ہے لیکن تم اس کے خون سے کیوں ہاتھ رنگتے یہ کام اس کے بھائی کو کرنے دو جیسے مرشد نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا ہے؟''

''مرشد نے نادر کو مار دیا ہے؟'' میں نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا۔ ڈیوڈ شا نے سر ہلایا۔

''چند گھنٹے پہلے مرشد ہاؤس سے اعلامیہ جاری ہوا کہ نادر علی طویل علالت کے بعد دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوگیا ہے یا کر دیا گیا ہے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''وہ بوجھ ہوگیا تھا مرشد نے اس سے چھٹکارا حاصل کرلیا اب اس کے اور تمہارے درمیان دشمنی کا اصل سبب ختم ہوگیا ہے۔''

''نادر کا کہنا تھا کہ مرشد نے اسے چڑھایا تھا۔ اگر یہ سچ ہے تو اصل سبب تو خود مرشد ہوا۔''

''ہوسکتا ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''اسی طرح راج کنور اپنے بھائی کے ہاتھوں مارا جائے تو تمہارا ایک اور دردسر کم ہو جائے گا۔''

''میں نے کبھی اس طرح سے سوچا نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں نے ہمیشہ اپنے زور بازو پر بھروسہ کیا ہے۔''

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مدد کی پیشکش ٹھکرا دو۔''

''تم مدد نہیں سودا کر رہے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''راج کنور میرا قیدی تھا اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق بھی مجھے ہے۔ ڈیوڈ شا تم نے بات کا آغاز غلط انداز میں کیا ہے۔''

''اگر تم چاہتے ہو کہ وہ واپس آجائے تو یہ بھی ممکن ہے۔''

''اب وہ تمہارے ہاتھ کہاں آئے گا؟''

''وہ میری پہنچ سے دور نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''میں تمہیں دکھاتا ہوں۔'' اس نے ایک کونے رکھا لیپ ٹاپ کھول کر آن کیا اور چند بٹن دبائے۔ اسکرین پر ایک نقشہ ابھر آیا۔ میں نے غور کیا تو یہ ہما چل پردیش کا نقشہ تھا میں مستقل اسے دیکھتا آیا تھا اس لیے آسانی سے پہچان لیا۔ ڈیوڈ شا نے ایک بٹن دبایا تو اسکرین پر ایک نکتہ بلنک کرنے لگا۔ اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔ ''یہ راج کنور ہے۔''

''اوہ تم نے اسے ٹریپ لگایا ہے۔''

''میں نے اسے چپ لگا دی ہے؟''

''ہاں اور وہ اتنی چھوٹی ہے کہ اس کے کان مین پلانٹ کی گئی ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوا اور نہ ہی اب اسے پتا ہوگا۔ وہ جہاں جائے گا مجھے پتا چلتا رہے گا۔ چپ کا سگنل سیٹلائیٹ ریسیو کر رہا ہے۔ یہ کہیں بھی چلا جائے میری نظر سے نہیں بچ سکے گا۔''

یہ حیرت انگیز چیز تھی۔ مغرب جدید ٹیکنالوجی میں بہت آگے جا چکا تھا۔ مستقبل کی ٹیکنالوجی وہ صرف اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے اور باقی دنیا کو موبائل اور اسی طرح کے کھلونے دے کر مصروف رکھے ہوئے ہے۔ بلکہ اسے بھی اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے اب انکشاف ہو رہا ہے کہ موبائل اور انٹرنیٹ کا سسٹم پوری طرح ان کے نظروں میں ہے۔ وہ ہر کال سن سکتے اور انٹرنیٹ کی ہر سرگرمی کی نگرانی کر سکتا ہے۔ مقصد دنیا پر مکمل غلبے کا جنون ہے جو کبھی نوآبادیاتی نظام کی صورت میں سامنے آتا ہے اور کبھی نیو ورلڈ آرڈر کی صورت میں۔ مغربی دنیا ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ معاشی نظام اور تجارت کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کر رہی ہے اور میڈیا اس کا سب سے مؤثر ہتھیار ہے۔ اس کی مدد سے مغرب اپنی ہر پالیسی اور ہر قدم کو درست قرار دلواتا ہے اور مخالفوں کو غلط ثابت کرتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ وہی ٹیکنالوجی ہے جو ڈرون طیاروں سے فائر کیے جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے میزائلوں کی رہنمائی میں استعمال ہوتی ہے۔"

ڈیوڈ شا نے سر ہلایا۔ "تم اس بات کو سمجھتے ہو۔ یہ بالکل وہی ٹیکنالوجی ہے۔ چپ کو آدمی یا کسی جگہ پلانٹ کیا جاتا ہے۔"

ڈیوڈ شا سے جنگ کی اخلاقیات پر بحث بیکار تھی کیونکہ مغرب نے پہلے ہی اس سلسلے میں ایک جملہ تیار کر لیا کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ کیونکہ محبت کے معاملے میں وہ جائز ناجائز کی حد صدیوں پہلے ختم کر چکے تھے اس لیے اب اس کا اطلاق صرف جنگ پر رہ جاتا ہے۔ "ٹھیک ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ راج کنور کہاں ہے لیکن اگر وہ بڑے کنور کے ہتھے چڑھ گیا تو اسے کنور پیلس سے کون نکالے گا۔"

ڈیوڈ شا نے میری طرف دیکھا۔ "شہباز اگر تم چاہ رہے ہو کہ میں اسے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے سوری کر لوں تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ بہرحال میں نے اسے کسی وجہ سے رہا نہیں کیا۔ چپ بھی میں نے احتیاطاً پلانٹ کی ہے۔ اب یہ احتیاط کام آ رہی ہے۔"

ڈیوڈ شا کے الفاظ پر اعتبار مشکل تھا کہ اس نے بنا کسی وجہ کے راج کنور جیسے اہم آدمی کو چھوڑ دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب اس بات پر زور دینا مناسب نہیں تھا۔ اس بحث میں پڑنے کے بجائے مجھے یہ فکر کرنی چاہیے تھی کہ ڈیوڈ شا کا مقصد کیا تھا؟ وہ اس لحاظ سے درست کہہ رہا تھا کہ راج کنور بیکار ثابت ہوا تھا اور میں اسے محض بوجھ کی طرح اٹھائے اٹھائے گھوم رہا تھا یہ ایسا ہی تھا کہ میں نے ایک زہریلے سانپ کو گردن سے پکڑ رکھا تھا اور اسے چھوڑتے ہوئے ڈر رہا تھا کہ وہ پلٹ کر وار نہ کر دے۔ ڈیوڈ شا نے اسے چھوڑ کر ایک طرح سے میرا بوجھ ہلکا کیا تھا اور وہ بڑے کنور کے ہاتھ آ جاتا تو وہ اسے جہنم رسید کر کے اس بوجھ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا۔ نادر علی کی موت کا سن کر مجھے ایسا لگا تھا کہ ایک بوجھ کم ہوا تھا۔ میں نے اسکرین پر جلتے بجھتے نقطے پر غور کیا۔ وہ اس وقت شملہ کے پاس کہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔ "کچھ اندازہ ہے یہ کتنی دیر سے یہاں ہے؟"

"اسے بارہ بجے چھوڑ دیا گیا تھا۔" ڈیوڈ شا نے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔ "یہ لینکس آپریٹنگ سسٹم تھا جس میں زیادہ تر کی بورڈ کمانڈز دی جاتی ہیں۔ "یہ گزشتہ آدھے گھنٹے سے یہاں ہے۔"

"کیا اس کی پن پوائنٹ نشان دہی کی جا سکتی ہے کہ یہ کہاں ہے؟"

"بالکل۔" ڈیوڈ شا نے پھر کچھ بٹن دبائے اور اسکرین زوم ہونے لگی ذرا دیر بعد اس علاقے کا نقشہ مکانوں اور گلیوں کی حد تک واضح ہو گیا۔ نقشے پر ہر جگہ کا نام درج تھا۔ یہ دھرم شالہ روڈ تھی اس کی چوتھی گلی کے ایک مکان میں راج کنور موجود تھا۔ میں حیران ہوا تھا۔

"یہ تو گوگل ارتھ کی طرح واضح ہے۔"

"یہ چپ اور اس کی ڈیوائس گوگل ارتھ سے ہی منسلک ہے۔"

"کیا تمہارے آدمی عملی طور پر اس کے پیچھے ہیں؟"

ڈیوڈ شا نے سوچا اور پھر سر ہلایا۔ "ہاں میرے آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ڈیوڈ شا مجھے تمہارا اور فتح خان دونوں کا رویہ عجیب لگ رہا ہے۔ تم دونوں مجھے سب کچھ کھل کر بتا رہے ہو جب کہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے تم نہیں بھی بتاؤ گے تو مجھے پتا نہیں چلے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میرا مقصد تمہارا اعتماد حاصل کرنا ہے تمہیں اس طرح بلانا میری مجبوری تھی کیونکہ تم کسی صورت مجھ پر اعتماد نہ کرتے۔''

''اب بھی نہیں کر رہا ہوں۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''میں جانتا ہوں اور میں تمہارا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اسی لیے تمہیں سب بتا رہا ہوں۔ اپنے تعاون کی پیشکش کر چکا ہوں۔''

''فرض کرو میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دوں؟''

اس نے سرد نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''امید ہے تم ایسی بے وقوفی نہیں کرو گے۔ تم اپنی پوزیشن پر غور کرو۔ تم چاروں طرف سے اپنے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہو تمہارے ساتھ صرف ایک مخلص ساتھی ہے۔ تمہیں سعدیہ کو واپس حاصل کرنا ہے اور تم خود کہہ چکے ہو کنور پیلس میں گھسنا آسان کام نہیں ہے۔ فرض کرو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں اور تم سے کوئی تعرض بھی نہیں کرتا تب بھی تمہارے خیال میں کیا تم دو افراد کچھ کر سکو گے۔''

''تم نے فرض کی بات کی ہے یعنی تمہارا چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے غور کیا۔ ''ابھی تم کہہ رہے تھے کہ تم کھل کر بات کر رہے ہو لیکن اس وقت تم نے ذو معنی کی ہے۔''

''اوکے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''میں صاف بات کروں گا میں تمہیں ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ تم مجھے کس صف میں شامل کرتے ہو دشمنوں کی یا دوستوں کی۔''

میں ہنسا۔ ''یہ تو تم نے صدر بش والی بات کی ہے کہ جو ہمارا دوست نہیں ہے وہ دشمن ہے۔''

''یوں ہی سمجھ لو۔'' اس نے کہا۔ ایک شخص جس نے خالص راجستھانی لباس پہن رکھا تھا اندر آیا اور اس نے ڈیوڈ شا کے اشارے پر میرا لیپ ٹاپ والا بیگ میز پر رکھ دیا اور سر جھکا کر واپس چلا گیا۔ ''تم چیک کر لو تمہاری کوئی چیز کم تو نہیں ہے۔''

میں نے بیگ کھول کر دیکھا اس میں نہ صرف لیپ ٹاپ، یو ایس بی انٹرنیٹ ڈیوائس اور وہ رقم تھی جو میں نے اس میں رکھی تھی بلکہ وہ رقم بھی تھی جو فتح خان نے میرے پاس سے برآمد کی تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''سب کچھ ہے۔ ایک بات اور کہ بیتو کہاں ہے وہ مجھ سے الگ کیا گیا ہے۔''

''تمہیں اسی کے پاس بھیج رہا ہوں۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''تم رات تک سوچ لو اب تم سے ڈنر پر ملاقات ہوگی۔''

ڈیوڈ شا کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہاں فتح خان آ گیا اور میں اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ ہم واپس اسی چھوٹی عمارت میں آئے۔ بیتو اس کے ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں ٹھاٹ سے جہازی سائز بستر پر دراز سامنے بڑے سائز کے ایل سی ڈی ٹی وی پر کوئی فلم دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔ ''شوبی یہاں تو بہت آرام ہے۔''

''پھر کیا خیال ہے؟'' میں اس کے برابر میں بستر پر گر گیا۔ ''یہیں نہ رہا جائے۔''

بیتو کھسک کر میرے پاس آیا اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی یہاں ہمارے ساتھ بہت اچھا کیا جا رہا ہے۔ ابھی ہم کو یہاں آنے کے بعد کا سب سے اچھا کھانا ملا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں نے بھی ابھی شاندار لنچ کیا ہے۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''آگے کہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی دشمن بلاوجہ ایسا سلوک نہیں کرتا ہے اس سے پتا چلتا ہے اس کو آپ سے کوئی بڑا غرض ہے تو شوبی اس کا فائدہ اٹھاؤ نا۔''

''وہ کیسے؟'' میں سمجھ رہا تھا لیکن ذرا انجان بن کر پوچھا۔

''شوبی جب ہم آپ کے ساتھ کنور پیلس جا رہا تھا تب بھی ہم کو یقین نہیں تھا کہ ہم دو آدمی کچھ کر سکے گا پر آپ کا فیصلہ تھا اس لیے ہم خاموش رہا شوبی ہم نے دیکھا ہے کنور پیلس بہت محفوظ جگہ ہے وہاں سے کسی کو نکالنا تو ایک طرف رہا اندر گھسنا بھی بہت مشکل کام ہے۔ شوبی ڈیوڈ شا طاقتور آدمی ہے اسے آپ سے کام ہے۔ تو آپ اس سے کام کیوں نہیں لیتا؟''

''تم نے ٹھیک سوچا ہے۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''لیکن میں اکیلے اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھے دوسروں سے بھی بات کرنا ہوگی۔''

بیتو نے پہلی بار لیپ ٹاپ والا بیگ دیکھا اور بولا۔ ''یہ آپ کو واپس مل گیا۔''

''ہاں سوائے اسلحے، گاڑی اور راج کنور کے سب واپس مل گیا ہے۔''

وہ چونکا۔ ''راج کہاں ہے؟''

''ڈیوڈ شا نے اسے سگنل دینے والی چپ لگا کر چھوڑ دیا لیکن اپنا مقصد نہیں بتایا۔''

''شوبی ڈیوڈ شا بہت مکار آدمی ہے وہ کبھی سیدھی بات نہیں کرے گا اگر وہ سیدھی بات کرے گا تو اس میں بھی کوئی چکر ہوگا۔''

میں ہنسا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ڈیوڈ شا تم نے سن لیا ہوگا کہ میرا ساتھی تمہارے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے؟''

''وہ سن رہا ہے؟'' بیتو نے شک سے پوچھا۔

''ظاہر ہے ہم اس کی قید میں ہیں اس نے نگرانی کا پورا بندوبست کیا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے سنتا ہے تو سن لے۔''

''اس نے تمہاری تجویز بھی سن لی ہوگی۔''

''ابھی وہ آپ کا اور باقی سب کا بات بھی تو سنے گا۔'' بیتو نے ڈھٹائی سے کہا۔

''یہ تو ہے۔'' میں نے بیگ سے لیپ ٹاپ نکال کر آن کیا اور یو ایس بی ڈیوائس اس سے لگائی۔ انٹرنیٹ کنکشن آن ہوتے ہی میں نے اسکائپ آن کر کے پہلے عبداللہ کو کال کی۔ رابطہ ہوتے ہی میں کہا۔

''میں ہوں اسکائپ پر آؤ۔''

میں نے کال کاٹ دی اور عبداللہ یا سفیر کے لاگ آن ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ ایک منٹ بعد سفیر لاگ آن ہوا۔ اس نے ویڈیو آن کی ہوئی تھی۔ میری ویڈیو بھی آن تھی اس لیے سفیر نے دیکھ لیا کہ میں کہاں بیٹھا ہوں اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ ''بیٹے کیا واپس کنور پیلس پہنچ گئے ہو؟''

''نہیں دوست لیکن اس سے ملتا جلتا سمجھو۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''میں اس وقت ڈیوڈ شا کا مہمان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ شاصاحب کہاں سے ٹپک پڑے اور تُو ان کا مہمان کیوں ہے اور سب سے بڑی بات تجھے اتنی چھوٹ کیوں ملی کہ ہم سے اسکائپ پر رابطہ کر سکے۔''

''یار یہی سب بتانے کے لیے کال کی ہے سب کو بلا لے۔ اگر دور ہیں تو ان کو کال کر کے بلا۔ میری مراد عبداللہ اور وسیم سے ہے۔''

''دونوں آرہے ہیں۔'' سفیر نے مطلع کیا۔ ''ایک خبر ہے۔''

''نادر کے انتقال بے ملال کی؟..... وہ پہلے ہی مجھ تک پہنچ گئی ہے۔''

''ہاں جناب حضرت اعلیٰ کے مہمان جو ہیں۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''ایک ہم ہیں میر پھرتے ہیں خوار کوئی پوچھتا نہیں۔''

''سونا بھی نہیں؟''

''ہائے ہائے کیا یاد دلایا۔'' سفیر نے بلبلا کر کہا۔

''اتنا ہائے ہائے کرنے کی کیا ضرورت ہے جا کر مل آ۔''

''نہیں یار..... سعد یہ والے واقعے کے بعد ہم سب بہت محتاط ہیں کوئی بلا ضرورت باہر نہیں نکلتا ہے اور حویلی کی سکیورٹی میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔''

''حویلی کے ذکر پر مجھے بھی کچھ یاد آرہا ہے۔'' میں نے بھی سرد آہ بھری۔ ''لیکن مجبوری ہے میں یہاں سے رابطہ نہیں کرنا چاہتا۔''

''بہتر ہے تُو محتاط ہی رہ۔'' سفیر نے کہا۔ ''مرشد کا کچھ پتا نہیں ہے عین ممکن ہے وہ نادر کی موت کا الزام ہم پر رکھ کر اپنے رشتے داروں اور مریدوں کے غم و غصے کا رخ ہماری طرف موڑ دے۔''

''اگر وہ محاذ آرائی برقرار رکھنا چاہتا ہے تو ایسا ضرور کرے گا ویسے حضرت اعلیٰ اس کے علاج کا ارادہ فرما رہے ہیں۔''

''حالانکہ حضرت اعلیٰ خود بہت بڑا روگ ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''یہ لوگ پتا نہیں پیدل آرہے ہیں۔''

''تُو بہت بے چین ہو رہا ہے لیکن میں ایک ہی بار بات کروں گا۔'' میں نے سفیر سے کہا۔

''بیتو کہاں ہے اس کے ساتھ رہ کر تیرا دماغ خراب نہیں ہوا۔''

''وہ آپ کا خراب ہے۔'' بیتو جو سن رہا تھا تڑپ کر بولا۔ ''آپ کے ساتھ رہنے والے کا دماغ ہی نہیں بچتا۔''

''تمہارا تو ملا نہیں تھا۔'' سفیر نے اسے چھیڑا۔ ''ہاں کچھ بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ سنا ہے تم بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہو گئے ہو۔''

''ہم نے انگلی نہیں کٹایا۔ سینے پر گولی کھایا۔'' بیتو نے فخر سے کہا۔

دونوں کی نوک جھونک اس وقت تک چلتی رہی جب تک وسیم اور عبداللہ نہیں آ گئے۔ وہ یہ جان کر پریشان ہوئے تھے کہ میں ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہوں۔ پہلے میں نے انہیں حالات سے آگاہ کیا کہ کس طرح فتح خان نے درمیان میں کود کر میری منزل کو کھوٹا کیا اور پھر بتایا کہ ڈیوڈ شا مجھ سے کیا چاہتا تھا اور اس کے بدلے کیا کرنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے تیار تھا۔ ''دوستو میں تم سے مشورہ چاہتا ہوں۔ میرا اور بیتو کا خیال ہے یہ پیشکش اچھی ہے اور ہمیں اسے قبول کر لینا چاہیے کیونکہ کنور پیلس میں گھسنا صرف دو افراد کے بس کی بات نہیں ہے اور پھر وہاں سے سادی کو بھی لانا ہے۔ صرف کنور پیلس سے نکالنا مسئلہ نہیں ہے اس کے بعد ہمارا واپس آنا بھی اتنا بڑا مسئلہ ہوگا۔''

''آپ کا خیال ہے ڈیوڈ شا ہمارے یہ دونوں مسئلے حل کر سکتا ہے؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''اس کا کہنا یہی ہے وہ فری ہینڈ دے رہا ہے میں آدمی اور ہر چیز خود منتخب کروں۔ پلان خود بناؤں اور کمانڈ بھی خود کروں۔ اگر میں ایسا نہیں کرتا تو دوسری صورت یہ ہے کہ ذمے داری اسے دے دوں اور وہ پھر جیسے چاہے یہ کام کرے۔''

وسیم سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''اس کے بدلے آپ ڈیوڈ شا کے ساتھ اس وادی تک جائیں گے؟''

''اس کی اول آخر شرط یہی ہے۔''

''جب آپ اسے وادی تک لے جائیں گے اور اس کا کام نکل جائے گا تب آپ کے خیال میں اس کا رویہ کیا ہوگا؟''

''میں نے اس بارے میں نہیں سوچا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''میرے لیے یہ بہت دور کی بات ہے۔''

''ڈیوڈ شا اس بار پہلے آپ کا مسئلہ حل کر رہا ہے کیا اس کے ذہن میں نہیں ہوگا کہ کام نکلنے کے بعد اس کے کام آنے سے انکار کر سکتے ہیں یا اس کے کام میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔''

''اس نے یقیناً اس کا حل سوچا ہوگا پہلے بھی اس نے بہت چالاکی سے مجھے جکڑا تھا اور مجھ سے قرآن کریم پر قسم لی تھی۔ وہ تو مرشد اور اس کے آدمی مارشل نے دھوکا کیا اور میں قسم سے آزاد ہو گیا۔ وہ اس بار بھی ایسی کوئی حرکت کرے گا۔''

وسیم ایک بار پھر سوچنے میں مصروف تھا۔ چند منٹ بعد اس نے کہا۔ ''جناب ایسا کریں آپ دو گھنٹے بعد رابطہ کریں۔ تب تک ہم آپس میں ذرا بات کر لیں۔''

آپس میں بات کرنے کی کوئی تک نہیں تھی کیونکہ میرے بعد وسیم تھا اس کا فیصلہ مانا جاتا تھا۔ وہ اصل میں سوچنے کی مہلت لے رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں دو گھنٹے بعد کال کرتا ہوں۔''

لیپ ٹاپ بند کر کے میں لیٹ گیا۔ بیتو پہلے ہی لیٹا ہوا سرہانے موجود خشک میوہ جات سے شغل کر رہا تھا اس نے اخروٹ گری، بادام اور کاجو میرے سامنے رکھے۔ ''شوبی کھاؤ دشمن کا مال ہے۔''

''ہاں یار پر پیٹ تو اپنا ہے۔''

''آپ جانتا ہے ہمارا پیٹ کیسا ہے؟'' اس نے اپنا پیٹ بجایا۔ ''سب ہضم کر لیتا ہے۔''

''تم سب کھا رہے ہو یہ بتاؤ دوا بھی لی ہے؟''

''صبح بھی لیا تھا ابھی بھی لیا ہے۔'' بیتو نے کہا۔ ''شوبی اگر آپ نے کنور پیلس پر حملے کا فیصلہ کیا تو ہم بھی اس میں شامل ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے انکار کیا۔ ''تم پوری طرح فٹ نہیں ہوا بھی تمہارا زخم بھرنے میں کم سے کم تین دن اور لگ سکتے ہیں۔''

''شوبی اوپر سے بالکل ٹھیک ہو گیا ہے اب ہم کو بازو ہلاتے یا کوئی چیز اٹھاتے ہوئے معمولی سا درد ہوتا ہے۔''

''دیکھیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی تو فیصلہ بھی نہیں ہوا ہے۔''

''شوبی اگر وسیم بھائی لوگ نے منع کیا تو آپ منع ہو جائے گا۔''

''صرف اس صورت میں کہ وہ وجہ بتائیں اور متبادل طریقہ سامنے رکھیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں کسی صورت سادی کے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔''

جب فتح خان ہمیں یہاں لایا تھا تب یہ بات میرے ذہن میں نہیں تھی کہ ڈیوڈ شا میرے اس طرح سے کام آ سکتا ہے لیکن جیسے جیسے میں سوچ رہا تھا مجھے یہ آپشن بہتر لگ رہا تھا اس سے میرے بہت سے مسائل حل ہو جاتے۔ دوسری صورت میں سب غیر یقینی تھا۔ ہمارا کنور پیلس تک رسائی حاصل کرنا، وہاں سے سادی کو نکالنا اور پھر انڈیا سے بحفاظت نکل جانا۔ اس کے بدلے مجھے ڈیوڈ شا کی شرط پوری کرنی تھی۔ اگر بات میری ذات کی ہوتی تو میں ایک بار پھر انکار کر دیتا لیکن معاملہ میرے ساتھیوں اور خاص طور سے سادی اور وسیم کا تھا۔ ان کے لیے میں ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا۔ اب تک میں جن بحرانوں سے گزرتا آیا وادی تک جانے کی مہم میں خطرہ یقیناً اس کے مقابلے میں کم ہوتا۔ اب تک گریز کی وجہ یہی تھی کہ مجھے یہ خیال احمقانہ لگتا تھا۔ ٹھیک ہے ہمالیہ کی یہ وادی ایک حقیقت کی طرح موجود تھی مگر ضروری تو نہیں تھا کہ اسے اساطیری داستانوں جیسی ماورائی دنیا بنا کر پیش کیا جائے۔

راجا عمر دراز اور ڈیوڈ شا جیسے تجربے کار، جہاندیدہ اور عقل مند انسان وہاں جانے کی مجنونانہ کوشش کر رہے تھے۔ اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھے۔ وہ اپنی اور دوسروں کی جانیں خطرے میں ڈال رہے تھے۔ دونوں برف میں رہنے والے ایک بوڑھے انسان کی بات کو حرفِ آخر سمجھ کر کوشاں تھے کہ میں ان کے ساتھ وادی تک چلوں کیونکہ وادی میں اترنے کی اجازت اسے ہی ملتی جو مجھے لے کر وہاں جاتا۔ گویا میں وادی میں داخلے کا اجازت نامہ تھا۔ راجا عمر دراز کی حد تک یہ بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ وادی تک جا چکا تھا اور وہاں کے عجائبات دیکھ چکا تھا وہ دو بار برف والے سے ملاقات کر چکا تھا۔ پھر وہ وضعدار مشرقی آدمی تھا۔ اس کے لیے یہ سب بہت اہم تھا۔ وہ روایات سے انحراف نہیں کر سکتا تھا لیکن ڈیوڈ شا جدید دنیا کا آدمی تھا۔ اس کے دادا نے یہ وادی دریافت کی تھی۔ اس کے پاس ذرائع تھے وہ چاہتا تھا تو جدید ہتھیاروں سے لیس فوج لے کر وہاں جا سکتا تھا اور یقیناً کوئی اسے نہیں روک سکتا تھا مگر وہ بھی برف والے کی بات کو سینے سے لگائے گزشتہ کچھ عرصے سے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ میں اس کے ساتھ وادی تک چلوں گویا اسے بھی یقین تھا کہ میرے بغیر وادی میں داخلہ ناممکن ہے اسے ذرا بھی شک ہوتا تو وہ خود کوشش کرتا اور شاید ناکامی کے بعد مجھے لے جانے کی کوشش کرتا۔ مگر وہ ایک بار برف والے کی بات سن کر اس پر ایمان لے آیا تھا۔ دو گھنٹے بعد میں نے دوبارہ اسکائپ آن کیا۔ سفیر آن لائن تھا اس نے کال کی۔ بٹن دباتے ہی وسیم نمودار ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جناب ہم نے سوچ لیا ہے آپ شاسے بات کریں اگر وہ سادی کو واپس پاکستان پہنچانے کی ضمانت لیتا ہے۔ دوسرے وادی کی طرف صرف آپ نہیں جائیں گے بلکہ آپ کے ساتھ میں اور عبداللہ بھی ہوں گے۔''

''میں بھی۔'' سفیر نے درمیان میں ٹانگ اڑائی۔

''ہم تو پہلے ہی ساتھ ہے۔'' بیتو نے بھی بولنا ضروری سمجھا۔

''کیا پوری پارٹی جائے گی؟''

''بالکل ہم صرف آپ کو اس کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ صرف ہم تین نہیں بلکہ ہم اگر چند اپنے اعتماد کے افراد بھی ساتھ لے جانا چاہیں تو ڈیوڈ شا اعتراض نہیں کرے گا۔''

''اعتراض تو نہیں کرے گا لیکن اس بارات کا مقصد ضرور پوچھے گا؟''

''آپ کی باحفاظت واپسی۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''آپ کی حفاظت کے معاملے میں ہم اس کی ضمانت پر اعتبار نہیں کر سکتے ہیں۔''

''اگر ڈیوڈ شا مان جاتا ہے؟''

''تب آپ اسے زبان دے سکتے ہیں کہ سادی کی باحفاظت واپسی کے بعد آپ اس کے ساتھ جائیں گے۔''

وسیم تجربے کار آدمی تھا اور اس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ شرط رکھی تھی مجھے نہیں لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا یہ بات مانے گا۔ ''سادی کو وہاں سے رہا کرانے کی ذمے داری کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''یہ ذمے داری ڈیوڈ شا یا اس کے آدمیوں کی ہوگی آپ اس میں عملی حصہ نہیں لیں گے لیکن ان کے ساتھ ضرور ہوں گے سادی کو آزاد کراتے ہی آپ اسے اپنی تحویل لیں گے اور وہ اس وقت تک آپ کے ساتھ رہے گی جب تک اس کی واپسی کا انتظام نہیں ہو جاتا۔''

وسیم بہت ہوشیاری سے ہر بات پر غور کر کے تجویز پیش کر رہا تھا۔ میں نے تائید کی۔ ''تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔''

اچانک وسیم نے اشارہ کیا کہ وہ ایک لکھا ہوا پیغام بھیج رہا ہے میں ریسیو کروں۔ میں نے پیغام ریسیو کیا۔ وسیم نے لکھا تھا۔ ''بڑے اور راج کنور کو کسی صورت مت چھوڑیئے گا ورنہ یہ مسئلہ ہمیشہ اٹھا رہے گا آپ متفق ہیں تو اثبات میں سر ہلایئے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلانے کے بجائے جوابی پیغام لکھا۔ ''یار سادی کے سامنے اس قسم کا کام مشکل ہو گا۔''

''میں سمجھتا ہوں لیکن اگر وہ منظر پر نہ ہو تو آپ دل کڑا کر کے یہ کام کر گزریئے گا۔ راج کنور تو ہے ہی ایک نمبر کا حرامی بڑے کنور نے بھی اپنی اصلیت دکھا دی ہے یہ دونوں ناسور ہیں جن کا ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔''

''میں تم سے متفق ہوں۔''

''بہتر ہوگا آپ یہ کام بیتو کے سپرد کر دیں یہ اس کا حق بھی ہے یہی دو بھائی اس کے پورے قبیلے اور خاندان کی بربادی کے ذمے دار ہیں۔'' وسیم نے مشورہ دیا۔ ''وہ بالکل نہیں ہچکچائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہچکچاہٹ تو مجھے بھی نہیں ہے صرف سادی کا خیال ہے۔''

''اس کا دل مضبوط ہے اور وہ بھی جان گئی ہے کہ اس کے بھائی موذی ہیں اس لیے اسے پتا چل بھی گیا تو وہ ہمیں غلط نہیں سمجھے گی وہ ہماری مجبوری جانتی ہے۔''

بیتو پاس بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ انگریزی سے ناواقف تھا اور ہم اطالوی رومن اردو میں لکھ رہے تھے اس سے تو بیتو قطعی ناواقف تھا اس لیے اسے خبر نہیں ہوئی کہ اس کے بارے میں کیا بات ہو رہی ہے۔ وہ متجسس لیکن خاموش تھا۔ میں نے کہا۔ ''او کے میں ڈیوڈ شا سے ان دو نکات پر بات کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے پھر کب رابطہ کریں گے؟''

''ممکن ہے آج رات ہی۔'' میں نے کہا اور اسکائپ بند کر دیا پھر انٹرنیٹ ڈیوائس نکال لی۔ مانی نے بتایا تھا کہ اس کے سگنل کی مدد سے میرا سراغ لگایا جا سکتا تھا۔ بے شک میں کسی سیاست دان کی رہائش گاہ میں ڈیوڈ شا کے ساتھ موجود تھا لیکن یہ دونوں بہرحال بھارتی سرکار سے زیادہ طاقتور نہیں تھے۔ اگر بھارتی ایجنسیاں میرا سراغ لگا لیتیں تو یہ مجھے نہیں بچا سکتے تھے بلکہ عین ممکن تھا خود زیر عتاب آ جاتے۔ میں نے اشارے سے بیتو سے کہا کہ وہ اس بارے میں ابھی کوئی بات نہ کرے۔ وہ سمجھ گیا اور دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا میں نے اس کے زخم پر موجود پٹی ہٹا کر دیکھی۔ باہر سے زخم تقریباً بھر گیا تھا اور کھرنڈ کی سرخی اب سیاہی میں بدل رہی تھی۔ اندر سے بھی زخم کی حالت اچھی تھی کیونکہ بیتو آرام سے اپنا بازو گھما رہا تھا اور اسے تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

''شوبی ہم نہا لے؟''

''میرا خیال ہے کل تک اور صبر کر لو۔ ابھی پانی لگانا مناسب نہیں ہے اور اب میں چاہتا ہوں تم جلد از جلد ٹھیک ہو جاؤ۔''

بیتو سمجھ گیا کیونکہ اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا اس نے چہک کر کہا۔ ''اب تو ہم پورا ہفتہ نہائے بغیر رہ سکتا ہے۔''

''لیکن اس کے بعد تمہارے ساتھ کون رہے گا۔'' میں ہنسا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''یس کم اِن۔''

وہی خادمہ اندر آئی اور اس نے پوچھا۔ ''سر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے۔''

''فی الحال تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اگر کسی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی بات کہنی ہو تو تمہیں کیسے طلب کیا جائے؟''

اس نے بیڈ کے برابر میں سائیڈ دراز پر رکھے ریموٹ نما آلے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا زیرو نمبر دبایئے گا میں آ جاؤں گی۔''

''یعنی یہ تمہارا ریموٹ ہے۔'' میں نے اس کا معائنہ کیا اور صفر دبایا تو خادمہ کے پاس سے ہلکی سی بپ کی آواز آئی۔ اس کا ریسیور اس کے لباس میں پوشیدہ تھا۔ ''ٹھیک ہے جب تمہاری ضرورت ہو گی تو بلا لوں گا۔''

بیتو اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس نے بیتو کو قابو کر لیا تھا اور یہ اس کی بے عزتی تھی۔ اس نے خادمہ کے جانے کے بعد کہا۔ ''شوبی ہم کو اس کا صورت سے نفرت ہے، کیا کوئی اور عورت نہیں آ سکتا۔''

''آ سکتا ہے لیکن اس میں کیا برائی ہے۔'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ''اچھی خاصی خوب صورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"ہم کو اس کا صورت نہیں اس کا حرکت برا لگا۔" بیتو نے منہ بنایا۔

"ہوا کیا تھا میں اس وقت اس آدمی کی طرف متوجہ تھا۔"

بیتو جھینپا پھر اس نے بتایا کہ وہ اس کے پاس گیا تھا اور آسان طریقہ یہی لگا کہ اسے بالوں سے پکڑ کر قابو کر لے لیکن ادھر اس نے خادمہ کے بال پکڑے اور وہ بل کھا کر اس کی پشت پر آئی اور بہت تیزی سے چاقو کی نوک بیتو کی گردن سے لگا دی۔ "ہم تو سمجھا کہ وہ ہمارا گردن کاٹ دے گا۔"

"شاید اسی لیے اسے یہاں لگایا گیا ہے۔ ہم جیسے قیدیوں کی خاطر مدارت کے لیے کیونکہ اسے خاطر مدارت کا دوسرا طریقہ بھی آتا ہے۔"

"ہم اس سے بدلہ لے گا۔" بیتو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"چھوڑو یار کیسی بھی، ہے تو عورت نا، مرد عورت سے بدلہ لے لے تو بھی یہ اسی کی شکست ہوتی ہے۔"

"تب کیا کرے ہم کو غصہ آ رہا ہے۔"

"پی جاؤ....." میں نے مشورہ دیا اور جیکٹ اتارتے ہوئے بٹنوں کے بل اچھلنے لگا۔ جوتے میں نے پہلے ہی اتار دیئے تھے۔ جسم گرم ہوا تو ایک ایک کر کے سارا اوپری لباس اتار دیا کچھ دیر بعد میں صرف پتلون میں ایکسر سائز کر رہا تھا۔ ایک گھنٹے کی مشقت سے جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ ویسے بھی اندر اتنی ٹھنڈ نہیں تھی۔ ایکسر سائز کر کے میں نے واش روم کا رخ کیا جہاں ہر چیز موجود تھی۔ حد یہ کہ باتھ روب بھی تھے۔ میں نے ٹب میں پانی بھرا اس میں پوڈی کلون اور جھاگ کے لیے جل شامل کیا اور باقی ماندہ کپڑے اتار کر اس میں بیٹھ گیا۔ ایک گھنٹے میں گرم خوشبودار پانی نے میل کے ساتھ ساری تھکن بھی اتار دی تھی اور جسم ہلکا پھلکا ہو گیا۔ میں باتھ روب پہن کر باہر آیا تو حسرت سے مجھے دیکھا۔

"شوبی آپ نہا آیا۔"

مجھے خیال آیا۔ "ٹب میں تو تم بھی نہا سکتے ہو۔ زخم پانی سے محفوظ رہے گا۔"

"یہ ٹھیک ہے پر یہ پرانا کپڑا پہنے گا کیا؟"

"شاید ہمارا کپڑوں والا بیگ بھی یہاں آیا ہے ایک منٹ۔" میں نے ریموٹ کا بٹن دبا کر خادمہ کو بلایا اور اسے بیگ کے بارے میں بتایا۔ "یہ بیگ چاہیے اگر بیگ نہیں مل سکتا تو اس میں موجود کپڑے لے آؤ۔"

"اگر کپڑے بھی نہ ہوں تو آپ کو ہر قسم کے کپڑے فراہم کیے جا سکتے ہیں۔"

"پہلے بیگ دیکھ لو۔" میں نے کہا۔ وہ سر جھکا کر چلی گئی۔ عام حالات میں وہ مسکین اور دبی ہوئی خادمہ نظر آتی تھی جس کی زندگی کا واحد مقصد اپنے آقا کے مہمانوں کی تن من سے خدمت کرنا تھا۔ مگر اس کی مستعدی اور مہارت میں اور بیتو دیکھ چکے تھے۔ میں نے آئینے میں دیکھ کر بال بنائے تو مجھے خیال آیا۔ پندرہ منٹ بعد خادمہ ہمارے کپڑے بیگ سمیت لے آئی تھی میں نے اس سے کہا۔

"مجھے بار بر کی ضرورت ہے۔"

"یہیں کمرے میں یا پھر سیلون میں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سیلون کہاں ہے؟''

''سینشن میں ہے۔'' اس نے بتایا۔

''میں سیلون چلوں گا۔'' میں نے کہا اور واش روم کا دروازہ ناک کر کے بیتو کو مطلع کیا کہ میں جا رہا ہوں تا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ پھر میں خادمہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ سیلون اسی عمارت کے عقب میں واقع ایک چھوٹی عمارت میں تھا جو اسی قسم کے کاموں کے لیے مخصوص تھی کیونکہ وہاں ایک چھوٹا سا کلینک بھی تھا اور لانڈری بھی تھی۔ سیلون جدید ترین تھا اور وہاں ایک ماہر باربر خادمہ بھی موجود تھی۔ اس نے پہلے میری ہدایت کے مطابق بال تراشے۔ اس سے پہلے چاروں طرف سے یکساں بڑھے ہوئے تھے اس نے سائیڈوں سے چھوٹے کر کے اوپر کے بال لمبے چھوڑ دیئے۔ پھر اس نے قلموں کو کسی قدر دراز رکھتے ہوئے میری شیو بنائی۔ آخر میں اس نے میرے بالوں کو نیچرل کلر سے رنگ دیا۔ میرے بالوں کا قدرتی رنگ لائٹ براؤن تھا لیکن اب یہ ڈارک براؤن شیڈ میں آ گئے تھے۔ نفاست سے بنی ہوئی مونچھیں اچھی لگ رہی تھیں لیکن یہ سب میں نے اچھا لگنے کے لیے نہیں بلکہ مختلف لگنے کے لیے کیا تھا۔ جب تک کلر پکا ہوتا رہا اس نے میرا چہرہ صاف کیا اور اسے بھی چمکا دیا۔ آخر میں اس نے بال دھوئے۔ میں نے اس کے کام کی تعریف کی تو وہ خوش ہو گئی تھی۔ میں واپس آیا تو بیتو نہا دھو کر نکل آیا تھا۔ اس نے زخم بچاتے ہوئے سر بھی دھو لیا تھا۔

''شوبی آپ تو چمک رہا ہے۔''

''چاہو تو تم بھی چمک جاؤ۔'' میں نے اس کا معائنہ کیا۔ ''تمہارے بھی بال بے ترتیب ہیں اور چہرے پر رواں آ گیا ہے۔''

اس بار خادمہ اسے لے گئی اور بیتو بادل نا خواستہ اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں نے دوسرے کپڑے پہنے۔ پہلے والے بھی صاف ستھرے تھے لیکن نہا دھو کر انہیں پہننے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بیتو ایک گھنٹے بعد واپس آیا تو وہ بھی چمک رہا تھا۔ بال ترشوا کر اور شیو کے بعد صفائی سے اس کی سانولی رنگت نکھر آئی تھی۔ اس نے لباس پہلے ہی تبدیل کر لیا تھا۔ واپس آتے ہی اس نے پوچھا۔ ''شوبی کیسا لگ رہا ہے؟''

''ایسا لگ رہا ہے کہ اب کوئی چین جانا بھی چاہے تو نہ جائے۔'' میں نے ہنس کر کہا تو وہ جھینپ گیا۔

''شوبی آپ بھی چھیڑتا ہے۔''

''ہاں یار سب چھیڑتے ہیں تو کیا میرا حق نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں شوبی آپ کا تو سب سے زیادہ حق ہے۔'' وہ چہکا اور پھر بولا۔ ''شوبی ایک مزے کا چیز دکھائے۔''

میں سمجھا شاید وہ کوئی سچ مچ کی چیز دکھائے گا۔ ''ہاں دکھاؤ۔''

بیتو نے خادمہ سے کہا۔ ''ناچ کر دکھاؤ۔''

میں بیتو کی بات پر حیران ہوا تھا اور جب خادمہ نے سچ مچ رقص شروع کیا تو میں دنگ ہی رہ گیا بیتو نے فخر سے کہا۔ ''یہ ہمارا ہر حکم مانتا ہے۔ اے ڈانس بند کر واب ایک پاؤں پر کھڑا ہو جاؤ۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی اور یوگا اسٹائل میں دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کیا بچکانہ پن ہے۔''

''بیتو ہم کو مزہ آ رہا ہے اس نے بھی ہم کو چاقو لگایا تھا۔''

''وہ دوسری بات تھی لیکن اس وقت یہ خادمہ ہے ہم اسے غلط استعمال نہیں کر سکتے۔''

بیتو مرجھا گیا۔''اچھا ہم نے غلط کیا سوری۔''

''تم جاؤ اور چائے کے ساتھ کچھ ریفریشمنٹ لے آؤ۔''میں نے خادمہ سے کہا اس نے پاؤں نیچے کیا اور رخصت ہو گئی۔اس دوران میں وہ سب نہایت سنجیدگی سے کرتی رہی اس کے چہرے پر ذرا بھی تاثر نہیں آیا۔اس کے جانے کے بعد میں نے بیتو سے کہا۔''یار وہ دشمن نہیں ہے اس نے اپنا فرض پورا کیا۔''

''شوبی آپ کو برا لگا ہے سوری۔''

''کوئی بات نہیں۔''میں نے اس کا شانہ تھپکا۔

مگر وہ اداس ہو گیا تھا۔''شوبی ہم کو دیدی یاد آ رہا ہے وہ پتا نہیں کس حال میں ہو گا۔''

مجھے بھی سادی کا خیال آ رہا تھا یہ امید تو نہیں تھی کہ اس پر کوئی جسمانی جبر ہو گا لیکن وہ قید میں تھی اور وسیم سے دور تھی اس کے لیے یہی سب سے بڑی تکلیف ہو گی۔پھر وہ ماں بننے والی تھی ایسے میں تو عورت اور بھی حساس ہو جاتی ہے۔''فکر مت کرو اللہ نے چاہا تو وہ جلد واپس اپنوں میں ہو گی۔''

''شوبی ہمارا تین بہن تھا ہم اچھا بھائی نہیں ہے کبھی ان کا خیال نہیں رکھا پر ان سے محبت کرتا تھا کبھی ان کو تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا یہ کنور کیسا بھائی ہے؟''

''دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔مجھے بھی ماں جی کے بعد گھر میں سب سے زیادہ محبت صغراں آپا سے ہے۔''

''وہ بہت اچھا ہے ہم کو چھوٹا بھائی بنایا۔شمی ہم کو چھوٹا ماموں کہہ کر چھیڑتا تھا۔''

بیتو نے ذکر چھیڑا تو میں حویلی پہنچ گیا۔جہاں میرے پیارے تھے۔ماں جی،بابا،آپا شمی،بھائی،بھابھی، ان کے بچے اور سویرا۔بیتو ان کے بارے میں بتا رہا تھا اور میں سن رہا تھا کبھی میں اسے بتاتا اپنے ماضی کے بارے میں۔پہلی بار بیتو کو بتایا کہ میں کیسے گھر سے نکلا تھا؟بابا نے مجھ پر اور سویرا پر کیا ظلم کیا تھا؟بیتو بھی دکھی ہو گیا۔''کاش ایسا نہ ہوتا بابا اس وقت سمجھ جاتا۔''

''بس یار یہ نصیب کی بات ہے انسان کے مقدر میں اوپر والے نے جو لکھ دیا وہ ہوتا ہے۔''

''پر اب بابا بالکل بدل گیا ہے۔کسی پر ذرا بھی غصہ نہیں کرتا سب کا بہت خیال رکھتا ہے کبھی ہمارے ساتھ ہوتا تو آپ کا بہت بات کرتا تھا۔''

میں نے سر ہلایا۔''میں جانتا ہوں بابا اولاد سے جتنی محبت کرتے ہیں خاص طور سے بیٹوں سے بس وہ آپا کے لیے اپنی محبت نہیں چھپا پاتے۔''

''شمی کا ہونے والا دلہا بھی آیا تھا ہم کو اچھا لگا۔دونوں کا جوڑی اچھا ہے۔''

ماضی کی یادیں اتنی ہوتی ہیں کہ کبھی ختم نہیں ہوتی ہیں۔دروازے پر دستک ہوئی تو میں سمجھا کہ خادمہ آئی ہے لیکن جب اجازت دی تو اس کے بجائے فتح خان اندر آیا۔مجھے دیکھ کر وہ چونکا مگر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔''کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حال ہیں شہباز خان؟"

"قید میں دشمن کا حال پوچھتے ہو؟" میں نے مسکرا کر کہا۔ "درحقیقت مجھے تمہارا حال اچھا نہیں لگ رہا ہے۔"

وہ چونکا۔ "کیا مطلب؟"

"فتح خان اس بار تم مجھے کچھ بے بس سے لگ رہے ہو۔ پہلے جیسی کمانڈ نہیں ہے تمہارے پاس۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہمارے پاس کمانڈ کبھی نہیں ہوتا کیونکہ ہمیں روپیہ دیا جاتا ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

وہ صوفے پر گر گیا۔ "اس بار ہم خوشی سے نہیں کر رہا ہے۔"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم خوشی سے کر رہے ہو یا ناخوش ہو کر..... کیونکہ تمہیں جو ڈیوٹی میرے خلاف دی گئی وہ تم نے ادا کر دی ہے۔"

"کیونکہ مجھ کو اس کا معاوضہ دیا گیا ہے۔"

میں نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ "فتح خان تمہارا کام ختم ہو گیا ہے۔"

"ابھی باقی ہے جب تک شاہیاں ہے میرے کو اس کے ساتھ رہنا ہے۔"

"یہاں اس کے نمک خواروں اور اس کے ایک اشارے پر دُم ہلانے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے پھر تمہاری کیا ضرورت ہے؟"

"یہ نہیں بتا سکتا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہارا اپنے ساتھیوں سے بات ہو گیا۔"

"تم جانتے تو ہو بلاوجہ کیوں پوچھ رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"میں باہر تھا ابھی آیا ہوں۔"

"ہاں ہوئی ہے اور اب مجھے ڈیوڈ شا سے بات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے میرا خواہش ہے کہ یہ کام جلد ہو جائے۔" اس نے میری طرف یوں ہاتھ بڑھایا جیسے مصافحہ کرنا چاہ رہا ہو حالانکہ اسے معلوم تھا کہ میں اس سے ہاتھ نہیں ملاؤں گا میں اسے انکار کرنے والا تھا کہ میری نظر اس کی ہتھیلی پر گئی اس پر کچھ تحریر تھا۔ میں نے غور کیا اس نے لکھا ہوا تھا۔

"شا سے اپنی بات منوانا وہ مانے گا ضرور مانے گا۔"

میں نے پڑھ کر سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میری بھی یہی خواہش ہے۔"

فتح خان نے مطمئن ہو کر سر ہلایا اور باہر چلا گیا۔ بیتو اس کے ہاتھ کی تحریر نہیں دیکھ سکا تھا اس لیے حیران تھا اس نے کہنا چاہا تو میں نے غیر محسوس انداز میں نفی میں سر ہلایا۔ یہ بات یقینی تھی کہ یہاں ہمیں دیکھنے کا بندوبست بھی تھا ورنہ فتح خان یوں ایکٹ نہ کرتا۔ بیتو چپ ہو گیا۔ چند منٹ بعد خادمہ چائے اور دوسری چیزیں لے آئی۔ سرد موسم اور پھر پہاڑوں کے معدنی پانی کی وجہ سے یہاں کھایا پیا آسانی سے ہضم ہو جاتا تھا اور آدمی کسی بھی وقت کھانے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ میں نے ورزش کی تھی اور غسل کے بعد بھوک کھل گئی تھی۔ ہم نے چائے اور اس کے لوازمات سے پورا انصاف کیا۔ اس وقت چھ بج رہے تھے میرا اندازہ تھا کہ ڈنر یہاں آٹھ یا ساڑھے آٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک ہوگا کیونکہ انگریز کے لیے اس کے بعد رات ہو جاتی ہے۔ رات نو بجے کے بعد انگریز دنیا جہان کی شرابیں پی سکتا ہے لیکن ایک لقمہ کھانا بھی صحت کے لیے مضر سمجھتا ہے۔ یہ میں نستعلیق انگریزوں کی بات کر رہا ہوں جو گھڑی کے پابند ہوتے ہیں۔ ڈیوڈ شا ایسا ہی انگریز تھا۔ ریفریشمنٹ کے بعد میں ٹی وی دیکھ کر وقت گزارتا رہا۔ ٹھیک آٹھ بجے خادمہ نمودار ہوئی۔

''ساڑھے آٹھ بجے مسٹر شا ڈنر ٹیبل پر منتظر ہوں گے۔ آپ آٹھ بیس تک تیار رہے گا۔''

مجھے دل میں ہنسی آئی۔ میں اور بیتو یہاں قیدی تھے لیکن ڈیوڈ شا اور اس کے آدمی یوں ظاہر کر رہے تھے جیسے ہم بہت معزز مہمان ہیں۔ پورا رکھ رکھاؤ کیا جا رہا تھا۔ ہم بھی مہمان بنے ہوئے تھے۔ بہر حال جلد سب کھل کر اپنی اصلیت پر آجاتے۔ آٹھ بج کر بیس منٹ پر پوجا آئی اور ہمیں ساتھ لے گئی۔ اس بار بھی ڈنر اسی بڑے سے ہال میں تھا دوپہر میں وہاں میں اور ڈیوڈ شا اکیلے تھے اب فرق یہ تھا کہ میرے ساتھ بیتو تھا اور ڈیوڈ شا کے بائیں طرف ایک طویل قامت اور مضبوط جسامت کا سفید فام موجود تھا۔ اس نے آرمی جیکٹ پہن رکھی تھی اور چھوٹے بالوں سے وہ آرمی مین ہی لگ رہا تھا۔ ڈیوڈ شا نے اس کا تعارف کرایا۔

''ایکس آرمی آفیسر کرنل جیمز بیکسٹر۔''

''شہباز ملک۔'' میں نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا اس کی گرفت میں مضبوطی تھی لیکن سختی نہیں تھی اس لیے میں نے بھی ہاتھ ڈھیلا رکھا پھر بیتو کا تعارف کرایا۔ اس نے بیتو سے بھی ہاتھ ملایا تھا۔ ہم آمنے سامنے آگئے۔ ڈنر اس بار بھی کئی کورس کا تھا اور تقریباً فائیو اسٹار تھا۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا اور کھانے کے بعد قہوہ بھی خاموشی سے پیا گیا۔ ڈیوڈ شا نیپکن سے منہ صاف کرتا ہوا اٹھا۔

''شہباز ملک میرا خیال ہے تم نے فیصلہ کر لیا ہے۔''

میں نے سر ہلایا اور بیتو کی طرف دیکھا وہ میرا اشارہ سمجھ گیا اس نے کہا۔ ''ہم دوا لے کر آرام کرے گا۔''

بیتو پوجا کے ساتھ چلا گیا۔ میں، ڈیوڈ شا اور کرنل جیمز اسی کمرے میں آئے۔ اب شیشے کی دیوار کے پار تاریکی تھی اور دور برف پوش پہاڑیاں ہیولوں کی صورت میں تھیں۔ آسمان پر بادل تھے اس لیے چاند نکلا ہوا بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم صوفوں پر آمنے سامنے آگئے۔ ڈیوڈ شا اور کرنل نے وہسکی کی بوتل سنبھال لی تھی اور میرے لیے کافی کا آرڈر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ڈیوڈ شا بہ ظاہر لاپروا اور سرد تھا لیکن اندر سے وہ مضطرب تھا۔ کرنل جیمز کی موجودگی بھی معنی خیز تھی۔ گویا فتح خان کی بات درست تھی اور ڈیوڈ شا ہر قیمت پر میرا تعاون حاصل کرنے پر تل گیا تھا اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ شرائط میں کچھ اضافہ کر لیا جائے تو اس میں حرج نہیں ہے زیادہ سے زیادہ ڈیوڈ شا ماننے سے انکار کر دے گا لیکن وہیم کی بتائی شرائط لازمی منوانی تھیں۔ اندر سے میں بھی مضطرب تھا لیکن اپنا ظاہر میں نے بھی سرد رکھا ہوا تھا اب معلوم نہیں کہ ڈیوڈ شا میرے اضطراب سے واقف تھا یا نہیں۔ میں خاموش تھا اور منتظر تھا کہ وہ پہل کرے۔ مگر وہ بھی خاموش تھا اس لیے پہل کرنل جیمز نے کی۔

''میرا خیال ہے ہم یہاں بات کرنے آئے ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے اور میں منتظر ہوں کہ مسٹر ڈیوڈ شا اس کا آغاز کرتے ہیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اپنی بات تم تک پہنچا چکا ہوں تم نے جو مطالبہ کیا میں نے وہ پورا کیا اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے اب تم بات کرو تمہیں میری بات منظور ہے یا نہیں۔"

"میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا ہے۔" میں نے کسی قدر ڈرامائی انداز میں کہا اور یہ جملہ بول کر چپ ہو گیا اس پر دونوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ڈیوڈ شا سے رہا نہیں گیا اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"تب تم نے کیا سوچا؟"

"میں راضی ہوں لیکن میری کچھ شرائط ہیں۔"

میری بات پر ڈیوڈ شا کے چہرے پر جو تاثرات اور اطمینان آیا تھا اس سے مجھے مزید یقین ہو گیا کہ وہ میرا تعاون حاصل کرنے کے لیے سب مان جائے گا۔ مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا اور سرد لہجے میں بولا۔ "کیسی شرائط؟"

"پہلی شرط سادی کی با حفاظت کنور پیلس سے رہائی اور اس کے بعد اسے پاکستان پہنچانا۔"

اس نے سر ہلایا۔ "اس کی آفر میں تمہیں پہلے ہی کر چکا ہوں اور تمہیں فری ہینڈ بھی دے چکا ہوں۔"

"یہ کام تمہارے آدمیوں کو کرنا ہوگا۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں ساتھ رہوں گا اور سادی میری تحویل میں آئے گی۔"

"جیسا تم کہو گے۔" اس نے گویا شرط مان لی۔

"دوسری شرط یہ ہے کہ میں وادی کی طرف تمہارے ساتھ اکیلا نہیں جاؤں گا میرے دو ساتھی اور کچھ آدمی بھی ساتھ ہوں گے۔"

اس بار وہ کچھ مضطرب ہوا تھا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ میری حفاظت کے لیے لازمی ہے۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "مجھے خطرہ ہے کہ اس سفر کے بعد میں تمہارے لیے غیر ضروری ہو جاؤں گا۔"

"تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے کیونکہ میں تم پر اعتبار کر رہا ہوں۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم میں اور مجھ میں فرق ہے تم با اختیار ہو اور میں بے اختیار ہوں۔ اس لیے مجھے تحفظ کی ضرورت ہے۔"

"مسئلہ یہ نہیں ہے میں مختصر پارٹی لے کر جاؤں گا اول تو بڑی پارٹی کی اجازت نہیں ملے گی دوسرے بڑی پارٹی کی صورت میں راز داری مشکل ہو جائے گی۔"

"ڈیوڈ شا اجازت اور راز داری تمہارے لیے مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "اسے لازمی سمجھو اس کے بغیر بات آگے نہیں بڑھے گی۔"

اس نے چند لمحے سوچا۔ "او کے میں تمہارے دو ساتھیوں کی حد تک مان لیتا ہوں۔"

"یوں سمجھو کہ ہم تمہارے اتحادی ہوں گے ہمارے پاس اپنی حفاظت کا بندوبست ہوگا ہم اس معاملے میں تمہارے محتاج نہیں ہوں گے۔"

"اسلحہ مشکل ہے لیکن دیکھیں گے؟"

"نہیں ڈیوڈ شا یہ ابھی طے ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے اعتراض نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''لیکن اس سے اعتماد کی فضا متاثر ہوگی۔''

''نہیں ہوگی میں اس کی ضمانت دوں گا۔''

''او کے اٹ از ڈن ناؤ۔'' ڈیوڈ شا نے بدمزگی سے کہا۔

''تیسرے میں چاہتا ہوں تم مرشد کا کوئی مستقل بندوبست کرو تاکہ اس کے بعد وہ میرے لیے کوئی مسئلہ نہ بن سکے۔ میں اور میرے ساتھی سکون سے عام انسانوں جیسی زندگی گزاریں بغیر کسی خوف وخطر کے۔''

''میں اسے دیکھوں گا۔'' اس بار اس نے واضح جواب نہیں دیا۔ ''میں تمہاری مرشد سے صلح کرا سکتا ہوں لیکن صلح دوطرفہ ہوتی ہے۔''

''بات صلح کی نہیں مرشد کی طرف سے دشمنی کا باب ختم کرنے کی ہے۔ میری اطلاعات کے مطابق وہ نادر کے بعد اس کی موت کا ملبہ ڈال کر میرے اور میرے ساتھیوں کے خلاف نئی مہم شروع کرنے والا ہے اس کا مقصد اپنے خاندان والوں اور مریدوں کو مطمئن کرنا ہے۔''

''مرشد سے کچھ حساب میں نے بھی لینا ہے اس لیے تم اسے شرط مت بناؤ مجھے پوری امید ہے میں اس مسئلے کو حل کرلوں گا۔''

مجھے پہلے بھی یقین نہیں تھا کہ ڈیوڈ شا مرشد کے بارے میں کوئی ضمانت دے گا اس لیے میں اس پر زیادہ زور نہیں دیا۔ ''ٹھیک ہے یہاں میں تم پر بھروسہ کر رہا ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ سعدیہ کو کنور پیلس سے کیسے اور کب نکالا جائے گا؟''

''یہ تم اور کرنل جیمز مل کر طے کرو گے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''کرنل سکیورٹی کا ماہر ہے۔ سکیورٹی کرنے کا بھی اور اسے بریک کرنے کا بھی۔''

میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ ''تم کیا کر سکو گے؟''

''ہم پروفیشنل انداز میں کام کریں گے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ہر اسٹیپ کی پلاننگ کریں گے۔ اس کے مطابق عمل کریں گے۔''

''پلاننگ کا اولین مرحلہ کنور پیلس کی سکیورٹی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بات اندر کا کوئی آدمی ہی بتا سکتا ہے۔''

کرنل نے مسکرا کر کہا۔ ''خوش قسمتی سے ہمارے پاس اندر کا ایک آدمی ہے۔''

''وہ آدمی کہاں ہے؟''

''ابھی یہاں نہیں ہے لیکن کل تک آجائے گا۔'' کرنل نے کہا۔ ''وہ کچھ کارآمد معلومات لے کر آئے گا اور اس کی مدد سے ہم اپنے منصوبے کو حتمی صورت دیں گے۔''

''وہ لالچ میں کام آرہا ہے؟''

''ہاں لالچ بھی ہے لیکن اصل میں اسے بڑے کنور سے بدلہ لینا ہے اس لیے وہ ہمارے ساتھ ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے ورنہ جو شخص رقم کے بدلے بکے وہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتا وہ ایک کو دھوکا دیتا ہے تو دوسرے کو بھی دھوکا دے سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم فکر مت کرو مسٹر شہباز ہم ہر پہلو پر نظر رکھیں گے۔''

میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''سادی کو کنور پیلس سے آزاد کرانا تمہاری ذمے داری ہے لیکن میں ساتھ ہوں گا اور بعض معاملات میں فیصلے میں کروں گا۔''

''کن معاملات میں؟''

''یہ میں وہیں بتاؤں گا۔'' میں نے کہا اور کرنل کی طرف دیکھا۔ ''گارڈز کے ساتھ تم جو چاہے سلوک کرو لیکن عام ملازموں اور کنور خاندان کے افراد کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں بھی عام آدمیوں کو نہ چھیڑنے کا قائل ہوں۔''

میں نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ میری اس بات سے ڈیوڈ شا متفکر ہو گیا تھا۔ البتہ اس نے پہلے سوال کے بعد اس معاملے پر مزید کچھ نہیں کہا۔ البتہ اس کے اور کرنل کے درمیان معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ کیا اس کارروائی کے پس پشت ڈیوڈ شا کا بھی کوئی مفاد تھا؟ کیونکہ بہ ظاہر تو ڈیوڈ شا کا اس معاملے میں کوئی مفاد نہیں تھا اور وہ یہ سب صرف مجھے راضی کرنے کے لیے کر رہا تھا۔ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہوئی جیسے کسی سنسنی خیز کھیل کا آغاز ہو گیا ہو۔ میں اس کھیل کا ایک حصہ تھا اور کھیل کے کچھ حصے یقیناً میری نظروں سے اوجھل تھے اسی طرح کچھ حصے دوسرے حصے داروں کی نظروں سے بھی اوجھل تھے سب اپنا اپنا کھیل کھیل رہے تھے اور اپنا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ڈیوڈ شا سے کام کی بات ہو گئی تھی اس لیے وہ کھڑا ہو گیا اور میری طرف دیکھا۔

''اب تم آرام کرو۔''

اس نے صرف مجھے کہا تھا اور کرنل اپنی جگہ موجود رہا تھا یعنی وہ رہتا اور ڈیوڈ شا اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ فوراً ہی فتح خان نمودار ہوا جیسے اسے کوئی نادیدہ اشارہ ملا ہو اور میں اس کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے راستے میں پوچھا۔ ''کیا میں اور بیتو اپنے کمرے میں قید ہوں گے؟''

''نہیں لیکن اس عمارت سے باہر جانے پر پابندی ہو گی اور کمرے سے باہر تم نظروں میں رہو گے۔''

''مجھے تو یقین ہے کمرے میں بھی میں تم لوگوں کی نظروں سے محفوظ نہیں ہوں اس لیے احتیاطاً واش روم میں کپڑے بدلے تھے۔ یقین تو وہاں کے بارے میں بھی نہیں ہے لیکن مجبوری ہے وہی آخری جگہ بچتی ہے جہاں انسان کسی کی نگاہوں سے بچ سکتا ہے۔''

میں اندر آیا تو بیتو خراٹے لے رہا تھا اور یہ خاصے خوفناک خراٹے تھے۔ میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ آج رات کالی ہوتی نظر آ رہی تھی۔ میں نے گرم پانی سے شاور لیا اور پھر لیٹا تو جلد نیند آ گئی اور پھر بیتو کے خراٹوں نے پریشان نہیں کیا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو بیتو اٹھ گیا تھا اور آئینے کے سامنے کھڑا اپنے زخم کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس پر کمر نڈ کی سرخی ختم ہو چکی تھی اور اب یہ براؤن ہو رہا تھا اس نے خوش ہو کر مجھے آگاہ کیا۔ ''شوبی اب ہم بالکل ٹھیک ہے۔''

''لیکن دو دو دن اور کھانی ہو گی۔'' میں نے اٹھ کر واش روم کا رخ کیا۔

''شوبی ناشتے کا کہہ دے؟'' عقب سے بیتو نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' میں نے دروازہ بند کر کے کہا۔ فارغ ہو کر باہر آیا تو بیتو پوچھا کو ناشتے کا بتا رہا تھا۔ یہ خاصا بھاری بھرکم اور لمبا چوڑا ناشتہ تھا مگر میں نے ٹوکا نہیں تھا۔ البتہ اس میں انگریزی کے تازہ اخبارات کا اضافہ کر دیا۔ پھر ٹی وی ریموٹ سے آن کیا۔ یہ کوئی سیٹلائیٹ ٹی وی سسٹم تھا اور اس میں کئی سو چینلز تھے مگر زیادہ تر مقامی بھارتی چینلز تھے اور باقی انٹرنیشنل چینلز تھے۔ میں پاکستان بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن یہ کام میں نے ناشتے کے بعد کے لیے اٹھا رکھا تھا۔ وقت گزاری کے لیے چینل گھما رہا تھا کہ اچانک ایک چینل پر میرا ہاتھ رک گیا یہ ماحولیاتی چینل تھا اور اس پر ایمن کا پروگرام آ رہا تھا۔ بیتو اسے دیکھ کر چونکا۔

''شوبی یہ تو وہی ہے نا؟''

''ہاں یہ ایمن ہے۔'' میں نے کہا اور آواز تیز کی۔ ایمن ہمالیہ کے پس منظر میں ایک ڈاکومینٹری پیش کر رہی تھی مجھے یاد تھا جب آخری بار اس سے بات ہوئی تھی تو اس نے ذکر کیا تھا کہ وہ اس مقصد کے لیے انڈیا اور نیپال آئے گی۔ پروگرام کے ساتھ کوئی تاریخ نہیں آ رہی تھی جس سے پتا چلتا کہ یہ کب بنا تھا۔ مگر موسم گرما کا لگ رہا تھا کیونکہ ماؤنٹ ایورسٹ کے نیچے دور سے ہی سبزہ نمایاں تھا۔ خود ایمن ایک گل رنگ وادی میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے جینز پر مقامی انداز کا کرتہ پہن رکھا تھا اور یہ اس پر جچ رہا تھا۔ وہ بتا رہی تھی کہ ہمالیہ پہاڑوں کے دیوتاؤں کا گھر تھا یہاں دنیا کی سو بلند ترین چوٹیاں تھیں اور ہمالیہ سے باہر بلند ترین چوٹی کا نمبر سو کے بعد آتا تھا۔ آدھے گھنٹے کے اس پروگرام میں سوائے ہمالیہ کے تعارف کے اور کچھ نہیں تھا۔

اس دوران میں ناشتہ آ گیا اور میں ناشتے کے دوران ہی پروگرام دیکھتا رہا۔ پروگرام کے بعد جب ناموں کی سلائیڈ چلتی ہے تب میں نے دیکھا۔ پروگرام اسی مہینے کی نو تاریخ کا ریکارڈ ہوا تھا یعنی آج سے گیارہ دن پہلے کا تھا اس کا مطلب تھا کہ ایمن اس خطے میں ہو سکتی تھی لیکن اس وقت اس کا یہاں ہونا میرے لیے مشکلات کھڑی کر سکتا تھا۔ ڈیوڈ شا ایک بار پہلے بھی اس کے حوالے سے مجھے بلیک میل کر چکا تھا اور اس سے کچھ بعید نہیں تھا وہ ایک بار پھر ایمن کی مدد سے مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتا۔ میں نے دل ہی دل خواہش کی کہ وہ یہاں سے جا چکی ہو۔ ناشتے کے بعد میں نے اسکائپ پر رابطہ کیا۔ عبداللہ آن لائن تھا۔ سفیر سو رہا تھا کل رات اس کا موڈ خراب تھا اور اس نے وسیم سے جھگڑا کیا تھا کہ وہ کیوں نہیں جا رہا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔

''میری خواہش ہے کہ تم دونوں بھی نہ چلو کیوں کہ بہرحال اس مہم میں بھی خطرہ ہے۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' عبداللہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''ڈیوڈ شا نے کیا کہا ہے۔''

''میرے دو ساتھیوں کے بارے میں مان گیا ہے ہم اپنی حفاظت کے خود ذمے دار ہوں گے لیکن مزید لوگ لے جانے سے ہچکچا رہا ہے اس کا کہنا ہے کہ پارٹی ایک حد سے زیادہ بڑی نہیں ہو سکتی۔''

''بیتو آپ کے ساتھ ہے ایک آدمی اور لے سکتے ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا جیسے شخص کے لیے پارٹی چھوٹی بڑی ہونا مسئلہ نہیں ہو سکتا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے وہ بلاوجہ ہچکچا رہا ہے۔'' میں نے کہا اسی دوران میں وسیم آ گیا وہ تولیے سے سر رگڑ رہا تھا۔

''کیسے ہیر ۔ کیا ہو رہا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے تفصیل سے اپنی اور ڈیوڈ شا کے مذاکرات کے بارے میں بتایا اور کرنل جیمز کے بارے میں بتایا تو وسیم چونک گیا۔ ''میرا خیال ہے میں اسے جانتا ہوں کسی وقت یہ افغانستان میں برطانوی فوج کا حصہ تھا۔ پھر ایک لڑائی میں شدید زخمی ہوا تو فوج سے ریٹائر ہو گیا۔ میں جس افغانی سے اسلحہ اور دوسرا سامان لیتا تھا اس نے اس لڑائی میں شرکت کی تھی اور اس کا کہنا تھا کہ کرنل جیمز نے زخمی ہونے کے باوجود نہایت بہادری کا مظاہرہ کیا اور اپنے دو درجن ساتھیوں کی جان بچانے میں بنیادی کردار ادا کیا ورنہ وہ سب مارے جاتے۔''

''اس کا مطلب ہے کرنل جیمز پیشہ ور سپاہی ہے۔''

''بالکل اگر یہ وہی کرنل جیمز ہے تو بہت اچھا کمانڈر اور سپاہی ہے۔'' وسیم نے تائید کی۔

''ڈیوڈ شا نے کنور پیلس کے اندر کا ایک آدمی بھی تلاش کر لیا ہے وہ اندر کے سکیورٹی کے بارے میں بتائے گا۔''

''یہ ضروری تھا اس کے بغیر کامیابی مشکوک اور بہت زیادہ قوت اور قتل و غارت گری کے بعد ہی ممکن ہوتی۔''

''وہ آج آئے گا اس کے بعد پلان تیار کیا جائے گا۔''

وسیم نے کہا۔ ''مانی نے کنور پیلس کا تھری ڈی نقشہ دکھایا ہے اس جگہ حملہ کرنا بہت مشکل ہے اور حملہ آوروں کا پوری طرح تربیت یافتہ اور مسلح ہونا ضروری ہے۔ غیر روایتی ہتھیار لازمی ہوں۔ جیسے گیس اور دھوئیں کے بم، راستے صاف کرنے کے لیے دھماکہ خیز مواد اور اس کے استعمال کا ماہر بھی ہو۔''

''میرا خیال ہے کرنل جیمز کے ذہن میں یہ سب ہو گا پلان پر بات کر کے میں ایک بار پھر سب تمہارے سامنے رکھوں گا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ سب اب عام ہو گیا۔ بلٹ پروف، رابطے کے جدید آلات، رات کی تاریکی میں دیکھنے والی عینکیں اور لیزر کی مدد سے الکوریٹ نشانہ لینے والی گنیں۔''

عبداللہ نے کہا۔ ''جناب میرے ذہن میں ایک خیال اور آ رہا ہے۔ اوشا بھی تو اسی جگہ رہی ہے اور وہاں سے اچھی طرح واقف ہو گی۔''

میں چونکا۔ ''اوشا..... لیکن وہ رانا دیاس کے پاس ہے۔''

''اسے وہاں سے بلایا جا سکتا ہے۔'' عبداللہ نے اصرار کیا۔ ''وہ خاص کنور فیملی کے حصے میں ہوتی تھی اور ہمیں وہیں تک جانا ہے سادی وہیں ہو گی۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' وسیم نے عبداللہ کی تائید کی۔

میں سوچ میں پڑ گیا پھر میں نے کہا۔ ''اسے آپشنل رکھو اگر کنور پیلس کا بھیدی مجھے مطمئن نہ کر سکا تو پھر ہم اوشا کو بھی بلوا سکتے ہیں۔''

عبداللہ ہنسا۔ ''آپ اس سے ڈرتے ہیں۔''

''یہ پوچھیں کہ یہ کس سے ڈرتا ہے؟'' وسیم نے شرارت سے کہا۔

''کوئی نہیں ڈرتا۔'' عبداللہ جلدی سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کس کا ذکر ہو رہا ہے؟''

''اسی گل بانو کا جو آپ نے بھیجی تھی۔'' وسیم کے لہجے کی شرارت بڑھ گئی۔ ''خاتون نے گھر کا نظام ایسے سنبھال لیا ہے کہ اب یہ ہر کام اس سے پوچھ کر کرتا ہے۔''

''بانو۔'' میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''اسے تو میں بھول گیا کیسی ہے وہ؟''

''وہ آپ سے خفا ہے کہ آپ نے اتنی بار بات کی اور ایک بار بھی اس سے بات نہیں کی۔''

''یار یہ غلطی ہوئی اسے بلاؤ۔''

عبداللہ بلانے گیا اور ایک منٹ بعد بانو اسکائپ پر تھی اس نے حسبِ معمول فراک سوٹ پہن رکھا تھا اور وہ کچھ نازک اندام ہو چکی تھی اس لیے یہ لباس اس پر اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی شکوہ کیا۔ ''کیسے ہیں آپ مجھے تو بھول ہی گئے۔''

''سوری۔'' میں نے جلدی سے معذرت کی۔ ''تمہیں واپس بھیجنے کے بعد ایک منٹ بھی چین سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ اب دشمن کی قید میں ہوں تو ذرا سکون ہے۔''

وہ پریشان ہو گئی۔ ''کیا بڑے کنور نے.....''

''نہیں یہ ڈیوڈ شاہے بہر حال میری جان کا دشمن نہیں ہے۔'' میں نے اسے بتایا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ ''تم کیسی ہو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔''

''نہیں میں بہت آرام سے ہوں ہاں یہ لوگ مجھ سے تنگ ہیں۔'' بانو نے ترچھی نظروں سے دائیں طرف دیکھا۔ اس کی نظروں کا نشانہ عبداللہ تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے جناب۔''

''میرا خیال ہے تم نے ان لوگوں کو ٹائٹ کر دیا ہے ویسے یہ ہیں اسی قابل۔''

''میں پہلے ہی ٹائٹ ہوں۔'' وسیم نے سرد آہ بھری۔ ''نٹ بولٹ سب پوری طرح ٹائٹ ہو گئے ہیں البتہ یہ عبداللہ.....''

''شوبی میں نے بریانی دم پر لگائی ہے۔'' بانو اٹھتے ہوئے بولی۔ ''وہ دیکھ کر آتی ہوں۔''

بانو کے جانے کے بعد وسیم ہنس رہا تھا اور عبداللہ جھینپ رہا تھا۔ کہانی سمجھ میں آ رہی تھی لیکن میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ''یہ کیا چکر ہے برادرز؟''

وسیم بولا۔ ''آپ انجان نہ بنیں..... یہ اپنے عبداللہ بھائی.....''

''آپ اس کی باتوں میں مت آیئے گا۔'' عبداللہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''یہ فارغ ہے نا اس لیے صرف دماغ استعمال کر رہا ہے۔''

وسیم ہنس رہا تھا اور عبداللہ جھینپ رہا تھا لیکن میں سنجیدہ ہو گیا۔ ''یار یہ سب مذاق ہے یا اس میں کچھ حقیقت بھی ہے۔''

''میں تو سمجھ رہا ہوں کہ یہ حقیقت ہے لیکن یہ نہیں مان رہا۔'' وسیم نے عبداللہ کی طرف اشارہ کیا۔

''تم کیا کہتے ہو عبداللہ؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لہجے سے عبداللہ بھانپ گیا تھا اس لیے وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ ''آپ مجھے جانتے ہیں اور میرے خیالات بھی۔ ان دونوں نے بلاوجہ میرا پیچھا لیا اور پھر بانو کو بھی چھیڑنے لگے۔ یہ ٹھیک ہے وہ اچھی لڑکی ہے اور مجھے اچھی بھی لگتی ہے۔'' عبداللہ کہتے ہوئے شرمایا۔ ''لیکن جناب اس کے دل میں کیا ہے مجھے نہیں معلوم۔''

''بیٹے وہ تم سے جس طرح گریز کرتی ہے لیکن ساتھ ہی جیسے خیال رکھتی ہے اس سے اس کے دل کا حال معلوم ہے۔''

''اس کے دل کا حال معلوم کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تم کیا کرو گے۔''

''نکاح جناب۔'' وسیم پھر شرارت سے بولا۔ ''اور کیا کرنا ہے اس نے۔''

''جناب میں سنجیدہ ہوں۔'' عبداللہ نے دوسرے لفظوں میں کہا۔

''ٹھیک ہے یہ میری ذمے داری ہے لیکن مہربانی کر کے تم لوگ ذرا ہاتھ ہلکا رکھو۔ وہ بہت حساس لڑکی ہے اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔''

''ساری بے چاریوں کا ٹھیکہ ہمارے پاس ہے۔ ایک اور سہی۔'' یہ سفیر تھا جو اچانک نازل ہوا تھا۔

''آغاز تیری زوجہ سے ہوا تھا۔'' میں نے تائید کی۔ ''بہرحال بانو مونا اور سادی سے مختلف ہے۔''

''وہ کیسے؟'' وسیم اور سفیر نے بیک وقت اعتراض کیا۔

''وہ ایسے کہ وہ صرف زبان ہی نہیں ہاتھ پاؤں چلانا بھی جانتی ہے۔ اگر اس کا دماغ گھوما تو وہ سب کا دماغ درست کر سکتی ہے اس لیے سب حد میں رہیں۔''

''پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔'' سفیر نے کہا۔ ''اب میں ایک ذرا فاصلے پر رک کر مذاق کروں گا۔''

''تب بہتر ہے میں اسے بھی حویلی بھیج دوں۔''

''یعنی سیف ڈسپازٹ میں جمع کرا دوں۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ہماری کائنات میں جو تھوڑا بہت رنگ ہے وہ بھی چلا جائے گا۔''

''تو رنگ کے پیچھے کیوں پڑتے ہو؟'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''اس صنف کو آس پاس پا کر آپے سے باہر کیوں ہو جاتے ہو؟''

سفیر بدمعاشی کر رہا تھا وہ چھیڑ کر مجھے اشتعال دلا رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا تو میں نے خود پر قابو پایا ورنہ میں نے اسے سنا دی تھیں جس پر سفیر سمیت سب ہنس رہے تھے۔ میں نے لیپ ٹاپ بیتو کے حوالے کر دیا اور وہ سفیر سے لڑنے لگا کہ شوبی پہلے یہاں پریشان ہے اور تم لوگ اسے اور پریشان کر رہا ہے۔ وہ بے چارہ ان بدمعاشوں کو کہاں قابو کرتا۔ غصے میں اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور مجھ سے کہا۔ ''شوبی یہ لوگ ناقابلِ علاج ہو گیا ہے۔''

''بیٹے ان کا علاج ہے مگر ان کی ڈاکٹرز دور ہیں نا وہ ہوتیں تو پھر دیکھتے ان کی بولتی کیسے بند ہوتی ہے۔''

بیتو نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہتا مونا اور سادی دیدی کے سامنے دونوں ایسے شریف بن کر رہتا ہے۔''

''بس تو وہ واپس آ کر ان سے سارے بدلے لیں گی اور تب ہم ہنسیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیسے ابھی یہ لوگ ہنستا ہے۔'' بیتو نے کہا اور پھر پوچھا۔ ''شوبی اس کمرے سے باہر نہیں جا سکتا دروازہ تو کھلا ہوا ہے؟''

''کمرے سے جا سکتے ہیں عمارت سے باہر نہیں جا سکتے۔''

''تب ہم مٹر گشت کر کے آتا ہے۔ آج زیادہ کھا لیا ہے۔'' اس نے دودھ سے اینٹی بایوٹک کیپسول نگلتے ہوئے کہا۔ ''بس اب دو وقت کا دوارہ گیا ہے۔''

''وہ بھی لازمی کھانا..... میرا خیال ہے تم بھی میرے ساتھ چلو گے لیکن اس کے لیے ضروری ہے تم بالکل فٹ ہو۔''

''ہم بالکل فٹ ہے۔'' اس نے سر ہلایا اور کمرے سے نکل گیا۔ پوجا ناشتے کی ٹرالی لے جا چکی تھی میں نے ریموٹ کا بٹن دبا کر اسے طلب کیا اور کافی کا کہا۔ میں سوچنا چاہتا تھا اور یہ موقع تھا ورنہ بیتو تو وہ آسانی سے سوچنے نہیں دیتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کنور پیلس پر ہونے والے حملے میں میری کیا کردار ہوگا اور مجھے کن معاملات کے لیے پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔ کچھ دیر غور کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا صرف نگران کی حیثیت سے موجودگی کافی نہیں تھی اپنی کمانڈ قائم کرنے کے لیے مجھے اس حملے میں عملی طور پر حصہ لینا ہوگا۔ کمرے میں ایک طرف چھوٹی رائٹنگ ٹیبل اور اس پر لکھنے کے لوازمات تھے میں نے پین اور رف پیڈ اٹھایا اور اس پر کنور پیلس کا نقشہ کھینچا۔ تقریباً نصف مربع کلومیٹرز پر پھیلا ہوا پیلس کئی عمارتوں پر مشتمل تھا۔ میں نقشے میں ان عمارتوں کو واضح کرنے لگا۔

مرکزی پیلس جس میں کنور خاندان کی رہائش تھی۔ کسی قدر عقب میں تھا۔ اس کے پیچھے صرف دو عمارات تھیں ایک جس میں کلینک اور دوسری سہولیات تھیں یہ کسی قدر عقب میں دائیں طرف تھی۔ جب کہ ملازموں کے لیے مخصوص عمارت بالکل عقب میں تھی۔ فرنٹ پر ایک بڑی ہال نما عمارت تھی جو یقیناً تقریبات کے لیے مخصوص تھی جب کہ بائیں طرف کی عمارات میں کیا تھا یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ سکیورٹی کے نکتہ نظر سے پورے پیلس کو مختلف سطحوں میں تقسیم کیا ہوا تھا اور ان کی درمیان میں اونچی دیواریں تھیں۔ میں ان دیواروں کو واضح کر رہا تھا کہ مجھے خیال آیا اور میں نے پین رکھ دیا۔ جب انٹرنیٹ موجود تھا تو میں اتنی زحمت کیوں کر رہا تھا۔ میں نے گوگل ارتھ پر کنور پیلس کا تصویر نکالی۔ اس تصویر میں نہ صرف پیلس کی تمام عمارات واضح تھیں بلکہ اس میں پیمائشیں بھی دی ہوئی تھیں۔ پوجا کافی لے کر آئی تو میں نے اس سے کہا۔

''مجھے ایک اچھا پرنٹر چاہیے۔''

''کچھ دیر میں آ جائے گا۔'' اس نے کہا اور چلی گئی۔ میں کافی پیتے ہوئے پیلس کے مختلف حصے واضح کر کے دیکھتا رہا۔ دس منٹ بعد ایک ملازم جدید ترین کلر پرنٹر لے آیا۔ اس نے اسے پلگ کیا اور پھر اس کی پورٹ لیپ ٹاپ سے اٹیچ کر دی۔ پرنٹ کا طریقہ کار مجھے آتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں کنور پیلس کی تصاویر پرنٹ کرنے لگا۔ یہ مختلف سائز کی تھیں اور ہر عمارت اور ہر حصے کی الگ الگ تصاویر پرنٹ کی۔ گوگل ارتھ میں یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ تصویر خلا سے لی جاتی ہے اس لیے ٹو ڈی ہوتی ہے عمارتوں اور مختلف سطحوں کی اونچائی اور دیواروں کی اونچائی کا اندازہ دشوار تھا۔ مانی کے پاس تھری ڈی گوگل ارتھ تھا جس میں ان عمارتوں کو کسی بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زاویے سے دیکھا جا سکتا تھا۔ مگر مجھے مانی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں تھی مجھے یقین تھا کہ کرنل جیمز اور ڈیوڈ شا کے پاس اس سے بھی آگے کی معلومات ہوں گی اور وہ میں ان سے لے سکتا تھا۔ تصاویر پرنٹ کر کے میں انہیں بستر پر پھیلا کر دیکھنے لگا۔ بیتو اندر آیا۔ اس نے دلچسپی سے دیکھا۔

''شوبی یہ کیا کرتا ہے؟''

''کنور پیلس کا نقشہ ہے۔''

''گوگل ارتھ سے لیا ہے مانی نے ہم کو بتایا تھا۔'' بیتو نے سر ہلایا۔

''یہ مرکزی عمارت ہے۔'' میں نے ایک تصویر پر ہاتھ رکھا۔ ''کنور فیملی یہیں رہتی ہے۔ قبائلیوں کے حملے میں یہ عمارت جل کر تباہ ہوگئی تھی۔ سادی بھی یہیں ہوگی۔''

بیتو غور کرنے لگا۔ میرے کسی بھی ساتھی کی نسبت میدان عمل میں اس نے میرے ساتھ سب سے زیادہ وقت گزارا تھا۔ وہ ذہین بھی تھا اور اس نے سب بہت تیزی سے سیکھا تھا۔ اس نے کہا۔ ''شوبی ادھر حملہ کرنا آسان نہیں ہوگا اور اس جگہ تک جانا تو بہت ہی مشکل کام ہوگا۔''

''تمہارا مطلب ہے اگر کھل کر حملہ کیا جائے تو یہ کام بہت مشکل ہے؟''

''ہم کو لگ رہا ہے۔ پہلے باہر سے کچھ کرنا ہوگا۔''

''کیا کرنا ہوگا؟''

''یہ تو ہم کو نہیں پتا پر پہلے سامنے آئے بغیر کچھ کرنا ہوگا جب یہ الجھ جائے تب اندر گھسے ورنہ بہت نقصان ہوگا۔ اندر گھسنے کے لیے پورا فوج چاہیے ہوگا۔ ہمارا قبائلی بھی ایسے ہی گھسا تھا اسے اندر سے مدد ملا تھا۔ پھر بھی بہت نقصان ہوا تھا۔''

''وہ مدد ایک جال تھا جس میں قبائلی پھنس گئے اور پھر سرکار نے آپریشن کر کے تمہارے پورے قبیلے کو نابود کر دیا۔''

بیتو نے سر ہلایا۔ ''حملہ کرنے والا پانچ چھ سو بندہ تھا۔''

''یہاں پانچ چھ سو بندے مشکل ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا اور پھر پین اور رف پیڈ لے کر کچھ نکات نوٹ کرنے لگا۔ دوپہر تک میں ان ہی کاموں میں لگا رہا۔ ایک بجے پوجا نے لنچ کا بتایا لیکن اس بار لنچ اسی عمارت میں تھا۔ کھانے کی ٹرالی کے ساتھ وہ کرنل جیمز کا پیغام لائی۔

''وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

لنچ کے بعد میری کرنل جیمز سے اسی عمارت کی نشست گاہ میں ملاقات ہوئی۔ وہ تقریباً چالیس بیالیس برس کا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم افغانستان میں لڑ چکے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''سات سال پہلے..... پھر میں زخمی ہوا اور ریٹائرمنٹ لے لی۔''

''تب سے پرائیویٹ کام کر رہے ہو؟''

''پانچ سال سے..... ایک سال تو میں اسپتال میں رہا میرے سولہ آپریشن ہوئے تھے۔ کئی بار موت کے منہ سے واپس آیا۔ ڈاکٹر میرے بچنے پر حیران تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حالانکہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے موت سے پہلے آدمی مر نہیں سکتا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' وہ بولا اور پھر اس نے اپنے سامنے رکھے ایک بڑے لفافے سے کچھ تصاویر نکال کر میرے سامنے رکھ دیں۔ یہ کنور پیلس کی تصاویر تھیں۔ یہ بھی گوگل ارتھ سے تھیں مگر یہ بہت واضح اور تھری ڈی تھیں۔ جب تک میں تصویریں دیکھ رہا تھا کرنل نے ایک بڑا رنگین نقشہ پھیلایا۔ اس نقشے میں تمام سیکورٹی پوائنٹس واضح تھے۔ اسی طرح جہاں گارڈز گشت کرتے تھے وہ جگہیں بھی واضح تھیں۔ عمارتوں کے نقشے آرکی ٹیکٹ کے لحاظ سے تھے یعنی ان کے اندر کمرے اور دیواریں بھی واضح تھیں دروازوں اور کھڑکیوں کی نشان دہی بھی تھی۔ کرنل نے کہا۔ ''ایک ماہر اس کا کمپیوٹر پر تھری ڈی نقشہ بنا رہا ہے۔''

''اس عمارت کی حد تک اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے مرکزی عمارت کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں اس سے واقف ہوں اور یہاں گھسنا میری ذمے داری ہوگی۔''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''کیا تم بھی حصہ لو گے؟''

''ہاں میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس عمارت پر حملہ میں کروں گا اور میرے ساتھ موجود تمام افراد میرے حکم کے پابند ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے لیکن ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے نقشے کی تیاری لازمی ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''کنور پیلس سے تعلق رکھنے والا شخص آ گیا؟''

کرنل نے گھڑی دیکھی۔ ''ایک گھنٹے میں آ رہا ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے وا کی ٹا کی پر کسی شخص سے رابطہ کیا۔ ''نقشہ تیار ہو گیا؟..... اوکے میں آ رہا ہوں۔'' وہ وا کی ٹا کی جیب میں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''مسٹر شہباز میرے ساتھ آؤ۔''

ہم اس عمارت سے نکلتے ہوئے سبزہ زاروں کے درمیان پختہ روش سے گزرنے لگے۔ کرنل نے خبردار کیا۔ ''راستے سے مت اترنا، یہاں آٹومیٹک اسنائپر گن لگی ہے۔''

''کیا یہ خطرناک نہیں ہے یہاں بہت سے لوگ ہیں کوئی غلطی سے اتر جائے۔''

''تو مارا جائے گا۔'' کرنل نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ویسے سب کو اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے ایک شخص اپنی حماقت سے مارا گیا جو نشے میں تھا اور لان پر نکل آیا تھا۔''

میں نے چاروں طرف دیکھا تو دو اسنائپر گنیں میری نظر میں آ گئیں۔ ایک اس عمارت پر سامنے کی طرف تھی جس میں ہم قید تھے اور دوسری اس عمارت کے اوپر تھی جس میں ڈیوڈ شا سے ملاقات ہوئی تھی۔ مگر ہم ایک تیسری عمارت میں پہنچے۔ یہ چھوٹی اور ایک منزلہ تھی۔ اس کے اوپر ترچھی سبز رنگ کی چھت تھی۔ اندر ایک کمرا کمپیوٹرز اور اس کے متعلقہ آلات سے سجا ہوا تھا وہاں تین افراد موجود تھے اور یہ سب سفید فام تھے۔ کرنل نے تعارف کی ضرورت محسوس نہیں کی یعنی وہ سب نچلے درجے کے لوگ تھے اسے دیکھتے ہی الرٹ ہو گئے۔ کرنل نے ایک نوجوان سے پوچھا

''کارل.....''

''نقشہ تیار ہے سر۔'' اس نے کہا اور اپنے سامنے رکھے کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا فوراً ہی تیس انچ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایل سی ڈی مانیٹر پر کنور پیلس کا تھری ڈی نقشہ نمودار ہوا۔ کرنل نے مرکزی عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کے اندر چلو۔''

کارل جوائے اسٹک استعمال کرنے لگا۔ کنور پیلس کی مرکزی عمارت ہو بہو ایسی ہی تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہوئے اور مختلف راہداریوں میں گھومنے لگی۔ کرنل نے میری طرف دیکھا۔ ''غالباً تمہیں اس نقشے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

''ہاں لیکن میں اسے آزمانا چاہوں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''کارل واپس داخلی دروازے پر آؤ۔''

کارل نے کرنل کی طرف دیکھا اور اس سے اشارہ پا کر میرے کہنے پر عمل کیا۔ میں اسے بتانے لگا کہ اسے کہاں جانا تھا میں راج کنور کے عشرت کدے کی طرف لے جا رہا تھا مگر جب عقبی راستے سے وہاں جانا چاہا تو نقشے میں دیوار آ گئی۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ ''نقشہ مکمل نہیں ہے یہاں ایک دروازہ ہے جو ایک راہداری میں کھلتا ہے اور اس کے دونوں طرف پانچ پانچ کمرے ہیں۔''

''کمرے موجود ہیں۔'' کارل نے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ہمیں جو مینول نقشہ دیا گیا اس میں یہ دروازہ موجود نہیں ہے۔''

''دروازہ ہے تم اپنا نقشہ درست کر لو۔'' کارل نقشہ درست کرنے میں لگ گیا۔ میں نے کرنل سے پوچھا۔ ''تمہارے آدمی اس نقشے کو کیسے استعمال کریں گے؟''

''ان کے پاس ڈیجیٹل ڈیوائس ہوں گی۔'' اس نے جواب دیا۔ اس کے واکی ٹاکی نے بپ دی کرنل نے واکی ٹاکی نکالا اور بٹن دباتے ہوئے بولا۔ ''یس.....؟ لے آؤ.....نمبر فور میں۔'' اس نے واکی ٹاکی رکھا اور میری طرف دیکھا۔ ''کنور پیلس والا آدمی آ گیا ہے آؤ میرے ساتھ۔''

ہم ایک چھوٹے کمرے میں آئے یہاں ایک میز کے گرد کچھ کرسیاں تھیں۔ کرنل میز کے پیچھے بیٹھ گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے کسی معمولی درجے کے ملازم کو توڑ لیا ہوگا وہ پیلس کے اندر کا احوال تو بیان کر سکتا تھا لیکن اس کے رازوں سے واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس معاملے میں کنور خاندان بہت محتاط تھا۔ انہوں نے آنے جانے کا خفیہ راستہ بس چند افراد تک محدود رکھا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ پر دستک ہوئی اور ایک شخص کے پیچھے جو شخص نمودار ہوا اسے دیکھ کر میں حیران ہوا اور وہ مجھے دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ پھر میں نے سنبھل کر کہا۔

''منشی دل جی.....''

''شہباز جی آپ.....؟'' اس نے مخصوص لہجے میں کہا۔

کرنل نے مجھے دیکھا۔ ''تم اسے جانتے ہو؟''

''بہت اچھی طرح.....تم لوگوں نے بالکل ٹھیک آدمی تلاش کیا ہے یہ گھر کے بھیدی سے بھی بڑھ کر کچھ ہے۔''

منشی اندر آیا اور مجھ سے ذرا دور والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے کرنل کی طرف دیکھا۔ ''مجھے بتایا نہیں تھا کہ شہباز جی بھی اس معاملے میں شامل ہیں۔''

''یہ اصل میں شہباز کا معاملہ ہے۔'' کرنل نے جلدی سے کہا۔ ''ہمیں وہاں سے ایک عورت کو نکالنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"عورت۔" منشی دل جی چونکا۔

"کیا آپ یہ بات نہیں جانتے ہیں؟"

"نہیں مجھے اس کا علم نہیں تھا۔" منشی دل جی سنبھل کر بولا۔ "میں تو کنوروں سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔"

"حالانکہ تم خود بھی کنور ہو۔"

کرنل چونکا۔ "تم کنور خاندان سے ہو۔"

"اس کا مطلب ہے تم منشی دل جی کے بارے میں پوری طرح سے نہیں جانتے۔ یہ اس جاگیر کے وارثوں میں سے ہیں۔"

"شاجی یہ بات جانتے ہیں۔" منشی دل جی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یعنی کرنل جیمز کا جاننا اتنا ضروری نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اس پر منشی دل جی نے ناگواری سے مجھے دیکھا۔

"شہباز جی آپ غیر ضروری بات کر رہے ہیں۔"

"منشی جی آپ اس کار خیر میں شامل ہوئے ہیں تو آپ کا کچھ مقصد تو ہوگا؟"

"میں کنوروں کو تباہ کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ اس کا لہجہ جعلی تھا وہ بہت ٹھنڈے انداز میں بات کرنے والا شخص تھا جس پر گریہ مسکین کا لفظ بالکل فٹ آتا تھا میں نے کبھی اسے اس انداز میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

"صرف تباہ کرنا چاہتے ہیں؟" میرا لہجہ زیادہ معنی خیز ہو گیا۔

"اگر آپ کا اشارہ جاگیر کی طرف ہے تو وہ بعد میں مجھے ہی ملے گی۔"

"لیکن یہ بڑے اور راج کنور کی زندگی میں ممکن نہیں ہے پھر ان کی بہنیں بھی زندہ ہیں۔"

"جلد دونوں کنور باقی نہیں رہیں گے۔" منشی دل جی نے اپنی کٹاری مونچھوں کو تاؤ دیا۔ "دونوں بہنوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ پہلے ہی جاگیر سے دست بردار ہو چکی ہیں۔"

میں نے سر ہلایا۔ "گویا آپ نے پہلے سے سوچ لیا ہے۔"

"شہباز جی وہ عورت کون ہے جسے آپ وہاں سے نکالنا چاہتے ہیں۔"

"آپ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ چونکا۔

"آپ بانو کی بات کر رہے ہیں۔"

میں نے جواب دینے کے بجائے کہا۔ "منشی جی میں نے ڈیوڈ شا سے ایک بات طے کر لی ہے بڑے کنور اور اس کے خاندان کے لوگوں پر میرا اختیار ہوگا۔"

وہ پھر چونکا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ان کی زندگی اور موت کے بارے میں فیصلے کا اختیار صرف مجھے ہوگا۔"

اس نے نفی سر ہلایا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اسی شرط پر تم لوگوں کے ساتھ ہوں کہ یہ دونوں بھائی زندہ نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہیں ورنہ مجھے تم لوگوں سے کیا؟"

میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ "یہ تو مسئلہ ہو گیا ہے اب اس کا کوئی حل نکالنا ہو گا۔"

اس نے شانے اچکائے۔ "اس کا حل تو ڈیوڈ شا ہی نکال سکتا ہے۔"

"اس سے بات کرو کیونکہ یہ طے ہوئے بغیر معاملہ آگے نہیں بڑھے گا۔"

کرنل نے واکی ٹاکی پر ڈیوڈ شا سے رابطہ کیا۔ "سر میں ہوں، دل جی اور مسٹر شہباز میں کچھ کونفلیکٹ ہو گیا ہے آپ سے بات کرنی ہے..... یس سر۔" اس نے واکی ٹاکی بند کیا۔ "مسٹر شا خود آ رہا ہے۔"

دس منٹ ڈیوڈ شا اندر آیا تو کرنل جیمز نے اس کے لیے اپنی نشست چھوڑ دی۔ ڈیوڈ شا کسی سے ہاتھ نہیں ملاتا تھا اس لیے اس نے دل جی کے ساتھ بھی ہاتھ نہیں ملایا اور بلا تمہید بولا۔ "مسئلہ کیا ہے؟"

میں نے منشی دل جی کو بولنے کا موقع دیا اور وہ پھٹ پڑا تھا۔ وہ بولتا رہا اور میں بے نیازی سے پیپر ویٹ سے کھیلتا رہا۔ ڈیوڈ شا سپاٹ چہرے کے ساتھ سن رہا تھا۔ جب منشی دل جی بات کر چکا تو اس نے کہا۔ "اس میں مسئلہ کیا ہے؟"

"شہباز جی کا کہنا ہے کہ بڑے کنور اور دوسرے لوگوں کا انجام اس کی مرضی سے ہو گا یعنی یہ چاہے تو انہیں زندہ بھی چھوڑ سکتا ہے۔"

"اس میں بھی کوئی مسئلہ نہیں۔"

"مسئلہ کیسے نہیں ہے؟ وہ زندہ رہیں گے تو جاگیر میرے ہاتھ کیسے آئے گی؟"

ڈیوڈ شا نے میری طرف دیکھا۔ "شہباز ملک..... کیا تم بڑے کنور اور راج کنور کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے انکار کیا۔ "میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"یعنی وہ بعد میں مر جاتے ہیں تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا؟"

میں نے اس کے الفاظ پر غور کیا۔ "ظاہر ہے بعد میں ان کے ساتھ کچھ ہوتا ہے تو میں اعتراض کرنے والا کون ہوتا ہوں۔"

اب ڈیوڈ شا نے منشی جی کی طرف دیکھا۔ "میرا خیال ہے تم مطمئن ہو گئے ہو گے۔ وہ اگر اس حملے میں بچ گئے تو بعد میں مارے جائیں گے میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔"

منشی دل جی کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ مطمئن نہیں تھا وہ کچھ کہنے والا تھا کہ کرنل جیمز نے کہا۔ "اب تمہیں مان جانا چاہیے۔ مسٹر ڈیوڈ شا زبان کے پابند ہیں۔"

میں دل ہی دل میں مسکرایا میں جانتا تھا کہ وہ زبان کا کتنا پابند تھا اور مجھے ایک بار پھر شبہ ہونے لگا کہ منشی دل جی اور ڈیوڈ شا کے گٹھ جوڑ کے پیچھے کوئی اور کہانی بھی تھی ورنہ ان لوگوں کو کنور پیلس پر حملے کے لیے کسی اندر کے آدمی کی اتنی بھی ضرورت نہیں تھی۔ بہر حال جو بھی تھا جلد سامنے آ جاتا۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ "اب ہمیں وقت ضائع کیے بغیر پلان پر کام شروع کر دینا چاہیے۔"

"میں تیار ہوں۔" اس نے کہا تو ڈیوڈ شا کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے اب میری ضرورت نہیں ہے۔''

''یس سراب ہم سب دیکھ لیں گے۔'' کرنل نے کہا۔

ڈیوڈ شاچلا گیا اور کرنل واپس اپنی نشست پر آ گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''افرادی قوت کیا ہے؟''

''میرے ساتھ ایک درجن تربیت یافتہ کمانڈوز ہیں۔ وہ ہر ہتھیار اور آلے کے استعمال کے ماہر ہیں۔ چھ افراد فتے کھان کے ساتھ ہیں۔''

''یہ ہوئے بیس افراد اس میں تم اور فتح خان بھی شامل ہو۔ میں اور میرا ساتھی ہوئے۔ یہ ہوئے بائیس افراد..... کیا اتنے لوگ کافی ہوں گے؟''

کرنل نے نفی میں سر ہلایا۔ ''دو درجن مقامی افراد بھی ہوں گے۔''

''ایکس آرمی مین؟'' میں نے پوچھا۔

کرنل ہچکچایا پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں وہ عام جرائم پیشہ ہیں مسٹر دل جی فراہم کرے گا۔''

میں نے انکار کیا۔ ''مقامی اور جرائم پیشہ لوگوں پر کسی صورت اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کنور پیلس کے گارڈز کی تعداد ڈیڑھ سو ہے جن میں پچاس انتہائی تربیت یافتہ اور خطرناک گورکھے بھی ہیں۔ ان سے نمٹنا آسان نہیں ہوگا۔''

''مزید تربیت یافتہ افراد کا بندوبست کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں وقت لگے گا۔''

''کتنا وقت لگے گا اور ناکام حملے کی نسبت ذرا دیر سے سہی لیکن ایسا حملہ کیا جائے جس کی کامیابی کا زیادہ امکان ہو۔''

''ایسا کرو پاکستان سے منگوا لو۔'' کہتے ہوئے منشی دل جی کے لہجے میں زہر آ گیا تھا۔

''اگر ممکن ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا اور تم لوگوں کو دکھا بھی دیتا لیکن میں اس جہنم میں مزید اپنے کسی ساتھی کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' میں نے جواب دیا تو منشی دل جی کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔

''پلیز۔'' کرنل نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''موضوع سے نہ بھٹکیں۔''

''کرنل تم کتنے دن میں مزید اتنے ہی آدمیوں کا بندوبست کر سکتے ہو؟''

''تین دن لگ سکتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''میرے کچھ آدمی سنگاپور میں ہیں وہ یہاں آ سکتے ہیں۔''

''کتنے ہیں؟''

''سات افراد ہیں اور سب تربیت یافتہ ہیں۔ اسی طرح چھ افراد یوکرائن میں ہیں وہ بھی دو دن میں آ سکتے ہیں۔''

''بس تو ان کو بلا لو۔'' میں نے کہا۔ ''پینتیس افراد ٹھیک ہیں ہم کوئی مقامی فرد اندر کی کارروائی کے لیے استعمال نہیں کریں۔ ان سے صرف باہر کام لیا جائے گا۔''

''وہ اندر بھی ہوں گے۔'' منشی دل جی نے کہا۔

''کوئی مقامی آدمی اندر نہیں جائے گا وہ صرف کور دیں گے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

کرنل نے سر ہلایا۔ ''او کے..... باہر کا کوئی آدمی اندر کارروائی میں حصہ نہیں لے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منشی دل جی نے تیز لہجے میں کہا۔ ''کرنل تم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے۔''

''میں کر سکتا ہوں میں اس مشن کا انچارج ہوں۔'' وہ غرایا۔

منشی دل جی خاموش ہو گیا لیکن اس کے چہرے سے کبیدگی ٹپک رہی تھی۔ کرنل نے میری طرف دیکھا۔

''مسٹر شہباز..... اس جگہ دو طریقے سے ایلیک ممکن ہے۔ ایک فضا سے اور دوسرا زمین سے۔''

''ہمیں دونوں طریقوں سے کام لینا ہوگا۔''

''اس کے لیے ہمیں ہیلی کاپٹر درکار ہوگا۔''

''صرف ہیلی کاپٹر ہی نہیں کم سے کم دو سے تین آرمرڈ وہیکل بھی ہوں۔ جو پارٹی دروازے سے گھسے گی اسے صرف آرمرڈ کار ہی بچا سکتی ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

کرنل نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''مسٹر شہباز تمہارے ذہن میں کوئی پلان ہے؟''

''نہیں یہ تمہارا کام ہے۔'' میں نے انکار کیا حالانکہ میرے ذہن میں ایک منصوبہ واضح ہو رہا تھا مگر میں منشی دل جی کے سامنے اس پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کنور خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور میں اس پر کسی صورت اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی جو منصوبہ تھا وہ بہت خام سا تھا میں اس پر وسیم سے بات کرنا چاہتا تھا اگر کرنل اکیلے میں ملتا تو اس سے بھی بات کر لیتا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ ''تم اپنے آدمیوں کو بلوا لو۔ ہتھیار تو تمہارے پاس ہوں گے اس مقصد کے لیے ہیلی کاپٹر اور بکتر بند کا بھی بندوبست کرنا تمہارے لیے یا ڈیوڈ شا کے لیے مشکل نہیں ہوگا۔''

''سب ہے ہاں ان چیزوں کا بندوبست کرنا پڑے گا لیکن ہو جائے گا۔''

''جب ہو جائے تب مجھے بتانا۔'' میں اس کے دفتر اور پھر اس عمارت سے نکل آیا۔ روشوں سے ہوتا ہوا میں واپس اسی عمارت میں آ گیا۔ راستے میں کسی نے مجھے روکنے یا نگرانی کے لیے میرے ساتھ ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈیوڈ شا کی طرف سے مجھے اتنی چھوٹ دی گئی تھی البتہ اتنا مجھے یقین تھا کہ کسی اور ذریعے سے میری نگرانی کا عمل جاری ہوگا۔ مجھے بالکل ہی چھوٹ نہیں دی جا سکتی تھی۔ سات بجے سورج ڈوبنے والا تھا اور شام کی خنکی آسمان سے اتر رہی تھی۔ بیتو میرا منتظر تھا اس نے شکوہ کیا۔

''شوبی آپ کہاں چلا جاتا ہے؟''

''کرنل مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔'' میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''تم کیا کر رہے تھے۔''

''ہم ٹی وی دیکھ رہا تھا اور بور ہو رہا تھا۔''

''کچھ دیر بعد ڈنر ہے اور تمہاری ساری بوریت دور ہو جائے گی۔''

ساڑھے سات بجے دروازے پر دستک ہوئی میں خیال تھا پوجا ہو گی لیکن وہ کرنل تھا۔ وہ اندر نہیں آیا دروازے سے بولا۔ ''شہباز میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔''

''اندر ہی آ جاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ اندر آ گیا۔ ''بیٹھو۔''

کرنل نے اپنا بیگ میز پر رکھا اور بیتو کو دیکھا پھر مجھ سے کہا۔ ''تمہارا ساتھی مقامی ہے؟''

''ہاں اس کا تعلق کالی علاقے سے ہے لیکن یہ میرا ساتھی ہے تم اسے میرے جیسا سمجھ سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا۔ ''اب ہم بات کریں گے..... مجھے یقین ہے تم دل جی کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔''

''یہ درست ہے وہ ناقابلِ اعتماد شخص ہے۔ کم سے کم میں اس شخص پر اعتماد نہیں کر سکتا اور تمہیں بھی یہی مشورہ ہے اس سے یوں ہوشیار جیسے آدمی کو برا سانپ سے ہوشیار ہوتا ہے۔''

''تم فکر مت کرو وہ ہمیں دھوکا نہیں دے سکتا ہے۔'' کرنل نے اعتماد سے کہا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے..... اب ہم بات کرتے ہیں۔''

''تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

''دیکھو میں اس چیز کا ماہر نہیں ہوں لیکن میں نے کچھ عرصے میدان جنگ میں گزارا ہے۔''

''تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر شا کے پاس تمہاری فائل ہے جس میں تمہارے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔''

''ہمیں بیک وقت فضا اور زمین دونوں سے کارروائی کرنا ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''اپنا نقشہ نکالو۔''

کرنل نے پلاسٹک نقشہ نکال کر میز پر بچھا دیا۔ میں نے اصل پیلس کی عمارت کے آس پاس کی تمام عمارتوں کو نشان زدہ کیا۔ ''ہمیں باہر سے انہیں نشانہ بنانا ہوگا۔''

''وہ کیسے؟''

''راکٹ یا چھوٹے گائیڈڈ میزائلوں کی مدد سے۔''

کرنل نے سر ہلایا اس کا مطلب تھا کہ وہ گائیڈڈ میزائل فراہم کر سکتا تھا۔ ''ٹھیک ہے آگے کہو.....''

''اس کے ساتھ مختلف جگہوں پر دھویں کے گولے پھینکے جائیں گے۔''

''میں سمجھ گیا آگے چلو.....''

اس کے بعد چار سے پانچ اسنائپر دور مار رائفلوں سے باہر آنے والے گارڈز کو نشانہ بنانا شروع کریں۔ مارنے کے بجائے کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ گارڈز ناکارہ ہو جائیں۔''

''عمارتوں کو براہ راست نشانہ بنانا ہوگا۔''

''نہیں کیونکہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مطلوبہ عورت کسی اور عمارت میں نہ ہو اسے نقصان نہیں ہونا چاہیے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اس لیے براہ راست کسی عمارت کو نشانہ نہ بنایا جائے کوشش کی جائے ان کے داخلی حصوں کو نشانہ بنایا جائے۔''

''ٹھیک ہے اندر والوں کو اندر محصور کر دیا جائے اور باہر والوں کو نشانہ بنایا جائے؟''

''بالکل ایسا ہی ہو۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تین باتیں طے ہیں۔ اول عمارتوں کو نشانہ بنانا، دوسرے دھواں پھیلانا اور تیسرے باہر موجود گارڈز کو نشانہ بنانا۔''

''یہ تینوں باتیں میرے ذہن میں بھی تھیں۔ اب ہم آتے ہیں ہیلی کاپٹر اور آرمرڈ ویہیکلز کے استعمال پر۔''

''نہیں ایک حصہ باقی ہے۔ پانچ اسنائپر اپنا کام مستقل جاری رکھیں گے وہ جتنے زیادہ گارڈز گرائیں گے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر جانے والوں کو اتنی کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے اندر جانے والوں کا حلیہ ایسا ہونا چاہیے کہ اسنائپر کسی صورت دھوکا نہ کھائیں۔"

"گڈ یہ اچھا آئیڈیا ہے۔" کرنل نے سر ہلایا۔ "لیکن اس سے پہلے ہمیں ایک کام اور کرنا ہوگا۔ پیلس کا باقی دنیا سے رابطہ کاٹنا ہوگا۔ پیلس میں لائن فون کے علاوہ موبائل فون اور وائرلیس انٹرنیٹ اور سیٹلائیٹ فونز کی موجودگی عین ممکن ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ہم لائنیں کاٹیں گے اس کے بعد موبائل ٹاور اڑا دیں گے۔ آخر میں ایک جامر کی مدد سے ہر قسم کی ریڈیائی لہروں کو ناکارہ کر دیں گے۔"

"یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی۔ لیکن کیا تمہارے پاس مطلوبہ صلاحیت موجود ہے؟"

"بالکل..... جو ہیلی کاپٹر وہاں جائے گا اس میں ریڈیو جامنگ کی صلاحیت بھی ہے۔"

"مگر وہ پولیس یا انتظامیہ سے مدد نہیں لے سکیں گے۔"

"اس کے بعد ہم پیلس میں داخل ہوں گے۔ پہلے آرمرڈ کاریں اندر جائیں گی ان میں آدمی بھی ہوں گے۔ ان کے اوپر بھاری مشین گنیں لگی ہوں گی جو راستہ صاف کرنے میں معاون ہوں گی۔"

مجھے خیال آیا۔ "تمہارے پاس جو خودکار اسنائپر گنیں ہیں کیا وہ آرمرڈ کاروں پر نہیں لگ سکتیں؟"

کرنل سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے سر ہلایا۔ "میں معلوم کرتا ہوں شاید ہو سکتا ہے۔ اس طرح کسی کی جان خطرے میں نہیں پڑے گی۔"

"دوسرے اس میں اسنائپر رائفل ہے کیا اس میں مشین گن لگ سکتی ہے۔ تیسری بات کیا اسے دور سے ریموٹ کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔"

"میں معلوم کرتا ہوں۔"

"ان کے اندر گھسنے کی صورت میں یہ مرکزی عمارت کے آس پاس کا علاقہ کلیئر کریں گے تاکہ ہیلی کاپٹر سے اس پر دوسرا دستہ اتر سکے۔"

کرنل سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ "بہ ظاہر یہ بہت اچھا منصوبہ لگ رہا ہے۔ مگر اس کو ریفائن کی ضرورت ہے۔"

"بالکل ہے۔" میں نے کہا۔ "میں نے کنور پیلس کے آس پاس کے پہاڑ اچھی طرح دیکھے ہیں۔ اس کے بائیں طرف اور سامنے پہاڑ پر کئی ایسی جگہیں ہیں جہاں آسانی سے مورچہ لگایا جا سکتا ہے ان جگہوں سے تقریباً پورا پیلس نظر آتا ہے اور رینج بھی ایک کلومیٹر کے اندر ہے۔"

"میزائلوں یا راکٹوں کا مسئلہ نہیں ہے لیکن نارمل اسنائپر رائفلوں کے لیے یہ فاصلہ زیادہ ہے ایسی رائفلیں ایک کلومیٹر کے اندر کام کرتی ہیں۔ اس سے زیادہ دور تک کام کرنے والے گن بھاری ہوتی ہے اور اسے چلانے کا ماہر بھی الگ ہوتا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بائیں طرف اور فرنٹ سے بھی فاصلہ زیادہ سے زیادہ آٹھ سو میٹرز ہو گا۔"

"اتنی رینج ٹھیک ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ایک خیال اور آیا۔ ''پیلس میں ایک ہیلی کاپٹر بھی ہے اسے سب سے پہلے تباہ کرنا ہوگا ورنہ بین ممکن ہے بڑا کنور اس عورت کو لے کر وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے۔ عورت کی ہیلی کاپٹر میں موجودگی کی صورت میں ہم اسے تباہ بھی نہیں کر سکیں گے۔''

کرنل نے سر ہلایا۔ ''بات کلیئر ہو رہی ہے۔ واپسی کا کیا ہوگا؟''

''میں ہیلی کاپٹر سے جاؤں گا اور عورت ہمارے ساتھ واپس آئے گی۔ میرے ساتھ چھ افراد ہوں گے۔ ہیلی کاپٹر اتنا بڑا ہو کہ یہ تمام افراد اس میں آسکیں۔''

''ہیلی کاپٹر اتنا ہی بڑا ہے۔'' کرنل نے سر ہلایا۔ ''باقی پارٹی جس طرح جائے گی اسی طرح واپس آجائے گی۔''

''اس میں خطرہ ہوگا راستے میں انہیں روکا جا سکتا ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''دونوں آرمرڈ کاریں دو کنٹینروں میں جائیں گی اور پیلس کے قریب انہیں اتار دیا جائے گا۔ واپسی بھی اسی طرح ہوگی۔ کنٹینرز نیچل ہوں گے اور بلاوجہ کوئی چیک نہیں کرے گا۔''

کرنل جیمز بیچ پلان کو واضح کر رہا تھا۔ کچھ باتیں اور تھیں لیکن ابھی میں نے ان پر بات نہیں کی۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ مارے جانے یا شدید زخمی ہونے والوں کا کیا کرنا تھا کیونکہ انہیں پیچھے چھوڑ کر آنے کا مطلب تھا کہ پولیس یا ایجنسیوں کو اپنا نشان دینا۔ کرنل میرے پاس سے روانہ ہوا تو میں مطمئن تھا اگر پلان پر ٹھیک سے عمل ہوتا تو سادی کو پیلس سے باحفاظت نکالنا اتنا مشکل ثابت نہیں ہوتا۔ ابھی کرنل نے منشی دل جی سے پیلس کے اندر کے حفاظتی انتظامات کا معلوم کرنا تھا۔ یہ اس کا کام تھا اور میں نے سوچا تھا کہ اس میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں تھی۔ بیتو میری اور کرنل کی گفتگو سن رہا تھا اس کے جاتے ہی اس نے سوال کیا۔ ''شوبی ہم بھی جائے گا نا؟''

''اب امکان ہے کیونکہ مزید تین دن لگ سکتے ہیں۔ کرنل کے کچھ آدمی بیرون ملک سے آرہے ہیں۔''

''شوبی اگر ہم شامل ہوا اور کامیاب رہا تو راج کنور اور بڑے کنور کو ہمارے حوالے کرنا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''وہ تمہارے مجرم ہیں اور میرے ذہن میں بھی یہی بات ہے لیکن یہاں ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔'' میں نے اسے منشی دل جی کے بارے میں بتایا۔ ''یہ شخص کنور خاندان سے ہے اور کسی طرح بڑے کنور یا راج کنور سے کم خطرناک نہیں ہے۔ جاگیر پر قبضے کے لیے وہ ان دونوں بھائیوں کا خاتمہ چاہتا ہے۔''

بیتو نے غور کیا۔ ''شوبی ہم کو اس سے کیا؟ ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔ سادی کو نکالنا ہے اور ان دونوں کو ٹھکانے لگانا ہے۔''

''تم اس شخص کو نہیں جانتے جب یہ ان کی جگہ لے گا تو یہ ہمارے لیے اتنا ہی خطرناک ہو جائے گا کیونکہ اسے دولت اور اختیارات مل جائیں گے۔ کنوروں کی دو بہنیں بھی ہیں اور وہ ان کے درپے ہو جائے گا ان میں سے ایک ہمارے پاس ہوگی۔''

اب بیتو کی سمجھ میں آگیا اس نے میری طرف دیکھا۔ ''آپ ٹھیک کہتا ہے یہ تو بہت ڈینجرس ہے اس کا کچھ کرنا پڑے گا۔''

''ابھی ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ڈیوڈ شا کے ساتھ ہے اور اس مشن کی حد تک وہ ہمارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھی بھی ہے۔"

بیتو مزید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ میں نے موضوع بدل دیا تھا۔ "اسے بعد میں دیکھیں گے ابھی تو میں چاہتا ہوں تمہارا معائنہ ہو جائے۔"

"کیسا معائنہ؟"

"زخم کا۔" میں نے کہا۔ پوجا کو طلب کیا اور اسے بیتو کے زخم کا معائنہ کرانے کو کہا وہ بیتو کو لے کر چلی گئی۔ میں مشن کے بارے میں سوچ بچار میں لگ گیا۔ اپنے ذہن میں منصوبے کو بار بار چیک کر رہا تھا۔ ایسا کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر میں سادی کو حاصل کرنے میں ناکام رہتا تو پھر یہ کام بہت ہی مشکل ہو جاتا۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ حملے میں سادی کو نقصان نہ ہو۔ اگرچہ ننانوے فیصد امکان تھا کہ وہ مرکزی عمارت میں ہو گی لیکن ایک فیصد امکان یہ بھی تھا کہ اسے کسی اور عمارت میں رکھا گیا ہو۔ اگرچہ کرنل سے طے ہو گیا تھا کہ عمارتوں کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جائے گا مگر جب میزائل اور راکٹ چلتے ہیں تو اپنے پرائے کی پروا کہاں کرتے ہیں۔ میں نے بہتر سمجھا کہ وسیم سے مشورہ کر لوں۔ میں نے اسکائپ آن کیا مگر ان میں سے کوئی آن لائن نہیں تھا اس لیے پہلے عبداللہ کو کال کی اور پھر وہ آن لائن آیا۔

"وسیم کہاں ہے؟"

"کوٹھی میں ہی ہے میں اسے بلاتا ہوں۔" عبداللہ نے کہا اور چلا گیا چند منٹ بعد وہ وسیم اور سفیر دونوں کے ساتھ آیا۔ میں نے ان کے سامنے صورت حال اور اپنے خدشات رکھے تھے۔ وسیم نے سر ہلایا۔

"یہ خطرہ تو ہے لیکن ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"ایک کام ہو سکتا ہے۔" سفیر نے کہا۔ "ہمارے پاس کنور پیلس کے نمبرز ہیں ہم سادی سے بات کر سکتے ہیں۔"

"بشرطیکہ بڑے کنور نے اجازت دی۔" وسیم بولا۔

"اس کا باپ بھی اجازت دے گا۔" سفیر بولا۔ "وہ شہباز کے لیے مرا جا رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے بات کر کے دیکھو لیکن بہت ہوشیاری سے کال سنی جا رہی ہو گی اور سننے والوں کو کوئی شک نہ ہو۔"

"ہم بچے نہیں ہیں یار۔" سفیر نے کہا۔ "آن لائن رہ۔"

کال سفیر نے کی۔ اس نے اپنے موبائل کی ریکارڈنگ اور اسپیکر آن کر لیے تھے۔ چند بیلز کے بعد کسی نے کال ریسیو کی اور بولا۔ "دس از کنور پیلس ہو ریو؟"

"بڑے کنور سے بات کراؤ۔" سفیر نے کہا۔ "اسے کہو پاکستان سے فون ہے۔"

ایک منٹ سے بھی پہلے بڑا کنور لائن پر تھا۔ "شہباز..... تم شہباز ہو؟"

"نہیں میں اس کا دوست ہوں۔" سفیر نے نام بتانے سے گریز کیا۔

"شہباز کہاں ہے؟" بڑا کنور اب ذرا سرد لہجے میں بولا ورنہ پہلے وہ مضطرب تھا۔ "اس سے کہو مجھ سے رابطہ کرے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ وہیں ہے اور کہاں ہے اس سے ہم بھی لاعلم ہیں سرحد پار کرنے کے بعد سے اس سے صرف ایک بار رابطہ ہوا ہے اور پھر وہ غائب ہے۔ ہمیں شک ہے وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے۔''

''نہیں وہ میرے پاس نہیں ہے۔''

''لیکن سعدیہ تو تمہارے پاس ہے۔''

''ہاں وہ میرے پاس ہے اگر شہباز ہوتا تب بھی مجھے بتانے میں کوئی تامل نہ ہوتا لیکن وہ نہیں ہے۔''

''تم نے کہا تھا کہ جب سعدیہ تمہارے پاس آئے گی تو تم ہم سے بات کراؤ گے لیکن تم نے اب تک وعدہ پورا نہیں کیا ہے۔''

''تم میں سے کسی نے رابطہ نہیں کیا۔'' بڑے کنور نے ہوشیاری دکھائی تو سفیر نے تلخ لہجے میں کہا۔

''جھوٹ مت بولو، کیا سعدیہ کے پاس ہمارے نمبرز نہیں ہیں اور کیا اس نے تم سے نہیں کہا ہوگا لیکن تم نے بات نہیں کرائی۔''

بڑا کنور کچھ دیر کے لیے چپ ہوا تھا پھر اس نے کہا۔ ''میں نے اپنی خوشی سے یہ سب نہیں کیا ہے۔''

''میں سعدیہ سے بات کرنا چاہتا ہوں مجھے اس کی فکر ہے۔''

''کیا اس کا شوہر پاس ہے؟''

سفیر نے وسیم کو اشارہ کیا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ سفیر نے کہا۔ ''نہیں وہ پاس نہیں ہے میں اس کا بھائی ہوں اس لحاظ سے سعدیہ میری بھابی ہوئی۔''

''ٹھیک ہے میں تمہاری بات کراتا ہوں۔'' بڑے کنور نے خلاف توقع زیادہ حجت نہیں کی تھی اور وہ مان گیا تھا چند منٹ بعد سادی لائن پر تھی۔

''ہیلو۔'' اس نے کمزور سی آواز میں کہا تو وسیم کے چہرے پر زلزلے جیسے تاثرات نمودار ہوئے تھے اور وہ یک دم اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ عبداللہ اس کے پیچھے گیا تھا۔ سفیر بھی تڑپ گیا تھا۔

''سادی میں ہوں۔''

''سفیر بھائی۔'' وہ رونے لگی۔ ''آپ لوگ کہاں ہیں میں آپ سے بہت دور ہوں، وسیم کہاں ہے؟''

''وہ گھر میں نہیں ہے۔'' سفیر نے اپنا جھوٹ نبھایا۔ ''تم ٹھیک ہو نا..... سب تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ ہم جلد تمہیں واپس لے آئیں گے۔''

''میں ٹھیک ہوں مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔'' وہ بولی مگر اس کی سسکیاں جاری تھیں اور وہ میرے دل پر گرم قطروں کی طرح سلگ رہی تھیں۔

''روسٹ گڑیا..... تم ہماری بہن ہو..... ہمارا مان ہو..... آنسو تمہیں زیب نہیں دیتے ہیں۔''

''سفیر بھائی یہاں آنے کے بعد یہ میرے پہلے آنسو ہیں جو آپ کی آواز سن کر نکل آئے ورنہ مجھے خود بھی کسی کے سامنے رونا اچھا نہیں لگتا ہے۔ شوبی کہاں ہیں؟''

''وہ وہیں ہے تمہارے غائب ہونے کا سن کر وہ واپس چلا گیا تھا۔''

سادی پریشان ہوگئی۔ ''کیا شوبی جا کر واپس آگئے ہیں..... کیوں آئے ہیں؟ یہاں ان کے لیے بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرہ ہے..... ان سے کہیں وہ فوراً واپس جائیں۔"

"وہ تمہیں لیے بغیر واپس نہیں آئے گا ہم میں سے کسی کو چین نہیں آئے گا۔"

"نہیں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں میرے لیے کوئی خود کو خطرے میں نہ ڈالے۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" سفیر نے اسے ڈانٹا۔ "تم ہماری عزت بھی ہو اور ہم تمہیں کہیں نہیں چھوڑ سکتے چاہے وہ تمہارے بھائی کا گھر کیوں نہ ہو۔"

"سفی بھائی سمجھنے کی کوشش کریں یہاں کوئی نہیں گھس سکتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے لیے کسی کی جان خطرے میں پڑے۔"

"تم فکر مت کرو۔" سفیر نے موضوع بدل دیا۔ "یہ بتاؤ کہ تم ٹھیک ہو نا..... تمہارے ساتھ کوئی غلط سلوک تو نہیں ہوا ہے تمہیں کسی جگہ قید تو نہیں کیا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں یہاں میرا بہت خیال رکھا جا رہا ہے صرف میرے لیے ایک لیڈی ڈاکٹر بلوائی گئی ہے وہ میرا خیال رکھتی ہے۔ میں قید نہیں ہوں میں اسی کمرے میں ہوں جو کبھی میرا ہوتا تھا۔"

میں نے دل ہی دل میں سفیر کو خراج تحسین پیش کیا۔ وہ بالکل درست انداز میں بات کر رہا تھا۔ اس نے بنا کسی شک کے سادی سے اگلوا لیا تھا کہ وہ مرکزی پیلس میں تھی اور اب ہمارا کام آسان ہو گیا تھا۔ سفیر نے کچھ دیر اس سے اور بات کی۔ سادی نے کہا کہ اس کے کمرے میں بھی فون ہے اور وہ وسیم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ سفیر نے وعدہ کیا کہ وہ جلد اس سے بات کرائے گا۔ اس نے کال ختم کی تو وہ اداس تھا۔ اس دوران میں وسیم اور عبداللہ آ گئے تھے۔ وسیم نے سفیر کی بات سن کر کہا۔ "میں اس سے بات نہیں کروں گا ورنہ بڑے کنور کو دباؤ ڈالنے کا ایک موقع مل جائے گا۔"

"یار اس نے دباؤ شوبی پر ڈالنا ہے اس کا خون چاہیے اور تیرے خون میں ویسے ہی فساد ہے۔"

مگر وسیم سنجیدہ رہا تھا۔ "تم ان معاملات کو نہیں سمجھو گے۔ یہ فیکٹر ہیں سادی صبر کر رہی ہے۔ مجھ سے بات کر کے اس کا حوصلہ جواب دے گیا تو ہم سب کے لیے بہت مشکل ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے اسے کوئی خطرہ ہوا تو شہباز صاحب خود بڑے کنور کے سامنے چلے جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے وسیم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ سادی کی بہادری ہم سے ہے اگر وہ کمزور ہوئی تو ہم کمزور ہو جائیں گے۔ اس نے خود کہا کہ وہ اب تک روئی نہیں تھی سفیر کی آواز سن کر روئی ہے۔" میں نے وسیم کی تائید کی۔

"ابھی اسے چھیڑنے سے گریز کرنا چاہیے۔"

"اور جو میں نے وعدہ کیا ہے۔" سفیر نے یاد دلایا۔ "وہ واپس آ کر مجھے معاف کرے گی۔"

"کوئی بات نہیں تُو پہلے ہی خواتین سے سننے کا عادی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "تُو نے وقت کی قید نہیں لگائی تھی اور نہ ہی قسم کھائی ہے جس کا کفارہ ادا کرنا پڑے۔"

میں بات کر رہا تھا کہ بیتو آ گیا اور وہ بہت خوش تھا۔ اس نے آتے ہی بتایا۔ "شوبی ہمارا زخم اندر سے بھی بھر گیا ہے بس تھوڑا کسر رہ گیا ہے ڈاکٹر کہہ رہا تھا دو دن میں وہ بھی پورا ہو جائے گا۔"

"لیکن جو خلا تمہارے دماغ میں ہے وہ کبھی پُر نہیں ہوگا۔" سفیر نے پنگا لیا مگر بیتو ہنستا رہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آج آپ بول لو.....ہم برا نہیں مانے گا۔ ہوسکتا ہے پھر آپ کو موقع نہ ملے۔''

''بیٹا اتنی جلدی تمہاری جان چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے۔'' سفیر نے کہا۔ بیتو کو پتا چلا کہ سادی سے بات ہوئی ہے تو وہ بے تاب ہوگیا۔

''ہم کو کیوں نہیں بتایا ہم بھی بات کرتا۔''

''لو بات کر دی نا احمقانہ۔'' سفیر نے کہا۔ ''بھائی میں نے پاکستان سے بات کی ہے تم کہاں سے بات کرتے اور کرتے تو کچھ دیر بعد کنوروں کے گرگے یا پولیس والے آ کر تمہیں لے جاتے۔''

''پہلے ہم زخمی تھا پر اب ہم ٹھیک ہے۔'' بیتو نے سینہ تان کر کہا۔ ''کوئی مائی کا لال ہم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔''

وسیم خاموش بیٹھا تھا اس کے چہرے پر تفکر تھا۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''پریشان کیوں ہوتا ہے یار اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہوگا سادی تیرے پاس ہوگی۔''

وہ سنبھل گیا۔ ''میں پریشان نہیں ہوں۔''

''مجھے جو خطرہ تھا وہ اب نہیں ہے اور میں خود اس دستے کی کمانڈ کروں گا جو مرکزی عمارت میں گھسے گا۔ پلان تقریباً مکمل ہے بس نوک پلک درست کرنا باقی رہ گیا ہے۔''

''اب مجھے اطمینان ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''یہ اچھی بات ہے کہ اس کی لوکیشن کا علم ہوگیا ہے اب ہم کھل کر کارروائی کر سکتے ہیں۔''

''نہیں ہم اس معاملے میں پوائنٹ ون پرسنٹ کا رسک بھی نہیں لے سکتے، کیونکہ ابھی حملے میں بہت دن ہیں اور کچھ پتا نہیں ہے بڑا کنور سادی کو کب کہاں منتقل کر دے ہمیں بہت زیادہ تباہی پھیلانے سے بچنا ہو گا۔'' میں نے کہا۔

''جیسا آپ مناسب سمجھیں۔''

''دو تین دن بعد کا مطلب ہے کہ فی الحال کرنے کو کچھ نہیں ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''اتنے دن ٹوکیا کرے گا؟''

''ہم عیش کرے گا۔'' بیتو نے جواب دیا۔ ''اور آپ جلے گا۔''

''بیٹے یہاں ایک ماہر کک خاتون آگئی ہے اور آج کل ہم تینوں وقت گھر کا کھا رہے ہیں۔'' سفیر بولا۔

''مرشد کی طرف سے کوئی اَپ ڈیٹ ہوئی ہے؟''

''نہیں.....لیکن وہ اندرون خانہ ہمارے خلاف کچھ کر رہا ہے تو اس کی خبر نہیں ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''وہ کتے کی دُم ہے اتنی آسانی سے سیدھا نہیں ہوگا۔''

''اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ سادی کے واپس آتے ہی وسیم، سفیر، سادی اور موٹا واپس دبئی جائیں گے۔''

''ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''یار میں بھی آؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''اور مجھے چھوڑ جائیں گے۔'' عبداللہ بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں تم بھی ہمارے ساتھ ہی ہو گے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''جب تک ہمیں یقین نہیں ہو جائے گا کہ مرشد کے شر سے محفوظ ہو گئے ہیں تب تک ہمیں اس سے دور رہنا ہو گا۔ ملک میں ہم صرف چھپ کر بچ سکتے ہیں اور ظاہر ہے کوئی ساری عمر نہیں چھپ سکتا ہے۔''

''ویسے دبئی اور باقی یو اے ای کو پاکستان ہی سمجھو وہاں ہر دوسرا بندہ پاکستانی ملتا ہے اور فارن کے مزے الگ ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''دبئی تو سمجھ لو یورپ کا ملک لگتا ہے اگر موسم نظر انداز کر دو۔''

''موسم بھی بنایا ہوا ہے ہر جگہ اے سی ہے۔'' وسیم نے تائید کی۔ ''سارا سال کمبل لے کر سونا پڑتا ہے۔''

''تیرا خیال نہ ہوتا تو آج وہیں مزے سے رہ رہے ہوتے۔'' سفیر نے سرد آہ بھری۔

''اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم چاروں وہیں رہو گے۔ باقی بھی موقع پا کر وہاں آ جائیں گے۔ میں اپنے کسی ساتھی کو پیچھے نہیں چھوڑوں گا۔''

''چل پہلے سادی آ جائے پھر دیکھتے ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''ویسے اس کا پاکستانی پاسپورٹ بن گیا ہے۔''

''ڈیوڈ شا مان گیا؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ہاں تم اور عبداللہ میرے ساتھ ہو گے۔ مگر وہ مزید کسی اور کو لے جانے کو تیار نہیں ہے۔ بیتو بھی ہے۔''

''چار افراد بھی کافی ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن ہم وہاں کیسے پہنچیں گے؟''

''یہ بھی ڈیوڈ شا کی ذمے داری ہو گی اس مہم کی شروع سے آخر تک ذمے داری اسی کی ہے۔''

''اس طرح تو ہم اس کے رحم و کرم پر آ جائیں گے۔''

''اتنی آسانی سے نہیں۔'' وسیم نے عبداللہ کا اعتراض رد کر دیا۔ ''ابھی ہمارے پاس وقت ہے اور ہم اس معاملے میں مزید سوچ بچار کر سکتے ہیں۔''

دروازے پر دستک ہوئی۔ بیتو نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ پوجا اندر آئی۔ ''سر آپ ڈنر کمرے میں کریں گے یا ڈائننگ روم میں؟''

پوجا کی مراد یقیناً اس عمارت کے ڈائننگ روم سے تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈیوڈ شا آج رات میزبان کا کردار ادا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اور شاید اسے ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ وہ مجھے رضامند کر چکا تھا۔ میں نے پوجا سے کہا۔ ''یہیں لے آؤ۔''

''سر ڈنر کتنے بجے پسند کریں گے؟''

ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اس لیے میں نے نو بجے کا کہہ دیا اس طرح مجھے مزید گفتگو کے لیے وقت مل جاتا۔ پوجا رخصت ہو گئی۔ اس کے جانے کے بعد سفیر نے رشک سے کہا۔ ''کیا ٹھاٹ ہیں تیرے کتنے سریلے لہجے میں پوچھ رہی تھی اتنی تابعدار تو آج کل کی بیویاں بھی نہیں ہوتی ہیں۔''

''ہاں کیونکہ تابعداری کا کام زن مرید شوہروں سے سنبھال لیا ہے۔'' میں نے تائید کی۔ ''ویسے اس کے سریلے لہجے پر مت جاؤ..... خطرناک چیز ہے۔'' میں نے بیتو کو قابو کرنے والا واقعہ سنایا۔ اس پر ان سب کو ایک نیا موضوع مل گیا اور بیتو کی شامت آ گئی۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگے تو بیتو نے غصے میں آ کر لیپ ٹاپ بند کر دیا اور مجھ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا ہے یہ لوگ یہاں نہیں ہے ورنہ ہر وقت ہمارا دل جلاتا۔''

''تم توجہ کیوں دیتے ہو۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ابھی تو میں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ تم نے اس سے بدلہ کیسے لیا؟''

آدھے گھنٹے بعد پوجا بڑی سی ٹرالی کے ساتھ نمودار ہوئی اس کی تین منزلوں پر کئی طرح کی ڈشیں سجی تھیں۔ کیونکہ صوفوں کے ساتھ رکھی میز مختصر تھی اور اس پر ساری ڈشیں نہیں سما سکتی تھیں اس لیے پوجا وہیں رہی اور ہم سے پوچھ کر سرو کرنا شروع کر دیا۔ شام کو اچھی خاصی ریفریشمنٹ لی تھی اس کے باوجود پھر بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں نے اور بیتو نے تمام ڈشوں کے ساتھ انصاف کیا۔ آخر میں میٹھے سے کھانے کا خاتمہ کیا اور فواکہات میں چائے اور گرین ٹی کا کہا تھا۔ پوجا برتن ترتیب سے رکھ رہی تھی۔ اچانک اس کے لباس سے بپ کی آواز آئی اور اس نے اوپر سے ہی کچھ کیا اور بولی۔

''یس سر.....''

اس کے لباس سے ایک تار نکل کر اس کے کان تک جا رہا تھا جس میں یقیناً ائیر فون اور مائیک تھا۔ مگر اچانک ہی اس کے لباس میں موجود آلے سے آواز آئی اور جب تک وہ پھرتی سے بٹن دبا کر اس کا اسپیکر بند کرتی میں نے ایک جملہ سن لیا تھا۔ بولنے والا منشی دل جی تھا اور وہ ڈیوڈ شا سے مخاطب تھا اس نے کہا۔ ''شا جی..... شہباز ملک کس عورت کو چھڑانے کے لیے یہ سب کر رہا ہے؟''

میں ڈیوڈ شا کا جواب نہیں سن سکا تھا کیونکہ اسی وقت پوجا نے آلے کا اسپیکر بند کر دیا تھا۔

آواز صاف منشی دل جی کی تھی اور اس کا طرز تخاطب بتا رہا تھا کہ وہ نہ صرف ڈیوڈ شا سے مخاطب ہے بلکہ وہ اس سے یوں مخاطب ہونے کا حق بھی رکھتا ہے۔ پوجا کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اسے شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے نہ صرف سنگین غلطی ہوئی ہے بلکہ ہونے والی غلطی پکڑی جا چکی ہو گی اور اب اسے سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی غلطی سے میں نے وہ سن لیا تھا جو مجھے نہیں سننا چاہیے تھا۔ وہ کچھ دیر ساکت کھڑی رہی پھر اس نے دوبارہ برتن سمیٹنا شروع کر دیئے۔ ابھی وہ یہ کام کر رہی تھی کہ اس کے لباس سے پھر بپ کی آواز آئی اور اس بار اس نے بٹن دباتے ہوئے کہا۔ ''یس سر.....'' اس کا رنگ مزید زرد پڑ گیا۔ اب کے اس کے لہجے میں لرزش تھی۔ ''یس سر.....''

پھر وہ ٹرالی لیے کمرے سے نکل گئی اس کے جاتے ہی بیتو نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ''شوبی یہ کیا تھا..... یہ حرامی دیدی کے بارے میں کیوں پوچھ رہا تھا۔''

''یہ تو میں نہیں جانتا۔'' میں نے کہا اور کسی قدر بلند آواز سے بولا۔ ''لیکن اسے معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اصل میں سعدیہ کو وہاں سے نکالنے جا رہے ہیں۔ ورنہ میں کسی بھی گڑبڑ کا ذمے دار ڈیوڈ شا کو سمجھوں گا۔''

میں نے اپنے لہجے سے جتا دیا تھا کہ میں یہ بات ڈیوڈ شا سے کہہ رہا ہوں۔ ایک بار پھر مجھے احساس ہوا کہ منشی دل جی محض ایک مہرے کے طور پر اس کھیل میں شامل نہیں تھا۔ بلکہ وہ اس کھیل کا ایک کھلاڑی تھا تب ہی وہ ڈیوڈ شا سے یہ سوال کرنے کا مجاز ہوا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ڈیوڈ شا نے اسے کیا جواب دیا۔ وہ کسی پر مکمل اعتماد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے والا شخص نہیں تھا جس طرح وہ مجھ سے بہت چھپا رہا تھا اسی طرح وہ یقیناً منشی دل جی سے بھی بہت کچھ چھپا رہا ہوگا۔ بے شک آنے والے دنوں میں منشی دل جی اس جاگیر کا مالک ہوتا مگر فی الحال وہ ایک عام آدمی تھی اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں تھی۔ اگر وہ کنور پیلس کا راز داں نہ ہوتا تو شاید اس کی یہ حیثیت بھی نہ ہوتی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ اس نے ڈیوڈ شا سے یہ سوال کیا تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس کے بعد پوجا دکھائی نہیں دی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ایک اور ملازمہ ہمارے لیے چائے اور گرین ٹی لے کر آئی تو میں نے اسے سے کہا۔

''میں ڈیوڈ شا سے ملنا چاہتا ہوں۔''

اس نے سر ہلایا اور رخصت ہوگئی۔ جب تک ہم چائے سے فارغ ہوئے فتح خان وارد ہوگیا۔ اس کی آمد خالی از علت نہیں تھی۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''شہباز خانا فکر مت کرو..... منشی دل جی کا کوئی حیثیت نہیں ہے اور اسے کچھ نہیں معلوم ہے۔''

''میں کیسے مان لوں؟ وہ ڈیوڈ شا سے سوال کر رہا تھا تو کسی حیثیت کے برتے پر کر رہا ہوگا۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''بہر حال یہ میرا مسئلہ نہیں ہے کہ منشی دل جی کو کچھ معلوم ہے یا نہیں لیکن اگر اس نے کوئی حرکت کی تو اس کی ذمے داری ڈیوڈ شا پر ہوگی۔''

''وہ کوئی حرکت نہیں کرے گا۔'' فتح خان نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔ ''میں تم کو یہی بتانے آیا تھا۔''

''فتح خان میں تمہاری بات مان لیتا ہوں جب تک اس کے برخلاف نہیں ہوتا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے کچھ اور بات کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ جاتے ہوئے رک گیا۔ ''کرو۔''

''تم بھی کنور پیلس پر حملے میں شامل ہوگے، اپنے ساتھیوں سمیت؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''بالکل۔''

''تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''آدمی تو بہت ہیں لیکن کام کے بندے چھ ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''سب لڑنے مرنے اور مارنے والے ہیں۔ کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''صرف نرے لڑاکا ہیں یا تربیت یافتہ بھی ہیں۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''تم کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟''

''میں چاہتا ہوں تم اور تمہارے آدمی میرے ساتھ رہیں۔ وہ مقامی ہیں اس لیے ان سے کمیونیکیشن میں آسانی رہے گی۔ میرے ساتھ جو جائیں گے وہ ہیلی کاپٹر میں ہوں گے کیا تمہارے آدمیوں کو اس کا تجربہ ہے؟''

''ہیلی کاپٹر کا نہیں ہے باقی ہر طرح کا تجربہ ہے۔''

''انہیں معلق ہیلی کاپٹر سے رسی کے سہارے اترنا پڑے گا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فتح خان نے سر ہلایا۔ ''میں خود دیکھتا ہے کہ وہ اس کام میں کتنا ماہر ہے۔ پھر تم کو بتائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمارے پاس دو دن ہیں اگر تمہارے آدمی اس میں ماہر نہیں ہیں تو ان سے کہو پریکٹس کر لیں۔ میری پہلی ترجیح تم اور تمہارے آدمی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس لڑکی سے ایک غلطی ہوئی ہے کیا اسے سزا ملے گی۔'' میرا اشارہ پوجا کی طرف تھا۔

''نہیں..... البتہ اسے یہاں سے ہٹا دیا گیا ہے اس کی جگہ دوسرا عورت آئے گا۔'' فتح خان نے کہا اور چلا گیا۔ اسے پتا نہیں تھا کہ دوسری خادمہ آ بھی چکی تھی۔ بیتو لاتعلقی سے سن اور دیکھ رہا تھا فتح خان کے جانے کے بعد اس نے کہا۔

''شوبی یہ شرارتی آدمی ہے۔''

''ہاں لیکن ابھی کوئی شرارت نہیں کر سکتا ہے۔'' میں نے کہا اور اس کے برابر میں بستر پر دراز ہو گیا۔

''برخوردار تم سوتے میں خراٹے بہت خوفناک لیتے ہو۔ مجھے تو اس بے چاری پر ترس آ رہا ہے جسے تمہارے ساتھ سونا پڑے گا۔''

بیتو جھینپ گیا۔ ''شوبی ابھی ایسا کوئی بے چاری نہیں ہے اور ہم کو پتا نہیں چلتا کہ سونے کے بعد ہم کیسا خراٹا لیتا ہے؟''

''آج رات میں ریکارڈ کر کے تمہیں سناؤں گا۔''

''کیسے ریکارڈ کرے گا؟''

''اس لیپ ٹاپ سے، اس میں آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ کا بندوبست بھی ہے۔''

بیتو کو فکر لاحق ہو گئی۔ ''شوبی ہم واقعی خوفناک خراٹے لیتا ہے؟''

''بہت زیادہ مجھے صحیح معنوں میں کل رات پتا چلا..... وہ تو شکر ہے نیند آ گئی ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا میں ساری رات جاگتا رہوں گا۔''

''تب ایسا ہے کہ پہلے آپ سو جاؤ ہم جاگتا ہے جب آپ سو جائے گا تب ہم سوئے گا۔'' بیتو نے تجویز پیش کی۔ ''اس طرح آپ کا نیند خراب نہیں ہوئے گا۔''

دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''میں ذرا ٹہل کر آتا ہوں۔''

''کہاں جا رہا ہے؟''

''باہر لان میں۔''

''ہم بھی چلے۔''

''آ جاؤ۔'' میں نے جیکٹ پہنتے ہوئے سر ہلایا۔ باہر خاصی سردی تھی اور کسی گرم چیز کے بغیر گزارا مشکل تھا۔ بیتو نے بھی جیکٹ لے لی تھی۔ ہم باہر نکل آئے۔ کسی نے روکا نہیں عمارت کے سامنے موجود پختہ روش پر ٹہلنے لگے۔ باہر آنے کا اصل مقصد بیتو بات کرنا تھا۔ اگرچہ یہاں بھی مجھے اطمینان نہیں تھا کہ کوئی ہماری بات نہیں سنے گا۔ آج کل ٹیکنالوجی بہت ترقی کر گئی ہے۔ ممکن ہے بہت طاقتور مائیک ہوں جو دور سے بھی ہماری آواز کیچ کر لیں۔ مگر بات کرنا بھی ضروری تھا۔ میں نے پہلے بیتو کو وہ ساری گفتگو سنائی جس میں وہ موجود نہیں تھا اس میں منصوبہ بھی شامل تھا کہ ہم کس طرح سے کنور پیلس پر حملہ کرتے۔ پھر میں نے وسیم کی تجویز سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھی۔

''وسیم کا کہنا ہے اس مشن میں بڑے اور چھوٹے دونوں کنوروں کا خاتمہ کرنا ہے۔ میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔''

''ہم متفق ہے۔'' بیتو بولا۔ ''اس میں منشی جی کو بھی شامل کرلو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اول تو وہ مشن میں ہوگا نہیں..... مطلب اندر گھسنے والوں میں نہیں ہوگا۔ دوسرے اس وقت وہ ڈیوڈ شا کی وجہ سے حلیف ہے لیکن دونوں کنور دشمن ہیں۔ منشی دل جی بھی ڈیوڈ شا کے ساتھ اسی لیے شامل ہوا ہے کہ وہ ان دونوں کا خاتمہ کر کے خود جاگیر کا وارث بننا چاہتا ہے۔''

بیتو منشی دل جی کے بارے میں فیصلے سے مطمئن نہیں تھا۔ ''شوبی اگر اس مشن میں نہیں تو اس کے بعد اس کا خاتمہ ضروری ہے ورنہ وہ دیدی کا دشمن بن جائے گا اور ہمارے پیچھے پڑا رہے گا۔''

''اسے بھی دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی تو مسئلہ دونوں کنور ہیں۔ وہ سادی کے بھائی ہیں اور سادی بھی وہیں ہوگی۔ اس کی موجودگی میں یا اس کے سامنے ان دونوں کا خاتمہ آسان نہیں ہوگا۔''

بیتو نے غور کیا۔ ''یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''اب یہ تمہارا کام ہے کہ ان دونوں کا خاتمہ کرو اور سادی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔''

بیتو نے پھر غور کیا اور بولا۔ ''ان کا کام ہم تمام کرے گا۔ دیدی کو آپ لاعلم رکھو۔''

''ٹھیک ہے سادی میری ذمے داری ہوگی۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تم کنور پیلس کے نقشے سے واقف ہو؟''

''ہم نے آج تک دیکھا بھی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے کل تم دیکھنا یہاں کرنل کے آدمیوں نے پورے پیلس کا تھری ڈی نقشہ تیار کیا ہے۔ تم اسے دیکھنا اور جب ہم وہاں جائیں گے تو ہمارے پاس ڈیجیٹل نقشے بھی ہوں گے۔''

''ڈیجیٹل نقشہ کیا شوبی؟''

''آئی فون جیسا اسکرین والا آلہ ہوتا ہے اس میں پیلس کا مکمل نقشہ ہوگا۔''

''شوبی ہم کو ہتھیار استعمال کرنا ہوگا۔ ادھر دوسرا ہتھیار ہو سکتا ہے۔'' بیتو نے نکتہ اٹھایا۔ ''نیا ہوگا تو عین موقع پر استعمال کرنا مشکل ہوگا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہمیں پریکٹس کی ضرورت ہوگی۔ اب دو دن ہیں تو ہمیں بہت سی تیاری کرنی ہو گی۔ صرف ہتھیار ہی نہیں بہت سے آلات بھی ہوں گے ان کے استعمال کی پریکٹس بھی کرنی ہوگی۔''

ہم کوئی آدھے گھنٹے باہر رہے۔ اس کے بعد سردی اثر کرنے لگی تھی تو ہم اندر آ گئے۔ میں نے سونے سے پہلے غسل کیا۔ ہمارے لیے پاجامے اور کرتے پر مشتمل آرام دہ نائٹ سوٹ بھی آ گئے تھے۔ میں لباس بدل کر لیٹ گیا۔ بیتو وعدے کے مطابق جاگنے کی کوشش کر رہا تھا اور ٹی وی دیکھتے ہوئے وقت گزاری کر رہا تھا۔ اس نے آواز بند کر رکھی تھی۔ میں کچھ دیر بعد سو گیا تھا۔ اس کے بعد بیتو کب سویا اسے بھی نہیں پتا چلا تھا رات کسی وقت میری آنکھ کھلی تو ٹی وی چل رہا تھا اور بیتو بستر پر نیم دراز سو رہا تھا اس نے کمبل بھی نہیں لیا تھا میں نے ٹی وی بند کر کے اس پر کمبل دیا اور پھر سو گیا۔ صبح جلدی آنکھ کھل گئی تھی۔ ورزش اور شاور سے فارغ ہو کر میں نے ناشتہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طلب کیا۔ دوسری لڑکی تقریباً پوجا کی عمر کی تھی۔ اس کا نام سارہ تھا۔ دیکھنے میں وہ پوجا سے زیادہ خوب صورت تھی لیکن مجھے یقین تھا اسے صرف شکل صورت کی وجہ سے یہاں نہیں رکھا گیا ہوگا یقیناً اس میں اور خصوصیات بھی ہوں گی۔ جیسی کہ پوجا میں تھیں۔ اس نے ناشتے کا آرڈر نوٹ کیا اور جانے لگی تھی کہ میں نے روکا۔

''مجھے کرنل جنجوعہ سے بات کرنی ہے فوری۔''

''یس سر۔'' اس نے کہا تھا۔ چند منٹ بعد ایک آدمی آیا اور ایک وا کی ٹاکی دے کر چلا گیا ایسا ہی وا کی ٹاکی میں نے کرنل اور ڈیوڈ شا کے پاس دیکھا تھا وہ اس سے آپس میں رابطے میں رہتے تھے۔ چند لمحے بعد وا کی ٹاکی سے بپ ہوئی تو میں نے ریسیو کا بٹن دبایا۔ دوسری طرف کرنل تھا اس نے پوچھا۔

''یس مسٹر ملک؟''

''کرنل میں آج ان تمام آلات اور ہتھیاروں کا ڈیمو چاہتا ہوں جو ہمیں اس مہم میں استعمال کرنے ہیں خاص طور سے جو ٹیم میرے ساتھ جائے گی۔''

''دوپہر تک ہو سکے گا ابھی کچھ چیزیں نہیں ہیں منگوائی ہیں۔'' اس نے جواب دیا اور پھر پوچھا۔ ''تم کھان اور اس کے آدمیوں کو ساتھ رکھنا چاہتے ہو؟''

''ہاں وہ سب مقامی ہیں اور ان سے کمیونی کیشن میں آسانی رہے گی۔''

کرنل میرے اس فیصلے سے متفق نہیں تھا اس نے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی۔ ''ہیلی کاپٹر سے مشن مشکل ہوتا ہے اور اس میں آدمی کو زیادہ تربیت یافتہ ہونا چاہیے۔ میرے پاس اس مقصد سے تربیت یافتہ بہترین آدمی موجود ہیں۔''

''فتح خان اپنے آدمیوں کو اس لحاظ سے چیک کر لے گا۔ اس کے بعد ہی حتمی فیصلہ ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تمہارے آدمی بھی ہوں گے۔ نو افراد ہم ہوں گے اور کم سے کم تین افراد اور درکار ہوں گے۔''

''او کے اس پر ملاقات میں بات کریں گے۔'' کرنل نے کہا۔ ''ممکن ہے جو ہیلی کاپٹر ملے وہ اتنا بڑا نہ ہو جس میں درجن افراد جا سکیں۔''

''ایک منٹ اگر میں تم سے رابطہ کرنا چاہوں تو؟''

''دو نمبر دبانا..... ایک نمبر ڈیوڈ شا کا ہے۔ میں ڈیمو کا بندوبست کر کے تمہیں کال کروں گا۔''

ڈیوڈ شا یہاں بھی ایک نمبر تھا۔ میں نے وا کی ٹاکی بند کرتے ہوئے سوچا۔ میں نے محسوس کیا کہ کرنل فتح خان اور اس کے ساتھیوں کی میرے ساتھ موجودگی پر کچھ معترض تھا لیکن اس نے کھل کر یہ بات نہیں کہی اس کے بجائے اس نے ان کے تربیت یافتہ ہونے پر اعتراض کیا تھا۔ ناشتے کے ساتھ اخبارات بھی آئے تھے اور یہ سارے انگریزی کے تھے اس لیے ناشتے کے بیتوٹی وی میں لگ گیا۔ میں بھی جلد بور ہو گیا کیونکہ اخبارات میں تقریباً ساری خبریں انڈیا سے متعلق تھیں اور اگر کوئی خبر پاکستان کی تھی تو اس میں تعصب کا رنگ نمایاں تھا۔ اس دوران میں بیتو نے کچھ پاکستانی نیوز چینل تلاش کر لیے تھے۔ اس نے ایک چینل لگایا تو ہم دونوں ہی چونک گئے تھے۔ اس میں درگاہ مرشد یہ پر ہونے والے عرس کے بارے میں رپورٹ پیش کی جا رہی تھی۔ رپورٹر جو مرشد کا چمچہ تھا کہہ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پچھلے کچھ عرصے سے بعض جرائم پیشہ افراد اس مقدس درگاہ اور اس کے متولیوں کے پیچھے پڑے ہیں۔ درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین اعلیٰ حضرت مرشد علی کے چھوٹے بھائی نادر علی پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں وہ شدید زخمی ہو کر کئی مہینے تک زندگی و موت کی کشمکش میں رہنے کے بعد جام شہادت نوش کر گئے۔ حکومت نے قاتلوں کی گرفتاری کے لیے کچھ نہیں کیا الٹا دباؤ ڈلوا کر قاتلوں کے خلاف مقدمے ختم کرا دیئے گئے۔ اعلیٰ حضرت مرشد علی پر بھی کئی بار قاتلانہ حملے ہوئے لیکن اللہ نے ان کی نیکیوں کے طفیل انہیں محفوظ رکھا۔ دہشت گردوں نے ایک بار درگاہ پر بھی حملہ کیا اور کئی افراد اس حملے میں شہید ہوئے۔''

رپورٹر کی بکواس کے بعد مرشد علی کی مختصر تقریر دکھائی گئی جس میں وہ اپنے جاہل مریدوں کے جم غفیر سے خطاب کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ باطل قوتوں کے آگے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے گا چاہے اسے بھی اس کے بھائی کی طرح شہید کر دیا جائے۔ یہ تقریر مرشد نے گزشتہ روز کی تھی اور صاف لگ رہا تھا کہ وہ ہمارے خلاف اعلانِ جنگ کر رہا ہے۔ اس کے بارے میں میرا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ مرشد کی کوئی کل سیدھی نہیں تھی اور وہ اپنی فطرت کے مطابق شرارت پر اتر آیا تھا۔ اس نے میرے خلاف قانونی لڑائی ترک کر دی تھی مگر اب وہ دوسرے طریقوں سے میدان جنگ سجا رہا تھا۔ رپورٹ دیکھ کر میں نے وسیم اینڈ کمپنی سے رابطہ کیا۔ وہ بھی یہ خبر دیکھ چکے تھے اور فکر مند تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''وہ اپنی اوقات سے باہر ہو گیا ہے۔''

''اس لیے اب اسے دوبارہ اپنی اوقات پر لے آؤ۔'' میں نے کہا۔ ''اب دشمن کے وار کا انتظار کرنا بیکار ہے اس سے صرف اسے فیبہ ملتی ہے۔''

وسیم خوش ہو گیا۔ ''یہی تو میں آپ سے کہتا تھا۔ اگر آپ مجھے فری ہینڈ دیں تو میں اس کا دماغ درست کر دوں گا۔ ویسے بھی بہت عرصے سے بیکار بیٹھا ہوں میرے اکثر آدمی بھی چھٹیاں گزار رہے ہیں۔''

''ان سب کو واپس بلا لو۔'' میں نے کہا۔ ''بھگوال والی حویلی کو مرکز بنا کر کارروائی کرو اور فیض آباد والی کوٹھی میں سرگرمیاں محدود کر لو..... اسے محفوظ رہنا چاہیے۔''

''اس صورت میں عضو معطل بن جاؤں گا۔'' عبداللہ نے فریاد کی۔ ''یہاں کا نگران میں ہوں۔''

''کوئی بات نہیں اسے خالی چھوڑ دو..... یا دیکھ بھال کے لیے ایک آدھ بندہ یہاں رکھ لو۔ باقی سب بھگوال منتقل ہو جائیں۔''

''اور بانو.....''

''میں سوچ رہا ہوں اسے بھی حویلی منتقل دیا جائے۔'' میں نے کہا تھا کہ عقب سے بانو کی آواز آئی۔

''میں کہیں نہیں جا رہی۔'' وہ عبداللہ اور وسیم کے عقب میں نمودار ہوئی۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''آپ بھول رہے ہیں میں اب گھریلو لڑکی نہیں ہوں اور آپ نے ہی مجھے لڑنا سکھایا ہے اب گھر بٹھانے کی بات کر رہے ہیں۔''

''تمہیں لڑنا آتا ہے لیکن ہمارے لیے تم لڑکی اور ذمے داری ہو۔ اس لیے تمہیں محفوظ بنانا ہماری پہلی ترجیح ہے۔''

''میں آپ لوگوں کے ساتھ خود کو محفوظ سمجھتی ہوں۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اس لیے میں کہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں جارہی۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے یار۔'' سفیر نے بھی ٹانگ اڑائی۔ ''یہ بھی چلی گئی تو چاروں طرف اپنی جیسی منحوس صورتیں رہ جائیں گی۔''

''تُو ایسا کر مونا کو بھی بلا لے۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''کچھ دن میں اللہ نے چاہا تو سادی بھی آجائے گی اور تم لوگوں کے اچھی صورتیں دیکھنے کے سارے ارمان پورے ہو جائیں گے۔''

''جناب ہمیں کیوں رگڑ رہے ہیں۔'' عبداللہ نے جلدی سے کہا۔ ''صرف سفیر کی خواہش ہے۔''

''اچھا بیٹے بتاؤں کل رات تم کیا کہہ رہے تھے۔''

''میں تو چلتی ہوں۔'' بانو نے دروازے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہاں فضول باتیں شروع ہو گئی ہیں۔''

''اور اس پر بھی تم ان کے ساتھ رہنے پر مُصر ہو۔''

وہ جاتے جاتے رک گئی۔ ''وہ الگ بات ہے۔ جب میں پاکستان واپس آئی تب ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ آپ کی جنگ اب میری جنگ ہے اور میں آپ لوگوں کے ساتھ ہی رہوں گی۔''

''اوکے اس پر بعد میں بات ہوگی۔'' میں نے موضوع ختم کیا۔

''امن و امان کے خراب حالات کی وجہ سے اب شہر میں سکیورٹی سخت کی جارہی ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''اس لیے بھی اس کوٹھی کو مرکز بنانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''صرف شہر نہیں بلکہ مضافات پر بھی نظر رکھی جارہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آئے دن نواحی علاقوں میں چھاپے پڑتے ہیں اور دہشت گرد پکڑے جاتے ہیں۔ اس لیے حویلی کو بھی بہت محفوظ مت سمجھو۔ پھر دیہی علاقے میں لوگ اپنے آس پاس مکمل نظر رکھتے ہیں وہاں کچھ چھپانا بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے نہ صرف محتاط رہو بلکہ کسی سیٹ اَپ کے ساتھ رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔''

''سیٹ اَپ سے آپ کی کیا مراد ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''یہی کہ تم میں سے کوئی شوقین مزاج جاگیردار بن جائے جو جنوبی پنجاب سے تعلق رکھتا ہے اور آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے یہ حویلی کرائے پر حاصل کی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے چیلے چمچے ہوں گے۔''

''جاگیردار کون بنے گا؟'' عبداللہ نے سوال کیا۔

''یہ دونوں غریب غربا ہیں۔'' سفیر نے حقارت سے وسیم اور عبداللہ کی طرف اشارہ کیا۔ ''انہیں کیا پتا کہ جاگیردار کیسے رہتے ہیں؟''

''تو تمہیں پتا ہے؟'' عبداللہ نے خفگی سے کہا۔

''ہاں مابدولت..... جدی پشتی جاگیردار ہیں۔'' سفیر نے گردن اکڑائی۔ ''میں جاگیردار بنوں گا۔''

''اور ہم تمہارے حالی موالی ہوں گے؟'' وسیم نے طنز کیا۔ ''تمہیں تو بیوی کچھ نہیں سمجھتی تو دوسروں سے کیا توقع کرتے ہو؟''

''صحیح بولا۔'' بیتو نے خوش ہو کر کہا۔ ''جاگیردار سنجیدہ ہوتا آپ مسخرہ ہوتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے پہلے کہ لڑائی مزید بڑھتی میں نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''خدا کے لیے آپس میں لڑنا بند کرو۔ تم لوگوں کو کسی مرشد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے ہم آپس میں مشورہ کر کے کوئی سیٹ اَپ بناتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''آپ نے ٹھیک کہا مقامی لوگوں کو کوئی مشکوک بات نظر نہیں آنی چاہیے۔''

''اس سے اسلحہ بھی کور ہو جائے گا۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''آج کل معمولی سا جاگیردار بھی چار پانچ مسلح محافظ تو رکھتا ہے بے شک اسے سوائے اپنی بیوی کے اور کسی سے خطرہ نہ ہو۔''

سفیر نے فوراً پنگا لیا۔ ''اب تم نے بھی بات بات پر بیوی کا ذکر شروع کر دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارے دل میں بھی بیوی کا ارمان انگڑائیاں لے رہا ہے۔''

وہ باز آنے والے نہیں تھے۔ سفیر مجھ سے مختلف فطرت کا تھا ہر ایک سے دو منٹ میں بے تکلف ہو جانے والا۔ عبداللہ اور وسیم میرا احترام کرتے تھے اس لیے مجھ سے وہ کبھی اس طرح بے تکلف نہیں ہوئے جیسے سفیر سے ہو گئے تھے۔ پھر دن رات کا ساتھ تھا۔ دکھ سکھ میں شریک تھے اس لیے ان میں یہ محبت بھری نوک جھوک فطری امر تھا۔ سفیر کے مزاج نے ان کے لیے آسانی کر دی تھی۔ اچانک سفیر نے کہا۔ ''یار تُو نے کتنے دنوں سے حویلی کال نہیں کی ہے مونا بتا رہی تھی سویرا بہت اداس ہے۔''

میں گڑبڑا گیا۔ ''ہاں یار بس مجھے مناسب نہیں لگا۔''

''کر لے یار..... میرا خیال ہے اب اتنا خطرہ نہیں ہے۔''

''خطرہ ہو گا.....'' وسیم نے مداخلت کی۔ ''انڈین شہباز کے بارے میں جانتے ہیں تو اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی جانتے ہوں گے ممکن ہے انہوں نے حویلی کے مواصلاتی رابطوں پر کوئی ٹریپ لگا رکھا ہو۔ آج کے دور میں یہ ناممکن نہیں ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے اس سے وہ میرا سراغ لگا سکتے ہیں؟''

''بالکل اور آپ ڈیوڈ شا کے ساتھ خود کو محفوظ مت سمجھیں۔'' وسیم نے مشورہ دیا۔ ''آج کل آپ بہت زیادہ اسکائپ یوز کر رہے ہیں مانی کا کہنا ہے کہ یہ محفوظ نہیں ہے اس کی نگرانی کی جا سکتی ہے اور کال کرنے والے کا پتا لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ شاید میں ڈیوڈ شا کی قید میں آنے کے بعد کچھ لاپروا ہو گیا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ میری حفاظت کی ذمے داری اس پر ہے حالانکہ کوئی مشکل آتی تو وہ مجھے چھوڑ کر فرار ہونے میں ایک منٹ کی تاخیر نہ کرتا۔ اس لیے میں نے وسیم سے اتفاق کرتے ہوئے اسکائپ بند کر دیا اس پر بیتو کو کچھ مایوسی ہوئی۔ ''شوبی مزہ آ رہا تھا۔ آپ نے جلدی بند کر دیا۔''

''وہ تو ہے یار پر احتیاط بھی ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔

''ابھی آپ کرنل کے پاس جائے گا تو ہم بھی جائے گا؟'' بیتو نے پوچھا۔ میں نے سر ہلایا۔

''بالکل تمہیں بھی سب جاننا ہے۔''

''ہم کو انگریزی نہیں آتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بتاؤں گا تم فکر مت کرو۔''

کرنل نے دوپہر کا کہا تھا اس سے میں سمجھا کہ اس کی مراد ایک دو بجے ہوگی لیکن میں بھول گیا تھا کہ بارہ بجے سے انگریزوں کے لیے دوپہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ واکی ٹاکی نے بپ دی۔ کرنل نے کہا۔ ''شہباز اسی کنٹرول سینٹر میں آجاؤ ڈیمو کے لیے۔''

''میں آرہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ کنٹرول سینٹر سے اس کی مراد وہی ایک منزلہ عمارت تھی جس میں کمپیوٹر والے بیٹھے تھے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''تیار ہو جاؤ برخوردار۔''

وہ فکر مند ہو گیا۔ ''شوبی ابھی لنچ نہیں کرنا ہے؟''

''لنچ واپسی پر۔''

ہم باہر آئے اس بار بھی کسی نے نہیں روکا اور نہ ہی سر پر مسلط ہونے کی کوشش کی۔ کرنل نے مجھے تفصیل سے خبردار کر دیا تھا کہ کسی بھی پختہ روش سے اترنے کی صورت میں اسنائپر گن خود کار انداز میں شوٹ کر دے گی اس لیے ایسی غلطی بھی خودکشی کے مترادف ہوگی۔ میں نے بیتو کو ایک بار پھر بتایا کہ پختہ روش سے نیچے پاؤں بھی مت رکھنا۔ وہ اسنائپر گن کے بارے میں سن کر حیران ہوا تھا۔ ''شوبی یہ اتنا خطرناک ہتھیار ہے؟''

''سوچ سے بھی زیادہ، اسے کمپیوٹر کنٹرول کرتا ہے اور اس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا ہے۔''

''شوبی انسان کو مارنے کا ٹیکنالوجی اتنا ترقی کر گیا جب کہ وہ ایک چاقو ایک پتھر سے بھی مر جاتا ہے۔ تب اسے بچانے کا ٹیکنالوجی نے اتنا ترقی کیوں نہیں کیا؟''

''کیونکہ ٹیکنالوجی کے خالقوں کو اس میں دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''ورنہ یہ دنیا آج اتنی بری جگہ نہ ہوتی۔''

○.....❖.....○

ہم عمارت تک پہنچے دروازہ خود بخود کھل گیا۔ یقیناً دیکھا جا رہا تھا کہ ہم پہنچ گئے ہیں۔ کرنل اندر اپنے دفتر میں ہمارا منتظر تھا۔ مگر مجھے وہاں ڈیمو کا کوئی بندوبست نظر نہیں آیا۔ اس نے اٹھ کر مجھ سے اور بیتو سے ہاتھ ملایا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ مکمل پروفیشنل آدمی تھا۔ سرد اور ایک متوازی رویے کا مالک۔ کسی سے نہ تو فری ہوتا تھا اور نہ ہی بلاوجہ کسی سے الجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ ہمیں ایک مختصر میٹنگ ہال میں لایا جہاں ایک بڑی میز تھی مگر اس وقت یہ میز میٹنگ کے بجائے ڈیمو کا مرکز بنی ہوئی تھی اس پر کئی طرح کے جدید ہتھیار اور آلات سجے ہوئے تھے۔ انہیں تین حصوں میں بانٹ کر الگ الگ رکھا ہوا۔ جس حصے میں ہتھیار تھے ان کے بھی دو حصے تھے۔ ایک میں عمومی ہتھیار تھے اور دوسرے میں کچھ خاص ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ کرنل میز کے ایک سر پر آ گیا اور اس نے اشارہ کیا۔ ''یہ تمام چیزیں اس مشن میں ہمارے کام آئیں گی۔ ان آلات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو الگ الگ مقاصد کے لیے ہیں۔ پہلا مقصد دشمن سے خبردار رہنا ہے۔ اس کے لیے ہمارے پاس یہ آلات ہیں۔'' اس نے ایک نائٹ ویژن گاگل اٹھا کر دکھائی وہ اس نے پہن لی۔ ''یہ رات میں دیکھنے والی عینک ہے، لیکن اس وقت یہ نارمل موڈ پر ہے۔ اگر تم اس کے اوپر لگا ہوا یہ چھوٹا سا ابھار دباؤ گے تو یہ نائٹ ویژن موڈ پر آجائے گی اور اسی بٹن کو دبانے سے یہ نارمل ہو جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔ ایک بات یاد رکھنا۔ نائٹ ویژن موڈ پر صرف تاریکی میں استعمال کیا جائے دوسری صورت میں پنسل ٹارچ کی روشنی بھی ایسی لگے گی جیسے تم نے براہِ راست دوپہر کے سورج کو دیکھ لیا ہے۔ تیز روشنی بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ آدمی چند سیکنڈ میں اندھا ہو سکتا ہے۔ تم اس کا تجربہ کر سکتے ہو۔''

میں نے ایک عینک اٹھا کر پہنی اس میں کمانی کے بجائے لچکیلا پٹا تھا جو سر پر فٹ آ جاتا اور اس کے گرنے کا کوئی خدشہ نہیں رہتا چاہے آدمی قلابازیاں کھائے۔ جیسے ہی میں نے اسے نائٹ موڈ پر کیا ایسا لگا جیسے روشنی کا سیلاب آ گیا ہو۔ حالانکہ کمرے میں نارمل روشنی تھی۔ میں نے دوبارہ بٹن دبایا تو روشنی نارمل ہو گئی۔ بیتو نے بھی تجربہ کر کے دیکھا۔ اس کا استعمال آسان تھا اور یہ بہت کام کی چیز تھی۔ کرنل نے کہا۔ ''اب تاریکی میں اس کا تجربہ کرتے ہیں۔''

اس نے چٹکی بجائی تو ہال تاریک ہو گیا ہمیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی میں نے نائٹ ویژن موڈ کیا منظر ہلکی سبز روشنی میں دکھائی دینے لگا۔ یہ بہت اچھی کوالٹی کا نائٹ ویژن تھا کیونکہ میں اس صرف ہیولے نظر نہیں آ رہے تھے بلکہ ایک ایک چیز اپنی تفصیل کے ساتھ نمایاں تھی۔ اسی حساسیت کی وجہ سے یہ روشنی بہت زیادہ دکھاتا تھا اور کرنل نے اسی چیز سے خبردار کیا تھا۔ پھر اس نے ایک چھوٹا سا اسکرین والا آلہ دکھایا۔ ''یہ چالیس فٹ کے فاصلے تک کسی بھی زندہ اور متحرک چیز کی نشان دہی کر سکتا ہے۔ چاہے درمیان میں کوئی دیوار یا رکاوٹ ہی کیوں نہ ہو۔''

اس نے تجربہ کر کے دکھایا۔ کمرے سے باہر افراد اسکرین پر نقطے کی صورت میں دکھائی دینے لگے یہی نہیں ان کا فاصلہ بھی لکھا ہوا آ رہا تھا۔ کرنل نے کہا۔ ''اس کے چھ سیٹ ہیں اس لیے ہر ٹیم کو دو آلے دیئے جائیں گے۔''

وہاں ایک ٹیب نما آلہ بھی رکھا ہوا تھا یہ کسی زندہ چیز کی نشان دہی کرنے والے آلے سے خاصا بڑا تھا۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ کیا ہے؟''

کرنل نے اسے اٹھا کر آن کیا۔ ''یہ ڈیجیٹل کمپاس ہے۔ اس کے علاوہ یہ سمت بھی بتاتا ہے۔ اس نے اس کے ٹچ اسکرین مینو پر ایک بٹن چھوا تو اس پر تھری ڈی نقشہ ابھر آیا۔ یہ کنور پیلس کا مکمل نقشہ تھا اس میں تمام عمارتیں، ان کے اندر کے راستے اور مکانیت واضح تھی۔ اسکرین پر ایک کونے میں چھوٹی سی اسکرین الگ ہو رہی تھی۔ کرنل نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بتا رہی ہے کہ تم مجموعی نقشے میں کہاں ہو۔ چاہو تو اسے بڑا بھی کر سکتے ہو۔'' کرنل نے دو انگلیوں سے پھیلانے کا اشارہ کیا تو یہ چھوٹا نقشہ پوری اسکرین پر محیط ہو گیا۔ وہ کچھ دیر اس سے فنکشن سمجھاتا رہا۔ ''یہ بھی چھ ہیں اور ہر ٹیم کے پاس دو آلے ہوں گے۔''

''یہ میں لے جا رہا ہوں۔'' میں نے ڈیجیٹل کمپاس اٹھا لیا۔ کرنل نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور وہ دوسرے حصے کی طرف آیا۔ وہ بھی سمجھتا تھا کہ ہم پہلے سے اسے استعمال کر کے بعد میں اس سے بہتر کام لے سکتے تھے۔ اس نے اس حصے میں پھیلے آلات کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ حفاظتی، مواصلاتی اور خبردار کرنے والے آلات ہیں۔ یہ بلٹ پروف ہے اور سب پہنیں گے۔ یہ دس فٹ کے فاصلے سے چلائی جانے والی شاٹ گن کی گولی بھی روک سکتا ہے۔ یہ ریڈیو ہیڈ سیٹ ہیں۔ انہیں دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کانوں میں پہننا لازمی ہوگا اس کی وجہ میں ابھی بتاتا ہوں۔" کرنل نے لمبی نوز والے ایئرفون دکھائے ان کی ساخت ایسی تھی کہ یہ کان کے سوراخ میں فٹ ہو جاتے۔ باریک تار نکل کر ایک چھوٹے سے ریڈیو تک جا رہا تھا اسے جیکٹ پر سامنے والی جیب میں رکھا جا سکتا تھا۔ اس کے سامنے والے حصے کو چھونے سے مائیک کام کرتا تھا۔ پھر کرنل نے ایک چھوٹی سی سیٹی دکھائی۔ "اگر کسی وجہ سے ریڈیو خراب ہو جائے یا کام نہ کرے اور آس پاس کوئی دوسرا ساتھی نہ ہو تو پھنسنے والا اسے بجا کر دوسروں کو بتا سکتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔" کرنل نے ایک جدید قسم کا گیس ماسک اٹھایا۔ "یہ آنسو گیس سے لے کر اعصابی اور تمام زہریلی گیسوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ حملے کے بعد اسے لازمی استعمال کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہم باہر سے گیس والے گرینیڈ بھی فائر کریں گے۔ اسے پہنتے ہوئے خیال رہے کہ یہ پوری طرح منہ پر فٹ ہو اور کوئی خلا باقی نہ رہے۔"

میں کرنل کی باتوں کو ذہن نشین کر رہا تھا۔ بیتو کا انداز ذرا لاپروا تھا لیکن مجھے معلوم تھا اس کی یادداشت بہت اچھی ہے اور وہ مشکل سے ہی کوئی بات بھولتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس کی انگریزی معمولی سی تھی اور مجھے بعد میں اسے سب سمجھانا تھا۔ اس نے اٹھا کر سیٹی بجائی تو ایک بہت باریک، کریہہ اور کانوں کو چبھنے والی آواز آئی تھی اس نے گھبرا کر سیٹی واپس رکھ دی۔ کرنل مسکرایا۔ "اگر اسے زور سے بجایا جائے تو اس کی آواز ایک میل تک صاف سنائی دیتی ہے۔"

"اگر یہ کان سے لگے ہوں تب بھی اس سیٹی کی آواز سنائی دے گی؟" میں نے ایئرفون کی طرف اشارہ کیا۔

"بالکل یہ بہت ہائی پچ کی باریک آواز نکالتی ہے۔ اگر تم اسے کسی گھوڑے یا کتے کے سامنے بجاؤ تو وہ بدک جائے گا۔ کیونکہ ان کے لیے یہ آواز بہت زیادہ ہوگی۔ میرا خیال ہے تم یاد کر رہے ہو جو میں بتا رہا ہوں۔"

میں نے سر ہلایا۔ "اگر کوئی کسر رہ جائے گی تو ہم پریکٹس سے پوری کر لیں گے۔"

"کل تک میرے سارے آدمی آ جائیں گے اور فل ڈریس ریہرسل ہوگی۔"

"ہم ٹارگٹ پریکٹس بھی کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ بھی ہوگی..... تمام ہتھیار نئے ہیں ان کی آزمائش بھی لازمی ہوگی۔" اس نے کہا اور ہتھیاروں والے حصے کی طرف آیا۔ اس نے ایک چھوٹے دستے اور چھوٹی نال والی رائفل اٹھائی۔ "یہ دنیا کی جدید ترین اسالٹ رائفل ہے۔ اسے AK74U کہتے ہیں۔ کلاشنکوف کا ایک ورژن ہے۔ چھوٹی، ہلکے وزن کی، ایکوریٹ اور دور مار رائفل ہے۔ اس کی مار برسٹ موڈ پر ساڑھے تین سو گز اور سنگل موڈ پر پانچ سو گز ہے۔ پانچ سو گز بعد نشانے میں صرف ایک سینٹی میٹر کا فرق آتا ہے۔ اس پر یہ لیزر ٹارگیٹڈ پوڈ لگا ہے۔" کرنل نے رائفل کے اوپری حصے میں ایک ذرا ابھرے ہوئے حصے کی طرف اشارہ کیا۔ "لیزر کی حد چھ سو گز ہے۔ پینتالیس گولیوں کا میگزین لگتا ہے۔ ایک منٹ میں چھ سو راؤنڈز فائر کرتی ہے۔"

میں نے رائفل اٹھا کر دیکھی۔ رائفل کی لمبائی مشکل سے ڈھائی فٹ تھی اور اس کا دستہ اور نال سے نیچے ہاتھ سے پکڑنے والا حصہ جدید قسم کے فائبر سے بنا ہوا تھا یہ وزن میں ہلکا تھا اوپر لگا ہوا لیزر پوڈ بہت مختصر اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رائفل میں جڑا ہوا تھا۔ یقیناً میں یہ استعمال میں آسان تھی باقی خصوصیات کرنل نے بتا دی تھی۔ اس نے مزید کہا۔ ''ہم افغانستان میں ایم سولہ رائفل استعمال کرتے تھے لیکن یہ اس کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ جام نہیں ہوتی ہے اور نہ اس کی نال بہت جلد گرم ہوتی ہے۔''

میں نے اس کا میگزین نکالا پھر اس کا بولٹ کھسکایا۔ اس کا دستہ مختصر تھا اس لیے فکس تھا۔ ''تمام افراد کے پاس یہی ہوگی؟''

''نہیں ہمارے چھ افراد بھاری مشین گنیں اٹھائیں گے۔'' کرنل نے ایک بھاری مشین گن کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ امریکی ساختہ ایئر برسٹ اینگ گن ہے۔ ڈبل ایکشن بلٹ پمپ کی وجہ سے یہ بے انتہا فائر پاور رکھتی ہے۔''

یہ گن عام حصے سے الگ رکھی تھی۔ میں نے اسے اٹھا کر دیکھا رائفل کا وزن تو بہت زیادہ نہیں تھا مگر اس کے ساتھ گولیوں کا بڑا سا پوڈ لگا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ مجموعی وزن چھ سات کلوگرام ہو رہا تھا یقیناً اسے بہت طاقتور افراد ہی چلا سکتے تھے۔ کرنل نے اشارہ کیا۔ ''اس میں پونے دو سو بلٹ ہوتے ہیں۔''

چھوٹے ہتھیاروں میں بریٹا تھے یہ سروس پستول تھے جو عام طور سے آرمی افسران کو دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سولہ گولیوں کا میگزین لگتا تھا اور میں پہلے بھی اسے استعمال کر چکا تھا۔ اس کی مار زیادہ اور نشانہ اچھا ہوتا ہے۔ بھاری مشین گن کے ساتھ ایک چھوٹی اور موٹی نال والی گن رکھی تھی۔ اس کے پیچھے ریوالور جیسا بڑا سا گھومنے والا چیمبر تھا۔ اس کے اوپر بڑی اور خاصی جدید قسم کی دوربین فٹ تھی۔ کرنل نے اس کے بارے میں بتایا۔ ''یہ امریکی ساختہ ایم بتیس گرینیڈ لانچر ہے۔ دھماکہ خیز اور دھوئیں کے گرینیڈ فائر کر سکتا ہے۔ اس کی مار ایک ہزار گز ہے۔ یہ دو کلوگرام وزنی ہیٹ یا اسموک گرینیڈ فائر کر سکتا ہے۔ ایک وقت میں چھ راؤنڈ ہوتے ہیں جو دس سیکنڈ میں فائر کیے جا سکتے ہیں اور اسے ایک منٹ میں دوبارہ لوڈ کیا جا سکتا ہے۔ راستہ صاف کرنے کے لیے بے مثال چیز ہے۔ یہ بیس ملی میٹر موٹی فولادی چادر کو اڑا سکتا ہے۔''

''اسے بھی ماہر استعمال کرے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''بالکل اس کے بھی ماہر ہیں ہمارے پاس۔ ماہروں کی تعداد تین ہے اس لیے تین ہی لانچر لے جا سکتے ہیں۔'' کرنل نے سر ہلایا۔ ''تم نے آٹو میٹک اسنائپر گن کے بارے میں جو تجویز دی تھی وہ قابلِ عمل نہیں ہے اس میں کوئی بھی بھاری مشین گن نصب کی جا سکتی ہے لیکن اسے اے پی سی پر نصب کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اسے ریموٹ کنٹرول کیا جا سکتا ہے ہاں اسے آن آف کیا جا سکتا ہے۔''

باقی ہتھیاروں میں ہاتھ سے پھینکنے والے گرینیڈ، دھوئیں کے بم، چھوٹے فکس ہونے والے ٹائم بم ان پر دس سیکنڈ کا وقت مقرر ہوتا تھا۔ یہ کسی بھی سطح پر چپک سکتے تھے۔ ان پر تین بٹن لگے تھے جنہیں باری باری دبانے سے یہ ایکٹو ہو جاتے۔ ان کے ساتھ ایک باڈی اسپرے سائز اور شکل کی چیز رکھی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''وائس بم۔'' کرنل نے کہا اور اٹھا کر دکھایا۔ ''اس کا یہ کلپ کھینچ کر پھینک دو تو دس سیکنڈ بعد یہ ایسی آواز خارج کرتا ہے جو تیس میٹر کے دائرے میں کسی بھی شخص کا دماغ ماؤف کرنے کے لیے کافی ہے۔ تم لوگوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کانوں میں لگنے والے ائیرفون تمہیں اس بم کی آواز سے محفوظ رکھیں گے اس لیے ائیرفون لازمی پوری طرح لگے ہوں۔"

"واقعی کام کی چیز ہے کیونکہ اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا اور اس سے حفاظت کا خیال بھی کم ہی آئے گا۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں، دشمن بھی ہماری طرح کا انسان ہوتا ہے جو ہم سوچ سکتے ہیں وہی وہ بھی سوچ سکتا ہے۔" کرنل نے شانے اچکائے اور آگے بڑھا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ مکمل لباس معہ جوتوں اور دستانوں کے آویزاں کیا گیا تھا۔ یہ آرمی کمانڈوز اسٹائل کا لباس تھا۔ کرنل نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ "تم نے کنور پیلس کے گارڈز دیکھے ہیں یہ ان کی وردی سے کس حد تک مختلف ہے؟"

"بالکل مختلف ہے لیکن تاریکی میں اپنے پرائے کی پہچان کیسے ہوگی؟"

"یہ دیکھو۔" اس نے جیکٹ کے دونوں شانوں پر ابھرے ہوئے سیاہ دھات کی بنی دو ڈسکوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ہیٹ سنکر ہیں، جسم سے حرارت لے کر چھوڑیں گے۔ نائٹ ویژن سے یہ واضح نظر آئیں گے۔ دور بیٹھے اسنائپرز کو بھی۔ جن کے شانے پر یہ ہوں گے وہ اپنے ہوں گے اور باقی پرائے ہوں گے۔"

یہ اچھی ترکیب تھی اس سے اپنے پرائے کی شناخت بہت آسان ہوگئی تھی۔ خاص ہتھیاروں پر ایک بڑی رائفل اسٹینڈ پر کھڑی تھی۔ دیکھنے میں ہی یہ دور مار ہتھیار لگ رہا تھا۔ کرنل نے میری دلچسپی بھانپ لی۔ اس نے رائفل پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ "یہ بارہ اعشاریہ سات کیلی بار کی برٹش ساختہ اے ایس ففٹی اسنائپر رائفل ہے۔ مار اور درستگی میں دنیا کے کم ہتھیار اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس کی حد اٹھارہ سو میٹرز ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہمارے اسنائپرز کو زیادہ بلند اور زیادہ محفوظ مقامات پر ہونا چاہیے کیونکہ ہماری کامیابی کا بہت زیادہ انحصار ان پر ہوگا۔ کنور پیلس میں بھی اسنائپرز کی موجودگی عین ممکن ہے اور وہ ہمارے اسنائپرز کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ اس لیے اب ہمارے اسنائپرز بارہ سو سے پندرہ سو میٹرز کی دوری پر ہوں گے۔"

"یہ اچھا فیصلہ ہے۔" میں نے اس کی تائید کی۔

تمام ہتھیاروں کے ساتھ ان کا ایمونیشن بھی موجود تھا۔ سب سے آخر میں کرنل نے ایک لمبے پائپ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ جدید ترین روسی ساختہ مین فائر گائیڈڈ میزائل ہے۔ یہ تین کلومیٹرز کی حد میں کسی ٹینک، گاڑی یا چھوٹی عمارت کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"

"اس کی تباہ کاری کا دائرہ کار کتنا ہے؟"

"تقریباً بیس میٹرز کے دائرے میں ایک فٹ تک موٹی کوئی بھی کنکریٹ یا تیس ایم ایم کی دھاتی چادر محفوظ نہیں رہے گی۔"

"تب اسے بہت احتیاط سے استعمال کرنا ہوگا۔" میں نے فکرمندی سے کہا۔ "اپنے آدمیوں سے کہنا کہ اسے یقینی طور پر صرف راستے تباہ کرنے کے لیے استعمال کریں عمارت کے اسٹرکچر کو نقصان نہ ہو۔"

"تم بے فکر رہو اسے استعمال کرنے والے افراد ماہر ہیں اور پھر اس کا سسٹم اتنا جدید ہے کہ اگر کسی جگہ پین سے نصف انچ کا دائرہ بنا دیا جائے تو تین کلومیٹر دور بیٹھا آپریٹر ٹھیک اس دائرے پر میزائل مار سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

یہ بریفنگ تقریباً دو گھنٹے جاری رہی تھی۔ بیتو کو انگریزی کی زیادہ سمجھ نہیں تھی اس لیے وہ عملی طور پر ہتھیار دیکھ رہا تھا اور ہاتھوں میں لے کر سمجھ رہا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ بھوک اس کی برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ اس لیے میں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور جانے سے پہلے کرنل سے کہا۔

"آج شام تاریکی کے بعد ہم نارگٹ پریکٹس کرنا چاہتے ہیں۔"

"کھلے میں تو ممکن نہیں ہے لیکن یہاں ایک ریزمین پریکٹس ہال ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہم روشنیاں کم کر کے پریکٹس کریں گے۔" میں نے کہا۔ "ہاں یاد آیا تم نے منشی دل جی سے یقیناً کنور پیلس کے بارے میں ساری معلومات حاصل کر لی ہوں۔"

اس نے سر ہلایا۔ "تقریباً تمام اہم معلومات حاصل کر لی ہیں۔"

"پاور سپلائی کے بارے میں کیا معلوم کیا ہے؟"

"کنور پیلس کو مرکزی گرڈ سے لائن دی ہوئی ہے اس کا گرڈ اسٹیشن تک اپنا ہے۔ پہلے مرحلے میں لائن اُڑا دی جائے گی۔ دوسرے مرحلے میں ہم جنریٹر تباہ کریں گے وہ گرڈ اسٹیشن کے ساتھ ہے۔ اس کے باوجود ہر عمارت کے لیے یو پی ایس پاور بیک اَپ ہے۔ مکمل طور پر بند کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"بالکل ممکن ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "اس کی ایک آسان سی ترکیب ہے۔ ہر عمارت میں گھسنے والے سب سے پہلے کسی بھی ساکٹ میں تار ڈال کر اسے اُڑا دیں۔"

"تم نے اچھی تجویز دی ہے۔" وہ بولا۔ "یہ آسان سا کام ہے اور جب تک ساکٹ میں وائر رہے گی فیوز اڑتا رہے گا۔"

اور بیتو میٹنگ روم سے نکل رہے تھے کہ کرنل جیمز نے آواز دی۔ "شہباز ملک..... مجھے اس عورت کی تصویر چاہیے جسے ہم نکالنے جا رہے ہیں میرے ہر آدمی کو اس کی صورت سے واقفیت ہونی چاہیے تاکہ کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

میں نے سر ہلایا۔ "تصویر مل جائے گی..... تم اسے پرنٹ کروا لینا۔"

"یہ کام ہو جائے گا۔"

میں اور بیتو واپس آئے اور لنچ کا آرڈر دیا۔ میں نے کم کھایا تھا اور جلد اٹھ گیا۔ اسکائپ آن کر کے رابطہ کیا۔ سفیر آن لائن تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "سادی کے چہرے کی واضح تصویر بھیج دو۔"

"کیسے؟" سفیر نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اسکائپ سے بھی ٹرانسفر ہو جاتی ہے لیکن پہلے تصویر تو دیکھو۔ اگر نہیں ہے تو وسیم سے معلوم کرو۔"

"دس منٹ بعد کال کرنا۔" سفیر نے کہا۔

میں نے سارہ سے اپنے لیے کافی منگوائی اور دس منٹ بعد کال کی۔ سفیر نے کہا۔ "تصویر ہے وسیم کے پاس..... وہ مانی سے اسکین کرا رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عبداللہ کہاں ہے؟"

"وہ حویلی گیا ہوا ہے۔ دسیم کے آدمی آنا شروع ہو گئے ہیں۔" سفیر نے مطلع کیا اسی اثناء میں دسیم یو ایس بی لے آیا اور اس نے لگا کر اسکائپ سے فائل ٹرانسفر کی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ سادی کی بہت واضح تصویر تھی وہ حویلی کے پس منظر میں کھڑی تھی اور اس کے بال ہوا کے ساتھ اڑ رہے تھے۔ چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ تصویر لینے والا دسیم تھا۔ میں نے اسے محفوظ کر لیا اور پھر ان لوگوں کو آج کی میٹنگ کا مختصراً احوال سنا کر اسکائپ بند کر دیا۔ بیتو لنچ سے فارغ ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے آگاہ کیا۔ "شوبی آج سے ہمارا دو ختم ہو گیا ہے اور ڈاکٹر کہہ رہا ہے کہ زخم ٹھیک ہے۔ آج ہم نہائے گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن ہاتھ پر اتنا زور مت دینا کہ زخم متاثر ہو۔ ایک ہفتہ پورا ہو گیا ہے لیکن گولی کا زخم اتنی جلدی نہیں بھرتا ہے۔"

"ہم نے ہر طرح سے ہاتھ ہلا کر اور استعمال کر کے دیکھ لیا ہے ہم کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہو رہی ہے۔"

"آج ٹارگٹ پریکٹس کے بعد پھر ڈاکٹر کو دکھا لینا۔" میں نے کہا اور کرنل سے رابطہ کیا۔ "تصویر آ گئی ہے۔"

"بلوٹوتھ پر سی جے نام کا آئی فون سرچ کر کے اس پر بھیج دو۔"

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور یہیں بیٹھے بیٹھے سادی کی تصویر کرنل کے پاس پہنچ گئی اس نے مطلع کیا۔ "مل گئی ہے۔"

"مجھے فتح خان سے بات کرنی ہے۔"

"تین نمبر دبا دو اس پر کھان ملے گا۔"

میں نے تین نمبر دبایا تو فتح خان کی غور آواز آئی۔ "شہباز خانا..... اس وقت کیسے یاد کیا؟"

"تو پھر کس وقت یاد کروں..... ویسے سہ پہر کے تین بج رہے ہیں۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"فورا؟" اس نے ہچکچا کر پوچھا۔

"اگر تم مصروف ہو تو کچھ دیر بعد بھی مل سکتے ہو۔"

"بہت مصروف ہے..... آہ....." فتح خان نے کہتے ہوئے آہ بھری اور عقب سے آتی نسوانی ہنسی نے راز فاش کیا کہ مصروفیت کی نوعیت کیا تھی۔ میں نے وا کی ٹا کی بند کر دیا۔ بیتو نے کہا۔

"شوبی ہمارے ہاتھ میں خارش ہو رہا ہے اس کا مطلب ہے مار دھاڑ ہو گا اور ہم اس میں حصہ لے گا۔"

"ظاہر ہے نہ ہم کنور پیلس پر پھول برسانے جا رہے ہیں اور نہ وہ ہار پھول لے کر ہمارا استقبال کریں گے۔"

"شوبی ہم کو دیدی کا فکر ہے۔"

"مجھے بھی اس کی فکر ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ کنور پیلس کی مرکزی عمارت میں ہے۔"

"حملے سے پہلے تصدیق کرے گا کہ وہ وہاں ہے یا کہیں اور تو نہیں بھیج دیا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ تصدیق سفیر کر سکتا تھا۔ سادی نے بتایا تھا کہ وہ پیلس میں اپنے کمرے میں تھی اور وہاں اسے فون کی سہولت دی گئی تھی۔ اس سے براہ راست رابطہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم نہ تو اسے کوئی اشارہ دے سکتے تھے اور نہ کہہ سکتے تھے کہ وہ کسی ناگہانی صورت حال میں اپنے کمرے میں رہے۔ اسے تو خبر بھی نہیں تھی کہ اسے چھڑانے کے لیے ہم ہالی ووڈ کی مووی جیسا ایکشن کرنے جا رہے تھے۔ اس میں مار دھاڑ ہوتی اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون بچتا اور کون مارا جاتا۔ اگر سادی کو پتا چل جاتا تو وہ یقیناً مخالفت کرتی کیونکہ وہ اپنے لیے کسی کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ وہ تو میرے بارے میں کہہ رہی تھی کہ یہاں خطرہ تھا اور میں واپس پاکستان چلا جاؤں۔ مگر میں اس کی یہ بات نہیں مان سکتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد فتح خان آیا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی جو یقیناً ناوقت شراب و شباب سے شغل کا فطری نتیجہ تھا اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ اس نے بدمزگی سے کہا۔ ''شہباز خانا تم نے غلط وقت پر کال کیا..... میرا سارا مزہ خراب ہو گیا۔''

''کوئی بات نہیں یہاں یقیناً تم پر حرے کرنے کی کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ بعد میں تم حرے کو وہیں سے شروع کر سکتے ہو جہاں چھوڑا ہو گا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تم نے اپنے آدمیوں سے بات کی؟''

''ہاں میں نے ان کو بتا دیا ہے وہ تیاری کر رہا ہے کرنل کا آدمی ان کا تربیت کر رہا ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے، اس کا مطلب ہے تمہارے آدمی ہی میرے ساتھ ہوں گے؟''

''تم نے فرمائش کیا تو وہ پورا ہو گا نا..... میں نے بتایا تھا شاتمہارے لیے سب کرے گا۔''

''تم نے کہا تھا اس بار تم دل سے ساتھ نہیں ہو اس کی وجہ؟''

''ہم اس خنزیر کا بچہ کرنل زریسکی کے پیچھے تھا۔ ادھر شاصیب کا حکم آ گیا کہ انڈیا آؤ..... ہم اس کے پاس پہنچ گیا تھا پر کیا کرتا..... اسے چھوڑ کر ادھر آنا پڑا۔''

اب میری سمجھ میں آیا کہ فتح خان بیزار کیوں تھا۔ اس کی کرنل زریسکی سے ٹھن گئی تھی۔ میں نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ ''صرف یہی وجہ ہے یا کوئی بات اور بھی ہے؟''

''اور کیا بات ہو سکتا ہے؟''

''اس بار تم ڈیوڈ شا کے بعد دو نمبر نہیں ہو..... کرنل جیمز دو نمبر ہے۔''

اس کے چہرے پر ایک لمحے کو سختی آئی لیکن پھر اس نے لاپروائی سے شانے ہلائے۔ ''ہم کو اس کا پروا نہیں ہے..... شاصیب باس ہے وہ جسے چاہے دو نمبر بنائے اور جسے چاہے دس نمبر بنا دے۔'' کہتے ہوئے فتح خان کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی تھی۔

''اس مہم کے بعد تم واپس چلے جاؤ گے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ابھی مجھے یہاں رکنا ہے جب تک شاصیب جانے کا اجازت نہ دے۔''

میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا فتح خان کو ہمالیہ والی مہم میں بھی شامل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ کرنل جیمز اور اس کے آدمی بھی شامل ہوں۔ میں نے کہا۔ ''امید ہے منشی دل جی کے بارے میں جو طے ہوا تھا اس پر عمل کیا جا رہا ہو گا۔''

''تم اس کا فکر مت کرو۔ اب اس کا شاصیب سے رابطہ بھی نہیں ہے۔ وہ کرنل کے پاس ہے اور ابھی اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادھر اُدھر جانے کا اجازت بھی نہیں ہے۔"

"وہ بہت شاطر آدمی ہے اس نے بیک وقت دونوں کنوروں کو بے وقوف بنایا وہ دونوں اسے اپنا آدمی سمجھتے رہے جب کہ وہ صرف اپنے لئے کام کر رہا تھا۔ پھر پول کھلنے پر وہ ان کے ہاتھ نہیں آیا کامیابی سے وہاں سے فرار ہو گیا۔"

"چالاک سے چالاک آدمی بھی جب حالات کے شکنجے میں آتا ہے۔ تو کچھ نہیں کر سکتا۔ پھر اسے معلوم ہے ڈیوڈ شا کو دھوکا دینے کی صورت میں اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔" فتح خان نے سر ہلایا۔ "یہ بتاؤ تم کو کسی چیز کا ضرورت تو نہیں ہے۔"

"ابھی تک تو ایسی کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑی ہے جس کے لئے خاص طور سے تمہیں کہنا پڑے۔" میں نے کہا۔

"اِدھر بہت اچھا جم اور سوئمنگ پول بھی ہے اگر استعمال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔"

یہ اچھی خبر تھی۔ "کہاں ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" فتح خان بولا۔ جم اور پول والی عمارت اس عمارت کے عقب میں تھی اور اسی لئے مخصوص تھی۔ سوئمنگ پول بڑا نہیں تھا مگر تیراکی کے لئے کافی تھا موسم کی مناسبت سے اس میں گرم پانی تھا۔ جم میں تمام آلات اور مشینیں تھیں۔ یہاں تیراکی کے لئے زنانہ اور مردانہ دونوں طرح کے ملبوسات دستیاب تھے۔



اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
پندرھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ، ایوٹر تک، زنجیر آپنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل وفہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر وشر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار ورموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل وغارت گری، تباہی وبربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا منظور تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک ہیبتناک ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز ۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail:alimian_publications@yahoo.com

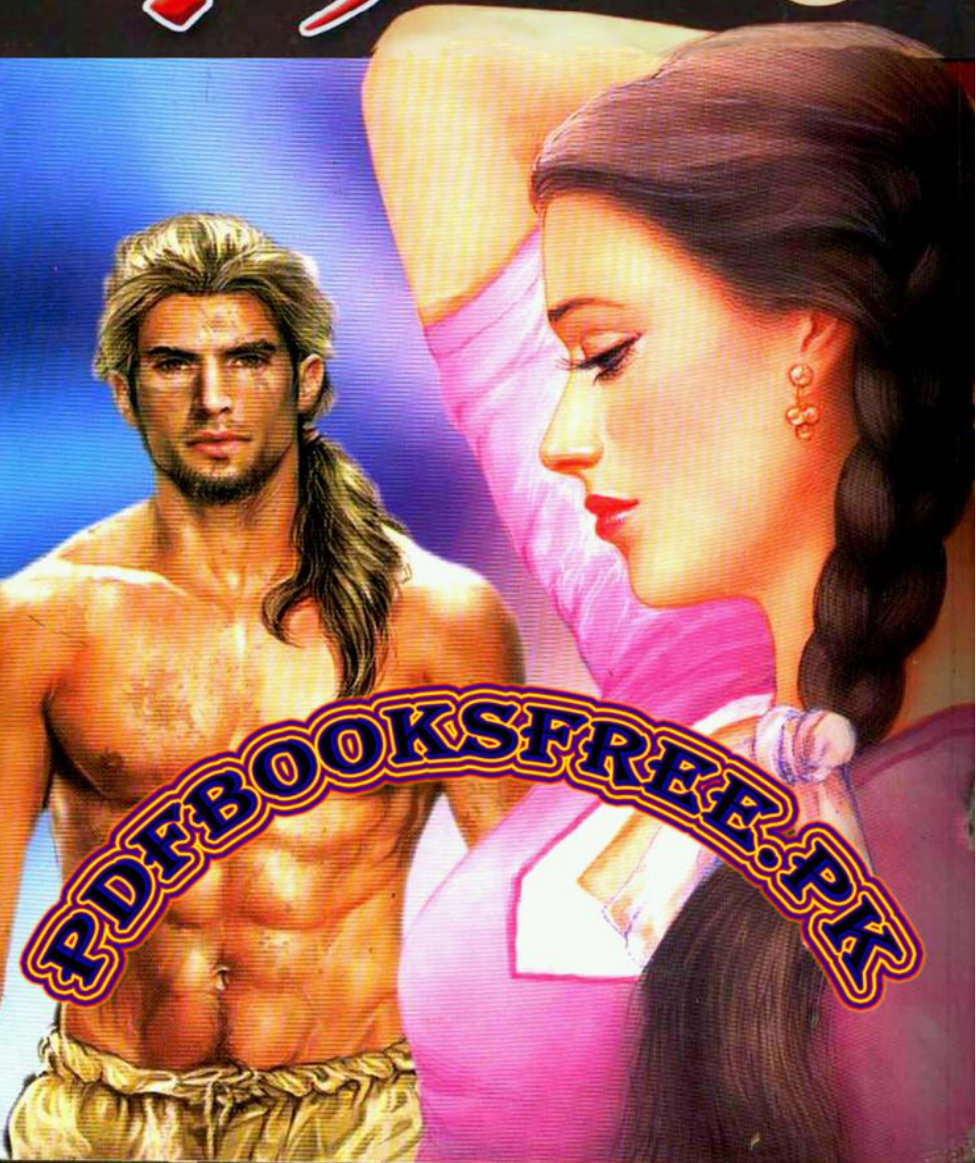
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

15



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

پندرہواں حصہ

کاشف زبیر

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر

ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 ONR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ بریفنگ تقریباً دو گھنٹے جاری رہی تھی۔ بیتو کو انگریزی کی زیادہ سمجھ نہیں تھی اس لئے وہ عملی طور پر ہتھیار دیکھ رہا تھا اور ہاتھوں میں لے کر سمجھ رہا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ بھوک اس کی برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ اس لئے میں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور جانے سے پہلے کرنل سے کہا۔

"آج شام تاریکی کے بعد ہم ٹارگٹ پریکٹس کرنا چاہتے ہیں۔"

"کھلے میں تو ممکن نہیں ہے لیکن یہاں ایک زیر زمین پرکٹس ہال ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہم روشنیاں کم کر کے پریکٹس کریں گے۔" میں نے کہا۔ "ہاں یاد آیا تم منشی دل جی سے یقیناً کنور پیلس کے بارے میں ساری معلومات حاصل کر لی ہوں گی۔"

اس نے سر ہلایا۔ "تقریباً تمام اہم معلومات حاصل کر لی ہیں۔"

"پاور سپلائی کے بارے میں کیا معلوم کیا ہے؟"

"کنور پیلس کو مرکزی گرڈ سے لائن دی ہوئی ہے اس کا گرڈ اسٹیشن تک اپنا ہے۔ پہلے مرحلے میں لائن اڑا دی جائے گی۔ دوسرے مرحلے میں اہم جنریٹر تباہ کریں گے وہ گرڈ اسٹیشن کے ساتھ ہے۔ اس کے باوجود ہر عمارت کے لئے یو پی اس پاور بیک اپ ہے۔ مکمل طور پر بند کرنا ناممکن ہے۔"

"بالکل ممکن ہے۔" میں نے سر ہلایا۔ "اس کی آسان سی ترکیب ہے۔ ہر عمارت میں گھسنے والے سب سے پہلے کسی ساکٹ میں تار ڈال کر اسے اڑا دیں۔"

"تم نے اچھی تجویز دی ہے۔" وہ بولا۔ "یہ آسان سا کام ہے اور جب تک ساکٹ میں وائر رہے گی فیوز اڑتا رہے گا۔"

میں اور بیتو میٹنگ روم سے نکل رہے تھے کہ کرنل جیمز نے آواز دی۔ "شہباز ملک..... مجھے اس عورت کی تصویر چاہئے جسے ہم نکالنے جا رہے ہیں میرے ہر آدمی کو اس کی صورت سے واقفیت ہونی چاہئے تاکہ کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

میں نے سر ہلایا۔ "تصویر مل جائے گی..... تم اسے پرنٹ کروا لینا۔"

"یہ کام ہو جائے گا۔"

میں اور بیتو واپس آئے اور لنچ کا آرڈر دیا۔ میں نے کم کھایا تھا اور جلد اٹھ گیا۔ اسکائپ آن کر کے رابطہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔ سفیر آن لائن تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''سادی کے چہرے کی واضح تصویر بھیج دو۔''

''کیسے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے اسکائپ سے بھی ٹرانسفر ہو جاتی ہے لیکن پہلے تصویر تو دیکھو۔ اگر نہیں ہے تو وسیم سے معلوم کرو۔''

''دس منٹ بعد کال کرنا۔'' سفیر نے کہا۔

میں نے ساریہ سے اپنے لیے کافی منگوائی اور دس منٹ بعد کال کی۔ سفیر نے کہا۔ ''تصویر ہے وسیم کے پاس..... وہ مانی سے اسکین کرا رہا ہے۔''

''عبداللہ کہاں ہے؟''

''وہ حویلی گیا ہوا ہے۔ وسیم کے آدمی آنا شروع ہو گئے ہیں۔'' سفیر نے مطلع کیا اسی اثناء میں وسیم یو ایس بی لے آیا اور اس نے لگا کر اسکائپ سے فائل ٹرانسفر کی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ سادی کی بہت واضح تصویر تھی وہ حویلی کے پس منظر میں کھڑی تھی اور اس کے بال ہوا کے ساتھ اڑ رہے تھے۔ چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ تصویر لینے والا وسیم تھا۔ میں نے اسے محفوظ کر لیا اور پھر ان لوگوں کو آج کی میٹنگ کا مختصر احوال سنا کر اسکائپ بند کر دیا۔ بیتو لنچ سے فارغ ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے آگاہ کیا۔ ''شوبی آج سے ہمارا دو ختم ہو گیا ہے اور ڈاکٹر کہہ رہا ہے کہ زخم ٹھیک ہے۔ آج ہم نہائے گا۔''

''ٹھیک ہے لیکن ہاتھ پر اتنا زور مت دینا کہ زخم متاثر ہو۔ ایک ہفتہ پورا ہو گیا ہے لیکن گولی کا زخم اتنی جلدی نہیں بھرتا ہے۔''

''ہم نے ہر طرح سے ہاتھ ہلا کر اور استعمال کر کے دیکھ لیا ہے ہم کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہو رہی ہے۔''

''آج ٹارگٹ پریکٹس کے بعد پھر ڈاکٹر کو دکھا لینا۔'' میں نے کہا اور کرنل سے رابطہ کیا۔ ''تصویر آ گئی ہے۔''

''بلوٹوتھ پر سی جے نام کا آئی فون سرچ کر کے اس پر بھیج دو۔''

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور یہیں بیٹھے بیٹھے سادی کی تصویر کرنل کے پاس پہنچ گئی اس نے مطلع کیا۔ ''مل گئی ہے۔''

''مجھے فتح خان سے بات کرنی ہے۔''

''تین نمبر دباؤ اس پر کھان ملے گا۔''

میں نے تین نمبر دبایا تو فتح خان کی مخمور آواز آئی۔ ''شہباز خانا..... اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''تو پھر کس وقت یاد کروں..... ویسے سہ پہر کے تین بج رہے ہیں۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''فوراً؟'' اس نے ہچکچا کر پوچھا۔

''اگر تم مصروف ہو تو کچھ دیر بعد بھی مل سکتے ہو۔''

''بہت مصروف ہے..... آہ.....'' فتح خان نے کہتے ہوئے آہ بھری اور عقب سے آتی نسوانی ہنسی نے راز فاش کیا کہ مصروفیت کی نوعیت کیا تھی۔ میں نے وا کی ٹا کی بند کر دیا۔ بیتو نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی ہمارا ہاتھ میں خارش ہو رہا ہے اس کا مطلب ہے مار دھاڑ ہوگا اور ہم اس میں حصہ لے گا۔''

''ظاہر ہے نہ ہم کنور پیلس پر پھول برسانے جا رہے ہیں اور نہ وہ ہار پھول لے کر ہمارا استقبال کریں گے۔''

''شوبی ہم کو دیدی کا فکر ہے۔''

''مجھے بھی اس کی فکر ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ کنور پیلس کی مرکزی عمارت میں ہے۔''

''حملے سے پہلے تصدیق کرے گا کہ وہ وہاں ہے یا کہیں اور تو نہیں بھیج دیا ہے۔''

یہ تصدیق سفیر کر سکتا تھا۔ ساوی نے بتایا تھا کہ وہ پیلس میں اپنے کمرے میں تھی اور وہاں اسے فون کی سہولت دی گئی تھی۔ اس سے براہِ راست رابطہ کیا جا سکتا تھا لیکن ہم نہ تو اسے کوئی اشارہ دے سکتے تھے اور نہ کہہ سکتے تھے کہ وہ کسی ناگہانی صورتِ حال میں اپنے کمرے میں رہے۔ اسے تو خبر بھی نہیں تھی کہ اسے چھڑانے کے لیے ہم ہالی ووڈ کی موویز جیسا ایکشن کرنے جا رہے تھے۔ اس میں مار دھاڑ ہوتی اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون بچتا اور کون مارا جاتا۔ اگر سادی کو پتا چل جاتا تو وہ یقیناً مخالفت کرتی کیونکہ وہ اپنے لیے کسی کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ وہ تو میرے بارے میں کہہ رہی تھی کہ یہاں خطرہ تھا اور میں واپس پاکستان چلا جاؤں۔ مگر میں اس کی یہ بات نہیں مان سکتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد فتح خان آیا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی جو یقیناً ناوقت شراب و شباب سے شغل کا فطری نتیجہ تھا اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ اس نے بدمزگی سے کہا۔ ''شہباز خانا تم نے غلط وقت پر کال کیا..... میرا سارا مزہ خراب ہو گیا۔''

''کوئی بات نہیں یہاں یقیناً تم پر مزے کرنے کی کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ بعد میں تم مزے کو وہیں سے شروع کر سکتے ہو جہاں چھوڑا ہوگا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''تم نے اپنے آدمیوں سے بات کی؟''

''ہاں میں نے ان کو بتا دیا ہے وہ تیاری کر رہا ہے کرنل کا آدمی ان کا تربیت کر رہا ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے، اس کا مطلب ہے تمہارے آدمی ہی میرے ساتھ ہوں گے؟''

''تم نے فرمائش کیا تو وہ پورا ہوگا نا..... میں نے بتایا تھا شا تمہارے لیے سب کرے گا۔''

''تم نے کہا تھا اس بار تم دل سے ساتھ نہیں ہو..... اس کی وجہ؟''

''ہم اس خنزیر کا بچہ کرنل زریسکی کے پیچھے تھا۔ اُدھر شاصیب کا حکم آ گیا کہ انڈیا آؤ..... ہم اس کے پاس پہنچ گیا تھا پر کیا کرتا..... اسے چھوڑ کر اِدھر آنا پڑا۔''

اب میری سمجھ میں آیا کہ فتح خان بیزار کیوں تھا۔ اس کی کرنل زریسکی سے ٹھن گئی تھی۔ میں نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ ''صرف یہی وجہ ہے یا کوئی بات اور بھی ہے؟''

''اور کیا بات ہو سکتا ہے؟''

''اس بار تم ڈیوڈ شا کے بعد دو نمبر نہیں ہو..... کرنل جیمز دو نمبر ہے۔''

اس کے چہرے پر ایک لمحے کو سختی آئی لیکن پھر اس نے لاپروائی سے شانے ہلائے۔ ''ہم کو اس کا پروا نہیں ہے..... شاصیب باس ہے وہ جسے چاہے دو نمبر بنائے اور جسے چاہے دس نمبر بنا دے۔'' کہتے ہوئے فتح خان کے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس مہم کے بعد تم واپس چلے جاؤ گے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔''ابھی مجھے یہاں رکنا ہے جب تک شاصیب جانے کا اجازت نہ دے۔''

میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شافع خان کو ہمالیہ والی مہم میں بھی شامل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ کرنل جیمز اور اس کے آدمی بھی شامل ہوں۔ میں نے کہا۔''امید ہے منشی دل جی کے بارے میں جو حلیہ ہوا تھا اس پر عمل کیا جا رہا ہوگا۔''

''تم اس کا فکر مت کرو۔ اب اس کا شاصیب سے رابطہ بھی نہیں ہے۔ وہ کرنل کے پاس ہے اور ابھی اسے اِدھر اُدھر جانے کا اجازت بھی نہیں ہے۔''

''وہ بہت شاطر آدمی ہے اس نے بیک وقت دونوں کنوروں کو بے وقوف بنایا اور دونوں اسے اپنا آدمی سمجھتے رہے جب کہ وہ صرف اپنے لیے کام کر رہا تھا۔ پھر پول کھلنے پر وہ ان کے ہاتھ نہیں آیا کامیابی سے وہاں سے فرار ہو گیا۔''

''چالاک سے چالاک آدمی بھی جب حالات کا شکنجے میں آتا ہے تو کچھ نہیں کر سکتا۔ پھر اسے معلوم ہے ڈیوڈ شا کو دھوکا دینے کی صورت میں اس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔'' فتح خان نے سر ہلایا۔''یہ بتاؤ تم کو کسی چیز کا ضرورت تو نہیں ہے۔''

''ابھی تک تو ایسی کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑی ہے جس کے لیے خاص طور سے تمہیں کہنا پڑے۔'' میں نے کہا۔

''اِدھر بہت اچھا جم اور سوئمنگ پول بھی ہے اگر استعمال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔''

یہ اچھی خبر تھی۔''کہاں ہے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' فتح خان بولا۔ جم اور پول والی عمارت اس عمارت کے عقب میں تھی اور اسی لیے مخصوص تھی۔ سوئمنگ پول بڑا نہیں تھا مگر تیراکی کے لیے کافی تھا موسم کی مناسبت سے اس میں گرم پانی تھا۔ جم میں تمام آلات اور مشینیں تھیں۔ یہاں تیراکی کے لیے زنانہ اور مردانہ دونوں طرح کے ملبوسات دستیاب تھے۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک گھنٹے تک سوئمنگ کر کے میں واپس آیا تو خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ اس دوران میں بیتو بھی نہا دھو کر تازہ دم ہو گیا تھا خاصے دن بعد اسے مکمل باتھ کا موقع ملا تھا اس لیے خوش تھا۔

''شوبی ہمارا وزن ایک کلو کم ہوا ہے؟''

''وہ کیسے؟''

''اتنا میل اترا ہے۔'' اس نے انکشاف کیا۔

''حالانکہ تم اس حالت میں بھی نہاتے دھوتے رہے ہو زخم بچا کر۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔''تیار ہو جاؤ کچھ دیر میں تاریکی ہو جائے گی تو ہمیں جانا ہوگا۔''

''شوبی پہلے چائے نہ پی لے۔''

''پی لو۔'' میں نے کہا تو اس نے ساریہ کو بلایا۔ چائے تو ایسے ہی تھی اصل میں اس نے ریفریشمنٹ کا آرڈر دیا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ اس عمر میں، مَیں ہمہ وقت تو کھانے کے چکر میں نہیں ہوتا تھا لیکن کچھ بھی اور کتنا بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مالیتا سب ہضم ہو جاتا تھا۔ چند گھنٹے بعد پھر سے کھانے کو تیار ہوتا تھا۔ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے اور بیتو کو شوق بھی ۔ مانی اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔ بیتو کی صحت پھر بھی اچھی تھی مانی نازک اندام نوجوان تھا۔ اسے دیکھ کر ل نہیں پتا چلتا تھا کہ وہ اتنا کھاتا ہوگا۔ چائے اور دوسرے لوازمات سے نمٹتے ہوئے باہر تاریکی چھا گئی تھی۔ ا سے پہلے میں کرنل کو کال کرتا اس کی کال آ گئی۔ ''شہباز میں باہر تمہارا منتظر ہوں۔''

''ہم آتے ہیں۔'' میں نے کہا اور بیتو کو اشارہ کیا تو وہ بادلِ ناخواستہ کچوری کی پلیٹ چھوڑ کر اٹھا تھا۔ لٹ پریکٹس کے لیے ریج اس عمارت کے نیچے تہہ خانے میں تھی جہاں ڈیوڈ شا ہوتا تھا۔ تہہ خانہ تقریباً پوری ت کے برابر تھا۔ یہاں شوٹنگ کے مکمل انتظامات تھے۔ مختلف طرح کے ٹارگٹس تھے اور ان میں حرکت نے والے ٹارگٹس بھی تھے۔ ہتھیاروں کی مکمل رینج تھی۔ کیونکہ جگہ بند تھی اس لیے آواز بہت زیادہ گونجتی اور گونج سے کانوں کو بچانے کے لیے ہیڈ فون جیسے آلے تھے جو کانوں کو مکمل طور پر ڈھک لیتے تھے۔ ان سے ں کو شور برداشت کرنے کی زحمت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ یہاں وہ دونوں ہتھیار تھے جو ہمیں ملتے یعنی رائفل پستول۔ اس کے علاوہ ہینڈ گرینیڈز اسموک بم اور وائس بم ملتے مگر ان کی پریکٹس نہیں کی جا سکتی تھی۔ میرا نشانہ ل سے اچھا تھا اور رائفل سے اتنا اچھا نہیں تھا اس لیے میں نے پستول منتخب کیا۔ بیتو نے رائفل منتخب کی۔ ں نے کہا۔

''برسٹ تین سیکنڈ سے زیادہ کا نہ ہو ورنہ رائفل کے جام ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے جب برسٹ ذ ذہن میں گنتی بھی گنو۔''

میں نے بیتو کو سمجھایا تو اس نے سر ہلایا۔ ''ہم وسیم بھائی سے سب سیکھ چکا ہے اس کو بولو اپنا منہ بند ے۔''

''یہ مشن کمانڈر ہے۔'' میں نے یاد دلایا۔

''ہوگا۔'' بیتو نے بے نیازی سے کہا اور رائفل کو سنگل موڈ پر کر کے اس نے ایک ٹارگٹ پر لگاتار فائر ۔ کرنل کے ساتھ میں بھی حیران رہ گیا جب تمام گولیاں ٹارگٹ کے سر اور سینے پر لگیں۔ کرنل نے بے ساختہ

''ایکسی لنٹ ینگ مین۔''

بیتو نے مختلف انداز میں فائرنگ کی مشق کی۔ گھوم کر زمین پر قلابازی کھا کر اور زمین پر گر کر..... یہ تمام ں سے مقابلے کے دوران پیش آنے والی صورتِ حال کے مطابق حرکات تھیں۔ جب بہت تیز حرکت اور دوران میں درست نشانہ ہی آپ کو بچاتا ہے۔ سستی یا غلط نشانے دونوں کی سزا عام طور سے موت کی صورت تی ہے۔ بیتو کے بیشتر نشانے درست لگے تھے۔ پھر اس نے پستول سے نشانے بازی کا مظاہرہ کیا۔ اس بار س کے نوے فیصد سے زیادہ نشانے درست لگے تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے اتنا کچھ سیکھ لیا۔ کرنل ری طرف دیکھا۔ ''اسے کچھ سکھانے کی ضرورت نہیں ہے یہ تمام ٹیکٹر جانتا ہے۔''

''یہ سب تو مجھے بھی نہیں آتا ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''لڑکا بہت شارپ شوٹر ہے۔'' کرنل نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو بہت تیزی سے گرا اور اٹھ رہا تھا مجھے خدشہ ہونے لگا کہ اس کے زخم کو ٹھیس نہ لگے۔ مگر میں نے اسے ٹوکا نہیں۔ ہم تقریباً دو گھنٹے تک اپنے ہتھیار اور نشانے آزماتے رہے تھے۔ میں نے زندگی میں کبھی اتنی گولیاں مشق کے دوران نہیں چلائی تھیں جتنی اس دن چلائی تھیں۔ مجموعی طور پر دو سو سے زائد فائر کیے تھے۔ کرنل کچھ دیر ہمارے ساتھ رہا تھا پھر وہ چلا گیا۔ اس کے کچھ آدمی آ گئے تھے اور اس نے انہیں بریف کرنا تھا۔ باقی اگلی صبح پہنچ جاتے۔ کرنل کے جانے کے بعد بیتو نے کہا۔ ''شوبی اس گورے کا انداز ایسا ہے جیسے ہم کو کچھ نہیں آتا ہے۔''

''اب نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے تو مجھے حیران کر دیا ہے تمہارا نشانہ اتنا اچھا ہے اور تم تو باقاعدہ کمانڈو اسٹائل میں گن استعمال کر رہے ہو۔''

''سب وسیم بھائی نے سکھایا ہے پھر ہم کو بہت سارا گن چلانا سکھایا جو نہیں تھا وہ انٹرنیٹ سے نکال کر اور اس کا ویڈیو کی مدد سے بتایا کہ یہ کیسے چلتا ہے۔ ادھر میز پر جو ہتھیار رکھا تھا وہ سب ہم کو چلانا آتا ہے۔ بس میزائل چلانا نہیں آتا۔''

''وہ بھی مشکل نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

دو گھنٹے کی مشق نے میرا نشانہ بہت بہتر کر دیا تھا۔ بیتو نے بھی اچھی خاصی مشق کر لی تھی۔ ہم باہر نکلے تو تہہ خانے کے دروازے پر ایک خادمہ موجود تھی۔ بہ ظاہر وہ ہماری خدمت گزاری کے لیے تھی لیکن اصل میں اسے اس لیے تعینات کیا گیا تھا کہ ہم اس عمارت میں مٹرگشت کی کوشش نہ کریں اور مشق کر کے یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ ہم اس کے ساتھ دروازے تک آئے اور باہر نکلے تھے کہ منشی دل جی سے سامنا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر اس کا منہ بگڑ گیا تھا۔ کیونکہ اب وہ کنوروں کی منشی گیری نہیں کر رہا تھا اس لیے اسے ظاہری اخلاق برتنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے افسوس سے کہا۔ ''تم اصل میں منشی گیری کے قابل ہو۔ بالکل بنیا ذہنیت ہے تمہاری..... راجپوت کہیں سے نہیں لگتے۔''

''شہباز جی آپ کچھ زیادہ ہی بول رہے ہیں۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''آپ جانتے ہیں میں شروع سے زیادہ بولنے کا عادی ہوں۔ آیئے ذرا چہل قدمی ہو جائے۔''

ایک لمحے کو ایسا لگا جیسے وہ انکار کر دے گا۔ مگر پھر اس نے سر ہلایا اور ہمارے ساتھ ہو لیا۔ بیتو نے محسوس کیا کہ اس کی موجودگی ضروری نہیں تھی اس لیے وہ اجازت لے کر چلا گیا۔ میں اور منشی دل جی لان کی پختہ روش پر ٹہل رہے تھے جس کے دونوں طرف موت تھی۔ صرف ایک قدم رکھنے کی دیر ہوتی اندھی گولی آ کر کام تمام کر دیتی۔ بیتو کے جانے کے بعد میں نے کہا۔ ''منشی جی..... میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ کے ارادے کیا ہیں اور ڈیوڈ شانک آپ کی رسائی کیسے ہوئی؟..... البتہ یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کنوروں کی جاگیر پر قبضے کے سلسلے میں اتنے پُرامید کیوں ہیں؟''

میرے سوال پر وہ چونکا اور پھر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ان دونوں بھائیوں کے بعد میں ہی واحد مرد بچتا ہوں۔ ظاہر ہے میں ہی جاگیر کا مالک ہوں گا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر کنوروں کی دونوں بہنوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی راج کنور کی اولاد ہے۔ بے شک وہ ابھی بچے ہیں لیکن ان کا حق بنتا ہے تم کس کھاتے میں آتے ہو یہ میں سمجھ نہیں پا رہا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو مہاشے جی.....''

''مجھے فضول اور مکارانہ ناموں سے پکارنے کے بجائے میرا نام لو۔'' میں نے اسے ٹوک دیا۔

''ٹھیک ہے شہباز جی.....تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''منشی جی یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی ہے کہ کئی قریبی اور قانونی وارثوں کے ہوتے ہوئے بھی تم جاگیر پر کیسے قبضہ کرلو گے۔ کم سے کم قانونی لحاظ سے یہ ممکن نظر نہیں آتا ہے۔ جب کہ تم نے ڈیوڈ شا سے کہا ہے کہ تم جاگیر پر قبضے کے بدلے اس کی مدد کر رہے ہو۔ مجھے تو لگ رہا ہے تم اسے بھی دھوکا دے رہے ہو۔''

منشی دل جی کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی تھی۔ ''تمہیں کیا دلچسپی ہے اس سے؟''

''جلد تمہیں پتا چل گا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے لگ رہا ہے تم کسی اور چکر میں ہو۔''

''اگر میں کسی اور چکر میں ہوں تو تمہیں کیا؟''

''منشی جی مجھے یہ ہے کہ تمہاری وجہ سے اگر میرے کسی کام میں رخنہ پڑا تو تمہارا نام بھی میرے دشمنوں میں شامل ہو جائے گا اور دشمن مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے میری کوشش ہے کہ کوئی میرا دشمن باقی نہ رہے یا تو وہ انسان کا بچہ بن جائے یا پھر اس دنیا میں نہ رہے میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''فکر مت کرو میں تمہارے کام میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا۔'' اس نے کہا اور پلٹ کر اس عمارت کی طرف چلا گیا۔ میں فکر مند ہو گیا کیونکہ فتح خان نے مجھے یقین دلایا تھا کہ منشی جی اب کرنل کی تحویل میں ہے اور وہ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ لیکن وہ آزادی سے گھوم رہا تھا اور اس عمارت میں جا رہا تھا جس میں ڈیوڈ شا مقیم تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ منشی دل جی صرف ایک آلہ کار کے طور پر ان لوگوں کے ساتھ شامل نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا کچھ اور مقصد بھی تھا۔ آج کے دور میں وارثوں کے ہوتے ہوئے کسی کی دولت اور جائیداد پر قابض ہو جانا آسان کام نہیں تھا۔ یہ بات بھی قابلِ ہضم نہیں تھی کہ منشی صرف کنوروں سے انتقام لینے کے لیے ڈیوڈ شا سے ملا تھا جب کہ ڈیوڈ شا میرے ساتھ کٹ مٹ کر چکا تھا کہ دونوں کنوروں پر میرا اختیار ہوگا۔ ہو سکتا تھا میں ان کے ساتھ کچھ رعایت کر دیتا لیکن منشی انہیں ایک لمحہ زندہ رہنے کی اجازت نہ دیتا۔ میں واپس آیا تو بیتو کسی سوچ میں گم تھا۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو برخوردار؟''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''شوبی..... یہ منشی کنوروں کا دشمن ہے؟''

''ایسا ویسا اس کا بس چلتا تو انہیں اب تک جہنم رسید کر چکا ہوتا۔''

''تب آپ خود کیوں مانگ رہا ہے اس پر چھوڑ دو؟''

میں بیتو کا مطلب سمجھ گیا وہ کہہ رہا تھا کہ میں کنوروں کو مانگنے کے بجائے ان کی قسمت کا فیصلہ منشی اور ڈیوڈ شا پر چھوڑ دوں۔ لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ایسا کر کے میں غلطی کروں گا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ منشی جی خالص انتقام یا جاگیر پر قبضے کے لیے ڈیوڈ شا کے ساتھ ہے تو شاید میں اس چیز سے دست بردار ہو کر کنوروں کا انجام ان لوگوں پر چھوڑ دیتا۔ مگر مجھے یقین نہیں تھا کہ اس کی یہی نیت ہے مجھے لگ رہا تھا کہ اصل چکر کچھ اور ہے۔ یہ بات میں یہاں کھل کر نہیں کہہ سکتا تھا اس لیے میں نے بیتو سے کہا۔ ''وہ ہمارے مجرم ہیں اس لیے ان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قسمت کا فیصلہ بھی ہم کریں گے۔"

"شوبی کیا منشی ہمارے ساتھ جائے گا؟"

اگرچہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ منشی دل جی ہمارے ساتھ جائے گا یا نہیں، مگر میں نے اپنے طور پر سوچ لیا تھا کہ منشی نہیں جائے گا اس کا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ اس کی طرف سے مہیا کیے جانے والے آدمی باہر رہ کر مدد کرتے۔ میں ان میں سے کسی کو پہلے ہی لے جانے سے انکار کر چکا تھا۔ مجھے اس بارے میں مکمل معلومات حاصل نہیں تھیں۔ میں نے کرنل سے رابطہ کیا۔ "منشی دل جی اور اس کے آدمی اس مشن کے دوران کہاں ہوں گے؟"

"آف کورس..... آؤٹ سائیڈ پیلس۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا اس کی موجودگی ضروری ہے؟"

"ہاں اپنے آدمیوں کو وہی کنٹرول کرے گا۔"

"کیا مطلب وہ تمہاری کمانڈ میں نہیں ہوں گے؟"

"منشی میری کمانڈ میں ہوگا اس لیے وہ بھی میری کمانڈ میں ہوں گے میرا حکم منشی کے توسط سے پہنچے گا۔ یہاں زبان کا مسئلہ ہے۔"

"اس کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"دو درجن آدمی ہیں۔ وہ پورا علاقہ بند کر دیں گے اگر اس دوران میں کوئی پولیس پارٹی آ گئی تو وہی اس سے نمٹیں گے۔" کرنل نے کہا پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ "مسٹر ملک میرا ایک مشورہ ہے..... یہاں نیٹ کا استعمال کم سے کم کرو۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟"

"ہاں اور میں پہلے ہی اس پر عمل کر رہا ہوں۔"

"شملہ ایک حساس جگہ ہے اور پاکستان کے لیے نیٹ ٹریفکنگ مقامی حکام کو چوکنا کر سکتی ہے۔"

کرنل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ شروع میں، میں بہت محتاط تھا۔ مگر ہم پاکستانیوں کی عادت ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم ریلیکس ہو جاتے ہیں اور لاپروا ہو جاتے ہیں۔ میں بھی لاپروائی کر رہا تھا جب کہ مجھے زیادہ محتاط رہنا چاہیے تھا دشمن کو کمزور سمجھنے والا ہمیشہ احمق ہوتا ہے۔ میں نے کرنل سے کہا۔ "اگر یہاں کوئی غیر متوقع صورت حال پیش آتی ہے تو تمہارے پاس کوئی حفاظتی میکنزم ہے؟"

"کیسی صورت حال؟"

"مقامی حکام چڑھ دوڑتے ہیں اس صورت میں ہم کیا کریں گے؟"

"تم اس کی فکر مت کرو۔ ایسی کسی صورت میں ہمیں پہلے سے پتا چل جائے گا اور ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"ایک مشورہ میرا بھی ہے۔" میں نے کہا۔ "وائی ٹا کی کا استعمال کم سے کم کرو..... بے شک یہ بہت جدید ہوں گے اور ان کی فریکوئنسی پکڑنا مشکل ہوگا لیکن ناممکن نہیں ہے۔ آج کل ریڈیو سے متعلق آلات بہت جدید ہو گئے ہیں۔ بچے بھی ان کی مدد سے آس پاس کی نشریات پکڑتے ہیں۔ خاص طور سے وہ کارڈ لیس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نشریات پکڑ کر لوگوں کی نجی گفتگو سنتے ہیں۔''

اس بار کرنل نے میری بات تسلیم کی اور واکی ٹاکی بند کر دیا۔ سار یہ دستک دے کر اندر آئی اس نے ڈنر کا پوچھا۔ کیونکہ ہمیں اپنے کمرے میں ڈنر کرنا تھا اس لیے ہم نے اپنی پسند کی چیزیں بتائیں۔ آدھے گھنٹے میں ڈنر آ گیا تھا۔ مجھے بھوک خاصی لگ رہی تھی لیکن اس بار بھی میں نے ہاتھ ہلکا رکھا۔ خوراک کی زیادتی جسم کو سست کرتی ہے اور اس کی کمی انسان کو چست رکھتی ہے اس مشن کے دوران میں مکمل طور پر چست رہنا تھا اس لیے میں نے ابھی سے خوراک کم کر دی تھی۔ بیتو نے نوٹ کر لیا۔ ''شوبی کیا بات ہے آپ دو دن سے کم کھا رہا ہے؟''

میں نے اسے اپنا نکتہ نظر بتایا تو اس نے ہاتھ روک لیا۔ ''تب تو ہم کو بھی کم کھانا چاہیے۔''

''تمہیں فرق نہیں پڑے گا۔ ایک تو تم نوعمر ہو، اس عمر میں آدمی جو کھالے اور جتنا کھالے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ دوسرے تمہارا خون ضائع ہوا ہے اور زخم تقریباً بھرا ہے تمہیں خوراک کی زیادہ ضرورت ہے اس لیے دبا کر کھاؤ۔''

بیتو خوش ہو گیا۔ ''تب ٹھیک ہے۔''

کھانے کے بعد میں نے چہل قدمی کی۔ پھر شاور لیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ زندگی کا ایک چکر بن گیا تھا جب تک آزاد رہتا۔ کھانے اور آرام کا موقع کم ملتا تھا۔ بھاگ دوڑ اور ہنگامہ آرائیاں زیادہ ہوتی تھیں۔ آرام اور ٹھیک سے کھانے کا موقع دشمن کی قید میں ملتا تھا۔ اگلی ہنگامہ آرائیوں کے لیے جسم کی بیٹری چارج ہو جاتی تھی۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ کنور پیلس سے چھٹکارے کے بعد چند دن بہت سخت اور بے آرام گزرے تھے۔ ہمالیہ ہوٹل جیسی جگہ قیام کا بھی فائدہ مند نہیں ہوا تھا اور آخری دو دن تو بہت سخت گزرے تھے۔ مگر ڈیوڈ شا کی مدد میں آنے کے بعد میں آرام کر رہا تھا۔ میری سب سے بڑی ٹینشن کا حل نظر آنے لگا تھا اس لیے ذہنی طور پر بھی سکون سے تھا۔ اس سکون کا اثر مجھ پر ہوا تھا۔ پہلے جو چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں کے گرد حلقے آ گئے تھے۔ دو دن کے آرام سے ٹھیک ہو گئے تھے۔ مجھ سے زیادہ بیتو پر اثر ہوا تھا۔ اس کا زخم اسی وجہ سے بہت تیزی سے بھر گیا تھا ورنہ بھاگ دوڑ اور بے آرامی میں یہ اتنی آسانی سے نہ بھرتا۔

عام زندگی میں بھی بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو بہت کم آرام کرتے ہیں وہ اپنے کام میں بہت زیادہ لگے ہوتے ہیں۔ اتنا زیادہ کہ کھانے، پینے اور سونے کا ہوش بھی نہیں ہوتا۔ قدرت نے ہر آدمی کے لیے توازن رکھا ہوا ہے کہ اسے ساری زندگی میں وہ سب کرنا ہے جو ایک آدمی کا مقدر ہوتا ہے لیکن وہ اپنے طور پر بعض چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے جیسے آرام اور کھانے پینے کو، تو قدرت ایسے لوگوں کو دوسرے طریقے سے آرام کا موقع دیتی ہے۔ وہ اچانک بیمار پڑ جاتے ہیں یا کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے اور وہ بستر تک محدود ہو جاتے ہیں۔ یوں اپنے مقدر کا آرام حاصل کرتے ہیں۔ میرے لیے دشمن کی قید ایسا ہی مقدر تھی جس میں میں اپنے حصے کا آرام حاصل کرتا تھا۔

کئی دن سے وقت پر کھانا پینا اور سونا جاگنا ہو رہا تھا۔ ورنہ پوری روٹین ڈسٹرب ہوتی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ سرے سے کوئی روٹین ہی نہیں ہوتی تھی۔ جب موقع ملا کھالیا اور جب موقع ملا تو سو لیے۔ میں نیند میں تھا اور اچانک میری آنکھ کھلی تو مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیوں کھلی ہے مگر اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلند نہیں تھی مگر انداز عجلت والا تھا۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ تین بج رہے تھے۔ جیتو خراٹے لے رہا تھا۔ البتہ یہ خراٹے نیند شکن نہیں تھے۔ میں اٹھ کر دروازے تک آیا۔ ''کون ہے؟''

''میں ہے فتح خان۔'' فتح خان کی پریشان آواز آئی۔ ''شہباز جلدی کھولو۔''

میرے اندر گھنٹی بجنے لگی تھی اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ فتح خان تیزی سے اندر آیا۔ ''جلدی کرو..... ادھر سے نکلنا ہے..... صرف دس منٹ ہے۔ اسے بھی اٹھاؤ اپنا سامان لو۔''

میں نے جیتو کو جھنجھوڑتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''کیا ریڈ ہونے والا ہے؟''

''ہاں۔'' فتح خان باہر جاتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا آدمی ہے اندر، اس سے پہلے پتا چل گیا..... سب کو ادھر سے جانا ہے۔''

دس منٹ ہمارے لیے کافی تھے۔ جیتو جاگ گیا تھا اور فتح خان کی بات سن کر ہوشیار ہو گیا۔ اس نے جلدی سے سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ ہمارے کپڑے اور دوسرا سامان ایک بیگ میں تھا وہ میں نے اٹھا لیا۔ لیپ ٹاپ اور رقم والا بیگ جیتو کو دے دیا۔ چند گھنٹے پہلے میں نے کرنل سے جس خدشے کا اظہار کیا تھا وہ اچانک ہی حقیقت بن گیا تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ پولیس یا جو ایجنسی بھی چھاپہ مارنے والی تھی اس کی وجہ کیا تھی؟ بہر حال وجہ جو بھی رہی ہو یہ اچھا ہوا کہ ڈیوڈ شا نے پہلے سے سدِ باب کر رکھا تھا اور ہم بروقت ہوشیار ہو گئے تھے۔ دس منٹ سے پہلے ہم منہ پر پانی کے چھپکے مار کر باہر آ چکے تھے۔ سرد پانی نے ہمیں ہوشیار کر دیا تھا۔ ہم عمارت سے باہر آئے تو فتح خان بے تابی سے ٹہل رہا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اس نے کہا۔ ''آؤ میرے ساتھ.....''

میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ اچانک کیا چکر ہوا ہے؟''

''کچھ نہ کچھ ہوا ہے۔'' فتح خان بولا۔ ''ادھر ڈیوڈ شا کا پیغام آیا ہے کہ سب آدھے گھنٹے کے اندر یہاں سے نکل جائیں..... سارا سامان لے کر۔''

''ڈیوڈ شا یہاں نہیں ہے؟''

''وہ اکثر یہاں نہیں ہوتا ہے۔'' فتح خان بولا۔ ہم پیلس کے اگلے حصے کی طرف جا رہے تھے۔ سردی سے بچنے کے لیے ہم نے جیکٹس پہن لی تھیں۔ فتح خان نے روش کے بجائے لان پر قدم رکھا تو ہم رک گئے۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

''تم خطرناک جگہ قدم رکھ رہے ہو۔''

''اوہ..... فکر مت کرو..... وہ گن بھی ہٹا لیا ہے۔ اب خطرہ نہیں ہے۔''

ہم لان کے شارٹ کٹ سے ہوئے پیلس کے وسیع و عریض پورچ تک پہنچے جہاں چھ عدد بڑی لگژری گاڑیاں تھیں۔ ان میں تین لینڈ روورز تھیں اور تین عدد نسان جیپ تھیں۔ ایک طرف درمیانے سائز کی سامان والی وین تھی اس کے عقبی حصے میں سامان بار کیا جا رہا تھا۔ جب ہم پہنچے تو دو گاڑیاں اسٹارٹ ہو کر گیٹ کی طرف اپنے سفر کا آغاز کر چکی تھیں۔ مجھے خیال آیا کہ اگر یہاں چھاپہ پڑنے والا تھا تو لازمی باہر سے نگرانی بھی کی جا رہی ہو گی تو اس صورت میں یوں کھلے عام رخصت ہونا مناسب تھا۔ میں نے فتح خان سے یہی سوال کیا تو اس نے کسی قدر جھنجھلا کر جواب دیا۔ ''میرے کو نہیں معلوم..... جو کہا گیا ہے وہ کر رہا ہے..... ادھر سوچنے اور حکم دینے کا کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے کا ہے۔"

میں نے سکون محسوس کیا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو یہ لوگ یقیناً خیال رکھتے۔ ہماری والی گاڑی سب سے آخر میں نکلی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ تمام گاڑیاں قافلہ بنا کر سفر کریں گی لیکن جب ہم پہاڑی سے نیچے آئے تو وہاں کوئی گاڑی نہیں تھی۔ نہ ہمارے آگے اور نہ ہی پیچھے کوئی گاڑی تھی۔ پچھلی سیٹ پر فتح خان سمیت میں اور بیتو تھے۔ دو آگے بیٹھے تھے اور تین پیچھے بیٹھے تھے۔ ہمارے بیگ ہمارے پاس تھے کیونکہ پیچھے قطعی کوئی جگہ نہیں بچی تھی جہاں سامان رکھا جا سکتا۔ فتح خان خالی ہاتھ تھا۔ آگے بیٹھے دونوں افراد گورے تھے۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ انہیں معلوم ہے ہمیں کہاں جانا ہے۔ گاڑی پہاڑی سے اترنے کے بعد بائیں طرف گھومی اور ہم کچھ غیر معروف سڑکوں سے ہوتے ہوئے شمال مشرق کی طرف جانے لگے۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ "اگر راستے میں مڈبھیڑ ہوگئی تو....."

"تو کیا؟"

"ہم خالی ہاتھ ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"فکر مت کرو اس صورت میں تمہیں سب مل جائے گا۔" اس نے جواب دیا۔ "پر کچھ نہیں ہوگا ہم بروقت نکل آیا ہے۔"

"باقی کہاں ہیں؟"

"وہ دوسرے راستے سے جا رہا ہے۔" فتح خان نے کہا۔

اچانک گاڑی کی رفتار کم ہوئی اور ڈرائیور نے امریکی لہجے میں کہا۔ "گائز ہیراز پرابلم۔"

سامنے ایک پولیس موبائل کھڑی تھی اور اس کے ساتھ موجود دو پولیس والے ہاتھ سے گاڑی کو رکنے کا کہہ رہے تھے۔ انہوں نے روایتی رائفلیں اٹھا رکھی تھیں۔ فتح خان یک دم ہیجان زدہ ہوگیا اس نے غرا کر انگریزی میں کہا۔ "سب تیار ہو جائیں۔"

میں نے اسے ٹوکا۔ "ایک منٹ ان کا انداز نارمل ہے یہ صرف چیکنگ کر رہے ہیں دوسری صورت میں لگ انداز میں ہمیں روکتے۔"

"ہم چیکنگ کی اجازت نہیں دے سکتے۔" فتح خان بولا۔ "گاڑی میں اسلحہ ہے۔"

"ضروری نہیں ہے وہ چیک کریں۔" میں نے کہا۔ "کسی کے پاس خاموش پستول ہے؟"

"ہاں ہے۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھے امریکی نے کہا۔

"مجھے دو اور باقی بھی ہوشیار رہیں اگر ہمیں ان کو ٹھکانے لگانا پڑا تو یہ کام خاموشی سے ہونا چاہیے کوئی ہنگامے والی چیز استعمال نہ ہو۔ میری بات سمجھ میں آگئی ہے؟"

سب خاموش رہے اس کا مطلب ہے وہ متفق تھے۔ میں نے کہا۔ "گاڑی پولیس کار سے ذرا پہلے روک دینا۔"

ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی۔ گاڑی رکتے ہی دونوں سپاہی آگے بڑھے انہوں نے سنگل شاٹ رائفلیں اٹھا رکھی تھیں۔ وہ بے چارے عام سے سرکاری ملازم تھے۔ نزدیک آنے پر میں نے بٹن دبا کر شیشہ نیچے کیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا انہ انداز میں کہا۔ ''کیوں روکا ہے..... ٹھاکر صاحب کو دیر ہو رہی ہے..... چیف منسٹر کے ڈنر سے واپس آ رہے ہیں۔'' میں نے چینی نقوش رکھنے والے فتح خان کو ٹھاکر بنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا تھا۔ ٹھاکر صاحب اور چیف منسٹر کا سن کر سپاہی مرعوب ہوئے تھے ایک نے کہا۔

''معافی صاحب..... اوپر سے حکم ہے کہ ادھر سے گزرنے والی ہر گاڑی کا تلاشی لیا جائے۔''

''تلاشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہو تو تمہاری شملہ پولیس چیف سے بات کرادی جائے۔''

وہ کانسٹیبل تھے اور پولیس چیف ان سے بہت اوپر کی چیز تھا۔ بولنے والا ہچکچایا تھا مگر اس کا ساتھی چالاک تھا اس نے سامنے بیٹھے گوروں کو دیکھ لیا تھا اس نے پوچھ لیا۔ ''یہ گورے ہیں؟''

''ہاں ٹھاکر جی کے گورے گارڈ ہیں۔ ان کو گورے ملازم رکھنے کا شوق ہے۔'' میں نے کہا اور ہزار کا ایک نوٹ نکال کر یوں مٹھی میں دبا لیا کہ اس کی جھلک نظر آئے۔ ''بہت دیالو ہیں..... غریبوں کا خیال رکھتے ہیں..... تم لوگ اس سردی میں ڈیوٹی دے رہے ہو۔''

اس بار دوسرا سپاہی بھی متاثر ہوا تھا پہلے والے نے کہا۔ ''بس کیا کریں سرکار کی نوکری تو غلامی ہوتی ہے۔''

''یہ رکھو..... بچوں کے لیے کچھ لے جانا۔'' میں نے نوٹ بولنے والے کو تھما دیا۔

''دوسرے کو الگ سے دو۔'' فتح خان فوراً دیالو ٹھاکر بن گیا۔ رقم میری جیب سے جا رہی تھی مگر کون سی میری حق حلال کی کمائی تھی اس لیے میں نے دوسرے کی خدمت میں بھی ہزار کا نوٹ پیش کیا۔ نوٹ لے کر انہوں نے سلام کیا۔ مگر یہ کام انہوں نے اتنی صفائی سے کیا کہ موبائل میں موجود باقی پولیس والوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے پیچھے ہٹ کر جانے کا اشارہ کیا تو ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ تقریباً سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اگرچہ پولیس والے اسلحے اور تربیت کے لحاظ سے ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور امکان یہی تھا کہ وہ سب مارے جاتے مگر اس صورت میں نیا مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔ قانون نافذ کرنے والوں کا قتل کسی بھی ملک میں سنگین ترین واقعہ سمجھا جاتا ہے اور پوری انتظامیہ حرکت میں آ جاتی ہے۔ پھر پولیس والے بہرحال مسلح تھے اور جب گولیاں چلتی ہیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ کون بچے گا اور کون مارا جائے گا۔ باقی سب خوش تھے مگر فتح خان خوش نہیں تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

''شہباز خانا لگتا ہے تم آج کل کچھ امن پسند ہوتا جا رہا ہے۔''

''امن پسند میں ہمیشہ سے تھا۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''ورنہ تم اب زندہ کیسے گھوم رہے ہوتے۔''

''تمہارے معاملے میں تو میں بھی امن پسند ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''مگر اس وقت میرے ہاتھ میں کھجلی ہو رہا تھا۔''

''اپنی کھجلی کو قابو رکھو۔ یہاں مار دھاڑ ہوتی تو پولیس پیچھے لگ جاتی۔ ہمارے ہتھیار بے آواز تھے پولیس کے نہیں اور یہاں ہونے والی فائرنگ سارے شہر میں سنائی دیتی۔ مار دھاڑ کا وقت زیادہ دور نہیں ہے تم کو دل کھول کر ہاتھ کھجانے کا موقع ملے گا۔''

فتح خان قائل ہو گیا۔ ''ہاں یوں تم نے اچھا کیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شوبی ہمیشہ اچھا کرتا ہے۔'' بیتو نے مداخلت کی۔ ''یہ تو تم جیسا لوگ ہے جو غلط کرتا ہے۔''

خلاف توقع فتح خان مشتعل نہیں ہوا۔ اس نے تسلیم کیا۔ ''تم ٹھیک کہتا ہے ہم غلط آدمی ہے اس لیے غلط کرتا ہے شہباز خان ٹھیک آدمی ہے اس لیے ٹھیک کرتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ گاڑی شملے سے باہر کی طرف جا رہی تھی۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

فتح خان نے شانے اچکائے۔ ''پتا نہیں..... کمانڈر کرنل ہے وہی لے جا رہا ہے۔''

''تب تمہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوگا باقی سب نے بھی وہیں جانا ہے جہاں ہم جا رہے ہیں یا الگ جانا ہے۔''

''تمہیں باقی سب سے کیا؟''

''مجھے باقی سب سے نہیں لیکن فشی دل جی سے ہے تم نے غور نہیں کیا کہ اس کے آتے ہی یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ آخر انڈین حکام کو کیسے پتا چلا یہاں کا؟''

''کھٹک تو ہم کو بھی ہوا۔'' فتح خان نے سر ہلایا۔ ''ابھی سب سامنے آئے گا۔ اگر اس نے کوئی حرامی پن کیا تو بھگتے گا۔''

''بشرطیکہ ہم بچ گئے ورنہ اسے موقع ملا تو وہ پھر مروائے گا۔ اس پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔''

فتح خان نے غور کیا اور ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔ اس نے گاڑی روکی تو فتح خان موبائل نکالتا ہوا نیچے اتر گیا اور گاڑی سے اتنی دور جا کر بات کرنے لگا کہ اس کی آواز ہمیں نہ سنائی دے اور یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کسے کال کر رہا ہے۔ دو منٹ بعد وہ واپس آیا اور ہم آگے روانہ ہو گئے۔ فتح خان نے نہیں بتایا کہ اس نے کس سے اور کس سلسلے میں بات کی تھی نہ میں نے پوچھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہم شہر سے باہر تھے یہاں سڑک اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہی تھی اور کہیں کہیں کھائیاں تھیں۔ ٹیلوں پر بنگلے اور کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔ مگر عام آبادی نظر نہیں آ رہی تھی اس قسم کی زمین پر غریب غربا آباد نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ یہاں پانی نہیں ہوتا ہے اور ناہموار زمین کی وجہ سے کاشت کاری بھی نہیں کی جا سکتی ہے۔ البتہ دولت مندوں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ دولت کے بل بوتے پر اس ویرانے میں بھی تمام سہولتیں حاصل کر سکتے تھے اور انہوں نے حاصل کی ہوئی تھی۔ سڑک کے دائیں ٹیلوں پر بنے مکانوں تک جانے کے لیے پختہ راستے بنے ہوئے تھے۔

گاڑی اچانک ایک ایسے ہی راستے پر گھوم گئی۔ یہ خاصا بڑا اور اوپر سے مسطح ٹیلا تھا جس پر یہ دو منزلہ مکان کھڑا تھا۔ پتھروں اور لکڑی سے بنے اس مکان کے سامنے وسیع کار پورچ تھا اور وہاں دو گاڑیاں پہلے سے موجود تھیں۔ یہ ہم سے پہلے روانہ ہوئی تھیں۔ جب ہم نیچے اترے تو باقی گاڑیاں بھی نظر آ گئیں وہ مکان کی سائیڈ میں موجود تھیں۔ ان میں سامان والی وین بھی تھی۔ وہ کسی اور راستے سے آئی تھیں اور بغیر رکے آئی تھیں اس لیے ہم سے پہلے پہنچ گئی تھیں۔ اتنی گاڑیوں کے باوجود وہاں بہت خاموشی تھی اور سوائے چند ایک افراد کے جو مکان کی نگرانی اور حفاظت پر مامور تھے باہر کوئی نہیں تھا۔ روشنیاں بھی بہت کم آن تھیں اور تقریباً نیم تاریکی تھی۔ یہ اچھی حکمت عملی تھی۔ باہر سے بہ ظاہر یہ مکان ویران یا خوابیدہ نظر آ رہا تھا لیکن اندر صورتِ حال اس کے برعکس تھی۔ ہم اندر داخل ہوئے تو نشست گاہ اور اس سے آگے والے کمرے میں خاصی گہما گہمی تھی۔ نشست گاہ میں بیٹھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے مختلف اقسام کے الکوحل زدہ مشروبات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اصل کام دوسرے کمرے میں ہو رہا تھا کرنل وہیں تھا میں کمرے میں داخل ہوا تو کرنل نے میری طرف دیکھا۔

''تم نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا جو مار دھاڑ کی نوبت نہیں آئی۔''

''میں بلاوجہ کی مار دھاڑ سے گریز کرتا ہوں۔'' میں نے دلچسپی سے دیکھا۔ کرنل کے کمپیوٹرز والے آدمی اپنا سامان سیٹ کر رہے تھے۔ ''لگتا ہے تم سب لے آئے ہو۔''

''ایک ایک چیز۔'' اس نے سر ہلایا۔

''مسئلہ کیا ہوا؟''

کرنل نے شانے اچکائے۔ ''مقامی پولیس اور شاید کوئی ایجنسی مل کر چھاپہ مارنے والے تھے ہمیں پہلے پتا چل گیا اور ہم وہاں سے نکل آئے۔''

''وجہ کیا تھی؟'' میں نے پوچھا مجھے محسوس ہوا کہ وہ اس واقعے کو ہلکا لے رہا تھا۔

''وجہ کوئی بھی رہی ہو.....''

''معاف کرنا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اگر تم وجہ ساتھ لے آئے ہو تو یہ جگہ بھی غیر محفوظ ہو جائے گی۔''

کرنل نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

منشی دل جی ایک کونے میں موجود تھا اور میری طرف سے بے نیاز نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے جواب دیا۔ ''اگر یہ چھاپہ اندر کے کسی آدمی کی وجہ سے مارا جا رہا ہے تو اس کا دوبارہ امکان بھی ہے۔ یہ جگہ بھی محفوظ نہیں رہے گی۔''

کرنل مضطرب ہو گیا۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ میرا ایک ایک آدمی اعتماد کا ہے۔''

''یہاں تمہارے آدمیوں کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں۔'' میں نے سرسری انداز میں منشی دل جی کی طرف دیکھا۔ ''جن کے بارے میں تم زیادہ نہیں جانتے ہو۔''

اس بار منشی دل جی نے خونی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس کا ذکر کر رہا ہوں۔ کرنل کچھ دیر غور کرتا رہا پھر اس نے مجھے اشارہ کیا اور ہم مکان سے باہر صحن میں آئے۔ ''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''فوری طور پر تمام افراد سے ان کے موبائل فون لے لو..... کسی کے پاس موبائل فون نہیں ہونا چاہیے..... یہاں کوئی لائن فون ہے؟''

''نہیں۔''

''ٹھیک ہے وائرلیس ڈیوائسز تمہارے قبضے میں ہونی چاہئیں۔ تمام افراد کو خبردار کر دو اگر کسی کے پاس سے ایسی کوئی چیز نکلی تو اسے غدار سمجھا جائے گا۔''

کرنل نے گہری سانس لی۔ ''ابھی تک کنفرم نہیں ہے کہ ریڈ کس وجہ سے ہوا ہے۔''

''ریڈ ہو گیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمارے نکلنے کے دس منٹ بعد پولیس اور سادہ لباس خفیہ ایجنسی کے ایجنٹس پہنچ گئے تھے۔ اصل ریڈ ی کا تھا پولیس شامل تھی۔ ہمیں پولیس مخبر نے اطلاع دی۔''

''مجھے تو یہ بھی مشکوک لگ رہا ہے کہ ہم اتنی آسانی سے وہاں سے نکل کر آ گئے۔ اگر معاملہ ایجنسی کا ہے تو ات اور بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ کوئی وہاں نگرانی نہیں کر رہا تھا۔''

کرنل نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''یہ تو مجھے بھی مشکوک لگ رہا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے اچانک کئی غیر ملکیوں کی ر پر مقامی ایجنسیاں چونکی ہوں۔''

''شملہ ایک معروف سیاحتی مقام ہے یہاں روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں غیر ملکی آتے ہیں ان میں اکثر ربی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایجنسیاں نظر رکھتی ہیں مگر ہر ایک کو چیک نہیں کر سکتی ہیں۔'' میں نے کہا۔ رنل تم بھی یہاں نئے ہو بہتر ہے اس سلسلے میں ڈیوڈ شا سے رہنمائی حاصل کرو۔ اسی نے تمہیں خبردار کیا ہے ''

''میں یہی کروں گا تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

''ابھی پریشان ہونا بہتر ہے بہ نسبت بعد میں مشکل میں پڑنے کے۔'' میں نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ کیا یہ عارضی ٹھکانہ ہے؟''

''ایسا ہی سمجھ لو..... کسی ایمرجنسی کے لیے رکھا تھا۔ اب کام آیا۔''

''اس کے بارے میں کون کون جانتا ہے؟''

''صرف ڈیوڈ شا، اسی نے اطلاع کے ساتھ مجھے یہاں کا پتا بھی بھیجا تھا۔''

مجھے خیال آیا۔ ''تمہارے پاس وائرلیس کمیونی کیشن کا سراغ لگانے والے آلات ہیں۔''

''بالکل ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''ہمارا پورا سیٹ اَپ ہے جو کسی قسم کی وائرلیس کمیونیکیشن کا سراغ بھی لگا تا ہے اور اسے بلاک بھی کر سکتا ہے۔''

''تو بس اسے آن کر لو۔'' میں نے مشورہ دیا۔ بیتو نشست گاہ میں شور سے بے نیاز ایک صوفے پر اونگھ رہا میں نے اسے اٹھایا۔ فتح خان یہاں پہنچ کر غائب ہو گیا تھا۔ بیتو اور اپنا سامان لے کر میں اوپر آیا۔ ایک کمرا لی دکھائی دیا جس میں ڈبل بیڈ تھا میں نے اس پر قبضے کا فیصلہ کیا۔ بستر ملتے ہی بیتو گر کر سو گیا تھا۔ میں نے حفظِ قدم کمرے کی تلاشی لی۔ مگر وہ خالی نکلا اس کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور لیٹ گیا مگر نیند نہیں ئی۔ کچھ دیر لیٹا رہا پھر اٹھ گیا۔ اس وقت صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ میں دروازہ اندر سے لاک کر کے ر آیا۔ اب خاموشی تھی اور پینے پلانے والے سو چکے تھے یا مدہوش تھے۔ البتہ کرنل اپنے کنٹرول روم میں جاگ ا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

''تمہیں بھی نیند نہیں آ رہی ہے۔''

''ظاہر ہے یہ اصل میں میرا مشن ہے۔ مجھے اس کی زیادہ فکر ہونی چاہیے۔'' میں نے ایک طرف رکھی کافی ی الیکٹرک کیتلی سے مگ میں کافی نکالی۔ اس میں ہلکی شکر اور کریم ملائی۔ کافی سے نیس کیف کی مخصوص خوشبو آ ی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے جیمر آن کر دیا۔'' کرنل نے ایک چھوٹی کمپیوٹرائز مشین کی طرف اشارہ کیا۔ ایک بڑے سائز کے ڈیسک ٹاپ کمپیوٹر جیسی مشین کے ساتھ ایل سی ڈی اور دوسرے آلات منسلک تھے۔ اسکرین پر لائنیں آ رہی تھیں اور فی الحال یہ لائنیں سیدھی تھیں۔ ''اب اس گھر کی حد میں کوئی وائرلیس ڈیوائس استعمال نہیں ہو سکے گی۔''

''انٹرنیٹ ڈیوائس بھی نہیں۔''

''کوئی بھی نہیں۔'' کرنل نے کہا۔ ''اگر کوئی ایسی کوشش کرے گا تو یہ آلہ نہ صرف اسے پکڑ لے گا بلکہ ہلاک بھی کر دے گا۔''

''تم تجربہ کر کے دکھاؤ گے؟''

''کیوں نہیں۔'' کرنل نے اپنا آئی فون نکالا۔ اسے آن کیا اور فوراً اسکرین پر ایک لائن لہرانے لگی۔ پھر کرنل نے کال کرنے کی کوشش کی اور آئی فون میرے کان سے لگایا تو آگے سے ریڈیائی شور سنائی دیا تھا۔ ''تم نے سنا جامر نے رابطہ ختم کر دیا۔''

''یہ اچھی چیز ہے لیکن اگر رابطہ کرنا ہو تو؟''

''اس کی حد سو گز ہے اس سے باہر جانا ہو گا۔'' کرنل نے کہا۔

''اس دربدی کا ہمارے پلان پر کوئی اثر پڑے گا؟''

''بالکل بھی نہیں..... تمام افراد ساتھ ہیں اور تمام آلات اور ہتھیار ہم لے آئے ہیں اب ہمیں ایک کیل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ جنہوں نے صبح آنا تھا وہ بھی اتفاق سے نکلنے سے ایک گھنٹے پہلے پہنچ گئے تھے۔''

کرنل کے پاس دو درجن بہترین تربیت یافتہ افراد تھے جن میں سے بیشتر سابقہ فوجی تھے جو مختلف جنگوں میں حصہ لے چکے تھے۔ باقی تمام بھی کسی نہ کسی لڑائی کا تجربہ رکھتے تھے۔ چھ افراد فتح خان کے ساتھ تھے۔ میں کرنل، فتح خان اور بیتو اس کے علاوہ تھے۔ منشی دل جی بھی دو درجن مقامی بدمعاش لا رہا تھا جو باہر سے ہمیں سپورٹ کرتے۔ سورج نکلنے تک میں اور کرنل حملے کے منصوبے پر بات کرتے رہے۔ میرے تجربے اور معلومات کی بنیاد پر کرنل نے کنور پیلس کے تین اطراف میں تین مقامات کو اسنائپرز اور میزائل حملوں کے لیے منتخب کیا۔ یہاں تین میزائل مین اور چھ اسنائپرز تعینات کیے جاتے۔ حملے کا آغاز ان ہی مقامات سے ہوتا۔ ہیلی کاپٹر میں دو پائلٹ کے علاوہ آٹھ افراد کی گنجائش تھی اس سے بڑا ہیلی کاپٹر کوشش کے باوجود نہیں ملا تھا۔ میرے اور بیتو کے علاوہ فتح خان اور اس کے پانچ آدمی ہوتے۔ دونوں بکتر بند گاڑیوں میں آٹھ آٹھ افراد جاتے۔ ایک بکتر بند میں کرنل ہوتا اور وہ کنور پیلس سے باہر موجود افراد کی کمانڈ کرتا۔

''دونوں بکتر بند گاڑیاں کنٹینر میں بند کنور پیلس کے پاس موجود ہیں۔'' کرنل نے کہا۔ ''دوپہر میں ہماری پہلی ٹیم روانہ ہو جائے گی وہ موبائل ٹاور اور بجلی کی ہائی ٹینشن وائر ٹاور میں وائرلیس کنٹرول بم نصب کرے گی۔ بجلی بند ہوتے ہی سب سے پہلے میزائل بردار میزائل فائر کریں گے۔ ہر ایک تین تین میزائل فائر کرے گا۔ عمارتوں کے داخلی دروازے کے علاوہ گرڈ اسٹیشن، جنریٹر اور ہیلی کاپٹر کو نشانہ بنایا جائے گا۔ اس دوران میں اسنائپرز گارڈز کو نشانہ بنانا شروع کر دیں گے۔ میزائلوں کے بعد اسموک اور گیس گرینیڈز پھینکے جائیں گے۔ یہ ذمے داری بھی میزائل چلانے والوں کی ہو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر کسی میزائل کا نشانہ خطا گیا تو؟''

''ہر ایک کے پاس چار میزائل ہوں گے یعنی ایک ایک اضافی میزائل ہوگا وہ اسی مقصد کے لیے ہوگا۔''

''کنور پیلس بڑی عمارت ہے اور سب سے سخت سکیورٹی یہیں ہوتی ہے۔ وہاں سخت جان گارڈز ہوتے ہیں جو جان کی قیمت پر اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ وہ سخت مزاحمت کریں گے۔ ہمیں تین منزلیں اترنا پڑے گا اور ہر منزل پر مزاحمت کو صاف کرنا ہوگا۔ اس صورت میں کامیابی حاصل کرنے میں وقت لگ سکتا ہے۔ سوال یہ ہے ہیلی کاپٹر کتنی دیر انتظار کرے گا۔''

''تمہیں اور تمہاری ٹیم کو اتار کر ہیلی کاپٹر پون گھنٹہ فضا میں رہ سکتا ہے اس میں کل ڈیڑھ گھنٹے کی پرواز کا ایندھن ہوگا۔''

پون گھنٹہ کافی تھا لیکن یہ بھی ہوسکتا تھا کہ یہ ناکافی ہو جاتا۔ ہمیں توقع سے زیادہ وقت لگ جاتا۔ اس صورت میں ہمارا نکلنا مسئلہ بن جاتا۔ اس علاقے سے نکلنے کا تیز ترین ذریعہ ہیلی کاپٹر ہی تھا۔ زمینی راستے پر بہت خدشات تھے۔ مجھے باقی افراد کی فکر نہیں تھی مجھے یقین تھا کہ کرنل اور ڈیوڈ شا کو بھی نہیں ہوگی۔ ان لوگوں کو معاوضہ ہی خطرات کا سامنا کرنے کا دیا جا رہا تھا۔ میں نے سوچا اور کہا۔ ''نہیں ہیلی کاپٹر فضا میں نہیں رہے گا۔ فتح خان مجھے قابو کر کے ہیلی کاپٹر میں شملہ لایا تھا۔ جہاں اس نے ہیلی کاپٹر اترواہا تھا وہ جگہ بہت مناسب اور کنور پیلس سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں سے ہیلی کاپٹر دو منٹ میں کنور پیلس آ سکتا ہے۔''

''ہاں ایسا ہوسکتا ہے۔'' کرنل نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''لیکن رات کا وقت ہوگا..... خیر اس کا بندوبست بھی ہوسکتا ہے۔ میں کھان سے بات کرتا ہوں۔''

''اس سے ہمیں فری ہینڈ مل جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر دیر ہوگئی تب بھی ہم ہیلی سے واپس آسکیں گے۔ اسے ڈن سمجھو۔''

''ٹھیک ہے پھر مجھے اپنے آدمیوں کو کہنا ہوگا۔ ہیلی پیڈ تیار کرنا پڑے گا اس کے بغیر رات میں کسی بھی جگہ اترنا بہت خطرناک ہوسکتا ہے۔''

''یہ کام بھی فتح خان کے سپرد کر دو۔'' میں نے مشورہ دیا۔ ''ڈیوڈ شا سے بات ہوئی ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''حتمی طور پر معلوم نہیں ہوا ہے لیکن ریڈ اطلاع پر کیا گیا تھا۔''

''اس غدار کا پتا چلانا بہت ضروری ہے ورنہ سب چوپٹ ہوسکتا ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں..... میں نے سب کے موبائل لے لیے ہیں۔ جن کے پاس انٹرنیٹ کی سہولت تھی وہ بھی واپس لے لی ہے۔''

''ان آلات سے کی جانے والی کالز کا پتا چلایا جاسکتا ہے؟''

''ہاں اگر وہ ان کے ریکارڈ میں ہوئیں تو۔'' کرنل نے کہا۔ ''میں نے چیک کیا ہے کہ کس نے مقامی کال کی ہے اور کہاں کی ہے؟ مگر اس سے بھی کوئی سراغ نہیں ملا۔ میرے آدمی کلیئر ہیں۔''

''منشی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

کرنل ہچکچایا۔ ''وہ ہمارا ساتھ دے رہا ہے اور اس کا مفاد بھی ہے اگر ہم ناکام رہے تو وہ بھی ناکام ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا۔"

"ممکن ہے وہ اپنا مفاد کسی اور طریقے سے حاصل کر لے۔"

"ڈبل کراس..... لیکن یہ بھی آسان نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ مشن ناکام ہو جائے گا۔ بالآخر اسے ڈیوڈ شا کو جواب دینا ہوگا۔"

"ڈیوڈ شا خدا نہیں ہے جو ہر ایک اسے جواب دے....." میں نے بدمزگی سے کہا۔ "جب انسان خدا کو خاطر میں نہیں لاتا ہے تو ڈیوڈ شا کی کیا حیثیت ہے اسے بھی دھوکا دیا جا سکتا ہے اور دھوکا دے کر سینہ تان کر رہا بھی جا سکتا ہے۔"

کرنل خاموش ہو گیا۔ شاید وہ مجھ سے متفق نہیں تھا لیکن میں نے ڈیوڈ شا کے بارے میں حقیقت بیان کی تھی۔ بے شک وہ بعض معاملات میں توپ ہوگا لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک اس کی بالادستی تسلیم کر لے۔ ہر ایک کے اپنے مفادات ہوتے ہیں اور وہ ان کی روشنی میں فیصلے کرتا ہے۔ اسے آقا کہنے والے مرشد نے کتنی آسانی سے اس کی ضمانت اس کے منہ پر دے ماری تھی۔ کچھ دیر میں باہر روشنی ہونے لگی تھی اور مکان میں پھر سے گہما گہمی کا آغاز ہوا۔ کچن میں ناشتہ تیار کیا جا رہا تھا۔ ابلے انڈوں کے ساتھ، پورج، سیریل اور دودھ تھا۔ ساتھ میں چائے کافی تھی۔ بیتو ابھی تک سو رہا تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ آرام کر لے۔ میں ناشتے کے بعد کافی کا مگ لے کر باہر نکل آیا۔ مکان والے ٹیلے کے عقب میں ایک گہری کھائی تھی اور اس کے پار ایک بڑی ڈھلان تھی جو بتدریج بلند ہوتے ہوئے شمال مشرق میں بلند پہاڑوں سے جا کر مل گئی تھی یہاں سے ان برف پوش چوٹیوں کا نظارا ممکن تھا جن کی طرف سارے سال نہیں پگھلتی ہے۔ مکان کے عقبی حصے میں پختہ ٹیرس تھا اور کھائی کے کنارے ریلنگ لگی تھی۔ کچھ فاصلے سے سرو کے درخت تھے۔ سورج بلند ہو گیا تھا اور اس کی روشنی میں پہاڑوں کی چوٹیاں نہایت نمایاں تھیں۔ برف کی چمک یہاں تک آ رہی تھی۔

"خوب صورت منظر ہے۔" پاس سے فتح خان کی آواز آئی۔

"خدا کا بنایا ہوا ہر منظر خوب صورت ہے اسے بدصورت انسان بناتا ہے۔" میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "تم کل رات سے کہاں غائب تھے؟"

"میں کام سے گیا تھا؟"

میں چونکا۔ "تم یہاں نہیں تھے؟"

"میں فوراً چلا گیا تھا۔" اس نے کہا۔ "میرے آدمی یہاں نہیں ہیں ان کو ایک اور جگہ رکھا ہے۔ ان کو دوسری جگہ چھوڑنا تھا۔"

"تمہیں خطرہ تھا کہ وہاں بھی چھاپہ پڑ سکتا ہے؟"

"لازمی بات ہے..... جب ایک جگہ کا مخبری ہو سکتا ہے تو دوسرا جگہ کا بھی ہو سکتا ہے۔"

"ویسے تمہارے آدمیوں کو یہاں ہونا چاہیے تھا۔ آج رات سے پہلے روانگی ہے۔"

"وہ دوپہر تک یہاں آ جائیں گے۔" فتح خان بولا۔

"کرنل نے تم سے ہیلی کاپٹر اتارنے کی بات کی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں میرا آدمی پہلے وہاں جائے گا ادھر ہیلی اتارنے کا بندوبست کرے گا اور وہیں سے ہیلی پر سوار ہو گا۔ تم اور میں ادھر سے جائے گا۔'' اس نے کہا اور میری طرف دیکھا۔ ''تم بلاوجہ کا پریشان ہو رہا ہے۔ ادھر سب ٹھیک ہے۔''

''بلاوجہ تو میں کبھی پریشان نہیں ہوا..... میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔''

''کچھ ہونا ہوتا تو اب تک ہو جاتا.....''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ایک ناکام چھاپے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ سکون سے بیٹھ جائیں گے۔ ہماری تلاش جاری ہوگی اور شملہ کوئی بہت بڑی جگہ نہیں ہے۔''

فتح خان نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''تم کیا کہتا ہے پھر کیا کرے؟''

''ہمیں جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے، شملہ سے جتنا دور جائیں گے اتنا ہی محفوظ رہیں گے۔''

''یہ تو تم کرنل سے کہو..... انچارج تو وہ ہے۔'' فتح خان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''فتح خان لگتا ہے یہ بات تم کو پسند نہیں آئی ہے؟''

''کیسے پسند آئے گا..... کوئی پہلی بار شا کے لیے کام کر رہا ہے..... اس سے پہلے اس کا کتنا کام کیا..... اسے کبھی شکایت نہیں ہوا..... اب ایک گورا لاکر بولتا ہے یہ انچارج ہے..... وہ فوجی ہے لڑ چکا ہے..... پر جو تجربہ فتح خان کے پاس ہے وہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ جلد شا کو پتا چل جائے گا۔''

''فتح خان وہ مخصوص ذہنیت کا گورا ہے۔ تم میرے دشمن ہو لیکن میں تمہاری بات تسلیم کرتا ہوں۔ اب تک جتنے لوگوں سے میرا واسطہ پڑا ہے ان میں سب سے شاطر اور چالاک آدمی تم ہو۔ تم خطرے کو بھانپ کر بہت تیزی سے حرکت میں آتے ہو اور اسی لیے میں نے تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو اپنی ٹیم میں رکھا ہے۔ یہ گورے آسمان سے نہیں اترے ہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو لاکھوں کی تعداد میں مسلح ترین فوج چند ہزار افراد کے سامنے یوں زچ نہ ہوتی۔ یہاں ان کی جدید ترین ٹیکنالوجی اور تربیت بھی کام نہیں آ رہی ہے۔''

فتح خان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''شہباز خانا ہم کو بھی اعتراف ہے تم ایک باظرف دشمن ہے..... کاش کہ تم ہمارا دوست ہوتا۔''

''معذرت کے ساتھ تمہارے جو خیالات اور نظریات ہیں ان کے ہوتے ہوئے تمہیں شاید ہی کوئی دوست ملے ہاں مفاد پرست ساتھی ضرور ملیں گے جو صرف مفاد کی حد تک ساتھ ہوں گے۔''

اس نے سرد آہ بھری۔ ''تم ٹھیک کہتا ہے..... ہم بوتا کو ہے اور خواہش گندم کی کرتا ہے۔''

''فتح خان۔'' میں نے موضوع بدل دیا۔ ''ہیلی کاپٹر میں آٹھ آفراد کی گنجائش ہوگی لیکن آٹھ افراد ساتھ جائیں گے۔ میرے، تمہارے اور بیتو کے علاوہ تمہارے پانچ آدمی ہوں گے۔ تم ان میں سے پانچ منتخب کر لو جو سب سے بہتر ہوں وہی ہمارے ساتھ جائیں گے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''اب بھی آدمی کم ہے..... پر پلان پر ٹھیک سے عمل کیا تو ہم کامیاب رہے گا۔ ہم کو اطمینان ہے پلان تمہارے مشورے سے بنا ہے۔''

''کرنل زریسکی سے تمہارا ٹکراؤ کہاں ہوا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان کا چہرہ پھر بگڑ گیا اور اس نے پشتو کی چند نستعلیق گالیوں سے آغاز کیا۔ ''وہ تخم خنزیر ہم کو سوات سے اوپر ملا تھا۔ تم کو وہ کیبن یاد ہے جہاں سے تم کو انڈیا والا ہیلی میں لے گیا تھا۔''

''بالکل یاد ہے۔''

''وہ وہیں تھا۔ وہ میرا کیبن ہے اور اس کا دیدہ دلیری دیکھو اسے استعمال کر رہا تھا۔ ادھر اسلحے کا ایک بڑ کھیپ آنے والا تھا۔''

''کرنل منگوا رہا تھا؟''

فتح خان نے سر ہلایا۔ ''وہ کچھ مقامی جنگجو گروپوں کو اسلحہ بیچتا ہے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وطنِ عزیز میں چاروں طرف سے اسلحہ آ رہا تھا۔ پتا نہیں آنے والے وقت میں کیا ہونے والا تھا مگر بے پناہ غیر قانونی اسلحے کی موجودگی کا مطلب تھا کہ اس کے استعمال کے نت نئے راستے نکلتے رہیں گے اور پورے ملک میں انارکی کا تاثر برقرار رہے گا۔ ہم پہلے ہی صوبوں، زبانوں اور فرقوں میں بٹے لوگ ہیں۔ ہماری مخالفت کو اب زبان کے ساتھ اسلحہ بھی مل گیا ہے۔ مختلف ذرائع سے جو چشم کشا رپورٹس سامنے آ رہی ہیں ان سے صرف چند دردمندوں کے سینوں میں اضطراب پیدا ہوتا ہے لیکن عوام کی اکثریت اور ارباب اختیار خواب خرگوش میں مگن ہیں۔ ایک طرف امریکہ جیسے ملک میں قانونی اسلحے کو محدود کرنے کی مہم چل رہی ہے تو دوسری طرف ہمارے ہاں غیر قانونی اور مہلک اسلحے کے پھیلاؤ میں اوپر سے لے کر نیچے تک سب لوگ ملوث ہیں۔ متعدد غیر ملکی خفیہ ایجنسیاں اس کام میں ملوث ہیں کیونکہ یہ ہمیں تباہ کرنے کی سب سے آسان ترکیب ہے۔ اس جذباتی اور کم سمجھ قوم کو اسلحہ دے دو مرنے مارنے کے راستے یہ خود نکال لے گی۔

''کس سوچ میں پڑ گیا ہے۔'' فتح خان نے کہا تو میں خیالوں سے چونکا۔ میں نے خفت سے کہا۔

''وہ میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔''

فتح خان نے سر ہلایا۔ ''میں جانتا ہے تم کس سوچ میں پڑ گیا ہے۔ کبھی کبھی میں خود بھی سوچتا ہے کہ مجھ سے بڑے مجرم تو وہ لوگ ہیں جن کا کام ہی اس ملک کی حفاظت کرنا ہے اور وہ خود اس کا جڑ کھود رہا ہے۔ پر میں کچھ نہیں کر سکتا..... میں چھوٹا مجرم ہے۔ شہباز خانا تم بھی کچھ نہیں کر سکتا تم جیسا لوگ بہت تھوڑا ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''لیکن میرا ایمان ہے مشکلات آدمی اور قوموں کو اوپر لے جانے کے لیے آتی ہیں اور جب وہ ان آزمائشوں سے کامیاب نکلتے ہیں تب ہی کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ یہ وقت بھی گزر جائے گا۔''

''ہم ایسا نہیں سوچتا ہے۔'' فتح خان نے گہری سانس لی۔

○.....❖.....○

دن کے وقت مکان سے باہر صرف دو تین آدمی تھے اور وہ بھی اسلحہ چھپائے ہوئے نمایاں ہونے سے گریز کر رہے تھے۔ خاص طور سے ان کی کوشش تھی کہ سڑک سے نظر نہ آئیں۔ رات میں سامنے رکنے والی گاڑیوں کو بھی اب سائیڈ پارکنگ میں کھڑا کر دیا تھا۔ یہاں یہ سڑک سے نظر نہیں آ رہی تھیں۔ تمام کھڑکیوں پر پردے تھے تاکہ اندر کی سرگرمیاں دکھائی نہ دیں۔ یہ احتیاطی تدابیر اچھی تھیں مگر صرف عام حالات میں..... ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم شدید خطرے میں تھے۔ کل رات ہم پکڑے جانے سے بال بال بچے تھے اور کچھ پتا نہیں تھا کہ انڈین اس جگہ کا پتا بھی لگا لیں۔ ہمیں جلد از جلد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔ میں اندر آیا تو بیتو کچن میں بیٹھا ہوا ڈبل روٹی اور مکھن نگل رہا تھا۔ یہ اس کے لیے خوفناک ناشتہ تھا۔ ابلے انڈوں سے وہ پہلے ہی انصاف کر چکا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ وہ لیپ ٹاپ والا بیگ ساتھ لایا تھا اس نے اوپر چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ میں نے اپنے لیے کافی نکالی۔ یہاں سیلف سروس تھی سب اپنے لیے خود ہی کر رہے تھے۔ اب مجھے کرنل کی تلاش تھی وہ کنٹرول روم میں نہیں تھا۔ وہ اوپری منزل میں اپنے کمرے میں ملا تھا۔ کمرے کا مجھے ایک آدمی نے بتایا۔ دستک کے جواب میں اس نے پوچھا۔ ''ہو از دیئر۔''

''شہباز۔''

''آجاؤ۔'' کرنل نے کہا تو میں اندر چلا گیا۔ وہ صرف نیکر اور بنیان میں قالین پر ڈپس لگا رہا تھا وہ بدستور ڈپس لگاتے ہوئے بولا۔ ''کوئی خاص بات؟''

''کرنل میرے خیال میں ہمیں فوراً روانہ ہو جانا چاہیے۔''

''ہم یہاں سے تین بجے نکلیں گے۔''

ابھی نو بج رہے تھے۔ ''کرنل دیر کی وجہ؟''

''جلدی کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔'' اس نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔

''خطرہ تو ہے۔'' میں نے اصرار کیا۔ ''اگر ہم چند گھنٹے پہلے بھی نکل جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں نے گہری سانس لی۔ میں نے خود کمانڈ کی پیشکش قبول نہیں کی تھی اور اب کمانڈر کرنل تھا فیصلہ اس نے کرنا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''اچھا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اپنی پارٹی کے ہمراہ ابھی روانہ ہو جاؤں؟''

''آخر تمہیں کس بات کا خطرہ ہے؟''

''میں نہیں جانتا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے ہمیں جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہیے۔''

''ہمیں بہت تیاری کرنی ہے۔'' کرنل نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''اگر میں ابھی حکم دوں تب بھی ہمیں روانہ ہوتے ہوتے بارہ بج سکتے ہیں۔''

''چلو بارہ بجے ہی سہی۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس سے زیادہ تاخیر مناسب نہیں ہوگی۔ میں تمہاری کمانڈ میں مداخلت نہیں کر رہا ہوں اسے میری درخواست سمجھ لو۔''

کرنل کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے دروازہ کھول کر کسی جوز کو آواز دی۔ ایک اسپینش نقوش والا تنومند آدمی آ گیا۔ ''یس کرنل؟''

''تیاری کرو ہمیں بارہ بجے روانہ ہونا ہے۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ''تھینک یو کرنل، تم نے میری بات مان لی۔''

''ایک تو یہ مشن تمہارے لیے ہے میں کمانڈ ضرور ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''دوسرے میں خود بھی چھٹی حس کے اشارے پر عمل کرتا ہوں۔ بہت بار میری چھٹی حس نے مجھے بچایا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے وسیم کی بات یاد آئی اور میں نے مناسب سمجھا کہ اس سے تصدیق کرلوں۔ ''تم نے ایک ایسے جنگی مشن میں اپنے چوبیس ساتھیوں کو بچایا تھا جس میں تم سب کا بچنا بہت مشکل تھا؟''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''تمہیں کیسے علم ہوا؟''

''تم غیر معروف نہیں ہو اور تم بھول رہے ہو میں بھی اسی خطے سے تعلق رکھتا ہوں۔''

''ہاں اسی مشن میں، مَیں شدید زخمی ہوا تھا اور دو سال تک میرا علاج جاری رہا تھا۔'' اس نے تولیے سے جسم صاف کرتے ہوئے کہا۔ اب میں نے دیکھا اس کے پورے اوپری جسم پر زخموں کے بے شمار مدہم نشانات تھے۔ ''میرا خیال ہے میں بھی تیار ہو جاتا ہوں۔''

اس کا اشارہ سمجھ کر میں وہاں سے رخصت ہو گیا اور میرا ارادہ بھی تیاری کا تھا۔ جوز مجھے راستے میں مل گیا۔ اس نے میرا جائزہ لیا اور بولا۔ ''میرے ساتھ آؤ اپنی کٹ لے لو۔''

ایک کمرے میں دیوار پر ویسے ہی سوٹ لٹکے ہوئے تھے جیسا کرنل نے مجھے ڈیمو میں دکھایا تھا۔ جوز نے کہا۔ ''اس میں سے اپنے اور اپنے ساتھی کے ناپ کا نکال لو۔''

ٹی شرٹ، ٹراؤزر اور جیکٹ کے ساتھ بلٹ پروف بھی تھا۔ ایک طرف قطار میں جوتے رکھے تھے۔ مخصوص دستانے جو ہتھیلیوں کو حرارت اور سخت چیز کی رگڑ سے بچاتے ہیں ان میں سے صرف نصف انگلیاں باہر ہوتی ہیں تاکہ ٹریگر دبانے یا انگلیوں والے کسی کام میں رکاوٹ نہ ہو۔ ساتھ میں گیس ماسک بھی تھا۔ یہ منہ اور ناک کو مکمل ڈھک لیتا اور شفاف پلاسٹک کا بنا ہونے کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ اس کے نیچے ایک گول ڈسک لگی تھی جس پر شہد کی مکھی جیسا چھتا بنا ہوا تھا یہ فلٹر تھا جس سے صرف ہوا گزر کر اندر جا سکتی تھی۔ ہر سوٹ کے ساتھ پشت پر باندھنے والا اسکول سائز کا بیگ تھا۔ فی الحال یہ خالی تھا۔ میں نے اپنے اور بیتو کے ناپ کے سوٹ لیے۔ پھر جوتے منتخب کیے اور اپنے کمرے میں آیا۔ بیتو وہاں موجود تھا اور وہ غسل کر چکا تھا۔ اس نے اطلاع دی۔

''شوبی میرا کھرنڈ بھی پکا ہو گیا ہے۔''

''گڈ اب تم تیار ہو جاؤ جب تک میں نہاتا ہوں۔ ہمیں بارہ بجے یہاں سے نکلنا ہے۔''

باتھ روم بڑا نہیں تھا مگر تمام سہولیات سے آراستہ تھا۔ گرم پانی آ رہا تھا میں نہا کر باہر آیا۔ بیتو نے سوٹ اور بلٹ پروف پہن لیا تھا مگر اس کی ڈوریاں ٹھیک سے نہیں بندھی تھیں۔ میں نے انہیں درست کیا اور ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں پہن چکا تھا۔ بیتو نے مجھے بلٹ پروف پہنایا۔ اس سے پہلے بھی میں ایک دو بار پہن چکا ہوں۔ کسی قدر بھاری اور گتھے ہوئے میٹریل سے بنا ہونے کی بنا پر یہ گولی کو گزرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے لیکن گولی کا دھچکا بہرحال انسان کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اگر سامنے سے گولی لگے تو دھچکے سے پسلی بھی ٹوٹ جاتی ہے لیکن جان بچ جاتی ہے اور یہی اس کا اصل مقصد ہے۔ یہاں موسم زیادہ سرد نہیں تھا اور پھر ابھی دن کا وقت تھا اس لیے جیکٹ کی ضرورت نہیں تھی۔ جوتے ہمیں پورے تھے۔ گیس ماسک ایک تسمے کی مدد سے گردن میں بلٹ پروف کے ساتھ جھول رہا تھا اور بہ وقتِ ضرورت اسے منہ پر جمانے میں چند سیکنڈ لگتے۔ بیتو نے پوچھا۔

''باقی سامان اور اسلحہ کب ملے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ڈیجیٹل نقشہ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے روانگی کے وقت نہیں ملے گا یہ منزل پر پہنچ کر ملے گا۔''

ٹراؤزر ملٹری ڈیزائن کا تھا مگر جیکٹ سادہ خاکی رنگ کی تھی۔ ہمیں ابھی سفر کرنا تھا اور راستے میں لوگ چونک سکتے تھے اس لیے جیکٹ کو سادہ رکھا تھا۔ کرنل نے ہر زاویے سے نظر رکھی تھی۔ بیتو نے بیگ لہرایا۔ ''شوبی اس کا کیا کرنا ہے؟''

''فی الحال اسے لیپ ٹاپ اور رقم کے لیے رکھ لیتے ہیں لیکن ابھی اور سامان ملے گا جس کی ضرورت ہو گی۔ وہ اسی بیگ میں جائے گا۔''

بیتو نے اپنے بیگ میں لیپ ٹاپ اور رقم ڈال لی۔ اب تک مجھے اپنے ساتھیوں سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے سوچا کہ راستے میں بات کروں گا۔ یہاں ویسے بھی جامر لگا ہوا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے ہم نیچے آئے تو بھاری اسلحہ اور سامان وین میں لادا جا رہا تھا۔ باقی سب بھی تیار دکھائی دے رہے تھے۔ جوزسب کو ایک ایک پیک بانٹ رہا تھا۔ اس میں پانی کی لیٹر والی دو بوتلیں اور کھانے کا پیک سامان تھا۔ ایک چھوٹا میڈیکل پیک بھی تھا۔ اس میں مرہم پٹی کا سامان اور ہنگامی حالات میں کام آنے والی دوائیں تھیں۔ بیتو نے کہا۔ ''شوبی اس میں تو سب ہے۔''

''ہاں ہمیں وہاں جس چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے وہ اس میں ہے۔''

فتح خان باہر موجود تھا اور ماچس کی تیلی سے دانتوں میں خلال کر رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ ''میرا آدمی آ گیا ہے راستے میں ایک جگہ ملے گا۔ ہم وہاں سے ان کے ساتھ جائے گا۔''

''یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ فتح خان نے بھی وہی لباس پہن لیا تھا اور کچھ بے چین لگ رہا تھا۔ وہ ڈسپلن والا آدمی نہیں تھا یہ بے چینی شاید اسی وجہ سے تھی۔ بارہ سے کچھ پہلے گاڑیاں ایک ایک کر کے روانہ ہونے لگیں۔ مجھے کل ایک بار کے بعد منشی دل جی نظر نہیں آیا تھا۔ مگر وہ یہیں تھا۔ پہلی گاڑی میں، میں، بیتو، فتح خان اور پانچ دوسرے افراد تھے۔ ہم تینوں درمیانی نشست پر تھے۔ باہر نکلتے ہی میں نے لیپ ٹاپ نکال کر آن کیا اور یو ایس بی ڈیوائس لگائی۔ مگر یہاں اس کے سگنل نہیں تھے۔ میں نے مایوس ہو کر انہیں واپس بیگ میں رکھ دیا۔ کنور پیلس کی طرف جانے والی ہائی وے پر چڑھنے کے لیے ہمیں شملہ شہر سے ہو کر گزرنا پڑا تھا اور مجھے وہاں پولیس یا قانون نافذ کرنے والوں اداروں کی کوئی ایسی سرگرمی نظر نہیں آئی جس سے لگتا کہ وہ ہماری تلاش میں ہیں۔ بلکہ مجھے تو چھاپہ بھی نمائشی لگ رہا تھا ہم بہت آرام سے وہاں سے نکل آئے تھے۔ شہر میں یقیناً انٹرنیٹ کے سگنل تھے لیکن وہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ بیس منٹ میں ہم شہر سے گزر کر ہائی وے پر آ گئے تھے۔ میں نے فتح خان سے پوچھا۔

''تمہارے آدمی کہاں ہیں؟''

''وہ آگے ہیں۔'' فتح خان نے جواب دیا۔ ''وہ انتظار کرے گا پھر ہم ایک ساتھ سفر کریں گے۔''

شہر سے باہر آ کر میں نے پھر کوشش کی اور اس بار مجھے سگنل مل گئے۔ میں نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا اور میں اتر کر باہر آ گیا۔ بیتو میرے ساتھ تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں کال کرنے جا رہا ہوں۔ سفیر آن لائن تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یقیناً وہ لوگ کمپیوٹر سے لگے بیٹھے ہوں گے۔ میری کال ریسیو کی گئی۔ اسکرین پر وسیم نمودار ہوا تھا۔ ''اسلام علیکم آپ کہاں ہیں؟''

''ہم بڑے بھیا کے گھر کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''امید ہے کل تک بہنا کو لے آئیں گے۔''

''ان شاء اللہ۔'' وسیم نے کہا۔ اس سے گفتگو کے دوران سفیر اور عبداللہ بھی آ گئے۔ بلکہ ایاز بھی تھا۔ ان سب سے سلام دعا ہوئی میں نے انہیں بتایا کہ وقت کم ہے دوران سفر ان سے بات نہیں ہو سکتی ہے اور میں اس وقت گاڑی سے اتر کر بات کر رہا ہوں۔ بیتو نے بھی سلام دعا کی آج کسی نے اسے نہیں چھیڑا سب کو احساس تھا کہ ہم ایک خطرناک مشن پر جا رہے ہیں اور سب ہمارے لیے فکر مند تھے۔ دس منٹ بعد کال کاٹ کر میں نے سویرا کا نمبر ملایا۔ اس پر بیل جا رہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ دو کوششوں کے بعد نے کوشش ترک کر دی اور ہم گاڑی میں آ گئے۔ وقت کم تھا میں آگے جا کر کوشش کر سکتا تھا۔ گاڑی روانہ ہوئی تو فتح خان نے آہستگی سے کہا۔

''تم اُدھر بات کر رہا تھا؟'' اس کا اشارہ سرحد پار کی طرف تھا میں نے سر ہلایا۔ اس نے سرد آہ بھری۔

''ہمارا کوئی نہیں ہے جس سے بات کرے۔''

''تمہارے گھر والے..... بہن بھائی؟''

''ماں باپ گزر گیا..... دو بھائی ہے پتا نہیں کہاں ہے ہماری طرح کا کام کرتا ہے..... ایک بہن ہے وہ اپنے گھر میں آباد ہے اس کا شوہر شریف آدمی ہے اس لیے ہم خود دور رہتا ہے۔''

''شادی تم نے کی نہیں بس اس بے چاری لڑکی کو دھوکا دیا تھا۔'' مجھے بھاگ بھری یاد آ گئی۔ جسے فتح خان مالِ غنیمت کی طرح لے گیا تھا اور ایک نام نہاد نکاح نامے کی مدد سے اس پر قبضہ جما لیا تھا۔ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی پھر میں نے اسے فتح خان کے چنگل سے نکالا اور اس دوران میں زخمی ہونے سے اس کا حمل ضائع ہو گیا تھا بعد میں اسے اور اس کے باپ کو راجا عمر دراز نے اپنے محل میں رکھ لیا تھا۔ اس کے بعد میں نے معلوم نہیں کیا تھا مگر امید تھی وہ وہاں خوش ہو گی اور ہو سکتا ہے اس کا گھر بھی آباد ہو گیا ہو۔ یہ بات فتح خان کے علم میں نہیں تھی۔ البتہ اسے شک ضرور تھا کہ بھاگ بھری ہمارے پاس ہے۔ اس نے ایک دو بار پہلے بھی اس کا ذکر کیا تھا مگر میں نے انکار کیا تو وہ خاموش ہو گیا تھا۔

''وہ مجھ کو یاد آتا ہے۔'' فتح خان نے سرد آہ بھری۔ ''اسے تم لے گیا تھا اور میرے کو یقین ہے اسے تم نے کہیں رکھا ہے۔''

''تم کچھ بھی سمجھنے میں آزاد ہو۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''ویسے تم کسی طرح بھی اس پر حق نہیں رکھتے ہو۔ بلکہ تم نے ایک معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کر دی۔''

فتح خان چپ ہو گیا۔ یقیناً وہ مجھ سے متفق نہیں تھا۔ گاڑی اب پہاڑیوں کے درمیان بل کھاتی جانی پہچانی سڑک سے گزر رہی تھی میں اس سڑک پر اتنا سفر کر چکا تھا کہ اب مجھے اس کے موڑ اور نشانیاں بھی یاد ہو گئی تھیں۔ بیتو اداس تھا۔ یقیناً اسے سب یاد آ رہے تھے اور وہ واپس جانا چاہتا تھا۔ ارادہ تو میرا بھی یہی تھا کہ سادی کے ساتھ ہی ہم بھی واپس جائیں گے۔ بارہ بج رہے تھے اور ابھی کم سے کم دو سے ڈھائی گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ آدھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھنٹے بعد ہمیں فتح خان کے آدمی ایسی ہی ایک گاڑی میں منتظر ملے۔ ہم اتر کر اس میں آ گئے اور اس میں سے ایک آدمی اتر کر دوسری گاڑی میں چلا گیا۔ فتح خان پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ اس کے ساتھ کون سے پانچ آدمی جائیں گے۔ اکیلا جانے والا اداس تھا۔ یہاں بھی ہم درمیان والی نشست پر آ گئے۔ یہ پیچھے سے بڑی تھی اور اس میں آخری حصے میں چار نشستیں تھیں۔ اسی وجہ سے آٹھ آدمی آرام سے آ گئے تھے۔ اب تک کے سفر میں مجھے دوسری گاڑیاں نہیں نظر آئی تھیں اس کا مطلب تھا کہ وہ فاصلے سے سفر کر رہی تھی۔ کیونکہ ہائی وے تو یہی تھی۔

ڈیڑھ بجے ہم اس قصبے تک پہنچے جہاں سیتا دیوی اپنے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ بے خوف رہ رہی ہو گی کیونکہ اس کا سابق عفریت شوہر اپنی تمام خطرناکیوں سمیت دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ پتا نہیں اس کی لاش ملی تھی یا پہاڑوں پر پائے جانے والے گوشت خور جانوروں کی خوراک بن گئی تھی۔ یہاں سے آگے بڑھے۔ بیتو نے پہلی بار زبان کھولی۔ ''شوبی یہاں سے کھانے کو کچھ لے نہیں سکتا ہے؟''

''یہ مناسب نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ہمیں پلان کے مطابق عمل کرنا ہے اور اس میں کسی آبادی میں رکنے سے گریز کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر ہم ڈبل روٹی اور مکھن سے لنچ کرتا ہے۔'' بیتو نے کہا اور اپنے بیگ سے ایک بڑی ڈبل روٹی، مکھن کا ڈبا اور چھوٹی سی پلاسٹک کی چھری نکالی اور سلائس پر مکھن لگا لگا کر کھانے لگا۔ اس کا چند پیک چیزوں سے گزارا ہونے والا نہیں تھا۔ اس نے مجھے بھی پیشکش کی لیکن میرا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ راستے میں میں بار بار انٹر نیٹ کنکشن چیک کرتا رہا تھا مگر اس کے سگنل صرف آبادی میں مل رہے تھے اور میں وہاں بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہم آخری آبادی کے پاس پہنچے تھے اس کے بعد کنور پیلس تک کوئی اور آبادی نہیں تھی۔ اچانک مجھے راستے میں ایک دیہاتی موبائل فون پر بات کرتا ہوا نظر آیا۔ وہ آبادی کی طرف جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے ایک خیال آیا اور میں نے گاڑی روکنے کو کہا۔

''کیا ہوا؟'' فتح خان نے حیرت سے کہا۔

''گاڑی روکو۔'' میں نے کہا تو اس نے ڈرائیور سے کہا اور اس نے گاڑی روک دی۔ دیہاتی دس بارہ قدم آگے نکل گیا تھا میں اتر کر عجلت میں اس کے پیچھے آیا۔ ''اے رکو..... بھائی۔''

وہ رک گیا اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کچھ مقامی زبان میں کہا۔ ''مجھے ہندی آتی ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''تم ہندی سمجھتے ہو؟''

''کیا بات ہے بابو؟'' اس بار اس نے اردو میں کہا۔

''مجھے یہ موبائل چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''بہت ضروری سمجھو۔ میں اس کی قیمت دوں گا۔''

''نہیں بیچنا۔'' اس نے انکار کیا۔

میں نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی یہ ہزار والے نوٹ تھے۔ میں نے دس نوٹ الگ کیے اور اس کی طرف بڑھا دیئے۔ ''یہ اس سیٹ کی قیمت سے دوگنے سے زیادہ ہیں۔''

پہلے اس کا منہ کھلا رہ گیا پھر اس پر لالچ غالب آ گیا۔ ''بابو میں دے گا تو دوں گا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ وہ ایک عام سا آدمی تھا اگر اسے ایک ہاتھ رسید کرتا تو وہ خود موبائل دے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھاگ جاتا۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میرے پاس رقم تھی اور اس کے پاس موبائل تھا۔ مجھے رقم کی اتنی ضرورت نہیں تھی جتنی موبائل کی تھی اور اس کے ساتھ معاملہ الٹا تھا۔ میں نے دس نوٹ اور نکالے۔ مگر اسے دینے سے پہلے پوچھا۔ ''اس میں بیلنس ہے؟''

''ابھی ہزار کا بیلنس ڈلوایا ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''بے شک دیکھ لو۔''

''مجھے دکھاؤ؟'' میں نے مطالبہ کیا تو اس نے بیلنس چیک کرایا اس میں سچ مچ ہزار سے اوپر کا بیلنس تھا۔ میں نے اسے بیس ہزار دیئے۔ ''عیش کرو۔ مگر سم بلاک کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ تمہارے گھر آجاؤں گا۔''

اسے خبردار کر کے میں پلٹ آیا۔ اب مجھے ایک ذریعہ مل گیا تھا۔ ایک اجنبی موبائل کا استعمال بہت کم رسکی تھا۔ کنور پیلس کے پاس سگنل ہوتے اور میں کال کر سکتا تھا۔ بیس منٹ بعد ہم اس ٹیلے تک پہنچ گئے جہاں سے ہیلی کاپٹر ہمیں لے گیا تھا۔ گاڑی باآسانی اس پہاڑی پر چڑھ گئی۔ ایک کسی قدر ہموار جگہ گاڑی رکی تو ہم نیچے اتر آئے۔ جو ہیلی کاپٹر ہمیں کنور پیلس لے جاتا وہ سائز میں اس ہیلی کاپٹر سے بڑا تھا جس میں فتح خان ہمیں شملہ لے گیا تھا۔ فتح خان نے اوپری حصے کا جائزہ لیا اور پھر اپنے آدمیوں کو جھاڑیاں اور درختوں کی شاخیں کاٹنے پر لگا دیا تاکہ ہیلی کاپٹر کسی دقت کے بغیر اتر سکے۔ وہ بیٹری سے چلنے والی سپاٹ لائٹس لایا تھا۔ اس نے زمین پر چونے سے نشانات بنوائے اور پھر ان سے چاروں سمت ڈوری کی مدد سے ایسی چیزوں کا فاصلہ ناپا جن سے ہیلی کاپٹر کا پنکھا ٹکرانے کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ وہ اس بات کو یقینی بنا رہا تھا کہ ایسا کوئی حادثہ نہ ہو۔ ان کاموں میں تین بج گئے تھے۔ میں نے فتح خان سے پوچھا۔

''کرنل اور اس کے آدمی کہاں ہیں؟ ان سے رابطے کی کیا صورت ہے۔''

فتح خان گاڑی سے ایک بڑے سائز کا جدید ریڈیو نکال لایا۔ یہ ایمرجنسی لائٹ کے سائز کا تھا۔ ''اس سے رابطہ کرے گا۔ مگر ابھی نہیں..... وہ ادھر آ گیا ہوگا اس کا آدمی بجلی اور موبائل ٹاور میں بم لگا رہا ہوگا۔''

''اس نے رابطہ کرنا چاہا تو؟''

''یہ آن ہے۔'' فتح خان نے ریڈیو کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہم کو پتا چل جائے گا۔''

یہاں موبائل سگنل نہیں تھے۔ غیر متوقع طور پر فتح خان کے ساتھی چائے اور کافی کا تھرماس بھروا کر لائے تھے۔ فتح خان نے کافی نکالی تو میں خوش ہو گیا۔ ''یہ کیا ہے کام۔''

''یہ کھانا بھی لایا ہے۔'' فتح خان نے انکشاف کیا۔ ''مرغ کی بھنی بنوا کر لایا ہے۔''

''تم اب بتا رہے ہو۔'' بیتو نے خفگی سے کہا۔ ''مجھے لنچ میں بھی ڈبل روٹی اور مکھن کھانا پڑا تھا۔''

''وہ شام کے لیے ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''ابھی تو میرے آدمیوں نے بھی نہیں کھایا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے ہمیں کم سے کم پانچ گھنٹے پہلے کھانے پینے سے فارغ ہو جانا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ یہاں بلندی زیادہ نہیں تھی۔ فتح خان کی گھڑی میں آلٹی میٹر تھا اس نے بتایا۔

''یہاں بذری پانچ ہزار نو سو فٹ ہے۔''

اسی لیے یہاں کچھ گرمی تھی خاص طور پر جب ہم پہنچے تھے تو دھوپ بہت تیز تھی اور ہمیں بلٹ پروف بھی چبھنے لگا تھا اس لیے سب نے اتار دیے تھے۔ مگر چار بجے کے بعد جب سورج مغربی افق کی طرف جھک چکا تھا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرمی تیزی سے کم ہوئی۔ پہاڑوں میں اگر چند دن بارش نہ ہو اور کھل کر دھوپ نکلے تو بہت اذیت ناک قسم کی گرمی ہو جاتی ہے کیونکہ چٹانیں اور پتھر دھوپ سے تپ جاتے ہیں۔ یہاں شاید ایک دو دن پہلے بارش ہوئی تھی کیونکہ زمین میں معمولی سی نمی تھی اس لیے گرمی بہت زیادہ نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد ریڈیو سے کرنل کی آواز ابھری۔

الیف کے..... الیف کے..... ڈویو ریڈی.....''

''یس الیف کے ہیئر۔'' فتح خان نے ریڈیو کا ایک بٹن دبا کر کہا۔ ''ہم تیار ہیں۔''

''گڈ..... سب اپنی جگہ پہنچ گئے ہیں۔ سب اوکے ہے۔''

''اوکے..... کاپی۔'' فتح خان نے کہا اور کرنل نے رابطہ ختم کر دیا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''سب اپنی اپنی جگہ پہنچ گیا ہے۔ اب اگلا مرحلہ ہے۔''

اگلے مرحلے سے مراد بجلی اور موبائل کے ٹاورز میں بم لگانا تھا اور میزائلوں اور اسنائپر کے لیے موزوں جگہ تلاش کرنا تھی۔ اس کے لیے ابھی کئی گھنٹے تھے۔ ہمیں نصف رات کے بعد کارروائی کرنا تھی۔ چھ بجے کے بعد تیزی سے سردی اور تاریکی آئی تھی۔ فتح خان کے ساتھیوں نے الاؤ جلانے کی اجازت مانگی تو اس نے شاندار الفاظ میں ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ پکنک منانے نہیں آئے تھے۔ البتہ تاریکی ہونے کے بعد کھانا گرم کرنے کے لیے آگ جلائی تھی مگر اسے بھی آڑ میں جلایا تھا اور کھانا اور کافی گرم کرتے ہی اسے بجھا دیا گیا تھا۔ فتح خان اس حوالے سے بہت محتاط تھا۔ کھانے اور کافی سے فارغ ہو کر سب ستانے لگے تھے۔ اس دوران میں کرنل نے دو بار رابطہ کر کیا۔ ایک بار اس نے بتایا کہ انسٹالیشن مکمل ہو گئی ہے۔ یعنی بم لگ گئے ہیں اور باہر سے حملہ کرنے والے اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے ہیں۔ دوسری کال میں اس نے جی پی ایس لوکیشن پوچھی تھی۔ فتح خان نے جی پی ایس پر دیکھ کر اسے لوکیشن بتائی۔ سردی ہونے کے بعد سب نے بلٹ پروف اور اس پر جیکٹ پہن لی تھی۔

''اسلحہ کہاں ہے؟'' میں نے فتح خان سے پوچھا۔

''گاڑی میں ہے۔'' اس نے کہا اور اپنے آدمی کو اسلحے والے بیگ لانے کا حکم دیا۔ وہ اندر سے دو بڑے بیگ نکال لایا۔ یہ خاص اسلحہ رکھنے والے بیگ تھے۔ اس میں رائفلیں ٹکڑوں میں تقسیم تھیں۔ سب اپنی اپنی رائفلیں جوڑنے لگے۔ ہر رائفل کے ساتھ چار اضافی میگزین تھے۔ یہ ایک خاص پلاسٹک کے بکٹ میں تھے۔ بکٹ کو جیکٹ سے منسلک کیا جا سکتا تھا اور صرف ایک سیکنڈ میں میگزین تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ جیکٹ کے سامنے والے حصے میں مختلف گرینیڈز رکھنے کی جگہ تھی۔ پستول کے لیے جیب میں جگہ تھی۔ میں نے رائفل میں میگزین لوڈ کیا تو ایک عجیب سی سنسنی کا احساس ہوا تھا۔ اس سے پہلے بھی بارہا اس قسم کے مشن پر جا چکا تھا۔ بہت قتل و غارت گری دیکھی اور کی تھی لیکن یہ احساس سب سے الگ تھا۔ شاید اس لیے کہ یہ مشن سے بڑھ کر جنگ لگ رہی تھی۔ ہم بہت بڑے پیمانے پر کارروائی کرنے جا رہے تھے اور اس میں یقیناً بہت سارے انسان زندگی ہار جائیں گے۔ انسانی جان کی میرے نزدیک ہمیشہ بہت اہمیت رہی ہے میں نے کبھی انسانوں کو بے دریغ قتل کرنے کو اچھا نہیں سمجھا۔ میری کوشش رہی کہ میرے ہاتھ سے سوائے اشد ترین ضرورت کے کوئی انسانی جان ضائع نہ ہو۔ بہت کم ایسا ہوا کہ میں نے کسی انسان کو سوچ سمجھ کر مارا۔ ورنہ زیادہ تر جان بچانے کی کوشش یا لڑائی میں مارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے تھے۔ اس لیے جب ایسا کوئی موقع آتا تو مجھے اندر سے عجیب سا محسوس ہوتا تھا۔

''کیا سوچ رہا ہے شہباز خانا؟'' فتح خان نے پوچھا تو میں چونکا۔

''کچھ نہیں.....'' میں کھڑا ہو گیا۔ ''میں ذرا آگے تک جا رہا ہوں۔''

فتح خان کسی قدر مضطرب ہو گیا۔ ''کدھر جاتا ہے؟''

''جہاں موبائل سگنل مل سکیں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے ایک بہت ضروری کال کرنی ہے۔ وہ کال جس کے لیے میں نے یہ موبائل لیا ہے۔''

فتح خان سمجھ گیا تھا کہ میں کسے کال کرنے جا سکتا ہوں۔ اس نے سر ہلایا اور گھڑی دیکھی۔ ''ابھی نو بج رہا ہے بہت وقت ہے پر کوشش کرنا جلدی آ جاؤ۔''

''تم فکر مت کرو میں ایک گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''شوبی ہم بھی چلے گا۔'' بیتو نے کہا۔

''نہیں تم یہیں رکو۔'' میں نے انکار کیا۔ ''یہ رکھو اور اس میں دیکھ کر کنور پیلس کا نقشہ سمجھنے کی کوشش کرو۔''

میں نے ڈیجیٹل نقشہ اسے تھمایا اور ٹیلے سے نیچے اترنے لگا بیتو نے میرے لہجے سے سمجھ لیا تھا کہ میں اسے لے کر نہیں جاؤں گا اس لیے اس نے دوبارہ نہیں کہا۔ پیدل کا راستہ اچھا خاصا تھا مگر بہت زیادہ بھی نہیں تھی۔ تقریباً تین سو گز کے بعد سڑک آ گئی۔ میں نے موبائل نکال کر دیکھا مگر سگنل غائب تھے۔ میں کنور پیلس کی طرف چل پڑا۔ سگنل اسی طرف ملتے۔ کنور خاندان نے دولت کے بل بوتے پر اس ویرانے میں اپنے لیے جدید زندگی کی تمام سہولتیں حاصل کر لی تھیں ان میں موبائل فون سروس اور انٹرنیٹ سروس بھی شامل تھی۔ میرا اندازہ تھا کنور پیلس یہاں سے کوئی تین سے چار کلومیٹرز کے فاصلے پر تھا اور مجھے اس سے پہلے سگنل مل جائیں گے۔ تاریکی میں میں محفوظ تھا۔ چاند کی آخری تاریخیں تھیں اس لیے بہت چھوٹا سا چاند تھا اور آسمان پر بادل ہونے کی وجہ سے روشنی بہت کم تھی۔ جب کوئی گاڑی آتی تو میں ڈھلان پر چڑھ کر کسی درخت یا پتھر کی آڑ لے لیتا۔ میرا حلیہ ایسا نہیں تھا کہ میں کسی کے سامنے آنے کا خطرہ مول لیتا میں سر سے پاؤں تک مسلح تھا۔ آدھے گھنٹے بعد میں اس سڑک کے ساتھ تھا جو کنور پیلس کی طرف جاتی تھی۔ یہاں سگنل تھے۔ میں ذرا اوپر درختوں کے درمیان آیا۔

اب تک مجھے نہ تو کرنل کا کوئی آدمی نظر آیا تھا اور نہ ہی کوئی گاڑی دکھائی دے تھی۔ وہ تھے اسی علاقے میں مگر انہوں نے خود کو اچھی طرح کیموفلاج کر لیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی کیونکہ کنور پیلس سے تعلق رکھنے والے افراد کی آمد و رفت ہو سکتی تھی اور وہ یہاں مشکوک افراد کو دیکھ کر پیلس والوں کو ہوشیار کر سکتے تھے۔ جب کہ ہمارا منصوبہ انحصار ہی راز داری پر کرتا تھا۔ میں نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے میں سڑک پر نظر رکھ سکتا تھا اور مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ سویرا کا نمبر ملایا مجھے امید تھی کہ اس بار وہ موبائل کو سینے سے لگائے گھوم رہی ہو گی۔ پہلے اس نے شاید کسی کام سے رکھ دیا ہو گا مگر اجنبی نمبر دیکھ کر وہ سمجھ گئی ہو گی کہ میری ہی کال ہو سکتی ہے۔ میرا اندازہ درست نکلا جب اس نے دوسری بیل پر کال ریسیو کی اور پھولی سانسوں کے درمیان بولی۔

''شہباز.....''

''ہاں سویرا میں۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیسے ہیں آپ؟'' اس کے لہجے سے تڑپ ظاہر تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں سادی کو لینے جا رہا ہوں۔''

وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں کس خطرے میں جا رہا ہوں اور وہاں سے میری صحیح سلامت اور کامیاب واپسی بہت سی باتوں اور دعاؤں سے مشروط تھی۔ اس نے کہا۔ ''شہباز میں آپ کو روکوں گی نہیں لیکن آپ وعدہ کریں کہ آپ واپس آئیں گے۔''

''میں یہ وعدہ کیسے کر سکتا ہوں جب کہ زندگی و موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

وہ دبی آواز میں رونے لگی۔ ''میرا دل بیٹھ رہا ہے مجھے لگ رہا ہے..... اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہوا تو میں بھی مر جاؤں گی۔''

میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم اس سے بہتری کی امید رکھو اور دعا کرو مجھے اس وقت سب سے زیادہ ضرورت دعاؤں کی ہے۔ ماں جی سے بھی کہنا کہ دعا کریں۔''

''میں ضرور دعا کروں گی میرا رواں رواں دعا کرے گا۔'' اس نے کہا۔ ''جب آپ کی کال آئی تو میں نہا رہی تھی۔''

''نکھر گئی ہو گی۔'' میں نے ماضی کو یاد کیا۔ کبھی کبھی سویرا پر بھوت سوار ہوتا تو وہ خود صفائی پر تل جاتی تھی۔ اصل میں اسے صفائی تو میرے کمرے کی کرنی ہوتی تھی مگر اس بات کو چھپانے کے لیے وہ پورے رہائشی پورشن کی صفائی کر ڈالتی تھی اور بھوت بن جاتی۔ پھر نہا دھو کر آتی تو اس کا رنگ و روپ ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ وہ بولی تو اس کے لہجے شرم تھی۔

''آپ کو یاد ہے؟''

''میں بھولا کچھ بھی نہیں ہوں۔'' میں نے اس کا موڈ بدلنے کے لیے ذرا شوخ لہجے میں کہا۔ ''تمہارا رنگ و روپ بھولنے والی بات بھی نہیں ہے۔''

''توبہ ہے کن لوگوں کی صحبت میں رہ رہے ہیں۔'' اس نے ہڑبڑا کر کہا۔ ''کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔''

''یہاں چاروں طرف میری جیسی صورتیں ہیں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ہاں خیالوں میں تم ہوتی ہو میرے ساتھ۔''

''شہباز آپ سچ مچ بھی میرے ساتھ ہوں گے پلیز وعدہ کریں؟'' وہ پھر جذباتی ہو گئی۔

''سویرا میں وعدہ نہیں کرتا لیکن میری کوشش پوری ہو گی کہ واپس آؤں تمہارے لیے۔''

''میں آپ کا انتظار کروں گی۔'' اس نے کہا۔ ''آپ ابھی کہاں ہیں؟''

''سمجھ لو سادی کے پاس پہنچ گیا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو وہ صبح کا سورج نکلنے سے پہلے وہ ہمارے پاس ہو گی اور امکان ہے کہ چوبیس گھنٹے سے پہلے ہم واپس آ جائیں گے۔''

''سچ کہہ رہے ہیں؟''

''ارادہ تو یہی ہے آگے جو اللہ کی مرضی۔'' میں نے کہا۔

''نہیں مجھے یقین ہے اللہ آپ سب کو بحفاظت واپس لائے گا۔'' سویرا نے یقین سے کہا۔ اسی لمحے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی گاڑی کی آواز آئی اور میں چپ ہو گیا۔ سویرا نے محسوس کر لیا اس نے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

''شش کوئی پاس ہے۔'' میں نے کہا۔ اگر چہ گاڑی سڑک سے گزر رہی تھی لیکن یہاں سناٹا شدید تھا اور احتیاط کا تقاضہ تھا کہ میں خاموش رہوں۔ گاڑی گزر کر آگے چلی گئی۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا دس بجنے والے تھے میں نے سویرا سے کہا۔ ''وقت کم ہے زندگی رہی تو خوشخبری کے ساتھ دوبارہ بات کروں گا۔''

''ایک منٹ۔'' سویرا نے کہا وہ اتنی دیر سے خاموش تھی۔

''بولو۔''

سویرا کچھ دیر بعد بولی۔ ''میں کچھ پڑھ کر آپ پر پھونک رہی تھی اس لیے خاموش تھی۔ شہباز میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

اسے الوداع کہنا مشکل کام تھا مگر کہنا تو تھا۔ میں کال کے بعد بوجھل دل کے ساتھ نیچے اترا اور واپس روانہ ہوا۔ سڑک ویران تھی بائیں طرف کوئی بیس پچیس گز آگے وہ موڑ تھا جو کنور پیلس کی طرف جا رہا تھا۔ گاڑی کنور پیلس والی سڑک پر مڑی تھی۔ میں مڑا اور واپس ٹیلے کی طرف چل پڑا۔ میرے قدم سُست اور بوجھل تھے۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر سویرا کا بھیگا لہجہ آ رہا تھا۔ میری جب اس سے بات ہوتی تو اس کا اختتام سویرا کے آنسوؤں پر ہوتا تھا۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میرے ذہن میں اس کی آواز اور سسکیاں گونج رہی تھیں۔ شاید اسی لیے میں عقب میں آنے والے آدمی کے قدموں کی آہٹ نہیں سن سکا تھا۔ پھر وہ بہت دبے قدموں آیا تھا۔ بالکل آخری لمحوں میں مجھے آہٹ آئی لیکن اس سے پہلے میں مڑتا کوئی چیز میرے سر سے ٹکرائی اور میں نیچے گر گیا۔ ضرب شدید تھی اور میرا ذہن جیسے کسی تاریک دلدل میں دھنسنے لگا تھا۔ چند لمحے کی غفلت نے یہ وقت دکھایا تھا۔ میں نے کسی کی آواز سنی۔ ''میں نے ٹھیک کہا تھا نا بندہ ہے موبائل کی لائٹ تھی۔''

''یہ تو پوری طرح ہتھیار بند ہے۔'' دوسرے نے کہا۔ وہ دونوں ہندی میں بات کر رہے تھے۔ ''سیدھا کرا سے۔''

میں منہ کے بل گرا تھا۔ کسی نے مجھے ٹھوکر مار کر سیدھا کیا اور حیرت سے بولا۔ ''یہ تو وہی ہے بڑے کنور والا بندہ.....''

''ہاں وہی ہے لے چل اسے.....'' دوسرا جوش سے بولا۔ ''بڑا کنور اس کے لیے پاگل ہو رہا ہے۔ اپنے تو وارے نیارے ہو جائیں گے بڑا کنور اتنا دے گا۔''

''سمجھ لے لاٹری نکل آئی ہے۔ تُو اس کے پاس رک اور اس کے ہاتھ پیر باندھ دے میں گاڑی لاتا ہوں۔'' پہلے نے کہا اور چلا گیا دوسرا میرے پاس بیٹھ کر مجھے ٹٹولنے لگا تھا۔ اس نے رائفل شانے سے اتارنا چاہی تو میں نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑا اس نے بدک کر کہا۔

''ہوش میں ہے۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے میرے سر پر ایک وار اور کیا۔ اس بار میں فوراً بے ہوش ہو گیا تھا۔ ہائے ری قسمت.....کمند دو چار ہاتھ نہیں بلکہ دو چار انچ لب بام سے پہلے ٹوٹ گئی تھی۔ میں سادی کو آزاد کرانے آیا تھا اور خود اسیر ہو گیا تھا۔ میری تیاری کنور پیلس کی حفاظت کے لحاظ سے تھی مگر مجھے بڑے کنور کے دو معمولی ملازموں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے قابو کر کے اسیر کر لیا تھا۔ میری معمولی سی غلطی سے..... میں نے سوچا نہیں تھا کہ میرے کان سے لگے موبائل کی اسکرین کی روشنی کسی کو نظر آ سکتی ہے۔ وہ گاڑی پر یہاں سے گزر رہے تھے اور یقیناً یہ اتفاق تھا کہ ایک نے دیکھ لیا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھنے کے بجائے موڑ کے بعد رک گئے اور پھر خاموشی سے میرے پیچھے آئے۔ رائفل سے انہوں نے اندازہ کر لیا کہ میں خطرناک آدمی ہوں اور مجھے بے خبری میں قابو کرنا ہی مناسب ہوگا۔ انہوں نے کامیابی سے اس پر عمل کیا۔

○.....❖.....○

مجھے ہوش آیا تو میں ایک کرسی پر اس حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پشت پر ہتھکڑی سے بندھے تھے اور مجھے ہوش میں لانے کے لیے چہرے پر پانی پھینکا گیا تھا۔ میری جیکٹ، بلٹ پروف اور جسم سے تمام ہتھیار اور دوسری چیزیں اتار لی گئی تھیں۔ میرے جسم پر شرٹ، ٹراؤزر اور جوتے تھے۔ مگے سے پھینکا جانے والا پانی سرد تھپڑ کی طرح میرے منہ پر لگا اور بہہ کر شرٹ پر آیا تھا۔ دوسرے مگے پر مجھے ہوش آ گیا۔ سر شدت سے دکھ رہا تھا۔ دوسری ضرب نے سر پھاڑ دیا تھا اور خون بہہ کر میرے گال تک آیا ہوا تھا۔ پانی پڑا تو جما خون بھی بہنے لگا تھا۔ چوٹ ٹھنڈی ہو کر دکھ رہی تھی۔ میں نے سر جھٹک کر منہ سے ہٹایا اور بے ساختہ کراہا تھا۔ سر ہلانے سے قیامت کا درد اٹھا تھا۔ جب ذرا درد کم ہوا تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ میرا خیال تھا سب سے پہلے بڑے کنور سے سامنا ہوگا۔ مگر سامنے ہی رامن اور نائیک اپنی مکروہ صورتوں کے ساتھ موجود تھے۔ رامن طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''میری لک..... تم خود گرفتار ہو کر آ گئے۔''

''تمہاری لک؟'' میں نے جوابی طنز کیا۔ ''یا تمہارے آقا کی لک۔''

''جو تم سمجھ لو۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''اس خیال میں مت رہنا کہ تم اب یہاں سے بچ کر نکل سکو گے۔''

''خوش فہمیاں میں نے کبھی نہیں پالیں۔'' میں نے کسمسا کر اس جگہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ کمرے سے اندازہ ہو گیا کہ میں کنور پیلس کے قید خانے میں تھا جہاں پہلی بار آمد پر مجھے رکھا گیا تھا۔ دھات سے بنی کرسی زمین میں فکس تھی اور اسے ہلانا بھی ناممکن تھا۔ اس میں ہاتھ پیروں کو جکڑنے کے لیے خصوصی انتظامات تھے۔ رامن کی نسبت نائیک کے تاثرات زیادہ خطرناک تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ رامن شریف تھا۔ وہ لکڑ بھگے کی فطرت رکھنے والا عیار شخص تھا جو اپنے جذبات آخر وقت تک چھپائے رکھنے کا ماہر تھا۔ میری نظر کسی گھڑی کی تلاش میں تھی جس سے مجھے وقت کا اندازہ ہو۔ مجھے ہوش میں لایا گیا تھا اور اگر یہ کام کنور پیلس میں لاتے ہی کیا گیا تھا تب بھی میں آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت بے ہوش رہا تھا اور میں دس کے آس پاس میں بے ہوش ہوا تھا۔ یعنی کم سے کم ساڑھے دس ہو رہے تھے۔ لیکن یہ ایک اندازہ تھا ہو سکتا تھا میں اس سے زیادہ دیر بے ہوش رہا ہوں۔ میری کلائی سے گھڑی اتار لی گئی تھی اور وہاں دیواروں پر سوائے آلات تشدد کے اور کچھ نہیں تھا۔ یہ جگہ انٹروگیشن سیل تھا۔ جہاں کنور خاندان کے معتوبوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ نائیک اور رامن دونوں کی کلائیوں پر گھڑی تھی لیکن ان کے ڈائل میری سمت نہیں تھے۔ ورنہ میں ان سے وقت کا پتا چلا سکتا تھا۔ چند منٹ میں درد میں کسی قدر کمی آئی تھی میں نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ کون تھے جنہوں نے مجھے بے ہوش کیا تھا؟''

''میرے آدمی تھے۔'' رامن نے دانتوں کی نمائش کی۔ ''یہ اتفاق ہے تم ان کے ہتھے چڑھ گئے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ میری گرفتاری اتفاق تھی۔۔ ورنہ ہوش میں آنے کے بعد مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ حملے کے بارے میں بھی نہ جان گئے ہوں۔ رامن کسی قدر آگے آیا۔ ''لیکن تم اس طرح کمانڈو بنے یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے میں کیا کر سکتا ہوں؟'' میں نے الٹا سوال کیا۔

''یہ اسی کو آزاد کرانے آیا ہوگا۔'' نائیک نے گھٹیا لہجے میں کہا۔

''نہیں میں تمہاری ناپاک روح کو تمہارے جسم سے آزاد کرانے آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے مجھے اس کا موقع ضرور ملے گا۔''

''خود موت کی کرسی پر بیٹھے ہو اور باتیں سنو۔'' نائیک نے فلمی ولن کے انداز میں قہقہہ لگایا۔

میں نے جھک کر دیکھا۔ کرسی مکمل طور پر دھاتی تھی اور اس سے ایک موٹا تار نکل کر زمین کی سوئچ بورڈ تک جا رہا تھا جس سے ایک ریگولیٹر اور ایک ہینڈل منسلک تھا۔ ریگولیٹر کرنٹ کنٹرول کرنے کے لیے تھا اور ہینڈل گھمانے سے کرسی میں کرنٹ دوڑ جاتا ہوگا۔ میرے جسم میں خوف کی سرد لہری دوڑ گئی۔ کرنٹ کیسے آدمی کو توڑتا ہے مجھے اس کا تجربہ تھا جب اکرام چشتی نے مجھ پر کرنٹ کا تجربہ کیا تھا۔ مگر میں نے اپنا ظاہر پُرسکون رکھا تھا میں نے رامن کی طرف دیکھا۔ ''اگر تمہارا مقصد مجھے زیادہ سے زیادہ عذاب سے مارنا ہے تو دیر کس بات کی ہے اپنا کام شروع کرو۔''

''فکر نہ کر جلد اس کا وقت بھی آئے گا۔''

''تب تم کیا چاہتے ہو..... بڑے کنور کے لیے میرا خون نچوڑنا چاہتے ہو؟''

اس نے میرا سوال نظر انداز کیا اور بولا۔ ''ابھی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کس مقصد کے لیے یہاں آئے ہو؟''

''ظاہر ہے سادی کو آزاد کرانے اور اسے واپس لے جانے کے لیے۔''

رامن نے نفی میں سر ہلایا۔ ''شہباز تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ تم کنور پیلس کی سکیورٹی سے اچھی طرح واقف ہو۔ ایک آدمی اس کے گیٹ میں بھی نہیں گھس سکتا ہے اور تم اندر گھسنے کا دعویٰ کر رہے ہو۔ میں نہیں مان سکتا۔''

''نا مانو۔'' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''ویسے ایک سوال ہے؟''

''کیا؟''

''یہاں کا حکمران بڑا کنور ہے یا پھر کوئی انقلاب آ گیا ہے؟''

''بڑا کنور ہی یہاں کا حکمران ہے۔'' رامن نے چالاکی سے کہا۔

''تب مجھے اس کی تحویل میں ہونا چاہیے لیکن ایسا لگ رہا ہے اسے یہاں میری موجودگی کی خبر بھی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" رامن نے کہا۔ "میں نے کہا نا وہ دونوں میرے آدمی تھے۔"

رامن انہیں اپنے آدمی قرار دے رہا تھا جب کہ بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے ان کی جو گفتگو سنی تھی اس سے لگ رہا تھا وہ بڑے کنور کے ملازم تھے اور مجھے اس کے حضور پیش کر کے انعام و اکرام کے لیے پُر امید تھے۔ مگر اس وقت مسئلہ یہ نہیں تھا کہ میں کس کے قبضے میں تھا اس وقت رامن اور بڑا کنور میرے لیے برابر تھے۔ مجھے فکر تھی کہ فتح خان اور دوسرے میرے غائب ہونے سے کسی تذبذب کا شکار نہ ہو جائیں اور حملہ ترک کر دیا جائے۔ اب حملہ ہونا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ ورنہ میں یہیں پھنسا رہ جاتا۔ رامن میرے پاس سے برآمد ہونے والا اسلحہ دیکھ رہا تھا۔ یہ سب ایک طرف میز پر رکھا ہوا تھا۔ اس نے وائس بم والا سلیٹڈ اٹھایا تھا۔ وہ اس کی چابی کے ساتھ چھیڑ کرنے جا رہا تھا کہ میں نے خبردار کیا۔ "چابی مت چھیڑنا..... ورنہ یہ پھٹ جائے گا۔"

"میں احمق نہیں ہوں۔" رامن نے اطمینان سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے یہ وائس بم ہے۔ یہ رائفل، پستول، گرینیڈ اور اسموک گرینیڈ حاصل کر لینا کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن یہ....." اس نے وائس بم اوپر کیا۔ "بہت ہائی ٹیک ہتھیار ہے۔ اسے ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا ہے۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے..... ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس سے زیادہ چور بازاری کی ترقی نے ہر ممنوعہ چیز کو قابلِ حصول بنا دیا ہے۔ تمہارے پاس پیسہ ہے تو تم سب خرید سکتے ہو۔"

رامن ذرا آگے آیا اور جھک کر میرے چہرے کے پاس منہ لا کر بولا۔ "شہباز مجھے تمہاری بات کا ذرا اعتبار نہیں ہے۔"

"مت کرو۔" میں نے لاپروائی سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میری نظر اس کی کلائی پر بندھی گھڑی پر تھی مجھے ٹھیک سے ڈائل نظر نہیں آیا لیکن ایسا لگا جیسے گیارہ بجنے والے ہیں۔ میرا دل ایک لمحے کو دھڑکا تھا۔ طے ہوا تھا کہ نصف رات کے بعد حملہ ہو گا۔ وقت کا تعین کرنل کرتا۔ وہ جب مناسب سمجھتا حملے کا حکم دیتا۔ مگر حملہ رات دو سے صبح چار بجے کے درمیان ہوتا۔ اگر گیارہ بجے تھے تو حملے میں تین سے پانچ گھنٹے کا وقت تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کم سے کم تین گھنٹے کا وقت میں کیسے گزاروں گا؟ رامن کے تیور بتا رہے تھے وہ مجھ سے حقیقت اگلوانے کے لیے کچھ کر گزرنے کو بے تاب تھا۔ یقیناً اسے وہم و گمان بھی نہیں ہو گا کہ ہم کس پیمانے پر کارروائی کرنے جا رہے تھے؟ شاید اسے خیال ہو گا کہ میرے کچھ اور ساتھی بھی ہوں گے اور وہ مجھ سے ان کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

رامن نے جھکے جھکے گردن گھما کر نائیک کی طرف دیکھا تو جیسے اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ وہ دیوار پر لگے سوئچ اور ریگولیٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے ریگولیٹر کا ڈائل گھما کر کرنٹ کے وولٹیج طے کیے۔ اس نے یقیناً کرنٹ اتار رکھا تھا کہ میں مروں نہیں۔ مگر کرنٹ مارے نہ بھی تب بھی وہ آدمی کی جان نکال لیتا ہے۔ میں نے دانت بھینچ لیے تھے اس کے باوجود جب اس نے سوئچ آن کیا تو میں بے اختیار اچھلا تھا اور میرے منہ سے دھاڑ نکلی تھی۔ اس نے شاید ایک دو سیکنڈ کے لیے سوئچ آن کیا تھا مگر مجھے یہ چند لمحے صدی جیسے لگے تھے۔ میرا بندھا جسم جھٹکے کھا رہا تھا اور تڑپ رہا تھا۔ مگر میں ایک حد سے زیادہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ نائیک نے سوئچ بند کیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنٹ رکا اور میری سانس بحال ہوئی۔ ذرا سی دیر میں کرنٹ نے میرا برا حال کر دیا تھا۔ پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

رامن اسی طرح جھکا ہوا دیکھ رہا تھا اس نے پوچھا۔ ''اب کیا کہتے ہو؟''

میرا تھوک جواب بن کر اس کے منہ پر گرا تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر رومال سے منہ صاف کیا اور نائیک کی طرف دیکھا اور اس نے سوئچ آن کر دیا۔ اس بار کرنٹ زیادہ دیر تک جاری رہا تھا۔ میں لرزتا رہا اور چلاتا رہا۔ جب کرنٹ رکا تب بھی میرے حواس بحال نہیں ہوئے تھے۔ کمرا نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ منہ میں نمکین ذائقہ آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زبان دانتوں میں آ گئی ہو۔ کرنٹ رکنے کے بعد میں کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بے قابو سانس کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سر گھوم رہا تھا اور مجھے لگ رہا تھا میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔ اگرچہ بے ہوش ہونے میں عافیت تھی شاید مجھے ان دونوں کے ستم سے نجات مل جاتی مگر یہ ایسی صورت حال تھی کہ میں بے ہوش ہونا نہیں چاہتا تھا۔ میں بے ہوش ہو جاتا اور اسی دوران میں حالات میں کوئی تبدیلی آتی تو میں اس سے فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ رامن نے میرے بال پکڑ کر جھنجھوڑے اور کتے کی طرح غرایا۔

''شہباز بول تیرے ساتھ اور کون ہے۔''

''کوئی نہیں ہے.....'' میں نے ہانپ کر کہا۔ ''اگر کوئی ساتھ ہوتا تو کیا میں تمہارے دو عام ملازموں کے ہاتھوں پکڑا جاتا۔''

''تب تم اکیلے یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''میں نے سوچ تھا کہ کنور پیلس کی کوئی گاڑی روک کر اس کی مدد سے اندر پہنچ جاؤں گا۔''

''تم جانتے ہو یہ ممکن نہیں ہے..... باہر سے آنے والی ہر گاڑی کی مکمل تلاشی لی جاتی ہے بے شک اس میں کنور فیملی کا کوئی فرد کیوں نہ ہو۔ کلیئر ہونے کے بعد ہی اندر جانے والا گیٹ کھلتا ہے۔''

''میں نے چانس لینے کی کوشش کی تھی۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' وہ رفتہ رفتہ اپنا صبر کھو رہا تھا اور یہ بات میرے لیے خطرناک ہو سکتی تھی۔ ایک حد سے زیادہ کرنٹ مجھے ناکارہ کر دیتا اور وقت آنے پر میں حرکت کرنے کے قابل نہ رہتا۔ اس کے علاوہ بھی وہ تشدد کے حربے آزمانے کے لیے آزاد تھے۔

''تم فضول کی بحث کر رہے ہو۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''اگر فرض کرو میرے کچھ ساتھی باہر ہیں تو میرے بغیر وہ بے کار ہیں۔''

''وہ بے کار ہیں مگر میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔'' رامن نے کہا۔ ''خاص طور تمہارے اس ساتھی کو جس کا تعلق یہیں کے قبائلیوں سے ہے اور جو تمہارے ساتھ پاکستان چلا گیا تھا۔''

میں چونکا تھا اسے بیتو کے بارے میں کیسے علم ہوا تھا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ پاکستان میں ہے۔''

میرے جواب پر حرامزادے نائیک نے رامن کے اشارے کے بغیر ہی سوئچ آن کر دیا۔ اس بار کرنٹ غیر متوقع اور شدید تھا اور زیادہ دیر تک جاری رہا تھا۔ کرنٹ بند ہونے کے بعد بھی بہت دیر تک میرا جسم بے اختیار لرزتا رہا تھا۔ اس بار سر اٹھانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ ڈیلوں میں آنکھیں بے قابو گردش کر رہی تھیں۔ پہلے سانس بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قابو تھا اور اب سانس آ ہی نہیں رہا تھا بڑی مشکل سے میری حالت اس قابل ہوئی کہ میں سر اٹھا سکوں۔ رامن نے کہا۔ ''میں تصدیق کر چکا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ یہاں آیا ہے۔ تمہیں وہ ٹرک والا یاد ہے جسے تم نے ہائر کیا تھا۔''

''اگر سنگھ۔'' میں چونکا۔ ''تم لوگ اس تک پہنچ گئے تھے؟''

رامن مسکرایا۔ ''تمہیں یاد ہے اس کا نام..... ہاں وہ ہمارے قبضے میں آ گیا تھا۔ میرا مطلب ہے رانے اٹھا لیا تھا۔''

''تھا۔'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''یعنی اسے چھوڑ دیا بعد میں؟''

''ہاں اب تو اس کا کریا کرم بھی ہو گیا ہو گا۔'' رامن نے یوں کہا جیسے معمولی سی بات ہو۔ اگر سنگھ کی موت کا سن کر مجھے جھٹکا لگا تھا۔ میں نے بے یقینی سے کہا۔

''اسے مار دیا..... کیا قصور تھا اس کا؟''

''تم جانتے ہو اس کا قصور۔'' رامن نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اس نے سرحد پار سے آنے والوں کی مدد کی تھی۔''

''کیا میرے ماتھے پر لکھا تھا کہ میں سرحد پار سے آیا ہوں۔'' میں نے برہمی سے کہا۔ ''میں نے اس کا ٹرک کرائے پر لیا تھا اور ہم نے اسے راستے میں چھوڑ دیا تھا۔''

''وہ بی ایس ایف کے چار آدمیوں کی لاشوں کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔'' رامن نے کہا۔ ''تم سوچ سکتے ہو فورس اور ایجنسی کے غم و غصے کا کیا حال ہو گا۔''

''ہاں جب تم لوگ اصل ذمے داروں کو نہیں پکڑ پاتے تو اپنی نااہلی کا غصہ بے گناہ اور مجبور لوگوں پر نکالتے ہو۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''تم اس کی نہیں اپنی فکر کرو۔'' رامن کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ''وہ لڑکا کہاں ہے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر وہ یہاں ہوتا تو میں اس کے بارے میں بتا دیتا..... وہ ضد کر کے آ گیا تھا لیکن پھر میں نے اسے واپس بھیج دیا۔ وہ ناتجربے کار تھا اور یہاں اس کا کوئی کام نہیں تھا۔''

''تم جھوٹ کہہ رہے ہو وہ یہیں ہے۔''

''تو معلوم کر لو۔'' میں نے سوئچ کی طرف دیکھا۔ ''ایسا کرو اسے فل کرو اور کرنٹ کھول دو..... تب شاید میں زبان کھول دوں۔''

رامن نے دانت پیسے۔ ''شاید ایسا ہی کرنا پڑے۔''

لیکن اس سے پہلے وہ نائیک کو اشارہ کرتا جو سوئچ آن کرنے کے لیے بے قرار تھا۔ رامن کے پاس سے بیل کی آواز آئی اس نے موبائل نکال کر دیکھا اور پھر نائیک سے کہا۔ ''سب ایزاٹ از رکھنا کوئی تبدیلی نہ ہو میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

نائیک کا چہرہ بجھ گیا تھا۔ رامن نے اسے مجھ سے چھیڑ نہ کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ باہر چلا گیا اس کے جاتے ہی نائیک نے خباثت سے میری طرف دیکھا۔ ''دل تو چاہ رہا ہے کہ سچ مچ تجھے روسٹ کر دوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں دل کی کیا بات ہے..... لیکن تمہارا آقا تمہیں صرف بھونکنے کا حکم دے کر گیا ہے افسوس کہ تمہیں کاٹنے کی آزادی نہیں ہے۔''

نائیک کو کئی بار میرے ہاتھوں زک اٹھانی پڑی تھی۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تب بھی اس کی عداوت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وہ ان نیش فطرت لوگوں میں سے تھا جو نزدیک آنے والے پر فرد پر اپنا ڈنک آزماتا تھا اور جن پر نہیں آزما پاتا تھا ان کا زیادہ دشمن بن جاتا۔ اس نے مکروہ شکل بنا کر کہا۔ ''نہیں کاٹ بھی سکتا ہوں۔''

مجھے اندازہ تھا کہ وہ کیا بدمعاشی کرے گا۔ اس نے کرنٹ کم کیا اور سوئچ آن کیا تھا تو میں پہلے سے تیار تھا۔ میں نے ایسی فلک شگاف چیخ ماری کہ نائیک بھی اچھل پڑا تھا۔ اس نے ایک لمحے کو کرنٹ آن کیا تھا۔ میری آواز باہر تک گئی تھی اور فوراً رامن نے اندر جھانک کر کھا جانے والی نظروں سے نائیک کو دیکھا تو وہ فوراً بھیڑیئے سے بھیڑ بن گیا تھا۔ رامن کے جانے کے بعد میں ہنسا تو وہ مشتعل ہو گیا تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ اس بک بک میں مزید آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے نائیک کی گھڑی سے ہوا۔ وہ پاگل کتے کی سی بے قراری سے میرے سامنے ٹہل رہا تھا اور کئی بار اس کی گھڑی میرے سامنے آئی۔ اس بار میں نے واضح دیکھا ساڑھے گیارہ سے اوپر کا وقت ہو گیا تھا۔ مسلسل کئی بار کرنٹ کھانے سے میرا گلا خشک ہو گیا تھا اور مجھے پیاس لگ رہی تھی مگر میں پانی مانگ کر ذلیل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ پانی تو کیا ملتا نائیک کو موقع مل جاتا مجھے اذیت پہنچانے کا۔ اس لیے صبر سے برداشت کرتا رہا۔

خود پر قابو رکھنے اور ذہن پُرسکون کرنے کے لیے میں نے سانس کی ایک مشق شروع کر دی اور اس کا فائدہ بھی ہوا تھا کیونکہ نائیک نے سادی کے حوالے سے بکواس شروع کر دی تھی۔ وہ اپنی ذہنی گندگی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میں نے اشتعال میں آنے کے بجائے خود کو سمجھایا کہ وہ کتا ہے اور اس کا کام ہی بھونکنا ہے میں اسے نہیں روک سکتا تھا اور جواب میں بھونک بھی نہیں سکتا تھا ہاں جلد موقع آتا تو میں اسے عملی جواب دے سکتا تھا اس کی گندی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر سکتا تھا۔ وہ بھونکتا رہا اور میں سانس کی مشق کرتا رہا۔ اس مشق کے باوجود بعض اوقات میرے لیے ضبط کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ آدمی کے لیے عزت کا وار سب سے بڑھ کر ہوتا ہے اور وہ یہی وار کر رہا تھا۔ میں اسے جواب نہیں دے سکتا تھا البتہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ موقع ملنے پر اسے چھوڑوں گا نہیں جب وہ چپ ہوا تو میں نے اسے آگاہ بھی کر دیا۔

''جب مجھے موقع ملا میں تمہیں کتے کی موت ماردوں گا۔''

''ابھی تو تُو خود کتے کی موت مرے گا۔'' نائیک نے ہانپتے ہوئے کہا اور باہر چلا گیا۔ وہ میری طرف سے بے فکر تھے کیونکہ میں کسی صورت از خود اس کرسی سے آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔ فولادی کڑوں نے میرے ہاتھ پاؤں جکڑ رکھے تھے۔ سامنے میرے سارے ہتھیار رکھے تھے اور میں بے بسی سے انہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ اچھا ہوا تھا کہ میں لیپ ٹاپ بیتو کے پاس چھوڑ آیا تھا اور میرے پاس صرف خریدا ہوا موبائل تھا۔ اس میں ایک ہی نمبر تھا اور وہ بھی سویرا کا تھا اس سے میرے دشمن کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے ہاں اگر سفیر یا وسیم کے نمبر آجاتے تو اس سے وہ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ مگر مجھ سے یہ عقل مندی نہیں ہوئی کہ میں انہیں کال کرتا میں نے موبائل صرف سویرا سے رابطے کے لیے لیا تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں آتے ہوئے کنور پیلس کا ڈیجیٹل میپ بیتو کو دے آیا تھا۔ وہ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاس سے نکل آتا تو رامن بہت زیادہ مشکوک ہو جاتا۔ مشکوک وہ اب بھی تھا لیکن اس کا ذہن کسی بڑی کارروائی کی طرف نہیں گیا تھا۔ نائیک کے باہر جانے سے میں نے سکون کا سانس لیا اور دل میں دعا کی کہ اب اس کی منحوس صورت مجھے دیر تک نظر نہ آئے۔

میں نے جانچنے کے لیے کڑوں پر روز آزمائی کی لیکن یہ پتلے مگر بہت ہی مضبوط فولاد سے بنے تھے اس کوشش میں یہ کلائیوں میں گڑ کر تکلیف دینے لگے تھے۔ میں نے ٹٹول کر دیکھا۔ یہ کڑے گھوم کر ایک ہک میں پھنس جاتے تھے اور اس ہک کا لاک ایسی جگہ تھا جہاں تک میری انگلیاں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ میں نے اس کی کوشش بھی کر کے دیکھ لی۔ کڑے اتنے تنگ تھے کہ کلائی سے نیچے ہاتھ ہلانے کی زیادہ گنجائش نہیں تھی۔ یہی حال پاؤں کو جکڑے کڑوں کا تھا۔ میں نے ممکن حد تک زور آزمائی کر لی اور پھر ہار مان لی میں اسی صورت میں آزاد ہو سکتا تھا جب کوئی آزاد کراتا یا کوئی غیب سے مدد ہوتی۔ میرے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ بارہ بج رہے تھے۔ طے شدہ وقت میں اب بھی دو گھنٹے باقی تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ قید خانے کی عمارت الگ تھلگ تھی اور بہت بڑی نہیں تھی مشکل سے دو ڈھائی سو گز پر تھی اگر کرنل کے آدمی اس پر میزائل فائر کرتے تو امکان تھا کہ یہ پوری عمارت ملبے کا ڈھیر نہ بن جائے۔

مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ صرف ایک چیز اس عمارت کو محفوظ رکھ سکتی تھی اور وہ اس کی بہت مضبوط ساخت تھی۔ اسے خاص طور سے قید خانے کے طور پر بنایا گیا تھا اور اس کی تعمیر میں مضبوطی کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ اس کی پتھروں کی دیواریں بہت موٹی تھیں اور تمام دروازے مضبوط فولاد کے تھے۔ اسی لحاظ سے اس کے اندر سریا اور دوسرا تعمیراتی سامان استعمال ہوا ہوگا۔ یعنی اسے ہر ممکن مضبوطی کے ساتھ تعمیر کیا گیا ہوگا۔ چند لمحے کے اضطراب کے بعد میں نے خود پر قابو پا لیا۔ اس قسم کا اضطراب میرے دشمنوں کو ہوشیار کر سکتا تھا۔ جو میری قسمت میں لکھا تھا وہ تو ہونا تھا تو پہلے سے پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وقت گزر رہا تھا اور کیونکہ معلوم کرنے کا ذریعہ نہیں تھا اس لیے کہنا مشکل تھا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ شاید ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

دروازہ کھلا تو چونکا اندر آنے والا رامن تھا۔ وہ فکر مند لگ رہا تھا اور یہ دیکھ کر میں فکر مند ہو گیا کہ کہیں اسے کچھ سن گن تو نہیں مل گئی۔ اگر حملے کا راز فاش ہو جاتا تو پلیس کی سکیورٹی الرٹ کر دی جاتی اور پھر کامیابی کے امکانات کم ہو جاتے۔ اول تو حملے کی کامیابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر رہ جاتے اور کنور حکومت سے مدد بھی طلب کر سکتا تھا۔ پھر اس کا بھی امکان تھا کہ بڑا کنور سادی کو لے کر یہاں سے نکل جاتا اور ہم منہ دیکھتے رہ جاتے۔ اس کے بعد ہم بے شک پورے کنور پلیس کو کھنڈر کر دیتے اور ایک ایک فرد کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تب بھی بے کار ہوتا۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''کیا بات ہے کیا بڑے کنور کو یہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا ہے؟''

''اسے پتا نہیں چلے گا۔'' وہ خشک لہجے میں بولا۔

میں ہنسا۔ ''تم سے پہلے یہی خوش فہمی راج کنور اور منشی دل جی کو بھی تھی۔''

وہ چونکا۔ ''تم منشی دل جی کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم شاید بے خبر ہو میری کئی بار بڑے کنور سے فون پر بات ہوئی ہے اور وہ جانتا ہے میں یہاں ہوں۔''

اس بار رامن زیادہ فکرمند دکھائی دیا تھا۔ رفتہ رفتہ میرا خدشہ کم ہو رہا تھا کہ رامن شاید حملے کے بارے میں جان گیا ہے۔ میں نے ملازمین کا ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ وہی میری امید تھے کہ وہ بڑے کنور تک خبر پہنچا سکتے تھے۔ بے شک رامن نے انہیں منہ بند رکھنے کا حکم دیا ہوگا مگر ایک تو وہ ملازم تھے اور دوسرے انہیں لالچ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بڑا کنور اس جگہ کا اصل مالک تھا اور اسے میری اشد ضرورت تھی۔ جب وہ دیکھتے کہ رامن نے مجھے قید کیا ہوا ہے تو ممکن ہے انہیں خیال آتا اور وہ یہ بات بڑے کنور کے علم میں لانے کی کوشش کرتے لیکن یہ مفروضہ بھی ہو سکتا تھا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ وہ رامن کی وفاداری کا دم بھرتے۔ رامن نے کچھ دیر بعد کہا۔

''بہرحال وہ اس وقت کنور پیلس میں تمہاری موجودگی سے لاعلم ہے۔''

''ہو سکتا ہے اسے علم ہو جائے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

وہ مسکرایا۔ ''اگر تمہارا اشارہ ان دونوں کی طرف ہے جو تمہیں لے کر آئے تھے تو وہ دونوں اسی عمارت کے ایک کمرے میں موجود ہیں اور میری مرضی کے بغیر وہ یہاں سے نہ تو کہیں جا سکتے ہیں اور نہ کسی سے رابطہ کر سکتے ہیں۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ رامن اتنا ہی عیار ثابت ہوا تھا جتنا اسے ہونا چاہیے تھا۔ اس نے ان دونوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا تھا اب اس کے عزائم مزید واضح ہونے لگے تھے۔ اس نے میرے لیے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔ وہ بڑے کنور کی لاعلمی میں اس پر عمل کر گزرتا اور اسے بعد میں بھی خبر نہ ہوتی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان دونوں ملازموں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی مجھے دیکھا ہوگا کیا ان سے بڑے کنور کے علم میں یہ بات نہیں آئے گی؟ اگر ایسا ہی تھا تو اس کا مطلب تھا کہ رامن نے کنور پیلس میں اہم مقام حاصل کر لیا تھا اور وہ اپنی من مانی کر سکتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اس نے منشی دل جی کی جگہ حاصل کر لی ہو۔ وہ مجھے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ یہاں کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔''

مجھے مایوسی ہوئی تھی لیکن میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں نے کبھی کسی کی مدد پر بھروسہ نہیں کیا مجھے صرف اللہ پر بھروسہ ہے۔''

رامن نے دانت نکالے۔ ''تو بس وہی تمہاری مدد کرے گا۔''

''مجھے بھی یقین ہے اللہ تمہاری زبان مبارک کرے اگرچہ تم آدمی نہایت منحوس ہو۔''

''بانو کہاں ہے؟'' اچانک اس نے موضوع بدل دیا۔

''جب تم یہ جانتے ہو کہ بیتو میرے ساتھ آیا تھا تو تمہیں یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ بانو سرحد پار واپس جا چکی ہے۔''

''وہ پھر یہاں آئے گی اور اس بار کوئی اسے بچا نہیں سکے گا۔''

''اس کے برعکس مجھے یقین ہے اگر کبھی تم اپنی بدقسمتی سے اس کے سامنے آ گئے تو تمہیں بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔''

وہ حقارت سے مسکرایا۔ ''تم نے اسے کچھ سکھا دیا تو اس کا مطلب ہے وہ میرے سامنے آ سکے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کچھ میں نے سکھایا ہے لیکن اب وہ جن ماہروں کے ساتھ ہے اور وہ اسے جو سکھا رہے ہیں وہ ایک وقت تمہارے جیسے چار آدمیوں سے مقابلہ کر سکتی ہے۔''

''میں ترنوالہ نہیں ہوں۔ اس کا اندازہ تمہیں بھی ہوگا ورنہ میں جس کھائی میں گرا تھا اس سے زندہ باہر نہیں آ سکتا تھا۔''

مجھے اعتراف تھا کیونکہ واقعی اس کا بچ جانا اور اتنی جلدی ٹھیک ہو جانا تھا اس کی سخت جانی کی اور اچھی قسمت کی دلیل تھی۔ مگر میں اسے بانو سے ڈرا نہیں رہا تھا میں تو وقت گزاری کر رہا تھا اب وہ کسی بھی طریقے سے ہوتی اس لیے میں نے بحث جاری رکھی اور لاپروائی سے کہا۔ ''وہ اتفاق تھا کہ تم بچ گئے..... مگر بانو کے سامنے کوئی اتفاق تمہیں نہیں بچا سکے گا۔''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''شہباز تم غیر متعلقہ باتیں کر رہے ہو۔''

''تو تم متعلقہ بات کر لو۔''

''راج کنور کہاں ہے؟'' اس نے اچانک پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' میں نے سکون سے کہا۔ ''میں نے اسے شملہ کے ایک اسپتال میں جمع کرایا تھا بعد میں وہ وہاں سے غائب پایا گیا۔''

''اسے کنور پیلس لایا جا رہا تھا راستے میں اس گاڑی پر حملہ ہوا جس میں کنور تھا۔ دونوں گارڈز مارے گئے اور حملہ کرنے والے راج کنور کو ساتھ لے گئے۔''

''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں حملہ میں نے نہیں کیا تھا اور راج کنور ویسے بھی میرے لیے بے کار آدمی ہے اسے ساتھ لے جانے کے بجائے میں اس کی لاش چھوڑ جانا زیادہ پسند کرتا۔''

''جھوٹ مت بولو یہ تمہارا ہی کام ہے۔''

''مرضی تمہاری..... میں تمہارے قبضے میں ہوں، تم جو چاہے الزام لگا دو۔'' میں نے شانے ہلائے۔ ''ویسے مینیو میں کیا صرف کرنٹ ہے؟''

''نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔'' رامن نے دیوار پر سجے آلاتِ تشدد کی طرف دیکھا۔ ''جو کہو گے کھانے کو ملے گا۔''

''جو تمہاری مرضی ہے..... لیکن میں بتا دوں کہ تم صرف وقت ضائع کر رہے ہو۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تم مجھ سے احمقانہ سوالات کر رہے ہو جن کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔''

''میں وقت ضائع نہیں کر رہا ہوں۔'' وہ بولا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ''تم نے کبھی سوچا کہ میں نے راجیے ادارے کو چھوڑ کر کنوروں کی چاکری کیوں کی؟''

''نہیں کیونکہ میرے پاس فالتو باتیں سوچنے کا وقت نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تم نے یقیناً کسی نہ کسی مقصد سے یہ کام کیا ہے۔ البتہ ایک شبہ ہے۔ میاں ممتاز کی حویلی میں بھی تم دراصل کنوروں کے لیے کام کر رہے تھے اور را کی نوکری صرف کور تھی۔''

رامن نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''اور تم کہہ رہے ہو کہ تم میرے بارے میں سوچتے نہیں ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تھوڑا بہت تو سب اپنے دشمنوں کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے میری سوچ درست ہے۔ تم وہاں بھی کنوروں کے لیے کام کرتے تھے۔''

اس نے ٹہلتے ہوئے سر ہلایا۔ ''ہاں یہ چکر دوسرا ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتا.....''

''تمہیں بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''میاں ممتاز کا کنوروں سے کاروباری تعلق تھا۔ وہ ان سے ہیرے خریدتا تھا اور میرا خیال ہے تم وہاں کنوروں کے نگران کی حیثیت سے موجود تھے۔ شاید ادائیگیاں لیٹ کی جاتی ہوں گی۔ اس لیے تم وہاں بھیجے گئے تاکہ میاں جی کی نیت پر نظر رکھو۔''

''شہباز تم بہت خطرناک آدمی ہو۔''

''تمہیں اس معاملے میں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں کسی کے چکر میں بلاوجہ نہیں پڑتا۔ اگر تم اور کنور مجھ سے چھیڑ نہ کرتے تو آرام سے اپنا کام کرتے رہتے۔ اب بھی تم مجھ سے پنگا کر رہے ہو حالانکہ میں نے تمہیں مارنے کے بجائے ایک موقع دیا اور اسی وجہ سے تم زندہ ہو۔ مگر ایک بار پھر تم میری راہ میں آئے ہو۔''

''اس بار مجبوری ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''میں تمہیں کنور تک پہنچنے سے روکنا چاہتا ہوں۔''

''دوسرے لفظوں میں تم چاہتے ہو کہ بڑا کنور ٹھیک نہ ہو۔'' میں نے غور کیا۔ ''لیکن کیوں.....اگر تم راج کنور کے لیے کام کر رہے ہو تو بے وقوفی کر رہے ہو اور میں جانتا ہوں تم بے وقوفی کرنے والے آدمی نہیں ہو۔''

''راج کنور سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''تو پھر کس سے تعلق ہے.....'' میں کہتے کہتے رک گیا اس کی وجہ میرے ذہن میں اچانک آنے والا خیال تھا۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے تھے؟'' اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

میں چپ رہا کیونکہ میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا اور کچھ کڑیاں جو پہلے آپس میں ٹھیک سے نہیں بیٹھ رہی تھیں۔ اب بیٹھتی نظر آ رہی تھیں۔ رامن اچانک میری طرف جھکا اور اس نے جھک کر پوچھا۔ ''بتاؤ تم کیا کہہ رہے تھے اور رک کیوں گئے؟''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میں سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔''

''نہیں تم کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے۔'' اس نے ایک بار پھر میرے بال جکڑ لیے اور انہیں جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ ''بولو تم کیا کہنا چاہتے ہو تم کیا جانتے ہو؟''

میں اپنا سر پیچھے لے جا رہا تھا وہ میری طرف جھک رہا تھا۔ میں نے کوئی ردِعمل نہیں دکھایا تھا۔ پھر جیسے ہی اس نے میرا سر چھوڑا میں نے پوری قوت سے سر آگے اچھالا۔ رامن کا منہ کچھ زیادہ ہی پاس آ گیا تھا اور اسے خمیازہ بھگتنا پڑا۔ میرا منہ اس کی ناک پر لگا تھا اور وہ ایک دھاڑ کے ساتھ پیچھے جا گرا تھا۔ اس کی چیخ سن کر باہر سے نائیک اندر آیا تھا۔ اس نے جھک کر رامن کو اٹھانا چاہا تو اس نے نائیک کو دھکیل دیا۔ رامن اٹھا تو اس کی ناک لہولہان ہو رہی تھی۔ وہ خوفناک نظر آ رہا تھا اور اس کے تاثرات بھیانک ہو گئے تھے۔ مجھے معلوم تھا وہ غصے سے پاگل ہو جائے گا اس کے باوجود میں مسکرایا۔ ''میری طرف سے ایک اور تحفہ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب میں وہ غراتا ہوا میری طرف آیا تھا کہ اچانک ہی روشنی غائب ہوگئی۔ رامن اور نائیک بیک وقت ہکلائے۔ ''یہ..... یہ کیا ہوا؟''

وہ نہیں سمجھے تھے لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ میرے جسم میں تاریکی چھاتے ہی سردی لہر دوڑ گئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اب کیا ہونا ہے۔ تاریکی ایک لمحے کے لیے ہوئی تھی دوسرے لمحے روشنی بحال ہوگئی۔ رامن دہشت زدہ ہو رہا تھا شاید اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا۔ وہ باہر کی طرف جھپٹا۔ نائیک وہیں موجود تھا۔ اس نے خونی نظروں سے مجھے دیکھا اور میری طرف بڑھا تھا کہ میرے کانوں نے ایک سنسناتی آواز سنی اور پھر ایک دھمک سی ہوئی۔ دھماکے کی آواز سے پہلے نائیک کے عقب میں ایک آگ کا طوفان نمودار ہوا تھا۔ نائیک اچھل کر میری طرف آیا اور میں کرسی سمیت نیچے گرا تھا۔ دھماکے کی آواز سے پہلے میرے ہوش وحواس گم ہو گئے تھے۔

○.....❖.....○

دھماکے نے میرے حواس مختل کر دیئے تھے اور اس کے زور نے مجھے کرسی سمیت اکھاڑ پھینکا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرا جسم کئی حصوں میں بٹ گیا ہے۔ نائیک بہت قوت سے مجھ سے ٹکرایا تھا۔ اسے کمرے کا فولادی دروازہ لگا تھا۔ اس کا پتا نہیں کیا حال ہوا تھا۔ کچھ دیر کے لیے مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ یہ وقت کتنی دیر تک رہا میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میں چونکا تو باہر سے بے پناہ فائرنگ کے ساتھ انسانوں کی چیخ وپکار سنائی دے رہی تھی۔ اس عمارت کی روشنی بند ہوگئی تھی لیکن باہر لگنے والی آگ کے شعلوں کا انعکاس اندر تک آ رہا تھا۔ میں پہلو کے بل اس طرح گرا ہوا تھا کہ کرسی میری پشت پر تھی۔ میں نے حرکت کرنا چاہی تو مجھے پتا چلا کہ میرے ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ ٹوٹنے اور گرنے کے دوران کرسی کا کلپ کھولنے والا میکنزم کام کر چکا تھا اور میرے ہاتھ آزاد تھے۔ البتہ میرے پاؤں بدستور کرسی کے کلپس میں قید تھے۔

میں اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس دھماکے نے مجھے کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ میں درد اور ہاتھوں سے ٹٹول کر اپنا جسم چیک کر رہا تھا۔ کئی جگہوں پر زخم تھے، مجھے خون کی چپچپاہٹ محسوس ہوئی تھی۔ مگر درد اتنا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ درست انداز میں کام کر رہے تھے اس لیے میں نے مزید معائنے کا کام ملتوی کیا اور خود کو آزاد کرانے کی کوشش شروع کر دی۔ پیروں کے کڑے کسی قدر موٹے حلقے والے تھے اور اسی لحاظ سے مضبوط تھے۔ کرنل نے شاید دو بجتے ہی حملے کا آغاز کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میری غیر موجودگی میں کنور پیلس پر ہیلی کاپٹر سے اترنے والی ٹیم کی قیادت کون کرتا؟ کڑوں کو اپنی جگہ سے ہلانے کی کوشش ناکام رہی تھی۔ وہ بہت مضبوطی سے اپنی جگہ جمے ہوئے تھے۔ اس لیے اب میں کرسی کے عقبی حصے کو ٹٹول رہا تھا۔ ان کڑوں کو کھولنے والا میکنزم کرسی کی پشت پر ہی تھا۔ مگر یہ بہت مشکل کام تھا۔

دھماکے نے صرف دروازہ نہیں اکھاڑا تھا بلکہ کمرے کو بھی تہ و بالا کر دیا تھا۔ اکر دیواریں اور چھت بہت مضبوط نہ ہوتیں تو یہ گر جاتیں مگر اب بھی ان سے پلاسٹر کے ٹکڑے ٹوٹ کر گرے تھے۔ اندر گرد اور دھویں نے ماحول دھندلا دیا تھا۔ اس کے پار روشنی جیسے لہرا رہی تھی۔ دھواں زیادہ نہیں تھا مگر گرد کے ساتھ مل کر سانس لینے میں مشکل پیدا کر رہا تھا۔ میرا گلا پہلے ہی خشک ہو رہا تھا۔ جسم موڑ کر میں کرسی کی پشت ٹٹول رہا تھا۔ میری انگلیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ایک ابھری ہوئی چیز کو چھوا۔ میں نے اسے اوپر کھسکانے کی کوشش کی مگر وہ جام ہو رہی تھی۔ شاید یہی پاؤں کے کڑے کھولنے والا کھٹکا تھا۔ اس کی پوزیشن بھی ایسی تھی کہ میں اسے بہ مشکل دو انگلیوں سے اوپر کی طرف کھینچ سکتا تھا اس سے زیادہ زور لگانا ممکن نہیں تھا۔ اگر یہ ذرا اوپر ہوتا تو میں انگوٹھے سے زور لگا کر اسے کھینچ لیتا۔ میں نے کوشش کر کے دیکھ لی مگر دو انگلیوں سے زیادہ رسائی نہیں تھی۔ پھر میں نے آس پاس ٹٹولا کہ کوئی چیز مل جائے جس سے میں کھٹکا کھسکا سکوں۔

دھماکے سے پہلے روشنی بند ہو گئی تھی۔ یقیناً کنور پیلس کو فراہم کی جانے والی پاور لائن اڑا دی گئی تھی۔ پھر بیک اَپ نے کام شروع کیا تھا اور جب میزائل آ کر اس عمارت سے ٹکرایا تو اس نے بجلی کا نظام تباہ کر دیا تھا۔ اب یہاں پھر اندھیرا تھا مگر اچانک ہی دوبارہ روشنی ہو گئی۔ شاید عمارت کے بیک اَپ نے کام شروع کر دیا تھا۔ مگر یہ روشنی زیادہ نہیں تھی اور کمرے کے کونے میں لٹک جانے والا بلب ٹمٹما رہا تھا۔ بہرحال یہ روشنی بھی غنیمت تھی۔ میں نے آس پاس دیکھا تو مجھے ایک زنبور نما آلہ دکھائی دیا۔ یہ شاید دانت یا ناخن اکھاڑنے کے کام آتا تھا۔ مگر وہ کچھ دور پڑا تھا۔ میں نے اسے حاصل کرنے کے لیے کرسی آگے کھسکائی اور دوسری بار وزنی کرسی کھسکانے پر وہ زنبور نما آلہ میرے ہاتھ میں آ گیا تب میں نے نائیک کو فرش پر اپنے ہی خون میں غلطاں پڑے دیکھا تھا۔ اس کا ایک بازو تقریباً کٹ گیا تھا اور جبڑا ٹوٹ جانے سے منہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ مر گیا تھا یا ابھی زندہ تھا۔

میں نے آلہ پیچھے لے جا کر اس سے کھٹکا کھسکانے کی کوشش شروع کی۔ اگر کھٹکا ٹھیک ہوتا تو وہ بہت آسانی سے کھسک جاتا مگر کرسی گرنے اور اسٹرکچر بگڑنے سے کھٹکا سخت ہو گیا تھا۔ وہ کھسک کر نہیں دے رہا تھا۔ میں نے آلہ اس پر مارا اور چند نستعلیق گالیاں بھی دیں مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔ کرسی خود فرش سے آزاد ہو گئی تھی لیکن مجھے قید رکھا ہوا تھا۔ میں نے آلے سے کڑا کاٹنے کی کوشش بھی کی۔ مگر وہ اس کام کے لیے موزوں نہیں تھا۔ عجیب پوزیشن تھی۔ میں ایک بہت بڑے دھماکے میں بچ گیا تھا جب کہ میرے دشمن اس کا شکار ہو گئے تھے، کم سے کم ایک تو میرے سامنے پڑا ہوا تھا مگر ساتھ ہی میں قید سے چھٹکارا بھی حاصل نہیں کر سکا تھا۔ میری پوزیشن بھی ایسی تھی کہ میں خود کو آزاد نہیں کر سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہ میری نظر ایک طرف موجود اپنے ہتھیاروں پر گئی تھی۔ دھماکے نے انہیں بھی میز سے منتشر کر دیا تھا اور خیریت رہی کہ ان میں سے کوئی گرینیڈ یا اسموک بم نہیں پھٹا تھا ورنہ میرا بچنا محال تھا۔

مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اس طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ یہ خاصا مشکل کام تھا کیونکہ درمیان میں دروازہ پڑا ہوا تھا۔ اس سے گزر کر جانا تھا۔ کرسی کم سے کم ایک من وزنی تھی کیونکہ یہ ٹھوس فولاد کی بنی تھی۔ ایک من وزن سرکانا بھی آسان نہیں تھا مگر جب انسان کی جان پر بنی ہوتی ہے تو وہ سب کر لیتا ہے۔ ایک پہاڑ سر پر اٹھا کر دوسرا پہاڑ بھی سر کر لیتا ہے یہ تو ایک من وزنی کرسی تھی۔ کسی نہ کسی طرح میں نے ہتھیاروں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ میں نے پستول اٹھایا اسے چیک کیا۔ پھر اسے عقب میں لاکر نال کھٹکے پر رکھی اور آگے جھکتے ہوئے گولی چلا دی۔ گولی نہ جانے کہاں گئی۔ ایک دھماکا ہوا مگر کڑے بدستور بند رہے۔ میں نے ٹٹول کر دیکھا۔ کھٹکا ٹیڑھا ہو گیا تھا اور اپنی جگہ سے کسی قدر سرک بھی گیا تھا۔ میں دوسرا فائر کرنے والا تھا کہ باہر سے کسی نے چلا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اندر فائر ہوا ہے۔''

''تُو جا کر دیکھ۔'' کسی اور نے اسے حکم دیا۔

خطرہ قریب آ رہا تھا کیونکہ بولنے والے مقامی لہجے میں بات کر رہے تھے اور وہ یقیناً کرنل یا فتح خان کے آدمی نہیں تھے۔ جب تک میں آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا باہر چیخ و پکار اور فائرنگ کا شور جاری تھا۔ دھماکے ہو رہے تھے۔ میزائل مین اپنا کام کر رہے تھے۔ شکر ہے اس عمارت پر دوسرا میزائل فائر نہیں ہوا تھا ورنہ اس بار یہ ملبے کا ڈھیر بن جاتی۔ کبھی شور کم ہو جاتا اور کبھی بڑھ جاتا تھا۔ دور سے کی جانے والی فائرنگ کی آواز یہاں تک نہیں آ رہی تھی البتہ کنور پیلس کے گارڈز جو جواب دے رہے تھے اس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہاں بھی کچھ لوگ تھے جو اندر سے فائر کی آواز پر چونک گئے تھے۔ اس سے پہلے کوئی نمودار ہوتا میرا آزاد ہونا ضروری تھا۔ میں نے پھر کھٹکے پر نال رکھی اور فائر کر دیا۔ اس بار بھی کڑانہیں کھلا تھا۔ میں نے کڑے کی شان میں کچھ گستاخیاں کیں۔

اسی لمحے دروازے کی طرف ایک سایہ نمودار ہوا اس نے خود کار رائفل اٹھا رکھی تھی۔ میں نے کسی قدر رخ کر پستول کا رخ دروازے کی طرف کیا اور جیسے ہی وہ سامنے آیا میں نے فائر کیا۔ وہ جھٹکے سے پیچھے گیا مگر فوراً اس کا رائفل والا ہاتھ آگے آیا۔ میں نے تیزی سے گھومتے ہوئے کرسی کی پشت اس کی طرف کر دی۔ اس کے عقب میں ہی میں کسی قدر بچ سکتا تھا۔ اس نے برسٹ مارا اور میں سر ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے گول مول ہو گیا۔ گولیاں کرسی سے ٹکیں اور کچھ اس سے بچ کر گزر گئیں۔ مجھے جھٹکا لگا مگر یہ گولی کا نہیں تھا بلکہ کڑے کھل جانے سے میرے پاؤں آزاد ہو گئے تھے۔ دشمن کی طرف سے چلائی جانے والی کسی گولی نے کام کر دیا تھا۔ میرے پاؤں پھنسے تھے اس لیے اچانک آزاد ہونے سے جھٹکا لگا تھا۔ میں آگے سرکا اور دوسرے برسٹ سے بچ گیا۔ کرسی کو آڑ بناتے ہوئے میں نے دروازے کی طرف پستول کا رخ کر کے پورا میگزین خالی کر دیا۔ اس بار وہ نشانہ بنا کیونکہ اس نے چیخ کر گالی دی پھر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

میں نے رائفل اٹھائی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ ایک طرف آگ بھڑک رہی تھی اور اس طرف عمارت تباہ ہونے سے کھلا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ فائر کرنے والا دوسری طرف سے آیا تھا۔ میں نے ایک لمحے کو جھانک کر دیکھا تو مجھے راہداری کے سرے پر دو افراد دکھائی دیئے۔ ان میں سے ایک زخمی تھا اس نے اپنا بازو تھام رکھا تھا۔ میں نے رائفل کا رخ ان کی طرف کیا مگر اسی لمحے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ آگے جا چکے تھے۔ یہاں دھواں زیادہ تھا۔ میں واپس آیا اور جلدی سے بلٹ پروف اور اس پر جیکٹ پہنی، بم لگائے اور پھر منہ پر گیس ماسک لگا لیا۔ یہاں اثر نہیں تھا مگر باہر یقیناً گیس کا اثر موجود تھا۔ ہر چیز مٹی مٹی ہو رہی تھی مگر کسی چیز کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ اضافی میگزین کا بکٹ شانے سے لٹکایا اور باہر کی طرف بڑھا تھا کہ کراہ سنائی دی۔ میں نے چونک کر نائیک کی طرف دیکھا۔ وہ زندہ تھا اور ہوش میں آ گیا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور مجھے آزاد و مسلح دیکھ کر اس کی آنکھوں میں دہشت آ گئی تھی۔ چند منٹ پہلے وہ آزاد تھا اور لاف گزاف کر رہا تھا۔ اس وقت اس نے سوچا نہیں تھا کہ وقت اتنی تیزی سے پلٹ جائے گا۔ اب میں آزاد تھا اور وہ قریب المرگ تھا۔ میں نے اس کے قریب بیٹھ کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم بچ گئے..... افسوس..... میں نے سوچا تھا کہ تمہارے گندے خون سے ہاتھ رنگنے سے بچ گیا مگر ایسا لگ رہا ہے تمہاری موت میرے ہاتھوں ہی لکھی ہے۔ بولو کیسے مرنا پسند کرو گے، گولی سے، خنجر سے یا میں یہ گرینیڈ پن نکال کر تمہارے گندے منہ میں ٹھونس دوں۔''

اس نے بولنے کی کوشش کی مگر ٹوٹے جبڑے نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا وہ گڑگڑا کر رہ گیا۔ میں نے جھک کر کہا۔ ''تم بول نہیں سکتے اس لیے یہ بھی نہیں بتا سکو گے کہ کس طرح مرنا چاہتے ہو لیکن میں نے تمہارے لیے ایک اچھا طریقہ سوچا ہے۔''

بجلی کا تار جو کرسی سے لگا ہوا تھا۔ کرسی اکھڑنے سے وہ بھی الگ ہو گیا تھا۔ مگر وہ دیوار میں موجود سوئچ اور ریگولیٹر سے منسلک تھا۔ میں نے تار اٹھایا اور اس کا ننگا سرا نائیک کے منہ میں ڈال دیا۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن وہ اس قابل نہیں تھا کہ اپنا کھلا منہ ہی بند کر سکتا۔ تار حلق کے اندر تک اتار کر میں ریگولیٹر اور سوئچ تک گیا۔ نائیک کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اگر وہ کوئی التجا کرنا چاہتا تھا تو کر نہیں سکتا تھا اور اگر کر سکتا تو میں سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے ریگولیٹر کو فل پر کیا اور نائیک کی طرف دیکھا۔ ''مرے کرو۔'' میں نے کہتے ہوئے سوئچ آن کر دیا۔ نائیک کا جسم یک دم اینٹھا اور پھر تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی تھیں۔ جس سے کچھ دیر پہلے وہ گند اگل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور یک دم ان کے ڈیلے سفید ہو گیا۔ میں نے منہ پھیر لیا اور باہر کی طرف بڑھا۔

اب مجھے اپنے ساتھیوں سے رابطہ کرنا تھا۔ میرے پاس ریڈیو نہیں تھا کیونکہ وہ فتح خان سے لیا نہیں تھا۔ مجھے خود جا کر ان سے ملنا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ باہر کیا ہوا تھا۔ اب شور کم رہ گیا تھا مگر فائرنگ کی آواز بتا رہی تھی کہ مزاحمت جاری ہے۔ میں محتاط قدموں سے راہداری میں آیا۔ میں قید خانے کی عمارت کے پچھلے حصے میں تھا اور اس کا سامنے والا حصہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ میں اسی وجہ سے بچا تھا۔ اس طرف کمروں میں جو لوگ قید تھے ان کے بچنے کا امکان کم تھا کیونکہ عمارت کا یہ حصہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ وہ بہ ظاہر عام سے نظر آنے والے میزائل کس قدر خطرناک ہتھیار ہیں۔ صرف ایک میزائل نے کنکریٹ اور فولاد سے بنی اس عمارت کا یہ حال کر دیا تھا۔ راہداری میں بھی جا بجا ملبا بکھرا ہوا تھا۔ میں زخمی تھا مگر کوئی زخم ایسا نہیں تھا جو مجھے ناکارہ کر دیتا۔ ہڈی پسلی سب محفوظ تھیں۔ اگر نائیک سامنے نہ ہوتا تو فولادی دروازہ ٹوٹ کر مجھے لگتا اور اس کی جگہ میرا حشر کر دیتا۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے جیکٹ ٹٹولی اور اس میں وہ مخصوص سیٹی موجود پا کر اطمینان محسوس کیا جس کی آواز دوسروں کو سگنل دیتی کہ میں کہاں ہوں۔

عمارت کا داخلی حصہ تباہ ہوا تھا اور یہ قید خانہ تھا اس لیے اس میں دوسرے راستے کی موجودگی بھی مشکل تھی۔ اگر واقعی ایک ہی راستہ تھا تو وہ بند ہو گیا تھا اور مجھے باہر جانے کے لیے کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنا تھا۔ راہداری آگے جا کر بائیں طرف مڑ رہی تھی اور مجھ پر حملہ کرنے والا وہیں کہیں دوسرے آدمی سمیت غائب ہوا تھا۔ میں دبے قدموں وہاں تک آیا تو مجھے حیرت کا جھٹکا لگا کیونکہ اس طرف راہداری مڑی تھی اور سامنے دیوار تھی۔ سامنے ہی نہیں دائیں بائیں بھی دیوار تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ اسی طرف گئے تھے۔ اس وقت یہاں خاصا دھواں تھا اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ وہ اچانک ہی کہاں غائب ہو گئے تھے۔ مگر وہ تھے راہداری کے آخری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرے پر۔

میری جیکٹ میں ایک چھوٹی ٹارچ تھی۔ میں نے اسے آن کیا اور اچھی طرح معائنہ کیا مگر وہاں سوائے سپاٹ دیواروں کے اور کچھ نہیں تھا۔ اس راہداری میں دونوں طرف پانچ پانچ کمرے تھے۔ جس طرف میزائل لگا تھا وہ داخلی حصہ تھا۔ وہ اس طرف کے پانچ کمروں سمیت تباہ ہو گیا تھا۔ جب کہ دوسری طرف کے دو کمرے تباہ ہوئے تھے مگر جس میں میں تھا اور اس سے آگے کے دو کمرے سلامت رہے تھے۔ میرے کمرے کا بھی دروازہ اکھڑا تھا۔ اگلے دونوں کمرے خالی تھے۔ وہ دھماکے سے دور ہونے کی وجہ سے محفوظ رہے تھے۔ میں نے آگے والے کے تباہ شدہ کمروں کے دروازے کھولنے کی کوشش کی مگر جو تین دروازے صحیح سلامت تھے ان کے فریم ٹیڑھے ہونے اور آگے ملبا گرنے سے وہ پھنس کر رہ گئے تھے۔ یہاں کی روشنیاں بھی گل تھیں شاید بجلی کی تاریں متاثر ہوئی تھیں۔ میں پہلے مکمل طور پر قید تھا۔ پھر لوگوں کی قید سے آزاد ہوا تو کرسی نے جکڑے رکھا تھا اور اب کرسی سے آزاد ہوا تھا تو اس قید خانے سے نکلنے کی کوئی راہ سجائی نہیں دے رہی تھی۔

حملہ شروع ہوئے تقریباً آدھا گھنٹا ہونے کو آیا تھا مگر ابھی تک اندر کی مزاحمت ختم نہیں ہوئی تھی۔ باہر سے فائرنگ کی آوازیں رہ رہ کر ابھر رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ مزاحمت توقع سے زیادہ شدید تھی۔ شروع میں میزائل فائر ہوئے تھے میں نے ہوش و حواس میں دو دھماکے سنے تھے۔ باقی یقیناً بے ہوشی کے دوران ہوئے ہوں گے۔ اس کے بعد گیس اور دھوئیں کے گولے پھینکے گئے ہوں گے۔ مگر یہاں ان کا اثر نہیں آیا تھا اس کے باوجود میں نے گیس ماسک پہن کر رکھا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ گیس کس نوعیت کی تھی اور میں بے خبری میں اس کا شکار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ احتیاط بہتر تھی بہ نسبت اس کے کہ میں اپنے لوگوں کی طرف سے پھینکی جانے والی گیس کا نشانہ بن جاؤں۔ اس لیے گیس ماسک مستقل منہ پر لگایا ہوا تھا۔

جو دو کمرے خالی تھے میں نے ان کا جائزہ نہیں لیا تھا اس لیے باہر نکلنے میں ناکامی کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ انہیں بھی دیکھ لوں ہو سکتا ہے مجھے کوئی راستہ مل جائے۔ میں نے ایک کمرے میں جھانکا جو مکمل طور پر خالی تھا۔ البتہ دوسرے کمرے میں مجھے ایک کام کی چیز نظر آ گئی۔ یہ منرل واٹر کی بوتل جو نصف پانی سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے اسے اٹھا کر سونگھا، پھر ذرا سا پانی زبان پر لے کر چکھا، مجھے لگا کہ پانی ٹھیک تھا اور اس میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ نہیں تھی۔ شاید یہ کسی نے پی کر یہاں رکھی تھی اور اٹھانا بھول گیا تھا۔ اصل میں یہ میرے لیے تھی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر چند گھونٹ پیے اور ڈھکن لگا کر بوتل ساتھ رکھ لی۔ ان چند گھونٹ سے میری پیاس بجھی نہیں تھی لیکن قابو میں آ گئی تھی۔

میرے پاس سیٹی تھی مگر اسے بجانے کا مطلب تھا کہ دوستوں کے ساتھ دشمن بھی ہوشیار ہو جاتے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پہلے کون مجھ تک آتا۔ جب تک مجھے یقین نہ ہوتا کہ کرنل کے آدمی اندر آ چکے ہیں اور ان کی پوزیشن مضبوط ہے تب تک میں سیٹی بجانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں اپنے قید خانے میں آیا۔ پہلے میں نے کرنٹ آف کیا اور تار کھینچ کر ٹیک کے منہ سے کھینچ لی۔ اس کے پاس سے جلنے جیسی بو آ رہی تھی۔ میں نے سانس روکتے ہوئے اس کی کلائی سے گھڑی اتار لی۔ اس پر کچھ خون لگا تھا جو اسی کے لباس سے رگڑ کر صاف کیا۔ گھڑی چل رہی تھی اور اس کے مطابق دو بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ میں نے گھڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کلائی پر باندھ لی اور باہر آیا تھا کہ میرے کانوں نے فائرنگ کے پس منظر میں ایک آواز اور سنی۔ یہ ہیلی کاپٹر کی آواز تھی۔ میرا دل دھڑکا میری پارٹی آ گئی تھی۔ وہ کنور پیلس کی مرکزی عمارت پر حملہ کرنے والے تھے اور میں یہاں قید تھا۔ اگرچہ ہیلی کاپٹر خاصی تاخیر سے آیا تھا۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق ہیلی کاپٹر حملے کے پندرہ سے بیس منٹ بعد آ جاتا لیکن بنیادی شرط حالات قابو میں ہونے کی تھی۔ اس کا ایک مطلب یہ تھا کہ حالات قابو پانے میں خاصی دیر لگی اور دوسرا مطلب تھا کہ حالات قابو میں آ چکے تھے تبھی ہیلی کاپٹر آیا تھا۔

میں داخلی حصے کی طرف آیا مگر یہاں آگ کی تپش بہت زیادہ تھی۔ اگر اس عمارت کی تعمیر میں لکڑی یا آگ پکڑنے والی چیزوں کا زیادہ استعمال ہوتا تو آگ یقیناً پوری عمارت تک پھیل چکی ہوتی۔ پھر بھی اگلے حصے میں لگی آگ کم ہونے کے باوجود اتنی شدید تھی کہ وہاں سے گزرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہاں مجھے انسانی گوشت کے جلنے کی تیز بو محسوس ہوئی۔ اس حصے میں کچھ افراد تھے جو حملے کا نشانہ بنے تھے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ جیسے ہی رامن باہر نکلا تھا میزائل آ کر عمارت سے ٹکرایا تھا یقیناً اسے باہر نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ تو وہ کہاں تھا؟ کیا وہ مارا گیا تھا لیکن بچ گیا تھا تو اسے یہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس صورت میں وہ کہاں گیا جب کہ یہاں سے نکلنے کی بہ ظاہر کوئی جگہ نہیں تھی۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے غصے میں نائیک کو مار کر جلد بازی کا ثبوت دیا تھا۔ اس سے پہلے میں بہت کم جذباتی ہوا اور کسی کو یوں مار دیا مگر نائیک نے اپنی موت پر خود سائن کیے تھے۔ اس نے سادی کے بارے میں ناقابلِ برداشت بکواس کی تھی۔ مجھے اپنے اقدام پر کوئی افسوس نہیں تھا اگر وہ دس بار زندہ ہوتا تو میں اسے دس بار یونہی مارتا۔

میں دوبارہ راہداری کے سرے کی طرف آیا اور اس تقریباً چوکور خانے نما حصے کا جائزہ لیا۔ اس کی یہاں کوئی تک نہیں بن رہی تھی۔ اس میں نہ تو سامان رکھا تھا اور نہ ہی یہ عمارت کا متناسب حصہ لگ رہا تھا۔ میں نے اب کے جھک کر فرش کا معائنہ کیا۔ یہاں بھی گرد آ گئی تھی اسے ہاتھ سے صاف کیا اور ٹارچ سے روشنی ڈال کر دیکھتا رہا مگر مجھے کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی۔ فرش کے بعد میں نے سامنے والی دیوار کا معائنہ کیا مگر یہاں بھی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ مجھے ایک خیال آیا اور میں انویسٹی گیشن سیل میں آیا۔ یہاں آلاتِ تشدد میں ایک ہتھوڑے نما آلہ بھی تھا جس سے شاید ہڈیاں توڑی جاتی ہوں گی۔ وہ لے کر میں راہداری میں آیا اور وہاں فرش اور دیواریں بجا کر دیکھنے لگا۔ جب میں نے سامنے والی دیوار بجائی تو مجھے ایسا لگا جیسے یہ اتنی موٹی نہ ہو جتنی کے دوسری دیواریں تھیں۔ یہ ذرا کھوکھلے پن کا تاثر دے رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر ٹارچ کی روشنی میں اسے چیک کیا اور اس بار دیوار کی جڑوں کو دیکھا۔ مجھے لگا کہ ان میں خلا تھا۔ یہ بہت باریک لائن تھی کیونکہ دیواریں اس طرح آپس میں نہیں جڑی تھیں جیسے عام طور سے دیواروں کا پلاسٹر جوڑ کر خلا بالکل ختم کر دیا جاتا ہے۔

یہاں دیوار میں چاروں طرف بہت باریک خلا تھا جو سیاہ لکیر کی صورت میں تھا۔ میں اب دیوار پر ہاتھ پھیر کر دیکھ رہا تھا۔ سامنے والی دیوار مکمل ہموار تھی۔ میں نے عجلت کے بجائے اسے بہت آرام سے چیک کیا تھا۔ اس میں شاید پندرہ بیس منٹ کا وقت لگا تھا مگر میں نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ جہاں شبہ ہوتا وہاں دبا کر دیکھتا تھا۔ پھر میں نے دائیں دیوار کو اسی طرح چیک کرنا شروع کیا۔ باہر سے آنے والی فائرنگ کی آوازیں اب بہت کم رہ گئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا بیشتر مزاحمت کرنے والے مارے گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب سیٹی کا استعمال کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا سکتا تھا اگر کرنل اور اس کے آدمی اندر آ گئے تھے تو وہ میری مدد کر سکتے تھے اور مجھے یہاں سے نکال سکتے تھے۔ پتا نہیں باہر کیا ہو رہا تھا؟ ہیلی کاپٹر کی آواز اب نہیں آ رہی تھی۔ وہ اپنا کام کر کے واپس چلا گیا تھا۔

میں سیٹی سے کام لینے کا سوچ رہا تھا کہ میرا ہاتھ دیوار کے نچلے حصے میں کسی ابھری چیز سے ٹکرایا۔ میں نے روشنی ڈال کر دیکھا۔ یہ دیوار کا ہم رنگ ٹکڑا تھا اور اتنی مہارت سے رنگ کیا گیا تھا کہ دیکھنے میں مشکل سے ہی پتا چل رہا تھا۔ میں نے اسے دبایا تو یہ کسی بٹن کی طرح دبا اور چھوڑنے پر دوبارہ ابھر گیا۔ اس کا انداز ڈوئل بٹن جیسا تھا جو آن اور آف دونوں کا کام کرتا ہے۔ ایک بار دبانے پر کچھ نہیں ہوا تھا میں نے اسے دوبارہ دبایا۔ اس بار بھی کچھ نہیں ہوا۔ پھر میں نے اسے لگاتار دو بار دبایا۔ چند لمحے انتظار کیا اور اس بار بھی مایوسی ہوئی تھی۔ میں نے جھک کر اس کا معائنہ کیا۔ یہ دیوار کا کوئی خراب حصہ نہیں تھا یہ جس طرح دب رہا اور دوبارہ ابھر رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا اسے خاص طور سے بنایا گیا تھا۔ اگلی بار میں نے سیکنڈ کا حساب ذہن میں رکھتے ہوئے اسے وقفے وقفے سے تین بار دبایا اور اس بار مجھے مایوسی نہیں ہوئی تھی۔ سامنے والی دیوار ایک ہلکی سی سنسناتی آواز کے ساتھ پیچھے کی طرف اٹھنے لگی۔ اس کے نچلے حصے سے پہلے ہلکی سی روشنی اور پھر سیڑھیاں نمودار ہونے لگیں۔

یہ وہ خفیہ راستہ تھا جسے میں تقریباً آدھے گھنٹے سے تلاش کر رہا تھا۔ گھڑی کے مطابق رات کے تین بج رہے تھے۔ حملہ شروع ہوئے ایک گھنٹا گزر گیا تھا۔ دیوار اٹھ کر اوپر ہو گئی تھی۔ میں نے رائفل سامنے کی اور دبے قدموں سر جھکا کر سیڑھیوں تک آیا۔ سیڑھیاں نیچے ایک سرنگ تک جا رہی تھیں۔ اس پتلی سی سرنگ کے دونوں طرف صرف دیوار تھی۔ اس سے آگے کیا تھا یہ جاننے کے لیے نیچے جانا ضروری تھا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا اور نیچے اترنے لگا تھا کہ مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے اسی ابھار کو تین بار دبایا تو خفیہ راستہ بند ہونے لگا اور کچھ دیر بعد وہاں صرف دیوار تھی۔ میں عمارت کے باہر والے حصے میں ممکنہ حد تک واپس آیا۔ جہاں آگ کی تپش قابلِ برداشت تھی اور میں نے ایک گہری سانس لے کر منہ سے گیس ماسک اتار کر سیٹی منہ میں دبائی اور پوری قوت سے بجائی۔ اس مشکل سے دو انچ کی سیٹی سے ایسی سمع خراش اور چبھتی ہوئی آواز برآمد ہوئی کہ مجھے کانوں پر ہاتھ رکھنے پڑے تھے۔ جہاں تک ممکن ہوا میں نے سیٹی بجائی اور پھر گیس ماسک منہ پر لے کر اپنی سانس بحال کی اور اسی طرح دو بار اور سیٹی بجائی۔ مجھے یقین تھا اگر کنور پیلس میں کرنل اور اس کے آدمی داخل ہو چکے تھے تو انہوں نے لازمی سیٹی کی آواز سن لی ہو گی۔

میں واپس آیا اور خفیہ راستہ کھولا پھر تھوڑی سیڑھیوں پر اس طرح رکھی کہ اگر خفیہ راستہ بند ہونے لگے تو یہ اسے مکمل طور پر بند نہ ہونے دے۔ میں دبے قدموں اتر کر نیچے آیا۔ سیڑھیوں کے آخر میں تقریباً سات فٹ اونچی چھت پر ایک چھوٹا سرخ روشنی والا بلب جل رہا تھا۔ سرنگ اور راستہ باقاعدہ کنکریٹ سے تیار کیا گیا تھا۔ نیچے آتے ہی مجھے کوئی دس گز کے بعد سرنگ دائیں بائیں مڑتی دکھائی دی۔ میں نے دیواروں اور چھت کا بغور جائزہ لیا اور مجھے کوئی مشکوک چیز نظر نہیں آئی جسے کیمرا قرار دیا جا سکتا۔ میں آگے بڑھا تھا کہ عقب سے ہلکی سی ویسی ہی سنسناتی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا راستہ بند ہو رہا تھا۔ دیوار شاید ہائیڈرولک سسٹم سے کھلتی اور بند ہوتی تھی۔ تقریباً چھ بائی ڈھائی فٹ کی اور چھ انچ موٹی اس دیوار کا وزن ایک ٹن تو ہو گا اور اسے صرف ہائیڈرولک سے ہی کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔ وہ تھوڑی تک پہنچی اور پھر پھنس کر رک گئی۔ ایک دو لمحے کو زور لگایا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہتھوڑی بالکل فکس ہوگئی اور اب راستہ بند نہیں ہو سکتا تھا۔ میں مطمئن ہو گیا۔ اب کرنل یا اس کے آدمی عمارت میں آتے تو وہ اس خفیہ راستے کو دیکھ لیتے۔ اگر وہ بلاک ہو گیا تھا تب بھی اسے کھولنا کوئی مشکل نہیں تھا ایک چھوٹا ٹائم بم اسے اڑا دیتا۔ اتفاق کی بات تھی کہ میں نے فتح خان سے یہ بم نہیں لیے تھے کیونکہ میں ان کا ماہر نہیں تھا۔ مگر میرے پاس ہینڈ گرینیڈ تھا اور میں اس سے یہی کام لے سکتا تھا۔

میں سرنگ کے موڑ تک آیا۔ خود جھانک کر دیکھنے کے بجائے میں نے گھڑی اتار کر اس کا ڈائل کنارے سے نکالا اور دائیں طرف دیکھا۔ مجھے یہاں بھی ویسی ہی ایک لمبی سرنگ دکھائی دی جو آگے جا کر مڑ رہی تھی۔ بائیں طرف سرنگ پھر دو حصوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں کنور پیلس کی مختلف عمارتوں کو ملانے والی خفیہ سرنگوں میں ہوں۔ راج کنور یا منشی دل جی نے ان سرنگوں کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ راج کنور نے شاید اس لیے نہیں بتایا کہ میں نے اس سے ان سرنگوں کے بارے میں پوچھا نہیں تھا ورنہ وہ دوا کے زیر اثر جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ البتہ منشی دل جی نے سرنگوں کے بارے میں نہ بتا کر صریحاً بد دیانتی کا ثبوت دیا تھا۔ ورنہ ان سرنگوں سے ہمیں حملے میں بہت مدد مل سکتی تھی۔ اگر ہم کسی طرح ان تک رسائی حاصل کر لیتے تو دوسری عمارتوں تک محفوظ طریقے سے پہنچا جا سکتا تھا۔

منشی دل جی نے آخر ان سرنگوں کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا؟ اس سے اس کا کیا مفاد وابستہ تھا؟ میں سوچ رہا تھا۔ اب مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ میں آگے جاؤں اور جاؤں تو کس طرف جاؤں؟ یہ فیصلہ کرنے میں چند سیکنڈ لگے کہ مجھے سرنگ میں ہی آگے جانا تھا مگر کس طرف جانا تھا یہ سوچنے میں کچھ دقت لگا۔ میں نے قید خانے کا نقشہ ذہن میں تازہ کیا۔ یہ کنور پیلس کی حدود میں داخل ہونے کے بعد بائیں طرف واقع تھا۔ کنوروں کی رہائشی عمارت احاطے کے آخری حصے میں اور کسی قدر دائیں طرف تھی۔ گویا مجھے سرنگ میں دائیں طرف جانا تھا۔ ڈیجیٹل میپ نہ ہونے سے میری بچت بھی ہوئی تھی اور رامن کو شک نہیں ہوا تھا لیکن اس کے نہ ہونے سے مجھے اب دشواری ہو رہی تھی ورنہ اس کی مدد سے میں بہت آسانی سے مرکزی عمارت تک پہنچ سکتا تھا۔

آگے بڑھتے ہوئے میں نے رائفل کا رخ سامنے کی طرف رکھا اور میری انگلی ٹریگر پر تیار تھی۔ میں بالکل تیار تھا کہ کسی فرد سے سامنا ہوتے ہی اسے شوٹ کر دوں اگر وہ مسلح ہو تو..... دوسری صورت میں، میں اسے ہینڈز اَپ کر کے اس سے معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ سرنگ آگے مڑ رہی تھی۔ میں تقریباً تیس گز آگے آیا تھا۔ اس پوری سرنگ میں ہر دس گز کے بعد اسی طرح کے سرخ روشنی والے بلب لگے ہوئے تھے اور ان کی روشنی اگرچہ بہت تیز نہیں تھی لیکن وہ سرنگ کو یکساں طور پر روشن کر رہی تھی۔ میں نے مڑنے سے پہلے پھر گھڑی کے شیشے کی مدد لی اور دوسری طرف دیکھا۔ یہاں سرنگ سیدھی چل رہی تھی لیکن جب میں اس سرنگ میں داخل ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ بالکل سیدھی بھی نہیں تھی اس میں دائیں بائیں راستے نکل رہے تھے۔ مگر میرا اندازہ تھا کہ سرنگ مرکزی عمارت کی طرف ہی بڑھ رہی تھی۔ میں بائیں طرف نکلنے والی سرنگ تک آیا۔ اس میں جھانک کر دیکھا یہ خالی تھی اور آگے جا کر گھوم رہی تھی۔

اسے چھوڑ کر میں آگے آیا اور دائیں طرف نکلنے والی سرنگ میں جھانکا تو کوئی دس گز بعد سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ میں سیڑھیوں تک آیا۔ یہاں ویسا ہی خفیہ دروازہ تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں پیلس کی کسی وسطی عمارت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نیچے تھا۔ مجھے مرکزی عمارت تک جانا تھا اس لیے میں اس حصے کو نظر انداز کر کے آگے جانے والا تھا کہ وہی سنسناتی آواز آئی اور دیوار اٹھنے لگی تھی۔ میں پلٹ کر واپس بھاگا اور سرنگ میں آ کر پوزیشن لے لی۔ دیوار اوپر اٹھتے ہی کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ ہیجانی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''حملہ کرنے والے بہت لوگ ہیں ہمارے اکثر گارڈز مارے جا چکے ہیں۔ اس جگہ سے باہر نکلنے کا راستہ نہیں ہے۔ ہمیں فوراً نکلنا ہوگا ورنہ یہی جگہ شمشان گھاٹ بن جائے گی۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے رامن کی دہاڑنے کی آواز سنی۔ ''راستہ کس نے کھولا ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ میری توقع کے عین مطابق رامن زندہ تھا اور وہ یقیناً اسی خفیہ راستے سے نکل گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہیجانی لہجے میں بولنے والا اب سنسنا رہا تھا۔ ''وہ اندر آنے والے ہیں.....''

''کہاں سے۔'' رامن بولا۔ ''جب ہم باہر نہیں جا سکتے تو وہ اندر کیسے آئیں گے۔ تم نے دوسرے لوگوں کے سامنے بلا اجازت دروازہ کھولا ہے۔'' کہتے ہوئے رامن کا لہجہ خوفناک ہو گیا تھا۔

''باس مجھے معاف کر دو۔'' دوسرا شخص چلایا مگر فائر کی آواز میں اس کی آواز دب گئی۔

''راستہ بند کر دو۔'' رامن نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اب کسی نے اسے کھولنے کی کوشش کی تو وہ بھی کتے کی موت مرے گا۔''

سنسنانے کی آواز آئی اور دیوار واپس اپنی جگہ فکس ہو گئی۔ میرے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ ورنہ میں آنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اس واقعے سے یہ فائدہ ہوا کہ مجھے اوپر کی صورت حال کا کسی قدر اندازہ ہو گیا تھا۔ میزائل چلانے والوں نے اپنا کام کر لیا تھا اور انہوں نے اس عمارت کے داخلی راستے کو بھی اڑا دیا تھا۔ کرنل کے آدمی اندر داخل ہو گئے تھے اور انہوں نے کنور پیلس میں مضبوط پوزیشن حاصل کر لی تھی۔ بیشتر گارڈز مارے گئے تھے اور بچنے والے یقیناً مقابلے کے قابل نہیں رہے تھے لیکن مرکزی عمارت میں کیا ہو رہا تھا اس کا کچھ ذکر نہیں تھا۔ شاید رامن خود بھی بے خبر تھا۔ مجھے خیال آیا کہ جب آمد و رفت کے لیے یہ خفیہ سرنگ موجود تھی تو وہ لوگ عمارتوں میں کیوں محصور تھے۔ یقیناً یہ سرنگ کہیں اور باہر بھی نکلتی ہو گی؟ میں سوچتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میری بے چینی بڑھ رہی تھی۔ میں جلد از جلد مرکزی عمارت تک پہنچنا چاہتا تھا۔

زیر زمین ان سرنگوں کا نظام بہت وسیع اور طویل تھا اور اس کی تعمیر میں یقیناً بہت وقت اور بہت بڑی رقم لگی ہو گی۔ لیکن اصل اہمیت اس کی راز داری کی تھی۔ اسے بناتے ہوئے یقیناً پوری راز داری سے کام لیا ہو گا اور صرف مخصوص اشخاص ہی اس کے بارے میں جانتے ہوں گے۔ لیکن اگر یہ سرنگیں ہنگامی حالات کے لیے بنائی گئی تھیں تو اس وقت ان کا استعمال کیوں نہیں کیا جا رہا تھا؟ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ اپنے اندازے کے مطابق میں تقریباً نصف کلومیٹر آگے نکل آیا تھا۔ سرنگ کئی بار گھومی لیکن مجموعی طور پر اس کا رخ کنور پیلس کی مرکزی عمارت کی طرف ہی تھا۔ اس سفر کے دوران میں پوری طرح چوکنا رہا تھا کیونکہ اس بند سرنگ میں کسی وقت بھی دشمن کا سامنا ہو سکتا تھا اور یہاں بچنے کی کوئی جگہ نہیں تھی جو وار میں پہل کرنا وہی کامیاب رہتا۔

اس لیے جیسے ہی ایک راستے سے دو مسلح افراد برآمد ہوئے میرا چوکنا ہونا کام آیا۔ وہ مسلح تھے اور پیلس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گارڈز کی وردیوں میں تھے۔ انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا تھا کہ میں نے رائفل کو ہلکی سی جنبش کے ساتھ برسٹ مارا۔ میں نے جان کران کے جسم کے نچلے حصوں کا نشانہ لیا تھا۔ مگران میں سے ایک کی قضا آئی تھی اس نے نیچے گر کر بچنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں گولیاں اس کے سینے اور گردن کے پار ہوگئیں۔ دوسرے کا ایک پاؤں نشانہ بنا تھا۔ وہ چیخ کر گرا تھا مگر اس کی چیخ محدود جگہ فائرنگ کے بے پناہ شور میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ میں رائفل تانے تیز قدموں سے ان کی طرف بڑھا۔ پہلا والا دم توڑ رہا تھا لیکن دوسرا والا اپنی رائفل اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے پستول نکالتے ہوئے اس کے ہاتھ پر گولی ماری۔ اس نے کراہ کر رائفل چھوڑی اور اپنا ہاتھ تھام لیا۔ میں نے لات مار کر اس کی رائفل دور پھینک دی اور رائفل اس کے سر سے لگاتے ہوئے کہا۔

''اب حرکت مت کرنا۔''

وہ خوف سے ساکت ہوگیا۔ ''کون ہو تم، اوپر والوں کے ساتھی ہو؟''

''ہاں، تم کہاں سے نیچے آئے ہو؟''

وہ صاف اردو بول رہا تھا اور شکل صورت سے بھی شمالی انڈیا کا رہنے والا لگ رہا تھا۔ اس نے ہلنے کی کوشش کی تو میں نے رائفل اس کے سر سے لگائی تو وہ پھر ساکت ہوگیا تھا۔

''مین پیلس سے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ہمیں نیچے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

''کس نے حکم دیا ہے؟''

''بڑے کنور نے۔'' اس نے جواب دیا۔

میرے اندر خدشات سر سرانے لگے تھے۔ ''بڑا کنور کہاں ہے؟''

''ابھی اوپر ہے لیکن جلد وہ نیچے آئے گا۔''

''اس کے ساتھ اور کون ہے؟''

''اس کی بہن اور اس کے خاص محافظ۔'' آدمی نے جواب دیا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے مکمل تعاون کر رہا تھا۔ ''کچھ اوپر اترنے والوں کو روک رہے ہیں اور کچھ بڑے کنور کے ساتھ ہیں۔''

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ بیتو اور اس کے ساتھی استقامت سے نیچے آنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کے دباؤ کی وجہ سے بڑا کنور نیچے آنے کی تیاری کر رہا تھا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے اور پیلس والے ڈیڑھ گھنٹے سے مزاحمت کر رہے تھے۔ اس لحاظ سے ہمارا پلان تاخیر کا شکار تھا اور اگر ہم ہیلی کاپٹر فضا میں رکھتے تو اب وہ ایندھن کی کمی کی وجہ سے واپس جا چکا ہوتا اور ہماری واپسی کا سفر کھٹائی میں پڑ جاتا۔ میں نے پوچھا۔ ''وہ نیچے کہاں آئیں گے؟''

''یہاں ایک سیف ہاؤس ہے۔'' اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن اس میں صرف مخصوص لوگ ہی جا سکتے ہیں۔ ہم اس میں نہیں جا سکتے۔''

میرے اندر پھر گھنٹی بجنے لگی۔ بڑا کنور سادی کو لے کر کسی سیف ہاؤس میں جانے کی تیاری کر رہا تھا اور وہ ایک بار اس میں داخل ہو جاتا تو پھر اسے وہاں سے نکالنا شاید ممکن نہ ہوتا۔ ''یہ سیف ہاؤس کہاں ہے؟''

''مین پیلس کے عین نیچے، یہی سرنگ اس طرف جاتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آگے اور مسلح افراد ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔''لازمی ہوں گے۔''

''تمہارا شکریہ۔'' میں نے کہا اور اس کے سر پر رائفل کا دستہ مارا۔ اگرچہ یہ وحشت کا نہیں تھا مگر مضبوطی اور سختی میں وحشت سے کم نہیں تھا۔ وہ ایک ہی ضرب میں بے ہوش ہو گیا۔ یہ بات یقینی تھی کہ سرنگ میں فائرنگ کا شور ہر جگہ پہنچا ہو گا۔ مگر فوری طور پر یہ اندازہ کرنا مشکل ہو گا کہ فائرنگ کہاں ہوئی ہے اور مجھے ملنے والی اس مہلت سے فائدہ اٹھانا تھا۔ میں تیز قدموں سے آگے بڑھا۔ اب سرنگ سیدھی تھی۔ مگر یہ ایک جگہ پہنچ کر اچانک ہی ڈھلان کی صورت میں نیچے گئی تھی۔ تیزی کی وجہ سے میں رکتے رکتے بھی پھسل کر آگے چلا گیا تھا۔ یہاں سرنگ کا اختتام ایک کسی قدر بڑے اور گول ساخت والے کمرے میں ہو رہا تھا اور اس سے ایک طرف ویسی ہی سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں جیسی کہ میں ہر جگہ دیکھتا آیا تھا۔ میں یقیناً مین پیلس کے نیچے پہنچ گیا تھا کیونکہ یہاں سے آگے کوئی سرنگ نہیں جا رہی تھی۔ البتہ ایک طرف بڑا سا فولادی دروازہ لگا ہوا تھا اور اس کی ساخت سیف روم کے دروازے جیسی تھی۔ کیا یہی سیف ہاؤس تھا۔ میں نے پاس جا کر اس کا جائزہ لیا۔ اس پر کہیں کوئی نمبر یا چابی سے کھلنے والا تالا نہیں تھا حتیٰ کہ اس پر کوئی گھمانے یا پکڑنے والا ہینڈل بھی نہیں تھا۔ یہ بے داغ چاندی سے چمکتے رنگ کا سپاٹ دروازہ تھا جس نے تقریباً اس پوری دیوار کو گھیر لیا تھا۔ تقریباً آٹھ فٹ قطر کے اس دھاتی دروازے کی موٹائی نامعلوم تھی کیونکہ وہ دیوار میں فکس تھا لیکن اگر یہ سیف ہاؤس کا دروازہ تھا تو اسے کسی بڑے بنک کے اسٹرانگ روم کے دروازے جتنا موٹا اور مضبوط ہونا چاہیے تھا۔

سیڑھیوں کے اوپر والا دروازہ بند تھا۔ میں دبے قدموں اوپر آیا اور اندر سے اس کا جائزہ لیا کہ یہ کہاں سے کھل سکتا تھا؟ مگر اندر بھی اس کے کھولنے کا میکنزم خفیہ ہی تھا اور اسے تلاش کرنا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کیا میرے پاس اتنا وقت ہے۔ اگر میرے ساتھی چھت تک پہنچنے میں کامیاب رہے تھے تو جلد وہ نیچے کا رخ کرتے اور بڑا کنور ان سے بچنے کے لیے سادی سمیت سیف ہاؤس میں جانے کے لیے نیچے آتا۔ یعنی یہ راستہ کسی وقت بھی کھل سکتا تھا۔ میں نے سوچا اور ٹرائی کرنے میں حرج نہیں سمجھا۔ دروازہ بہت تیزی سے نہیں کھلتا تھا اگر یہ اچانک بھی کھلنے لگتا تو مجھے اتنی مہلت ضرور ملتی کہ میں نیچے پہنچ کر مورچہ سنبھال لیتا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ ہاتھ پھیر کر وہ مخصوص ابھار تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا جسے دبانے سے یہ دروازہ کھلتا۔ میرا خیال تھا کہ وہ یہاں بھی دیوار کی جڑ کے پاس ہو گا مگر دونوں طرف دیواروں پر نیچے بٹن نہیں ملا۔

پھر میں نے درمیان اور اوپر کی دیوار پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد میں نے ہار مان لی۔ شاید اس دروازے کا بٹن کہیں اور تھا۔ یعنی پیچھے سرنگ میں کہیں اور تھا اور ظاہر ہے اتنی وسیع جگہ پر میں تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ میں مایوس ہو کر نیچے اتر آیا۔ زیادہ دیر سیڑھیوں پر رہنے میں یہ خطرہ بھی تھا کہ کوئی عقب سے آتا تو مجھے پتا نہیں چلتا اور وہ آرام سے مجھے ہینڈز اَپ کرا لیتا یا شوٹ کر دیتا۔ اب مجھے دو طرف کی نگرانی کرنی تھی۔ سادی کے بارے میں جان لینے کے بعد یہ ممکن نہیں تھا کہ میں یہاں سے ہٹتا۔ میں ساری عمر بھی اس جگہ اس کا انتظار کر سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا جلد یا بدیر بڑا کنور اسے لے کر یہاں کا رخ کرے گا اور میں اسے قابو میں کر کے سادی کو لے کر نکل سکوں گا یا کم سے کم اس کی کوشش کر سکوں گا۔ کیونکہ اس آدمی نے بتایا تھا کہ بڑے کنور کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ اس کے خاص محافظ بھی ہوں گے۔ظاہر ہے وہ مجھے اتنی آسانی سے کامیاب ہونے نہیں دیں گے۔

مجھے خیال آیا کہ میں واپس جا کر کسی عمارت سے باہر نکلوں اور کرنل کے آدمیوں کو اس راستے سے اندر لے آؤں۔ہم زیادہ ہوں گے تو آسانی سے بڑے کنور کے آدمیوں پر قابو پالیں گے۔مگر مجھے اس خوف نے باز رکھا کہ کہیں میں جاؤں اور اس دوران میں بڑا کنور سادی کو لے کر اس سیف ہاؤس میں چلا جائے۔سیف ہاؤس اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا اسے کسی نہ کسی طرح کھولا جا سکتا تھا لیکن اس کا بھی امکان تھا کہ اس سیف ہاؤس سے کوئی راستہ کنور پیلس سے باہر جاتا ہو اور بڑا کنور سادی کو لے کر اس راستے سے فرار ہو جائے۔سیف ہاؤس کا دروازہ کھولنے میں کچھ وقت تو لگتا۔میں قید خانے والی عمارت کا خفیہ دروازہ کھلا چھوڑ کر آیا تھا پھر میں نے سیٹی بجا کر کرنل کے آدمیوں کو خبردار کیا تھا کہ میں کہاں ہوں۔اگر وہ اندر آ چکے تھے اور پوری طرح صورتِ حال پر قابو پا چکے تھے تو انہیں اب تک یہاں آ جانا چاہیے تھا۔

میرے اندر رہ رہ کر یہ خدشہ سر ابھار رہا تھا کہ باہر کرنل حالات پر پوری طرح قابو نہیں پا سکا تھا اور اس کے آدمی بھی مارے گئے تھے۔اندر گارڈز تعداد میں کہیں زیادہ تھے۔وہ تعداد میں حملہ آوروں سے کم سے کم پانچ گنا زیادہ تھے۔اگر ان کی خاصی تعداد ابتدائی حملے کا شکار ہوئی تھی تب بھی بہت بڑی تعداد مدافعت کے لیے باقی رہی ہو گی۔فرض کر لیا جائے کہ کرنل کے آدمیوں کا جانی نقصان درجن سے اوپر جاتا ہے تو اس صورت میں افرادی قوت کی کمی اسے دفاعی پوزیشن میں لے آئے گی۔اس صورت میں سادی کو بذریعہ ہیلی کاپٹر یہاں سے نکالنے کا کام خطرے میں پڑ جاتا۔کنور پیلس کے گارڈز کے پاس ایسے ہتھیاروں کی موجودگی عین ممکن تھی جس سے ہیلی کاپٹر گرایا جا سکے یا اسے نقصان پہنچا کر پرواز سے روکا جا سکے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اس خدشے میں اضافہ ہو رہا تھا۔

کرنل اور میں نے اپنے طور پر بہت اچھا اور ہر پہلو کا جائزہ لے کر حملے کا پلان بنایا تھا مگر کوئی بھی پلان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے اور تب ہی اس کی خوبیاں اور خامیاں سامنے آتی ہیں۔ممکن ہے ہم نے کنور پیلس کے حفاظتی انتظامات کا اتنا اچھا اندازہ نہ لگایا ہو جتنا اچھا لگانا چاہیے تھا اور کنور پیلس کے گارڈز ہمارے اندازے سے بڑھ کر مسلح اور چوکس ہوں۔انہوں نے حالات کو مکمل طور پر اپنے قابو سے نکلنے نہ دیا ہو۔وہ گیس اور دھوئیں سے نمٹنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔یہ کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے۔آج کل سکیورٹی کے معمولی ماہرین بھی جانتے ہیں کہ کسی محفوظ جگہ کن طریقوں سے حملہ کیا جا سکتا ہے اور ان سے کس طرح نمٹا جا سکتا ہے۔دور مار ہتھیاروں کو شیلڈز اور بلٹ پروف کی مدد سے بے کار کیا جا سکتا ہے۔گیس اور دھوئیں سے ماسک کی مدد سے بچا سکتا ہے۔نائٹ ویژن سے اندھیرے میں بھی آنے والے دشمن کو دیکھا جا سکتا ہے۔ان کے لیے پہلے سے بوبی ٹریپ تیار کیے جا سکتے ہیں۔جیسے ڈیوڈ شانے کیے تھے اس نے اسنائپر گن لگائی تھی۔ایسا ہی کوئی حربہ کنور پیلس میں بھی ہو سکتا تھا جو کرنل اور اس کے آدمیوں کے لیے حیران کن ہو۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا میرے اضطراب میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔کیا اوپر پیلس کے گارڈز نے صورتِ حال پر قابو پا لیا تھا جس کی وجہ سے اب بڑے کنور کو سیف ہاؤس میں جانے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔کچھ دیر بعد میں نے دوبارہ اوپر جا کر بٹن تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس بار بھی ناکام رہا۔میں لامحدود وقت کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں نہیں رہ سکتا تھا مجھے کچھ اور کرنا تھا۔ اگر میں یہاں سے اوپر نہیں جا سکتا تھا تو مجھے دوسرے طریقے سے اوپر جانا تھا۔ ایک چیز اور قابلِ غور تھی کہ میں نے یہاں فائرنگ کی لیکن اب تک کسی طرف سے ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا کیا یہاں صرف یہی دو افراد نیچے تھے۔ انہیں بھی بڑے کنور نے بھیجا تھا۔ یہ سرنگیں بنائی ہی خاص حالات کے لیے گئی تھیں اور آج سے زیادہ خاص حالات اور کیا ہو سکتے تھے مگر انہیں استعمال نہیں کیا جا رہا تھا۔ اس کے بجائے رامن نے اپنے ایک آدمی کو شوٹ کر دیا کہ اس نے خفیہ سرنگ کا راستہ کیوں کھولا تھا۔ گویا کسی کو بھی نیچے آنے کی اجازت نہیں تھی اور شاید کسی بھی عمارت میں موجود فرد کو نیچے آنے کی اجازت نہیں تھی۔

یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں نشان دہی کر رہی تھیں کہ سب ہمارے پلان کے مطابق نہیں ہو رہا ہے اس میں کہیں نہ کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی یا کوئی بڑی گڑبڑ ہوئی تھی۔ میرا ذہن رہ رہ کر خشی دل جی کی طرف جا رہا تھا۔ ڈیوڈ شانے اس پر اعتماد کر لیا کیونکہ وہ اس سے ناواقف تھا دوسرے اس پر اعتماد کرنے سے ڈیوڈ شا کو کوئی بڑا نقصان نہیں ہوتا لیکن میرے لیے یہ بہت ہی اہم مرحلہ تھا۔ ڈیوڈ شا ناکامی پر مجھ سے معذرت کر لیتا اور مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے کوئی نیا طریقہ اختیار کرتا۔ اس کے ہاتھ میں ابھی مرشد کا کارڈ تھا۔ مگر میں ناکامی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ پونے چار بجے میں نے باہر جانے کا فیصلہ کیا۔ میں واپس آیا اور اس جگہ پہنچا جہاں دونوں گارڈ زپڑے تھے۔ جسے بے ہوش کیا تھا وہ بھی سانحت پڑا تھا۔ میں ان کے خون سے بچتا ہوا آگے آیا۔ میں ذہن میں کنور ہیلس کا نقشہ تازہ کر رہا تھا مگر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ذرا آگے جو سرنگیں دائیں بائیں نکل رہی تھیں وہ کن عمارتوں میں جا رہی تھیں۔ رامن جس عمارت میں تھا اس میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

بالآخر میں نے قید خانے والی عمارت میں جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ مسئلہ پھر وہی ہوتا کہ میں اندر سے راستہ کیسے کھولتا۔ اگر میں گرینیڈ سے راستہ بناتا تو اندر موجود لوگ ہوشیار ہو جاتے۔ قید خانے والے دروازے کو نہ کھلنے کی صورت میں گرینیڈ سے بھی اڑایا جا سکتا تھا۔ میں سرنگ کے اس حصے تک آیا اور سیڑھیوں کے پاس آ کر رکا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور ہتھوڑی غائب تھی۔ میں چوکنا ہو گیا۔ کوئی یہاں آیا تھا اور اسی نے ہتھوڑی ہٹا کر راستہ کھولا تھا۔ میں دبے قدموں اوپر آیا۔ وہاں سناٹا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ جو بھی تھا یا تھے وہ خاموش تھے۔ میں نے کنارے سے راہداری میں جھانکا۔ راہداری میں کوئی نہیں تھا۔ میں کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔ پھر آگے بڑھا اور فوراً ہی مجھے انٹیروگیشن روم میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ وہ رامن تھا اور جھک کر نائیک کا معائنہ کر رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ زیرلب گالیاں دے رہا تھا۔ مگر اس کا ہدف غیر واضح تھا۔ میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کیا اور اس کا بولٹ چڑھایا تو اس کی آواز پر وہ ساکت ہو گیا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''شہباز.....''

''دونوں ہاتھ گردن پر رکھ لو اگر نائیک کے پاس نہیں جانا چاہتے۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ اس نے ناچوں و چرا تعمیل کی۔ وہ عقل مند آدمی تھا سمجھ گیا کہ اس وقت وہ بے بس ہے۔ میں اندر آیا۔ یہاں کا بلب اب بھی ٹمٹما رہا تھا۔

''تم نے نائیک کو مار دیا؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، یہ اسی انجام کا مستحق تھا اور اب تم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔''

اس بار بھی اس نے تعمیل کی۔ میں نے رائفل شانے سے لٹکا کر پستول نکال کر اس کے سر سے لگایا اور اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس ایک پستول تھا میں نے اسے نکال کر جیکٹ میں رکھ لیا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس سے سینے پر نیام میں لگا ہوا رامپوری خنجر برآمد ہوا تھا۔ میں نے اسے پتلون میں موجود خنجر کی جگہ اڑس لیا۔ پھر میں پیچھے ہٹا۔ ''رامن تم جانتے ہو میں نے تمہیں دیکھتے ہی شوٹ کیوں نہیں کیا؟''

''ہاں تم مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو گے۔''

''تم عقل مند ہو۔'' میں نے کہا۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں باہر کیا ہو رہا ہے؟''

''مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ کچھ لوگ اندر گھس آئے ہیں اور ہمارے گارڈز ان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ کیا وہ تمہارے آدمی ہیں؟''

''سوال مجھے کرنے ہیں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تمہیں صرف جواب دینے ہیں۔ اس وقت کیا پوزیشن ہے؟''

''ہمارے گارڈز نے کچھ جگہوں پر مورچے بنا لیے ہیں اور وہ مقابلہ کر رہے ہیں۔''

''مرکزی پیلس کی کیا صورتِ حال ہے؟''

''اس پر ہیلی کاپٹر سے کچھ لوگ اترے ہیں لیکن وہ دوسری منزل تک ہیں ان کو نیچے آنے سے روکا ہوا ہے۔''

رامن روانی سے اور بغیر اٹکے جواب دے رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ سچ بول رہا تھا ویسے بھی میرا اندازہ یہی تھا۔ اس نے تصدیق کی تھی۔ میں نے اگلا سوال کیا۔ ''رامن یہ تو سامنے کی کنڈیشن ہے میری چھٹی حس کہہ رہی ہے اس کے پس پردہ بھی یہاں کچھ چل رہا ہے اور تم اس میں شامل ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے..... میں بھی تمہاری طرح محصور ہوں۔''

''یہاں عمارتوں میں گارڈز موجود ہیں۔ حملہ آوروں کے خلاف انہیں کیوں استعمال نہیں کیا گیا ہے جب کہ یہ تمہاری ذمے داری بنتی ہے۔''

''تمام عمارتوں کے داخلی راستے میزائلوں سے تباہ کر دیئے گئے ہیں جیسے اس عمارت کے ہیں اس وقت باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''جھوٹ مت بولو..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر عمارت کا ایک ہی راستہ ہو..... پھر یہ سرنگیں کہیں نہ کہیں باہر نکلتی ہوں گی۔ ان کو کیوں استعمال نہیں کیا گیا؟''

''مجھے نہیں معلوم تم کیا کہہ رہے ہو۔'' اس نے بے نیازی دکھانے کی کوشش کی لیکن اس کے لہجے میں تشویش مجھ سے چھپی نہیں رہی تھی۔

''اگر میں نے تمہارے پیروں میں سوراخ کیے تو تم بہت اچھی طرح جان جاؤ گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ یہاں اتنے بڑے ہنگامے ہو رہے ہیں اور تم نے ہنگامی حالات کے لیے بنائی جانے والی سرنگ بالکل استعمال نہیں کی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بڑے کنور کے حکم سے۔''

''تمہیں بڑے کنور کا اتنا خیال ہے اور تم نے اسے ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ میں تمہارے قبضے میں آ گیا ہوں۔''

''وہ الگ بات ہے، میں اپنے طور پر تم سے تفتیش کرنا چاہتا تھا، اس کے بعد تمہیں بڑے کنور کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔'' اس نے چالاکی سے کہا۔

''یہاں سے باہر جانے کا کوئی اور راستہ ہونا چاہیے۔''

''راستہ ہے لیکن ہمیں باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''راستہ کہاں ہے؟''

''اوپر ایک باغ میں نکلتا ہے لیکن وہاں اس وقت کوئی نہیں جا سکتا، وہاں پیلس کے خاص گارڈز موجود ہیں جو براہِ راست بڑے کنور سے حکم لیتے ہیں وہ میرے انڈر نہیں ہیں۔''

''رامن تم پھر کچھ چھپا رہے ہو۔'' میں نے پستول اس کے سر کی طرف سیدھا کیا۔ ''افسوس کہ تم نے اپنی جان کی درست قیمت ادا نہیں کی۔''

''تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا اور ٹریگر دبانا چاہا تھا کہ دروازے پر ایک مسلح شخص نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے ایک طرف چھلانگ لگائی اور اس کا چلایا ہوا برسٹ اس جگہ سے گزرا جہاں ایک لمحے پہلے میں تھا۔ میں پہلو کے بل ملبے پر گرا۔ یہاں پاس ہی کمرے کا فولادی گیٹ اس طرح پڑا تھا کہ اس کا ایک پہلو اٹھا ہونے کی وجہ سے ذرا آڑ بن گئی تھی اور میں بروقت اس آڑ میں سرکا۔ دوسرا برسٹ دروازے پر لگا اور میں نے آڑ سے ہاتھ نکال کر دروازے کی طرف فائرز کیے۔ مسلح شخص جھٹکے سے پیچھے گیا۔ پتا نہیں اسے گولی لگی تھی۔ جب تک میں رائفل شانے سے اتار کر کھڑا ہوتا۔ رامن غائب ہو گیا تھا۔ وہ مکار آدمی اس ذرا سے موقع سے فائدہ اٹھا کر نکل گیا تھا بس ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو میں اس کے شیطانی دماغ میں گولی اتار چکا ہوتا۔ مگر اس کی موت نہیں آئی تھی۔ میں دروازے کی طرف بڑھا۔ ایک لمحے کو جھانک کر دیکھا اور سر اندر کر لیا۔ راہداری خالی تھی۔ پھر خفیہ دروازہ بند ہونے کی سنسناہٹ سنائی دی۔ لیکن میں نے اندھا دھند باہر آنے سے گریز کیا۔ اس کے بجائے میں نے کسی قدر بلند آواز سے کہا۔

''رامن میں تین تک گنوں گا اور گرینیڈ پھینک دوں گا۔ ایک..... دو..... تین.....'' تین کہتے ہی میں نے گرینیڈ کے بجائے کنکریٹ کا ایک ٹکڑا اس طرف اچھالا اور کسی نے گھٹی گھٹی سی آواز نکالی۔ میں بال بال بچا تھا۔ رامن اور اس کا ساتھی گھات لگائے بیٹھے تھے اور اگر میں اندھا دھند راہداری میں آتا تو مارا جاتا۔ اس بار میں نے بغیر کسی وارننگ کے گیس گرینیڈ اس طرف اچھال دیا۔ بند جگہ ہونے کی وجہ سے گیس تیزی سے پھیلی تھی۔ کسی کے کھانسنے کی آواز آئی اور میں دبے قدموں آگے بڑھا۔ وہی آدمی چلایا۔

''دروازہ کھولو۔''

ایسا لگ رہا تھا کہ رامن اسے چھوڑ کر نیچے اتر گیا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو مسلح آدمی زمین پر پڑا ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاؤں مار رہا تھا۔ گیس نے اس کا دم گھونٹ دیا تھا۔ میں گیس ماسک کی وجہ سے محفوظ تھا۔ میں نے تیزی سے خفیہ دروازہ کھولنے والا بٹن تین بار دبایا مگر دروازہ نہیں کھلا۔ میں نے دو تین بار بٹن دبایا مگر اس بار دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا رامن نے اندر سے کوئی کل چھیڑی تھی اور اس سے دروازہ اب باہر سے نہیں کھل سکتا تھا۔ میں زیادہ دیر وہاں نہیں رک سکتا تھا ورنہ گیس کی زیادتی سے ماسک کا فلٹر ناکارہ بھی ہو سکتا تھا۔ میں واپس آیا اور عمارت کے سامنے والے حصے کا جائزہ لیا۔ آگ بجھ گئی تھی مگر وہاں زمین اور گرا ہوا ملبا دہک رہا تھا اس پر سے ہو کر گزرنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سامنے والے کمروں کا جائزہ لیا۔ ایک کمرے کی دیواریں مکمل طور پر گرنے سے راستہ بن گیا تھا مگر اس کا دروازہ ٹیڑھا ہو کر پھنس گیا تھا اسے کھولے بغیر باہر جانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے ایک گرینیڈ نکالا اور اس کی چابی نکال کر اسے دروازے کے نچلے حصے میں پھنسایا اور تیزی سے انٹروگیشن روم میں آیا۔ میں نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ چند سیکنڈ بعد دھماکا ہوا اور میں نے جھانک کر دیکھا۔ گرد و غبار میں اڑا ہوا دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔

میں کمرے کے ملبے سے گزر کر باہر آیا۔ شکر ہے یہاں آگ نہیں لگی تھی ورنہ اس ملبے سے گزرنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ میں براہ راست باہر نہیں آیا تھا کیونکہ وہاں کوئی نہیں تھا مگر پیلس میں کہیں مقابلہ جاری تھا اور رہ رہ کر فائرنگ ہو رہی تھی۔ ان سے زیادہ خطرہ ان اسنائپرز سے تھا جو پیلس کے باہر موجود تھے۔ وہ مجھے اکیلا دیکھ کر پیلس کا آدمی سمجھ کر شوٹ کر سکتے تھے۔ اگرچہ میری جیکٹ کے اوپر ہیٹ سنکر لگے تھے جو جسمانی حرارت منتشر کر کے انفراریڈ دوربین سے نظر آتے۔ مگر یہاں جا بجا دھواں پھیلا ہوا تھا اور آگ لگی ہوئی تھی اس سے نشانچی دھوکا کھا سکتے تھے۔ جہاں تک عمارتیں نظر آ رہی تھی سب حملے کا نشانہ بنی تھیں۔ جگہ جگہ لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور یہ سب کی سب پیلس گارڈز کی تھیں۔ میں نے نائٹ ویژن آنکھوں پر پہن لی اس سے منظر زیادہ واضح نظر آنے لگا۔ مگر مجھے نہ تو کرنل کے کسی آدمی کی لاش دکھائی دی تھی اور نہ ہی وہ دو کمتر بند گاڑیاں کہیں نظر آ رہی تھیں جنہیں حملے کے بعد اندر آنا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ ان میں سے کوئی نظر آیا تو سیٹی سے خبردار کروں گا۔

میں نے ان تین جگہوں کو ذہن میں رکھا جہاں کرنل کے اسنائپرز تھے اور پھر اس کے لحاظ سے حرکت کرنے لگا۔ میں ایک مختلف سطح والے باغ کی دیوار کی آڑ میں آیا۔ یہ دیوار مشکل سے تین فٹ اونچی تھی۔ مگر مجھے کم سے کم دو طرف سے تحفظ دے رہی تھی ایک طرف موجود اسنائپر مجھے کسی قدر دقت سے دیکھ سکتا تھا۔ مگر میں اتنا خطرہ تو مول لے سکتا تھا۔ میں چاروں ہاتھوں پیروں سے دیوار کی آڑ میں چلنے لگا۔ میرا رخ پیلس کے دائیں حصے کی طرف تھا جہاں سے مرکزی پیلس تک جانے والا ڈرائیو وے گزرتا تھا۔ اس ڈرائیو وے کو کم سے کم دو اندرونی گیٹس سے گزرنا پڑتا تھا۔ مگر وہ معمول کی بات تھی اس وقت محافظوں کو گیٹس کا ہوش کہاں ہوگا۔ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں آڑ تین طرف سے میسر تھی۔

میں نے ذرا بلند ہو کر دیکھا۔ تب مجھے پہلی اے پی سی نظر آئی۔ وہ دو عمارتوں کے بیچ میں تھی اور اس کے اندر سے دونوں طرف فائرنگ کی جا رہی تھی۔ عمارتوں کی طرف سے جوابی فائرنگ ہو رہی تھی۔ اندر موجود گارڈز باہر نہیں آ سکتے تھے لیکن وہ کھڑکیوں سے فائرنگ تو کر سکتے تھے۔

میں نے سیٹی نکالی اور بجانے جا رہا تھا کہ کوئی چیز سن سے میرے سر کے پاس سے گزری اور میں بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساختہ آڑ میں گرا تھا۔ یہ گولی تھی اور یقیناً کسی اسنائپر نے چلائی تھی۔ یہاں تک فائر کی آواز نہیں پہنچی تھی۔ میرا خدشہ درست نکلا تھا۔ اکیلے آدمی کو دیکھ کر نشانچی غلط فہمی کا شکار ہو سکتے تھے۔ مگر اس کے بعد جو ہوا اس نے میری عقل خبط کر دی تھی۔ میں گر کر ابھی سنبھل رہا تھا کہ میں نے پیلس کے سامنے مخالف سمت پہاڑی سے ایک شعلے کو لپکتے دیکھا۔ وہ میزائل تھا۔ لمحے سے بھی پہلے وہ میرے اوپر سے گزرا اور پھر ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ میرا خیال تھا کہ نشانہ مزاحمت کرنے والی کوئی عمارت بنی ہوگی لیکن جب میں نے جھانک کر دیکھا تو اے پی سی ٹکڑوں میں بٹ گئی اور اس کے باقی ماندہ ڈھانچے سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ اس کے اندر موجود لوگوں کا حال سوچا جا سکتا تھا۔

''میرے خدا!'' میرے منہ سے نکلا۔ ''یہ کس احمق نے کیا ہے؟''

مگر فوراً ہی کنور پیلس کے دائیں طرف ہائی وے والی طرف سے ایک شعلہ اور لپکا اور اس بار اس کا نشانہ کہیں اوپر موجود دوسری اے پی سی بنی تھی۔ میں نے اس کے ٹکڑے ہوا میں بلند ہوتے دیکھے تھے۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟ کیا نشانچی پاگل ہو گئے تھے؟ انہوں نے میزائل مار کر اپنی ہی دونوں بکتر بند گاڑیوں کو اڑا دیا تھا۔ میرا دل بیٹھنے لگا۔ کرنل اور اس کے آدمی مارے جا چکے تھے اور ہمارا مشن تقریباً ناکام ہو گیا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ نشانچی دو دفعہ غلطی کریں۔ انہوں نے جان بوجھ کر یہ کام کیا تھا اور فوراً مجھے خیال آیا کہ مجھ پر گولی غلطی سے نہیں بلکہ جان کر چلائی گئی تھی۔ میری چھٹی حس جس خطرے سے خبردار کر رہی تھی وہ اچانک سامنے آ گیا تھا مگر ابھی پوری طرح کھلا نہیں تھا۔ کرنل کے آدمی بک گئے تھے اور انہوں نے اپنے ہی لوگوں کو نشانہ بنا ڈالا تھا۔ یا پھر دوسرے لوگوں نے ان پر قابو پا لیا تھا اور ان کے ہتھیار ہمارے خلاف استعمال کر رہے تھے۔

مگر یہ دوسرے کون ہو سکتے تھے؟ دونوں اے پی سی کے اڑتے ہی کہیں چھپے پیلس کے گارڈز سامنے آ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اے پی سی ان کے ساتھیوں نے اڑائی ہے۔ میں نے رائفل سنبھال لی۔ مگر مجھے کچھ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ اسنائپرز نے ان گارڈز کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ان میں سے چار پانچ گرے تو باقی واپس پناہ کے لیے بھاگے تھے۔ ان کی طرح میں بھی حیران تھا۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟ ایسا لگ رہا تھا کہ اسنائپرز سچ مچ پاگل ہو گئے تھے۔ انہوں نے اے پی سی اڑانے کے بعد کنور پیلس کے گارڈز کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ گڑبڑ میرے اندازے سے کہیں زیادہ تھی۔ یہ سب دیکھنے کے بعد کھلی جگہ پر آنا خودکشی ہوتی۔ میں واپس سرکنے لگا اور دیوار کے نیچے پہنچ ہوتا واپس قید خانے کی عمارت کی طرف جانے لگا تھا۔ ابھی میں نصف راستے میں تھا میرے اوپر سے گولی گزر کر دیوار پر لگی۔ اب رکنا حماقت ہوتی میں اٹھ کر دوڑا۔ اسنائپر مسلسل مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں حرکت کی وجہ سے بچ گیا۔

قید خانے کی عمارت کے ملبے کے پاس آ کر میں نے چھلانگ لگائی اور دوسری طرف آڑ میں گرا تھا۔ اس بار مجھ پر دو طرف سے گولیاں برسائی گئی تھیں۔ بھاگنے کے دوران میں دوسرے اسنائپرز کی نظر میں آ گیا تھا۔ دور بیٹھے اسنائپر کے لیے متحرک ٹارگٹ کو نشانہ بنانا ذرا مشکل ہوتا ہے کیونکہ رائفل کو بہت احتیاط سے اور معمولی سی جنبش دینی پڑتی ہے اور یہ خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے میری بچت ہوئی تھی مگر دوسری طرف ملبے پر گرا تو پہلے سے زخمی جسم پر مزید چوٹیں آئی تھیں۔ میں کھڑے ہونے کے بجائے رینگتا ہوا نیم گرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں میں اسنائپرز کی حد سے باہر تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ ٹک کر میں نے پانی کی بوتل منہ سے لگائی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار ایک ہی سانس میں خالی کر دی۔ جدوجہد سے زیادہ شاک نے میرا گلا خشک کر دیا تھا۔

ہمارا پلان مکمل طور پر ناکام ہو گیا تھا۔ اب مرکزی پیلس کی چھت پر اترنے والے میرے ساتھیوں کی عافیت بھی خطرے میں پڑ گئی۔ ان میں بیتو تھا اور مجھے سب سے زیادہ فکر اسی کی تھی۔ میرا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ چند لمحے گہرے سانس لے کر میں اپنے حواس بحال کرتا رہا۔ چند منٹ بعد میری سوچ فوکس ہو گئی۔ ابتدائی صدمے کے بعد میں خود پر قابو پانے لگا تھا اور مجھے محسوس ہوا کہ جو ہو چکا تھا اس پر دکھی ہونے کے بجائے مجھے مرکزی پیلس تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ وہاں میرے ساتھی تھے۔ سادی بڑے کنور کے ساتھ تھی اور اسے خطرہ نہیں تھا لیکن بیتو خطرے میں تھا۔ اگر پیلس کے گارڈز اس پر قابو پا لیتے تو عین ممکن تھا اسے فوری مار دیا جاتا۔ کنوروں کے نزدیک وہ مجرم تھا۔ اسے بچانا میری ذمے داری تھی اور اگر اس کے لیے مجھے خود کو بڑے کنور کے حوالے کرنا پڑتا تو میں اس کے لیے بھی تیار تھا۔

ایک فیصلہ کر کے میں نے اپنے وسائل کا جائزہ لیا۔ میرے پاس ایک رائفل اور اس کے ساڑھے تین میگزین تھے۔ پستول اور اس کے ایمونیشن کی صورت حال یہی تھی۔ تین ہینڈ اور تین ہی اسموک گرینیڈ تھے ایک ایک میں استعمال کر چکا تھا۔ ایک وائس بم تھا مگر بغیر حفاظتی انتظامات کے میں اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ ورنہ میں خود اس کا شکار ہو جاتا۔ میں اندر آیا۔ راہداری میں داخل ہونے سے پہلے سن گن لی۔ اندر کمرے میں جلنے والا واحد بلب بند ہو چکا تھا لیکن مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ میں نے نائٹ ویژن آن کر لی اور اب مجھے سب صاف نظر آ رہا تھا۔ گیس کا شکار ہونے والا کونے میں پڑا تھا، پتا نہیں زندہ تھا کہ مر چکا تھا۔ یہ بے ہوش کرنے والی گیس تھی مگر اس کی زیادتی جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ میں دبے قدموں آگے آیا۔ خفیہ دروازہ بدستور بند تھا۔ میں نے جز میں لگے بٹن کو دبایا۔ اس بار بھی دروازہ بند تھا۔ میں نے گہرا سانس لیا اور بے ہوش گارڈ کو کھینچ کر باہر والے کمرے تک لے آیا۔

پھر ایک ہینڈ گرینیڈ خفیہ دروازے کے ساتھ رکھ کر تیزی سے خود بھی باہر آ گیا۔ عمارت مخدوش ہو گئی تھی ممکن تھا کہ کوئی دھماکا اسے سرے سے بٹھا دیتا۔ خاص طور سے جو اسٹرکچر کے ساتھ کیا جاتا۔ جیسے ہی میں نے باہر والے کمرے میں قدم رکھا دھماکا ہوا تھا اور راہداری میں دھواں اور گرد بھر گئی تھی۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ گرد بیٹھ جائے۔ جیسے ہی گرد بیٹھی میں اندر آیا۔ خفیہ دروازے کا ایک حصہ اڑ گیا تھا اور اس میں اتنا خلا پیدا ہو گیا تھا جس میں ایک آدمی جا سکتا تھا۔ میں نے اندر جھانکنے کی کوشش نہیں کی اس کے بجائے میں نے ایک گیس بم اندر اچھال دیا۔ گیس نکلنے کی سنسناہٹ کے ساتھ ہی کوئی چلایا اور پھر بھاگنے کی آواز آئی۔ میں اندر داخل ہوا۔ یہاں بھی دھواں بھرا ہوا تھا مگر نائٹ ویژن سب صاف دکھا رہی تھی۔ گیس بم سے بہت تیزی سے گیس خارج ہو رہی تھی۔ میں نے نیچے آتے ہی اسے اٹھا کر آگے پھینک دیا۔ ابھی اس سے ایک منٹ تک گیس خارج ہو سکتی تھی۔ بم آگے گرا تو کوئی کھانسا اور گالیاں دیتا ہوا مزید آگے بھاگا تھا۔

نیچے آتے (۱) میں نے نائٹ ویژن آف کر دی۔ کیونکہ یہاں بلب روشن تھے۔ گیس بم کی چابی کا ایک حصہ سکے کی طرح گول تھا اور اس کا سائز بھی پچیس پیسے کے سکے سے زیادہ نہیں تھا۔ وہ میرے پاس تھا میں نے سرنگ کی چھت پر لگا پہلا بلب اتارا۔ یہ کسی قدر گرم تھا مگر ناقابلِ برداشت نہیں تھا۔ یہ سکہ میں نے بلب کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہولڈر میں لگانے والے حصے پر رکھا اور اسے بلند کر کے ہولڈر میں گھسا دیا۔ ایک جھماکا ہوا اور سرنگ میں جلنے والے تمام بلب بجھ گئے۔ وہاں گھپ اندھیرا ہو گیا مگر نائٹ ویژن آن کرتے ہی یہ اندھیرا اجالے میں بدل گیا۔ میں دبے قدموں مگر تیزی سے آگے بڑھا۔ آگے موجود افراد گیس بم سے اتنے دہشت زدہ ہوئے تھے کہ وہ سرنگ میں خاصے آگے نکل گئے تھے۔ جہاں تک نظر جا رہی تھی مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید روشنی بند ہونے سے وہ اور بھی ڈر رے تھے اور واپس کسی عمارت میں گھس گئے تھے۔

میں مرکزی پیلس کی طرف جا رہا تھا۔ تقریباً تین سو گز کے بعد بلب دوبارہ روشن ملے۔ مجھے نائٹ ویژن بند کرنا پڑی تھا۔ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے میں سکے کی طرح استعمال کر سکتا تھا اس لیے میں نے رائفل کے بٹ سے کام لینا شروع کیا اور راہ میں آنے والے بلب توڑنے لگا۔ جیسے جیسے میں آگے جا رہا تھا سرنگ میں تاریکی چھا رہی تھی۔ البتہ دائیں بائیں نکلنے والی سرنگوں کے بلب نہیں چھیڑے تھے وہ بدستور جل رہے تھے۔ میں صرف مرکزی سرنگ کے بلب توڑ رہا تھا۔ چند منٹ بعد میں مرکزی پیلس کے نیچے والے کمرے میں تھا اور یہاں سیڑھیوں والا دروازہ اب بھی بند تھا۔ میں تقریباً آدھا گھنٹا یہاں سے دور رہا تھا۔ اس دوران میں اگر بڑا کنور سادی سمیت سیف ہاؤس میں جا چکا تھا تو مجھے بالکل پتا نہیں تھا۔ مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اسے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حملہ آور ختم ہو چکے تھے اور جو چھت پر تھے ان پر قابو پایا جا سکتا تھا۔ میں نے یہاں کے بھی تمام بلب توڑ دیئے۔

اس جگہ ہینڈ گرینیڈ کا استعمال خاصا مشکل تھا کیونکہ یہاں سیڑھیاں تھی اگر میں دروازے کے ساتھ رکھ کر اترتا تو اس میں وقت لگتا اور اگر میں نیچے سے اچھالتا تو وہ سیڑھیوں سے واپس نیچے آ جاتا۔ بالکل درست وقت پر پھینکنے میں خطرہ تھا کہ وہ میرے ہاتھ میں ہی پھٹ جائے گا۔ یہ دو ہی گرینیڈز تھے یہ کام نہ آتے تو میں کسی صورت دروازہ نہیں کھول سکتا تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ گرینیڈ استعمال کرنے سے پہلے ایک بار پھر بٹن تلاش کروں۔ اوپری دیواروں پر دیکھ لیا تھا لیکن نیچے کی دیواروں پر نہیں دیکھا تھا۔ میں ایک دیوار پر ہاتھ پھیرتا ہوا نیچے تک آیا۔ پھر دوسری دیوار چیک کرنے اوپر جا رہا تھا کہ میری نظر سیڑھیوں پر ذرا ایک زیادہ روشن حصے پر گئی۔ یہ نقطے کی صورت میں اوپر سے نیچے پانچویں سیڑھی کی دیوار کے کونے پر روشن تھا اور آس پاس سے الگ نظر آ رہا تھا۔ میں اوپر آیا، اس پر انگلی پھیری اور گہری سانس لی۔ میں جس بٹن کی تلاش میں تھا وہ مل گیا تھا۔ اس دروازے کا بٹن سیڑھیوں پر تھا۔

میں نے اسے تین بار دبایا اور فوراً ہی رائفل سنبھال لی کیونکہ دروازہ اوپر اٹھنا شروع ہو گیا تھا۔ روشنی کی لکیر نمایاں ہوئی جو پھیلتی چلی گئی اور پھر ایک چھوٹا لیکن ویسا ہی روشن خانہ دکھائی دیا جیسا کہ قید خانے میں تھا جہاں سے خفیہ راستہ شروع ہوتا تھا۔ یہ بھی شاید کسی گیلری میں تھا۔ میں چند لمحے انتظار کرتا رہا کہ وہاں کوئی موجود ہو تو ردِعمل سامنے آئے مگر نہ تو کوئی ردِعمل سامنے آیا اور نہ ہی کوئی آواز آئی تھی۔ میں نائٹ ویژن آف کر کے اوپر آیا دروازے سے جھانکا مگر خلاف توقع یہ واش روم ثابت ہوا تھا۔ یہ خانہ اس قسم کا تھا جیسے بڑے واش رومز میں الگ سے شاور کی جگہ ہوتی ہے جسے پردے سے باقی واش روم سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہاں نہ تو شاور تھا اور نہ ہی کوئی پردہ تھا۔ میں باہر آیا اور دروازہ کھلا رہنے دیا کیونکہ مجھے یہاں اس کے بٹن کا علم نہیں تھا۔ ممکن ہے یہ کچھ دیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد بند ہو جاتا مگر مجھے اب شاید واپس نہیں جانا تھا اس لیے مجھے پیچھے کے بجائے آگے کی فکر تھی۔

واش روم خاصا بڑا تھا۔ اس میں ایک طرف آئینہ تھا۔ میں نے خود کو دیکھا۔ چہرے پر کئی جگہ خون لگا ہوا تھا۔ لباس گرد آلود اور کہیں کہیں سے خون آلود ہو رہا تھا اور میں کسی ایکشن فلم کا مار دھاڑ کرنے والا ہیرو لگ رہا تھا جس نے دشمنوں کے کشتوں کے پشتے لگائے ہوں اور ساتھ ہی کچھ زخم خود بھی کھائے ہوں۔ میں نے دروازہ کھولے بغیر کان لگا کر باہر کی سن گن لی مگر کوئی آواز نہیں تھی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ باہر کوئی نہیں تھا۔ یہ بہت اعلیٰ درجے کی لکڑی سے بنے ٹھوس دروازے تھے جن کو چوکھٹ میں پوری طرح فکس کیا گیا تھا اور یہ تقریباً ساؤنڈ پروف تھے۔ اگر اس سے باہر کچھ لوگ موجود تھے اور بات بھی کر رہے تھے تو وہ اندر سنائی نہیں دیتی۔ میں نے اس کا لٹو تھاما اور آہستہ سے گھمایا۔ وہ بے آواز گھوما اور ہلکی سی کلک کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ میں نے پٹ ہلکا سا کھول کر باہر دیکھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی ایک بہت خوب صورت اور سجا ہوا بیڈ روم تھا۔

یہاں سے اس کا دروازے والا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اس بار بہت کان لگا کر سنا اور کمرے میں سناٹا محسوس کر کے میں باہر نکل آیا۔ رائفل شانے سے لٹکا لی تھی اور پستول ہاتھ میں رکھا تھا۔ میں نے تیزی سے پستول گھماتے ہوئے پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ بڑے سائز کا یہ بیڈ روم جس میں اعلیٰ درجے کا نفیس ترین فرنیچر تھا بالکل خالی تھا۔ بڑی لائٹس آف تھیں لیکن دو چھوٹی لائٹس آن تھیں۔ بہ ظاہر خاموشی تھی لیکن مجھے لگ رہا تھا جیسے اس عمارت میں کہیں ہلچل ہو۔ میں نے دیوار پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ کوئی ارتعاش نہیں تھا شاید یہ میرے احساسات تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے ساتھی اوپر تھے اور وہ کچھ نہ کچھ کر رہے ہوں گے۔ شاید اسی نے میرے اندر ارتعاش پیدا کیا تھا اور مجھے لگا جیسے سچ مچ کچھ ہو رہا ہو۔ مگر اسی لمحے زمین واضح طور پر ہلی تھی اور پھر ایسا لگا جیسے کہیں کھلے میں دھماکا ہوا ہو اور بند جگہ اس کی دھمک بنا آواز کے آئی ہو۔ دھماکا اسی عمارت میں ہوا تھا۔

میں دروازے کی طرف بڑھا اور اس کا ہینڈل گھما کر دیکھا وہ کھلا تھا۔ دروازہ ہلکا سا کھول کر میں نے باہر جھانکا تو ایک لمبی راہداری دکھائی دی جس کے آخری حصے میں سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں مگر یہ عام سی سیڑھیاں تھیں جیسے ایمرجنسی کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔ کنور پیلس کی شاہانہ سیڑھیاں میں دیکھ چکا تھا جس کی چوڑائی نو دس فٹ تھی اور جن پر بیش قیمت سرخ قالین فکس کیے گئے تھے جس کے ساتھ مہاگنی سے بنی لکڑی کی ریلنگ تھی اور اس پر چاندی جیسی کسی دھات کا سہارا تھا۔ راہداری خالی تھی مگر میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ یہ جگہ انسانوں سے خالی نہیں ہے یہاں دائیں بائیں کے کمروں میں لوگ تھے۔ راہداری بھی عام سی تھی۔ یعنی کارپٹ اور آرائشی سامان سے خالی تھی۔ اس سے لگ رہا تھا کہ پیلس کا کوئی عام حصہ تھا۔ ممکنہ طور پر یہ حصہ ملازموں یا عام قسم کے مہمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ مگر میں جس کمرے میں تھا یہ عام نہیں تھا۔ اس کا فرنیچر اور دیگر سامان بہت اعلیٰ درجے کا تھا اور پھر یہیں سرنگ میں جانے والا خفیہ راستہ تھا۔

میں باہر آیا اور دبے قدموں سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ ایک کمرے کے پاس سے گزرتے مجھے اندر سے کم سے کم دو افراد کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ ہیجان زدہ ہو رہے تھے۔ میں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا اس لیے تیزی سے سیڑھیوں تک آ گیا۔ سیڑھیاں بل کھاتی اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو سیڑھیاں خاصی بلندی تک جاتی دکھائی دیں۔ یہ بلندی کم سے کم چالیس پچاس فٹ تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی کمرے کا دروازہ کھلتا محسوس ہوا اور میں تیزی سے جھک کر سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ جب چھت جتنی بلندی تک پہنچ گیا تو جھانک کر دیکھا۔ دو افراد کمرے سے نکلے تھے اور وہ وردی سے کنور پیلس کے خاص گارڈز دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مسلح تھے اور آپس میں تیز لہجے میں بات کر رہے تھے ان کی زبان غیر مانوس تھی۔ وہ نقوش سے نیپالی گورکھے لگ رہے تھے اور شاید اپنی زبان میں بات کر رہے تھے۔

میں تیار ہو گیا جب انہوں نے سیڑھیوں کا رخ کیا اور میں مزید کچھ اوپر چڑھ گیا۔ میں نے رائفل ہاتھ میں لے لی تھی اور مقابلے کے لیے تیار تھا۔ مگر اس کی نوبت نہیں آئی وہ سیڑھیوں کے نیچے سے گزر کر آگے کہیں چلے گئے۔ میں اتر کر نیچے آیا اور اس راستے پر جھانکا۔ یہاں سیڑھیاں ذرا نیچے اتر کر ایک چھوٹی راہداری میں جا رہی تھیں جو آگے جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ وہاں چہل پہل تھی اور مجھے تین افراد تیزی سے گزرتے دکھائی دیئے۔ ان کی توجہ اس طرف نہیں تھی ورنہ وہ شاید مجھے دیکھ لیتے۔ میں واپس آیا اور پھر سیڑھیوں کا جائزہ لیا۔ مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ میں کنور پیلس کے کس حصے میں تھا۔ سیڑھی پر مناسب وقفے سے بلب روشن تھے اور وہاں تاریکی نہیں تھی۔ مگر روشنی بہت زیادہ بھی نہیں تھی۔ میں اوپر چڑھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ ایک منزل بعد مجھے نکلنے کی کوئی راہ ملے گی۔ مگر سیڑھی تو بس اوپر جا رہی تھی اور اس سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا تھا۔

یہاں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا اس لیے میں اوپر جاتے ہوئے راستے میں آنے والے بلب توڑتا جا رہا تھا۔ جتنی زیادہ تاریکی ہوتی میرے لیے اتنا ہی اچھا ہوتا۔ سیڑھی کے آخری حصے میں آ کر مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہاں ایک سپاٹ دیوار تھی اور کوئی راستہ نہیں تھا لیکن ایسا کیسے ہو سکتا تھا یہ سیڑھی کسی مقصد کے تحت بنائی گئی تھی۔ کوئی پاگل ہو گا جو بلاوجہ سیڑھی بنا کر رکھ دے۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں کوئی خفیہ دروازہ تھا جو اوپری فلور پر کہیں کھلتا ہو گا۔ میں دیوار پر ہاتھ پھیر کر اس دروازے کو کھولنے والا بٹن تلاش کرنے لگا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں نے آخری بلب بھی توڑ دیا۔ اب وہاں اندھیرا تھا۔ میں نے نائٹ ویژن آن کر کے دیوار کا معائنہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ پہلے کی طرح بٹن نمایاں ہو جائے گا۔ کیونکہ بٹن برقی ہوتا ہے اس لیے کرنٹ سے وہ کسی قدر گرم ہو جاتا ہے اور باقی دیوار سے ذرا نمایاں ہو جاتا ہے لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا تھا۔ پوری دیوار ایک جیسے رنگ میں نظر آ رہی تھی۔

میں نے آس پاس کا جائزہ لیا پھر اتر کر سیڑھیوں پر دیکھا۔ پہلے بھی بٹن مجھے سیڑھیوں پر ملا تھا لیکن اس بار سیڑھیوں پر بھی نہیں تھا اس کا بھی امکان تھا کہ بٹن موجود تھا مگر کسی وجہ سے گرم نہیں تھا اس لیے مجھے الگ سے نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ اوپر کی دس سیڑھیوں کی دیوار چیک کی۔ کہیں کوئی ایسا ابھار نہیں ملا جو دب بھی رہا ہو۔ پھر میں اوپر آیا اور رائفل کے دستے سے دیوار بجا کر چیک کرنے لگا اور چوٹ کی آواز سے مجھے لگا کہ دیوار اتنی موٹی نہیں ہے۔ یقیناً یہاں دروازہ تھا۔ میں مایوس ہو کر پیچھے ہٹا تھا کہ اچانک ہی دیوار بالکل سی طرح اوپر ہونے لگی جیسے سرنگ کی دیواریں ہوتی تھیں۔ میں پھرتی سے پیچھے ہٹا تھا اور سیڑھیوں سے نیچے آتے ہوئے رائفل کا رخ اوپر کر لیا۔ بہت ہلکی سی روشنی آئی تھی۔ پھر میں نے کسی کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا۔ ''ادھر کوئی تھا میں نے خود آواز سنی، کوئی دیوار بجا رہا تھا۔''

میں ذرا اوپر آیا اور جھانک کر دیکھا۔ یہ ایک تقریباً تاریک کمرا تھا اور وہاں معمولی روشنی میں کئی افراد نظر آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے۔ مگر وہ سامنے نہیں تھے اس لیے نمایاں بھی نہیں تھے۔ میں نے رائفل کی نال آگے کی۔ وہ کئی تھے اور جلد یا بدیر اپنے شبہے کی تصدیق کے لیے نیچے آتے۔ یہاں بچنا مشکل تھا اور وہی بچتا جو وار میں پہل کر جاتا۔ میرے پاس موقع تھا میں انہیں بے خبری میں نشانہ بنا سکتا تھا۔ اچانک تھپڑ کی آواز آئی اور کسی نے کہا۔ ''بکواس کرتا ہے خنزیر کا بچہ..... ادھر کون ہے؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں بھگوان کی سوگند۔'' پہلے بولنے والا گھگیایا۔ ''دیکھو یہاں کی روشنیاں بھی بند ہیں ورنہ ان سیڑھیوں پر روشنی ہوتی ہے۔ تم لوگ خود جا کر دیکھ لو۔''

دوسرے شخص کی آواز سن کر میری ٹریگر پر سخت ہوتی انگلی نرم ہوئی تھی مگر ان کے یہاں آنے کا سن کر میں نے دوبارہ انگلی سخت کی اور ٹریگر دبانے والا تھا کہ ایک اور نے کہا۔ ''یہ ٹھیک بولتا..... ادھر کوئی ہے۔''

یک دم میرا پورا وجود ہی نرم پڑ گیا اور میں نے دل کی گہرائیوں سے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں نے ٹریگر نہیں دبایا ورنہ شاید ہونے والے نقصان کی کبھی تلافی نہیں کر سکتا تھا۔ تیسری آواز بیتو کی تھی۔ میں نے پکار کر کہا۔ ''یہ میں ہوں، گولی مت چلانا۔''

''شوبی!'' بیتو نے چلا کر کہا اور اس کا ہیولا دروازے کے خلا میں نمودار ہوا۔ میں اٹھ کر اوپر آیا تو وہ مجھ سے چمٹ گیا۔ اس کی محبت کا ہمیشہ سے یہی انداز رہا تھا۔ وہ مجھے ٹٹول رہا تھا۔ ''شوبی آپ ٹھیک ہے نا؟''

''سو فیصد تو نہیں لیکن ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اندر چلو ہم دشمنوں کے عین سر کے اوپر ہیں۔''

بیتو مجھے اندر لایا اور اس نے مذکورہ شخص کو دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔ اس نے ایک طرف دیوار میں لگا خفیہ بٹن تین بار دبایا اور دروازہ بند ہونے لگا۔ وہ پیلس گارڈز کی وردی میں تھا۔ ''یہ کیسے ہاتھ لگا؟''

بیتو نے کہا۔ ''ہم نے یہاں موجود لوگ کا صفایا کر دیا، بس یہ زندہ ہاتھ لگا۔''

اس کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی اس کے ساتھ اچھی خاصی مار پیٹ ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اسے اندر سے لاک کر دو اب یہ سیڑھیوں کی طرف سے نہ کھلے۔''

اس نے اسی بٹن کو لگاتار چار بار دبایا اور بولا۔ ''اب یہ صرف اسی طرف سے کھلے گا سیڑھی کی طرف سے نہیں کھلے گا۔''

وہاں بیتو کے ساتھ فتح خان کے دو آدمی تھے لیکن خود فتح خان اور باقی تین آدمی غائب تھے۔ ''باقی کہاں ہیں؟''

''تین ادھر ایک جگہ مورچہ لگائے ہوئے ہیں۔'' بیتو بولا۔ ''پر فتح خان کا پتا نہیں ہے..... وہ ہمارے ساتھ اترا تھا مگر کچھ دیر بعد غائب ہو گیا۔ ریڈیو پر بھی جواب نہیں دے رہا ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''فتح خان بھی غائب ہے..... تمہیں معلوم ہے کرنل اور اس کے ساتھ اندر آنے والے تمام افراد کا صفایا ہو گیا ہے ان کی بکتر بند گاڑیوں پر باہر سے میزائل فائر ہوئے ہیں۔''

بیتو حیران ہوا تھا۔ ''باہر سے..... کس نے کیا؟''

''میرا خیال ہے ان ہی لوگوں نے جنہیں میزائل فائر کرنے پر لگایا گیا تھا وہ بک گئے ہیں یا مارے گئے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے لوگ آ گئے ہیں۔ مجھ پر فائرنگ کی گئی حالانکہ میں نے جیکٹ پہنی ہوئی تھی اور میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے ہی اسنا پیرز نے پیلس کے گارڈز کو نشانہ بنایا۔"

بیتو نے تیزی سے صورتِ حال کو سمجھ لیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "شوبی یہ تو کوئی بڑا سازش ہو رہا ہے کوئی شخص اپنا کھیل کھیل رہا ہے۔"

"مجھے لگ رہا ہے کوئی شخص نہیں کئی افراد اپنا کھیل کھیل رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "نیچے سے شدید مزاحمت کی جا رہی ہے؟"

"ہم دوسری منزل پر بھی نہیں جا سکا ہے۔" بیتو بولا۔ "نیچے سے سیڑھی کو اڑا دیا گیا ہے اور ادھر بہت لوگ ہے۔"

"اس خفیہ راستے کا کیسے پتا چلا؟"

"اس کو بجایا تو یہ بولا۔" بیتو نے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔

"خود سے بتایا ہے اس نے؟"

"اتنا شریف نہیں ہے ہم کو خیال آیا کہ ادھر سے نیچے جانے کے واسطے بس ایک سیڑھی ہے۔ ہمیں خیال آیا کہ کوئی خفیہ راستہ ہوگا۔"

"ہیلی کاپٹر کہاں ہے؟"

"وہ چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔" بیتو نے بتایا۔ "فتح خان نے اس کے پائلٹ سے کہا تھا کہ جب ریڈیو پر کہے تو ادھر آئے۔"

"ریڈیو پر کون کہے گا اور وہ ریڈیو کس کے پاس ہے؟"

"فتح خان بولتا، ریڈیو بھی اسی کے پاس ہے۔"

"اور وہ غائب ہے۔" میں نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ یہ تشویش ناک خبر تھی۔ فتح خان کہاں غائب ہو گیا تھا اور اس کا ریڈیو بھی بند تھا۔ اس کا مطلب تھا وہ دشمن کے ہتھے چڑھ گیا تھا لیکن فتح خان کے بارے میں اگوائری کرنے سے پہلے میں نے اس جگہ کا جائزہ لینا مناسب سمجھا۔ اوپری فلور بہت بڑا نہیں تھا یہاں چھ کمرے تھے اور درمیان میں گنبد کا بڑا سا ہال تھا۔ سیڑھیاں اس کے وسط سے نیچے جا رہی تھی جہاں فتح خان کے تین ساتھی مورچہ بند موجود تھے۔ سیڑھیاں درمیان سے یوں تباہ کی گئی تھیں کہ ان کو کسی صورت بغیر کسی سہارے کے عبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے بیتو سے پوچھا۔ "تم لوگوں نے اب تک کیا کیا ہے؟"

"ہم نے گیس والا بم مارا پر ادھر کوئی اثر نہیں ہوا۔ مورچہ لگانے والا اپنی جگہ ہے۔ یہ دیکھو۔" بیتو نے ہتول سے نیچے کی طرف فائر کیا اور فوراً ہی جوابی برسٹ آیا۔ میں نے بیتو کو پیچھے کھینچ لیا۔

"احتیاط سے برخوردار..... اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"شوبی آپ کہاں تھا..... آپ کے غائب ہونے کے بعد ہم بہت پریشان تھا۔ ہم سوچ رہا تھا کہ حملہ نہ کرے پر فتح خان اور کرنل نے فیصلہ کیا کہ حملہ وقت پر ہوگا۔"

"انہوں نے ٹھیک فیصلہ کیا۔" میں نے سر ہلایا اور بیتو کو مختصراً خود پر گزرنے والے احوال سے آگاہ کیا۔ ہ پر ہونے والے تشدد کا سن کر اسے غصہ آیا تھا اور نائیک کا انجام سن کر اس نے دانت نکالے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل ٹھیک کیا، آپ کے ساتھ ہم ہوتا تو اسے کہیں اور کرنٹ لگاتا۔''

سرنگ اور پیلس کے نیچے موجود سیف ہاؤس کا سن کر وہ فکر مند ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''شوبی کسی طرح بھی ہم کو نیچے جانا چاہیے ایسا نہ ہو کہ وہ دیدی کو لے کر ادھر چلا جائے۔''

''اب نہیں جائے گا کیونکہ حملہ کرنے والوں میں بس ہم بچے ہیں اور ہم بھی یہاں پھنسے ہوئے ہیں۔''

''شوبی ایک راستہ تو پتا چل گیا ہے نیچے جانے کا۔'' بیتو نے خفیہ راستے کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے لگ رہا ہے اب اس سے نیچے جانا بھی آسان نہیں ہو گا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ صبح کے ساڑھے چار بجنے والے تھے۔ کچھ دیر میں صبح کی روشنی ہونے لگتی اور ہر گزرتے لمحے یہاں سے نکلنا بھی دشوار لگ رہا تھا مشن کی کامیابی تو ایک طرف رہی تھی۔ میں نے فتح خان کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ''یہ پانچ اور ہم دو ہیں..... نیچے درجنوں مسلح گور کھے ہیں اور تم جانتے ہو لڑنے مرنے میں یہ کیسے ہوتے ہیں۔''

''تب کیا کرے..... ادھر سے نکل بھی نہیں سکتا ہے۔ ہیلی کاپٹر صرف فتح خان منگوا سکتا ہے اور وہ ہے نہیں۔''

''وہ غائب کیسے ہوا؟''

''ہم کو لگا وہ پہلے نیچے اتر گیا اس کے بعد سیڑھی تباہ ہو گیا۔'' بیتو نے کہا۔ ''وہ ہیلی کاپٹر سے اترتے ہی اندر آ گیا تھا۔''

''اس نے عجلت میں کام کیا۔ میرا خیال ہے یہاں کچھ لوگ گھات لگائے بیٹھے ہوں گے وہی اسے قابو کر کے نیچے لے گئے ہوں گے۔''

''ممکن ہے مار دیا ہو؟''

''اس کا بھی امکان ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا فتح خان نے یہ جذباتی حرکت کیوں کی۔ اسے تم لوگوں کی کمانڈ کرنی چاہیے تھی نہ کہ خود منہ اٹھائے دشمن کے حصار میں گھس جانا چاہیے تھا۔'' کہتے ہوئے میرا لہجہ برہم ہو گیا۔

''ہم کو دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا۔'' بیتو دبی آواز میں بولا۔

گنبد کے نیچے ہال تھا اور اس کے چاروں طرف چھ کمرے تھے۔ بالکل وسط میں سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ چاروں طرف تقریباً بیس بائیس فٹ کی خالی جگہ تھی جو شاید خاص تقریبات کے لیے استعمال کی جاتی ہو گی۔ یہاں مکمل کارپٹ تھا اور دیوار کے ساتھ اعلیٰ درجے کے صوفے اور دوسری سٹنگ رکھی تھیں۔ ایک طرف بڑی سی میز بھی تھی جس پر کھانے پینے کا سامان سجایا جاتا ہو گا۔ گنبد کا اوپری حصہ شیشے کا تھا۔ وسط میں ایک بہت بڑا فانوس لٹک رہا تھا۔ یہ بلاشبہ کئی ٹن وزنی فانوس تھا جسے بہت مضبوط فولادی راڈ سے گنبد کی چھت سے باندھا گیا تھا۔ میں نے ذرا پیچھے ہٹ کر باقی سب کو بھی پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا پھر راڈ کا نشانہ لے کر برسٹ مارا۔ پہلے برسٹ میں راڈ نہیں ٹوٹی تھی۔ دوسرے برسٹ نے اس کی اوپری کڑی کو توڑ دیا اور فانوس سے آوازیں آنے لگیں۔ بیتو نے اضطراب سے کہا۔ ''شوبی یہ کیا کرتا ہے؟''

''دیکھتے رہو۔'' میں نے کہتے ہوئے تیسرا برسٹ مارا اور اس بار راڈ جواب دے گئی۔ ایک مہیب آواز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ وزنی فانوس تیزی سے نیچے گیا۔ یہ سیڑھیوں کے عین اوپر تھا اس لیے سیدھا خلا میں گیا۔ زوردار چھناکوں کے ساتھ دھات ٹوٹنے کی خوفناک آوازیں بھی آئیں اور پھر نیچے موجود لوگ چیخنے چلانے لگے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں فانوس کے شیشے ٹوٹ کر ان پر برس رہے تھے اور انہیں زخمی کر رہے تھے۔ اب بیتو سمجھا کہ میں نے کیا کیا تھا۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

''یہ آپ نے اچھا کیا۔''

فانوس گرا تو میں نے اوپر سے لٹکنے والے بجلی کے تار کو پکڑ کر کھینچا اور اس میں سے تار توڑ کر اس کے دونوں سرے ننگے کیے اور انہیں وہیں موجود ایک ساکٹ میں ڈال کر بٹن آن کیا تو شعلہ لپکا اور اس جگہ کا فیوز اڑ گیا۔ اس کے ساتھ ہی نیچے والی منزل بھی تاریک ہو گئی تھی یعنی دونوں کا فیوز ایک ہی تھا۔ میں نے نائٹ ویژن آن کرتے ہوئے نیچے جھانکا تو مجھے کچھ افراد حرکت کرتے دکھائی دیئے۔ وہ زخمی ہوئے تھے اور اب کانچ اور فانوس کے ملبے سے بچنے کے لیے وہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں چاہتا تو ان کو آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا لیکن میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ کی ان سب نے بھی نائٹ ویژن آن کر لیے۔ وہ بھی دیکھ رہے تھے اس لیے فتح خان کے ایک ساتھی نے اچانک بچ جانے والوں پر برسٹ مارا۔ ان میں سے دو گرے اور باقی بھاگ گئے تھے اب انہوں نے شیشوں کی پروا بھی نہیں کی تھی۔ ان کے غائب ہونے کے بعد میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اس مشن کا کمانڈر میں ہوں اب تم میں سے کوئی مجھ سے پوچھے بغیر کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ سمجھ گئے؟''

''سمجھ گیا۔'' فائرنگ کرنے والا بولا۔ ''خان صیب کا حکم تھا کہ ادھر سامنے آنے والے ہر بندے کو شوٹ کرنا ہے۔''

''اب ایسا نہیں کرنا۔'' میں نے کہا۔ بچ جانے والا گارڈ ایک طرف خاموش بیٹھا تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔ میں اس کے پاس آیا۔ ''تم اس عمارت کے خاص گارڈز میں سے ہو؟''

''ہاں۔'' اس نے اقرار کیا۔

''میں جانتا ہوں یہاں تم جیسے پچاس گارڈز ہوتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ان کا سربراہ کون ہے؟''

''اگر جنگ۔'' اس نے جواب دیا۔

''رامن کی کیا حیثیت ہے؟''

''وہ پیلس کے دوسروں حصوں کا نگراں ہے لیکن اس عمارت کے معاملات سے اس کا تعلق نہیں ہے۔''

''باقی سکیورٹی بھی رامن کے ماتحت ہے؟''

''ہاں باقی پورا پیلس اس کے ماتحت ہے۔''

''جب پیلس پر حملہ ہوا تو تم لوگوں نے کیا کیا اور بڑے کنور کا ردِعمل کیا رہا۔''

وہ ہچکچایا پھر اس نے کہا۔ ''بڑے کنور کی طرف سے ہمیں حکم دیا گیا کہ صرف اس عمارت کا دفاع کریں۔ ہمیں باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔''

''بڑا کنور کہاں ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نہیں جانتا، جب اوپر حملہ ہوا تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو آنے والوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رد کنے کا حکم ملا۔ ہم اوپر آئے پر میرے ساتھی مارے گئے اور میں پکڑا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ بڑا کنور کہاں ہے ویسے بھی ہم دوسرے فلور پر رہتے ہیں ہمیں بلاوجہ نیچے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"تم لوگوں کی رہائش کہاں ہے؟"

"ہمارے گھر پیلس میں ہیں لیکن ڈیوٹی کے وقت ہم اسی عمارت میں رہتے ہیں۔ دو دن کے لیے آٹھ گھنٹے ڈیوٹی اور آٹھ گھنٹے آف ملتا ہے۔ ان دو دنوں میں یہیں رہنا ہوتا ہے۔"

یہ پیلس کا سکیورٹی سسٹم تھا اور اس کی کوئی وجہ ہوگی۔ "تمہارے ساتھ کتنے آدمی آئے تھے۔"

"ایک درجن۔" اس نے جواب دیا۔

"صرف تم بچے ہو، نیچے بھی کم سے کم چار مارے گئے ہیں۔"

"اس سے پہلے ہی چھ سات اور مارے گئے۔" بیتو نے مداخلت کی۔ "جب ہم نے نیچے جانے کی کوشش کی اور انہوں نے روکا تھا۔"

مارے جانے والے بیشتر افراد سیڑھیوں کے آس پاس مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں نیچے تھیں اور جو اوپر مارے گئے تھے ان کی لاشیں بھی ان لوگوں نے نیچے پھینک دی تھیں۔ اگر بیس کے قریب گارڈز مارے بھی گئے تھے تو نیچے اس سے زیادہ گارڈز موجود تھے۔ ابھی تو اوپر ہونے کی وجہ سے ہم محفوظ تھے لیکن نیچے جانے کی صورت میں ہم براہِ راست نشانے پر آجاتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہمیں نیچے نہیں جانا تھا۔ ہمیں نیچے جانا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ ہم کس طرح زیادہ سے زیادہ بچ کر یہ کام کر سکتے تھے۔ میں نے ایک بار پھر نیچے دیکھا۔ اب سیڑھیوں اور آس پاس جہاں تک نائٹ ویژن کام کر رہی تھی کوئی زندہ فرد نظر نہیں آرہا تھا۔ البتہ کچھ لاشیں پڑی تھیں جنہیں اٹھایا نہیں گیا تھا۔ آسان طریقہ تو خفیہ راستے کا تھا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس سے جانا آسان نہیں ہوگا۔ میں نے بیتو اور دوسرے افراد سے کہا۔

"رسی باندھو..... ہم اسی جگہ سے نیچے جائیں گے۔"

"شوبی یہ خطرناک ہوگا وہ لوگ گھات لگا کر بیٹھا ہوگا۔"

"ہم اندھا دھند نہیں جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "میرے حصے کا ریڈیو کہاں ہے؟"

"ہمارے پاس ہے۔" بیتو نے اپنے بیگ سے چھوٹا سا ریڈیو اور اس کے ایئر فون نکال کر دیئے جو کانوں میں پوری طرح فٹ ہو جاتے تھے۔ میں نے اسے کانوں سے لگایا اور ریڈیو اپنی جیکٹ میں رکھ لیا۔ فتح خان کے آدمی مختلف جگہوں پر رسیاں باندھ رہے تھے۔ انہوں نے بیلی کاپٹر سے رسیوں سے اترنے کی تربیت حاصل کی تھی اور یہ کام ان کے لیے مشکل نہیں تھا۔ میں نے وائس بم لیا اور ایک رسی سے اسے باندھا۔ اب بیتو سمجھ گیا اس نے دانت نکالے۔ "یہ اچھا ہے سب بے ہوش ہو جائے گا۔"

"خوش فہم مت ہو ممکن ہے انہوں نے اس کا توڑ بھی رکھا ہو۔" میں نے کہا۔ "مجھے لگ رہا ہے کوئی اندر کا بھیدی ان لوگوں کے ساتھ مل گیا ہے اس صورت میں وہ ہمارے تمام حربوں سے آگاہ ہوں گے۔"

بیتو نے سر ہلایا۔ فتح خان کے آدمی رسیاں باندھ چکے تھے۔ میں نے سب کو ایک جگہ بلایا اور سرگوشی میں اپنا منصوبہ سمجھانے لگا۔ رسی سے بندھا ہوا بم پن نکال کر نیچے پھینکنے پر تقریباً بیس فٹ کی گہرائی تک چلا جاتا۔ رسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنی ہی دراز تھی لیکن ہم اس کی حد میں ہوتے۔ یہ تقریباً پانچ سیکنڈ تک ایک سو تیس ڈیسی بل کی مہیب آواز نکالتا اور جیسے ہی اس کی آواز ختم ہوتی ہم حرکت میں آجاتے۔ وہ خاموشی سے سن رہے تھے۔ البتہ ایک نے سوال کیا۔

''اس کا کیا کرنا ہے؟'' اس نے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے گولی مار دے۔''

''نہیں یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔'' اس سوال سے میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ''بلکہ یہ پہلے جائے گا۔ اگر کوئی نیچے ہوا تو وہ اسے ہی نشانہ بنائے گا اور ہمیں اس کی لوکیشن کا پتا بھی چل جائے گا۔''

یہ تجویز سب کو پسند آئی۔ مگر اسے نیچے بھیجنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہوش میں ہو اور ائرفون کے بغیر اس کا وائس بم سے بچنا مشکل تھا کیونکہ اس کی حد بیس میٹرز تھی۔ میں نے اسے فتح خان کے ایک آدمی کے ہمراہ ایک کمرے میں بھیج دیا جہاں وہ بم کی حد سے باہر ہوتا۔ اسے سمجھا دیا کہ اسے کانوں پر ہاتھ رکھنے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد میں نے بم کی پن کھینچی اور اسے نیچے خلا میں اچھال دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہم دیواروں کی طرف بھاگے اور دونوں ہاتھوں سے کان ڈھانپ لیے تھے۔ اس کے باوجود پانچ سیکنڈ بعد جب بم پھٹا تو ایک باقاعدہ لہر سی ہمارے جسموں سے ٹکرائی اور بے پناہ امنڈتا ہوا شور کانوں سے ٹکرایا۔ اس کی شدت نے ایک لمحے کو بوکھلا دیا تھا۔ یہ کرنٹ کے شاک جیسا تھا۔ میں نے سانس روکی تو یہ قابلِ برداشت ہوا۔ آواز کسی حد تک ناک کے راستے بھی جسم میں داخل ہوتی ہے۔

اسی لیے سانس روکنے سے آواز کی شدت کسی قدر کم ہوئی تھی۔ سانس روکنے کے باوجود یہ پانچ سیکنڈ پانچ منٹ بن کر گزرے تھے۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے آواز رک ہی نہیں رہی ہے۔ ایک مسلسل لہر کی طرح چڑھے چلی آ رہی ہے۔ یہ چیختی چنگھارتی آواز جیسے دماغ میں گھس رہی تھی۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ جن لوگوں نے اسے براہِ راست سنا ہوگا ان کا کیا حال ہوگا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ کسی قابل نہیں رہے ہوں گے۔ آواز رکی تو بھی کان سائیں سائیں کر رہے تھے اور میں نے کانوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بیتو کو آواز دی تو مجھے خود اپنی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ پھر میں نے اسے ریڈیو پر پکارا۔ ''تم ٹھیک ہو؟''

''ہم ٹھیک ہے شوبی۔'' ائیرفون سے اس کی آواز آئی۔ ''پر یہ آواز خدا کا پناہ.....''

''سب ٹھیک ہیں؟''

سب ٹھیک تھے۔ البتہ گورکھے گارڈ کی حالت کسی قدر خراب تھی۔ حالانکہ وہ دور تھا مگر شاید اس نے صحیح سے کانوں کو نہیں ڈھکا تھا۔ سب سے پہلے اسے بھیجنا تھا اور وہ جھوم رہا تھا۔ اس کی حالت سے لگ رہا تھا کہ وہ رسی کے سہارے نہیں اتر سکے گا۔ میں نے کہا۔ ''اسے رسی سے باندھ کر نیچے اتارو..... جلدی.....''

فتح خان کے آدمیوں نے اسے بغلوں سے رسی گزار کر باندھا اور کنارے تک لائے۔ وہ مزاحمت کر رہا تھا مگر خود کو آزاد نہیں کرا سکتا تھا۔ قربانی کے بکرے کی طرح اُسے نیچے دھکیل دیا اور پھر رسی کے سہارے وہ نیچے جانے لگا۔ ابھی وہ درمیان میں تھا کہ میں نے روک دیا۔ ''بس اب رسی کہیں باندھ دو اسے یہیں لٹکا رہنے دو۔''

کسی طرف سے فائرنگ یا مزاحمت نہیں ہوئی تھی اس کا مطلب تھا کہ کوئی نیچے تھا تو وہ وائس بم کا شکار ہو گیا تھا۔ رسی کو ایک طرف باندھ دیا گیا اور سب نیچے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے سات رسیاں باندھی تھیں۔ بیتو نے پوچھا۔ ''جو نیچے ملے ان کا کیا کرنا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیچے موجود گارڈز بہت خطرناک تھے انہیں موقع ملتا تو وہ ہمیں نہیں چھوڑتے اور ہمارے پاس نہ تو وقت تھا اور نہ ذرائع تھے کہ انہیں قیدی بنا لیتے۔ ہم صرف سات تھے۔ ان کا ایک ہی حل تھا میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''دیکھتے ہی شوٹ کر دینا۔ البتہ جو بم کا شکار ہوں اور تمہاری پہنچ میں ہوں ان کو سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کر دینا۔ مگر یاد رکھنا بلا ضرورت فائر نہیں کرنا ہم جتنی خاموشی سے نیچے پہنچ جائیں اتنا ہی اچھا ہوگا۔''

ہم نے رسیاں نیچے لٹکائیں اور سب ایک ساتھ نیچے جانے لگے۔ کلپ میں ہونے کی وجہ سے رسی پر گرفت تھی اور صرف ایک ہاتھ سے رسی چھوڑی جا سکتی تھی۔ دوسرا ہاتھ ہتھیار سنبھالنے کے لیے آزاد تھا۔ ایسے میں شانے سے لٹکی رائفل سب سے بہترین ہتھیار تھا کیونکہ بہ وقت ضرورت اسے چھوڑا بھی جا سکتا تھا۔ ریلنگ سے نیچے آتے ہی مجھے ایک وسیع ہال دکھائی دیا۔ یہ ان سیڑھیوں کے چاروں طرف تھا۔ اوپر جو کمرے تھے یہاں ان کے نیچے بھی ہال تھا اس لیے اس کی وسعت بہت زیادہ ہوگئی۔ مگر جہاں تک میں دیکھ رہا تھا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس طرف سیڑھیوں کا ایک بڑا حصہ غائب تھا اور آس پاس بھی دھماکے کی تباہی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ میں نچلی سیڑھیوں کے پاس آیا تو ریلنگ پر ٹنگ کر ہال میں اتر آیا۔ رسی چھوڑ دی تھی۔ اتنے میں باقی سب بھی نیچے آ چکے تھے۔ دوسری طرف کئی افراد تھے جو وائس بم کی تباہ کاری کا شکار ہو گئے تھے اور ان میں سے کوئی ہوش میں نہیں تھا۔

میں گھوم کر اس طرف آیا جہاں فتح خان کا ایک آدمی خنجر نکالے ان کی گردن کاٹنے کی تیاری کر رہا تھا مگر میں نے اسے روک دیا اور ان پانچ افراد کو چیک کیا جو پوری طرح مسلح تھے۔ ان کے پاس گیس ماسک اور نائٹ ویژن بھی تھے مگر وائس بم ان کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔ ان میں سے ایک کے کانوں سے خون نکل آیا تھا شاید اس کے کان کا پردہ پھٹ گیا تھا۔ یہاں مکمل تاریکی تھی کیونکہ فیوز اڑا ہوا تھا۔ میں نیچے آتے ہوئے تار کا ٹکڑا لے آیا تھا۔ اس کے پیس کر کے دو افراد کو دیئے اور ان کو سمجھایا کہ نیچے جاتے ہوئے جہاں روشنی نظر آئے وہ کسی بھی ساکٹ میں انہیں ڈال کر آن کر دیں۔ اس حصے کا فیوز اڑ جائے گا۔ ویسے مجھے حیرت ہوئی تھی کہ کنور پیلس جیسی عمارت کا بجلی کا نظام اتنا ناقص تھا کہ ایک ہی فیوز پر دو فلور چل رہے تھے۔ اس لیے جب فیوز اڑا تو دونوں فلور تاریکی میں ڈوب گئے۔ جب تک میں بے ہوش افراد کو چیک کر رہا تھا باقی سب اس فلور کے سامنے نظر آنے والے کمرے اور حصے چیک کر رہے تھے۔

اس سے نچلے فلور پر روشنی دکھائی دے رہی تھی اور اپنی بلندی سے وہ گراؤنڈ کے بجائے میزانائن فلور لگ رہا تھا۔ وائس بم کی آواز نہ صرف اس عمارت بلکہ اس کے آس پاس بھی گئی ہوگی اور یقیناً اب نیچے والے ہوشیار ہو گئے ہوں گے۔ اس کے باوجود یہ اچھا حربہ تھا اگر ان کے پاس توڑ ہوتا تو وہ پہلے سے کر کے رکھتے۔ اسے دوبارہ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ بیتو نے چند منٹ بعد رپورٹ دی۔ ''اب یہاں کوئی نہیں ہے۔''

''ہمیں نیچے جانا ہوگا۔'' میں نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ پھر گورکھے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے نیچے اتارو..... یہ ہماری ڈھال ہوگا۔''

وہ ہوش میں آ گیا تھا۔ رسی کاٹ کر اسے نیچے اتارا۔ اس کے ہاتھ بدستور پشت پر بندھے تھے کہ وہ خود کو آزاد نہ کرا سکے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم آگے چلو گے لیکن کوئی آواز نہ نکالنا اور نہ ہی بھاگنے کی کوشش کرنا ورنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوری مارے جاؤ گے۔''

وہ دہشت زدہ تھا مگر میری بات سمجھ گیا اس نے سر ہلایا تھا۔ اسے آگے رکھتے ہوئے ہم دبے قدموں سیڑھیوں سے اترنے لگے۔ سب نے گیس ماسک منہ پر فٹ کر لیے تھے۔ چند لمحے بعد ہم اس میزانائن فلور پر تھے۔ جس میں سیڑھیوں کے چاروں طرف چھوٹی راہداری تھی اور اس سے چاروں طرف مختلف راستے نکل رہے تھے۔ یہاں بھی کوئی نظر نہیں آیا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ بیتو نے ہاتھ کے اشارے سے فتح خان کے آدمیوں کو مختلف سمتوں کو چیک کرنے کا حکم دیا۔ وہ راہداری میں پھیل گئے۔ وہ مختلف راستوں پر دیکھ رہے تھے۔ یہاں بھی گھپ اندھیرا تھا لیکن نائٹ ویژن سے سب صاف نظر آ رہا تھا۔ میں سیڑھیوں پر تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب دشمن کی طرف سے مزاحمت کیوں نہیں ہو رہی ہے؟ ایسا تو ممکن نہیں تھا کہ دشمن سکون سے بیٹھ گیا ہو۔ وہ نیچے تھے اور ہماری آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

دیکھا جائے تو یہ ناقص حکمتِ عملی تھی لیکن بڑا کنور ایک چیز سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ سادی اس کے ساتھ تھی اور وہ بھی نچلے فلور پر تھی اس کی وجہ سے ہم اس فلور پر حملے کے دوران کوئی تباہ کن ہتھیار استعمال نہیں کر سکتے تھے جس کی تباہی کا احاطہ وسیع ہو۔ وہاں ہم صرف آتشیں ہتھیار استعمال کر سکتے تھے اور ان کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود بڑے کنور کو کچھ آدمیوں کو یہاں چھوڑنا چاہیے تھا مگر ایسا لگ رہا تھا اس نے اپنی ساری قوت ایک جگہ جمع کر لی تھی۔ مگر منطق کہہ رہی تھی ایسا ممکن نہیں ہے۔ نیچے کوئی نہ کوئی ٹریپ ہوگا۔ کیا اس صورت میں ہم سب کا ایک ساتھ ہی نیچے جانا مناسب تھا؟ میں نے بیتو کو بلایا۔ ''میں سوچ رہا ہوں ہمیں خفیہ راستہ بھی استعمال کرنا چاہیے۔''

''وہ کیوں شوبی؟''

''نیچے وہ ہمارے منتظر ہیں اور انہوں نے جان لیا ہے کہ ہم ان سیڑھیوں سے نیچے آ رہے ہیں۔ اس لیے خفیہ دروازے والی سیڑھیوں پر ان کی توجہ اتنی نہیں ہوگی ہم اس طرف سے بھی حملہ کریں تو یہ ان کے لیے غیر متوقع ہوگا۔''

''بات تو سمجھ میں آتا ہے۔'' بیتو نے سر ہلایا۔

''میں ایک آدمی کے ساتھ اس طرف سے جاتا ہوں کیونکہ میں وہ جگہ دیکھ چکا ہوں۔ تم باقیوں کے ساتھ اسی طرف سے نیچے اترو مگر بہت احتیاط سے کسی ٹریپ کا خیال رکھنا اور اس قیدی کو آگے رکھنا۔ اگر کچھ ہوا تو یہی سب سے پہلے نشانہ بنے گا اور تم لوگ ہوشیار ہو جاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے شوبی۔'' بیتو نے مستعدی سے کہا۔

میں نے فتح خان کے آدمیوں میں سے ایک نوجوان کو پاس بلایا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''سنگین خان۔'' اس نے جواب دیا۔ وہ اسم با مسمّٰی تھا۔ نوجوانی کے باوجود چہرے کے تاثرات سنگین تھے۔ جسم دبلا لیکن گٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو کپڑے کے نیچے پتھر لگا تھا۔

''میرے ساتھ آؤ ہم اوپر والے راستے سے نیچے جائیں گے۔''

ہم واپس آئے اور رسّی کی مدد سے اوپر پہنچے۔ میں نے ریڈیو پر بیتو سے کہا۔ ''محفوظ حد تک آگے جاؤ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب کسی کی موجودگی محسوس ہو تو رک جانا جب تک میں نہ کہوں آگے مت جانا۔"

"یس سر۔" بیتو نے کہا۔

کمرے سے سیڑھیوں کی طرف کھلنے والا خفیہ راستہ کھولا۔ یہ یقیناً بجلی سے کام کرتا تھا اور اس کی بجلی کا سسٹم بھی الگ تھا ورنہ یہاں کا فیوز اڑ جانے کے بعد اسے بھی کام نہیں کرنا چاہیے تھا مگر وہ کام کر رہا تھا۔ میں آگے تھا۔ پہلے نیچے دیکھا مگر وہاں کسی کی موجودگی کا احساس نہیں ہو رہا تھا اور سب سے نچلے فلور پر روشنی ہو رہی تھی۔ خفیہ دروازے کو دوسری طرف سے کھولنے یا بند کرنے کا میکنزم چھپا ہوا تھا اس لیے مجبوراً اسے کھلا چھوڑنا پڑا۔ شاید کچھ دیر بعد وہ خود بند ہو جاتا۔ سنگین مجھ سے چند سیڑھیاں پیچھے تھا۔ وہ ذرا بے احتیاطی سے چل رہا تھا جس سے آواز پیدا ہو رہی تھی۔ میں نے مڑ کر اسے اشارہ کیا کہ وہ بالکل بے آواز چلے۔ اس نے سر ہلایا اور اب احتیاط سے قدم رکھنے لگا۔ ہر دس بارہ سیڑھیوں کے بعد میں سن گن لیتا تھا کہ نیچے کوئی ہے تو نہیں۔

میں اتنا نیچے آیا کہ مجھے راہداری دکھائی دینے لگی۔ یہاں کسی قدر روشنی تھی، میں نے نائٹ ویژن آف کر دیا۔ پھر جھک کر دیکھا۔ اگر کوئی اس طرف نگران تھا تو اسے میرے پاؤں پہلے نظر آتے۔ جہاں تک نظر جاتی تھی راہداری میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے دو سیڑھیاں مزید اتر کر دیکھا اور اس بار مجھے اس کمرے کے سامنے دو افراد دکھائی دیئے جس میں نیچے جانے والا خفیہ راستہ تھا۔ وہ خود کار رائفلوں سے مسلح اور پوری طرح چوکس تھے۔ ان کی نظریں بھی اسی طرف مرکوز تھیں۔ گویا انہیں اس طرف سے خطرہ تھا۔ اگر میں بے احتیاطی سے اترتا تو وہ مجھے دیکھ لیتے۔ شاید سیڑھیوں کے ٹوٹے بلبوں سے انہوں نے جان لیا تھا کہ کوئی یہاں سے گزرا ہے لیکن عجیب بات ہے انہوں نے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے ذرا اوپر ہو کر بیتو سے رپورٹ لی۔ اس نے بتایا۔ "شوبی ہم نیچے آ گیا ہے مگر یہاں کئی آدمی ہے اور ایسا لگ رہا ہے ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

میں فکر مند ہو گیا۔ "کتنے آدمی ہیں؟"

"پانچ چھ ہے۔"

میری فکر مزید بڑھ گئی تھی۔ "بیتو ڈیجیٹل میپ پر دیکھو، کیا اس میں یہ خفیہ سیڑھی موجود ہے۔"

"ایک منٹ ہم دیکھتا ہے۔" اس نے کہا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "نہیں شوبی ایسا کوئی سیڑھی نہیں ہے۔ البتہ اس سے آگے والا راہداری موجود ہے جدھر سے آپ آیا۔"

"راہداری میں سیڑھیوں کی طرف سے الٹی طرف کا تیسرا کمرا ہے۔"

"بالکل ہے۔"

"اس کے واش روم میں آؤ۔"

"آ گیا۔"

"اس میں ایک کونے میں تین دیواروں والا حصہ بنا ہوا ہے سامنے الٹے کونے پر؟"

"نہیں شوبی اس میں ایسا کوئی چیز نہیں ہے۔"

"خبیث۔" میں غرایا۔

"شوبی ہم کیا کیا؟" اس نے احتجاج کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہیں نہیں ایک اور شخص کو کہہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''بیتو واپس آؤ، آگے مت جانا..... اوپر آ کر اسی خفیہ راستے سے نیچے آؤ..... میں پھر کہہ رہا ہوں آگے مت جانا۔''

''ہم آتا ہے۔'' بیتو بولا اس نے کچھ اور بھی کہا تھا لیکن اس کی آواز فائرنگ کے بے پناہ شور میں گم ہو گئی۔ آواز اتنی شدید تھی کہ یہاں تک بغیر ریڈیو کے بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں نے دو تین بار بیتو کو پکارا۔ وہ بھی جواب میں کچھ کہہ رہا تھا مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال اس کی آواز سے مجھے تسلی ہوئی تھی کہ وہ ٹھیک تھا۔ سنگین اس وقت نیچے کی نگرانی کر رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔

''وہ دونوں آگے آ رہے ہیں۔''

''سنگین دونوں کو گرانا ہے۔ بالکل موقع نہیں دینا ہے۔ میں یہاں سے نیچے کودوں گا۔'' میں نے سیڑھی کے موڑ کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم نیچے آ کر دیوار کی آڑ سے انہیں نشانہ بناؤ گے۔ دو طرف سے حملہ ہو گا تو وہ جوابی کارروائی نہیں کر سکیں گے، میری بات سمجھ گئے؟''

''ہم سمجھ گیا۔''

''گڈ! جیسے ہی میں نیچے کودوں اور وہ میری طرف متوجہ ہوں گے تب تم نیچے جاتے ہوئے انہیں نشانہ بناؤ گے۔ دیر کرو گے تو میں مارا جاؤں گا۔''

''آپ فکر نہ کرو۔'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ میں نے سر ہلایا اور ریلنگ سے ہوتے ہوئے نیچے چھلانگ لگا دی۔ ابھی میرے پاؤں فرش سے لگے تھے کہ سنگین کی رائفل گولیاں اگلنے لگی۔ دونوں گارڈز مجھ سے چھ سات گز دور تھے اور مجھے دیکھتے ہی انہوں نے رائفلیں سیدھی کرنا شروع کر دی تھیں۔ مگر اس سے پہلے وہ فائرنگ کرتے سنگین نے دونوں کو نشانہ بنا لیا تھا۔ وہ جھٹکے کھاتے پیچھے گئے تھے۔ حفظ ماتقدم میں، میں کسی حد تک مڑی سیڑھی کی دیوار کے ساتھ چپک گیا تھا مگر انہیں فائرنگ کا موقع نہیں ملا تھا۔ سنگین نے ان کے سروں کو نشانہ بنایا تھا کیونکہ بلٹ پروف کی موجودگی عین ممکن تھی۔ پاس جاتے ہوئے اس نے رائفل کو سنگل موڈ پر کرتے ہوئے دونوں کو مزید چند گولیاں ماریں۔ میں نے آڑ سے نکلتے ہوئے سیڑھیوں سے آگے نکلنے والے راستے کی طرف دیکھا جہاں سے فائرنگ کا بے پناہ شور سنائی دے رہا تھا۔ میں نے دوبارہ بیتو کو پکارا۔ ''تم کہاں ہو؟''

''ہم اوپر آ گیا ہے پر قیدی اور دو ساتھی مارا گیا ہے۔''

''اوہ! اب جلدی کرو..... مجھے لگ رہا ہے مجھے دھوکا دیا گیا ہے۔'' میں نے کہا اور رائفل سیدھی کر کے ان تین گارڈز پر برسٹ مارا جو سامنے سے نمودار ہوئے تھے۔ دو گرے اور تیسرا پلٹ کر بھاگا۔ ان کی طرف سے چلائی چند گولیاں میرے آس پاس سے گزر گئی تھیں۔ مجھے عقب سے عجیب سی آواز آئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو سنگین دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا دبوچے ہوئے تھا اور اس سے خون پھوٹ رہا تھا۔ گولی اس کی گردن سے گزر گئی تھی۔ وہ گرنے لگا تو میں نے تیزی سے اسے سنبھالا اور نیچے لٹا دیا۔ اس نے گردن اتنی مضبوطی سے پکڑی تھی کہ مجھے زخم دیکھنے کے لیے باقاعدہ زور لگا کر اس کے ہاتھ ہٹانا پڑا تھا اور فوراً ہی خون فوارے کی طرح اچھلا تھا۔ زخم بہت بڑا اور خطرناک تھا۔ اس کا بچنا محال لگ رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا مگر ایک منٹ سے بھی پہلے اس نے دم توڑ دیا۔ میں گہری سانس لے کر پیچھے ہوا اور پھر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی رائفل، اضافی ایمونیشن اور بم لے لیے تھے۔ مجھے ان کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ میری رائفل خالی تھی اس کا میگزین تبدیل کیا۔ پھر میں نے بیتو سے پوچھا۔ ''کہاں ہو؟''

''سیڑھیوں سے نیچے آ رہا ہے۔'' اس نے کہا۔

''تیزی سے آؤ، یہاں بس میں ہوں۔''

کچھ دیر بعد بیتو اوپر سے نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے فتح خان کے بچ جانے والے دو ساتھی تھے۔ سنگین کی لاش دیکھ کر وہ چند لمحے کور کے تھے۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''مجھے لگ رہا ہے مجھے ٹریپ کیا گیا ہے اور ہمیں جان بوجھ کر اوپر الجھایا گیا تھا۔''

''مگر کیوں؟''

''تاکہ بڑا کنور سادی کو لے کر سیف ہاؤس میں جا سکے۔'' میں نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''اس فلور کی لائٹ بھی اڑا دو۔''

فتح خان کے ایک آدمی نے تار کی مدد سے یہاں کا بھی فیوز اڑا دیا۔ روشنی بند ہوتے ہی ہم نے نائٹ ویژن آن کر لیے۔ دروازے کے پاس پہنچ کر میں رکا۔ پھر بیتو کو اشارے سے پاس بلایا۔ ''فائرنگ کون کر رہا تھا؟''

''ہم کو لگ رہا ہے وہاں آٹو میٹک رائفل لگا تھا جیسا ڈیوڈ شانے لگایا تھا کیونکہ وہ پانچ آدمی فائر نہیں کیا۔''

''ایسا ہی کوئی ٹریپ یہاں بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ آلہ کہاں ہے جو دیواروں کے پار زندہ چیزیں دکھاتا ہے۔''

بیتو نے اپنے بیگ سے وہ آلہ نکال کر مجھے دیا۔ میں نے اسے آن کیا اور کمرے کی طرف رخ کیا مگر وہاں کوئی فرد نہیں تھا۔ میں نے راہداری کے باقی کمرے چیک کیے۔ وہ بھی خالی تھے۔ بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ یہ فلور خالی ہو گیا ہے لیکن کسی ٹریپ کی موجودگی عین ممکن تھی۔ فتح خان کے آدمی سیڑھیوں کے پاس تھے۔ بیتو فکر مند تھا اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی اب کیا کرنا ہے؟''

''ہمیں نیچے جانا ہے لیکن شاید یہ اتنا آسان نہ ہو۔'' میں نے کہا اور رسّی نکال کر ایک ہینڈ گرینیڈ کمرے کے دروازے کے ہینڈل سے لگایا۔ پھر اس کی پن سے رسی منسلک کی اور اسے چھوڑتے ہوئے سیڑھیوں تک آئے، یہاں محفوظ پوزیشن لے کر میں نے پن کھینچ لی۔ چند لمحے بعد زوردار دھماکا ہوا اور دروازہ اڑ گیا۔ دھویں اور گرد کا ایک ریلا آیا تھا۔ اس کے ذرا بیٹھتے ہی ہم تیزی سے آگے آئے۔ مجھے خدشہ تھا کہ دروازے کے ساتھ کوئی ٹریپ نہ لگا دیا گیا ہو۔ اسی لیے میں نے دروازہ ہی اڑا دیا اگر اس کے ساتھ کوئی ٹریپ ہوتا تو وہ بھی اڑ جاتا۔ مگر ایسا لگ رہا تھا میرا اندازہ غلط تھا۔ ماسک کی وجہ سے ہم دھویں اور گرد سے بھی محفوظ رہے تھے۔ ایک آدمی کو راہداری میں چھوڑا تھا تاکہ کوئی بے خبری میں نہ آ جائے۔ میں بیتو کے ساتھ واش روم میں آیا جہاں خفیہ راستے والا خانہ تھا۔ بیتو نے دیکھا اور بولا۔

''یہ تو میپ میں نہیں تھا۔''

''اسی لیے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہمیں دھوکا دیا گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب ہم سمجھ گیا آپ منشی کو گالی دے رہا تھا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''وہی شخص اس مشن کی ناکامی کا ذمے دار ہے۔''

''پر شوبی اسے کیا فائدہ ہوا..... وہ بھی تو کنوروں کا دشمن ہے۔''

''میرا تو خیال ہے کہ اس نے ڈیوڈ شا کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلائی ہے اور وہ اس زعم میں رہ گیا کہ اسے کون دھوکا دینے کی جرأت کر سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''منشی دل جی کا اپنا کوئی مقصد ہے جو ابھی سمجھ میں نہیں آ رہا لیکن جلد سمجھ میں آ جائے گا۔''

''شوبی یہ کیسے کھلے گا؟''

''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم لیکن اسے اڑایا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس صورت میں اندر موجود افراد فوراً ہوشیار ہو جائیں گے۔ راستہ ایسا ہے کہ اس کا دفاع آسان ہے۔''

''شوبی ڈبل حملہ کرو۔'' بیتو نے تجویز دی۔ ''پہلے اسے اڑاؤ پھر اندر گرینیڈ پھینک دو۔''

میں نے انکار کیا۔ ''نہیں، مجھے خدشہ ہے سادی نیچے نہ ہو۔''

''اوہ، ہم دیدی کو بھول گیا تھا۔'' بیتو بولا۔

''پہلے اسے کھولنا ہو گا۔'' میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ یہاں گرینیڈ لگانے کی جگہ نہیں تھی۔ بیتو نے اس کا حل نکالا۔ وہ سیفٹی ٹینک کا ڈھکن اٹھا لایا اور اسے دروازے کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر گرینیڈ اس میں پھنسایا اور رسی گرینیڈ کی چابی سے باندھی۔ اسے کمرے تک لائے اور پھر رسی کھینچ لی۔ دھماکا ہوتے ہی بیتو نے واش روم کا دروازہ کھینچ کر بند کر دیا۔

''اب سارا دھواں اور گرد نیچے جائے گا۔''

چند منٹ بعد ہم اندر داخل ہوئے تو صاف ستھرے اور چمکتے دمکتے واش روم کا حشر ہو گیا تھا۔ خفیہ دروازے میں اتنا بڑا سوراخ ہو گیا تھا جس سے ایک آدمی گزر کر جا سکتا تھا۔ میں نے زندہ اجسام کی نشان دہی کرنے والے آلے کو آگے کیا۔ وہ بتا رہا تھا کہ تقریباً پچیس فٹ دور دو زندہ جسم تھے اور وہ حرکت کر رہے تھے۔ وہ سیڑھیوں والے راستے سے دور تھے۔ اب یہ دو فرد کون تھے میں ان کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ بیتو نے مشورہ دیا۔ ''ان کو وارننگ دو کہ ہتھیار پھینک کر سامنے آ جائیں ورنہ اگلا بم ان کے ٹکڑے کر دے گا۔''

میں نے اس کے مشورے پر عمل کیا اور دونوں افراد تیزی سے وہاں سے دور ہٹ گئے۔ وہ اس چھوٹے ہال میں آنے والی سرنگ کی طرف چلے گئے تھے اور پھر وہ آلے کی رینج سے نکل گئے۔ مگر خطرہ تھا نیچے بھی خودکار رائفل کی موجودگی عین ممکن تھی۔ اس قسم کے ہتھیاروں کو مستقبل کی جنگ کے ہتھیار کہا جاتا ہے لیکن یہ جنگوں سے پہلے عام زندگی میں استعمال میں ہو رہے تھے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''میں نیچے جا رہا ہوں۔''

بیتو کے ذہن میں بھی ٹریپ کا خیال تھا۔ اس نے اختلاف کیا۔ ''ہم جائے گا۔''

''میں جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''تم اوپر رہو اور جب میں کہوں تو نیچے آؤ ان دونوں کو بھی بلا لو۔''

بیتو سمجھ گیا کہ میں نہیں مانوں گا۔ مجبوراً اس نے ان دونوں کو بلایا اور میں دروازے کے خلا سے ہوتا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیڑھیوں پر آ گیا۔ یہاں ملبا بکھرا ہوا تھا اور مجھے سنبھل کر اترنا پڑ رہا تھا۔ میں نے زندہ اجسام کی نشان دہی کرنے والا آلہ آگے رکھا تھا اور وہ بتا رہا تھا کہ فی الحال اس کی حد میں کوئی زندہ چیز نہیں تھی۔ چھوٹا ہال خالی تھا۔ میں نیچے تک آیا اور اطمینان کا سانس لیا۔ وہاں کوئی ٹریپ نہیں تھا۔ میں نے ریڈیو پر سرگوشی میں بیتو کو ان دونوں سمیت نیچے آنے کو کہا۔ چند لمحے بعد وہ بھی نیچے تھے۔ میں نے اشارے سے سب کو بولنے سے منع کیا اس کا پورا امکان تھا کہ یہاں ہونے والی گفتگو کہیں سنی جا رہی ہو۔ بیتو نے فولادی دروازے کی طرف دیکھا اور اشارے سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

میں نے جوابی اشارے سے بتایا کہ ممکنہ طور سیف ہاؤس ہے۔ میں دیوار کے ساتھ رہتے ہوئے آلہ لے کر سرنگ کی طرف بڑھا۔ سرنگ کے پاس آتے ہی اس پر دو ہیولے نمایاں ہوئے تھے۔ وہ مشکل سے بیس فٹ کے فاصلے پر تھے جہاں سے سرنگ ذرا مڑ رہی تھی۔ میں نے جھانک کر دیکھا۔ کسی قدر آڑ سے مجھے ایک گارڈ کا پاؤں دکھائی دیا۔ میں نے بلے کا ایک ٹکڑا لے کر ان کی طرف اچھال دیا۔ ٹکڑا گرا تو وہ بھڑک کر پیچھے ہوئے تھے۔ پھر ایک نے رائفل نکال کر ہال کی طرف برسٹ مارا۔ اس بند جگہ فائرنگ کا شور بے پناہ تھا۔ جیسے ہی اس کی رائفل خاموش ہوئی میں نے جوابی برسٹ مارا۔ پھر آلے پر دیکھا وہ پیچھے ہٹ رہے تھے اور پھر آلے کی حد سے نکل گئے۔ میں نے بیتو کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود آگے بڑھا۔ میں نے رائفل سنگل موڈ پر کر لی تھی۔ سرنگ کے موڑ کے پاس آ کر میں نے پھر آلہ دیکھا وہ دونوں اب پندرہ گز کے فاصلے پر تھے۔

میں نے اچانک سامنے آ کر سامنے والے کے پیر پر فائر کیا اور اس سے پہلے وہ جوابی کارروائی کرتے میں دوبارہ آڑ میں آ گیا تھا۔ اس میں مشکل سے ایک لمحہ لگا تھا۔ گولی نشانے پر بیٹھی اور گارڈ کی چیخ گونجی تھی۔ اس کے ساتھی نے پھر برسٹ مارا۔ میں آلے پر دیکھ رہا تھا۔ برسٹ مارنے کے بعد دوسرا گارڈ اپنے ساتھی کو سنبھال رہا تھا۔ ممکنہ طور پر اس کی توجہ اب میری طرف نہیں تھی۔ میں دوبارہ آڑ سے نکلا اور اس بار اسے نشانہ بنایا۔ اس بار بھی میں نے اوپری جسم کے بجائے پیروں کا نشانہ لیا تھا۔ گارڈ اپنے زخمی ساتھی کو سہارا دے کر لے جا رہا تھا اور اس کی پشت میری طرف تھی۔ گولی اس کی ران میں اتر گئی اور وہ کراہ کر اپنے ساتھی سمیت گرا۔ اب وہ اپنی رائفل سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر رائفل کی نال ماری اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ دوسرا پہلے ہی بے حال تھا اس نے ہاتھ اٹھا دیئے اور بولا۔ ''مجھے مت مارنا۔''

''تم صرف ایک شرط پر زندہ رہ سکتے ہو۔'' میں نے رائفل کی نال اس کے سینے سے لگا دی۔ ''مجھے بڑے کنور کا پتا بتاؤ وہ کہاں ہے؟''

''بڑا کنور سیف ہاؤس میں جا چکا ہے۔'' اس گورکھے گارڈ نے پڑھے لکھے انداز میں کہا۔ اس کی اردو یا ہندی صاف تھی۔ اس نے میرے خدشے کی تصدیق کر دی تھی۔ لیکن میں نے اسے جھٹلایا۔

''بکواس! اتنے گارڈز کے ہوتے ہوئے اسے سیف ہاؤس میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہ تو وہی جانے۔'' گارڈ نے کراہ کر کہا۔ گولی نے اس کے گھٹنے کی ہڈی توڑ دی تھی اور وہ شدید تکلیف میں تھا۔

''باقی گارڈز کہاں ہیں، کم سے کم بیس افراد اور ہونے چاہئیں اور یہاں صرف تم دو ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پندرہ گارڈز بڑے کنور کے ساتھ ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''باقی سات سرنگ کے دوسرے حصوں میں ہیں۔''

''سیف ہاؤس کا دروازہ کیسے کھلتا ہے جب کہ بہ ظاہر کوئی چیز نہیں ہے دروازہ کھولنے والی۔''

''بڑے کنور کے پاس اس کا ریموٹ کنٹرول ہے۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''صرف اس کی مدد سے یہ دروازہ کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔''

میرے مزید کچھ سوالوں کے جواب میں اس نے سیف ہاؤس کی نوعیت بیان کی۔ یہ چاروں طرف سے دس سینٹی میٹر موٹی خاص اسٹیل کی چادر سے ڈھکا ہوا تھا اس کا رقبہ تقریباً دو سو مربع گز تھا۔ اس میں ایک اسپیشل سوٹ اور محافظوں کے کمرے اور ایک خاص کنٹرول روم بھی تھا جس سے پورے پیلس کے خاص خاص حصوں پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ یہاں سے کنٹرول ہونے والے کیمرے اور مائیک خفیہ تھے اور سوائے چند خاص افراد کے کسی کو ان کی لوکیشن کا علم نہیں تھا۔ سیف ہاؤس میں ضرورت کی ہر چیز تھی۔ یہ بم کے حملے سے بھی محفوظ تھا۔ اسے پیلس پر قبائلیوں کے حملے کے بعد تعمیر کرایا گیا تھا اور اس کے لیے خاص طور سے جرمنی سے انجینئر اور سامان آیا تھا۔ تعمیراتی مزدور بھی نامعلوم مقام سے لائے گئے تھے۔ جنہیں کام کے بعد یہاں سے لے جایا گیا تھا۔ اس کے خاص اسٹیل کو صرف تین ہزار ڈگری سینٹی گریڈ کا شعلہ کاٹ سکتا ہے اور اس میں سوراخ کرنے کے لیے جتنی گیس درکار ہوگی اسے حاصل کرنا ہی بہت مشکل ہے۔ دوسرے لفظوں میں سیف ہاؤس تک رسائی ناممکن تھی۔

''کیا باہر کسی طریقے سے اندر رابطہ کیا جا سکتا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''چھوٹے ہال میں مائیک لگے ہوئے ہیں اور وہاں موجود ہر فرد کو اندر دیکھا جا رہا ہو گا۔'' گارڈ نے جواب دیا تو میں چونکا اور ریڈیو پر بیتو سے کہا۔

''تم تینوں فوراً سرنگ میں آ جاؤ۔''

بیتو ان دونوں کو لے کر آ گیا۔ میں نے اسے مختصراً گارڈ سے حاصل شدہ معلومات سے آگاہ کیا۔ بیتو مضطرب ہو گیا۔ ''شوبی اب کیا کرے وہ دیدی کو اندر لے گیا ہے۔''

''یہی نہیں بڑا کنور ہماری یہاں موجودگی سے بھی واقف ہے۔ مجھے یقین ہے ان سرنگوں میں خفیہ کیمرے اور مائیک ہوں گے جنہیں تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''ہمارے بارے میں بے شک جان جائے پر ہم اندر کیسے جا سکتا ہے؟''

یہ سوال میرے ذہن میں بھی تھا۔ مگر اس سے پہلے کچھ سوال اور بھی ذہن میں آ رہے تھے۔ میں نے گارڈ سے پوچھا۔ ''تم لوگ آپس میں کس طرح رابطہ کرتے ہو؟''

اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا لیکن نہایت جدید وائرلیس نکالا۔ ''تمام گارڈز کے پاس یہ ہوتا ہے ہم اسی سے ایک دوسرے سے رابطہ کرتے ہیں۔''

میں نے اسے نظر جما کر دیکھا۔ ''تم مجھے پہچانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''آپ ادھر بڑے کنور کے پاس تھا۔ میں نے آپ کو کئی بار دیکھا تھا۔''

''میں بڑے کنور کا دوست نہیں ہوں لیکن میں اس کا جانی دشمن بھی نہیں ہوں، میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہ میرا پیچھا چھوڑ دے لیکن کچھ لوگ اس کی جان کے دشمن ہیں اور وہ اسے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ ان میں سرِ فہرست منشی دل جی ہے۔ یہاں حملے کا منصوبہ اسی نے بنایا تھا اور ہم اسی وجہ سے کامیاب ہوئے کہ وہ گھر کا بھیدی تھا۔ مگر اس نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی استعمال کیا ہے۔ اس وقت پیلس میں موجود میرے سارے ساتھی مارے جا چکے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کی ہلاکت کے پیچھے منشی دل جی ہے۔ اس سے پہلے اس نے ہمارے ہاتھوں کنور پیلس کی سکیورٹی کو ختم کرایا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اپنے ساتھیوں سمیت یہاں آنے والا ہے اور اس کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں ہے بلکہ یہاں پیلس میں اس کے چھپے حامی موجود ہیں جو اس کی مدد کریں گے۔''

گارڈ نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''آپ مجھے کیوں بتا رہے ہو، میں کیا کر سکتا ہوں۔''

میں کھڑا ہو گیا۔ ''میں تمہیں نہیں اسے بتا رہا ہوں جو سب کچھ کر سکتا ہے۔ بڑے کنور کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟''

جواب میں خاموشی رہی تھی۔ میں نے پھر کہا۔ ''میں منشی دل جی کا منصوبہ سمجھ چکا ہوں اور تم یہ مت سمجھو کہ تم سیف ہاؤس میں محفوظ رہو گے، مجھے یقین ہے اس کے پاس تمہارے لیے بھی کوئی سرپرائز ہو گا۔ دیر کرو گے تو پھر موقع نہیں ملے گا ابھی وقت ہے مجھ سے بات کر لو۔''

ایک بار پھر خاموشی طاری رہی تھی لیکن میں تیسری بار بولنے جا رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں موجود وا کی ٹا کی سے بپ ابھری۔ میں نے اس کے ریسیور کا بٹن آن کر کے کان سے لگایا۔ ''ہیلو.....''

''شہباز.....'' دوسری طرف سے بڑے کنور کی مخصوص ٹھہری ہوئی آواز آئی۔ میں چھوٹے ہال کی طرف چلا آیا۔

''اس کا مطلب ہے تم نے سنا ہے جو میں نے کہا ہے؟''

''ہاں میں نے سب سن لیا ہے اور میں تم سے متفق نہیں ہوں۔''

''میرا خیال ہے وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے جب تم مجھ سے متفق ہو جاؤ گے۔ میں نے جو کہا ہے اس کا ایک ایک لفظ سچ ہے۔''

''پیلس پر حملہ تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیا ہے؟''

''ہاں منشی دل جی ہمارے ساتھ شامل ہے۔''

''لیکن اصل میں حملہ تم نے کیا ہے، تم سادھنا کو لے جانا چاہتے ہو؟''

''چلو تم ایسا ہی سمجھ لو..... ہمارا منصوبہ کامیاب رہا..... مگر عین موقع پر سب الٹ پلٹ گیا۔ باہر سے میزائل مار کر اندر موجود دونوں اے پی سی تباہ کر دیں۔ اسنائپر نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ کیا رامن تمہارے ساتھ ہے؟''

''نہیں وہ کہیں اور ہے۔''

''پتا نہیں تم ٹھیک کہہ رہے ہو یا نہیں بہرحال میں حملہ آوروں کے ساتھ نہیں تھا بلکہ بدقسمتی سے اس سے پہلے پیلس کے دو آدمیوں نے مجھے گرفتار کر لیا تھا۔ وہ مجھے یہاں لائے اور رامن نے مجھے اپنے قبضے میں کر لیا اور ان دونوں کو قید کر دیا کہ وہ تمہیں نہ آگاہ کر سکیں۔ میں قید خانے والی عمارت میں تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑے کنور کے لہجے میں حیرت آئی۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''اس کا ثبوت سرنگ میں میری موجودگی تھی۔ مجھے تو ہیلی کاپٹر سے اترنے والی ٹیم کے ساتھ آنا تھا لیکن میں قید خانے کی عمارت میں تھا اور جب وہ میزائل حملے میں تباہ ہوئی تو میں نے اتفاق سے خفیہ راستہ تلاش کر لیا۔''

''شہباز مجھے لگ رہا ہے تم سچ نہیں کہہ رہے ہو۔''

''اس کے برعکس مجھے لگ رہا ہے تم میری بات کو تسلیم کر رہے ہو ورنہ اب تک مجھے جھٹلا چکے ہوتے۔ بہرحال میرے آدمی دو بکتر بند گاڑیوں میں اندر آئے اور تمہیں سن کر تعجب ہوگا وہ ان ہی میزائلوں کا نشانہ بن گئے جن سے پیلس کی عمارتوں کے داخلی دروازے تباہ کیے گئے تھے، مقصد اندر موجود لوگوں کو باہر نکلنے سے روکنا تھا۔ جو اسنائپر تمہارے گارڈز کو نشانہ بنا رہے تھے انہوں نے مجھے مارنے کی کوشش کی اور مجھے مجبوراً قید خانے والی عمارت میں واپس آنا پڑا تھا۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟''

بڑا کنور کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا تھا پھر اس نے پوچھا۔ ''منشی دل جی کس طرح سے تمہارے ساتھ شامل ہوا؟''

''اس کے ساتھ دو درجن یا اس سے زائد مقامی مسلح افراد ہیں اور اس کی ذمے داری کنور پیلس کے باہر کسی مدد کو یہاں تک آنے سے روکنا تھا جیسے پولیس یا کوئی بھی جو کنور پیلس آنا چاہے۔ یہ بتاؤ کیا تمہارا اب پیلس سے باہر رابطہ نہیں ہے، تم مدد طلب نہیں کر سکتے؟''

''تمہارے ساتھ آدمی کہاں سے آئے؟'' اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے پوچھا۔

''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہے۔ کنور میں تمہارا دشمن نہیں ہوں میں صرف سادی کو واپس لینے آیا ہوں۔ وہ میری بہن اور میرے دوست کی بیوی ہے۔ تم اچھی طرح جان گئے ہو گے کہ وہ اس زندگی سے کتنا خوش ہے وہ اپنا ماضی بھول چکی ہے۔ سادی کے ناتے میں نے کبھی تمہاری یا راج کی جان لینے کی کوشش نہیں کی حالانکہ مجھے بہت مواقع ملے۔ مجھے یہ معلوم بھی تھا تم دونوں مجھ سے دشمنی سے باز نہیں آؤ گے۔''

''مجھے تسلیم ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''لیکن منشی دل جی تمہارے پورے خاندان کا دشمن ہے۔ اس کا مقصد اس جائیداد اور جاگیر پر قبضہ کرنا ہے۔''

''وہ کسی صورت ایسا نہیں کر سکتا..... میرے بعد راج اور اس کے بعد اس کے لڑکے اس جاگیر کے وارث ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن منشی دل جی کی باتوں سے لگا کہ اسے پورا یقین ہے وہ اس جاگیر کا مالک بن جائے گا۔ ورنہ تم سوچو وہ اس خطرناک مہم میں کیوں ہمارا ساتھ دیتا۔''

بڑا کنور کسی قدر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ وہ کچھ بولے۔ جب وہ نہیں بولا تو مجھے کہنا پڑا۔ ''تم وقت ضائع کر رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے تمہاری بات کا کسی حد تک یقین آ گیا ہے۔'' اس نے کہا۔

''اس صورت میں تم فوری یہاں سے نکلو اور میرے ساتھ چلو۔''

''میں اور سادھنا سیف ہاؤس میں محفوظ ہیں۔''

''یہ بتاؤ کہ منشی دل جی سیف ہاؤس سے واقف ہے؟''

''بالکل واقف ہے۔''

''کیا یہ اسی کی نگرانی میں تعمیر ہوا ہے؟''

''نہیں یہاں تمہارا اندازہ غلط ہے اسے ایک جرمن انجینئر نے ڈیزائن اور اپنی نگرانی میں تعمیر کرایا ہے۔ منشی دل جی کا اس کی تعمیر میں کوئی کردار نہیں تھا۔''

''پھر بھی وہ اس کے فنکشنز کے بارے میں تو جانتا ہے نا..... مجھے یقین ہے وہ سیف ہاؤس میں رسائی حاصل کر سکتا ہے۔''

''وہ یا کوئی دوسرا فرد یہاں نہیں گھس سکتا۔'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''اگر وہ یہاں گھس نہیں سکتا ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ پھر یہاں کیوں آ رہا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''تم کچھ زیادہ ہی خوش فہمی کا شکار ہو۔ سیف ہاؤس یا ایسی چیزیں انسان کے ارادے سے زیادہ مضبوط نہیں ہوتی ہیں۔ کہنے کو تمہاری سکیورٹی بھی بہت مضبوط ہے لیکن دیکھ لو ضرورت کے وقت یہ کام نہیں آئی۔''

بڑے کنور سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں پھر وہی سوال آ رہا تھا کہ جب منشی دل جی اس جاگیر کا مالک نہیں بن سکتا تھا تو وہ یہ ساری تگ و دو کیوں کر رہا تھا؟ منشی دل جی نہایت شاطر اور گربہ مسکینی لیے ہوئے ایسا شخص تھا جس کے ظاہر و باطن میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ کسی بڑے مقصد کے تحت ہی یہ سب کر رہا تھا۔ صرف بدلہ لینے کے لیے وہ اس حد تک نہیں جا سکتا تھا۔ بڑے کنور نے میری بات پر کہا۔ ''مجھے خوش فہمی نہیں ہے لیکن سیف ہاؤس سچ مچ محفوظ ہے۔ تم جانتے ہو امریکی صدر کی رہائش گاہ وائٹ ہاؤس کے نیچے بھی ایسا ہی ایک سیف ہاؤس ہے تم اسے تقریباً اتنا ہی محفوظ سمجھ سکتے ہو۔''

''یہ بحث بے کار ہے کہ سیف ہاؤس کتنا سیف ہے۔ مجھے یہ خیال پریشان کر رہا ہے کہ منشی دل جی کا یہاں ایسا کون سا مفاد ہے جس کے لیے وہ اس حد تک چلا گیا۔ تم نہیں جانتے اس مشن کو ناکام بنا کر اس نے صرف مجھے ہی نہیں ایک اور بہت بڑی شخصیت کو اپنا دشمن بنا لیا ہے اور ایسا وہ بلا مقصد نہیں کر سکتا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ کنور پیلس یا تم سے منشی دل جی کا ایسا کون سے مفاد وابستہ ہے؟''

بڑا کنور کچھ دیر خاموش رہا تھا پھر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں ایسے کسی مفاد سے واقف نہیں ہوں۔''

''اگر تم سچ مچ کسی ایسے مفاد سے ناواقف ہو تو جلد تم واقف ہو جاؤ گے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''کیا تمہارے دوسرے گارڈز جن کے پاس یہ والی ٹاکی ہے ہماری گفتگو سن سکتے ہیں؟''

''نہیں جب تک کال نہ کی جائے کوئی ہماری بات نہیں سن سکتا۔''

''کیا تم سیف ہاؤس سے پیلس کے بیرونی حصوں پر نظر رکھ سکتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں یہاں ایسا سسٹم ہے جو پلیس کے سو سے زائد حصوں کو دکھا سکتا ہے۔''

''تب بہتر ہوگا تمہارے آدمی مسلسل کیمروں پر نظر رکھیں۔''

''شہباز تم میری اتنی خیر خواہی کیوں کر رہے ہو؟'' بڑے کنور نے بہت دیر بعد کام کا سوال کیا۔

''مجھے تم سے کوئی غرض نہیں ہے، مجھے صرف سادی کی فکر ہے کہ وہ محفوظ رہے۔ منشی دل جی جتنا تمہارا دشمن ہے اتنا ہی تمہارے بہن بھائیوں کا بھی دشمن ہے۔ اگر اس نے یہاں ٹیک اوور کر لیا تو وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا۔''

''مجھے یقین نہیں ہے کہ منشی ایسا کر سکتا ہے۔''

میں ہنسا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ وہ اہنسا کا پجاری.....''

''میرا مطلب ہے وہ یہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔'' بڑے کنور نے ناگواری سے کہا۔ ''تم اسے کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہو۔''

''تمہارے باقی گارڈز کہاں ہیں؟''

''تمہیں ان سے کیا ہے؟''

''اگر تم چاہتے ہو کہ مزید کوئی اور یہاں داخل نہ ہو تو انہیں اس سرنگ کے تمام داخلی راستوں کی نگرانی کا حکم دو۔'' میں نے کہا۔

''سیف ہاؤس کے سامنے والے چھوٹے ہال میں، میں اور میرے ساتھی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور رابطہ ختم کر دیا۔

میں نے فتح خان کے آدمیوں کو حکم دیا کہ دونوں زخمی گارڈز کو چھوٹے ہال میں لے آئیں۔ وہ انہیں یہاں لے آئے۔ زخموں کی مرہم پٹی تو ممکن نہیں تھی لیکن خون روکنے کے لیے ان کے زخموں پر گدیاں رکھ کر اوپر سے ٹیپ کر دیا تھا۔ ساتھ ہی ان سے اسلحہ لے لیا تھا۔ میں اس معاملے میں ان پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی تک وہ ہمارے خلاف لڑتے رہے تھے ان کے کتنے ہی ساتھی ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ بڑے کنور کی طرف سے ہمیں ہتھیار ڈالنے کا کوئی حکم بھی نہیں ملا تھا اس لیے وہ بدستور دشمن اور حالت جنگ میں تھے۔ میں نے انہیں خبردار کر دیا کہ اگر انہوں نے کوئی غلط حرکت کی تو نتیجے کی ذمے داری ان پر ہوگی۔ بیتو زندہ اجسام کی نشان دہی کرنے والے آلے کے ساتھ سیڑھیوں پر تھا تاکہ کوئی بے خبری میں اس طرف سے نہ آ جائے۔ باقی سرنگ کی طرف نگرانی کرنا آسان تھا۔ فتح خان کے دونوں آدمی وہیں لگا دیئے تھے اور میں ہال میں تھا۔ میں فولادی دروازے کا معائنہ کر رہا تھا۔ یہ اتنا چمک دار تھا جیسے اسٹیل کے بجائے چاندی سے بنا ہو۔ ہاتھ پھیرنے پر بھی یہ بہت سالمس دے رہا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے لیے بیتو سے آلہ لے کر اسے سیف ہاؤس پر چیک کیا تو اس کے دوسری طرف چند زندہ اجسام دکھائی دیئے مگر یہاں آلے کی رینج صرف دس فٹ رہ گئی تھی۔ میں نے آلہ بیتو کو واپس کر دیا۔

''شوبی۔'' کچھ دیر بعد بیتو نے ریڈیو میں کہا۔ ''ادھر کچھ لوگ ہے۔''

میں تیزی سے سیڑھیوں پر آیا۔ بیتو تباہ شدہ دروازے کے نیچے بیٹھا تھا اور اس نے آلے کا رخ سامنے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا تھا۔ اس پر تین سرخ نقطے حرکت کر رہے تھے۔ وہ پچیس فٹ سے زیادہ دور تھے اس کا مطلب تھا وہ کمرے سے باہر راہداری میں تھے۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''اگر یہ واش روم میں آئیں تو گرینیڈ استعمال کرنا۔''

''شوبی، ان میں فتح خان نہ ہو۔''

''اگر وہ ہوتا تو ریڈیو پر رابطہ کر سکتا تھا اور دوسرے یہ تین ہیں باقی دو کون ہیں۔ نہیں یہ دشمن ہیں۔'' میں نے کہا۔ اسی لمحے واکی ٹاکی نے بپ دی۔ میں اسے لے کر نیچے آیا۔ ''کیا ہوا؟''

''کنور پیلس کے بیرونی کیمرے ایک ایک کر کے ناکارہ ہو رہے ہیں۔'' بڑے کنور نے پہلی بار کسی قدر فکرمندی سے کہا۔

''ایسا صرف گھر کا بھیدی کر سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''باہر تمہارے جو آدمی ہیں ان سے رابطہ ہے؟''

''کچھ سے رابطہ ہے لیکن وہ سب عمارتوں میں محصور ہیں۔''

''پھر بھی انہیں حکم دو کہ وہ چیک کریں۔'' میں نے مشورہ دیا۔ ''یہاں سرنگ میں سیف ہاؤس سے باہر کتنے آدمی ہیں؟''

''سات آدمی ہیں دو تمہارے ساتھ ہیں۔''

''اور پندرہ تمہارے ساتھ ہیں۔''

''ان کو بھول جاؤ دروازہ نہیں کھلے گا۔'' اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''میرے ساتھ تمہارے دونوں آدمی زخمی ہیں ان کے پیروں میں گولیاں لگی ہیں اور وہ میرا ساتھ نہیں دے سکتے۔ میرے ساتھ تین آدمی ہیں۔ اس طرح ملا کر کل گیارہ افراد ہوئے۔ پھر تمہارے آدمی مجھ پر اور میرے آدمیوں پر اعتماد بھی نہیں کریں گے۔ اس صورت میں ہم مل کر باہر سے آنے والوں کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟''

''میں اپنے آدمیوں سے بات کرتا ہوں۔'' اس بار بڑے کنور نے خود پیشکش کر دی۔ ''وہ زخمی ہونے کے باوجود تم سے مل کر آنے والوں کا مقابلہ کریں گے۔ باقی بھی تمہارے ساتھ مل کر اس جگہ کا دفاع کر سکتے ہیں۔''

لیکن میں بڑے کنور کے آدمیوں پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ان سے کہو کہ وہ جہاں ہیں وہیں اپنا کام کریں اس جگہ کی ذمے داری ہماری ہے۔ وہ میرے کام میں مداخلت نہ کریں اور میں ان کو نہیں چھیڑوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' بڑے کنور نے کہا۔ ''کیمرے ناکارہ ہونے کا عمل جاری ہے اور اس وقت نصف کیمرے ناکارہ ہو چکے ہیں۔''

''تم مانو یا نہ مانو یہ منشی دل جی کا کام ہے وہی گھر کا بھیدی ہے۔'' میں نے کہا اور کال بند کر دی۔ مجھے اب آنے والوں کی فکر تھی۔ بیتو ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے مجھے اطلاع دی۔

''وہ کمرے میں آ گیا ہے۔''

میں اوپر آیا اور بیتو سے آلہ لے لیا جس کی اسکرین پر تین سرخ دھبے حرکت کر رہے تھے۔ میں نے بیتو کو نیچے بھیج دیا۔ تینوں افراد کمرے میں حرکت کر رہے تھے جیسے کمرے کی تلاشی لے رہے ہوں۔ کوئی آواز نہیں تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ واش روم کا دروازہ بند تھا۔ میں نے گرینیڈ نکال لیا تھا میرا اپنا یہ آخری گرینیڈ تھا لیکن سنگین سے حاصل کیے چار گرینیڈ، چار اسموک بم اور ایک وائس بم باقی تھا۔ وائس بم کی جگہ نہیں تھی اس لیے اسے جیکٹ کی کلائی میں موجود پاکٹ میں رکھ لیا تھا۔ جیکٹ پھولی سی تھی اس لیے کلائی پر غور کیے بغیر اس کی موجودگی کا پتا چلانا ممکن نہیں تھا۔ تینوں میں سے ایک واش روم کے پاس تھا۔ اچانک اس نے دروازہ کھول کر کوئی چیز اندر پھینکی اور میری چھٹی حس نے خبردار کیا۔ میں نے بے ساختہ سیڑھیوں سے نیچے چھلانگ لگائی اور ابھی نصف راستے میں تھا کہ خوفناک دھماکا ہوا۔ خفیہ دروازے سے آگ کا ایک طوفان برآمد ہوا تھا جس نے چھوٹے ہال تک میرا پیچھا کیا اور اگر میں لڑھک کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو یہ مجھ تک آجاتا۔ نیچے گرتے ہی میں اٹھا تھا اور چلا کر بیتو کو آواز دی۔

''ہم ادھر ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ فتح خان کے دونوں آدمی دوڑے آرہے تھے میں نے دہاڑ کر کہا۔

''تم یہاں کیوں آرہے ہو واپس جاؤ۔''

وہ واپس بھاگے تھے۔ میں نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ آلہ کہیں گر گیا تھا اور اب نظر نہیں آرہا تھا۔ ملبے میں اسے تلاش کرنا مشکل تھا اور اس کے لیے وقت چاہیے تھا۔ یہاں وقت بالکل نہیں تھا اوپر والے کسی لمحے نیچے آسکتے تھے اور اگر وہ ایسا ہی ایک بم یہاں پھینک دیتے تو ہمارے بچنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ جیسے ہی دھواں کم ہوا اور واش روم میں لگی آگ کی روشنی دکھائی دینے لگی میں نے گرینیڈ اندر پھینک دیا۔ اس دوران میں وا کی ٹا کی مسلسل ہپ دے رہا تھا لیکن میں نے توجہ نہیں دی۔ دھماکے سے پہلے میں آڑ میں ہو گیا تھا اور مجھے خوشی ہوئی جب دھماکے کے ساتھ چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔ وہ نیچے آنے کی کوشش کر رہے تھے اور گرینیڈ کا نشانہ بن گئے تھے۔ اس بار زیادہ تباہی پھیلی تھی اور واش روم کا خاصا بڑا حصہ ملبے کا ڈھیر بن گیا تھا۔ میری کوشش تھی کہ یہ راستہ بند ہو جائے۔

اوپر والوں کی طرف سے ذرا اطمینان ہوا تو میں ملبے میں آلہ تلاش کرنے لگا۔ وہ مشکل سے چار بائی چھ انچ کا تھا اور اس کا ایک طرف والا حصہ مکمل اسکرین تھا۔ دیکھنے میں مضبوط لگتا تھا لیکن کیا کہا جا سکتا تھا کہ اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ میری کوشش ناکام رہی۔ آلہ پتا نہیں کہاں گیا تھا؟ بیتو میرے ساتھ تھا اور وہ اوپر کی نگرانی کر رہا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شوبی ادھر تو راستہ بند ہو گیا ہے۔''

''نہیں ابھی کھلا ہے اسے بند کرنا ہوگا۔ مجھے یقین ہے ان تین کے پیچھے اور لوگ بھی آئے ہوں گے۔''

''کیسے بند کرو گے؟''

''مجھے اوپر جانا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر کمرے میں آگ لگ جائے تو زیادہ اچھا ہوگا وہاں فرنیچر اور کارپٹ کے ساتھ پردے ہیں۔ اس کے بعد وہاں سے اندر آنا ممکن نہیں ہوگا۔''

''آگ کیسے لگائے گا؟''

''یہ تو اوپر جا کر دیکھنا ہوگا۔'' میں نے واش روم سے آتا شعلوں کا انعکاس دیکھ کر کہا۔ ''گرینیڈ کے استعمال سے آگ لگ سکتی ہے لیکن بعض اوقات لگی آگ بھی بجھ جاتی ہے۔''

میں نے رائفلیں بیتو کو تھما دیں یہ مشکل کر رہی تھیں۔ پستول نکال کر میں اوپر کی طرف بڑھا۔ اب سیڑھیوں پر اتنا ملبا آگیا تھا کہ اس کے قدمچے ہی ختم ہو کر رہ گئے تھے اور مجھے بہت احتیاط سے اوپر جانا پڑ رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ورنہ پاؤں سلپ کرتا تو میں واپس نیچے آتا۔ نیچے گرنے سے میری چوٹوں میں اضافہ ہوا ہوگا لیکن اس وقت مجھے ان کا ہوش نہیں تھا۔ بہرحال کوئی چوٹ یا زخم ایسا نہیں تھا جو مجھے حرکت کرنے سے روک دیتا۔ دھماکوں نے دروازے کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا مگر اندر ایک بڑا ملبے کا ڈھیر رکاوٹ بن کر موجود تھا۔ میں نے پہلے اندر جھانکا اور اس کے لیے نائٹ ویژن بند کیا وہاں روشنی تھی۔ واش روم میں جا بجا آگ لگی تھی اور گوشت جلنے کی بو آ رہی تھی۔ یہ بو ان کے گوشت کی تھی جو فرشتہ اجل کے پیام بر بن کر آ رہے تھے مگر خود اس کا شکار ہو گئے۔ میرا دل پہلے ہی خراب ہو رہا تھا میں نے بہ مشکل خود کو قے کرنے سے روکا۔

سانس روک کر میں اندر داخل ہوا اور خاصی مشکل سے اندر آیا۔ مجھے گرا ملبا ہٹانا پڑا تھا۔ سیڑھیوں کا ابتدائی حصہ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ ایک اور گرینیڈ اسے مکمل طور پر بند کر سکتا تھا۔ اندر دو لاشیں تھیں اور دونوں کی حالت بری تھی۔ ایک نب میں پڑا تھا اور دوسرا کموڈ پر گرا ہوا تھا۔ واش روم کا دروازہ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ تیسرے فرد کو نہ پا کر میں محتاط ہو گیا تھا لیکن اس کی لاش کمرے میں واش روم کے دروازے پر پڑی تھی اس نے غالباً اندر جھانکا تھا کہ گرینیڈ کا نشانہ بن گیا اس کا چہرہ تقریباً اڑ گیا تھا۔ اس سے نظر بچاتے ہوئے میں اندر آیا اور بیڈ شیٹ کھینچ کر اسے واش روم میں لایا اور آگ دکھا کر دوبارہ بیڈ روم میں آیا۔ میں نے پہلے پردوں کو آگ دکھائی۔ پھر جلتی چادر کو بیڈ پر پھینک دیا۔ لکڑی کی ایک تپائی آگ میں رکھی تو اس نے کچھ دیر میں آگ پکڑ لی تھی اسے ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ رکھا۔ الماری کے پٹ کھولے اندر سوٹ لٹک رہے تھے میں نے ایک سوٹ نکال کر اسے آگ دکھائی اور الماری میں پھینک دیا۔ اتنی دیر میں اندر اچھا خاصا دھواں بھر گیا تھا اور اگر میرے منہ پر گیس ماسک نہ ہوتا تو سانس لینا بھی محال ہو جاتا۔ اوپر سے گرمی بھی ہو گئی تھی۔

میں بیڈ کے دوسری طرف تھا کہ اچانک ہی دروازہ کھلا اور میں وہیں نیچے گر گیا۔ بیڈ سے اٹھتے شعلوں نے میرا پردہ رکھ لیا تھا۔ کسی نے اندر جھانکا اور فلمی انداز میں بولا۔ ''ادھر تو نرک بن رہا ہے..... بابو اور اس کے آدمی کہاں ہیں؟''

''نرک میں۔'' میں نے دل میں کہا اور بیڈ کی آڑ سے سر کتے ہوئے اسے پستول سے نشانہ بنایا کیونکہ اس نے نرک میں قدم رکھ دیا تھا اور فوراً ہی وہ نرک میں داخل ہو گیا۔ گولی اس کے ماتھے پر لگی تھی۔ وہ پلٹ کر گرا تو کسی نے باہر سے برسٹ مارا۔ میرے پاس صرف پستول تھا اور یہ خودکار رائفل کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور ایک گرینیڈ باہر پھینک دیا۔ گرینیڈ گرتے ہی کوئی چلایا اور افراتفری مچی تھی وہ بھاگ رہے تھے۔ دھماکا ہوتے ہی میں اٹھ کر بھاگا کیونکہ میرے پاس بس یہی چند لمحے تھے۔ کمرا پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ واش روم میں داخل ہو کر میں راستے تک آیا اور اس سے باہر نکل کر گرینیڈ سے پن نکال کر عین دروازے کے ملبے کے اوپر رکھ دیا اور پھر خود تقریباً پھسلتا ہوا نیچے پہنچا تھا کہ اوپر دھماکا ہوا۔ ملبے کی بارش میں بھیگتا ہوا میں دیوار کی آڑ میں ہوا تھا۔ سر پر کچھ لگا تھا دکھن کے ساتھ نمی کا احساس ہوا۔

میں نے چھو کر دیکھا زخم سے خون نکل رہا تھا مگر یہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ گرد اور دھواں چھوٹے ہال تک آ رہا تھا۔ دونوں زخمی گارڈز کھانس رہے تھے اور بیتو وہاں نہیں تھا۔ میں نے ریڈیو پر اسے آواز دی۔ ''تم کہاں ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر بیتو کی طرف سے جواب نہیں آیا۔ میں مضطرب ہو گیا۔ میں نے فتح خان کے آدمیوں سے پوچھا۔ ''تم دونوں کہاں ہو؟''

اس بار بھی جواب نہیں آیا۔ میں نے جیکٹ سے ریڈیو نکالا اور گہری سانس لے کر رہ گیا۔ گرنے پڑنے کے دوران میں اسے ضرب لگی تھی اور وہ آف تھا۔ میں نے اسے آن کیا مگر اس کی روشنی نہیں جلی۔ اسے تھپکا اور زور سے ہاتھ مارا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ ریڈیو نے بہت غلط موقع پر جواب دیا تھا۔ بیتو کو میں نے یہاں رہنے کو کہا تھا۔ وہ بنا کسی وجہ کے یہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے ہوش والے گارڈ سے پوچھا۔ ''میرا ساتھی کہاں گیا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم، وہ اچانک سرنگ کی طرف چلا گیا۔''

یقیناً بیتو کو فتح خان کے ساتھیوں کی طرف سے کوئی پیغام ملا ہوگا۔ میں کیونکہ اوپر مصروف تھا اس لیے بیتو یا تو مجھے سے رابطہ نہیں کر سکا یا اسی وقت ریڈیو خراب ہوا اور وہ مجھے بتا نہیں سکا۔ دھماکے نے سیڑھی کے اوپری حصے کو گرا کر راستہ بند کر دیا تھا۔ اب کوئی بے خبری میں نہیں آ سکتا تھا جب تک وہ راستہ صاف نہیں کرتا۔ اس طرف سے اطمینان کے بعد میں سرنگ کی طرف بڑھا۔ فتح خان کے آدمی مشکل سے بیس گز دور تعینات تھے مگر اب مجھے وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ بیتو سمیت دونوں غائب تھے۔ میں وہاں پہنچا تو مجھے ایک چھوٹی سی سیاہ شے نیچے پڑی دکھائی دی۔ میں نے اسے اٹھا کر دیکھا تو مجھے لگا جیسے یہ ریڈیو کا کوئی حصہ ہو۔ میں نے اپنا ناکارہ ریڈیو نکال کر اس سے موازنہ کیا تو سچ مچ ریڈیو کا ایک ٹکڑا ثابت ہوا تھا۔ میں فکر مند ہو گیا۔ اس ٹکڑے کا پایا جانا کسی گڑبڑ کی نشان دہی کر رہا تھا۔ یہاں کچھ ہوا تھا جس کے نتیجے میں یہ ٹوٹا تھا۔ اس کے باقی پیس سمیٹ لیے گئے تھے لیکن یہ رہ گیا تھا۔ میرے پاس صرف پستول تھے اور دونوں رائفلیں بیتو کو دے گیا تھا اور اب وہ اسلحے سمیت غائب تھا۔

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس وقت سب میری توقع کے خلاف جا رہا تھا۔ پہلے میں پکڑا گیا، پھر حملہ ناکام رہا اور کرنل اپنے آدمیوں سمیت مارا۔ پھر فتح خان آتے ہی غائب ہو گیا اور اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ بڑے کنور نے بہت چالاکی سے مجھے اس چھوٹے ہال سے ہٹایا اور سادی سمیت سیف ہاؤس میں چلا گیا۔ اب بیتو غائب تھا۔ میں نے پستول سامنے رکھا تھا اور وہ بے قدموں چل رہا تھا۔ اچانک مجھے واکی ٹاکی کا خیال آیا اور میں نے اسے نکال کر اس کا معائنہ کیا۔ اس پر ایک سے لے کر صفر تک نمبر موجود تھے۔ میں نے ایک نمبر دبایا اور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف بپ جا رہی تھی۔ پھر بڑے کنور نے کال ریسیو کی۔ اس نے مرتعش لہجے میں کہا۔ ''شہباز تم کہاں تھے؟''

''میں اوپر سے آنے والا راستہ بند کر رہا تھا۔ دشمن نے وہاں تک رسائی حاصل کر لی ہے، میں نے سیڑھیاں تباہ کر دی ہیں۔''

''وہ سرنگ میں گھس آئے ہیں۔ تمہارا ساتھی ٹریپ ہو گیا ہے۔ میں نے تمہیں کال کر کے خبردار کرنا چاہا لیکن تم کال ریسیو نہیں کر رہے تھے۔''

''وہ اسے کہاں لے گئے ہیں؟''

''میں نہیں جانتا کیونکہ اب سرنگ میں لگے کیمرے بھی ناکارہ ہونا شروع ہو گئے ہیں۔'' بڑے کنور نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مضطرب لہجے میں کہا۔ ''صرف چند سرنگوں کے کیمرے کام کر رہے ہیں۔''

''میں جس جگہ ہوں کیا یہاں کا کیمرا کام کر رہا ہے؟''

''نہیں تم نظر نہیں آ رہے ہو۔ تم کہاں ہو؟''

میں نے اسے اپنی لوکیشن بتائی۔ ''یہاں روشنی بند ہے شاید اس لیے کیمرا کام نہیں کر رہا ہے؟''

''یہ کیمرے تاریکی میں بھی کام کرتے ہیں۔''

نائٹ ویژن گرد کی وجہ سے دھندلا گئی تھی۔ میں نے اسے اتار کر پھونک مار کر صاف کیا اور دوبارہ لگایا۔

''جہاں کیمرے کام کر رہے ہیں وہاں کوئی نظر آ رہا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے خطرہ سر پر آ چکا ہے۔ اب بھی وقت ہے تم سادی کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ..... ممکن ہے کچھ دیر بعد وقت تمہارے ہاتھ میں نہ رہے۔''

''میں اور سادھنا یہاں محفوظ ہیں۔'' اس نے پہلے والا جواب دیا اور کسی قدر توقف کے بعد بولا۔ ''شہباز، میری آفر ہے تم اندر آ جاؤ لیکن اس کے لیے اپنے پاس موجود تمام ہتھیار پھینک دو۔''

''مجھے تمہاری پیشکش منظور نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے اپنے ساتھی کی فکر ہے۔''

''میرا نہیں خیال کہ وہ اب بچا ہوگا۔ اس پر بیک وقت تین آدمی ٹوٹے تھے اور وہ بہت مشکل سے ان کے قابو میں آیا تھا۔''

''یہاں دو آدمی اور تھے وہ کہاں چلے گئے؟''

''وہ اس سے پہلے یہاں سے جا چکے تھے اور پھر کسی کیمرے میں نظر نہیں آئے۔'' بڑے کنور نے کہا۔ ''تمہارے ساتھی کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے ریڈیو پر پیغام ملا ہے۔''

صورتِ حال سامنے آ رہی تھی اور اسی لحاظ سے میری تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ بیتو کو ریڈیو سے بلا کر ٹریپ کیا گیا تھا اور ایسا صرف کوئی ایسا فرد کر سکتا تھا جس کے پاس یہ ریڈیو ہوتا۔ یعنی ہمارا ہی کوئی ساتھی۔ اب وہ کون تھا؟ کیا فتح خان کا کوئی ساتھی بھی بک گیا تھا اور ایسا ہونا ناممکن نہیں تھا۔ فتح خان کے تمام ساتھی جرائم پیشہ تھے اور وہ پیسے کی خاطر ہر کام کرنے کو تیار ہوتے تھے۔ اگر انہیں منشی دل جی کی طرف سے منہ مانگی قیمت دی گئی ہو تو ان کے نہ بکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اگر یہ بات درست تھی تو میں خود اپنی آستین میں سانپ لے کر آیا تھا۔ دونوں رائفلیں میں نے بیتو کے حوالے کر دی تھیں اور اب میرے پاس صرف دو پستول اور ان کے میگزین تھے۔ دو گرینیڈ اور چار عدد اسموک گرینیڈ تھے۔ میں نے پستول نکال لیا اور آگے بڑھا۔ واکی ٹاکی پر بڑے کنور سے رابطہ تھا۔ میں نے پوچھا۔

''جس وقت میرے ساتھی کو بلایا گیا یہاں کے کیمرے کام کر رہے تھے؟''

''ہاں اس وقت کیمرے کام کر رہے تھے۔'' بڑے کنور نے جواب دیا۔ ''اس کے فوراً بعد یہ کیمرے ناکارہ ہوئے اور میں بس اتنا دیکھ سکا کہ تین افراد اسے پکڑ کر لے جا رہے تھے۔''

بڑے کنور کے ان الفاظ سے مجھے امید ہوئی کہ بیتو خیریت سے ہوگا۔ اگر اسے مارنا ہوتا تو وہیں مار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیتے۔ ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اگلا سوال کیا۔ ''اسے لے جانے والوں کی شناخت نظر آ رہی تھی؟''

بڑا کنور کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''بہ ظاہر وہ پیلس کے آدمی لگ رہے تھے لیکن وہ میرے آدمی نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے چار میرے رابطے میں نہیں ہیں۔ جن تین سے رابطہ ہے وہ جمنازیم والی عمارت کے پاس ہیں۔''

جمنازیم والی عمارت مرکزی پیلس کے پیچھے تھی۔ بہ ظاہر وہ ایک کونے میں تھی اور وہاں سے حملہ کرنا بے کار بھی ہو سکتا تھا۔ اصل اہمیت پیلس کی سامنے والی عمارتوں خاص طور سے گیسٹ ہاؤس اور تقریبات کے لیے مخصوص عمارت کی تھی۔ مجھے یاد ہے رامن اسی عمارت میں تھا۔ میں نے ذہن پر زور ڈالا کہ اس کی سرنگ کون سی والی تھی۔ مرکزی سرنگ کے چاروں طرف کوئی درجن بھر سرنگیں نکل رہی تھیں۔ آتے وقت وہ سرنگ دائیں طرف تھی اور اب اسے بائیں طرف ہونا چاہیے تھا۔ میں اندازے سے اس سرنگ میں داخل ہوا۔ یہاں بلب روشن تھے۔ میں راستے میں آنے والے سارے بلب توڑتا آیا تھا یہاں کے دونوں بلب بھی توڑ دیے اب سرنگ میں گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے نائٹ ویژن آن کیا اور سیڑھیوں کا معائنہ کیا۔ یہاں بٹن سیڑھیوں پر نہیں تھا بلکہ اوپر سے چوتھی سیڑھی کے ساتھ دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ تھا اور نائٹ ویژن کی وجہ سے نمایاں نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے تین بار دبایا اور فوراً ہی ہلکی سی سنسناہٹ کے ساتھ دروازہ کھلنے لگا۔ میں نے پستول سامنے کر لیا۔

عام حالات میں، مَیں کبھی اس طرح اندھا قدم اٹھانا پسند نہ کرتا لیکن اب حالات کچھ اور تھے۔ سادی اپنے بھائی کے پاس اور فی الحال محفوظ تھی لیکن بیتو کے بارے میں مجھے خدشہ تھا کہ وہ بدترین دشمنوں کے قبضے میں جا چکا تھا اور اس کا گرم خون اسے کسی مشکل میں پھنسا سکتا تھا۔ مصلحت اسے کبھی آئی نہیں۔ اسے بچانے کے لیے میں ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ دروازہ کھلا اور میں نے نائٹ ویژن آف کر دی کیونکہ دوسری طرف تیز روشنی تھی۔ یہ بھی ایک سجا ہوا لیکن خالی کمرا تھا اور یہاں خفیہ دروازہ ایک طرف موجود دیوار گیر الماری کے ساتھ ویسے ہی چوکور سے حصے میں کھل رہا تھا جہاں ایسے تمام خفیہ دروازے کھلتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک طرف تو ان دروازوں کو خفیہ رکھا جا رہا تھا اور دوسری طرف انہیں یوں چوکور خانوں میں رکھا گیا تھا اور یہ ہر جگہ نمایاں تھے۔ پتا نہیں اس میں کیا مصلحت تھی؟ کمرا خالی تھا۔ حالانکہ رامن نے یہاں کچھ افراد کو نگران بنایا تھا۔ فرش کے قالین پر ایک جگہ دھبا تھا۔ قالین کا اپنا رنگ ہلکا جامنی تھا اس لیے یہ دھبا غیر نمایاں تھا۔ میں نے اسے چھو کر دیکھا تو ہلکا سا گیلا تھا اور میری انگلی پر سرخ رنگ لگا جس سے لہو کی مہک آ رہی تھی۔ یہ وہی کمرا تھا جہاں رامن نے اپنے آدمی کو خفیہ دروازہ کھولنے کی پاداش میں شوٹ کیا تھا۔ قالین پر اسی کا خون تھا۔

کمرے کی سجاوٹ اور دیواروں پر موجود فحش تصاویر بتا رہی تھیں کہ یہ کمرا عیاشی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ میں دروازے تک آیا اور باہر کی سن گن لی۔ مجھے لگا جیسے کہیں دور کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں۔ میں نے کان لگا کر سننا چاہا مگر آوازیں واضح نہیں تھیں۔ میں نے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو ایک بڑا ہال دکھائی دیا۔ کچھ افراد ہال کے اوپری حصے میں تھے۔ یہ سطحوں والا ہال تھا جس میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کے حصے میں جاتے تھے اور یہ حصہ کسی گیلری کی طرح اس ہال کے چاروں طرف تھا۔ دروازہ کھولتے ہی آوازیں نمایاں ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئیں۔ بولنے والا رامن تھا اور وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''بول کتے.....ورنہ تیرا بھیجا نکال دوں گا۔''

جواب میں کسی کے بھوں بھوں کرنے کی آواز آئی۔ کوئی سچ مچ کتے کی طرح بھونک رہا تھا۔ میں شناخت نہیں کر پایا لیکن مجھے شبہ ہوا کہ وہ بیتو تھا جو رامن کو چڑانے کے لیے یہ حرکت کر رہا تھا۔ پھر چٹاخ کی آواز آئی۔ میں نے بیتو کو کہتے سنا۔ ''کتا تو تُو ہے جو ایک آدمی کو باندھ کر اسے تھپڑ مار رہا ہے، ہاتھ کھول پھر تجھے بتاتا ہوں۔''

''لڑکے، شہباز کو کال کر ورنہ یہ تجھے مار دے گا۔'' مجھے منشی دل جی کی آواز آئی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ اس دروازے کے عین اوپر والی گیلری میں موجود تھے۔ اس لیے مجھے دکھائی نہیں دے رہے تھے مگر ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ منشی جی کی دھمکی پر بیتو نے بے پروائی سے کہا۔

''مار دے..... پر یہ کتا ہے اسے پٹا ڈال کر رکھو۔''

رامن نے مشتعل ہو کر بیتو کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ مار پیٹ کے ساتھ بیتو کے کراہنے کی دبی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ پھر منشی دل جی نے کہا۔ ''بس۔''

رامن رک گیا تو بیتو نے پھر اسے چھیڑا۔ ''تم تو کتے سے گیا گزرا ہے اس کے گلے میں بھی پٹا ہے تم بغیر پٹے کا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' منشی دل جی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''رامن اگر یہ میرے تین گننے تک شہباز کو کال کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اسے شوٹ کر دینا۔''

میں بے ساختہ باہر نکل آیا اور فوراً ایک طرف موجود دو مسلح افراد چونک کر میری طرف متوجہ ہوئے لیکن اس سے پہلے وہ اپنی رائفلیں سنبھالتے میں نے دونوں کو شوٹ کر دیا۔ میری مہارت سے زیادہ اتفاق کو دخل تھا کہ دونوں کے سروں پر گولیاں لگیں اور وہ نیچے گر کر ساکت ہو گئے۔ فوراً ہی سامنے گیلری سے چند افراد نمودار ہوئے ان کے پاس خود کار اسلحہ تھا اور اب ہال میں ٹھہرنا خودکشی کے مترادف تھا۔ میں دوڑا اور واپس کمرے میں آ گیا۔ عقب میں کئی رائفلیں ایک ساتھ گرجی تھیں مگر اتنی دیر میں، میں واپس آ چکا تھا۔ فائرنگ کے ساتھ لوگوں کے چلانے کی آوازیں بھی آ رہی تھی۔ گولیاں کھلے دروازے سے گزر رہی تھیں۔ میں نے دو اسموک گرینیڈ یکے بعد دیگرے ہال میں پھینک دیئے۔ جو لوگ کمرے کی طرف آ رہے تھے وہ پلٹ کر واپس بھاگے۔ فائرنگ رک گئی تھی اور رامن کے دہاڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اپنے آدمیوں سے پوچھ رہا تھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ حالات کی تبدیلی کے پیچھے منشی دل جی تھا اور رامن ایک بار پھر اس کا دستِ راست ثابت ہوا تھا گویا اس نے بڑے کنور کو بھی دھوکا دیا تھا۔ بہ ظاہر وہ اس کا ملازم تھا لیکن اندر سے وہ منشی دل جی کے ساتھ تھا۔ اسی نے اندر کی فورس کو اس طرح استعمال کیا تھا کہ وہ ناکارہ ہو کر رہ گئی تھی۔ جو وفادار تھے ان کو بچا لیا تھا اور جو بڑے کنور کے وفادار تھے انہیں پہلے ہمارے ہاتھوں مروایا اور پھر کرنل اور اس کے آدمیوں کا بھی صفایا کرا دیا۔ اب حالات مکمل طور پر منشی دل جی اور رامن کے ہاتھ میں تھے۔ یقیناً منشی دل جی کے ساتھ اس کے وہ آدمی بھی ہوں گے جنہیں باہر رہ کر ہمیں بیک اَپ دینا تھا۔ اب بیک اَپ کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے بیتو کی جان بچانے کے لیے یہ کام کیا تھا لیکن مجھے صاف نظر آ رہا تھا اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جلد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یا بدیر وہ میرے گرد گھیرا تنگ کرتے، مجھے ہتھیار ڈالنے پڑتے ورنہ مارا جاتا۔

''یہ شہباز ہے۔'' منشی دل جی نے کہا اور بلند آواز سے بولا۔ ''شہباز! تم میری آواز سن رہے ہو؟''

میں چپ رہا تو اس خبیث نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔ ''ٹھیک ہے میں تین تک گنوں گا اور اس لڑکے کا سر اڑا دوں گا۔''

''شوبی اگر آپ ادھر ہے تب بھی اس کا بات مت سننا۔'' بیتو نے چلا کر کہا۔

''ایک..... دو..... تین۔'' منشی دل جی نے کہا

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' میں نے اس کے تین گننے سے پہلے چلا کر کہا۔ ''میں یہاں موجود ہوں۔''

''شہباز جی۔'' منشی دل جی کے لہجے میں روایتی مکاری آ گئی۔ ''بہتر ہے ہتھیار پھینک کر سامنے آ جاؤ۔''

''تا کہ تم مجھے مار دو۔''

''میرا تمہیں مارنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' منشی دل جی نے کہا۔ ''ورنہ یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا ہم جانتے تھے کہ تم سرنگ میں ہو اور وہاں بچنے کی کوئی جگہ نہیں، جب رامن نے تمہیں پکڑا تھا تب ہی مار دیتے۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ رامن کو اس حملے کے بارے میں علم نہیں تھا اس نے تو اپنے طور پر یہ کامیابی حاصل کی تھی۔''

''رامن کو پتا تھا صرف وقت کا پتا نہیں تھا۔'' منشی دل جی نے گھبرائے بغیر کہا۔ ''رازداری کی وجہ سے حملہ خفیہ رکھا گیا تھا۔ کنور پیلس میں ایسی سیکورٹی ہے کہ کہیں کی جانے والی بات بھی سنی جا سکتی ہے۔''

''اس کے باوجود رامن نے قید خانے میں مجھ سے کھل کر بات کی تھی۔''

''قید خانے کا سسٹم آف کر دیا گیا تھا۔'' منشی دل جی نے کہا۔ ''شہباز جی تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ تمہارا ساتھی زندہ رہے تو ہتھیار پھینک کر باہر آ جاؤ۔''

اس وقت مجھے وائس بم کا خیال آیا تھا اور میں اسے کلائی سے نکالنے جا رہا تھا کہ عقب سے دروازہ کھلنے کی سنسناتی آواز آئی۔ ہال میں دھواں پھیلا ہوا تھا اور وہ اب کمرے میں بھی آ رہا تھا مگر ماسک کی وجہ سے بچت تھی۔ دوسری طرف منشی دل جی کی پُرسکون آواز بتا رہی تھی کہ اسے بھی اس گیس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ میں دیوار کی آڑ سے حرکت کرتا کھلے دروازے سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور میں واپس اپنی جگہ دبکنے پر مجبور ہو گیا۔ دروازے کے سامنے سے گزرے بغیر میں خفیہ دروازے تک نہیں جا سکتا تھا۔ وہ چند سیکنڈ میں کھل گیا اور مجھے رامن کی آواز آئی۔ ''شہباز اب تم میرے نشانے پر ہو۔ کوئی حرکت مت کرنا ورنہ میں شوٹ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

اندر دھواں بھرنے سے منظر صاف نظر نہیں آ رہا تھا لیکن رامن کی آواز اسی کونے سے آ رہی تھی۔ جب تک منشی دل جی نے مجھے باتوں میں لگایا تھا وہ کہیں اور سے ہو کر سرنگ کے اس خفیہ راستے تک آ گیا تھا۔ میں ساکت رہا تو رامن نے پھر للکارا۔ ''شہباز! آخری بار کہہ رہا ہوں ہتھیار پھینک دو۔ تم اتنے ضروری نہیں ہو۔''

یہ بات تو میں بھی جانتا تھا کہ میں صرف بڑے کنور کے لیے ضروری تھا اس کے علاوہ یہاں موجود کسی دشمن کے لیے ضروری نہیں تھا بلکہ مجھے تعجب تھا کہ وہ مجھے زندہ کیوں رکھنا چاہتے تھے؟ میں نے ٹھنڈی سانس لی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پستول پھینک دیا۔ رامن نے کہا۔ ''دوسرا پستول بھی۔''

میں نے وہ بھی پھینک دیا تو اس نے مجھے دونوں ہاتھ گردن پر رکھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں نے اس کی بھی تعمیل کی۔ فوراً ہی دروازے سے دو افراد اندر آئے ایک نے میرے سر پر رائفل کی نال رکھ دی اور دوسرے نے میری جامہ تلاشی لی اور اس نے تمام گرینیڈز نکال لیے تھے۔ پھر میری ٹانگوں سے بندھے خنجر نکالے ایک میرا تھا اور دوسرا راجپوری جو میں نے رامن سے حاصل کیا تھا۔ مجھے نہتا کر کے ہال میں لایا گیا۔ اس دوران میں وہاں موجود ایگزاسٹ فین چلا دیئے گئے تھے جو تیزی سے گیس کھینچ کر باہر پھینک رہے تھے۔ ویسے سب نے گیس ماسک پہن رکھے تھے۔ حد یہ کہ بیتو کے پاس بھی تھا جیسے ہی میں نے اسموک بم پھینکے اس نے ماسک منہ پر چڑھا لیا تھا۔ چند منٹ میں ہال گیس سے صاف ہو گیا۔ منشی دل جی کے اشارے پر اس کے ایک آدمی نے منہ سے ماسک ہٹا کر گہری سانس لی اور جب اسے کچھ نہیں ہوا تو باقی سب نے بھی ماسک اتار دیئے تھے۔ بیتو کے ہاتھ پیچھے کر کے پلاسٹک کی کس جانے والی ہتھکڑی سے باندھ دیئے گئے تھے یہی سلوک میرے ساتھ کیا گیا۔ میں نے خود ہاتھ رضا کارانہ پیچھے کر لیے تھے۔ ایک آدمی نے اس پر کس کر ہتھکڑی باندھی مگر میں نے ہاتھ سخت کر لیے تھے۔ اس لیے ہتھکڑی پوری طرح نہیں کسی تھی۔ مگر یہ بات وہ محسوس نہیں کر سکا اسے لگا کہ اس نے ہتھکڑی کس کر باندھی ہے۔ میں نے منشی دل جی کی طرف دیکھا۔

''تم کامیاب رہے..... تم نے ہمیں استعمال کیا اور یہاں تک پہنچ گئے۔''

''ہاں میں کامیاب رہا۔'' اس نے تکبر سے کہا۔ ''لیکن اصل مرحلہ ابھی باقی ہے۔''

''سیف ہاؤس میں گھسنے کا؟''

''وہ بھی مسئلہ نہیں ہے۔'' منشی دل جی نے کہا۔ ''ابھی تم دیکھو گے۔''

''باہر سے بکتر بند گاڑیوں پر میزائل کس نے مارے تھے؟''

''میرے آدمیوں نے۔'' منشی دل جی بولا۔ ''اس کرنل کو بڑی خوش فہمی تھی کہ یہ ہتھیار کوئی مقامی استعمال نہیں کر سکتا ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''یہ گورے خود کو کچھ زیادہ ہی اونچا سمجھتے ہیں اور اسی چکر میں منہ کے بل گرتے ہیں۔ میں مسلسل کرنل کو سمجھا رہا تھا کہ تم پر اعتماد نہ کرے۔ مگر اس نے میری نہیں سنی۔ وہ تمہیں بے ضرر سمجھ رہا تھا۔''

''کرنل اور اس کے ساتھی نرک جا چکے ہیں۔'' منشی دل جی نے تصدیق کی۔ ''ان میں سے کوئی نہیں بچا..... جو باہر تھے انہیں میرے آدمیوں نے مار کر ان کی جگہ لے لی اور پھر ان کے ہتھیار ان پر ہی استعمال کیے۔''

مجھے خیال آیا کہ کنور پیلس کے گارڈز مختلف عمارتوں میں مقید تھے لیکن وہ وہاں سے مزاحمت کر سکتے تھے پھر منشی اور اس کے آدمی کیسے اندر آئے۔ اس کے ساتھ اس وقت درجن سے زیادہ افراد تھے اور یہ سب مقامی تھے۔ انہوں نے مختلف طرح کے لباس پہن رکھے تھے اور وہ صورت سے جرائم پیشہ لگ رہے تھے۔ مجھے فتح خان کے باقی دو آدمی بھی نظر نہیں آئے اس کا مطلب تھا وہ مارے جا چکے تھے۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا، چہرے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مار پیٹ کے نشانات تھے وہ آسانی سے قابو میں نہیں آیا ہوگا۔" میرے ساتھی کو کیسے قابو کیا؟"

"بہت آسانی سے۔" منشی دل جی مسکرایا۔ "اسے ریڈیو کی مدد سے بلایا..... تمہاری آواز سن کر یہ دوڑا آیا۔"

"میری آواز؟" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں ریکارڈڈ آواز تھی۔"

"فتح خان کے آدمی کہاں ہیں اور وہ خود کہاں ہے؟"

اس بار منشی دل جی نے صرف شانے اچکائے۔ میں نے ہمیشہ اسے کرتے پاجامے میں دیکھا تھا آج پہلی بار وہ پتلون اور جیکٹ میں تھا۔ جیکٹ کی ایک جیب لٹکی ہوئی تھی یعنی اس میں کوئی ہتھیار تھا لیکن بہ ظاہر وہ خالی ہاتھ دکھائی دے رہا تھا اور اسے ضرورت نہیں تھی۔ درجن بھر مسلح گرگے وہ باہر سے لایا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ سب پر سپر تھا یہاں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جسے وہ جواب دے اور اس خیال سے اس کی گردن اکڑی جا رہی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نے نہایت چالاکی سے ہمیں استعمال کیا تھا اور بہ ظاہر کامیاب رہا تھا لیکن میرا ایمان ہے قدرت اگر کسی گھٹیا شخص کو کچھ دیر کے لیے اوپر لاتی بھی ہے تو وہ زیادہ دیر اس جگہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اس کا گھٹیا پن اس کے زوال کا باعث بن جاتا ہے۔ منشی دل جی نے ایک چھوٹا سا واکی ٹاکی نکال کر کسی سے پوچھا۔ "نیچے کیا رہا؟"

دوسری طرف سے جواب سن کر اس نے واکی ٹاکی رکھا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "انہیں نیچے لے چلو۔"

میں نے محسوس کیا کہ رامن اس کے ساتھ تھا لیکن اس کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی۔ حالانکہ اس نے ابھی جان پر کھیل کر مجھے قابو کیا تھا۔ اگر میں اس کی طرف ایک گرینیڈ پھینک دیتا تو اس کا بچنا محال تھا۔ مگر یہاں وہ رامن کو نظر انداز کر رہا تھا۔ رامن کے علاوہ پیلس گارڈ کی وردی میں چار افراد اور تھے۔ منشی دل جی نے نیچے کا پوچھا تھا اس کا مطلب تھا کہ اس کے کچھ آدمی نیچے بھی تھے اور وہ بڑے کنور کے وفاداروں کا صفایا کر چکے تھے۔ تبھی ہم نیچے جا رہے تھے۔ میں نے منشی کی طرف دیکھا۔ "تم لوگ اندر کیسے آئے؟ سیدھے راستے سے آنا تو ممکن نہیں ہے۔"

وہ عیاری سے مسکرایا۔ "تم نے ٹھیک کہا..... میں اسی سرنگ سے آیا ہوں۔"

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ "اس کا مطلب ہے پیلس سے باہر جانے کے لیے ایک خفیہ راستہ موجود ہے؟"

"ہاں لیکن ان بھائیوں کو اس کا علم نہیں ہے۔" منشی جی نے فخر سے کہا۔ "یہ راستہ صرف مجھے معلوم ہے۔"

"ممکن ہے کوئی اور راستہ بھی ہو اور تمہیں اس کا علم نہ ہو۔"

میری بات پر وہ فکر مند ہوا تھا۔ ہم اس کمرے میں آئے جہاں سے خفیہ راستہ نیچے جا رہا تھا۔ پہلے رامن اپنے آدمیوں کے ہمراہ نیچے اتر گیا۔ پھر ہم باری باری نیچے آئے۔ منشی دل جی کے آدمی آگے پیچھے پھیل گئے تھے۔ ان کی قیادت ایک کالا اور موٹا سا شخص کر رہا تھا اس کے چہرے پر اس کے اعمال خباثت لکھے ہوئے تھے۔ یہاں تاریکی تھی اور ان لوگوں نے اپنی رائفلوں پر لگی ٹارچیں روشن کر لی تھیں۔ منشی دل جی نے مجھ سے پوچھا۔ "کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور راستہ کہاں ہو سکتا ہے؟''

''سیف ہاؤس سے.....'' میں نے جواب دیا۔ ''سیف ہاؤس بھی سو فیصد محفوظ نہیں ہے۔''

''اس سے کوئی راستہ نہیں ہے۔'' منشی جی نے نفی میں سر ہلایا۔

ہم سیف ہاؤس والے ہال کی طرف جا رہے تھے۔ منشی دل جی کے آدمی پہلے ہی چلے گئے تھے۔ اب مختلف راستوں پر اس کے آدمی موجود تھے۔ تاکہ اگر کوئی اوپر سے آنے کی کوشش کرے تو اسے روکیں۔ اچانک آگے فائرنگ کا شور گونجا۔ میں نے منشی دل جی کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا تھا؟''

''میرے آدمیوں کو پیلس کا کوئی آدمی مل گیا ہوگا۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''وہ راستہ صاف کرنے آگے گئے ہیں۔''

''آدمی مل گیا ہوگا یا انہوں نے ان دو نیتے اور زخمی گارڈز کو مار دیا ہے جو کسی کا نقصان نہیں کر سکتے تھے۔''

''ممکن ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ویسے تمہیں ان کے بارے میں اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ کچھ دیر بعد ہم چھوٹے ہال پہنچے اور وہاں رہ جانے والے دونوں گارڈز کی لاشیں دیکھ کر میرے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ میرے پاس موجود واکی ٹاکی بھی منشی کے آدمیوں کے قبضے میں جا چکا تھا مگر اسے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے ہال میں آتے ہی بلند آواز سے کہا۔ ''بڑے کنور جی..... آپ کا خادم حاضر ہے۔''

منشی دل جی کی اردو صاف تھی۔ وہ خ اور ض دونوں روانی سے بول رہا تھا اس نے انہیں کھ اور ج میں تبدیل نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر بعد کسی پوشیدہ اسپیکر سے بڑے کنور کی ٹھہری آواز آئی۔ ''منشی تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

''آپ جانتے ہیں بڑے کنور جی..... مجھے کس چیز نے آنے پر مجبور کیا ہے۔'' منشی دل جی نے مخصوص عیاری سے کہا۔ ''کیا آپ اپنے پرانے خادم کو اندر آنے کو نہیں کہیں گے؟''

''منشی تم جانتے ہو یہاں کوئی نہیں آ سکتا تم نے بے کار میں زحمت کی ہے۔''

''میں جانتا ہوں اور مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔'' وہ بولا۔ ''جلد یا بدیر آپ باہر آنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''مجھے ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔'' بڑے کنور نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے تم نے کیمرے اور کمیونیکیشن سسٹم ناکارہ کر دیا ہے لیکن سیف ہاؤس کا دروازہ کھولنے کا ریموٹ صرف میرے پاس ہے۔ جب تک میں نہ چاہوں یہ نہیں کھل سکتا۔''

''ایسا نہ کہیں بڑے کنور جی، میرا نام منشی دل جی ہے۔ ایسے ہی آپ کا منشی نہیں بن گیا تھا۔ کچھ گن مجھ میں بھی ہیں۔ ہر تالا اور ہر دروازہ کھل سکتا ہے۔''

''اسے نہیں کھول سکتے..... یہ اتنی موٹی فولادی شیٹ کا بنا ہوا ہے کہ طاقتور ترین بم بھی اس پر اثر نہیں کر سکتا۔ صرف آکسی ٹلین کا شعلہ اسے کاٹ سکتا ہے اور اتنا بڑا اپیس کاٹنے میں جس سے ایک آدمی گزر کر اندر آ سکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوٹن سے زیادہ گیس درکار ہوگی۔''

اس گفتگو کے دوران میں اور بیتو ایک کونے میں کھڑے تھے اور منشی کے دو مسٹنڈے ہم پر لگے ہوئے تھے۔ میں غیر محسوس انداز میں بیتو کے پاس آنے لگا۔ اس نے بھی محسوس کر لیا۔ اس نے کسی قدر سر موڑ کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ریڈیو کا ایئر فون اس کے کانوں میں تھا اسی طرح میں نے بھی اپنے کانوں میں لگا رکھا تھا۔ میں نے ہاتھ ہلا کر اسے متوجہ کیا تو بیتو نے غیر محسوس انداز میں ذرا پیچھے ہو کر دیکھا اور پھر شاید اسے میری کلائی میں موجود وائس بم کا پتا چل گیا۔ اس نے سر ہلا کر مجھے اشارہ دیا تھا کہ وہ سمجھ گیا ہے۔ درجنوں ٹارچیں روشن ہونے سے ہال میں خاصی روشنی ہوگئی تھی۔ ورنہ دھماکے کے بعد یہاں کی روشنیاں بھی بند ہوگئی تھیں۔ شاید بجلی کی لائن متاثر ہوئی تھی۔ مگر ایک مسئلہ تھا میں خود سے یہ بم نہیں نکال سکتا تھا یہ کلائی کے درمیان میں جیکٹ کی آستین میں موجود ایک جیب میں تھا۔ یہ جیب ایک چھوٹی سی زپ سے بند تھی۔

اول تو میری اس جگہ تک رسائی نہیں تھی اور دوسرے اگر میں زپ کھول بھی لیتا تب بھی بم نکالنا بہت مشکل کام تھا۔ یہ کام بیتو کر سکتا تھا مگر وہ میرے پاس آتا اور پیچھے ہوتا تو نگران چوکنا ہو جاتے۔ وہ خاص طور سے ہم پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ منشی نے بندھی حالت میں بھی ہمیں چھوٹ نہیں دی تھی۔ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں کس طرح ذرا سے موقع سے فائدہ اٹھا کر بازی پلٹ سکتا تھا اس لیے وہ ذرا سا موقع دینے کو بھی تیار نہیں تھا۔ میں نے بیتو سے پوچھا۔ ''جب تم کو جھوٹا پیغام ملا تو تم سرنگ کی طرف گئے تھے۔ وہاں فتح خان کے آدمی موجود تھے۔''

''وہ غائب تھا۔'' بیتو نے کہا۔

''منہ بند رکھو۔'' ایک نگراں غرایا۔ میں نے اسے نظر انداز کر کے بیتو سے اگلا سوال کیا۔

''ان کی طرف سے کوئی پیغام ملا تھا؟''

''نہیں۔'' بیتو نے کہا۔ ''جیسے ہی ہم ایک موڑ کے پاس پہنچا اچانک تیز روشنی ہوئی اور جب تک ہم اپنا نائٹ ویژن آف کرتا تین آدمی ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے پہلے ہم کو قابو کیا اور پھر سارا ہتھیار چھین لیا۔ ہم نے مزاحمت کیا تو یہ ہوا۔'' اس نے اپنا منہ آگے کیا جس پر زخموں اور نیل کے نشانات تھے۔ نگراں غراتا ہوا آگے آیا تو ہم دونوں جلدی سے چپ ہو کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ وہ کچھ دیر ہمیں گھورتا رہا پھر اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ میں نے دیکھا۔ منشی دل جی کہیں چلا گیا تھا اور رامن بھی وہاں نہیں تھا۔ میں فکر مند ہو گیا۔ منشی دل جی کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے پورا اعتماد تھا کہ وہ سیف ہاؤس کے اندر پہنچ جائے گا۔ اس کی اور بڑے کی کنور کی گفتگو میں بعض معنی خیز باتیں بھی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا منشی دل جی جس مقصد کے لیے آیا تھا بڑے کنور بھی اس سے واقف تھا۔ اب تک جو ہوا تھا اس میں کئی باتیں بہت غیر متوقع ہوئی تھیں۔ مگر کچھ باتیں ایسی تھیں جو ہوئی تو تھیں مگر وہ واضح نہیں تھیں وہ میرے اندر کہیں کھٹک رہی تھیں۔ حالات کی تیزی مجھے سوچنے کی مہلت نہیں دے رہی تھی۔

چند منٹ بعد منشی دل جی رامن کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ وہ دونوں آپس میں آہستگی سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا ان میں کسی بات پر اختلافی بحث ہو رہی ہے۔ رامن خوش نظر نہیں آ رہا تھا۔ قریب آنے پر وہ منشی دل جی سے دور ہو گیا اور منشی دل جی جا کر سیدھا سیف ہاؤس کے فولادی دروازے پر کھڑا ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے بڑے کنور کو مخاطب کیا۔ ''بڑے کنور جی میں آپ سے آخری بار کہہ رہا ہوں یہ دروازہ کھول دیں، میں وعدہ کرتا ہوں آپ کو اور سادھنا کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ میں صرف اپنا مقصد حاصل کروں گا اور یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا یہ جا گیر آپ کی رہے گی۔''

''تمہارا مقصد کبھی پورا نہیں ہوگا۔'' بڑے کنور نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

منشی دل جی نے گہری سانس لی۔ ''میں نے تمہاری جتنی خیر خواہی کرنی تھی کر لی۔ اب تم مجھ سے شکایت نہیں کر سکو گے۔'' اس نے کہتے ہوئے اپنے لباس سے وا کی ٹاکی نکالا اور اس کا ایک بٹن دبا کر بولا۔ ''سب کو شوٹ کر دو اور دروازہ کھلواؤ۔''

میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا اور میں چلایا۔ ''کنور ہوشیار سادی کو لے کر چھپ.....''

میرا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ سیف ہاؤس کے اندر سے فائرنگ کا شدید شور سنائی دیا تھا اور پھر ایک چیخ سنائی دی جو سادی کی تھی۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منشی دل جی سیف ہاؤس کے دروازے کے سامنے یوں تن کر کھڑا ہوا تھا جیسے اس نے کوئی قلعہ فتح کر لیا ہو اور اب اس کے سامنے فاتحانہ کھڑا ہو۔ اندر سے فائرنگ کا شور باہر تک سنائی دے رہا تھا۔ ایسا لگ رہا جیسے اندر کئی گنوں کے دہانے کھل گئے ہوں۔ فائرنگ کا شور اتنا تھا کہ اس میں کچھ سنائی دینا محال تھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ پس منظر میں انسانی چیخوں کا شور بھی تھا۔ سادی کی چیخ اس وقت سنائی دی تھی جب فائرنگ کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے بعد شور بڑھتا چلا گیا تھا کیونکہ ایک کے بعد کئی ہتھیار آتشیں نغمہ سرائی میں مصروف ہو گئے تھے۔ میں نے اور بیتو نے منشی کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تو اس کے آدمی درمیان میں آ گئے۔ انہوں نے ہتھیاروں کی نوک سے ہمیں واپس دھکیل دیا۔ بیتو بھی مضطرب تھا اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''شوبی یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے، منشی جی کے آدمی اندر بھی ہیں۔ انہوں نے بڑے کنور کے وفاداروں پر فائر کھول دیا ہے۔'' میں نے تشویش سے کہا اور منشی دل جی کو آواز دی۔ ''اگر سادی کو کوئی نقصان ہوا.....''

''تو میں ذمے دار ہوں۔'' منشی دل جی نے پلٹے بغیر کہا۔ ''تم فکر مت کرو بڑے کنور اور سادھنا کو کچھ نہیں ہوگا۔''

اس وقت تک فائرنگ کا شور کسی حد تک کم ہو گیا تھا۔ منشی دل جی واکی ٹاکی تھامے خاموش کھڑا تھا جیسے فائرنگ رکنے کا انتظار کر رہا ہو۔ تقریباً آدھے منٹ بعد اندر خاموشی چھا گئی تھی۔ منشی نے پوچھا۔ ''کیا رہا.....''

''سب مارے گئے۔'' واکی ٹاکی سے دھیمی آواز آئی۔ ''اجیت بھی مارا گیا۔''

''بڑا کنور اور سادھنا؟''

''وہ اپنے کمرے میں موجود ہیں۔'' دوسری طرف موجود شخص نے کہا۔

''دروازہ کھلواؤ۔'' منشی دل جی نے حکم دیا۔ اس نے کسی اجیت کے مارے جانے پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ شاید اجیت اس کا وفادار تھا جو بڑے کنور کے وفاداروں کی جوابی فائرنگ سے مارا گیا۔ مگر منشی دل جی جیسے لوگوں کے لیے انسان کی اہمیت مکھی مچھر سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ انہیں صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ اس لیے اس نے اجیت کے مرنے پر ذرا بھی تشویش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اسے فکر بڑے کنور اور سادی کی تھی۔ کچھ دیر بعد اسی آدمی نے اطلاع دی۔

''انہوں نے چیمبر اندر سے بند کر لیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو اسے کھلواؤ۔'' منشی غرایا۔

''یہ نہیں کھلوا سکتے۔'' بڑے کنور کی آواز آئی۔ ''اسے صرف بم سے اڑایا جا سکتا ہے لیکن اس صورت میں اندر موجود کوئی فرد زندہ نہیں بچے گا۔''

''سادی ٹھیک ہے۔'' میں نے پوچھا۔ یہ سن کر میں نے سکون کا سانس لیا تھا کہ بڑا کنور سادی سمیت اپنے چیمبر میں بند ہو گیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں شوبی.....'' سادی کی روہانسی آواز آئی۔ ''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''تمہارے لیے سادی۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمہیں نہیں چھوڑ سکتے۔''

''آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' سادی خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''میں یہاں محفوظ ہوں۔''

''اگر تم اندر محفوظ ہو تو دروازہ کسی صورت مت کھولنا۔'' میں نے بڑے کنور سے کہا۔ ''تم کسی زہریلے ناگ پر بھروسا کر سکتے ہو اس شخص پر نہیں۔''

''اب میں جان گیا ہوں۔'' بڑے کنور نے تھکے لہجے میں کہا۔ ''اس نے مجھے بہت دھوکے سے ڈسا ہے لیکن یہ مجھے زندہ حاصل نہیں کر سکتا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' منشی غرایا اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ اس نے بڑے کنور سے کہا۔ ''دروازہ کھولو ورنہ میں ان دونوں کو شوٹ کر دوں گا۔''

''احمقانہ دھمکی ہے۔'' میں ہنسا۔ ''لگتا ہے ناکامی نے تمہارا دماغ الٹ دیا۔ بھلا بڑے کنور کو میری اور بیتو کی جان کی کیا پروا ہوتی۔''

''بیتو بھی یہاں ہے؟'' سادی نے اضطراب سے پوچھا۔

''ہم ادھر ہے ویدی۔'' بیتو نے جواب دیا۔

''میرے خدا تم بھی ادھر چلے آئے۔'' سادی مزید پُرتشویش ہو گئی۔ ''اگر میں پھنس گئی ہوں تو لازمی تھا کہ سب یہاں چلے آتے۔''

میں نے پوچھا۔ ''بڑے کنور تم باہر کسی سے رابطہ کر کے مدد طلب نہیں کر سکتے ہو۔''

''نہیں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تمام کمیونیکیشنز بلاک ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''ہنگامی حالات کے لیے پیلس میں ایک جامر ہے جو تمام مواصلاتی رابطوں کو جو ہائپر بینڈ پر کیے جا رہے ہوں جام کر دیتا ہے۔ اس سے موبائل سروس، سیٹلائٹ موبائل اور انٹرنیٹ سروس بلاک ہو جاتی ہے۔''

''لیکن ہمارے ریڈیو تو کام کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''وہ عام ایف ایم بینڈ پر کام کرتے ہیں۔'' بڑے کنور نے وضاحت کی۔ ''ان لوگوں نے سب سے پہلے اس جامر پر قبضہ کر کے اسے آن کر دیا تھا۔''

''مگر پیلس کی بجلی اور جنریٹرز اڑا دیئے گئے ہیں پھر وہ کیسے کام کر رہا ہے؟''

''اس کے ساتھ اس کا اپنا جنریٹنگ یونٹ ہے جو اسے مسلسل پچاس گھنٹے بجلی مہیا کر سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پچاس گھنٹے میں ہم بجلی بحال کر سکتے ہیں۔'' منشی دل جی بولا۔ ''اس لیے باہر سے رابطے کو بھول جاؤ۔ بڑے کنور دروازہ کھول دو ورنہ میں سچ کہتا ہوں شہباز کو مار دوں گا اور تمہارے علاج کی آخری امید بھی ختم ہو جائے گی۔''

''میں دروازہ کھول دوں تاکہ تم مجھے اور سادی کو مار دو؟'' بڑے کنور نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔ ''تم سمجھتے ہو کہ ہمیشہ مجھے دھوکا ہی دیتے رہو گے؟''

''دوسری صورت میں تم اندر ہی مرو گے۔'' منشی دل جی نے دھمکی دی۔ ''یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس دروازے میں ایک سوراخ کر کے اندر زہریلی گیس چھوڑ دی جائے گی اور تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔''

''نہیں باس۔'' اندر موجود منشی دل جی کا آدمی چلایا۔ ''ایسا نہ کرنا۔''

''تب اس سے دروازہ کھلواؤ ورنہ اس کے ساتھ تم بھی مرو گے۔''

''تم یہ حماقت نہیں کرو گے۔'' بڑے کنور نے پُرسکون انداز میں کہا۔

''ہاں میں ابھی یہ حماقت نہیں کروں گا۔'' منشی دل جی نے کہا۔ ''لیکن تم باہر نہیں آؤ گے تو میں یہی کروں گا اور پھر میں تلاش کر کے راج کنور کو بھی مار دوں اور آخر میں اس کے بچوں کو بھی..... اس کے بعد اس جاگیر کا میرے سوا کون وارث رہے گا۔ سب بالآخر میرے قبضے میں آئے گا۔ دوسری صورت وہی ہے جو میں چاہتا ہوں مجھے دے دو اور میں ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتا۔'' بڑے کنور نے جواب دیا۔

وہاں موجود تمام افراد منشی اور بڑے کنور کی گفتگو سننے میں مصروف تھے۔ ان میں ہمارے دو نگران بھی شامل تھے۔ بات کرتے ہوئے منشی نے اچانک رامن کو قریب بلایا اور اسے سرگوشی میں کچھ کہا۔ اس نے سر ہلایا اور وہاں سے نصف درجن آدمی لے کر چلا گیا۔ منشی نے یقیناً اسے کوئی کام سونپا تھا۔ اوپر سے نیچے آنے والے نصف درجن افراد پہلے ہی مختلف جگہوں پر نگرانی کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے۔ اب وہاں منشی کے علاوہ پانچ افراد اور تھے جن میں سے دو ہمارے نگران تھے۔ میرے خیال میں یہ موقع تھا۔ میں ایک بار پھر بیتو کی طرف سرکنے لگا۔ ہمارے درمیان مشکل سے ایک فٹ کا فاصلہ تھا۔ میں بہ ظاہر منشی کی طرف متوجہ تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم بڑے کنور سے کیا چاہتے ہو؟''

''وہ جانتا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں، تمہارا جاننا ضروری نہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔ اگر وہ کوئی قیمتی چیز ہے تو میں بلا تامل اسے حاصل کرنے میں مدد کر سکتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک ساری دنیا کی دولت بھی جان سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔''

''تم اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے ہو۔'' منشی کے بجائے بڑے کنور نے کہا۔

''کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے میں کر ہی دوں..... لیکن اس کے لیے میرا باخبر ہونا ضروری ہے۔ اتنا تو تم اور منشی جی بھی جانتے ہو میں لالچی آدمی نہیں ہوں۔ اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ ورنہ راج کنور کے عشرت کدے میں بے پناہ دولت تھی جسے بانو نے آگ لگا دی میں چاہتا تو ساری دولت بھی لے جا سکتا تھا لیکن میں نے بس کچھ رقم لی تھی۔ مزے کی بات ہے وہ بھی تقریباً بے کار رہی اور آخر میں جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بول رہا تھا اور بولنے کے دوران بیتو کے آگے آ رہا تھا۔ منشی دل جی غور سے سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یہ معاملہ بہت بڑی دولت کا ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''تو میرا اندازہ درست تھا تم نے ہمیں بے وقوف بنایا کہ تم جاگیر پر قبضہ کرنا چاہتے ہو اور یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔''

''شہباز جی تم بہت خطرناک آدمی ہو۔'' منشی جی نے کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی وجہ سے مجھے زندہ رکھنے پر مجبور تھا ورنہ اب تک مجھے مار چکا ہوتا۔ ''کیا تمہیں اندازہ ہے یہ کتنی بڑی دولت ہو سکتی ہے؟''

''کتنی ہو گی بلین ڈالرز میں ہو گی اور میرا خیال ہے یہ تراشیدہ یا ناتراشیدہ ہیروں کی صورت میں ہو گی۔''

منشی دل جی اچھل پڑا تھا۔ ''تم جانتے ہو اس کا مطلب ہے تم جھوٹ بول رہے تھے؟''

''یہ میرا اندازہ ہے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کنوروں کی جاگیر پر کچھ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ صرف یہاں موجود ہیروں کی کان ہے جس سے دولت حاصل کی جا سکتی ہے۔ نہ جانے کتنے عرصے سے اس کان سے ہیرے نکالے جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وہی ہیرے یہاں موجود ہیں اور تم بڑے کنور سے انہیں ہتھیانا چاہتے ہو۔ یہاں کے منشی ہونے کی وجہ سے تمہیں اچھی طرح معلوم ہو گا کہ یہ ہیرے کتنی مالیت کے ہیں اور کہاں رکھے گئے ہیں؟''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''لیکن میں حاصل نہیں کر سکتا۔''

بات رفتہ رفتہ کھل گئی تھی۔ تو منشی دل جی اصل میں ہیروں کے چکر میں آیا تھا۔ کاش کہ میں اسے وادی والے راج اور اس کی بہن کا انجام دکھا سکتا۔ مگر شاید اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لالچ ایسی چیز ہے جو سامنے کھڑی موت کی پروا بھی نہیں کرتی ہے۔ یہاں بھی لالچ کی جنگ چل رہی تھی اور اب تک سو سے زیادہ افراد اس کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ مزید نہ جانے کتنے چڑھنے والے تھے۔ تیں کے قریب تو میرے ساتھ آنے والے افراد تھے۔ باقی کا تعلق کنور پیلس کی سیکورٹی اور منشی دل جی سے تھا۔ اس کے کم سے کم چھ آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ میں گفتگو کے دوران کسی حد تک بیتو کے سامنے آ گیا تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ میری جیکٹ کی آستین سے وائس بم نکالنے کے بیتو کو بھی پشت کرنا پڑتی اور ایسا کرتے ہی ہمارے نگران چوکنا ہو جاتے۔ فی الحال اس مسئلے کا حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ افراد کم ہونے سے وہاں روشن ٹارچوں کی تعداد بھی کم ہو گئی تھی اور روشنی کم تھی۔ اس کے باوجود ہم صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے گفتگو جاری رکھی۔

''وہ ہیرے یہاں سیف ہاؤس میں ہیں۔''

''نہیں وہ اوپر ہیں۔'' منشی نے کہا۔

''تب تمہیں بڑے کنور کی کیا ضرورت ہے اگر وہ کسی سیف میں بھی ہیں تو تم حاصل کر سکتے ہو۔''

''وہ جس سیف میں ہیں یہ انہیں حاصل نہیں کر سکتا۔'' بڑے کنور نے کہا اور ناخوش گوار لہجے میں منشی سے کہا۔ ''تمہیں اپنی زبان بند رکھنا چاہیے تھی صرف شہباز ہی نہیں تمہارے ساتھ موجود لوگ بھی سن رہے ہیں۔''

''تم فکر مت کرو یہ میرے وفادار ہیں۔''

''جیسے تم میرے وفادار تھے؟'' بڑے کنور نے طنز کیا۔ ''ان ہیروں کے لالچ نے تمہیں غداری پر مجبور کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا اسی طرح کوئی اور لالچ میں تم سے غداری کر سکتا ہے۔"

"میں تمہاری طرح اندھا اعتماد کرنے والا شخص نہیں ہوں۔" منشی جی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میرے آدمی اچھی طرح جانتے ہیں مجھ سے غداری کا کیا انجام ہوگا۔"

"انجام کا خیال کسی کو نہیں روک سکتا ہے۔" میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "ورنہ آج دنیا میں امن ہوتا۔"

"ہائے۔" اچانک بیتو کراہا۔ اس نے دوسری طرف جھکتے ہوئے ایسی آواز نکالی جیسے قے کر رہا ہو۔

"کیا ہوا؟"

"انہوں نے پیٹ پر مکا مارا تھا۔" بیتو نے کراہتے ہوئے کہا۔ "اندر کچھ ہو رہا ہے۔"

میں منشی دل جی کی طرف گھوما۔ "تمہارے آدمیوں نے میرے ساتھی کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہے۔"

"لڑائی میں ایسا ہوتا ہے۔" منشی نے لاپروائی سے کہا۔ "تمہارے ہاتھوں میرے کئی آدمی مارے گئے ہیں۔"

بیتو دوسری طرف جھکا ہوا قے کرنے کی آوازیں نکال رہا تھا مگر اس کے پشت سے بندھے ہاتھ میری کلائی ٹٹول رہے تھے وہ جیب کی زپ تلاش کر رہا تھا اس کی جیکٹ کی کلائی پر بھی ایسی زپ تھی اس لیے اسے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے کسی قدر ہاتھ اوپر کر کے زپ کھولی اور اندر سے وائس بم نکال لیا۔ میں نے بہ ظاہر منشی کو مخاطب کر کے کہا۔ "تمہارے آدمی زر خرید ہیں..... اس لیے تمہیں ان کی پروا نہیں ہوگی میرا ہر ساتھی قیمتی ہے وہ میری مرضی کے بغیر انگلی بھی نہیں ہلاتے ہیں۔ اگر میں جان مانگوں تو جان بھی دے دیں۔"

منشی دل جی نے اس بے تکی بات کا کوئی جواب نہیں، مجھے اس کے جواب کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں تو بیتو کو اشارہ دے رہا تھا جو اس نے سمجھ لیا اور نکالا ہوا وائس بم مجھے تھما دیا۔ بم لیتے ہی میں ذرا پیچھے ہو گیا تھا۔ اب بیتو بھی سیدھا تھا اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو مجھے منشی کے کم آدمیوں سے خوشی ہوتی لیکن اب میری خواہش تھی کہ کاش وہ سب یہاں ہوتے۔ مگر اکثریت یہاں سے دور تھی اور وہ بم کا شکار نہیں ہوتے۔ یہاں ہونے کی صورت میں وہ سب ناکارہ ہو جاتے۔ میں نے بم کے فوری استعمال کے بجائے کچھ دیر انتظار کر لینا مناسب سمجھا اور منشی سے پوچھا۔ "پیلس پر تمہارا مکمل قبضہ ہو گیا ہے پھر تم نے اپنے آدمیوں کو کہاں بھیجا ہے؟"

"یہاں بڑے کنور کے کچھ وفادار ہیں ان کا صفایا ضروری ہے۔" اس نے کہا۔ یعنی اس کے آدمی اوپر گئے تھے۔

"اس کا مطلب ہے تم سب کو نہیں خرید سکے..... صرف رامن اور اس جیسے کچھ ضمیر فروش تمہارے ساتھ شامل ہوئے۔"

"سب کو خریدنے کی ضرورت نہیں تھی میں نے بس کام کے آدمی چنے اور کسی نے بکنے سے انکار نہیں کیا۔"

"دولت چیز ہی ایسی ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "مگر کیا رامن بھی دولت کے لالچ میں تمہارے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آیا ہے؟''

''دولت کسے بری لگتی ہے۔'' منشی جی نے شانے ہلائے۔

''میرا خیال ہے تم اسے بھی صاف کر دو گے کیونکہ وہ تم سے زیادہ خطرناک آدمی ہے۔ اگر اس کی نیت خراب ہوگئی تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

منشی دل جی نے میری طرف دیکھا۔ ''شہباز جی تم کچھ زیادہ ہی نہیں سوچتے ہو؟''

''صرف زیادہ ہی نہیں میں درست سوچتا ہوں۔ اب تک میرے تمام خیالات درست ثابت نہیں ہوئے ہیں کیا؟''

''کچھ زیادہ ہی درست ثابت ہوئے ہیں۔'' منشی نے پُر خیال انداز میں کہا۔

''منشی میرا ایک خیال یہ بھی ہے کہ تم کسی کو نہیں چھوڑو گے۔ ان سب کو بھی مار دو گے تاکہ کوئی راز دار نہ رہے ورنہ لوگ اس دولت کے لالچ میں تمہارا پیچھا کرتے رہیں گے۔''

''سوچتے رہو ضروری نہیں ہے کہ تمہاری ہر بات درست ثابت ہو۔''

منشی نے مجھے جھٹلا دیا تھا مگر میرا دل کہہ رہا تھا وہ بالآخر یہی کرے گا۔ ورنہ وہ یوں دوسروں کے سامنے یہ راز فاش نہ کرتا۔ اس نے اور بڑے کنور نے اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا تھا کہ جب ہیرے اوپر کسی جگہ محفوظ تھے تو منشی خود انہیں کیوں حاصل نہیں کر رہا تھا جب کہ وہ اس جگہ سے واقف بھی تھا۔ ایسی کیا وجہ تھی کہ بڑے کنور کو قبضے میں کرنا ضروری تھا۔ وائس بم فوری استعمال نہ کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ مجھے خدشہ تھا منشی کے آدمی پاس ہی ہوں گے۔ وہ فوری آسکتے تھے اور مجھے و بیتو کو ان جھگڑیوں سے آزاد ہونے میں کچھ وقت لگتا۔ اس کے بعد ہم اس قابل ہوتے کہ آنے والوں کا مقابلہ کر سکتے۔ مگر اب منشی نے بتایا تھا کہ اس کے بیشتر آدمی اوپر پیلس میں بڑے کنور کے بچے کھچے وفاداروں کا صفایا کر رہے تھے۔ اس لحاظ سے یہ موقع اچھا تھا۔ میری تو خواہش تھی کہ رامن بھی یہاں ہوتا مگر اس کا نہ ہونا بھی اچھا تھا۔ اگر وہ کسی طرح بچ نکلتا تو ہماری لیے بڑی مشکل کھڑی ہو جاتی۔

کسی قدر غور کرنے کے بعد میں نے وائس بم استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی پن نکالنے کے پانچ سیکنڈ بعد یہ پھٹ جاتا۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھ کر خفیف سا سر ہلایا اس نے جواباً سر کو اتنی ہی جنبش دی اس کا مطلب ہے وہ تیار تھا۔ میں نے پن نکالی اور ذہن میں گننے لگا۔ تین تک گنتے ہی میں نے گھوم کر بم درمیان میں پھینک دیا اور بیتو سے کہا۔ ''سانس روک لو۔''

میں نے کہتے ہی سانس روک لی تھی۔ میرے کانوں میں ریڈیو کے ائرفون پلگ لگے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود صرف چند فٹ کے فاصلے سے بم کی شاک ویو نے مجھے دھکیلا تھا۔ پہلی بار میں نے اسے خاصے فاصلے سے سنا تھا اور اس وقت بھی اس کی آواز قابل برداشت نہیں تھی۔ بس یہ کہ اس نے حواس باختہ نہیں کیا تھا۔ مگر اس وقت خود پر قابو پانے کے لیے مجھے باقاعدہ جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی ٹھوس چیز کانوں کے راستے میرے دماغ میں داخل ہونے کے لیے زور لگا رہی ہو۔ میں زمین پر گر گیا تھا اور گول مول ہو کر خود کو آواز سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر یہ صرف اضطراری حرکت تھی اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اگر میرے ہاتھ آزاد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتے تو میں کانوں پر رکھ کر کسی حد تک بچ سکتا تھا۔ میری آنکھیں بھی بند ہوگئی تھیں اور دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ بیتو کا مجھے نہیں پتا تھا مگر میرے ذہن پر جیسے دھند سی چھا رہی تھی اور میں اس سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک مجھے احساس ہوا کہ آواز رک گئی ہے لیکن دماغ میں اب بھی اس کی گونج تھی۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میرے ہاتھ پاؤں میرے قابو میں نہ ہوں۔ مگر میں اپنی حالت کی پروا کیے بغیر اٹھا اور تیزی سے نزدیک پڑے منشی کے آدمی کی طرف بڑھا۔ وہ اوندھے منہ پڑا تھا اور ساکت تھا۔ میں نے الٹا بیٹھ کر اس کی جیبیں ٹٹولیں مگر اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے میں اپنے ہاتھوں کی ہتھکڑی کاٹ سکتا۔ کھینچ کر باندھ دی جانے والی یہ ہتھکڑی مضبوطی میں فولادی ہتھکڑی سے کم مضبوط نہیں ہوتی ہے۔ اگر اسے زور لگا کر اتارنے یا توڑنے کی کوشش کی جائے تو یہ اور کلائیوں میں گڑتی ہے۔ میں دوسرے کی طرف بڑھا مگر اس کے پاس بھی چاقو یا دھار والی کوئی چیز نہیں تھا۔ کان ابھی تک سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اچانک مجھے لگا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی آواز آ رہی ہے۔ مگر وہ آواز واضح نہیں تھی۔ منشی دل جی سیف ہاؤس کے فولادی دروازے سے لگا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور ہونٹ ہل رہے تھے مگر کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

اصل میں بیتو چلا رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کی بات نہیں سن رہا ہوں تو وہ اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا میری طرف آیا۔ سب کی ٹارچیں رائفلوں کے ساتھ نیچے پڑی تھی اور روشنی مزید محدود ہوگئی تھی۔ میں نے ٹارچیں ایک ایک کر کے بند کرنا شروع کر دیں اور آخری ٹارچ بند کی تھی کہ عقب سے بیتو مجھ سے ٹکرایا۔ میں بھڑک کر پیچھے ہٹا مگر پھر بیتو کی آواز سن کر رک گیا۔ اس کی آواز بگڑ کر میرے دماغ تک پہنچ رہی تھی۔ میں فوکس کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ پھر بیتو نے میرا ہاتھ پکڑ اور ہاتھ سے پستول چلانے کا اشارہ کیا۔ میں سمجھا نہیں۔ اس پر اس نے میرا ہاتھ چھوڑا اور خود ٹٹول کر ایک رائفل پر لگی ٹارچ آن کی۔ پھر اس نے زمین پر بیٹھ کر کسی طرح دونوں ہاتھ کمر اور پیروں سے گزار کر سامنے کر لیے۔ یہ بہت مشکل کرتب تھا اور بیتو جیسے چھریرے جسم کا آدمی ہی دکھا سکتا تھا یہ میرے بس سے باہر تھا۔ پھر وہ منشی دل جی کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے منشی کی جیکٹ ٹٹولی اور اس سے پستول نکال لیا۔ اس وقت تک دماغ کسی حد تک قابو میں آ گیا تھا اور میں نے بیتو سے پوچھا۔

''پستول کا کیا کرو گے؟''

مجھے اپنی ہی آواز اجنبی اور لہراتی محسوس ہوئی تھی لیکن اب یہ کسی حد تک واضح تھی۔ بیتو نے کہا۔ ''اس کی مدد سے آزاد ہوگا، آپ نماز کے انداز میں لیٹ کر ہاتھ اوپر کر لو۔''

پہلے میں سمجھا نہیں کہ نماز کے انداز میں لیٹنے سے اس کی کیا مراد ہے لیکن پھر میں سمجھ گیا میں سجدے میں گیا اور سر زمین پر ٹیک کر دونوں ہاتھ عقب میں ہوا میں بلند کیے۔ بیتو نے ٹارچ کا رخ اس طرف کیا۔ میں نے دونوں کلائیوں کو ممکنہ حد تک الگ کیا اور بیتو نے پستول کا دستہ میری کمر پر رکھ کر نال کا رخ اوپر کی طرف کیا اور میرا ہاتھ بچاتے ہوئے ہتھکڑی پر فائر کیا۔ اس کے باوجود گولی میری بائیں کلائی کو چھوتی گزری اور ایسا لگا جیسے کسی نے دہکتی سلاخ سے چھو دیا ہو۔ مگر ساتھ ہی گولی نے ہتھکڑی کو کاٹ دیا اور ایک جھٹکے سے میرے ہاتھ آزاد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے۔ میں تیزی سے اٹھا اور باقیوں کی تلاشی لی تو ایک کے پاس چاقو مل گیا۔ اس سے بیتو کی بندشیں کاٹیں اور ٹارچ بند کرتے ہوئے نائٹ ویژن آن کرلیا۔ یہ ابھی تک ہمارے سروں پر تھے اور منشی کے آدمیوں نے انہیں یا ریڈیو لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پانچ افراد کے پاس پانچ رائفلیں تھیں۔ پستول صرف منشی کے پاس تھا۔

اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ہر ایک کے پاس رائفلوں کے اضافی میگزین بھی تھے۔ ہم نے وہ بھی نکال لیے۔ کیونکہ ہم دو تھے اس لیے صرف دو رائفلیں چھوڑ کر باقی رائفلوں کے میگزین نکال کر انہیں بے کار کر دیا تھا۔ منشی کے پانچوں آدمی بے ہوش تھے۔ البتہ منشی کسی قدر ہوش میں تھا۔ مجھے بڑے کنور اور سادی کا خیال آیا۔ پتا نہیں ان کا کیا حال تھا انہوں نے بھی اسپیکر پر وائس بم کی آواز سنی تھی میں نے بڑے کنور کو پکارا۔ ''تم میری آواز سن رہے ہو..... کیا تم ہوش میں ہو؟''

بڑے کنور کی آواز نہیں آئی تو میں نے سادی کو پکارا۔ ''سادی تم ٹھیک ہو..... میری آواز سن رہی ہو۔''

جواب میں کسی نے گنگناتی ہوئی بہت مدہم آواز نکالی۔ بیتو بولا۔ ''یہ دیدی ہے۔''

مجھے بھی آواز سنوائی گئی تھی۔ میں نے بے تابی سے کہا۔ ''سادی پلیز اونچا بولو..... تم ٹھیک ہو نا.....؟''

''میں..... ٹھیک..... ہوں۔'' اس بار سادی نے کمزور سی آواز میں کہا۔ ''بڑے بھیا بے ہوش ہیں وہ ہل نہیں رہے۔''

''سادی کیا تم دیکھ سکتی ہو..... اندر موجود منشی کے آدمیوں کا کیا حال ہوا ہے؟''

''نہیں..... مجھے نہیں معلوم کہ یہاں سے کیسے دیکھنا ہوگا۔'' سادی کا مطلب تھا کہ وہاں اسکرینیں موجود تھیں لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ سیف ہاؤس کے باقی حصوں کو کیسے دیکھا جا سکتا تھا۔ مجھے خیال آیا۔ میں نے کہا۔

''سادی وہ ریموٹ کہاں ہے جس سے سیف ہاؤس کا دروازہ کھولا جاتا ہے؟''

''وہ بڑے بھیا کے پاس ہے۔'' سادی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''میں نے اسے نکال لیا ہے لیکن اس پر کئی بٹن ہیں۔''

''اس کی ساخت بتاؤ۔''

''اس پر چھ بٹن ہیں۔ دو اوپر لگے ہیں ان کا کلر ریڈ ہے نیچے کے دو گرین ہیں۔ اور آخر کے دو بلو ہیں۔''

چھ بٹن کا مطلب تھا کہ باقی بٹنوں کا کوئی نہ کوئی مقصد تھا اور سوچے سمجھے بغیر انہیں استعمال کرنے سے کچھ اور بھی ہو سکتا تھا میں نے کہا۔ ''سادی کوئی بٹن مت دبانا..... بڑے کنور کو ہوش میں لانے کی کوشش کرو..... جلدی، ہمارے پاس وقت کم ہے۔''

''میں کیسے ہوش میں لاؤں۔''

''وہاں پانی ہوگا وہ منہ پر چھڑکو اور پلانے کی کوشش کرو اس سے اسے ہوش آجائے گا۔'' میں نے ہدایت کی حالانکہ یہ آواز کا شاک تھا اور دماغ براہ راست متاثر ہوا تھا۔ بڑا کنور ویسے ہی بیمار شخص تھا اور بوڑھا بھی تھا۔ اس کے مقابلے میں سادی صحت مند اور جوان تھی۔ اس لیے وہ آواز جھیل گئی اور جلدی ہوش میں آگئی۔ پھر انہوں نے براہ راست آواز کو نہیں سنا تھا اسپیکر سے گزر کر وہ کسی قدر کم ہوگئی ہوگی۔ مجھے امید تھی کہ بڑے کنور کا حال منشی اور اس کے ساتھیوں کا سا نہیں ہوا ہوگا۔ سادی اپنا کام کر رہی تھی اور ساتھ ہی بڑے کنور کو آوازیں دے رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتہ سرنگ کی طرف چلا گیا تھا اگر کوئی اس طرف سے آئے تو ہم قبل از وقت خبردار ہو جائیں۔ وائس بم کو پھٹے دس منٹ سے زیادہ وقت گزر چکا تھا اور ابھی صبح کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ باہر یقیناً روشنی ہو چکی تھی۔ لیکن اب تک کوئی اس طرف نہیں آیا تھا۔

جب تک سادی بڑے کنور کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ ایک بار تسلی سے منشی دل جی اور اس کے آدمیوں کی تلاشی لے لوں۔ میں نے یہ کام کیا اور فائدہ ہوا۔ منشی کے پاس سے ایک چھپا ہوا پستول اور نکل آیا اور وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ مگر اس کی کھلی آنکھوں میں اب بھی پتلیاں قابو میں نہیں تھیں۔ اسے ہوش میں آنے میں مزید وقت درکار تھا۔ اس کے آدمیوں میں سے دو مر چکے تھے۔ ان کے کانوں اور ناک سے خون نکل آیا تھا۔ شاید دماغ آواز کی شدت برداشت نہیں کر سکا تھا۔ انہیں مردہ پا کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ہم اس تباہ کار چیز سے صرف اس لیے بچ گئے کہ ہمارے کانوں میں ائرفون تھے۔ باقی تین مکمل طور پر بے ہوش تھے۔ وائس بم ان کے درمیان میں پھٹا تھا اور وہ براہِ راست نشانہ بنے تھے۔ منشی تقریباً بارہ تیرہ فٹ کی دوری پر تھا۔ اس لیے اس کی بچت ہو گئی تھی وہ مرا نہیں تھا اور نہ ہی مکمل طور پر بے ہوش ہوا تھا۔

''سادی بڑے کنور کو ہوش آیا؟''

''نہیں شوبی..... پتا نہیں کیا ہے، بالکل رسپانس نہیں دے رہے ہیں۔'' اس نے فکرمندی سے کہا۔ ''کیا میں ریموٹ سے دروازہ کھولنے کی کوشش کروں۔''

''نہیں۔'' میں نے منع کر دیا۔ ''پتا نہیں باقی بٹن کس لیے ہیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی تباہ کرنے والا عمل شروع ہو جائے۔ تم بڑے کنور کو ہوش میں لانے کی کوشش جاری رکھو اور ہاں تم دونوں جس چیمبر میں ہو اس کا دروازہ اسی ریموٹ سے بند ہوتا اور کھلتا ہے؟''

''نہیں یہ تو ہاتھ سے کھولا اور بند کیا جاتا ہے اس کے اندر سیف جیسا ہینڈل لگا ہوا ہے۔'' سادی نے بتایا۔

''اندر کوئی ہتھیار ہے؟''

''بڑے بھیا کے پاس ایک پستول ہے میں نے وہ بھی نکال لیا ہے۔''

''ٹھیک ہے تم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتی رہو۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''میں یہیں ہوں..... مطلب ان سرنگوں میں ہی ہوں اور تم اطمینان رکھو میں تمہیں لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔''

''اس کے برعکس آپ یہاں سے فوراً چلے جائیں تو مجھے اطمینان ہوگا۔ آپ اب بھی خطرے میں ہیں۔'' سادی نے کہا اور پہلی بار پوچھا۔ ''یہ آواز کیسی تھی خدا کی پناہ ایسا لگا جیسے براہِ راست دماغ پر آ کر لگی ہو۔ میرے تو ہوش گم ہو گئے تھے۔''

''یہ ایک طرح کا بم تھا جو پھٹ کر بہت تیز آواز نکالتا ہے۔''

''اتنی دیر تک؟'' سادی کو تعجب ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آواز تو پانچ سیکنڈ ہوتی ہے لیکن لگتا ہے کہ نہ جانے کتنی دیر جاری رہی۔'' میں نے کہا۔ ''تم اب خاموش ہو جاؤ اور اگر مائیک آف کر سکتی ہو تو اسے آف کر دو لیکن اسپیکر آن رکھنا۔''

''میں کوشش کرتی ہوں۔ مجھے اس سسٹم کا زیادہ نہیں پتا ہے۔''

''بڑے کنور کے پاس ایک واکی ٹاکی بھی تھا۔''

''وہ ہے۔''

''میں اسی پر رابطہ کروں گا۔'' میں نے کہا۔ میں نے اپنا واکی ٹاکی حاصل کر لیا تھا جس پر بڑے کنور سے بات کرتا تھا۔ اس نے اس وقت نہیں بتایا تھا کہ یہاں اسپیکر سسٹم بھی ہے جس پر وہ براہِ راست بات کر سکتا ہے۔ شاید اس وقت وہ براہِ راست بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر منشی اور اس کے آدمیوں کو چیک کیا۔ منشی اب کسی قدر ہوش میں تھا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا تو وہ دہشت زدہ نظر آنے لگا کیونکہ میں اسے نظر نہیں آ رہا تھا اس نے لکنت زدہ لہجے میں کہا۔

''کک..... کون..... ہو؟''

''تمہاری موت۔'' میں نے خوفناک لہجے میں کہا۔ ''اپنے آدمیوں سے کہو سرنگ کے اس حصے سے دور ہٹ جائیں۔''

''کک..... کیس..... کیسے..... کہوں؟'' اس نے پوچھا۔ میں نے اس کا واکی ٹاکی اس کے منہ کے آگے کیا۔ ''اس کی مدد سے.....''

مگر اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ ٹھیک سے بات کر سکتا۔ اس کے آدمی ہوشیار ہو جاتے۔ اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ خود بات کر لوں۔ میں نے واکی ٹاکی آن کیا اور بولا۔ ''منشی کے کتو میری آواز سن رہے ہو نا؟ غور سے سنو..... منشی میرے قبضے میں ہے اور اگر کسی نے سیف ہاؤس کی طرف آنے کی کوشش کی تو میں اسے مار دوں گا۔''

''شہباز۔'' دوسری طرف سے رامن کی آواز آئی۔ ''تم یہاں سے نکل نہیں سکتے اس لیے بہتر ہوگا ہتھیار ڈال دو۔''

''منشی کے ہوتے ہوئے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں موجود لوگوں کا باس منشی نہیں ہے بلکہ میں ہوں اور جو چیز وہ حاصل کرنا چاہتا تھا اب وہی میں حاصل کر لوں گا۔''

یہ اطلاع تشویشناک تھی کہ رامن نے اتنی دیر میں منشی کے آدمیوں کو خرید لیا تھا۔ یقیناً اس نے انہیں حصے کا لالچ دیا ہوگا بے شک ان کے حصے میں بعد میں موت آتی لیکن اس وقت وہ جان پر کھیل کر بھی یہ بے پناہ دولت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے دانت پیسے، یہ منحوس دولت میری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی تھی۔ اگر یہ نہ ہوتی تو منشی کبھی ہمارے پیچھے نہ آتا۔ نہ رامن اس کے ساتھ مل کر سازش کرتا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجھے اس صورتِ حال سے نمٹنا تھا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''اول تو مجھے تمہاری اس بات کا یقین نہیں ہے۔''

''ایسا کرو تم منشی کو سرنگ کے موڑ تک بھیج دو میں خود اسے شوٹ کر دیتا ہوں تب تمہیں میری بات کا یقین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آجائے گا۔''

''دوسرے تمہاری مجبوری بھی وہی ہے۔ بڑا کنور اور سادی اندر ہیں اور وائس بم نے ان کے بھی ہوش اڑا دیئے ہیں۔ وہ جواب نہیں دے رہے ہیں۔ ان کی مدد کے بغیر تم اس دولت تک کیسے پہنچو گے؟''

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' رامن فکر مند ہو گیا۔ ''اگر انہیں کچھ ہوا تو وہ دولت پھر کوئی حاصل نہیں کر سکے گا۔''

''تم سوچ لو اگر تم یا کوئی دوسرا اس طرف آیا تو اسے پہلے مجھ سے نمٹنا پڑے گا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔

''تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، اگر تم منشی سے ملے ہوئے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے کس شخص کو دھوکا دیا ہے اور اسے اب تک پتا چل گیا ہو گا۔ بے شک تم لوگوں نے یہاں موجود تمام رابطے کاٹ دیئے ہیں مگر وہ بھارتی حکومت سے بات کر سکتا ہے اور اس کی بات کوئی نظر انداز نہیں کرے گا۔''

''تم ڈیوڈ شا کی بات کر رہے ہو تو وہ یہاں بھارت میں اتنی بڑی توپ نہیں ہے۔''

''چھوٹی ہی سہی..... لیکن بھارتی حکومت کو کنور خاندان کی فکر تو ہو گی اور تم بھول رہے ہو راج کنور بھی اسی کے پاس ہے۔ اگر اس نے راج کنور کو رابطے کی اجازت دی تو تم لوگ بہت بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

''مشکل میں تم پڑو گے۔'' رامن نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''ایک بار تم بھارتی ایجنسیوں کے قبضے میں آ گئے تو تمہاری روح بھی ان کے قبضے سے نہیں نکل سکے گی۔''

''دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور وا کی ٹاکی آف کر دیا۔ رامن کی بات نے مجھے بھی فکر مند کر دیا تھا۔ جتنا میری بات نے اسے پریشان کیا تھا اتنا ہی اس نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ہم جتنی دیر یہاں رکتے یہاں سے نکلنا اتنا ہی مشکل ہو جاتا۔ خاص طور سے میرے لیے۔ میں واپس ہال کی طرف آیا۔ گزشتہ رات سے میں نے چند گھونٹ پانی پیا تھا اور میرا گلا پیاس سے خشک ہو رہا تھا۔ مگر یہاں پانی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میں نے منشی کے آدمیوں کو بھی ٹٹولا تھا لیکن وہ کمبخت بھی خالی تھے۔ ہماری طرح مکمل تیاری سے نہیں آئے تھے۔ بیتو کا بیگ گرفتاری کے بعد چھین لیا گیا تھا اس میں پانی اور کھانے کا سامان تھا۔ وہ بیگ نہ جانے کہاں تھا۔ منشی اب ہوش میں تھا۔ میں رامن سے جو گفتگو کر رہا تھا اس کا ایک حصہ اس نے بھی سنا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''وہ کیا کہہ رہا تھا؟''

''منشی جی بازی پلٹ گئی اور تاریخ نے خود کو دہرایا ہے۔ رامن نے تمہارا تختہ الٹ کر تمہارے آدمیوں کی کمان سنبھال لی ہے اور اب وہ خود ان ہیروں کے چکر میں ہے۔''

منشی دل جی کے منہ سے رامن کے لیے نا گفتنی نکلی تھی مگر میں متاثر نہیں ہوا۔ ''مجھے شک ہے کہ وہ ڈراما کر رہا ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ میں تمہیں سرنگ کے موڑ تک بھیج دوں۔ وہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر کے ثبوت دے سکتا ہے۔''

''نہیں۔'' منشی خوفزدہ ہو گیا۔ ''اس نے سچ مچ بغاوت کر دی ہے۔ وہ ایسا ہی آدمی ہے۔''

''تب تم نے اس پر بھروسا کیسے کیا؟''

''کیونکہ وہی اندر سے ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بغیر ہم اتنی آسانی سے پیلس گارڈز کا صفایا نہیں کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے تھے۔"

منشی میرے قابو میں تھا اس لیے میں اس سے سوالات کر سکتا تھا۔ "تم نے ڈیوڈ شا تک رسائی کیسے حاصل کی؟"

"مجھے معلوم تھا کہ وہ عرصے سے یہاں ہے اور اصل میں تمہارے پیچھے آیا ہے۔ جب تم یہاں لائے گئے تھے تب اس نے بڑے کنور سے رابطہ کیا تھا اور میں بھی واقف ہو گیا تھا۔"

"تب تمہیں یہ کیسے پتا چلا کہ میں اس کے قبضے میں ہوں۔"

"یہاں پیلس میں میرے آدمی تھے، ان سے مجھے معلوم ہو گیا کہ تم واپس آ گئے ہو۔ میں نے سوچا کہ اگر تم یہاں ہو گے تو صرف ڈیوڈ شا سے رابطہ کر سکتے ہو۔"

"تمہارا اندازہ غلط ہے میرا اس سے رابطے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور اس نے مجھے پکڑوایا تھا فتح خان کی مدد سے۔"

"مگر میرا یہ اندازہ تو درست ثابت ہوا کہ تم ڈیوڈ شا کے پاس ہو۔ اس کے بعد میرا کام آسان ہو گیا۔ میں نے اس سے رابطہ کیا اور اسے ایک آدمی کی ضرورت تھی جو کنور پیلس سے واقف ہو۔" منشی دل جی نے جلدی جلدی کہا۔ "میری بدقسمتی کہ میں سارے پلان سے واقف تھا اور میں کامیاب بھی رہا مگر میرے آدمی تمہاری ٹھیک سے تلاشی نہ لے سکے۔"

"درست کہا یہ ان کی نااہلی تھی لیکن اصل میں یہ قدرت کا کھیل ہے، وہ تم جیسے لوگوں کو آزاد چھوڑ دے تو تم درندوں کی طرح آس پاس کے لوگوں کو پھاڑ کھاؤ۔" میں نے کہا۔

منشی دل جی نے گہری سانس لی۔ "مجھے معلوم ہے تم مجھے چھوڑو گے نہیں، لیکن میں نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ تمہارا اصل دشمن کنور خاندان ہے۔"

"جس کے تم بھی ایک رکن ہو۔" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ راج کنور کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتا وہ ڈیوڈ شا کی تحویل میں تھا۔" منشی جی نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ بات تم بھی جانتے ہو۔"

"لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ اب ڈیوڈ شا کی تحویل میں نہیں ہے اس نے اسے چھوڑنے کا کہا تھا۔"

"ہاں لیکن اسے چپ لگا کر چھوڑا گیا تھا۔"

"ایسی چپ تلاش کرنا اور اسے ناکارہ بنانا آج کل بچوں کا کھیل ہے۔" میں نے کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ راج کنور سے ڈیوڈ شا کی کوئی ڈیل ہو چکی تھی اور اسی وجہ سے اس نے اسے چھوڑا ہے۔ ورنہ وہ ہاتھ آئے دشمن کو یوں چھوڑنے کا قائل نہیں ہے۔"

منشی جی نے غور کیا۔ "تمہارا مطلب ہے ڈیوڈ شا بھی ڈبل کھیل کھیل رہا ہے؟"

"اس کھیل میں سب ہی ڈبل کھلاڑی ہیں۔"

"اب تم کیا کرو گے؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے کہا۔ "تم اگر طبعی موت تک زندہ رہنا چاہتے ہو تو کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ میں تمہیں مار دوں۔ اس وقت موت کا فرشتہ جسے تم یم دوت کہتے ہو آس پاس ہی منڈلا رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منشی کو خبردار کر کے میں سرنگ تک آیا اور سادی کو وا کی ٹا کی سے کال کی۔ میں نے ایک نمبر دبایا جو اصل میں بڑے کنور کے وا کی ٹا کی کا نمبر تھا۔ سادی نے کال ریسیو کی۔ میں نے پوچھا۔ ''بڑے کنور کو ہوش آیا؟''

''نہیں..... لیکن ہلنے جلنے لگے ہیں۔''

''کوشش کرتی رہو۔'' میں نے کہا۔ ''اسے جلد از جلد ہوش میں لاؤ تب ہی ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔''

''شوبی اگر انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا تو؟'' سادی نے ہچکچا کر پوچھا۔

''ریموٹ کنٹرول اور پستول تمہارے پاس ہے تم مجبور کر سکتی ہو اگر ذرا ہمت کرو تو.....''

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''ٹھیک ہے میں کوشش کرتی ہوں۔''

''شاباش گڑیا تم کر سکتی ہو..... ضروری نہیں ہے تم بڑے کنور کو دھمکاؤ..... اپنی عقل سے کام لو اور اسے راضی کرو۔ اگر وہ ہوئی تو ہمارا نکلنا ممکن نہیں رہے گا۔ یہاں ہر طرف دشمن ہیں۔''

''ٹھیک ہے شوبی میں سمجھ گئی۔''

وا کی ٹا کی بند کر کے میں منشی دل جی کے پاس آیا۔ اسے نظر نہیں آ رہا تھا مگر میری آہٹ محسوس کر کے وہ جلدی سے بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''اندر تمہارے کتنے آدمی ہیں؟''

''تین، ایک مر گیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے اس کا وا کی ٹا کی آگے بڑھایا۔ ''ان سے بات کرو اور صورتِ حال پوچھو..... باہر کے بارے میں کوئی اشارہ مت دینا۔''

اس نے سر ہلایا اور وا کی ٹا کی کا ایک بٹن دبایا۔ ''اندر کیا ہو رہا ہے۔''

''باس وہ چیمبر میں ہیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''ہم اسے نہیں کھلوا سکتے۔''

''کنور کے آدمیوں کو چیک کر لیا کوئی زندہ تو نہیں ہے۔''

''دو زندہ تھے ان کی گردن کاٹ دی ہے۔'' دوسری طرف سے منشی کے آدمی نے یوں آرام سے کہا جیسے گردن نہیں گاجر مولی کاٹنے کی بات کر رہا ہو۔

''گڈ پوری طرح ہوشیار رہو۔'' منشی نے کہا اور وا کی ٹا کی بند کر دیا۔ میں نے اس سے واپس لے لیا۔ قابو میں آتے ہی منشی پھر سے گریہ مسکین بن گیا تھا۔ اس نے لجاجت سے کہا۔ ''شہباز جی..... اب میری آپ سے دشمنی نہیں رہی ہے تو کیوں نہ ہم مل کر اپنے دشمنوں کے خلاف لڑیں؟''

منشی کی پیشکش قابلِ غور تھی۔ بے شک اب اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اس کے آدمی بغاوت کر کے رامن سے مل گئے تھے مگر وہ یہاں کا بھیدی تھا۔ یہاں کے بارے میں جو وہ جانتا تھا وہ شاید دونوں کنور برادران بھی نہیں جانتے ہوں گے۔ مگر میں نے فوری ردِعمل نہیں دیا۔ میں نے کہا۔ ''منشی تمہیں اب خیال آ رہا ہے کہ میری اور تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ کچھ دیر پہلے تم یہ بات بھولے ہوئے تھے۔''

''میں نے پھر بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچایا۔ اگر دشمنی ہوتی تو پکڑتے ہی میرے آدمی نہیں مار دیتے۔''

یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی۔ لیکن اس پر مجھے یقین تھا کہ منشی نے کسی وجہ سے مجھے اور بیتو کو مارنے سے گریز کیا تھا۔ وہ ہم سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اگر یہ فائدہ اس کے ذہن میں نہ ہوتا تو مجھے یقین ہے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں ایک لمحہ زندہ رہنے کی اجازت نہ دیتا۔ فی الحال مجھے آئیڈیا نہیں تھا کہ اس کا مجھ سے کیا مفاد ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے کسی معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ بڑے کنور کو میرا خون درکار تھا اور مجھے سادی واپس چاہیے تھی۔ باقی اس جاگیر اور اس کے دولت کے تنازعے سے میرا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ میری بلا سے جو اس پر قابض ہو جاتا اور دوسرے کے ساتھ جو چاہے سلوک کرتا۔ منشی نے اپنی چال چلی تھی مگر وہ رامن پر آ کر پھنس گیا۔ اگر میں وائس بم استعمال نہ بھی کرتا تو اس کے خلاف بغاوت ہو چکی تھی۔ مجھے بس اتنا فائدہ ہوا کہ میں ایک محدود دائرے میں آزاد ہو گیا تھا لیکن اس سرنگ سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔ ابھی تو میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ اگر بڑے کنور نے سیف ہاؤس کھول دیا تو میں سادی کو لے کر یہاں سے کیسے نکلوں گا؟ مجھے اس دولت کا خیال آیا جس کے پیچھے سب آپس میں لڑ مر رہے تھے۔ میں نے منشی سے پوچھا۔

''ہیرے کہاں ہیں اور انہیں کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟''

''وہ اوپر بڑے کنور کے خاص کمرے میں ہیں۔ جو کچھ عرصے پہلے اس کا بیڈ روم بھی تھا۔''

مجھے یاد آیا بڑے کنور کا سوچ وچار والا کمرا جس میں صرف ایک کرسی اور ایک آتشدان تھا۔ شمال کی طرف کھڑکی کھلتی تھی اور اس سے آتی سرد ہوائیں آتشدان کی گرمی کو زائل کرتی تھیں۔ بعد میں وہ بڑے کنور کا بیڈ روم بن گیا تھا۔ ''اب وہ بیڈ روم نہیں ہے؟''

''نہیں اسے دوبارہ اسی حالت میں لایا گیا تھا یہ راج کنور اور تم لوگوں کے جانے کے بعد ہوا تھا۔''

''ٹھیک ہے وہ ہیرے وہاں ہیں تو انہیں حاصل کرنا کیا مسئلہ ہے۔ مضبوط ترین تجوری کو بھی کاٹا جا سکتا ہے۔ بے شک اس میں وقت لگے گا لیکن وقت تمہارے لیے مسئلہ نہیں تھا۔''

منشی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ کام سیف کاٹنے سے نہیں ہو سکتا۔''

''اس کا مطلب ہے تجوری میں کوئی ٹریپ ہے..... کوئی بم ہے؟''

اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''اس میں اندر فاسفورس کی ایک تہہ ہے اگر سیف کو غلط نمبر دیا گیا تو فاسفورس جل اٹھے گا اور ہیرے خاک ہو جائیں گے۔ یہ سب منٹ سے بھی پہلے ہو گا۔ تیز ترین طریقے سے بھی سیف کھولنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔''

اب میں سمجھ گیا تھا کہ بڑا کنور کیوں لازمی تھا۔ فاسفورس کی آگ بہت شدید ہوتی ہے۔ اسے بجھانا بھی ممکن نہیں ہوتا ہے۔ ہیرے اصل میں کاربن کی ایک صورت ہیں۔ ان میں اور کوئلے کی ترتیب میں کاربن کے تناسب کا فرق نہیں ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہیرے کاربن کی خالص صورت ہیں۔ اگر یہ بالکل خالص ہوں تو شفاف ہوتے ہیں اور اگر ان میں معمولی سی کسی دوسرے عنصر کی ملاوٹ ہو تو یہ رنگدار ہو جاتے ہیں۔ آگ انہیں کوئلے کی طرح جلا دیتی ہے۔ دنیا کا قیمتی ترین ہیرا کوہ نور جس کی مالیت کا اندازہ لگانا دشوار ہے اگر اسے صرف ایک منٹ کے لیے موم بتی کی معمولی سی لو پر رکھا جائے تو اس کی مالیت ایک روپیہ بھی نہیں رہ جائے گی۔ یہ ٹریپ بڑے کنور نے یقیناً اسی وجہ سے لگایا تھا کہ اگر کوئی تجوری تک رسائی حاصل کر لے اور بغیر درست طریقہ کار کے اسے کھولنے کی کوشش کرے تو اس کے ہاتھ بھی سوائے ہیروں کی راکھ کے اور کچھ نہ آئے۔ میں نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ گیا۔ لیکن کیا یہ طریقہ رسکی نہیں ہے۔ کوئی بھی غلط نمبر ملا کر اندر موجود دولت کو خاکستر کر سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شہباز جی آپ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے..... یہ جدید ترین سیف ہے۔ اس میں متوازی تین کوڈز ملائے جاتے ہیں۔ پہلا کوڈ غلط ملانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن دوسرے اور تیسرے کوڈز میں ایک لفظ یا نمبر غلط ملایا تو اندر آگ بھڑک اٹھے گی۔ پہلا کوڈ درست ملانے سے اگلا کوڈ ملانے کا موقع ملے گا ورنہ کچھ نہیں ہو گا۔''

منشی جی نے ٹھیک کہا تھا۔ میں ان معاملات میں اناڑی تھا۔ کیونکہ کبھی تجوریوں سے واسطہ نہیں رہا۔ میرے دفتر میں ایک لاکر تھا جس کی چابی زیادہ تر منیجر طاہر کے پاس رہا کرتی تھی۔ ادائیگیاں اسی کی ذمے داری تھیں۔ حویلی میں خزانچی ماں جی تھیں۔ ان کے پاس ایک بہت پرانا مضبوط دھاتی ٹرنک تھا۔ رقم اور قیمتی اشیا اسی میں ہوتی تھیں۔ ایک بار تمام گھر والے کئی دن کے لیے کہیں گئے تھے اور ماں جی چابی ٹرنک کے اوپر چھوڑ گئی تھیں۔ واپس آئیں تو وہیں رکھی ملی تھیں اور ایک روپیا بھی غائب نہیں تھا۔ اس وقت بھی حویلی میں تین ملازم چھوڑ کر گئے تھے۔

اس سیف اور اس کا سسٹم بنانے والوں نے ہر پہلو پر نگاہ رکھی تھی۔ اچانک واکی ٹاکی پر ہپ ہوئی تو میں اسے نکالتا ہوا سرنگ کے آغاز تک آ گیا وہاں بیتا چوکس تھا۔ سادی کی کال تھی۔ اس نے کہا۔ ''شوبی بڑے بھیا ہوش میں آ گئے ہیں۔''

''میری بات کراؤ۔''

چند لمحے بعد بڑے کنور کی نحیف آواز آئی۔ ''شہباز یہ کیا تھا؟''

''وائس بم۔'' میں نے بتایا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں اشارہ نہیں دے سکا۔ یوں سمجھ لو کہ قدرت نے مجھے موقع دیا آزاد ہونے کا۔''

''کیا حالات تمہارے قابو میں ہیں؟''

''کم سے کم سیف ہاؤس کے سامنے کے تو ہیں۔ اوپر رامن اور اس کے آدمی ہیں۔''

''منشی کہاں ہے؟''

''وہ میری قید میں ہے لیکن اس لحاظ سے بے کار ہے کہ رامن اور اس کے آدمیوں نے بغاوت کر دی ہے۔ وہ اب ان ہیروں کے چکر میں ہیں جن کے لیے منشی نے یہ سارا کھیل کھیلا ہے۔''

''اوہ..... اب تم چاہتے ہو کہ میں سادھنا کو لے کر باہر آ جاؤں۔''

''اگر تم اندر رہنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن سادی کو باہر بھیج دو۔ تم جان گئے ہو وہ یہاں نہیں رہے گی اور رہے گی تو مر جائے گی۔ اسے اس کے شوہر کے پاس واپس بھیج دو اس کی خوشی اسی میں ہے۔ میں اسے لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا تم جو مرضی چاہے کرتے رہنا۔''

''میں ایسا ہی کرتا اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم اسے لے کر بحفاظت نکل سکو گے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھرا۔ ''لیکن شہباز ان حالات میں مجھے یقین نہیں ہے کہ تم اسے لے کر یہاں سے نکل سکو گے۔ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور صرف دو آدمی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔''

''لیکن سیف ہاؤس میں رہنا بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اور سادی یہاں محفوظ ہیں اگر تم یہاں سے نکل جاؤ تو میرا وعدہ ہے۔ پیلس کا کنٹرول حاصل کرتے ہی میں سادی کو واپس بھیج دوں گا۔''

مجھے تعجب ہوا۔ ''تمہیں ان حالات میں بھی امید ہے کہ پیلس کا کنٹرول حاصل کر سکو گے؟''

''تم یا کوئی اور یہاں اور میرے معاملات کے بارے میں نہیں جانتا ہے۔ ہاں مجھے یقین ہے اس میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ کا وقت نہیں لگے گا۔''

بڑے کنور کے لہجے میں اعتماد تھا۔ اس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ یہ اعتماد شاید کسی باہر کی امداد کے بھروسے پر تھا۔ اب یہ مدد انتظامیہ کی طرف سے آتی یا کسی نجی ذریعے سے دونوں صورتوں میں، میں پیلس میں ہونے کی صورت میں مشکل میں پڑ جاتا۔ مگر یہاں سے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے بڑے کنور سے کہا۔ ''تم باہر نہیں آؤ گے؟''

''ہاں اور تم خود سوچو کہ تم دو آدمی ہمارا کس طرح دفاع کرو گے۔ اگر تم مجھے نظر انداز کر دو تب بھی سادھنا تمہاری ذمے داری ہو گی کیا تم اسے لے کر یہاں سے باہر جا سکتے ہو۔ اول تو پیلس سے نکلنا ہی مسئلہ ہو گا۔ اگر یہاں سے نکل گئے تو اس علاقے سے کیسے نکلو گے جہاں آنے جانے کے لیے بس چند سڑکیں ہیں۔ کسی کو آرام سے روکا جا سکتا ہے اور اگر یہاں سے نکل گئے تو انڈیا سے کیسے نکلو گے۔''

''مجھے اللہ پر بھروسا ہے وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔'' میں نے کہا۔ ''تم سادی کو باہر بھیجو۔''

''تم اس کی جان خطرے میں ڈال رہے ہو۔'' بڑے کنور نے خبردار کیا۔ ''تم لوگوں کے بچ نکلنے کا چانس ایک فیصد بھی نہیں ہے۔''

''میں اس سے بھی کم پر چانس لیتا رہا ہوں۔'' میرا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''تم وقت ضائع کر رہے ہو۔''

''ٹھیک ہے تم سادھنا سے بات کر لو۔'' بڑے کنور نے واکی ٹاکی اس کے حوالے کر دیا۔ اس گفتگو کے دوران میں اپنے ذہن میں کچھ تجزیے جاری رکھے ہوئے تھا۔ رامن اور اس کے ساتھیوں کے یہاں نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اوپر کا کنٹرول حاصل کر رہے تھے۔ رامن کے ساتھ اس کے اور منشی کے آمادہ بغاوت آدمی ملا کر دو درجن سے زیادہ افراد ممکن نہیں تھے اور یہ بہت بڑے کنور پیلس پر مکمل کنٹرول کے لیے قطعی ناکافی تھے۔ انہیں یقیناً مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا ہو گا اور ان کی توجہ ہر طرف نہیں ہو گی۔ ایسے میں ہمارے پاس چانس تھا کہ ہم یہاں سے نکل سکیں۔ مگر اس کے لیے ضروری تھا بڑا کنور جلد سیف ہاؤس کا دروازہ کھول دے، وہ جتنی تاخیر کرتا ہماری لیے اتنی ہی مشکل ہوتی۔ کچھ دیر بعد سادی کی آواز آئی۔

''شوبی میں کیا کروں؟'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ ''میں بڑے بھیا کو سمجھا نہیں سکتی اور وہ سب بھی نہیں کر سکتی جو آپ کہہ رہے ہیں۔ شوبی پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں میرے مقدر میں واپس آنا ہوا تو میں واپس آ جاؤں گی۔''

''میں تمہیں لینے آیا ہوں اور لے کر جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''بڑے کنور سے پوچھو کہ وہ کس برتے پر یہ یقین سے کہہ رہا ہے کہ وہ جلد پیلس کا کنٹرول حاصل کر لے گا۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' خلاف توقع منشی نے کہا اس کے لہجے میں طنز تھا۔ ''یہ سمجھتا ہے کہ اس نے سارے کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھپا کر کیے ہیں؟''

میں چونکا اور اس کے پاس چلا آیا۔ ''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''اس نے ایک حفاظتی دستہ بنایا ہوا ہے جس میں بھارتی آرمی کے سابق کمانڈوز شامل ہیں وہ یہاں سے کچھ دور ایک جگہ رہتے ہیں۔ یہ انہیں دن میں دو بار سگنل بھیجتا ہے۔''

''تم سن رہے ہو۔'' میں نے دا کی ٹاکی میں کہا میں نے اس کا بٹن آن کیا ہوا تھا۔ دوسری طرف سے بڑے کنور نے کسی قدر کمزور لہجے میں کہا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''اگر تم ان کو سگنل نہ بھیجو تو؟''

''وہ ایک گھنٹے کے اندر یہاں آ جائیں گے اور معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔''

''تم نے آخری بار سگنل کب بھیجا؟''

''رات بارہ بجے۔''

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ سات بج کر بارہ منٹ ہو رہے تھے۔ ''یعنی تم اگلا سگنل دوپہر بارہ بجے بھیجو گے۔'' میں نے کہا۔

''وہ ایک بجے تک آ جائیں گے۔'' بڑے کنور نے کہا۔

''وہ کبھی نہیں آئیں گے۔'' میں نے منشی دل جی کی طرف دیکھا۔ ''میں نے ٹھیک کہا نا منشی جی؟''

''شہباز جی ٹھیک کہہ رہے ہیں وہ کبھی نہیں آئیں گے میرے آدمی انہیں راستے میں نرکھ کی طرف روانہ کر دیں گے۔''

''تم نے سن لیا۔'' میں نے بڑے کنور سے کہا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''ایسا ہی ہوگا۔'' منشی دل جی نے کہا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے وہ بے شک کمانڈوز ہوں گے اور جدید ترین ہتھیاروں سے مسلح ہوں گے لیکن وہ بے نقاب ہو گئے ہیں اور ان کو نشانہ بنانا بہت آسان ہے۔ ایک یا چند بم ان کو راستے میں ہی صفحۂ ہستی سے نابود کر دیں گے۔''

میری بات پر بڑے کنور کو چپ لگ گئی۔ صاف ظاہر تھا اس کی خوش فہمی ہوا ہو گئی تھی۔ میرا اندازہ درست تھا۔ منشی دل جی ایسا بھیدی تھا جو تقریباً اصل مالک جتنا واقف تھا۔ بلکہ مجھے شبہ تھا بعض راز اس کے اپنے ہوں گے اور بڑا کنور بھی ان سے ناواقف ہوگا۔ بہ وقتِ ضرورت منشی جی نے اپنے بچاؤ کے لیے رکھے ہوں گے۔ میں نے بڑے کنور سے کہا۔ ''تم نے سن لیا اب باہر سے مدد آنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔ تب بھی کیا تم اندر ہی بیٹھے رہنا پسند کرو گے۔''

''مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دو۔''

''سوچو۔'' میں نے بدمزگی سے کہا۔ ''لیکن اتنی دیر مت کرنا کہ پھر کچھ کرنے کے لیے وقت ہی باقی نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے۔"

میں بیتو کے پاس آیا اور دھیمی آواز میں اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ "اب تم کیا کہتے ہو؟"

"شوبی اگر یہ مان جائے تو ابھی نکل سکتا ہے دیر ہوگئی اور اوپر والوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو پھر ادھر سے نکلنا بہت دشوار ہو جائے گا۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ وہ شاید ہی مانے اب ہم کیا کریں اندر گھس نہیں سکتے۔ سادی نرم دل ہے وہ اپنے بھائی کو مجبور نہیں کر پا رہی ہے۔"

بیتو نے کچھ دیر سوچا اور بولا۔ "شوبی ہمارا دل کہتا ہے دیدی کو لے کر جائے، آگے آپ جو حکم کرو۔"

"میں تم کو یا اپنے کسی ساتھی کو حکم نہیں دے سکتا۔ ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں کہ بڑا کنور کیا فیصلہ کرتا ہے اس کے بعد ہم اپنا لائحہ عمل طے کریں گے۔"

"شوبی اگر کوئی اس طرف سے آئے تو....."

"بنا وارننگ شوٹ کر دو، اگر محسوس کرو کہ وہ حملہ کرنے آ رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "کسی بھی حربے کے لیے تیار رہنا..... گیس اور وائس بم اب ان کے پاس بھی ہوں گے۔ ہمارے پاس بس یہ رائفلیں اور پستول ہیں۔"

"ہم دونوں سے نمٹ سکتا ہے۔" بیتو نے سر ہلایا۔

ہم اس جگہ محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ آگے رامن کے آدمی مورچہ بند ہوں گے اور وہ ہمیں اتنی آسانی سے یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ مجھے اس ہال میں اترنے والے راستے کا خیال آیا جو گرینیڈز سے تباہ کر کے بند کر دیا تھا۔ میں ملبے پر چڑھ کر اوپر آیا، آگے بہ ظاہر راستہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میں جھک کر اور گھس کر آگے بڑھا۔ اس موقع پر نائٹ ویژن خاصی کام آ رہی تھی، جلد میں نے ایک رخنہ تلاش کر لیا جو اوپر تک جا رہا تھا۔ میں ذرا نیچے آیا اور بیتو کو آواز دی۔ وہ آیا تو میں نے سرگوشی میں اسے بتایا کہ میں اوپر جانے کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اس لیے وہ اب نیچے کا بھی خیال رکھے۔ بیتو نے سر ہلایا۔ "ہم دیکھ لے گا۔ پر آپ دیکھ کر جانا ایسا نہ ہو کہ ملبہ گرنے والا ہو۔"

"میں خیال رکھوں گا۔" میں نے کہا اور دوبارہ اوپر کی طرف بڑھا۔ بعض جگہ پر ملبہ سرک رہا تھا۔ مگر اس میں نیچے مزید خلا نہیں تھا اس لیے گرنے کا خدشہ نہیں تھا۔ میں اس رخنے تک پہنچا اور دوسری طرف جھانکا مگر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا بس ایسا ہی آڑا ترچھا ملبہ پڑا تھا۔ جگہ بہت تنگ تھی اور اگر آگے راستہ بند ملتا تو واپس آنا بھی آسان نہ ہوتا۔ مگر میں نے قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ رائفل پر ٹارچ لگی تھی مگر اسے روشن کرنے کا مطلب تھا کہ اگر سوراخ کے دوسری طرف کوئی موجود ہوا تو اسے اپنی تشریف آوری سے خبردار کرنا۔ اس لیے میں نائٹ ویژن کے بل بوتے پر آگے سرکتا رہا۔ یہ رخنہ میری جیسی جسامت کے آدمی کے لیے چھوٹا تھا۔ بیتو اس میں آرام سے آ جاتا اور کامی تو نہلتا ہوا جاتا۔ مگر میں کسی کو آگے نہیں کر سکتا تھا یہ کام مجھے ہی کرنا تھا۔ اگر یہاں داخلے کا راستہ نکل آتا تو شاید ہماری بچت کی کوئی سبیل نکل آتی۔ مجھے امید تھی کہ اس راستے کو بند پا کر پہلے منشی اور اب رامن کے آدمی یہاں سے ہٹ گئے ہوں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر یہ میرا خیال تھا یہ بھی ہو سکتا تھا، کہ وہ اس راستے کو صاف کر کے خاموشی سے نیچے آنے کی کوشش کریں گے۔ اگر چہ یہاں جس طرح ملبہ بکھرا ہوا تھا خاموشی سے نیچے آنا ممکن ہی نہیں تھا۔ میں خود سرک رہا تھا اور اس سے آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ اگر کوئی حد میں ہوتا تو وہ ان آوازوں کو سن لیتا۔ اس لیے میں نے اس حالت میں بھی اپنا پستول سامنے رکھا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں سرکتا ہوا سیڑھیوں کے اوپری حصے تک آ گیا ہوں۔ یہاں سے واش روم کچھ ہی دور تھا۔ بدبو نے میرے اندازے کی تصدیق کی تھی۔ گرینیڈز کے فراغ دلانہ استعمال نے واش روم کی اندرونی ساخت تباہ کر دی تھی اور سیوریج لائنیں پھٹ گئی تھیں۔ یہ بدبو ان ہی سے اٹھ رہی تھی۔ بہر حال یہ ناقابلِ برداشت نہیں تھی شاید اس لیے بھی کہ یہ واش روم بہت کم استعمال ہوتا ہوگا۔

راستہ اب بہت تنگ ہو گیا تھا اور میں بہ مشکل ہی آگے بڑھ پا رہا تھا۔ بالآخر میں اس خلا سے سر نکالنے میں کامیاب ہوا۔ یہ ایک چھوٹا سا خانہ تھا۔ میں نے غور کیا تو یہ وہی خانہ محسوس ہوا جس میں خفیہ دروازہ لگا ہوا تھا۔ خفیہ دروازہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا اور اس کے ہائڈرولک سسٹم کا آئل بہہ نکلا تھا۔ یہ جگہ چپچپا رہی تھی۔ میں نے ماربل کا ایک ٹکڑا کوشش کر کے ہٹایا تو اتنا راستہ بنا کہ میں باہر نکل سکوں۔ دیواریں گرنے سے یہ خانہ آخری طرف سے بھی بند ہو گیا تھا اور اب صرف اس کی چھت کھلی تھی۔ میں نے ایک طرف دیوار پر ہاتھ ٹیکے اور سر آہستہ سے اوپر کیا۔ دوسری طرف واش روم کا کھلا حصہ تھا اگر چہ وہاں بھی ملبہ بکھرا ہوا تھا لیکن یہاں سے بہتر صورتِ حال تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ ساتھ والے کمرے میں لگی آگ بجھا دی گئی تھی۔ آگ جس طرح سے بھڑکی تھی اور میں نے پورے کمرے میں لگائی تھی اس کے از خود بجھنے کا امکان کم تھا۔ دھواں بھی نکل چکا تھا۔ میں احتیاط سے اس خستہ حال دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔

واش روم میں کوئی نہیں تھا اور کمرا بھی خالی تھا۔ میں نے سب سے پہلے پانی کی تلاش کی، اکثر نل بھی تباہ ہو گئے تھے لیکن ایک نل ٹھیک مل گیا۔ میں نے اسے کھولا تو سرد شفاف پانی آ رہا تھا۔ میں نے پہلے چکھا اور پھر پیا لیکن زیادہ پینے سے گریز کیا۔ واپس کمرے میں آیا۔ اس کا دروازہ جلنے سے بچ گیا تھا اور بند تھا۔ میں نے اسے کھول کر باہر جھانکا۔ راہداری میں کوئی نہیں تھا۔ یہاں بھی تاریکی تھی۔ میں باہر نکل آیا۔ پستول رکھ کر میں نے رائفل سنبھال لی تھی۔ یہاں کسی لمحے بھی کسی سے سامنا ہو سکتا تھا۔ راہداری میں کوئی نہیں تھا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ عمارت خالی تھی۔ میں راہداری سے گزر رہا تھا کہ ایک کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے مجھے ایسا لگا جیسے اندر کچھ لوگ موجود ہیں۔ وہ آپس میں بات کر رہے تھے اور اونچی آواز میں کر رہے تھے۔ ان کا انداز ازدارانہ نہیں تھا۔ میں نے ہینڈل گھمایا تو وہ لاک نکلا۔ اسی لمحے اندر سے کسی نے دروازے پر ہاتھ مارا۔

''دروازہ کھولو۔'' کوئی چلا کر بولا مگر آواز باہر بہت کم آئی تھی۔ ''ہمیں کیوں قید رکھا ہے۔''

''تم لوگ کون ہو؟'' میں نے تالے کے سوراخ پر دونوں ہاتھوں سے پیالہ بنا کر رکھا اور اس میں منہ ڈال کر بولا۔

''کیا..... کون ہو تم؟''

''میں ان میں سے نہیں ہوں جنہوں نے تمہیں یہاں قید کیا ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اب اپنے بارے میں بتاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم پیلس کے گارڈز ہیں۔''

''تمہیں قید کرنے والے کون ہیں۔''

''جو بعد میں آئے۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم کتنے لوگ ہو؟''

''ہم پانچ ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''ہمارے باقی سارے ساتھی مارے جا چکے ہیں۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اکثر تو ہمارے ہاتھ سے مارے گئے تھے اور باقی منشی ورامن کے آدمیوں نے مارے ہوں گے۔ میں نے پوچھا۔ ''تم جانتے ہو بڑا کنور کہاں ہے؟''

''وہ سیف ہاؤس میں جا چکے ہیں۔''

مجھے وہ آدمی باخبر لگا تھا۔ میں نے اگلا سوال کیا۔ ''تم لوگوں کے پاس ہتھیار ہیں؟''

''نہیں ہمارے ہتھیار چھین لیے گئے تھے۔''

''یہ دروازہ لاک ہے اسے اندر سے نہیں کھولا جا سکتا؟''

اس نے میرے احمقانہ سوال پر افسوس کیا۔ ''اگر کھول سکتے تو ہم یہاں قید ہوتے۔''

''پیچھے ہٹ جاؤ۔'' میں نے کہا اور لاک پر پستول کی نال رکھ کر فائر کیا۔ دوسرے فائر پر لاک ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے رائفل سنبھال لی۔ ایک خطرہ تو مجھے اندر والوں سے تھا دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آس پاس رامن کے آدمی ہوئے تو وہ فائر سن کر آجائیں گے۔ دروازہ کھلتے ہی وہ پانچوں گورکھے باہر آگئے۔ انہوں نے خاص گارڈز والی وردی پہن رکھی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی انہیں کیسے بخش دیا تھا جب کہ وہ خاص گارڈز میں سے تھے۔ میں نے یہی سوال کیا تو مجھ سے بات کرنے والے نے کہا۔ ''ہم گیس کا شکار ہو گئے تھے اور جب تک ہوش میں آتے دوسرے آچکے تھے۔'' بولنے والا تقریباً چالیس برس کا گٹھے ہوئے جسم کا شخص تھا۔

میں نے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے اور تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''رام پال جو گندر..... ان میں کچھ پیلس کے لوگ تھے۔''

''باقی باہر سے آئے تھے اور وہ پہلے منشی اور اب رامن کے آدمی ہیں۔ پیلس پر حملہ میں نے کیا تھا لیکن میرا مقصد صرف اپنی بہن کو واپس لے جانا تھا۔ منشی اور رامن بڑے کنور کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ انہوں نے سارے مواصلاتی رابطے ختم کر دیے ہیں اور اب باہر سے کوئی مدد نہیں آسکتی ہے۔''

رام پال غور سے سن رہا تھا۔ ''میں تمہیں جانتا ہوں..... میں پیلس کا نائب سکیورٹی انچارج ہوں۔''

''بڑا کنور سیف ہاؤس کے چیمبر میں مقید ہے کیونکہ اس کے ساتھ اندر جانے والے گارڈز میں تین غدار اور منشی کے آدمی تھے انہوں نے باقی سب کو مار دیا ہے۔''

رام پال کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ''ان میں میرا بھائی بھی شامل تھا۔''

''مجھے افسوس ہے لیکن ان میں سے کوئی نہیں بچا میں نے خود سنا تھا جو فائرنگ سے بچ گئے تھے انہیں ذبح کر دیا گیا تھا۔''

کمرے میں روشنی تھی اور وہی روشنی باہر آرہی تھی لیکن میں نے نائٹ ویژن آف نہیں کیا تھا کیونکہ آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاریکی تھی۔ روشنی سے بچنے کے لیے میں ایک طرف ہو گیا تھا۔ رام پال یہ سن کر جذباتی ہو گیا۔ ''اگر یہ سچ ہے تو میں ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔''

''یہ سچ ہے اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں بڑے کنور سے تمہاری بات کرا سکتا ہوں۔''

''ہم تیار ہیں۔''

''تم اور تمہارے آدمی آگے چلیں گے۔ ابھی میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا جب تک بڑے کنور سے بات کرا کے تمہاری تسلی نہ کرا دوں۔''

وہ مان گئے اور میرے آگے روانہ ہوئے۔ کیونکہ ان کے پاس نائٹ ویژن نہیں تھا اس لیے ہم نے وہیں سے ٹارچیں اور ایمرجنسی لائٹس لے لیں۔ وہ واش روم اور اس کا حشر دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔ رام پال خفیہ راستے سے واقف تھا۔ میں نے پہلے انہیں اس راستے کو ذرا وسیع کرنے کو کہا۔ پانچ افراد نے مل کر چند منٹ میں خاصا ملبہ نکال لیا اور راستہ چوڑا ہو گیا اب اس سے آسانی سے گزرا جا سکتا تھا۔ پہلے وہ پانچوں نیچے گئے۔ میں نے بیتو کو آواز دے کر بتایا کہ پولیس کے پانچ گارڈز نیچے آ رہے ہیں۔ ان کے بعد میں نیچے گیا اور رام پال کے واکی ٹاکی پر بڑے کنور سے رابطہ کرایا۔ بڑے کنور کی آواز سن کر وہ اٹینشن ہو گیا اور اس نے اوپر کی صورت حال کی رپورٹ دی۔ پھر میں نے اس سے واکی ٹاکی لے کر بڑے کنور سے کہا۔

''اب تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اوپر کیا صورت حال ہے۔ تم جتنی دیر کرو گے یہاں سے نکلنا اتنا ہی دشوار ہوتا جائے۔ فی الحال مرکزی پولیس میں بھی کوئی نہیں ہے یا پھر چند ایک لوگ ہیں ہم ان کا صفایا کر سکتے ہیں۔ اوپر اس چوہے دان کے مقابلے میں بہتر ہو گا۔''

''ہم اوپر کیسے جائیں گے تم نے راستہ تباہ کر دیا ہے۔'' بڑے کنور نے اس بار انکار نہیں کیا۔

''تمہارے آدمیوں نے راستہ کسی قدر صاف کر دیا ہے ذرا کوشش کے بعد اس سے گزرا جا سکتا ہے۔ پھر ہم اسے بند کر دیں گے۔''

رام پال منشی دل جی کے پاس بیٹھا اس سے پوچھ گچھ کر رہا تھا ان لوگوں کو دیکھ کر منشی کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ رام پال نے مجھ سے کہا۔ ''یہ غیر ضروری ہے اسے یہیں ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔''

''ہونا تو یہی چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ابھی مجھے اس سے کچھ پوچھ گچھ کرنی ہے اس لیے یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔''

اسی لمحے واکی ٹاکی پر ہپ ہوئی۔ دوسری طرف سے بڑے کنور نے کہا۔ ''میں دروازہ کھولنے جا رہا ہوں تم ہوشیار رہو۔''

میں نے اضافی اسلحہ رام پال اور اس کے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان کو میگزین دیئے اور انہوں نے رائفلیں لوڈ کر لیں۔ پھر سب نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ میں نے منشی کو سامنے کیا اور اس سے کہا۔ ''دروازہ کھلنے جا رہا ہے۔ اپنے آدمیوں سے کہو ہتھیار ڈال کر باہر آ جائیں۔'' میں منشی کے بالکل پیچھے تھا۔ پھر میں نے واکی ٹاکی پر بڑے کنور سے کہا۔ ''ریموٹ سے سیف ہاؤس کا دروازہ کھول دو مگر تم اور سادی اندر ہی رہو گے۔''

''میں کھول رہا ہوں۔'' اس نے کہا اور چند سیکنڈ بعد سیف ہاؤس کے دروازے سے ویسی ہی سنسناتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی آواز آئی جیسی خفیہ دروازے کھلتے وقت آتی تھی۔ یہ دروازہ بھی یقیناً ہائڈرولک طریقے سے کھلتا اور بند ہوتا ہوگا۔ کسی اور طریقے سے اتنا وزنی دروازہ کنٹرول کرنا آسان نہیں تھا۔ میں اور میرے ساتھی ہوشیار تھے۔ میں نے بیتو کو اس جگہ سے دور رکھا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی منشی دل جی نے چلا کر اپنے آدمیوں سے کہا۔

''ہتھیار ڈال کر باہر آجاؤ۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو باس؟'' اندر سے ایک آدمی نے کہا۔

''میں حکم دے رہا ہوں۔'' منشی نے اس بار غرا کر کہا۔ ''فوراً ہتھیار ڈال کر باہر آجاؤ۔''

وہ دونوں منشی کے وفادار تھے۔ اس لیے حکم کی تعمیل کی مگر جیسے ہی وہ دروازے پر نمودار ہوئے رام پال نے اچانک دو فائر کیے اور دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ گولیاں ان کے سروں پر لگی تھیں۔ میں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ تم نے کیا کیا؟''

''یہ میرے بھائی کے قاتل تھے میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''اس پر آپ مجھے جو سزا دو گے مجھے قبول ہے۔''

میں نے خود پر قابو پایا اور سخت لہجے میں کہا۔ ''یہاں ہر کوئی کسی نہ کسی کا قاتل ہے۔ خود پر قابو رکھو..... اچھا تھا اگر میں تمہیں خالی رائفل دیتا۔ اس طرح تم جذباتی ہوتے رہے تو بڑے کنور کی حفاظت کے لیے تم پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے۔''

رام پال سر جھکائے کھڑا رہا۔ میں آگے آیا اور اندر کا حال دیکھ کر میری طبیعت مالش کرنے لگی تھی۔ وہاں ہر طرف لاشیں اور خون بکھرا ہوا تھا۔ یہ سب ان دونوں نے کیا تھا اور اس کا صلہ کیا ملا؟ وہ خود بھی لاشوں میں شامل ہو گئے تھے۔ میں لاشوں اور خون سے بچتے ہوئے چیمبر کی طرف بڑھا اس کا فولادی دروازہ نمایاں تھا۔ میں نے بڑے کنور کو آواز دی۔ ''تم سن رہے ہو؟''

''ہاں سن رہا ہوں۔'' بڑے کنور نے جواب دیا۔

''یہاں سب کلیئر ہے باہر آجاؤ۔''

''یہ فائرنگ کیسی تھی؟''

''رام پال نے جذباتی ہو کر منشی کے دونوں ساتھیوں کو مار دیا۔ یہاں مارے جانے والوں میں اس کا بھائی بھی شامل ہے۔ اب تم اور سادی باہر آؤ تاکہ ہم اوپر جائیں۔''

اسی لمحے باہر سے بیتو نے پکار کر کہا۔ ''کچھ لوگ ادھر آرہا ہے۔''

''ان کو روکو۔'' میں نے کہا اور بڑے کنور سے بولا۔ ''جلدی کرو..... وہ لوگ آرہے ہیں۔''

چیمبر کا دروازہ کھلا، سادی آگے تھی وہ آتے ہی مجھ سے چمٹ گئی اور میرے بازو سے سر ٹکا لیا۔ وہ رو رہی تھی میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''پاگل روتی کیوں ہے ابھی تیری دیکھ بھال کرنے والے زندہ ہیں جب نہ ہوں تب رونا۔''

''اللہ نہ کرے۔'' اس نے لرز کر کہا۔ ''شوبی میں آپ کے لیے بہت دعا کرتی تھی۔''

''مجھے اسی کی ضرورت ہے اب چلو۔'' میں نے پیچھے کھڑے بڑے کنور کی طرف دیکھا۔ ''تم ٹھیک ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا لیکن سادی نے کہا۔ ''بڑے بھیا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

میں نے رام پال سے کہا۔ ''تم لوگ بڑے کنور کو لے کر اوپر جاؤ، جب تک ہم آنے والوں کو روکتے ہیں۔''

''سادھنا میرے ساتھ جائے گی۔''

''نہیں یہ میرے ساتھ جائے گی کیونکہ تم خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔'' میں نے کہا اور سادی سے پوچھا۔ ''تمہارے پاس پستول ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں ہے۔''

''سیف ہاؤس لاک کر دو۔'' میں نے کہا تو بڑے کنور نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی ریموٹ کے ساتھ کچھ کیا اور فولادی دروازہ سنسناتی آواز کے ساتھ بند ہونے لگا۔ دروازہ بند ہونے کے بعد رام پال بڑے کنور کو لے کر سوراخ کی طرف بڑھا۔ اس کے دو آدمی بڑے کنور کو سہارا دے رہے تھے۔ اس کے سوراخ میں داخل ہونے کے بعد سادی نے آہستہ سے کہا۔ ''بڑے بھیا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بہت مشکل سے ہوش میں آئے تھے اور بہت دیر تک تو اٹھ بھی نہیں سکے تھے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے کہا اور اس کی طرف دیکھا۔ ''تم کیسی ہو تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں اس لحاظ سے میں آرام سے تھی۔'' سادی نے کہا۔ ''میری خدمت کے لیے دو خادمائیں تھی، ڈاکٹر اور نرس ہر وقت میرے ساتھ ہوتے تھے۔'' پھر اسے خیال آیا۔ ''بیتو کہاں ہے؟''

''ہم یہاں ہے دیدی۔'' بیتو نے سرنگ کی طرف سے کہا۔ ''ابھی ادھر سے ہٹ نہیں سکتا ہے۔''

بڑے کنور کے ساتھ رام پال دو ساتھیوں کے ساتھ گیا تھا۔ دو اور منشی دل جی نیچے تھے۔ وہ دونوں بیتو کے ساتھ تھے۔ میں نے سوراخ میں جھانک کر رام پال کو آواز دی۔ ''اپنا ایک آدمی بھیجو منشی کو لے کر جائے گا۔''

کچھ دیر میں ایک آدمی آ گیا اور میں نے اس کے ساتھ منشی کو روانہ کر دیا۔ پھر خود سادی کو لے کر روانہ ہوا۔ میرے پیچھے بیتو آتا اور اس کے پیچھے رام پال کے باقی دو آدمی آتے۔ ان لوگوں کو اسلحہ دیتے ہوئے مجھے کچھ خدشہ ہوا تھا مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ میں آگے تھا اور سادی میرے پیچھے تھی۔ ہم جب نکلنے کے قریب پہنچے تو میں نے بیتو کو آواز دی۔ ''اب تم بھی آ جاؤ۔''

کچھ دیر میں بیتو بھی یہاں تھا۔ رام پال اور اس کے آدمیوں نے راستہ مزید صاف کر دیا تھا۔ وہ بڑے کنور سمیت جلے کمرے میں موجود تھے۔ بڑا کنور ہانپ رہا تھا۔ اسے آرام اور علاج کی ضرورت تھی لیکن فی الحال دونوں ہی دستیاب نہیں تھے۔ بیتو اور ان دونوں کے آتے ہی میں نے ملبہ ڈال کر اس راستے کو بند کرنے کا حکم دیا اور رام پال کے آدمی اس میں لگ گئے۔ وہ کنکریٹ اور سرامک کے بڑے بڑے ٹکڑے سوراخ میں ڈال رہے تھے ساتھ ہی چھوٹے پتھر اور مٹی بھی ڈال رہے تھے۔ اب کوئی اس طرف سے آنا چاہتا تو اس کے لیے یہ کام آسان نہ رہتا۔ میں ان کی نگرانی کر رہا تھا اور اب بیتو سادی سے مل رہا تھا۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ اسے رہا کرانے کے لیے ہم نے کیا کیا کوششیں کی تھیں اور کن مراحل سے گزرے تھے۔ سادی خوش ہو رہی تھی اور ساتھ ہی فکرمند بھی۔ اس نے بیتو سے کہا۔ ''تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے دیدی..... آپ ہمارا دیدی ہو..... کوئی بھائی اپنی بہن کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟''

''یہاں سے نکلنا بہت مشکل کام ہے۔''

''شوبی دو بار پہلے یہ مشکل کام کر چکا ہے۔'' بیتو نے فخر سے کہا۔ ''آپ نہیں جانتا شوبی کیا چیز ہے۔''

''مجھے کیوں نہیں پتا..... کیا میں ان کے ساتھ نہیں رہی تم بھول رہے ہو مجھے دو بار گولی لگی تھی۔''

''تعریفیں بس۔'' میں نے کمرے میں آ کر کہا اور بڑے کنور سے پوچھا۔ ''اب ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''میرے رہائشی حصے میں۔'' اس نے کمزور لہجے میں کہا۔ ''سب وہیں ہے..... اسلحہ بھی اور میری دوائیاں بھی۔''

''تم دوائیاں لے کر نہیں آئے تھے؟''

''نہیں جلدی میں رہ گئی تھیں۔''

''تب چلو۔'' میں نے کہا اور دونوں غیر مسلح گارڈز سے کہا۔ ''تم کنور کو سنبھالو گے۔ بیتو اور سادی کنور کے ساتھ ہوں گے۔ رام پال تم ایک آدمی لو اور میرے ساتھ چلو۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''میں راستہ کلیئر کرنے جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور رام پال سے پوچھا۔ ''تمہارے پاس نائٹ ویژن ہے؟''

''میرے پاس ہے۔''

''ٹھیک ہے وہ پہن لو..... دوسرا تمہارے ساتھ ہوگا ہمیں اس فلور کی لائٹ اڑانی پڑے گی۔''

''وہ کیسے؟ فیوز بکس یہاں نہیں ہے۔''

''اس کی فکر مت کرو..... کسی کے پاس سکہ ہے۔''

سب کے پاس کوئی نہ کوئی سکہ تھا۔ میں نے ایک سکہ کمرے کے بلب ہولڈر میں لگا کر اوپر سے انرجی سیور فٹ کر دیا۔ جیسے ہی بٹن آن کیا۔ کمرے کے ساتھ راہداری بھی تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔ اس کمرے کی روشنی بند ہو گئی تھی جس میں یہ پانچوں قید تھے۔ گویا یہ فلور یا راہداری بجلی سے محروم ہو گئی تھی۔ رام پال نے ایک چھوٹی سی نائٹ ویژن گاگلز نکال پہن لی۔ یہ بہت اچھی کوالٹی کی نہیں تھی کیونکہ تاریکی میں یہ کسی بلی کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ہم باہر نکل آئے۔ سیڑھیوں تک آئے یہاں نیچے کے حصے میں فتح خان کے آدمی اور مقامی گارڈز کی لاشیں ایک ڈھیر کی صورت میں جمع تھیں۔ میں نے رام پال کو اشارہ کیا کہ وہ سیڑھیوں کو چیک کرے اور خود سیڑھیوں کے نیچے سے گزرنے والی راہداری کی طرف بڑھا۔ یہ آگے جا کر بائیں طرف مڑ رہی تھی۔ اس طرف روشنی تھی۔ میں نے ایک وال لیمپ کو اتار کر اس میں سکہ رکھ کر بلب لگایا تو یہاں کا فیوز بھی اڑ گیا۔

آگے کوئی نہیں تھا۔ میں رک گیا کچھ دیر میں رام پال بھی اپنے ساتھی کے ہمراہ آ گیا اور ہم اس راہداری کے کمرے چیک کرنے لگے۔ مگر یہ جگہ مکمل طور پر خالی تھی۔ میں نے رام پال سے پوچھا کہ ہمیں کہاں جانا ہے تو اس نے مجھے بتایا کہ اس راہداری سے نکلنے کے بعد ہم دائیں طرف جائیں تو بڑے کنور کے لیے مخصوص حصے تک پہنچ جائیں گے۔ میں نے اسے کہا کہ وہ جا کر بڑے کنور کو لے آئے تب تک میں اس کے ساتھی کے ہمراہ یہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکتا ہوں۔ رام پال چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اس کے آدمی کو وہیں چھوڑا اور خود دبے قدموں آگے کی طرف بڑھا۔ یہ راہداری آگے جا کر پھر دو حصوں میں بٹ رہی تھی۔ میں نے جھانک کر بائیں طرف دیکھا وہاں روشنی تھی۔ ہمیں اسی طرف جانا تھا۔ میں کونے پر رک گیا۔ چند منٹ بعد رام پال باقی سب کو لے کر آ گیا۔ وہ اور بیتو سب کی رہنمائی کر رہے تھے کیونکہ اس تاریکی میں وہی دیکھ سکتے تھے۔ میں نے بیتو سے پوچھا۔

''جب میں بڑے کنور سے بات کر رہا تھا تب تم نے کہا تھا کچھ لوگ اس طرف آ رہے ہیں۔''

''شوبی وہ کم سے کم تین آدمی تھا وہ موڑ تک آیا مگر جب ہم نے آپ کو خبردار کیا تو وہ پیچھے ہٹ گیا اور دوبارہ نہیں آیا۔''

میں فکرمند ہو گیا۔ اگر دشمن سرنگ میں ہمارے پاس آ گیا تھا تو اس طرح جھلک دکھا کر واپس جانے کی کیا تک تھی۔ اسے حملہ کرنا چاہیے تھا جب کہ وہ جانتا تھا کہ ہم یہاں محصور ہیں۔ رام پال نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''سر ہمیں آگے جانا ہوگا..... بڑے کنور کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

میں نے دیکھا وہ بہ مشکل سہارا لیے کھڑا تھا۔ سادی بہرحال اس کی بہن تھی اور اس سے محبت کرتی تھی۔ وہ بھی اس کے پاس تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''چلو لیکن بہت محتاط رہنا ہوگا۔''

میں اور رام پال آگے تھے۔ منشی ہمارے ساتھ تھا۔ جب کہ بیتو اور رام پال کے دو مسلح ساتھی عقب میں تھے۔ وہ پشت کی حفاظت کرتے چل رہے تھے کیونکہ دشمن کسی بھی طرف سے آ سکتا تھا۔ مجھے ذرا خوش فہمی نہیں تھی کہ رامن نے اس عمارت کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔ یہیں وہ ہیرے تھے جو اس سارے فساد کی جڑ تھے۔ جہاں راہداری گھوم رہی تھی میں نے رام پال سے پوچھا۔ ''بڑے کنور کے حصے تک جانے کا اور کوئی راستہ ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''صرف یہی ایک راہداری جاتی ہے۔ اس پر بھی سخت سکیورٹی ہوتی ہے۔ آخری حصے میں خاندان کا کوئی فرد بھی بغیر اجازت اور چیک کے نہیں جا سکتا ہے۔''

بڑے کنور کو سب سے زیادہ خطرہ خاندان والوں سے ہی تھا۔ راج کنور اس کا بھائی تھا اور منشی رشتے دار تھا اور دونوں اسے دنیا سے رخصت کر دینا چاہتے تھے۔ میں اور رام پال محتاط قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہماری رائفلوں کا رخ سامنے کی طرف تھا اور ہم ایک سیکنڈ کے نوٹس پر فائر کرنے کے لیے تیار تھے۔ ایک جگہ دو گارڈز کی لاشیں اپنے ہی خون میں غلطاں پڑی تھیں۔ ان کے پاس سے گزر کر ہم اس چھوٹے دائرے نما ہال میں داخل ہوئے جس کے تین اطراف میں کمرے تھے اور ان میں وسط والا کمرا بڑے کنور کا خاص کمرا تھا۔ یہاں بھی تباہی کے آثار تھے اور جا بجا ملبہ بکھرا ہوا تھا۔ شاید یہاں بھی جنگ ہوئی تھی۔ وہاں روشنی تھی اس لیے سب نے نائٹ ویژن آف کر دیں۔ ابھی تک ہمیں کہیں مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ ہم سب ہال میں آ گئے اور بڑا کنور اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا کہ میں نے اسے روکا۔ ''نہیں پہلے چیک کرنے دو۔''

رام پال آگے بڑھا تھا کہ منجمد ہو گیا۔ ایسا لگا جیسے اسے کچھ نظر آیا ہو۔ میں نے تقلید کی اور فوراً ہی مجھے وہ چیز نظر آ گئی۔ یہ ہال کے تقریباً وسط میں رکھا ایک گھی کے پانچ کلو کے ڈبے کے برابر کا ڈائنامائٹ بنڈل تھا جس کے ساتھ ایک سرکٹ منسلک تھا اور بیٹری سمیت سب واضح تھا۔ میں پلٹنے لگا تھا کہ مجھے رامن کی مکروہ آواز سنائی دی۔ ''نہ..... نہ شہباز..... مزید کوئی حرکت مت کرنا ورنہ میں ریموٹ کا بٹن دبا دوں گا اور اس جگہ موجود کوئی فرد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندہ نہیں رہے گا۔ تم سب میری نظروں میں ہو اس لیے کوئی بھی حرکت نہ کرے۔"

"تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔"

"اچھا تمہارے پیچھے موجود منشی خاموشی سے سرک رہا ہے اسے روکو اگر مرنا نہیں چاہتے ہو تو....."

میں نے مڑ کر منشی کو دیکھا تو وہ فوراً ساکت ہو گیا تھا۔ رامن نے درست کہا تھا۔ "تم نے اسی لیے اپنے آدمیوں کی جھلک دکھائی تھی کہ ہم اوپر آ جائیں؟"

"ہاں اور تم میری توقع پر پورے اترے۔" اس نے کہا۔ "شہباز میں صرف ایک منٹ دے رہا ہوں۔ اپنا تمام اسلحہ پیچھے گیلری میں پھینک دو۔"

میں ٹریپ در ٹریپ کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔ ایک ٹریپ سے نجات پاتا تو دوسرے میں پھنس جاتا۔ منشی کے مقابلے میں رامن زیادہ خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے بہت چالاکی سے ہمیں پھانسا اور وہاں آنے پر مجبور کر دیا جہاں وہ ہمیں اور خاص طور سے بڑے کنور کو دیکھنا چاہتا تھا۔ یہاں اس نے ہمارے استقبال کے لیے ایک بم ٹریپ رکھا تھا اور خود کہیں دور بیٹھ کر وہ اب ہمیں مجبور کر رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "رامن اگر تم نے اس بم کو اڑا دیا تو ہم سب مر جائیں گے پھر تم وہ ہیرے کس طرح حاصل کرو گے۔"

"ابھی راج کنور ہے۔" رامن نے لاپروائی سے کہا۔ "میں اس کی مدد سے ہیرے حاصل کر لوں گا۔"

"اسے سیف کا کمبی نیشن نہیں معلوم ہے۔"

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ راج کنور کو لازمی معلوم ہو گا اور اگر اسے بھی علم نہیں ہوا تب بھی میں اس سیف کو لے جاؤں گا اور آج کل ٹیکنالوجی بہت ترقی کر چکی ہے میں اسے کھلوا لوں گا۔ بہر حال تم سیف اور ہیروں کی نہیں اپنی فکر کرو..... میں دیکھ رہا ہوں تم میں سے کسی نے ہتھیار نہیں پھینکے ہیں میں اب دس تک گنوں گا اور پھر بوم..... ایک دو تین چار....."

میں نے اپنی رائفل پھینک دی پھر باقی سب نے بھی میری پیروی کی۔ ہم نے اتنی زور سے پھینکی تھیں کہ وہ سرکتی ہوئی گیلری میں چلی گئیں۔ رامن نے کہا۔ "پستول بھی تم سب کے پاس پستول ہوں گے۔"

"صرف دو پستول ہیں۔" میں نے کہا اور اپنا پستول پھینک دیا۔ بیتو نے میری تقلید کی۔

"او کے تم سب سر ہاتھ پر رکھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور اب کسی کے پاس سے پستول یا کوئی بھی ہتھیار نکلا تو وہ اسی سے مارا جائے گا۔"

"او کے..... او کے۔" میں نے دل ہی دل میں اس مکار آدمی کو سناتے ہوئے سادی سے کہا۔ "پستول پھینک دو کسی کے پاس کوئی چاقو ہے تو وہ بھی پھینک دو ورنہ اپنی موت کا خود ذمے دار ہو گا۔"

اس بار سادی نے پستول اور رام پال نے ایک بڑا فوجی چاقو نکال کر پھینکا تھا۔ یہ شاید اس کے پاس رہ گیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ سب نے حکم کی تعمیل کی اور سروں پر ہاتھ رکھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ رامن نے سادی اور بڑے کنور کو بھی رعایت نہیں دی اور انہیں بھی اسی طرح بیٹھنا پڑا۔ چند منٹ بعد گیلری کی طرف سے چار مسلح افراد برآمد ہوئے اور انہوں نے ہال میں چاروں طرف اس طرح پوزیشن سنبھال لی کہ کوئی فرد یا اس کی حرکت ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ پھر دو افراد آئے۔ نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے بھی ان لوگوں کو دیکھ چکا تھا۔ آنے والے دونوں سب کی مکمل جامع تلاشی لینے لگے۔ وہ کوئی جگہ نہیں چھوڑ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک سادی کی طرف بڑھا تو میں نے کہا۔ ''رامن سعدیہ کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔''

''ٹھیک ہے پھر اسے شوٹ کر دیتے ہیں۔'' رامن نے سرد لہجے میں جواب دیا تو سادی کا رنگ اڑ گیا تھا۔ میں نے مجبوراً سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے لیکن اپنے آدمیوں سے کہو صرف تلاشی لیں مجھے مشتعل کرنے والا کوئی کام نہ کریں ورنہ ایسا نہ ہو تم ان کی وجہ سے ہیروں سے محروم ہو جاؤ۔''

''تم فکر مت کرو وہ صرف تلاشی لیں گے۔''

سادی کی تلاشی لینے والے نے اس کو بھی پوری طرح ٹٹولا تھا مگر اس کے انداز میں بدمعاشی نہیں تھی اور نہ ہی اس نے غیر ضروری طور پر اسے دیر تک چھوا۔ اس کے باوجود سادی کے لیے یہ صبر آزما مرحلہ تھا۔ دس منٹ میں یہ مرحلہ بھی مکمل ہو گیا۔ کسی کے پاس سے کچھ نہیں نکلا تھا۔ بڑے کنور کے ڈھیلے چوغے کو بھی اچھی طرح ٹٹولا گیا تھا۔ اس کی قیمتی لکڑی اور ہاتھی دانت کے دستے کی بنی چھڑی ایک اچھا ہتھیار ہو سکتی تھی مگر تلاشی لینے والے نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ بڑے کنور کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اسے استعمال کر سکتا۔ وہ بہ مشکل گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا اور اچانک ہی وہ نیچے لڑھک گیا۔ سادی نے فکرمندی سے کہا۔ ''آپ ٹھیک ہیں؟''

میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''رامن بڑے کنور کی حالت خراب ہو رہی ہے اسے دوا کی ضرورت ہے جو اس کے کمرے میں ہے۔''

''فکر مت کرو یہ مرے گا نہیں۔'' رامن نے کہا۔ وہ اپنے طریقہ کار سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تلاشی لینے کے بعد اس کے آدمی ہمارا اسلحہ سمیٹ کر لے گئے اور چار مسلح افراد اسی طرح ساکت اور چوکس کھڑے تھے۔ وہ پیلس کے گارڈز میں سے نہیں تھے بلکہ منشی کے ان ساتھیوں میں سے تھے جنہوں نے اب منشی کے بجائے رامن کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ اپنے فیصلے پر ذرا بھی شرمسار نہیں تھے۔ ان کے پاس ضمیر نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ ان میں سے کسی نے منشی سے نظریں چرانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ وہ خود سہما ہوا تھا۔ منشی ذہین آدمی تھا اور یقیناً کسی قدر حوصلہ مند بھی تھا لیکن حوصلہ بس اس وقت تک تھا جب تک حالات اس کے قابو میں تھے۔ جہاں حالات اس کے قابو سے نکلے اس کا حوصلہ جواب دے گیا۔ کچھ دیر پہلے تک اس کی حالت اس بھیڑ کی سی ہو رہی تھی جس نے قصائی کو دیکھ لیا ہے اور اس امید میں ہو کہ آج اس کی باری نہیں آئے گی۔

مگر اب وہ پُرسکون تھا حالانکہ معاملہ رامن کے ہاتھ میں چلا گیا تھا اور وہ اس کا حریف تھا۔ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ مگر اب منشی اتنا خوف زدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسلحہ سمیٹ کر جانے والے چند منٹ بعد ہی رامن کے ساتھ لوٹ آئے۔ اس کے ہاتھ میں ایک ریموٹ نما آلہ تھا۔ اس نے بم کی طرف اس کا رخ کر کے چند بٹن دبائے اور اس کے سرکٹ پر جلنے بجھنے والی ایل ای ڈیز بند ہو گئیں۔ گویا بم ڈی ایکٹی ویٹ ہو گیا تھا۔ مگر یہ چند لمحے یہاں موجود افراد پر بہت بھاری گزر رہے تھے کیونکہ اگر غلطی سے کوئی اور بٹن دب جاتا تو ہم پچھتانے سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جاتے۔ رامن کے ساتھ چھ افراد تھے اور مزید درجن افراد دوسری جگہوں پر تھے۔ اس نے آتے ہی خونی نظروں سے منشی دل جی کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں بولا۔ ''منشی بازی الٹ گئی ہے اب یہ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ میں ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" منشی لاپروائی سے بولا۔ "لیکن ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو۔"

میرے ساتھ رامن بھی چونکا تھا۔ رامن نے غرا کر کہا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"جلد تمہیں پتا چل جائے گا۔"

"کیوں نہ میں تمہیں جلد نرکھ بھیج دوں۔" رامن نے جیکٹ سے پستول نکال کر اس کا رخ منشی کی طرف کیا تو وہ اس بار بھی پُرسکون رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"ضرورتا کہ تم بڑے کنور کی مدد سے بھی سیف نہیں کھلوا سکو گے۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" رامن بولا۔

منشی نے حقارت سے اسے دیکھا۔ "تم ایک دو ٹکے کے سرکاری ملازم اگر تمہیں کنور پیلس کا انتظام مل گیا تو تم نے خود کو کچھ سمجھنا شروع کر دیا۔ تم ساری عمر بھی یہاں رہو تو اس جگہ کے بارے میں وہ نہیں جان سکتے جو میں جانتا ہوں۔"

"او کے اگر میں تمہارے سر کے بجائے گھٹنے میں سوراخ کر دوں تو تم یہ کویتا (شاعری) چھوڑ کر سیدھی بھاشا میں بات کرو گے۔"

"سیدھی بھاشا میں بات یہ ہے کہ سیف کھولنے کے لیے تین کمبی نیشن درکار ہوتے ہیں۔ ایک بڑے کنور کے پاس ہے دوسرا سادھنا کے علم میں تھا لیکن بڑے کنور نے اس سے حاصل کر لیا۔"

"تیسرا کمبی نیشن راج کنور کے پاس ہوگا۔" میں نے کہا۔ "لیکن منشی نے اسے حاصل کر لیا ہے۔"

منشی دل جی میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "شہباز جی تمہاری ذہانت پر مجھے کبھی شبہ نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ میں تمہارے ساتھ خوف زدہ تھا کیونکہ تمہارے پاس مجھے زندہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ تم بلاوجہ کسی کو نہیں مارتے ہو۔ اس سے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" اس نے پھر حقارت سے رامن کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ گڑ گیا تھا۔ اس نے پھر پستول منشی کی طرف کیا۔

"اس کے باوجود میں تمہارے سر میں سوراخ کر سکتا ہوں۔"

"اور اس کے بعد ان احمقوں کے کیا جواب دو گے جو صرف ہیروں کے لالچ میں تمہارے جیسے گدھے کے ساتھ شامل ہوئے۔ رامن یہ میرا منصوبہ تھا اور مجھے اس کے ایک ایک حصے کا علم ہے۔" منشی نے ان کی طرف اشارہ کیا جو پٹڑی بدل کر رامن کے ساتھ مل گئے تھے۔

رامن کے چہرے پر تفکر کے آثار نظر آئے تھے۔ میں منشی جی کے دہلے پر حیران تھا۔ اس نے اصل پتا اپنے ہاتھ میں رکھا تھا اور مجھے اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ میرے لیے یہ پتا بے کار تھا۔ اس نے رامن کے لیے بچا کر رکھا تھا اور موقع آنے پر اس کے سامنے پھینک دیا تھا۔ ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ ان افراد کے انداز میں بھی تبدیلی آئی تھی جو اصل میں منشی کے ساتھ تھے مگر اب رامن کے ساتھ تھے۔ وہ رامن کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کا انداز اتنا چوکنا نہیں رہا تھا۔ ان میں وہ ہٹا کٹا سیاہ فام بھی شامل تھا جو منشی کا سیکنڈ ان کمانڈ تھا اور اس کے آدمیوں کو وہی کنٹرول کر رہا تھا۔ اب وہ بھی رامن کے ساتھ تھا اور اس کے آدمی بھی رامن کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ رامن سوچ میں پڑ گیا تھا۔ منشی دل جی نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اب بھی کھیل میں شامل تھا اس سے باہر نہیں ہوا تھا۔

یہ اس لحاظ سے اچھا ہوا تھا کہ صورت حال میں اچانک تبدیلی سے رامن اپنے طے شدہ پلان پر عمل کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اب اسے منشی کو بھی شامل کرنا تھا۔ اب میں سمجھا تھا کہ منشی اور رامن کیوں مجھے اور سادی کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔ بہ ظاہر ہم ان کے لیے بے کار تھے اور وہ بے کار چیزیں رکھنے کی بجائے انہیں پہلی فرصت میں ٹھکانے لگانے کے قائل ہیں۔ سادی کے پاس ایک کمبی نیشن تھا اور اگر بڑا کنور آسانی سے نہیں مانتا تو سادی کی مدد سے اس پر دباؤ ڈالا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف میرے ذریعے سادی کو دباؤ میں لایا جا سکتا تھا۔ پھر بیتو کی مدد سے مجھ پر دباؤ ڈالا جا سکتا تھا۔ منشی اور رامن اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے ہماری زندگی کی زنجیر برقرار رکھی تھی۔ ایک بار سیف کی دولت ان کے ہاتھ میں آ جاتی تو وہ اس زنجیر کو ایک بار ہی ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے تھے۔

رامن سے بات کر کے منشی دل جی خاموش کھڑا تھا۔ اس نے پھر کچھ کہنے یا رامن سے سوال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اب ضرورت مند رامن تھا وہ نہیں۔ مگر رامن کے ذہن میں اب بھی ابہام تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ امید تھی۔ اس نے منشی کی طرف دیکھا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تم سے وہ کمبی نیشن نہیں نکلوا سکتا؟''

''تم ایسا کر سکتے ہو، تم میرے جسم کو تشدد کا نشانہ بنا سکتے ہو اور میں تشدد برداشت کرنے والا آدمی نہیں ہوں۔ لیکن اگر تمہیں تشدد کے لیے میرا جسم ہی نہ ملے تو تم کیا کر لو گے؟''

رامن چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

منشی دل جی نے اپنا منہ کھول کر دکھایا۔ ''یہ دیکھو میرے منہ میں کیا ہے۔''

اس کی زبان پر ایک چھوٹا سا شیشے کا کیپسول تھا۔ اس میں کوئی سیال بھرا ہوا تھا۔ اس نے دکھا کر منہ بند کر لیا اور اسے واپس جبڑے اور گال کے درمیان کر کے بولا۔ ''اس میں سائنائیڈ ہے۔ دنیا کا خطرناک ترین زہر، مجھے بس کیپسول توڑنا ہوگا اور میں ایک سیکنڈ میں مر جاؤں گا۔ پھر تم میری لاش پر تشدد کر کے پوچھتے رہنا۔''

''تم بلف کر رہے ہو۔'' رامن نے بے یقینی سے کہا۔ ''اس قدر خطرناک چیز تم منہ میں لیے پھر رہے ہو۔ اگر غلطی سے یہ تمہارے پیٹ میں چلا گیا تو.....؟''

''میں نے اسے ابھی منہ میں لیا ہے اس سے پہلے یہ میرے لباس میں تھا اور اگر یہ غلطی سے بھی پیٹ میں چلا گیا تب بھی بہت کم امکان ہے یہ اندر ٹوٹے گا۔ جب تک میں اسے چباؤں گا نہیں میں محفوظ ہوں لیکن اسے چبانے میں سیکنڈ کا دسواں حصہ لگے گا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو، کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں تم پر قابو پا لوں گا؟'' رامن بدستور شک میں تھا۔

''نہیں یہ میں نے برے وقت کے لیے رکھا ہے۔ میں ناکام رہتا تو بڑے کنور کے ہاتھ آنے کی بجائے اسے چبانے کو ترجیح دیتا۔'' منشی دل جی نے کہا۔ ''عذاب سے اور سسک کر مرنے سے بہتر ہوتا میں اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتا۔''

منشی نے ثابت کر دیا تھا کہ اس نے واقعی ہر پہلو مدِ نظر رکھا تھا۔ یہ اسی کا منصوبہ تھا۔ رامن طفیلیے کے طور پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شامل ہوا تھا۔ اس کے پاس اب دو ہی راستے تھے یا تو وہ منشی کا تعاون حاصل کر لیتا یا پھر ہیرے بھول جاتا لیکن اس صورت میں وہ ان خون خوار لوگوں کو کیا جواب دیتا جو صرف دولت کے لالچ میں اس کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ اگر انہیں دولت نہ ملتی تو وہ رامن کی بوٹیاں نوچ لیتے۔ اس کے پاس واحد راستہ منشی کو ساتھ ملانے کا تھا لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ میرے سامنے ایک اور کھیل شروع ہو گیا تھا اور میں اسے دل چسپ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ اس میں میرے ساتھ سادی اور بیتو کی زندگی بھی داؤ پر لگی تھی۔ ہاں یہ کھیل جتنا الجھتا ہماری زندگی کے امکانات اتنے ہی بڑھ جاتے۔ سادی نے بڑے کنور کو سنبھال کر اٹھا لیا تھا۔ اس نے رامن سے کہا۔ ''ان کو دوا کی ضرورت ہے۔''

''فکر مت کرو اگر کچھ دیر دوا نہ ملی تو یہ مرے گا نہیں۔'' رامن نے نفرت سے کہا۔ ایسا لگ رہا تھا اسے بڑے کنور سے کوئی خاص پرخاش ہو حالانکہ بڑے کنور نے ایک بار اسے معاف کیا تھا اور اسے پیلس کا منتظم بھی بنایا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو رامن کو پیلس سے لات مار کر نکال چکا ہوتا۔ اس کے برعکس رامن کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اس کے خلاف کوئی عناد دبائے بیٹھا ہے اور اب اسے موقع مل رہا تھا۔ گرنے کے بعد بڑے کنور کا ہڈ سر سے ہٹ گیا تھا اور اس کا چہرہ نمایاں تھا جس پر سانپ جیسی دھاریاں تھیں اور وہ خاصا خوفناک لگ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ منشی اور رامن کے آدمی اسے دہشت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی انسان نہیں بلکہ زہریلا سانپ ہو۔ انہوں نے ایسا انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ رامن اور منشی اسے دیکھتے رہے تھے۔ میں نے رامن سے کہا۔

''تمہارے احساسات اپنی جگہ لیکن اگر یہ بے ہوش ہو گیا یا طبیعت زیادہ خراب ہونے سے پرلوک سدھار گیا تو کیا تم کبھی نیشن لینے اس کے پیچھے جاؤ گے۔ تم نے تو غالباً وہاں جانا بھی نہیں ہے۔''

''تم اپنی زبان بند رکھو۔'' رامن نے خون خوار لہجے میں کہا۔ ''ایسا نہ ہو میں پہلے تمہیں نرکھ بھیج دوں۔''

''تمہارا ارادہ تو یہی ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو اوپر والے کی مرضی ہو۔''

''ٹھیک ہے اگر اوپر والے کی مرضی یہی ہے کہ یہ بنا دوا کے مر جائے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''شہباز جی ٹھیک کہہ رہے ہیں اسے دوا دے دو۔'' منشی جی نے کہا۔ ''دیر خطرناک ہو سکتی ہے۔''

''تم اپنا منہ بند رکھو۔'' رامن اس پر الٹ پڑا۔ ایسا لگ رہا تھا اس غیر متوقع صورتِ حال نے اس کی قوتِ فیصلہ متاثر کی تھی۔ وہ سب کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ منشی نے ہٹے کٹے سیاہ فام کی طرف دیکھا۔

''تم اس شخص کے ساتھ مل گئے ہو جس کے پاس فیصلہ کرنے کی قوت ہی نہیں ہے۔''

''رامن جی..... اسے دوا لینے دو۔'' سیاہ فام نے کہا۔ اس کا لہجہ بغیر کسی جذبے کے تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ رامن کو باس نہیں سمجھ رہا ہو۔ بس اس کے ساتھ ہو۔ رامن نے اسے بھی خونخوار نظروں سے دیکھا۔

''بکواس مت کرو یہاں باس میں ہوں۔''

''واقعی۔'' سیاہ فام کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ''اگر ہم منشی کا ساتھ چھوڑ کر تمہارے ساتھ آئے تو تم نے خود کو باس سمجھنا شروع کر دیا۔''

''میں باس ہوں۔'' رامن نے کہا اور اس کا ہاتھ جیکٹ کی جیب کی طرف گیا جس میں اس نے ریموٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا تھا۔ سیاہ فام نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

''نہیں رامن جی..... ہاتھ اوپر رکھو.....''

''تم غداری کر رہے ہو۔'' رامن غرایا لیکن اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔

''میں تمہاری غلطی ٹھیک کر رہا ہوں۔ دیپ اس کی جیب سے ریموٹ نکال لو..... پستول بھی۔''

رامن کے پیچھے کھڑے آدمی نے سیاہ فام کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ تلاشی لینے والوں میں شامل تھا۔ اس بار اس نے رامن کی تلاشی لی تھی۔ پھر سیاہ فام کے اشارے پر رامن ہمارے ساتھ آ کھڑا ہوا میں نے آہستہ سے کہا۔

''اس موقع کے لیے ہمارے ہاں کہتے ہیں، ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز.....''

رامن خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ میں نے منشی کی طرف دیکھا۔ ''یہ تو نرا ایجنٹ ہے، تم پڑھے لکھے شخص ہو اس موقع کے لیے کوئی شعر ہو گا تمہارے ذہن میں.....؟''

''رنگ بدلتا ہے آسمان کیسے کیسے۔'' منشی دل جی نے مسکرا کر کہا۔

''پچھلے دس گیارہ گھنٹوں میں واقعی کچھ زیادہ ہی بدل گیا ہے، میری تو عقل خبط ہو کر رہ گئی ہے۔ حالات کے اتنے گھماؤ پھراؤ میں نے شاید اس پورے عرصے میں نہیں دیکھے جتنے ان چند گھنٹوں میں دیکھ لیے ہیں۔''

''آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔'' منشی دل جی نے پھر اپنے پڑھے لکھے ہونے کا ثبوت دیا۔ منشی دل جی میرے پاس تھا میں نے ذرا جھک کر دھیمی آواز میں کہا۔

''منشی جو لوگ بیک اَپ ٹیم کی دیکھ بھال کے لیے گئے ہیں ان کی واپسی کب تک ہو گی۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولا۔ ''ان کی واپسی نہیں ہو گی وہ اپنا کام کر کے چلے جائیں گے۔''

''اس کے برعکس میرا خیال ہے وہ یہیں آئیں گے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ منشی یوں خاموش اور انجان ہو گیا جیسے اس نے میری بات سنی ہی نہ ہو۔

سیاہ فام نے اپنے ایک آدمی کو بھیج کر بڑے کنور کے کمرے سے اس کی دوائیں منگوا دی تھیں اور سادی اب اسے دوا دے رہی تھی۔ بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ کمانڈ اب سیاہ فام کے پاس ہے۔ کم سے کم یہاں موجود باقی افراد اس کے ساتھ ہی تھے۔ میں نے منشی سے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''اس کا نام جگنو ہے۔'' منشی جی نے کہا۔ ''بمبئی کا مشہور بدمعاش ہے۔ باقی سارے آدمی اس کے ہیں۔''

''یعنی دوسرے آدمیوں پر بھی اسی کا ہولڈ ہو گا۔''

''بالکل..... سوائے رامن کے چار پانچ آدمیوں کے۔''

''ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں دیکھ چکا ہوں یہاں کے گارڈز نکمے اور نااہل ہیں۔''

''مجھ سے زیادہ کون جانتا ہو گا۔'' منشی جی نے کن انکھیوں سے رام پال کی طرف دیکھا۔ ''یہاں موجود سارے گارڈز ایک ہی قبیلے کے اور تقریباً سب آپس میں رشتے دار ہیں۔ ایک نے دوسرے کو رکھوایا اور دوسرے نے تیسرے کو۔''

''یہ تو اس خطے کی خاص بات ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میرٹ کے بجائے اقربا پروری نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں ہر شعبے میں نان پروفیشنل کر دیا ہے۔"

"بس یہ بھی ایسے ہی گارڈز ہیں جنہیں گن اٹھا کر فائرنگ کرنا آتی ہے لیکن جب ان کا واسطہ صحیح معنوں میں پروفیشنل سے پڑا تو یہ سب ڈھیر ہو گئے۔"

"آدمی تو تمہارے بھی کم پروفیشنل نہیں ہیں انہوں نے کیسے کرنل کے انتہائی تربیت یافتہ آدمیوں کو اڑا کر رکھ دیا۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"یہ اس طرح کے پروفیشنل ہیں کہ جان لینا اور دینا دونوں جانتے ہیں۔" منشی جی نے سر ہلایا۔ "اسی لیے کامیاب بھی رہے۔"

"لیکن کرنل کے آدمیوں کو تمہارے آدمیوں کی طرف سے حملے کا خدشہ بھی تو نہیں تھا۔"

"اسی وجہ سے تو آسانی سے مارے گئے۔" منشی بولا۔ "انہوں نے خاموشی سے کارروائی کی اور تمام اسنائپرز اور میزائل چلانے والوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ ان کی جگہ سنبھال کر انہوں نے کارروائی شروع کر دی۔ وہ مہارت میں کرنل کے آدمیوں سے کم نہیں ہیں۔"

میں نے سر ہلایا۔ "ان کی مہارت میں نے دیکھی تھی جب انہوں نے دونوں اے پی سی گاڑیاں اڑا دیں۔ میں خود کئی بار ان کے نشانے سے بال بال بچا۔"

تمہاری یہاں موجودگی حیرت انگیز تھی۔ تمہارے بارے میں یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ تم کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہو یہ خیال کسی کو نہیں تھا کہ تم پکڑ کر کنور پیلس میں پہنچائے جا چکے ہو۔"

"بس قسمت کی بات ہے، دو معمولی ملازموں نے مجھے قابو کر لیا تھا لیکن کیا رامن نے تمہیں میرے بارے میں بتایا نہیں؟"

"اس سے میرا رابطہ نہیں تھا۔ میں اسے حملے سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔" منشی نے رامن کی طرف دیکھا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں شروع سے اس سے خدشہ تھا۔"

"اس جیسے شخص پر اعتبار کس طرح کیا جا سکتا ہے؟" منشی دل جی کے لہجے میں پھر حقارت آ گئی۔

"یہی خیال اس کا بھی ہو گا۔" میں نے کہا۔ "اب ایسا لگ رہا ہے کہ جگنو نے خود سب سنبھال لیا ہے؟"

"یہ بھی اس قابل نہیں ہے۔" منشی نے سرگوشی کی۔

"تب کیا ہو گا؟"

جگنو باہر چلا گیا تھا اور جاتے ہوئے اپنے آدمیوں کو ہوشیار کر گیا تھا۔ اس کے آدمی اس کے حکم کے تابع تھے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ جگنو کس کے ساتھ ہے اس کا اندازہ مجھے اس سے ہوا کہ جگنو کے بدلتے ہی انہوں نے لمحے بھر میں اس کا ساتھ دیا اور ذرا بھی نہیں ہچکچائے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ رامن کے آدمیوں کو ٹھکانے لگانے گیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ مرکزی پیلس کا سامنے والا حصہ تباہ ہو گیا تھا تب یہاں آمد و رفت کیسے ہو رہی تھی۔ میں نے منشی دل جی سے پوچھا۔ اس نے کہا۔ "یہاں ایک راستہ ہے اس سے باہر جا سکتے ہیں۔"

میں نے رامن کی طرف دیکھا۔ "پیلس میں بے شمار عام ملازمین بھی ہیں وہ کہاں ہیں؟"

"ان میں سے کئی مارے گئے ہیں اور باقی بچنے والے جمنازیم کی عمارت میں بند کر دیئے گئے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم ان کی نہیں اپنی فکر کرو۔''

''مجھے تو تمہاری فکر بھی ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ اس دوران میں بیتو سرک کر میرے پاس آ گیا تھا اور کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''شوبی یہ کیسا قلم ہے ہر دو منٹ بعد ولن بدل جاتا ہے۔''

''یہ زندگی کا قلم ہے۔''

''اب ہم کیا کریں۔''

''دیکھیے اور انتظار کریں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے امید ہے ابھی اور بھی بہت کچھ ہوگا۔''

میں نے جان بوجھ کر ذرا بلند آواز میں کہا تھا اور رامن کے ساتھ منشی جی نے بھی چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔ منشی نے کہا۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

جگنو کے آدمی بھی اسی کے علاقے کے تھے لیکن وہ صورت شکل سے بمبئی کے بجائے ساؤتھ کے لگ رہے تھے۔ ''ان کا تعلق ساؤتھ سے ہے؟''

منشی نے سر ہلایا۔ ''ہاں یہ اصل میں مدراس کے ہیں۔ ان کی زبان بھی مدراسی ہے۔ مگر بمبئی میں ان کا گروہ بہت مضبوط ہے۔''

بمبئی انڈیا کا وہ شہر ہے جس میں ہر صوبے کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جیسے پاکستان میں کراچی ہے جس میں ہر صوبے بلکہ آس پاس کے تمام ملکوں کے لوگ بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ جگنو کے ساتھی خاموش اور چوکس تھے۔ دوائی لینے کے بعد بڑے کنور کی حالت بہتر تھی اور اب وہ بغیر سہارے کے خود سے کھڑا تھا۔ جگنو جاتے ہوئے ریموٹ کنٹرول بم بھی باہر لے گیا تھا اگرچہ اس کا سرکٹ آف کر دیا گیا تھا لیکن پھر بھی وہ بم تھا ایک گولی اسے اڑا سکتی تھی اور آس پاس موجود کوئی فرد زندہ نہیں بچتا اس لیے اس کا یہاں سے ہٹا دینا ہی مناسب تھا۔ سچی بات ہے بم کی موجودگی میں میرے اعصاب بھی کشیدہ تھے اور اس کے ہٹائے جانے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ پتا نہیں جگنو اسے کہاں لے گیا تھا۔ کیونکہ جگنو کے ساتھی معمولی حرکت پر کوئی اعتراض نہیں کر رہے تھے اس لیے سادی میرے پاس آ گئی اس نے سہمے لہجے میں کہا۔

''شوبی اب کیا ہوگا؟''

''وہی جو اللہ چاہے گا اور جو اللہ کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے اب تک اسی نے بچایا ہے اور آگے بھی وہی بچائے گا۔''

سادی نے جھرجھری لی۔ ''شوبی پہلا دھماکہ بہت خوفناک تھا مجھے لگا جیسے پورا پیلس گر جائے گا۔ عمارت ایسے لرزی تھی۔''

''ہم نے میزائل مار کر اس عمارت کا سامنے والا حصہ تباہ کر دیا تھا دھماکہ اسی کا تھا مجھے معلوم تھا کہ تمہارا کمرا اندر کی طرف ہے اور تم محفوظ رہو گی۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا؟''

''میرے ساتھ جو خادمائیں تھیں وہ فوراً مجھے نکال کر بڑے بھیا کے پاس لے گئیں۔ تب سے میں ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ تھی۔ پھر اوپر سے فائرنگ کی آواز آئی۔ گارڈز اوپر گئے تو پھر دھماکہ ہوا تب بڑے بھیا نے سیف ہاؤس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔''

''سادی تم بڑے کنور پر کس حد تک اعتماد کر سکتی ہو؟'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''بالکل بھی نہیں۔'' وہ بولی۔

''اس کے کمرے میں موجود سیف کا ایک کمبی نیشن تمہارے پاس ہے کیا تم کو یاد ہے؟''

''ہاں یاد ہے کیونکہ میں نے خود لگایا تھا اور بڑے کنور کی ہدایت کے مطابق اسے بار بار دھرا کر یاد کیا تھا۔''

''پھر تم نے بڑے کنور کو بتا دیا؟''

''نہیں میں نے تو نہیں بتایا۔''

''لیکن منشی جی کا کہنا ہے کہ اسے معلوم ہے۔''

منشی نے سر ہلایا۔ ''بے بی تمہارے لباس میں ایک بٹن نما مائیک لگا تھا جب تم یاد کر رہی تھیں تو یہ مائیک تمہاری آواز بڑے کنور تک پہنچا رہا تھا۔''

سادی نے سرد آہ بھری۔ ''گویا میں شروع سے ان لوگوں کے نزدیک بس ایسے ہی تھی۔''

''لیکن تم ہمارے لیے ایسی ہی نہیں ہو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''آپ لوگوں سے مل کر تو مجھے پتا چلا ہے کہ میں کچھ ہوں۔''

''تم کچھ نہیں ہمارے لیے سب کچھ ہو۔ میری چھوٹی بہن ہو، بیتو کی دیدی ہو، وسیم کی زندگی ہو اور سفیر کی سالی اور کچھ عرصے بعد ایک منے یا منی کی ماما بھی ہو گی۔''

''شوبی.....'' وہ جھینپ گئی۔

''دیدی ہم ماموں بنے گا۔'' بیتو خوش ہو کر بولا۔

''اگر سفیر یہاں ہوتا تو کہتا کہ تم پہلے ہی ماموں بنے ہوئے ہو۔'' میں ہنسا۔ ہم آپس میں بات کرتے ہوئے کچھ دیر کے لیے بھول گئے تھے کہ صورتِ حال کیا ہے۔ بات کرتے ہوئے میری نظر بڑے کنور کی طرف گئی تو وہ جھول رہا تھا۔ اس سے پہلے میں کچھ کرتا وہ اچانک لڑکھڑایا اور نیچے گر کر ساکت ہو گیا۔ سادی اس کی طرف لپکی۔

○.....❖.....○

''کیا ہوا..... بڑے بھیا۔''

میں سادی کے پیچھے تھا۔ میں نے بڑے کنور کو سیدھا کیا تو وہ بے ہوش تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور سانس بے ترتیب تھی۔ میں نے نبض اور دل کی دھڑکن چیک کی تو اسے بھی غیر متوازن ہی پایا۔ جگنو کے آدمی ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے اور جب میں نے پلٹ کر منشی کی طرف دیکھا تو اس کے برابر سے رامن کو غائب پایا۔ اسی لمحے جگنو کے آدمیوں نے بھی محسوس کر لیا۔ ایک چلایا۔ ''وہ بھاگ گیا.....''

''دادا مار ڈالے گا۔'' دوسرے نے کہا۔ ''تم تینوں یہاں رکو میں اسے دیکھتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ باہر نکل گیا اور میں نے منشی سے کہا۔ ''ہیلس کا ڈاکٹر کہاں ہے اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے؟''

''اگر وہ بچ گیا ہے تو جمنازیم والی عمارت میں ہوگا۔'' منشی نے کہا۔

''ان لوگوں کو بتاؤ..... یہ اپنے استاد سے کہیں ڈاکٹر کو جلدی بلاؤ..... ورنہ تم لوگوں کی اتنی جدوجہد اور اتنے لوگوں کا خون رائیگاں جائے گا۔''

منشی نے جگنو کے ایک آدمی سے کہا۔ ''بڑے کنور کی حالت خراب ہے اس کے لیے فوری ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ یہ مر گیا تو ہیرے کسی کو نہیں ملیں گے اور جگنو کسی کو نہیں چھوڑے گا۔''

منشی کی بات سن کر اس کے ماتھے پر شکنیں آ گئی تھیں لیکن اس نے جگنو کو اطلاع کرنے میں دیر نہیں کی۔ اس نے ویسا ہی ایک چھوٹا واکی ٹاکی نکالا جیسا میں نے منشی کے پاس دیکھا تھا اور جگنو کو کال کی۔ پہلے اس نے بڑے کنور کی طبیعت خرابی کا بتایا پھر اس نے اطلاع دی کہ رامن افراتفری کا فائدہ اٹھا کر فرار ہو گیا تھا۔ یہ سن کر جگنو نے اسے یقیناً بے نقط سنائی تھیں کیونکہ موسم گرم نہ ہونے کے باوجود اس کے سیاہ چہرے پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔ وہ ہکلا ہکلا کر اسے بتانے لگا کہ یہ اس کی بھول نہیں تھی۔ پھر اس نے رابطہ کاٹ کر کسی اور کو کال کی کیونکہ کال جا رہی تھی اور آگے والا بندہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ وہ یہاں سے جانے والے کو کال کر رہا تھا اور وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ خیریت سے نہیں تھا۔ یہ بات اس نے بھی محسوس کی اور فوری اس کی اطلاع جگنو کو دی تھی۔ میں نے آہستہ سے بیتو سے کہا۔ ''گڑبڑ شروع ہو گئی ہے شاید ہمیں موقع ملے ہوشیار رہنا۔''

بیتو نے سر ہلایا۔ بہ ظاہر ہم بڑے کنور کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ سادی ہلکی آواز میں رو رہی تھی لیکن موقع کی مناسبت سے اس نے اپنی آواز کسی قدر اونچی کر لی تھی۔ میں نے بیتو سے کہا۔ ''کسی بھی ایسی صورت حال میں تم اپنے پاس والے کو دیکھو گے۔ ہتھیار چھیننے سے زیادہ اسے ناکارہ کرنے کی کوشش کرنا اور یہ بھی کہ وہ گن استعمال نہ کرنے پائے۔''

''ہم سمجھ گیا۔''

''سادی ایسی کسی صورت حال میں تم اس ستون کے پیچھے ہو جاؤ گی۔'' میں نے ہال کے وسط میں لگے آرائشی ستون کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ میری فکر نہ کریں۔'' سادی نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن پلیز شوبی کچھ کریں ورنہ اگر ان کا داؤ چل گیا تو یہ ہم میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔''

''ہم کوشش کریں گے۔'' میں نے کہا اور بیتو کی طرف دیکھا۔ ''لیکن میرے اشارے کے بغیر کچھ مت کرنا چاہے موقع کتنا ہی آسان کیوں نہ لگ رہا ہو۔''

باقی تین پریشان تھے کیونکہ ان کا چوتھا ساتھی نہ تو واپس آیا تھا اور نہ ہی اس نے واکی ٹاکی پر جواب دیا تھا۔ رامن ایک بار پھر عیاری سے بچ نکلا تھا اور وہ اس کام کا ماہر بھی تھا۔ پھر قسمت بھی اس کا ساتھ دیتی تھی۔ مجھے خطرہ تھا کہ رامن نے چوتھے پر قابو پا لیا تھا اور اب وہ مسلح تھا۔ یہ بات ان تینوں نے بھی محسوس کر لی تھی اور اب ان کی توجہ ہم سے زیادہ گیلری کی طرف تھی۔ مگر ان تینوں میں سے کوئی اس طرف جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یقیناً خود کو ایک ساتھ زیادہ محفوظ تصور کر رہے تھے۔ کال کرنے والے نے ایک بار پھر واکی ٹاکی پر جگنو سے رابطہ کیا۔ ''دادا کچھ اور لوگ ادھر بھیجو..... لگ رہا ہے اس نے کالی کو قابو کر لیا ہے۔''

جواب میں وہ جگنو سے مزید ناگفتنی سن کر بے مزہ نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف سے گائیڈ لائن ملتے ہی اس نے اپنے ساتھیوں کو ایک طرف کیا اور ہمیں رائفل کی نال پر آگے کیا۔ وہ ہمیں گیلری کے سامنے لے آئے تھے اور خود ہمارے پیچھے تھے۔ منشی نے بے چینی سے کہا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''سوال نہیں۔'' واکی ٹاکی والا غرایا۔ ''چل ادھر.....''

''منشی کیسے آدمی ہائر کیے ہیں تم نے جو عزت بھی نہیں کرتے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ منشی نے کچھ کہا نہیں۔ اتنا تو میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ہمیں انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ اگر رامن اس طرف سے حملہ کرتا تو پہلے ہم نشانہ بنتے البتہ انہوں نے بڑے کنور کو اسی جگہ پڑے رہنے دیا تھا جہاں وہ موجود تھا۔ مگر رامن نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی اور مجھے اس سے اس کی توقع بھی نہیں تھی۔ بے شک وہ سیاست میں مار کھاتا تھا اور چال نہیں چل سکا تھا لیکن اس میں شبہ نہیں تھا کہ وہ میدانِ عمل کا زیرک کھلاڑی تھا۔ یہاں ایک کے مقابلے میں تین تھے اور گیلری میں چھپنے کی گنجائش کم تھی۔ یہاں وہ آسانی سے مار لیا جاتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کامیاب ہو کیونکہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ اسی سے تھا۔ دس منٹ بعد جگنو اپنے دو آدمیوں اور ایک شخص کے ساتھ نمودار ہوا۔ اس کے پاس میڈیکل بیگ اعلان کر رہا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہے۔ جگنو نے اس سے کہا۔ ''بڑے، کنور کو دیکھ..... اسے کچھ ہوا تو بھی ساتھ ہی پرلوک جائے گا۔''

پھر اس نے منشی کی طرف دیکھا اور اپنے نائب کو گھورا۔ ''اسے یہاں کیوں رکھا ہے؟''

''دادا تم نے کہا تھا.....''

''باقی سب کے لیے کہا تھا اسے ابھی بچانا ہے۔ ابھی وہ آ کر اسے گولی مار جاتا تو سیف تیرا باپ کھولتا؟''

اب واکی ٹاکی والے کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس کے اشارے پر ایک آدمی منشی کو ہمارے پاس سے لے گیا۔ میں نے جگنو سے کہا۔ ''یہ تمہارا خیال ہے کہ وہ ادھر حملہ کرے گا۔''

''سب ادھر ہے تو وہ پھر کدھر حملہ کرے گا۔'' جگنو نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''وہاں حملہ کرے گا جہاں تم نے سوچا نہیں ہوگا اور وہ اپنا کام کر جائے گا۔'' میں نے اس کا طنز نظر انداز کیا۔ ''تم جو بم لے گئے تھے وہ کہاں ہے؟''

''میرے ساتھیوں کے پاس ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''رامن کے ساتھیوں کے ساتھ تم نے کیا کیا؟''

اس نے ہاتھ سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے گہری سانس لی۔ ''اب اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھی اس دنیا سے نہ جائیں تو ان سے کہو بم سے فوراً دور ہٹ جائیں۔''

اس نے الجھی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تو کیا کہنا چاہتا ہے؟''

''ضروری نہیں رامن کے پاس اس بم کا ایک ہی ریموٹ ہو تمہارے آدمی نے اس کی تلاشی تو نہیں لی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگنو اچھل پڑا تھا اس نے جلدی سے وا کی ٹا کی نکال کر ایک نمبر دبایا۔ دوسری طرف سے کال ریسیو کی گئی اور جگنو نے کہا۔ ''بم سے دور چلے جاؤ..... سوال کیوں کرتا ہے کتے.....''

اسی لمحے دور سے دبا ہوا دھماکہ سنائی دیا اور جگنو وا کی ٹا کی پر چلاتا رہ گیا۔ اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا کیونکہ جواب دینے والا اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ جگنو نے وا کی ٹا کی پنچ دیا اور میری طرف آیا۔ اس نے میری جیکٹ کالر پکڑا۔ ''تجھے کیسے پتا چلا؟''

''کیونکہ میں اسے جانتا ہوں۔'' میں نے آرام سے اپنا کالر چھڑایا۔ ''میرا خیال ہے کوئی نہیں بچا ہوگا اور اگر بچ بھی گیا ہوگا تو رامن اسے نہیں چھوڑے گا۔ تم سمجھ لو کہ تمہارے پاس بس یہی پانچ بندے ہیں۔''

جگنو کچھ دیر مجھے گھورتا رہا پھر اس نے میرا کالر چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر بڑے کنور کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بیگ سے ایک انجکشن نکالا اور سرنج میں بھر کر اسے بڑے کنور کی نس میں انجکٹ کر دیا۔ پھر وہ نبض تھام کر گھڑی دیکھنے لگا۔ دو منٹ بعد اس نے جگنو سے کہا۔ ''اب حالت بہتر ہے لیکن انہیں آرام کی ضرورت ہے یہ یہاں پڑے رہے تو ان کی حالت پھر خراب ہو جائے گی۔''

''اسے کمرے میں پہنچا دو۔'' جگنو نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور وہ بڑے کنور کو اٹھا کر اس کے کمرے میں لے گئے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر سمیت وہیں رکا تھا۔ بڑے کنور کو کمرے میں پہنچا کر جگنو میرے پاس آیا۔ ''اب تیرا کیا خیال ہے..... وہ کیا کرے گا؟''

''میں جیوتشی نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''بم کے حوالے سے مجھے خیال آیا تھا کہ اس نے اضافی ریموٹ بھی رکھا ہوگا۔ اس نے اپنا کام کر لیا ہے۔ ممکن ہے جمنازیم میں کچھ آدمی ہوں اس کے۔''

جگنو فکر مند ہو گیا۔ اس نے یقیناً دولت کے چکر میں ٹیک اوور کیا تھا لیکن یہ ٹیک اوور الٹا اس کے گلے پڑ گیا تھا۔ اس کے ستر فیصد ساتھی موت کی نیند سو چکے تھے اور اب وہ پانچ آدمیوں کے ہمراہ کس طرح یہ دولت حاصل کر سکتا تھا۔ جب کہ ابھی بڑا کنور بے ہوش تھا اور منشی کی زبان کھلوانا بھی ایک مسئلہ تھا۔ کیونکہ وہ زہریلا کیپسول منہ میں رکھ کر بیٹھا ہوا تھا اس کے ساتھ زبردستی کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان تمام مراحل سے گزر کر ہی سیف میں موجود دولت تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد یہاں سے نکلنے کا مرحلہ تھا اور یہ بھی آسان نہیں تھا۔ جگنو کے ساتھی ذرا ڈھیلے تھے مگر وہ خود ہماری طرف سے بہت چوکنا تھا۔ اس نے آتے ہی سب کو ٹائٹ کر دیا تھا۔ اب وہ ہم پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ ہمیں واپس ہال کے وسط میں آنے کی اجازت مل گئی تھی اور دو افراد اب گیلری پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

منشی اب بالکل خاموش تھا۔ ایک بار میں نے اسے دیکھا تو وہ غیر محسوس انداز میں کلائی کی گھڑی میں وقت دیکھ رہا تھا اور تب میں نے وقت دیکھا۔ بارہ بجنے میں دو منٹ تھے۔ مجھے یاد آیا کہ بارہ بجے اگر بڑے کنور کی طرف سے سگنل نہ گیا تو اس کا بیک اپ دستہ کنور پیلس کی طرف روانہ ہو جائے گا اور اسے روکنے کے لیے منشی کے آدمی راستے میں گھات لگائے بیٹھے تھے۔ اس دستے سے نمٹ کر وہ واپس پیلس کی طرف آتے۔ اگرچہ منشی نے انکار کیا تھا مگر میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا تھا مجھے یقین تھا وہ یہیں آئیں گے اور منشی کو ان کا ہی انتظار تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کتنی دیر میں آتے لیکن اب اس میں بہت زیادہ وقت نہیں رہا تھا۔ رامن اور اب جگنو اس بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بے خبر تھا۔ سادی ہال میں تھی۔ میں نے جگنو سے کہا۔ ''اسے بڑے کنور کے پاس جانے دو یہ اس کی دیکھ بھال کر سکتی ہے۔''

''یہ ادھر ہی رہے گی دیکھ بھال کے لیے ڈاکٹر موجود ہے۔'' جگنو نے صاف انکار کر دیا۔ اسے رامن کی ہمدردی۔ مجھے جواب دے کر وہ کمرے میں چلا گیا اور میں اسے ڈاکٹر سے کہتے سنا۔ ''یہ کب تک ہوش میں آئے گا۔''

''کچھ کہہ نہیں سکتے..... بڑے کنور کمزور اور بوڑھے ہیں۔ پھر بیمار بھی ہیں اس لیے کچھ کہنا.....'' اس کے بعد ڈاکٹر کی آواز بند ہو گئی۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو جگنو نے اس کے منہ میں پستول کی نال ڈالی ہوئی تھی اور اس کی گھگی بندھی تھی۔ جگنو نے غرا کر کہا۔

''مجھے بکواس نہیں یہ بڈھا ہوش میں چاہیے۔ ابھی دس منٹ کے اندر اسے ہوش نہیں آیا تو تو ہمیشہ کی نیند سو جائے گا..... کیا سمجھا؟''

جگنو نے ڈاکٹر کے منہ سے پستول نکالا تو اس کی جان میں جان آئی مگر فوراً ہی جان پر بن گئی تھی کیونکہ جگنو نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''اگر یہ دس منٹ میں ہوش میں نہ آئے تو اس سالے کو ٹپکا دینا۔''

جگنو میری طرف آیا۔ میں سمجھا کہ وہ کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس نے سادی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ تیری کیا لگتی ہے؟''

''بہن ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''سنا ہے تُو اسے بچانے اور لے جانے آیا ہے؟''

''ایسا ہی سمجھو۔'' میں نے کہا۔

''تب اسے زندہ دیکھنا چاہتا ہے تو جا کر اس حرامی کو مار دے۔''

''رامن کو؟''

''اور کون ہے یہاں..... تیرے پاس آدھا گھنٹا ہے۔'' جگنو بولا۔

میں پریشان ہو گیا۔ ''میں کیسے مار سکتا ہوں اور مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں ہے؟''

''نہیں پتا تو جا کر تلاش کر، اسے بھی تیرے بارے میں نہیں پتا ہو گا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ پھر اس نے اپنے ایک ساتھی سے رائفل لے کر اس کا میگزین الگ کیا اور دونوں چیزیں میری طرف بڑھائیں۔ ''یہ لے اور جا کر اسے تلاش کر..... آدھا گھنٹا گزر گیا تو یہ لڑکی زندہ نہیں رہے گی۔''

میں پچھتایا کہ مجھے رامن کے بارے میں بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ یقیناً اسی وجہ سے جگنو کے خردماغ میں یہ خیال آیا تھا۔ ''میں اتنے بڑے کنور پیلس میں اسے کیسے تلاش کر سکتا ہوں؟''

''یہ تیرا کام ہے ویسے بھی تُو اس کے بارے میں بہت جانتا ہے۔'' جگنو کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''اس کے بارے میں جانتا ہوں یہ تو نہیں جانتا کہ وہ ابھی کہاں ہے؟''

''باہر نکلے گا تو جان لے..... اب جا اور اس کا سر لے آ..... اگر اس کا سر بچانا چاہتا ہے۔'' اس نے سادی کی طرف اشارہ کیا جس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم بھی ساتھ جائے گا۔'' بیتو نے مداخلت کی۔ ''یہ ہمارا بھی دیدی ہے۔''

''نہیں تم یہیں رہو۔'' میں نے عجلت میں کہا اور آنکھ سے بیتو کو اشارہ بھی کیا۔ وہ سمجھ کر چپ ہو گیا۔ میں نے جگنو سے رائفل اور اس کا میگزین لے لیا۔ ''وہ میرا بھی دشمن ہے اور میں اسے مارنے کی پوری کوشش کروں گا لیکن تم یہ آدھے گھنٹے والی شرط مت رکھو..... اور مجھے ایک واکی ٹاکی بھی دو میں تم سے رابطہ رکھوں گا۔ واکی ٹاکی سے تمہیں اطمینان رہے گا کہ میں یہیں ہوں کہیں بھاگا نہیں ہوں۔''

جگنو نے سوچا اور سر ہلاتے ہوئے ایک واکی ٹاکی میری طرف بڑھا دیا۔ ''ٹھیک ہے پر بھاگنے کی سوچنا بھی مت۔''

''مجھے ایک چاقو بھی چاہیے۔''

بادلِ ناخواستہ جگنو نے میرا یہ مطالبہ بھی پورا کیا۔ اس نے ایک آدمی سے چاقو لے کر میرے حوالے کیا۔ میں نے چاقو موزے میں اڑس لیا اور جگنو سے کہا۔ ''ہوشیار رہنا تم بے شک دادا ہو گے مگر وہ بھی بہت خطرناک آدمی ہے، راکا ایجنٹ رہ چکا ہے۔''

''اگر وہ یہاں آیا تو بچ کر نہیں جائے گا۔''

''اگر وہ یہاں آیا تو منہ اٹھائے نہیں آئے گا۔ وہ ایسے آئے گا جس کے بارے میں تم نے سوچا بھی نہیں ہوگا۔'' میں نے میگزین رائفل میں لگانا چاہا تو اس نے روک دیا۔

''یہاں نہیں..... اس گیلری سے نکلنے کے بعد لگانا۔''

''اگر وہ گیلری کے باہر موجود ہوا تو میں میگزین لگاتا رہ جاؤں گا اور وہ مجھے شوٹ کر دے گا۔''

''تب گیلری کے کنارے پہنچ کر لگا لینا پر یہاں نہیں..... کہیں تیرے ذہن میں آتم ہتھیا کا خیال نہ آجائے۔''

''مجھے یہ خیال کبھی نہیں آیا اس لیے زندہ ہوں۔'' میں نے رائفل شانے سے ٹانگ لی اور سادی کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''حوصلہ رکھنا میں آؤں گا۔''

اس نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ میرا حوصلہ ہیں۔''

''بیتو تمہارے ساتھ ہے۔ تم سادی کا خیال رکھو گے۔''

''آپ بے فکر رہو۔'' بیتو نے کہا۔

میں جگنو کے سامنے رکا۔ ''دادا تم اگر میرے بارے میں جانتے ہو تو امید ہے تم مجھے اپنا دشمن بنانے سے گریز کرو گے۔''

''اپن کو بھی دشمن پالنے کا شوق نہیں ہے تُو جا.....'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ میں گیلری میں آگے بڑھا اور اس کے سرے تک آتے ہوئے رائفل سے میگزین لگا لیا تھا۔ گیلری سے باہر آتے ہی میں نے رائفل سامنے کر لی تھی۔ یہ خاصا سنسنی خیز مرحلہ تھا کیونکہ رامن کی یہاں موجودگی کا بہت زیادہ امکان تھا۔ وہ یہاں سے جا ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ یہاں وہ دولت تھی جس کے پیچھے یہ سب دیوانے ہو رہے تھے۔ میں محتاط قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ بارہ بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔ ایک جگہ سے گزرتے ہوئے میں نے کھلے دروازے سے دیکھا یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک چھوٹی نشست گاہ تھی اور اس کی وسطی میز پر تازہ پھل اور پانی موجود تھا۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا اور پانی بھی کم نصیب ہوا تھا میں نے اندر آ کر دو عدد سیب لیے اور پانی کا ایک گلاس پی کر آگے روانہ ہو گیا۔ فی الحال میں سیب نہیں کھا سکتا تھا کیونکہ میری ساری توجہ آس پاس تھی۔ دس منٹ میں، میں نے مرکزی پیلس کا یہ سارا حصہ دیکھ لیا۔ رامن یا کوئی دوسرا فرد یہاں نہیں تھا۔ اب مجھے باہر جانا تھا۔ میں نے واکی ٹاکی پر جگنو سے رابطہ کیا۔

''وہ یہاں پیلس میں نہیں ہے میں باہر جا رہا ہوں، منشی سے پوچھ کر مجھے باہر جانے والا راستہ بتاؤ۔''

جگنو نے منشی جی سے پوچھا اور اس نے بتایا تو مجھے خود بھی یاد آ گیا یہ وہ راستہ تھا جس سے مجھے عقب میں واقع کلینک اور جمنازیم کی عمارت میں لے جایا جاتا تھا۔ میں مختلف راستوں سے ہوتا ہوا اس دروازے تک آیا۔ اسے بم سے اڑا دیا گیا تھا اور اس کی چوکھٹ تک غائب تھی۔ غالباً یہ لاک تھا اور کھولنے کی بجائے حملہ کرنے والوں نے اڑانا مناسب سمجھا۔ میں باہر آیا۔ عمارت کے ساتھ ساتھ پتھروں سے بنی روش گھوم رہی تھی۔ میں اس کے ساتھ چلتا ہوا کونے تک آیا۔ یہاں سے مجھے نیچے واقع گیسٹ پیلس کا اوپری حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ کنور پیلس ایک بڑی پہاڑی ڈھلان پر اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس کی مختلف عمارتیں مختلف سطحوں پر ہیں۔ کنور پیلس اور اس کے ساتھ کلینک اور جمنازیم والی عمارات سب سے اوپر اور بلند ہیں۔ نیچے جاتی ڈھلان کو مختلف حصوں میں بانٹ کر ہموار کیا گیا تھا یوں ایسے قطعے وجود میں آ گئے جو ایک دوسرے سے دس سے بارہ فٹ بلند تھے۔

اس سے نہ صرف سکیورٹی کی گئی تھی بلکہ اس پورے پیلس میں دل کشی اور خوب صورتی پیدا کی گئی تھی۔ میرے سامنے جمنازیم والی عمارت درختوں کے پار تھی اگر کوئی اس کی اوپری منزل پر ہوتا تو مجھے دیکھ سکتا تھا۔ یہاں زیادہ دیر کھڑے رہنا مناسب نہیں تھا۔ میں روش سے اتر کر اس کی طرف بڑھا اور درختوں کی آڑ میں پاس پہنچ گیا۔ بہ ظاہر عمارت میں کوئی ہلچل نہیں تھی لیکن کنور پیلس کے بچ جانے والے افراد اور ملازمین کو یہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ واحد عمارت تھی جو میزائلوں سے بچی ہوئی تھی کیونکہ یہ عام استعمال میں نہیں تھی۔ اس کا داخلی دروازہ صحیح سلامت تھا۔

میں درختوں کی آڑ میں عمارت کے عقبی حصے میں آیا۔ مگر اس طرف سے اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کھڑکیاں تھیں جن پر گرل تھی۔ مجھے آگے سے ہی اندر جانا تھا۔ اس میں رسک تھا کہ رامن نے کوئی ٹریپ لگایا ہو مگر مجھے دیکھنا تو تھا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ گھوم کر اگلے حصے میں آیا۔ اس طرف کھڑکیوں کے پٹ ٹوٹ کر باہر گرے ہوئے تھے جیسے اندر کوئی دھماکہ ہوا ہو۔ دروازے کا ہینڈل گھمایا تو وہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اسے آہستہ سے دھکیلا اور دروازہ کھلتے ہی تباہی کا بھیانک منظر سامنے آیا تھا۔ وہاں کم سے کم آٹھ دس افراد کی ادھڑی ہوئی اور مسخ شدہ لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان کے جسموں سے گوشت اور لوتھڑے الگ ہو کر دیواروں اور چھتوں پر چپکے ہوئے تھے۔ داخلی ہال کی حالت بری تھی۔ فرش میں سوراخ ہو گیا تھا۔ کیونکہ جمنازیم عمارت کے نیچے تھا۔

میں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ وہاں پھیلی خون اور گوشت کی بُو سے میرا دل متلانے لگا تھا۔ اندر آنے پر اندازہ ہوا کہ لاشوں کی تعداد زیادہ تھی شاید جگنو کے باہر موجود سارے آدمی یہیں تھے اور وہ سب دھماکے میں مارے گئے تھے۔ میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا۔ یہ ایک پستول تھا جو ایک عدد ہاتھ کے ساتھ تھا۔ ہاتھ کلائی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الگ ہو گیا تھا۔ میں نے رائفل کی نال سے ہاتھ الگ کیا اور پستول اٹھا لیا اس پر کسی قدر خون لگا ہوا تھا اسے ایک طرف ڈھیر پردے سے صاف کیا اور جیکٹ میں رکھ کر آگے بڑھا۔ میرا اندازہ تھا کہ عام لوگوں کو جمنازیم میں قید کیا گیا ہوگا۔ وہی ایک جگہ تھی جہاں کسی کو قید کیا جا سکتا تھا۔ سیڑھیوں سے نیچے آیا تو جمنازیم کا فولادی دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر موت کا سا سناٹا تھا۔ میرا دل رک سا گیا۔ جہاں زندہ افراد ہوں اور بے شک خاموش ہوں وہاں ایسا سناٹا نہیں ہوتا ہے۔ زندگی اپنا ارتعاش خود رکھتی ہے مگر اس وقت مجھے لگا وہاں کوئی زندہ فرد نہیں ہے۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے جمنازیم میں قدم رکھا اور پھر میرے دانت بھنچ گئے تھے۔

ایک طرف ڈھیر کی صورت میں کنور ہیس کے عام ملازموں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں مرد عورت دونوں تھے۔ ان سب کو سروں میں ایک ایک گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا اور یہ کام یقیناً منشی اور رامن کا تھا۔ یہ پچاس سے اوپر لوگ تھے۔ انہیں با آسانی یہاں قید کیا جا سکتا تھا مگر سفاک قاتلوں نے انہیں بھی نہیں بخشا تھا۔ کنور پیلس کی حدود میں رہنے والے اکثر ملازمین بیوی بچوں والے تھے اور انہیں رہائش ملی ہوئی تھی۔ پتا نہیں ان پر کیا گزری تھی؟ شاید انہیں بھی مار دیا گیا تھا۔ درندے بھی ایسا قتلِ عام نہیں کرتے ہیں۔ مجھے لگا جیسے میری رگوں میں خون کی جگہ کوئی گرم سیال دوڑ رہا ہے۔ اگر منشی، رامن اور جگنو اس وقت میرے سامنے ہوتے تو میں بے دریغ انہیں قتل کر دیتا۔ میں اوپر آیا۔ کلینک والے حصے میں واٹر ڈسپنسر سے پانی پی کر اور سر پر ڈال کر میں نے خود کو ٹھنڈا کیا۔

میں نے خود کو یاد دلایا کہ میری ذمے داری سادی اور بیتو کو بحفاظت یہاں سے نکال لے جانا تھا۔ اس لیے مجھے اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ مجھے دیکھنا تھا کہ پیلس کی حدود میں کیا ہوا تھا اور ابھی کیا ہو رہا تھا۔ میں باہر آیا اور وسطی لان میں لگے سب سے اونچے درخت کی طرف بڑھا۔ یہ کوئی سرو جیسا درخت تھا۔ چھ فٹ کے بعد اس کی دائیں بائیں بے شمار شاخیں نکلی تھیں اور اس کی بلندی کوئی پچاس فٹ تھی۔ میں آرام سے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ درخت کے آخری حصے پر آنے کے بعد آس پاس کا منظر صاف نظر آنے لگا۔ مگر جہاں تک نظر جاتی تھی تباہی و بربادی کے آثار تھے۔ تباہ شدہ گاڑیاں، اسلحہ اور لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ میزائلوں اور بموں نے عمارتوں کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ کئی جگہوں سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا مگر کوئی زندہ یا حرکت کرتی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں تقریباً دس منٹ درخت پر رہا اور میں نے واکی ٹاکی پر جگنو کو اطلاع دی۔

''رامن نظر نہیں آ رہا ہے میرا خیال ہے وہ جان بچا کر یہاں سے نکل گیا ہے۔ وہ اکیلا ہے اور اتنے لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

''پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔'' اس نے عیاری سے کہا۔ ''پرتو نے خیال بدل دیا..... وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ ادھر ہی ہوگا۔''

میں نے ایک بار پھر خود کو ملامت کی۔ ضرورت سے زیادہ بولنا بعض اوقات یونہی گلے پڑ جاتا ہے لیکن اس کی وجہ سے مجھے ایک موقع بھی ملا تھا۔ کنور پیلس کی تمام کمیونیکیشن لائنیں ہم پہلے ہی تباہ کر چکے تھے اور ریڈیائی رابطوں کو جامر نے روکا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جامر سامنے والے حصے میں قید خانے کی عمارت کے پاس کہیں نصب تھا۔ یہیں پیلس کا پاور اسٹیشن تھا اور جامر کو خاصی پاور درکار ہوتی ہے۔ اس کا بیٹری یا اس جیسی کسی چیز سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزارا نہیں ہوتا ہے۔ میں نیچے اترا اور اس طرف روانہ ہو گیا۔ میں مرکزی پیلس کے ساتھ سے گزرا اور گھاس کی دو انگ سطحوں والے تختے عبور کیے۔ بلاشبہ سکیورٹی کے لحاظ سے یہاں ہر ممکن خیال رکھا گیا تھا مگر ضرورت پڑنے پر ان میں سے کوئی چیز کام نہیں آئی تھی۔ نہ آدمی نہ اسلحہ اور نہ ہی الیکٹرانک سکیورٹی۔ گزشتہ ساڑھے دس گھنٹے کے دوران میں یہاں دو سو کے قریب افراد مارے جا چکے تھے۔ بڑا کنور دشمنوں کے نرغے میں تھا اور اس کی وجہ سے سادی اور ہم بھی پھنس چکے تھے۔ نہ وہ سادی کو اغوا کراتا اور نہ ہمیں یہاں آنا پڑتا۔

قید خانے کی تباہ شدہ عمارت کے عقب میں ایک چھوٹی سی عمارت نے میری توجہ حاصل کر لی۔ اس تک بجلی کی موٹی تاریں جا رہی تھیں۔ اس کے اوپر ایک موبائل ٹاور نما کھمبا لگا ہوا تھا اور یقیناً یہی جامر تھا۔ اس کے سامنے کم سے کم چار گارڈز کی لاشیں موجود تھیں۔ وہ جامر کے نگران تھے اور پہلے ان کا خاتمہ کیا گیا تھا۔ میں نے پہلے سن گن لی۔ کنکریٹ کا ایک ٹکڑا دیوار پر پھینک کر مارا۔ جب اس کی آواز پر کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تو میں عمارت کی طرف بڑھا۔ ابھی میں نے اندر قدم رکھا تھا کہ واکی ٹاکی سے بپ ابھری میں نے جلدی سے نکال کر کال ریسیو کی اور برہمی سے بولا۔ ''تم کیوں کال کر رہے ہو اگر رامن آس پاس کہیں ہوا تو وہ بپ سن کر ہوشیار ہو جائے گا۔''

''آدھا گھنٹا ہو گیا ہے۔''

''آدھا گھنٹا تو یہاں ایک سے دوسری جگہ جانے میں لگ جاتا ہے اور تم نے کہا تھا کہ آدھے گھنٹے والی شرط ختم ہے۔''

''اس وقت کہا تھا پر اب ہے۔ تمہارے پاس آدھا گھنٹہ اور ہے۔ اگر ایک بج کر دس منٹ تک رامن یا اس کی لاش کے ساتھ نہ آئے تو یہ لڑکی اور لڑکا دونوں مارے جائیں گے۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ دی۔ میرے اندر گھنٹی بجنے لگی۔ میری غیر موجودگی میں کوئی تبدیلی آئی تھی جس کے نتیجے میں جگنو کا لہجہ بھی بدل گیا تھا۔ کیا انہوں نے سیف تک رسائی حاصل کر لی تھی اور یہ صرف اس صورت میں ممکن تھا جب منشی سے اس کی کوئی ڈیل ہو جاتی۔ عمارت میں ایک سنسناتی آواز گونج رہی تھی۔ میں سوچتے ہوئے جلدی سے اندر آیا اور جامر کے کنٹرول روم میں داخل ہوا۔ یہ خاصا جدید اور طاقتور جامر تھا جس نے آس پاس کی موبائل کمیونی کیشن بلاک کر دی ہوں گی۔ اس کا کنٹرول پینل کمپیوٹرائز تھا اور میری سمجھ سے بالاتر تھا اس لیے میں نے آسان کام کیا وہ سرخ بٹن پش کیا جس پر پاور لکھا ہوا تھا۔ اس کے دباتے ہی سنسناتی آواز رک گئی۔

اب وہاں سناٹا تھا۔ ایک اسکرین پر نظر آنے والی کلر فل لائنیں نیچے آئیں اور پھر ختم ہو گئیں۔ یقیناً جامر نے کام روک دیا تھا۔ میں نے آس پاس دیکھا اور ایک جگہ مجھے پاور سرکٹ بریکر بورڈ دکھائی دیا۔ میں نے اس کا ہینڈل نیچے کیا تو عمارت کی ساری روشنیاں بجھ گئیں۔ میں نے ایک ایک کر کے تمام سرکٹ بریکر نکال لیے اور انہیں جیب میں ڈال کر عمارت سے باہر آیا تھا کہ مجھے دوبارہ اندر جانا پڑا کیونکہ نزدیک ہی کچھ افراد کے بولنے کی آواز آئی تھی۔ وہ اس عمارت کے عقب میں تھے۔ میں نے غور کیا اور تو ایسا لگا وہ آگے جا رہے تھے۔ میں نے احتیاط سے عمارت کے کونے سے جھانکا تو کم سے کم چار افراد مجھے ایک گھاس کے تختے سے نیچے اترتے دکھائی دیئے۔ ان کی پشت میری طرف تھی اور میں صرف اتنا دیکھ سکا کہ وہ میری جیسی جیکٹ اور بلٹ پروف میں تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا وہ ہمارے ساتھی تھے؟ مگر ہمارا کوئی ساتھی آزاد اور زندہ نہیں تھا۔ ان کے غائب ہوتے ہی میں حرکت میں آیا اور گھاس پر تیز قدموں سے دوڑتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں وہ غائب ہوئے تھے۔ یہاں ایک راہداری نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کا فرش اور دیواریں پختہ تھیں لیکن چھت نہیں تھی یہ راہداری ایک دروازے تک گئی تھی۔ جس کی دوسری طرف کی سطح اس سطح سے نیچی تھی۔ اس کا دروازہ بھی غائب تھا۔ کسی گرینیڈ نے اسے اڑا دیا تھا۔ پختہ روش پر بھاری جوتوں کی آواز گونجتی اس لیے مجھے محتاط ہونا پڑا تھا جب میں دروازے تک آیا تو میں نے ان لوگوں کو گھاس میں غائب ہوتے دیکھا۔ منظر واضح نہیں تھا۔ جب میں نے دیکھا تو آخری آدمی نیچے ہو رہا تھا اور اس بار بھی اس کی پشت میری طرف تھی اس لیے میں چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ آوازوں سے بھی مجھے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ کون تھے؟

آخری آدمی کے غائب ہوتے ہی میں اس جگہ آیا جہاں گھاس کا ایک بڑا سا ٹکڑا الگ ہو کر پڑا تھا یہ ایک چوکور تختہ تھا جس پر مٹی جما کر گھاس لگائی گئی تھی اور اسے اس چوکور خلا پر اس طرح جمایا ہوا تھا کہ وہ باقی گھاس سے الگ نظر نہیں آتا تھا۔ میری معلومات میں خفیہ سرنگوں کی طرح ایسا کوئی راستہ نہیں تھا۔ نیچے تاریک خلا تھا اور بہ ظاہر یہ ایک چھوٹی سرنگ لگ رہی تھی۔ کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد میں نے اندر اترنے کا فیصلہ کیا۔ پہلے خانے کے کناروں پر اترا پھر ان پر ہاتھ جما کر دونوں پاؤں سمیٹ کر اندر گیا۔ میں نے ہاتھوں پر زور دیا کہ پاؤں زور سے نیچے نہ لگیں اور آواز نہ ہو۔ خلاف توقع فرش پانچ فٹ سے زیادہ نیچے نہیں تھا۔ میں نے جھک کر آگے دیکھا تو سوائے تاریکی کے اور کچھ نظر نہیں آیا لیکن جیسے ہی نائٹ ویژن کا بٹن دبایا سب نظر آنے لگا۔

یہ ایک کچی سرنگ تھی اس کا فرش اور دیواریں مٹی کی تھیں البتہ چھت پر مٹی روکنے کے لیے لکڑی کے تختے لگائے گئے تھے۔ سرنگ کا آغاز اسی جگہ سے ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سرنگ عجلت میں اور محدود مقصد کے تحت بنائی گئی تھی۔ مجھے آگے جانا تھا۔ میں نے رائفل سنبھالی اور آگے بڑھا۔ ذرا آگے آیا تو مجھے بہت ہلکی سی گونجتی آواز سنائی دینے لگی جیسے آگے جانے والے بات کر رہے ہوں۔ مگر الفاظ اور لہجہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ان لوگوں نے بھی یقیناً نائٹ ویژن کا استعمال کیا تھا کیونکہ یہاں ہلکی سی بھی روشنی نہیں جھلک رہی تھی۔ اگر انہوں نے روشنی کی ہوتی تو مجھے بہت واضح دکھائی دیتی۔ کچی زمین پر آواز پیدا ہونے کا امکان کم تھا۔ بس یہ خطرہ تھا کہ ان میں سے کوئی اگر پیچھے دیکھے اور رک جائے تو میں اس کی نظروں میں آ سکتا تھا۔ سرنگ سیدھی نہیں تھی بلکہ جگہ جگہ سے مڑ رہی تھی بعض جگہوں پر مجھے کنکریٹ بھی نظر آیا جو کسی عمارت کا زیر زمین حصہ تھی اور شاید اسی وجہ سے سرنگ جگہ جگہ سے مڑ رہی تھی۔

ایک جگہ میں مڑنے لگا تو مشکل سے دس فٹ کے فاصلے پر ایک پختہ دیوار میں خلا نظر آیا تھا اور وہ چاروں اس میں جا چکے تھے۔ دوسری طرف بھی اندھیرا تھا لیکن جب میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو یہ پختہ سرنگ ثابت ہوئی تھی۔ دیوار کا خفیہ راستہ ایک عمارت کی سیڑھیوں تلے رابطہ سرنگ میں کھل رہا تھا اور وہ لوگ مرکزی سرنگ میں جا چکے تھے۔ میں باہر آیا۔ سرنگ کا یہ دروازہ خودکار طریقے سے کھلنے اور بند ہونے والا نہیں تھا بلکہ ایک دو بائی تین فٹ کی سلیب دیوار میں اس طرح نصب تھی کہ بہ ظاہر وہ دیوار کا حصہ لگتی تھی اندر سے اسے تاروں کی مدد سے باندھا ہوا تھا کٹر کی مدد سے ان تاروں کو با آسانی کاٹ دیا گیا اور دھکا دینے پر سلیب نکل گئی۔ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس لگانے کی زحمت نہیں کی گئی تھی جیسے انہوں نے گھاس کا تختہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ گویا انہیں اب اس راستے کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ سرنگ میں ان کے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔

میں مرکزی سرنگ تک آیا۔ وہ لوگ مرکزی پیلس کی طرف جا رہے تھے۔ جب وہ ایک موڑ سے مڑ گئے تو میں اس جگہ سے نکلا اور ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ اب تک مجھے ان کی صورتیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ منشی کے آدمی تھے اور شاید وہی ٹیم تھی جسے بیک اَپ ٹیم کو روکنا اور دنیا سے رخصت کرنا تھا تاکہ وہ یہاں کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑائیں۔ وہ اپنا کام کر کے آ گئے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ انہیں کہاں سے اندر جانا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے میں مضطرب ہو گیا۔ اگر یہ اسی طرف جا رہے تھے تو ان کا جگنو اور اس کے آدمیوں سے تصادم لازمی تھا اور اس تصادم میں نہ جانے کون بچتا ہے اور کون مارا جاتا ہے۔ وہاں بیتو اور ساوی بھی تھے۔ ان کا خیال آتے ہی میرے قدم تیز ہو گئے تھے۔ اس دوران میں وہ مجھ سے کوئی سو گز آگے نکل چکے تھے۔ میں نے موڑ سے جھانک کر دیکھا وہ سیف ہاؤس والے ہال سے ذرا پہلے دیوار میں موجود ایک خلا میں داخل ہو رہے تھے اور آخری آدمی بھی اندر جا چکا تھا۔

یہ خلا بھی میرے لیے نیا تھا۔ جب بڑے کنور کو اوپر جانا تھا تب اس نے اس راستے کے بارے میں نہیں بتایا تھا اور بہت مشکل سے تباہ شدہ راستے سے اوپر گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا اس سرنگ میں کچھ راستے ایسے بھی تھے جن کے بارے میں بڑا کنور بھی لاعلم تھا۔ میں دبے قدموں اس راستے تک آیا۔ اسے دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ اسے عجلت میں کچے انداز میں بنایا گیا تھا۔ اس میں صرف بیرونی فنشنگ کا خیال رکھا گیا تھا وہ بھی اسے چھپانے کے لیے۔ اندر تقریباً کچے پلاسٹر سے بنی کھردری سیڑھیاں تھیں۔ اس بار بھی سلیب کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ جہاں یہ سیڑھیاں ختم ہوئی تھیں وہاں بھی اندھیرا تھا اور مجھے لکڑی کے تختے دکھائی دے رہے تھے۔ میں اوپر آیا تو پتا چلا کہ تختے ایک بیڈ کے نیچے لگے تھے۔ فرش میں قالین تلے ایک سلیب اس طرح نصب کی گئی تھی کہ اسے باآسانی اٹھا لیا گیا تھا اور وہ ایک طرف رکھی تھی۔ یہاں آنے والے جا چکے تھے۔

میں بیڈ تلے نکل آیا۔ بیڈ کے نیچے آ کر میں نے سن گن لی اور سناٹا پا کر باہر نکل آیا۔ کمرا تاریک تھا۔ یہاں کی لائٹ اڑی ہوئی تھی۔ میں نے ذہن میں مرکزی کا پیلس کا نقشہ تازہ کیا۔ یہ راستہ اصل راستے سے ذرا پہلے نکلا تھا گویا یہ اس کمرے کی پشت والا کمرا ہونا چاہیے تھا۔ دیکھنے میں یہ خاص آراستہ نہیں تھا یعنی ایسا کمرا نہیں تھا جس میں پیلس کا کوئی فرد یا ان کا مہمان ٹھہرے ایسا لگ رہا تھا یہ دوسری درجے کے افراد کے لیے مخصوص بیڈ روم تھا۔ جانے والے دروازہ بند کر گئے تھے میں نے کھول کر باہر جھانکا۔ یہ پیلس کے سامنے والے حصے کی ایک راہداری ثابت ہوئی۔ راہ فرار کی تلاش میں، میں یہاں تک آیا تھا اسی راہداری کے ایک کمرے سے میں سیب اٹھائے تھے جو اب تک میری جیب میں تھے۔ باہر کے مناظر دیکھ کر میری رہی سہی بھوک بھی مر گئی تھی۔ راہداری خالی تھی اب میں نے تیز قدمی دکھائی اور بڑے کنور کے حصے والی گیلری تک پہنچ گیا۔ وہاں سے تیز آواز میں گفتگو سنائی دے رہی تھی۔ جگنو چلا رہا تھا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''کیوں نہیں کر سکتا۔'' ایک آواز آئی اور پھر ٹھس کی آواز سنائی دی جگنو کی کراہ بلکہ ڈکرانے کی آواز اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے زیادہ نمایاں تھیں لیکن مجھے ان دونوں آوازوں سے کوئی مطلب نہیں تھا میں تو دوسرے آدمی کی آواز سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ وہ فتح خان تھا۔ اس کا لہجہ اور بولنے کا انداز ایسا تھا کہ لاکھوں میں پہچانا جا سکتا تھا اور میں تو کان بند کر کے بھی اس کی آواز شناخت کر سکتا تھا۔ یعنی آنے والے چار آدمیوں میں ایک فتح خان بھی تھا۔ تو کیا میرا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا وہ منشی کی دوسری ٹیم نہیں تھی؟ مگر فوراً ہی منشی کی آواز آئی۔

''خان تم بروقت آئے۔''

''ہم ہمیشہ بروقت آتا ہے..... پر ادھر شہباز خان نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''اس احمق نے اسے ہتھیار دے کر رامن کے پیچھے بھیجا تھا۔'' منشی نے جگنو کے بارے میں کہا مجھے یقین تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔

''برا کیا..... اسے چھوڑنا زندہ شیر چھوڑنے کے برابر ہے۔''

''یہ اس سے واکی ٹاکی پر رابطہ کر رکھے ہوئے تھا وہ پیلس کی حدود میں ہے۔''

''کدھر ہے اس کا واکی ٹاکی۔'' فتح خان نے کہا اور میں نے نہایت پھرتی سے اپنا واکی ٹاکی نکال کر آف کر دیا۔ کچھ دیر بعد فتح خان نے کہا۔ ''اس کا واکی ٹاکی بند جا رہا ہے۔''

''اسے چھوڑو..... بڑا کنور ہوش میں ہے اس سے سیف کھلواؤ اور یہاں سے چلو۔''

''اتنا جلدی کس بات کا ہے اب ادھر کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ باہر بھی کسی کو نہیں پتا کہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔''

''پیلس کی بیک اَپ ٹیم کا کیا ہوا؟''

''وہ بے فکری سے آ رہا تھا اور ایک دھماکے نے ان کو بے فکری سے ادھر بھیج دیا وہ تم لوگ کیا کہتا ہے جہنم رسید۔''

''زبکھ۔'' بیتو نے زبان کھولی۔ ''جدھر تم بھی جائے گا۔''

''چھوٹا لڑکا تم اپنا زبان بند رکھو۔'' فتح خان نے کہا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ ''ادھر کا خیال رکھو..... وہ تمہارا باپ شہباز خان آ گیا تو سب سے پہلے تمہاری..... میں سوراخ کرے گا۔'' فتح خان نے ناقابلِ تذکرہ جگہ کا ذکر کیا۔ ''ان کا ماتھ آنکھ بند کر کے پہرہ دیا تو ان کی طرح ہمیشہ کے لیے سو جائے گا۔''

فتح خان یقیناً جگنو اور اس کے ساتھیوں کا ذکر کر رہا تھا۔ اب کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ سب مارے جا چکے تھے۔ فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے خاموش ہتھیار استعمال کیے تھے اس لیے فائرنگ کا شور بھی سنائی نہیں دیا تھا۔ اس سے پہلے وہ لوگ گیلری کے سامنے نمودار ہوتے میں آڑ میں ہو گیا تھا۔ اچانک مجھے بیتو کے چلانے کی آواز آئی۔ ''دیدی کو چھوڑو۔''

سادی مزاحمت کر رہی تھی۔ فتح خان نے کہا۔ ''خاموش۔''

ٹھک کی آواز آئی سادی چلائی۔ ''یہ تم نے کیا کیا ہے؟''

میرا دل رک گیا کیا فتح خان نے بیتو کو شوٹ کر دیا تھا اور میں آڑ سے نکلنے والا تھا کہ اس کی آواز آئی۔ ''فکر مت کرو کچھ دیر کو سویا ہے۔ بہت بولتا ہے ہم کو بولنے والا بندہ اچھا نہیں لگتا ہے۔ تم ادھر چلو تمہارا برادر سے بات کرے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے تسلی ہوئی اور میں رک گیا تھا۔ فتح خان یا اس کے کسی ساتھی نے بیتو کا سر بجایا تھا ٹھک کی آواز اسی کی تھی۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ فتح خان اسے مارنے کی غلطی صرف ایک صورت میں کر سکتا تھا جب اسے یقین ہو کہ میں اس دنیا میں نہیں ہوں۔ فتح خان کی آواز معدوم ہو گئی تھی وہ سادی کو بڑے کنور کے پاس لے گیا تھا۔ میں نے گھڑی اتار کر اس کا ڈائل باہر نکالا اور ہال کا منظر دیکھنے کی کوشش کی۔ فتح خان کے دو آدمی مستعدی سے ٹہل رہے تھے اور ان کی نظر اسی طرف تھی۔ میں نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ گھڑی کا ڈائل چھوٹا تھا مگر سیاہ رنگ کا تھا اس لیے نظر آ سکتا تھا۔ فتح خان کے ساتھ تین آدمی تھے اور چوتھا وہ خود تھا۔ بیک وقت چار آدمیوں سے نمٹنا جب کہ وہ مستعد بھی ہوں آسان کام نہیں تھا۔ فتح خان کے آنے سے مجھے سادی اور بیتو کی طرف سے اطمینان ہوا تھا۔ اگر اس کی جگہ جگنو، رامن یا منشی کا غلبہ ہوتا تو میں فکر مند ہی رہتا۔ وہ ان تینوں کی طرح میرا اور میرے ساتھیوں کی جان کا دشمن نہیں تھا۔

میں فی الحال کچھ کرنے سے قاصر تھا اس لیے دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ فتح خان اور منشی نے یہاں ہمیشہ تو نہیں رہنا تھا اور وہ ہیرے لے کر یہاں سے نکلتے۔ اگر فتح خان میرے ساتھیوں کو قبضے میں رکھنے کا فیصلہ کرتا تب بھی میں انہیں چھڑانے کی پوزیشن میں تھا۔ اس لیے بلاوجہ محاذ چھیڑنا مناسب نہیں تھا جب کہ ابھی ہیرے ان کے ہاتھ نہیں آئے تھے اور ان کے سروں پر ویسے ہی خون سوار تھا۔ اس کا اندازہ مجھے کنور پیلس میں ہونے والی قتل و غارت گردی سے ہو گیا تھا۔ فتح خان اس میں براہ راست شامل نہیں تھا اور اس کے چند ساتھی مارے بھی گئے تھے۔ ممکنہ طور پر اس کے دو ساتھی وہی تھے جو سرنگ سے ہمارا ساتھ چھوڑ کر غائب ہو گئے تھے۔ لیکن فتح خان اور اس کے ساتھی ابھی کنور پیلس کی بیک اَپ سکیورٹی ٹیم کو مار کر آ رہے تھے۔ اس لیے صاف ان کے ہاتھ بھی نہیں تھے۔ ایک بار وہ دولت حاصل کر لیتے تو ان کا جنون ٹھنڈا پڑ جاتا اور پھر ان سے نمٹنا آسان ہوتا اس وقت وہ بس بھاگنے کی فکر میں ہوتے۔

میں ٹیلری کے ساتھ عقب میں بھی دیکھ رہا تھا۔ مجھے رامن کا خوف تھا کہ کہیں وہ پیچھے سے نہ آ جائے۔ اگرچہ اس کا امکان کم تھا۔ زیادہ امکان یہی تھا کہ وہ کہیں گھات لگا کر میری طرح اندر والوں کا منتظر ہو گا۔ پھر بھی خطرہ تو تھا اور اس کے باوجود میں یہاں سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ اگر میں کسی کمرے میں چلا جاتا تو ہال اور بڑے کنور کے کمرے میں ہونے والی کارروائی سے بے خبر ہو جاتا۔ مجھے زیادہ فکر بیتو اور سادی کی تھی۔ وہ دونوں ہال میں تھے اور وہاں فتح خان کے ساتھی تھے۔ میں سادی کے معاملے میں ان لوگوں پر کوئی بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ بارہا میں نے دیکھا تھا فتح خان کے ساتھی چھٹے ہوئے بدمعاش اور اوباش ہوتے تھے۔ وہ خود بھی کم نہیں تھا۔ مگر میرے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہتا تھا۔ حد یہ کہ جب اس نے سویرا کو حویلی سے نکالا تب بھی اس کی عزت و احترام کا پورا خیال رکھا تھا۔ مگر یہ خیال اس کے ساتھیوں کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں یہاں سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وقفے وقفے سے گھڑی کے ڈائل سے ہال کی نگرانی کر رہا تھا۔ کبھی فتح خان کے دو آدمی نظر آتے اور کبھی تیسرا بھی دکھائی دیتا تھا۔

مگر فتح خان بڑے کنور کے کمرے میں کیا کر رہا تھا اس کا اندازہ کرنا دشوار تھا۔ یقیناً وہ اس سے مذاکرات کر رہا تھا کہ وہ اسے سیف کا کمبی نیشن بتا دے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس میں کتنی دیر لگ سکتی تھی اور اگر بڑا کنور اڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا تو سادی کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔ میری ساری توجہ گیلری اور ہال کی طرف تھی۔ اسی نگرانی کے چکر میں ہمیں اپنے عقب سے غافل ہوا تھا اور اچانک مجھے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو دیر ہو گئی تھی میں نے گھومنا چاہا لیکن کسی ہتھیار کی نال آ کر میرے سر سے لگ گئی اور پھر فتح خان کی آواز آئی۔ ''ناشہباز خانا ہلنا مت۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''تم یہاں کیسے آئے؟''

''جیسے باہر سے ادھر آیا۔ اپنا رائفل اتار کر نیچے ڈال دو، بالکل آرام سے۔''

میرے پاس حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ مختصر سی مدت میں کبھی اتنی بار میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہیں ہوا تھا۔ ''میرا خیال ہے اس طرف سے آنے کا واحد راستہ یہی ہے۔''

''تمہارے دوسرے کئی خیالوں کی طرح یہ بھی غلط ہے۔''

میں نے ہاتھ اوپر کر لیے۔ ''فتح خان تم نے نہ صرف مجھے بلکہ اپنے آقا کو بھی دھوکا دیا ہے۔''

''بے شک.....'' اس نے بلا جھجک تسلیم کر لیا۔ ''ہیروں کے لیے ہم اپنے باپ کو بھی دھوکا دے سکتا ہے۔''

''تم ہم دونوں میں سے کسے اپنا باپ سمجھتے ہو۔'' میں نے اسے اشتعال دلانا چاہا لیکن وہ لومڑی کی طرح مکار اور سرد مزاج شخص تھا۔ اس نے سکون سے جواب دیا۔

''دونوں کو.....اب تم چاقو بھی پھینک دو۔''

اسے معلوم تھا کہ جگنو نے مجھے کون کون سے ہتھیار دیئے تھے۔ میں نے جھک کر چاقو بھی نکال کر پھینک دیا۔ ''اور کچھ.....''

''بس اب آگے چلو۔''

میں آگے بڑھا۔ ''تم شروع سے منشی کے ساتھ اس منصوبے میں شامل تھے؟''

''بالکل.....منشی کو یہ آدمی بھی میں نے دیا.....اسے کیا پتا ان چیزوں کا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا مجھے یاد آ رہا تھا کہ ان میں سے کچھ آدمی وہ تھے جو تم نے میری پہلی انڈیا یاترا میں میری تلاش پر لگائے تھے۔''

''تم ٹھیک پہچانا.....وہ جگنو کا گروپ تھا۔ پر اس بار اس کا دماغ خراب ہو رہا تھا میں نے ٹھیک کر دیا۔''

میں ہال میں پہنچا تو میں نے دیکھ لیا کہ اس نے کیسے جگنو اور اس کے ساتھیوں کا دماغ درست کیا تھا۔ اس نے ان کے سروں میں سوراخ کر دیا تھا۔ وہاں مزید چھ لاشوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''دولت چیز ہی ایسی ہے آدمی کا دماغ خراب کرتی ہے۔''

''میں سب کا دماغ درست کر سکتا ہے۔''

''تم نے جس طرح دوسروں کا دماغ درست کیا ہے اس طرح کوئی تمہارا دماغ بھی درست کر سکتا ہے۔''

''ہمارا قسمت۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ بینو فرش پر یوں دراز تھا کہ اس کا سر سادی کی گود میں تھا۔ ضرب کی شدت سے سر پھٹ گیا تھا اور خون نکل آیا تھا۔ سادی نے اپنا دوپٹا پھاڑ کر اس کے زخم پر پٹی باندھ دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی فتح خان اسے بڑے کنور کے سامنے لے جا رہا تھا مگر پھر کسی وجہ سے اسے یہیں چھوڑ دیا تھا۔ مجھے فتح خان کے ساتھ دیکھ کر سادی مایوس ہوئی تھی۔ میں نے فتح خان کی طرف دیکھا۔ ''تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔''

''ابھی میں اور بھی اچھا نہیں کرے گا۔'' اس نے کہا اور سادی کی طرف دیکھا۔ ''اس کا بھائی شرافت سے نہیں مان رہا ہے لیکن میرے کو پہلے تمہارا فکر تھا۔''

''یہاں سے باہر جانے کا کوئی اور راستہ بھی ہے۔''

فتح خان نے دانت نکالے۔ ''یہ کنوروں کا محل ہے جتنا سامنے نظر آنے والا راستہ ہے اس سے زیادہ نہ دکھائی دینے والا راستہ ہے۔''

''سادی کا اب کنور خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق تو ہے۔'' فتح خان نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''تبھی تو اس نے اسے یہاں بلوایا ہے۔ شہباز اسے لے کر اندر چلو۔'' فتح خان نے سادی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے جھک کر بیتو کو دیکھا۔ اس کی سانس اور نبض ٹھیک تھی۔ مجھے لگا کہ وہ ہوش میں تھا لیکن بے ہوش بنا ہوا تھا۔

''فتح خان اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے اگر اسے کچھ ہوا تو.....''

''تو تم ہم کو نہیں چھوڑے گا۔ بے شک نہ چھوڑو۔'' فتح خان نے فراخ دلی سے کہا۔ ''اب چلو اسے لے کر ورنہ میں اپنا آدمی کو بولتا ہے۔ وہ لے جائے گا۔''

میں نے سہارا دے کر سادی کو اٹھایا۔ ''فتح خان میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں سادی کو اس معاملے میں ملوث نہ کرو ورنہ اس کے بعد شاید ہمارے درمیان کبھی نارمل تعلق نہیں ہوگا۔''

فتح خان کے چہرے پر چند لمحے کو ہچکچاہٹ آئی تھی اور پھر اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ ''شہباز خانا میں یہ رسک لے گا۔ ادھر وادی کے ہیرے سے کہیں زیادہ ہیرا ہے۔''

ہم بڑے کنور والے کمرے میں آئے۔ جہاں وہ بستر پر نیم دراز تھا۔ اس کے چہرے پر نقاہت تھی لیکن وہ ہوش میں تھا۔ ایک طرف ڈاکٹر موجود تھا اور اس کے ساتھ ہی منشی بھی موجود تھا۔ ان سب کی نگرانی کے لیے فتح خان کا ایک آدمی موجود تھا۔ فتح خان کے اشارے پر اس کا آدمی ڈاکٹر کو لے کر کمرے سے چلا گیا اور دروازہ بند کر دیا تھا۔ اب فتح خان نے منشی کی طرف دیکھا۔ اس نے آگے بڑھ کر خوب صورت آتش دان کا ایک ابھرا ہوا پھر دو بار دبایا تو یک دم آتش دان دو حصوں میں تقسیم ہونے لگا۔ یہاں بھی وہی سنسناتی آواز آ رہی تھی جو ہائڈرولک سسٹم کی نشانی ہوتی ہے۔ اس کے پیچھے ایک بڑے فریج کے سائز اور شکل کا سیف تھا۔ اس کے اوپری حصے میں شیشے کی اسکرین تھی۔ منشی نے اس کے نیچے لگا بٹن دبایا تو شیشے پر کی بورڈ ابھر آیا۔ یہ تقریباً پورا کی بورڈ تھا اس میں تمام انگریزی کے حروف تہجی اور علامات تھیں۔ ایک طرف چھوٹا نمبر کی پیڈ تھا۔ فتح خان نے بڑے غور سے کہا۔

''اپنا کمبی نیشن بتاؤ۔''

مگر بڑا کنور خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ میں نے مشورہ دیا۔ ''بہتر ہے اب تم بتا دو کیونکہ فتح خان بہر حال ان لوگوں سے بہتر ہے۔ مگر اسے سفاکی میں کم مت سمجھو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑے کنور نے ٹھہرے انداز میں کہا۔ ''شہباز میں ان میں سے کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔''

''بات تمہارے اعتماد کی نہیں ہماری مجبوری کی ہے۔ دوسری صورت میں یہ سادی کو نشانہ بنائیں گے کیا تم برداشت کرو گے۔''

پہلی بار بڑے کنور کے چہرے پر اضطراب آیا۔ ''مجھے اب اس دولت کی پروا نہیں ہے لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ ہمیں چھوڑ دیں گے؟''

''کوئی ضمانت نہیں ہے۔'' فتح خان نے صفائی سے کہا۔ ''پر یہ شہباز خان مجھ کو جانتا ہے۔''

''میں تمہیں عام معاملات کی حد تک جانتا ہوں لیکن اگر تم نامعلوم مالیت کے ہیروں پر قابض ہو گئے تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔''

''مجھے تم لوگوں کو مار کر کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مجھے صرف دو گھنٹے چاہیے ہوں گے اور اس کے بعد سارے بھارت کی پولیس اور ایجنسیاں بھی مل کر مجھے تلاش نہیں کر سکیں گی۔''

''تم نے منشی کا ذکر نہیں کیا؟'' میں نے طنز کیا۔

''ہم یہاں سے اپنی اپنی راہ لیں گے۔'' فتح خان نے شانے اچکائے۔ ''مجھے نہیں معلوم یہ کہاں جائے گا اور اسے نہیں معلوم میں کہاں ہوں گا۔''

سادی میرے پاس تھی اور سہمی ہوئی میرے بازو سے لگی ہوئی تھی۔ اچانک فتح خان نے پستول کا رخ سادی کی طرف کر دیا اور سفاک لہجے میں بولا۔ ''بڑا کنور فیصلہ کرو..... آر یا پار..... ایک جواب دو..... ہم تین تک گنے گا۔''

میں نے سادی کو اپنی اوٹ میں لے لیا۔ ''فتح خان پہلے تمہیں مجھے شوٹ کرنا ہوگا۔''

فتح خان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ہم کو معلوم ہے پہلے تم کو مارے گا تب ہی گولی اس کو لگے گا۔''

سادی تڑپ گئی۔ ''نہیں شوبی.....''

''ایک.....'' فتح خان نے کہا۔

''بھیا۔'' سادی چلائی۔ ''اسے بتا دو۔''

''دو.....'' فتح خان نے کہا تو سادی زور لگا کر سامنے آنے لگی مگر میں نے اسے اپنی اوٹ میں رکھا۔

''تین.....'' فتح خان نے کہا تو سادی زور سے چلائی اور مجھے بڑے کنور کی آواز آئی۔

''لیں..... میں تیار ہوں۔''

میں جو گولی کھانے کے لیے تیار ہو گیا تھا میرا سخت ہوتا جسم نرم پڑ گیا۔ بڑا کنور بستر سے اٹھ رہا تھا کہ اچانک جھٹکا کھا کر گرا۔ میں نے اس کے سینے پر چوغے کو سرخ ہوتے دیکھا۔ اسی لمحے آتش دان کے پاس کھڑے منشی دل جی کے سر میں سوراخ ہو گیا۔ اس کا خون اچھل کر سیف پر گیا تھا اور وہ لٹو کی طرح گھوم کر گرا تھا۔ چوکنا فتح خان اپنی جگہ سے اچھلا اور بیڈ پر گرا تھا۔ اس پر چلائی جانے والی گولی اس جگہ سے گزری جہاں وہ ایک لمحے پہلے تھا۔ اگلے لمحے وہ بیڈ کے دوسری طرف گرا اور اس نے دروازے پر کھڑے رامن پر فائر جھونک مارا۔ وہ خاموشی سے اندر آیا تھا اور خاموش پستول سے سب کو نشانہ بنا رہا تھا۔ اسے اعتماد تھا کہ وہ تینوں کو نشانہ بنا لے گا مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فتح خان نے اس کا اعتماد غلط کر دیا تھا۔ وہ بڑے کنور کو گولی لگتے ہی حرکت میں آ گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بچا تھا اور اس نے گرتے ہی خود کو سنبھال کر جوابی فائر کیا اور اس بار میں نے رامن کو اپنی گردن تھامتے ڈگمگاتے دیکھا۔ گولی اس کے نرخرے سے گزر گئی تھی۔ یہ سب پانچ سیکنڈ سے بھی پہلے ہو گیا تھا۔

سادی میرے پیچھے تھی اور جب یہ ہنگامہ شروع ہوا تو وہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹی تھی۔ اسی لمحے راج کنور ڈگمگاتے رامن کو دھکیلتا ہوا اندر آیا تو سادی اس کے سامنے تھی اس نے اسے پکڑ کر اپنی ڈھال بنا لیا۔ میں جو رامن کے گر جانے والے پستول کی طرف جا رہا تھا رک گیا۔ رامن اور راج کنور ساتھ ساتھ آئے تھے یعنی ان میں گٹھ جوڑ تھا لیکن راج کنور نے ایک غلط نظر بھی زمین پر ایڑیاں رگڑتے رامن کی طرف نہیں ڈالی۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی۔ وہ سادی کو آڑ بنائے سیف کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی حرکت کے ساتھ ساتھ فتح خان بھی حرکت کر رہا تھا۔ راج کنور کو اسی سے خطرہ تھا کیونکہ وہ مسلح تھا۔ اس نے مضطرب لہجے میں کہا۔

''کوئی حرکت نہ کرے ورنہ میں اسے گولی مار دوں گا۔''

''ہم کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' فتح خان نے کہا۔ ''اگر تم نے پستول کا رخ میرا طرف کیا تو میں ضرور گولی چلائے گا۔''

''ایک منٹ راج۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''دیکھو تمہارے سارے دشمن مارے جا چکے ہیں۔ تم نے اپنے بھائی کو بھی مار دیا۔ لیکن تم جانتے ہو مجھے تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں صرف سادی کو یہاں سے لے جانے آیا ہوں۔''

''بکواس مت کرو۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔ ''میرے سب سے بڑے دشمن اور میری مشکلوں کے ذمے دار تم ہو۔''

''یہ غلط ہے میں نے کبھی تم سے دشمنی نہیں کی۔ دشمنی تم لوگوں نے کی اور میں نے ہمیشہ اپنا دفاع کیا۔ سادی کو بھی میں جان کر نہیں لے گیا تھا۔ اسے تم لوگوں کے دشمن قبائلی لے گئے تھے اور میں نے وہاں اس کی جان بچائی تھی۔ اگر قبائلیوں کو پتا چل جاتا کہ یہ تمہاری بہن ہے تو تمہاری ساری کامیابی ناکامی میں بدل جاتی۔''

''یہاں ہونے والی قتل و غارت گری کا ذمے دار کون ہے تم ہو نا۔'' راج غرایا۔

''یہ بھی غلط ہے، میں نے صرف سادی کو واپس لے جانے کا پلان بنایا تھا، اسے خونریز تم سب نے مل کر کیا۔ تمہاری یہاں اچانک آمد بتاتی ہے کہ تم بھی اس میں شامل تھے۔''

''میں نے یہ سب نہیں چاہا تھا۔''

''تبھی رامن نے سب سے پہلے بڑے کنور کو شوٹ کیا۔'' میں نے تلخی سے کہا اور ایک نظر سادی کو دیکھا تو وہ رو رہی تھی۔ اس کی نظریں بڑے کنور پر مرکوز تھیں۔ اس نے کہا۔

''میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ دولت کے لیے اتنے گر جائیں گے۔ اپنے ہی بھائی کو مار دیں گے۔''

''بکواس مت کرو۔ یہ میری مجبوری تھی۔'' راج کنور نے بے رحمی سے اس کے بال پکڑ کر جھٹکا دیا۔ ''تو نے ہماری ناک کٹوا دی۔ پہلے اس کمار سے شادی کی جو اچھوت تھا اور پھر ایک مُسلے سے شادی کر لی۔ تجھے مار کر مجھے خوشی ہو گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا کیا خیال ہے تم بچ جاؤ گے۔'' میں نے کہا میرا ہاتھ رفتہ رفتہ حرکت کر رہا تھا۔

''ہاں پہلے میں تجھے ماروں گا۔ یہ تجھے مرتا دیکھے گی اس کے بعد اس کی باری آئے گی۔'' راج کنور کے چہرے اور لہجے کی وحشت ہر گزرتے لمحے بڑھ رہی تھی۔

''اگر تم نے شہباز کو مارا تو میں تجھے نہیں چھوڑے گا۔'' فتح خان نے اسے للکارا۔

''فتح خان تم گولی نہیں چلاؤ گے اس نے سادی کو ڈھال بنایا ہوا ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''میں کسی سادی کو نہیں جانتا۔ میں تم کو جانتا ہے۔ شہباز خان میں نے قسم کھایا تھا کہ تم کو اپنے ہاتھ سے مارے گا۔ پر نہیں مار سکا۔ ہو سکتا ہے کبھی مار دے۔ اس لیے اگر کسی نے تم کو مارا تو میرا قسم ادھورا رہ جائے گا میں اسے نہیں چھوڑے گا۔''

سچویشن ایسی تھی کہ آدمی ہنس بھی نہیں سکتا تھا۔ دوسرے فتح خان نے یہ بات نہایت سنجیدگی سے کی تھی۔ میں نے راج کنور پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ ''تمہارا شکریہ..... راج کنور تم نے بڑے کنور کو مار دیا ہے سیف کا اولین کمبی نیشن اس کے پاس ہے۔''

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بولا۔ ''کمبی نیشن پہلے ہی میرے پاس ہے۔''

''اگر اس نے کمبی نیشن بدل دیا ہو؟'' میں بات کو طول دے رہا تھا کہ راج کنور کے سر سے خون اترے۔ ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ فتح خان کی دھمکی کے بعد وہ ذرا دھیما ہوا تھا اور اس کے چہرے کی وحشت میں کمی آئی تھی۔ کمرے میں تین افراد کی لاشیں تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو کتنے عرصے سے مجھ سے دشمنی کرتے چلے آئے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں یا وہ میرے ہاتھوں موت کے دہانے تک آئے لیکن قدرت نے وقت نہیں رکھا تھا اس لیے بچ گئے۔ خاص طور سے رامن اتنی بار بچ کر نکلا تھا۔ کم سے کم تین مواقعوں پر وہ موت سے بچا تھا مگر جب قضا آئی تو اچانک ہی مر گیا۔ اسے مرنے میں ایک منٹ کا وقت بھی نہیں لگا تھا اور منشی دل جی تو سیکنڈ میں مر گیا تھا۔ رامن نے عقب سے اس کے سر میں گولی اتار دی تھی۔ بڑے کنور کا کمزور جسم اپنے خون میں نہایا ہوا بستر پر بکھرا ہوا تھا۔ راج کنور نے ایک نظر اسے دیکھا اور بولا۔

''ایک بار لگ جانے کے بعد صرف کمپنی کا آدمی آ کر کمبی نیشن کو ری سیٹ کر سکتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تینوں کمبی نیشن لگا کر سیف ایک بار کھولا جائے۔''

''دوسرے لفظوں میں یہ سیف بہت کم کھلا ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''آخری بار چار مہینے پہلے کھلا تھا۔ جوہیرے سودے سے بچ جاتے تھے وہ اسی میں رکھ دیئے جاتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہم دوسرے درجے کے ہیرے فروخت کرتے تھے اور اول درجے کے اس میں رکھتے تھے۔ یہ محفوظ دولت تھی جس کا کہیں ذکر نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی ٹیکس دینا پڑتا ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''اس کا مطلب ہے بڑے کنور کا کمبی نیشن تمہارے پاس ہے۔''

''اس کا بھی۔'' راج کنور نے سادی کے جھگڑے بالوں کو جھٹکا دیا تو وہ کراہی تھی۔ اس کے لیے راج کنور کے انداز میں بے پناہ نفرت تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ایک لمحہ سوچے اور ہچکچائے بغیر اسے مار سکتا تھا۔ ''سیف کھولنے کے لیے اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راج تم سب سے بیک وقت نہیں لڑ سکتے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''تم شہباز اور اسے مار سکتے ہو لیکن میں اتنی آسانی سے نہیں مروں گا۔''

راج کنور کے چہرے پر اب ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ فتح خان کی دھمکی نے صورتِ حال بدل دی تھی یہ سچ تھا کہ اگر وہ مجھے مارتا تو فتح خان اسے مار دیتا اور اسے سادی کی پروا بھی نہیں ہوتی۔ میرا ہاتھ بدستور حرکت میں تھا اور یہ اتنی خفیف حرکت تھی کہ راج کنور مجھے دیکھنے کے باوجود بھانپ نہیں سکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ مار دھاڑ والا آدمی نہیں تھا اس لیے جو بات میں نے پہلے سوچ لی تھی وہ ذرا دیر سے اس کے ذہن میں آئی۔ وہ مجھے شوٹ کرتا اور سادی کو ڈھال بنا کر فتح خان کے پاس جا کر اسے بھی مار دیتا۔ فتح خان کی چلائی گولیاں سادی کو لگتیں اور راج کنور کا یہ مقصد بھی پورا ہو جاتا۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ اس کا ذہن اس طرف نہ جائے۔ مگر جب اس کے تاثرات بدلے تو میں نے جان لیا یہ حل اس کے ذہن میں آ گیا ہے۔

اس نے سادی کو اس طرح آڑ میں لیا کہ فتح خان کی طرف سے کی جانے والے فائرنگ سے محفوظ رہے اور پستول کا رخ میری طرف کیا تھا۔ میں جست لگانے کو تیار تھا کہ کھلے دروازے سے بیتو بگولے کی طرح اندر آیا اس نے مجھے دھکا دیا تھا۔ راج کنور نے فائر کیا اور بیتو گھوم کر گرا تھا۔ میری دھاڑ اور سادی کی چیخ ایک ساتھ نکلی تھی۔ سادی اتنی زور سے تڑپی کہ راج کی گرفت سے نکل گئی اور بیتو کی طرف لپکی۔ راج جھٹکے سے سنبھل کر پستول کا رخ سادی کی طرف کر رہا تھا۔ میں نے ناقابلِ یقین تیزی سے جیکٹ میں موجود پستول نکالا۔ یہ وہی پستول تھا جو میں نے جگنو کے آدمی کے ہاتھ سے نکالا تھا۔ فتح خان یہاں چوک گیا تھا اور اس نے میری تلاشی نہیں لی تھی۔ اس سے پہلے راج ٹریگر دبا تا میں نے اس کے سینے میں گولی اتار دی۔ وہ جھٹکے سے پیچھے گیا اور پھر ہر گولی کا جھٹکا اسے پیچھے دھکیلتا رہا۔ آخری گولی کے ساتھ وہ سیف سے ٹکرایا اور اس کے ساتھ سرکتا ہوا نیچے گرا تھا۔ میں بیتو کی طرف لپکا۔ سادی اسے سنبھال رہی تھی۔ گولی نے بائیں طرف عین بلٹ پروف جیکٹ سے ذرا اوپر اس کی گردن کے نیچے سوراخ کر دیا تھا اور اس سے خون بے پناہ تیزی سے ابل رہا تھا۔ گولی نے یقیناً بڑی شریان کاٹ دی تھی۔ ''نہیں..... نہیں۔''

میں نے کہتے ہوئے بیتو کا زخم ہاتھ سے دبایا۔ لمحے میں میرا ہاتھ خون سے بھر گیا تھا۔ بیتو کے چہرے پر زردی چھا رہی تھی اور یہ موت کی زردی تھی۔ اسی لمحے کھڑکی ٹوٹنے کا چھناکا سنائی دیا تھا۔

○.....❖.....○

اس سے پہلے بار ہا میں نے موت کو پاس سے دیکھا۔ بے شمار لوگ میرے ہاتھوں اور میرے سامنے مرے۔ گزشتہ بارہ گھنٹے میں اتنی قتل و غارت دیکھ لی تھی۔ میں اس معاملے میں اتنا ماہر ہو گیا تھا کہ زخم کی کنڈیشن اور زخمی کی صورت دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ وہ بچے گا یا نہیں اور بیتو کا زخم دیکھ کر میرے اندر سے کسی نے کہا وہ نہیں بچے گا۔ مگر میں اپنے اندر کے آدمی کو جھٹلا رہا تھا۔ میں بیتو کو سنبھال رہا تھا۔ سادی نے اپنی شال اتار کر اس کی گدی بنا کر بیتو کے زخم پر رکھا۔ جب کھڑکی ٹوٹنے کا چھناکا سنائی دیا تب بھی میں نے بیتو سے نظر نہیں اٹھائی تھی۔ مجھے معلوم تھا فتح خان فرار ہو گیا ہے۔ اگر وہ فرار ہونے کے بجائے مجھے شوٹ کر دیتا تب بھی مجھے پروا نہیں ہوتی۔ اس وقت مجھے بیتو کے سوا کچھ یاد نہیں تھا۔ گولی بلٹ پروف سے صرف نصف انچ اوپر لگی تھی اگر یہ ذرا نیچے لگتی تو کچھ نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا۔ آدھے انچ کا فرق زندگی اور موت کا فرق بن جاتا ہے۔ میں نے نم لہجے میں کہا۔ ''بیتو یہ کیا کیا؟''

بیتو کو زخم کا پتا نہیں تھا لیکن اس نے میرے تاثرات سے جان لیا اور سرگوشی میں بولا۔ ''شوبی ہم بچے گا نہیں.....''

''نہیں.....نہیں۔'' میں نے پھر کہا۔ ''بیتو کچھ نہیں ہوگا.....ابھی تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''شوبی ڈاکٹر بہت دور ہے۔ ہم نہیں جا سکتا۔ پر آپ ادھر ہے دیدی ادھر ہے۔ ہمارے لیے یہ کافی ہے۔''

سادی خود پر قابو رکھ رہی تھی۔ مگر اس کے آنسو اس کے قابو میں نہیں تھے۔ شاید میرے بھی نہیں تھے۔ کیونکہ بیتو مجھے دھندلا نظر آ رہا تھا۔ سادی نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ ''بیتو ایسی بات نہ کر۔''

میں نے بیتو کو اٹھانے کی کوشش کی تو اس نے روک دیا۔ ''نہیں شوبی.....وقت کم ہے.....آپ ہم سے بات کرو.....''

اب تک میں خود کو جھٹلا رہا تھا کہ بیتو بچ جائے گا۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ پہلے بھی وہ کئی بار زخمی ہوا تھا۔ ہم میں سب سے زیادہ زخم خوردہ وہی تھا۔ اس کا پورا خاندان اس کی آنکھوں کے سامنے مارا گیا تھا۔ اس کے قبیلے کے بیشتر افراد مارے گئے تھے اور باقی پتا نہیں کہاں تھے۔ دنیا میں اس کا اب کوئی نہیں تھا سوائے ہمارے۔ میں نے سوچا تھا کہ ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ وہ میرے خاندان کا ایک حصہ ہوگا۔ ہم اس کی شادی کریں گے پھر اس کا بھی ایک خاندان ہوگا۔ مگر جو سوچا تھا وہ سوچ میں رہ گیا اور حقیقت بیتو کی رگوں سے قطرہ قطرہ کر کے رس رہی تھی۔ جب بیتو نے مجھ سے بات کرنے کو کہا تو مجھے لگا کہ ہاں اب وقت نہیں ہے۔ بیتو جانے والا ہے۔ میں نے نیچے بیٹھ کر اس کا سر گود میں رکھ لیا اور اس کا زخم دبایا۔ خون جتنی دیر سے نکلتا بیتو اتنی ہی دیر زندہ رہتا۔

''بیتو میں بات کر رہا ہوں میرے بیٹے.....''

اس کا چہرہ ایک لمحے کو چمکا تھا۔ ''ہم آپ کا بیٹا ہے؟''

''تم میرے بیٹے ہو، بھائی ہو، دوست ہو۔''

''ہم جانتا ہے شوبی.....'' اس نے کسی قدر وقت سے کہا۔ ''آپ سمجھتا ہم کامی سے محبت کیا.....نہیں شوبی ہم بس آپ لوگ سے محبت کیا.....کامی اچھا لگا تھا اور بس.....''

''میں جانتا ہوں اگر تمہیں کامی سے محبت ہوتی تو تم اس کے ساتھ جاتے.....آدمی اس کے ساتھ جاتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔ اگر تم اس سے محبت کرتے تو میں اسے کہیں سے بھی تمہارے لیے لے آتا۔''

''ہم کو معلوم ہے، پر ہم نے کبھی نہیں چاہا۔''

سادی بڑے کنور کے بیڈ کے ساتھ موجود دواؤں کی میز سے بینڈیج کا سامان لے آئی تھی۔ اس نے ایک بڑی پٹی نکالی۔ میں نے شال ہٹا کر یہ پٹی اور اس کے ساتھ روئی کا بنڈل رکھا۔ خون اسی روانی سے بہہ رہا تھا اور اسے یوں بہتے دیکھ کر میری رہی سہی امید بھی ختم ہو گئی تھی۔ بیتو کا چہرہ ہر گزرتے لمحے زرد ہو رہا تھا اور اس پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تکلیف نمایاں ہو رہی تھی۔ اس نے رک رک کر کہا۔ ''شوبی..... ہم کو سفیر..... بھائی یاد آ رہا ہے..... ہم اس سے بہت لڑا..... بدتمیزی بھی کیا.....''

''بیتو میری جان یہ محبت تھی۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔''

''ہم جانتا ہے..... وہ ہم سے بولا کہ جب سب ٹھیک ہو جائے گا تو وہ ہم کو اپنے پاس رکھے گا کیونکہ وہ جیسے مونا دیدی کے بغیر نہیں رہ سکتا اسی طرح ہمارے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔'' بیتو کا لہجہ پھر صاف ہو گیا۔ اس کی لکنت ختم ہو گئی تھی۔ جیسے اس کے اندر قوت آئی ہو۔ جیسے چراغ بجھنے سے پہلے بھڑکتا ہے۔ اس نے سادی کی طرف دیکھا۔ ''دیدی ہم کو معاف کر دینا۔ ہم آپ کو دیدی بولا اور آپ کے لیے کچھ نہیں کیا۔''

''تم نے میرے لیے سب کیا جو ایک بھائی اپنی بہن کے لیے کر سکتا ہے اس سے زیادہ کیا..... یہ میرے بھائی ہیں۔'' سادی نے راج اور بڑے کنور کی لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''اللہ کی قسم مجھے ان کی موت سے کوئی فرق نہیں پڑا ہے لیکن بیتو تمہارا زخم مجھے اپنے دل پر لگ رہا ہے۔''

''دیدی آپ ہم سے محبت کرتا ہے۔''

''ہاں میرے بھائی.....'' سادی رونے لگی تھی۔

''شوبی آپ بھی کرتا ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے اس کا ماتھا چوم لیا جس پر پسینہ آ گیا تھا اور یہ موت کا پسینہ تھا۔ اس کا جسم اینٹھ رہا تھا لیکن چہرہ پُرسکون تھا۔ ''شوبی میرا آخری خواہش پوری کرے گا۔''

اس وقت مجھے خود پر قابو پانے میں بہت جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ ''بیتو میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔''

''شوبی ہمارا ارتھی کو آپ آگ دکھانا..... پر ایسا ضروری نہیں ہے اگر خطرہ ہو تو آپ ہم کو ادھر ہی چھوڑ جانا.....''

''میں تمہاری یہ خواہش پوری کروں گا۔'' میں نے کہا تو مجھے اپنی آواز اجنبی لگی تھی۔ سادی دوپٹے سے منہ دبا رہی تھی کہ اس کی آواز نہ نکلے۔

''نہیں آپ یہاں سے جاؤ..... یہاں خطرہ ہے۔'' بیتو نے کہا۔ ''ہم پاگل ہے جو آپ کو ایسا بولا..... آپ دیدی کو دیکھو..... یہاں سے.....''

''تم جیسا کہو گے میں ویسا کروں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔ اس وقت وہ میری جان بھی مانگتا تو میں انکار نہ کرتا۔ اس کی آنکھیں بجھ رہی تھیں۔ اس نے رک رک کر کہا۔

''شوبی..... ہمارا ماں ایک بار..... ہم سے بولا..... آدمی مرتا ہے تو..... اس وقت..... وہ بھگوان سے..... جو مانگتا..... بھگوان اسے..... ضرور دیتا ہے..... شوبی ہم مانگتا..... بھگوان آپ کو کامیاب کرے..... آپ کا دشمن ناکام ہو۔''

''بیتو میری خواہش ہے تم میرے ساتھ رہو۔''

''شوبی اب ایسا نہیں ہو سکتا۔'' بیتو نے کہا اور بولتے ہوئے اچانک اسے جھٹکا لگا اور اس کا چہرہ سفید ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ پھر اس کی آنکھوں کی چمک بجھنے لگی تھی۔ میں بیتو کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے آواز دے رہا تھا مگر وہ میری آواز کی حد سے دور جا چکا تھا۔ آوازیں دیتے ہوئے میں نے اسے جھنجھوڑا تو بیتو کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ سادی دھاڑیں مار کر رونے لگی وہ سمجھ گئی تھی۔ مگر میں نے تسلیم نہیں کیا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''بے وقوف رو کیوں رہی ہو، بیتو بے ہوش ہوا ہے ہم اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔''

سادی نے میرے شانے پر سر مارا۔ ''شوبی، بیتو مر گیا ہے۔''

تب میں نے ڈرتے ڈرتے اس کی نبض چیک کی۔ وہ ساکت تھی۔ بیتو کی سانس اور دل دونوں ٹھہر گئے تھے۔ وہ مر گیا تھا۔ شاید میں بھی رونے لگا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرا دایاں بازو میرے جسم سے کٹ کر الگ ہو گیا ہے۔ یہ احساس اتنا شدید تھا کہ میں نے بے ساختہ اپنا بازو ٹٹولا مگر وہ اپنی جگہ تھا۔ ہاں شل ہو گیا تھا۔ میں سن سی کیفیت میں تھا۔ بیتو کی موت نے میرے حواس چھین لیے تھے۔ مگر اس موقع پر سادی نے حواس بحال رکھے۔ حالانکہ اس کے دو بھائی اس کے سامنے مارے گئے اور بیتو تو بھائیوں سے بڑھ کر تھا۔ اس نے میرا بازو ہلایا۔

''شوبی..... ہمیں یہاں سے جانا ہے۔''

میں چونکا۔ ''بیتو کو چھوڑ کر؟''

''اگر نہ لے جا سکے تو چھوڑ کر جانا ہوگا۔'' سادی کھڑی ہو گئی۔ ''شوبی وقت کم ہے کوئی بھی آ سکتا ہے۔ ابھی یہاں کچھ لوگ اور ہوں گے۔''

''کون لوگ۔'' میں نے رامن، غنی، راج اور بڑے کنور کی لاشوں کی طرف دیکھا۔ ''اب بچا ہی کون ہے۔''

''ان کے آدمی ہوں گے۔ ممکن ہے غنی کے کچھ آدمی باہر بھی ہوں۔ یا جگنو کے آدمی بچے ہوں۔''

سادی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ لیکن میں بیتو کو یوں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میں ہر صورت اس کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بیتو کا سر احتیاط سے نیچے رکھا جیسے وہ سو رہا ہے اور اس کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔ میں نے رامن کا پستول اٹھایا کیونکہ اپنا پستول تو میں نے راج کنور پر خالی کر دیا تھا۔ بیتو اس کی گولی کا نشانہ بنا تھا لیکن اس کا اصل قصور سادی پر ہتھیار اٹھانا تھا۔ میں نے اس کا پستول بھی اٹھا لیا جو اس کے پاس پڑا تھا۔ پھر میں باہر آیا جہاں فتح خان کے آدمیوں کی لاشیں، جگنو اور اس کے آدمیوں کی لاشوں کے ساتھ پڑی تھیں۔ کنور پیلس میں اندر باہر لاشیں ہی لاشیں بکھری تھیں۔ ان میں وہ بھی تھے جو دوسروں کو مارنے آئے تھے اور وہ بھی تھے جن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی انہیں مارنے آ رہا ہے۔ وہ بھی مارے گئے تھے جن کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کنور پیلس میں کام کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے تو یہاں غلام کی حیثیت سے تھے۔ انہیں صرف زندہ رہنے کا سامان مہیا کیا جاتا تھا۔ وہ انتہا درجے کے تابعدار تھے مگر ان کی تابعداری بھی ان کو موت سے نہیں بچا سکی تھی۔

ان میں میرے بہت سے دشمن تھے اور بہت سے ایسے تھے جن سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی اور بیتو جو میرا ساتھی تھا میرے وجود کا ایک حصہ اب وہ یہاں لاشوں کا ایک حصہ تھا۔ رامن اور راج کنور نے ہال میں موجود فتح خان کے آدمیوں کو نشانہ بنایا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں سے آئے اور راج کنور یہاں تک کیسے پہنچا۔ جیسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ فتح خان کا دعویٰ تھا کہ یہاں جتنے راستے سامنے تھے اس سے کہیں زیادہ خفیہ راستے تھے۔ وہ دونوں بھی کسی ایسے ہی راستے سے آئے ہوں گے۔ راج کنور کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ اب ڈیوڈ شا کے قبضے میں نہیں ہے لیکن یہ میں نے نہیں سوچا تھا کہ وہ اچانک یہاں پہنچ جائے گا۔ یہ تو واضح تھا کہ رامن اب تک اس کے ساتھ تھا اور وہ اسی کے ہمراہ آیا تھا۔ منشی سمجھ رہا تھا کہ اس نے رامن کو بے وقوف بنایا ہے لیکن حالات بتا رہے تھے کہ رامن نے راج کنور کے ہمراہ مل کر اسے بے وقوف بنایا تھا۔ ان سب نے میرے اور ڈیوڈ شا کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلائی مگر آخر میں خود نشانہ بن گئے۔

میں گیلری کی طرف آیا تھا کہ مجھے کسی کی جھلک دکھائی دی اور میں تیزی سے واپس آ گیا۔ آنے والے نے میری جھلک بھی دیکھ لی تھی اور مجھے پہچان لیا تھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ ''شہباز یہ میں ہوں۔''

میں چونکا تھا۔ وہ کرنل جیمز تھا جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت مارا گیا تھا۔ میں نے سر نکال کر جھانکا۔ وہ سر سے پاؤں تک گرد اور مٹی میں اٹا ہوا تھا۔ مگر وہ کرنل جیمز ہی تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ کرنل کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس کے بائیں بازو اور سر سے خون بہہ رہا تھا۔ ''کرنل تم زندہ ہو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میرا خیال تھا تم بھی مر چکے ہو؟''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''اتفاق سے میزائل اے پی سی کے سامنے لگا تھا اور میں عقبی حصے میں تھا۔ میرے سارے ساتھی مارے گئے اور میں اڑ کر باہر جا گرا تھا کم سے کم دس گز دور اس کے باوجود بچ گیا شاید اس لیے کہ نرم گھاس پر گرا تھا۔''

''تمہارا احمقانہ منصوبہ پوری طرح ناکام رہا۔''

''نہیں پوری طرح ناکام نہیں ہوا میں زندہ ہوں تم زندہ ہو۔''

میں نے اسے دھکیل کر دیوار سے لگایا اور اس کی گردن پر کہنی رکھ کر چلایا۔ ''ہاں لیکن میرا ساتھی زندہ نہیں ہے۔ وہ مارا گیا ہے، تمہارے اس منصوبے کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔''

''کون؟'' وہ چونکا۔ ''وہ لڑکا.....؟''

''ہاں وہی۔'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ کرنل نے مزاحمت نہیں کی تھی اس لیے میری گرفت خود نرم ہو گئی۔ ''تم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ میرے لیے کیا تھا؟''

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' کرنل نے نرمی سے کہا۔ ''لیکن اس کی موت اسی طرح اور اسی جگہ لکھی تھی۔ یہ میرا اور تمہارا ایمان ہے۔''

اس کے الفاظ نے مجھ پر اثر کیا تھا میرا ہاتھ اس کی گردن سے ہٹ گیا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو..... لیکن میں کیا کروں۔''

''وہ لڑکی کہاں ہے؟ جسے ہم لینے آئے ہیں۔''

''اندر ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم اب تک کہاں تھے۔ اے پی سیز کو اڑے بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا ہے۔'' میں نے اچٹتی نظر گھڑی پر ڈالی جس میں تین بج رہے تھے۔

''میں سمجھ گیا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے کاش کہ میں پہلے ہی تمہاری بات مان جاتا۔ یہ سارا کیا دھرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منشی کا تھا۔ مجھے تمہارے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ تم کہاں ہو۔ میرے سارے ساتھی مارے گئے تھے صرف ہیلی کاپٹر سے اترنے والی ٹیم محفوظ تھی لیکن باہر اسنائپرز کی موجودگی میں وہ بھی محفوظ نہیں تھے اس لیے میں نے ان کے خاتمے کا فیصلہ کیا۔ میں رات کی تاریکی میں باہر نہیں نکل سکتا تھا اس لیے دن طلوع ہونے تک ایک جگہ چھپا رہا کتنے ہی پیلس گارڈز میرے سامنے مارے گئے۔ جیسے ہی دن طلوع ہوا میں پیلس سے نکل گیا۔ مجھے عقبی حصے سے اترنا پڑا تھا اس کے بعد میں ایک ایک جگہ جا کر منشی کے آدمیوں کا خاتمہ کرتا رہا۔ یہ کام نمٹا کر میں اندر آیا۔ یہاں کوئی فرد زندہ نہیں ہے۔ میں اس امید میں یہاں آیا تھا کہ شاید یہ لڑکی زندہ ہو اور میں اسے ساتھ لے کر نکل سکوں۔ مجھے بالکل امید نہیں تھی یہاں تم سے ملاقات ہو جائے گی۔''

''امید تو مجھے بھی نہیں تھی۔'' میں نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بتاؤ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟''

''ہاں ہیلی کاپٹر ہے۔'' کرنل نے کہا۔ ''میری پائلٹ سے ریڈیو پر بات ہوئی ہے وہ دس منٹ میں یہاں آسکتا ہے۔''

ہم کمرے میں آئے تو سادی جو بیتو کے پاس بیٹھی تھی کرنل کو دیکھ کر چونکی اور سہم گئی۔ ''شوبی یہ کون ہے؟''

''کرنل جیمز۔'' میں نے کہا۔ ''یہ مہم اسی نے ترتیب دی تھی۔''

''مہم یا قتلِ عام۔'' سادی نے تلخی سے کہا۔ ''اسے معلوم ہے یہاں کتنے لوگ مارے گئے ہیں۔''

''بے بی ایسے کاموں میں یہ سب ہوتا ہے۔'' کرنل نے نرمی سے کہا۔ ''فی الحال ہمیں کسی بحث میں پڑے بغیر یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہیے۔'' اس نے میری طرف دیکھا۔ ''میں ہیلی کاپٹر کے لیے کال کر رہا ہوں۔''

اب تک میں سوچ رہا تھا کہ بیتو کو کیسے لے کر جاؤں۔ مجھے گاڑی کا خیال آیا تھا مگر ہیلی کاپٹر کہیں بہتر تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے کال کرو۔''

اس کے پاس کسی قدر بڑے سائز کا ریڈیو تھا۔ یہ اس کی پشت پر بندھے بیگ میں موجود تھا۔ اس نے ریڈیو نکالا اور ہیلی کاپٹر پائلٹ کو کال کرنے لگا۔ ''ریڈ برڈ..... ریڈ برڈ ڈو یو ریڈی؟''

اس نے کئی بار پکارا لیکن ریڈیو سے کوئی جواب برآمد نہیں ہوا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''شاید مجھے چھت پر جانا پڑے..... یہاں ریڈیو کام نہیں کر رہا ہے۔''

چھت پر جانے کا سیدھا راستہ تباہ ہو گیا ہے۔ لیکن ایک راستہ اور ہے۔''

''کہاں ہے اس پر بتاؤ۔'' کرنل نے ڈیجیٹل کمپاس نکالا۔ میں نے اسے ایمرجنسی سیڑھیوں والا خفیہ راستہ سمجھایا۔ وہ نقشے میں نہیں تھا مگر کرنل سمجھ گیا۔

''لیکن یہ اوپر سے بند ہوگا اور اسے کھولنا پڑے گا۔''

''فکر مت کرو میں اسے کھول لوں گا۔'' کرنل نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی سادی بولی۔

''شوبی کیا ہم اس کے ساتھ جائیں گے۔''

''مجبوری ہے، یہاں میں خود سے کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ ڈیوڈ شا کی مدد سے ہم با آسانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپس جا سکتے ہیں۔''

''آپ اس شخص پر بھروسا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ سب ہوا۔ بیتو مارا گیا۔'' سادی جذباتی لہجے میں بولی۔ ''کیا ضمانت ہے کہ یہ آپ کے کام آئے گا۔ میں جانتی ہوں وہ آپ کے پیچھے کیوں پڑا ہے۔ اگر میں اور آپ اس کے پاس چلے گئے تو کیا وہ میری مدد سے آپ کو مجبور نہیں کرے گا۔''

بیتو کی اچانک موت نے مجھ سے جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی اور میں الفاظ میں نہیں بتا سکتا کہ اس وقت میری کیا حالت ہو رہی تھی۔ میں جو سب بیان کر رہا ہوں اگر وہ کیفیت ہوتی تو میں ایک لفظ بھی نہیں لکھ پاتا۔ سادی نے توجہ دلائی تو مجھے خیال آیا۔ یہ سامنے کی بات تھی۔ اگر میں سادی سمیت ڈیوڈ شا کے پاس پہنچ جاتا تو اس جیسے عیار کے لیے ذرا بھی دشوار نہیں تھا کہ وہ سادی کی مدد سے مجھے بلیک میل کرے۔ یہ کنویں سے نکل کر کھائی میں گرنے والی بات ہوتی۔ مجھے لگا جیسے بیتو کی موت کے بعد مجھے پہلی بار ہوش آیا ہے۔ میں نے بیتو کی طرف دیکھا اور پھر اس کے پاس بیٹھ کر اس کے سر دماتھے پر پیار کیا۔ میرے آنسو اس کے چہرے پر گرے تھے۔ بیتو چلا گیا تھا لیکن سادی تھی اور وہ میری ذمے داری تھی۔ مجھے اپنی پوری توجہ اس ذمے داری پر دینی تھی۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''سادی تیار ہو جاؤ۔ یہاں سے اپنا سامان اور اگر رقم ہے تو وہ بھی لے لو۔ اگر ہم نے اپنا راستہ الگ کیا تو اس کی ضرورت پڑے گی۔''

سادی نے سر ہلایا اور بولی۔ ''میرے ساتھ چلیں مجھے اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔''

میرا بیتو کو چھوڑ کر جانے کو دل نہیں مان رہا تھا اس لیے خود پر جبر کر کے گیا۔ سادی کا کمرا صاف ستھرا اور چمک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ یہ اسی پیلس کا ایک حصہ ہے جس کا حشر ہو چکا ہے۔ اس نے الماری کھولی اور اس سے اپنے کچھ کپڑے نکال کر ایک چھوٹے ہینڈ کیری میں ڈالے۔ پھر اس نے اندر سے رقم کی گڈیاں نکالیں۔ یہ بھارتی روپے تھے۔ ہزار اور پانچ سو کے نوٹوں کی چار گڈیاں تھیں۔ یہ تین لاکھ کی رقم تھی جو عام حالات میں ہمارے لیے کافی ہوتی۔ سادی نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی میں نے پوچھا۔ ''ٹراؤزر شرٹ ہے تو وہ پہن لو اور پیروں میں جوگرز ہوں۔ ہو سکتا ہے بھاگ دوڑ کرنی پڑے۔ اپنی دوائیاں بھی ساتھ رکھنا۔''

''میں نے سب رکھ لی ہیں۔'' اس نے کہا اور بیگ کی زپ بند کی۔ میں نے وہ اٹھا لیا۔ سادی نے الماری سے ایک پتلون اور شرٹ نکالی تو میں باہر نکل آیا۔ میں نے یہاں آتے ہوئے ایک رائفل اٹھائی تھی۔ مگر کسی نے راستہ نہیں روکا۔ سادی چند منٹ میں باہر آئی اور اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''شوبی آپ نے کیا سوچا؟''

''دیکھتی رہو۔'' میں نے کہا اور ہم واپس بڑے کنور والے حصے میں پہنچے۔ کرنل وہاں آ چکا تھا اس نے بے چینی سے کہا۔

''کہاں چلے گئے تھے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''کچھ سامان لینا تھا۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیسا سامان؟''

''اس کی دوائیاں ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم نے ہیلی کاپٹر کے لیے کال کر لی؟''

''ہاں اوپر با آسانی بات ہو گئی۔'' اس نے جواب دیا اور گھڑی دیکھی۔ ''ہیلی کاپٹر پانچ منٹ میں آنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والا ہوگا۔"

"تب چلو اوپر۔" میں نے کہا اور بیگ سادی کو تھما کر بیتو کو اٹھا کر شانے پر ڈال لیا۔ میرا دل ایک بار پھر لرزا۔ آدھے گھنٹے پہلے بیتو جیتا جاگتا انسان تھا اور اب میں اس کی لاش لے جا رہا تھا۔ کرنل چونکا۔

"اسے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"یہ میرا ساتھی ہے میں اس کی لاش یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ کرنل کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔

"اوکے ہری اَپ وقت کم ہے۔ ممکن ہے مقامی پولیس یہاں آنے والی ہو۔"

ہم سیڑھیوں سے اوپر آئے۔ سب سے آگے کرنل تھا، اس کے پیچھے سادی اور سب سے پیچھے میں بیتو کو لیے ہوئے تھا۔ ممکن ہے زندگی میں بیتو وزنی ہو لیکن اس وقت مجھے کسی بچے کی طرح ہلکا پھلکا سا لگ رہا تھا۔ ہم چھت پر آئے۔ میں نے بیتو کو ایک طرف لٹکا دیا۔ کرنل جیمز آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہمیں اوپر آنے میں چند منٹ لگے تھے اور اتنی دیر میں ہیلی کاپٹر وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ کسی نقطے کی طرح نمودار ہوا جو بتدریج بڑا ہوتا گیا۔ کرنل نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہیلی کاپٹر چھت پر بنے ہیلی پیڈ پر اتر گیا۔ اس کے پنکھے گردش کر رہے تھے۔ انجن کی آواز دھیمی ہوئی تھی لیکن وہ بند نہیں ہوا تھا۔ کرنل نے ہمیں اشارہ کیا اور چلا کر بولا۔ "جلدی کرو۔"

میں نے سادی کو سہارا دیا اور ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا۔ میں نے اسے اندر بٹھایا۔ پھر میں نے مڑ کر کرنل کو اشارہ کیا کہ وہ بیتو کو اٹھا کر لائے۔ اسے خیال نہیں تھا کہ میں یہ کام اسے کہوں گا۔ اس لیے وہ جھجکا اور پھر بادلِ ناخواستہ بیتو کی طرف بڑھا اس نے بیتو کو اٹھا کر شانے پر ڈالا اور ہیلی کاپٹر کی طرف آیا۔ جیسے ہی اس نے بیتو کو اندر لٹایا میں نے عقب سے اس کی گدی پر پستول کا دستہ مارا۔ وہ لڑکھڑایا اور دوسری ضرب پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ اس دوران میں سادی اپنا پستول دونوں پائلٹ پر تان چکی تھی۔ جو میری کارروائی سے چونکے تھے۔ میں نے کرنل کے بیگ سے رسّی نکال کر اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھے۔ ہاتھ کس کر باندھے تھے اور پاؤں اس طرح باندھے کہ وہ چھوٹے قدموں سے چل سکتا تھا۔ یہ کام نمٹا کر میں نے اسے ہیلی کاپٹر میں ڈالا۔ پھر خود بھی سوار ہو گیا۔ دروازہ بند کیا تو شور کسی قدر کم ہوا تھا۔ میں نے پائلٹ سے کہا۔ "اسی ٹیلے پر چلو جہاں سے آئے ہو۔"

"ہمیں واپس شملہ جانا ہے۔" پائلٹ بولا۔ وہ مقامی لیکن خوش شکل جوان آدمی تھا اس کا کو پائلٹ سیاہ رو اور بدصورت تھا۔

"لگتا ہے تمہیں جہنم جانا ہے۔" میں نے اس کے سر سے پستول لگایا تو وہ جلدی سے بولا۔

"اوکے اوکے..... جہاں تم کہو۔"

"ریڈیو بند ہوں اور ہیلی کاپٹر کا کوئی ریڈیائی سسٹم کام نہ کرے۔"

"ریڈیو کام کر رہا ہے باقی سسٹم بند ہیں۔"

"ریڈیو بھی بند کر دو۔"

"اس صورت میں ہم کسی ممکنہ وارننگ سے بے خبر رہیں گے یہ علاقہ حساس ہے چائنا کی سرحد یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ریڈیو بند کر دو۔'' میں نے پھر حکم دیا تو اس نے تعمیل کی تھی۔ اس نے تھروٹل کھینچا تو انجن کی آواز بدلی اور ہیلی کاپٹر ایک ہلکے سے دھچکے سے بلند ہوا تھا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے اور سورج مغرب کی طرف جھک چکا تھا۔ مگر ابھی غروب ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ ہیلی کاپٹر دس منٹ سے بھی پہلے اس ٹیلے تک پہنچ گیا تھا۔ وہاں ہیلی پیڈ کے لیے بنائے گئے نشانات اور دوسرا سامان جس سے یہ جگہ صاف کی گئی تھی۔ اپنی جگہ موجود تھے۔ پائلٹ نے ہیلی کاپٹر نیچے اتارا اور پھر انجن بند کر دیا۔ میں راستے میں کرنل کو چیک کر چکا تھا اس کی نبض سُست لیکن باقاعدہ تھی۔ وہ بے ہوش تھا لیکن اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ انجن بند ہونے پُرسکون ہو گیا۔ اس کے گردش کرتے پنکھوں کی رفتار سُست ہو گئی تھی۔ میں نے دونوں پائلٹس سے کہا۔ ''نیچے اترو؟''

''کیوں؟'' چیف پائلٹ نے کسی قدر بے چینی سے کہا۔

''یہ ہم کو مارنا چاہتا ہے۔'' سیاہ رُو کو پائلٹ نے اسے مطلع کیا۔

''احمقانہ باتیں مت کرو..... میں بلاوجہ کسی کو نہیں مارتا ہاں اگر تم مرنا چاہو تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ اب نیچے اترو..... مجھے ایک بات دو بار کہنے کی عادت نہیں ہے۔ یہ بات ذہن میں بٹھالو۔''

وہ دونوں نیچے اترے تو میں نے کرنل کو کھینچ کر نیچے اتارا اور اس کا بیگ الگ کر دیا پھر اس کی مکمل تلاشی لی تو اس کے پاس سے کئی ہتھیار نکلے تھے۔ وہ کچھ زیادہ ہی مسلح تھا۔ اسے مکمل طور پر نہتا کر کے میں نے سادی سے کہا۔ ''اس کی نگرانی کرنا..... میں ذرا ان سے کام لے رہا ہوں۔''

''شوبی ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''جیتو..... کی آخری خواہش پوری کرنے۔'' میں نے کہا اور ایک طرف رکھے سامان کی طرف بڑھ گیا۔ ان میں کلہاڑیاں اور آریاں بھی تھیں۔ ایسی قینچیاں جن سے شاخیں کاٹی جا سکتی تھیں۔ کام کی چیز کلہاڑیاں تھیں۔ میں نے دو کلہاڑیاں اٹھائیں اور پائلٹوں کے پاس آیا۔ کلہاڑیاں ان کے سامنے پھینکیں اور ایک طرف گرے بہت پرانے خشک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس سے لکڑی کاٹو۔''

''ہم لکڑی کاٹیں؟'' سیاہ رُو نے بے یقینی سے کہا۔

''بالکل کاٹو گے اگر مرنا نہیں چاہتے ہو۔'' میں نے رائفل کا رخ ان کی طرف کیا اور گھڑی کی طرف دیکھا۔ ''تمہارے پاس صرف ایک گھنٹا ہے اگر اس دوران میں تم اتنی لکڑی نہیں کاٹ سکے جتنی ایک چتا کے لیے درکار ہوتی ہے تو میں تم دونوں کو چھلنی کر دوں گا۔''

''ہمیں مار دیا تو اسے تم اڑاؤ گے؟'' پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھا۔

''ہاں میں اسے اڑا لوں گا۔ تم دونوں ابھی تک شروع نہیں ہوئے۔ وقت آدھا منٹ کم ہو گیا ہے۔''

وہ حرکت میں آئے۔ یہ بڑا تنا تھا مگر اس کا اندرونی حصہ کھوکھلا ہو گیا تھا اور یہ بالکل خشک ہو چکا تھا اس لیے آسانی سے ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔ آدھے گھنٹے میں انہوں نے خاصی لکڑی نکال لی تھی۔ اس دوران میں، میں نے سامان سے پانی نکال کر پیا تھا۔ پیاس سے حلق خشک ہو گیا تھا۔ میں نے لکڑی کا جائزہ لیا اور انہیں روک کر کئی لکڑی چتا کے انداز میں رکھنے کو کہا۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل بھی کی۔ ایک گھنٹے میں وہ ساری لکڑی کاٹ چکے تھے اور ان کا حشر ہو گیا تھا۔ وہ اس مشقت کے عادی نہیں تھے اور پھر یہاں دھوپ بھی تیز تھی۔ وہ ہانپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے اور پسینے میں شرابور تھے۔ یہ لکڑی کافی تھی۔ اس لیے میں نے ان سے کلہاڑیاں لے لیں۔ میں ہوشیار رہا تھا کیونکہ یہ خطرناک ہتھیار بھی ثابت ہو سکتی تھیں۔ ایک کین میں ہیلی کاپٹر کے ٹینک سے اس کا ایندھن نکالا۔ یہ بہت تیز حرارت پیدا کرتا ہے جو ایک ٹربو جیٹ انجن چلانے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ تقریباً ایک گیلن تیل لکڑیوں پر اچھی طرح ڈالا۔

وہ مرحلہ آ گیا جس کے بارے میں، میں سوچنے سے گریز کر رہا تھا۔ مگر مجھے اس سے گزرنا ہی تھا۔ میں ہیلی کاپٹر کی طرف آیا تو سادی نے رونا شروع کر دیا۔ یہاں سناٹے میں اس کی آواز عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ سب چھوڑ کر بیتو کو یہاں سے لے جاؤں اسے آگ کی نذر نہ کروں۔ پھر دل پر جبر کر کے میں ہیلی کاپٹر میں آیا۔ بیتو کے جسم سے بلٹ پروف اور دوسری چیزیں الگ کیں۔ اس کے جوتے اتارے۔ اب اس کے جسم پر صرف شرٹ اور پتلون تھی۔ اسے اٹھا کر اس کی چتا تک لایا۔ اس پر لٹا کر میں نے اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کیے۔ اس کی شرٹ سامنے سے خون سے بھیگ گئی تھی۔ یہ وہ خون تھا جو جسم میں تھا تو زندگی تھا اور جسم سے نکل گیا تو موت بن گیا۔ اس کے ماتھے پر آخری بوسہ دے کر میں پیچھے ہٹا تو سادی آگے آئی۔ وہ اس سے لپٹ گئی تھی۔ وہ چیخیں مار رہی تھی اور میں نے بڑی مشکل سے اسے بیتو سے الگ کیا۔

''شوبی..... بیتو..... بیتو۔'' وہ کہتے ہوئے اچانک ڈھیلی ہو کر نیچے گرنے لگی۔ میں نے اسے سنبھال لیا اور اٹھا کر ہیلی کاپٹر میں لا کر لٹا دیا۔ پھر اپنی آنکھیں صاف کیں اور پائلٹ سے کہا۔

''تمہارے پاس ماچس یا لائٹر ہے۔''

اس نے خاموشی سے لائٹر نکال کر میرے حوالے کیا اور میں چتا تک آیا۔ لائٹر جلایا تو میرا ہاتھ لرز گیا تھا۔ اس روز مجھے پتا چلا کہ اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھ سے آگ دکھانا کتنا مشکل کام ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اپنے مُردے زمین کے سپرد کرتے ہیں جو سب سے احسن طریقہ ہے۔ کئی بار میرا ہاتھ بڑھتے بڑھتے رکا۔ پھر میں نے ہمت کر کے لکڑیوں کو آگ دکھا دی۔ ہائی فلیمنگ آئل کی وجہ سے لکڑیوں نے بہت تیزی سے آگ پکڑ لی تھی۔ جب تک میں ذرا پیچھے ہوا آگ نے لکڑیوں اور بیتو کے بے جان وجود کو پوری طرح گھیر لیا تھا۔ میں نے چتا کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا لیکن جب آگ نے بیتو کے جسم کو چاٹنا شروع کیا تو اس کی بو خود مجھ تک آ گئی تھی۔ مجھ سے دیکھا نہیں جا رہا تھا اس لیے میں کرنل کے پاس آیا وہ کلبلا رہا تھا۔ میں نے کچھ پانی اس کے منہ پر اور کچھ منہ میں ڈالا تو اسے ہوش آ گیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے سر جھٹک کر بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔

''شہباز یہ کیا..... تم نے.....''

''میں واپس ڈیوڈ شا کے پاس نہیں جاؤں گا اور یہ حفظ ماتقدم کے طور پر کیا ہے۔ میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا تھا اس لیے مجبوراً یہ حربہ استعمال کیا۔ ورنہ تم آسانی سے قابو میں نہ آتے۔''

وہ کسی قدر کوشش سے اٹھ بیٹھا اس نے چتا کی طرف دیکھا۔ ''اوہ ہم وہیں ہیں..... پر یہ.....''

''میرے ساتھی کی چتا ہے اس کی خواہش تھی کہ اس کی چتا کو میں آگ لگاؤں۔''

کرنل کچھ دیر سوچتا رہا۔ ''تو تم واپس نہیں جانا چاہتے۔ یقیناً تم نے سوچ لیا ہوگا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب تم میرے ساتھ کیا کرو گے؟"

"کچھ نہیں اگر کچھ کرنا ہوتا تو تم اب تک زندہ نہ ہوتے۔ ہیلی کاپٹر مجھے اور سادی کو کہیں اتار کر تمہیں واپس لے جائے گا۔"

"تمہاری مرضی۔" اس نے سکون کا سانس لیا۔ "ویسے میں تمہیں بتا دوں تم یہاں محفوظ نہیں ہو..... ڈیوڈ شا تمہارے لیے بہت آسانیاں مہیا کر سکتا ہے۔ ویسے تم نے اس سے وعدہ کیا تھا۔"

"میں اس وعدے پر اب بھی قائم ہوں۔ جیسے ہی سادی واپس پاکستان پہنچے گی۔ میں ڈیوڈ شا کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میں اس کی مہم میں شامل ہوں گا لیکن اپنے طریقے سے۔ میں مکمل طور پر اس پر انحصار نہیں کر سکتا۔"

"تم جانتے ہو..... جو کام وہ بہت آسانی سے کر سکتا ہے۔ تمہارے لیے وہ بہت مشکل ہو گا۔"

میں نے انکار کیا۔ "اس کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ اگر اس نے سادی کو اپنے قبضے میں کر لیا تو میں اس کی بات ماننے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"وہ تم پر بالکل جبر نہیں کرے گا۔" کرنل نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی۔ مگر میں نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ سورج مغرب کی طرف جھکتے ہوئے بیتو کی چتا کے دوسری طرف چلا گیا تھا اور اس کی سرخی شعلوں کی سرخی میں گھل مل کر عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔ یہ دل و دماغ کو بوجھل کر دینے والا منظر تھا۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا۔ ہیلی کاپٹر اسی راجستھانی راجا کا تھا جس کے دِلا میں ڈیوڈ شا مقیم تھا اور جہاں پولیس اور ایجنسی نے مل کر چھاپہ مارا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس ہیلی کاپٹر کو استعمال کیا جائے تو ہم مشرقی پنجاب تک کا طویل سفر بہت کم وقت میں طے کر سکتے تھے۔ وہاں میں عبداللہ اور وسیم سے رابطہ کر سکتا تھا۔ کرنل مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے بھانپ لیا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں اس نے کہا۔

"یہ بہت خطرناک ہو گا..... یہ ہیلی کاپٹر ہر جگہ پہچانا جائے گا۔"

"کیا خطرناک ہو گا۔"

"یہی کہ تم اسے کہیں دور لے جانے کے لیے استعمال کرو۔"

میں نے ہیلی کاپٹر پر بنے نشانات کا معائنہ کیا یہ پینٹ ہوئے تھے اور اسے آسانی سے خراب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے خنجر کا استعمال کیا مگر کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ پائلٹ نے کہا۔ "یہ خراب نہیں ہو گا۔"

"تمہارے پاس کہاں تک پرواز کا اجازت نامہ ہے؟"

"پورے انڈیا میں پرواز کر سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اگر مجھے ہوشیار پور جانا ہو تو؟"

"تقریباً سو کلومیٹرز کا فاصلہ ہے اس میں پون گھنٹہ لگے گا لیکن ہیلی کاپٹر میں اتنی لمبی پرواز کا فیول نہیں ہے۔"

میں نے فیول گیج چیک کیا۔ ٹینک تقریباً ساٹھ فیصد بھرا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کتنی پرواز کے لیے کافی ہو گا؟"

"تقریباً ساٹھ سے ستر کلومیٹرز۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے خیال آیا۔ ہمیں اوپر کے بجائے نیچے کی طرف جانا چاہیے۔ جتنا نیچے جائیں گے پاکستان کی سرحد اتنا ہی پاس پڑے گی اور اسے عبور کرنا اتنا ہی کم مشکل ہوگا۔ لاہور اور اس سے اوپر سرحد حساس تھی اور اسے عبور کرنا جان جوکھم کا کام تھا۔ ''اگر ہم لدھیانہ کی طرف جائیں تو.....؟''

''تب بھی اتنا ہی فاصلہ پڑے گا۔''

کرنل غور سے سن رہا تھا مگر مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر میں اسے بے خبر بھی رکھتا تو جب ہیلی کاپٹر چھوڑتا تو پائلٹ خود کرنل یا اپنے مالک سے رابطہ کر کے اسے بتا دیتا کہ ہم کہاں اترے تھے؟ میں نے فوری فیصلہ کیا۔ ''ٹھیک ہے ہم لدھیانہ کی طرف جائیں گے۔''

میرا حلیہ نہایت خراب تھا۔ خون مٹی، چہرے پر کئی زخم تھے جو دیکھنے والے کو فوراً متوجہ کرتے۔ میری جیکٹ بھی کئی جگہ سے خون آلود تھی لیکن اس کے اندر موجود شرٹ محفوظ تھی میں نے جیکٹ اتار دی۔ پھر وہاں موجود پانی لے کر چہرہ اور جسم کے دوسرے حصے صاف کیے۔ اس سے میں کسی حد تک صاف ستھرا نظر آنے لگا۔ ہیلی کاپٹر میں میڈیکل ایڈ بکس موجود تھا اس کی مدد سے بھی میرا تاثر بہتر ہوا۔ میں نے گیس ماسک پہلے ہی اتار دیا تھا اور اب میرے پاس اپنا اور بیتو کا نائٹ ویژن تھا وہ میں نے سادی کے بیگ میں رکھ دیا۔ میری پتلون کمانڈو ڈیزائن کی تھی لیکن آج کل ہر دوسرا شخص اسی قسم کی پینٹ پہن کر گھوم رہا ہے۔ میں نے خود کو صاف کرنے اور حلیہ بہتر بنانے میں خود کو مگن کر لیا کیونکہ میں ان شعلوں کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا جو بیتو کے جوان جسم کو چاٹ چکے تھے۔ اس بو کو محسوس نہیں کرنا چاہتا تھا جو دھوئیں کے ساتھ فضا میں پھیل رہی تھی۔ لیکن جب میں ساکت ہوا تو مجھے لگا میں خود کو مصروفیت کا دھوکا دے رہا تھا۔ میرا رواں رواں ان شعلوں کی طرف متوجہ تھا۔

اس سے پہلے میں جان نہیں پایا تھا کہ بیتو میرے لیے کیا ہے۔ مجھے اس کمسن لڑکے سے کتنی محبت ہے جس کی ہمت اور بہادری کا میں خود گواہ تھا۔ جو موت سے یوں کھیلتا تھا جیسے وہ اس کا پسندیدہ کھلونا ہو۔ جو مرنے سے کبھی نہیں ڈرا۔ شاید اسی لیے وہ آسانی سے موت کے ساتھ چلا گیا۔ اس کا پسندیدہ کھلونا اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ وہ میرا ہم وطن اور ہم مذہب بھی نہیں تھا۔ میں نے اس کے لیے کچھ بھی نہیں کیا تھا اس کے باوجود وہ مجھ سے منسلک ہو گیا۔ مجھ پر جان نثار کرنے لگا اور آخر میں اپنی زندگی مجھ پر وار گیا۔ جو گولی راج کنور نے میری جان لینے کے لیے چلائی تھی وہ اس نے اپنے وجود پر روک لی۔ اب اس کا وجود راکھ میں بدل رہا تھا۔ چتا سے ہڈیاں چٹخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرا ضبط ایک بار پھر جواب دے گیا۔ میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر زمین پر ہاتھ رکھ لیا اور خاموش آواز میں رونے لگا۔ اس وقت میں آس پاس سے بھی غافل ہو گیا تھا۔ مجھے خیال نہیں رہا تھا کہ کرنل قید ہے مگر دونوں پائلٹس تو آزاد ہیں۔ وہ مجھ پر حملہ کر سکتے تھے۔

مگر انہوں نے کوئی حرکت نہیں کی۔ شاید ان میں اتنی انسانیت تھی کہ مجھے اس سوگ میں نہ چھیڑیں۔ جب میرا دل ذرا ہلکا ہوا تو میں اٹھ کر ہیلی کاپٹر کی طرف آیا۔ سادی بے ہوش تھی لیکن اس کی نبض نارمل تھی۔ یہ بے ہوشی نہیں جسم کا سیلف ڈیفنس تھا جو قدرت نے خاص طور سے خواتین کو عطا کیا ہے۔ ان کا دکھ ہسٹریا کی صورت میں آنکھوں سے بہہ جاتا ہے یا وہ بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ کرنل مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پھر کہا۔ ''شہباز تم غلطی کر رہے ہو، ایک بار پھر سوچ لو..... تم اکیلے مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سوچنے کی مہلت ہی تو چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم کہاں جاؤ گے انڈیا کی سرزمین پر تم کہیں محفوظ نہیں ہو۔''

''میں بہت عرصے یہاں رہا ہوں اور اب تک محفوظ ہی رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور پائلٹس کو اشارہ کیا۔ وہ اپنی سیٹوں پر چلے گئے۔ ''میں تمہیں یہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں مجھے امید ہے تم خود کو آزاد کرا لو گے اور چند گھنٹوں بعد ڈیوڈ شا کے پاس واپس پہنچ جاؤ گے۔ مجھے کوئی نمبر دو جس پر میں تم سے یا ڈیوڈ شا سے رابطہ کر سکوں۔''

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ایک نمبر ہے لیکن اسے ذہن نشین کرو کہیں لکھنا مت۔''

''بتاؤ میں بھی لکھنے کا قائل نہیں ہوں۔''

اس نے نمبر بتایا جو میں نے تین چار بار دھرایا اور مجھے یاد ہو گیا۔ کرنل نے سمجھ لیا تھا کہ میں اپنی ہی کروں گا اس لیے اس نے دوبارہ نہیں کہا۔ البتہ جب ہیلی کاپٹر کا انجن اسٹارٹ ہوا تو اتنا کہا۔ ''اگر تمہیں مدد کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کال کر لینا۔''

''یقیناً میں ایسا ہی کروں گا۔'' میں نے سر ہلایا اور پچھلے حصے میں آ گیا۔ میں نے ایک چاقو کرنل کی طرف پھینکا اور سلائیڈنگ ڈور کھینچ کر بند کر دیا اور سامنے کے گردسیٹ بیلٹ لپیٹ دی۔ ہیلی کاپٹر کا انجن پوری رفتار سے چلنے لگا اور پھر وہ دھچکے سے اوپر اٹھا۔ میں نے آخری بار بیتو کی چتا دیکھی جس میں شعلے اب مدھم پڑ گئے تھے۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ بیتو کی راکھ یہیں رہ گئی تھی۔ وقت کی ہوا اسے منتشر کر دیتی اور اس کا نام و نشان مٹ جاتا۔ لیکن جب تک میں زندہ رہتا وہ میرے دل میں زندہ رہتا۔ ہیلی کاپٹر نے جنوب مشرق کا رخ کیا تو میں چونکا تھا۔ اس کے ریڈیو آف تھے اور وہ پہاڑوں کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ میں نے اشارے سے ہیڈ فون مانگا تو کو پائلٹ نے مجھے ایک ہیڈ فون تھما دیا۔ میں نے اسے پہن کر پائلٹ سے کہا۔ ''خیال رکھنا ہم زیادہ بلندی پر نہ جائیں۔''

''ہم اس وقت پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ نارمل بلندی ہے میدانی علاقے میں ہم تین ہزار فٹ کی بلندی پر آ جائیں گے۔''

''جب ایندھن ختم ہونے لگے تو کسی ہائی وے کے پاس رہنا ہم اتریں تو آگے بھی سفر کے لیے کچھ مل جائے اور تم دونوں کو بھی مشکل نہ ہو۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں ایسا ہی کروں گا۔''

میں ساوی کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے اس کے منہ پر پانی چھڑکا اور کچھ اس کے منہ میں ٹپکایا۔ وہ ہوش میں آنے لگی۔ میں نے مزید کوشش نہیں کی وہ خود سے جاگتی تو زیادہ اچھا تھا۔ پانچ منٹ بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور دس منٹ بعد وہ اٹھ بیٹھی۔ وہ اب ہوش میں تھی لیکن خاموش تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے جو قطے قطے سے رخساروں پر ڈھلک آتے تھے۔ میں نے اس کی طرف پانی کی بوتل بڑھائی۔ اس نے چند گھونٹ پانی لیا اور بولی۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''مشرقی پنجاب کے شہر لدھیانہ کی طرف۔'' میں نے کہا۔ ''وہاں سے ہم پاکستانی سرحد کی طرف جانے کی کوشش کریں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ آپ نے اچھا کیا۔'' سادی نے سر ہلایا۔''ڈیوڈ شانا قابلِ اعتبار شخص ہے۔ اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔''

''وسیم کی اس طرف سرحد پار آنے جانے والوں سے واقفیت ہے۔ وہ ان لوگوں کی مدد سے ہمیں سرحد پار کرا سکتا ہے۔'' پائلٹس کے خیال سے میں نے ہیڈ فون اتار دیا تھا اور ممکن حد تک دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

''بیتو.....؟'' سادی نے کچھ دیر بعد کہا تو میں نے سرد آہ بھری۔

''راکھ ہو گیا۔''

سادی پھر رونے لگی تھی مگر اب اس کے رونے میں شدت نہیں تھی۔ مجھے خیال آیا۔''سادی مجھے راج اور بڑے کنور کا بھی.....''

''کوئی ضرورت نہیں ہے ان کا افسوس کرنے کی۔'' اس نے تڑپ کر میری بات کاٹی۔''میرا ان خود غرض اور سفاک لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کاش میں سچ مچ بیتو کی بہن ہوتی۔ پلیز آیندہ ان کی بات مت کریئے گا۔ میرا ماضی بیتو ہے اور میرا حال اور مستقبل آپ لوگ ہیں اس کے علاوہ میرا کوئی ماضی نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔''ٹھیک ہے مجھے بھی اچھا نہیں لگتا کہ ان کا ذکر کیا جائے۔ بس اب تم ہماری ہو۔''

''شوبی ان لوگوں کو کیسے بتائیں گے؟'' سادی کا اشارہ پاکستان والوں کی طرف تھا۔

''پتا نہیں.....لیکن بتانا تو ہوگا۔''

میں نے سارا اسلحہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ نمایاں ہوتا تھا۔ میں نے صرف ایک چھوٹی شاٹ گن اور اس کے کچھ کارتوس سادی کے بیگ میں ڈال لیے تھے اور ایک پستول اور اس کے کچھ اضافی میگزین میری پتلون کی بیلٹ میں لگے ہوئے تھے۔ سادی کی طبیعت ٹھیک لگ رہی تھی ورنہ مجھے خدشہ تھا کہ اتنی بھاگ دوڑ کے بعد یہ فضائی سفر اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ میں گزشتہ بیس گھنٹے سے مصروفِ عمل تھا۔ شام کے ساڑھے چھ بج رہے تھے اور سورج مغربی افق پر جا پہنچا تھا مگر مجھے امید تھی جب تک ہم زمین پر اتریں گے روشنی برقرار رہے گی۔ سادی بھی سولہ سترہ گھنٹے سے بے آرام تھی اور اس دوران میں اسے بہت زیادہ حرکت بھی کرنا پڑی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ سرحد پار کرنے کا مرحلہ بھی آسان نہیں ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں کم سے کم ایک رات مکمل آرام کی ضرورت تھی۔

پائلٹ نے پلٹ کر اشارہ کیا تو میں نے ہیڈ فون لگایا۔ اس نے کہا۔''ہم لدھیانہ سے تیس کلومیٹرز دور ہیں اور اب مشکل سے دس منٹ کی پرواز کا ایندھن رہ گیا ہے۔''

''اوکے تم پانچ منٹ میں کوئی ہائی وے تلاش کرو اور اس کے ساتھ ساتھ تین منٹ پرواز کے بعد ہیلی کاپٹر نیچے اتار لو۔''

''یہ شرط مت لگاؤ اگر اترنے کے لیے مناسب جگہ نہ ملی۔''

''ہائی وے سے مناسب جگہ کون سی ہوگی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔''ناؤ گو۔''

پائلٹ نے سر ہلاتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی بلندی کم کرنا شروع کر دی۔ پانچ منٹ بعد ہم ایک بڑی ہائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وے پر تھے اور اس چھ لین کی ہائی وے پر بے پناہ ٹریفک تھا۔ ان میں بڑے ٹرکس اور بسیں بہت زیادہ تھیں۔ اس ٹریفک میں ہائی وے پر ہیلی کاپٹر اتارنا خودکشی کے مترادف ہوتا اور اس سے بہت زیادہ افراتفری پھیلتی۔ میں نے پائلٹ سے کہا۔ ''آس پاس کوئی جگہ دیکھو اور فوری ہیلی کاپٹر اتار لو۔''

اسی لمحے ایک سرخ روشنی جلنے بجھنے لگی جو اس بات کا اشارہ تھی کہ ایندھن بہت کم رہ گیا ہے۔ میں اور پائلٹ دونوں بے تابی سے اترنے کے قابل کوئی جگہ دیکھ رہے تھے اور جگہ بیک وقت ہم دونوں کو نظر آئی۔ یہ ایک کبڈی کا میدان تھا جس میں دو ٹیمیں نبرد آزما تھیں۔ پائلٹ ہیلی کاپٹر میدان کے اوپر لانے لگا۔ کھیلنے والے اپنا کھیل بھول کر ہیلی کاپٹر کی طرف متوجہ ہوئے اور جب وہ نیچے آنے لگا تو سب بھاگے تھے۔ ایک منٹ سے بھی پہلے میدان صاف ہو گیا تھا اور ہیلی کاپٹر آرام سے اس نرم مٹی والے میدان میں اتر گیا۔ پنکھے بے پناہ مٹی اڑا رہے تھے اس لیے میں نے اس وقت تک دروازہ کھولنے سے گریز کیا جب تک پنکھے تقریباً رک نہیں گئے اور مٹی اڑنا تھم نہیں گئی۔ میں نے سادی سے کہا۔ ''تم اس اسٹیٹ کی راجکماری ہو جس کا یہ ہیلی کاپٹر ہے میں تمہارا محافظ اور سیکرٹری ہوں۔''

وہ پھیکے انداز میں مسکرائی۔ ''جو چاہے بنا دیں۔''

یہ کوئی گاؤں تھا جس کے ساتھ ہی میدان میں کبڈی ہو رہی تھی اور تقریباً ساٹھ ستر تماشائی بھی تھے۔ اتنے لوگوں سے الجھنا اور بلاوجہ اسلحے کی نمائش یا زور زبردستی مناسب نہیں تھی اس کے مقابلے میں حکمت عملی سے کام لیا جاتا تو یہی لوگ ہماری مدد پر آمادہ ہو جاتے۔ میں نے سادی کو اندر رکنے کو کہا اور خود نیچے اتر آیا۔ میں نے دروازہ ذرا سا کھلا رہنے دیا تاکہ لوگ خود راجکماری کو دیکھ سکیں۔ ویسے سادی سچ مچ راجکماری ہی تھی۔ کنور خاندان راجا خاندان تھا اور وہ اب اس کی اکلوتی وارث تھی یا شاید اس کی ایک بہن اور بھی تھی۔ جاگیر و دولت اب اسے ملتی یا پھر راج کنور کے بچے وارث ہوتے۔ مگر اس وقت سادی ریاست چتر پور کی راجکماری تھی۔ ہیلی کاپٹر پر ریاست کا نام یہی تھا۔ اترنے سے پہلے میں نے پائلٹس کو خبردار کر دیا کہ وہ کوئی غلط حرکت یا بات کرنے سے گریز کریں جس کا انجام ان کی وفات کی صورت میں نکلے۔ میرے اترتے ہی دو تندومند سکھ سامنے آئے۔ وہ کبڈی کے کھلاڑی تھے۔

''توں کون اے۔'' ایک نے ہیلی کاپٹر میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ریاست چتر پور کے مہاراجا جگجیت سنگھ کا ہیلی کاپٹر ہے۔ فنی خرابی کی وجہ سے ہیلی کاپٹر یہاں اتارنا پڑا۔ تم لوگوں کا کھیل خراب ہوا لیکن معاملہ جان کا تھا۔ ہیلی کاپٹر میں ریاست کی راجکماری سفر کر رہی ہیں۔''

''توں کون اے؟'' دوسرے سکھ نے بھی وہی سوال کیا۔

''میں پرنسز کا سیکرٹری اور باڈی گارڈ ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''کیا ہمیں یہاں سے آگے جانے کے لیے کوئی گاڑی مل سکتی ہے؟''

''آگے کہاں؟''

''ہمیں ہوشیار پور جانا ہے۔ وہاں راجا رنبیر سنگھ کے پوتے کی سگائی ہے پرنسز اسی میں شرکت کے لیے جا رہی تھیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجاؤں کے ذکر سے زیادہ انہیں ہیلی کاپٹر اور اس میں موجود سادی کی جھلک نے متاثر کیا تھا۔ ایک سکھ بولا۔ ''کیوں نہیں سرکار گڈیاں بہت..... تسی حکم کرو۔''

''میری خیر ہے پر پرنسز ہر گاڑی میں سفر نہیں کر سکتی ہیں۔'' میں نے تنبیہ کی۔ اس پر وہاں موجود گاؤں کے سرکردہ لوگوں میں مختصر میٹنگ ہوئی اور طے ہوا کہ فتیلے کی گڈی پرنسز کے لیے موزوں رہے گی۔ وہ مضبوط بھی تھی اور طویل سفر کر سکتی تھی۔ فیتا سنگھ عرف فتیلا وہیں موجود تھا۔ وہ درمیانے قد اور درمیانے جسم کا صورت سے شریف نظر آنے والا شخص تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ فٹافٹ جا کر گاڑی لے آئے کیونکہ راجکماری کو بہر صورت آج کے دن وہاں پہنچنا ہے اور کل سے شادی کی تقریبات کا آغاز ہو جائے گا۔ جب تک گاڑی آتی میں نے گاؤں کے معززین کو پابند کر دیا کہ وہ پائلٹس اور ہیلی کاپٹر کی دیکھ بھال کریں گے جب تک مدد نہ آ جائے۔ ان سے نمٹ کر میں واپس ہیلی کاپٹر میں آیا۔ میں نے پائلٹس سے کہا۔ ''ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور ان کو بتایا ہے کہ ہیلی کاپٹر میں فنی خرابی ہوئی ہے۔ ہمارے جانے کے بعد تم ریڈیو پر کسی سے مدد طلب کر سکتے ہو لیکن بہتر ہوگا ہمارے بارے میں کسی کو مت بتاؤ۔ ورنہ ممکن ہے تم پر اپنے آقا کی طرف سے عتاب نازل ہو میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''سمجھ رہا ہوں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تمہاری مہربانی کہ ہمیں مار کر نہیں جا رہے۔''

''میں بلاوجہ کسی کو نہیں مارتا اور ہاں کرنل کے بارے میں بھی بتا دینا وہ اب تک وہیں پھنسا ہوگا۔''

اس نے صرف سر ہلایا۔ مجھے امید تھی کہ وہ اپنے کام سے کام رکھیں گے۔ فتیلا دس منٹ میں اپنی گڈی لے آیا۔ میری توقع کے عین مطابق یہ خستہ حال بھارتی ساختہ ٹیکسی تھی لیکن گاؤں والوں کے لیے یہ کسی لگژری کار سے کم نہیں تھی۔ مگر میں نے اس پر تبصرہ نہیں کیا کیونکہ اصل مرحلہ یہاں سے جلد از جلد نکل جانے کا تھا۔ میں نے سادی کا بیگ اٹھا کر ٹیکسی میں رکھا اور وہ بہت نزاکت اور نخرے کے ساتھ آ کر ٹیکسی میں بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ راجکماری کی مکمل اداکاری کر رہی تھی۔ ویسے گاؤں والے حیران تھے کہ راجکماری اتنے سادہ حلیے میں اور اتنے معمولی سے سامان کے ساتھ تھی۔ میں نے ان کے شکوک رفع کرنے کے لیے بیان جاری کیا کہ راجکماری فضائی سفر میں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں اور ان کا سامان سڑک کے راستے پہلے ہی ہوشیار پور پہنچ چکا ہے۔ ہیلی کاپٹر میں اتنا سامان لے جانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے کہا۔ ''اس میں تو راجکماری کے زیورات کے بکس بھی نہیں آتے۔''

ہیلی کاپٹر اترنے کے دس منٹ بعد سورج غروب ہو گیا تھا اور اب مکمل اندھیرا تھا۔ مگر وہاں موجود افراد جانے کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس لیے جب ٹیکسی حرکت میں آئی تو میں نے ور سادی نے سکون کا سانس لیا۔ مجھے سب سے بڑا خدشہ یہ تھا کہ کہیں سوال جواب نہ شروع ہو جائیں یا کوئی چتر ر کا واقف کار نہ نکل آئے یا کوئی ہوشیار پور کے مفروضہ راجا کی ہسٹری سے واقف ہو جس کی الف بے سے بھی م ناواقف تھے تو معاملہ خراب ہو جاتا اور پھر بات وہیں طاقت کے استعمال تک آ جاتی جس سے آگے مزید زایاں پیدا ہوتیں۔ میں فتیلے کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا جس کی زبان ٹیکسی کے انجن کے ساتھ ہی حرکت میں آ گئی ی۔ وہ پہلے تو ہمیں اپنی خاندانی تاریخ سناتا رہا، اگر ہم بیتو کے صدمے میں نہ ہوتے تو بہت ہنستے مگر ہمارے ں پر مسکراہٹ تک نہیں آئی۔ ہائی وے تک آنے پر میں نے اسے خبردار کیا کہ پرنسز خاموشی پسند ہیں اور اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آس پاس بلاضرورت شور پسند نہیں کرتی ہیں۔اس پر وہ خاموش ہوا تھا۔

ہم ہائی وے پر الٹی سمت گئے تھے۔ بہ ظاہر ہمارا رخ واپس شملہ کی طرف تھا لیکن کچھ دیر بعد ٹیکسی ایک ذیلی ہائی وے پر مڑی جو ہوشیار پور کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے فتیلے سے معلومات حاصل کیں اور ان کے مطابق پچھلی ہائی وے لدھیانہ کی طرف جا رہی تھی۔ دیگر معلومات میں نے یہ حاصل کی کہ راستے میں کوئی پولیس چوکی اور چیک پوسٹ آتی ہے یا نہیں۔اس نے انکشاف کے انداز میں گالی دے کر کہا۔''کوئی جگہ ان..... سے خالی ہے۔ ہر جگہ کھانچے کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔''

میں نے اچانک کہا۔''واپس چلو.....''

وہ بھونچکا رہ گیا۔''واپس..... کیا گاؤں چلوں؟''

''نہیں.....اب ہم لدھیانہ جائیں گے وہاں راجا صاحب کی ایک کوٹھی ہے۔''

''تو پہلے بتانا تھا جی وہیں چلتے۔''اس نے کہا۔

''پرنسز نے ابھی ارادہ کیا ہے پہلے تم کو کہاں سے بتاتا۔''

''انہوں نے کب کہا ہے جی؟''وہ پھر حیران ہوا۔

''ابھی.....ہم تابعدار خادم ہیں آنکھ کا اشارہ سمجھتے ہیں۔''میں نے کہا۔ کچھ دیر بعد آنے والے اولین کٹ سے اس نے ٹیکسی واپس موڑ لی۔ بیس منٹ بعد ہم اس کے گاؤں کے پاس سے گزر رہے تھے ہیلی کاپٹر اپنی جگہ موجود تھا۔ مجھے امید تھی کہ ایک دو گھنٹے میں ان کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور وہ یہاں سے پرواز کر جائیں گے۔ کچھ دیر بعد ہم ایک چیک پوسٹ کے پاس سے گزر رہے تھے لیکن وہاں موجود پولیس نے ہمیں روکا نہیں۔ وہ صرف بسوں اور ٹرکوں کو روک رہے تھے۔ کیونکہ اسی سے ان کی آمدنی ہوتی تھی۔ گاڑیوں کو روکنے سے بعض اوقات لینے کے دینے پڑ جاتے تھے۔ انڈیا میں دولت مند اور اونچے طبقے کے لوگ بھی ٹیکسیوں یا عام سی گاڑیوں میں سفر کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے ہیں۔ فتیلے نے پوچھنے پر بتایا کہ یہ ہائی وے پچانوے تھی۔ ہم چندی گڑھ کی طرف جاتے ہوئے ہوشیار پور کی طرف مڑے تھے۔ وہ ہائی وے اکتیس تھی۔

میں اس کی گفتگو ذہن نشین کر رہا تھا۔ اس نے مزید بتایا کہ ہائی وے پچانوے ہی موگا سے آگے فیروز پور کی طرف جاتی تھی اور یہی ہائی وے آگے جا کر پاکستان میں داخل ہونے کے بعد فیروز پور روڈ بن جاتی تھی جو قصور سے ہوتی لاہور تک چلی جاتی تھی۔ فیروز پور مشرقی پنجاب میں اہم ترین شہر تھا کیونکہ اس کے پاس ہی ستلج کا ہیڈ ورک تھا اور ریڈکلف نامی بددیانت شخص نے اسے فراخ دلی سے انڈیا کو بخش دیا تھا حالانکہ یہ آبادی اور اہمیت کے لحاظ سے پاکستان کا فطری حصہ تھا۔ اسے انڈیا کو دینے کا مقصد پاکستان کو ستلج کے پانی سے محروم کرنا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ اس کا کنٹرول سنبھالتے ہی انڈیا نے پانی بند کر دیا۔ ایک نام نہاد معاہدے کے ذریعے انڈیا کو تین مشرقی دریا بخش دیئے گئے حالانکہ وہ سارے کے سارے کشمیر سے آتے ہیں اور کشمیر ہمارا حصہ ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی اس فراخ دلی کا انڈیا کے ہوشیار حکمرانوں نے یہ جواب دیا کہ اب وہ باقی تین دریاؤں پر بھی دھڑا دھڑ ڈیم بنا رہے ہیں اور مستقبل میں وہ ہمارا پانی مکمل طور پر بند کرنے کی پوری تیاری کر رہے ہیں۔

فیروز پور کا نام سن کر یہ ساری باتیں میرے ذہن میں آئی تھیں۔ ٹیکسی والے نے پتا پوچھا تو میں چونکا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے کہا۔ ''فی الحال ہمیں کسی اچھے شاپنگ سینٹر پر اتار دو..... پرنسز نے کچھ لینا ہے ہم وہاں سے پیلس جائیں گے۔''

فیتلے کے چہرے پر شک آیا تھا مگر وہ جرأت نہیں کر سکا کہ ہیلی کاپٹر سے اترنے والوں پر کسی قسم کا شک کر سکے۔ اگر ہم وہ نہیں تھے جو ظاہر کر رہے تھے تب بھی اس کی اوقات سے بہت اوپر کی چیز تھے اس لیے اس نے خاموش رہنے میں عافیت سمجھی۔ اس نے ہمیں لدھیانہ شہر کی سول لائن کے پاس بازار میں اتارا اس میں کئی جدید شاپنگ سینٹر تھے۔ یہ بڑا شہر نہیں ہے مشکل سے چند کلومیٹرز پر پھیلا ہوا ہے۔ مگر اس شہر نے تقسیم سے پہلے بے شمار شاعر اور عالم پیدا کیے۔ نیچے اترنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ میری جیب تو خالی تھی۔ میں نے بیگ کھولا اور اس میں سے ایک پانچ سو والی گڈی سے ایک نوٹ نکال کر فیتلے کے حوالے کیا۔ اس کے چہرے پر جو خوشی دکھائی دی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''اب جاؤ۔''

وہ سلام کر کے رخصت ہو گیا۔

○.....❖.....○

میں سادی کے ہمراہ پہلے ایک ریستوران کی طرف بڑھا۔ ہم دونوں کا تھکن اور بھوک پیاس سے برا حال تھا۔ ریستوران میں کھانے کا آرڈر کر کے ہم نے باری باری خود کو اس کے واش روم میں فریش کیا۔ میدانی علاقے میں گرمی بے پناہ تھی اور اے سی میں آ کر سکون ملا تھا۔ سادی کی آنکھیں مسلسل رونے سے سوج رہی تھیں۔ منہ دھو کر اس کا چہرہ بہتر ہوا تھا۔ کھانے کا موڈ نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے لیے چائے اور اپنے لیے کافی کے ساتھ اسنیکس کا آرڈر دیا۔ ویٹر نے ڈنر کے وقت ان چیزوں کے آرڈر پر مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں اور خاموشی سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سادی نے پوچھا۔ ''اب ہم کیا کریں گے؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ رات یہاں رک کر ہم صبح کہیں اور جائیں گے اور پھر وسیم اور دوسروں سے رابطہ کریں گے۔''

وسیم کے نام پر اس کا چہرے پر رنگ آیا تھا اس نے لجاجت سے کہا۔ ''شوبی کیا آج رابطہ نہیں کر سکتے؟''

''آج۔'' میں نے سوچا اور پھر سر ہلایا۔ ''کوشش کر سکتے ہیں۔''

لیپ ٹاپ اور اس کے ساتھ دوسرا سامان نہ جانے کہاں گیا تھا مگر مجھے موبائل کے مقابلے میں انٹرنیٹ سے رابطہ محفوظ لگا تھا۔ چائے اور کافی کے ساتھ ہلکی پھلکی چیزوں نے ہمیں کسی قدر تازہ دم کر دیا تھا۔ ریستوران سے نکل کر ایک شاپنگ سینٹر میں داخل ہوئے۔ میں نے اپنے لیے پینٹ اور ڈریس شرٹ کے جوڑے لیے۔ بنیان اور موزے لیے۔ جوتے مجھے اسی اسٹور میں مل گئے تھے۔ سادی کو کپڑوں کی ضرورت نہیں تھی اس لیے اس نے ایسی چیزوں کی خریداری کی جن سے ہمارا حلیہ مختلف نظر آتا۔ میرے لیے اس نے سن گلاس اور سادہ شیشوں والے فریم لیے۔ ایک پی کیپ تھی۔ اپنے لیے اس نے فیشن ایبل قسم کے دو ہیٹ لیے تھے۔ ٹرائی روم میں، میں نے لباس تبدیل کیا۔ اتارا جانے والا لباس میں نے باہر نکل ایک ڈسٹ بن میں ڈال دیا تھا۔ میرا اضافی جوڑا اور دوسرا سامان سادی کے بیگ میں آ گیا تھا اس کے لیے ہمیں الگ سے کوئی بیگ لینے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہیں سے میں نے معلوم کیا تو اسی بازار میں ایک شاپ کا پتا چلا جہاں مجھے کمپیوٹر اور اسی قسم کا دوسرا سامان مل سکتا تھا۔

انڈیا کے ایک چھوٹے سے شہر میں بھی کمپیوٹر اور دوسرے سامان کی ایسی جدید شاپ موجود تھی جہاں سب کچھ دستیاب تھا۔ میں اندر داخل ہوا تھا کہ میری نظر ایک ڈسپلے میں سجے بڑی اسکرین والے ٹیب کمپیوٹرز پر گئی۔ یہ اس وقت نئے آئے تھے اور تیزی سے مقبول ہو رہے تھے، میں نے سوچا کہ کمپیوٹر کے بجائے ٹیب کیوں نہ لے لوں۔ میں نے شاپ کیپر کو بتایا کہ مجھے ایسا ٹیب چاہیے جس میں انٹرنیٹ کے لیے الگ سے کچھ لگانا نہ پڑے۔ اس نے فوراً ایک ٹیب نکال کر میرے سامنے رکھا۔ ''سر یہ انٹرنیٹ ریڈی ہے اس میں پلگ ہے۔ صرف کنکشن آن کرانا پڑے گا۔''

''کنکشن کیسے آن ہوگا؟''

''سر آپ انٹرنیٹ پرووائڈر سے.....''

''سوری میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کیا یہ کام آپ نہیں کر سکتے۔ میں ادائیگی کروں گا۔''

''کیوں نہیں سر۔'' اس نوجوان سکھ نے خوشدلی سے کہا۔ ''انٹرنیٹ سمیت یہ آپ کو پینتیس ہزار میں پڑے گا۔ اس میں تین مہینے کا انٹرنیٹ بھی شامل ہوگا۔''

''ٹھیک ہے تم اسے ایکٹو کرادو اور اس دوران میں ذرا اس کا استعمال سمجھا دو۔''

''مجھے آتا ہے۔'' سادی نے مداخلت کی۔ ''مانی کے پاس ہے اس نے سکھایا تھا۔''

''بس تو تم انٹرنیٹ آن کرادو۔''

''آپ بیٹھیں میں یہ کام کراتا ہوں۔'' اس نے سامنے لگی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پندرہ منٹ میں اس نے انٹرنیٹ آن کرا کے ہمیں چیک کرایا اور بولا۔ ''اسے کراس دی انڈیا کہیں بھی اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے سگنل ہر جگہ ملیں گے۔ اس میں ڈبل کیمرا ہے فرنٹ کیمرے سے اسکائپ پر ویڈیو کال کی جا سکتی ہے۔''

''بیٹری ٹائمنگ کتنی ہے؟''

''نارمل یوز پر چار سے چھ گھنٹے اور آڈیو ویڈیو پر تین سے چار گھنٹے۔ یہ ہر طرح کی ویڈیو پلے بیک کر سکتا ہے۔''

اس نے کر کے دکھایا۔ اس کے ساتھ چارجر، ہینڈ فری اور کچھ اور چیزیں بھی تھیں۔ سادی کسی قدر پُرجوش ہو گئی تھی۔ باہر آ کر اس نے کہا۔ ''اب ہم وہاں بات کر سکتے ہیں۔''

''ہاں لیکن اس کے لیے ہمیں کسی جگہ کی ضرورت ہوگی جہاں ہم کسی کی نظر اور کان میں آئے بغیر پاکستان رابطہ کر سکیں۔'' میں نے کہا اور ایک ٹیکسی والے کو روکا۔ اندر بیٹھ کر میں نے اس سے کسی ایسے ہوٹل کی طرف چلنے کو کہا جہاں کھانے کے ساتھ ساتھ رکنے کا انتظام بھی ہو۔ ٹیکسی والے نے جس معنی خیز سے نظروں سے سادی کو دیکھا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ٹیکسی والے نے کیا سوچا ہے مگر ہماری بلا سے وہ جو چاہے سوچتا رہے۔ اس نے ایک ذرا اچھے درجے کے ہوٹل کے سامنے ٹیکسی روکی اور جب میں اسے کرایہ دے رہا تھا تو اس نے آہستہ سے کہا۔ ''سر جی اگر کوئی کمرا چاہیے تو وہاں ساگر سے بات کرنا..... وہ ویٹر ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سادی ذرا دور تھی وہ نہیں سن سکی ورنہ مزید برا مناتی۔ ہمارا مسئلہ یہ تھا کہ ہمارے پاس کوئی شناختی چیز نہیں تھی۔ ہوٹل والے اس کے بغیر کمرا نہیں دیتے۔ ایسے میں ٹیکسی والے کی خراب ذہنیت کام آئی اس نے ہمیں عیاش جوڑا سمجھا اور اپنے جاننے والا کا نام دے دیا۔ ساگر ہماری مدد کر سکتا تھا۔ ڈائننگ ہال بڑا اور اس وقت بھرا ہوا تھا۔ رات کے دس بجے وہاں مشکل سے کوئی میز خالی نظر آ رہی تھی مگر ایک ہیڈ ویٹر نے ہمارے لیے جگہ نکال لی۔ میں نے سی فوڈ کا آرڈر دیا تھا تاکہ حلال حرام کا مسئلہ نہ ہو۔ بھوک ہم دونوں کو نہیں تھی۔ ہم تو یہاں کسی اور مقصد کے تحت آئے تھے۔ جو ویٹر آرڈر لینے آیا میں نے اسے آرڈر کے ساتھ ہی ایک پانچ سو کا نوٹ تھما دیا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسا تاثر آیا تھا کہ اگر میں اسے حکم دیتا کہ اپنے باپ کو قتل کر دو تو شاید وہ یہ بھی کر گزرتا۔ آرڈر ری پیٹ کرتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔ ''سر کوئی خدمت؟''

''ساگر نامی ایک ویٹر ہے یہاں؟''

وہ چونکا۔ ''ہے لیکن سر جو کام ساگر کر سکتا ہے وہ میں بھی کر سکتا ہوں۔''

میں نے سوچا اور آہستہ سے کہا۔ ''ہمیں ایک رات کے لیے کمرا چاہیے۔ بغیر کسی لکھا پڑھی کے..... تم سمجھ رہے ہو نا؟''

ٹیکسی ڈرائیور کی نسبت یہ ویٹر نہایت گھاگ اور تجربے کار تھا اس نے نظر اٹھا کر بھی سادی کو نہیں دیکھا اور نہایت نارمل لہجے میں بولا۔ ''کیوں نہیں سر..... بالکل مل سکتا ہے۔''

''کوئی مسئلہ نہ ہو..... نہ ابھی..... نہ رات میں اور نہ صبح۔'' میں نے کسی قدر بدلے لہجے میں کہا۔ ''میں مسئلے پسند نہیں کرتا ہوں ان کا فوری حل نکال لیتا ہوں۔ اس میں مجھے صرف مالی نقصان ہوتا ہے لیکن دوسروں کا نقصان اس سے آگے کا ہوتا ہے۔''

اس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اس نے جلدی سے کہا۔ ''سر کوئی مسئلہ نہیں ہوگا..... میں گارنٹی دیتا ہوں۔''

''اس صورت میں تمہاری توقع سے زیادہ ملے گا۔''

''آپ آرام سے ڈنر کریں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کوشش کریں کم سے کم دو گھنٹے یہاں رکیں تاکہ آپ کو باہر کہیں انتظار نہ کرنا پڑے۔''

اس کے جانے کے بعد ہم نے ڈنر شروع کیا۔ سادی کم کھا رہی تھی مگر میں نے اصرار کیا۔ ''سادی کھاؤ..... ہمیں آنے والے وقت کے لیے توانائی کی ضرورت ہے۔ یہ سوچ کر کھاؤ..... ویسے بھی ہمیں یہاں دو گھنٹے گزارنے ہیں۔''

ہم نے بہت سکون سے ڈنر کیا۔ سب کھایا اس کے بعد میں نے اپنے لیے کافی اور سادی کے لیے اورنج جوس منگوایا۔ اسے دوائیاں لینی تھیں۔ ابھی ساڑھے گیارہ بجے تھے اور آرام دے نشست پر بھی سادی تھکی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ میں نے ویٹر کے لیے اشارہ کیا تو وہی ویٹر نمودار ہوا۔ اس نے لجاجت سے کہا۔ ''سر پلیز..... صرف پندرہ منٹ اور..... نائٹ شفٹ چینج ہو رہی ہے۔ اس میں اپنا آدمی آئے گا اور وہ کوئی مسئلہ نہیں ہونے دے گا۔''

مجبوراً ہمیں مزید بیٹھنا پڑا اور اس کے لیے مجھے ایک کافی اور پینا پڑی تھی۔ خدا خدا کر کے ویٹر گیارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پچاس پر واپس آیا۔ اس نے بل میرے سامنے رکھا اور میں نے اسے دیکھ کر رقم بل کے ساتھ رکھ دی۔ اس نے کہا۔ ''میرے ساتھ آیئے سر۔''

وہ پھرتی سے چند قدم آگے چلا گیا اور ہم اٹھ کر یوں لابی کی طرف آئے جیسے ہوٹل سے جا رہے ہوں۔ ویٹر لابی میں ایک کونے میں دکھائی دیا اور اس نے ہمیں اشارہ کیا۔ میں سادی کا ہاتھ تھام کر اس طرف بڑھ گیا۔ یہ عام گزرگاہ نہیں تھی۔ سیڑھیوں کی ساخت بتا رہی تھی کہ یہ ہنگامی حالات کے لیے مخصوص تھیں۔ ویٹر ہمیں تیسری منزل پر لایا۔ اتنی سیڑھیاں چڑھ کر سادی کی سانس پھول گئی تھی اور اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ مجھے اسے سہارا دینا پڑا تھا۔ تیسری منزل پر ایک سنسان راہداری میں ویٹر نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ چابی اس کے پاس تھی۔ ہم اندر آئے اس نے ماسٹر سوئچ دبایا تو پورا کمرا روشن ہو گیا تھا۔ ایک طرف بڑے سائز کا ڈبل بیڈ تھا جس پر قیمتی ویلوٹ کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ فرش پر دبیز قالین تھا۔ ایک طرف کھڑکی پر بھاری پردے تھے۔ وسط میں فانوس لگا ہوا تھا۔ ایک کونے میں دو عدد ٹو سیٹر صوفے تھے۔ دیواروں پر پینٹنگ آویزاں تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھ کا دروازہ کھول کر دکھایا اور پھر اسے سی چلایا۔

''ایوری تھنگ از اوکے اینڈ فائن۔''

''فائن۔'' میں نے کہا۔ ''ایک رات کا رینٹ کیا ہوگا؟''

''صرف دس ہزار سر۔'' اس نے سکون سے کہا۔ ''ویسے اس کا رینٹ سات ہزار ہے لیکن اس کے لیے رجسٹر میں نام اور پتا دینا لازمی ہوتا ہے۔ اب آپ سے کوئی نام پتا نہیں پوچھے گا۔''

میں نے پانچ ہزار نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھے۔ ''یہ نصف پیشگی ہے۔''

''سوری سر رینٹ مکمل ایڈوانس ہوتا ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ میں نے سوچا اور باقی پانچ ہزار بھی اسے دے دیئے ساتھ ہی میں نے شرٹ اٹھا کر اسے پستول کی جھلک دکھائی۔

''کوئی گڑبڑ نہ ہو ورنہ.....''

اس کا رنگ بدلا تھا اس نے جلدی سے کہا۔ ''کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔''

''گڈ، میں دے کر پیسا واپس لینے کا قائل نہیں ہوں۔''

''سر کسی اور چیز کی ضرورت۔'' اس نے اشارہ کیا۔ ''یہاں سب دستیاب ہے ملکی بھی اور غیر ملکی بھی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے شکریہ۔'' میں کھردرے لہجے میں کہا تو وہ سلام کر کے جانے لگا۔ پھر دروازے پر رکا۔ ''سر آپ باہر نہیں جائیں گے نہ روم سروس کو کال کریں گے۔ اور نہ ہی آنے والی کوئی کال ریسیو کریں گے۔ یہاں سے کوئی آواز بھی باہر نہ جائے جس سے آس پاس والے ڈسٹرب ہوں اور سر کمرا صبح نو بجے خالی کرنا ہوگا۔''

''میں جانتا ہوں پہلی بار کسی ایسی جگہ نہیں آیا ہوں۔'' میں نے کہا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ سادی ایک طرف محجوب سی بیٹھی تھی۔ میں اس کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ''سوری گڑیا..... یہ مجبوری ہے۔''

''میں جانتی ہوں شوبی۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''پھر بھی مجھے شرم آ رہی ہے۔''

''اسے بھول جاؤ۔'' میں نے ٹیب نکالتے ہوئے کہا۔ ''تم فریش ہو کر آ جاؤ میں رابطہ کر رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں آتی ہوں۔'' وہ بولی اور واش روم کی طرف چلی گئی۔ میں نے اسکائپ آن کیا اور سفیر کے نمبر پر کال کی۔ جب بیل جا رہی تھی تو میرا دل بیٹھنے لگا۔ میں کیسے ان لوگوں کو یہ خبر سناؤں گا۔ جب کہ میں نے خود ابھی تک اسے ذہنی طور پر قبول نہیں کیا تھا۔ سفیر نے کال وصول کی اور میری آواز سن کر حسب معمول چلایا۔

''ابے تُو کہاں مر گیا ہے کوئی رابطہ ہی نہیں۔''

''بس یار ابھی فرصت ملی ہے..... مرا نہیں کہ مرنے کی فرصت بھی نہیں تھی۔'' میں نے خالی ذہن کے ساتھ کہا۔ جذبات اور احساسات کی ہلکی سی لہر بھی نہیں تھی۔

''بیتو کہاں ہے تم لوگ سادی کو لے آئے؟''

''بیتو مر گیا ہے..... ہاں سادی کو لے آیا ہوں۔'' میں نے اسی کیفیت میں کہا۔ میرے الفاظ نے سفیر کو شاک دیا تھا۔ وہ سمجھا کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔

''بکواس نہ کر ایسی ڈھیٹ چیزیں اتنی آسانی سے جان نہیں چھوڑتی ہیں۔''

''نہیں یار وہ بہت آسانی سے مر گیا۔'' میرا لہجہ گلوگیر ہونے لگا۔ ''یار سفیر بیتو مر گیا سچ مچ مر گیا۔''

''نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا۔'' سفیر نے کہا پھر وہ بھی رونے لگا۔ ''یہ تم دونوں کی سازش ہے تم مجھے تنگ کر رہے ہو۔ میں اسے بہت تنگ کرتا ہوں نا..... شہباز میرے ساتھ حرامی پن مت کر..... میری بیتو سے بات کرا..... وہ مجھ سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔''

''سفیر وہ چلا گیا ہے سب کو چھوڑ کر۔''

اسی لمحے سفیر سے موبائل وسیم نے چھین لیا۔ ''شہباز صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں..... بیتو.....'' اس کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی۔

''ہاں یار۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بچاتے ہوئے اس نے اپنی جان وار دی۔ ہم اسے بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکے تھے۔ اس نے میرے ہاتھوں میں جان دے دی۔''

وسیم بھی رو رہا تھا۔ عبداللہ آ گیا اس نے موبائل لیا تو اسے بھی بتانا پڑا تھا۔ پہلے وہ شاک میں رہ گیا تھا۔ پھر اس نے سادی کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ میرے ساتھ ہے..... واش روم گئی ہے۔ ایک منٹ میں اسے بلاتا ہوں۔''

میں نے دروازے پر دستک دی۔ سادی باہر آئی تو اس کا چہرہ پانی سے نہیں آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ ''تم بات کرو میں آتا ہوں۔''

جب تک میں اپنے دل کا بوجھ کم کر کے آیا سادی رو دھو کر خاموش ہو گئی تھی اور اس کی وسیم سے بات بھی ہو گئی تھی۔ دوسری طرف سفیر اور عبداللہ نے بھی وسیم کو اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ سادی نے ویڈیو کال ملائی تھی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ بیتو کا دکھ اپنی جگہ لیکن سادی کو دیکھ کر وسیم کے چہرے پر جو اطمینان آیا تھا وہ محسوس کیا جا سکتا تھا۔ جب تک سادی واپس نہیں آئی وسیم کے دل پر جو بیت رہی تھی وہ وہی جانتا تھا یا پھر سادی جانتی تھی۔ یہ اطمینان ہی ان کی دلی کیفیت کو ظاہر کر رہا تھا سادی نے مجھ سے کہا۔ ''وسیم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

وسیم نے کہا۔ ''سادی نے مجھے مختصراً حالات سے آگاہ کر دیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یعنی اب تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمہیں کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟''

''آپ فکر نہ کریں میں خود روانہ ہو رہا ہوں اور اپنے آدمی بھی ساتھ لاؤں گا۔'' اس نے کہا۔ ''آپ کل صبح مجھ سے رابطہ کیجئے گا۔ اس وقت تک سچویشن واضح ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے لمبی بات کرنا مناسب نہیں ہے اور ہم بہت تھکے ہوئے ہیں۔ سادی کو آرام کی ضرورت ہے۔ کل صبح بات کریں گے۔'' میں نے کہا اور ٹیپ آف کر دیا۔ سادی بستر پر نیم دراز ہو گئی تھی۔ اے سی چلنے کے بعد کمرا خنک ہو گیا تھا۔ یہاں دو ہلکے کمبل موجود تھے۔ میں نے ایک کمبل اور تکیہ اٹھایا۔ ''تم سو جاؤ..... میں نیچے لیٹ رہا ہوں۔''

وہ بے چین ہو گئی۔ ''شوبی نیچے صرف قالین ہے آپ بے آرام ہوں گے۔''

''میں تو کھردری زمین پر سوتا آیا ہوں۔ تم فکر مت کرو قالین دبیز ہے۔ میں کمبل بھی بچھا لوں گا۔ تم سو جاؤ۔'' میں نے کہا اور قالین پر تکیہ رکھ کر لیٹ گیا۔ ابھی سردی محسوس نہیں ہوئی تھی کہ کمبل لیتا۔ سادی کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

''شوبی کیا ہم بیتو کے لیے دعا نہیں کر سکتے؟''

''پتا نہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ہم ان نبی ﷺ کے اُمتی ہیں جنہوں نے منافقوں کی بخشش کے لیے بھی دعا کی تھی۔ بیتو منافق تو نہیں تھا۔ ہم اللہ سے مدد مانگ سکتے ہیں آگے وہ مرضی کا مالک ہے کہ بخشے یا نہ بخشے۔''

سادی خاموش ہو گئی پھر اس نے نہیں کہا تھا۔ میں نے دل میں بیتو کے لیے دعا کی اور سونے کی کوشش کرتے لگا۔ جسم خستہ حال ہو رہا تھا اور دل کی کیفیت اس سے بھی زیادہ خستہ تھی۔ اس کے باوجود بہت مشکل سے نیند آئی۔ میں شاید دو بجے سویا تھا اور صبح سات بجے آنکھ کھل گئی۔ جسم ٹوٹ رہا تھا اور سر میں درد تھا۔ سادی بے خبر سو رہی تھی میں نے اسے سونے دیا اور خود اٹھ کر واش روم میں آیا۔ یہ لگژری قسم کا باتھ روم تھا جس میں باتھ ٹب بھی تھا۔ میں نے اسے گرم پانی سے بھرا۔ اس میں کلون اور جراثیم کش ملایا اور کپڑے اتار کر اس میں بیٹھ گیا۔ جہاں جہاں زخم تھے اور کسی قدر بہرے تھے وہاں مرچیں لگی تھیں۔ کچھ دیر میں تکلیف کم ہو گئی اور گرم پانی جسم سے درد کھینچنے لگا تھا۔ میں گردن تک اس میں ڈوب کر لیٹ گیا۔ میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نو بجے ہمیں یہاں سے نکلنا تھا اس کے بعد ہم کہیں ناشتہ کرتے اور پھر گھومتے پھرتے رہتے۔ اگر وسیم صبح تک یہاں پہنچ کر ان لوگوں سے رابطہ کر لیتا جو سرحد پار کراتے تھے تو ممکن ہے آنے والی رات ہم پاکستان میں ہوتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمیں پھر رات گزارنے کے لیے یہ ٹھکانہ تو ملا ہوا تھا۔ نو گھنٹے کا آرام کافی ہوتا۔

میں شاید غنودگی میں چلا گیا تھا اچانک برابر والے کمرے سے ایسی دھمک ہوئی جیسے کوئی دیوار سے ٹکرایا ہو۔ ساتھ ہی ہلکی سی نسوانی چیخ سنائی دی تھی۔ میں چونک گیا۔ شاید برابر والے کمرے میں کوئی جوڑا تھا اور مرد نے معاملات سلجھانے کے لیے بازو کا سہارا لیا تھا۔ دھمک خاصی بلند تھی اور اتنی قوت سے کوئی دیوار سے ٹکرائے تو اس کی وفات کا امکان بھی ہو سکتا تھا۔ مگر جب آواز دوبارہ نہیں سنائی دی تو میں واپس لیٹ گیا۔ پھر مجھے وقت کا خیال آیا۔ برابر سے اپنی رسٹ واچ اٹھا کر دیکھی۔ سوا آٹھ بج رہے تھے۔ میں سوا گھنٹے سے یہاں تھا۔ گرم پانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے میل کچیل کے ساتھ درد بھی کھینچ لیا تھا اور میرا جسم ہلکا ہو رہا تھا۔ باہر نکل کر میں نے کوئیک شاور لیا اور تولیہ سے جسم صاف کر کے کپڑے پہن کر باہر آیا۔ سادی جاگ گئی تھی۔ مجھے آتا دیکھ کر اٹھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''جلدی سے واش روم سے ہو آؤ..... ہمیں نو بجے یہاں سے جانا ہے۔''

''میں باتھ بھی لوں گی۔''

''اسی لیے جلدی کا کہہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھ کر بال بنائے۔ مجھے حکیم قادوس کی دوائیاں کھائے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا لیکن ان کی یہ تاثیر اب تک برقرار تھی کہ میرے زخم بہت تیزی سے بھر جاتے ہیں۔ اب بھی معمولی زخم بھر چکے تھے اور بس کھرنڈ باقی رہ گیا تھا اور جو گہرے تھے وہ بھی بھرنے کی پوزیشن میں آ چکے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ٹیب اور انٹرنیٹ کی سہولت اپنی جگہ لیکن مجھے ایک موبائل کی ضرورت تھی۔ اس کی مدد سے بہت جلد رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ ایک ریک تھا جس پر مختلف شوپیس رکھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک کرسٹل کا بنا ہوا ٹیڈی بیئر تھا۔ یہ ذرا مختلف چیز تھی میں نے پہلی بار کرسٹل کا بنا ہوا ٹیڈی بیئر دیکھا تھا۔ اس کا شیشہ کسی قدر گہرے سبز رنگ کا تھا۔ میں نے ایسے ہی اسے اٹھایا تو اس کے نیچے چھپا ہوا تار نظر آیا۔ تار ٹیڈی بیئر کے اندر جا رہا تھا اور پیچھے یہ دیوار میں غائب ہو رہا تھا۔

بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کوئی نائٹ شوپیس تھا اس کے اندر روشنی ہوتی تھی اور یہ رات کی تاریکی میں نظر آتا۔ تار بجلی کا ہو سکتا تھا۔ مگر میں جن حالات سے گزر رہا تھا اور جس طرح ہمیں یہ کمرا ملا تھا۔ میں مشکوک ہو گیا۔ میں نے اسے ہلا کر دیکھا۔ یہ وزنی تھا شاید ایک سوا کلو وزن ہو گا۔ پھر میں نے تار کھینچ کر توڑ دیا اور ٹیڈی بیئر نیچے گرا دیا۔ وہ ٹوٹ گیا اور اس نے اندر چھپی چیز سامنے آ گئی۔ یہ چھوٹا سا لیکن جدید ترین کیمرا تھا اور اس کا لینس بتا رہا تھا کہ یہ بہت واضح تصویر یا ویڈیو لے سکتا ہے۔ بات واضح تھی۔ ویٹر اور اس کے ساتھ دوسرے افراد کا پورا گینگ تھا۔ وہ عیاش طبع لوگوں کو یہاں کمرا مہیا کرتے تھے اور ان کی شرمناک سرگرمیوں کی تصاویر اور ویڈیو بنا کر پھر انہیں بلیک میل کرتے تھے۔ ظاہر ہے جو ایک رات کے لیے دس ہزار دے سکتے ہوں گے وہ دولت مند ہی ہوں گے۔ اگرچہ اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑا تھا کیونکہ ہم یہاں رات گزارنے آئے تھے اور کچھ دیر میں یہاں سے چلے جاتے۔ اس کے باوجود مجھے غصہ آنے لگا تھا۔

سادی شاور لے رہی تھی اس لیے اسے پتا نہیں چلا کہ یہاں کیا ہوا تھا وہ باہر آئی تو ٹیڈی بیئر دیکھ کر سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے کیمرا دکھایا تو اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تو میں نے اشارے سے منع کیا اور بولا۔ ''تیار ہو نا وہ آنے والا ہو گا وہی ہمیں یہاں سے باہر نکالے گا۔''

''میں تیار ہوں۔'' سادی نے جواب دیا اور جو سامان بیگ سے باہر تھا اسے اندر رکھ لیا۔ میں نے کیمرہ پتلون کی جیب میں رکھ لیا اور ٹیڈی بیئر کے ٹکڑے یونہی پڑے رہنے دیے۔ ٹھیک نو بجے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دروازہ کھولا۔ ویٹر اندر آیا تھا اور اس نے آتے ہی ٹیڈی بیئر کے ٹکڑے دیکھ لیے۔ اس کا رنگ اڑ گیا تھا اور اس نے مضطرب لہجے میں کہا۔

''یہ..... یہ کیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''غلطی سے ٹوٹ گیا..... میں اس کی قیمت دینے کو تیار ہوں۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''مگر اس میں.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''شاید تم اس کی بات کر رہے ہو۔'' اب میں نے اسے کیمرا نکال کر دکھایا تو اس کا رہا سہا رنگ بھی اُڑ گیا۔ مگر ڈھٹائی باقی تھی۔

''مجھے کیا معلوم سر۔''

''تمہیں شاید اپنے باپ کا علم نہ ہو لیکن اسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا اور سر کی بھرپور ٹکر اس کی ناک پر رسید کی۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ اس کے منہ سے ایک دردناک کراہ نکلی اور اس نے چیخ مارنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ میں نے پستول نکال کر نال اس کے منہ میں رکھ دی۔ اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''تم لوگ یہاں رات کو رکنے والوں کی ویڈیو بناتے ہو..... یہ کام کہاں ہوتا ہے؟''

اس کی ناک سے خون پھوٹ کر نکلا تھا اور اس کی سفید شرٹ پر گر رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس بار میں نے سر کے بجائے گھونسے سے کام لیا اور اس کی ناک کا رہا سہا بھی ملبہ ہو گیا۔ وہ بلبلایا تھا مگر اس نے اونچی آواز نکالنے سے گریز کیا۔ یہ اس کا مسئلہ بھی تھا۔ ''اپنی خوب صورت ناک کو تم نے خود چینی بنوالیا ہے مگر تم چینی ناک کے ساتھ بہ خوبی زندہ رہ سکتے البتہ میں نے تمہاری گردن توڑ دی تو تم سو فیصد مر جاؤ گے۔ اس لیے میرے سوال کا درست جواب دو۔''

وہ دہشت زدہ ہو گیا تھا اس لیے کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد اپنے دو دانت نکلوا کر مان گیا۔ میں نے اسے موقع دیا کہ وہ واش روم میں جا کر اپنی ناک دھو لے جو سوج کر اپنے اصل سائز سے دوگنی ہو گئی تھی۔ اس نے منمنا کر کہا۔ ''اب اس حلیے کے ساتھ باہر جاؤں گا؟''

''بعد میں وضاحت کر سکتے ہو کہ سیڑھیوں سے گر گئے تھے یا بے خیالی میں دیوار سے ٹکرا گئے تھے۔ اب وقت ضائع مت کرو ورنہ خود ضائع ہو جاؤ گے۔''

بادلِ ناخواستہ وہ مجھے اور سادی کو لے کر باہر آیا۔ میں نے پستول ہاتھ میں لے کر دوبارہ پتلون کی جیب میں کر لیا تھا اور اسے خبردار کیا کہ میں یہاں سے بھی درست ترین نشانہ لے سکتا ہوں اس لیے وہ خود سے مرنے کی کوشش نہ کرے۔ وہ ہمیں اسی فلور کے ایک کمرے میں لایا۔ دستک کے جواب میں ایک شخص نے پوچھ کر دروازہ کھولا اور مجھے ویٹر کے عقب میں دیکھ کر دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے ویٹر کو اس پر دھکیل کر یہ کوشش ناکام بنادی۔ دونوں نیچے گرے اور ان کے اٹھنے سے پہلے ہم اندر آ گئے تھے۔ وہاں ایک شخص میز پر لگے بڑے ایل سی ڈی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جس پر مختلف کیمروں کے مناظر آ رہے تھے۔ ایک سکھ ایک طرف کھڑا تھا۔ ایل سی ڈی کے سامنے بیٹھے شخص نے اٹھنے کی کوشش کی اور پستول دیکھ کر واپس بیٹھ گیا۔ ''سب اس طرف دیوار کے ساتھ منہ کر کے کھڑے ہو جائیں۔''

انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے ان کی تلاشی لی صرف مانیٹر کے سامنے بیٹھے شخص کے پاس سے ایک گراری والا چاقو نکلا تھا۔ باقی سب نہتے تھے۔ سکھ کے پاس کچھ نہیں تھا اور مجھے لگا کہ وہ ان کا ساتھی بھی نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلد اس کی تصدیق ہوگئی جب اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ ''اوئے مینوں جان دیو..... رب دی سوں جے کدی ایتھے آواں۔''

''سردار جی آرام سے۔'' میں نے تلاشی سے فارغ ہو کر کہا اور پھر مانیٹر پر بیٹھے شخص سے پوچھا۔ ''ان کیمروں کی ریکارڈنگ کہاں ہے؟''

اس نے لرزتے ہاتھوں سے ایک طرف رکھے کمپیوٹر کی طرف اشارہ کیا۔ ''سب اس میں ریکارڈ ہوتا ہے۔''

''اور کل رات کی ریکارڈنگ کہاں ہے؟''

اس نے مجھے جگہ دکھائی جہاں سب ریکارڈ ہو رہا تھا۔ یہ جدید ترین کمپیوٹر تھا جس میں بڑی گنجائش والی ہارڈ ڈسک لگی تھیں۔ اس کے ساتھ ڈی وی ڈی رائیٹر بھی تھا گویا ان لوگوں نے مکمل بندوبست کیا ہوا تھا۔ یہ صرف ان تین افراد کا سیٹ اَپ نہیں تھا اس میں یقیناً اس ہوٹل کے اور لوگ بھی ملوث تھے۔ میں نے صرف اپنے کمرے کی ریکارڈنگ چیک کی۔ سادی کی موجودگی میں باقی کمروں کی ریکارڈنگ چیک نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ہارڈ ڈسک سے مکمل فوٹیج اڑا دیا اور وہ بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔ اسے دوبارہ دیوار کی طرف رخ کر کے کھڑا ہونے کا حکم دے کر میں نے کمرے کی تلاشی لی تو ایک دراز سے کئی ڈبے سی ڈیز کے نکلے۔ ان میں ریکارڈ شدہ سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز بھری ہوئی تھیں۔ یہ سب میز پر رکھ کر میں نے سکھ سے پوچھا۔

''تم کون ہو اور یہاں کس خوشی میں ہو؟''

''میں ہوشیار سنگھ ہوں جی..... ادھر فیروز پور سے آگے میری زمین ہے۔''

''تم زمیندار ہو..... یہاں کس لیے آئے تھے؟''

''جس کے لیے تم آئے تھے۔'' دروازہ کھولنے والے نے زہریلے لہجے میں کہا۔ وہ جوان عمر شخص تھا یہ تینوں ہی جوان عمر تھے۔ جواب میں میں نے عقب سے اس کی گدی پر گھونسہ مارا اور آگے سے اس کا منہ دیوار سے لگا۔ اس دوہری ضرب نے اسے ناک آؤٹ کر دیا۔ وہ نیچے گرا تو مانیٹر والے نے جلدی سے کہا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''ابھی تم دیکھ لو گے۔'' میں نے کہا اور سکھ سے پوچھا۔ ''یہاں تمہاری موجودگی کا مقصد پوچھا ہے؟''

''وہ ایک لڑکی مجھے یہاں لائی تھی۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ یہ جملہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔ میں نے اس کی بات پر غور کیا۔

''ٹھیک ہے وہ لڑکی تمہیں یہاں لائی تھی۔''

''وہ ان کی ساتھی تھی۔'' ہوشیار سنگھ نے اس بار رو دینے والے لہجے میں کہا۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا۔''

''یہ کیوں نہیں بتاتا تُو نے اسے مار دیا ہے۔'' مانیٹر والا بولا۔ ''تُو ہتھیارا ہے۔''

مجھے صبح واش روم میں دیوار کے ساتھ دھم کی آواز اور نسوانی چیخ کا خیال آیا۔ ''یہ میرے برابر والے کمرے میں تھا؟''

ویٹر نے سر ہلایا۔ ''اس نے بیڑا غرق کر دیا ہے۔ اب لاش کا کیا کریں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاش کا سنتے ہی میں نے فیصلہ کر لیا کہ یہاں سے جلد از جلد روانگی اختیار کی جائے۔ اس سے پہلے کہ پولیس منظر نامے میں داخل ہو۔ ان میں سے ایک بے ہوش تھا۔ ویٹر کے سر پر میں نے پستول کا دستہ مارا اور وہ گرا تو مانیٹر والا چونکا مگر اس سے پہلے وہ صورتِ حال سمجھتا میں نے اسے بھی بے ہوش کر دیا تھا۔ ہوشیار سنگھ کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ اس نے گھگیا کر درخواست کی کہ اسے بے ہوش نہ کیا جائے۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو۔'' میں نے کہا اور ان تینوں کی تلاشی لی۔ ان کے پاس موبائل اور دوسری چیزیں تھیں لیکن میں نے صرف موبائل لیے تھے۔ یہاں موجود بلیک میلنگ اسٹف اور سردار جی کے ہاتھوں ماری جانے والی لڑکی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہاں سردار جی سے دلچسپی ضرور ہو گئی تھی اسی لیے میں نے اس کی تلاشی بھی لی اور اس کا پرس اور موبائل فون نکال لیا۔ پھر مجھے خیال آیا۔ میں نے ڈی وی ڈیز کے ساتھ کمپیوٹر کھول کر اس کی ہارڈ ڈسک بھی نکال لی۔ وقت نہیں تھا ورنہ میں انہیں ضائع کر دیتا۔ اب یہ کام یہاں سے نکل کر ہی کیا جا سکتا تھا۔ ''اگر تم نے فرار کی کوشش کی تو میں یہ دونوں چیزیں پولیس کے حوالے کر دوں گا اور وہ خود تمہیں تلاش کر لے گی۔''

''نن..... نہیں۔'' وہ ہکلایا۔ ''میں نہیں بھاگوں گا۔''

''اسی میں تمہاری بہتری ہے۔'' میں نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ راہداری سنسان تھی۔ درحقیقت یہ پورا فلور ہی سنسان تھا اور شاید اسی قسم کی سرگرمیوں کے لیے مخصوص تھا۔ ہم تینوں ان ہی سیڑھیوں سے نیچے آئے اور لابی سے ہوتے ہوئے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔ اس وقت لابی میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ اندر جاتے ہی ہم نے واپسی کی راہ لی اور لابی میں آئے۔ کسی نے نہیں روکا اور ہم آرام سے باہر نکل آئے تھے۔ میں نے ہوشیار سنگھ سے پوچھا۔ ''تمہارے پاس کوئی گاڑی ہے؟''

''بالکل ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''ادھر پاس ہی کھڑی ہے۔''

مہندرا جیپ چند سال پرانی تھی اور اس کا ظاہری حلیہ خراب تھا لیکن جب ہوشیار سنگھ نے اس کا انجن اسٹارٹ کیا تو وہ ایک سیکنڈ میں اسٹارٹ ہو گیا۔ یہ اندر سے بھی آرام دے تھی۔ بھارت میں تیار ہونے والی یہ جیپ چلنے میں دیرپا ہوتی ہے اس لیے میں مطمئن تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''پہلے کسی اچھے ریستوران چلو جہاں ہم ناشتہ کر سکیں۔''

''میں..... میں بھی چلوں گا؟'' اس نے پوچھا۔

''بالکل..... اب ہم ساتھ ساتھ رہیں گے۔''

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ مجھے تم اچھے لگے ہو اور جو مجھے اچھا لگتا ہے میں اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا۔'' میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ ''دیکھو تمہاری خاطر میں یہ سارا کچرا اٹھا لایا ہوں ورنہ کیا ہوتا پولیس اس میں تمہاری ویڈیو دیکھتی اور سیدھی تمہارے گھر آتی۔''

''تم لے آ۔ یُ ہو لیکن اب اپنے پاس رکھو گے مجھے بلیک میل کرو گے۔'' ہوشیار سنگھ نے مردہ لہجے میں کہا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اردو میں بات کر رہا ہوں تو وہ بھی اردو بولنے لگا تھا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے کم سے کم کالج کی سطح تک تعلیم حاصل کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل بھی نہیں ابھی ناشتے کے بعد ہم کسی مناسب جگہ پہنچ کر انہیں ضائع کریں گے میں یہ کام تمہارے سامنے کروں گا۔''

''واقعی؟'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''بالکل جلد تم دیکھ لو گے، اب چلو۔''

ہوشیار سنگھ نے جیپ ایک اعلیٰ درجے کے ریستوران کے سامنے روکی اور ہم اتر کر اندر آئے۔ سادی نے سادہ شلوار سوٹ پہن لیا تھا جو پنجاب میں عام پہناوا ہے۔ پینٹ شرٹ اور جوگر میں وہ نمایاں ہو رہی تھی۔ اس نے اپنا ایک سینڈل بھی ساتھ رکھا تھا اور اس سوٹ کے ساتھ وہی پہنے ہوئے تھی۔ سامان ہم نے جیپ میں چھوڑ دیا تھا۔ ہوشیار سنگھ کا خیال تھا کہ ناشتہ ہم اس کے خرچ پر کریں گے لیکن بل میں نے دیا۔ ناشتہ کر کے ہم باہر آئے اور جیپ میں بیٹھے تو ہوشیار سنگھ نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ ''اب ہم تمہارے گھر چلیں گے۔''

وہ بدکا۔ ''وہ کیوں جی؟''

''میں نے بتایا نا کہ تم مجھے اچھے لگے ہو۔'' میں نے کہا اور پستول والی جیب پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''اب چلو۔''

اس نے جلدی سے جیپ اسٹارٹ کر دی۔ پارکنگ سے نکلنے کے بعد اس نے کہا۔ ''تم نے بولا تھا کہ ان چیزوں کو تباہ کر دو گے۔''

''کیوں نہیں..... جیپ کسی ایسی جگہ روکنا جہاں لوگ نہ ہوں۔''

کچھ دیر بعد اس نے جیپ ایک میدان کے ساتھ روکی جس میں جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ ہوشیار سنگھ نے میری ہدایت کے مطابق سوکھی گھاس اور شاخیں جمع کیں اور ان سی ڈیز کے ڈبے اور ہارڈ ڈسک رکھ کر اوپر سے کچھ پیٹرول چھڑکا۔ کیونکہ ماچس یا لائٹر نہیں تھا اس لیے ڈیش بورڈ کا لائٹر نکال کر لگایا تو پیٹرول نے فوراً آگ پکڑ لی تھی۔ سادی جیپ میں بیٹھی تھی اور ہم اس وقت تک وہاں کھڑے رہے جب تک آگ نے ان چیزوں کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں نہیں لے لیا۔ اب ہوشیار سنگھ کچھ مطمئن تھا۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی مطمئن لگ رہا تھا۔ اس نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پاجی تسی اپنا راستہ لو.....''

''راستے کے بچے۔'' میں نے اسے گردن سے پکڑ کر آگ کی طرف دھکا دیا اور پستول نکال لیا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو میں اس کچرے کا محتاج ہوں۔ میں تمہیں یہیں گولی مار کر پھینک جاؤں گا اور تمہارے گھر بھی پہنچ جاؤں گا۔''

وہ آگ کے پاس گرا اور جلدی سے اس سے دور ہو گیا۔ اس کی حالت غیر ہو گئی۔ ''اوئے ایسا نہ کرنا رے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔''

''بچے ہیں تو ان کی ماں بھی ہو گی۔''

''ہے جی کیوں نہیں ہے ورنہ بچے کہاں سے آتے؟''

''اگر اپنے بچوں کو یتیم اور بیوی کو دودھو انہیں کرنا چاہتے تو شرافت سے چلو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بار وہ شرافت سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ لدھیانہ پاکستان کی سرحد سے کوئی اسی کلومیٹرز دور ہے۔ ں لحاظ سے ہوشیار سنگھ کا گھر بھی اتنا ہی دور ہونا چاہیے تھا کیونکہ فیروز پور سرحد کے بالکل پاس ہے۔ یہ میں نے ٹیب میں گوگل میپ پر دیکھا۔ یہ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا سفر تھا لیکن بہترین سڑک اور جیپ کی وجہ سے ایک گھنٹے میں طے ہو گیا۔ یہ کوئی گاؤں نہیں تھا بلکہ فارم ہاؤس تھے۔ ہر فارم ہاؤس میں زمین کے مالک کا گھر بنا ہوا تھا۔ اس لیے سارے گھر الگ الگ تھے۔ یہ چھوٹا سا بنگلا نما مکان تھا جس کی چھت آرسی سی لیکن کھپریل اسٹائل کی تھی۔ یہ ایک منزلہ تھا اور کوئی سات مرلے پر پھیلا ہوا تھا۔ سامنے پتھروں سے بنا ہوا خوب صورت پورچ تھا۔ ہارن کی آواز پر اندر سے ایک نوعمر لڑکی نکلی اور اس نے گیٹ کھولا۔ مکان کے چاروں طرف احاطہ تھا اور اس میں گھاس کے لان کے ساتھ پھولدار پودوں کے تختے بھی تھے۔ راستے میں ہم نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ سادی عقبی نشست پر آرام کرتی رہی تھی اور میں سوچتا رہا۔

ہم کوئی بارہ بجے وہاں پہنچے تھے۔ ہوشیار سنگھ نے جیپ پورچ میں روکی اور اترنے لگا تو میں نے کہا۔ ''خیال رکھنا کوئی چالاکی دکھا کر اپنے لیے مشکل مت کھڑی کرنا..... ابھی تمہاری بیوی نہیں جانتی ہے کہ تم کہاں گئے تھے اور وہاں ایک عورت کی لاش چھوڑ آئے ہو۔ کوئی ہنگامہ ہوا تو وہ جان جائے گی۔''

''میں کچھ نہیں کروں گا میرے باپ۔'' وہ رو دینے والے لہجے میں بولا۔ ''تم کیوں میرے ساتھ چلے آئے ہو؟''

''بس ایسے ہی، ویسے تم فکر مت کرو میں بلیک میلر نہیں ہوں ورنہ وہ اسٹف ضائع نہ کرتا۔ نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگیاں ان سی ڈیز میں تھیں۔'' میں نے کہا۔ ''ایک دو دن تمہارے ساتھ رہیں گے اور پھر چلے جائیں گے۔ بلکہ تم چاہو تو ہم یہاں رکنے کا معاوضہ بھی دے سکتے ہیں۔''

''مجھے کچھ نہیں چاہیے بس تم میری جان چھوڑ دو۔''

''اس کی صرف ایک صورت ہے کہ میرے کہے پر حرف بہ حرف عمل کرو۔''

اس نے سر ہلایا اور نیچے اتر گیا۔ میں اور سادی بھی نیچے آئے تھے۔ اس وقت دھوپ کی شدت ناقابلِ برداشت تھی۔ جیپ اے سی تھی اس لیے اصل موسم کا باہر آنے پر اندازہ ہوا تھا۔ یہ جولائی آغاز تھا اور اب تک آسمان صاف تھا یعنی بارش نہیں ہوئی تھی۔ ہوشیار سنگھ ہمیں اندر لایا۔ آغاز میں ہی پُرتعیش انداز میں سجا ہوا ڈرائنگ روم تھا اور یہی بتانے کے لیے کافی تھا کہ ہوشیار سنگھ خاصا دولت مند شخص تھا۔ یہ دولت کا بخار ہی تو تھا جسے نکالنے وہ اس ہوٹل تک گیا تھا۔ وہ موناسکھ تھا یعنی معمولی سی شیو تھی صرف سر کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ جسے اس نے ایک خاص ٹوپی میں لپیٹا ہوا تھا یہ پگڑی نہیں تھی۔ اس نے نوعمر خادمہ سے کہا۔ ''شیلا جا کر ٹھنڈا لے آ۔''

شیلا کے جانے کے بعد اس نے کہا۔ ''واہ گورو کے واسطے میری بیوی کے سامنے کچھ مت کہنا، وہ مجھے شریف آدمی سمجھتی ہے اسے پتا چل گیا تو مجھے معاف نہیں کرے گی۔''

''ویسے تم اسی قابل ہو لیکن بے فکر رہو ہماری زبان سے کچھ نہیں نکلے گا۔''

''اچھا اب میرا پرس اور موبائل دے دو۔''

میں نے دونوں چیزیں اس کے حوالے کر دیں اور جیسے ہی ہوشیار کمرے سے نکلا میں نے ایک موبائل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکالا۔ اس پر سفیر کا نمبر ملایا۔ اس نے پہلی بیل پر کال ریسیو کر لی۔ میں نے بلا تمہید کہا۔ ''ہم سرحد کے پاس ہیں..... وسیم کہاں ہے؟''

''وہ اور عبداللہ دو گاڑیوں میں نکلے تھے۔ وہ اس وقت قصور سے آگے گنڈا سنگھ والا روڈ پر فتوہی والا نامی علاقے میں زمیندار کمال کھوکھر کے پاس ہیں۔''

''ٹھیک اسے یہ موبائل نمبر دے دو۔ وہ مجھ سے رابطہ کرے۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ پھر میں نے ٹیب نکال کر اس پر مذکورہ پاکستانی علاقہ دیکھا۔ یہ سرحد سے مشکل سے ایک کلومیٹر دور تھا۔ کچھ دیر میں لڑکی ہمارے لیے نمکین لسی لے آئی جو اس موسم میں بہترین ہوتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''یہ علاقہ کیا کہلاتا ہے؟''

''دھوب محلہ۔'' اس نے جواب دیا اور باہر چلی گئی۔ میں نے ٹیب پر دیکھا تو حیرت انگیز طور پر دونوں جگہوں کو بالکل پاس آیا۔ جیسے فتوہی والا سرحد سے ایک کلومیٹر دور تھا اسی طرح دھوب محلہ سرحد سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور اس سے ذرا آگے فیروز پور کی آبادی تھی۔ یہ سارا علاقہ آباد اور سرسبز و شاداب ہے۔ سادی کو بتایا تو وہ یہ سن کر ہی پُرجوش ہو گئی تھی کہ وسیم اور عبداللہ ہم سے صرف دو کلومیٹرز کے فاصلے پر تھے۔ لیکن یہ دنیا کے مشکل ترین دو کلومیٹرز تھے۔ کیونکہ درمیان میں وہ لکیر تھی جو آگ و خون سے کھینچی گئی تھی۔ سرحد کے دونوں طرف فوج اور دوسرے پیرا ملٹری دستوں کی موجودگی لازمی تھی۔ وسیم جس کمال کھوکھر کے پاس تھا کیا وہ وہی شخص تھا جس کا وسیم نے ذکر کیا تھا یا پھر وسیم اس کے پاس رکا ہوا تھا۔ میں نے لسی کا گلاس ختم کیا تھا کہ موبائل نے بیل دی۔ نمبر پاکستان کا تھا اور اجنبی تھا یعنی کوئی جانا پہچانا نمبر نہیں تھا۔ میں نے کال ریسیو کی۔ ''ہیلو۔''

''میں بات کر رہا ہوں۔'' وسیم کی آواز آئی۔ ''آپ کہاں ہیں۔''

''گنڈا سنگھ والا روڈ انڈیا میں حسینی والا روڈ بن جاتی ہے۔ تقریباً ایک کلومیٹر دور دھوب محلہ میں ہیں۔''

''یہ تو اچھی خبر ہے کہ آپ بالکل پاس ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''لیکن کراسنگ آسان نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''میں جس کے پاس ٹھہرا ہوں اس کا کہنا ہے آج کل بہت سختی ہو رہی ہے اور چوبیس گھنٹے سخت نگرانی کی جا رہی ہے۔''

''سادی کے ہوتے ہوئے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔'' میں نے واضح الفاظ میں کہا۔ ''اس کے بجائے میں کوئی اور راستہ تلاش کرنے کو ترجیح دوں گا۔''

''آپ محفوظ ہیں؟''

''فی الحال۔'' میں نے کہا۔ ''ایک زمیندار کے گھر ہیں اور زبردستی کے مہمان ہیں۔''

''وہ خطرناک ہو سکتا ہے؟''

''نہیں وہ قابو میں ہے۔''

''تب ٹھیک ہے آپ یہیں رکیں جب تک میں کوئی محفوظ راستہ نکالتا ہوں۔'' وسیم نے کہا اور کال کاٹ دی۔ ہم جتنی کم بات کرتے اتنا ہی اچھا تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ ہوشیار یا اس کے گھر کے کسی فرد کے سامنے بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہوئی۔ ہوشیار تقریباً چالیس برس کا شخص تھا اس کا مطلب تھا کہ اس کے بچے چھوٹے ہوں گے۔ گیٹ پر کوئی چوکیدار نہیں تھا اور گھر میں بھی کسی اور مرد کے آثار فی الحال نظر نہیں آئے تھے۔ اگر ہوشیار اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا تو اسے قابو کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اگر اس سے زیادہ افراد تھے تو پھر سوچا جا سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد ہوشیار ایک جوان عورت کے ساتھ اندر آیا اور میں اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ وہ بہت حسین عورت تھی۔ اس نے شلوار قمیص کے ساتھ دوپٹہ لیا ہوا تھا اور خود کو مناسب انداز میں ڈھانپ رکھا تھا۔ ہوشیار سنگھ نے تعارف کرایا۔ اس کی بیوی کا نام سومیت تھا۔ اس نے ہمارا نام اجیت اور کوشل بتائے تھے۔ وہ گرم جوشی سے ساوی سے ملی۔ اسے گلے لگایا اور سادگی سے بولی۔ ''ہوشیار کہہ رہا ہے آپ بہت اچھے ہیں کچھ دن ادھر مہمان رہیں گے۔''

''ہاں سردار جی سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔''

''اتفاقاً؟'' وہ چونکی۔ ''یہ تو کہہ رہے ہیں کہ آپ کو کالج کے زمانے سے جانتے ہیں۔''

''وہی کہہ رہا ہوں یہاں اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ شاید دس سال بعد، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟'' میں نے ہوشیار کی طرف دیکھا۔

''ہاں یار.....'' اس نے نارمل انداز میں کہا۔ ''اتنا عرصہ تو ہوگیا ہے۔''

سومیت نے ساوی کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''آپ کی بیوی بہت پیاری ہے اجیت بھیا۔''

ساوی کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ ہوشیار سنگھ نے جلدی سے کہا۔ ''تُو ایسا کر بھرجائی کو اندر لے جا۔ آرام سے بٹھا۔''

سومیت ساوی کو وہاں سے لے گئی۔ ان کے جاتے ہی ہوشیار نے کہا۔ ''معاف کرنا مجھے تمہارے ناموں کا خیال ہی نہیں رہا تھا اس لیے جو منہ میں آیا بول دیا۔''

''کوئی بات نہیں بلکہ اچھا ہے تم ہمارے بارے میں نہ جانو۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ یہاں کتنے لوگ رہتے ہیں؟''

''میں، سومیت اور ہمارے تین بچے ہیں، بڑا بیٹا ہے دس سال کا اور اس سے چھوٹی سات اور پانچ سال کی دو بیٹیاں ہیں۔ یہ شیلا ادھر کام کرتی ہے ادھر ہی رہتی ہے۔''

''کوئی مرد ملازم؟''

''کوئی نہیں ہے..... پیچھے زمین پر کام کرنے والے چار آدمیوں کے گھر بنے ہیں۔''

''یہ اچھی بات ہے ہمارے بارے میں کم سے کم لوگوں کو پتا چلے۔ اسی میں تمہارا بھی بھلا ہوگا۔''

وہ ہچکچایا۔ ''مجھے تم لوگ کچھ پُراسرار سے لگ رہے ہو۔''

''ہم واقعی پُراسرار ہیں اور ہمارے بارے میں نہ جاننا ہی بہتر ہوگا۔'' میں نے اس کا خدشہ جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ہمارے بارے میں جتنا زیادہ مشکوک رہتا کسی بے وقوفی سے اتنا ہی گریز کرتا۔ ''ویسے تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں لیکن ایک بار پھر سمجھا دوں۔ اگر تمہارے دماغ میں کوئی الٹا سیدھا خیال ہے یا تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہے اور تم نے اسے استعمال کرنے کی کوشش کی تو عین ممکن ہے یہاں گرنے والی لاشیں دو سے کہیں زیادہ ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہمیں مہمان بنا کر رکھو اور ہمارے جانے کے بعد ہمیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھول جاؤ۔ اگر تم چاہو تو میں اس میزبانی کا معاوضہ بھی دے سکتا ہوں۔ میں پہلے ہی پیشکش کر چکا ہوں۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' اس نے کسی قدر بے چینی سے کہا۔ ''بس تم جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ۔''

''میری بھی یہی خواہش ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم زمیندار ہو تم سے ملنے لوگ آتے ہوں گے؟''

''بہت کم۔'' اس نے کہا۔ ''ابھی چاول کی فصل درمیان میں ہے۔ بیوپاری بھی نہیں آ رہے۔''

''رشتے دار؟''

''وہ امرتسر میں ہوتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''تب تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''اصل میں یہ میری بیوی کی زمین ہے۔'' اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''وہ میرے سسر کی ایک ہی اولاد ہے۔ ساری زمین اسے ملی۔''

''یعنی تمہیں ملی..... تمہاری بیوی خوب صورت عورت ہے اس کے باوجود تم اِدھر اُدھر منہ مارتے پھر رہے ہو۔''

وہ کھسیا گیا تھا۔ ''میری توبہ۔ جواب میں کہیں جاؤں۔''

''وہاں کیا ہوا تھا؟''

جواب میں وہ چپ رہا تو میں نے کہا۔ ''تم نہ بھی بتاؤ تب بھی کل سب اخبار یا ٹی وی میں آ جائے گا۔''

اس نے چور نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ ''وہ مجھے بلیک میل کر رہی تھی۔ میرا جھگڑا ہوا تو میں نے اسے دھکا دیا تھا اس کا سر دیوار سے لگا اور وہ مر گئی۔ میں داہ گورو کی سوں، میں نے صرف اسے دھکا دیا تھا کیونکہ وہ میرا منہ نوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگر اس کے ناخنوں کے نشانات آتے تو میں سومیت کو کیا منہ دکھاتا۔ جلدی میں دھکا زور سے لگا اور وہ دیوار سے ٹکرا کر وہیں گر گئی تھی۔''

اس کی بات درست تھی۔ میں نے اس پر دباؤ ڈالا۔ ''اس کے باوجود یہ قتل ہی کہلائے گا۔''

''میں نے اسے ایک دھکے کے سوا ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔'' ہوشیار کے چہرے پر پریشانی نمودار ہوئی تھی۔ ''اگر معاملہ پولیس تک پہنچا تو وہ یہاں بھی آ سکتی ہے۔''

''کیسے؟..... کیا تم نے ان کو اپنا پتا بتایا تھا؟''

''نہیں لیکن تمہیں جب اپنا نام اور فیروز پور کا بتا رہا تھا تو وہ بھی سن رہے تھے۔ یہ جگہ کوئی بہت بڑی نہیں ہے اور یہاں دو درجن ہوشیار بھی نہیں ہوں گے۔''

میں مسکرایا تھا۔ ''اگر وہ سب تمہارے جیسے ہیں تو درحقیقت یہاں کوئی ہوشیار نہیں ہے۔''

''میں ہی سب سے ہوشیار ہوں۔'' اس نے تصدیق کی۔ ''اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو باقی سب کے بارے میں۔''

اس کی یہ بات قابلِ غور تھی اگر لاش والی بات پولیس تک پہنچی اور وہ تینوں پکڑے گئے تو پولیس کو یہاں آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں نے پوچھا۔ ''یہاں ٹی وی کیبل ہے۔''

''بالکل ہے میرے پاس ٹاٹا اسکائی ہے۔'' اس نے کہا اور ایک کونے میں رکھا بڑے سائز کا ایل سی ڈی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹی وی ریموٹ سے آن کیا۔ پھر اس نے پنجابی کا ایک مقامی نیوز چینل لگایا۔ ''اگر معاملہ پولیس تک گیا ہے تو لازمی اس پر خبر آئے گی۔''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن آدھے گھنٹے بعد بھی کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ اس کا مطلب تھا معاملہ دبا دیا گیا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بات پولیس تک نہیں پہنچی تھی۔ یہ ایک بڑے ہوٹل کی ساکھ کا معاملہ تھا۔ اس لیے خاموش کارروائی کا بھی امکان تھا۔ اس صورت میں پولیس بہرحال تفتیش کرتی اور یہاں آنے کا بھی بہت زیادہ امکان تھا۔ ایک بج رہا تھا کچھ دیر بعد شیلا نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ وہ تقریباً چودہ پندرہ برس کی صحت مند اور مناسب شکل وصورت والی لڑکی تھی۔ میں ہوشیار کے ساتھ ڈرائنگ روم کے ساتھ موجود لاؤنج میں آیا۔ ڈائننگ ایریا بھی یہی تھا اور اس کے ساتھ بڑا سا کچن تھا۔ سومیت نے کھانا خود بنایا تھا اور کیونکہ وہ بھی سبزی خور تھے اس لیے یہ خدشہ نہیں تھا کہ کسی ڈش میں کوئی غلط چیز شامل ہوگی۔ کھانے میں مٹر پلاؤ اور روٹی کے ساتھ بھاجی تھی۔ کئی طرح کے اچار اور چٹنیاں بھی تھیں۔ شیلا کھانا لگا رہی تھی۔ مجھے بچے نظر نہیں آئے میں نے ان کے بارے میں پوچھا تو سومیت بولی۔

''بھاجی وہ اپنے دادے کے ہاں گئے ہیں۔ اسکول کی چھٹیاں ہیں۔''

یہ بھی اچھا تھا کہ یہاں بچے نہیں تھے ورنہ بچے اندر کی خبریں سب سے زیادہ باہر پہنچاتے ہیں۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔ پھر سومیت نے کہا۔ ''بھاجی اور بھرجائی آپ آرام کریں آج گرمی بہت ہے شام کو زمین پر چلیں گے۔''

کھانے کے بعد لسی کے گلاس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ سادی کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں میں نے اس سے کہا۔ ''تم آرام کرو میں ذرا ہوشیار سے گپ شپ کروں گا۔''

ہوشیار کا خیال تھا کہ میں اس کی جان چھوڑ دوں گا اس لیے میری بات پر اسے مایوسی ہوئی تھی۔ سادی کھڑی ہوگئی۔ سومیت نے ہمارے لیے ایک کمرا بھی سیٹ کر دیا تھا۔ میں اور ہوشیار واپس ڈرائنگ روم میں آگئے۔ ہوشیار نے ٹی وی آن کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے تم مجھے اپنے سامنے رکھنا چاہتے ہو؟''

''اس کے بجائے تم کہہ سکتے ہو کہ میں پوری طرح ہوشیار رہنا چاہتا ہوں۔ یہاں پولیس آسکتی ہے اور اس صورت میں مجھے اپنا بچاؤ کرنا ہوگا۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''تمہیں پولیس سے خطرہ ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں مطلوب تو نہیں ہوں لیکن بعض وجوہات کی بنا پر پولیس کے ہاتھ آنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ اگر وہ یہاں آئی تو لازمی بات ہے تمہارے ساتھ مجھے بھی لے جائے گی۔''

''اس صورت میں یہاں رکنا تمہارے لیے خطرناک ہوسکتا ہے۔'' اس نے گویا مجھے ڈرانے کی کوشش کی۔

''ہوسکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن میں خطرہ مول لینے والا آدمی ہوں۔''

ہوشیار سنگھ ہوشیار آدمی تھا۔ وہ عام شخص تھا اس لیے ہنگامی صورت میں بدحواس ہوگیا تھا۔ اس کے ہاتھوں ایک عورت ماری گئی تھی اور پھر وہ بلیک میلنگ کے چکر میں بھی آ رہا تھا۔ میں اسے دونوں چکروں سے نکال لایا تھا۔ مگر یہ کام میں نے فی سبیل اللہ نہیں کیا تھا، اس میں میرا مفاد تھا۔ مجھے اس سرزمین پر ایک ٹھکانے کی ضرورت تھی اور وہ مجھے مل گیا تھا۔ اتفاق کی بات ہے یہ سرحد کے بالکل پاس تھا اور اب وسیم بھی دوسری طرف آ گیا تھا اس لیے ہمارا یہاں رکنا اور بھی ضروری ہوگیا تھا۔ ہوشیار یہ بات نہیں جانتا تھا مگر وہ اتنا ضرور سمجھ رہا تھا کہ ہم کسی مقصد سے اس کے پاس ٹھہرے ہیں۔ فی الحال اسے بے خبر رکھنا ضروری تھا۔ اگر وہ جان جاتا کہ میں پاکستانی ہوں تو ممکن ہے اس کی حب الوطنی کی رگ پھڑک جاتی اور وہ تمام خطرات کو پس پشت ڈال کر میری بیخ کنی پر تل جاتا۔ اس لیے میں اسے دھمکانے کے ساتھ ساتھ نرمی سے بات کر رہا تھا اور اسے یقین دلا رہا تھا کہ میں اس کے لیے خطرہ نہیں ہوں۔ وہ مطمئن نہیں تھا اور میں چاہتا بھی یہی تھا کہ وہ میری طرف سے ٹینشن میں رہے مگر یہ ٹینشن اتنی نہ بڑھے کہ وہ کوئی قدم اٹھانے پر تل جائے۔

میں نے موبائل کو وائبریٹ پر کرلیا تھا۔ باقی دو موبائل آف کر دیئے تھے۔ اگر وسیم مجھے کال کرتا تو میں نہیں چاہتا تھا کہ ہوشیار کو اس کا علم ہو۔ میں نے کہا۔ ''تم اس چکر میں مت پڑو..... اگر پولیس نے تمہیں گرفتار بھی کیا تو تمہارے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہوگا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ تم سرے اس ہوٹل میں رکے ہی نہیں۔''

''وہاں کئی افراد نے مجھے دیکھا ہے۔''

''تم کھانے پینے کے لیے بھی وہاں جاسکتے ہو۔''

''میں دباؤ برداشت نہیں کرسکتا۔'' اس نے پریشانی سے کہا۔ ''تم جانتے ہو پولیس کس طرح سے پوچھتی ہے۔''

''انسان پر مشکلیں آتی ہیں اسے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ ہاتھ پاؤں چھوڑ دینا کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں پر میں بزدل آدمی ہوں۔''

''اگر تم بزدل ہوتے تو یہ سب نہیں کرتے آدمی سب سے زیادہ اپنی بیوی سے ڈرتا ہے۔''

''سومیت سے میری جان جاتی ہے اگر اسے پتا چل گیا تو وہ لات مار کر مجھے یہاں سے نکال دے گی۔''

''یہ سب اس کا ہے؟''

''ہاں اس کا اور اس کے بعد بچوں کا۔'' ہوشیار نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں مرتے دم تک ان لوگوں کے لیے بس کام کرتا رہوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہر آدمی اپنی بیوی بچوں کے لیے کام کرتا ہے۔ تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ اپنا کام کر رہے ہو، کسی کی نوکری نہیں کر رہے۔ مجھے تو لگتا ہے سومیت نے سب تمہارے ہاتھ میں دیا ہوا ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' اس نے کسی قدر شرمندگی کے ساتھ کہا۔ ''سومیت نے آج تک پلٹ کر حساب نہیں مانگا کہ کتنا کمایا ہے اور کہاں خرچ کیا ہے۔''

''اس لیے میرا مشورہ ہے کہ اب ان چکروں سے گریز کرو یہ یقیناً تمہاری بیوی بچوں کی دعائیں تھیں جو میں وہاں پہنچ گیا ورنہ اس وقت تم حوالات میں ہوتے یا پھر ان سفاک بلیک میلروں کے چنگل میں جو بالآخر تمہارے خون کا آخری قطرہ تک چوس جاتے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں وعدہ کرتا ہوں.....''

''وعدہ مت کرو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''اگر کوئی وعدہ کرنا ہے تو خود سے کرو۔''

وہ سر ہلاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ''میں ذرا آرام کر لوں رات سے جاگا ہوا ہوں اور اب سر بھاری ہو رہا ہے۔''

''بالکل آرام کرو مگر کوئی احمقانہ حرکت مت کرنا جو تمہارا آرام ہمیشہ کے لیے غارت کر دے۔''

ہوشیار وہاں سے چلا گیا۔ اس نے کہا تھا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو شیلا کو آواز دے لوں۔ میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ رات چند گھنٹے کی بے خواب نیند نے مجھے کسی حد تک تازہ دم کر دیا تھا۔ زخم بھرنے سے جسمانی حالت بھی بہتر ہو رہی تھی۔ مجھے ابتدائی مرہم پٹی کے بعد کسی دوا کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ میں نے پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ آنے والے کٹھن مرحلے سے پہلے ہمارے لیے آرام کا یہ وقفہ غنیمت تھا۔ ہم دونوں ہی جسمانی اور ذہنی تھکن کا شکار تھے۔ آدھے گھنٹے بعد موبائل وائبریٹ ہوا۔ میں نے سوچا کہ وسیم کی کال ہو گی مگر کال مقامی نمبر سے تھی۔ میں نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے منمناتی آواز آئی۔ ''تم کون ہو یہ موبائل تمہارے پاس کہاں سے آیا۔''

یہ وہی تھا جس کی ناک کو میں نے افسوسناک بنا دیا تھا۔ ''میں وہی ہوں اور یہ موبائل اب میرے پاس رہے گا۔''

اس نے بھڑک کر گالی دی۔ ''تجھے دیکھ لیں گے..... پاتال سے بھی تلاش کر لیں گے۔''

''ضرور۔'' میں دھیمی آواز میں ہنسا۔ ''مگر تمہیں اس کی زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔ جلد میں تم لوگوں سے خود رابطہ کروں گا۔ اب میں تمہارا باپ ہوں۔ وہ تمام اسٹف میرے پاس ہے۔''

وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوا پھر اس نے دعویٰ کیا۔ ''تُو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ ہمارے پاس اس کی کاپیاں ہیں۔''

''ہاں لیکن ایک چیز کی کاپی نہیں ہو گی۔ تمہیں معلوم ہے جب تم تینوں بے ہوش ہوئے تو میں نے کیا کیا تھا؟'' میرا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''کیا..... کیا تُو نے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہاں ایک عدد لاش تھی اور میں نے باری باری تم تینوں کے ساتھ اس کی تصویریں لی ہیں۔ تم لوگوں نے وہ لاش یقیناً ٹھکانے لگا دی ہوگی لیکن یہ تصویریں بھی کافی ہیں۔ پولیس خود معلوم کر لے گی کہ لاش کہاں گئی؟''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اس کی آواز لرزنے لگی تھی۔

''سچائی کے ساتھ میں جلد رابطہ کروں گا۔ اس موبائل کو بھول جاؤ اور نمبر بند کرانے کی کوشش مت کرنا ورنہ وہ تصاویر پولیس تک پہنچ جائیں گی۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ یہ خیال گفتگو کے دوران میرے ذہن میں آیا تھا۔ مجھے یقین ہے اس کی حالت غیر ہوگئی ہوگی، اس جھوٹ پر کہ میں نے لاش کے ساتھ ان کی تصاویر بنا لی تھیں۔ وہ اس بات پر یقین نہ بھی کرتے تب بھی ان میں اتنی جرأت نہیں رہی ہوگی کہ اپنے موبائل نمبرز بند کراتے۔ یہ موبائل میرے لیے اشد ضروری ہو گئے تھے۔ کچھ دیر بعد میں نے اسی نمبر پر کال کی ویٹر نے ہی کال ریسیو کی تھی۔

''اب کیا ہے؟''

''تمیز سے بات کرو۔'' میں نے غرا کر کہا۔ ''لاش کا کیا کیا؟''

''ٹھکانے لگا دی ہے۔'' اس نے کسی قدر حوصلہ کر کے کہا۔ ''اب اسے کوئی تلاش نہیں کر سکتا ہے۔''

''گڈ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ لاش غائب تھی اور پولیس کو اس کے قاتل کی تلاش نہیں تھی یعنی پولیس کا ہوشیار سنگھ کے گھر آنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے شیلا کو آواز دی۔ وہ فوراً آ گئی۔ ''جی سرکار۔''

''مجھے کمرا دکھاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ مجھے سادی والے کمرے تک لے آئی۔ دستک کے جواب میں اندر سے سادی نے کہا۔

''آ جاؤ۔''

میں اندر آیا سادی آرام کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''اللہ کا شکر ہے کہ یہ جگہ مل گئی در بدر نہیں بھٹکنا پڑا۔''

''ہاں واقعی اس کا احسان ہے وہ کبھی آزمائش کو ہماری اوقات سے زیادہ نہیں بڑھاتا ہے۔''

''وسیم کی کال آئی؟''

''نہیں۔'' میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ سادی جلدی سے بیڈ سے اٹھ گئی۔

''آپ آرام کر لیں..... آپ رات میں بھی کم سوئے تھے۔''

''نہیں کسی کا جاگنا لازمی ہے۔''

''میں جاگوں گی۔'' اس نے کہا۔ ''دو گھنٹے سولی ہوں اتنا کافی ہے۔''

اس وقت ساڑھے چار بج رہے تھے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ کچھ دیر آرام کر لوں۔ ''مجھے دو گھنٹے بعد اٹھا دینا۔'' میں نے پستول سادی کے حوالے کیا۔ ''کوئی مسئلہ ہو تو اسے استعمال کرنا۔''

''میں کر لوں گی۔'' وہ اعتماد سے بولی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں بیڈ پر دراز ہو گیا۔ چند منٹ بعد میں سو گیا تھا۔ اس بار بھی نیند بہت گہری اور بے خواب تھی۔ میں اس وقت چونکا جب سادی نے مجھے اٹھایا۔ اس کا پُرسکون چہرہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اٹھ جائیں دو گھنٹے ہو گئے ہیں۔ سومیت نے باہر لان میں چائے کا انتظام کیا ہے۔''

میں منہ پر پانی مار کر باہر آیا۔ پونے سات بجے دھوپ تقریباً ختم ہو گئی تھی اور لان کو پانی دینے سے ایک نم اور خوشگوار سے ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا۔ یہاں جدید ترین لان چیئرز ایک ماربل ٹاپ میز کے گرد رکھی تھیں۔ شیلا چائے کے ساتھ پیش کیے جانے والے لوازمات سجا رہی تھی۔ اس میں سموسے اور کٹلس تھے۔ دونوں چیزیں آلو کی تھیں اس لیے ہم نے بے فکر ہو کر کھائیں۔ چائے بہت اچھی بنی تھی۔ سادی اور سومیت اس دوران میں خاصی بے تکلف ہو گئی تھیں اور انہوں نے ایک طرف اپنی محفل جمائی ہوئی تھی۔ ہوشیار نے چائے کے بعد مجھ سے کہا۔ ''آؤ میں تمہیں اپنا فارم دکھاتا ہوں۔''

فارم بنگلے کے ساتھ ہی تھا۔ ہم عقبی دروازے سے باہر آئے تو دور تک زمین پر چاول کی فصل لگی ہوئی تھی اور ابھی کھیتوں میں پانی کھڑا تھا۔ پودے دو فٹ اونچے ہو چکے تھے۔ ہماری زمینوں پر بھی چاول لگتے تھے۔ میں نے نوٹ کیا کہ یہاں پودے بہت پاس پاس لگے تھے۔ یعنی فی مربع فٹ زیادہ پودے لگے تھے اور یہی وجہ تھی کہ انڈیا میں چاول کی فی ایکٹر پیداوار ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ حکومت کسانوں کو کھاد اور بجلی میں سب سڈی دیتی ہے۔ پانی مہیا کرنا حکومت کا کام ہے اور وہ پاکستان کے حصے کا پانی چرا کر تندہی سے یہ فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ میں نے پوچھا۔ ''ابھی بارشیں شروع نہیں ہوئی ہیں پھر پانی کہاں سے لے رہے ہو؟''

''وہ دیکھ رہے ہو؟'' ہوشیار سنگھ نے مغرب میں دور ہوا میں بلند ہوتے سیاہ دھویں کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اس وقت نوٹ نہیں کیا تھا۔

''ہاں یہ کیا ہے کوئی بھٹی کام کر رہی ہے؟''

''نہیں یہ ڈیزل سے چلنے والے میگا ٹیوب ویل ہیں۔'' ہوشیار سنگھ نے انکشاف کیا۔ ''یہاں ڈھلان ہماری طرف ہے۔ اس لیے جب ہم زمین سے پانی نکالتے ہیں تو پاکستان کا پانی ہماری طرف آتا ہے۔ یہ ٹیوب ویل ایک منٹ میں ایک ہزار گیلن پانی زمین سے کھینچتے ہیں اور یہ پانی بہت بڑے پائپوں کی مدد سے یہاں زمینوں پر دیا جاتا ہے۔ پائپوں کی مدد سے یہ پانی سو میل دور تک پہنچایا جاتا ہے۔''

میں دنگ رہ گیا۔ یہ انکشاف تھا۔ کم سے کم میرے لیے تو انکشاف ہی تھا۔ ممکن ہے میرے ملک کے ارباب اختیار واقف ہوں مگر جب انہیں دریاؤں کے پانی کی چوری کی پروا نہیں ہے تو ٹیوب ویلوں سے پانی چرانے پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میرے حکمران ملک و قوم کے مفاد سے کس حد تک لاپروا ہو سکتے ہیں۔ یہ شاخ کاٹنے والا کیس نہیں تھا یہ تو جڑ کاٹنے والی بات تھی۔ انڈیا صرف دریاؤں کا پانی نہیں روک رہا تھا بلکہ وہ زیر زمین پانی بھی چرا رہا تھا اور یہ صرف چوری نہیں تھی بلکہ اس کے پس پشت پاکستان سے دشمنی کا جذبہ پوری شدت سے کارفرما تھا۔ جس خشک سالی اور قحط سے ہمارے چند ماہرین زراعت و معاشیات خبردار کر رہے تھے انڈیا اسے جلد از جلد لانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ بین الاقوامی تجارت کے معاہدوں کی مدد سے وہ بہت جلد ہمیں اپنے ساتھ تجارت پر مجبور کر کے ہماری رہی سہی زراعت و صنعت تباہ کر دیتا۔ اس کے بعد اسے کسی جنگ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں نے ہوشیار سے کہا۔ ''کیا یہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے کسی قدر تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

مجھے احساس ہوا کہ میں نے پاکستانی بن کر یہ سوال کر دیا تھا اور ہوشیار سنگھ کا تعجب درست تھا کہ میں خود کون سا قانون پسند تھا جو بین الاقوامی قانون کی بات کر رہا تھا۔ ''مطلب یہ کہ اس طرح کسی دوسرے ملک کا پانی حاصل کرنا کیا ٹھیک ہے؟''

اس نے شانے اچکائے۔ ''صحیح غلط تو حکومت جانے..... جب سے یہاں دریا کا بہاؤ کم ہوا ہے حکومت نے پانی دینے کے لیے یہ ٹیوب ویل لگائے ہیں تب سے پانی کی کمی نہیں ہے۔''

میں جتنی بار انڈیا آیا میں نے محسوس کیا کہ یہاں حکومت زرعی پیداوار بڑھانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ ایک تو اتنی بڑی آبادی کو خوراک بھی بہت زیادہ درکار ہوتی ہے دوسرے انڈیا کی ستر فیصد سے زیادہ آبادی دیہات میں رہتی ہے۔ اگر انہیں زراعت میں روزگار نہیں ملے گا تو وہ لازمی شہروں کا رخ کریں گے اور اس سے وہ مسائل جنم لیں گے جس سے آج ہمارا ملک دوچار ہے۔ اس لیے کم سے کم مشرقی پنجاب کی حد تک حکومت نے یہ پالیسی اپنائی ہے کہ کسان کو بجلی اور سڑک مہیا کی ہے۔ وہ اپنی زمین آباد رکھ سکتا ہے اور اپنی پیداوار کو خود منڈی تک پہنچا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ مشرقی پنجاب خوشحالی میں جنوب کی ان ریاستوں سے آگے ہے جہاں آئی ٹی کی انڈسٹری بین الاقوامی سطح پر کام کر رہی ہے۔ اس کی ایک مثال ہوشیار سنگھ تھا۔ اس کے پاس کل پندرہ ایکڑ زمین تھی اور وہ اس کا ایک ایک انچ استعمال کر رہا تھا۔ جدید زرعی آلات اور بجلی کی وجہ سے اسے صرف چار ملازموں کی مدد درکار تھی۔ اس نے فخر سے بتایا۔

''دس سال سے صرف تین بار میں نے ایک فصل کے لیے زمین چھوڑی ہے اس میں بھی گوار پھلی لگاتا ہوں اس سے زمین پھر زرخیز ہو جاتی ہے اور مجھے اس کا بھی اچھا خاصا مل جاتا ہے۔''

ہوشیار سنگھ پڑھا لکھا تھا اور اس نے محکمہ زراعت سے کورس بھی کر رکھے تھے اسی لیے وہ کاشت کے جدید طریقے اپنائے ہوئے تھا۔ اس کے پاس بہترین گھر تھا اور دو گاڑیاں تھیں۔ جیپ وہ اپنے لیے استعمال کرتا تھا جب کہ خاندان کے ساتھ آنے جانے کے لیے اس کے پاس نئے ماڈل کی چھوٹی کار تھی۔ یہ اس نے چند مہینے پہلے لی تھی۔ ہم ٹہلتے ہوئے اس کی زمین کی آخری حد تک چلے گئے۔ یہاں سے وہ میگا ٹیوب ویل دکھائی دے رہے تھے جو زمین سے پانی کھینچ کر آگے بھیج رہے تھے۔ ان کی تعداد کم سے کم بھی درجن تھی اور یہ سرحد سے کچھ فاصلے پر ہر سو گز کے بعد لگے ہوئے تھے۔ ہوشیار سنگھ نے کہا۔ ''یہ بارہ گھنٹے چلتے ہیں۔''

''ان کی تعداد بہت زیادہ ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم لیکن میں نے جہاں تک دیکھا ہے یہ ہر سو گز بعد اسی طرح لگے ہوئے ہیں۔ انہیں ٹرکوں سے ڈیزل دیا جاتا ہے۔''

''تم لوگ پانی کا معاوضہ دیتے ہو؟''

''بالکل..... ورنہ یہ ٹیوب ویل کیسے چل سکتے ہیں۔ مگر یہ معاوضہ بہت زیادہ نہیں ہے یوں سمجھ لیں مجھے مہینے میں تین چار ہزار روپے سے زیادہ نہیں دینا پڑتا ہے۔''

اچانک پتلون کی جیب میں موجود موبائل نے وائبریشن دی تو میں نے ہوشیار سنگھ کی طرف دیکھ کر چھوٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انگلی فضا میں بلند کی اور نزدیک موجود چند درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ گیا۔ درختوں میں پہنچ کر پتا چلا کہ وہ ان ہی کاموں کے لیے مخصوص تھے جس کا بہانہ کر کے میں یہاں آیا تھا۔ اس لیے فضا مہک رہی تھی۔ میں نے موبائل نکالا اس بار وسیم کی کال تھی۔ میں نے کال ریسیو کی۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''کام چل رہا ہے۔'' وسیم نے آواز آئی۔ ''ممکن ہے آج ہو جائے۔''

''کام پکا ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''خطرہ کم سے کم ہو۔''

''میں یہی کوشش کر رہا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ دونوں ٹھیک ہیں؟''

''ہاں یہاں حالات بہتر ہیں۔''

''گڈ میں پھر رابطہ کروں گا۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ دی۔ میں موبائل رکھ کر واپس آیا تو ہوشیار اسی جگہ کھڑا تھا۔ لیکن وہ اپنی فصل کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں نے اسے بتایا نہیں تھا کہ اس کے ہاتھوں ماری جانے والی عورت کی لاش ان تینوں نے ٹھکانے لگا دی تھی اور یہ کام انہوں نے اپنی گردن بچانے کے لیے کیا تھا۔ میں اسے بتانا بھی نہیں چاہتا تھا اس طرح اس پر سے دباؤ کم ہو جاتا جب تک وہ اس خوف میں رہتا کوئی ایسی حرکت کرنے سے گریز کرتا جس سے معاملہ پولیس کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے۔ اب تک اس کا ردعمل مطمئن کرنے والا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کو اطلاع مل گئی ہو گی کہ میں سادی کو لے کر اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ وہ اتفاقاً مقامی حکام کو میرے بارے میں بتا سکتا تھا لیکن یہ طے تھا کہ اسے میرے بارے میں علم نہیں تھا کہ میں کہاں تھا؟

ڈیوڈ شا زیادہ سے زیادہ اس بازار تک پہنچ سکتا تھا جہاں قتیلے نے مجھے اور سادی کو اتارا تھا۔ بازار بہت بڑا تھا اور وہاں بے شمار شاپنگ سینٹرز اور دکانیں تھیں جس ہوٹل میں ہم رکے تھے وہ اس جگہ سے کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ وہاں بھی ہماری موجودگی کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ جب تک وہ تینوں پولیس یا ڈیوڈ شا کے ہاتھ نہیں آتے ہماری نشان دہی مشکل تھی۔ اس کے باوجود میں سو فیصد مطمئن نہیں تھا۔ دشمن کو کبھی بے وقوف یا کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لیے میں ذہنی طور پر مستعد تھا۔ ہم واپس آئے تو سورج ڈوبنے کے بعد رہی سہی روشنی بھی تاریکی میں بدل چکی تھی۔ سومیت نے ہم سے معذرت کی تھی کہ وہ سبزی خور تھے اور کسی قسم کا گوشت نہیں کھاتے تھے اس میں مچھلی بھی شامل تھی ہاں انڈے استعمال کرتے تھے اور ڈنر میں انڈوں سے بنی ایک ڈش موجود تھی۔ یہ اصل میں انڈہ بریانی تھی جو میں نے پہلی بار کھائی تھی۔ وہ لوگ جلدی کھانے کے عادی تھے اس لیے ساڑھے آٹھ بجے میز پر کھانا لگا دیا گیا تھا۔

جلد کھانے کے ساتھ وہ جلد سونے کے عادی بھی تھے جیسا کہ گاؤں دیہات کا رواج ہے۔ ان کا گھر شہری سہولتوں سے آراستہ تھا مگر معمولات دیہاتی ہی تھے۔ کھانا کے بعد ہم نے کچھ دیر چہل قدمی کی۔ میری کوشش تھی کہ ہوشیار زیادہ سے زیادہ میرے ساتھ رہے۔ دس بجے ہم اپنے کمروں میں آ گئے۔ وہ جلدی سو جانے کے عادی تھے میں نے سادی سے کہا۔ ''ہم کمرے میں ہوں گے لیکن کوئی ایک جاگتا رہے گا۔ ابھی تم سو جاؤ میں تمہیں صبح چار بجے جگا دوں گا۔''

سادی سونے کے لیے لیٹ گئی۔ میں نے مختصر شاور لیا اور ایک طرف صوفے پر اپنی جگہ بنا لی تھی۔ یہاں اے سی نہیں تھا اس لیے کمبل کی ضرورت نہیں تھی۔ پنکھا چل رہا تھا اور اس کی ہوا گرمی اور حبس دور کرنے کی کوشش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہی تھی۔ ڈنر کے بعد موسم اچانک حبس آلود ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ بارش آنے والی تھی۔ مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی آ جائے گی۔ بارہ بجے گرج چمک شروع ہوئی اور دس منٹ بعد تیز ہواؤں کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ میں نے کھڑکی کے پٹ کھول دیئے تھے اندر کی گرمی نکلی اور باہر سے خنک و نم ہوا اندر آئی۔ شدید بارش کا سلسلہ کوئی آدھے گھنٹے جاری رہا اس کے بعد اس کی شدت میں کمی آ گئی۔ مگر گرج چمک کا سلسلہ جاری تھا۔ میں صوفے پر نیم دراز تھا۔ کمرے کی بڑی روشنیاں بند کر کے صرف ایک نیلگوں روشنی والا نائٹ لیمپ آن کیا ہوا تھا۔

اچانک مجھے محسوس ہوا کہ باہر کوئی گاڑی رکی ہے۔ ویسے تو آواز نہیں آئی تھی لیکن انجن بند کرنے سے پہلے اسے ریس دی جاتی ہے تو اس کی آواز آئی تھی۔ میں چوکنا ہو گیا اور دروازے تک آیا۔ میں نے باہر جھانکا لیکن لاؤنج خالی تھا۔ ہوشیار سنگھ کے گھر میں چار بیڈ روم تھے اور ان چاروں کے دروازے لاؤنج میں کھلتے تھے۔ لاؤنج گھر کے وسط میں تھا۔ مگر لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔ ہمارا کمرا پورچ اور گیٹ کی طرف تھا اس لیے میں نے آواز سن لی۔ خاصی دیر تک کوئی اور آہٹ نہیں ہوئی تو میں دروازہ بند کرنے والا تھا کہ اسی لمحے کال بیل بجی۔ بجانے والے نے نہایت بدتمیزی سے بیل بٹن پر انگلی رکھ دی تھی اور تقریباً آدھے منٹ تک مسلسل بجاتا رہا۔ اندر سے ہوشیار پاجامے اور بنیان میں افراتفری کے ساتھ برآمد ہوا۔ یقیناً میری طرح اس کے ذہن میں بھی خیال آیا ہو گا کہ پولیس آ گئی۔ پولیس کی کسی کے گھر آدھی رات کو اسی طرح نازل ہو سکتی تھی۔

میں پلٹا کہ بیگ سے شاٹ گن نکال سکوں تو سادی کو بیدار پایا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ میں بیگ کی طرف بڑھا تھا کہ باہر سے ہوشیار سنگھ کی حیرت زدہ آواز آئی۔ ''سنگیتے تُو.....؟''

''ہاں بھائی جی..... ایک سال بعد ہی تو دیکھا ہے..... کیا شکل بدل گئی ہے جو پہچان نہیں رہے تھے۔''

''تُو یہاں کیوں آیا ہے؟''

''ہوشیار یار تُو میرا بھائی ہے۔'' سنگیتے نے معنی خیز انداز میں کہا۔ میں نے جھانک کر دیکھا وہ ہوشیار سنگھ سے بالکل مختلف اور صورت سے ہی جرائم پیشہ نظر آنے والا شخص تھا۔ لہجے سے وہ بھی ہوشیار کی طرح پڑھا لکھا لگ رہا تھا۔ ''اپنے بھائی سے ملنے آیا ہوں۔''

''سنگیتے تجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا تُو جانتا ہے سب نے تجھ سے تعلق ختم کر لیا ہے۔ سومیت بھی پسند نہیں کرے گی۔''

''بھرجائی کو چھوڑ اپنی بات کر۔'' سنگیتے نے کہا۔ ''وہ بے چاری تو اور بھی بہت کچھ پسند نہیں کرے گی جو تُو کر رہا ہے۔''

''آہستہ بول۔'' ہوشیار نے برہمی سے کہا۔ ''کیا تُو میرا گھر برباد کرنے آیا ہے۔''

''میں تیرا بھائی ہوں، دشمن نہیں..... یہاں سے گزر رہا تھا سوچا ایک رات تیرے پاس رک جاؤں صبح چلا جاؤں گا۔''

''تُو جیل سے کب آیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دو ہفتے پہلے رہا ہوا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''اس علاقے میں تُو کہاں جا رہا تھا جو یہاں سے گزرا۔'' ہوشیار کے لہجے میں شک تھا۔

''بس جا رہا تھا۔'' سنگیتے نے ڈھٹائی سے کہا۔

''یہ کیوں نہیں کہتا کہ یہاں آیا ہے۔ کوئی گڑبڑ تو کر کے نہیں آیا ہے کہ پیچھے سے پولیس بھی آ رہی ہو۔''

''ایسا کچھ نہیں بھائی جی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں نے کہا نا بس ایک رات رکوں گا اور پھر ہم اپنی راہ لیں گے۔''

''ہم؟'' ہوشیار کی چونکتی آواز آئی۔ ''اور کون ہے؟''

''میرے دو دوست بھی ہیں۔'' اس نے کہا تو میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ سنگیتا سچ مچ کوئی غلط کام کر کے یہاں آیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بھائی اسے برداشت نہیں کرے گا اور وہ اپنے ساتھیوں کو بھی لے آیا تھا۔ یہ بات ہوشیار نے بھی محسوس کر لی۔

''سنگیتے میں تجھے نہیں ٹھہرا سکتا اپنے دوستوں کو لے کر اسی وقت نکل جا۔'' ہوشیار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''چل نکل یہاں سے۔''

''اب میں نہیں جاؤں گا۔'' سنگیتے نے کہا اور آواز دی۔ ''آ جاؤ یارو، اپنا ہی گھر ہے۔''

''سنگیتے یہ کیا کر رہا ہے ان بدمعاشوں کو اندر بلا رہا ہے۔'' ہوشیار نے برہمی سے کہا اور میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں کہیں جاؤں اور وہاں کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو۔ یہاں بھی مسئلہ آ گیا تھا۔ سنگیتے کے دونوں آدمی اندر آ گئے اور ہوشیار کی آواز بند ہو گئی۔ میں نے جھانک کر دیکھا۔ دونوں آدمی مسلح تھے اور انہوں نے حد درجے کے ہتھیار رکھے تھے۔

''بھائی جی یہ بدمعاش نہیں ہیں لیکن ضرورت پڑے تو بن جاتے ہیں۔'' سنگیتے نے دانت نکال کر کہا۔ ''بس ایک رات کی بات ہے صبح ہم چلے جائیں گے۔''

''تم لوگ کوئی واردات کر کے آئے ہو۔'' ہوشیار نے ڈوبتے لہجے میں کہا۔ ''پولیس سے بچنے کے لیے یہاں آئے ہو۔''

''ہاں، ادھر پولیس سرگرم ہے۔'' ایک آدمی نے زبان کھولی۔ وہ طویل قامت اور دبلی جسامت کا مالک تھا۔ ''اس وقت ناکے لگائے ہیں صبح تک کھول دیں گے تو ہم چلے جائیں گے۔''

''کسی کو پتا نہیں چلے گا۔'' سنگیتا بولا۔ ''مجھے معلوم ہے بچے ماتا پتا کے پاس ہیں۔ ادھر بس بھرجائی ہو گی۔''

''کچھ مہمان بھی ہیں۔'' ہوشیار نے آہستہ سے کہا۔ ''میرے کالج کے وقت کا دوست ہے، بیوی کے ساتھ ادھر آیا ہوا ہے۔''

''اس کی خیر ہے تم بتا دینا کہ بھائی اور اس کے دوست ہیں۔ کوئی سامنے نہیں آئے گا ہم کمرے تک رہیں گے۔''

ان لوگوں کے تیور بتا رہے تھے کہ اگر ہوشیار نے انکار کیا تو وہ زبردستی پر اتر آئیں گے۔ طویل قامت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے شانے سے شاٹ گن لٹک رہی تھی اور دوسرے نے اپنی توند کے ساتھ پتلون کی دھنسی بیلٹ میں پستول بھی اڑسا رکھا تھا۔ سنگیتا خالی ہاتھ تھا لیکن لگ رہا تھا کہ اس کے پاس بھی کوئی نہ کوئی ہتھیار ہوگا۔ ہوشیار نے محسوس کیا کہ وہ اب انکار کر کے نقصان میں رہے گا۔ مجبوراً اس نے سر ہلایا۔ ''اپنی بات پر قائم رہنا کل صبح یہاں سے چلے جانا۔''

''بھائی جی اندر تو آنے دو۔ ابھی آئے نہیں اور نکالنے کی بات شروع کر دی۔'' سنگیتا آگے بڑھا تو ہوشیار نے روکا۔

''ادھر نہیں یہاں وہ رکے ہیں۔ تم لوگ اس کمرے میں جاؤ۔''

میں نے آہستہ سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ کیونکہ اب وہ آگے آتے تو کھلا دروازہ دیکھ سکتے تھے۔ میری توجہ کا مرکز سنگیتا کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں موجود بیگ تھے۔ انہوں نے جس طرح اٹھا رکھے تھے اس سے ظاہر تھا کہ ان میں خاصا وزن تھا۔ وہ بیگوں میں کپڑے اور ضرورت کا سامان لے کر گھومنے والے لوگ نہیں تھے۔ ان بیگوں میں یقیناً لوٹ کا مال یا ایسی کوئی چیز تھی جس کے لیے پولیس ان کے پیچھے تھی اور علاقے کو باقاعدہ ناکوں سے بند کیا گیا تھا۔ وہ تینوں اس کمرے میں چلے گئے جو ہوشیار نے ان کے لیے کھولا تھا۔ میں پلٹا تو سادی کو پیچھے کھڑے پایا اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''شوبی لگ رہا ہے مصیبت آ گئی ہے۔''

''لازمی بات ہے ہم کہیں قدم رنجہ فرمائیں اور وہاں کوئی مصیبت یا آفت نہ آئے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔''

''تب کیا کریں پولیس آ گئی تو ان کے ساتھ ہمیں بھی سمیٹ کر لے جائے گی۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''اس کا بہت زیادہ امکان ہے۔ کیونکہ اگر پولیس نے ناکا بندی کی ہے تو ان کے ہاتھ نہ آنے کی صورت میں وہ گھروں تک بھی آ سکتی ہے۔ یقیناً یہ کوئی ایسا کام کر کے آئے ہیں جس کی وجہ سے پولیس بڑے پیمانے پر حرکت میں آئی ہے۔''

''شوبی وسیم نے رابطہ کیا پھر؟''

''نہیں بس شام کو اس کی کال آئی تھی، تمہیں بتایا تھا۔'' میں واپس صوفے پر دراز ہو گیا۔ ''وہ پوری کوشش کر رہا ہوگا لیکن میں نے اسے بتا دیا ہے کہ جب تک خطرہ صرف دس فیصد تک نہ ہو میں تمہیں لے کر بارڈر کراس نہیں کر سکتا۔''

''وہ تو جب وقت آئے گا تب دیکھا جائے گا۔'' سادی بستر پر بیٹھ گئی۔ ''لیکن شوبی مجھے لگ رہا ہے یہ لوگ کچھ گڑبڑ کریں گے۔''

''وہ کیسے؟''

''جیسے ہم ان سے چوکنا ہیں اسی طرح وہ بھی ہم سے چوکنا ہوں گے۔ ہوشیار کی بات الگ ہے لیکن اس کا بھائی ہم پر اعتبار نہیں کرے گا۔''

سادی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ویسے بھی ان لوگوں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ صرف ایک رات کے لیے یہاں نہیں آئے تھے۔ جب تک پولیس ان کی تلاش میں ہوتی وہ اسی جگہ رہتے اور یہاں انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہوشیار بہرحال اپنے بھائی کو پولیس کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ یہیں رہتے تو اس کا پورا امکان تھا کہ جلد یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدیر ہماری ملاقات ہوتی اور یہ ملاقات خوشگوار نہیں ہوتی۔ وہ تین تھے اور مسلح بھی تھے۔ پھر عادی جرائم پیشہ تھے ان کے لیے کسی پر ہاتھ اٹھانا یا کسی کو مار دینا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں انتظار کرنے کی بجائے پہلے میں ہی کیوں نہ کچھ کر گزروں۔ یہ گھوڑے کے پہلے پھونک مارنے والا کیس بھی ہوسکتا تھا۔ جلد یا بدیر وہ اس نتیجے پر پہنچتے کہ معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیا جائے اور تب وہ اسلحے کے زور پر ہمیں یرغمال بنا لیتے۔ اگر میں پہلے کارروائی کرتا تب بھی خطرہ تھا کہ وہ مزاحمت کریں گے اور یہاں کچھ گولیاں چلیں گی۔ اس صورت میں پولیس کے آنے کا امکان بڑھ جاتا۔ بے شک آس پاس کوئی گھر نہیں تھا لیکن یہ جگہ ویران بھی نہیں تھی۔ بڑی سڑک پاس تھی۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کرلیا تھا اب کوئی زبردستی اندر نہیں آسکتا تھا۔

○.....❖.....○

مجھے خود پر اعتماد تھا کہ وہ تینوں میرے لیے مسئلہ نہیں ہوں گے۔ مگر انہیں قابو کر کے رکھنا آسان نہیں تھا اور قتل تو اس مسئلے کا بالکل بھی حل نہیں تھا۔ اس سے دیگر کئی مسائل کھڑے ہو جاتے۔ یہاں ہوشیار کے ملازمین بھی اہلِ خانہ کے ساتھ رہتے تھے۔ اتنے لوگوں کو خاموش کرانا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے جو کرنا تھا خاموشی سے کرنا تھا۔ میں سوچ رہا تھا سادی دوبارہ لیٹ گئی۔ اسے وقتی تشویش ہوئی تھی ورنہ اسے بھی یقین تھا کہ میں اس چکر سے نمٹ سکتا ہوں۔ وہ غنودگی میں گئی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور وہ جاگ گئی۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''یہ کون ہے؟''

''میں دیکھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر دروازے تک آیا۔ دستک اتنی ہلکی تھی کہ اگر ہم ذہنی طور پر چوکنا نہ ہوتے تو شاید سنائی بھی نہ دیتی۔ پھر باہر بارش اور بجلی کی گرج چمک کا شور تھا۔ امکان یہی تھا کہ باہر ہوشیار ہوگا اس لیے میں نے ممکن حد تک دھیمی آواز میں پوچھا۔ ''کون؟''

''میں ہوں ہوشیار۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ میں نے گہری سانس لی لیکن مطمئن نہیں ہوا تھا کیونکہ ہوشیار کو گن پوائنٹ پر یہاں لایا جاسکتا تھا۔ میں نے پستول نکال کر ہاتھ پشت پر کیا اور دروازہ کھول دیا۔ ہوشیار بڑی سے اندر آیا۔ سادی نے جلدی سے دوپٹا ٹھیک کیا اور میں نے پوچھا۔

''یہ کیا حرکت ہے تم اس طرح منہ اٹھائے کس خوشی میں اندر آرہے ہو؟''

''آئی ایم سوری۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا اور پھر بولا۔ ''ہم بڑی مشکل میں پھنس گئے۔''

''ہم سے کیا مراد ہے؟''

''میرا مطلب ہے ہم دونوں۔'' اس نے گھبرا کر کہا کیونکہ میں نے ذرا اونچی آواز میں پوچھا تھا۔ ''واہ رد کے لیے آواز دھیمی رکھو وہ نہ سن لیں۔''

''وہ کون؟''

''میرا بھائی اور اس کے ساتھی۔''

''میرا تمہارے بھائی یا اس کے ساتھیوں سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔''

ہوشیار نے سوچا اور پھر مجھے پوری بات بتانے کا فیصلہ کیا حالانکہ میں پہلے ہی سب جانتا تھا۔ اس نے کہنا ع کیا۔ ''میرا چھوٹا بھائی ہے سنگیت سنگھ..... جوانی میں غلط چکروں میں پڑ گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیسے تم شادی کے بعد غلط چکروں میں پڑ گئے۔'' میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہم ڈرائنگ روم میں چل کر بات کرتے ہیں۔''

ہوشیار نے سر ہلایا تو میں نے سادی کو اشارہ کیا کہ وہ اندر سے دروازہ بند کر لے۔ وہ سر ہلاتی ہوئی کھڑی ہوئی تو میں اور ہوشیار باہر نکل آئے اور دبے قدموں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ہوشیار نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر کے لاک کر دیا اور مجھے ممکنہ حد تک دور والے حصے میں لا کر بولا۔ ''اس نے جرم شروع کر دیئے۔ ایک سال پہلے وہ پکڑا گیا۔ خوش قسمتی سے ایک گواہ منحرف ہو گیا اور اسے صرف چھ مہینے کی سزا ہوئی۔ وہ چھوٹ آیا اور اب یہاں ہے۔''

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔

''مجھے شبہ ہے جی کہ وہ اور اس کے دو ساتھی کہیں کوئی واردات کر کے آئے ہیں۔ پولیس ان کی تلاش میں ہے اور علاقے کی ناکا بندی کر رکھی ہے۔''

''ہاں اب میرا مسئلہ بھی بن رہا ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تمہارا مسئلہ تو ہے ہی۔''

''وہ کہہ رہا ہے کہ صبح چلا جائے گا لیکن مجھے یقین ہے وہ یہاں جم کر بیٹھ جائے گا۔''

''سامنے کی بات ہے پولیس اتنی جلدی اپنی تلاش ختم نہیں کرے گی اور یہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔''

''ابھی تو میں نے انہیں بتایا ہے کہ تم میرے دوست ہو۔''

''سوال یہ ہے کہ اگر وہ یہاں رکے اور پولیس انہیں تلاش کرتی آ گئی تو وہ اتنی شرافت سے خود کو پولیس کے حوالے نہیں کریں گے۔'' میں نے ہوشیار کو قائل کرنا شروع کر دیا۔ ''یہ گولیاں چلائیں گے اور مار ماری ہو گی۔ ممکن ہے پولیس سے بچنے کے لیے یہ تمہیں اور ہمیں یرغمال بنا لیں۔''

درحقیقت وہ پہلے ہی قائل تھا اور جو باتیں میرے ذہن میں تھیں وہ پہلے ہی سوچ چکا تھا۔ اسی لیے تو وہ میرے پاس آیا تھا۔ وہ متفکر ہو گیا۔ ''یہ تو ہے۔''

''یہ مقابلہ کریں گے اور گولیاں چلائیں گے تو جواب میں پولیس پھول تو نہیں مارے گی اور گولیاں سامنے آنے والے کو نہیں دیکھتی ہیں۔ ہم بھی مارے جا سکتے ہیں۔''

''یہ بھی ہے۔'' اس نے پھر اتفاق کیا۔

''اس صورت میں ہمیں وہ کام کرنا چاہیے جس سے مسئلہ خاموشی سے حل ہو جائے۔''

''خاموشی سے کیسے؟''

''یہ بتاؤ تمہارے پاس نیند کی دوا ہے؟''

''بالکل ہے کچھ مہینے پہلے مجھے نیند نہیں آتی تھی تو میں لایا تھا۔ اس کے بعد خود نیند آنے لگی تو اس کا ڈبا ویسا ہی پڑا ہے۔''

''ٹھیک ہے انہیں چائے میں دوا ملا کر دے دو۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''چائے اس وقت؟''

''ہاں..... تم کہہ سکتے ہو کہ فکر سے تمہاری نیند اڑ گئی ہے اور تم اپنے لیے چائے بنا رہے تھے تو سوچا کہ ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تینوں کے لیے بھی بنا دو۔ تم ان کے ساتھ ہی چائے پینا تاکہ انہیں شک نہ ہو۔"

"دوا والی۔" اس نے اعتراض کیا۔ "اس سے تو میں بھی سو جاؤں گا۔"

"اپنے لیے تم بغیر دوا والی لینا۔"

"تب ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

"تب تو عمل کرو..... اگر وہ سچ مچ سو گئے تو تم اٹھا کر تو چائے نہیں دو گے۔"

"میں ابھی جاتا ہوں۔" وہ بولا۔ "میرے پاس گولیاں ہیں پہلے انہیں پیس لیتا ہوں۔"

وہ سچ مچ ہوشیار تھا۔ شکر ہے اسے یہ حرکت ہمارے ساتھ کرنے کا خیال نہیں آیا۔ شاید اس لیے بھی کہ ہم نے شرافت سے کام لیا تھا اور اس کی مدد ہی کی تھی۔ اسے قتل اور بلیک میلنگ کے چکر سے بچا لیا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا اور اس نے دروازہ کھولا تھا کہ سامنے سنگیت اور اس کے دونوں ساتھی دکھائی دیئے۔ ان کے چہروں پر شک ہی شک تھا۔ سنگیت نے ٹھہرے لہجے میں پوچھا۔ "بھائی جی دروازہ بند کر کے کیا کر رہے تھے؟"

میں خاموش کھڑا رہا ہوشیار نے مڑ کر دیکھا تو اس کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ میں نے آنکھوں میں اسے اشارہ کیا کہ حوصلہ کرے۔ اس نے اشارہ سمجھ لیا اور کسی قدر گرم لہجے میں بولا۔ "تو کون ہوتا ہے مجھ سے میرے گھر میں یہ سوال کرنے والا۔"

"ناراض کیوں ہوتے ہو یار ایسے ہی پوچھ لیا۔"

میں آگے آیا۔ "تم تینوں ساتھ ساتھ رہتے ہو کیا..... ہر وقت؟"

طویل قامت نے غرا کر میری طرف دیکھا اور ہوشیار سے کہا۔ "اپنے یار کو سمجھا لے ہمارے منہ نہ لگے۔"

"منہ لگنے والی بات بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "بات کرنے سے پہلے آئینے میں منہ دیکھ لیا کرو۔"

"لگتا ہے تُو اس طرح نہیں مانے گا۔" طویل قامت آگے آیا تھا کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یہاں نہیں..... یہ میرے دوست کا گھر ہے اس کا نقصان میرا نقصان ہے باہر چلتے ہیں۔"

توند والا خوش تھا اور سنگیت بھی دلچسپی لے رہا تھا ایسا لگ رہا تھا ان کا دل پسند تماشا ہونے والا ہے۔ طویل قامت بولا۔ "تم خود مقابلے کا کہہ رہے ہو بعد میں رونا مت۔ میں ہاتھ چلاتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ آگے والے کے منہ ناک کا کیا ہوگا؟"

"یہ کیا کر رہے ہو؟" ہوشیار گھبرا گیا۔

میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ "تم فکر مت کرو ہم ذرا تبادلہ خیال کریں گے۔" میں نے کہتے ہوئے باہر کا رخ کیا۔ وہ چاروں بھی پیچھے تھے۔ ہوشیار اپنے بھائی سے کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ اس کی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کے بجائے وہ اپنے ساتھی کے ہاتھوں میری مرمت دیکھنا چاہتا تھا۔ اب وہ ہوشیار ہو گئے تھے اور شاید دوا والا حربہ کام نہ کرتا اس لیے میں نے دوسرا طریقہ سوچا تھا۔ ہم باہر آئے جہاں ہوشیار کی جیپ کے ساتھ ایک کھٹارا سی پرانی کار کھڑی تھی۔ وہ لوگ اسی میں آئے تھے اور انہوں نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے گاڑی بھی اندر کھڑی کر لی تھی۔ اس لیے اب پورچ میں جگہ نہیں تھی۔ ہم لان میں آ گئے۔ ہوشیار اب خاموش تھا اس نے سمجھ لیا تھا کہ اس کی کوئی نہیں سنے گا۔ سنگیت اور توند والا ذرا دور کھڑے ہو گئے اور طویل قامت آگے آیا۔ میں نے انگڑیوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح دونوں ہاتھ آگے کیے۔ طویل قامت مسکرایا اور اس کا چہرہ لان لیمپ کی پیلی روشنی میں مزید مکروہ نظر آنے لگا۔ مجھے کمزور محسوس کر کے وہ آگے آیا اور میں نے آدھے منٹ میں کھیل ختم کر دیا۔ اس کے دو وار ناکام بنا کر میں نے پہلے اس کے پیٹ میں مکا مارا اور جب وہ جھکا تو اس کے سر پر پستول کا دستہ رسید کیا وہ وہیں گر گیا۔ توند والے کا ہاتھ اپنی بیلٹ کی طرف گیا تھا کہ میں نے پستول اس کی طرف کر دیا۔ ''ہاتھ اوپر اور حرکت مت کرنا ورنہ.....'' میں نے پستول کو جنبش دی تو اس کا ہاتھ رک گیا پھر اس نے ہاتھ اوپر کر لیے۔ سنگیت نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ اب ہوائیاں ان کے چہروں پر اڑ رہی تھیں۔ وہ میرے پرزے اڑتے دیکھنے آئے تھے اور یہاں تماشا ہی الٹا ہو گیا تھا۔

''ہاتھ گردن پر۔'' میں نے حکم دیا تو انہوں نے اس بار بھی تعمیل کی اور ہوشیار نے میرے کہنے پر ان کی تلاشی لے کر ہتھیار برآمد کر لیے۔ دونوں کے پاس پستول تھے۔ نہتے ہونے پر ان کا رہا سہا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔ سنگیت نے کہا۔ ''بھائی جی ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں۔''

''اتنی آسانی سے نہیں۔'' میں نے کہا اور ہوشیار سے پوچھا۔ ''کوئی جگہ ہے جہاں ان کو بند کیا جا سکے تو صرف ان کی آتمائیں وہاں سے نکل سکیں؟''

''بالکل ہے۔'' اس نے کہا اور عقبی لان کے ساتھ بنی کوٹھری تک آیا۔ یہ اوزار اور فالتو سامان رکھنے کے لیے تھی۔ پختہ اینٹوں سے بنی اس کوٹھری کی چھت بھی پکی تھی اور دروازہ موٹی لوہے کی چادر کا بنا ہوا تھا۔ یہ انتظام شاید سامان کو چوروں سے بچانے کے لیے کیا گیا تھا اور یہاں سے بچ کے ان کی روحیں ہی نکل سکتی تھیں۔ ایسی ساری چیزیں نکال لیں جن کی مدد سے یہ خود کو آزاد کرا سکتے تھے اور پھر انہیں کوٹھری میں دھکیل دیا۔ میں نے کہا۔

''آرام سے بیٹھنا..... ہنگامہ کیا تو اپنا نقصان خود کرو گے۔''

''بھاجی تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔'' سنگیتا نے بھائی کو دھمکایا۔

''تُو نے بہت اچھا کیا جو ان بدمعاشوں کو لے کر میرے گھر آ گیا۔'' ہوشیار نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''ہم صرف رکتے تیرا کوئی اور نقصان نہیں کرتے۔''

''بکواس مت کر..... یہ میرا دوست ہے اس کے ساتھ کیا کر رہے تھے تیرے ساتھی اور تُو..... تُو کہتا ہے میرا نقصان نہیں کر رہے تھے۔ ابھی پہلے معلوم کر لوں کہ تم لوگوں نے کیا کیا ہے پھر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔''

ہوشیار اندر سے ایک بڑا اور مضبوط تالا لے آیا اسے باہر ڈال دیا۔ ہم اندر آئے پہلے میں نے سادی کو تسلی دی کہ حالات میرے قابو میں ہیں اور وہ سو جائے پھر میں ہوشیار کے ساتھ اس کمرے میں آیا جس میں یہ تینوں رکے تھے۔ وہاں ان کے اضافی اسلحے کے ساتھ وہی دونوں بڑے بیگ بھی تھے۔ ہوشیار نے ایک بیگ کھولا اور میری توقع کے عین مطابق اس میں کرنسی نوٹوں کا ڈھیر نکلا تھا۔ یہ سارے ہزار اور پانچ سو والے نئے کرنسی نوٹ تھے جن پر بنک کی پٹی لگی تھی۔ ہوشیار نے گھبرا کر کہا۔ ''واہ گرو کی سوں..... کسی بنک میں ڈاکا ڈالا ہے۔''

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔'' میں نے دوسرا بیگ بھی کھولا اور وہ بھی اسی طرح کرنسی سے بھرا ہوا تھا۔ دونوں بیگوں کا مشترکہ وزن کوئی پچاس کلوگرام تھا۔ ہوشیار نے گڈیاں گنیں اور مجھے آگاہ کیا۔

''دو سو گڈیاں لاکھ والی اور تین سو پچاس ہزار والی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ساڑھے تین کروڑ روپے۔'' میں حیران ہوا تھا۔ ''یہ تو بہت بڑی رقم ہے اور پولیس لازمی چوکنا ہوگی۔''

''اتنی بڑی واردات ٹی وی پر لازمی آرہی ہوگی۔'' ہوشیار نے کہا تو ہم نے نشست گاہ کا رخ کیا۔ اس نے ٹی وی آن کر کے مقامی نیوز چینل لگایا تو اس پر اس وقت یہی خبر چل رہی تھی۔ نامعلوم افراد نے امرتسر سے لدھیانہ آنے والے کیش آرمرڈ ٹرک کو لوٹ لیا تھا۔ ڈاکوؤں نے ٹرک کے چاروں محافظوں کا قتل کر دیا تھا اور اس میں موجود ساڑھے تین کروڑ کی رقم لوٹ کر لے گئے تھے۔ یہ خبر دیکھتے ہوئے رات دو بجے ہوشیار سنگھ کے بارہ بج گئے تھے۔ ''یہ تو قاتل بھی ہیں۔''

''پولیس بہت سرگرمی سے ان کی تلاش میں ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''یہ اچھی خبر ہے کہ وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہے۔ مگر بہت سی باتوں سے دوران تفتیش پتا چل جائے گا کہ ڈاکوؤں نے کہاں کا رخ کیا ہے۔''

''وہ سیدھی یہاں آئے گی۔'' ہوشیار نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ ''اور تم کہہ رہے ہو کہ اچھی بات ہے۔''

''میرا مطلب ہے وہ ناموں سے واقف نہیں ہے ورنہ یہ پتا چلانا کون سا مشکل ہوتا کہ سنگیت سنگھ کا بھائی ہوشیار سنگھ اسی علاقے میں رہتا ہے۔ لدھیانہ یہاں سے بہت دور ہے۔''

''اتنا دور بھی نہیں ہے۔'' اس نے سر پر ہاتھ مارا۔

''اب ان کو چھپا کر رکھنا اور ضروری ہو گیا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ان کے لیے چائے بناؤ وہی دوا والی۔''

''شراب میں نہ دے دوں۔'' ہوشیار سنگھ نے بہتر تجویز دی۔ ''زیادہ اثر کرے گی۔''

''یہ بہتر رہے گا۔'' میں نے کہا تو اسی لمحے نشست گاہ کے دروازے پر دستک ہوئی۔

''یہ سومیت ہوگی وہ جاگ گئی ہوگی۔'' ہوشیار نے کہا اور باہر چلا گیا۔ وہ دس منٹ بعد آیا تو اس کے ہاتھ میں دیسی شراب کی بوتل تھی۔ اس نے مجھے دکھائی۔ ''دوا پیس کر اس میں شامل کر دی ہے۔''

ہم باہر آئے۔ کوٹھری کا تالا کھولا اور ہم اندر آئے۔ طویل قامت کو ہوش آ گیا تھا اور وہ سر تھامے مجھے خونی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تو نے اچھا نہیں کیا ابھی مجھے جاننا نہیں ہے۔''

میں نے نرمی سے کہا۔ ''بس ایک دن کی بات ہے پھر تم کو آزاد کر دوں گا۔''

''تم لوگوں نے آرمرڈ ٹرک لوٹا اور اس کے گارڈز کو مار دیا۔'' ہوشیار تلخ لہجے میں کہا۔ اس نے شراب کی بوتل سنگیت کی طرف اچھال دی۔ میں نے اندر آنے سے پہلے پستول نکال لیا تھا اس لیے وہ شرافت کے دائرے میں تھے۔ سنگیت نے مشکوک لہجے میں کہا۔

''تو شراب کیوں لایا ہے۔''

''بتایا تو ہے کہ تم لوگ ایک دن آرام سے رہو گے۔ شاباش اب پینا شروع کر دو۔''

''اس میں زہر ہے۔'' سنگیت کا شک زبان پر آ گیا۔

''میں تم تینوں کو خالی ہاتھ سے بھی مار سکتا ہوں تو زہر دینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تین تک گنوں گا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد.....'' میں نے پستول کو جنبش دی تو طویل قامت نے سنگیت سے بوتل لے کر منہ سے لگالی۔ اسے ضرورت بھی تھی اس نے ایک ہی بار میں چوتھائی بوتل صاف کر دی۔ پھر گینڈے نے بوتل کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ سنگیت کو جب میں نے بجایا تو اس نے بوتل منہ سے لگائی تھی۔ اس دوران میں طویل قامت جھومنے لگا تھا مگر پہلے گینڈا لڑھکا پھر طویل قامت گرا اور آخر میں سنگیت نے مزید ایک گھونٹ لیا تھا اتنا غفیل ہونے سے پہلے۔ بوتل تقریباً خالی ہوگئی تھی۔

''یہ گئے کم سے کم دس بارہ گھنٹے کے لیے۔'' ہوشیار نے بوتل اٹھاتے ہوئے کہا۔

''کوئی دو انسان کو آٹھ گھنٹے سے زیادہ دیر تک نہیں سلا سکتی ہے اس سے زیادہ دیر سونے کی صورت میں انسان کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''ہاں یہ دس بارہ گھنٹے تک کسی قابل نہیں رہیں گے۔''

ہم باہر آئے اور ہوشیار نے تالا لگا دیا۔ ہم اندر آئے تو میں نے ہوشیار کا شانہ تھپکا۔ ''اب تم سو جاؤ۔''

''اور تم؟''

''میں جاگتا رہوں گا۔ پولیس کی طرف سے ہوشیار رہنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا خیال ہے یہ گاڑی کہیں اور نہ چھوڑ دیں۔''

''پیچھے کھڑی کر دیتے ہیں۔'' ہوشیار نے تجویز پیش کی۔ ''باہر جانا خطرے والی بات ہوگی۔ مین روڈ پاس ہے اور اس پر پولیس موجود ہو سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے تب پیچھے کھڑی کر دو بلکہ ابھی یہ کام کرو۔'' میں نے مشورہ دیا اور ہوشیار تعمیل کے لیے چلا گیا۔ اب اس کا رویہ میرے ساتھ تقریباً نارمل ہو گیا تھا اور وہ بھڑک نہیں رہا تھا اور نہ ہی اس کی نظروں اور انداز میں مخاصمت تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ میں اپنے ساتھ اس کی مدد بھی کر رہا تھا۔ رقم والے بیگ ابھی تک ان کے کمرے میں پڑے ہوئے تھے۔ ہوشیار آیا تو میں نے اس سے کہا۔ ''انہیں چھپانا ہے۔ صبح شیلا یا کوئی اور بندہ نہ جانے کے یہ لوگ یہاں آئے تھے۔''

گھر میں ایک اسٹور روم تھا مگر وہ کھلا تھا اس لیے ہوشیار کے کمرے کے باتھ روم کے اوپر والی دو چھتی سے کام لیا گیا۔ ہم نے اسلحہ بھی بیگوں میں ڈال دیا اور انہیں دو چھتی پر سامان کے پیچھے رکھ دیا۔ سومیت جان گئی تھی اور ہراساں تھی۔ مگر وہ ہوشیار کا مسئلہ تھی وہ اسے سنبھال لیتا۔ اس نے گاڑی پیچھے ملازموں کے مکانات کے ساتھ ٹریکٹر اور دوسری مشینری کے شیڈ میں کھڑی کر دی تھی۔ میں نے سومیت سے کہا۔ ''بھرجائی اگر مشکل نہ ہو تو میرے لیے ایک کپ چائے بنا دیں۔''

اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''کیسی بات کرتے ہیں اجیت بھیا آپ نے تو ہمیں ان ڈاکوؤں سے بچایا ہے آپ کی سیوا تو دھرم ہے۔''

سومیت چائے بہت اچھی بناتی تھی اور اس کے پاس پتی بھی اعلیٰ درجے کی تھی۔ میں وہیں لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا۔ ہوشیار کمرے میں تھا سومیت مجھے چائے دے کر بولی۔ ''بھائی جی کسی چیز کی ضرورت ہو تو لے لینا اب یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شکریہ بہن۔'' میں نے کہا وہ اندر چلی گئی تھی۔ باہر گرج چمک رک گئی تھی مگر موسم بارش والا ہی ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی تیز ہوا کے خنک جھونکے آتے تھے۔ میں پانچ بجے تک وہاں رہا پھر کمرے میں آیا اور سادی کو جگا کر سو گیا۔ وہ کمرے سے ہی آس پاس نظر رکھ سکتی تھی۔ اس نے مجھے نو بجے جگایا۔ وہ خود منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر چکی تھی۔

''شوبی اٹھ جائیں ناشتہ کرلیں۔''

''کوئی تبدیلی تو نہیں آئی؟''

''نہیں ہوشیار بھی سو رہا ہے، میں اور سومیت باتیں کر رہے تھے۔''

میں نے موبائل چیک کیے ان پر کال نہیں آئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اب وسیم اسی وقت کال کرتا جب وہ ہمارے لیے بندوبست کر لیتا یا پھر نہیں کر پاتا اور ہمیں کوئی متبادل راستہ اختیار کرنا پڑتا۔ ویسے میری خواہش تھی کہ وہ انتظام کر لے اور ہم یہیں سے سرحد پار کر جائیں۔ میں اور سادی جتنی جلدی یہاں سے چلے جاتے ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوتا۔ میں نے منہ ہاتھ دھونے کی بجائے غسل کیا اور اپنے زخموں کا جائزہ لیا جو تقریباً بھر چکے تھے۔ ماتھے کے زخم پر کھرنڈ آ گیا تھا جو شاید ایک دن میں اتر جاتا۔ باقی زخم صاف ہو چکے تھے اور معمولی نشان رہ گئے تھے۔ رات میں نے جاگتے رہنے کے خیال سے کم کھایا تھا اس لیے اب بھوک لگ رہی تھی۔ ناشتے میں دیسی انڈے اور پراٹھے تھے۔ ان کے ساتھ سوجی کا حلوہ اور لسی تھی۔ میں نے ناشتے سے پورا انصاف کیا، سومیت تازہ پراٹھے بنا رہی تھی۔ اسی دوران میں ہوشیار بھی آ کر میرے ساتھ ناشتے میں شامل ہو گیا۔ اس نے کہا۔

''میں کچھ دیر پہلے گیا تھا وہ بے سدھ پڑے ہیں۔''

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اگر ان میں سے کسی کو ہوش آ گیا ہوتا تو تم مشکل میں پڑ جاتے۔''

''میں صرف نام کا ہوشیار نہیں ہوں۔'' اس نے فخر سے کہا۔ ''پستول لے کر گیا تھا۔''

''یہ بتاؤ کہ ان لوگوں کو پولیس کے حوالے کرنے کا حوصلہ رکھتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔ ''خاص طور سے جب ان میں تمہارا بھائی بھی شامل ہے۔''

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''مشکل ہے اگر سنگیت نہ ہوتا تو میں ایسا کر گزرتا۔''

''دوسری صورت میں کیا یہ تمہیں بخش دیں گے؟ کل رات ان کے ساتھ جو ہوا ہے۔''

اس بار ہوشیار سنگھ کا رنگ اڑ گیا تھا اور نوالہ اس کے حلق میں پھنس گیا جسے اس نے جلدی سے لسی سے نیچے اتارا۔ وہ مشکل میں پڑ گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''جو سوچنا ہے جلدی سوچ لو، میرے پاس وقت نہیں ہے شاید ہمیں بھی جلد جانا پڑے۔''

''میں سوچتا ہوں۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔ غالباً یہ اس کے بس سے باہر تھا۔ میں ناشتہ ختم کر رہا تھا کہ موبائل وائبریٹ ہوا۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں واش روم سے آتا ہوں۔''

واش روم میں آ کر میں نے کال ریسیو کی دوسری طرف وسیم تھا۔ اس نے بلا تمہید کہا۔ ''سیاہ لباس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندوبست کرلیں، جوتے ایسے ہوں کہ کچی اور ناہموار زمین پر تیزی سے حرکت کرسکیں اور سر سے پاؤں تک سیاہ رنگ کے سوا کچھ نہ ہو۔"

"میں بندوبست کرتا ہوں۔"

"یہ کام آج رات تک کرلیں اور ہاں نائٹ ویژن بھی ہوں۔"

"وہ ہیں اور بہت اچھی کوالٹی کے ہیں۔"

"بس تو کام بن گیا۔" وسیم بولا۔ "تیسرے آپ کو یہ موبائل بھی ساتھ رکھنا ہوگا، ہینڈ فری کے ساتھ رہنمائی کے لیے۔ اسے پوری طرح چارج ہونا چاہیے۔"

"ہوجائے گا ورنہ میں کوئی لمبی چار جنگ والا سیٹ لے لوں گا۔"

"آج رات تیار رہیے گا میں شام کے وقت رابطہ کروں گا۔"

میں ہاتھ دھو کر آیا تو سادی سراپا انتظار بنی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مجھے کال آئی تھی۔ میں نے آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ ذرا صبر کرے اور ہوشیار سے کہا۔ "ہمیں کچھ کپڑے چاہئیں یہاں سے مل سکتے ہیں۔"

"یہاں تو مشکل ہے۔" اس نے کہا۔ "ادھر فیروز پور جانا پڑے گا۔ وہاں کچھ دکانیں ہیں جہاں کپڑے مل جاتے ہیں۔"

"بس تو ابھی چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ابھی۔" وہ متفکر ہوگیا۔ "ان کو چھوڑ کر؟"

"وہ آرام سے پڑے ہیں اور کوٹھری سے باہر نہیں آسکتے۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "ہم ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں واپس آجائیں گے۔"

میں نے اسے سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ میں سادی کے ساتھ کمرے میں آیا اور اسے مختصراً وسیم سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ اس کا چہرہ چمک اٹھا تھا کہ ہم آج رات ہی واپس جارہے تھے۔ "میں سامان لینے جارہا ہوں تم ہوشیار رہنا اور کسی مشکل صورت میں حال میں پستول کے استعمال سے مت ہچکچانا۔"

"آپ فکر نہ کریں میں سب دیکھ لوں گی۔" اس نے اعتماد سے کہا۔

ہم فیروز پور کی طرف روانہ ہوئے۔ درحقیقت دھوب محلہ فیروز پور شہر میں ہی ہے لیکن آبادی کم ہونے کی وجہ سے الگ تھلگ لگتا ہے۔ ہائی وے یا حسین والا بارڈر روڈ کی طرف جانے کے بجائے ہوشیار نے اندرونی سڑکوں کا انتخاب کیا اور ہم بغیر پولیس سے مڈبھیڑ کے فیروز پور کنٹونمنٹ ایریا پہنچ گئے وہاں ایک چھوٹا سا صاف ستھرا بازار تھا۔ میں نے ریڈی میڈ ہوزری گارمنٹ کی ایک دکان کا انتخاب کیا۔ اس کے پاس ہر سائز کے زنانہ مردانہ ٹراؤزر اور پورے آستین کی ٹی شرٹ موجود تھیں میں نے سیاہ رنگ میں دکھانے کو کہا۔ دکاندار ذرا حیران ہوا تھا کہ میں نے اس موسم میں پوری آستین کی ٹی شرٹ مانگی تھیں۔ مگر اسے دکانداری سے مطلب تھا اس نے مجھے مطلوبہ سائز کے ٹراؤزر اور ٹی شرٹس دے دیں۔ ایک میں نے اپنے سائز کا لیا تھا اور ایک سادی کا لیا تھا۔ اس کے پاس کھل کر لمبی ہوجانے والی ٹوپیاں بھی تھیں۔ یہ سردی کا مال تھا جو فروخت سے بچ گیا تھا۔ میں نے وہ بھی لے لیں اور سیاہ ہی رنگ کے باریک دستانے لیے۔ اس کے بعد ہم ایک شوا سٹور آئے یہاں سے کینوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کریپ ربر سول والے جوتے لیے۔ ان کا رنگ گہرا تھا مگر انہیں سیاہ کیا جا سکتا تھا۔ یہ ساری خریداری مشکل سے آدھے گھنٹے میں نمٹ گئی۔ پھر میں نے وہیں ایک موبائل شاپ سے ایک سادہ اسکرین مگر لمبی بیٹری والا موبائل لیا۔ یہ نیا تھا اس لیے قابلِ بھروسا تھا۔ ہم سچ مچ ایک گھنٹے میں واپس آ گئے تھے۔

لیکن میں نے محسوس کیا کہ میری اس خریداری نے ہوشیار کو ہوشیار کر دیا تھا۔ اس نے راستے میں دو تین بار مجھ سے پوچھا کہ میں نے یہ کپڑے اور جوتے کیوں لیے ہیں لیکن میں نے اسے ٹال دیا تھا۔ واپس آتے ہی میں نے کمرے میں آ کر سب سے پہلے ناپ چیک کیے۔ خاص طور سے جوتوں کے۔ اپنا سائز تو دکان پر دیکھ لیا تھا مگر سادی کا اندازے سے لایا تھا اس نے پہلے جوتے چیک کیے۔ یہ اسے معمولی سے بڑے تھے۔ اس نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں میں موزے پہن لوں گی۔''

پھر اس نے واش روم میں جا کر چست ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پہنی اور جھینپتی ہوئی باہر آئی۔ میں ہنسا تو وہ شرما گئی۔ ''واہیات لگ رہی ہوں اس میں۔''

''مجبوری ہے تمہارے میاں جی کا حکم ہے۔'' میں نے موبائل کو چارجر پر لگاتے ہوئے کہا۔ ''دوپہر میں ہم ڈیسو کریں گے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ فل ڈریس ریہرسل ہو گی رات کے اصل ڈرامے کے لیے۔'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ ہوشیار سنگھ لاؤنج میں تھا اور سومیت سے کچھ کہہ رہا تھا مجھے دیکھ کر یک دم چپ ہو گیا۔ میں نے پوچھا۔

''ان کو چیک کیا؟''

''نہیں۔''

''آؤ دیکھ لیں۔'' میں نے کہا اور ہم کوٹھری تک آئے۔ ہوشیار نے تالا کھولا۔ وہ تینوں ہوش میں تھے مگر ان کی صورتیں بگڑی ہوئی تھیں۔ سنگیت نے بھائی کو دیکھتے ہی وہی راگ الاپنا شروع کر دیا جس میں دھمکیاں بھی تھیں اور التجائیں بھی۔ درحقیقت وہ تینوں ہی خوفزدہ تھے۔ وہ جو کر کے آئے تھے انہیں اندازہ تھا کہ اب تک ہم واقف ہو چکے ہوں گے۔ میں نے کہا۔ ''پولیس تمہیں پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی ہے۔ چار قتل اور ساڑھے تین کروڑ کی ڈکیتی معمولی بات نہیں ہوتی ہے۔''

''تُو خود کو میرا بھائی کہتا ہے اور یہاں چلا آیا۔'' ہوشیار نے نفرت سے سنگیت کو دیکھا۔ ''تیرے پیچھے پولیس آتی تو میں بھی مارا جاتا۔''

سنگیت کا سر جھک گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ویسے تم تینوں اس قابل ہو کہ پھانسی چڑھ جاؤ لیکن ابھی ہم نے فیصلہ نہیں کیا ہے ممکن ہے تمہیں چھوڑ دیں۔ اس لیے آرام سے بیٹھو اور کوئی ہنگامہ مت کرنا۔''

''ہم کوئی ہنگامہ نہیں کریں گے۔'' موٹے نے یقین دلایا۔

لمبے نے چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا۔ ''پیشاب آ رہا ہے۔''

''یہیں کر لو۔'' ہوشیار نے کہا۔ ''کچھ دیر میں تمہیں کھانے کو مل جائے گا۔''

''شراب نہیں مل سکتی۔'' موٹے نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابھی نہیں شام کو دوں گا۔'' ہوشیار نے انکار کیا۔ ہم انہیں بند کر کے اندر آئے۔ اس بار میں ہوشیار کو نشست گاہ میں لے آیا۔

''تم نے کیا سوچا ہے؟''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''میری ایک تجویز ہے۔'' میں نے کہا۔ ''انہیں ایک بار پھر شراب میں دوا دے دو اور ان کی گاڑی میں ڈال کر انہیں یہاں سے دور کہیں چھوڑ آؤ۔''

''دور جانا ممکن نہیں ہے۔ پولیس نے ناکے لگائے ہوں گے۔''

''تم پہلے خود جا کر دیکھ لو کہ پولیس کتنی سرگرم ہے اور انہیں چھوڑنے کا کام تاریکی کے بعد کرنا۔''

اس نے غور کیا۔ ''تم میری مدد کرو گے۔''

میں نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ہاں میں تمہاری مدد کروں گا۔''

''ان کا اسلحہ اور وہ رقم؟'' ہوشیار کا لہجہ رقم کا ذکر کرتے ہوئے ذرا تبدیل ہوا تھا۔

''وہ بھی ساتھ ہو گی۔ اس رقم کے چکر میں مت پڑو۔ تم نے غور نہیں کیا وہ ساری نئی اور سیل گڈیاں ہیں ان کے نمبرز پولیس کے پاس ہوں گے اور تمہارے پاس سے ایک نوٹ بھی نکل آیا تو تم بھی ان کے ساتھ مارے جاؤ گے۔''

ہوشیار فوراً سیدھا ہو گیا۔ اس نے صفائی پیش کی۔ ''میری نیت خراب نہیں ہے میں صرف پوچھ رہا تھا۔''

''تم ابھی کھانے کے بعد نکلنا اور دیکھ کر آ جانا۔ اس کے بعد ہم فیصلہ کریں گے۔''

سومیت نے دال چاول بنائے تھے جس کے ساتھ چٹنیاں اور اچار تھا۔ ایک ڈونگے میں سب ڈال کر ان تینوں کو پہنچا دیا گیا اور پھر ہم نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد ہوشیار اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی میں سادی کو لے کر کمرے میں آ گیا۔ اگرچہ سومیت اس سے گپ شپ کرنا چاہتی تھی۔ ہم دونوں نے کپڑے بدلے اور سیاہ ٹراؤزر اور فل آستین کی ٹی شرٹ میں آ گئے۔ جوتے ڈارک براؤن کلر کے تھے اور تاریکی میں یہ سیاہ ہی نظر آتے۔ میں جو ٹوپیاں لایا تھا انہیں سر پر چڑھا کر دیکھا۔ یہ گردن تک آ رہی تھیں۔ پھر ان میں آنکھوں والی جگہ بلیڈ سے کاٹ کر سوراخ کیے اور آخر میں کمرے میں تاریکی کر کے نائٹ ویژن لگا کر ایک دوسرے کا معائنہ کیا۔ چست سیاہ لباس اور سر تا پا سیاہ ہونے کی وجہ سے رات کی تاریکی میں نظر آنے کا امکان کم تھا اور آج رات بھی بادل ہوتے تو کام اور آسان ہو جاتا۔ سادی نے جوتوں میں موزے پہن کر دیکھے اور وہ مطمئن تھی اب جوتے اسے فٹ تھے۔

ریہرسل سے فارغ ہو کر وہ باہر چلی گئی اور میں لیٹ کر آرام کرنے لگا مجھے ہوشیار کی واپسی کا انتظار تھا۔ وہ چار بجے واپس آیا۔ آدھے گھنٹے بعد میں باہر نکلا تو وہ نہا دھو کر تازہ دم ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس علاقے میں پولیس معمول کے مطابق ہے۔ ''ہم آرام سے انہیں دور تک چھوڑ کر آ سکتے ہیں۔''

''گڈ تب ہم تاریکی چھاتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''میں انہیں شراب دے آتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''صرف دے کر نہیں آنی ہے انہیں پہلے کی طرح پلانی ہے۔ ورنہ وہ پینے کا دھوکا بھی دے سکتے ہیں۔''

''تب تم بھی چلو۔''

ہم کوٹھری تک آئے۔ اس بار بھی ہوشیار دیسی شراب کی بوتل لایا تھا اور انہیں اس بار بھی پینا پڑی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹن ہو گئے تھے۔ ہوشیار ان کی گاڑی لانے چلا گیا۔ میں اندر آیا۔ مجھے اب وسیم کی کال کا انتظار تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ چھ بجے تک اس کی کال نہیں آئی تو میں اسے کال کر لوں گا۔ مگر پونے چھ بجے ہی اس کی کال آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''گوگل میپ پر یہ علاقہ نکالیں۔''

میں نے ٹیب آن کر کے اس پر گوگل میپ پر سرحدی علاقہ نکالا اور وسیم کو آگاہ کیا۔ ''نکال لیا۔''

''اس میں فیروز پور روڈ پر دیکھیں۔ دریا کراس کرنے کے لیے ایک پُل ہے۔''

''بالکل ہے۔''

''یہاں دریا انڈیا کی حد میں ہے لیکن اس سے نیچے چند سو گز کے بعد یہ گھوم کر پاکستان کی حد میں چلا جاتا ہے۔''

''ٹھیک۔''

''آپ نے اسی جگہ آنا ہے۔ یہاں سے کراسنگ کرتے ہی آپ نشیب میں آ جائیں گے اور انڈیا کی طرف سے محفوظ ہو جائیں گے۔''

''رہنمائی کیسے ہو گی؟''

''آپ نائٹ ویژن استعمال کریں گے اور ہماری طرف سے ایک انفراریڈ ٹارچ آپ کو گائیڈ کرے گی لیکن خیال رہے یہاں انڈیا نے کسی زمانے میں بارودی سرنگیں بچھا دی تھیں اور آپ نائٹ ویژن سے زمین دیکھ کر آئیں گے۔ جہاں بارودی سرنگ ہو گی وہاں اسپاٹ سا نظر آئے گا۔''

میں فکر مند ہو گیا۔ ''یہ خطرناک چیز ہے۔''

''اسی لیے میں نے نائٹ ویژن کا کہا ہے۔ سمجھ لیں صرف ایک فیصد خطرہ رہ جائے گا۔ آپ موبائل سے رابطے میں ہوں گے اور آپ کو گائیڈ کیا جائے گا۔''

''تم لوگ علاقے کی نگرانی کر رہے ہو گے؟''

''بالکل، کسی کی آمد سے ہم پہلے ہی خبردار ہو جائیں گے۔''

''وقت کیا ہو گا؟''

''رات بارہ کے بعد۔ آپ اشارہ ملنے پر روانہ ہوں گے لیکن بارہ تک بالکل تیار رہیے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور وسیم نے کال کاٹ دی۔

موبائل چارج ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا ہینڈ فری آزما کر دیکھا وہ بہترین کام کر رہا تھا۔ میں نے سم اس میں منتقل کر دی۔ سومیت نے آج بھی چائے پر اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر ہم نے خواتین کو اندر بھیج دیا اور پھیلے ہی تاریکی ہوئی باری باری ان تینوں کو لا کر کار کی پچھلی نشست پر ڈھیر کر کے ان پر چادر ڈال دی تھی۔ اسلحہ اور رقم والے بیگ ڈکی میں رکھے۔ میرے مشورے پر ہوشیار نے گاڑی کی ان تمام جگہوں کو صاف کر دیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں اس کی انگلیوں کے نشانات ہو سکتے تھے۔ اس نے اس گاڑی کی ڈرائیونگ سنبھالی اور میں ہوشیار کی جیپ میں اس کے پیچھے تھا۔ یہ سب کرتے ہوئے میرے دل میں خدشہ تھا کہ کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جاؤں اور ہماری روانگی کھٹائی میں پڑ جائے۔ ان ہونیاں میرے آس پاس ہی رہتی تھیں۔

مگر سب آسانی سے ہو گیا۔ ان تینوں کو گاڑی سمیت لدھیانہ سے کوئی چالیس کلومیٹرز پہلے سڑک کے ساتھ چھوڑا۔ ان پر سے چادر ہٹا دی تھی اور سنگیت کو اٹھا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھا دیا تھا۔ دیسی شراب کی خالی بوتل گاڑی میں ڈال دی اور اس کے دونوں پچھلے دروازے کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ امید تھی کہ پولیس جلد یا بدیر ان تک پہنچ جائے گی۔ ہم نو بجے تک واپس پہنچ گئے تھے۔ ہوشیار کسی قدر فکر مند مگر مطمئن بھی تھا میں نے اسے تسلی دی کہ پولیس ڈاکوؤں کی بکواس پر توجہ نہیں دے گی جب کہ اسے لوٹ کا مال بھی مل جائے گا۔ ان تینوں کی بچت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھانسی سے بچ گئے تب بھی ساری عمر جیل میں گزرے گی۔ لہٰذا اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ رات کا کھانا دیر سے اور ہلکا کھایا تھا۔ پھر تھکن اور نیند کا بہانہ کر کے کمرے میں آ گئے۔ خود ہوشیار بھی تھکا ہوا تھا۔ وہ سومیت سمیت اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔

رات دس بجے تک ایک بار پھر بادل آ گئے مگر آج گرج چمک نہیں ہو رہی تھی۔ یہ اچھی بات تھی ورنہ اس میں نائٹ ویژن کا استعمال بہت مشکل ہو جاتا۔ گیارہ بجے ہم تیار ہونے لگے اور بارہ بجے تک ہم بالکل تیار تھے۔ بارہ بج کر پانچ منٹ پر وسیم کی کال آئی۔

''نکل جائیں اور پوائنٹ پر پہنچ کر مجھے اشارہ دیجئے گا میں کال کروں گا۔''

''چلو۔'' میں نے سادی سے کہا اور ہم خاموشی سے مکان سے نکل آئے۔ عقبی حصے سے نکلنے کے بجائے ہم گھوم کر کھیتوں والی طرف آئے۔ نائٹ ویژن کی وجہ سے سب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ہمیں چار کلومیٹرز تک پیدل چلنا تھا۔ مجھے سادی کی فکر تھی مگر اس نے کہا۔ ''میں چل لوں گی۔ ویسے بھی چلنا ہے نا بھاگنا تو نہیں ہے۔''

''ممکن ہے بھاگنا پڑے۔''

''تو بھاگ بھی لوں گی۔''

ہم ساڑھے بارہ بجے سرحد کے پاس تھے۔ یہاں انڈین سائیڈ پر انہوں نے ایک چمکنے والی پیلی لائن بنا رکھی تھی تاکہ مقامی لوگ سرحد سے ہوشیار رہیں اور غلطی سے بھی پار نہ جائیں۔ ہم حسینی والا بارڈر روڈ کراس کر کے یہاں تک آئے تھے۔ علاقہ صاف اور خالی تھا۔ یہاں نہ تو آبادی تھی اور نہ کھیت تھے۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ میں نے وسیم کو مس کال دی اور اس نے مجھے کال کر لی۔ ''ہم پہنچ گئے ہیں۔''

''رائٹ آپ دونوں نظر میں ہیں۔ کراس کر کے اس طرف آئیں اور دریا کے کنارے تک بہت احتیاط سے زمین چیک کر کے چلیں۔ سادی آپ کے پیچھے ہو۔ دریا پار دیکھیں روشنی نظر آ رہی ہے۔''

دریا پار سرخ روشنی بار بار جل بجھ رہی تھی۔ ''ہاں نظر آ رہی ہے۔'' میں نے کہا اور سادی کو ہدایت کی۔ ''تم ٹھیک میرے نقشِ قدم پر مجھ سے دس قدم پیچھے چلو گی۔''

''وہ کیوں؟'' اس نے تشویش سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں بارودی سرنگیں ہیں۔ زمین کو غور سے دیکھتی رہنا کوئی سپاٹ الگ سے دکھائی دے تو سمجھ لینا یہ بارودی سرنگ ہے۔''

سادی نے سر ہلایا۔ میں جھکے جھکے آگے بڑھا۔ وسیم نے کہا۔ ''سوگز کا ٹکڑا خطرناک ہے دریا میں اتر کر بائیں طرف مڑ جایئے گا پانی ہے لیکن زیادہ نہیں ہے۔''

اس طرح جھکے جھکے چلنا آسان نہیں تھا میں نظر جما کر زمین بھی دیکھ رہا تھا۔ اپنے آس پاس کی نگرانی میں نے وسیم کے سپرد کر دی تھی جو یقیناً سرحد پار سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے جیسے دریا کی ڈھلان پاس آ رہی تھی میرے دل کی رفتار بڑھ رہی تھی۔ سادی ٹھیک میرے پیچھے تھی اور اس کے لیے اس طرح جھک کر چلنا زیادہ مشکل کام تھا۔ بالآخر ہم دریا کی ڈھلان تک پہنچ گئے۔ وسیم نے تصدیق کی۔ ''آپ ڈھلان پر ہیں۔''

میں نے سکون کا سانس لیا تھا کہ ہم نے کسی دشواری کے بنا ایک طرف سے سرحد پار کر لی تھی۔ اسی لمحے میرا پاؤں کسی چیز پر گیا اور کلک کی آواز آئی تھی۔ میرا تیز رفتاری سے دھڑکتا دل تھم گیا۔

○.....❖.....○

سادی نے بھی آواز سنی تھی۔ ''شوبی یہ آواز کیسی ہے؟''

میرے کان کلک کی آواز کے بعد دھماکے کے منتظر تھے۔ مگر دھماکہ نہیں ہوا تو میرا رکا ہوا دل پھر چل پڑا تھا۔ وسیم نے سادی کی آواز سن لی تھی۔ اس نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''سادی تم آگے جاؤ میرے پیچھے آؤ اور بالکل سیدھ میں آگے جاؤ۔''

''شوبی.....''

''سادی۔'' میرا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''ناؤ گو اِٹ از آرڈر۔''

سادی حرکت میں آئی اور میرے نقش قدم پر چلتی میرے پاس آئی اور پھر سائیڈ سے ہو کر آگے بڑھ گئی تھی میں اس کے قدموں سے آگے زمین پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وسیم نے پھر پوچھا تو میں نے اسے شٹ اَپ کال دی۔ میری ساری توجہ سادی پر مرکوز تھی۔ اس موسم میں بھی دریا میں برائے نام پانی تھا۔ ایک زمانے میں اپنے قیامت خیز سیلابوں کی وجہ سے مشہور یہ دریا اب خشک تھا اس کا سارا پانی انڈیا پی گیا تھا۔ اب سادی دریا کی ریتیلی زمین پر تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''میرا خیال ہے میرا پاؤں کسی بارودی سرنگ پر آ گیا ہے۔''

وہ مضطرب ہو گیا۔ ''میرے خدا۔''

''تم سادی کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کرو۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' وسیم نے کہا اور موبائل عبداللہ کے سپرد کر دیا وہ اس کے ساتھ تھا۔ اسی لمحے انڈیا کی طرف سے کسی گاڑی کی روشنیاں لہرائیں اور میں تیزی سے ممکنہ حد تک نیچے جھک گیا۔ سادی وہیں ریت پر لیٹ گئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ آنے والی جیپ تھی۔ میں نے دایاں پاؤں جو بارودی سرنگ پر تھا اسے سیدھا رکھا اور بایاں پاؤں موڑتے ہوئے سر جھکا کر پیروں کے پاس لے آیا اور گول مول ہو گیا۔ آسمان پر بادل تھے اس لیے تاریکی تھی لیکن اگر روشنی پڑتی تو میں نظر آ جاتا اور میں چاہتا تھا کہ دیکھنے والے مجھے پتھر یا مٹی کا ڈھیر سمجھیں میں انہیں انسان نہ لگوں۔ یہ خاصا مشکل پوز تھا۔ اگر سادی یہ پوز بنانا چاہتی تو آرام سے بنا لیتی کیونکہ اس کا جسم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نازک اور لچکدار تھا۔ میرا سخت اور غیر لچکدار جسم آسانی سے مڑنے تڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں اپنی بغل سے عقب میں دیکھ رہا تھا۔ جیپ آ کر مجھ سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر رک گئی۔ اس سے دو آدمی اترے اور ایک بڑی ٹارچ کی روشنی آس پاس مارنے لگے۔ عبداللہ نے میرے کان میں کہا۔

''آپ فکر نہ کریں ہمارے پاس اسنائپر گن ہے اگر انہوں نے آپ کو دیکھ بھی لیا تو انہیں اڑا دیں گے۔ میرا آدمی انہیں نشانے پر لیے ہوئے ہے۔''

''فائرنگ کی آواز سے دوسرے ہوشیار ہو جائیں گے۔''

''گنیں بے آواز ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''آس پاس دیکھو۔'' جیپ سے اترنے والے انڈین فوجی نے چلا کر کہا۔ ''وہ یہیں نظر آئے تھے۔''

''لگ رہا ہے یہ بھی انفرا ریڈ سے معائنہ کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ورنہ ہم تو روشنی کے بغیر آئے تھے۔''

''ہو سکتا ہے، اب ایسے آلات عام ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''وسیم روانہ ہو گیا ہے۔''

''جیپ میں کتنے لوگ ہیں؟''

''تین ایک ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہے۔''

باقی دو آس پاس روشنی ڈال رہے تھے اور کئی بار روشنی میرے پاس سے گزری تھی لیکن مجھ پر نہیں آئی تھی۔

''اگر شوٹ کرنے کا فیصلہ کیا تو پہلے ڈرائیور کو نشانہ بنانا۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''اس کے پاس ریڈیو ہو گا وہ دوسروں کو خبردار کر سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

وہ پٹی کے دوسری طرف نہیں آ رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا وہ یہاں بارودی سرنگوں کی موجودگی سے باخبر تھے۔ اب پتا نہیں یہ سرنگیں دونوں طرف سے کس نے بچھائی تھیں کیونکہ یہ علاقہ بہرحال پاکستانی تھا مگر اس کی نوعیت ایسی تھی کہ پاکستانی سکیورٹی والے اس طرف نہیں آ سکتے تھے، انہیں دریا کراس کرنا پڑتا اس لیے عملاً اس حصے کی نگرانی انڈین سکیورٹی ہی کر سکتی تھی۔ وہ سرحد کراس نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ہم پاکستانی حد میں تھے لیکن ان کی نظر میں آ جاتے تو وہ فائرنگ کر سکتے تھے۔ سادی نشیب میں ہونے کی وجہ سے ان کی نظروں اور ٹارچ کی روشنی سے محفوظ تھی۔ مگر وہ میری خاطر ساکت تھی۔ میں سرحدی پٹی کے تقریباً سو گز اندر تھا۔ سادی دو سو گز آگے اور نشیب میں تھی۔ دریا کے پاس پاکستانی کنارہ اونچا تھا اور وہیں کہیں عبداللہ اور دوسرے موجود تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وسیم کیسے اس طرف آئے گا۔

''یہاں کوئی نہیں ہے..... ان کو کھواب آتے ہیں۔'' ایک فوجی نے گندی گالی کے ساتھ کہا۔ ''اس وقت ہمیں دوڑاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے دیکھ لے ورنہ وہ تیری ماں.....'' دوسرے نے مزید گندا گالی۔ وہ نچلے درجے کے اہلکار لگ رہے تھے۔ جن کی زبان اور لہجہ دونوں ہی گندہ تھا۔ وہ بس ٹارچ گھما رہے تھے اور انہوں نے ایک بار بھی سکون سے ٹارچ کا استعمال نہیں کیا تھا۔ اسی تیزی میں ایک بار روشنی مجھ پر سے گزری تھی۔ مگر وہ مجھے دیکھ نہیں سکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ انہیں آئے ہوئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے مگر مجھے لگ رہا تھا کہ میں نہ جانے کب سے اس پوز میں تھا اور میری کمر درد کرنے لگی تھی۔ میری اس وقت خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد دفع ہو جائیں۔ بالآخر انہوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔

''چل واپس.....'' پہلے والے نے پھر گالیوں کا ڈھیر اگلا اور مڑا تھا کہ اچانک ہی تارچ کی روشنی میری طرف آئی اور اس بار اس نے دیکھ لیا۔

''یہ.....کیا ہے؟''

''کہاں کدھر؟'' دوسرے نے کہا۔

''انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔'' میں نے عبداللہ کو مطلع کیا۔ وہ دونوں پاگلوں کی طرح تارچ کی روشنی اس طرف ڈال رہے تھے مگر خوش قسمتی سے دوبارہ روشنی مجھ پر نہیں آئی تھی۔ اگر میرا پاؤں بارودی سرنگ پر نہ ہوتا تو میں اس وقت ان کی طرف سے فائرنگ کی پروا کیے بغیر بھاگ کھڑا ہوتا۔ مگر میں ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ میرا پاؤں ہٹتا اور سیکنڈ سے بھی پہلے میرا جسم ٹکڑوں میں بٹ جاتا۔ بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پہلا والا چلایا۔ ''وہ دیکھ دریا کے ساتھ۔''

میں گول مول ہوا تھا ان کی بات نے چونکایا اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ساوی کو دریا کی طرف بھاگتے دیکھا۔ میرا دل بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے بچانے کے لیے یہ حماقت کی تھی۔ وہ خودکار رائفل کی حد میں تھی۔ میں نے بولٹ کھڑکنے کی آواز سنی اور عبداللہ کو حکم دیا۔ ''شوٹ ہم.....جلدی۔''

عبداللہ کا شوٹر ساتھی پہلے ہی حرکت میں آ گیا تھا۔ میں نے سائیں کی آواز سنی پھر گولی لگنے کی آواز آئی۔ جیسے کسی سخت لکڑی پر پتھر مارا ہو۔ میں نے سر گھما کر دیکھا۔ ایک گر گیا تھا اور دوسرا جیپ کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ابھی وہ جیپ سے کچھ دور تھا اور چلا چلا کر ڈرائیور کو خبردار کر رہا تھا۔ دوسری سائیں کی آواز آئی اور اس بار ڈرائیور جو جیپ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔ بچ جانے والا جیپ تک پہنچا تھا مگر اسے اس میں سوار ہونا نصیب نہیں ہوا اور تیسری گولی اس کی پشت میں اتر گئی۔ وہ اچھل کر جیپ کے جنگلے سے ٹکرایا اور پھر نیچے گر گیا۔ تب میں نے دیکھا سامنے پانی سے دو ہیولے برآمد ہو رہے تھے۔ ساوی ان کے پاس پہنچ گئی تھی۔ ان میں سے ایک ساوی کے پاس رکا اور اسے لائف جیکٹ پہنانے لگا اور دوسرا میری طرف آیا۔

میں نے قامت اور چال سے اندازہ لگا لیا کہ وہ وسیم تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک آلہ تھا جس کی ہلکی سی روشنی یہاں سے دکھائی دے رہی تھی۔ بھارتی فوجی مارے گئے تھے یا شدید زخمی تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خطرہ ٹل گیا تھا۔ اگر سینٹرل کمانڈ سے جیپ سے رابطہ نہیں ہوتا تو جلد کوئی نہ کوئی ان کی خبر گیری کے لیے آتا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مشکل سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے۔ مگر میں پوز کی مشکل سے نکل آیا تھا اور احتیاط سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کمر کو بہت سکون ملا تھا۔ وسیم سیدھا نہیں آ رہا تھا بلکہ وہ اس آلے سے زمین کو چیک کرتا آ رہا تھا۔ یہاں یقیناً مزید بارودی سرنگیں تھیں اور وہ ان سے محتاط تھا۔ بالآخر وہ میرے پاس پہنچ گیا۔ اس نے خوشدلی سے کہا۔ ''کیسے ہیں شہباز صاحب آپ کو دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔''

''اس حال میں؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی مسئلہ نہیں ہے میں اسے ابھی فکس کرتا ہوں۔'' اس نے کہا اور جھک کر میرے پاؤں کے آس پاس سے مٹی ہٹانے لگا۔ اس نے بھی نائٹ ویژن پہن رکھی تھی اور چاقو سے مٹی کرید رہا تھا۔ اس دوران میں اس کے ساتھ آنے والا سادی کو لائف جیکٹ پہنا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ جب وہ دوسری کنارے پر چڑھے تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ سادی محفوظ ہوگئی تھی۔ میں نے وسیم سے کہا۔

''ٹھیک ہے کوشش کر دلیکن اگر یہاں مزید انڈین آئے تو تم فوراً واپس چلے جاؤ گے۔''

وسیم نے جواب نہیں دیا اور اپنا کام کرتا رہا۔ ایک منٹ میں اس نے بارودی سرنگ کے آس پاس سے مٹی ہٹا تھی اور دریا کنارے ہونے کی وجہ سے اس پر مٹی کی تہہ چھ انچ سے زیادہ آ گئی تھی اور شاید اسی وجہ سے یہ نائٹ ویژن میں نظر نہیں آئی تھی۔ اس کا اوپری حصہ چھوٹا تھا لیکن نیچے سے یہ خاصی بڑی تھی اور اپنی ساخت سے یہ بکتر شکن بارودی سرنگ لگ رہی تھی۔ چاقو سے مٹی کریدتے ہوئے وسیم نے اس کا وہ حصہ نکال لیا جو میرے پاؤں تلے دبا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ ''وسیم احتیاط سے۔''

''آپ فکر نہ کریں میں نے ان کا کورس کیا ہوا ہے، مجھے معلوم ہے یہ کیسے ناکارہ ہوتی ہیں۔'' اس نے کہا اور اب وہ چاقو کی نوک سے اس کی نچلی پلیٹ کے اسکرو کھول رہا تھا۔ ''یہ روسی ساختہ بارودی سرنگ ہے اور شکر ہے کہ روسی ہے کیونکہ میں اس کی ساخت اچھی طرح جانتا ہوں۔ یورپی اور امریکی بارودی سرنگیں پوری طرح سیل ہوتی ہیں اور ان کی پلیٹ کھولی نہیں جا سکتی ہے۔''

''اسے کھول کر کیا کرو گے۔''

''اس کا ڈیٹونیٹ ایک گراری سے منسلک ہوتا ہے۔ ایک بار دباؤ آنے سے گراری گھوم کر تن جاتی ہے اور جیسے ہی اس پر سے دباؤ ختم ہوتا ہے گراری واپس اپنی جگہ آ کر ڈیٹونیٹر کو چلا دیتی ہے اور وہ بارودی مواد اڑا دیتا ہے۔'' بولنے کے ساتھ ساتھ وہ نہایت پھرتی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے دو منٹ میں سارے اسکرو کھول دیئے اور اس کی بات سے مجھے اطمینان ہوا تھا کہ وہ اسے ناکارہ بنا سکتا ہے یقیناً وہ یہ کام کر سکتا تھا تب ہی کر رہا تھا۔ اس نے بہت احتیاط سے چاقو کی نوک سے پلیٹ کے کنارے کو کرید کر واضح کرنا شروع کیا جو مٹی جم جانے سے تقریباً غائب ہو گیا تھا۔ یہ گول پلیٹ اس گول پائپ کے گرد تھی جس پر میرا پاؤں ٹکا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''یہ اوپر کیسے آئے گی میرا پاؤں ہٹائے بغیر؟''

''اسے پورا نہیں نکالنا ہے صرف سرکانا ہے گراری اس کے نیچے ہوتی ہے۔'' وسیم نے اپنا کام کرتے ہوئے کہا۔ اب اس نے نائٹ ویژن آف کر کے ایک چھوٹی پنسل ٹارچ نکال کر آن کی اور اسے منہ میں دبا کر نیچے جھک گیا۔ روشنی ہم دونوں کے درمیان تھی اس لیے امید تھی کہ دور سے نظر نہیں آئے گی۔ وسیم نے مجھے پیچھے کھڑے ہونے کہا تا کہ اسے کام کے لیے زیادہ جگہ مل سکے تو میں سیدھا کھڑا ہو گیا اس دوران میں میرا پاؤں سختی سے بارودی سرنگ پر جما ہوا تھا۔ میں نے دریا کے پار دیکھا۔ جہاں عبداللہ اور اب سادی بھی تھے۔ عبداللہ رابطے پر لیکن خاموش تھا۔ میں نے پلٹ کر جیپ اور زمین پر پڑے بھارتی فوجیوں کی طرف دیکھا۔ مجھے معلوم تھا کل دونوں ملکوں میں گرما گرم بیانات اور دھمکیوں کا تبادلہ ہوگا۔ چند دن بعد بھارتیوں کی طرف سے ہماری کسی پوسٹ پر فائرنگ کی جائے گی۔ بدلہ لینا ضروری تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب وسیم خاموش تھا کیونکہ اس کام کا اہم ترین مرحلہ شروع ہو گیا تھا۔ اسے گراری کو اپنا کام کرنے سے روکنا تھا اور اس معاملے میں ذرا سی غلطی سرنگ کو اور اس کے ساتھ ہمیں بھی اڑا دیتی۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھ وسیم کی جان بھی خطرے میں تھی۔ میں نے کہا۔ ''وسیم ایک منٹ رک کر میری بات سنو۔''

وہ ساکت ہو گیا اور پھر اس نے ٹارچ بند کر دی۔ ''جی کہیے؟''

''تمہیں یقین ہے تم یہ کام سو فیصد کر لو گے۔''

''سو فیصد نہیں نوے فیصد یقین ہے۔''

''میں سو فیصد یقین چاہتا ہوں۔''

''آپ مجھے کرنے دیں اور اللہ سے دعا کریں۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا اور دوبارہ ٹارچ روشن کرتے ہوئے نیچے جھک گیا۔ اس وقت میں نے سچ مچ دل کی گہرائیوں سے اللہ سے دعا مانگی کہ اگر میرا وقت آ گیا ہے تو میرے دوست کو محفوظ رکھنا۔ میں تیری رضا میں راضی ہوں۔ میں نیچے نہیں دیکھ رہا تھا۔ دیکھ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وسیم پوری طرح جھکا ہوا تھا۔ اچانک دور اسی طرف سے پھر روشنی نمودار ہوئی اور اس طرف آنے لگی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''وسیم کوئی اس طرف آ رہا ہے۔ گاڑی ہے۔''

''بس ایک منٹ اور۔'' اس نے سر اٹھائے بغیر کہا وہ پوری توجہ سے اپنا کام کر رہا تھا۔ گاڑی ابھی شاید ایک ڈیڑھ کلومیٹر دور تھی اور اسے یہاں آنے میں دو منٹ لگ سکتے تھے۔ یہ کچا علاقہ تھا اور یہاں کوئی گاڑی تیز رفتاری سے نہیں چل سکتی تھی۔ تقریباً ایک منٹ بعد بارودی سرنگ سے کٹ کی آواز آئی اور وسیم نے نہ جانے کب سے رکا سانس لیا۔ اس نے کہا۔ ''گراری کاٹ دی ہے، اب آپ اللہ کا نام لے کر پاؤں ہٹائیں۔''

''وسیم تم دور چلے جاؤ کم سے کم دس قدم۔''

''آپ.....''

''بحث مت کرو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''گاڑی قریب آ گئی ہے۔''

وسیم نے اس بار تعمیل کی اور مجھ سے دس قدم دور چلا گیا۔ میں نے کلمہ شریف پڑھا اور پھر اللہ کا نام لے کر بارودی سرنگ سے پاؤں ہٹا دیا۔ ایک دھماکا ہوا، لیکن یہ بارودی سرنگ کا دھماکا نہیں تھا بلکہ آنے والی گاڑی کی طرف سے فائر کیا گیا تھا اور گولی مجھ سے ذرا فاصلے سے گزری تھی۔ میں نیچے جھکا اور جھکے جھکے ہی تیزی سے دریا کی ریت کی طرف بڑھنے لگا۔ میری نظر زمین پر مرکوز تھی۔ میں ایک بارودی سرنگ سے بچ کر دوسری کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اب عقب سے خود کار رائفل گرج رہی تھی مگر اس کا نشانہ میں نہیں تھا۔ آنے والی گاڑی پہلی جیپ کے ساتھ رکی اور اس کے ساتھ ہی عبداللہ کا ساتھی اسنائپر حرکت میں آ گیا۔ نیچے اترنے والا جھکے سے واپس گاڑی میں گرا تھا اور اس کی رائفل جو شعلے اگل رہی تھی خاموش ہو گئی۔ وسیم دریا کے کنارے پہنچ گیا تھا اور میں ریت تک پہنچتے ہی تیز رفتاری سے جھکے جھکے بھاگا تھا۔

اب عقب سے دو تین ہتھیار رہ رہ کر گولیاں برسا رہے تھے۔ پھر ایک اور اسنائپر کا نشانہ بنا تو ان کی ہمت جواب دے گئی اور وہ فائرنگ بھول کر تیزی سے واپسی کی راہ پکڑ چکے تھے۔ عبداللہ کی مضطرب آواز سنائی دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جلدی کریں یہاں بھی کچھ لوگ آ رہے ہیں۔''

''ادھر کی خیر ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جان کا خطرہ تو نہیں ہوگا۔''

''جلدی آئیں۔'' وسیم نے کہا اور پانی میں اتر گیا۔ میں نے دیکھا کہ حسینی والا بارڈر روڈ کی طرف سے روشنیاں اس طرف آ رہی تھیں اور میں پانی کود میں گیا۔ پانی تقریباً سوگز کی پٹی میں بہہ رہا تھا اور رفتار نہ ہونے کے برابر تھی۔ وسیم آگے جا رہا تھا اور میں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ دو منٹ میں ہم دوسری طرف تھے اور اسی لمحے بھارتی سرحد کی طرف ایک گاڑی آ کر رکی تھی اس پر لگی سرچ لائٹ گھوم رہی تھی۔ اس کی روشنی سے بچنے کے لیے ہم جھکے جھکے بھاگنے لگے اور پھر اسنا پیر نے کام دکھایا اس نے سرچ لائٹ ہی گل کر دی۔

''اتنا سچا نشانہ۔'' میں نے ہانپتے ہوئے اسے داد دی۔

''ابھی آپ نشانچی کو دیکھیے گا۔'' وسیم بولا۔ اس کا سانس ہموار تھا حالانکہ وہ تیر کر آیا بھی تھا۔ میری طرح وہ بھی سرتاپا سیاہ لباس میں تھا۔ میں نے پانی سے نکلتے ہی تینوں موبائل پانی میں پھینک دیئے تھے۔ اگر میں یہاں سکیورٹی فورس کے ہتھے چڑھتا تو ایسی کوئی چیز میری مشکلات میں اضافہ کر سکتی تھی۔ عقب میں بھارتی فائرنگ کر رہے تھے مگر یہ اندھا دھند تھی کیونکہ انہیں کوئی نظر تو آ نہیں رہا تھا اس کے باوجود ہم خطرے کی حد میں تھے اس لیے تیز رفتاری سے دریا کے پشتے پر چڑھے اور یہاں زمین پر گر کر چاروں ہاتھوں پاؤں سے رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ کچھ آگے ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا۔ پشتہ جب نشیب کی طرف ہوا تو ہم کھڑے ہو گئے۔ اب خطرے کی حد سے باہر تھے۔ میں نے پلٹ کر بھارتی سرزمین کی طرف دیکھا جس سے بالآخر میں جان چھڑانے میں کامیاب رہا تھا اور جو پیرِ تسمہ پا کی طرح میری پشت سے چمٹ گئی تھی۔ جب ہم گاڑی کے پاس پہنچے تو وہاں عبداللہ اور اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ خطرے سے نکلتے ہی وسیم مجھ سے یوں لپٹ گیا جیسے میرے وجود کا ایک حصہ بن جانا چاہتا ہو۔ وہ رو رہا تھا۔ میں بھی رو رہا تھا۔ ہم بیتو کو یاد کر رہے تھے۔ مگر عبداللہ نے اپنے حواس برقرار رکھے تھے اس نے کہا۔

''یہاں سے نکلیں، میرا خیال ہے رینجرز کا کوئی پیدل دستہ اس طرف آ رہا ہے وہ بے دریغ فائر کر دیتے ہیں۔''

عبداللہ کے ساتھ وسیم کے ایک ساتھی نے ایک عجیب ساخت کی جدید گن اٹھا رکھی تھی اور پھر میں اسنا پیر کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ مانی تھا۔ اس نے شانے سے لیپ ٹاپ بیگ لٹکایا ہوا تھا۔ علیک سلیک کا وقت بھی نہیں تھا۔ اس لیے ہم تیزی سے اس طرف موجود کھیتوں میں گھس گئے۔ سادی پہلے ہی جا چکی تھی۔ مانی کے ہاتھ میں ایک آلہ تھا اور وہ اس پر دیکھتے ہوئے ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ سب نے نائٹ ویژن چڑھائے ہوئے تھے سوائے مانی کے، کھیتوں میں مکئی کی فصل کاشت کی گئی تھی اور اس کے پودے تین فٹ تک اونچے ہو گئے تھے اور یہ اسی صورت میں ہمیں آڑ دے سکتے تھے کہ ہم جھک کر چاروں ہاتھوں پیروں سے چلتے مگر اس کی ضرورت نہیں آئی۔ میں نے ذرا آگے ہو کر مانی کے ہاتھ کے آلے کو دیکھا یہ ٹیب سائز کا تھا اور اس پر دو مختلف جگہوں پر چند سرخ نقطے حرکت کر رہے تھے۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے مانی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مین ڈیٹیکٹر۔'' اس نے کہا۔ ''ایک کلومیٹر کے علاقے میں موجود افراد کی نشان دہی کر سکتا۔ یہ ہم ہیں۔'' اس نے سرخ نقطوں کے ایک گروپ کی طرف اشارہ کیا اور پھر دوسرے گروپ کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ وہ ہیں جو اس طرف آ رہے ہیں۔ یہ ہم سے کوئی نصف کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔''

''سادی کہاں ہے؟'' میں نے عبداللہ سے پوچھا۔

''وہ کمال کھوکھر کی حویلی جا چکی ہے۔''

''یہ کمال کھوکھر کیسا آدمی ہے؟''

''اسمگلر اور رسا گیر ہے۔ اِدھر کا مال اُدھر کرنے کا ماہر ہے۔ وسیم سے اس کے تعلقات اسی وجہ سے ہیں۔''

''کیا اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟''

''وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں کیا ہوں اس لیے کسی شرارت سے پہلے ہزار بار سوچے گا۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''ویسے آپ فکر نہ کریں، ہمارے ساتھ آٹھ بندے ہیں، میرے، عبداللہ اور مانی کے علاوہ۔ دو گاڑیاں ہیں اور اسلحہ تو آپ دیکھ چکے ہیں۔''

''اسی گن سے فائرنگ کی جا رہی تھی؟'' میں نے وسیم کے آدمی کی پشت پر لگی گن کی طرف دیکھا۔ وہ آگے جا رہا تھا۔

''بالکل یہ مکمل طور پر خود کار ہے اور اس کی رینج پندرہ سو میٹرز ہے۔ سات آٹھ سو میٹرز تو اس کے لیے فاصلہ ہی نہیں ہے۔''

''اسے کون چلا رہا تھا یہی؟'' میں نے گن اٹھانے والے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

''مانی۔'' وسیم نے فخر سے کہا۔ ''یہ کمپیوٹرائزڈ گن ہے اور بلوٹوتھ کی مدد سے کسی بھی لیپ ٹاپ سے کنٹرول کی جا سکتی تھی۔ ہم میں سے کمپیوٹر کا چیتا مانی ہے اس لیے اسے ساتھ لایا اور اس نے کمال کر دیا، ایسے نشانے لیے کہ دوسری گولی چلانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔''

یہاں ہمیں کم فاصلہ طے کرنا پڑا تھا اور دو کلومیٹرز بعد ہی فٹو ہی والا میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ فیروز پور روڈ کے ساتھ چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کمال کھوکھر کی حویلی گاؤں میں تھی۔ شروع میں اکا دکا گھر آئے جو کھیتوں کے ساتھ بنے ہوئے تھے اور پھر گاؤں کی خاص آبادی آئی جو غریب غربا پر مشتمل تھی ہم اس کے ساتھ ساتھ چلتے گاؤں اور انڈین سائیڈ کے درمیان واقع بڑے فارم ہاؤس جیسے قطعات کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک بڑے مکان تک آئے۔ چاروں طرف سے اونچی دیوار والے احاطے اور اندر گھنے درختوں کے درمیان ایک پرانے طرز کا سرخ اینٹوں اور نیچی چھت والا مکان تھا۔ اس پر پکی چھت تھی۔ گیٹ پر ہلکی سی دستک دی تو ایک چھوٹی کھڑکی سے کسی نے باہر جھانکا اور عبداللہ کو دیکھ کر چھوٹا دروازہ کھول دیا تھا۔ ہم اندر آئے تو وسیع صحن میں چارپائیاں پڑی تھیں اور ان پر درجن سے بھی اوپر لوگ لیٹے بیٹھے تھے۔ ان میں سے کچھ وسیم کے آدمی تھے اور باقی کمال کھوکھر کے۔ سب نے اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

پھر ہم اندر آئے جہاں ایک دیہاتی اسٹائل کی نشست گاہ میں ایک بھاری بھرکم شخص دھوتی اور پگڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باندھ" بیٹھا تھا۔ یہ کمبی نیشن میرے لیے نیا نہیں تھا خود اپنے گاؤں میں کئی بزرگوں کو اسی حلیے میں دیکھ چکا تھا۔ تقریباً پچاس سال کا کھچڑی ہو جانے والے بالوں اور متورم آنکھوں والا شخص تھا۔ اس نے اٹھ کر مجھے اپنی توند سے لگایا۔ ''اوہ جی شہباز صاحب..... خوش قسمتی کہ آپ کا دیدار ہوا، خادم کو کمال کھوکھر کہتے ہیں۔ مجھے آپ اپنا فین سمجھیں۔''

وسیم نے کہا۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ کھوکھر صاحب آپ کو جانتے ہیں یہ تو صرف نام سن کر دل و جان سے راضی ہو گئے۔ اس طرف جو اتنا سکون تھا تو یہ کھوکھر صاحب کا ہی کمال تھا۔''

''میں کیا جی اور کیا میرا کمال۔'' اس نے انکساری سے کہا۔ ''آئیں بیٹھیں جی۔ آپ کے دونوں طرف اتنے چرچے ہیں کہ بس.....''

''حالانکہ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔''

وہ اچھل پڑا۔ ''کیسی بات کرتے ہیں جی، آپ نے تو کشتوں کے پشتے لگا دیئے، بھارتیوں کے، ہم سے زیادہ کون جان سکتا ہے آپ کو۔''

ہمارے بیٹھتے ہی ایک شخص لسی کا بڑا جگ لے آیا اور اس کی خنکی اور مٹھاس نے گرمی اور تھکن دور کر دی تھی۔ یہاں تین پنکھے چل رہے تھے اور گرمی دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اندر میرے ساتھ صرف وسیم اور عبداللہ آئے تھے۔ مانی اور دوسرا آدمی باہر رہ گئے تھے۔ کمال کھوکھر گپ شپ کے موڈ میں تھا لیکن وسیم نے سلیقے سے اسے جتایا کہ میں بہت مشکل مرحلے سے گزر کر آ رہا ہوں اور مجھے آرام کی اشد ضرورت ہے۔ اسی لیے اس نے جلدی سے کہا۔ ''کیوں نہیں جی آپ آرام کرو کل صبح کل بات ہو گی۔''

ہمارے لیے اندر دو کمرے مخصوص تھے۔ ایک میں سادی موجود تھی۔ اس بے چاری نے پورے لباس پر چادر بھی لی ہوئی تھی کیونکہ لباس بہت چست تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ ہم آ گئے ہیں کیونکہ مانی وہاں موجود تھا اور اسے بتا رہا تھا کہ اس نے کس طرح اکیلے ہی بھارتیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔ عملی زندگی میں وہ پستول پکڑ بھی نہیں سکتا تھا مگر کمپیوٹر کی مدد سے اس نے وہ جدید ترین گن پوری مہارت سے استعمال کی تھی۔ سادی لپک کر میرے پاس آئی۔ ''اللہ کا شکر ہے آپ ٹھیک ہیں۔''

''تم جیسی بہن دعا کرے گی تو اللہ کیوں نہیں سنے گا۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا احسان ہے کہ میں تمہیں لانے میں کامیاب رہا۔ تم ٹھیک ہو نا؟''

''ہاں ورنہ ایک بندہ ہوش و حواس کو خیر باد کہنے والا تھا۔'' عبداللہ نے لقمہ دیا تو وسیم اور سادی جھینپ گئے۔ میں نے کہا۔

''سادی تم آرام کرو۔'' وسیم ہمارے ساتھ آنے لگا تو میں نے اسے روک دیا۔ ''تم کہاں تم بھی آرام کرو۔''

میں، عبداللہ اور مانی دوسرے کمرے میں آئے۔ یہاں چارپائیاں تھیں اور ہر چارپائی کے سرہانے بڑا پیڈسٹل فین لگا ہوا تھا۔ یہ بیک وقت مچھروں اور گرمی کے لیے تھا۔ یہاں بڑے خوفناک قسم کے اور مکھی کے سائز کے مچھر تھے۔ جو نہ جانے کون سا راگ گاتے ہوئے ناک اور کان میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ٹوپی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے ہی اتار چکا تھا۔ کمرے کے ساتھ ہی دیسی اسٹائل کا غسل خانہ اور لیٹرین تھا مگر صاف ستھرا تھا اور یہاں پانی کے ساتھ صابن اور تولیہ بھی دستیاب تھا۔ میں نے خود کو صاف کیا۔ عقل مند عبداللہ آتے ہوئے میرے کپڑے لیتا آیا تھا۔ میں نے موسم کی مناسبت سے پینٹ اور ٹی شرٹ لی۔ میرا خیال تھا کہ عبداللہ روداد معلوم کرنا چاہے گا مگر اس نے کہا۔ ''آپ سو جائیں صبح سویرے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''ڈیوڈ شا نے رابطہ کیا تھا۔ اسے معلوم ہے آپ یہاں آ رہے ہیں اس نے کہا کہ وہ آپ کی واپسی کی راہ میں روڑے نہیں اٹکائے گا لیکن آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ آپ نے اس سے ایک معاہدہ کیا تھا۔''

''معاہدہ۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''اس نے احمقانہ انداز میں پلان بنایا اور منشی دل جی جیسے خبیث شخص پر بھروسا کیا۔ اس نے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بیتو اسی کی وجہ سے مارا گیا اور وہ مجھے معاہدہ یاد دلا رہا ہے۔ حساب تو مجھے اس سے لینا ہے۔''

''اس نے اور باتیں بھی کی ہیں۔ مرشد کے حوالے سے بھی اور آپ کے دوسرے مسائل کے بارے میں بھی۔''

''کیا کمال کھوکھر کو علم ہے کہ ہم صبح سویرے جا رہے ہیں وہ تو مجھ سے گپ شپ کا پروگرام بنا رہا ہے۔''

''اسے وسیم بتا دے گا۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''حساب کتاب بھی وہی کرے گا۔''

میں چونکا۔ ''حساب کتاب.....؟ وسیم نے اسے ادائیگی کی ہے؟''

عبداللہ مسکرایا۔ ''شہباز صاحب، اس جیسے لوگ پیسے کے لیے اپنی ماں بیچ دیں اور باپ کا کام مفت میں نہ کریں۔ وسیم نے اس کی خدمات حاصل کی ہیں۔''

میں چارپائی پر گر گیا جس پر روئی کا گدا بچھا ہوا تھا۔ مانی خاموش تھا اس نے بیتو کے بارے میں نہیں پوچھا۔ حالانکہ بیتو سے اس کی ہم عمری والی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ سب سمجھ رہے تھے کہ میں ذہنی اور جسمانی طور پر تھکا اور ٹوٹا ہوا تھا۔ فی الحال مجھے آرام کی ضرورت تھی۔ میرے لیٹتے ہی عبداللہ نے لائٹ بند کر دی تھی اور اب کھڑکی سے صحن کی جلنے والی روشنی اندر آ رہی تھی۔ میرا ذہن انتشار یا اضطراب کی حالت میں نہیں تھا۔ بلکہ میں ایک سکون آمیز کیفیت میں تھا۔ شاید اس وجہ سے بھی کہ میں خطرے سے دور اپنی سرزمین پر آ گیا تھا۔ میں سادی کو واپس لانے میں کامیاب رہا تھا۔ میں جو دعویٰ کر کے گیا تھا اسے سچ کر دکھایا تھا۔ مگر میں نے اس کامیابی کی بہت بھاری قیمت ادا کی تھی۔ میں سادی کو لے آیا تھا اور بیتو کو وہیں چھوڑ آیا تھا۔ بیتو جو میرا کچھ نہیں تھا اور جو میرا سب کچھ تھا۔ اسی کے بارے میں سوچتے ہوئے سویا تو خواب میں بھی بیتو دکھائی دیا۔

وہ ایک چھوٹے سے کچے مکان میں اپنے جیسے چار پانچ لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور چہک کر بولا۔ ''شوبی اب ہم اپنے گھر میں ہے..... یہ ہمارا بہن بھائی ہے..... ہمارا ماتا پتا بھی ادھر ہے۔''

''مبارک ہو بیتو تم اپنے گھر میں آ گئے۔'' میں نے کہا۔

''پر ہم آپ کو بہت مس کرتا ہے، آپ سب کو..... ہمیشہ مس کرے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بیتو ہم بھی تمہیں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔'' میں نے کہا۔

اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور میرے ہاتھ پر رکھا اور اسی لمحے میری آنکھ کھل گئی۔ میرا ہاتھ بے اختیار اس جگہ گیا جہاں خواب میں بیتو نے ہاتھ رکھا تھا۔ صبح ہو چکی تھی اور کھڑکی کے باہر روشنی جھلکنے لگی تھی۔ عبداللہ اپنی چارپائی پر نہیں تھا اور مانی خراٹے لے رہا تھا۔ چند منٹ بعد عبداللہ غسل خانے سے برآمد ہوا بولا۔ ''صبح بہ خیر۔''

''صبح بہ خیر۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''وسیم جاگ گیا ہے؟''

''ہاں اور اسے جگانا ہے۔'' عبداللہ نے مانی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ مشکل کام ہوگا کیونکہ یہ بارہ ایک بجے سو کر اٹھنے والی مخلوق ہے۔''

جب میں غسل خانے جا رہا تھا تو عبداللہ مانی کی ناک میں بتی گھمانے لگا تھا۔ ایک چھینک کی آواز آئی تھی اور مانی نے احتجاج کیا۔ ''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

''ناک میں دم۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔ ''تمہیں اٹھانے کا یہی ایک طریقہ سمجھ میں آیا اب اٹھ جاؤ ورنہ یہیں رہ جاؤ گے۔ خود سے آنا پڑے گا۔''

میں واپس آیا تو مانی اٹھ گیا تھا اور اپنی عینک کے پیچھے آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ وسیم بھی آ گیا تھا اور وہ تیار تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''ناشتہ آ رہا ہے، بس کرتے ہی نکلتے ہیں۔ ایک گاڑی تو چلی گئی ہے۔''

کمال کھوکھر کا ایک ملازم ناشتے کا تھال لے آیا جس میں دیسی ساخت کا مقوی اور بھرپور ناشتہ تھا۔ میں نے مانی، عبداللہ اور وسیم کے ساتھ مل کر اس سے بھرپور انصاف کیا اور سادی نے اسے کھانے سے صاف انکار کر دیا تھا اس لیے اسے جبراً دودھ کا بڑا گلاس پلایا گیا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور چہرہ گلاب کی طرح کھل گیا تھا۔ مانی سادی کو اور عبداللہ وسیم کو چھیڑ رہا تھا۔ میں نے ناشتے کے دوران وسیم سے پوچھا۔ ''تم نے کھوکھر کو کتنی ادائیگی کی ہے؟''

''دس لاکھ دیئے ہیں، آپ کو واپس لانے کے لیے اگر ہمیں اپنے پاس موجود ایک ایک پائی خرچ کرنا پڑتی تو ہم اس کے لیے بھی تیار تھے۔''

''شہباز صاحب کو یا پھر.....'' عبداللہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''تم جو چاہے سمجھو۔'' وسیم نے جھینپ کر کہا۔

''تم نے اچھا کیا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے کھوکھر جیسے بندے کا احسان لینا گوارہ نہیں ہے۔''

''جو چیز آپ کو گوارہ نہیں اسے ہم کیسے گوارہ کر سکتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''اس لیے میں نے اسے منہ مانگا معاوضہ دیا۔ اپنے پرانے تعلق کا حوالہ بھی نہیں دیا۔''

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم باہر آئے تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور دن ابھی سے گرم تھا۔ کھوکھر غائب تھا مگر ہم نے کون سا اس سے علیک سلیک کرنی تھی اس لیے ہم بلا تکلف وہاں سے نکل آئے۔ دوسری گاڑی بڑی نسان وین تھی۔ اس میں آگے پیچھے دو سیٹوں کے ساتھ عقب میں سامان رکھنے کا بڑا حصہ تھا جو ہموار تھا۔ اس میں وسیم کے دونوں آدمی مع سامان کے آ گئے تھے۔ ڈرائیونگ عبداللہ نے سنبھالی تھی اور میں اس کے ساتھ تھا۔ عقب میں سادی، وسیم اور مانی تھے۔ چودہ سو سی سی کے طاقتور انجن والی یہ وین ہائی وے پر آتے ہی سو کلومیٹرز فی گھنٹے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رفتار سے دوڑنے لگی تھی۔ اس رفتار پر اندر پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔ میں نے تعریف کی تو عبداللہ نے فخر سے بتایا کہ حال ہی میں اس نے لی تھی۔ ایاز چھٹی پر گھر گیا ہوا تھا۔ بانو کو حویلی بھیج دیا تھا اور وہاں بہت خوش تھی۔ حویلی کے نام پر مجھے یاد آیا کہ بہت سے لوگ میرے منتظر تھے۔ سادی نے رات میں ہی حویلی کال کر کے بات کر لی تھی۔ اب میں نے نمبر ملایا اور سب سے بات کی سوائے اس ایک ہستی کے جس سے میں سب کے سامنے بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے جب کال ختم ہوئی تو سادی نے کہا۔ ''سویرا سے کیوں بات نہیں کی؟''

''سمجھا کرو۔'' وسیم نے کہا۔ ''شہباز صاحب پرانے زمانے کے وضع دار لڑکے ہیں سب کے سامنے بات نہیں کر سکتے۔''

''ٹھیک کہا یار تم سب خوش قسمت ہو جن کی کشتیاں پار لگ چکی ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''ساتھ بیٹھے ہو اور ہم بات بھی نہیں کر سکتے۔''

اس بار سادی اور وسیم جھینپے تھے۔ مانی ہنسا پھر اچانک چپ ہو گیا۔ اس کے اس طرح چپ ہونے سے سب ہی سمجھ گئے تھے کہ اسے بیتو کی یاد آئی تھی۔ اسے دنیا سے گزرے آج تیسرا دن تھا۔ ہم جن حالات سے دوچار تھے وہاں کوئی بھی دن اور کوئی لمحہ آخری لمحہ ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود بہت سے مواقع پر ہم موت کے منہ سے نکل آئے تھے۔ مگر بیتو کا وقت آ گیا تھا اور وہ چلا گیا۔ حالات نے ہمیں سخت جان بنایا تھا۔ ہم لاشوں کے سامنے بیٹھ کر بھی کھاتے پیتے اور ہنستے بولتے رہے تھے اور یہ عادت بن گئی تھی اس لیے آج بھی ہم نے ڈٹ کر ناشتہ کیا تھا اور اس وقت ہنسی مذاق کر رہے تھے مگر بیتو کی یاد اور بات آتے ہی سب کے دل بوجھل اور اداس ہو گئے تھے۔ میں نے عقبی آئینے میں دیکھا۔ مانی اور وسیم کے چہرے اتر گئے تھے۔ سادی کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''بیتو بہادروں کی طرح جیا اور بہادروں کی طرح مر گیا۔ ہمیں دکھی ہونا چاہیے مگر سوگ نہیں منانا چاہیے۔ یہ اس کی توہین ہو گی۔''

پھر میں انہیں بتانے لگا کہ ہم پر کیا گزری تھی۔ آخری بار جب ان لوگوں سے بات ہوئی اور اس کے بعد رابطہ ہونے تک ہم کیا کرتے رہے۔ کیسے مراحل سے گزرے۔ ایک گھنٹے بعد جب میں نے اپنی روداد ختم کی تو لاہور آ گیا تھا اور ہم لاہور کے مضافات سے ہوتے ہوئے جی ٹی روڈ پر آ گئے تھے۔ بیتو کے آخری لمحات کا ذکر کرتے ہوئے میں دکھی ہو رہا تھا۔ میں خاموش ہوا تو سادی بتانے لگی کہ اس پر کیا گزری تھی۔ میں باہر گزرتے مناظر دیکھ رہا تھا۔ ہزاروں لوگ سینکڑوں گاڑیاں ہمارے آس پاس تھیں۔ یہ سب عام لوگ تھے۔ میں ان سے الگ تھا۔ میں ان کی طرح عام زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ دشمنوں نے اور ان کی دشمنی نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں عام زندگی سے ہٹ جاؤں۔ ابھی کچھ دشمنوں سے یوں نجات ملی کہ وہ زندگی سے نجات پا گئے۔ ساتھ ہی مجھے بیتو جیسے دوست سے محروم ہونا پڑا لیکن ابھی ڈیوڈ شا اور مرشد جیسے دشمن باقی تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان سے نمٹنے کے لیے مجھے اپنے کسی اور دوست کی قربانی نہ دینی پڑے۔

''شہباز صاحب۔'' اچانک عبداللہ نے زور سے کہا تو میں چونکا تھا۔

''سوری میں نے سنا نہیں۔''

''کہاں کھوئے ہیں، میں کہہ رہا ہوں کچھ دیر رک کر فریش نہ ہو جائیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوبج رہے تھے اور ہم جہلم کے پاس تھے۔ یہاں جی ٹی روڈ کے ساتھ کئی اچھے ریستوران تھے۔ میں نے سر ہلایا تو عبداللہ نے گاڑی ایک ریستوران کی طرف موڑ دی۔ یہ اعلیٰ درجے کا اے سی ریستوران تھا اس لیے ہم بس کچھ دیر کے لیے گرمی برداشت کر کے اندر اے سی کی خنکی میں آ گئے تھے۔ وسیم کے آدمی اصرار کر کے گاڑی میں رک گئے انہیں ہمارے ساتھ آنا مناسب نہیں لگا تھا۔ پھر گاڑی میں بہت سا قیمتی اور ممنوعہ سامان تھا اس کے ساتھ رہنا بھی ضروری تھا۔ پیٹ سب کے بھرے ہوئے تھے اس لیے ریفریشمنٹ چائے اور کافی کا آرڈر دیا۔ ان دونوں کے لیے چائے بھجوانے کو کہہ دیا تھا۔ ویٹر کے جانے کے بعد میں نے وسیم سے پوچھا۔ ''یہاں کے حالات کیسے ہیں، تم لوگ مرشد کے خلاف کوئی کارروائی کرنے جا رہے تھے۔ بعد میں مجھے پوچھنے کا خیال نہیں رہا تھا۔''

وسیم مسکرایا۔ ''ہم نے اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیا ہے..... نادر کے مرنے کے بعد وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا اب اسے ذرا سکون ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''میرے آدمیوں نے درگاہ مرشدیہ کی جاسوسی کی اور ہمیں پتا چلا کہ وہاں نہ صرف منشیات آتی اور آگے بھیجی جاتی ہے بلکہ تخریب کاروں کو اسلحہ بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ سارا غیر ملکی ساخت کا اسلحہ ہوتا ہے۔ ہم نے ایک کھیپ اڑا دی جب وہ درگاہ کے خفیہ تہ خانوں میں آف لوڈ ہو رہی تھی۔''

میں حیران ہوا۔ ''یہ تو بڑی کارروائی ہے اس کا چرچا نہیں ہوا؟''

''کیوں نہیں ہوا، یہ چار دن پہلے کی بات ہے اور اب تک میڈیا اور اخبارات میں اس کا چرچا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ خفیہ اداروں نے وہاں کارروائی کی ہے اور درگاہ سے متعلق کئی اہم افراد کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔''

''یہ اچھی خبر ہے اور مرشد کا کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں..... وہ سیاست دان ہے اور حکومت میں شامل نہیں ہے مگر فی الحال اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ اس کے اور درگاہ کے خلاف سازش ہے۔''

''اسلام دشمنان، یہودی ایجنٹوں کی۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

''اس پر دباؤ آیا ہے۔'' عبداللہ بولا۔ ''اس کارروائی میں اس کے درجن بھر اہم ترین کارندے مارے گئے جو اسلحے اور منشیات کی ہینڈلنگ کرتے تھے۔''

''فاضلی کا کچھ پتا چلا؟''

''نہیں وہ غائب ہے۔'' وسیم بولا۔ ''میرا خیال ہے مرشد نے اپنی اس ناجائز اولاد کو کہیں اور بھیج دیا ہے۔''

''وہ کہیں نہیں جائے گا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس کے دماغ میں مرشد کی دولت اور جایداد پر قبضے کا سودا سمایا ہوا ہے اور وہ مرشد سے بھی نفرت کرتا ہے جب سب اس کے ہاتھ میں آئے گا تو وہ اسے بھی ٹھکانے لگا دے گا۔''

''آخری اطلاعات کے مطابق وہ شدید زخمی تھا اور مرشد ہاؤس میں اس کا علاج جاری تھا لیکن اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد وہ منظرِ عام پر نہیں آیا حالانکہ مرشد سے ہمارے کئی ٹاکرے ہو چکے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

''ممکن ہے اس کا زخم ٹھیک سے نہ بھرا ہو یا وہ مر گیا ہو اور مرشد نے اسے خاموشی سے دفنا دیا ہو۔ وہ اس کی جائز اولاد تو تھا نہیں جو وہ اسے دھوم دھام سے دفناتا۔'' عبداللہ کی بات پر سب مسکرانے لگے تھے۔ اسی دوران میں ویٹر چائے کافی اور کھانے پینے کا ہلکا پھلکا سامان لے آیا تھا۔ وسیم کے آدمیوں کے لیے گاڑی میں ہی بھجوا دیا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہوا ہو۔'' سادی نے دل سے کہا۔ ''ہمارے سارے دشمن ایسے ہی مر جائیں، ہماری جان چھوٹ جائے۔''

''اگر دشمن کوسنوں سے مرنے والے ہوتے تو ہماری خواتین کافی ہیں۔'' وسیم ہنسا۔

''نہیں یار دعاؤں کا بہت اثر ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھ جو اللہ کا کرم ہوتا ہے اس میں ہمارے پیاروں کی دعائیں ہی تو شامل ہوتی ہیں ورنہ ہمارے ذاتی اعمال کیا ہیں؟'' میں نے کہا تو عبداللہ نے سر ہلایا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''اس کے لیے بھی دعا کرنے والی آ گئی ہے۔'' وسیم نے شرارت سے کہا تو میں انجان بن گیا۔

''اچھا مبارک ہو کیا رشتہ طے ہو گیا ہے تمہارا؟''

''شہباز صاحب کس کی باتوں میں آ رہے ہیں۔'' عبداللہ نے جھینپ کر کہا۔

''اب شہباز صاحب خود آ گئے ہیں تو دیکھ لیں گے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ویسے موصوف نے حویلی کا ایک ہی چکر لگایا تھا مگر جب سے بانو گئی ہے یہ دو بار تشریف لے جا چکے ہیں۔''

''کام کے سلسلے میں۔'' عبداللہ نے صفائی پیش کی۔ ''اور مشکل سے چند گھنٹے بعد واپس آ گیا۔''

''تو بانو سے ملاقات نہیں ہوئی؟'' وسیم نے چیلنج کیا۔

''ہوئی..... سب سے ہوئی تو اس سے بھی ہو گئی۔'' عبداللہ نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔ ''مجھ سے تو ماں جی اور سویرا جی بھی ملنے آئی تھیں۔''

''بانو کیسی ہے..... وہاں ایڈجسٹ ہو گئی؟''

''ایسی ویسی۔'' وسیم نے کہا۔ ''سنا ہے نفل پڑھے ہیں جان چھوٹنے پر۔''

آپس میں نوک جھونک کے دوران چائے اور دوسری چیزوں سے انصاف کیا گیا اور ہم تازہ دم ہو گئے۔ واش روم گئے اور دوبارہ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ دس بجے ہم روانہ ہوئے اور بارہ بجے کے قریب پنڈی پہنچ گئے تھے۔ ایک بار پھر میں اَن جانی پہچانی فضاؤں میں تھا جن کی خوشبو میری سانسوں میں بسی ہوئی ہے۔ اتفاق کی بات ہے جب ہم یہاں پہنچے تو گرج چمک کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور ہم خاصی سُست رفتاری سے موسم سے لطف اندوز ہوتے فیض آباد والی کوٹھی تک پہنچے تھے۔ سفیر کہیں گیا ہوا تھا۔ اس نے عبداللہ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ ذرا دیر سے آئے گا۔ سادی تھکی ہوئی تھی اس لیے وہ فوراً اوپر چلی گئی۔ صوفی نے ہمارا استقبال کیا اور دوپہر کے کھانے کا پوچھا۔ اسے کھانے کا بتا کر ہم اوپر آئے۔ میرا کمرا ویسا ہی تھا جیسا میں چھوڑ کر گیا تھا۔ سامان بھی ویسا ہی رکھا تھا۔ وسیم نے کہا۔ ''آپ نہا لیں..... جب تک کھانا بن جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل۔'' عبداللہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور ایک نیا موبائل فون میری طرف بڑھایا۔ ''یہ آپ کا موبائل ہے اس میں سارے نمبر مع اس فون کے نمبر کے فیڈ ہیں۔''

''یہ تم نے اچھا کیا۔'' میں نے کہا اور ان کے جاتے ہی سویرا کا نمبر ملایا۔ اسے یقیناً میری آمد کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ موبائل سے لگی بیٹھی تھی۔ اس نے پوری بیل جانے سے پہلے کال ریسیو کی اور مرتعش لہجے میں بولی۔

''ہیلو۔''

''سویرا۔'' میں نے کہا تو وہ تڑپ گئی۔

''شہباز..... کہاں تھے آپ..... کیسے جی جی کر اور مر مر کر یہ وقت گزارا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے کیونکہ خود میں نے بھی یہ وقت ایسے ہی گزارا ہے۔ جب موت کا یقین آجاتا تو جی اٹھتا تھا اور جب جینے کی آس بندھتی تو موت سامنے آجاتی تھی۔''

''بیتو کا سن کر بہت افسوس ہوا۔'' اس کا لہجہ بھیگ گیا۔ ''کل سے ہم اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔''

''اس کا وقت آگیا تھا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''وہ مجھ پر قرض چھوڑ گیا۔ میری جان بچانے کے لیے اپنی جان دے دی۔''

''وہ ہم سے بھی یہی کہتا تھا کہ آپ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ آپ پر اپنی جان قربان کر دے گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔''

بیتو سے ہوتی بات سادی تک پہنچی۔ سادی نے پہلے ہی ان سے بات کر لی تھی اور رونا دھونا بھی کر لیا تھا۔ ابھی اس کے واپس جانے یا نہ جانے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ سویرا نے بتایا کہ مونا بھی واپس آنا چاہ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''ابھی ہم نے فیصلہ نہیں کیا ہے کہ خواتین کو یہاں بلانا ہے۔ ممکن ہے سادی کو بھی حویلی بھیج دیا جائے۔''

''ایک اطلاع اور ہے بلکہ خوشی کی خبر ہے۔ شاید اسی مہینے رفیق بھائی عتیق کا رشتہ شمی کے لیے مانگنے آئیں۔''

''حالانکہ وہ تو ان کی امانت ہے۔'' میں ہنسا۔ ''فیصلہ اس کے دادا نے کرنا ہے۔''

''ہاں مگر آپ کو پتا ہے نہ دوسرے لوگ بھی شمی کے امیدوار بن رہے ہیں۔ اس سے محبت میں نہیں صرف زمین کی خاطر، وہ عتیق سے محبت کرتی ہے اور رفیق بھائی اسے باپ کی طرح چاہتے ہیں۔ اس کے لیے سب سے اچھا گھر ان کا ہی ہوگا۔ اس لیے اب طے ہوا کہ رشتہ آپا سے مانگا جائے گا اور وہ شمی کی ماں کی حیثیت سے فیصلہ کریں گی تو کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوگا۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ورنہ ایک بار میں نے شمی پر اپنا حق کہا تو آپا نے ڈانٹ دیا تھا کہ اس کے اصل وارث اس کے ددھیال والے ہیں۔ وہی اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے مجاز تھے۔''

''ہاں مگر اب گیند ہمارے کورٹ میں آگئی ہے۔'' سویرا نے کہا۔ ''اس سال شمی بی اے فائنل کے پیپرز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے گی اور امکان ہے کہ آنے والے سرما کے فوراً بعد اسے رخصت کر دیا جائے گا۔"

"ایک رخصتی کا اور بھی تو امکان ہے۔" میں نے یاد دلایا۔

"کس کی رخصتی کا؟" وہ انجان بن کر بولی۔

"بس ہے ایک رخصتی جس کا شدت سے انتظار ہے۔"

"کسے انتظار ہے؟"

"مجھے اور ایک ہستی اور ہے۔" میں نے ذرا بے باکی سے کہا تو وہ شرما گئی۔

"پلیز شہباز ایسی باتیں نہ کریں۔"

"تم تو بات بھی نہیں کرنے دیتیں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میں نے آپ کی واپسی پر سوافل کی منت مانگ رکھی ہے کل سے پڑھنا شروع کر دیئے ہیں۔"

"سویرا تمہیں یقین تھا کہ میں واپس آؤں گا؟"

"یقین تھا اور اب بھی ہے لیکن دل خدشات سے خالی نہیں ہوتا ہے۔"

میری اور سویرا کی محبت اس پھول کی مانند تھی جو ابھی کھلا نہ ہو، جس کی خوب صورتی اور نازکی بند پنکھڑیوں میں ہو۔ جب ہم اکیلے میں بات کرتے تب بھی کھل کر نہیں کر پاتے تھے۔ وہ عورت تھی جو باحیا ہوتی ہے لیکن میں مرد ہوتے ہوئے بھی اس سے یوں بات نہیں کر پاتا جیسے کرنا چاہتا تھا۔ اس پر یوں حق نہیں جتا پاتا تھا جیسے جتانا چاہتا تھا۔ قصہ مختصر کہ ہمیں رومانی گفتگو نہیں آتی تھی۔ کچھ دیر بعد ہم پھر دوسروں کی بات کر رہے تھے۔ سویرا نے شازیہ کے بارے میں بتایا کہ وہ ذہنی طور پر خاصی سنبھل گئی تھی اور اباجی نے ایک وکیل کے توسط سے اس کی جائیداد اور وراثت کا کیس بھی فائل کر دیا تھا کیونکہ اس کے گھر پر کچھ رشتے دار قابض ہو گئے تھے۔ البتہ اسے بنک اکاؤنٹس اور اپنے باپ کے بزنس کا قبضہ مل گیا تھا۔ وہ آٹو ورکشاپ چلاتا تھا۔ ورکشاپ فی الحال ایاز کے سپرد کر دی گئی تھی اور اس کے معاملات وہی دیکھ رہا تھا۔ سویرا سے بات کر کے میں واش روم میں آیا۔ شاور کھول کر اس کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

اب کرنے کو کچھ نہیں رہا تھا تو سوچوں نے ذہن پر قبضہ کر لیا۔ مجھے سب سے پہلے ڈیوڈ شا کا خیال آیا۔ وہ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا شخص نہیں تھا۔ اگرچہ اس نے میری مدد کا وعدہ کیا تھا وہ مکمل نہیں ہوا تھا اور یہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ میں پھر بھی سادی کو لانے میں کامیاب رہا اور بدقسمتی مجھے بیتو کی قربانی دینا پڑی۔ اگر ڈیوڈ شا کا منصوبہ درست ہوتا تو آج بیتو زندہ ہوتا۔ اگرچہ میرا ہمیشہ سے یہ ایمان رہا ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور بیتو کا وقت آ گیا تھا مگر یہ ایمان میرا تھا۔ ڈیوڈ شا جیسے لوگوں کا تقدیر پر ایمان ہوتا تو وہ انسانیت کے درجے سے کیوں گرتے۔ میں اس سے کھل کر کہہ سکتا تھا کہ بیتو کا نقصان اس کی وجہ سے ہوا ہے، اب میں اس کی مدد کا پابند نہیں رہا تھا۔

دوسرا فرد جس کا خیال مجھے اب آیا تھا وہ فتح خان تھا۔ اس کے بارے میں یہ تاثر ہر بار مستحکم ہوتا جاتا تھا کہ وہ پہلے سے زیادہ مکار اور عیار ہو گیا ہے لیکن اس بار اس نے جو کیا اس کا میرے ذہن میں دور دور تک شائبہ تک نہیں تھا۔ اس نے مکاری کی انتہا کرتے ہوئے منشی دل جی سے ساز باز کر لی۔ وہ ہیروں کا دیوانہ تھا اور کنور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلیس میں اس سے کہیں زیادہ ہیرے تھے جن کے پیچھے وہ گزشتہ ایک عشرے سے زیادہ وقت خوار ہوا تھا اور وہ ہیرے آج تک اس کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ مگر یہ ہیرے بھی اس کی قسمت میں نہیں تھے اور وہ ہمیشہ کی طرح ناکام و نامراد واپس بھاگا تھا۔ جن ہیروں کے پیچھے اس قدر قتل و غارت گری ہوئی۔ سینکڑوں لوگ مارے گئے۔ وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے۔ کرنل جیمز ان سے بے خبر تھا اور میں نے بھی اسے باخبر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ بھی ہیروں کے چکر میں پڑ کر وقت نہ گنوا دے۔ میں جلد از جلد سادی کو لے کر وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ فتح خان نکل بھاگا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ بچ گیا ہوگا۔ وہ اس معاملے میں جنگل کے جانوروں جیسی فطرت رکھتا ہے جو اپنی واپسی کے راستے کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ ناکامی بھی ہو سکتی ہے اور اس نے پہلے ہی سوچ لیا ہوگا کہ ناکامی کی صورت میں اسے کیا کرنا ہے۔

دروازے پر دستک ہوئی تو میں چونکا۔ ''آ رہا ہوں۔''

''آپ کا موبائل بیل دے رہا تھا۔'' باہر سے وسیم نے کہا۔ ''سفیر آ گیا ہے۔''

میں جلدی سے غسل مکمل کر کے اور کپڑے پہن کر باہر آیا۔ میرے بعد بیتو سب سے زیادہ سفیر سے قریب تھا۔ دونوں میں نوک جھونک چلتی تھی مگر وہ ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ سفیر میرے گلے لگ گیا اور ہم دونوں ہی خاموشی سے بیتو کو یاد کرتے رہے۔ وہ رو رہا تھا اور میں شاید اپنے حصے کے آنسو بہا چکا تھا اس لیے اسے تھپکتا رہا۔ آخر سفیر کا دل ہلکا ہوا تو اس نے پوچھا۔ ''یہ سب کیسے ہوا یار؟''

میں اسے بتاتا رہا۔ یہ بھی بتایا کہ بیتو نے آخری لمحات میں اسے یاد کیا تھا۔ وہ اس سے معافی چاہ رہا تھا۔ سفیر نے سرد آہ بھری۔ ''معافی تو مجھے مانگنی چاہیے تھی مگر وہ اتنی دور چلا گیا ہے کہ اب اس سے معافی بھی نہیں مانگ سکتا۔ میں نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی۔''

''ایسا نہیں یار، وہ سمجھتا تھا۔ تب ہی تو تمہیں یاد کر رہا تھا۔ تم نے اس سے کہا تھا کہ جیسے تم مونا کے بغیر نہیں رہ سکتے اس طرح اس کے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔''

''ہاں یار میں نے سوچا تھا کہ جب میں دبئی جاؤں گا تو اسے لے جاؤں گا۔ وسیم بھی ساتھ ہوگا۔ وہ سادی کو اپنی بہن سمجھتا تھا۔ ہم سب ساتھ رہیں گے۔ اگر تُو شامل ہوگا تو تُو بھی ہمارے ساتھ ہوگا، پرانے دن زیادہ اچھے ہو کر لوٹ آتے مگر.....''

''پرانے دن آئیں گے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''کیا ہوا جو بیتو ساتھ نہیں ہے، اس کی یادیں تو ساتھ رہیں گی نا۔''

''ہاں وہ ہمیشہ ساتھ رہیں گی۔'' سفیر نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''چل نیچے کھانا لگ گیا ہے۔ بیتو کی پسند کی ساری چیزیں بنی ہیں۔ آج ہم کھانا کھا کر اسے یاد کریں گے۔''

''جیسے گورے پی کر اپنے پیاروں کو یاد کرتے ہیں۔''

''ہاں ایسا ہی سمجھ لے۔''

''تُو کہاں گیا تھا؟''

''کھانے کے بعد بتاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ہم نیچے آئے جہاں ایک جوان العمر عورت کھانا لگا رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ جب وہ کچن کی طرف چلی گئی تو میں نے صوفی سے پوچھا۔

''یہ کون ہے؟''

''میری بیوی ہے جی۔'' اس نے جواب دیا۔

میں حیران ہوا تھا۔ ''تم نے شادی کر لی؟''

''نہیں جی کرنی پڑی۔ یہ میرے چچازاد بھائی کی بیوی تھی۔ دو سال پہلے شادی ہوئی تھی۔ وہ مر گیا تو چچا کے گھر والوں نے اس پر منحوس کا لیبل لگا دیا۔ بچہ بھی کوئی نہیں ہے۔ پیچھے میکا بھی نہیں ہے۔ بے چاری کہاں جاتی۔ دربدر ہو جاتی، میں نے اسے شادی کا کہا تو مان گئی اور میں سادگی سے شادی کر کے یہاں لے آیا۔''

''زبردست صوفی تم نے بہترین کام کیا ہے، اب ولیمہ کب کھلا رہے ہو۔'' سفیر نے کہا۔ ''مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ یہ شادی اس طرح ہوئی ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ بالآخر تمہیں خیال آ گیا۔''

صوفی مسکرایا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں جی۔ پر بیوی بچوں کے بعد دل ہی مر گیا تھا۔ یہ تو زبیدہ نے آ کر مجھے تھوڑا تبدیل کیا ہے۔ عورت میں بہت طاقت ہوتی ہے جی مرد کو بدلنے کی۔''

میں نے غور کیا تو واقعی صوفی بدلا ہوا تھا۔ سر کے بال باقاعدہ تراشے ہوئے اور داڑھی بھی حد میں تھی، البتہ اس نے کلر نہیں کیا تھا اور اس پر سیاہ و سفید داڑھی اور بال اچھے لگ رہے تھے۔ اس کی عمر چالیس سے اوپر تھی اور زبیدہ میرے اندازے کے مطابق پچیس سے زیادہ کی نہیں تھی۔ مگر ان دونوں کی جوڑی اچھی تھی۔ کھانا زبیدہ نے ہی بنایا تھا اور عبداللہ نے اسے آفیشل کک مقرر کر کے اس کی باقاعدہ تنخواہ بھی لگا دی تھی۔ پہلے صوفی کے پاس کوٹھی کے اوپری حصے میں ایک کمرا تھا۔ اسے دو کمرے دے دیئے گئے تھے۔ میں نے عبداللہ سے پوچھا۔

''پچھلی کوٹھی والے ملازمین کہاں ہیں؟''

''وہ اصل میں راجا صاحب کے ملازم تھے۔ میں نے راجا صاحب کی ملازمت چھوڑ دی ہے۔''

میں چونکا۔ ''چھوڑ دی ہے لیکن کیوں؟''

''اصل میں اب یہاں کوئی کام تو تھا نہیں۔ راجا صاحب نے یہاں سے اپنا سب کچھ سمیٹ لیا ہے، باقی ملازمین کو فارغ کر دیا لیکن میں بلاوجہ کی تنخواہ لے رہا تھا۔ مجھے اچھا نہیں لگا اس لیے استعفا دے دیا۔''

''عبداللہ نے اچھا کیا۔'' وسیم نے کہا لیکن میں خاموش رہا۔ مجھے عبداللہ کا بغیر مشورے کے راجا صاحب کی ملازمت ترک کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اگر وہ عبداللہ کو تنخواہ دے رہے تھے تو یہ ان کا مسئلہ تھا۔ عبداللہ نے بھانپ لیا۔

''آپ کو اچھا نہیں لگا؟''

''اب تم استعفا دے چکے ہو۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اس لیے اچھا یا برا لگنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''میں معذرت خواہ ہوں شہباز صاحب۔'' عبداللہ نے شرمندگی سے کہا۔ ''میں کیا اور میری اوقات کیا..... راجا صاحب نے مجھے اور مجھ جیسے کتنوں کو آپ کی خاطر رکھا ہوا ہے۔ مجھے آپ سے اجازت لینی چاہیے تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں میں تم سے برتر نہیں ہوں لیکن راجا صاحب میرے اور ہم سب کے محسن ہیں، بہت سے مواقع پر وہ بے لوث ہمارے کام آئے۔ کیا تم نے ان سے اجازت لی تھی۔''

''نہیں۔'' عبداللہ نے دبی زبان میں کہا۔ ''میں نے بس استعفا بھیج دیا تھا، انہوں نے منظور کر لیا۔''

''یار اب اتنے بے لوث بھی نہیں ہیں۔'' سفیر بولا۔

''میں نے جو دنیا اور اس کی خود غرضی دیکھی ہے خاص طور سے بڑوں لوگوں کی تو اس لحاظ سے راجا صاحب بہت اچھے اور اعلیٰ طرف انسان ہیں۔ ٹھیک ہے ان کی مجھ سے غرض ہے مگر یہ غرض ڈیوڈ شا کو بھی ہے۔ اب تم دونوں کے رویے کا موازنہ کرو تو تمہیں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ دولت اور اختیار میں مرشد راجا صاحب کا پاسنگ بھی نہیں ہے مگر ان کے رویے میں فرق دیکھو۔ اس سے تمہیں اندازہ ہوگا کہ راجا صاحب کیا ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وسیم نے تائید کی۔ ''جب انہوں نے مجھے آپ کے لیے ہائر کیا تو ان کے الفاظ تھے کہ یوں سمجھوں کہ ان کا بیٹا خطرے میں ہے اور میں نے اسے بچانا ہے۔''

عبداللہ زیادہ شرمندہ نظر آنے لگا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''بس یار اب جو ہوا سو ہوا۔ میں خود راجا صاحب سے سوری کر لوں گا۔ وہ بڑے آدمی ہیں ہمیں معاف کر دیں گے۔''

''اور ساتھ ہی تجھے ساتھ لے جانے کی کوشش بھی کریں گے۔'' سفیر بولا۔ ''ابھی آیا ہے، آرام سے بیٹھ کچھ دن..... ندیم بھی تیری جان کو رو رہا ہے۔''

''وہ منحوس ہمیشہ روتا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب کیا مسئلہ ہے اسے۔''

''کیسوں سے تیری جان چھوٹ گئی ہے مگر بعض معاملات میں اسے تیرے سائن چاہئیں۔ کچھ عدالتی چکر ہیں۔''

''جعلی سائن کر دیتا۔''

''تاکہ تجھ پر جعلسازی کا جینوین کیس بن جاتا۔''

''اس سے بھی بات کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مزید سنا یہاں کوئی اور ایکٹی وٹی ہوئی ہے۔ مہرو اور اس کے نام نہاد شوہر کی کوئی اطلاع؟''

''دونوں محاورے کے مطابق سینگ کی طرح غائب ہیں۔'' وسیم نے کہا۔

ہم کھانا ختم کر چکے تھے اس کے بعد ہم نشست گاہ میں آئے۔ مائی کھانے کے لیے آیا تھا اور جلدی جلدی کھا کر رخصت ہو گیا۔ اسے کسی کام کی عجلت تھی۔ سادی آرام کر رہی تھی۔ وہ نہیں آئی تھی۔ عبداللہ نے غور سے مجھے دیکھا۔

''آپ زخمی ہیں کیا جسم پر بھی زخم ہیں؟''

''تھے اب تقریباً بھر چکے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''سفیر تو کہاں غائب تھا میری آمد کا سن کر۔''

''وسیم نے تجھے بتایا ہوگا کہ پچھلے دنوں مرشد کی درگاہ میں ایک دھماکہ ہوا اور وہاں اتارا جانے والا اسلحہ تباہ ہوا تھا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں بتایا ہے۔''

''اس معاملے میں ہم کچھ بے وقوف بنے۔ ہمارے آدمی اندر موجود تھے لیکن ان کو گائیڈ کیا گیا اور اس اسلحے کے بارے میں اس طرح معلومات دی گئیں کہ انہیں شبہ نہیں ہوا تھا۔''

میں چونکا۔ ''تیرا مطلب ہے جان بوجھ کر معلومات دی گئیں؟''

''بالکل اور ہمارے آدمی سمجھے کہ وہ اتفاق سے یہ سب جان گئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا اور پھر ہم نے ان کی ہی مدد سے یہ اسلحہ تباہ کر دیا۔ درگاہ مرشدیہ کے عقب میں ایک عمارت کے تہ خانے میں یہ سب رکھا تھا۔ یہ اصل میں درگاہ کا سماع ہال تھا جو خستہ حالی کی وجہ سے متروک قرار دے دیا گیا تھا اور اس جگہ کے آگے ایک بڑا اور عالی شان سماع ہال بنایا گیا ہے لیکن یہ کام جان بوجھ کر کیا گیا تا کہ متروک سماع ہال کو اسلحے کے گودام کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ یہاں صرف اسلحہ اور اس سے متعلقہ لوگ ہوتے تھے اس لیے وہی مارے گئے۔''

''سوال یہ ہے کہ آپ لوگوں پر اپنی حماقت کا انکشاف کب ہوا؟''

''اسی پر ہوا ہے۔'' وسیم نے سفیر کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہم پر تو اب تک نہیں ہوا۔''

''بیٹا ہو گا بھی نہیں۔'' سفیر نے جواب دیا۔ ''کیونکہ تم لوگوں کے سر میں وہ عقل نہیں ہے جو اس سر میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔'' اس نے سر بجایا۔ میں نے سر ہلایا۔

''ہاں آواز تو کچھ خالی ڈبے کی سی آئی ہے۔''

''شہباز میری پیٹھ میں چھرا مت گھونپ۔'' سفیر غرایا۔ ''مت بھول کہ تُو پہلے میرا دوست ہے۔''

''اچھا بھائی میں تیرا دوست ہوں اب جلدی سے باقی ماجرا بھی سنا دے۔''

''اسلحے کی تباہی کے بعد ہمارے دو آدمیوں میں سے ایک وہاں سے نکل آیا کیونکہ وہ مشکوک ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے جو اسٹوری سنائی تو مجھے لگا یہ تو کوئی طے شدہ کام ہے۔ اس نے مجھے ایک شخص کا حوالہ دیا۔ لطیف شاہ نامی یہ شخص درگاہ کے سرکردہ لوگوں میں سے ہے۔ اگرچہ اس کا تعلق مرشد کے خاندان سے نہیں ہے مگر اس کا خاصا منہ چڑھا ہوا ہے۔ یہ رہتا بھی درگاہ پر ہے۔ اصل میں اسی نے ہمارے آدمیوں کی رہنمائی آنے والے اسلحے تک کی تھی۔ میں نے اندر رہ جانے والے سے اس کی نگرانی کرائی اور اس سے پتا چلا کہ وہ ہر دوسرے دن دوپہر کے وقت کہیں جاتا ہے اور دو ڈھائی گھنٹے بعد آتا ہے۔ میں نے اس کی نگرانی شروع کر دی۔''

''خود؟''

''نہیں میرے ساتھ دو رائیڈر اور بھی ہوتے ہیں، ہم یوں باری باری اس کا تعاقب کرتے رہے کہ اسے شک نہ ہو۔ اس نگرانی سے پتا چلا کہ فتح جنگ میں ایک فارم پر جاتا ہے اور پھر وہاں سے واپس درگاہ چلا جاتا ہے۔''

''تم نے فارم کی نگرانی شروع کرا دی؟''

''بالکل اور آج ہی انکشاف ہوا کہ ہم احمق بن رہے تھے فاضلی کے ہاتھوں۔''

میں اور باقی سب اچھل پڑے تھے۔ ''فاضلی.....؟ آج ہی تو اس شیطان کا ذکر ہو رہا تھا۔''

''کہتے ہیں جب شیطان کا ذکر ہو تو وہ آس پاس ہوتا ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ ''اس سے اندازہ کر لو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فاضلی کے بارے میں۔''

''فارم میں فاضلی ہے؟''

''صرف فاضلی نہیں ہے بلکہ وہاں دو ایسے افراد بھی ہیں جن کے بارے میں اطلاع تھی کہ وہ اسلحے میں ہونے والے دھماکے میں مارے گئے ہیں اور وہ اس گودام کے نگرانوں میں شامل تھے۔''

''ممکن ہے یہ مرشد کی چال ہو؟''

''چال ہے.....لیکن فاضلی کی ہے اور مرشد کے خلاف ہے۔''

اس بار میں زیادہ چونکا تھا۔''تمہارا مطلب ہے فاضلی نے جان بوجھ کر مرشد کو نقصان پہنچایا ہے؟''

''بالکل.....اس نے صرف اسلحہ ہی تباہ نہیں کرایا بلکہ مرشد کو بہت بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے کیونکہ یہ اسلحہ بعض ایسے تخریب کار گروپوں کے لیے بھیجا جا رہا تھا جو آئے دن بم دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ کی وارداتیں کرتے ہیں۔ وہ اس کی ادائیگی کر چکے تھے اور مرشد مڈل مین کا کام کر رہا تھا۔''

''یعنی ادائیگی اب اسے کرنا پڑے گی؟''

''بالکل کیونکہ یہ کروڑوں کا اسلحہ ہے۔ دوسری مشکل یہ کہ جن لوگوں کو اپنے مذموم عزائم کے لیے اسلحہ نہیں ملے گا اور جو خود بیرونی دشمنوں کے پے رول پر ہیں وہ مرشد کے خلاف ہو جائیں گے۔'' سفیر نے کہا۔''سب سے اہم بات یہ کہ خفیہ ایجنسیوں نے اس دھماکے کے بعد جو اسلحہ پکڑا ہے یعنی بچ جانے والا اور تباہ شدہ اسلحہ، وہ ملک بھر میں تخریب کاریوں میں استعمال ہوا ہے۔ خاص طور سے بارود وغیرہ۔ اس کا جواب بھی مرشد کو دینا پڑے گا۔''

''یہ مفروضہ ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ فاضلی مرشد کے خلاف ہو گیا ہے۔''

''یہ اسٹوری بھی آج ہی علم میں آئی ہے، مرشد نے اپنے خاص آدمیوں کو حکم دیا ہے کہ فاضلی کو تلاش کیا جائے اور وہ جہاں ملے اسے دنیا سے رخصت کر دیا جائے۔''

''یہ بھی چال ہو سکتی ہے مرشد اور فاضلی کی، دونوں باپ بیٹے ایک نمبر کے حرامی اور ڈرامے باز ہیں۔''

''اس میں چال کہاں سے آ گئی اور چال چال میں وہ اپنا اتنا بڑا نقصان کر لیں گے؟'' سفیر نے کہا۔

''فارم ہاؤس کس کا ہے؟''

''کسی کرم الدین نامی زمیندار کا ہے۔ وہ خود خان پور میں ہوتا ہے۔ یعنی اس کی اصل زمینیں خان پور میں ہیں اور یہ فارم اس نے فاضلی کے حوالے کیا ہوا ہے۔ اس پر سنگترے اور مالٹے کے باغات ہیں اور ایک عالی شان کوٹھی بھی بنی ہوئی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ وہاں موجود ہر بندہ مسلح نظر آتا ہے اور ان کی تعداد بھی خاصی ہے، صورتوں سے وہ سب چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آتے ہیں۔''

''تم نے جو نتیجہ نکالا ہے اس سے قطع نظر فاضلی کا نظر آنا ہی بہت بڑی کامیابی ہے اور ہمیں جلد از جلد اسے ٹھکانے لگانے کی کوشش کرنی چاہیے۔'' وسیم نے کہا اور میری طرف دیکھا۔''آپ کیا کہتے ہیں؟''

''اچھا خیال ہے۔ یہاں تمہارے کتنے آدمی ہیں؟''

''یہاں تو بس دو تین ہی ہیں، باقی سب حویلی میں ہیں۔'' وسیم نے کہا۔''مگر وہ بیس منٹ کے نوٹس پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں آسکتے ہیں۔''

میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔''فارم کے اندر کی پوزیشن کیسے معلوم کی؟''

''اس سے دو سو گز دور ایک چھوٹی سے پہاڑی ہے۔ میں نے وہاں سے جائزہ لیا تھا۔ فارم تقریباً دو ہیکٹر رقبے پر ہے۔ کوٹھی سامنے ہے اور باغ عقب میں ہے۔ کوٹھی تقریباً ایک کنال رقبے پر ہے۔ سڑک سے ہٹ کر ہے مگر یہاں بجلی ہے۔''

''اندر کتنے آدمی ہیں؟''

''ایک درجن تو ہیں۔'' سفیر نے کہا اور اپنا جدید ترین اسمارٹ فون نکال کر اسے وہاں موجود ایل سی ڈی ٹی وی سے منسلک کیا اور پھر تصویریں اس پر دکھانے لگا۔ پہلی تصویر فارم کی تھی۔ اس کی ساخت بڑی حد تک نمایاں تھی۔ اس کے گرد پیلے پتھروں سے بنی کم سے کم آٹھ نو فٹ اونچی چار دیواری تھی اور اس پر خاردار تار کی باڑ بھی لگی ہوئی تھی۔ فرنٹ پر بڑا فولادی گیٹ تھا۔ اس کے اندر کوٹھی کی چار دیواری الگ تھی اور اس کا چھوٹا گیٹ بھی الگ تھا۔ فارم کا گیٹ اتنا بڑا تھا کہ اس سے بڑے سائز کا ٹرک نکل سکتا تھا۔ کوٹھی دو منزلہ تھی مگر اس کی اوپری منزل پر صرف دو تین کمرے تھے اور باقی کھلی چھت تھی اور نیچے مکمل عمارت تھی۔ اسمارٹ فون کا کیمرا بہت ہائی میگا پکسل تھا مگر اس میں زوم زیادہ نہیں تھا اس لیے کوٹھی اور اس میں نظر آنے والے افراد کو قریب سے نہیں دکھایا جا سکا تھا۔ مختلف تصاویر میں مختلف لوگ نظر آ رہے تھے اور پھر ایک لمبے بالوں والے کو دیکھ کر میں چونک گیا۔

''یہ فاضلی ہے؟''

سفیر مسکرایا۔''غلط..... فاضلی اس کے برابر والا شخص ہے۔''

فاضلی نے بال اتنے چھوٹے کرا لیے تھے کہ وہ تقریباً گنجا ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی کلین شیو ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر جو ہلکی سی داڑھی رہا کرتی تھی وہ غائب تھی۔ ساتھ ہی اس نے موٹے سیاہ فریم کی عینک لگا رکھی تھی جو بہ ظاہر نظر کی دکھائی دیتی تھی اور ان تین تبدیلیوں نے اس کا حلیہ یکسر بدل دیا تھا۔ اس کے ساتھ نظر آنے والے افراد میں سے دو وہ تھے جن کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ وہ درگاہ میں ہونے والے دھماکے میں مارے گئے تھے۔ میں نے پوچھا۔''تو نے کیسا پہچانا۔''

''میں نے اس کا پیچھا کیا اور چند مواقع پر اس کی آواز سنی تو تصدیق ہوئی کہ یہ فاضلی ہے۔''

''اگر بہ قول تمہارے اس نے تمہیں کوئی گائیڈ کیا۔ یعنی فاضلی تمہارے آدمیوں سے واقف ہے تو وہ اپنے تعاقب اور نگرانی سے کیسے بے خبر رہا؟''

''جیسے ہم بے خبر رہے۔'' سفیر نے دانت نکالے۔

''وہ الٹا تمہارا تعاقب اور نگرانی بھی کر سکتا ہے۔''

''میں نے اس کا پورا خیال رکھا ہے۔ الیکٹرانک ڈیوائسز کا بھی۔'' سفیر نے جواب دیا تو میں مطمئن ہو گیا۔

''سوال وہی ہے کہ فاضلی اور مرشد میں یہ اختلاف کیوں اور کیسے ہوا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے فاضلی کے زخمی ہونے کے بعد کچھ ہوا اور وہ غائب ہو گیا تھا۔ وہ تقریباً ڈیڑھ مہینے سے بھی زیادہ غائب رہنے کے بعد منظرِ عام پر آیا ہے۔''

''تمہارے جاسوس پتا نہیں کر سکے کہ فاضلی کی موت کا حکم کیوں جاری کیا گیا ہے؟''

''امکان ہے کہ اس کے پیچھے مرشد کے سیکرٹری کا ہاتھ ہے۔ وہ فاضلی سے خار کھاتا ہے۔ شاید اسی نے کوئی چکر چلایا ہے جو باپ بیٹے کی آپس میں ٹھن گئی ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے میں نے فاضلی کے جو خیالات سنے تھے اس کے دل میں پہلے ہی مرشد کے خلاف رنجش ہے کیونکہ اس نے اس کی ماں کے ساتھ بہت برا کیا۔''

وسیم نے میری طرف دیکھا۔ ''کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ مرشد اور فاضلی میں اختلاف کس وجہ سے ہے اور اگر فاضلی ہمارے آدمیوں کو جان گیا ہے تو اس نے ان کی نشان دہی کے بجائے انہیں استعمال کیا ہے؟ مگر یہ ہمارا نہیں اس کا مفاد ہے۔''

''بالکل..... ہمارے لیے جاننا اشد ضروری ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔''

''تب.....؟''

''اپنا جاسوسی کا یونٹ استعمال کرو۔'' میں نے کہا۔ ''فارم ہاؤس کو ہدف بناؤ..... وہاں فون لائنز موجود ہیں۔ اس کے علاوہ موبائل فریکوینسی پکڑنے والا آلہ استعمال کرو۔ روایتی جاسوسی سے کام نہیں چلے گا۔''

''سنا تم نے روایتی جاسوسی سے کام نہیں چلے گا۔'' وسیم نے سفیر کی طرف دیکھا۔

''تو کر لو اپنی جیمز بانڈ والی جاسوسی۔'' سفیر نے کہا۔

''یہ تم نے کی تو ہے۔'' میں نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اور خدا کے واسطے آئندہ کوئی ڈھنگ کا زوم لینس والا کیمرا ساتھ رکھنا..... تم کیا پکنک کی تصویریں لینے گئے تھے۔''

وسیم کھڑا ہو گیا۔ ''میں یہ کام کرتا ہوں۔ وین حویلی میں ہے اسے منگوانا ہوگا اور مانی کو ساتھ رکھنا ہوگا۔''

وسیم کے جانے کے بعد میں نے ایاز کا پوچھا۔ عبداللہ نے بتایا کہ وہ شازیہ کے باپ کے آٹو ورکشاپ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ سفیر نے کہا۔ ''میں سوچ رہا ہوں اسے خریدلوں اور ایاز سے پارٹنر شپ کر لوں۔''

''یہ کام کر لینا چاہیے تھا۔ ہمیں ایک آسانی میسر آجائے گی۔ اس آٹو ورکشاپ کی مدد سے ہم گاڑیوں میں حسبِ منشا تبدیلیاں آسانی سے کر سکیں گے۔''

''ٹھیک ہے میں ایاز سے کہتا ہوں۔''

''ضرور کہیے۔'' ایاز نے نشست گاہ میں آتے ہوئے کہا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ایاز میرا کم وقت کا ساتھی تھا۔ مگر اس کے انداز میں کبھی مجھے خلوص اور گرم جوشی دوسروں سے کم محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مجھ سے مل کر وہ سامنے بیٹھ گیا۔

''بیتو کی خبر نے اندر تک دکھ بھر دیا ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''شاہین پور اور دن روتی رہی اور ماں جی حیران تھیں کہ وہ کیوں کسی کو اتار رہی ہے۔''

''وہ تھا ہی ایسا، ہمارا کچھ نہیں لگتا تھا مگر سب کچھ تھا۔ سب کو رُلا کر چلا گیا۔'' میں نے کہا۔ کچھ دیر خیال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ہوتی رہی۔ میں نے ایاز کو مختصر احوال سنایا۔ کچھ دیر بعد صوفی چائے لے آیا تو ماحول بدل گیا اور گفتگو بھی بدل گئی۔ وسیم اپنے آدمیوں کو ہدایات دے کر آ گیا تھا۔ میں نے ایاز سے ورکشاپ کا پوچھا تو اس نے کہا۔

''بہت اچھی ورکشاپ ہے لیکن وہاں کے انتظامات دیکھ کر مجھے شبہ ہوا کہ وہاں چوری کی یا اسمگل شدہ گاڑیوں کو جعلی نمبر اور کاغذات کی مدد سے فروخت کیا جاتا تھا۔ دونوں ملازموں نے کھل کر اقرار نہیں کیا مگر وہ بھی شامل تھے۔ باقی سامان اور لوکیشن کے لحاظ سے بہت اچھی جگہ ہے۔ لگے بندھے گاہک بھی خاصے ہیں۔''

''سفیر کا ارادہ ہے یہ ورکشاپ تمہارے ساتھ پارٹنرشپ میں خرید لے مگر اس کے لیے تم اوکے کرو گے۔''

''ہمارا اوکے تو آپ کے ساتھ ہی جی۔'' ایاز نے اپنی لمبی زلفوں پر ہاتھ پھیرا۔ ''اور پارٹنرشپ کیا جی ملازم رکھ لے گا، اپنی دال روٹی بھی چلتی رہے۔''

''زیادہ سادھو مت بنو۔'' سفیر نے اسے گھورا۔ ''مجھے اچھی طرح پتا ہے تم دال سبزی کتنی کھاتے ہو۔''

ایاز مسکرایا۔ ''جتنی آپ کھاتے ہیں جی اتنی ہم بھی کھا لیتے ہیں۔''

○.....❖.....○

چائے کے بعد میں نشست گاہ کے ایک کونے میں چلا گیا اور ندیم کے دفتر کا نمبر ملایا۔ کال اس کی سیکرٹری یا آپریٹر نے ریسیو کی اور نغمہ سرا آواز میں بولی۔ ''بھئی لائر ایسوسی ایٹس۔''

''ٹھیک کہا ایک نمبر کا جھوٹا ہے۔'' میں نے تائید کی۔ ''ویسے وہ ہے کہاں؟''

''سوری سر۔'' سیکرٹری گڑبڑا گئی تھی۔

''ندیم بھٹی..... میں اس کا ایک بھوت کلائنٹ بات کر رہا ہوں اس کی وجہ سے پھانسی ہوئی تھی مجھے۔''

سیکرٹری نے بہتر سمجھا کہ لائن ندیم کو ٹرانسفر کر دے اور اس نے آغاز ہی گالی سے کیا۔ ''..... کے بھوت، مجھے پتا تھا تُو ہی ہوگا، واپس آ گیا پھر بچ کر، انڈین سالے تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔''

''جب تجھ جیسے سالے کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو دوسرے سالے کیا بگاڑیں گے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''اور سنا کتنی ترقی کی ہے جھوٹ بول بول کر، بنک بیلنس اور بیوی بچے کہاں تک پہنچے۔''

اس پر ندیم نے مزید گالیاں دیں تھیں اور کچھ باتیوں کو بھی گھمارا۔ ''سب نے زندگی حرام کی ہوئی ہے۔''

''شکر کر تُو زندہ ہے ورنہ میرے دشمن کسی کو معاف کرنے کے قائل نہیں ہیں۔''

''کسر تو کوئی نہیں چھوڑی تھی اس حرامیوں کے مرشد نے۔'' ندیم نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''تیری جان عدالت سے چھڑوائی تو وہ میرے پیچھے پڑ گیا۔''

''کیا مطلب؟''

''دھمکیوں اور حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پہلے میری گاڑی کو ایک ٹرک نے مری ہائی وے پر ٹکر ماری۔ تو اللہ نے زندگی رکھی اور کھائی میں گرتے گرتے بچا..... پھر میرے بیوی بچوں کے حوالے سے دھمکیاں ملنے ہیں۔''

''تُو نے وسیم یا عبداللہ کو نہیں بتایا۔''

''ان کو بتایا اور انہوں نے اس کا دماغ درست کیا اور کچھ میں نے بھی جیک لگائے۔ اعلیٰ حکام کو درمیان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ڈالا تو وہ انسان کا بچہ بنا۔"

"ندیم تجھ پر یہ آفتیں میری وجہ سے آئی ہیں۔"

"بکواس نہ کر اب تُو نیک پروین بن کر ساری آفتیں خود پر لینے کی بات کرے گا۔ تجھے بتانے کا مطلب جتانا نہیں ہے۔ ایسی کی تیسی اس مرشد کی۔ میں نے اس کے کچھ معاملات کی فائلیں بنائی ہوئی ہیں اور وہ میں نے اسے بھجوائی تھیں۔ اگر یہ کیسز عدالت میں آ گئے تو اسے لینے کے دینے پڑ جائیں گے اس کے بعد وہ انسان سے بندر کا بچہ بن گیا۔ میرے اشاروں پر ناچنے کو بھی تیار ہو گیا۔"

"یہ تُو نے اچھا کیا۔" میں نے سکون کا سانس لیا۔ "مجھے آتے ہی پتا چلا کہ تُو میرے فراق میں بے قرار ہے، دن رات تڑپتا ہے اور بیوی کے پہلو میں بھی چین نہیں آتا۔"

"ہاں تُو کیا جانے ان معاملات کو..... بیوی عاق کرنے کی دھمکی دے چکی ہے۔"

خاصی دیر بکواس کے بعد وہ اصل بات پر آیا۔ عدالتوں سے کیس خارج ہو گئے تھے مگر کچھ کاغذات جمع کرانے تھے اور ان پر میرے سائن ضروری تھے۔ میں نے کہا۔ "میں کسی کو بھیجوں گا کاغذات اس کے ہاتھ بھجوا دینا اور بتا دینا کہ کہاں کہاں سائن کرنے ہیں اور میں سوچ رہا ہوں تیرے لیے ایک چیک پر بھی سائن کر دوں اگرچہ بنک اکاؤنٹ میں شاید ہی کچھ ہو۔"

اس پر ندیم نے کال کا اختتام پھر گالیوں پر کیا تھا۔ کال کے بعد میں نے موبائل جیب میں رکھا تھا کہ اس کی بیل بجی۔ میں نے نکال کر دیکھا۔ نام کے بجائے نمبر آ رہا تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ تمام جاننے والوں کے نمبر اس میں ناموں سے فیڈ تھے پھر یہ کس کا نمبر ہو سکتا تھا۔ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ میں نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو۔"

"شہباز ملک۔" دوسری طرف سے ایک سرد اور ٹھہری ہوئی آواز نے کہا اور مجھے شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

"ڈیوڈ شا۔"

"تم واپس پہنچ گئے ہو اور جس مقصد کے لیے انڈیا میں رکے تھے وہ بھی پورا ہو گیا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ میں نے اس سے پوچھا نہیں کہ اسے یہ نمبر کہاں سے ملا تھا۔ میں نے اب تک گھر اور پھر ندیم سے بات کی تھی اور یقیناً ان میں سے کوئی نمبر انڈر آبزرویشن تھا۔ اسی سے ڈیوڈ شا کو پتا چلا تھا۔ "تم نے کیوں کال کی ہے؟"

"تمہیں یاد دلانے کے لیے کہ میرا تم سے ایک معاہدہ ہوا تھا۔"

"وہ معاہدہ جسے تم پورا نہیں کر سکے۔" میرا لہجہ بھی سرد ہو گیا تھا۔ ڈیوڈ شا کا نام سنتے ہی وہ سب میری طرف متوجہ ہو گئے تھے اور میں نے ان کے درمیان میں آتے ہوئے موبائل کا اسپیکر فون آن کر لیا تھا۔ "پلان تمہارے آدمی کرنل جیمز نے بنایا اور وہی اس مشن کا سربراہ تھا مگر کیا ہوا؟"

"ٹھیک ہے سب مارے گئے اور ویسا نہیں ہوا جیسا سوچا تھا لیکن تم اس لڑکی کو نکال لائے۔"

"ڈیوڈ شا یہ میری ذاتی کاوش تھی۔ میری خوش قسمتی کہ میں پہلے پکڑ کر کنور پیلس پہنچا دیا گیا تھا ورنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے پلان پر عمل کرتا تو میں بھی مارا جا چکا ہوتا۔ کرنل بھی اپنی قسمت سے محفوظ رہا۔ تم نے منشی دل جی پر بھروسا کیا اور اس نے تمہیں دھوکا دیا۔''

''وہ کیفر کردار کو پہنچ گیا ہے۔''

''اس میں تمہارا کوئی کردار نہیں ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''ڈیوڈ شا مجھے تمہاری وجہ سے فائدہ نہیں نقصان ہوا ہے میرا ایک قیمتی ترین ساتھی مارا گیا۔''

''مجھے اس کا افسوس ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تو تم معاہدے سے انکار کر رہے ہو؟''

''میں انکار نہیں کر رہا کیونکہ تم اپنی کمٹ منٹ پوری نہیں کر سکے۔ تمہارا پلان مکمل ناکام رہا اور میرے ساتھی سمیت سینکڑوں لوگ اس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اب تم کس منہ سے مجھ سے معاہدے کی بات کر رہے ہو؟''

''میرا تو خیال ہے میں نے کمٹمنٹ پوری کی ہے، تم اس لڑکی کو لے جانے میں کامیاب رہے۔''

''ڈیوڈ شا۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تمہارے جیسے بین الاقوامی مذاکرات کار کے منہ سے یہ بات اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ کیا تم معاہدے کے لفظ سے اتنے ہی لاعلم ہو جتنا خود کو ظاہر کر رہے ہو۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز مجھے تمہارا تعاون ہر قیمت پر درکار ہے۔''

میں ہنسا۔ ''اب بھی تم سوچے سمجھے بغیر بات کر رہے ہو، تم ہر قیمت کا مطلب سمجھتے ہو؟''

''ہاں۔'' وہ بدمزگی سے بولا۔ ''ٹھیک ہے میرا ایک پلان ناکام رہا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مجھ سے اس لہجے میں بات کرو۔''

''غالباً بے عزتی محسوس کر رہے ہو لیکن ڈیوڈ شا انسان اپنے کردار اور کاموں سے ہی عزت یا بے عزتی کماتا ہے۔ تم شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتے ہو جو بلاوجہ تمہاری عزت کی جائے۔ درحقیقت میرے ذہن میں تمہارا جو امیج تھا پچھلے کچھ عرصے میں اسے بہت نقصان ہوا ہے۔ پہلے مرشد نے تمہاری ضمانت کو جوتے کی نوک پر رکھا اور اب منشی دل جی جیسا عام آدمی تمہیں استعمال کر گیا۔ کیا تم اب بھی خود کو اسی مقام پر محسوس کرتے ہو؟''

''شہباز..... ان سب باتوں کو بھول جاؤ ہم نئے سرے سے شروع کرتے ہیں۔'' اس نے غالباً خون کے گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں معاہدہ پورا کرنے میں ناکام رہا لیکن میں اب بھی تمہارے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تم بولو میں سن رہا ہوں۔''

''میں مرشد سے تمہارا تصفیہ کرا سکتا ہوں اس بار ضمانتی تمہارے اپنے ملک کا آدمی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے تم پیشکش کرو لیکن میں اس کا جائزہ لے کر ہی فیصلہ کروں گا۔ یاد رہے کہ اب میں ہر صورت تمہاری مدد کا پابند نہیں ہوں گا۔''

''شہباز تمہارے کچھ دشمن کم ہوئے ہیں اور مجھے امید ہے تم دشمن بڑھانے والے کام نہیں کرو گے۔''

''بالکل نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں باقی ماندہ دشمنوں کو بھی کم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اس کے ساتھ ہی موبائل آف کر دیا۔ وہ سب تشویش زدہ تھے۔ گفتگو انہوں نے سن لی اور آخر میں ڈیوڈ شا کی دھمکی بھی سن لی تھی۔ سفیر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے تیرا نمبر کیسے ملا؟''

''جیسے پہلے ملتا رہا ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''ہمارے ملک کی موبائل کمپنیاں ان کی غلام ہیں۔ یہاں اگر پولیس کو مدد درکار ہو تو انہیں نہ جانے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں، کسی نمبر کو ٹریس یا آبزرویشن میں رکھنے کے لیے اور ڈیوڈ شا جیسے لوگ ان سے براہِ راست کام لیتے ہیں۔''

''یہ سب ان کا بنایا ہوا سیٹ اَپ ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''مانی نے بتایا کہ ایک آئی ٹی کمپنی جس کے آپریٹنگ سسٹم ہم استعمال کرتے ہیں ان میں ایسی چیزیں چھپی ہوتی ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور وہ ہماری معلومات انٹرنیٹ کے توسط سے آگے بھیجتی ہیں۔''

''شکر ہے میں نے اس سے صرف حویلی اور ندیم کو کال کی ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں اب اپنے لیے ہم الگ سے سم استعمال کریں گے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''سب کے پاس ڈوکل سم والے موبائل ہیں۔ خاص سم ہم صرف آپس میں رابطے کے لیے استعمال کریں گے۔''

''ایک بات اور ہے۔'' ایاز نے ہاتھ اُٹھایا۔ ''اب موبائل سگنل سے لوکیشن بھی نکال لی جاتی ہے۔''

یہ قابلِ غور بات تھی کم سے کم ڈیوڈ شا کو پتا تھا کہ میں کہاں تھا اور میں اخلاقی طور پر اس سے معاہدے کا پابند نہیں رہا تھا اس لیے وہ مجھے قابو کرنے کے لیے دوسرے حربے استعمال کر سکتا تھا۔ میں نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ ''تم نے مزید ٹھکانے بنائے ہیں؟''

''وہ فارم ہاؤس دوبارہ لے لیا ہے جسے ایک بار خدشے کی بنا پر چھوڑا تھا۔'' عبداللہ نے بتایا۔ ''اتفاق سے فتح جنگ سے زیادہ دور نہیں ہے۔''

''مجھے یاد ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بس تو ہم ابھی وہاں جا رہے ہیں۔''

''سب؟'' وسیم نے پوچھا۔

''بالکل..... اصل وجہ سادی ہے، اسے زیادہ سے زیادہ محفوظ ہونا چاہیے جب تک اسے حویلی نہیں بھیجا جاتا۔''

''تم حویلی کی بات کر رہے ہو، جبکہ مونا یہاں آنے کے لیے پر تول رہی ہے۔''

''اس کے پر کاٹ دو۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''نا بابا۔'' سفیر نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ''یہ مجھ غریب کے بس سے باہر ہے۔''

''یار شوہر بن زن مرید نہ بن۔''

سفیر نے دانت نکالے۔ ''زن مریدی میں زیادہ مزے ہیں۔''

وسیم نے تائید کی۔ ''جب بندے نے گدھا بن کر بوجھ ہی اٹھانا ہے تو تابعدار گدھا کیوں نہ بنے۔''

''ہاں گھاس ذرا زیادہ ملتی ہے۔''

ایاز زیرِ مونچھ مسکرا رہا تھا۔ اچانک ہی سادی اندر آئی۔ ''اچھا موضوع چل رہا ہے۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ ہم بوجھ ہیں۔''

''خوب صورت بوجھ۔'' وسیم نے تصحیح کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جو ہم خوشی خوشی اٹھانے کے لیے مرے جاتے ہیں۔'' سفیر نے لقمہ دیا تو سادی مزید خفا ہو گئی۔

''آپ تو بات نہ کریں سفیر بھائی۔ آپ کو بالکل شرم نہیں آتی ہے۔''

''شرم تم لوگوں کو جو آتی ہے۔'' سفیر نے ڈھٹائی سے کہا۔

''آپ کیسے ہیں ایاز بھائی..... شاہین کیسی ہے؟''

''اس کا بھی تو پوچھو جو آنے والا ہے۔'' سفیر نے پھر ٹانگ اڑائی۔ سادی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''آپ سچ مچ بہت واہیات ہیں۔''

''بھئی میں ایاز کے بے بی کی بات کر رہا ہوں تمہارے.....''

''آپ تو چپ ہی رہیں۔'' سادی نے اٹھ کر وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔ سفیر نے دانت نکالے۔

''دیکھا کیسے جان چھڑائی۔''

''یار تُو بے لگام ہوتا جا رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم دوستوں کی بات الگ ہے مگر عورتوں کے سامنے ذرا زبان پر قابو رکھا کر۔''

''کوئی بات نہیں اس نے برا نہیں منایا صرف شرما کر گئی ہے۔'' سفیر بولا۔ ''اب مطلب کی بات کر..... کب چلنا ہے؟''

''جلد از جلد۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن خیال رہے اس جگہ کو خفیہ رکھنا ہے موبائل کا استعمال کم سے کم ہو گا اور آنا جانا بھی کم سے کم..... اب وہاں پیزا اور چکن تکہ پارسل نہیں ہو گا۔''

''تب میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' سفیر نے اعلان کیا۔ ''زبیدہ خانم کے ہاتھ میں کیا ذائقہ ہے۔''

''بیٹے دشمنوں کے ہاتھ میں بھی کم ذائقہ نہیں ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ٹھیک ہے یار ویسے ذائقہ سادی کے ہاتھ میں بھی کم نہیں ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''وہ آرام کرے گی۔'' میں نے اسے گھورا۔ ''اس کی کنڈیشن ایسی نہیں ہے۔''

''یار اسی کنڈیشن میں ہماری مائیں اور نانیاں دادیاں سب کرتی تھیں۔''

''ان کی بات الگ تھی۔'' میں نے کہا۔ ''سادی شہزادی ہے، اس نے ساری عمر کچھ نہیں کیا ہے۔ یہ تو اس کی نیک نفسی ہے جو ہمارے ساتھ عام عورتوں کی طرح رہتی ہے اور سب کرتی ہے۔''

''کیونکہ میں عام عورت ہوں۔'' سادی نے اندر آتے ہوئے کہا۔ وہ چائے کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھی۔ ''آپ فکر نہ کریں سفیر بھائی آپ جو کہیں گے میں بنا کر کھلاؤں گی۔''

''دیکھا ایسی ہوتی ہیں سعادت مند بچیاں، بزرگوں کی خدمت کرنے والی۔''

''ہاں کیونکہ اپنی بچی جوتے کی نوک پر رکھتی ہے۔'' وسیم نے آہستہ سے کہا۔ ''دوسروں کی بچیوں پر نظر رہتی ہے۔''

''برادرانہ نظر۔'' سفیر نے ڈھٹائی سے کہا۔

''کیا برادرانہ سفیر بھائی۔'' سادی نے ٹرے میں چائے کے ساتھ سیاہ کافی کے مگ تھے ساتھ میں کریم اور شکر تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیو گڑیا۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ سفیر اور ایاز نے منہ بنائے تھے۔ وہ چائے کے عادی تھے۔ وسیم بھی کافی کا شوقین تھا۔ سادی خوش تھی اور یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ میں اس بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا جو ابھی دنیا میں نہیں آیا تھا۔ سادی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا تھا۔ طے ہوا کہ وسیم وہیں سے فارم ہاؤس آئے گا۔ کافی کے بعد وسیم سادی کو لے کر چلا گیا۔ میں نے عبداللہ سے مالی معاملات کا پوچھا۔ زیورات کا سونا فروخت کر کے حاصل ہونے والی رقم اس نے کیش میں تبدیل کرا کے اسے ایک درجن مختلف بنک لاکروں میں رکھا تھا۔ یہ تقریباً پانچ کروڑ سے اوپر رقم تھی۔ باقی کیش کی صورت میں پاس تھی اور روزمرہ کے کاموں میں استعمال ہو رہی تھی۔ کمیونیکیشن وین سمیت ہمارے پاس سات گاڑیاں تھیں جن میں دو مزدا وین تھیں۔ ان میں بارہ تیرہ افراد مع ساز و سامان کے آرام سے آسکتے تھے اور یہ اسی لیے مخصوص تھیں۔ کمال کھوکھر کے ڈیرے پر آنے والے وسیم کے آدمی ایک مزدا وین میں آئے تھے۔ دو گاڑیاں یہاں تھیں اور باقی بھگوال والی حویلی میں تھیں۔

یہاں صرف صوفی اور زبیدہ تھے۔ وسیم کے آدمی گیٹ کی نگرانی کرتے تھے۔ یہ وہی بائیک رائڈر تھے جو سفیر کے ساتھ جاسوسی کے فرائض انجام دیتے رہے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ جاتے۔ صوفی نے اصرار کیا کہ اسے بھی ساتھ لیا جائے مگر عبداللہ نے منع کر دیا۔ ''تم یہاں کے نگران ہو اس لیے یہیں رہو گے اس جگہ کو خالی نہیں چھوڑ سکتے۔''

''میں بھی چلتا ہوں۔'' ایاز نے سب سے ہاتھ ملایا۔ ''کل آؤں گا۔ باقی ضرورت پڑنے پر آپ کسی وقت بھی کال کر سکتے ہیں۔''

ایاز کے جانے کے بعد ہم سارے ساز و سامان کے ساتھ اسی نسان وین کار میں سوار ہوئے جس میں سرحد سے یہاں تک آئے تھے۔ دونوں رائیڈر اپنی بائیکس پر تھے۔ مانی خفا تھا کہ اسے عجلت میں اپنا سب سامان سمیٹنا پڑا اور جب سفیر نے اسے دشمنوں سے ڈرایا تو وہ فائف اپنا سامان سمیٹ کر سب سے پہلے وین میں آبیٹھا تھا۔ عبداللہ نے اس کی بھی تنخواہ مقرر کرنا چاہی تھی مگر اس نے انکار کر دیا۔

''میں گزارے لائق کما لیتا ہوں۔ اگر ضرورت ہوگی تو آپ سے کہہ دوں گا۔''

اس پر عبداللہ نے اسے دو لاکھ دیے تھے کہ اسے سامان کی ضرورت ہو تو وہ بلا تکلف خرید لے۔ وہ سن کر خوش ہوا تھا کہ ہم اسی فارم پر جا رہے تھے اور جب اسے پارسل فوڈ پر پابندی کا پتا چلا تو اس کا منہ لٹک گیا تھا۔

''تب ہم کیا کھائیں گے؟''

''جو وہاں بنے گا۔'' سفیر نے کہا۔ ''ہم ناشتے اور کھانے کے لیے ایک ساتھ ہی راشن لے جائیں گے۔ جیسے دلیہ، دودھ، سیریل، انڈے اور اسٹور ہونے والی سبزیاں اور دالیں۔''

''تب میں نہیں جا سکتا۔'' مانی نے انکار کیا۔ سفیر نے اسے دوبارہ دشمنوں کا واسطہ دے کر راضی کیا اور ان کی نوک جھونک میں ہم ہنستے اور مسکراتے رہے۔ جب بیتو تھا تب بھی یہی سین چلتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کسی کے جانے سے فرق نہیں پڑتا ہے۔ انسان پھر اپنی زندگی میں مگن ہو جاتا ہے لیکن یہ انسان کی خامی نہیں بلکہ وہ فطرت ہے جو اللہ نے بنائی ہے۔ ہم سب گاڑی میں لد گئے۔ فاضلی جیسے دشمن کا سن کر میں نے محتاط رہنے کا فیصلہ کیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور سب مسلح تھے۔ پستول سب کے پاس تھے جب کہ بڑا اسلحہ بھی پہنچ میں تھا۔ سفیر بار بار اپنی بیلٹ میں لگا پستول مانی کو لگا رہا تھا اور وہ ڈر کر اسے دور کر رہا تھا میں نے کہا۔ ''یار تم نے اتنی صفائی سے بھارتیوں کو نشانہ بنایا اور اب ایک معمولی پستول سے ڈر رہے ہو۔''

''شوبی وہ تو میں ویڈیو گیم کھیل رہا تھا، اس کا ماہر ہوں نا۔''

''ماہر نہیں ہو بیٹے تم چیٹ کرتے ہو۔'' سفیر نے اب زبان کا استعمال کیا۔ ''تم گیم میں بھی اپنی مرضی کی چیزیں ڈال دیتے ہو۔''

''یہ بھی تو میری مہارت ہوئی نا۔'' مانی نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''شوبی کمال تو سارا اس مشین کا ہے وہ بالکل ٹھیک نشانہ لگا رہی تھی اور گولی چلنے کی معمولی سی آواز آ رہی تھی ورنہ تو میرا ویٹ ہی ہارٹ فیل ہو جاتا دھماکے کی آواز سن کر۔''

ہم فیض آباد سے نکلے اور کچھ دیر بعد کشمیر روڈ پر آ گئے۔ وہاں سے جی ٹی روڈ پر آئے لیکن ترنول سے دوبارہ جی ٹی روڈ سے اتر گئے۔ اب ہم فتح جنگ روڈ پر تھے۔ اگرچہ فتح جنگ یہاں سے کوئی پندرہ کلومیٹرز دور تھا۔ ہم پی ایف ترنول سے پہلے جہاں اسلام آباد کا آخری جی پندرہ سیکٹر ختم ہو رہا تھا نو غازی کے ساتھ واقع فارم ہاؤس تک پہنچے۔ یہ سڑک سے کسی قدر ہٹ کر تھا اور اس کے عقب میں دور تک کھیت تھے۔ ایک موقع پر ہم ان ہی کھیتوں سے نکل کر فرار ہوئے تھے کیونکہ مانی کے لگائے کیمروں نے بروقت دشمنوں کو آتے دکھا دیا تھا۔ وہ اپنے کیمرے اور نگرانی کا دوسرا سامان بھی لایا تھا۔ چابی عبداللہ کے پاس تھی اس نے اتر کر گیٹ کھولا اور اچانک ہی واپس آیا اس نے گاڑی میں منہ ڈال کر کہا۔

''اندر کوئی ہے..... ایک گاڑی کھڑی ہے۔''

میں نے فوری فیصلہ کیا اور مانی سے کہا۔ ''تم یہیں رکو۔''

''اور آپ سب؟'' مانی نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہم دیکھتے ہیں یہاں معاملہ کیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم دیکھو اگر خطرہ ہو اور ہم میں سے کوئی مدد کے لیے آس پاس نہ ہو تو گاڑی لے کر دوڑ جانا۔''

مانی ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا اور ہم نے اسلحے والے بیگ سے خود کار رائفلیں نکالیں۔ عبداللہ بتا رہا تھا کہ گیٹ کھلا ہوا تھا مطلب لاک نہیں تھا۔ فارم ہاؤس کے چاروں طرف سات فٹ اونچی چار دیواری تھی پہلے اس پر خاردار تار تھی مگر اب وہ ہٹا دی گئی تھی۔ میں نے وسیم کے دونوں آدمیوں خاور اور اشفاق کو پیچھے کی طرف بھیجا۔ دائیں طرف سفیر اور عبداللہ بائیں طرف سے گیا تھا میں گیٹ سے اندر جاتا۔ ان لوگوں کے جانے کے چند منٹ بعد میں گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا۔ سامنے ایک چھوٹی لیکن نئی کار کھڑی تھی۔ مگر کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں پورچ سے ہوتے داخلی دروازے تک آیا اور وہ اندر سے بند تھا۔ اسی دوران میں سفیر بھی آ گیا۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''باہر کوئی نہیں ہے اور یہ تو اندر سے بند ہے؟''

''کیا خیال ہے کال بیل بجائیں۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تاکہ وہ اندر سے سیدھی گولی ماریں۔'' سفیر نے بھنا کر کہا۔ ''آپ نے کیا عقل بھی گاڑی میں بھیج دی ہے۔''

''تم مذاق بھی نہیں سمجھتے۔'' میں نے ایک کھڑکی سے اندر جھانکا۔ یہ لاؤنج تھا اور اس کے ساتھ نشست گاہ تھی۔ فارم ہاؤس کی بیرونی حالت سے لگ رہا تھا کہ اس کی باقاعدگی سے دیکھ بھال کی جاتی تھی اور پودوں کو پانی وغیرہ دیا جاتا تھا۔ اس لیے سبزہ ہرا تھا۔ کھڑکی کے ساتھ ستون پر بوگن ویلیا کی بیل چڑھی ہوئی تھی اس لیے یہاں سایہ تھا اور اندر کا منظر تاریک لگ رہا تھا۔ میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک ہی شیشے کے دوسری طرف ایک نسوانی چہرہ نمودار ہوا۔ وہ بھی جھانک رہی تھی اور مجھے دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں پھر وہ چیخ مار کر بھاگی۔ گڑبڑ ہوگئی تھی۔ میں تیزی سے داخلی دروازے تک آیا اور دروازے کے لاک پر پستول رکھ کر فائر کر دیا۔ پستول پر سائلنسر تھا اس لیے آواز کا خدشہ نہیں تھا۔ دوسرے فائر پر لاک ٹوٹ گیا۔ سفیر میرے آس پاس ناچتے ہوئے اس فائرنگ کی وجہ دریافت کر رہا تھا۔ مگر میں اس کی بک بک پر توجہ دیئے بغیر دروازہ کھلتے ہی اندر گھس گیا تھا۔ اندر آیا تو اسی وقت لڑکی ایک لڑکے کے ساتھ اندر سے نمودار ہوئی۔ لڑکا صرف پاجامے میں ملبوس تھا اور لڑکی نے بھی باتھ روب پہن رکھا تھا۔ مجھے مسلح دیکھ کر وہ واپس بھاگے تھے کہ میں نے للکار کر کہا۔

''بس.....''

وہ دونوں منجمد ہو گئے۔ دس منٹ میں پورا فارم ہاؤس چیک کر لیا گیا تھا وہاں بس یہی دونوں تھے۔ میں ان کے سر پر تھا اور وہ دونوں سہمے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی مشکل سے انیس بیس سال کی تھی اور بہت حسین تھی۔ جب کہ لڑکا بھی اچھے نقوش کا اور اسمارٹ تھا۔ جب عبداللہ نے آل کلیئر کا اشارہ کیا تو میں نے اسے مائی کو اندر بلانے کے لیے کہا۔ وسیم کے آدمی سفیر کے ہمراہ فارم کے آس پاس چیک کر رہے تھے مگر میں نے محسوس کر لیا تھا کہ خطرہ نہیں ہے۔ عبداللہ نے مزید رپورٹ دی تھی کہ اندر ایک بیڈ روم زیر استعمال تھا اور وہاں باقاعدہ ان کا سامان تک موجود تھا۔ وہ دونوں سہمے ہوئے تھے اگرچہ لڑکا کسی قدر بہادر نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اندر سے اس کی ہوا بھی خراب تھی۔ میں نے ان دونوں پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

''اب ذرا کچھ سوالوں کے جوابات دو۔''

''کیسے سوالات؟'' لڑکے نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

''ایسے نہیں جناب..... الگ الگ پوچھتے ہیں۔'' عبداللہ نے بروقت عقل مندی کی بات کی اور لڑکی سے کہا۔ ''چلو اٹھو اندر جاؤ۔''

لڑکی ہچکچاتے ہوئے اٹھی اس کا خیال تھا کہ ہم میں سے کوئی اس کے پیچھے آئے گا مگر ہم بیٹھے رہے اور وہ بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔ یہاں باہر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایک کچن کا دروازہ تھا وہ سامنے تھا اور سیڑھیاں بھی لاؤنج سے ہی اوپر جا رہی تھیں۔ میں نے لڑکے سے پوچھا۔

''تمہارا نام۔''

''راشد علی۔'' اس نے جواب دیا۔

''راشد علی..... تم یہاں کیا کر رہے ہو..... اس لڑکی کے ساتھ.....؟ اور اس کا نام کیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''رومانہ۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اس کا نام رومانہ ہے۔''

''اور یہاں کیا کر رہے ہو؟''

اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔ ''ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں۔''

میں چونکا۔ ''چھپے ہو کس سے؟ اور تمہیں اس جگہ کا پتا کیسے چلا؟''

''ہم اپنے گھر والوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ مجھے اس کا جگہ کا معلوم تھا۔ میں ایک بار اپنے دوست کے ساتھ یہاں آ چکا ہوں۔''

''تمہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہوگا اس لیے تم یہاں چلے آئے لیکن تمہیں کیسے معلوم کہ یہاں کوئی نہیں ہوگا؟''

''اس فارم ہاؤس کا مالک باہر ہوتا ہے۔ یہ جگہ کرائے پر دی جاتی ہے لیکن ابھی خالی ہے۔''

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ خالی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم نے اسے کرائے پر لے لیا ہے۔''

''ہم سے غلطی ہوئی لیکن ہم نے یہاں سے کچھ لیا نہیں ہے صرف ایک تالا توڑا ہے۔''

''عمارت میں کیسے آئے؟''

''اتفاق سے اس کی چابی میرے پاس تھی اسی لیے تو یہاں کا رخ کیا۔'' اب وہ کسی قدر اعتماد سے بول رہا تھا ویسے بھی اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ''اندر والا بیڈ روم لاک تھا اس کا تالا توڑنا پڑا۔''

''کیوں نہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔''

''کر دیں۔'' اس نے بے خوفی سے کہا۔ ''پولیس مسئلہ نہیں ہے۔''

''تب تمہیں تمہارے گھر والوں کے حوالے کیوں نہ کر دیں۔''

اس بار اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اس نے گھبرا کر کہا۔ ''پلیز ایسا مت کریں۔ میں بچ جاؤں گا مگر رومانہ ماری جائے گی اس کا باپ بہت ظالم ہے۔''

''جب تمہیں معلوم ہے کہ اس کا باپ بہت ظالم ہے تو یوں بھاگ کر چھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ ویسے تم دونوں نے شادی کر لی ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''کل ہی ہمارا نکاح ہوا ہے۔ بھاگ کر شادی اس لیے کی کہ رومانہ کا باپ جو میرا رشتے کا چچا ہے اس شادی کے لیے بالکل آمادہ نہیں تھا۔''

''اور تمہارے گھر والے؟''

''مان تو وہ بھی نہیں رہے تھے مگر اصل مسئلہ رومانہ کے باپ کا تھا۔ وہی سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔''

''اسے تم نے بائی پاس کر دیا۔'' میں نے کہا۔ اسی اثنا میں مانی بھی اندر آ گیا۔ وہ خوش تھا کہ خطرہ نہیں تھا اور مار ماری نہیں ہوئی۔ اس نے مجھ سے سامان لانے اور سیٹ کرنے کی اجازت مانگی۔

''جلد از جلد کر لو خاص طور سے سکیورٹی سسٹم۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں چند گھنٹے میں کرلوں گا۔لیکن مجھے ایک آدمی چاہیے۔''

عبداللہ نے خادر کو اس کے ساتھ کردیا۔ میں نے راشد سے چند سوال اور کیے اور پھر رومانہ کو بلایا۔ راشد کے ساتھ عبداللہ گیا تھا۔ وہ بہرحال مرد تھا اور اس سے مزاحمت اور گڑبڑ کی توقع کی جاسکتی تھی۔ رومانہ نے ان تمام سوالوں کے جوابات درست دیئے جو میں نے راشد سے کیے تھے۔ وہ شروع میں نروس تھی مگر اب اس نے محسوس کرلیا تھا کہ اسے کم سے کم لڑکی ہونے کی حیثیت سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ اعتماد سے جواب دے رہی تھی۔ آس پاس سب کلیئر تھا۔ سفیر کچن میں کھانے پینے کا سامان رکھ رہا تھا جو صوفی نے ساتھ کیا تھا۔ اس میں کئی تیار ڈشیں تھیں جو زبیدہ نے عجلت میں تیار کردی تھیں۔ میں سوچ کر آیا تھا کہ اب ہم فاضلی کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کریں گے اور یہ کام آج ہی سے شروع کردیں گے مگر یہاں یہ مسئلہ موجود تھا۔ راشد اور رومانہ کا ہم سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ وہ ہمارے لیے خطرہ تھے مگر انہیں چھوڑنے کا فیصلہ اتنی جلدی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد وہ نہ جانے کیا گل کھلاتے اور ہم مشکل میں پڑ جاتے۔ میں نے راشد کو بلالیا۔

''تم دونوں نے سچ کہا ہے لیکن ہم اس کی مزید تصدیق کریں گے اور اس کے بعد ہی تم دونوں کو یہاں سے جانے کی اجازت دی جائے گی تب تک تم یہیں رہو گے۔''

''ہم قید ہوں گے؟'' راشد نے بے یقینی سے کہا۔ ''مگر کیوں؟''

''ٹریس پاس کے جرم میں۔ اگر تمہیں گرفتار کرکے عدالت میں پیش کیا جائے تو چند مہینے کی سزا تو لازمی ہوگی۔ سمجھ لو ہم نے تمہیں چند دن قید کی سزا دی ہے۔ اس دوران میں تمہارے ساتھ کوئی غلط سلوک نہیں ہوگا اور نہ ہی تمہیں کسی بھی طرح مجبور کیا جائے گا۔ صرف باہر جانے پر پابندی ہوگی تم اپنے کمرے تک محدود رہو گے۔''

''کب تک؟'' رومانہ نے پوچھا۔

''کہہ نہیں سکتا چند دن بھی ہوسکتے ہیں اور چند ہفتے بھی۔'' میں نے کہا اور عبداللہ کو اشارہ کیا۔ وہ انہیں کمرے کی طرف لے گیا۔ اس کا دروازہ باہر سے بند نہیں ہوتا تھا اور لاک کرنا بھی بے کار تھا کیونکہ وہ آسانی سے اندر سے کھل سکتا تھا۔ ویسے بھی لاک انہوں نے توڑ دیا تھا۔ اس لیے یہاں کسی نہ کسی کو ان کی نگرانی کے لیے موجود رہنا ضروری تھا۔ وسیم اور سادی خاصی تاخیر سے آئے تھے اور وجہ صاف ظاہر تھی وہ مٹرگشت کرکے آرہے تھے۔ ہم لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ سفیر نے کہا۔

''دیکھا آئے ہوئے ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے ہیں اور آوارہ گردی شروع۔''

''سفیر بھائی ہم میاں بیوی ہیں۔'' سادی نے احتجاج کیا۔

''تم شادی سے پہلے گھوم پھر لیے ہم شرفا ہیں شادی کے بعد سب کام کرتے ہیں۔'' وسیم نے کہا تو سادی جلدی سے بولی۔

''میں ذرا فریش ہوجاؤں۔''

''احتیاط سے، اس کمرے میں مت جانا۔'' سفیر نے بیڈروم کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں اس میں کیا ہے؟''

''ایک نیا شادی شدہ جوڑا..... ہنی مون منا رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفیر کی بات پر سادی اور وسیم نے اسے شک سے دیکھا۔ ''نیا شادی شدہ جوڑا کہاں سے آ گیا۔''

''وہ پہلے سے موجود تھا۔'' میں نے کہا۔ پھر وسیم کو بتایا تو وہ فکر مند ہو گیا۔

''یہ تو اچھا نہیں ہوا، ہم یہاں چھپنے آئے ہیں اور یہاں پہلے ہی کوئی موجود تھا۔''

''مجھے لگ رہا ہے وہ سچ کہہ رہے ہیں مگر ہم انہیں ایسے ہی نہیں چھوڑ سکتے۔''

وسیم نے تائید کی۔ ''ٹھیک ہے ابھی تو ان کو رکھتے ہیں بعد میں دیکھیں گے۔''

یہاں تین بیڈ روم تھے۔ ایک وسیم اور سادی کے حصے میں آیا اور دوسرے میں، میں نے سفیر کے ساتھ ڈیرا جمایا۔ مانی حسب معمول اسٹڈی میں اپنا سیٹ اَپ کر چکا تھا اور وہ رات بھی وہیں گزارتا۔ وہ کیمرے لگانے میں مصروف تھا پھر اس نے عمارت کے چاروں طرف لیزر جال لگایا۔ اگر کوئی اس جال میں مداخلت کرتا تو اندر الارم بج جاتا۔ کھانے کی میز پر وہ عجلت میں آیا اور پھر چلا گیا۔ کھانے کے بعد عبداللہ بھی اس کی مدد کرنے لگا تھا اور سفیر تفریح کرنے پہنچ گیا تھا۔ میں کچھ دیر ٹی وی دیکھتا رہا۔ پھر راشد اور رومانہ کو چیک کیا۔ وہ فکر مند تھے مگر زیادہ نہیں۔ انہیں کھانا کمرے میں ہی دے دیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد انہیں چائے بھی مہیا کی تھی۔ یہاں ہر کمرے میں اے سی تھا اس لیے سکون تھا۔ ویسے موسم بارش کے بعد بہتر تھا اور باہر کچھ اچھا ہی تھا میں ٹہلنے باہر آیا تو خنکی کے ساتھ نباتات کی خوشبو نے استقبال کیا تھا۔ دس بجے گیٹ کے سامنے کمیونیکیشن وین رکی اور اشفاق جو ڈیوٹی پر تھا اس نے دروازہ کھولا۔ کمیونیکیشن وین اندر آئی۔ اس کا رنگ آسمانی کر دیا تھا اور اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں نے نوٹ کیا کہ اس پر سرکاری نمبر پلیٹ لگی تھی۔ اس کے پیچھے مزید دو رائیڈر آئے تھے۔ اب یہاں چار رائیڈر ہو گئے تھے۔ یہ یہاں پہرہ بھی دیتے اور گیٹ کی دیکھ بھال بھی کرتے۔ ان کے لیے اوپر موجود واحد کمرا مختص کر دیا تھا جس کے ساتھ باتھ روم بھی تھا۔ ہمہ وقت دو افراد پہرے پر رہتے اور ان میں سے ایک وقفے وقفے سے فارم ہاؤس کا چکر بھی لگاتا۔ وہ داکی ٹاکی سے آپس میں اندر موجود وسیم سے رابطے میں رہتے۔ میں حفاظتی انتظامات سے مطمئن ہو گیا تھا۔ انہیں ان کی ذمے داریاں سمجھا کر وسیم میرے پاس آ گیا۔ میں نے پوچھا۔

''فاضلی کے لیے کیا پلان ہے؟''

''اسے اٹھانے کا سوچا ہے لیکن جیسا آپ کہیں۔''

''نہیں اٹھانے کا مسئلہ ہو گا۔ تم جانتے ہو وہ خطرناک آدمی ہے۔''

''تب اس کا پتا صاف کر دیتے ہیں۔''

''ہاں اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے لیکن پہلے دیکھا جائے کہ وہ کر کیا رہا ہے۔ ممکن ہے کوئی موقع ہاتھ لگے اور ہم اسے اٹھا بھی سکیں۔''

''میں سمجھ گیا..... ہم اوپن مائنڈ کے ساتھ جائیں گے۔''

''بالکل پہلی شرط مکمل نگرانی کی ہے۔''

''کیا خیال ہے ہم آج رات سے ہی یہ کام نہ شروع کر دیں۔'' وسیم نے کہا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ ہم عام زندگی نہیں گزار رہے تھے جو رونین کا کام رونین کے مطابق انجام دیتے۔ ملک میں آتے ہی دشمنوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیوڈ شا کی صورت میں رابطہ کر لیا تھا اور ہمیں در بدر ہونا پڑا تھا اس لیے بہتر یہ تھا کہ ہم بھی وقت ضائع نہ کرتے۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے ابھی سے شروع کرتے ہیں۔''

''میں آپ اور دو بندے چلتے ہیں۔ عبداللہ اور سفیر یہیں رہیں گے۔'' وسیم خوش ہو گیا۔ ''آپ کو ایک نئی چیز بھی دکھاتا ہوں۔''

''کیا چیز ہے؟''

''وہیں چل کر دکھاؤں گا کچھ دن پہلے منگوائی تھی اور بہت شاندار رزلٹ ہے اس کا۔''

مجھے خیال آیا۔ ''وہ جگہ دیکھی ہے؟''

''ہمارے ساتھ جو دو جائیں گے انہوں نے دیکھی ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک مرشد کی درگاہ میں جاسوس بھی تھا پھر یہ مشکوک ہو گیا تو اسے واپس بلا لیا دوسرا کام کر رہا ہے۔''

ہم کیموفلیکیشن وین لے کر نکلے۔ سفیر سو گیا تھا اور عبداللہ جاگ رہا تھا اسے بتایا۔ وسیم اندر جا کر دیکھ آیا سادی بھی سو گئی تھی۔ ہم روانہ ہوئے تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اس وقت ہائی وے پر ٹریفک کم تھا۔ فتح جنگ کے پاس جھیل کے کنارے بہت سے کھانے پینے کے ریستوران اور ڈھابے کھل گئے ہیں۔ شوقین لوگ اکثر یہاں آتے ہیں خاص طور سے تازہ مچھلی بہت اچھی ملتی ہے۔ اس وقت اس طرف سے گاڑیاں آ رہی تھیں اور ان میں زیادہ تر فیملیز اور گروپ تھے جو یقیناً کھا پی کر آ رہے تھے۔ ہیمٹ میں ہم اس جگہ پہنچ گئے۔ ڈرائیور وہی جاسوس تھا۔ اس کا نام احسان تھا۔ وہ تقریباً پینتالیس برس کا سابق آرمی کمانڈو تھا۔ اس نے ہائی وے کے کنارے وین روک دی اور بولا۔ ''ہم پاس ہیں۔''

''فارم کہاں ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''وہ جس چھت پر سرچ لائٹس آن ہیں۔'' احسان نے اشارہ کیا۔

یہ فارم ہاؤس سڑک سے کوئی دو سو گز دور تھا اس سے پہلے والی زمین خالی تھی اور شاید یہ ہائی وے کا حصہ تھی۔ فارم کے وسط میں عمارت بنی ہوئی تھی اور اس کی چھت پر تیز روشنی والی سرچ لائٹس لگی تھیں جو آس پاس کے علاقے کو جگمگا نور کر رہی تھیں۔ اتنی روشنی کا مقصد یقیناً سکیورٹی تھی۔ وسیم نے وین کا خاص کیمرا آن کیا جس کا ٹیلی لینس اس کی چھت پر تھا اور وہ مزید بلند ہو کر دکھا سکتا تھا مگر فارم کے گرد چار دیواری اتنی اونچی تھی کہ کیمرا اونچا ہو کر بھی اس کے اندر دکھانے سے قاصر تھا۔ وسیم نے کہا۔ ''اب میں آپ کو خاص چیز دکھاتا ہوں۔''

وسیم نے ایک دھاتی بریف کیس اٹھایا اور اسے کھولا تو اس سے ایک چار انچ قطر کی گول سیاہ ڈسک نکلی، اس کی موٹائی مشکل سے دو انچ ہو گی۔ اس نے مجھے تھما دی۔ ''دیکھیں اور بتائیں یہ کیا ہے۔''

ڈسک کے اوپر ایک گھومنے والا روٹر لگا ہوا تھا۔ اس میں مخصوص کھانچے تھے جیسے اس میں کچھ لگایا جا سکتا ہو۔ میں نے اسے پلٹ کر دیکھا تو اس کے نیچے ایک گول لینس نما شیشہ لگا ہوا تھا مگر یہ ڈسک کے کناروں کے اندر تھا یعنی اگر ڈسک نیچے رکھا جاتا تو یہ شیشہ نیچے نہیں ٹکراتا۔ اس کا وزن ایک پاؤ سے زیادہ نہیں تھا۔ میں نے غور کیا اور کہا۔ ''مجھے یہ کوئی جاسوس ڈیوائس لگ رہی ہے۔ اس میں کیمرا ہے اور اس کے اوپر گھومنے والا روٹر ہے اس میں کچھ لگ سکتا ہے شاید پنکھا یا ایسی کوئی چیز۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ نے درست پہچانا یہ چھوٹا سا جدید ترین اسپائی ڈرون ہے۔''

''فوجی مقاصد کے لیے ہے؟''

''نہیں یہ اتنا ہائی فائی نہیں ہے خاص طور سے کمیونیکیشن میں عام بینڈ استعمال کرتا ہے۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔''

وسیم نے بریف کیس سے پنکھڑیوں کا ایک سیٹ نکالا۔ یہ فائبر کی تھیں بہت ہلکی لیکن مضبوط پنکھڑیاں تھیں۔ اس نے انہیں روٹر کے کھانچے میں فٹ کر کے کلپس کی مدد سے بند کر دیا اب یہ کسی صورت از خود نہیں کھل سکتی تھیں۔ پنکھڑیوں کا قطر تقریباً دس انچ تھا اور ان کی تعداد آٹھ تھی۔ پھر ہم وین سے اتر آئے۔ بریف کیس ہی اس کا کنٹرولنگ یونٹ تھا۔ اس میں اوپر والے حصے میں اسکرین لگی تھی۔ وسیم نے مجھے پکڑایا اور بولا۔ ''اسے سر سے اوپر کر لیں۔''

میں نے اس کا نچلا حصہ اوپر کیا تو وسیم نے بریف کیس میں لگا ایک بٹن دبا دیا۔ کنٹرولنگ یونٹ آن ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ڈرون کے نیچے کیمرے کے ساتھ بہت ہلکی سی سرخ روشنی جل اٹھی اور پھر اس کی پنکھڑیاں گردش کرنے لگیں۔ وسیم بریف کیس کی اسکرین پر دیکھ رہا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''چھوڑ دیں۔''

میں خود بھی محسوس کر رہا تھا کہ ڈرون زور لگا رہا ہے اور میرے چھوڑتے ہی وہ اوپر جانے لگا۔ تقریباً دس فٹ اوپر جانے کے بعد وہ نظروں سے تقریباً اوجھل ہو گیا تھا۔ اتفاق سے آسمان پر بادل تھے اور اس وجہ سے بھی وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی آواز اس وقت بھی بہ مشکل آ رہی تھی جب وہ میرے ہاتھ میں تھا۔ ہم وین میں واپس آ گئے۔ وسیم نے بریف کیس اس طرح رکھا کہ میں اسکرین دیکھ سکتا تھا اور پھر وہ جوائے اسٹک کی مدد سے ڈرون کنٹرول کرنے لگا۔ اس کا لڑا لینس نیچے کا منظر صاف دکھا رہا تھا۔ مگر ابھی سب تاریکی میں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ پچاس فٹ کی بلندی پر تھا وسیم نے تصدیق کی۔ ''یہ ابھی پچاس فٹ پر ہے اور یہ دو سو فٹ کی بلندی تک جا سکتا ہے۔''

''کتنی دوری تک آپریٹ ہو سکتا ہے؟''

''آدھا کلومیٹر تک۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''اس میں ایک چھوٹی سی لیکن بہت طاقتور ری چارج ایبل بیٹری لگی ہے۔ ایک بار چارج ہونے کے بعد یہ آدھا گھنٹا بہ خوبی کام کر سکتا ہے۔ اس کی بیٹری کو پھر چارج ہونے میں آدھا گھنٹا ہی لگتا ہے۔''

''اگر فوری ضرورت ہو تو؟''

وسیم نے بریف کیس میں لگی اضافی بیٹری کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس میں اسپیئر بیٹری ہے اسے لگایا جا سکتا ہے یہ اسی یونٹ سے چارج ہوتی رہے گی۔''

ڈرون اب فارم ہاؤس کے اوپر تھا۔ نیچے روشنی کی وجہ سے سب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ یہاں لوکاٹ، شہتوت اور انگور کے باغات تھے۔ کوٹھی نما عمارت وسط میں تھی۔ اس کے اگلے حصے میں تین گاڑیاں کھڑی تھیں اور وہاں کرسیوں پر تین مسلح افراد بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے پاس شراب کی بوتل تھی اور وہ تینوں پینے میں مصروف تھے۔ پہلے وسیم نے پورے فارم کا جائزہ لیا۔ عقبی حصے میں کچھ کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیٹ پر دو افراد اور تھے اور وہ ٹہل رہے تھے۔ باہر یہی پانچ افراد تھے۔ اب وسیم ڈرون کو عمارت کے گرد گھما رہا تھا۔ اس میں موجود کیمرے کا لینس گھوم سکتا تھا اور آس پاس کے مناظر بھی دکھا سکتا تھا۔ ڈرون گھومتا ہوا ایک کھڑکی کے سامنے پہنچا تو میں نے اور وسیم نے بیک وقت لاحول پڑھی۔ اندر موجود جوڑا ایک دوسرے میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ انہیں کھلی کھڑکی کا احساس بھی نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ کھڑکی زمین سے سات فٹ اونچی تھی اور کوئی زمین پر کھڑے ہو کر اندر نہیں جھانک سکتا تھا۔ باہر موجود پانچ افراد میں فاضلی نہیں تھا اور جوڑے میں مرد بھی فاضلی نہیں تھا کیونکہ وہ اس کے مقابلے میں بہت ہٹا کٹا تھا۔ فاضلی کا جسم چھریرا تھا۔ باقی کھڑکیاں بند تھیں۔ وسیم ڈرون کو اوپری منزل پر لایا جہاں تین کمرے تھے۔ یہ تینوں کمرے ایک قطار میں تھے اور ان کے دروازے کھلے صحن کی طرف تھے۔ فاضلی یا مالکان جیسے لوگ انہیں رہائش کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ اوپن تھے اور باہر سے سیڑھیاں براہِ راست اوپر تک آ رہی تھیں یہ یقیناً ملازمین کے لیے مخصوص تھے۔

''میرا خیال ہے فاضلی اندر ہے۔'' میں نے کہا۔

''گاڑیاں دیکھتے ہیں۔'' وسیم نے کہا اور ڈرون کو پورچ کی طرف لایا اب احتیاط سے کام کرنا تھا کیونکہ یہاں روشنی تھی اور تین عدد پہریدار بھی موجود تھے۔ گاڑیاں اعلیٰ درجے کی اور لگژری تھیں۔ ان میں ایک لینڈ کروزر کا نیا ماڈل تھا۔ ایک میلکس تھی اور یہ بھی تقریباً نئی تھی جب کہ تیسری فراری تھی۔ مگر یہ چند سال پرانا ماڈل تھا۔ اچانک ہی کوٹھی کی طرف سے کوئی آیا۔ وسیم مسلسل لینس گھما رہا تھا اور اسی وجہ سے پتا چل گیا۔ اس نے عجلت میں ڈرون اوپر اٹھا لیا۔ آنے والا فاضلی تھا اور اس کے ساتھ ایک خوب صورت عورت تھی۔ وہ دونوں فراری میں بیٹھے۔ پورچ میں بیٹھے تین افراد میں سے ایک اٹھ کر فاضلی کے پاس آیا۔ وہ اسے کچھ کہہ رہا تھا کیونکہ وہ سننے والا صرف سر ہلا رہا تھا۔ پھر فاضلی نے کھڑکی کا شیشہ اوپر کیا اور کار اسٹارٹ کر کے باہر لانے لگا۔ میں نے احسان سے کہا۔

''وین آگے لے چلو مگر دو سو گز سے دور مت جانا اور رفتار سلو رکھنا۔''

ہم مخالف سمت میں جانے لگے۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل تھا کہ فاضلی کس طرف کا رخ کرے گا مگر امکان یہی تھا کہ وہ پنڈی اسلام آباد کی طرف جائے گا۔ وسیم نے ڈرون واپس بلا لیا تھا۔ مگر اس کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی۔ فراری ایک منٹ سے بھی پہلے ہائی وے پر آئی اور جی ٹی روڈ کی طرف روانہ ہو گئی۔ احسان نے حکم پر وین واپس گھمائی۔ جب تک ڈرون آتا فراری اتنی دور جا چکی تھی کہ اس کی عقبی روشنیاں بہ مشکل نظر آ رہی تھیں۔ ڈرون آیا تو وسیم نے خود باہر جا کر اسے پکڑا اور آف کر دیا۔ پھر وہ جیسے ہی اندر بیٹھا احسان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وسیم نے ڈرون کو ایسے ہی چھوڑا اور عجلت میں وین کا کیمرا سسٹم آن کیا۔ اس کا زوم بہت طاقتور تھا۔ اس نے ایک کلومیٹر دور نکل جانے والی فراری کو واضح دکھایا۔ لیزر رینج فائنڈر فاصلہ بھی بتا رہا تھا۔ وسیم نے احسان سے کہا۔

''وہ ایک کلومیٹر آگے ہے رفتار بڑھاؤ۔''

وین کا انجن طاقتور تھا مگر وہ رفتار میں فراری کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اگر فاضلی نارمل رفتار سے چلاتا تو اس کا پیچھا کیا جا سکتا تھا۔ وسیم نے اسکرین کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''اچھا موقع ہے وہ اکیلا ہے۔''

''عورت ساتھ ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں لیکن میرا خیال ہے وہ اس کی ساتھی نہیں ہے صرف دل بستگی کے لیے ساتھ ہے۔ اسے قابو کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ اتنا تو مجھے یقین ہے وہ دانتوں تک مسلح ہوگا اور ہوشیار ہوگیا تو بہت مار دھاڑ کے بعد ہاتھ آئے گا یا مارا جائے گا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''تب آپ کا کیا مشورہ ہے؟''

''فی الحال دیکھو اور انتظار کرو۔'' میں نے کہا۔ ''فاضلی ایسے ہی مرشد کے مدِمقابل نہیں آ گیا۔''

''آپ کو شبہ ہے کہ اسے کسی کی پشت پناہی حاصل ہے؟''

''شبہ نہیں یقین ہے۔'' میں نے کہا۔ وین رفتہ رفتہ فراری کے پاس آرہی تھی اور اب دونوں گاڑیوں میں نصف کلومیٹر کا فاصلہ تھا۔ کچھ دیر میں موٹروے کے نیچے سے گزر کر نو غازی کی طرف آ گئے۔ فراری کا رخ جی ٹی روڈ کی طرف تھا۔ پانچ منٹ بعد وہ جی ٹی روڈ پر تھی اور ترنول سے وہ اسلام آباد کی طرف مڑی۔ دو منٹ بعد وہ کشمیر ہائی وے پر آ گئی تھی۔ ہائی وے سے اترنے کے بعد وسیم نے فاصلہ تین سو گز کرالیا تھا اور یہ بھی اچھا خاصا تھا۔ اگر ہم وین کے سسٹم سے اس پر نظر نہ رکھے ہوتے تو اتنی دور سے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اب فاضلی کسی صورت تعاقب کا شبہ نہیں کرسکتا تھا۔ ہم نے کسی ناگہانی صورتِ حال کے لیے اسلحہ تیار کرلیا تھا۔ نزدیک آنے کی وجہ سے وسیم نے کیمرے کو نیچے کرلیا تھا۔ اب وہ چھت پر اتنا نمایاں نہیں تھا مگر اپنا کام کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد فراری جی نائن کی طرف مڑ گئی۔ میں اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا کیونکہ ایک زمانے میں یہاں موجود بہت بڑے پارک میں جاگنگ کے لیے آتا تھا۔ اسے فاطمہ جناح پارک کہتے ہیں۔ اتفاق سے فراری اس پارک کی طرف جانے والی سڑک پر مڑی تھی۔ پارک کے ساتھ جی نائن کا پوش ترین علاقہ تھا۔ یہاں بڑے بنگلے اور کوٹھیاں تھیں جو زیادہ تر اوپری طبقے یا غیر ملکیوں کے استعمال میں تھیں۔ وسیم فکرمند ہوا۔

''یہاں پولیس مستعد ہوتی ہے اور ذرا سی شک کی بنیاد پر روک لیتی ہے۔''

''جب روکے گی تو دیکھ لیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''اسلحہ چھپایا جاسکتا ہے؟''

''بالکل اور وین کے باہر ایک ایسے ٹی وی چینل کا نام اور لوگو ہے جو شاید ہی کوئی دیکھتا ہو۔'' وسیم مسکرایا۔ ''اس صورت میں ہم میڈیا والے بن جائیں گے۔''

''یہ اچھی ترکیب ہے۔ اگر اوپر ایک آدھ ڈش بھی لگا لو تو پوری چینل وین بن جائے گی۔''

فراری اس سیدھی سڑک پر جا رہی تھی پھر وہ پارک کے ساتھ والی سڑک سے پہلے جی نائن کی آخری لائن کی طرف مڑ گئی۔ یہ بائیں طرف کی روڈ تھی جو ابن سینا روڈ کہلاتی ہے۔ احسان نے میرے کہنے پر رفتار تیز کی کیونکہ ایسا لگ رہا تھا کہ فراری کسی گلی میں مڑنے والی ہے اور میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کس بنگلے یا کوٹھی میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں زیادہ بڑے مکان نہیں تھے۔ زیادہ تر نصف کنال کے بنگلے تھے اور کچھ جگہیں خالی پڑی تھی۔ ہم موڑ تک پہنچے تو فراری گرین بیلٹ کے ساتھ رک رہی تھی اور پھر اس سے فاضلی اتر کر ایک بنگلے کی طرف بڑھا۔ میں نے نوٹ کیا کہ بنگلے کے آگے کنکریٹ کی تیار رکاوٹ رکھی ہوئی تھی۔ یہ شاید چوتھا یا پانچواں بنگلہ تھا۔ احسان نے وین ذرا پیچھے روک دی مگر وسیم نے کہا۔ ''نہیں اسے آگے لے جاؤ اور گھوم کر دوسری طرف آؤ۔ بالکل اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنگلے کی سیدھ میں۔"

احسان نے وین آگے بڑھائی اور بنگلے کے سامنے سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا اگلا حصہ مکمل طور پر بند تھا اور کنکریٹ کی رکاوٹ کی وجہ سے کوئی گاڑی آسانی سے گیٹ تک نہیں جا سکتی تھی۔ سیاہ گیٹ بڑا اور مکمل طور پر سیل فولادی چادر سے بنا ہوا تھا۔ وین آگے نکلی تو وسیم نے کہا۔ "اس قسم کی حفاظتی رکاوٹیں غیر ملکی افراد کے لیے کھڑی کی جاتی ہیں۔ عام افراد ایسا کریں تو یہ جرم شمار ہوگا۔"

میں نے گہری سانس لی۔ "بعض اوقات تو لگتا ہے پاکستانی ہونا ہی کوئی جرم ہے۔"

احسان نے پہلے کٹ سے گاڑی دوسری سڑک پر کی اور گھما کر بنگلے کے سامنے لے آیا۔ مگر یہاں درمیان میں گرین بیلٹ کے درخت بڑے تھے اور منظر واضح نہیں تھا اس لیے وین کچھ آگے لے گئے جہاں سے چھت پر لگی دوربین سے بنگلہ دکھائی دے رہا تھا۔ وسیم نے بڑی اسکرین پر اسے زوم کیا اور اس کا اوپری حصہ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ یہ دو منزلہ مکمل کوٹھی تھی مگر اس کے بائیں طرف ایک گیلری تھی۔ اسے بھی فولادی گرل سے بند کیا گیا تھا۔ سامنے والا حصہ جو ٹیرس کے ساتھ تھا، اس پر پوری دیوار سیاہ شیشے کی تھی اور اس کے اندر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ "اس کے اندر نہیں دکھائی دے سکتا ہے؟"

"کوشش کرتا ہوں اس میں تھرمل امیجر ہے لیکن یہاں روشنی بہت زیادہ ہے اس کے ساتھ ہی ایک سینسر سے کام لینا ہوگا۔"

وسیم نے کیمرے کو نائٹ موڈ پر کیا تو پوری اسکرین برائٹ ہوگئی تھی پھر اس کی برائٹ نیس کم کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ اتنا کم کرنے میں کامیاب رہا کہ شیشے کے پار ہیولے دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ لاؤنج ہی تھا یہاں تین افراد تھے وہ صوفوں پر بیٹھے تھے۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کون تھے کیونکہ وہ صرف رنگین ہیولوں کی صورت میں تھے۔ وسیم نے کہا۔ "مانی ہوتا تو سافٹ ویئر کی مدد سے انہیں واضح کر لیتا مجھے اس سافٹ ویئر کا استعمال نہیں آتا ہے۔"

اب کیمرا بتا رہا تھا کہ بنگلے میں کم سے کم چھ افراد تھے ان میں تین اوپر تھے اور تین نیچے تھے۔ نیچے والے سامنے کے حصے میں تھے اور وہ مستعد گارڈز کی طرح ٹہل رہے تھے۔ وسیم نے اشارہ کیا۔ "اصل آدمی اوپر ہی ہے۔"

"یہ نمایاں ہو سکتے ہیں میرا مطلب ہے زوم ہو سکتے ہیں؟"

"میں کرتا ہوں۔" وسیم نے کی بورڈ کے چند بٹن دبائے اور اوپری منزل کا منظر زوم ہونے لگا مگر اس سے امیج کی کوالٹی خراب ہو رہی تھی بڑی کوشش کے بعد وہ اسے اتنا زوم کر سکا کہ ان تینوں افراد کی جسامت نمایاں ہونے لگی۔ ان میں سے ایک کی داڑھی تھی۔ یہ کسی قدر بڑی فرنچ کٹ تھی۔ باقی دو افراد کلین شیو تھے۔ ایک کے سر کے بالوں سے مجھے شبہ ہوا کہ وہ فاضلی تھا اور اس نے سوٹ پہن رکھا تھا فاضلی نے بھی آج سوٹ پہنا ہوا تھا۔ تینوں گفتگو میں مصروف تھے۔ ایک اور اسکرین پر سادہ منظر آ رہا تھا۔ اس سے چھت کا منظر دکھائی دے رہا تھا جس پر ڈش اور سیٹلائٹ کمیونیکیشن کے آلات دکھائی دے رہے تھے۔ وسیم نے تصدیق کی۔

"یہ سیٹلائٹ پر مخصوص چینل کے لیے استعمال ہونے والے آلات ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے اس کوٹھی میں کوئی اہم بین الاقوامی شخصیت موجود ہے۔" میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر آپ کا اشارہ ڈیوڈ شا کی طرف ہے تو مجھے یہ جگہ اس کے شایانِ شان نہیں لگتی ہے۔''

''بات شایانِ شان کی نہیں ہے۔ سکیورٹی اور ضرورت کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ کوئی مستقل اڈہ ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ڈیوڈ شا ہے تو وہ اس جگہ بھی رک سکتا ہے۔''

''اس صورت میں یہ جگہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''فاضلی سے زیادہ اہمیت۔''

''بالکل اس صورت میں فاضلی ثانوی اہمیت اختیار کر جائے گا۔ مگر فی الحال ہم فاضلی کے پیچھے ہیں۔''

''اب اسے چھیڑنا اور مسئلہ ہو جائے گا اس صورت میں یہاں موجود شخص چوکنا ہو جائے گا۔'' وسیم نے ایک نکتہ اور اٹھایا۔

میں سوچ رہا تھا۔ ''دیکھو اگر یہ شخص ڈیوڈ شا ہے تو ہم اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے کیونکہ اس صورت میں ایک طاقتور ملک ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ بین الاقوامی دباؤ سہنے کی ہم سکت نہیں رکھتے ہیں اس لیے فاضلی کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں تو ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ قطع نظر اس کے یہاں کون ہے۔''

وسیم مسکرایا۔ ''لگتا ہے آپ نے کچھ سوچ لیا ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارے پاس بے ہوش کرنے والی کوئی چیز ہے؟''

''بالکل ہے۔'' وسیم نے کہا اور ایک خانہ کھول کر اس سے ڈارٹ گن نکالی۔ اس میں چھ تیر لوڈ تھے۔ یہ انجکشن کی سوئی جیسے تھے۔ جسم پر لگتے ہی یہ دوا انجکٹ کر دیتے تھے اور دوا اتنی زود اثر تھی کہ دس سیکنڈ سے بھی پہلے آدمی مکمل طور پر بے ہوش ہو جاتا تھا۔ میں پہلے بھی اسے استعمال کر چکا تھا۔ میں نے وا کی ٹا کی اور ڈارٹ گن لی اور وین سے اتر گیا۔ دوسرا آدمی رفاقت بیک اَپ میں تھا۔ میں سڑک پار کر کے گرین بیلٹ تک آیا اور دبے قدموں چلتا ہوا فراری کے پاس پہنچا۔ یہاں ایک چھوٹا جھاڑی نما درخت تھا جو مجھے پوری طرح چھپا رہا تھا۔ فراری یہاں سے کوئی سات آٹھ گز دور تھی اور یہ فاصلہ مناسب تھا۔ میں نے وا کی ٹا کی کا بٹن دبایا اور آہستہ سے بولا۔

''کوئی تبدیلی آئی؟''

''نہیں۔'' وسیم نے جواب دیا۔ ''وہ سب اپنی جگہوں پر ہیں..... لیکن نہیں اوپر والے کھڑے ہو گئے ہیں۔ دو کھڑے ہیں اور ایک بیٹھا ہے۔ جو دو کھڑے ہوئے ہیں وہ نیچے آ رہے ہیں۔''

''میرا خیال ہے ان میں فاضلی ہو گا اسے دیکھتے ہی مجھے خبردار کرو۔'' میں نے کہتے ہوئے وا کی ٹا کی کا والیم اتنا کم کر دیا تھا کہ صرف مجھ تک آواز محدود رہے۔ ایک منٹ بعد وسیم نے تصدیق کی۔

''فاضلی ہے اور وہ باہر آ رہا ہے۔''

''رفاقت سے کہو مجھے بیک کرے اگر کوٹھی کی طرف سے کوئی آئے تو وہ اسے دیکھے لیکن مار دھاڑ سے گریز کرے۔''

''میں کہتا ہوں۔'' وسیم نے کہا تو میں نے وا کی ٹا کی بند کر دیا اور تیار ہو گیا۔ مین گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھلا اور فاضلی باہر آیا۔ اس نے سگریٹ سلگائی تھی پھر آرام سے فراری کی طرف آیا۔ عورت بدستور کار میں تھی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کون سے بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ گرین بیلٹ کی طرف تھی اس لیے فاضلی اس طرف آیا جیسے ہی دروازہ کھولنے کے لیے مڑا میں نے ڈارٹ اس کی پشت میں اتار دی تھی۔ بہت معمولی سی آواز آئی اور اتنی ہی ہلکی سی کراہ فاضلی کے منہ سے نکلی اور اس کا ہاتھ پشت کی طرف گیا مگر ڈارٹ پشت پر ایسی جگہ تھی جہاں اس کا ہاتھ جا نہیں سکتا تھا اور اس کوشش میں اس نے وہ وقت گنوا دیا جس میں وہ کسی سے مدد طلب کر سکتا تھا۔ وہ منہ کے بل کار پر گرا اور پھر آرام سے نیچے لڑھک گیا اسی اثنا میں گھبرائی ہوئی عورت نیچے آئی۔ اس نے کسی قدر تیز آواز میں کہا۔

''کیا ہوا تمہیں؟''

جیسے ہی وہ فراری کے بونٹ تک آئی۔ میں نے اسے بھی نشانہ بنایا۔ ڈارٹ اس کے سینے پر بائیں طرف ذرا اوپر لگا تھا۔ اس نے فوراً ہاتھ مار کر ڈارٹ نکالا اور کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد لہرا کر گری تھی۔ اسی لمحے بنگلے کا گیٹ کھلا اور دو افراد باہر آئے۔ مگر فوراً میرے دائیں طرف سے سائلنسر لگے ہتھیار سے ان پر فائرنگ ہوئی۔ گولیاں ان کے قدموں کے سامنے لگی تھیں۔ وہ تجربے کار لوگ تھے پلٹ کر واپس بھاگے۔ اتنی دیر میں، میں نے فاضلی کو اٹھا کر پشت پر لاد لیا تھا اور تیزی سے واپس آیا۔ وین کا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا اور انجن اسٹارٹ تھا۔ میں اندر گھسا تو وسیم نے دروازہ بند کر لیا۔ وین حرکت میں آئی اور رفاقت اس میں دوڑتے ہوئے فرنٹ ڈور سے اندر آیا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے وین واپس بڑی سڑک پر گھوم چکی تھی۔ پیچھے سے کوئی کارروائی ہوئی تھی تو اس کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں نے کوئی آتشیں ہتھیار استعمال نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ خاموش بیٹھ گئے تھے۔ بلکہ وہ پیچھے بھی آ سکتے تھے۔ وسیم کے ذہن میں یہ خدشہ تھا اس نے دوربین آن کی اور عقب میں دیکھنے لگا۔ ابھی ہم کشمیر ہائی وے سے دور تھے کہ عقب میں تیز روشنیاں نمودار ہوئیں اور ایک گاڑی تیزی سے نزدیک آنے لگی۔ یہ طاقتور لگژری کار تھی۔ وسیم نے زوم کیا اور کار کی اگلی سیٹوں پر دو افراد نظر آنے لگے۔ یہ حلیے سے غیر ملکی اور خاصے تنومند لگ رہے تھے۔ وسیم نے پوچھا۔

''گاڑی ناکارہ کر دوں؟''

''بالکل۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس نیک کام میں دیر مت کرو۔''

اس نے آٹومیٹک اسنائپر رائفل کا میگزم استعمال کیا اور چھت پر رائفل نکلی۔ وسیم کار کے اگلے ٹائر کا نشانہ لینے لگا۔ اس نے فائر کا بٹن دبایا۔ مگر کار بدستور چلتی رہی۔ اس نے پھر فائر کیا۔ اس بار بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میرے خدا اس کے تو ٹائر تک بلٹ پروف ہیں۔''

''دوسرے کا نشانہ لو۔''

وسیم نے دوسرے کا نشانہ لیا اور اس بار بھی کوئی ردعمل نہیں ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اسکرین کا نشانہ لو۔''

جب ٹائروں پر اثر نہیں ہوا تھا تو اسکرین پر کیا ہوتا۔ گولیاں اس سے اچٹ کر نکل گئی تھیں۔ میں نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ''اب مجھے بڑی حد تک یقین ہو گیا ہے کہ کوٹھی میں ڈیوڈ شاہی ہے اور یہ اس کے خاص آدمی ہیں۔''

''ان سے پیچھا کیسے چھڑایا جائے؟'' وسیم بولا اسی لمحے ہم ایک مزدا ٹرک کے پاس سے گزرے جس پر دودھ لدا ہوا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے وسیم سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب کار اس ٹرک کے پاس پہنچے تو اس کا ٹائر اڑا دینا۔''

وسیم میری بات سمجھ گیا ہم میں ایسی ذہنی ہم آہنگی تھی کہ ہم بہت کم الفاظ میں ایک دوسرے کی بات سمجھ جاتے تھے۔ ٹرک نارمل رفتار سے چل رہا تھا اور کار بہت تیزی سے آ رہی تھی جب وہ ٹرک کے پاس پہنچی تو وسیم نے ٹرک کے سامنے والے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف کے ٹائر پر فائر کیا۔ ایک دھماکے سے ٹائر اڑا تھا اور وزنی ڈبوں سے لدا ٹرک بے قابو ہو کر دائیں طرف گھوما۔ اس وقت تک کار اس کے پاس آ چکی تھی اور اس کے ڈرائیور کے پاس بچنے کا موقع نہیں تھا۔ ٹرک نے کار کو ٹکر ماری اور کار گھوم کر گرین بیلٹ پر چڑھی۔ اس کے بعد وہ فلمی انداز میں ہوا میں بلند ہوئی اور قلابازی کھا کر چھت کے بل سڑک پر گری۔ اس کے شیشے بلٹ پروف تھے حادثہ پروف نہیں۔ کار کا پورا وزن آیا تو شیشے ٹوٹنے لگے۔ پھر کار اچھل کر سیدھی ہوئی اور مسلسل قلابازیاں کھانے لگی۔ ٹرک اتنی رفتار سے نہیں جا رہا تھا پھر کار ٹکرانے کے بعد اس کی رفتار مزید کم ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے بریک لگائے تو وہ کچھ دور گھسٹنے کے بعد رک گیا تھا۔ کوئی درجن قلابازیاں کھانے کے بعد کار بھی رک گئی اور اس کے فوراً بعد ہماری وین کشمیر روڈ پر مڑ گئی تھی۔ سب نے سکون کا سانس لیا۔

''جان چھوٹی۔'' وسیم نے گن اور کیمرے کو اندر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو بروقت سوجھی۔''

''اندھیرا تھا نا اس لیے دور کی سوجھی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب وین مشکوک ہو گئی ہے پہلی فرصت میں اس کا حلیہ تبدیل کرا لو۔''

''ایاز کے پاس چلتے ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''ورکشاپ پاس ہے۔''

وسیم نے اس سے رابطہ کیا تو وہ گھر پر تھا مگر موقع کا سن کر فوری آنے کا کہہ کر کال بند کر دی۔ دس منٹ بعد ہم ورکشاپ کے سامنے تھے۔ یہ پوش علاقے کا کمرشل ایریا ہے اور یہاں تمام دکانیں مختلف قسم کی ورکشاپوں پر مشتمل ہیں۔ رات سات آٹھ بجے ہی یہاں سناٹا ہو جاتا ہے اس وقت تو ہُو کا عالم تھا۔ میں نے فاضلی کا جائزہ لیا۔ وہ بے ہوش تھا۔

''اسے کب تک ہوش آئے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''کم سے کم چھ گھنٹے بعد۔'' وسیم نے کہا اور پوچھا۔ ''اسے حویلی منتقل کرنا ہے؟''

''نہیں اسے ساتھ رکھیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''معاملے کو زیادہ پھیلانا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے صبح ہی اس کا فیصلہ ہو جائے اس صورت میں اسے شہر میں کہیں ڈالنا ہو گا۔''

''اگر اس کے پیچھے ڈیوڈ شا ہے تو وہ جلد یا بدیر آپ سے رابطہ کرنا چاہے گا۔''

''میں نے سم بند کر دی ہے اور دوسری سم لگا لی ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ ڈیوڈ شا کیسے رابطہ کرتا ہے۔''

''اس کے پاس دوسروں کے نمبرز تو ہیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''رابطہ اتنا مشکل نہیں ہو گا۔''

''اس کا مطلب ہے ہم اس سے پہلے جو کر لیں وہ بہتر رہے گا۔'' میں نے فاضلی کی طرف دیکھا۔

''اکرم چشتی والا ٹریٹ منٹ کیسا رہے گا؟'' وسیم نے پوچھا۔

''تم نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ کمینہ دشمن سونہ عبرت بن کر رہ جاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایاز مزید دس منٹ بعد پہنچا تھا۔ وقت نہیں تھا اس لیے ہم نے عجلت میں ساز و سامان اس کی جیپ میں منتقل کیا۔ اس میں سب سے اہم فاضلی تھا اور پھر اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔ جب ہم جا رہے تھے تو وہ وین ورکشاپ کے اندر لے جا رہا تھا یہ خیال تو بعد میں آیا کہ وہ واپس کیسے جائے گا۔ میں نے کہا تو وسیم نے جواب دیا۔ ''فکر نہ کریں اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہوگا۔''

○.....❖.....○

ہم واپس فارم پہنچے تو دو بج رہے تھے اور ہم بہت بڑی کامیابی حاصل کر کے آئے تھے۔ فاضلی کو عقب میں موجود ملازمین کے لیے مخصوص ایک کمرے میں ڈالا گیا۔ اس کا دروازہ مضبوط لکڑی کا تھا اور کھڑکی پر لوہے کی سلاخیں تھیں اس کے باوجود ایک آدمی کو وہاں لگا دیا۔ سفیر سو گیا تھا اور خراٹے لے رہا تھا۔ میں جوتے اتار کر لیٹ گیا۔ مشکل سے دو گھنٹے پہلے ہم صرف نگرانی کا سوچ کر نکلے تھے۔ اس وقت میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے ہاتھ فاضلی اتنی آسانی سے آجائے گا جسے اٹھانے کا صرف یہ سوچ کر منع کیا تھا کہ وہ شدید مزاحمت کرے گا اور میں اپنے مزید کسی ساتھی کا نقصان نہیں چاہتا تھا۔ بیتو کی موت نے مجھے اس حوالے سے حساس کر دیا تھا لیکن فاضلی کے ہاتھ آنے سے مجھ لگ رہا تھا جیسے قدرت کی طرف سے میری مشکلات کے خاتمے کا وقت آ گیا تھا۔ میرے دشمنوں کا برا وقت شروع ہو گیا تھا۔

کچھ عرصے پہلے اکرم چشتی جیسے موذی سے نجات ملی تھی۔ وہ زندہ تھا مگر سانپ سے کیچوا بن گیا تھا۔ پھر کنور خاندان کا خاتمہ ہوا۔ ان کے ساتھ رامن اور منشی دل جی جیسے ذیلی دشمن مارے گئے۔ اب فاضلی ہاتھ آیا تھا۔ زندگی و موت اللہ کے ہاتھ میں تھی لیکن عزم یہی تھا کہ اس موذی کو صحیح سلامت نہیں چھوڑنا ہے کہ یہ سلسلہ دشمنی کو آگے بڑھا سکے۔ مگر اس سے پہلے اس سے معلومات حاصل کرنی تھی۔ ایک بار پہلے بھی وہ ہاتھ آیا تھا اور ہم نے اسے ہیروئن کا عادی بنا کر اس کی زبان کھلوائی تھی۔ نشے کی طلب میں وہ ہماری ہر بات ماننے کو تیار ہو گیا۔ ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ اب بھی اس پر یہی حربہ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اچانک مجھے خیال آیا کہ اس حادثے کی خبر شاید ٹی وی پر آ گئی ہو۔ میں اٹھ کر لاؤنج میں آیا ٹی وی لگا کر مختلف چینل دیکھنے لگا مگر کہیں خبر نہیں تھی۔ میں وہیں صوفے پر نیم دراز ہو گیا اور وقفے وقفے سے چینل گھماتا رہا۔ پتا نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔ رات کسی وقت سادی باہر آئی تو اس نے ریموٹ لے کر ٹی وی آف کیا اور میرے پاؤں اوپر کیے تھے۔ صبح اٹھا تو صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ کچن سے سفیر اور وسیم کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وسیم سفیر کو رات کے مشن کے بارے میں بتا رہا تھا۔ عبداللہ کو ہم رات کو ہی بتا چکے تھے۔ وہ جاگ رہا تھا اور اس وقت فاضلی کی نگرانی وہی کر رہا تھا۔

میں باتھ روم سے فریش ہو کر آیا تو سادی ناشتہ لگا رہی تھی۔ انڈوں کے خاگینے کے ساتھ پراٹھے تھے۔ وسیم اور سفیر میں کھانے کا مقابلہ جاری تھا۔ میں نے ناشتے کے دنگل میں شامل ہوتے ہوئے عبداللہ اور مانی کے بارے میں پوچھا۔ وسیم نے کہا۔ ''عبداللہ اور دوسرے صبح ہی ناشتہ کر چکے ہیں۔ مانی سو رہا ہے۔''

''شکر ہے ورنہ اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ہے کھانے میں۔'' سفیر نے کہا۔

''سوائے بیتو کے۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیتو کا ذکر آیا تو سب کے سب سنجیدہ ہو گئے۔ میں نے کہا۔ ''یار وہ صرف ہمارے آنسوؤں کا حقدار تو نہیں ہے اسے ہماری مسکراہٹیں اور ہنسی بھی تو چاہیے ہوگی۔''

سادی مسکرائی اور آنکھیں صاف کیں۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بیتو سے ہمارا تعلق عام نہیں ہے۔''

اس کے بعد ہم نارمل ہو گئے۔ میں نے پوچھا۔ ''رات کے واقعے کی میڈیا پر کوئی خبر آئی ہے؟''

''بالکل لیکن سرسری سی۔ اس کے مطابق سڑک کے ایک حادثے میں ایک سفارت خانے سے تعلق رکھنے والے دو افراد زخمی ہوئے ہیں۔ انہیں اسپتال سے متعلقہ سفارت خانے والے لے گئے ہیں۔''

''اتنی فائرنگ ہوئی اور ٹرک جس کا ٹائر گولی سے برسٹ ہوا تھا اس کا کوئی ذکر نہیں ہے؟''

میرے سوال پر سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بالکل بھی نہیں۔''

''خیر ایسا تو ہوتا ہے غیر ملکیوں کے بارے میں میڈیا کی زبان پر بھی تالے لگ جاتے ہیں۔ یہ اچھا ہوا کہ کوئی مرا نہیں۔''

مانی سونگھتا ہوا کچن میں آ گیا۔ ''اُف..... مجھے بھوک لگی ہے۔ یہاں پراٹھے اور انڈے چل رہے ہیں۔''

''بیٹا تمہیں بھوک کب نہیں لگی ہوتی ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''مجھے تو لگتا ہے معدے کے علاوہ تمہارے تمام اعضائے رئیسہ اور غیر رئیسہ بھی خوراک ہضم کرنے کا کام کرتے ہیں۔''

''آپ بولتے رہا کریں۔'' مانی نے اس کے سامنے رکھا ہوا پراٹھا اٹھا لیا۔ ''میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔''

''تمہاری صحت پر تو کھانے اور محبت کا اثر بھی نہیں پڑتا۔'' سفیر نے چھیڑا۔ ''سنا ہے لڑکی نے انکار کر دیا ہے کہ بچے سے شادی نہیں کرنی ہے۔''

اس بار مانی جھینپ گیا۔ ''ایسی بات نہیں ہے وہ مان گئی ہے۔''

''سچ میں۔'' سادی نے پراٹھا پلٹتے ہوئے کہا۔ ''جب تک میں تھی تب تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔''

''ابھی بات ہوئی ہے اس سے۔'' مانی نے انکشاف کیا۔ ''اب آپ سب نے میری اور شازیہ کی شادی کرانی ہے۔''

''اس کے بعد تم کیا کرو گے؟'' سفیر نے پوچھا۔ ''میرا مطلب دیگر است ہے۔ شادی کے بعد ہونے والے کاموں کے علاوہ۔''

''میرا ارادہ اپلائی آئی ٹی فرم کھولنے کا ہے۔'' مانی نے کہا۔ ''اب اس پر یہاں بھی بہت کام ہو رہا ہے۔ لاہور میں ایک بندہ ہے اس نے کچھ عرصے پہلے فرم کھولی تھی مگر اسے کام کے بندے نہیں ملے۔ کچھ دن پہلے میری اس سے بات ہوئی ہے وہ مجھے پارٹنر بنانے پر راضی ہے۔''

''پارٹنر شپ میں جھنجھٹ بہت ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم اپنا کام کیوں نہیں کرتے؟''

''اس کے لیے اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہے۔ وہ میرے پاس نہیں ہے۔ پاپا دے سکتے ہیں مگر وہ دیں گے نہیں، وہ تو مجھے پکڑ کر سول سروس میں جھونک دیں گے۔''

''رہنے دے یار اس ملک اور قوم کا بیڑا غرق تیرے پاپا جیسے بیوروکریٹس نے کیا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم آ گئے تو مزید بیڑا غرق ہوگا۔''

''میں متفق ہوں۔'' مانی نے اگلا گرم گرم پراٹھا توڑتے ہوئے کہا۔ ''مگر مسئلہ میرے پاپا کا نہیں ہے سول سروس کی تربیت ہی اس طرح کی جاتی ہے۔ آدمی کیسا ہی ہو وہاں سے ایک مخصوص سانچے میں ڈھل کر نکلتا ہے اور ہر ایک مشین کا پرزہ بن جاتا ہے۔''

''مانی ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے کہا اور پوچھا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم اپنا بزنس اسٹیبلش کرنا چاہو تو کتنی رقم درکار ہوگی کہ تم ہائی فائی اپنا بزنس چلا سکو۔''

''کم سے کم بیس سے پچیس لاکھ روپے۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''دس لاکھ میں جمع کر چکا ہوں۔''

''وہ کیسے تم جاب تو کرتے نہیں ہو؟'' سفیر نے اعتراض کیا۔ ''سارا دن کھاتے ہو، کمپیوٹر پر گیم کھیلتے ہو یا سوتے ہو۔''

''میں رات بارہ سے صبح چار پانچ بجے تک کام کرتا ہوں۔ اس دوران میں آرام سے چالیس پچاس ڈالرز کما لیتا ہوں۔''

ہم حیران ہوئے تھے میں نے کہا۔ ''یعنی فی گھنٹہ دس ڈالرز؟''

''ہاں بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں انٹرنیٹ کے ذریعے آئی ٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹھیکے لیتا ہوں۔ کام کر کے دیتا ہوں اور مجھے پے پال اکاؤنٹ کے ذریعے رقم مل جاتی ہے۔''

''یعنی تم اپنا کام کرو گے تو اس سے زیادہ کماؤ گے۔''

''بہت زیادہ..... اب تو پاکستانی آئی ٹی فرمز بھی تیزی سے آگے آ رہی ہیں۔ حکومت کیا سپورٹ کرے گی اسے تو خود سپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم اپنے ٹیلنٹ کے بل پر آگے جا رہے ہیں۔ میں نے ایک گروپ بھی بنا لیا ہے ہم اسی طرح گھروں پر کام کرتے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک چیتا بندہ ہے۔ ایک انیس سال کا لڑکا ہے۔ اس کا باپ شیخوپورہ میں آڑھتی کا کام کرتا ہے۔ میٹرک تک پڑھا پھر باپ نے کام پر لگا لیا وہاں اس نے کمپیوٹر استعمال کیا اور پھر اس لائن میں اتنا ماہر ہو گیا کہ باہر سے پڑھا ہوا سافٹ ویئر انجینئر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔''

''پچیس لاکھ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم فرم کے لیے کام شروع کرو۔''

''رقم ہم دیں گے۔'' سفیر نے کہا۔ مانی نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ادھار کا قائل نہیں ہوں۔''

''ہم ادھار نہیں دے رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ پارٹنر شپ کر رہے ہیں، آخر تم ایسے شخص سے بھی تو پارٹنر شپ پر راضی ہو گئے جسے چار دن سے زیادہ نہیں جانتے ہو۔''

میری بات پر مانی سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے کہا۔ ''آپ کی بات سمجھ میں آ رہی ہے مگر آپ لوگ اس طرح بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں بزنس کہاں سے کریں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بزنس تم کرو گے اور تمہارا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' سفیر نے کہا۔ ''تم رقم لے کر لاہور جاؤ اور وہاں اپنا سیٹ اَپ قائم کرو۔ جس گروپ کی بات کر رہے ہو اسے ہائر کرو اور کام شروع کر دو۔ میرا اندازہ ہے تمہیں بزنس سیٹ کرنے میں چھ مہینے سال سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اللہ نے چاہا تو تب تک ہم بھی اپنے مسئلے نمٹا لیں گے۔''

''اس سے زیادہ کی ضرورت پڑے تو وہ بھی دے سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''بنیادی طور پر ہم کاروباری لوگ ہیں، یہ تو بلاوجہ کے دشمن پیچھے پڑ گئے۔''

''تب ٹھیک ہے۔'' مانی خوش ہو گیا۔ ''میں آج سے ہی تیاری شروع کرتا ہوں۔''

''بالکل اگر تم لاہور جانا چاہو تو جلد از جلد روانہ ہو جاؤ۔''

''آپ کے کام کا کیا ہوگا؟''

''لاہور زیادہ دور نہیں ہے اور تمہارا کام تو ایک آدھ دن کا ہوتا ہے باقی ہم سب دیکھ لیتے ہیں ضرورت پڑی تو تمہیں بلا لیا کریں گے۔''

''یہ بھی بزنس کا حصہ ہوگا۔'' سفیر نے لقمہ دیا۔ ''تمہیں اوائیگی کریں گے۔''

''آپ نا ہمیشہ دل دکھانے والی بات کیا کریں۔'' مانی نے خفگی سے کہا۔ ''آپ لوگوں سے کیا بزنس کا تعلق ہے، کوئی اور ہوتا تو میں بہت پہلے خدا حافظ کہہ چکا ہوتا، یوں آپ لوگوں کے ساتھ دھکے کھا رہا ہوتا اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر پھر رہا ہوتا۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے سفیر کو گھورا۔ ''یہ کوئی ملازم نہیں ہے جسے ہم معاوضہ دیں۔ یہ ہمارا ساتھی ہے۔''

''میں ہر وقت حاضر ہوں۔ جب آپ بلائیں گے میں سب چھوڑ کر آؤں گا۔''

''بس تو تم جانے کی تیاری کرو۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''آؤ ذرا فاضلی سے ملاقات ہو جائے۔''

میں، سفیر اور وسیم پہنچے تو عبداللہ کوٹھری کے باہر کرسی ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔ وسیم نے پوچھا۔ ''پنچھی کیسا ہے؟''

''کچھ دیر پہلے تک پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اب سکون سے ہے۔'' عبداللہ مسکرایا اور تالا کھول دیا۔ اس نے صرف کنڈی لگانے پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ اندر فاضلی ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور اس کے منہ اور ناک سے خون نکلا ہوا تھا۔ جسے اس نے اپنے کوٹ کی آستین سے صاف کر کے اس کا ستیاناس کر لیا تھا۔ اس نے خونی نظروں سے مجھے دیکھا اور غرا کر بولا۔ ''شہباز یہ تم نے اچھا نہیں کیا..... دشمنی کا جو باب میں نے بند کر دیا تھا وہ تم نے پھر سے کھول دیا ہے۔''

''نہیں میں اسے ہمیشہ کے لیے بند کر رہا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے بہت عرصے تک امن کی پالیسی پر عمل کر کے دیکھ لیا لیکن میرے دشمن اس کے قائل نہیں ہیں اس لیے اب میں نے پالیسی بدل دی ہے۔ تمہیں پتا چل گیا ہوگا کہ میں سرحد پار کیا کر کے آیا ہوں۔ میں نے وہاں اپنے تمام دشمنوں کا نام و نشان مٹا دیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نہیں جانتا۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''میں نہیں جانتا کہ تم کیا کر کے آئے ہو اور واپس آ گئے ہو کیونکہ اب میں نے تمہارے راستے میں نہ آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔''

''فاضلی تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ کیا تم اس کوٹھی میں جس شخص سے ملنے گئے تھے اس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟''

وہ چونکا۔ ''تم اس کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟''

''میں بہت کچھ جانتا ہوں جب میں تمہیں اٹھا کر لے جا رہا تھا تو ایک گاڑی نے ہمارا پیچھا کیا تھا۔''

''افسوس کہ گاڑی تباہ ہوئی اور پیچھا کرنے والے اسپتال پہنچ گئے جہاں سے ان کے لواحقین انہیں لے گئے۔'' وسیم نے کہا تو میں نے سفارت خانے کا نام لیا۔

''اب کیا کہتے ہو؟''

''میں کسی غیر ملکی سے ملنے نہیں گیا تھا۔'' فاضلی نے ڈھٹائی سے کہا۔

''میں نے کب کسی غیر ملکی کا کہا ہے۔'' میں ہنسا۔ ''خیر تم سچ مت بولو مگر ابھی تم ہمارے پاس ہو اور جلد وہ وقت آئے گا جب تم سچ بولنے کے لیے بے تاب ہو جاؤ گے اور ہمیں سننے کی جلدی نہیں ہوگی۔''

''شہباز اب بھی وقت ہے مجھے جانے دو۔'' اس نے کہا۔ ''میں سب بھول جاؤں گا یقین کرو میں اس وقت تمہارے لیے ہی کام کر رہا ہوں۔''

''اگر تمہارا اشارہ مرشد سے تمہاری دشمنی کی طرف ہے تو تم نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ میں وہ شخص نہیں ہوں جو دوسروں کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلائے۔ میں مرشد سے نمٹتا آیا ہوں اور آگے بھی اس سے نمٹ لوں گا۔''

اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا۔ ''تو تم نہیں مانو گے؟''

''میری نہیں اپنے ماننے یا نہ ماننے کی فکر کرو کیونکہ جسمانی طور پر اس کا تم پر بہت برا اثر پڑنے والا ہے۔''

''شہباز تم حوصلہ مند دشمن ہو لیکن میں بھی بزدل نہیں ہوں۔ اگر تم پہلے والا حربہ استعمال نہ کرو تو تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔''

''اگر یہ چیلنج ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں۔ دیکھتے ہیں کون کامیاب رہتا ہے۔'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ کوٹھری میں گرمی شدید تھی کیونکہ وہاں اے سی تو کیا پنکھا تک نہیں تھا۔ درحقیقت یہ کمرا بالکل خالی تھا اور پکے فرش پر سوائے خاک کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''ابھی اس کا کھانا پانی بند رکھو دیکھتے ہیں کہ کب تک برداشت کرتا ہے۔''

ہم اندر آئے۔ ابھی صبح کا آغاز تھا اور نو بجے ہی گرمی شدت اختیار کر گئی تھی۔ جب میں معمول کی زندگی گزار رہا تھا تو میرا گرمیوں کا اکثر وقت شمالی علاقے میں گزرتا تھا۔ اس وقت یہ جگہیں جنت بنی ہوتی ہیں۔ بلکہ بلند جگہوں پر تو جون جولائی اور اگست میں بھی کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہوتی ہے۔ گلیشیرز پر درجہ حرارت منفی میں ہوتا ہے اور ہائیکرز سردی سے بچاؤ کے سامان اور لباس کے بغیر وہاں نہیں جا سکتے تھے۔ ایک بار میں کنکورڈیا گیا تھا جو کے ٹو کا اور کئی دوسری بلند چوٹیوں کا بیس کیمپ ہے۔ وہاں انیس جون کے دن درجہ حرارت منفی سات تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برف باری ہو رہی تھی۔ اسے دنیا کا بلند ترین میس کیمپ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

اندر سادی ناشتے کے بعد اب دوپہر کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ یہ وہ گوشت پلاؤ کے ساتھ شامی کباب بنا رہی تھی۔ سامان سفیر نے صبح سویرے ایک رائڈر سے منگوالیا تھا۔ کباب کے ساتھ روغنی نان ہوتے۔ میں نے کہا۔ ''یار اسے آتے ہی کس چکر میں ڈال دیا ہے۔''

''خود اسے شوق ہو رہا ہے۔'' وسیم نے شانے اچکائے۔

''میں چاہتا ہوں اسے ایک دو دن میں حویلی بھیج دوں اس حالت میں جب کہ ہمیں کسی وقت بھی یہاں سے بھاگنا پڑ سکتا ہے سادی کو ہم ساتھ نہیں رکھ سکتے۔''

''میں سمجھتا ہوں اور کل سے اسے سمجھا بھی رہا ہوں۔'' وسیم نے دبی زبان میں کہا۔ ''مگر یہ سن کر رونے دھونے لگتی ہے۔ پھر میری ہمت جواب دے جاتی ہے۔''

''یار وہ بہت دنوں بعد تم سے ملی ہے لیکن تم جانتے ہو یہاں خطرہ ہے اور پھر سوال تمہارے ہونے والے بچے کا ہے اسے پُر امن ماحول چاہیے اس دنیا میں آنے کے لیے۔''

''ٹھیک ہے آج میں فیصلہ کن بات کرتا ہوں۔'' وسیم نے کسی قدر بہادر بن کر کہا۔ ''اسے ماننا پڑے گی جذباتی پن سے کام نہیں چلے گا۔''

''شاباش۔'' میں نے ہمت بندھائی۔ ''ہمت کر یار۔''

''کس بات کی ہمت۔'' سادی نے اچانک ہی لاؤنج میں انٹری دی۔

''بی بی تمہارے کان بہت تیز ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اپنے مطلب کی باتیں سن لیتی ہوں یقیناً میرے بارے میں ارشاد ہو گا کچھ..... تبھی انہیں ہمت دلائی جا رہی ہے۔'' اس نے ترچھی نظروں سے وسیم کو دیکھا تو اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''شہباز صاحب مجھے فاضلی کے معاملے میں ہمت کرنے کو کہہ رہے ہیں۔''

''اس میں ہمت کہاں سے آ گئی؟'' سادی نے طنز کیا اور واپس چلی گئی۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا تو وسیم کھسیا گیا۔ سفیر یہاں نہیں تھا وہ عبداللہ کے پاس رک گیا تھا ورنہ وسیم کی مزید شامت آتی۔ دوپہر کے کھانے میں سب موجود تھے۔ سادی نے خاصی مقدار میں بنایا تھا اور میز پر چھج بجا کر اعلان کر دیا تھا کہ یہ رات تک کا ہے اس لیے چاہیں تو ابھی کھالیں ورنہ رات کا بچا کر کھائیں۔ مگر پلاؤ اور کباب اتنے مزے کے تھے کہ سب نے رات کا خیال دل کیا معدے سے بھی نکال دیا تھا۔ میں اور وسیم جلد ہار مان گئے۔ مگر سفیر، عبداللہ اور مانی میں کانٹے کا مقابلہ ہوا جو بالآخر مانی نے جیتا اور فاتحانہ انداز میں ہم سب کو دیکھتا ہوا رخصت ہوا تھا۔ اب چائے کافی کی گنجائش بھی نہیں رہی تھی۔ میں رات کو ٹھیک سے نہیں سویا تھا پھر کھانے کا خمار الگ تھا۔ اس لیے کمرے میں جا کر جو بیڈ پر لیٹا تو پھر ہوش نہیں رہا تھا۔ شام کو سفیر نے منہ پر ٹھنڈا پانی ڈالا اور میں ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ پھر بھنا کر کہا۔

''یہ کیا حرکت تھی؟''

''مونا صبح مجھے اسی طرح اٹھاتی ہے۔'' اس نے سکون سے کہا۔ ''طریقہ واہیات ہے لیکن آنکھیں فوراً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھل جاتی ہیں جو دوسری صورت میں اٹھنے کے آدھے گھنٹے بعد کھلتی ہیں۔''

''تُو اسی لائق ہے کہ مونا جیسی کسی بیوی کا شوہر ہو اور سلاتی کیسے ہے سر پر بیلن مار کر؟'' میں نے اٹھ کر واش روم جاتے ہوئے کہا۔ نہا دھو کر باہر آیا تو لان میں ٹی پارٹی چل رہی تھی۔ ایاز بھی آیا تھا۔ وہ فاضلی کے دیدار کا شائق تھا۔ پچھلی بار اس سے زیادہ ملاقات نہیں رہی تھی۔ عبداللہ اسے فاضلی سے ملوا لایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''شہباز صاحب..... یہ اللہ کی مہربانی ہے جو اس جیسا اتھرا جانور آسانی سے ہاتھ آ گیا۔ اب پہلی فرصت میں اس کا جھٹکا کر دیں۔ حلال تو یہ کسی صورت نہیں ہوگا۔''

''کرنا جھٹکا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن پہلے اس کی زبان کھلوانی ہے۔''

عبداللہ نے اسے آگاہ کیا۔ ''اس نے شہباز صاحب کو چیلنج دیا ہے کہ فاؤل پلے کے بغیر اس کی زبان کھلوا کر دکھائیں۔''

''فاؤل پلے؟'' ایاز نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''پچھلی بار اسے ہیروئن کا عادی بنا دیا تھا اور مجبوراً اسے زبان کھولنا پڑی تھی۔''

''اس وقت بھی اس نے ساری بات نہیں بتائی تھی اور اس کی قوتِ ارادی یقیناً مضبوط ہے تبھی اس نے ہیروئن جیسے موذی نشے سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔''

''ہم اس کی زبان کھلوا کر کیا کر لیں گے۔'' ایاز نے کہا۔ ''ہمیں تقریباً سب تو معلوم ہے۔''

''کل رات یہ کس سے ملنے گیا تھا یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے شبہ ہے اس مکان میں ڈیوڈ شامو موجود تھا اور جب ہم فاضلی کو لے کر آ رہے تھے تو اس کے گرگے ہمارے پیچھے آئے تھے اور وہ ایسی بلٹ پروف کار میں تھے جس کے ٹائروں تک پر گولی کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔''

''پھر شہباز صاحب نے حل نکالا اور ہم پیچھا چھڑانے میں کامیاب رہے۔'' وسیم نے بتایا۔ باقی سب کو علم تھا مگر ایاز کو پتا نہیں تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا۔

''کمال کر دیا..... کیا خیال آیا بروقت۔''

''ہاں بھائی بس اسی کا دماغ کام کا رہ گیا ہے۔'' سفیر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ہمارے دماغ تو فارغ ہو چکے ہیں۔''

''ان کا تو خوب چلتا ہے۔'' سادی نے وسیم کی طرف دیکھا۔

''ہاں لیکن تمہارے کہنے پر۔'' وسیم بولا۔ ''اگر میں اپنی چلاؤں گا تو تم سنو گی نہیں۔''

''اگر آپ یہاں سے جانے کا کہیں گے تو بالکل نہیں سنوں گی۔''

''پلیز سادی۔'' وسیم کا لہجہ تیز ہو گیا اور سادی کی آنکھوں میں نمی نظر آنے لگی تھی۔ میں نے ہاتھ اٹھایا۔

''بھئی یہ میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ تم اکیلے میں نمٹاؤ گے سب کے سامنے نہیں۔''

''آپ اسے اور شہہ دے رہے ہیں۔'' وسیم نے بھنا کر کہا تو سادی کھڑی ہوئی اور پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بھائی تمہیں بھی سب کے سامنے ہی یہ بات کرنی تھی۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔

''سب کیا یہاں کوئی غیر ہے۔''

''پھر بھی میاں بیوی کی آپس کی بات آپس میں رہنی چاہیے۔''

''اس طرح تو وہ کبھی نہیں مانے گی۔''

''کیوں نہیں مانے گی یار شوہر اپنی بیوی سے بات نہ منوا سکے تو اسے شوہر کہنا ہی نہیں چاہیے۔''

''یعنی یہاں سوائے تیرے کوئی شوہر نہیں ہے۔'' سفیر نے دانت نکالے۔ ''کیونکہ وہ تیری بیوی تیرے اشارہ ابرو پر چلتی ہے۔''

''شادی کے بعد یہ چلیں گے۔'' وسیم نے ٹانگ اڑائی۔

''شادی تو میری بھی نہیں ہوئی ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہاں مگر تو جس کے چکر میں ہے وہ تو یہ بات بھی مان کر نہیں دے رہی ہے۔'' سفیر نے کہا تو عبداللہ کھسیا گیا۔

''ایسی بات بھی نہیں ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

آج دن میں شدید گرمی رہی تھی اور اس وقت بھی خاصی گرمی تھی مگر گھاس کو پانی دیا گیا تھا اس لیے اس سے سکون آمیز نمی اٹھ رہی تھی۔ سورج غروب ہونے تک بادل گھر کر آئے تھے اور پھر اچانک ہی بہت تیز بارش ہوئی تھی لیکن ہم اندر نہیں گئے۔ باہر ہی بارش سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ کچھ دیر بعد اندر سے ساوی کی کال آگئی۔ وہ پکوڑے بنا رہی تھی۔ ہم پورچ والے حصے میں آگئے۔ اس نے برآمدے میں میز پر تھال سجا دیا تھا اور اندر سے بنوا کر بھجوا رہی تھی صرف پکوڑے ہی نہیں ساتھ میں چٹنی اور آلو فرائی بھی تھے۔ گرج چمک کے ساتھ برستی بارش میں پکوڑے کھانے کا اپنا ہی مزہ تھا۔ سفیر نے مجھ سے کہا۔ ''اب بول بیٹا اسے واپس بھجوا دے گا تو یہ مزے کہاں سے ہوں گے۔''

''یار یہ مزے بھی ہوں اللہ وہ وقت بھی لائے گا جب سب کی فیملیاں ہوں گی اور ہم ایسے موسم کو ایک ساتھ انجوائے کیا کریں گے۔'' میں نے کہا۔ ساوی اندر سے بھجوا رہی تھی اور ہم کھا رہے تھے کچھ دیر بعد دیکھا تو وسیم غائب تھا۔ میں نے پوچھا۔

''یہ کہاں گیا؟''

''چھت پر جناب۔'' ایاز بولا۔ ''بیگم کے ساتھ بھی تو ساون منانا ہوتا ہے۔''

عبداللہ بھی غائب تھا اور کچھ دیر بعد وہ بالٹی میں آم بھر کر لے آیا تھا۔ انہیں مزید ٹھنڈا کرنے کے لیے بالٹی میں برف بھی ڈالی ہوئی تھی۔ ہم وہیں پورچ میں کرسیاں ڈال کر آموں کا مزہ اٹھاتے رہے۔ آم ایاز لایا تھا۔ عبداللہ وسیم اور ساوی کے لیے اوپر دے آیا۔ دو گھنٹے تک ہم نے بارش کو انجوائے کیا تھا مگر پھر تھک گئے۔ اندر آئے تو ساوی اوپر سے آچکی تھی اس نے کپڑے بدل لیے تھے اور بہت خوش لگ رہی تھی۔ وسیم نے اسے منا لیا تھا۔ ہم نے چائے کافی کا مطالبہ کیا لیکن پہلے اس نے سب کو زبردستی کچی لسی پلائی۔ جب تک ہم کپڑے بدل کر آئے اس نے چائے اور کافی دونوں بنا لیے تھے۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ شہزادی تھی۔ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھی ہل کر پانی بھی نہیں پیا تھا۔ مگر یہاں کیسے صبح سے ہماری خدمت میں لگی تھی۔ اتنا کام اور ایسے سب نمٹانا ایک عورت کے بس کی بات ہے اور سادی عورت بھی تھی۔ دس مرد ایک جگہ ہوں تو وہ جگہ کبھی اتنی رونق والی نہیں ہوسکتی جتنی ایک عورت سے ہوجاتی ہے۔ صرف میرے ہی نہیں سب کے یہ احساسات تھے۔ سفیر تو اتنا جذباتی ہوا کہ ہاتھ پکڑ کر سادی سے اپنی ساری بکواس اور خطاؤں کی معافی چاہی تھی۔

''سفیر بھائی ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، آپ میرے بھائی ہیں میرے دیور ہیں۔ میں آپ کی بہن اور بھابی ہوں۔ رشتے میں نہ سہی عمر میں چھوٹی ہوں۔''

''تم بھی کس کی باتوں میں آرہی ہو۔'' وسیم ہنسا۔ ''کل تک یہ پھر بکواس اور خطائیں کر رہا ہوگا۔''

مجھے اس وقت مزید حیرت ہوئی جب سادی نے ایاز کو جاتے ہوئے ایک ٹفن دیا جس میں اس نے پلاؤ اور کباب ڈالے تھا۔ اس نے پہلے ہی اس کے لیے نکال دیا تھا۔

''ایاز بھائی یہ شاہین اور ماں جی کے لیے ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا کہ یہ آئے گا؟''

''ایاز بھائی کی چھٹی جو یہاں تھی۔'' سادی نے جیپ کی طرف اشارہ کیا تو ایاز جھینپ گیا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو فاضلی کا سن کر آنے کے بے قرار تھا۔''

''میں چھیڑ رہی ہوں ایاز بھائی..... اب کے آئیے گا تو شاہین کو بھی لے کر آئیے گا۔''

''لو جی شروع ہوگئی میل ملاقات کی فرمائشیں۔'' سفیر بولا۔ ''جلد یہاں فاضلی کے والدِ نا ہی گرامی اور اس کے بھی والد گرامی ڈیوڈ شا کی آمد بھی ہوگی۔''

سادی ہنسی۔ ''انہوں نے تو کل تک کا انتظار بھی نہیں کیا ابھی سے شروع ہوگئے۔''

سفیر نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''آج بات کہنے کے لیے کون کل تک کا انتظار کرتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ سادی کا مسئلہ مجھے ہی حل کرنا پڑے گا اس سے پہلے مونا اور اسے حویلی بھیجنے کا ہو رہا تھا تو وسیم اور سفیر کچھ نہیں کر سکے تھے، مجھے ہی زور دے کر یہ کام کروانا پڑا تھا۔ اس بار بھی شاید ایسا ہی کرنا پڑے۔ اب یہ اتفاق تھا کہ اس وقت مونا امید سے تھی مگر اس کی یہ امید ہیلی کاپٹر کریش میں ختم ہوگئی تھی اور اب سادی امید سے تھی۔ میری اور ہم سب کی خواہش تھی کہ وسیم اور سادی کا بچہ خیر خیریت سے دنیا میں آئے۔ لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ سادی حویلی چلی جائے۔ یہاں ہم خطرے میں تھے اور اسے خطرے میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ ایاز کے جانے کے بعد ہم اندر آئے۔ وہ ٹیکسی سے آیا تھا اور اپنی جیپ پر واپس گیا تھا اس نے شناخت کے مسئلے کی وجہ سے بادلِ ناخواستہ اسے فروخت کیا تھا مگر اس کی جدائی برداشت نہ کر سکا اس نے دوبارہ اسے حاصل کر لیا تھا مگر کلر اور کچھ دوسری چیزوں سے اس کا حلیہ بالکل بدل دیا تھا۔ ہم اندر آئے تو میں نے سادی سے کہا۔

''میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

وہ سمجھ گئی تھی۔ ''کہیے؟''

''یہاں نہیں۔'' میں نے کہا اور اسے چھت پر لے آیا۔ بارش تھم جانے کے بعد موسم خوشگوار حد تک ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ اچھی خنک ہوا چل رہی تھی۔ سادی جو چند منٹ پہلے تک بہت خوش تھی اس کا چہرہ اتر گیا تھا اور میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمت نہیں ہو رہی تھی مگر کہنا تو تھا۔ ''گڑیا تم جانتی ہو ہم فی الحال کیسی زندگی گزار رہے ہیں۔''

''مجھے وضاحت مت دیں بس اپنا حکم سنائیں۔''

''یہ حکم نہیں درخواست ہے، تم موقع کی نزاکت کو سمجھو اور پلیز حویلی چلی جاؤ۔ مجھے لگ رہا ہے میں اپنی جدوجہد کے آخری حصے میں ہوں۔ فنا و بقا کی اس جنگ میں کون جیتا ہے اور کون مارا جاتا ہے میں کہہ نہیں سکتا۔ میری تو خواہش ہے تم سب ہی چلے جاؤ۔ اس ملک سے دور نکل جاؤ جب تک میں اپنے دشمنوں سے نمٹ نہ لوں۔ بیٹو کے بعد اب میں اور کوئی نقصان برداشت نہیں کر سکتا اگر ایسا ہوا اور میرے کسی ساتھی کی زندگی پر بن آئی تو میں سرنڈر کر دوں گا خود کو مرشد یا ڈیوڈ شا کے حوالے کر دوں گا۔''

''پلیز ایسا نہ کہیں۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ ''ہم آپ کو نہیں چھوڑ سکتے اور آپ کیوں حکم نہیں دے سکتے آپ ہر طرح کا حق رکھتے ہیں۔ وسیم، سفیر بھائی اور عبداللہ بھائی آپ کا ساتھ چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے اس سے زیادہ آسان تو ان کے لیے مرنا ہوگا۔ اگر وسیم نے آپ کو چھوڑا تو اللہ کی قسم میں ان کو چھوڑ دوں گی۔ شوبی آپ نہیں جانتے آپ میرے لیے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔''

''تب تم جاؤ گی۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں وسیم کا حکم ماننے سے انکار کر سکتی ہوں آپ کا نہیں۔''

میں نے اس کا موڈ بدلنے کے لیے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''بے چارہ مجازی خدا..... پہلے ہی جوتے کی نوک پر رہتا ہے۔''

ساوی جھینپ گئی اور آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔ ''جی نہیں ان کی بھی مانتی ہوں۔ مگر یہ بات نہیں مانی جا رہی تھی جو آپ نے ایک منٹ میں منوالی۔''

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''خدا کی قسم، خود میں بھی تم لوگوں سے دور نہیں رہ سکتا مگر دل پر پتھر رکھ کر تم لوگوں کی بہتری کے لیے دور بھیجنا پڑتا ہے۔ ہم سب کو سب سے زیادہ خیال آنے والے مہمان کا ہے۔''

ساوی شرما گئی۔ اس نے جلدی سے موضوع بدل دیا۔ ''مجھے کب بھیج رہے ہیں؟''

''کل ہی۔'' میں نے کہا۔ ''وسیم تمہیں چھوڑ آئے گا۔''

''ٹھیک ہے میں تیاری کر لوں۔'' اس نے نیچے جاتے ہوئے کہا اور اس کے جاتے ہی وسیم آ گیا۔

''مان گئی۔''

''تمہیں بتایا اس نے؟''

''نہیں۔'' اس نے دانت نکالے۔ ''جس طرح وہ میرے پاس سے منہ بنا کر گئی ہے اس سے مجھے پتا چل گیا۔ آپ کو معلوم ہے بیوی دنیا جہان کی باتوں کے بدلے بے چارے شوہر سے لیتی ہے۔''

''کیونکہ شوہر ہی ان ساری آفتوں کے ذمے دار ہوتے ہیں۔'' سفیر بولا وہ بھی اوپر آ گیا تھا اور کولڈ ڈرنک کے یخ بستہ ٹن لے آیا تھا۔ اس نے ایک ٹن مجھے اور ایک وسیم کو تھمایا۔

''پنچھیوں کا کیا حال ہے؟''

''مزے میں ہیں، عیاشی والا ڈنر کیا اور باقی عیاشی کے لیے اپنے کمرے میں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سفیر کو گھورا۔ ''وہ میاں بیوی ہیں۔''

''تُو نے نکاح نامہ دیکھا ہے کیا؟''

''آدمی کو زبان پر اعتبار کرنا چاہیے جب تک اس کے برعکس ثابت نہ ہو جائے۔''

''شہباز صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''ویسے ہم بہت مہذب اور میز والے بنتے ہیں مگر ان باتوں میں میز بھول جاتے ہیں۔''

''اچھا بابا وہ میاں بیوی ہیں میں نے مان لیا۔'' سفیر نے کہا۔ ''اب بتاؤ ان کا کرنا کیا ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ انہیں ان کی گاڑی دے کر رخصت کر دیتے ہیں۔''

''وہ آگے کہیں پھنسے تو ہمیں بھی پھنسوا دیں گے۔'' سفیر نے خبردار کیا۔ ''اس لیے سوچ سمجھ کر چھوڑنا۔''

''ان کا کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔'' میں نے کہا اور فاضلی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے۔''

''وہی جو ہم نے طے کیا تھا۔'' وسیم چہکا۔ ''میں نے تو اچھے والے سلوشن کی ٹیوب بھی منگوالی ہے۔''

آج سفیر اس کی نگرانی کر رہا تھا میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''اس کا کیا حال ہے سارا دن کھانا پانی بند ہونے سے کچھ فرق پڑا؟''

سفیر کا منہ لٹک گیا۔ ''بہت حرامی ہے ابھی بارش میں اس نے کھڑکی سے لگ کر اوپر برسنے والے پانی سے پیاس بجھالی اور کھانا ابھی مسئلہ نہیں ہے۔''

وسیم نے کہا۔ ''کم سے کم اڑتالیس گھنٹے بعد وہ بلبلائے گا بھوک سے۔''

''اسے کمزور مت سمجھو۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے اتنے سخت جان لوگ کم دیکھے ہیں۔ اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ وہ مرشد جیسے بزدل شخص کی اولاد ہے۔''

''ہمارے پاس بہت وقت ہے۔'' سفیر لاپروائی سے بولا۔ ''دیکھتے ہیں کب تک اپنی اکڑ پر قائم رہتا ہے۔''

بارش کے بعد کچھ دیر ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہی تھیں مگر اب ہوا رک گئی تھی اس کے باوجود خنکی برقرار تھی اور ہم چھت پر اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ یہاں سے کچھ دور واقع فتح جنگ روڈ صاف دکھائی دے رہی تھی اور نصف رات کے قریب وہاں سے اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ وسیم کے آدمی گیٹ اور احاطے میں چوکس تھے۔ سفیر جمائیاں لے رہا تھا وہ سب سے پہلے رخصت ہوا پھر وسیم بھی چلا گیا۔ اب میں اکیلا تھا۔ میں کچھ دیر اور ٹہلنا چاہ رہا تھا۔ پکوڑے اور آم زیادہ ہی کھا لینے سے پیٹ میں کچھ گرانی تھی جو اتنی دیر ٹہلنے سے کم ہوئی تھی۔ مگر ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی میں چاہتا تھا کہ یہ ختم ہو جائے تو میں بھی سونے کے لیے نیچے جاؤں۔ بارہ بجے تک میں نے بہتر محسوس کیا اور نیچے جانے کا ارادہ کیا تھا کہ سڑک کی طرف سے ایک بڑی گاڑی فارم کی طرف آنے والے راستے پر مڑی۔ یہ شاید پرانے ماڈل کی مزدا پک اپ تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹ کے ساتھ اوپر بھی تیز روشنی والی لائٹس لگی تھیں۔ اس کے پیچھے ایک گاڑی اور تھی۔ فارم کی طرف مڑنے کے بعد پک اپ کی رفتار کم ہونے کے بجائے تیز ہوئی تھی اور جب وہ گیٹ سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر رہ گئی تو مجھے خطرے کا احساس ہوا اور میں بھاگ کر پورچ کے اوپر والی چھت تک آیا میں نے چلا کر گیٹ کے گارڈز سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوشیار دو گاڑیاں اس طرف آ رہی ہیں۔''

گارڈز پہلے ہی ہوشیار ہو گئے تھے اور وہ سوراخوں سے باہر دیکھ رہے تھے۔ پک اَپ گیٹ کے نزدیک آ گئی تھی اور اس کی رفتار برقرار تھی۔ پھر گارڈز پلٹ کر بھاگے اور ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ایک دھماکے سے فارم کا گیٹ ٹوٹا اور پک اَپ دندناتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پستول نکال لیا۔ خاور تو بچ کر کوٹھی کی عمارت تک پہنچ گیا تھا مگر اس کا ساتھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ احسان اور اشفاق اوپر کمرے میں تھے۔ وسیم اور سفیر بھی یقیناً سو چکے تھے۔ مانی جاگ رہا تھا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دشمن اندر آ چکا تھا اور ابھی اسے کوٹھی میں گھسنے سے روکنا تھا۔ میں نے مزدا پک اَپ کی ونڈ اسکرین کا نشانہ لے کر تین فائر کیے اور اسکرین بکھر گئی۔ اس کے ساتھ ہی پیچھے آنے والی ذرا عجیب ساخت کی بکتر بند نما گاڑی کے چھت سے مشین گن گولیاں برسانے لگی تھیں۔ اس کا نشانہ میں تھا۔ مشین گن اتنی طاقتور تھی کہ گولیوں نے دیوار کو بھی پار کر لیا تھا اور میں بال بال بچا اگر جھٹکے سے پیچھے نہ گرتا تو یقیناً میں بھی نشانہ بن جاتا۔ مشین گن کی آواز بہت زیادہ نہیں تھی مگر مجھے امید تھی کہ اندر تک پہنچی ہوگی۔ عبداللہ مسلح ہو کر کوٹھری کے سامنے پہرہ دے رہا تھا۔ مگر اس کے پاس بھی پستول تھا۔ بھاری اسلحہ اندر تھا۔ میں نے عجلت میں وسیم کو کال کی اور اس نے فوراً ریسیو کی۔ میں نے اسے خبردار کیا۔

''دو گاڑیاں اندر گھس آئی ہیں۔ پیچھے والی پر بھاری مشین گن ہے۔ کوئی کوٹھی کے سامنے والے حصے میں نہ آئے۔ مشین گن کی گولیاں دیواروں سے گزر رہی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

''چھت پر۔'' میں نے جواب دیا۔ ''سفیر کہاں ہے؟''

''اٹھ گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ہم سامنے والی سمت آ رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے لیکن بہت احتیاط سے۔'' میں نے کہا اور موبائل جیب میں رکھ لیا البتہ کال نہیں کاٹی تھی۔ بکتر بند نما گاڑی سے اس پہلے برسٹ کے بعد دوسرا فائر نہیں ہوا۔ میں نے ایک کونے سے سر نکال کر دیکھا تو مجھے مزدا خالی نظر آئی۔ اس کی ڈرائیونگ یا فرنٹ سیٹ پر کوئی نہیں تھا۔ یہ سنگل کیبن تھی اور اس کے سامنے بہت بھاری فولادی جنگلہ لگا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے یہ گیٹ تباہ کر کے آرام سے اندر آ گئی تھی۔ شاید اسے اسی کام کے لیے آگے رکھا گیا تھا اور اس میں موجود افراد کام کے بعد اتر کر بکتر بند میں چلے گئے تھے۔ اچانک نیچے سے کسی نے بکتر بند پر برسٹ مارا مگر گولیاں اس کی سطح سے اچٹ کر نکل گئیں۔ اس کا رنگ بھی عجیب سا یا ہی مائل نیلا تھا۔ اس برسٹ کا اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔

اس کا مطلب تھا کہ اس کا میٹل بہت ہی سخت تھا۔ ورنہ عام بکتر بند گولیاں روک لیتی ہے مگر گولیاں اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سطح میں ضرور دھنس جاتی ہیں۔ خاص طور سے رائفل کی گولیاں۔ جب کہ اس پر تو اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ آنے والے فاضلی کے لیے آئے تھے اور یقیناً یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے فاضلی کے اغوا کے وقت ہمارا پیچھا کیا تھا وہ بھی ایسی ہی بلٹ پروف گاڑی میں تھے جس پر گولیاں اچٹ رہی تھیں۔ اب مجھے اپنے ساتھیوں کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ میں نے عبداللہ کو کال کی اس نے بھی فوری کال ریسیو کی۔ ''تم کہاں ہو؟''

''پیچھے ہی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''فاضلی کو بھی دیکھ رہا ہوں۔''

میں نے اسے مختصراً آگے کا احوال بتایا۔ اس دوران میں احسان اور اشفاق بھی اٹھ کر آ گئے تھے۔ وہ پوری طرح مسلح تھے۔ میں نے انہیں چھت پر ہی دو جگہ لگا دیا مگر ساتھ ہی خبردار کیا کہ بکتر بند سے مشین گن فائر ہونے کی صورت میں فوری پیچھے ہو جائیں کیونکہ گولیاں دیوار پار کر رہی تھیں۔ میں انہیں لگا کر سیڑھیوں کی طرف آیا تھا کہ ایک گونجتی ہوئی آواز آئی۔ ''شہباز ملک..... تم میری آواز سن رہے ہو؟''

بولنے والا اردو بول رہا تھا صاف لگ رہا تھا کہ یہ اس کی مادری زبان نہیں ہے۔ وہ لہجے سے انگریز یا کسی مغربی ملک کا لگ رہا تھا۔ میں نیچے آیا۔ لاؤنج میں سفیر اور وسیم موجود تھے۔ وسیم نے میرے خدشے کی تصدیق کی۔ ''یہ مجھے وہی لگ رہے ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے کہا۔

''شہباز ملک۔'' باہر سے پھر آواز آئی۔ ''میں تین تک گنوں گا اور اس کے بعد فائر کھول دوں گا۔ یہ دیواریں ان گولیوں کو نہیں روک سکتی ہیں۔ میں صرف فاضلی کو لینے آیا ہوں اور اسے لے کر خاموشی سے چلا جاؤں گا دوسری صورت میں.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''مجھے ان سے بات کرنی ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''نہیں کہیں وہ تمہاری آواز سنتے ہی فائر نہ کھول دیں۔'' سفیر نے تشویش سے کہا۔ ''ہو سکتا ہے وہ تمہاری یہاں موجودگی کی تصدیق چاہتے ہوں۔''

''میرے دشمن اتنے اچھے نہیں ہیں کہ صرف تصدیق کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں۔'' میں نے کہا اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف لپکا کیونکہ اس نے گنتی گننا شروع کر دی تھی میں نے دروازہ کھولا مگر آڑ میں رہتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔ ''اوکے میں ہوں بات کرو۔''

وہ رک گیا پھر اس نے کہا۔ ''شہباز..... ہمیں فاضلی چاہیے۔''

''اگر میں انکار کروں تو؟''

جواب میں بکتر بند اندر آئی اور اس نے مزدا کو دھکیل کر ایک طرف کر دیا۔ ''اس صورت میں یہاں کوئی فرد زندہ نہیں بچے گا۔''

''ٹھیک ہے ہم میں سے کوئی زندہ نہیں بچے گا لیکن فاضلی بھی مارا جائے گا پھر تم کسے لے جاؤ گے۔''

''ہم اس کی لاش لے جائیں گے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ہمیں حکم ہے اسے زندہ یا پھر مردہ ہر حالت میں لے کر آئیں۔''

''مجھے سوچنے کی مہلت دو۔'' میں نے کہا اور پھر عبداللہ کو کال کی۔ وہ بھی یہ گفتگو سن رہا تھا کیونکہ بولنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والا میگا فون استعمال کر رہا تھا اور میں اپنے حلق سے میگا فون کا کام لے رہا تھا۔ میں نے سرگوشی میں پوچھا۔
''یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟''
''پیچھے سے نکل سکتے ہیں مگر سادی بی بی کے لیے بہت مشکل ہوگا۔''
میں گہری سانس لے کر رہ گیا اسی وجہ سے میں سادی یا کسی بھی عورت کو جو ہماری کمزوری بن جائے ساتھ رکھنے کا قائل نہیں تھا۔ دشمن سے ہمیشہ غیر متوقع طور پر سامنا ہوتا تھا۔ ایسے میں کوئی عورت یا جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا وہ ہمارے لیے مسئلہ بن جاتا۔ میں تیزی سے سوچ رہا تھا مگر فی الحال کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ہماری گاڑیاں سامنے کی طرف تھیں اور بغیر گاڑیوں کے ہم فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ مانی اسٹڈی سے جھانک رہا تھا۔ البتہ راشد اور رومانہ اپنے کمرے میں دبکے تھے۔ انہوں نے باہر جھانکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بکتر بند سے مجھے خبردار کیا گیا۔ ''شہباز ملک وقت تیزی سے کم ہو رہا ہے۔ اب تم ایک منٹ کے اندر فیصلہ کر لو۔''
''تمہیں ڈیوڈ شا نے بھیجا ہے میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''
''میں کسی ڈیوڈ شا کو نہیں جانتا۔'' اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔
''تب تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''
''ہمیں نام سے نہیں کام سے مطلب ہے۔'' اس نے چالاکی سے جواب دیا۔ ''ایک منٹ ہو گیا اب تمہارا جواب چاہیے ہاں یا ناں۔''
میں نے گہری سانس لی۔ ''او کے..... لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم فاضلی کو لے کر خاموشی سے چلے جاؤ گے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم فاضلی کو حاصل کر کے فائر کھول دو۔''
''کوئی ضمانت نہیں ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''تمہاری تسلی کے لیے اتنا کر سکتا ہوں کہ ہم بکتر بند فارم ہاؤس کے گیٹ سے باہر لے جاتے ہیں۔ لیکن اس خیال میں مت رہنا کہ پیچھے سے نکل جاؤ گے۔ اس وقت تم چاروں طرف سے گھیرے میں ہو یقین نہیں ہے تو آزما کر دیکھ لو مگر اس صورت میں اپنے نقصان کے خود ذمے دار ہو گے میں نے پہلے ہی خبردار کر دیا ہے۔''
''ٹھیک ہے تم پہلے بکتر بند باہر لے جاؤ۔'' میں نے کہا اور عبداللہ کو کال کی۔ ''فاضلی کو کوٹھری سے نکال لاؤ۔''
بکتر بند واپس گئی اور گیٹ سے باہر نکل کر رک گئی تھی۔ وقت کم تھا اس لیے مجھے فوری فیصلہ کرنا پڑا۔ میرا ہر ساتھی فاضلی سے لاکھوں گنا زیادہ قیمتی تھا۔ اس لیے مجھے فیصلہ کرنے اور اپنی ناک نیچی کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ایک منٹ بعد عبداللہ کچن والے دروازے سے فاضلی کو لے کر آیا۔ اس نے دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہوئے تھے مگر اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ میں نے کہا۔ ''مبارک ہو تمہارے دوسرے والد گرامی کی طرف سے بلاوا آیا ہے انہوں نے بہ نفس نفیس اپنا کمانڈو دستہ بھیجا ہے تمہیں لینے کے لیے۔''
''شہباز میں ایک بار پھر کہوں گا کہ تم بلاوجہ مجھ سے الجھ رہے ہو۔ میں تمہارا ہی کام کر رہا ہوں۔''
''اچھا؟'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''تب مرشد کا کام تمام کر دو میری تمہاری دشمنی ختم ہو جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالآخر یہی ہوگا۔'' اس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ ''میں اپنے ہاتھوں سے اسے جہنم رسید کروں گا مگر اس سے پہلے وہ اپنی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔''

''ڈرامے بازی مت کر۔'' سفیر نے اسے جھڑکا۔ ''تم دونوں باپ بیٹے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔''

''تم مجھے گندی ترین گالی دے لو۔'' فاضلی نے ناگواری سے کہا۔ ''لیکن مرشد کو میرا باپ مت کہو۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔'' سفیر نے اسے ٹیس کیا۔ ''بے شک اس نے تمہاری ماں سے زیادتی کی لیکن بہرحال تم اسی ابلیس کا نطفہ ہو۔''

فاضلی کا چہرہ تاریک ہوگیا تھا اور وہ خاموش رہا جیسے خون کے گھونٹ پی رہا ہو۔ باہر سے آواز آئی۔

''فاضلی کہاں ہے؟''

''یہاں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں اسے باہر بھیج رہا ہوں۔''

فاضلی دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ میں نے اسے روک لیا۔ ''یہ لوگ یہاں تک کیسے آئے؟''

وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ''مجھے کیا پتا..... میں تو خود نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں؟''

''مجھے یقین ہے کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کی مدد سے یہ لوگ یہاں آئے ہیں۔''

''میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔''

''میں نے چیک کیا تھا۔'' وسیم نے کہا۔

میں نے کہا۔ ''تم نے سگنل پکڑنے والے آلے سے چیک کیا ہوگا لیکن آج کل ایسی جدید ترین چپ آگئی ہیں جو نارمل حالت میں کوئی سگنل نہیں دیتی ہیں اس لیے ان کو پکڑا نہیں جا سکتا ہے لیکن جب انہیں باہر سے سگنل دیا جاتا ہے وہ بھی جوابی سگنل دیتی ہیں۔ مجھے یقین ہے اس کے جسم میں ایسی ہی کوئی چپ لگی ہے۔''

''تب ہم نے دیر کر دی ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ورنہ اس کے جسم میں آپریٹ کا نشان تلاش کرنا کون سا مشکل کام تھا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ انجکٹ کی جاتی ہیں بہت مختصر ہوتی ہیں۔''

''فاضلی۔'' باہر سے للکارنے کے انداز میں کہا۔

''مجھے ان کے عزائم اچھے نہیں لگ رہے ہیں۔'' میں نے فاضلی سے کہا۔ ''یہ تمہیں زندہ یا مردہ بہر صورت لینے آئے ہیں۔''

''تم نے اچھا کیا جو مجھے زندہ جانے دے رہے ہو اسی وجہ سے تم بھی زندہ ہو ورنہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ مجھے مردہ بھی لے جانے کے لیے تیار ہو کر آئے ہوں گے۔''

''فاضلی میں ایک سوال کر رہا ہوں اگر تم نے ٹھیک جواب دیا تو ہو سکتا ہے ہماری دشمنی اسی جگہ ختم ہو جائے۔''

''پوچھو؟''

''تم ڈیوڈ شا کے لیے کام کر رہے ہو۔''

''میں انکار کروں گا تو تم یقین نہیں کرو گے اور میں ہاں کہوں گا تو یہ سچ نہیں ہوگا۔'' اس نے مکاری سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دیا۔ ''اس لیے تم اپنے طور پر سمجھنے کے لیے آزاد ہو۔''

''ٹھیک ہے تم نے جواب نہیں دیا اس لیے پیشکش ختم ہوگئی اب تم جا سکتے ہو۔''

فاضلی باہر نکلا اور متوازن قدموں سے گیٹ کی طرف جانے لگا۔ اس کی چال سے پتا نہیں چل رہا تھا کہ چوبیس گھنٹے سے بھوکا اور تھکا ماندا ہے۔ وہ گیٹ سے نکلا تو بکتر بند کا سائیڈ کا دروازہ کھلا اور اس کے اندر جاتے ہی بند ہوگیا۔ پھر بکتر بند کے اوپر لگی مشین گن سے گولیاں برسنے لگیں۔ مگر ان کا نشانہ ہم نہیں بلکہ پورچ میں موجود گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کے ٹائر تھے۔ ایک بھرپور برسٹ نے سب کا بیڑا غرق کر دیا تھا۔ اس وقت ہم افراتفری میں اندر کی طرف بھاگے تھے اور اوپر موجود احسان اور اشفاق نے اسے حملہ سمجھ کر جوابی فائرنگ شروع کر دی تھی۔ ظاہر ہے ان کی جوابی کارروائی کا بکتر بند پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ اپنا کام کر کے بکتر بند ریورس ہوئی اور پھر گھوم کر سڑک کی طرف جانے لگی۔ مزدا پک اپ یہیں رہ گئی تھی۔ فائرنگ رکتے ہی ہم باہر نکلے تھے۔ خاور برآمدے کے ستون کی آڑ میں دبکا ہوا تھا۔ احسان اور اشفاق اوپر سے آگئے تھے۔ احسان نے کہا۔ ''وہ اسلام آباد کی طرف گئے ہیں۔''

وسیم اندر چلا گیا تھا کہ ساوی کو تسلی دے اور یہاں سے روانگی کی تیاری کی جائے۔ ظاہر ہے اب ہم یہاں نہیں رک سکتے تھے۔ فاضلی کا ہمدرد تو نامعلوم تھا مگر خود فاضلی یہ جگہ دیکھ گیا تھا۔ میں اور سفیر گاڑیوں کا معائنہ کر رہے تھے جب کہ عبداللہ باقی تین کے ساتھ چوتھے گارڈ کو تلاش کر رہا تھا۔ اس کا نام شفیق تھا اور وہ ٹوٹے گیٹ کے نیچے دبا ہوا ملا تھا۔ گیٹ وزنی تھا مگر اس کی موت اصل میں مزدا پک اپ کے گرے گیٹ پر چڑھنے سے ہوئی تھی۔ وہ بے چارہ کچل کر رہ گیا تھا۔ اس کی لاش سامنے آتے ہی ماحول جو پہلے ہی ابتر تھا اب دکھی بھی ہوگیا تھا۔ وہ ہمارا ملازم ہی نہیں ساتھی بھی تھا اور اس نے مرتے دم تک ساتھ دیا تھا۔ لاش کی حالت خراب تھی۔ اسے ساتھ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اتنے ہنگامے کے بعد پولیس کا یہاں آنا یقین قرین قیاس تھا۔ اس لیے جلد از جلد یہاں سے چلے جانا ہی مناسب تھا۔ میں نے ایاز کو کال کی اور اسے فوری کسی بڑی گاڑی کے ساتھ اس طرف آنے کو کہا۔

''ہم نکل رہے ہیں تم راستے میں ملنا۔''

خوش قسمتی سے لینڈ کروزر کا صرف ایک ٹائر برسٹ ہوا تھا البتہ راشد اور رومانہ کی نازک اندام گاڑی کا حشر ہوگیا تھا اس کے نہ صرف ٹائر برسٹ تھے بلکہ انجن بھی تباہ ہوگیا تھا۔ چار میں سے دو موٹر سائیکلیں استعمال کے قابل تھیں۔ دو کو یہیں چھوڑ کر جانا تھا۔ ان کی نمبر پلیٹیں جعلی تھیں اور ان کی مدد سے ہمارا سراغ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ احسان اور اشفاق نے پھرتی سے لینڈ کروزر کا ٹائر بدلا۔ اس دوران میں اندر سے سامان لا کر لینڈ کروزر میں بار کیا گیا۔ میں نے مزدا پک اپ کا معائنہ کیا تو اس کے اسٹیرنگ اور بریک ایکسی لیٹر، کلچ اور گیئر کے ساتھ ایک ڈیوائس منسلک نظر آئی ایسا لگ رہا تھا کہ اسے ریموٹ کنٹرول کیا جا رہا تھا۔ تبھی انہوں نے اسے بے دریغ دروازے سے ٹکرا دیا تھا۔ اس کا مقصد ہی دروازہ توڑنا تھا۔ مانی کا موڈ خراب تھا۔ اس نے مجھ سے شکوہ کیا۔

''کس قدر گھٹیا لوگ ہیں ہمیں آئے ایک دن ہی تو ہوا ہے۔''

''بس بھائی ایسے ہی لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میرا تو مشورہ ہے تم بوریا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بستر سمیٹو اور لاہور کی طرف نکل جاؤ۔"

وہ دنگ رہ گیا۔ "ابھی؟"

"ہاں ابھی..... تمہیں کسی ٹیکسی اسٹینڈ پر اتار دیں گے وہاں سے کوئی پرائیویٹ کار لے لینا اور لاہور چلے جانا۔"

مانی اپنا سامان سمیٹنے کے لیے بھاگا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ جو فکس ہو گیا ہے اس کی فکر مت کرے بس اپنا کمپیوٹر والا سامان لے اور یہاں سے نکلے۔ وسیم اور سفیر اسلحہ لاکر گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ عبداللہ، راشد اور رومانہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد مانی اندر سے برآمد ہوا اور تیزی سے میرے پاس آیا۔ "شوبی یہ آپ نے مصیبت یہاں رکھی ہوئی ہے؟"

"کون سی مصیبت..... سفیر کی بات کر رہے ہو؟"

اندر سے آتے سفیر نے سن لیا اور بھنا کر بولا۔ "میں نے کیا کیا ہے۔"

"میں سفیر بھائی کی بات نہیں کر رہا۔" مانی جلدی سے بولا۔ "وہ لڑکی جو اندر ہے۔"

"اندر دو لڑکیاں ہیں بلکہ ان میں سے ایک خاتون ہے۔"

مانی زچ ہو گیا۔ "آپ مذاق کے موڈ میں ہیں۔"

"یار مذاق تم کر رہے ہو اندر موجود تمام افراد کے نام تمہیں معلوم ہیں تو نام لو نا۔"

"میں اس لڑکی رومانہ کی بات کر رہا ہوں۔"

"بظاہر کی طور پر وہ بھی لڑکی نہیں ہے۔"

مانی سچ مچ زچ ہونے لگا۔ "اب آپ سفیر بھائی بن رہے ہیں۔"

اس پر سفیر نے اسلحے کی آخری کھیپ گاڑی میں پٹخ دی اور غرا کر بولا۔ "ہاں سارے زمانے کے کرتوت سفیر بھائی کے سر ڈال دو۔"

"آپ میری بات کیوں نہیں سن رہے؟" مانی نے تقریباً چیختے ہوئے رو دینے والے انداز میں کہا۔

"یار تم سناؤ گے تو میں سنوں گا نا۔"

"یہ میرے بارے میں ہی کچھ سنائے گا۔" سفیر نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ تو مانی نے بال نوچتے ہوئے چلا کر کہا۔

"وہ مرشد کی بیٹی ہے۔"

میں دم بخود رہ گیا تھا اور اندر جاتا سفیر یوں واپس آیا جیسے اسے کسی اسپرنگ نے کھینچ لیا ہو۔ وسیم کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ گیا تھا۔ میں نے مانی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور سرگوشی میں پوچھا۔ "تمہارا مطلب ہے رومانہ مرشد کی بیٹی ہے؟"

"تو اتنی دیر سے آپ کو اور کیا بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔" اس نے خفگی سے کہا اور اندر چلا گیا۔ اب تک ہم نے سوچا نہیں تھا کہ یہاں سے جاتے ہوئے ان کا کیا کرنا ہے۔ مگر امکان یہی تھا کہ ہم انہیں بھی آزاد کرتے اور خود روانہ ہو جاتے مگر مرشد کی بیٹی کو کیسے چھوڑ کر جا سکتے تھے۔ سفیر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ مانی بدمعاشی کر رہا ہے۔''

''وہ ایسا آدمی نہیں ہے جو اس موقع پر مذاق کرے۔'' وسیم نے نفی میں سر ہلایا تو مجھے ہوش آیا اور میں سفیر اور وسیم کو کام جاری رکھنے کا کہہ کر اندر کی طرف لپکا۔ رومانہ اور راشد صوفے پر بیٹھے تھے ان کا سامان بھی ساتھ تھا۔ میں نے جاتے ہی بلا تمہید رومانہ سے پوچھا۔

''تم مرشد علی کی بیٹی ہو؟''

وہ چونکی اور ہراساں ہو کر مجھے دیکھا۔ ''آپ..... آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''میری بات کا جواب دو۔'' میرے لہجے میں ایک اجنبی سی غراہٹ آ گئی۔ اب اس کے ساتھ راشد بھی سہم گیا تھا۔ رومانہ نے سر ہلایا۔

''مرشد علی میرے فادر ہیں۔''

میں نے تسلی کے لیے مرشد علی کے مزید حوالے دیئے اور مکمل اطمینان کر لیا کہ یہ اسی مرشد علی کا ذکر ہے۔ پھر میں نے راشد کی طرف دیکھا۔ ''تم اس کے بھائی ارشد علی کے بیٹے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''جی وہ میرے پاپا ہیں۔''

عبداللہ بھی دم بخود تھا۔ اس لیے جب میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''تم دونوں ہمارے ساتھ چل رہے ہو۔''

تو عبداللہ نے فوراً اپنی گن ان پر تان لی۔ ''بالکل۔''

''انہیں باہر گاڑی میں لے آؤ۔''

بکتر بند کی واپسی کے مشکل سے آدھے گھنٹے بعد ہم بھی وہاں سے نکل آئے تھے۔ اب پولیس آتی اور اس اسٹیٹ ایجنٹ سے نمٹتی جس نے ہمیں فارم کرائے پر دیا تھا۔ اس کے پاس ہمارے نام اور آئی ڈی کارڈز کی کاپیاں تھیں مگر ان سے ہمیں تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فارم سفیر نے لیا تھا مگر جب میں نے اس سے راستے میں پوچھا تو اس نے دانت نکال کر کہا۔

''میں نے اس کے ریکارڈ سے اپنی آئی ڈی کی کاپی ایسی صفائی سے نکالی تھی کہ اسے خبر بھی نہیں ہوئی بعد میں کہہ رہا تھا کہ کہیں گر گئی میں پھر دے دوں۔''

''یہ تُو نے عقل مندی کا کام کیا۔''

''میں ہمیشہ عقل سے کام لیتا ہوں۔''

''جب مونا آس پاس نہیں ہوتی ہے۔'' وسیم نے لقمہ دیا۔ وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ سادی اور رومانہ فرنٹ سیٹ پر ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

''تب ہی تُو غلطی سے بھی کوئی عقل کی بات نہیں کرتا۔'' سفیر نے جواب دیا۔ میں، سفیر اور راشد درمیان والی نشست پر تھے۔ عبداللہ ایک بائیک پر تھا۔ باقی تینوں ظاہر ہے اپنی بائیک پر تھے۔ ابھی ہم نے جی ٹی روڈ کراس کی تھی کہ ایاز کی کال آ گئی۔

''آپ کہاں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی ٹی روڈ پر آ گئے ہیں۔''

''کشمیر ہائی وے پر مت جایئے گا۔ پنڈی کی طرف آئیں میں ویسٹ رج کے پاس ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور وسیم کو پنڈی کی طرف چلنے کو کہا۔

''میں اپنی جیپ لایا ہوں۔'' ایاز نے کہا۔ ''لیکن ہوا کیا ہے؟''

میں نے اسے مختصراً بتایا کہ ہوا کیا تھا۔ فاضلی کے نکل جانے کا سن کر اسے مایوسی ہوئی تھی لیکن جب میں نے اسے مرشد کی بیٹی کے بارے میں بتایا تو وہ دنگ رہ گیا۔ ''مرشد زادی۔'' اس نے کہا۔ ''وہ کہاں سے آپ کے ہاتھ لگی۔''

''یہ اندھیرے میں اندھے کے ہاتھ میں بٹیر آ جانے سے بھی بڑا کیس ہے۔ بالکل اتفاقیہ ہاتھ آئے ہیں دونوں..... خیر سے مرشد کے سن ان لا بھی ہیں جو پہلے ہی بھتیجے کے عہدے پر فائز ہیں۔''

دس منٹ بعد ہم ویسٹ رج کی طرف مڑ گئے۔ ایاز مستقل رابطے میں تھا اور ہمیں بتا رہا تھا کہ وہ کہاں ملے گا۔ اس سے پہلے اس کی جیپ نظر آ گئی۔ وسیم نے لینڈ کروزر اس کی جیپ سے ذرا آگے روکی کیونکہ یہاں سڑک تنگ تھی اور دو گاڑیاں ساتھ کھڑی ہو جاتیں تو تیسری کے گزرنے کی جگہ باقی نہ رہتی۔ ویسے رات کے ایک بجے یہاں سناٹا تھا۔ باقاعدہ ملاقات کا وقت نہیں تھا اس لیے صرف سلام دعا ہوئی۔ سادی، وسیم، راشد اور رومانہ کو مع کچھ اسلحے کے ایاز کی جیپ میں منتقل کیا گیا۔ اگرچہ میں نے وسیم سے کہا نہیں تھا کہ وہ سمجھ گیا کہ سادی اور اسے کیوں بھگوال والی حویلی بھیج رہا ہوں۔ اس نے مجھ سے بغل گیر ہو کر کہا۔ ''میں کل ہی اسے حویلی چھوڑ کر آتا ہوں۔''

سادی بھی سمجھ رہی تھی اس لیے میرے بازو پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ ''میں آپ کے لیے بہت دعا کروں گی۔''

''مجھے تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''اپنا بہت خیال رکھنا۔''

''مجھے افسوس ہے میں نے آپ کو تنگ کیا۔''

''بالکل بھی نہیں۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

وہ سب ایاز کی جیپ پر سوار ہوئے اور ایاز انہیں لے کر روانہ ہو گیا۔ رائڈرز بھی ان کے ساتھ چلے گئے تھے۔ میں، مانی، سفیر اور عبداللہ اسی سڑک سے فیض آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ رات کا وقت تھا اور کسی ٹیکسی کا ملنا مشکل تھا اس لیے مانی کی لاہور روانگی صبح تک کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم لاہور جاتے ہی بنک اکاؤنٹ کھلوا لینا۔ عبداللہ اس میں رقم ٹرانسفر کر دے گا۔ ابھی تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟''

''میرے پاس رقم ہے آپ فکر نہ کریں۔ وہاں لاہور میں میرے کئی دوست ہیں۔ میں آرام سے ایڈجسٹ ہو جاؤں گا۔ ویسے میرا بنک اکاؤنٹ ہے میں کہیں سے بھی آپریٹ کر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تم رابطہ نہیں کرو گے۔ اگر کوئی اہم بات ہو گی تو نیٹ کی مدد سے کال کرو گے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' اس نے کہا

ہم فیض آباد والی کوٹھی پہنچے اور کال بیل کے جواب میں شاہ جی سوتے سے اٹھ کر آیا تھا۔ اس نے گیٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھولا تھا۔ یہاں آتے ہوئے میں نے آس پاس کا جائزہ لیا تھا۔ اگر یہاں کی نگرانی ہو رہی تھی تب بھی میں کسی کو دیکھ نہیں سکا تھا۔ سفیر کسی قدر قنوطی ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''یار دو گھنٹے پہلے ہم کتنے خوش اور مطمئن تھے۔ دشمنوں سے ہماری خوشی دیکھی نہیں جاتی۔ کیسے منٹوں میں سب تتر بتر ہو گئے۔''

''یہی زندگی ہے، نارمل لوگوں کی زندگی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے ذرا دیر کو سکون ملتا ہے اور پھر بھاگ دوڑ کی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔''

''اب کیا کرنا ہے؟'' سفیر نے جماہی لی۔

''مجھے ذرا ڈیوڈ شا سے بات کرنی ہے۔'' میں نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ''میں اسی وجہ سے یہاں آیا ہوں۔''

عبداللہ گاڑی سے اسلحہ نکال رہا تھا۔ مانی نے صبح چلے جانا تھا اس لیے اس نے اپنا سامان گاڑی میں رہنے دیا۔ شاہ جی فٹافٹ چائے بنا لایا تھا۔ فرمائش سفیر نے کی تھی مگر وہ سب کے لیے بنا کر میرے کمرے میں ہی لے آیا۔ شاہ جی کے جانے کے بعد سفیر نے کہا۔ ''اس سارے چکر میں ایک ہی اچھی بات ہوئی ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''مرشد کی بیٹی اور داماد کا ہاتھ آنا بڑی کامیابی ہے لیکن ہم کہہ نہیں سکتے کہ اس سے فائدہ کس طرح اٹھا سکتے ہیں۔''

سفیر نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''اس میں نہ سمجھ میں والی بات کون سی ہے؟..... مرشد کو اطلاع دو کہ اس کی لاڈلی ہمارے پاس ہے۔ اس کے بعد وہ ہمارے اشاروں پر نہ ناچے تو کہنا۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کیا تم مرشد کو نہیں جانتے ہو، وہ صرف اپنی ذات کو اہمیت دینے والا شخص ہے۔ پھر رومانہ نے گھر سے بھاگ کر اس سے بغاوت کی ہے۔ تم نے اس کا خوف نہیں دیکھا جو اسے اپنے باپ سے ہے۔ ایسے میں رومانہ کے حوالے سے کوئی دھمکی مرشد پر کتنا اثر کر سکتی ہے؟''

سفیر نے نفرت سے کہا۔ ''اس بے غیرت کو اپنی عزت کی پروا بھی نہیں ہو گی؟''

''یار یہ اللہ کا کرم ہے کہ ہمارے بدترین دشمن بھی اس حوالے سے ہم پر شک نہیں کر سکتے۔ مرشد کبھی یقین نہیں کرے گا کہ اس کی بیٹی کی عزت کو ہم سے کوئی خطرہ ہو سکتا ہے۔ ہاں ہم اسے قتل کر سکتے ہیں اور غالباً مرشد بھی یہی سوچ رہا ہو گا۔''

سفیر نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''اس لیے اس معاملے میں ٹھنڈا رہ..... وہ دونوں ابھی ہمارے پاس ہیں۔ ہم آرام سے فیصلہ کریں گے کہ انہیں کیسے استعمال کرنا ہے۔''

''چل ٹھیک ہے۔'' سفیر نے چائے کا خالی مگ رکھا اور کھڑا ہو گیا۔ ''میں سونے جا رہا ہوں۔''

''میں بھی سونے کی سوچ رہا ہوں لیکن اگر تُو نے اب مجھے سونا والے اسٹائل میں اٹھایا تو تیری خیر نہیں ہو گی۔''

''نہیں اٹھاؤں گا۔'' سفیر ہنسا۔ ''لیکن طریقہ مزے کا ہے۔''

''تب میں تجھ پر آزماؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں عادی ہو گیا ہوں۔'' سفیر نے جاتے ہوئے کہا۔

میں نے غسل کیا اور کپڑے بدل کر لیٹ گیا۔ گرمی کی وجہ سے لوڈ شیڈنگ عروج پر تھی اور ہر ایک گھنٹے بعد ایک گھنٹے کے لیے لائٹ جا رہی تھی مگر کوٹھی میں موجود آٹو میٹک جنریٹر اس کا ازالہ کر رہا تھا۔ لائٹ جاتے ہی وہ خود بخود اسٹارٹ ہو جاتا تھا اور لائٹ آنے پر خود بخود بند ہو جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے اے سی مسلسل کام کر رہے تھے۔ اس لیے ہم سکون سے سوتے رہے۔ صبح سفیر نے مجھے جگایا لیکن شرافت سے اور مہذب انداز میں بیڈ ٹی پیش کر کے۔ آٹھ بج رہے تھے۔ ہم دو بجے سوئے تھے۔ نیند پوری ہوئی تھی مگر جسم میں کسل مندی تھی۔ میں نے جماہی لی۔ ''اتنی جلدی اٹھا دیا۔''

''کیونکہ جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے۔'' سفیر نے منطقی انداز میں کہا اور مجھے چائے کا مگ تھما دیا۔

''یار سوتے سوتے چائے پی تھی اور اٹھتے ہی پھر چائے۔''

''بیٹے ابھی کافی ہوتی تو تُو خوشی خوشی نوش فرماتا۔''

''کیونکہ کافی شافی ہوتی ہے۔'' میں نے اٹھ کر غسل خانے کا رخ کیا۔ تازہ دم ہو کر واپس آیا۔ چائے نوشی کے دوران سفیر نے آگاہ کیا کہ زبیدہ خانم کیا سریلے پراٹھے پکا رہی ہے۔ میں حیران ہوا۔ ''سریلے پراٹھے؟''

''ایسے سمجھ نہیں آئے گا کھا کر دیکھے گا تو پتا چلے گا۔''

''تُو نے ناشتہ کر لیا؟''

''ہاں تبھی تو بتا رہا ہوں۔''

ہم نیچے آئے جہاں عبداللہ ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھا۔ پراٹھوں کے ساتھ رات کا بنا ہوا آلو قیمہ تھا اور کیا خوب تھا۔ اگرچہ میں ہاتھ کے ذائقے کا قائل نہیں ہوں۔ اگر آپ میں کھانا بنانے کا فن ہے تو باقی کام محنت کا رہ جاتا ہے۔ مگر زبیدہ ان عورتوں میں سے تھی جن کے ہاتھ میں سچ مچ ذائقہ ہوتا ہے وہ جو بھی بناتی تھی خوب بناتی تھی۔ یہ ورقی پراٹھے تھے مہین ہونے کے باوجود ان کی کئی تہیں تھیں۔ سفیر کا لقب درست تھا جو اس نے ان پراٹھوں کو دیا تھا۔ ناشتے کے بعد ہم اوپر والے لاؤنج میں آئے۔ زبیدہ کو تازہ چائے وہیں لانے کو کہا۔ مانی سو رہا تھا وہ جب اٹھتا تو ناشتہ کرتا اور اس کے بعد عبداللہ اسے کسی ٹیکسی میں بٹھا آتا۔ میں نے عبداللہ کو بتایا کہ میں اب خود ڈیوڈ شا کو کال کرنا چاہتا ہوں۔ وہ متفکر ہو گیا سفیر نے بھی اعتراض کیا۔ ''یہ رسکی ہو گا۔''

''رسک تو ہے لیکن ڈیوڈ شا پہلے ہی اس لوکیشن سے واقف ہے۔ اس سے فرق نہیں پڑے گا۔ کل رات بھی اس کے آدمیوں نے ثابت کیا کہ وہ ہمارے درپے نہیں ہے۔''

''آپ کو یقین ہے کہ وہ ڈیوڈ شا کے آدمی تھے؟''

''ننانوے فیصد یقین ہے۔'' میں نے کہا۔

''تُو کیا بات کرے گا؟'' سفیر نے پوچھا۔ ''جب کہ تُو جانتا ہے کہ اس کا کیا مطالبہ ہو گا۔''

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے فاضلی کو کیوں ساتھ ملایا ہے؟''

''آسان سی بات ہے اب مرشد اس کے کام کا نہیں رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں ڈیوڈ شا نے فاضلی کو اس لیے ساتھ ملایا ہے کہ وہ مرشد کے گھر کا بھیدی ہے اور اس سے چھپی نفرت کرتا ہے ڈیوڈ شا نے اسی نفرت کا فائدہ اٹھا کر اسے ساتھ ملایا ہے۔ مرشد نے اس کی دی ہوئی ضمانت کو جوتے کی نوک پر رکھا اور یہ ڈیوڈ شا جیسے شخص کی بہت بڑی توہین تھی۔ اب وہ اس سے مرشد کو سزا دینے کا کام لے رہا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اس کا احسان میرے سر رکھنا چاہے گا۔ جیسا کہ فاضلی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میرا ہی کام کر رہا ہے اور مجھ سے دشمنی کا باب بند کر چکا ہے۔''

''سانپ ڈسنا اور بچھو ڈنک مارنا کبھی نہیں بھولتا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے سفیر کی بات پر سر ہلایا۔ ''کل رات کے واقعے کی کوئی اطلاع آئی؟''

سفیر نے بتایا۔ ''ہاں پولیس نے موقع پر پہنچ کر لاش قبضے میں لے لی ہے۔ عبداللہ نے اس کے گھر والوں کو اطلاع کر دی ہے وہ لاش لینے آ رہے ہیں۔ انہیں پچیس لاکھ روپے بھی دیں گے۔''

''جان کا تو کوئی بدل نہیں ہے لیکن اس کے لواحقین کے لیے یہ رقم بڑا سہارا بن جائے گی۔'' میں نے کہا اور وہ سم نکال کر موبائل میں لگائی جس پر ڈیوڈ شا کی کال آئی تھی جس نمبر سے کال آئی تھی وہ میں نے اسی سم میں محفوظ کر لیا تھا۔ میں نے یہ سوچ کر محفوظ کیا تھا کہ بعد میں کبھی ڈیوڈ شا سے رابطہ کرنا ہو تو میرے پاس کوئی ذریعہ ہو۔ میں نے نمبر ملایا۔ بیل جانے لگی اور چند لمحے بعد کسی نے کال ریسیو کی اور برٹش لہجے میں بولا۔ ''یس ہواز دیئر؟''

''شہباز ملک..... ڈیوڈ شا سے بات کراؤ۔''

اس نے شاید ڈیوڈ شا سے پوچھا اور پھر مجھ سے بولا۔ ''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''لگتا ہے ڈیوڈ شا کو بات نہیں کرنی ہے۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ سفیر اور عبداللہ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے انہیں ڈیوڈ شا کے گرگے سے ہونے والی مختصر گفتگو کا احوال سنایا۔ سفیر نے سر ہلایا۔

''تُو نے ٹھیک کیا، اس کا دماغ کچھ خراب ہو رہا ہے فاضلی کو واپس حاصل کر کے۔''

''کاش آپ نے پہلے ہی دن اس پر اکرم چشتی والا ٹریٹمنٹ کر دیا ہوتا۔'' عبداللہ نے مایوسی سے کہا۔ ''یہ تو زہریلا سانپ دانتوں سمیت آزاد ہو جانے والی بات ہوئی ہے۔''

''وہ پھر ہاتھ آئے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی اسی لمحے موبائل کی بیل بجی۔ میں نے ایک بار مکمل بیل بجنے دی اور جب کال کٹ جانے پر اس نے دوبارہ ملائی تو میں نے کال ریسیو کی اور رکھائی سے بولا۔ ''یس ہواز دیئر؟''

''میں بات کر رہا ہوں۔'' ڈیوڈ شا نے نام لیے بغیر کہا۔

''ڈیوڈ شا۔'' میں نے جان بوجھ کر اس کا نام لیا۔ ''تم غالباً بہت مصروف تھے۔''

''میں دوسری کال پر تھا۔ کہو تم نے کیوں کال کی تھی؟''

میں نے اس کے انداز میں رکھائی محسوس کی تھی۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ فاضلی تمہارے پاس پہنچ گیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون فاضلی.....؟''

''ڈیوڈ شا تمہارے جیسے رتبے کے آدمی کو زیب نہیں دیتا اس طرح جھوٹ بولنا یا پھر میں نے تمہاری حیثیت کا اندازہ ہی غلط لگایا ہے۔ کیا میں وہ تصاویر پیش کروں جن میں تم اپنی کوٹھی کے اوپری لاؤنج میں فاضلی کے ساتھ موجود تھے۔''

وہ ایک لمحے کو چپ ہوا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز تم بلاوجہ الجھ رہے ہو۔ فاضلی سے دور رہو۔ میں اس سے کام لے رہا ہوں۔''

''اب تم مجھ پر احسان جتاؤ گے تم میرا ہی کام کر رہے ہو۔'' میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ''لیکن ڈیوڈ شا تم صرف اپنے ایک معتوب کو سزا دے رہے ہو۔ دوسری بات یہ کہ فاضلی پر میرے کچھ حساب نکلتے ہیں۔ وہ صرف مرشد کی ناجائز اولاد نہیں ہے اس نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو ذاتی نقصانات پہنچائے ہیں جن میں سے بعض ناقابلِ تلافی ہیں۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا اس لیے بہتر ہو گا تم اسے چھوڑ دو۔ اس وقت بھی میں نے اپنے ساتھیوں کی خاطر اسے چھوڑا لیکن اب وہ میرے ہاتھ آیا تو وہی اس کی زندگی کا شاید آخری لمحہ ہو۔''

میں نے آخری جملہ کہتے ہی کال کاٹ دی اور فوراً موبائل بند کر کے سم نکال لی تھی۔ سفیر نے میرے شانے پر ہاتھ مارا۔ ''تُو نے ٹھیک کیا جو اسے جتا دیا کہ ہم بے خبر نہیں ہیں اور ہمارے پاس بھی ذرائع ہیں۔''

''آپ نے کہا ہے کہ اب فاضلی ہاتھ آیا تو اس کا کام تمام کر دیں گے تو کیا.....؟''

''اب سچ میں یہی کرنا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہم نے معلومات کے چکر میں وقت ضائع کیا۔''

''ہم نے نہیں، تُو نے۔'' سفیر نے تصحیح کی۔ ''میں اور وسیم تو پہلے ہی اس کے قائل تھے۔''

''چل یار میں نے..... پر اب مجھے افسوس ہو رہا ہے۔ زندگی میں پہلی بار احساس ہو رہا ہے کہ دشمن کا نہ ہونا بھی کتنے سکون کی بات ہے۔ اب مجھے معلوم ہے کہ سرحد پار میرا کوئی دشمن باقی نہیں ہے۔ اس طرف سے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''بھارتی ایجنسیوں کو تیری تلاش ہے۔''

''وہ دوسری بات ہے ان سے میری ذاتی دشمنی تو نہیں ہے۔''

''پھر بھی آپ کو اس حوالے سے محتاط رہنا چاہیے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''پچھلے کچھ سالوں میں بھارتیوں نے علاقائی حوالے سے بہت پَر پُرزے نکال لیے ہیں اور وہ اب برتری کے ساتھ اپنا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔''

''وہ برتر نہیں ہو گئے ہیں۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''ہم ہی جھک گئے ہیں جب کبھی ہمارے حکمران کرپٹ ہوں گے تو وہ قوم کی ترجمانی کیسے کریں گے؟ وہ سمجھیں گے کہ بین الاقوامی طاقتوں کو خوش کر کے ہی اقتدار میں رہ سکتے ہیں۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میری گزارش پر بھی غور کریں۔ اگر آپ کا کیس بین الاقوامی سطح پر گیا تو آپ کے لیے مشکل ہو جائے گی۔''

''تب میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''اب اگر ڈیوڈ شا آپ سے بات کرے اور مدد مانگے تو آپ اس کے سامنے بھارتیوں سے جان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھڑانے کی شرط بھی رکھ دیجیے گا۔"

"میں اب اسے اتنا قابل نہیں سمجھتا کہ وہ بھارتیوں سے میری جان چھڑا دے۔ وہ مرشد کا مسئلہ حل کر دے یہی بڑی بات ہوگی میرے لیے۔"

"لیکن آپ اس سے بات ضرور کریں۔" عبداللہ نے اصرار کیا۔ "اس صورت میں بھارتیوں سے نہ سہی اس سے آپ کی جان ضرور چھوٹ جائے گی۔"

عبداللہ کی بات قابلِ غور تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے میں سوچوں گا۔"

"آپ میاں ممتاز کو بھی بھول رہے ہیں اس کا کنور خاندان سے کاروباری تعلق تھا اور اسے بھی نقصان ہوا ہوگا۔"

"فی الحال اسے بھول جاؤ وہ سیاستدان ہے اور اس سے الجھنا ہمارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔"

مانی نیچے سے آیا۔ اس نے ناشتہ کر لیا تھا اور اب جانے کے لیے تیار تھا۔ ہم سب اسے چھوڑنے کو جا رہے تھے مگر اس نے منع کر دیا۔ "نہیں میں عبداللہ بھائی کے ساتھ چلا جاؤں گا۔"

میں نے اسے گلے سے لگایا۔ "تم دور جا رہے ہو لیکن یہ مت سمجھنا کہ اکیلے ہو گے، کوئی بھی مسئلہ ہو ہمیں فوراً بتانا۔"

"کیوں نہیں جی۔" اس نے جذباتی ہو کر کہا۔ "اب آپ ہی تو میرے بڑے ہو۔"

"بیٹے اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ کیوں بڑا بنایا جا رہا ہے۔" سفیر نے معنی خیز انداز میں کہا تو مانی جھینپ گیا۔

"آپ کا ذہن تو ہمیشہ یہی سوچتا ہے۔"

"اور درست سوچتا ہے۔" سفیر نے سر ہلایا۔ "لیکن تم فکر مت کرو شازیہ سے تمہاری شادی ضرور ہوگی۔"

"بالکل جب میاں بیوی راضی تو پھر قاضی بھی راضی۔" عبداللہ نے محاورے کا حشر کرتے ہوئے کہا۔ پھر وہ مانی کو لے کر چلا گیا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے وسیم کو کال کی۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟"

"نہیں جناب بہت آرام سے پہنچ گئے تھے۔" وسیم نے کہا۔ "بس نئے پنچھیوں نے تھوڑا ہنگامہ کیا تھا۔ مگر اب سکون سے ہیں۔"

"ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا۔" میں نے کہا۔ "باقی پروگرام کب کا ہے؟"

وسیم سمجھ گیا کہ میں اس پر کھل کر بات نہیں کر رہا اس لیے اس نے جواب دیا۔ "ان شاء اللہ آج ہی نمٹانا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"آپ کی طرف سب سکون ہے؟"

"ہاں باہر والے سے بات ہوئی ہے۔ اس کا موڈ تھوڑا اکھڑا ہوا لگ رہا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں کچھ دن بعد جم جائے گا آج کل گرمی زیادہ ہے نا تو اکھڑ گیا ہوگا۔" وسیم نے ہنس کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ ''لوٹ کر بدھو نے گھر ہی آنا ہوتا ہے۔''

''لیکن وہ بدھو نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔ عبداللہ آدھے گھنٹے بعد واپس آیا تھا اس نے مانی کو ایک پرائیویٹ کار میں بٹھایا تھا۔ وہ اس کے سامنے ہی روانہ ہوگئی تھی۔ اس کے بعد ہم گپ شپ کرتے رہے۔ راشد اور رومانہ کے بارے میں سوچتے رہے۔ پھر ندیم نے رابطہ کیا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنے پیون کے ہاتھ کاغذات بھیج رہا ہے میں متعلقہ جگہوں پر سائن کر دوں۔ ایک گھنٹے بعد اس کا پیون آکر سائن کرا کے لے گیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سفیر حسبِ معمول خواب خرگوش کے مزے لینے لگا۔ کچھ عرصے سے آرام کرنے سے اس کی ہلکی سی توند نکل آئی تھی۔ خوش خوراک وہ ہمیشہ سے تھا۔ اس لیے توند کی وجہ آرام طلبی ہی ہو سکتی تھی۔

○.....❖.....○

عبداللہ کچھ گاڑیوں کے لیے نکلا تھا۔ میں نے لیپ ٹاپ کھولا۔ یہ وائی فائی کی مدد سے پی ٹی سی ایل براڈ بینڈ سے منسلک تھا۔ مجھے خیال آیا کہ مرشد کی درگاہ پر ہونے والی کارروائی کی رپورٹس تو دیکھوں۔ جب میں نے سرچ کیا تو انٹرنیٹ پر مختلف اخبارات اور نیوز سائٹس پر اس کے بارے میں بہت سا مواد نکل آیا۔ میں اسے دیکھنے لگا۔ چند رپورٹرز نے خاصے چشم کشا انکشافات کیے تھے۔ خاص طور سے ظفر شاہ نامی ایک رپورٹر نے بتایا کہ درگاہ میں موجود بارود تجزیے کے بعد کئی بڑی وارداتوں میں ہونے والے دھماکا خیز مواد سے مشابہہ پایا گیا۔ خاص طور سے ایک فوجی بیس پر حملے کا حوالہ تھا۔ اس میں ہمارے فوجی اثاثوں کو خاصا بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی اس انکشاف کے باوجود مرشد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اسے گرفتار کیا گیا تھا۔

پھر ایک چھوٹی سی خبر نے متوجہ کیا۔ یہ آج کے ایک اخبار میں آئی تھی۔ ارشد علی نامی شخص کسی جھگڑے میں زخمی ہونے کے بعد اسپتال لایا گیا تھا۔ اسے ریڑھ کی ہڈی میں گولی لگی تھی اور اس کی حالت تشویشناک تھی۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ مرشد علی کا چچا زاد ارشد علی تو نہیں تھا۔ راشد اسی کا بیٹا تھا اور وہ رومانہ یعنی دختر مرشد کو لے کر فرار ہوا تھا۔ یقیناً مرشد اور ارشد کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور اسی کا نتیجہ ہو سکتا تھا کہ ارشد علی اسپتال پہنچ گیا تھا مگر پہلے اس کی تصدیق ضروری تھی۔ انڈیا لے جائے جانے سے پہلے میری ارشد علی سے بات ہوئی تھی مگر اب اس کا نمبر میرے پاس نہیں تھا البتہ مرشد ہاؤس کے نمبرز تھے میں نے سوچا اور ڈیوڈ شا سے گفتگو والی سم لگا کر مرشد ہاؤس کال کی۔ مرشد کے نستعلیق سیکرٹری نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو کس سے بات کرنی ہے۔''

''تمہارے اور بے شمار دوسرے حرامیوں کے ناجائز باپ مرشد سے۔'' میں نے بے تکلفی سے کہا۔ ''مجھے پہچان تو لیا ہوگا۔ میں بھی تمہاری دلدیت میں شامل ہوں لیکن معنوی لحاظ سے۔''

''تم شہباز ملک ہو۔''

''یہ بھی تمہارے کسی باپ کا نام ہے لیکن فی الحال مجھے صرف مرشد سے دلچسپی ہے۔''

''وہ مصروف ہیں۔'' اس نے بدمزہ ہو کر کہا۔

''ہاں رشتے داروں کا صفایا کرنے میں مصروف ہے۔ نادر کو مار چکا ہے اور اب چچا زاد کو اسپتال پہنچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔"

"اسے غلطی سے چل جانے والی گولی لگی ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں تصدیق کردی۔

"ایک آدھ دن میں اس کی بھی موت واقع ہو جائے گی۔ ایسا لگتا ہے آخر میں یہ خاندان صرف مرشد سے چلے گا مگر کیا اسے یقین ہے کہ وہ جسے اپنی اولاد سمجھتا ہے وہ اسی کی اولاد ہے؟"

"تم فضول باتیں بہت کرتے ہو۔" سیکرٹری نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔

"چلو تم کوئی کام کی بات بتاؤ۔ سنا ہے مرشد کی ناجائز اولاد نمبر ون یعنی فاضلی نے بغاوت کردی ہے۔"

"یہ بھی فضول بکواس ہے۔"

میں اس سے کچھ دیر اور فضول بکواس کرتا رہا اور اس نے تنگ آ کر فون بند کردیا۔ لیکن مجھے وہ بات معلوم ہوگئی تھی جس کے لیے میں نے کال کی تھی۔ میں نے انٹرنیٹ پر ایک بار پھر خبر پڑھی۔ اس میں اسپتال کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ میں نے اس اخبار کا نمبر ویب سائٹ سے لیا اور کال کی۔ دوسری طرف سے آپریٹر نے اٹھایا تو میں نے اسے سٹی ایڈیٹر سے ملانے کو کہا۔ اس قسم کی خبریں سٹی ایڈیٹر ہی دیتے ہیں۔ کچھ دیر بعد سٹی ایڈیٹر لائن پر تھا اور مجھ سے بات کرنے کے بجائے کسی ماتحت پر چلا رہا تھا۔ "یہ تم نے کیا لکھا ہے مجھے نوکری سے نکلواؤ گے..... ہاں جی فرمایئے۔"

میں نے خبر کا حوالہ دیا اور پوچھا۔ "مجھے اسپتال کا معلوم کرنا ہے جہاں ارشد علی داخل ہے۔"

"یہ تو رپورٹر ہی بتا سکتا ہے۔" اس نے کہا اور چلا کر بولا۔ "خرم ادھر آؤ تمہاری کال ہے۔"

چند لمحے بعد رپورٹر خرم لائن پر تھا میں نے اس سے وہی سوال کیا تو اس نے آگے سے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟"

"میں ارشد علی کا کلاس فیلو رہا ہوں کچھ عرصے سے اس سے رابطہ نہیں تھا آج اخبار میں یہ خبر دیکھی تو پتا چلا۔"

"آپ اس کے گھر سے بھی معلوم کر سکتے تھے۔"

"مجھے اس کے گھر کا نمبر نہیں معلوم، میں نے کہا نا رابطہ ہوئے زمانہ ہوگیا ہے۔"

اس بار اس نے مجھے اسپتال کا نام بتا دیا اور ساتھ ہی اطلاع دی۔ "کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔"

میں نے اب عبداللہ کو کال کی۔ ڈیوڈ شاوالی سم میں مرشد ہاؤس کال کرتے ہی نکال چکا تھا اور اب اپنی نارمل سم پر بات کر رہا تھا۔ "تم کہاں ہو؟"

"ایاز کے ساتھ ایک گاڑی دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ کام ایاز پر چھوڑو اور فیض آباد کے پارک تک آجاؤ میں وہیں ملوں گا۔"

"خیریت؟"

"خیریت ہے، ایک اسپتال تک جانا ہے۔" میں نے اسے اسپتال کا بتایا۔ "وہاں مرشد کا چچازاد بھائی ارشد زیر علاج ہے اسے گولی لگی ہے۔ یہ راشد کا باپ ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھ گیا میں بیس منٹ میں آجاؤں گا۔''

تین بجے گرمی شدت کی تھی اور گلیاں دور دور تک سنسان تھیں۔ ایسے میں صرف وہی گھر سے باہر تھے جن کی مجبوری تھی۔ میں نے دھوپ سے بچنے کے لیے پی کیپ اور بڑا سن گلاس لگایا تھا اس سے میری صورت چھپ گئی تھی۔ کسی قدر ڈھیلی ٹی شرٹ تلے ایک اعشاریہ اڑتیس کا پستول تھا اور ایک چھوٹا کولٹ تھا۔ سفیر سو رہا تھا میں شاہ جی کو بتا کر نکلا اور ٹہلتا ہوا پارک کی طرف بڑھا۔ اس طرف جانے کا مقصد یہ اندازہ لگانا تھا کہ کوٹھی کی نگرانی تو نہیں ہو رہی تھی اور فوراً گلی کے کونے پر قلفی کی ریڑھی لگائے شخص نے مجھے متوجہ کیا وہ کہیں سے بھی قلفی بیچنے والا نہیں لگ رہا تھا۔ کسی قدر دبلا کٹا اور صاف رنگ والا شخص تھا۔ جب میں مخالف سمت میں روانہ ہوا تو اس نے فوراً ریڑھی میرے پیچھے لگا دی۔ پھر کسی گھر سے اسے قلفی کے لیے آواز دی گئی تھی مگر وہ اَن سنی کر کے میرے پیچھے آتا رہا۔ میرا شک پختہ ہو گیا کہ وہ میرے ہی پیچھے ہے۔

میں نے اپنی رفتار مزید سُست کر لی۔ میں چاہتا تھا کہ جب پارک پہنچوں تو عبداللہ آ گیا ہو اور ہم فوری روانہ ہو جائیں اور نگرانی کرنے والے ٹاپتے رہ جائیں۔ مگر سُست رفتاری کے باوجود پارک جلد آ گیا اور عبداللہ نہیں آیا تھا۔ میں ایک درخت کے سائے میں بنچ پر جا بیٹھا۔ عبداللہ کی منی پجیرو چند منٹ بعد نمودار ہوئی اور میں اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اس کے رکتے ہی میں سوار ہو گیا اور اس سے کہا۔ ''جلدی نکلو ہماری نگرانی ہو رہی ہے۔''

عبداللہ نے وہیں سے جیپ گھمائی تو میں نے دیکھا قلفی والا شاید موبائل یا واکی ٹاکی پر کسی سے بات کر رہا تھا یقیناً ہمارے بارے میں بتا رہا ہو گا۔ اس کی کال کا نتیجہ ایک گلی سے سفید کار کی صورت میں نکلا اور وہ ہمارے پیچھے لگ گئی۔ قلفی والا مقامی تھا اور کار میں بیٹھے دو افراد بھی مقامی لگ رہے تھے۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''ان سے پیچھا چھڑانا ہو گا تب ہی ہم اسپتال کی طرف جا سکتے ہیں۔''

''کوشش کرتے ہیں۔'' اس نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا لیکن منی پجیرو کا انجن زیادہ طاقتور نہیں ہوتا ہے۔ نئے ماڈلز میں یہ پھر بھی بہتر ہے پرانے ماڈلز میں تو چھ سو سی سی انجن ہوتا تھا۔ اس کی رفتار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ پیچھے آنے والی کار خیبر تھی اور اس کے مقابلے میں زیادہ طاقتور انجن اور پک اَپ رکھتی تھی۔ اب عبداللہ سے کچھ کہنا بے کار تھا اسے یہ گاڑی رکھنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ ہم فیض آباد سے نکل کر مری روڈ پر آئے اور راولپنڈی کی طرف بڑھے۔ پھر عبداللہ نے اچانک ہی جیپ بلال کالونی میں گھما دی۔ یہ متوسط درجے کی لیکن اچھی کالونی تھی جو لوگ اسلام آباد اور فیض آباد جیسی مہنگی جگہوں پر نہیں رہ سکتے تھے وہ بلال کالونی میں رہائش اختیار کرنا پسند کرتے تھے۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''یہاں کہاں گھس رہے ہو یہاں گلیوں میں ان سے پیچھا چھڑا لیں گے کیا؟''

''آپ دیکھیں جناب میں کیا کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا اور جیپ گھما کر کالونی کے پاس لایا۔ اس نے پارک کا ایک چکر لگا۔ جیسے موقع دیکھ رہا ہو۔ پھر اس نے ایک پتلی گلی میں گاڑی گھسا دی۔ یہ تین مرلے والے گھر تھے اور یہاں گلیاں بہت تنگ تھیں۔ ایک گاڑی کھڑی کر دی جاتی تو اس کے بعد جگہ ملنی مشکل تھی۔ اب میں سمجھ گیا کہ عبداللہ کیا چاہ رہا تھا بالآخر ایک گاڑی یوں کھڑی ملی کہ اس کے برابر سے جیپ بہ مشکل گزر سکتی تھی عبداللہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کسی نہ کسی طرح رگڑ کھا کر جیپ گزار لی۔ یہی نہیں اس نے آگے جا کر جیپ روکی اور ریورس میں لا کر اس پراں ٹویوٹا کار کو یوں ٹکر ماری کہ وہ ترچھی ہو کر رہ گئی۔ جیپ کو نقصان ہوا تھا مگر دھماکے نے اندر تک اطلاع پہنچا دی تھی۔ جب تک ہم گلی کے کونے پر پہنچے اور خبر آئی تب تک اہلِ خانہ اندر سے نکل آئے تھے۔ خبر والا چلا رہا تھا کہ انہیں راستہ دیا جائے مگر وہ اپنی گاڑی کے نقصان کا جائزہ لے رہے تھے۔

''کیسا رہا؟'' عبداللہ نے وہاں سے نکل کر پوچھا۔

''شاندار لیکن جیپ کا بیڑا غرق ہو گیا۔''

''اس کی خیر ہے۔'' وہ مری روڈ پر آتے ہوئے بولا۔ ''اصل کام ہو گیا نا۔''

کچھ آگے جا کر اس نے اسٹیڈیم روڈ سے جیپ اسلام آباد کی طرف موڑ لی کیونکہ اسپتال اسلام آباد میں تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''اگر ارشد علی مر گیا تو مرشد کے راستے کا ایک کانٹا اور صاف ہو جائے گا۔''

''مرشد نے دشمنی کو پکا کر لیا ہے۔ ارشد کے تین بھائی اور ہیں اور پھر اس کے بیٹے بھی ہیں۔''

''گویا اسے بہت سے رشتے داروں سے لڑنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے امید ہے اس کے برے دن آ گئے ہیں۔''

''جناب برے دنوں سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' عبداللہ نے دبی زبان میں کہا۔ ''جب تک اس برائی کا خاتمہ نہیں کیا جائے گا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے مرشد جیسے لوگ جیتے جی اپنی فطرت نہیں چھوڑ سکتے، لیکن ہم اسے براہِ راست نشانہ نہیں بنا سکتے۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور مارا جائے۔''

عبداللہ خاموش ہو گیا۔ بیس منٹ بعد ہم اسپتال میں تھے۔ یہاں شعبہ حادثات سے پتا چلا کہ ارشد علی کا آپریشن کر دیا گیا اور گولی نکال لی تھی مگر وہ آئی سی یو میں تھا۔ آئی سی یو میں جانے کی اجازت ویسے ہی نہیں تھی۔ میں نے عبداللہ سے پوچھا۔ ''یہاں ڈاکٹروں اور خاص طور سے سرجنوں والا لباس کہاں ہوتا ہو گا۔''

''ابھی معلوم کرتا ہوں۔'' اس نے کہا اور قریب سے گزرتی ایک کیوٹ سی نوعمر نرس کو روکا۔

''مس ایکسکیوزمی۔ آپ بتا سکتی ہیں کہ سرجن انتظار حسین کہاں ہوں گے؟''

''سرجن انتظار.....'' اس نے سوچا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''سوری میں نہیں جانتی۔''

''انہوں نے کہا تھا کہ وہ لباس تبدیل کرنے والے حصے میں ہوں سرجن لباس کہاں بدلتے ہیں؟''

''آپ اسی راہداری میں چلے جائیں اس کے آخر میں آپریشن ایریا ہے وہیں چینج روم ہے۔''

ہم اس کا شکریہ ادا کر کے اس طرف روانہ ہوئے۔ آئی سی یو کے مقابلے میں آپریشن ایریا میں جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ لباس کی تبدیلی کی جگہ بھی آرام سے مل گئی۔ کمرے کے دروازے پر لکھا تھا۔ میں اور عبداللہ بے تکلفی سے اندر داخل ہوئے۔ وہاں صرف ایک سرجن تھا جو سرجری کا لباس اتار کر اپنا پہن رہا تھا۔ وہاں اسکرینیں لگی تھیں جن کے پیچھے لباس تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے اپنے سائز کے لباس منتخب کیے اور انہیں کپڑوں پر ہی پہن کر آخر میں چہروں پر نقاب بھی لگا لیے۔ میں نے پی کیپ کمر میں اٹکائی تھی اور سن گلاس سر پر تھے۔ اسی ہیئت کذائی میں ہم آئی سی یو کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ کام توقع سے زیادہ آسان ہوا تھا۔ کسی نے نہ تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیک کیا اور نہ روکا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''تم کہیں وقت گزارنا جب تک میں ارشد علی سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''کسی خطرے کی صورت میں آپ کو خبردار کروں گا۔''

آئی سی یو پر تعینات گارڈ نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آرام سے دروازہ کھول دیا۔ کسی سے ارشد علی کے بارے میں پوچھنے کا مطلب تھا کہ میں اپنا بھانڈا آپ پھوڑ دوں۔ اس لیے میں ایسے ہی مختلف کمروں میں جھانک کر دیکھنے لگا اگر مریض کے علاوہ کوئی اور نظر آتا تو میں سوری کر لیتا تھا۔ میں نے آج تک ارشد علی کو نہیں دیکھا تھا مگر مجھے امید تھی کہ اس کے نقوش میں مرشد کی جھلک دکھائی دے گی۔ بالآخر مجھے ایک مریض پر شبہ ہوا۔ وہ سرخ و سفید رنگ کا تقریباً پچپن برس کا شخص تھا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھا اور اس کے نتھنوں سے آکسیجن کی نلکی لگی ہوئی تھی۔ میں خاموشی سے اندر گیا اور اس کے سرہانے رکھا چارٹ اٹھا کر دیکھا اس پر ارشد علی لکھا تھا۔ میں نے مطمئن ہو کر اسے آہستہ سے آواز دی۔ ''ارشد..... آنکھیں کھولو..... تم میری آواز سن رہے ہو۔''

اس نے کوئی ردعمل نہیں دیا مگر میں مستقل مزاجی سے اپنی بات دھیمی آواز میں دہراتا رہا۔ مجھے بارہا تجربہ ہوا تھا کہ بالکل بے ہوش آدمی کا لاشعور بھی بیدار ہوتا ہے اور وہ آوازیں سنتا ہے۔ اگر آوازیں مسلسل آئیں تو وہ شعور کو بیدار کر دیتا ہے۔ اس بار بھی میرا تجربہ کامیاب رہا۔ چند منٹ بعد ارشد علی کی آنکھیں ہلنے لگیں اور پھر اس نے چونکنا شروع کیا۔ بالآخر وہ ہوش میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو ان میں ہلکی سی دھندلاہٹ تھی۔ وہ مسکن دوا کے زیر اثر تھا اس لیے ابھی پوری طرح ہوش میں نہیں آیا تھا اس لیے مجھے مزید پانچ دس منٹ کوشش کرنا پڑی تھی تب کہیں جا کر وہ اس قابل ہوا کہ میری بات سمجھ سکے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ارشد علی میں شہباز ملک ہوں..... مرشد کا دشمن..... جس نے تمہیں مروانے کی کوشش کی..... اب وہ تمہارے بیٹے راشد کو مروانا چاہتا ہے۔''

میرا یہ حربہ بھی کامیاب رہا۔ بیٹے کے نام نے اسے تڑپا دیا تھا اور وہ تیزی سے ہوش میں آ گیا۔ اس نے لڑکھڑاتی آواز میں پوچھا۔ ''تم..... سچ میں شہباز ملک ہو۔''

''یاد کرو میں نے ایک بار تم سے فون پر بات کی تھی۔'' میں نے کہا اور اسے کچھ باتوں کا حوالہ دیا جو میں نے اس سے کی تھیں۔ اسے یاد آ گیا اور اس نے سر ہلایا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''ارشد میں بہت خطرہ مول لے کر یہاں آیا ہوں۔ صرف یہ بتانے کے تمہارا بیٹا ارشد اور بہو رومانہ میرے پاس ہیں اور محفوظ ہیں۔ وہ مرشد سے بچتے پھر رہے تھے۔''

''شکر ہے میرے مالک..... شکر ہے۔'' اس نے بے ساختہ کہا۔ ''ورنہ ہم نے تو اپنے طور پر اسے بچھڑا ہوا سمجھ لیا تھا۔''

''ایک اتفاق کے تحت وہ میرے پاس آیا اور اب میں اس کی حفاظت کروں گا۔ لیکن ارشد تمہیں مجھ سے تعاون کرنا ہوگا۔''

''کیسا تعاون؟'' وہ کسمسایا۔ وہ جس طرح بات کر رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی حالت خطرے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر آ گئی تھی یا ڈاکٹروں نے اسے مسکن دوا پر رکھا ہوا تھا تکلیف سے بچانے کے لیے۔ دوسری بات کچھ دیر بعد درست ثابت ہونے لگی۔

''تمہیں کس نے گولی ماری ہے؟''

''مرشد نے۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''وہ اپنے بدمعاشوں کے ساتھ ہمارے گھر گھس آیا تھا۔ وہ رومانہ کا مطالبہ کر رہا تھا۔ میری اس سے تلخ کلامی ہوئی اور اس نے اچانک پستول نکال کر گولی چلا دی۔''

''تمہارے ساتھ بھی محافظ ہوں گے انہوں نے کچھ نہیں کیا؟''

''مرشد کے آدمیوں نے انہیں پہلے ہی بے بس کر دیا تھا۔''

''صرف یہی ایک معاملہ تھا؟''

''نہیں اس کا کہنا ہے کہ درگاہ میں ہونے والی تباہی اور اسلحہ پکڑے جانے میں ہمارا ہاتھ ہے۔''

''تم لوگ اب درگاہ کے معاملات میں شامل ہو؟''

''بالکل نہیں، نادر کے مرنے کے بعد مرشد نے ہمیں بے دخل کر دیا ہے۔ اب ہم وہاں قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔ ہم بھائیوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وہاں سے کوئی تعلق بھی نہیں رکھیں گے۔ مگر راشد نے رومانہ کو بھگا کر معاملہ خراب کر دیا۔''

''اب مرشد کا کیا ردِعمل ہوگا؟''

''تم دیکھ نہیں رہے ہو۔'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''مجھے گولی مارنے کے بعد اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر دو دن کے اندر رومانہ واپس نہیں آئی تو ہم چاروں بھائیوں کو پورے خاندان سمیت نیست و نابود کر دے گا۔''

''وہ ایسا ہی شخص ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ارشد وقت آ گیا ہے کہ تم میرا ساتھ دو..... ہم اس موذی سانپ کا سر ہمیشہ کے لیے کچل سکتے ہیں۔''

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''تم اصغر سے بات کرو یہ مجھ سے چھوٹا بھائی ہے۔ وہ سب سے زیادہ جرأت مند بھی ہے۔''

ارشد نے مجھے بھائی کا نمبر دیا۔ اس دوران میں وہ بے چین ہو رہا تھا پھر اس نے کراہنا شروع کر دیا۔ جب وہ نمبر بتا رہا تھا تو اس کی کراہیں خاصی بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ میں نے جلدی سے اس کے سرہانے لگا ایمرجنسی کال کا بٹن دبایا اور باہر نکل آیا۔ چند لمحے بعد ایک ڈاکٹر اور ایک نرس نمودار ہوئی اور تیزی سے کمرے میں چلی گئی۔ عبداللہ ایک طرف موجود تھا۔ اس نے اشارہ کیا اور ہم دونوں تیزی سے باہر نکل آئے۔ آپریشن ایریا کی طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ پرائیویٹ وارڈ کے ایک خالی کمرے میں ہم نے ہسپتال والا لباس اور نقاب اتار کر وہیں ڈالا اور اپنے اصل حلیے میں ٹہلتے ہوئے آرام سے باہر نکل آئے۔

عبداللہ نے باہر آ کر پوچھا۔ ''کیا بات ہوئی؟''

میں نے اسے خلاصہ سنایا۔ وہ خوش ہو گیا۔ ''یہ اچھا ہوا کہ ہمارے پاس ایک موقع آیا۔ ہم مرشد کے شریکوں کو پوری طرح اکسائیں گے اور انہیں اپنی مدد کا یقین دلائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل تصادم جتنا زوردار ہوگا ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''اب ذرا بھگوال کی طرف چلا جائے۔''

''وسیم سادی بی بی کو لے کر جا چکا ہوگا۔''

''ہاں اس نے کہا تھا کہ یہ کام آج ہی نمٹا دے گا۔ ہم ذرا راشد سے بات کریں گے۔''

مری ہائی وے پر شمال کی طرف جانے والوں کا رش تھا۔ خاص طور سے بھارہ کہو میں تو ٹریفک جام ہو رہا تھا۔ بہ مشکل ہم وہاں سے نکلے اور سملی ڈیم روڈ سے ہوتے ہوئے پنڈ بھگوال پہنچے۔ موسم یہاں بھی گرم تھا مگر کسی قدر بلندی کی وجہ سے اس کی شدت کم تھی۔ حویلی جھیل کنارے تھی اس لیے وہاں ٹھنڈک کا تاثر تھا۔ وسیم کے کم سے کم نصف درجن آدمی جھیل میں غوطے لگا رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی گیٹ پر موجود محافظوں نے گیٹ کھول دیا۔ میں ایک بار پہلے بھی یہاں آیا تھا مگر بہت تھوڑے وقت کے لیے۔ آج مجھے تفصیل سے حویلی دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ پرانے طرز تعمیر کی لیکن خاصی عالی شان حویلی تھی۔ اس میں نچلے حصے میں دس بارہ بڑے کمرے تھے جن میں سے دو تو ہال نما تھے۔ اوپر بھی چھ سات کمرے تھے۔ پھر تہ خانہ تھا اور قیدی وہیں رکھے جاتے تھے مگر رومانہ کی وجہ سے ان دونوں کو اوپری حصے کے ایک کمرے میں رکھا گیا تھا۔

یہ بات مجھے اچھی لگی۔ رومانہ بے شک مرشد جیسے شیطان کی بیٹی تھی لیکن وہ عورت ہونے کے ناطے لائقِ احترام تھی۔ میں اور میرے ساتھی اس کے ساتھ کوئی غلط سلوک کرنا تو ایک طرف رہا اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وسیم سادی کو لے کر جا چکا تھا۔ اس نے چار آدمی ساتھ لیے تھے اور باقی سب یہاں موجود تھے۔ چھانٹی کے بعد اس نے مشکوک افراد کو نکال کر نئے آدمی رکھے تھے۔ ان کی تعداد دو درجن تھی اور یہ سب لڑنے مرنے والے تربیت یافتہ لوگ تھے۔ وسیم کی عدم موجودگی میں رئیس الدین نامی شخص ان کا انچارج تھا۔ وہ تقریباً تیس برس کا خوشرو اور تعلیم یافتہ نوجوان تھا۔ اس نے نئے آنے والوں کا تعارف کرایا۔ سب مجھ سے ملنے کے مشتاق تھے اور بعض تو عقیدتمندانہ طور پر ملے۔ ملاقات کے مرحلے سے گزر کر ہم اندر آئے۔

یہاں بجلی تھی مگر لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ جاری تھا جس کے تدارک کے لیے ایک طاقتور جنریٹر موجود تھا۔ اس لیے اندر اے سی چل رہے تھے۔ ہماری خاطر تواضع لسی اور پیڑوں سے کی گئی۔ پھر جامن اور شہتوت پیش کیے گئے جو حویلی کی پیداوار تھے۔ یہاں اعلیٰ درجے کے پھلوں کا ایک باغ بھی تھا۔ رئیس نے کھانے کا پوچھا لیکن میں نے فی الحال منع کر دیا اور رئیس سے پوچھا۔ ''ان دونوں کو کہاں رکھا ہے؟''

''اوپر جناب ایک بیڈ روم دیا ہے۔ پورا خیال رکھ رہے ہیں۔''

''یہ اچھی بات ہے میں راشد سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی بلواتا ہوں۔'' اس نے کہا اور ایک آدمی کو اشارہ کیا جو وہیں موجود تھا۔ ''اوپر جا کر راشد کو لے آؤ۔''

وہ دس منٹ بعد راشد کو لے آیا۔ رئیس عقل مند آدمی تھا راشد کے آنے کے بعد وہ اپنے آدمیوں سمیت وہاں سے چلا گیا۔ مجھے کہنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ راشد متفکر لگ رہا تھا۔ میں نے اسے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''پہلے تو مجھے تم کو ایک افسوسناک خبر سنانی ہے۔ تمہارے پاپا ارشد علی پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور وہ شدید زخمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالت میں اسپتال میں داخل ہیں۔''

''نہیں۔'' وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ ''کب..... کیسے؟''

''یہ تو مجھے بھی علم نہیں ہے لیکن یہ واقعہ گزشتہ چوبیس گھنٹے کے دوران میں ہوا ہے۔ ارشد علی سے میں خود مل کر آرہا ہوں۔ اس کا آپریشن ہو گیا ہے اور وہ آئی سی یو میں ہے۔''

راشد کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ ''یہ یقیناً مرشد کا کام ہے۔''

''جو تمہارا چچا اور سسر بھی ہے۔'' عبداللہ نے لقمہ دیا۔

''مت کہیں اسے میرا رشتے دار۔'' اس نے بھڑک کر کہا۔ ''اگر پاپا کو کچھ ہوا تو میں.....''

''تم بھول رہے ہو وہ رومانہ کا باپ ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''کیا تم اس کی پروا بھی نہیں کرو گے؟''

راشد کا لہجہ مدھم ہوا تھا مگر اس میں نفرت موجود تھی۔ ''وہ اپنے باپ سے نفرت کرتی ہے۔''

''کوئی لڑکی اپنے باپ سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ کرے، بہرحال وہ اس کی موت گوارہ نہیں کرے گی۔'' میں راشد کو ٹیسٹ کر رہا تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اگر اسے مرشد کے خلاف موقع ملے تو وہ کس حد تک جا سکتا ہے۔ اگر وہ اپنے سسر کا کام تمام کر سکتا تھا تو یہ بھی اچھی بات تھی۔

''اس صورت میں، میں رومانہ کو چھوڑ دوں گا۔'' اس نے حتمی انداز میں کہا اور پھر مجھ سے ملتجی لہجے میں بولا۔ ''آپ نے پاپا کو دیکھا وہ کیسے تھے آپ کی بات ہوئی ان سے؟''

''ہاں بات ہوئی اور ارشد نے بتایا کہ اس پر گولی مرشد نے چلائی تھی۔ وہ اپنے گرگوں سمیت تمہارے گھر میں گھسا تھا اور رومانہ کی واپسی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اسی دوران میں دونوں طرف سے گرما گرمی ہوئی اور مرشد نے گولی چلا دی جو تمہارے پاپا ارشد علی کی ریڑھ کی ہڈی میں لگی۔ اس کا آپریشن ہو گیا ہے مگر اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

''میں اس کتے کو چھوڑوں گا نہیں۔''

''لیکن ایک حقیقت ہے جسے تم نظر انداز کر رہے ہو، مرشد بہت طاقتور ہے۔ اس کے پاس بے شمار عقل کے اندھے مرید اور خطرناک اشتہاری مجرم ہیں جو اس کے اشارے پر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ کیا تم لوگوں کے پاس اتنی قوت ہے کہ اس سے لڑ سکو۔''

راشد مرجھا گیا تھا۔ ''نہیں..... پہلے ہم بھی گدی کے معاملات میں شامل تھے تو ہماری بھی چلتی تھی لیکن جب مرشد نے ہمیں بے دخل کیا تو ہماری طاقت بہت کم ہو گئی۔''

میں اس کی بات سمجھ رہا تھا، پہلے بے لگام اندھے مریدوں کی طاقت میں ان کا بھی شیئر تھا، اسی طرح گدی کی بے محابا آمدنی میں بھی انہیں ملتا تھا مگر اب وہ ان دونوں چیزوں سے محروم ہو گئے تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بالکل ہی گئے گزرے تھے۔ دولت کی ان کے پاس بھی کمی نہیں تھی مگر ان کے پاس وہ ذہن نہیں تھا جو مرشد کے پاس تھا اور جسے صرف اپنا مفاد عزیز تھا۔ اس پر وہ بھائی کو بھی قربان کر سکتا ہے اور بیٹی کو بھی، ورنہ اس کی بیٹی کے لیے اس کے چچا کے گھر سے اچھا گھر اور کون سا ہو سکتا تھا۔ میں راشد کی بات پر چونکا وہ کہہ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پلیز مجھے جانے دیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''تم قطعی محفوظ نہیں ہو، مرشد کے ہزاروں مرید تمہیں تلاش کر رہے ہیں اور مزید یہ کہ تمہارے پورے خاندان کو یعنی چچاؤں سمیت پورے خاندان کو مرشد نے برے انجام کی دھمکی دے دی ہے۔''

''خود اس کے برے دن قریب آ رہے ہیں۔'' راشد نے تلخ لہجے میں کہا۔''وہ سمجھتا ہے کہ خاندان کو کاٹ کر خود اکیلے حکومت کر لے گا۔ یہ خاندان کی قوت تھی جو وہ اس مقام پر پہنچا۔''

''میں تم سے متفق ہوں لیکن فی الحال طاقت کا توازن اس کے حق میں ہے اور تم لوگوں کی بچت اسی میں ہے کہ اس سے دور رہو۔ ابھی تم لوگوں کو خود کو مضبوط بنانا ہے اور ایسے اتحادی تلاش کرنے ہیں جو مرشد کے خلاف تمہاری مدد کر سکیں۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔''آپ بھی تو مرشد کے دشمن ہیں۔''

''ہاں لیکن فی الحال میں تم لوگوں کا اتحادی بھی نہیں ہوں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔''ہمارے درمیان دشمنی نہیں ہے لیکن فی الحال دوستی بھی نہیں ہے۔''

''دوستی ہو تو سکتی ہے۔''

''تم ابھی بچے ہو..... ان معنوں میں نہیں..... کیونکہ تم اپنی مرضی سے شادی تک کر چکے ہو۔ مگر اپنے بڑوں کے آگے بچے ہی ہو۔ اس لیے تمہاری بات کی اہمیت نہیں ہوگی۔''

''آپ میرے بڑوں سے بات کر سکتے ہیں۔''

''ارشد علی نے اپنے چھوٹے بھائی اصفر کا نمبر دیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے بعد اسی کی اہمیت ہے؟''

راشد نے تائید کی۔''بالکل ہم میں اصفر چچا ہی پاپا کے بعد اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ شروع دن سے مرشد کے خلاف تھے اور ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم نے گدی میں اپنا حصہ برقرار نہ رکھا تو مرشد ایک دن ہمیں نکال باہر کرے گا اور ایسا ہی ہوا۔''

''میں اصفر سے بات کرنے جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کا نمبر دھرایا۔''کیا یہ اس کا پرانا نمبر ہے؟''

راشد نے سر ہلایا۔''خاصا پرانا..... میرا خیال ہے ان کے پاس شروع سے یہی نمبر ہے۔''

میں نے اصفر کا نمبر ملایا۔ چند بیل کے بعد اس نے کال ریسیو کر لی۔ میں نے بلا تمہید کہا۔''اصفر میں شہباز ملک بات کر رہا ہوں تمہارا یہ نمبر محفوظ نہیں ہے۔ میں جس نمبر سے کال کر رہا ہوں اس پر کوئی ایسا نمبر ایس ایم ایس کرو جو محفوظ ہو یعنی تمہارے استعمال میں نہ ہو۔''

''شہباز ملک۔'' اس نے مضطرب لہجے میں کہا۔''تم بھائی جان سے ملنے سے گئے تھے۔''

''ہاں اسی نے مجھے تمہارا نمبر دیا ہے۔'' میں نے کہا۔''نمبر بھیجو مگر اسی محفوظ نمبر سے بھیجنا اپنے نمبر سے نہیں۔''

میں نے کال کاٹ دی اور راشد کی طرف دیکھا۔''اس تک اطلاع پہنچ گئی ہے کہ میں ارشد سے ملا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو موبائل نمبر ہے یہ کیسے غیر محفوظ ہو سکتا ہے؟'' راشد نے تعجب سے پوچھا۔

''تم نہیں سمجھو گے اس کی آبزرویشن تو اور آسان ہے خاص طور سے مرشد جیسے لوگوں کے لیے۔'' میں نے کہا۔ ایک منٹ بعد ہی ایک اجنبی نمبر سے کال آنے لگی۔ میں نے کال ریسیو کی دوسری طرف اصفر ہی تھا۔

''بہت برا ہوا ہے۔'' اس نے بھرائے لہجے میں کہا۔ ''تمہارے جانے کے بعد بھائی جان کی حالت بگڑ گئی اور وہ.....'' اصفر رونے لگا تھا

میں نے بے ساختہ انا للہ پڑھی تو راشد کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اضطراری انداز میں میرے پاس آ گیا۔ میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے پاس بٹھا لیا اور اصفر سے کہا۔ ''مجھے سچ مچ افسوس ہو رہا ہے۔''

اصفر نے خود پر قابو پاتے ہوئے بھرائی آواز میں کہا۔ ''ہم اتنی مشکل میں ہیں کہ اپنے بھائی کی لاش بھی لینے خود نہیں جا سکتے۔ کوٹھی سے باہر جانے والوں کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی ہے۔ دور کے کچھ رشتے دار لاش لینے گئے ہیں۔''

''تم نے پولیس سے تحفظ مانگا ہے۔''

''اس علاقے کی پولیس تو مرشد کی غلام ہے یوں سمجھ لو کہ وہ اس کے وردی والے مرید ہیں۔ میں نے ایک واقف کار ایس پی سے بات کی ہے ممکن ہے ہمیں جنازہ کے لیے پولیس گارڈ دیا جائے۔''

''تم نے مجھے بری خبر سنائی ہے لیکن میرے پاس ایک اچھی خبر ہے۔ تمہارا بھتیجا راشد میرے پاس ہے اور بالکل محفوظ ہے۔''

''راشد تمہارے پاس ہے۔'' اس نے بے یقینی سے کہا۔ ''کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟''

''بالکل لو بات کرو۔'' میں نے موبائل راشد کو تھما دیا اور اس نے اصفر سے بات کرتے ہی رونا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ میں وہیں رہا لیکن اس کی دھاڑوں میں مداخلت نہیں کی۔ اسے اپنے باپ کا سوگ منانے کا حق تھا۔ عبداللہ خاموش بیٹھا تھا آوازیں سن کر رئیس نے اندر جھانکا تھا مگر سب معمول کے مطابق پا کر واپس چلا گیا۔ یعنی ہم آرام سے بیٹھے تھے۔ اس لیے راشد کا رونا دھاڑنا اس کے لیے بے معنی تھا۔ چند منٹ بعد راشد کا رونا سسکیوں میں بدل گیا۔ پھر اس نے موبائل میری طرف بڑھا دیا۔

''چچا اصفر کچھ کہہ رہے ہیں۔''

اصفر نے مجھ سے کہا۔ ''یہ نادان لڑکا گھر آنے کی بات کر رہا ہے جو ان حالات میں بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ مرشد کے کتے پاگلوں کی طرح اس کی اور رومانہ کی تلاش میں ہیں۔''

''میں تم سے متفق ہوں۔ اس کا جنازے میں جانا بالکل مناسب نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر موبائل بند کر دیا۔

''نہیں میں اپنے باپ کے جنازے میں جاؤں گا۔'' راشد نے زور سے کہا اس کی آنکھیں اور ناک ذرا سی دیر میں سرخ ہو گئی تھیں۔ ''میں کسی سے نہیں ڈرتا۔''

''یہ تمہارے بڑوں کا فیصلہ ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ارشد کے بعد اب اصفر اور دوسرے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے بزرگ ہیں۔ کیا تم ان کا فیصلہ ماننے سے انکار کر رہے ہو۔''

اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ ''میں کتنا بدبخت بیٹا ہوں جو باپ کے جنازے کو کندھا بھی نہیں دے سکے گا۔''

''دنیا میں ایسے بہت سے واقعات ہوتے ہیں اور کندھا نہ دینے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ تمہیں اپنے باپ سے محبت نہیں ہے۔ مرشد تمہاری جان کا دشمن ہو رہا ہے اسے معلوم ہے کہ تم جنازے میں شریک ہونے کی پوری کوشش کرو گے اس لیے اس کے قاتل وہاں موجود ہوں گے۔ اگر تم مارے گئے تو یہ مرشد کی ایک اور فتح ہوگی جب کہ تمہیں ابھی اس سے اپنے باپ کا انتقام لینا ہے۔''

''میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔'' اس نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

''اس کے لیے ضروری ہے تم خود بھی زندہ رہو۔ مرشد میرے بھائی کا قاتل ہے۔ اگر میں تمہاری طرح جذباتی ہو کر اسے قتل کرنے کی کوشش کرتا تو اب تک خود قبر میں ہوتا۔ میں بھی اپنے بھائی کے جنازے میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔''

''پر میں کیا کروں میرے اندر ایک آگ سی لگ گئی ہے۔''

''اسے سنبھال کر رکھو یہی آگے تمہارے کام آئے گی۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''اب تم آرام کرو اور ہاں مجھے امید ہے کہ رومانہ سے تمہارا رویہ تبدیل نہیں ہوگا۔ اس کا سوائے اس کے اور کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ مرشد کی اولاد ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں اور میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اگر نہیں کرتا تب بھی اتنا گھٹیا پن نہیں کر سکتا کہ اس کے باپ کا بدلہ اس سے لوں۔''

میں نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ ''فی الحال تم یہیں رہو باہر جانے سے گریز کرو یہ جن لوگوں کا سیٹ اَپ ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ تم یہاں کی لوکیشن سے واقف ہو، میری بات سمجھ رہے ہو نا۔''

''سمجھ رہا ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میں اور رومانہ کمرے تک رہیں گے۔''

''گڈ یہاں تم کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر مرشد کی طرف سے سراغ لگانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں رابطے کے لیے کوئی موبائل بھی دے دیتا مگر یہ بہت رسکی ہے۔ کئی بار مجھے بھی اسی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا کہ موبائل ٹریس ہو گیا یا کال پکڑی گئی تھی۔ یہ وقت صبر سے گزار و اللہ نے چاہا تو تمہیں اس کا اچھا ہی صلہ ملے گا۔''

میں اور عبداللہ باہر آئے اور واپس شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے عبداللہ سے پوچھا۔ ''تم نے مزید کوئی بندوبست کیا ہے۔ میری مراد کسی اور رہائش سے ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ادھر آبپارہ میں ایک فلیٹ لیا تھا مگر اسے استعمال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ ایسے ہی پڑا ہوا ہے۔ فرنش ہے مگر چھوٹا ہے۔''

''کتنا بڑا ہے؟''

''بس دو کمرے ہیں اور ایک لاؤنج ہے۔''

''ہم تین کے لیے کافی ہیں۔'' میں نے کہا اور سفیر کو کال کی۔ ''وہاں سے نکل آ مگر خیال سے نگرانی ہو رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ڈاج دے کر آنا۔"

"کہاں آنا ہے؟"

"آبپارہ کی طرف آجا۔"

"اور یہ جو سامان ہے یہاں۔" سفیر نے کہا اس کا اشارہ اسلحے کی طرف تھا۔

"ہلکا پھلکا سا تھ رکھ لے باقی شاہ جی کے حوالے کر کے آجا۔"

○.....❖.....○

شام کا وقت تھا۔ عبداللہ نے جناح سپر مارکیٹ کے پاس گاڑی روکی۔ دن کی گرمی کے بعد اب موسم بہتر تھا اور اسی وجہ سے مارکیٹ کے کھانے پینے والے حصوں میں رش شروع ہو گیا تھا۔ عبداللہ میرے اور اپنے لیے آئسکریم فالودہ لے آیا۔ اس وقت مجھے ایسی کسی ٹھنڈی چیز کی طلب ہو رہی تھی۔ ہم گاڑی میں ہی اس سے لطف اندوز ہونے لگے۔ عبداللہ نے پوچھا۔ "کیا خیال ہے ان لوگوں کی مدد کی جائے؟"

"فی الحال صرف زبانی کلامی۔" میں نے کہا۔ "کہنے سے یہ ہمارے حلیف نہیں بن جائیں گے اور مسئلہ ہے گدی کے دشمنوں کا۔ مرشد نے اپنے عقیدت مندوں میں ہمیں گدی کا دشمن بنا دیا ہے اس لیے جو بھی آئے گا وہ ہم سے دشمنی نبھانے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس لیے ہم ان پر بھی بھروسا نہیں کر سکتے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔" عبداللہ بولا۔ "ہمیں جو کرنا ہے وہ بہت سوچ سمجھ کر اور اپنے ہاتھ پاؤں بچا کر کرنا ہے۔"

"بالکل، مرشد کا خاندان اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ ابھی ان پر مشکل آئی ہے تو یہ مظلوم بن رہے ہیں ورنہ ان کی فطرت بھی مرشد سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہوگی۔ جب گدی ان کے ہاتھ میں آئے گی تو یہ بھی وہی سب کریں گے جو مرشد کرتا آیا ہے۔"

"میرا خیال ہے ہمارے لیے ایک موقع ہوگا۔ مرشد کے گرگے جنازے کے موقع پر موجود ہوں گے اور ہم ان کو تاڑ سکتے ہیں۔"

میں نے عبداللہ کی بات پر غور کیا۔ "تمہارا مطلب ہے ہمیں وہاں موجود ہونا چاہیے۔"

"ہمیں نہیں کیونکہ ہم جانے پہچانے لوگ ہیں۔ ہاں ہمارے آدمی ان کے لیے اجنبی ہوں گے وہی عام لوگوں کی طرح جنازے میں شریک ہو سکتے ہیں۔"

"ایسا ممکن ہے لیکن کسی گڑبڑ یا مار دھاڑ کی صورت میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔"

"صرف اپنا بچاؤ۔" عبداللہ نے تجویز کیا۔ "الجھنے سے ان کے پکڑے جانے اور شناخت سامنے آنے کا مسئلہ ہو سکتا ہے۔"

"گڈ یہ تجویز قابلِ غور ہے۔" میں نے کہا اور موبائل نکال کر اصغر علی کو کال کی۔ اس کی بجائے کسی اور نے کال ریسیو کی۔ "اصغر سے بات کراؤ۔"

"آپ کون ہیں جی؟" بولنے والے نے دیہاتی لہجے میں کہا۔

"ایس ملک۔" میں نے جواب دیا اصغر سمجھ جاتا کہ ایس سے مراد شہباز ہے۔ وہ ایک منٹ بعد کال پر تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پوچھا۔ ''جنازہ کب ہوگا؟''

''پرسوں جمعے کے بعد دوپہر میں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کیا تم آؤ گے۔''

''مرشد کا ہر آدمی مجھے پہچانتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''کیا راشد سے بات ہوسکتی ہے اس کی ماں تڑپ رہی ہے۔''

''مجھے اس کے دکھ کا احساس ہے مگر یہ بہت رسکی ہوگا۔ مرشد اس کی تلاش میں ہے اور ہماری ذرا سی بے احتیاطی سے وہ اس کا سراغ لگا لے گا۔ دوسری بات یہ کہ اب میں اس جگہ نہیں ہوں، جب جاؤں گا تو راشد سے بات کرادوں گا۔''

''میں سمجھتا ہوں مگر بھابی یہ بات سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔''

''اسے بہلاتے رہو۔ راشد اور رومانہ جہاں ہیں وہ بالکل محفوظ ہیں۔''

''رومانہ۔'' وہ غرایا۔ ''یہ سارا عذاب اس لڑکی کی وجہ سے آیا ہے۔''

''اس معاملے میں راشد برابر کا فریق ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ نادان لڑکا ہے۔ اسے اس لڑکی نے پھنسایا ہے۔ ہم نے راشد کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس پر رومانہ کا بھوت سوار ہوگیا تھا۔'' اصغر کے لہجے کا بغض بتا رہا تھا کہ وہ اور باقی خاندان رومانہ کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتا ہے۔

''بہرحال جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔''

''نہیں جواب ہوگا وہ دنیا دیکھے گی۔'' اصغر کا لہجہ خطرناک ہوگیا۔ ''ہم بھائی جان کی قبر کی مٹی سوکھنے نہیں دیں گے۔''

خواہش تو میری بھی یہی تھی کہ مرشد خاندان آپس میں لڑ مرے۔ لیکن زبانی کلامی میں نے اسے ٹھنڈا رہنے کو کہا۔ بہرحال وہ سمجھنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ جب وہ کہے تو ہم راشد کو اس کے حوالے کردیں۔ میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''ظاہر ہے وہ اب قید میں نہیں ہے لیکن میں پھر کہوں گا وہ محفوظ جگہ ہے۔''

''میں بھی تب ہی سمجھوں گا جب اس کی حفاظت خود کرسکوں۔'' اصغر نے جواب دیا۔ ''شہباز ہم تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''فی الحال یہ مشکل ہے کیونکہ میں خود چھپتا پھر رہا ہوں صرف مرشد نہیں میرے اور دشمن بھی ہیں۔''

''تم موقع نکال سکتے ہو۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''مرشد کا خاتمہ بہت ضروری ہے، تمہارے لیے بھی اور ہمارے لیے بھی۔''

''یہ تو ہے لیکن میں عجلت میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔'' میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ ''مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے تم مشورہ کرلو پھر بات کرتے ہیں۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ دی۔ اسی لمحے موبائل نے بیل دی یہ سفیر تھا اور اس نے کال ریسیو کرتے ہی کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہاں مصروف تھا میں دس منٹ سے کال کر رہا ہوں۔''

''بتاؤں گا، تُو کہاں ہے؟''

''آبپارہ پہنچ گیا ہوں، ایک ٹیکسی میں ہوں۔''

''بس تو اسی کے ساتھ جناح سپر آجا۔ ہم یہیں ہیں۔ عبداللہ کی گاڑی میں۔''

''آرہا ہوں۔'' سفیر نے کہا اور کال کاٹ دی۔ مجھے اطمینان ہوا کہ وہ بھی وہاں سے نکل آیا تھا۔ دس منٹ بعد وہ ایک ٹیکسی سے اترا اور سڑک پار کر کے پارک میں کھڑی ایک منی بیجیرو کی طرف بڑھا۔ یہ عبداللہ جیسی تھی مگر ہم تو مخالف سمت تھے میں سفیر کو کال کرنے جا رہا تھا کہ میری نظر ٹیکسی والے پر گئی اور میں چونکا۔ یہ وہی قلفی والا تھا جو میرے پیچھے آیا تھا۔ میں نے جلدی سے سفیر کو کال کی اور اس نے ریسیو کی کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ جیپ خالی ہے اور اب اسے ہماری تلاش تھی۔ سفیر نے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم دونوں کہاں ہو؟''

''احمق آس پاس مت دیکھ..... نگرانی کرنے والے کو ساتھ لگا لایا ہے۔''

سفیر چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''بیٹے یہی ٹیکسی والا تو نگرانی کر رہا تھا۔ پہلے قلفی بیچ رہا تھا اور اب ٹیکسی والا بن گیا۔''

''تب ہی تو میں حیران ہوا کہ میں اتنی آسانی سے کیسے نکل آیا اور ٹیکسی والے کو ویران سڑکوں پر گھماتا رہا۔'' سفیر نے خفت سے کہا۔ ''مجھے کیا پتا تھا کہ میں نگرانی کرنے والے کو ہی ساتھ لے آیا ہوں۔''

''وہ بھی دل میں ہنس رہا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''بہرحال واپس جا اور اسے گن پوائنٹ پر لے کر یہاں سے نکل۔''

''کہاں جاؤں.....؟''

''باہر نکل یار پھر اسے جیپ میں منتقل کر لیں گے ہم تیرے پیچھے ہیں۔''

سفیر نے سر ہلایا اور دوبارہ ٹیکسی والے کی طرف بڑھا جو بہ ظاہر تو کسی گاہک کا انتظار کر رہا تھا مگر درحقیقت وہ سفیر کی نگرانی کر رہا تھا۔ سفیر نے اس سے کچھ بات کی اور دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گیا۔ ٹیکسی حرکت میں آئی اور عبداللہ نے جیپ اسٹارٹ کی۔ ہم اس کے پیچھے روانہ ہوئے تھے۔ عبداللہ نے مجھ سے پوچھا۔ ''اس کے بارے میں کچھ سوچا ہے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''اسے بھگوال پہنچانا ہے۔''

عبداللہ مسکرایا۔ ''آج کے دن ہی دوسرا ٹرپ ہوگا۔''

''جگہ بری نہیں ہے یہاں تو بہت گرمی ہے۔''

کچھ دیر بعد ٹیکسی اسلام آباد کے جی سکس سیکٹر سے کشمیر ہائی وے اور مری ہائی وے کو ملانے والے لنک پر مڑ گئی۔ اس سڑک پر کچھ آگے راول ٹاؤن تھا۔ سفیر عقل مندی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ہائی وے پر رش ہوتا ہے اور کسی بھی ہنگامی صورتِ حال میں فوراً پولیس آجاتی ہے۔ اس لیے کوئی عام علاقہ ہی مناسب تھا۔ ٹیکسی راول ٹاؤن کے پاس سے ہوتی لکھوال کی طرف مڑ گئی اور پھر ایک مناسب جگہ رک گئی۔ مناسب یوں کہ وہاں سڑک کے دونوں طرف جھاڑیاں تھیں اور سڑک سنسان تھی۔ شام کے جھٹ پٹے میں منظر دھندلا رہا تھا۔ میں اور عبداللہ اتر کر ٹیکسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک آئے جہاں ڈرائیور دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھے بیٹھا تھا میں نے اسے دروازہ کھول کر نیچے کھینچ لیا۔ ''بیٹے اب آئے ہو نا چکر میں۔''

سفیر نے اسے پہلے ہی ہینڈز اَپ کیا ہوا تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی اس کے پاس سے ایک عدد پستول، ایک موبائل اور ایک چھوٹا سا واکی ٹاکی نما آلہ نکلا تھا۔ میں نے موبائل اور واکی ٹاکی دونوں کی بیٹریاں نکال لیں۔ اس کے علاوہ بھی باریک بینی سے جائزہ لیا۔ اس کے پاس سے مزید کچھ نہیں نکلا تھا مگر مجھے خدشہ تھا کہ اس کے جسم میں بھی فاضلی کی طرح کوئی نشان دہی کرنے والا آلہ نہ چھپا ہو۔ ٹیکسی اس کی اپنی تھی کیونکہ بک میں اسی کا نام تھا اور اس کے پاس آئی ڈی کارڈ اور شناختی کارڈ بھی تھا۔ مجھے ذرا تعجب ہوا کیونکہ اس قسم کے کام کرنے والے شناختی کاغذات لیے نہیں پھرتے ہیں۔ اس کا نام سید کرمان شاہ تھا۔ نقوش سے وہ کشمیری لگ رہا تھا۔ ہم نے اسے جیپ کے پچھلے حصے میں بٹھایا۔ اس کی ٹیکسی لاک کر کے وہیں چھوڑ دی تھی۔ سفیر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہمارا رخ ایک بار پھر بھگوال کی طرف تھا۔ میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں جانتا ہوں تم کن کے لیے کام کرتے ہو۔ کیا تمہیں کسی قسم کا کوئی انجکشن لگایا گیا تھا؟''

اس کے چہرے پر ایک لمحے کو حیرت نظر آئی مگر اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ میں نے گہری سانس لے کر رئیس الدین کو کال کی۔ ''ایک بندہ لا رہے ہیں اسے چیک کرنا ہے اس کے جسم میں کوئی بگ نہ ہو۔''

''کوئی بھی بگ ہوا تو اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ اسے لے آئیں۔''

مگر مجھے یہ کام رسکی لگا تھا۔ اگر اس کے جسم میں موجود بگ ایکٹو تھا تو اس کی مدد سے آخری لوکیشن کا پتا کیا جا سکتا تھا میں نے رئیس سے کہا۔ ''تم بندہ سامان سمیت پیچھے سڑک پر بھیج دو ہم آ رہے ہیں۔''

''جیسا آپ کہیں جناب..... بندہ ابھی دو منٹ میں نکلتا ہے۔''

سورج ڈوبنے کے بعد اندھیرا چھا رہا تھا۔ سنگلی ڈیم سڑک پر کچھ دیر بعد مخالف سمت سے ایک گاڑی نمودار ہوئی۔ عبداللہ نے جیپ سڑک کے کنارے روک لی تھی۔ آنے والی گاڑی سے وسیم کے دو آدمی اترے۔ ان میں سے ایک نے ایک بریف کیس تھام رکھا تھا۔ ہاتھ ملانے کے بعد اس نے کہا۔ ''مجھے شمس کہتے ہیں جناب، کسے چیک کرنا ہے؟''

''اسے۔'' میں نے کرمان کی طرف اشارہ کیا۔ ''شاید اسے انجکشن سے بگ لگایا گیا ہے۔''

''اگر وہ سگنل دے رہا ہے تو ایک منٹ میں پتا چل جائے گا۔'' شمس نے کہا اور بریف کیس کھولا جو اصل میں ایک قسم کا کمپیوٹر تھا۔ اسے آن کر کے اس نے ایک مائیک نما آلہ نکالا اور ہم سے کہا۔ ''سب اپنے موبائل اور دوسرے وائرلیس آلات بند کر دیں۔''

سب نے اپنے موبائل بند کر دیے۔ شمس کرمان کو سڑک پر گاڑیوں سے ذرا دور لے گیا۔ وہ آلہ پھیر کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا وہ جسم کے جس حصے پر آلہ پھیر رہا تھا اس کا گراف کمپیوٹر کی اسکرین پر آتا جا رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے آلہ کرمان کے بائیں ہاتھ پر کیا اس کی کہنی سے ذرا نیچے ایک سرخ دھبہ روشن ہو گیا۔ شمس نے کہا۔ ''دیٹس اٹ..... بگ ہے۔''

عبداللہ نے کرمان کا بازو کھینچ کر سیدھا کیا اور شمس کے ساتھ آنے والے نے ایک چھوٹا لیکن نوکیلا چاقو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکال لیا۔ ''کہاں ہے؟''

شمس نے انگلی سے رکھ کر بتایا۔ ''یہاں ہے۔''

اس کے ساتھی نے عبداللہ اور سفیر سے کہا۔ ''اسے مضبوطی سے پکڑیں۔''

کرمان دہشت زدہ نظر آ رہا تھا۔ جیسے ہی چاقو کی نوک اس کی کھال میں اتری اس نے چیخ مارنے کے لیے منہ کھولا لیکن اس سے پہلے کہ آواز نکلتی میرا ہاتھ آ کر اس کے منہ پر جم گیا تھا۔ وہ مچل رہا تھا مگر تین افراد کی گرفت میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چاقو والے نے ایک منٹ میں بگ تلاش کر کے نکال لیا۔ شمس ٹارچ سے روشنی دکھا رہا تھا۔ خون آلود بگ سڑک پر گرا دیا یہ مشکل سے کلونجی کے دانے جتنا بڑا تھا۔ شمس نے اسے آلے سے چیک کیا۔ میں نے اسے کہا۔ ''مزید چیک کرو ہو سکتا ہے اس کے جسم میں مزید بگ چھپائے گئے ہوں۔''

''میں چیک کرتا ہوں۔'' شمس نے ایک چھوٹے سے پتھر سے بگ کو کچل دیا اور فوراً ہی کمپیوٹر کی اسکرین سے اس کے سگنل غائب ہو گئے۔ اس کے بعد شمس نے اسے دوبارہ مکمل طور پر چیک کیا مگر اس کے جسم میں مزید کوئی بگ نہیں تھا۔ سفیر نے اپنا رومال کرمان کے بازو پر باندھ دیا۔ زخم معمولی سا تھا دو تین دن میں بھر جاتا۔ شمس اور اس کا ساتھی اپنا سامان سمیٹ کر اپنی گاڑی میں چلے گئے اور ہم نے کرمان کو دوبارہ جیپ میں بٹھایا اور حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ رئیس ہماری اتنی جلدی پھر آمد پر خوش تھا اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کرمان کا استقبال کیا اور ہم سے کہا۔ ''بہت دن سے فارغ بیٹھے تھے اب ذرا مصروفیت رہے گی۔''

''بالکل اسے خاص پروٹوکول دو۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''پوچھ گچھ ذرا دیر بعد کریں گے۔''

رئیس سمجھ گیا۔ ''ایسا تیار کروں گا کہ آپ سوال بعد میں کریں گے یہ جواب پہلے دے گا۔''

کرمان کو تہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔ رئیس نے کھانے پر رکنے کا اصرار کیا اور ہم مان گئے کیونکہ وہ لوگ قبائلی انداز میں بکرے کی بھی بنا رہے تھے۔ بکرا یہیں سے خریدا گیا تھا اور اس کی کھال اتار کر اندر سے سب نکال کر اس میں ابلے چاول بھر کر اسے زمین میں دبا کر اوپر انگارے دہکا دیئے گئے تھے۔ عام طور سے یہ ڈش رات میں پکتی ہے مگر انہوں نے دن میں بنائی تھی اور رات کے کھانے تک یہ تیار ہو گئی تھی۔ بھی کے ساتھ اسی مرحوم بکرے کی باقیات کا کٹا کٹ بھی بنایا گیا تھا جو تندوری نان کے ساتھ پیش کیا گیا۔ کھانے کے بعد قہوے سے شغل کرنے کے بعد میں نے رئیس سے پوچھا۔ ''گرفتار شدہ کا کیا کیا ہے؟''

''تہ خانے میں اس طرح الٹا لٹکا ہوا ہے کہ اس کے چاروں ہاتھوں پاؤں زنجیروں سے بندھے ہیں۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ آ رہا ہے۔ یقیناً اب تک اس کا حشر ہو گیا ہو گا۔''

مجھے اس پوز کا ذاتی تجربہ تھا اور یہ بنا کسی تشدد کے اذیت دینے کا بہت ہی خوفناک طریقہ تھا۔ آدمی کو ایسی تکلیف ہوتی تھی کہ وہ مرنے کی آرزو کرنے لگتا۔ میں سوچ سکتا تھا کہ کرمان کا کیا حشر ہو گا کیونکہ خاصی دیر ہو گئی تھی۔ قہوے نوشی کے بعد میں اور عبداللہ نیچے پہنچے۔ سفیر نے ایک پُرتکلف ڈنر کے بعد کسی ہنگامہ آرائی میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ ''اتنے اچھے ڈنر کا مزہ خراب ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے تب تم رکو ہم ذرا مل کر آتے ہیں۔''

دن میں تہ خانہ یقیناً ٹھنڈا ہوتا ہو گا مگر رات کے وقت [illegible] وہم ذرا گرم تھا۔ پھر رئیس نے اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایگزاسسٹ فین بھی بند کر دیئے تھے۔ الٹے لٹکے کرمان کو یہ گرمی یقیناً بہت زیادہ لگ رہی تھی کیونکہ اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا اور اس کی ناک سے پسینہ ٹپ ٹپ گر رہا تھا ہمیں دیکھ کر وہ بلبلایا۔ ''خدا کے لیے میں مر رہا ہوں..... مجھے اتارو۔''

''اتنی جلدی نہیں مرو گے تم۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''اتارنے پر غور کیا جا سکتا ہے۔''

میں نے تائید کی۔ ''بشرطیکہ کچھ سوالوں کے جوابات بالکل درست دو۔''

''پوچھیں جی میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

''تم کس کے لیے ہماری جاسوسی کر رہے تھے؟''

''مجھے زاہد نے اس کام پر لگایا ہے۔''

''اور یہ زاہد کون ہے۔''

اس نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کس نے بھیجا ہے۔''

''ہم اس شخص کو جانتے ہیں اس کے چھوٹے موٹے گرگوں کو نہیں۔ تمہارے جسم میں یہ چپ کس نے لگائی تھی۔''

''چپ کیا جی؟''

''وہ جو انجکشن لگایا تھا اس کی بات کر رہا ہوں۔''

''پتا نہیں جی وہ آدمی زاہد کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے مجھے انجکشن لگایا تھا۔''

''وجہ کیا بتائی؟''

''کوئی وجہ نہیں بتائی جی۔'' اس نے جواب دیا۔

''زاہد کون ہے؟''

''ادھر راجا بازار میں اس کا ڈیرہ ہے۔ بدمعاش ہے، دکان والوں سے بھتہ لیتا ہے۔ ڈاکے بھی مارتا ہے۔''

میں نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ ''یہ تو معمولی سا کوئی لفنگا ہے۔''

''اسے ماریں گولی ہم جانتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں اسے بھی مار کر یہیں دفن کرتے ہیں۔''

''ہاں اسے کچھ اتا پتا تو ہے نہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''بے کار بندہ ہے اسے ٹھکانے لگاؤ۔''

وہ پھر بلبلایا۔ ''میرا قصور جی میں تو معمولی سا آدمی ہوں۔''

''تبھی بے کار ہوا گر کچھ جانتے تو ہم چھوڑنے کا سوچتے بھی۔''

عبداللہ نے پستول نکالا تو اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ اس نے جلدی سے کہا۔ ''ایک خاص بات ہے جی..... میں نے بتائی نہیں تھی۔''

''کیا خاص بات ہے؟''

''وہ جی انجکشن لگانے کے لیے مجھے ایک جگہ لے گئے تھے۔''

عبداللہ نے اس کے سر پر پستول کی نال ماری۔ اس نے ہاتھ ہٹا کر کہا تھا مگر یقیناً اسے تو گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں گے۔ وہ سر جھٹک رہا تھا۔ جب اس کے حواس ذرا بحال ہوئے تو عبداللہ نے کہا۔ ''پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔''

''میں کیسے بتاتا جی بہت ظالم لوگ ہیں، زاہد نے کہا تھا کہ میں نے اس بارے میں زبان کھولی تو مجھے تو کچھ نہیں کہیں گے لیکن میرے بیوی بچوں کو ضرور کاٹ کر رکھ دیں گے۔''

''ہم بیوی بچوں کو تو کچھ نہیں کہیں گے مگر تمہیں ضرور مار کر گاڑ دیں گے۔'' عبداللہ نے پستول لہرایا اس کی پرفارمنس قابلِ داد تھی۔ وہ کرمان کو اچھا خاصا دہشت زدہ کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا۔

''وہ تمہیں اسلام آباد لے گئے تھے۔''

وہ چونکا۔ ''آپ کو کیسے پتا چلا۔''

''میں نے کہا نا ان کے بارے میں جانتے ہیں۔'' میں نے کہا اور اسے ڈیوڈ شا والی کوٹھی کی لوکیشن بتائی۔ اس نے سر ہلایا۔

''بالکل مجھے یہیں لے گئے تھے۔''

''وہاں تم نے انجکشن لگانے والے کے علاوہ اور کس کو دیکھا تھا؟''

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''میں نے وہاں ایک عجیب آدمی دیکھا۔''

''عجیب سے مراد؟''

''ویسے تو وہ لمبا تڑنگا اور باڈی بلڈر ٹائپ کا تھا جی لیکن اس کے دونوں ہاتھ بہت لمبے اور کسی درخت کی شاخ کی طرح تھے۔''

میں چونکا۔ ''تمہارا مطلب ہے وہ ایب نارمل قسم کا شخص تھا۔''

''نہیں جی بالکل نارمل تھا۔ جب تک میں وہاں رہا وہ نگرانی کرتا رہا تھا جی..... اس کا انداز ہی بڑا خوفناک تھا۔ بولتا بھی تو لگتا ابھی پھاڑ کھائے گا۔''

وہ شاید ڈیوڈ شا کا کوئی محافظ تھا۔ میں نے سوچا اور اس سے مزید سوال کیے مگر اسے اس سے زیادہ علم نہیں تھا۔ میں نے نگران کو بلوا کر اس کی ٹانگیں کھلوا دیں لیکن ہاتھ بدستور زنجیر سے بندھے تھے۔ وہ ڈھیر ہو گیا تھا کیونکہ اتنی دیر تک الٹا لٹکے رہنے کے بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی عارضی طور پر مفلوج ہو گئی تھی۔ اسے کھانا پانی دینے کی ہدایت کر کے ہم اوپر آ گئے۔ عبداللہ مایوس تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔''

''ہو گا یار اتنی عجلت کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے کہا۔ ہم اوپر آئے اور باہر باغ میں نکل آئے۔ یہاں شام اور رات ٹھنڈی تھی۔ آسمان سے اوس گر رہی تھی اور یہ بھی اچھی لگ رہی تھی۔ رئیس خدمت گزاری پر آمادہ تھا اس نے پھر ہمارے لیے لسی بنوائی۔ سفیر اندر خراٹے لے رہا تھا۔ میں اور عبداللہ رئیس کے ساتھ گپ شپ کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں حویلی کا گیٹ کھلا اور دو گاڑیاں اندر آئیں۔ ایک سے وسیم اترا دوسرے میں اس کے ساتھ جانے والے تھے۔ مجھ سے سلام دعا کر کے وہ اندر چلے گئے۔ وہ آج ہی واپس آ گیا تھا۔ سلام دعا کے بعد اس نے بتایا کہ وہ شام تک میانوالی پہنچ گئے تھے۔

''بڑے ملک صاحب نے بہت اصرار کیا کہ میں رات کو رک جاؤں مگر مجھے یہاں کے معاملات کا خیال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اس لیے ان سے اجازت لے کر واپس آ گیا۔"

"رک جاتے یار یہاں کا ہم دیکھ رہے ہیں نا۔" میں نے کہا۔ "اور حویلی میں سب امن ہے۔"

"ہاں ماں جی سادی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ انہیں اس کی بہت فکر تھی۔"

"ماں جی ایسی ہی ہیں، سب کی فکر کرنے والی اور سب سے پیار کرنے والی۔"

"کچھ چیزیں بھی لایا ہوں میں آپ کے لیے۔" وسیم نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "خاص لوگوں نے بھجوائی ہیں۔"

میں نے اپنے دلی تاثرات کو چہرے پر آنے سے روکا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ سویرا نے کچھ بھیجا ہوگا۔ جب تک میں حویلی میں تھا ہر مہینے اس کی جانب سے کوئی نہ کوئی سوغات ملتی تھی۔ کبھی کڑھا ہوا کرتہ اور کبھی ہاتھ سے بنا ہوا سوئیٹر۔ میرے کمبل اور کھیسوں کے کنارے وہی بنتی تھی۔ وسیم گاڑی سے ایک بیگ نکال لایا۔ "اس میں ہے سب کچھ میں نے کھول کر نہیں دیکھا۔"

"دیکھ بھی لیتے تو کیا ہم میں کوئی پردہ تھوڑی ہے۔" میں نے کہا اور لاپروائی سے لے کر بیگ گود میں رکھ لیا لیکن یہ سوچ کر میرا جسم سنسنا گیا کہ سویرا نے اسے اپنے ہاتھوں سے چھوا ہوگا اس میں سامان رکھا ہوگا اب میں اسے چھو رہا تھا۔ وسیم اور عبداللہ بیک وقت ہنسے تو میں چونکا۔ تب مجھے پتا چلا کہ میں بے خیالی میں بیگ پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ میں جھینپ گیا۔ "ہنس کیوں رہے ہو؟"

"ایسے ہی جناب۔" وسیم نے شرارت سے کہا۔ "سنا ہے مجنوں کو لیلیٰ کا اونٹ بھی پیارا تھا۔"

"کتا۔" میں نے تصحیح کی۔ "اونٹ مجنوں کا تھا۔ اس لیے لیلیٰ کو پیارا ہوگا۔"

وہ کچھ دیر مجھے چھیڑتے رہے اور سچی بات ہے میں خود چھڑنا چاہتا تھا۔ محبوب کا ذکر کسی طور بھی ہو آدمی کو برا نہیں لگتا چاہے وہ محبت کے معاملے میں مجھ جیسا انتہائی ریزرو رہنے والا بندہ کیوں نہ ہو۔ پھر میں نے کرمان کا بتایا تو ماحول نارمل ہو گیا۔ وسیم نے کہا۔ "مجھے اس لمبے بازوؤں والے کا سن کر تشویش ہو رہی ہے۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے ڈیوڈ شا کا کوئی خاص محافظ ہوگا۔" میں نے کہا۔ "اس رتبے کے لوگ ذرا خبطی بھی ہوتے ہیں۔ اپنی حیثیت جتانے کے لیے ایسی چیزیں رکھتے ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔"

"ہاں میرے نزدیک باڈی گارڈ وہ اچھا ہوتا ہے جو حلیے سے باڈی گارڈ نظر نہ آئے۔"

"جیسے امریکی صدر کے ہوتے ہیں، بالکل عام سے لیکن بہت چوکس اور ہوشیار رہنے والے۔" عبداللہ نے کہا تو وسیم نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے کہاں سے دیکھ لیے؟"

"فلموں میں۔" عبداللہ نے سادگی سے جواب دیا۔

"وہ حقیقت میں بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔" میں نے سر ہلایا۔ "امریکی صدر کا خاص باڈی گارڈ اسٹاف انتیس افراد پر مشتمل ہوتا ہے اور ہمارے ہاں شاید انتیس سو افراد کا ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے باوجود امریکی صدر کی حفاظت کے لیے عوام کو تکلیف نہیں دی جاتی ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہمارے ہاں ہر قسم کے سرکاری کاموں کے لیے صرف عوام کو تکلیف دی جاتی ہے۔'' میں نے دوسری صورت حال پیش کی۔

ہماری اس گفتگو کے دوران وسیم کچھ سوچ رہا تھا۔ میں نے اسے ہلایا۔ ''کس کی سوچ میں گم ہو؟''

''جو دل کے پاس ہوتے ہیں مگر ذرا دور چلے جاتے ہیں۔'' اس بار عبداللہ نے اس کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کی۔ مگر وسیم سنجیدہ رہا، اس نے کہا۔

''شہباز صاحب ہم ڈیوڈ شا کی یہاں موجودگی کو بہت ہلکا لے رہے ہیں۔''

''میرے خیال میں تو ہم پوری طرح محتاط ہیں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں ہم محتاط تو ہیں لیکن ہم نے اس پر باقاعدہ غور نہیں کیا کہ ڈیوڈ شا آپ کے آتے ہی یا آپ سے بھی پہلے یہاں کیوں آیا اور اب یہاں کیا کر رہا ہے؟''

''مرشد کا بیڑا غرق۔'' عبداللہ نے کہا۔

''نہیں وہ اگر اس کا بیڑا غرق کرنا چاہے تو اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ ڈیوڈ شا جیسے سازشی عناصر فضول کی انتقامی کارروائیوں کے چکر میں نہیں پڑتے ہیں۔ وہ مسئلے کی جڑ یعنی دشمن کو مٹانے دینے پر یقین رکھتے ہیں۔''

وسیم کی بات نے مجھے چونکا دیا تھا۔ ''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''مجھے یقین ہے وہ آپ کے چکر میں آیا ہے۔ مرشد کو سزا دینے کی بات وہ صرف آپ کو متوجہ کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ مرشد بہت زیادہ پھنس گیا ہے اور یوں سمجھ لیں کہ وہ دلدل میں دھنس جانے والا شخص ہے۔ اس پر توجہ دینا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے مرشد اب اتنا خطرناک نہیں رہا ہے؟''

''بالکل..... اب وہ صرف ایک گولی کی مار رہ گیا ہے۔ یقین کریں اسے رونے والا بھی کوئی مشکل سے ملے گا۔''

''اس کے جو جاہل مرید ہیں؟''

''وہ سب منتشر ہو جائیں گے۔''

''تم مرشد کے چچا زادوں کو بھول رہے ہو جو گدی کے دعوے دار ہیں اور وہ بھی وہی کریں گے جو مرشد کرتا آیا ہے، ہم سے دشمنی انہیں وراثت میں ملے گی اور وہ اسے نبھانے پر مجبور ہوں گے۔''

''تب تم نے کچھ سوچا ہے؟''

''ہاں میں سفر کے دوران یہی کام کرتا رہا۔ ایک تو میں نے سوچا ہے کہ مرشد کے خلاف اس کے چچا زادوں کو پوری حمایت کا یقین دلایا جائے اور معاملے کو تصادم تک لایا جائے۔''

میں حیران رہ گیا۔ ''خدا کی قسم ہم نے بھی یہی سوچا ہے۔''

وسیم مسکرایا۔ ''ہم سب ایک ہیں نا اس لیے مائنڈ میچ کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ حمایت صرف زبانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کلامی ہو اور عملی مدد کی بھی جائے تو اس طرح کہ ہمارا نقصان نہ ہو۔ ہم جنگ میں یوں شامل ہوں کہ کنارے کنارے رہیں۔"

"یہ بھی سوچا ہے۔" عبداللہ نے کہا۔

"ہمارے پاس راشد کی صورت میں ایک مہرہ ہے ہمیں اس پر عمل درآمد شروع کر دینا چاہیے۔"

میں نے وسیم کو تفصیل سے اصغر علی سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ وہ یہ جان کر پُرجوش ہو گیا کہ ارشد علی مرشد کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ "بس تو جنگ کا اسٹیج تیار ہے صرف طبل بجانے کی ضرورت ہے۔"

"جمعے کے دن یعنی پرسوں تدفین ہے۔ میں نے سوچا ہے کہ اس میں ہمارے آدمی شامل ہوں گے اور مرشد کے آدمیوں کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔"

"جنگ کا پہلا میدان تو یہی موقع ہو سکتا ہے۔" وسیم نے کہا۔

"لیکن وہاں بہت سے عام لوگ بھی ہوں گے۔" عبداللہ نے خدشہ ظاہر کیا۔ "اگر اندھا دھند گولیاں چلیں تو نہ جانے کتنے لوگ مارے جائیں گے۔"

"کام ہوشیاری سے کیا جائے تو ایسا نہیں ہوگا۔" وسیم نے کہا۔ "میرا خیال ہے ارشد کے بھائیوں نے مرشد کے خلاف ایف آئی آر درج کرا دی ہوگی۔"

"ابھی تک تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

"تب آپ اکسائیں اگر پولیس ایف آئی آر درج نہیں کر رہی تو وہ لوگ کورٹ میں جائیں۔" وسیم نے کہا۔ "ایف آئی آر کٹ گئی تو مرشد کے گرد گھیرا تنگ ہو جائے گا۔"

وسیم درست کہہ رہا تھا۔ میں نے اسی وقت اصغر کو کال کی اور اس سے ایف آئی آر کا پوچھا۔ "تم نے ارشد علی کے قتل کی ایف آئی آر درج کرائی ہے؟"

"مقامی پولیس اسٹیشن میں کوشش کی تھی مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ میں نے بتایا نا ہم گھر سے نہیں نکل رہے، باہر مرشد کے آدمی گھات لگائے بیٹھے ہیں۔"

"تم لوگوں کو ہمت کرنا ہوگی اور پولیس کے بجائے تم کل کورٹ میں جاؤ، وہاں سے ایف آئی آر کے آرڈر لو۔ اس سے کیس مضبوط ہو جائے گا۔"

"ہم بھی یہی سوچ رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"سوچو مت کر گزرو۔" میں نے اکسایا۔ "ایک بار مرشد کے خلاف ایف آئی آر کٹ گئی تو پھر اس کی طرف سے تم لوگوں کے خلاف کچھ کرنا آسان نہیں رہے گا۔"

"میں بھائیوں سے مشورہ کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اگر تمہیں کورٹ تک جانے کے لیے سکیورٹی درکار ہے تو میرے آدمی حاضر ہیں۔"

"مجھے فیصلہ کرنے کے لیے وقت دو۔" اصغر نے کہا تو اس کا لہجہ کمزور تھا۔ اس وقت مجھے لگا کہ اس پر کوئی دباؤ آیا ہے۔ شاید دوسرے بھائی دشمنی کے اس سلسلے کو دراز نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ جب چند گھنٹے پہلے میری اس سے بات ہوئی تھی وہ بہت جارحانہ موڈ میں تھا۔ میں نے اسپیکر فون آن کیا ہوا تھا اس لیے وسیم اور عبداللہ سن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے۔ کال ختم کرنے کے بعد میں نے کہا۔

''ایسا لگ رہا ہے یہ لوگ ڈر رہے ہیں۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' وسیم نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''کیا خیال ہے کیوں نہ انہیں بہادر بنایا جائے۔''

''مطلب؟''

''یہ چاروں بھائی درگاہ سے کچھ فاصلے پر ایک بڑے احاطے میں الگ الگ کوٹھیوں میں رہتے ہیں۔'' وسیم نے کہا اور لوکیشن واضح کی۔ ''آس پاس زرعی زمین ہے وہ بھی ان کی ملکیت ہے۔ شمال میں تقریباً تین سو میٹر کے فاصلے پر پہاڑیاں ہیں۔''

''وہاں سے کارروائی کی جاسکتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''بالکل میں اسی کا ذکر کر رہا ہوں ہمارے پاس بہترین اسنائپر رائفل ہیں۔''

''نشانہ کون ہوگا؟''

''اطراف میں چھپے ہوئے مرشد کے گرگے۔'' وسیم نے کہا۔ ''ہم ان کے خلاف کارروائی کریں گے اور وہ ان لوگوں کے خلاف۔''

''تب یہ کام آج ہی ہونا چاہیے۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''بہت دن ہو گئے ہیں کچھ کیا نہیں ہے۔''

''خدا کا خوف کرو یار ابھی تم نے ایک بندے کو اچھا خاصا دہشت زدہ کیا ہے اور اس کا سر بھی بجایا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میرا اشارہ اس طرف ہے۔'' عبداللہ نے ہاتھ سے پستول کا اشارہ کیا۔

''تب تیاری کرو۔'' وسیم نے کہا۔

''تم تھکے ہوئے آئے ہو آرام کرو میں اور عبداللہ دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''شہباز صاحب یہی تو اپنا آرام ہے۔'' وسیم مسکرایا۔ ''سادی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے آرام ہی آرام تھا، اب ذرا کھولوں گا۔''

''وین ایاز کے گیراج میں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بڑے کام کی گاڑی ہے۔''

''اس کے بغیر بھی ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔'' وسیم نے کہا اور اندر جاتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنے آدمیوں کو تیار کرتا ہوں۔''

عبداللہ اور رئیس اس کے ساتھ چلے گئے ان کے جانے کے بعد میں نے بیگ ذرا سا کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک نیا سلا ہوا سفید کرتہ شلوار تھا۔ کرتہ ہاتھ سے کڑھا ہوا تھا۔ ہاتھ سے کڑھے ہوئے رومال تھے۔ گڑ اور گندم سے بنی ٹکیاں تھیں۔ مکئی کے گڑ میں بھنے دانے تھے۔ یہ سب مجھے پسند تھے۔ میں نے ایک رومال نکال کر جیب میں رکھ لیا۔ یہ سب سویرا کی پسندیدہ خس کی خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ میں یہ سب یہاں نہیں رکھ سکتا تھا اس لیے بیگ منی پیجیرو میں رکھ دیا۔ میرا دل بے اختیار مچلا کہ سویرا سے بات کروں مگر میں نے دل کو تھپکا کہ موقع نہیں ہے۔ یہاں سے کال کرنے کا مطلب تھا کہ ڈیوڈ شا کو اس جگہ کا علم بھی ہو جائے گا۔ جیسے اسے فیض آباد والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھی کا پتا چل گیا تھا اس لیے میں دل مار کر رہ گیا۔

○.....❖.....○

وسیم کے آدمی اتنے منظم تھے کہ دس منٹ میں سات افراد پوری تیاری کے ساتھ حویلی کے پورچ میں موجود تھے۔ ان سب نے ٹی شرٹس کے نیچے بلٹ پروف جیکٹ پہن رکھی تھی۔ فی الحال اسلحہ کسی کے پاس نہیں تھا مگر وہ گاڑیوں میں موجود تھا۔ میں نے اور عبداللہ نے بھی بلٹ پروف پہنا۔ گرمی میں یہ خاصا چبھتا لیکن گولی کے زخم کے مقابلے میں یہ چبھن کچھ بھی نہیں تھی۔ اسلحے کے علاوہ وسیم اس مہم کے لیے خصوصی سامان الگ سے ایک بڑے سوٹ کیس میں لایا تھا۔ ہم سب دو گاڑیوں میں سوار ہوئے۔ ایک پرانے ماڈل کی ملٹری جیپ تھی جس کا پچھلا حصہ جو عام طور سے کینوس سے بنا ہوتا ہے اس میں فولادی تھا۔ اندر نشستیں لگائی گئی تھیں۔ دوسری پوٹھوہار جیپ تھی۔ یہاں ایک ٹویوٹا ڈبل کیبن اور ایک بڑی ڈاج پک اپ تھی۔ مگر ان کی ضرورت نہیں تھی۔ اس میں ہم تینوں آ گئے جب کہ وسیم کے آدمی ملٹری جیپ میں تھے۔ دونوں گاڑیاں کچے اور ناہموار راستوں پر چلنے میں بے مثال تھیں۔ وسیم نے ایک نقشہ نکالا اور اسے سامنے پھیلایا۔ اس نے اندر کی روشنی آن کر دی تھی۔

''اس طرف سے ایک راستہ مرشد کے اڈے کی طرف جاتا ہے۔ کچا ہے مگر برا نہیں ہے، ہاں بارش ہو جائے تو بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ دو کلومیٹر کے بعد ہمیں پکی سڑک مل جائے گی لیکن اس کی وجہ سے ہمیں مری بائی دے کا چکر نہیں کاٹنا پڑے گا۔ ہم براہِ راست اس کے علاقے میں نکلیں گے۔ وہیں ان چچازادوں کی رہائش ہے۔''

''بس تو پھر چلو۔'' میں نے کہا۔ ڈرائیو وسیم کرتا اس نے اسٹارٹ کی اور آگے بڑھائی۔ گیٹ پر موجود گارڈ نے پٹ کھولے اور دونوں گاڑیاں باہر آ گئیں۔ ہم مری بائی وے سے مخالف سمت روانہ ہوئے۔ پانچ منٹ بعد وسیم نے جیپ سڑک سے کچے راستے پر موڑ لی۔ یہ کچی سڑک اونچے نیچے ٹیلوں اور چھوٹے پہاڑوں کے بیچ سے بل کھاتی گزر رہی تھی۔ رات کی وجہ سے رفتار نہایت سست تھی اور عملاً دونوں گاڑیاں پیدل کی رفتار سے چل رہی تھیں۔ عبداللہ نے خود کو لڑھکنے سے بچاتے ہوئے کہا۔ ''اس طرح تو ہم صبح پہنچیں گے۔''

''صرف بیس منٹ کا راستہ ہے۔'' وسیم نے کہا اور اس کا کہنا درست ثابت ہوا۔ بیس منٹ سے بھی پہلے دوسری پختہ سڑک پر نکلے تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ بجی اور لسی کا خمار اس راستے نے اتار دیا تھا اور اب جسم کے ساتھ ذہن بھی چاق و چوبند ہو گیا تھا۔ سب نے سڑک آنے کے بعد سکون کا سانس لیا تھا۔ مگر ابھی عشق کے امتحان ختم نہیں ہوئے تھے۔ مخالف سمت میں چند منٹ کے سفر کے بعد وسیم نے دوبارہ گاڑی کچے میں اتار دی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں راستہ ناہموار تھا مگر میدان سے گزر رہا تھا۔ کہیں کہیں گھنے درختوں کے جھنڈ تھے اور اکثر جگہوں پر جھاڑیاں تھیں۔ لوگ یہاں اپنے مویشی چراتے تھے۔ کہیں کہیں اکا دکا زرعی زمین بھی تھی۔ پھر روشنیاں نظر آئیں تو ہم چوکنا ہو گئے کیونکہ یہ روشنیاں مرشد کے اڈے یعنی نام نہاد درگاہ کی تھیں۔ مگر وہ ہم سے بہت دور اور جنوب مشرق میں رہیں۔ ہم ان سے کترا کر شمال کی طرف بڑھے۔

''بس ایک کلومیٹر دور ہے اب۔'' وسیم نے کہا تو میں حیران ہوا۔ یہ راستہ تو واقعی بہت مختصر ثابت ہوا تھا ورنہ اسلام آباد ایکسپریس وے سے گزر کر آنے میں اس سے تین گنا وقت اور پانچ گنا فاصلہ لگ جاتا۔ درمیان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک خشک پہاڑی نالہ آیا مگر اس میں پانی نہ ہونے کے برابر تھا ہم آرام سے دوسری طرف نکل آئے۔ پھر ایک احاطہ دکھائی دیا۔ وسیم نے اس سے بھی دوری رکھی۔ ''یہ ہے ان چاروں بھائیوں کی رہائش گاہ۔''

''جواب تین رہ گئے ہیں۔'' عبداللہ نے تصحیح کی۔ ''مگر ان کی آل اولاد کی تعداد خاصی ہے۔ میرے علم کے لحاظ کے چاروں بھائیوں کے ملا کر کوئی چودہ بیٹے اور شاید اتنی ہی بیٹیاں ہیں۔''

''مگر مرشد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میری اطلاع کے مطابق اس کے تین بیویوں سے کوئی چھ سات بیٹے اور دس کے قریب بیٹیاں ہیں۔ ناجائز اولادوں کا خود اسے بھی پتا نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''مگر اس کے سارے بیٹے چھوٹے ہیں شاید سب سے بڑا چودہ برس کا ہوگا۔''

وسیم نے جیپ روک دی اس نے روشنیاں پہلے ہی بند کر دی تھیں اور پچھلی جیپ والوں نے بھی اس کا اتباع کیا تھا۔ مجھے خیال نہیں آیا کہ وہ خاصی تاریکی میں کیسے ڈرائیو کر رہا ہے جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں پر نائٹ ویژن نظر آئی۔ وہ اس کی مدد سے سب صاف دیکھ رہا تھا۔ جیپ رکتے ہی اس نے ہمارے لیے نائٹ ویژن نکالیں۔ انہیں پہن کر ہم بھی سب صاف دیکھ سکتے تھے۔ بس ماحول ہرا ہرا ہو رہا تھا۔ دوسری جیپ سے بھی سب اتر آئے تھے اور انہوں نے بھی نائٹ ویژن پہن لی تھیں۔ وسیم نے جیپ کے پچھلے حصے میں موجود اسلحہ سب میں تقسیم کیا۔ ہر آدمی کو ایک خود کار رائفل، اس کے تین میگزین، ایک پستول اور اس کے دو میگزین ملے تھے۔ منتخب افراد کو ہینڈ گرینیڈز بھی دیے۔ پھر دوسری جیپ سے تین عدد خاصی بڑی نال والی تین عدد اسنائپر رائفلیں اتاری گئیں۔ ان پر ایسی جدید دوربین نصب تھی جو رات کی تاریکی میں بھی دکھاتی تھی۔ آخر میں وسیم نے سب کو جدید قسم کے ریڈیو دیئے جن کا یونٹ سامنے بلٹ پروف پر لگ جاتا اور مائیک کان پر آ جاتا۔ اس کی مدد سے ہم سب آپس میں رابطے میں رہتے۔

وسیم کے چار آدمی مع عبداللہ کے جیپوں کے آس پاس رک گئے۔ ان کا کام جیپوں کی حفاظت کرنا اور اس طرف آنے والوں سے نمٹنا تھا۔ میں وسیم اور تین افراد جنہوں نے اسنائپر گنیں اٹھا رکھی تھیں ہمارے ہمراہ پہاڑی کی طرف بڑھے۔ وسیم نے ایک بیگ اضافی اٹھا رکھا تھا۔ نائٹ ویژن کی وجہ سے بہت آسانی ہو رہی تھی کیونکہ ہم تقریباً تاریکی میں بغیر ٹھوکر کھائے آرام سے چل رہے تھے۔ دس منٹ بعد ہم پہاڑی پر تھے جو نیم دائرے کی صورت میں پھیلی ہوئی تھی۔ وسیم نے ایک آدمی کو اسنائپر رائفل سمیت ایک جگہ مورچہ بنانے کو کہا۔ باقی دو آدمیوں کو ایک اور جگہ مورچہ بنانے کے لیے چھوڑا اور ہم پہاڑی کے سب سے بلند حصے میں آئے۔ یہاں سے احاطہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اندر روشنیاں تھیں اور ان روشنیوں میں وہاں ٹہلتے مسلح افراد دکھائی دے رہے تھے۔ مگر فاصلہ پانچ سو گز سے زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ واضح نہیں تھے۔ وسیم نے اسنائپر رائفل لگانے سے پہلے بیگ سے ایک ذرا بڑی دوربین نکال کر میرے حوالے کی۔

''ذرا جائزہ لیں۔ عینک ہٹا دیں یہ بھی نائٹ ویژن موڈ رکھتی ہے۔''

میں نے دوربین کو نائٹ ویژن موڈ پر کیا تو سارا منظر کھنچ کر آنکھوں میں آ گیا۔ میں نے احاطے کا جائزہ لیا۔ وہاں چار مختلف کوٹھیوں کے گرد سات یا آٹھ مسلح افراد تھے لیکن مجھے شبہ ہوا کہ وہ کرائے پر ملنے والے سکیورٹی گارڈز تھے۔ انہوں نے وردیاں کچھ ایسی ہی پہنی ہوئی تھیں۔ کوٹھیاں تاریک تھیں وہاں اکا دکا روشنیاں تھیں مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احاطہ اچھا خاصا روشن تھا۔ اس کی چار دیواری تقریباً دس فٹ اونچی تھی اور اس پر کوئی تین فٹ کی خاردار باڑ لگی ہوئی تھی۔ احاطے سے باہر آنے جانے کے لیے ایک ہی گیٹ تھا۔ یہ بند تھا اور اس پر دو افراد تھے لیکن وہ اندر تھے۔ اتنی دیر میں وسیم نے رائفل سیٹ کر لی تھی۔ اس کا ٹرائی پوڈ تھا کیونکہ اسے خالی ہاتھوں سے چلانا مشکل تھا۔ اس کا جھٹکا زوردار ہوتا۔ میں نے کہا۔ ''ان لوگوں نے عام قسم کی سیکورٹی رکھی ہے۔ یہ مرشد کے بدمعاشوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔''

وسیم نے اپنی دوربین سے دیکھا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ ایجنسی سیکورٹی گارڈ ہیں۔ بالکل بے کار اور نااہل۔''

ہم ابھی تک احاطے کا معائنہ کر رہے تھے اور آس پاس دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے ذرا دوربین گھمائی تو میری توجہ احاطے کے عقبی حصے میں موجود چند افراد کی طرف گئی جو دیوار کے پاس جمع تھے۔ میں نے دوربین ایڈجسٹ کی تو وہ واضح ہوگئی۔ وہ اس طرح سے تھے کہ یہاں سے واضح دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اگر وہ دیوار سے چپکے ہوتے تو شاید بالکل دکھائی نہ دیتے مگر وہ لاپروائی سے دیوار سے ذرا الگ چل رہے تھے اس لیے میری نظروں میں آگئے۔ میں نے گنا تو ان کی تعداد چھ نکلی۔ وہ سب مسلح تھے۔ پھر ان میں سے ایک شخص آگے آیا جس نے کوئی بھاری چیز اٹھا رکھی تھی اور وہ دیوار کے قریب بیٹھ کر کچھ کرنے لگا۔ میں نے وسیم کو متوجہ کیا۔ ''دیکھنا یہاں کچھ لوگ ہیں۔''

''یہ تو گڑبڑ ہے۔'' اس نے دیکھنے کے بعد کہا۔ ''میرا خیال ہے یہ حملہ کرنے آئے ہیں۔''

''صرف چھ بندے؟''

''نہیں اور ہوں گے۔ آپ آس پاس دیکھیں میں ان کو چیک کرتا ہوں۔'' وسیم نے اپنی رائفل ان کی طرف گھمائی اور میں احاطے کے آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔ جلد انکشاف ہوا کہ احاطے کے تقریباً چاروں طرف ہی کم و بیش دو درجن افراد موجود تھے ممکن ہے ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو اور وہ سب پوری طرح مسلح مگر چھپے ہوئے تھے۔ اچانک وسیم بولا۔ ''میرے خدا یہ کوئی بہت بڑا بم لگا رہے ہیں۔ یہ تو دیوار کے ساتھ موجود کوٹھی کو بھی تباہ کر دے گا۔''

''انہیں روکو۔'' میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ''ورنہ نہ جانے کتنے بے گناہ مارے جائیں گے۔''

وسیم نے کان پر لگے ہیڈ سیٹ پر انگلی رکھی اور اپنے اسنائپرز برداروں کو حکم دیا۔ ''احاطے کے آس پاس دیکھو اور جو مسلح شخص نظر آئے اسے اڑا دو۔'' حکم دیتے ہوئے وسیم خود بھی نشانہ لے رہا تھا اور پھر اس نے سانس روک کر ٹریگر دبا دیا۔ میرا خیال تھا کہ گولی چلنے کا دھماکہ بہت زیادہ ہوگا مگر کوئی دھماکا نہیں ہوا اس کے بجائے ٹھس کی ہلکی سی آواز آئی۔ رائفل سائلنسر ڈ تھی۔ میں نے دوربین گھما کر دیکھی۔ وسیم نے جس کا نشانہ لیا تھا وہ گر گیا تھا اور وہی بم لگا رہا تھا۔ اس کے ساتھی بدحواس ہو کر چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے کسی سمت اندھا دھند فائرنگ کی۔ پورا علاقہ اس کے چلائے برسٹ سے گونج اٹھا۔ وسیم نے فوراً اس کے پاس والے کو نشانہ بنایا۔ میں دوربین گھما کر دیکھ رہا تھا۔ وسیم کے آدمیوں نے نشانے لگانا شروع کر دیئے تھے۔ میں نے ایک منٹ میں کم سے کم تین افراد کو گرتے دیکھا تھا۔ دوسری طرف سے بدحواس مسلح افراد نے یہ جانے بغیر کہ ہم کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں اندھا دھند گولیاں چلانا شروع کر دی تھیں۔

اس بار ایسا لگا جیسے میدانِ جنگ سج گیا ہو۔ گولیوں کے شعلے بلندی سے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ احاطے میں موجود افراد فائرنگ کی آوازوں سے پریشان ہو کر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ گیٹ کی طرف آئے اور کچھ عقبی سمت گئے جہاں سے سب سے پہلے فائر کی آواز آئی تھی۔ کوٹھیوں کی روشنیاں جلنے لگی تھیں۔ وسیم نے تیسرے آدمی کو نشانہ بنایا تھا کہ اچانک ہی احاطے کی طرف سے بے پناہ تیز اور چکا چوند کرنے والی روشنی نمودار ہوئی اور دھماکے کی آواز ہم تک کچھ دیر سے پہنچی تھی۔ وسیم نے بم لگانے والے کو مار گرایا تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ بم کسی اور نے اڑا دیا تھا۔ بم اتنا طاقتور تھا کہ اس کی شاک ویو اتنی دور سے بھی محسوس ہوئی تھی۔ جہاں دھماکہ ہوا تھا وہاں اتنا بڑا شعلہ نکلا جو دس بارہ سیکنڈ تک برقرار رہا تھا اور اس دوران میں ہمارے لیے اس طرف دیکھنا مشکل ہو رہا تھا میں نے دوربین کا نائٹ ویژن موڈ ختم کیا اور پھر آنکھوں سے لگایا تو ایک خوفناک منظر سامنے آیا۔

اس طرف نہ صرف احاطے کی دیوار بارہ تیرہ گز تک صاف ہو گئی تھی بلکہ اس کوٹھی کا بڑا حصہ بھی منہدم ہو گیا تھا جس کے ساتھ بم لگا تھا۔ اس ملبے سے دھڑا دھڑ شعلے اٹھ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ جو لوگ باہر موجود تھے وہ بھی اس بم کا شکار ہو گئے تھے۔ وسیم کا بھی یہی خیال تھا کیونکہ وہ سب پاس ہی تھے۔ میں نے کہا۔ ''یہ تو سچ مچ کا محاذ چھڑ گیا ہے۔''

''مگر یک طرفہ ہے جناب، یہ لوگ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے اب یہ کام ہمیں ہی کرنا ہوگا۔'' وسیم نے کہا اور ایک فائر کیا۔ ''یہ چوتھا گیا۔''

''اتنے ہی تمہارے آدمیوں نے بھی مار گرائے ہیں۔''

''یعنی دشمن کی نصف نفری صاف ہو گئی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''کم سے کم چار بم کا نشانہ بنے ہیں۔''

میں نے دوربین سے احاطے کے آس پاس کا جائزہ لیا۔ کھیتوں میں مکئی کی فصل تھی مگر وہ زیادہ بلند نہیں تھی اس میں کھڑا آدمی فوراً نظر میں آتا اس لیے وہاں موجود لوگ لیٹے ہوئے تھے اور اب اس پہاڑی کی سمت گولیاں برسا رہے تھے مگر ہم ان کی رینج سے باہر تھے۔ البتہ مجھے عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کی فکر تھی۔ میں نے دوربین سے ان کے آس پاس کا جائزہ لیا اور فوراً ہی مجھے تین افراد اس طرف رینگتے دکھائی دیئے وہ ان سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر تھے میں نے ریڈیو پر کہا۔ ''عبداللہ تین افراد تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ دو سو گز کی دوری پر شمال مشرق کی طرف سے۔''

''ہم ان سے نمٹتے ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

اب میں نے رہنمائی کا کام سنبھال لیا۔ میں افراد کو تلاش کرتا اور اسنائپرز کو بتاتا۔ رائفل دوربین کو ایک حد سے زیادہ حرکت دینا مشکل تھا اور اس کا کینوس بھی وسیع نہیں تھا بہت صاف دکھاتی تھی لیکن محدود جگہ دکھاتی تھی۔ اسی دوران میں درگاہ مرشدیہ کی طرف سے گاڑیوں کی روشنیاں نمودار ہوئیں اور وہ تیزی سے اس طرف آ رہی تھیں۔ میں نے وسیم کو خبردار کیا اور اس نے اس طرف موجود اسنائپر کو حکم دیا کہ ان گاڑیوں کو ناکارہ کر دے۔ اسنائپر اپنے کام میں لگ گیا۔ میں نے دوربین گاڑیوں کی طرف کی آگے والی ایک کھلی جیپ تھی جس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدمعاشوں کے سے انداز میں کوئی درجن بھر اسلحہ بند سوار تھے اور وہ خاصی رفتار سے آ رہی تھی۔ اچانک اس کا اگلا دایاں ٹائر برسٹ ہوا۔ وہ گھوم کر مڑی اور سڑک پر قلابازیاں کھانے لگی۔ کچھ افراد اچھل کر باہر گرے اور ان کی بچت ہوگئی کیونکہ جو جیپ میں تھے ان کا حشر ہو گیا تھا میں نے ایک سرکٹ کر باہر گرتے دیکھا تھا۔ دوسری گاڑی جو ایک لگژری فور وہیل تھی اس نے رفتار کم کی اور اسی وجہ سے الٹنے سے بچ گئی۔ اسنائپر نے اس کا ٹائر بھی اڑا دیا۔ ابھی وہ احاطے سے ایک کلومیٹر دور تھیں۔

بیشتر افراد کے مارے جانے کے بعد اب بچے کھچے بھاگ رہے تھے اس لیے وسیم نے فائرنگ روک دینے کا حکم دیا۔ میری توجہ احاطے کی طرف تھی۔ وہاں اب زیادہ مسلح افراد نظر آ رہے تھے۔ یقیناً کچھ گارڈز کوٹھیوں کے اندر بھی ہوں گے وہ باہر نکل آئے تھے اور پھر اصفر، اس کے بھائی بھتیجے بھی مسلح ہو کر باہر آئے تھے۔ ان کو بالکل علم نہیں تھا کہ کیا ہوا ہے؟ وہ ٹوٹی دیوار کے پاس تھے اور تباہ شدہ کوٹھی میں لگی آگ بجھانے کی کوشش کی جا رہی تھی مگر آگ نہایت شدید تھی۔ یقیناً کوٹھی میں بچ جانے والے افراد نکال لیے گئے تھے اور جو نہیں آ سکے تھے ان کے بچنے کا امکان مشکل نظر آ رہا تھا۔ اتنا بڑا دھماکا، فائرنگ اور پھر کم و بیش دو درجن افراد کی ہلاکت معمولی واقعہ نہیں تھی جلد یا بدیر یہاں پولیس کی آمد یقینی تھی اور اس سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا تھا۔

درگاہ مرشدیہ کی طرف سے مسلح افراد کی بہ طور کمک آمد ثابت کرتی تھی کہ احاطے پر حملہ مرشد کے آدمیوں نے کیا تھا۔ وہ بم اڑانے میں کامیاب رہے تھے لیکن اس کے بعد یہ حملہ مکمل طور پر ناکام رہا تھا۔ حملہ آوروں کو بھاری جانی نقصان اٹھا کر پسپا ہونا پڑا تھا۔ پہلے آنے والے افراد میں سے نصف مارے گئے تھے اور کئی شدید زخمی تھے۔ کمک کے لیے آنے والی ایک گاڑی تباہ اور اس میں موجود افراد مارے گئے تھے یا شدید زخمی تھے۔ دوسری گاڑی والے بچ گئے تھے مگر انہوں نے الٹے قدموں درگاہ کا رخ کیا تھا۔ پھر احاطے والے بھی اب ہوشیار اور مسلح تھے اس لیے امکان کم تھا کہ ان پر پھر حملہ ہو سکے گا۔ اب ہمارا یہاں سے نکل جانا ہی مناسب تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''پیک اَپ کرو۔''

وسیم نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا اور اسنائپر رائفل فولڈ کرنے لگا۔ اسے سمیٹ کر ہم نیچے اترنے لگے۔ دس منٹ بعد سب گاڑیوں کے پاس جمع تھے اور روانگی اختیار کر رہے تھے۔ ہم اسی راستے سے واپس جاتے۔ اس بار بھی احتیاطاً دونوں جیپوں کی روشنیاں بند رکھی تھیں۔ جب تک ہم جھاڑیوں تک پہنچ گئے اور پھر روشنیاں آن کر کے آگے بڑھنے لگے۔ یہاں سے دیکھ لیے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ ویسے دیکھ لیتا تو کوئی ہمارے پیچھے نہ آتا مگر اس سے یہ پتا چل جاتا کہ ہم اس طرف سے آئے تھے۔ میں نے موبائل نکال کر چیک کیا مگر اس پر سگنل نہیں تھے۔ سگنل ہمیں آگے سڑک پر ملے اور میں نے وہ نمبر ملایا جس پر اصفر سے بات ہوئی تھی۔ کال خاصی دیر بعد کسی اور نے ریسیو کی اور وحشت زدہ لہجے میں بولا۔ ''کون ہے کس سے بات کرنی ہے۔''

''ایس ملک..... اصفر سے بات کراؤ۔''

''ادھر آگ لگی ہے تجھے بات کی پڑی ہے۔'' اس نے چلا کر کہا لہجے سے وہ کوئی ملازم لگ رہا تھا۔

''بکواس بند کرو..... میں اسی سلسلے میں اصفر سے بات کرنا چاہتا ہوں اگر تم نے ایک منٹ میں بات نہ کرائی تو نتیجے کے خود ذمے دار ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھمکی سے زیادہ وہ میرے لہجے سے ڈر گیا تھا۔ ''اچھا جی کراتا ہوں۔''

کچھ دیر بعد اصغر لائن پر تھا۔ ''شہباز ملک تم.....''

''نام مت لو۔''

''یہاں قیامت گزر گئی ہے۔'' وہ بھی وحشت زدہ تھا۔ ''اصغر اپنی بیوی اور دو بیٹوں کے ساتھ مارا گیا ہے۔''

''اصغر کون ہے؟''

''میرا چھوٹا بھائی۔'' وہ رونے لگا تھا۔ ''مرشد نے ہمارا خاندان تباہ کر دیا ہے۔''

یہ خاندان جس طرح بنا تھا اور اس مقام تک پہنچا تھا اس کا مقدر ہی تباہی تھا۔ مگر میں نے رسمی ہمدردی کی۔ ''مجھے افسوس ہے ہم ذرا دیر سے آئے اور مرشد کے آدمی اس وقت تک بم لگا چکے تھے۔''

اصغر چونکا۔ ''تم؟..... کب آئے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے باہر حملہ آوروں کو تمہارے ان گارڈز نے روکا ہے جو کسی کام کے نہیں ہیں۔ باہر مرشد کے آدمیوں کی کم سے کم ڈیڑھ درجن لاشیں موجود ہیں۔ اگر تم لوگ ہمت کرو تو انہیں دیکھ سکتے ہو۔ مرشد ان لاشوں کو واپس حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے گا کیونکہ یہ اس کے خلاف ثبوت ہوں گی۔ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب رہا تو اس کے بعد اس کے لیے اپنی گردن بچانا بہت آسان ہو جائے گا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''ہاں سمجھ رہا ہوں۔''

''مرشد کا منصوبہ بری طرح ناکام رہا۔ میرا خیال ہے وہ آج ہی تم سب کا خاتمہ چاہتا ہوگا۔ اس کی حالت زخمی سانپ کی سی ہے جو واپس بل میں گھس گیا ہے۔ اسے یہ ڈر بھی کھائے جا رہا ہوگا کہ دور و نزدیک جو حقیقی درگاہیں ہیں ان کے سجادہ نشین اس نوزائیدہ درگاہ کا پول کھول سکتے ہیں۔ اس کا اثر اس کی سیاست پر بھی پڑے گا۔ اب اسے مہلت دی تو وہ صحت یاب ہو کر پھر حملہ کرے گا۔''

''تب ہم کیا کریں؟''

''ہمت کرو اور باہر نکل کر اپنے علاقے کا کنٹرول سنبھالو۔ لاشوں کو اپنی تحویل میں لے لو اور ان کی تصویریں اور ویڈیو بھی بنا لو۔ یہ کام پولیس کی آمد سے پہلے کر لو کیونکہ پولیس بھی مرشد کی غلام ہے ان کا بھروسا نہیں ہے کہ وہ سرے سے لاشیں ہی غائب کر دے۔''

''باہر خطرہ ہے۔''

''پہلے بھی تم یہ سوچ کر اندر بیٹھے رہے اور کیا ہوا۔ یقین کرو اگر ہم صرف دس منٹ کی تاخیر سے آتے تو وہ تم سب کو مار چکے ہوتے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ مرشد کے آدمی یہاں آ رہے ہیں۔''

''اس کے آدمیوں میں ہمارے جاسوس شامل ہیں ان سے ہمیں اطلاعات ملتی ہیں۔''

''تب تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ ''اتنا بڑا نقصان ہوا ہے ہمارا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیسے تم ابھی حجت کر رہے ہو اسی طرح اس وقت بھی یقین نہیں کرتے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ وقت ضائع کیے بغیر یہاں آجاؤں۔ میرے آنے سے تم سب بچ گئے ورنہ افسوس کرنے کے لیے زندہ نہ ہوتے۔ اب ہم وہاں سے نکل آئے ہیں اس لیے اب جو کرنا ہے تم نے کرنا ہے اور اس کا فیصلہ بھی تمہیں ہی کرنا ہے۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ دی۔

''یہ دبو آدمی ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''اور ارشد اسے سب سے جذباتی قرار دے رہا تھا۔'' میں ہنسا۔ ''اگر یہ ایف آئی آر ہی درج کرا دے تو اسے ہی بہت سمجھوں گا۔''

''یہ کسی صورت مرشد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

''اگر مقابلہ کر سکتے تو گدی سے یوں بے دخل نہ ہوتے۔'' عبداللہ بولا۔ ''شاید اس نے آپ کا شکریہ تک ادا نہیں کیا۔''

''اس جیسے لوگ کسی کا شکریہ ادا کرنا نہیں جانتے ہیں۔''

''بہرحال ہم نے مرشد کو ایک جھٹکا اور دیا ہے۔'' وسیم خوش تھا۔

''اس کے پاس لڑنے مرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔'' عبداللہ نے مایوسی سے کہا۔ ''کل اس کے پاس درجنوں اور آجائیں گے۔''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ایک لاش دس لوگوں کو ڈرا دیتی ہے اور مرشد کے آدمی کون سے جانثار ہیں۔ جو سچ مچ کے عقیدت مند ہیں وہ تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ انہیں محدود طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن ان پر انحصار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے مرشد کے پاس جو بدمعاش ٹولہ بچا ہے وہ اب اپنے بارے میں ضرور سوچے گا۔''

''یہی میں بھی کہہ رہا ہوں پچھلے چند مہینوں میں ہم ان میں سے پچاس ساٹھ کو ٹھکانے لگا چکے ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہمارے چند آدمی مارے گئے۔ یقیناً اس فرق کو محسوس کیا ہوگا۔''

''تربیت یافتہ افراد کی کمی آسانی سے پوری نہیں ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس معاملے میں مرشد کو اچھی خاصی زک پہنچی ہے اگر اس کے خلاف ایف آئی آر بھی آجائے تو اس پر مزید دباؤ آسکتا ہے۔''

''بالکل۔'' وسیم نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ''ایک بار مرشد کی اپنے شریکوں سے کھل کر جنگ ہو جائے تو اس کی آڑ میں اس کا صفایا کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔''

ہم نے کوئی حکمتِ عملی بہت زیادہ بحث مباحثے کے بعد نہیں بنائی تھی مگر حالات و واقعات اور پھر ہماری ذہنی ہم آہنگی سے ایک حکمتِ عملی جیسے خود بخود طے ہوتی چلی گئی۔ مرشد کو درندے کی طرح ہنکا کر اس طرف لایا جائے جہاں اس کا شکار آسان اور محفوظ ہو۔ یہ حکمتِ عملی کام کر رہی تھی۔ حالات ہمارے لیے موافق تھے۔ آدھے گھنٹے بعد ہم واپس حویلی پہنچ گئے تھے۔ مشن پوری طرح کامیاب رہا تھا اور ہم نے صرف چند سو گولیاں خرچ کر کے دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا تھا۔ آج کی رات یقیناً مرشد کے لیے بہت بھاری تھی۔ راستے میں اس پر بھی بحث ہوئی تھی کہ اصغر اور اس کے خاندان والوں کو ہم اپنی سکیورٹی دیں مگر میں نے مخالفت کی اور یہ تجویز مسترد ہو گئی۔ میرا موقف تھا کہ ہم براہِ راست کسی بھی معاملے میں ملوث نہیں ہوں گے۔ ہاں پس پردہ رہ کر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگ کو بھڑکانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ وسیم کا جو آدمی درگاہ میں تھا وہ بہت کم رابطہ کرتا تھا کیونکہ اس میں خطرہ بہت زیادہ تھا اگر وہ پکڑا جاتا تو اس کی موت بہت عبرتناک ہوتی۔ اس لیے وہ محتاط تھا۔

ہم واپس آئے تو رئیس الدین بے تابی سے ہمارا منتظر تھا اس نے گیٹ کھلتے ہی ہماری جیپ کے پاس آ کر کہا۔ ''شہاب کا پیغام آیا ہے میں نے ریکارڈ کر لیا ہے۔''

ہم اندر حویلی کے کنٹرول روم میں آئے جہاں جدید کمپیوٹرز کی مدد سے نہ صرف موصلاتی سسٹم بلکہ سکیورٹی سسٹم کو بھی کنٹرول کیا جا رہا تھا۔ یہاں ہمہ وقت ایک فرد موجود رہتا تھا۔ رئیس کے اشارے پر آپریٹر نے ریکارڈر چلایا۔ شہاب نے عجلت میں یہ پیغام ریکارڈ کرایا تھا اور وہ رکے بغیر بول رہا تھا۔ ''یہاں شام سے ہلچل مچی ہے۔ مسلح افراد تیاری کر رہے ہیں اور ایسا لگتا ہے وہ کہیں قتل و غارت گری کا بہت بڑا منصوبہ بنا کر جا رہے ہیں۔ مسلح افراد کی تعداد تیس کے قریب ہے۔ ان کے پاس بھاری ہتھیار ہیں اور ایک ہیرل نما بہت بڑا بم ہے۔ اس وقت درگاہ سے تمام غیر متعلقہ لوگوں کو ہٹا دیا گیا ہے اور عام ملازمین کو بھی ان کی رہائش گاہوں تک محدود کر دیا ہے کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میں بھی اپنے کمرے میں ہوں لیکن میں نے چوری چھپے یہ سب دیکھ لیا ہے۔ میں براہِ راست رابطہ نہیں کر سکتا کیونکہ میرے ساتھ ایک آدمی اور رہتا ہے اس لیے موقع پا کر وائس ایس ایم ایس کر رہا ہوں۔''

''یہ تو پرانی رپورٹ ہے۔'' میں نے کہا۔

''ایک پیغام اور بھی ہے۔'' رئیس نے جواب دیا اور آپریٹر کو دوسرا پیغام پلے کرنے کو کہا۔ شہاب کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

''ابھی دس منٹ پہلے درگاہ میں ہنگامی حالات نافذ کر دیے گئے ہیں۔ آدھا گھنٹا پہلے فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں آئی تھیں اس کے بعد درگاہ سے دو گاڑیاں مزید سولہ سترہ افراد کو لے کر گئی تھیں۔ مگر دونوں گاڑیاں واپس نہیں آ سکیں صرف سات افراد واپس آئے ہیں اور یہاں بہت شدید خوف و ہراس پایا جا رہا ہے۔ درگاہ کے تمام دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ ہر طرف مسلح افراد لگے ہیں مگر پہلے جانے والوں میں سے بھی چند ہی افراد واپس آئے ہیں۔ سنا ہے کہ کوئی تین درجن لوگ مارے گئے ہیں یا شدید زخمی ہیں۔ ان کا کچھ نہیں پتا کہ وہ کہاں ہیں۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''ایسا لگ رہا ہے کہ مرشد کی..... گئی ہے۔''

عبداللہ نے کہا۔ ''ایک خیال ہے کیوں نہ میڈیا کو اس معاملے میں شامل کر دیا جائے۔''

''وہ کیسے؟''

''میرے پاس تقریباً سارے چینلوں کے نمبر ہیں۔ میں کال کرتا ہوں۔''

''تجویز اچھی ہے میڈیا کے آنے سے حقائق چھپانا مشکل ہو جائے گا۔'' وسیم نے تائید کی۔

''تب فٹافٹ کرو، وقت گزر رہا ہے۔''

عبداللہ چینلوں پر کال کر کے یہ اطلاع دینے لگا۔ پھر اس نے ایک واقف کار صحافی کو بھی کال کر کے بتایا۔ وہ اس کے اعتماد کا آدمی تھا اور عبداللہ کا نام کسی صورت سامنے نہیں لاتا۔ اس بھاگ دوڑ نے تھکایا تو نہیں تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر مجھے اب غسل کی خواہش ہو رہی تھی۔ رئیس نے مجھے ایک کمرا دکھایا۔ اس کے ساتھ اٹیچ باتھ بھی تھا۔ سفیر برابر والے کمرے میں تھا۔ جب تک میں نہا دھو کر تازہ دم ہو کر آیا۔ مختلف چینلوں پر بریکنگ نیوز آنا شروع ہو گئی تھی۔ مگر فی الحال کوئی نیوز ٹیم جائے وقوع پر نہیں پہنچی تھی۔ چینل والے پولیس انتظامیہ سے بھی رابطہ کر کے واقعے کے بارے میں پوچھ رہے تھے مگر ان کی طرف سے فی الحال کسی بیان سے انکار کیا جا رہا تھا۔ پولیس ترجمان کا کہنا تھا کہ ابھی تصدیق کی جا رہی ہے اور پولیس کی ٹیمیں جائے وقوع پر روانہ کر دی گئی ہیں۔

عبداللہ نے اپنے واقف کار صحافی کو بریف کر دیا تھا کہ یہ اصل میں مرشد خاندان کی گدی کے پیچھے آپس میں لڑائی کا شاخسانہ تھا۔ اس لیے کئی چینلوں پر اس کا ذکر بھی آ رہا تھا۔ مجھے بہت خوشی ہو رہی تھی مرشد اور اس کے خاندان کا نام یوں اچھلنے پر۔ آدھے گھنٹے بعد میڈیا ٹیمیں بھی علاقے میں پہنچ چکی تھیں۔ پولیس نے اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر عام لوگوں اور میڈیا ٹیموں کو آگے جانے سے روک دیا۔ مگر ان کے کیمرا مین اپنا کام کر رہے تھے۔ تباہ شدہ کوٹھی دکھائی جا رہی تھی اور کئی لاشیں بھی ٹی وی اسکرین پر نظر آ چکی تھیں۔ پھر اصغر اور اس کے خاندان والوں کو پتا چلا کہ میڈیا آ گیا ہے تو انہوں نے باقاعدہ پریس کانفرنس کا اعلان کر دیا۔ پولیس نے میڈیا اور صحافیوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی۔

اصغر، اس کا بچنے والا بھائی اکبر اور چند دوسرے افراد بھی باہر میڈیا کے سامنے آئے اور انہوں نے نہایت جذباتی انداز میں بتایا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ انہوں نے مرشد پر ارشد علی کے قتل اور اس حملے کا واضح الزام لگاتے ہوئے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے کو کہا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر پولیس نے ایف آئی آر درج نہیں کی تو وہ عدالت میں جائیں گے۔ اس پریس کانفرنس نے وہ کام کیا جو میرے خیال میں دس ایف آئی آر بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ اصغر نے الزام لگایا کہ آس پاس مرشد کے سکہ بند بدمعاشوں کی لاشیں موجود تھیں اور اسے خدشہ تھا کہ پولیس ان لاشوں کی شناخت بدل دے گی۔ نیز یہاں درگاہ سے آنے والی دو تباہ شدہ گاڑیاں بھی تھیں۔ اصغر نے میڈیا کو ان کی نمبر پلیٹ اور لاشوں کی تصاویر بھی دیں جو انہوں نے پولیس کی آمد سے پہلے لے لی تھیں۔ ساتھ ہی اس نے مرشد جیسے سفاک اور قاتل شخص کے خلاف حکومت سے سکیورٹی طلب کی تھی۔ اس نے جذباتی انداز میں کہا۔

''ہم کب سے سکیورٹی مانگ رہے تھے۔ اگر حکومت پہلے ہماری بات سن لیتی تو ہمارے خاندان کو یہ میتیں نہ اٹھانی پڑتیں۔''

آدھے گھنٹے کی اس پریس کانفرنس نے مرشد کو اچھا خاصا بے نقاب کر دیا تھا۔ اب اس کے لیے اپنے جرائم سے انکار آسان نہیں ہوتا۔ اس پریس کانفرنس نے پولیس کو بھی مشکل میں ڈال دیا تھا اب وہ چاہنے کے باوجود حقائق نہیں چھپا سکتی تھی۔ جب میڈیا اور پریس نے پولیس افسران کو گھیرنا شروع کیا اور ان سے سوالات کیے تو ان کو جواب دینا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے ہر سوال کا جواب گول کر کے جان چھڑائی تھی۔ وسیم نے کہا۔ ''یہ تو لگ رہا ہے کہ پولیس مرشد کو بچانے کے لیے پوری طرح کمربستہ ہے۔''

''کیونکہ وہ ان کا مائی باپ جو ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''حکومت انہیں اتنی تنخواہ نہیں دیتی ہے جتنی خیرات مرشد دے دیتا ہے۔ مگر مرشد کے لیے جان چھڑانا آسان نہیں ہوگا۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ پولیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایف آئی آر درج نہ کرے اور اصفر اینڈ پارٹی عدالت چلی جائے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وسیم نے جماہی لی۔ ''دیکھتے ہیں کہ اب کیا ہوتا ہے۔''

○.....❖.....○

کچھ دیر بعد سب آرام کے لیے اٹھ گئے تھے۔ وسیم نے آج ڈبل سفر کیا تھا اور میں بھی تھک گیا تھا۔ حویلی فیض آباد والی کوٹھی کی طرح آراستہ اور پُرتعیش نہیں تھی۔ یہاں صرف نشست گاہ اور چند کمروں میں فرنیچر تھا۔ رہائش کے لیے مخصوص کمروں میں وہی آسانی رکھی گئی تھی کہ فرش پر انڈر لے کے ساتھ قالین ڈال لیے تھے۔ اسی پر سوتے، اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے تھے۔ کمروں میں اے سی فٹ تھے اور ہم دل کھول کر ان کا استعمال کر رہے تھے۔ میں تکیہ لے کر لیٹ گیا۔ اب تک جو ہوا تھا میں اس سے خاصا مطمئن تھا اس لیے خنکی نے ذرا دیر میں تھپک کر مجھے سلا دیا۔ صبح ذرا جلدی آنکھ کھلی تو تازہ دم تھا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ منہ پر پانی مار کر میں باہر لان میں نکل آیا۔ موسم کسی قدر خنک تھا اور ہوا چل رہی تھی۔ مگر سورج نکلتے ہی موسم گرم ہو جاتا۔ جون کا تیسرا ہفتہ ختم ہونے کو تھا اور ابھی تک صحیح معنوں میں مون سون کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

کچن کے ساتھ ہی ڈائننگ روم تھا اور ناشتہ چل رہا تھا۔ سفیر اٹھ گیا تھا۔ عبداللہ اس کے ساتھ تھا اور اسے رات کی روداد سنا رہا تھا۔ سفیر نے مجھے دیکھ کر سر ہلایا۔ ''میری ذرا سی نیند میں تم لوگوں نے اتنا کچھ کر دیا۔''

''کیونکہ ٹو سو رہا تھا۔'' میں نے سر ہلایا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ میز پر خالص لاہوری ناشتہ تھا یعنی کلچے اور سری پائے۔ رات کا کھایا پیا ہضم ہو گیا تھا۔ سفیر نے کہا۔

''رات مانی کا میسج آیا تھا۔ وہ خیریت سے ہے اور ہماری خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہے۔''

''میں سوچ رہا ہوں آج اس کے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر کر دوں۔'' عبداللہ بولا۔

''یہ اچھا ہے اسے کہنا نہ پڑے۔'' میں نے تائید کی۔ ''ٹی وی پر کوئی تازہ اَپ ڈیٹ آئی ہے۔''

''پولیس نے مرشد کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کر دیا ہے۔'' وسیم نے اندر آتے ہوئے کہا۔ ''میری ابھی اصفر سے بات ہوئی ہے اور وہ اب عدالت جا رہے ہیں۔''

''گذرات کے واقعے کی کیا خبر ہے؟''

''پولیس کے مطابق اس واقعے میں چوبیس افراد مارے گئے جن میں سے سات کا تعلق اصفر سے تھا۔ سترہ افراد نامعلوم ہیں۔ زخمیوں کی تعداد انیس ہے۔ سات افراد اصفر کے ہیں اور باقی.....''

''نامعلوم۔'' میں ہنسا۔ ''پولیس مُردوں سے اقبال کرا لیتی ہے اور یہاں زخمی بھی نامعلوم ہیں۔''

''ٹی وی اور اخبارات نے بڑے بڑے پیمانے پر کوریج کی ہے لاشوں اور زخمیوں کی تصاویر بھی دی ہیں جو اصفر نے انہیں مہیا کی تھیں۔''

''باہر مارے جانے والوں کے بارے میں اصفر اینڈ پارٹی نے کیا بیان دیا ہے؟''

''ان کا کہنا ہے کہ وہ اس بارے میں نہیں جانتے دھماکے اور فائرنگ کے بعد ان کی طرف سے بھی فائرنگ ہوئی تھی۔ اس لیے ہو سکتا ہے مارے جانے والے اس فائرنگ کا نشانہ بنے ہوں۔''

''یہ بیان ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مرشد اس پر یقین نہیں کرے گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''پولیس بھی نہیں کرے گی کیونکہ ایک درجن سے زیادہ افراد اسنائپرز کا شکار ہوئے ہیں اور اصفر کے لوگوں کے پاس اس قسم کے ہتھیار نہیں ہیں۔''

''نہ کریں لیکن وہ ہم پر الزام نہیں لگا سکتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اب ذرا اصفر سے بات کر لی جائے۔''

ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے اصفر کو کال کی۔ وہ کورٹ میں موجود تھا اور اپنے وکیلوں کے ہمراہ ہائی کورٹ میں درخواست دائر کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اسے بڑھاوا دیا۔ ''یہ ضروری ہے۔ مرشد حد سے گزر گیا ہے اور اسے لگام دینا ضروری ہے۔''

''ایک بار اس کے خلاف ایف آئی آر درج ہو جائے تو میں دیکھتا ہوں یہ کیسے بچتا ہے۔'' اصفر نے پھر بڑھک ماری۔

''بالکل ایک بار ایف آئی آر درج ہو جائے۔'' میں نے کہا۔ حالانکہ مجھے اندازہ تھا کہ مرشد جیسا آدمی قتل کر کے رنگے ہاتھوں پکڑا جائے اور اس کا کیس سالوں عدالت میں چلتا رہے گا مگر اسے سزا نہیں ہو گی۔ ہمارا نظام انصاف کرپٹ، کمزور اور سُست ہے۔ دولت مند مجرم اس سے فائدہ اٹھ کر بچ نکلتے ہیں۔ میں نے اس سے بات کر کے موبائل رکھا تھا کہ اس کی بیل بجی اور اجنبی نمبر دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے فوری بیل کاٹ کر موبائل آف کر دیا۔ وسیم نے پوچھا۔ ''کس کی کال تھی؟''

''اجنبی نمبر تھا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے شبہ ہے کہ ڈیوڈ شا کی کال تھی۔''

وسیم کے ساتھ سفیر بھی چونک گیا۔ ہم نشست گاہ میں بیٹھے تھے۔ سفیر نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا کو یہ نمبر کیسے ملا ہو گا؟''

''کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے اصفر اور اس کے گھر کے نمبر ٹریک کرا لیے ہوں گے، میں نے اصفر کو کال کی اور اسے میرا نمبر مل گیا۔'' میں کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ''اب میرا یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''کہاں جائیں گے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''عبداللہ نے آبپارہ میں ایک فلیٹ لیا ہے وہاں جائیں گے۔ عبداللہ اور سفیر میرے ساتھ ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے آپ راستے میں اس سے بات کر سکتے ہیں۔''

ہم وہاں سے نکل آئے اس بار مری روڈ کا رخ کیا اور عبداللہ راول چوک پر اتر گیا۔ اس نے مجھے ایک چابی تھمائی اور فلیٹ کا پتا بتایا۔ ''میں ذرا مانی والا کام نمٹا کر آتا ہوں۔''

''کوٹھی کی طرف مت جانا۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''اس کی نگرانی ہو رہی ہو گی۔''

''نہیں مجھے بس بینک سے کام ہے۔'' عبداللہ اتر کر ایک طرف کھڑی ٹیکسیوں کی طرف بڑھ گیا۔ سفیر نے ڈرائیونگ سنبھال لی تھی اور ہم آبپارہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سورج نکلتے ہی دن شدید گرم ہو گیا تھا اور گاڑی کا اے سی آن تھا ورنہ ہمارا حشر ہو رہا ہوتا۔ سفیر نے سرد آہ بھری۔

''کیا در بدری ہے، کہیں سکون سے چند گھنٹے گزارنا نصیب نہیں ہوتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شکر کرزمین کے اوپر پھر رہے ہیں ایسے خبیث دشمنوں کے ہوتے ہوئے زمین کے نیچے نہیں ہیں۔''

''یہ بھی ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ ''ڈیوڈ شا کو کال کر۔''

''گاڑی کہیں روک لے۔ اگر وہ ٹریکنگ کر رہا ہوگا تو سمت سے بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

سفیر نے جیپ ایک کنارے درختوں کے سائے میں روک لی۔ اس نے انجن آن رہنے دیا تھا تاکہ اے سی کام کرتا رہے۔ میں نے موبائل آن کیا اور اسی نمبر کو ملایا جس سے کال آرہی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک گورے نے کال ریسیو کی۔ اس کا لہجہ گواہی دے رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا سے بات کراؤ۔''

''تم کون ہو؟'' وہ غرایا۔

''وہی جسے ڈیوڈ شا کال کر رہا تھا۔ جلدی کرو میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

اس بار اس نے توقف کیا اور چند لمحے بعد بولا۔ ''پانچ منٹ بعد کال کرو۔'' اس نے کہتے ہی لائن کاٹ دی۔ میں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور سفیر کی طرف دیکھا۔

''ڈیوڈ شا ہوشیاری دکھا رہا ہے۔ اس نے پانچ منٹ بعد کال کرنے کو کہا ہے۔''

سفیر نے سر ہلایا۔ ''تاکہ سگنل سے لوکیشن پتا چلا سکے۔ شہباز مجھے تشویش ہو رہی ہے ڈیوڈ شا کچھ زیادہ ہی پیچھے پڑ رہا ہے۔''

''یہاں سے چل۔''

سفیر نے عقل مندی کی اور گاڑی مخالف سمت میں موڑ دی۔ پانچ منٹ میں ہم تین کلومیٹرز دور آ گئے اور میں نے پھر ڈیوڈ شا کو کال کی۔ اس بار بھی اسی گورے نے ریسیو کی اور تقریباً دو منٹ کی تاخیر سے لائن پر آیا۔ میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''لائن فون کے لیے آپریٹر ہوتے ہیں تم نے موبائل فون کے لیے بھی آپریٹر رکھا ہوا ہے۔''

اس نے میری بات نظر انداز کر کے بلا تمہید کہا۔ ''شہباز تم نے اچھا نہیں کیا ہے۔''

''میں نے کیا اچھا نہیں کیا؟'' میں نے پوچھا۔ ویسے میں سمجھ گیا تھا اس کا اشارہ گزشتہ رات والے واقعے کی طرف تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ فاضلی اور اس کے معاملات سے الگ رہو۔''

''میں نے اس دن کے بعد سے فاضلی کی صورت نہیں دیکھی اس کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''میرا اشارہ مرشد اور اس کے کزنز کے درمیان لڑائی کی طرف ہے۔''

''میں اس میں ملوث نہیں ہوں۔''

''تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔'' اس نے تیزی سے کہا۔ ''تم نے اصفر علی کو کال کی تھی۔''

''بالکل کی تھی کیونکہ وہ بھی مرشد کا دشمن ہے میں نے خیریت معلوم کرنے کے لیے کال کی تھی۔''

''غلط، تم اسے اکسا رہے تھے کہ وہ مرشد کے خلاف کیس کرے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ڈیوڈ شا۔'' اس بار میرا لہجہ بھی سرد ہو گیا۔ ''آخر تم مرشد کے لیے اتنا پریشان کیوں ہو؟''

''شہباز میں اس سے اپنے انداز میں نمٹ رہا ہوں۔''

''تو نمٹو کس نے روکا ہے اور تم کس خوشی میں میرے معاملات میں مداخلت کر رہے ہو؟''

وہ ذرا دیر کے لیے خاموش ہوا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز میں نہیں چاہتا کہ تم کسی قانونی مسئلے میں پڑو اور تمہاری آزادی متاثر ہو۔''

''میرے مسائل اور آزادی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''تم اچھی طرح سمجھتے ہو کہ کیا تعلق ہے؟''

''ڈیوڈ شا مجھے لگ رہا ہے تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو اور میں مزید بے وقوف بننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ جہاں تک مرشد کا تعلق ہے تم اس سے نمٹتے رہو لیکن میرے معاملے میں مداخلت مت کرو میں اس سے اپنے انداز میں نمٹنا چاہتا ہوں۔''

''شہباز اس سے میرا پلان خراب ہو گا اور ہو سکتا ہے تم بھی مشکل میں پڑ جاؤ۔''

''اگر یہ دھمکی ہے تو میرے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر تم اطلاع دے رہے ہو تو تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے کبھی مشکلات کو اہمیت نہیں دی۔''

اچانک سفیر نے میرے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہ گھڑی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں کوئی دس منٹ سے ڈیوڈ شا سے محو گفتگو تھا اور یہ مدت خاصی زیادہ تھی۔ میں نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا میں تمہیں پانچ منٹ بعد کال کرتا ہوں۔''

میرے کال کاٹتے ہی سفیر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے برہمی سے کہا۔ ''آپ بلاوجہ کی احمقانہ گفتگو فرما رہے تھے۔''

''بس یار اتنے عرصے بعد ڈیوڈ شا کی حسین آواز سنی تو خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔

ہم اسلام آباد کی حدود میں تھے۔ ''بیٹے یہ اسلام آباد ہے یہاں آدمی دس منٹ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا ہے۔ ڈیوڈ شا کے ریڈیائی کتے ہماری بو سونگھ رہے ہوں گے۔''

پانچ منٹ بعد سفیر نے پانچ کلومیٹرز دور ایک اور جگہ گاڑی روکی۔ میں نے موبائل نکالا اور ڈیوڈ شا کو کال کی اس بار اس نے خود ریسیو کی اور بولا۔ ''شہباز میری درخواست ہے تم صرف دو دن اس معاملے سے دور رہو۔ رات بھی تم نے بہت نقصان کیا ہے۔''

''میرا سوال وہی ہے کہ مرشد کے نقصان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟'' وہ میرا سوال نظر انداز کر کے بولا۔

''سوری ڈیوڈ شا تمہارا مجھ پر کوئی قرض نہیں ہے جو میں اس طرح چکاؤں اور نہ ہمارے درمیان دوستی یا دشمنی کا ایسا تعلق ہے کہ میں وضعداری دکھاؤں اس لیے میں تمہاری درخواست رد کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور کال کاٹ کر موبائل بند کر دیا۔ سفیر نے مجھے داد دی۔

''بالکل ٹھیک جواب دیا تُو نے۔ یہ بندر کے منہ والا خود کو کچھ سمجھتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ سچ مچ طاقتور شخص ہے لیکن ساتھ ہی بہت ٹھنڈے دماغ کا اور نہایت کینہ پرور بھی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے لگ رہا ہے وہ کسی چکر میں ہے خاص طور سے اس نے مرشد کے آدمیوں کے مرنے کو نقصان قرار دیا ہے۔''

''تیرا مطلب ہے وہ ڈراما کر رہا ہے؟''

''نہیں مرشد کے خلاف تو وہ سچ مچ سرگرم ہوگا۔ میرا خیال ہے وہ صرف اسے تباہ کرنا چاہتا ہے اس کے سیٹ اَپ کو نہیں۔''

سفیر چونکا۔ ''تیرا مطلب ہے وہ اس سیٹ اَپ پر قابض ہونا چاہتا ہے۔''

''بالکل اور اسی لیے وہ مرشد کے آدمیوں کے مارے جانے پر دکھی ہے کیونکہ یہ سب بالآخر اسے ملتے۔''

''مگر کیسے؟''

''مجھے ابھی خیال آیا ہے کہ فاضلی مرشد کا بہترین متبادل ہوسکتا ہے۔ وہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ مرشد کی اولاد ہے۔''

''ہونے کو تو وہ اوبامہ کا فرزندِ ارجمند ہونے کا دعویٰ بھی کرسکتا ہے۔ مگر اسے مانے گا کون جب کہ وہاں کا ایک ایک بچہ فاضلی کے ماں باپ کو جانتا ہے۔''

''یار کہانی بنانا کون سا مشکل کام ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ وہ مادرزاد ولی کے طور پر پیدا ہوا اور کسی غیبی اشارے پر مرشد نے اسے پرورش کے لیے اس غریب جوڑے کے سپرد کر دیا تاکہ وہ غریبوں میں پرورش پائے اور غریب پروری سیکھے۔ یار جاہل عوام تو ایسی باتوں پر لوٹ پوٹ ہو جاتی ہے رہی سہی کسر پورے کرنے اور قانون کو مطمئن کرنے کے لیے فاضلی کی ڈی این اے رپورٹ پیش کر دی جائے گی۔''

''لیکن مرشد اور اس کے بیویاں بچے.....''

''اب مجھے لگ رہا ہے کہ ان سب کو، ورنہ بیشتر کو اچانک دنیا سے رخصت کر دیا جائے گا اور جو بچے گا وہ فاضلی سے ٹکر لے نہیں سکے گا۔ ارشد علی اینڈ بردران کا دم پہلے ہی توڑ دیا گیا ہے اور وہ مرشد سے مقابلہ نہیں کر سکے تو فاضلی تو اس کا بھی باپ ہے۔''

''پیرو مرشد۔'' سفیر نے عقیدت سے میرا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما اور بہ ظاہر میرے ہاتھ کو لیکن درحقیقت اپنے ہاتھ چومتے ہوئے بولا۔ ''مان گیا آپ کو ڈیوڈ شا اور فاضلی جائیں جہنم میں جائیں یہ گدی تو آپ کو سجتی ہے۔''

''بکواس نہ کر۔'' میں نے ہاتھ کھینچا۔ ''یہاں سے نکل ایسا نہ ہو کہ عبداللہ کا کام نمٹا کر پہنچ جائے اور چابی ہمارے پاس ہے۔''

''کوئی بات نہیں وہ ذرا انتظار کر لے گا۔'' سفیر نے آرام سے کہا اور ایک فوڈ اسپاٹ پر گاڑی روک دی۔ ''یہاں سے کھانے پینے کو کچھ لیتے ہیں وہاں تو کچھ نہیں ہوگا۔''

یہ خاصا جدید قسم کا فوڈ اسپاٹ تھا جہاں دیسی سے لے کر ولایتی ہر طرح کے کھانے تیار کیے جاتے تھے اور پارسل ہوتے تھے۔ سفیر نے دل کھول کر اپنی پسند کی چیزیں لیں اس دوران میں، میں پینے کے سامان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خریداری کرتا رہا۔ اس میں مختلف طرح کے پیک جوس، کولڈ ڈرنک اور منرل واٹر کی بوتلیں شامل تھیں۔ پھر میں نے سفیر کے موبائل سے عبداللہ کو کال کی اور اس سے چائے کا پوچھا۔ اس نے کہا۔ ''وہاں سب ہے آپ فکر نہ کریں کھانے کو بھی پاس سے سب ملتا ہے اور اے ون ملتا ہے۔''

''سفیر احتیاطاً خریداری میں لگ گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم کب تک پہنچ رہے ہو؟''

''کچھ وقت لگے گا۔'' عبداللہ نے بتایا۔ ''میں بینک میں ہوں مانی سے پوچھ کر کام کر رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے پھر ہم جا رہے ہیں۔'' میں نے سفیر کو ادائیگی کرتے دیکھ کر کہا اور کال کاٹ دی۔ سفیر نے خاصا کچھ جمع کر لیا تھا جو کئی شاپروں میں تھا لیکن میں نے اس سے زیادہ وزن اٹھایا ہوا تھا اس لیے کوئی بھی شاپر اٹھانے سے صاف انکار کر دیا۔ ''اپنا اپنا بوجھ سب اٹھاؤ۔''

''وہ تو میدانِ حشر میں ہوگا۔'' سفیر نے باہر آ کر ہانپتے ہوئے کہا۔

''بیٹے میں دیکھ رہا ہوں گناہوں کے ساتھ تیرا ذاتی بوجھ بھی اس دھرتی پر بڑھتا جا رہا ہے۔ تو مذنکل آئی کھا کھا کر آرام کرنے سے۔''

''آرام کہاں کرتا ہوں۔'' سفیر نے احتجاج کیا۔ ''جب کرنے کو کچھ نہیں ہوتا تو.....''

''تو آدمی ایکسر سائز کر لیتا ہے۔ کہاں تو مجھ سے زیادہ فٹ تھا اور کہاں اب تجھ سے یہ چار شاپر نہیں اٹھائے جا رہے۔'' میں نے افسوس سے کہا۔

''بس یار زندگی کے اس چکر کو آرام آ جائے تو پھر سے روٹین لائف میں ایکسر سائز شروع کریں گے۔''

''ان شاء اللہ۔'' میں نے جیپ اسٹارٹ کی۔ دس منٹ بعد ہم آبپارہ کے اس فلیٹ کے سامنے تھے۔ یہ ذرا پرانے لیکن بہت اچھے اور صاف ستھرے فلیٹس تھے۔ کل چار منزلہ تھے اور نیچے دکانیں تھیں۔ ہم گارڈ سے پوچھ کر دوسری منزل پر آئے۔ فلیٹ کھلا کھلا تھا، سامنے بڑا سا لاؤنج تھا۔ اسی میں کچن تھا۔ اس کے بعد برابر دو بیڈ روم تھے ان کے ساتھ اٹیچ باتھ روم تھے اور باتھ رومز کے درمیان شاوہ بالکونی تھی۔ اس سے سامنے سرکاری ملازمین کے لیے مخصوص کوارٹر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ سفیر آمد کے دس منٹ کے اندر سارا جائزہ لے آیا تھا۔ اس نے اطلاع دی۔

''یار بالکل سامنے ایک بیر بہوٹی جیسی خاتون دھلے کپڑے ٹانگ رہی ہیں۔''

''بیر بہوٹی سے کیا مراد ہے یہ تو برسات میں نکلتی ہیں۔''

''یار خود بھی سرخ سرخ سی ہیں اور لباس بھی ایسے رنگ کا پہنا ہوا ہے۔ بہت عرصے بعد کوئی اچھا چہرہ دیکھنے کو ملا ہے۔''

''لگتا ہے مونا سے دوری رنگ لا رہی ہے، تجھے ہر خاتون خوب صورت لگنے لگی ہے۔''

''نہیں یار خدا کی قسم سچ کہہ رہا ہوں تُو ایک نظر دیکھ تو سہی۔'' سفیر اصرار کر کے مجھے بالکونی میں لایا اور آگے دھکیل کر خود پیچھے رہا۔ سڑک کے فوراً پار موجود گھر کی چھت پر سچ مچ ایک ایسی ہی خاتون تھیں۔ شدید گرمی میں انہوں نے سرخ لباس پہنا ہوا تھا اور خود بھی تپش سے سرخ ہو رہی تھیں۔ رنگ و روپ کے بارے میں سفیر کا بیان درست تھا لیکن جب میں گیا تو وہ اپنا کام کر چکی تھیں اور اب واپس جا رہی تھیں۔ اچانک مجھے احساس ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ مجھے ورغلا کر یہاں لے آیا میں پلٹا تو وہ ہنسا۔ ''بیٹے بڑے پارسا بنتے ہو لیکن اندر سے.....''

''کون کمبخت پارسا بن رہا ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی اور اندر آیا۔ ''بس کم گناہ گار بننے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''اچھا ڈائیلاگ نہ مار میرا شکریہ ادا کر کہ میری وجہ سے تجھے اچھی شکل دیکھنے کو مل گئی۔''

''ہاں آج تک جتنی اچھی شکلیں دیکھی ہیں وہ تیری وجہ سے ہی دیکھی ہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔ سفیر فریج سے برف نکال لایا اور ایک کولڈ ڈرنک کی بوتل کھولی۔ یہ گرم تھی لیکن برف نے اسے سرد کر دیا۔ سفیر نے گلاس آئس کیوبس سے بھر دیا تھا اس لیے مزہ آ گیا۔ گلاس میں برف زیادہ اور کولڈ ڈرنک کم تھی۔ اس لیے ہم نے کئی بار ڈال کر پی۔ میں نے موبائل نکال کر چیک کیا مجھے فکر تھی کہ وہ آن نہ رہ جائے۔ اس صورت میں ہمارا سراغ لگایا جا سکتا تھا۔ حفظِ ماتقدم میں نے سرے سے سم ہی نکال کر رکھ لی۔ سفیر کچھ دیر سرخ پوش خاتون کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے بعد سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''یار اگر یہ بات سچ ہے تو ہمارے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔ فاضلی خصلت میں اپنے ناجائز باپ سے کم نہیں ہے۔''

''تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ڈیوڈ شا فاضلی کی صورت میں یہاں اپنا ایک قابلِ اعتماد اور مضبوط حلیف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسا وہ اپنے مفاد کے لیے کر رہا ہے ہمارے مفاد کے لیے نہیں۔''

''فاضلی سانپ کی اولاد ہے وہ ڈسنا ہی سیکھے گا۔ اس لیے اس سے پہلے کہ وہ طاقتور بنے اس کا سر بھی کچلنا پڑے گا۔''

''یہ کام اس کے گدی نشین ہونے سے پہلے کرنا ہو گا۔'' میں نے کہا۔ ''ایک بار وہ گدی پر قابض ہو گیا تو ڈیوڈ شا کے قابو میں بھی مشکل سے رہے گا۔''

یہاں اے سی نہیں تھا مگر روم کولر تھا۔ سفیر نے اسے چلایا تو کمرا ٹھنڈا ہونے لگا۔ ''ڈیوڈ شا بہت شاطر سیاست دان ہے، تُو نے اسے جواب دے کر ٹھیک کیا۔ مرشد بنیادی طور پر ہمارا مسئلہ ہے اور اس سے کیسے نمٹنا ہے یہ بھی ہمارا مسئلہ ہے۔ وہ ہمیں ڈکٹیٹ نہیں کرا سکتا کہ اس سے کیسے نمٹا جائے اور کیسے نہیں۔''

''مگر اب ہمیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔ ڈیوڈ شا جس طرح میرا موبائل ٹریس کرا رہا ہے اس سے لگتا ہے کہ اس کے ذہن میں میرے یا ہمارے حوالے سے کچھ ہے۔''

''سامنے کی بات ہے تجھے قابو کرنا تو اس کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ ''تیرے ساتھ اگر کوئی اور بھی ہاتھ آ جائے تو اس کے لیے مزید آسانی ہو گی تجھ پر دباؤ ڈالنے میں۔''

سفیر درست کہہ رہا تھا۔ ''اس لیے ہمیں اب موبائل کا استعمال کم سے کم کر دینا چاہیے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں۔'' سفیر نے کہا۔ ''اگر ہم کوئی طاقتور ریڈیو سیٹ لے لیں۔ جو تیس پینتیس میل تک ٹرانسمٹ کر سکے تو یہ موبائل کا بہترین متبادل ہو گا۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''یار میں نے بچوں کے کھلونوں کی شاپس میں ایسے واکی ٹاکی سیٹ دیکھے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے کہ وہ ایک کلو میٹر تک کام کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ پروفیشنل واکی ٹاکی اس سے زیادہ رینج کے مل سکتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اپنا وسیم اس معاملے میں چپتا ہے اس سے کہتے ہیں۔'' سفیر نے سر ہلایا۔ اسی اثنا میں کال بیل بجی اور اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ عبداللہ پسینے میں شرابور اندر آیا اور اس نے آتے ہی سب سے پہلے فریج سے منرل واٹر کی بوتل نکال کر ایک ہی سانس میں آدھی صاف کر دی اور پھر روم کولر کے سامنے آ بیٹھا۔

''آج تو گرمی نے مار دیا اوپر سے ٹیکسی بھی ایسی ملی کہ اس کا سائیڈ والا شیشہ کھل ہی نہیں رہا تھا۔ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''

''بیر بہوٹیاں تاڑ رہے ہیں۔'' میں ہنسا۔

عبداللہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو سفیر نے اسے تشریح کر کے بیر بہوٹیوں کی وضاحت کی۔ عبداللہ اس کے ساتھ چھت دیکھنے گیا۔ ان دونوں کی واپسی خاصی دیر بعد ہوئی، پتا چلا کہ سرخ پوش خاتون کپڑے ڈالنے کے دوسرے راؤنڈ کے سلسلے میں چھت پر تھیں۔ اس بار سفیر کا بیان تھا کہ وہ خود بھی خاصی بھیگ گئی تھیں۔ میں نے کہا۔ ''یار یہ اچھی بات نہیں ہے شریف عورتوں کو اس طرح جان بوجھ کر دیکھنا۔''

سفیر نے عبداللہ کی طرف دیکھا اور ہنسا تو عبداللہ کھسیا گیا۔ میں نے غور کیا۔ ''یہ کیا چکر ہے؟''

''خاتون دو نمبر ہیں۔'' سفیر نے کہا۔

''نہیں۔'' میں بے یقینی سے بولا۔

''عبداللہ نے بتایا ہے اس سے پوچھو۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ سچ ہے یہ چالو قسم کی عورت ہے۔ یہاں شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی ہے لیکن اس کے گھر مردوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے خود بھی شام کو اجنبی افراد کے ساتھ گاڑی میں جاتی ہے اور اکثر رات گئے یا صبح واپس آتی ہے۔''

میں حیران ہوا۔ ''تب محلے والے برداشت کیسے کر رہے ہیں۔''

''کچھ لوگوں نے تھانے میں رپورٹ کرانے کی کوشش کی جس کے نتائج ان کی اپنی صحت کے حق میں مضر نکلے۔ ایک آدھ دفعہ جھگڑا بھی ہوا اور پولیس آ کر احتجاج کرنے والوں کو سمیٹ کر لے گئی۔ دو تین دن بعد وہ واپس آئے تو ان کی حالت دیکھ کر باقیوں نے عبرت پکڑی اور اب کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا ہے یہ بھی اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ایک وقت تھا جب شرفا کے درمیان ایسی چیزوں کا وجود قطعی ناقابلِ برداشت ہوتا تھا۔ مگر اب لوگ مجبور ہو گئے ہیں۔''

سفیر نے سر ہلایا۔ ''روشن خیالی نے ہر جگہ تسلط جما لیا ہے اب ایسی باتوں کو عام لیا جاتا ہے۔''

کچھ دیر اسی موضوع پر بات کرنے کے بعد مجھے خیال آیا اور میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''یار کوئی ایسا طریقہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ڈیوڈ شایا مرشد کی طرف سے ٹریس کیے جانے کا خطرہ مول لیے بغیر آپس میں رابطہ کر سکیں۔''

عبداللہ ہنسا اور اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا پرانے زمانے کے موبائل جیسا سیٹ میرے سامنے رکھ دیا۔ ''کیا بات ہے شہباز صاحب ایک ہی بات سب کے دماغوں میں ایک ساتھ ہی آتی ہے۔''

''اسے ہی ذہنی ہم آہنگی کہتے ہیں۔'' میں نے کہا اور اٹھا کر دیکھا تو یہ ایک معروف بین الاقوامی کمپنی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیٹلائٹ فون تھا۔ میں حیران ہوا۔ ''یہ تو بہت مختصر ہے۔''

''ابھی لانچ ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے سیٹلائٹ فون نارمل لائن فون سیٹ سے بھی بڑے ہوتے تھے۔ اس کے چارجز زیادہ ہیں مگر یہ محفوظ ہے۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ اگر ہم گروپ پیکیج لیں تو وہ ہمیں سستا پڑے گا۔''

''گروپ پیکیج سے کیا مراد ہے؟''

''اس میں صرف آپس میں بات ہو سکتی ہے۔''

''نہیں ایسا فون لو جو ہر جگہ کال کے لیے استعمال ہو سکے۔ مہنگے کی پروا مت کرو۔ حفاظت زیادہ ضروری ہے۔''

عبداللہ نے سر ہلایا۔ ''بنک میں بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں ایک پرانا واقف کار مل گیا وہ آج کل اس کی مارکیٹنگ کر رہا ہے۔''

''بس تو اس سے بات کر لو کم سے کم پانچ چھ سیٹ ہوں ہمارے پاس۔'' سفیر نے کہا۔ ''ان سے ہمیں بلا کھٹکے رابطے میں آسانی رہے گی۔''

''میں نے بھی اس سے یہی کہا ہے اس نے اپنی شاپ پر بلایا ہے شام کو جاؤں گا۔''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' سفیر نے اعلان کیا۔ ''کسی نے پیزا کھانا ہے۔''

''میں نے۔'' عبداللہ نے ہاتھ اوپر کیا۔

''میرا موڈ نہیں ہے۔'' میں نے انکار کیا تو سفیر لاؤنج کی طرف چلا گیا۔ میں نے عبداللہ سے پوچھا۔

''مانی کو رقم ٹرانسفر کر دی؟''

''ہاں، وہ بہت تیز ہے آج ہی اس نے دفتر کے لیے جگہ بھی تلاش کر لی۔ کہہ رہا تھا کہ ایک ہفتے میں فرنش کر کے کام بھی شروع کر دے گا۔ میں نے اسے پچیس لاکھ ٹرانسفر کیے ہیں وہ کہہ رہا تھا کہ ابھی دس کریں لیکن مجھے آپ کی بات یاد تھی اس لیے میں نے پچیس ہی کیے۔''

''یہ اچھا کیا۔ وہ بار بار کہتا یا ہم مصروف یا پھنسے ہوتے تو اس کا کام رک جاتا اب وہ سب طرف سے بے فکر ہو کر بزنس سیٹ کرنے میں لگ جائے گا۔''

اچانک لاؤنج کی طرف سے ایسی آواز آئی جیسے آٹے کی بوری گری ہو۔ میں نے عبداللہ کی طرف دیکھا اور ہم دونوں اٹھ کر بیک وقت لاؤنج کی طرف بڑھے۔ میں نے سفیر کو آواز دی مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ خطرے کا احساس کرتے ہی ہم دونوں نے بیک وقت پستول نکال لیے تھے۔ پھر عبداللہ نے لاؤنج میں جھانکا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ ہم باہر آئے، سفیر بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچن اوپن اور ایک طرف سے کاؤنٹر والا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے کاؤنٹر کے دوسری طرف جھانکا۔ سفیر کروٹ کے بل پڑا ہوا تھا۔ وہ بے سدھ تھا۔ میں نے بے ساختہ جھک کر اسے چیک کرنا چاہا کہ میرا سر زور سے چکرایا۔ اسی لمحے دوسری آواز آئی جیسے پھر آٹے کی بوری گری ہو اور اس بار یہ بوری عبداللہ ثابت ہوا۔ وہ لاؤنج کے وسط میں گرا ہوا تھا۔ پھر تیسری بوری گرنے کی آواز آئی جو میں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں کوئی چیز تھی شاید کوئی گیس جو ہمارے اعصاب پر سوار ہوگئی تھی۔ میرا سر چکرانے لگا تھا مگر میں بے ہوش نہیں ہوا تھا البتہ جسم سے جیسے جان نکل گئی تھی۔ میرے کانوں نے چرچرانے جیسی آواز سنی اور پھر باہر کا دروازہ یوں کھلا جیسے کسی نے بے پناہ دباؤ ڈال کر اس کے لاک کو ناکارہ کر دیا۔ دروازہ کھلتے ہی ایک شخص اندر آیا جس نے اس گرمی میں بھی بڑی سی چادر سے خود کو چھپایا ہوا تھا۔ پھر اس نے چادر اتاری تو میرے رہے سہے ہوش بھی اڑ گئے تھے۔ وہ چھوٹے قد کا جسیم آدمی تھا مگر اس کے بہت موٹے بازو اس کے گھٹنوں تک آ رہے تھے۔ وہ ڈیوڈ شا کا گرگا تھا۔ اس کے پیچھے دو سفید فام اندر آئے تھے۔ وہ یہاں تک کیسے پہنچے؟ میں اس سوال پر غور کرتے کرتے بے ہوش ہو گیا تھا۔

○.....❖.....○

مجھے دشمن کی قید میں جانے کا اتنا تجربہ ہو گیا تھا کہ اگر اس کی کوئی ڈگری ہوتی تو میں بلاشبہ پی ایچ ڈی کر چکا ہوتا۔ بے ہوش ہونے سے لے کر باہوش تک ہر طرح کا تجربہ تھا۔ عام طور سے ہوش میں آنے کے بعد میں کسی الگ تھلگ اور خاموش جگہ قید ہوتا تھا جہاں مجھے فرار سے روکنے کے تسلی بخش انتظامات کیے جاتے تھے۔ مگر اس بار ذرا منفرد انداز میں ہوش میں آیا۔ اچانک ایک چبھن کے ساتھ حواس بیدار ہوئے اور آنکھیں کھلیں تو ڈیوڈ شا میرے سامنے تھا۔ میں ایک صوفے پر تھا اور وہ میرے مدِمقابل دوسرے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بے ہوشی سے ہوش کی طرف آنے کا ایک انوکھا تجربہ تھا۔ میں پورے لباس میں صوفے پُرسکون سے بیٹھا ہوا تھا اور میرا ذہن پوری طرح قابو میں تھا۔ بے ہوشی سے واپس آنے کے دوران عام طور سے جو ناگوار اثرات طبیعت پر محسوس ہوتے تھے اس وقت ان کا شائبہ تک نہیں تھا۔ بلکہ ذہن اور جسم بالکل تر و تازہ محسوس ہو رہے تھے۔ البتہ نتھنوں میں ایک لطیف اور میٹھی جیسی خوشبو کا احساس تھا شاید کسی دوا کو سونگھا کر مجھے ہوش میں لایا گیا تھا۔ چبھن اسی کا ردِعمل تھی۔ ڈیوڈ شا مجھے ہوش میں پا کر زیرِلب مسکرایا۔ ''شہباز کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''بہترین۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تم پر جو گیس استعمال کی گئی تھی وہ صرف بے ہوش کرتی ہے، جان کے لیے خطرہ نہیں بنتی ہے، چاہے اس کی مقدار کتنی زیادہ کیوں نہ ہو۔''

''گیس کی کیا ضرورت تھی تمہارا گوریلا ہی کافی تھا۔'' میں نے مسکرا کر کہا لیکن اندر سے میں بہت فکرمند تھا اور یہ فکرمندی عبداللہ اور سفیر کے حوالے سے تھی۔ میں نے غیر محسوس انداز میں اس جگہ کا جائزہ لیا۔ یہ ایک بند اور چھوٹا ہال نما کمرا تھا۔ بہت سفید اور بہت صاف ستھرا۔ فرش دودھیا سفید ٹائلوں کا تھا اور دیواروں پر چمکیلا سا سفید پینٹ تھا۔ البتہ یہاں موجود فرنیچر بالکل سیاہ تھا۔ یہ کنٹراسٹ کچھ زیادہ ہی تھا۔ جیسے کسی حبشی کے بہت سفید دانت نمایاں ہوتے ہیں۔ میرے عقب میں ذرا پیچھے ایک تنومند سفید فام سیاہ سوٹ میں ساکت کھڑا ہوا تھا۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ہوا کہ وہ ڈیوڈ شا کا باڈی گارڈ نہیں ہے۔ اگر عبداللہ اور سفیر بھی لائے گئے تھے تو وہ کہیں اور تھے۔ یہ پہلا موقع ہوتا کہ میرے ساتھ میرے اہم ترین ساتھی بھی دشمن کی قید میں آ گئے تھے۔

''باسو عام لوگوں کے لیے ہے۔'' ڈیوڈ شا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میرا نہیں خیال کہ تم جیسا شخص اس سے مرعوب ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''باسو غالباً اسی گوریلے کا نام ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بہر حال مبارک ہو تم نے بالآخر مجھے قابو کر لیا۔''

''تمہیں باسو کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

''اسی ٹیکسی ڈرائیور سے جو ہماری نگرانی کر رہا تھا۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' ڈیوڈ شا نے سر ہلایا۔ ''وہ پرسوں سے غائب ہے۔''

''پرسوں۔'' میں چونکا۔ ''کیا تاریخ بدل گئی ہے؟''

ڈیوڈ شا نے میری کلائی کی گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا صبح کے سات بج رہے تھے اور اگلا دن شروع ہو گیا تھا۔ گویا میں انیس گھنٹے بے ہوش رہا تھا۔ مگر اتنی طویل بے ہوشی کیسے ممکن تھی۔ ڈیوڈ شا نے میرا ذہن بھانپ لیا۔ اس نے کہا۔ ''اس گیس کی خصوصیت ہے اسے دو یا تین بار استعمال کر کے بے ہوشی کا دورانیہ بڑھایا جا سکتا ہے۔ ویسے تم فکر مت کرو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس دوران میں تمہیں نلکی کی مدد سے خوراک بھی دی گئی تھی۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا، گویا اسی وجہ سے مجھے بھوک پیاس نہیں تھی۔ ڈیوڈ شا میری جان کا دشمن نہیں تھا مگر وہ تمام دشمنوں میں سب سے زیادہ ذہین اور خطرناک ضرور تھا۔ اگر کبھی اسے میری جان لینے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ ایک لمحہ ہچکچائے بغیر نہایت سرد مہری سے مجھے موت کی نیند سلا دیتا۔ وہ خاصے عرصے سے کوشش کر رہا تھا کہ میں رضی خوشی اس کے ساتھ چلوں۔ مگر ہر بار اس سے معاملہ درمیان میں رہ جاتا اور کوئی نہ کوئی ایسی گڑبڑ ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتا تھا۔ اب ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے راست اقدام کا فیصلہ کر لیا تھا اور مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے مجھے قابو کیا تھا۔ ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی اور دوسری وجہ شاید یہ تھی کہ میں اس کے پلان میں مداخلت نہ کر سکوں جو وہ مرشد سے نمٹنے کے لیے بروئے کار لا رہا تھا۔

اب ایسا لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا فاضلی سے کام نہیں لے رہا تھا بلکہ فاضلی کے لیے کام کر رہا تھا۔ وہ نہ صرف مرشد کے خاتمے کی طرف جا رہا تھا بلکہ ساتھ ساتھ اس کے پجاریوں کا خاتمہ بھی چاہتا تھا۔ اگرچہ ہم بھی یہی چاہتے تھے مگر ہمارے اور ڈیوڈ شا کے مقاصد میں بہت زیادہ فرق تھا۔ ہم اس پورے ٹولے کا خاتمہ چاہتے تھے اور ان میں فاضلی بھی شامل تھا جب کہ ڈیوڈ شا فاضلی کو مرشد کی جگہ لانا چاہتا تھا۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ فاضلی گدی نشین ہوتے ہی ہم سے دشمنی پر کمر باندھ لے گا۔ اس کا طاقتور ہونا ہمارے مفاد میں نہیں تھا۔ ڈیوڈ شا غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''تم فکرمند لگ رہے ہو؟''

''کیا مجھے نہیں ہونا چاہیے؟''

''اگر تم ہونا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔''

''اپنے ساتھیوں کے بارے میں بھی نہیں ہونا چاہیے؟''

''ہاں ان کے بارے میں بھی نہیں ہونا چاہیے۔ وہ آزاد ہیں یہاں صرف تم لائے گئے ہو۔''

''میں تمہاری بات پر کس طرح یقین کروں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیوڈ شا نے اپنے کوٹ سے میرا موبائل نکال کر میری طرف اچھال دیا۔ ''تصدیق کرلو۔''
موبائل آف تھا، میں نے آن کر کے سفیر کو کال کی۔ اس نے بیل پوری جانے سے پہلے کال ریسیو کر لی اور بے تابی سے بولا۔ ''شہباز تُو کہاں ہے؟''
''پہلے یہ بتا کہ تُو اور عبداللہ کہاں ہیں؟''
سفیر تاڑ گیا۔ ''ہم محفوظ ہیں۔'' اس نے کہا۔
''اس موبائل کو آن رکھ کر خود کو محفوظ سمجھ رہے ہو۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''تمام موبائل فوراً ترک کر دو اور اپنی جگہیں.....'' اچانک مجھے لگا کہ لائن کٹ گئی ہے۔ موبائل سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آ رہی تھی۔
''ہیلو.....ہیلو.....''
''بے کار ہے۔'' ڈیوڈ شا کے باڈی گارڈ نے اچانک عقب سے مجھ سے موبائل اچک لیا۔ ''یہاں سگنل کام نہیں کر رہے ہیں۔''
''کام نہیں کر رہے یا تم لوگوں نے بلاک کر دیئے ہیں؟'' میں نے سکون سے کہا۔
''تم کچھ پیو گے؟''
''ہاں ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔'' میں نے کہا تو ڈیوڈ شا نے اپنے گرگے کی طرف دیکھا اور اس نے فوری بڑے اسٹائلش شیشے کے گلاس میں پانی پیش کیا۔ میں نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا اس کے چہرے پر چوٹوں کے مندمل ہوتے نشان تھے۔ میں نے گلاس لے کر کہا۔ ''شاید تم اس گاڑی میں تھے جو دودھ کے ٹرک سے ٹکرائی تھی۔''
اس کی آنکھوں میں سفاک چمک لہرائی۔ ''ہاں اس دن تم قسمت لے کر آئے تھے۔''
''تم بھی قسمت لے کر ہی نکلے تھے ورنہ واپس آ کر دو افراد کو شوٹ کرنے میں دو منٹ لگتے۔''
''یہ اتنا آسان نہیں ہوتا۔''
میں نے پانی پی کر گلاس اسے تھما دیا اور ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔''
''رومانہ اور راشد۔'' اس نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔
میں اس غیر متوقع مطالبے پر چونکا۔ ''یعنی مرشد کی بیٹی اور اس کا داماد۔''
''وہ تمہارے پاس ہیں۔''
''ہاں لیکن وہ تمہیں نہیں مل سکتے۔''
''کیوں؟''
''وہ میری پناہ میں ہیں اور جو میری پناہ میں ہوں ان کو میں کسی کے حوالے نہیں کرتا۔''
''وہ تمہارے دشمن خاندان سے ہیں۔''
''ہوں گے۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''میں پورے خاندان سے دشمنی کا قائل نہیں ہوں۔''
ڈیوڈ شا نے نرمی سے کہا۔ ''اگر وہ مل جائیں تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔''
''آسانیاں تلاش کرنا تمہارے جیسے شخص کو زیب نہیں دیتا ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ''تم ان دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افراد کے بغیر بھی بہت کچھ کر سکتے ہو بلکہ شاید کر رہے ہو گے؟''

ڈیوڈ شا کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ ''کل رات پولیس اسٹیشن سے واپسی پر اصفر اور اس کے دو بیٹے اور ایک بھتیجا دو گارڈز سمیت نامعلوم قاتلوں کا نشانہ بن گئے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میں بھی کسی ایسی خبر کی توقع کر رہا تھا۔ مرشد خاندان بہت تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ مجھے اصفر اینڈ پارٹی سے ہمدردی نہیں تھی، مگر نہ جانے کیوں اس کے مارے جانے کا سن کر مجھے دکھ ہوا تھا۔ اب ان بھائیوں میں صرف ایک بچا تھا اور اس کا جینا بھی محال نظر آ رہا تھا۔ مرشد بہت تیزی اور سفاکی سے کام لے رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ مرشد کا کام ہے؟''

خلاف توقع ڈیوڈ شا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں وہ کل دوپہر میں گرفتار ہو گیا تھا۔''

یہ ایسی خبر نہیں تھی کہ میں سکون سے بیٹھا رہتا۔ میں نے اضطرابی لہجے میں پوچھا۔ ''تم..... سچ کہہ رہے ہو..... میرا مطلب ہے.....؟''

ڈیوڈ شا نے اپنے ساتھ تپائی پر پڑا شام کا اخبار اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔ اس میں مرشد کی گرفتاری کی مکمل خبر تھی۔ ایک تصویر میں اسے پولیس موبائل میں بیٹھتے دکھایا جا رہا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر مجھے ایک ناقابلِ بیان سی خوشی ہوئی تھی۔ مرشد فرعونِ وقت تھا اس نے میرے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے اور اس کی پوری کوشش تھی کہ میں کسی طرح اس کے زرخرید پولیس والوں کے ہاتھ آؤں تاکہ وہ تشدد کر کے مجھے پولیس مقابلے میں مار دیں۔ مگر اللہ کو یہ منظور نہیں تھا میں کبھی گرفتار نہیں ہوا مگر آج مرشد گرفتار ہو کر جا رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ ایک دن میں اس کی ضمانت ہو جاتی۔ بہرحال وہ گرفتاری کی ذلت سے تو گزر رہا تھا۔ خبر کے مطابق اسے دو رات پہلے ہونے والی قتل و غارت گری کے سلسلے میں درج کرائی جانے والی ایف آئی آر کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ ایف آئی آر عدالت کے حکم پر درج کرائی گئی۔ شاید اصفر اپنے بیٹوں اور بھتیجے کے ہمراہ اسی سلسلے میں تھانے سے آ رہا تھا جب انہیں قتل کر دیا گیا۔ مگر ڈیوڈ شا کا کہنا تھا کہ یہ مرشد کا کام نہیں تھا تو پھر کس نے انہیں مارا تھا؟

''یہ فاضلی کا کام ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں وہ اپنے راستے کے تمام ممکنہ کانٹوں کو صاف کر رہا ہے۔'' ڈیوڈ شا نے بلا جھجک اعتراف کر لیا۔

''اور تم اس قتل و غارت گری میں اس کا ساتھ دے رہے ہو؟''

''پرسوں رات تم نے جو کیا.....''

''وہ سیلف ڈیفنس تھا۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''وہ حملہ کرنے آئے تھے جو مارے گئے۔''

''اسے بھی سیلف ڈیفنس ہی سمجھو۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''شہباز مجھے وہ دونوں درکار ہیں اگر تم نہیں دو گے تو میں کسی اور طریقے سے حاصل کر لوں گا اور اگر اس دوران میں کوئی نقصان ہوا تو تم مجھے ذمے دار قرار نہیں دے سکو گے۔''

میرا دل دھڑکا تھا لیکن میں نے اپنے تاثرات سپاٹ رکھے۔ ''ڈیوڈ شا اگر تمہارے کسی فعل سے مجھے یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے ساتھیوں کو کوئی نقصان ہوا تو تم کس طرح بری الذمہ ہو سکتے ہو؟''

''کیونکہ میرے کام میں تمہاری وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔''

''کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ تم اور فاضلی مرشد اور اس کے کزنز کے خلاف ہر طرح سے آزاد ہو صرف ان دو کے نہ ملنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''پڑے گا لیکن تم نہیں سمجھو گے۔'' ڈیوڈ شا کا لہجہ سرد ہو گیا۔ ''شہباز اگر تمہارے دونوں ساتھی بھی یہاں ہوتے تو کیا تم تب بھی انکار کرتے؟''

''شاید نہیں۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''تم نے دو دن کی بات کی تھی اور اس وقت تم نے مجھ سے راشد اور رومانہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔''

''کیونکہ اس وقت فاضلی نے ان کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔''

''تو تم فاضلی کے اشاروں پر چل رہے ہو۔'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''ڈیوڈ شا مجھے تم جیسے آدمی سے توقع نہیں تھی کہ تم عام سے لوگوں سے اتنے دھوکے کھا سکتے۔ پہلے مرشد، پھر منشی دل جی اور اب فاضلی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ بعد میں بھی تمہارا تابعدار ثابت ہوگا؟''

ڈیوڈ شا کا رنگ معمولی سا بدلا مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا۔ اس نے چالاکی سے بات بدل دی۔

''میں نے دو دن کی بات کی تھی ابھی اسے پورا ہونے میں سولہ گھنٹے ہیں۔''

''اس دوران میں فاضلی مرشد اور اس کے گھر والوں کا صفایا کر دے گا۔ ساتھ ہی شاید ارشد کا آخری بھائی بھی اس کا نشانہ بنے گا۔''

''نہیں ان کے ساتھ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اب وہ کسی قابل نہیں رہے۔''

گویا ارشد اینڈ برادران کا کھیل ختم ہو گیا تھا۔ ایک بھائی اکبر بچا تھا جو ڈیوڈ شا کے خیال میں کسی قابل نہیں تھا مگر انسان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ کب کیا کر گزرے۔ ہو سکتا ہے اکبر ہی فاضلی اور مرشد کے لیے وبال بن جائے۔ میں نے مرشد کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟''

''وہ مرشد ہاؤس سے اپنی درگاہ والی کوٹھی میں منتقل ہو گیا ہے اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔''

مرشد ہاؤس شہر میں تھا یہاں کسی بھی قسم کے ہنگامے کی صورت میں پولیس بہت تیزی سے آ جاتی۔ جب کہ درگاہِ مرشدیہ شہر سے فاصلے پر تھا وہاں کسی ہنگامے کی صورت میں پولیس اور مدد خاصی دیر سے پہنچتی جیسا کہ پرسوں رات ہوا تھا۔ ہم اپنا کام کر کے اطمینان سے وہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ پولیس اس کے بھی خاصی دیر بعد پہنچی تھی۔ میری معلومات کے مطابق درگاہ ہنگامے سے پہلے ہی عام افراد کے لیے بند کر دی گئی تھی اور عام ملازمین بھی اپنے رہائشی حصوں تک محدود کر دیے گئے تھے۔ ناکام حملے کے بعد درگاہ کی سکیورٹی انتہائی سخت کر دی گئی تھی۔ ایسے میں اگر فاضلی وہاں براہِ راست کوئی کارروائی کرنا چاہتا تو یہ آسان نہیں ہوتا۔ یقیناً وہ کسی پلان کے تحت چل رہا تھا اور وہ مرشد کو سرپرائز دیتا۔ ڈیوڈ شا نے میرے ساتھ جس طرح کھل کر بات کی تھی اور بہت سی باتوں کا آسانی سے اقرار کر لیا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ حالات اس کے اور فاضلی کے اتنے قابو میں آ گئے تھے کہ میرے کچھ جان لینے سے انہیں فرق نہیں پڑتا۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ میں ڈیوڈ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شا کے قبضے میں تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ میں اس قید سے فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے ڈیوڈ شا سے پوچھا۔

''تمہارے آدمی مجھ تک کیسے پہنچے جب کہ میں بہت محتاط تھا۔''

''تم محتاط تھے لیکن تم ایک غلطی کر گئے۔ بات کرنے کے بعد جب تم لوکیشن بدل رہے تھے تب تم نے موبائل آف نہیں کیا تھا اور میرے آدمی اسے ٹریک کرتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے۔ اگر تم موبائل آف کر دیتے تو ان کے لیے اتنی جلدی تمہیں تلاش کرنا ممکن نہ رہتا۔''

مجھے یاد آ گیا کہ جب سفیر کے اشارے پر میں نے کال کاٹی تھی تو موبائل بند کرنا بھول گیا تھا اور اس سگنلز کی مدد سے ڈیوڈ شا کے گرگے ہم تک پہنچ گئے اور پھر انہوں نے آرام سے تعاقب کر کے فلیٹ دیکھ لیا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''تبھی..... واقعی مجھ سے یہ غلطی ہوئی۔''

''اب تم آرام کرو۔'' ڈیوڈ شا نے اچانک کہا۔ ''جب تم آمادہ ہو کہ رومانہ اور راشد کو میرے حوالے کر دو گے تو بتا دینا۔''

میری سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی جب میں انکار کر چکا تھا تو پھر کیونکر راضی ہوتا۔ تنومند شخص نے مجھ سے کہا۔ ''پلیز مسٹر شہباز۔''

میں اس کے ساتھ اٹھ کر کمرے سے باہر آیا تو دروازے پر وہی گوریلا نما شخص موجود تھا اور اس وقت اس نے صرف ایک بڑی سی نیکر پہنی ہوئی تھی جو اس کے گھٹنوں تک آ رہی تھی۔ اوپری جسم مکمل طور پر عریاں تھا اور اس کا ایک ایک رگ پٹھا واضح تھا۔ اس کا جسم بہت ٹھوس اور گٹھا ہوا تھا۔ نہ ہونے کے برابر پیٹ اور لمبے بازو اسے عجیب سی ساخت دے رہے تھے۔ کم سے کم میں نے آج تک انسان کی ایسی ہیئت نہیں دیکھی تھی۔ اس کا سر صاف تھا اور پھیلی ہوئی ناک پر چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں میں درندگی جھلک رہی تھی۔ منہ چوڑا اور جبڑے مضبوط تھے۔ وہ شاید منگول اور وسط ایشیائی نسلوں کا مکسچر تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں سفاکی نمودار ہوئی۔ تنومند شخص نے کہا۔ ''باسو اسے دو نمبر میں لے جاؤ۔''

''چلو۔'' اس نے غرا کر انگریزی میں کہا۔

''یہ تو بولتا ہے۔'' میں نے تنومند کی طرف دیکھا۔ ''میں تو سمجھتا تھا کہ یہ بھونکتا ہوگا۔ ویسے ڈیوڈ شا نے یہ جانور کہاں سے پکڑا۔''

باسو کا چہرہ سرخ اور آنکھیں سرخ تر ہو گئی تھیں۔ اس نے غرا کر میری طرف دیکھا اور تنومند سے بولا۔ ''مجھے اجازت دو میں اس کا دماغ درست کر دوں۔''

''یہ صرف کاٹنے کے لیے اجازت لیتا ہے۔'' میں ہنسا۔ ''بھونکتا اپنی مرضی سے ہے۔''

''پلیز مسٹر شہباز۔'' تنومند نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''تم بلاوجہ کا مسئلہ مت بناؤ ابھی تم پر سخت وقت آنے والا ہے۔''

''کیا اس کی صورت میں۔'' میں نے باسو کی طرف اشارہ کیا۔ ''ویسے اس کے لیے مناسب جگہ کوئی چڑیا گھر ہے جہاں یہ پنجرے کے پیچھے رہ کر بچوں کا دل بہلائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں باسو کی طرف دیکھ رہا تھا اس لیے میں نہیں دیکھ سکا کہ تنومند نے اسے کیا اشارہ کیا اچانک ہی اس کا رنگ دروپ نارمل ہو گیا اور اس نے غرانا بھی موقوف کر دیا۔ اس نے نرمی سے ہاتھ بڑھا کر میرے شانے پر رکھا اور مجھے لگا جیسے کوئی تنا میرے شانے پر آ گیا ہو اور جب اس نے پکڑ کر کھینچا تو میں آرام سے کھنچا چلا گیا۔ بلاشبہ اس کی گرفت اور قوت دونوں جناتی تھیں۔ وہ اسی طرح مجھے کھینچتا ہوا اگلی راہداری کے کونے میں واقع کمرے تک لایا اور دروازہ کھول کر اندر دھکیل دیا۔ اس دوران میں اس نے قوت کا مظاہرہ کیا تھا مگر اس نے مجھے تکلیف نہیں دی تھی گرفت سخت تھی مگر بہت زیادہ نہیں۔ مجھے اندر دھکیلتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ کمرے میں سوائے ایک قالین کے اور کچھ نہیں تھا۔ یہاں اسے سی کی خنکی تھی مگر بہ ظاہر کوئی ڈکٹ یا خانہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کمرے میں سوائے ایک دروازے کے اور کچھ نہیں تھا۔ چھت پر پینل لائٹس لگی تھیں اور کمرا بہت روشن تھا۔ میں ایک طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

میں ڈیوڈ شا کے رویے پر غور کر رہا تھا۔ یہ نہ صرف پہلے کے مقابلے میں بدلا ہوا تھا بلکہ کچھ دھمکی آمیز بھی تھا۔ اس نے مجھے میرے ساتھیوں کے حوالے سے دھمکی دی تھی اور پھر رومانہ اور راشد کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ مطالبہ اصل میں فاضلی کا تھا مگر ڈیوڈ شا نے اسے پیش کیا تھا۔ اس کمرے میں بھیجنے سے پہلے اس نے کہا تھا کہ جب میرا ارادہ ہو جائے تو میں اسے مطلع کر دوں۔ بھلا میرا ارادہ کیوں ہونے لگا جب کہ میں اسے پہلے ہی انکار کر چکا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے میں بے خیالی میں اپنا بایاں ہاتھ مسل رہا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس میں ہلکی سی سوزش ہو رہی ہو۔ اس وقت میں نے توجہ نہیں دی تھی مگر جب میں نے ہاتھ ملا تو سوزش بہت تیزی سے بڑھی تھی اور پھر ایک منٹ میں یہ اتنی بڑھ گئی کہ مجھے لگا جیسے میرے ہاتھ کو آگ میں رکھ دیا ہے۔ اس بار میں دہل کر رہ گیا۔ میرے ذہن میں ایمن کی تکلیف کا خیال آیا جب ڈیوڈ شا نے اس کے ہاتھ پر ایک خاص قسم کا زہر لگا دیا تھا جو شدید تکلیف کا باعث بنا تھا اور ڈاکٹر اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکے تھے۔ کیا ڈیوڈ شا نے وہی زہر مجھے بھی لگا دیا تھا؟

تکلیف معمولی نوعیت کی نہیں تھی۔ اگر میں قوتِ برداشت نہ رکھتا تو یقیناً کراہ رہا ہوتا۔ میں نے ہاتھ اپنی بغل میں دے کر دبایا مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہ وہی ہاتھ تھا جو ایک موقع پر میرے جسم سے جدا ہونے والا تھا اور ڈاکٹر اسے کاٹنے کی تیاری بھی کر چکے تھے مگر پھر وسیم اینڈ پارٹی عین موقع پر مجھے وہاں سے نکال لائے اور پھر حکیم قادس نے میرا علاج کر کے اس ہاتھ کو ٹھیک کر دیا۔ لیکن ایسی تکلیف تھی کہ اس کے مقابلے میں ہاتھ کا جسم سے الگ ہونا آسان لگ رہا تھا۔ ڈیوڈ شا نے یقیناً میری بے ہوشی کے دوران زہر لگایا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ زہر اپنے ہاتھ پر لگا کر مجھ سے ہاتھ ملاتا اور اس سے زہر میری جلد میں سرایت کر جاتا۔ خود ڈیوڈ شا کے پاس توڑ تھا اور وہ تکلیف سے بچ جاتا۔ مگر مجھے زہر لگانے کے لیے اسے زحمت نہیں کرنا پڑی ہو گی اس نے آرام سے بے ہوشی کے دوران مجھے لگایا اور اب اس کے متحرک ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

بالآخر میرا ضبط جواب دے گیا اور میں کراہنے پر مجبور ہو گیا۔ زیرِ لب میں ڈیوڈ شا کی سات پشتوں کو کوس رہا تھا۔ کیونکہ ان میں سے ہر پشت اس جیسے خبیث آدمی کی دنیا میں آمد کی ذمے دار تھی۔ تکلیف ایسی تھی کہ ایک جگہ رکنے کے بجائے مسلسل بڑھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد میں با آواز بلند ڈیوڈ شا کو نواز رہا تھا۔ اب مجھے اندازہ ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ ایمن کس تکلیف سے گزری تھی کیونکہ اسی تکلیف سے میں بھی گزر رہا تھا۔ میں ہٹا کٹا مرد ہونے کے باوجود برداشت نہیں کر پا رہا تھا اور اس نے نازک عورت ہونے کے باوجود بہت دیر تک یہ تکلیف سہی تھی۔ اچانک کمرے میں ڈیوڈ شا کی آواز گونجی۔ ''میں تمہاری گالیاں سن رہا ہوں اور میں نے برا نہیں مانا۔''

''ذلیل شخص۔'' میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''کاش کہ میں نے تجھے قتل کر دیا ہوتا۔''

''ممکن ہے تم ہی مجھے قتل کرو۔'' اس نے سکون سے کہا۔ ''لیکن جب میرا وقت آئے گا تب مروں گا۔''

''ڈیوڈ شا تم نے..... وہی زہر لگایا ہے جو ایمن کو لگایا تھا؟'' میں نے قالین پر دوہرے ہوتے ہوئے کہا۔ کمرے کی خنکی کے باوجود میرے مساموں سے پسینہ پھوٹنے لگا تھا۔

''ہاں یہ وہی زہر ہے۔ شہباز تم رومانہ اور راشد کو میرے حوالے کر دو میں ایک منٹ میں تمہیں اس تکلیف سے نجات دلا دوں گا۔''

''لعنت ہو تم پر۔'' میں نے جواب دیا۔ اس سے آگے جو کہا وہ سب ناقابلِ اشاعت سمجھیں۔ میں نے زندگی میں کبھی اتنی تھوڑی سی دیر میں کسی کو اتنی گالیاں نہیں دی تھیں۔ اس پر بھی ڈیوڈ شا بے مزہ نہیں ہوا تھا اس نے آرام سے کہا۔

''ٹھیک ہے جب تم آمادہ ہو تو مجھے آواز دے لینا۔''

میں نے پھر اپنی زبان گندی کی اور اسے بتایا کہ میں اسے کیا دوں گا۔ تکلیف کی شدت نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ میں قالین پر باقاعدہ لوٹ رہا تھا اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ ہاتھ کو دیواروں پر ماروں۔ نہ جانے کیسے میں نے خود کو اس حرکت سے روکا ورنہ میرے ہی ہاتھ کو نقصان پہنچتا۔ درد یا ڈیوڈ شا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ نہ جانے کتنی دیر گزری۔ درد سے توجہ ہٹانے کے لیے میں ذہن میں الٹی گنتی دہرانے لگا مگر یہ گنتی چند بار گنتے ہی گڈمڈ ہو جاتی تھی میں بھول جاتا کہ نو اسی سے پہلے کیا آتا ہے اور ستر کے بعد کیا تھا؟ جب لوٹنے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوا تو میں اوندھے منہ لیٹ گیا اور گہرے سانس لینے لگا۔ میری زبان خاموش تھی مگر میرا رواں رواں اللہ کے حضور گڑگڑا رہا تھا کہ مجھے اس تکلیف سے نجات دے۔ شاید اس وقت میں نجات کے بدلے مرنے کو بھی تیار ہو جاتا۔

پھر تکلیف نے میرے ذہن پر غشی سے طاری کر دی۔ میں کب کراہتے کراہتے آس پاس سے خود سے غافل ہو گیا مجھے پتا نہیں چلا تھا۔ پھر ہوش آیا تو سکون تھا۔ صرف ہاتھ میں نہیں بلکہ ذہن و قلب میں بھی سکون تھا۔ جسم پسینے میں شرابور ہو کر خشک ہو گیا تھا البتہ گلے میں پیاس سے کانٹے پڑ رہے تھے۔ میں نے اٹھ کر ڈرتے ڈرتے اپنے ہاتھ کو چیک کیا۔ اسے چھوا مگر ذرا بھی تکلیف نہیں تھی۔ ہاتھ بالکل نارمل تھا۔ میں نے اسے دبایا پھر بھینچ کر دیکھا۔ کچھ نہیں ہوا۔ مجھے خیال آیا کہ بے ہوشی کے دوران ڈیوڈ شا نے مجھے اس کا توڑ تو نہیں دے دیا تھا۔ تو ڑ ایک انجکشن تھا جو ایمن کو بھی لگایا گیا تھا۔ میں نے اپنے بازو کو چیک کیا پھر جسم کو محسوس کر کے دیکھا مگر نہ تو کہیں انجکشن کا نشان تھا اور نہ ہی اس کی تکلیف تھی۔ پھر تکلیف کیسے ختم ہوئی۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا تو دنگ رہ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی نو بجے تھے اور میں سوا آٹھ بجے اس کمرے میں آیا تھا گویا مجھے پینتیس چالیس منٹ سے زیادہ یہ تکلیف برداشت نہیں کرنی پڑی تھی۔ ڈیوڈ شلاتا اچھا نہیں تھا کہ اتنی جلدی مجھے اس تکلیف سے نجات دلا دیتا۔ میرا ذہن اب ٹھیک کام کر رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ تکلیف خود بخود کیسے ختم ہوگئی۔ کیا زہر نے ٹھیک سے کام نہیں کیا تھا یا پھر یہاں بھی حکیم قادس کی معجزہ صفت دواؤں نے اپنا کرشمہ دکھایا تھا۔ ان دواؤں کی بدولت میرے زخم بہت تیزی سے بھر جاتے تھے۔ جان لیوا سانپ کا زہر بھی مجھے مارنے سے قاصر رہا تھا تو کیا اسی وجہ سے یہ زہر بھی بے کار ثابت ہوا تھا۔ میں دوبارہ لیٹ گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب ڈیوڈ شا کی طرف سے ردِعمل کا انتظار کروں گا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ چند منٹ بعد ڈیوڈ شا کی آواز آئی۔

''شہباز تم میری آواز سن رہے ہو؟''

ظاہر ہے میں خاموش رہا۔ وہ وقفے وقفے سے مجھے پکارتا رہا اور میں نے ایک بار بھی جواب نہیں دیا تھا۔ آخر میں اس کے لہجے میں کسی قدر جھنجھلاہٹ آگئی تھی۔ پھر وہ چپ ہوا اور اس کے چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا۔ میں نے اس موقع پر بھی ساکت رہنا مناسب سمجھا۔ کسی نے میرے پاس بیٹھ کر میری نبض دیکھی، پھر دل کی دھڑکن چیک کیا اور آخر میں آنکھ کھول کر پتلی کا معائنہ کیا۔ میں نے آنکھ کو مرکوز کرنے کے بجائے ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میرے سامنے جو چہرہ تھا اس کے نقوش مشرق بعید کے باشندوں جیسے تھے۔ وہ چینی، جاپانی، کوریائی یا ویت نامی اور تھائی تک کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ اس نے سفید کوٹ پہن رکھا تھا گویا وہ ڈاکٹر تھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ ''وائٹل سائن نارمل ہیں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے اسے شدید تکلیف میں ہونا چاہیے۔'' ڈیوڈ شا بولا وہ بدستور اسپیکر سے بول رہا تھا۔

''میں نے چیک کیا ہے جناب..... آپ تکلیف کی وجہ بتا سکتے ہیں۔''

''ایک زہر جو اس کے بائیں ہاتھ میں انجکٹ کیا گیا ہے۔''

اس نے میرا بایاں ہاتھ اٹھا کر دیکھا اور بولا۔ ''اس پر زہر کی کوئی علامت نہیں ہے۔''

''وہ علامت والا زہر نہیں ہے اور نہ ہی جان لیوا ہوتا ہے لیکن یہ بہت شدید تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ تکلیف ایسی ہوتی ہے کہ انسان مرنے کی آرزو کرتا ہے کیا اس صورت میں وائٹل سائن درست ہو سکتے ہیں؟''

''بالکل نہیں..... معمولی سی تکلیف بھی دل کی دھڑکن، نبض کی رفتار بدل دیتی ہے، آنکھ کی پتلی پھیلتی اور سکڑتی ہے۔ جب کہ اس کی تمام چیزیں بالکل نارمل ہیں۔''

یہ صورتِ حال غالباً ڈیوڈ شا کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ ''اگر اس کے وائٹل سائن نارمل ہیں تو اسے ہوش میں ہونا چاہیے۔''

''بالکل ہونا چاہیے جناب۔'' ڈاکٹر نے اس سے اتفاق کیا۔

''پھر یہ بے ہوش کیوں ہے؟''

''اس کے لیے اسے لیب لے جا کر چیک کرنا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک ہے اسے لیب منتقل کرو۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''اسے فوری ٹریٹ کرو اور پتا چلاؤ کہ یہ کیوں بے ہوش ہوا ہے۔''

''دیا جانے والا زہر اعصاب کو متاثر کرتا ہے؟''

''نہیں وہ صرف تکلیف پیدا کرتا ہے۔''

''اس صورت میں اس کا معائنہ بہتر رہے گا۔''

''باسو سے کہو اسے لیب لے جائے۔ پورگی طرح محتاط رہنا یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔''

باسو کو ہدایت مل گئی تھی وہ اندر آیا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں سمجھا کہ وہ مجھے اٹھانے لگا ہے مگر اس نے اچانک ہی میرے سیدھے ہاتھ میں ہتھکڑی پہنا دی۔ کم سے کم اس وقت مجھے لگا تھا کہ وہ ہتھکڑی ہے۔ مگر جب اس نے دوسرے ہاتھ میں کچھ نہیں پہنایا اور مجھے کھینچ کر اپنے وسیع و عریض شانے پر ڈالا تب میں نے موقع پا کر اپنے ہاتھ میں ڈالی جانے والے شے کو دیکھا۔ یہ ہتھکڑی نہیں تھی بلکہ خاصا موٹا چاندی جیسے رنگ کا دھاتی کڑا تھا۔ یہ تقریباً دو انچ چوڑا اور ایک انچ موٹا تھا۔ یہ میری کلائی میں اس طرح فٹ آیا تھا کہ اس نے کلائی کو پکڑ لیا تھا مگر دبا نہیں رہا تھا۔ بالکل مناسب سائز تھا۔ میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی یہ کڑا مجھے ایسے ہی نہیں پہنایا گیا تھا۔ باسو مجھے شانے پر لادے آرام سے چلا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر آگے تھا اور پیچھے کوئی نہیں تھا اس لیے میں نے ہاتھ اوپر کر کے کڑے کا معائنہ کیا۔ یہ ہموار اور میٹ فنشنگ کے ساتھ تھا۔ مگر اس پر نہ کوئی نشان تھا اور نہ ہی کوئی ابھار صرف جہاں سے مل کر بند ہوا تھا وہاں باریک سی لکیر تھی۔ ایسی ہی باریک لکیر دوسری سمت تھی جہاں سے یہ کھلتا ہوگا۔ میں نے غیر محسوس انداز میں دوسرے ہاتھ سے اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ ایک پیس کی طرح ٹھوس تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ میں راستے پر بھی توجہ دے رہا تھا مجھے لگا کہ میں جس عمارت میں تھا وہ خاصی بڑی تھی۔ یہ کم سے کم وہ کوٹھی نہیں ہو سکتی تھی جہاں فاضلی ڈیوڈ شا سے ملنے گیا تھا۔ دو راہداریاں مڑنے کے بعد ہم ایک ہال میں داخل ہوئے۔ وہاں چاروں طرف طبی مقاصد کے لیے مخصوص جدید ترین مشینری لگی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کے اشارے پر باسو نے مجھے ایک کاؤچ نما بیڈ پر لٹا دیا۔ پھر اس نے ایک اسٹرپ میرے سینے سے باندھی اور ایسی ہی دو اسٹرپس رانوں اور پنڈلیوں پر بھی باندھ دیں۔ البتہ میرے ہاتھ آزاد تھے مگر وہ سینے والی اسٹرپ کی وجہ سے کہنیوں سے اوپر حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر نے آ کر دیکھا اور بولا۔ ''اس کی شرٹ اتارو۔''

باسو نے سینے والی اسٹرپ کھول کر ایک ہی جھٹکے میں میری شرٹ پھاڑ کر اتار دی۔ دوسرے جھٹکے میں بنیان کا بھی یہی حشر ہوا۔ اوپری جسم عریاں کر کے اس نے اسٹرپ دوبارہ باندھ دی تھی۔ ڈاکٹر نزدیک آیا اور میرے سینے، بازو اور سر سے الیکٹروڈ چپکانے لگا۔ وہ مشینوں کی مدد سے میرا جائزہ لینے جا رہا تھا میں نے محسوس کیا کہ اب ڈراما پکڑا جائے گا۔ اس لیے میں نے ہوش میں آنے کی اداکاری شروع کر دی۔ پہلے کراہا اور پھر تقریباً چیخنے کے انداز میں کراہنے لگا۔ ڈاکٹر تیزی سے میرے پاس آیا اس نے میرا گال تھپتھپایا۔ ''ہے کیسا محسوس کر رہے ہو۔'' اس نے انگریزی میں پوچھا وہ انگریزی ہی بول رہا تھا مگر صاف لگ رہا تھا کہ یہ اس کی مادری زبان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھی۔ ''اے ہوش میں آؤ۔''

میں فرمانبرداری سے ہوش میں آ گیا مگر چیخنا اور کراہنا جاری رکھا۔ ''میرا ہاتھ پلیز کچھ کرو۔''

''کیا ہوا ہے ہاتھ میں؟'' اس نے مکاری سے پوچھا۔ حالانکہ ڈیوڈ شا اسے بتا چکا تھا۔

''شدید..... شدید تکلیف ہے۔ مجھے کوئی دوا دو۔''

''کیسی تکلیف ہے؟'' اس نے پوچھا ویسے وہ میرے لیے ذرا بھی فکر مند نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس سوال کا جواب میں نے گالیوں کی صورت میں دیا اور حلق پھاڑ کر چلایا۔

''تجھے ہو تو پتا چلے کہ کیسی ہو رہی ہے اپنے باپ کو بلا اس نے مجھے زہر دیا ہے۔ میں اسے.....'' اس سے آگے بھی جو تھا وہ نا قابلِ بیان تھا۔ یہ اداکاری ضروری تھی۔ ایک تو میں ڈیوڈ شا کو بتانا چاہتا تھا کہ میں تکلیف میں تھا مگر اس کے آگے جھکنے کو تیار نہیں تھا۔ دوسرے مجھے خطرہ تھا کہ اسے پتا چل گیا کہ مجھے اب تکلیف نہیں ہے تو وہ مجھ پر کوئی دوسرا حربہ آزمائے گا وہ اس کے لیے بالکل تیار اور آزاد تھا۔ اس لیے اسے تکلیف کا تاثر دینا ضروری تھا۔ میں چلا رہا تھا اور ساتھ میں کسمسا رہا تھا۔ میری پوری کوشش تھی کہ اداکاری کو اصلی ٹچ دوں اس کے لیے خود پر جبر کر کے میں ڈیوڈ شا کو وہ گالیاں دے رہا تھا جو میں نے زندگی میں نہیں دی تھیں۔ ساتھ ہی اسے بے معنی دھمکیاں بھی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر میری کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور باسوکسی جن کی طرح ایک طرف ساکت کھڑا تھا۔ بالآخر میں چیخنے چلانے اور گالیاں دینے سے 'تھک' گیا اور یوں ہانپنے کے انداز میں کراہنے لگا جیسے مجھ میں اب بولنے اور چلانے کی سکت نہ ہو۔ میرا خیال تھا کہ وہاں بس وہی دو تھے مگر اچانک تالی بجنے کی آواز آئی اور پھر فاضلی اپنے مخصوص زہریلے انداز میں بولا۔

''ویل ڈن شہباز..... تم اداکاری اچھی کر رہے ہو۔''

اس پر میں نے فاضلی کو بھی نواز کر رکھ دیا اور آخر میں بولا۔ ''کتے کے بچے..... اپنے باپ نمبر دو سے بول..... تجھے بھی یہ زہر دے..... تب تُو بھی اداکاری کر سکے گا۔''

فاضلی میرے سامنے آیا۔ ''شہباز تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ میں جانتا ہوں تم کتنے اعلیٰ درجے کے اداکار ہو۔''

میں نے ایک بار پھر اس کی ایسی کم تیسی کی اور مزید جواب دینے سے گریز کیا۔ وہ بدبخت پہلے بھی میری اداکاری بھانپ چکا تھا۔ جب مرشد ہاؤس میں اس نے مجھے عقل ماؤف کر دینے والا انجکشن لگایا تھا۔ میری خوش قسمتی کہ انجکشن ایکسپائر ہو گیا تھا۔ اسی طرح فاضلی بھی بچ گیا تھا۔ جس طرح اسے یقین تھا کہ میں اداکاری کر رہا ہوں اسی طرح مجھے بھی یقین تھا کہ وہ اداکاری کر رہا ہے۔ پاگل نہ ہوتے ہوئے بھی پاگل ہونے کی اداکاری زیادہ مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں انسان سب کرنے کے لیے آزاد ہوتا ہے لیکن تکلیف نہ ہوتے ہوئے تکلیف میں ہونے کی اداکاری یقیناً مشکل کام ہے۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا تھا مگر فاضلی منحوس بھانپ گیا تھا۔ اب پتا نہیں میری اداکاری میں خامی تھی یا اس کا ذہن میری طرف سے پہلے ہی مشکوک تھا۔ ڈیوڈ شا کی آواز گونجی۔ ''یہ اداکاری نہیں کر رہا ہے۔ اسے سچ مچ شدید اذیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔''

دشمنی کے باوجود اس حسنِ ظن پر میں نے دل ہی دل میں ڈیوڈ شا کا شکریہ ادا کیا اور اس کے مزید احمق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بننے کی دعا مانگی۔ پھر کراہتے ہوئے بولا۔ ''تم نے دیکھ لیا ہے میں نے تکلیف برداشت کر لی ہے۔ ڈیوڈ شا، اب تم کیا کرو گے مجھے مزید اذیت دو گے مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اس سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔''

''تمہیں آزمانے میں کیا حرج ہے؟''

''ڈیوڈ شا بہت بڑا حرج ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''تم میرے نزدیک مرشد اور فاضلی جیسے دشمن ہو جاؤ گے اور ان کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ موقع ملتے ہی انہیں جہنم رسید کر دوں گا۔''

فاضلی کے تاثرات بگڑے تھے اور اس نے مجھے خوفناک نظروں سے دیکھا تھا مگر منہ سے کچھ نہیں کہا۔

ڈاکٹر میرا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے الیکٹروڈ چپکا دیئے تھے اور اب ایک طرف رکھے کمپیوٹر پر کچھ کر رہا تھا۔ تقریباً دس پندرہ منٹ وہ اس کے ساتھ لگا رہا پھر اس نے اعلان کیا۔ ''کسی قسم کی تکلیف یا اندرونی زخم کا نشان نہیں ہے۔ تمام وائٹل سائن نارمل ہیں۔''

میں نے دل میں اسے برا بھلا کہا اور منہ سے بولا۔ ''وائٹل سائن کی اولاد..... میں تکلیف سے مر رہا ہوں۔''

''تم فراڈ کر رہے ہو۔'' فاضلی نے کہا اور میں نے گالیوں کا نیا راؤنڈ شروع کیا۔ اس پر ڈاکٹر ہنسنے لگا ایسا لگ رہا تھا کہ اسے اردو سمجھ آتی تھی۔ فاضلی نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور غرا کر بولا۔

''اپنا منہ بند کرو۔''

اس پر ڈاکٹر کا موڈ خراب ہو گیا اور اس نے فاضلی کے سے لہجے میں کہا۔ ''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

''میں ہر جگہ جا سکتا ہوں۔'' فاضلی نے دعویٰ کیا۔

ڈاکٹر اس کے پاس آیا اور ذرا اچک کر اس کی ناک سے تقریباً ناک ملا کر بولا۔ ''یہ جگہ اس میں شامل نہیں ہے۔ ناؤ گیٹ آؤٹ۔''

فاضلی کا چہرہ بگڑا تھا مگر جب اس نے باسو کی طرف دیکھا تو ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے زیر لب کہا۔ ''حرامی دیکھ لوں گا تجھے۔''

فاضلی وہاں سے چلا گیا اور جاتے جاتے ڈاکٹر سے بھی زیر لب بہت کچھ سن گیا تھا۔ دونوں ڈیوڈ شا کے لیے کام کر رہے تھے اور ظاہر ہے وہ اپنا جھگڑا ایک حد سے زیادہ نہیں بڑھا سکتے تھے جہاں ڈیوڈ شا کو مداخلت کرنی پڑے لیکن مجھے بہت خوشی ہوئی تھی ایک تو فاضلی کی بے عزتی ہوئی تھی جس میں میں نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا دوسرے ڈاکٹر کے رویے نے ثابت کیا تھا کہ ڈیوڈ شا کے دوسرے آدمی فاضلی سے نفرت کرتے تھے۔

میں اس چیز سے بھی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ فاضلی کے جانے کے بعد ڈاکٹر نے ڈیوڈ شا سے پوچھا۔ ''سر اس کا کیا کرنا ہے..... میرے آلات اس کی تکلیف کی نشاندہی سے قاصر ہیں۔''

''یہ زہر ایسا ہی ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کسی قدر فخر سے کہا۔ ''میری ایجاد ہے اور اس کا توڑ بھی میں نے ایجاد کیا ہے۔ باسو کو بھیج دو، میں انجکشن بھیجتا ہوں۔''

باسو چلا گیا اور میں نے سکون کا سانس لیا۔ وہ پانچ منٹ بعد آیا اور ڈاکٹر نے چھوٹے سے سلور سلنڈر میں موجود انجکشن نکالا۔ یہ گیس کی مدد سے بخ رکھا گیا تھا۔ سلینڈر کھولتے ہی اندر سے بھاپ سی نکلی تھی۔ ڈاکٹر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے میرے بازو میں انجکٹ کر دیا۔ اگرچہ میری تکلیف پہلے ہی ٹھیک ہو چکی تھی۔ مگر میں نے خوشی خوشی توڑ لگوا لیا۔ ایمن کے تجربے سے مجھے معلوم تھا کہ تکلیف کتنی دیر میں کم ہوتی ہے میں نے اسی لحاظ سے ردعمل دیا اور تقریباً دس منٹ میں 'نارمل' ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر میرا معائنہ کیا اور ڈیوڈ شا کو بتایا۔ ''جسمانی حالت اور وائٹل سائن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔''

''گڈ اسے میرے پاس بھیج دو۔'' ڈیوڈ شا نے حکم دیا۔

باسو نے ڈاکٹر کے اشارے پر اسٹریپس کھول کر مجھے آزاد کر دیا۔ میں نیچے اترا اور گویا پہلی بار اپنے ہاتھ پر دھاتی کڑا دیکھ کر چونکا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''چلو۔'' باسو غرایا۔

''شہباز اس کے ساتھ آجاؤ میں وضاحت کرتا ہوں یہ کیا ہے؟'' ڈیوڈ شا نے کہا۔

''غالباً تم نے مجھے باضابطہ اپنے غلاموں میں شامل کر لیا ہے۔'' میں نے طنزاً کہا۔ ''یہ کڑا اسی سلسلے میں ہے۔ سنا ہے تمہارے آباؤ اجداد امریکا میں سیاہ فام غلاموں کو ایسی ہی چیزیں پہناتے تھے۔''

ڈیوڈ شا نے جواب نہیں دیا اور میں باسو کے ساتھ روانہ ہوا۔ وہ مجھے اُسی کمرے میں لایا۔ اس جگہ گھومنے پھرنے کے دوران میں نے محسوس کیا کہ یہ ساؤنڈ پروف تھی۔ سناٹا اتنا مکمل تھا کہ میں اپنی سانس کی آواز بھی سن سکتا تھا۔ یہ کوئی عام جگہ نہیں تھی یقیناً اسے خاص مقاصد کے لیے خاص انداز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ ڈیوڈ شا اسی صوفے پر براجمان تھا اور اس کے ہاتھ میں اسکاچ وہسکی کا گلاس تھا۔ البتہ اس کا تنومند محافظ غائب تھا اس کی جگہ باسو نے لے لی اور میرے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ ڈیوڈ شا نے مجھے سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ڈیوڈ شا میں تمہارا کھیل پہلے ہی سمجھ گیا تھا مگر اس پر بات کرنے سے پہلے اس کے بارے میں جاننا چاہوں گا۔'' میں نے ہاتھ بلند کر کے کڑا دکھایا۔

''تم نے ایک حد تک درست کہا کہ یہ تمہیں قابو میں رکھنے کے لیے ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''یہ ملٹی فنکشن ڈیوائس ہے۔ اگر تم میرے پاس آنے کی کوشش کرو گے تو تمہیں شدید قسم کا برقی جھٹکا لگے گا جو تمہارے اعصاب شل کر دے گا۔ کم سے کم آدھا گھنٹہ تم کسی حرکت کے قابل نہیں رہو گے۔''

''ٹھیک ہے یہ آلہ مزید کیا کام کرتا ہے؟''

''اس میں دو گرام پوٹاشیم سانائیڈ خالص حالت میں موجود ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا تو میرے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی تھی۔ اس خوفناک زہر کی ہلاکت خیزی سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ خالص حالت میں زبان پر رکھتے ہی یہ انسان کی جان لے لیتا ہے۔ انسان کو اتنی مہلت بھی نہیں ملتی ہے کہ وہ ایک لفظ ادا کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زہر کا ذائقہ آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ امریکہ میں سزائے موت کے مجرموں کو یہ زہر سانس کے راستے دیا جاتا ہے یا انجکٹ کیا جاتا ہے دونوں صورتوں میں یہ دو سے تین سیکنڈ میں آدمی کی جان لے لیتا ہے۔ یہ جان کر میرا خوفزدہ ہونا فطری امر تھا کہ میرے ہاتھ سے منسلک اس کڑے میں یہ زہر موجود تھا۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ زہر کس صورت میں میرے جسم میں داخل ہو جائے گا۔''

ڈیوڈ شا نے ہاتھ آگے کیا۔ اس کے ہاتھ میں چاندی جیسے رنگ کا کسی قدر موٹا چھلا تھا۔ ''یہ اس کا کنٹرولر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ اگر تم اس سے ایک گز کی دوری پر آجاؤ تو تمہیں برقی جھٹکا لگے اور اگر تم اس سے سو گز دور چلے جاؤ تو زہر انجکٹ کرنے والا فنکشن حرکت میں آجائے گا۔"

میں مسکرایا۔ "میری غلام والی بات درست ثابت ہوئی نا۔ اب دیکھو میں آزاد ہونے کے باوجود تمہارا غلام ہوں۔ تم مجھے آزاد کر دو تب بھی تم سے دور نہیں جا سکتا۔ کسی بھی ارادے سے تمہارے پاس نہیں آسکتا۔ بائی دی وے جب میں مکمل طور پر تمہارے قابو میں ہوں تو اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ صورت حال عارضی ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ خیر تم اس کے پابند بھی نہیں ہو۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"تم آرام کرو۔ ابھی تمہارے پاس چند گھنٹے ہیں۔"

"چند گھنٹے کس چیز میں؟"

"یاسو۔" ڈیوڈشا نے میرے سوال پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ اس کا اشارہ واضح تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ یاسو مجھے پکڑ کر اٹھاتا تو میں خود کھڑا ہو گیا۔ یاسو مجھے اسی کمرے میں لے آیا۔ وہاں پہلے سے ایک ٹرے میں دو عدد ابلے ہوئے انڈے، مکھن لگے سلائس، اور نج جوس کا ایک گلاس اور پیک چائے کا کپ تھا اس میں رکھی چائے تادیر گرم رہتی تھی۔ اس کے ساتھ ایک منرل واٹر کی بوتل تھی۔ یہ شاید میرا ناشتہ تھا۔ میں قالین پر بیٹھا اور ناشتے سے استفادہ کرنے لگا۔ میں نے آخری بار چوبیس گھنٹے پہلے سری پائے کا ناشتہ کیا تھا۔ لیکن مجھے، نلکی سے خوراک دی گئی تھی اس لئے مجھے معمول کی بھوک لگ رہی تھی۔ ناشتہ کر کے میں نے چائے کے کپ کی سیل کھولی۔ ایک مشکل مرحلے سے گزرنے کے بعد میں خود کو پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کی ڈیوڈشا نے رومانہ اور راشد کا مطالبہ فی الحال مجھے سے ترک کر دیا تھا لیکن وہ انہیں میرے ساتھیوں سے حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔

○.....❖.....○

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
سولہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ لہو تڑپ انگیز آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز ۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414
E-mail:alimian_publications@yahoo.com

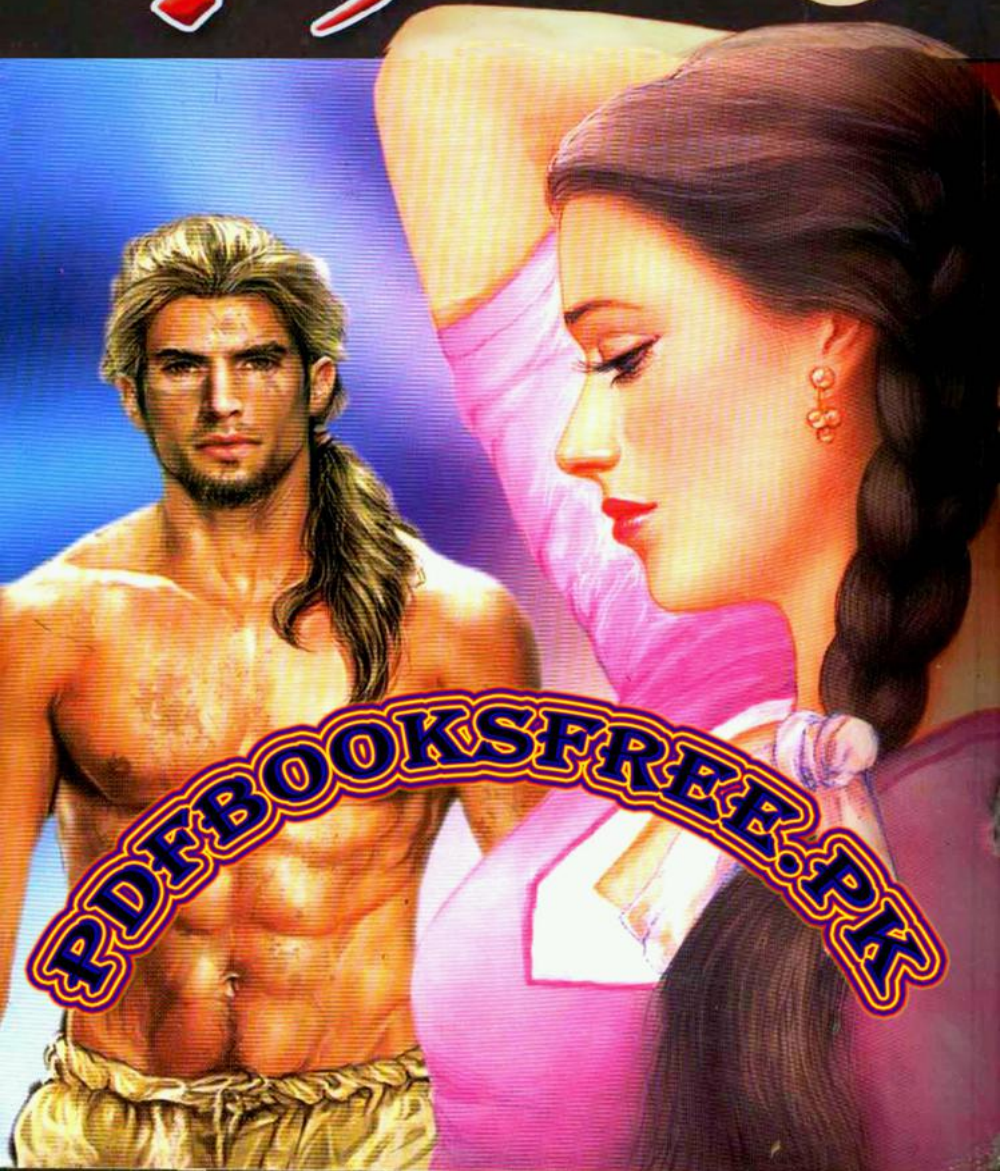
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

16



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

سولہواں حصہ

کاشف زبیر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

علی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

Stokist:(U.K)
Azhar Enterprises
315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 ONR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ رومانہ اور راشد سے فاضلی کو کیا غرض ہو سکتی تھی۔ وہ انہیں دنیا سے رخصت کر سکتا تھا مگر وہ اس کے لئے بہت معمولی سا خطرہ تھے اور ان کے لئے اس حد تک جانا کہ مجھ پر تشدد کرنا، یہ سب میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی چکر تھا۔ اسی طرح مجھے یہ خطرناک کڑا پہنانے کے پیچھے بھی کوئی چکر تھا میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ ڈیوڈ شانے ذاتی تحفظ یا مجھے فرار سے روکنے کے لئے پہنایا تھا۔ پھر اس نے چند گھنٹے کی بات کی تھی۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ جب بہت دیر سوچنے پر کوئی واضح بات ذہن میں نہیں آئی تو میں نے اسے ذہن سے جھٹک دیا اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ ڈیوڈ شا نے مجھے جس طرح اغوا کرایا تھا اس کے بعد ان کا محتاط ہونا لازمی تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ سفیر اب تک موبائل استعمال کر رہا تھا۔ حالانکہ اسے فوری طور پر موبائل ترک کر دینا چاہئے تھا۔ ہم موبائل کی وجہ سے مارے گئے تھے۔

وسیم اور دوسرے اس صورتِ حال میں حفاظتی تدابیر کر رہے ہونگے کیونکہ میرے بعد ان لوگوں کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ انہوں نے یقیناً وہ تمام جگہیں چھوڑ دی ہوں گی جن کے بارے میں ذرا بھی شبہ ہو کہ دشمن ان سے واقف ہیں۔ مجھے رومانہ اور راشد سے زیادہ اپنے ساتھیوں کی فکر تھی۔ اگر ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی حویلی کا پتا چلا لیتے تو وہ وہاں حملہ کر سکتے تھے۔ کھلی جنگ ہوتی تو اس میں دونوں فریقوں کو نقصان ہو سکتا تھا۔ جیسے جیسے میں اس بارے میں سوچ رہا تھا میرا دل مضطرب ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے خیال آ رہا تھا کہ میں نے اپنے دشمنوں کی خاطر اپنے دوستوں کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔ مگر یہاں میری قوتِ فیصلہ ڈانواڈول ہو رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ رومانہ میرے بدترین دشمن کی بیٹی سہی لیکن میرا دل نہیں مان رہا تھا کہ اسے اُن لوگوں کے حوالے کروں جن کے نزدیک عورت صرف ایک جسم ہوتی ہے۔

میں بیٹھے بیٹھے تنگ آ گیا تو اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ بارہ بج گئے تھے اور مجھے یہاں سوچتے ہوئے دو گھنٹے سے اوپر وقت ہو گیا تھا۔ اب مجھے واش روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اس لئے میں نے دروازہ بجایا اور اس وقت تک بجاتا رہا جب تک باہر سے باسو کی غراہٹ نہیں سنائی دی۔ "کیا ہے؟"

"مجھے واش روم جانا ہے۔"

جواب میں خاموشی چھا گئی اور جب ایک منٹ گزرنے پر بھی کچھ نہیں ہوا تو میں نے دوبارہ دروازہ بجانے کے لئے ہاتھ بلند کیا مگر اسی لمحے دروازہ کھل گیا میں پیچھے ہٹا تھا۔ سامنے باسو کھڑا ہوا تھا اس نے ہٹ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے راستہ دیا۔ میں باہر آیا تو اس نے اشارے سے ایک طرف چلنے کو کہا۔ دوسری راہداری میں اس بار مخالف سمت میں مڑ کر ہم واش روم ایریا تک پہنچے۔ وہاں ایک ہی بڑے کمرے میں کئی ٹوائلٹس تھے جیسے کہ عوامی مقامات پر ہوتے ہیں۔ مگر یہ عوامی بیت الخلا کے مقابلے میں نہایت چمکتے دمکتے اور صاف تھے۔ ان میں حفظانِ صحت کی جدید ترین سہولتیں مع اوزون کلینر اور گرم ہوا کے موجود تھیں۔ میں صاف ستھرا ہی تھا مگر ٹوائلٹ سے فارغ ہو کر میں نے منہ ہاتھ دھولیا۔ اس دوران میں باسو واش روم کے دروازے پر کسی ناقابلِ شکست چٹان کی طرح ایستادہ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا اسے لایا ہی میرے لیے تھا۔ میں نے ڈرائیر کے نیچے ہاتھ خشک کرتے ہوئے باسو سے کہا۔

''تم پیدائشی طور پر ایسے ہو؟''

جواب میں وہ بدستور مجھے پلک جھپکائے بغیر گھورتا رہا۔ میں نے شانے اچکائے۔ ''مرضی تمہاری اگر تم جواب نہیں دینا چاہتے۔''

''بس چلو۔''

میرا خیال تھا کہ وہ مجھے کمرے کی طرف لے جائے گا مگر اس نے راہداری میں سیدھا چلنے کا اشارہ کیا۔ پھر ایک دروازے کے آگے رکا اور بولا۔ ''اندر جاؤ۔''

''اندر کون ہے؟''

''جاؤ۔'' وہ غرایا۔ میں نے ہینڈل گھمایا اور اندر داخل ہوا تو اندر سے آراستہ پیراستہ کمرے میں فاضلی خاصے عیش و عشرت کے عالم میں نظر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں جام تھا تو دوسرے میں ساقی۔ لڑکی نما عورت خاصے سنسنی خیز حلیے میں تھی اس نے بہت مہین کپڑے کا میکسی نما چغنوں والا لباس پہنا ہوا تھا جو جسم کے تمام قاتل خطوط کی نمائش کا فریضہ بخوبی انجام دے رہا تھا۔ میں نے غور کیا یہ وہی لڑکی تھی جو اس رات فراری میں فاضلی کے ساتھ تھی جب ہم اسے اغوا کر کے لے گئے تھے۔ میں نے اسے بھی بے ہوشی والی ڈارٹ کا نشانہ بنایا تھا۔ میری توجہ سے فاضلی غلط سمجھا اور اس نے مسکرا کر کہا۔

''لگتا ہے تمہیں پسند آئی ہے۔''

''مجھے مونث چیزوں میں سب سے پسند اجل ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''دشمنوں کے لیے۔''

یہ کہہ کر میں اس کی طرف بڑھا تھا کہ اس نے جلدی سے ہاتھ بلند کیا۔ ''آں..... آں۔''

میں ٹھٹک گیا اس کے ہاتھ میں وہی رنگ تھا جو ڈیوڈ شا نے دکھایا تھا۔ میں رکا تو فاضلی مسکرانے لگا۔ ''تم سمجھ گئے ہو گے اب تمہاری ڈور میرے ہاتھ میں ہے۔''

''بہت سے لوگ یہی سمجھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور اس سے پوچھے بغیر اس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے لڑکی کو قطعی نظر انداز کر دیا تھا اور اس نے اس بات کا خاصا برا منایا تھا۔ وہ کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے استہزائیہ انداز میں لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیا تم نے یہی دکھانے کے لیے بلایا ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس قسم کی عورت نما مخلوق میں بہت دیکھ چکا ہوں۔ میرے نزدیک ان کی اہمیت کسی دیہات کی دیوار پر تھپے گوبر کے اُپلے سے بھی کم ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکی ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اس نے برہمی سے کہا۔ ''یہ شخص مسلسل میری انسلٹ کر رہا ہے اور تم سن رہے ہو۔''

میں ہنسا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے فاضلی جیسے لوگ تمہیں عزت کا مستحق سمجھ کر اپنے پہلو میں جگہ دیتے ہیں اور بائی دی وے جو چیز تم اس سے چاہ رہی ہو وہ تو خود اس کے پاس.....''

اس سے آگے میرے حلق سے جو آواز نکلی تھی وہ قطعی بے معنی تھی کیونکہ فاضلی نے اچانک ہی اپنا رنگ والا ہاتھ آگے کیا اور مجھے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ میرے ہوش ہی گم ہو گئے۔ کمرا میری نظروں کے سامنے گھومنے لگا تھا اور ایک عجیب سی کھرچتی سی آواز میرے کانوں میں آ رہی تھی۔ یہ چبھتی آواز جیسے میرے دماغ میں سوراخ کر رہی تھی۔ اس سے پہلے مجھے کئی بار کرنٹ کھانے کا اتفاق ہوا تھا جب دشمنوں نے بجلی کو ٹارچر کے لیے استعمال کیا۔ کسی کیچوے کی طرح بے ضرر ہو جانے والے اکرم چشتی نے تو اس معاملے میں حد کر دی تھی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں کرنٹ کھانے کے معاملے میں ناتجربے کار نہیں ہوں لیکن یہ تجربہ بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ جسم میں ایسی عجیب سے سنسنی دوڑ گئی تھی جیسے بنا کسی وجہ کے خارش اٹھے اور آدمی کھجا بھی نہ سکے۔ دماغ سوچنے سے معذور ہو گیا تھا۔ اسے ماؤف ہونے والی کیفیت بھی کہہ سکتے ہیں۔ سننے اور دیکھنے کی حس کام کر رہی تھی مگر بہت ہی نرالے انداز میں۔ میرے ساتھ جو ہوا تھا اس کی وضاحت مشکل ہے۔

نہ جانے کتنی دیر یہ کیفیت رہی پھر کمرے نے گھومنا بند کر دیا اور آواز نے سمع خراشی بھی بند کر دی۔ بالآخر میری نظر فوکس ہوئی تو لڑکی دوبارہ فاضلی کی بغل میں بیٹھی ہنس رہی تھی۔ یہ اسی کی ہنسی تھی جو عجیب انداز میں سمع خراشی کر رہی تھی۔ غالباً وہ میری کیفیت سے مسلسل محظوظ ہوتی رہی تھی۔ میں نارمل ہوا اور میں نے غیر محسوس انداز میں گھڑی کی طرف دیکھا تو پندرہ منٹ گزرے تھے۔ گویا میں ڈیوڈ شا کے اندازے سے نصف وقت میں ٹھیک ہو گیا تھا اس نے کہا تھا اس برقی صدمے کا شکار تیس منٹ سے پہلے کسی قابل نہیں ہوتا۔ لیکن میں اسی طرح بے سُدھ انداز میں بیٹھا رہا۔ فاضلی غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میری آنکھیں قابو میں آنے سے اسے اندازہ ہو گیا کہ میں اب بہتر ہو رہا ہوں۔ ''شہباز کیا محسوس کر رہے ہو؟''

''تم سے نفرت۔'' میں نے نحیف سے آواز میں کہا۔ ''پہلے سے کئی گنا زیادہ۔''

''میں تمہارے دلی تاثرات کی بات نہیں کر رہا ہوں۔'' اس نے کسی قدر جھنجھلا کر کہا۔ ''میری بلا سے تم جو چاہے سوچتے رہو جسمانی طور پر کیسا محسوس کر رہے ہو۔''

''کاش کہ میرے ہاتھوں میں جان ہوتی تو میں اس انگوٹھی کی پروا کیے بغیر تمہاری گردن مروڑنے کی کوشش کرتا۔''

''کوشش کر کے دیکھ لو۔'' اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ میں جواب میں خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد میں کوشش کر کے یوں ذرا سیدھا ہوا جیسے میرے لیے یہ کام بھی مشکل ہو۔ فاضلی نے شک سے کہا۔ ''کیا تم سچ مچ ابھی تک شاک میں ہو۔''

''ہاں میرا جسم پوری طرح قابو میں نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ بیس منٹ سے زیادہ وقت گزر چکا تھا اور میری کوشش تھی کہ پورا آدھا گھنٹہ کر کے ہی 'ٹھیک' ہوں۔ دس منٹ بھی کسی نہ کسی طرح گزار لیے۔ ''اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ٹھیک ہوں اور اگر تم یہ انگوٹھی اتار دو تو زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں تم اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہو گے۔"

یک دم فاضلی سنجیدہ ہو گیا اور اس نے سیدھا ہوئے بغیر لڑکی سے کہا۔ "ہنی لیو اس الون۔"

ہنی جبراً مسکرائی، لہرا کر اٹھی اور بل کھاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد فاضلی نے اپنے خالی ہونے والے گلاس کو دوبارہ بھرا اور میرے سامنے آ بیٹھا۔ "مجھے تم سے کام ہے؟"

"کیا کام ہے؟" میں نے براہِ راست انکار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

"آج رات میری زندگی کی سب سے اہم مہم درپیش ہے۔"

میں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا جب وہ خاموش رہا تو میں نے پوچھ لیا۔ "کیا تم نے اس سے شادی کا فیصلہ کر لیا جو ابھی تمہارے پہلو میں بیٹھی تھی؟"

فاضلی نے یوں منہ بنایا جیسے وہ خود کوئی بہت پاکباز اور شریف آدمی ہو جو کسی طوائف سے شادی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ "کیا وہ تمہارے دماغ میں گھس گئی ہے۔"

"نہیں یہ خیال تو ابھی آیا ہے کہ تم دونوں کا بہت پرفیکٹ میچ ہو گا۔ تم دونوں ہی حیا اور شرم کے نام سے بھی ناواقف ہو۔"

"شہباز سنجیدہ ہو جاؤ۔" اس نے بدمزگی سے کہا۔ "اس مہم میں تمہیں بھی اہم کردار ادا کرنا ہو گا۔"

"سوری میں اس کا قائل ہوں کہ آدمی اپنی سہاگ رات خود منائے۔ میری طرف سے معذرت ہے ویسے تم ڈیوڈ شا کو کیوں شامل نہیں کر لیتے۔"

اس بار میں ہوشیار تھا۔ جیسے ہی فاضلی نے ہاتھ آگے کیا میں نے اپنا کڑے والا ہاتھ پیچھے کیا اور آگے آئے فاضلی کے سینے پر لات ماری۔ میں نے جان بوجھ کر زیادہ قوت استعمال نہیں کی تھی اس کے باوجود فاضلی صوفے سمیت الٹ کر پیچھے گرا میں اسے لات مار کر واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا اور سکون سے بولا۔ "اگر تمہیں میری بات اچھی نہیں لگی تو زبان سے جواب دو۔ امید ہے تم اب سمجھداری سے کام لو گے۔"

فاضلی اٹھا تو اس کا چہرہ بگڑ کر سؤر جیسا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی بیلٹ سے پستول نکال کر میری طرف کیا۔ میں ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا اشتعال دیکھتے ہوئے ایک لمحے کو مجھے لگا کہ وہ گولی چلا دے گا۔ مگر پھر اس کے جوش پر ہوش غالب آ گیا۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اسی وقت مجھے شوٹ کر دیتا۔ مگر ڈیوڈ شا نے مجھے ایسے ہی اس کے حوالے نہیں کیا تھا۔ اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ مجھے کوئی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے گہری سانسیں لیتے ہوئے پستول واپس رکھا اور سرد لہجے میں بولا۔ "پھر سہی۔"

میں نے سر ہلایا۔ "تمہاری مجبوری سمجھ رہا ہوں۔"

اس نے صوفہ سیدھا کیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ مجھ سے جتنا الجھے گا اسے اتنی ہی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے وہ فوری مطلب کی بات پر آ گیا۔ "آج رات ہم درگاہ مرشد یہ پر حملہ کریں گے اور یہ مرشد کی آخری رات بھی ہو گی۔"

میں پہلے ہی توقع کر رہا تھا کہ اس کی اہم مہم کا تعلق مرشد سے ہو گا لیکن یہ تازہ خبر تھی کہ آج مرشد کی زندگی کی آخری رات ہو گی۔ "ڈیوڈ شا نے بتایا تھا کہ اسے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں لیکن اعلیٰ حکام کی مداخلت پر اسے ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔'' فاضلی نے جواب دیا۔ ''یہ ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔''

میں نے سوال کیا۔ ''تمہارا خیال ہے یہ مہم اتنی آسان ہوگی۔ ہوسکتا ہے مرشد کے برعکس یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہو؟''

''ہوسکتا ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن میرا پلان مکمل ہے۔ مرشد کے بیشتر وفادار میرے ساتھ شامل ہو چکے ہیں۔ وہ اپنی حفاظت کے لیے ان ہی پر انحصار کرتا ہے۔''

یہ اطلاع بھی نئی تھی کہ فاضلی مرشد کے بیشتر وفاداروں کو خرید چکا تھا۔ اتنا تو مجھے بھی معلوم تھا کہ درگاہ پر تباہ ہونے والے اسلحہ خانے کی تباہی میں فاضلی کے وفاداروں کا ہاتھ تھا اور وسیم کے جاسوسوں نے ہی اس کا پتا چلایا تھا۔ ان کی دی ہوئی معلومات کی بنیاد پر ہم نہ صرف فاضلی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے بلکہ ہمیں ڈیوڈ شا اور فاضلی کے گٹھ جوڑ کا بھی پتا چلا تھا۔ اب مجھے پتا چلا کہ ڈیوڈ شا مرشد کے آدمیوں کے مرنے پر اتنا دکھی کیوں تھا کیونکہ وہ وفاداریاں بدل کر اس کے اور فاضلی کے ساتھ مل چکے تھے۔ میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارے پلان میں میرا کردار کس خوشی میں ہے؟''

''کیونکہ مرشد تمہارا دشمن بھی ہے۔''

''اگر وہ میرا دشمن ہے تو اس سے نمٹنے کا فیصلہ میرا اپنا ہوگا میں کسی دوسرے کو بندوق چلانے کے لیے اپنا کندھا پیش نہیں کر سکتا۔''

''تم راضی خوشی کچھ نہیں کرو گے لیکن مجبوراً کرو گے۔''

''میں کس لیے مجبور ہوں گا؟'' میں نے پوچھا۔ ''اس کڑے کی وجہ سے؟''

''نہیں اس کی ایک وجہ اور بھی ہے۔'' فاضلی کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔ ''تمہیں یقیناً بھگوال میں موجود اپنے ساتھیوں کی زندگی کا خیال ہوگا۔''

مجھے جھٹکا لگا تھا۔ ان لوگوں نے بھگوال کی حویلی کا سراغ بھی لگا لیا تھا۔ میں نے بے یقینی سے کہا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو بلف کر رہے ہو کیونکہ میرے موبائل کا سراغ اسی علاقے سے لگا تھا۔''

''چلو تم دل خوش کر لو مگر ان تصویروں کے بارے میں کیا کہو گے؟'' فاضلی نے اپنے ساتھ رکھا ٹیب پی سی اٹھایا اور اس پر چند بار انگلیاں چلا کر اسے میری طرف بڑھا دیا۔ ''لو دیکھو۔''

پہلی تصویر ہی حویلی کے سامنے والے حصے کی تھی۔ پھر جمیل کی تصویر پھر زوم کر کے لی گئی کسی بلند جگہ سے حویلی کے اندر کی تصاویر تھیں اور کئی تصویروں میں وسیم کے آدمی بھی نظر آ رہے تھے۔ اب میرے لیے فاضلی کو جھٹلانا ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے ٹیب کھینچ کر ایک دیوار پر دے مارا اور سرد لہجے میں پوچھا۔ ''تو تم میرے ساتھیوں کے نام پر مجھے بلیک میل کرو گے؟''

''اس میں حرج کیا ہے۔'' فاضلی مسکرایا۔ ''افسوس کہ تم نے آخری تصویر تک نہیں دیکھا۔ آخری تصویر میں تمہیں ایک فکس میزائل نظر آتا جو ایک قریبی پہاڑ پر نصب ہے اور صرف ایک بٹن دبانے سے یہ حویلی کے اندر گھس کر پھٹے گا اور ایک ہی میزائل پوری حویلی کو ملبے کا ڈھیر بنانے کے لیے کافی ہوگا۔ تم سوچ سکتے ہو کہ حویلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں موجود افراد پر کیا گزرے گی؟''

مجھے لگا کہ فاضلی نے مجھے چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔ یہ تصور ہی اذیت ناک تھا کہ میرے ساتھی میری وجہ سے یوں بے خبری میں نشانہ بنیں کہ ان کو آنے والی موت کا پتا بھی نہ چلے اور وہ مدافعت نہ کر سکیں۔ اگرچہ میں نے میزائل کی تصویر نہیں دیکھی تھی مگر میں فاضلی کی اس بات کو بلف قرار نہیں دے سکتا تھا۔ فاضلی ایسے ہتھیاروں کا ماہر تھا اس سے پہلے اسی نے پہاڑی پر خودکار بھاری مشین گن نصب کر کے اُس ہیلی کاپٹر کو نشانہ بنایا تھا جس میں سفیر، مونا، سادی اور دوسرے لوگ میانوالی جا رہے تھے۔ یہ گن ہمارے پاس موجود تھی۔ وسیم نے بھی ایسی ہی ایک جدید کمپیوٹر سے کنٹرول ہونے والی گن حاصل کی تھی جس کی مدد سے انہوں نے ہمیں بحفاظت انڈیا کی سرحد سے پاکستان آنے میں مدد دی تھی۔ فاضلی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''شہباز کیا کہتے ہو؟''

''تم نے کہنے کو کچھ چھوڑا ہے؟'' میرا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

وہ مسکرانے لگا۔ ''اس کا مطلب ہے تم راضی ہو۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' میں نے مناسب سمجھا کہ جلد از جلد اس کا پلان سمجھ لوں، کم سے کم اپنے بارے میں۔

''تم ایک دستے کو لیڈ کرو گے کیونکہ تم بہت اچھے لیڈر ہو۔'' فاضلی بولا۔ ''تمہارا حصہ اس مشن کی کامیابی میں بنیادی کردار ادا کرے گا۔ اس لیے تمہیں لازمی کامیاب ہونا ہے۔''

''لازمی سے کیا مراد ہے؟''

''اگر تم ناکام رہے تو اس کا خمیازہ تمہارے ساتھیوں کو بھگتنا پڑے گا۔''

میں نے بے یقینی سے کہا۔ ''تم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ جنگ میں ناکامی بھی ہو سکتی ہے۔''

''شہباز میں تمہیں جانتا ہوں۔'' فاضلی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''تم بہت شارپ ہو، بہت لکی ہو اور بہت پُرعزم ہو۔ کامیابی کے لیے ان تینوں چیزوں کو استعمال کرو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں پوری کوشش کروں گا لیکن کامیابی یا ناکامی مقدر سے ہوتی ہے۔''

''شہباز بحث مت کرو، میں نے تمہیں بتا دیا ہے اگر ہم درگاہ کو فتح کرنے میں ناکام رہے اور مرشد ہمارے ہاتھ نہیں آیا تو میزائل چلانے والا بٹن دبا دیا جائے گا۔ یوں سمجھ لو تمہارے ساتھیوں کی زندگی و موت تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

''نعوذ باللہ۔'' میں کانپ اٹھا تھا۔ ''ہر انسان کی موت و زندگی سے لے کر معمولی سے معمولی بات بھی صرف ایک ہستی کے ہاتھ میں ہے۔''

''وعظ نہیں۔'' فاضلی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''یہ سب میرا نام نہاد باپ مجھے بہت کہتا تھا۔ ایک دن میں نے اس کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔''

اب وہ اپنے اصل باپ کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کرنا چاہتا تھا۔ مرشد سے نیکی کے وعظ کی توقع ایسے ہی تھی جیسے شیطان سے کی جا سکے۔ اگر فاضلی اس کا تربیت یافتہ تھا تو اس میں کوئی تعجب نہیں تھا کہ وہ اس سے بڑھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیطان ثابت ہو رہا تھا۔ مرشد آج تک مجھے کسی کام پر مجبور نہیں کر سکا اور نہ ہی کبھی اپنی مرضی پر چلا سکا تھا مگر فاضلی نے یہ کام کر دکھایا۔ انکار یا مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بیتو کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ اس جنگ میں میرے اور کسی ساتھی کی جان نہیں جانی چاہیے۔ کم سے کم میری پوری کوشش یہی ہوتی۔ ''او کے میں پوری کوشش کروں گا مگر مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ اس کے لیے مجھے کتنے افراد اور اسلحہ فراہم کیا جائے گا۔''

''گڈ یہ کی نا تم نے عقل کی بات۔'' فاضلی خوش ہو گیا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ مجھے ساتھ والے کمرے میں لایا جہاں ایک بڑی اسکرین والا ٹی وی نصب تھا لیکن درحقیقت وہ کمپیوٹر مانیٹر تھا۔ فاضلی نے کہا۔ ''آن۔''

اسکرین آن ہو گئی اور اس پر آپریٹنگ سسٹم کی کمانڈز آنے لگیں۔ فاضلی نے ٹچ اسکرین پر تیزی سے ہاتھ چلائے اور چند لمحے بعد اسکرین پر ایک نقشہ ابھرا۔ میں نے ذرا غور کیا اور شناخت کر لیا۔ ''میرا خیال ہے یہ درگاہ مرشد یہ ہے؟''

''بالکل درست پہچانا تم نے۔'' فاضلی نے کہا اور نقشے کو حرکت دی۔ وہ ٹو ڈی سے تھری ڈی میں بدل گیا۔ اب درگاہ کا سامنے والا حصہ آ گیا۔ اس نے نقشے کو آگے بڑھایا اور گویا ہم مین گیٹ سے اندر چلے گئے۔ ''یہ ہم اندر آ گئے۔ اب سامنے سماع ہال ہے۔ یہ نیا سماع ہال ہے جو درگاہ کی اصل عمارت کے سامنے بنا ہے۔'' فاضلی بات کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کو حرکت دے رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی نقشہ بدل رہا تھا۔ نئے سماع ہال کے پیچھے درگاہ کی عمارت تک آئے جس میں مرشد کے دادا اور باپ کی قبریں تھیں۔ مرکزی گنبد تلے دونوں قبریں آنے والے زائرین کے لیے صرف مخصوص دنوں میں کھولی جاتی تھیں ورنہ لوگ صرف باہری جالیوں سے زیارت کر کے چلے جاتے تھے۔ اس گنبد کے دائیں بائیں درگاہ کی عمارت تھی۔ اس میں تین فلورز پر بے شمار کمرے تھے۔ درگاہ کے اصل دھندے ان ہی کمروں میں ہوتے تھے۔ یہاں خاص مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا اور ان کی خاطر مدارت کے لیے غیر ملکی شراب سے لے کر ملکی لڑکیوں تک سب دستیاب ہوتا تھا۔ لڑکیاں اس بازار اور مریدگھرانوں سے آتی تھیں۔ ان کی آمد و رفت نہایت خفیہ انداز میں ایسے راستوں سے ہوتی تھی جن سے عام لوگ بے خبر تھے۔ یہ سب کچھ مجھے فاضلی بتا رہا تھا۔

''ایسی جگہوں پر یہی سب ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مرشد جیسے شیطانوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کہاں بیٹھے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے؟''

''وہی بتا رہا ہوں۔'' فاضلی نے کہا اور ہاتھوں کی جنبش سے نقشے کو آگے بڑھایا۔ ''دائیں طرف جاؤ تو مرشد کی کوٹھی اور ملازموں کی رہائش ہے اور سیدھے جاؤ تو آخری حصے میں پرانے سماع ہال کی عمارت ہے۔''

''جو دھماکوں میں تباہ ہو گئی تھی۔''

''مکمل نہیں جزوی طور پر۔'' فاضلی نے انکشاف کیا۔ ''مرشد کے آدمیوں نے چند دنوں میں اس کی پھر سے مرمت کر کے قابل استعمال بنا لیا۔''

''لیکن میں نے تو سنا تھا کہ وہاں سے غیر ملکی ساخت کا اسلحہ اور گولہ بارود ملا تھا۔ اتنی جلدی حکومت نے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ مرشد کے حوالے بھی کر دی؟''

فاضلی مسکرایا۔ ''کیا تم مرشد کے اثر ورسوخ سے ناواقف ہو۔ یہی نہیں چند دنوں میں اسے اس معاملے سے بری الذمہ قرار دے دیا جائے گا اور ملبہ ان افراد پر ڈالا جائے گا جو اس دھماکے میں مارے گئے۔''

''یہ تمہارے آدمیوں کا کام تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں مگر وہ مکمل طور پر ٹھیک سے نہیں کر سکے تھے۔ ان کی ناتجربے کاری آڑے آئی۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اب تمہارے جیسا تجربہ کار شخص میرے آدمیوں کو لیڈ کرے۔''

''تجربے میں تم بھی کم نہیں ہو۔''

''میں اس وقت کہیں اور ہوں گا ویسے تم فکر مت کرو میں تم سے زیادہ دور نہیں رہوں گا۔ مجھے سوگز والی حد معلوم ہے۔''

یہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ فاضلی مجھے قربانی کے بکرے کی طرح آگے کر کے اپنا کام نکلوانا چاہتا تھا۔ میں کامیاب ہوتا یا ناکام دونوں صورتوں میں وہ خسارے میں نہیں رہتا۔ اس نے نقشہ پرانے سماع ہال کے عقب میں لا کر روک دیا۔ ''یہ چھوٹی سی عمارت دیکھ رہے ہو۔ بہ ظاہر یہ کباڑ خانہ ہے لیکن حقیقت میں پہاڑوں سے نکالی جانے والے ایک بہت بڑی سرنگ آ کر اس عمارت میں نکلتی ہے۔ سرنگ اتنی بڑی ہے کہ اس میں آرام سے ایک درمیانہ ٹرک سفر کر سکتا ہے۔ دھماکوں کے بعد بہ ظاہر سرنگ بند کر دی گئی تھی مگر اب میری اطلاع کے مطابق اسے دوبارہ کھولا جا رہا ہے۔''

''کھولا جا رہا ہے؟'' میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''یعنی کھولا نہیں گیا ہے۔''

''سمجھ لو یہ کام آخری مراحل میں ہے۔'' فاضلی نے کہا۔ ''ہمیں اسی سرنگ کے راستے اندر جانا ہے۔''

''فاضلی میرا ایک سوال ہے جب تم اکثر آدمیوں کو خرید چکے ہو تو تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے تم ان سے بغاوت کرا لو۔''

فاضلی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ مشکوک ہو گئے ہیں اور مرشد نے انہیں پرانے سماع ہال میں قید کیا ہوا ہے میرے زرخرید کچھ ہی لوگ آزاد ہیں مگر وہ اپنے طور پر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے کیونکہ ان سے اسلحہ لے لیا گیا ہے۔ مرشد نے اپنے انتہائی وفادار مریدوں کو اسلحہ دیا ہوا ہے جو تربیت یافتہ تو نہیں ہیں مگر وہ مرشد کے حکم پر اپنی جان قربان کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، آگے چلو۔''

ہم اس سرنگ کو مرشد کے آدمیوں سے صاف کرتے ہوئے پرانے سماع ہال تک رسائی حاصل کریں گے پھر وہاں قید لوگوں کو آزاد کرائیں گے انہیں اسلحہ دیا جائے گا اور آخری مرحلے میں ہم مرشد کی کوٹھی پر دھاوا بولیں گے۔''

''میرا خیال ہے سب سے زیادہ حفاظت اسی جگہ کی کی جا رہی ہوگی۔''

''بالکل مگر میں نے بتایا نا کہ جن لوگوں کے پاس اسلحہ ہے وہ اناڑی ہیں۔''

''میدانِ جنگ میں بعض اوقات تجربے سے زیادہ جذبہ کام آتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایک بار میرے وفادار آزاد ہو گئے تو ان سب کو دیکھ لیں گے۔''

فاضلی سے پلان پر بات کرتے ہوئے میرا ذہن کچھ اور باتوں پر غور کر رہا تھا۔ ''ٹھیک ہے ہم اندر گھس جاتے ہیں اور تمہارے ساتھیوں کو آزاد کرا لیا جاتا ہے مگر اس دوران میں مرشد کو اتنی مہلت یقیناً مل جائے گی کہ وہ پولیس یا باہر موجود اپنے حمایتیوں کو طلب کر سکے۔''

''حملے کے آغاز میں سب سے پہلے علاقے میں موجود تین موبائل ٹاورز اڑا دیئے جائیں گے۔ تمام ٹیلی فون لائنیں کاٹ دی جائیں گی اور درگاہ کے باہر ایک طاقتور جامر اس وقت تک علاقے کی تمام ریڈیائی نشریات کو جام رکھے گا جب تک ہم مرشد کو قابو نہیں کر لیتے۔''

''ٹھیک ہے تم یہ سب کر لو گے مگر ہنگامہ آرائی کی جو آوازیں باہر تک جائیں گی اور آس پاس مرشد کے وفادار ہیں کیا وہ دوڑے نہیں آئیں گے۔''

''نہیں پہلا مرحلہ بہت خاموشی سے طے کرنا ہے۔ البتہ جب مرشد کی کوٹھی پر حملہ کریں گے تب شور ہو گا مگر اس سے پہلے کہ باہر سے کوئی مدد آئے ہم مرشد کو قابو کر لیں گے اور اسے قابو کرتے ہی درگاہ کے تمام معاملات میرے ہاتھ میں آ جائیں گے۔'' فاضلی نے مٹھی بند کر کے سب اپنی مٹھی میں کرنے کا اشارہ کیا۔

''درگاہ میں رات کے وقت کتنے لوگ ہوتے ہیں؟''

''آج کل تو سب کا داخلہ بند ہے سالانہ مرمت کے نام پر۔ اس لیے صرف بہت خاص لوگ ہی اندر موجود ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد سو کے آس پاس سمجھو۔ ان میں سے ستر کے قریب ملازمین ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں سب دیکھتی ہیں مگر یہ راز اپنے سینے سے آگے جانے نہیں دیتے۔ اس طرح جو سنتے ہیں وہ کبھی ان کے ہونٹوں پر نہیں آتا۔ تیس وہ محرم راز ہیں جو مرشد کے کرتوتوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔''

''کچھ عرصے پہلے تک تم ان میں سرفہرست تھے۔''

''میں اس کا بیٹا ہوں اس کا ملازم نہیں ہوں۔'' فاضلی نے تلخی سے کہا۔ ''لیکن کچھ عرصے سے اس نے مجھے ایسا ہی سمجھنا شروع کر دیا تھا۔''

''لڑنے مرنے والے ان تیس کے علاوہ ہیں؟''

''ہتھیاروں کا استعمال تو سب جانتے ہیں مگر یہ لڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔ یوں سمجھ لو یہ درگاہ کی انتظامیہ ہیں سارا کام یہی لوگ چلاتے ہیں۔ لڑنے مرنے والے ان کے علاوہ ہیں میری معلومات کے مطابق اس وقت ان کی تعداد ساٹھ سے ستر ہے۔''

میں تشویش زدہ ہو گیا۔ ''یہ تو خاصی تعداد ہے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ آسانی سے مارے جائیں گے۔''

فاضلی جیسے انسان دوسرے انسانوں کی جان کو بے وقعت سمجھتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک ہر انسانی جان کی اہمیت تھی۔ البتہ میں اس کا اظہار کرتا تو فاضلی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ''میرا مطلب ہے کہ ناتجربے کار افراد بھی اگر اتنی بڑی تعداد میں ہوں تو ان سے لڑنا آسان نہیں ہوتا۔ یقیناً تمہیں بھی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔''

''ظاہر سی بات ہے۔'' فاضلی نے سرسری انداز میں کہا۔ ''جنگ میں دونوں طرف کا نقصان ہوتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے آدمی اس کے لیے تیار ہو کر جائیں گے۔''

میں نے گہری سانس لی۔''تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہوں گے اور ان میں سے مجھے کتنے ملیں گے؟''

''میرے پاس زیادہ آدمی نہیں ہیں یوں سمجھ لو کہ کل ڈیڑھ درجن ہوں گے ان میں سے چھ تم کو ملیں گے۔''

''باقی بارہ افراد؟''

''کچھ باہر کے کام نمٹائیں گے جیسے موبائل ٹاورز کی تباہی، کمیونیکیشن لائنز کا ٹنا اور پھر جا مر لگانا۔ ان میں سے کچھ میرے ساتھ ہوں گے۔''

''اندر کتنے وفادار قید ہیں؟''

''ان کی تعداد ایک درجن سے زیادہ ہے لیکن قید گارڈز کی تعداد دو درجن ہے۔ اب تک میرے وفاداران میں سے جن کو ساتھ ملا چکے ہوں گے ان کو چھوڑ کر باقیوں کو وہیں قید رکھنا ہوگا۔''

''اگر اندر سے بھی ایک درجن افراد مل جاتے ہیں تب بھی تمہارے پاس ڈھائی درجن یعنی تیس سے زیادہ افراد نہیں ہوں گے۔ جب کہ مقابلہ ڈھائی گنا نفری سے ہوگا۔ اگر مرشد کا خاص ٹولہ بھی مسلح ہو کر آ گیا تو یہ تعداد تین گنا ہو جائے۔''

''مرشد کی کوٹھی پر تیس افراد ہوں گے اور باقی درگاہ میں مختلف جگہ ہوں گے۔ ہمیں ان کو ایک جگہ جمع ہونے سے روکنا ہوگا۔ ان سے الگ الگ نمٹنا آسان ہوگا۔''

''وہ کیسے؟ پہلی گولی چلتے ہی سب جان جائیں گے۔''

''ہمارے ہتھیار بے آواز ہوں گے اور حتی الامکان خاموشی سے کام کرنا ہوگا۔ مجھے امید ہے ہم پہلے مرحلے میں بیس پچیس افراد کا خاتمہ کر دیں گے اور پھر باقیوں پر قابو پانا اتنا مشکل نہیں ہوگا۔''

''تمہارا منصوبہ بہت سے مفروضات پر مشتمل ہے؟'' میں نے کہا۔''کیونکہ اب تم ڈیوڈ شا کے ساتھ ہو اس لیے تمہیں یقیناً علم ہو گیا ہوگا کہ ایسا ہی ایک پلان سرحد پار تیار کیا گیا تھا اور اس میں حصہ لینے والے بین الاقوامی قسم کے کرائے کے نہایت تربیت یافتہ فوجی تھے۔ اس میں جدید ترین ہتھیار اور آلات استعمال ہوئے تھے۔ نہایت خطرناک جنگی اسلحہ تھا۔ جن میں اینٹی ٹینک شکن میزائل تک تھے۔ میں دل و جان سے اس پلان میں شامل تھا کیونکہ مجھے کنور پیلس سے سادی کو چھڑانا تھا۔ پلان کی ہر ممکنہ نوک پلک درست کی گئی تھی۔ اس مشن کا سربراہ ایک برٹش کرنل تھا جو دو جنگیں لڑنے کا تجربہ رکھتا تھا۔ ہمیں کنور پیلس کی ایک ایک چیز کا علم تھا۔ اس کے باوجود جب اس پلان پر عمل کا وقت آیا تو سب الٹ گیا۔ جو جو ہم نے سوچا اور چاہا تھا وہ نہیں ہوا۔ بلکہ کچھ اور ہی ہوا۔ وہاں جانے والا کوئی فرد زندہ نہیں بچا۔''

''سوائے تمہارے اور کرنل کے۔'' فاضلی نے سر ہلایا۔''مگر تم جس مقصد کے لیے گئے تھے اس میں کامیاب رہے اور یہی اصل چیز ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کتنے لوگ مرے اور کتنے باقی بچے۔''

''میرے کہنے کا مطلب ہے کہ ہو سکتا ہے اس بار کہانی سرے سے الٹ جائے اور مرنے والوں میں مرشد کے بجائے تمہارا نام شامل ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوسکتا ہے۔'' فاضلی کا لہجہ سرد ہوگیا۔ ''وعظ کی طرح مجھے نصیحتیں بھی پسند نہیں ہیں۔ اس لیے اب کام کی بات کی جائے۔'' اس نے کہا اور ہاتھ سے نقشہ گھمایا۔ اسکرین ذرا سی دیر میں درگاہ سے باہر نکل آئی اور اب اس کا عقبی حصہ تھا۔ یہاں پہاڑ تھے جن کے اوپر سے سڑک گزر رہی تھی وہیں ایک جگہ سے سرنگ درگاہ کے اندر تک آتی تھی۔ سرنگ ایک غار سے شروع ہوتی تھی۔ مگر اس غار کا دہانہ خفیہ تھا۔ جب دھماکے کے بعد اسلحہ پکڑا گیا تو یہ سرنگ بھی دریافت ہوگئی تھی اور مرشد نے اسے بند کروا دیا تھا مگر صرف لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے، جیسے ہی معاملہ ٹھنڈا پڑا اس نے سرنگ کو از سرِ نو بنوانا شروع کر دیا۔ ''سرنگ کا آخری حصہ باقی رہ گیا ہے اور شاید وہ بھی آج رات تک کھل جائے۔''

''اگر یہ نہ کھلی تو؟''

''تب ہم اسے ڈائنامائٹ کر دیں گے۔''

''دھماکے کی آواز دوسری طرف نہیں جائے گی؟''

''جائے گی مگر مرشد کے آدمی بھی ڈائنامائٹ استعمال کر رہے ہیں۔ اس لیے کوئی نہیں چونکے گا۔''

''ڈائنامائٹ کا استعمال قانونی ہے؟''

میرے سوال پر فاضلی مسکرایا تو میں جھینپ گیا۔ سوال ہی احمقانہ تھا۔ مرشد اور فاضلی جیسے لوگ بھلا غلطی سے بھی کوئی قانونی کام کر سکتے تھے۔ یہ ان کی سرشت میں ہی نہیں تھا۔ فاضلی کا منصوبہ اچھا تھا مگر اس کی اصلیت عمل کے وقت سامنے آتی۔ اس میں بہت سے مفروضات تھے۔ اگر مگر تھے اور ان سے کوئی ایک بھی توقع کے مطابق نہیں ہوتا تو منصوبہ ناکام ہوسکتا تھا۔ فاضلی کا منصوبہ کامیاب ہوتا یا ناکام، میری بلا سے وہ اور اس کا باپ مرشد دونوں بھاڑ میں جاتے مگر فاضلی نے میرے ساتھیوں کو گن پوائنٹ پر رکھ لیا تھا۔ اگرچہ اس کے پسِ پشت اس کی فطری خباثت بھی کارفرما تھی مگر اس طرح اس نے اپنے منصوبے کی انشورنس مجھ سے کرا لی تھی اور میں ناکامی کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس صورتِ حال سے مجھے ایک ہی فرد نکال سکتا تھا اور وہ ڈیوڈ شا تھا۔ میں فاضلی کے سامنے یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

''ہمیں کب روانہ ہونا ہے؟''

''سورج ڈوبتے ہی۔'' فاضلی نے کہا۔ ''لیکن یہ کارروائی نصف رات کے بعد شروع ہوگی۔''

میرے حساب سے نصف رات کا وقت بہت نامناسب ہوتا ہے۔ خاص طور سے جب کسی خاصی سکیورٹی والی جگہ حملہ کیا جائے۔ اس وقت سکیورٹی سب سے زیادہ الرٹ ہوتی ہے۔ یہی سکیورٹی سورج غروب ہونے کے فوراً بعد اور صبح کے قریب ذہنی طور پر پُرسکون حالت میں ہوتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت خطرہ نہیں ہے۔ عام طور سے ان ہی اوقات میں سکیورٹی بدلی جاتی ہے۔ جانے والے اپنی ڈیوٹی ختم ہونے کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں اور آنے والے اتنے چوکس نہیں ہوتے۔ مگر یہ فاضلی کا پلان تھا اور اسے فیصلہ کرنا تھا۔ مجھے خیال آیا۔ ''تم نے رومانہ اور راشد کا مطالبہ کیوں کیا؟''

فاضلی چونکا مگر پھر اس نے جلدی سے خود پر قابو پا کر کہا۔ ''مرشد سے مجھے کچھ حساب برابر کرنے ہیں۔''

''تو وہ تم مرشد سے کرو، رومانہ اور راشد سے کیا تعلق بنتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیونکہ وہ مرشد کی بیٹی اور بھتیجا ہے۔''

''اس طرح تو تم بھی بیٹے ہو۔'' میں نے اسے یاد دلایا تو اس کا منہ بن گیا۔

''فضول باتیں مت کرو بہرحال ان کا معاملہ بعد میں دیکھا جائے گا۔ تم ساری عمر تو انہیں چھپا کر نہیں رکھ سکتے۔''

''تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے تمہارے پلان خاصے لمبے چوڑے ہیں۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''تم مکمل طور پر مرشد کی جگہ لینے کی تیاری کر رہے ہو۔''

''ہاں اس گدی کا صحیح حقدار میں ہوں۔'' اس نے غرور سے کہا۔ ''مرشد سمیت کوئی بھی شخص ذہانت اور لڑنے مرنے میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔''

میں مسکرا دیا تھا۔ چار بج گئے تھے فاضلی نے مجھے آرام کرنے کو کہا۔ ''تمہارے پاس تین گھنٹے ہیں آرام کر لو۔''

''میں کام کے وقت آرام کا قائل نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

فاضلی نے دروازہ کھول کر باسو کو آواز دی۔ وہ اندر آیا اور مجھے لے کر روانہ ہوا۔ میں نے راستے میں اس سے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے ڈیوڈ شا سے بات کرنی ہے۔''

''وہ نہیں ہے۔'' باسو نے کہا۔

''تم اسے میرا پیغام دے سکتے ہو یہ بہت ضروری ہے۔ اگر اسے پیغام نہ ملا تو اسے بہت بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔''

جواب میں اس نے مجھے کمرے میں دھکیل دیا اور دروازہ بند کر دیا۔

○.....❖.....○

میں ٹھنڈی سانس لے کر قالین پر دراز ہو گیا۔ میں نے اس امید پر باسو سے بات کی تھی کہ ڈیوڈ شا سن رہا ہو گا مگر ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ وہ یہاں نہیں ہے ورنہ مجھے ضرور طلب کر لیتا۔ شاید وہ مجھے فاضلی کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا تو امید جاگی اور فوراً ہی مرجھا گئی کیونکہ باسو نے ایک ٹرے اندر رکھ کر دروازہ بند کر دیا۔ اس میں لنچ یا شاید ڈنر تھا۔ میں نے اس سے استفادہ کیا۔ روانگی سے پہلے یہ آخری طعام بھی ہو سکتا تھا۔ اب زیادہ وقت بھی نہیں رہا تھا۔ جیسے جیسے گھڑی کی سوئی سات کی طرف بڑھ رہی تھی میری رگوں میں خون کی گردش بھی تیز ہو رہی تھی۔ خود کو وارم اَپ کرنے کے لیے میں نے ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ جب مجھے اس حملے میں لیڈ کرنا تھی تو یقیناً مجھے میری مرضی کا اسلحہ بھی فراہم کیا جاتا اور کیا فاضلی اتنی آسانی سے مجھے مسلح کرنے کو تیار ہو جاتا جب کہ وہ جانتا تھا کہ اب میں اس کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا۔

جیسے جیسے میں اس پر غور کر رہا تھا فاضلی کی میرے ساتھیوں کو ہرغمال بنانے کی حکمتِ عملی کا جواز سمجھ میں آ رہا تھا۔ انہیں گن پوائنٹ پر فاضلی نے اپنی حفاظت کے لیے رکھا تھا کہ میں اسے نقصان پہنچانے کا خیال ذہن میں نہ لاؤں۔ اس خیال سے مجھے ذرا تقویت ہوئی تھی کہ فاضلی ایسی حماقت نہیں کرے گا کہ اپنے پلان کی ناکامی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی سزا میرے ساتھیوں کو دے۔ میں ٹہلتا اور سوچتا رہا حتیٰ کہ وقت ہو گیا اور دروازہ کھلا اور باسو کی صورت نظر آئی تو میں اس کے ساتھ کمرے سے نکل آیا۔ فاضلی اپنے کمرے میں میرا منتظر تھا۔ میں نے جاتے ہی اس سے مطالبہ کیا۔ ''میری ڈیوڈ شا سے ملاقات کراؤ۔''

''وہ یہاں نہیں ہے۔''

''جہاں بھی ہے تم موبائل یا فون پر بات کرا سکتے ہو۔''

''فی الحال یہ بھی ممکن نہیں ہے۔'' فاضلی نے چالاکی سے کہا۔ ''ہاں واپسی پر تمہاری بات ہو سکے گی۔''

''اگر واپسی ہوئی تو۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

''تم پریشان مت ہو۔'' اس نے گویا مجھے تسلی دی۔ ''چلنے کی تیاری کرو سب سے پہلے کپڑے بدلنا ہوں گے۔''

فاضلی مجھے برابر والے کمرے میں لایا جہاں میز پر مکمل لباس اور ایک عدد بلٹ پروف جیکٹ رکھی تھی۔ میں نے یہ وردی نما سیاہ لباس پہنا جو رات کی تاریکی میں بہترین پردہ پوشی کرتا۔ اس کے اوپر بلٹ پروف پہنا۔ لباس کے ساتھ جوتے بھی تھے اور سب میرے ناپ کا تھا۔ فاضلی خود بھی اسی قسم کے لباس میں تھا اور اس نے بھی بلٹ پروف پہن رکھا تھا۔ ہم باسو کے ساتھ اسی عمارت کے ایک حصے میں واقع گیراج میں آئے وہاں ایک وین کھڑی تھی۔ میں اور باسو اس کے عقبی حصے میں آئے۔ یہ مکمل طور پر بند تھی۔ فاضلی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ کچھ دیر بعد وین اسٹارٹ ہوئی اور روانہ ہو گئی۔ بند وین میں حبس تھا مگر جیسے ہی وین اسٹارٹ ہوئی اے سی نے کام شروع کر دیا۔ یہاں فرشی نشست تھی میں ایک طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

سامنے باسو بیٹھا تھا۔ اس نے گھٹنوں تک برمودہ کے اوپر مختصر سی بنیان پہن رکھی تھی اور اس لباس میں اس کا جسم بہت نمایاں تھا۔ اس سے بات کرنا بیکار تھا کیونکہ وہ ٹو دی پوائنٹ بات کرتا تھا اور کسی سوال کا جواب نہیں دیتا تھا۔ وہ خاموشی سے مجھے گھور رہا تھا مگر اس وقت اس کی آنکھوں میں عداوت نہیں تھی۔ اس کے تاثرات عام طور سے حیوانی ہوتے تھے۔ جب کہ عام حالات میں وہ بنا تاثر کے سپاٹ چہرہ رکھتا تھا۔ میری طرح وہ بھی خالی ہاتھ تھا مگر اسے ہتھیار کی ضرورت نہیں تھی اس کا جسم بذات خود مہلک ہتھیار تھا۔ اپنی جناتی قوت اور لیچ نما ہاتھوں سے وہ منٹوں میں کسی مضبوط ترین شخص کو بھی توڑ مروڑ کر رکھ سکتا تھا۔ اگر وہ اس مہم میں شامل تھا تو وہ اکیلا ہی چار کے برابر تھا۔ میں اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہم کہاں سے روانہ ہوئے تھے اور موڑ یاد کرنے کی کوشش کی مگر فاضلی نے اتنی جلدی جلدی موڑ کاٹے کہ میں بھول گیا۔

پھر وین اندر سے ساؤنڈ پروف تھی۔ باہر کی کوئی آواز اندر نہیں آ رہی تھی جب کہ باہر ٹریفک کی موجودگی لازمی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ اسلام آباد بہت خاموش شہر تھا۔ مرکزی شاہراہوں پر بھی اکا دکا گاڑیاں چلتی نظر آتی تھیں۔ مگر چند دہائیوں میں ٹریفک کا یہ عالم ہو گیا کہ اب عام سڑکوں پر بھی گاڑیوں کا اژدحام ہونے لگا تھا۔ رش کے اوقات میں ٹریفک جام بھی ہو جاتا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اتنی دیر مسلسل باہر خاموشی رہتی۔ یقیناً اسے خاموش رکھنے کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ وین پون گھنٹے بعد رکی اور عقبی دروازہ کھلا تو باہر تاریکی چھا چکی تھی۔ آسمان پر بادل تھے اور حبس بتا رہا تھا کہ بارش کا امکان ہے۔ کئی دن کی گرمی کے بعد بادل آئے تھے۔ فاضلی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازہ کھولا تھا۔ ''نیچے آجاؤ۔''

پہلے باسو اُترا اور پھر میں نیچے آیا۔ ہم ایک سڑک کے کنارے پر کچے میں موجود تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ بلکہ اسے ٹیلا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کے اوپر گھنی جھاڑیاں تھیں۔ کچھ دیر بعد ان جھاڑیوں سے ایک سایہ نکل کر ہمارے پاس آیا۔ یہ ایک مسلح شخص تھا اور اس نے فاضلی سے کہا۔ ''تیاری مکمل ہے۔''

''دوسری طرف کی کیا پوزیشن ہے؟''

''ہم نے ڈرل کر کے گیس چھوڑ دی ہے۔'' آدمی نے کہا۔ ''اندر موجود ہر فرد بے ہوش ہو گیا ہوگا۔''

''گڈ۔'' فاضلی نے کہا اور اس آدمی کے ہمراہ ٹیلے کے اوپر چلا گیا۔ میں اور باسو وہیں رہے تھے۔ ٹیلا یہاں سے سو فٹ سے زیادہ دور نہیں تھا لیکن فاضلی اگر ٹیلے کے دوسری طرف جاتا تو میرے اور اس کے درمیان فاصلہ سو گز سے بڑھ سکتا تھا اور یہ فاصلہ میرے لیے پیغامِ اجل لاتا۔ میں کسی قدر مضطرب ہو گیا اور ٹیلے کی طرف بڑھا۔ باسو نے عقب سے تنبیہ کی۔

''آگے مت جاؤ۔''

''میں اوپر نہیں جا رہا۔'' میں نے جواب دیا۔

باسو نے ایسے ہی کہا تھا کیونکہ اسے پروا نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ میں بھاگ نہیں سکتا تھا۔ اس نے وین کا دروازہ کھولا اور اسے ایسے ہی دھکیل کر مزید کچے میں لے آیا۔ یہ سڑک خاصی خستہ حال تھی۔ اب تک اس پر مزید کسی گاڑی کے آثار نظر نہیں آئے تھے اور نہ ہی کوئی پیدل فرد گزرا تھا۔ آٹھ بج کر دس منٹ ہوئے تھے اور فاضلی کو گئے ہوئے بیس منٹ ہونے کو آئے تھے۔ اس کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ وہ تاریکی میں نمودار ہوا اور اس نے وین کا معائنہ کیا۔ مطمئن ہو کر اس نے ہم دونوں سے ساتھ چلنے کو کہا۔ ہم ٹیلے کے اوپری حصے تک آئے اور یہاں سے فوراً ہی تقریباً ایک کلومیٹر دور درگاہ کی روشنیاں نظر آئیں۔ درمیان میں خاصی ناہموار زمین تھی۔ بائیں طرف سڑک سے تقریباً سو فٹ دور ایک ٹیلے کے ساتھ غار نما دہانہ تھا اور اس کے آس پاس ہلکی سی روشنی تھی۔ اسی وجہ سے دہانہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً یہی خفیہ راستے کا دروازہ تھا۔

غار کے آس پاس تقریباً ڈیڑھ درجن مسلح افراد موجود تھے اور یہ سب مقامی تھے۔ یعنی ان میں ڈیوڈ شا کا کوئی ساتھی شامل نہیں تھا سوائے باسو کے۔ اس نے فاضلی کو اپنے آدمی دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس کے باوجود وہ پوری طرح اس کی مدد اور حمایت کر رہا تھا۔ حد یہ کہ اس نے مجھے فاضلی کے حوالے کر دیا تھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ میرے خون کا پیاسا تھا اور موقع ملنے پر مجھے مارنے سے گریز نہیں کرے گا۔ اس کے بعد ڈیوڈ شا فاضلی کے ساتھ کچھ بھی کر لیتا وہ مجھے زندہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہی نہیں اس نے میری کلائی میں کڑا پہنا کر ایک طرح سے فاضلی کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ 'غلطی' سے بھی مجھے مار سکتا تھا اور بعد میں کوئی ایسی وضاحت بھی پیش کر سکتا تھا جسے جھٹلانا ڈیوڈ شا کے لیے بہت مشکل ہوتا۔ ڈیوڈ شا کا یہ رویہ میری سمجھ سے باہر تھا۔ فاضلی نے چھ افراد کو اشارے سے بلایا اور وہ آئے تو اس نے میرا تعارف کرایا اور بولا۔

''اب تم لوگ شہباز کے ماتحت ہو گے۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرو گے۔''

''جو حکم جناب عالی۔'' ایک لمبے بالوں والا ملنگ نما شخص بولا۔ اس کی آنکھوں سے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سستا نشہ بکثرت استعمال کرتا تھا۔ یہ سب عام جرائم پیشہ تھے ان کا واحد وصف مرنا مارنا تھا اور یہ کام وہ پیسے کے لیے کرتے تھے۔ میں نے ان سے سوال کیے۔ ان سب کو خود کار ہتھیار استعمال کرنے آتے تھے اور نشانہ بھی ان کے دعوے کے مطابق اچھا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ خود کار رائفلوں پر سائلنسر لگے ہوئے تھے۔ یہ چیک ساختہ یوزی گن تھیں۔ سب مشین گنوں میں ان کا شمار بہترین ہتھیاروں میں ہوتا ہے۔ میں نے ان کا امتحان لیا اور نشانہ لگوا کر دیکھا۔ جلد پتا چل گیا کہ سنگل شاٹ میں صرف دو ہی بہتر نشانے باز تھے۔ باقی سب صرف برسٹ مارنے کے ماہر تھے جس میں نشانے بازی کی خاص ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ ان کے پاس پستول بھی تھے مگر یہ خاموش نہیں تھے اور ان کا استعمال اسی وقت کرنا تھا جب رائفل کا ایمونیشن ختم ہو جائے اور کھلی جنگ چھڑے۔

ان سے فارغ ہونے پر فاضلی مجھے ایک طرف لے گیا۔

''تمہیں اپنے دستے کے ساتھ آگے رہنا ہوگا۔''

''اور تم کہاں ہو گے؟''

''ٹھیک تمہارے پیچھے، میں تم سے سو گز سے زیادہ دور نہیں جاؤں گا۔''

''سو گز کی حد ختم ہو سکتی ہے۔''

''تم فکر مت کرو یہ ڈیجیٹل آلہ ہے اس کا پروگرام ری سیٹ کیا جا سکتا ہے اور اب حد بڑھا کر پانچ سو گز کر دی ہے۔ یعنی تم اور میں درگاہ کی حدود میں کہیں بھی ایک دوسرے سے خطرناک فاصلے پر نہیں ہوں گے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ یہ حد بڑھ چکی ہے۔''

''سو فیصد۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

میرے پاس سوائے اس کی بات پر یقین کرنے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے بات آگے بڑھائی۔ ''ٹھیک ہے میں آگے ہوں گا۔''

''تم راستہ کلیئر کرتے ہوئے پرانے سماع ہال کی عمارت تک رسائی حاصل کرو گے اور وہاں موجود میرے وفاداروں کو آزاد کراؤ گے۔''

''ٹھیک ہے یہ کام ہو گیا پھر؟''

''پھر تم درگاہ کی مرکزی عمارت کی طرف بڑھو گے۔ اس میں داخل ہونے کے دو ہی راستے ہیں ایک آگے سے ایک پیچھے سے۔ رات نو بجے کے بعد یہ دونوں دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ ان دنوں تو یہ مستقل بند ہوں گے۔ تمہیں وہاں مرشد کے خاص گرگوں کا صفایا کرنا ہے۔''

''میں کسی کو بلا مقصد قتل نہیں کر سکتا۔'' میں نے انکار کیا۔

''تم مت کرنا یہ کام میرے آدمی کریں گے۔'' اس نے اصرار نہیں کیا۔

''تم کیا کرو گے؟''

''میں اپنے آدمیوں سمیت کوٹھی کا محاصرہ کروں گا تاکہ وہاں سے کوئی مدد کے لیے باہر نہ آ سکے۔ جب تم لوگ اپنا کام مکمل کر لو گے تو میری طرف آؤ گے اور پھر ہم کوٹھی پر حملہ کریں گے۔''

''یہ بھی ممکن ہے کہ حملہ ہونے کے بعد جب مرشد کسی سے رابطہ نہیں کر پائے گا تو فرار کی کوشش کرے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فرار کے تمام راستوں پر میرے آدمی ہوں۔''

''مرشد نے یقیناً کوئی خفیہ راستہ رکھا ہوگا۔''

''وہ خفیہ راستہ بھی میری نظر میں ہے کارروائی کے آغاز میں ہی اس کا بیرونی حصہ تباہ کر دیا جائے گا اور پھر کوئی اس راستے سے فرار نہیں ہو سکے گا۔''

فاضلی نے ہر پہلو پر نظر رکھی تھی۔ مجھے افرادی قوت کی کمی کھٹک رہی تھی۔ یہ لوگ نہ صرف تعداد میں کم تھے بلکہ ان میں ذہنی ہم آہنگی بھی کم تھی کیونکہ یہ ساتھی نہیں تھے۔ اس قسم کے حملوں میں ذہنی ہم آہنگی کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اگر حملہ کرنے والے منظم اور ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہوں اور انہیں پتا ہو کہ کس صورتِ حال میں کیا ردِعمل دینا ہے تو تھوڑے افراد سے بھی کام چل جاتا ہے۔ وہ غیر منظم انداز میں بکھر کر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے انداز میں لاپروائی نمایاں تھی۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے یہ لوگ اس طرح سے عمل کر لیں گے جیسے ان سے کہا جائے گا۔''

''اندر گھستے ہی انہیں زندگی اور موت کی کشمکش سے واسطہ پڑے گا اور انسان سب سے بہترین تدبیر اپنی جان بچانے کے لیے کرتا ہے۔''

''مسئلہ جان بچانے کا نہیں ہوگا وہ تو فرار سے بھی بچ سکتی ہے مسئلہ کامیابی کا ہے۔ اگر انہوں نے ٹھیک سے کام نہیں کیا تو کامیابی مشکوک ہو جائے گی۔''

''شہباز اسی لیے میں نے تمہیں ان کا لیڈر بنایا ہے۔ اگر تم انہیں ہینڈل کر لو گے تو ان سے ہر کام لے سکتے ہو۔ یہ سب لڑنے مرنے والے لوگ ہیں۔ کوئی گھبرائے گا نہیں۔''

''تمہارے آدمی نے بتایا تھا کہ انہوں نے اندر گیس چھوڑ دی ہے۔ تو کیا اندر والوں کو پتا نہیں چلا ہو گا؟''

''سرنگ صاف کرنے والے شفٹوں میں کام کر رہے ہیں اور اس شفٹ کو بارہ بجے جانا تھا اس سے پہلے کوئی یہاں نہیں آئے گا اور آنے کی کوشش کرے گا تو مجھے فوراً پتا چل جائے گا۔''

فاضلی کا مطلب تھا کہ اندر موجود اس کے آزاد وفادار نظر رکھے ہوئے تھے اور کسی قسم کی صورتِ حال میں وہ فوری اُسے اطلاع دیتے۔ میں نے بجلی کے بارے میں پوچھا۔ ''کیا اسے منقطع نہیں کیا جائے گا؟''

''جب تک پرانا سماع ہال اور درگاہ کلیئر نہیں ہو جاتی لائٹ آن رہے گی اس کے بعد میرے آدمی باہر سے لائن کاٹ دیں گے۔''

''پہلے کیوں نہیں؟''

''ایک تو ان لوگوں کو اندھیرے میں کارروائی کی عادت نہیں ہے یہ گھبرا جائیں گے۔ دوسرے جنریٹر درگاہ کے پاس ہی ہے لائٹ جاتے ہی وہ اسٹارٹ ہو جائے گا۔ جب تم درگاہ کلیئر کر لو گے تو جنریٹر اڑا دو گے اور اس کے بعد باہر کی لائٹ بھی کاٹ دی جائے گی۔''

''اس صورت میں اندھیرا ہونے پر یہ نہیں گھبرائیں گے؟''

''نہیں یہ بیک اَپ میں ہوں گے ہم نائٹ ویژن استعمال کر کے مرشد کے آدمیوں کو باآسانی شکار کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیں گے اس کے بعد باہر سے لائٹ بحال کر دی جائے گی۔''

ساڑھے نو بج گئے تھے۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ ''اندر کب داخل ہونا ہے؟''

''ساڑھے گیارہ بجے۔''

''ابھی اس میں دو گھنٹے ہیں۔''

''آرام کرو، کھاؤ پیو۔'' اس نے اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کھانے کے ہلکے پھلکے سامان سے استفادہ کر رہے تھے ان کے پاس منرل واٹر کی بوتلیں اور جوس کے ڈبے بھی تھے۔ آسمان پر ہلکی سی بجلی چمکنے لگی تھی۔ اگر بارش ہو جاتی تو یہ زیادہ اچھا تھا ہمیں کور ملتا اور مرشد کے آدمی بارش سے بچنے کے لیے اپنی جگہوں پر محدود ہو جاتے۔ میں ایک طرف پتھر سے ٹک گیا۔ غار کا دہانہ اس قسم کا تھا کہ فاصلے سے یہ نظر نہیں آتا تھا۔ قریب آنے پر بھی یہ مٹی کے کٹاؤ جیسا لگتا تھا۔ اس قسم کے کٹاؤ سارے پوٹھوہار ریجن میں عام ملتے ہیں کیونکہ کثرت سے بارش مٹی بہا لے جاتی ہے۔ بالکل سامنے آنے پر پتا چلتا تھا کہ یہ غار ہے۔ میں نے ذرا دور بیٹھے فاضلی سے پوچھا۔ ''اس طرف سے غار کی حفاظت کا کیا بندوبست تھا؟''

''اندر ایک فولادی دروازہ لگا ہوا تھا اور گارڈز ہوتے تھے۔ باہر ایک ملنگ رہتا تھا جو درحقیقت یہاں کا چوکیدار تھا۔''

میں حیران تھا کہ ہمارے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے مرشد کو کیسے بری الذمہ قرار دے دیا اور سارا الزام ان مرحوم ملازمین پر رکھ دیا گیا جو دھماکے میں مارے گئے تھے۔ اس ملک میں اثر و رسوخ اور مفاد اتنی بڑی بلا بن گئے ہیں کہ آدمی سنگین ترین جرم کر کے بھی تمام شواہد اور گواہیوں کے باوجود یوں بچ نکلتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ پہلے چند موٹی بوندیں گریں اور اس کے بعد اچانک ہی تیز بوچھاڑ آئی۔ پانی سرد اور خوشگوار تھا۔ حبس آلود گرمی کے بعد یہ اچھا لگ رہا تھا اس لیے میں نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ اکثر تو ہڑبڑا کر غار میں چلے گئے تھے۔ بارش میں بھیگنا مجھے بچپن سے پسند ہے۔ جب بارش ہوتی تو میں ماں جی کی نظر بچا کر باہر نکل جاتا تھا۔ ماں جی جانے نہیں دیتی تھیں کیونکہ بارش کے وقت ہمارے علاقے میں سانپ نکلتے ہیں۔ شاید ان کے بلوں میں پانی بھر جاتا ہے اور وہ باہر آنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ سانپوں کے ڈسنے کے سب سے زیادہ واقعات بھی بارش کے موسم میں ہوتے ہیں۔ مجھے سانپ سے ڈر لگتا تھا مگر بارش میں بھیگنے کا لطف اس خوف کو دبا دیتا تھا۔ اس وقت بھی بدترین صورتِ حال کے باوجود میں بارش سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ فاضلی مجھ سے کچھ دور بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔

''شہباز تم مجھے ہمیشہ حیران کرتے ہو۔''

''کیسے؟''

''تم بالکل بھی پریشان نہیں ہو۔''

''اس کے برعکس میں بہت پریشان ہوں۔''

''تب تمہارے ظاہر سے کیوں پتا نہیں چل رہا۔''

''جب میں کسی مسئلے کا حل نہیں نکال پاتا تو اسے اوپر والے کے سپرد کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پریشانی صرف نتیجے کی رہ جاتی ہے۔ ویسے آج تک نتیجہ میرے حق میں ہی نکلا ہے۔''

''لیکن اس بار ایسا نہیں ہوگا۔''

''مجھے معلوم ہے ہر بار ایسا نہیں ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی شخص مکمل کامیابی حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح کوئی شخص مکمل ناکام بھی نہیں ہوتا ہے۔ سب کو کچھ نہ کچھ ملتا ہے۔''

''لگتا ہے تم تقدیر پر بھروسہ کرتے ہو؟''

''میں تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''ہر گزرتے دن یہ ایمان پختہ ہوتا جا رہا ہے کہ کاتب تقدیر نے میرے لیے جو لکھا ہے وہی سب سے بہتر ہے۔''

''میرے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''تم خود پر بھی یقین نہیں رکھتے۔''

''غلط مجھے خود پر ہی یقین ہے۔''

''یقین ہونا ہی بے یقینی کی نشانی ہے۔ یہ میرے سامنے پانی کی بوتل رکھی ہے۔ میں یقین نہیں رکھوں گا کہ اس کا پانی میری دسترس سے باہر ہے۔ کیونکہ یہ میرے سامنے ہے۔ یقین اور بے یقینی وہاں ہوتی ہے جہاں معاملات آدمی کی دسترس سے باہر ہوں۔ اسی لیے میرے نزدیک یقین ہونا اصل میں بے یقینی کی ایک صورت ہے۔''

''تم بہت عجیب باتیں کرتے ہو فلسفیوں جیسی۔''

میں ہنسا۔ ''حالانکہ مجھے سب سے زیادہ چڑ اسی علم سے ہے۔ میرے نزدیک فلسفہ اپنی خواہشات اور اپنے نکتہ نظر کو دلیل دینے کا نام ہے۔''

''اس کے برعکس مجھے فلسفہ پسند ہے۔''

''مجھے قطعی تعجب نہیں ہے کیونکہ دنیا کے جتنے بڑے سفاک اور قاتل حکمران گزرے ہیں وہ سب فلسفے کے شیدائی تھے اور انہوں نے اپنے کرتوتوں کے جواز کسی فلسفی کے افکار سے ہی حاصل کیے۔''

''تم تو کہہ رہے تھے کہ تمہیں فلسفہ پسند نہیں ہے۔''

''ہاں لیکن اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ میں نے کچھ پڑھا نہ ہو، میں نے سب پڑھا ہے۔''

بارش کے شور میں ہمیں اونچی آواز میں بات کرنی پڑ رہی تھی۔ باسو ہم سے کچھ دور ساکت کھڑا تھا یہ اس کا مخصوص پوز تھا اور میں نے تقریباً ہمیشہ اسے اسی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ دونوں بازو نیچے لٹکائے کسی دیو کی طرح ایستادہ رہتا تھا۔ میں نے باسو کے بارے میں پوچھا۔ ''کیا یہ قدرتی ہے؟''

''نہیں یہ اسی چینی ڈاکٹر کی بنایا ہوا ہے۔'' فاضلی نے جواب دیا تو میں چونکا۔

''کیا مطلب؟''

فاضلی نے وضاحت کی۔ ''ڈاکٹر لینگ نہ صرف جدید میڈیکل کا ماہر ہے بلکہ وہ قدیم چینی طب کا بھی ماہر ہے۔ باسو کو اسی نے بنایا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے یہ عام سا انسان تھا پھر ڈاکٹر لینگ نے اسے کسی دوا یا طریقے سے اسے گرانڈیل بنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔"

"بالکل، ڈاکٹر لینگ نے اس وقت اس کے تھائی رائٹ گلینڈز کے ساتھ کچھ کیا جب یہ صرف بارہ برس کا تھا۔ اس کے نتیجے میں باسو کے بازو لمبے اور جسم تنومند ہو گیا۔"

میں نے اس بارے میں سنا تھا کہ قدیم چینی ماہرین اتنے ماہر ہوتے تھے کہ وہ انسان کی نشوونما پر اثر انداز ہونے والے ان غدود کو چھیڑ کر اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر لیتے تھے۔ وہ قدیم چینی شہنشاہوں کے لیے خاص جسم والے غلام تیار کرتے تھے۔ مگر میرا خیال تھا کہ یہ سب داستانیں ہیں۔ جیسی ہمارے ہاں الف لیلہ اور سند باد جیسی کہانیاں ہیں۔ مگر اب میرے سامنے اس قدیم روایت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ موجود تھا۔ اگر وہ بارہ سال کی عمر سے ڈاکٹر لینگ کے تجربے میں تھا تو اسے خاصا عرصہ ہو گیا تھا۔ میں نے فاضلی سے اس کی عمر پوچھی۔ اس نے جواب دیا۔ "یہ ابھی اٹھارہ سال کا ہو جائے گا۔"

میں نے باسو کو حیرت سے دیکھا۔ "صرف اٹھارہ برس کا؟"

"ہاں اور یہ زیادہ سے زیادہ بائیس برس تک زندہ رہے گا۔" فاضلی نے ایک اور انکشاف کیا۔ "اس وقت تک اس کا جسم اتنا بڑھ جائے گا کہ اس کا دل پورے جسم کو خون پمپ نہیں کر سکے گا۔ بائیس سال تک کبھی بھی اسے ہارٹ اٹیک ہو گا اور یہ ختم ہو جائے گا۔"

"یہ زیادتی ہے۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹر لینگ نے اسے اپنے لیے تیار کیا ہے؟"

"نہیں وہ ڈیوڈ شا کے لیے کام کرتا ہے اور یہ تو صرف ایک نمونہ ہے۔" فاضلی نے کہا۔ "ڈاکٹر لینگ ایسے کتنے ہی انسانوں پر تجربات کر چکا ہے۔"

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ جب سے میرا واسطہ مرشد، ڈیوڈ شا اور کنور خاندان جیسے ابلیس صفت لوگوں سے پڑا تھا تب سے میں ہر بار ان کی کسی نئی شیطانیت سے واقف ہوتا تھا۔ ہر بار وہ مجھے پہلے سے زیادہ شیطان صفت لگتے تھے۔ یہ انسانوں کو کس بے دردی سے استعمال کرتے ہیں کہ ان کے سامنے چنگیز اور ہلاکو بھی رحم دل لگتے ہیں۔ وہ صرف لاشوں اور کھوپڑیوں کے مینار بناتے تھے یہ جیتے جاگتے انسانوں کو نمونہ عبرت بنا کر رکھ دیتے تھے۔

"ڈاکٹر لینگ چینی ہے۔"

"تائیوان کا۔" فاضلی نے کہا۔ "ایک نمبر کا حرامزادہ اور سفاک شخص ہے اس کی نرم صورت پر مت جانا، یہ انسانوں کے ساتھ کیا کر سکتا ہے اس کا اندازہ تمہیں باسو کو دیکھ کر ہو جانا چاہیے۔ میں نے اسی سے سنا ہے کہ باسو جیسی مخلوق بنانے میں سات بچے ضائع ہوئے تھے یہ آٹھواں تھا۔"

"کیا یہ منگول ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں باسو کا تعلق تھائی لینڈ سے ہے۔"

فاضلی ان لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ "آج کی مہم میں اس کا کیا کردار ہے؟"

"تمام مشکل اور جوکھم والے کام اس کے سپرد ہوں گے۔ ویسے یہ ماہر لڑاکا ہے۔ ہر قسم کے ہتھیار استعمال کرنا جانتا ہے۔ خالی ہاتھوں سے بھی لڑ سکتا۔ طاقتور اتنا ہے کہ ٹکر مار کر دیوار گرا سکتا ہے۔ ٹرک کو پکڑ لیتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے تو وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔''

''یہ کتنا ہی طاقتور سہی لیکن ایک گولی اسے ہمیشہ کی نیند سلا سکتی ہے۔''

''ایسا تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اپنا دفاع کرنا جانتا ہے۔''

باسو جواب تک ساکت کھڑا تھا اچانک حرکت میں آیا۔ وہ غار کی طرف گیا اور وہاں سے ایک بڑا بیگ گھسیٹ کر غار کے دہانے تک لے آیا جہاں وہ بارش سے محفوظ تھا۔ اس نے زپ کھولی اور ایک جیکٹ نما چیز نکالی اور پہننے لگا لیکن یہ جیکٹ نہیں بلکہ بلٹ پروف تھا۔ جس نے اسے گردن سے رانوں تک کور کر لیا تھا۔ پھر اس نے دھاتی آرمر نکال کر کلائیوں اور بازوؤں پر پہنے اور ایسے ہی دھاتی خول اپنی پنڈلیوں پر باندھے۔ اس نے ایک بڑے سائز کی بھاری مشین گن نکالی جس کے ساتھ گولیوں کا بکس منسلک تھا۔ دو بڑے پستول بلٹ پروف کی سائیڈوں پر ہولسٹرز میں لگائے اور ان کے اضافی میگزین مخصوص خانوں میں رکھ لیے۔ پھر مشین گن کے اضافی بکس سینے پر لگائے۔ ایک کرپان سائز کا خنجر اس نے اپنی نیام سمیت ران پر باندھا۔ وہ کسی ویڈیو گیم یا ہالی وڈ مووی کے کاسک کریکٹر کی طرح دکھائی دے رہا تھا مگر یہ سب حقیقت اور بہت خوفناک تھا۔ آخر میں اس نے اپنے سر پر ایسا دھاتی اور شیشے کا بنا ہوا ہیلمٹ پہنا جس نے اس کا سر مکمل طور پر ڈھانپ لیا تھا۔ یہ بھی یقیناً بلٹ پروف تھا۔ فاضلی نے مجھ سے کہا۔

''یہ میرے ساتھ ہوگا۔''

بارش ڈیڑھ گھنٹے تک مسلسل برستی رہی تھی اور تقریباً گیارہ بجے رک گئی۔ میں اور فاضلی آدھے گھنٹے بعد اندر آ گئے تھے۔ اس وقت بھیگا لباس گراں گزر رہا تھا مگر گیارہ بجے تک یہ خاصا سوکھ گیا تھا۔ فاضلی کا ایک آدمی اس طرف مٹی میں ڈائنامائٹ لگا رہا تھا۔ اس نے وسط میں تین ڈائنامائٹ اسٹکس لگائیں اور پھر ان سے منسلک تاریں لے کر باہر آیا۔ ہم سب باہر نکل آئے تھے۔ ساڑھے گیارہ بجے تاریں بیٹری سے منسلک کی گئیں اور بٹن دباتے ہی اندر ایک دبا ہوا دھماکہ ہوا اور گرد و غبار کا طوفان باہر آیا تھا۔ یہ پہاڑی زیادہ تر مٹی کی بنی ہوئی تھی اور مجھے لگ رہا تھا کہ کہیں پہاڑی نہ بیٹھ جائے۔ شاید اسی خوف سے یہ لوگ محدود دھماکے کر رہے تھے۔ اس طرح آواز بھی کم ہوتی۔ مجھے یقین تھا کہ درگاہ تک دھماکے کی آواز نہیں گئی ہوگی۔ جب گرد بیٹھی تو فاضلی اپنے آدمی کے ساتھ اندر گیا اور پھر اس نے دوسروں کو طلب کیا۔ چند لمحے بعد اندر سے کھدائی کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

شاید اب فاصلہ کم رہ گیا تھا اس لیے فاضلی نے دھماکے کے بجائے کھدائی کے اوزاروں سے راستہ صاف کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ نصف درجن افراد لگے ہوئے تھے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گیارہ بج کر پچاس منٹ تک رستہ بن گیا تھا۔ سب سے آگے مجھے اور میرے دستے کو جانا تھا۔ راستہ بنتے ہی فاضلی باہر آیا اور اس نے مجھ سے کہا۔ ''اپنے آدمیوں کے ساتھ اندر جاؤ۔ دوسری شفٹ والے آنے والے ہوں گے۔''

میں نے پوچھا۔ ''پہلی شفٹ والے بے ہوش ہیں۔''

''وہ مر چکے ہیں۔'' فاضلی نے لاپروائی سے کہا۔ ''گیس کی مقدار زیادہ ہو گئی تھی۔''

میرا خون رگوں میں تیز ہوا تھا مگر یہ موقع [illegible] فاضلی سے ان لوگوں کے خون کا حساب لیتا۔ ''میرا اسلحہ کہاں ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب میں فاضلی نے مجھے ایک بیگ پیک تھما دیا۔ ''اس میں سب ہے۔ تم اندر جاتے ہوئے چیک کرنا۔''

تمام تر احتیاطوں اور میرے ساتھیوں کو گن پوائنٹ پر رکھنے کے باوجود فاضلی اپنے سامنے مجھے مسلح کرنے کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔ اسی لیے اس نے مجھے بیگ دیا تھا۔ میں اپنے چھ آدمیوں کے ہمراہ بنائے گئے تنگ راستے سے اندر آیا جہاں فاضلی کے آدمی پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ یہاں سرنگ میں روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کا مکمل انتظام تھا۔ ذرا بھی گھٹن نہیں تھی۔ سرنگ واقعی خاصی چوڑی اور پختہ تھی۔ فرش کنکریٹ کا اور ہموار تھا۔ ایک طرف ان چار افراد کی لاشیں تھیں جو کھدائی کا کام کر رہے تھے اور نہ جانے کس گیس کا شکار ہوئے تھے۔ گیس انہوں نے ایک ڈرل پائپ کی مدد سے اندر چھوڑی تھی۔ میں اور ملنگ کے پانچ ساتھی تیزی سے آگے بڑھے تھے۔ جب ہم سرنگ کے دوسری طرف پاس پہنچے تو ملنگ کے ایک آدمی نے روشنی کے لیے جانے والی تار کاٹ دی اور سوائے آخری چند بلبوں کے تمام سرنگ تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔ باقی رہ جانے والے چند بلب بے آواز فائر کر کے توڑ دیئے۔ اب صرف اس طرف سے ہلکی سی روشنی آ رہی تھی جس طرف سرنگ کا دہانہ کھل رہا تھا۔ ہم وہیں مورچہ لگا کر بیٹھ گئے۔ میں نے ملنگ سے کہا۔ ''آنے والوں کو شوٹ نہیں کرنا ہے ان کو ہینڈز اَپ کرنا ہے۔''

''تم باس ہو لیکن وہ مسلح ہوں گے اور اگر ایک فائر بھی ہو گیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ آگے کا تم خود سوچ لو۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی دھمکی آ گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''ان لوگوں کی فکر مت کرو..... یہ سب ہماری طرح چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں تب ہی تو مرشد نے انہیں اس کام پر لگایا ہے کسی عام بندے کو وہ اس کام پر نہیں لگا سکتا ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے تب اس معاملے میں تم انچارج ہو جو مناسب سمجھو کرو۔''

ملنگ نے سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا وہ اور اس کے ساتھی دیواروں کے ساتھ چپکے کھڑے تھے ان کے سیاہ لباس دیوار کا حصہ بن گئے تھے کیونکہ دیوار کھردرے سرمئی سیمنٹ کی تھی اس پر چونا تک نہیں کیا گیا تھا۔ بارہ بجنے میں دو منٹ پر اندر سے آوازیں آنے لگیں اور چند سائے نمودار ہوئے پھر کسی نے کہا۔ ''یہاں اندھیرا کیوں ہے؟''

''حرامخور کام بند کر کے تو نہیں چلے گئے؟'' دوسرا بولا۔

''فائر۔'' ملنگ نے دبی آواز میں کہا اور فوراً ہی اس کی اور اس کے چار ساتھیوں کی رائفلیں بے آواز شعلے اگلنے لگی تھیں۔ آنے والے چار افراد کو آواز نکالنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا اور وہ چھلنی ہو کر رہ گئے۔ وہ جیسے ہی گرے ملنگ کے تین آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے دہانے سے باہر چلے گئے اور میرے کانوں نے پھر دبی فائرنگ کی آواز سنی۔ اس دوران میں ہم تین پوزیشن سنبھال کر بیٹھے رہے تھے۔ ایک منٹ بعد ان میں سے ایک واپس آیا اور اس نے کہا۔ ''دو اور تھے ان کو بھی اڑا دیا ہے۔''

گویا اس مہم کا آغاز ہی دس افراد کی جانوں سے ہوا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ کنور پیلس والی مہم کا ایکشن ری پلے تھا۔ ہم اس چھوٹی سی عمارت میں داخل ہوئے جو بس ایک ہال پر مشتمل تھی اور اس کے ایک طرف لوہے کا اتنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑا گیٹ لگا ہوا تھا جس سے ایک درمیانہ ٹرک آرام سے گزر سکتا تھا۔ سرنگ تقریباً ایک کلومیٹر لمبی تھی اور آگے بڑھتے ہوئے مجھے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں فاضلی مجھ سے پانچ سو گز دور نہ رہ جائے مگر وہ پیچھے تھا۔ اس مہم میں ہمارے پاس سوا صلاتی آلات نہیں تھے جن سے آپس میں رابطہ کیا جا تا لیکن یہ میرا خیال تھا۔ جب میں گیٹ کا معائنہ کر رہا تھا تو ملنگ نے اپنے لمبے بالوں میں چھپے کان پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''گیٹ تک کلیئر ہے ہم باہر جا رہے ہیں۔''

''یہ تم کس سے بات کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''استاد سے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میرے پاس ریڈیو ہے۔''

بڑا گیٹ کھولنے کے بجائے اس میں لگا ہوا چھوٹا دروازہ کھولا گیا اور ملنگ نے باہر جھانکا۔ باہر بہت تیز روشنی تھی۔ اس نے اطلاع دی۔ ''سامنے ہی چار مسلح بندے نظر آ رہے ہیں۔''

اس کباڑ خانے نما عمارت سے پرانے سماع ہال کا فاصلہ کوئی پچاس گز تھا۔ اس کے دائیں طرف ایک اونچی دیوار تھی۔ جس پر خاردار کے ساتھ ساتھ تیز پول لائٹس بھی لگی ہوئی تھی۔ چاروں مسلح افراد مختلف جگہوں پر تھے۔ ملنگ نے کہا۔ ''ان کو الگ الگ اڑانا ہوگا۔''

''کیسے..... باہر جاتے ہی ہم ان کی نظروں میں آ جائیں گے۔''

ملنگ نے آس پاس دیکھا اور پھر لوہے کے گیٹ کے اوپری حصے کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہاں سے نشانہ بنا سکتے ہیں۔''

یہ فرش سے کوئی نو فٹ اونچا تھا۔ یہاں گیٹ اور چھت کے درمیان دو فٹ کا فاصلہ تھا۔ ملنگ اسی خلا کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ایک طرف لوہے کے خالی ڈرم پڑے تھے۔ وہ خاموشی کے ساتھ ڈرم اٹھا کر لائے اور گیٹ کے ساتھ رکھے۔ ان کی اونچائی ساڑھے چار فٹ تھی اور اس پر چڑھ کر کوئی بھی شخص آرام سے باہر موجود افراد کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ ملنگ اور اس کے تین ساتھی ان ڈرموں پر چڑھ گئے۔ ایک میرے ساتھ تھا۔ وہ جیسے ہی فائرنگ کرتے ہم دونوں باہر نکل جاتے اور اگر کوئی بچ جاتا تو اسے ختم کر دیتے۔ ملنگ نے آہستہ سے ایک دو تین کہا اور سب نے بیک وقت فائر کھول دیئے سب کا نشانہ الگ الگ افراد تھے۔ گیٹ کے رخنے سے مجھے دو نظر آ رہے تھے اور وہ دونوں گولیوں کا نشانہ بن کر ہاتھ لہراتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہم دو باہر آئے۔ باقی دو بھی زمین پر پڑے تھے مگر وہ حرکت کر رہے تھے۔ میرے ساتھ ملنگ کا ساتھی تیزی سے ان کی طرف گیا اور باری باری انہیں شوٹ کر دیا۔

ملنگ اور اس کے ساتھی باہر آ گئے تھے اور ہم پرانے سماع ہال کی عمارت کی طرف بڑھے۔ عمارت کی کھڑکیاں تاریک تھیں۔ اسی لمحے ملنگ رکا اور اس نے کان پر ہاتھ لگا کر سنا پھر بولا۔ ''یہ دروازہ اس کے ساتھ ہمارا ایک آدمی موجود ہے۔''

اس نے ایک چھوٹے لکڑی کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ویسے ایک بڑا جہازی سائز گیٹ اس عمارت میں بھی تھا اور ظاہر ہے وہ ٹرک اندر لے جانے کے لیے تھا۔ ہم چھوٹے دروازے تک آئے اور ملنگ نے درمیانی انگلی موڑ کر اس سے دروازے پر ایک ایک سیکنڈ کے وقفے سے تین بار دستک دی۔ جواب میں ویسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی دستک سنائی دی۔ اس بار ملنگ نے دو بار دستک دی جواب میں چار بار سنائی دی اور آخر میں ملنگ نے چھ بار اسی طرح دروازہ بجایا۔ اس کے ساتھ ہی دستک بازی اختتام کو پہنچی اور دروازہ کھل گیا۔ ہم خاموشی سے اندر داخل ہوئے۔ یہ ایک چھوٹا کمرا تھا اور یہاں ایک آدمی منتظر تھا اس نے آہستہ سے کہا۔ ''فاضلی۔''

ملنگ نے سر ہلایا اور پوچھا۔ ''ہمارے آدمی کہاں قید ہیں؟''

''نیچے تہہ خانے میں۔'' آدمی نے کہا۔ ''لیکن وہاں تین پہریدار ہیں۔''

''تم ان سے نمٹے نہیں؟'' ملنگ نے بدمزگی سے کہا۔ ''تم سے کہا تھا ان کو شراب میں دوا دے دینا۔''

''موقع نہیں ملا..... میں انہیں شراب میں دوا دیتا مگر وہ پہلے ہی بوتل لے جا چکے تھے۔''

''لعنت ہو۔'' ملنگ غرایا۔ ''اس عمارت میں اور کتنے لوگ ہیں؟''

''بس یہی تین ہیں۔''

''ٹھیک ہے ہم ان سے نمٹتے ہیں تم باہر کا خیال رکھو۔ پیچھے چار لاشیں ہیں اگر کسی نے دیکھ لیں اور کوئی ہنگامہ ہو تو تم سب سے پہلے ہمیں خبردار کرو گے۔''

یہاں تک میں نام نہاد ہی لیڈر تھا اور سارا کام ملنگ کر رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ سارا پلان اس کے علم میں تھا۔ اس نے ایک بار بھی مجھ سے نہیں پوچھا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ ملنگ یہاں کے چپے چپے سے واقف تھا کیونکہ وہ پورے اعتماد سے تہہ خانے کی طرف بڑھا۔ تہہ خانہ ایک چھوٹے کمرے کے نیچے تھا۔ یعنی اس کا دروازہ یہاں تھا۔ فرش میں چوکور خلا تھا جس سے سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ ملنگ نے نیچے دیکھا اور اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ ''نیچے کی روشنی بند کرنا ہوگی۔''

اس نے فوری طور پر اپنے اوزار نکالے اور کمرے میں موجود سوئچ بورڈ کھول لیا۔ اس نے تصدیق کی۔ ''یہاں سے اضافی لائن کہیں جا رہی ہے۔''

''کاٹ کر دیکھو۔'' ملنگ نے حکم دیا اور اس نے کٹر سے تار کاٹ دی۔ فوراً ہی نیچے اندھیرا ہو گیا اور ملنگ آنکھوں پر نائٹ ویژن عینک لگاتے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا تھا۔ بہ مشکل دس سیکنڈ بعد اندر سے برسٹ چلنے کی معمولی سی آواز آئی۔ یہ طویل اور بھرپور برسٹ تھا جو اس وقت خاموش ہوا جب میگزین خالی ہو گیا تھا۔ پھر ملنگ کی آواز آئی۔ ''شوگی اور ناگ نیچے آئیں۔''

شوگی اور ناگ نیچے گئے میں نے پہلی بار دیکھا ان کی پشتوں پر خاصے بڑے بیگ بندھے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ملنگ نے نیچے موجود مرشد کے آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اب اندر موجود قیدی اپنے افراد کو چھڑا نا تھا۔ ہم انتظار کر رہے تھے کہ ملنگ نے سر باہر نکال کر مجھ سے کہا۔ ''تم آگے جاؤ..... جب تک میں ان لوگوں کو آزاد کرا کے لاتا ہوں۔''

''او کے باس۔'' میں نے کسی قدر استہزائیہ لہجے میں کہا لیکن وہ سنے بغیر واپس اندر جا چکا تھا۔ میں باقی تین دو افراد کے ہمراہ سماع ہال کے اگلے حصے کی طرف بڑھا۔ یہاں سے باہر راستہ مرکزی ہال سے نکلتا تھا۔ ہم نے کھڑکیوں سے باہر دیکھا تو درگاہ کی عمارت کا عقبی حصہ نظر آیا۔ یہ سماع ہال سے خاصا بڑا تھا اور دونوں عمارتوں کے درمیان کوئی ستر گز کا فاصلہ تھا۔ یہاں نصف درجن سے زیادہ پہریدار تھے۔ ان لوگوں نے چار افراد کو تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموشی سے ہلاک کر دیا تھا مگر سات افراد کو ٹھکانے لگانا آسان نہیں تھا اور خاموشی سے یہ کام تو بہت ہی مشکل تھا۔ اصل لوگ درگاہ کی عمارت میں تھے۔ کھڑکیوں سے ممکنہ حد تک جاسوسی کر کے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اندر رہ کر ان لوگوں کو نشانہ بنانا بہت مشکل تھا۔ یہاں زاویے نہیں تھے اور ایک بھی بچ جاتا تو گڑبڑ ہو جاتی اس لیے جب ملنگ آیا تو میں نے اس سے کہا۔

''اس طرح کام نہیں چلے گا۔''

''پھر کیا کیا جائے؟''

''ان کی تعداد کم کرنی ہوگی۔''

''کیسے؟''

''وہ شخص کہاں ہے جس نے ہمیں ریسیو کیا تھا۔''

''وہ پیچھے ہے۔''

''اسے بلاؤ۔'' میں نے کہا تو ملنگ نے ایک آدمی روانہ کر دیا اور مجھ سے پوچھا۔

''تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

''ان میں سے کچھ کو اندر بلا کر قابو کرنا ہے۔ کیسے کرنا ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''اور جو باہر رہ جائیں گے۔''

''ان کے بارے میں بعد میں سوچیں گے۔'' میں نے جواب دیا۔ اس دوران میں وہ آدمی آ گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''منظور جی۔''

''منظور باہر سات افراد ہیں تم باہر جاؤ اور ان کو بتاؤ کہ تہہ خانے میں کوئی مسئلہ ہوا ہے۔ وہاں موجود پہریداروں کی آپس میں لڑائی ہو رہی ہے۔ چل کر معاملہ سلجھائیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتے وہ اندر والوں کو بتا دیں گے۔''

میں نے سوچا اور کہا۔ ''تم لڑائی کی وجہ دو عورتوں کو قرار دے سکتے ہو جنہیں وہ کہیں سے عیاشی کے لیے لائے ہیں اور اب ان پر لڑائی ہو رہی ہے۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' ملنگ نے مداخلت کی۔ ''میں ان حرامزدوں کو جانتا ہوں عورتوں کا سن کر دوڑے آئیں گے۔ باہر جا کر سب سے مت کہنا جو آگے دو تین ہیں ان کو بتانا۔''

منظور نے سر ہلایا اور روانہ ہو گیا۔ ہم ہال سے ہٹ کر عقبی حصے میں آئے اور وہاں دو کمروں میں مورچے سنبھال لیے۔ منظور کامیاب ہوتا تو آنے والے یہیں سے گزرتے۔ چند منٹ بعد آوازیں آنے لگیں۔ بولنے والے منظور کے ساتھ تھے۔ وہ اس سے سوالات کر رہے تھے اور سوالات جھگڑے کے بجائے عورتوں کے بارے میں تھے۔ ان کو لڑائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ان کی بلا سے اندر والے آپس میں لڑ مرتے، وہ تو عورتوں کے چکر میں جا رہے تھے۔ وہ چار تھے اور منظور سے آگے تین تھے جب کہ اس کے ساتھ ایک چل رہا تھا۔ جیسے ہی وہ آگے نکلے ملنگ اور اس کے ساتھیوں نے اچانک راہداری میں نکل کر ان پر فائر کھول دیا۔ میں کمرے میں رہا تھا۔ منظور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو بچانے کے چکر میں وہ کھل کر فائرنگ نہیں کر سکے تھے اس لیے نشانہ بننے والے فوراً اجل کا نشانہ نہیں بنے تھے۔ فائرنگ کی آواز معمولی سی تھی مگر ان کی چیخیں خاصی بلند تھی۔ پھر ملنگ اور اس کے ساتھیوں نے گرے ہوئے زخمیوں کو شوٹ کیا۔ منظور جو اب تک ساکت کھڑا تھا اچانک گرا اور تڑپنے لگا۔ ملنگ جھکا۔ ''اوئے تجھے کیا ہوا ہے۔''

تب میں نے دیکھا اس کے بائیں پہلو سے خون پھوٹ رہا تھا۔ وہ اندھا دھند فائرنگ کی زد میں آ گیا تھا ان لوگوں نے عجلت میں اسے بننے کا موقع نہیں دیا اور کوئی گولی اس کا دل والا پہلو چھید گئی تھی۔ وہ ایک منٹ سے بھی پہلے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ملنگ نے جھک کر اسے دیکھا اور اپنے آدمیوں سے غصے میں بولا۔ ''دیکھ کر فائر نہیں کر سکتے تھے۔''

''اب کیا ہو سکتا ہے استاد۔'' ایک نے لاپروائی سے کہا۔

ان پانچ انسانوں کی موت بھی مجھے بوجھ کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ مگر یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ میں ان کے بارے میں بات کرتا۔ بارہ بج کر تیس منٹ ہو چکے تھے اور ہمیں درگاہ کی عمارت میں گھسنا تھا۔ میں نے ملنگ سے پوچھا۔ ''آزاد ہونے والے کہاں ہیں؟''

''وہ سرنگ کی طرف گئے ہیں، تیار ہو کر آ رہے ہیں۔'' ملنگ نے جواب دیا۔ ''ان کے لیے بھی لباس، اسلحہ اور بلٹ پروف لائے تھے۔''

اسی لمحے راہداری میں قدموں کی آہٹیں گونجنے لگیں اور ایک درجن کے قریب افراد نمودار ہوئے۔ انہوں نے ہماری طرح وردیاں اور بلٹ پروف پہن رکھا تھا اور اسلحہ بھی تھا۔ ان سب کے بال اور شیو بڑھی ہوئی تھی اور ان کے پاس سے نہایت وحشت ناک قسم کی بدبو آ رہی تھی یقیناً انہیں نہائے دھوئے ہفتے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے ملنگ سے کہا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''سامنے والے چار بندے۔'' ملنگ نے جواب دیا۔ ''لیکن غلطی سے منظور بھی مارا گیا ہے۔''

آنے والوں نے سرسری سے انداز میں منظور کی لاش دیکھی اور ملنگ سے بات کرنے والا بولا۔ ''انتظار کس بات کا ہے اب چلو، کھلی جنگ ہو گی۔''

''کوئی کھلی جنگ نہیں ہو گی۔'' میں نے سرد اور تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''ہمیں خاموشی سے درگاہ میں گھسنا ہو گا۔ بلاوجہ شور کی قطعی ضرورت نہیں ہے جب تک ہم جزیرے تک نہ پہنچ جائیں۔''

''یہ کون ہے۔'' ملنگ سے بات کرنے والے نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا تو میں آگے آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''تم نے مجھے پہچانا نہیں، میں شہباز ملک ہوں..... جس سے تمہارے سابق آقا مرشد اور موجودہ آقا فاضلی..... کی..... ہے۔'' خالی جگہوں میں، میں نے روانی سے ناقابلِ بیان الفاظ فٹ کیے۔ میرا نام سن کر اس کا تاثر بدل گیا تھا۔ اس نے ناقابلِ یقین نظروں سے ملنگ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔

''استاد نے ساتھ کیا ہے۔ اب یہ ہمارا لیڈر ہے۔ اس کی ہر بات ماننی ہے۔''

''میرا پہلا حکم ہے کہ میری اجازت کے بغیر کوئی گولی نہیں چلائے گا اور میں جو پلان کروں اس پر عمل ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔ اگر کسی کو اعتراض ہے تو وہ فاضلی سے بات کر لے۔"

مگر ان میں سے کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ فاضلی سے بات کرتا۔ میں پلٹ کر ہال کی طرف آیا۔ یہاں آنے والے کے پیچھے دوسرے بھی جلد یا بدیر آتے۔ عورتوں کے لفظ نے ان پر جادو جیسا کام کیا تھا اور وہ نہایت آسانی سے دامِ اجل میں چلے آئے تھے۔ اب باہر تین تھے۔ ہم نے ہال کی کھڑکیوں سے باہر دیکھا تو وہ تینوں اب وسطی صحن میں تھے اور ان کی نظریں سماع ہال کی عمارت پر مرکوز تھیں۔ وہ تینوں پاس پاس تھے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اب تک کے آثار سے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ درگاہ میں کسی کو اس معاملے کے بارے میں علم ہوا تھا۔ میں نے ملنگ سے کہا۔ "وقت نہیں ہے..... یا تو انہیں اندر بلانا ہوگا یا پھر ہمیں اچانک دھاوا بولنا ہو گا۔"

میری ایک کامیاب حکمتِ عملی نے ملنگ کو مرعوب کر دیا تھا اور اس نے کہا۔ "جیسا تم کہو۔"

میں نے سوچا اور بولا۔ "یہاں تاریکی ہے..... اگر ہم میں سے کوئی دروازے کے اندر رہتے ہوئے انہیں اشارے سے یہاں بلائے تو یقیناً ان میں سے کوئی نہ کوئی آئے گا۔"

"تاریکی میں حلیہ نظر نہیں آئے گا۔ مگر بلٹ پروف اور ہتھیار نظر میں آسکتے ہیں۔" ملنگ بولا۔ "یہ کام کون کرے گا؟"

"میں۔" میں نے کہا اور ہتھیار اور بلٹ پروف اتارنے لگا۔ ان کی وجہ سے میں الگ نظر آتا۔ وہ کھٹک سکتے تھے جب کہ پینٹ اور سیاہ ٹی شرٹ میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ یہ سب کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ یہ وہ جگہ ہے جس کے بارے میں ہم لوگوں نے کتنی بار سوچا کہ یہاں کارروائی کی جائے۔ مرشد کے اس اڈے کو تباہ کر دیا جائے مگر ہم سوچ کر رہ گئے کبھی موقع نہیں ملا کہ یہ کام کیا جائے اور آج میں اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے ایک بدترین دشمن کے لیے یہ کام کر رہا تھا۔ اپنے پیاروں اور اپنے ساتھیوں کے لیے۔ میں یوں جان لڑا رہا تھا اور اپنی ساری کوششیں کر رہا تھا جیسے میں اپنے لیے کر رہا ہوں حالانکہ مجھے اپنا انجام معلوم نہیں تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ فاضلی کام نکلتے ہی مجھے بھی مرشد کے ساتھ دنیا سے رخصت کر دیتا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اس کے لیے کوئی بھی بہانہ بنانا بہت مشکل نہیں تھا۔ وہ ڈیوڈ شا سے کہہ سکتا تھا کہ میں غلطی سے اس سے دور چلا گیا۔ اس کے باوجود میں فاضلی کے لیے کام کر رہا تھا۔ صرف اس لیے کہ میرے ساتھی محفوظ رہیں۔ میں سب اتار کر کھلے دروازے تک آیا اور روشنی سے دور رہتے ہوئے ہلکی سی سیٹی بجائی اور جب انہوں نے میری طرف دیکھا تو میں نے ہاتھ سے یوں اشارہ کیا کہ جیسے انہیں جلدی سے آنے کو کہہ رہا تھا۔ شاید میرے اشارے کی اتنی وقعت نہ ہوتی لیکن اس چکر کے پیچھے جو مبینہ خواتین تھیں انہوں نے ان تینوں کو مجبور کر دیا اور وہ ہال کی طرف آنے لگے۔

"وہ آرہے ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "سب پوزیشن لے لیں اور جب میں کہوں تو انہیں شوٹ کر دینا مگر اس بار دھیان سے ان کے ساتھ مجھے بھی مت شوٹ کر دینا۔"

ہال میں سناٹا کا ٹھ کباڑ پڑا تھا ملنگ کے چار ساتھیوں نے عجلت میں اس کے پیچھے پوزیشن لے لی اور باقی سب دیواروں سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ میں دروازے کے سامنے تھا اس لیے آنے والے بے فکری سے تھے۔ ان کے [illegible] آنے پر میں مزید تاریکی کی طرف سرکا تاکہ وہ میری شناخت نہ دیکھ سکیں۔ وہ تینوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر آئے میں خاصا پیچھے ہٹ گیا تھا اور شاید اس سے انہیں خطرے کا احساس ہوا۔ ایک نے کہا۔ ''اوئے کون ہے تُو؟''

''میں شیدا ہوں جی۔'' میں نے ناک سے آواز نکالی۔ ''اندر جھگڑا بہت بڑھ گیا ہے جی وہ ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔''

میری بات کے دوران وہ دروازے سے کئی فٹ اندر آ گئے تھے اور ان کے ہتھیار ان کے شانوں پر تھے۔ اسی لمحے ایک نے دیواروں کے ساتھ کھڑے افراد کو دیکھ لیا۔ اس نے گالی دی۔ ''..... یہ کون ہیں۔''

''فائر۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور ملنگ کے چاروں ساتھیوں نے ان پر فائر کھول دیا۔ حفظِ ماتقدم میں مزید پیچھے ہو گیا تھا۔ وہ تینوں نمایاں تھے اور بچنے کی کوئی جگہ نہیں تھی چند سیکنڈ میں وہ چھلنی ہو گئے اور جب گرے تو ان کی روحیں جسم سے ناطہ توڑ چکی تھیں۔ ''ہالٹ۔'' میں نے کہا تو فائرنگ رک گئی اور ملنگ نے سب سے پہلے ہال کا دروازہ اندر سے بند کیا۔ اس کے آدمی مرنے والوں کو چیک کر رہے تھے۔ میں باہر جھانک رہا تھا اور درگاہ کی عمارت بدستور تاریکی میں تھی۔ مرشد کو پتا بھی نہیں چلا تھا اور اس کے اکیس پہریدار مر چکے تھے۔ بائیسواں منظور تھا جو فرینڈلی فائرنگ کا نشانہ بنا تھا۔ میں نے ملنگ سے پوچھا۔ ''درگاہ میں کوئی وفادار ہے؟''

''نہیں اب دو آدمی ہیں لیکن وہ کوٹھی میں ہیں۔''

میں نے تہہ خانے سے آزاد کرائے جانے والوں سے پوچھا۔ ''تم میں سے کوئی درگاہ کے اندرونی حالات کے بارے میں جانتا ہے؟''

دو آگے آئے۔ ''ہم جانتے ہیں۔''

''وہاں اس وقت کتنے آدمی ہوتے ہیں؟''

''تقریباً پچاس سے ساٹھ۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اگر عورتیں آئی ہوں تو سو بھی ہو جاتے ہیں۔''

''یعنی شام کے بعد وہاں عیاشی ہوتی ہے۔''

''سوائے ہفتے کی رات۔'' ملنگ نے کہا۔ ''ہفتے کی رات یہاں اسلحے اور منشیات کی آمد و رفت ہوتی ہے اس وقت ایک بھی غیر متعلقہ فرد یہاں نہیں ہوتا ہے۔''

میں نے سوچا۔ ''پچاس سے ساٹھ وہ افراد ہیں جو لڑنا اور ہتھیار چلانا جانتے ہیں؟''

''نہیں ان کی تعداد چالیس کے قریب ہو گی۔'' ان دونوں میں سے ایک نے جواب دیا۔ ''باقی عام ملازمین ہیں۔''

''درگاہ کا اندرونی نقشہ کیا ہے۔'' میں نے پوچھا تو بولنے والے نے فرش کی خاک پر عمارت کا خاکہ کھینچا۔

''یہ درمیانی ہال ہے یہاں قبریں ہیں اور یہیں محفل ہوتی ہے۔ ذرا پیچھے مرشد کا خاص کمرا ہے جہاں خاص لوگ اس سے ملتے ہیں۔ عام لوگوں سے وہ اس سامنے والے حصے میں ملتا ہے۔'' اس نے گنبد کے نیچے والے حصے میں آگے انگلی رکھی۔ ''یہاں فرش سے چھت تک ایک ہی کمرا ہے۔ اوپری منزلوں کے حصے اس طرف کھلتے ہیں۔ گنبد کے دائیں بائیں راہداری ہے جس کے دونوں طرف کمرے ہیں۔'' وہ انگلی سے نقشے میں اضافہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے وضاحت کر رہا تھا۔

''سیڑھیاں کس طرف ہیں؟''

''گنبد کے دونوں طرف سے سیڑھیاں اوپر جا رہی ہیں۔'' اس نے سیڑھیوں کی لوکیشن واضح کی۔ میں سمجھ گیا تھا۔ یہ عمارت کوئی سو گز لمبی اور کوئی تیس گز چوڑی تھی۔ گنبد والا حصہ آگے پیچھے دونوں طرف سے وائرے میں باہر نکلا ہوا تھا۔ پوری عمارت سفید سنگِ مرمر سے ڈھکی ہوئی تھی اور آگے پیچھے کمروں کی اسالمش کھڑکیاں اس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر رہی تھیں مگر یہاں رہنے والے اور آنے والے ہی جانتے تھے کہ اس خوب صورت عمارت میں کتنی بدصورتیاں چھپی ہوئی تھیں۔ تین فلورز پر ہر منزل پر بیس بیس کمرے تھے جو ایک راہداری میں پانچ پانچ کی قطار میں تھے۔ یعنی آمنے سامنے پانچ پانچ کمرے تھے۔ اس طرح ان تین فلورز پر ساٹھ کمرے بنتے تھے۔ سروسز کے لیے تہہ خانہ تھا۔ وہیں کچن تھا اور ملازمین بھی وہیں رہتے تھے۔ عام طور سے تہہ خانہ خفیہ سرگرمیوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے لیکن یہاں ایسا نہیں تھا۔

اب ہمارے ساتھ کل سترہ افراد تھے۔ چھ ہم اور گیارہ قید سے نکل کر آنے والے تھے۔ یہ سب لڑائی اور ہتھیاروں کے استعمال میں ماہر تھے۔ سترہ افراد کافی ہو سکتے تھے اگر ہم خاموشی سے کارروائی کرتے۔ خاص طور سے اس صورت میں جب کہ یہاں پہلی دفاعی لائن ختم کی جا چکی تھی۔ میں نے ان سب کو جمع کیا اور اپنی حکمتِ عملی سامنے رکھی۔ ''گنبد والے ہال کے عقبی حصے سے اندر داخل ہو کر ہم دو حصوں میں دائیں بائیں تقسیم ہو جائیں گے۔ دو افراد ہال کے سامنے والے دروازے کو کور کریں گے اور ایک پیچھے والے دروازے کو کور کرے گا۔ باقی بچے چودہ افراد، سات سات کر کے دائیں بائیں باری باری تینوں منزلیں کلیئر کریں گے۔ سات میں سے دو سیڑھیوں کو کور کریں گے تاکہ اوپر والے نیچے نہ آسکیں اور پانچ کمروں کو دیکھیں گے۔ سب سمجھ گئے۔''

انہوں نے سر ہلائے تو میں نے ملنگ سے کہا۔ ''انہیں دو گروپ بنا دو۔''

ایک گروپ ملنگ کا تھا اور دوسرا اس کے سپرد کیا جس نے میرے بارے میں پوچھا تھا۔ دو افراد کے ساتھ میں نیچے ہال میں رہتا۔ میں اگلے حصے کی نگرانی کرتا۔ میرا اسلحہ اور بلٹ پروف بدستور اتارا ہوا تھا اس لیے میں نے صحن میں آ کر درگاہ کی عمارت کا رخ کیا۔ اگر کوئی دیکھ رہا ہوتا تو اسے کوئی مشکوک بات نظر نہیں آتی۔ میں نپے تلے قدموں سے دروازے تک پہنچا اور اسے چیک کیا تو خلافِ توقع وہ اندر سے کھلا پایا گیا۔ میں نے اسے آہستہ سے اندر دھکیلا اور جھانک کر دیکھا۔ مرکزی ہال تاریک تھا اور کہیں گنبد کے اوپری حصے میں روشنی تھی جو یہاں تک بھی آ رہی تھی۔ مگر بس گزارے لائق تھی۔ میں نے پلٹ کر اشارہ کیا اور ملنگ کے آدمیوں میں سے دو افراد تیز قدمی سے عمارت کی طرف آئے۔ جیسے ہی وہ اندر گھسے مزید دو افراد اسی طرح دوڑتے ہوئے آئے۔ چھ افراد کے بعد باقی سب قطار میں آئے۔ کیونکہ دو دو کر کے آنے میں دیر لگتی اور دیکھ لیے جانے کا امکان زیادہ تھا۔ مسلح فرد ایک ہوتا یا زیادہ سب ایک سے مشکوک ہوتے۔ اس بار بھی قسمت نے ہمارا ساتھ دیا اور کوئی اتنے مسلح افراد کو درگاہ کی عمارت میں گھستے نہیں دیکھ سکا۔ یہاں آتے ہی سب اپنے اپنے طے کیے ہوئے حصوں کی طرف بڑھ گئے۔

میں ایک آدمی کے ساتھ سامنے والے حصے میں آیا۔ یہ بیس بائیس سال کا نوجوان تھا مگر اس نے اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوانی کا قبل از وقت بیڑا غرق کر لیا تھا۔ یقیناً اس کی غیر نصابی سرگرمیاں اوائل جوانی میں شروع ہو گئی تھیں۔ پچکے گالوں اور اندر دھنسی آنکھوں کے ساتھ وہ خراب صحت کا مثالی نمونہ پیش کر رہا تھا رنگ اگر کبھی سانولا تھا تو اب جل کر سیاہ ہو گیا تھا۔ دیگر کرتوت بھی دانوں اور مہاسوں کی صورت میں واضح تھے۔ ذرا سا بھاگنے سے اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور وہ کسی قدر مشکل کے ساتھ اپنی رائفل کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے بھرتی کیسے کر لیا گیا تھا شاید وہ اچھا نشانے باز تھا۔ سامنے لکڑی کی جالی اور اس کے درمیان رنگین شیشوں سے بنا ہوا مرکزی دروازہ اندر سے بند تھا۔

یہ تہہ در تہہ چھ پٹوں میں کھلنے والا دروازہ تھا۔ پوری طرح کھلنے پر دروازے کی چوڑائی تقریباً دس فٹ ہو جاتی۔ یہ اسی صورت میں کھولا جاتا جب لوگ بڑی تعداد میں آ جا رہے ہوتے ہوں گے۔ عام حالات میں اس کے دو پٹ کھولنا بھی کافی ہوتے۔ اس کا لاک اندر یا باہر دونوں طرف سے صرف چابی سے کھولا جا سکتا تھا۔ شیشے منقش اور مرشد کے مریدوں کی طرح اندھے تھے ان سے باہر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اسی طرح باہر سے بھی اندر کچھ نظر نہیں آتا۔ البتہ ایک طرف ایک چھوٹی کھڑکی تھی اس کے شیشے بھی اندھے تھے مگر پٹ کھول کر باہر کا جائزہ لیا جا سکتا تھا میں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں درگاہ اور نئے سماع ہال کے درمیان بڑا خوب صورت اور ہرا بھرا باغ تھا۔ متعدد بڑے درخت تھے جن کے نیچے سیمنٹ کی بنچیں لگی تھیں۔ یہ آنے والے زائرین اور حاجت مندوں کے لیے تھیں۔ نئے سماع ہال کے سامنے پختہ فٹ پاتھ پر کم سے کم تین مسلح افراد موجود تھے۔ درگاہ کی عمارت کے ساتھ کتنے تھے یہ کہنا مشکل تھا۔ مگر یقیناً اس جگہ کی سکیورٹی زیادہ ہو گی۔

اچانک عقب سے بے آواز رائفل چلنے کی گنگناہٹ سنائی دی اور کوئی بھیانک انداز میں ڈکرایا۔ آواز میں موت کا تاثر نمایاں تھا۔ اس کے فوراً بعد رہ رہ کر رائفلیں گنگنانے لگیں۔ مرنے اور نشانہ بننے والے ہلکی پھلکی چیخ و پکار کر رہے تھے مگر ان کی آوازیں اتنی نہیں تھیں کہ باہر تک جا سکتیں۔ میں نے کھڑکی بند کر دی۔ میں جہاں تھا یہاں سے دونوں طرف اوپر جانے والے سیڑھیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے نیچے سیڑھیاں تہہ خانے کی طرف جا رہی تھیں اور میں نے ایک سیڑھی سے ایک شخص کو سر ابھارتے دیکھا۔ نیم تاریکی میں وہ بہ مشکل نظر آیا تھا۔ میرے پاس سے ہلکی سی فائرنگ کی آواز آئی اور سر غائب ہو گیا۔ میں نے مدقوق نوجوان کو دیکھا۔ گولی اس نے چلائی تھی۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میری اجازت کے بغیر فائر کیوں کیا؟''

''وہ مسلح ہو سکتا تھا۔'' نوجوان نے جواز پیش کیا۔ ''اس کی طرف سے حملے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔''

بائیں طرف جانے والی نیم پہلے فلور سے نمٹ کر واپس آ رہی تھی کہ اوپری منزل سے کسی نے فائر کیا۔ یہ شاٹ گن کا فائر تھا۔ اگرچہ نشانہ کوئی نہیں بنا تھا مگر اس فائر نے اعلانِ جنگ کر دیا اور اب تک جن لوگوں تک حملے کی اطلاع نہیں پہنچی تھی وہ بھی جان گئے کہ درگاہ میں گڑبڑ ہے۔ فوراً ہی باہر سے کسی کے چلانے کی آواز آئی۔ میں اور مدقوق نوجوان تیزی سے پیچھے ہٹے اور مزار کی جالیوں تک آ گئے۔ یہاں زمین سے تین فٹ اوپر تک لکڑی کی نفیس جالی لگی تھی۔ میں نے رائفل کا بٹ مار کر اسے توڑا اور پھر کھینچ کر الگ کر دیا۔ میں اور نوجوان بروقت احاطے میں اترے تھے کیونکہ فوراً ہی سامنے سے کسی نے دروازے پر برسٹ مارا اور گولیاں ہمارے اوپر سے گزری تھیں۔ نوجوان نے جوابی برسٹ مارا تو باہر سے حملہ آور کی آخری چیخ سنائی دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر باہر والوں نے اتنی شدت سے فائرنگ کی کہ دروازے کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ لکڑی اور شیشے بکھر گئے تھے۔ لیکن ماربل کی دیوار نے مجھے اور نوجوان کو محفوظ رکھا تھا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے عقب سے بھی فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جب باہر والوں کو اندر کی صورتِ حال کا علم نہیں تھا تو وہ اس طرح اندھا دھند فائرنگ کیوں کر رہے تھے جس میں ان کے اپنے آدمی بھی نشانہ بن سکتے تھے۔ وہ یقیناً ناتجربے کار افراد تھے۔ ہم محفوظ تھے پیچھے کی نگرانی کرنے والے کے بارے میں کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ محفوظ ہے یا نہیں۔ اب عمارت کے اندر سے بھی کئی اقسام کا اسلحہ چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ظاہر ہے یہ سب مرشد کے لوگ استعمال کر رہے تھے کیونکہ ہمارا اسلحہ بے آواز تھا۔ میں نے نوجوان سے کہا۔ ''تم سامنے کا خیال رکھو۔''

میں احاطے سے کود کر باہر آیا اور دائیں طرف موجود سیڑھیوں تک آیا۔ میں نے احتیاط سے تہہ خانے کی طرف جھانکا۔ سیڑھیوں کی نگرانی کرنے والا اب دوسرے فلور پر جا چکا تھا اور وہ تیسرے فلور پر موجود افراد کو نیچے آنے سے روک رہا تھا۔ میرا جھانکنا بروقت کام آیا کیونکہ سیڑھیوں پر کم سے کم تین مسلح افراد تھے۔ انہوں نے میری موجودگی بھانپتے ہی اپنے ہتھیاروں کا رخ اوپر کر کے بے دریغ فائرنگ شروع کر دی۔ شور سے میرے کان کے پردے بج رہے تھے۔ پھر جیسے ہی ان کی طرف سے فائرنگ رکی میں نے رائفل کی نال اندر کر کے برسٹ مارا۔ چیخوں کے ساتھ بھگدڑ مچی تھی۔ دوسرے برسٹ تک سیڑھیاں صاف ہو چکی تھیں۔ میں نے جھانک کر دیکھا ایک آدمی اوندھے منہ پڑا تھا اور باقی دو غائب تھے۔ وہ بچ نکلے تھے۔ اندازے کے برعکس تہہ خانے میں بھی مسلح افراد موجود تھے۔ شاید مرشد نے حالات کی وجہ سے عام ملازموں کو بھی مسلح کر دیا تھا۔ غیر قانونی اور قانونی اسلحے کی اس کے پاس کمی نہیں تھی۔ میں نے عقب کی طرف نگرانی کرنے والے کو آواز دے کر بلایا اور اسے تہہ خانے کی نگرانی پر لگا کر دوسری سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ یہاں سیڑھیاں خالی تھیں۔ میں دبے قدموں ذرا نیچے کی طرف آیا تو مجھے کسی کے بولنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ وہ کوئی عورت تھی جو روتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے جانے دو وہ سب کو مار دیں گے..... مجھے بھی مار دیں گے۔''

''چپ کر.....'' ایک پھنکارتی مردانہ آواز نے کہا۔ ''اوپر گئی تو ماری جائے گی۔ ابھی یہیں رہ..... جا اندر جا۔''

اس گفتگو کے دوران میں سیڑھیوں سے تقریباً نیچے آ چکا تھا اور اندر سے آتی روشنی میں سامنے دیوار پر ایک مرد اور ایک عورت کا سایہ واضح تھا۔ عورت کو پیچھے دھکیل کر مرد سیڑھیوں کی طرف آیا تو میں اس کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ جیسے ہی وہ نمودار ہوا، میں نے اس کے منہ پر رائفل کا بٹ مارا اور چیخ کے ساتھ اس کے کئی دانت بھی حلق میں اتر گئے تھے۔ دوسری ضرب پر وہ اوندھے منہ گرا اور ساکت ہو گیا۔ میں اندر داخل ہوا تو عورت ایک طرف دیوار سے لگی کانپ رہی تھی۔ وہ تقریباً پچیس برس کی جوان اور خوب صورت عورت تھی۔ یہاں اس کی موجودگی کی وجہ اس کے کسی قدر بگڑے کاجل اور لپ اسٹک اور بے ترتیب لباس سے واضح تھی۔ اس نے کرتے کے بٹن غلط لگائے ہوئے تھے جو یقیناً عجلت میں لگائے گئے تھے۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر دھیمی آواز میں پوچھا۔

''ڈرو مت میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ جھوٹ بول رہا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سر ہلایا مگر منہ سے کچھ نہیں بولی، اس کے ردِعمل سے مطمئن ہو کر میں نے سوال کیا۔ ''یہاں اور کتنے لوگ ہیں؟''

''بارہ ہیں جی۔'' اس نے سہمی آواز میں کہا۔ ''دو اُدھر مر گئے ہیں ایک زخمی ہے اور ایک یہ ہے۔''

''باقی آٹھ کہاں ہیں؟''

''وہ تو جی عورتیں ہیں۔ یہاں کام کرتی ہیں۔''

''تم بھی یہاں کام کرتی ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے میرے شبہے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا اس کا رنگ سرخ ہو گیا تھا لیکن فی الحال اس سے سوال جواب کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''یہیں رکو..... اوپر مت جانا..... نہ ہی اندر جانا میں واپس آ کر تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ میری بات نہ مانی تو نتیجے کی ذمے دار خود ہو گی۔''

''میں نہیں ہلوں گی۔'' اس نے کہا اور میں آگے بڑھ گیا۔ اوپری ہال کی نسبت نیچے تہہ خانہ چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ یہیں کچن تھا البتہ لنگر خانہ نئے سماع ہال کے پاس تھا۔ دوسری سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے مجھے کسی کے کراہنے کی آواز آئی اور وہ کسی کو پکار رہا تھا۔

''سنتے کیوں نہیں ہو..... سب عیاشی میں لگے ہوں گے۔''

میں نے ایک دیوار کے پیچھے جھانکا تو اس چھوٹے سے لاؤنج میں ایک آدمی کی لاش تھی اور ایک زخمی حالت میں موجود تھا۔ یہ یقیناً وہی سیڑھیوں کی طرف آنے والے تھے تینوں ہی نشانہ بنے تھے مگر دو وہاں سے نکلنے میں کامیاب رہے تھے ایک یہاں آ کر مارا گیا تھا اور دوسرا زخمی تھا۔ وہ ایک بڑے سائز کے واکی ٹاکی پر کسی کو پکار رہا تھا اور جواب نہ ملنے پر اسے گالیاں دے رہا تھا۔ میں دبے قدموں اس کے سر پر آیا اور پھر رائفل کی نال اس کے سر سے لگا دی۔ وہ ساکت ہوا تو میں نے ہاتھ بڑھا کر اس سے واکی ٹاکی لے لیا اور اسے فرش پر دے مارا۔ اس کے پرزے بکھر گئے تھے۔ اس نے گھگیانا شروع کر دیا۔ ''مجھے مت مارو میرے بیوی بچوں کا اور کوئی نہیں ہے۔''

میں نے طنز کیا۔ ''بیوی بچوں کا خیال ہوتا تو یہاں نہ ہوتے کسی شریفانہ جگہ پائے جاتے اور یہ اسلحہ لے کر تم بیوی بچوں کا خیال کرنے آ رہے تھے۔''

''مجھ سے غلطی ہوئی۔''

''یہاں اور کتنے لوگ ہیں۔''

''بس ایک مجید ہے لیکن وہ پتا نہیں کہاں ہے۔ باقی عورتیں ہیں جو یہاں کام کرتی ہیں۔''

''کیا کام کرتی ہیں؟''

''کھانا بنانا صفائی ستھرائی۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہاں ایک عورت باہر کی ہے۔''

''روشنا ہو گی اسے مجید لاتا ہے ساری رات دونوں عیاشی کرتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''معلومات کا شکریہ۔'' میں نے کہا اور اس کے سر پر رائفل کا دستہ مارا وہ بے ہوش ہو کر وہیں لڑھک گیا۔ اس کے بازو پر گولی لگی تھی اور خون روکنے کے لیے اس نے کپڑا باندھ لیا تھا اس لیے اس زخم سے اس کے مرنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں واپس روشنا کی طرف آیا۔ وہ اسی جگہ کھڑی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''اوپر مار دھاڑ چل رہی ہے اور وہاں کسی کا محفوظ رہنا مشکل ہے اس لیے تم یہاں موجود کام کرنے والی عورتوں کے پاس چلی جاؤ۔''

وہ ہراساں ہو گئی۔ ''اگر میں روشنی تک نہ گئی تو.....''

''تم گھر والوں سے چھپ کر یہاں آئی..... اُن کی عزت روندنے؟'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''ایسے کاموں کا انجام بالآخر یہی ہوتا ہے۔''

''گھر والوں نہیں گھر والا جی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اسے معلوم ہے میں یہاں آتی ہوں مجید کے ساتھ۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ''تمہارے شوہر کو پتا ہوتا ہے وہ بے غیرت کچھ نہیں کہتا۔''

''اسی کی وجہ سے تو میں اس حال کو پہنچی ہوں۔ شادی کے قابل نہیں تھا مگر میری زندگی برباد کر دی۔ اب میں گناہ کرتی ہوں۔'' اس کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔

''گناہ کرنے سے بہتر تھا کہ تم اس سے طلاق لے لیتیں۔''

''وہ میرا پھوپھی زاد ہے جی میں اس سے محبت کرتی ہوں طلاق لے کر اسے بدنام نہیں کر سکتی۔ شادی کے شروع دنوں میں لوگوں نے بہت باتیں بنائیں۔ مگر جب میرا بچہ ہوا تو سب کے منہ بند ہو گئے۔''

''تمہارے کتنے بچے ہیں؟''

''تین بچے ہیں۔'' اس نے کہا۔

میں نے گہری سانس لی۔ ''اس وقت تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ البتہ تم ان عورتوں میں جا کر چھپ جاؤ تو بعد میں تم یہاں سے نکل سکتی ہو۔ تم بول سکتی ہو کہ زیارت کے لیے آئی تھیں اور ہنگامے کے بعد یہاں پھنس گئیں۔ اب جاؤ کیونکہ میرے علاوہ کوئی یہاں آیا تو کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا چاہے وہ ملازم ہو یا باہر سے آئی ہوئی کوئی عورت ہو۔''

وہ سہم کر اندر کی طرف بڑھی تو میں سیڑھیوں سے اوپر آیا۔ درگاہ کی عمارت کی فائرنگ رک گئی تھی مگر باہر فائرنگ کا ہنگامہ جاری تھا۔ ملنگ اور اس کے ساتھی تینوں فلور کلیئر کر کے نیچے آ چکے تھے میں نے نوٹ کیا کہ ان کی تعداد کم تھی چھ بندے غائب تھے۔ میں نے ملنگ سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''مارے گئے..... ہم نے بھی یہاں موجود چالیس کے قریب بندوں کو اڑا دیا ہے۔''

''چالیس؟'' میں چونکا۔ ''زیادہ لوگ تھے؟''

''عورتیں بھی تھیں کچھ کے ساتھ۔'' ملنگ نے جواب دیا۔ ''شدید فائرنگ کی وجہ سے سب ماری گئیں۔''

ان لوگوں کو کچھ کہنا بیکار تھا۔ وہ یہاں قتل و غارت گری کا پروگرام لے کر آئے تھے اور اب اس پر عمل پیرا تھے۔ ان سے کچھ کہنے کے بجائے اگلے مرحلے پر توجہ مرکوز رکھنے کی ضرورت تھی۔ ملنگ نے اپنے ساتھیوں کو تبہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خانے میں جانے کو کہا تو میں نے منع کر دیا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے وہاں چار تھے ان کو مار دیا ہے باقی ملازم عورتیں ہیں ان کو ان کے حصے میں بند کر دیا ہے۔''

''ہمیں حکم ہے یہاں موجود کسی فرد کو نہ چھوڑیں۔'' ملنگ نے کہا۔

''فی الحال تم میرا حکم مانو گے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ہمیں فوری طور پر جنریٹر پر قبضہ کرنا ہے اور اسے تباہ کرنا ہے۔''

''جنریٹر سامنے باغ میں دائیں طرف جالی والی عمارت میں ہے۔''

سامنے کئی مسلح افراد تھے اور وہ مزاحمت کرتے۔ میں نے سوچا اور ملنگ سے کہا۔ ''اپنے چھ آدمی اوپری فلورز پر بھیجو وہ کھڑکیوں سے انہیں نشانہ بنائیں۔ یہاں سے ان پر حملہ کرنا مشکل ہے۔''

ملنگ کی سمجھ میں بات آ گئی اور اس نے فوری اپنے چھ آدمی اوپر بھیج دیئے۔ کچھ نے یہاں مورچے لگا لیے تھے۔ ہال میں لڑائی مشکل ہو گئی تھی کیونکہ یہاں زیادہ تر شیشے تھے اور گولیوں کی آمد و رفت آزادانہ جاری تھی۔ اس لیے قبروں والے احاطے میں مورچہ لگایا گیا اور کمروں میں کھڑکیوں سے جوابی کارروائی شروع کی گئی۔ ہمارا زیادہ زور باغ والی سمت تھا کیونکہ ہمیں جنریٹر تک پہنچنا تھا۔ ملنگ کے آدمیوں نے بلندی سے مرشد کے آدمیوں کو شکار کرنا شروع کیا۔ اس حکمتِ عملی نے باہر موجود مسلح افراد کو سماع ہال کی طرف جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ راستہ صاف ہو گیا تھا۔ اب ہمیں باہر جانا تھا میں نے کہا۔ ''میرے ساتھ تین آدمی چلیں۔''

باہر موت منتظر تھی اور ان میں سے کوئی رضا کارانہ طور پر مرنے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے ملنگ کے اشارے پر تین افراد بادلِ ناخواستہ الگ ہو کر میرے ساتھ درگاہ کے سامنے والے حصے سے نکلے اور ہم تقریباً زمین سے لگے ہوئے روش کے ساتھ کراٹا کی باڑ کے عقب میں آ گئے۔ دشمن نئے سماع ہال کی عمارت میں موجود تھا اور ہمیں دیکھ لیا گیا تھا کیونکہ فوراً ہی سماع ہال کی طرف سے ہم پر فائرنگ کی گئی تھی مگر کراٹا باڑ کے پیچھے آنے کے بعد ہم نظروں سے محفوظ تھے۔ اگرچہ یہ باڑ گولیوں سے نہیں بچا سکتی تھی۔ دشمن بھی یہ بات سمجھ رہا تھا اس لیے ان کی طرف سے پوری باڑ پر فائرنگ کی جانے لگی۔ ایک گولی میرے پیچھے چلنے والے کے لیے نامہ اجل لے کر آئی۔ وہ ہلکی سی آواز کے ساتھ گرا اور ساکت ہو گیا۔ گولی نے اس کے سر میں سوراخ کر دیا تھا۔ کھڑے رہ کر آگے بڑھنا بہت مشکل تھا۔ میں نے نیچے گرتے ہوئے کہا۔ ''سب لیٹ جاؤ۔''

باقی دو بھی لیٹ گئے اور ہم رینگ کر آگے جانے لگے۔ گولیاں رہ رہ کر برس رہی تھیں۔ درگاہ کی طرف سے برابر کا جواب دیا جا رہا تھا۔ پھر نئے سماع ہال کی جانب سے کچھ چیخوں کی آوازیں آئیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مرشد کے کچھ اور آدمی نشانہ بن گئے تھے۔ اس کے بعد اس طرف سے فائرنگ کی شدت میں خاصی کمی آئی تھی۔ اب جنریٹر والا کمرا ہم سے چند گز کے فاصلے پر تھا مگر یہ چند گز کھلی جگہ سے گزرتے تھے۔ یہاں نشانہ بننے کا شدید خطرہ تھا۔ مگر جنریٹر تک پہنچنا لازمی تھا۔ میں نے ان دونوں سے کہا۔ ''مجھے کور دو میں جنریٹر روم تک جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک استاد۔'' ایک نے جواب دیا۔ وہ دونوں ماربل سے بنی ایک فٹ کی دیوار کے پیچھے مورچہ زن ہو گئے اور میں اچانک ہی اٹھ کر دوڑا۔ جب تک کسی طرف سے فائر ہوتا میں جالیوں والے کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا تھا یہ لاک تھا مگر ایک ہلکے برسٹ نے لاک والے حصے کے پرخچے اڑا دیئے اور میں اندر گھس گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد عقب سے فائرنگ ہوئی تو مجھ پر اس کا اثر نہیں ہوا تھا۔ جنریٹر روم کو ہوادار رکھنے کے لیے اس کی دیواریں جالی والی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں۔ جنریٹر خاصا بھاری بھرکم تھا اور اسے چاروں طرف سے دھاتی چادر سے تحفظ دیا گیا تھا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور پھر اس میں جانے والی ہیوی ڈیوٹی وائرز کو کھینچ کر توڑ دیا۔ مگر وائر بدلنا چند منٹ کا کام ہوتا ہے۔ جنریٹر کو مکمل طور پر ناکارہ بنانا تھا۔ پھر مجھے اس کے ایندھن کے ٹینک کا خیال آیا۔ یہ بیک وقت گیس اور پیٹرول سے چلنے والا جنریٹر تھا۔

اس کا ٹینک اوپری حصے میں تھا اس کا ڈھکن کھولا تو اس میں سے پیٹرول کی تیز مہک آئی۔ میں اس کا وہ پائپ تلاش کرنے لگا جو جنریٹر کو آئل سپلائی کرتا تھا۔ یہ پائپ خاصی مشکل سے ایک کونے میں ملا اور یہ دھات کا ثابت ہوا۔ میں نے پستول نکالا اور اس کی ضرب سے پائپ توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس دوران میں باہر ایک بار پھر فائرنگ کا سلسلہ تیز ہوگیا جو پہلے سست پڑ گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ نئے سماع ہال میں مرشد کے تازہ دم دستے پہنچ گئے تھے۔ پستول کے دستے کی لگاتار ضربوں کے آگے دھاتی پائپ نے بالآخر شکست تسلیم کرلی اور وہ ٹوٹ گیا مگر اس سے پیٹرول نہیں نکلا تھا۔ میں پریشان ہوگیا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا؟ یہ لائن ٹینک سے آرہی تھی۔ میں نے اپنے پاس موجود چھوٹی ٹارچ سے لائن کے اوپری حصے میں روشنی ڈالی تو مجھے ایک چھوٹا سا والو نظر آیا۔

اسے گھماتے ہی تیل کی پتلی سی دھار تیزی سے بہنے لگی تھی۔ فی الحال یہ پیٹرول جنریٹر کے اندر کہیں گر رہا تھا مگر جلد یہ بہتے ہوئے باہر بھی آتا۔ اب مجھے یہاں سے نکلنا تھا اور دروازے سے نکلنا آسان نہیں تھا مجھے یقین تھا وہاں کئی ہتھیار صرف میرے انتظار میں مرکوز ہوں گے۔ ان کے ہوتے ہوئے رسک بہت زیادہ تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا ایک طرف لوہے کی بھاری راڈ رکھی تھی۔ جو اصل میں جنریٹر کو اٹھانے والے جیک کا لیور تھی۔ اسے اٹھا کر تولا اور پھر ایک طرف جالیوں پر مارا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور جالی کا ایک حصہ ٹوٹ کر گرا تھا۔ میں نے فوری اس حصے پر طبع آزمائی شروع کردی جہاں سے یہ کمرا سماع ہال کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ سے محفوظ تھا۔ بھاری راڈ اور میری قوت کے آگے سیمنٹ سے بنی ہوئی جالیاں بکھرنے لگیں اور مشکل سے دو منٹ میں اتنا بڑا سوراخ کرلیا جس سے میں باہر جا سکتا تھا لیکن باہر جانے سے پہلے میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔

''میں باہر آرہا ہوں مجھے کور دو۔''

''آجاؤ استاد۔'' ان میں سے ایک بولا۔ میں باہر نکلا اور پھر پلٹ کر فرش پر پھیلتے پیٹرول پر پستول سے فائر کیا۔ گولی کی حدت نے پیٹرول کو آگ دکھادی اور میں بھاگا۔ کراٹا کی باڑ کے دوسری طرف چھلانگ لگائی اور جیسے ہی زمین پر گرا جنریٹر میں دھماکہ ہوا۔ کمرے نے دھماکے کی شدت کو کم کیا تھا مگر پھر بھی اس کے اثرات جلے کے ٹکڑوں کی صورت میں باہر تک آئے تھے۔ اب کمرے میں آگ بھڑک رہی تھی۔ جنریٹر ناکارہ ہوگیا تھا۔ نئے سماع ہال کی جانب سے فائرنگ میں شدت آئی تھی مگر ایک منٹ بعد اچانک ہی درگاہ کی ساری روشنیاں غائب ہوگئیں۔ فاضلی کے باہر موجود آدمیوں نے کام شروع کردیا تھا انہوں نے بجلی کاٹ دی تھی۔ ہم تینوں اب واپس درگاہ کے مرکزی دروازے کی طرف رینگ رہے تھے۔ تاریکی میں گولیوں کے شعلے تیر رہے تھے۔ ان میں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعض ہمارے سروں کے اوپر سے بھی گزرتے تھے۔ ایسا ہی ایک شعلہ مجھ سے آگے جاتے آدمی کے سر میں آ کر بجھ گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ درگاہ کا دروازہ ابھی کوئی بیس گز دور تھا۔ اپنے ساتھی کو مرتے دیکھ کر دوسرا خوفزدہ ہو گیا۔ اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ یک دم اٹھ کر بھاگا تھا۔

''اے رک جاؤ۔'' میں نے کہا لیکن اس سے پہلے ہی ایک برسٹ آ کر اس کی ٹانگوں کو چھلنی کر گیا۔ وہ نیچے گرا اور چیخنے، دھاڑنے لگا۔ نئے سماع ہال کی جانب سے توقع سے زیادہ مزاحمت ہو رہی تھی۔ میرے ساتھ آنے والے تینوں افراد اس طرف سے فائرنگ کا نشانہ بن چکے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں۔ مشکل سے ایک فٹ اونچی یہ منڈیر مجھے کب تک بچائے گی جب کہ فائرنگ خاصی بلندی سے بھی کی جا رہی تھی۔ چند گولیاں میری طرف آئیں تو مجھے منڈیر کے ساتھ دبکنا پڑا تھا۔ میری طرف سے فائرنگ کا مطلب ہوتا کہ میں خود دشمن کو اپنی لوکیشن سے آگاہ کر دیتا۔ میں اسی طرح خاموشی سے چھپ کر آگے بڑھ سکتا تھا۔ اس دوران میں آس پاس اِکا دُکا روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ یہ ایمرجنسی لائٹس تھیں یا پھر کچھ جگہوں پر یو پی ایس لگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں ٹارچ کی روشنی بھی لہرائی تھی مگر مشکل سے چند سیکنڈ کے لیے، کیونکہ کوئی ٹارچ روشن کر کے موت کو دعوت دینا نہیں چاہتا تھا۔

○.....❖.....○

نئے سماع ہال کی جانب سے درگاہ کے دروازے پر فائرنگ کا زور تھا پھر اندر سے بھی جوابی فائرنگ جاری تھی اور ایسے میں دروازے سے گزرنے کا مطلب دنیا سے بھی گزرنا ہو سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب پیچھے کی طرف کھسکوں ورنہ آگے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ پیچھے کھسکتا تو اس چار دیواری کی طرف جاتا جس کے پار مرشد کی رہائش گاہ تھی۔ پتا نہیں فاضلی اپنے گرگوں کے ساتھ کہاں تھا۔ اگرچہ اس طرف سے بھی فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں مگر وہ بہت زیادہ نہیں تھیں۔ زیادہ زور درگاہ اور نئے سماع ہال کے درمیان فائرنگ کا تھا۔ عقبی سمت بھی فاضلی کے ساتھ آنے والے صاف کر چکے تھے کیونکہ اس سمت سے فائرنگ کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہ اچانک شوں کی تیز آواز آئی اور نئے سماع ہال کے اوپر سے ایک شعلہ لپکا اور ماحول یک دم روشن ہو گیا۔ میں جو منڈیر سے ذرا اوپر تھا اور یقیناً دشمن کو نظر آ سکتا تھا تیزی سے دوبارہ منڈیر تلے دبک گیا۔

''لعنت ہو۔'' میرے منہ سے نکلا کسی نے یہ روشنی کا گرینیڈ فائر کیا تھا جو بہت تیز سرخ روشنی دے رہا تھا اور اس نے باغ کو دن کی طرح روشن کر دیا تھا۔ فوراً سماع ہال کی طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور منڈیر کو ادھیڑنے لگی جس کے پیچھے میں چھپا ہوا تھا۔ گولیاں تقریباً چھو کر جا رہی تھیں۔ پتا نہیں میں کیسے بچا ہوا تھا؟ پھر دوسرا گرینیڈ کوٹھی کی طرف سے فائر ہوا اور اس طرف کا حصہ بھی روشن ہو گیا۔ مرشد اتنی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھا حالانکہ ہم اس کی سپاہ کا بڑا حصہ موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ مگر اس کے پاس شاید ہمارے اندازے سے زیادہ افراد تھے۔ فاضلی بے خبر تھا کہ اس کے پاس یہ فوجی استعمال کے روشنی والے گرینیڈ بھی تھے۔ یہ کئی منٹ تک مسلسل بہت تیز روشنی دے سکتے تھے۔ پانچ منٹ بعد اس کی روشنی ہلکی پڑنے لگی۔ تو میں تیزی سے واپس جنریٹر روم کی طرف گیا میں اس کی آڑ لے لیتا تو سماع ہال کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ سے خاصی حد تک محفوظ ہو جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملنگ اور اس کے ساتھی درگاہ کی عمارت میں تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ سماع ہال والوں کو وہیں تک محدود رکھیں اور انہیں کوٹھی کی طرف نہ جانے دیں۔ انہیں میری قطعی پروا نہیں تھی کہ میں دونوں طرف کی فائرنگ کے بیچ میں پھنسا ہوا تھا اور کسی لمحے ایک گولی میری زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ میں سرکنے میں معروف تھا کہ اگلا گرینیڈ فضا میں بلند ہوا اور اس بار یہ درگاہ والی عمارت کے عین اوپر تھا اس لیے پوری عمارت اور آس پاس کی جگہ روشنی میں نہا گئی تھی۔ اس بار بھی میری پوزیشن دیکھ لی گئی اور نئے سرے سے گولیوں نے میرا رخ کیا تھا۔ یہ بڑے نازک لمحات تھے اگر میں ذرا بھی بے صبری کا مظاہرہ کرتا تو ملنگ کے ساتھیوں کی طرح مارا جاتا۔ میری بچت دیکھے رہنے میں تھی۔ پھر کسی نے اوپر سے دستی بم اچھالا اور وہ مجھ سے کچھ دور گرا تھا۔ میں نے بروقت اسے گرتے دیکھ لیا اور منڈیر کے ساتھ چپک کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ بم زیادہ دور نہیں تھا وہ منڈیر بھی اڑا سکتا تھا مگر میرے پاس بچنے کا موقع ہی نہیں تھا دھماکے نے جیسے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور شاک ویوز مجھے دھکیل کر روش میں کھلی جگہ لے آئی تھیں۔ میں نے سر پر ہاتھ رکھ لیے تھے اس لیے سر بچ گیا تھا مگر دونوں ہاتھوں پر اڑتے سنگریزوں نے زخم ڈال دیئے تھے۔ منڈیر کا اوپری حصہ ادھڑا تھا اسی لیے میں ادھڑنے سے بچ گیا تھا۔ مگر اب موت سامنے تھی۔ میں سماع ہال میں موجود افراد کے لیے کھلا نشانہ تھا۔ اٹھ کر بھاگنے کا فائدہ بھی نہیں تھا کیونکہ کہیں پناہ نہیں تھی۔

دو گولیاں آ کر میرے سینے پر لگیں اور میں دھچکے سے پیچھے گیا۔ ایک لمحے کو میرا سانس رک گیا تھا اور درد کی لہر نے مجھے تڑپا دیا تھا۔ مگر بلٹ پروف نے میری جان بچالی تھی۔ میں بے تابی سے اپنی گر جانے والی رائفل تلاش کر رہا تھا۔ جب کہ اس دوران میں میرے آس پاس گولیاں برس رہی تھیں۔ رائفل نہ جانے کہاں چلی گئی تھی؟ سماع ہال کی طرف سے کم وبیش درجن بھر خود کار ہتھیار حرکت میں تھے۔ ان میں سے کم سے کم دو تین میری طرف مرکوز تھے۔ میں نے آخری کوشش کے طور پر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر ملبے کے ٹکڑوں سے پاؤں پھسلا اور میں بے ڈھنگے پن سے وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مگر اس ڈھیر ہونے نے ایک بار پھر میری جان بچائی کیونکہ اگلا برسٹ میرے سر کے اوپر سے گزر کر دیوار پر لگا تھا اگر میں کھڑا ہوتا تو اس کا نشانہ بن گیا ہوتا۔ جب قدرت میری حفاظت کر رہی تھی تو اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت ہی ہوتی۔

اس بار میں نے بھاگنے کی کوشش کے بجائے خود کو رول کیا اور قلابازیاں کھاتا ہوا جنریٹر کے جلتے کمرے کی طرف آیا۔ آخر کے چار پانچ گز میں نے کیسے طے کیے مجھے خود سمجھ میں نہیں آیا۔ میں دھچکے سے کمرے کی دیوار سے ٹکرایا اور فوراً ہی دوسرا دستی بم آ کر کمرے کے دوسری طرف گرا تھا۔ دھماکے نے میرے ہوش کے ساتھ کمرے کا ایک حصہ بھی اڑا دیا تھا۔ میرے حواس ٹھکانے آئے تو میں فاضلی کو مغلظات سنا رہا تھا۔ وہ خبیث آدمی مجھے اس مشکل میں پھنسا کر خود نہ جانے کہاں غائب تھا؟ مجھے لگ رہا تھا کہ میں نہ جانے کب سے یہاں پھنسا ہوا تھا؟ میرے چاروں طرف آگ و خون کا یہ کھیل نہ جانے کب سے کھیلا جا رہا تھا؟ مگر جب آڑ میں آنے کے بعد میں نے گھڑی دیکھی تو ابھی صرف ایک بجا تھا مجھے باہر آئے ہوئے بیس منٹ سے زیادہ کا وقت نہیں گزرا تھا۔ رائفل گر جانے کے بعد اب میرے پاس صرف ایک پستول تھا میں نے اسے نکال کر چیک کیا اور پھر اپنا جائزہ لیا کہ کہاں کہاں زخم تھے؟

میرے بازو معمولی زخمی تھے ایک زخم سر کے اوپری حصے میں آیا تھا اور کچھ خون نکلا تھا باقی جسم صحیح سلامت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ بلٹ پروف پر لگنے والی گولیاں جیسے چپک گئی تھیں اور یہ پستول کا فائر تھا اس لیے میری پسلیوں کی بچت ہوگئی اگر رائفل کی گولی ہوتی تو اس کا زور پسلی توڑ سکتا تھا۔ اپنی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے یہاں سے نکلنے کے امکانات کا جائزہ لیا۔ جنریٹر روم اور درگاہ کی عمارت کے درمیان تقریباً بیس گز کا فاصلہ تھا اور یہ جگہ عمارت کے کونے سے کوئی چالیس گز کے فاصلے پر تھے۔ عمارت کی طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر میں کونے کی طرف جاتا تو مجھے باآسانی سماع ہال کی طرف سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ اب ایک طریقہ تو یہ تھا کہ میں اسی جگہ دبک کر انتظار کرتا کہ [illegible] کے آدمی سماع ہال کی مزاحمت کا خاتمہ کر دیں۔ مگر یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے یا نہیں۔ پھر مجھے بڑا خطرہ اب دستی بم سے تھا۔ میں گولیوں سے آڑ میں تھا مگر یہاں میرے سامنے کوئی دستی بم آ کر گرتا تو اس سے بچنے کے لیے کوئی آڑ نہیں تھی۔

ایسا لگا کہ سماع ہال میں بیٹھا ہوا کوئی شخص میری طرح سوچ رہا تھا اور اس نے دستی بم استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میری بے خبری میں ایک دستی بم آ کر جنریٹر روم کی جلتی چھت پر گرا اور دھماکے کے ساتھ چھت بھی بیٹھ گئی۔ مجھ پر ملبے کی بارش ہوئی تھی لیکن میں دھماکے کے براہ راست اثرات سے محفوظ رہا تھا۔ جب ملبہ گرنا رکا تو میں نے کمرے کا جائزہ لیا اس کی بلندی جو پہلے بارہ فٹ تھی یک دم کم ہو کر سات آٹھ فٹ رہ گئی تھی اور یہ بھی دیواروں کی بلندی تھی کیونکہ چھت تو گر چکی تھی۔ چھت گرنے سے آگ بجھ گئی تھی اور اب اندر سے گاڑھا دھواں نکل رہا تھا۔ میں نے چلا کر ملنگ کو آواز دی۔ ''کہاں مر گئے ہو..... تم لوگوں سے یہ چند آدمی نہیں نمٹ رہے؟''

مگر ملنگ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا اس نے اگر سنا تو جواب دینا ضروری نہیں سمجھا وہ اس سے زیادہ ضروری کام کر رہا تھا یعنی سماع ہال میں موجود افراد کا مقابلہ اور ان کو کوٹھی کی طرف جانے سے روکنے کا کام۔ دونوں طرف کے لوگ تقریباً محفوظ تھے بس میں درمیان میں پھنسا ہوا تھا۔ مجھے اپنے ساتھیوں کا خیال آیا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ اس وقت میں کیسی صورت حال سے دوچار تھا۔ میرے چاروں طرف آگ و آہن کی بارش جاری تھی اور یہ سب میں ان کی خاطر برداشت کر رہا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے میں چند لمحے کے لیے غافل ہوا تھا اور اگلے دستی بم کو ذرا تاخیر سے دیکھا وہ جنریٹر روم کے ساتھ گرا اور لڑھکتا ہوا اس طرف آ نکلا جہاں میں موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں حرکت میں آیا اور بہت تیزی سے سرک کر جنریٹر روم کے عقبی سمت گیا تھا کہ دھماکہ ہوا اور میں بال بال بچا۔ فوراً ہی مجھے واپس آنا پڑا تھا کیونکہ اس طرف میں سماع ہال سے کی جانے والی فائرنگ کی زد میں تھا اور کچھ فائرز بھی ہوئے تھے مگر وہ عجلت میں بنا نشانہ لیے کیے گئے تھے۔

جہاں دستی بم گرا تھا وہاں اب گڑھا پڑا ہوا تھا۔ آدھے گھنٹے کی مختصر جنگ نے اس خوب صورت باغ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا جسے بنانے میں برسوں لگے تھے۔ جگہ جگہ گڑھے پڑ گئے تھے چند درخت جڑوں سے اکھڑ گئے تھے اور پودے اور باڑیں تباہ ہوگئی تھیں۔ دونوں طرف کی عمارتوں کی خوب صورتی کا الگ ستیاناس ہو گیا تھا خاص طور سے درگاہ کی عمارت کا حشر ہو گیا تھا۔ میں اب ملنگ اور اس کے ساتھیوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا جو دستی بم ارسال کرنے والے کو کچھ نہیں کہہ رہے تھے اور وہ پوری آزادی سے مجھ پر دستی بم پھینک رہا تھا۔ ایک دو بار تو سمجھ میں آتا لیکن اس کے بعد اسے تاک کر نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود ملنگ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اب میں پوری طرح چوکنا تھا اگلا بم کسی طرف سے بھی آ سکتا تھا۔ ایسے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تقدیر کے بعد صرف میری پھرتی ہی مجھے بچا سکتی تھی۔

جنریٹر روم سے سماع ہال کی عمارت تقریباً تیس گز کے فاصلے پر تھی میں نے اس کے دائیں طرف سے ایک لمحے کو جھانک کر دیکھا اور مجھے دوسری منزل کی ایک کھڑکی میں رائفل بردار شخص کا ہیولہ دکھائی دیا۔ وہ درگاہ کی عمارت پر گولیاں برسا رہا تھا میں نے اچانک آڑ سے نکل کر اس پر پستول سے فائر کیے۔ میں نے تین گولیاں چلائیں اور واپس آڑ میں آ گیا لیکن اس دوران میں وہ ایک جھٹکے سے پیچھے گیا تھا اور اس کی رائفل خاموش ہو گئی۔ اب پتا نہیں اسے گولی لگی تھی یا وہ بچنے کے لیے پیچھے گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد اس کی طرف سے فائرنگ نہیں ہوئی۔ اس طرف سے بس وہی فائرنگ کر رہا تھا باقی سب یا تو سماع ہال کی وسطی کھڑکیوں سے فائرنگ کر رہے تھے یا پھر وہ بائیں طرف کونے میں تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ میری گولی کا نشانہ بن گیا ہے اور اب یہاں کوئی نہیں ہے تو میرے پاس ایک موقع تھا میں درگاہ کی عمارت کے کونے تک جا سکتا تھا اس کے بعد میں سماع ہال کی طرف سے محفوظ ہو جاتا۔ مگر یہ ایک مفروضہ بھی ہو سکتا تھا عین ممکن تھا کہ مرشد کا مزید کوئی آدمی یہاں موجود ہوتا تو اس صورت میں وہ مجھے آرام سے شوٹ کر سکتا تھا۔ یہ جاننے کے لیے کہ اس طرف کوئی تھا یا نہیں میں نے ایک سر کے سائز کا اینٹ کا ٹکڑا اٹھا کر اسے دیوار کی اوٹ سے باہر کیا اور فوراً ایک گولی آ کر اس پر لگی تھی۔ میرا ہاتھ بچ گیا تھا مگر دھچکے سے اینٹ گر گئی۔ اس طرف کوئی تھا اور وہ بڑی چالاکی سے خود کو چھپائے ہوئے تھا۔

دوسرا گرینیڈ بھی اب بجھنے کے قریب تھا۔ یہ پیراشوٹ سے ہوا میں معلق ہو جاتا تھا اور شعلے کی گرمائش اسے نیچے آنے سے روکتی تھی۔ جیسے گرم ہوا کے غبارے میں بھری ہوا اسے نیچے آنے سے روکتی ہے۔ اگر یہ بجھ جاتا اور اس کے بعد مزید کوئی گرینیڈ فائر نہ کیا جاتا تو امکان تھا کہ میں بچ کر درگاہ کی عمارت کے پہلو تک پہنچ سکوں۔ مگر میری یہ آرزو دل میں ہی رہ گئی اس بار سماع ہال کی چھت سے دو گرینیڈ فائر کیے گئے اور ان کی مشترکہ روشنی نے اس جگہ کو جتنا نور بنا دیا تھا۔ پتا نہیں ان کے پاس کتنے گرینیڈ تھے لیکن اس سے یہ فائدہ بھی تھا کہ اب کوئی دستی بم آتا تو میں اسے دیکھ سکتا تھا اگر روشنی نہ ہوتی تو دستی بم چپکے سے میرا کام تمام کر سکتا تھا۔ مسلسل فائرنگ نے جنریٹر روم کی اوپری جالی دار دیواروں کو بھی توڑ کر چھوٹا کر دیا تھا اور اب صرف تین فٹ کی موٹی کنکریٹ کی دیوار ہی مجھے تحفظ دے رہی تھی۔ چھت گر جانے سے ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ کوئی دستی بم اندر گرا تو وہ یہ دیوار بھی گرا دے گا۔ اگرچہ اس دیوار تلے دب کر میرا مرنے کا امکان کم تھا مگر یہ مجھے شدید زخمی یا ناکارہ کر سکتی تھی۔

زندگی میں بہت کم ایسی سچویشن آئی تھیں جب میں اتنی بری طرح پھنسا تھا اور نکلنے کی کوئی راہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک طرف سے دشمن گولیاں برسا رہے تھے اور دوسری طرف وہ دستی بم بھی استعمال کر رہے تھے۔ مجھے اصل خطرہ دستی بموں سے ہی تھا ورنہ گولیوں سے بچنا اتنا مسئلہ نہیں تھا۔ یہ بات دشمن بھی سمجھ رہا تھا اس لیے اس نے اس بار چالاکی سے کام لیا اور پہلے اس نے جنریٹر روم کے بائیں طرف باغ والے حصے میں ایک دستی بم پھینکا اور وہ لڑھکتا ہوا مجھ سے کوئی دس گز دور آ کر رکا تھا۔ میں کمرے کے دوسری طرف بھی نہیں جا سکتا تھا جہاں سماع ہال کا نشانے باز تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس لیے میں منطقی طور پر جان ہتھیلی پر رکھ کر روش کی طرف لپکا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھلانگ لگا کر منڈیر کے دوسری طرف گرا اور اسی لمحے دھماکہ ہوا۔ ایک بار پھر بلبے کی برسات ہوئی مگر میں بم کی براہ راست ضرب سے محفوظ رہا تھا۔ ابھی بلبے کی برسات تھمی نہیں تھی کہ دوسرا دستی بم مجھ سے ذرا آگے روش کے ساتھ کیاری میں گرا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو گھٹنے میں اٹھنے والی تیز ٹیس نے مجھے گرا دیا۔ گرتے ہوئے اس پر چوٹ آئی تھی۔ اس چوٹ نے مجھے معذور کر دیا تھا اور اب بم سے بچنے کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بے ساختہ کلمہ شہر یف پڑھا۔ پھر ایک عظیم الجثہ سایہ نمودار ہوا اور ایک دھماکہ ہوا تھا۔

○.....◆.....○

دھماکے سے ذرا پہلے آنے والا عظیم الجثہ سایہ مجھ پر چھایا ہوا تھا اور اسی وجہ سے میں بچ گیا تھا۔ دھماکے کے بعد اس کی دبی ہوئی کراہٹ سنائی دی تو مجھے اندازہ ہوا وہ باسو ہے۔ وہ بروقت آیا اور میرے اور دستی بم کے درمیان میں حائل ہو گیا۔ اس نے زرہ بکتر نما لباس پہنا ہوا تھا جس نے اسے بم کی تباہ کاری سے محفوظ رکھا لیکن وہ کچھ نہ کچھ زخمی ضرور ہوا تھا یہ بات اس کی کراہٹ سے بھی ظاہر تھی۔ کراہٹ میں اذیت کا عنصر شامل تھا۔ بم دھماکے کے بعد وہ سماع ہال کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ سے ڈھال بن گیا تھا۔ گولیاں اس پر برس رہی تھیں اور اچیٹ رہی تھیں۔ زندہ بچ جانے کے یقین کے ساتھ ہی میں حرکت میں آ گیا تھا اور اپنی رائفل تلاش کر رہا تھا۔ بالآخر وہ کیاری میں مل گئی۔ مگر کیاری اب اپنی اصل شکل میں موجود نہیں رہی تھی۔ دستی بموں کی برسات نے اس کا حشر کر دیا تھا۔ صرف کیاری ہی نہیں وہاں ہر چیز کا حشر ہو گیا تھا۔

جیسے ہی میں باسو کی آڑ میں کھڑا ہوا اس نے گھوم کر سماع ہال کی طرف اپنی خوفناک ساخت کی اور بچ بچ بے پناہ خطرناک مشین گن سے گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ اب تک دونوں جانب سے عام قسم کے خودکار ہتھیاروں اور مشین گنوں سے گولیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا مگر اب اس جنگ میں باسو کی مشین گن شامل ہو گئی تھی اور اتنی خوفناک تھی کہ اس کی گولیاں کنکریٹ کی موٹی دیواروں کو پار کر کے ان کے عقب میں موجود دشمنوں کو نشانہ بنا رہی تھیں۔ اس کا شور ایسا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی مگر مجھے سماع ہال کی طرف سے فائرنگ میں فوری کمی سے اندازہ ہو گیا کہ دشمن اس نئے ہتھیار کی تاب نہ لا کر یا تو پسپا ہو گئے تھے یا مارے گئے تھے۔ باسو نہایت مہارت سے ان کھڑکیوں پر گولیاں برسا رہا تھا جہاں سے فائرنگ کی جا رہی تھی۔ یہ اسی کی طاقت تھی جو اتنا بھاری اور تیز جھٹکے والا ہتھیار یوں استعمال کر رہا تھا ایسا صرف فلموں میں دیکھا تھا مگر فلموں میں باڈی بلڈر ہیرو بھی پلاسٹک کے بنے ہتھیار استعمال کرتا ہے۔ باسو اصلی مشین گن چلا رہا تھا۔ اس نے چند برسٹ میں ہی سماع ہال والوں کو خاموش کرا دیا تھا۔ جیسے ہی مشین گن رکی میں نے باسو سے کہا۔

"تم لوگ کہاں تھے، فاضلی کہاں ہے؟"

اس نے خاموشی سے ہاتھ اٹھا کر کوٹھی کی طرف اشارہ کیا اور مجھ سے بولا۔ "میرے ساتھ آؤ..... پہلے ان لوگوں کا خاتمہ کرنا ہے۔" اس کا اشارہ سماع ہال کی طرف تھا۔

"وہاں کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا فاضلی نے ان سب کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے۔" باسو نے پہلی بار باقاعدہ گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ ورنہ اب تک میں اسے صرف غراتے یا چند الفاظ میں بات کرتے سنا تھا۔ "میری آڑ میں رہنا ابھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرہ ہے۔''

وہ سماع ہال کی طرف گھوما۔ بجلی بند ہونے اور جنریٹر تباہ ہونے کے باوجود وہاں کہیں کہیں برقی روشنی نظر آرہی تھی۔ یقیناً ان جگہوں پر یو پی ایس کام کر رہے تھے۔ اس جگہ روشنی کی کمی جنریٹر روم میں بھڑکتی اور جا بجا لگی آگ پوری کر رہی تھی۔ باسو مڑا تو میں نے اس کے بائیں بازو سے خون بہتے دیکھا اسے دستی بم کا کوئی ٹکڑا لگا تھا۔ میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''تمہارے بازو سے خون بہہ رہا ہے۔''

''چلو۔'' وہ غرایا اور سماع ہال کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے مشین گن آگے کر رکھی تھی اور میں اس کی آڑ میں تھا۔ درگاہ کی طرف سے فائرنگ تقریباً تھم گئی تھی۔ مگر اکا دکا فائر ہو رہے تھے۔ ملنگ اور اس کے ساتھیوں نے باسو کو دیکھ لیا تھا اس لیے انہوں نے نیچے کی جانے والی فائرنگ روک دی تھی اور اب صرف سماع ہال کی اوپری سمت گولیاں چلا رہے تھے۔ ملبے اور حشر نشر لان سے گزرتے ہوئے ہم سماع ہال کی عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک برسٹ چلا اور گولیاں آگر باسو سے ٹکرائیں مگر اس کا کچھ نہیں بگڑا تھا البتہ جب اس نے جوابی کارروائی کی تو جس کھڑکی سے برسٹ چلا تھا وہ مع چوکھٹ کے اکھڑ کر اندر جا گری۔ مرنے والوں کی چیخیں باہر تک سنائی دی تھیں۔

باسو جو پہلے دروازے کی طرف جا رہا تھا اس نے رخ بدلا اور اس کھڑکی کی طرف بڑھا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھ رہے تھے میں غیر محفوظ ہوتا جا رہا تھا کیونکہ دائیں بائیں کے ساتھ اوپر کی طرف سے بھی میں نشانے کی زد میں آرہا تھا۔ اگر کوئی گولی چلاتا تو میں اب باسو کی آڑ میں زیادہ محفوظ نہیں رہا تھا۔ مگر باسو کی دہشت نے کام دکھایا تھا اور ان تمام جگہوں سے فائرنگ کرنے والے پیچھے ہٹ گئے تھے اور جواب تک نہیں ہٹے تھے انہوں نے ان مرنے والوں سے سبق حاصل کیا تھا جو باسو کا نشانہ بنے تھے۔ کسی طرف سے فائر نہیں ہوا اور ہم آرام سے سماع ہال تک پہنچ گئے۔ عمارت کے نزدیک آتے ہی میں دیوار سے چپک گیا اور باسو نے اندر جھانکا اور مجھ سے کہا۔ ''اندر جاؤ۔''

بھاری مشین گن کے برسٹ نے صرف مرنے والوں کا ہی نہیں بلکہ کمرے کا بھی حشر کر دیا تھا۔ یہاں دو افراد اپنے ہی خون میں غلطاں پڑے تھے یہاں روشنی نہیں تھی مگر باہر سے آتی روشنی کے انعکاس میں سب نظر آرہا تھا۔ میں چوکھٹ پر چڑھ کر اندر کودا۔ کمرا مختصر سا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ آرام کے لیے مخصوص تھا کیونکہ فرش پر سوائے دیز قالین کے اس کمرے میں اور کچھ نہیں تھا۔ فاضلی نے تاخیر سے سہی لیکن باسو کو یہاں بھیج دیا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کوٹھی کی طرف فیصلہ کن پیش قدمی سے قبل ہر طرح کی مزاحمت ختم کرنا چاہ رہا تھا۔ اسی لیے باسو کو یہاں موجود افراد کو ختم کرنے کا ٹاسک دے کر بھیجا گیا تھا۔ میرے پیچھے باسو بھی اندر آگیا۔ اپنی بھاری جسامت اور زخموں سے قطع نظر اسے چوکھٹ پھلانگنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ با آسانی اندر آگیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''اندر یقیناً اور لوگ ہوں گے۔ مگر اس تاریکی میں ہم خود ان کا شکار بن جائیں گے۔''

جواب میں باسو نے اپنے لباس سے ایک عدد نائٹ ویژن عینک جو سوئمنگ کرنے والی عینک کی طرح تھی، نکال کر مجھے تھما دی۔ اسے غالباً ضرورت نہیں تھی اس کے ہیلمٹ کا شیشہ نائٹ ویژن کا کام کر رہا تھا۔ میں نے نائٹ ویژن لگائی اور یک دم ماحول روشن نظر آنے لگا۔ یہاں بھی باسو آگے تھا جیسے ہی اس نے کمرے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازے کو ہاتھ لگایا باہر سے برسٹ چلا اور گولیاں دروازے کو چھلنی کرتی ہوئی آ کر باسو کو لگی تھیں وہ ایک بار پھر غرایا۔ ایک گولی اس کی دائیں ران چھیدتی ہوئی گزر گئی تھی اور اب یہاں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ مگر جب باسو نے اپنے زخم کی طرف توجہ نہیں دی تو مجھے بھی فکر نہیں ہوئی۔ وہ بہت جاندار تھا اور اس قسم کے زخم آسانی سے برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے خستہ ہو جانے والے دروازے کو ٹکر ماری اور باہر نکل کر مشین گن کا فائر کھول دیا۔ میں نے اندھا دھند اس کے پیچھے جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

میں دیوار سے لگ کر انتظار کرنے لگا اور جب مشین گن کا شور تھما تو میں باہر نکل آیا۔ یہ مرکزی سماع ہال تھا۔ کم سے کم بیس گز طویل اور بارہ گز چوڑا تھا۔ اس کی چھت بھی کم سے کم پچیس فٹ اونچی تھی جس پر قطاروں میں کوئی درجن بھر فانوس لگے تھے۔ وہاں پنکھے نہیں تھے بلکہ دیواروں پر بڑے سائز کے اسپلٹ لگے ہوئے تھے۔ فرش پر بچھی چاندنی اس وقت خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ وہاں چار افراد کی لاشیں موجود تھیں۔ باسو کی مشین گن کے شکار کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ باسو دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور اس کی ران کے زخم سے خون روانی سے بہہ رہا تھا۔ کچھ دیر ساکت رہنے کے بعد اس نے اپنی زرہ کے کسی خانے سے ایک انجکشن کا سیٹ نکالا اور اس میں سے ایک انجکشن الگ کر کے اپنی ران پر اس کی سوئی رکھ کر بٹن دبایا تو گیس کے پریشر سے اس میں پہلے سے موجود دوا باسو کے جسم میں داخل ہو گئی۔ اس نے خالی انجکشن پھینک کر باقی سیٹ واپس رکھ لیا۔ اس میں مزید چار انجکشن تھے۔

ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ باسو کے زخموں سے خون بہنا بند ہو گیا۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ شاید خون روکنے والے انجکشن تھے۔ میں نے ان کے بارے میں سنا تھا کہ یہ محاذ جنگ میں اگلے مورچوں پر لڑنے والے فوجیوں کو مہیا کیے جاتے تھے اور عام حالات میں ان کا استعمال ممنوع تھا کیونکہ ان کے سائیڈ ایفیکٹس بھی خاصے ہوتے ہیں۔ یہاں حالات جنگ والے تھے اس لیے باسو کا یہ انجکشن استعمال کرنا جائز تھا۔ اس دوران میں، میں سماع ہال کا جائزہ لے رہا تھا۔ سامنے ایک دروازہ تھا اور اس کے دائیں بائیں قطاروں میں کھڑکیاں تھیں۔ دوسری طرف اسی طرح چھوٹے چھوٹے کمروں کی قطار تھی۔ میں نے باری باری سارے کمرے چیک کیے مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ مگر عمارت میں مزاحمت کرنے والے موجود تھے اس کا اندازہ رہ رہ کر ہونے والی فائرنگ سے ہو رہا تھا۔

میں حیران تھا کہ مرشد نے کس قدر مسلح فورس جمع کر رکھی تھی۔ اس کے کم سے کم چالیس آدمی مارے گئے تھے اور اب بھی مزاحمت کرنے والے موجود تھے۔ اس کی کوٹھی میں موجود گارڈز کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان دنوں وہ اپنی حفاظت کے لیے خاص طور سے فکر مند تھا اور حالات نے ثابت کر دیا تھا کہ اس کی فکر مندی غلط نہیں تھی۔ میں ہال کے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ باسو نے مجھے روک دیا۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے دروازے کے بجائے ایک کھڑکی کو ٹکر مار کر توڑ دیا۔ یہ نمائشی اور آرائشی کھڑکیاں تھیں جو فکس ہوتی ہیں۔ لکڑی کی جالیوں کے درمیان رنگین منقش شیشے لگے ہوئے تھے۔ کسی عقیدت مند بڑھئی نے بہت محنت سے یہ شاہکار کھڑکیاں بنائی تھیں۔

کھڑکی توڑ کر باسو دوسری طرف گیا اور پھر اس نے مجھے آنے کا اشارہ کیا۔ یہ چھوٹی سی گیلری تھی اور باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتے ہی میں باسو کی عقل مندی کا قائل ہو گیا کیونکہ دروازے پر باہر کی جانب بوبی ٹریپ لگا ہوا تھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے والا فوری طور پر دنیا سے رخصت ہو جاتا۔ یہ جدید قسم کا بم تھا جو دروازے کے دونوں پٹوں پر چپک گیا تھا اور جب دروازہ کھولنے کی کوشش کی جاتی تو اس کا میکنزم حرکت میں آ جاتا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سماع ہال میں موجود افراد نہ صرف بہت تربیت یافتہ تھے بلکہ وہ جدید قسم کے ہتھیار استعمال کرنے کے ماہر تھے۔ انہوں نے روشنی کے گرینیڈ اور ہینڈ گرینیڈ نہایت مہارت سے استعمال کیے تھے اور اب یہ بوبی ٹریپ تھا۔ گیلری دائیں بائیں عمارت کی پوری لمبائی کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔ اس پر قطاروں میں ویسی ہی کھڑکیاں تھیں اور یہ حصہ درگاہ کے داخلی صحن کی طرف کھلتا تھا۔ میں نے باسو سے دریافت کیا۔

''اب کس طرف جانا ہے؟''

اس نے شانے اچکائے۔ ''تم بتاؤ۔''

گویا اسے ٹینک کے طور پر بھیجا گیا تھا اور اس ٹینک کی کمان اب میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے سوچا اور باسو کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک سمت بڑھا۔ یہ خاصی پیچیدہ سی عمارت تھی اور میں اس کا نقشہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے وسط میں سماع ہال تھا اس کے دائیں بائیں دو سرے حصے تھے۔ ہال دو منزلہ اونچا تھا مگر دوسرے حصے اتنے اونچے نہیں ہوں گے۔ مجموعی طور پر سماع ہال کی عمارت تین منزلہ تھی۔ اس کا اندازہ مجھے کھڑکیوں سے ہوا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا صرف دو افراد اس عمارت کو کلیئر کر سکتے تھے؟ جہاں اب تک سب سے زیادہ مزاحمت سے واسطہ پڑا تھا۔ درجن سے اوپر افراد مارے گئے تھے مگر اب بھی وہاں بہت سے مسلح لوگ موجود تھے۔ سماع ہال کے آخری حصے میں گھومتے ہی ایک کشادہ کھلا لاؤنج ملا۔ یہ عمارت کے آگے اور پیچھے دونوں طرف سے مل رہا تھا مگر یہاں سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور نہ ہی کھڑکیاں تھیں۔ سامنے قطار میں تین کمرے تھے۔

جیسے ہی میں لاؤنج کے سامنے آیا ایک دروازے کی طرف سے ہلکی سی آہٹ ہوئی اور میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا۔ اس طرف سے فائر ہوا تھا مگر میں اس سے پہلے ہی دیوار کی آڑ لے چکا تھا۔ میں نے جوابی فائر کیا اور دروازے کے عقب سے ایک گھٹی ہوئی چیخ سنائی دی اور پھر دھپ سے گرنے کی آواز آئی۔ مگر میں آگے نہیں گیا۔ مجھے لگا کہ آواز میں بناوٹ تھی اور دھپ کی آواز ایسی تھی جیسے کسی نے دیوار پر ہاتھ مارا ہو۔ میں نے باسو کو سامنے آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے مشین گن اوپر کی تھی کہ میں نے اسے روک دیا۔ ''فائر نہیں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اس شخص کو زندہ پکڑنا ہے۔''

اس نے سر ہلایا اور اطمینان سے لاؤنج میں داخل ہو گیا۔ اداکاری کرنے والے نے اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیا اور اس نے باسو پر فائرنگ کی مگر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔ باسو کمرے میں داخل ہوا اور اس بار جو چیخ و پکار سنائی دی اس میں اداکاری کا عنصر شامل نہیں تھا۔ وہ یقیناً باسو کی گرفت میں آ گیا تھا اور برے حال سے گزر رہا تھا۔ باقی دو کمرے چیک کر کے میں وہاں پہنچا تو باسو نے اسے اوندھے منہ زمین پر گرا کر اس کی کمر پر پاؤں رکھا ہوا تھا اور اس کی جامہ تلاشی لے رہا تھا۔ اس سے پہلے اسے قابو کرنے کے لیے وہ اس کا بازو توڑ چکا تھا۔ باسو کے ماتھی نما پاؤں تلے وہ کسمسا بھی نہیں پا رہا تھا اور دبی آواز میں کراہ رہا تھا۔ اپنا کام کر کے باسو نے پاؤں ہٹا لیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے سیدھا ہونے کا حکم دیا۔ مگر اس سے سیدھا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ غالباً باسو کے وزن سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کو بھی نقصان ہوا تھا۔ باسو نے اسے ٹھوکر مار کر سیدھا کیا۔ وہ جوان آدمی تھا صورت سے بدمعاش کے بجائے پڑھا لکھا اور مہذب شخص لگ رہا تھا مگر اس کی اصلیت ایک خودکار رائفل کی صورت میں وہاں موجود تھی۔ میں نیچے جھکا۔

''تم میری آواز سن رہے ہو؟''

جواب میں اس نے ایک بار پھر مکاری سے کام لیا اور یوں پلکیں جھپکانے لگا جیسے اس کا دماغ کام نہیں کر رہا ہو۔ میں گہری سانس لے کر سیدھا ہوا اور باسو سے کہا۔ ''بیکار ہے اسے ختم کر دو۔''

وہ تڑپ کر بولا۔ ''میں..... سن رہا ہوں۔''

''اب آئے ہو نا تم راہِ راست پر۔'' میں نے جھک کر کہا اور باسو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے تم بھگت چکے ہو اگر میں اسے اشارہ کر دوں تو یہ خالی ہاتھوں سے تمہاری ہڈیوں کا سرمہ کر دے گا اور تم سوچ سکتے ہو کہ تمہارا کیا حشر ہوگا۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ وہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

''یہاں کتنے لوگ ہیں۔ میرا اشارہ اس عمارت کی طرف ہے؟''

''میں ٹھیک سے نہیں جانتا.....'' اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ باسو نے اس کے ٹوٹے ہاتھ پر پاؤں رکھ دیا اور وہ ذبح کیے جانے والے بکرے کی طرح بلبلایا۔ دباؤ چند لمحے جاری رہا تو وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا اور میں نے اس کے منہ پر جوتا رکھ دیا۔ چند لمحے بعد باسو نے پاؤں ہٹایا اور میں نے منہ سے جوتا، تو اس نے زار و قطار روتے ہوئے بتایا کہ یہاں اس کے دو درجن ساتھی تھے۔ کچھ اور مشکل مراحل سے گزر کر وہ مزید تعاون پر آمادہ ہوا اور اس نے انکشاف کیا کہ اس کا اور اس کے ساتھیوں کا تعلق ایک کالعدم دہشت گرد قرار دی جانے والی تنظیم سے تھا اور مرشد نے منہ مانگے داموں ان کی خدمات حاصل کی تھیں۔ وہ سب تربیت یافتہ جنگجو تھے اور ان کے پاس فوجی نوعیت کا اسلحہ بھی تھا۔ یہ میں دیکھ چکا تھا کہ وہ یہ اسلحہ مہارت سے استعمال کر رہے تھے۔ ان دو درجن افراد کے علاوہ یہاں مرشد کے کوئی سات آٹھ ساتھی اور تھے۔ وہ سب بھی لڑنے مرنے والے تھے۔ گویا یہاں تیس سے زیادہ افراد تھے۔

مگر اب وہ تیس نہیں تھے۔ کچھ تو پہلے ہی مارے جا چکے تھے یا زخمی تھے اور باسو کے ہاتھوں بھی کم سے کم چھ افراد مارے گئے تھے۔ فرض کر لیا جائے کہ دشمن کی نصف نفری صاف ہو گئی تھی تب بھی آدھے دشمن باقی تھے اور ہمیں ان سے مقابلہ کرنا تھا۔ اب پتا چلا کہ اس جگہ سے اتنی شدید مزاحمت کیوں ہو رہی تھی۔ اس نے خاصا ہولناک انکشاف کیا تھا۔ اب دہشت گرد کرائے کے گوریلوں کا کردار بھی ادا کرنے لگے تھے اور کوئی بھی منہ مانگے معاوضے پر ان کی خدمات حاصل کر سکتا تھا۔ اس میں اپنے پرائے اور دوست دشمن کی تمیز نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر دہشت گرد کارروائیوں میں بھارتی ساختہ اسلحہ اور امریکی ساختہ آلات استعمال ہوتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پیسے کے عوض خودکش حملہ آور بھی مل جاتے ہیں۔ اس کی حالت بہتر ہوئی تھی اور وہ کھڑا ہو سکتا تھا اس لیے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسے باہر کی طرف دھکیلا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ا۔ تم آگے رہو گے اور ہماری رہنمائی کرو گے۔''

''میرے ساتھی مجھے مار دیں گے۔'' اس نے مزاحمت کی۔

''دوسری صورت میں ہم مار دیں گے۔'' میں نے رائفل کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ ''تمہارے پاس فیصلہ کرنے کے لیے صرف تین سیکنڈ ہیں، ایک..... دو.....''

تین کہنے سے پہلے ہی وہ مان گیا تھا۔ میں نے باہر جانے سے قبل اس سے مزید معلومات حاصل کیں۔ پتا چلا کہ سماع ہال کے دوسری طرف سروس ایریا تھا اور وہیں واش رومز بھی تھے۔ دوسری منزل پر رہائشی کمرے تھے اور تیسری منزل بھی کمروں پر مشتمل تھی۔ ان میں سے اکثر رہائش کے لیے مخصوص تھے۔ سب سے زیادہ مزاحمت اسی منزل سے ہو رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ حملہ ہونے کے بعد اس کے اکثر ساتھی اوپر چلے گئے تھے۔ اوپر جانے کا راستہ سروس ایریا سے تھا گویا ہمیں سماع ہال کے دوسری طرف جانا تھا۔ میں اور باسو اسے لے کر روانہ ہوئے۔ باسو گیلری سے گزرتے ہوئے ہمارے آگے ڈھال بنا ہوا تھا۔ جیسے ہی ہم سروس ایریا کے لاؤنج میں داخل ہوئے سیڑھیوں کی طرف سے فائر ہوئے اور گولیاں باسو کے زرہ بکتر پر بے اثر لگیں۔ جواب میں اس کی بھیانک مشین گن نے حملہ آوروں پر قیامت ڈھا دی۔ ان کو بچ کر فرار ہونے کا موقع بھی نہیں ملا تھا اور وہ سیڑھیوں پر ہی مارے گئے۔ ان کی لاشیں دیکھ کر ہمارے قیدی کی حالت خراب ہو گئی۔ اس نے گھگیا کر کہا۔

''خدا کے لیے مجھے مت مارنا۔''

''خدا کے واسطے مت دو۔'' میں نے اسے آگے دھکیلا۔ ''کبھی تم نے بھی کسی کے منہ سے یہ واسطے سنے ہوں گے۔''

وہ بادلِ ناخواستہ لرزتے قدموں سے آگے بڑھا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ صرف اس کی خاطر اس کے ساتھی سیز فائر نہیں کریں گے اور وہ بھی مارا جائے گا۔ اس لیے اس کے ذہن میں فرار کا خیال آیا اور اس پر اس نے بڑے بے ڈھنگے پن سے عمل کیا۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی حرکت کرے گا۔ وہ آگے تھا اور جب سیڑھیاں چڑھ کر وہ گھوم کر اوپر جانے والی جگہ پہنچا جہاں ایک شیشے اور لکڑی کی آرائشی کھڑکی تھی اس نے اچانک چھلانگ لگائی اور فلمی انداز میں کھڑکی توڑ کر باہر نکل گیا۔ عموماً فلموں میں ہیرو کو اسی طرح دشمنوں سے بچتے دکھایا جاتا ہے مگر یہ نہ تو فلم تھی اور نہ وہ ہیرو تھا جب میں نے جھانک کر دیکھا تو وہ ایک منزل نیچے اس طرح گرا تھا کہ کھڑکی کا ایک ٹوٹنے والا شیشہ اس کی گردن میں پیوست ہو گیا اور وہ خرخراتی آوازوں کے درمیان اسے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر جیسے ہی شیشہ اس کی گردن سے نکلا خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔ بہ ظاہر اس کے بچنے کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے افسوس سے سر ہلایا۔

''اوپر چلو۔'' باسو نے آگے جاتے ہوئے کہا۔ اس نے قیدی کے فرار اور اس کی عبرت ناک موت پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ اب ایسا لگ رہا تھا کہ تمام مزاحمت کرنے والے اسی منزل تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ جنگی حکمتِ عملی کے لحاظ سے انہوں نے نہایت احمقانہ حرکت کی تھی۔ اب وہ اس جگہ پھنس گئے تھے اور فرار کے واحد راستے پر ہم موجود تھے۔ باسو آگے تھا اور میں اس کے پیچھے تھا۔ ہم اوپر اسی طرح کے سروس ایریا میں نکلے وہاں واش رومز تھے اور ایک لاؤنج کے ساتھ کچن تھا۔ لاؤنج میں چاندنی پھیلی تھی۔ سامنے کی طرف سے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیلری دوسری سمت میں جا رہی تھی اور سیڑھیاں یہاں سے تیسرے اور آخری فلور کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ میں نے باسو سے کہا۔

''تم گیلری کے دوسری طرف موجود حصہ کلیئر کر کے آؤ جب تک میں یہاں گھات لگائے ہوئے ہوں۔''

وہ سر ہلاتا ہوا اس طرف بڑھ گیا۔ میں نے سیڑھیوں کا جائزہ لیا۔ تاریکی میں وہاں کسی قسم کی سرگرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کچن کی طرف باہر سے کچھ روشنیاں جھلک رہی تھیں۔ اسی جگہ سے درگاہ والی عمارت پر فائرنگ کی جاتی رہی تھی کیونکہ یہاں جوابی فائرنگ کے آثار نمایاں تھے۔ ایک اوپری کینٹ ٹوٹ گئی تھی اور سنک میں گولیوں کے سوراخ تھے۔ سنک کے اوپر لگا نل دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ مجھے شدت کی پیاس لگی ہوئی تھی۔ میں نے جھک کر نل سے پانی پیا اور کچھ اپنے چہرے پر ڈالا تھا۔ اس جگہ کی بجلی بند ہونے سے یہاں شدید حبس اور گھٹن ہو گئی تھی۔ منہ پر ٹھنڈا پانی پڑا تو سکون ملا تھا۔ اسی لمحے گیلری کے دوسری طرف سے باسو کی مشین گن گرجی تھی۔ یقیناً اسے وہاں اپنے شکار مل گئے تھے۔

اوپر والوں نے بھی یہ آواز سن لی تھی کیونکہ ان کی طرف سے ردِعمل ہوا تھا اور کوئی چیز اوپر سے گری اور لاؤنج میں آ کر ہلکی سی آواز سے پھٹ گئی اس سے دھواں اور گیس خارج ہو رہی تھی۔ میں سانس روک کر اس کی طرف لپکا اور اسے اٹھا کر کچن کی ٹوٹی کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔ مجھے گیس بم اٹھا کر باہر پھینکنے میں بہ مشکل بیس سیکنڈ لگے ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود لاؤنج میں کچھ گیس جمع ہو گئی تھی۔ یہ آنسو گیس تھی، یہ سانس کے ساتھ آنکھوں پر بھی اثر کرتی تھی۔ میں نے اپنی شرٹ کا دامن پھاڑ کر اسے پانی سے تر کیا اور اسے منہ پر رکھ کر پھر سانس لی تھی۔ گیس کے اخراج کے لیے میں نے لاتوں سے مار کر عقبی دو کھڑکیاں توڑ دی تھیں۔ دشمن کا یہ حربہ بھی ناکام رہا تھا۔

ایسا لگ رہا تھا کہ اب اوپر زیادہ لوگ نہیں رہے تھے اور اسی وجہ سے وہ دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ مرشد نے انہیں اپنی حفاظت کے لیے بلایا تھا مگر اس وقت ان کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے مرشد کا خیال کہاں سے آتا۔ مجھے خیال آیا کہ انہیں یہیں چھوڑ کر روانہ ہو جانا چاہیے، شاید وہ ہمارے پیچھے آنے اور اس معرکے میں مزید حصہ لینے سے گریز کرتے۔ مگر مجھے معلوم تھا باسو ہر صورت فاضلی کے حکم کی تعمیل کرے گا اور یہاں موجود آخری فرد کے خاتمے تک واپسی کا نام بھی نہیں لے گا۔ اوپر والے اتنی آسانی سے فوت ہونے پر آمادہ نہ ہوتے اور اپنی جان بچانے کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کرتے۔ ایک منٹ بعد باسو گیلری کی طرف سے نمودار ہوا اور ماحول کو کسی قدر وضع دار دیکھ کر اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

''اوپر والوں نے گیس کا بم مارا وہ میں نے باہر پھینک دیا۔''

وہ آرام سے سانس لے رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ اس کا ہیلمٹ گیس ماسک بھی تھا۔ یہ خاصی حیرت انگیز چیز تھی شاید مستقبل کی جنگوں کے لیے تھی جسے اس طرح ٹیسٹ کیا جا رہا تھا۔ باسو سیڑھیوں کی طرف بڑھا مگر جھٹکے سے پیچھے آیا کیونکہ اس بار اوپر سے ہینڈ گرینیڈ آ کر گرا تھا۔ میں تو خیر فوراً کچن کی آڑ میں ہو گیا تھا مگر باسو نے بھی حیرت انگیز تیزی سے ایک ستون کی آڑ لی تھی۔ اگرچہ ستون اس کے دیو ہیکل جسم کو پوری طرح چھپانے سے قاصر تھا مگر پھر بھی خاصی بچت ہو گئی۔ دھماکے نے سیڑھیوں کے آس پاس کی جگہ تباہ کر دی تھی اور وہاں موجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرنیچر اور فرش پر بچھی چاندنی نے آگ پکڑ لی تھی۔ یہ آگ سرعت سے پھیل رہی تھی۔ جب میں نے کچن سے جھانک کر دیکھا تو باسو سیڑھیوں کے پاس کھڑا تھا اور وہ ہاتھ اوپر کر کے سیڑھیوں کے اوپری حصے میں کچھ رکھ رہا تھا۔ یہ کام کرتے ہی وہ تیزی سے واپس ستون کی آڑ میں آیا اور اس کا انداز دیکھ کر میں بھی واپس کچن میں روپوش ہو گیا۔

اس بار دھماکے نے سیڑھیاں تباہ کر دی تھیں۔ اب اوپر والے نیچے نہیں آ سکتے تھے اور نیچے والے اوپر نہیں جا سکتے تھے۔ مگر میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ باسو کیا کر رہا تھا۔ دھماکہ ہوتے ہی وہ تیزی سے کچن میں آیا اور اس نے اپنی جناتی قوت سے گیس کے فولادی پائپ توڑ دیئے اور ان سے تیزی کے ساتھ گیس خارج ہونے لگی۔ اب میں سمجھ گیا تھا اور باسو سے پہلے نیچے کی طرف لپکا۔ باسو بھی پیچھے آیا تھا جب ہم نچلی منزل تک پہنچے تو اوپر دھماکہ سنائی دیا تھا گیس نے آگ پکڑ لی تھی اور شعلوں کی لپٹ نیچے تک آئی تھی۔ یہاں بھی باسو نے نچلے کچن میں گیس آزاد کرنے کی کارروائی کی۔ اوپر سے آگ بھڑکنے کی آوازوں کے ساتھ کچھ لوگوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں تھیں۔ باسو نے گیس بھرنے کا انتظار کیا اور پھر ایک گرینیڈ پن نکال کر کچن میں رکھا اور ہم ایک کھڑکی توڑ کر اگلے صحن میں باہر نکل آئے تھے اور دیوار کے ساتھ دبک گئے اور گرینیڈ کے دھماکے کو گیس کی موجودگی نے کئی گنا بڑھا دیا تھا۔

اس طرف سے دیوار کا ایک حصہ گر گیا تھا اور اندر آگ بھڑک رہی تھی۔ دھماکہ ہوتے ہی باسو دیوار سے ہٹ گیا اور اس کا منہ اوپر کی طرف تھا۔ اس نے مشین گن چھوڑ کر پستول نکال لیا تھا۔ پھر اس نے اچانک یکے بعد دیگرے کئی فائر کیے اور دو افراد اوپر سے پکے آم کی طرح نیچے گرے تھے انہیں گولیاں لگی تھیں اور رہی سہی کسر گرنے سے پوری ہو گئی۔ سیڑھیاں تباہ ہونے سے اب اوپر چڑھنے والے براہ راست اترنے کی کوشش کر رہے تھے اور باسو اسی لیے اس طرف نکلا تھا۔ وہ پوری طرح پُرعزم تھا کہ ایک آدمی بھی بچ کر نہ جانے پائے۔ اسے معلوم تھا کہ سیڑھیاں تباہ ہونے اور آگ پھیلنے کے بعد اوپر والے کھلی چھت سے نیچے اترنے کی کوشش کریں گے اور وہ ان کے استقبال کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ دو افراد کے مارے جانے کے بعد اوپر سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی تھی مگر میں چھجے تلے اور باسو اپنی زرہ بکتر میں محفوظ تھا۔ اس نے پھر پستول سے جوابی کارروائی کی اور بولا۔

''وہ عمارت کی چھت پر ہیں ان کو نشانہ بناؤ۔''

پہلے میں سمجھا کہ شاید وہ مجھ سے مخاطب ہے لیکن جلد مجھے احساس ہوا کہ وہ ریڈیو پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ شاید اس نے درگاہ میں موجود افراد سے کہا تھا کیونکہ فوراً ہی درگاہ کی چھت سے جوابی کارروائی شروع ہوئی اور دونوں طرف سے جواب دیا جانے لگا تھا۔ سماع ہال کی عمارت کسی قدر نیچی تھی مگر اس کے اوپر باؤنڈری وال تھی اس لیے مزاحمت کرنے والے بالکل ہی کھلی جگہ نہیں تھے۔ وہ دیوار کی آڑ میں بچ سکتے تھے مگر اب وہ نیچے اترنے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔ سامنے درگاہ کی عمارت پر ملنگ اینڈ کمپنی موجود تھی اور یہاں باسو موت کے فرشتے کے نمائندے کی حیثیت سے اُن کے استقبال کو بالکل تیار تھا۔ سماع ہال کی عمارت میں لکڑی کا کام بہت زیادہ تھا اور اس لیے وہاں آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ ابتدائی ہدایت کے بعد باسو پھر غرایا۔

''کوئی کسی طرف سے بچ کر نہ جانے پائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عقب میں ہم موجود تھے۔ عمارت کے دائیں بائیں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ صرف آگے اور پیچھے سے نکلا جا سکتا تھا۔ سامنے درگاہ کی عمارت تھی اور بہ ظاہر اوپر موجود افراد کے لیے بچ نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں میری اتنی ضرورت نہیں تھی اس لیے میں دیوار سے لگے لگے مرشد کی رہائشی کوٹھی والے حصے کی طرف بڑھا۔ فی الحال اوپر سے خطرہ نہیں تھا مگر میں نے کھلی جگہ آنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس وقت میں مشن سے زیادہ ذاتی حفاظت کو ترجیح دے رہا تھا۔ میں نے عمارت کے کونے سے جھانکا تو اس طرف تاریکی میں کئی افراد دکھائی دیئے وہ مورچہ بند تھے اور کوٹھی کے احاطے سے کی جانے والی فائرنگ کا جواب دے رہے تھے۔ مورچہ بند افراد فاضلی کے تھے اور یقیناً ان میں فاضلی بھی موجود تھا۔ اتفاق سے وہ سب میرے نشانے پر تھے اور مجھے خیال آیا کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ ان میں سے فاضلی کون ہے تو میں اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا مگر نائٹ ویژن صرف دکھا رہی تھی چیزوں اور انسانوں کو، بہت واضح نہیں کر رہی تھی۔

فاضلی کا دعویٰ تھا کہ اس نے مرشد کے فرار کا یا باہر سے اس کے لیے مدد آنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا مگر میں سوچ رہا تھا یہاں جس قسم کا تباہ کن اور شور شرابے والا اسلحہ استعمال ہوا تھا کیا یہ ممکن تھا کہ پولیس اور انتظامیہ کان بند کر کے پڑی رہتی۔ اس وقت ایک بج رہا تھا اور کارروائی شروع ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا تھا۔ یہ وقت اسلام آباد سے پولیس کی آمد کے لیے کافی تھا۔ مگر فی الحال ایسے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ یہاں پولیس آنے والی تھی۔ سماع ہال کی عمارت میں آگ اتنی سرعت سے پھیل رہی تھی کہ اب اس کے شعلے اور تپش کھڑکیوں سے باہر آنے لگی تھی۔ میں نے ذرا پیچھے ہٹ کر اوپری منزل کا جائزہ لیا تو وہاں صورت حال زیادہ ابتر دکھائی دی۔ شعلے تقریباً تمام کھڑکیوں سے لپٹے ہوئے تھے کیونکہ یہ سب لکڑی کے کام والی کھڑکیاں تھیں۔ میں فکر مند ہو گیا کیونکہ معاملات اس طرف جا رہے تھے کہ حکومتی اداروں کی طرف سے مداخلت لازمی تھی۔ شعلوں کے ساتھ دھواں بھی اٹھ رہا تھا اور یہ خاصی دور سے نظر آتا۔

کوٹھی کے گارڈز اور فاضلی کے آدمیوں کے درمیان فی الحال ہلکی پھلکی چل رہی تھی۔ باسو نے فائرز کیے تو میں چونکا۔ اس نے نیچے آنے کی کوشش کرنے والے ایک اور آدمی کو مار گرایا تھا۔ پھر عمارت کے دوسری طرف سے ایک چیخ سنائی اور کوئی دھپ کی خوفناک آواز سے نیچے گرا تھا اس نے غالباً آگ سے گھبرا کر چھلانگ لگا دی تھی اوپری منزل سے زمین تک کا فاصلہ کم سے کم پینتالیس فٹ تھا اور اگر گرنے والا بچ بھی گیا تھا تو یقیناً اس کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ باسو ملنگ اینڈ پارٹی سے رابطے میں بھی تھا۔ اس نے سر ہلایا اور میری طرف آیا۔ ''اوپر کوئی باقی نہیں رہا ہے۔''

''ممکن ہے کوئی ہو اور چھپ گیا ہو؟''

''تب وہ جل کر مرے گا۔'' باسو نے کہا اور مرشد کی کوٹھی کے احاطے کی طرف بڑھا۔ اس طرف بڑا سا خالی میدان تھا اس میں شاید رش کے دنوں میں گاڑیاں پارک کی جاتی تھیں۔ مشن کا آخری مرحلہ شروع ہونے والا تھا یعنی مرشد کی کوٹھی تک رسائی حاصل کرنا اور بالآخر اسے قابو یا دنیا سے رخصت کرنا۔ میں اس مرحلے میں شامل ہونا چاہتا تھا مگر جب میں نے باسو کے ساتھ جانا چاہا تو اس نے مجھے روک دیا۔ ''تم پیچھے سے درگاہ کی طرف جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں؟''

''فاضلی کا حکم ہے۔'' وہ غرایا۔ ''تم وہاں رک کر اگلے حکم کا انتظار کرو گے۔''

باسو کا انداز بتا رہا تھا کہ مجھے اس کے کہنے پر عمل کرنا ہی تھا۔ وہ مجھے گھور رہا تھا۔ میں زیرِلب فاضلی کو بے نقط سناتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا۔ غالباً فاضلی نہیں چاہتا تھا کہ میں مسلح حالت میں اس کے پاس آؤں۔

○.....❖.....○

میں سماع ہال کی عمارت کے دوسری طرف پہنچا جہاں اوپر سے چھلانگ لگانے والا جانکنی کی کیفیت میں دم توڑ رہا تھا۔ اس کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور منہ ناک سے خون جاری تھا۔ اس کی گن اس کے برابر میں پڑی تھی مجھے دیکھ کر اس نے سسکتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے منہ سے سوائے خون کے بلبلوں کے اور کچھ نہیں نکلا تھا۔ اس کے باوجود وہ کچھ کہنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی حالت بہت عبرتناک تھی۔ مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ جب وہ بول نہیں پایا تو اس نے اشارے سے مجھے پاس آنے کو کہا۔ میں اس کی طرف جھکا تو مجھے اندازہ ہوا وہ کہہ رہا ہے۔ ''مجھے مار دو۔''

وہ بہت اذیت میں تھا اور اس سے چھٹکارا چاہتا تھا میں نے کہا۔ ''معاف کرنا میں صرف اسے مارتا ہوں جو مجھے مارنے کی کوشش کرتا ہے ہاں تمہارے لیے یہ کر سکتا ہوں۔''

میں نے کہتے ہوئے اس کے سر پر رائفل کا دستہ مارا اور وہ ساکت ہو گیا۔ اللہ جانے بے ہوش ہوا تھا یا دنیا سے گزر گیا تھا۔ مگر اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا اب وہ اذیت میں نہیں تھا۔ وہ بچتا نہیں لگ رہا تھا اور اچھا تھا کہ بے ہوشی میں دنیا سے رخصت ہو جاتا۔ مزید اذیت سے بچ جاتا۔ میں نے عمارت کے اوپری حصے کی طرف دیکھا۔ اب شعلے اس طرف بھی پہنچ گئے تھے۔ اوپر موجود کسی فرد کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ درگاہ کے اس طرف گھنے درختوں کے جھنڈ تھے۔ بہ ظاہر یہ جگہ ایسے ہی چھوڑ دی گئی تھی۔ اس پر برگد، پیپل اور نیم کے بڑے درخت اُگ آئے تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ یہ درخت درگاہ بننے سے پہلے سے یہاں موجود ہوں اور کیونکہ اس جگہ کی ضرورت نہیں تھی اس لیے ان درختوں کو چھیڑا نہیں گیا تھا۔ درختوں کے پاس درگاہ کی بلند چار دیواری تھی۔ یہ چار دیواری تقریباً بارہ فٹ اونچی تھی اور اس پر اندر باہر اس طرح سے خاردار باڑ لگائی تھی کہ اسے عبور کرنا آسان کام نہیں تھا۔

میں سماع ہال کے کونے تک پہنچا اور جھانک کر درگاہ کی عمارت کی طرف دیکھا تو مجھے ملنگ کے دو ساتھی سامنے نظر آئے تھے وہ بھی آس پاس کا جائزہ لے رہے تھے اور جس طرح بے فکری سے کھلی جگہ پر کھڑے تھے ایسا لگ رہا تھا کہ سماع ہال کی طرف سے مزاحمت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ وہ سگریٹ پی رہے تھے اور آپس میں گپ شپ کر رہے تھے۔ میں نے آگے بڑھنے سے پہلے انہیں آواز دے کر اپنے بارے میں بتایا ورنہ کوئی بھروسا نہیں تھا وہ بھڑک کر مجھ پر فائر کھول دیتے۔ خبردار کرکے میں ان کے پاس پہنچا اور ملنگ کے بارے میں پوچھا۔ ان میں سے ایک نے سر ہلایا۔ ''اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

میرا ماتھا ٹھنکا۔ ''کیا ہوا وہ زخمی ہے؟''

دوسرے نے بھی گھڑے جیسا سر ہلایا۔ ''پیٹ میں دو گولیاں لگی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پیٹ میں کیسے لگ گئیں اس نے بلٹ پروف پہنا ہوا تھا؟''

اس پر پہلے نے ذرا کھل کر بتایا کہ گولیاں کہاں لگی تھیں اور اگر ملنگ بچ گیا تو کن امور کے قابل نہیں رہے گا۔ میں نے لاحول پڑھی۔ ''تم لوگوں کو اس وقت بھی یہی سوجھ رہی ہے۔ اس کی جان بچانے کے لیے کچھ کیا ہے؟''

''اِدھر ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا تو میں اس سے سر کھپانے کے بجائے اندر آیا جہاں ملنگ تقریباً بے ہوشی کی حالت میں مرشد کے باپ اور دادا کے مزار شریف کے پاس پڑا ہوا تھا۔ گولیاں واقعی نازک جگہ لگی تھیں اور انہوں نے اعضا کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔ خون روانی سے بہہ رہا تھا اور اس کے بے حس ساتھیوں نے خون روکنے کے لیے کچھ نہیں کیا تھا جب کہ ان کے پاس بیک پیک میں مرہم پٹی کا سامان بھی تھا۔ خود ملنگ کی پشت پر بندھے بیگ میں بھی موجود تھا۔ اس مہم سے پہلے انہیں اس بارے میں بتایا تھا۔ میں نے اس کا بیگ اتارا اور اس میں سے خون جذب کرنے والے پیڈز نکال کر ملنگ کے زخم پر رکھے اور ایک آدمی سے کہا۔

''اسے پکڑ کر رکھو۔''

اس نے بادلِ ناخواستہ پیڈ دبایا تو میں نے اوپر سے ٹیپ لپیٹ دیا۔ زخم کو چھونے پر ملنگ بلبلا کر ہوش میں آ گیا تھا میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہارے پاس خون روکنے والا انجکشن ہے جیسا کہ باسو کے پاس ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے نحیف لہجے میں کہا۔ ''میرے پاس ایسا کوئی انجکشن نہیں ہے۔''

''تم فاضلی سے رابطہ کر کے اس سے کہو کہ تمہیں وہ انجکشن بھیج دے۔ خون اسی طرح بہتا رہا تو تم مر جاؤ گے۔''

ملنگ کے چہرے پر دہشت نظر آنے لگی۔ اس نے کانپتے ہاتھ سے اپنے بالوں میں چھپے مائیک پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ ''میں زخمی ہو گیا ہوں گولیاں..... لگی ہیں جی خون بہت بہہ رہا ہے۔''

''ایک منٹ مجھے بات کرنے دو۔'' میں نے کہا تو ملنگ نے ریڈیو کا ہیڈ سیٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اصل ریڈیو اس کے لباس میں چھپا ہوا تھا میں نے فاضلی سے کہا۔ ''اس کے لیے خون روکنے والا انجکشن بھیج دو باسو کے پاس ہے۔''

''وہ صرف باسو کے لیے ہے۔'' فاضلی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''کسی اور کو نہیں مل سکتا۔''

''یہ تمہارا آدمی ہے اور اگر اس کا زیادہ خون بہہ گیا تو.....''

''تو یہ مر جائے گا۔'' فاضلی نے میری بات کاٹ کر استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''آدمی میرا ہے اور فکر تمہیں ہو رہی ہے۔''

''ابھی تمہارا مشن پورا نہیں ہوا ہے اور تمہیں آدمیوں کی ضرورت ہے۔''

''اگر یہ بچ بھی گیا تب بھی بیکار ہے مزید کچھ نہیں کر سکے گا اس لیے اسے چھوڑ دو۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' میں نے مائیک نیچے پٹخ دیا۔ ملنگ نے میری یکطرفہ گفتگو سے سمجھ لیا تھا کہ فاضلی نے کیا جواب دیا ہے۔ اس نے پھیکی سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی بات نہیں اسی بات کا تو معاوضہ دیا ہے اس نے۔''

''تمہارے گھر والوں کو چند لاکھ مل جائیں گے اور تم یہاں خون بہنے سے مر جاؤ گے۔''

ملنگ کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ میں گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں ان معاملات میں غیر ضروری طور پر گھس رہا تھا جب کہ مجھے اپنی گلو خلاصی پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے تھی میں نے وہاں موجود افراد سے پوچھا۔''اب انچارج کون ہے۔''

اس پر وہ ہنسا جس نے قید خانے سے نکلنے کے بعد میرا پوچھا تھا۔''انچارج پوچھتا ہے کہ انچارج کون ہے؟''

''بکومت۔''میں نے بدمزگی سے کہا۔''میں نام نہاد انچارج ہوں پہلے یہ ملنگ تھا اب کون ہے؟''

میرے لہجے پر اس کی آنکھوں میں چمک آئی تھی اور اس نے کاٹ دار انداز میں کہا۔''مجھے سمجھ لو۔''

''اچھا تو انچارج صاحب اب ہمیں کیا کرنا ہے؟''

''باس کے حکم کا انتظار۔''اس نے جواب دیا۔

''یہاں کتنے آدمی بچے ہیں؟''

یہاں آنے والے سترہ افراد میں سے چھ مارے جا چکے تھے اور ملنگ سمیت تین شدید زخمی تھے یعنی وہ کسی کام کے نہیں رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ لڑنے کے قابل مجھ سمیت نو افراد بچے تھے۔ مگر دوسری طرف مخالف پارٹی میں سے کوئی نہیں بچا تھا۔ پرانا سماع ہال، درگاہ کی عمارت اور نیا سماع ہال تینوں کلیئر ہو چکے تھے۔ اب صرف مرشد کی کوٹھی رہ گئی تھی۔ فاضلی کے ساتھ اب بھی ایک درجن مسلح افراد تھے اور وہ سب محفوظ تھے کیونکہ انہوں نے مار دھاڑ کی کارروائی میں بہت احتیاط سے حصہ لیا تھا۔ سب سے آگے میرا گروپ تھا اس لیے نقصان بھی زیادہ اسی کا ہوا تھا۔ شاید اسی لیے اسے آگے رکھا گیا تھا۔

پھر فاضلی کے پاس باسو جیسا خطرناک آدمی تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کا اصل دستہ وہی تھا اور یہ کرائے کے گوریلے تھے۔ ان کے جینے مرنے سے اُسے خاص فرق نہیں پڑتا ہاں ان کی طرف سے ذمے داری پوری کرنا لازمی تھا۔ مجھے ان کے ساتھ لگانے کا مقصد یہی تھا کہ میں اپنا تجربہ کام میں لاؤں اور ان کی مدد کروں۔ اس کے باوجود فاضلی نے مجھے نام نہاد انچارج بنایا تھا۔ میرے معاملے میں وہ ذرا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔ وہ مجھے ایسی کوئی رعایت نہیں دے رہا تھا جو بعد میں خود اس کے گلے پڑ جائے۔ نئے انچارج کا نام گل جی تھا۔ مجھے اس گل جی کو دیکھ کر افسوس ہوا جو مصور گل جی کے بالکل برعکس تھا۔ قدرت نے اسے معصوم پیدا کیا ہو گا مگر اس نے اپنے کرتوت سے اپنے نقش و نگار خود بنا لیے تھے۔ اس نے بتایا کہ ان تینوں مقامات پر دشمن کے کم سے ساٹھ آدمی مارے گئے تھے۔

گویا دو گھنٹے سے بھی کم وقت میں ستر کے قریب افراد اپنی جان ہار چکے تھے۔ مگر فاضلی اور مرشد جیسے لوگوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ ساری دنیا کے انسانوں کے مرنے سے بھی مطمئن ہو سکتے تھے بشرطیکہ ان کی جان کو خطرہ نہ ہو۔ لیکن اس جنگ میں جو اس وقت یہاں جاری تھی۔ مرشد اور فاضلی میں سے کسی ایک ہی کو زندہ رہنا تھا۔ زیادہ امکان یہی تھا اور حالات بتا رہے تھے کہ موت کا گھیرا مرشد کے گرد تنگ ہو رہا تھا۔ اب تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے والا جانی نقصان تقریباً تمام ہی مرشد کے آدمیوں کا ہوا تھا۔ درگاہ کی تین اہم ترین عمارتوں پر فاضلی کا قبضہ ہوگیا تھا یا پھر وہ مرشد کے قبضے میں نہیں رہی تھیں۔ اچانک مجھے ان عورتوں کا خیال آیا جو درگاہ والی عمارت کے تہہ خانے میں تھیں۔ میں نے گل جی سے پوچھا۔ ''ان کا کیا ہوا؟''

''وہی جو دوسرے لوگوں کا ہوا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

میرا خون کھنچ کر سر میں آ گیا تھا اور میں نے غرا کر پوچھا۔ ''کیوں؟ وہ عام عورتیں تھیں اور اس جگہ قید تھیں، پھر انہیں کیوں مارا؟''

''اوہ سر جی، میں نے کب کہا کہ انہیں مار دیا ہے۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''ہوسکتا ہے کوئی تہہ خانے کی طرف گیا ہو اور انہیں مار دیا ہو۔''

''اگر انہیں مار دیا گیا ہوا تو یہ مارنے والے کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور تہہ خانے کی طرف بڑھا وہاں مرشد کے ان تین آدمیوں کی لاشیں موجود تھیں۔ جسے میں نے بے ہوش کیا تھا اس کے سر میں بھی کسی نے سوراخ کر دیا تھا۔ مگر مجھے فکر ان عورتوں کی تھی۔ تہہ خانے میں یو پی ایس کام کر رہا تھا اور یہاں روشنی تھی۔ تلاش کرتا ہوا میں ایک راہداری کے آخری حصے میں پہنچا جہاں ایک چھوٹی سی کوٹھری کا دروازہ تھا اور وہاں نو عورتیں ایک دوسرے سے چمٹ کر بیٹھی تھیں۔ خوف اور گرمی سے وہ پسینے میں نہائی ہوئی لیکن زندہ تھیں۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا مگر مجھے دیکھ کر ان کی ہلکی پھلکی چیخیں نکل گئی تھیں۔ میرا حلیہ ہی ایسا ہو رہا تھا سر سے پاؤں تک زخموں اور لہو میں ڈوبا ہوا تھا جگہ جگہ جلنے اور کٹنے کے نشانات تھے۔ چہرہ بھی ان سے خالی نہیں تھا اس لیے میں عورتوں کو بھیانک لگا تھا مگر روشنا نے مجھے شناخت کر لیا اس نے دبی آواز میں رونے والی عورتوں کو خاموش کرایا۔ ''چپ..... چپ یہ اچھا آدمی ہے اسی نے مجھے یہاں بھیجا تھا۔''

''تم لوگ یہیں رہو اور کوٹھری کا دروازہ اندر سے بند کر لو۔'' میں نے کہا۔ ''ابھی اوپر مار دھاڑ چل رہی ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہو۔ اپنی جان بچانے کے لیے تمہیں خود کوشش کرنا ہوگی۔''

''ہم ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتے۔'' ایک ادھیڑ عمر عورت بولی۔ ویسے وہ سب ہی معمولی صورت کی اور عمر رسیدہ عورتیں تھیں تبھی ان کو یہاں یہ کام سونپے گئے تھے ورنہ شاید وہ بھی مرشد اور اس کے گرگوں کی دل بستگی کا سامان بنی ہوتیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ جوانی میں وہ اس مرحلے سے گزر چکی ہوں اور اب بیکار ہوگئی تھیں۔ اس لیے کباڑ کی طرح یہاں تہہ خانے میں ڈال دی گئی تھیں۔ جب وہ یہاں آئی یا لائی گئی ہوں گی تو ان کے خاندان گھر بار ہوں گے مگر اب ان کا کوئی تھا بھی تو اس نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا ہوگا۔ وہ زندگی کے آخری سانس تک یہاں رہنے پر مجبور تھیں۔ ان میں صرف روشنا جوان اور خوب صورت تھی اور اس کا تعلق یہاں سے نہیں تھا۔ باقی عورتوں کی نسبت حوصلہ مند بھی تھی۔ حوصلے والی نہ ہوتی تو اتنا خطرہ مول لے کر یہاں تک کیسے آتی؟ اس نے مجھے بتایا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے یہاں دو آدمی آئے تھے تو میں چھپ گئی تھی۔ وہ ان عورتوں کو دیکھ کر چلے گئے۔''

''ہاں ہمیں کچھ اقرار دیا تھا۔'' اسی ادھیڑ عمر عورت نے تلخی سے کہا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' روشنا بولی۔ ''وہ پھر آئیں اور مجھے یہاں دیکھ لیا تو.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا مگر مکمل خدشہ اس کے لہجے میں موجود تھا۔ میں نے اسے تسلی دی۔

''اب کوئی نہیں آئے گا وہ سب اوپر مصروف ہیں۔''

روشنا آگے آئی۔ ''تم اچھے آدمی ہو مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ جب تک میں یہاں سے نکل نہ جاؤں۔''

''تم میرا حلیہ دیکھ رہی ہو۔ موت کتنی ہی بار میرے پاس سے گزری ہے اور آگے بھی گزرتی رہے گی۔ میرے ساتھ رہنے والے اکثر لوگ مارے جاتے ہیں۔ تم یہیں رہو اور تمہیں ڈر کس بات کا ہے؟'' آخری جملہ میں نے بے ساختہ کہا تھا حالانکہ میرا وہ مقصد نہیں تھا مگر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اس نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

''ہاں مجھے کس بات کو ڈر ہے، میرے پاس کھونے کو ہے ہی کیا؟''

''معاف کرنا میرا یہ مقصد نہیں تھا اور نہ ہی یہ وقت جذباتی ہونے کا ہے، صرف اپنی جان بچانے کا سوچو۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''دروازہ اندر سے بند کرلو۔''

میں کوٹھری سے نکلا اور کچن کے پاس سے گزرتے ہوئے مجھے وہاں بڑے سائز کے کئی فریج دکھائی دیئے میں نے ایک چھوٹے فریج کا دروازہ کھولا تو اس میں منرل واٹر اور سوفٹ ڈرنکس سے زیادہ ہاٹ ڈرنکس بھری ہوئی تھیں۔ میں نے لاحول پڑھی اور تلاش کے بعد ایک سوفٹ ڈرنک ٹن مل گیا اور میں نے اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ اتنی قتل و غارت گری کرنے اور دیکھنے کے بعد دماغ گرم ہونا لازمی تھا اور مجھے کسی یخ بستہ مشروب کی ضرورت تھی۔ اس ٹن نے مجھے کسی قدر ٹھنڈا کر دیا تھا۔ سیڑھیوں کی طرف سے آہٹ ہوئی اور گل جی دو آدمیوں کے ساتھ نمودار ہوا۔ اس نے طنزیہ نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ''کیا بات ہے سر جی تم تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔''

''اوپر کیا پوزیشن ہے؟'' میں نے اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔ اس نے شانے اچکائے۔

''کوئی پوزیشن نہیں ہے سر جی۔''

وہ عام قسم کے مجرم تھے جو معمولی ذہنی سطح کے حامل تھے اور جانوروں کی طرح ری ایکٹ کرتے تھے۔ وہ کسی سچویشن میں اپنی ذہانت استعمال کرنے کے قابل نہیں تھے۔ میں نے دیکھا کہ مار دھاڑ بند ہونے کے بعد وہ لاپروائی سے بکھرے ہوئے تھے اور ان کی چوکسی ختم ہو گئی تھی ایسے میں اگر اچانک کسی طرف سے مرشد کے آدمی آجاتے تو انہیں اپنا دفاع کرنے میں بھی کچھ وقت لگتا۔ میں نے ان سے کہا۔ ''تم نیچے کیوں آئے ہو، ابھی لڑائی ختم نہیں ہوئی ہے۔''

''ہمارے لیے تو ختم ہو گئی ہے۔'' گل جی نے کہا۔ ''نیچے اس لیے آئے ہیں کہ ذرا موج مستی کر لیں۔''

''موج مستی بعد میں کر لینا اگر بچ گئے تو۔'' میں نے طنز کیا۔ ''تمہارے گرو نے تمہیں مرنے کے لیے کرائے پر لیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' میں نے اوپر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے کہا نا ہم ذرا موج مستی کرنے آئے ہیں آپ جاؤ ہم آتے ہیں۔'' گل جی نے ٹھہرے لہجے میں کہا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ وہ یقیناً عورتوں کے چکر میں نیچے آئے تھے۔ وہ اسی درگاہ میں رہتے تھے اور انہیں یہاں موجود عورتوں کے بارے میں علم تھا۔ گل جی میری طرف متوقع نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے خیال ہو کہ میں اسے منع کروں گا اور پھر اس سے الجھوں گا مگر میں نے سر ہلایا اور خاموشی سے اوپر کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے فی الحال نہ الجھنے والی حکمت عملی اپنائی تھی۔ اب دشمن توقع کر رہا ہو تو اس سے محاذ آرائی سے گریز کرنا چاہیے۔ وار اس وقت کرو جب وہ اس کی توقع نہ کر رہا ہو۔ میں پہلے اوپر والوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو گل جی کے تقریباً سارے آدمی درگاہ والے ہال میں آ چکے تھے۔ ان کی تعداد چار تھی۔ میں نے انہیں گھورا۔

''تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''تو کیا کریں؟ کرنے کو کچھ ہے ہی نہیں۔'' ایک کسمسا کر بولا۔

''ابھی یہاں مرشد کے آدمی موجود ہیں۔ تم میں سے ایک سامنے رہے اور دو پیچھے جائیں ایک اسی جگہ رہے گا۔'' میں نے ان کو بہ ظاہر کام بانٹا لیکن درحقیقت انہیں ہانٹ دیا تھا۔ وہ جانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ موج مستی میں اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے مگر میں نے انہیں یقین دلایا کہ جب ان کی باری آئے گی تو انہیں اجازت ملے گی اور تب تک کے لیے وہ باہر رہیں۔ بادل ناخواستہ وہ حرکت میں آئے اور باہر نکل گئے۔ میں نے ملنگ کا معائنہ کیا وہ بے ہوش ہو گیا تھا مگر فی الحال اس کی زندگی کو خطرہ نہیں تھا خون بھی رک گیا تھا۔ اگر وہ بچ جاتا تو اسے آنے والی زندگی میں خاصی محرومیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اب ہال میں میرے ساتھ صرف ایک آدمی رہ گیا تھا۔ بہ ظاہر وہ نہل رہا تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہو۔ شاید گل جی نے اسے کوئی ہدایت کی تھی۔ میں سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا کہ اس نے عقب سے کہا۔

''آپ کہاں جا رہے ہو؟''

میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور سخت لہجے میں بولا۔ ''انچارج میں ہوں یا تم، جو مجھ سے سوال کر رہے ہو؟''

''وہ میں یہاں اکیلا رہ جاؤں گا۔''

''تو تمہیں کوئی کھا نہیں جائے گا تمہارے تین ساتھی یہیں موجود ہیں۔'' میں نے کہا اور سیڑھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے رائفل تھام لی اگرچہ اس کی نال نیچے کی طرف تھی مگر اس کے ہاتھوں کا تناؤ بتا رہا تھا کہ وہ اسے استعمال کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ میں کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور میں نے سیڑھی پر پہلا قدم رکھا تھا کہ اس نے کہا۔

''آپ نیچے نہیں جا سکتے جی۔''

میں نے مصنوعی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا مطلب؟ کیوں نہیں جا سکتا؟''

''گل جی نے کہا ہے کہ آپ یہاں ہمارے ساتھ رہیں گے۔''

''اوہ اچھا یہ گل جی کا حکم ہے۔'' میں نے نارمل انداز میں کہا اور پلٹ کر واپس آ گیا۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور رائفل پر اس کے ہاتھوں کی گرفت نرم پڑ گئی تھی۔ میرے رویے سے وہ دھوکا کھا گیا۔ میں نے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے ہی اچانک اس کی گردن پر سامنے سے ہاتھ مارا۔ اس کی سانس رک گئی تھی اور ضرب نے اسے مفلوج کر دیا تھا۔ اس سے پہلے وہ کسی قابل ہوتا میں نے رائفل کا دستہ اس کے سر پر رسید کیا اور اس کے گرتے ہی اسے کھینچ کر مزار کے احاطے میں ڈال دیا جہاں وہ اپنے ساتھیوں کی نظروں سے اوجھل تھا جب تک کہ وہ خاص طور سے آ کر یہاں نہ دیکھتے اور پھر میں پھرتی سے نیچے کی طرف بڑھا دبے قدموں سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں آیا تو دور سے عورتوں کے چلانے کی آواز آئی۔ میرا خون کھولنے لگا تھا۔ لیکن جب میں کچن کے پاس پہنچا تو میں نے راہداری میں گل جی کے ایک ساتھی کو چوکس پایا اس نے مجھے دیکھتے ہی رائفل کا رخ میری طرف کر دیا اور غرا کر بولا۔

''یہاں کیوں آئے ہو واپس جاؤ۔''

''یہ عورتیں کیوں چلا رہی ہیں۔''

''عورتوں کا کام ہی چلانا ہے۔ تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے؟''

''اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کروں تو تم کیا کرو گے؟''

''میں تمہیں گولی مار دوں گا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے میں واپس جا رہا ہوں۔''

میں پلٹا اور کچن کے پاس سے گزرتے ہوئے جیسے ہی دیوار کی آڑ میں آیا بیلٹ سے پستول نکال کر اس پر لگاتار فائر کیے۔ اس نے شاید سوچا بھی نہیں تھا کہ میں ایسی حرکت کر جاؤں گا اس لیے دوسری گولی نے اس کے سر میں سوراخ کیا تو گرنے سے پہلے وہ مر چکا تھا۔ بلٹ پروف کی وجہ سے میں نے جان کر اس کے سر کا نشانہ لیا تھا۔ فائرنگ کا شور گونجا تو مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ مجھے بے آواز رائفل استعمال کرنی چاہیے تھی مگر جلد بازی میں پستول استعمال کر بیٹھا اور اب اوپر نیچے سب کو پتا چل گیا تھا فوراً ہی عورتوں کے چلانے کی آواز تھم گئی اور گل جی نے چلا کر قادر سے پوچھا۔ ''قادرے کیا ہوا ہے؟''

مگر قادرے اوپر جا چکا تھا۔ کچھ دیر جاتی تھی کہ جب اوپر والے آ جاتے اور گل جی اپنے دوسرے ساتھی سمیت مجھے اس جگہ گھیر لیتا۔ ابتدائی غلطی کے بعد میں اس کے مداوے کا سوچ رہا تھا۔ پھر میں حرکت میں آیا اور برتن مانجھنے والی موٹی تار سے ایک ٹکڑا نکال کر نزدیکی ساکٹ میں داخل کیا۔ سوئچ آن کرتے ہی شعلہ لپکا اور اس جگہ کی بجلی غائب ہو گئی۔ اپنی کارکردگی پر سر ہلاتے ہوئے میں نے نائٹ ویژن آنکھوں پر کی اور آنے والوں کے استقبال کے لیے تیار ہو گیا۔ اب گل جی کے ساتھی اوپر والے بھی چلا چلا کر پوچھ رہے تھے کہ کیا ہوا ہے؟ اپنی جانور فطرت کے ساتھ انہوں نے خطرہ بھانپ لیا تھا۔ قادرے کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے کا مطلب واضح تھا کہ قادرے جواب دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں نے ایک مناسب جگہ پوزیشن سنبھال لی جہاں سے میں بیک وقت اوپر اور نیچے والوں کو آتے دیکھ سکتا تھا۔ مگر کئی منٹ گزرنے کے باوجود کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ روشنی بند کر کے میں نے ان کے لیے ٹریپ تیار کر لیا تھا۔ وہ اس ٹریپ میں آنے کو تیار نہیں تھے۔

مجھے ان کے ساتھ ساتھ عورتوں کی فکر بھی تھی۔ ان کی آوازیں بند ہو گئی تھیں لیکن وہ گل جی اور اس کے ساتھی کے قبضے میں تھیں۔ میرے کان آہٹوں پر مرکوز تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ سیڑھیوں سے کوئی اتر کر نیچے تک آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا مگر وہ سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ خاموشی سے مجھے گھیر رہے تھے۔ درگاہ مرشدیہ میں میرے لیے ایک اور صبر آزما جنگ شروع ہوگئی تھی۔ میرا مقابلہ پانچ چھپے ہوئے بدمعاشوں سے تھا اور میں اپنے اعصاب پر قابو رکھ کر ہی اس جنگ میں کامیابی حاصل کرسکتا تھا۔ اچانک کسی عورت کے چلانے کی آواز آئی۔ اس کے انداز میں اذیت نمایاں تھی۔ پھر گل جی بولا۔ ''شہباز تم میری آواز سن رہے ہو میں نے اس عورت کی گردن پر چاقو رکھا ہوا ہے اگر تم سامنے نہیں آئے تو میں اس کا گلا کاٹ دوں گا۔''

میرے کان گل جی کی طرف مگر اب آنکھیں سیڑھیوں سے آنے والے راستے پر لگی تھیں مجھے لگا جیسے گل جی نے کوئی پلان بنایا ہے اور اب اس پر عمل کیا جا رہا تھا اتنا تو وہ بھی سمجھتا تھا کہ میں کسی عورت کی خاطر اس کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔ جب کہ پہلے ہی ان عورتوں کی زندگی کا بھروسا نہیں تھا۔ گل جی اور اس کے ساتھی ان کی آبروریزی کے بعد انہیں قتل بھی کرسکتے تھے اور شاید وہ اپنا گھناؤنا جرم چھپانے کے لیے ایسا ہی کرتے۔ میرا اندازہ درست نکلا جب اوپر والوں میں سے ایک نمودار ہوا اس نے رائفل سامنے کی ہوئی تھی اور بہت چوکس تھا مگر اس کی چوکسی اس گولی سے نہ بچا سکی جو میں نے اس کے سر کا نشانہ لے کر چلائی تھی وہ اس کے حلق میں اتر گئی۔ میں بروقت پیچھے ہوا تھا کیونکہ رائفل کی نال پر اس کی انگلی بے ساختہ دب گئی اور دبی آواز میں فائرنگ ہونے لگی۔ میں جس ستون کے پیچھے تھا کئی گولیاں آکر اس پر لگیں۔ گولیوں کے ساتھ ساتھ اس کے خرخرانے کی آوازیں بھی آرہی تھیں اور پھر دونوں آوازیں ایک ساتھ ختم گئیں۔

میں نے جھانک کر دیکھا تو وہ چت پڑا ہوا تھا اور اس کے گردن کے سوراخ سے رہ رہ کر خون ابل رہا تھا۔ اگر وہ مرا نہیں تھا تب بھی خون سے محرومی نے اس کے دماغ کو ناکارہ کردیا تھا۔ میرا ایک دشمن کم ہوگیا تھا مگر ابھی چار باقی تھے۔ مجھے پہلے بھی اس قسم کی خوش فہمی نہیں تھی کہ یہ لوگ نائٹ ویژن سے محروم تھے۔ ان کے پاس نائٹ ویژن کی موجودگی عین ممکن تھی اور یہ اس مشن کا تقاضہ بھی تھا۔ مرنے والے نے تصدیق کردی تھی کیونکہ اس کی آنکھوں پر نائٹ ویژن عینک موجود تھی اور اگر میں بے احتیاطی سے کسی کھلی جگہ ہوتا تو وہ آتے ہی مجھے دیکھ لیتا۔ آڑ میں ہونا مجھے بچا گیا تھا۔ ستون خاصا بڑا تھا کیونکہ ان ہی ستونوں پر درگاہ کی وزنی عمارت کا بوجھ تھا اس لیے ان کا سائز بڑا رکھا گیا تھا۔ اگر یہ چھوٹا ہوتا تو اس کے عقب سے میرے جسم کی حرارت جھلک سکتی تھی اور میں آنے والے کو آڑ میں ہونے کے باوجود دکھائی دیتا۔

میں فکرمند ہوگیا مجھے نائٹ ویژن کا توڑ کرنا تھا۔ کچن میں دیواروں پر ایمرجنسی لائٹس لگی تھیں میں نے ان کا معائنہ کیا۔ یہ مینول تھیں اور تار کی مدد سے بجلی کے نظام سے منسلک تھیں۔ آٹو میٹک حالت میں یہ لائٹ جاتے ہی آن ہوجاتی تھیں مگر اس وقت ان کا سسٹم آف تھا۔ یہ طاقتور ایل ای ڈی لائٹس تھیں اور ایک لائٹ میں کوئی تیس پینتیس ایل ای ڈیز لگی تھیں۔ یہ نہایت جدید قسم کی ایمرجنسی لائٹس تھیں جو ریموٹ سے بھی آن آف کی جاسکتی تھیں۔ خوش قسمتی سے ان کے ریموٹ ان کے ساتھ ہی موجود تھے۔ میں نے کچن کی دونوں لائٹس اتار لیں اور آڑ میں لاکر باری باری انہیں اپنے جسم سے لگا کر آن کرکے دیکھا۔ یہ پوری طرح چارج تھیں اور ان کی روشنی خاصی تیز تھی۔ جسم سے لگا کر اس لیے چیک کیا کہ نائٹ ویژن سے ہلکی سی روشنی بھی ان لوگوں کو فوراً نظر آجاتی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں علم ہو کہ میرے پاس روشنی کا ذریعہ آگیا تھا۔ میں نے انہیں پاس رکھا اور دوبارہ سکون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بیٹھ کر مزید کسی وقوعے کا انتظار کرنے لگا۔

گل جی نے اپنی دھمکی کا ردِعمل اپنے ساتھی کی خرخراہٹوں کی صورت میں سن لیا تھا اس لیے اس نے دوبارہ دھمکی دینے کی حماقت نہیں کی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کی پلاننگ سے ظاہر تھا کہ ان لوگوں کے پاس ریڈیو تھے اور ان کا آپس میں رابطہ تھا تبھی گل جی نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ اسے اپنی جان عزیز تھی اس لیے اس نے اپنے ساتھیوں کو استعمال کیا تھا۔ فاضلی نے مکاری سے کام لیتے ہوئے مجھے نائٹ ویژن سے محروم رکھا تھا مگر خدا بھلا کرے باسو کا جس نے مجھے نائٹ ویژن دے دی تھی۔ اب میں اس سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر فاضلی نہیں چاہتا تھا کہ مجھے نائٹ ویژن ملے تو باسو نے مجھے کیسے دی تھی۔ کیا اسے ڈیوڈ شا کی طرف سے کوئی ہدایت تھی کہ وہ بہ وقتِ ضرورت میری مدد کرے۔ تبھی وہ مجھے بچانے کے لیے جن کی طرح نمودار ہوا تھا اور اس نے مجھے نائٹ ویژن بھی دی تھی۔

اوپر والوں کو اپنے ایک ساتھی کی موت سے عبرت حاصل ہوئی تھی اور اب ان میں سے کوئی آگے آنے کو تیار نہیں تھا جہاں سے براہِ راست میرے نشانے پر آجاتا۔ اس لیے اب میرے پاس موقع تھا میں دبے قدموں اپنی جگہ سے نکلا اور ذرا آگے تک آیا۔ سیڑھیوں کے پاس مجھے حرارت کی جھلک دکھائی دی وہ سیڑھی پر موجود تھے۔ وہاں سے میں کوٹھری کی طرف جانے والی راہداری تک آیا۔ گل جی اور اس کا ساتھی کوٹھری میں تھے اس کا دروازہ ذرا سا کھلا تھا اور اندر سے حرارت کی لہریں باہر آرہی تھیں۔ دونوں جگہ زندہ انسان موجود تھے۔ مجھے ان سے نمٹنا تھا۔ رات کے تین بج چکے تھے اور معرکہ شروع ہوئے تین گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا تھا۔ پولیس اور سرکاری حکام بدستور عقابی تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ فاضلی نے اب تک کوٹھی پر قبضہ کر لیا ہوگا یا مرشد کے آدمی بدستور مزاحمت کر رہے ہوں گے؟ دونوں صورتوں میں میرا جلد از جلد اس جگہ سے نکل جانا مناسب تھا۔ کلائی پر موجود کڑے کے ہوتے ہوئے ایک ہی طریقہ تھا کہ میں کسی طرح فاضلی پر قابو پالوں یا اس سے انگوٹھی چھین کر اس سے نجات حاصل کرلوں۔

لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ میں حرکت میں آؤں یوں بیٹھے رہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ یہاں سے جانے کے لیے مجھے دو افراد سے نمٹنا تھا اور یہ اتنا مشکل نہیں تھا۔ مشکل یہ تھی کہ پیچھے وہ نو عدد عورتیں پھر گل جی اور اس کے ساتھی کے رحم و کرم پر رہ جاتیں اور وہ رحم نام کی چیز سے ناآشنا تھے۔ وہ انہیں بے آبرو کرتے اور پھر مار دیتے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے فی الحال انہیں اپنے ذہن سے جھٹکنے کا فیصلہ کیا۔ میں آڑ سے نکل کر بلند آہنگ چاپ کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ وہاں موجود دونوں افراد نے یقیناً میری آمد کی اطلاع سن لی تھی۔ وہ الرٹ ہو گئے مگر انہوں نے سوچا نہیں تھا جو میں کرنے جا رہا تھا کچن کی دیوار کی آڑ سے نکلنے سے پہلے میں نے ریموٹ کا بٹن دبایا اور سیڑھیوں کے رخ پر رکھی ہوئی ایمرجنسی لائٹ آن ہوگئی۔ میں نے نائٹ ویژن اتاری اور رائفل سیدھی کیے آگے بڑھا۔ ان کی بوکھلائی آوازیں مجھ تک آرہی تھیں۔

تیز روشنی نے نائٹ ویژن کے ہوتے ہوئے ان کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا تھا اور فی الحال انہیں کچھ نظر نہیں آرہا تھا جب تک وہ اپنی نائٹ ویژن اتارتے میں ان کے سروں پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے ہاتھوں اور پیروں کو [illegible] ہوئے برسٹ مارا اور وہ سیڑھیوں پر گر کر چیخنے دھاڑنے لگے تھے۔ [illegible] نے نائٹ ویژن اتار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی تھی اس لیے میں نے ریموٹ سے ایمرجنسی لائٹ آف کر کے نائٹ ویژن پہن لی اور پھر ان کے ہتھیار ان سے دور کر دیئے۔ ایک کے دونوں پاؤں چھلنی ہو گئے تھے اور دوسرے کا ایک پاؤں اور ایک ہاتھ شدید زخمی تھا۔ وہ شدید تکلیف میں تھے اور میں نے دونوں کے سروں میں ایک ایک گولی مار کر ان کو اس تکلیف سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دی۔ ان کی چیخ و پکار کی تو عقب سے عورتوں کے چلانے کی آواز آئی۔ ان کی چیخوں میں خوف اور ہسٹریا کا عنصر نمایاں تھا۔ وہ تکلیف میں نہیں تھیں۔ شاید گل جی اور اس کا ساتھی انہیں ڈرا دھمکا رہے تھے۔ اچانک رائفل کے برسٹ کی گنگناہٹ سنائی دی اور اس پار چیخنے والی عورتوں کی آوازوں میں کرب شامل تھا۔ گل جی یا اس کے ساتھی نے ان نہتی عورتوں پر فائر کھولا تھا۔

میرے اندر تپش سی بڑھنے لگی تھی۔ یہ گھٹیا لوگ ان بے بس عورتوں پر ظلم کر رہے تھے جو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتی تھیں اور ان کا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر میں جھٹکے سے مڑا۔ ایمرجنسی لائٹ اٹھائی اور راہداری کی طرف بڑھا جس کے آخر میں کوٹھری تھی۔ میں نے دیوار سے جھانک کر دیکھا تو کوٹھری کا دروازہ بند تھا۔ میں دبے قدموں آگے بڑھا۔ یہ ٹھوس لکڑی کا بنا ہوا دروازہ تھا جس کے اندر باہر کنڈیاں تھیں اور کوئی ایسا رخنہ نہیں تھا جس سے باہر جھانکا جا سکتا۔ جیسے جیسے میں کوٹھری کے پاس جا رہا تھا عورتوں کے رونے اور سسکنے کی آوازیں نمایاں ہو رہی تھیں۔ جو زخمی تھیں وہ سسک رہی تھیں اور جو بچ گئی تھیں وہ خوف سے رو رہی تھیں۔ گل جی انہیں دبی زبان میں ڈانٹ پھٹکار رہا تھا۔ ناقابل اشاعت الفاظ کے ساتھ وہ انہیں دھمکا بھی رہا تھا پھر اس نے اپنے ساتھی کو لوازہ جو باہر نظر رکھنے کے بجائے ان حالات میں بھی عورتوں پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ دروازے کی طرف آیا تھا کہ میں تیار ہو گیا۔

جیسے ہی اس نے دروازہ ذرا سا کھولا میں نے اس کے عین منہ پر ایمرجنسی لائٹ آن کی۔ روشنی براہ راست اس کی آنکھوں میں گئی اور اس نے دھاڑ ماری تھی مگر یہ دھاڑ پستول کی گرج میں دب کر رہ گئی تھی۔ میں نے اس کے کھلے منہ میں گولی ماری تھی۔ وہ جھٹکے سے پیچھے گیا اور میں بروقت پیچھے ہوا تھا کیونکہ گل جی نے اندر سے برسٹ مارا اور گولیاں دروازے میں سوراخ کرتی گزر گئی تھیں لیکن میں جوابی برسٹ نہیں مار سکتا تھا۔ اندر عورتیں بھری ہوئی تھیں اور یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں ان کو بچا کر صرف گل جی کو شوٹ کر سکتا۔ عورتوں نے پھر ہسٹریائی انداز میں چلانا شروع کر دیا تھا اور ان کے شور میں گل جی کی آواز دب گئی تھی وہ کچھ کہہ رہا تھا شاید مجھے دھمکی دے رہا تھا مگر اس کے الفاظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ گل جی کے آدمی کو مارتے ہی میں نے ایمرجنسی لائٹ آف کر دی تھی اس وقت میں اسے بٹن سے آن آف کر رہا تھا۔ نائٹ ویژن آنکھوں پر سیٹ کر لی۔

دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ اندر کر کے اوپر کی طرف پستول کر کے فائر کیے۔ اس محدود جگہ گولی کی آواز بہت زیادہ محسوس ہوئی تھی۔ عورتیں جو کسی قدر چپ ہو گئی تھیں فائرنگ ہوتے ہی انہوں نے ایک بار پھر چیخ و پکار کر کے کمرے کی چھت سر پر اٹھائی تھی۔ میں گل جی کا صبر آزما رہا تھا اور اس کا صبر جواب دے گیا۔ اس نے جواب میں دروازے کی طرف پورا برسٹ چلایا۔ گولیاں دروازے سے گزر رہی تھیں لیکن میں دیوار کی آڑ میں محفوظ تھا۔ پھر اس کی رائفل خالی ہو گئی اور گنگناہٹ کی جگہ خالی کلک کی آواز آنے لگی۔ میں اسی موقع کا منتظر تھا۔ میں نے نائٹ ویژن اتاری اور دروازے کو لات مارتے ہوئے ایمرجنسی لائٹ آن کر لی۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرہ مول لیا تھا کیونکہ عین ممکن تھا کہ گل جی نے بھی نائٹ ویژن اتاری ہوئی ہو اور ایمرجنسی لائٹ اس کے لیے لائٹ ٹاور کا کام کرتی اور میں اس کے لیے آسان ہدف ثابت ہوتا مگر ایمرجنسی لائٹ بند ہونے کے بعد اس نے نائٹ ویژن لگائی تھی۔ اس لیے روشنی اس کے حق میں مضر ثابت ہوئی اس سے بچنے کے لیے اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور اس کا دوسرا ہاتھ پستول نکال رہا تھا۔

لیکن اس سے پہلے وہ پستول استعمال کرتا میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کھینچا اور اسے پوری قوت سے ایک طرف دیوار پر دے مارا۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے بے اختیار گیا اور دیوار سے ٹکراتے ہوئے اس کے حلق سے کراہ نکلی۔ عورتیں ایک کونے میں دبکی ہوئی تھیں اور ان میں سے دو فرش پر بے سُدھ پڑی تھیں ان کے جسموں سے خون نکل کر فرش پر پھیل رہا تھا ایک کے سینے میں کئی گولیاں لگی تھیں اور دوسری کی کنپٹی میں سوراخ تھا۔ دونوں مر چکی تھیں۔ اشتعال کے عالم میں، میں نے اٹھنے کی کوشش کرنے والے گل جی کو اٹھایا اور اس بار اسے دروازے سے باہر پھینک دیا۔ اس کا پستول اور رائفل وہیں گر گئی تھی۔ میں باہر آیا تو گل جی اوندھے منہ ساکت پڑا تھا لیکن میں اس کی مکاری میں آنے والا نہیں تھا۔ وہ اتنا غیرت مند کہاں سے ہو گیا کہ دو چوٹیں کھا کر بے ہوش ہو جاتا۔ میں نے اسے پاؤں سے ٹھوکر ماری تو اس نے تڑپ کر ہاتھ چلایا اور میں پیچھے ہو گیا اس کے ہاتھ میں دبا خنجر میری پنڈلی کو تقریباً چھوتا ہوا گزرا تھا۔ اس کا ہاتھ آگے نکلا تو میرا پیچھے ہونے والا پاؤں اسپرنگ کی طرف واپس آیا اور اس نے عقب سے کہنی پر بھرپور ٹھوکر ماری۔ کہنی چیخ گئی۔ گل جی نے بلبلا کر دوسرے ہاتھ سے کہنی تھامی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ میں نے خنجر اٹھا کر اس کی ران میں گھونپ دیا۔ اس نے دلخراش چیخ ماری۔

ایمرجنسی لائٹ کی روشنی باہر تک آ رہی تھی۔ نائٹ ویژن کی ضرورت نہیں تھی میں کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور وہ واویلا مچاتا رہا۔ یہ سورما کچھ دیر پہلے کسی عورت پر اپنی مردانگی آزما رہا تھا۔ میں نے کھینچ کر خنجر نکالا اور اس کی دوسری ران میں گھونپ دیا۔ اس وقت میرے دل میں اس کے لیے اتنا ہی رحم تھا جتنا کسی قصائی کے دل میں بکرے کے لیے ہو سکتا ہے۔ بلکہ میں نے غلط کہا قصائی پروفیشنل ہوتا ہے۔ میں مجسم انتقام بنا ہوا تھا۔ راہداری میں اس کا خون پھیل رہا تھا۔ خنجر نے اس کی شریان کاٹ دی تھی اور خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ جب اس کا واویلا کم ہوا بلکہ اس میں چلانے کی سکت بھی باقی نہیں رہی تو میں نے پوچھا۔ ''کس کے کہنے پر تم نے یہ سب کیا؟''

''فاضلی کے حکم پر۔'' اس نے سسک کر جواب دیا۔

''میرے بارے میں اس نے کیا کہا تھا؟''

''یہی..... اگر تم..... مزاحمت کرو تو..... تمہیں مار دیا جائے۔'' اس نے کہا اور منت سماجت کرنے لگا کہ میں اسے بخش دوں۔ مجھے یہی توقع تھی یہ حکم کے غلام تھے اپنے طور پر ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ فاضلی کی نیت پر مجھے شک ہی شک تھا اور اب یہ شک یقین میں بدل گیا تھا کہ وہ مجھے اس جگہ سے زندہ جانے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھا قطع نظر اس کے کہ وہ ڈیوڈ شا سے کچھ وعدے وعید کر کے آیا ہوگا۔ وہ مرشد کی اولاد تھا اور اس نے وہی کیا تھا جو مرشد نے کیا تھا یعنی ڈیوڈ شا کو جوتے کی نوک پر رکھا تھا۔ میں نے گل جی کی تلاشی لی اس کے پاس مزید کوئی ہتھیار نہیں تھا اس سے مطمئن ہو کر میں اندر آیا۔ عورتیں اب مرنے والیوں کا بین کر رہی تھیں۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنا کو تلاش کیا تو وہ عورتوں کے پیچھے دبی ہوئی نظر آئی۔ یہاں سے صرف اس کے بال دکھائی دے رہے تھے جو بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''تم ٹھیک ہو۔''

اس پر وہ یوں سامنے آئی کہ میں اپنے سوال پر شرمندہ ہو گیا۔ اس کا اوپری لباس مکمل طور پر غائب تھا اور اس نے ہاتھوں سے ستر پوشی کی ہوئی تھی۔ میں نے نظریں جھکاتے ہوئے ایک مرنے والی عورت کی چادر اس کے سپرد کی۔ ''معاف کرنا مجھے آنے میں دیر ہوئی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے نم لہجے میں کہا۔ ''آپ نے ٹھیک کہا تھا میرے پاس گنوانے کو کچھ نہیں تھا۔''

اس نے چادر لپیٹ لی تھی اور میں نے موضوع بدل دیا۔ ''میں نے کہا تھا کہ دروازہ اندر سے بند رکھنا۔''

''اس نے کھول دیا تھا۔'' روشنا نے ایک مرنے والی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ گل جی کو جانتی تھی اور سمجھی کہ وہ مدد کے لیے آیا ہے۔''

''تم نے دیکھ لیا کہ اس نے کیسی مدد کی۔''

عورتوں میں دو زخمی تھیں مگر ان کے زخم جان لیوا نہیں تھے انہوں نے خود پٹی کر لی تھی۔ صورت حال بدل گئی تھی اب مجھے اپنی جان بچانی تھی اور اپنے ساتھ ان عورتوں کی جان بھی بچانی تھی۔ روشنا کے ساتھ جو دوسری عورت گل جی کے ساتھی کی دست درازی کا شکار ہوئی تھی اس کا لباس بھی پھٹ گیا تھا۔ میں نے عورتوں سے پوچھا۔ ''تم لوگ یہاں رہتی ہو تمہارے پاس کپڑے ہوں گے۔''

''بالکل ہیں جی۔'' ایک عورت بولی۔

میں نے روشنا سے کہا۔ ''ان کے ساتھ جاؤ اور کپڑے پہن کر آؤ اسے بھی لے جاؤ۔''

دوسری عورت پر سکتہ طاری تھا۔ دو عورتیں اسے سہارا دے کر لے گئیں۔ لاشیں اسی کوٹھری میں چھوڑ کر ہم باہر آئے۔ جب تک روشنا اور دوسری عورت ڈھنگ کا لباس پہن کر آتیں میں سوچ چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ اتنی دیر سے بھوکی پیاسی قید تھیں اس لیے باہر آتے ہی پانی پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ میں نے روشنا سے کہا۔ ''ان کو تم کنٹرول کرو گی اور جب میں تمہیں باہر نکال دوں تو انہیں ساتھ لے جانا۔''

''میں انہیں کیسے لے جا سکتی ہوں۔'' اس نے ذرا اٹک کر کہا۔ میں اس کی بات سمجھ گیا۔

''اپنا ذکر مت کرنا اور ان عورتوں کو بھی سمجھا دینا۔ ان سے کہنا کہ پولیس کے پاس نہ جائیں اپنے گھروں کو جائیں۔ تم اپنے گھر سے نکلی ہی نہیں۔ باقی تمہارا شوہر سب جانتا ہے۔''

اس کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہوا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''میں ایسا ہی کروں گی جی۔''

''میرے ساتھ آؤ لیکن بالکل خاموشی سے۔''

ہم تہہ خانے سے نکل کر اوپر آئے سیڑھیوں پر موجود لاشوں نے عورتوں کو خوفزدہ کر دیا۔ اوپر تباہی کے آثار اس سے کہیں زیادہ بھیانک تھے۔ عمارت کے اندر باہر جا بجا لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔

○.....❖.....○

میں سات عورتوں کے قافلے کے ہمراہ درگاہ کے سامنے والے حصے سے باہر آیا جہاں نئے سماع ہال کی عمارت پوری طرح شعلوں کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ پتا نہیں فاضلی اینڈ کمپنی کو میری بغاوت اور یہاں ہونے والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قتل و غارت گری کا علم تھا یا نہیں مگر ان کی طرف سے مداخلت کے آثار نہیں تھے اگر فاضلی جان بھی گیا تھا تو یہ لوگ اتنے اہم نہیں تھے کہ وہ ان کے لیے کمک روانہ کرتا۔ ویسے بھی اس کے پاس محدود افرادی قوت تھی۔ کوٹھی کی طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہم بائیں طرف مڑ گئے۔

نئے سماع ہال اور درگاہ کی عمارت کے درمیان کوئی نہیں تھا اور نہ ہی دائیں طرف کوئی نظر آ رہا تھا۔ ہم عمارت کے ساتھ خالی میدان تک پہنچے۔ میں نے احتیاطاً ہر طرف نظر دوڑائی۔ خوش قسمتی سے یہاں بھی کوئی نہیں تھا اور اس کی وجہ تھی۔ میرے ساتھ آنے والے فاضلی کے تمام گرگے جہنم رسید ہو چکے تھے اور اب یہاں صرف فاضلی کے ساتھ آنے والے بچے تھے اور وہ فاضلی کے ساتھ مرشد کی کوٹھی کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے۔ عورتیں اب تک عمارت کی آڑ میں کھڑی تھیں۔ مطمئن ہو کر میں نے مڑ کر اشارہ کیا اور ہم قطار میں چلتے ہوئے درختوں کے جھنڈ تک پہنچے۔ میرا خیال تھا کہ جھنڈ کے پار دیوار میں شاید ایسا کوئی مقام ہو جہاں سے دیوار عبور کی جا سکے۔ درگاہ کے سامنے والے حصے سے نکلنا آسان نہیں تھا اور شاید ممکن بھی نہیں تھا۔ مگر جب میں اندر جانے لگا تو ایک عورت نے مجھے روک دیا۔ ''ادھر نہ جاؤ صاحب۔''

''کیوں ادھر کیا ہے؟''

''ادھر زہریلے سانپ ہوتے ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا۔

میں رک گیا۔ ''زہریلے سانپ وہ کیسے؟''

''مرشد عالی نے ادھر زہریلے سانپ چھوڑے ہوئے ہیں۔'' عورت نے انکشاف کیا۔ ''ان کی وجہ سے اس طرف کوئی نہیں جاتا ہے اور اگر کوئی غلطی سے بھی چلا جائے تو اسے یہ سانپ ڈس لیتے ہیں وہ منٹوں میں م جاتا ہے۔''

میں نے اس طویل جھنڈ کو دیکھا جو درگاہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیوار کے ساتھ پھیلا ہ تھا۔ اس کی چوڑائی تیس گز سے زیادہ نہیں تھی اور لمبائی کوئی پانچ سو گز تھی۔ فی الحال یہ تفتیش کا موقع نہیں تھا کہ میر مرشد کی اس حرکت کا جواز تلاش کرتا کہ اس نے زہریلے سانپ کیوں چھوڑے تھے۔ شاید اس لیے وہ خود بھی زہ سے بھرا ہوا تھا اور زہریلے جانوروں کی ہم نشینی پسند کرتا تھا۔ اب اس طرف سے جانا ممکن نہیں تھا۔ میں وہیں سے درگاہ کے سامنے والے حصے کی طرف مڑ گیا۔ یہاں مکمل تاریکی تھی اور صرف مجھے نظر آ رہا تھا۔ میرے پاس ا ایمرجنسی لائٹس تھیں مگر روشنی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے عورتوں سے کہا۔ ''سب ایک دوسر کا ہاتھ تھام لیں اور ایک پیچھے سے میری قمیص پکڑ لے۔ خاموشی سے میرے پیچھے آنا ہے۔''

روشنا نے میری قمیص پکڑ لی اور باقیوں نے درجہ بہ درجہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا اور ہم قطار میں سا کرنے لگے۔ میرا خیال تھا کہ نائٹ ویژن سے سانپ بھی نظر آئے گا۔ مگر ایسا نہیں تھا مجھے خیال نہیں آیا کہ سانپ ٹھنڈے خون والے جانور ہوتے ہیں اور ان کے جسم کا درجہ حرارت وہی ہوتا ہے جو ماحول کا ہوتا ہے ا لیے وہ نائٹ ویژن میں الگ سے نظر نہیں آتے ہیں۔ مگر اللہ نے اس کو برا کو توفیق دی کہ اس نے ہمیں پاس پا ڈسنے کے بجائے پھنکار ماری۔ جواب میں عورتوں نے کورس میں سریلی چیخ ماری اور میں نے بوکھلا کر ایمرجنسی لائٹ روشن کر دی۔ مجھ سے صرف دو گز کے فاصلے پر ایک بڑا کوبرا سانپ تیزی سے درختوں کی طرف رینگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ غالباً وہ ہوا خوری کے لیے کھلی جگہ نکل آیا تھا اور ہم اس کے سر پر پہنچ گئے۔ عورتیں واپس بھاگنے پر آمادہ تھیں میں نے بڑی مشکل سے انہیں باز رکھا کہ پیچھے زیادہ زہریلے ناگ تھے۔ جوان کی عزت آبرو کو ڈسنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا۔ ''ہمیں آگے جانا ہے۔''

''ادھر سانپ ہیں۔'' ایک عورت بولی۔

میں نے سوچا اور حکم دیا۔ ''سب زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر چلو۔''

''نہیں اس طرح تو سانپ ہماری طرف آجائیں گے۔'' روشنا نے ڈر کر کہا۔

''سانپ اور دوسرے کیڑے مکوڑے انسان سے ڈرتے ہیں۔ تم نے دیکھا یہ کوبرا بھی بھاگ رہا تھا۔ جب تم زور سے پاؤں مار کر چلو گی تو یہ ڈر کر بھاگ گیں گے۔''

خواتین بڑی مشکل سے اس پر تیار ہوئی تھیں کہ وہ زور زور سے پاؤں مار کر چلیں۔ میں نے لائٹ بند کر دی اور اب درختوں سے ذرا فاصلے پر ہو گیا۔ میں خود زمین پر زور سے جوتا رکھ کر چل رہا تھا اور خواتین بھی پاؤں مار کر چل رہی تھیں اس لیے کسی قدر پریڈ جیسی آواز آ رہی تھی۔ لائٹ جلانے اور خواتین کی چیخوں کا آس پاس کوئی ردعمل نہیں ہوا تھا اس لیے میں مطمئن تھا کہ پاؤں مار کر چلنے سے بھی کوئی متوجہ نہیں ہوگا۔ درگاہ کے اگلے حصے میں کچا ہموار میدان تھا۔ یہ ظاہر یہ عام زائرین کے لیے مخصوص تھا۔ نذر نذرانے دے کر ذلت کے ساتھ یہیں سے عرس میں شرکت کر کے واپس چلے جاتے ہوں گے جب کہ خاص زائرین بارگاہ خاص میں شریک ہوتے تھے۔ یہ تو میں نے دیکھ لیا تھا کہ اندرون خانہ یہاں کیا ہوتا تھا اور مجھے اسی کی توقع تھی۔ کیونکہ یہ جھوٹا مزار اور خانقاہ بنا کر اسلام کو بدنام کرنے کی سازش زور شور سے ہو رہی تھی۔ مرشد جیسے جہنمی ہی ایسا کر سکتے تھے۔

درختوں کے آخری سرے تک آ کر اب دائیں جانب مین گیٹ تک صرف دیوار تھی۔ تاریکی میں گیٹ کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا اور نائٹ ویژن سے بہ ظاہر کوئی فرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے عورتوں کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور رائفل تھام کر محتاط قدموں سے آگے بڑھا۔ دیوار کے ساتھ میں اس بڑے سے فولادی گیٹ تک آیا تو اسے مقفل پایا۔ اس کے دونوں پٹوں میں چھوٹے دروازے بھی تھے اور وہ بھی اندر سے تالے ڈال کر بند کیے ہوئے تھے۔ مجھے مایوسی ہوئی۔ یہ عورتیں گیٹ یا دیوار کسی صورت نہیں پھلانگ سکتی تھیں۔ گیٹ کے اوپری حصے میں ایسی ڈیزائن والی کانٹے دار گرل تھی جسے عبور کرنا بہت مشکل تھا۔ فولادی کانٹے انسان کی کھال پھاڑ دیتے۔ تالے بہت بھاری اور مضبوط قسم کے تھے انہیں توڑنا ممکن نہیں تھا اور کسی کاٹنے والی چیز سے بھی بہت مشکل اور دیر سے کاٹے جاتے۔ مگر اول تو یہاں ایسی کوئی چیز دستیاب نہیں تھی اور دوسرے اگر فولاد کاٹنے والی آری مل بھی جاتی تب بھی میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں واپس آیا اور خواتین کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ فکر مند ہو گئیں اور کئی ایک تو رونے لگی تھیں۔ میں نے کہا۔

''رونے سے کام نہیں چلے گا یہ بتاؤ یہاں سے باہر جانے کا اور کوئی راستہ ہے؟''

''ادھر دیوار کے ساتھ ایک دروازہ ہے۔'' روشنا نے درختوں کے جھنڈ کے دائیں حصے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں ایک بار اس طرف سے آئی تھی۔''

میں چونکا۔ ''وہ کیسے، یہاں سانپ ہوتے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے نہیں معلوم جی۔'' اس نے سادگی سے کہا۔ ''مجید لے کر آیا تھا۔ مجھے تو ابھی معلوم ہوا ہے کہ یہاں سانپ بھی ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت معلوم ہوتا تو میں مر کر بھی نہ آتی جی مجھے سانپوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

حالانکہ اسے انسانوں سے ڈرنا چاہیے تھا اس سے زیادہ بڑا موذی کوئی نہیں ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ ان عورتوں کا یہاں سے نکلنا لازمی تھا۔ وہ میرے گلے پڑ گئی تھیں۔ میں جہاں جاتا وہ جلوس کی صورت میں ساتھ ہوتیں اور ان کی وجہ سے میں کچھ کرنے کے قابل نہ رہتا۔ انہیں واپس درگاہ کی عمارت میں پہنچانا بھی ممکن نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ اب فاضلی کے آدمی وہاں آ گئے ہوں اور اپنے آدمیوں کے بدلے ان بے گناہ عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اس کا بھی امکان تھا کہ وہ فاضلی سے بچ جاتیں مگر بعد میں پولیس انہیں لے جاتی اور ان کا کوئی والی وارث بھی نہیں تھا جو انہیں چھڑاتا۔ کچھ غور و فکر کے بعد میں نے مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ ''اب تم لوگ بتاؤ، یہاں سے نکلنے کا واحد راستہ سانپوں کے درمیان سے گزرتا ہے کیا تم جا سکو گی؟''

''میں تیار ہوں۔'' روشنا بولی۔ ''مجھے سانپ سے ڈر لگتا ہے لیکن یہاں بھی موت ہی ہے۔''

''میں نہیں جا سکتی۔'' ایک عورت نے صاف انکار کیا۔ وہ سب دو حصوں میں بٹ گئی تھیں تین جانے سے انکار کر رہی تھیں اور پانچ جانے کے لیے تیار تھیں۔ میں نے تین سے کہا۔

''ٹھیک ہے اس صورت میں تم یہیں رہو گی میں ان لوگوں کو چھوڑنے جا رہا ہوں۔''

اکیلے رکنے کی بات پر کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ باقی تین بھی تیار ہو گئیں، میں بھی یہی چاہتا تھا اس لیے میں نے یہ بات ذرا دھمکی آمیز انداز میں کہی تھی اور اس کا فوری اثر بھی ہوا۔ ہمارا قافلہ واپس جھنڈ کے وسطی حصے کی طرف چل پڑا۔ ایک درخت کے پاس پہنچ کر روشنا نے کہا۔ ''ہم یہاں سے نکلے تھے۔''

''پکا یاد ہے نا؟''

''ہاں۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''ہم درگاہ والی عمارت سے تھوڑا پہلے نکلے تھے۔ مجھے یاد ہے وہ پیپل کا درخت تھا اور یہاں پیپل کا بس یہی ایک درخت ہے۔''

میں نے دونوں ایمرجنسی لائٹ آن کیں اور ان سے کہا۔ ''سب ایک قطار میں چلیں گی اور سانپ دیکھ کر کوئی چیخ نہیں مارے گی۔ چلنے کا وہی طریقہ ہو گا یعنی پاؤں مار کر چلنا، سانپ خود ڈر کر بھاگ جائے گا۔ ٹھیک ہے نا؟''

سب نے سر ہلایا۔ جان بچانے کے لیے وہ اس جگہ سے گزرنے کو تیار ہو گئی تھیں مگر سب کی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں سب سے آگے تھا اور ایک ایمرجنسی لائٹ میں نے رکھی تھی دوسری روشنا کو دے دی۔ وہ درمیان میں تھی۔ ہم درختوں میں داخل ہوئے تو سب بہت محتاط تھے۔ خواتین سامنے سے زیادہ آس پاس دیکھ رہی تھیں۔ مگر یہ خیال کسی کو نہیں آیا کہ سانپ درختوں پر ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک اچانک گرا اور ایک عورت کی گردن پر گرا۔ اس نے دل خراش چیخ ماری تھی اور بے ساختہ سانپ کو دور جھٹک دیا۔ پہلی چیخ کے بعد اس نے بس نہیں کیا تھا بلکہ مسلسل چلا رہی تھی میں پلٹ کر اس کی طرف آیا اور اسے خاموش کرانے کی کوشش مگر جب اس نے ہسٹریائی انداز میں چلانا جاری رکھا تو مجبوراً مجھے تھپڑ سے کام لینا پڑا۔ دو تھپڑ کھا کر اس کی چیخیں بند ہو گئیں اور اس نے گھگیائے انداز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سانپ نے مجھے ڈس لیا ہے۔''

''وہ صرف گرا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''کہاں ڈسا ہے۔''

اس نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ سانپ نے اسے ڈسا نہیں تھا اس لیے وہ ڈرے ڈرے انداز میں ہنس دی۔ ''نہیں ڈسا جی۔''

''اب جلدی چلو یہاں سے۔'' میں نے کہا اور وہ سب تقریباً دوڑنے کے انداز میں چل پڑیں۔ میں نے روکا نہیں کیونکہ اس وقت ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ہی مناسب تھا۔ اس بار کسی سانپ نے راستہ نہیں کاٹا اور ایک منٹ سے بھی پہلے ہم دیوار کے پاس نکلے۔ روشنا کو ٹھیک سے یاد نہیں تھا مجید اسے گھما پھرا کر لایا تھا شاید اسے علم تھا کہ سانپ کہاں کہاں ہوتے ہیں؟ اور کون سا راستہ محفوظ ہے۔ دروازے تک کچھ فاصلہ اور طے کرنا پڑا۔ یہ بھی فولادی دروازہ تھا مگر اس پر لگا ہوا تالا عام قسم کا تھا۔ میں نے اس میں رائفل کی نال پھنسائی اور جھٹکا تو وہ ٹوٹ گیا اور دروازہ کھل گیا تھا۔ پٹ کھلتے ہی خواتین نے عجلت میں نکلنے کی کوشش کی اور کسی قدر پھنس کر اور رگڑ کھا کر وہ نکل بھی گئیں۔ انہیں چوٹیں آئی تھیں لیکن اس کی پروا نہیں تھی۔ اندر صرف روشنا رہ گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''آپ بھی چلیں۔''

تب مجھے یاد آیا کہ میری کلائی پر ایک کڑا تھا اور اگر میں یہاں سے باہر نکلا اور فاضلی سے پانچ سو گز سے زیادہ دور گیا تو اس کڑے کا میکنزم حرکت میں آجائے گا اور اس میں بھرا ہوا مہلک زہر مجھے چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر نفی میں سر ہلایا اور بولا۔ ''میں نہیں جا سکتا، تم جاؤ اور ان عورتوں کی مدد کرنا ان کا باہر شاید کوئی نہیں ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

''مجھے یاد رکھو یا نہ رکھو لیکن یہ بات ضرور یاد رکھنا کہ تاریک راہوں پر چلنے والے اچانک ہی انجام کا شکار ہوتے ہیں اور ان کو واپسی کا موقع نہیں ملتا ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ تم کو ایک موقع مل رہا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگر اپنی فطرت پر صبر نہیں کر سکتیں تو بہتر ہے شوہر سے طلاق لے لو مگر تاریکی میں گناہ کے ساتھی مت تلاش کرو۔ اس کا انجام میں نے اس دنیا میں برا ہی دیکھا اور دوسری دنیا کا حساب تو تمہیں پتا ہوگا؟''

اس کا رنگ سرخ ہوا تھا مگر اس نے سر ہلایا اور باہر نکل گئی۔ اس کے پاس لائٹ تھی اور وہ اندھیرے میں اس کی مدد سے راستہ تلاش کر سکتی تھی۔ میں واپس چل پڑا لیکن میں جھنڈ سے فوری نکلنے کے بجائے دیوار کے ساتھ ساتھ درگاہ کے عقبی حصے کی طرف بڑھا۔ یہاں درخت اتنے گھنے اور ان کے تنے پاس پاس تھے کہ درگاہ کے کسی حصے سے روشنی نظر آنا مشکل تھا اس لیے میں بے فکری سے نائٹ ویژن کے بجائے لائٹ کی روشنی پر انحصار کر رہا تھا۔ کچھ دیر کے اس سفر میں میں نے کئی سانپ دیکھے اور یہ سب نہایت زہریلے قسم کے سانپ تھے۔ ایک شاید ناگن تھی سفید رنگ پر ہلکی سرمئی رنگ کی دھاریاں تھیں اور وہ بلاشبہ نہایت حسین تھی۔ مگر اس کی ہلاکت بری میں شبہ نہیں تھا۔ جب میں اپنے اندازے کے مطابق سابق سماع ہال کے سامنے پہنچ گیا تو میں نے رخ بدل دیا اور اب میں جھنڈ سے باہر آرہا تھا۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے آخری بار راستے کا معائنہ کر کے ایمرجنسی لائٹ بند کر دی اور آگے بڑھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک محاورہ ہے کہ جہاں پر سمٹے جال وہیں قفس ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جب میں اپنے طور پر بچ کر نکل رہا تھا تب میرے بائیں پاؤں میں درد کی شدید لہر اٹھی اور میں نے جلدی سے لائٹ آن کی تو ایک درمیانے سائز کا سانپ لہراتا ہوا تیزی سے جا رہا تھا۔ ایک لمحے پہلے تک وہ میرے سامنے نہیں تھا اور ایک لمحے بعد وہ مجھے ڈس کر جا چکا تھا۔ خوف کی ایک لہر سی میرے جسم میں دوڑ گئی۔ میں نے بتایا کہ مجھے سانپ سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے بیٹھ کر پنڈلی سے پتلون اوپر کی تو دو سوراخوں سے سیاہ خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ دونوں سوراخوں کے درمیان فاصلہ دیکھ کر میری تشویش بڑھ گئی کیونکہ اس سے پتا چل رہا تھا کہ سانپ بڑے سائز کا تھا اور سانپ جتنا بڑا ہوتا ہے اس میں اتنا ہی زیادہ زہر ہوتا ہے۔ میرے پاس چاقو نہیں تھا ورنہ میں اس کی مدد سے کٹ لگا کر خون بہا دیتا اور زہر کا اثر کم ہو جاتا۔ میں نے رائفل کی اسٹرپ اتاری اسے کس کر زخم سے ذرا اوپر باندھ لیا اور پھر [illegible] گیا۔ ایک لمحے کو مجھے چکر آیا تھا۔ مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔ میں نے ابتدائی خوف پر قابو پا لیا تھا۔

''شہباز میاں قسمت میں کیا لکھوا کر آئے ہو۔'' میں نے خود سے کہا۔ ''ابھی ایک مصیبت سے نکلتے نہیں ہو کہ دوسری آفت آ لیتی ہے۔''

میری زندگی میں یہ دوسرا واقعہ تھا جب مجھے کسی زہریلے سانپ نے ڈسا تھا۔ پہلی بار کوبرا نسل کے سانپ نے ڈسا تھا اور اوشا کے باپ سدھو نے علاج کے نام پر مجھے پھر ڈسا تھا۔ بچ میں ویسے ہی گیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ یہ سب حکیم قاذں کی (م) ہوئی معجزاتی دواؤں کا اثر تھا جو زہریلے ترین سانپ کا زہر بھی مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکا تھا۔ مگر ان دواؤں کے استعمال کو بہت دن گزر چکے تھے اور ضروری نہیں تھا کہ ان کا اثر اب تک باقی ہو اس لیے مجھے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی اور اس سے پہلے مجھے اپنے زخم پر کٹ لگانا تھا۔ میں جھنڈ سے باہر نکلا تو درگاہ کی عمارت دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اس کے آس پاس بیشمار ٹوٹے شیشے بکھرے تھے اور میں ان سے کام لے سکتا تھا۔ میں لنگڑاتا ہوا عمارت کی طرف بڑھا۔ تیز حرکت سے گریز کر رہا تھا جس سے دوران خون میں تیزی آتی اور زہر زیادہ تیزی سے پھیلتا۔ اس کے باوجود جب میں درگاہ کی عمارت کے پاس پہنچا تو میرے ذہن پر غنودگی سی چھانے لگی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس سانپ کا زہر سلانے والا تھا۔ یہ زہر دماغ کے ان حصوں کو ناکارہ کر دیتا ہے جو دل کی دھڑکن اور سانس لینے کے عمل کو قابو کرتے ہیں۔ نتیجے میں دل اور سانس رک جاتے ہیں اور آدمی مر جاتا ہے۔ یہ زہر اذیت دینے کے بجائے ذہن پر سکون سا طاری کرتا ہے۔

عمارت کے سامنے شیشے ہی شیشے بکھرے تھے مجھے لائٹ آن کر کے ایک موزوں ٹکڑا تلاش کرنا پڑا اور میں نے اس کی نوک سے سانپ کے کاٹے کی جگہ کو چیرنا شروع کر دیا۔ درد کی ایک تیز لہر کے ساتھ ہی سیاہ خون کا فوارہ سا اچھلا تھا۔ درد نے ذہن پر چھاتی غنودگی کو بھی عارضی طور پر ختم کر دیا تھا۔ ذرا دیر بعد خون بہنے کی رفتار سست ہو گئی اور اس کا رنگ بھی بدلنے لگا تھا۔ یہ کسی قدر سرخ ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ زہر کم ہوا تھا۔ میں نے ایک بار پھر کٹ لگایا اور خون دوبارہ روانی سے بہنا شروع ہو گیا۔ زہر جتنا نکل جاتا میرے لیے اتنا ہی اچھا ہوتا۔ اس بار بھی خون ایک منٹ بعد رک گیا۔ دونوں بار کٹ لگانے پر کوئی پاؤ بھر خون نکلا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سارا زہر نکل گیا تھا یقیناً زہر کا ایک حصہ میرے خون میں اب تک موجود تھا۔ میں کھڑا ہوا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہلکا سا چکر آیا تھا مگر اس کے بعد میں سنبھل گیا اور اب خود کو بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اگر مجھے کہیں سے سیاہ تلخ کافی یا چائے مل جاتی تو یہ غنودگی بھگانے میں اکسیر ہوتی مگر یہاں دونوں چیزوں کی دستیابی کا امکان نہیں تھا۔

میں واپس درختوں کی طرف آیا مگر ان سے دور رہ کر پرانے سماع ہال کی طرف بڑھا یہاں کوئی سرگرمی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حیرت انگیز طور پر مرشد کی کوٹھی کی طرف خاموشی اور ابھی تاریکی تھی۔ بجلی بحال نہیں ہوئی تھی کیونکہ تمام روشنیاں بند تھیں۔ میں نے بڑے گیٹ کے رخنوں سے سماع ہال کے اندر جھانکا۔ نائٹ ویژن سے جہاں تک دکھائی دے رہا تھا وہاں کوئی نہیں تھا البتہ چند چوہے کونے کھدروں میں موجود تھے اور اپنی جسمانی حرارت کی وجہ سے دکھائی دے رہے تھے۔ میں اندر داخل ہوا۔ عقبی حصے میں خاموشی تھی۔ میں نے اس کے دروازے سے جھانکا تو وہ عمارت بھی خاموش دکھائی دی جس میں سرنگ نکل رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا فاضلی نے اس طرف کسی کو چھوڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ظاہر ہے اسے عقب میں کسی سے خطرہ نہیں تھا جو خطرہ تھا وہ اندر موجود لوگوں سے تھا اور اُن میں سے اکثر فنا کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی فاضلی نے کوئی ایسا بندوبست بھی کیا تھا کہ اب تک پولیس یہاں نہیں آئی تھی۔ ورنہ اتنی فائرنگ، دھماکوں، روشنی کے گرینیڈ چلنے اور پھر نئے سماع ہال کی عمارت کو لگنے والی آگ کے بعد یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی رپورٹ نہ کرتا۔

○.....❖.....○

دیکھا جائے تو میرے فرار کے لیے اس سے زیادہ سازگار حالات دشمن کی قید میں کبھی میسر نہیں آئے تھے مگر دشمن نے ایک کڑا پہنا کر مجھے اپنا اسیر بنا لیا تھا اور میں چاہتا بھی تو یہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ بلکہ میں تو سرنگ تک بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ مجھے خطرہ تھا کہ اس صورت میں پانچ سو گز کی حد ختم نہ ہو جائے اور میں کڑے میں موجود پوٹاشیم سائنائیڈ کا شکار ہو جاؤں۔ کوٹھی یہاں سے کوئی ڈھائی سو گز کے فاصلے پر تھی لیکن خود فاضلی کہاں تھا میں اس سے بے خبر تھا۔ ممکن تھا کہ وہ جان بوجھ کر کسی جگہ چلا جاتا کہ پانچ سو گز کی حد آ جاتی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اچانک ہال کے اندر کچھ روشنیاں جل اٹھیں۔ ان کی روشنی اس وسیع اور تاریک ہال کو روشن کرنے سے قاصر تھی مگر اس سے مجھے پتا چل گیا کہ درگاہ کی بجلی بحال ہو گئی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ فاضلی نے مرشد یا کم سے کم اس کی کوٹھی پر غلبہ پا لیا تھا اور مرشد اگر اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا تب بھی وہ دفاعی پوزیشن میں چلا گیا تھا اور اب حالات فاضلی کے کنٹرول میں تھے۔ نہ جانے کیوں یہ سوچ کر ہی میرا دل ڈوبنے سا لگا تھا۔

فاضلی اور مرشد دونوں میرے بدترین دشمن تھے۔ یہ میری اور بہت سے مظلوموں کی خوش قسمتی کہ وہ دونوں آپس میں لڑے تھے۔ یہ اژدھے اور مگرمچھ کی لڑائی تھی جو بارتا خلقِ خدا ایک موذی سے محفوظ ہو جاتی۔ مگر اس وقت مجھے فاضلی کا حالات پر حاوی ہو جانا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ کیونکہ میں اس کا قیدی تھا اور وہ جتنا مضبوط ہوتا میری رہائی اور زندگی کے امکانات اتنے ہی کم ہوتے جاتے۔ گل جی نے تصدیق کی تھی کہ فاضلی میرے لیے قاتلانہ عزائم رکھتا تھا اور مجھے اس طرح دنیا سے رخصت کرنا چاہتا تھا کہ براہِ راست اس پر الزام نہ آئے۔ ایسے میں اس کی کامیابی میرے لیے مزید مشکلات کا پیغام لا سکتی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان حالات میں، مَیں کیا کر سکتا تھا۔ میں آزاد تھا اور میرے پاس اسلحہ بھی تھا۔ میں فاضلی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا جب تک میں اس تک نہ پہنچ جاتا اور اس کے آدمی یقیناً میری راہ میں حائل ہوتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فاضلی کے آدمیوں سے مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں ان میں کمی کی کوشش کروں۔ فاضلی اور مرشد جیسے لوگ کرائے کے قاتلوں پر اکڑتے تھے ان میں کمی ہوتی تو یقیناً ان کی اکڑ میں بھی کمی آتی۔ ایک راہ سمجھ میں آتے ہی میں حرکت میں آ گیا۔ میں جتنی دیر ساکت رہا تھا، بن پر غنودگی کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور اب مجھے حرکت میں آجانا تھا تاکہ میں غنودگی سے لڑ سکوں۔ چلنے سے پاؤں کے زخم میں ٹیسیں اٹھتی تھیں اور یہ جگانے میں معاون ثابت ہو رہی تھیں۔ میں پرانے سماع ہال سے نکلا اور صحن سے ہوتا ہوا مرشد کی کوٹھی کی طرف بڑھا لیکن میں دیوار کے ساتھ ساتھ تھا اور تاریک حصوں سے گزر رہا تھا۔ اب اس طرف فاضلی کے مورچہ بند آدمی نظر نہیں آ رہے تھے۔ نائٹ ویژن کی ضرورت نہیں تھی مگر روشنی مجھے گراں گزر رہی تھی خاص طور سے مرشد کی کوٹھی کی چار دیواری پر بہت طاقت والی سرچ لائٹس روشن تھیں۔ اس کے پاس جانے والا کوئی شخص نگرانی کرنے والوں سے بچ نہیں سکتا تھا۔ اگرچہ وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ فاضلی کے آدمی وہاں موجود ہوں گے۔ کم سے کم کوٹھی کا احاطہ ان سے خالی نہیں ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں فاضلی تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔

اس طرف سے اندر جانا ممکن نہیں تھا۔ کوٹھی میں داخلے کا راستہ سامنے سے تھا مگر اس طرف فاضلی کے آدمی ہوتے۔ کچھ دیر غور کے بعد میں نے درگاہ کے عقبی حصے کا رخ کیا۔ یہاں زمین پر سبزیاں اور پھلدار درخت تھے اور یہ سب یقیناً مرشد اور اس کے اہلِ خانہ کے لیے تھا۔ سنگتروں کے باغ سے گزرتا ہوا میں مرشد کی کوٹھی کے عقبی حصے میں آیا۔ یہاں بھی اس کی چار دیواری بلند اور خاردار باڑ سے ڈھکی تھی۔ اسے عبور کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ میں پلٹ کر باغ میں آیا۔ ذرا سی جستجو کے بعد مجھے مالی کی کوٹھری مل گئی اور وہاں سے ایک سیڑھی مل گئی۔ بانس کی بنی یہ سیڑھی ہلکی پھلکی تھی میں اسے باآسانی کوٹھی کی دیوار تک لے آیا۔ کوٹھری میں ہی مجھے شاخیں کاٹنے والا ایک پاور کٹر مل گیا تھا جس سے فولادی تار بھی کاٹی جا سکتی تھی۔ سیڑھی دیوار کے ساتھ لگا کر میں اوپر پہنچا اور پہلے ایک فولادی اوزار تاروں پر مارا مگر کوئی ردِعمل نہیں ہوا۔ شاید ان تاروں میں بجلی تھی تو اسے فاضلی کے آدمیوں نے منقطع کر دیا تھا۔ اس کے باوجود میں نے ہچکچاتے ہوئے پاور کٹر سے وائر چھیڑی اور جب مجھے بجلی کا جھٹکا نہیں لگا تو میں نے سکون کا سانس لیا۔

یہ کٹر معمولی طاقت سے کہیں زیادہ مضبوط اور موٹی اشیا کو کاٹنے کے لیے بنایا گیا تھا اس لیے اس نے باآسانی وائر کاٹ دی۔ پانچ منٹ میں، میں نے اتنی جگہ بنالی کہ دیوار کے دوسری طرف جا سکتا تھا مگر اب مسئلہ یہ تھا کہ اس بارہ فٹ اونچی دیوار کے دوسری طرف کیسے اترتا۔ اس طرف لان تھا اور دیوار کے ساتھ پھولدار پودوں کے تختے تھے۔ مجھے ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا۔ میں نے کٹر دوسری طرف پھینک دیا۔ گھاس میں گرنے سے بہت ہلکی سی آواز آئی تھی اور میں رائفل سنبھال کر کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ کہیں ایک دو کتے پہریداری پر مامور تھے تو وہ آجائیں تو پہلے میں ان سے نمٹ لوں مگر کسی طرف سے کوئی ردِعمل نہیں ہوا۔ میں نے رائفل بھی نیچے پھینکی اور دوسری طرف لٹک گیا۔ جب زمین میرے پیروں سے پانچ فٹ نیچے رہ گئی تو میں نے دیوار کا کنارہ چھوڑ دیا۔ میں پودوں پر گرا اور کوئی چوٹ نہیں آئی مگر ٹانگ کے زخم میں شدید ٹیس اٹھی تھی۔ میں کچھ دیر کے لیے بیٹھا رہ گیا اور پھر ہمت کر کے اٹھا۔

مرشد کی کوٹھی زیادہ بڑی نہیں تھی یہ شاید ایک کنال کے رقبے پر بنی تھی اور دو منزلہ تھی لیکن جس احاطے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ کوٹھی تھی وہ کم سے کم دس ہزار گز یا ایک ہیکٹر رقبے پر محیط تھا۔ اس رقبے کا بیشتر حصہ سرسبز لان اور درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ عقبی لان بھی خاصا بڑا تھا اور اس کے دائیں کونے میں ایک نیلگوں ٹائل والا سوئمنگ پول نظر آ رہا تھا۔ پول کے اندر لائٹس آن تھیں اور یہ باہر تک آ کر ماحول کو عجیب سی جھلملاتی روشنی سے منور کر رہی تھیں۔ احاطے کے اندر بھی روشنی کا بھرپور بندوبست تھا اور اگر کوئی اس طرف آ نکلتا یا کوٹھی کی کسی کھڑکی سے جھانک لیتا تو میں اسے صاف نظر آتا۔ کوٹھی کے عقب کی طرف کھلنے والی بیشتر کھڑکیاں تاریک تھیں یا ان کو تاریک دکھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ حیرت انگیز طور پر احاطے کے اندر بھی خاموشی اور سکون تھا۔ مجھے تعجب ہوا کیا فاضلی حالات پر قابو پا کر مع ساتھیوں کے سو گیا تھا یا سب نے اجتماعی خودکشی کر لی تھی اور اب یہاں کوئی زندہ نر نہیں تھا۔ مگر ایسا ممکن نہیں تھا فاضلی خودکشی کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

کوٹھی کے عقبی حصے سے اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور اوپری منزل کا تیسرا اس قسم کا تھا کہ اس تک رسائی بھی ناممکن تھی جب تک رسّی یا سیڑھی کا سہارا نہ لیا جاتا۔ میں نے آگے بڑھنے کے لیے دائیں طرف کا انتخاب کیا اور سوئمنگ پول کی طرف آیا۔ یہ کوٹھی کے عقبی اور دائیں حصے میں واقع تھا۔ پول خاصا بڑا تھا ہم اسے اولمپک سائز تو نہیں کہہ سکتے مگر یہ کوٹھیوں اور بنگلوں میں پائے جانے والے مروجہ پولز سے خاصا بڑا تھا۔ مرشد نے نہ جانے صرف کوٹھی کی زینت بڑھانے کے لیے بنوایا تھا یا پھر اسے یا اس کے اہلِ خانہ کو تیراکی کا شوق تھا۔ میں پول کے پاس آیا تو اس کے اندر موجود لائٹس یوں مدہم ہوئیں جیسے ان کے سامنے کوئی چیز آ گئی ہو۔ پول میں کوئی تھا۔ میں چوکنا ہو گیا اور احتیاط سے آگے بڑھا اور پول میں جھانکا۔ ایک لمحے کو مجھے اپنی آنکھوں پر شبہ ہوا لیکن پول میں تقریباً نصف درجن افراد زیرِ آب تیراکی کر رہے تھے۔ یہ صرف ایک لمحے کے لیے لگا تھا اور میں رائفل سیدھی کرنے جا رہا تھا کہ مجھے احساس ہوا کہ وہ زندہ نہیں تھے بلکہ یہ چھ افراد کی لاشیں تھیں جنھیں قتل کر کے سوئمنگ پول میں ڈال دیا تھا۔ ان کی لاشیں تیر رہی تھیں۔

غور کرنے پر مجھے احساس ہوا کہ وہ سب عام افراد تھے۔ شاید مرشد کے مرید تھے جنھیں اس نے اسلحہ تھما کر یہاں حفاظت کے لیے رکھا تھا اور وہ سب فاضلی کا نشانہ بن گئے تھے۔ ان کے خون سے پول کا پانی کسی قدر سرخ ہوا تھا مگر یہ سرخی اتنی نہیں تھی ایسا لگ رہا تھا لاشیں مرنے کے کچھ دیر بعد یہاں ڈالی گئی تھیں۔ پول کے آس پاس جگہ جگہ چھوٹے قد کے آرائشی درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو کوٹھی کے اگلے حصے تک چلا گیا تھا۔ درخت چھوٹے تھے لیکن یہ ایک بندے کو چھپانے کے لیے کافی تھے میں ان کی آڑ میں آگے بڑھنے لگا۔ دیوار سے اترتے ہوئے پاؤں میں ٹیس آئی تو غنودگی کا حملہ پسپا ہوا تھا مگر اب میں پھر غنودگی محسوس کر رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ کہیں لیٹوں اور سو جاؤں۔ مگر میں جانتا تھا کہ یہ نیند ہمیشہ کی بھی ہو سکتی تھی۔

وسطی اور جنوبی پنجاب میں مختلف اقسام کے زہریلے سانپ بہت زیادہ ملتے ہیں لیکن پنڈی اور اس کے نواح میں سانپ بہت زیادہ نہیں پائے جاتے اور ان کی بیشتر اقسام زہریلی نہیں ہوتی ہیں۔ مرشد نے یہ زہریلے سانپ خاص طور سے حاصل کر کے یہاں چھوڑے تھے۔ ممکنہ طور پر ان کی خوراک کا خیال رکھا جاتا ہو گا تاکہ یہ تندرست اور توانا رہیں اور مرشد کے لیے چوکیداری کا فرض انجام دیتے رہیں۔ ایک سانپ نے اپنا کارِ منصبی بخوبی انجام دیا تھا۔ اس کا زہر اب مجھے سلانے پر آمادہ تھا اور میں جاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک درخت کی آڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جب میں کوٹھی کا معائنہ کر رہا تھا تو مجھے ایسا چکر آیا کہ میں تقریباً گر گیا۔ غنودگی سے لڑتے ہوئے جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے خود کو ایک گھٹنے اور ہاتھ کے بل زمین پر ٹکے پایا۔ نہ جانے میں گرنے سے کیسے بچا تھا؟ شاید گر جاتا تو سو جاتا۔ سر جھٹک کر میں دوبارہ کھڑا ہو گیا اور کوٹھی کے اگلے حصے کی طرف بڑھا۔

یہ حصہ پورچ اور کراٹا باڑ سے ڈھکے لان پر مشتمل تھا۔ پورچ تک آنے کے لیے بل کھاتا ہوا ڈرائیو وے تھا جس کے دونوں طرف کراٹا باڑ لگا کر لان کی پردہ پوشی کی گئی تھی۔ آنے اور جانے کے لیے الگ الگ راستے تھے اور دونوں آ کر اس نیم دائرے نما وسیع کار پورچ میں مل رہے تھے جس میں کم سے کم نصف درجن گاڑیاں پارک کی جا سکتی تھیں۔ اس وقت بھی وہاں دو اعلیٰ درجے کی نہایت قیمتی کاریں موجود تھیں۔ پورچ کے نزدیک آنے پر مجھے وہاں موجود افراد کا احساس ہوا تھا۔ کم سے کم دو افراد آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ زبان پنجابی اور لہجہ دیہاتی اور نچلے درجے کے افراد کا سا تھا۔ میں نے کان لگا کر سنا ایک کہہ رہا تھا۔ ''روجے بھاگ چل ورنہ ہم بھی مارے جائیں گے۔''

''بھاگ کر کدھر جائیں؟'' روجے نے سوال کیا۔ ''یہ لوگ سیدھے ہمارے گھر آئیں گے اور جب ہم نہیں ملیں گے تو ہمارے گھر والوں کا کیا ہوگا؟''

''پر یار مجھے ڈر لگ رہا ہے انہوں نے تو کسی کو نہیں چھوڑا۔ جس نے ہتھیار نہیں ڈالے اسے بھی مار دیا اور جس نے ہتھیار ڈالے اسے بھی مار دیا۔''

ان لوگوں کا تعلق غالباً مرشد سے تھا اور وہ فاضلی اینڈ پارٹی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ یہ میرے لیے انکشاف تھا کہ فاضلی اور اس کے آدمیوں نے یہاں موجود ہر فرد کا خاتمہ کر دیا تھا۔ چھ افراد کی لاشیں میں پول میں دیکھ چکا تھا اور باقی لاشیں پتا نہیں کہاں تھیں؟ اس سے ایک سوال اور میرے ذہن میں آیا کہ فاضلی یوں اندھا دھند قتل و غارت گری کیوں کر رہا تھا۔ اس کی دشمنی مرشد سے اور اس کے خاص آدمیوں سے تھی ان عام لوگوں کا قتلِ عام بلا جواز تھا۔ یہ لوگ درگاہ میں کام کرتے تھے اور فاضلی ان سے کام لے سکتا تھا یا اگر اسے کوئی خدشہ تھا تو وہ انہیں نکال کر دوسرے آدمی لے آتا۔ انہیں مارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سوال کا جواب بھی روجے نے دیا۔ اس نے کہا۔ ''وہ پاگل ہو رہا ہے، کوٹھی سے ہونے والی فائرنگ میں اس کے تین آدمی مارے گئے اور اسی لیے ہر آدمی کو مار رہا ہے۔''

''ہاں پتا نہیں ہم کیسے بچ گئے، پر مجھے لگ رہا ہے ابھی اس کے آدمی آئیں گے اور ہمیں بھی مار دیں گے۔'' دوسرا روہانسے لہجے میں بولا۔ ''میں تو ایک معمولی سا مالی ہوں۔''

''میں کھانا بناتا ہوں۔'' روجے نے کہا۔ ''ہمارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔''

''اس کے ساتھ جو وہ خوفناک آدمی ہے۔ اسی نے سب سے زیادہ لوگوں کو مارا ہے۔''

ان کی باتیں سننے کے لیے میں ذرا گھوم کر ایک کراٹا باڑ کے پیچھے آ گیا جو پورچ کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور وہ دونوں وہیں موجود تھے۔ کوٹھی پر حملے میں فاضلی کے تین آدمی مارے گئے تھے اور اس نے طیش میں آ کر کوٹھی میں موجود ہر فرد کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے آدمیوں نے چن چن کر سب کو مارا تھا۔ جو کہیں چھپ گئے تھے ان کو تلاش کر کے گولی ماری۔ یہ دونوں فاضلی کے قدموں میں گر گئے تھے اور رو دھو کر فی الحال اپنی جان بچا لی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر انہیں خدشہ تھا کہ فاضلی انہیں بھی نہیں بخشے گا اور مجھے یقین تھا کہ وہ انہیں مار دے گا۔ وہ دونوں اس قتلِ عام کے عینی گواہ تھے جو فاضلی کے حکم پر وہاں ہوا تھا۔ اس قتل و غارت گری میں سائلنسر والی رائفلیں استعمال ہوئی تھیں اس لیے کوٹھی سے باہر پتا نہیں چلا کہ اندر کیا ہوا تھا۔ میں جس باڑ کے پاس کھڑا تھا اس طرف سات افراد کی لاشیں پڑی تھیں اور ان میں ایک عورت بھی تھی۔ یہ بھی عام یا خاص ملازم تھے۔

ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے خیال آیا کہ فاضلی سب کو اس لیے مروا رہا تھا کہ کوئی عینی گواہ باقی نہ رہے جو بعد میں اس کارروائی کے بارے میں کچھ بتا سکے۔ مرشد خاندان کا کچھ پتا نہیں تھا اور خود مرشد کا بھی پتا نہیں تھا۔ اگر وہ فاضلی کے ہتھے چڑھا ہوگا تو زیرہ مکان یہی تھا کہ وہ بھی مارا گیا تھا۔ فاضلی اسے مارنے ہی تو آیا تھا اور اس چکر میں سو سے اوپر افراد اپنی جانوں سے گئے تھے۔ ذہن پر چھاتی غنودگی سے بچنے کے لیے میں نے ایک بار پھر اپنا زخم کریدا تھا۔ اب خون سرخ ہی آ رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ باقی ماندہ زہر دماغ تک رسائی حاصل کر کے اپنا کام کر رہا تھا۔ اگر یہ ایک حد سے زیادہ ہوتا تو مجھے ہمیشہ کی نیند سلا دیتا اور اگر کم ہوتا تو امکان تھا کہ میں بچ جاؤں۔ میں شاہ کوبرا کے زہر سے بھی بچ گیا تھا مگر اس میں کچھ دخل سدھو کی کوششوں کا بھی تھا۔ اس نے مجھے بعض جڑی بوٹیاں استعمال کرائی تھیں اور پھر اس وقت میں نے حکیم قادس کی دوائیاں بھی تازہ تازہ نوش فرمائی ہوئی تھیں۔ اس بات کو خاصا عرصہ گزر گیا تھا۔ اس لیے یہ کہنا مشکل تھا کہ اب ان دواؤں کا اثر باقی تھا یا نہیں اور وہ زہر کو ناکارہ بنا سکتی تھیں؟

اچانک درگاہ کے سامنے والے حصے سے کسی گاڑی کے انجن کی تیز آواز آئی تھی۔ میں نے ذرا اچک کر دیکھا یہ ایک بند وین تھی جو تیزی سے ڈرائیو وے کی طرف آ رہی تھی۔ مجھ سمیت تمام افراد سرنگ کے راستے اور پیدل آئے تھے۔ پھر یہ کون ہو سکتے تھے۔ اگر فاضلی کے آدمی گاڑی میں آتے تو وہ سرنگ والے راستے سے آ سکتے تھے مگر پھر مجھے خیال آیا کہ سرنگ کا آخری حصہ اتنا نہیں کھلا تھا کہ اس سے کوئی گاڑی اندر آ سکتی۔ یہ گاڑی یقیناً سامنے والے حصے سے اندر داخل ہوئی تھی۔ مین گیٹ لاک تھا مگر کسی نے لاک کھول دیا ہوگا۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ وین میرے پاس سے گزر کر پورچ میں رکی۔ اگلے حصے سے دو آدمی اترے اور پھر انہوں نے اس کا عقبی دروازہ کھولا فوراً کسی لڑکی کی چیخوں اور آدمی کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ وین کے عقبی حصے سے بھی پانچ آدمی نکلے تھے ایک نے ایک لڑکی کو دبوچ رکھا تھا اور اس کا انداز بہت گھٹیا تھا۔ وہ اسے قابو کرنے سے زیادہ اس سے جسمانی حظ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ باقی دو نے ایک لڑکے کو قابو کیا ہوا تھا جو خود کو چھڑانے کی ازحد کوشش کر رہا تھا۔

لڑکی رومانہ تھی اور لڑکا راشد تھا۔ میرا دل ایک لمحے کو رکا تھا۔ اگر وہ یہاں آ گئے تھے تو میرے ساتھی کہاں تھے؟ اگر انہوں نے کسی ڈیل کے تحت انہیں نہیں چھوڑا تھا تو پھر حویلی میں کیا ہوا تھا؟ فاضلی کے آدمیوں نے انہیں کیسے حاصل کیا تھا؟ یہ سوالات لمحے میں میرے ذہن میں گونجے اور ایک اشتعال اور دہشت کی لہر نے میرے وجود پر قبضہ کر لیا اس کے بعد میں نے جو کیا وہ جیسے خود بخود ہوا تھا۔ میں نے رائفل بلند کی اور اسے سنگل موڈ پر کر کے پہلے اسے شوٹ کیا جس نے راشد کو پکڑ رکھا تھا وہ سامنے اور کھلا نشانہ تھا۔ گولی اس کے سینے میں اتری اور وہ ڈکرایا۔ اس سے پہلے دوسرے صورتِ حال کو سمجھتے میں نے دوسرے کو بھی نشانہ بنایا۔ وین سے آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اترنے والے دونوں افراد نے صورتِ حال کو سمجھ لیا تھا ایک چلایا۔ ''وہ ادھر باڑ کے پیچھے ہے۔''

انہوں نے بیک وقت اپنے پستول نکالے اور میری طرف اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے مگر میں ان کی فائرنگ سے بے نیاز اس شخص کو نشانہ بنا رہا تھا جس نے رومانہ کو بہت سستی میں پکڑ رکھا تھا اور اپنے ساتھیوں کو مرتے دیکھ کر اس کی ساری مستی ہوا ہو گئی تھی۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ وحشت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا اور اسی عالم میں گولی نے اس کے سر میں سوراخ کر دیا۔ اس کا لہو اچھل کر رومانہ پر گرا اور اس نے چیخ ماری۔ وہ دیوانہ وار اپنے چہرے پر آنے والا خون صاف کر رہی تھی اور پھر اچانک وہ کوٹھی کی طرف بھاگی۔ راشد جو حیران پریشان کھڑا تھا رومانہ کو بھاگتے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکا ۔ نے چلا کر انہیں رکنے کے لیے کہا مگر فائرنگ کے شور میں میری آواز ان تک نہیں پہنچی تھی یا پہنچی بھی تو انہوں نے اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھا تھا۔

گولیاں میرے آس پاس سے گزر رہی تھیں مگر ابھی تک کوئی مجھے چھونے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ البتہ ان دونوں کو مزید موقع ملتا تو وہ مجھے نشانہ بنا ہی لیتے اب تک تو وہ بدحواسی میں فائرنگ کر رہے تھے اور انہوں نے ڈھنگ سے نشانہ لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے رائفل کو آٹو میٹک موڈ پر کرتے ہوئے ان دونوں پر ایک طویل برسٹ مارا اور وہ چھلنی ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے گرتے ہی وہاں سناٹا چھا گیا۔ میں نے باڑ پھلانگی اور راشد کو آواز دی۔ درمیان میں وین اور دوسری گاڑیاں تھیں۔ وہ دونوں میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ وین سے اترنے والے پانچ میں سے تین مارے جا چکے تھے اور دو زندہ تھے۔ ان میں سے ایک نے خودکشی کر لی اس نے اپنا پستول نکالا جو اسے نہیں نکالنا چاہیے تھا اور میں نے میگزین میں بچ جانے والی گولیاں اس پر چلا دیں۔ آخری آدمی بے ہوش تھا اور جانکنی میں تھا کیونکہ اس کا سینہ سانس لینے کی کوشش میں اچھل رہا تھا۔ میں آگے بڑھا تو روجے اور اس کا ساتھی پورچ کے کونے میں دبکے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر روجے گھگیایا۔

''خدا کے لیے ہمیں نہ مارنا۔''

''وہ لڑکا اور لڑکی کہاں گئے ہیں؟'' میں نے پوچھا میرا انہیں مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر میں نے رائفل کو دھمکانے والے انداز میں سامنے ہی رکھا تھا۔ ان دونوں نے اپنے ہاتھ اوپر کر رکھے تھے۔ دوسرا بولا۔

''وہ جی اندر چلے گئے ہیں۔ رومانہ بی بی اور راشد صاحب۔''

گویا وہ انہیں جانتے تھے اور کیسے نہیں جانتے، ایک مرشد کی دختر تھی اور دوسرا اس کا بھتیجا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ ''یہاں سے چلے جاؤ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو۔''

''ہم کہاں جائیں جی؟'' روجے نے پوچھا۔

''اپنے گھر جاؤ اگر فاضلی بعد میں پوچھے تو کہہ دینا کہ ایک آدمی نے حملہ کیا تھا اور تم ڈر کر بھاگ گئے تھے۔''

انہوں نے سر ہلایا اور سچ مچ دوڑ لگا دی۔ ان کا رخ سامنے والے حصے کی طرف تھا۔ میں نے پلٹ کر وین کی طرف دیکھا۔ اس کے پاس پانچ افراد پڑے تھے یعنی یہاں مزید پانچ لاشوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ میں اندر کی طرف بڑھا اور جب برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو مجھے لگا جیسے میرے قدم منوں وزنی ہو رہے ہوں۔ میری رگ و پے میں جیسے سستی اور تھکاوٹ سرایت کر رہی تھی۔ جیسے تیسے میں اس شاندار برآمدے میں آیا جہاں ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف ماربل کی میز کے گرد وحات اور فابہر کی کرسیاں رکھی تھیں۔ یہاں تین دروازے تھے ایک بڑا دروازہ جو دو پٹ کا تھا اور اس کے دائیں بائیں ذرا فاصلے پر دو چھوٹے دروازے تھے اور یہ سب کیل کی مضبوط ترین لکڑی کے بنے تھے اور ان پر دودھیا رنگ کی پالش تھی۔ اس کوٹھی کی ایک ایک چیز سے امارت ٹپک رہی تھی۔ درمیان والا دروازہ کھلا ہوا تھا مگر میں اس سے اندر نہیں گیا۔ رومانہ اور راشد کو اندر گئے ہوئے مشکل سے ایک منٹ ہوا تھا مگر اب ان کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

کیا وہ فاضلی کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے یا صورت حال بھانپتے ہوئے کہیں خاموش ہو کر دبکے ہوئے تھے؟ یہ ناممکن تھا کہ اندر موجود افراد کو باہر ہونے والے ہنگامے کا علم نہ ہوا ہو۔ میری رائفل بے آواز تھی مگر وین والوں کے پستول بے آواز نہیں تھے۔ فائرنگ کی آواز اندر تک پہنچی ہوگی۔ ایسے میں منہ اٹھائے سامنے والے دروازے سے اندر جانا عقل مندی نہیں تھی۔ غنودگی کا اثر میری سوچنے کی صلاحیت پر بھی اثر انداز ہو رہا تھا اور مجھے فیصلہ کرنے میں ذرا دیر لگی کہ مجھے دائیں طرف سے جانا چاہیے یا بائیں طرف سے۔ بالآخر میں بائیں طرف بڑھا۔ یہاں بھی مار ماری کے آثار نمایاں تھے دیواروں پر گولیوں کے نشانات تھے اور کئی جگہوں پر اچھا خاصا خون پھیلا ہوا تھا ایک جگہ خون کے ساتھ مغز کا کچھ حصہ بھی پڑا تھا۔ گولی نے کسی کا دماغ نکال دیا تھا۔ یہ سب دیکھتے ہوئے مجھے متلی کا احساس ہوا اور پھر میں نے بے ساختہ جھکتے ہوئے الٹی کر دی تھی۔

پیٹ سے پانی نکلا تھا کیونکہ کچھ کھائے ہوئے مجھے خاصی دیر ہو گئی تھی اور میں نے یہاں صرف پانی اور کولڈ ڈرنک پی تھی۔ الٹی کر کے مجھے سکون سا محسوس ہوا تھا اور ذہن پر چھاتی غنودگی بھی کم ہونے لگی تھی۔ شاید زہر کا کچھ حصہ الٹی کے ساتھ نکل گیا تھا۔ چند گہری سانسیں لے کر میں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس مضبوط دروازے کو ہلانا بھی ممکن نہیں تھا۔ اب اندر جانے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ میں نے رائفل کی نال لاک پر رکھ کر فائر کرنا چاہا مگر رائفل کلک کر کے رہ گئی۔ اس کا میگزین خالی ہو گیا تھا۔ میں نے دوسرا میگزین نکالنا چاہا تو پتا چلا کہ میرے پاس کوئی میگزین نہیں رہا تھا وہ اس ہنگامہ آرائی میں کہیں گر گیا تھا کیونکہ میں نے دو ہی استعمال کیے تھے اور ایک باقی تھا۔ مجھے کسی اور کے میگزین لینے کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ اب میرے پاس صرف ایک پستول اور اس کا ایک فاضل میگزین تھا۔ میں نے رائفل نیچے ڈال دی اور پستول کی نال تالے پر رکھ کر فائر کیا۔ دھماکے کے ساتھ تالے کے انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے اور اس بار ٹھوکا تو دروازہ کھل گیا۔

میں اندر داخل ہوا۔ یہ ایک چھوٹا سا ہال وے تھا۔ یعنی ہال نما راہداری، جس میں کچھ فرنیچر بھی تھا دیواروں پر آرٹ اور فن کے اعلیٰ نمونے آویزاں تھے۔ فرش پر دبیز قالین تھا اور ہال وے کے ایک طرف قطار سے کمرے تھے۔ ان کی تعداد چار تھی۔ یہاں فانوس روشن تھے اور ایک ایک چیز واضح نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر سن گن لیتا رہا مگر وہاں خاموشی تھی۔ پھر میں دبے قدموں ایک کمرے تک آیا اس کا دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ لاک نکلا۔ دوسرا اور پھر تیسرا کمرا بھی لاک تھا۔ ہال وے آگے جا کر گھوم رہا تھا۔ میں نے چوتھا دروازہ چیک نہیں کیا اور اس کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور کسی نے مجھے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ میں بالکل تیار نہیں تھا اس لیے بے اختیار کھنچا چلا گیا اور کسی نے آگے ٹانگ اڑائی تو منہ کے بل زمین پر گیا۔ اگر فرش پر دبیز قالین نہ ہوتا تو مجھے تارے نظر آ جاتے مگر اب بھی چکر ضرور آیا تھا اور اس سے فائدہ اٹھا کر وہاں موجود [illegible] مجھ پر قابو کر لیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی کوشش کی تھی۔ البتہ ان کا انداز اناڑیانہ تھا۔ ایک نے میرا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچا اور دوسرے نے دوسرا بازو پکڑا اور انہوں نے خود مجھے اٹھا دیا۔ حالانکہ ان کو چاہیے تھا مجھے گرا کر قابو کرتے۔ کھڑے ہوتے ہی میں نے ایک کے منہ پر کہنی ماری اور اس نے چلا کر اپنی والدہ کو یاد کیا۔

''ہائے ماں جی۔''

''ماں کے.....'' دوسرے نے تپ کر غلط انداز میں اس کی والدہ کو یاد کیا۔ ''ٹھیک سے پکڑ..... ہائے۔''

اس دوران میں، میں دوسرے کے گھٹنے پر اپنے بائیں پاؤں کی ایڑی مار چکا تھا اور جملے کے آخر میں ہائے اسی کی وجہ سے نکلی تھی۔ کہنی کا وار زیادہ شدید تھا اور پہلے والے کے سامنے کے دانت جواب دے گئے تھے۔ اس نے مشتعل ہو کر میری شان میں مدح سرائی کی تو اس کا ایک لفظ بھی سمجھ نہیں آیا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا اس لیے مجھے آسانی ہوئی اور میں نے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر انہیں یوں چکر دیئے کہ میں خود درمیان میں تھا اور وہ میرے گرد گھوم رہے تھے۔ وہ حرکت کرنے پر مجبور تھے ورنہ ان کی کہنیاں اپنے جوڑوں سے نکل جاتیں پھر میں نے انہیں بیک وقت چھوڑا۔ ان میں سے ایک تقریباً اڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے سے ٹکرایا اور اس کے ساتھ چکنا چور ہو گیا۔ کم سے کم اس کی چیخ و پکار سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ دوسرے کو جو اصل میں پہلا تھا اور اپنے کچھ دانتوں سے محروم ہو چکا تھا۔ میں نے مزید ایک چکر دے کر کونے میں رکھے لیمپ کی طرف پھینکا اور وہ اس کے ساتھ نیچے گرا۔

اس دوران میں پہلا والا کھڑا ہو گیا تھا اور اس نے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے بدستور چیخیں نکل رہی تھیں۔ میں نے اس کے پیٹ پر لات ماری تو وہ پھر ڈریسنگ ٹیبل کے ملبے پر جا گرا۔ لیمپ کے ساتھ گرنے والا کچھ دیر تو لیمپ کی طرح بجھا پڑا رہا پھر حرکت میں آیا مگر اس کی حرکت سلوموشن میں تھی۔ میں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا جس سے اس کی حرکت میں خاطر خواہ تیزی آئی۔ اسے چکر دیا تو تصادم سے پہلے ہی اس نے ہو ہو کی آواز نکالی اس بار میں نے اسے اس کے ساتھی پر پھینکا اور اس سے ٹکرا کر وہ لمبا ہوا تو ایک ہی صف میں دونوں پڑے تھے۔ تب میں نے پہلی بار ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکرانے والے کا منہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر خون ہی خون تھا اور آنکھوں میں شیشے کھپ گئے تھے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے نہ جانے وہ کیسے ٹکرایا تھا کہ شیشے ٹوٹ کر اس کی آنکھوں میں گھس گئے تھے اور وہ اسی لیے چیخ و پکار کر رہا تھا۔

مگر مجھے اس پر ذرا بھی ترس نہیں آیا۔ وہ یہاں میری دعوت کے لیے نہیں بیٹھے تھے۔ انہوں نے جس طرح حملہ کیا اس سے لگ رہا تھا وہ میرے خاتمے کے مشن پر تھے۔ میں نے دانتوں سے محروم شخص کو کھینچ کر کھڑا کیا اور اس کی تلاشی لی۔ وہ جھول رہا تھا اور درحقیقت دونوں ہی بہت کم حوصلہ ثابت ہوئے تھے۔ اتنی مار پیٹ معمولی بات تھی اور وہ اسی میں بے حال ہو گئے تھے۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا اور دوسرا بھی خالی تھا۔ میں نے اسے تھپڑ مارا۔ ''کون ہو تم؟''

جواب میں اس کے منہ سے جو نکلا وہ کچھ یوں تھا۔ ''میں..... زی..... زامی..... زوں۔''

میں نے جواب واضح کرنے کو کہا مگر ہر بار اس نے وہی زے کی بولی بولی اور میں پچھتایا کہ اسے دانتوں سے کیوں محروم کیا۔ مجبوراً مجھے اندھے ہو جانے والے سے رجوع کرنا پڑا اس سے پہلے میں نے بے دانت کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منہ پر ایک گھونسہ رسید کر کے اسے لٹا دیا یقیناً اس کے مزید کچھ دانت اسے داغِ مفارقت دے گئے تھے۔ زخمی اب کراہ رہا تھا۔ میں نے اسے کھڑا کیا اور اس کی بھی تلاشی لی۔ اس کے پاس سے ایک عدد کھٹکے والا چاقو نکل آیا جو بٹن دبانے سے کھلتا تھا۔ انہیں نہتا پا کر مجھے پہلی بار شبہ ہوا کہ وہ فاضلی کے آدمی نہیں تھے بلکہ مرشد کے ملازم تھے اور قتل و غارت گری کے بعد یہاں چھپ گئے تھے۔ جلد اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ بے دانت کا اصل میں مرشد کا حقہ بردار تھا اور آنکھوں سے محروم ہو جانے والا مالشیہ تھا۔ مرشد جب رات بھر شراب اور شباب سے شغل کر کے بے حال اور نکھرا ہوا ہو جاتا تو یہ مالشیہ ہی تھا جو اس کی زبردست مالش کر کے اسے دوبارہ کسی قابل بناتا تھا۔

حقہ بردار کا کام نازک مگر آسان تھا۔ وہ مرشد کے لیے خاص تمباکو بلینڈ کر کے حقے میں جماتا تھا۔ مالشیے نے بتایا کہ جب کوٹھی پر حملہ ہوا تو وہ اس کمرے میں چھپ گئے تھے۔ بہت دیر بعد فائر کی آواز آئی اور میں اندر داخل ہوا تو انہوں نے مجھ پر قابو پا کر یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا مگر بدقسمتی سے وہ خود میرے قابو میں آ گئے تھے۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے غلط لوگوں پر ہاتھ اٹھایا مگر یہ وقت افسوس کا نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اس سے مزید معلومات حاصل کرنا جاری رکھی۔ وہ عام سا ملازم تھا ورنہ اتنی آسانی سے مجھے یہ سب نہ بتاتا ویسے اسے اپنی آنکھوں کی بہت فکر تھی۔ وہ ہر سوال کا جواب دے کر آخر میں یہ ضرور پوچھتا تھا کہ اس کی آنکھ میں ٹھیک ہو جائیں گی اور میں ہر بار اسے تسلی دیتا تھا کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس سے حاصل شدہ معلومات سے یہ بات سامنے آئی کہ مرشد نے اپنے تمام اہلِ خانہ کو شہر میں مرشد ہاؤس بھیج دیا تھا۔

یہاں مرشد خود صرف چند ملازمین اور بے شمار مسلح افراد کے ساتھ تھا۔ درگاہ اور کوٹھی میں کام کرنے والے سو کے قریب ملازمین کو چھٹی دے کر گھر بھیج دیا گیا تھا اور یہاں مشکل سے دو درجن ملازم تھے۔ ان کے علاوہ مُدکے تیس سے پینتیس خاص محافظ اور ان سے زیادہ باہر سے منگوائے ہوئے مسلح افراد تھے۔ روکے جانے والے ملازم محرمِ راز تھے اور وہ بھی مسلح تھے۔ میں نے سن کر کسی قدر اطمینان محسوس کیا تھا۔ یعنی یہاں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو عام ہو۔ میرے دل پر وہ بوجھ کم ہونے لگا جو اتنی اموات دیکھ کر فطری طور پر آ گیا تھا۔ کچھ بے گناہ بھی مارے گئے تھے مگر زیادہ تر اسی انجام کے مستحق تھے۔ وہ اب تک شرافت سے جواب دے رہا تھا پھر اس نے اپنی آنکھوں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی اور اس میں چبھے شیشے ہاتھ پر لگے تو وہ چیخ اٹھا تھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ شیشے ہیں جو تمہاری آنکھوں میں اتر گئے ہیں۔'' میں نے اسے آگاہ کیا مگر میری توجہ اس کی طرف نہیں بلکہ باہر سے آنے والی آہٹوں پر تھی۔ میں اس سے بہت دھیمے لہجے میں بات کر رہا تھا کیونکہ میرے ذہن میں تھا کہ آس پاس فاضلی کے گرگے موجود ہوں گے۔ اسے بھی آہستہ آواز نکالنے کو کہا تھا اسی لیے میں باہر سے آنے والی آوازیں سننے میں کامیاب رہا۔ وہ چپ ہوا تو باہر سے کسی کے بولنے کی آواز آئی اور میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے تڑپ کر ہاتھ ہٹانا چاہا مگر میں نے اسے جکڑ لیا۔ اس بار میں نے واضح کسی کو بولتے سنا تھا۔ میں نے اس کے کان میں کہا۔ ''شش..... باہر کوئی ہے اب آواز مت نکالنا..... ورنہ دونوں ماریں جائیں گے۔''

مگر وہ جس طرح مچل رہا تھا اگر میں اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیتا تو اس نے لازمی واویلا کرنا تھا۔ زخمی ہونے سے زیادہ آنکھوں سے محرومی کے صدمے نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے۔ میری بات کا اس پر کوئی اثر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہوا تو خطرہ محسوس کر کے میں نے اسے خاموش کرنے کے لیے اس کے سر پر ایک ہاتھ مارا۔ وہ ڈھیلا ہوا تھا مگر اس کی مزاحمت ختم نہیں ہوئی تھی۔ البتہ دوسرے ہاتھ پر وہ بے سدھ ہو گیا۔ اسے زمین پر ڈال کر میں دروازے کے پاس آیا اور کان لگا کر سنا تو باہر دو افراد سرگوشیوں میں محو گفتگو تھے۔ البتہ ان کی سرگوشیاں بھی اتنا بلند تھیں کہ مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ایک کہہ رہا تھا۔ ''آواز اسی کمرے سے آئی ہے۔''

''اب کیوں نہیں آ رہی ہے؟'' دوسرے نے سوال کیا۔

''شاید اندر موجود لوگوں نے ہماری آواز سن لی ہے۔''

''تو اتنی زور سے بولنے کی کیا ضرورت تھی؟'' دوسرے نے اپنا طارق عزیز شو جاری رکھا یعنی سوالات کرتا رہا۔

''اپنی بکواس بند کر۔'' پہلے نے کہا۔ ''دروازہ کھول۔''

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اب مجھے ذرا شبہ نہیں تھا کہ باہر موجود دونوں افراد فاضلی کے آدمی تھے۔ میں نے پستول سیدھا کیا اور یکے بعد دیگرے کئی گولیاں اندازے سے چلائیں۔ جواب میں ایک چیخ سنائی دی تھی۔ چوتھی گولی چلاتے ہی میں دیوار کی آڑ میں ہو گیا اور فوراً ہی باہر سے برسٹ دروازے کو چھلنی کرتا اندر آیا اور بے سدھ پڑے بے دانت کے حقہ بردار کو چھلنی کر گیا۔ وہ بے ہوشی میں ہلکا سا تڑپ کر ساکت ہو گیا۔ مالشیے کو میں نے ذرا ہٹا کر لٹایا تھا اس لیے وہ بچ گیا۔ فائرنگ کرنے والے نے اس زاویے سے گولیاں چلائی تھیں کہ گولیاں میری مخالف سمت میں گئی تھیں اور مجھے لگا وہ اب دوسری طرف سے فائرنگ کرے گا تاکہ کمرے کا زیادہ سے زیادہ حصہ کور کر سکے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے فرش پر قلابازی کھائی اور دوسری طرف چلا گیا۔ اگلے ہی لمحے پھر برسٹ چلا اور اس بار گولیاں اس طرف آئیں جہاں میں دیوار سے دبکا ہوا تھا۔ بچنے والا نہایت شاطر تھا اور اس نے درست قدم اٹھایا تھا۔

جیسے ہی اس نے فائرنگ روکی میں نے ہاتھ آگے کر کے اندازے سے اس طرف دو فائر کیے۔ اس بار بھی چیخ سن کر میرا دل باغ باغ نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنی عیاری ثابت کر چکا تھا اس لیے میں دروازے کے سامنے آنے کے بجائے پیچھے ہٹا اور پھر نیچے گرنے والا گولی کا خول اٹھا کر دروازے پر مارا ہلکا سا کھٹکا ہوا اور باہر سے اس نے بھرپور برسٹ چلایا۔ وہ صرف سامنے ہی نہیں بلکہ دائیں بائیں بھی فائر کر رہا تھا۔ اس کا شکار اندھا ہو جانے والا مالشیہ ہوا تھا وہ اٹھ رہا تھا کہ فائرنگ کی زد میں آ گیا اور دل خراش چیخ کے ساتھ دوبارہ لیٹ گیا۔ فائرنگ کرنے والے نے ایک گالی دی اور دروازے پر لات مار کر اندر آیا۔ اس نے آتے ہی اندر پڑے دو افراد پر پھر برسٹ مارا حالانکہ وہ پہلے ہی دنیا سے گزر چکے تھے۔ میری موجودگی کا اسے ذرا تاخیر سے احساس ہوا اور پھر وہ منجمد ہو گیا۔ میں نے پستول تان رکھا تھا اور بالکل ساکت تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''رائفل نیچے رکھ کر دونوں ہاتھ سر پر رکھ لو میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا، آگے تمہاری مرضی ہے۔''

میں نے کہا نا وہ عیار تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھ سے نہیں جیت سکے گا جب تک وہ رائفل کا رخ میری طرف کرے گا میں اسے شوٹ کر چکا ہوں گا۔ بادلِ ناخواستہ اس نے سر ہلایا اور آہستہ سے جھک کر رائفل نیچے رکھ دی اور دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ میں نے اگلا حکم دیا۔ ''دونوں ہاتھ دروازے پر رکھ لو اور پاؤں پھیلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لو۔''

اس نے اس بار بھی حکم کی تعمیل کی۔ دروازہ بند ہو گیا تھا اور وہ اس پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ میں نے اس کی تلاشی لی اور اس کی قمیص سے ایک عدد پستول اور نکل آیا۔ اس کے پاس بھی وہی سائلنسر والی رائفل تھی اس لیے اس کا شور نہ ہونے کے برابر تھا البتہ میرے پستول کا شور خاصا تھا اور اس کی آواز یقیناً کوٹھی کے دوسرے حصوں تک گئی ہوگی۔ اس کی تلاشی لیتے ہی میں نے اس کی گدی پر پستول کا دستہ مارا۔ ضرب ہلکی رکھی تھی اس لیے وہ کراہ کر گرا مگر بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ ایک تو وہ میری سفاکی کا اندازہ لگا لے دوسرے مزاحمت کے قابل نہ رہے۔ میں نے اسے سیدھا کیا اور دو زوردار تھپڑ رسید کیے۔ اس کے حواس ٹھکانے آ گئے اور اس نے احتجاج کیا۔ ''مجھے کیوں مار رہے ہو؟''

''صرف یہ بتانے کے لیے کہ میں کتنا رحم دل ہوں فاضلی کا آدمی ہونے کے باوجود تم کو قتل نہیں کیا۔'' میں نے کہا اور پستول کی نال اس کے ماتھے پر رکھ دی۔ ''لیکن یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں قتل کر نہیں سکتا۔''

اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان میں دہشت نمایاں نظر آنے لگی۔ ''کک..... کیا چاہتے ہو؟''

''فاضلی کہاں ہے اور مرشد کس حال میں ہے۔''

''وہ دونوں اوپری منزل پر ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم دونوں کے علاوہ فاضلی کے اور کتنے آدمی ہیں۔''

''سات آدمی ہیں۔'' اس بار بھی وہ جلدی سے بولا۔ ''آٹھواں وہی ہے دیو۔''

اس کا اشارہ باسو کی طرف تھا۔ مجھے جان کر تعجب ہوا کہ مرشد زندہ تھا۔ ''فاضلی نے مرشد کو کیوں زندہ رکھا ہوا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم میری اور صورت کی ڈیوٹی یہاں نیچے تھی۔''

صورت اس کا ساتھی تھا اور وہ باہر چت پڑا ہوا تھا۔ گولی اتفاق سے اس کے دل سے ذرا نیچے لگی تھی اور وہ ایک چیخ کے بعد ختم ہو گیا تھا۔ ''نیچے اور کتنے لوگ ہیں؟''

''دو اور ہیں وہ پیچھے کی طرف ہوتے ہیں۔''

گویا اوپر فاضلی کے ساتھ پانچ آدمی تھے اور چھٹا باسو تھا جو اکیلا درجن کے برابر تھا۔ ''تم جانتے ہو یہاں مرشد کی بیٹی اور اس کا بھتیجا آئے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہم نے انہیں قابو کر کے اوپر پہنچا دیا تھا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ گویا رومانہ اور راشد فاضلی کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ فاضلی مرشد کے ساتھ اس کے سارے خاندان کا خاتمہ بھی چاہتا تھا سوائے اپنے کیونکہ وہ بھی اسی خاندان کا ایک ان لکھا حصہ تھا۔ جب ڈیوڈ شا نے بلاواسطہ فاضلی کی یہ خواہش مجھ تک پہنچائی تب میں اسے محض ایک انتقامی جنون سمجھا تھا لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ فاضلی کسی مقصد کے تحت رومانہ اور راشد کو اپنے قبضے میں چاہ رہا تھا اور وہ کامیاب رہا تھا۔ میں نے جلد بازی میں انہیں لانے والوں کو دنیا سے رخصت کر دیا تھا۔ اگر ان میں سے کوئی بچ جاتا تو وہ بتا سکتا تھا کہ انہوں نے رومانہ اور راشد کو کیسے حاصل کیا تھا؟ پھر رومانہ ہسٹریا کا شکار ہو کر کوٹھی کی طرف بھاگی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا ردِعمل فطری تھا ہر انسان مشکل وقت میں اپنی جائے پناہ یعنی اپنے گھر کی طرف جاتا ہے۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کا گھر اس کے لیے جائے پناہ کے بجائے عقوبت خانہ بننے والا تھا۔

مجھے ایک بار پھر شدت سے اپنے ساتھیوں کی سلامتی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اگرچہ وہ ترنوالہ نہیں تھے مگر فاضلی نے جو خوفناک میزائل مجھے دکھایا تھا وہ کسی ناگہانی آفت کی طرح نازل ہوتا تو وہ لوگ بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ میں سوچ رہا تھا اور اچانک میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں لہرا کر گر رہا ہوں اور میں نے اپنی ساری قوتِ ارادی اس پر مرکوز کر دی کہ مجھے گرنا نہیں ہے ساکت رہنا ہے۔ مگر شاید یہ ممکن نہیں تھا۔ اس بار زہر کا حملہ خطرناک اور طاقتور تھا۔ میں نے شاید سانس روک لی تھی اور پھر جس طرح اچانک اندھیرا چھایا تھا اسی طرح اچانک ختم بھی ہو گیا اور میں نے خود کو اسی حالت میں پا کر خدا کا شکر ادا کیا ورنہ یہ عیار دشمن اب تک میرا کام تمام کر چکا ہوتا۔ میں اس پر جھکا ہوا تھا اور پستول اس کے ماتھے پر رکھا ہوا تھا۔ البتہ وہ الجھ گیا تھا شاید اس نے میری کیفیت میں تغیر بھانپ لیا تھا مگر یہ نہیں جا سکا کہ میں بالکل اندھا ہو گیا تھا۔ میں نے پستول کی نال اس کے ماتھے سے ہٹائی اور اچانک گھما کر اسے اس کی کنپٹی پر رسید کیا۔ اس کا سر گھوما اور وہ بے ہوش گیا۔ اس سے پہلے میں بے ہوش یا ناکارہ ہو جاتا اسے بے ضرر کرنا لازمی تھا۔ میں اٹھا اور بڑی مشکل سے اٹھا مجھے لگ رہا تھا جیسے میرے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

میں نے اس کی رائفل قالین سے اٹھائی۔ اس کا ایک اضافی میگزین اس کے لباس میں تھا وہ بھی نکال لیا اور پھر دروازے کے پاس آ کر باہر کی سن گن لی۔ بہ ظاہر وہاں سناٹا تھا مگر یہ سناٹا غیر فطری تھا کیونکہ فائرز کی آواز نیچے موجود مزید دو افراد نے لازمی سن لی تھی اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے ساتھی کہاں گئے تھے؟ اس لیے وہ اب اسی طرف آئے ہوں گے اور باہر گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ دشمن کو بے خبر کرنے کے لیے میں نے آزمودہ طریقہ آزمایا اور ٹوٹ جانے والے ٹیبل لیمپ کا تار کھینچ کر چاقو سے اس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس کے دونوں سرے چھیلے اور پھر کمرے کے سوئچ بورڈ کے ساکٹ میں ڈال کر بٹن دبایا تو شعلہ لپکا اور کمرا تاریک ہو گیا۔ میں نے نائٹ ویژن آنکھوں پر کی اور ذرا سا دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ وہاں بھی تاریکی تھی یعنی اس جگہ کا فیوز ایک ہی تھا۔ البتہ عمارت کے دوسرے حصوں میں الگ فیوز ہی ہوتے۔ شاید اس جگہ کی وائرنگ پرانی تھی ورنہ اب تو ایسا فیوز سسٹم آ گیا ہے کہ ہر کمرے کا الگ فیوز ہوتا ہے اور کسی خرابی یا شارٹ ہونے کی صورت صرف اسی کا فیوز اڑتا ہے۔

میں باہر آیا ہال دے کے آخری حصے میں روشنی جھلک رہی تھی اور یہ عام روشنی نہیں بلکہ نائٹ ویژن سے نظر آنے والی انفراریڈ شعاعیں تھیں۔ اس کا مطلب تھا اس طرف کوئی زندہ فرد موجود تھا جس کا جسم حرارت خارج کر رہا تھا۔ میں دبے قدموں اس طرف بڑھا تو کوئی دبی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''ادھر روشنی بند ہو گئی ہے جی..... نہیں جی پوری جگہ کی بند ہوئی ہے۔''

دوسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ بولنے والا شاید ریڈیو پر کسی کو اطلاع دے رہا تھا۔ میں نے کونے سے جھانک کر دیکھا تو ایک شخص دیوار سے ٹکا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں رائفل تھی مگر اس کی توجہ نہیں تھی اور تاریکی میں مَیں اسے نظر بھی کہاں آتا۔ میں نے رائفل سیدھی کی اور اس کے سامنے آیا تھا۔ شاید اس کی چھٹی حس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے چونکایا اور اس نے جلدی سے رائفل سیدھی کرنا چاہی لیکن اس سے پہلے میں گولی چلا چکا تھا۔ میں نے اس کے دائیں بازو کا نشانہ لیا تھا مگر گولی بازو چھیدتی ہوئی جسم میں اتر گئی۔ اس نے ایک جھٹکا لیا اور دیوار کے ساتھ پھسلتا ہوا نیچے گر گیا۔ میں نے لات مار کر اس کی رائفل دور پھینک دی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور بہ ظاہر وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے کان پر لگا ہوا ریڈیو اتارا یہ جدید قسم کا چھوٹا سا ریڈیو تھا جو کان میں فٹ ہو جاتا تھا اس کی رینج زیادہ نہیں تھی۔ میں نے کان سے لگایا مگر دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ریڈیو پھینک کر میں سیدھا ہوا تو پھر چکر آیا تھا اور مجھے دیوار کا سہارا لینا پڑا تھا ورنہ اس بار شاید میں گر جاتا۔

دیوار کے سہارے آگے بڑھا۔ ابھی مجھے نیچے ایک فرد سے اور نمٹنا تھا تب ہی میں اوپر جا سکتا تھا۔ صورت حال خاصی مشکل تھی میں پہلے ہی فاضلی کا قیدی تھا اور اب مجھے سانپ نے بھی ڈس لیا تھا اس کا زہر مجھے ناکارہ کر رہا تھا اور مجھے سات مسلح افراد سے نمٹ کر فاضلی کو قابو کرنا تھا تاکہ یہاں سے نکل سکوں۔ بہ ظاہر یہ ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے برابر لگ رہا تھا۔ مگر اپنی جدوجہد کے دوران میں نے ایک سبق اچھی طرح سیکھ لیا تھا کہ مجھے حالات اور امکانات سے قطع نظر عمل کرنا چاہیے۔ آگے راہیں نکالنے والا اوپر بیٹھا تھا۔ یعنی کسی بھی حال میں مایوس ہو کر جدوجہد ترک نہیں کرنی ہے۔ ویسے بھی میں پختہ دل سے مایوسی کو کفر سمجھتا ہوں۔ اس لیے اس حال میں بھی فاضلی تک پہنچنے اور اسے قابو کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ہال وے اس طرف گھومنے کے بعد پتلی سی راہداری کی صورت اختیار کر گیا تھا اس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ آخری حصے میں ایک لاؤنج جیسا نظر آ رہا تھا اور وہاں ہلکی روشنی تھی۔ فیوز صرف اسی حصے کا اڑا تھا۔ میں راہداری کے وسط میں تھا کہ دوسرا فرد اچانک ہی لاؤنج کی طرف سے نمودار ہوا اور میں نے عجلت میں اس پر فائر کیا۔ اسی وجہ سے وہ بچ گیا۔ اس نے مجھے دیکھا نہیں تھا۔ مگر فائر نے اسے چونکایا اور وہ تیزی سے واپس آڑ میں گیا تھا۔ اپنی حماقت کا احساس ہوتے ہی میں عجلت میں پسپا ہوا کیونکہ یہاں چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ بچنے کے بعد وہ چند سیکنڈ بعد واپس آیا اور اس نے راہداری میں رائفل کر کے برسٹ چلایا۔ میں اس سے پہلے ہی گر گیا تھا اور گولیاں میرے اوپر سے گزریں اور کچھ میرے آس پاس فرش پر لگی تھیں اس نے اندھی فائرنگ کی تھی کیونکہ وہ خود آڑ میں تھا۔ اس نے صرف ہاتھ نکال کر اندازے سے برسٹ مارا تھا۔

میں لیٹے لیٹے پیچھے کی طرف سرکا۔ پیچھے جانے کے دوران پہلے آدمی سے ٹکرایا جو دیوار سے ٹکا بیٹھا تھا میں اس کے دوسری طرف چلا گیا اور اس کی آڑ میں دوسرے برسٹ سے بچ گیا۔ چند گولیاں اسے لگی تھیں اور اس نے جھٹکا لیا مگر ہلا نہیں۔ پتا نہیں وہ زندہ تھا یا مر گیا تھا۔ اتنی گولیاں لگنے کے بعد اس کا بچنا مشکل ہی تھا۔ یہاں ہر فرد یکے بعد دیگرے موت کا شکار ہو رہا تھا اور چند ایک خوش نصیب تھے جو زندہ بچے تھے۔ ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ میں اس کی آڑ میں ہی پیچھے سرکا اور پھر ہال وے میں آ گیا۔ ایک بار پھر میں بچا کیونکہ میری طرف سے جواب نہ پا کر اس نے سامنے آ کر اس بار سیدھی فائرنگ کی۔ جیسے ہی وہ رکا میں نے اسی کے انداز میں رائفل آڑ سے نکال کر اندھا برسٹ مارا۔ میری طرح وہ بھی بچ گیا اور تیزی سے آڑ میں ہو گیا۔

میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا مجھے لگ رہا تھا جیسے میرے جسم کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہو۔ رگوں میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں سن کی سی کیفیت میں تھے۔ میری حالت اس شرابی کی سی تھی جس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوقات سے زیادہ پی لی ہو۔ سرگھوم رہا تھا اور حواس قابو سے باہر ہو رہے تھے۔ یہ شاید زہر کا مزید کوئی اثر تھا کیونکہ اب تک اس نے سوائے نیند طاری کرنے کے مجھے اور کوئی تکلیف نہیں دی تھی۔ یہ بھی تکلیف نہیں تھی بلکہ بے چینی تھی جو گرمائش اور سنسناہٹ کے ساتھ جسم میں پھیل رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے ہال وے کی دیواریں اور وہاں رکھا ہوا سامان متحرک ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسی طرح بیٹھا رہا تو سو جاؤں گا یا حواس گم کر بیٹھوں گا۔

اس لیے میں کھڑا ہو گیا اور ہال وے کے دوسری طرف بڑھا اس کا ایک دروازہ یقیناً کوٹھی کے مرکزی دروازے کی طرف کھل رہا تھا اور اس طرف نہ جانے کیا تھا۔ فاضلی کے آدمی ریڈیو سے آپس میں منسلک تھے اس کا مطلب تھا کہ اوپر والوں کو نیچے جاری جنگ کا علم ہو گیا تھا اور ان کی طرف سے مزید کمک روانہ کر دی گئی ہو گی۔ یہ امکان بھی تھا کہ اس دروازے کے باہر فاضلی کے گرگے گھات لگائے بیٹھے ہوں کہ میں نمودار ہوں اور وہ میرے جسم میں چند عدد سوراخوں کا اضافہ کر دیں۔ اب فاضلی واضح طور پر میرے خاتمے پر تل گیا تھا۔ اس لیے میں اسی دروازے سے باہر آیا جس سے اندر داخل ہوا تھا۔ کھلی فضا میں آنے کے بعد بے چینی کا احساس کم ہوا تھا گرمی بڑھ رہی تھی اور سنسناہٹ کچھ زیادہ ہی ہوتی جا رہی تھی۔ یہ ایسی سنسناہٹ تھی کہ میں ہاتھ کو میرے اندر سے چھوتا تو ہلکا سا کرنٹ لگتا تھا۔ نہ جانے یہ زہر کا اثر تھا یا نہ کیا تھا؟

برآمدے میں ماربل ٹیبل پر ایک منرل واٹر کی بوتل رکھی تھی پہلے میں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا مگر اب اندر کی آگ سے گھبرا کر میں نے اسے اٹھایا اور منہ سے لگا کر اس وقت تک پیتا رہا جب تک آخری قطرہ بھی حلق سے نہیں اتر گیا تھا۔ تقریباً پون لیٹر پانی پی کر مجھے سکون ملا تھا اور اندر ابھرتی آگ میں کمی محسوس ہوئی تھی۔ ہاتھ پیروں کی سنسناہٹ بھی کم ہوئی تھی۔ میں خود کو بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔ چند گہرے سانس لے کر میں مرکزی دروازے سے چھوٹے دروازے کی طرف بڑھا۔ یہ بھی لاک تھا اور اسے بھی کھولنے کے لیے گولی کا سہارا لینا پڑا۔ البتہ اب میرے پاس خاموش رائفل تھی اس لیے یہ کام خاموشی سے ہو گیا۔ میں اندر داخل ہوا تو یہ ایک بڑی نشست گاہ ثابت ہوئی تھی۔ شاندار قسم کے صوفوں اور فرنیچر سے مزین یہ جگہ خالی تھی۔ یہاں ہلکی روشنی کے قمقمے روشن تھے اور کچھ خواب ناک سا ماحول تھا یا پھر میری جو کیفیت تھی تو مجھے خواب ناک لگ رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا وہیں کسی دبیز صوفے پر گر جاؤں اور سو جاؤں۔

اس دلی خواہش کو رد کرنے کے لیے میں خود کو خبردار کر رہا تھا کہ جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے اور مجھے اپنی زندگی کھونے سے گریز کرنا چاہیے۔ مجھے خود سے لڑنا پڑ رہا تھا اور جب میں نے خود سے لڑائی کی تو مجھے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ نفس سے لڑنے کو جہاد اکبر کیوں کہا جاتا ہے۔ میں آگے بڑھا تو میرے قدم لڑکھڑانے لگے تھے۔ پاؤں جیسے بے جان ہوئے جا رہے تھے۔ ایک صوفے کے پاس سے گزرتے ہوئے میں کچھ زیادہ ہی لڑکھڑایا اور پھر صوفے پر گرا۔ وہاں سے میں لڑھک کر قالین پر آ گیا۔ رائفل کی نال گلاس ٹاپ ٹیبل سے ٹکرائی اور خاصی بلند آواز آئی تھی۔ اس آواز نے دشمن کی رہنمائی کی اور وہ نشست گاہ کی طرف آیا تھا۔ مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہیں تھی رائفل اٹھانا بھی دشوار لگ رہا تھا۔ دشمن اندر آیا تو کسی چیز سے ٹکرایا اور اس نے بھی اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ دشمن سر پر آ گیا تھا اور میں ہاتھ پاؤں پھیلائے بے بس پڑا تھا۔ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا صوفے کے دوسری طرف سے نمودار ہوا اور اس نے مجھے دیکھتے ہی رائفل کا رخ میری طرف کر دیا۔ ایک لمحے کو مجھے لگا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ ابھی فائر کھول دے گا۔ مگر اس نے اس کے بجائے ریڈیو پر کہا۔

''وہ مل گیا ہے ادھر یوں پڑا ہے جیسے بے ہوش ہو۔'' اس نے دوسری طرف سے جواب سنا اور سر ہلایا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ ''چل بھئی تیرا وقت پورا ہو گیا ہے، تیار ہو جا مرنے کے.....''

اس کا جملہ منہ میں تھا کہ صوفے کے ساتھ لگے میرے ہاتھ میں دبے پستول سے فائر ہوا اور گولی صوفے کو چیرتی ہوئی اس کے جسم میں پیوست ہو گئی۔ اسے میری رائفل دکھائی دی تھی اس لیے وہ فطری طور پر مطمئن ہو گیا تھا اور اس نے سوچا نہیں کہ میرے چھپے ہاتھ میں کوئی ہتھیار ہو سکتا ہے۔ اسے اسی کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔ گولی کے جھٹکے سے وہ پیچھے گیا۔ اس نے بے ساختہ رائفل کا ٹریگر دبایا اور برسٹ چلا مگر رائفل کا رخ اوپر کی طرف ہو گیا تھا۔ میں نے لیٹے لیٹے اس پر پورا میگزین خالی کر دیا۔ ہر فائر کے ساتھ وہ جھٹکے سے پیچھے جاتا تھا اور ہر بار اس کی رائفل برسٹ مارتی تھی اور اس کا نشانہ نشست گاہ کی چھت اور فانوس بن رہے تھے میرے آس پاس ٹوٹے شیشوں کی بارش ہو رہی تھی۔ میں نے چہرہ چھپا لیا تھا۔

آخری گولی کے ساتھ ہی اس کی رائفل خالی ہو گئی اور وہ دھپ سے نیچے گرا تو اس کا جسم روح سے خالی ہو چکا تھا۔ وہ صوفے کے دوسری طرف تھا اور میں اسے دیکھنے سے قاصر تھا مگر وہ جس طرح گرا تھا مجھے یقین ہو گیا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ میں کچھ دیر لیٹا رہا پھر ہمت کر کے اٹھنے لگا تھا کہ نشست گاہ کے دروازے پر ایک دیو قامت سایا نمودار ہوا اور میں کراہ کر رہ گیا۔ بالآخر فاضلی نے اپنی فوج کا سب سے خطرناک ہتھیار بھیج دیا تھا میری سرکوبی کے لیے۔ میرا پستول خالی ہو گیا تھا اور مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ میں اس کا میگزین بدل سکتا اسی طرح رائفل اٹھانے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی۔ پھر اس کا فائدہ بھی نہیں تھا۔ باسو پر گولی اسی طرح بے اثر تھی جیسے مرد ناداں پر کلام نرم و نازک۔ باسو نے اندر آ کر میرا جائزہ لیا اور پاس آیا۔ میں پھر لیٹ گیا تھا کیونکہ بدن اس شدت سے چکرانے لگا تھا مجھے لگا جیسے باسو گھومتا ہوا میری طرف آیا ہے۔ اس نے جھک کر مجھے دیکھا اور پھر منٹ سیکنڈ کر کچھ سونگھا اور زیر لب بولا۔

''اسنیک پوائزن..... تمہیں سانپ نے کاٹا ہے؟''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سوال نہیں کیا تھا بلکہ تجزیہ کیا تھا کہ مجھے سانپ نے کاٹا ہے اس کے باوجود میں نے جواب دینے کی کوشش کی تھی کہ یک لخت تاریکی مکمل ہوگئی اور مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔ بالآخر زہر نے مجھ پر غلبہ پالیا تھا۔ مگر یہ غلبہ عارضی تھا چند منٹ بعد میں ہوش میں آنے لگا۔ میں اسی جگہ پڑا ہوا تھا اور باسو میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرے جسم کی حدت کم ہو رہی ہو اور ذہن پر چھائی غنودگی تیزی سے چھٹ رہی تھی۔ زہر کا اثر زائل ہو رہا تھا مگر کیسے؟ دو منٹ بعد میں اٹھ بیٹھا اور خود کو خاصا بہتر محسوس کرنے لگا تھا میں نے باسو کی طرف دیکھا اور بولنے والا تھا کہ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اپنی زرہ بکتر سے ایک گیس سرنج نکال کر دکھائی۔ اس نے اشارے سے بتایا کہ اس نے مجھے یہ انجکشن لگایا تھا یقیناً اس میں اینٹی ڈوٹ تھا یعنی سانپ کے زہر کا تریاق اور اسی وجہ سے میں اتنی تیزی سے ٹھیک ہوا تھا۔ اس نے میرا بازو پکڑ کر اٹھایا اور مخصوص لہجے میں غرا کر بولا۔ ''چلو۔''

ذہنی طور پر چاق و چوبند ہونے کے باوجود جسمانی کمزوری باقی تھی باسو کے سہارے کے باوجود میں لڑکھڑا گیا تھا اور اگر اس نے پکڑ نہ رکھا ہوتا تو میں گر جاتا۔ میری حالت دیکھتے ہوئے اس نے مجھے اٹھا کر اپنے شانے پر لاد لیا اور چل پڑا۔ اس کا رخ کوٹھی کے اوپری حصے کی طرف تھا۔ دنیا کو الٹے ہو کر دیکھنا ایک منفرد اور کسی قدر احمقانہ تجربہ ہوتا ہے میں اس وقت اسی تجربے سے گزر رہا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ اوپر آیا جہاں وسیع و عریض لاؤنج میں ساری پارٹی موجود تھی۔ فاضلی اپنے مسلح گرگوں کے ساتھ تھا اور ان کی تعداد اب پانچ رہ گئی تھی۔ ایک طرف کرسیوں پر مرشد، رومانہ اور راشد بندھے بیٹھے تھے اور ان کے سامنے فاضلی کسی فلمی ولن کی شان سے صوفے پر براجمان تھا اور شغلِ مے نوشی کر رہا تھا۔ جب باسو نے مجھے نیچے ڈالا تو اس نے کسی قدر حیرت سے کہا۔ ''یہ زندہ ہے؟''

''مرنے والا ہے اسے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔'' باسو نے لاپروائی سے کہا تو میں فوری طور پر بے سدھ نظر آنے لگا۔ فاضلی اٹھ کر میری طرف آیا اور اس نے بھی میرے جسم سے آتی بو محسوس کر لی تھی۔ اس نے اتنے قریب آنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مجھے کرنٹ لگ جاتا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ورنہ وہ کرنٹ بھی بڑا روح فرسا تھا۔ فاضلی نے سر ہلایا۔

''اسے سانپ نے کاٹا ہے۔ یہ یقیناً درختوں کی طرف گیا ہوگا۔ مگر یہ بچا ہوا کیسے ہے وہاں پایا جانے والا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہر سانپ اتنا زہریلا ہے کہ آدمی منٹوں میں مر جاتا ہے۔ کیوں میں نے ٹھیک کہا نا؟'' فاضلی نے مرشد کی طرف دیکھا۔

''یہ غلط ہے۔'' مرشد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں نے جو سانپ پالے ان میں تم سے زیادہ زہریلا کوئی نہیں ہے۔''

''ہاں کیونکہ میری رگوں میں تمہارا خون ہے۔'' فاضلی بولا۔

مرشد کی زرتار قبا غائب تھی اور وہ اس وقت سادہ شلوار کرتے میں ملبوس تھا۔ اس کے بال جو سلیقے سے بنے ہوتے تھے اس وقت بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر چوٹوں کے نشانات تھے۔ اس کے دائیں شانے سے کرتہ خون سے رنگین ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مرشد نے بہ نفس نفیس لڑائی میں حصہ لیا تھا اور بہادری سے لڑ کر گرفتار ہوا تھا۔ مرشد خوفزدہ نہیں تھا یا تھا تو ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ اس کے برعکس رومانہ اور راشد کا خوف سے برا حال تھا۔ خاص طور سے رومانہ کا حسین چہرہ بگڑ گیا تھا اور مسلسل رونے سے اس کی آنکھوں کے گرد ورم آ گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ فاضلی کو انہیں قابو کیے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ مرشد نے کہا۔

''تم چاہتے کیا ہو؟''

''میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔'' فاضلی نے بلا جھجک کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں کوئی لاوارث آدمی ہوں جو تم مجھے قتل کر دو گے اور کوئی نہیں پوچھے گا۔''

''کیوں نہیں پوچھے گا لیکن ان نامعلوم قاتلوں سے جو کبھی نہیں ملیں گے اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو سب مجھ سے تعزیت کریں گے اور میں بھی تمہاری یاد میں مگرمچھ کی طرح آنسو بہاؤں گا۔ بہرحال مجھ سے کوئی نہیں پوچھے گا۔'' فاضلی نے یقین سے کہا۔ ''میں تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا لیکن اس سے پہلے میں تم سے کچھ کاغذات پر سائن لینا چاہتا ہوں۔''

''اور تمہارا خیال ہے میں سائن کر دوں گا؟'' مرشد نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''کیا میں اتنا ہی احمق ہوں۔''

''تم کرو گے۔'' فاضلی اطمینان سے بولا۔ ''ویسے کیا تم جاننا نہیں چاہو گے کہ میں تم سے کن کاغذات پر سائن کراؤں گا؟''

فاضلی کے دو آدمی سیڑھیوں کے پاس تھے اور باقی تین ہمارے آس پاس موجود تھے۔ میں ان تینوں سے ذرا فاصلے پر قالین پر پڑا تھا اور باسو میرے سر پر موجود تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس نے میری جان کیوں بچائی تھی۔ جب کہ اس کا عارضی آقا میری جان لینے کے درپے تھا اور اس وقت بھی مجھے زندہ پا کر اس نے مایوسی کا اظہار کیا تھا اور اگر باسو سانپ کے زہر سے میری متوقع فوتگی کا اعلان نہ کرتا تو شاید وہ مجھے اپنے ہاتھ سے شوٹ کر دیتا۔ مگر یہ ظاہر تھا کہ باسو اپنے اصل آقا کی ہدایت کاری کے مطابق میرا تحفظ کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ جب میں فوت نہیں ہوں گا تو فاضلی کا کیا ردِعمل ہوگا؟ اور اگر وہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا تو باسو کا کیا ردِعمل ہوگا؟ اس کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا تھا۔ یعنی میرے لیے انتظار کرو اور دیکھو کی پالیسی کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ مرشد نے پہلے کی طرح سپاٹ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم مجھ سے میری جائیداد اور دولت کی ملکیت کے کاغذات سائن کراؤ گے۔''

''بالکل اور ساتھ میں ایک وصیت نامہ بھی ہوگا جس کی رُو سے میں گدی کا جانشین ہوں گا۔''

مرشد نے نفی میں سر ہلایا۔''کوئی گدی پر تمہارا حق تسلیم نہیں کرے گا۔''

''بالکل مانیں گے۔'' فاضلی نے عیاری سے کہا۔''اس کے لیے ایک پوری کہانی تیار کی گئی ہے۔ کہانی کچھ یوں ہے کہ جب میں اعلیٰ حضرت مرشد علی کے گھر پیدا ہوا تو بعض الہامی اشاروں پر مجھے اس غریب مرید جوڑے کے حوالے کر دیا گیا تا کہ میری پرورش غریبوں میں ہو اور میں بچپن سے غریب پرور بنوں۔ الہامی اشارے پر یہ بات سب سے چھپائی گئی اور اب وقت آ گیا ہے کہ اسے ظاہر کیا جائے۔ کیا خیال ہے تمہارے جاہل عقیدت مند یہ سن کر لوٹ پوٹ نہیں ہو جائیں گے۔ تم بھی تو انہیں ایسی ہی کہانیوں سے بے وقوف بناتے آئے ہو۔''

مرشد خاموش رہا تھا لیکن میں فاضلی سے متفق ہو گیا تھا۔ اس ملک میں جعلی پیروں فقیروں کا بزنس اسی وجہ سے چل رہا ہے کہ عوام عقل کے بجائے اندھی عقیدت اور جذبات سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا دین تو سراسر عقل کا ہے۔ اس میں اندھی عقیدت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فاضلی کا دعویٰ بالکل تسلیم کیا جاتا، جب کہ درگاہ کا ہر فرد اسے مرشد کے معتمد خاص کی حیثیت سے جانتا تھا۔ سب سے بڑھ کر وہ گدی پر قابض ہوتا تو طاقت بھی اس کے ہاتھ میں ہوتی اور پھر کون اس کے سامنے کھڑا ہو سکتا تھا۔ مرشد کی طرح خود کو ناگزیر سمجھنے والے ہر انسان کے لیے اس میں عبرت تھی کہ انسان اپنی زندگی میں چاہے زمین آسمان ایک کر دے مرتے ہی اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ مرشد نے نفی میں سر ہلایا۔''تم کہانی بنا لو گے لیکن خود کو میری اولاد کیسے تسلیم کراؤ گے؟''

''بہت آسانی سے، ڈی این اے ٹیسٹ اسی لیے تو ہوتا ہے کہ آدمی کے ماں باپ کا پتا چل جائے۔''

گویا فاضلی نے ساری تیاری کر لی تھی۔ مرشد کا چہرہ ست گیا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس گفتگو میں مداخلت کروں مگر میں تو مار گزیدہ بنا ہوا تھا اس لیے خاموش رہنا ہی مناسب تھا۔ مرشد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔''یہاں جو قتل و غارت گری ہوئی ہے اس کا کیا جواب دو گے؟''

''مجھے جواب دینے کی کیا ضرورت ہے، کہانی یہ ہوگی کہ دہشت گردوں نے درگاہ پر حملہ کیا اور تم سمیت سب کو مٹھ کانے لگا دیا۔ یہاں وہ ٹولہ موجود ہے جسے تم نے اپنی حفاظت کے لیے بلوایا تھا اور اس کا تعلق ایک کالعدم دہشت گرد تنظیم سے ہے۔ وہ حملہ آور شمار ہوں گے۔ میں زخمی ہونے کے باوجود بچ جاؤں گا کوئی مجھ پر شک نہیں کرے گا۔ جب میں تمہارا جانشین بنوں گا تو جو آج تمہارے وفادار ہیں وہ فوراً پٹری بدل کر میرے وفادار بن جائیں گے۔ پولیس انکوائری کی رپورٹ میری مرضی کے مطابق بنے گی اور تم شاید جان گئے ہو کہ میری پشت پر کون ہے۔''

''ڈیوڈ شا۔'' مرشد نے حقارت سے کہا۔''تم کیا سمجھتے ہو وہ ہمیشہ یہاں تمہاری پشت پناہی کے لیے موجود رہے گا۔''

''نہیں لیکن جب تک میں مضبوط ہو جاؤں گا۔'' فاضلی نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ڈیوڈ شا کی حیثیت کی نفی سے گریز کیا کیونکہ یہاں باسمو موجود تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پھر بھی میرے بچے موجود ہیں تم ان کے ہوتے ہوئے جائیداد اور گدی پر قبضہ نہیں کر سکتے ہو۔''

''کیوں بچوں کی سی بات کر رہے ہو جب میں نے تمہارے سارے چچازادوں کو مع خاندان کے ختم کر دیا ہے تو یہ چند بچے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ میں ان کو آرام سے ایک ایک کر کے ختم کر دوں گا۔''

بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ فاضلی صورتِ حال پر حاوی ہو گیا تھا مگر مرشد نے ابھی حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ ''اگر میں سائن کرنے سے انکار کر دوں تو؟''

اس پر فاضلی نے معنی خیز نظروں سے رومانہ اور راشد کی طرف دیکھا۔ ''میں نے انہیں کس لیے حاصل کیا ہے اور بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے۔ شہباز کے ساتھیوں کو بہت چکر دیئے تب کہیں جا کر انہوں نے اس جوڑے کو میرے حوالے کیا۔''

فاضلی کی بات نے میرے اندر موجود بے چینی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ راشد اور رومانہ فاضلی کے ہاتھ میرے ساتھیوں سے کسی ڈیل کی صورت میں لگے تھے۔ اینٹی ڈوٹ دینے سے میری حالت ہرگز رتے لمحے بہتر ہو رہی تھی۔ جسم کی گرمی اور سنسناہٹ ختم ہو گئی تھی۔ ذہن پر طاری ہونے والی غنودگی سرے سے غائب تھی اور اب مجھے لگ رہا تھا کہ میرے ہاتھ پاؤں بھی میرے قابو میں آتے جا رہے ہیں۔ شاید پندرہ بیس منٹ میں اس قابل ہو جاتا کہ کسی ہنگامہ آرائی میں حصہ لے سکتا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ مرشد اپنی بیٹی اور داماد کی طرف سے لاپروا نظر آ رہا تھا اس نے ایک بار بھی ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ فاضلی کی بات پر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میرا ان دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق تو ہے۔'' فاضلی نے کہا اور رومانہ کی طرف بڑھا اس نے رومانہ کا چہرہ اپنے ہاتھ میں جکڑ کر مرشد کی طرف گھمایا۔ ''یہ تمہاری جوان اور حسین بیٹی ہے۔ اگر تمہارے سامنے اس کے ساتھ کوئی برا سلوک ہو تو تمہارے دل کو تکلیف تو ہو گی۔''

رومانہ مچل رہی تھی مگر اس سے اپنا منہ نہیں چھڑا سکتی تھی۔ فاضلی نے خود اسے چھوڑا اور پھر وہ راشد کی طرف بڑھا اور اچانک اس کے منہ پر گھونسہ مارا۔ اس کا منہ گھوم گیا اور ہونٹوں سے خون بہہ نکلا تھا۔ رومانہ نے چیخ ماری تھی۔ فاضلی ہنسا۔ ''یہ تمہارا عزیز بھتیجا ہے۔ تمہارے دل میں اس کے لیے بھی کچھ نہ کچھ جگہ تو ہو گی۔''

''یہ دونوں میرے مجرم ہیں اور میرے آدمی انہیں تلاش کر رہے تھے۔ اگر یہ مل جاتے تو اب تک کسی نامعلوم قبر میں دفن ہو چکے ہوتے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ انہیں شہباز نے پناہ دی ہوئی ہے۔''

''واقعی؟'' فاضلی نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ''تم واقعی ان کے ساتھ یہ سلوک کرتے؟''

''میں نے کہا نا میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے تم ان کے ساتھ جو چاہے کرو۔'' مرشد کا لہجہ مزید سخت ہو گیا مگر مجھے لگا اس سختی کے اندر کہیں کچھ اور بھی تھا۔ دوسرے فاضلی نے رومانہ کے لیے جس طرح کے الفاظ استعمال کیے تھے میرے اندر ایک خیال سر سرانے لگا۔ مگر میری عقل اسے مسترد کر رہی تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی کتنا ہی شیطان کیوں نہ ہو جائے اپنی بہن کو بری نظر سے کیسے دیکھ سکتا ہے۔ رومانہ اس کی سوتیلی بہن تھی بے شک یہ رشتہ خونی نہیں تھا۔ فاضلی نے پھر معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''کچھ بھی کروں اور بے شک تمہارے سامنے کروں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ذلیل.....'' راشد نے تڑپ کر کہا۔ ''اپنا گندہ منہ بند رکھ۔''

فاضلی نے اس کا جواب یوں دیا کہ پے در پے راشد کے منہ پر کئی مکے رسید کیے اور صحیح معنوں میں اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ وہ ذرا نازک نوجوان تھا اور اس کے لیے یہ چند مکے بھی بہت تھے۔ مگر وہ حوصلے سے برداشت کرتا رہا اور روہانسا چلا رہی تھی۔ مرشد البتہ خاموش تھا اور اس کا چہرہ مزید سست گیا تھا۔ فاضلی نے اپنا ہاتھ روکا اور پھر راشد کی شرٹ سے ہاتھ پر لگنے والا اس کا خون صاف کیا۔ اس نے اطمینان سے مرشد کی طرف دیکھا اور بولا۔

''اب کیا کہتے ہو ویسے تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔''

''ہاں مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔'' مرشد نے کہا۔ ''لیکن میں تمہاری بات نہیں مانوں گا۔ میں نے کہا نا تم ان کے ساتھ جو چاہے کرو۔''

فاضلی سفاک انداز میں مسکرایا۔ ''میری بھی یہی خواہش ہے کہ تم اتنی آسانی سے نہ مانو۔''

''کیا کرو گے تم ان دونوں کو مار دو گے؟'' مرشد حقارت سے بولا۔ ''پھر مجھے مار دو گے؟''

''ارادہ تو یہی ہے لیکن اتنی آسانی سے نہیں۔'' فاضلی بولا۔ ''پہلے میں تمہارے سامنے تمہاری بیٹی کو بے آبرو کروں گا۔''

''کتے کے بچے۔'' راشد چلایا اور روہانسا دہشت زدہ انداز میں رونے لگی۔ میں نے کمزوری آواز میں کہا۔

''فاضلی مجھے اندازہ نہیں تھا تم اس قدر ذلیل اور شیطان صفت شخص نکلو گے۔''

''تعجب ہے۔'' اس نے مصنوعی حیرت کے ساتھ کہا۔ ''میری ولدیت کے بارے میں جان کر بھی تم میرے بارے میں ایسا خیال رکھتے تھے؟''

''ہاں اس کے باوجود خیال نہیں آیا۔ کاش کہ میں تمہیں قتل کر سکتا۔''

''تم نہیں میں تمہیں قتل کروں گا۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے طریقہ بھی سوچ لیا ہے۔''

''انسان سوچتا بہت کچھ ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو اوپر والا چاہتا ہے۔'' میری بات پر اس نے بھنویں سکیڑ کر مجھے دیکھا اور کسی قدر مشکوک لہجے میں بولا۔

''کیا بات ہے تم میں بڑا دم خم نظر آ رہا ہے۔ بہ ظاہر تو تم قریب المرگ تھے۔'' وہ کہتے ہوئے میرے قریب آیا اور اس نے جائزہ لیا۔ ''تمہیں اب پسینہ بھی نہیں آ رہا ہے۔''

میں نے جواب دینے سے گریز کیا۔ فاضلی نے باسو سے پوچھا۔ ''تم کہہ رہے تھے اسے سانپ نے کاٹا ہے اور یہ مر جائے گا اسے یہاں آئے ہوئے دس منٹ سے اوپر ہو گئے ہیں اور اب تک اس کے مرنے کے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے یہ میرے اور تمہارے اندازے سے زیادہ سخت جان ہو۔'' باسو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''شاید سانپ ٹھیک سے ڈس نہ سکا ہو۔''

فاضلی کی آنکھوں میں شک نمایاں تھا پھر اس نے مکارانہ انداز میں کہا۔ ''اچھی بات ہے یہ اتنی جلدی نہ مرے اور بہت کچھ دیکھ کر میرے ہاتھوں مارا جائے۔ مجھے دنیا میں کسی شخص کو قتل کرنے کی اتنی خواہش نہیں ہے جتنی اس شخص کو قتل کرنے کی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''غالباً مرشد کے بارے میں تم ایسے ہی خیالات رکھتے ہو۔'' میں نے کہا۔ اس نے مرشد کی طرف دیکھا اور بولا۔

''کچھ بھی سہی لیکن ہے تو میرا باپ، اس وقت بھی مجھے اس پر رحم آرہا ہے لیکن شہباز ملک تمہارے لیے میرے اندر صرف ایک ہی جذبہ ہے۔''

راشد جو کچھ دیر پہلے تک فاضلی کو گالیاں دے رہا تھا اب گھبرایا ہوا لگ رہا تھا اس نے فاضلی سے کہا۔

''سنو، مرشد ٹھیک کہہ رہا ہے اگر اس کا بس چلا تو ہمیں اپنے ہاتھ سے مار کر اپنے کتوں کو کھلا دے۔''

''تب میں بھی یہی کروں گا۔'' فاضلی ہنسا۔ ''اپنے باپ کی آخری خواہش سمجھ کر۔''

وہ رومانہ کی طرف بڑھا تو وہ چلانے لگی تھی۔ جب اس کے منہ پر خون گرا تھا تب وہ جیسے حواس کھو بیٹھی تھی اور اس وقت بھی وہ اسی طرح جنونی ہو رہی تھی۔ مجھے اس پر ترس آنے لگا وہ اپنے باپ کے کیے کی سزا بھگتتے جا رہی تھی۔ فاضلی اسے کھولنے لگا۔ جیسے ہی وہ آزاد ہوئی اس نے فاضلی کا منہ نوچنے کی کوشش کی مگر ایک تھپڑ کھا کر واپس کرسی پر گری تھی۔ فاضلی نے ذرا لحاظ نہیں کیا کہ وہ بہت نازک سی لڑکی تھی۔ راشد پھر چلانے اور گالیاں دینے لگا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو باسو نے اپنا بھاری ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا اس کی آنکھوں میں اشارہ تھا کہ میں خاموش رہوں لیکن میرے سامنے ایک عورت کی بے حرمتی ہو اور بے شک وہ میرے بدترین دشمن کی بیٹی کیوں نہ ہو، مجھ سے یہ قطعی برداشت نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے مرشد سے کہا۔ ''تمہارا مقدر موت ہے اور تمہارا یہ ناجائز بیٹا کسی کو نہیں چھوڑے گا۔ پھر کیوں ذلت کے ساتھ مر رہے ہو۔ اگر تمہارے نزدیک اپنی کوئی عزت نہیں ہے تو اپنی بیٹی کو تو عزت سے مرنے دو۔''

''تم اسے نہیں جانتے۔'' مرشد نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''اگر میں نے سائن بھی کر دیئے تب بھی یہ یہی سب کرے گا۔''

''لعنت ہو تم پر ایک امکان پر تم یہ سب برداشت کرنے کو تیار ہو گئے ہو جیسے کوئی باپ برداشت نہیں کر سکتا۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

فاضلی نے رومانہ کو بے رحمی سے نیچے گرایا اور اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا لاؤنج کے وسط میں موجود کاؤچ کی طرف لے جانے لگا۔ اس نے رومانہ کو کاؤچ پر دھکا دیا اور مرشد سے بولا۔ ''شاید تم تیار ہو، لیکن یہ شو بہت طویل ہوگا اس میں میرے بعد یہ سب بھی حصہ لیں گے۔'' اس نے اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''شو اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم مان نہیں جاتے یا پھر یہ مر نہیں جاتی۔''

فاضلی کسی شیطان کی طرح ننگا ہو کر سامنے آگیا تھا۔ انسان اپنے وجود کے نہاں خانوں میں کس قدر گندہ اور بے غیرت ہو سکتا ہے آج میں اس کی انتہا دیکھ رہا تھا۔ میں انتہائی شدت سے خواہش کر رہا تھا کہ اللہ مجھے ایک موقع دے اور میں آنِ واحد میں اس شخص کو جہنم رسید کر دوں۔ مگر میں مجبور تھا۔ جب میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو فاضلی کے دو آدمیوں کی گنوں کا رخ میری طرف ہو گیا تھا اور اس وقت وہ میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ پھر باسو کا ہاتھ میرے شانے پر کسی چٹان کی طرح جما ہوا تھا۔ مرشد کے چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات تھے وہ شدید اندرونی کشمکش کا شکار تھا۔ اچانک رومانہ چلائی۔ ''پاپا.....''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فاضلی ہنسا۔ ''تمہاری لاڈلی بیٹی نے تمہیں پکارا ہے جو تمہارے منہ پر کالک مل کر بھاگ گئی تھی۔''

''فاضلی میں تیار ہوں۔'' مرشد نے کہا۔ ''لیکن میری ایک شرط ہے رومانہ کو جانے دو۔''

فاضلی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہرگز نہیں، اسی کی موجودگی میں تم سائن کرو گے۔ ورنہ تم بعد میں مکر سکتے ہو۔''

''میں نے سائن کر دیئے اور تم نے پھر بھی یہی سب کیا تو.....؟''

''تو مجبور تم ہو میں نہیں۔'' فاضلی بولا۔ ''اور یہ سائن بھی میرے لیے بیکار ہیں میں خود کر سکتا ہوں اور کوئی اسے چیلنج نہیں کرے گا۔''

''تب تم میرے سائن کیوں چاہتے ہو؟''

''اپنی تسکین کے لیے۔'' فاضلی نے بلا جھجک کہا۔ ''میں تمہیں اپنے سامنے جھکا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اب اس سے زیادہ اور کیا جھکوں۔'' مرشد تلخی سے بولا۔ ''میرے ہاتھ کھولو میں سائن کے لیے تیار ہوں۔''

فاضلی کے اشارے پر اس کے ایک گرگے نے مرشد کے ہاتھ کھول دیئے۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی میز لا کر رکھی اور فاضلی نے وصیت نامے اور ملکیت کے کاغذات کی فائل مع پین اس کے سامنے رکھ دی۔ مرشد نے فائل کھولی۔ ''مجھے بتاؤ کہاں سائن کرنے ہیں۔''

''ایک یہاں؟'' فاضلی نے انگلی رکھی۔ میں نے محسوس کیا جیسے وہ مرشد کی رضامندی سے خوش نہیں تھا غالباً وہ چاہتا تھا کہ مرشد مزاحمت کرے اور وہ مرشد کو ذلیل کرنے کے لیے رومانہ کو بے آبرو کرے۔ مرشد نے خاموشی سے سائن کر دیئے۔ فاضلی نے صفحے پلٹے اور پھر ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''اب یہاں سائن کرو۔''

اس وقت مرشد نے جو کیا وہ میں نے کیا بہت چوکس فاضلی نے بھی نہیں سوچا تھا۔ اس نے اچانک پین فاضلی کی آنکھ میں گھسانے کی کوشش کی۔ یہ دھات کا بنا ہوا اعلیٰ درجے کا بال پوائنٹ تھا۔ اگر مرشد کا نشانہ ٹھیک بیٹھتا تو فاضلی شدید زخمی ہو جاتا اور وہ مر بھی سکتا تھا کیونکہ آنکھ کے صرف دو انچ پیچھے دماغ ہوتا ہے مگر اس کی بدقسمتی کہ اس کا نشانہ درست نہیں بیٹھا اور بال پین کی نوک فاضلی کی آنکھ کے پاس رخسار کو چیرتی چلی گئی۔ وہ بچنے کی کوشش میں ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا تھا۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی اور اس نے بے ساختہ ہاتھ زخم پر رکھا جس سے خون پھوٹ رہا تھا۔ مرشد اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ صرف اس کے ہاتھ آزاد تھے اور جسم کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ فاضلی کے ایک آدمی نے عقب سے اس کے سر پر ہلکی ضرب لگائی اور پھر اس سے بال پین چھین لیا جسے مرشد نے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا تھا۔ فاضلی کا ایک آدمی اسے اٹھانے کے لیے آیا تو فاضلی نے خود اٹھتے ہوئے اسے تھپڑ مارا۔ یہ کمہار کا غصہ گدھے پر نکالنے والی بات تھی۔ پھر وہ آگے آیا اور جھولتے مرشد کے چہرے پر پوری قوت سے تھپڑ مارنے لگا۔ ہر تھپڑ پر مرشد کا چہرہ گھوم جاتا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے پر نیلے زخم نمایاں ہو گئے۔

بہ ظاہر میں بے بس تھا کیونکہ باسو کے قبضے میں تھا میرے بائیں شانے پر اس کی گرفت سخت تھی۔ میں بہت زور لگاتا تو شاید اس کی گرفت سے نکل جاتا مگر اس دوران میں دوسروں اور خود باسو کو میرے خلاف کارروائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا موقع مل جاتا۔ اس کا رویہ میری سمجھ سے بالاتر تھا ایک طرف وہ فاضلی کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا اور مجھے اس کے معاملات میں مداخلت سے باز رکھے ہوئے تھا تو دوسری طرف وہ میرا فیور بھی کر رہا تھا۔ مرشد کے حملے اور پھر فاضلی کی جوابی کارروائی میں تقریباً سب کی توجہ ان کی طرف ہوگئی تھی۔ باسو تک بہت دلچسپی سے مرشد کی مرمت کا منظر دیکھ رہے تھے۔ صرف رومانہ اس معاملے میں ناخوش تھی۔ فاضلی کے جو آدمی مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے اب ان کی نظر بھی مجھ پر نہیں تھی۔ اس لیے جب میں نے باسو کی ران سے بندھے ہولسٹر سے اس کا پستول نکالا تو فوری طور پر کسی کو پتا نہیں چلا۔

یہ خاصا وزنی اور خوفناک پستول تھا جو شاید خاص طور سے باسو جیسے دیو قامت کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ بہرحال میں اسے استعمال کر سکتا تھا۔ فاضلی کے ساتھ ہی اس کا گرگا کھڑا تھا اور وہی میرے لیے سب سے بڑا خطرہ تھا اس لیے میں نے پہلے اسے ہی نشانہ بنایا۔ خوفناک دھماکے کے ساتھ اس کا سر تقریباً غائب ہوگیا اور اس کا خون اور مغز اچھل کر فاضلی اور مرشد پر گرا تھا۔ وہ گرا تو میں نے اس کے پیچھے کھڑے دوسرے شخص کو نشانہ بنایا گولی نے اس کا بایاں شانہ اڑا دیا تھا۔ پستول سچ مچ بھی خوفناک تھا اس کی گولی ہلاکت خیزی میں شاٹ گن جیسی تھی۔ باسو چونکا اور اس نے میرا شانہ چھوڑ کر مجھ سے پستول چھیننے کی کوشش کی مگر میں اس کی ٹانگوں کے درمیان گر گیا۔ اس اثنا میں فاضلی کے باقی آدمیوں نے مجھ پر فائر کھول دیا۔ یہ اور بات تھی کہ گولیاں باسو کے جسم پر لگیں اور زرہ بکتر سے اچٹ گئیں۔ وہ اب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا اور مجھے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ فائرنگ کے خلاف میری ڈھال بھی بنا ہوا تھا۔

فاضلی کے ایک آدمی نے گھوم کر مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی کہ میں نے اسے شوٹ کر دیا۔ گولی نے اس کے پیٹ اور سینے کے سنگم پر کوئی چھ انچ کا سوراخ کر دیا تھا اور وہ تیورا کر گرا تھا۔ باسو مجھے قابو کرنے کی کوشش کے ساتھ اپنا بچاؤ بھی کر رہا تھا کیونکہ اس نے ہیلمٹ کا شیشہ ہٹایا ہوا تھا اور اس کا چہرہ غیر محفوظ تھا۔ ساتھ ہی وہ دھاڑ کر فائرنگ بند کرنے کو کہہ رہا تھا۔ میں اس کی ٹانگوں میں اس طرح پھنسا ہوا تھا کہ وہ مجھے قابو نہیں کر پا رہا تھا۔ اسی دوران میں مجھے موقع ملا اور میں نے ایک طرف جاتے فاضلی پر فائر کیا مگر وہ عین موقع پر جھک گیا اور قضا اس کے ایک آدمی کی آئی تھی۔ وہ اس کے عین پیچھے تھا۔ فاضلی غائب تھا میں نے اندازے سے اس طرف باقی ماندہ گولیاں چلا دیں جہاں فاضلی گرا تھا۔ البتہ یہ خیال رکھا کہ رومانہ زد میں نہ آئے۔ اپنے چار ساتھیوں کی موت پر پانچواں آدمی دیوانہ ہوگیا تھا اور اندھا دھند برسٹ مار رہا تھا اگر باسو میری ڈھال نہ ہوتا تو اب تک میں چھلنی ہو چکا ہوتا۔

پھر باسو نے اچانک میرے سر پر ہاتھ مارا اور اس ضرب نے مجھے ناک آؤٹ کر دیا۔ ضرب شدید نہیں تھی اگر باسو پوری قوت استعمال کرتا تو میرا سر ٹوٹ جاتا مگر اس نے ناپ تول کر ضرب لگائی تھی۔ میں زیادہ دیر بے ہوش نہیں رہا تھا مجھے ہوش آیا تو باسو میرے سر پر موجود تھا۔ اس نے میرے دونوں ہاتھ پشت پر پلاسٹک کی کس جانے والی ڈوری سے باندھ دیے تھے۔ فاضلی پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا اور اس کی گالیوں کا ہدف میں تھا۔ میں سر جھٹک کر اٹھا تو فاضلی میز کے ساتھ کھڑا بوتل سے براہ راست شراب اپنے حرام وجود میں اتار رہا تھا۔ ہر گھونٹ کے ساتھ وہ مجھے گالیاں دیتا تھا۔ اس کے زخم سے بہنے والا خون اس کی شرٹ تک آ رہا تھا مگر اسے پروا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھی۔ اس کا پانچواں ساتھی جو اپنے حواس کھو بیٹھا تھا ایک طرف بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ شاید اسے باسو نے بے ہوش کیا تھا۔ رومانہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ مرشد اور راشد پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر فاضلی میری طرف آیا اور جھک کر زہریلے لہجے میں بولا۔

''بس یہی کر سکتے تھے تم؟''

''نہیں تمہیں بھی کتے کی موت مار دیا ہوتا اگر مجھے ایک لمحہ اور ملتا اور تم اس وقت جہنم میں ہوتے۔''

''لیکن تم مجھے مار نہیں سکے۔'' اس کا لہجہ فاتحانہ ہو گیا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تمہیں میں ماروں گا اور میں نے طریقہ بھی سوچ لیا ہے۔ میں نے اس کی حد پچاس گز کر دی ہے۔'' اس نے کڑے کی طرف اشارہ کیا۔ ''جیسے ہی تم مجھ سے پچاس گز دور جاؤ اس میں بھرا زہر تمہارے جسم میں اتر جائے گا اور اس بار تم بچو گے نہیں۔''

''ہو سکتا ہے۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''میری موت اسی طرح لکھی ہو۔''

''اور جب تم مرو گے اس وقت میں اسے پامال کر رہا ہوں گا۔'' اس نے رومانہ کی طرف دیکھا۔

''تم شیطان سے پست انسان ہو یہ تمہاری بہن ہے۔''

''تم نے کہہ دیا کہ میں شیطان سے بھی گیا گزرا ہوں تو تم مجھ سے کیا توقع کرتے ہو۔'' فاضلی نے کہا اور پلٹ کر مرشد کی طرف گیا۔ ''بس چند منٹ اور پھر میں تمہیں اس دنیا کی ہر تکلیف سے آزاد کر دوں گا۔''

''باسو مجھے کھول دو۔'' میں نے اپنی طبیعت پر جبر کر کے التجا کی۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ فاضلی شیطانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''یہ میرے حکم کا غلام ہے میں اسے جو کہوں گا یہ وہی کرے گا کیوں باسو؟''

باسو نے پھر سر ہلایا۔ جیسے فاضلی کی بات کی تصدیق کر رہا ہو۔ میں نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تب وہ تمہارا نام نہاد آقا مجھ سے کیا چاہتا ہے کیا وہ میری لاش کو لے کر جائے گا۔''

فاضلی ہنسا۔ ''تم نے ٹھیک کہا وہ تمہاری لاش لے جائے گا اسی لیے اس نے مجھے اجازت دی ہے کہ تم کو قتل کر دوں۔''

میں دنگ رہ گیا۔ ڈیوڈ شانے یہ راستہ نکالا تھا۔ بے اختیار میرے منہ سے اس کی شان میں ناگفتنی نکل گئی تھیں۔ فاضلی پھر ہنسا اور باسو سے بولا۔ ''اسے کوٹھی سے باہر لے جاؤ، کم سے کم پچاس گز دور۔''

باسو نے مجھے شانے سے پکڑ کر اٹھایا اور سیڑھیوں کی طرف دھکیلا میں نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن اس کی جناتی قوت کے سامنے میری ایک نہ چلی اور وہ مجھے سیڑھیوں تک لے آیا۔ تب فاضلی رومانہ کی طرف بڑھا۔ راشد چلانے لگا تھا۔ سیڑھیوں سے نیچے آتے ہوئے میں نے مرشد کی آواز سنی وہ فاضلی سے التجا کر رہا تھا کہ وہ مار دے لیکن اس کی بیٹی کو چھوڑ دے۔ میں اب باسو کو گالیاں دے رہا تھا جو مجھے موت کی طرف دھکیل رہا تھا۔ مگر گولیوں کی طرح اس پر میری گالیاں بھی اثر نہیں کر رہی تھیں۔ وہ مجھے نیچے لایا اور پھر کوٹھی سے باہر لے جانے لگا۔ جب اس نے مجھے برآمدے سے نیچے دھکیلا تو میں ذہنی طور پر مرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا اور میں نے باسو سے کہا۔ ''ٹھیک ہے مجھے موت قبول ہے لیکن تم اس لڑکی کو بچا سکتے ہو۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے فاضلی کے معاملے میں مداخلت سے منع کیا گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے گہری سانس لی اور آگے بڑھا اب باسو کو مجھے دھکیلنا نہیں پڑ رہا تھا۔ ہم پورچ میں آئے یہاں سے کوٹھی کے اوپری لاؤنج کا فاصلہ شاید پچاس گز تھا۔ میں جیسے ہی پورچ کے وسط تک پہنچا میری کلائی میں بندھے کڑے میں کچھ حرکت ہوئی اور ایک تیز چبھن سی محسوس ہوئی تھی۔ فوراً میرا سر چکرایا اور میں نیچے گر گیا۔ تب میں نے ڈرائیو وے سے ایک گاڑی کو آتے دیکھا۔ وہ رکی اور اس سے وسیم اور عبداللہ اترے تھے۔ میرے ساتھی آ گئے تھے لیکن انہوں نے آنے میں ذرا تاخیر کر دی تھی۔ ان سے پہلے فرشتہ اجل مجھے لینے آ گیا تھا میری آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور جسم سے جیسے جان نکل رہی تھی میں نے دل میں کہا۔ ''الوداع میرے دوستو اب میدانِ حشر میں ملاقات ہوگی۔''

ذہن تاریک ہوا اور موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا۔

○.....❖.....○

اس سے پہلے مجھے کبھی اپنی وفات کا اتنا یقین نہیں ہوا تھا جتنا کہ مرشد کی کوٹھی کے احاطے میں زمین پر پڑے ہوئے آیا تھا۔ میرے ساتھی آ گئے تھے اور میں انہیں دیکھتے ہوئے اپنے طور پر دنیا سے گزر گیا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے چاروں طرف دھند ہے یا روئی کی دھکے ہوئے بادل ہیں اور میں ان کے درمیان تیر رہا ہوں۔ میرا جسم اتنا ہلکا پھلکا ہو رہا تھا جیسے بس روح رہ گئی ہو۔ شاید مرنے کے بعد انسان ایسی ہی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ جسم دنیا میں رہ جاتا ہے اور وہ لطیف روح کے ساتھ دوسری دنیا میں پہنچتا ہے۔ میں اس جگہ اکیلا تھا۔ مگر نہیں میرے آس پاس کوئی تھا۔ مجھے کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ پھر ایک چہرہ میرے سامنے نمودار ہوا۔ وہ عین میرے اوپر تھا۔ وہ واضح نہیں تھا مگر مجھے جانا پہچانا لگ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''کون ہو تم؟''

''ہم کو نہیں پہچانتا۔'' اس نے کہا۔

''فتح خان۔'' میں نے بے یقینی سے کہا۔ ''تم بھی مر گئے ہو؟''

''ہم نہیں مرا جب تک ہم وہ ہیرے حاصل نہیں کر لے گا ہم نہیں مرے گا۔'' اس نے جواب دیا اس کا چہرہ واضح ہو گیا تھا۔ ''شہباز خان تم جانتا ہے وہ ہیرا کدھر ہے۔''

''فتح خان تمہاری ڈھٹائی پر حیرت ہے تم جانتے ہو میں تمہارے خون کا پیاسا ہوں اگر تم میرے سامنے آئے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔''

''ابھی تم ہم کو قتل نہیں کر سکتا، تم انگلی بھی نہیں ہلا سکتا، ابھی میں تم کو قتل کر دے تو تم کچھ نہیں کر سکے گا۔ پر شہباز خان ہم تم کو قتل نہیں کرے گا۔ بس یاد رکھنا ہم کو وہ ہیرے چاہئیں۔ کسی بھی قیمت پر.....'' بولتے ہوئے فتح خان کا چہرہ دھندلانے لگا اور پھر وہ اور اس کی آواز دونوں دھند میں غائب ہو گئے اور کچھ دیر بعد یہ دھند بھی غائب ہو گئی۔

مجھے اچانک ہوش آیا تو میں نے خود کو اسی دنیا میں اور اسی جانی پہچانی جگہ پایا جہاں مجھے ایک بار پہلے بھی اسی طرح ہوش آ چکا تھا۔ میں اسی صوفے پر ڈیوڈ شا کے عین سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کا سفید فام گرگا اس کے عقب میں پوزیشن سنبھال رہا تھا شاید اسی نے مجھے وہ عجیب سی خوشبو والی دوا سونگھائی تھی جو بے ہوشی سے ہوش میں لے آتی ہے۔ میں نہایت صاف ستھری حالت میں اور صاف سفید لباس میں تھا۔ جسم ہلکا پھلکا اور درد کا نام و

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نشان نہیں تھا حالانکہ مجھے درگاہ مرشدیہ میں بے شمار زخم آئے تھے اور سانپ نے الگ کاٹا تھا۔ سب سے بڑھ کر میری کلائی پر بندھے کڑے سے سائنائیڈ میرے جسم میں انجکٹ ہوا تھا۔ کڑا اب بھی میری کلائی میں تھا۔ مجھے خیال یہ آیا کہ شاید میں پھر خواب دیکھ رہا ہوں۔ مگر اب سب واضح تھا۔ وہ سب دھندلا اور غیر واضح تھا۔ اس لیے وہ خواب تھا اور بھلا فتح خان یہاں کہاں سے آ گیا۔ میں اس وقت ہلکا پھلکا تھا اور اپنے وجود کو محسوس کر رہا تھا۔ یہ خواب نہیں تھا۔

لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ دنیا کا مہلک ترین زہر ایک خاص میکنزم کے تحت میرے جسم میں انجکٹ ہو گیا تھا اور مجھے سو فیصد فوت ہو جانا چاہیے تھا تب میں زندہ کیسے تھا؟ مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ جس طرح میرے جسم نے سانپ کے زہر کو ناکارہ بنا دیا تھا اسی طرح وہ پوٹاشیم سائنائیڈ کو بھی ناکارہ بنا دے گا۔ سانپ کا زہر خطرناک ہوتا ہے مگر اس کے مالی کیولز آسانی سے ٹوٹ جاتے ہیں جس کے بعد یہ ناکارہ ہو جاتا ہے۔ باسو نے مجھے اینٹی ڈوٹ بھی دیا تھا جس سے میری حالت بہت تیزی سے سدھر گئی تھی مگر کیمیائی زہر کے مالی کیولز بہت سخت ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ زہر آسانی سے ناکارہ نہیں ہوتا ہے۔ پھر پوٹاشیم سائنائیڈ کا تو کوئی توڑ ہی نہیں ہے ایک بار یہ ہلاکت خیز مقدار میں جسم میں داخل ہو جائے تو صرف قدرت ہی انسان کو مرنے سے بچا سکتی ہے۔ تو کیا مجھ پر قدرت نے مہربانی کی تھی یا؟

میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔ ''ہاوے ایک شاعر نے کہا ہے مشکلیں مجھ پر پڑی اتنی کہ آساں ہو گئیں۔''

''میں نے غالب کو پڑھا ہے۔'' اس نے اردو میں کہا۔ ''میں اسے دنیا کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا ہوں۔''

''شکر ہے کہ تم نے سمجھنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ غالب کو تو یہاں کے لوگ نہیں سمجھتے۔ اگر تم مشکلوں کی جگہ حیرت کر لو تو میری کیفیت با آسانی سمجھ سکو گے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تمہاری حیرت بجا ہے اور میرے پاس اس کی وضاحت ہے۔''

''کیسی وضاحت؟''

''ایک وضاحت تو یہ ہے کہ کڑے میں سائنائیڈ نہیں بلکہ بے ہوشی کی دوا تھی اس لیے تم مرے نہیں صرف بے ہوش ہوئے۔''

''اور دوسری وضاحت؟''

''سائنائیڈ کڑے میں نہیں بلکہ فاضلی کی انگلی میں موجود انگوٹھی میں تھا۔ چار سو ملی گرام خالص سائنائیڈ۔''

میں دم بخود رہ گیا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے میں وقت جتنی پیچیدگی کے ساتھ گزرا۔ مجھے ہر لمحہ کسی نئی چیز سے دوچار ہونا پڑا۔ دشمنوں نے مجھے اور میں نے دشمنوں کو لاتعداد چکر دیئے۔ دھوکا در دھوکا تھا۔ مگر ڈیوڈ شا کی بات سن کر میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ ایسا چکر اور ایسے دھوکے میرے گمان میں بھی نہیں آئے تھے۔ میں نے بہ مشکل کہا۔ ''فاضلی کی انگوٹھی میں سائنائیڈ..... تو اس کا کیا ہوا؟''

''جیسے ہی پچاس گز کی حد پوری ہوئی اس کی انگوٹھی میں موجود میکنزم حرکت میں آ گیا اور زہر اس کی انگلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں انجکٹ ہو گیا۔''

''وہ مر گیا؟'' میں نے احمقوں کی طرح پوچھا۔ غالباً میرا منہ بھی کھلا ہوا تھا۔ ڈیوڈ شا نے سر ہلایا۔

''مشکل سے دس سیکنڈ میں۔''

میں نے گہری سانس لی اور اپنے منتشر ہو جانے والے اعصاب کو پُرسکون کرنے لگا۔ اب کچھ کچھ معاملہ میری سمجھ میں آ رہا تھا۔ ڈیوڈ شا نے میرے حوالے سے غلط بیانی کی تھی اور بہ ظاہر مجھے غلام بنا کر فاضلی کے حوالے کر دیا تھا تاکہ میں مرشد کے خلاف جنگ میں شامل ہوں۔ دوسری طرف اس نے باسو کو میرا نگران اور محافظ مقرر کر دیا۔ باسو کا کام مجھے تجاوز ہونے سے روکنا اور فاضلی کی جانب سے میرا تحفظ کرنا تھا۔ اس نے اپنا یہ فرض بخوبی انجام دیا۔ حیرت کے دورے پر قابو پا کر میں نے چند منٹ بعد کہا۔'' ڈیوڈ شا اب میری سمجھ میں آ رہا ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد نے اس خطے میں کن سیاستوں سے کام لیا اور پوری ایک صدی تک یہاں کیسے حکومت کی۔''

وہ مسکرایا تو اس کے انداز میں تفاخر تھا۔''میں ان باہمت لوگوں کی برابری نہیں کر سکتا کہ انہوں نے بہت ناموافق حالات میں کام کیا تھا۔''

''حالات موافق نہیں ہوتے کیے جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ فاضلی کے مرنے کا سن کر مجھے ناقابلِ بیان خوشی ہو رہی تھی اور اس سے زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ رومانہ کے حوالے سے اپنے مکروہ منصوبے میں ناکام رہا ہوگا۔ اسے مہلت ہی کہاں ملی ہوگی کیونکہ باسو مجھے مشکل سے ایک منٹ میں باہر لے آیا تھا اور آخر وقت میں، میں نے مزاحمت ترک کر کے اس کا کام اور آسان کر دیا تھا۔''مرشد زندہ ہے؟''

''ظاہر ہے۔'' ڈیوڈ شا نے جواب دیا۔

''رومانہ اور اس کا شوہر راشد.....''

''سب ٹھیک ہیں۔'' اس بار اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔''گزشتہ چوبیس گھنٹے کے حالات تمہیں اخبارات سے پتا چل جائیں گے۔ ابھی اپنی بات کرو۔''

میں اپنی بات کرنے کی بجائے سوچ رہا تھا کہ میں یہاں تک کیسے آیا۔ وسیم اور عبداللہ وہاں آ گئے تھے اور ان کے ہوتے ہوئے باسو مجھے کیسے واپس لے آیا۔ میں نے کسی قدر سرد لہجے میں پوچھا۔''میرے ساتھیوں کے ہوتے ہوئے باسو مجھے یہاں کیسے لایا؟''

''بہت آسانی سے۔'' ڈیوڈ شا مسکرایا۔''اس نے تمہارے ساتھیوں کے سامنے دو آپشن رکھے، ایک تمہاری لاش لے جائیں اور دوسرا تمہیں زندہ سلامت باسو کے ساتھ جانے دیں۔''

میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔''ظاہر ہے میرے ساتھیوں نے دوسرا آپشن چنا۔ ڈیوڈ شا میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم نے فاضلی کی مدد کیوں کی اور پھر مجھے اس کے حوالے کیوں کیا اور پھر میرے بجائے اسے زہر کیوں دیا؟''

ڈیوڈ شا نے میرے سوالات سنے اور انہیں نظر انداز کر کے بولا۔''مرشد بچ گیا ہے مگر اس وقت سرکاری حراست میں ہے اور اس سے درگاہ میں ہونے والی قتل و غارت گری کے بارے میں تفتیش ہو رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا فائدہ؟'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''وہ اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھا کر بچ جائے گا۔''

''اب مشکل ہے۔'' ڈیوڈ شا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''درگاہ میں مارے جانے والے وہ درجن سے زیادہ افراد ایسی تنظیموں سے تعلق رکھتے تھے جن پر بین الاقوامی پابندیاں ہیں۔ ان سے تعلق رکھنے والا ہر شخص ان پابندیوں کا نشانہ بن سکتا ہے۔ مرشد کی جان بخشی اتنی آسانی سے نہیں ہوگی۔''

''تم نے اسے سزا دی ہے۔''

''ایسا ہی سمجھ لو، وہ ایسا سانپ بن گیا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔''

میں نے کسی قدر بے چینی کے ساتھ کہا۔ ''لیکن وہ زندہ ہے اور جب تک وہ زندہ ہے میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ جھٹکا اس کے لیے کافی ہے۔''

''ڈیوڈ شا مجھے تمہارے خیال کی نہیں ٹھوس یقین دہانی کی ضرورت ہے کہ مرشد میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے بے ضرر بن گیا ہے۔''

میں بہ ظاہر ڈیوڈ شا سے سوالات کر رہا تھا مگر اس کا کھیل میرے ذہن میں واضح ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے مرشد کو سزا دینے کے لیے فاضلی کو استعمال کیا مگر ساتھ ہی اس سے چھٹکارے کا بندوبست بھی کر لیا۔ مرشد کی اصل طاقت درگاہ تھی۔ ڈیوڈ شا نے اس جگہ کو تباہ کر دیا۔ یہ مرشد کے لیے بہت بڑا نقصان تھا۔ اسے ڈیوڈ شا کی ضمانت ٹھکرانے کی سزا ملی۔ مگر ڈیوڈ شا نے اسے مارا نہیں ورنہ باسو کے لیے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ ڈیوڈ شا نے اسے اپنی طاقت دکھائی کہ وہ اپنی ایک بھی گولی ضائع کیے بغیر اس کے خلاف کیا کر سکتا ہے اور وہ راہِ راست پر نہ آیا تو وہ ایک گولی ضائع بھی کر سکتا ہے جو مرشد کے دل یا دماغ میں اتر جائے گی۔ دوسری طرف اس نے مجھے رام کرنے کے لیے میرے ایک دشمن کو ٹھکانے لگا دیا اور دوسرے کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ فی الحال وہ مجھ سے دشمنی کر سکے۔ بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ اب میں آزاد تھا۔ میں نے اس سے جو سوالات کیے تھے، اس نے ان کا جواب نہیں دیا اور اب ان کے جواب خود واضح ہو رہے تھے۔

میں مطمئن نہیں تھا۔ میں مرشد کو اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اپنی سرشت نہیں چھوڑ سکتا تھا اور جیسے ہی وہ دوبارہ طاقتور ہوتا پھر سے میرے خلاف میدان میں اتر آتا۔ مقامی سطح پر اس کے خلاف کوئی انکوائری بیکار تھی اور نہ ہی اس سلسلے میں بین الاقوامی دباؤ کام کر سکتا تھا۔ کتنی ہی تنظیمیں بین الاقوامی پابندیوں کا شکار ہیں مگر وہ آزادی سے کام کر رہی ہیں۔ ایک مرشد کو کیا فرق پڑتا۔ ڈیوڈ شا اس تماشے کے بعد مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اور جب اس کا کام نکل جاتا تو اس کی بلا سے مرشد میرے ساتھ کیا کرتا ہے۔ وہ پلٹ کر بھی نہ پوچھتا اور جہاں تک میری ذات کا تعلق تھا تو ڈیوڈ شا مجھ سے بھی کم خار نہیں رکھتا تھا صرف وادی تک جانے کی مجبوری اور وہ بھی اس کے خیال میں تھی جس کی وجہ سے وہ میرے آگے مجبور ہو رہا تھا۔

جب میں سوچتا کہ جدید ترین دنیا کا باسی جو اس دنیا کے حکمرانوں میں بھی شامل ہے وہ ایک بوڑھے کی بات کو اتنی سنجیدگی سے لے رہا ہے تو میرا اوپر والے کی ذات پر ایمان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ یہ ساری کائنات اور اس کا ایک ایک ذرہ اس کا کھلونا ہے وہ اس سے جیسے چاہے کھیلتا ہے۔ اکڑنے اور تکبر کرنے والا انسان بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں جانتا کہ وہ جو کر رہا ہے اس میں اس کی کوئی مرضی شامل نہیں ہے وہ اس خالقِ حقیقی کے آگے اس سے زیادہ بے بس ہے جتنا سیلاب کے پانی کے آگے ایک حقیر تنکا ہوتا ہے۔ مگر ڈیوڈ شا اور مرشد جیسے لوگ یہ بات سمجھ نہیں سکتے۔ اگر سمجھ سکتے تو تکبر کیوں کرتے۔ اللہ جسے تباہ کرنا چاہتا ہے اسے اس لاعلاج بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ غرور کرنے والے کا آخری ٹھکانا جہنم ہے۔ میں سوچ رہا تھا اور ڈیوڈ شا بغور مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اچانک کہا۔

''اگر تم مرشد کی موت چاہتے ہو تو یہ بھی ممکن ہے۔''

''میں مرشد یا کسی کی بھی موت نہیں چاہتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں نے تم سے کبھی نہیں کہا کہ میرا کوئی مسئلہ حل کر دو، یہ تو تم ہو جو میرے پیچھے پڑے ہو۔ اس لیے جو فیصلہ کرنا ہے تمہیں خود کرنا ہے۔ تم چالاکی سے میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کی کوشش مت کرو۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں ٹھوس ضمانت چاہتا ہوں اور اب یہ تم پر ہے کہ تم مجھے کس طرح مطمئن کرتے ہو۔''

ایک لمحے کے لیے ڈیوڈ شا کے چہرے پر جھنجلاہٹ نظر آئی تھی۔ پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اس طرح تو تم کبھی رضامند نہیں ہو گے۔''

''دوسرا طریقہ بھی ہے میں تمہارے قبضے میں ہوں مجھے اسی طرح وادی کی طرف لے جاؤ اور اس بوڑھے کے سامنے پیش کر دو جس نے میری جان عذاب میں کرنے والی شرط لگائی ہے۔ شاید تمہیں وادی میں اترنے کی اجازت مل جائے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہ آپشن تو میرے پاس ہمیشہ سے ہے لیکن میں تمہیں اس طرح نہیں لے جانا چاہتا۔''

''دوسرا طریقہ میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ مجھے مطمئن کرو اور میرے دو ساتھی بھی ساتھ جائیں گے۔ میں صرف وادی تک جاؤں گا اور پھر واپس آ جاؤں گا مجھے نیچے اترنے کا قطعی شوق نہیں ہے اور نہ ہی میں اتروں گا۔''

''اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔''

''لیکن پہلے مرشد۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو ڈیوڈ شا سوچ میں پڑ گیا۔ میرے جسم پر آرام دہ پاجامہ اور کھلی سی ٹی شرٹ تھی۔ جہاں جہاں ضرورت تھی وہاں میڈی کیٹڈ پٹیاں چپکی ہوئی تھیں۔ میں خود کو جسمانی طور پر بہترین محسوس کر رہا تھا۔ اگرچہ درد کش دواؤں کا اثر بھی ہو سکتا تھا مگر میں اپنے اندر ایسی توانائی محسوس کر رہا تھا جیسے میں بہت اچھا وقت گزارتا ہوا آیا ہوں۔ ڈیوڈ شا کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ مجھے یہاں آئے ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا تھا۔ وہاں کہیں کوئی گھڑی نہیں تھی جس میں میں وقت دیکھ سکتا اس لیے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ابھی کیا وقت ہو رہا ہے۔ میری بات پر ڈیوڈ شا نے گہری سانس لی۔

''شہباز میں کبھی کسی شخص کے سامنے اتنا بے بس نہیں ہوا۔''

''کیونکہ مجھے تم سے غرض نہیں ہے تمہیں مجھ سے غرض ہے۔'' میں نے وجہ بیان کی۔ ہمارے درمیان گفتگو اردو میں ہو رہی تھی شاید اسی لیے ڈیوڈ شا نے اپنے گرگے کے آگے بھی کھل کر اعتراف کر لیا۔ اسے یقیناً اردو نہیں آتی تھی۔ ڈیوڈ شا نے سر ہلایا اور بولا۔

''ٹھیک ہے میں سوچوں گا کہ تمہیں کیسے مطمئن کروں۔ تب تک تم آرام کرو۔''

''میں آرام کروں گا لیکن میرے ساتھی سکون سے نہیں ہوں گے اور وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ تم یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مت سمجھنا کہ وہ تمہارے ٹھکانے تک نہیں پہنچ سکتے اس لیے کوئی ہنگامہ ہو اس سے پہلے میرے بارے میں فیصلہ کر لو۔'' میں نے اسے خبردار کیا اور کھڑا ہو گیا۔ میں نے ڈیوڈ شا کو حرکت کرتے نہیں دیکھا تھا مگر اس نے کوئی خفیہ اشارہ ارسال کیا اور فوراً ہی باسو وہاں آ گیا۔ اس نے حسبِ معمول بڑی سی نیکر اور بنیان پہنی ہوئی تھی اور اس کے جسم پر جہاں جہاں زخم آئے تھے وہاں پٹیاں چپکی ہوئی تھیں۔ ڈیوڈ شا کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں باسو کے ساتھ ہو لیا۔ میں نے راستے میں اس سے پوچھا۔

''تم ٹھیک ہو نا؟''

اس نے صرف سر ہلایا اور میرے لیے مخصوص کمرے کا دروازہ کھولا۔ میں نے اندر جانے سے پہلے اس سے کہا۔ ''باسو اگر چہ تم میرے دشمن کے ساتھ ہو لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے کئی مواقعوں پر میری مدد کی اور میری جان بچائی۔''

وہ مجھے گھورتا رہا اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس قسم کے الفاظ اور جذبات اس کے لیے اجنبی تھے۔ میں اندر داخل ہوا تو اس نے عقب سے دروازہ بند کر دیا۔ کمرا بہت سادہ سا تھا۔ چھت، فرش اور دیواریں بہت سفید تھیں اور ایک طرف سفید ہی رنگ کا پتلے گدے والا سنگل بیڈ تھا۔ اس پر سفید تکیہ تھا۔ ایک طرف براؤن رنگ کی پلاسٹک کی میز اور پلاسٹک کی ہی کرسی تھی اور میز پر کھانے پینے کا خاصا سامان نظر آ رہا تھا۔ اس میں تازہ پھل، جوس اور انرجی ڈرنک کے ٹن تھے۔ میں نے چوبیس گھنٹے سے پانی نہیں پیا تھا اور منہ کسی قدر خشک تھا اس لیے پیاس نہ ہونے کے باوجود میں نے نصف گلاس ٹھنڈا پانی پیا اور پھر اپنا جائزہ لیا شرٹ اتار کر دیکھنے پر پتا چلا کہ میرا تقریباً پورا ہی جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا اور جا بجا پٹیاں چپکی تھیں۔ ان کے علاوہ بھی زخم اور نیل تھے مگر ان پر پٹی لگانے کی ضرورت نہیں تھی اور اب وہ بھرنے والی پوزیشن میں آ گئے تھے۔ اتفاق سے کوئی زخم خطرناک نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک دن میں یہ بھر جائیں گے اور باقی زخموں کی پٹی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ زیادہ سے زیادہ تین دن بعد ان کے نشانات بھی غائب ہو جائیں گے۔

میں وقت گزاری کے لیے ایک بڑا سیب لے کر بستر پر دراز ہو گیا اور سیب سے شغل کرنے لگا۔ مجھے اپنے ساتھیوں کا خیال آیا کہ ان کی کیا حالت ہو گی جب ان کے سامنے مجھے بے بس کر کے لے جایا جا رہا ہو گا۔ اب وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ میں نے ڈیوڈ شا کے سامنے بڑھک ضرور ماری تھی کہ میرے ساتھی یہاں تک آ سکتے ہیں مگر مجھے امید نہیں تھی کہ ایسا ہو گا۔ ڈیوڈ شا کے آدمی بہت تربیت یافتہ اور ہوشیار تھے۔ وہ مجھے یوں لائے ہوں گے کہ میرے ساتھیوں کو تعاقب کا موقع نہیں ملا ہو گا۔ یہاں بھی وقت دیکھنے کا بندوبست نہیں تھا۔ مجھے ڈیوڈ شا کی بات یاد آئی کہ درگاہ میں بعد میں ہونے والے واقعات کی خبر مجھے اخباروں سے مل جائے گی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ بجایا تو چند لمحے بعد باسو نے دروازہ کھولا۔ میں نے فرمائش کی۔

''مجھے تازہ ترین اخبارات چاہئیں۔ اگر آج صبح کا وقت ہے تو کل کے اخبارات بھی درکار ہوں گے۔ جتنے بھی مل جائیں سب لے آؤ۔''

اس نے سر ہلایا اور دروازہ بند کر دیا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ اخبارات کا ایک بنڈل اٹھائے نمودار ہوا اور اس نے یہ بنڈل فرش پر رکھ دیا۔ ''اس میں شہر میں ملنے والا ہر اخبار ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے جانے کے بعد میں نے دیکھا۔ یہ گزشتہ روز کے اور آج کے تازہ اخبار تھے اس کا مطلب تھا کہ نیا دن طلوع ہو گیا تھا۔ اردو اور انگریزی کے کوئی درجن اخبار تھے اور پھر ان کی دو دن کی کاپیاں تھیں۔ میں نے چن کر کچھ معتبر اخبارات نکالے اور ان میں درگاہ سے متعلق خبریں دیکھنے لگا۔ وہاں ہونے والی قتل و غارت گری اور ہنگامہ اتنا بڑا تھا کہ آج کی بیشتر خبریں بھی اسی کے بارے میں تھیں۔ دراصل رات کے آخری پہر تک جاری رہنے والے ہنگامے کی اطلاعات اگلے دن کے اخبارات تک دیر سے پہنچیں اور اکثر اخبارات میں محدود خبر تھی البتہ آج بھرپور کوریج کی گئی تھی۔ مجھے تمام خبریں دیکھنے میں دو گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگا تھا۔

ان خبروں کا خلاصہ یہ تھا کہ درگاہ مرشد یہ پر باہر سے نامعلوم افراد نے حملہ کیا اور وہاں موجود افراد کو قتل کرنے لگے۔ درگاہ کے محافظوں اور وہاں موجود ایسے مسلح افراد جن کے بارے میں پولیس کو یقین ہے کہ ان کا تعلق غیر قانونی قرار دی جانے والی مسلح تنظیموں سے تھا۔ انہوں نے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا مگر وہ تعداد میں زیادہ اور منظم تھے ان کی قیادت فاضلی نامی شخص کر رہا تھا جو کچھ عرصے پہلے تک درگاہ سے متعلق تھا مگر پھر کسی وجہ سے وہ مرشد اور درگاہ کی دشمنی پر اتر آیا۔ فاضلی کے بارے میں یہ بیان یقیناً مرشد نے دیا ہوگا۔ مگر اس نے میرا ذکر نہیں کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو یہ خبر ابھی پریس اور میڈیا تک نہیں پہنچی تھی۔

باہمی لڑائی میں تقریباً ایک سو سے زیادہ افراد مارے گئے تھے اور درگاہ اور گدی نشین خاندان سے متعلق دو درجن سے زیادہ لوگ پہلے ہی مارے جا چکے تھے۔ بعض اخبارات نے یہاں ماضی میں ہونے والی ہنگامہ آرائیوں کے بارے میں بھی لکھا تھا۔ اگرچہ بیشتر اخبارات اور خبر نویسوں کا جھکاؤ مرشد کی طرف تھا۔ کیونکہ بہ ظاہر اسے نقصان ہوا تھا اور اس پر حملہ کیا گیا تھا لیکن کچھ سنجیدہ صحافیوں نے سوالات اٹھائے تھے اور اپنی رپورٹس میں اشارے دیئے تھے کہ یہ درگاہ نہ صرف عیاشی کا اڈہ ہے بلکہ یہاں دوسرے غیر قانونی دھندے بھی زور و شور سے جاری رہے ہیں جن سے پولیس چشم پوشی کرتی رہی ہے۔ حکومت اس بارے میں وسیع پیمانے پر تحقیق کرے کہ آخر یہ جگہ اتنے ہنگاموں کا مرکز کیوں ہے؟

پولیس رپورٹ بہت لگی بندھی تھی اور اعلیٰ پولیس افسران نے پریس سے کہا کہ اب تک کسی ملزم کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی۔ بچ جانے والے حملہ آور پولیس کی آمد سے پہلے فرار ہونے میں کامیاب رہے تھے۔ اس سوال پر کہ پولیس کئی گھنٹے کی تاخیر سے کیوں پہنچی تو ان افسران نے علاقے میں بجلی اور موبائل کمیونیکیشن کی بندش کو اس تاخیر کا ذمے دار قرار دیا۔ حملہ آوروں نے تمام رابطے منقطع کر دیئے تھے البتہ وہ اس کی وضاحت نہیں کر سکے کہ علاقے میں گشت کرنے والی پولیس فائرنگ اور دھماکوں کی آواز سن کر بھی جائے وقوع پر کیوں نہیں پہنچی تھی؟ تفتیش ابھی بالکل ابتدائی مرحلے میں تھی اس لیے پولیس افسران کے پاس جان چھڑانے کا بہانہ تھا اور بعد میں وہ یہ کہہ کر بات کرنے سے انکار کر سکتے تھے کہ اس سے مجرموں تک رسائی میں مشکل ہوگی اور چند مہینے بعد خود پریس کو اس کیس سے کوئی دلچسپی نہیں رہے گی۔

میں نے محسوس کیا کہ مرشد پر فردِ جرم عائد ہونا مشکل ہے۔ ایک تو وہ خود شکار ہوا تھا اور دوسرے کوئی حملہ آور پولیس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ درگاہ کے تمام اہم لوگ اور وہاں باہر سے منگوائے گئے کرائے کے گورمیلے مارے جا چکے تھے اور اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی کہ مرشد کا ان کے بارے میں کیا مؤقف تھا۔ بہرحال وہ شاطر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیاست داں آدمی تھا۔ وہ جواز گڑھ سکتا تھا۔ اپنے چچازادوں کی موت کو بھی وہ اپنے حق میں استعمال کر سکتا تھا اور اس کا الزام فاضلی پر لگا سکتا تھا۔ فاضلی اس کی تردید کرنے کے لیے زندہ نہیں تھا۔ مرشد کا بہت بڑا نقصان ہوا تھا مگر ساتھ ہی اسے اپنے مریدوں اور علاقے کے لوگوں کی مزید ہمدردیاں بھی حاصل ہو گئی تھیں۔ وہ درگاہ دوبارہ تعمیر کرالیتا اور زیادہ سے زیادہ ایک سال میں سب پہلے کی طرح ہو جاتا بلکہ اب آمدنی میں کوئی شریک بھی باقی نہیں رہا تھا۔ سب مرشد اور اس کی جائز اولاد کا تھا۔

میرے لیے سب سے اچھی بات تھی کہ اس سارے ہنگامے میں میرا کہیں بھی ذکر نہیں تھا۔ کچھ اخبارات میں دشمنی کے حوالے سے میرا مختصر سا ذکر آیا تھا کہ ماضی میں میرا اور مرشد کا ٹکراؤ ہوتا رہا تھا اور اس سے لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ بھی ہوا تھا۔ مرشد کا بھائی نادر اور میرا بھائی بھی اس تنازعے کی نذر ہوئے تھے۔ میرے خلاف عدالتوں میں مقدمات چلتے رہے جو بالآخر میرے حق میں ختم ہوئے۔ مگر میں نے درگاہ میں ہونے والی قتل و غارت گری میں جو سرگرم کردار ادا کیا تھا اس کا کہیں بھی اشارہ نہیں تھا۔ پولیس کے مطابق درگاہ کے لوگوں کے علاوہ جو وہاں مارے گئے تھے ان میں سے اکثر اشتہاری اور سنگین جرائم میں پولیس کو مطلوب تھے۔ ایسے افراد کی تعداد مارے جانے والے کل افراد کا ساٹھ فیصد تھی۔ ایک سو بارہ افراد میں مطلوب افراد کی تعداد چھپن تھی۔

میں جانتا تھا کہ باقی جو مارے گئے وہ بھی کوئی شریف نہیں تھے۔ مرشد کے خاص افراد تھے جو اس کے جرائم میں برابر کے شریک تھے اور یہی لوگ وہاں کا نظام چلاتے تھے۔ کچھ عام ملازمین تھے جو مارے گئے۔ پولیس اور انتظامیہ نے درگاہ کو سیل کر دیا تھا اور وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ مرشد خاندان کو بھی مرشد ہاؤس منتقل کر دیا گیا تھا اور پولیس وہاں کی سیکورٹی کر رہی تھی۔ اس کے باوجود سو سے زیادہ افراد کی ہلاکت معمولی واقعہ نہیں تھی۔ صوبائی اور وفاقی حکومت نے اس کا نوٹس لیا تھا اور عدالت نے بھی از خود نوٹس کے تحت اس کی رپورٹ طلب کر لی تھی۔ ان سب خبروں کو مدنظر رکھتے ہوئے امید تھی کہ مرشد کی اتنی آسانی سے گلو خلاصی نہیں ہو گی۔ ڈیوڈ شا ٹھیک کہہ رہا تھا مگر میں نے بھی اسے بالکل ٹھیک جواب دیا تھا۔ مجھے ٹھوس ضمانت درکار تھی۔ اگر ڈیوڈ شا اپنے طور پر مرشد کا پتا صاف کر سکتا تھا تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا مگر میں اپنی زبان سے اس کی موت کی خواہش نہیں کر سکتا تھا۔ اس صورت میں ڈیوڈ شا اس کی ٹوپی میرے سر رکھ دیتا۔

میں ایک بار پھر قید میں تھا لیکن حالات بہرحال اتنے خراب نہیں تھے جتنے کہ فاضلی کی قید میں تھے۔ ڈیوڈ شا نے میری جان پر رسک لیا تھا اور اس دوران میں کتنے مواقع ایسے آئے جب موت میرے پاس سے گزری تھی۔ گولیوں اور دستی بموں سے میں کیسے بچا میں خود بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ میں اب بھی سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب میں ڈیوڈ شا کے لیے اتنا ضروری تھا تو اس نے مجھے ایک ایسے معرکے میں کیسے جھونک دیا جس میں انسان کی زندگی کے اگلے پل کا پتا نہیں تھا۔ مجھے لگا جیسے ڈیوڈ شا لاشعوری طور پر میری موت چاہتا تھا اور شعوری طور پر میری زندگی کا خواہاں تھا۔ اس سے یہ فیصلہ اس کے لاشعور نے کرایا تھا لیکن یہ میرا خیال بھی ہو سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے اپنے تئیں مجھے بچانے کے مکمل انتظامات کیے ہوں۔ کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور باسو ناشتے کی ٹرالی اندر لایا۔ وہ اس نے میز کے پاس چھوڑ دی اور خود باہر نکل گیا۔

ٹرالی میں توس، مکھن، جیم، شہد اور ابلے و تلے ہوئے انڈوں کے ساتھ چائے اور کافی کے سربمہر مگ تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جن میں دونوں چیزیں گرم حالت میں موجود تھیں۔ ان میں ملانے کے لیے کنڈینسڈ ملک، چینی اور کریم الگ سے تھی۔ یہ مکمل اور بھرپور ناشتا تھا اور میں نے اس سے پورا انصاف کیا۔ ناشتے کے بعد چائے اور اس کے بعد کافی دونوں سے شغل کرتے ہوئے باقی اخبارات اور ان کی خبروں کا جائزہ لیا۔ ان میں سے بیشتر نے حقائق پر سنسنی خیزی کو ترجیح دی تھی۔ کچھ اخبارات نے تصاویر بھی حاصل کر لی تھیں جو بہت اہتمام سے کلر میں شائع کیں اور ان میں سے بیشتر ناقابلِ دید مناظر کی تھیں ان میں کئی پھٹی لاشیں اور تباہ شدہ عمارات کی تصاویر شامل تھیں۔ بعض جغادری صحافی خاصی دور کی کوڑیاں لائے تھے اور اس واقعے کے ڈانڈے انہوں نے پڑوسی ملکوں سے لے کر خاصے دور دراز کے ملکوں تک پھیلاتے ہوئے اسے ایک بین الاقوامی سازش قرار دیا تھا۔ سیاسی جماعتوں کی اپنی اپنی تشریحات تھیں اور تقریباً سب نے اسے سازش قرار دیا۔

ناشتے اور اخبارات سے فارغ ہو کر میں آرام کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد باسو اندر آیا اور اس نے ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ مجھے ڈاکٹر لینگ کے پاس لایا۔ یہ وہی مشینوں والا کمرا تھا۔ مگر اس نے مجھے ایک عام سی کاؤچ پر لیٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سوائے انڈرویئر کے سب اتار دو اور یہاں لیٹ جاؤ۔''

''وہ کس لیے؟''

''تمہارے زخم دیکھنے ہیں۔''

میں نے اپنا پاجامہ اور ٹی شرٹ اتاری اور کاؤچ پر لیٹ گیا۔ اس نے پٹیاں ہٹا کر میرے زخموں کو دیکھا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی قدر حیران تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''تمہارے زخم عام انسانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیزی سے بھر رہے ہیں۔''

''ہاں ایسا ہوتا ہے نارمل زخم دو تین دن سے زیادہ نہیں رہتے اور معمولی زخم بارہ گھنٹے میں ٹھیک ہو جاتے ہیں۔''

میرے جسم پر کوئی دو درجن پٹیاں چپکی ہوئی تھیں اس نے انہیں اتارا تو صرف دو زخموں پر دوبارہ پٹی لگانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ وہ متجسس تھا کہ میرے زخم اتنی تیزی سے کیوں بھرتے ہیں مگر میں نے اسے حکیم قادس اور اس کی دواؤں کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ ڈیوڈ شا جانتا تھا اگر وہ بتا دیتا تو اس کی مرضی تھی۔ جب سے فاضلی نے مجھے ڈاکٹر لینگ کی اصلیت بتائی تھی کہ وہ کس طرح سے انسانوں پر تجربات کرتا تھا اور اس نے باسو جیسی مخلوق تیار کرنے میں سات بچے مار دیئے تھے اور باسو آٹھواں تھا تو وہ بھی زیادہ سے زیادہ بائیس سال تک زندہ رہتا۔ اس کے بعد اس کا دل اتنے بڑے جسم کو خون پمپ کرنے کا فریضہ انجام دینے سے قاصر ہو جاتا اور وہ کسی وقت بھی پڑنے والے دل کے دورے سے جاں بحق ہو جاتا۔ ڈاکٹر مسیحا ہوتے ہیں مگر ڈاکٹر لینگ انسانوں اور انسانیت کا قاتل تھا۔ مجھے اس سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ نہ جانے ڈیوڈ شا اسے اپنے ساتھ کیوں لایا تھا۔ کیا وہ پھر ڈاکٹر توفیق جیسے کسی تجربے کا احیا کر رہا تھا۔ ڈاکٹر لینگ اب اپنے تجربات کسی پاکستانی پر کر رہا تھا؟ نہ صرف بیرونِ ملک بلکہ اپنے ملک کے اندر بھی ہم لوگوں کا پُرسانِ حال نہیں تھا ساری دنیا ہمارے ساتھ اپنی مرضی کا سلوک کرنے کے لیے آزاد تھی۔

میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔ ''تم کب سے ڈیوڈ شا کے لیے کام کر رہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شروع سے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میرا باپ ڈیوڈ شا کے باپ کا ملازم تھا وہ تائیوان میں برطانیہ کا اولین سفیر بھی تھا۔ جب وہ ریٹائر ہو کر واپس برطانیہ گیا تو میرے باپ کو ساتھ لے گیا۔ میں اس وقت دس سال کا تھا اور میں نے تعلیم برطانیہ میں حاصل کی۔''

''گویا تم خاندانی غلام ہو۔'' میں نے حقیقت بیان کی تو اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔

''میں ڈیوڈ شا کا ملازم ہوں۔''

''جیسے تمہارا باپ اس کے باپ کا ملازم تھا۔'' میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''کیا فرق ہے تم میں اور باسو میں۔ بلکہ وہ بہتر ہے کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے عاری ہے اور تم سوچ سمجھ رکھ کر بھی ڈیوڈ شا کے غلام ہی ہو۔''

''میں ملازم ہوں۔'' وہ غرایا۔

''کیا تم ڈیوڈ شا کو چھوڑ سکتے ہو؟'' میرے لہجے میں چیلنج تھا۔

اس کا لہجہ بدلا۔ ''میں کسی وقت بھی ملازمت چھوڑ سکتا ہوں لیکن یہ کام میری مرضی کے مطابق ہے۔''

''یہ خیال ہے تمہارا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مغرب کا استعماری دور آج بھی جاری ہے اور اسے اس خطے میں اپنے لیے غلاموں کی آج بھی کمی نہیں ہے۔''

ڈاکٹر لینگ نے ظاہر کیا جیسے اس نے میری بات سنی ہی نہیں ہو اور باسو سے کہا۔ ''اسے لے جاؤ۔''

میں کھڑا ہو گیا اور اپنا لباس پہننے لگا۔ ''تم شادی شدہ ہو؟''

''ہاں۔'' لینگ نے جواب دیا۔

''بچے ہیں؟''

''میرے تین بیٹے ہیں۔''

''تب ان میں سے کسی کو باسو جیسا کیوں نہیں بنایا۔ یہ بھی تو کسی کی اولاد ہو گا۔''

''تم فضول بکواس بہت کرتے ہو۔'' اس بار ڈاکٹر لینگ کا ضبط جواب دے گیا۔ ''تم لوگوں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے جو اتنا بولتے ہو۔''

''یہ ہمارا قومی مشغلہ ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''ہم آج کے عملی دور میں بھی قدیم یونانی سائنس کی عملی تفسیر ہیں۔ زبان سے مسئلے حل کرنے میں ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے اور عمل کرتے ہوئے ہمیں موت آتی ہے۔''

''تبھی تم ایشیا میں بھی سب سے پیچھے ہو۔'' ڈاکٹر لینگ نے سچ کہا۔

''مجھے تسلیم ہے اور وجہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔''

''چلو۔'' باسو نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور مجھے اس کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ میں نے راستے میں اس سے کہا۔ ''مجھے لنچ میں سبزیوں اور چکن کا سوپ درکار ہو گا کنگ سائز پیالے میں۔''

اس نے بغیر کسی ردِعمل کے مجھے کمرے میں دھکیل دیا مگر مجھے معلوم تھا کہ سوپ آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔ دو گھنٹے بعد سبزیوں اور چکن سے بنا ہوا کسی قدر گاڑھا اور مقوی سوپ آ گیا۔ جب میرے زخم تیزی سے بھرتے ہیں تو مجھے خوراک کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے صبح بھرپور ناشتا کیا تھا اور مجھے چند گھنٹے بعد بھوک لگنے لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوپ پی کر اور کوئی نصف درجن سیب کھا کر میری تسلی ہوئی تھی۔ اب مجھے آرام کرنا تھا۔ اب تک مجھے دواؤں کی مدد سے سلایا جاتا رہا تھا اس لیے قدرتی نیند کی کمی بہرحال قائم تھی۔ اس کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔ میں لیٹا اور چند منٹ میں گہری نیند سو گیا تھا۔

جب سے میری زندگی بدلی اور میرے دن رات ہنگاموں میں گزرنے لگے تب سے مجھے سکون کے لمحات بہت کم نصیب ہوئے تھے اور جب کبھی سکون ملتا تب بھی ذہن کے کسی گوشے میں خیال ہوتا کہ یہ عارضی ہے ابھی میرے دشمن کوئی چال چلیں گے اور یہ سکون غارت ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ آئے دن میں دشمن کے ہاتھ لگتا تھا اور میری جدوجہد کا بڑا حصہ قید میں ہی گزرا۔ اب بھی میں ڈیوڈ شا کی قید میں تھا لیکن پہلی بار مجھے سکون اور اطمینان کا ایسا احساس ہوا جو پہلے نصیب نہیں ہوا تھا۔ میرے تقریباً تمام دشمن مارے گئے تھے۔ خاص طور سے فاضلی جیسے عیار اور گھٹیا دشمن کی موت نے میرے اندر جیسے کوئی پرانی خلش مٹا دی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جو گھناؤنا روپ اختیار کیا تھا اس کے بعد واحد حسرت یہ رہ گئی تھی کہ کاش میں اسے اپنے ہاتھ سے مارتا۔ دیکھا جائے تو اس نے خودکشی کی تھی۔ اس نے اپنے طور پر میری موت کا بندوبست کیا تھا مگر ڈیوڈ شا کی عیاری نے اصل میں اس کی موت کا انتظام کیا ہوا تھا۔ پتا نہیں جب اس کی جان نکل رہی ہوگی تو اس کے کیا تاثرات ہوں گے؟

مرشد بچ گیا تھا اور مجھے اب فکر تھی کہ ڈیوڈ شا نے اسے کیوں چھوڑا تھا کیونکہ جس وقت باسو مجھے لے کر کوٹھی سے باہر آیا تو اندر مرشد بے بسی سے کرسی سے بندھا بیٹھا تھا اور باسو کے لیے ذرا مشکل نہیں تھا کہ اسے صرف ایک ہاتھ مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا اس کا مطلب ہے ڈیوڈ شا کی طرف سے اسے حکم نہیں تھا جس وقت وہ مجھے باہر لا رہا تھا تو اسے علم تھا کہ اصل میں کون موت کی طرف جا رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ ڈیوڈ شا نے مرشد کو ایک مہرے کے طور پر برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ اگر میں اس کی بات ماننے سے انکار کروں تو وہ مرشد کو اشارہ کرے اور وہ پھر سے میری دشمنی پر کمربستہ ہو جائے۔ مرشد مجھے اپنے سامنے جھکا ہوا دیکھنا چاہتا تھا مگر فاضلی ایسا دشمن تھا جو پہلی فرصت میں مجھے دنیا سے رخصت کر دینا چاہتا تھا اور اس نے میرے سامنے اقرار بھی کیا۔ اس لیے ڈیوڈ شا نے اس سے مرشد کو سزا دینے کا کام لیا اور پھر اس کا پتا یوں صاف کیا کہ خود اسے بھی اپنی موت کا سبب پتا نہیں چلا ہوگا۔

○ ……❖……○

میری آنکھ کھلی تو ایسا لگا جیسے میں چھ سات گھنٹے تک سویا ہوں۔ طبیعت کسی قدر سست مگر ٹھیک تھی۔ میں انگڑائی لے کر اٹھا۔ واش روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر دروازہ بجایا۔ چند لمحے بعد دروازہ کھلا تو سامنے باسو کھڑا ہوا تھا اور خلاف توقع اس نے مکمل لباس پہنا ہوا تھا۔ عام قسم کی پتلون اور شرٹ میں وہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ پیروں میں لیدر شوز تھے ورنہ میں نے اسے ہمیشہ ننگے پاؤں ہی دیکھا تھا سوائے درگاہ پر حملے کے موقع کے جب اس نے خاص بات پروف جوتے پہنے تھے۔ میں نے اسے اپنی ضرورت سے آگاہ کیا تو اس نے سر ہلا کر ایک طرف ہوتے ہوئے مجھے راستہ دیا۔ میں اس کے ساتھ واش روم تک آیا۔ وہاں سے فارغ ہوا تو اس نے مجھے ڈیوڈ شا کا پیغام دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''باس تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

ڈیوڈ شا اپنے اسی کمرے میں تھا۔ ویسے وہ ہمیشہ سے سوٹ بوٹ میں ہوتا تھا لیکن اس وقت میں محسوس کیا کہ وہ کچھ خاص تیار ہے۔ اس کا بڑے سائز کا قیمتی بریف کیس اس کے پاس رکھا تھا۔ اس کا گرگا خا حسبِ معمول اس کے عقب میں ساکت کھڑا ہوا تھا۔ باسو مجھے اندر چھوڑ کر چلا گیا۔ ڈیوڈ شا نے چائے کا آرڈر کیا ہوا تھا اور یہ خالص انگریزی انداز کی چائے تھی اس کے ساتھ بہت اعلیٰ درجے کے خستہ بسکٹس اور کوکیز تھیں۔ اس کے گرگے نے اس کے اشارے پر ہم دونوں کے لیے چائے تیار کی اور سرو کی۔ میں منتظر تھا کہ بات چھیڑے جس کے لیے مجھے طلب کیا ہے مگر وہ سکون سے چائے نوشی کرنے لگا۔ چند سپ لینے کے بعد اس نے اچانک کہا۔ ''شہباز میں واپس جا رہا ہوں۔''

میرا دل دھڑکا لیکن میں نے ردِعمل نہیں دیا اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے چند سپ اور لیے اور پھر بولا۔ ''میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں لیکن مجھے معلوم ہے تم وادی آؤ گے اور ستارے کہتے ہیں کہ میرے ساتھ ہی وہاں پہنچو گے۔''

مجھے معلوم تھا کہ ڈیوڈ شا کچھ پُراسرار علوم سے واقفیت کے ساتھ ستاروں کا علم بھی جانتا ہے جسے عرفِ عام میں علم نجوم بھی کہتے ہیں۔ میں نے اسے اپنے نکتہ نظر سے آگاہ کیا۔ ''ممکن ہے کہ ایسا ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بے جان ستارے اور سیارے انسان کے افعال پر اثر نہیں ڈال سکتے ہیں۔''

''جب ایسا ہو گا تب تم دیکھ لو گے۔'' اس نے گھڑی دیکھی اور کھڑا ہو گیا۔ ''اوکے پھر ملاقات ہو گی سے۔''

اس نے بریف کیس اٹھایا تو میں نے اٹھنا چاہا مگر مجھے لگا جیسے میرے جسم میں جان نہیں ہو، بہ مشکل میں ذرا سا اوپر ہوا اور دوبارہ صوفے پر گر گیا۔ اس بار میں سیدھا بھی نہیں رہ سکا بلکہ ذرا سا ڈھلک گیا تھا۔ ڈیوڈ شا میرے پاس آیا اور اس نے جھک کر میرا شانہ تھپکا۔ ''ڈونٹ وری یہ بے ضرر سی دوا ہے تین گھنٹے بعد تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

مجھے چائے میں کچھ دیا گیا تھا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ''اس کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت ہے۔'' اس نے کہا۔ ''تم چند گھنٹوں بعد اپنے ساتھیوں کے پاس ہو گے۔''

ڈیوڈ شا یہ کہتے ہی کمرے سے نکل گیا اور اس کا گرگا اس کے پیچھے تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب باسو آئے گا مگر اس کی جگہ دو مقامی آئے اور انہوں نے سب سے پہلے میرے چہرے پر کپڑے کا ایک غلاف چڑھایا اور پھر وہ وہیل چیئر لائے اور اس پر بٹھا کر وہ کسی گاڑی تک لائے اور مجھے اٹھا کر عقبی نشست پر ڈال دیا گیا۔ اس دوران میں میرا جسم مکمل طور پر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ دوا یقیناً چائے کے کپ میں پہلے سے موجود تھی لیکن یہ عجیب دوا تھی اس نے میرا جسم مکمل طور پر مفلوج کر دیا تھا حد یہ کہ میں پلکیں بھی نہیں جھپکا پا رہا تھا اور نہ ہی آنکھوں کو اپنی مرضی سے گردش دے سکتا تھا۔ مگر میرا دماغ مکمل طور پر بیدار تھا اور سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت برقرار تھی۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر روانہ ہوئی۔ اندر اے سی کی خنکی تھی اور گاڑی کے باہر اگر ٹریفک تھا بھی تو اس کا شور بہت کم تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد گاڑی کہیں رکی اور مجھے اس سے نکال کر تقریباً بیس پچیس قدم دور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جایا گیا۔ یہ سفر میں نے دو آدمیوں کے ہاتھوں میں کیا۔ اب پتا نہیں یہ وہی تھے یا کوئی دوسرے دو افراد تھے۔ کے دوران میں انہوں نے ایک لفظ نہیں کہا تھا اور نہ ہی مجھے پارک کی اس بینچ پر بٹھاتے ہوئے کچھ کہا۔

ایک نے میرے سر سے غلاف اتارا اور دوسرے نے مجھے یوں تکا کر بٹھایا کہ میں گر نہ سکوں اور پھر میری رٹ تلے پاجامے سے میرا ہی موبائل اٹکا کر وہ چلے گئے۔ بنچ کا رخ ایسا تھا کہ میں دیکھ نہیں سکا کہ وہ کس ں میں مجھے یہاں تک لائے تھے۔ رات کا وقت تھا اور لگ رہا تھا کہ سورج غروب ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ۔ اپنی بناوٹ اور شادابی، نیز بے رونقی سے یہ اسلام آباد کا کوئی پارک لگ رہا تھا۔ میری معلومات کے مطابق ں میں لیاقت پارک سب سے بڑا اور اچھا ہے لیکن وہاں اس موسم میں بہت لوگ نکلے ہوتے ہیں۔ اسلام آباد جیسا بے رونق تو نہیں رہا ہے لیکن شام ہوتے ہی یہاں سناٹا اور خاموشی چھا جاتی ہے۔ دفاتر اور کمرشل ایریاز پر بند ہو جاتے اور کراچی، لاہور یا دوسرے بڑے شہروں کی طرح رات گئے چہل پہل کا رواج نہیں ہے۔ چائے پیئے ایک گھنٹے کا وقت گزر گیا تھا اور ڈیوڈ شا کا کہنا تھا کہ تین گھنٹے میں میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔

اگر وہ مجھے یوں چھڑوانے کی بجائے میرے ساتھیوں کو اطلاع کر دیتا تو مجھے یہاں بیٹھ کر اذیت ناک نہیں کرنا پڑتا کہ کب میں اس قابل ہوں کہ موبائل سے کال کر سکوں۔ کچھ دیر بعد میرے دائیں طرف سے افراد کے بات کرنے کی آواز آئی مگر میں گردن گھما نہیں سکتا تھا۔ ناک کی سیدھ میں دیکھنے پر مجبور تھا۔ آواز گ رہا تھا کہ بولنے والوں کو میری موجودگی کا علم نہیں ہے۔ شاید درمیان میں کوئی باڑ یا جھاڑی تھی۔ بولنے یک جوڑا تھا جو میاں بیوی ثابت ہوئے اور وہ اپنے جوان ہونے والے بچوں کی سرگرمیوں کے بارے میں و کر رہے تھے جو کچھ یوں تھی۔

خاتون: ''آپ نے عدنان کے گھر آنے کی ٹائمنگ نوٹ کی؟''

مرد: ''نہیں میں تو موبل کے لیے پریشان رہتا ہوں وہ آج کل مغرب کے بعد آتی ہے۔''

خاتون: ''وہ کو چنگ جاتی ہے۔''

مرد: ''عدنان بھی کو چنگ جاتا ہے۔ وہ بیٹا ہے، بیٹی پر زیادہ نظر رکھنی چاہیے۔''

خاتون: ''بیٹوں پر بھی پوری نظر رکھنی چاہیے۔''

مرد: ''ابھی تم صرف مجھ پر نظر رکھو۔ دیکھو یہاں سناٹا ہے اور موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔''

خاتون ہنس کر: ''کیا بات ہے رومانٹک موڈ ہو رہا ہے۔''

مرد: ''مجھے یاد آ گیا جب میں تمہارے کالج کے باہر کھڑا ہوتا تھا کہ ایک ہی جھلک نظر آ جائے۔''

خاتون شرما کر: ''اور وہ جو ہم شام کو پارکوں میں ملتے تھے۔''

اس سے آگے کی گفتگو زیادہ رومانی اور زیادہ سنسنی خیز تھی۔ میں ٹھنڈی سانس بھرنے کے قابل بھی تھا۔ جس قسم کے رومان کے بعد انہوں نے شادی کی منزل پائی تھی اپنی اولاد کے بارے میں فکر مند ہونا سمجھ تا تھا۔ بالآخر انہوں نے مجھے دیکھ لیا۔

مرد خفگی سے: ''یہ کون ہے ہماری باتیں سن رہا ہے۔''

خاتون برہمی سے: ''چلیں یہاں سے، یہاں تو کوئی پرائیویسی نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چند منٹ بعد پھر کسی کی آواز آئی۔ ''یہ کون ہے؟''

بولنے والا آواز سے لڑکا اور لفنگا لگ رہا تھا۔ دوسرا بھی ویسا ہی لگا۔ ''آدمی ہے تجھے نظر نہیں آ رہا۔''

''وہ تو ہے پر یہ ایسے کیوں بیٹھا ہے۔''

''جا کر پوچھ لے۔''

ایسا لگ رہا تھا کہ وہ میرے کسی قدر عقب میں دائیں طرف تھے۔ مجھے خطرہ تو نہیں تھا مگر وہ مجھے بے بس پاتے تو شیر ہو جاتے اور شاید مجھے لوٹ لیتے۔ لٹنے کے لیے سوائے موبائل کے اور کچھ نہیں تھا میرے پاس اس کے باوجود لٹنا مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جب میری طرف سے کوئی ردِعمل نہیں دیا گیا تو ان کی ہمت بڑھی اور وہ میرے پاس آئے۔ ایک نے میرا بازو ہلایا مگر میں گرا نہیں۔ دوسرے نے سامنے سے آ کر دیکھا۔ ''آنکھیں کھلی ہیں پر لگتا ہے ہوش میں نہیں ہے۔''

''پیئے ہوئے ہوگا۔'' پہلا بولا۔ ''دیکھ اس کے پاس کیا ہے؟''

دوسرا میرے لباس پر ہاتھ مارنے لگا مگر اس سے پہلے کہ وہ موبائل تک پہنچتا۔ پہلے نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اوئے یہ کہاں سے آ گئے؟''

دوسرے نے سر گھما کر دیکھا اور بولا۔ ''نکل یہاں سے۔''

ایسا لگ رہا تھا کہ ان دونوں سے بھی بڑے بدمعاش آ گئے تھے جنہیں دیکھ کر وہ نو دو گیارہ ہو گئے تھے۔ آوازیں نزدیک آنے لگیں اور جلد مجھے ان کی گفتگو سے پتا چل گیا کہ وہ پولیس والے تھے۔ وہ کسی مبینہ مجرم کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جو گزشتہ رات ان کی تفتیش کی تاب نہ لاتے ہوئے راہی ملک عدم ہوا تھا اور انہیں اس کی موت کی وجہ ہارٹ اٹیک بیان کرنی پڑی تھی اس پر لواحقین نے حسبِ معمول ملزم کی موت کو پولیس تشدد کا نتیجہ قرار دیا۔ پولیس والے لواحقین کے شور شرابے پر خفا نہیں تھے۔ وہ تو مبینہ ملزم پر خفا تھے جو اقرارِ جرم کیے بغیر ہی اور شریکِ جرم ساتھیوں کا نام بتائے بغیر مر گیا تھا۔ ایک گناہ بے لذت ان کے گلے پڑ گیا تھا۔ وہ شاید کہیں آس پاس کسی ہوٹل سے مالِ غنیمت اڑا کر اسے ہضم کرنے اور ہوا خوری کے لیے یہاں آئے تھے کیونکہ ان کی گفتگو میں جتنی گالیاں تھیں اتنی ہی ڈکاریں بھی تھیں۔

میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی کیونکہ میں گل محمد بنا ہوا تھا اور ذرا بھی جنبش نہیں تھی۔ پولیس والے بھلا طور پر مجھے نشے میں سمجھ سکتے تھے اور اٹھا کر لے جا سکتے تھے۔ وہ نزدیک بینچ پر آ بیٹھے اور میری پروا کیے بغیر گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ وہ آپس میں گفتگو کریں یا یہاں سے دفع ہو جائیں لیکن میری طرف متوجہ نہ ہوں۔ دعا کے بارے میں سنا ہے کہ وہ رائیگاں نہیں جاتی ہے یا تو جیسے مانگی جائے ویسے قبول ہو جاتی ہے یا آخرت کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جاتی ہے یا پھر اللہ تعالیٰ مزید بہتر عطا کر دیتے ہیں۔ میری یہ دعا بھی فوری قبول نہیں ہوئی اور بالآخر وہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ ''اوئے یہ کون ہے اتنی دیر سے ایسے بیٹھا ہوا ہے؟'' ایک نے کہا۔

''چیک کر زندہ بھی ہے یا کوئی مار کر ادھر بٹھا گیا ہے۔'' دوسرا بولا۔

''چھوڑ یار کوئی بابو ہوا تو بعد میں گلے پڑ جائے گا۔'' تیسرا بولا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ڈر گئے کہ اسلام آباد میں ہر تیسرا بندہ کوئی نہ کوئی سرکاری افسر ہوتا ہے۔ میں نے سکون کا سانس لیا کہ اب وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ مگر بدقسمتی سے اسی لمحے میرے پاجامے میں انکے موبائل نے بیل دی۔ وہ آن تھا اور پتا نہیں کون مجھے اس وقت یاد کر رہا تھا۔ بیل سن کر وہ چونکے اور جب دوسری تیسری بیل بجنے پر بھی میں نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تو وہ متوجہ ہو گئے۔ پہلے نے کہا۔ ''اوئے یہ تو ایسے ہی بیٹھا ہے اسے دیکھ سچ مچ نہ مر گیا ہو۔''

''سانس لے رہا ہے۔'' دوسرے نے اعلان کیا۔

''پر دیکھنا تو چاہیے۔'' پہلا بولا۔ وہ تینوں اٹھ کر میرے پاس آئے اور میں نے پہلی بار انہیں دیکھا۔ وہ اسلام آباد نہیں بلکہ پنجاب پولیس کی وردی میں تھے۔ جیسا کہ ان کی گفتگو اور گزشتہ رات کی سرگرمیوں سے بھی واضح تھا کہ ان کا تعلق اسلام آباد پولیس سے نہیں تھا۔ میں نے کوشش کی کہ مسکراؤں تاکہ ان کو ذرا معمول کے مطابق لگوں مگر میرے ہونٹوں اور چہرے کے عضلات میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ ایک نے میرے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ میری پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ موبائل کی بیل بج بج کر چپ ہو گئی تھی اور چند لمحے بعد دوبارہ بجنے لگی۔ پہلے نے مجھ سے کہا۔ ''میاں جی خیر تو ہے۔''

''میرا خیال ہے پیئے ہوئے ہے۔'' دوسرا بولا اور میرا منہ سونگھنے کی کوشش کی۔ ''پر بو نہیں آ رہی۔''

''کوئی اور نشہ نہ کیا ہو۔'' تیسرے نے کہا۔ ''میں تو سوچ رہا ہوں ریسکیو کو کال کرتے ہیں۔''

''اوہ یار پہلے اس ماں کے..... کو چپ کراؤ، دماغ خراب کر رہا ہے۔'' پہلے نے موبائل کی طرف اشارہ کیا۔

''تو کرا دے، موبائل اس کے پاجامے میں ہے۔'' تیسرا بولا۔ میں نے ان کی آوازوں سے انہیں شناخت کیا تھا۔ اس پر پہلے نے کہا۔

''اوئے پاجامے کی اولاد، اس میں جیب کہاں ہوتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے خفیہ جیب ہو آج کل لوگ اسی میں موبائل رکھتے ہیں۔'' دوسرا دور کی کوڑی لایا تو بادلِ ناخواستہ پہلے والے نے میری ٹی شرٹ اوپر کی اور پاجامے کی الاسٹک میں پھنسا موبائل نکال لیا۔ اسی لمحے بیل بند ہو گئی۔ ان کے پاس ٹارچ تھی۔ وہ جلا کر میرا معائنہ کرنے لگا اس نے میری آنکھیں چیک کیں اور بولا۔

''نشے میں نہیں ہے۔''

''تب بیمار نہ ہو، کوئی دورہ نہ ہو۔'' تیسرے نے کہا۔ ''ریسکیو کو کال کرتے ہیں۔''

''اوئے چپ کر ریسکیو کا ماما۔'' پہلے نے کہا اس نے میری جامہ تلاشی مکمل کر لی تھی۔ ''اس کے پاس اور کچھ نہیں ہے، بندہ مشکوک ہے اسے تھانے لے چلتے ہیں۔''

''پہلے ہی ایک گلے پڑا ہوا ہے یہ بھی مر مرا گیا تو ڈبل مصیبت آئے گی۔'' تیسرے نے خفگی سے کہا۔

''چھوڑ یار گھر چلتے ہیں۔'' دوسرا بولا۔

''اوئے نہیں مجھے کھاتا پیتا لگ رہا ہے۔'' پہلے والے نے کہا۔ ''مال پانی مل جائے گا۔''

وہ آپس میں بحث کرنے لگے۔ دوسرا اور تیسرا اس تجویز کے خلاف تھے۔ مگر پہلے والے نے مال پانی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈکر کر کے ان کی مخالفت کو کمزور کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے شاید دوسری مرتبہ تھانے کی زیارت کرنی پڑے گی۔ پہلی بار جب اکرم چشتی کی وجہ سے گیا تھا اور وہاں میرا حشر ہونے والا تھا مگر ندیم نے بروقت پہنچ کر میری گلو خلاصی کرائی تھی۔ اس بار نہ جانے میرے ساتھ کیا ہو۔ انہوں نے آپس کی بحث میں پندرہ بیس منٹ ضائع کیے تھے۔ مگر فیصلہ میرے خلاف گیا۔ وہ مجھے تھانے لے جانے پر متفق ہو گئے۔ وہ بغیر ایف آئی آر کے مجھے حوالات میں ڈال دیتے تب بھی ان کو کوئی نہ پوچھتا۔ ان میں ایک ایس آئی تھا اور باقی دو اے ایس آئی تھے مگر ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ آپس میں دوست بھی تھے ورنہ اس طرح بات نہ کرتے۔

''پرلے کر کیسے جائیں گے؟'' تیسرے نے نکتہ اٹھایا۔ ''موٹر سائیکل پر بٹھا کر؟''

''ٹیکسی کریں گے۔'' پہلا ہنسا۔ ''اس کا کرایہ بھی بعد میں یہ دے گا۔''

تیسرا ٹیکسی لینے روانہ ہوا۔ میں اپنی قسمت پر افسوس کر رہا تھا کہ ایک مشکل سے نکلتا نہیں ہوں کہ دوسری میں پھنس جاتا ہوں۔ اگر تھانے میں کوئی جان پہچان والا نکل آیا اور وہ مرشد کا وظیفہ خوار بھی ہوا تو میں مارا جاتا۔ پولیس والے مجھے مرشد کے حوالے بھی کر سکتے تھے۔ موبائل کی بیل پھر بجی تھی اور پہلے والے نے اسے بند کر دیا۔ یہ بات اس کی گالیوں اور باتوں سے ظاہر تھی جو وہ بار بار بیل بجنے پر کر رہا تھا۔ مجھے مایوسی ہوئی، شاید میرا کوئی ساتھی کال کر رہا تھا۔ اگر وہ ریسیو کر لیتا تو میری بچت کا امکان ہو جاتا مگر اس نے موبائل آف کر کے یہ امکان بھی ختم کر دیا تھا۔ میں اس دوران میں کوشش کر رہا تھا کہ میرا جسم میرے قابو میں آجائے مگر اب تک ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے کہ میں جسم کے کسی حصے کو اپنی مرضی سے حرکت دے سکتا تھا۔ ٹیکسی تقریباً بیس منٹ بعد آئی اور تب تک مجھے دوا استعمال کیے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ ٹیکسی لانے والے نے اطلاع دی۔

''چلو اسے اٹھاؤ۔'' پہلے نے حکم دیا۔ ایس آئی وہی تھا۔

''اب اسے ڈھونا بھی پڑے گا۔'' دوسرا کراہا۔ اس نے تیسرے کے ساتھ مل کر مجھے اٹھایا۔ پولیس والوں کو مشق ہوتی ہے بندے اٹھانے کی۔ انہوں نے بھی مجھے آرام سے اٹھایا۔ میں دل ہی دل میں ڈیوڈ شا اور اس کے آدمیوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا جو مجھے اس مصیبت میں پھنسا گئے تھے۔ وہ دونوں مجھے اٹھا کر ٹیکسی تک لائے اور اس میں بٹھا رہے تھے کہ نزدیک ہی کوئی دوسری گاڑی آ کر رکی اور اس کے دروازے کھلے پھر کسی نے کہا۔

''اسے کہاں لے جا رہے ہو؟''

میں جو چند لمحے پہلے انتہائی بے بسی اور مایوسی کی کیفیت میں تھا یہ آواز سن کر کھل اٹھا۔ میرا رواں رواں اللہ کا شکر ادا کرنے لگا۔ وہ وسیم تھا۔ مجھے اٹھانے والے تیسرے نے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟''

''بتاؤں میں کون ہوں۔'' وسیم غرایا۔ ''یہ ہمارا بندہ ہے۔''

''او۔۔۔۔ اوئے یہ کیا؟'' دوسرا بولا۔

''اسے پستول کہتے ہیں۔'' عبداللہ کی آواز آئی۔ ''شاباش بندے کو اِدھر لے آؤ، تم بھی اِدھر آجاؤ۔'' عبداللہ نے شاید پہلے کو حکم دیا کیونکہ باقی دو تو مجھے اٹھائے ہوئے تھے۔

''تم پولیس کے کام میں مداخلت کر رہے ہو۔'' پہلے والے نے ذرا بہادر بن کر کہا ورنہ اس کے دو ساتھیوں کی بولتی بند ہو گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم لوگ ہمارے معاملے میں ٹانگ اڑا رہے ہو اگر پولیس سے تعلق نہ ہوتا تو تمہیں ساتھ لے جاتے اور تمہیں پتا چل جاتا کہ ہم کون ہیں۔ بہرحال اپنے افسران سے کہنا کہ کرنل مشہدی سے پوچھ لیں۔'' وسیم نے کہا۔ ''جلدی کرو ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔''

ان لوگوں نے مجھے ہیلکس میں ڈالا۔ میں حرکت کرنے سے قاصر تھا اس لیے کچھ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ ان لوگوں کو بھی عجلت تھی اس لیے میری طرف توجہ دینے کی بجائے وہ وہاں سے نکل لیے۔ پتا نہیں وہ کیسے عین موقع پر وہاں پہنچ گئے جب پولیس والے مجھے لے جانے ہی والے تھے۔ وسیم ڈرائیو کر رہا تھا اور اس نے عبداللہ سے کہا۔ ''پیچھے دیکھتے رہو کہیں وہ تعاقب کی کوشش نہ کریں۔''

''یہ ہماری پولیس ہے۔'' عبداللہ ہنسا۔ ''مسلح افراد کا کبھی غلطی سے پیچھا نہیں کرتی ہے۔''

چند منٹ بعد انہیں اطمینان ہو گیا کہ پیچھا نہیں ہو رہا ہے تو عبداللہ پیچھے آیا اور میری نبض ٹٹولی۔ ''وائٹل سائن تو ٹھیک ہیں۔''

''اطلاع دینے والے نے کہا تھا کہ کچھ دیر میں ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''میرا خیال ہے ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''ادھر ایف سکس میں ایک جاننے والا ڈاکٹر کلینک کرتا ہے۔''

''کہاں پر؟'' وسیم نے پوچھا تو عبداللہ اسے گائیڈ کرنے لگا اور پندرہ منٹ بعد کلینک آ گیا۔ عبداللہ اتر کر اندر گیا اور چند منٹ بعد اسٹریچر سمیت آیا اس نے ایک لڑکے کی مدد سے مجھے اسٹریچر پر منتقل کیا اور اندر لے گیا۔ کلینک پوش قسم کا تھا اور وہاں مریضوں کا جم غفیر نہیں تھا۔ مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا جہاں ایک ڈاکٹر منتظر تھا۔ اس نے فوری طور پر میرا معائنہ کیا۔ آنکھیں اور وائٹل سائن چیک کیے۔ آنکھ کی پتلی میں روشنی ڈال کر دیکھی اور پھر بلڈ پریشر لیا۔ آخر میں اس نے کہا۔

''سب ٹھیک ہے ایسا لگ رہا ہے یہ کسی سن کرنے والی دوا کے زیر اثر ہیں۔''

''یار وہ تو میں بھی بتا سکتا ہوں۔'' عبداللہ نے اس سے کہا۔ ''اس کا توڑ کرو۔''

''توڑ تو میں کر دوں لیکن بعض اوقات اس قسم کی دواؤں کا توڑ کرنے سے ان کے آفٹر ایفکٹ رہ جاتے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ اثر رہ جائے گا اور وہ بعد میں مسئلہ کرے گا۔ جسم خود اس مسئلے کو اچھی طرح سے حل کر لیتا ہے اور پھر دوا کے اثرات باقی نہیں رہیں گے۔''

''تب کیا کریں؟''

''انتظار..... اس قسم کی دوا کے اثرات چند گھنٹے سے زیادہ نہیں رہتے ہیں۔ کچھ پتا ہے کہ دوا استعمال کیے کتنی دیر ہوئی ہے۔''

''ہمارے پاس سے تو آدھے گھنٹے سے ہیں۔'' عبداللہ بولا۔ گویا مجھے دوا دیئے ہوئے تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے اور ڈیوڈ شا نے کہا تھا کہ تین گھنٹے بعد میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ''یہ ہوش میں ہیں؟''

''میرا خیال ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عبداللہ نے جھک کر مجھے دیکھا تو میں بے ساختہ مسکرایا تھا اور میرے ہونٹ پھیل گئے۔ عبداللہ اچھل پڑا اس نے چلا کر ڈاکٹر کو آواز دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ریحان ادھر آؤ۔''

ڈاکٹر بدحواسی میں آیا۔ ''کیا ہوا خیریت تو ہے؟''

''یہ دیکھو انہوں نے مسکرا کر دکھایا ہے۔''

ڈاکٹر میری طرف جھکا تو میں پھر مسکرایا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کا کہنا غلط ثابت ہوا تھا۔ میں وقت سے پہلے ہی ٹھیک ہو رہا تھا۔ ویسے بھی اس قسم کی دوائیں مجھ پر زیادہ اثر نہیں کرتی تھیں اور میں جلد ٹھیک ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹر گلاس میں پانی لے آیا اور چمچ سے میرے منہ میں ٹپکایا۔ پانی حلق سے اترتے ہی میں خود کو بہتر محسوس کرنے لگا۔ وہ وقفے وقفے سے پانی ڈالتا رہا۔ آدھا گلاس پی کر میں نے اسے روک دیا۔ ''بس اور نہیں۔''

عبداللہ خوش ہو گیا۔ ''اب کیسا محسوس کر رہے ہیں۔''

''بہتر ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کچھ دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔''

''آپ پانی لیں۔'' ڈاکٹر نے بقیہ گلاس بھی مجھے جبراً پلایا۔ ''جتنا پانی پیئیں گے اتنی جلدی ٹھیک ہوں گے۔ دوا کے اثرات زائل کرنے میں گردے اہم کردار ادا کرتے ہیں اور انہیں فنکشن کے لیے پانی درکار ہوتا ہے۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' عبداللہ نے اس سے گلاس لے لیا اور وہ چلا گیا۔ عبداللہ نے وہیں رکھے ڈسپنسر سے پانی نکالا اور دس منٹ بعد پھر مجھے ایک گلاس دیا۔ مزید دس منٹ بعد تیسرا گلاس دیا تو میں واش روم جانے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر آ گیا تو تقریباً ٹھیک تھا۔ ڈاکٹر ریحان نے پھر میرا معائنہ کیا اور مزید پانی پیتے رہنے کا کہہ کر جانے کی اجازت دے دی۔ میں ٹھیک تھا مگر عبداللہ زبردستی سہارا دے کر باہر لایا۔ وسیم نے عقل مندی کی کہ گاڑی میں رہا۔ اس کی اندر ضرورت نہیں تھی۔ اگر پولیس کسی طرح پیچھے آ بھی جاتی تو ہم بے خبری میں نہ مارے جاتے۔ مجھے اپنے قدموں پر آتا دیکھ کر وہ نیچے اترا اور گرم جوشی سے بغل گیر ہو گیا۔

''اب کیسے ہیں آپ؟''

''اللہ کا کرم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم لوگ کیسے ہو کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا میری غیر موجودگی میں؟''

''نہیں اللہ نے یہاں بھی کرم کیا۔'' اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ ''آئیں باقی راستے میں بات ہو گی۔''

میں بیٹھ گیا اور کچھ دیر میں عبداللہ بھی اندر سے آیا تو ہم روانہ ہوئے۔ اگرچہ میں سن چکا تھا کہ انہیں اطلاع ملی تھی لیکن میں پوری بات جاننا چاہتا تھا۔ وسیم نے کہا۔ ''جب ہم پارک پہنچے تو آدھے گھنٹے پہلے ایک اجنبی نے آپ کے بارے میں بتایا کہ آپ اس پارک میں موجود ہیں۔ آپ کے پاس موبائل کا بھی بتایا تھا ہم کال کر رہے تھے مگر ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ ہم فوری روانہ ہوئے اور، وقت پہنچے۔''

''بالکل ورنہ پولیس والے مجھے لے جاتے اور پتا نہیں تھانے میں میرے ساتھ کیا ہوتا۔ یہ پارٹی گزشتہ رات ہی تفتیش کے نام پر کسی مبینہ ملزم کو پار کر چکی تھی۔''

''ہم آپ کے پیچھے پاگل ہو رہے تھے'' عبداللہ نے بتایا۔ ''وہ دیوقامت آپ کو لے گیا تھا۔''

''وہ ڈیوڈ شا کا خاص مہرہ ہے۔ درگاہ میں ہونے والی تباہی میں بہت بڑا ہاتھ اس کا بھی تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب اس نے آپ کے سر پر اپنا بڑا پستول رکھا اور ہم سے کہا کہ وہ صرف لاش چھوڑ کر جا سکتا ہے تو ہمارے پاس پیچھے ہٹنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔''

''تم لوگ وہاں تک کیسے پہنچے؟''

''درگاہ میں موجود ہمارے آدمی نے اطلاع دی تھی۔'' وسیم نے کہا تو میں چونک گیا۔ میرے دماغ سے بالکل نکل گیا تھا کہ درگاہ میں ہمارا بھی ایک آدمی ہے ورنہ میں اس سے رابطے کی کوشش کرتا۔

''وہ اب کہاں ہے؟''

وسیم نے گہری سانس لی۔ ''مارا گیا..... وہ مرشد کی کوٹھی میں تھا جب انہوں نے وہاں حملہ کیا تو وہ بھی لپیٹ میں آ گیا۔''

''افسوس ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''اس رات وہاں سو سے زیادہ آدمی مرے۔ ان میں سے بہت سے میرے ہاتھوں مارے گئے۔''

''آپ کسی وجہ سے شامل ہوئے ہوں گے؟'' وسیم نے درست اندازہ لگایا۔

''بالکل، جب بات تم لوگوں کی زندگی پر آئی تو مجھے فاضلی کی بات ماننا پڑی تھی۔'' میں نے کہا اور پھر بتایا کہ فاضلی نے کس طرح حویلی پر میزائل لگا دیا تھا جو صرف ایک بٹن دبانے سے پوری حویلی کو تباہ کر سکتا تھا۔ ''امکان تھا کہ وہ بلف کر رہا ہے لیکن میں ایک فیصد چانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے راضی ہو گیا۔ پھر ڈیوڈ شانے یہاں ایک ڈیوائس باندھ دی تھی۔'' میں نے کلائی اٹھا کر دکھائی۔ ''یہ ملٹی پرپز ڈیوائس تھی اگر میں اس کے ریسیور کے ایک خاص حد سے زیادہ نزدیک جاتا تو مجھے شدید قسم کا برقی جھٹکا لگتا اور ایک حد سے دور جاتا تو کڑے میں موجود سائنائیڈ میرے جسم میں انجکٹ ہو جاتا۔''

''سائنائیڈ۔'' عبداللہ نے کہا۔

''پھر آپ کو کیسے چھٹکارا ملا۔''

''یہ ذرا لمبی اور پیچیدہ کہانی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اس کا کہانی کار ڈیوڈ شا تھا اور اس نے ہمیں استعمال کیا۔ فاضلی مارا گیا۔ مرشد کا اڈہ تباہ ہوا اور اس کے تمام خاص آدمی مارے گئے۔ نیز وہ مصیبت میں پھنس گیا کہ مارے جانے والوں میں مطلوب دہشت گرد بھی شامل ہیں۔ ساتھ میں اس نے مجھ پر ایک طرح سے احسان دھر دیا۔''

''احسان کیسا؟'' وسیم نے اعتراض کیا۔ ''اس نے تو آپ کو موت کے منہ میں جھونک دیا تھا۔''

''اس یقین کے ساتھ کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے سب سے زیادہ خطرہ فاضلی سے تھا اور ڈیوڈ شا جانتا تھا کہ اگر اسے موقع ملا تو وہ مجھے نہیں چھوڑے گا اس لیے ڈیوڈ شا نے ڈیوائس کا ریسیور اس کے حوالے کر دیا۔ اسے علوم تھا کہ وہ استعمال کرے گا اور مارا جائے گا۔''

''مارا کیسے گیا؟'' عبداللہ بے چینی سے بولا۔ دونوں کا تجسس سے بُرا حال تھا۔

''یار یہ سب میں ایک ساتھ بتاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ میرے جانے کے بعد کیا ہوا تھا؟''

عبداللہ نے بتایا۔ ''مجھے اور سفیر کو ہوش آیا تو سب ویسا ہی تھا سوائے آپ کے، آپ غائب تھے۔ حد یہ کہ جاتے ہوئے ٹوٹا ہوا دروازہ تک چوکھٹ میں لگا گئے تھے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ مجھے لے جانے آئے تھے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''رومانہ اور راشد کی ڈیل کیسے ہوئی؟''

''ڈیوڈ شا نے براہِ راست ہم سے بات کی اور آپ کی زندگی کے بدلے انہیں طلب کیا۔''

''تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ اگر ان دونوں کو حوالے نہ کیا تو وہ مجھے مار دے گا؟'' میں نے اعتراض کیا۔

''نہیں اس نے دھمکی دی تھی کہ اس صورت میں آپ کو دماغ ماؤف کرنے والا انجکشن لگا دے گا۔ ہمیں اس بات پر اعتبار کرنا پڑا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس صورت میں آپ کو وادی تک لے جانا اور آسان ہو جائے گا۔''

''ڈیوڈ شا نے اصل میں مرشد کو ذلیل کرنے اور سزا دینے کے لیے ان دونوں کو فاضلی کے حوالے کرنا تھا۔''

وسیم نے سر ہلایا۔ ''اس اسٹوری کا کسی حد تک علم ہے۔ عبداللہ نے اندر کے ایک آدمی سے بات کی۔ وہ پولیس انویسٹی گیشن میں ہے۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی اور انہیں فاضلی کی شیطانیت سے آگاہ کیا وہ بھی دنگ رہ گئے تھے۔ ''انسان اس قدر بھی گر سکتا ہے۔''

''انسان ہی اس قدر گر سکتا ہے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''شیطان تو پہلے ہی گرا ہوا ہوتا ہے۔''

روٹ سے میں نے اندازہ لگایا کہ ہم فیض آباد والی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔ عبداللہ نے کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈیوڈ شا نے اچانک آپ کو کیسے چھوڑ دیا؟''

''سمجھ میں تو میری بھی نہیں آیا۔'' میں نے کہا۔ ''شاید وہ اس بارے میں پہلے ہی کوئی فیصلہ کر چکا تھا اور اس نے مجھے صرف اس لیے واپس منگوایا کہ وہ جتانا چاہتا تھا کہ جب چاہے مجھے اپنے قبضے میں کر سکتا ہے۔''

''وہ ہر ممکن طریقے سے آپ پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ آپ اس کے ساتھ جائیں۔''

''بس اب ایک یہی مسئلہ رہ گیا ہے۔'' میں نے گہری سانس لی۔

''آپ بھول رہے ہیں مرشد ابھی موجود ہے۔'' وسیم نے یاد دلایا۔ ''اگر وہ اس چکر سے نکل آیا تو آگے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ پھر طاقت حاصل کر لے گا اور پھر سے ہمارے خلاف میدان میں آ جائے گا۔''

''ابھی وہ زخمی سانپ ہے اور بل میں گھسا ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔ مجھے اس قسم کی کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ میں نے رومانہ کو فاضلی سے بچانے کی کوشش کی تھی اس لیے مرشد کے اندر میرے خلاف دشمنی کا زہر ختم ہو جائے گا۔ وہ اس قسم کا آدمی ہی نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ آخر میں رومانہ کے لیے فاضلی سے کیسے التجا کرنے لگا تھا اور نہ شروع میں تو اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اس کی بلا سے ان کے ساتھ کچھ بھی ہوتا رہے۔ شاید اس کے اندر کہیں چھپی بیٹی کی محبت جاگ گئی تھی لیکن میرے لیے اس کے اندر کوئی گنجائش نہیں تھی۔ مجھے صرف یہ امید تھی کہ وہ کمزور اور پھنسا ہوا تھا اور شاید وہ اس مشکل سے نہ نکل پاتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ درگاہ کا معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا اور اس کی اصل طاقت یہی درگاہ تھی۔ اگر وہ واپس بھی آتا تو اسے پھر سے طاقت پکڑنے میں کچھ وقت لگتا۔

ہم کوٹھی پہنچے تو پورچ میں شاہ جی موجود تھا۔ اس نے استقبال کیا۔

''شکر ہے جی آپ کی صورت بھی نظر آئی۔''

''کیوں کیا ہماری صورتیں پسند نہیں ہیں۔'' سفیر اندر سے برآمد ہوا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ ''تو پھر بچ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ گیا اور سب کا بیڑا غرق کر دیا۔"

"تجھے مارے بغیر نہیں مروں گا۔" میں نے اس کی کمر پر مکا مارا تو وہ کراہا۔

"پہلے ہی مرا ہوا ہوں اور تُو مزید مار رہا ہے۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"ہوش میں آنے کے بعد سر پر یہ موجود تھا۔" اس نے سر کے پچھلے حصے میں موجود گومڑ ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ "اب تک دکھ رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں تُو بھی شہیدوں میں شامل ہو گیا ہے۔" میں نے کہا اور وسیم کی طرف دیکھا۔ "تمہارے آدمی کہاں ہیں؟"

"اسی حویلی میں؟"

"انہیں وہاں سے ہٹا لو، پتا نہیں فاضلی بلف کر رہا تھا یا سچ مچ اس نے کوئی میزائل لگایا ہوا ہے۔ اگر وہ غلطی سے بھی چل گیا تو یہ عمارت ملبے کا ڈھیر بن جائے گی۔"

"میں آس پاس چیک نہ کرا لوں۔" وسیم نے کہا۔ "آپ کو یاد ہے تصویروں میں حویلی کا کون سا حصہ نظر آ رہا تھا۔"

میں نے ذہن پر زور ڈالا۔ "شاید عقبی حصہ تھا، ہاں یاد آیا تمام تصاویر اسی طرف کی تھیں اور کچھ ذرا ہٹ کر لی گئی تھیں جن میں حویلی کے ساتھ جھیل بھی دکھائی دے رہی تھی۔"

"میں چیک کراتا ہوں تب تک اپنے آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیتا ہوں۔" وسیم نے کہا اور کال کرنے لگا۔ ہم اندر آئے تو نو بج گئے یعنی ڈنر ٹائم تھا۔ اندر زبیدہ ڈنر تیار کر رہی تھی اور اس کی خوشبو پورے لاؤنج میں پھیلی تھی۔ میں نے ناک پر زور دیا۔

"ایسا لگ رہا ہے کہ بریانی بن رہی ہے۔"

"صرف بریانی نہیں صاحب۔" زبیدہ نے کچن سے جھانک کر کہا۔ "آپ کی پسند کی اور بھی چیزیں ہیں۔ آپ کیسے ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم سب کو ایک بار پھر دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔"

"آپ فریش ہو کر آ جائیں تو میں کھانا لگا دوں یا جب آپ کہیں۔"

"ایک گھنٹے بعد لگا دینا۔" میں نے کہا اور اوپر آیا۔ میرے جسم پر وہی پاجامہ اور ٹی شرٹ تھی اور میں اس کا عادی نہیں ہوں۔ اس لیے میں سب سے پہلے اوپر آیا۔ فی الحال زخموں کی وجہ سے نہا نہیں سکتا تھا اس لیے منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوا اور کپڑے تبدیل کر کے سب سے پہلے حویلی کال کی۔ میں نے بابا کا موبائل نمبر یا تھا ان سے بات ہوئی اور پھر ماں جی سے بات ہوئی۔ اتفاق سے شجاع بھائی، بھابی اور بچوں سمیت آئے ئے تھے ان سے بات ہوئی اور پھر میں نے سویرا کا نمبر ملایا۔ وہ منتظر تھی۔ اس سے بات ہوئی اور حسب معمول سوؤں اور ہنسی کے درمیان ہوئی۔ موتا، سادی اور بانو سے کل بات کرنے کا کہا تھا۔ گھر والوں سے بات کر کے ہلکا پھلکا ہو کر نیچے آیا۔ بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ شجاع بھائی مجھ سے کچھ خاص بات کرنا چاہ رہے تھے۔ میں دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھنٹے بعد انہیں کال کرلوں۔ میں نے سوچا کہ اس دوران میں ڈنر اور ان لوگوں سے نمٹ لوں گا۔ میں نیچے آیا تو نشست گاہ میں سب موجود تھے۔

''ایاز بھی آرہا ہے۔'' وسیم نے کہا۔ ''میں نے اپنے بندے حویلی سے ہٹا دیئے ہیں اور کل وہ صبح سے میزائل کی تلاش میں لگ جائیں گے۔''

''میں تو کہہ رہا ہوں اس میں رسک ہے۔ بہتر ہے حویلی چھوڑ دو۔''

''ٹھیک ہے اگر کل میزائل نہیں ملا تو ہم حویلی چھوڑ دیں گے۔'' وسیم نے سر ہلایا۔ ''اب بتائیں کہ درگاہ میں کیا ہوا؟''

عبداللہ نے بھی سوال کیا۔ ''اس سے پہلے وہ دیوقامت آپ کو کہاں لے گیا تھا؟''

''کچھ دیر رک جاؤ ایاز آجائے تو ساتھ ہی سناتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ زبیدہ فالسے کا شربت لے آئی تھی۔ اگرچہ بارش کے بعد موسم خوش گوار ہوگیا تھا مگر فالسے کے یخ بستہ شربت نے دوبالا کردیا تھا۔ دس منٹ بعد ایاز بھی آگیا اور گرم جوشی سے ملا۔

''آپ تو لائٹ کی طرح ہوگئے ہیں چند گھنٹے کے لیے آتے ہیں اور پھر غائب ہوجاتے ہیں۔''

''ٹھیک کہا تم نے۔'' سفیر نے اسے داد دی۔ ''یہ واقعی بس چند دن کے لیے آتا ہے اور پھر دشمنوں کے پاس دوڑا جاتا ہے۔ پتا نہیں ان کے پاس ایسی کون سی گیدڑ سنگھی ہے۔''

''تو کیا میں اپنی خوشی سے جاتا ہوں۔'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''وہ لے جاتے ہیں۔''

''اگر ڈیوڈ شا یا مرشد دوسری صنف سے تعلق رکھتے تو میں کچھ اور سوچتا۔'' سفیر ہنسا۔ ''خیر ٹوٹھیک کہہ رہا ہے۔''

''ایاز آگیا ہے اب بتائیں۔'' وسیم نے یاد دلایا تو میں نے وہاں سے شروع کیا جب مجھے ڈیوڈ شا کی قید میں ہوش آیا تھا۔ فاضلی اور ڈیوڈ شا کے گٹھ جوڑ سے ہم پہلے ہی واقف ہوگئے تھے اس لیے فاضلی کو وہاں پاکر مجھے تعجب نہیں ہوا۔ البتہ جب میں نے انہیں ڈاکٹر لینگ اور اس کے ایجاد کردہ نمونے باسو کے بارے میں بتایا تو وہ سب حیران ہوئے تھے۔ وسیم نے سر ہلایا۔ ''میں نے سنا ہے کہ چینی ایسے کاموں میں ماہر ہوتے ہیں۔''

''میں نے بھی سنا تھا لیکن یقین نہیں کیا تھا اب باسو کو دیکھ کر یقین آگیا ہے۔''

درگاہ پر حملے کی کہانی زیادہ سنسنی خیز تھی۔ البتہ جب میں نے وہاں ملنے والی عورتوں کا ذکر کیا تو سفیر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ ''کیا چکر ہے بھائی جہاں جاتے ہو وہاں عورتیں ٹکر جاتیں ہیں اور پھر تم ہیرو بن کر ان کو بچاتے ہو کسی نہ کسی ولن سے۔''

''بس قسمت کی بات ہے۔'' میں نے جوابی چوٹ کی۔ ''بعض لوگ تڑپتے ہیں مگر انہیں عورت کیا تالی بجانے والے بھی نہیں ٹکراتے ہیں۔''

اس پر وسیم نے بلند آہنگ قہقہہ مارا اور پھر اس کی وضاحت کی کہ ایک بار وہ اور سفیر کہیں جارہے تھے تو سگنل پر انہوں نے پیٹھ موڑے کھڑی عورت دیکھی اور سفیر نے اس پر تبصرہ کیا تھا مگر جب وہ ان کی طرف مڑی تو تیسری دنیا کی مخلوق نکلی تھی۔ سب ہنسے تو سفیر کھسیا گیا۔ اس نے خفگی سے کہا۔ ''میں نے اکیلے تو تبصرہ نہیں کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا؟''

''میں نے صرف تمہارے خیالات کی تائید کی تھی۔''

یہ نوک جھوک کچھ دیر چلتی رہی لیکن جب میں نے معرکے کا ذکر شروع کیا تو سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔ سنسنی ایسی تھی اور واقعات میں اتنی تیزی تھی کہ بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی میں خود کو پھر اسی ماحول میں محسوس کرتا تھا جب چاروں طرف رقصِ اجل جاری تھا اور میں خود کتنی بار بچا تھا۔ صورتِ حال ہر پل بدل رہی تھی اور پھر اس میں مرشد، فاضلی اور رومانہ و راشد شامل ہوئے تو سنسنی مزید بڑھ گئی تھی۔ فاضلی نے اپنے طور پر میری موت کا فیصلہ کیا تھا مگر ڈیوڈ شا کی عیاری سے مات کھا گیا اور خود اجل کا شکار ہو گیا۔ مرشد، رومانہ اور راشد بچ گئے۔ داستان ختم ہوئی تو سب خاموش تھے۔ شاید وہ سب بھی اسی ماحول میں پہنچ گئے تھے۔ اس کیفیت کو زبیدہ نے کھانا لگنے کا اعلان کر کے ختم کیا اور ہم سب ڈائننگ ہال میں آ گئے۔ زبیدہ نے سچ مچ میری پسند کی کئی ڈشز بنائی تھیں اور مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں نے سب کے ساتھ انصاف کیا۔ کھانے کے دوران میں بھی گفتگو جاری رہی۔ عبداللہ نے کہا۔

''کیا مرشد، رومانہ اور راشد کو معاف کر دے گا؟''

''ابھی کچھ کہنا دشوار ہے فی الحال تو وہ خود پھنسا ہوا ہے اور اسے بہت سی باتوں کی وضاحت کرنی ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''مگر مرشد جیسے لوگ اپنی سرشت نہیں بدل سکتے۔ ممکن ہے ابھی وہ پھنسا ہے تو کچھ نہ کرے مگر آگے جا کر وہ راشد اور رومانہ کو سزا دے۔''

''رومانہ اور راشد اس کے قریبی خون کے رشتے ہیں۔ وہ اسے زیادہ بہتر جانتے ہیں اور وہ شاید اس سے نمٹ لیں۔ یعنی اپنی جان بچا لیں۔ بہرحال اب وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔''

''یہ تو ہو گئی پالیسی۔'' سفیر نے کہا۔ ''اب مرشد کا کیا کرنا ہے میرے خیال میں تو وہ کتے کی دُم ہے اور کبھی سیدھا نہیں ہوگا۔ اگر ہم اس کے عمل کا انتظار کریں تو یہ ہماری حماقت ہوگی۔''

''تمہارے خیال میں کیا کرنا چاہیے؟''

''مرشد کا صفایا۔'' سفیر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ میں نے وسیم اور عبداللہ کی طرف دیکھا تو ان کے چہروں پر تائید لکھی ہوئی تھی صرف ایاز خاموشی سے کھانے میں مصروف تھا۔ ایاز ہمارا ایسا ساتھی تھا جو فیصلوں میں شامل ہو نہ عمل میں پوری طرح شامل ہوتا تھا۔ ایک طرح سے اس نے خود کو ہمارے سپرد کیا ہوا تھا حالانکہ ہمارے معاملات کا اس سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں نے ہمیشہ کوشش کی کہ میرے ہاتھ سے یا میرے فیصلے سے کسی کی جان نہ جائے اور میں نے صرف بہت مجبوری کے عالم میں کسی کی جان لی یا اس کا فیصلہ کیا۔ مرشد کا معاملہ ایسا تھا کہ اب وہ اتنا بڑا خطرہ نہیں رہا تھا اور ہم نے اسے اس وقت بھی چھوٹ دی تھی جب وہ پوری طرح ہماری جان کا گاہک بنا ہوا تھا۔ میں ہچکچا رہا تھا۔ وسیم نے کہا۔

''شہباز صاحب آپ سوچ لیں، یہی وقت ہے جب سانپ قابو میں ہے ایک بار اس کی گردن چھوٹ گئی تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ وہ پھر قابو میں آئے گا یا نہیں۔''

''وہ جانتا ہے کہ اس حملے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔'' عبداللہ نے بھی کہا۔ ''ممکن ہے اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلی دشمنی میں اس حملے کا حساب بھی شامل ہو گیا ہو اور وہ طاقت حاصل کرتے ہی ایک بار پھر ہمارے خلاف صف آرا ہو جائے۔"

میں نے گہری سانس لی۔ "یار وتم جانتے ہو کہ میں دشمنی میں آخری حد تک جانے کا قائل نہیں ہوں۔"

"مرشد ایسا نہیں سوچتا۔" سفیر نے کہا۔ "وہ کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔"

سفیر ٹھیک کہہ رہا تھا مرشد کے بارے میں میرا خیال بھی یہی تھا کہ وہ کبھی اپنی فطرت نہیں بدل سکے گا اس کی مثال سوکھی شاخ کی سی تھی جو ٹوٹ تو سکتی ہے لیکن جھک نہیں سکتی۔ میں نے مزید بحث سے گریز کیا۔ "ہم اس پر بعد میں بات کریں گے۔"

میں نے کہا تو سفیر نے کچھ کہنا چاہا مگر وسیم نے بات بدل دی اس نے کہا۔ "ایک اچھی خبر اور بھی ہے۔ مانی نے انکل سے بات کر لی ہے اور شازیہ کا رشتہ مانگا ہے۔ انکل نے شازیہ سے پوچھ کر ہاں کر دی ہے۔"

میں خوش ہو گیا۔ "یہ تو واقعی اچھی خبر ہے۔ شادی کب تک ہے۔"

"مانی کا کہنا ہے کہ جیسے ہی ہمارے مسائل حل ہوتے ہیں وہ شادی کر لے گا اس سے پہلے کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" عبداللہ نے بتایا۔ "اس نے لاہور میں آفس لے کر اسے سیٹ کر لیا ہے اور اپنی ٹیم بھی جمع کر لی ہے۔ میں نے اسے بیس لاکھ روپے بھیجے ہیں۔ میں زیادہ بھیجنا چاہ رہا تھا مگر اس نے کہا کہ بیس لاکھ کافی ہیں۔"

"اگر وہ اسٹیبلش ہو جاتا ہے تو جلد شادی کر لے، ہمارا مسئلہ حل ہونے کی شرط کیوں لگا رہا ہے۔"

"اس کا کہنا ہے کہ اس کے بغیر مزہ نہیں آئے گا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے بات کی تھی مگر انہوں نے شازیہ کا رشتہ لے کر جانے سے انکار کر دیا اس لیے اب وہ خود شادی کر رہا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ ہم ہی اس کی فیملی ہیں۔" وسیم نے وضاحت کی۔

"یہ تو اچھی بات ہے لیکن ضروری نہیں ہے کہ شادی دھوم دھڑکے سے ہو۔ سادگی سے شادی سب سے اچھی ہوتی ہے۔"

"یہ تو تُو کہہ رہا ہے نا آج کل ایسی باتوں کو مانتا کون ہے۔" سفیر نے تلخی سے کہا۔ "میں نے سادگی سے کی تھی اس پر آج تک مجھے اپنے گھر میں باتیں سننے کو ملتی ہیں۔"

"بس یار ہم نمود و نمائش کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔" میں نے گہری سانس لی۔ کھانے کے بعد زبیدہ نے فرمائش پر سب کے لیے چائے اور کافی بنائی تھی۔ میں نے کافی کا انتخاب کیا۔ مجھے مانی کی جرأت اور کردار نے متاثر کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شازیہ کے ساتھ کیا ہوا تھا اور پھر وہ ماں بننے والی تھی یہ تو قدرت نے اسے بچا لیا۔ اس کے باوجود وہ اسے اپنا رہا تھا اور ترس کھا کر نہیں محبت سے اپنا رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "ہم اسے جو رقم دے رہے ہیں جب وہ سیٹ ہو جائے گا تو ہم اسے گفٹ کر دیں گے۔"

"یعنی ہم اس کے بزنس پارٹنر نہیں ہوں گے؟" سفیر نے پوچھا۔

"بالکل نہیں، مگر وہ خوددار لڑکا ہے اس لیے ابھی اسے کچھ مت کہنا، تاکہ اسے مزید رقم کی ضرورت ہو تو وہ بلا جھجک ہم سے لے سکے۔ آئی ٹی بزنس بھی اب بہت پیسا مانگنے لگا ہے اور اسے سیٹ ہونے اور بڑے پیمانے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بزنس کرنے کے لیے مزید رقم کی ضرورت ہوگی۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وسیم نے تائید کی۔''ہمارے ہاں گورنمنٹ کوئی مدد نہیں کرتی ہے ہم نے آئی ٹی کے میدان میں جو کیا ہے وہ اپنی کوشش سے کیا ہے۔''

''ہمارے مقابلے میں انڈیا نے اپنی آئی ٹی کی صنعت کو اتنی مراعات دی ہیں کہ وہ اب امریکا کا مقابلہ کرنے لگی ہے۔'' میں نے کہا۔''وہاں میں نے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کو یہاں کی نسبت بہت آگے پایا ہے۔ دور دراز کے دیہاتی علاقوں میں بھی انٹرنیٹ دستیاب ہے اور میں اسی کی مدد سے تم لوگوں سے رابطے میں رہا۔''

''ہمارے ہاں سارا زور موبائل پر ہے اور وہ بھی منفی سرگرمیوں میں۔'' عبداللہ نے کہا۔''نائٹ پیکجز نکالے ہی اس لیے گئے ہیں۔''

''انٹرنیٹ تک کا استعمال بھی کم ہے۔'' میں نے کہا۔''میں نے اخبار میں ایک رپورٹ پڑھی جو ایک بڑے سرچ انجن کی طرف سے شائع کی گئی اس کے مطابق ممنوعہ سائٹس کے لیے سب سے زیادہ سرچ ہمارے ہاں سے کی جاتی ہے۔''

اس دوران میں دو گھنٹے ہونے والے تھے اس لیے میں اوپر آ گیا۔ شجاع بھائی کا نمبر نہیں تھا اس لیے بابا کا نمبر ملایا۔ موبائل شجاع بھائی کے پاس تھا کیونکہ بابا اس وقت تک سو جاتے تھے۔''جی شجاع بھائی آپ مجھ سے کچھ بات کرنا چاہ رہے ہیں؟''

''شہباز تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مرشد کی درگاہ میں کیا ہوا ہے؟''

''جی جانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''آرمی انٹیلی جینس نے بھی اس سے تفتیش کی ہے کیونکہ درگاہ سے مطلوب دہشت گردوں کی لاشیں بھی ملی ہیں۔''

''کیا مرشد کو ملوث قرار دیا جا رہا ہے؟''

''نہیں کیونکہ اس نے انہیں اپنا آدمی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔'' شجاع بھائی بولے۔''اس نے الزام لگایا ہے کہ حملہ آوروں کی قیادت تم کر رہے تھے۔''

''اس کے پاس اس الزام کا کوئی ثبوت ہوگا؟''

''نہیں مگر اس کے الزام میں وزن ہے کیونکہ وہ ایک بااثر گدی نشین اور سیاست دان ہے۔''

''تب وہ مجھے عدالت میں کھینچ لے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''شہباز وہ تمہارے خلاف رپورٹ کروانا چاہتا ہے۔ تم جانتے ہو ایک بار تمہارے خلاف پھر ایف آئی آر آ گئی تو تمہارے لیے بہت سے مسئلے کھڑے ہو جائیں گے۔''

''شجاع بھائی میں ان سے نمٹتا آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔''آپ فکر نہ کریں۔''

''ڈونٹ بی فولش۔'' وہ ناگواری سے بولے۔''میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ مجھے کوئی مسئلہ ہے۔ مسئلہ تمہارے لیے ہے اور اس حویلی کے لیے ہے۔''

''تب آپ کیا کہتے ہیں؟'' میں نے ٹھہرے لہجے میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مرشد سے بات کرو اور اس سے کہو کہ بات آگے نہ بڑھائے۔''

''بات وہ بڑھا رہا ہے۔''

''وہ اپنا دفاع کر رہا ہے۔'' شجاع بھائی نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''تم نے دیکھا ہے جب ایک نیل گائے یا ریوں میں گھر جائے تو وہ بپھر بنتی ہے۔ حملہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مرشد اسی طرح کی کوشش کر رہا ہے ورنہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کس پوزیشن میں ہے۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے یقین دلاؤں کہ اب میں اس کے لیے خطرہ نہیں ہوں۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''سب کیا دھرا معاف ہے۔ شاہد بھائی کا خون بھی بھول جاؤں۔''

''پولیس اس کی انویسٹی گیشن کر رہی ہے۔''

''کیس داخل دفتر ہو چکا ہے۔''

''یعنی کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' شجاع بھائی بولے۔ ''اس صورت میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کیا ذاتی انتقام لیں؟''

''میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ ورنہ مرشد صرف ایک آدمی ہے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''اگر میں آپ کی بات مان لوں اور مرشد سے صلح کا ڈول ڈال لوں تب بھی کیا ضمانت ہے کہ وہ مان جائے اور بعد میں اپنی بات پر قائم رہے۔''

''ضمانت کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ بولے۔ ''میں نے صورتِ حال تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ سرکاری سطح پر اس کے خلاف کوئی کارروائی بہت مشکل ہے اور وہ مظلوم بن رہا ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ اس سے باز پرس نہیں ہو گی؟''

''نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولے۔ ''کیونکہ حملہ اس پر ہوا ہے اور مارے جانے والے بیشتر لوگ اس کے تھے۔''

''ٹھیک ہے میں آپ کا نکتہ نظر سمجھ گیا ہوں اور اب میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کروں گا۔''

''بس اتنا یاد رکھنا تم جو فیصلہ کرو گے اس کا اثر حویلی اور اس کے ہر فرد پر پڑے گا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے کہا اور کچھ دیر مزید رسمی گفتگو کے بعد فون رکھ دیا۔ میں کسی حد تک سمجھ رہا تھا کہ شجاع بھائی کیا کہنا چاہ رہے تھے۔ وہ اپنے کیریئر کے اس حصے میں تھے جہاں انہیں آگے جانا تھا۔ وہ خاصی کم عمری میں کرنل کے رینک تک پہنچ گئے تھے اور بریگیڈیئر کے بعد آرمی میں آگے جانے والے افراد کی صلاحیتوں اور قابلیت کے ساتھ ساتھ ان کا بیک گراؤنڈ بھی دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے رشتے تھے۔ ابا جی کا ایک نام اور علاقے میں عزت ہے۔ صغراں آپا کا سسرال جواب شمی کا سسرال ہونے والا تھا وہ بھی ذی حیثیت لوگ تھے۔ میری وجہ سے ان سب لوگوں پر کہیں نہ کہیں اثر پڑ رہا تھا۔ اس لیے شجاع بھائی نے ڈھکے چھپے انداز میں مجھے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میں اس معاملے کو ختم کر دوں۔ مرشد سے صلح کر لوں یا پھر..... میں سوچتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

مجھے وسیم، سفیر اور عبداللہ کی بات یاد آ گئی۔ شاید انہوں نے بھی دوسرے لفظوں میں مجھ سے یہی بات کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی جو شجاع بھائی نے کہی تھی۔ وہ اب اس معاملے کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ قصہ بہت طول کھینچ گیا تھا اور اب سب ہی اس کا خاتمہ چاہتے تھے۔ کہانی کتنی ہی دلچسپ اور سنسنی خیز کیوں نہ ہو بالآخر اسے ختم ہونا پڑتا ہے۔ تو اب سب چاہتے تھے کہ قصہ ختم کیا جائے۔ چاہے دشمنی ختم کی جائے یا دشمن کو ختم کر دیا جائے تاکہ سب پیس اینڈ سے لطف اندوز ہوں اور اپنی نارمل زندگی میں آجائیں۔ میں نے ان کو بتا دیا تھا کہ میں اوپر کال کرنے جا رہا ہوں اس لیے کسی نے میرے ساتھ آنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے کال کرنے کے بعد میں اکیلا تھا اور مجھے سوچنے اور دوسروں کے رویے جانچنے کا موقع مل رہا تھا۔ سفیر اور مونا کی اپنی زندگی تھی۔ اسی طرح وسیم اور سعدیہ کی اپنی زندگی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ عبداللہ بانو میں دلچسپی لے رہا ہے۔ لازمی اس کی بھی خواہش ہوگی کہ وہ جلد از جلد اُسے اپنا لے۔ مانی نے بھی کیا تھا مگر ساتھ ہی حالات کی شرط بھی رکھ دی تھی۔

مجھے سویرا کا خیال آیا اس کا انتظار بھی طویل ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا تعلق ایک اور خاندان سے تھا۔ وہ پہلے شاہد بھائی کی بیوی تھی مگر اب اس سے ہمارا کوئی قانونی رشتہ نہیں تھا کہ وہ حویلی میں رہتی۔ یقیناً بہت سے لوگ اس پر بات کر رہے ہوں گے۔ اس کی بھی یہی خواہش ہوگی کہ میں جلد از جلد دشمنی کے چکر سے جان چھڑا لوں اور اسے اپنا لوں۔ خود میری ہمیشہ سے خواہش رہی کہ میں اپنی نارمل زندگی میں واپس چلا جاؤں۔ میں نے کبھی اس زندگی کو انجوائے نہیں کیا۔ ہاں میں نے ہمت نہیں ہاری، حالات اور دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ منفی ذہن سے نہیں سوچا اور نہ ہی تقدیر سے شکوے شکایت کیے۔ مگر اندر سے میں ہمیشہ آرزو کرتا رہا کہ کاش کسی دن میں سو کر اٹھوں تو ایسا ہو کہ میں خود کو اپنی سابقہ زندگی میں پاؤں اور یہ سب ایک خواب ہو۔ اب شاید تقدیر نے میری استقامت کا صلہ دینے کا فیصلہ کیا تھا اور میرے دشمن یوں ختم ہو رہے تھے کہ میں حیران تھا۔ اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ یہ سب اوپر والے کی مہربانی تھی۔

اب مرشد اور ڈیوڈ شا بچے تھے۔ مرشد کے بارے میں شجاع بھائی نے بتا دیا تھا کہ اس کی حالت گھر جانے والے جانور کی سی ہو رہی تھی اور وہ اب زندگی چاہتا تھا۔ البتہ ڈیوڈ شا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ میں اس کے ساتھ وادی تک جاؤں۔ مجھے ایک فیصد بھی شبہ نہیں تھا کہ اس کام کے بعد میں اس کے لیے بیکار ہو جاؤں گا اور عین ممکن ہے وہ مجھے ختم کرنے کی کوشش کرے کیونکہ میں نے اسے بہت سے موقعوں پر اتنا زچ کیا تھا کہ اگر اسے میری اشد ضرورت نہ ہوتی تو وہ مجھے وہیں ختم کرنے کا سوچتا۔ گویا مجھے جتنا خطرہ مرشد سے تھا اتنا ہی ڈیوڈ شا سے بھی تھا۔ اچانک موبائل نے بیل دی تو میں چونکا۔ سویرا کال کر رہی تھی۔ میں نے کال ریسیو کی اور خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''سرکار کو اس وقت کیسے خیال آ گیا؟''

سویرا نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز میں نے آپ کی اور شجاع بھائی کی بات سنی ہے۔''

میں چونکا۔ ''وہ کیسے؟''

''وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے اور میں اتفاق سے اس طرف چلی گئی تھی۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''تو تم نے ان کی باتوں سے کیا نتیجہ نکالا؟''

''میں نے کوئی نتیجہ نہیں نکالا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے صرف ایک بات کہنے کے لیے کال کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟''

میں سنجیدہ ہو گیا مجھے لگا کہ اب وہ بھی کہے گی کہ میں معاملہ ختم کروں۔ مرشد سے صلح کرلوں یا اسے دشمنی کے قابل ہی نہ چھوڑوں۔ ''کہو میں سن رہا ہوں۔''

''آپ جانتے ہیں سب کی اپنی زندگی ہے اور سب اسے محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی آزادی سے جینا چاہتے ہیں۔''

''اتفاق سے میں اس وقت یہی سوچ رہا تھا۔''

''لیکن میری زندگی آپ ہیں۔'' اس نے کسی قدر کھل کر کہا۔ ''آپ کے بغیر مجھے اپنی سانس تک ادھوری لگتی ہے۔''

''سویرا مجھے معلوم ہے۔''

''اس کے باوجود شہباز آپ کبھی یہ سوچ کر کوئی فیصلہ مت کریئے گا کہ اس کا اثر مجھ پر آئے گا۔ میرے لیے آپ کی عزت اور آپ کا اطمینان دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ آپ مرشد کے آگے جھک کر صلح نہیں کریں گے، اگر آپ کے نزدیک میری قسم کی کوئی اہمیت ہے تو آپ کو میری قسم ہے۔'' کہتے ہوئے اس کا لہجہ جذباتی ہو گیا۔

میں حیران رہ گیا تھا۔ یہ لڑکی جس نے زندگی میں بہت کم خوشیاں دیکھی تھیں۔ اس وقت بھی وہ جیسے خلا میں زندگی گزار رہی تھی اس کے پیروں تلے زمین نہیں تھی۔ میرا ساتھ میری محبت ایک وعدہ تھا جس کا مستقبل واضح نہیں تھا۔ اگر میرے پیاروں میں سے کسی کو میری واپسی کا سب سے زیادہ بے تابی سے انتظار تھا تو وہ سویرا تھی اس کے باوجود اس نے مجھے وہ بات کہی جو کسی اور نے نہیں کہی تھی۔ میں جذباتی آدمی نہیں ہوں لیکن اس وقت جذباتی ہو گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''سویرا اللہ کی قسم میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے مرشد سے جھک کر صلح کرنی پڑے تو میں کرلوں گا میں اپنے ساتھیوں اور پیاروں کو مزید مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔ میں دوسروں کے لیے یہ کر گزرتا مگر اس کے بعد شاید ساری عمر خود سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہتا۔ تم نے میرے دل پر آنے والا بوجھ اتار دیا ہے۔''

وہ خوش ہو گئی۔ ''شہباز میں یہی چاہتی ہوں۔ میں آپ کو جانتی ہوں۔ شجاع بھائی نے آپ سے جس طرح بات کی اس سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ کیا سوچ رہے ہوں گے۔''

''صرف شجاع بھائی نہیں اب دوسرے بھی یہی چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے ذرا مختلف انداز میں یہی بات کہہ دی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''شاید میں ان سب کے دباؤ میں آکر اپنے ضمیر کے خلاف کوئی فیصلہ کر جاتا مگر تم نے مجھے اس دباؤ سے آزاد کر دیا ہے کیونکہ تمہارا حق سب سے زیادہ ہے۔''

''نہیں آپ کے ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے۔''

میں بے ساختہ مسکرایا۔ ''ان کی تو بات ہی مت کرو۔ وہ صرف میرے لیے دعا گو ہوتے ہیں اور مجھ پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔ تمہیں پتا ہے بابا نے ایک بار بھی مجھ سے نہیں کہا کہ میں یہ چکر ختم کروں، ایک بار وہ بول گئے تھے تو ماں جی ان سے لڑ گئی تھیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں چاہتی ہوں کہ آپ پوری آزادی اور پورے اطمینان کے ساتھ فیصلہ کریں۔ میں ہر صورت اور ہر قدم پہ آپ کے ساتھ ہوں۔''

''سویرا مجھے اس سے بڑھ کر تمہارا ساتھ چاہیے۔''

''میں ہر طرح آپ کے ساتھ ہوں۔'' اس نے کہا اور پھر ''ہائے اللہ'' کہہ کر کال کاٹ دی۔ اسے اپنی بات پر شرم آ گئی تھی۔ میں نے سرشار ہو کر موبائل رکھ دیا۔ چند منٹ پہلے تک میرے دماغ پر جو بوجھ آ رہا تھا وہ اتر گیا تھا اور میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اسی کیفیت میں کب میری آنکھ لگی مجھے پتا نہیں چلا۔ آنکھ کھلی تو صبح کا وقت تھا اور سورج شاید نکل آیا تھا کیونکہ پردے کے پیچھے سے روشنی جھلک رہی تھی ویسے کمرے میں اندھیرا تھا۔ رات کسی وقت کوئی آ کر روشنی بجھا گیا تھا۔ میں نے موبائل میں وقت دیکھا۔ آٹھ بج رہے تھے۔ میں اٹھ کر واش روم میں آیا اور ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے پہلے لباس اتارا اور پھر اپنے زخموں پر رہ جانے والی پٹیاں اتاریں۔ ان کے نیچے موجود زخم بھی تقریباً بھر گئے تھے اور اب میں غسل کر سکتا تھا۔ اگرچہ میں صاف ستھرا ہی تھا مگر کئی دن سے نہ نہانے کی وجہ سے بے چینی سی ہو رہی تھی۔ نہا کر وہ بے چینی دور ہو گئی۔ میں باہر آیا تو شاہ جی نے دروازے پر دستک دی۔

''جناب ناشتے کا پوچھنے آیا ہوں۔''

''باقی سب کہاں ہیں؟''

''سفیر صاحب سو رہے ہیں۔ وسیم صاحب اور عبداللہ صاحب باہر گئے ہیں۔''

''تب ناشتا یہیں لے آؤ۔ دو ابلے انڈے ہوں، چار توس شہد کے ساتھ اور ایک گلاس دودھ۔''

''چائے کافی جناب؟''

''وہ اس کے بعد جب میں کہوں۔'' میں نے جواب دیا اور اس کے جانے کے بعد مرشد ہاؤس کا نمبر ملایا اور حسب معمول تعلیق سیکرٹری کے بجائے ایک سریلی آواز والی خاتون نے کال ریسیو کی۔

''مرشد ہاؤس۔''

اس کے انداز سے پتا چل گیا تھا کہ وہ آپریٹر ہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مرشد نے بالآخر ایک ڈھنگ کی فون آپریٹر رکھ لی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''وہ کہاں گیا جو پہلے کال ریسیو کرتا تھا۔ مرشد کا سیکرٹری۔''

''وہ جا چکے ہیں۔'' آپریٹر محتاط انداز میں بولی۔ ''آپ کون ہیں اور کس سے بات کرنی ہے؟''

''میں شہباز ملک بات کر رہا ہوں اور مجھے مرشد سے بات کرنی ہے ویسے آواز تمہاری زیادہ خوب صورت ہے۔ کاش کہ مجھے مرشد سے کام نہ ہوتا۔''

''تھینک یو سر۔'' وہ خوش ہو گئی۔ ''ایک منٹ ہولڈ کریں۔''

مرشد ایک منٹ سے بھی پہلے لائن پر تھا اور اس نے آتے ہی تلخ لہجے میں کہا۔ ''اب کس لیے فون کیا ہے؟''

''مرشد لہجہ درست کرو۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''تمہارے ساتھ جو ہوا وہ تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے فاضلی کے ساتھ مل کر میری درگاہ پر حملہ کیا۔ کیا ہوا اس کا؟'' اس کا لہجہ الزام دینے والا تھا۔ میں دنگ رہ گیا۔

''مرشد تم کس قسم کے آدمی ہو سب تمہارے سامنے ہوا۔ میں فاضلی کے ساتھ ملا نہیں بلکہ وہ مجھے جبراً لے کر آیا تھا۔ میری کلائی کا کڑا تمہارے سامنے تھا جس کا ریسیور فاضلی کی انگلی میں موجود انگوٹھی تھی مگر ڈیوڈ شا نے اسے دھوکا دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ زہر کڑے میں ہے جب کہ زہر انگوٹھی میں تھا اور جیسے ہی میں اس سے پچاس گز دور گیا زہر اس کے جسم میں انجکٹ ہو گیا۔ اس وجہ سے تم ذلت سے بچ گئے۔ میں نے رومانہ کو بچانے کی پوری کوشش کی تھی۔''

''تم اصل میں میرا خاتمہ کرنے آئے تھے۔''

''یہ مجھے تسلیم ہے شاید موقع ملتا تو میں تمہیں جہنم رسید کر دیتا۔ مگر میں نے وہ سب نہیں کیا جو تم سمجھ رہے ہو۔ اصل پلان ڈیوڈ شا کا تھا جس کے تم ایک زمانے میں جوتے چاٹتے تھے۔ وہ تمہیں تمہاری سرکشی کی سزا دینا چاہتا تھا اور اس نے فاضلی سے یہ کام لیا اور پھر اسے ٹھکانے لگا دیا۔ میرا کردار ایک کٹھ پتلی کا سا تھا کیونکہ میری ڈور فاضلی کے ہاتھ میں تھی۔ بہرحال میں نے تمہیں اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے کال نہیں کی ہے۔ سنا ہے تم میرے خلاف نئی ایف آئی آر کروانا چاہتے ہو یعنی دشمنی کا راؤنڈ نئے سرے سے شروع ہو گا۔''

''میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔'' اس نے بے چینی سے کہا۔

''واقعی؟'' میرا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''یا تمہاری کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔''

''شہباز۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''تم مجھے کمزور مت سمجھو۔''

''میں نے دشمن کو کبھی کمزور نہیں سمجھا جب بھی تمہارے خلاف حرکت میں آیا تو یوں آؤں گا جیسے شیر کا شکار کرنے جا رہا ہوں چاہے شیر کی جگہ آخر میں چوہا نکلے۔ میں صرف خبردار کر رہا ہوں اب تمہاری طرف سے ذرا بھی دشمنی کا اظہار بات کو وہاں تک لے جائے گا جہاں اس سے پہلے میں کبھی نہیں گیا اور نہ میں نے اپنے ساتھیوں کو جانے دیا۔ میرا خیال ہے تم سمجھ گئے ہو گے کیونکہ تم عقل مند آدمی ہو۔''

''تم مجھے قتل کی دھمکی دے رہے ہو۔'' اس نے یوں کہا جیسے چاہ رہا ہو کہ میں اقرار کر لوں کہ میں اسے قتل کی دھمکی دے رہا ہوں لیکن میں نے ایسی بے وقوفی نہیں کی۔ یہ کال یقیناً ریکارڈ کی جا رہی ہو گی۔ اس کی بجائے میں نے چالاکی سے کہا۔

''مرشد میں کبھی تمہاری سطح پر نہیں آیا تمہارا بھائی اپنی وجہ سے مرا لیکن میرے بھائی کا خون تم نے کیا۔ میری بات سے تم جو چاہے سمجھو۔''

''تم سمجھ رہے ہو کہ شاید میں مشکل میں ہوں۔''

''مرشد میرے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ میں ایک بار پھر خبردار کر رہا ہوں۔ اب اگر تمہاری طرف سے کوئی قدم اٹھایا گیا تو تمہیں تمہاری زبان میں جواب دیا جائے گا۔'' میں نے کہتے ہی کال کاٹ دی۔ یہ میری پرانی سم تھی جس سے میں کئی بار مرشد سے بات کر چکا تھا اور یہ ڈیوڈ شا کے علم میں بھی تھی۔ ہمارا فیض آباد والا ٹھکانا ڈیوڈ شا کے علم میں تھا مگر وہ واپس جا چکا تھا اور مرشد میں فی الحال دم خم نہیں تھا۔ پھر وہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ سے بھی لاعلم تھا اس لیے میں نے یہیں رہنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی تھی۔ ابھی میں نے ڈیوڈ شا کے بارے میں سوچا تھا کہ موبائل نے بیل دی۔ اس پر برطانیہ کا کوڈ نمبر آ رہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی تو میرے ذہن میں ایمن کا خیال تھا مگر وہ ڈیوڈ شا ثابت ہوا۔

''تم اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے ہو؟''

''اس کے لیے میں تمہارا کسی قدر شکر گزار ہوں۔''

''نہیں اس کے لیے تمہیں راجا عمر دراز کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اس نے خود ہی مجھ سے رابطہ کیا اور تمہیں چھوڑنے کو کہا۔''

''راجا صاحب نے کہا اور تم نے چھوڑ دیا یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی ہے۔''

''میرے اور اس کے کچھ معاملات ہیں جن میں ہم ایک دوسرے کو رعایت دیتے رہتے ہیں۔''

''کیا تم نے یہی بتانے کے لیے کال کی ہے؟''

''کچھ دیر پہلے میری مرشد سے بات ہوئی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ دشمنی ختم کرنا چاہتا ہے۔''

''تبھی اس نے میرے خلاف رپورٹ کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''میں اس شخص پر ایک فیصد اعتبار نہیں کر سکتا۔''

''اس بار وہ ضمانت دینے کو تیار ہے۔''

''کیسی ضمانت؟''

''کچھ مخصوص حلقوں کی ضمانت۔'' ڈیوڈ شا نے مبہم انداز میں کہا۔ ''یہ وہ حلقے ہیں جن کی ضمانت کوئی نہیں ٹھکرا سکتا ہے۔''

مجھے شجاع بھائی کی بات یاد آئی۔ انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ضمانت کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈیوڈ شا تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو، میں مفاہمت پسند آدمی ہوں۔ میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ کوئی درمیانی راستہ نکل آئے۔ اگر مناسب ضمانت ہوئی تو میں بالکل تیار ہوں۔''

''میں تمہیں جانتا ہوں۔'' ڈیوڈ شا نے آہستہ سے کہا۔ ''اسی لیے تمہارے ساتھ میرا رویہ دوسروں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ اوکے میں تمہیں پھر کال کروں گا۔''

معاملات تیزی سے ایک واضح رخ اختیار کر رہے تھے۔ پہلے صرف میرے اور مرشد کے درمیان معاملات چلتے تھے اور کبھی وہ حاوی ہو جاتا اور کبھی میں حاوی ہو جاتا تھا۔ مگر اب دوسرے زیادہ ملوث ہو رہے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ یہ جنگ ختم کر دی جائے۔ درگاہ پر حملے کے بعد سکیورٹی ایجنسیاں بھی میدان میں آ گئی تھیں اور مرشد کے لیے بہت سی باتوں کی وضاحت مشکل ہو گئی تھی۔ اس پر دباؤ آیا تھا اور اسے پہلے جیسا اثر و رسوخ اور سرکاری حلقوں میں مقام حاصل نہیں رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے وہ جھکنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ اگر مجھے ٹھوس ضمانت مل جاتی کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو کوئی جانی اور مالی نقصان نہیں ہوگا اور نہ ہی مرشد کی طرف سے ہمیں تنگ کیا جائے گا تو میں صلح کے لیے تیار تھا۔ ایسا حل نکل آتا جس میں کسی کو اپنی ناک نیچی نہ کرنی پڑتی تو وہی سب سے بہتر تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○.....❖.....○

کچھ دیر میں زبیدہ ناشتا لے آئی اور میں نے ناشتا کیا۔ ناشتے کے بعد میں نے شاہ جی کے نمبر سے حویلی کال کی اور خواتین پارٹی سے بات کی۔ مونا نے بہت دماغ کھایا کہ اب وہ واپس آنا چاہتی ہیں۔ سادی نے کہا نہیں مگر ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی بھی یہی خواہش ہے۔ بانو بہت خوش تھی اس نے بتایا کہ وہ پھر سے ہلکی پھلکی ہو گئی ہے۔ مونا اور سادی اسے باڈی بلڈر کہہ کر چھیڑتی تھیں اور تمام مشکل اور سخت کام اس سے کراتی تھیں۔ انہوں نے اصرار کر کے حویلی کے بہت سے کام ذمے لے لیے تھے اس طرح وہ مصروف رہتی تھیں۔ یوں بانو نے کوشش کر کے خود کو پہلے کی طرح نازک اندام کر لیا تھا۔ اس کی بھی خواہش تھی کہ وہ مجھ سے ملے۔ آخر میں شازیہ نے صرف سلام دعا کی اور حال احوال پوچھا تھا۔ وہ جھجک والی لڑکی تھی اور میری اس سے کبھی زیادہ بات نہیں ہوئی تھی۔ حویلی میں امن وسکون تھا اور بابا اور ماں جی ان لوگوں کی وجہ سے بہت خوش تھے کہ حویلی میں رونق لگی رہتی تھی۔ سادی کو ماں جی کی صورت میں تجربہ کار خاتون میسر تھی۔ جس کی اسے ان دنوں اشد ضرورت تھی۔ وہ جان نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے گھنٹے بعد میں نے فون بند کیا۔

پھر ندیم سے ہیلو ہائے کی اور اس کی گالیاں سننے کے بعد اسے مرشد کے نئے عزائم سے آگاہ کیا۔ وہ فکر مند ہو گیا۔ ''یہ بہت بڑا چکر ہے ایسا کرو کہیں اور اپنی موجودگی ثابت کرنے کا بندوبست کر لے۔ بندہ ایسا معتبر ہو کہ اس کی گواہی جھٹلائی نہ جائے ورنہ تو پھر مشکل میں پڑ جائے گا اور میری جان عذاب میں رہے گی۔ اپنے کیس چھوڑ کر تیرے چکروں میں عدالتوں میں بھاگتا پھروں گا۔''

''بکواس نہ کرو تو نے کتنی پیشیاں بھگتی ہیں میری وجہ سے، شاید درجن بھی نہیں؟''

''پندرہ۔'' اس نے درست تعداد بتائی۔

''اس پر بھی تو واویلا مچا رہا ہے۔''

''بیٹے عدالت کے ساتھ ساتھ مرشد اور اس کے لفنگوں کو بھی بھگتتا رہا ہوں۔'' ندیم نے یاد دلایا۔

''اس کے باوجود سینہ تان کر آزاد گھوم رہا ہے اسی سے اندازہ لگا لے کہ ہمارے ہاں لوگ وکیلوں سے کتنا ڈرنے لگے ہیں۔''

کچھ دیر ہنسی مذاق کے بعد ندیم نے فون بند کر دیا۔ وہ عدالت پہنچنے والا تھا۔ اس کی بات سے مجھے راجا صاحب کا خیال آیا۔ وہ ایک ایسے آدمی تھے جن کی گواہی جھٹلائی نہیں جا سکتی تھی۔ بہت دن ہو گئے تھے ان سے بات کیے ہوئے۔ مجھے شرمندگی بھی ہوئی کہ جب ان کی ضرورت ہوتی ہے تب ہی ان کی یاد آتی ہے۔ میرے پاس ان کے محل کے نمبر نہیں تھے مگر وہ میں عبداللہ سے لے سکتا تھا۔ ایک تو مجھے ان کی مدد درکار تھی دوسرے میں ان کی مزاج پرسی بھی کرنا چاہتا تھا۔ تیسرے مجھے خیال آیا کہ معاملات کو سیٹ ہونے تک ہمیں یہیں بیٹھے رہنے کی بجائے منتشر ہو جانا چاہیے۔ دشمن پاس رہے تو آدمی کو کچھ نہ کچھ خیال آتا رہتا ہے۔ اس وقتِ دوری مناسب تھی۔ جب تک کہ مرشد معاملات کو سمٹانے کے طریقہ کار پر آمادہ ہو جاتا۔ جیسے جیسے میں سوچ رہا تھا یہ خیال مناسب لگا اور میں نے فیصلہ کیا کہ راجا صاحب کے پاس جانا ہی مناسب ہوگا۔ اس دوران میں عبداللہ اور وسیم واپس آ گئے تھے۔ وسیم نے بتایا کہ اس کے آدمیوں نے ایک طرف پہاڑی پر نصب میزائل [illegible] اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھیل کی تہہ میں ڈال دیا تھا جہاں وہ کسی خطرے کا باعث نہیں تھا۔

''یہ روسی ساختہ میزائل ہے اور بہت خطرناک ہے۔''

میں فکرمند ہوگیا۔''اگر جھیل میں کوئی مسئلہ ہوا تو یہ بلاسٹ نہیں ہوسکتا۔''

''نہیں بلاسٹ تو یہ صرف ایک میکنزم سے ہوتا ہے جب تک وہ حرکت میں نہیں آئے گا یہ پھٹے گا نہیں۔ پانی میں رہے گا کچھ عرصے بعد ناکارہ ہوجائے گا۔''وسیم نے وضاحت کی۔

عبداللہ راجا صاحب کے ایک کام سے گیا تھا جو بیگ نے اس کے سپرد کیا تھا۔ راجا صاحب کا ذکر آیا تو میں نے عبداللہ سے کہا۔''مجھے راجا صاحب سے بات کرنی ہے۔''

''میں ابھی کرا دیتا ہوں۔''اس نے کہا۔

''نہیں فون پر نہیں بالمشافہ۔''میں نے کہا تو سب چونک گئے تھے

''آپ راجا عمر دراز کے پاس جائیں گے۔''وسیم نے پوچھا۔

میں نے سر ہلایا اور عبداللہ کی طرف دیکھا۔''تم جانے کا بندوبست کرو۔''

''ہیلی کاپٹر سے؟''عبداللہ نے پوچھا۔

''نہیں بائی روڈ اور صرف میں جاؤں گا۔''

''کیوں اکیلے کیوں؟''سفیر نے اعتراض کیا۔

''اس کی وجہ بتاؤں گا۔''میں نے کہا اور عبداللہ کی طرف دیکھا۔''کوئی چھوٹی جیپ لے لو سیکنڈ ہینڈ مگر بہترین کنڈیشن میں ہو۔ میں پہلے سے موجود کوئی گاڑی استعمال نہیں کروں گا۔''

''ایسی کیا مصیبت آگئی ہے ابھی تو سکون ہوا ہے۔''سفیر نے کہا۔''کچھ دن تو آرام کرو، آئے نہیں اور بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔''

پہلے میرا خیال تھا کہ میں ذرا کھل کر بات کروں گا۔ پھر خیال آیا کہ اس سے بحث کا ایک نیا دروازہ کھل جائے گا۔ ندیم کی تجویز نے ایک راہ سجھا دی تھی۔ میں نے ندیم کی تجویز ان کے سامنے رکھی۔''اس کا کہنا ہے کہ میں اس دوران میں اپنی موجودگی کہیں اور ثابت کردوں تو بچت ہوجائے گی ورنہ پھر کیس میرے گلے پڑ جائے گا۔ راجا صاحب سے معتبر گواہی کس کی ہوگی۔''

''اس کے لیے جانا ضروری تو نہیں ہے۔''سفیر پھر بولا۔''وہ ویسے ہی تیرے حق میں گواہی دے دیں گے۔''

''نہیں یار بہت عرصہ ہوا راجا صاحب کی خیریت بھی نہیں پوچھی۔ یہ کام بھی نمٹ جائے گا اور میری غیر موجودگی میں تم لوگوں نے بھی کئی کام نمٹانے ہیں۔''

''مثلاً؟''سفیر نے پوچھا۔ وہی بولے جا رہا تھا جب کہ عبداللہ اور وسیم خاموش تھے۔

''بتاتا ہوں یار تم تو کیکر بن رہے ہو۔''میں نے چڑ کر کہا تو سفیر بھی خاموش ہوگیا۔ میں نے موضوع بدل اور حویلی میں ہونے والی گفتگو سنائی۔ البتہ رات شجاع بھائی نے کیا کہا تھا اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس بار سب نے خوشی سے سنا اور مجھے لگا کہ ماحول کچھ بدل گیا تھا۔ پہلے جیسی بے تکلفی نہیں تھی۔ سب تکلف زدہ انداز میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموش تھے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سب میرے کمرے میں جمع ہوئے اور میں نے سفیر اور وسیم سے کہا۔ ''تم دونوں فوری طور پر دبئی چلے جاؤ۔ وہاں بزنس کے حالات بہتر ہو رہے ہیں۔ اس لیے بزنس سیٹ کرو۔''

''میں ہو کر آیا ہوں بہت سے کام کر لیے ہیں۔'' سفیر نے کہا۔ ''میرے پاس رہائشی ویزا ہے اب وسیم کا بھی بن گیا ہے جب چاہیں وہاں جا سکتے ہیں اور آ سکتے ہیں۔''

''یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے کہا اور وسیم کی طرف دیکھا۔ ''تمام آدمیوں کو چھٹی پر گھر بھیج دو۔''

''یہ کام میں کر لوں گا۔'' وسیم نے سر ہلایا۔

''ایاز کے لیے بھی وہیں کام سیٹ کرو اگر وہ یہاں سے جانے کے لیے تیار ہو؟''

سفیر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ یہاں خوش ہے اس نے ورکشاپ سیٹ کر لی ہے۔''

وسیم نے بھی تائید کی۔ ''اسے ہمارے ساتھی کی حیثیت سے کوئی نہیں جانتا۔ وہ زیادہ تر پس منظر میں رہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن اس سے پوچھ ضرور لینا۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے۔'' عبداللہ نے پوچھا۔

''کوئی حکم نہیں ہے ہم سب دوست ہیں اور مل کر فیصلے کرتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم ہمارے ساتھ چلو گے۔''

عبداللہ نے سوچا اور بولا۔ ''باہر جانے کے لیے ماں جی کی اجازت چاہیے ہوگی۔ انہوں نے تو اسلام آباد آنے کی اجازت بھی بڑی مشکل سے دی تھی۔''

''تم ان سے بات کر لو۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تم نے گھر میں بانو کی بات کی ہے؟''

عبداللہ جھینپ گیا۔ ''ابھی نہیں کی ہے۔''

''تو کر لو۔'' میں نے مشورہ دیا۔ ''اس معاملے کو زیادہ دیر مت لٹکاؤ۔ وہ بے گھر لڑکی ہے جتنی جلد اس کا گھر کی ہو جائے اس کے لیے اتنا ہی اچھا ہے۔''

''تب میں حویلی چلا جاتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''یہاں کا کیا کرنا ہے؟''

''یہ کوٹھی چھوڑ دو۔ کوئی اور جگہ دیکھو۔ شاہ جی کو آگے رکھو اور جگہ اس کے سپرد کر دو۔''

''یہ مناسب رہے گا۔'' وسیم نے تائید کی۔ ''یہ جگہ دشمن کے علم میں آ چکی ہے۔''

''چیزوں کے چکر میں مت پڑنا۔'' میں نے کہا۔ ''کوئی چھوٹی فرنش کوٹھی دیکھ لو۔ مین شہر سے ذرا ہٹ کر ہو اور آس پاس آبادی نہ ہو تو بہتر ہے۔''

''میں اس طرف دیکھتا ہوں۔ کشمیر ہائی وے کے آخری حصے میں کچھ نئی سوسائٹیز بنی ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''یہ آپ نے اچھی تجویز دی ہے کہ شاہ جی اور زبیدہ کو آگے رکھتے ہیں۔''

''بس تو ابھی سے یہ کام شروع کر دو اور گاڑی والا کام ایاز کے سپرد کر دو۔'' میں نے کہا اور سفیر کی طرف دیکھا۔ ''ٹوکنس کا انتظام کر، یہ کام نمٹاتے ہی سب سے پہلے مونا اور سادی کو باہر بلانا ہے۔''

''وسیم کر لے گا۔'' سفیر نے کسمسا کر کہا اس دوران میں عبداللہ ایاز کو کال کر رہا تھا۔ اس سے بات کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے آگاہ کیا۔

''وہ کہہ رہا ہے کل تک مل جائے گی۔''

''جتنی جلدی ہو سکے۔'' میں نے کہا۔

عبداللہ اور وسیم چلے گئے تھے۔ ان کے جاتے ہی سفیر میرے سر ہو گیا۔ ''یہ تُو کیا کر رہا ہے، اتنی ہڑبونگ مچانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''معاملات سمٹ رہے ہیں اس لیے ہماری طرف سے بھی تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے مرشد کو کال کی تھی اور اسے وارننگ دی ہے کہ اب اس نے ذرا سی بھی دشمنی کا اظہار کیا تو یہ اس کے ڈیتھ وارنٹ پر سائن ہوں گے۔''

''ہمیں سائن نہیں اس کا خاتمہ کرنا ہے۔'' سفیر برہمی سے بولا۔ ''اور تُو آدمیوں کو چھٹی پر بھیج رہا ہے۔''

''یہ کام آرام سے بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''دوسرے ناکامی کا امکان بھی ذہن میں رکھو۔ ضروری نہیں ہے کہ مرشد مارا جائے اس صورت میں وہ پوری قوت سے دشمنی پر اتر آئے گا اور ہمیں اس سے بچنا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں اسے وار کرنے کے لیے کم سے کم جگہ ملے۔''

''نہیں تُو چاہتا ہے کہ ہم تجھ سے دور چلے جائیں اور اپنی اپنی زندگی میں مگن ہو جائیں۔''

''میں صرف تمہارے لیے ہی نہیں اپنے لیے بھی یہی چاہتا ہوں اس لیے یہاں سے جا رہا ہوں۔''

''وہ دونوں بھی سمجھتے ہیں۔'' سفیر نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''لیکن وہ خاموش ہیں۔''

''دیکھ یار وہ کتنے ہی مخلص اور دوست یار سہی لیکن ان کی اپنی ایک زندگی ہے اور میں ان کو لامحدود طور پر اپنے معاملے میں ملوث نہیں رکھ سکتا۔ تجھے بھی نہیں کیونکہ اب تجھ پر سب سے زیادہ حق مونا کا ہے۔''

''میں تجھے نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''چھوڑنے کو کون کہہ رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ اب سب اپنے مستقبل کا پلان کر لیں۔ اس دوران میں حالات بھی دیکھتے رہیں گے۔''

''تُو اکیلا سپاہی بننے کے چکر میں لگا ہوا ہے۔'' سفیر نے الزام دینے کے انداز میں کہا۔

''اب صرف مرشد باقی رہ گیا ہے اس سے نمٹنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ ایک انسان ایک انسان ہی ہوتا ہے۔''

''درگاہ کی تباہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کمزور ہو گیا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

سفیر نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''تُو صرف اسی مقصد کے تحت راجا صاحب کے پاس جا رہا ہے؟''

''نہیں یار۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''تُو جانتا ہے کہ راجا عمر دراز مجھ سے کیا چاہتا ہے؟''

سفیر اچھل پڑا۔ ''تو تُو اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے؟''

''میں جا کر دیکھوں گا کہ اس کی کیا پوزیشن ہے۔ سنا ہے طبیعت بہتر ہوئی ہے لیکن کینسر کا موذی مرض بنا آسانی سے جان نہیں چھوڑتا۔'' میں نے کہا۔ ''اس حالت کے ساتھ مشکل ہے کہ وہ سفر کر سکے اور وہ بھی اتنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دشت سفر جو بہت فٹ لوگ بھی مشکل سے کرتے ہیں۔"

"انسان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے بعض اوقات وہ موت کے منہ میں بھی ایسے کام کر جاتا ہے جو زندہ انسان سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔" سفیر نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "جو طے ہو گیا ہے اس پر عمل کرنا ہے۔ میرا خیال ہے تم لوگ دو تین ہفتے میں وہاں کے معاملات سیٹ کر لو گے اور اتنا ہی عرصہ مجھے یہاں لگے گا۔ اس دوران میں مرشد کی طرف سے بھی ردِعمل سامنے آ جائے گا۔ پھر ہم جمع ہو کر سوچیں گے کہ اب کیا کرنا ہے؟"

"تب بھی تو کرنا ہو گا تو اب کیوں نہیں؟"

"یار ذرا ٹھنڈے دماغ سے بھی فیصلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ ابھی مرشد نے ایک تحقیقاتی ٹیم کے سامنے مجھ پر الزامات لگائے ہیں کہ درگاہ کی تباہی میں میرا ہاتھ ہے۔"

سفیر چونکا۔ "تجھے کیسے پتا چلا؟"

میں نے اسے شجاع بھائی سے ہونے والی گفتگو سنائی تو اس نے شکوہ کیا۔ "تو اب ہم سے باتیں چھپانے لگا ہے۔"

"چھپانا ہوتا تو ابھی کیوں بتاتا اور میں چاہتا ہوں کہ ایک لائحہ عمل طے کر لیا جائے۔ ان باتوں میں الجھے رہے تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ صرف یہی نہیں ابھی بہت کچھ سامنے آئے گا۔"

"وسیم اور عبداللہ کو نہیں بتائے گا؟"

"کیوں نہیں بتاؤں گا ان سے چھپایا تھوڑی ہے۔"

عبداللہ اپنے واقف کار رئیل اسٹیٹ والوں سے بات کرنے گیا تھا۔ وسیم ٹکٹس کرانے گیا تھا۔ دونوں شام تک واپس آ گئے۔ اتفاق سے دونوں کامیاب رہے تھے۔ دبئی کے لیے اگلے دن شام کی فلائٹ میں ٹکٹس مل گئے تھے اور ایک اسٹیٹ ایجنٹ نے عبداللہ کو ایک نئی آبادی میں چھوٹا فرنش بنگلا دکھایا تھا۔ یہ سات مرلے پر تھا اور اس میں نیچے تین اور اوپر ایک بیڈ روم تھا۔ کرایہ اور ایڈوانس اچھا خاصا تھا مگر عبداللہ مان گیا اور دو دن بعد اس کی چابی مل جاتی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"مکان کا ایگریمنٹ شاہ جی سے کروانا۔"

"میں ایسا ہی کروں گا۔" عبداللہ نے اطمینان دلایا۔ "اچھی جگہ ہے آس پاس کوئی مکان نہیں ہے۔"

میں نے اطمینان محسوس کیا۔ معاملات اسی طرح جا رہے تھے جیسے میں چاہتا تھا۔ جہاں تک ماحول کی بات تھی تو جب حالات بدلتے ہیں تو اس کا اثر ماحول اور لوگوں پر بھی پڑتا ہے برسوں ایک جگہ کام کرنے والے جب ریٹائر ہوتے ہیں تو دفتری کولیگ سے پھر ان کی پہلے جیسی بے تکلفی نہیں رہتی۔ اگرچہ ہم دفتری کولیگ نہیں تھے۔ زندگی اور موت کے کھیل میں ایک دوسرے کے ساتھی رہے ہیں۔ سفیر میرا یار اور شروع سے میرے ساتھ رہا لیکن وسیم، عبداللہ اور ایاز اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئے۔ ہمارے درمیان خلوص اور محبت کا رشتہ تھا اس کے باوجود جب ہم نے محسوس کیا کہ اب وقت آ گیا ہے تو ہمارے انداز میں غیر محسوس تبدیلی آئی تھی۔ ہمارا تعلق ٹوٹا نہیں تھا مگر اس کی نوعیت بدلنے والی تھی اور جب یہ تبدیلی مکمل ہو جاتی اور تعلق نئے سرے سے استوار ہو جاتا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر سب نارمل ہو جاتا۔ اس لیے میں نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

شاہ جی اور زبیدہ کو پتا چلا کہ ہمیں یہاں سے جانا ہے تو انہوں نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ عبداللہ نے بتا دیا تھا کہ صرف وہی چیزیں ساتھ جائیں گی جو گاڑیوں میں آ جائیں۔ باقی سب یہیں رہے گا۔ کوٹھی ہمیں خالصے سامان کے ساتھ ملی تھی لیکن بہت کچھ یہاں ڈلوایا گیا تھا اور وہ سب بھی یہیں رہ جاتا۔ ہمیں اچانک روانہ ہونا تھا اور پھر واپس نہیں آنا تھا۔ کوٹھی کا دیا ہوا ایڈوانس عبداللہ اس اسٹیٹ والے کے توسط سے واپس حاصل کرتا جس سے یہ کوٹھی کرائے پر لی تھی۔ اس لیے اب سامان کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ رقم والا لاکر اور اسلحہ تو لازمی ساتھ جاتا۔ اس کے علاوہ ہمارا ذاتی سامان بھی ساتھ جاتا۔ باقی چیزوں میں سے انتخاب ہو رہا تھا۔ رات تک ایک ہنگامہ رہا پھر ایاز کی کال آ گئی۔

''شہباز صاحب ایک تین سال پرانی جیپ ہے لیکن بہت اچھی کنڈیشن میں ہے۔ ٹویوٹا ملٹری ماڈل کا سویلین ورژن ہے۔ صاف ستھری گاڑی ہے اور کاغذات میں بھی مسئلہ نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے اسے شاہین کے نام ٹرانسفر کرا لو اور ٹرانسفر کب تک ہو جائے گا؟''

''کل صبح یہ کام ہو جائے گا جس سے لے رہا ہوں اس کے جیک ہیں وہ دو گھنٹے میں کام کرا لے گا۔''

''بس تو کام کراتے ہی مجھے اطلاع کرو۔ میں جلد از جلد روانہ ہونا چاہتا ہوں۔''

''کل زیادہ سے زیادہ بارہ بجے تک۔'' ایاز نے وعدہ کیا۔ ''مگر آپ ابھی آئے اور اتنی جلدی پھر جا رہے ہیں۔ شاہین ملنے کے لیے کہہ رہی تھی۔''

''مگر تو مشکل ہے، میں کل تمہارے ورکشاپ آ جاؤں گا۔ گاڑی لے کر وہیں آتا۔ میں وہیں سے نکل جاؤں گا۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' ایاز خوش ہو گیا۔ ''میں آپ کو ورکشاپ بھی دکھاؤں گا۔''

رات کے کھانے کے بعد میں نے وسیم اور عبداللہ کو بھی شجاع بھائی اور پھر مرشد سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنایا۔ ندیم کا مشورہ تو سامنے تھا۔ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا کہ موجودہ صورتِ حال میں انتظار یا عمل کرنے کی بجائے ہم اپنے مستقبل کا لائحہ عمل تیار کر لیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ مگر وسیم نے ایک سوال اٹھایا۔ ''فرض کریں راجا صاحب آپ سے اصرار کرتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ چلیں تو؟''

''تب میں اصرار کی شدت دیکھوں گا۔''

''اگر ان کا اصرار شدت کا ہوا تو؟''

میں نے گہری سانس لی۔ ''تب شاید میں انکار نہ کر سکوں۔ اب میرے پاس انکار کا جواز بھی نہیں ہے۔''

''یہ پاگل پن ہے۔'' سفیر نے بے چینی سے کہا۔ ''ایک بیمار آدمی ایسا سفر کیسے کر سکتا ہے؟''

''یار مفروضات پر پریشان مت ہو۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''بہت سی باتیں آدمی کی قسمت میں ہوتی ہیں وہ اپنی مرضی نہیں چلا سکتا ہے۔''

''میرا دل کہہ رہا ہے راجا عمر دراز نہیں مانے گا۔'' سفیر نے یقین سے کہا۔ ''وہ بسترِ مرگ پر بھی وہاں جانا چاہے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دیکھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''میرا خیال ہے اب آرام کیا جائے کیونکہ کل سب کو بہت کام ہے اور سفر بھی کرنا ہے۔''

''سوائے میرے۔'' عبداللہ بولا۔ ''میری مصروفیات پرسوں سے شروع ہوں گی۔''

''کوشش کرو کہ کل ہی چابیاں مل جائیں تو تم اور شاہ جی بھی کل شفٹ ہو جاؤ۔''

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے سر ہلایا۔ میں اپنے کمرے میں آیا اور موبائل آن کر کے سویرا کو کال کی۔ میں جانے سے پہلے اسے بتانا چاہتا تھا۔ وہ سب کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اس لیے کال ریسیو نہیں کی کچھ دیر بعد اس نے خود کال کی۔ سلام دعا کے دوران میں، میں نے محسوس کر لیا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ میں نے پوچھ لیا۔ ''سویرا کیا بات ہے سب ٹھیک ہے نا؟''

''نہیں۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''ابھی ایک گھنٹا پہلے میرے موبائل پر اجنبی نمبر سے کال آئی تو میں نے آپ کی سمجھ کر ریسیو کر لی۔''

''کس کی کال تھی؟''

''فتح خان.....''

''وہ خبیث.....'' میرے منہ سے گالی نکلی۔ ''اس کی جرأت کیسے ہوئی تمہیں کال کرنے کی۔''

''میں نے بھی یہی کہا تھا مگر وہ بے غیرتی سے ہنسنے لگا۔ اس نے کہا کہ آپ کو پیغام دے دوں کہ فتح خان ابھی مرا نہیں ہے۔''

''اس بار وہ میرے سامنے آیا تو زندہ نہیں رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے نمبر دو۔''

سویرا سہم گئی۔ ''پلیز شہباز وہ خطرناک آدمی ہے آپ اس سے دور رہیں۔''

''میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں مجھے نمبر دو۔'' میں نے کہا تو اس نے مجھے نمبر دیا اسے نوٹ کر کے میں نے پوچھا۔ ''اور کیا کہا اس نے؟''

''اس نے تو بس یہی پیغام دیا مگر میں نے اسے کہہ دیا کہ وہ اب نہیں بچے گا۔''

''سویرا تم جانتی ہو کہ جیتو میرے لیے کیا تھا اور اس کی موت کی ایک وجہ یہ شخص بھی ہے۔ یہ واحد فرد ہے جو زندہ ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' سویرا بولی۔ ''جب میں نے اس کی موت کا سنا تو مجھے لگا جیسے میرا کوئی اپنا مر گیا ہو۔ اس دن سب رو رہے تھے، ماں جی تک اسے یاد کر رہی تھیں۔ یہاں اس نے سب کو اپنا گرویدا بنا لیا تھا۔''

''وہ ایسا ہی شخص تھا۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''بے جگر اور بے غرض۔''

''سوری شہباز میں نے غلطی سے فتح خان کی کال ریسیو کر لی۔''

''یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اب میں تمہیں اسی نمبر سے کال کروں گا یا کسی اور نمبر سے کروں گا تو پہلے تمہیں میسج کر دوں گا کہ یہ میرا نمبر ہے اس کے علاوہ تم کسی نمبر کی کال ریسیو نہیں کرو گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا۔

''کل میں راجا عمر دراز کی طرف جا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں؟'' اس نے پوچھا تو میں نے اسے بتایا کہ میں کیوں جا رہا ہوں۔ وہ یہ سن کر خوش ہوئی کہ میں یہاں سے اپنے معاملات سمیٹ رہا ہوں۔ اس نے کہا۔

''یہ ٹھیک ہے آپ وہاں سے آجائیں۔ حویلی کو ایک جوان آدمی کی ضرورت ہے۔ بابا صحت مند ہیں مگر ان کی عمر زیادہ ہوگئی ہے۔''

''ان شاء اللہ میں حویلی ہی آؤں گا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن میرا مزاج زمینداری والا نہیں ہے۔ بہرحال یہ تو مستقبل کی بات ہے۔ اس پر میں وہیں آکر بات کروں گا۔''

میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راجا عمر دراز سے مل کر حویلی جاؤں گا۔ میں اب تک پُرسکون تھا مگر سویرا نے فتح خان کا بتا کر مجھے ٹینشن میں ڈال دیا تھا۔ وہ ایسا شخص نہیں تھا جو میرے آس پاس ہو اور میں سکون سے رہوں۔ مجھے اس خواب کا خیال آیا جو میں نے ڈیوڈ شا کی قید میں ہوش میں آنے سے پہلے دیکھا تھا اور جس میں فتح خان تھا۔ یہ خواب تقریباً سچ ہوگیا تھا۔ انڈیا سے واپسی پر میرا خیال تھا کہ اب مجھے فتح خان کی صورت دیکھنے کو نہیں ملے گی۔ مگر واپسی کے چند دن بعد ہی میرا یہ خیال غلط ثابت ہو رہا تھا۔ جب سویرا نے مجھے فتح خان کی کال کے بارے میں بتایا تو بلا مبالغہ میرا خون کھولنے لگا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ خون سرد ہوگیا اور اب میں ٹھنڈے دماغ سے سوچ رہا تھا کہ آخر فتح خان نے کیوں مجھ سے رابطہ کرنا چاہا تھا؟ سویرا سے بات کرنے کے کچھ دیر بعد میں نے اس کا دیا ہوا نمبر ملایا۔ اس پر بیل جا رہی تھی۔ چند بیل کے بعد کسی عورت نے کال ریسیو کی۔

''کون ہے؟''

''فتح خان سے بات کراؤ۔''

''ادھر کوئی فتح خان نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور کال کاٹ دی۔ میں نے دوبارہ نمبر ملایا اور اسی عورت نے اٹھایا۔

''یہ موبائل جس کا ہے اسے دو چاہے اس کا نام کچھ بھی ہو۔''

''وہ سو رہا ہے۔'' عورت کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ ''میں نے اسے اٹھایا تو وہ مجھے مارے گا۔ یہ بہت ظالم آدمی ہے۔''

''جب تم اسے بتاؤ گی کہ شہباز ملک کی کال ہے تو وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''ہاں سے نہ بتایا تو اس کا نقصان ہوگا اور پھر وہ تمہیں شاید قتل کر دے گا۔''

عورت کی بات سے ظاہر تھا کہ وہ شاید فتح خان کی داشتہ تھی اور اس کے بیڈروم میں تھی۔ چند لمحے بعد فتح خان کی پُرخمار آواز آئی۔ ''شہباز خاناں۔''

''فتح خان۔'' میں نے سرد ترین لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ اب میرے اور تمہارے درمیان مروت کا تعلق ختم ہوگیا ہے۔ اب ہمارا سامنا ہوا تو ہم میں سے ایک ہی فرد زندہ رہے گا۔ میں تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا لیکن تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے دور رہو۔''

''شہباز خان میں خود بھی تمہارے پیچھے نہیں آنا چاہتا، پر کیا کروں مجبوری ہے۔''

میں اس کی مجبوری سمجھ رہا تھا مگر انجان بن کر بولا۔ ''کیسی مجبوری؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم سمجھتا ہے میں ہیروں کی بات کر رہا ہے۔'' وہ بولا۔ ''میرے کو بس وہ ہیرے مل جائیں۔''

''وہ ہیرے تمہیں جہنم میں ملیں گے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔ ''اور جہنم جانے کے لیے تمہیں میرے سامنے آنا ہوگا۔''

''ہم کو جہنم کا پروا نہیں ہے۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''وہ غالب خان نے کیا فرمایا ہے کہ دل خوش رکھنے کو یہ خیال اچھا ہے غالب۔''

''وہ غالب نے جنت کے بارے میں کہا ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔ ویسے مجھے حیرت ہوئی تھی کہ فتح خان نے یہ ایک مصرع بھی کہاں سے سن کر یاد رکھا تھا۔ ''ٹھیک ہے تمہیں جنت جہنم کی پروا نہیں ہے لیکن میری زندگی کو کیوں جہنم بنا رہے ہو۔''

فتح خان کچھ دیر کے لیے خاموش رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ''شہباز میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہے۔''

''کیسا سودا؟''

''تم ہیرے تلاش کرنے میں میرا مدد کرو، ہیرے مل گئے تو میں تم کو مرشد سے نجات دلا دے گا۔ یہ فتح خان کا وعدہ ہے۔''

''فتح خان تم شاید نہیں جانتے کہ بیتو میرے لیے دنیا کی تمام دولت سے بڑھ کر قیمتی تھا اور وہ کیوں جان سے گیا تم یہ بھی جانتے ہو۔''

''مجھے اس کا افسوس ہے۔''

''مجھے تمہارے افسوس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں آخری بار تمہیں خبردار کر رہا ہوں اب میرے سامنے مت آنا ورنہ میں بیتو کا انتقام لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

''شہباز میرا بات سنو.....'' فتح خان نے کہنا چاہا لیکن میں نے کال کاٹ کر موبائل بند کر دیا۔ میں نے فتح خان کو دھمکی دے دی تھی مگر وہ ایسا آدمی نہیں تھا جو آسانی سے اپنا ارادہ ترک کر دیتا۔ سو یرا سے رابطے کا مطلب تھا کہ اس کے ذہن میں میرے حوالے سے کوئی بات ہے۔ اس کی باتوں سے بھی تصدیق ہو گئی تھی کہ ہیروں کا خناس اس کے دماغ سے نکلا نہیں تھا۔ مگر میں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے موبائل بھی بند کر دیا تھا۔ اب وہ مجھ سے رابطے کا کوئی دوسرا طریقہ نکالتا مگر مجھے امید تھی کہ وہ براہ راست میرے سامنے آنے سے گریز کرے گا۔ اسے معلوم تھا کہ میں اپنے الفاظ پر عمل کرنے والا شخص ہوں۔ فتح خان جیسے عیار خود کشی نہیں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر موقع پر جان بچا کر نکلنے میں کامیاب رہا۔ کنور پیلس سے بھی وہ جس طرح فرار ہوا تھا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہی نہیں وہ بہت جلد واپس بھی آ گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے دماغ سے یہ بات نکلی نہیں تھی کہ ہیرے اسے میری مدد سے ہی مل سکتے تھے۔ ورنہ اسے مجھ سے اور کوئی مطلب نہیں تھا وہ بس اسی ایک چیز کو لے کر میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

○.....❖.....○

رات دیر سے سونے کے باوجود میری آنکھ صبح جلد کھل گئی۔ میں تر و تازہ تھا اور غسل کر کے رہی سہی کسل مندی بھی دور ہو گئی۔ نیچے آیا تو پتا چلا کہ آج ریڈی میڈ ناشتا ہوگا کیونکہ کچن کا بیشتر سامان پیک کیا جا چکا تھا۔ شاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جی باہر سے حلوا پوری اور کلچے پائے لے آیا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نے مختصر میٹنگ کی۔ اس میں ایک بار پھر تمام امور کا جائزہ لیا۔ مجھے سب سے پہلے روانہ ہونا تھا اور زبیدہ نے میرا بیگ تیار کر دیا تھا۔ اس میں میرے چند جوڑے اور ضرورت کی چیزیں تھیں باقی سامان ان لوگوں کے ساتھ نئے بنگلے میں جاتا۔ سب سے مل ملا کر میں دس بجے عبداللہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ وہ مجھے ایاز کی ورکشاپ تک چھوڑ کر واپس آ جاتا۔ ایاز سے میں نے کہہ دیا تھا کہ وہ جیپ لے کر وہیں آئے گا۔ پندرہ منٹ میں عبداللہ نے مجھے وہاں چھوڑا۔ وہ میرے لیے ایک اضافی موبائل اور دو مزید سم لے آیا تھا۔ یہ فریش تھیں اور عبداللہ نے انہیں ایکٹو کرا لیا تھا۔ میں اب اپنی سم استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ مرشد اور فتح خان دونوں کے علم میں آ چکی تھی۔ میں کم سے کم اس سفر میں اس سم کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ایاز جیپ کی رجسٹریشن کے لیے گیا ہوا تھا میں اس کے چھوٹے سے دفتر میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ عبداللہ کو بنگلے کی چابی لینے جانا تھا اس نے اسٹیٹ ایجنٹ سے بات کر لی تھی اور وہ آج ہی تمام کام کرانے کو تیار ہو گیا تھا۔ اس لیے عبداللہ مجھ سے مل کر چلا گیا۔ ورکشاپ میں تین نوجوان لڑکے کام کر رہے تھے اور وہ اپنے کام میں ماہر لگ رہے تھے۔ ایاز کی غیر موجودگی میں بھی وہ پوری لگن سے کام میں لگے ہوئے تھے۔ لڑکے ڈینٹنگ پینٹنگ اور دوسرے کاموں کے لیے تھے۔ انجن اور اس سے متعلقہ امور ایاز خود دیکھتا تھا اور گاڑی کی الیکٹرک وائرنگ کے لیے اس نے ایک الیکٹریشن ہائر کیا ہوا تھا جو طلب کرنے پر آ جاتا تھا۔ ایاز کے نائب نے میرے منع کرنے کے باوجود چائے منگوا لی تھی۔ جب تک میں نے چائے پی ایاز آ گیا۔ وہ ایک گہرے سبز رنگ کی ٹو ڈور جیپ میں آیا تھا۔ اس کا فولادی کیبن ایک ہی پیس کا بنا ہوا تھا۔ آگے مضبوط بمپر تھا اور عقب میں پیچھے کھلنے والا دروازہ تھا۔ میں دفتر سے نکل کر آیا۔ ایاز نے اتر کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور جیپ کی طرف اشارہ کیا۔

''کیسی ہے جناب؟''

''یہ تو تم بتاؤ گے، دیکھنے میں تو بہت اچھی لگ رہی ہے۔''

''باقی بھی اے ون ہے۔ ابھی لڑکے آدھے گھنٹے میں سروس کر دیں گے۔ آئل نیا ہے اور باقی وہ دیکھ لیں گے۔'' ایاز نے کہا اور لڑکوں کو ہدایت دے کر میرے ساتھ دفتر میں آیا۔ یہ چھوٹا سا لکڑی اور شیشے کا بنا کیبن تھا۔ اس نے مجھے جیپ کی بک دی۔ یہ شاہین کے نام رجسٹر ہو گئی تھی۔ ایاز ہنسا۔

''جب میں نے شاہین کو بتایا تو وہ ہنسی تھی کہ اسے بھلا گاڑی کی کیا ضرورت ہے۔''

''کیسی ہے وہ اور تم دونوں کا آنے والا بے بی۔''

''دونوں اے ون ہیں۔'' ایاز نے چہک کر کہا۔

''وسیم اور سفیر دبئی جا رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''عبداللہ بھی شاید حویلی چلا جائے، یہاں تم رہ جاؤ گے اور مجھے تمہاری فکر ہے۔''

''اللہ مالک ہے اور مجھے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔'' اس نے مخصوص بے پروائی سے کہا۔ اس نے حلیہ بدل لیا تھا۔ اپنے لمبے بال کریو کٹ کرا لیے تھے اور اب کلین شیو تھا۔

''وہ تو ہے مگر مجھے خدشہ رہے گا۔ ایاز میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ رہو۔ فی الحال یہاں بزنس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالات اتنے اچھے نہیں ہیں۔ ٹوریزم ٹھپ ہے۔ شاید میں حویلی چلا جاؤں یا پھر دبئی شفٹ ہو جاؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی دبئی آ جاؤ وہاں گاڑیوں کے کام کا بہت اسکوپ ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن یہاں بھی کام اچھا چل رہا ہے۔ زندگی میں پہلی بار اچھا اور کھل کر کما رہا ہوں۔"

"بات کمائی کی نہیں ہے یار تم ہنر مند آدمی ہو جہاں جاؤ گے کما لو گے تم میرے خدشات کو سمجھو۔ ابھی مرشد کا خطرہ ٹلا نہیں ہے جب تک معاملہ سیٹ نہ ہو جائے مجھے اس کی طرف سے خطرہ رہے گا اور ظاہر ہے میرے ساتھیوں کو بھی رہے گا۔"

"ٹھیک ہے میں شاہین اور خالہ سے پوچھتا ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ "میں ان کے بغیر نہیں جا سکتا۔"

"ان کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے تم وہاں بزنس ویزا لو گے اور اپنی فیملی کو بلا سکو گے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "رہائش کا مسئلہ نہیں ہے جب تک تمہارا اپنا بندوبست نہیں ہو جاتا سفیر کے ساتھ رہو گے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی بڑا گھر لے لیں اور سب ساتھ رہیں۔"

"شاہین کا مسئلہ نہیں ہے وہ تو سب کے ساتھ خوشی سے رہے گی، البتہ خالہ شاید نہ مانیں کیونکہ یہ ان کا آبائی گھر ہے بچپن سے رہ رہی ہیں۔ محلہ اور دوسرے رشتے دار بھی ہیں۔ ان کا سوشل سرکل خاصا وسیع ہے۔"

"تم بات کر کے دیکھو۔" میں نے کہا۔ اس دوران میں جیپ تیار ہو گئی تھی۔ زبیدہ نے کھانے کا پوچھا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔ ایاز شاہین سے تکا بوٹی، پراٹھے اور پلاؤ بنوا لایا تھا یہ سب ایک بڑے سے ہاٹ پاٹ میں تھا۔ اس نے مجھے تھمایا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی؟"

"تھی جناب تب ہی تو شاہین نے ساتھ کیا ہے۔ یہ دوپہر تک تو گرم رہے گا۔"

"کوئی بات نہیں امید ہے میں شام تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"ان دنوں بارشوں کی وجہ سے راستے خراب ہیں۔" ایاز نے بتایا۔ "آپ شاید کل ہی پہنچ سکیں رات کو کسی ہوٹل میں رک جائیں تو بہتر رہے گا۔"

"شاید ایسا ہی کروں۔" میں نے اس کے گلے لگ کر کہا۔ "شاہین کو شکریہ کہنا۔"

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے جناب۔" ایاز نے نفی میں سر ہلایا۔ میں نے اپنا بیگ اور ہاٹ پاٹ پیچھے رکھا وہاں کولڈ ڈرنک کے ٹن، منرل واٹر کی بوتلیں اور ایک عدد تھرماس پہلے سے رکھا ہوا تھا جس میں کافی تھی۔ سب شاہین نے بھجوایا تھا۔ گویا راستے کی ضرورت کی ہر چیز تھی۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے نئے موبائل میں نئی سم لگائی۔ عبداللہ موبائل چارج کر کے لایا تھا۔ پھر یہ جیپ کے چارجر سے بھی چارج ہو سکتا تھا اس لیے اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ میں ورکشاپ سے نکلا تو سڑک پر مڑتے ہوئے میں نے مخالف سمت میں ایک مارگلہ کار میں ایک قبائلی کو دیکھا۔ میں چونکا کیونکہ وہ میری طرف ہی دیکھ رہا تھا اور ہماری نظریں ملیں تو وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔ میں آگے نکلا اور عقب میں دیکھا تو کار مخالف سمت میں جا رہی تھی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ اتفاق تھا۔ دراصل حالات نے مجھے اعصاب زدہ کر دیا ہے اور میں ذرا سی بات سے چونک جاتا ہوں۔ وہ قبائلی صورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے فتح خان کے علاقے کا رہنے والا لگ رہا تھا۔ یہ وجہ بھی تھی اور پھر وہ مسکرایا تھا۔

○.....❖.....○

راجا عمر دراز کے علاقے تک جانے کا مختصر راستہ تو مردان سے گزرتا تھا۔ میں ہری پور روڈ سے اس طرف مڑ جاتا۔ جو اصل میں قراقرم ہائی وے کا آغاز بھی ہے۔ مگر وہاں تک جانے کے لیے مجھے پورا پنڈی، پھر فتح جنگ اور ٹیکسلا کے پاس سے ہوتے ہوئے واہ کینٹ کے نیچے سے نکلنا پڑتا اور یہ خاصا لمبا روٹ تھا جس میں جی ٹی روڈ والا حصہ ہمیشہ خراب ملتا ہے۔ اس لیے میں نے مری ایبٹ آباد والے راستے کو ترجیح دی۔ اس کا بڑا حصہ پہاڑوں سے گزرتا ہے مگر یہ میرے پسندیدہ مناظر ہیں۔ میں روانہ ہوا اور آدھے گھنٹے بعد مارگلہ کو عبور کر کے مری کے پہاڑوں میں داخل ہو رہا تھا۔ مارگلہ کا سلسلہ ہائے کوہ زیادہ بلند نہیں ہے لیکن اس نے اس علاقے کو کسی سانپ کی طرح اپنے بل میں لے رکھا ہے۔ ایک طرف یہ مری کے پہاڑوں تک جاتا ہے اور دوسری طرف ہزارہ پٹی کو چھوتا ہے۔ پنڈی اور اسلام آباد کو ہری پور، واہ کینٹ اور حسن ابدال کی اہم آبادیوں سے جدا کیا ہوا ہے۔

اگر دامن کوہ سے چند کلومیٹر طویل ایک سرنگ نکالی جائے جو دوسری طرف خان پور پر نکلے تو یہ سارا علاقہ ایک ہو جائے گا۔ ہری پور اور مانسہرہ کی مسافت بہت کم رہ جائے گی اور یہاں رہنے والوں کو پنڈی اسلام آباد آنے کے لیے ایک مختصر راستہ مل جائے گا۔ واضح رہے کہ اس خطے کی آبادی ایک کروڑ سے اوپر ہے اور ان سب کے مفادات آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ نئے راستے بنیں گے تو معاشی سرگرمیوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ ایاز کا کہنا درست ثابت ہوا جب راستے میں پہلی لینڈ سلائیڈنگ سے واسطہ پڑا۔ مگر یہ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ ایک بلڈوزر مٹی ہٹا رہا تھا اور بیس منٹ کے وقفے کے بعد میں دوبارہ روانہ ہوا۔ جیپ چھوٹی لیکن اس کا بارہ سو سی کا ڈیزل انجن طاقتور تھا۔ ایاز نے نہ صرف ٹینک فل کرا دیا تھا جو آنے اور جانے دونوں کے لیے کافی تھا مگر ساتھ ہی اس نے بیس بیس لیٹر کے دو بھرے ہوئے جیری کین بھی پیچھے رکھے تھے۔ مری کے قریب پہنچ کر سگنل ملے تو میں نے وسیم کو کال کر کے اپنے نکل جانے کی اطلاع دی۔

''میں مری تک پہنچ گیا ہوں۔''

''ہم بھی سامان پیک کر رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''شاید عبداللہ اینڈ پارٹی بھی آج ہی نکل جائے۔ بنگلے کی چابی مل گئی ہے۔''

''یہ اچھا ہے، ہمیں طے شدہ کام جلد نمٹا لینے چاہئیں۔''

''میری سادی سے بات ہوئی تھی وہ خوش ہے۔ اسے دبئی ویسے ہی پسند آیا تھا اور وہ وہاں رہنا چاہتی ہے۔''

''بس تو تم ان کے لحاظ سے وہاں سیٹنگ کر لو اور پھر انہیں آ کر لے جاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''میری تو خواہش ہے کہ تم لوگ اب وہیں رہو۔''

''آپ کے بغیر نہیں۔'' وسیم نے انکار کیا۔ ''ہاں سونیا کا فون آیا تھا۔ میں ماموں بننے والا ہوں۔''

''مبارک ہو، وہ کہاں ہے؟''

''خیر مبارک۔'' وسیم ہنسا۔ ''لاہور میں ہی ہے۔ اس کے صحافی شوہر نے نیا بزنس شروع کر دیا ہے۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیبل آپریٹر بن گیا ہے آدھے لاہور کو وہی کیبل ٹی وی مہیا کر رہا ہے۔"

"یہ تو اچھا ہے ورنہ صحافی بن کر دھکے کھاتا رہتا۔"

"آج کل تو صحافیوں کے بھی مزے ہیں۔ مگر سب کے نہیں اخباروں میں کام کرنے والے آج بھی دھکے کھاتے ہیں۔"

گرمی کی وجہ سے مری کی طرف جانے والوں کا رش تھا مگر مجھے آگے جانا تھا صرف کال کرنے کے لیے رکا تھا۔ یہاں مسلسل گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ جتنی دیر میں نے کال کی جیپ کے آگے پیچھے کئی گاڑیاں جمع ہو گئی تھیں اور مزید آ رہی تھیں۔ ہارنوں کے شور سے پہاڑیاں گونج رہی تھیں۔ میں نے جیپ نکالنے کی کوشش شروع کی اور آگے پیچھے والی گاڑیاں بھی حرکت میں آ گئیں۔ پیدل چلنے والے پہاڑ کی ڈھلان کے ساتھ چھوٹے سے کچے فٹ پاتھ پر چل رہے تھے کیونکہ گاڑیوں کی وجہ سے سڑک پر جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے جیپ کو ڈھلان کی طرف کیا تو مجھے اس کچے فٹ پاتھ پر ایک قبائلی نظر آیا۔ اس نے روایتی لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور جب میں نے اسے دیکھا تو وہ مسکرایا اور پھر اس نے غیر متوقع انداز میں انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنا کر مجھے دکھایا۔

میں اسے چند لمحے کے لیے دیکھ سکا تھا اور پھر عقب سے آنے والی گاڑیوں کے دباؤ نے مجھے آگے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ میں آگے بڑھتے ہوئے سائیڈ مرر میں اس قبائلی کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کسی قدر کھلی جگہ آتے ہی مجھے گاڑی روکنے کا موقع ملا اور میں نے جیپ روکتے ہوئے جلدی سے اتر کر دیکھا۔ عقب میں جاتے لوگوں میں مجھے اس حلیے کا کوئی آدمی نظر نہیں آیا میں واپس آیا اور ایک مقامی نوجوان کو روکا اور اسے قبائلی کا حلیہ بتاتے ہوئے اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔"

یہ نوجوان اس قبائلی کے پاس ہی تھا مگر اس نے اسے نہیں دیکھا۔ جب تک میں جیپ روک کر آیا وہ غائب ہو گیا تھا ورنہ میں اسے پکڑ کر ضرور پوچھتا کہ اس نے مجھے وکٹری کا نشان کیوں دکھایا تھا۔ کیا اس سے مراد فتح تھی یعنی فتح خان۔ اگرچہ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی تھیں۔ وہ قبائلی بلا مقصد بھی یہ حرکت کر سکتا تھا مگر میرے اندر بے چینی سی بھر گئی تھی۔ میں اسے تلاش کرنے لگا اور کچھ دیر میں، میں نے ہر ممکن جگہ دیکھ لیا۔ قبائلی کے یوں غائب ہونے سے میرا شبہ بڑھ گیا تھا۔ فتح خان جیسے شاطر سے ایسی ہی حرکتوں کی امید کی جا سکتی تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی میرے ساتھ بلی چوہے والا کھیل کھیلتا رہا تھا۔ یعنی اپنی جھلک دکھانا یا اپنی موجودگی کا احساس دلانا اور پھر غائب ہو جانا۔ ایسا کر کے ایک طرف وہ مجھے بے اطمینانی کا شکار کرتا تھا تو دوسرے مجھے ہنکا کر اپنے پھندے کی طرف لانا چاہتا تھا۔ یہ تو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ مجھ سے ہیروں کی تلاش میں مدد چاہتا ہے۔ اگر اسے علم ہو گیا تھا کہ میں راجا عمر دراز کے پاس جا رہا تھا تو وہ لازمی اسی سمت میں محو سفر ہو گا، کیونکہ وہ وادی وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے جہاں ہیرے موجود تھے۔

فتح خان کے خطرے کے باوجود مجھے آگے تو جانا تھا۔ چند منٹ بعد میں پُرسکون سڑک پر سفر کر رہا تھا۔ اوپر رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ خالی سڑک دیکھ کر مجھے اندیشہ ہوا کہ آگے پھر کوئی لینڈ سلائیڈنگ نہ ہو۔ کچھ دیر بعد ایبٹ آباد کی طرف نکلنے والی سڑک آ گئی۔ ایک زمانے میں یہ سڑک بہت خطرناک اور تنگ ہوتی تھی مگر اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے بھی بہتر کر دیا گیا تھا۔ البتہ مری کی نسبت یہاں پہاڑوں پر درخت کم تھے۔ وجہ وہی ہے، ٹمبر مافیا نے جا بجا پورے پورے جنگل صاف کر دیئے ہیں۔ ڈرائیو کرتے ہوئے میں عقب کا بھی خیال رکھے ہوئے تھا۔ مگر مجھے پیچھے کوئی مشکوک گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ چار بجے کے قریب میں ایبٹ آباد پہنچ گیا تھا اور خلاف توقع کہیں لینڈ سلائیڈنگ سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

یہیں ایک پارک میں رک کر میں نے لنچ کیا اور پانچ بجے آگے روانہ ہو گیا۔ آج کے دن راجا عمر دراز کے محل تک رسائی نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے میری کوشش تھی کہ الائی یا بشام تک پہنچ جاؤں۔ یہ دونوں بہت خوب صورت ہل اسٹیشن ہیں اور اس کے بعد چند گھنٹے کا سفر تھا جو میں اگلے دن بھی کر سکتا تھا۔ مگر مانسہرہ سے جب میں قراقرم ہائی وے پر مختصر سفر کر کے دوسری سڑک پر آیا تو یہاں سے راستے کی خرابی کا آغاز ہو گیا اور ایک جگہ لینڈ سلائیڈنگ تھی۔ اگرچہ یہ بھی معمولی سی تھی مگر اس کی وجہ سے وقت ضائع ہوا اور میں آٹھ بجے کے قریب سوات ویلی میں داخل ہوا۔ الائی کی بجائے میں نے بشام میں رکنے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہ مین روڈ پر ہے جب کہ الائی مین روڈ سے ذرا ہٹ کر ہے۔ وہاں سے مجھے واپس دوبارہ مین روڈ پر آنا پڑتا اور پھر بشام آگے تھا اس لیے میں نے اسے ترجیح دی۔ یہاں سے میں اگلی صبح وقت ضائع کیے بغیر روانہ ہو سکتا تھا۔

سیزن کی وجہ سے یہاں بھی سیاحوں کا رش تھا اس لیے کمرے کی تلاش میں مجھے کئی ہوٹلوں میں گھومنا پڑا اور بالآخر ایک جگہ کمرا مل گیا۔ تھکن بہت زیادہ تھی اس لیے کھانا کھا کر میں سو گیا۔ اسلام آباد سے نکلتے ہوئے مارگلہ میں نظر آنے والے قبائلی کی وجہ سے مجھے خدشہ تھا کہ کوئی پیچھے نہ ہو خاص طور سے فتح خان کی طرف سے اندیشہ آ گیا تھا۔ پھر مری میں ملنے والے اور انگلیوں سے فتح کا نشان بنانے والے قبائلی نے میرے خدشات مزید بڑھا دیئے تھے۔ اس لیے سفر کے دوران میں، میں نے عقب کا خاص خیال رکھا تھا۔ مگر پہاڑی سڑکوں پر کسی کا تعاقب کرنا بہت آسان ہے کیونکہ یہاں راستے محدود ہوتے ہیں اور آپ کو کسی کی منزل کا علم ہو تو آپ آسانی سے فاصلہ رکھ کر پیچھے چل سکتے ہیں۔ اگر فتح خان کو میرے سفر کا علم ہو جاتا تو منزل کا اسے خود پتا چل جاتا اور وہ میرے پیچھے آ سکتا تھا۔ اس کے باوجود مجھے اپنے تعاقب کا خیال رکھنا تھا۔ حفاظت کے لیے میرے پاس ایک پستول اور ایک چھوٹی شاٹ گن تھی۔ دونوں چیزیں میرے بیگ میں تھیں۔

رات سونے سے پہلے میں نے صبح آٹھ بجے کا الارم لگایا اور الارم نے مجھے جگا دیا۔ پہلے میں نے عبداللہ کو کال کی اور اس نے اطلاع دی کہ وسیم اور سفیہ اپنی منزل پر پہنچ گئے تھے اور انہوں نے بھی راتوں رات شفٹنگ کر لی تھی۔ یہ سن کر میں نے اطمینان محسوس کیا کہ میرے ساتھی محفوظ ہو گئے تھے۔ ناشتا کرتے ہی میں آگے روانہ ہو گیا۔ میری کوشش تھی کہ دوپہر تک راجا عمر دراز کے محل تک پہنچ جاؤں۔ مگر ہائی وے پر ذرا آگے نکلتے ہی پھر لینڈ سلائیڈنگ نے راستہ مسدود کر دیا۔ یہ داسو کی طرف جانے والی سڑک تھی۔ اوپر سے مٹی اور پتھروں کا ایک انبار تھا سڑک پر آ گرا تھا اور اسے شاید زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کیونکہ مٹی ابھی تک سرک رہی تھی۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس طرف صرف چند گاڑیاں تھیں اور سڑک کی صفائی اور راستہ بنانے کے لیے دور دور تک کوئی موجود نہیں تھا۔ حالانکہ یہ مین ہائی وے ہے جو اس علاقے کو نیچے کے علاقوں سے ملاتی ہے۔ مگر یہاں بھی ہنگامی حالات میں کام آنے والا عملہ اور مشینری ہمہ وقت دستیاب نہیں تھی۔ سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹا سا جھگی ہوٹل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ وقت گزاری کے لیے مسافر وہاں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ ہوٹل کا مالک چائے بنا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''آگے جانے کا کوئی اور راستہ ہے؟''

اس نے اپنی میلی قمیص سے اپنا دھواں آلود چہرہ صاف کیا اور بولا۔''پکا راستہ تو نہیں ہے، پر ہے۔''

''کس طرف ہے۔''

''ادھر پیچھے کی طرف واپس جاؤ۔'' اس نے سڑک کی طرف اشارہ کیا۔''کوئی دو میل پہلے کچا راستہ اوپر جاتا ہے۔ پر اُدھر سے صرف جیپ جا سکتا ہے فور وہیل ڈرائیو والا۔''

''میرے پاس ہے۔'' میں نے اپنی جیپ کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے جیپ کی طرف دیکھا اور بولا۔''یہ چلا جائے گا۔ پر راستہ بہت خراب ہے، خطرہ بھی ہے۔''

چائے نوشی میں آدھا گھنٹا اور گزر گیا تھا اور ابھی تک راستہ صاف کرنے کے لیے بلڈوزر اور عملہ نہیں آیا تھا۔ میں نے وہیں گوبھی آلو کا لنچ کیا اور میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اس لیے قیلولہ کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد میں چارپائی پر لیٹا ہوا قاعدہ اونگھ رہا تھا کہ ہوٹل میں کام کرنے والے لڑکے نے مجھے ہلایا اور جیپ کی طرف اشارہ کیا۔''یہ تمہارا گاڑی ہے؟''

''ہاں؟''

''ادھر صبح کے بعد ایک آدمی آیا تھا۔ اس نے تمہارا گاڑی کا نمبر اور رنگ بتا کر پوچھا تھا کہ یہ گاڑی ادھر سے تو نہیں گزرا ہے۔''

میری غنودگی غائب ہوگئی اور میں چوکنا ہوگیا۔''اچھا کیسا آدمی تھا دیکھنے میں کیسا لگتا تھا؟''

''ادھر ہی کا تھا، بوڑھا ہونے والا، لٹکا ہوا مونچھ اور آنکھوں کے نیچے گوشت الگ سے تھا۔'' لڑکے نے خاصی تفصیل سے فتح خان کا حلیہ بتایا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس سفر کے دوران میں جو رہ رہ کر کھٹک رہا تھا تو اس کھٹک کی وجہ سامنے آگئی تھی۔ فتح خان میرے سفر سے آگاہ ہوگیا تھا اور پھر وہ میرے پیچھے تھا بلکہ فتح خان میرے آگے سفر کر رہا تھا۔ اس کے آدمی یقیناً پیچھے تھے جو اسے میرے بارے میں اطلاع دے رہے تھے اور ساتھ ہی مجھے نفسیاتی حربوں سے مرعوب کر رہے تھے۔ یہ شروع سے اس کا وطیرہ رہا تھا۔ جب وہ میرے چکر میں ہوتا تو جان کر مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا تھا۔ شاید فتح خان کسی وجہ سے سمجھا کہ میں آگے نکل گیا ہوں اس لیے اس نے یہاں پوچھ لیا۔ یہ بھی لازمی ہے کہ وہ ہر جگہ آدمی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ خود وہ آگے تھا کہ اسے میری منزل کا علم تھا۔ اس حصے میں آ کر وہ میرے بارے لاعلم ہوگیا۔ کیونکہ میں رات بشام میں ٹھہر گیا تھا اور فتح خان اس سے بے خبر رہا ہوگا۔ میں نے لڑکے سے پوچھا۔

''کیا وہ آگے چلا گیا تھا لینڈ سلائیڈنگ سے پہلے؟''

لڑکے نے سر ہلایا۔''وہ ایک گھنٹا پہلے نکل گیا تھا۔ پھر سلائیڈ ہوا۔''

لڑکا ہوشیار تھا اگرچہ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی شاید وہ تیرہ چودہ برس کا تھا مگر اس میں ہوشیاری تھی۔ میں نے اس کی خدمت کے صلے میں ایک سو کا نوٹ انگلیوں میں دبا کر پیش کیا جو اس نے خاموشی سے وصول کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور چلا گیا۔ اس نے اسی امید میں مجھے معلومات فراہم کی تھیں۔ میں جواب تک کسی قدر امن وسکون سے سفر کرتا رہا تھا منزل کے پاس آ کر یک دم ہی جیسے خطرہ سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ میں کیا کرتا آگے جاتا یا یہیں سے پلٹ جاتا۔ ایک بات تو یقینی تھی کہ فتح خان میرا آگے کہیں انتظار کر رہا ہوگا۔ مگر اس کے ڈر سے واپس جانا مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ میں نے لڑکے کو تازہ چائے لانے کو کہا۔ میرے پاس ابھی بہت وقت تھا اور میں عجلت میں کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے سکون سے اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

اس دوران میں کئی گاڑیاں اور ان کے مسافر آ گئے تھے۔ وہ سب ہوٹل کی طرف آئے اور ظاہر ہے ہوٹل کا مالک بہت خوش اور بہت مصروف تھا۔ اس لینڈ سلائیڈنگ نے اچانک ہی اس کے کاروبار کو ترقی دی تھی۔ بیٹھنے کے لیے چارپائیاں کم پڑ گئی تھیں اس لیے اب وہ ان مسافروں کی طرف ذرا ناپسندیدگی سے دیکھ رہا تھا جو کھا پی چکے تھے اور اب صرف ستا رہے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اٹھ جائیں تاکہ نئے آنے والے اس کے بزنس کی ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔ شکر ہے میں نے چائے منگوالی تھی اس لیے اس کی ناپسندیدہ نظروں سے محفوظ رہا۔ ویسے نئے آنے والوں کو بھی جگہ مل گئی تھی۔ اِکا دُکا مستورات والے بھی تھے مگر خواتین گاڑیوں میں رہیں۔ لڑکا چائے لے کر آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

''اس کے ساتھ اور کوئی تھا؟''

لڑکے نے سر ہلایا۔ ''ایک عورت تھا جوان اور خوب صورت۔''

لڑکے کی نظر اس لحاظ سے بھی تیز تھی۔ یہ شاید وہی عورت تھی جس نے میری کال ریسیو کی تھی۔ فتح خان میں یہ عیب بھی تھا کہ وہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ بہت سے مواقع پر اسے اس وجہ سے نقصان بھی ہوا مگر وہ باز نہیں آتا تھا۔ میں نے اسے مزید سو کا ایک نوٹ دیا اور آہستہ سے کہا۔ ''یہ بات کسی اور سے مت کہنا، میرے دشمن بہت خطرناک ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تم نے ان کے بارے میں مجھے بتایا ہے تو وہ تمہیں مار دیں گے۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

لڑکے نے سر ہلایا۔ اس کے تاثرات میں خوف شامل ہو گیا تھا مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ اس کے جانے کے بعد میں سوچنے لگا کہ اب کیا کروں؟ کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک خیال ذہن میں آیا۔ شروع میں تو بس صرف خیال تھا مگر جیسے جیسے اس پر سوچتا رہا مجھے یہ خیال اچھا لگا۔ دو بجے میں ہوٹل سے نکلا۔ اس وقت تک سڑک بدستور بند تھی۔ میں نے جیپ واپس گھمائی اور روانہ ہو گیا۔ اب مجھے ایک اور سڑک کی تلاش تھی۔ وہ سڑک کوئی دس میل پیچھے ملی اور میں نے جیپ اس پر ڈال دی لیکن یہ سڑک راجا عمر دراز کے محل تک نہیں جاتی تھی۔ ایک گھنٹے بعد میں اس مخصوص پُل تک پہنچ گیا تھا جہاں میں پہلے بھی کئی بار آ چکا تھا مگر اس بار پُل سے نیچے ندی میں اترنے والا راستہ پانی کے سبب بند تھا اور اوپر بارش کی وجہ سے خاصی مقدار میں پانی تھا۔ مجھے جیپ کا کچھ کرنا تھا میں اسے یونہی چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ پُل کے ساتھ ہی ایک کوٹھری تھی جس میں پُل کا رکھوالا چوکیدار موجود تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی آ موجود ہوا۔

''جی صاحب کوئی حکم کوئی خدمت؟''

''مجھے آگے جانا ہے۔'' میں نے ندی کی طرف اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ادھر جیپ نہیں جائے گی صاحب۔'' اس نے آگاہ کیا۔ ''پیدل کا راستہ بھی مشکل ہے، ندی میں بہت پانی ہے۔''

''مجھے دکھائی دے رہا ہے۔ میں جیپ یہاں چھوڑ کر جاؤں گا۔''

''بالکل صاحب، ہم اس کی رکھوالی کرے گا۔'' اس نے دانت نکال کر کہا۔ ''جیسا چھوڑ کر جائے گا واپسی میں ویسا ہی ملے گا۔''

میں نے جیپ کوٹھری کے ساتھ کھڑی کی اور اسے دو سو دے کر اس کی چوکیداری پر مامور کیا۔ شہر میں کوئی اس کام کے پانچ سے کم نہ لیتا اور میں اسے پانچ سو دے سکتا تھا مگر اس علاقے میں بعض اوقات فراخ دلی آدمی کے گلے پڑ جاتی ہے۔ لوگوں کو پتا چل جائے کہ آپ کے پاس زیادہ پیسے ہیں تو ان کی نیت بھی خراب ہو سکتی ہے۔ یہ عمومی بات ہے کہ اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ اس لیے میں نے دو سو دیئے اور ساتھ ہی اسے خبردار کرنے کے لیے بیگ نکالتے ہوئے پستول اور شاٹ گن کی نمائش بھی کی تاکہ اس کے دل میں کسی قسم کی بے ایمانی نہ آئے۔ میں نے بیگ پشت پر باندھ کر کہا۔

''میں آگے جا رہا ہوں کل واپس آؤں گا تب تک تم جیپ کی حفاظت کرو گے۔''

''ضرور کرے گا صاحب۔'' اس نے تابعداری سے کہا۔ ''ہم اِدھر اور کس لیے ہے؟''

میں نے بچا کھچا کھانے پینے کا سامان ساتھ ہی رکھا تھا آگے مجھے اس کی ضرورت پیش آتی۔ یہاں موسم خشک تھا اور چیزوں کے خراب ہونے کا امکان کم تھا۔ جھگی ہوٹل سے نکلتے ہوئے نان بھی لے لیے تھے۔ یہ خشک نان اس وقت کام آتے جب کھانے کے لیے اور کچھ باقی نہ رہتا۔ ساتھ ہی تھرماس میں چائے بھروالی تھی۔ پانی کی یہاں کوئی کمی نہیں تھی۔ مجھے ندی کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ میں نیچے اترا اور ندی کے کنارے آگے روانہ ہوا۔ یہاں پہلے پتھر اور جھاڑیاں تھیں مگر پانی اوپر تک آنے سے مجھے اب ترچھی ڈھلان پر سفر کرنا پڑ رہا تھا جو پھسلواں تھی اور کہیں کہیں اس میں سرکنے والی ریت بھی تھی۔ جب اس پر قدم جماتا تو وہ سلپ کرنے لگتی تھی۔ مگر مجھے اس قسم کے راستوں پر سفر کرنے کا تجربہ تھا اس لیے خاص مشکل نہیں آئی۔ میں نے اس سے کہیں زیادہ خطرناک راستوں پر سفر کیا ہوا ہے جہاں ایک غلط قدم آدمی کو تحت الثریٰ میں لے جاتا اور وہاں سے زندہ سلامت واپسی کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ندی کا راستہ تو میرے لیے ہموار سڑک جیسا تھا۔

میں پانچ بجے ندی میں اترا تھا اور میری کوشش تھی کہ تاریکی چھانے سے پہلے میں منزل مقصود پر پہنچ جاؤں۔ میرے پاس تاریکی کا سدباب بھی تھا اور ایک طاقتور ٹارچ کے ہمراہ دو عدد چھوٹی ایمرجنسی لائٹس تھیں جو آرام سے چھ سات گھنٹے تک چل سکتی تھیں۔ اس کے باوجود میری کوشش تھی کہ میں تاریکی سے پہلے وہاں پہنچوں۔ یہ سفر دو گھنٹے کا تھا اور سورج سات کے کچھ دیر بعد غروب ہو رہا تھا۔ اس لحاظ سے امکان یہی تھا کہ میں پہنچ جاتا۔ مگر میں نے پہلے خشک ندی میں سفر کیا تھا جس میں سفر آسان تھا اور یہاں مجھے ڈھلان پر سفر کرنا پڑ رہا تھا بعض جگہوں پر راستہ نایاب ہو جاتا تو مجھے اوپر سے گھوم کر واپس آنا پڑتا تھا اس میں خاصا وقت ضائع ہو رہا تھا۔ شاٹ گن بیگ میں تھی لیکن پستول میں نے پتلون کی بیلٹ میں اڑس رکھا تھا۔ میں ایک لمحے کے نوٹس پر اسے نکال سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لیے جب اچانک اوپر جھاڑیوں میں ہلچل سی مچی تو میں نے سیکنڈ سے پہلے پستول نکال لیا اور ایک پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔ جھاڑیوں کی حرکت ایسی تھی جیسے اس میں کوئی زندہ چیز ہو۔ میری نظر جھاڑیوں پر مرکوز تھی اور پھر اس میں سے خرگوشوں کا ایک جوڑا نکلا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ پانی پینے ندی تک آئے تھے۔ پہلے انہوں نے سن گن لی، میں ساکت رہا، خرگوش کی نظر کمزور ہوتی ہے مگر سونگھنے اور سننے کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ چند لمحے کان گھماتے اور نتھنا پھڑکاتے رہے اور پھر پھدک پھدک کر نیچے آنے لگے۔ انہوں نے دھارے کے پاس آ کر پانی پینا شروع کیا اور ایک منٹ بعد وہ دوبارہ اوپر جا رہے تھے ان کے غائب ہونے کے بعد میں حرکت میں آیا اور دوبارہ سفر شروع کیا۔ میں پہلے بھی حرکت کر سکتا تھا مگر مجھے اچھا نہیں لگا کہ ان کی پیاس میں مداخلت کروں۔ میری موجودگی محسوس کر کے وہ پانی پیئے بغیر بھاگ جاتے۔

سورج تیزی سے مغرب کی طرف جھک رہا تھا اور روشنی کم ہو رہی تھی۔ ندی دو پہاڑیوں کے درمیان میں تھی اس لیے یہاں روشنی اور کم تھی۔ میں خاصے عرصے بعد اس طرف آیا تھا اس لیے مجھے ٹھیک سے یاد نہیں تھا کہ ابھی منزل کتنی دور ہے۔ بس اتنا یاد تھا کہ آگے جا کر ندی نیم دائرے میں گھومتی اور یہ اس بات کی نشانی ہوتی کہ میں منزل کے نزدیک پہنچ گیا ہوں۔ پونے سات کے بعد ندی نے گھومنا شروع کیا اور اب اس میں پانی کم ہو گیا تھا کیونکہ زیادہ پانی لانے والے نالے پیچھے رہ گئے تھے۔ ندی کا پاٹ بھی کم ہو رہا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ آخری حصے میں یہ خود رو نالے جیسی رہ جائے گی۔ پانی مسلسل کم ہو رہا تھا کیونکہ بارش کا بیشتر پانی بہہ چکا تھا اور اب پیچھے سے آنے والے پانی کی مقدار کم ہو رہی تھی۔ نیم دائرے میں گھومتے ہوئے میں نے ڈوبتے سورج کی آخری کرنوں میں اس وادی کو دیکھا جہاں وہ خونی ہیرے پوشیدہ تھے جو اب تک درجنوں لوگوں کی جان لے چکے تھے۔

وادی کی وسطی کھنڈر نما چٹانیں سائے میں آ چکی تھیں۔ صرف اوپری مشرقی ڈھلان پر روشنی تھی اور وہ بھی تیزی سے غائب ہو رہی تھی۔ میں نالے سے باہر آیا اور مشرقی ڈھلان کی طرف بڑھا۔ دراصل یہ شمال مشرقی ڈھلان تھی۔ مگر میں نے کھلی جگہ آنے سے گریز کیا اور درختوں کے درمیان سے گزرتا رہا۔ مگر جب میں مطلوبہ مقام تک پہنچا تو وہاں تاریکی چھا گئی تھی۔ تاریکی بہت تیزی سے اور اچانک آئی تھی۔ اب درختوں کے نیچے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ کھلی جگہ بہت معمولی سی روشنی باقی تھی۔ میں گہری سانس لے کر درختوں سے نکل آیا اور کھنڈر نما چٹانوں کی طرف بڑھا۔ ان چٹانوں سے ابھی تک تپش نکل رہی تھی۔ مجھے انتظار تھا کہ چاند نکل آئے اور کچھ روشنی ہو تو میں دوبارہ ڈھلان کی طرف جاؤں۔ میں نے سامان اتارا اور بچ جانے والی بوٹیاں نان کے ساتھ کھائیں۔ چائے ہلکی سی گرم رہ گئی تھی مگر اس نے مزہ دیا۔ میں کھا پی کر آرام کرتا رہا۔ گرمائش کی وجہ سے یہاں خنکی کا احساس نہیں تھا مگر صبح کے قریب یہ چٹانیں بہت زیادہ ٹھنڈی ہو جاتیں اور اس وقت آگ کے بغیر گزارا نہیں ہوتا مگر میں آگ جلانا نہیں چاہتا تھا۔

یہاں آتے ہوئے میرے ذہن کے کسی گوشے میں خیال تھا کہ کسی وقت بھی میرا فتح خان سے سامنا ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس کا امکان کم تھا کہ وہ یہاں پایا جائے۔ مگر وہ ایسا آدمی تھا جو دوسروں کو حیران کر دیتا تھا اور اسی وجہ سے وہ مجھے اپنے کسی بھی دشمن کے مقابلے میں ہمیشہ زیادہ خطرناک لگا۔ اس لیے میں محتاط تھا اور میں نے خود کو ممکنہ حد تک پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ جیسے ہی چاند طلوع ہوا اور اس کی روشنی وادی میں داخل ہوئی میں چٹانوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندرونی حصے میں آ گیا۔ میں نے کوئی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا جس سے میرے بارے میں پتا چلتا۔ اب شاٹ گن بھی نکال لی تھی اور وہ میرے شانے پر تھی۔ رفتہ رفتہ چاند اوپر آنے لگا۔ نو بجے اس کی روشنی خاصی تیز ہو گئی تھی اور کوئی کھلے میں حرکت کرتا تو وہ فوراً نظروں میں آ جاتا۔ یہ سولہویں یا سترھویں کا چاند تھا اس کے باوجود بھی اس وقت خاصا بڑا لگ رہا تھا۔

میں اپنی جگہ ساکت بیٹھا تھا اور میری ساری توجہ آوازوں پر مرکوز تھی۔ تاریکی چھاتے ہی قسم قسم کے کیڑے مکوڑے اور ذرا بڑی نسل کے جانور آوازیں نکالنے لگے تھے۔ کچھ پرندے بھی بول رہے تھے اور میں ان آوازوں کے درمیان کوئی ایسی آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا جو غیر فطری ہو اور اس جگہ سے باہر سے آنے والے انسان یا چیز سے پیدا ہو مگر فی الحال ایسی کوئی آواز نہیں تھی۔ اوپر کہیں گیدڑ یا اسی قبیل کا کوئی جانور آوازیں نکال کر ماحول کو دہشت زدہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور مخالف سمت کی ڈھلان سے کوئی اُلو اس کا جواب دے رہا تھا۔ میں آرام کرنے کے ساتھ اونگھ بھی رہا تھا۔ غنودگی کا ہلکا سا جھونکا آیا تھا کہ میں چونکا اور مجھے لگا جیسے میں نے کوئی نامانوس آواز سنی ہو مگر میں اس کی نوعیت نہیں سمجھ سکا تھا ہی یقیناً میری چھٹی حس نے چونکایا تھا اور ہوشیار ہوتے ہوئے میں نے کان پھر سے مرکوز کیے۔ میرا پستول ہاتھ میں تھا اور میں کسی بھی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔

مگر دس منٹ گزرنے کے بعد بھی کوئی ایسی آواز نہیں آئی جسے میں مشکوک قرار دے سکتا۔ شاید نیند میں، میں نے خیالی آواز سنی تھی۔ یہ سوچ کر میرے چوکس اعصاب پھر سے سُست پڑ گئے۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے اور مجھے مزید دو ڈھائی گھنٹے انتظار کرنا تھا۔ یہ وقت میں نے اونگھتے ہوئے گزارا۔ وقت کتنی سُستی سے گزرتا ہے مجھے اس کا تجربہ پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا جب گھڑی کی طرف دیکھو تو اس کی سوئیاں اسی جگہ اٹکی نظر آتی تھیں۔ مگر میں نے اسے اعصاب پر سوار نہیں کیا۔ وقت بہرحال گزر جاتا ہے۔ ایک بار میں نے وقت دیکھا۔ ڈیڑھ بج رہے تھے۔ میں کھڑا ہوا اور چہل قدمی کر کے اپنا بندھ جانے والا جسم کھولا۔ سنگلاخ زمین پر آرام کہاں سے ملتا الٹا جسم دکھ گیا تھا مگر تھکن ختم ہو گئی تھی اور میرا ذہن چاق و چوبند تھا۔ میں نے ایک جگہ سے جنوب کی طرف والی ڈھلان کا جائزہ لیا۔ یہ اصل میں جنوب مغرب میں تھی اور چاند اس کی طرف جھک گیا تھا اس لیے اب یہاں سایہ تھا۔

ایک چھوٹی سی پٹی تھی جو ابھی تک چاندنی میں تھی۔ مگر یہ ایسی جگہ تھی کہ جب تک چاند پہاڑ کے پیچھے نہ چلا جاتا تب تک یہاں روشنی رہتی اور جب چاند غروب ہو جاتا تو مجھے صبح کی روشنی کا انتظار کرنا پڑتا جب کہ میرا ارادہ تھا کہ روشنی ہونے سے پہلے ہی میں اس جگہ سے نکل جاؤں گا۔ اس لیے میں نے اس پٹی کو چاندنی میں ہی عبور کرنے کا فیصلہ کیا۔ یعنی رسک لیا، اگر کوئی یہاں موجود تھا تو اس کا امکان تھا کہ وہ مجھے دیکھ لے گا۔ میں نے ہر ممکن تیزی سے کام لیا اور جسم جھکا کر بھاگتا ہوا درختوں کے درمیان پہنچ گیا۔ تاریکی میں آنے کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا تو وادی کے روشن حصوں میں کوئی حرکت نظر نہیں آئی تھی۔ اس کے باوجود میں کچھ دیر وہیں کھڑا رہا۔ میں مخالف سمت کی ڈھلانوں کی طرف دیکھ رہا تھا وہاں چاند کی روشنی تھی اور کسی حد تک منظر واضح تھا۔ جب کہیں سے کوئی حرکت محسوس نہیں ہوئی تو میں محتاط اور خاموش قدموں سے شمال مشرقی ڈھلان کی طرف بڑھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیم دائرے میں گھومتے ہوئے میں آدھے گھنٹے میں اس ڈھلان تک پہنچ گیا۔ یہیں وہ آخری معرکہ ہوا تھا جس میں برٹ شا اپنی جان سے گیا تھا اور فتح خان کا منصوبہ ناکام رہا تھا جب اس نے ایمن کو اغوا کر کے اس کی مدد سے برٹ شا سے ہیرے نکلوانے کی کوشش کی اور اس کے ایک ساتھی نے غلطی سے برٹ شا کو گولی ماردی تھی اس پر فتح خان نے غصے سے پاگل ہو کر اپنے ساتھی کو گولی ماردی تھی۔ اس کے باوجود اسے اتنا ہوش تھا کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا کیونکہ آخری وقت میں، میں ہی برٹ شا کے قریب تھا اور فتح خان کو شبہ تھا کہ اس نے مجھے ہیروں کی لوکیشن کے بارے میں بتایا ہے اور یہ سچ تھا۔ برٹ شا نے میری رہنمائی کر دی تھی اور میں جان گیا تھا کہ ہیرے کہاں ہیں؟ مگر میں نے فتح خان کو نہیں بتایا تھا کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ وہ ہیرے حاصل کرنے کے بعد مجھے مار دے گا۔ اب تک وہ صرف ان ہیروں کی خاطر بدترین حالات میں بھی مجھے مارنے سے گریز کرتا آیا تھا۔ ہیرے حاصل کرنے کے بعد اس کی مجبوری ختم ہو جائے گی اور پھر شاید وہ مجھے نہ بخشے۔

ہیرے اسی ڈھلان پر ایک درخت کے تنے میں پوشیدہ تھے۔ جب فتح خان نے ایمن کو بارودی جیکٹ پہنا کر ایک طرح سے یرغمال بنا لیا اور اس کا تاوان طلب کیا تو میں ان ہیروں کے چکر میں یہاں آیا تھا اور میں انہیں درخت کے ساتھ زمین اور جڑوں میں تلاش کرتا رہا۔ میں بے خبر تھا کہ فتح خان بمعہ اپنے ساتھیوں کے میرا تعاقب کرتا ہوا وادی تک آیا ہے اور اس کے ایک ساتھی کی غلطی سے مجھے اس کی موجودگی کا علم ہو گیا اور میں نے ہیروں کی جگہ جان لینے کے باوجود انہیں وہاں سے نکالنے سے گریز کیا تھا۔ میرا پاؤں ایک درخت کی کھوکھلی ہو جانے والی جڑوں کے خلا میں چلا گیا تھا اور تب میں سمجھا تھا کہ ہیرے اس میں ہیں۔ اتفاق سے سب سے بڑے تنے والا درخت بھی تھا۔ جڑ کے خلا میں تلاش کے لیے میں شاخ توڑنے کے لیے تنے پر چڑھا تھا تب میں نے تنے میں موجود سوراخ میں ہیروں والا سیاہ بکس دیکھا تھا۔ اب مجھے اسی درخت کو تلاش کرنا تھا۔

جب میں شمال مشرقی ڈھلان تک پہنچا تو وہاں ترچھی پڑنے والی چاندنی کی وجہ سے کسی قدر اجالا تھا۔ اسی اجالے کے انتظار میں، میں نے اتنا وقت گزارا تھا۔ میں مصنوعی روشنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب مجھے اس درخت کی تلاش تھی۔ اس ڈھلان پر وہ سب سے بڑے تنے والا درخت تھا اور پہلے میں نے رسّی کی مدد سے تنے کی موٹائی ناپی تھی مگر اب میرے پاس رسّی نہیں تھی اور اس کی جڑوں میں موجود گڑھا بھی یقیناً غائب ہو گیا ہو گا۔ اس لیے مجھے اندازے سے اپنا کام کرنا تھا۔ میں درختوں کو دیکھ رہا تھا اور ان کے تنوں کو جانچ رہا تھا۔ لیکن میں اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ مذکورہ درخت کون سا ہو سکتا ہے۔ مہینوں پہلے ہونے والی بات یاد رکھنا آسان نہیں تھا۔ پھر وہاں سب درخت ایک جیسے اور ایک ہی نسل کے تھے۔ سب بہت بڑے تھے۔

صرف دیکھ کر اندازہ کرنا بہت مشکل تھا اس لیے میں نے آسان طریقہ نکالا اور تنوں پر سوراخ تلاش کرنے لگا۔ مجھے یاد تھا کہ وہ سوراخ کسی قدر بلندی پر تھا اور مجھے ذرا اوپر ہونا پڑا تھا تب میرا ہاتھ وہاں تک گیا تھا۔ جب میں نے شاخ توڑنے کے لیے ہاتھ اوپر کیا تھا وہ شاید آٹھ فٹ کی بلندی پر تھی اور میں ذرا اوپر چڑھا تھا تب میں نے وہ سوراخ دیکھا اور اس میں ہیروں والا سیاہ بکس بھی دیکھا۔ مجھے یہ یاد تھا کہ درخت درمیانی ڈھلان پر اور سوراخ کا رخ ڈھلان کی طرف تھا اس لیے مجھے پورے تنے کو نہیں دیکھنا پڑ رہا تھا مگر ہر درخت کے تنے کو دیکھنا پڑ رہا تھا۔ درمیانی ڈھلان پر درختوں کی تعداد سینکڑوں میں تھی اور ان سب کو کم وقت میں دیکھنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ ہی نہیں تھا جب کہ چاند کی روشنی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ کئی درجن ناکامیوں کے بعد مجھے جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ میں یہاں کیوں آیا؟ مجھے ہیروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ فتح خان ان کے پیچھے پاگل تھا اور اب میں ان کے چکر میں یہاں چلا آیا تھا۔ میں ہیروں کے پیچھے نہیں بلکہ فتح خان کی کمزوری اپنے ہاتھ میں لینے آیا تھا۔ ایک آفر اس نے مجھے کی تھی اور ہیرے حاصل کر کے میں اسے ایک آفر کرتا، مگر ہیرے تھے کہ مل کر نہیں دے رہے تھے۔ ناکامی نے مجھے بیزار کرنا شروع کر دیا تھا۔

کچھ دیر میں روشنی کم ہونے لگی۔ اب تنے واضح نظر نہیں آ رہے تھے اور سوراخ دیکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاتھ مار کر ٹٹولنے سے کیڑے مکوڑے مجھ پر چڑھ رہے تھے اور ظاہر ہے کاٹ بھی رہے تھے۔ ایک تو خاصا زہریلا تھا اس کے کاٹنے سے باقاعدہ سوزش ہونے لگی۔ پھر آدھے گھنٹے بعد چاندنی مکمل طور پر بند ہو گئی اور مجھے اپنی تلاش روکنی پڑی تھی۔ میں ایک چٹان سے لگ کر بیٹھ گیا اور تھرماس سے ٹھنڈی ہو جانے والی چائے نکال کر پی جو اب بدذائقہ بھی ہو گئی تھی مگر میرے پاس پینے کے قابل یہی ایک چیز تھی۔ پانی یہاں سے خاصے فاصلے پر تھا اور میں ندی کی طرف اسی صورت میں جانا چاہتا تھا جب میرے پاس ہیروں والا بکس ہوتا۔ کچھ دیر آرام کے بعد میں نے تنے سرے سے کمر کسی اور اس بار ایمرجنسی لائٹ جلا کر تنوں کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی روشنی محدود تھی اور امید تھی کہ وہ دور سے نظر نہیں آتی۔

میں تنوں کا جائزہ لینے لگا۔ ایک تنے کی نئی نکلنے والی شاخ کے اوپر مجھے خلا سا دکھائی دیا۔ یہ تقریباً آٹھ فٹ کی بلندی پر تھا اور اسی سمت میں تھا جس سمت میں میں نے سوراخ دیکھا تھا۔ شاخ تقریباً ڈیڑھ فٹ تک نکل آئی تھی اور اس کے عین اوپر موجود خلا اسی وجہ سے صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے تنے کے ساتھ ابھری جڑوں پر پاؤں رکھا اور اچک کر اوپر ہوا تھا۔ خلا اب واضح تھا۔ میں نے پہلے اندر کی طرف روشنی کی تاکہ کوئی کیڑا مکوڑا ہو تو نکل جائے اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اندر ہاتھ ڈالا۔ میرا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا اور میں اسے ٹٹول رہا تھا کہ اسی لمحے عقب سے تیز روشنی مجھ پر آئی اور فتح خان کی منحوس آواز میرے کانوں تک پہنچی۔ ''شاباش شہباز خان، بالآخر تم یہاں تک پہنچ گیا..... اپنی جگہ سے ہلنا مت اپنا ہاتھ آہستہ سے باہر لاؤ..... شاباش..... تم میرا رائفل کے نشانے پر ہے۔''

''فتح خان۔'' میں نے سکون سے کہا اگرچہ اندر سے میں اتنے سکون سے نہیں تھا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے میں نے ہیرے نہیں کچھ اور تلاش کیا ہے۔''

''اپنا ہاتھ باہر لاؤ۔'' فتح خان نے للکار کر کہا۔ اس کے بارے میں میرا خدشہ بالآخر ہمیشہ کی طرح سچ نکلا تھا۔ وہ یوں میرے تعاقب میں تھا کہ میں اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکا مگر مجھے کامیابی کے قریب پا کر وہ سامنے آ گیا تھا۔ اس کے حکم پر میں اپنا ہاتھ آگے لایا اور مڑا۔ روشنی بہت تیز تھی اور میرے ہاتھ میں موجود چیز نمایاں تھی۔ فتح خان نے اسے دیکھ لیا تھا اور اس کا موڈ آف ہو گیا۔ ''شہباز خان یہ کیا ہے؟''

''اسے انڈہ کہتے ہیں۔'' میں نے کہا اور انڈہ واپس سوراخ میں رکھنے کے لیے مڑا تھا کہ اوپر سے ایک غیر انسانی چیخ سنائی دی۔ اسی لمحے میرے پیر تلے جڑ ہلی اور اچانک اس میں خلا آیا جس میں میرا پاؤں گیا تھا میں نیچے گرنے لگا تھا کہ عقب سے برسٹ چلا اور میرے پہلو میں شدید ٹیس اٹھی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○.....❖.....○

نیچے گرتے ہوئے میرا پہلو تنے کے ایک کسی قدر ابھرے اور بہت زیادہ کھردرے حصے سے ٹکرایا اور اس نے میرا پہلو چھیل دیا تھا۔ مزید یہ کہ پاؤں خلا میں گیا اور گرنے سے مڑا۔ اس میں بھی شدید ٹیس اٹھی تھی۔ ان دو جگہوں پر درد کی وجوہات واضح تھیں اس کے باوجود میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ فتح خان کے چلائے برسٹ نے مجھے چھوا تھا یا نہیں۔ بعض اوقات گولی کا زخم ذرا دیر سے اپنا احساس دلاتا ہے۔ میں خود کو ٹٹول رہا تھا۔ اتنے میں فتح خان کی آواز آئی۔ ''شہباز تم ٹھیک ہے؟''

''گولی چلا کر پوچھتے ہو کہ ٹھیک ہے؟'' میں نے خفگی سے کہا۔ اس دوران میں، مَیں نے تسلی کر لی تھی کہ مجھے گولی نہیں لگی ہے۔

''تم کو نہیں اس خانہ خراب اُلو کو گولی ماری ہے جو تم پر جھپٹ رہا تھا۔'' فتح خان نے وضاحت کی۔ ''اب تم آرام سے اپنا پستول اور شاٹ گن سامنے پھینک دو۔ جلدی مت کرنا ورنہ جلدی مر جاؤ گے۔''

مجھ پر دو طرف سے روشنی پڑ رہی تھی یعنی فتح خان کے ساتھ کم سے کم ایک آدمی اور بھی تھا۔ مجھے ان دونوں میں سے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا ایسے میں کسی قسم کا رسک لینا بالکل مناسب نہیں تھا۔ میں نے پہلے شانے سے شاٹ گن اتاری اور آگے پھینک دی۔ پھر پستول بھی نکالا اور اسی سمت اچھال دیا۔ میرا پاؤں خلا میں بری طرح پھنسا ہوا تھا اور میں نے اندر ہاتھ ڈال کر بہ مشکل کھینچ کر اپنا پاؤں خلا سے نکالا۔ مگر مزید حرکت سے گریز کیا تھا۔ میرے سامنے فتح خان جیسا وحشی تھا جس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ کب کیا کر گزرے؟ کوئی آگے آیا اور اس نے میرے پھینکے ہتھیار اٹھا لیے۔ فتح خان نے کہا۔ ''اب دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو جاؤ۔''

میں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہی آدمی آگے آیا اور اس نے میری تلاشی لے کر پرس، موبائل اور جیپ کی چابیاں قبضے میں لے لیں۔ میں نے کہا۔ ''فتح خان تم نے بیکار میں زحمت کی میں تمہارے ہی کام سے آیا تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے تم ہیرا لینے آیا تھا کہ لے کر میرا خدمت میں پیش کر دو؟'' فتح خان نے عیاری سے کہا۔ ''تم فتح خان کو اتنا بے وقوف سمجھتا ہے؟''

''میں نے تمہیں کبھی بے وقوف نہیں سمجھا اور جہاں تک ہیرے پیش کرنے کی بات ہے تو میں وہ تمہیں ہی دیتا مگر ایک شرط کے ساتھ۔''

''کیسا شرط؟''

''مرشد سے میری جان چھڑوا دو۔''

''تمہارا مطلب ہے مرشد کا مرڈر؟''

''یہ میں تم پر چھوڑ دیتا، تم جیسے مناسب سمجھتے یہ کام کرتے اور ہیروں کے لیے تم درجنوں جانیں پہلے ہی لے چکے ہو۔''

''جب میں نے تم کو آفر کیا تو تم نے انکار کر دیا اس وقت تم فتح خان سے انتقام کی بات کر رہا تھا۔'' اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''فتح خان بیتو کا حساب باقی ہے اور وہ بھی بے باق ہو گا مگر ابھی میں مجبور ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں تم میرے ہاتھ آ گیا ہے۔'' فتح خان نے کہا۔ ''اب تم کیا کرے گا؟''

میں نے شانے اچکائے۔ ''کچھ نہیں، میں بے بس ہوں جو کرنا ہے تم نے کرنا ہے۔''

''تم نے ٹھیک جگہ ہاتھ ڈالا؟'' فتح خان نے سوال کیا۔

''نہیں اس میں صرف گھونسلا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب وہ بھی نہیں ہے میرا خیال ہے یہ اسی اُلو کا گھونسلا تھا جسے تم نے مار دیا۔ باقی تم خود دیکھ لو۔''

''جلال دیکھو۔'' فتح خان نے اپنے آدمی کو حکم دیا۔ وہ آگے آیا اور اس نے سوراخ میں ہاتھ مارا۔ اُلو خود سے گھونسلے نہیں بناتے ہیں بلکہ کسی درخت کے سوراخ میں بسیرا کرتے ہیں یا کسی اور پرندے کے بنے بنائے گھونسلے پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ سوراخ میں اُلو نے گھونسلے کو آرام دہ بنانے کے لیے خاصا کچرا جمع کیا ہوا تھا اور اس میں انڈے دیئے تھے۔ جلال نے وہ انڈے بیدردی سے باہر پھینک دیئے ویسے بھی اب انہیں خراب ہی ہونا تھا کیونکہ مادہ اُلو مر چکی تھی۔ ایک بار روشنی گھومی تو میں نے اس کے بکھر جانے والے جسم اور پروں کی باقیات دیکھی تھیں برسٹ نے اس کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔ انڈوں کے بعد جلال نے گھونسلے کا بقیہ حصہ بھی نکال دیا اور اندر اچھی طرح ہاتھ مارنے کے بعد بولا۔ ''خان ادھر کچھ نہیں ہے۔''

فتح خان پشتو میں غرایا اور یہ غراہٹ ناقابلِ اشاعت تھی۔ اس نے بیک وقت سوراخ اور ہیروں کی شان میں مدح سرائی کرتے ہوئے جو کہا تھا اسے بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز وہ ہیرا کدھر ہے؟''

''میں تو خود تلاش میں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اب تک کامیابی نہیں ملی ہے۔''

''تو تلاش کرو جب تک کامیاب نہیں ہو جاتے۔'' فتح خان نے سفاک لہجے میں کہا۔ ''اگر تلاش نہیں کر سکے تو مر جاؤ گے۔ میں تیرے کو اسی وادی میں دفن کر جائے گا۔ جیسے مجھے ہیرا نہیں ملا اسی طرح تمہارے ساتھیوں کو تم نہیں ملے گا۔''

اس دوران میں چاند کی رہی سہی روشنی بھی ختم ہو چکی تھی مگر اب روشنی کی مجبوری بھی ختم ہو گئی تھی۔ فتح خان اور اس کے ساتھی کے پاس تیز روشنی والی ٹارچیں تھیں۔ ''مجھے تو خدشہ ہے کہ تم ہیرے مل جانے کے بعد بھی میرے ساتھ یہی سلوک کرو گے۔''

''ابھی میں تم کو کوئی ضمانت نہیں دے سکتا اس لیے کام شروع کرو۔''

''میرے پاؤں میں چوٹ آئی ہے۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ویسے ٹیس لحاتی تھی اور اب میں سکون میں تھا یعنی ٹخنے کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ مگر میں نے فتح خان سے کہا۔ ''میں آسانی سے حرکت نہیں کر سکتا۔''

''شہباز خان تمہارا آواز بتا رہا ہے تم تکلیف میں نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ میں جلال کو بولوں بہتر ہوگا تم حرکت میں آ جائے۔''

بادلِ ناخواستہ میں حرکت میں آیا اور ہم نے ٹارچوں کی روشنی میں تنوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ روشنی فتح خان دکھا رہا تھا اور ہم تنے دیکھ رہے تھے۔ فتح خان نے کہا۔ ''مجھے یقین تھا کہ اس گورے حرامی نے تم کو ہیروں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ بتایا ہوگا اور تم جانتا ہے کہ ہیرے کہاں ہیں؟''

''برٹ شا نے صرف اشارہ دیا تھا۔'' میں نے کہا۔''اس نے مرنے سے پہلے شمالی ڈھلان اور سب سے بڑے تنے کے الفاظ کہے تھے۔''

''تمہارا مطلب ہے تم ہیروں کی صحیح جگہ کے بارے میں نہیں جانتا؟''

''ظاہر ہے میں جانتا تو یوں ہر درخت کا تنا نہ چیک کر رہا ہوتا۔ اسی درخت سے ہیرے حاصل کر لیتا جہاں برٹ شا نے چھپائے تھے۔ میری معلومات بس اسی حد تک ہیں۔''

''شہباز خان۔'' فتح خان کی آواز شک سے لبریز تھی۔''تم جھوٹ تو نہیں بول رہا ہے۔''

''تم میرے الفاظ مت سنو میرا عمل دیکھو۔'' میں نے کہا۔''میں بلاوجہ تو تنے ٹٹولتا نہیں پھروں گا؟''

''ہوسکتا ہے تم کو میری موجودگی کا شک ہوا ہو اور تم مجھے دھوکا دینے کے لیے ایسا کر رہا ہو۔''

''فتح خان شک کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ بہرحال میں ایک بار پھر تمہارے قبضے میں ہوں اور تم اپنی من مانی کرنے کے لیے آزاد ہو۔''

فتح خان خاموش ہو گیا اور ہم تنے دیکھتے رہے۔ جلال خود دیکھ رہا تھا مگر میرے ساتھ فتح خان لگا ہوا تھا، جب میں کسی تنے کو چیک کرتا تو وہ بھی دیکھتا تھا۔ ظاہر ہے اسے مجھ پر اعتماد نہیں تھا۔ اس لیے میرے سر پر موجود تھا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں راجا عمر دراز کے پاس جا رہا ہوں۔''

''بس پتا چل گیا۔'' اس نے عیاری سے کہا۔''تم کیا سمجھتا ہے کہ فتح خان کی نظروں سے بچ جائے گا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہ اتفاق ہے۔'' میں نے جوابی عیاری کا مظاہرہ کیا۔ ورنہ مجھے یقین تھا کہ فتح خان ہمارے ٹھکانوں سے واقف ہو گیا تھا۔ کم سے کم فیض آباد والی کوٹھی سب کی نظروں میں تھی اور عین ممکن ہے کہ فتح خان بھی اس جگہ سے واقف ہو۔ ایک یہی وجہ ہو سکتی تھی۔ اس لحاظ سے ہم سب کا اس جگہ سے نکل جانا بہتر تھا میں امید کر سکتا تھا کہ ہمارے نئے ٹھکانے سے دشمن ناواقف ہوں گے۔ میں نے موضوع بدل دیا۔''فاضلی کا انجام تم جان گئے ہو گے؟''

''ہاں۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔''پہلے ڈیوڈ شا نے مجھے قربانی کا بکرا بنانے کا کوشش کیا مگر میں نے انکار کیا تو اس نے فاضلی کو پکڑ لیا۔''

''فتح خان جو کام وہ فاضلی سے لے سکتا تھا وہ تم سے نہیں لے سکتا تھا۔''

''کیوں نہیں لے سکتا۔ میں فاضلی سے زیادہ مرشد کو جانتا ہے۔ اس کی ساری خوبی خامی کا مجھ کو پتا ہے۔ پر مجھے معلوم تھا کہ ڈیوڈ شا آگے کیا کرے گا؟''

''تم کو کیسے معلوم ہوا؟''

''دیکھ شہباز خاناں سیدھا سا بات ہے۔ فاضلی اور مجھ جیسا بندہ ہزار ملتا ہے۔ پر تم اور مرشد خان ہر کوئی نہیں ہوتا ہے۔ ڈیوڈ شا اس گورا کی اولاد ہے جو یہاں سو سال حکومت کر کے گیا اور اسے مرشد جیسے لوگوں کا قدر خوب ہے۔''

''مجھ میں اور مرشد میں فرق ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں وہ بہت برا ہے اور تم بہت اچھا ہے۔'' فتح خان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

''نہیں میری مراد کلاس سے ہے۔ مرشد الگ کلاس کا آدمی ہے یہ کلاس آزادی کے بعد بھی انگریزوں کی غلام رہی ہے لیکن میری کلاس متوسط طبقے کی ہے۔''

''ہاں پر انگریز میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہ آدمی کی صلاحیت کی قدر کرتا ہے۔ اسے استعمال کرتا ہے۔''

میں ہنسا۔ ''تم بھی انگریزوں سے بہت متاثر لگ رہے ہو۔''

''سچ ہے۔'' وہ بولا۔ ''شہباز خان ذرا تیز کام کرو۔''

''اب تمہیں کس بات کی جلدی ہے؟''

''جلدی ہے۔'' وہ بولا۔ ''جتنا دیر ہو گا تمہاری طرف سے اتنا ہی خطرہ بڑھتا جائے گا۔''

دو گھنٹے میں ہم نے شمالی ڈھلان کے درمیان میں سارے ہی تنے دیکھ لیے تھے اور کہیں بھی کسی تنے میں سوراخ نہیں ملا تھا۔ صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی اور میں تھکن محسوس کر رہا تھا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ ''اب ہمت نہیں ہے کچھ دیر آرام کرنے دو۔''

''ٹھیک ہے۔'' فتح خان مان گیا مگر کیسے اس نے جلال کو حکم دیا۔ ''اس کا ہاتھ پاؤں باندھ دو۔''

جلال نے اپنے پاس سے جدید قسم کی ہلکی فولاد اور فائبر کی بنی ہوئی ہتھکڑی اور بیڑی برآمد کیں۔ اس نے میرے ہاتھوں پیروں کو ان سے جکڑ دیا۔ ایسا لگ رہا تھا فتح خان میرے حوالے سے پوری تیاری کر کے آیا تھا۔ مسلسل حرکت میں رہے تھے تو خنکی کا احساس نہیں تھا مگر بیٹھے تو سردی لگنے لگی۔ اس کا علاج انہوں نے آگ جلا کر کیا۔ ویسے بھی اب انہیں کسی کے دیکھ لینے کا خطرہ نہیں تھا۔ میں ایک درخت کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور پھر سو بھی گیا۔ آگ کی حرارت سے خنکی کا احساس ختم ہو گیا تھا پھر میری آنکھ چائے کی خوشبو سے کھلی۔ جلال راکھ ہو جانے والے انگاروں پر چھوٹی سی کیتلی میں چائے بنا رہا تھا۔ فتح خان نزدیک ہی خراٹے لے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ہوٹل والے لڑکے نے اس کے ساتھ کسی خوب صورت عورت کا ذکر کیا تھا اور وہ اس کھردرے اور برچھے قسم کے مرد کو لے آیا تھا۔ وہ عورت کہاں تھی؟ شاید فتح خان اسے کہیں چھوڑ آیا تھا۔

روشنی ہونے پر میں نے جلال کو ٹھیک سے دیکھا۔ اس کی عمر پچیس سے زیادہ نہیں تھی مگر جسامت اور چہرے کے نقوش ایسے تھے کہ اسے چالیس کا بھی تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ اس نے سیاہ ملیشیا کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا اور اوپر گرم چادر تھی۔ کیونکہ اب خنکی نہیں رہی تھی اس لیے چادر تہہ ہو کر ایک شانے پر آ گئی تھی۔ اس نے بغلی ہولسٹر پہن رکھا تھا جس میں پستول تھا۔ وہ انگاروں کو کریدتے ہوئے پشتو میں کچھ گنگنا رہا تھا۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھا تو وہ چونک گیا۔ میں نے نارمل لہجے میں کہا۔ ''چائے ملے گی؟''

''کیوں نہیں ملے گی۔'' اس نے کہا اور اپنے تھیلے سے فائبر کا بنا ہوا غیر ملکی مگ نکالا۔ یہ بہت اعلیٰ درجے کا تھا اور یقیناً اسمگل ہو کر آیا تھا۔ شمالی علاقے میں پچاس فیصد اشیائے ضرورت اور سو فیصد اشیائے تعیش اسمگل ہو کر آتی ہیں۔ اس نے گرم چائے مگ میں ڈال کر مجھے دی۔ مگر ساتھ ہی وہ پوری طرح ہوشیار بھی تھا اس نے دور رہ کر مگ مجھے تھمایا اور پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اسے بجا طور پر خدشہ تھا کہ کہیں میں گرم چائے اس پر پھینک کر اسے قابو کرنے کی کوشش نہ کروں؟ سچی بات ہے میرے ذہن میں خیال آیا تھا کیونکہ فتح خان سو رہا تھا اور میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کے باوجود کوشش کر سکتا تھا مگر جلال کی احتیاط نے میرے خیال کو خیال ہی رہنے دیا میں اسے حقیقت میں نہ بدل سکا۔ بہرحال قیدی ہونے کے باوجود گرم چائے مل گئی جس کی اس وقت شدت سے طلب ہو رہی تھی۔ میں نے اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیا اور بہت لطف اٹھایا۔ یہی چائے گھر میں ناشتے کی میز پر ایک بھرپور اور پُرلطف ناشتے کے بعد وہ مزہ ہرگز نہیں دیتی جو اس نے اس وقت دیا تھا۔ کچھ دیر بعد فتح خان بھی ایک انگڑائی کے ساتھ اٹھ گیا اس نے میری طرف دیکھا۔

''تم زندہ ہے شہباز خان اس کا مطلب ہے تم نے مرنے کی کوشش نہیں کی؟''

''میں نے کبھی مرنے کی کوشش نہیں کی ہمیشہ زندہ رہنے کی کوشش کی ہے۔''

''شاید اسی لیے تم زندہ ہے۔'' فتح خان بولا اور اس نے اٹھ کر اپنے لیے چائے نکالی۔ ''تم میں اور مجھ میں یہ بات ایک جیسا ہے۔ میں بھی زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے۔''

''لیکن تم مٹھی بھر بے جان ہیروں کی خاطر بے شمار بار مرنے کے قریب پہنچ گئے تھے۔''

''میں نے دنیا میں دو ہی چیزوں سے پیار کیا ہے۔ ایک اب دنیا میں نہیں ہے اور دوسرا یہ ہیرا ہے۔'' میں سمجھ رہا تھا وہ ثمینا کی بات کر رہا ہے جسے اس نے خود اپنے ہاتھوں سے مار دیا تھا اور اس کی ٹوپی میرے سر رکھنے کی کوشش کی تھی۔ فتح خان نے میری طرف دیکھا۔ ''ویسے تو تم بھی بہت بار موت کے منہ میں جا کر واپس آیا ہے۔''

''ہاں لیکن اپنے کسی مفاد کی خاطر نہیں، ہاں اپنے کسی پیارے کی خاطر یا دشمنوں نے مجبور کیا ہو تو ایسا ہوا ہے۔''

جلال نے چائے کے بعد اپنے تھیلے سے روغنی نان نکالے اور ایک ایک سب میں تقسیم کیا۔ ہم نے چائے کے ساتھ یہ نان کھائے اور ناشتا مکمل کیا۔ بچ جانے والی چائے انصاف سے ایک بار پھر ہم تینوں میں تقسیم ہوئی اور فتح خان نے مجھ سے کہا۔ ''برٹ شانے تم کو بتایا کہ ہیرا ادھر ہی کہیں ہے؟''

''میں نے بتایا کہ اس نے مجھے دو اشارے دیئے تھے اور یہ بھی اس کی مجبوری تھی ان درختوں پر نمبر تو لکھے نہیں ہیں کہ وہ کہتا فلاں نمبر کے درخت میں چھپائے ہیں۔ پھر درختوں کی کوئی واضح نشانی بھی نہیں ہے اس لیے اس نے شمالی ڈھلان کے سب سے بڑے تنے والے درخت میں ہیرے چھپا دیئے۔ مرتے ہوئے اس نے مجھے یہی نشانیاں بتائیں۔ میں اسی لحاظ سے تلاش کر رہا تھا کہ تم نے غلط وقت پر انٹری دی۔''

''ہم سمجھا تم نے ہیرا تلاش کر لیا ہے۔'' فتح خان نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''جلال اسے کھول دو ہم اب ہیرا تلاش کرے گا۔''

''تمہیں یاد ہے ہم رات کون سا حصہ دیکھ چکے تھے؟''

''یاد ہے پر اب دن میں سب شروع سے دیکھے گا۔'' فتح خان نے کہا۔ ''اب ہم طریقے سے تلاش کرے گا۔ جو درخت ایک بار چیک کر لے گا اس پر نشان لگا دے گا۔''

''لیکن اس میں بہت وقت لگے گا۔''

''بے شک لگے، تمہارا کون سا فلائٹ چھوٹ رہا ہے۔'' اس نے چالاکی سے کہا۔ ''ہم بھی فارغ ہے تو کیوں نا وقت کا اچھا استعمال کیا جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کی وقت کے لیے قدر شناسی کی دل ہی دل میں داد دی۔ جلال نے میرے پاؤں اور پھر ہاتھ کھول دیئے۔ فتح خان نے بہ ظاہر بے پروائی سے لیکن درحقیقت پوری چوکسی کے ساتھ پستول نکال لیا تھا۔ وہ مجھ پر ذرا بھی اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھا۔ شمالی ڈھلان کوئی پون کلومیٹر لمبی اور اوپر سے نیچے تک کوئی نصف کلومیٹر چوڑ تھی اور اس میں بلاشبہ ہزاروں کی تعداد میں بلند و بالا درخت تھے۔ ان سب کو نئے سرے سے دیکھنے میں کئی دن کا وقت لگ سکتا تھا۔ مگر فیصلہ میرے ہاتھ میں نہیں تھا۔ فتح خان نے پوری ڈھلان کی چھان بین کا فیصلہ کیا تھا اس لیے ہم نے ایک سرے سے شروع کیا۔ جلال نیچے وادی سے ایک سفید چونے جیسا پتھر لے آیا تھا اسے کسی چیز پر رگڑا جاتا تو یہ سفید نشان چھوڑتا تھا اس سے نشان لگانے کا کام لیا جانے لگا۔ احتیاط کے طور پر فتح خان نے ایک وقت میں ایک درخت دیکھنے کی پالیسی اپنائی۔ ہم تینوں مل کر درخت دیکھتے تھے اور پھر فتح خان اس پر سفید پتھر سے نشان لگا دیتا۔

سورج چڑھنے کے ساتھ ہی خنکی غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ہلکی سی گرمی کا احساس ہونے لگا خاص طور سے جہاں دھوپ ہوتی تھی وہاں چند سیکنڈ میں دماغ گرم ہونے لگتا تھا اس لیے ہم سائے میں رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔ موسم گرم ہونے کے ساتھ خشک بھی ہو رہا تھا اس لیے بار بار پیاس لگ رہی تھی اور دوپہر تک ہم پانی کا ذخیرہ تقریباً ختم کر چکے تھے اس لیے فتح خان نے آرام کے وقفے کا اعلان کیا اور جلال کو پانی لینے نالے کی طرف روانہ کر دیا۔ اب تک ہم کوئی دو سو درخت دیکھ چکے تھے اور یہ کل درختوں کا دس فیصد بھی نہیں بنتے تھے۔ جلال کے جانے کے بعد میں نے فتح خان سے کہا۔ ''اس عورت کو کہاں چھوڑا ہے جسے تم ساتھ لائے تھے؟''

وہ چونکا۔ ''تم کو کیسے پتا؟''

میں مسکرایا۔ ''میرے بھی ذرائع ہیں۔ اگر تم مجھ پر نظر رکھ سکتے ہو تو کیا میں تم پر نظر نہیں رکھ سکتا؟''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا۔ ''شہباز خان تم بلف کر رہا ہے۔ تم نے فون پر عورت کا آواز سنا اور اب مجھے بے وقوف بنا رہا ہے۔''

''آواز سے یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ بولنے والی کے بال گولڈن براؤن ہیں۔ قد تقریباً پانچ فٹ چار انچ اور وزن ساٹھ کلوگرام کے آس پاس ہے مگر اضافی وزن موزوں جگہوں پر ہے۔ اس نے نیلا شلوار سوٹ اور اس پر ہلکا نیلا دوپٹا لیا ہوا تھا۔'' میں نے ہوٹل والے لڑکے سے حاصل ہونے والی معلومات روانی سے بیان کیں۔ فتح خان تشویش زدہ نظر آنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ مجھ سے پوچھنے کا فائدہ نہیں ہے میں اسے سچ نہیں بتاؤں گا۔ مگر اسے خیال ضرور ہوگا کہ میرا کوئی ساتھی اس کے پیچھے تھا اور اسی نے مجھے یہ ساری معلومات فراہم کی ہوں گی۔ میں معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا اور فتح خان کے خدشات کو تقویت دے رہا تھا کہ اسی میں میری بہتری تھی۔ اب تک فتح خان مجھ پر مکمل حاوی تھا۔ مگر اس کی تشویش سے اس کی گرفت کمزور پڑ گئی تھی۔ میں نے پوچھا۔

''ویسے خاتون ہے کون؟''

''تم کو میرا کزن یاد ہے تمہارا ہم نام تھا اور مرشد کے چکر میں مارا گیا تھا؟''

''بالکل یاد ہے غالباً اسی کی وجہ سے شہباز خان کا لفظ تمہارے منہ پر چڑھا ہے۔''

''گل شاد اسی کا بیوہ ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے کزن کی بیوہ کو اپنی رکھیل بنالیا؟'' میں نے ملائمت سے کہا۔

''نہیں وہ اب میرا بیوی ہے۔'' فتح خان نے اس لہجے میں کہا کہ اس رشتے کی حیثیت خود ہی واضح ہوگئی تھی۔

''تم اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟''

''فتح خان کے پاس یہاں ٹھکانوں کی کمی نہیں ہے۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''اسے ایک جگہ چھوڑا ہے۔''

''وہ تم سے ڈرتی ہے جب میں نے تمہارے نمبر پر کال کی اور اس نے ریسیو کی تو پہلے تو فتح خان کو پہچاننے سے انکار کردیا پھر بولی کہ تم سور ہے ہو اور اٹھایا تو مارو گے۔''

فتح خان مسکرایا۔ ''وہ سمجھدار عورت ہے ورنہ اس کے جسم پر میری چوٹ کا نشان رہتا۔ پر وہ پہلا عورت ہے جس پر اب تک میرا ہاتھ نہیں اٹھا ورنہ شہلا نے بھی مجھ سے مار کھایا تھا۔''

''تم نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔''

''بالکل ٹھیک کیا وہ اسی کا مستحق تھا۔ کیا تم نہیں جانتا کہ وہ کس قسم کا عورت تھا۔''

''عورت صرف عورت ہوتی اسے قسموں میں ہم مرد بانٹتے ہیں۔'' میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

''تمہارے نزدیک عورت صرف جسم کا نام ہے۔''

''تم ٹھیک سمجھا۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''فتح خان نے صرف ایک عورت کو عورت سمجھا اس کے بعد یہ میرے لیے بس جسم رہ گیا۔''

''غالباً گل شاد کا حشر بھی بھاگ بھری والا ہوگا۔''

''نہیں میرے ساتھ رہے گا بچہ پیدا کرے گا۔ مجھے بھی تو اگلی نسل کا ضرورت ہے۔''

میرے خیال میں تو اسے خاصی تاخیر ہوگئی تھی کیونکہ وہ پچاس سے اوپر کا تھا اور اگر اس عمر میں اس کا بچہ ہوتا تو امکان تھا کہ وہ اسے جوان دیکھے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہوجائے۔ شراب کباب سے بے اعتدال شغل نے اسے نقصان پہنچایا تھا مگر اسے اصل خطرہ اپنے لاتعداد دشمنوں سے تھا جن میں سے ہر ایک اسے دنیا سے رخصت کرنا چاہتا ہوگا۔ اپنی نام نہاد بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم چھوڑ جاتا۔ شاید وہ اس معاملے میں تقدیر پر بھروسا کرتا تھا کہ جیسے وہ پل گیا اس طرح اس کے بچے بھی پل جائیں گے۔ فتح خان نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔ ''تم راجا کے پاس کیوں جارہا تھا؟''

''وہ بیمار ہے اس کی مزاج پرسی..... میرا مطلب ہے طبیعت کا معلوم کرنے جارہا تھا۔''

''وہ ضدی آدمی ہے اس حال میں بھی تم کو ساتھ لے جانے کا بات کرے گا۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''اگر اس نے کہا تو تم اس کے ساتھ چلا جائے گا؟''

''ہوسکتا ہے کیونکہ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ راجا عمر دراز کے مجھ پر خاصے احسانات ہیں۔''

''وہ اچھا آدمی ہے لیکن میرا جانی دشمن ہے میں اس کے ہاتھ آیا تو وہ مجھے مروادے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کی نظر میں تمہاری کوئی اہمیت نہیں ہے جو وہ خاص طور سے تمہیں تلاش کرائے، ہاں تم خود اس کے ہاتھ آ گئے تو تمہارا بچنا مشکل ہوگا۔''

گفتگو کے دوران میں ہمیں خیال نہیں رہا۔ اچانک فتح خان چونکا۔ ''یہ جلال اب تک واپس نہیں آیا؟''

''ہوسکتا ہے اسے پانی ملنے میں دیر ہوئی ہو۔ اوپر کی طرف نالا تقریباً خشک ہوگیا ہے۔''

''پھر بھی اتنا دیر۔'' فتح خان نے کہا اور اپنے لباس سے ایک سیٹی نکال کر بجائی تو کسی پرندے جیسی آواز نکلی تھی۔ کچھ دیر آواز پہاڑوں میں گونجتی رہی پھر تھم گئی۔ چند لمحے کے وقفے سے فتح خان نے پھر سیٹی بجائی اور ساتھ ہی جلال خان کو ایک لقب سے نوازا جس میں اس کی والدہ کو ایک ناپاک جانور سے خلط ملط کیا تھا۔ دوسری بار بھی جواب نہیں ملا تو فتح خان چوکنا نظر آنے لگا اس نے غرا کر مجھ سے کہا۔ ''کھڑے ہو جا۔''

میں کھڑا ہوگیا۔ ''اور کوئی حکم؟''

''نالے کی طرف چلو۔'' فتح خان نے اشارہ کیا۔ ''میں تمہارے عین پیچھے ہوگا اور گولی مارنے میں ایک سیکنڈ کا دیر نہیں کرے گا۔''

''میرا قصور؟''

''ابھی تو نہیں ہے پر اگر جلال تیرا وجہ سے غائب ہوا تو پھر خیر نہیں ہوگا۔'' فتح خان نے واضح کیا۔ ''اب چلو۔''

میں ڈھلان کے ساتھ ساتھ نالے کی طرف بڑھا۔ دوپہر کے بارہ بج رہے تھے اور اس بیگار میں ناشتا کب کا ہضم ہو چکا تھا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ ''لنچ کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''کلاشن کا گولی ملے گا۔'' اس نے رائفل کی نال گھمائی۔ ''کھائے گا؟''

''اگر تم بھی کھاؤ گے تو میں بھی کھالوں گا۔'' میں نے شگفتگی سے کہا مگر اندر سے میں فکر مند تھا۔ جلال کا غائب ہونا نیک شگون نہیں تھا۔ میں جانتا تھا میرے ساتھی قطعی بے خبر تھے کہ میں اس وقت کہاں ہوں مگر ہوسکتا ہے کہ کوئی اور پارٹی بھی ہو اور فتح خان سمجھے کہ میرے ساتھیوں نے کچھ کیا ہے۔ راستے میں فتح خان نے دوبار اور پرندے کی آواز والی سیٹی بجائی اور حسب سابق جواب نہیں آیا۔ ہم نالے کے پاس پہنچے۔ اس بار فتح خان نے عقل مندی سے کام لیا اس نے مجھے آگے رکھا مگر خود آڑ میں ہوگیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''نالے میں دیکھو، پر بھاگنے کا مت سوچنا۔''

''میں سوچوں گا نہیں اگر موقع ملا تو عمل کروں گا۔'' میں نے کہا اور نالے میں اتر گیا۔ میں بھی محتاط تھا اور آواز پیدا کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہاں اگر کوئی تھا تو ہماری آوازوں سے ہوشیار ہو جاتا۔ فتح خان سمجھ رہا تھا کہ وہاں میرے ساتھی ہو سکتے تھے اس لیے اس نے مجھے ڈھال اور یرغمال کے طور پر آگے کیا تھا مگر میں جانتا تھا وہاں میرے کسی ساتھی کی موجودگی کا کوئی امکان نہیں تھا اگر وہاں کوئی تھا تو اس کے لیے میں اور فتح خان برابر ہوتے اور مجھے اس سے بھی خطرہ ہوتا۔ میرے لیے زیادہ بڑا خطرہ فتح خان تھا جو رائفل بدست میرے پیچھے موجود تھا اور کسی بھی گڑبڑ کے موقع پر وہ دوسروں کے ساتھ مجھے بھی ٹھکانے لگانے کی پوری کوشش کرتا۔ اس سے پہلے ہیروں کے جائے وقوع کے بارے میں معلومات صرف میرے پاس تھیں لیکن اب یہ معلومات فتح خان تک پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی تھیں اور میں اس کے لیے پہلے جیسا ناگزیر نہیں رہا تھا۔ نالا یہاں تقریباً بیس پچیس گز تک بالکل سیدھا تھا اور اس کے دونوں طرف گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔

جہاں تک نظر جاتی تھی کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نالے کے بالکل وسط میں پتلی سی لکیر کی صورت میں پانی بہہ رہا تھا۔ میں نے جھک کر ہاتھوں کے پیالے سے پانی پیا اور آگے بڑھا۔ اچانک مجھے ذرا آگے پانی میں کوئی سیاہ سی چیز دکھائی دی۔ میں نے جھک کر اسے اٹھایا۔ یہ سیاہ رنگ کا تعویذ تھا جو سیاہ ہی رنگ کی ٹوٹی ڈوری کے ساتھ تھا۔ یہ تعویذ یہاں گرا ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا جلال کے گلے میں ایسا ہی سیاہ رنگ کا تعویذ تھا۔ یہ دھات کا تھا اور ڈوری سے لگ رہا تھا کہ اسے قوت سے کھینچا گیا تھا جس کی وجہ سے یہ ٹوٹ گئی۔ میں نے مڑ کر فتح خان کو تعویذ دکھایا تو اس نے مجھے واپس آنے کا اشارہ کیا۔ میں واپس آ گیا۔ اب تک کسی طرف سے نہ تو مداخلت ہوئی تھی اور نہ ہی کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی دیئے تھے۔ فتح خان نے قریب آنے پر آہستہ سے کہا۔ ''شہباز یہاں تمہارا آدمی ہے۔''

''میرا کوئی آدمی اگر یہاں ہے تو میں اس سے بے خبر ہوں۔ ویسے لگ رہا ہے جلال کسی حادثے کا شکار ہوا ہے۔''

''یہ تعویذ اسی کا ہے۔'' فتح خان نے تعویذ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ ''ادھر سے چلو یہاں خطرہ ہے۔''

''فتح خان تمہارا خیال ہے کہ یہاں میرے آدمی ہیں جب کہ میرا خیال مختلف ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''تم نے ان ہیروں کی بازیابی کے لیے جتنی کوششیں کیں ان سے یہ ہوا کہ یہاں ہیروں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لوگ جانتے چلے گئے۔ کیا ان میں سے کوئی تمہارا پیچھا کرتا نہیں آ سکتا؟''

''ہیروں کے بارے میں جتنے لوگوں نے جانا ان میں سے زیادہ تر اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔''

''لیکن کچھ نہ کچھ ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''فتح خان معاملہ بہت بڑی رقم کا ہے جب یہ ہیرے سالوں پہلے غائب ہوئے تو ان کی مالیت پچیس ملین ڈالرز تھی۔ یہ مالیت یقیناً اب کہیں زیادہ ہو گئی ہو گی۔ ایک اور شخص بھی ہے جو ان ہیروں کا دعویدار ہو سکتا ہے لیکن اس نے حیرت انگیز طور پر آج تک ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔''

''ڈیوڈ شا۔'' فتح خان بولا۔ ''اسے ہیروں سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''ایسا مت کہو تقریباً ڈھائی ارب روپے مالیت کے ہیروں میں کوئی فرشتہ ہی دلچسپی لینے سے انکار کر سکتا ہے۔ ڈیوڈ شا فرشتہ نہیں ہے۔''

''تب تم کو بھی دلچسپی ہونی چاہیے۔ تم بھی فرشتہ نہیں ہے۔'' فتح خان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ہم دونوں آگے پیچھے اسی ڈھلان پر اوپر کی سمت جا رہے تھے اور میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ اس طرف کیوں جا رہا تھا۔

''درست کہا۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''لیکن تم جانتے ہو میری جان دوسرے معاملات میں الجھی ہوئی ہے اور میں فی الحال کسی نئے چکر میں نہیں پھنس سکتا۔''

''تب تم یہاں کیوں آیا؟''

''میں بتا چکا ہوں میں ان ہیروں کی مدد سے تم پر دباؤ ڈالنا چاہتا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے ان ہیروں سے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلچسپی نہیں ہے۔"

دس منٹ میں ہم خاصی بلندی پر آ گئے تھے۔ یہاں پہنچ کر فتح خان نے مجھے زمین پر الٹے منہ لیٹنے کا حکم دیا اور اپنے لباس سے ایک چھوٹی مگر طاقتور دوربین نکال لی۔ اب میں سمجھا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ اس جگہ سے وادی اور اس سے نکلنے والے نالے کا منظر بہتر طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ دوربین سے نیچے دیکھنے کے دوران میں وہ مجھ پر ٹھیک سے نظر نہیں رکھ سکتا تھا اس لیے اس نے مجھے نیچے لیٹنے اور دونوں ہاتھ گردن پر رکھنے کا حکم دیا۔ میں نیچے لیٹ گیا اور دونوں ہاتھ گردن پر رکھ لیے۔ فتح خان دوربین سے نیچے کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے فتح خان سے کہا۔ "ممکن ہے ایسی کوئی چیز آنے والوں کے پاس بھی ہو اور وہ تمہیں دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔"

"چپ رہو۔" اس نے غرا کر کہا۔

"جب دشمن چھپا ہو اور سامنے آنے سے گریز کر رہا ہو تو سمجھ لو وہ تمہارے اعصاب آزما رہا ہے اور اس صورت میں کسی قسم کی عجلت یا بے صبری نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہے۔" وہ جھنجھلا گیا۔ "تم چپ نہیں رہ سکتا۔"

"ٹھیک ہے میں چپ ہوں۔ بلکہ اجازت ہو تو ذرا سو جاؤں رات بھی بس برائے نام نیند آئی تھی۔"

"میرا طرف سے ہمیشہ کی نیند سو جاؤ۔" فتح خان نے بھنا کر کہا۔

"وہ میرے دشمن سوئیں۔" میں نے کہا اور سچ مچ آنکھیں بند کر لیں مگر اس پوز میں سونا بہت مشکل تھا۔ ذرا سی دیر میں میری گردن دکھنے لگی تھی کیونکہ سارا زور اس پر آ رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ تک فتح خان وادی کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر اس نے مجھے اٹھنے کا حکم دیا۔

"شہباز خان۔" اس نے مجھ پر نظر جما کر کہا۔ "اگر یہ تمہارا آدمی ثابت ہوا تو میں تم کو فوراً شوٹ کر دے گا۔"

"وہ کیوں؟" میں نے کہا۔ "اگر میرے آدمی میرے لیے کوشش کر رہے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے مگر میں ایک بار پھر یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ میرے آدمی نہیں ہیں۔"

"تب جلال کہاں ہے؟"

"مجھے کیا معلوم؟"

"تم کو معلوم ہے اس کا تعویذ بھی تم نے ڈھونڈا ہے۔"

"فتح خان اب تم پٹھان بن رہے ہو۔" میں نے ملامت سے کہا۔ "مجھے تم جیسے ذہین آدمی سے ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔"

اس کا موڈ خراب ہو گیا۔ "یہ اس وقت کون خانہ خراب آ گیا ہے ٹانگ اڑانے۔"

فتح خان ایک بار پھر دوربین سے دیکھنے لگا اور چند منٹ بعد وہ چونکا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں نے دیکھ لیا۔"

"کیا اور کہاں دیکھ لیا؟"

"ادھر چٹانوں میں کوئی ہے۔" اس نے وادی کی وسطی کھنڈر نما چٹانوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ممکن ہے کوئی جانور ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس وقت وہاں جتنی گرمی ہوتا ہے کوئی جانور ادھر کا رخ نہیں کر سکتا۔ کیا تم کو پتا نہیں ہے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا اچھے موسم میں بھی یہ چٹانیں دوپہر میں گرم ہو جاتی تھیں اور آج تو ویسے ہی خاصی گرمی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''کیا مجھے دوربین دو گے؟''

اس نے دوربین میری طرف بڑھا دی۔ میں نے آنکھوں سے لگائی۔ دوربین سچ مچ خاصی طاقتور تھی کیونکہ تقریباً پون کلومیٹر دور چٹانیں جیسے آنکھوں کے سامنے آ گئی تھیں۔ تقریباً دائرے میں اور کوئی تین سو میٹرز قطر میں پھیلی یہ چٹانیں کسی زلزلے کا شکار ہو کر ایسا روپ اختیار کر گئی تھیں اور دور سے دیکھنے پر کسی قدیم شہر کے کھنڈرات کا منظر پیش کرتی تھیں۔ یہاں لبوترے بولڈرز پر مشتمل چٹانوں کی اونچائی دس سے پچاس فٹ تک تھی۔ یہ درمیان سے اونچی تھیں اور کناروں سے کم اونچی تھیں۔ مسلسل بارشوں اور موسموں کا شکار ہو کر یہ اب زیادہ تیزی سے شکست و ریخت کا شکار ہو رہی تھیں اور شاید کچھ عرصے بعد ان کا وجود ہی مٹ جاتا۔ میں نے فتح خان سے پوچھا۔ ''تم نے کس طرف حرکت دیکھی تھی؟''

''دائیں طرف جو نوکیلی چٹان نظر آ رہا ہے اس کے پاس۔''

میں نے دوربین اس طرف مرکوز کی اور تلاش کرنے لگا۔ اس طرف سورج کی روشنی زیادہ تھی اور وہاں معمولی سی چیز بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہ دشمن ہی تھا تو اس نے نہایت احمقانہ حرکت کی تھی۔ اس وقت یہاں رہنا جہنم میں رہنے کے مترادف تھا اور پھر یہاں بے پناہ روشنی کی وجہ سے نظروں میں آنے کا بہت زیادہ امکان تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ اتفاق ہے، دھوکا ہے یا پھر دشمن کی کوئی چال ہے۔ اچانک فتح خان نے مجھ سے دوربین واپس لے لی اور بولا۔ ''اُدھر چلو۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ عقل مندی نہیں ہوگی۔''

''اس وقت عقل کی بات مت کرو۔'' اس نے غرا کر کہا۔ ''اگر اُدھر کوئی موجود ہے تو وہ کل کا سورج دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہے گا۔''

مجبوراً میں حرکت میں آیا اور ہم ڈھلان پر ایک دائرے میں گھومتے ہوئے نیچے اترنے لگے۔ پہلے اس جگہ پہنچے جہاں جلال والا تھیلا موجود تھا۔ نیچے آتے ہوئے فتح خان اور میں نے سیر ہو کر پانی پی لیا تھا۔ ہمارے پاس پانی رکھنے والی واحد چیز پلاسٹک ربڑ کی بوتل جلال لے گیا تھا اور وہ اسی کے ساتھ غائب تھی۔ جب ہم مغربی سمت پہنچے تو یہاں سے چٹانیں زیادہ دور نہیں تھیں۔ ان کی تپش یہاں تک آ رہی تھی۔ ان چٹانوں میں گرمی کا عالم سوچا جا سکتا تھا۔ مجھے کئی بار ان چٹانوں کی گرمی کا تجربہ ہو چکا تھا اور میرے خیال میں یہ نخلستان میں ایک چھوٹا سا صحرا تھا۔ یعنی اس نے محاورہ الٹا کر دیا تھا۔ فتح خان نے مجھے بے بس کرنے کے لیے ایک درخت کی شاخ سے ہتھکڑی لگا کر مجھے کہا۔ ''اسے اپنا ہاتھ میں پہن لو۔''

انکار کا فائدہ نہیں تھا اس لیے میں نے خاموشی سے پہن لیا۔ یہ شاخ کوئی بہت مضبوط نہیں تھی میں اسے توڑ سکتا تھا مگر اس میں کچھ وقت لگتا اور فتح خان یہی وقت چاہتا تھا۔ اس نے پھر دوربین سنبھال لی۔ یہ جگہ چٹانوں سے کوئی دو سو فٹ اوپر تھی۔ فتح خان ایک چٹان پر اوندھے منہ لیٹ کر دوربین آنکھوں سے لگائے ہوئے تھا اور اسے آہستہ حرکت دے رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ چٹانوں کے درمیان کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ اب دو بج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے اور پیٹ میں باقاعدہ چوہے دوڑنے لگے تھے۔ میں اپنے ساتھ جو زادِ راہ لایا تھا وہ بھی ان لوگوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ میرا اسلحہ ان کے پاس نہیں تھا اس کا مطلب تھا وہ انہوں نے کہیں چھپا دیا تھا۔ ورنہ شاٹ گن چھپانا مشکل کام تھا۔ پستول شاید فتح خان یا جلال کے پاس ہوتا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''فتح خان فرض کرو جلال کسی کے ہتھے چڑھ گیا ہے تو کیا اس نے ہمارے بارے میں زبان بند رکھی ہوگی۔''

''جلال پکا آدمی ہے وہ کبھی زبان نہیں کھولے گا۔''

''فرض کرو جن لوگوں نے جلال کو قابو کیا وہ ہمارے بارے میں پہلے ہی جانتے ہوں گے۔''

''تب وہ ہمارے پیچھے کیوں نہیں آیا؟''

''ممکن ہے وہ صرف نگرانی کر رہے ہوں کہ کب ہم ہیرے حاصل کرتے ہیں اور جلال کسی غلطی سے ان کے سامنے آ گیا ہو۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ جلال کو کسی غلطی کی وجہ سے پکڑا ہے۔''

''ہاں، ان کا ارادہ ہوتا تو جلال کے بعد ہمیں قابو کرنا کون سا مشکل کام تھا وہ کہیں بھی آرام سے ہمیں ہینڈز اَپ کرا لیتے۔ تم خود بتاؤ کیا دو تین چھپے مسلح افراد کا مقابلہ کر سکتے ہو۔''

''نہیں۔'' اس نے اقرار کیا۔ مگر اس نے اپنے انداز میں تبدیلی نہیں کی اور بدستور چٹانوں کی طرف دیکھتا رہا۔

''اگر کوئی اس طرف موجود ہے تو یقین کر لو یہ ٹریپ ہے۔''

''چپ کرو میں بھی عقل رکھتا ہے۔'' وہ جھنجھلا گیا۔ ''سارا عقل تمہارے پاس نہیں ہے۔''

''یہ تو ہے مگر میں اس کا استعمال ذرا فراخ دلی سے کرتا ہوں۔ تم جانتے ہو استعمال کرنے سے عقل کم نہیں ہوتی ہے۔''

اس گفتگو کے دوران میں، میں شاخ کی مضبوطی بھی آزما رہا تھا کہ اگر میں اسے توڑنا چاہوں تو یہ کام کتنی دیر میں ہو جائے گا مگر یہ مضبوط سبز شاخ تھی اسے توڑنا آسان نہیں تھا کم سے کم فتح خان پر قابو پانے کے لیے توڑنا ممکن نہیں تھا۔ اسے چوکنا ہونے کے لیے کافی وقت ملتا۔ البتہ کسی ہنگامی صورتِ حال میں، میں اسے چند سیکنڈ میں توڑ سکتا تھا۔ فتح خان نے اس کا خیال رکھا تھا کہ میں سامنے نہ ہوں اس لیے اس نے مجھے درخت کے تنے کی آڑ میں باندھا تھا۔ میں نے شاخ کو اس کی جڑ تک ٹٹولا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''فتح خان میرا مشورہ مانو تو یہاں سے نکلنے کی کرو۔ اس کا خطرہ بہت زیادہ ہے کہ دشمن تمہاری موجودگی سے واقف ہے اور وہ تمہیں شکار کرنے کے لیے ہانک رہا ہے۔ ایک بار تم اور میں اس کے ہاتھ آ گئے تو شاید ہیرے تمہارے ہاتھ نہ آئیں۔''

''وہ کیسے؟''

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''دیکھو میں اور تم ایک دوسرے کو جانتے ہیں اگر ہم نے ایک دوسرے کو مارنا ہوتا تو ایسے کتنے ہی مواقع آئے تھے جب ہم ایک دوسرے کو مار سکتے تھے مگر مصلحت نے ہمارے ہاتھ روک لیے۔ ہر کوئی ایسا نہیں سوچتا ہے۔ اگر اس نے عجلت دکھائی تو شاید ہم دونوں ہی مارے جائیں۔''

فتح خان نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں ہیرے لیے بغیر نہیں جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''فتح خان تم بچکانہ ضد کر رہے ہو اور اتنے بڑے خطرے کو نظر انداز کر رہے ہو۔ تم جلد فیصلہ کر لو میرے حساب سے اب زیادہ وقت نہیں رہا ہے سورج ڈوبتے ہی یہ لوگ حرکت میں آ جائیں گے اور ہم ان کے قابو میں ہوں گے۔''

فتح خان نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور مشکوک لہجے میں بولا۔ ''تم کیسے جانتا ہے۔''

''میرا اندازہ ہے اور تم جانتے ہو میرا اندازہ اکثر درست نکلتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہارے پیچھے کون ہے مگر میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس میں ہیروں کے چکر میں ہے۔ اس کی تم سے کوئی براہ راست دشمنی ہے بھی تو وہ ہیروں کی خاطر تمہیں چھوٹ دے رہا ہے۔ ہاں جب تم اس کے قابو میں آ گئے اور اسے ہیرے ملے یا نہ ملے دونوں صورتوں میں تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوگا۔''

''تمہارے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوگا۔''

''ہاں میں گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پسوں گا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''حالانکہ گھن اصل میں تم ہو جو مجھے لگ گئے ہو۔''

فتح خان نے دوربین گلے میں لٹکا لی اور ذرا پیچھے ہو کر چٹان پر لیٹ گیا۔ اس نے مجھے کھولنے کی کوشش نہیں کی اور تھیلے سے ایک روٹی نکال کر ایسے ہی کھانے لگا۔ میں نے کہا۔ ''بے شک تم مجھے باندھ کر رکھو مگر بھوکا رکھنا کمینگی ہے۔''

''ہم کمینہ آدمی ہے۔'' فتح خان نے دانت نکالے مگر تھیلے سے ایک روٹی نکال کر مجھے بھی تھما دی۔

''مجھے کھولو میں ایسے نہیں کھا سکتا۔''

''مت کھاؤ پر ابھی میں نہیں کھول سکتا۔'' اس نے انکار کیا۔ مجبوراً مجھے تنے سے ٹک کر بیٹھ واحد ہاتھ سے روٹی کھانی پڑی تھی میں نے اسے گول کر کے رول کی شکل دے دی۔ اس طرح کھانے میں آ نی ہو رہی تھی۔ روٹی ختم کر کے میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ جو اپنے گناہ گار بندے کو ہر حال میں رزق دیتا ہے۔ ا چہ ایک روٹی نے بھوک ختم نہیں کی تھی مگر پیٹ میں ہونے والی چوہا دلیس تھم گئی تھی۔ فتح خان بھی روٹی ختم کر ستا رہا تھا۔ بہ ظاہر اس نے میری بات کا زیادہ اثر قبول نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس کے رویے میں کوئی عجلت اور پر نی نہیں تھی۔ وہ مزے سے لمبی تان کر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تم تقدیر پر ایمان رکھتے ہو؟''

اس نے طنزیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے ادھر سکون سے ایسے ہی لیٹا

''تب مجھے کس بات کی سزا ہے؟'' میں نے بھنا کر پوچھا۔

''یہ احتیاط ہے۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''تم کھلا دشمن ہے اور سامنے ہے، تم کو آز ملتا ہے، جو دشمن سامنے نہیں اور آزاد ہے اسے اوپر والے پر چھوڑا ہوا ہے۔''

''وہی تمہیں جہنم رسید کرے گا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے کھولو ورنہ میں چلاؤں گا۔ میں اس طر ۔ ۔ ۔ کھڑے تھک گیا ہوں۔''

حالانکہ میں خاص نہیں تھکا تھا۔ مگر فتح خان پر ظاہر کر رہا تھا کہ میں چل چل کر اور کھڑے رہ کے گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔ فتح خان کچھ دیر مجھے گھورتا رہا پھر اس نے ہتھکڑی کھول کر مجھے آزاد کر دیا۔ ہتھکڑی تھیلے میں ڈال کر وہ دوبارہ اسی انداز میں لیٹ گیا تھا۔ مگر اس کا ہاتھ رائفل پر تھا۔ میں وہیں تنے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ یہ کم سے کم سات فٹ قطر کا تنا تھا اور درخت کی اونچائی شاید سو فٹ ہوگی یا اس سے بھی زیادہ ہوگی نیچے سے اس کی اونچائی کا درست اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ سورج اب مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا اور تین بج چکے تھے مگر تپش اور دھوپ کی تیزی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ البتہ درختوں کے نیچے گرمی کا احساس کم ہو گیا تھا۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ شمالی علاقے میں اونچے پہاڑوں اور ' ریوں میں گرمی نہیں پڑتی ہے۔ حالانکہ یہاں بھی گرمی پڑتی ہے اور اچھی خاصی پڑتی ہے جہاں جہاں چٹانیں وہاں تو گرمی صحرا کی مانند ہو جاتی ہے اور ایسا بھی ہوا کہ چٹانوں میں جانے والا کوئی ٹریکر یا سیاح ڈی ہائیڈریشن سے ہلاک ہو گیا۔ اس وادی کی کھنڈر نما چٹانیں اس کا جیتا جاگتا ثبوت تھیں کہ تقریباً چھ سات ہزار فٹ کی بلندی پر بھی اذیت ناک گرمی ہو سکتی ہے۔

میری نظریں چٹانوں پر مرکوز تھیں۔ اگرچہ یہاں سے چٹانوں کے سارے حصے نظر نہیں آ رہے تھے مگر اس کا وسطی حصہ اور ہماری طرف والا حصہ واضح دکھائی دے رہا تھا اور اب تک مجھے اس حصے میں کوئی حرکت نظر نہیں آئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ فتح خان کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی یا اسے یہاں تک گائیڈ کیا گیا تھا مگر اس وقت وہاں کسی کا موجود ہونا بہت مشکل تھا۔ مجھے یاد ہے ہم جان بچانے کے لیے وہاں رہے تھے اور یہ وقت بڑی مشکل سے گزارا تھا۔ پانچ چھ بجے کے بعد یہ چٹانیں اتنی ٹھنڈی ہوتی تھیں کہ ان میں رہا جا سکے۔ اچانک مجھے لگا کہ کوئی سیاہ سی چیز چٹانوں کے درمیان تیزی سے حرکت کر رہی ہو۔ مگر یہ جھلک ایک لمحے کے لیے تھی جو دو چٹانوں کے درمیان نظر آئی تھی اور شاید سیکنڈ کے تیسرے حصے کے لیے تھی۔ مگر میری نظروں نے صاف دیکھا تھا۔ مگر یہ واضح نہیں تھا کہ گزرنے والی چیز کوئی انسان تھا یا کوئی جانور، وہ بہت نیچے سے گزرا تھا تقریباً کتے جتنی بلندی تھی۔ اگر کوئی انسان جھک کر بھاگتا تو وہ بھی اسی طرح دکھائی دیتا۔ میں غور کر رہا تھا کہ فتح خان نے دیکھ لیا اس نے پوچھا۔ ''کیا نظر آیا ہے؟''

''جو تمہیں دکھائی دیا تھا۔'' میں نے کہا اور چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس جگہ وہ جو درمیان میں چھوٹا سا گیپ نظر آ رہا ہے۔ اس سے کوئی سیاہ چیز گزری ہے۔''

فتح خان نے اس طرف دیکھا اور بولا۔ ''تم سچ کہہ رہا ہے کیا؟ یا مجھ کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''غالباً تم خود یہاں آئے ہو اور پہلے ہی بیوقوف بنے ہوئے ہو اس لیے مجھے کوشش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میں واپس تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ فتح خان مسکرایا۔

''تم برا مان گیا۔''

''میں اس وقت صحیح سے برا مانوں گا جب تمہاری وجہ سے مجھے کوئی نقصان ہوگا۔ تم مجھ پر اعتبار نہیں کرو گے اس لیے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''اتنا ناراض مت ہو۔'' اس نے گویا مجھے پچکار کر کہا۔ ''ابھی میں سوچ رہا ہے۔''

''میرا خیال ہے دشمن عمل کر رہا ہے اور تم ابھی تک سوچ ہی رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم فکر مت کرو فتح خان تر نوالہ نہیں ہے۔''

چار بجے کے بعد سورج تیزی سے جھکنے لگا تھا اور اب اس طرف ڈھلان پر اندھیرا آ رہا تھا۔ کیونکہ سورج مغرب کی طرف آ رہا تھا اس لیے چٹانوں کا مغربی حصہ زیادہ روشن اور واضح ہو رہا تھا۔ شاید اسی لیے مجھے وہ سیاہ جھلک دکھائی دی ورنہ دوپہر کی تیز روشنی میں جہاں جہاں سائے بن رہے تھے وہ سیاہ تھے اور ان کے ہوتے ہوئے کسی الگ سی چیز کو تلاش کرنا بہت دشوار کام تھا۔ فتح خان نے مجھ سے کہا۔ ''میں مذاق کر رہا تھا مجھے یقین ہے تم نے بھی کچھ دیکھا ہوگا۔''

''تمہاری مہربانی۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ہم دونوں بیٹھے ہوئے تھے اور بہ ظاہر فارغ البال لگ رہے تھے۔ فتح خان نے وقت گزاری کے لیے پوچھا۔

''برٹ شا کالڑکی ایمن تم سے ملتا ہے؟''

''نہیں لیکن اس سے ایک دو بار رابطہ ہوا۔''

''اچھا لڑکی ہے تم پر مرتا ہے۔''

''خیال ہے تمہارا، گورے کبھی اتنے جذباتی نہیں ہوتے کہ محبت کے چکر میں مریں یا ماردیں، یہ تو صرف م لوگ ہی اتنے جذباتی ہیں۔''

''تم ٹھیک کہتا ہے پر وہ لڑکی تم سے محبت کرتا ہے۔''

''تم اسے زیادہ سے زیادہ پسند کہہ سکتے ہو۔'' میں نے تردید کی۔ ''اس کی وجہ بھی تم جانتے ہو جب ا نے اسے تمہارے اور کرم خان کے چنگل سے نکالا تھا۔''

''کرم خان۔'' فتح خان نے سرد آہ بھری۔ ''وہ میرا بچپن کا دوست اور چچا کا بیٹا تھا۔ ان ہیروں کے لیے میرا دشمن بن گیا میں نے اپنے ہاتھ سے اس کا گلا کاٹا تھا۔''

''اگر کرم خان زندہ ہوتا تو میں سوچتا کہ یہ وہی ہے۔''

''کرم کا ایک ہی بھائی ہے۔ ہیرم خان لیکن وہ اِدھر نہیں ہوتا۔ بیس سال سے اُدھر انگلینڈ میں ہے۔''

''کیا اسے نہیں معلوم کہ اس کے بھائی کو کس نے قتل کیا ہے؟''

''ہوسکتا ہے معلوم ہو پر وہ اس قسم کا آدمی نہیں ہے کہ انتقام کے لیے خود کو خطرے میں ڈالے۔''

''کسی کے بارے میں اتنے یقین سے مت کہا کرو خاص طور سے جب الفاظ کے مقابلے میں تمہاری داؤ پر لگی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''فرض کرلو کہ اس وقت ان چٹانوں میں کوئی ہے تو تم اس کے خلاف کیا کرلو ؟''

''ابھی تم دیکھے گا۔'' فتح خان نے کہا۔ ''چلو اٹھو۔''

''کہاں جانا ہے؟''

''پانی پی کر آئے گا۔'' وہ بولا۔

مجھے بھی پیاس لگ رہی تھی اور ہم ڈھلان سے گھومتے ہوئے نالے کی طرف روانہ ہوئے۔ ''تمہارے پانی رکھنے کے لیے کوئی اور چیز نہیں ہے کیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

'ہوتی تو یوں خوار ہوتا۔''

آدھے گھنٹے بعد ہم نالے میں تھے اور ہم نے دل بھر کر پانی پیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اب صبح تک پانی نہیں ملے گا۔ ویسے رات میں پیاس کا اتنا مسئلہ بھی نہیں ہوتا۔ جب تک ہم واپس آئے سورج تقریباً پہاڑ کے کنارے پر جا ٹکا تھا اور کچھ دیر بعد وادی سائے میں آجاتی۔ فتح خان نے واپسی کے بعد مجھے حکم دیا۔ ''ہاتھ آگے کرو۔''

میں نے حکم کی تعمیل کی اور اس نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی اور پھر جھک کر پیروں میں بھی بیڑی پہنا دی۔ سب سے آخر میں اس نے تھیلے سے ایک کسی قدر پتلی لیکن بڑی زنجیر نکالی اور اسے ایک چھوٹے تنے والے درخت کے گرد گھما کر اور میرے پیروں سے گزار کر ایک تالے سے لاک کر دیا۔ گویا میں پوری طرح بے بس ہو گیا تھا۔ مگر میں کسی حد تک اس کا مقصد سمجھ رہا تھا۔ ''فتح خان اگر تم کسی ایڈونچر پر جا رہے ہو تو مجھے اس طرح باندھ کر کیوں جا رہے ہو؟''

''تاکہ تم واپسی میں اسی جگہ ملے۔''

''اور اگر واپسی نہ ہو سکی تو؟'' میں نے پوچھا۔

''تب کوئی دوسرا آئے گا اور تمہارا قسمت اس کے ساتھ ہوگا۔ ویسے ابھی تم نے پوچھا تھا تقدیر کے بارے میں تو تم خود بھی ایمان رکھتا ہوگا۔''

''ہاں لیکن ہوں تو کمزور انسان نا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ فتح خان نے کھانے پینے اور دوسرے سامان والا تھیلا وہیں چھوڑ دیا تھا البتہ اسے میری دسترس سے دور کر دیا تھا۔ ہاں اس نے روٹیوں والا شاپر نکال کر میرے پاس رکھ دیا۔ ''یہ کھانے کے واسطے ہیں پر احتیاط کرنا اگر کوئی نہ آیا تو تم زیادہ دن زندہ رہ سکے گا۔''

اس کی بات کا مفہوم سمجھ میں آیا تو میرے جسم میں خوف کی لہری دوڑ گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی نہ آ تو میں بھوکا پیاسا مروں گا۔ روٹی ہوگی تو دیر تک زندہ رہوں گا۔ ''فتح خان میں بلاوجہ مارا جاؤں گا۔''

''بلاوجہ تو نہیں اگر تم پہلے ہم کو ہیرے تلاش کر دیتا تو اس مصیبت میں نہ پھنستا۔'' اس نے اپنی منطق کے مطابق بات کی اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ لگ رہا تھا کہ وہ میری بات نہیں سنے گا اور اپنی من مانی کرے گا۔ میں زندگی میں بہت پچھتایا لیکن اس وقت دل سے پچھتایا کہ مجھے اس وادی میں آنے کی کیا ضرورت تھی اگر فتح خان راستے میں آیا تھا تو میں کسی اور راستے سے راجا عمر دراز کے پاس چلا جاتا۔ یقیناً میری مت ماری گئی تھی جو میں نے ایک احمقانہ خیال کے سہارے وادی کا رخ کیا۔ جیسے ہی جنگل کا یہ حصہ اتنے سائے میں آیا کہ سا چٹانوں تک چلا گیا۔ فتح خان حرکت میں آیا اس نے بہت تیزی سے درمیان کا فاصلہ طے کیا اور بھاگتا ہو چٹانوں میں گھس گیا۔ عمر اور اپنی بھاری جسامت سے قطع نظر اس کی رفتار قابلِ دید تھی اور اسے دو سو میٹرز کا فاصلہ طے کرنے میں پون منٹ بھی نہیں لگا تھا۔ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا اور جب وہ کھلی جگہ سے گزر رہا تھا تب نہ تو کسی نے اسے روکا اور نہ ہی اس پر گولی چلائی تھی۔

سائے بہت تیزی سے بڑھ رہے تھے اور چند منٹ بعد ہی چٹانیں پوری طرح سائے میں آچکی تھیں اور اب صرف وادی کی مشرقی ڈھلان پر دھوپ تھی وہ بھی تیزی سے سمٹ رہی تھی۔ میں جہاں بندھا ہوا تھا وہ جگہ تقریباً تاریکی میں آچکی تھی اور اگر کوئی آجاتا تو اسے شاید ہی میں نظر آتا۔ فتح خان اپنے طور پر دشمن کے شکار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روانہ ہوا تھا مگر اس کا پورا امکان تھا کہ دشمن اسے ہی شکار کر لے۔ وہ ایک مفروضے کے ساتھ گیا تھا کہ دشمن اس سے بے خبر ہے لیکن اگر اس کے برعکس ہوتا تو فتح خان کی بحفاظت واپسی مشکل دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے زنجیر کا جائزہ لیا۔ یہ ہلکی لیکن خالص اسٹیل کی بنی ہوئی تھی اور مضبوطی میں کئی گنا موٹی زنجیر سے کم نہیں تھی اسی طرح تالا بھی مضبوط تھا۔ میں کیا کوئی پہلوان بھی اس زنجیر کو نہیں توڑ سکتا تھا۔ بیڑی بھی اسی طرح بہت مضبوط قسم کی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ کیا فتح خان جانتا تھا کہ میں یہاں آؤں گا جو وہ اتنی تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن وہ کیسے جان سکتا تھا جب کہ خود میرا ارادہ بھی اس طرف آنے کا نہیں تھا بلکہ یہ خیال تو مجھے لینڈ سلائیڈنگ کے بعد آیا تھا۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ دراصل فتح خان یہی سمجھ رہا تھا کہ میں ہیروں کے چکر میں وادی کی طرف جا رہا ہوں اور وہ اسی لحاظ سے تیاری کر کے آیا تھا مگر جب میں ہائی وے سے وادی جانے والے راستے کی طرف نہیں مڑا تو فتح خان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ پھر میرے پیچھے آیا اور غلطی سے آگے نکل گیا کیونکہ میں رات کے تمام میں رک گیا تھا۔ فتح خان اس سے بے خبر تھا۔ اب پتا نہیں وہ لینڈ سلائیڈنگ کھلنے پر واپس میرے پیچھے آیا تھا یا پھر اس نے کسی اور کو چھوڑا ہوگا جو اس راستے پر نگرانی کر رہا ہوگا اور اسی نے فتح خان کو اطلاع دی ہوگی کہ کچھ دانے پر آ گیا ہے اور وہ دوڑا ہوا میرے پیچھے آیا۔ اس دوران میں اس نے گل شاد کو کہیں چھوڑ دیا ہوگا۔ یہاں اس نے مجھے گھیر لیا اور اب میں بے بسی کی حالت میں بندھا ہوا تھا۔ مگر مجھے کچھ کرنا تھا۔ کچھ کرنے کے لیے سب سے پہلے مجھے خیال آیا کہ تالا کھولنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

میں نے پتلون کے ساتھ جیکٹ اور جوتے پہنے ہوئے تھے اور ان میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کی مدد سے میں تالا کھول سکتا تھا۔ میں نے تمام چیزوں کا جائزہ لیا تو میری توجہ پتلون کی بیلٹ کی طرف گئی۔ اس کا بکل لڑنے والا ہک نوکیلا تھا۔ میں نے ذرا سی کوشش کر کے بیلٹ اتار لی اور پھر اس کا تنکے جیسا دھاتی ہک تھام کر پاؤں کی بیڑی کھولنے کی کوشش کا آغاز کیا۔ اتنی دیر میں اندھیرا ہو چکا تھا اور مجھے سب ٹنول کرنا پڑ رہا تھا۔ بار تالے کے سوراخ سے ہک پھسل جاتا تو بڑی مشکل سے تلاش کرنے پر ملتا تھا اور پھر اس سے بھی زیادہ مشکل سے میں اسے سوراخ میں داخل کرتا تھا۔ مگر میں لگا رہا۔ مسلسل ایک پوزیشن میں بیٹھ کر ایک ہی جیسا کام کرنے سے جسم دکھنے لگا تھا۔ جب دکھن زیادہ ہو جاتی تو میں کچھ دیر آرام کر لیتا تھا۔ ابتدائی جوش و خراش کے بعد مسلسل ناکامی نصیب ہوئی تو خالی ذہن کے عالم میں مشینی انداز میں لگ گیا۔

○.....❖.....○

میری نظر چٹانوں کی طرف تھی۔ ان کا سفید رنگ تاریکی میں نمایاں ہو رہا تھا۔ فتح خان کو گئے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا اور اب تک اس کی یا اس کے مبینہ دشمنوں کی طرف سے کوئی ردِعمل دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ نہ ہی فتح خان کے جانے کے بعد کوئی حرکت دکھائی دی تھی۔ پھر اچانک ایک فائر ہوا اور مجھے اس کے درمیان ہلکی سی روشنی کی جھلک دکھائی دی۔ یہ فائر کے شعلے کی چمک تھی اور اسی لمحے بیڑی کے تالے کے کلک کی آواز آئی اور تالا کھل گیا۔ میں اس معزز فن یعنی تالے وغیرہ کھولنے میں قطعی اناڑی ہوں۔ البتہ اس فن کو اکثر دیکھا کہ وہ محض ایک تار کی مدد سے پیچیدہ تالے وغیرہ بھی کھول لیتے ہیں۔ یہ قطعی اتفاق تھا کہ اس نے تالا کھول لیا اور مجھے اس کی بے انتہا خوشی ہوئی تھی۔ میں نے ہلکی سی قلقاری ماری اور جلدی سے زنجیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیروں سے نکالی۔ ایک تالا کھلا تھا یعنی ایک پاؤں کھلا تھا دوسری میں بدستور بیڑی تھی۔ وقت نہیں تھا کہ میں اسے بھی کھولتا اس لیے مجھے اس کے ساتھ ہی حرکت کرنی تھی۔

میں نے جلدی سے بیلٹ واپس پتلون میں پہنی اور کھل جانے والی بیڑی اس کی ساتھی بیڑی کے ساتھ موڑ کر پتلون کے پائنچے میں اڑس لی۔ ہاتھ بدستور بندھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں کھولنے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ کیونکہ پہلی کامیابی بھی اتفاق سے ملی تھی اور اتفاق ہر بار نہیں ہوتا ہے دوسرے میں جلد از جلد اس جگہ سے دور جانا چاہتا تھا۔ میں نے تھیلا چیک کیا یہ دیکھ کر میری پہلے سے کھلی باچھیں مزید کھل گئیں کہ تھیلے میں میرا پستول تھا۔ اس کے ساتھ دو عدد اضافی میگزین بھی اسی میں تھے۔ مگر مجھے مزید کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے میں اپنی ہتھکڑیاں کھول سکتا۔ البتہ ایک عدد ایمرجنسی لائٹ کم ٹارچ نکل آئی۔ میں نے اس کے شیشے پر تھیلی رکھ کر اسے چیک کیا اور یہ کام کر رہی تھی۔ میں نے اسے بھی رکھ لیا۔ جیکٹ کی جیبوں سے آسانی ہو رہی تھی ایک جیب میں پستول اور دوسری میں اس کے اضافی میگزین آ گئے تھے۔ ٹارچ میں نے جیکٹ کے اندر سینے سے لگالی۔ کچھ روٹیاں بھی نکال کر جیکٹ میں ڈال لیں۔ بھوک تھی مگر فی الحال اور بھی غم تھے زمانے میں روٹی کے سوا۔

میں ڈھلان سے اتر کر جنگل کے کنارے تک آیا۔ پہلے فائر کے بعد نہ تو مزید کوئی فائر ہوا تھا اور نہ ہی کوئی اور آواز یا حرکت سنائی یا دکھائی دی تھی۔ چٹانیں اوپر سے نمایاں لیکن اندر سے تاریک تھیں۔ ان میں اب کوئی حرکت کر بھی رہا تھا تو وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں آزاد ہو گیا تھا اور مسلح بھی تھا۔ مگر یہاں فتح خان سمیت نامعلوم تعداد میں ایسے افراد تھے جن پر دوستی کا گمان بھی مشکل تھا۔ ایسے میں سب سے آسان تدبیر یہ تھی کہ میں نو دو گیارہ ہو جاتا۔ مگر مسلسل مشکل حالات سے گزر کر میرے اندر ایک پنگے کی عادت سی آ گئی تھی۔ وہ مجھے مجبور کر رہی تھی کہ میں ذرا اس کھیل کا مشاہدہ کروں جو ان چٹانوں کے درمیان کھیلا جا رہا تھا۔ پہلے فائر کے بعد خاموشی تھی شاید دونوں طرف سے محتاط رویہ اپنایا جا رہا تھا۔ میں دوسرے فریق کا رویہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اگر وہ فتح خان سے واقف تھا تو اسے اب تک اس پر قابو پا لینا چاہیے تھا اور اگر وہ اس سے بے خبر تھا تو اسے ان چٹانوں کا رخ کرنا نہیں چاہیے تھا۔ دن میں یہ غیر محفوظ اور بے پناہ گرم ہو جاتی ہیں۔

اچانک مجھے چٹانوں کے درمیان کچھ حرکت محسوس ہوئی۔ وہاں سے دو افراد نکلے تھے۔ لیکن نہیں ان میں ایک تیسرا فرد بھی تھا۔ وہ ان کے پیچھے تھا۔ میں نے آنکھوں پر زور دیا کہ کیا فتح خان نے دو افراد کو قابو کیا ہوا ہے۔ مگر نہیں پیچھے موجود شخص فتح خان سے زیادہ طویل قامت تھا۔ جو دو آگے تھے ان میں سے ایک لڑکھڑا رہا تھا اور دوسرا اسے سنبھالے ہوئے تھا اور وہ تینوں میری طرف ہی آ رہے تھے۔ میں احتیاط سے پیچھے ہٹا اور درختوں کے درمیان میں جانے لگا۔ فتح خان نے ان پر قابو پایا تھا یا خود ان کے ہتھے چڑھ گیا تھا دونوں صورتوں میں اس پارٹی کو اس طرف آنا تھا جہاں فتح خان مجھے قید کر کے گیا تھا۔ میں نے دو ایسے درختوں کے درمیان جگہ سنبھالی جن کے تنے نہ صرف آس پاس تھے بلکہ ڈھلان والی طرف ایک بڑی چٹان تھی۔ مورچے کے لحاظ سے یہ جگہ بہت موزوں تھی۔ میں پستول نکال کر اس مورچے میں سٹ کر بیٹھ گیا۔

وہ تینوں کچھ دیر بعد درختوں میں داخل ہوئے یہاں تاریکی زیادہ تھی اس لیے بس ان کے ہیولے محسوس کیے جا سکتے تھے۔ وہ اسی طرف بڑھے جہاں میں موجود ہوتا اگر زنجیر کا تالا نہ کھلتا۔ اس جگہ کے نزدیک پہنچ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے آپس میں کچھ تبادلہ خیال کیا۔ ان کی دھیمی آوازیں مجھ تک آئیں اور پھر ان میں سے ایک کو دھکا دے کر نیچے گرا دیا گیا اور جب اس نے بلند آواز میں کراہ کر گرانے والے کو گالی دی تو میں نے شناخت کر لیا وہ فتح خان تھا اور اب پتا چلا کہ وہ ان کا قیدی ہی نہیں زخمی بھی تھا۔ البتہ گالی کے بعد اس نے جو نام لیا اس نے مجھے چونکا دیا۔ اس نے جلال کو گالی دی تھی۔ جواب میں جلال نے اسے ٹھوکر ماری۔ ''چپ کرو خنزیر کا بچہ، میں تمہارا نوکر ہے جو ایسے بات کرتا ہے۔''

''تُو غدار ہے۔''

''وہ کدھر ہے۔'' طویل قامت نے مداخلت کی۔ ''یہ دیکھو زنجیر کھلی ہے اور وہ غائب ہے۔''

''میں نہیں جانتا میں اسے باندھ کر گیا تھا۔'' فتح خان بولا۔ اتنی دیر میں مجھے کسی قدر نظر آنے لگا تھا اور میں نے دیکھا کہ فتح خان نے اپنا دایاں شانہ تھام رکھا تھا۔ پتا نہیں اسے گولی لگی تھی یا کوئی اور زخم آیا تھا۔ طویل قامت فتح خان کی طرف آیا۔ وہ صاف لہجے میں اردو بول رہا تھا مگر لہجہ کہیں کہیں چغلی کھاتا تھا کہ وہ پشتو بولنے والا ہی تھا۔ اس نے جھک کر فتح خان سے کہا۔

''فتح تم جانتے ہو اس دنیا میں مجھ سے زیادہ تمہارے خون کا پیاسا کوئی نہیں ہوگا۔''

''خیال ہے تمہارا۔'' فتح خان نے اس حالت میں بھی استہزایہ لہجے میں کہا۔ ''لگتا ہے انگلینڈ جا کر بھی تم نے ابھی دنیا نہیں دیکھا۔''

میں چونکا کیونکہ انگلینڈ کا حوالہ اس نے کرم خان کے بھائی بیرم خان کے بارے میں بات کرتے ہوئے دیا تھا۔ طویل قامت کہہ رہا تھا۔ ''فتح تم بہت فضول باتیں کرتے ہو۔ کام کی بات کرو۔''

''کام کا کیا بات کرے بیرم خان۔'' فتح خان بولا۔ ''کام کا بندہ تو بھاگ گیا۔''

''یہی میں پوچھ رہا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟''

''تم انگلینڈ پلٹ کر بھی جاہلوں کا سا بات کر رہا ہے۔ اگر قیدی آزاد ہو جائے تو وہ کہاں جاتا ہے۔ وہ بھاگ گیا ہوگا۔ اب تک تو نالے میں پہنچ گیا ہوگا۔''

''تم نے کہا تھا اس کے پیروں میں بھی کف ڈالی ہے۔''

''تم پھر احمقانہ بات کر رہا ہے یہ زنجیر دیکھ رہا ہے یہ بند ہے تو اس نے بیڑی ہی کھولا ہوگا نا، اس کا مطلب ہے اب وہ بھاگ سکتا ہے۔''

بیرم خان خاموش ہو گیا۔ میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کچھ دیر پہلے ہی بیرم خان کے بارے میں فتح خان نے فرمایا تھا کہ وہ اس چکر میں نہیں پڑے گا مگر حالات بتا رہے تھے کہ وہ اسی چکر میں تھا اور کچھ زیادہ ہی تھا کیونکہ جلال جسے فتح خان اپنے اعتماد کا آدمی قرار دے چکا تھا وہ اب بیرم خان کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔ گویا وہ شروع سے بیرم خان کا آدمی تھا۔ نہ جانے فتح خان نے اس پر کیسے اعتبار کر لیا۔ کچھ دیر بعد بیرم خان بولا۔ ''مجھے ہر قیمت پر وہ ہیرے چاہئیں۔''

''تو لے لو، ابھی تک تو نہیں ملا ہے، اس کتے نے تم کو سب بتا دیا ہوگا۔'' فتح خان نے جلال کی طرف اشارہ کیا تو وہ غرانے لگا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوسکتا ہے جب جلال تمہارے پاس سے نکلا ہو تو تم کو ہیرے مل گئے ہوں۔''

فتح خان نے اس بار قہقہہ مارا۔ ''اگر مجھے ہیرے مل گئے ہوتے تو میں تمہارے پیچھے آتا۔ اس جیسے دس کتوں پر لعنت بھیج کر ادھر سے جا چکا ہوتا۔''

جلال بے قابو ہو کر فتح خان کی طرف جھپٹا اور اس نے بے دریغ اس کے زخمی شانے پر ٹھوکریں رسید کیں۔ فتح خان کو خاصی تکلیف ہوئی ہوگی مگر وہ جلال کو چڑانے کے لیے ہنستا رہا اور جب وہ ہانپتے ہوئے پیچھے ہٹا تو فتح خان نے حقارت سے کہا۔ ''تیرا کیا خیال ہے تو فتح خان سے معافی کی امید رکھتا ہے۔''

بیرم خان نے مدبرانہ انداز میں ہاتھ بلند کیا۔ ''بس، جاہلوں کی طرح لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''جاہل تم ہے۔'' فتح خان نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''جو بندہ پڑھ لکھ کر بھی ایسا کرے وہ زیادہ بڑا جاہل ہوتا ہے۔ ہم تو اَن پڑھ آدمی ہے۔ ایسا کرتا ہے تو ٹھیک کرتا ہے۔''

''تم جانتے ہو انتقام ہمارے خون میں ہے۔'' بیرم خان دھیمے لہجے میں بولا۔ ''ہم دنیا کی ہر چیز چھوڑ سکتے ہیں لیکن بدلہ نہیں چھوڑ سکتے۔''

''تب تم کو اب خیال آرہا ہے۔''

''نہیں یہ خیال کبھی میرے دل سے نہیں نکلا مگر میں موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ میں یہاں کے حالات اور تمہارے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا اس لیے معلومات حاصل کرنے اور تمہارے اردگرد بندے تلاش کرنے میں کچھ وقت لگا تھا۔''

''مگر تم کو بس یہی ملا ہوگا۔'' فتح خان نے پھر حقارت سے جلال کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں تمہارے آس پاس سارے ہی لوگ لالچی نکلے، ان کو نوٹ کی جھلک دکھائی تو سب بکنے کو تیار ہو گئے تھے۔ مگر میں نے اسے چنا کیونکہ یہ تمہارے سب سے قریب تھا۔ ویسے کیا تم کوئی نیکی کا کام کر رہے ہو جو اپنے آدمیوں سے وفاداری کی توقع رکھتے ہو۔ تم بھی تو پیسے کے لیے سب کرتے ہو۔''

''سب پیسے کے لیے کرتا ہے۔'' فتح خان نے اپنا دفاع کیا۔ ''تم نے بولا تھا کام کا بات کرلو، وہ کرلیا اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ بدلہ لینا ہے تو لو اور جاؤ، وقت کیوں ضائع کرتا ہے۔''

''کیا تمہیں مرنے کی جلدی ہے؟'' جلال بولا۔ ''خان کی رحم دلی سے فائدہ اٹھاؤ۔''

جواب میں فتح خان نے قہقہے کے ساتھ جو فرمایا اسے لکھنے سے میرا قلم معذور ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ اتنا بے جگر ہو رہا تھا اسے قطعی پروا نہیں تھی کہ اس کے سامنے اس کی جان کا دشمن تھا اور وہ ایک لمحے میں اسے دنیا سے رخصت کر سکتا تھا۔ مگر فتح خان کو جیسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اس نے جلال کو خان کی رحم دلی کے حوالے سے ایک ناقابلِ بیان مشورہ دیا تھا۔ بیرم خان مشتعل نہیں ہوا اور جلال پہلے ہی اپنا حصہ اتار چکا تھا اس لیے فتح خان مزید چوٹوں سے محفوظ رہا۔ بیرم خان نے کہا۔ ''فتح خان تم نے ٹھیک کہا تھا کہ پڑھ لکھ کر بھی آدمی جاہلوں کی سی حرکت کرے تو یہ زیادہ جہالت ہوتی ہے اس لیے میں تمہیں اپنے ہاتھ سے نہیں ماروں گا۔''

''مجھے معلوم ہے تعلیم نے تم کو بزدل بنا دیا ہے، شاید خون دیکھ کر تم کو الٹی آتا ہوگا۔ تم اس سے بولے گا۔ اسی لیے خریدا ہے اسے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں، میں تمہیں یہاں اسی زنجیر سے باندھ جاؤں گا اور تم بھوک پیاس سے مرو گے۔''

فتح خان ایک لمحے کو چپ ہوا پھر بولا۔ ''یہ کیسا انتقام ہے دشمن کو تو اپنے ہاتھ سے مار کر چین آتا ہے۔''

''یہی انتقام ہے۔'' بیرم خان عیاری سے بولا۔ ''یہ کیا کہ ایک گولی ماری اور آدمی ختم، مزہ تو اس وقت ہے جب دشمن سسک سسک کر زیادہ دیر میں جان دے۔''

''تم باندھ کر چلا جائے گا؟''

''نہیں میں یہیں رکوں گا اور اس دوران میں جلال کے ساتھ مل کر ہیرے تلاش کروں گا۔ یہاں کتنے درخت ہیں شاید دو ہزار ہوں۔ اگر ہم روز سو درخت بھی دیکھیں تو بیس دن میں یہ سارا جنگل چھان سکتے ہیں چلو مہینا لگ جائے گا۔ کم سے کم پچاس ملین ڈالرز کے ہیروں کے لیے ایک مہینا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس دوران میں تم کو مرتے ہوئے دیکھتا رہوں گا۔''

''تم زیادہ سے زیادہ تین دن اس شو کو دیکھ سکتا ہے۔'' فتح خان نے خوفزدہ ہوئے بغیر کہا۔ ''اس کے بعد کیا کرے گا؟''

مگر بیرم خان جیسے سب طے کر کے آیا تھا اس نے کہا۔ ''تم فکر مت کرو میں تم کو پانی دیتا رہوں گا صرف کھانے کو کچھ نہیں ملے گا تب تم کو مرنے میں بہت وقت لگے گا۔ کم سے کم تین ہفتہ لگے گا تمہیں مرنے میں۔''

فتح خان کو تو نہیں پتا لیکن میرے جسم میں سردی لہر دوڑ گئی تھی۔ بیرم خان کا منصوبہ نہایت خوفناک تھا اور اگر اس پر عمل کیا جاتا تو فتح خان کو مرنے میں سچ مچ اتنا وقت لگ جاتا اور یہ موت بہت خوفناک ہوتی۔ بیرم خان کے اشارے پر جلال نے فتح خان کو زنجیر سے یوں باندھا کہ پہلے اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالی اور پھر اس کے دوسرے کڑے میں زنجیر ڈال کر اسے دوبارہ تالے سے بند کر دیا۔ اب فتح خان اسی طرح درخت کا قیدی بن گیا تھا جیسے اس نے مجھے بنایا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں ہتھکڑی اور بیڑی سے بند تھے جب کہ فتح خان کے صرف ایک ہاتھ میں ہتھکڑی تھی اور اس کے پاؤں بیڑی سے آزاد تھے مگر وہ بھی میری طرح درخت کا قیدی بن گیا تھا۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں وقت نے پلٹا کھایا۔ جو آزاد تھا وہ قیدی بن گیا اور جسے قیدی بنایا تھا وہ آزاد ہو گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے؟ میری بلا سے فتح خان کے ساتھ کچھ بھی ہوتا رہے۔ مگر میں دیکھنا چاہتا تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے؟

فتح خان میرا دشمن تھا اور اس نے بہت سے مواقع پر مجھے زچ کیا تھا۔ اس نے فشی دل جی جیسے خبیث دشمن کا ساتھ دیا اور اس کا نتیجہ بالآخر بیتو کی موت کی صورت میں نکلا مگر فتح خان اس میں براہِ راست ملوث نہیں تھا۔ بلکہ اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا حالانکہ وہ مسلح تھا اور چاہتا تو مجھے آسانی سے شوٹ کر سکتا تھا مگر اس نے صرف فرار کو ترجیح دی۔ اس کا یہ بوجھ مجھ پر باقی تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ بوجھ اتار دوں۔ بیرم خان نے فتح خان کو بے بس کرنے کے بعد اپنے سامان سے ایک کمبل نکال کر بچھایا تھا اور اب اس پر محوِ آرام تھا۔ بہ ظاہر اس نے فتح خان کے لیے سزا تجویز کی تھی لیکن اس کے پس پشت اصل میں اس کا مقصد ہیروں کا حصول تھا شاید اس کے ذہن میں تھا کہ ہیرے فتح خان کے پاس تھے اور جب وہ بھوک پیاس سے نڈھال ہو جائے گا تب وہ اس سے ہیروں کا پوچھے گا۔ ساتھ ہی وہ خود بھی ہیروں کی تلاش جاری رکھتا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر اسے ہیرے مل گئے تو وہ فتح خان کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قتل کرنے میں ایک منٹ کی دیر نہیں کرے گا۔

مجھے پیاس لگ رہی تھی لیکن فی الحال یہاں سے ہلنا مناسب نہیں تھا۔ بیرم خان اور جلال دونوں چوکنا تھے اور اگر میرے پاؤں کی بیڑی کھنک جاتی تو وہ میری موجودگی سے واقف ہو جاتے۔ اس لیے مجھے انتظار کرنا تھا اور دوست گزاری کے لیے میں خشک نان چبانے لگا۔ میری سرگزشت پڑھنے والے اکثر قارئین شکوہ کرتے ہیں کہ میں لذیذ کھانوں کا ذکر کچھ زیادہ ہی کرتا ہوں۔ مگر کسی اللہ کے بندے یا بندی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ جب میں دشمن کی قید میں فاقے کرتا ہوں یا اس طرح خشک نان چباتا ہوں تو مجھ سے اظہار ہمدردی ہی کر لے۔ دو نان حلق سے اتار کر پیٹ کو تو افاقہ ہو گیا تھا مگر حلق میں جیسے کانٹے پڑنے لگے۔ خشک نان رہی سہی نمی بھی چوس گئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ رات کے نو بج چکے تھے۔ جلال نے ایک عدد لالٹین نما ایمرجنسی لائٹ جلا کر ایک ایسی جگہ رکھ دی تھی جہاں سے اس کی روشنی ان کے پڑاؤ کو منور کر رہی تھی۔ پھر انہوں نے الاؤ جلایا اور کھانا گرم کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ بیرم خان کے پاس ٹن بند کھانے تھے اور وہ مچھلی کا ایک ٹن کھول کر اسے ہلکا گرم کر کے کھا رہا تھا۔ جلال وہی روٹی اور چائے سے گزارا کر رہا تھا۔ فتح خان بندھا ہوا اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے شانے کے زخم کے بارے میں نہ تو اس نے بات کی تھی اور نہ ہی ان لوگوں نے کوئی بات کی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ زخم گولی کا نہیں ہے ورنہ وہ اسے اتنا ہلکا نہ لیتے اور گولی کا زخم ویسے ہی جلد خراب ہونے لگتا ہے۔ اتنی دیر میں فتح خان کی حالت غیر ہو جاتی مگر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ٹھیک ہے۔ وہ درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور کبھی کبھی دھیمی آواز میں کچھ گنگناتا بھی تھا۔

پیاس کی شدت میں اضافہ ہوا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ کھانے کے بعد ایسا ہی ہوتا ہے۔ کچھ دیر میں یہ شدت دوبارہ کم ہو جائے گی۔ میں نے دوپہر میں اچھی طرح پانی پیا تھا اور اس بات کو سات گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لیے مجھے ڈی ہائیڈریشن کا مسئلہ نہیں تھا۔ یہ صرف ایک نفسیاتی پہلو تھا میرے پاس چونکہ پانی نہیں تھا اس لیے مجھے پیاس کا خیال آ رہا تھا۔ کسی قدر حقیقی پیاس بھی تھی۔ کچھ دیر بعد سچ مچ پیاس کی شدت کم ہونے لگی۔ بیرم خان کھاتے ہی لیٹ چکا تھا۔ جب کہ جلال الاؤ کے پاس بیٹھا ہوا فتح خان کی نگرانی کر رہا تھا۔ فتح خان نے اس سے کہا۔ ''میرا آدمی جانتا ہے تم میرے ساتھ تھا جب میں واپس نہیں جاؤں گا تو وہ تم کو تلاش کرے گا۔''

''کوئی تلاش نہیں کرے گا۔'' جلال نے اطمینان سے کہا۔ ''آج کل کوئی کسی کا پروا نہیں کرتا ہے۔''

''تم سب کو اپنے جیسا دوغلا سمجھتا ہے۔'' فتح خان حقارت سے بولا۔ ''میرا آدمی میرے اشارے پر اپنا جان قربان کر سکتا ہے۔''

''آج صبح تک تم بھی میرے بارے میں ایسا ہی سوچتے ہو گے۔'' جلال ہنسا۔ ''کیا میں نے جان قربان کی نہیں کی نا..... فتح خان آج کل کوئی کسی کے لیے جان قربان نہیں کرتا۔ بڑا خراب دور ہے۔ لوگ بھائی کے مرنے کے بعد اس کی بیوی پر قبضہ کر لیتے ہیں۔''

جلال کا اشارہ یقیناً گل شاد کی طرف تھا۔ فتح خان اس کا طنز سمجھا یا نہیں لیکن وہ خاموش ہو گیا تھا۔ بیرم خان کچھ دیر بعد خراٹے لینے لگا۔ جلال بھی جمائیاں لے رہا تھا مگر وہ لیٹا نہیں۔ مجھے بھی اونگھ آ رہی تھی مگر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ذرا سی بے احتیاطی میرا راز فاش کر دیتی۔ میں ان لوگوں سے بیس گز سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اس لیے میں نیند کے جھونکوں سے ہوشیار رہا۔ میں نے اپنی پشت کھردری چٹان سے لگالی تھی اور یہ بے آرامی مجھے جگائے رکھنے میں معاون ثابت ہو رہی تھی۔ کچھ دیر میں چاند طلوع ہو گیا۔ مگر یہ زوال پذیر چاند تھا اور روشنی اتنی زیادہ نہیں تھی خاص طور سے درختوں تلے اس کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا البتہ سفید چٹانیں روشن ہو رہی تھیں۔ میں کبھی کبھی ان چٹانوں پر بھی نظر دوڑا لیتا تھا۔

ایک بار میں نے اس طرف دیکھا تو مجھے لگا وہاں کوئی چیز ہے جو حرکت کر رہی ہے۔ میں نے واضح نہیں دیکھا تھا۔ مگر مجھے احساس ہوا تھا اس بار میں نے نظر جما کر دیکھا۔ چند لمحے بعد دو سائے حرکت کرتے دکھائی دیئے۔ وہ چٹانوں کے درمیان تھے اور جھک کر چل رہے تھے۔ ان کا رخ ہماری طرف نہیں تھا۔ بلکہ وہ شمالی ڈھلان کی طرف جا رہے تھے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ یہ کوئی نئی مصیبت تھی یا فتح خان کے آدمی تھے جو اب آئے تھے۔ اگر وہ بیرم خان کے آدمی ہوتے تو انہیں اس طرح چھپ کر حرکت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ایک جگہ جہاں جھاڑیاں زیادہ تھیں وہاں سے میدان عبور کیا اور شمالی ڈھلان پر پہنچ گئے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ یہ جگہ لالٹین کی روشنی کی وجہ سے نمایاں تھی اور یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ان دو افراد نے اس روشنی کو نہ دیکھا۔

میری نظر اب شمالی ڈھلان کی طرف تھی مگر درختوں تلے بالکل اندھیرا تھا اور اگر کوئی یہاں حرکت کرتا تو بھی اس کا نظر آنا محال تھا صرف آواز سے کسی آنے والے کا سراغ لگ سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے میں جنوب کی طرف تھا اس لیے یہ امکان نہیں تھا کہ وہ میرے پیچھے سے آتے۔ اس کے باوجود میں آس پاس سے چوکنا تھا۔ مگر آنے والے بہت ہی محتاط تھے۔ وہ اس وقت نظر آئے جب وہ لالٹین کی روشنی کی حد میں آ گئے تھے۔ ان کے سائے درختوں کے درمیان حرکت کر رہے تھے۔ پھر وہ ایک جگہ رکے اور الگ الگ ہو کر دائیں بائیں چلے گئے۔ ایک میری طرف آیا تھا مگر وہ مجھ سے کچھ دور ایک درخت کی آڑ میں رک گیا اور دوسرا اس سے مخالف سمت میں کسی قدر نیچے تھا۔ ایسا لگ رہا تھا وہ ان لوگوں کو گھیر رہے تھے۔ ان کے پاس خود کار رائفلیں تھیں۔ جلال اب اونگھ رہا تھا اسے لیے اس کو قطعی خبر نہیں ہوئی۔

مجھے آنے والے خطرناک لگ رہے تھے۔ عین ممکن تھا وہ میرے پاس آ جاتے اور مجھے دیکھ لیتے۔ اس لیے میں نے جلال کو خبردار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے ایک عدد پتھر تلاش کیا اور اسے پڑاؤ کی طرف اچھال دیا۔ پتھر الاؤ کے پاس گرا اور جلال نے بھڑک کر اپنی رائفل اٹھائی تھی۔ اس دوران میں، میں نے دوسرا پتھر ڈھلان کے اوپری حصے کی طرف پھینکا جس طرف وہ دونوں موجود تھے اور آواز آتے ہی جلال نے اس طرف ہلکا برسٹ مارا۔ بیرم خان بھی ہڑبڑا کر اٹھا تھا اور اس دوران میں جلال نے پھرتی سے لائٹ بجھا دی۔ فوراً ہی اوپر سے برسٹ چلا اور تاریکی میں پتا نہیں چلا کہ کون نشانہ بنا اور کون بچ گیا۔ ایک کے بعد دوسرا برسٹ چلا اور شعلوں سے اندازہ ہوا کہ اوپر والے دونوں افراد محفوظ تھے اور اپنی اپنی کمین گاہوں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ نیچے سے جوابی فائرنگ شروع ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ بیرم خان اور جلال بھی بچ گئے تھے۔

میں سوچ رہا تھا کہ اوپر والوں میں سے کوئی مورچہ بنانے کے لیے اس طرف نہ آئے۔ کیونکہ یہ جگہ بڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موزوں تھی اور یہاں سے پڑاؤ کو زیادہ آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ پھر ایسا ہی ہوا جو آدمی میری پناہ گاہ کے نزدیک تھا وہ اس طرف آیا۔ میرے پاس بالکل موقع نہیں تھا اور میں اسے ذرا موقع دیتا تو وہ مجھے شوٹ کر دیتا اس لیے میں نے پہلے یہ کام کیا۔ جیسے ہی وہ تنوں کے درمیان نمودار ہوا میں نے اس کے سینے میں گولی اتار دی۔ وہ ڈکرا کر پیچھے گیا مگر خوش قسمتی سے اس وقت فائرنگ کا بے پناہ شور جاری تھا اس لیے کسی نے ایک پسٹل فائر کی آواز نہیں سنی۔ وہ الٹ کر پیچھے گرا تو میں نے اس کی ٹانگیں پکڑ کر اسے اندر کھینچ لیا اور پھر ٹٹول کر اس کی رائفل اپنے قبضے میں لے لی۔ مزید تلاشی پر اس کے پاس سے ایک عدد اضافی میگزین نکلا تھا۔ اس کے حلق سے آتی ہلکی سی خرخراتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ دم توڑ رہا ہے۔ گولی دل سے ذرا پرے لگی تھی اور جان لیوا ثابت ہوئی تھی۔

اس کے پاس دوسری چیز پانی کی ایک بوتل نکلی تھی اور مجھے پانی کی ضرورت تھی۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کر کے اس میں سے ایک گھونٹ لیا اور رائفل سنبھال کر لڑائی کی طرف متوجہ ہوا۔ پڑاؤ میں الاؤ آخری دموں پر تھا۔ کیونکہ آگ بجھ گئی تھی اور اب انگارے بھی بجھ رہے تھے۔ ان کی ہلکی روشنی فائرنگ کے شعلوں کے سامنے بجھ سی گئی تھی۔ مارے جانے والے کا دوسرا ساتھی اوپر سے بے دریغ گولیاں برسا رہا تھا اور پھر اس کی فائرنگ کام آئی۔ جلال جو بے احتیاطی سے کھلے میں آیا تھا وہ نشانہ بنا اور الٹ کر انگاروں پر آگرا اور پھر وہیں لوٹ پوٹ ہونے لگا تھا۔ دوسرے برسٹ نے اسے وہیں ٹھنڈا کر دیا مگر اس کی لاش انگاروں پر روسٹ ہونے لگی اور چند لمحے بعد فضا میں گوشت جلنے کی بو پھیلنے لگی۔ بیرم خان ایک درخت کی آڑ میں تھا۔ اس نے جلال کے مرنے کے بعد اوپری سمت چند فائر کیے اس کے پاس زیادہ بڑا ہتھیار نہیں تھا اور اوپر والے کو اس لحاظ سے برتری حاصل تھی۔

اوپر والا اب بالادست تھا۔ کیونکہ نیچے صرف ایک رہ گیا تھا اور وہ بھی پستول سے مسلح تھا۔ اس لیے وہ نیچے آنے لگا۔ وہ تیزی سے ایک درخت کی آڑ میں آیا۔ پھر دوڑ کر ذرا نیچے موجود دوسرے درخت کی آڑ میں آنے والا تھا کہ ٹھوکر کھا کر گرا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ سنبھل نہ سکا اور لڑھکتا ہوا نیچے آیا۔ بیرم خان نیچے آتے ہوئے اس پر مسلسل گولیاں برسا رہا تھا اور بالآخر وہ نیچے آگرا اور اس کے ساتھ ہی بیرم خان کا پستول خالی ہو گیا۔ مجھے کلک کی آواز آئی۔ شاید بیرم خان میگزین بدل رہا تھا کہ دوسرے آدمی نے اپنی رہی سہی ہمت جمع کر کے اس پر برسٹ مارا اور وہ فوراً ہی مارا گیا کیونکہ وہ الٹ کر گرا تھا اور پھر ساکت ہو گیا۔ میں دم بخود سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے رائفل حاصل کر لی تھی مگر اسے استعمال کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

دو پتھر استعمال کر کے میں نے اپنے چار ممکنہ دشمنوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ دشمن نے آپس میں ایک دوسرے کا کام تمام کر دیا تھا۔ اب ہر طرف خاموشی تھی۔ مگر میں نے حرکت نہیں کی۔ زنجیر چھنکی تو اندازہ ہوا کہ فتح خان زندہ ہے۔ یہ اس کی قسمت تھی ورنہ وہ اس میدانِ جنگ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بے تحاشہ فائرنگ ہوئی تھی اور کوئی بھی گولی اس کا رخ کر سکتی تھی۔ مگر وہ محفوظ رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''لگتا ہے خدائی خوار سب مر گیا۔ اب مجھے کون آزاد کرے گا۔''

میں آزاد کر سکتا تھا مگر فی الحال میرا یہاں سے ہلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بہ ظاہر سب مر گئے تھے لیکن کیا کہا جا سکتا تھا کہ کوئی زندہ ہو اور مرتے مرتے بھی کسی ایک کو ساتھ لے جانے کی کوشش کرے۔ جلال کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انگاروں پر گرنے سے رہی سہی روشنی بھی ختم ہوگئی تھی میرے پاس ٹارچ تھی مگر اسے استعمال کرنے کا مطلب اپنی موجودگی کا راز خود فاش کرنا تھا۔ دوسرے مجھے ایک خدشہ اور تھا کہ اگر ان دو کے پیچھے کچھ افراد اور ہوئے تو وہ جلد یا بدیر یہاں تشریف لے آتے۔ بے شک میں اب زیادہ مسلح تھا مگر بندھے ہاتھوں سے میں اپنا دفاع اور حملہ بہت اچھے انداز میں نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مجھے محتاط رہنا تھا اور فی الحال اپنی موجودگی ظاہر کرنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے کوئی عجلت بھی نہیں تھی۔ میں کھا پی چکا تھا اور اس جگہ آرام سے تھا۔ اپنے کشتے کی لاش میں نے آرام سے ٹھکیل کرتنوں سے باہر کر دی تھی۔

اب مجھے صبح کی روشنی کا انتظار تھا۔ فتح خان اپنی جگہ بے بسی سے بندھا ہوا تھا اور وہ بھی آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ شروع میں اس نے زیر لب کچھ کہا تھا مگر اب خاموش تھا۔ غالباً اسے بھی صبح کی روشنی کا انتظار تھا۔ میں کچھ دیر تو جاگتا رہا مگر پھر سکون اور خطرہ نہ ہونے کے احساس نے مجھ پر غلبہ پالیا اور میں سو گیا۔ درمیان میں ایک بار آنکھ کھلی اور حالات کو جوں کا توں پا کر میں دوبارہ سو گیا۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو مشرقی افق سرخ ہو رہا تھا۔ سورج طلوع ہونے والا تھا۔ میں نے انگڑائیاں لے کر اپنا جسم کھولا اور باہر جھانک کر دیکھا۔ باہر ابھی تک تاریکی تھی مگر ہیولے نظر آ رہے تھے۔ اچانک فتح خان کی آواز آئی۔ ''شہباز خاں صبح ہوگئی ہے اب باہر آ جاؤ۔''

میں دنگ رہ گیا تھا کہ اسے یہاں میری موجودگی کا پتا کیسے چلا؟ مگر میں نے جواب نہیں دیا خاموش رہا تو اس نے کچھ دیر بعد پھر کہا۔ ''شہباز میں جانتا ہے تم یہاں ہے سوتے میں تم نے کچھ آواز نکالا تھا اس لیے اب ڈراما چھوڑو اور سامنے آ جاؤ۔''

''میں سامنے آؤں گا لیکن جب تم مجھے نظر آؤ گے۔'' میں نے اب بات کرنے میں حرج نہیں سمجھا۔ فتح خان یا ان دونوں کے ساتھ اور کوئی ہوتا تو وہ اب تک یہاں آ چکا ہوتا۔

''میں سامنے ہے۔''

''صبر فتح خان، ذرا روشنی ہو جانے دو۔'' میں نے کہا۔ ''اتنی جلدی کی ضرورت کیا ہے۔ آخر میں کل رات سے یہاں بیٹھا ہوں اور سکون سے ہوں۔ ویسے جب تک روشنی نہیں ہو جاتی ہم آپس میں کچھ تبادلہ خیال نہ کر لیں۔''

''کیسا تبادلہ خیال؟''

''پہلی بات تو یہ کہ یہ دونوں کون ہیں جو مارے گئے ہیں۔''

''بیرم خان میرا چچا کا لڑکا اور جلال۔''

''میں ان دونوں کی بات کر رہا ہوں۔'' اس بار میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''جو خاموشی سے یہاں آئے تھے۔''

''میں ان کے بارے میں نہیں جانتا۔'' فتح خان نے صاف انکار کر دیا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے فتح خان، یا تو یہ بیرم خان کے ساتھی تھے یا پھر تمہارے ساتھی ہوں گے۔''

''میں نے کہا نا میرا ساتھی نہیں ہے۔'' فتح خان اپنے انکار پر قائم رہا۔

''اگر یہ بیرم خان کے ساتھی ہوتے تو اس پر حملہ نہ کرتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوسکتا ہے کوئی تیسرا پارٹی ہو۔'' وہ عیاری سے بولا۔

''فتح خان بات حلق سے اتر نہیں رہی ہے۔ بہرحال جو بھی حقیقت ہوگی جلد سامنے آجائے گی۔''

مشرق اب زیادہ روشن ہوگیا تھا اور رفتہ رفتہ یہ روشنی نیچے کی طرف آرہی تھی کیونکہ ہم مغربی ڈھلان پر تھے اس لیے پہلے یہ روشن ہوتی۔ روشنی بتدریج بہتر ہورہی تھی اور میں نے اٹھ کر پہلے اپنا جسم کھولا۔ رات بھر ایک محدود جگہ بیٹھے رہنے سے بند سا گیا تھا۔ پھر ٹھنڈ کا اثر بھی تھا۔ پانچ چھ منٹ کی محدود ایکسرسائز نے مجھے چاک و چوبند کردیا تھا۔ اب روشنی اتنی تھی کہ آس پاس سب صاف نظر آرہا تھا۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو فتح خان درخت کی اوٹ میں تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''فتح خان سامنے آؤ۔''

''میں سامنے نہیں آئے گا۔'' اس نے انکار کیا۔

''اس صورت میں تم یہیں بندھے رہو گے اور میں روانہ ہوجاؤں گا۔'' میں نے اسے دھمکی دی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔

''کیا ضمانت ہے کہ تم ہم پر گولی نہیں چلائے گا۔''

''کوئی ضمانت نہیں۔''

''اچھا میں سامنے آتا ہے۔'' فتح خان نے کہا اور زنجیر چھنکاتا ہوا سامنے آگیا۔ وہ خالی ہاتھ تھا اور زنجیر اس کے ہاتھ میں بندھی ہتھکڑی کے دوسرے حلقے سے گزر رہی تھی۔ میں نے پستول تھام لیا کیونکہ کلاشنکوف بندھے ہاتھوں سے استعمال کرنا ذرا مشکل کام تھا۔ فتح خان مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم آس پاس ہی ہوگا۔''

''تمہیں توقع ہوگی کہ میں تمہیں بچاؤں گا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''حالانکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔''

''مجھے توقع نہیں ہے لیکن تم کو جاننا ہے تم رک گیا کہ دیکھے معاملہ کیا ہے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ مجھے اسی تجسس نے روک لیا تھا ورنہ اس حالت میں فرار بھی مشکل نہیں تھا۔ میں نے پستول اسی کی طرف رکھا اور پوچھا۔ ''ہتھکڑیوں اور بیڑی کی چابی کہاں ہے؟''

''اس کے پاس ہوگی۔'' فتح خان نے مردہ بیرم خان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس نے میری تلاشی لے کر سب لے لیا تھا۔''

''تم اس کے ہاتھ کیسے آئے؟''

''اس نے دھوکا کیا۔ لیزر لائٹ سے ایسا دھوکا دیا کہ میں آدمی سمجھا اور اس پر فائر کردیا۔ پیچھے سے اس داؤس نے رائفل کا بٹ مارا جو شانے پر لگا۔ گوشت پھٹ گیا اور ابھی تک یہ ہاتھ ٹھیک سے کام نہیں کررہا۔'' اس نے اپنے زخمی شانے کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے جلال کا بتایا تھا کہ اس نے اس پر رائفل کا بٹ آزمایا تھا۔ جلال کی لاش اور اس کے نیچے انگارے ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ بیرم خان کے سینے پر پورا برسٹ لگا تھا اور وہ شاید فوراً ہی مر گیا تھا مگر اوپر سے آنے والے نے خاصی مشکل سے جان دی تھی کیونکہ دو گولیاں اس کے پیٹ اور ران پر لگی تھیں اور وہ خون بہنے سے مرا تھا۔ اسی وجہ سے اسے اتنا موقع ملا کہ وہ بیرم خان کو مار سکے۔ بیرم خان حلیے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چہرے مہرے سے پڑھا لکھا شخص لگ رہا تھا۔ وہ یقیناً انگلینڈ میں اچھی زندگی گزار رہا ہوگا مگر لالچ اور انتقام کی خواہش نے اسے مروا دیا تھا اور اب اس کی لاش یہاں بے گور و کفن پڑی تھی اور اگر اس کے اہلِ خانہ تھے تو ان کو کچھ علم نہیں تھا۔ میں فتح خان سے مطمئن نہیں تھا اس لیے میں نے سب سے پہلے ہتھیاروں کا جائزہ لیا کہ ان میں سے کوئی اس کے ہاتھ تو نہیں لگا ہے پھر حفظ ماتقدم اس کی تلاشی لی۔ مگر اس کے پاس کچھ نہیں تھا اس کے بعد میں ہیرم خان کے پاس آیا اور اس کے خون آلود لباس سے ہاتھ بچاتے ہوئے بہ مشکل اس کی جیبوں کا معائنہ کیا اور بالآخر چابی برآمد کر لی یہ ایک ہی چابی تھی جس سے تمام تالے کھلتے تھے۔ میں نے ہاتھوں اور پیروں کو آزاد کرا کے بے انتہا سکون محسوس کیا۔ اس کے بعد میں نے سب سے پہلے اپنا سامان تلاش کیا۔ مجھے پرس، موبائل اور جیپ کی چابیاں جلال کے پاس سے ملیں۔ مگر افسوس موبائل کی اسکرین اس کے نیچے دب کر ٹوٹ گئی تھی یہ بیکار ہو گیا تھا۔ میں نے سم نکال کر اسے وہیں پھینک دیا اور باقی چیزیں اپنے پاس رکھ لیں۔ فتح خان نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''میرے کو پانی دو۔''

میں نے بوتل اسے تھما دی اس کے بعد میں نے مارے جانے والے افراد کا اسلحہ جمع کیا۔ اس میں چار عدد خود کار رائفلیں اور تین عدد پستول تھے۔ ان سب کو اپنی پناہ گاہ میں لے کر ڈال دیا۔ میرے لیے ایک رائفل اور ایک پستول کافی تھا۔ پھر میں نے چاروں لاشیں بھی اسی جگہ ڈال دیں۔ ان کو ایسے ہی چھوڑنا مناسب نہیں تھا کیونکہ گرمی تھی اور آسمان پر چیلیں منڈلا رہی تھیں۔ میں نے آس پاس سے پتھر جمع کر کے ان کو ڈھانپ دیا۔ اس کام میں خاصا وقت لگا مگر مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب لاشیں مردار خور پرندوں اور جانوروں کی دسترس سے دور تھیں۔ میں واپس آیا تو فتح خان پوری بوتل خالی کر چکا تھا۔ بہرحال وہاں اور پانی بھی تھا۔ میں نے چائے کا پانی چڑھایا اور ہیرم خان مرحوم کے خوراک کے ذخائر کا جائزہ لیا۔ اس میں بہترین ٹونافش، فرائی آلو، مٹر، حلال گوشت اور انناس کے پیک ٹن، کولڈ ڈرنک اور کافی چائے دونوں کا مکمل سامان تھا۔ میں کافی دیکھ کر خوش ہو گیا اور فوراً چائے بنانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کافی تیار کر کے میں نے ایک مگ فتح خان کو دیا اور دوسرا خود سنبھال لیا۔ اس نے منہ بنا کر گھونٹ لیا اور بولا۔

''اب تم کیا کرے گا؟''

''سوچا نہیں ہے ممکن ہے تمہیں اسی طرح چھوڑ جاؤں یا پھر ایک گولی مار کر تمہارا قصہ پاک کر دوں۔''

اس نے اپنی منگولوں جیسی آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔ ''تم اپنی دھمکی پر عمل کرے گا۔''

''میں دھمکی نہیں دیتا ہاں جو کرنا ہوتا ہے وہ کر گزرتا ہوں۔ فتح خان میں نے تم کو بہت چھوٹ دی۔ بار بار کہا کہ میرے راستے میں مت آؤ مگر تم نہیں مانے۔ ایک احمقانہ خیال کے تحت تم میرے پیچھے لگے رہے۔ ٹھیک ہے ہیرے اس وادی میں ہیں لیکن انہیں صرف میں ہی تلاش کر سکتا ہوں۔ تمہارے اس خناس نے مجھے بہت مشکلات سے دوچار کیا۔ صرف مجھے نہیں میرے ساتھیوں کو بھی اور وہ اس بات پر برافروختہ رہے ہیں کہ میں تمہیں چھوٹ کیوں دیتا رہا ہوں۔''

''چھوٹ تو میں بھی دیتا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں لیکن اپنے مفاد کے تحت۔'' میں نے کہا۔ ''میرا تم سے کوئی مفاد نہیں تھا۔ تم نے مجھ پر ذاتی حملے کیے۔ میری حویلی میں گھس کر سویرا کو اغوا کیا۔''

''تم نے بھی ہینا کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' وہ بولا۔ ''میں نے حساب برابر.....''

''بکواس مت کرو۔'' میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''سویرا اور ہینا کا موازنہ مت کرو اس کا کردار تم خود بھی جانتے ہو اور اسی لیے تم نے اسے قتل کیا۔ پھر تم مسلسل میرے ساتھیوں کے پیچھے پڑے رہے۔ کبھی تم مرشد اور کبھی ڈیوڈ شا کے گماشتے بن کر میرے خلاف میدان میں رہے۔ حد یہ کہ تم نے منشی دل جی جیسے گھٹیا شخص سے بھی اتحاد کر لیا۔ تمہاری وجہ سے ہمارا منصوبہ ناکام ہوا۔ سو سے زائد افراد مارے گئے اور سب سے قیمتی فرد بیتو تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے میں ہمیشہ کی طرح یہ سب بھول جاؤں گا۔ شاید میں بھول بھی جاتا لیکن فتح خان اب میں اپنے ساتھیوں پر مزید کوئی افتاد برداشت نہیں کر سکتا۔''

فتح خان خاموشی سے سن رہا تھا۔ میں جذباتی ہو گیا تھا۔ جب میں خاموش ہوا تو شاید میرا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور میرا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا۔ اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ ''فتح خان اب میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ قصہ اب یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔''

''کیا کرے گا مجھے بھوکا پیاسا مرنے کے لیے یہیں چھوڑ جائے گا؟'' اس کا لہجہ کسی قدر تلخ ہو گیا۔

''میں کسی انسان کے ساتھ اتنا انسانیت سوز سلوک نہیں کر سکتا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں اس کے مقابلے میں ایک گولی استعمال کرنے کو ترجیح دوں گا۔''

''تب دیر کس بات کا ہے گولی استعمال کرو اور جاؤ۔'' فتح خان نے کہا۔ میں اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے ناشتے کی تیاری کرنے لگا۔ میں نے چائے بنائی اور نان کے ساتھ فتح خان کو دی اور خود بھی کھائی۔ اس دوران میں دھوپ یہاں تک آ چکی تھی اور آس پاس خوب روشنی ہو چکی تھی۔ ناشتے کے بعد میں کھڑا ہوا تو فتح خان کا چہرہ مست گیا تھا اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''شہباز کیا تم سچ مچ مجھے قتل کر دے گا؟''

''کیا تمہیں شک ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اپنی آخری خواہش بیان کرو۔''

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا اور پھر ہنسا۔ ''تم کیا سرکار ہے جو سزائے موت دینے سے پہلے آخری خواہش پوچھ رہا ہے؟''

''میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں اپنی آخری خواہش بیان کرو۔ میرے بس میں ہوا تو میں ضرور پوری کروں گا۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''اگر ایسا ہے تو شہباز خان مجھے ہیرا لا دو۔ یہ میرا آخری خواہش ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''فتح خان اب بھی وقت ہے سوچ لو اور کوئی اور خواہش کر دو۔''

''نہیں میرا یہی خواہش ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''تمہاری مرضی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں شمالی ڈھلان کی طرف بڑھا تھا کہ فتح خان نے عقب سے پوچھا۔ ''شہباز تم ہیرا لانے جا رہا ہے؟''

''ہاں تمہاری آخری خواہش پوری کرنے۔'' میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ شمالی ڈھلان ابھی تک سائے میں تھی مگر درختوں تلے روشنی ہو گئی تھی۔ مجھے اس درخت تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی جس کے تنے کے سوراخ میں اُلو نے گھونسلا بنایا ہوا تھا اور اسی اُلو کی باقیات وہاں زمین پر بکھری ہوئی تھیں۔ میں نے جز کے خلا میں ہاتھ ڈالا اور کسی قدر دقت سے وہ سیاہ دھاتی بکس نکال لیا جس میں وہ نایاب ہیرے تھے جو روس کی ملکہ کیتھرین کے خزانے میں شامل تھے۔ انہیں ملکہ کے آنسو کہا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ تیس نایاب اور قیمتی ہیرے تھے۔ یہ ہیرے ایک روسی جنرل کے ہاتھ لگے اس نے افغانستان میں کمانڈ کی تھی۔ ان ہیروں کا سوئٹزرلینڈ کے کسی دولت مند سے سودا کیا اور برٹ شا نے ان ہیروں کو پہنچانے کی ذمے داری لی تھی۔ مگر برٹ شا کی شامت کہ اس نے فتح خان جیسے شخص کی خدمات حاصل کیں اور نہ صرف ہیروں بلکہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو لیے تھے۔

میں اس سیاہ بکس کو دیکھ رہا تھا جو سالوں سے تنے کے سوراخ میں پڑا ہوا تھا۔ جب میں نے اس میں ہاتھ ڈالا تب بھی وہاں موجود تھا مگر جب فتح خان نے مجھے للکارا تو میں نے سیاہ بکس کی بجائے انڈا نکالا اور جب اسے رکھنے لگا تو صفائی سے سیاہ بکس نکال لیا۔ میرا پاؤں جز کے خلا میں گیا تو میں نے گرتے ہوئے پاؤں کھینچنے کے بہانے سیاہ بکس اس خلا میں ڈال دیا یہی وجہ تھی کہ وہ جلال کو تنے کے سوراخ میں نہیں ملا تھا۔ میں اسے لے کر واپس روانہ ہوا۔ اصولاً یہ ہیرے ایمن کو ملنے چاہیے تھے اگرچہ اس کی ملکیت بھی نہیں تھے۔ اس کے باپ کو کسی کو پہنچانے تھے۔ مگر مجھے برٹ شا کی ساکھ اور اس سوئیس دولت مند کی کوئی پروا نہیں تھی جو ان ہیروں کی قیمت ادا کر چکا تھا۔ میں واپس آیا تو فتح خان کی حالت دیدنی تھی سیاہ بکس دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔ ''یہ تمہارے پاس تھا تم دھوکا دے رہا تھا؟''

''فتح خان مجھے اس دولت یا اس سے کہیں زیادہ دولت کے لیے بھی کسی کو دھوکا دینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اس سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ قیمتی میری جان ہے۔'' میں نے سیاہ بکس اس کی طرف اچھال دیا۔ اس نے کیچ کیا اور مایوسی سے بولا۔

''فائدہ جب میں مر جاؤں گا۔''

''فتح خان موت کی صورت الگ ہوتی ہے اور وہ صرف میری نہیں کسی بھی صورت میں آسکتی ہے۔ اسے اپنے وقت پر آنا ہوتا ہے اور انسان اس وقت سے ناواقف ہوتا ہے۔''

''تم نے کہاں چھپایا تھا؟''

میں نے اسے بتایا کہ سیاہ بکس کہاں تھا اور میں نے اس کے ساتھ کیا ہاتھ کی صفائی دکھائی تھی۔

''اب تم کیا کرے گا مجھے مارے گا اور ہیرا لے جائے گا؟'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''ظاہر ہے جب تم مر جاؤ گے تو یہ تمہارے لیے بیکار ہو جائیں گے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''تب میں انہیں لے جاؤں گا۔''

''شہباز خان یہ تو چالاکی ہوا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں فتح خان چالاکی تم نے کی۔ میں نے تم سے آخری خواہش کا اسی لیے پوچھا تھا کہ میں اسے پورا نہ کرسکوں تو تم بچ جاؤ مگر تم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ہیرے مانگ لیے جو تمہارے خیال میں، میں نہیں لاسکتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے تمہیں موقع دیا اور تم نے اصرار کرکے وہ بھی گنوا دیا۔ تو چالاکی میں نے کی یا تم نے؟''

''ٹھیک کہا تم نے چالاکی میں نے کی اور اب سزا بھی مجھے ملے گی۔'' فتح خان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''شہباز مجھے مرنے کا کوئی افسوس نہیں ہے کیونکہ میں ایک بہادر دشمن کے ہاتھ سے مارا جاؤں گا۔''

میں نے پستول نکالا اور فتح خان کے پاس چلا آیا اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اپنا سر جھکا لیا تھا میں نے پستول کا رخ اس کے سر کی طرف کیا تو نہ جانے کیوں میرے ہاتھ میں لرزش آئی تھی۔ اس سے پہلے جب میں نے کسی پر گولی چلائی تو میرا ہاتھ نہیں لرزا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میں جو قتل کر رہا ہوں وہ اپنی زندگی کے لیے کر رہا ہوں اور مجھے اپنے دفاع کا حق بھی ہے۔ مگر اس بار میں خود کو آمادہ نہیں کر پا رہا تھا۔ فتح خان نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ میں نے دل کڑا کر کے لگاتار تین گولیاں چلائیں اور پلٹ کر چل پڑا۔ میں مزید نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بس آخری منظر یہ تھا کہ فتح خان گر گیا ہے۔ میرا سر گرم ہو رہا تھا اور قدم خود بخود تیز اٹھ رہے تھے۔ میں نے ہیروں والا بکس نہیں اٹھایا تھا۔ مجھے ان ہیروں سے نفرت محسوس ہو رہی تھی جو نہ جانے کتنے انسانوں کی موت کی وجہ بنے تھے۔ نالے تک آیا تو اس میں پانی نایاب تھا۔ پانی کی تلاش میں مجھے کچھ آگے جانا پڑا تھا۔ ایک جگہ کچھ پانی جمع تھا۔ میں نے جھک کر اس سے منہ پر چھینٹے مارے اور سر پر ڈالا تاکہ میرے سر کی گرمی کچھ کم ہو۔

کچھ دیر میں اس یخ پانی سے خود کو سرد کرتا رہا اور پھر کھڑا ہوا۔ پانی نے میری گرمی دور کردی تھی اور اب میں پُرسکون تھا۔ میں بوتل ساتھ نہیں لایا تھا کیونکہ آگے مجھے پانی ملتا رہتا۔ ذرا آگے جا کر نالا گھومنا شروع ہوا تو اس میں دائیں بائیں سے آنے والے کچھ نالوں کا پانی شامل ہونے لگا تھا اور اب اس نے ندی کی صورت اختیار کرلی تھی۔ میری کوشش تھی کہ جلد از جلد پل تک پہنچ جاؤں اور پھر اس جگہ سے روانہ ہو جاؤں کیونکہ مجھے اس سے وحشت ہو رہی تھی۔ ندی میں پانی کم ہونے سے مجھے سفر کرنا آسان لگ رہا تھا۔ آگے پانی زیادہ ملتا تو مجھے کناروں پر سفر کرنا پڑتا اور اس سے رفتار ذرا کم ہو جاتی۔ ایک گھنٹے بعد میں نصف راستہ طے کر چکا تھا۔ اس سے آگے پل تک پہنچنے میں مجھے مزید ڈیڑھ گھنٹا لگا تھا اور تب تک آسمان بادلوں سے بھر گیا تھا۔ یہ گزشتہ دو دن سے پڑنے والی تیز دھوپ اور گرمی کا لازمی نتیجہ تھا۔ اس سے پہلے کہ بارش شروع ہوتی میں پل کے چوکیدار کی کوٹھری تک پہنچ گیا تھا۔ جیپ اپنی جگہ موجود تھی۔ میں نے کوٹھری کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھل گیا اور فوراً ہی اندر سے ایک کراہت آمیز بو آئی۔ یہ سڑتے ہوئے خون اور گوشت کی بو تھی۔ اندر مکھیاں بھن بھنا رہی تھیں۔ میں نے دل کڑا کر کے اندر جھانکا تو چوکیدار اپنے خون میں غلطاں فرش پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ اسے مرے ہوئے کم سے کم تیس پینتیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ اب نہیں معلوم کہ یہ فتح خان کا کام تھا یا بیرم خان کا۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر پیچھے ہٹا تھا کہ کسی نے عقب سے میرے سر پر وار کیا اور بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے سنا۔ ''قاتل کا بچہ کیسے ہاتھ آیا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگ ایسا رہا تھا کہ پیچھے میرم خان یا فتح خان کا کوئی آدمی رہ گیا تھا اور اسی نے میرے سر پر وار کر کے مجھے ہوش وحواس سے بیگانہ کیا تھا۔ مگر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو تھانے میں پایا۔ آنکھیں کھولنے سے پہلے مجھے اس کا پتا چل گیا تھا کیونکہ تھانے میں دن دہاڑے ایک چور سے اعتراف کرانے کی کوشش کی جارہی تھی کہ اس نے خان کی گھوڑی چرائی ہے۔ اعتراف جرم کرانے والے اس سے گھوڑی برآمد کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ مبینہ ملزم کے ساتھ زور وشور سے تفتیش جاری تھی۔ زور پولیس والوں کا تھا اور شور مبینہ ملزم کا۔ ہر لتر پر جس کی آواز الگ سے سماعت تک آرہی تھی وہ دل خراش چیخ کے ساتھ دہائی دیتا اور مصرع طرح کے طور پر دھراتا۔ ''اف امم مرگئی..... بالکل مرگئی۔''

یہاں کی مقامی زبان پشتو تھی مگر تھانیدار پنجاب سے آیا ہوا تھا اس لیے ملزم اردو استعمال کرنے پر مجبور تھا۔ وہ خالص سلطان راہی اسٹائل میں بڑھکیں مار رہا تھا۔ مگر گالیاں وہ پولیس ڈکشنری سے ہی دے رہا تھا۔ اس شور سے مجھے لگ رہا تھا جیسے میرا سر یک دم بہت نازک ہوگیا ہو اور شور کسی ٹھوس شے کی طرح اس سے ٹکرا رہا ہو۔ مارنے والے نے رحم دلی کو بالائے طاق رکھ کر وار کیا تھا اور غالباً اسے میرے پاس موجود خطرناک اسلحے سے خدشہ تھا کہ وار ہلکا رہ گیا تو میں جوابی کارروائی میں اسے یقینی طور پر فوت کردوں گا اس لیے اس نے میرا سر پھاڑ ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو حوالات کا کمرا ایک لمحے کو گھوما تھا اور پھر اپنی جگہ قائم ہوگیا۔ سر سے بہنے والا خون میری گدی تک آیا تھا اور یہ اچھی بات تھی ورنہ وار کی قوت اتنی تھی کہ اگر میرا سر نہ پھٹتا تو اندرونی جریان خون کا مسئلہ ہوسکتا تھا۔ میں بہ مشکل اٹھ کر بیٹھا اور پھر کونے میں رکھے پانی کے گھڑے سے پانی نکال کر پیا تو طبیعت میں بہت افاقہ ہوا تھا۔ اسلحے سمیت میرا پرس اور تمام چیزیں غائب تھیں صرف کپڑے اور جوتے ان لوگوں نے پتا نہیں کیسے چھوڑ دیئے تھے۔

میں پانی پی کر ایک طرف دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا کیونکہ اس دیہاتی تھانے کے حوالات میں فرش پر دری بھی نہیں تھی۔ سوال یہ تھا کہ مجھے یہاں لایا کون تھا؟ آیا کہ یہ کارنامۂ خیر پولیس والوں نے خود انجام دیا تھا یا چوکیدار کے لواحقین نے مجھے قاتل سمجھ کر بے ہوش کر کے پولیس کے حوالے کردیا تھا۔ بہرحال یہ طے تھا کہ میں ملزم کی حیثیت سے یہاں آیا تھا اور میرے کسی بھی عمل کا ردِعمل بہت شدید ہوسکتا تھا۔ اس لیے مجھے جو کرنا تھا آگے کا سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ میں نے خود سے شور کرنے اور آپل مجھے مار کہنے سے گریز کیا۔ کچھ دیر بعد ایک کانسٹیبل نے اندر جھانکا اس کی قمیص آدھی پتلون سے باہر تھی اور اس نے بیلٹ بھی نہیں باندھی ہوئی تھی۔ وہ جوتے سے اٹھ کر آیا تھا اور مجھے بیدار دیکھ کر اس نے پہلے بلند آواز سے جماہی لی اور اس سے بھی بلند آواز سے بولا۔ ''بندے کو ہوش آگیا ہے۔''

''میں کہاں ہوں؟'' میں نے سوال کیا تو اس نے استہزایہ انداز میں جواب دیا۔

''تجھے باہر شور سنائی نہیں دے رہا اور یہ وردی دکھائی نہیں دے رہی ہے کیا؟''

''میرا مطلب ہے کہ میں کون سے تھانے میں ہوں؟''

''تجھے جلد پتا چل جائے گا۔'' اس نے کہا اور اپنی قمیص پتلون میں کرتا چلا گیا۔ غالباً تھانے میں ملزم کم اور ان کو تختۂ مشق بنانے کے لیے کم لوگ ملتے تھے اس لیے میری باری جلد آگئی۔ دو سپاہی آئے ایک نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاکر آپ کا دروازہ کھولا اور مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی میں باہر آیا دوسرے نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔

''آرام سے میں بھاگ نہیں رہا اور نہ ہی بھاگنے والوں میں سے ہوں۔'' میں نے ذرا دبنگ لہجے میں کہا۔ مگر اس میں بدمعاشی کا تاثر شامل کرنے سے گریز کیا۔

''کون ہے تم جو اس طرابات کرتا ہے۔'' مجھے پکڑنے والے سپاہی نے کسی قدر مرعوب ہو کر کہا۔

''مجھے ایس ایچ او کے پاس لے چلو۔''

''اس کے پاس ہی لے جا رہے ہیں۔'' دوسرا معنی خیز انداز میں بولا۔ ایس ایچ او خالص پولیس والا تھا۔ اس کی توند کا حجم بتا رہا تھا کہ اس کی پرورش کیسے کی گئی تھی۔ وہ ایسی سفید رنگت رکھتا تھا جس میں اعمال کی سیاہی شامل ہو گئی تھی۔ کسی قدر بڑھی شیو اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ خطرناک تھا نیدار لگ رہا تھا۔ جب تک مبینہ ملزم کے ساتھ تفتیش جاری تھی اس نے لنچ میں سالم مرغا تناول فرمالیا تھا اور اس وقت ماچس کی تیلی سے خلال میں مصروف تھا۔ گھوڑی چور غالباً عارضی رخصت پر تھا اور اس دوران میں مجھے طلب کر لیا تھا۔ میں نے ایس ایچ او سے پوچھا۔

''مجھے کس الزام میں پکڑا ہے۔''

''الزام بھی بتا دیں گے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''پہلے اپنا تعارف تو کراؤ۔''

''میرا نام شہباز ملک ہے اور میں یہاں سیاحت کے لیے آیا ہوں۔''

''اس پُل کے آس پاس کون سی جگہ ہے سیاحت والی؟'' اس کے لہجے کی معنی خیزی بڑھ گئی۔

''میں ندی کے ساتھ ساتھ ٹریک پر گیا تھا۔ اپنی جیپ پُل کے چوکیدار کی رکھوالی میں چھوڑ گیا تھا۔ واپس آیا تو کوٹھری میں اس کی لاش پڑی تھی اور پھر کسی نے مجھے سر پر وار کر کے بے ہوش کر دیا۔''

''اپنے شریف شاہ نے کام کیا تھا۔'' ایس ایچ او نے مجھے لانے والے سپاہی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بڑا ظالم ہاتھ مارتا ہے۔''

''اگر تمہارا خیال ہے کہ میں نے چوکیدار کو قتل کیا ہے تو تم غلطی پر ہو یہ کام کسی اور کا ہے اور میں اپنی جیپ لینے آیا تھا۔''

''صرف چوکیدار کا قتل نہیں ہوا ہے۔ اس کی نئی بیوی بھی غائب ہے۔ اسے کہاں لے گئے تم اور اس کے ساتھ کیا کیا؟'' کہتے ہوئے ایس ایچ او کے اندر کی خباثت لہجے میں آ گئی۔ ''وہ کہاں ہے مر گئی ہے یا کہیں پڑا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں چوکیدار کی بیوی کے بارے میں نہیں جانتا۔ دو دن پہلے میں یہاں آیا اور جیپ اس کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔''

''ملک صاحب ایسے کام نہیں چلے گا۔'' ایس ایچ او نے چالاکی سے کہا۔ ''تمہارے پاس کوئی شناختی دستاویز بھی نہیں ہے۔ اسلام آباد نمبر کی جیپ لے کر گھوم رہے ہو۔''

''میرے شناختی کاغذات جیب سے ندی میں گر گئے۔''

''جیپ بھی کسی شاہین ایاز کے نام پر ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایاز میرا دوست ہے اور شاہین اس کی بیوی ہے جیپ اسی کے نام پر ہے۔''

ایس ایچ او اب تک مجھ سے محتاط انداز میں بات کر رہا تھا غالباً اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ میں چلتا پھرتا آدمی نہیں ہوں۔ یہ چھوٹا دیہاتی علاقہ تھا اور یہاں وہ کسی اثر ورسوخ والے بندے کے ساتھ زیادتی کر جاتا تو اسے آگے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ اس نے میز کے نیچے سے رائفل اور پستول اٹھا کر سامنے رکھ دیئے۔

''تمہارے پاس سے یہ اسلحہ نکلا ہے۔ اس کا لائسنس کہاں ہے؟''

''بدقسمتی سے لائسنس بھی کاغذات کے ساتھ ندی میں ہی گر گیا۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے یہاں ہر دوسرا بندہ ایسے ہی اسلحہ لے کر گھومتا ہے ان سے پوچھا کبھی۔''

''ادھر والوں کو اجازت ہے۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''ملک صاحب مجھے مطمئن کرو ورنہ میں تین سو دو اور اغوا کی ایف آئی آر کاٹنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

یہ تو اس کے انداز سے واضح تھا کہ وہ کس قسم کا اطمینان چاہتا تھا۔ اسے چوکیدار یا اس کی گم شدہ بیوی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ اپنی خوش قسمتی سمجھ رہا تھا کہ اس کیس میں پھنسانے کے لیے اسے ایک ایسا مرغا ہاتھ آ گیا جس سے وہ خاصا مال کھینچ سکتا تھا۔ اس جگہ مال کمانے کے مواقع نہ ہونے کے برابر تھے۔ کیونکہ یہاں جن کے پاس پیسا تھا وہ اس جیسے تھانیدار کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوں گے اور باقی غریب غربا کے پاس کیا تھا زیادہ سے زیادہ اسے یہاں مرغ مسلم مل جاتا ہوگا۔ یقیناً اسے اپنی کسی غلطی کی وجہ سے یہاں پھینکا گیا تھا۔ ایسا کیس تو مہینوں میں جا کر ایک بار ہاتھ آتا تھا۔ میرے پاس سے تقریباً ساٹھ ہزار کی رقم برآمد ہوئی تھی اس لیے وہ سوچنے میں حق بجانب تھا کہ جو صرف جیب میں اتنی رقم لے کر گھوم رہا ہو وہ اونچی پارٹی ہوگا۔ میں راجا صاحب کا حوالہ دے سکتا تھا مگر مجھے اچھا نہیں لگا کہ اس قسم کے معاملات میں انہیں ملوث کروں اور بلاوجہ کا احسان سر لوں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کرتے ہوئے سر ہلایا اور بولا۔ ''میں اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

ایس ایچ او نے اسلحہ واپس میز کے نیچے رکھ دیا۔ اور سپاہی اس کے انداز سے سمجھ گیا تھا اس لیے خاموشی سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کا ایس ایچ او نے برا منایا تھا مگر منہ سے کچھ کہا نہیں۔ میں نے کہا۔ ''میرے پاس سے جو رقم نکلی تھی۔''

''اسے بھول جاؤ۔'' اس نے صاف کہا۔ ''آگے بات کرو۔''

''دیکھو میں نہیں چاہتا کہ یہاں رہنے والے اپنے واقف کار کو زحمت دوں۔ ورنہ تمہیں رقم بھی واپس کرنی پڑے گی اور میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کا تاوان بھی دینا پڑے گا۔''

''بادشاہو سلمان چودھری آج تک کسی کی دھمکی میں نہیں آیا۔'' اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔ ''ادھر اور میں بھی دو پھنے خان تھے۔ دونوں کو مقابلے میں لڑھکا دیا۔ اسی لیے آج یہاں بیٹھا ہوں۔''

''میں پھنے خان نہیں ہوں۔ شریف آدمی ہوں اور کسی جرم میں ملوث نہیں ہوں۔'' میں نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔ ''تم خود سوچو کہ میں نے قتل کیا ہوتا تو میں اسے آوازیں دیتا ہوا کوٹھری تک آتا۔ اپنے آدمی سے پوچھ لو جس نے مجھے بے ہوش کیا میں چوکیدار کو آواز دے رہا تھا کہ اپنی جیپ لے جاؤں۔ کوٹھری کا دروازہ کھٹکھٹایا جواب نہیں ملا تو ذرا سا کھولا تھا وہیں سے میں نے چوکیدار کی لاش دیکھی تھی۔ میں تو اندر تک نہیں گیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ٹھیک پر ملک صاحب آپ ادھر گئے کیوں تھے وہ جگہ تو اجاڑ جنگل ہے۔''

''میں سیاح ہوں اور میری ایک ٹورسٹ کمپنی ہے۔ میں یہاں کسی اچھے ٹریک کی تلاش میں گیا تھا۔''

سلمان چودھری نے دانتوں میں خلال بند کیا۔''اس اسلحے کی کیا وضاحت کرو گے۔ صرف مقامی لوگ ایسے اسلحے رکھتے ہیں باہر سے آنے والوں کو اجازت نہیں ہے۔''

درحقیقت مجھے کلاشنکوف نے پھنسوا دیا تھا اگر پستول ہوتا تو اس کی وضاحت آسانی سے ہوجاتی۔ کلاشنکوف ممنوعہ اسلحے میں آتی ہے اور اس کا لائسنس عام دستیاب نہیں ہے صرف وی آئی پی حضرات کو ملتا ہے۔ میں اعتراف کر چکا تھا کہ میرے پاس لائسنس تھا جو ندی میں گر گیا ہے۔ یہ حماقت تھی اگر میں کہہ دیتا کہ کلاشنکوف میں چوکیدار سے کرائے پر لے کر گیا تھا تا کہ اپنا دفاع کر سکوں تو یہ شاید معقول بات ہوتی۔ مگر سر کی چوٹ نے شاید میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر اثر ڈالا تھا۔ میں نے کہا۔''چودھری صاحب آپ جانتے ہیں کہ کاروباری لوگوں کی دشمنیاں بھی ہوتی ہیں اور بندے کو اپنی حفاظت کے لیے ایسی چیزیں رکھنی پڑتی ہیں لیکن یہ صرف یہیں کی حد تک ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں گے لیکن بہرحال ایک لاش تو ہے اور آپ اسی کے پاس سے پکڑے گئے ہو۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔''اتنی آسانی سے چھٹکارا تو نہیں ملے گا۔''

''آپ جو چاہتے ہیں کھل کر کہیں۔'' میں نے کہا۔

''دس لاکھ روپے۔'' وہ ذرا جھک کر دھیمے لہجے میں بولا۔

''یہ بہت زیادہ ہیں۔ میں کاروباری ہوں کوئی جدی پشتی دولت مند نہیں ہوں۔''

''دس لاکھ سے ایک روپیا بھی کم نہیں ملک صاحب۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔''ہاں یا نہ میں جواب دو۔''

دس لاکھ مسئلہ نہیں تھے مگر میں اس کے منہ میں دس لاکھ ڈال دیتا تو وہ آگے پھر کوئی مسئلہ کھڑا سکتا تھا۔ اس لیے میں نے بھی اسی جیسا رویہ اپنایا۔''ٹھیک ہے دس لاکھ..... مگر اس کے بعد ایسا ہونا چاہیے جیسے میں یہاں کبھی آیا ہی نہیں تھا میرا نام نہ آئے اور نہ کہیں کوئی ذکر ہو۔''

''منظور ہے۔''

''رقم میرا وکیل لے کر آئے گا اور آگے وہی تم سے بات کرے گا۔''

''منظور ہے۔'' اس نے پھر جواب دیا۔

''مجھے کوئی موبائل دو، کاغذات بچانے کے چکر میں موبائل بھی پانی میں گر گیا اور ٹوٹ بھی گیا تھا اسے پھینک دیا تھا مگر سم میرے پرس میں ہے وہ بھی دو۔''

اس نے میرا پرس برآمد کیا اور اس میں موجود سم ایک کھٹارا سے موبائل کے ساتھ میرے حوالے کر دی۔ میں نے سم موبائل میں لگائی اور ندیم کا نمبر ملایا۔ اس نے پہلی بیل پر اٹھا لیا اور ہانپتے ہوئے بولا۔''تُو زندہ ہے۔''

''حسبِ معمول اور اللہ کے فضل سے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مارکو پولو کے گھوڑے، ابن بطوطہ کے خچر سنا ہے تُو آتے ہی دولتیاں جھاڑتا ہوا شمالی علاقے کی طرف بھاگ نکلا۔ اب کہاں ہے؟''

''تھانے میں۔'' میں نے کہا تو ندیم نے اتنا بلند بانگ قہقہہ مارا کہ تھانیدار نے بھی سنا۔

''مجھے معلوم تھا تیرا یہی انجام ہونا ہے ایک دن، جتھے دی کھوتی اوتھے آن کھلوتی۔''

''بکواس مت کر، یہاں ایک چودھری صاحب کرتا دھرتا ہے اور تین سو دو کے کیس میں مجھے شامل کرنا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی کچھ مغویہ کا معاملہ بھی ہے، مگر یہ زیر دفعہ دس لاکھ کے تحت بات ختم کرنے کو تیار ہیں۔''

ندیم سنجیدہ ہو گیا اس نے کہا۔ ''میری بات کرا۔''

میں نے موبائل سلمان چودھری کی طرف بڑھا دیا۔ پہلے تو ان دونوں میں گرما گرمی ہوئی کیونکہ دونوں نے اپنی اپنی اوقات جتانے کی کوشش کی پھر ذرا اعتدال میں آئے اور بالآخر نرمی سے بات کرنے لگے۔ جب بات قہقہوں اور گپ شپ تک آئی تو میں نے اشارے سے سلمان چودھری کو یاد دلایا کہ موبائل میں بیلنس بھی ہوتا ہے جو خرچ ہو جاتا ہے۔ بادلِ ناخواستہ اس نے موبائل میرے حوالے کیا اور ندیم نے کہا۔ ''میں نے سیٹنگ کر لی ہے تیرے کسی گھوڑے کو دوڑاتا ہوں۔ بارہ گھنٹے مزید یہاں رہ اور مزے کر۔''

''وہ تو کر رہا ہوں سر پھٹا ہوا ہے اور خون تک صاف نہیں ہوا ہے۔''

''سب ہو جائے گا، تُو بے فکر ہو جا، بندہ واقف کار نکل آیا ہے۔ بڑی حرامی چیز ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہر حال اب تیرے ساتھ کچھ نہیں ہوگا۔''

میں نے سم نکال کر موبائل اسے واپس کرنا چاہا تو اس نے کہا۔ ''رکھیں جی ہو سکتا ہے آنے والا ساتھی آپ سے رابطہ کرے۔''

ایک گھنٹے بعد میں مرہم پٹی کے بعد بیٹھا ہوا مرغ مسلم کے مزے اڑا رہا تھا۔ یہ دیسی مرغ تھا مگر کسی ماہر فن نے تلا تھا۔ اس کے ساتھ شمالی علاقے میں ملنے والی گاڑھے دہی جیسی لسی تھی۔ یہ میرا لنچ بھی تھا اور ڈنر بھی جو میں نے شام کے وقت کیا۔ خوش قسمتی سے میرا لباس صاف تھا اس لیے دوسرے کپڑوں کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مجھے ایک چارپائی دی گئی تھی اور کھانے کے بعد میں دو عدد پینا ڈول لے کر اس پر محوِ استراحت ہو گیا۔ اس دوران میں عبداللہ سے بات ہوئی تھی اور وہی رقم لے کر آ رہا تھا۔ میں نے احتیاطاً صرف کام کی بات کی اور وادی کے ایڈونچر کا ذکر کرنے سے گریز کیا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ صبح تک پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد میں سو گیا۔ رات کسی قدر سردی لگی مگر گزارا ہو گیا تھا۔ کھانے پینے کے ساتھ مجھے باقی سہولتیں بھی مہیا کی گئی تھیں مگر ہر جگہ ایک سپاہی میرے ساتھ لگا رہا۔ جیپ تھانے کے احاطے میں موجود تھی۔ خلاف توقع رات سکون سے گزری کیونکہ یہاں تفتیش دن میں ہو جاتی تھی۔

صبح فجر کی اذان پر آنکھ کھلی تو میں نے اٹھ کر سوتے سپاہی کو ہلایا اور اس سے وضو کرانے کو کہا۔ وہ مجھے تھانے کے باتھ روم تک لایا۔ وضو کر کے میں نے نماز پڑھی اور دوبارہ سو گیا۔ دل مطمئن تھا کہ آج اللہ نے نماز کی توفیق دی۔ پھر میری آنکھ سپاہی کے ہلانے سے کھلی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''اٹھ جائیں جی تھانیدار جی بلاتی ہے۔''

تھانیدار جی کو مرغ سے خاص دلچسپی تھی کیونکہ ناشتے میں بھی مرغ پراٹھے تھے۔ اس نے مجھے ناشتے پر مدعو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا تھا۔ مرغ پراٹھے، پھرلسی اور آخر میں شیرہ جیسی دودھ پتی کی چائے نے مزہ دیا۔ ندیم سے بات کرنے اور معاملہ طے پانے کے بعد سلمان چودھری کا رویہ بالکل بدل گیا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا ٹورزم کا بزنس کہاں تک پھیلا ہوا ہے اور میں اسے مزید کہاں تک پھیلانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا۔ ''ادھر سوات تک تو سارا بزنس تباہ ہو گیا تھا۔ اب کچھ رونق لگی ہے ورنہ دہشت گردی کے ڈر سے لوگوں نے آنا چھوڑ دیا تھا۔''

میں نے چوکیدار کے بارے میں کریدا تو اس نے مبہم انداز میں بتایا کہ اس کی لاش مقامی اسپتال پہنچا دی گئی تھی اور پوسٹ مارٹم کے بعد اسے لواحقین کے حوالے کر دیا جاتا۔ البتہ اس کی بیوی کا کچھ پتا نہیں تھا۔ اب مجھے ایک خدشہ ستانے لگا تھا کہ کہیں اگر پولیس والے ندی کے ساتھ ساتھ ہوتے وادی تک چلے گئے تو انہیں وہاں مزید کئی عدد لاشیں ہاتھ آجاتیں اس کے بعد میری گلوخلاصی پھر کھٹائی میں پڑ جاتی۔ اسے قاتل کی فکر نہیں تھی کیونکہ اس علاقے میں قاتل جلد یا بدیر پکڑا ہی جاتا ہے۔ چوکیدار کی لازمی کسی سے دشمنی تھی۔ اب یہ خاندانی تھی یا بیوی کی وجہ سے تھی کیونکہ اس کے قتل کے بعد وہ بھی غائب تھی۔ جیسا اس میں ملوث نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیے سلمان چودھری بھی کیس پر توجہ دینے کی بجائے جلد از جلد مجھ سے معاملہ کر لینا چاہتا تھا۔ ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا۔ کیونکہ اس کا امکان تھا کہ جلد وادی کی لاشیں مل جائیں گی اور پھر سلمان چودھری کا دھیان میری طرف جائے گا مگر اس کے پاس صرف ایک نام ہوگا۔ ندیم کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ وہ اس کا رخ کرتا تو ندیم خود اس کے گلے پڑ جاتا۔ البتہ میں راجا عمر دراز کا نام لے لیتا تو اس کے پاس ایک سرا ہوتا۔

عبداللہ نو بجے آیا۔ وہ مسلسل ڈرائیو کرتا رہا تھا اور تھکا ہوا تھا۔ مجھ سے گلے مل کر اس نے سلمان چودھری سے کہا۔ ''مجھے ندیم صاحب نے بھیجا ہے میں ان کا نائب اکرم چشتی ہوں۔''

عبداللہ نے روانی سے جھوٹ بولا اور میرے ایک دشمن کا نام لیا جو اتفاق سے ایس ایچ او کا بپٹی بھائی تھا۔ سلمان چودھری نے حریص نظروں سے اس کے ہاتھ میں موجود بیگ دیکھا۔ ''بسم اللہ جی۔''

''مجھے میرا سامان دیا جائے۔'' میں نے مطالبہ کیا۔ اس نے بلا حیل و حجت ہتھیار، ایمونیشن، پرس اور جیپ کی چابیاں سامنے رکھ دیں۔ میں نے پستول لے کر بیلٹ سے لگایا اور کلاشنکوف سامنے کر لی مگر دونوں بغیر گولیوں کے تھیں اس لیے سلمان چودھری مطمئن تھا۔ مزید اطمینان کے لیے باہر ایک مسلح سپاہی موجود تھا۔ عبداللہ نے بیگ اس کے سامنے رکھا۔

''اپنی تسلی کر لیں ایس ایچ او صاحب۔''

اس نے بیگ کھول کر دیکھا اور پھر اندر موجود ہزار کی گڈیوں کا جائزہ لیا۔ مطمئن ہو کر اس نے بیگ بند کر دیا۔ ''ٹھیک ہے ملک صاحب ڈیل ہو گئی۔''

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سر پھٹا، رات تھانے میں گزارنا پڑی اور دس لاکھ روپے بھی دیئے مگر میری پولیس سے جان چھوٹ گئی تھی۔ سلمان چودھری نے گرم جوشی سے رخصت کیا اور ساتھ ہی پیشکش بھی کی کہ اب میں جب یہاں سے گزروں تو اس کا مہمان ہوں گا اور اس کے تھانے کی حدود میں مجھے کوئی مسئلہ ہوا تو وہ ذمے دار ہوگا۔ باہر آتے ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ اب یہاں سے گزروں گا بھی نہیں۔ عبداللہ جس گاڑی میں آیا تھا یہاں آتے ہوئے اس نے اس کی نمبر پلیٹس بدل لی تھی اور واپسی کے سفر میں دوبارہ بدل لیتا۔ میں نے اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مختصراً حالات بتائے اور یہ بھی کہ فتح خان سے چھٹکارا مل گیا ہے۔ وہ خوش ہوا تھا کہ یہ قصہ بھی ختم ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ تفصیلات میں جاتا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''سب جلد از جلد اس علاقے سے نکل جاؤ اور ندیم سے کہنا کہ سلمان چودھری کی کال کے لیے تیار رہے اسے ٹوپی کرانی ہے۔''

''میں بتا دوں گا۔'' عبداللہ نے کہا اور مجھ سے گلے مل کر رخصت ہو گیا۔ جیپ ٹھیک ٹھاک حالت میں تھی۔ اس میں میرا سامان بھی جوں کا توں تھا۔ پرس والی رقم بھی گئی تھی اس لیے میں نے عبداللہ سے کوئی تیس ہزار روپے لیے تھے۔ اگرچہ خاص ضرورت نہیں تھی مگر کہیں کام بھی پڑ سکتا تھا۔ اس کے بعد میں ہر ممکن تیزی سے راجا عمر دراز کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبداللہ پہلے ہی مخالف سمت جا چکا تھا۔ دن کی تیز روشنی میں مجھے تیز رفتار ڈرائیونگ کرنے میں مدد ملی تھی اور دو گھنٹے بعد میں اس کچی سڑک تک پہنچ گیا تھا جو راجا عمر دراز کی وادی تک جاتی تھی۔ درے کو کراس کر کے میں نے وادی میں قدم رکھا جہاں میں برسوں پہلے آیا تھا۔ یہاں کے ایک مخلص رہائشی نے مجھے اپنا مہمان بنایا تھا اور ہینا اس کے معذور بوڑھے باپ کی تیسری بیوی تھی۔ اسی وادی سے میری مشکلوں کا آغاز ہوا تھا۔ اگرچہ مرشد اور نادر کا اس وادی سے کوئی تعلق نہیں تھا جو میری اور میرے ساتھیوں کی پُرسکون زندگی میں عذاب بن کر آئے تھے۔ مگر بہت سے معاملات کا تعلق تو یہیں سے تھا۔

وادی میں داخل ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ وہاں اب پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتری آئی تھی۔ اتفاق سے میرا جب بھی آنا ہوا تو بائی ائیر ہوا یا پھر رات کے وقت آیا گیا تھا اس لیے وادی کی حالت دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ آبادی تو اتنی ہی تھی اور لوگوں کا طرز زندگی بھی تقریباً وہی تھا یعنی گھٹے ہوئے ہوا بند گھروں میں رہنا، البتہ کھیتوں و باغات کی سرسبزی و شادابی میں اضافہ ہوا تھا۔ اب کھیت اور باغات پہاڑوں پر زیادہ اوپر تک چلے گئے تھے۔ پانی کی نالیوں میں اضافہ ہوا تھا اور مجھے کئی مقامات پر اسکول کی نئی عمارات نظر آئیں۔ جب میں راجا عمر دراز کے محل کی طرف جانے والی پختہ سڑک پر پہنچا تو اسے شاندار حالت میں پایا۔ یہ پتھروں اور سیمنٹ سے بنائی ہوئی بہت مضبوط سڑک تھی اور یقیناً مقامی کاوش سے تیار ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی کئی سڑکیں تھیں۔

محل سے ذرا نیچے ایک عمارت پر اسپتال اور ڈسپنسری کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہ خاصی بڑی ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے خوشنما بنگلے بھی بنے ہوئے تھے جو یقیناً یہاں کام کرنے والے ڈاکٹروں کے لیے تھے۔ یہ سب راجا عمر دراز نے کرایا تھا۔ محل کے گیٹ پر حسبِ معمول دو مقامی افراد گارڈ کی وردی میں مستعد موجود تھے۔ ان میں سے ایک اندر رہا اور دوسرا باہر آیا۔ میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا اور اس نے بھی شاید پہلی بار مجھے دیکھا تھا اس لیے ادب سے بولا۔ ''جی صیب آپ کا نام کیا ہے کس سے ملنا ہے؟''

''میرا نام شہباز ملک ہے اور مجھے راجا عمر دراز صاحب سے ملنا ہے۔''

اس نے اندر والے گارڈ کو بتایا اور خود مستعد ہو کر گیٹ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی لیکن جدید ماڈل کی ایس ایم جی تھی۔ چند منٹ بعد گیٹ کھلا اور گارڈ نے مجھ سے کہا۔ ''صاحب آپ وہ سفید عمارت تک جاؤ۔''

محل کی عمارت سرخ کھپریل والی تھی مگر اب دائیں طرف باغ کے ساتھ ایک چھوٹی سفید عمارت بھی بن گئی تھی۔ پتھروں اور سفید ہی رنگ کے کھپریل سے بنی چھت کی اس دو منزلہ عمارت کا رقبہ چھ سات مرلے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ نہیں تھا اور بہ ظاہر یہ گیسٹ ہاؤس جیسی لگ رہی تھی۔ میں نے جیپ اس کے سامنے روکی تو اندر سے ایک خادم برآمد ہوا جس نے راجا کے محل کے خادموں والی مخصوص یونیفارم پہن رکھی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور جب میں نیچے اترا تو اس نے پوچھا۔ ''جناب سامان ہے؟''

''ہاں پیچھے موجود ہے۔''

اس نے عقبی دروازہ کھول کر میرا بیگ نکال لیا۔ اسلحہ دیکھ کر وہ ٹھٹکا اور پھر اس نے بدستور ادب سے کہا۔ ''جناب یہاں کسی باہر سے آنے والے کو اسلحہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔''

میں پہلے ہی اس استقبال پر کھٹکا ہوا تھا اور اس کی یہ بات سن کر میرے اندر غصہ سرسرانے لگا۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں پہلی بار نہیں آیا ہوں اور میں نے ہمیشہ اپنا اسلحہ اپنے پاس رکھا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب لیکن اب اصول بدل گیا ہے۔ آپ کو یہ اسلحہ یہاں جمع کرانا ہوگا آپ کو واپسی میں مل جائے گا۔''

''اسلحہ جمع کرانے کی بجائے میں واپس جانے کو ترجیح دوں گا۔'' میں نے کہا۔ میرا غصہ بڑھنے لگا تھا۔ ''میرا بیگ واپس رکھ دو۔''

''جناب آپ غصہ نہ کریں۔'' اس نے عاجزی سے کہا۔ ''اچھا ایسا کریں آپ بیگ صاحب سے بات کر لیں۔''

''اگر بیگ صاحب کو مجھ سے بات کرنی ہوتی تو وہ خود یہاں موجود ہوتے۔'' میں نے کہا اور اس سے لے کر اپنا بیگ واپس جیپ کے عقبی حصے میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ راجا عمر دراز کے محل میں میرا استقبال یوں ہوگا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی کئی بار میرے ساتھ یہاں برا سلوک ہوا تھا مگر وہ حالات اور واقعات کی مناسبت سے تھا۔ مگر اس طرح میرا استقبال کبھی نہیں ہوا تھا کہ صرف ایک خادم مجھے ریسیو کرے اور مجھے ایک الگ تھلگ عمارت میں لے جایا جائے۔ جب میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا تھا تو میں نے خادم کو ایک چھوٹے دا کی ٹا کی نما آلے پر کسی سے بات کرتے پایا۔ میں نے جیپ موڑی اور گیٹ کی طرف روانہ ہو گیا مگر جب وہاں پہنچا تو گیٹ بند تھا اور میرے ہارن دینے پر بھی نہیں کھلا۔ یہ آٹو میٹک مشین سے کھلنے اور بند ہونے والا گیٹ تھا۔ پہلے یہ مینول ہوا کرتا تھا مگر اب اسے آٹو میٹک کر دیا گیا تھا۔ دوبارہ ہارن دینے پر چھوٹی سی چوکی سے گارڈ باہر آیا اور اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔

''جناب بیگ صاحب خود یہاں آ رہے ہیں۔ ان کی درخواست ہے کہ آپ ایک منٹ ان کا انتظار کر لیں۔''

''ٹھیک ہے لیکن ایک منٹ بعد یہ گیٹ کھل جانا چاہیے۔''

اس وقت میرا سر گرم ہو رہا تھا اور شاید چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ایک منٹ تو نہیں مگر دو منٹ بعد بیگ اپنا عبایا نما رنگین گاؤن لہراتا ہوا وہاں آن موجود ہوا اور اس نے مجھ سے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز صاحب پلیز میرے ساتھ آیئے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ نے جو بات کرنی ہے یہیں کر لیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان ملازموں کے سامنے۔''

''اب تک سب ملازموں کے سامنے ہی ہوا ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔''تو اب کیا مانع ہے بات کرنے میں ہے۔''

غالباً بیگ ملازموں کے سامنے معافی تلافی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ اس کی سبکی کا معاملہ تھا۔ مگر میرے ساتھ جو ہوا تھا اس کے بعد میں اسے اتنی آسانی سے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ ایک طرف لے جا کر مجھے منا لے گا مگر میں چاہتا تھا کہ وہ یہ کام سب کے سامنے کرے۔ بیگ کے چہرے پر مسکینیت تھی۔ اس نے پھر التجا آمیز نظروں سے دیکھا مگر میں سامنے دیکھنے لگا۔ بادلِ ناخواستہ اس نے کہا۔''شہباز صاحب آپ کو میری وجہ سے جو زحمت ہوئی ہے اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ واپس چلیں۔''

''ٹھیک ہے لیکن میں اس شرط پر واپس جاؤں گا کہ جلد از جلد راجا صاحب سے میری ملاقات کرا دی جائے میں صرف ان کی خیریت پوچھنے آیا ہوں۔''

''آپ اندر تو آیئے۔'' اس نے کہا اور میرے ساتھ والی سیٹ پر آ گیا۔ میں نے جیپ پھر واپس موڑی اور شکوہ کیا۔

''بیگ صاحب یہاں میرے ساتھ ہمیشہ غلط سلوک ہوتا ہے جب کہ راجا صاحب سے میرا خلوص عیاں ہے۔''

''میں جانتا ہوں اور اس کے لیے بھی معذرت خواہ ہوں۔'' بیگ نے حسبِ معمول محتاط انداز میں کہا۔ ''بعض اوقات طریقہ کار کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے مگر مقصود آپ کی تضحیک نہیں ہوتی ہے۔''

''اس بار مجھے اس عمارت تک لے جایا گیا ہے۔''

''یہ مہمانوں کے لیے بنی ہے۔'' اس نے صفائی پیش کی۔''محل میں جو گیسٹ ہاؤس ہے وہاں راجا صاحب کے کچھ رشتے دار مقیم ہیں اس لیے آپ کو یہاں بھیجا گیا اور کیونکہ آپ کی آمد غیر متوقع تھی اس لیے میں خود استقبال کے لیے نہ آ سکا۔''

''مجھ سے اسلحہ طلب کیا گیا جب کہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔''

''شہباز صاحب آپ جانتے ہیں کچھ عرصے سے راجا صاحب کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں اور ایک موقع پر یہاں آنے والے مہمان کا پستول غائب کر کے اس سے راجا صاحب کی جان لینے کی کوشش کی جا چکی ہے۔ اس کے بعد سے یہاں سوائے گارڈز کے کسی کو اسلحہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ حد یہ کہ میں بھی نہیں رکھ سکتا کیونکہ ہم گارڈز کی طرح ہمہ وقت اسلحہ اپنے پاس نہیں رکھتے ہیں اور اس کے چوری ہونے کا امکان ہوتا ہے۔''

ظاہر ہے یہ محل کا پروٹوکول تھا اور مجھے بھی اس کی پابندی کرنی تھی اس لیے اسلحہ بھی جمع کرانا تھا۔ میں نے جیپ اسی عمارت کے سامنے روکی وہی خادم منتظر تھا اس نے پیچھے سے بیگ اور میرا دوسرا سامان اٹھایا۔ میں نے پستول اپنے پاس رکھا اور کلاشنکوف بیگ کے حوالے کر دی۔ میں نے کہا۔''پستول چونکہ گھنٹے میرے پاس ہوتا ہے اور اس کے چوری یا گم ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

بیگ بادلِ ناخواستہ اس کے لیے آمادہ ہوا تھا۔ اس نے کہا۔''لیکن پستول سامنے نہ ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یوں معاملات سیٹ ہو گئے۔ ہم اندر آئے اور خادم نے ایک پُرتعیش قسم کے کمرے میں میرا بیگ رکھا اور مجھ سے چائے پانی کا پوچھا۔ بارہ بج رہے تھے ابھی لنچ میں وقت تھا۔ بیگ مجھ سے کچھ رسمی گفتگو کر کے رخصت ہو گیا مگر اس نے راجا عمر دراز سے میری ملاقات کے بارے میں بھاپ نہیں نکالی تھی اس معاملے میں اس کا رویہ حسبِ سابق تھا۔ میں نے خادم سے قہوہ لانے کو کہا اور خود بستر پر دراز ہو گیا۔ چند دن کی تھکن تھی جواب تک جسم میں موجود تھی۔ چند منٹ بعد قہوہ آ گیا اور ساتھ ہی خادم نے دریافت کیا۔ ''جناب آپ لنچ کب پسند کریں گے؟''

خادم کے پوچھنے سے ظاہر تھا کہ لنچ مجھے اکیلے کرنا تھا ورنہ مجھے وقت بتایا جاتا۔ ''ایک بجے اور یہیں کمرے میں۔''

اس نے سر ہلایا اور رخصت ہو گیا۔ قہوہ محل کا خاص مشروب تھا اور اسے پی کر طبیعت تازہ دم ہو جاتی تھی۔ میں نے بیگ سے دوسرے کپڑے نکال کر استری کروائے اور غسل کر کے جسم سے میل اتارا۔ تازہ دم ہوا تھا کہ لنچ ٹھیک ایک بجے آ گیا اور بہت پُرتکلف قسم کا تھا۔ میں نے اس سے بھرپور انصاف کیا۔ اس کے بعد فطری طور پر خمار طاری ہونے لگا۔ سونے سے پہلے میں نے عبداللہ کو کال کر کے اپنے خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع دینا چاہی تو پتا چلا کہ موبائل پر سگنل نہیں ہیں۔ مجھے یاد آیا کہ یہاں موبائل سروس نہیں ہے۔ محل میں تمام تر رابطہ لینڈ لائن فون، انٹرنیٹ اور سیٹلائٹ فون سے تھا۔ حالانکہ اس وادی کی اچھی خاصی آبادی تھی اور یہاں موبائل کی سروس ہونے چاہیے تھی کیونکہ یہاں بے شمار لوگ ملازمت کے لیے باہر گئے ہوئے تھے اور ان کا رابطہ موبائل سے ہی آسانی سے ہو سکتا تھا۔

میں اٹھ کر کال کرنے کا ارادہ کر کے سو گیا۔ میں تقریباً دو بجے سویا تھا۔ میں چھ سات بجے تک آرام سے جاگ جاتا۔ مجھے دن میں اس سے زیادہ سونے کی عادت نہیں تھی۔ مگر جب میری آنکھ کھلی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ میں حیران ہوا تھا کیونکہ مجھے دن میں اتنی طویل نیند کی عادت نہیں تھی اور نہ ہی تھکن اتنی زیادہ تھی کہ میں بے خبر سوتا رہتا۔ بہرحال ذہن اور جسم ہلکا ہو رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور بیل بجا کر خادم کو طلب کیا۔ اس بار دن والے خادم کی بجائے دوسرا خادم تھا۔ میں نے اس سے بیگ کے بارے میں پوچھا کہ براہِ راست راجا عمر دراز کے بارے میں پوچھنا پروٹوکول کے خلاف تھا۔ مگر اسے بیگ کے بارے میں علم نہیں تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تب بیگ صاحب کے بارے میں کیسے علم ہو؟''

''آپ انٹرکام سے ایک نمبر دبا کر پوچھ سکتے ہیں۔'' اس نے میری رہنمائی کی اور میں نے انٹرکام اٹھا کر ایک دبایا۔ دوسری طرف سے کسی سریلی آواز والی لڑکی نے پوچھا۔

''سر میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔''

''مجھے بیگ سے ملنا ہے۔''

''سوری سر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ سونے چلے گئے ہیں۔''

میں جھنجھلا گیا۔ ''تب میں راجا صاحب سے ملنا چاہوں گا۔''

''سر راجا صاحب سے ڈاکٹر نے ملاقات پر مکمل پابندی عائد کی ہوئی ہے۔'' آپریٹر نے جواب دیا۔ ''اس کے باوجود کوئی ان سے براہِ راست نہیں مل سکتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ سب میں پہلے سے جانتا تھا مگر اس وقت میں جھنجھلا رہا تھا اور پچھتا رہا تھا کہ مجھے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی اس سے اچھا تھا کہ میں حویلی چلا جاتا۔ بعض اوقات مروت بھی آدمی کو ذلیل کرا دیتی ہے۔ شاید میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ راجا عمر دراز مجھ سے ملنے کے لیے بے تاب ہوگا اور میں اس کے محل کے گیٹ میں بھی داخل نہیں ہوں گا اور وہ ملاقات کے لیے مجھے طلب کرے گا۔ مگر راجا تو دور کی بات تھا بیگ بھی دستیاب نہیں تھا۔ میں سوچتا رہا اور ٹہلتا رہا۔ دس بجے جب خادم نے ڈنر کی یاد دلائی تو میں نے اس سے کچھ ہلکا پھلکا لانے کو کہا۔ میرا باقاعدہ کھانے کا موڈ نہیں رہا تھا۔ اس نے سینڈوچز کا پوچھا۔ میں نے اس سے کلب سینڈوچز لانے کو کہا۔ کچھ دیر بعد وہ کلب سینڈوچز اور کافی لے آیا۔ سینڈوچز سے ڈنر بھگتا کر میں نے کافی پی اور پھر ٹہلنے لگا۔ میں نے سوچ لیا کہ اگر کل صبح ناشتے کے بعد بیگ نے راجا صاحب سے ملاقات کے حوالے سے مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تو میں واپس روانہ ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد میری ساری توجہ مرشد سے معاملات نمٹانے پر مرکوز رہے گی اور میں مزید کسی چکر میں نہیں پڑوں گا۔ اگر یہاں میرے لیے مشکلات کم نہیں ہوں گی تو میں دبئی شفٹ ہو جاؤں گا اور شادی کر کے سویرا کو بھی وہیں لے جاؤں گا۔ یہ فیصلہ کر کے میں پُرسکون ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اب میں راجا عمر دراز کا شکر گزار تھا کہ اس نے خود مجھے اس فیصلے پر پہنچنے میں مدد دی کہ اب میں اس کی کوئی احمقانہ بات تسلیم نہیں کروں گا۔

میں لیٹا اور سو گیا۔ ساری رات سوتے گزری اور صبح میری آنکھ دس بجے کے قریب کھلی تھی۔ مجھے تعجب ہوا کیونکہ میں اتنا سونے کا عادی نہیں تھا بہت تھکنے اور دیر تک جاگنے کے بعد بھی میں سات آٹھ گھنٹے کی نیند لے کر اٹھ جاتا تھا اس سے زیادہ دیر لیٹنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ رات کو ہلکا کھانے کی وجہ سے اس وقت میرے پیٹ میں بھوک کا جن انگڑائیاں لے رہا تھا اور اسے جلد کھانے کو کچھ چاہیے تھا۔ میرے ساتھ کچھ گڑبڑ تھی۔ شاید میں نے فتح خان کے ساتھ جو کیا تھا اس نے مجھے ذہنی طور پر ڈسٹرب کر دیا تھا۔ میں نے خادم کو بلانے کی بجائے انٹرکام پر ایک کا بٹن دبایا تو اسی سریلی آواز والی لڑکی نے جواب دیا۔ ''سر میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟''

میری جگہ کوئی ٹھرکی ہوتا تو اس کے اس انداز سے پوچھنے پر اپنی کئی ناتمام حسرتوں کو پورا کرنے کی فرمائش کر سکتا تھا۔ مگر میں نے صرف بیگ کی فرمائش کی۔ ''میں بیگ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''سوری سر وہ اب تک اپنی رہائش گاہ سے نہیں نکلے ہیں۔''

میں نے دل میں سوچا کہ وہ اب ساری عمر وہیں رہے اور انٹرکام رکھ دیا۔ خادم کو بلا کر اسے بھرپور ناشتا لانے کو کہا۔ میرا کل کا اتارا ہوا لباس دھل کر اور استری ہو کر سیلوفین میں پیک آ گیا تھا۔ میں نے اسے بیگ میں رکھا اور واش روم میں آیا۔ جب تک میں غسل سے فارغ ہوا ناشتا آ گیا تھا۔ میں نے اس سے انصاف کیا اور پھر خادم کو بلا کر اس سے کہا۔ ''مجھے روانہ ہونا ہے۔ میں نے یہاں آنے کے بعد جو رائفل جمع کرائی تھی اسے گیٹ پر بھجوا دو میں وہاں سے لے لوں گا۔''

''یہ کام بیگ صاحب کر سکتے ہیں۔'' اس نے ادب سے جواب دیا یہ کل دن والا خادم تھا۔ ''وہی اسلحہ لینے اور دینے کے مجاز ہیں۔''

راجا عمر دراز کے اس مجازی سیکرٹری نے صحیح معنوں میں میرا ناک میں دم کرنا شروع کر دیا تھا۔ میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رائفل اس کے پاس تھی اور وہ خود غائب تھا اپنے حجرہ خاص سے نکلنے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے پھر نمبر ون کو کال کی اور اس سے کہا۔ ''بیگ صاحب کی غیر موجودگی میں معاملات کون دیکھتا ہے؟''

''کوئی نہیں سر۔''

''اگر خدانا خواستہ بیگ صاحب دنیا سے اچانک پردہ فرما جائیں تو کیا تب بھی کوئی ان کی جگہ نہیں لے گا؟''

وہ بے ساختہ ہنسی اور بے ساختہ ہی رک گئی۔ غالباً اسے اپنی حرکت کا احساس ہوا تھا۔ ''سوری سر..... میں اس بارے میں کسی پروسیجر سے لاعلم ہوں۔''

''کیا میں انٹر کام پر راجا عمر دراز سے بات کر سکتا ہوں؟''

''سوری سر۔'' اس نے پھر کہا۔ ''یہ بھی ممکن نہیں ہے۔''

''یہ بھی ممکن نہیں ہے تو پھر کیا ممکن ہے وہی بتا دو۔'' میں بھنا گیا تھا۔ ''یہ راجا صاحب کا محل ہے یا پاکستان جس کا کوئی پُرسان حال ہی نہیں ہے۔''

''سر آپ جو کہہ رہے ہیں وہ میرے بس میں نہیں ہے۔ پلیز آپ کچھ دیر ویٹ کر لیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر ریسیور رکھ دیا اور اپنے لیے کیتلی سے تازہ چائے نکالنے لگا۔ سیکرٹری بیگ عمر میں راجا سے بڑا تھا اور وہ تھا بھی نحیف ونزار سا، اس لیے طبیعت کی خرابی انہونی نہیں تھی۔ مگر اس کا حال بھی ہمارے سیاست دانوں اور سرکاری بابوؤں جیسا ہے کہ جب تک دم میں دم ہے اختیارات نہیں چھوڑنا اور کسی کو جانشین بنانے کی کوشش بھی نہیں کرنی ہے۔ راجا عمر دراز کی طبیعت خرابی کی اطلاع جہاں ایک طرف تشویش ناک تھی وہیں مجھے یہ اطمینان بھی ہوا کہ فی الحال اس کی طرف سے کسی ایڈونچر کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وقت گزاری کے لیے میں باہر نکل آیا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹے میں یہاں شاید بارش ہوئی تھی کیونکہ پودے بہت صاف ستھرے ہو رہے تھے۔ ویسے تو یہاں مٹی شاذ ہی نظر آتی ہے مگر بارش کے بعد پودوں کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ الگ سے ہی محسوس کی جا سکتی ہے اور یہاں بھی ایسا ہی لگ رہا تھا۔

دو گھنٹے مزید گزر گئے اور میرے صبر کا پیمانہ ایک بار پھر لبریز ہونے لگا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ میں ایک ایسی رائفل کے چکر میں بیٹھا ہوا ہوں جو اصل میں میری نہیں تھی اور میں اس پر باآسانی لعنت بھیج کر یہاں سے جا سکتا تھا تو مجھے اب انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ راجا عمر دراز سے ملاقات نہ کرنے کا فیصلہ میں پہلے ہی کر چکا تھا۔ میں نے اندر آ کر اپنا بیگ اٹھایا تھا کہ خادم آ گیا۔ اس نے کہا۔ ''جناب بیگ صاحب آپ سے ملاقات کے منتظر ہیں۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ جب میں جانے والا تھا تو وہ آ گیا۔ بہرحال اب میں انکار تو نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس کے ساتھ روانہ ہوا اور محل کے اس حصے میں آیا جو دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ بیگ وہاں اپنے دفتر میں میرا منتظر تھا اور وہ چہرے سے سچ مچ بیمار لگ رہا تھا۔ میں نے مزاج پُرسی کی جسے اس نے ٹالنے والے انداز میں لیا اور بولا۔ ''معذرت شہباز صاحب، میں طبیعت خرابی کی وجہ سے کل جلد سونے چلا گیا تھا اور آج دیر سے آیا۔''

''اچھا ہوا آپ سے ملاقات ہو گئی کیونکہ میں جانے والا ہوں۔''

''اوہ۔'' اس نے کسی قدر مصنوعی سے انداز میں کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ راجا صاحب سے آپ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملاقات نہیں ہو سکی ویسے اگر آپ کل تک رک جائیں تو شاید ان کی حالت اتنی بہتر ہو جائے کہ وہ آپ سے ملاقات کر سکیں۔"

"بیگ صاحب، کیا آپ کھل کر مجھے راجا صاحب کی حالت بتا سکتے ہیں؟"

اس نے سر ہلایا۔"بدقسمتی سے کینسر اپنی جڑیں پھیلا رہا ہے اور افاقہ عارضی ثابت ہوا۔ ڈاکٹروں کے مطابق ان کے پاس وقت کم ہے اور شاید اب دو مہینے بھی نہیں ہیں۔"

"اوہ۔" مجھے افسوس ہونے لگا۔"لیکن اسلام آباد میں تو مجھے کچھ..... بتایا گیا تھا۔"

"وہ مجبوری تھی کیونکہ راجا صاحب خود رابطے میں تھے اور ان کے سامنے کوئی بھی ایسی بات نہیں کرتا جس سے ناامیدی جھلکے۔ ہم ہر جگہ یہی کہہ رہے تھے کہ راجا صاحب صحت یاب ہو رہے ہیں۔ مگر اس وقت میں آپ کے سامنے غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ اس وقت محل میں نہ صرف راجا صاحب کی تمام اولادیں بلکہ دور قریب کے تمام ہی رشتے دار موجود ہیں۔ جہاں تک آپ کا تعلق ہے تو آپ کی آمد سے صرف میں واقف ہوں کیونکہ باقی نہ تو آپ سے واقف ہیں اور نہ ہی وہ آپ کی حیثیت جانتے ہیں۔ اس لیے کسی سے ملاقات مناسب نہیں ہوگی۔"

میں نے سر ہلایا۔"میں اس اعتماد کے لیے شکر گزار ہوں۔ لیکن کیا راجا صاحب بھی میری آمد سے بے خبر ہیں۔"

"نہیں کل رات جانے سے پہلے میں نے انہیں آپ کی آمد کے بارے میں بتا دیا ہے۔ ڈاکٹرز نے صرف ایک گھنٹا ملاقات کی اجازت دی ہے۔ وہ بھی آدھے آدھے گھنٹے کے دو ادوار میں اور ہر دور میں کم سے کم چھ گھنٹے کا فرق لازمی قرار دیا ہے اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کی طبیعت کس حد تک نازک ہے۔"

"اب میں سمجھ رہا ہوں۔"

"تو کیا میں سمجھوں کہ آپ کل تک رکنے پر آمادہ ہیں؟" بیگ نے پُر امید لہجے میں پوچھا۔ مکمل وضاحت کے بعد اور پھر بیگ کے لہجے پر میرا دل پسیج گیا تھا اور میں نے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں کل تک دیکھ لیتا ہوں۔"

"میں ذاتی طور پر آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ بدقسمتی سے یہاں صرف میں اور راجا صاحب آپ کی اہمیت جانتے ہیں۔"

"میری کوئی اہمیت نہیں ہے یہ اوپر والے کی مہربانی کے بعد آپ لوگوں کا حسن ظن ہے۔" میں نے کہا۔

"یہاں موبائل سگنل کام نہیں کر رہے ہیں کیا میں لینڈ لائن سے اسلام آباد کال کر سکتا ہوں۔"

"بدقسمتی سے کل رات بارش کے دوران میں بجلی گرنے سے محل کے کمیونیکیشن ٹاور کو نقصان ہوا ہے اور فی الحال لینڈ لائن سمیت باہر سے تمام رابطے منقطع ہیں۔"

"لینڈ لائن بھی؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں کیونکہ بجلی گرنے سے وائرنگ جل گئی ہے اور اب پوری وائر پیچھے تک تبدیل ہوگی تب لائن ٹھیک ہو گی۔" اس نے جواب دیا۔"آج شکایت کرا دی ہے کل تک عملہ آ جائے گا۔"

"اور سیٹلائٹ فون؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"محل کے دو سیٹلائٹ فون دو دن سے مسلسل استعمال ہونے کی وجہ سے فی الحال ری چارج نہ ہونے کے باعث بند پڑے ہیں۔ مواصلاتی رابطہ نہیں ہے کہ ان کو ری چارج کے لیے کال کی جا سکے۔" بیگ نے اس کا بھی معقول جواب دیا۔ ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ یہ جوابات کہیں مجھے اسلام آباد رابطے سے روکنے کے لیے تو نہیں ہیں۔ مگر پھر میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ بیگ کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ کام کی بات ہو گئی تھی اس لیے میں اس کے پاس سے اٹھ گیا اور واپس مہمان خانے آ گیا۔ میرا ارادہ پھر بدل گیا تھا۔ یہ سارا دن بھی آرام کرتے گزرا تھا اور دوپہر کا کھانا کھا کر میں ایک بار پھر لمبی تان کر سو گیا تھا۔ جب جاگا تو شام کے سات بج رہے تھے۔ جسم سُست اور ذہن جیسے اونگھ میں تھا۔ کسی قدر سرد پانی سے غسل کے بعد میں چاک و چوبند ہوا مگر ایک بار پھر مجھے اپنی کیفیت پر تعجب ہوا تھا۔ میں نے نارمل حالات میں کبھی خود کو نیند کا اتنا رسیا اور سُست نہیں پایا تھا۔ ذہن کو چوکنا کرنے کے لیے میں نے چائے کی جگہ سیاہ کافی طلب کی اور اس سے میری حالت سچ مچ بہتر ہوئی تھی۔

میں باہر آیا تو موسم سرد ہو رہا تھا اور لان میں لائٹس روشن تھیں۔ محل میں جدید ترین لائٹس تھیں جن کے گرد لوہے کے تاروں کی باریک جالی تھی اور اندر خاص روشنی والے بلب روشن تھے۔ اڑنے والے کیڑے مکوڑے اس روشنی پر کھنچے آتے تھے اور لوہے کی باریک جالی سے ٹکرا کر کرنٹ سے مر جاتے تھے۔ جب وہ ٹکراتے تو ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز آتی اور جلتے لیمپ کی روشنی ذرا مدھم ہو جاتی تھی۔ کھلی جگہ پر ایسے کیڑوں کی کوئی کمی نہیں تھی اس لیے کسی نہ کسی طرف سے چرچرانے کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ باہر کے ملکوں میں دق کرنے والے کیڑوں اور خاص طور سے مچھروں سے نجات کے لیے اس قسم کے لیمپ عام ہیں مگر ہمارے ہاں اب تک باہر کی لائٹس میں ان کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالانکہ یہ مچھروں اور ان سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے سدِباب کا ایک آسان اور ماحول دوست طریقہ ہے۔ جب کہ اسپرے اور سلگنے والے تمام مچھر مار ماحول کو آلودہ کرتے ہیں اور جو لوگ ان کے قریب ہوتے ہیں ان کی صحت بھی متاثر ہوتی ہے۔

چہل قدمی کر کے میں واپس آیا تو ڈنر کا وقت ہو گیا تھا اور خادم نے اس بار بھی اکیلے ڈنر کی نوید سنائی۔ مگر بیگ مجھے بتا چکا تھا کہ محل میں موجود افراد میرے بارے میں بے خبر تھے۔ ڈنر کے بعد میں نے کافی کی بجائے چائے کا انتخاب کیا اور اس کے کچھ دیر بعد مجھے پھر جمائیاں آنے لگیں۔ میں فکر مند ہوا تھا مگر زیادہ نہیں ہو سکا کیونکہ آنکھیں بند ہوئیں اور میں سو گیا۔ اس بار میری آنکھ کھلی تو میں کچھ دیر بے حس اور سن کر دینے والی کیفیت میں رہا تھا۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی جیسے سلب ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ میرے سوچنے کی صلاحیت بحال ہوئی تو میں نے آس پاس دیکھا۔ میں اسی کمرے میں تھا۔ گھڑی میں صبح کے دس بج رہے تھے۔ لیکن نہیں یہ صبح کے نہیں رات کے دس بجے تھے۔ کیونکہ کھڑکی کے باہر اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ مجھے تعجب ہوا کہ کیا میں چوبیس گھنٹے سوتا رہا تھا؟ میرے ساتھ آخر ہو کیا رہا تھا؟

میں نے اٹھ کر انٹر کام اٹھایا تو اس سے ٹون نہیں آ رہی تھی۔ وہ مر چکا تھا پھر میں نے دروازہ کھولنا چاہا تو انکشاف ہوا کہ دروازہ بھی باہر سے بند تھا اور میں اسے اندر سے نہیں کھول سکتا تھا۔ دروازہ کھٹکھٹایا اور چلا کر آواز دی۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ دروازے سے مایوس ہو کر میں کھڑکی کی طرف آیا مگر اس سے باہر جانا بھی ممکن نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کیونکہ شیشوں کے باہر مضبوط فولادی گرل تھی۔ اینچ ہاتھ تھا اور اس سے بھی باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کل سے میرے اندر جو ایک وسوسہ سا ڈیرے ڈال رہا تھا وہ اچانک پوری طرح حقیقت بن کر سامنے آ گیا تھا۔ بیگ کا رویہ اور پھر ہر کھانے کے بعد نیند آنا اور میرا خوب سونا۔ یہ سب نارمل نہیں تھا۔ اگرچہ ایسا بھی نہیں تھا کہ مجھے شبہ ہوتا کہ کھانے میں کچھ شامل کر کے دیا گیا ہے۔ یہ سب بہت ہوشیاری اور پلاننگ سے کیا گیا تھا۔ یہاں موبائل میں سگنل نہیں تھے اور مجھے لینڈ لائن استعمال کرنے نہیں دی گئی۔ حالا [illegible] رہے تھے کہ بیگ نے اس بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ مگر کیوں کہا گیا تھا میں سمجھنے سے بالکل قاصر تھا۔ یہ تو دشمنی والا رویہ تھا اور میں اس جگہ رہنے والوں سے گمان میں بھی دشمنی کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے دوبارہ دروازہ بجانے کی کوشش نہیں کی۔ میرا پستول جو میں بیڈ کے ساتھ سائیڈ دراز میں رکھ کر لیٹا تھا وہ غائب تھا۔ یہی نہیں اس کمرے میں اب کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے میں ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتا۔ حد یہ کہ پھل کاٹنے والی چھری جو کل تک پھل والی ٹوکری کے ساتھ رکھی تھی اب وہ بھی غائب تھی۔ خود کو پُرسکون کرنے کے لیے میں نے سرد پانی سے منہ ہاتھ دھویا۔ دانت صاف کیے اور دوسری ضروریات سے فارغ ہوا۔ رفتہ رفتہ میرا دماغ سکون میں آنے لگا۔ میں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ میں یہاں قید ہوں اور کیوں قید ہوں؟ جلد یا بدیر اس کی وجہ سامنے آ جائے گی۔ میرے جذباتی ہو کر شور شرابا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ ہی میں ٹارزن یا ہرکولیس ہوں جو دروازہ توڑ کر یہاں سے نکل سکوں۔ اول تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں دروازہ توڑنے کے بعد بھی یہاں سے نکل سکوں۔ محل کی سکیورٹی کا مجھے اچھی طرح علم تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ سوتا رہا اور لازمی بات ہے کہ اس دوران میں بے ہوشی کا دورانیہ کسی طریقے سے بڑھایا گیا ہوگا کیونکہ نارمل حالت میں انسان کسی بھی دوا سے آٹھ گھنٹے سے زیادہ بے ہوش نہیں رہ سکتا اس دوران میں جسم دوا کا توڑ کر ہی لیتا ہے۔ اس لیے دوبارہ دوا دینا لازمی ہوگی۔ میں نے اپنے ہاتھوں کا جائزہ لیا مگر کوئی نشان نہیں تھا شاید مجھے گیس انجکشن سے دوا دی گئی تھی۔ یہ انجکشن کی جدید ترین قسم ہے اس میں سوئی نہیں ہوتی ہے بلکہ سرنج کا منہ سکے کی طرح چپٹا اور گول ہوتا ہے اسے جلد پر رکھ کر بٹن دبانے سے انجکشن کے پیچھے موجود نائیٹروجن گیس زبردست پریشر ڈالتی ہے اور اس پریشر سے دوا مساموں سے گزر کر براہ راست جسم اور خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ اس کا کوئی نشان نہیں پڑتا اور نس تلاش کرنے کی زحمت بھی نہیں کرنا پڑتی ہے صرف وہ خاص انجکشن جونس میں ہی دیئے جاتے ہیں وہ اس طریقے سے نہیں دیئے جا سکتے۔ نیند کی دوا کا انجکشن مسلز میں بھی دیا جا سکتا ہے جہاں سے یہ بتدریج خون میں شامل ہو جاتا ہے۔

دروازہ کھلا تو میں چونکا۔ سامنے سر سے پاؤں تک خاص لباس میں چھپے دو افراد کھڑے تھے اور انہوں نے ہاتھوں میں ٹیزر گن تھام رکھی تھی۔ یہ مغرب میں خاص پولیس اور ایجنسیوں کے افراد استعمال کرتے ہیں جب کسی ملزم کو زندہ پکڑنا ہو۔ وہ دونوں اپنے انداز سے بہت تربیت یافتہ لگ رہے تھے اور بیگ ان کے پیچھے تھا۔ میں کھڑا ہوا تو وہ دونوں چوکنا ہو گئے اور ان کی گنوں کا رخ میرے سینے کی طرف ہو گیا۔ میں نے بیگ کی طرف دیکھا۔ ''کیا میں اس رویے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''

''مجبوری۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''شہباز صاحب مجھے افسوس ہے مگر بعض حالات کی وجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آپ سے ایسا رویہ اختیار کرنا پڑا۔"

"حالات سے کیا مراد ہے، کیا آپ کا مرشد یا ڈیوڈ شا سے کوئی سمجھوتا ہو گیا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ "میں نے کہا ناں کہ مجبوری ہے اور آپ یہاں سے جانا ہو گا۔"

"میں خود یہاں سے جا رہا تھا تب مجھے کیوں روکا گیا؟"

"اس کی بھی وجہ ہے جو فی الحال بتائی نہیں جا سکتی مگر اب محل کے آدمی آپ کو اس علاقے سے باہر تک چھوڑ کر آئیں گے۔"

"شاید آپ یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ اب میں دوبارہ یہاں کا رخ نہ کروں؟" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"میں ایسی کوئی بات نہیں کہہ رہا۔" بیگ نے کہا اور ان دونوں کو اشارہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔ ٹیزر گنوں والے آگے آئے اور ایک نے ہتھکڑی نکالی۔

"سر یہ پہن لیں۔"

میں نے دونوں ہاتھ آگے کیے اور جیسے ہی اس نے ان میں ہتھکڑی ڈالنا چاہی میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھینچے اور اسے گھماتے ہوئے گردن سے جکڑ لیا۔ اسی لمحے دوسرے نے فائر کیا اور تار آ کر جکڑے آدمی کے سینے سے چپکا۔ اسی لمحے میں نے اسے چھوڑ دیا اس لیے مجھے معمولی سا جھٹکا لگا مگر وہ کرنٹ کا شکار ہو گیا اور نیچے گر کر لرزنے لگا۔ دوسرے نے بدحواس ہو کر جلدی سے پستول سے تار نکالا اور مجھ پر پھر فائر کرنے جا رہا تھا کہ میں نے تپائی اس پر کھینچ ماری۔ دوسرا فائر کہیں اور گیا۔ عام ٹیزر گن ایک ہی فائر کر سکتی ہے یا اسے جسم سے الگ کر بٹن دبانا پڑتا ہے مگر یہ رائفل قسم کی ٹیزر گن تھی جو کئی فائر کر سکتی تھی۔ تیسرے فائر سے پہلے میں نے بیٹھے ہوئے لات گھمائی اور وہ دھڑام سے نیچے گرا۔ اس حالت میں بھی اس نے گن نہیں چھوڑی اور پھر فائر کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں نے اگلی لات رائفل پر ماری اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر دیوار سے ٹکرائی۔

میں نے پہلے شکار کی رائفل اٹھائی اور اس کا رخ دوسرے کی طرف کیا تھا کہ کوئی چیز میرے سینے سے آ کر لگی اور مجھے شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا۔ میں نیچے گر کر بالکل اپنے شکار کے انداز میں لرزنے لگا۔ یہ کام بیگ نے کیا تھا اس کے پاس بھی گن تھی۔ جب میں اس کے گرگوں سے نمٹنے میں مصروف تھا تو اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ کام کیا جو ان دونوں سے نہیں ہو سکا تھا۔ شدید برقی صدمے نے میرے اعصاب شل کر دیئے تھے۔ دوسرے نے اٹھ کر جلدی سے میرے دونوں ہاتھ ہتھکڑیوں میں جکڑے۔ مزید گارڈز آ گئے تھے اور مجھے دونوں طرف سے پکڑ کر اٹھایا گیا اور چلاتے ہوئے لے جا کر کسی گاڑی کے عقبی حصے میں بٹھا دیا۔ اس وقت میں روبوٹ بنا ہوا تھا اور میری لگام دوسروں کے ہاتھ میں تھی۔ مجھ میں مزاحمت کی سکت نہیں تھی۔ پھر گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور روانہ ہو گئی۔

○.....❖.....○

رات کا وقت تھا اور سناٹے میں، میں نے ایک دوسری گاڑی کے انجن کی آواز بھی سنی۔ یہ میری جیپ تھی۔ وہ بھی ساتھ جا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چند منٹ بعد برقی صدمے کے آثار کم ہونے لگے اور رفتہ رفتہ میں سنبھل گیا مگر میں ظاہر یہی کر رہا تھا کہ ابھی تک شاک کی کیفیت میں ہوں۔ ایک گھنٹے بعد گاڑی رکی اور مجھے اس سے اتارا گیا تھا۔ حالات نے پلٹا کھایا تھا اس بار وہ لوگ مخالف کے روپ میں سامنے آئے تھے جنہیں میں نے ہمیشہ دوست اور مشفق پایا تھا۔ میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بحال تھی اور کچھ زیادہ ہی کام کر رہی تھی۔ اس لیے اس سفر کے دوران میں ایک ممکنہ مفروضے پر پہنچ گیا تھا کہ شاید راجا عمر دراز کی ضد نے بیگ اور خاندان کے باقی افراد کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور راجا عمر دراز کو مجبور کرنے کے ساتھ انہوں نے یہ کام بھی کیا کہ میرے ساتھ دشمنوں والا سلوک کر کے وہ راستہ ہی بند کر دیا جس سے گزر کر راجا اپنی خواہش پوری کر سکتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ مجھے جیپ میں بٹھا کر میری ہتھکڑیاں کھول دی گئی تھیں۔ میرا پستول، رائفل اور دوسری چیزیں جیپ میں پہلے ہی پہنچا دی گئی تھیں۔ مجھے جیپ میں بٹھا کر وہاں پہنچانے والے نے معذرت کی۔

''معاف کرنا صاحب ہم حکم کے ملازم ہیں کوئی گستاخی ہوئی ہو تو معاف کر دینا۔''

میں نے جواب نہیں دیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ حکم کا غلام تھا۔ اس کی ڈور بیگ اور راجا عمر دراز کے ہاتھ میں تھی۔ مجھے لانے والے تین افراد تھے اور انہوں نے مجھے راجا عمر دراز کے علاقے سے تقریباً باہر نکال دیا تھا۔ یہاں سے مجھے خود آگے جانا تھا۔ جیپ میں ڈیزل فل تھا اور میں آرام سے واپس اسلام آباد پہنچ سکتا تھا۔ وہ واپس اپنی گاڑی میں بیٹھے اور گھوم کر واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ عقب میں میرے بیگ کے ساتھ کھانے پینے کا ایک بنڈل اور اس کے ساتھ ایک لفافہ بھی تھا۔ میں نے اندر کی لائٹ آن کر کے لفافہ کھولا۔ اس میں ایک چھوٹا سا رقعہ تھا۔

''شہباز صاحب، اس سلوک کے لیے معذرت کا لفظ یقیناً چھوٹا ہے لیکن میں نے بتایا کہ میری مجبوری ہے اور میں زندگی میں کبھی اتنا مجبور نہیں ہوا۔ شاید وقت حقیقت آپ کے سامنے لے آئے۔ فقط، بیگ۔''

میں نے رقعہ مٹھی میں جکڑ لیا اور پھر جیپ سے کھانے پینے والا بنڈل نکال کر باہر سڑک پر رکھ دیا۔ میں اسے کھائی میں اچھال دینا چاہتا تھا مگر میرے دل میں رزق کا احترام ہے اس لیے میں چاہنے کے باوجود ایسا نہ کر سکا۔ میں نے یہاں رکھ دیا تھا کہ کسی غریب کا بھلا ہو جائے گا مگر میرے لیے اب راجا عمر دراز کا کھانا پینا ممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے جیپ آگے بڑھانے سے پہلے موبائل نکال کر چیک کرنا چاہا تو پتا چلا موبائل جیب میں نہیں ہے۔ میں نے اسے شاید سائیڈ دراز پر رکھ دیا تھا اور اسے اٹھایا نہیں تھا۔ ان لوگوں کو بھی خیال نہیں رہا جب کہ میری ہر چیز واپس رکھ دی تھی۔ حد یہ کہ اسلحہ بھی تھا۔ صرف موبائل رہ گیا تھا۔ میں نے گاڑی آگے بڑھائی۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ مگر طویل نیند کے بعد اب مجھے آرام کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی البتہ بھوک لگ رہی تھی کیونکہ چوبیس گھنٹے سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد جیپ ایک جھرنے کے پاس سے گزری تو میں نے پانی پیا۔ مگر صرف پیاس بجھانے کی حد تک۔

میں نے سوچا اور اس سڑک سے نہ گزرنے کا فیصلہ کیا جس پر وہ پولیس اسٹیشن تھا جہاں میں رات گزار چکا تھا اور عین ممکن تھا کہ وادی میں لاشیں ملنے کے بعد میری تلاش پھر سے شروع ہو چکی ہو۔ اس لیے اس علاقے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دور رہنا ہی مناسب تھا۔ مگر سیدھی اور صاف سڑک یہی تھی اس کے علاوہ باقی سڑکیں بہت خراب اور بس گزرے لائق تھیں۔ بعض مقامات پر تو سڑک ہی غائب ہوتی تھی اور کچے راستے پر سفر کرنا پڑتا تھا۔ میں نے متبادل سڑک پر مڑنے کے بعد خراب حصہ آتے ہی پڑاؤ ڈال دیا کیونکہ اب سفر کرنا بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے جیپ محفوظ جگہ روک کر بیگ سے جیکٹ نکال کر پہن لی۔ سردی کا یہی علاج تھا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ پھر سیٹ جہاں تک ہو سکی پیچھے کی اور نیم دراز ہو کر آرام کرنے لگا۔ نیند نہیں آ رہی تھی مگر اونگھ آنے لگی۔

اچانک مجھے لگا کہ کوئی عورت ہنسی ہو۔ میں چونک کر بیدار ہوا۔ مگر اب ہنسی رک گئی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ آواز سچ مچ آئی تھی یا پھر میرا وہم تھا۔ بعض اوقات ان ویرانوں میں ہوائیں ایسی چلتی ہیں کہ ان پر ایسی ہی انسانی آوازوں کا گماں ہوتا ہے۔ مگر چند لمحے بعد ہنسی کی آواز پھر آئی اور یہ بالکل واضح تھی۔ کوئی عورت بڑے دل سے ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی میں خوشی اور جذبات کی کیفیت بالکل نمایاں تھی۔ میں چوکنا ہو گیا اور پستول نکالتے ہوئے آس پاس کا جائزہ لیا مگر ہلکی چاندنی میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس ہنسی نے ایک پرانی یاد تازہ کر دی جب میں حویلی سے فرار ہو رہا تھا اور راستے میں نہر کے ساتھ گزر رہا تھا تب ایسی ہی ہنسی نے مجھ پر خوف طاری کر دیا تھا۔ ذہن میں چڑیلوں کے قصے تازہ ہو گئے تھے مگر قصہ مختصر یہ نکلا کہ کوئی جوڑا گھر والوں سے چھپ کر نہر کے ساتھ جھاڑیوں میں منہ کالا کر رہا تھا۔ کیا اس بار بھی وہی چکر تھا۔

میں آہستہ سے نیچے اتر آیا۔ آواز ڈھلان کی طرف سے آئی تھی مگر یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا پہاڑوں میں آواز اس طرح گونجتی ہے کہ سمت کا تعین ذرا دشوار ہو جاتا ہے میں ایک درخت تک آیا اور اس سے ٹک کر آواز کے پھر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر اس بار آواز نہیں آئی بلکہ وہ خود آئی اور اس طرح آئی کہ میں دم بخود رہ گیا۔ وہ سامنے سڑک سے نمودار ہوئی اور ہلکی چاندنی میں اس کا چاندنی جیسا بدن یوں دمک رہا تھا کہ وہ مجسم چاندنی کی بنی ہوئی لگ رہی تھی۔ یہ تشبیہ یوں دینا پڑی کہ اس کے بدن ایک سفید باریک کپڑے کا ایسا لباس تھا جس کے آر پار آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس لباس میں اس کا ایک ایک انگ یوں نمایاں تھا کہ دیکھنے کے لیے ذرا بھی زحمت کرنا نہیں پڑ رہی تھی۔ اس کے سنہری بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ عجیب سے انداز میں چلتی ہوئی جیپ کی طرف آ رہی تھی اس کی چال کو بیک وقت رقص اور کیٹ واک سمجھا جا سکتا تھا۔ وہ چلتی ہوئی جیپ تک آئی اور اس کے بونٹ پر سر جھکاتے ہوئے پھر اسی انداز میں ہنسی۔ تب مجھے لگا وہ نشے میں تھی۔ پھر اس نے سر گھما کر بہت دعوت انگیز انداز میں میری طرف دیکھا اور بوجھل لہجے میں بولی۔

''ادھر کیا کرتا ہے میرے پاس آ..... نا۔''

کوئی زاہد خشک بھی اس کی اس آفر کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں تو سرے سے کوئی دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔ اب تک میں اگر اس قسم کی ترغیبات سے بچتا آیا تھا تو یہ صرف اللہ کا کرم اور توفیق تھی کہ اس نے مجھے گناہ سے محفوظ رکھا۔ سچی بات ہے اس کی بات اور لہجے پر میرا جسم سنسنا گیا تھا اور رگوں میں خون کی روانی تیز ہو گئی تھی۔ صرف جسم ہی نہیں اس کا چہرہ بھی حسین ترین تھا۔ اوپر سے اس کی ادائیں اور آوازیں۔ لیکن میں جن حالات سے گزر رہا تھا اس وقت میں اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ میں پستول آگے رکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے پستول کی طرف ایک لمحے کو نہیں دیکھا تھا، براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ میں نے پاس جا کر دھیمی آواز میں پوچھا۔

''کون ہو تم؟''

''تجھے کیا نظر آتی ہوں؟'' اس نے اٹھلا کر پوچھا تو اس کے گداز بدن میں لہریں سی پیدا ہوئی تھیں۔ میں نے بہ مشکل نظر کو بھٹکنے سے روکا اور پستول اس کی گردن سے لگا کر دبایا تو اس نے گردن اوپر کر لی۔ یہ ایک اور مصیبت تھی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جن کی ہر حرکت دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتی ہے۔ مجھے ایک بار پھر نظروں کو روکنا پڑا تھا اور میں نے درشت لہجے میں کہا۔

''فضول باتیں مت کر، تُو اس حلیے میں اور اس وقت یہاں کیا کر رہی ہے۔''

''تُو بتا کیا کر سکتی ہوں؟'' اس نے ایک بار پھر خود کو نمایاں کیا تھا۔

''تیرے ساتھ اور کون ہے؟''

''بس میں ہوں۔'' اس نے پھر ایک ادا سے کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس قسم کی عورت کا اکیلے وجود کم سے کم اس علاقے میں ممکن نہیں تھا۔ ہمارے ہاں کوئی عورت چاہے وہ کتنی ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو۔ اس حلیے میں باہر نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتی ہے۔ شہلا رضوی سچ مچ بہت آزاد خیال تھی اور اس کا لباس واہیاتی حدوں کو چھوتا تھا مگر باہر نکلتے ہوئے وہ بھی خود کو ڈھک لیتی تھی۔ یہ عورت یہاں اکیلی نہیں تھی بلکہ کسی دوسرے کی موجودگی بھی لازمی تھی۔ یہ کسی چکر میں تھی۔ میں سوچ میں تھا اور ساتھ ہی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک میں نے اسے خاصی زور کا تھپڑ مارا اور وہ الٹ کر سڑک پر جا گری تھی۔ اسی لمحے چاروں طرف سے آہٹیں سنائی دیں اور چند سیکنڈ سے بھی پہلے مجھے تین عدد حلیے سے خطرناک نظر آنے والے مسلح افراد نے گھیر لیا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں خودکار رائفلیں تھیں۔ ایک گھنی داڑھی والے نے گرج کر کہا۔

''تیری جرأت کیسے ہوئی اسے ہاتھ لگانے کی؟''

''کیوں کیا یہ تمہاری بیوی ہے؟'' میں نے پوچھا۔ وہ میرے سامنے تھا اور باقی دو دائیں بائیں سے آئے تھے۔ عورت کو یقیناً چکر آ گیا تھا۔ وہ سنبھل کر اٹھ رہی تھی اور پھر اس نے داڑھی والے سے کہا۔

''شیر خان اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے اس کے ہاتھ توڑ دے۔'' عورت کہتے ہوئے میرے اور شیر خان کے درمیان میں آئی تھی اور میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر شیر خان پر گولی چلا دی۔ گولی عورت کے پاس سے گزر کر اس کے بازو پر لگی تھی۔ فائر کے ساتھ ہی میں جھکا اور گھوم کر جیپ کے پیچھے آ گیا۔ مجھے ڈھلان کی طرف سے آنے والے سے خطرہ تھا میں اس کی زد میں تھا مگر اس نے کسی قدر تاخیر سے فائر کیا اور گولی جیپ پر آ کر لگی تھی۔ آڑ میں آتے ہی میں نے جوابی فائر کیا تو وہ عجلت میں بھاگ کر ڈھلان سے اتر گیا۔ وہ اتنی تیزی سے گیا کہ مجھے لگا وہ نیچے ہی لڑھک گیا ہوگا۔ اوپر کی طرف سے آنے والا جیپ کے دوسری طرف تھا اور وہ میری سمت بے سود فائر کر رہا تھا کیونکہ میں مکمل طور پر آڑ میں تھا۔ شیر خان اور عورت بھی بھاگ رہے تھے۔ اس وقت عورت رقص نما چال بھول گئی تھی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا چاہتی تھی مگر اس کا میکسی نما لباس رکاوٹ بن رہا تھا۔ شیر خان نے بلا تکلف اسے کھینچ کر رانوں تک کیا اور تیز دوڑنے لگی۔ میں نے ڈرانے کے لیے ان کی طرف دو فائر اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیے اور پھر پیچھے کی طرف سے جیپ میں گھسا۔ سر نیچے رکھتے ہوئے میں نے چابی لگا کر انجن اسٹارٹ کیا۔ ڈیزل انجن کی وجہ سے انجن جلدی اسٹارٹ نہیں ہوا۔ یہ گرم ہونے پر ہی اسٹارٹ ہوتا۔ میں نے چابی دبا کر رکھی اور بالآخر انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ میں نے پیچھے کا گیئر لگایا اور جیپ پیچھے لے جانے لگا۔ سامنے سے برسٹ آیا اور کچھ گولیاں بونٹ سے پھسل کر گزر گئیں۔ ونڈ اسکرین بچ گئی تھی مگر دوسرے برسٹ نے اگلے دونوں وہیل برسٹ کر دیئے اور جیپ آگے کی طرف بیٹھ گئی۔ میرے منہ سے ناگفتنی نکل گئی تھی۔

ایک تو میری قسمت ایسی تھی کہ جب پرانے دشمن ذرا سانس لینے کا موقع دیتے تو کوئی نہ کوئی نیا دشمن آجاتا جو بلاوجہ گلے پڑ جاتا۔ یہ لوگ بھی کچھ ایسے ہی لگ رہے تھے۔ عورت کے انداز سے لگ رہا تھا کہ یہ لٹیروں کا کوئی گروہ تھا۔ عورت اپنے حسن کا جادو چلا کر مسافروں کو روک لیتی ہوگی اور پھر یہ لوگ آکر اسے اس کی حسن پرستی کی سزا دیتے ہوں گے۔ بہت سے شریف مارکھا جاتے ہوں گے۔ میں تو پہلے ہی رکا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ مجھے غیر ملکی لگے تھے۔ خاص طور سے عورت کے نقوش اور بالوں کا رنگ ہمارے ہاں نظر نہیں آتا ہے وہ شاید یورپ یا روس سے تعلق رکھتی تھی۔ جیپ بیکار ہو گئی تھی۔ میں نے اپنا بیگ لیا۔ اس میں سے کلاشنکوف نکالی اور پیچھے سے نیچے اترا اور اوپری ڈھلان پر چڑھ گیا۔ اسی جگہ میں ان لوگوں سے محفوظ رہ سکتا تھا جو خود کار ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

جیپ ناکارہ کرنے کے بعد ان لوگوں کی طرف سے فائرنگ رک گئی تھی۔ مگر وہ بھاگے نہیں تھے بلکہ یہیں کہیں موجود تھے۔ چاند مغربی افق کی طرف جھک رہا تھا اور گزشتہ تین دن میں مزید چھوٹا ہو گیا تھا اس کی روشنی بس تاروں سے کچھ ہی بہتر تھی۔ اس لیے ڈھلان پر تو کچھ نظر نہیں آرہا تھا البتہ سڑک نمایاں تھی۔ میں دبے قدموں اس طرف بڑھنے لگا جہاں ان کی موجودگی کا امکان تھا۔ اگرچہ یہ آہیل مجھے مار کہنے والی بات تھی مجھے مخالف سمت کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ مگر میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ لوگ موجود تھے اور میرے خلاف مزید کیا ارادہ رکھتے تھے؟ میں دبے قدموں چل رہا تھا اور تقریباً پچاس گز کے بعد مجھے کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ شیر خان ہی ہو سکتا تھا جس کے بازو میں گولی لگی تھی۔ پھر میں نے عورت کی آواز سنی۔ ''مجھے پٹی باندھنے دو خون بہہ رہا ہے۔''

''چھوڑو۔'' شیر خان غرایا۔ ''میں اس کو چھوڑوں گا نہیں۔''

''مجھے یہ شخص خطرناک لگ رہا ہے۔'' عورت کی سہمی آواز آئی۔ ''یہ نہ تو مجھ سے متاثر ہوا اور نہ ہی تم لوگوں سے ڈرا۔''

''چپ کر۔'' شیر خان نے اسے پھٹکارا۔ اب میں نے عورت کی آواز سنی تو مجھے لگا کہ وہ سچ مچ غیر ملکی ہے۔ ''اسے پکڑنا ہے ورنہ پارٹی کو کیا جواب دے گا؟''

میں چونکا تھا۔ یہاں کوئی پارٹی نکل آئی تھی۔ میرا اندازہ غلط تھا۔ وہ لٹیرے نہیں تھے بلکہ کسی کے لیے انہوں نے مجھے روکا تھا۔ البتہ طریقہ نہایت احمقانہ تھا۔ شاید میری فرمائش کرنے والوں نے انہیں میرے بارے میں بریف نہیں کیا تھا ورنہ شاید وہ اس عورت کو یوں استعمال نہ کرتے۔ اس کی بجائے وہ مجھے سوتے میں خاموشی سے ہینڈز اَپ کرا لیتے تو میں ان کے قابو میں آجاتا۔ مجھے پہلے بیگ کا خیال آیا مگر اسے ایسا کرنے کی ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں تھی۔ اس نے عملاً بہت بے آبرو کر کے راجا کے کوچہ محل سے رخصت کیا تھا۔ یہ کوئی اور پارٹی تھی۔ فتح خان کے آدمی خود ان سے کم نہیں تھے یعنی انہیں کسی کو ہائر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر کون رہ جاتا تھا۔ مرشد سے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی تیزی سے حرکت میں آئے گا۔ مگر کیا کہا جا سکتا تھا ہو سکتا ہے کہ مرشد نے سچ مچ اس ٹولے کو ہائر کر لیا ہو کیونکہ اس کے اپنے بدمعاش دنیا سے جا چکے تھے اور اسے افراد کی کمی کا سامنا تھا۔

میری نظر تاریکی سے مانوس ہوئی تو میں نے شیر خان اور عورت کو دیکھا۔ وہ اس کے بازو کی مرہم پٹی کر رہی تھی اور اس کے لیے اس نے اپنے لباس سے ایک پٹی الگ کر لی تھی۔ فی الحال اس کے اوپری جسم پر ایک ہلکی جیکٹ نظر آ رہی تھی۔ ستر پوشی سے زیادہ سردی سے بچاؤ کے لیے جیکٹ لی تھی۔ ورنہ نچلا حصہ بدستور عریاں تھا۔ ان کے دونوں ساتھی غائب تھے اور وہ غالباً سڑک پر میرے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ جب میں نے شیر خان پر فائر کیا اور وہ بھاگا تو ڈھلان سے آنے والے نے مجھ پر جو فائر کیا وہ خاصی دور سے گزر گیا تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ نشانہ خطا گیا ہے مگر اب سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ مجھے مارنے یا لوٹنے نہیں بلکہ پکڑنے آئے تھے اور اسی لیے بچا کر صرف ڈرانے کے لیے فائر کیا تھا۔ بازو پر پٹی بندھوا کر شیر خان کھڑا ہو گیا اس نے عورت سے کہا۔ ''زینی تُو یہیں رک، ہم اسے گھیرتے ہیں۔''

زینی وہیں رک گئی اور شیر خان ڈھلان سے اتر گیا۔ زینی ایک درخت سے ٹیک لگا کر سٹ کر بیٹھ گئی تھی اسے یقیناً سردی لگ رہی تھی۔ یہ جگہ بلند تھی یا پھر گزشتہ روز ہونے والی بارش کا اثر تھا سردی اچھی خاصی ہو گئی تھی۔ شیر خان کے جانے کے بعد میں دبے قدموں زینی کی طرف بڑھا اور عقب سے آتے ہوئے میں نے اوپر سے اس کے سر پر کلاشنکوف کی نال لگائی اور دھیمے لہجے میں بولا۔ ''آواز نہ نکلے۔''

وہ ساکت ہو گئی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تم بیکار کوشش کر رہے ہو ہم صرف چار نہیں ہیں اور بھی آدمی ہیں۔''

''تب تم لوگوں سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہے۔ مجھے آرام سے گھیر کر پکڑ لیتے تمہیں کیٹ واک کرانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''پتا نہیں یہ شیر خان کا پلان تھا؟'' وہ بولی ہم سرگوشی میں بات کر رہے تھے اور اس نے آواز بلند کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس بار میں نے اس کا لہجہ سمجھ لیا اور پوچھا۔

''تم رشین ہو؟''

''جارجین۔'' اس نے جواب دیا۔

''او کے شیر خان اور اس کے ساتھی کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔''

''ہم اپنے لیے کام کرتے ہیں۔''

''میرا مطلب ہے کہ میرے لیے کس نے تمہیں ہائر کیا ہے؟''

''یہ بات شیر خان جانتا ہے۔''

''تم لوگ مجرم ہو؟''

''تم جو چاہے سمجھو۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ ویسے وہ خوفزدہ نہیں تھی۔ اچانک میرے سر سے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیز آ کر لگی اور پھر شیر خان کی آواز آئی۔

''باقی میں بتاؤں گا۔''

○.....❖.....○

ابھی شیر خان کی رائفل سر پر موجود تھی کہ سامنے سے ٹارچ کی روشنی مجھ پر پڑی تھی۔ پھر دوسری ٹارچ آن ہوئی۔ میں ہر طرف سے گھر گیا تھا۔ زینی مجھ سے ذرا دور سرک کر کھڑی ہوئی تو روشنی میں اس کی سڈول لمبی ٹانگیں نمایاں ہوئیں اور میں اس حالت میں بھی لاحول پڑھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ شیر خان نے حکم دیا۔ ''ہتھیار آرام سے آگے ڈال دو جلد بازی مت کرنا۔''

''اگر میں جلد بازی کروں اور تم مجھے شوٹ کر دو تو ان لوگوں کو کیا جواب دو گے جنہوں نے مجھے زندہ سلامت لانے کو کہا ہے؟''

''انہوں نے ہم سے اپنی جان کی قیمت پر زندہ لانے کو نہیں کہا ہے۔ اگر ہمیں خطرہ ہوا تو ہم گولی چلانے میں دیر نہیں کریں گے۔'' شیر خان بولا۔ ''ہتھیار پھینک دو۔''

اس بار میں نے رائفل پھینک دی۔ ''مزید کوئی حکم؟''

''تمہارے پاس پستول بھی ہے۔''

''وہ جیکٹ میں ہے خود نکال لو۔''

شیر خان نے مجھے ٹٹولا اور جیکٹ سے پستول نکال لیا۔ اس نے میری مزید تلاشی لی اور باقی سب چیزیں بھی نکال لیں۔ زخمی ہونے کے باوجود اس کا دم خم قابلِ تعریف تھا۔ شاید گولی اس کے بازو کو چھوتی گزر گئی تھی۔ ورنہ وہ اتنے سکون میں نہ ہوتا۔ میں نے کہا۔ ''بقول اس خاتون کے تمہارے ساتھ اور افراد بھی ہیں تو تم نے مجھے اتنے گھٹیا انداز میں گرفتار کرنے کی کوشش کیوں کی؟''

''ہم بس چار ہی لوگ ہیں۔'' شیر خان نے آہستہ سے کہا۔ ''ہاں یہ غلطی کی مگر بہرحال تم قابو میں آ ہی گئے۔ اب اپنے ہاتھ پیچھے کرو۔''

میں نے ہاتھ پیچھے کیے تو اس نے پلاسٹک تار کی کس جانے والی ہتھکڑی سے میرے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ شیر خان لہجے سے نہ تو قبائلی لگ رہا تھا اور نہ ہی اس طرف کا رہنے والا۔ البتہ اس نے حلیہ ضرور ایسا بنایا ہوا تھا۔ اس نے ڈھیلی شلوار قمیص اور اوپر پگڑی پہنی ہوئی تھی۔ اس کے باقی دو ساتھیوں کا حلیہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ مجھے بے بس کرنے کے بعد ان میں سے ایک کہیں گیا اور چند منٹ بعد ایک بیجیرو جیپ کے ساتھ نمودار ہوا۔ مجھے بازو سے پکڑ کر نیچے لایا گیا اور جیپ کے پچھلے حصے میں بٹھا دیا گیا۔ دو میرے دائیں بائیں آ گئے۔ شیر خان نے فرنٹ سیٹ سنبھالی اور ڈرائیونگ زینی کے حصے میں آئی جو بدستور اسی حلیے میں تھی۔ یہ لوگ مادر پدر آزاد لگ رہے تھے۔ البتہ سردی سے بچنے کے لیے اس نے ایک شال لے لی تھی۔ میرا اسلحہ اور دوسرا سامان انہوں نے میری ناکارہ ہو جانے والی جیپ میں ڈال دیا تھا۔ میں اپنے ہاتھوں کی بندش کی مضبوطی کا اندازہ کر رہا تھا اور جلد میں نے محسوس کر لیا کہ اسے کھولنا ممکن نہیں تھا زور لگانے سے یہ میری کلائیوں میں گڑ رہی تھی۔ اس کی بندش ویسے ہی بہت سخت تھی اور ذرا سی دیر میں خون رکنے لگا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

ان کا رخ نیچے کی طرف تھا یعنی وہ میدانی علاقے کی طرف جا رہے تھے مگر کیا کہا جا سکتا تھا۔ اس دشوار گزار علاقے میں بعض اوقات شمال کی طرف جانے کے لیے کئی بار جنوب کا رخ بھی کرنا پڑتا تھا کیونکہ سڑکیں اور راستے نایاب تھے۔ گنتی کی چند سڑکیں ہیں جو اس پورے علاقے کو آپس میں ملاتی ہیں۔ ہم الائی سے کچھ ہی دور تھے۔ یہاں سے جیپ مغرب کی طرف مڑ گئی۔ یہ سڑک مینگورہ کی طرف بھی جاتی تھی اور اگر اس پر دائیں طرف مڑ جاتے تو چترال کی طرف بھی جا سکتے تھے۔ صبح قریب تھی۔ میں ایک بجے سویا تھا اور ساڑھے تین بجے اٹھ گیا تھا۔ اس کے بعد یہ چکر شروع ہوا اور اسے بھی اب ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا تھا۔ مشرقی افق پر سفیدی نمودار ہو رہی تھی۔ میرے سوال کا کوئی جواب نہیں ملا۔ اب ان لوگوں کا رویہ بہت پروفیشنل لگ رہا تھا۔ ذرا دیر میں روشنی ہونے لگی۔

میں سیٹ سے سر ٹکائے بہ ظاہر آرام کر رہا تھا مگر نیم وا آنکھوں سے آس پاس کے مناظر دیکھ رہا تھا تاکہ مجھے معلوم رہے کہ یہ مجھے کہاں لے جا رہے تھے۔ چھ بجے ہم اس سڑک پر آ گئے جس کے ایک طرف مینگورہ تھا اور دوسری طرف چترال کو راستہ جاتا تھا۔ جیپ دوسری سمت مڑ گئی۔ گویا یہ مزید شمال کی طرف جا رہے تھے۔ میں کسی قدر مشکل میں تھا کہ ہاتھ پیچھے بندھے ہونے کی وجہ سے میں پوری پشت نہیں لگا سکتا تھا اور نہ ہی آرام دہ طریقے سے بیٹھ سکتا تھا۔ دو گھنٹے کے سفر میں میرے بازو اکڑ گئے تھے۔ ان لوگوں سے پوچھنا بیکار تھا وہ اپنی منزل پر پہنچ کر ہی رکتے۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ مرشد یا کوئی اور دشمن نہیں ہو سکتا تھا جو مجھے یوں اٹھواتا۔ پھر اس طرف جانے کا کیا جواز تھا۔ یہ کوئی اور ہی چکر تھا۔ مجھے کرنل عبدالرحمٰن کا خیال آیا۔ کیونکہ وہ ایک بار اسی علاقے میں مجھے بلوا کر بھارتیوں کے حوالے کر چکا تھا۔ مگر اس سے میرا اب کوئی تنازعہ نہیں تھا۔ بلکہ آخری بار اس نے میری مدد بھی کی تھی۔ پھر یہ کون ہو سکتے تھے؟

بھارتیوں سے خیال آیا کہ کہیں ان لوگوں کو بھارتیوں نے ہائر تو نہیں کیا تھا۔ پڑوسی ملک میں ہمارے اس ازلی دشمن نے اپنے پنجے گاڑ لیے تھے اور اب انہیں مضبوط کر رہا تھا۔ جگہ جگہ اس کے کونسلیٹ تھے جو اصل میں ''را'' کے اڈے تھے۔ بھارتی سرگرم تھے اور میں ان کو مطلوب تھا۔ یہ سوچ کر میرے جسم میں پھریری سی آ گئی تھی۔ میں اس قوم اور اس کی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا اور چرخ صفت قوم ہے۔ جب آپ کی زد پر آتی ہے تو قدموں میں لوٹ پوٹ ہو جاتی ہے اور جب آپ کو اپنی زد میں لے لے تو رحم و مروت کرنا گناہ عظیم سمجھتی ہے۔ صرف نصف صدی کے عرصے میں اس نے پے در پے ہمیں نقصانات اور صدمات سے دوچار کیا اور اس کے باوجود ہم اتنے سادہ ہیں کہ اب بھی اسے دوست بنانے کی سعی کر رہے ہیں۔ جب کہ وہ ہمیں برباد کرنے اور پاکستان کا نام دنیا کے نقشے سے مٹانے کے لیے ذرا بھی کوتاہی سے کام نہیں لے رہا۔ پتا نہیں کب ہمیں یہ بات سمجھ آئے گی۔ خوف اس کا ہے کہیں بہت دیر نہ ہو جائے۔

اچانک جیپ دھچکے سے رکی تو میں چونک کر خیالوں سے نکل آیا۔ جیپ سڑک کے ساتھ ایک چھوٹے سے بنگلے کے سامنے رکی تھی اور شیر خان نے اتر کر لوہے کا گیٹ کھولا۔ زرینی جیپ اندر لے آئی اور شیر خان نے عقب میں گیٹ بند کر دیا۔ میرے دائیں طرف موجود شخص اترا اور اس نے بازو سے پکڑ کر مجھے بھی نیچے اتارا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرا اپنی طرف سے اتر آیا۔ زینی اب اندر جا رہی تھی۔ میں نے استہزایہ انداز میں کہا۔ ''تم ہٹے کٹے مرد پورے لباس میں ہو اس بے چاری نے کیا قصور کیا ہے؟''

''کیپ کوائیٹ۔'' میرے ساتھ موجود نوجوان نے کہا۔ میرا ماتھا ٹھنکا کیونکہ وہ پہلی بار بولا تھا اب تک شیر خان یا زینی ہی بولتے آئے تھے۔ نوجوان کا لہجہ شہری اور تعلیم یافتہ تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہ نہیں تھے جو خود کو ظاہر کر رہے تھے۔ بنگلا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے اوپری حصے میں شاید ایک ہی کمرا تھا کیونکہ اس کی چھتیں ترچھی اور لکڑی کی بنی ہوئی تھیں البتہ نیچے کی مکانیت زیادہ لگ رہی تھی۔ زینی نے لاک کھولا اور اندر چلی گئی۔ میں ان تینوں کے ساتھ اندر آیا۔ وہ میرے ہاتھ بندھے ہونے کے باوجود میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھے۔ شیر خان نے چاقو سے میری بندشیں کاٹیں اور انہوں نے مجھے ایک کمرے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ کمرا چھوٹا تھا اور اس میں ایک سنگل بیڈ اور ایک طرف دیوار گیر الماری تھی۔ فرش پر قالین اور ایک کھڑکی پر اس کے ہم رنگ پردے لٹک رہے تھے، میں نے پردہ ہٹا کر کھڑکی کا معائنہ کیا تو اسے مضبوط گرل سے کور پایا۔

ظاہر ہے وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتے تھے کہ مجھے فرار کا راستہ عنایت کرتے۔ میں بازوؤں کو حرکت دیتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ حالات بتا رہے تھے کہ یہاں میرا قیام مختصر تھا اور جلد یا تو میرے خریدار مجھے لینے آ جاتے یا پھر مجھے آگے پہنچایا جاتا۔ انہوں نے جس طرح مجھے اپنا ٹھکانہ دیکھنے کا موقع دیا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ یا تو یہ ان کا عارضی ٹھکانہ تھا۔ اس خوب صورت پہاڑی علاقے میں بے شمار ایسے بنگلے اور کوٹھیاں ہیں۔ جو شہروں اور میدانوں میں رہنے والے صاحب ثروت لوگوں نے بنوا رکھی ہیں اور وہ سال میں چند مہینے یا چند ہفتے یہاں گزارتے ہیں باقی سارے سال یہ کوٹھیاں اور بنگلے خالی پڑے رہتے ہیں۔ چوکیدار ہوتے ہیں مگر وہ آرام سے اپنے گھر میں بیٹھ کر تنخواہ لیتے ہیں اس لیے ان جگہوں کو استعمال کرنا زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔

دوسرا امکان یہ تھا کہ میری واپسی نہ ہوتی اور ان سے کوئی حساب نہیں لیتا اس لیے انہوں نے مطمئن ہو کر مجھے یہ ٹھکانہ دیکھنے کا موقع دیا تھا۔ ذرا آرام کے بعد میں نے اٹھ کر ہلکی پھلکی ایکسر سائز شروع کی تاکہ میرا جسم چاق و چوبند رہے۔ رات آرام کی کمی سے جو کسل مندی تھی وہ دور ہو جائے۔ دس پندرہ منٹ کی ایکسر سائز کے بعد میں خود کو بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔ کھڑکی مشرق کی طرف تھی اس لیے دھوپ اندر آئی اور کمرا روشن ہو گیا۔ میں نے الماری کھولنے کی کوشش کی تو وہ لاکڈ نکلی میں نے بلا تکلف اس کا ہینڈل پکڑ کر جھٹکا دیا اور کھٹ کی آواز کے ساتھ لاک ٹوٹ گیا۔ اگر آواز باہر تک گئی تھی تب بھی مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ مگر الماری سے کوئی ایسی چیز ملنے کی خواہش خواہش ہی رہ گئی جس سے میں آزادی حاصل کر سکتا۔ نہ کوئی ہتھیار تھا اور نہ ہی ایسی کوئی چیز۔ اندر صرف مردانہ اور زنانہ کپڑے تھے۔ نچلے حصے میں جوتے رکھے تھے۔ ایک دراز میں رومال، بنیان اور مردانہ انڈر ویئر تھے۔ دوسری دراز کھولی تو اس میں سے زنانہ اشیا نکل آئیں۔ میں نے اسے بند کر کے مردانہ حصے کا جائزہ لیا۔

مردانہ کپڑے زیادہ تر مقامی ساخت تھے اور زنانہ ملبوسات بھی شریفانہ تھے۔ یعنی فیشن ایبل نہیں تھے۔ شاید میرا پہلا خیال درست تھا کہ یہ جگہ ان لوگوں کی نہیں تھی۔ یہ باقاعدگی سے زندگی گزارنے والے لوگ نہیں لگ رہے تھے۔ میرا نہیں خیال کہ زینی جیسی عورت اس قسم کے لباس استعمال کرتی ہوگی س اور الماری کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پٹ بند کر کے میں واپس بیڈ پر آ بیٹھا۔ انہوں نے میری گھڑی بھی لے لی تھی۔ راستے میں مجھے جیپ کے ڈیش بورڈ پر لگی گھڑی سے وقت کا پتا چلتا رہا تھا۔ ہم تقریباً سات بجے یہاں پہنچے تھے اور مجھے بند ہوئے ایک گھنٹا مزید گزر گیا تھا۔ آٹھ بج چکے تھے۔ اگرچہ مجھے نہ تو بھوک پیاس لگ رہی تھی اور نہ ہی کوئی دوسرا مسئلہ تھا مگر میں نے دروازہ بجانے میں حرج نہیں سمجھا۔ دوسری بار بجانے پر زینی کی آواز آئی۔ ''کیا مسئلہ ہے؟''

''مسئلہ فطرت کا ہے مس زینی۔'' میں نے ذرا فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''تم جانتی ہو نا جب فطرت آدمی کو آواز دیتی ہے تو اسے کہاں جانا ہوتا ہے۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ ''دس منٹ رکو ہم ذرا مصروف ہیں۔''

''او کے دس منٹ۔''

جب میرے خیال میں دس منٹ پورے ہو گئے تو میں نے پھر دروازہ بجانا شروع کر دیا اور اس وقت تک بجاتا رہا تھا جب تک وہ کھل نہیں گیا۔ سامنے ایک کلین شیو خوبرو نوجوان تھا جو مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے غرا کر کہا۔ ''تمہیں مسئلہ ہے؟''

''بالکل بھی نہیں کیونکہ میں اس صاف ستھرے کمرے کو باتھ روم کی جگہ استعمال کرنا نہیں چاہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے تمہاری جون ہی بدل گئی ہے۔ داڑھی مونچھیں ہٹا کر بہت چکنے نکلے ہو۔''

ایک لمحے کو اس کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں مگر اس نے سرد لہجے میں صرف اتنا کہا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

نوجوان نے جینز اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔ باقی پارٹی ڈرائنگ روم میں تھی اور کھانے پینے سے شغل کر رہی تھی ان کا حلیہ بھی بدل گیا تھا۔ داڑھی مونچھیں غائب تھیں اور وہ پینٹ شرٹ میں تھے۔ زینی نے بہت کسی ہوئی جینز کے ساتھ نہایت ڈھیلی موٹے نیٹ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کا گلا ایک شانے سے ڈھلک کر بازو تک آ گیا تھا۔ میز پر کھانے پینے کی تیار چیزیں تھیں۔ ان کے ساتھ بیئر کی بوتلیں اور کولڈ ڈرنک کے ٹن تھے۔ نوجوان مجھے ساتھ والے کمرے کے واش روم تک لایا اور اس نے کہا۔ ''جلدی کرو جو کرنا ہے۔''

''ذرا دیر لگے گی۔'' میں نے کہا اور اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ مگر جب میں نے واش روم کا جائزہ لیا تو وہاں سے بھی نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا۔ ایک نہایت چھوٹا سا روشن دان تھا اور اس پر بھی شیشہ فکس تھا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر سرد پانی سے منہ ہاتھ دھویا اور ضروریات سے فارغ ہوا۔ پھر باہر آیا تو نوجوان وہیں موجود تھا۔ وہ مجھے لے کر واپس آیا تو زینی نے آواز دی۔

''ایک منٹ اسے بھی کھانے کو دے دو، آگے طویل سفر ہے۔''

مجھے ایک ٹھنڈا چھوٹا پیزا اور چند نان خطائیوں کے ساتھ کولڈ ڈرنک کا ایک ٹن عنایت کیا گیا اور واپس بند کر دیا گیا۔ میرا اندازہ ٹھیک نکلا تھا کہ یہاں قیام عارضی تھا۔ انہیں آگے جانا تھا مگر کہاں جانا تھا میں اس سے بے خبر تھا۔ اس خبر نے میرے خدشات بڑھا دیئے تھے کہ کہیں مجھے پھر بھارتیوں کے حوالے کرنے کا کوئی پلان تو زیر عمل نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی بھارتی دو بار مجھے لے جانے کی کوشش کر چکے تھے اور انہیں دونوں کوششیں خاصی مہنگی پڑی تھیں جب انہیں اپنے بیلی کاپٹرز اور کمانڈوز سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔ یہاں سے اگرچہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افغانستان کی سرحد زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر خط مستقیم میں سفر کیا جائے تو فاصلہ ساٹھ کلومیٹرز بھی نہیں بنتا تھا لیکن دشوار اور پہاڑی راستوں کے گھماؤ پھراؤ کی وجہ سے یہ تین گنا بھی ہوسکتا تھا۔ شاید اسی لیے زینی نے کہا تھا کہ دور جانا ہے۔ کھانے کے دوران میں نے سوچا کہ کہیں میں کچھ زیادہ تو نہیں سوچ رہا ہوں ممکن ہے یہ مجھے یہاں سے کسی میدانی علاقے کی طرف لے جائیں۔ آدھے گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور شیر خان کے ساتھ زینی اور وہی خوبرو نوجوان موجود تھے۔ وہ مسلح اور چوکنا تھے۔ شیر خان نے کہا۔

''باہر آؤ کوئی غلط حرکت مت کرنا۔''

میں نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر پوچھا۔ ''تم مجھے کہاں لے جارہے ہو اور کن کے حوالے کرو گے؟''

''سوال مت کرو۔'' خوبرو نوجوان غرایا۔ ''شرافت سے باہر آجاؤ۔''

''اگر میں نہ آؤں تو تم کیا کرو گے؟ مجھے گولی مار دو گے؟'' میں نے نیم سنجیدہ لہجے میں دریافت کیا۔

''ہاں تمہارے گھٹنے پر گولی ماریں گے اور پھر تمہیں کھینچ کر لے جائیں گے۔ زندہ لانے کو کہا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ سلامت بھی ہو۔'' شیر خان نے اپنی رائفل کا رخ میرے پیر کی طرف کر دیا۔ ''میرے تین تک گننے سے پہلے فیصلہ کرلو کہ کس طرح جاؤ گے؟''

''او کے۔'' میں نے اس کے تین کہنے سے پہلے ہاتھ اٹھا دیا۔ ''میں آرہا ہوں لیکن مجھے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے کن لوگوں نے اغوا کیا ہے۔''

''جلد تمہارے سامنے آجائے گا مسٹر شہباز۔'' زینی بولی۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ لباس بھی تم پر جچ رہا ہے لیکن رات تو تم قیامت لگ رہی تھیں۔''

''شٹ اَپ۔'' وہ غرا کر بولی۔ ''جھوٹی تعریف مت کرو۔ میں جان گئی ہوں تم عورت سے متاثر ہونے والے آدمی نہیں ہو۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔'' میں نے کہا اور باہر آیا تو ایک بار پھر میرے دونوں ہاتھ پشت پر پلاسٹک ڈور سے باندھے گئے۔ اس کی گرفت اور سختی اذیت ناک ہوتی ہے جو دوران خون روک دیتی ہے اور کھلنے کے بعد بھی خاصی دیر ہاتھ کسی قابل نہیں رہتے ہیں۔ وہ باہر آئے اور مجھے جیپ میں بٹھایا۔ کل رات کی طرح ڈرائیونگ زینی نے سنبھالی تھی۔ اس وقت اس نے اپنی سنسنی خیز شرٹ پر ایک ہلکی جیکٹ پہن لی تھی۔ شیر خان اس کے برابر میں تھا اور اس کے دونوں ساتھی میرے دائیں بائیں تھے۔ وہ سب ہی نوجوان اور خاصے خوب صورت تھے۔ عمریں تیس کے اندر تھیں۔ میں نے شیر خان سے کہا۔ ''کیا میرے کچھ اور سوالوں کے جوابات مل سکتے ہیں؟''

''کیسے سوالات؟''

''تم لوگوں کے بارے میں۔''

''پوچھو اگر دے سکا تو دوں گا۔''

''تمہارا تعلق پاکستان سے ہے؟''

''میرا ہے۔'' شیر خان بولا۔ ''یہ تینوں باہر سے ہیں۔''

''لیکن تم چاروں ایک ٹیم ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں ہم چاروں ایک ٹیم ہیں۔'' اس نے تسلیم کیا۔

''اسی قسم کے کام کرتے ہو؟''

''ظاہر ہے۔'' شیر خان نے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے کافی سوالات ہو گئے ہیں۔''

''مہربانی تمہاری کہ تم نے جواب کی زحمت کی۔''

''میں تمہارے بارے میں جانتا ہوں اس لیے ذرا فکر مند بھی تھا کہ تم شاید اتنی آسانی سے ہاتھ نہ آؤ جتنی آسانی سے آ گئے۔''

''میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''تمہارا مکمل بیک گراؤنڈ۔'' شیر خان بولا۔ ''سچی بات ہے میں تم سے متاثر بھی ہوا تھا؟''

''گویا اب نہیں ہو؟''

''نہیں اب بھی ہوں۔'' وہ یوں بولا جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ انسان کو اپنا خیال اتنی جلدی نہیں بدلنا چاہیے ورنہ وہ اب تک بدل چکا ہوتا۔

''لگتا ہے تمہیں میرے بارے میں کچھ غلط معلومات ملی ہیں میں ایک عام آدمی ہوں بس ذرا مختلف طرز زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا ہوں۔''

شیر خان چپ رہا۔ جیپ کا رخ میری توقع کے مطابق شمال کی طرف تھا۔ میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''شیر خان اور زینی کیا یہ اصل نام ہیں؟''

''میرا نام اصل ہے۔'' زینی بولی۔ ''لیکن یہ نک نیم ہے۔''

''وہ تو ظاہر ہے، اس کا مطلب ہے شیر خان اصل نام نہیں ہے؟''

''ہاں میرا نام کچھ اور ہے مگر تم چاہو تو مجھے شیر خان ہی کہہ سکتے ہو۔'' اس نے جواب دیا۔

''تمہارے بازو کا زخم کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے گولی چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔''

وہ چاروں یقیناً کل شام سے اس مشن پر تھے انہیں اس جگہ پہنچنے اور مجھے تلاش کرنے میں کچھ وقت لگا ہو گا۔ پھر وہ مجھے یہاں لائے اور اس کے بعد بھی آرام نہیں کیا۔ اپنا گیٹ اَپ تبدیل کیا اور کھاتے پیتے رہے۔ اس کے باوجود وہ چاروں تازہ دم لگ رہے تھے۔ شاید انہوں نے کوئی دوا استعمال کی تھی۔ آج کل ایسی دوائیں عام ہو گئی ہیں جو انسان کو بہت بری حالت میں بھی یوں چاق و چوبند کر دیتی ہیں جیسے وہ بھرپور آرام کر کے اٹھا ہو۔ اگرچہ ان دواؤں کے سائیڈ ایفکٹس بھی ہوتے ہیں مگر وقفے سے استعمال کرنے سے خاص اثر نہیں پڑتا ہے۔ وسیم نے مجھے ان دواؤں کے بارے میں بتایا تھا جو وہ طویل مشن کے دوران استعمال کرتے تھے۔ یہ تھکن اور اس کے اثرات غائب کر کے انہیں چاق و چوبند کر دیتی تھیں۔ اس میدان میں جدید ایجادات کا فائدہ شیر خان جیسے لوگ زیادہ اٹھا رہے ہیں کیونکہ وہ اس سے اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ اب دہشت گرد ایسی ادویات کا فائدہ اٹھاتے ہیں جو ان کے مشن میں کارآمد ہوں جیسے بہتے خون کو روکنے والی دوائیں، نیند اڑانے اور تھکن بھگانے والی دوائیں، ایسٹرائیڈز جو کچھ دیر کے لیے انسان کو سپر مین بنا دیتے ہیں۔ اب سنا ہے حواس تیز کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والی دوائیں بھی میدان میں آ گئی ہیں۔ ممکن ہے کچھ عرصے بعد ہم انسان اور مشین کا ملاپ یعنی سائی بورگ بھی اپنی زندگی میں دیکھ سکیں۔

جیپ اسی سڑک پر تیزی سے آگے جا رہی تھی۔ اگرچہ راستہ بہت اچھا نہیں تھا مگر جیپ کا طاقتور انجن اور بہترین ریڈیل ٹائرز کی وجہ سے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم کسی اچھی کوالٹی کی ہائی وے پر سفر کر رہے ہوں۔ زینی اچھی ڈرائیور تھی۔ اسپیڈو میٹر کی سوئی مستقل چالیس کے آس پاس تھی مگر اس نے ایک بار بھی گاڑی کو قابو سے باہر ہونے نہیں دیا تھا۔ ورنہ یہاں بہت تنگ اور یوٹرن ٹائپ موڑ تھے۔ ایک جگہ سڑک کا تقریباً ایک کلومیٹر کا ٹکڑا بارش کی وجہ سے شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا صرف اسی حصے میں رفتار ذرا کم ہوئی تھی اور اس کے بعد جیپ پھر اپنی رفتار سے دوڑنے لگی۔ یہاں بلندی بھی کم زیادہ ہو رہی تھی۔ ایک مقام پر ہم نو ہزار فٹ کی بلندی سے بھی گزرے اور اکثر مقامات چھ سے سات ہزار فٹ بلند تھے۔ بلندی پر سردی بڑھ جاتی تھی اور نیچے آتے تو موسم معتدل ہو جاتا۔

راجا عمر دراز سے ملاقات کا فیصلہ مجھے مسلسل مہنگا پڑ رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک مصیبت میں گرفتار ہوتا رہا اور اللہ کے فضل سے اس مصیبت سے نکلتا رہا۔ مگر اس آخری مصیبت سے چھٹکارے کی فی الحال کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ جیپ کے ٹائر برسٹ ہو جانے کے بعد اگر میں تجسس میں پڑنے کی بجائے فرار کو ترجیح دیتا تو شاید اس مصیبت میں نہ پڑتا۔ بہرحال یہ مقدر میں بھی تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم گھومے اور مغرب کی طرف جانے لگے مزید آدھے گھنٹے بعد ہمارا رخ جنوب مغرب کی طرف ہو گیا یعنی اب ہم الٹی سمت میں جا رہے تھے۔ سڑک نازک اور پتلی ہوتی جا رہی تھی مگر اس پر بھی ٹریفک تھا۔ بڑے ٹرکوں سے لے کر مسافر بردار کوچز، وین اور چھوٹی بڑی ہر طرح کی گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ سیزن کی وجہ سے سیاح بھی محو سفر تھے اور درے کھل جانے کی وجہ سے آنے والے سرما کے لیے ابھی سے سامان زندگی جمع کیا جا رہا تھا۔ سارے سال باہر رہ کر کمانے والے گرمیوں میں اپنے علاقے میں آتے جاتے تھے۔

شنگرال کے پاس رک کر جیپ کا انجن ٹھنڈا کیا گیا اور ان لوگوں نے بھی ہاتھ پاؤں کھولے مگر مجھے نیچے اترنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ نیچے اترنے پر بھی ان میں سے ایک میرے پاس ہی رہتا تھا۔ جب شیر خان کی باری آئی تو میں نے اس سے گپ شپ شروع کر دی۔ ''تم تعلیم یافتہ لگتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ماس کمیونیکیشن میں ماسٹر کیا ہے۔''

''لیکن یہ دھندا زیادہ نفع بخش لگا ہو گا؟''

''درست کہا تم نے، دو سال ملازمت میں جھک ماری۔ اتنی تنخواہ بھی نہیں تھی کہ اپنا ہی گزارہ کر سکتا۔ اس لیے یہ لائن پکڑ لی۔''

''تم تربیت یافتہ لگ رہے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے ایک سال کی ٹریننگ حاصل کی ہے۔''

''کہاں سے؟''

''یہیں سے، باہر کے لوگ آئے تھے انہوں نے بے شمار لوگ ہائر کیے، ہمیں تربیت دی، کچھ کام لیے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر واپس چلے۔ اب میں اور مجھ جیسے دوسرے بے شمار لوگ آزاد ہیں۔"

"نہیں وہ اب بھی غلام ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ اس ملک کو انتشار اور افراتفری کی نظر کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے ہر ممکن حربہ استعمال کر رہے ہیں۔ انہوں نے بے شمار افراد کو مسلح تربیت دے کر آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اب ان کا روزگار گن سے وابستہ ہے۔ جیسے کہ تمہارا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"فرق تو پڑتا ہے پہلے جرائم کم ہوتے تھے مگر اب جرائم زیادہ ہو گئے ہیں۔ اس سے معاشرے کا ایک مجموعی تاثر کیا جاتا ہے؟ ملک کا کوئی گوشہ تخریبی کارروائیوں سے خالی نہیں ہے۔ جن لوگوں نے تمہیں تربیت دی انہوں نے ساتھ ہی یہاں اسلحے کی بھرمار بھی کی ہے۔"

اس نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ "تم کیسی باتیں کر رہے ہو کیا تم گن استعمال نہیں کرتے۔" اس نے اپنا پٹی بندھا بازو آگے کیا۔ "یہ کس نے کیا ہے؟"

"یہ میں نے اپنے دفاع میں کیا ہے۔ میں نے آج تک گن سے کوئی نفع یا مفاد نہیں کمایا۔ صرف اپنا اور اپنے ساتھیوں کا دفاع کیا ہے۔ اگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں نے چند دن پہلے کیا چھوڑا ہے تو تم یقیناً مجھے پاگل سمجھو گے۔"

"میں بھی اپنا دفاع کر رہا ہوں بھوک اور افلاس کے خلاف۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"غلط، جب تم جاب کر رہے تھے تو بے شک تم کو کم تنخواہ مل رہی تھی مگر یہ تنخواہ ہمیشہ اتنی نہیں رہتی۔ ایک وقت آتا جب تمہیں تمہارے تجربے اور قابلیت کے مطابق تنخواہ ملتی۔ یہاں نہ ملتی تو تم بیرون ملک جا سکتے تھے۔ مگر تم نے آسان راستہ اختیار کیا۔"

"یہ آسان راستہ ہے؟" اس نے ایک بار پھر اپنے بازو کی طرف اشارہ کیا وہ برافروختہ نظر آیا تھا۔

میں نے سر ہلایا۔ "ہاں دوسری دنیا کی طرف آسان راستہ۔ آدمی جلدی اور بہت تیزی سے گزر جاتا ہے۔"

وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا پھر اس نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور ان سے چلنے کو کہا۔ اس بار ڈرائیونگ میرے ساتھ بیٹھے خوبرو نوجوان نے سنبھال لی اور زینی اس کی جگہ آ گئی۔ وہ جان بوجھ کر مجھ سے ذرا لگ کر بیٹھی تھی۔ عورت ہونے سے قطع نظر وہ ان تینوں کے لیے صرف ایک ساتھی تھی اس لیے کسی کو نہ تو اس کے عریاں ہونے پر اعتراض ہوا تھا اور نہ ہی میرے ساتھ لگ کر بیٹھنے پر۔ میں کسمسایا اور اسے نرمی سے پیچھے دھکیلا تو وہ مسکرانے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چیلنج تھا کہ ایک عورت سے ڈرتے ہو اور میں نے آنکھوں میں اعتراف کیا کہ عورت سے ہی ڈرتا ہوں کیونکہ وہ کبھی شکست تسلیم نہیں کرتی ہے اور بالآخر مرد کی عقل کو گھاس چرنے بھیج دیتی ہے۔ انسان کو موت سے اتنا نہیں ڈرنا چاہیے جتنا کہ بے باک پر آمادہ عورت سے ڈرنا چاہیے۔ میں نے اسے نظر انداز کر کے شیر خان سے کہا۔ "میرا خیال ہے ہم دیر کی طرف جا رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہماری منزل اس سے آگے ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

دیر سے آگے چترال کی طرف جاتے ہوئے بہت وقت لگتا لیکن اگر ان لوگوں کی منزل افغانستان تھا تو ہم شام سے پہلے سرحد پار کر سکتے تھے۔ آج سے چند سال پہلے یہ سارا علاقہ دونوں طرف فوجوں کے اجتماع کی وجہ سے متحرک سرحد بن چکا تھا۔ آئے دن سرحد پار سے حملے اور جانی نقصان معمول کی بات تھی۔ جو پاکستان کو اتحادی کا درجہ دیتے ہیں وہ اس کی فوجی چوکیوں پر فضائی حملے کرنے سے نہیں ہچکچاتے تھے۔ کسی زمانے میں یہاں صرف نام کی سرحد ہوتی تھی اور دونوں طرف بسنے والے لوگ یوں سرحد پار آتے جاتے تھے جیسے ہم پنڈی سے اسلام آباد آتے جاتے ہیں۔ کاروبار سے لے کر رشتے داریاں تک سب چلتی تھیں۔ مگر فی الحال یہ سب بند تھا۔ پھر ایک بار خدشہ میرے ذہن میں سرسرانے لگا کہ مجھے بھارتیوں کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔

دوبارہ روانہ ہونے کے بعد سب میں لنچ تقسیم ہوا۔ یہ خشک ہو جانے والے میٹھے روغنی نان اور کولڈ ڈرنکس پر مشتمل تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان لوگوں کو چائے کافی کا شوق نہیں تھا۔ کیونکہ بنگلے میں بھی ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی جب کہ وہاں چائے کافی کا سامان ہو سکتا تھا۔ انہوں نے راستے کے لیے آسان خوراک رکھی تھی جو سادہ بھی تھی اور توانائی بخش بھی۔ ان کے پاس پانی بھی تھا مگر کولڈ ڈرنک کی بہتات تھی ایک پورا بیگ کولڈ ڈرنک ٹنوں سے بھرا ہوا تھا۔ دوسرے بیگ میں بیئر کی بوتلیں تھیں مگر ان سے صرف وہی شغل کر رہے تھے جنہوں نے ڈرائیو نہیں کرنی تھی۔ یعنی شیر خان اور میرے برابر میں بیٹھا ہوا دوسرا آدمی۔ میں نے بندھے ہاتھوں سے یوں لنچ کیا کہ زیبی مجھے کھلاتی اور پلاتی رہی۔ انہوں نے میرے ہاتھ نہیں کھولے تھے۔ تین بجے تک ہم دیر اور چترال جانے والی سڑک پر آ گئے تھے۔ دیر کا علاقہ شروع ہو گیا تھا مگر چترال یہاں سے خاصا آگے تھا۔

سڑک زیادہ خراب ہو رہی تھی اور اب جھٹکے لگنے لگے تھے۔ کہیں کہیں یہ اتنی تنگ ہو جاتی تھی کہ اس پر سے ایک وقت میں ایک ہی گاڑی گزر سکتی تھی۔ مگر ایسے ٹکڑے زیادہ طویل نہیں تھے۔ عام طور سے سڑک ایسی ڈھلان پر تنگ ہوتی تھی جو بہت ترچھی ہو اور اس پر چوڑی سڑک بنانا ممکن نہ ہو۔ یہاں بہت گھنے اور آسمان سے باتیں کرتے درختوں پر مشتمل جنگلات تھے اور جنگل سے بہت انوکھی مہک اٹھ رہی تھی۔ اب یہاں کثرت سے چشمے نظر آنے لگے تھے اور بیشتر سڑک سے گزر رہے تھے۔ بعض مقامات اتنے حسین اور نظر نواز تھے کہ دل چاہتا آدمی وہیں رک جائے۔ مگر وہ رک نہیں سکتے تھے اور میں ان کا قیدی تھا۔ میں کئی بار اس سڑک پر سفر کر چکا تھا۔ دیر سے اوپر ایک راستہ افغانستان کی طرف جاتا تھا۔ اس سڑک سے یہاں بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی اور اسمگلنگ کی جاتی تھی۔ مگر جنگ کے بعد صورتِ حال بدل گئی تھی۔ اب اس راستے کی بجائے خفیہ راستے استعمال ہوتے ہیں۔ مگر اسمگلنگ پہلے جیسی کھلی نہیں رہی ہے۔ البتہ مقامی ضرورت کے تحت کی جاتی ہے اور سرحدی حکام اس سے چشم پوشی بھی کرتے ہیں۔ ایسا کرنا ان کی مجبوری ہے۔

اب یہ سڑک زیادہ تر فوجی نقل و حرکت کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس لیے جب یہ سڑک گزر گئی تو میں سمجھا کہ یہ آگے چترال کی طرف ہی جا رہے ہیں۔ مگر آدھے گھنٹے بعد جیپ ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی جھٹکوں کا آغاز ہوا۔ جھٹکے بھی ایسے تھے کہ کبھی ہم بائیں طرف گرتے تھے اور کبھی دائیں طرف۔ آگے جانے سے روکنے کے لیے مجھے پاؤں استعمال کرنے پڑتے تھے۔ میں دوہری مصیبت میں تھا کیونکہ ہاتھ پشت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر بندھے تھے اور ہر جھٹکے پر یا تو میں زینی پر گرتا تھا یا وہ مجھ پر آتی تھی اور مجھے خاصے امتحان سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اپنے بدن کے نرم و نازک حصے مجھ سے پیوست کر دیتی تھی۔ چند بار ایسا ہی ہوا تو میں نے تکلف بالائے طاق رکھ کر دونوں پاؤں اوپر کیے اور سیٹوں کی پشت پر جما دیے اور یوں میں ایک جگہ پوز ہو گیا۔ اگرچہ یہ بھی مشکل تھا کیونکہ پیچھے بندھے بازوؤں پر زور آ رہا تھا۔ بعض مقامات پر یہ پوز بھی لڑھکنے سے نہیں بچا تا تھا۔ اونچے نیچے راستوں پر جیپ کا ڈھانچا بول رہا تھا اور اس کی آوازوں سے ۔ رہا تھا کہ جیپ کو کتنے مشکل مراحل سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ ایک بار خود کو روکنے کے باوجود زینی پر گرا تو اس نے مجھے واپس دھکیلتے ہوئے کہا۔

''تم بیکار کی کوشش کر رہے ہو۔''

''ٹھیک ہے کوشش نہیں کرتا۔'' میں نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس بار جھٹکا آیا تو میں پورے وزن سمیت اس پر گیا اور اس کی چیخ نکل گئی تھی۔ اس نے مجھے برہمی سے دھکیلا۔

''یہ کیا ہے؟''

''بیکار کی کوشش نہ کرنے کا انجام۔'' میں نے جواب دیا۔ شکر ہے اسی وقت دشوار راستہ گزر گیا۔ سڑک ابھی بھی کچی ہی تھی مگر ہموار ہو گئی تھی اور اب جیپ بنا آواز کے چل رہی تھی۔ ''ہم کس طرف جا رہے ہیں؟''

میرے سوال پر شیر خان نے جیپ کا کمپاس دیکھا اور بولا۔ ''ٹھیک مغرب کی طرف۔''

''یعنی افغانستان کی طرف، کیا میرے طلب گار وہاں بیٹھے ہیں۔''

''پتا نہیں کیونکہ تمہاری ڈلیوری یہیں ہو گی۔''

''باپ رے۔''

''ڈرو مت۔'' زینی ہنسی۔ ''یہ دوسری ڈلیوری کی بات کر رہا ہے۔''

''تم سخت واہیات عورت ہو۔'' میں نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے تم نے عورت تسلیم کیا۔ ورنہ میں سمجھی کہ تم مجھے مرد سمجھ رہے ہو۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

جیپ جس راستے پر چل رہی تھی اس کی ساخت سے لگ رہا تھا کہ اس پر انسانوں اور گاڑیوں کی آمد و رفت باقاعدگی سے ہوتی تھی۔ راستے میں ایک جگہ نشیب میں آبادی بھی دکھائی دی تھی مگر جیپ اس کے اوپر سے گزر گئی۔ اب تک کسی انسان کی صورت نظر نہیں آئی۔ ایک بڑا جنگل آیا اور اس سے گزرنے کے بعد جیپ ایک وسیع چراگاہ میں داخل ہوئی جو دو پہاڑوں کے درمیان تقریباً ایک کلومیٹر چوڑی پٹی میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس میدان سے بے شمار ندیاں گزر رہی تھیں اور دبیز و اونچی گھاس میں لاتعداد بھیڑیں، بکریاں اور دوسرے پالتو جانور چر رہے تھے۔ انسان یہاں بھی چند ایک ہی تھے اور انہوں نے سرسری سی نظروں سے ہمیں دیکھا تھا۔ جیپ چراگاہ سے بھی گزر کر ایک دریا کے کنارے چلنے لگی۔ موسم کی مناسبت سے دریا میں زیادہ پانی نہیں تھا۔ کچھ دیر دریا کے ساتھ چلتے رہے۔ یہ افغانستان اور پاکستان میں بہنے والا دریا کنہار تھا۔ جو کبھی سرحد کے اس طرف ہوتا ہے اور کبھی دوسری طرف چلا جاتا ہے اور بالآخر بعد میں اس کا پانی پاکستانی دریائی سسٹم میں شامل ہو جاتا ہے۔

سفر جس طرح جاری تھا صاف لگ رہا تھا کہ ان کو اپنی منزل اور وقت کا علم تھا۔ وہ کسی مرحلے میں نہ تو رکے تھے اور نہ ہی انہوں نے کسی سے رابطہ یا آپس میں کوئی مشورہ کیا تھا۔ سب پہلے سے طے شدہ تھا۔ جیپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک خستہ حال پُل کی طرف مڑی اور بہت احتیاط سے اسے کراس کرلیا۔ پُل رسوں اور لکڑی کے موٹے تختوں کا بنا ہوا تھا اور اس سے ایک وقت میں ایک ہی گاڑی گزر سکتی تھی۔ جب تک جیپ پُل سے گزرتی رہی سب دم سادھے بیٹھے رہے اور پُل کے بعد سانس میں سانس آئی تھی۔ پُل کراس کرنے کے بعد ہم ایک نشیبی جنگل سے گزرنے لگے۔ اس کے چاروں طرف بلندی تھی اس لیے بارش کا پانی اس جگہ جمع ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ یہاں سبزے اور جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ اونچے درخت بھی تھے مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ آبادی سے فاصلے پر ہونے کی وجہ سے یہاں پرندوں کی بہتات تھی۔ خاص طور سے چکور اور بٹیر دکھائی دیئے تھے۔ پاس آبادی ہوتی تو شکاری انہیں کہاں بخشتے۔

جنگل کے بعد ایک ندی آئی اور سفر جاری رہا۔ اب سورج مغرب کی طرف جھک گیا تھا اور کچھ دیر میں رات ہوجاتی۔ یہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں اور ان پر بے شمار ندیاں بہہ کر اوپر سے نیچے دریا کی طرف جارہی تھیں مگر کوئی ندی اتنی بڑی نہیں تھی کہ رکاوٹ بنتی۔ ان لوگوں نے راستے میں جیپ میں پیٹرول بھروالیا تھا اور پیچھے دروازے کے ساتھ تین عدد بڑے جیری کین بندھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک میں دس گیلن پیٹرول تھا۔ اس لیے وہ آرام سے سفر کررہے تھے۔ سورج ڈوبنے تک سفر جاری رہا اور پھر انہوں نے ایک ندی کراس کی اور رک گئے۔ مغرب سمت میں اونچا ہوتا پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر برف نظر آرہی تھی اور کئی مقامات پر آبشاریں گر رہی تھیں۔ دامن میں گھنا جنگل تھا۔ جیپ درختوں کے درمیان روک کر انہوں نے اسے جھاڑیوں اور شاخوں سے ڈھک دیا۔ وہ کیموفلاج کررہے تھے۔ یہ علاقہ غیر تھا اور وہ یہاں بغیر اجازت کے آئے تھے اس لیے احتیاط لازمی تھی۔

ہم جس طرح سفر کرتے رہے تھے میرا اندازہ تھا کہ ہم افغانستان کی سرحد کے پاس کہیں تھے۔ شاید اس وجہ سے بھی یہ لوگ احتیاط کررہے تھے۔ انہوں نے جیپ کے عقبی حصے سے سلیپنگ بیگز نکالے۔ اترنے کے بعد انہوں نے میرے ہاتھ کھول دیئے تھے۔ مگر اب وہ پوری طرح ہوشیار تھے۔ کھانے میں وہی میٹھی روغنی روٹیاں اور کولڈ ڈرنک تھی۔ میں نے چائے کافی کا پوچھا تو جواب ملا کہ ایسی عیاشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کھانے کے فوراً بعد مجھے سلیپنگ بیگ میں جانے کا حکم ملا۔ خود میرا تھکن اور بازوؤں میں دکھن سے حال اچھا نہیں تھا۔ میرا بایاں ہاتھ جو حکیم قاؤس کے علاج سے بچ گیا تھا اور تقریباً ٹھیک ہوگیا تھا اس وقت سن ہورہا تھا۔ بہت دیر تک یہ حرکت کے قابل نہیں رہا تھا میں مسلسل اس کی مالش کرتا رہا تب کہیں جاکر یہ ٹھیک ہوا تھا۔

حکم ملنے پر میں سلیپنگ بیگ میں داخل گیا۔ یہ ہلکا گرم تھا اور اصل میں کھردری زمین اور کیڑے مکوڑوں سے بچاؤ کے لیے تھا۔ اس کا نصف اوپری حصہ نیٹ پر مشتمل تھا۔ نیچے دبیز تہہ کی وجہ سے جسم کو آرام ملا تھا۔ سارے سلیپنگ بیگز پاس پاس اور درختوں کے نیچے تھے۔ لگ رہا تھا کہ وہ اپنا قیام خفیہ رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جگہ بھی ایسی منتخب کی تھی جہاں سے کسی کا گزر نہ ہو۔ کچھ دیر بعد ان میں سے دو سلیپنگ بیگز میں لیٹ گئے تھے اور باقی دو پہرے پر تھے۔ وہ مجھ پر اور آس پاس نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں لیٹا اور چند منٹ بعد سوگیا۔ پھر رات کسی پہر مثانے پر دباؤ آیا تو میں جاگ گیا۔ میں نے زپ نیچے کی تو نزدیک موجود زینی چونکی اور اس نے رائفل کا رخ میری طرف کردیا۔ ''کیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پھر سے.....فطرت کی پکار۔''

''ہے بڈی۔'' اس نے امریکن اسٹائل میں اپنے ساتھی کو آواز دی۔ ''اسے نیچر کال کر رہی ہے۔''

بڈی وہی خوبرو نوجوان تھا۔ وہ مخالف سمت سے آیا اور اس نے زینی سے کہا۔ ''آواز کم رکھو۔''

میں سلیپنگ بیگ سے نکل آیا۔ نوجوان مجھے ایک طرف لے آیا اور دو درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''جو کرنا ہے یہیں کرو اور صرف دو منٹ میں۔''

ہم واپس آئے تو میں سلیپنگ بیگ میں جانے کی بجائے اس پر بیٹھ گیا۔ زینی نے کہا۔

''اندر جاؤ۔''

''میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں رات میں بھی ہوا نہیں چل رہی۔''

''ہوا پہاڑ کے دوسری طرف ملے گی۔'' اس نے کہا۔

''تم نہیں سوئیں؟''

''میں سو کر اٹھ گئی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ابھی صبح کے چار بج رہے ہیں۔''

''یعنی کچھ دیر میں صبح ہو جائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''میرا اندازہ ہے ہم سرحد کے پاس ہیں۔''

''صرف ایک کلومیٹر دور ہیں۔''

''آگے تم لوگ جاؤ گے یا وہ آئیں گے؟''

''صبح پتا چلے گا۔ حالات دیکھ کر فیصلہ ہوگا۔'' اس نے مبہم انداز میں کہا جیسے واضح جواب دینے سے گریز کر رہی ہو۔

''تم جارجین ہو اتنی دور کہاں سے آ گئیں؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔

''میں آئی نہیں لائی گئی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جب یہاں امریکی آئے تو دوسری گندگیوں کے ساتھ یہاں جسم فروشی کا کاروبار بھی چمک اٹھا۔ ڈالرز کے لیے عورتیں خود بھی آئیں اور زبردستی لائی گئیں۔''

''تم زبردستی لائی گئیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اس وقت میں صرف چودہ سال کی تھی۔ میرا کزن ہی مجھے بہکا کر لے گیا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ ان لوگوں کا ایجنٹ تھا۔ مجھے ایک افغان وار لارڈ کو فروخت کیا گیا۔ میرے ساتھ بارہ لڑکیاں اور تھیں جن میں سے مجھ سمیت تین اس وار لارڈ کے حصے میں آئیں۔''

''اس کے چنگل سے کیسے نکلیں؟''

میں تین سال اس کے پاس رہی اور یہ میری زندگی کے بہت مشکل تین سال تھے۔ پھر میں نے پہلا قتل کی وار لارڈ کا کیا۔ اس کے ساتھ اس کے چھ اہم ترین ساتھی بھی مارے تھے۔ میں نے ان میں سے کسی کی کلاشنکوف کا پورا میگزین ان پر خالی کر دیا اور فرار ہو گئی۔ کچھ عرصے چھپتی رہی پھر یہاں آ گئی۔ مجھے شیر خان مل گیا ں نے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔''

''اب تم مطمئن ہو؟''

''انسان کسی حال میں مطمئن نہیں ہوتا ہے۔'' اس نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''صرف مطمئن ہونے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھوکہ دیتا ہے۔''

''تو تم دھوکا دے رہی ہو؟''

''سب دیتے ہیں۔'' اس کا لہجہ کسی قدر تلخ ہو گیا۔ ''صرف میں ہی نہیں ہوں۔''

اس وقت مجھے لگا کہ اس کے ظاہری روپ سے قطع نظر اس کے اندر بہت تلخی بھری ہوئی تھی۔ شاید اس نے استحصال کا جو وقت دیکھا تھا یہ اس کا فطری ردِعمل تھا۔ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی موجودہ زندگی سے بھی شاکی ہو۔ عورت کتنی ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو وہ استعمال ہونا پسند نہیں کرتی ہے۔ یہ لوگ اسے استعمال کر رہے تھے۔ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''تم اپنے ساتھیوں سے خوش نہیں ہو؟''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''یہ تمہیں استعمال کر رہے ہیں جیسے مجھے ٹریپ کرنے کے لیے کیا۔''

''مگر تم ہوئے نہیں۔''

''میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ دوسرے میں جن حالات سے گزر رہا ہوں اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ورنہ تم میں اور تمہاری کوشش میں کوئی کمی نہیں تھی۔''

وہ مسکرائی۔ ''تم نے مجھے مشتعل کر دیا تھا۔ اگر اس وقت میرے پاس گن ہوتی تو تم ابھی زندہ نہ ہوتے۔''

''تب مجھے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہارے پاس گن نہیں تھی۔''

باتوں کے دوران میں صبح کی سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ زینی اور اس کا ساتھی رات دو بجے اٹھ گئے تھے۔ وہ اس سے پہلے چھ گھنٹے تک سوتے رہے تھے اور اب ان لوگوں کی باری تھی۔ روشنی ہوئی تو زینی نے نوجوان کو بلایا اور میرے سر پر چھوڑ کر خود جیپ کی طرف گئی۔ وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا برنر اور دھات کی کیتلی تھی۔ اس نے پانی بھر کر کیتلی برنر پر رکھی اور جب پانی کھولنے لگا تو اس میں چائے کی پتی ڈال دی۔ چند لمحے بعد فضا میں چائے کی خوشبو تیرنے لگی۔ جب زینی نے کاغذ کے مگ میں مجھے بھی چائے دی تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا جو اپنے بندے کی فضول عادات بھی یوں پوری کر رہا تھا۔ چائے بہت اچھی بنی تھی اگرچہ دودھ اور چینی کے بغیر تھی۔ میں چینی لیتا ہوں مگر اس وقت اس چائے نے بھی بہت مزہ دیا۔ سات بجے شیر خان اور اس کا دوسرا ساتھی اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے سلیپنگ بیگ واپس جیپ میں رکھے۔

سب نے باری باری ندی پر جا کر منہ ہاتھ دھوئے۔ میں شیر خان کے ساتھ گیا۔ میٹھے روغنی نان سے ناشتا کیا گیا اور پھر انہوں نے سفر کی تیاری شروع کی مگر یہ سفر پیدل تھا۔ انہوں نے اپنا اسلحہ لے لیا اور میرے ہاتھ پھر پشت پر باندھ دیے۔ پھر وہ اس طرح آگے بڑھے کہ سب سے آگے شیر خان تھا اور پیچھے زینی۔ اس کے پیچھے میں تھا اور میرے پیچھے باقی دو تھے۔ میں ایک بار پھر مضطرب ہونے لگا تھا۔ انہوں نے اب تک مجھے کوئی موقع نہیں دیا تھا لیکن میں نے سوچ لیا کہ اگر معاملہ بھارتیوں کا ہوا تو میں اپنی جان پر کھیل کر بھی فرار کی کوشش کروں گا چاہے آگے کے نتیجہ جو بھی نکلے۔ بھارتیوں کے ہاتھ آنا مجھے کسی صورت گوارہ نہیں تھا۔ پہاڑی ڈھلان کے گھنے جنگل کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم ایک کھلی مگر چھوٹی وادی میں نکلے۔ شیر خان نے ہمیں روک دیا۔ اس نے کہا۔ ''بس یہیں رک جاؤ۔ ہمیں یہیں رک کر انتظار کرنا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے شیر خان سے کہا۔ ''تم نے جو کام کیا ہے کیا اس کا معاوضہ لے لیا ہے؟''

''تمہیں اس سے کیا؟'' وہ کھردرے لہجے میں بولا۔

''کیونکہ سودا میرا ہو رہا ہے۔ لیکن میرا پوچھنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ تم جس طرح مجھے زیادہ نہیں جانتے اسی طرح میرے دشمنوں سے بھی واقف نہیں ہو گے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کسی قسم کا معاوضہ دینے کی بجائے چند گولیاں خرچ کرنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ اس لیے اگر تمہیں معاوضہ نہیں ملا ہے تو ہوشیار رہو کہ ادائیگی کا طریقہ کار تمہاری توقع کے خلاف نہ ہو۔''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا لیکن پھر اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ درختوں میں غائب ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد زینی بولی۔ ''تم کس کی باتوں میں آ رہے ہو؟''

''احتیاط کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' شیر خان نے دانش مندی کی بات کی۔

زینی نے اختلاف جاری رکھا۔ ''یہ ہمارا قیدی ہے ہمیں کبھی ٹھیک مشورہ نہیں دے گا۔''

''تم میرے براہِ راست دشمن نہیں ہو صرف پیسوں کے لیے کام کر رہے ہو۔''

زینی مجھے گھور رہی تھی۔ حالانکہ صبح اس نے مجھ سے بہت کھل کر گفتگو کی تھی۔ مگر اس وقت اس نے میری مخالفت کی تھی۔ نو بج رہے تھے۔ شیر خان کی گھڑی پر میری نظر تھی۔ سورج بلند ہوتے ہی خنکی تیزی سے غائب ہو رہی تھی اور گرمی کا احساس ہونے لگا تھا۔ شاید یہ جگہ سطح سمندر سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ اچانک شیر خان کے پاس سے ہلکی سی ٹون کی آواز آئی اور اس نے اپنی جیکٹ سے ایک چھوٹا وا کی ٹاکی برآمد کر کے اس کا بٹن دبایا۔ ''ہم پہنچ گئے ہیں۔''

اس نے صرف ایک یہی جملہ کہہ کر وا کی ٹاکی واپس رکھ لیا۔ پھر اس نے ہاتھ سے کوئی اشارہ کیا۔ یہ اشارہ یقیناً اپنے چھپے ساتھیوں کے لیے تھا۔ میں نے دیکھا کہ زینی بھی پیچھے ہٹی اور ایک طرف درختوں میں چلی گئی۔ اب وہاں میں اور شیر خان تھے۔ ہم جس جگہ تھے اس کے تین طرف پہاڑ کی ڈھلان اور جنگل تھا صرف جنوبی سمت خالی تھی۔ چند منٹ بعد اسی سمت سے چار افراد نمودار ہوئے۔ میں چونکا کیونکہ انہوں نے پتلون شرٹ پر بلٹ پروف پہن رکھی تھیں اور وہ پوری طرح مسلح نظر آ رہے تھے۔ دور سے ان کی چال ڈھال بتا رہی تھی کہ وہ تربیت یافتہ تھے۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ گورے تھے۔ مگر نزدیک آنے پر پتا چلا کہ وہ مقامی تھے۔ شاید افغانی تھے۔ مگر بہت گورے چٹے تھے اس لیے دور سے سفید فام لگ رہے تھے۔ چاروں کے سر پر چھوٹے بال تھے جیسے کہ فوجیوں کے ہوتے ہیں۔ نزدیک آنے پر ان میں سے ایک آگے آیا اور اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''شیر خان، اسے ہمارے حوالے کرو۔''

مجھے شبہ ہوا کہ وہ پاکستانی تھا کیونکہ اس نے یہ جملہ بہت اچھی اردو میں کہا تھا۔ شیر خان نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''تمہارا آدمی یہ رہا لیکن پہلے مجھے معاوضہ دیا جائے۔''

''معاوضہ مل جائے گا لیکن پہلے میں تصدیق کروں گا۔'' اس نے کہا اور آگے آیا۔ وہ شاید ان کا باس تھا۔ اس نے ایک چھوٹا سا آلہ نکالا جو سائز میں موبائل فون جتنا تھا مگر اس سے مختلف تھا اس کے اوپر حصے میں ایک چھوٹا سا لینس لگا ہوا تھا۔ اس نے لینس میری دائیں آنکھ کے سامنے کیا اور بولا۔ ''اس میں دیکھو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے آنکھ بند کرلی اور پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''فکر مت کرو یہ تمہاری پتلی کی تصدیق کرے گا۔'' اس نے کہا۔ ''اپنی آنکھ کھولو۔''

میں نے آنکھ کھولی اور لینس میں دیکھا۔ چند لمحے بعد اس کے نیچے موجود سبز لائٹ آن ہوگئی اور اس نے آلہ بند کرکے واپس رکھ لیا۔ اس کے تاثرات سپاٹ تھے اور پتا نہیں چل رہا تھا کہ تصدیق ہوئی ہے یا نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ میری آنکھ کی پتلی کا نقشہ کس کے پاس ہوگا۔ یہ کسی آدمی کی تصدیق کرنے کا سب سے آسان طریقہ ہے۔ جس طرح ہر آدمی کے فنگر پرنٹ جدا ہوتے ہیں اسی طرح ہر آدمی کی پتلی کے اندر بنا ہوا ڈیزائن بھی مختلف ہوتا ہے۔ آج کل اس سے بھی آدمی کی تصدیق کی جاتی ہے۔ آنکھ کی پتلی بھی انسان کے بائیومیٹرکس میں شامل ہے۔ مگر ہمارے ہاں تو فنگر پرنٹ لینے اور رکھنے کا نظام بھی ڈھنگ کا نہیں ہے۔ آنکھ کی پتلی سے تصدیق ابھی دور کی بات ہے۔ باس کے تین ساتھی ذرا فاصلے پر اور بہت چوکنا موجود تھے۔ اگرچہ ان کی رائفلوں کا رخ نیچے کی طرف تھا مگر ان کی انگلیاں ٹریگرز سے زیادہ دور نہیں تھیں۔ باس نے شیر خان سے پوچھا۔ ''تمہارے باقی ساتھی کہاں ہیں؟''

''تمہیں ان سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔'' شیر خان بولا۔ ''آدی لو اور معاوضہ دو۔''

اچانک ہی میرے اندر سے چھٹی حس نے اشارہ کیا اور میرا جسم سنسنا اٹھا تھا۔ یہاں کچھ ہونے والا تھا۔ میری نظر ان چاروں پر تھی لیکن انہوں نے کچھ نہیں کیا تھا اس کی بجائے اچانک جنگل کی طرف سے تڑتڑاہٹ کی آواز آئی اور ایک مردانہ چیخ گونجی جس میں موت کا کرب رچا ہوا تھا۔ فوراً ہی کسی دوسری رائفل نے موت کا نغمہ گایا۔ شیر خان چونکا تھا کہ باس نے اس کے پیروں پر برسٹ مارا۔ وہ شاید اسے مارنا نہیں چاہتا تھا ورنہ اوپر فائر کرتا۔ شیر خان دھاڑ کے ساتھ نیچے گرا اور باس نے آگے بڑھ کر اس کی رائفل لات مار کر دور پھینک دی پھر جھک کر اس کی بیلٹ سے بندھا ہوا پستول نکال لیا۔ اس کے باقی تین ساتھی تیزی سے جنگل کی طرف بڑھے تھے جہاں اب دو رائفل رہ رہ کر گرج رہی تھیں۔ میری چھٹی حس نے درست خبردار کیا تھا۔ وہاں زندگی و موت کا کھیل جاری تھی اور لگ رہا تھا کہ اس کھیل میں شیر خان اینڈ کمپنی کو موت نصیب ہوگی۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ چند لمحے بعد ہی جنگل کی طرف سے دوسری چیخ سنائی دی اور یہ بھی مردانہ تھی جس میں موت کا کرب رچا ہوا تھا۔ اب صرف زینی باقی رہ گئی تھی۔ مگر دوسری چیخ کے بعد فائرنگ رک گئی تھی۔

شیر خان کی دونوں ٹانگیں چھلنی ہوگئی تھیں۔ خاص طور سے گھٹنے چکنا چور ہوگئے تھے اور وہ شدید اذیت میں تھا۔ اگر اسے فوری طور پر کسی بہت اچھے آرتھوپیڈک سرجن کی خدمات حاصل ہوجاتیں تب بھی اس کا امکان بہت کم تھا کہ وہ دوبارہ پہلے کی طرح اپنے پیروں پر چل سکے۔ مگر فی الحال تو اس کی زندگی کا امکان بھی کم ہی نظر آ رہا تھا۔ باس اس کی اور میری طرف سے پوری طرح چوکنا تھا۔ شیر خان ہوش میں تھا اور کراہ رہا تھا میں نے ذرا جھک کر افسوس سے کہا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا نا تم نے آسان راستہ اختیار کیا ہے انجام کی طرف۔''

جواب میں اس کے منہ سے جو نکلا وہ سب ناقابلِ فہم تھی۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا کہ دم توڑتے آدمی کو کیا کہتا۔ ایک منٹ بعد درختوں کی طرف سے زینی نمودار ہوئی اور آنے والے تینوں افراد اس کے پیچھے تھے۔ ایک لمحے کو لگا کہ زینی کو ہینڈز اپ کرکے لایا جا رہا ہے۔ مگر پھر میری نظر اس کے ہاتھ میں موجود رائفل پر گئی اور وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکست خوردہ نہیں بلکہ فاتحانہ انداز میں آ رہی تھی۔ میں نے شیر خان سے کہا۔ ''تمہاری ایک اور شکست..... ذرا دیکھنا زینی کیسے آ رہی ہے۔''

شیر خان نے سر گھما کر زینی کو دیکھا اور اس کی ناگفتنی کا رخ اس کی طرف مڑ گیا۔ زینی نے اس کا جواب یوں دیا کہ آتے ہی اس کے ماتھے پر گولی ماری اور شیر خان فوراً مر گیا۔ مجھے اس کی جوان مرگی کا کوئی افسوس نہیں ہوا۔ ایسے لوگ اسی طرح دنیا سے گزر جاتے ہیں۔ میں زینی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ''تم نے ٹھیک کہا تھا کوئی آج کل مطمئن نہیں ہوتا صرف دھوکا دیتا ہے۔ جیسا کہ تم نے دیا۔''

''اسے لے چلو۔'' زینی نے سرد لہجے میں کہا تو ان چاروں نے مجھے گھیر لیا اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ زینی ایک طرف ہو کر الگ چل رہی تھی۔ اس کا تحکمانہ رویہ اور ان چاروں کی نیاز مندی بتا رہی تھی کہ اب وہ باس تھی۔ سفر طویل نہیں تھا اور ہم آدھے گھنٹے بعد پہاڑ کی ڈھلان کے اوپری حصے میں پہنچ گئے تھے یہاں ایک باقاعدہ راستہ تھا جو صدیوں سے اس راہ پر چلنے والوں نے بنایا تھا۔ دور مجھے پاکستان کا پرچم لہراتا دکھائی دے رہا تھا اور اس سے ذرا فاصلے پر افغانستان کا پرچم تھا۔ گویا یہ سرحد تھی مگر ہم اس سے فاصلے پر تھے۔ ہم ڈھلان سے اترنے لگے۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ ہم پاکستان کی حد میں تھے یا افغانستان کی حد میں داخل ہو چکے تھے۔ اوپر چڑھنا میرے لیے زیادہ دشوار نہیں تھا مگر نیچے اترتے ہوئے مجھے مشکل پیش آنے لگی۔ بندھے ہاتھوں سے توازن بگڑ رہا تھا۔ بعض جگہ قدم لڑکھڑاتے تو خود کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ میں نے زینی سے کہا۔

''میرے ہاتھ کھلوا دو ورنہ نیچے گرا تو شاید ہڈیوں اور گوشت کا ڈھیر ملے تم کو لے جانے کے لیے۔''

وہ رکی اور پھر اپنی جیکٹ سے خنجر نکال کر میری طرف آئی اور ہاتھوں کی بندشیں کاٹ دیں۔ ''تھینک یو۔'' میں نے ہاتھ مل کر کہا۔

ہم ڈھلان سے نیچے اترنے لگے۔ زینی نے اب سر پر بڑی سی اونی ٹوپی پہن لی تھی جس سے اس کے سنہری بالوں کی پونی ٹیل چھپ گئی تھی۔ غالباً وہ اپنی نسوانی شناخت چھپانا چاہتی تھی۔ حالانکہ اس کی لچکتی چال ہی بتا رہی تھی کہ اس کا تعلق کس صنف سے ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ اپنی چال بدل لیتی مگر شاید وہ ایسا کرنے پر قادر نہیں تھی۔ آنے والے چاروں افراد پوری طرح مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک بار بھی زینی کی طرف متوجہ ہونے یا اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی ایسا لگ رہا تھا۔ وہ اس سے مرعوب لگ رہے تھے۔ اس کے تیور بھی کچھ ایسے ہو گئے تھے جیسے وہ اس کے بہت ادنیٰ درجے کے خادم ہوں۔ ڈھلان سے اترتے ایک مختصر لیکن بہت ترچھی چڑھائی آئی اور اس پر چڑھتے ہوئے صحیح معنوں میں کوہ پیمائی کرنا پڑی تھی۔ اکثر جگہ پر چاروں ہاتھوں پیروں سے اور پتھروں یا درختوں کا سہارا لے کر چڑھنا پڑ رہا تھا۔

جب اوپر پہنچے تو سامنے پیالہ نما وادی نظر آئی جو آخری حصے میں جا کر دو پہاڑوں کے بیچ آ گئی تھی۔ ہم اترنے لگے اس طرف ڈھلان شریفانہ تھی اور ہم آرام سے اتر گئے اور دس منٹ بعد وادی سے نکل رہے تھے۔ وادی پھر چوڑی ہونے لگی اور اس کے دونوں طرف بلند پہاڑ دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے لگا کہ ہم سیدھے جانے کی بجائے بہت گھوم پھر کر جا رہے تھے اور غالباً ایسا اس لیے کیا جا رہا تھا کہ کسی سرحدی چوکی سے مڈبھیڑ نہ ہو مگر وادی کے آخری حصے میں جو پہاڑ نظر آ رہا تھا وہ خاصا بلند تھا اور اس کے سب سے اوپر والے حصے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برف کی سفیدی دکھائی دے رہی تھی یعنی یہ پہاڑ کم سے کم پندرہ ہزار فٹ بلند تھا تبھی اس پر گرمیوں میں بھی برف تھی۔ ہم نے چڑھنا شروع کیا۔ اس سفر نے سب کو تھکا دیا تھا اس لیے جب خطرناک والی چڑھائی شروع ہوئی تو زیبی نے آدھے گھنٹے کے لیے رکنے کا اعلان کیا۔

میں ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہاں سائے میں خنکی تھی جب کہ دھوپ میں ذرا گرمی محسوس ہوتی تھی۔ شاید ابھی ہم سات یا آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ سب کے پاس پانی کی ڈھائی لیٹر والی بوتلیں تھیں۔ اس لیے پانی کی کمی نہیں تھی۔ میں نے راستے میں آنے والی تمام ندیوں سے دل کھول کر پانی پیا تھا اس لیے پیاس نہیں تھی مگر جیسے جیسے بلندی پر جاتے پیاس لگتی۔ سب مختلف جگہوں پر اس طرح بیٹھے تھے کہ میں ان کے درمیان میں تھا یعنی مجھے گھیرا ہوا تھا۔ زینی ایک کسی قدر بلند چٹان سے ٹکی کھڑی تھی اس نے بیٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سورج سر پر آ گیا تھا۔ وہ بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی پھر اس نے آدھا گھنٹا پورا ہوتے ہی کہا۔ ''لیٹس موو ناؤ''

اس بار مجھے اس کے لہجے نے چونکا دیا کیونکہ اس نے بہت صاف اور نستعلیق انگریزی لہجے میں یہ بات کہی تھی۔ مشرقی یورپ کے رہنے والے ٹی کو تی بولتے ہیں جب کہ اس نے ٹی ہی کہا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ جیسے اس کی شخصیت پُرفریب نکلی تھی کیا اس کی جارجین ہونے والی بات بھی غلط تھی؟ ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا اور اس بار چڑھائی خاصی مشکل ثابت ہوئی کیونکہ یہ ایک مسلسل چڑھائی تھی اور اس میں راستے بھی نایاب تھے۔ ہمارے قدم ان راستوں پر پڑ رہے تھے جن پر شاید پہلے کبھی کوئی انسان نہیں گزرا تھا۔ جیسے جیسے ہم اوپر کی طرف جا رہے تھے سردی بڑھ رہی تھی اور سائے میں سے گزرتے ہوئے باقاعدہ سردی لگتی تھی۔ خدا خدا کر کے ہم اس پہاڑ کے اوپری حصے میں پہنچے یہاں سے ایک راستہ نشیب کی طرف جا رہا تھا اور دوسرا پہاڑ کی چوٹی تک تھا۔ ظاہر ہے ہمیں نیچے کا رخ کرنا تھا۔

اب سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی اور جب سانس کھینچتے تو ہوا جیسے خالی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا جیسے سینے میں کم ہوا گئی ہو۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ ہم دس ہزار فٹ کے آس پاس کہیں تھے۔ مگر اب نیچے اترنا تھا اور ہماری منزل دور تک نشیب میں پھیلے تہہ در تہہ پہاڑوں میں کہیں تھی۔ ذرا نیچے آئے تو ایک پگ ڈنڈی مل گئی جو انسانی قدموں سے آشنا تھی۔ اس لیے اس پر سفر آسان ثابت ہوا۔ ہم ایک اور چوٹی کے نیچے سے گزرے جس پر برف جمی تھی اور اس کی خنکی یہاں تک آ رہی تھی۔ اس شفاف برف سے بہہ کر آنے والا پانی برف سے زیادہ سرد تھا مگر اسے پی کر میں تر و تازہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہم ایک ایسے راستے پر چلنے لگے جو پُل صراط سے مشابہ تھا اور اس کے دونوں طرف تا حدِ نگاہ ڈھلان تھی مگر یہ سیدھی ڈھلان نہیں تھی بلکہ گرنے کی صورت میں بہت سا حصہ آدمی کو ہوا میں طے کرنا پڑتا۔ جس کا لازمی نتیجہ فوتگی کی صورت میں نکلتا۔ اس لیے سب بہت محتاط ہو کر ایک قطار میں اس ڈھلان سے گزر رہے تھے۔

پُل کو عبور کر کے ہم نے ایک اور ڈھلان پر قدم رکھا جس پر ایک بار پھر اونچے درخت نظر آنے لگے تھے اور اس سے ہوتے ہیں بالآخر ایک چوڑی وادی میں داخل ہوئے۔ یہ وادی اصل میں دریا کا پاٹ تھا مگر فی الحال پانی اس کے وسط میں کسی ندی کی طرح بہہ رہا تھا۔ تھکن سے سب کا برا حال تھا اس لیے ایک اسٹاپ آدھے گھنٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا اور دیا گیا اور اس دوران میں ہم نے گڑ ملے خشک چنوں سے پیٹ بھرا۔ یہ توانائی بخش کھانا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد پھر سے روانہ ہوئے۔ دریائی وادی کے ساتھ چلتے ہوئے۔ ہم شام پانچ بجے کے قریب ایک کچی سڑک تک پہنچے جہاں ایک بڑی آرمی جیپ ہماری منتظر تھی۔ یہ اس قسم کی جیپ تھی جیسی امریکی فوج استعمال کرتی ہے مگر اس پر نشانات نہیں تھے اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک سویلین افغانی بیٹھا ہوا تھا۔ اب میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ چاروں بھی افغانی تھے۔

یہاں آتے ہی انہوں نے اپنی بلٹ پروف جیکٹس اتار دیں اور روشن خیال افغانیوں والے حلیے میں آ گئے۔ وہ سب کلین شیو تھے اور سروں پر چھوٹے بال تھے اس لیے انہیں سروں پر اڑتے ڈرون طیاروں سے خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر دوسرے خطرات تو تھے۔ پورے افغانستان میں جا بجا مزاحمتی گروپس ہیں۔ وار لارڈز اور ڈرگ لارڈز ہیں۔ ان کے علاوہ جرائم پیشہ گروہوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہر فرد مسلح ہوتا ہے اور سامنا ہونے پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا سامنے بندوق بدست شخص جو چلا آ رہا ہے وہ کوئی ڈاکو ہے یا پھر شریف آدمی۔ چل چل کر سب کا برا حال ہو گیا تھا اس لیے گاڑی دیکھ کر مجھ سمیت سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ ہم اس کے عقبی وسیع کیبن میں آ گئے جس میں آمنے سامنے نشستیں لگی تھیں۔ زینی ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر آ گئی۔ جیپ آگے بڑھی اور کچے راستے پر اس کی رفتار سست مگر ایک گھنٹے بعد ایک کسی قدر پختہ سڑک آ گئی اور اس کی رفتار بڑھ گئی تھی میں نے زینی سے کہا۔ ''ہم یقیناً افغانستان میں ہیں؟''

''ہاں تم اس وقت افغانستان میں ہو۔''

''رات میں بھی سفر جاری رہے گا؟''

''نہیں آج رات ہم ایک جگہ رکیں گے۔'' زینی نے کہا۔ ''یہاں رات کے وقت سفر کرنا مناسب نہیں ہوتا ہے۔''

جیپ سورج غروب ہونے کے بعد بھی چلتی رہی تھی۔ یہ علاقائی سڑک تھی مگر اس کا معیار بہت اچھا تھا۔ امریکیوں نے آنے کے بعد سب سے پہلے ذرائع مواصلات پر توجہ دی تھی اور یہاں بننے والی سڑکیں عالمی معیار کی تھیں۔ تاریکی چھانے کے کوئی ایک گھنٹے بعد جیپ ایک چھوٹے سے قصبے میں داخل ہوئی۔ یہاں اس وقت بجلی نہیں تھی مگر جنریٹرز چل رہے تھے اور روشنی کے لیے دوسرے ذرائع سے بھی کام لیا جا رہا تھا۔ یہاں خاصی چہل پہل تھی اور بازار کھلا ہوا تھا۔ جیپ ایک چھوٹے دو منزلہ ہوٹل کے سامنے رکی اور ہم اتر کر اندر آئے۔ انہوں نے تین کمرے لیے۔ ایک زینی کے لیے تھا اور باقی دو ہمارے لیے تھے۔ کھانا اوپر ہی طلب کیا تھا۔ جب اس نے رقم دی تو مجھے پتا چلا کہ اصل مہنگائی تو یہاں تھی۔ تین کمروں اور رات کے کھانے کے چار سو امریکی ڈالرز چارج کیے گئے تھے یعنی چالیس ہزار پاکستانی روپے، اتنے میں تو پاکستان میں ہم فائیو اسٹار نہ سہی فور اسٹار ہوٹل میں قیام کر سکتے تھے۔ امریکیوں کے بارے میں بالکل درست کہا ہے کہ یہ جہاں جاتے ہیں چیزوں کے دام بڑھ جاتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

کھانے میں دنبے کا بھنا گوشت اور خاص طریقے سے پکی ہوئی روٹی تھی۔ کھانا بے شک مہنگا تھا مگر اتنا ہی لذیذ بھی تھا۔ اس کے بعد قہوہ آیا۔ میرے لیے اسپیشل آیا تھا کیونکہ قہوہ ختم کرتے ہی میرے ذہن پر نیند نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یلغار کی تھی اور جب تک میں سوچتا کہ کیا ہوا ہے میں سو چکا تھا۔ ظاہر ہے یہ انتظام مجھے سکون سے سلانے کے لیے تھا تاکہ وہ بھی آرام سے سو سکیں یا آرام ہی کر لیں کیونکہ اس سفر نے سب کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے تھے۔ میں بے ہوشی جیسی نیند میں تھا مگر فائرنگ کی آواز نے میرے شعور کو جھنجوڑا اور میں نے محسوس کیا کہ آس پاس شور ہو رہا تھا۔ بہ مشکل میں نے آنکھ کھولی اور جھومتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ میرا ذہن بالکل خالی ہو رہا تھا۔ کمرا بھی خالی تھا اور ہوٹل کے آس پاس سے رہ رہ کر فائرنگ کا شور بلند ہو رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر تاریکی تھی یعنی ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ کمرے میں ایک چھوٹا انرجی سیور روشن تھا اور دیوار گیر گھڑی صبح کے چار بجا رہی تھی۔ جاگنے کے باوجود میرے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت فی الحال خوابیدہ تھی۔ مگر میرا لاشعور اشارہ کر رہا تھا کہ آس پاس گڑبڑ ہے اور دراصل اسی نے مجھے بیدار کیا تھا ورنہ میری بیدار ہونے والی حالت نہیں تھی۔ اچانک دروازہ کھلا اور زینی اندر آئی۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

''چلو یہاں گڑبڑ ہے؟''

''کیسی گڑبڑ؟'' میں نے خواب کی سی کیفیت میں کہا۔

''پتا نہیں کچھ لوگ آ گئے ہیں میرے آدمی مقابلہ کر رہے ہیں مگر ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

عجیب بات تھی میرا ردعمل تو یوں ہونا چاہیے تھا کہ میں سب سے پہلے اسے ہی دشمن سمجھتا اور قابو کرنے کی کوشش کرتا۔ یا پھر فرار کی راہ تلاش کرتا مگر اس کی بجائے میں اس کے ساتھ کھنچا چلا گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہم آپس میں دوست اور ساتھی ہیں۔ باہر آتے ہی اس نے ہوٹل کے اوپری حصے کا رخ کیا اور لکڑی کی سیڑھیاں چڑھ کر ہم چھت پر آئے۔ آس پاس گولیوں کے شعلے چمک رہے تھے اور حملہ آوروں نے دو طرف سے ہوٹل کو گھیرا ہوا تھا۔ زینی کے آدمیوں کی طرف سے جوابی کارروائی جاری تھی۔ مگر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہتھیاروں سے لگ رہا تھا حملہ آوروں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ شاید اسی لیے زینی مجھے یہاں سے نکال لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ہم کس طرف جائیں یہاں تو دشمن ہیں۔''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ بولی اور برابر والے مکان کی طرف بڑھی۔ یہ بھی دو منزلہ تھا مگر ہوٹل سے ذرا نیچا تھا۔ زینی نے مجھ سے کہا۔ ''نیچے اتر جاؤ اور پھر سہارا دے کر مجھے اتارو۔''

میں دیوار سے لٹک کر آرام سے چھت پر اتر گیا اور پھر میں نے ہاتھ اوپر کیا تو زینی میرے بازوؤں میں آ گئی۔ میں نے اسے نیچے کیا تو اس نے پھر میرا بازو پکڑا اور زینوں کا رخ کیا۔ اس بار بھی میں نے بلا چوں چرا اس کا ساتھ دیا مگر میرے اترنے سے پہلے موجود افراد کو پتا چل گیا تھا کہ کوئی چھت پر آیا ہے۔ زینوں پر ایک نوجوان آدمی نمودار ہوا اور زینی کی رائفل کا رخ اپنی طرف دیکھ کر ساکت ہو گیا۔ زینی نے آہستہ سے کہا۔ ''شور مت کرنا ہم صرف یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں پیچھے ہمارے دشمن آ رہے ہیں۔ وہ آ گئے تو تم بھی مارے جاؤ گے۔''

نوجوان نے سر ہلایا اور بولا۔ ''تم دونوں چلے جاؤ۔''

ہم نیچے آئے تو ایک کمرے میں بستر پر ایک لڑکی چادر میں دبکی ہوئی تھی ہمیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف آیا اور اس نے چادر مزید مضبوطی سے خود پر لپیٹ لی۔ شاید وہ اس نوجوان کی بہو، تھی۔ اس فلور پر بس دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمرے تھے اور ان میں یہی دو افراد تھے۔ معمولی سا فرنیچر اور ساز و سامان تھا۔ ہم اسے دیکھ کر نچلے والے فلور پر آ گئے۔ یہ حصہ بند تھا صرف سیڑھیوں اور باہر جانے والا حصہ کھلا ہوا تھا۔ یہاں کوئی اور رہتا تھا یہ مشکل سے ستر اسی گز رقبے پر بنا ہوا گھر تھا۔ جس میں آنے جانے کا راستہ مشترک تھا۔ زینی نے نوجوان سے کہا۔ ''اب تم جاؤ اور اپنے فلور پر رہو وہاں سے باہر مت آنا۔''

نوجوان سر ہلاتا ہوا اوپر چلا گیا۔ زینی نے باہر جھانکا تو سامنے ہی دو مسلح افراد ایک کنکریٹ کی دیوار کی آڑ سے ہوٹل کی طرف فائرنگ کر رہے تھے۔ میں ان کو دیکھ رہا تھا کہ کب زینی نے پستول پر سائلنسر لگایا اور پھر اس نے ہاتھ آگے کر کے ایک فائر کیا اور دیوار کے پیچھے موجود افراد میں سے ایک غائب ہو گیا۔ دوسرا اسے دیکھنے کے لیے جھکا اور پھر اس نے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر جوش میں ہوٹل کی طرف پورا برسٹ مارا اور اس کے خاتمے پر خود بھی مارا گیا۔ زینی نے اس کے سر میں گولی ماری تھی اور اس کا نشانہ بہترین تھا کوئی تیس گز کے فاصلے سے اس نے دونوں افراد کو ایک ایک گولی سے نشانہ بنایا تھا۔ پھر اس نے جھانک کر باہر دیکھا اور بولی۔ ''آؤ راستہ صاف ہے۔''

ہم باہر نکلے اور ہوٹل سے مخالف سمت میں روانہ ہو گئے۔ ہم جھکے ہوئے تھے اور رفتار تیز تھی۔ ایک گلی تک پہنچے تھے کہ عقب سے فائر ہوا اور ہم تیزی سے گلی میں گھس گئے۔ ہم بال بال بچے تھے کیونکہ چلائی جانے والی گولیاں ہمارے پاس سے گزری تھیں۔ عقب میں ہونے والی فائرنگ کے شور میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ گلی میں مڑتے ہی زینی نے دوڑنا شروع کر دیا اور میں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اب تک میرے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ میری دشمن ہے مجھے قیدی بنا کر لائی ہے اور اب میرے پاس موقع ہے کہ میں آزادی حاصل کر سکوں مگر میں بنا سوچے سمجھے اس کا ساتھ دے رہا تھا جیسے وہ کہہ رہی تھی ویسا ہی کر رہا تھا۔ میں نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ مجھے فرار ہو جانا چاہیے یا اسے قابو کر لینا چاہیے۔ میں یوں اس کے ساتھ لگا ہوا تھا جیسے ہم ایک ہی ہوں اور دشمن وہ ہے جو ہمارے پیچھے آیا ہے۔ یہ گلی چوڑی تھی مگر آگے زینی جس گلی میں مڑی وہ تنگ تھی۔ ہم قصبے کی اندرونی آبادی میں گھس گئے تھے۔

یہاں دشمن نہیں تھے مگر وہ پیچھے ضرور آتے۔ اس لیے زینی تیز رفتاری سے گلیاں کراس کر رہی تھی۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اس آبادی سے واقف تھی۔ یہ چھوٹا سا قصبہ پہاڑوں کے درمیان میں دریا کے کنارے تھا۔ کچھ دیر بعد ہم ایسی جگہوں سے گزرنے لگے جہاں مکانات فاصلے پر تھے اور درمیان میں باغات اور خالی جگہیں تھیں۔ فائرنگ کی آواز اب پیچھے رہ گئی تھی مگر رہ رہ کر آ رہی تھی۔ بھاگ دوڑ سے میری غنودگی غائب ہو گئی تھی مگر ذہن کو سن کرنے والی کیفیت برقرار تھی۔ اب بھی میں کچھ سوچنے سے قاصر تھا۔ ہم جس سڑک سے آئے تھے وہ دریا کے دوسری طرف تھی اور قصبہ دریا کے اس طرف تھا اس لیے ہمیں ہائی وے تک جانے کے لیے دریا کراس کرنا پڑتا۔ درختوں اور کھیتوں کا ایک مختصر حصہ آیا اور اس کے بعد قصبے کا دوسرا حصہ سامنے آیا جو اصل میں دریا کے بالکل ساتھ تھا اور اس سے ایک سڑک نکل کر مخالف سمت میں جا رہی تھی جہاں دریا پر پل تھا اور وہاں سے اسے کراس کیا جا سکتا تھا۔ زینی نے صبح کی نمودار ہوتی روشنی میں پل کی طرف اشارہ کیا۔

''ہمیں وہاں جانا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دور ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں گاڑی کی ضرورت ہوگی۔''

''یہاں گاڑی نہیں ہے ہمیں پیدل جانا ہوگا۔'' اس نے کہا۔ ''چلو میرے ساتھ۔''

ہم درختوں اور مکانوں کی آڑ میں اس طرف روانہ ہوئے۔ فاصلہ ایک کلومیٹر سے کچھ کم تھا۔ اب فائرنگ کی آوازیں تھم گئی تھیں اور اگر دشمن ہمارے پیچھے آیا تھا تو وہ ہمارا نشان کھو چکا تھا۔ جب ہم پل کے پاس پہنچے تو روشنی اتنی ہوگئی تھی کہ پل پر موجود ایک گاڑی اور اس کے آس پاس موجود مسلح افراد دکھائی دے رہے تھے۔ وہ چوکنا تھے جیسے کسی کے منتظر ہوں۔ زینی نے تشویش سے کہا۔ ''یہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ان کو کیسے پتا کہ ہم یہاں آئے ہیں؟''

''اب تک ہمارے فرار کا پتا چل گیا ہوگا اس لیے ان لوگوں کو اطلاع مل گئی ہوگی۔ یہ ہمیں دریا کراس کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔''

''تب ہم پار کیسے جائیں گے؟''

''تیر کر۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

میں نے اس بار بھی کوئی اعتراض نہیں کیا کہ دریا کا پانی بے پناہ سرد ہوگا اور ہماری قلفی جم سکتی تھی۔ درحقیقت میں اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس وقت زینی مجھ سے کہتی کہ میں آگ کے دریا میں کود جاؤں تو میں سوچے سمجھے بغیر اس کی بات پر عمل کرتا۔ زینی ذرا پیچھے آئی اور اس نے اپنے جوتے اتار کر کمر سے باندھ لیے۔ میں نے جوتے نہیں اتارے۔ اس نے اسلحہ اپنی پشت پر بندھے بیگ میں ڈال لیا تھا اور پھر ایک چھوٹی سی رسّی نکال کر اسے اپنی اور میری پتلون کی بیلٹ سے باندھ لیا تاکہ ہم دریا میں الگ نہ ہو جائیں۔ پانی میں اترنے سے پہلے اس نے پوچھا۔ ''تم تیرنا جانتے ہو؟''

''بہت اچھی طرح۔'' میں نے کہا۔ مگر جب ہم دریا میں آئے اور ٹھنڈے پانی نے استقبال کیا تو اندازہ ہوا کہ میدانی دریاؤں اور پہاڑی دریاؤں میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اس پانی نے ہمارے جسموں کی حرارت چوسنا شروع کر دی اور جب ہم دریا کے وسط تک پہنچے تو ٹھنڈے ٹھار پڑ چکے تھے۔ جسم کی طاقت جیسے سلب ہوگئی تھی اور ہمارے ہاتھ اب سلوموشن میں چل رہے تھے اور آگے جانے کی بجائے ہم دھارے کے ساتھ کھنچ رہے تھے۔ زینی کی حالت بھی بری ہو رہی تھی۔ اس سے یوں بھی مشکل سے تیرا جا رہا تھا کہ اس کی پشت پر دس بارہ کلوگرام وزنی بیگ تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے غوطے کھانا شروع کر دیئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اسے اپنی تیراکی کی صلاحیت کا درست اندازہ نہیں تھا۔ خاص طور سے جب واسطہ ایسے شوریدہ سر دریا سے ہو تو۔ ایک بار وہ پانی کے اندر گئی تو مجھے اس کو کھینچنا پڑا تھا اور اس کے بعد میں ہی اسے سنبھالنے لگا۔ مگر ہم تیرنے کی بجائے خود کو سطح پر برقرار رکھ رہے تھے۔ اس لیے کنارے کی طرف جانے کی بجائے دھارے کے ساتھ بہنے لگے اور اب پل کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے زینی سے کہا۔

''پل نزدیک آ رہا ہے۔''

''وہ..... دیکھ لیں..... گے۔'' زینی نے اکھڑی سانسوں کے درمیان کہا۔ ''ان کی نظروں سے بچنا۔''

نیچے دریا میں ابھی نیم تاریکی تھی مگر مسئلہ یہ تھا کہ زینی نے کسی قدر شوخ اور نج رنگ کی جیکٹ پہنی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ یہ پانی میں نمایاں ہو رہی تھی۔ میں نے اسے گھما کر اپنی آڑ میں کر لیا۔ میں آگے تھا اور وہ میرے پیچھے تھی۔ میری جیکٹ مٹیالے رنگ کی تھی اور دریا کے پانی سے ہم رنگ ہو رہی تھی۔ اس کی جیکٹ مزید چھپانے کے لیے میں نے اسے گردن سے پکڑ لیا۔ یوں وہ پانی میں زیادہ اندر چلی گئی تھی اور اس کی جیکٹ چھپ گئی تھی۔ اس نے خود کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ یہ عجیب سچویشن تھی کہ ذہنی لحاظ سے میں اس کے بس میں تھا مگر جسمانی طور پر اس نے خود کو مجھ پر چھوڑ دیا تھا۔ ہم پل کے نزدیک آئے تو میں نے دیکھا ایک آدمی کنارے پر کھڑا ہوا تھا مگر وہ نیچے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر قصبے کی طرف تھی۔ پانی پل سے کوئی تیس پینتیس فٹ نیچے تھا۔ عین اس وقت جب ہم پل کے نیچے آ رہے تھے اس آدمی نے نیچے دیکھا اور اس نے ہمیں دیکھ لیا۔ فوراً ہی اس کے چلانے کی آواز آئی۔

''وہ دریا میں ہیں۔''

''گہرے سانس لو اور سانس روک لو۔'' میں نے زینی سے کہا اور خود بھی گہرے سانس لینے لگا اور پھر پھیپھڑوں میں ممکنہ حد تک ہوا بھر کر میں نے زینی سمیت پانی میں غوطہ لگایا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم پل کے دوسری طرف نکلے تو پانی کے اندر تھے۔ مگر فوراً ہی ہمارے آس پاس گولیاں برسنے لگی تھیں۔ فائرنگ کی آواز تو نہیں آ رہی تھی مگر جب گولی پانی میں اترتی تو مرغولے دار لکیر سی کھنچ جاتی تھی۔ میں نے کوشش کی کہ مزید نیچے جاؤں۔ زینی تیزی سے سانس خارج کر رہی تھی۔ اس کے منہ سے مسلسل بلبلے نکل رہے تھے۔ جب کہ میں نے اپنی سانس اب تک روکے رکھی تھی۔ ہمیں پانی میں آئے ہوئے دو منٹ ہو گئے تھے اور زینی نے اپنی سانس مکمل خارج کر دی تھی اب وہ سطح پر جانے اور سانس لینے کے لیے بے تاب ہو رہی تھی مگر گولیاں ہمارے آس پاس گر رہی تھیں یعنی ہم فائرنگ کی زد میں تھے۔ اس لیے میں زینی کو اوپر جانے سے روک رہا تھا۔ ایک خطرہ یہ تھا کہ وہ پانی پی لے گی اس لیے میں نے اس کے منہ پر ہاتھ جما لیا۔ وہ سانس کے لیے مچلنے لگی۔ مگر میں اس کا منہ نہیں چھوڑ سکتا تھا ورنہ پانی اس کے پھیپھڑوں میں چلا جاتا اور اس کا بچنا مشکل ہو جاتا۔ کچھ دیر بعد اس کی مزاحمت کمزور پڑنے لگی۔ تیسرے منٹ تک ہم پُل سے اتنا دور نکل گئے تھے کہ اب گولیاں ہم تک نہیں آ رہی تھیں۔ اس لیے میں نے اوپر آنا مناسب سمجھا۔ زینی نے مچلنا بند کر دیا تھا اور اب ڈھیلے انداز میں تیر رہی تھی۔ باہر نکلتے ہی میں نے دیوانہ وار سانس لیے اور پھر زینی کو ہلایا۔ مگر اس کا سانس رکا ہوا تھا۔

''اے سانس لو۔'' میں نے اسے جھنجوڑا۔ مگر وہ ساکت رہی۔ مجبوراً میں نے اسے گھما کر سامنے کیا اور پہلے اس کے منہ سے منہ ملا کر اس کے پھیپھڑوں میں ہوا بھری اور پھر اس کے سینے پر کے مارے۔ نسوانی جسم کے نازک حصے پر یہ ضرب خاصی سخت تھی مگر مجبوری تھی۔ ایک بار کے مارنے پر وہ بے حس رہی۔ مگر دوسری بار یہ عمل کرنے پر اس نے کھانس کر سانس لی اور پھر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ میں نے بھی سکون کا سانس لیا اور اس کا سر پانی سے باہر رکھا کیونکہ وہ اس قابل نہیں تھی کہ از خود تیر سکتی۔ اس دوران میں ہم دریا میں بہتے جا رہے تھے مجھے ارد گرد کی خبر نہیں تھی۔ زینی کے سانس لینے کے بعد میں نے آس پاس دیکھا تو پل پیچھے رہ گیا تھا۔ کچھ دیر زینی نے آنکھیں کھول دیں اور آس پاس دیکھا۔

''ہم کہاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے آگاہ کیا ''پل سے آگے نکل آئے ہیں دھارے کے ساتھ جا رہے ہیں۔''

''ہم دوبارہ قصبے کی طرف جا رہے ہیں۔'' وہ مضطرب ہوگئی۔ ''ہمیں کنارے پر جانا ہے۔''

وہ رہ رہ کر کھانس رہی تھی اور میرے لمحوں سے یقیناً اسے تکلیف پہنچی تھی۔ قصبے کے پاس دریا کا پاٹ چوڑا اور دھارا سست ہو گیا تھا۔ میں نے کنارے کی طرف دیکھا تو دور ایک گاڑی ہائی وے پر نظر آئی مجھے شبہ ہوا کہ یہ وہی گاڑی تھی جو میں نے پل پر دیکھی تھی۔ پھر ہائی وے دریا سے دور ہونے لگی اور گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ زینی نے کہا۔ ''چلو ہمیں اس کنارے چلنا ہے۔''

''اس طرف دشمن ہے۔''

''اسی لیے تو اس طرف جانا چاہیے وہ سمجھے گا کہ ہم قصبے کی طرف جائیں گے۔''

اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں صرف منطقی اعتراض کر سکتا تھا اگر زینی کوئی بات کہہ دیتی تو اسے لازمی تسلیم کرتا چاہے وہ عقل و منطق کے بالکل ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ میں نے اس کے ساتھ مخالف کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ دریا کا پاٹ چوڑا ہوا تھا مگر اس کی تندی ختم ہو گئی تھی اور اب ہم آرام سے تیر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم کنارے پہنچے۔ میں اوپر چڑھا اور پھر زینی کو بھی کھینچا۔ میں بھی ہانپ رہا تھا مگر اس کی حالت بری تھی۔ وہ دیوانہ وار سانس لے رہی تھی اور بالکل ڈھیر ہو گئی تھی۔ میں نے آس پاس دیکھا اور پھر اس سے کہا۔ ''ان جھاڑیوں تک چلو یہاں دیکھ لیے جانے کا خطرہ ہے۔''

''میں نہیں جا سکتی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم مجھے لے چلو۔''

میں اٹھا اور اسے سہارا دے کر ان جھاڑیوں تک لے آیا۔ اس نے اپنا بیگ اتارا اور اس کی زپ کھولی تو اندر سب خشک تھا گویا یہ واٹر پروف بیگ تھا۔ اس نے اندر سے ایک میڈیکل پیک نکالا اور اس میں موجود چھوٹا سا انجکشن نکال کر اپنے دائیں بازو میں انجکٹ کر دیا۔ اس کی رنگت نیلی ہو رہی تھی اور وہ کھانس کھانس کر سانس لے رہی تھی مگر یہ انجکشن لگنے کے ایک منٹ بعد اس کی رنگت بحال ہونے لگی اور اس کی سانس بھی ہموار ہو گئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میڈیکل پیک میں اور بھی کئی انجکشن اور دوائیاں تھیں۔ مگر اس نے صرف وہی انجکشن لے کر پیک بند کیا اور اسے واپس بیگ میں رکھ لیا۔ حالت ٹھیک ہوتے ہی اس نے اٹھ کر اپنی جیکٹ اتاری۔ پھر شرٹ کے بٹن کھولنے لگی تو میں نے منہ پھیر لیا۔ وہ رکی اور اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''اے میری طرف دیکھو۔''

میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھا تو وہ دوبارہ بٹن کھولنے لگی تھی۔ اس نے شرٹ اتار دی۔ اس کے نیچے زیر جامہ تھا۔ پھر اس نے اپنی بھاری جینز اور کسی ہوئی پتلون کسی قدر دقت سے اتاری۔ بھیگ کر وہ اور چمٹ رہی تھی۔ نیچے بھی زیر جامہ تھا اور اب وہ نہ ہونے کے برابر لباس میں تھی۔ مگر میں تو اسے اس سے بھی زیادہ کھلے ڈھلے حلیے میں دیکھ چکا تھا۔ دوسرے اسے یوں دیکھ کر بھی مجھے کوئی احساس نہیں ہوا جب کہ میں پہلے سنسنا گیا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے نچوڑے اور پھر ان کو جھٹک کر ممکنہ حد تک پانی نکال دیا۔ وہ بلاشبہ نہایت حسین عورت تھی۔ بعض عورتوں کے نقوش حسین ہوتے ہیں اور بعض جسمانی لحاظ سے جاذب نظر ہوتی ہیں۔ مگر زینی میں یہ دونوں خصوصیات تھیں۔ اس کے نقوش جتنے دل فریب تھے جسمانی زاویے اس سے زیادہ حسین تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے دوبارہ کپڑے پہن لیے اور مجھ سے کہا۔ ''تم بھی اپنے کپڑے خشک کر لو۔''

میں ایک جھاڑی کی آڑ میں آیا اور لباس اتار کر نچوڑا۔ جوتوں میں پانی بھر گیا تھا انہیں جھٹک کر صاف کیا اور پھر پہن لیے۔ میں جھاڑی سے باہر آیا تو وہ جیکٹ پہن کر بیگ پشت پر باندھ چکی تھی مگر اس نے اسلحہ نکال لیا تھا۔ رائفل اس کے ہاتھ میں تھی اور پستول اس نے جیکٹ میں رکھا ہوا تھا۔ اگرچہ میں اس کا پورا ساتھ دے رہا تھا مگر اس نے اب تک اسلحے کے معاملے میں مجھ پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ اس کے پاس اضافی اسلحہ تھا۔ دریا کے ساتھ ڈھلان تھی دراصل یہ دریا کا ہی حصہ تھا۔ کئی سالوں بعد جب سیلاب آتا ہوہ تو دریا کا پاٹ اوپر ہائی وے کے پاس پہنچ جاتا ہوگا۔ اسی وجہ سے یہاں صرف چھوٹی جھاڑیاں اور درخت تھے۔ ہم اوپر جانے لگے۔ مگر جھاڑیاں زیادہ نہیں تھیں اس سے اوپر کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دریا نزدیک ہونے کی وجہ سے انہیں آبپاشی کے لیے پانی آسانی سے مل جاتا تھا۔ اس لیے سیلاب کے خطرے کے باوجود یہاں کاشت کاری کی جا رہی تھی۔ ہم اوپر آئے تو ہائی وے پر ویرانی تھی۔ روشنی زیادہ ہو چکی تھی اور سورج کسی لمحے نکل سکتا تھا۔ ہائی وے کے پار بھی دور تک سیڑھی نما کھیت نظر آ رہے تھے۔ زینی نے ان سے اوپر اشارہ کیا۔

''ہمیں اس طرف جانا ہے۔''

''درمیان میں لوگ مل سکتے ہیں۔''

''لوگوں کا مسئلہ نہیں ہے ان دشمنوں سے پیچھا چھڑانا ہے۔''

''لوگ ان کو بتا سکتے ہیں کہ ہم کہاں گئے۔ ہمیں ایسی جگہوں سے گزرنا چاہیے جہاں لوگ نہ ہوں۔''

زینی نے کچھ دیر سوچا اور پھر سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ سامنے کی بات ہے لیکن اس وقت میری عقل کام نہیں کر رہی ہے۔''

''ایسی عقل کا کیا فائدہ جو وقت پر کام نہ آئے۔'' میں نے کہا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں۔''

''چلو میرے ساتھ۔'' وہ بولی اور ہم ہائی وے کے متوازی چلنے لگے۔ ممکن حد تک آڑ میں رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ زینی کر رہی تھی میں تو اس کے حکم کا غلام بنا ہوا تھا۔ چند منٹ بعد ہم ہائی وے کے ایک ایسے حصے میں تھے جس کے پار دوسری طرف ویران پہاڑ اور کھائیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ہم نے ہائی وے کراس کی اور دوسری طرف پہنچ گئے۔ ایک ایسی جگہ پہنچ کر جہاں ہمیں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا زینی نے بیگ سے ایک نقشہ نکالا اور اسے کھول کر دیکھنے لگی۔ میں بھی دیکھ رہا تھا اس نے ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''ہمیں یہاں پہنچنا ہے۔''

''اسد آباد۔'' میں نے غور کیا۔ ''ہم اس وقت کہاں ہیں؟''

''یہاں۔'' اس نے ایک اور جگہ انگلی رکھی۔ یہاں اسمار لکھا تھا۔ گویا اس قصبے کا نام اسمار تھا۔ یہ جگہ پاکستان کی سرحد سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اسمار سے اسد آباد تک وہی ہائی وے جا رہی تھی جو اصل میں پاکستان سے آ رہی تھی۔ میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن اس علاقے سے ایک ہی ہائی وے جاتی ہے اور تمہارے دشمن تمہیں کہیں بھی روک سکتے ہیں۔''

''ہم پیدل اور ہائی وے سے ہٹ کر سفر کریں گے۔'' اس نے جواب دیا اور نقشہ تہہ کر کے واپس جیکٹ میں رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ ''چلو ہمیں گھوم کر جانے میں بہت وقت لگے گا۔''

''ہم شام تک پہنچ سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اس طرف دریا اور سڑک کے ساتھ آبادی ہے۔''

''ہاں اسی وجہ سے مشکل ہوگی۔ مگر ہم دوسروں کی نظروں سے بچ کر سفر کر سکیں گے۔''

ہم چل پڑے۔ میری کیفیت ایسی تھی کہ مجھے تجسس تک نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور زینی نے اپنے ہی ساتھیوں کو کیوں مروا دیا تھا پھر یہ کون تھے جو اس کے حکم کے غلام بنے ہوئے تھے اور اب اس کے کچھ دشمن بھی نکل آئے تھے جنہوں نے ہمیں مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ یہ علاقہ نہایت مشکل اور دشوار گزار تھا اس لیے آبادی کے پاس ہونے کے باوجود اسے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔ جیسے جیسے ہم اوپر کی طرف جا رہے تھے راستے کی دشواری بڑھ رہی تھی مگر یہی دشواری ہمیں پیچھے آنے والوں سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔ مگر اس مشقت سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ یخ پانی میں رہنے سے جسم کی حرارت جو زائل ہوگئی تھی دوبارہ لوٹنے لگی اور ہمارے کپڑے خشک ہونے لگے۔ سورج بلند ہونے کے بعد یہ عمل تیزی سے ہوا تھا اور ایک گھنٹے سے بھی پہلے ہمارے کپڑے خشک ہو گئے تھے۔ بلکہ اب کسی قدر گرمی لگ رہی تھی۔

ہم سیڑھی دار کھیتوں کے اوپر موجود پہاڑی سلسلے تک پہنچ گئے تھے۔ یہ جگہ بلندی پر تھی اور یہاں سے برف پوش پہاڑ زیادہ دور نہیں لگ رہے تھے۔ دھوپ خاصی تیز تھی مگر جہاں سائے سے گزرتے تھے خنکی ایک لمحے کو کانپنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے بعد ہم ویرانے میں سفر کر رہے تھے۔ تب پہلی بار میں نے اپنے اندر تبدیلی محسوس کی اور مجھے لگا کہ میری کیفیت بدل رہی ہے۔ میرا ذہن جو سن سا تھا اب بہتر ہو رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ میں زینی کے ساتھ اتنے سکون سے سفر کیوں کر رہا تھا؟ جب کہ وہ مجھے قیدی بنا کر لائی تھی اور مجھے کسی کے ہاتھ فروخت کرنے کا ارادہ تھا۔ پھر مزید ذیلی سوالات ذہن میں چکرانے لگے کہ اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا تھا اور یہاں کس چکر میں تھی؟ مگر مجھے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا یعنی یہ موقع نہیں ملا کہ میں زینی سے چھٹکارے کا سوچتا۔ کیونکہ اچانک زینی رک گئی اور اس نے کہا۔

''وقت ہو گیا ہے۔''

''کس چیز کا؟''

''بیٹھو۔'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا اور میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے بیگ سے میڈیکل پیک نکالا اور اس میں سے ایک چھوٹا انجکشن نکال کر مجھ سے بازو سامنے کرنے کو کہا اور میں نے بازو آگے کیا تب میں نے اس پر نس کی جگہ انجکشن کا نشان دیکھا۔ مجھے پہلے بھی انجکشن لگا تھا اور زینی نے اسی جگہ یہ انجکشن بھی لگا دیا۔ یہ نرو کا تھا۔ انجکشن لگنے کے چند منٹ تک میرا سر چکراتا رہا۔ زینی نے اس دوران میں مجھے نہیں چھیڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے کہا۔ ''اٹھو۔''

میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے اگلا حکم دیا۔ ''اس چٹان پر چڑھو اور نیچے کود جاؤ۔''

میں [illegible] نیچے کودنے کی صورت میں [illegible] کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چٹان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف بڑھا اور اس پر چڑھ کر کنارے جا رہا تھا کہ عقب سے زینی نے کہا۔ ''رک جاؤ۔''

میں رک گیا تو اس نے حکم دیا۔ ''واپس آ جاؤ۔''

میں واپس آ گیا۔ اس دوا نے مجھے اس کا غلام بنا دیا تھا۔ یہی حربہ میں بھارت میں دشمنوں پر استعمال کر چکا تھا اور اس کا مجھے بہت فائدہ ہوا تھا۔ یعنی زینی نے میرا جو تا میرے ہی سر مارا تھا۔ اگرچہ اب ایسی ادویات کا استعمال کوئی انوکھی بات نہیں ہے لیکن میرے ساتھ پہلی بار ایسا ہوا تھا۔ قبو ۔ ۔ نیند کی دوا دینے کے بعد مجھے انجکشن دیا گیا تھا تبھی جاگنے کے بعد اور موقع ملنے پر بھی میں نے فرار کی کوشش نہیں کی بلکہ زینی کا ساتھ دیتا رہا اور اس کی جان بھی بچائی۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اسے موت کے منہ سے کھینچ لیا تھا۔ ورنہ اس کا سانس تو رک گیا تھا۔ گویا اپنے پاؤں پر میں نے خود کلہاڑی ماری تھی۔ اگر وہ مر جاتی تو اس وقت میں آزاد ہو چکا ہوتا۔ میرے اس طرح روبوٹ بننے پر وہ خوش تھی اور مسکرا رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''تم نے دیکھا کہ میرے اشاروں پر کیسے ناچ رہے ہو؟''

میرے اندر کوئی لہر نہیں اٹھی میں سن کھڑا رہا۔ اس لیے میں نے کوئی جواب بھی نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی، پھر میرے پاس آئی اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور ذرا اچک کر ہونٹ میرے ہونٹوں کے سامنے لے آئی۔ وہ اپنی من مانی کر رہی تھی اور میں اسے روک نہیں سکتا تھا مگر میں کچھ محسوس بھی نہیں کر رہا تھا۔ اس نے بھی میرا سپاٹ پن محسوس کر لیا اور کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ الگ ہو گئی۔ ''تم بالکل ٹھس ہو گئے ہو میرا ساتھ دو۔''

میں نے ساتھ دیا مگر اسے مزہ نہیں آیا۔ اسی نے ٹھس کیا تھا ورنہ اتنے پاس آنے پر میں با آسانی اس کی گردن مروڑ دیتا۔ اس نے بیگ سے ایک گول دھاتی ڈبا نکالا اور اسے کھول کر اس میں سے ایک درمیانے سائز کا بسکٹ نکالا اور اسے منہ میں ڈال کر چبانے لگی۔ پھر اسے حلق سے اتارنے کے لیے اس نے پانی کا سہارا لیا۔ اس نے ایسا ہی ایک بسکٹ مجھے بھی دیا۔ میں نے اس بدمزہ سے بسکٹ کو بڑی مشکل سے پانی کی مدد سے نیچے کیا۔ مگر اسے کھاتے ہی مجھے لگا جیسے میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہو۔ زینی بولی۔ ''یہ ہائی پروٹین بسکٹ ہے سمجھ لو ایک بسکٹ میں ایک وقت کے کھانے کی مکمل غذائیت ہوتی ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''مجھے لگ رہا ہے میں نے اچھی طرح کھایا ہو۔''

''بس اب چلو۔'' وہ کھڑی ہو گئی مگر اس بار اس نے بیگ مجھے تھما دیا اور میں نے اسے پشت پر باندھ لیا۔ یہاں ڈھلان اترنی تھی اور زینی نے دو عدد لکڑیاں تلاش کیں جن سے ہم اسٹک کا کام لے سکتے تھے۔ سہارے کے بغیر اترنا مشکل کام تھا۔ اسٹک سے یہ آسان ہو گیا۔ سورج سر پر آ گیا تھا اور اس کی تپش اب بڑھ گئی تھی۔ خاص طور سے سر جیسے براہِ راست حرارت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اپنا رومال سر پر باندھ لیا۔ زینی کے پاس چھتری اونی ٹوپی تھی اس نے وہی پہن لی۔ اگرچہ یہ گرم تھی مگر فی الحال دھوپ سے بچا رہی تھی۔ بلندی پر پانی نہیں تھا اس لیے ہمیں اسی بوتل پر گزارا کرنا تھا۔ دوپہر تک جب کہیں پانی نہیں ملا تو زینی بوتل خود استعمال کرنے لگی۔ اس نے مجھے پانی دینا بند کر دیا۔ ایک گھنٹے میں میرا حلق خشک ہو گیا اور اس میں کانٹے سے پڑنے لگے تھے۔ یہاں گرمی سے زیادہ خشکی تھی جس نے پیاس کو ذرا سی دیر میں شدید کر دیا تھا۔ بسیار ۔ ۔ ۔ تھ برداشت کرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشکل ہو گیا تو میں نے اس سے پانی مانگا۔

''مجھے پیاس لگ رہی ہے۔''

''ابھی تمہیں پانی نہیں ملے گا۔'' اس نے رکھائی سے کہا۔

''تب میں پانی کہاں سے لوں؟''

''دیکھو شاید راستے میں کوئی ندی یا نالا آئے گا تو پی لینا۔''

ہم نے سفر جاری رکھا تھا مگر ہر گزرتے لمحے پیاس کی شدت بڑھ رہی تھی اور اگر جسم میں پانی ایک حد سے کم ہو جاتا تو ڈی ہائیڈریشن کی کیفیت ہو جاتی۔ مجھے چکر آنے لگتے اور نظر دھندلانا شروع کر دیتی۔ مگر فی الحال صرف تشنگی تھی۔ میں چلتے ہوئے ایسی جگہوں پر جھانک رہا تھا جہاں گڑھوں میں گزشتہ بارش کے پانی کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا مگر قسمت کہ بارش کو اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ اگر پانی تھا بھی تو اب خشک ہو چکا تھا۔ ہمارا رخ نیچے کی طرف تھا اور اس کا امکان بڑھ رہا تھا کہ راستے میں کوئی ندی یا نالا مل جائے۔ سہ پہر تک ہم ایک ڈھلان عبور کر کے نیچے پہنچے تو اوپر چڑھائی منتظر تھی۔ بائیں طرف نشیب میں گہرائی تھی میں نے زینی سے کہا۔ ''اب مجھ سے پیاس برداشت نہیں ہو رہی ہے وہاں نیچے پانی ہو سکتا ہے۔ مجھے پانی دو یا وہاں تک چلو ورنہ.....''

''ورنہ کیا؟'' اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''مجھے ڈی ہائیڈریشن کی کیفیت شروع ہو جائے گی اس وقت بھی میرا سر ہلکا سا چکرا رہا ہے۔''

اس نے سوچا اور سر ہلا کر پہلے بوتل میری طرف بڑھائی۔ ''اس سے دو گھونٹ لے لو۔''

میں نے دو گھونٹ لے کر بوتل اسے واپس کی اور اب میری حالت بہتر ہوئی تھی۔ زینی میرے ساتھ اس نشیب کی طرف بڑھی۔ یہاں سبزہ گہرے رنگ کا تھا جو اس بات کی نشانی تھی کہ یہاں پودوں کو زیادہ پانی ملتا تھا۔ پہاڑی علاقے پانی کے لحاظ سے صحرا سے زیادہ مختلف نہیں ہوتے ہیں یعنی ان کی زمین میں پانی زیادہ دیر نہیں ٹکتا ہے۔ اس لیے پودوں کو اپنے پاس پانی محفوظ کرنا پڑتا ہے۔ البتہ پہاڑوں میں بارش کہیں زیادہ ہوتی ہے اور پھر برف بھی پگھلتی ہے۔ اس لیے یہاں ہریالی پائی جاتی ہے۔ ہم ذرا نیچے آئے تھے کہ پانی کی جھلک دکھائی دی۔ یہ چشمہ تھا جو زمین سے ابل رہا تھا مگر ایک ہی جگہ محدود تھا۔ میں تیزی سے پانی کی طرف بڑھا۔ پانی شفاف اور نیلگوں رنگ کا تھا اس سے نباتات کی مخصوص مہک آ رہی تھی میں نے ہتھیلی میں لے کر پہلے اسے چکھا اور صرف پانی کا ذائقہ محسوس کر کے ایک بار منہ میں لیا۔ اس بار بھی پانی میں کوئی خرابی محسوس نہیں کی اس لیے چند گھونٹ پی کر دیکھا۔ زینی میرے عقب میں موجود احتیاط پسندی کا مظاہرہ دیکھ رہی تھی اور جھنجھلا رہی تھی۔

''اب جلدی کرو۔''

''چشموں کا پانی ایسے ہی نہیں پینا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''بعض اوقات اس میں زہریلی معدنیات یا پودوں کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ ویسے یہ پانی ٹھیک ہے۔''

میں نے دل بھر کر پانی پیا اور زینی نے اپنی بوتل بھی بھر لی۔ یہ ڈیڑھ لیٹر کی بوتل تھی۔ بلکہ اسے پانی اتنا اچھا لگا کہ اس نے اپنا پہلے والا پانی پھینک کر چشمے سے پانی بھر لیا۔ اس دوران میں میں نے اچھی طرح منہ ہاتھ دھوئے اور اپنا تپ جانے والا سر کچھ دیر کے لیے پانی میں رکھ کر ٹھنڈا کیا۔ اس ٹھنڈک نے مجھے بالکل تر و تازہ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا تھا۔ سیراب ہو کر ہم دوبارہ روانہ ہوئے۔ زینی نے نقشہ نکال کر دیکھا اور روٹ ذرا بدل دیا۔ ہم واپس ڈھلان کی طرف جانے کی بجائے اسی چشمے سے اوپر چڑھنے لگے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''اس طرف سے کیوں جا رہے ہیں؟''

''یہ شارٹ کٹ ہے۔'' وہ بولی۔

مگر شارٹ کٹ خاصا طویل ثابت ہوا کیونکہ ترچھا ہونے کے ساتھ ساتھ یہاں راستہ اتنا زیادہ گھوم رہا تھا کہ اس کی بجائے اگر ہم واپس ڈھلان پر جا کر چڑھتے تو اب تک دوسری طرف پہنچ چکے ہوتے۔ زینی تھک گئی تھی اور میرا حال بھی اچھا نہیں تھا لگاتار تین دن سے پہاڑی راستوں پر سفر کر رہے تھے۔ جب ہم اوپر پہنچے تو دوسری طرف بھی اتنی ہی مشکل اترائی تھی اور شام سر پر تھی۔ اس اترائی کے بعد ایک وسیع میدان نما پلیٹو دکھائی دے رہی تھی۔ مگر یہ بھی پہاڑوں کے اوپر تھی۔ یہاں دور ہائی وے بھی نظر آ رہی تھی۔ میں نے زینی سے کہا۔ ''اگر تم نے آج ہی اسد آباد پہنچنا ہے تو ہائی وے تک جانا ہوگا ہم کسی گاڑی میں ہی وہاں تک جا سکتے ہیں۔''

غالباً وہ بھی یہی سوچ رہی تھی اس لیے فوراً مان گئی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں ہائی وے کی طرف جانا چاہیے۔''

اس دشوار ڈھلان سے کسی نہ کسی طرح نیچے آئے تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ ہم نے شاید دس کلومیٹرز کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا اور سارا دن گزر گیا تھا۔ میدان سے ہوتے ہوئے ہم ہائی وے کے پاس آئے۔ اس پر ٹریفک گزر رہا تھا مگر اس طرح کہ چند منٹ بعد کوئی گاڑی آتی یا جاتی نظر آتی تھی۔ ہم ہائی وے کے نزدیک آئے تو خود کو چھپانے لگے۔ اس کا امکان تھا کہ پیچھا کرنے والے یہاں بھی ہوں۔ ایک موزوں جگہ ہم نے قیام کیا۔ یہاں سے ہم ہائی وے پر دونوں طرف نظر رکھ سکتے تھے اور کوئی ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ویسے بھی اندھیرا تقریباً چھا گیا تھا۔ دن بھر کی گرمی کے بعد اب ہوا میں خنکی محسوس کی جا سکتی تھی۔ مگر مجھے بھوک لگ رہی تھی عام حالات میں، میں کبھی اپنے دشمن سے اس طرح کھانے کا سوال نہیں کر سکتا تھا مگر میں جس کیفیت میں تھا میں نے آرام سے زینی سے کہہ دیا۔ ''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''کچھ دیر صبر کر لو اگر گاڑی مل گئی تو ہم کھانا بھی کھا سکیں گے۔ یہ انرجی بسکٹ ہنگامی حالات کے لیے ہیں۔''

''ہم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہیں؟''

''بس کا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ہم چھوٹی گاڑی والوں پر بھروسا نہیں کر سکتے وہ دشمن بھی ہو سکتے ہیں اور چور ڈاکو بھی۔''

''یہ دشمن کون ہیں؟''

''میں نہیں جانتی مگر اندازہ ہے۔ یہاں کا ایک طاقتور سردار میرے پیچھے پڑ گیا ہے یہ اسی کے آدمی ہیں جو مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔''

''یعنی یہ میرے چکر میں نہیں ہیں؟''

اس نے میری طرف دیکھا۔ ''یہاں تمہیں کون جانتا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوسکتا ہے کوئی نکل آئے۔'' میں نے کہا۔ ''یقین سے مت کہو۔''

اس کا منہ بن گیا اس کے خیال میں میں نے اس کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے پوچھا۔

''اس طاقتور سردار کو تم سے کیا مطلب ہے؟''

''یہ اس سردار کا بھائی ہے جسے میں نے قتل کیا تھا۔'' وہ بولی۔ ''وہ اپنے بھائی کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔''

''تم نے شیر خان اور اس کے ساتھیوں کو کیوں مارا؟''

''وہ سمجھتے تھے کہ میں ان کے بس میں ہوں۔'' زینی کا لہجہ حقارت آمیز ہوگیا۔ ''اس لیے وہ مجھ سے جیسا چاہے سلوک کرسکتے ہیں۔''

''اگر تم ان سے خوش نہیں تھیں تو ان کے ساتھ کیوں تھیں؟''

''میں اصل میں تمہارے لیے پاکستان گئی تھی۔'' اس نے انکشاف کیا۔ ''وہ سمجھے کہ میں مجبوری میں ان کے ساتھ شامل ہوئی ہوں۔ یہ کام بھی بہ ظاہر میں نے ہی ان کو دلایا تھا۔ میں تم کو لے آئی اور ساتھ ہی ان کو بھی کیفر کردار تک پہنچا دیا۔''

میں نے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی۔ ''میرے لیے کیوں؟''

''کسی کو تمہاری تلاش ہے۔''

''میری تلاش کس کو ہے؟''

''یہ میں نہیں بتا سکتی۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔ ''میں تم کو اس کے پاس لے جانے کی کوشش کر رہی ہوں اگر کامیاب رہی تو تم دیکھ ہی لوگے۔''

''تم نے مجھے انجکشن کس چیز کا لگایا ہے؟''

''شریف بنائے رکھنے کا۔'' وہ ہنسی۔ ''اگر میں تمہیں یہ انجکشن نہ لگاتی تو اس وقت تم میرے قابو میں کہاں ہوتے؟''

میں نے سوچ کر کہا۔ ''ہاں میں بھاگ جاتا۔ آج تک کوئی دشمن مجھے زیادہ دیر قید نہیں رکھ سکا۔''

''تم بہت خطرناک آدمی ہو، مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ تم اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ آگئے۔''

''یہ شیر خان اور اس کے ساتھی.....''

''انہیں بھول جاؤ۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''وہ گھٹیا درجے کے جرائم پیشہ تھے اور ان کا انجام یہی ہونا تھا۔''

''میں نے شیر خان سے کہا تھا۔''

''تم نے ٹھیک کہا تھا میرے پاس وقت ہوتا تو میں انہیں تڑپا تڑپا کر مارتی۔''

میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''دیکھنے میں اتنی ظالم نہیں لگتیں مگر تم نے کیسے آرام سے ان تینوں کو مار دیا۔''

''میں نے قسم کھائی تھی مجھے جب موقع ملا میں انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گی۔''

''یہ چاروں جو ہمارے ساتھ آئے کیا تمہارے پرانے ساتھی ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں انہیں اس شخص نے ہائر کر کے میری مدد کے لیے بھیجا جس کے لیے میں کام رہی ہوں۔ ورنہ میں ان کو جانتی بھی نہیں ہوں۔''

''شاید وہ چاروں مارے گئے ہیں۔''

اس نے بے پروائی سے سر ہلایا۔''حملہ آور زیادہ تھے۔ مگر انہیں اسی لیے ہائر کیا گیا تھا۔ ویسے بھی اس ملک میں مرنے مارنے کے سوا اور ہے ہی کیا؟''

''تب تم یہاں کیوں آئی ہو؟''

''صرف اسی کام کے لیے اس کے بعد میں واپس جارجیا چلی جاؤں گی۔ وہاں میرا خاندان ہے۔''

''تم نے جو وقت گزارا ہے کیا اس کے بعد نارمل زندگی گزار سکو گی؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے مجھے گھورا۔''تم کچھ زیادہ ہی بات نہیں کر رہے ہو اس انجکشن کے بعد آدمی چپ رہتا ہے۔ مگر تم ہو کہ بولے جا رہے ہو۔''

''میں زیادہ بولتا ہوں۔'' میں نے اعتراف کیا۔ زینی نے سڑک کی طرف دیکھا اور بولی۔

''میرا خیال ہے بس آ گئی ہے۔''

بس اسی سمت سے آ رہی تھی جس طرف سے ہم آئے تھے۔ زینی نے رائفل بیگ میں کر لی اور اب بیگ اپنے قبضے میں لے لیا البتہ اس نے پستول جیکٹ تلے پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا تھا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''آؤ۔''

ہم سڑک پر آئے اور زینی نے خود کو نمایاں کرتے ہوئے بس روکنے کا اشارہ کیا۔ ڈرائیور نے پہلے ہی بریک لگا دی اور ہمیں بس تک جانا پڑا تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور اس میں خواتین اور حضرات کے ساتھ ساتھ چرند و پرند بھی تھے۔ بس میں سیٹیں چند ایک تھیں جو وی آئی پی حضرات کے لیے مخصوص تھیں باقی سیٹیں نکال کر جگہ کشادہ کی گئی تھی جس میں زیادہ سے زیادہ افراد کو ٹھونسا ہوا تھا۔ اندر کا حال دیکھ کر زینی نے آگے جانا مناسب نہیں سمجھا اور ڈرائیور نے فوراً اسے اپنے ساتھ والی نشست پیش کی اور اس پر براجمان کنڈیکٹر کو وہاں سے دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ زینی بیٹھ گئی اور میں دروازے پر ہی کھڑا ہو گیا۔ آگے جانے کا کوئی چانس ہی نہیں تھا۔ بس آگے بڑھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر پیچھا کرنے والوں میں سے کوئی بس میں ہوا تو اس کا ردِعمل کیا ہو گا؟ اس سے پہلے بھی ہم پر براہِ راست فائرنگ کی گئی تھی اور اب بھی امکان یہی تھا کہ ہمیں مارنے کی کوشش کی جائے گی۔ مگر شکر ہے بس میں کوئی دشمن نہیں تھا اور ہم آرام سے اسد آباد پہنچ گئے۔

جس جگہ ہم بس پر سوار ہوئے وہاں سے اسد آباد مشکل سے دس بارہ کلومیٹرز کے فاصلے پر تھا اور ڈرائیور تیز رفتاری کا مریض تھا اس نے یہ فاصلہ مشکل سے پندرہ منٹ میں طے کر لیا اور جب اسٹاپ پر ہم اترنے لگے تو ڈرائیور مایوس ہوا تھا کہ اس نے اتنی جلدی کیوں دکھائی مزید کچھ دیر زینی کا ساتھ رہتا۔ زینی نے راستے میں ٹکٹ لے لیے تھے۔

○.....❖.....○

اسد آباد بڑا قصبہ یا چھوٹا شہر ہے اور رات کے وقت بھی یہاں خاصی چہل پہل تھی۔ زینی نے نیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اترتے ہی ایک ٹیکسی کو اشارہ کیا اور ٹیکسی والا اسے اڑا کر لایا تھا۔ بہ مشکل ہم اس کی زد سے بچے اگر ٹیکسی کے بریک بہت اچھے نہ ہوتے تو وہ ہم پر چڑھ جاتی۔ اس کے بریک تو اچھے ہونے تھے کیونکہ یہ نئے ماڈل کی ٹویوٹا کرولا تھی اور یہاں ٹیکسی کے طور پر کام کر رہی تھی۔ افغانستان میں گاڑیاں اسمگل ہو کر آتی ہیں۔ کوئی ڈیوٹی، ٹیکس اور رجسٹریشن نہیں ہے اس لیے نہایت سستی گاڑیاں ہوتی ہیں۔ اعلیٰ درجے کی لگژری گاڑیوں سے ٹیکسی حتیٰ کہ باربرداری کا کام بھی لیا جا رہا تھا۔ اگر انہیں بنانے والی کمپنیاں اپنی گاڑیوں کا استعمال دیکھتیں تو یقیناً صدمے میں آجاتیں۔

کاریں کم نظر آ رہی تھیں جب کہ بڑی لگژری فور وہیل ڈرائیوز کی بھرمار تھی۔ بازاروں کی رونق بتا رہی تھی کہ فی الحال یہاں لوگوں کے پاس خاصا پیسا آیا تھا۔ زینی نے ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو کسی جگہ کا بتایا۔ اس نے سر ہلایا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ عام سی گلیوں اور سڑکوں پر وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہا تھا اور یہاں لوگ اس کے عادی تھے کیونکہ کسی نے اسے گالی نہیں دی اور نہ لعنت دکھائی جیسا کہ ہمارے ہاں کا رواج ہے۔ شہر دو دریاؤں کے سنگم پر آباد ہے اور اس کا بڑا حصہ جزیرہ نما جگہ پر ہے جس کے تقریباً چاروں طرف پانی بہتا ہے۔ ہم اسی جزیرہ نما حصے میں اترے تھے اور اسی میں کہیں جا رہے تھے۔ مشکل سے پانچ منٹ بعد ٹیکسی ایک بڑے سے مکان کے سامنے رکی۔ یہ جدید طرز کا اور ماربل سے ڈھکا ہوا مکان تھا۔ یقیناً کسی دولت مند کا تھا۔ فولادی گیٹ پر نہ صرف دو عدد مسلح گارڈز تھے بلکہ مکان کی چھت پر باقاعدہ مورچہ بنا کر اس میں ایل ایم جی نصب کی گئی تھی۔

ہم نیچے اترے تو ایک گارڈ آگے آیا۔

''ادھر کیوں آیا ہے؟''

''رنی شاہ سے کہو زینی آئی ہے۔'' زینی نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔ گارڈ کچھ دیر اسے نظروں سے تولتا رہا پھر مڑ کر گیٹ تک گیا اس نے آگے پیغام پہنچایا اور اس نے آگے کسی سے کہا کیونکہ پیغام خاصی دیر میں پہنچا اور نتیجے میں رنی شاہ خود آ گیا۔ اس نے والہانہ انداز میں زینی سے ہاتھ ملایا۔

''تم ادھر کب آیا مجھے بتایا ہوتا میں گاڑی بھیجتا۔''

''میرے پاس گاڑی اور آدمی تھے۔'' زینی نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن سب راستے میں رہ گئے۔''

رنی شاہ چونکا۔ ''کیا ہوا؟''

''میرا خیال ہے گہرام کے آدمی تھے۔ انہوں نے اسمار میں ہم پر حملہ کیا۔''

رنی شاہ متفکر ہو گیا۔ ''گہرام خان..... ان دنوں وہ بہت اونچا اڑ رہا ہے۔''

''جو جتنا اونچا اڑتا ہے اتنی ہی بلندی سے نیچے گرتا ہے۔'' زینی نے جواب دیا۔ رنی شاہ پہلی بار میری طرف متوجہ ہوا اور اس نے حاسدانہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ کون ہے؟''

''ایک قیدی ہے۔'' زینی بولی۔

''ضیا۔'' رنی شاہ نے کسی کو آواز دی۔ ''اسے نیچے لے جا کر بند کر دو۔''

''یہ میرے ساتھ رہے گا۔'' زینی بولی۔ ''میں اسے ایک لمحے کے لیے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتی۔"

"کیوں؟" رفی شاہ کے انداز میں شک آ گیا۔ وہ خش خشی داڑھی اور بھاری جسامت والا پستہ قد شخص تھا اس میں سوائے دولت مندی کے اور کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ کوئی عورت اس کی طرف متوجہ ہوتی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ زینی کا نیاز مند تھا اور شاید اس کی دلنوازِ قربت سے بھی لطف اندوز ہو چکا تھا۔ اس لیے مجھ سے بلاوجہ خار کھا رہا تھا۔ زینی کی بات پر اس نے نہایت کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھا۔

"یہ کیسا قیدی ہے جسے تم ساتھ رکھنا چاہ رہی ہو۔"

"کیونکہ یہ میرا قیدی ہے۔" زینی نے ایک ادا سے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر کہا۔ "اگر میں اسے آزاد چھوڑ دوں تب بھی یہ کہیں نہیں جائے گا۔"

"مجھ سے شاعری میں بات مت کرو۔" رفی شاہ نے لہجہ بدل کر کہا۔ "تم جانتی ہو میں صرف ایک زبان جانتا ہوں۔"

زینی نے گہری سانس لی اور اپنے بیگ سے انجکشن نکال کر اسے دکھایا۔ "امید ہے اب تم سمجھ گئے ہو گے، ورنہ یہ اتنا خطرناک آدمی ہے کہ تمہارے یہ آدمی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔"

"ایسا کون سا سورما پیدا ہو گیا ہے۔" اس نے حقارت سے کہا۔ واضح رہے کہ یہ ساری گفتگو افغانی پشتو میں ہو رہی تھی۔ یہ کسی حد تک پاکستانی پشتو سے مختلف ہے لیکن اسی طرح جیسے جنوبی پنجاب کی بولی پوٹھوہار کی پنجابی سے الگ ہے۔ میں کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔ زینی بہت روانی سے بول رہی تھی۔ زینی نے آگے جھک کر کہا۔

"شہباز ملک کا نام سنا ہے۔"

رفی شاہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "وہ انڈیا والا۔"

"پاکستانی۔" زینی نے تصحیح کی۔ "ہاں وہی جس نے انڈیا میں تباہی پھیلائی تھی۔"

رفی شاہ کی آنکھوں میں بدستور شک تھا بس شک کی نوعیت بدل گئی تھی۔ "دیکھنے میں تو یہ عام سا آدمی لگ رہا ہے۔"

"انسان کا کام ہی دھوکا دینا ہے۔" وہ مسکرائی۔ ہم اندر آئے۔ مکان باہر سے جتنا شاندار تھا اندر سے اس سے کہیں زیادہ شاندار تھا۔ ہر چیز غیر ملکی اور اعلیٰ درجے کی تھی۔ یہاں بجلی تھی اس لیے پورا گھر جگ مگ کر رہا تھا۔ زینی نے اندر آتے ہی بے تکلفی سے کہا۔ "اپنے باورچی سے کہو جلد از جلد کھانا بنا دے اور کچھ پینے کو دو۔"

رفی شاہ نے دونوں چیزوں کا کہا۔ یہ جاننے کے بعد کہ میں شہباز ملک ہوں اس کا رویہ کسی قدر بدل گیا تھا۔ میں اگر اپنی درست کیفیت میں ہوتا تو لازمی حیران ہوتا کہ میری شہرت سرحد پار تک موجود تھی۔ ایک ملازم ام الخبائث کی بوتل اور بلوریں جام ایک شیشے کی ٹرے میں رکھ کر لے آیا اور اس نے سلیقے سے جام بنا کر سب کے سامنے رکھے۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نہیں پیتا ہوں۔"

رفی شاہ کی رگِ خباثت پھڑکی اور اس نے زینی سے کہا۔ "تم تو کہہ رہی تھیں یہ تمہارے قابو میں ہے۔"

"ہاں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ اپنا ماضی بھول گیا۔"

"لیکن ہے تو تمہارے حکم کا غلام اسے کہو کہ شراب پیئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا ضرورت ہے جب کہ یہ نہیں پیتا۔'' زینی نے بے پروائی سے کہا اور ایک ہی سانس میں اپنا جا خالی کر دیا۔ وہ بلانوش لگ رہی تھی۔ ورنہ یہ خاصی تیز شراب تھی۔

''تمہیں پتا تو چلے کہ یہ سچ مچ تمہارے قابو میں ہے یا نہیں۔''

اس کی بات پر زینی نے پہلے اسے گھورا اور پھر مجھے دیکھنے لگی۔ رفی شاہ نے کسی شیطان کی طرح اس کے دل میں وہم ڈال دیا تھا۔ میں سن کیفیت کے باوجود اندر سے عجیب سا محسوس کرنے لگا۔ مجھے خوف آ رہا تھا کہ اگر زینی نے مجھے شراب پینے کا حکم دیا تو میں کیسے مزاحمت کروں گا جب کہ میں اس کا حکم مانتا آیا تھا اور میں نے ایک بار بھی مزاحمت محسوس نہیں کی تھی۔ مگر پہلی بار میں محسوس کر رہا تھا کہ مجھے اس کا حکم نہیں ماننا چاہیے۔ زینی کچھ دیر بعد بولی۔ ''شہباز پیو۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم جانتی ہو میں نہیں پیتا۔''

رفی شاہ نے قہقہہ مارا۔ ''یہ تمہارا حکم ماننے سے انکار کر رہا ہے۔''

زینی اب تشویش زدہ نظر آنے لگی تھی۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم میرا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو؟''

''تم جو کہتی ہو میں کرتا ہوں۔'' میں نے دفاعی انداز میں جواب دیا۔ ''لیکن شراب نہیں پی سکتا۔''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتی رہی پھر اس نے کہا۔ ''شہباز ملک یہ جام پیو۔ یہ میرا حکم ہے۔''

میری مزاحمت کمزور پڑنے لگی۔ بلکہ مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے اتنی مزاحمت بھی کیسے کی۔ میں تو کسی کٹھ پتلی کی طرح اس کے اشاروں پر عمل کر رہا تھا۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے جام اٹھا لیا۔ مگر میں اسے منہ کی طرف نہیں لا پا رہا تھا۔ میرے اندر سے کوئی منع کر رہا تھا کہ میں اس حرام شے کو منہ نہ لگاؤں۔ اسے حلق سے نہ اتاروں۔ رفی شاہ اس صورت حال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میری ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوئے زینی نے پھر زور دے کر کہا۔ ''شہباز اسے پی لو۔''

میں بے ساختہ جام منہ کے پاس لے کر آیا اور اس سے اٹھتی کراہیت آمیز بُو سے میرا دل متلایا اور میں نے بے ساختہ ہی جھکتے ہوئے ابکائی لی اور الٹی کی پھوار میرے منہ سے نکل کر رفی شاہ تک گئی تھی۔ اس کی شلوار اور قمیص کا دامن داغ دار ہوا اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے منہ سے گالی اور زینی کے منہ سے قہقہہ نکلا تھا۔ ابکائی کے لیے جھکا تو جام قالین پر گر گیا تھا۔ رفی شاہ نے پاؤں پٹخ کر اپنے خادم کو پکارا اور خود وہاں سے چلا گیا۔ خادم آیا اور اس نے صورت حال کا اندازہ کر کے میری باتھ روم تک رہنمائی کی اور میں نے کلی کر کے منہ دھویا۔ میرے لباس پر جہاں جہاں چھینٹے آئے تھے۔ ان کو صاف کیا۔ واپس آیا تو خادم نشست گاہ کو صاف کر چکا تھا۔ زینی سکون سے بے نوشی میں مصروف تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تم بہت چالاک ہو، تم نے جان بوجھ کر قے کی ہے۔''

''کوئی اس طرح جان بوجھ کر قے کر سکتا ہے؟''

اس نے شانے اچکائے۔ ''کر بھی سکتا ہے۔''

میرا تو خیال تھا کہ اللہ نے مجھے اس حرام شے سے بچا لیا تھا۔ مگر ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ میری سن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے والی کیفیت ختم ہو رہی تھی۔ اب میں سوچ رہا تھا اور مجھے زینی اور رفی شاہ پر غصہ آ رہا تھا جنہوں نے میرے ساتھ ایسی حرکت کرنے کی کوشش کی۔ شاید قے کرنے سے دوا کا اثر قبل از وقت زائل ہو رہا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ ایسے انجکشن کا اثر بارہ گھنٹے رہتا تھا اور اس کے بعد دوسرا انجکشن دینا پڑتا تھا۔ زینی نے مجھے دس بجے کے قریب انجکشن دیا تھا۔ لازمی بات ہے رات کا انجکشن بارہ گھنٹے پہلے دیا گیا ہوگا۔ میں نو بجے سے بھی پہلے سو گیا تھا بلکہ دوا کے اثر سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس وقت نو بج رہے تھے اور زینی ایک گھنٹے بعد مجھے انجکشن دیتی۔ صبح میں دس بجے بھی سن والی کیفیت میں تھا اور زینی کے احکامات کی پوری طرح تعمیل کر رہا تھا۔ مگر اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کسی صورت انجکشن نہیں لینا چاہیے۔ ورنہ میں اس عورت کا غلام بنا رہوں گا۔ واپس آ کر میں سعادت مندی سے کھڑا ہو گیا اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک زینی نے نہیں کہا۔

''کھڑے کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔''

میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''مجھے پانی چاہیے۔''

زینی کے اشارے پر خادم پانی لے آیا۔ چند منٹ بعد رفی شاہ آیا اور اس نے کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کیا تم اسے پھر شراب پینے کا حکم نہیں دو گی۔''

''میں حکم دوں گی اور یہ مانے گا۔'' زینی نے بے پروائی سے کہا۔ ''لیکن کیا فائدہ تمہارا لباس اور خوب صورت ڈرائنگ روم پھر سے گندہ نہ ہو جائے۔''

''اس کی فکر مت.....''

''پلیز۔'' زینی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''میں یہاں صرف کھانے پینے نہیں آئی ہوں۔''

رفی شاہ چونکا۔ ''کیا مطلب؟''

''مجھے بہر صورت کابل پہنچنا ہے۔''

رفی شاہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''موجودہ حالات میں یہ آسان کام نہیں ہے تم جانتی ہو یہاں سے جلال آباد تک گہرام خان کے آدمیوں کی چیک پوسٹیں ہیں۔ ان سے گزرے بغیر کوئی کابل نہیں جا سکتا ہے۔''

''یہ کام تم ممکن بناؤ گے۔'' زینی بولی۔ ''یہ بتاؤ یہاں آس پاس کوئی ائیر فیلڈ ہے جہاں چھوٹا طیارہ اتر سکے۔''

رفی شاہ نے اپنی خشخشی داڑھی سہلاتے اور سوچتے ہوئے کہا۔ ''روسیوں کے زمانے کی ایک ائیر فیلڈ ہے مگر وہ استعمال نہیں ہوتی ہے۔''

''قابلِ استعمال ہے؟''

''ہاں قابلِ استعمال ہے۔''

''تب کام چل سکتا ہے۔ مجھے اور اسے لینے کابل سے طیارہ آ جائے گا۔''

رفی شاہ کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی تھی۔ ''لگتا ہے آج کل تم بھی بہت اونچا اڑ رہی ہو۔''

''میں اپنی بلندی پر ہوں۔'' اس نے کہا اور میری طرف اشارہ کیا۔ ''سب اس کے لیے ہو رہا ہے۔ یہ اصل آدمی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''طیارہ کیسے منگواؤ گی؟''

''کال کر کے۔'' زینی نے کہا۔ ''مجھے لوکیشن بتاؤ۔''

''یہاں سے دور ہے نقشے پر بتا سکتا ہوں۔'' رفی شاہ نے کہا تو زینی نے نقشہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''اس میں بتاؤ۔''

رفی شاہ نے اسد آباد کے جنوب مشرق میں ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''یہاں ہے مگر یہ بہت چھوٹا ہے۔ روسیوں نے اسے چھوٹے طیاروں اور ہیلی کاپٹرز کی ری فیولنگ کے لیے بنایا تھا۔''

''رات کے وقت لینڈنگ ہو سکتی ہے؟''

''میں معلوم کرتا ہوں۔'' رفی شاہ نے کہا۔ ''اس زمانے میں یہاں کا ایک سابق ایوی ایشن مین میرا جاننے والا ہے۔''

''تم معلوم کرو۔'' زینی بولی اور پھر اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''یقین کرو تم خسارے میں نہیں رہو گے۔''

رفی شاہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''کیسے تم تو چلی جاؤ گی۔''

''فوراً تو نہیں جا رہی ابھی چند گھنٹے یہاں رکوں گی۔'' زینی نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ ''کیا چند گھنٹے کافی نہیں ہیں؟''

''تمہارے ساتھ کے لیے تو چند دن اور ہفتے بھی کم لگتے ہیں۔''

''میں واپس بھی آؤں گی۔'' زینی نے اسے تسلی دی تو وہ اندر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی زینی نے زیر لب ایک ایسی گالی دی کہ میرے کان گرم ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹا سا موبائل نکال کر آن کیا اور کسی کو کال کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔ ''مجھے رات دو بجے اس لوکیشن پر چھوٹا طیارہ چاہیے..... ہاں لوکیشن نوٹ کرو۔''

اس نے مخصوص اصطلاحات کے ساتھ لوکیشن نوٹ کرائی۔ یہ ہوا بازی کی زبان تھی۔ اس نے موبائل آف کر کے واپس بیگ میں رکھ لیا۔ اس وقت خادم وہاں نہیں تھا۔ یہ کام کر کے زینی نے بیگ سے میڈیکل پیک نکالا اور اس میں سے انجکشن برآمد کیا تو میں سمجھ گیا کہ اگلے انجکشن کا وقت آ گیا ہے حالانکہ ابھی دس بجنے میں آدھا گھنٹا تھا مگر ہوشیار زینی نے قبل از وقت مجھے انجکشن لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اٹھ کر میرے پاس آئی اور سر نج پر انگلی مارتے ہوئے بولی۔ ''بازو سامنے کرو۔''

میں نے بازو سامنے کیا اور جیسے ہی اس نے انجکشن کے لیے ہاتھ آگے کیا میں نے اس کا انجکشن والا ہاتھ پکڑ کر اسے گھمایا اور وہ بل کھا کر بہت آسانی سے میرے بازوؤں کے شکنجے میں آ گئی۔ اس کا ہاتھ میں نے پکڑا ہوا تھا اور انجکشن کی سوئی اب اس کی گردن کو چھو رہی تھی۔ میرا دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر جما ہوا تھا اور اس کے مچلتے جسم کو میں نے ایک پاؤں سے قابو کیا ہوا تھا۔ میں نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔ ''ہماری زبان میں ایک محاورہ ہے آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار محاورے ہیں مگر فی الحال یہ ہی کافی ہے۔''

میں نے کہتے ہوئے انجکشن کی سوئی اس کی گردن میں داخل کر دی۔ وہ تڑپی تھی لیکن مجھے پسٹن دبانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نہیں روک سکی تھی۔ دوا اس کی گردن میں اتر گئی۔ گردن میں گوشت کے لگنے والا انجکشن بھی تقریباً نرو کے انجکشن کی طرح ری ایکٹ کرتا ہے۔ انجکشن لگنے کے بعد بھی وہ مزاحمت کرتی رہی اور اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح آس پاس موجود افراد کو متوجہ کر لے مگر اس کی بدقسمتی اور میری خوش قسمتی کہ اس دوران میں کوئی نہیں آیا تھا۔ جب اس نے مزاحمت ترک کی تو میں نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ اس کے باوجود میں پوری طرح ہوشیار تھا اور ایک سیکنڈ کے نوٹس پر اسے دوبارہ دبوچ سکتا تھا۔ مگر اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس کی آنکھوں میں سپاٹ پن آ گیا تھا اور وہ یوں پلکیں جھپک رہی تھی جیسے اُلو کو تیز روشنی میں بٹھا دیا جائے۔ میں نے میڈیکل پیک واپس زینی کے بیگ میں رکھا۔ اس میں سے پستول نکال کر اپنی قمیص کے نیچے پتلون میں اڑسا اور واپس اپنی جگہ آ گیا۔ اب بہ ظاہر سب پہلے جیسا تھا مگر رفی شاہ اینڈ کمپنی کو قطعی خبر نہیں تھی کہ بازی پلٹ گئی تھی اب جو صیاد تھا وہ قیدی بن گیا تھا اور جو بہ ظاہر قیدی ہے وہ صیاد بن چکا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد میں نے زینی سے کہا۔

''تم بالکل نارمل رہو گی اور ابھی جو کچھ ہوا ہے اس کے بارے میں کسی سے نہیں کہو گی۔''

''میں کسی سے نہیں کہوں گی۔'' زینی نے کہا اور اسی لمحے رفی شاہ وہاں آ گیا۔ اس نے آتے ہی مسرور لہجے میں کہا۔

''کام ہو گیا ہے۔ میرے آدمی زمین گل کا کہنا ہے کہ رن وے اس قابل ہے کہ اس پر طیارہ اتر سکے اور وہاں روسیوں نے زیر زمین سیٹ اَپ لگایا تھا وہ بھی موجود ہے۔ اگر وہاں موجود بجلی کا نظام کام کر رہا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے رن وے لائٹس آن کرنے کے لیے جنریٹر لے جانا پڑے گا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ جنریٹر کا بندوبست کرے۔ کیونکہ بیس پچیس سال سے بند پڑا سسٹم کہاں کام کرے گا؟ ویسے تمہیں کب جانا ہے؟'' سوال کرتے ہوئے رفی شاہ کی آنکھیں گدھ نما ہو گئی تھیں جیسے اسے گوشت نظر آ گیا ہو۔

''رات دو بجے۔'' زینی نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ نارمل تھا۔

''کافی وقت ہے۔'' رفی شاہ کی باچھیں کھل گئیں۔ ''یہاں سے مشکل سے آدھے گھنٹے کا فاصلہ ہے۔''

''دو بجے طیارہ وہاں پہنچ جائے گا۔''

''کوئی بات نہیں وہ کچھ دیر انتظار کر لے گا۔ ویسے زمین گل وہاں پہنچ جائے گا۔ انتظام تو اسے ہی کرنا ہے۔ آؤ کھانا لگ گیا ہے۔''

شاندار ڈائننگ روم میں بڑی سی میز پر کھانا لگایا جا چکا تھا اور نہایت پُرتکلف تھا۔ اس میں افغانی پلاؤ تھا۔ بکرے کی بھنی تھی جو ظاہر ہے کہ ہماری آمد سے پہلے بن رہی تھی اور کباب تھے۔ یہ خاص ڈشیں تھیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔ چل چل کر معدے کی چکی بھی تیز ہو گئی تھی اور مجھے کئی دن سے ڈھنگ کا کھانا نصیب نہیں ہوا تھا اس لیے میں نے تکلف کو بالائے طاق رکھ کر کھایا۔ البتہ سیر ہوتے ہی ہاتھ روک لیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ معدے کی گرانی مجھے سُست کر دے اور کسی موقع پر بازی میرے ہاتھ سے نکل جائے۔ کھانے کے بعد میٹھا آیا جو نہایت میٹھا تھا اس لیے میں نے صرف چکھا البتہ خاص ہاضم قہوے کی کئی پیالیاں خالی کر گیا تھا۔ رفی شاہ نے کسی رغبت سے نہیں کھایا تھا۔ وہ کھانے کی میز پر بھی بنت انگور سے دور ہونے کو تیار نہیں تھا اور یقیناً زینی کے لیے بے تاب تھا کہ وہ کب اپنا وعدہ وفا کرتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر چہ زینی کوئی پاکباز عورت نہیں تھی اور نہ ہی اسے اپنی عزت کی پروا تھی وہ اسے سکہ رائج الوقت سمجھنے والی عورتوں میں سے تھی اس لیے اگر وہ رفی شاہ کے بیڈروم سے ہو آتی تب بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر میرے ضمیر کو گوارہ نہیں تھا کہ ایک عورت جو اصل میں اب میرے قبضے میں تھی میں اسے اپنی آزادی کے لیے یوں استعمال کروں۔ رفی شاہ بے خبر تھا کہ اصل بازی میرے ہاتھ میں ہے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر وہ زینی سے چلنے کو کہتا تو وہ تیار ہو جاتی کیونکہ میں نے ہی اسے حالات کو نارمل ظاہر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اگر میں رکاوٹ بنتا تو راز فاش ہو جاتا کہ اب میں زینی کا معمول نہیں ہوں اور پھر مجھے رفی شاہ سمیت اس کے بہت سارے مسلح گرگوں سے نمٹنا پڑتا جو بالکل بھی آسان کام نہیں تھا۔ جب میں نے زینی کو قابو کیا تو مجھے خود کو اس کام پر آمادہ کرنا پڑا تھا کیونکہ دوا کا کچھ اثر باقی تھا۔ البتہ کھانے کے بعد میں خود کو بالکل نارمل محسوس کرنے لگا تھا۔ خاص طور سے سیاہ تلخ قہوے نے دوا کا رہا سہا اثر بھی ختم کر دیا تھا۔ اب میں چاک و چوبند تھا۔ گیارہ بجے تک طعام ختم ہو چکا تھا اور رفی شاہ نشے میں خاصا دھت ہو گیا تھا۔ اس نے زینی سے کہا۔

''اب مجھے اور مت تڑپاؤ۔''

وہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہوا تو میں بھی کھڑا ہو گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تم یہیں رکو گے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''زینی نے کہا ہے میں ہر وقت اس کے ساتھ رہوں۔''

''ہاں میں نے اس سے یہی کہا ہے۔'' وہ فرمانبرداری سے بولی مگر رفی شاہ نہیں سمجھ سکا تھا اس نے پاؤں پٹخ کر کہا۔

''تو کیا اسے میرے بیڈروم میں بھی لے جاؤ گی۔''

''نہیں جناب میں باہر رکوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے نا زینی؟''

بہ ظاہر یہ سوال تھا مگر درحقیقت حکم تھا اور زینی اس سے سرتابی نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے فوراً کہا۔ ''ہاں یہ باہر رک جائے گا۔''

رفی شاہ کا بس چلتا تو وہ مجھے اپنے محل نما گھر سے باہر پھنکوا دیتا۔ مگر وہ زینی کی وجہ سے مجبور تھا اور اس نے سوچا کہ کہیں وہ پورے کے چکر میں آدمی سے بھی نہ جائے۔ اس لیے بادلِ ناخواستہ مان گیا۔ ''ٹھیک ہے یہ باہر رہے گا۔''

وہ ہمیں لے کر اپنے خاص حصے میں آیا۔ اس کا اندازہ یوں ہوا کہ وہاں صرف عورتیں اور لڑکیاں تھیں اور وہ سب نہایت کھلے ڈلے حلیے میں تھیں۔ ظاہر ہے یہ اس کا حرم تھا مگر وہ اس رفی شاہ کا حرم نہیں تھیں ورنہ وہ انہیں اس حلیے میں کسی اجنبی کے سامنے آنے کی اجازت کیسے دیتا۔ یہ آج کے جدید دور میں انسانی غلامی کی بدترین صورت تھی۔ وہ مجبور عورتیں تھیں جو اس طاقتور اور دولت مند شخص کے قبضے میں تھیں۔ ان کی صورتوں پر خوف اور بے بسی بتا رہی تھی کہ وہ اپنی خوشی سے یہاں نہیں تھیں۔ زینی کا بیگ اسی کے پاس تھا اور میں نے یوں نہیں لیا کہ کہیں رفی شاہ کو شک نہ ہو۔ اس گھر کے عام حصے میں صرف مرد ملازم تھے۔ مگر یہاں کوئی مرد ملازم نہیں آ سکتا تھا۔ میں بھی زینی کی وجہ سے آ گیا تھا۔ جیسے ہی رفی شاہ زینی کو لے کر اندر گیا میں حرکت میں آ گیا۔ میں پستول نکال کر اس طرف آیا جہاں رفی شاہ کے حرم کی عورتیں موجود تھیں ان کی تعداد نصف درجن تھی۔ ان میں سے دو تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ ہونے کے برابر لباس میں تھیں اور باقی بھی ناکافی کپڑوں کے ساتھ تھیں۔ یہاں موسم کا اثر نہیں تھا مگر ان عورتوں کو اس حلیے میں رکھنا سوائے نفسانیت کے اور کچھ نہیں تھا۔ میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھیں۔ میں نے ان سے کہا۔

''شاہ جی نے حکم دیا ہے کہ تم سب ایک کمرے میں چلی جاؤ یہاں خطرہ ہے۔ کمرا اندر سے بند کر لینا۔ جب تک شاہ جی خود آواز نہ دیں باہر مت آنا۔''

وہ بے چاری حکم کی غلام تھیں۔ خطرے کا سن کر سب ہی افراتفری میں ایک کمرے میں جا گھسیں اور کمرا اندر سے بند کر لیا۔ میں نے اطمینان کیا کہ اب وہاں کوئی اور نہیں تھا۔ پھر میں نے اس حصے میں آنے والا واحد دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میں واپس رفی شاہ کے بیڈ روم تک آیا تو اندر مجھے عجیب سی آواز آئی ایسا لگا جیسے کوئی خرخرا رہا ہو۔ یہ خراٹے لینے کی آواز بھی نہیں تھی۔ میں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو وہ اندر سے لاک نکلا۔ میں نے ہلکی سی دستک دی۔ مجھے امید تھی کہ رفی شاہ جھنجھلائے مگر دروازہ کھول دے گا اور اس کے بعد وہ میرے قابو میں ہوگا۔ جب دروازہ نہیں کھلا اور کوئی آواز بھی نہ آئی تو میں نے پھر دستک دی۔ اب خرخراہٹ کی آواز بھی رک گئی تھی۔ ایک منٹ بعد میں تیسری دستک دینے جا رہا تھا کہ دروازہ جھٹکے سے کھلا اور زینی میرے سامنے اس ہیبت کذائی میں کھڑی تھی کہ اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی اور اس کی شرٹ سامنے سے نہ صرف کھلی بلکہ خون میں بھیگی ہوئی تھی۔

''واؤ۔'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''یہ کیا؟''

اس نے کچھ بولے بغیر چھری سے اندر اشارہ کیا اور پیچھے ہٹ گئی۔ چھری معمولی سی تھی اور پھل کاٹنے کے لیے استعمال کی جاتی تھی مگر زینی نے اس کا استعمال رفی شاہ کی گردن پر کیا تھا۔ وہ بستر پر صرف شلوار میں یوں پڑا تھا کہ اس کے پاؤں نیچے تھے اور دونوں ہاتھ گردن پر جمے ہوئے تھے مگر وہ اس خون کو روکنے میں ناکام رہا تھا جو چھری کے وار کے بعد کٹ جانے والی شہ رگ سے بہہ رہا تھا۔ زیادہ خون بہنے کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔ میں نے قریب سے اس کا معائنہ کیا اور پھر زینی سے پوچھا۔ ''تم نے اسے کیوں قتل کیا؟''

''میں اس کام کے لیے بھی آئی تھی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''یہ ان درندوں میں سے ہے جنہوں نے میری آبرو لوٹی تھی۔''

میں نے سوال کرنے سے گریز کیا کہ اس کے پاس اس نام کی کوئی چیز بھی تھی؟ یہ ذاتیات میں آجاتا اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اس کی بجائے میں نے کہا۔ ''اپنی شرٹ بند کرو اور جا کر یہ خون صاف کرو۔ ابھی ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔''

وہ فرمانبرداری سے بیڈ روم کے ساتھ موجود باتھ روم میں چلی گئی۔ بستر خون سے تر بتر ہو رہا تھا۔ رفی شاہ کے پلے پلائے جسم میں خاصا خون تھا۔ میں نے اسے ہاتھ لگائے بغیر بستر کے دونوں طرف موجود سائیڈ دازوں کی تلاشی لی۔ مجھے کسی ہتھیار کی تلاش تھی۔ اگرچہ زینی والے بیگ میں ایک رائفل بھی تھی مگر ہمیں زیادہ ھیاروں کی ضرورت تھی۔ ہمیں یہاں سے نکلنا تھا۔ رفی شاہ کے مرنے کے بعد صورتِ حال خراب ہو گئی تھی۔ راس کے آدمیوں کو پتا چل جاتا تھا کہ وہ مارا گیا ہے اور زینی نے مارا ہے تو یہاں سے صحیح سلامت نکلنا محال ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا۔ اسلحہ مجھے ایک الماری میں ملا۔ اس کے ایک خانے میں جدید ترین ایم سولہ رائفلیں اور ان کا بے شمار ایمونیشن بھرا ہوا تھا۔ چند عدد ہینڈ گرینیڈ اور کچھ اسموک گرینیڈ بھی تھے۔ میں نے دو عدد رائفلیں دستے الگ کر کے بیگ میں رکھ لیں۔ ان کے اضافی میگزین، ہینڈ گرینیڈز اور اسموک گرینیڈز بھی بیگ میں ڈال لیے تھے۔ زینی ابھی تک باتھ روم سے نہیں نکلی تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دی تو اس نے اندر سے کہا۔

''آ جاؤ۔''

میرا خیال تھا کہ وہ شاک میں ہو گی اور شاید اب تک خود کو صاف بھی نہ کیا ہو مگر وہ تو مزے سے جھاگ سے بھرے ٹب میں بیٹھی ہوئی خوشبودار گرم پانی کے مزے اٹھا رہی تھی۔ اس نے نشیلی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''آؤ تم بھی آ جاؤ بہت مزہ آ رہا ہے۔''

میں پہلے ہی لاحول پڑھ چکا تھا۔ اس لیے اسے صرف اتنا کہا۔ ''ابھی رفی شاہ کے آدمیوں کو علم ہو جائے گا کہ وہ جہنم رسید ہو چکا ہے تب زیادہ مزہ آئے گا۔ بہتر ہو گا تم غسل صحت سے جلد فارغ ہو جاؤ ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا اور ائیر فیلڈ تک بھی جانا ہے۔''

کیونکہ میرا حکم تھا اس لیے وہ سنجیدہ ہو گئی اس نے سر ہلایا۔ ''میں بس ابھی آئی۔''

وقت بارہ بجے سے اوپر ہو چکا تھا۔ زینی نے دو بجے کا وقت دیا تھا۔ مگر میرا ائیر فیلڈ تک جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ طیارے میں بھلا میں کہاں جاتا؟ دوسرے غیر ملکی فوج اور ائیر فورسز کے ہوتے ہوئے طیارے میں پرواز نہایت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ سرحد کے دونوں طرف میزائل سسٹم تھے جو طیارے کو آسانی سے گرا سکتے تھے۔ اس لیے میرا ارادہ اسی راستے سے واپسی کا تھا جہاں سے زینی مجھے لے کر آئی تھی لیکن حفظ ماتقدم کے طور پر طیارے کا آپشن بھی برقرار رکھنا تھا۔ میں زینی کے ان دشمنوں کو نہیں بھولا تھا جو اسار سے ہمارے پیچھے لگے تھے اور رفی شاہ کا کہنا تھا کہ گہرام نامی اس دشمن سردار کی کابل تک چیک پوسٹیں تھیں۔ میں نے واپس آ کر رفی شاہ کا موبائل تلاش کیا جو اس کی قمیص کی جیب میں مل گیا۔ میں نے اس کی ڈائل ہسٹری میں جا کر دیکھا تو دس بجے سے ذرا پہلے ایک ہی کال کی تھی۔ میں نے وہ نمبر زینی کے موبائل میں نوٹ کر لیا۔ بستر کی ایک سائیڈ دراز میں دو عدد جدید موبائل اور بھی تھے لیکن میں نے ان کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بعض اوقات بلاوجہ کی پنگے بازی انسان کے گلے پڑ جاتی ہے۔

اس کام کے لیے زینی کا موبائل کافی تھا۔ البتہ اس سے بیلنس کا پوچھ سکتا تھا کہ وہ اتنا ضرور ہو کہ بہ وقت ضرورت کال کرنے سے مسئلہ نہ ہو۔ میں نے سوچا کہ اگر بیلنس کافی ہوا تو میں پاکستان کال کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دے دوں گا۔ اسلحے کے ساتھ والے خانے میں ایک لاکر نصب تھا اور اس کا تالہ نمبروں سے کھلتا تھا۔ یقیناً اس میں مال و دولت تھی۔ مگر رقم رفی شاہ کے پرس اور سائیڈ دراز سے خاصی مل گئی تھی۔ یہ ڈالرز تھے اور تقریباً دو لاکھ کی رقم بنتی تھی۔ وہ میں نے جیب میں رکھ لی۔ اب میں زینی کا انتظار کر رہا تھا پندرہ منٹ بعد وہ یوں باہر آئی کہ اس نے اوپر صرف تولیہ باندھ رکھا تھا۔ جو بہ مشکل اس کی رانوں تک آ رہا تھا۔ میں نے لباس کا پوچھا تو اس نے کہا۔

''وہ خراب ہو گیا ہے میں نہیں پہن سکتی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تب کیا پہنو گی؟''

''یہاں کپڑے ہوتے ہیں۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔''تم نے دیکھا نہیں کتنی عورتیں ہیں یہاں۔''

''تب جلدی کرو ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔ وہ باہر چلی گئی۔ دس منٹ بعد واپس آئی تو اس کا منہ بنا ہوا تھا اس نے مقامی طرز کا شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا جو اس کے لحاظ سے بہت زیادہ تھا اتنے کپڑے میں تو اس کے تین چار سوٹ آرام سے بن سکتے تھے۔ اس نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''یہی کپڑے ہیں یہاں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔''اس لباس کے ساتھ بھاگ دوڑ مسئلہ ہو جائے گی۔ ایسا کرو تم اپنی جینز اور اوپر جیکٹ پہن لو شرٹ چھوڑ دو۔''

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا اور باتھ روم چلی گئی۔ واپس آ کر اس نے اپنے گیلے بالوں کی ہی کنگھی کر کے ان کو پونی ٹیل کی صورت دے دی۔ بال خشک کرنے کی کوئی تدبیر نہیں تھی۔ موسم ہیٹر والا نہیں تھا۔ ورنہ اس سے کام چلایا جاتا۔ دوا کے زیر اثر ہونے کے باوجود اس کی فطرت نہیں بدلی تھی اس نے جان بوجھ کر جیکٹ کی زپ خاصی نیچے کی ہوئی تھی اور اس کا گلابی بدن جھلک رہا تھا۔ میں نے زپ اوپر کرنے کو کہا۔ وہ بولی۔

''اس کی کیا ضرورت ہے؟''

''اس سے پتا چل رہا ہے کہ تم نے اندر شرٹ نہیں پہنی ہے۔'' میں نے سمجھایا تو اس نے بادل ناخواستہ زپ اوپر کر لی۔ میں نے بیلنس کے بارے میں پوچھا۔

''پتا نہیں مجھے یہ سیل دیا گیا تھا یہ نہیں بتایا تھا کہ اس میں بیلنس کتنا ہے۔''

میں نے سوچا کہ ایک بار یہاں سے نکل جائیں پھر میں موبائل استعمال کر سکوں گا۔ ایک بجے ہم باہر نکلے۔ میں نے زینی والی رائفل اپنے شانے پر ٹانگ لی تھی۔ رفی شاہ کے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے بٹن دبا کر لاک کر دیا اب یہ صرف چابی سے کھل سکتا تھا۔ یہی سلوک ہم نے باہر والے دروازے کے ساتھ کیا اور باہر آئے تو ایک خادم موجود تھا۔ زینی نے اس سے کہا۔

''ہمیں گاڑی چاہیے۔''

''گاڑی۔'' اس نے کسی قدر تذبذب کے ساتھ کہا۔''پر وہ تو شاہ جی کے کہنے پر مل سکتی ہے۔''

''میں اس کے بیڈ روم سے آ رہی ہوں۔'' زینی نے واہیات انداز میں کہا۔''اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس کی گاڑیوں میں سے جو چاہے لے جاؤں۔ کیا میں اسے اٹھاؤں کہ وہ تمہیں بھی کہہ دے؟''

خادم ڈر گیا کہ کھل کر عیاشی کے بعد اس وقت رفی شاہ مکمل آرام کے موڈ میں ہو گا اور اس میں خلل اندازی کے نہ جانے کیا نتائج نکلیں۔ اس نے جلدی سے کہا۔''شاہ جی نے آپ سے کہہ دیا تو ٹھیک ہے۔''

ہم باہر آئے جہاں پورچ میں کئی طرح کی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں اور یہ سب اعلیٰ درجے کی لگژری گاڑیاں تھیں۔ میں نے ایک چھوٹی فور وہیل ڈرائیو کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا طاقتور انجن اسے ناہموار راستوں پر بھی بہت تیزی سے دوڑا سکتا تھا۔ ہمارے کام کے لیے یہ موزوں تھی۔ میں نے سوچا کہ اس میں جتنی دور جا سکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاؤں گا اور اس کے بعد باقی فاصلہ پیدل بھی طے کیا جا سکتا تھا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی اور ٹینک فل تھا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور زینی میرے برابر میں آ گئی۔ اس نے اسلحے والا بیگ عقبی نشست پر ڈال دیا تھا۔ میں نے رائفل پیروں کے پاس رکھ لی۔ خادم کے اشارے پر گارڈز نے گیٹ کھول دیا۔ میں نے گاڑی باہر نکالی تھی کہ اچانک ایک طرف سے دو تیز رفتار گاڑیاں نمودار ہوئیں اور تیزی سے اسی طرف آنے لگیں۔ میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں نے گاڑی کا رخ ان کے مخالف سمت میں موڑ دیا۔ زینی نے بھی خطرہ بھانپ لیا تھا اس نے مڑ کر دیکھا اور تشویش سے بولی۔

"یہ کون ہیں؟"

"پتا نہیں۔" میں نے کہا تھا کہ عقب سے فائرنگ کا شور بلند ہوا۔ اگلی والی گاڑی سے گیٹ پر فائرنگ کی گئی تھی اور یہ کوئی بڑی اور بھاری گن تھی جس کی فائرنگ پاور اور شور بے پناہ تھا۔ یہ گاڑی فائرنگ کے دوران میں رک گئی مگر دوسری اس کے پیچھے سے نکل کر ہمارے پیچھے آنے لگی۔

"سیٹ بیلٹ باندھ لو۔" میں نے کہا اور اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لی تھی۔ زینی نے بھی باندھ لی اور میں نے اسے رائفل اٹھا کر تھما دی۔ "اسے سنبھال کر رکھنا۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے ایکسی لیٹر دبایا اور تنگ گلیوں میں گاڑی کی رفتار خطرناک حد تک بڑھ گئی تھی۔ مگر پیچھے آنے والی گاڑی بہت زیادہ رفتار سے آ رہی تھی۔ پانچ منٹ سے پہلے ہم ہائی وے تک پہنچ گئے تھے۔ مگر اس پر آتے ہی بائیں طرف سے ایک گاڑی نمودار ہوئی اور ہماری طرف آنے لگی تو میں نے اسٹیرنگ دائیں طرف کاٹا۔ مجھے دائیں طرف ہی جانا تھا مگر دشمن پیچھے آ رہا تھا پہلے اس سے چھٹکارا لازمی تھا۔ زینی کی طرف سے مجھے اطمینان تھا کہ وہ میرے قابو میں ہے لیکن پھر بھی میں نے اسے بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ ہم ائیر فیلڈ کی طرف نہیں جا رہے تھے۔ ائیر فیلڈ تک جانے کے لیے اوپر سے ہائی وے سے ایک پل دریائے کنہار پر نکلتا تھا اور اس سے گھوم کر ہم ائیر فیلڈ کی طرف جاتے اس لیے اگر زینی سمجھ رہی تھی کہ ہم اسی طرف جا رہے تھے تو وہ سمجھنے کے لیے آزاد تھی۔ مگر یہ دو اسب سے پہلے انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم کرتی ہے۔

دونوں گاڑیاں ہائی وے پر آگے پیچھے آ چکی تھیں اور اب تک میں فاصلہ برقرار رکھنے میں کامیاب رہا تھا کیونکہ تنگ گلیوں میں بڑی گاڑی ایک حد سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتی تھی۔ البتہ ہائی وے پر آتے ہی اس کے ڈرائیور کو اپنی گاڑی کی رفتار آزمانے کا موقع ملا تھا اور وہ اب نزدیک آ رہی تھی۔ پہلی گاڑی جس نے رئی شاہ کے مکان پر دھاوا بولا تھا اس پر بھاری مشین گن نصب تھی مگر اس گاڑی پر ایسی کوئی گن نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے باوجود اس میں موجود افراد کا مسلح ہونا یقینی تھا۔ میں نے زینی سے کہا۔ "تیار ہو جاؤ۔ سن روف سے نکل کر جواب دینے کے لیے۔"

"کس بات کا؟" اس نے پوچھا۔

اسی لمحے عقب سے پہلا برسٹ چلا مگر گولیاں گاڑی کے اوپر سے گزر گئی تھیں۔ گاڑی کی دونوں کھڑکیوں سے دو افراد نمودار ہوئے تھے اور خود کار رائفلوں سے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی، میں نے کہا۔ "اس بات کا، جلدی کرو وہ نزدیک آ رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زینی نے اٹھ کر سن روف ہٹایا اور سیٹ پر کھڑے ہو کر چھت پر رائفل ٹکاتے ہوئے جوابی برسٹ مارا اور عقبی گاڑی کی رفتار فوری کم ہوگئی اور وہ اب دور ہونے لگی تھی میں نے رفتار میں مزید اضافہ کیا اور اب اسپیڈو میٹر کی سوئی ایک سو بیس کلومیٹرز پر تھی۔ ہائی وے بہت اچھی تھی اور فی الحال سیدھی جا رہی تھی اس لیے رفتار بڑھانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ پھر رات کے اس پہر ٹریفک بھی نہیں تھا۔ مگر پل کے پاس آتے ہی مجھے مخالف سمت میں ایک وین سڑک پر آڑی کھڑی نظر آئی۔ اس نے راستہ بند کیا ہوا تھا۔ میرے منہ سے بے ساختہ ایک گالی نکلی اور میں نے رفتار کم کرتے ہوئے گاڑی پل کی طرف موڑ دی۔ پل کی حد تک سڑک ٹھیک نہ تھی لیکن جب ہم دوسری طرف اترے تو سڑک نارمل ہوگئی تھی۔ دائیں طرف یہ آبادی میں گم ہو رہی تھی اور اس طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے میں نے بائیں طرف موڑ دی۔ آگے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہمیں کس طرف جانا ہے؟ زینی کی فائرنگ سے نہ صرف گاڑی پیچھے ہوئی تھی بلکہ اس میں سے جھانکنے والے افراد بھی اندر چلے گئے تھے۔ میں نے زینی سے کہا۔ ''نقشہ نکال کر دیکھو ہمیں کس طرف جانا چاہیے۔''

وہ اندر آئی اور پیچھے سے بیگ اٹھا کر نقشہ برآمد کیا۔ پھر اسے دیکھ کر بولی۔ ''اسی سڑک پر چلو۔ ہمیں گھوم کر آنا ہوگا سڑک دریا کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے اور اسی پر ائیر فیلڈ ہے۔''

اگرچہ میرا ائیر فیلڈ کی طرف جانے کا ارادہ نہیں تھا مگر قدرت اسی طرف لے جا رہی تھی اور طیارے میں فرار ہونا پڑتا تب بھی یہ عقب سے آنے والے دشمنوں سے بہتر تھا۔ نصف کلومیٹر بعد سڑک گھوم کر آبادی کے اوپر سے ہوتی ہوئی دوبارہ دریا کے پاس آنے لگی۔ پیچھے آنے والی گاڑی اس لحاظ سے مشکل میں تھی کہ ناہموار سڑک پر اسے قابو کرنا مشکل تھا۔ اس کا وزن زیادہ تھا اور وہ بے قابو ہو کر الٹ سکتی تھی۔ ہماری گاڑی ہلکی تھی اور اس وجہ سے رفتار کے باوجود اس پر کنٹرول آسان تھا۔ پیچھے آنے والی گاڑی تقریباً تین سو میٹرز دور تھی۔ پہلے برسٹ کے بعد اس کی طرف سے چند ایک برسٹ اور مارے گئے تھے مگر اتنی دوری سے نشانہ ٹھیک نہیں بیٹھ رہا تھا۔ میں نے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور اس سے ایک گرینیڈ نکال کر اس کی پن کھینچی اور کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر اسے پیچھے اچھال دیا۔ زینی چونکی۔

''یہ کیا تھا؟''

''دیکھو۔'' میں نے عقبی آئینے میں دیکھا اور ٹھیک پانچ سیکنڈ بعد گرینیڈ دھماکے سے پھٹا اور سڑک کے وسط میں بہت بڑا شعلہ نمودار ہوا تھا۔ دشمن کی گاڑی اس سے چند گز کی دوری پر تھی۔ دھماکے سے اسے براہ راست تو اتنا نقصان نہیں ہوا تھا مگر اس کی شاک ویو نے گاڑی کو ہلایا اور ڈرائیور کے حواس اڑا گئے۔ گاڑی لہراتے ہوئے سڑک سے اتری اور پھر بے قابو ہو کر اس نے قلابازی کھائی اور مزید چند قلابازیوں کے بعد وہ دریا میں جا گری۔ زینی خوشی سے چلائی۔

''شاندار، گرینیڈ کہاں سے آیا؟''

''رنی شاہ کے کمرے سے ملا تھا۔'' میں نے عقبی آئینے میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ دوسری گاڑی پاس آ رہی تھی اور اس کے پیچھے ذرا فاصلے پر ایک گاڑی اور تھی جو یقیناً وہی وین تھی جس نے پل کے بعد راستہ روکا ہوا تھا۔ اب سڑک دریا کے ساتھ چل رہی تھی۔ اس کے ایک طرف کھیت تھے اور اب علاقہ کسی میدان کی طرح ہموار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ ورنہ یہ سارا علاقہ پہاڑی تھا اور ہموار زمین بہت کم تھی۔ شاید اسی وجہ سے یہاں ایئر فیلڈ بنائی گئی تھی۔ میں نے زینی سے کہا۔ "اپنے موبائل میں ڈائل پہلا نمبر ملاؤ اور اس پر موجود زمین گل نامی شخص سے بات کرو اس سے کہو کہ ہم ایئر فیلڈ کے پاس ہیں کیا طیارہ آ گیا ہے؟"

اس وقت پونے ایک بج رہا تھا۔ زینی نے کال کی اور زمین گل سے بات کرنے لگی۔ اس سے بات کر کے مجھے مطلع کیا۔ "زمین گل نے لائٹس کا بندوبست کر لیا ہے۔ وہ جنریٹر لے آیا ہے، مگر طیارہ ابھی نہیں آیا وہ دو بجے تک آئے گا۔"

"طیارہ نہیں آیا مگر دشمن پیچھے ہیں۔" میں نے پھر عقب میں دیکھا۔ "سوال یہ ہے کہ ہمیں اتنی آسانی سے پرواز کی اجازت دے دیں گے؟"

"اس کا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ طیارے کے ساتھ میرے آدمی بھی آئیں گے اور وہ ان سے نمٹ لیں گے۔"

میں چونک گیا۔ "تمہارے آدمی؟ تم نے پہلے نہیں بتایا۔"

"تم نے پوچھا ہی نہیں۔" وہ سادگی سے بولی

خیر یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا زینی میرے قابو میں تھی اور میں اس سے کام لے سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "تم اپنے آدمیوں کو یہی تاثر دو گی کہ میں تمہارے قابو میں ہوں۔"

"میں ایسا ہی کروں گی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ بل کھاتے دریائے کنہار کے ایک پہلو کے ساتھ ایئر فیلڈ شروع ہو جاتی تھی۔ اس کے آغاز میں ایک بڑی سی عمارت تھی اور اس کے بعد رن وے تھا۔ عمارت تاریک نظر آ رہی تھی۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو اس پر اسکول کا بورڈ نظر آیا تھا۔ گویا یہاں اب اسکول تھا جب کہ عمارت کی اصل ساخت بتا رہی تھی کہ یہ فوجی مقاصد کے تحت بنائی گئی تھی۔ ہم اس کے ساتھ سے ہوتے ہوئے رن وے کی طرف آئے اور اس کے آخری حصے میں موجود دوسری عمارت کی طرف بڑھے تھے۔ وہاں روشنی نظر آ رہی تھی۔ رن وے تقریباً پانچ سو گز لمبا تھا۔ جو عام پروں والے چھوٹے طیارے کی پرواز اور اترنے کے لیے کافی تھا۔ ایک پک اپ نما گاڑی کے ساتھ دو افراد کھڑے تھے۔ اس کے پچھلے حصے میں موجود جنریٹر چل رہا تھا اور اس کے ہوز پائپ سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔ میں نے گاڑی ان کے ساتھ لے جا کر روکی اور نیچے اترتے ہوئے کہا۔

"تم میں سے زمین گل کون ہے؟"

دونوں میں سے ادھیڑ عمر شخص آگے آیا۔ "میں زمین گل ہوں اور یہ میرا بیٹا امین گل ہے۔"

"دشمن ہمارے پیچھے آ رہے ہیں انہوں نے رفی شاہ کے گھر پر بھی حملہ کیا۔ اس وقت ہم وہاں سے نکل رہے تھے۔ ہم نے ایک گاڑی تباہ کر دی مگر دو پیچھے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم مسلح ہو۔"

زمین گل فکر مند ہو گیا۔ "شاہ جی نے ایسا بات تو بتائی نہیں ورنہ اسلحہ لے کر آتے ابھی تو صرف پستول ہے۔"

گویا پستول کوئی چھری چاقو جیسا اسلحہ تھا۔ پتا نہیں وہ کن ہتھیاروں کی صورت میں خود کو مسلح سمجھتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے بیگ سے ایم سولہ رائفلیں نکال کر ان کے حوالے کیں اور پوچھا۔ ''انہیں استعمال کر سکتے ہو؟''

اس نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''ادھر بچہ بچہ ہتھیار استعمال کرنا جانتا ہے۔''

''تب تیار ہو جاؤ وہ آنے والے ہیں اور ہاں رن وے لائٹس آن کر دو۔''

وہ اپنی گاڑی میں ایک چھوٹا جنریٹر لائے تھے اور اس کی وائرنگ اندر بجلی کی تنصیبات تک پہنچا دی تھیں۔ فی الحال جنریٹر سے صرف عمارت کی روشنیاں جلائی گئی تھیں۔ رن وے کی روشنیاں بند تھیں۔ زمین گل اندر کی طرف بڑھ گیا۔ ادھر تعاقب میں آنے والی دوسری گاڑی نمودار ہوئی اور ادھر رن وے لائٹس آن ہو گئیں۔ میں نے اور امین گل نے بیک وقت فائر کیے۔ میں نے برسٹ لوڈ رکھا تھا مگر میں نے سنگل موڈ پر فائر کیا اور بہترین نشانہ لگایا تھا کیونکہ گاڑی کی ونڈ اسکرین بکھر گئی تھی۔ گاڑی تیزی سے ریورس ہوئی اور اسکول کی عمارت کے عقب میں چلی گئی۔ وین بھی وہاں آ گئی تھی اور اس سے نکل کر مسلح افراد پھیل رہے تھے۔ مگر وہ اتنے دور تھے کہ ان کا نشانہ لینا ممکن نہیں تھا۔ اسی طرح ہم بھی اتنے دور تھے کہ وہ آسانی سے ہمیں نشانہ نہیں بنا سکتے تھے۔

سوا ایک بج رہا تھا اور زینی نے طیارہ دو بجے تک منگوایا تھا مگر ضروری نہیں تھا کہ وہ ٹھیک دو بجے آتا وہ اس سے پہلے بھی آ سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ طیارہ آ بھی جائے تو وہ اسے لینڈ کرنے کی اجازت کہاں دیں گے؟ فضا اور رن وے پر اسے نشانہ بنانا بہت آسان ثابت ہوگا۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ ہلکی سی گنگناہٹ کی آواز آئی اور پھر آواز طیارے کی صورت اختیار کر گئی۔ تاریکی میں اس کی نیچے کی جلتی بجھتی سرخ روشنی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی ساخت واضح نہیں تھی لیکن آواز سے یہ چھوٹا طیارہ لگ رہا تھا۔ زینی نے موبائل نکال کر کسی کو کال کی اور اسے بتانے لگی کہ نیچے مسلح افراد ہیں اور کس پوزیشن پر ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کسے کال کر رہی تھی کیونکہ اس موبائل کی مدد سے طیارے سے رابطہ تو ممکن نہیں تھا۔ جیسے ہی اس نے کال ختم کی میں نے پوچھا۔

''کسے کال کر رہی تھیں؟''

''کابل میں اپنے آدمی کو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ طیارے کے پائلٹ کو صورت حال سے آگاہ کرے گا۔''

چند لمحے بعد طیارہ جو رن وے کی سیدھ میں آ چکا تھا اچانک بلند ہوا اور گھومتا ہوا اسکول کی عمارت کی طرف جانے لگا۔ ایک چکر لگا کر وہ اوپر سے گزرا تو نیچے سے اس پر مشین گن سے فائرنگ کی گئی مگر طیارے کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔ رن وے کی روشنیوں کے پاس آیا تو میں نے پہلی بار اسے دیکھا۔ یہ ایک پروپلر انجن والا چھوٹا طیارہ تھا جس میں چار پانچ افراد کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ کابل میں موجود شخص نے یقیناً پائلٹ سے رابطہ کر کے اسے نیچے موجود خطرے سے خبردار کر دیا تھا۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے نیچے موجود افراد کے خلاف کیسے کارروائی ہو گی؟ مگر جلد مجھے اس کا جواب مل گیا۔ دوسری بار طیارہ گھوم کر اسکول کی عمارت کی سیدھ میں آیا اور دریا کے دوسری طرف سے پرواز کرتا ہوا نزدیک آنے لگا۔ اچانک اس کے پروں کے نیچے سے شعلے نکلے اور چند لمحے بعد اسکول کے دوسری طرف دھماکوں کے ساتھ شعلے بلند ہوئے تھے۔

طیارے میں راکٹ پوڈ فٹ تھی۔ جواب میں نیچے موجود افراد نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی مگر اپنا کام کر کے طیارہ فوراً اوپر اٹھ گیا تھا اور واپس دوسرے حملے کے لیے جا رہا تھا۔ اب مجھے پتا چلا کہ زینی اتنی مطمئن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ تھی کہ طیارے میں موجود افراد نیچے موجود دشمن کا بندوبست کرلیں گے۔ اسے معلوم تھا کہ طیارہ مسلح ہوگا۔ شعلوں کا مستقل انعکاس بتا رہا تھا کہ کوئی گاڑی نشانہ بنی تھی اور اب جل رہی تھی۔ نصف کلومیٹر دوری کے باوجود ان لوگوں کے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور ان میں سے کچھ افراتفری میں اسکول کے دوسری طرف نمودار ہوئے۔ میں نے اور امین گل نے بیک وقت انہیں نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ زمین گل کو دشمن سے زیادہ رفی شاہ کی فکر تھی اور وہ بار بار اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا میں نے تنگ آ کر کہا۔ ''ہمیں کیا پتا، جب ہم نکلے تب دشمن آیا تھا۔ اب اللہ جانے وہاں کیا ہوا ہے؟''

زینی نے آہستہ سے انگریزی میں کہا۔ ''تم نے انہیں اسلحہ دے کر اچھا نہیں کیا۔''

''یہ رفی شاہ کے آدمی ہیں لیکن اس وقت ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس لیے تم فکر مت کرو۔''

ہماری طرف سے فائرنگ ہوئی تو ادھر پناہ کے لیے آنے والے مشکل میں پڑ گئے۔ وہ واپس بھاگے تھے مگر ان کے لیے کہیں امان نہیں تھی۔ اسی اثنا میں طیارے سے دوبارہ شیلنگ ہوئی اور شاید دوسری گاڑی بھی نشانہ بن گئی۔ کیونکہ اس بار دھماکے اور شعلے کہیں زیادہ بلند تھے۔ شیلنگ کے بعد طیارہ بلند نہیں ہوا بلکہ اس نے مزید نیچے آتے ہوئے مشین گن سے گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ گاڑیاں تباہ ہونے کے بعد کام آسان ہو گیا تھا مسلح افراد کے پاس اب بچنے کے لیے کوئی آڑ نہیں تھی۔ میں نے زمین گل سے کہا۔ ''ہمیں ان کا ساتھ دینا ہوگا۔''

''وہ کیسے؟'' زمین گل نے پوچھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے کہا اور گاڑی کا گیئر نیوٹرل کر کے اسے آگے دھکیلنے لگا۔ ''تم دونوں میرے دائیں بائیں سے ان لوگوں کو نشانہ بناؤ گے۔''

وہ میری حکمت عملی سمجھ گئے۔ میں درمیان میں رہ کر گاڑی کو دھکا لگا رہا تھا اور وہ میرے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ خود کار رائفلوں کے لیے پانچ سو میٹرز زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کی مار اس سے زیادہ ہوتی ہے مگر پھر گولی خطرناک نہیں رہتی ہے۔ ساڑھے تین سو چار سو میٹرز کا فاصلہ مناسب تھا۔ طیارے کی مشین گن سے بچنے کے لیے دشمن کے نصف درجن آدمی اس طرف آ چکے تھے۔ جب ہم ان کے قریب آنے لگے تو ان کو یہاں بھی لالے پڑ گئے۔ چار سو میٹرز کی دوری سے ان دونوں باپ بیٹے نے دو افراد کو نشانہ بنایا تو باقی افراد کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ اندھا دھند گولیاں برساتے ہوئے رن وے کے ساتھ کھلے میدان کی طرف بھاگ نکلے تھے مگر بدقسمتی سے وہ غلط وقت پر آڑ سے نکلے تھے۔ طیارہ پھر چکر کاٹ کر اس طرف آ گیا تھا اور اس نے بھگوڑوں پر مشین گن آزمائی ان میں سے دو اور گرے تھے اور باقی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ اب میدان صاف تھا۔

میں گاڑی میں آ گیا۔ میرے ساتھ زمین گل تھا اور امین گل پیچھے آ گیا۔ ہم نے اسکول کی عمارت کے گرد چکر لگایا۔ دونوں گاڑیاں راکٹوں کا نشانہ بن چکی تھیں۔ پائلٹ ماہر نشانے باز بھی تھا اس نے دونوں بار درست جگہ پر راکٹ مارے تھے۔ ہم واپس آئے اور زینی کو آل کلیئر کا سگنل دیا۔ اس نے پھر اسی شخص کو کال کی اور اس نے پائلٹ کو پیغام بھیجا کہ اب طیارہ لینڈ کر سکتا ہے۔ پائلٹ نے طیارے کو رن وے کی سیدھ میں لا کر نیچے کیا اور بہت آرام سے اتار لیا۔ چند منٹ بعد طیارہ ہمارے پاس آ کر رکا اور اس میں سے پائلٹ کے ساتھ ایک شخص اترا تھا۔ یہ چار نشستوں والا طیارہ تھا۔ اترنے والے دونوں افراد سفید فام تھے۔ انہوں نے زینی اور مجھ سے ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملایا۔ زینی سے ان کا انداز بے تکلفانہ تھا جیسے وہ اسے جانتے ہوں۔ البتہ مجھ سے رکھائی سے ملے تھے۔ میں نے امین گل سے کہا۔ ''جب ہم پرواز کر جائیں تو تم چلے جانا اور اس کا ذکر کسی سے مت کرنا رفی شاہ خود تم سے رابطہ کرے گا۔''

''ٹھیک ہے جناب۔'' اس نے جواب دیا۔

میں اور زینی طیارے میں آئے پائلٹ نے انجن بند نہیں کیا تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی اس نے سیٹ سنبھالی اور طیارے کا رخ موڑنے لگا۔ میں پائلٹ کے برابر والی نشست پر تھا کیونکہ زینی اور دوسرا آدمی مجھ سے پہلے پچھلی نشست پر آ گئے تھے۔ پائلٹ نے ہم سے کہا۔ ''جب تک فلائٹ لیول نہیں ہو جاتی تم لوگوں کو پریشر برداشت کرنا پڑے گا۔ اگر متلی ہو تو سیٹ کے سائیڈ میں شاپر موجود ہے۔''

زینی نے جواب دیا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

پائلٹ نے سر ہلایا اور تھروٹل آگے کیا تو طیارہ تیزی سے آگے بڑھا اور رن وے پورا ہونے سے پہلے طیارہ فضا میں بلند ہو گیا۔ طیارے کے آلٹی میٹر کے مطابق یہاں کی بلندی سولہ سو ساٹھ میٹر تھی اور اس میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ تین ہزار میٹرز پر پہنچ کر پائلٹ نے طیارہ سیدھا کر لیا۔ انجن کا شور اور کانوں پر آنے والا پریشر کم ہو گیا تھا مگر یہاں کسی مسافر بردار طیارے جیسا آرام دہ ماحول نہیں تھا کیونکہ طیارے میں کیبن پریشر نہیں تھا۔ تین ہزار میٹرز کا مطلب تھا کوئی دس ہزار فٹ کی بلندی اور یہاں فضائی دباؤ سطح سمندر سے نصف رہ جاتا ہے۔ انجن کا شور تھا اس لیے مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ زینی اپنے ساتھ بیٹھے سفید فام سے کیا بات کر رہی تھی مگر وہ دونوں آپس میں محوِ گفتگو تھے۔ گفتگو کرتے ہوئے ان کے سر خاصے نزدیک آ گئے تھے۔ مشرق میں اسے برا سمجھا جاتا ہے مگر مغرب میں یہ عام سی بات ہے۔ اجنبی مرد و عورت بھی دورانِ گفتگو ایک دوسرے کے بہت نزدیک آ جاتے ہیں۔

○.....❖.....○

سفید فاموں کو دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا کیونکہ اب تک اس معاملے میں کوئی سفید فام نظر نہیں آیا تھا۔ پائلٹ اور دوسرا شخص دونوں غیر فوجی تھے۔ افغانستان میں غیر ملکی افواج کے ساتھ بے شمار عام افراد بھی آئے تھے۔ ان میں اکثریت کنٹریکٹرز کی تھی جنہوں نے افغانستان میں مختلف کاموں کے ٹھیکے لیے ہوئے تھے۔ اس لیے بہ ظاہر ان کی موجودگی کوئی خاص تعجب انگیز نہیں تھی۔ طیارہ اڑانے جیسے فنی کام زیادہ تر غیر ملکی کر رہے تھے۔ ان کی خدمات کرائے پر حاصل کی جا سکتی تھیں۔ اس کے باوجود مجھے کھٹکا ہوا تھا۔ انہوں نے جتنی مہارت سے راکٹ جیسا پیچیدہ ہتھیار استعمال کیا تھا اور منٹوں میں زمین پر موجود دو گاڑیاں تباہ کر دی تھیں اس سے لگ رہا تھا کہ وہ باقاعدہ تربیت یافتہ تھے۔ زینی کی طرف سے مجھے اطمینان تھا کہ وہ دوا کے زیر اثر تھی مگر دوسرا تو ایسا نہیں سمجھ رہا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ زینی کی باتوں سے بھانپ نہ لے کہ جو بہ ظاہر قیدی ہے وہی اصل ماسٹر ہے۔

اسد آباد سے کابل کا فاصلہ سو کلو میٹرز بھی نہیں ہے اور طیارے نے مشکل سے نصف گھنٹے میں یہ فاصلہ طے کر لیا۔ کابل شہر کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ یہ خاصا بڑا شہر ہے اور سنا ہے کہ اس کی آبادی پچاس لاکھ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ ہے۔ یعنی یہ دارالحکومت ہی نہیں افغانستان کا سب سے بڑا شہر بھی ہے۔ دریائے کابل کی وادی میں اس کے دونوں اطراف بسا یہ شہر گزشتہ چار عشروں سے جنگ دیکھ رہا ہے۔ بہ ظاہر روس 1979 میں یہاں وارد ہوا تھا۔ مگر کابل کی جنگ اس سے پہلے شروع ہو گئی تھی۔ ان چار عشروں میں یہاں امن اور سکون کا دور بہت کم گزرا اور اس شہر کے باسیوں نے زیادہ تر وقت گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور گولوں کے دھماکے سنتے ہی گزارا ہے۔ طیارے نے چکر لگایا اور پائلٹ کنٹرول ٹاور سے ہدایات لے رہا تھا ان ہدایات کی روشنی میں اس نے چکر لگایا اور ایک رن وے پر اتر گیا۔ اترنے کے بعد طیارہ رکا نہیں بلکہ ٹیکسی کرتا ہوا ایک ہینگر میں داخل ہو گیا۔ یہ ہینگر چھوٹے طیاروں کے لیے مخصوص تھا۔

میں نے طیارے کے ذریعے یہاں آ کر رسک لیا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ائیر فیلڈ سے فرار ہونے کے بعد بھی وہ لوگ ہماری جان نہیں چھوڑیں گے۔ یہ ان کا علاقہ تھا اور وہاں سے ہمارا صحیح سلامت نکلنا آسان کام نہیں تھا۔ کابل میں بھی خطرہ تھا مگر میں پاکستانی سفارت خانے میں پناہ لے سکتا تھا اور سفارت خانے کی مدد سے واپس جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی نکلنے کے اور راستے تھے۔ خطرہ یہ تھا کہ یہاں بھی پاکستانی مشکوک سمجھے جاتے ہیں اور انہیں فوری طور پر عسکری تنظیموں یا خفیہ اداروں کا آدمی تصور کر لیا جاتا ہے جیسا کہ انڈیا میں ہوتا ہے اور ان کے ساتھ تقریباً وہی سلوک بھی ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں ایسے واقعات بھی سننے میں آئے جب صرف پاکستانی ہونے کے جرم میں یہاں عام افراد کو قتل کر دیا گیا۔ حالانکہ وہ تاجر تھے یا کمپنیوں کی طرف سے بطور لیبر آئے تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہاں برسر اقتدار طبقہ پاکستانیوں کو زیادہ پسند نہیں کرتا ہے۔ سرکاری اہلکار عام طور سے پاکستانیوں کے ساتھ دوستانہ رویہ نہیں رکھتے ہیں۔ ہمارے مقابلے میں انڈینز کو یہاں نہ صرف پسند کیا جاتا ہے بلکہ انہیں افغانستان کی تعمیرِ نو میں کروڑوں ڈالرز کے ٹھیکے بھی ملے ہیں۔

افغانستان میں پاکستانیوں کی تعداد شاید دس پندرہ ہزار سے زیادہ نہ ہو لیکن پاکستان میں کم سے کم پچاس لاکھ افغانی موجود ہیں اور ان میں سے بیشتر نہ صرف پاکستانی شناختی کارڈ بلکہ پاسپورٹ بھی رکھتے ہیں اور اس پر ساری دنیا میں سفر کرتے ہیں۔ پنڈی جیسے درمیانے شہر میں بہت سے محلے اور بازار ایسے ہیں جہاں صرف افغانی پائے جاتے ہیں اور کھلے عام رہتے ہیں۔ انہیں کوئی صرف اس بنیاد پر کچھ نہیں کہتا کہ وہ افغانی ہیں۔ حالانکہ وہ پاکستان میں پائی جانے والی بیشتر خرابیوں کے ذمے دار ہیں۔ اسلحہ یہ لوگ لائے، منشیات کا پورا کاروبار ان کے ہاتھ میں ہے اور دوسرے جرائم میں بھی یہ ملوث ہوتے ہیں۔ پنڈی اور اس کے گردونواح میں منظم ڈکیتیوں میں افغان گروہ ملوث ہیں جو حاصل ہونے والی رقم کو پھر دہشت گردانہ مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مذہب کے نام پر ہونے والی دہشت گردی کے تانے بانے بھی ان ہی لوگوں سے ملتے ہیں۔

ہمارے ہاں دہشت گردی میں ملوث اکثر افراد کا تعلق بھی پڑوسی ملک سے نکلتا ہے۔ اس کے باوجود افغانیوں کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا جب کہ افغانستان میں پاکستانیوں کا تاثر شاید انڈیا سے کچھ ہی اچھا ہو۔ آئے دن سرحد کے دوسری طرف سے زبان کے اور عملی گولے برسائے جاتے ہیں۔ ہماری چیک پوسٹوں پر حملہ ہوتا ہے۔ جب کہ ہمارے ہاں دہشت گردی میں مطلوب افراد افغانستان میں کھلے عام گھومتے ہیں اور اس کے باوجود لعن طعن ہم پر کی جاتی ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی میں استعمال ہونے والا اسلحہ اور بارود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افغانستان سے لایا جاتا ہے۔ پڑوسی ملک ہونے کے باوجود ہمارے یہاں اتنے کونسلیٹ نہیں ہیں جتنے کہ انڈیا نے کھول رکھے ہیں اور یہ کونسلیٹ ہماری سلامتی کے خلاف دن رات کام کر رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ اکثر افغانی پاکستان کے خلاف نہیں ہیں مگر وہ پاکستان کے بہت زیادہ حامی بھی نہیں ہیں۔ عام طور سے ان کا رویہ بھی سرد مہری لیے ہوتا ہے۔

آج میں اسی افغانستان کے دارالحکومت میں تھا جو آج بھی جنگ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اگرچہ دنیا کی اکلوتی (فی الحال) سپر پاور یہاں مزید تین درجن سے زیادہ ممالک کے ساتھ براجمان تھی۔ مگر حالات اس کے قابو میں نہیں آ رہے تھے اور آنے والے دنوں میں مزید ابتری کی پیشگوئی تھی۔ صرف افغانستان ہی نہیں بلکہ اس خطے کے دوسرے ممالک کے لیے بھی حالات کچھ اچھے نہیں ہیں جن میں سرِفہرست وطنِ عزیز ہے۔ مگر یہ وقت سیاست پر غور کرنے کی بجائے ذاتی فکر کرنے کا تھا کہ میں کس طرح جلد از جلد واپس اپنے ملک جا سکتا تھا۔ طیارہ ہینگر میں رک گیا تھا اور اس کا انجن بند ہو گیا تھا مگر پراب تک گھوم رہا تھا۔ میں نے مڑ کر زینی کی طرف دیکھنا چاہا تھا کہ میری گردن میں کوئی چیز چبھی اور خواب آور سیال میری گردن میں اتر گیا کیونکہ فوراً ہی میرا دماغ چکرانے لگا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو انجکشن لگانے والی زینی تھی جو مسکرا رہی تھی۔ میں نے بہ مشکل کہا۔ ''تم..... یہ کیسے.....؟''

''ایسے۔'' اس نے انجکشن کا ایک سیٹ میرے سامنے کیا۔ ''یہ اینٹی ڈوٹ ہے اس کا توڑ..... کیا سمجھے؟''

بے ہوش ہونے سے پہلے میں سمجھ گیا تھا کہ زینی نے دوا کے اثر سے کیسے چھٹکارا پایا تھا۔ اس نے خاموشی سے کسی وقت اینٹی ڈوٹ لے لیا تھا جس نے دوا کا اثر ختم کر دیا اور اس کا اعتماد بحال ہو گیا اس کے بعد بھی وہ اس بنی رہی جیسے میرے قابو میں ہو اور جب حالات پوری طرح اس کے قابو میں آ گئے تو اس نے اصلیت پر آنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ طیارہ رکتے ہی اس نے میری گردن میں بے ہوشی کا انجکشن اتار دیا تھا اور آخری خیال جو میرے ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ میں خوش فہمی میں مارا گیا۔

○.....❖.....○

مجھے ہوش آیا تو میں ایک سادہ کمرے میں سادہ لیکن آرام دہ بستر پر تھا اور میرے سر کے عین اوپر ایک پیلی روشنی والا انرجی سیور روشن تھا۔ جاگنے کے بعد بھی کچھ دیر تک میرا ذہن غنودگی کا شکار رہا اور پھر میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں آمد و رفت کے لیے ایک ہی دروازہ تھا اور ایک طرف روشن دان نما جالی لگی تھی۔ یہ شاید اے سی ڈکٹ تھا۔ میرے جسم پر اب ہلکی سرمئی رنگ کی ٹی شرٹ اور اسی رنگ کا ٹراؤزر تھا۔ پاؤں خالی تھے البتہ بیڈ کے نیچے میرے جوتے رکھے تھے اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ گردن میں جہاں انجکشن لگا تھا وہ جگہ دکھ رہی تھی مگر اس کے علاوہ میں بالکل فٹ فاٹ تھا۔ زینی نے مجھے پھر انجکشن نہیں دیا تھا جو اعتماد ختم کر دیتا ہے کیونکہ میں خود کو نارمل محسوس کر رہا تھا۔ شاید اب اس کی ضرورت نہیں تھی اور ایک حد سے زیادہ ان انجکشنوں کا استعمال خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا اور مجھے بھوک لگ رہی تھی۔

میں نہ جانے کہاں تھا کیونکہ آس پاس مکمل سناٹا تھا اور کسی قسم کی معمولی سی آواز بھی نہیں تھی۔ ایک بار پھر مجھے اندر بھارتیوں کا خوف سر سرانے لگا کہ کہیں میں ان کے ہاتھ تو نہیں آ گیا تھا۔ اگرچہ زینی نے مجھ سے کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ مجھے کسی آدمی نے مانگا ہے اس کے باوجود مجھے یقین نہیں تھا۔ وہ جھوٹ بول سکتی تھی اور میں بے بس تھا کہ کسی طرح اس کی بات کی تصدیق نہیں کر سکتا تھا۔ ایک خیال ڈیوڈ شاکا بھی آ رہا تھا مگر کچھ عرصے پہلے ہی وہ پاکستان میں مجھ سے دست بردار ہو کر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اسے اتنی عجلت میں اور اتنے گھماؤ پھراؤ کے ساتھ مجھے قبضے میں کرنے کی تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی اور اگر کوئی تک تھی تو اس کا مجھے علم نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں کم سے کم چھ سات گھنٹے تک بے ہوش رہا تھا اور اس دوران میں مجھے کابل سے کہیں دور بھی لے جایا جا سکتا تھا۔

مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ میں کابل یا اس کے آس پاس ہی کہیں تھا۔ موسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں نے دروازہ چیک کیا یہ پلائی کا بنا ہوا مضبوط دروازہ تھا جو باہر سے بند تھا اور اس کے اندر نہ تو ہینڈل تھا اور نہ ہی کنڈی تھی۔ میں نے دستک دی اور پھر زور سے بجایا مگر دونوں صورتوں میں کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ اب میرے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ جب دروازہ کھلے اور صورتِ حال سامنے آئے۔ میں واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔ کم بختوں نے پانی کی ایک بوتل تک نہیں رکھی تھی اور اب مجھے پیاس لگنے لگی تھی۔ میں نے بیڈ کا جائزہ لیا کہ یہ لوہے کا بنا ہوا چھ بائی تین فٹ کا بیڈ تھا جس کے پائے فرش میں پیوست تھے اور اس کے وسط میں ہر چھ انچ کے بعد فولادی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان پر اسپرنگ میٹریس تھا اور یہ انتظام یقیناً ایک قیدی کے لیے کیا گیا تھا۔ گویا میں کسی ایسی جگہ تھا جہاں قیدی رکھے جاتے ہیں۔

یہ جان کر میری تشویش میں اضافہ ہوا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹا ہو گیا تھا مجھے بیدار ہوئے اور میں سوچ رہا تھا کہ اب کسی کو متوجہ کروں کہ دروازہ کھلا اور زینی قیامت بنی ہوئی اندر آئی۔ اس نے جسم سے چپکی ہوئی منی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جسے جدید قسم کا بلاؤز بھی کہا جا سکتا تھا۔ بازو ندار تھے اور گلا فراخ دلی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ ایک مختصر سی پٹی کے بعد پیٹ شروع ہو گیا تھا جو ناف سے نیچے تک کسی بھی لباس کی گرفت سے آزاد تھا۔ اس نے جونی اسکرٹ پہن رکھا تھا اس میں اس کی ٹانگیں نمایاں تھیں۔ اس کا قد مناسب تھا یعنی پانچ پانچ مگر اس نے تین انچ کی ہیل کے ساتھ اس میں مزید اضافہ کر لیا تھا۔ میری توجہ پا کر اس نے خود کو مزید ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ میں نے گہری سانس لی اور کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم میرے ساتھ کس قسم کا کھیل کھیل رہی ہو؟''

''بس اس کھیل کا آخری حصہ شروع ہو گیا ہے۔'' اس نے نارمل انداز میں کھڑے ہوئے کہا۔ ''تم تیار ہو؟''

''کس کام کے لیے؟''

''ناشتے کے لیے۔''

''کیوں نہیں۔'' میں کھڑا ہوا تو وہ ذرا محتاط ہو گئی اور دروازے کے پاس ہو گئی۔ میں مسکرایا۔

''ڈر رہی ہو؟''

''ہاں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''میں تمہارے بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''حالانکہ میں عورتوں کا بہت احترام کرتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھ جیسی عورتوں کا نہیں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اگر تمہیں اس وقت انجکشن میسر نہ ہوتا تو تم میری گردن توڑنے میں دیر نہیں لگاتے۔''

وہ مجھے باہر لائی۔ یہ چھوٹی سی عمارت تھی اور یہاں کم سے کم چھ مسلح افراد تھے۔ مجھے واش روم جانے کا موقع ملا اور پھر ریڈی میڈ ناشتا نصیب ہوا۔ زینی نے صرف سیاہ چائے لی تھی۔ اس نے بہت نفاست سے میک اَپ کیا ہوا تھا اور اس کی تیاری بتا رہی تھی کہ ہمیں کہیں جانا ہے۔ اس کے پاس ایک چھوٹا ہینڈ بیگ تھا مگر اس کی جسامت سے قطع نظر مجھے یقین تھا کہ اس میں کوئی ہتھیار لازمی ہوگا۔ کمرے سے باہر آتے ہی دو افراد مجھ پر مسلط کر دیئے گئے تھے اور اس وقت میرے پاس تھے۔ یہ چہرے مہرے سے افغانی ہی لگ رہے تھے۔ زینی نے مجھ سے نہیں پوچھا کہ میں قبل از وقت انجکشن کے اثر سے کیسے نکلا اسی طرح میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ قوتِ ارادی ختم ہونے کے بعد بھی اس نے اینٹی ڈوٹ کیسے لیا۔ ہم عام افراد نہیں تھے۔ میں ناشتے کے دوران میں محسوس کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ کسی چیز میں کوئی الگ سے ذائقہ آ رہا ہے مگر میں ناکام رہا اور ناشتے کے بعد بھی ٹھیک رہا۔ زینی سکون سے انتظار کر رہی تھی جیسے ہی میں نے ہاتھ روکا اس نے کہا۔

''چلو۔''

''کیا تم بذاتِ خود مجھے ہینڈ اوور کرو گی۔''

اس نے میری طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''کاش کہ میں تمہیں اپنے پاس رکھ سکتی۔''

''میں کسی کے پاس رہنے والا شخص نہیں ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''جلد یہ بات تم اور وہ شخص جان جائے گا جس نے مجھے بلوایا ہے۔''

''میری ذمے داری ختم ہو جائے گی۔'' زینی نے شانے اچکائے۔ ''میں چاہتی ہوں اب تم نارمل رہو لیکن اگر تم نے مزاحمت کی تو مجبوراً تمہیں بے بس کرنا پڑے گا۔''

''میں تعاون کروں گا۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے صرف ایک بات کا جواب دے دو۔''

''کس بات کا اور کیا تم میرے جواب پر یقین کرو گے؟''

''ہاں۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''کیا تم مجھے بھارتی حکومت یا اس کی کسی ایجنسی کے حوالے کرنے جا رہی ہو؟''

''نہیں اس شخص کا بھارتی حکومت یا اس کی کسی ایجنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''وہ بھارتی ہے؟''

''نہیں وہ بھارتی بھی نہیں ہے۔''

میں اس کے لہجے اور الفاظ پر غور کر رہا تھا اور مجھے لگا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ میں نے سر ہلایا۔ ''مجھے تمہاری بات پر یقین ہے۔''

''تب چلو۔''

ہم عمارت سے باہر آئے یہ ایک وسیع احاطے میں بنی ہوئی چھوٹی سی جھونپڑی تھی اور خاص بات یہ تھی کہ وہاں سارے غیر ملکی نظر آ رہے تھے۔ یہ شاید کابل میں غیر ملکیوں کے لیے مخصوص کمپاؤنڈ تھا جہاں وہ محفوظ زندگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزار رہے تھے۔ یہ عام سویلین لوگ تھے جو زیادہ تر مغربی اور مشرق بعید کے ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک بڑی لگژری وین کے پچھلے حصے میں مجھے اس طرح بٹھایا گیا کہ میری دائیں بائیں دو افراد تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص بھی مسلح تھا۔ زینی اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے باہر نکلتے ہوئے ایک شال نما چادر لے لی تھی۔ کابل کی گرد آلود سڑکوں سے گزرتے ہوئے ہم آدھے گھنٹے بعد کابل ایئر پورٹ پہنچے جہاں گاڑی براہ راست ایک پرائیویٹ جیٹ ہینگر تک پہنچی۔ یہاں ایک چھوٹا جیٹ طیارہ منتظر تھا۔ میں نے زینی سے کہا۔

''یہ میرے لیے ہے؟''

''بالکل خاص طور سے تمہارے لیے۔''

''ہمیں کہاں جانا ہے۔''

''آؤ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا اور گاڑی سے اتر گئی۔ میں بھی نیچے آیا میرے نگران پہلے ہی اتر گئے تھے۔ ان کے ساتھ میں طیارے کی سیڑھیوں تک آیا اور دروازے پر موجود شخص کو دیکھ کر چونکا۔ وہ ڈیوڈ شا کا خاص آدمی کرنل جیمز بیکسٹر تھا۔ وہ سوٹ میں تھا اور اس نے سر پر فلیٹ ہیٹ لگا رکھا تھا۔ تو بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔ مجھے ڈیوڈ شا نے بلوایا تھا اور وہی میرے لیے اس طرح کے انتظامات کر سکتا تھا۔ میں طیارے میں داخل ہوا۔ میرا خیال تھا کہ زینی وہیں رہ جائے گی مگر وہ بھی طیارے میں آ گئی۔ ہم کل تین مسافر تھے اور ایک ایئر ہوسٹس سمیت عملے کے کل تین افراد تھے۔ دروازہ بند ہوتے اور ہمارے نشستوں پر بیٹھتے ہی طیارے کے انجن اسٹارٹ ہوئے اور اس نے ہینگر سے نکل کر رن وے پر ٹیکسی شروع کر دی۔ میں اور کرنل آمنے سامنے بیٹھے تھے اور زینی ذرا آگے صوفہ نما نشست پر تھی۔ طیارے میں آتے ہی وہ مجھ سے بے نیاز ہو گئی تھی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھے ایک رسالہ دیکھ رہی تھی۔ یہ پوز بھی خاصا سنسنی خیز تھا مگر فی الحال میری توجہ کرنل پر تھی جو طیارے کی پرواز سے پہلے سگار نوشی میں مصروف تھا۔ جیسے ہی طیارے نے پرواز شروع کی اور بلندی پر آیا سیٹ بیلٹ سائن بجھا اور اس نے سگار جلا لیا۔

''تو ڈیوڈ شا کو پھر میری یاد آ گئی؟''

کرنل نے سر ہلایا۔ ''وہ تمہیں کبھی بھولا نہیں۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بائی دی وے ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

''انڈیا۔'' کرنل نے کہا۔

''ڈیوڈ شا وہیں ہے؟''

''ظاہر ہے۔''

معاملات اس طرف جا رہے تھے جہاں میں لے جانا نہیں چاہتا تھا یعنی اس پُراسرار وادی تک۔ مگر میں بے بس تھا۔ میں طیارے میں تھا اور اس کا رخ انڈیا کی طرف تھا۔ میں نے سیٹ بیلٹ کھولنا چاہی تب پتا چلا کہ وہ نہیں کھل رہی تھی۔ کرنل مسکرایا اور بولا۔ ''صرف دو گھنٹے کا سفر ہے پھر تم آزاد ہو گے۔''

زینی نے ایک تو بہ شکن انگڑائی لی اور بولی۔ ''اب تم اور ہم آرام سے سفر کر سکیں گے۔''

اگلے دو گھنٹے تک میں اسی طرح بندھا بیٹھا رہا۔ طیارہ اتنی بلندی پر تھا کہ نیچے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برف پوش پہاڑ نظر آنا شروع ہوئے تو میں چونکا تھا۔ ہم ہمالیہ کے آس پاس تھے۔ پریشر کیبن اور پُرسکون ہموار پرواز کی وجہ سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ طیارہ کس رفتار سے اڑ رہا ہے لیکن میرا اندازہ تھا کہ وہ کم سے کم آواز کی رفتار سے پرواز کر رہا تھا اور اتنی رفتار سے وہ دو گھنٹے میں بھارت کے دوسرے سرے تک پہنچ سکتا تھا۔ پھر طیارے کی بلندی کم ہونے لگی اور ذرا دیر بعد وہ ایک عام سی ائیر فیلڈ پر اتر رہا تھا۔ یہ کوئی پبلک ائیر پورٹ نہیں تھا بلکہ شاید نجی یا کلب ائیر پورٹ تھا۔ طیارہ اترا اور رک گیا۔ ایک کار طیارے کی طرف آئی اس دوران میں ائیر ہوسٹس نے دروازہ کھول دیا اور میری سیٹ بیلٹ بھی خود بخود کھل گئی۔ میں، زینی اور کرنل نیچے اترے۔ کار کے ساتھ دو افراد تھے اور یہ مقامی تھے۔ انہوں نے دروازے کھولے اور ہم تینوں عقبی نشست پر آ گئے۔ زینی مجھ سے لگ کر بیٹھی تھی اور اس نے میرے کان میں کہا۔ ''ہم بس پہنچنے والے ہیں۔''

''اطلاع کا شکریہ۔''

یہ نیم پہاڑی علاقہ تھا کار ائیر کلب سے نکل کر بل کھاتی سڑکوں پر سفر کرنے لگی۔ آدھے گھنٹے بعد ہم ایک پہاڑی مینشن میں تھے اور کار رکتے ہی میں نے لان میں دھوپ اور ڈرنک سے لطف اندوز ہوتے ڈیوڈ شا کو دیکھ لیا۔ ہم کار سے اتر کر براہ راست اس کی طرف آئے تھے۔ زینی سب سے آگے تھی اور مجھے قطعی حیرت نہیں ہوئی جب وہ لپک کر ڈیوڈ شا کے گلے لگ گئی۔ مگر اس کے کہے الفاظ پر میں اچھل پڑا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ ''پاپا میں شہباز کو لے آئی ہوں۔''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں دم بخود تھا کیونکہ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ڈیوڈ شا اور زینی میں کوئی رشتہ ہوگا اسے ڈیوڈ شا کے گلے لگتے دیکھ کر میں غلط فہمی کا شکار ہوا تھا کہ شاید زینی اور ڈیوڈ شا میں کوئی اور رشتہ ہے مگر زینی کے الفاظ نے میری غلط فہمی دور کر دی تھی۔ مگر زینی کی گرم جوشی اور پاپا کے لفظ پر بھی ڈیوڈ شا کے سپاٹ چہرے پر جذبات یا گرم جوشی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں آئی تھی۔ اس نے صرف سر ہلایا اور بولا۔ ''ویل ڈن۔''

غالباً زینی کو اس سے اتنے سرد رویے کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ خفیف ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ میں اپنی جگہ بے پروائی سے ساکت اور خاموش کھڑا رہا اور آس پاس کا جائزہ لیتا رہا۔ اگرچہ ڈیوڈ شا کو دیکھ کر مجھے تشویش ہوئی تھی مگر میں نے اس کا اظہار ضروری نہیں سمجھا۔ پیلس پرانے طرز تعمیر کا مگر بہت عالی شان تھا۔ اس میں بیک وقت تغلقی اور مغلئی طرز تعمیر جھلک رہا تھا۔ سرخ اینٹوں یا پتھروں سے اس کی دو منزلہ مرکزی عمارت میں یقیناً بہت سے کمرے ہوں گے اور وہ احاطے کی سب سے بلند سطح پر ایستادہ تھا۔ اس کے عقب میں بلند ہوتے پہاڑ اور ان پر بے حد گھنے جنگلات تھے۔ زمین کی ساخت کے لحاظ سے اوپر نیچے ہوتی چار دیواری تھی جس پر لوہے کی حفاظتی جالی کے ساتھ ساتھ ہر تیس فٹ کے بعد پول لائٹس نصب تھیں۔ یہ خاص متعدد سلطوں والا پہاڑی پیلس تھا۔ اس میں مرکزی پیلس کے علاوہ بھی کوئی نصف درجن عمارات تھیں۔ لان کے آس پاس صرف دو مقامی افراد تھے جو خدام کی وردی میں تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ یہاں کا حفاظتی نظام سخت ہوگا۔ ڈیوڈ شا کسی معمولی سکیورٹی والی جگہ نہیں رہ سکتا تھا۔ ڈیوڈ شا نے کہا۔

''بیٹھو شہباز، تمہیں ٹھیک دیکھ کر خوشی ہوئی۔''

''میں پہلے بھی ٹھیک تھا۔'' میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے بیٹھنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ ''مبارک ہو تم پھر کامیاب رہے۔ ویسے مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا جب آنکھ کی پتلی سے میری شناخت کی گئی تھی۔ یہ کام ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تم جانتے ہو مجھے زبردستی پسند نہیں ہے لیکن حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ مجھے تم کو بلوانا پڑا۔''

''اتنے لمبے پلان کے ساتھ؟'' میں نے کسی قدر چبھتے لہجے میں پوچھا۔ ''تم نے خاصا پہلے زینی کو بھیج دیا تھا۔''

''ہاں لیکن تمہیں لانے کا مشن چند دن پہلے دیا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''او کے میں مان لیتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''حالانکہ سابق ملاقات کو زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔''

''میں نے کہا نا حالات کچھ بدلے ہیں۔'' ڈیوڈ شا نے اپنا گلاس اٹھالیا اور میز پر وہی ایک گلاس تھا اس کے علاوہ صرف ایک چوکور بوتل تھی جس میں سبزی مائل شراب تھی۔ یہ اس کی محفل تھی اور میں ایک قیدی تھا۔ زینی اور کرنل ذرا فاصلے پر کھڑے تھے۔ ڈیوڈ شا نے ان کی طرف دیکھا۔ ''تم دونوں تھک گئے ہو میرا خیال ہے آرام کرو۔''

وہ خاموشی سے وہاں سے چلے گئے۔ میں نے ان کے جانے کے بعد کہا۔ ''اگرچہ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے لیکن مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ تم لاولد نہیں ہو۔''

اس نے چسکی لے کر سر ہلایا۔ ''زونیا کے بارے میں مجھے دیر سے علم ہوا۔''

میں چونکا۔ ''اس کی ماں تمہاری بیوی نہیں تھی؟''

''نہیں جارجیا میں قیام کے دوران میں میرے اس عورت سے تعلقات رہے تھے اور یہ بس چند دن کی بات تھی۔ پھر میں وہاں سے نکل گیا۔ یہ سوویت یونین کے آخری دنوں کی بات ہے۔''

''یقیناً تم اس کی آخری رسومات کو یقینی بنانے کے لیے وہاں موجود ہو گے؟''

اس نے میرا سوال نما تبصرہ نظر انداز کیا اور بولا۔ ''اس کے بعد میں پلٹ کر وہاں نہیں گیا۔ اب وہ عورت بھی زندہ نہیں ہے۔''

''تب تمہیں زینی کا علم کیسے ہوا؟''

''اس نے خود مجھے تلاش کیا۔'' ڈیوڈ شا نے بے نیازی سے کہا۔

''اس نے مجھے اپنے بارے میں جو بتایا ہے اگر وہ سچ ہے تو اس نے خاصی مشکل زندگی گزاری ہے۔ اسے لوگوں کے ہاتھوں خاصے ناگفتہ بہ حالات سے گزرنا پڑا ہے اور ایسا کرنے والوں میں سے اب کوئی اس دنیا میں نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے سرسری سے انداز میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اب اس موضوع سے جان چھڑانا چاہ رہا ہو مگر میں جان بوجھ کر زینی پر بات کر رہا تھا۔

''جب اسے پتا چلا کہ اس کا باپ دنیا کی کتنی بڑی شخصیت ہے، بے شک وہ اس کا ناجائز باپ ہے اور تب وہ بہت متاثر ہوئی ہو گی۔''

''میں نے کبھی اس کے تاثرات جاننے کی کوشش نہیں کی۔'' ڈیوڈ شا کے لہجے میں کسی قدر جھنجھلاہٹ آ گئی۔ میں نے مصنوعی بے یقینی سے کہا۔

''ٹھیک ہے تم انگریز رشتوں کے معاملے میں جذباتی نہیں ہوتے ہو لیکن ایسی بھی کیا بے نیازی اپنی لوتی بیٹی سے.....''

ڈیوڈ شا کا چہرہ سرخ ہوا تھا اور اس نے دوسرا گلاس بھی ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ ''وہ صرف خونی ظ سے میری بیٹی ہے لیکن میں نے اسے نہ تو قانونی لحاظ سے اپنایا ہے اور نہ ہی وہ میری وارث ہے۔''

''یہ اس کے ساتھ زیادتی ہو گی۔''

''کیسی زیادتی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے دنیا میں لانے کے ذمے دار تم ہو اس لیے تم کس طرح اس کی قانونی حیثیت اور وراثت سے انکار کر سکتے ہو؟''

اس بار اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ''میں نے تمہیں اپنے خاندانی معاملات پر بات کرنے کے لیے نہیں بلایا ہے اس لیے.....''

''میں دعوت نامے پر نہیں آیا ہوں۔'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''تم مجھے جبراً بلوا سکتے ہو لیکن کیا مجھ سے جبراً اپنے ایجنڈے پر بات کر سکتے ہو۔''

''اگر تم اس وقت بات نہیں کرنا چاہتے تو ٹھیک ہے۔'' وہ زبردستی نارمل ہوتے ہوئے بولا۔ ''مگر مجھے یوں زچ کرنے کی کوشش مت کرو۔''

میں ہنسا۔ ''ڈیوڈ شا میں جانتا ہوں تم اس مزاج کے آدمی نہیں ہو مگر میں عادت سے مجبور ہوں۔ خیر تم اپنی بات کر سکتے ہو میں سن رہا ہوں۔''

''ہم اس وقت بھارتی ریاست اروناچل پردیش کے ایک علاقے میں ہیں۔ یہ علاقہ انڈیا بننے سے پہلے ایک ریاست کا حصہ تھا اور یہ پیلس اس ریاست کے راجا کا تھا۔ ہمالیائی دادی یہاں سے صرف ڈھائی سو کلومیٹرز کی مسافت پر ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''تم اندازہ کر سکتے ہو میں نے تمہیں یہاں کیوں بلوایا ہے؟''

جولائی کے آغاز میں یہاں موسم نہایت شاندار تھا۔ شاید ایک دو دن پہلے کھل کر بارش ہوئی تھی اور اس کی خنکی اور تازگی زمین اور پودوں میں سما گئی تھی۔ یہاں بلندی کم سے کم سات ہزار فٹ ضرور تھی اس لیے دھوپ اچھی لگ رہی تھی۔ ڈیوڈ شا صرف برمودا شارٹ اور شرٹ میں تھا۔ میں نے تو اسلام آباد میں مئی جون میں گوروں کو سن باتھ لیتے دیکھا تھا جب مقامی دھوپ سے بچتے پھر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں تو موسم خوشگوار تھا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے تمہارے ذہن میں وہی خناس سمایا ہوا ہے جو راجا عمر دراز کے ذہن میں ہے۔''

''راجا عمر دراز۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ وہاں تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا۔''

''اگر تم جانتے ہو تب بھی یہ میرا اور راجا عمر دراز کا معاملہ ہے۔'' اس بار میں سپاٹ ہو گیا۔ ''بائی دی وے کیا تم نے مہم کی تیاری مکمل کر لی ہے؟''

''تقریباً۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''تمہارے علاوہ کچھ افراد کا اور انتظار ہے وہ آ جائیں تو پھر ہم روانہ ہو سکیں گے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے میں اس مہم کے لیے راضی ہوں؟''

''تم ہو جاؤ گے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''جب تم حالات سے پوری طرح باخبر ہو گے۔''

''جب میں راجا کے محل سے روانہ ہوا تو تمہارے آدمیوں کو اس کا علم کیسے ہوا؟''

''میں نے کہا نا کچھ صبر کرو اور فی الحال آرام کرو۔ جلد سب تمہارے سامنے آ جائے گا۔'' اس نے کہا۔ ''یہاں ایک شخصیت تمہاری منتظر ہے۔''

''کون؟''

''جلد تم اس سے ملو گے۔ تم نے اسے چھوڑ دیا تھا مگر میں نے بلوا لیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیوڈ شا نے مجھے تجسس میں ڈال دیا تھا کہ ایسی کون سی شخصیت تھی جسے میں نے چھوڑ دیا تھا اور ڈیوڈ شا نے اسے بلوالیا تھا۔ ''میرے ساتھیوں میں سے.....؟''

''پاکستان سے کوئی نہیں آیا ہے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''اس معاملے میں تم بے فکر رہو۔''

''تم نے کہا کہ تم مجھے زبردستی نہیں لے جانا چاہتے تھے مگر حالات اچانک بدل گئے ہیں یعنی اب تم مجھے زبردستی لے جارہے ہو؟''

''تم چاہو تو ایسا ہی سمجھ لو۔ مگر تم چاہو تو اس کام کے بدلے مجھ سے کچھ بھی طلب کر سکتے ہو جو میرے بس میں ہو۔ اپنے دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے سے لے کر سات فگرز والی رقم میں معاوضہ لے سکتے ہو۔ ڈالرز، پاؤنڈز یا یورو میں۔''

''تم جانتے ہو میں دشمنوں سے خود نمٹتا آیا ہوں اور جہاں تک دولت کی بات ہے تو میں نے اس کی پروا بھی نہیں کی۔''

''تب تم سمجھ لینا تم اس ہستی کے لیے یہ کام کرو گے جسے میں نے یہاں بلوایا ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے ہاتھ بلند کیا تو دور کھڑے خادموں میں سے ایک ہماری طرف آیا۔ ''اس کے ساتھ چلے جاؤ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم کہاں ہو اور تمہارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے۔ اس جگہ سے نکلنا ممکن نہیں ہے۔''

''اتنی سمجھ رکھتا ہوں۔'' میں نے بدمزگی سے کہا اور خادم کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ میری زندگی ایک دائرے میں گھوم رہی تھی۔ حالات مجھے بار بار ان ہی منزلوں پر لے آتے تھے جہاں سے میں پہلے بھی کئی بار گزر چکا تھا اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں ایک بار پھر نہ چاہتے ہوئے بھی انڈین سرزمین پر تھا۔ آخری بار جب میں نے سرحد عبور کی تھی تو سوچ لیا تھا کہ اب اس زمین پر قدم نہیں رکھوں گا مگر میں ایک بار پھر بے بس ثابت ہوا تھا۔ جب میں نے راجا عمر دراز سے ملاقات کا ارادہ کیا تو اس کے بعد واقعات بڑی تیزی سے تبدیل ہوئے اور میں تبدیلیوں سے گزرتا ہوا بالآخر ڈیوڈ شا کے قبضے میں آگیا تھا۔ میرے لیے یہی انکشاف کم نہیں تھا کہ زونیا عرف زینی ڈیوڈ شا کی دختر بدا ختر تھی اور مزید یہاں کوئی میری جانی پہچانی ہستی موجود تھی۔ ڈیوڈ شا نے جس طرح سے بلوانے کا لفظ استعمال کیا تھا اس سے لگ رہا تھا میری طرح اسے بھی جبراً لایا گیا تھا۔

احاطے میں مرکزی پیلس کے ساتھ کئی اور عمارتیں بھی تھیں۔ یہ خادم مجھے ایسی ہی ایک عمارت میں لے آیا۔ یہ شاید مہمانوں کے لیے مخصوص تھی۔ خادم مجھے ایک کمرے تک لایا اور ادب سے بولا۔ ''آپ یہاں قیام کریں گے۔''

کمرا انتہائی حد تک عالی شان فرنیچر اور سامان سے آراستہ تھا۔ جہازی سائز آرام دہ بیڈ کے ساتھ وہاں چھوٹا صوفہ سیٹ اور چھوٹی ڈائننگ ٹیبل بھی تھی۔ ساتھ ہی اٹیچ باتھ تھا۔ ناشتا کب کا ہضم ہوگیا تھا مگر میں نے لنچ سے پہلے شاور لینے کا فیصلہ کیا۔ میرے جسم پر وہی لباس تھا جو میں نے ایک پہلے دن سے پہنا ہوا تھا۔ میں نے خادم سے لباس کا کہا تو اس نے وارڈ روب کھول کر دکھائی تو اس میں میرے ناپ کے کئی سوٹ اور دوسرے لباس تھے۔ میں نے ایک ٹراؤزر اور شرٹ لی اور واش روم میں آیا۔ میں شاور کے ارادے سے اندر آیا تھا مگر جہازی سائز ٹب دیکھ کر میرا ارادہ بدل گیا اور میں نے اس میں پانی بھرا۔ بوڈی کلون اور لیکوئیڈ واش ڈال کر جھاگ بنایا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ٹب میں گھس گیا۔ یہ پُرتعیش باتھ تھا۔ شاید میں کچھ دیر سکون سے سوچنا چاہتا تھا۔ اس لیے ٹب کا انتخاب کیا۔ اوپر سے پُرسکون ہونے کے باوجود میں اندر سے ٹینس تھا۔ نیم گرم خوشبودار پانی نے مجھے پُرسکون کرنا شروع کیا اور میں نے غور کیا تو مجھے اب تک پیش آنے والے حالات میں کئی قابلِ وضاحت سقم نظر آئے تھے۔

اول راجا عمر دراز کے محل میں میرے ساتھ جو ہوا اس کی کوئی توجیہہ سمجھ میں نہیں آئی۔ سیکرٹری بیگ نے میرے ساتھ انتہائی ذلت آمیز سلوک کیا اور اس کے بعد اس نے معذرت بھی کی۔ پھر زینی اینڈ کمپنی جو پہلے شیر خان اینڈ کمپنی تھی عین موقع پر نمودار ہوئی اور مجھے اٹھا کر یہاں انڈیا تک لے آئی۔ آخر ان لوگوں کو کیسے پتا چلا کہ میں راجا عمر دراز کے محل سے روانہ ہوا تھا۔ اگرچہ اس کی ایک توجیہہ ہو سکتی تھی کہ جیسے فتح خان کو علم ہوا تھا کہ میں کہاں تھا اسی طرح شیر خان اور اس کے ساتھیوں کو بھی علم ہو سکتا تھا مگر نہ جانے کیوں یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں تھی بلکہ سوچی سمجھی منصوبہ بندی تھی۔ میں سوچ میں گم تھا کہ واش روم کا دروازہ کھلا اور میں سمجھا کہ خادم ہوگا مگر وہ زینی تھی۔ اگرچہ میں پوری طرح جھاگ اور پانی میں چھپا ہوا تھا مگر اسے دیکھ کر کچھ بوکھلایا اور پھر اسے ہنستے دیکھ کر خفگی سے کہا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟ ٹھیک ہے میں تمہارے باپ کا قیدی ہوں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم میرے واش روم میں گھس آؤ۔''

''میں تو سوچ رہی ہوں کہ ٹب میں آ جاؤں۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ وہ اسی لباس میں تھی۔ جس میں یہاں آئی تھی۔ ''کیا خیال ہے مل کر نہاتے ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے پریشان ہو کر کہا۔ وہ ایسی ہی عورت تھی کہ اپنے الفاظ کو عملی جامع بھی پہنا سکتی تھی۔ ''یہاں سے جاؤ۔''

''کیا تم سچ مچ ایسا چاہتے ہو۔'' اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے روکھے لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ میں ایسی تفریح کا قائل نہیں ہوں۔ پلیز گو ناؤ۔''

بادلِ ناخواستہ وہ باہر نکلی تھی اور میں نے اٹھ کر سب سے پہلے دروازہ اندر سے لاک کیا اس کے بعد شاور لے کر غسل مکمل کیا اور جسم خشک کر کے، کپڑے پہن کر باہر آ گیا۔ وہ صوفے پر بیٹھی ہوئی اپنے اسمارٹ فون پر کچھ دیکھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے موبائل واپس رکھ دیا۔ اس وقت وہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''اب تم جان گئے ہو کہ میں کس کے لیے کام کر رہی ہوں؟''

''مجھے شبہ تھا لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ ڈیوڈ شا تمہارا باپ ہے۔''

اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ''نام نہاد..... جس وقت میری ماں ہڈیوں کی ٹی بی کی وجہ سے مر رہی تھی تو میں صرف بارہ سال کی تھی۔ اس نے میرے سامنے دم توڑا اور اس کے بعد میں تین سال در بدر رہی۔ تیرہ سال کی عمر میں میں عورت بن چکی تھی۔''

''تم اس کاذے دار ڈیوڈ شا کو سمجھتی ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے یوں انکار کیا کہ اس میں اقرار چھپا ہوا تھا۔

میں نے طنزاً کہا۔ ''بائی دی وے مغرب میں اسّی فیصد لڑکیاں اسی عمر میں عورت بن جاتی ہیں اور یہ وہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا رواج ہے۔ ویسے ڈیوڈ شا کا کہنا ہے کہ یہ تعلق صرف چند دن کا تھا اور اس کے بعد وہ جارجیا نہیں گیا اور نہ ہی اسے تمہاری ماں کے بارے میں علم تھا۔"

"سوال یہ ہے کہ پاپا کو تمہیں وضاحت دینے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت تو نہیں ہے۔" میں نے تسلیم کیا۔ "لیکن وہ مجھے کئی بار ایسی وضاحتیں دے چکا ہے جس سے لگتا ہے کہ وہ میرے سامنے اپنا تاثر بہتر کرنا چاہتا ہے۔"

"آخر وہ تمہارے لیے اتنا بے تاب کیوں ہے؟"

"کیا تم نہیں جانتی ہو؟" میں نے اسے غور سے دیکھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "پاپا نے صرف یہ بتایا ہے کہ تم ان کے لیے ناگزیر ہو۔"

"یہ ایک احمقانہ خیال ہے جس کی توقع میں ڈیوڈ شا جیسے شخص سے نہیں کر سکتا۔"

"کیسا احمقانہ خیال؟" وہ صوفے پر ذرا سرک کر میرے سامنے جھکی اور اس کی بلاؤز نما شرٹ کا گلا کچھ زیادہ ہی وسعت اختیار کر گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کا باپ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اس نے دادی کا سن کر سر ہلایا۔

"پاپا نے اس کے بارے میں بتایا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہاں داخلہ تمہاری وجہ سے ہوگا۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

"لیکن اب مجھے یقین ہے کہ پاپا ایسا ہی سمجھتے ہیں۔"

میں فی الحال دادی پر بات کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے موضوع بدل دیا۔ "تم ڈیوڈ شا سے محبت کرتی ہو؟"

"ہاں کیونکہ وہ میرا باپ ہے۔"

"لیکن میرا نہیں خیال کہ اس نے تمہیں بیٹی کے طور پر قبول کیا ہے۔"

"ابھی نہیں کیا ہے لیکن جلد کر لے گا۔" زینی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "مجھے بھی کوئی جلدی نہیں ہے آخر میں ہوں اس کا خون، وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے۔"

مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ڈیوڈ شا اسے بیٹی کی حیثیت سے قبول کرتا ہے یا نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ کون ہے جس کے بارے میں ڈیوڈ شا نے کہا تھا اور وہ یہیں موجود ہے۔ اسی لمحے باہر سے کسی نے زور سے کہا۔ "ہٹ جا آگے سے....."

"ابھی تم اندر نہیں جا سکتی ہو۔" خادم کی آواز آئی۔

"ہمیں شہباز سے ملنا ہے وہ یہاں ہے ہم نے خود اسے آتے دیکھا ہے۔"

زینی نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا کیونکہ آواز اوشا کی تھی۔ خادم اسے روک رہا تھا اور وہ غصے میں آ جاتی تو اسے کاٹ سکتی تھی اور اس کا کاٹا ہوا مشکل سے بچتا۔ اس لیے میں تیزی سے دروازے تک آیا اور بروقت آیا کیونکہ اوشا اس کے پاس آ گئی تھی۔ خادم نے اسے روکنے کے لیے ہاتھ آگے کیا تھا اور اوشا کے سفید چمکیلے دانت جھلکنے لگے تھے۔ میں نے کہا۔ "اسے آنے دو.....راستے سے ہٹ جاؤ۔"

خادم نے مڑ کر مجھے دیکھا اور ادب سے بولا۔ "میم اندر ہیں کوئی اور اندر نہیں جا سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ میم کا نہیں میرا کمرا ہے۔'' میں نے بدمزگی سے کہا۔ ''اسے اندر آنے دو، یہ میری ساتھی ہے۔''

اوشا مجھے دیکھ کر کھل اٹھی تھی جیسے ہی خادم نے ہاتھ ہٹایا وہ اڑ کر میری طرف آئی اور یوں لپٹی کہ ایک لمحے کو میں بھی بوکھلا گیا تھا۔ وہ شروع سے بے باک اور کسی کی پروا نہ کرنے والی تھی۔ میں نے تو اسے اس حال میں بھی دیکھا تھا جب اس کے کمان کی طرح کسے بدن پر ہمہ وقت صرف ایک منی ساڑھی ہوتی تھی جس کے نیچے بلاؤز بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت اس نے ڈھنگ سے مکمل ساڑھی مع بلاؤز پہنی ہوئی تھی مگر اس کی فطرت تو تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنی شاخ سی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور چہرہ میرے چہرے کے سامنے لا کر بولی۔ ''تو کیسا ہے رے؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے کسمسا کر کہا۔ ''ذرا دور رہ کر بات نہیں کر سکتیں۔''

وہ شوخی سے ہنسی۔ ''اب دور نہیں جاؤں گی رے تجھ سے ایسے ہی لپٹی رہوں گی۔''

''خدا کے لیے میرا تماشا نہ بناؤ گی اور میں دور نہیں بھیج سکتا میں تو خود یہاں قیدی ہوں۔''

''تو قیدی نہیں ہو سکتا۔'' وہ الگ ہوئے بغیر بولی مگر اس نے دباؤ ختم کر دیا تھا۔ خادم غور سے سن رہا تھا اور کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا میں نے مناسب سمجھا کہ اسے اندر ہی لے جاؤں۔ مگر اندر زینی موجود تھی۔ اوشا اسے دیکھ کر چونکی اور کسی قدر بدلے لہجے میں بولی۔ ''یہ کون ہے؟''

زینی نے میری طرف دیکھا۔ ''اسے بتاؤ میں کون ہوں۔''

''فی الحال میں اسی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''پلیز کیا تم ہمیں اکیلے چھوڑو گی؟''

زینی کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غصہ آیا تھا مگر فوراً ہی وہ مسکرانے لگی۔ ''کیوں نہیں۔''

وہ دروازے کی طرف بڑھی اور جان بوجھ کر خود کو مجھ سے مس کرتی گئی تھی۔ اوشا دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر طیش دکھائی دیا تھا اس نے زینی کے جانے کے بعد اسے ایک کلاسیکل گالی دی۔ ''یہ حرامجادی کون ہے؟''

''ڈیوڈ شا کی بیٹی۔'' میں نے کہا۔ ''وہی جس نے تمہیں رانا دیاس کے محل سے اٹھوایا ہے۔''

''مجھے کسی نے نہیں اٹھوایا۔'' اس نے تردید کی۔ ''ایک آدمی نے تجھ سے ملوانے کا بولا ہم اس کے ساتھ چلے آئے۔''

''ایسے ہی چلی آئی تجھے ڈر نہیں لگا۔'' میں نے اسے صوفے پر بٹھایا کیونکہ وہ سچ مچ الگ ہونے کو تیار نہیں تھی مجھ سے چپکی جا رہی تھی۔ جب تک وہ اپنے باپ کے ساتھ غریبانہ زندگی گزارتی رہی اس کا بدن نہایت چھریرا رہا تھا مگر پہلے کنور محل اور پھر رانا دیاس کے محل میں اچھی زندگی نے اسے بدل دیا تھا، اس کا بدن بھر گیا تھا۔ جلد میں ملاحت آ گئی تھی۔ اس نے سلک جیسے کپڑے کی سادہ سفید ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ اسی رنگ کا بلاؤز تھا۔ میری بات پر وہ ہنسی۔

''تو نہیں جانتا کیا؟ مجھے کس سے کھترا ہو سکتا ہے؟''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی کہ اس کا انسوانیت کو کس سے خطرہ نہیں تھا۔ اس ارادے سے اس کے پاس آنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے کو موت ہی نصیب ہوتی۔ ''تُو ٹھیک کہہ رہی ہے پر خطرہ جان کو بھی تو ہوتا ہے۔''

''اس کی پروا کسے ہے رے۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''جندگی میں بس ایک ہی آدمی کی پروا کی ہے اور وہ تُو ہے۔''

''تُو نے بے وقوفی کی ہے اس طرح رانا کے محل سے نکل کر۔ وہاں تُو محفوظ تھی۔''

میری بات سن کر وہ جذباتی ہوگئی۔ ''اگر تیرا نام لے کر ہمیں یم دوت بھی لے جاتا تو ہم چلے جاتے۔''

اب میں سوچ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا نے یہ نیا حربہ استعمال کیا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ میرے کسی دوسرے ساتھی کو اٹھوائے گا اور اسے یرغمال بنا کر اپنا کام نکلوانے کی کوشش کرے گا تو میں مزاحمت کروں گا۔ اس لیے اس نے اوشا جیسے کسی قدر نرم کارنر کو استعمال کیا تھا۔ اوشا میرے لیے دوسرے ساتھیوں کی طرح اہمیت نہیں رکھتی تھی مگر میں اس کی پروا ضرور کرتا اور ڈیوڈ شا اسی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک وہ اٹھ کر میری گود میں بیٹھ گئی اور میرے سینے سے سر ٹکا لیا۔ وہ بوجھل لہجے میں بولی۔ ''شہباز تُو جانتا ہے نا کہ تُو ہمارے لیے کیا ہے رے؟''

میں مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اوشا کا لمس کسی زاہد خشک کو بھی بیدار کر سکتا تھا۔ میں تو جوان اور گناہ گار انسان تھا۔ میں نے التجا کی۔ ''تُو اپنی جگہ بیٹھ کر بات نہیں کر سکتی۔''

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''شہباز ہم تیرے لیے بہت تڑپے ہیں رے، اب دور نہ کر، بھلے پیار نہ کر مگر خود سے جدا نہ کر۔''

میں نے اس آزمائش کا بوجھ ذرا کم کرنے کے لیے اسے اٹھا کر صوفے کی ہتھی پر بٹھایا۔ ''اوشا سمجھنے کی کوشش کر میں بہت مشکل میں ہوں۔ ٹھیک ہے تُو میرے لیے تڑپی ہے مگر یہاں تیری موجودگی میرے لیے مشکلات پیدا کر سکتی ہیں۔''

''ایسا نہ بول۔'' وہ تڑپ کر بولی۔ ''اوشا تیرے لیے مشکل بننے سے پہلے مر جانا چاہے گی رے۔ ابھی آزما لے۔''

شیشے کی میز پر پھلوں کی ٹوکری اور اس کے ساتھ ہی پھل کاٹنے والی چھری رکھی تھی۔ اوشا نے وہ اٹھا کر اپنے سینے میں اتارنے کی کوشش کی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی کوئی کوشش کرے گی۔ اس لیے جب تک میں اس کا ہاتھ پکڑتا چھری اس کے سینے کو چھو چکی تھی۔ اس نے پورا زور لگایا تھا۔ مجھے بھی روکنے کے لیے پورا زور لگانا پڑا تھا۔ جب میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ خود کو چھری کی طرف لائی اور مجھے دوسرے ہاتھ سے اسے روکنا پڑا۔ وہ تقریباً میرے ہاتھ سے لٹک گئی تھی اور اس کی انتہائی کوشش تھی کہ چھری اس کے سینے میں اتر جائے۔ بہ مشکل چھری اس سے دور کر کے میں نے چھین کر پھینک دی اور اسے دبوچ لیا۔ ''یہ کیا حرکت تھی؟''

اب وہ پُرسکون تھی۔ اس نے کہا۔ ''تُو کیا سمجھتا ہے رے، اوشا بس جبانی پریم کرتی ہے۔ ایک لمحے کو چھوڑ تجھے مر کر دکھاتی ہوں رے۔''

سچی بات ہے اس کی حرکت نے مجھے دہلا دیا تھا۔ چھری بے شک پھل کاٹنے والی تھی مگر اوشا نے جتنی قوت سے اسے سینے پر مارا تھا اگر وہ لگ جاتی تو دستے تک اندر گھس جاتی۔ اس نے دل پر وار کیا تھا۔ وہ لمحوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بس مر جاتی۔ لوگ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور بلاشبہ میرے لیے جان قربان کر سکتے ہیں۔ بیتو نے کر کے بھی دکھایا۔ وسیم، سفیر، عبداللہ اور ایاز سب جاں نثار تھے۔ سویرا دیوانی تھی مگر اوشا نے جو کیا تھا وہ شاید کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میں نے اسے چھوڑا تو وہ پھر چھری نہ اٹھا لے۔ مگر ابھی وہ مزاحمت نہیں کر رہی تھی اور کسی ننھی سی بچی کی طرح میرے بازوؤں میں دبکی ہوئی تھی۔ ''تُو پاگل ہے۔''

''ہاں تیری پاگل ہوں۔'' اس نے اقرار کیا۔

میری نظر اس پر گئی تو اس کا سفید بلاؤز سرخ ہو رہا تھا۔ ''یہ کیا خون نکل رہا ہے؟''

اس نے دیکھا اور بے پروائی سے بولی۔ ''لگ گئی ہوگی چھری۔''

جب اس نے چھری سینے میں اتارنے کی کوشش کی تو میں نے اسے روک لیا تھا اور اس وقت میرا خیال تھا کہ اسے کٹ نہیں لگا تھا۔ مگر اب چھلکتا خون بتا رہا تھا کہ اسے چھری لگی تھی۔ ''مجھے دکھاؤ۔''

''دیکھ لے سب تیرا ہی تو ہے۔'' اس نے ساڑھی کا پلو گرا دیا۔

''لاحول ولا۔'' میں نے کہا اور بائشت بھر کے بلاؤز کا ایک حصہ سرکا کر زخم کا جائزہ لیا۔ معمولی سا زخم تھا مشکل سے نصف انچ کا کٹ تھا۔ چھری کی نوک لہرا کر لگی تھی ورنہ اتنا بھی نہ ہوتا۔ ''ایک منٹ۔'' میں نے کہا اور واش روم میں آیا جہاں ایک عدد میڈیکل بکس موجود تھا۔ میں نے اوشا کا زخم صاف کیا۔ اس نے بلاؤز کے اوپری بٹن کھول لیے تھے حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ زخم تقریباً کھلی جگہ تھا۔ شاید اس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ زخم صاف کر کے میں نے اسے تیار گول پٹی لگا دی۔ وہ ساکت اور تن کر بیٹھی رہی۔ ''اب بلاؤز بدل لو۔''

''بدل لوں گی۔'' وہ بولی۔ ''پر ابھی نہیں۔ میں تجھے چھوڑ کر نہیں جاؤں گی رے۔''

''میں کہیں نہیں جا رہا۔''

''ہم نہیں جانتے۔'' اس نے انکار کیا اور پھر مجھ سے لگ کر بیٹھ گئی۔

''اوشا تُو مجھے جانتی ہے کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں۔ میں ایسی حرکت ناپسند کرتا ہوں۔ میرے مذہب میں خودکشی حرام ہے۔ مجھ سے وعدہ کر اب ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گی؟''

''تُو چاہتا ہے کہ ہم زندہ رہیں؟'' اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''ہاں۔''

''تب خود سے دور مت کرنا ورنہ ہم مر جائیں گے۔''

''منظور ہے خود سے الگ نہیں کروں گا۔'' میں نے وعدہ کیا۔ ''ہاں تقدیر کے آگے بے بس ہوں۔''

''اس کا الزام تجھے نہیں دوں گی رے۔'' اس نے کہا تو میں نے اسے چھوڑ دیا مگر وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر چپکی رہی اور شرارت سے بولی۔ ''ایسے مجا آ رہا ہے۔''

''آرام سے یہاں بیٹھو۔'' میں نے اسے دوسرے صوفے پر بٹھا دیا۔ ''رانا دیاس کے ہاں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''ہوا تھا اس کا ایک پوتا میرے لیے پاگل ہو گیا تھا۔'' وہ مزے سے بولی۔

''پھر ٹھیک کیسے ہوا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے اس کے کتے کو کاٹ لیا۔ بہت بھونک رہا تھا۔ وہ مرا تو اس کا مالک ٹھیک ہو گیا۔''

میں مسکرا دیا۔ ''تجھے تو کسی نے کچھ نہیں کہا؟''

''نہیں رانا جی کو پتا چلا تو انہوں نے پوتے کو بہت ڈانٹا تھا اور پھر مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ میں تھی تو خادمہ پر بیٹی سمان سمجھتے تھے۔ تیرے کارن میرا بہت کھیال رکھا۔''

''تجھے خیال نہیں آیا کہ اس طرح وہاں سے نکلے گی تو وہ پریشان ہوں گے۔''

''میں چٹھی چھوڑ آئی تھی۔''

''کیسے تجھے تو لکھنا پڑھنا نہیں آتا؟''

وہ ہنسی۔ ''ایک ملاجم سے لکھوائی تھی وہ بھی بہت میرے آگے پیچھے پھرتا تھا۔''

''پھر بھی وہ پریشان ہوں گے کیونکہ میں نے تجھے ان کے پاس بھیجا تھا۔''

''تو پلٹ کر ایسا گیا کہ کبھی یاد بھی نہیں کیا۔'' اس نے شکوہ کیا۔ ''میں انتجار کرتی رہی رے۔''

''تو جانتی ہے میری جان کتنے سارے چکروں میں پھنسی رہتی ہے۔ ایک لمحے کو سکون نہیں ہے۔ ابھی ایک دشمن سے پیچھا نہیں چھوٹتا ہے کہ دوسرا آ جاتا ہے۔ یہاں بھی سمجھ لے کہ قیدی بن کر آیا ہوں۔''

''یہ گورا کیوں تیرا دشمن ہے؟''

''دشمن نہیں ہے مجھ سے ایک کام ہے اور میں تیار نہیں ہوں اس لیے زبردستی بلوایا ہے۔ اسے معلوم ہے وہ مجھ سے میری جان کی دھمکی پر کچھ نہیں کروا سکتا اس لیے تجھے بھی بلوا لیا۔''

''تو بھاگ نہیں سکتا یہاں سے مجھے لے کر؟''

''بہت مشکل ہے ہاں موقع ملے تو ایسا کر سکتا ہوں۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں؟''

''جب موقع ہو گا تب بتاؤں گا۔''

''یہ عورت کون ہے رے؟'' بالآخر اس نے وہ سوال کیا جو اسے سب سے پہلے کرنا تھا مگر وہ دوسرے چکر میں پڑ گئی۔

''بتایا تو ہے ڈیوڈ شا کی بیٹی ہے۔''

''بھلے کسی کی بیٹی ہو میں پوچھ رہی ہوں تیری کیا لگتی ہے؟''

''میرے دشمن کی بیٹی ہے تو میری کیا لگے گی؟''

''تب ایسے کیوں پوچھ رہی تھی میرا؟''

میں نے شانے اچکائے۔ ''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''شہباز میں عورت ہوں اور عورت کا انداز جانتی ہوں۔ وہ تیرے چکر میں ہے۔''

''مگر میں اس کے چکر میں نہیں ہوں۔''

''چھوڑ اسے۔'' وہ بولی۔ ''یہ بتا میں کیسی لگ رہی ہوں۔''

''اچھی لگ رہی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کتنی اچھی؟''

''بہت اچھی۔'' میں نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔ ''تُو جانتی ہے میں ایسا مرد نہیں ہوں جو عورتوں پر غور کرتا پھروں۔''

''اچھا کرتا ہے پر مجھ پر تو کیا کرتا۔'' اس نے کھڑے ہو کر اپنا سراپا دکھایا۔ ''دیکھ مجھے اب یوں ساڑھی پہننا آ گئی ہے۔''

''اور کیا آیا ہے؟''

''مجھے رسوئی میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ سب ڈرتے تھے کہ میرا وِش نہ مل جائے بھوجن میں، اس لیے بھوجن بنانا نہیں آتا۔ میں صفائی کرتی تھی اور رانا جی کے کام کرتی تھی۔''

میں سوچ میں تھا اور اوشا تاڑ گئی کہ میں فکر مند ہوں۔ ''کیا مجھے دیکھ کر اچھا نہیں لگ رہا کیا؟''

''اوشا میں اس وقت دشمن کے پاس ہوں اور ایسے میں مجھے بالکل پسند نہیں ہے کہ میرا کوئی ساتھی بھی دشمن کے ہاتھ لگ جائے۔''

''پر میں تیری ساتھی تو نہیں ہوں۔'' اس نے اپنے بکھر جانے والے سیاہ لمبے بال سمیٹے جو چھری کی کشمکش میں بکھر گئے تھے۔ پہلے اس کے بال زیادہ لمبے نہیں تھے مگر اب کمر کے خم سے نیچے آ رہے تھے۔

''تُو میری ساتھی ہے۔''

''جون ساتھی نہیں ہوں۔'' اس نے حسرت سے مجھے دیکھا۔ ''مجھے پتا ہے تُو میرا نہیں ہے میرا بننا بھی چاہے تو نہیں بن سکتا۔ میرے لیے دیوتا سمان ہے۔ میں تیری پجارن ہوں۔ تیری پوجا کر سکتی ہوں پر تجھ سنگ رہ نہیں سکتی۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ یہ اچھی بات تھی کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ نہیں سکتی تھی ورنہ مجھے انکار کرنا پڑتا۔ لیکن اس کے ساتھ ظلم تو ہوا تھا اس کے باپ نے اسے زہریلی بناتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنی واحد اولاد کو فطرت کی خوشی سے محروم کر رہا ہے۔ وہ ازدواجی زندگی نہیں گزار سکتی تھی کیونکہ اس کے پاس آنے والا مرد اس کے زہر کی نذر ہو جاتا۔ زہریلی ہونے کے باوجود وہ عورت کی فطرت سے محروم نہیں تھی۔ اس کے اندر چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش موجود تھی اور شاید عام لڑکیوں سے زیادہ تھی۔ وہ مجھے چاہنے لگی تھی۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا۔ اس نے بچپن سے جوانی تک اپنے باپ کو پاس دیکھا تھا۔ پھر میں اس کی زندگی میں آیا تو وہ مجھ سے منسلک ہو گئی۔ جب تک ساتھ رہی وہ مجھ سے جسمانی قربت کی کوشش کرتی رہی اور جب مجھ سے جدا ہوئی تو اس پسند میں محبت کا پاگل پن شامل ہو گیا۔ میں نے اسے رانا ویاس کے پاس بھیجا تو میرے ذہن میں تھا کہ وہی اس کے لیے محفوظ ٹھکانا تھا اور وہ ساری عمر وہاں آرام سے رہ سکتی تھی مگر ڈیوڈ شا نے اسے وہاں سے بلوا کر نہ صرف میرے بلکہ اوشا کے لیے مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔

اوشا یقیناً میرے معاملے میں صبر سے کام لے رہی تھی اور تبھی وہ ایک نارمل زندگی کی طرف آئی تھی۔ اسے امید ہو گی کہ شاید کبھی میرا اس سے سامنا ہو مگر وہ میرے لیے پاگل ہو کر رانا ویاس کے محل سے نکلی نہیں تھی۔ ممکن ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری یاد دھندلی پڑ جاتی۔ تب شاید وہ اتنی بے چین نہ رہتی۔ مگر ڈیوڈ شا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اسے یوں میرے سامنے لا کر اس کے دبے جذبات بھڑکا دیئے تھے اور اب میں مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اوشا کا ردِعمل بتا رہا تھا کہ اب وہ اتنی آسانی سے میری جان نہیں چھوڑے گی۔ اس کا لہجہ بدل گیا تھا کبھی وہ صاف ہندی میں بات کرتی تھی اور کبھی اپنے پرانے انداز پر اتر آتی۔ کبھی ہم کر کے بات کرتی اور کبھی میں کہتی تھی۔ خادم نے دروازے پر دستک دی اور میری اجازت پر اندر آیا۔ اس نے لنچ کا پوچھا اور میں نے اسے یہیں لانے کو کہا۔ اس کے جانے کے بعد اوشا نے کہا۔

''میرا من کرتا ہے تیرے ایک ایک دشمن کو ڈس کر مار ڈالوں۔ تیری کوئی مجبوری باقی نہ رہے۔''

میں مسکرایا۔ ''حالانکہ تم سے جتنی بار ملا ان دشمنوں کے طفیل ہی ملا۔ ورنہ تم کہیں رہتی تھیں اور میں کہیں تھا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک ویرانے میں ہماری ملاقات ہوگی۔''

''ہاں یہ تو ہے پر تیری مشکل ہمیں بے چین رکھتی ہے۔''

''میری مشکلیں آسان ہوں گی۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''مجھے اللہ پر بھروسا ہے۔''

''بیتو کا دکھ ہوا۔'' اوشا نے کہا تو میں حیران ہوا۔

''تم جانتی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''رانا جی تک تمام کھبریں آتی تھیں اور وہ ہمیں بتاتے تھے۔''

رانا ویاس باخبر آدمی تھا۔ مگر میرے لیے یہ تعجب انگیز تھا کہ وہ اوشا کا اس حد تک خیال رکھتا تھا کہ اسے میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں تازہ ترین خبروں سے باخبر رکھتا تھا۔ بیتو کے ذکر پر میرے دل سے آہ نکلی تھی۔ میں نے اوشا کو مختصراً بتایا کہ بیتو نے کس طرح مجھ پر جان واردی۔ اوشا نے کہا۔ ''ٹو ہے ہی ایسا کہ جان وارنے کو جی کرتا ہے۔''

''میں نے کبھی خود کو اس قابل نہیں سمجھا۔'' میں نے کہا۔ ''تم نہیں جانتی کہ بیتو میرے لیے کیا تھا اور اس کا نقصان میرے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے۔''

بیتو کے ذکر پر میرا دل بوجھل ہو گیا تھا۔ اوشا نے میرا دکھ محسوس کیا اور اٹھ کر میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے انداز میں محبت تھی، سستا پن نہیں تھا اس لیے مجھے سچ مچ سکون ملا اور میرے اندر کا بوجھل پن کم ہونے لگا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ خادم کھانا لے آیا تھا۔ وہ میز پر لگانے لگا۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران میں اوشا کچھ بے چین نظر آنے لگی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تجھ سے کچھ کہنا ہے۔''

''کہو۔''

''یہاں نہیں رے۔'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اسے خدشہ ہے یہاں ہماری بات سنی جا رہی ہوگی اور ایسا لازمی تھا۔ ڈیوڈ شا اس قسم کا آدمی تھا جو کسی پر اعتبار نہیں کرتا تھا اور وہ بہرصورت میری نگرانی کر رہا ہوگا۔ کھانے کے بعد میں نے خادم سے کہا۔ ''اگر میں یہاں سے باہر جانا چاہوں تو.....''

''کوئی پابندی نہیں ہے سرکار۔'' اس نے ادب سے کہا۔ ''آپ پیلس میں کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے حیرت ہوئی۔ ''کہیں بھی جانے کے لیے؟''

''جی سرکار۔'' اس نے سر ہلایا۔

میں اوشا کے ساتھ باہر نکلا۔ اس کے سفید بلاؤز پر سرخ دھبا بہت نمایاں تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ لباس بدل لے مگر پہلے میں جاننا چاہتا تھا کہ اوشا مجھ سے کیا کہہ رہی تھی۔ ہم باہر آئے اور ایک کھلی جگہ جہاں سوائے گھاس کے اور کچھ نہیں تھا میں نے اوشا سے کہا۔ ''تم کیا کہنا چاہتی تھیں؟''

''شہباز تجھے دیکھ کر میں بھول گئی تھی۔ اب یاد آیا۔ دو دن پہلے ایک میم رانا جی سے ملنے آئی تھی۔ وہ انگریزی میں بات کر رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیا بات ہو رہی ہے پر وہ بار بار تیرا نام لے رہی تھی۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ ایسی کون سی سفید فام عورت ہو سکتی تھی جو رانا ویاس سے ملنے آئی ہو اور اس سے میرے بارے میں بات کی ہو۔ ''حلیہ بتا سکتی ہو دیکھنے میں کیسی لگتی تھی؟''

''پیاری تھی۔'' اوشا نے رشک سے کہا۔ ''گوری سی اور کھوب صورت۔''

اوشا کو حلیہ بتانا نہیں آ رہا تھا اس کے نزدیک وہ میم تھی اور بہت خوب صورت تھی۔ اس لیے میں نے سوال شروع کیے اور چند سوالوں کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ممکنہ طور پر ایمن شا تھی۔ اس کے بالوں اور آنکھوں کا رنگ، چہرے کے نقوش اور جسمانی ساخت وہی تھی۔ اوشا نے تجسس سے پوچھا۔ ''یہ کون ہے رے؟''

''ایمن شا۔'' میں نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا کے بھائی کی بیٹی، لیکن اس کی دشمن اور.....''

''تیری دوست۔'' اوشا بولی۔ ''میں اسی وقت سمجھ گئی تھی جب وہ تیرا نام لیتی تو اس کا انداز ہی بدل جاتا تھا۔''

''وہ میری ہمدرد ہے کیونکہ ڈیوڈ شا اس کا بھی دشمن ہے۔''

''میں پاگل نہیں ہوں۔'' وہ میرے قریب ہو کر بولی۔ ''سب سمجھتی ہوں وہ بھی تجھ پر مرتی ہے۔''

''میرے خدا۔'' میں نے منہ اوپر کر کے فریاد کی۔ ''میں دشمنوں کے چکر سے نہیں نکل پاتا اور یہ لڑکیاں بھی مرنے سے باز نہیں آتی ہیں۔''

وہ ہنسی۔ ''تُو ہے ہی ایسا..... عورت کی فطرت نہیں سمجھتا کہ اس سے بھاگے گا تو وہ تیرے پیچھے بھاگے گی۔''

''ٹھیک ہے آج سے میں عورتوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتا ہوں۔'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''اس صورت میں تو تم دور بھاگو گی نا؟''

وہ پھر ہنسی۔ ''دوسروں کا پتا نہیں رے پر میں نہیں بھاگوں گی۔ یہ بتا تجھے وہ میم کیسی لگتی ہے؟''

''جیسی تُو لگتی ہے، دوست اور ساتھی، میں نے کچھ اور نہیں سوچا اور نہ ہی سوچوں گا۔''

''تُو ہے ہی ایسا کنھور۔'' اس نے خفگی سے کہا۔

''اوشا بلاؤز بدل لو۔''

''میں تجھے چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔'' اس نے نہ صرف انکار کیا بلکہ میرا بازو پکڑ لیا۔ ''تُو چلے گا تو جاؤں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چلو بابا۔'' میں نے مجبوراً کہا۔ اوشا ایک اور چھوٹی مگر معمولی نظر آنے والی عمارت میں ٹھہرائی گئی تھی۔ یہاں اسے معمولی سا کمرا ملا ہوا تھا جہاں اس کا ایک عدد بیگ بھی موجود تھا۔ کمرے میں معمولی سا بیڈ اور دوسرا سامان تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا جب ڈیوڈ شا جانتا تھا کہ وہ میری ساتھی ہے تو اسے اسی لحاظ سے اوشا کا خیال رکھنا چاہیے تھا اس نے اسے معمولی نوکروں کی طرح اس جگہ ٹھہرایا تھا۔ اوشا نے بیگ سے ایک اور ساڑھی نکالی اور اپنی ساڑھی کھولنے لگی۔ میں نے کہا۔ ''میں باہر موجود ہوں۔''

''تو نہیں جائے گا۔'' اس نے ضد کی۔

''اوشا بچی مت بنو کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟''

''تجھ پر ہے پر اپنے مقدر پر نہیں ہے۔ ڈر لگتا ہے تو آنکھوں سے دور ہوا تو پھر کہیں چلا جائے گا۔''

''تقدیر کے آگے میں اور تم دونوں بے بس ہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں باہر ہوں تم لباس بدل کر آجاؤ۔''

''تو مجھ سے بھاگ رہا ہے۔ مجھے دیکھنا نہیں چاہتا۔'' اس نے شکوہ کیا تو میں مسکرا کر باہر آگیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر رانا ویاس سے ملاقات کرنے والی سچ مچ ایمن تھی تو وہ وہاں کیوں آئی تھی۔ بہ ظاہر اس کا رانا ویاس سے کوئی تعلق نہیں تھا اور پھر اوشا کا کہنا تھا کہ دوران گفتگو بار بار میرا نام آرہا تھا۔ یہ دو دن پہلے کی بات تھی جب میں یقینی طور پر زینی کے قبضے میں آچکا تھا۔ کیا ایمن میری گمشدگی اور اس حقیقت سے واقف تھی کہ میں اصل میں ڈیوڈ شا کے قبضے میں جا چکا ہوں جب کہ اس وقت میں بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کس کے قبضے میں ہوں۔ مگر ایمن کی یہاں موجودگی ذاتی طور پر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا امکان تھا کہ وہ اپنی ڈیوٹی پر یہاں آئی ہو اور اسے میرے بارے میں علم ہوا ہو۔ زینی اور پھر اوشا کی آمد سے پہلے میں سوچ رہا تھا کہ میں جس طرح ڈیوڈ شا کے قبضے میں آیا تھا اس کا کوئی نہ کوئی سرا راجا عمر دراز کے محل سے ملتا تھا۔ بیگ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس سے شبہ مزید بڑھ رہا تھا مگر سوال یہ تھا کہ اس چکر میں بیگ یا عمر دراز ملوث تھے؟

مگر میرا دل نہیں مان رہا تھا کہ راجا عمر دراز یا بیگ یوں مجھے دشمن کے حوالے کر سکتے ہیں۔ بیگ نے جس طرح مجھ سے معافی چاہی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی وجہ سے مجبور ہے تبھی اس نے یہ سب کیا۔ شاید راجا عمر دراز کی ضد ختم کرنے کا واحد طریقہ یہی سمجھ میں آیا کہ مجھے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اگرچہ پہلے بھی میرا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ راجا عمر دراز کے ساتھ وادی تک جاؤں مگر اب بیگ کے طرزِ عمل نے کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا تھا۔ اس کے باوجود مجھے ڈیوڈ شا کے حوالے کرنے میں اس کا کردار سمجھ سے بالاتر تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ڈیوڈ شا میرا ایسا دشمن نہیں ہے۔ اسے مجھ سے اتنی غرض تھی کہ وہ مجھے وادی تک لے جائے تاکہ اسے اندر جانے کا پروانہ مل سکے۔ اس کے بعد میں اس کے لیے بے مقصد ہو جاتا اور وہ شاید مجھے چھوڑ دیتا۔ شاید اسی لیے اس نے مجھے ڈیوڈ شا کے حوالے کیا۔ ایک تو میں راجا عمر دراز سے دور ہو جاؤں اور دوسرے ڈیوڈ شا بھی پیچھا چھوڑ دے۔ مگر یہ سب میرے قیاس تھے شاید ایسا نہ ہو اور شاید ایسا ہو۔ اچانک اوشا کی آواز آئی۔

''شہباز کیا کہہ رہا ہے؟''

میں چونکا۔ ''میں نے تو کچھ نہیں کہا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ساڑھی بدل کر آ گئی تھی۔ اس بار اس نے نیلی زمین والی ساڑھی پہنی تھی جس پر پیلے اور نارنجی رنگ کے پھول بنے تھے۔ البتہ بلاؤز سفید ہی تھا اور پہلے کے مقابلے میں خاصا مختصر تھا۔ اسے دیکھ کر احساس ہوا کہ اس کا بدن بھر آیا ہے ورنہ پہلے وہ چھریری سی تھی۔ اس نے کہا۔ ''تُو بات کر رہا تھا خود سے؟''

''اچھا۔'' میں نے حیران ہو کر گہری سانس لی۔ ''مجھے پتا ہی نہیں چلا۔''

''اچھا چھوڑ یہ بتا کہ اب کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس نے رقص کے انداز میں گھوم کر دکھایا۔

''تُو ہر حال میں اچھی لگتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بیگ کہاں ہے؟''

''وہ اندر ہے۔''

''اسے لے آؤ اب تم میرے ساتھ رہو گی۔''

''سچ۔'' وہ خوش ہو گئی اور لپک کر اپنا بیگ لے آئی۔ ''تیرے ساتھ تیرے کمرے میں؟''

''نہیں لیکن اسی عمارت میں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''یہ جگہ تیرے لیے اچھی نہیں ہے۔''

''تُو جانتا ہے میں گھاس سے بنے جھونپڑے میں رہی ہوں۔ مٹی پر سوتی تھی یہ الگ بات ہے کہ رانا جی کے محل کے جس کمرے میں رہتی ہوں وہ رانا جی کے کمرے سے کم نہیں ہے اب یہاں رہی تو کیا بگڑ گیا ہے۔ پر شہباز سچی بات یہ ہے کہ تُو نرکھ میں بھی رکھے تو خوشی سے رہوں۔''

مگر میرا نرکھ میں رہنے یا اسے رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ہم باہر آئے اس بار بھی نہ تو کسی نے روکا اور نہ ہی کوئی نظر آیا۔ مجھے حیرت ہوئی یہاں بہ ظاہر کوئی سکیورٹی نہیں تھی۔ ملازم اور ملازمائیں تھیں مگر وہ عام سے تھے۔ سامنا ہونے پر ایک طرف ہو کر اس وقت تک ادب سے سر جھکائے کھڑے رہتے تھے جب تک ان کے پاس سے گزر نہ جایا جائے۔ مگر ایسا بھی ممکن نہیں تھا کہ یہاں سرے سے کوئی سکیورٹی ہی نہ ہو۔ یقیناً یہاں اعلیٰ درجے کی الیکٹرونک سکیورٹی ہو گی جس کے ہوتے ہوئے بہ ظاہر عام گارڈز کی ضرورت نہیں تھی اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ عام گارڈز بھی ہوں لیکن سامنے نہ ہوں بلکہ جب ان کی ضرورت ہو سیکنڈوں میں کہیں سے نمودار ہو جائیں۔ مگر سامنے کوئی نہیں تھا۔ بنا کسی روک ٹوک کے ہم واپس آ گئے۔ مگر میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک گئے۔ وہاں زینی موجود تھی۔ وہ بے تکلفی سے صوفے پر موجود تھی اور اس نے معنی خیز نظروں سے ہمیں دیکھا۔

''کہاں تھے اس کے ساتھ اور اس نے اتنی جلدی کپڑے بھی بدل لیے۔'' وہ انگریزی میں بولی اس لیے اوشا نہیں سمجھی تھی۔ البتہ اس نے اپنی زبان میں کہا۔

''شہباز یہ کتیا کیوں آئی ہے؟''

''اپنی حد میں رہو۔'' زینی غرائی۔

''پلیز۔'' میں نے ہاتھ اٹھایا اور زینی سے کہا۔ ''تم کام کی بات کرو۔''

''شہباز.....'' اوشا نے کہنا چاہا۔

''تم وہاں بیٹھو۔'' میں نے سخت لہجے میں اوشا سے کہا اور بیڈ کی طرف اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اس طرف بڑھ گئی میں نے زینی سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زینی نے جان بوجھ کر اوشا کو چڑانے والے انداز میں دیکھا اور میرے ساتھ باہر آ گئی۔ اس نے باہر نکلتے ہوئے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا۔ ''تمہیں اس میں کیا نظر آیا؟''

''مجھے تو تم میں بھی کچھ نظر نہیں آتا ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم دونوں باپ بیٹی میرے سر کا درد بن گئے ہو۔''

حسبِ توقع وہ غصے میں آ گئی۔ ''تم اس کا مقابلہ مجھ سے نہیں کر سکتے۔''

''ہاں وہ با آبرو لڑکی ہے۔''

''با آبرو؟'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اس کا انداز بتاتا ہے.....''

''کیا تم اپنا منہ بند نہیں رکھ سکتیں۔'' میں نے جھنجھلا کر کہا۔ ''جب کہ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔''

''تم اس کی اتنی سائیڈ کیوں لے رہے ہو؟''

''اگر میں اس کی سائیڈ لے رہا ہوں تو تمہیں کیا مسئلہ ہے؟''

''مجھے مسئلہ یہ ہے کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔''

''افسوس کہ تم مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔''

''کیوں؟'' وہ جذباتی ہو گئی۔ ''کیا کمی ہے مجھ میں؟''

''تم میں عورت کی کمی ہے۔ عورت صرف ایک مخصوص جسمانی ساخت کا نام نہیں ہے اور تم صرف نسوانی ساخت کی حامل ہو۔'' میں نے نرمی سے بہت سخت بات کہی۔ وہ مجھے گھورنے لگی۔

''تم میری توہین کر رہے ہو۔''

''میرے نزدیک تو تمہارا وجود ہی عورت کی توہین ہے لیکن تم اپنے نکتہ نظر میں آزاد ہو۔''

اس کی آنکھوں میں غیض و غضب کی جھلک دکھائی دی تھی۔ مگر پھر وہ نارمل ہو گئی۔ ''جلد تم صرف میرے ہو گے۔''

اس نے کہا اور ایک جھٹکے سے مڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ اس کے انداز سے میں فکر مند ہو گیا۔ چند لمحے کو مجھے لگا کہ میں نے اسے چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ بہر حال میں ان لوگوں کا قیدی تھا مگر مجھے یہ فکر اپنے لیے نہیں بلکہ اوشا کے لیے تھی۔ وہ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی مگر اوشا کے خلاف کچھ بھی کر سکتی تھی۔ میں نے کمرے میں آ کر خادم کو طلب کرنے والا بٹن دبایا۔ یہ لمبی مونچھوں اور خاص راجستانی اسٹائل کے لباس والا نوجوان آدمی تھا۔ سیاہی مائل رنگت کے ساتھ اس کے نقوش تیکھے اور دلکش تھے۔ جسامت کسرتی مگر کسی قدر چھریری تھی۔ اس نے اندر آ کر ادب سے سر جھکایا۔ ''جی سرکار؟''

''مجھے ڈیوڈ شا سے ملاقات کرنی ہے۔''

''میں آپ کا پیغام پہنچا دیتا ہوں سرکار۔'' اس نے کہا اور رخصت ہو گیا۔ اوشا کا منہ پھولا ہوا تھا اور وہ بستر پر کروٹ لے کر نیم دراز تھی مگر منہ دوسری طرف کیا ہوا تھا۔ میں نے اسے چھیڑنے سے گریز کیا۔ سچی بات ہے مجھے بیزاری سی ہو رہی تھی۔ عورت کبھی میری زندگی کا مقصد نہیں رہی۔ صنفِ نازک سے فطری دلچسپی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احترام اپنی جگہ مگر اپنے آس پاس ان کی ضرورت سے زیادہ موجودگی مجھے بور کر دیتی ہے۔ میں عام حالات میں جینے والا فرد نہیں ہوں۔ گزشتہ ایک سال سے زندگی بہت خاص حالات میں گزر رہی ہے اور اکثر مجھے مشکلوں کا سامنا رہتا ہے۔ میں جدوجہد کر رہا ہوں اور ایسے میں اپنی ساری توجہ صرف اپنے مقصد پر مرکوز رکھنا چاہتا ہوں مگر یہ خواتین مجھے بخشنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جب اوشا نے دیکھا کہ میں توجہ نہیں دے رہا ہوں تو وہ بالآخر اٹھی اور میرے پاس آ گئی۔ اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ ''اسے باہر کیوں لے گیا تھا؟''

''تو کیا اسے بھی یہیں رکھ لیتا؟'' میں نے بھنا کر کہا۔

''اسے دفع کرتا۔'' اوشا بولی۔ ''اب وہ یہاں آئی تو میں اسے کاٹ لوں گی۔''

''تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''کیوں تجھے اس کی بہت پروا ہے؟'' وہ جذباتی ہو گئی۔ ''وہ تجھے پسند ہے۔''

''لاحول ولا۔'' میں نے بدمزگی سے کہا۔ ''وہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔''

''تب اس کی اتنی پروا کیوں کر رہا ہے؟''

''مجھے اس کی نہیں تیری پروا ہے۔ اسے کچھ ہوا تو یہ تجھے نہیں چھوڑیں گے۔''

''نہ چھوڑیں۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''مجھے پروا نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے تو تیری پروا ہے۔''

میری بات پر اس کے چہرے پر ناقابلِ بیان خوشی اور رونق آئی تھی لمحوں میں اس کے تاثرات ہی بدل کر رہ گئے۔ اس نے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور چہک کر کہا۔ ''سچ تجھے میری اتنی پروا ہے۔''

''کیا تجھے اندازہ نہیں ہے؟''

''نہیں ہے نا..... تُو تو سب کی اتنی ہی پروا کرتا ہے۔''

''دیکھ کچھ لوگوں کی میں اوپر سے پروا کرتا ہوں اور کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کی دل سے پروا کرتا ہوں اور تُو ان میں سے ایک ہے۔''

''سچ۔'' اس بار اس نے خوش ہو کر ایک غیر پارلیمانی حرکت کی اور بدقسمتی سے اسی وقت خادم اندر آیا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھ لیا۔ اوشا کو رتی بھر پروا نہیں تھی وہ سرِعام بھی اس حرکت کا اعادہ کر سکتی تھی۔ مگر میں شرمندہ ہو گیا تھا۔ وہ بدستور میرے ساتھ لگی ہوئی تھی اور مجھے اسے الگ کرنا پڑا۔ دوسری طرف خادم کے لیے اس قسم کے منظر کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس لیے اس نے بنا کسی تاثر کے کہا۔

''سرکار صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں۔''

شکر ہے اوشا نے بے رنگ لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی ورنہ اس کے کیے کا نشان میرے چہرے پر رک جاتا۔ پھر بھی میں نے باہر نکل کر احتیاطاً چہرہ صاف کر لیا۔ اوشا خوش تھی کہ وہ اب میرے ساتھ رہے گی اور اپنی من مانیاں کرتی رہے گی مگر میں اسے کھلی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ اسے کمرے سے رخصت کرنا بھی مناسب نہیں تھا کہ وہ برا مان جاتی اس لیے میں نے خادم سے کہا۔ ''مجھے کوئی دوسرا کمرا دے دو۔''

''کوئی غلطی ہو گئی سرکار؟'' وہ پریشان ہو گیا۔ ''کوئی کمی ہے یہاں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں یہاں اوشا رہے گی۔''

اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''ٹھیک ہے آپ برابر والا کمرا دیکھ لیں پسند آئے تو اس میں رہیں۔''

○.....❖.....○

ڈیوڈ شا مرکزی پیلس میں موجود تھا۔ وہ سوٹ پوش اور کسی قدر فکر مند لگ رہا تھا۔ دوسرے اس کے تاثرات سے اندازہ نہیں کر سکتے تھے کہ وہ فکر مند ہے لیکن میں اسے اچھی طرح جان گیا تھا۔ میں اس کے سپاٹ چہرے سے بھی اس کے تاثرات بھانپ لیتا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اپنی پرابلم؟''

''تمہاری صاحبزادی۔'' میں نے بھی بلا تمہید کہا۔ ''وہ بلاوجہ مجھ سے فری ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔''

''اگر وہ تم سے فری ہو رہی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟'' اس نے مغربی روایات کے عین مطابق سوال کیا۔

''تم جانتے ہو میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔''

''اوکے میں اس سے کہہ دوں گا مگر یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔''

''میں چاہتا ہوں کہ بات کسی ٹینشن تک نہ پہنچے۔ اوشا میری ساتھی ہے اسے کسی قسم کا نقصان نہیں ہونا چاہیے۔''

اس بار ڈیوڈ شا نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ''یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے لیکن میں کہوں گا کہ اوشا تمہارا غلط انتخاب ہے۔''

میں نے اسے گھورا۔ ''تبھی تم نے اسے رانا دیاس کے محل سے یہاں بلوایا ہے۔''

اگر وہ کھسیایا تھا تب بھی اس نے ظاہر نہیں کیا۔ ''ٹھیک ہے ذاتی ایک حد سے آگے نہیں بڑھے گی۔''

''ڈیوڈ شا بہتر ہوگا کہ تم اب کھل کر بات کر لو۔ بقول تمہارے حالات میں کوئی تبدیلی آئی ہے لیکن جہاں تک میری نظر اور عقل کام کر رہی ہے مجھے کوئی تبدیلی نظر نہیں آ رہی۔''

''اب زیادہ وقت نہیں ہے جلد تمہارے سامنے سب آ جائے گا۔''

''اوکے میں اپنی بات کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اب یہ بتاؤ کہ میں تمہارے ساتھ کیوں جاؤں۔ یعنی شرافت سے کیوں جاؤں؟''

''تمہاری یہ ساتھی اوشا ہمارے ساتھ ہوگی اور تم اس کی وجہ سے مجبور ہو گے۔'' ڈیوڈ شا نے کھل کر کہا۔

''گویا تم مجھے مجبور کر کے لے جاؤ گے لیکن کیا میں واقعی مجبور ہو جاؤں گا؟''

''جب حالات کی تبدیلی تمہارے علم میں آئے گی تب تم دل سے اس مہم میں شامل ہو جاؤ گے۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ ایسی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔''

''شہباز اتنی جلدی فیصلہ مت کرو۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''اگر تم ذرا صبر سے کام لو تو یقین کرو تم پچھتاؤ گے نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیوڈ شا کی بات سے زیادہ اس کے لہجے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا اور میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''او کے میں فی الحال تمہاری بات مان لیتا ہوں مگر مہربانی کر کے تم زینی کو مجھ سے اور اوشا سے دور رکھو۔''

''تم اس کی فکر مت کرو۔''

اچانک مجھے خیال آیا۔ ''کیا زینی بھی اس مہم پر جائے گی؟''

''بالکل، میں کم سے کم غیر متعلقہ افراد لے جانا چاہتا ہوں۔''

''زینی متعلقہ ہے؟''

''ہاں وہ بہر حال میری بیٹی ہے۔'' ڈیوڈ شا نے مختصر لیکن مکمل جواب دیا۔

''کہیں اس عجلت کی وجہ موسم تو نہیں ہے۔'' میں نے دریافت کیا کیونکہ مجھے خیال آیا کہ پہاڑوں میں جانے کا یہی سب سے بہتر وقت ہے ورنہ شاید ایک مہینے بعد بھی موسم اس قابل نہیں رہے گا۔ یہ جولائی کا پہلا ہفتہ تھا۔ اگست کے آخر تک موسم خراب ہو جاتا ہے اور پھر بلند پہاڑوں میں سفر کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ برف باری اور طوفانوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ سردی حد سے بڑھ جاتی ہے جس میں انسان کا زندہ رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ڈیوڈ شا نے سر ہلایا۔

''ایک وجہ یہ بھی ہے۔''

''یعنی اصل وجہ اس کے سوا ہے؟''

ڈیوڈ شا نے میرا سوال نظر انداز کیا اور کلائی پر موجود قیمتی گھڑی دیکھی۔ ''تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟''

''نہیں بس یہی بات کرنی تھی۔''

''ٹھیک ہے تم آرام کرو ہمیں شاید ایک یا دو دن میں یہاں سے روانہ ہونا ہے۔''

ڈیوڈ شا کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اس کا پروگرام طے شدہ نہیں ہے۔ کسی وجہ سے اس میں ایک دو دن کی تاخیر ہو سکتی تھی۔ یہ بہر حال ایک دشوار اور خفیہ مہم تھی جسے سر کرنا تو ایک طرف رہا شروع کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ کیونکہ معاملہ بین الاقوامی سرحدوں کا تھا اور سرحد بھی چین اور بھارت جیسے پرانے حریفوں کی تھی۔ ان دنوں یہاں دونوں طرف سے سرحد پر فوجی نقل و حرکت کا سلسلہ جاری تھا۔ ایسے میں سویلین مہم جوئی آسان نہیں تھی خاص طور سے اس صورت میں جب کہ اس میں دوسرے ملکوں کے لوگ بھی شامل تھے اور اگر ہم پکڑے جاتے تو جاسوسی سے لے کر دہشت گردی تک بہت سے الزامات لگ سکتے تھے۔ ڈیوڈ شا تو اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھا کر بچ جاتا لیکن میں اور دوسرے لوگ مارے جاتے۔

O.....❖.....O

ڈیوڈ شا اپنی بات مکمل کرتے ہی وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ خادم مجھے یہاں تک پہنچا کر واپس چلا گیا تھا اور اب میں خود واپس جاتا۔ وہاں کوئی نہیں تھا اس لیے میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پیلس میں گھومنے پھرنے کی کوشش کی مگر اس کمرے کے علاوہ باقی تمام کمرے لاک نکلے تھے۔ صرف اس راہداری سے باہر نکلنے والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یعنی مجھے باہر جانا تھا۔ پیلس کے باقی حصوں کو لاک کر کے میری رسائی سے دور کر دیا گیا تھا۔ مجبوراً میں نے باہر کا رخ کیا جہاں خادم میرا منتظر تھا۔ اس نے کہا۔ ''سر کارمیم صاحبہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاید زینی تک اطلاع پہنچ گئی تھی کہ میں نے اس کے سلسلے میں اس کے باپ سے بات کی ہے اس لیے اب وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ پہلے میں نے سوچا کہ انکار کر دوں مگر پھر مان گیا۔ میرا خیال تھا کہ زینی مرکزی پیلس میں ہوگی مگر خادم مجھے عقبی سمت میں ایک چھوٹی سی عمارت تک لایا جو بہ ظاہر رہائشی نہیں تھی۔ تقریباً پچاس فٹ لمبی اور اتنی ہی چوڑی یہ عمارت بنا کھڑکیوں کے تھی اور اس کے اوپر ترچھی چھت تھی۔ یہ رہائش کی بجائے کسی اور کام کے لیے تھی۔ خادم دروازے پر رک گیا اور مجھ سے کہا۔ ''میں اندر نہیں جا سکتا سرکار آپ کو خود جانا ہوگا۔''

میں اندر داخل ہوا اور تب پتا چلا کہ خادم کیوں اندر نہیں آیا تھا۔ عمارت اصل میں انڈور سوئمنگ پول اور چھوٹے سے جم پر مشتمل تھی۔ اس قسم کے محلات میں یہ سہولتیں بھی ہوتی ہیں۔ خادم اس لیے نہیں آیا تھا کہ زینی سوئمنگ میں مصروف تھی وہ جس حلیے میں سوئمنگ کر رہی تھی اسے دیکھ کر انسان مستقل لاحول کا ورد ہی کر سکتا تھا۔ اس کے حلیے میں لباس نام کی چیز شامل نہیں تھی۔ میں دروازے پر رکا تو اس نے آواز دی۔ ''آجاؤ شہباز ملک۔''

اس کے انداز میں چیلنج تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ آؤ اور میرا سامنا کرو۔ میں آگے آیا اور نارمل انداز میں پول اور آس پاس کا جائزہ لیا۔ ''کیا تم نے اپنا تیراکی کا انداز دکھانے کے لیے بلایا ہے تو اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کتنی اچھی تیراک ہو۔''

وہ کنارے کی طرف آئی۔ ''نہیں میں نے تمہیں بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔''

''کہو۔''

''تم بھی آجاؤ پول میں پانی گرم ہے۔'' اس نے دعوتی لہجے میں۔

''میرا فی الحال تیراکی کا موڈ نہیں ہے۔'' میں نے انکار کیا۔ میں اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا مگر اس طرح کہ اسے احساس نہ ہو۔

''اوکے۔'' وہ اچک کر کنارے بیٹھی تو میں نے نزدیک رکھا تولیہ اسے تھما دیا۔ مگر اس نے تولیہ اپنے پیروں پر رکھ لیا۔ ''تم نے پاپا سے کیا بات کی ہے؟''

''کوئی خاص نہیں۔'' میں نے سرسری سے انداز میں کہا۔ میں نے خود کو اندر سے اس حد تک مضبوط کر لیا تھا کہ اب اس کا عریاں جسم مجھ پر اثر انداز نہیں ہو رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں تمہیں اس جنگلی لڑکی کی فکر ہے۔'' اس کے لہجے میں حسد آ گیا۔

''تم نے درست کہا کہ مجھے اس کی فکر ہے لیکن وہ جنگلی نہیں ہے۔''

''تم اسے پسند کرتے ہو؟''

''ایک ساتھی کی حیثیت سے..... میرا کچھ وقت اس کے ساتھ گزرا ہے۔''

''لیکن وہ تم پر مرتی ہے۔''

''میں کیا کر سکتا ہوں۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''اگر کوئی تہذیب یافتہ عورت جو ساری دنیا دیکھے ہو کسی جاہل جنگلی لڑکی کی طرح میرے پیچھے پڑ جائے تو اس میں میرا قصور یقیناً نہیں ہوگا۔ نہ میں آگے بڑھا اور نہ ہی میں نے کوئی دلچسپی ظاہر کی۔''

وہ کھسیائی تھی۔ ''تم غلط سمجھ رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو خوشی کی بات ہے کہ میں غلط سمجھ رہا ہوں۔ اب تم صحیح سمجھا دو تا کہ میں اپنے اصل مقصد پر توجہ دے سکوں۔''

''اصل مقصد؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''اس قید سے چھٹکارا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھے تو شبہ ہونے لگا ہے کہ ڈیوڈ شا نے اسی لیے اوشا کو یہاں بلوایا ہے کہ میں اس کے اور تمہارے چکر میں پورا پڑ جاؤں۔''

وہ مسکرائی۔ ''ہو سکتا ہے کیونکہ پاپا بہت دور کی سوچتے ہیں۔''

''اس لیے تمہاری محدود سوچ دیکھ کر مجھے افسوس ہو رہا ہے۔ دنیا ایک آدمی کا نام نہیں ہے۔''

اس بار وہ سنجیدہ ہو گئی کیونکہ اس نے تولیہ کھول کر اپنے جسم کے خاص حصوں کی ستر پوشی کر لی تھی۔ ''شہباز میں پاپا کے مشن کے بارے میں جان گئی ہوں۔''

''ڈیوڈ شا تمہیں بھی لے کر جا رہا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں اس مہم میں شامل ہوں اگر چہ اسے پاگل پن سمجھتی ہوں۔''

''گویا تم مجھ سے متفق ہو؟''

''اس حد تک کہ انسان کو اپنی جان اتنے خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ یہ مہم بہت زیادہ رسکی ہے۔''

''صرف تمہارا باپ نہیں اور لوگ بھی اس پاگل پن میں شامل ہیں۔'' میں نے راجا عمر دراز کا نام لیے بغیر کہا۔

''میں راجا عمر دراز کے بارے میں بھی جان گئی ہوں۔''

''وہ کینسر کے مرض کے ہاتھوں اپنے محل میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے۔''

''آخر ان لوگوں نے وہاں ایسا کیا دیکھا ہے جس کے لیے پاگل ہو رہے ہیں؟''

''کچھ تو ہے۔'' میں نے تسلیم کیا۔ ''کیونکہ جو میں نے سنا ہے اسے ہمارے ہاں طلسم ہوش ربا اور مغرب میں فیری ٹیل کہتے ہیں۔''

''میرا نہیں خیال کہ یہ سب سچ ہے۔''

''باوجود اس کے کہ تمہارے باپ جیسا عقلیت پسند اس میں شامل ہے اور اس پر پوری طرح یقین رکھتا ہے۔''

''میرے باپ جیسے بہت سے لوگ چڑیلوں اور بھوتوں پر بھی یقین رکھتے ہیں۔''

''ان کا وجود ثابت نہیں ہوا ہے لیکن اس وادی کا ایک حقیقی وجود ہے۔''

''ناقابلِ یقین۔'' اس نے کہا۔ ''ہمالیہ کے برف زار کے عین وسط میں ایک ایسی وادی موجود ہے جہاں انسان اور دوسرے جاندار رہتے ہیں اور موسم ان پر اثر نہیں کرتا ہے۔''

''کسی ممکنہ زلزلے سے ہمالیہ کے وسط میں یہ وادی وجود میں آئی اور اس کی گہرائی خاصی زیادہ ہے تم اسے کنویں جیسا سمجھ لو۔ اس کی زمین کی بلندی بقول راجا عمر دراز کے سات آٹھ ہزار فٹ سے زیادہ نہیں ہے اور وہاں سال میں صرف چار پانچ مہینے برف ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے ہاں معمولی بلند پہاڑی علاقوں میں پڑتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔گرمیوں میں خاصی گرمی بھی پڑتی ہے۔"

"وہاں تک رسائی بہت بلند پہاڑوں سے گزر کر ہوتی ہے؟"

"یہ درست ہے ممکنہ طور پر بائیس ہزار فٹ کی بلندی سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔"

"دنیا کا کوئی ہیلی کاپٹر اس بلندی تک نہیں جا سکتا ہے۔" زینی نے ٹھنڈی سانس لی تو شاید انجانے میں تولیہ نیچے سرک گیا۔ اس نے اسے واپس اوپر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ "یعنی سارا راستہ پیدل طے کرنا پڑے گا؟"

"میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اس کا کچھ بندوبست کرے گا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "وقت کم ہے اور ہمیں جا کر واپس بھی آنا ہے۔ اگر دیر ہو گئی تو راستہ بند ہو جائے گا۔"

"پاپا کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن میں روانگی ہو سکتی ہے۔"

"اتفاق سے مجھ سے بھی یہی کہا ہے۔" میں نے سر ہلایا۔

"کیا تم اپنی مرضی سے جا رہے ہو؟"

"نہیں اور یہ بات میں نے ڈیوڈ شا سے بھی کہہ دی ہے۔"

اس نے مجھے گھورا۔ "میں نے پاپا سے کہا تھا کہ تمہیں انجکشن دے کر لے جائیں مگر وہ نہیں مانے۔"

"وہ عقل مند آدمی ہے جانتا ہے کہ کوئی چیز بھی مجھ جیسے آدمی کو زیادہ دیر اپنے اثر میں نہیں رکھ سکتی ہے۔"

"شاید اسی لیے پاپا نے اس لڑکی کو یہاں بلایا ہے۔" زینی کے لہجے میں ناپسندیدگی آ گئی تھی اوشا کا ذکر کرتے ہوئے۔ دوسری طرف وہ بھی اس سے خار کھائے ہوئے تھی اور مجھ سے کہہ چکی تھی کہ وہ زینی کو کاٹ لے گی۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے تم جان گئی ہو کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں اس لیے تم بے فکر رہو، میں اوشا یا تمہارے چکر میں نہیں آؤں گا۔"

"تب اسے یہاں کیوں رکھا ہے؟"

"ڈیوڈ شا اسے ساتھ لے جانا چاہ رہا ہے؟"

"اسے بھی۔" زینی چونکی۔ "کیا تم راضی ہو؟"

"میرے راضی ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس وقت تو ڈیوڈ شا گیم ماسٹر ہے۔" میں نے کہا اور مجھے خیال آیا کہ بہ ظاہر تو ڈیوڈ شا اسے مجھے قابو رکھنے کے لیے ساتھ لے جا رہا ہے لیکن اس کی کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے ورنہ اوشا کی مدد سے مجھے قابو کرنا تھا تو وہ اوشا کو یہیں قید میں چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ مگر وہ اسے لے کر جا رہا تھا تو کیا اس کا مقصد کچھ اور بھی تھا؟ اوشا عام انسان نہیں تھی۔ وہ کسی زہریلے سانپ سے بھی زیادہ زہر رکھتی تھی اور اگر وہ کسی کو کاٹ لیتی تو متاثر فرد دس منٹ میں دنیا سے گزر جاتا۔ میں نے زینی کی طرف دیکھا۔ "تم جانتی ہو اوشا زہریلی ہے؟"

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ "کیا مطلب کہ زہریلی ہے؟"

"اس کے جسم میں زہر ہے اور وہ کسی کو کاٹ لے تو وہ مر سکتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب تم کہانی سنا رہے ہو۔'' وہ ہنسی تو تولیہ مزید سرک گیا اور مجھے نظریں چرانا پڑیں۔ ''تم مجھے اس سے ڈرا رہے ہو۔''

''یہ حقیقت ہے اور اب مجھے خیال آ رہا ہے کہ تمہارے باپ نے اسے ایسے ہی یہاں نہیں بلایا ہے اور اسے بلاوجہ ساتھ لے کر نہیں جا رہا ہے۔''

''پاپا اسے زہریلی ہونے کی وجہ سے ساتھ لے جا رہے ہیں؟'' اس نے شک سے کہا۔ ''اول تو مجھے شک ہے کہ وہ زہریلی ہے۔''

''تم ڈیوڈ شا سے پوچھ سکتی ہو۔''

''مگر کیسے، ایک انسان کیسے زہریلا ہو سکتا ہے۔ زہر نے اسے ہلاک کیوں نہیں کیا؟'' سوال سے زیادہ یہ اس کی خواہش لگ رہی تھی۔ میں نے اسے مختصراً بتایا کہ اوشا کی پرورش کیسے ہوئی تھی اور اس کا باپ نہ صرف حکیم بلکہ سانپوں کا بھی ماہر تھا اسی نے اپنی اکلوتی اولاد کو بچپن سے جڑی بوٹیوں کے ساتھ زہر دے کر بڑے ہونے تک بے انتہا زہریلا بنا دیا تھا۔ زینی خاموشی سے سنتی رہی مگر اس کے تاثرات میں شک بہت نمایاں تھا۔ جب میں خاموش ہوا تو وہ اٹھی اور تولیہ وہیں چھوڑ کر ایک طرف موجود اپنے لباس کی طرف بڑھی۔ جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا تو وہ بہت عجیب سی چال چلتی میری گاڑی کی طرف آ رہی تھی۔ مگر وہ خاص چال تھی۔ اس وقت وہ نارمل انداز میں چل رہی تھی مگر اس کی یہ چال بھی کچھ کم نہیں تھی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جنہیں فتنہ بدن قرار دیا جاتا ہے، ان کے بدن کی ہر جنبش مرد کے ہوش اڑا سکتی تھی۔ اس نے کسی قدر سستی سے کپڑے پہن کر میری طرف دیکھا۔

''چلو مجھے ثبوت کے ساتھ دکھاؤ۔''

میں نے انکار کیا۔ ''مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ثبوت دینے کی۔''

''لیکن میں تو ثبوت چاہتی ہوں۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔ ''تم نے کہا نا کہ وہ کسی انسان کو کاٹ لے تو وہ مر سکتا ہے۔''

''تمہارا دماغ درست ہے، کیا تم ثبوت کے لیے کسی کی جان لو گی؟''

''نہیں مگر تم نے ہی.....''

''وہ کوئی تماشا نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''آخر تم احمقانہ ضد کیوں کر رہی ہو۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''او کے تم مجھے مت دکھاؤ مگر میں تصدیق کر کے رہوں گی۔''

اس سے بحث بیکار تھی اس لیے میں نے بات بدل دی۔ ''جب تم مجھ سے ملی تھیں اور شیر خان اور کمپنی کے ساتھ تھیں تو تم روسی لہجے میں انگریزی بول رہی تھیں اور جب تم افغانستان پہنچیں تو یک دم تمہارا لہجہ مغربی ہو گیا اور تم ٹی اور تی میں واضح فرق کرنے لگیں۔''

''کیونکہ میرا شیر خان کو یہی تاثر دے رہی تھی کہ میرا تعلق مشرقی یورپ سے ہے۔''

''تو کیا نہیں ہے؟''

''بالکل ہے میں جارجین ہی ہوں لیکن اب میں اپنی حقیقت جان گئی ہوں اور میں نے بہت عرصہ امریکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں گزارا ہے۔"

وہ دیکھنے میں چوبیس پچیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی مگر اس کی باتوں سے لگتا تھا کہ اس کے تجربات اس کی عمر سے کہیں زیادہ تھے۔ "تمہیں کب علم ہوا کہ ڈیوڈ شا تمہارا باپ ہے؟"

"تین سال پہلے۔" اس نے کہا۔ "اس وقت میں یورپ میں تھی اور اس کی تلاش میں تھی۔"

"اگر تمہاری زندگی کے ابتدائی واقعات درست ہیں تو تم نے قابلِ رشک حد تک اپنی شخصیت بنائی ہے۔"

"میں نے سب اسی دوران میں سیکھا ہے اور یقین کرو دنیا سے بڑھ کر کوئی یونیورسٹی نہیں ہے۔ میں انگریزی، روسی اور جاپانی کے علاوہ فرنچ، اردو اور جرمن زبان بھی جانتی ہوں۔ اردو تم دیکھ چکے ہو باقی زبانوں میں بھی تقریباً ماہر ہوں۔ اسلحے کے استعمال کی ماہر ہوں۔ سیلف ڈیفنس جانتی ہوں۔ میں نے اس مشکل دنیا میں زندہ رہنے کے لیے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

"درحقیقت اب تم نے مجھے متاثر کیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"رئیلی۔" وہ خوش ہوگئی۔

"ہاں لیکن اس انداز میں نہیں جس انداز میں تم اب تک مجھے متاثر کرنے کی کوشش کرتی آئی ہو۔ میں خود سیلف میڈ ہوں اور ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہوں جو سیلف میڈ ہوں اور دنیا کی مشکلات سے ہار نہ مانتے ہوں، چاہے وہ میرے مخالف گروہ سے کیوں نہ ہوں۔"

"یقین کرو میں تمہاری مخالف نہیں ہوں بلکہ جب سے میں نے تمہارے بارے میں سنا ہے میں تم سے اپنائیت محسوس کرنے لگی ہوں۔"

اس کا تو میں بھی گواہ تھا کہ اس نے یہ احساس دلانے کی پوری کوشش کی تھی۔ شاید یہ اس ابتدائی ناکامی کا ردِعمل تھا جب اس نے مجھے رجھانے کی کوشش کی تھی اور ناکام رہی تھی۔ "تم نے کیا سنا ہے؟"

"پاپا سے..... تم یقین کرو وہ تمہیں بہت اہم آدمی سمجھتے ہیں صرف اس لیے نہیں کہ تم اس مہم کے لیے ضروری ہو وہ اس سے ہٹ کر بھی تمہاری بہت تعریف کرتے ہیں اور تمہیں اوسیشل پرسن قرار دیتے ہیں۔"

"وہ صرف "اوسیشل پرسن" قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ انہوں نے مجھے بنانے کی بھی پوری کوشش کی۔" وہ ہنسی۔ "تمہاری یہ بات بھی اچھی لگتی ہے کہ تم کسی حال میں ٹینس نہیں ہوتے۔"

"یہ تم سے کس نے کہا کہ میں ٹینس نہیں ہوتا، ہاں ظاہر نہیں کرتا اور بعض اوقات ہنسی اور استہزا میں اپنی ٹینشن چھپاتا ہوں۔"

"میں سمجھتی ہوں آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔" وہ بولی اور پھر انجان بن کر کہا۔ "تم اس لڑکی کو....."

"اس کا نام اوشا ہے۔"

"او کے اوشا کو اپنے ساتھ لے گئے ہو اب وہ تمہارے پاس رہے گی؟"

"میرے پاس رہے گی لیکن دوسرے کمرے میں۔" میں نے جواب دیا۔ "ویسے اگر وہ میرے کمرے میں رہے تب بھی تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی نہیں۔'' اس نے فراخ دلی سے کہا۔ ''تم اپنے معاملات میں آزاد ہو۔''

''تھینک یو۔'' میں نے سادہ طنز کے ساتھ کہا۔ ''کیا خیال ہے باہر نہ چلیں۔''

''اگر تم چاہو تو یہ پول اور جم استعمال کر سکتے ہو۔''

''میرا خیال ہے اتنا وقت نہیں ہے۔'' میں نے انکار کیا۔ ''ڈیوڈ شا پہلے ہی ایک دو دن کا کہہ چکا ہے۔''

میں اس کی چالاکی سمجھ رہا تھا، وہ جاننا چاہتی تھی کہ میں اوشا کو کیوں ساتھ لایا تھا اور اسے یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ وہ الگ کمرے میں رہے گی۔ زینی اتنا تو سمجھتی ہو گی کہ وہ زہریلی تھی اور کوئی مرد اس کے پاس نہیں آ جا سکتا تھا۔ جو ایسی جسارت کرتا وہ موت کے گھاٹ اتر جاتا۔ اس کے باوجود ایسا لگ رہا تھا کہ وہ میرے پاس اوشا کا وجود بہ مشکل ہی برداشت کر رہی تھی۔ اگرچہ میں ڈیوڈ شا کو خبردار کر چکا تھا اور زینی کو بھی سمجھا دیا تھا کہ اوشا میری ساتھی ہے اس کے باوجود میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ وہ بہت شاطر عورت تھی جو گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکی تھی اور اس کے ظاہر سے اس کے باطن کا درست اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ پھر وہ ڈیوڈ شا جیسے شخص کی بیٹی تھی اس کی کچھ نہ کچھ فطرت اس میں آئی ہو گی۔ اس لیے میں نے سرسری سے انداز میں اسے بتا دیا کہ اوشا میرے لیے جنس سے قطع نظر صرف ایک ساتھی تھی اور مجھے اسی لحاظ سے اس کا بہت زیادہ خیال تھا۔ میں اپنے ساتھیوں کو اہمیت دینے والا شخص ہوں۔ میں اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کو معاف کر سکتا ہوں لیکن اگر کوئی میرے ساتھی کو نقصان پہنچائے تو میں اسے کسی صورت معاف نہیں کرتا۔

ہم باہر آئے تو سورج ڈھل رہا تھا۔ دن کے وقت یہاں کسی قدر گرمی تھی مگر اب ہوا خنکی لیے ہوئے اور مخصوص پہاڑی نباتات اور پھولوں کی خوشبو سے بوجھل تھی۔ زینی نے چائے کی دعوت دی مگر مجھے اوشا کی فکر ہو رہی تھی کہ وہ میری غیر موجودگی سے پریشان ہو کر باہر نہ نکل آئے اور اگر اسے روکا گیا تو وہ غصے میں بھی آ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے انکار کیا اور روانہ ہو گیا۔ زینی شاید میرے ساتھ مزید وقت گزارنا چاہتی تھی مگر میں نے روانہ ہوتے ہوئے اسے نظر انداز کر دیا۔ وہ بھی ان عورتوں میں سے تھی جو مرد کے معاملے میں کبھی ہار نہیں مانتی ہیں اور اپنی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ مجھے اس سے پہلے بھی ایسی عورتوں سے واسطہ پڑ چکا تھا اور میں ان کو ہینڈل کرنا جانتا تھا۔ اس لیے پہلے میں نے اس سے بے تکلفانہ رویہ رکھا مگر جب اس کے پاس سے روانہ ہوا تو اسے بالکل نظر انداز کر دیا اور وہ میرے پیچھے نہ آ سکی اور نہ ہی مجھے روک سکی۔ وہ مجھے گھورتی رہ گئی تھی اور مجھے اس کی نظروں کا دیر تک احساس ہوتا رہا تھا۔

○.....❖.....○

حسبِ توقع اوشا بے تاب اور کسی قدر غصے میں تھی مجھے دیکھتے ہی لپکی اور میرا بازو پکڑ لیا۔

''کہاں تھا رے؟''

''ڈیوڈ شا سے بات کر رہا تھا۔'' میں نے نرمی سے کہا اور بازو چھڑا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''وہ حرامجادی تو نہیں ملی؟''

''ملی تھی۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ تم سے دور رہے۔''

''مجھ سے نہیں تجھ سے دور رہے۔'' وہ بولی۔ ''میرے پاس آئی تو ماری جائے گی۔ میں اسے کاٹ لوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی۔"

میں نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ "تم کوئی غلط حرکت نہیں کرو گی اس سے میرے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔"

وہ فرش پر میرے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور اپنا سر میرے گھٹنوں پر ٹکا لیا۔ "شہباز کوئی تیرے پاس آئے ہم سے برداشت نہیں ہوتا ہے۔"

"تم جانتی ہو میں کس قسم کا آدمی ہوں اس لیے فکر مت کیا کرو۔"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ "جانتی ہوں رے پر تُو عورت کا چلتر نہیں جانتا۔"

"جان گیا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "تم عورتوں نے بتا دیا ہے کہ ایک مرد کے پیچھے تم لوگ کتنی دور تک جا سکتے ہو۔"

"تُو مجھے دوسری عورتوں کی طرح سمجھتا ہے رے؟" اس نے شکوہ کیا۔

"نہیں ورنہ تُو میرے پاس نہ ہوتی۔"

"شہباز میں یہاں تیرے ساتھ رہوں گی نا؟"

"نہیں اس کمرے میں تم رہو گی میں برابر والے کمرے میں رہوں گا۔"

"یہاں کیوں نہیں رے؟" وہ بے چین ہو گئی۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے۔" میں نے سمجھایا۔ "تُو جانتی ہے مرد اور عورت کا پاس رہنا ایسا ہی ہے جیسے آگ اور پیٹرول ایک جگہ ہوں۔"

وہ افسردہ ہو گئی۔ "تُو ٹھیک کہہ رہا ہے..... میں وِش کنیا ہوں۔"

میں نے سکون کا سانس لیا کہ اس نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ پھر اس نے کہا۔ "شہباز باہر چل میرے ساتھ۔"

"آؤ موسم بھی اچھا ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے یوں سکون سے بیٹھنے کی بجائے اس جگہ کا جائزہ لینا چاہیے۔ ٹھیک ہے میں باہر نہیں جا سکتا تھا مگر مجھے کسی بھی ہنگامی حالت کے لیے تیار رہنا چاہیے تھا۔ ہم باہر آئے۔ لان، پھولوں کے تختوں اور روشوں پر ٹہلتے ہوئے ہم پورے پیلس میں گھومنے لگے۔ اوشا نے میرا مقصد بھانپ لیا تھا اس لیے وہ ساتھ دے رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "شہباز ادھر کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے۔"

"یہاں دوسرے طریقے سے نگرانی کی جا رہی ہے۔ وہ دیکھو دیواروں پر تاریں لگی ہیں۔ ان میں کرنٹ ہو گا۔ دیواریں بھی اونچی ہیں۔ ان پر کیمرے بھی لگے ہیں۔ یہاں یقیناً ٹریپ بھی ہوں گے۔"

"وہ کیا ہوتے ہیں؟"

میں اسے سمجھانے لگا کہ ٹریپ کیا ہو سکتے ہیں اور آدمی بے خبری میں ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ ڈر گئی اس نے سہمی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ "اتنے کھترناک ہوتے ہیں رے۔"

"اس لیے بہت احتیاط کرنا۔ یاد رکھنا اگر میں کہیں چلا جاؤں اور تمہیں میرے بارے میں معلوم نہ ہو تب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی تم اپنے طور پر باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

''تو گم ہوا تو میں رہ نہ سکوں گی۔'' اس نے انکار کیا۔ ''میں آگ کے دریا میں کود جاؤں گی۔''

''ایسا ہوگا نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں صرف ایک امکان کا کہہ رہا ہوں۔''

اس نے چلتے ہوئے ایک جھاڑی سے پھولوں کا گچھا توڑا اور میری طرف بڑھا دیا۔ ''میرے بالوں میں لگا نا۔''

میں نے لے کر اس کے بالوں میں اٹکا دیا۔ سرخ رنگ کے پھول اس کے بالوں میں اچھے لگ رہے تھے مگر میری توجہ اوشا کی بجائے ایک جھاڑی کے عقب میں موجود شخص کی طرف گئی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھ کر چھپنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اس کی ایک جھلک دیکھ لی۔ میں جھاڑی کی طرف بڑھا تو اس کے پیچھے کوئی نہیں تھا مگر کسی کی جھلک پھر دکھائی دی اور اس بار وہ شخص ایک دیوار کے عقب میں غائب ہو رہا تھا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اگرچہ مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ ہماری نگرانی نہیں ہو رہی ہے اور ہمیں ایسے ہی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ اس کا امکان تھا کہ دور سے ہماری آلات کی مدد سے نگرانی ہو رہی ہو۔ مگر اب تک مجھے کوئی نظر نہیں آیا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی کو براہ راست نگرانی کرتے پایا تھا۔ وہ سیاہ بالوں اور چھوٹے قد والا شخص تھا میں اس کے نقوش تو نہیں دیکھ سکا تھا مگر مجھے لگا کہ وہ نیپالی نقوش کا حامل شخص ہے۔ اوشا پیچھے رہی تھی اس نے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''ہماری نگرانی ہو رہی ہے۔'' میں نے واپس آتے ہوئے کہا۔

''قید کیا ہے تو نگرانی تو کریں گے۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''آؤ اندر چلتے ہیں۔'' میں نے واپسی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ہم عمارت میں واپس آئے۔ مجھے کچھ بے چینی سی ہو رہی تھی ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس شخص نے جان بوجھ کر خود کو نمایاں کیا تھا۔ جیسے وہ جتانا چاہ رہا ہو کہ ہم کھلے نہیں چھوڑ دیئے گئے ہیں بلکہ ہماری نگرانی ہو رہی ہے۔ ورنہ اسے یوں اپنی جھلک دکھانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ابھی ڈنر کا وقت نہیں ہوا تھا اس لیے میں نے خادم سے کچھ ہلکی پھلکی چیزیں لانے کو کہا۔ اس کے جانے کے ایک منٹ بعد دروازے پر آہٹ ہوئی۔ خادم اتنی جلدی واپس نہیں آسکتا تھا میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کون ہے کہ دروازہ کھلا اور میرے سامنے ایک چھوٹے قد کا اور نیپالی نقوش والا شخص کھڑا تھا جس کے بال سیاہ تھے۔ میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ مگر اس سے پہلے میں کچھ کہتا اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر تیزی سے اندر آیا۔ اس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا تھا کہ اس کی آہٹ بھی نہ ہو۔ میں چوکنا تھا اور اوشا بھی ایک طرف کھڑی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا تھا مگر میں نے نفی میں سر ہلا کر اسے بتایا کہ میں بھی نہیں جانتا ہوں۔ اس شخص کا انداز مشکوک تھا مگر مجھے اس سے خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے باوجود وہ آگے آیا تو میں اس کے اور اوشا کے درمیان میں آگیا۔ نزدیک آکر اس نے ہاتھ آگے کیا تو اس پر ایک چھوٹا اور نارمل بٹن والا موبائل تھا۔ اس کی اسکرین آن تھی اور اس پر میسج لکھا ہوا تھا۔ اس نے اشارے سے کہا کہ میں میسج پڑھوں، میں نے لے کر پڑھا۔

''یہ میرا آدمی ہے اور میں نے اسے خاص طور سے تم سے رابطے کے لیے بھیجا ہے۔ اس سے یہ موبائل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے لو اور اپنے پاس چھپا لو موقع پا کر مجھ سے رابطہ کرنا۔ اے شا۔''

میں نے حیرت سے اس شخص کی طرف دیکھا تو اس نے سر ہلا کر پیغام کی تصدیق کی تھی۔ اے شا سے سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ یہ پیغام اور آدمی ایمن کی طرف سے آیا تھا۔ اس دوران میں کسی نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اس شخص نے ایک مختصر سا چارجر نکال کر میرے حوالے کیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھ سے اجازت لی اور میں نے سر ہلایا تو وہ تیزی سے واپس چلا گیا۔ اس نے بہت آہستگی سے دروازہ کھولا اور بند کیا تھا۔ اس کے جاتے ہی اوشا میری طرف آئی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے اشارے سے منع کیا کہ اس بارے میں کوئی بات نہ کرے۔ وہ سمجھ گئی اور سر ہلایا تو میں نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔ میں نے وہ نمبر دیکھا جس سے پیغام آیا تھا اور اسی پر جوابی میسج کیا۔ ''کیا ثبوت ہے کہ تم ایمن ہو اور یہ آدمی تمہارا بھیجا ہوا ہے؟''

چند لمحے بعد جواب آیا۔ ''تم کال کرو مگر بولنا مت میری آواز سننا، میری آواز تو نہیں بھولے ہو گے۔''

میں نے وائس کم کر کے اس نمبر پر کال کی اور ایمن نے کال ریسیو کی اور بولی۔ ''شہباز کیسے ہو..... کتنا عرصہ ہو گیا تم سے بات کیے اور تمہیں دیکھے بغیر..... مگر میں یہیں ہوں اور تم سے زیادہ دور نہیں ہوں..... مجھے معلوم ہے تم کہاں ہو اور کس کے قبضے میں ہو..... مگر اطمینان رکھو جلد تم آزاد ہو گے..... شہباز ڈیوڈ شا کی طرف سے بہت ہوشیار رہنا وہ صرف تمہیں استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس کے بعد وہ تمہارا نشان مٹانے کی پوری کوشش کرے گا۔''

میں نے کال کاٹ دی اور اسے میسج کیا۔ ''اب مجھے یقین آ گیا لیکن تمہیں یہاں میری موجودگی کا کیسے علم ہوا؟''

''مجھے مانی نے بتایا ہے۔'' ایمن کے جواب نے مجھے حیران کیا۔

''مانی جو میرا ساتھی ہے؟''

''ہاں اسی نے مجھے تلاش کیا اور پھر رابطہ کیا۔ میں ان دنوں اپنی ہمالیہ سیریز کے شوٹ کے لیے یہاں انڈیا آئی ہوں۔''

''تم نے رانا ویاس سے بھی رابطہ کیا تھا؟''

اس بار وہ حیران ہوئی۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''اوشا میرے پاس ہے اسے میں نے رانا ویاس کے پاس بھیج دیا تھا مگر اسے میرے نام کا دھوکا دے کر ڈیوڈ شا نے وہاں سے نکلوا لیا اب وہ بھی یہاں قید ہے۔''

''میں اس کے بارے میں جانتی ہوں، رانا ویاس نے بتایا تھا لیکن مجھے یہ علم نہیں کہ وہ تمہارے پاس پہنچ گئی ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں کہاں ہوں اور ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہوں۔''

''میں نے ڈیوڈ شا کو تلاش کیا اور اسے تلاش کرنا اتنا مشکل ثابت نہیں ہوا۔ میڈیا میں ہونے کی وجہ سے میری یہاں واقفیت ہے اور میں نے اسے استعمال کیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے اس آدمی کو اندر تک کیسے بھیجا؟''

''یہ اصل میں اندر کا آدمی ہے اور برسوں سے اس پیلس میں ملازم ہے۔ میں نے اسے استعمال کیا ہے۔''

''تم نے اسے استعمال کیا ہے اور اگر اس نے اپنے مالکوں کو بتا دیا تو؟''

''نہیں بتائے گا۔ وہ اپنے مالکان سے نفرت کرتا ہے۔ انہوں نے اس کی اکلوتی بیٹی کے علاج کے لیے مدد دینے سے انکار کر دیا اور وہ مر گئی۔ اسی لیے وہ اتنی آسانی سے ہمارے لیے کام کرنے کو تیار ہو گیا۔''

میرا ذہن اتنی آسانی سے ایمن کی بات تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ میں بہت عرصے سے اس دشت کی سیاحی میں تھا اور مجھے معلوم تھا یہاں سراب زیادہ تھے اور حقیقت بہت کم۔ عین ممکن ہے ایمن جس شخص کو اپنا آدمی سمجھ کر استعمال کر رہی ہو وہ اصل میں ڈیوڈ شا کا آدمی ہو اور وہ اس کے جال میں آ رہی ہو۔ اگر وہ سچ مچ بھی اپنے مالکان سے غداری کر رہا تھا تب بھی اس کا چھپنا قرین قیاس نہیں تھا۔ وہ پکڑا جا سکتا تھا اور اس کے بعد اسے حقیقت اگلنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تو ایمن نے کہا۔ ''تم فکر مت کرو میں نے پکا کام کیا ہے۔''

''کیا تمہیں رانا دیاس کی مدد حاصل ہے؟''

''نہیں، میں نے اس بارے میں کسی پر اعتبار نہیں کیا ہے تم جانتے ہو یہاں تم کتنے شدید خطرے میں ہو۔ اگر تم پکڑے گئے تو بچنا بہت مشکل ہو گا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے جواب لکھا۔

''اسی لیے میں نے تمہارے معاملے میں کسی مقامی شخص پر اعتماد نہیں کیا ہے۔''

''اس شخص کو تو معلوم ہے جس نے مجھے موبائل لا کر دیا ہے۔''

''اسے صرف اتنا معلوم ہے کہ اسے یہاں قید شخص کو موبائل لے جا کر دینا ہے وہ تمہاری شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہے۔''

''جو تمہاری مدد کر رہے ہیں؟''

''وہ بھی نہیں جانتے ہیں صرف میں اور میرا ایک ساتھی جانتا ہے۔ وہ میری ٹیم کا حصہ ہے۔''

''تم جانتی ہو ڈیوڈ شا کا کیا پلان ہے؟''

''ہاں میں جانتی ہوں۔ وہ ہمالیائی وادی کی طرف جانے کی تیاری کر رہا ہے۔''

''وہ تیاری کر چکا ہے۔'' میں نے تصحیح کی۔ ''ایک یا دو دن میں وہ روانہ ہونے والا ہے۔''

''شہباز۔'' وہ بے چین ہو گئی۔ ''تم اس کے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ یہ خودکشی ہو گی۔''

''میں مجبور ہوں اور اس کے قبضے میں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں جس جگہ قید ہوں یہاں بہ ظاہر کوئی سکیورٹی نہیں ہے لیکن میرا نہیں خیال کہ میں یا کوئی بھی یہاں سے آسانی سے نکل سکتا ہے۔ دوسرے میں انڈیا میں ہوں اور یہاں مجھے زیادہ خطرات ہیں۔ میں اندھا دھند یہاں سے نکل کر بھارتیوں کو اپنے پیچھے نہیں لگانا چاہتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بھی اس بات کو سمجھتی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''میں کوشش کر رہی ہوں کہ تمہیں یہاں سے نکالنے کا بندوبست کروں اور اس کے بعد تمہیں آزاد کرانے کی کوشش کروں۔''

''تم زونیا عرف زینی کے بارے میں جانتی ہو؟''

''نہیں یہ کون ہے؟''

''تمہاری کزن اور ڈیوڈ شا کی ناجائز بیٹی۔'' میں نے انکشاف کیا۔ ''اس کی ماں ایک جارجین عورت تھی جس سے ڈیوڈ شا کے تعلقات مختصر مدت کے لیے رہے اور اس کے نتیجے میں زینی وجود میں آئی۔''

ایمن حیران ہوئی تھی۔ ''تم اس سے ملے ہو؟''

''وہی تو مجھے اغوا کر کے لائی ہے۔'' میں نے کہا اور مختصراً ایمن کو بتایا کہ مجھے کس طرح پاکستان سے پہلے افغانستان اور پھر انڈیا لایا گیا۔ اس میں ڈیوڈ شا نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا تھا۔ ایمن نے نفرت سے لکھا۔

''آخر ہے نا ڈیوڈ شا کی اولاد۔''

ایمن کے ایموشن کا مجھے یوں پتا چل رہا تھا کہ وہ میسج میں سائن بھی بنا رہی تھی۔ میں نے آخر میں پوچھا۔

''کیا تمہارا میرے ساتھیوں سے رابطہ ہے؟''

''بالکل ہے۔'' اس نے کہا۔

''تب انہیں میرے بارے میں بتا دو اور یہ نمبر دے دو۔'' میں نے کہا۔ ''مگر سچویشن بتا دینا۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔'' ایمن نے کہا۔

''اس موبائل میں بیلنس ہے؟''

''تم اس کی فکر مت کرو، بیلنس بہت ہے اور اس کی بیٹری بہت چلتی ہے اور جلدی چارج ہو جاتی ہے۔ میں نے خاص طور سے اسی لیے یہ سیٹ بھیجا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اب تم موبائل بند اور ٹونز آف کر کے کہیں چھپا دو اسے زیادہ استعمال کرنا بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''او کے بائے۔'' میں نے کہہ کر موبائل جیب میں رکھ لیا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور خادم اجازت لے کر ٹرالی سمیت اندر آیا۔ چائے کے ساتھ گھر میں بنی ہوئی چیزیں تھیں۔ وہ ٹرالی رکھ کر سرو کرنے لگا تو اوشا نے اس سے کہا۔

''تُو جا رے۔ میں دیکھ لوں گی۔''

وہ سر جھکا کر چلا گیا اور اوشا چائے بنانے لگی اور پھر اس نے چیزیں نکالیں۔ وہ جتنے سلیقے اور طریقے سے یہ کام کر رہی تھی ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ اس نے بھوکے ہونے کے باوجود پہلے سب میرے سامنے رکھا اور پھر اپنے لیے نکالنے لگی۔ میں رکا ہوا تھا تو اس نے کہا۔ ''تُو کھا رے۔''

''تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔'' میں نے کہا تو وہ خوش نظر آنے لگی۔ اس نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا کہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تھی مگر اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ممکنہ طور پر ہماری باتیں سنی جا رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں اپنے ساتھیوں سے کیسے رابطہ کروں۔ خادم کے جانے کے بعد میں نے موبائل نکال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ کچھ دیر بعد میسج آیا تو میں نے کھولا۔ میسج وسیم کی طرف سے تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اُف آپ پھر دشمن دیس پہنچ گئے۔''

میں نے جواب دیا۔''بس یار قسمت۔ باقی سب خیر ہے نا؟''

''کیسی خیر جناب، ہمارا تشویش سے اور خواتین کا رو رو کر برا حال ہے۔''

''ان کو تسلی دے یار۔'' میں نے کہا۔

''میں تو خود کو تسلی نہیں دے پا رہا تھا انہیں کہاں سے دیتا۔ اب ذرا اطمینان ہے مگر آپ ہیں کہاں؟''

''میں ڈیوڈ شا کے قبضے میں ہوں اور وہ مجھے وادی کی طرف لے جانے پر تلا ہوا ہے اس بار کوئی راہ مفر نظر نہیں آ رہی۔''

''آپ فکر نہ کریں جناب وہ اتنی آسانی سے کامیاب نہیں ہوگا۔ اب ہم بے خبر نہیں ہیں۔''

''کیا ارادہ ہے؟''

''ظاہر ہے ہم آپ کو اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔''

''وہی میں پوچھ رہا ہوں کہ کیا ارادہ ہے؟''

''آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا ارادہ ہو سکتا ہے۔''

''میں اس کی تائید نہیں کروں گا۔ کم سے کم تم یہاں جانے پہچانے فرد ہو میری طرح۔''

''ہم فی الحال سوچ رہے ہیں اور راستے تلاش کر رہے ہیں۔ سفیر اور میں کل ہی واپس آئے ہیں۔ عبداللہ پہلے سے یہاں موجود تھا یہ اسی کی چھٹی حس تھی کہ اس نے مانی سے کہا کہ وہ ایمن شا کو تلاش کرے کیونکہ شبہ ڈیوڈ شا پر جا رہا تھا اور اس کا پاکستان میں کوئی سراغ نہیں لگ رہا تھا۔ ایمن نے بتایا ہے کہ آپ وہاں تک کیسے پہنچے؟''

''ڈیوڈ شا کی دخترِ بداختر نکل آئی ہے اور اسی نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ کہتے ہیں ناپوت کے پاؤں پالنے میں نظر آنے لگتے ہیں۔ یہاں بیٹی نے ثابت کیا کہ وہی ڈیوڈ شا کی وارث ہے۔''

''یقیناً آپ کے چکر میں بھی ہوگی۔'' وسیم نے لکھا تو میں جھینپ گیا۔

''یاران خواتین نے جان عذاب میں ڈال دی ہے۔ ڈیوڈ شا نے اوشا کو بھی یہیں بلوا لیا ہے۔'' میں نے فریاد کی۔

''اس نے آپ کو صحیح زنجیریں ڈالی ہیں۔'' وسیم نے لکھا اور آگے ہنسنے کا سائن بنایا۔

''اوشا کے حوالے سے مجھے لگ رہا ہے ڈیوڈ شا کسی اور چکر میں ہے کیونکہ وہ اسے وادی کی طرف لے جا رہا ہے۔''

''وہ جائے گی؟''

''اس کا تو کہنا ہے کہ میرے ساتھ نرک میں بھی ہنسی خوشی جائے گی۔''

''ہاہاہا، آپ ٹھیک چکر میں پڑے ہیں۔ اللہ رحم کرے۔''

''بہت شوخیاں سوجھ رہی ہیں بیٹے خود اس چکر میں پڑو گے تب پتا چلے گا۔''

''سچی بات ہے چند گھنٹے پہلے تک تشویش سے برا حال تھا۔ ہنسنا تو دور کی بات ہے مسکرا بھی نہیں رہا تھا۔ اب آپ کی خیریت کی اطلاع ملی ہے تو جان میں جان آئی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''حالانکہ تم لوگوں کو اب تک عادی ہو جانا چاہیے۔''

''نہیں ہو سکتے جناب، آپ کی طرف سے ہمیشہ تشویش رہتی ہے۔''

''مرشد اینڈ کمپنی کا کیا حال ہے؟''

''اس محاذ پر مکمل خاموشی ہے۔''

''اندرون خانہ کوئی کھچڑی پک رہی ہے؟''

''نہیں میں نے آدمی لگائے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ فی الحال سب امن وسکون ہے۔ فتح خان کا پتا چلا تھا۔ آپ نے بالآخر اپنی زندگی کا مشکل ترین فیصلہ کر لیا۔''

''ہاں یار۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں زیادہ دیر بات نہیں کر سکتا اور کال مت کرنا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں جناب، آپ بھی محتاط رہیں اور اپنا خیال رکھیں۔''

میں نے وسیم، سفیر اور دوسرے لوگوں کے انڈیا آنے یا نہ آنے پر زیادہ بات اس لیے نہیں کی کہ ابھی تو ان کو علم ہوا تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بیگ اٹھا کر انڈیا کا رخ کرتے۔ سیدھے راستے سے آنا مشکل اور رسکی تھا اور کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنے میں وقت لگتا۔ حالات بہت تیزی سے بدل رہے تھے اور میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ شاید ان لوگوں کے یہاں آنے کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ میں نے موبائل واپس رکھا تو اوشا اب بے چین لگ رہی تھی اس نے اشارے سے کہا کہ میں اسے بھی صورت حال سے آگاہ کروں۔ ایک خاتون ہونے کے ناطے اس نے اب تک غیر معمولی صبر تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے سوچا اور اس سے کہا۔ ''کیا خیال ہے باہر کا ایک چکر اور نہ لگائیں؟''

''میں بھی یہی کہہ رہی ہوں رے۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔ ''اندر دم گھٹ رہا ہے۔''

ہم باہر آئے جہاں سورج غروب ہونے کے بعد تاریکی اپنا پر پھیلا چکی تھی اور اب ہوا میں خنکی تھی۔ روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ میں اوشا کو ایک ایسی جگہ لایا جہاں کسی قدر فاصلے تک نہ تو کوئی تعمیر تھی اور نہ ہی کوئی درخت یا جھاڑی تھی جہاں مائیک کی موجودگی کا شبہ کیا جا سکے۔ اس کے باوجود میں نے تقریباً زیر لب اور مبہم الفاظ میں اوشا کو بتایا کہ مجھ سے میرے ساتھیوں نے رابطہ کیا تھا۔ جب ایمن بات کر رہی تھی تو اوشا فاصلے پر تھی اور اس نے اس کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ ہی وہ میسج پڑھ سکتی تھی۔ اس لیے اسے ایمن کے بارے میں علم نہیں تھا اور نہ ہی میں نے مناسب سمجھا کہ اسے ایمن کے بارے میں بتاؤں۔ وہ پہلے ہی زینی سے بچھڑ کی ہوئی تھی ایمن کے بارے میں پتا چلتا تو نہ جانے اس کا ردِعمل کیا ہوتا؟ وہ خوش ہو گئی کہ میرے ساتھیوں نے مجھے تلاش کر لیا ہے۔

''وہ تجھے یہاں سے نکال سکتے ہیں؟''

''ہاں لیکن ابھی وہ یہاں نہیں ہیں اور جب تک وہ یہاں آئیں گے پتا نہیں ہم یہاں ہوں گے بھی یا نہیں۔''

اوشا سنجیدہ ہو گئی۔ ''شہباز ایک وعدہ کر۔''

''کیسا وعدہ؟''

''یہی کہ اگر یہاں سے بھاگنے کا موقع آیا تو تُو میری پروا نہیں کرے گا اور یہاں سے نکل جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم مجھے بے غیرت سمجھتی ہو۔'' میں بھی سنجیدہ ہو گیا۔ ''تم میری پناہ میں ہو اور میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں اس کے بعد کیا میں کبھی خود کو غیرت مند سمجھ سکوں گا۔''

''میں سمجھتی ہوں رے.....''

''جب سمجھتی ہو تو ایسی فضول بات کیوں کی۔ ہمارے ہاں عورتوں کی عزت کے لیے مرنا مارنا بہت آسان سمجھا جاتا ہے۔''

مجھے حقیقت میں غصہ آ گیا تھا۔ اوشا میرے تاثرات سے ڈر گئی۔ ''مجھے شما کر دے۔''

''اب ایسی بات مت کہنا۔''

''بالکل بھی نہیں رے۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''تُو ایسا نہ ہوا کر مجھے ڈر لگتا ہے رے۔''

''تب میری بات مانا کر۔'' میں نے کہا اور نارمل ہوا تو اوشا کی جان میں جان آئی تھی۔ ہم کچھ دیر ٹہلتے رہے اور اس بار بھی ہمیں کوئی نظر نہیں آیا۔ حالانکہ اس بار ہم نے تقریباً پیلس گھوم لیا تھا مگر اکا دکا گھومتے خادموں کے سوا کوئی نظر نہیں آیا۔ البتہ جب مین گیٹ کے پاس آئے تو وہاں پہلی بار سکیورٹی گارڈز دیکھے اور یہ بڑے مستعد قسم کے کمانڈوز اسٹائل کے سکیورٹی گارڈز تھے۔ دو سامنے تھے اور یقیناً کئی اس چوکی میں تھے جو گیٹ کے ساتھ بنی ہوئی تھی۔ عجیب بات تھی کہ پورا پیلس دیکھنے کے دوران میں مجھے کہیں کوئی گاڑی نظر نہیں آئی یقیناً گاڑیاں کسی جگہ رکھی جاتی تھیں جہاں ہر ایک کی ان تک رسائی نہیں تھی۔ پیلس کی چار دیواری کم سے کم بارہ فٹ بلند تھی اور اس پر مزید چار سے پانچ فٹ تک اینگل پر تین قطاروں میں خاردار باڑ لگی تھی۔ دیوار کے آس پاس کوئی ایسا درخت یا چیز نہیں تھی جس کی مدد سے دیوار پر چڑھا جا سکتا۔ تمام عمارات احاطے کے تقریباً وسط میں تھیں۔ پھر پوری دیوار کھلی ہوئی اور دور سے بھی صاف نظر آتی تھی۔ یقیناً اس طرح سے کیمروں سے نگرانی آسان ہو جاتی تھی۔

میں جتنا پیلس دیکھ رہا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ یہاں حفاظت اور نگرانی کا نہایت جدید اور فول پروف نظام کام کر رہا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ تمام سسٹم مکمل طور پر پوشیدہ تھا اور یہ اندازہ لگانا نہایت دشوار تھا کہ حفاظتی نظام کیا کیا اور کہاں کہاں تھا؟ اس صورت میں فرار کی کوئی کوشش بہت مشکل سے ہی کامیاب ہو سکتی تھی۔ لازمی بات ہے جب تک میں یہ نہیں جان لیتا کہ سسٹم کیا ہے اور اسے کس طرح بریک کرنا ہے میں یہاں سے کیسے نکل سکتا تھا؟ اب تک میں نے جتنا دیکھا تھا اس سے صاف لگ رہا تھا کہ یہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ میں اوشا کے تجسس کا شکر گزار تھا کہ اس کی وجہ سے مجھے پیلس کے حفاظتی نظام کو جانچنے کا موقع ملا تھا۔ اوشا نے ساڑھی کا پلو اپنے گرد لپیٹتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''شہباز اندر چل نا مجھے سردی لگ رہی ہے۔''

''حالانکہ تیرے اندر تو آگ بھری ہوئی ہے۔'' میں نے اسے چھیڑا۔ ''یاد ہے ایک وقت کتنی چھوٹی سی ساڑھی میں ایسے ہی رہتی تھی اور زمین پر چٹائی پر سوتی تھی۔''

''ہاں رے پر اب عادت نہیں رہی ہے۔ اب تو کسی سخت جگہ بیٹھ جاؤں تو شریر دکھنے لگتا ہے۔ میں پہلی جیسی نہیں رہی ہوں رے۔'' اس نے چلتے ہوئے میرا بازو تھام کر اس سے سر ٹکا دیا۔ ''تیری جدائی نے مجھے بہت کمزور کر دیا ہے رے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تُو جانتی ہے میں دھوپ سائے کی طرح ہوں ابھی ہوں اور اب نہیں۔''

''میں بتا رہی ہوں اب تُو جدا ہوا تو میں جیتی نہیں رہوں گی رے۔''

میں نے ملائمت سے کہا۔''اوشا خود کو سنبھالو تم جانتی ہو میں دوسری دنیا کا آدمی ہوں میں یہاں تیرے ساتھ نہیں رہ سکتا۔''

''میں جانتی ہوں رے، خود کو سمجھاتی ہوں مگر یہ من ہے نا۔'' اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''مانتا نہیں ہے تیرے لیے مچلتا ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں ایک بار پھر ڈیو؛ شا کو سنائیں کہ اس نے اوشا کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا۔ صرف اپنے مقصد کے لیے اس نے اوشا کو اس کی پناہ گاہ سے نکالا تھا۔ مگر یہ بھی کم تھا ورنہ وہ تو انسانوں کو ٹشو پیپر سمجھنے والا شخص تھا۔ اوشا نے میرا بازو ہلایا۔''کیا سوچ رہا ہے رے؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

''شہباز تُو مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا؟'' اس نے امید سے پوچھا۔''بے شک داسی بنا کر رکھ لینا تیری اور تیری عورت کی کھدمت کروں گی۔''

''ایسا مت کہو میں نے کبھی کسی انسان کو اپنا ملازم نہیں سمجھا۔ میں تم سے وعدہ کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں کہ ساتھ رکھوں گا۔ شاید اللہ کوئی ایسا راستہ نکال دے کہ میں تمہیں ساتھ رکھ سکوں۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر ہنس دی۔''میں پاگل ہوں تجھے پریشان کر دیا۔''

وہ کہتے ہی پلٹ کر تیز قدموں سے عمارت کی طرف بڑھ گئی اور میں نے بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا۔ پتا نہیں اوپر والے نے میرے مقدر میں یہ کیوں لکھا تھا؟ وہ جانتا تھا کہ میں اتنا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔ مگر اس نے جب مقدر میں لکھا تھا تو وہی اس کا کوئی حل بھی نکالتا۔ اوشا میری مجبوری سمجھتی تھی مگر اس کا دل نہیں سمجھتا تھا۔ میں سوچ میں گم تھا کہ پاس ہی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا میں نے دیکھا وہ خادم تھا جو یوں مجھے گم صم پا کر کسی قدر تشویش زدہ ہو گیا تھا۔ مجھے چونکتے پا کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا اور میں بھی بوجھل قدموں سے اندر آیا۔ خادم نے برابر والا کمرا کھول دیا تھا۔ مگر میں اپنے یعنی اوشا کے کمرے میں آیا۔ وہ بستر پر اوندھے منہ لیٹی تھی اور اس کا لرزتا بدن بتا رہا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ مجھے اس طرح روتی خواتین کو منانے کا اور انہیں چپ کرانے کا زیادہ تجربہ نہیں تھا اور میں جوانی کے شہد سے بھرے اس چھتے کو چھیڑتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ اس لیے خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ خود ہی اٹھ گئی اور واش روم کی طرف چلی گئی۔ وہاں سے آئی تو اس کا چہرہ صاف تھا مگر آنکھیں رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ میری طرف دیکھ کر زبردستی مسکرائی تو میں نے بھی باچھیں پھیلا دی تھیں۔ موبائل پر کئی میسجز آئے ہوئے تھے یہ ایمن اور وسیم کی جانب سے تھے۔ میں ان کے جواب دینے لگا۔ وسیم نے کسی آدمی سے بات کی تھی۔ اس کے پاس یورپی پاسپورٹس تھے اور ان کی مدد سے وہ بھارت آ سکتے تھے۔ مگر میں نے منع کر دیا کہ اس میں رسک بہت زیادہ تھا۔ ایمن نے بتایا تھا کہ وہ وکرونا نامی شہر میں ہے جو آسام میں ہمالیائی ریاست اروناچل پردیش کے پاس تھی یہ جگہ چین اور برما کی سرحدوں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ میں جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیلس میں تھا وہ اسی ریاست میں ذرا اوپر پہاڑوں کے ساتھ تھا اور اس سے آگے ہمالیہ کا وہ حصہ تھا جس میں وادی تھی۔ ڈیوڈ شا کو یہیں سے جانا تھا اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ پُراسرار وادی اس جگہ سے سو کلومیٹرز سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔

یہ جگہ بھارت کے دور دراز خطوں میں شمار ہوتی ہے اور یہاں آبادی زیادہ نہیں ہے۔ مگر یہاں بھارتی فوج اور ایجنسیوں کی موجودگی بہت زیادہ ہے کیونکہ چین اور تبت یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ اروناچل پردیش کی ریاست پر چین کا دعویٰ ہے کہ یہ اصل میں تبت کا حصہ ہے اور اس پر انگریزوں نے غیر قانونی قبضہ کر کے اسے برصغیر کا حصہ بنا دیا تھا۔ یہ انگریز کی اسی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی کا بنیادی حصہ ہے جس کا مقصد اپنے مقبوضات کو اس طرح چھوڑ کر جانا تھا کہ وہاں کبھی پائیدار امن قائم نہ ہو سکے۔ انہوں نے برصغیر اور عرب خطے سمیت دنیا کے کئی حصوں میں یہی گندہ کھیل کھیلا اور آج بھی یہ خطے بدامنی کا شکار ہیں۔ ملکوں اور قوموں کے درمیان تصادم نے کروڑوں انسانوں کی زندگی کا چراغ گل کیا اور اربوں انسانوں کو مستقل خطرے میں ڈالا ہوا تھا۔ اروناچل پردیش میں بھی ان دونوں طاقتور ملکوں کے درمیان مفادات کی کشمکش جاری تھی۔ اگرچہ یہ تصادم ابھی سرد ہے لیکن آنے والے وقتوں میں گرم بھی ہو سکتا ہے۔

''شہباز تو دکھی نہ ہو جو میرا بھاگیہ۔'' اوشا نے کہا تو میں سوچوں سے چونکا اور پھر شرمندہ ہو گیا میں تو کچھ اور سوچ رہا تھا اور وہ سمجھی کہ میں اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔

''بھوک لگی ہے؟'' میں نے پوچھا تو اس نے نفی میں جواب دیا۔

''ابھی کھانے کو من نہیں کر رہا۔''

''ٹھیک ہے کچھ دیر بعد منگوا لیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ ''شہباز اب میں سوچ رہی ہوں کہ اس گورے نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ میرا بھلا کیا کام ہے۔''

''یہی میں سمجھنے سے قاصر ہوں آخر وہ تمہیں کیوں لے جانا چاہتا ہے اس سفر پر جب کہ وہ گنے چنے افراد لے کر جا رہا ہے اگر اس کا مقصد تمہاری مدد سے مجھے قابو میں رکھنا ہے تو اس کے لیے تمہیں پیچھے رکھا جا سکتا ہے۔''

''تو ٹھیک کہہ رہا ہے رے۔'' وہ بولی۔ ''پر مجھے اچھا لگے گا کہ میں تیرے ساتھ رہوں۔''

''اوشا میں نے کبھی وہ علاقہ خود نہیں دیکھا ہے مگر ایک جانے والے سے سنا ہے وہاں زندگی مشکل اور موت آسان ہے۔''

''تیرے سنگ تو موت بھی قبول ہے۔'' وہ والہانہ انداز میں بولی تو میں پوچھتے پوچھتے رہ گیا کہ میرا کیا قصور ہے؟ اس کی بجائے میں نے پوچھا۔

''پھر بھی میں تمہیں اس سفر پر ساتھ لے جانا نہیں چاہتا۔''

اوشا نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ ''تو تو ایسے کہہ رہا ہے جیسے جائے گا۔''

''ہاں میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اب مجھے اس سفر پر جانا ہی ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھیوں کو میری وجہ سے مشکل ہو۔ ان میں تُو بھی شامل ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پر وہ مجھے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔''

''میں اس سے بات کروں گا۔'' میں نے کہا۔

جب خادم رات کے کھانے کا پوچھنے آیا تو میں نے اس سے ڈیوڈ شا کا پوچھا۔ حسب توقع اس نے لاعلمی ظاہر کی کہ وہ ڈیوڈ شا کے بارے میں نہیں جانتا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تب تم کرنل جیمز تک میرا پیغام پہنچادو کہ میں ڈیوڈ شا سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی ... اسی وقت۔''

''میں کہہ دیتا ہوں سرکار۔''

ابھی ہم ڈنر سے فارغ ہوئے تھے کہ کرنل جیمز آ گیا۔ وہ مہمان خانے کی نشست گاہ میں میرا منتظر تھا۔ رسمی باتوں کے بعد میں نے اس سے کہا۔ ''میں ڈیوڈ شا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ اس وقت پیلس میں نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں میری موبائل یا فون پر بات کرادو۔''

اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ''اتنی ایمرجنسی بھی کیا ہے؟''

''میں اس لڑکی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا بات کرنا چاہتے ہو؟''

''کیا اسے لے جانا ضروری ہے؟''

''یہ تو ڈیوڈ شا ہی بتا سکتا ہے۔''

''اسی لیے میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''او کے میں ٹرائی کرتا ہوں۔'' اس نے سر ہلایا اور وہاں سے چلا گیا اس نے کوئی وضاحت نہیں کی کہ وہ کس طرح ڈیوڈ شا سے میری بات کرائے گا۔ اس کے جانے کے بعد میں واپس اوشا کے پاس آیا۔

''تم اسی کمرے میں رہو گی۔'' میں نے کہا۔

وہ بے قرار ہو کر میرے پاس آ گئی۔ ''اور تُو؟''

''میں برابر والے کمرے میں ہوں۔''

''تُو یہاں رہ لے۔''

''یہ مناسب نہیں ہے۔'' میں نے نرمی سے سمجھایا۔ ''میں اس مزاج کا نہ سہی مگر ہوں تو مرد اگر بہک گیا تو اپنی نظروں میں گرنے سے پہلے مر جاؤں گا اور توبہ کا موقع بھی نہیں ملے گا۔''

وہ لرز گئی۔ ''تُو ٹھیک کہہ رہا ہے رے۔''

''میں زیادہ دور نہیں ہوں ایک لمحے میں تمہارے پاس آ سکتا ہوں اگر تمہیں خوف ہو تو دروازہ اندر سے بند کر لینا۔''

''میں بند کر لوں گی۔''

''اگر خطرہ محسوس ہو تو مجھے آواز دینا اور جب تک میں نہ کہوں دروازہ مت کھولنا۔''

اس نے سر ہلایا تو میں باہر آ گیا اور دوسرے کمرے میں آیا۔ یہ تقریباً ... ہی کمرا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ یہ کارز نہیں تھا اور اس میں صرف ایک طرف کھڑکی تھی۔ مجھے ایمن اور وسیم سے بات کرنی تھی۔ مگر مجھے شبہ تھا کہ شاید یہاں مائیک کے ساتھ کیمرا بھی نہ لگا ہو اس لیے میں نے ہلکا کمبل سر تک اوڑھ لیا اور اس کے اندر موبائل نکالا۔ مجھے ہنسی آئی آج کل کے ٹین ایج نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جیسے گھر والوں سے چھپ کر موبائل استعمال کرتے ہیں میں بھی ایسا ہی کر رہا تھا مگر گھر والوں سے نہیں بلکہ دشمنوں سے چھپ کر۔ اس بار بھی کئی ایس ایم ایس آئے ہوئے تھے۔ ایمن نے مجھے خبردار کیا تھا کہ آنے والے چوبیس گھنٹے میں ڈیوڈ شا کسی لمحے بھی سفر پر روانہ ہو جائے گا اور ظاہر ہے میں اس کے ساتھ ہوں گا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ مجھے اس صورتِ حال میں کیا مدد دے سکتی ہے۔ ایمن نے جواب دیا۔ ''اگر میں فوری طور پر کچھ نہ کر سکی تو میں تمہارے پیچھے آؤں گی۔''

''اس خطرے میں؟''

''ہاں شہباز میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔''

''لیکن میں تمہیں اس خطرے میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''بالکل اسی طرح میں تمہیں یوں خطرے میں جاتے نہیں دیکھ سکتی۔''

میں سمجھ رہا تھا اس کی جگہ کوئی اور میڈیا پرسن ہوتا تو اس جگہ کا سن کر ہی پاگل ہو جاتا اور اسے دریافت کر کے اور دنیا کے سامنے پیش کرنے کے خواب دیکھنے لگتا۔ مگر ایمن ان لوگوں میں سے تھی جو تیز رفتار ترقی پر یقین نہیں رکھتے ہیں اور نہ ہی خوابوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ وہ صرف میرے لیے فکرمند تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''کچھ اندازہ ہے کہ ڈیوڈ شا سفر کے لیے کیا طریقہ اختیار کرے گا؟''

''میری معلومات کے مطابق وہ ابتدائی سفر ہیلی کاپٹر میں کرے گا اور جہاں تک ممکن ہوا اسی سے رسائی حاصل کی جائے گی۔ ایک ائیر فیلڈ پر دو عدد بڑے ہیلی کاپٹر اس مقصد کے لیے تیار کھڑے ہیں۔''

''جب تم اتنا جانتی ہو تو یہ بھی معلوم کراؤ کہ اس کی روانگی کس وقت ہے؟''

''میرا ساتھی ان ہیلی کاپٹرز کے پائلٹس تک رسائی کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ کام یوں بھی آسان ہو گیا ہے کہ میں خود اپنے لیے ایک ہیلی کاپٹر بک کرا رہی ہوں۔''

''پیچھے آنے کے لیے؟''

''بالکل ورنہ ان پہاڑوں پر دس منٹ کا فضائی سفر دو دن کا ہو جاتا ہے۔''

''ایمن میں تمہیں ایک بار پھر کہوں گا کہ تم پیچھے آنے سے گریز کرنا میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم یا کوئی بھی مشکل میں پڑے۔''

''میں نے کہا نا میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔'' اس نے جواب دیا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے کمبل سے سر نکال کر پوچھا۔

''کون ہے؟''

''سرکار۔'' باہر سے خادم کی آواز آئی۔

''آجاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ اندر آیا اور ادب سے بولا۔

''آپ کو کرنل صاحب نے یاد کیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم چلو میں آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کے جانے کے بعد موبائل اپنی جیب میں رکھ کر باہر آیا۔ کرنل نشست گاہ میں موجود تھا اور کسی قدر فکر مند لگ رہا تھا۔ میری چھٹی حس نے اشارہ دیا کہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تم نے بلایا ہے۔''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''میری ڈیوڈ شا سے بات ہوئی ہے اس نے کہا ہے کہ لڑکی بہر صورت جائے گی۔ اسے پیچھے نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔''

''اس صورت میں وہ مجھ سے تعاون کی توقع نہ رکھے۔''

''وہ تم سے ایسی کوئی توقع رکھ بھی نہیں رہا ہے۔'' کرنل کا لہجہ روکھا تھا۔ ''پیلس کا ایک ملازم اس عمارت میں آیا تھا کیا اس نے تم سے ملاقات کی یا تمہیں کچھ کہا ہے۔''

میں چونکا۔ ''کون ملازم؟..... یہی جو یہاں.....''

''یہ نہیں۔'' وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ ''میں اس کی بات کر رہا ہوں۔''

اس نے کہتے ہوئے اپنا ٹیب میری طرف کیا اور اس کی اسکرین پر اسی ملازم کی تصویر تھی جس نے مجھ تک موبائل پہنچایا تھا۔ میں نے اپنا چہرہ سپاٹ رکھا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ مجھ سے نہیں ملا اور نہ ہی میں نے اسے دیکھا ہے۔''

''یہ چند گھنٹے پہلے یہاں آیا تھا جب کہ دوسرے ملازمین کو یہاں آنے سے منع کیا گیا ہے۔''

''تم اس سے ہی پوچھو کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا؟''

''ہم پوچھ رہے ہیں۔'' کرنل کھڑا ہو گیا۔ ''میں بتا دوں شاید صبح ہماری روانگی ہے اس لیے تم رات کو ٹھیک سے نیند پوری کر لو، آگے آرام کا موقع بہت کم ملے گا۔''

کرنل کے انداز اور اس کے جواب سے واضح تھا کہ ڈیوڈ شا اب مجھے راضی کر کے لے جانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ میں اس کے قبضے میں تھا اور شاید مجھے قابو میں رکھنے کے لیے اس نے اوشا کو ساتھ رکھا تھا۔ یہ بات خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی کہ ان لوگوں نے نیپالی نقوش والے کی یہاں آمد جان لی تھی اور اب وہ اس سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ لازمی بات ہے وہ اس پر تشدد کا حربہ آزماتے اور اس صورت میں وہ زیادہ دیر اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتا تھا۔ کرنل کے جاتے ہی میں اپنے کمرے کی طرف لپکا اور دروازہ اندر سے بند کر کے باتھ روم میں گھس کر موبائل نکالا اور تیزی سے اس پر ایمن کے لیے میسج لکھا۔ ''پول کھلنے والا ہے تم نے جس شخص کو بھیجا تھا وہ جلد حقیقت اگل دے گا اور اس کے بعد وہ مجھ سے موبائل حاصل کر لیں گے۔ اگر وہ شخص تمہارے بارے میں جانتا ہے تو پہلی فرصت میں جگہ بدل دو اور میں یہ موبائل ضائع کرنے والا ہوں۔ کل صبح روانگی ہے۔''

اسی لمحے دروازے پر تیز دستک ہوئی اور میں نے اگلا میسج وسیم کے لیے لکھا۔ ''بھانڈا پھوٹ گیا ہے میں موبائل ضائع کر رہا ہوں۔ اب رابطہ نہیں کر سکوں گا۔ کل صبح روانگی ہے۔ پھر ملیں گے اگر اللہ نے ملایا تو۔''

دروازے پر دستک تیز ہوتی جا رہی تھی میں اس طرف توجہ دیئے بغیر واش روم میں آیا اور موبائل فرش پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈال کر اسے فلش ٹینک کے ڈھکن سے ضرب لگا کر توڑ دیا۔ اس کے بعد اس کی سم نکالی اور اسے انگلیوں سے دبا کر دو ٹکڑے کیا اور آخر میں اس سارے ملبے کو کموڈ میں ڈال کر فلیش ٹینک چلا دیا۔ باہر دروازہ توڑنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ دوبارہ فلیش ٹینک چلا کر میں نے اس بات کو یقینی بنا لیا کہ سب بہہ کر آگے چلا جائے۔ پھر میں ہاتھ گیلے کر کے باہر آیا اور اسی لمحے ایک دھماکے سے دروازہ کھلا۔ سامنے باسو کھڑا تھا۔ یہ اسی کی جناتی قوت نے یہ مضبوط دروازہ توڑ دیا ورنہ کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ اصل میں صرف کنڈی ٹوٹی تھی اور یہ بھی خاصی مضبوط قسم کی تھی۔ باسو اندر آیا اور اس نے اجنبی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں مسکرایا۔ ''کیا حال ہیں تمہارے..... پھر دیکھ کر خوشی ہوئی مگر تم نے میرا واش روم میں بیٹھنا حرام کر دیا تھا۔''

باسو کے پیچھے کرنل تھا اور اس نے اندر آتے ہی چاروں طرف دیکھا اور مجھ سے پوچھا۔ ''تم دروازہ کیوں نہیں کھول رہے تھے؟''

''میں واش روم میں تھا۔''

کرنل کچھ دیر مجھے گھورتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''یہاں کیمرے لگے ہیں۔''

''لگے ہوں گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''جلد حقیقت سامنے آ جائے گی۔ موبائل کا کیا کیا ہے تم نے؟''

''فلیش میں بہا دیا۔'' میں نے اس بار حقیقت بیان کر دی۔ ''اس کے ٹکڑے مل سکتے ہیں۔''

کرنل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ''تم نے کس سے رابطہ کیا؟''

''اگلوا سکتے ہو تو اگلوا لو۔ ویسے میں نے کسی سے رابطہ نہیں کیا۔'' میں نے ڈھٹائی سے کام لیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ پر تشدد نہیں کر سکتے تھے۔ کرنل کا چہرہ سرخ تھا مگر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''شہباز تم اپنے لیے مشکل پیدا کر رہے ہو۔''

''میں اس کا عادی ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے قید کبھی آسان نہیں ہوتی ہے۔''

''اتنا یاد رکھنا ڈیوڈ شا کی تحویل سے باہر تم انڈیا میں انتہائی غیر محفوظ ہو گے اور ایک بار تم انڈیا کی کسی ایجنسی کے ہاتھ آ گئے تو تمہاری گلوخلاصی ممکن نہیں ہو گی۔'' کرنل کے انداز میں واضح دھمکی تھی۔

باسو تنا کھڑا ہوا تھا۔ دروازہ توڑنے کے بعد اس نے کوئی ردِعمل نہیں دکھایا تھا۔ اس نے حسبِ معمول بڑی سی نیکر اور اوپر بنیان پہنی ہوئی تھی۔ کرنل کچھ دیر اپنے ہونٹ کاٹتا رہا پھر اس نے باسو کو حکم دیا۔ ''اسے چار نمبر میں لے جا کر بند کر دو۔''

باسو نے میرا بازو پکڑا اور بولا۔ ''چلو۔''

سرتابی کی مجال نہیں تھی باسو کی جناتی گرفت اور قوت کے مقابلے میں میری کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میں اس کے ساتھ کھنچا چلا گیا۔ راہداری میں اوشا میری ہدایت کے برخلاف دروازہ کھول کر باہر جھانک رہی تھی مجھے باسو کی گرفت میں دیکھ کر وہ بے تابی سے باہر نکل آئی۔ اس کے باہر آتے ہی کرنل نے چوکنا ہو کر پستول نکال لیا۔ مگر وہ اسے نظر انداز کر کے میرے پاس آئی۔ ''شہباز تجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟''

''یہیں ایک اور جگہ۔'' میں نے کہا۔ ''تُو اندر جا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوشا نے خطرناک نظروں سے باسو کی طرف دیکھا اور ایسا لگا جیسے وہ اسے کاٹنے کا سوچ رہی ہو۔ اس کی آنکھیں اس وقت کسی ناگن کی طرح چمک رہی تھیں۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اوشا اندر جا یہ میرا حکم ہے۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر سر ہلاتی ہوئی پیچھے ہٹی اور کمرے میں چلی گئی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور کرنل کی طرف دیکھا۔ ''تم اسے خود ہینڈل نہیں کر سکو گے۔ یہ خطرناک ہوئی تو مرنے مارنے پر تل جائے گی۔''

''فکر مت کرو۔'' اس نے پستول رکھ لیا۔ ہم عمارت سے باہر آئے۔ ایمن نے یہاں کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ اسی وجہ سے نیپالی نقوش والا پکڑا گیا۔ اب مجھے ایمن کی فکر تھی کہ وہ ڈیوڈ شا کی دسترس سے دور رہے۔ وہ اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کے لیے بیکار تھی۔ ڈیوڈ شا ذرا بھی احساس کیے بغیر اسے مروا سکتا تھا۔ ایک چھوٹی عمارت جو پول اور جم کی عمارت کے پاس تھی مجھے وہاں ایک سادہ سیل نما کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اس کا دروازہ فولادی تھا اور ایک طرف چھوٹا سا روشن دان تھا۔ ایک سادہ بستر تھا اور ایک طرف کموڈ اور واش بیسن لگا ہوا تھا۔ گویا یہ ایک مکمل سیل تھا جہاں کسی کو قید رکھا جا سکتا تھا۔ کرنل ساتھ تھا اور دروازہ بند کرنے سے پہلے اس نے کہا۔ ''شہباز آرام کرو اور بھول جاؤ کہ یہاں کوئی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔''

''تم بھی بھول جاؤ کہ میں بے یار و مددگار ہوں۔ جلد تم دیکھ لو گے۔'' میں نے بھی اسی کے لہجے میں جواب دیا۔ وہ کچھ دیر مجھے گھورتا رہا تھا پھر دروازہ بند کر کے باہر سے لاک کر دیا۔ چھت پر ایک چھوٹا سا بلب روشن تھا۔ اس کا سوئچ یہاں نہیں تھا اس لیے میں اسے اپنی مرضی سے آن آف نہیں کر سکتا تھا۔ دروازے کے اوپری حصے میں چند انچ کا حصہ جالی پر مشتمل تھا میں نے اس سے باہر جھانکا اور پھر آ کر بستر پر دراز ہو گیا۔ حالات ایک بار پھر بدل گئے تھے۔ کچھ دیر کے لیے میرا اپنوں سے رابطہ ہوا تھا اور اب میں دوبارہ مکمل طور پر ڈیوڈ شا کے قبضے میں تھا۔ اگر ایمن نے نیپالی نقوش والے شخص پر اعتبار کیا تھا تو یہ اس کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے بہتر ہوتا کہ وہ اب اس معاملے سے دور رہے۔ ڈیوڈ شا جیسے لوگوں سے ٹکرانا اس کے بس سے باہر تھا۔

بالآخر حالات اسی طرف جا رہے تھے جس طرف میں لے جانا نہیں چاہتا تھا۔ یعنی پُراسرار وادی کی طرف اور میں مجبور تھا۔ بستر پر دراز ہونے کے باوجود آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی اور دماغ آنے والے حالات میں الجھا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا وادی تک رسائی کے بعد میرے اور اوشا کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ بہ ظاہر ہم اس کے لیے بیکار ہو جائیں گے اور وہ بیکار چیزیں رکھنے والے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ وہ پلی فرصت میں کچرا ٹھکانے لگا دیتا ہے۔ باسو کی یہاں موجودگی چونکانے والی تھی مگر میرے ذہن میں کہیں تھا کہ ڈیوڈ شا اسے اس مہم میں استعمال کرے گا اور اسی لیے مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ باسو کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک نہیں تھا اور وہ غرا کر بات نہیں کر رہا تھا جیسا کہ وہ عام طور سے کرتا تھا۔ اسی طرح اس نے میرا بازو تھامتے ہوئے گرفت بھی بہت مضبوط نہیں رکھی تھی مجھے کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ میں اس انسان نما حیوان کے اندر اپنی جگہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنا۔ میں کامیاب رہا تھا مگر میرے لیے اس کے رویے میں تبدیلی آئی تھی۔

ان ہی خیالوں میں نہ جان کب میری آنکھ لگ گئی اور پھر آنکھ کھلی تو صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا میں نے اٹھ کر وضو کیا اور بستر کی چادر نیچے بچھا کر نماز پڑھی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شاید میری آخری نماز ہے اور میرے لیے آخری موقع ہے کہ میں اللہ کے حضور سر جھکا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ لوں۔ شاید اسی وجہ سے میں نے بہت دل سے نماز پڑھی اور دعا کی کہ اگر میری زندگی ہے تو مجھے میرے پیاروں سے ملائے اور اگر میری زندگی کا آخری وقت آ گیا تھا تو اللہ مجھے ایمان کی سلامتی کے ساتھ اٹھائے۔ نماز پڑھ کر میں ٹہلتا رہا اور تھوڑی بہت ورزش بھی کی لیکن میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔ باہر سورج نکل آیا تھا اور کچھ دیر میں خاصی تیز روشنی ہو گئی تھی۔ دروازہ کھلا تو میں چونکا۔ آنے والا باسو تھا اس نے ناشتے کی ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس نے وہ نیچے فرش پر رکھ دی اور بولا۔ ''تمہارے پاس آدھا گھنٹا ہے۔''

میرا خیال تھا کہ وہ چلا جائے گا مگر اس کی بجائے اس نے باہر سے ایک درمیانے سائز کا بیگ پیک اٹھا کر اندر رکھا۔ ''اس میں سب کچھ ہے تیار ہو جانا۔''

وہ چلا گیا، مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں نے پہلے ناشتے سے انصاف کیا۔ یہ دلیہ، شہد اور دودھ پر مشتمل تھا۔ ایک بیگ میں چائے بھی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ آگے سفر میں اسی قسم کے ناشتے سے واسطہ پڑے گا اس لیے آج سے اس کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ ناشتے کے بعد میں نے بیگ کھولا تو اس میں سے ایک عدد بہت گرم والا سوٹ نکلا تھا۔ یہ بہت موٹے اور گرم ترین میٹریل سے بنی پتلون اور جیکٹ تھی۔ اس کے ساتھ اندر پہننے والی گرم جرسی، گرم پاجامے اور موزے تھے۔ ایک عدد بہت اعلیٰ درجے اور خاص میٹریل سے بنے ہوئے جوتوں کا سیٹ تھا۔ ان کے علاوہ بھی کچھ چیزیں تھیں مگر فوری استعمال کی چیزیں یہی ہو سکتی تھیں۔ میں نے اپنے کپڑے اتار کر پہلے گرم پاجامہ اور جرسی پہنی۔ یہ جسم سے بالکل چپک جانے والی ہائی نیک جرسی تھی۔ اس کے اوپر میں نے پتلون پہن لی مگر اس موسم میں جیکٹ پہننے کی ہمت نہیں تھی۔

وہ میں نے بیگ میں رکھ لی اور ساتھ ہی اپنے اتارے کپڑے بھی رکھ لیے۔ میرے پیروں میں سلیپرز تھے جو اس سفر میں بیکار ہوتے مگر میں نے وہ بھی رکھ لیے۔ جوتے پہن کر میں بالکل تیار تھا۔ اب مجھے انتظار تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد ہوا میں ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا اور پھر ہیلی کاپٹر کی آواز واضح ہونے لگی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا ہم سفر کا آغاز ہیلی کاپٹر سے کرتے اور جہاں ہیلی کاپٹر پارٹی کو ڈراپ کرتے وہاں سے پیدل سفر کا آغاز ہوتا۔ مگر یہ ایک ہیلی کاپٹر تھا جب کہ ایمن نے دو کے بارے میں بتایا تھا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا اور باسو نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا میں اپنا پیک اٹھا کر باہر آیا اور باسو کی رہنمائی اور نگرانی میں روانہ ہوا۔ ہیلی پیڈ پیلس کے نچلے حصے میں ایک کھلی جگہ تھا۔

باسو نے اس وقت پوری گرم پتلون اور اوپر میری طرح ہائی نیک جرسی پہنی ہوئی تھی اس کے پیروں میں اس کے سائز کے جوتے تھے۔ ہم ہیلی پیڈ پہنچے تو وہاں کرنل جیمز کے ساتھ اوشا بھی تھی اور اس کا حلیہ بھی بدل گیا تھا۔ اوشا کو آج تک میں نے ساڑھیوں میں دیکھا تھا اور اکثر اوقات وہ بہت مختصر سے لباس میں ہوتی تھی جس میں جسم کا بیشتر حصہ جھلک رہا ہوتا تھا مگر اس وقت وہ سر سے پاؤں تک لباس میں پوشیدہ تھی۔ اس نے جیکٹ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہن لی تھی۔ مگر اس کا ہڈ ابھی سر پر نہیں تھا۔ یہ سارا لباس بھاری ہونے کے باوجود اس کی جسامت خاصی چھریری سی لگ رہی تھی۔ میں ہنسا تو وہ جھینپ گئی۔ ''ہنس کیوں رہا ہے رے کیا اچھی نہیں لگ رہی۔''

''تم ہر لباس میں اچھی لگتی ہو لیکن میں نے کبھی تمہیں اتنا زیادہ پہنے اوڑھے نہیں دیکھا۔''

''مجھے گرمی لگ رہی ہے رے پر اس نے کہا کہ سب پہننا ہے۔'' اوشا نے باسو کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اسے تسلی دی۔

''کچھ دیر بعد تمہیں اس میں بھی سردی لگ رہی ہوگی۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' کرنل جیمز نے کہا۔ ''آگے بہت سردی ہوگی۔ ابھی ہیلی کاپٹر جب بلند ہوگا تب ہی سردی لگے گی۔''

''بس ہم چار افراد جائیں گے۔ ڈیوڈ شا اور اس کی صاحبزادی کہاں ہیں؟''

''ڈیوڈ شا یہاں نہیں ہے زونیا ہمارے ساتھ جائے گی۔''

اسی لمحے زینی ایک طرف سے نمودار ہوئی۔ اس نے بھی گرم لباس پہنا ہوا تھا مگر جیکٹ نہیں تھی اور جرسی اس کے جسم پر یوں چپکی ہوئی تھی کہ ایک ایک انگ نمایاں تھا۔ یہ بالکل لاحول کا موقع تھا مگر میں عادی ہو گیا تھا۔ وہ مخصوص چال چلتی آئی اور اس نے مجھ سے اور کرنل سے ہاتھ ملایا۔ اوشا اور باسو کو نظر انداز کر دیا۔ اوشا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ اس نے اپنا بیگ اتار کر باسو کو دیا جسے اس نے ہیلی کاپٹر کے سامان والے خانے میں ڈال دیا۔ وہ پیچھے ہٹی تو اوشا جلدی سے میرے پاس آ گئی۔ زینی معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی تھی مگر اس نے سوائے ہیلو ہائے کے اور کوئی بات نہیں کی تھی۔ گویا کل پانچ افراد تھے اور دو ہیلی کاپٹر کے پائلٹس تھے۔ ہم عقبی حصے میں سوار ہوئے۔ آمنے سامنے دو عدد پنج نما نشستوں کے ساتھ عقب میں سامان رکھنے والا خانہ بھی تھا مگر اس میں سامان باہر سے رکھا اور نکالا جاتا تھا۔ جب ہم بیٹھنے لگے تو اوشا جلدی سے میرے ساتھ والی نشست پر آ گئی جیسے اسے خطرہ ہو کہ زینی نہ برابر میں آ جائے۔ زینی میرے سامنے بیٹھی تھی۔ ہم نے سیٹ بیلٹس باندھیں۔ ہیلی کاپٹر کے انجن اسٹارٹ ہوئے۔ یہ دو انجنوں والا بڑا ہیلی کاپٹر تھا۔ ہلکے سے دھچکے سے وہ ہوا میں بلند ہوا اور ایک منٹ سے بھی پہلے وہ پیلس سے اتنا اوپر جا چکا تھا کہ سارا پیلس دکھائی دینے لگا۔

میں اپنی نشست پر اس طرح بیٹھا تھا کہ مجھے سامنے انسٹرومنٹ پینل صاف دکھائی دے رہا تھا اور آلٹی میٹر کے مطابق یہاں بلندی دو ہزار دو سو میٹرز تھی۔ تقریباً تین ہزار میٹرز کی بلندی پر آ کر ہیلی کاپٹر نے شمال مشرق کا رخ کیا اور اس کی رفتار تیز ہوئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ایمن نے دو ہیلی کاپٹرز کا ذکر کیا تھا اور یہ ایک تھا تو دوسرا ہیلی کاپٹر یقیناً ڈیوڈ شا اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو لے جانے کے لیے کہیں موجود ہوگا۔ جیسے جیسے ہم آگے جا رہے تھے زمین پر برف کی سفیدی نمایاں ہو رہی تھی اور ہیلی کاپٹر کی بلندی بڑھتی جا رہی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم پانچ ہزار میٹرز کی بلندی پر تھے اور یہاں ہوائی دباؤ اتنا کم تھا کہ ہیلی کاپٹر ہموار پرواز سے قاصر تھا اور بلندی کی وجہ سے ہیلی کاپٹر کے پر ہوا کاٹنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس چکر میں پورا ہیلی کاپٹر لرز رہا تھا۔ اب نیچے مکمل سفید منظر تھا۔ ہم ٹنڈرا کے خطے میں داخل ہو گئے تھے جہاں سارے سال برف جمی رہتی ہے۔ اوشا میرے ساتھ بیٹھی تھی اور کسی بچے کی طرح جھک جھک کر باہر کے مناظر دیکھ رہی تھی اسی نے پہلے دوسرے ہیلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا پٹر کو دیکھا اور پھر مجھے متوجہ کیا۔

''شہباز اُدھر دیکھ۔''

میں نے تقریباً ایک کلومیٹر کی دوری پر اسی جیسے دوسرے ہیلی کاپٹر کو دیکھا جو اتر رہا تھا اور اس کے آس پاس برف کا طوفان سا آیا ہوا تھا۔ ہمارا ہیلی کاپٹر بھی اسی سمت بڑھ رہا تھا جب تک وہ وہاں پہنچا پہلا ہیلی کاپٹر لینڈ کر چکا تھا مگر اس کے پنکھے بدستور گھوم رہے تھے اور برف کا طوفان جاری تھا۔ اتنی بلندی پر انجن بند کرنے کا مطلب تھا کہ ہیلی کاپٹر یہیں رہ جاتا کیونکہ اس کا انجن پھر اسٹارٹ نہیں ہوتا۔ ہمارا ہیلی کاپٹر ذرا فاصلے پر اترا تھا اور کسی قدر مشکل سے اترا تھا کیونکہ تیز ہوا کے باعث وہ ڈول رہا تھا اور اس کے اسکیز ذرا دقت سے برف پر ٹکے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے ٹکتے ہی باسو نے دروازہ کھولا اور سرد ترین ہوا کے ساتھ برف کے ذرات مع شور اندر گھس آئے تھے۔ میرے پیک میں ایک اسنوگاگل بھی تھا جو میں نے کچھ دیر پہلے گلے میں ڈال لیا تھا اور اترتے ہی آنکھوں پر لگا لیا تھا میری دیکھا دیکھی اوشا نے بھی یہ کام کیا تھا۔ اسی وجہ سے ہم دیکھنے کے قابل رہے۔ یہاں ہوا بہت ہلکی تھی اور سانس لینے کے لیے باقاعدہ زور لگانا پڑ رہا تھا۔ ٹھنڈ ایسی تھی کہ سب ہی کانپ اٹھے تھے۔

باسو اور کرنل نیچے اتر گئے تھے۔ میں نے اوشا کو سہارا دے کر نیچے اتارا۔ پائلٹ چلا چلا کر سامان جلدی اتارنے کو کہہ رہے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ کسی خرابی کی وجہ سے انجن بند ہو گئے تو وہ اسی برف زار میں پھنسے رہ جائیں گے اور یہاں سے واپسی کا زمینی راستہ تین دن کا تھا۔ راستے میں مجھے جو گلیشیر اور پہاڑی سلسلے نظر آئے انہیں سر کرنا آسان نہیں تھا۔ باسو اور کرنل ہیلی کاپٹر کے عقبی حصے سے سامان نکال رہے تھے اور اسے اٹھا کر ہیلی کاپٹر سے دور لے جا رہے تھے۔ میں نے ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش نہیں کی اور دوسرے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا جہاں ڈیوڈ شا ہمارے جیسے لباس میں موجود تھا۔ اس کے ساتھ دو افراد اور تھے جو سامان اتار کر ہیلی کاپٹر سے دور لے جا رہے تھے۔ سارا سامان بڑے سائز کے بیگز میں پیک تھا اور اسے پشت پر لاد کر سفر کرنا تھا۔ میرے پاس آتے ہی ڈیوڈ شا چوکنا ہو گیا اور اس کا ہاتھ اپنی جیکٹ کی ایک جیب میں چلا گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر اور ہوا کا شور اتنا تھا کہ کسی قسم کی گفتگو خارج از امکان تھی۔

جو لباس پہلے میں ہمیں گرم لگ رہا تھا وہ یہاں آتے ہی جیسے ململ کا ہو گیا اور جنہوں نے جیکٹ نہیں پہنی تھی انہوں نے فوری جیکٹ پہن لی۔ مشکل سے پانچ منٹ میں سارا سامان اتار لیا گیا اور ہم بھی دور ہٹ گئے۔ ہیلی کاپٹر بلند ہوئے اور جس سمت سے آئے تھے اسی سمت پرواز کر گئے۔ ایک منٹ سے ہی پہلے وہ ناقابلِ شناخت باریک نقطوں میں بدل گئے اور پھر نظروں سے اوجھل گئے۔ تب ہمیں احساس ہوا کہ ہم اس ویرانے میں رہ گئے تھے۔ تہذیب اور آباد دنیا سے دور ایک ایسا ویرانہ جہاں تا حدِ نگاہ سوائے برف کے اور کچھ نہیں تھا۔ اس احساس نے چند لمحے کے لیے مجھ سمیت سب کا دل سہا دیا تھا۔ اوشا میرے بازو سے چپک گئی تھی اور باقی سب اپنی اپنی جگہوں پر گم صم سے کھڑے تھے۔ پھر ڈیوڈ شا کی سرد آواز نے سب کو چونکا دیا۔ ''میرا خیال ہے اب ہمیں حرکت میں آ جانا چاہیے۔''

میں نے کہا۔ ''تم نے اوشا کو ساتھ لا کر اچھا نہیں کیا ہے۔ یہ نازک عورت ہے اس سفر کی صعوبتیں کیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برداشت کرے گی۔''

''کرلے گی۔'' ڈیوڈ شا نے سکون سے جواب دیا۔ ''تم اسے نہیں جانتے یہ بہت باہمت ہے جہاں دوسرے لڑکھڑا جائیں گے یہ وہاں بھی ثابت قدم رہے گی۔ تم بھول رہے ہو اس سفر میں زینی بھی ساتھ ہے اور وہ نازک عورت ہے۔''

میں کہنا چاہتا تھا کہ وہ زینی سمیت شوق سے جہنم میں جائے لیکن اس کی بجائے میں نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا یہ بہت مشکل مہم ہے اور اوشا کو پہاڑوں پر سفر کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔''

میری بات کا ڈیوڈ شا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویسے بھی مزید بحث بیکار تھی کیونکہ اوشا یہاں آ چکی تھی۔ ڈیوڈ شا نے بھی مجھ سے کل ہونے والے واقعات پر کوئی بات نہیں کی کیونکہ اب ہم ان باتوں سے بہت دور آ چکے تھے۔ ہم کل آٹھ افراد تھے۔ ڈیوڈ شا کے دونوں ساتھی سفید فام اور تنومند تھے۔ سامان کے کُل سات بڑے بیگز تھے۔ ان میں پانچ بڑے بیگ تھے اور دو چھوٹے تھے۔ چھوٹے بیگز میرے اور ڈیوڈ شا کے حصے میں آئے۔ دو بڑے بیگز باسو نے اپنی پشت پر لاد لیے جب کہ باقی تین بیگز، کرنل، اور دونوں سفید فاموں کے حصے میں آئے۔ اوشا کے پاس اپنے بیگ کے ساتھ میرا بیگ بھی تھا جب کہ زینی نے اپنا بیگ خود اٹھایا ہوا تھا۔ سامان سے جوڑ کر بنائی جانے والی اسٹک نکالی گئیں۔ برف پر سفر کرنے کے لیے یہ لازمی تھیں۔ ان کے نچلے نوکیلے حصے میں ذرا اوپر ایک گول ڈسک لگی ہوئی تھی جو چھڑی کو برف میں دھنسنے سے بچانے کے لیے تھی۔ جیسی کہ برف پر پھسلنے والوں کی اسٹک میں لگی ہوتی ہیں۔ ڈیوڈ شا نے روانگی سے پہلے کہا۔

''اب ہم ایک ٹیم ہیں اور ہمارا ایک دوسرے سے واقف ہونا ضروری ہے۔ سب اپنا اپنا تعارف کرا دیں۔''

''میں مارک رائٹ ہوں۔'' ایک سفید فام نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ چھبیس ستائیس برس کا نوجوان تھا۔ ''میں پیشہ ور کوہ پیما ہوں۔''

''سین بائڈن۔'' دوسرے نے کہا۔ ''میں بھی کوہ پیما ہوں لیکن پیشہ ور نہیں۔ میں اس مہم کا آفیشل کک ہوں۔''

باقی سب کے بارے میں مَیں جانتا تھا۔ اپنی باری آنے پر میں نے اپنا اور اوشا کا تعارف کرایا۔ باسو، سین اور مارک صرف انگریزی جانتے تھے باقی سب اردو یا ہندی سے واقف تھے۔ صرف اوشا انگریزی سے نابلد تھی۔ اوشا میرے ساتھ ہوتی اس لیے آپس میں گفتگو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مگر تعارف کے بعد ڈیوڈ شا نے اوشا کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ باسو کے ساتھ رہے گی۔''

''یہ میرے ساتھ رہے گی۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''ڈیوڈ شا تم ہمیں یہاں تک لے آئے ہو جہاں سے واپسی کا راستہ بہت مشکل ہے اور ہمیں تمہارا ہی ساتھ دینا ہے اس لیے سفر کو اپنے اور میرے لیے مشکل مت بنا۔''

ڈیوڈ شا کچھ دیر مجھے گھورتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''اوکے اس صورت میں تم دونوں کے ساتھ باسو رہے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا بھی یہی خیال تھا کہ باسو کو میری اور اوشا کی نگرانی کے لیے ساتھ رکھا گیا ہے۔ اس کا اضافی فائدہ اس کی طاقت تھی۔ وہ زیادہ سامان اٹھا سکتا تھا اور جہاں ضرورت پیش آتی اور جو کام دوسرے نہ کر پاتے وہ اپنی جناتی قوت سے کر جاتا۔ یہاں اترتے ہی سب نے گرم جیکٹس اور دستانے پہن لیے تھے اس کے باوجود سردی ایسی غضب کی تھی کہ اب تک ہمارے بدن لرز رہے تھے۔ ٹھنڈ ایسی تھی جیسے ہم بے لباس ہی اس برف زار میں نکل آئے ہوں۔ دن کا وقت تھا اور سورج نکلا ہوا تھا مگر درجہ حرارت شاید منفی میں تھا۔ اور پھر شمال کی طرف سے سرد ہوا چل رہی تھی۔ اوشا نے دستانوں میں ملفوف ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''بہت سردی ہے رے۔''

''یہ تو آغاز ہے۔'' میں نے خبردار کیا۔ ''آگے موسم اس سے بھی زیادہ خراب ملے گا۔''

مگر جب ہم نے چلنا شروع کیا تو جسم ذرا گرم ہوئے اور کپکپاہٹ میں کمی آئی تھی۔ ہم نے گروپ بنا لیے تھے اور آپس میں رسیوں سے منسلک تھے کیونکہ اس جگہ برف میں دراڑوں کی موجودگی عین ممکن تھی اور اگر کوئی کسی دراڑ میں گر جاتا تو رسی اسے بچا سکتی تھی۔ مزید احتیاط کے طور پر ہم ایک دوسرے سے کم سے کم دس فٹ کے فاصلے پر تھے۔ اس وقت کمانڈر مارک تھا اور وہی فیصلہ کر رہا تھا کہ ہمیں کس راستے سے آگے جانا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈیجیٹل میپ تھا اور اس پر راستے کا تعین تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ہم تقریباً سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں سے ڈیتھ زون کا آغاز ہو جاتا ہے۔ سردی، آکسیجن کی کمی اور معمولی سا حادثہ بھی جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ ہمیں ممکنہ مشکلات اور ان سے بچنے کی تدابیر سے بھی آگاہ کر رہا تھا۔ ہم غور سے اس کی بات سن رہے تھے۔ سفر کا آغاز ہوا تو پتا چلا کہ عملی مشکلات کیا ہیں؟

میرا پیشہ ہی ٹورزم تھا اور میں سیاحوں اور ٹریکرز کے لیے لاتعداد ٹریکس ترتیب دے چکا تھا اس لیے مجھے معلوم تھا کہ بلندی کی طرف جاتے ہوئے ٹریکرز یک دم زیادہ بلندی کی طرف جانے سے گریز کرتے ہیں اور وہ پہلے خود کو بلندی کا عادی بناتے ہیں اور اس کے لیے وہ اصل ٹریک سے ذرا کم بلند مقامات پر کچھ وقت گزارتے ہیں مگر یہاں ہم براہِ راست ہی سات ہزار فٹ سے سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر آ گئے تھے۔ ہمارے جسم اور پھیپھڑے اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس لیے سب ہی دقت سے سانس لے رہے تھے۔ روانگی سے پہلے سین نے سب کو جوس کی صورت میں مخصوص منرلز اور ایسے سپلی منٹس دیئے تھے جو بلندی کا موسم سہارنے کے لیے لازمی ہوتے ہیں۔ ڈیوڈ شا نے غیر معمولی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔ پہلے دو دن بعد روانگی تھی اور اچانک ہی ڈیوڈ شا نے پلان بدلا تھا۔ شاید میرے پاس موبائل کی موجودگی اور اپنے ساتھیوں سے رابطے نے ڈیوڈ شا کو مجبور کیا تھا کہ وہ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ کوئی مسئلہ ہو اور اس کا سفر پھر کھٹائی میں پڑ جائے۔

سفر بلندی کی طرف تھا اور ہم سر جھکائے اٹھتے قدموں سے چل رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں سب کے سانس پھول گئے اور اب بلاضرورت بات نہیں کر رہے تھے۔ مارک نے بتا دیا تھا کہ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد دس منٹ کا وقفہ ہوگا اور اگر کوئی مسئلہ محسوس کر رہا ہے تو بتائے تاکہ اس کا حل نکالا جا سکے۔ اگر کوئی حادثے کا شکار ہو کر شدید یا ایسا زخمی ہو جائے جس میں وہ پارٹی کا ساتھ نہ دے سکے تو مجبوراً اسے یہیں چھوڑ کر آگے بڑھنا ہوگا۔ پارٹی کسی ایک فرد واحد کے لیے نہیں رکے گی۔ یہ ڈو اور ڈائی کا کھیل تھا۔ اس میں کوئی تیسری راہ نہیں تھی۔ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھنٹے بعد جب مارک نے رکنے کا اعلان کیا تو جو جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ میرا خیال تھا کہ اوشا کی حالت سب سے خراب ہوگی مگر وہ ٹھیک دکھائی دے رہی تھی اور اس کا سانس بھی ہموار تھا۔ میری سانس تیز تھی البتہ میں اتنی تھکن محسوس نہیں کر رہا تھا۔ سب سے بری حالت ڈیوڈ شا کی تھی۔

ایک بار اس نے بتایا تھا کہ اسے دمے کا پرانا مرض تھا جو حکیم قادس نے علاج سے ٹھیک کیا تھا مگر دمے کا مریض ٹھیک ہو جائے تب بھی اس کے پھیپھڑے اس بلندی پر ٹھیک سے سانس لینے کے قابل نہیں رہتے ہیں مجھے حیرت تھی کہ وہ یہاں سانس کیسے لے رہا تھا۔ اس نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹی بوتل نکال کر نتھنوں سے لگاتے ہوئے اس کا اسپرے دبایا اور واپس رکھ لی۔ اسپرے کے بعد اس کی حالت کسی قدر بہتر نظر آنے لگی تھی۔ یہ شاید آکسیجن یا کسی دوا کا اسپرے تھا۔ دس منٹ کے وقفے کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے۔ سب کے پاس گھڑیاں تھیں جن میں وقت اور دوسری کئی چیزیں دیکھی جا سکتی تھیں۔ میری گھڑی کے مطابق سوا گیارہ بج رہے تھے۔ اب تک ہم کسی قدر ہموار جگہ سفر کرتے آئے تھے مگر اب دشوار علاقہ شروع ہوا تھا۔ یہ کوئی گلیشیر تھا جس کے دونوں طرف اونچے پہاڑ تھے اور ہمیں اس کی نرم پڑتی برف پر سفر کرنا تھا۔ دن کی تیز دھوپ میں برف نرم پڑ جاتی ہے اور رات میں یہ جمتی ہے۔

اس پگھلنے اور جمنے کے عمل سے گلیشیر میں دراڑیں جنم لیتی ہیں اور اب ہمیں دراڑوں کے اوپر سفر کرنا تھا۔ اس لیے سب میں کوہ پیمائی کے اوزار تقسیم کر دیے گئے۔ ان میں نوکدار کلہاڑیاں، کلپس اور اضافی رسّے تھے۔ کسی حادثے کی صورت میں یہ چیزیں جان بچانے میں معاون ثابت ہوتیں۔ مارک نے ان کا استعمال بھی بتایا تھا۔ خاص طور سے اگر کوئی فرد کسی دراڑ میں گر جائے اور اس کے رسّے سے منسلک افراد بھی کھنچ رہے ہوں تو وہ فوراً برف میں کلہاڑی گاڑھ دیں۔ ورنہ کھنچنے والا فرد بھی دراڑ میں جا گرے گا۔ رسیاں بھی ایک حد تک تحفظ دے سکتی تھیں۔ گلیشیر پر سفر کے آغاز پر میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔ ''باسو بہت وزنی ہے اور اس کی وجہ سے برف ٹوٹنے کا خطرہ بھی زیادہ ہے گویا یہ گرے گا اور ہمیں بھی لے جائے گا۔ ہم کسی صورت اس کا وزن نہیں سہار سکتے ہیں۔''

میرے اعتراض نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے باسو سب سے الگ سفر کرے گا۔''

اگرچہ یہ خود غرضی تھی مگر باسو حکم کا غلام تھا اگر اسے خودکشی کا حکم دیا جاتا تو وہ سوچے سمجھے بغیر اس پر عمل کرتا۔ ڈیوڈ شا کے حکم پر اس نے خود کو میری اور اوشا کی رسّی سے الگ کر دیا۔ ڈیوڈ شا کے ساتھ کرنل رسّی سے منسلک تھا جب کہ مارک، امیت اور سین ایک رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ مگر جب باسو ہم سے الگ ہوا تو ڈیوڈ نے کرنل کو حکم دیا اور وہ ہمارے ساتھ رسّی سے منسلک ہو گیا۔ باسو کو مارک اور سین کے ساتھ رہنے کو کہا تا کہ وہ لے ممکنہ دراڑ کو بھانپ لیں۔ اب زینی اور ڈیوڈ شا ایک ساتھ سفر کر رہے تھے۔ دوسری بار ہم پندرہ منٹ کے لیے رکے تو حالت زیادہ خراب تھی کیونکہ اب ہم تقریباً سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر آ گئے تھے۔ یہاں سردی زیادہ اور آکسیجن مزید کم تھی۔ ٹانگوں سے جیسے جان نکل گئی تھی اور ہم جو ہوا سینے میں بھرتے تھے اس سے برائے نام ہی آکسیجن مل رہی تھی۔ ہم تین سانس لیتے تو آکسیجن ملتی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ جس سفر کے آغاز میں یہ حال ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس میں آگے جا کر کیا ہوگا۔ میں ڈیوڈ شا سے ذرا فاصلے پر جا بیٹھا جس کا چہرہ کسی قدر عنابی ہو رہا تھا اور وہ لرزتے ہاتھوں سے نقشوں میں اسپرے لے رہا تھا۔ اسپرے لے کر وہ قدرے نارمل ہوا تھا۔ میں نے کہا۔

''ڈیوڈ شا تم نے خود کو اور سب کو کس مصیبت میں پھنسا لیا ہے۔''

''بڑے مقصد کے لیے تکلیفیں سہنا پڑتی ہیں۔''

''بھاڑ میں گیا تمہارا بڑا مقصد۔'' میں نے کسی قدر بھنا کر کہا۔ ''ہمارا کیا قصور ہے؟''

''تم لوگ مجبور ہو۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''اسی وجہ سے میرے ساتھ ہو۔''

''تمہیں معلوم ہے وادی یہاں سے کتنی دور ہے اور ہمیں کتنے دن لگ سکتے ہیں؟''

''اس بار ہم نے ممکنہ حد تک سفر فضا میں طے کیا ہے اور یہاں سے وادی صرف تین دن کی مسافت پر ہے۔ اگر ہم آسام کی فضائی اسٹرپ سے سفر کا آغاز کرتے تو یہاں تک آنے میں مزید چار دن اور لگ جاتے۔ یوں سمجھ لو کہ ہم نے سفر کا ساٹھ فیصد حصہ کم کر لیا ہے۔''

''مگر تین دن بھی بہت ہوتے ہیں مجھے راجا عمر دراز نے بتایا ہے کہ راستے میں بائیس ہزار فٹ بلند پہاڑ بھی آتے ہیں۔''

''یہ درست ہے ان پہاڑوں کو سر کرنا لازمی ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''ہم شام تک ان پہاڑوں تک پہنچ جائیں گے۔''

''میں اپنی اور اوشا کی بات نہیں کرتا لیکن کیا تم پہاڑوں کو سر کر سکو گے؟''

اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے تردد آیا مگر اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں میں اس کا تجربہ رکھتا ہوں۔''

یہ سارا دن ہم اسی گلیشیر پر سفر کرتے رہے تھے۔ بلند پہاڑ اس گلیشیر کے آخری سرے پر تھے۔ ہم شام تک ان کے دامن میں پہنچ گئے تھے۔ چھ بجے جب ہم نے پڑاؤ ڈالا تو سب ابتر حالوں میں تھے۔ تھکن، سردی اور مختلف حصوں میں درد کی کیفیت تھی۔ دوپہر کا کھانا بس ایسے ہی کھایا تھا اس میں گوشت کے ابلے ٹکڑے اور آلو کے قتلے تھے۔ یہ سب ٹن بند خوراک تھی۔ کیونکہ گرم نہیں کیا گیا تھا اس لیے سب کو یخ بستہ کھانا پڑا تھا۔ ڈیوڈ شا نے میری وجہ سے خاص طور سے حلال گوشت کے ٹن لیے تھے۔ سین کک کے فرائض انجام دیتا اور اس نے جھٹ پٹ کچن کا خیمہ لگایا اور اس میں اسٹوو آن کر لیا۔ اس کی گرمائش کے لیے سب ہی اس کے خیمے میں گھس آئے تھے۔ سفر میں پہلی بار حرارت ملی تھی اور سب اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سین نے سب سے پہلے ہمیں نوڈلز سوپ پیش کیا اس کی گرمائش نے ہمیں جیسے پھر سے زندہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد چائے اور کافی سرو ہوئی۔ ساتھ میں خستہ دیغر بسکٹ تھے۔ اس کے بعد وہ رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

مارک نے کہا۔ ''کل ہمیں پہاڑوں کو سر کرنا ہے۔''

''کیا ہم کل کے دن میں سر کر سکتے ہیں؟'' ڈیوڈ شا نے پوچھا۔

''لازمی کرنے ہوں گے ورنہ اگر پہاڑوں پر رات گزارنی پڑ گئی تو سب کے لیے بہت مشکل ہوگا۔ میرا خیال ہے اکثر لوگ اس کے عادی نہیں ہیں۔ کوئی بیمار پڑ گیا تو اس کے لیے یہاں ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے ہمیں رسک نہیں لینا ہوگا۔'' مارک نے ہماری طرف دیکھا۔ ''مجھے تو حیرت ہے کہ تم لوگوں نے آج کا دن کیسے گزار لیا۔''

''کیونکہ ہم عام لوگ نہیں ہیں۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''تم فکر مت کرو ہم میں سے کوئی نہ تو بیمار پڑے گا اور نہ ہی ہماری رات پہاڑوں پر بسر ہوگی۔ ہم کل شام انہیں عبور کر چکے ہوں گے۔''

''اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم کل صبح سویرے روانہ ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''ہم زیادہ لوگ ہیں اور سامان بھی زیادہ ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' مارک نے تائید کی۔ ''ہمیں ذہن بنا لینا ہے کہ کل ہم ان دو پہاڑوں کے دوسری طرف ہوں گے۔''

باسو کی خیمے میں گنجائش نہیں تھی اس لیے وہ پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور اسے کھانا پینا وہیں سپلائی کیا جا رہا تھا۔ کھا پی کر ذرا جان آئی تو سب کے خیمے لگائے جانے لگے۔ سب سے پہلے زینی اپنے خیمے میں گھسی تھی۔ اس کی حالت ٹھیک تھی مگر وہ اس سفر کے دوران میں چپ رہی تھی اور اس نے مجھ سے یا اوشا سے چھیڑ چھاڑ بھی نہیں کی تھی۔ درحقیقت اس سفر میں کسی کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی جو جسمانی طور پر ٹھیک تھے وہ ذہنی لحاظ سے پریشان تھے۔ یہ سب ہائی آلٹی ٹیوڈ اور بہت گرم میٹریل سے بنے ایسے خیمے تھے جن میں منفی تیس درجہ حرارت میں بھی رات گزاری جا سکتی تھی۔ ان میں ہمارے سلیپنگ بیگز رکھے گئے تھے یہ بھی بہت گرم میٹریل سے بنے ہوئے تھے اس کے باوجود لگ رہا تھا کہ اس برف خانے میں ہماری پہلی رات ہرگز سکون سے نہیں گزرے گی۔ شام ہوتے ہی درجہ حرارت یک دم خاصا گر گیا تھا اور تھرمامیٹر کا پارہ منفی سات تک آ گیا تھا۔ رات میں اس میں مزید کمی کا پورا امکان تھا۔ خیمے لگا کر سب اپنے اپنے خیموں میں گھس گئے تھے سوائے اوشا کے جو میرے خیمے میں آ گئی تھی اور یہاں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ ہم ذرا فاصلے پر ہو کر بیٹھ سکتے۔ وہ مجھ سے چپک کر بیٹھی تھی۔ مگر درمیان میں ہمارے اتنے موٹے لباس تھے کہ مجھے اس کے یوں پاس بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ اوشا نے کہا۔

''شہباز یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے؟''

اگرچہ میں اسے کسی قدر بتا چکا تھا کہ ڈیوڈ شا کی منزل کہاں ہے؟ مگر اب موقع ملا تو میں نے اسے تفصیل سے بتایا کہ ہم کہاں جا رہے تھے اور وہاں کیا کیا تھا۔ اگرچہ میں خود ہی سنائی باتیں بتا رہا تھا مگر یہ بھی اتنی حیرت انگیز اور ناقابل یقین تھیں کہ اوشا کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ اس نے کہا۔ ''شہباز سچ میں ایسی چیزیں ہیں؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے کیونکہ میں نے تو یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ کوئی لڑکی اتنی زہریلی ہو کہ جسے کاٹ لے وہ منٹوں میں مر جائے۔''

''شہباز میرا من چاہتا ہے کہ تیرے سارے دشمنوں کو مار دوں۔'' اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''یہ مجھے کتنا تنگ کرتے ہیں۔''

''قسمت کی بات بھی ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''مگر تُو ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیری زندگی اتنی ہی عزیز ہے جتنی کہ اپنی زندگی ہو سکتی ہے۔ پھر ہم یہاں عام حالات سے کٹ گئے ہیں یہاں سب کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔"

"بس یہی سوچ کر رہ جاتی ہوں کہ تجھے ٹھیک نہ لگے۔ مگر تُو صرف ایک بار اشارہ کر دے تو....."

"اوشا تُو سوچ سکتی ہے کہ میں کبھی تجھے استعمال کروں گا؟" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "میں اس قسم کا آدمی ہوتا تو کیا اتنے لوگ مجھ سے یوں بے لوث محبت کرتے؟"

اس نے سوچا اور نفی میں سر ہلایا۔ "تُو ٹھیک کہہ رہا ہے میں اور دوسرے تجھ سے اسی لیے تو محبت کرتے ہیں کہ تُو دوسروں کو اپنے جیسا سمجھتا ہے۔"

باہر کی فضا کے مقابلے میں خیمے میں موسم بہت بہتر تھا اس لیے جب رات کے کھانے کے لیے بلایا گیا تو دل پر جبر کر کے باہر نکلنا پڑا تھا۔ کچن تک جاتے جاتے برا حال ہو گیا تھا۔ مگر وہاں کی گرم فضا اور گرما گرم کھانے میں مزہ آیا۔ سب ایک جگہ ہو کر بیٹھے تھے اس لیے جسموں کی گرمی سے بھی ماحول بہتر ہوا تھا۔ سین نے اگرچہ پہلے سے تیار کھانا ہی گرم کر کے پیش کیا تھا مگر وہ بھی مزے کا لگا۔ نو بجے ہم واپس اپنے خیموں میں جا چکے تھے۔ اوشا کا خیمہ میرے خیمے کے پاس تھا اور اس کے پاس ہی ڈیوڈ شا اور باسو کے خیمے تھے۔ دوسری چیزوں کی طرح باسو کا خیمہ بھی خاص تھا۔ یہ سائز میں بڑا تھا اور اس کا سلیپنگ بیگ بھی اس کی جسامت کے لحاظ سے تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ دوسروں کے مقابلے میں اسے سردی نے اتنا متاثر نہیں کیا تھا اور وہ آرام سے تھا جب کہ ہم کانپتے تھے اور سردی سے بچنے کی کوشش کرتے تھے شاید اس کی قوت اور جسامت نے اسے سردی سے بھی محفوظ رکھا تھا۔ ڈیوڈ شا اور باسو کے ہمارے پاس رہنے کا مقصد ہماری نگرانی بھی تھا۔

حسب توقع رات بہت دیر سے نیند آئی کیونکہ سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ بہت گرم خیمہ اور سلیپنگ بیگ بھی سردی روکنے میں ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ جس وقت کچن سے نکل کر خیموں میں آئے تو موسم خطرناک ہو چلا تھا اور ہوا میں بہت تندی اور خنکی آ گئی تھی۔ یہ ہوا اوپر پہاڑوں سے اتر رہی تھی اور کسی دریا کی طرح مسلسل بہہ رہی تھی۔ اس کے بہاؤ سے خیمے کی دیواریں بج رہی تھیں۔ اس کا شور کانوں میں چبھتا تھا۔ ہمارے خیمے گلیشیر کے اوپر تھے اور نیچے سے مسلسل چٹخنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کبھی کبھی ایسی آواز آتی جیسے پانی بہہ رہا ہو اور یہ ساری آوازیں حقیقی تھیں کیونکہ گلیشیر کے سرکنے سے اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری رہتا ہے۔ دن میں جب دھوپ تیز ہو تو برف پگھل جاتی ہے اور گلیشیر کے اندر ندیاں رواں ہو جاتی ہیں رات میں یہ ندیاں جم جاتی ہیں مگر پورے طور پر نہیں بلکہ نیم پگھلی ہوئی حالت میں۔ اگلے دن گرمی سے یہ پھر پگھل کر رواں ہو جاتی ہیں۔ کئی بار ایسی آوازوں سے آنکھ کھلی اور میں دوبارہ سونے کی کوشش کرتا رہا۔ حقیقی نیند کا دورانیہ بہت کم رہا مگر جسم کو آرام مل گیا تھا۔ صبح کے قریب نیند آئی تھی کہ اٹھنے کا وقت ہو گیا۔

ڈیوڈ شا کا کہنا تھا کہ وادی یہاں سے اب صرف دو دن کی مسافت پر تھی اور جب ہم پہاڑ سر کر لیتے تو اس کے بعد ایک دن کا سفر اور تھا جس کے بعد ہم وادی کے کنارے تک پہنچ جاتے۔ صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی سب اٹھ گئے تھے۔ یہاں منہ ہاتھ دھونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سب نے تھوڑے سے گرم پانی سے چھوٹے تولیے لگا کر منہ صاف کر لیے اور برش کر کے کلی کر لی۔ اس کے بعد ناشتا ہوا اور میرا اندازہ درست نکلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب ناشتا گرم دلیہ، ابلے انڈوں اور شہد پر مشتمل نکلا۔ یہ قوت بخش ناشتا تھا جو ہمیں یہاں توانائی بھی دیتا اور سردی کا مقابلہ کرنے کے قابل بناتا۔ جب تک سورج طلوع ہوا سامان پیک کیا جا چکا تھا۔ صبح کے وقت شمال سے نہایت سرد ہوا بہہ رہی تھی اور جسم کے کھلے حصوں پر یوں لگ رہی تھی جیسے بچھو ڈنک آ مار رہے ہوں۔ سامان باندھ کر ہم آگے روانہ ہوئے کیونکہ مارک پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ اگر ہم رات سے پہلے پہاڑوں کے دوسری طرف نہ پہنچے تو رات بہت خوفناک گزرے گی۔ یہاں سردی ہمارے لیے ناقابل برداشت ہوگی۔ ڈیوڈ شا، زینی، مارک اور باسو ساتھ تھے۔ میں، اوشا، کرنل، اور سین دوسرے گروپ میں تھے۔ مگر ہمیں ایک ہی راستے سے اور پاس پاس رہتے ہوئے سفر کرنا تھا۔ گزشتہ شام تک ہم تقریباً پہاڑ کے پاس پہنچ گئے تھے اس لیے صبح جب آغاز کیا تو فوراً ہی کوہ پیمائی شروع ہوگئی تھی۔

اگر ہمالیہ سلسلے کے دوسرے پہاڑ دیکھے جائیں تو یہ دو چوٹیاں ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں۔ ماہر کوہ پیما ہنستے کھیلتے انہیں سر کر لیتے۔ میرے، سین، مارک، باسو اور کرنل کے لیے بھی زیادہ مشکل نہیں تھیں۔ مگر زینی، اوشا اور سب سے بڑھ کر ڈیوڈ شا کے لیے یہ بہت ہی مشکل تھیں۔ ہمارے گروپ میں سین سب سے آگے تھا اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے اوشا تھی سب سے آخر میں کرنل تھا۔ زینی کے بارے میں میرا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا کہ وہ ماہر کوہ پیما نہیں ہے۔ چڑھائی کے آغاز میں اس کی مہارت سامنے آنے لگی۔ وہ بہت مشکل راستوں سے بھی با آسانی گزر رہی تھی اور اس نے ثابت کیا تھا کہ وہ اس سفر کی اہل ہے۔ کرنل سب سے آخر میں تھا میں نے اس سے کہا۔ ''تم اوشا کا خیال رکھنا یہ ماہر کوہ پیما نہیں ہے۔''

''تم فی کار مت کارو۔'' کرنل نے اردو بگھارنے کی کوشش کی۔ ''میں کماری جی کا خیال رکھے گا۔''

اوشا اس کی بات پر ہنسی۔ ''میں کہاں سے کماری ہوگئی رے۔''

آج بھی اوشا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اس کے انداز میں ذرا بھی کمزوری نہیں تھی۔ ڈیوڈ شا کا کہنا درست ثابت ہو رہا تھا کہ وہ مردوں سے زیادہ ہمت والی تھی کم سے کم ڈیوڈ شا سے زیادہ ہی ہمت تھی جسے اس سفر کے آغاز میں ہی باسو کے سہارے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ باسو اسی مقصد کے لیے اس کے ساتھ تھا۔ جہاں کوئی مشکل مرحلہ آتا ڈیوڈ شا اس کی مدد سے آگے بڑھتا تھا۔ اس کے برعکس اوشا اب تک بغیر سہارے کے اوپر چڑھ رہی تھی اور اس نے کہیں بھی کسی کی مدد نہیں لی تھی۔ ڈیوڈ شا کا گروپ آگے تھا اس لیے میں انہیں بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد اصل چڑھائی شروع ہوئی تھی اب تک ہم پہلے پہاڑ کی ڈھلان پر چڑھ رہے تھے۔ ہمیں ہاتھ اور اوزار استعمال کرنے پڑے تھے مگر اب تک رسوں کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ مگر ایک گھنٹے بعد رسوں کی ضرورت پیش آ گئی۔ یہاں سے ٹیمیں بدل گئیں۔ سب سے آگے مارک اور سین ہو گئے۔ وہ راستہ دیکھ رہے تھے اور کیلیں لگا کر رسیاں باندھ رہے تھے تاکہ باقی ان کی مدد سے اوپر چڑھ سکیں۔ دوسرے ان کی طرح اوپر نہیں جا سکتے تھے۔

جیسے جیسے بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ موسم خراب اور راستہ مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ راستے تنگ اور پیچیدہ ہو گئے تھے اور دونوں ٹیمیں پاس پاس تھیں۔ پہلے ڈیوڈ شا کی ٹیم گزرتی تھی اور پھر ہماری ٹیم جاتی تھی۔ مگر پاس ہونے سے ہم تقریباً ایک ہی ٹیم ہو گئے تھے۔ زینی باسو کے تقریباً پیچھے تھی اور اس کے پیچھے میں تھا۔ بیس ہزار فٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بلندی پر ہوا تیز اور برف کے باریک ذرات اڑ رہے تھے۔ درجہ حرارت منفی پندرہ تک چلا گیا تھا اور ہماری سانسوں کے ساتھ منہ و ناک سے جو نمی خارج ہو رہی تھی وہ برف بن کر مونچھوں اور شیو پر جم رہی تھی۔ پہلے سانس لینا دشوار تھا اور اب دشوار تر ہو گیا تھا۔ ہوا جیسے خالی تھی اور ہمارے سینے دھونکنی کی طرح چل رہے تھے۔ ہر چند قدم کے بعد رک کر ہمیں سانس ہموار کرنا پڑتا تھا تب کہیں مزید آگے جانے کی ہمت پیدا ہوتی تھی۔ میری حالت بری تھی مگر مجھے اوشا کا خیال تھا اور میں بار بار مڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ میں جب بھی اسے دیکھتا تو وہ ہونٹ پھیلا کر بتاتی کہ وہ ٹھیک ہے اور مسکرا رہی ہے۔

ایک بار میں نے مڑ کر اوشا کی طرف دیکھا اور پھر پلٹنے والا تھا کہ مجھے اوپر سے چیخ کی آواز سنائی دی اور میں برفانی دیوار سے چپک گیا۔ اسی لمحے میرے پاس سے باسو گزرا۔ وہ گر رہا تھا مگر اس کی بیلٹ سے رسا بندھا ہوا تھا۔ یہ رسّی اوپر ڈیوڈ شا، مارک اور سین سے بھی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے خطرہ بھانپ لیا اور چلا کر کہا۔ ''سب اپنی جگہ چپک جائیں۔''

میں نے کلہاڑی کی نوک برف کی دیوار پر ماری تھی اور وہ اس میں گھس گئی۔ باسو کی رسّی کی حد ختم ہوئی تو ڈیوڈ شا کھنچا آیا تھا۔ زینی محفوظ رہی تھی اس لیے میں نے برف سے کلہاڑی نکال کر اس رسّی پر ماری جس سے ڈیوڈ شا بندھا ہوا تھا۔ وہ ابھی گرنے سے بچا ہوا تھا کیونکہ سین اور مارک نے برف میں اپنی کلہاڑیاں گاڑھ دی تھیں۔ باسو ایک شیلف سے لٹک رہا تھا جس کے نیچے کئی سو فٹ کی گہرائی تھی اور اگر وہ گر جاتا تو اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میری چلائی کلہاڑی نے رسّی کاٹ دی اور ڈیوڈ شا گرتے گرتے رک گیا۔ مگر باسو کو رسّی کا جو سہارا تھا وہ اچانک ختم ہو گیا۔ ایک لمحے کو لگا کہ وہ گر گیا ہے۔ مگر جب میں نے پلٹ کر نیچے دیکھا تو وہ کئی گز نیچے ایک ہاتھ سے شیلف سے لٹکا ہوا تھا۔ وہ راستے سے ہٹ گیا تھا اس لیے نیچے اوشا اور کرنل کو اس سے خطرہ نہیں تھا کہ وہ گرتے ہوئے انہیں بھی لپیٹ میں لے جائے گا۔ میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

''اپنی رسّی دو۔''

مگر وہ ساکت رہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس کی رسّی باسو تک پہنچا کر اسے محفوظ کرنا چاہتا ہوں اور وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ اگر باسو کا ہاتھ اس چھجے سے چھوٹ جاتا تو وہ گرتے ہوئے دوسروں کو بھی ساتھ لے جا سکتا تھا اس کے تقریباً پونے دو سو کلوگرام وزن کو سہارنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ میں نے پھر رسّی دینے کو کہا تو ڈیوڈ شا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسے بچانا مشکل ہے۔''

''کوشش تو کی جا سکتی ہے۔'' میں نے چلا کر کہا۔ یہاں ہوا کا شور اور دباؤ بہت زیادہ تھا اس لیے چلا کر بات کرنی پڑ رہی تھی اور ایک بار چلانے کی صورت میں سانس خلاص ہو جاتی اور دوبارہ بولنے کے لیے کم سے کم دو سانس پڑتے تھے۔ میرے دوسرے بار کہنے پر بھی جب ڈیوڈ شا نے رسّی نہیں دی تو میں نے اسے دل ہی دل میں سنائیں۔ اگر میں رسّی نہ کاٹتا تو اچھا تھا باسو اسے بھی ساتھ لے جاتا۔ مگر ایک تو اسے سنانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اور دوسرے اس میں بھی مشقت لگتی۔ میں پلٹا تو زینی نے بے چین لہجے میں کہا۔

''یہ کیا کر رہے ہو اسے بچانا بہت مشکل ہے۔''

میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور نیچے اترنے لگا۔ اس طرف راستہ نہیں تھا اور واحد چھجا تھا جس پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باسو لٹکا ہوا تھا۔ میں نے اترتے ہوئے برف میں کیلیں گاڑنا شروع کیں اور رسّی کو ان سے منسلک کرتا رہا۔ تین کیلوں کے بعد میں نے رسّی باسو کی طرف اچھال دی۔ ''اسے پکڑ لو مگر ابھی اوپر چڑھنے کی کوشش مت کرنا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

اس نے سر ہلایا اور رسّی تھام لی مگر دوسرے ہاتھ سے چھجا نہیں چھوڑا تھا وہ دونوں پر زور دیتے ہوئے خود کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ یہاں برف کی تہہ تھی اور اس میں لگی کیل ایک حد سے زیادہ وزن برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے میں زیادہ سے زیادہ کیلیں لگا رہا تھا کہ جب باسو چھجے سے اوپر آنے کی کوشش کرے تو یہ کیلیں اس کا وزن برداشت کر سکیں۔ اوشا بھی دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔ ''شہباز اگر یہ گیا تو سب کو لے جائے گا۔''

''یہ تم نے اچھا یاد دلایا۔'' میں نے کہا اور خود کو اس رسّی سے الگ کر لیا جس سے زینی، اوشا اور کرنل بندھے ہوئے تھے۔ اوشا چلائی۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''اب تم تینوں کو خطرہ نہیں ہے۔'' میں نے رسّی کے سہارے نیچے جاتے ہوئے کہا۔ اب پاؤں لگانے کی جگہ نہیں تھی اور میں پہاڑ سے لپٹا ہوا تھا۔ میرے پاس کل چھ کیلیں تھیں۔ یہ سات آٹھ انچ لمبی تھیں۔ ان کے سروں پر رنگ بھی لگے تھے جن سے رسّی یا کلپ منسلک کیے جا سکتے تھے۔ اوشا چلا چلا کر مجھے واپس آنے کو کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے خود کو رسّی سے الگ کرنے کی کوشش کی مگر کرنل نے اسے روک لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اوشا زہریلی ہے اور اسے غصہ آ گیا تو وہ اسے ہی کاٹ لے گی اس لیے اس نے حکمتِ عملی کا مظاہرہ کیا اور اسے سمجھانے لگا کہ وہ اپنی جگہ رہے کیونکہ وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ کرنل میری مدد کر سکتا تھا اس لیے وہ میری مدد کو جائے گا۔ اوشا مان گئی اور کرنل رسّی سے الگ ہو کر آگے آیا۔ اس دوران میں باسو کوشش کر کے اپنا دوسرا ہاتھ بھی چھجے تک لے آیا تھا۔ اب وہ کسی قدر محفوظ تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''جب میں کہوں تم اوپر آنے کی کوشش کرو گے۔ میں اتنا کر سکتا ہوں کہ رسّی کو تھامے رکھوں۔''

باسو نے سر ہلایا۔ اس مشکل ترین صورتِ حال میں بھی اس کا چہرہ جیسے جذبات سے عاری تھا۔ اور یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی جان کو خطرہ نہ ہو۔ بلکہ یہ سب کسی کھیل کا حصہ ہو۔ جسمانی بڑھوتری نے اسے ذہنی طور پر پیچھے کر دیا تھا اور وہ صرف حکم ماننے اور سمجھنے والا روبوٹ بن کر رہ گیا تھا۔ میں نے آخری کیل چھجے سے کوئی چار گز اوپر لگائی اور رسّی ان سات کیلوں سے منسلک تھی جو یکے بعد دیگرے بندھی تھیں۔ بہ ظاہر یہ خاصا مضبوط سہارا تھا مگر جب میں باسو کے وزن کو دیکھتا تو میرا اعتماد ڈانواں ڈول ہو جاتا کہ یہ کیلیں میرا اور باسو کا بوجھ برداشت کر سکیں گی؟ میں بہت بڑا رسک مول لے رہا تھا۔ آخری کیل لگانے کے بعد میں ایک چھوٹی سی جگہ کھڑا تھا یہاں سے نیچے دائیں طرف چھجا تھا اور میرے قدموں تلے لامتناہی خلا تھا۔ میں نے ایک بار رسّی کو کھینچ کر کیلوں کی جانچ کی اور پھر باسو سے کہا۔ ''اوپر آ جاؤ۔''

اس نے سر ہلایا اور اوپر چڑھنے کی کوشش کی۔ یہ اس کی غلطی تھی اسے چھجا چھوڑ کر پہاڑ کی دیوار سے چپک جانا چاہیے تھا اور پھر رسّی کے سہارے اوپر آنا چاہیے تھا۔ مگر اس نے چھجے پر چڑھنے کی کوشش کی جب تک میں اسے خبردار کرتا۔ اس کے وزن سے برف کا چھجا خوفناک آواز کے ساتھ ٹوٹا اور باسو جھٹکے سے نیچے گیا۔ اس کا پورا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وزن رسّی پر آیا تھا اور رسّی کھنچی۔ اس کے ساتھ ہی میرے نزدیک لگی کیل برف سے نکل گئی۔ پھر دوسری اور تیسری کیل بھی نکل گئی۔ اس دوران میں جھٹکے کا زور ختم ہو گیا تھا اس لیے باقی کیلیں پوری طرح باہر تو نہیں آئیں لیکن وہ بھی نکلنے لگے تھیں۔ اولین جھٹکے نے میرے قدم بھی اکھاڑ دیئے تھے اور میں اس جگہ کھڑا ہوا ڈگمگا رہا تھا۔ اگر میں گر جاتا تو میرا اور باسو کا مشترکہ وزن لازماً باقی کیلوں کو بھی نکال دیتا۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میرا توازن درست نہیں تھا اور میں آگے کی طرف جا رہا تھا۔ بالآخر میرا توازن مکمل طور پر خراب ہوا اور میں آگے کی سمت گیا تھا۔

○.....❖.....○

سامنے موت تھی اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا جب موت کا سامنا ہوا تھا۔ بارہا میں اس مرحلے سے گزر چکا تھا اور عین موقع پر قدرت نے میری مدد کی کیونکہ وہ وقت نہیں آیا جسے میرے لیے لمحہ اجل کہا جا سکتا۔ مگر اس وقت سامنے کچھ نہیں تھا ایک بار میں جا تا تو خلا میں جاتا اور پھر اس وقت کچھ دیر کے لیے رکتا جب رسّی کھنچ جاتی۔ اس کے بعد باقی کیلیں بھی نکل جاتیں اور پھر سینکڑوں فٹ تک کوئی روک نہیں تھی۔ میں آگے کی طرف جھک رہا تھا کہ اچانک کوئی چیز سر کے پیچھے سے دونوں طرف سے آئی اور میرے سینے سے لپٹ گئی اس کے ساتھ ہی میں واپس دیوار سے چپک گیا۔ میرا سانس جو ایک لمحے کو رک گیا تھا وہ پھر سے چل پڑا مگر مجھے یقین کرنے میں کچھ لمحے لگے تھے کہ ابھی اجل نہیں آئی ہے۔ آتے آتے رہ گئی تھی۔ میرے سینے سے لپٹنے والی دو چیزیں دو عدد ٹانگیں تھیں اور یہ ٹانگیں زینی کی ثابت ہوئیں۔ وہ اپنی رسّی کے ساتھ پھسلتی ہوئی مجھ تک آئی اور اس نے بروقت عقب سے ٹانگیں ڈال کر مجھے واپس کھینچ لیا۔

مگر خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا۔ باسو رسّی سے جھول رہا تھا اور اوپر موجود چار کیلیں اپنی جگہ چھوڑ رہی تھیں۔ زینی نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز رسّی کھول دو۔''

پہلے میں سمجھا کہ وہ باسو کی رسّی کاٹنے کی بات کر رہی ہے مگر فوراً ہی میری سمجھ میں آ گیا کہ وہ میری رسّی کی بات کر رہی تھی۔ میں نے تیزی سے خود کو رسّی سے الگ کیا۔ اب صرف باسو کا وزن تھا۔ مگر وہ بھی کم نہیں تھا۔ میں نے اوپر دیکھا رسّی الگ کرنے کے بعد اب کیلوں سے میرا تعلق نہیں رہا تھا اور میں ان کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ باسو اپنے کیلوں والے جوتے برف میں مار کر خود کو نیچے جانے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نکلتی کیلوں کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اسی دوران میں کرنل وہاں تک آ گیا۔ اس نے پہلی کیل کو ہتھوڑی سے ٹھونک کر واپس لگایا اور پھر اوپر سے ایک رسہ اور نیچے پھینکا۔ اسے باسو نے اپنی بیلٹ سے باندھ لیا۔ کرنل واپس نیچے کی طرف گیا تھا اور دوسری رسّی کی مدد سے باسو کو جھلاتے ہوئے واپس راستے پر کھینچ لیا۔ یہ آسان کام تھا ورنہ صرف رسّی سے باسو کو اوپر کھینچنا بہت مشکل کام تھا خود اس کے لیے اوپر چڑھنا آسان کام نہیں تھا۔

''اب تو جان چھوڑو۔'' میں نے شانوں پر سوار زینی سے کہا۔ اوشا اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں خود بھی اس سواری سے خفت محسوس کر رہا تھا۔

''یہ صلہ ہے جان بچانے کا۔'' وہ شوخی سے بولی اور رسّی کے سہارے اوپر سرک گئی۔ میں کیلوں سے بندھی رسّی کے سہارے واپس راستے پر آیا۔ باسو نیچے سے آ رہا تھا۔ میرے پاس سے گزرتے ہوئے وہ ایک لمحے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے میرے پاس رکا مگر کچھ کہے یا تاثر دیئے بغیر اوپر چلا گیا۔ وقت پہلے ہی کم تھا اور اس چکر میں تقریباً آدھا گھنٹہ اور ضائع ہوا تھا اس لیے فوری طور پر سفر شروع کیا گیا تھا۔ جیسے جیسے ہم اوپر جا رہے تھے۔ راستہ دشوار اور موسم خوفناک ہوتا جا رہا تھا۔ گیارہ بجے ہم نے چوٹی تک رسائی حاصل کر لی تھی اور اب دوسری طرف اتر رہے تھے۔ درحقیقت ہم دوسری طرف نہیں اتر رہے تھے بلکہ ایک تنگ پل سے ہوتے ہوئے دوسری چوٹی کی طرف جا رہے تھے۔ اصل اترائی اس کے بعد تھی۔ تقریباً ایک کلومیٹر پر مشتمل یہ پل بعض ایسی جگہوں سے بھی گزرا جہاں اس کے دونوں طرف ہزاروں فٹ تک سیدھی گہرائی تھی۔

ان جگہوں سے بہت احتیاط سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ باقی پل آسان تھا۔ اس پر سفر کرتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے آسمان کے ساتھ لگ کر کسی خلا میں سفر کر رہے ہیں۔ یہاں سفر کے آغاز میں، میں نے اوشا کو ساتھ رکھا تھا اور مشکل مقامات پر اسے سہارا دیتا تھا۔ سفر کے شروع میں میری حالت اچھی نہیں تھی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہتر ہوتی گئی تھی۔ شاید میں اس ماحول اور بلندی کا عادی ہو رہا تھا۔ البتہ اوشا اب تھکی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کی رفتار کم تھی اور بعض جگہوں پر اسے مدد کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس کے چہرے کی سرخی اب کم ہو گئی تھی۔ لنچ ہم نے اسی پل پر کیا اور جب دوسری چوٹی کے پاس پہنچے تو تین بج رہے تھے اور ابھی ہمیں اس کی ڈھلان پر طویل سفر کرنا تھا۔ ڈیوڈ شا کی حالت میری توقع سے کم خراب تھی مگر اسے اچھا بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بیشتر سفر اس نے باسو اور مارک کے سہارے طے کیا تھا۔ آرام کے وقفوں میں وہ سب سے الگ اور خاموش بیٹھا رہتا تھا۔

لنچ کے دوران میں، میں نے کرنل سے کہا۔ ''اگر ہم رات سے پہلے دوسری طرف نہ اتر سکے تو ڈھلان پر رات گزارنے کے لیے ہمارے پاس کیا ہے؟''

''کچھ خاص نہیں ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''صرف ڈیوڈ شا کے لیے ایک خاص خیمہ اور سلیپنگ بیگ ہے۔ وہ یہاں کی سردی برداشت نہیں کر سکے گا۔''

''اور کیا ہم کر لیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم سب جوان اور فٹ ہیں۔''

''اوشا اس ماحول کی عادی نہیں ہے اور وہ عورت ہے۔''

''ڈیوڈ شا کا کہنا ہے کہ اس کے جسم میں موجود زہر اسے سردی سے محفوظ رکھے گا اور تم نے دیکھا کہ اس نے کسی بھی موقع پر کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا۔''

''ٹھیک ہے اس کا زہر اسے سردی سے بچائے گا مگر یہ پُرمشقت سفر تو اسے اپنے جسم کے بل بوتے پر ہی کرنا ہے۔''

کرنل نے میری طرف دیکھا۔ ''تم بیکار کی بحث کر رہے ہو۔ اب ہم نصف راستہ طے کر چکے ہیں۔ پرسوں صبح تک ہم وادی کے کنارے پہنچ جائیں گے۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں نے گہری سانس لی۔ اب یہ بحث بیکار تھی اور مجھے سوچنا تھا کہ آگے کیا حالات ہوں گے اور مجھے خود کو اور اوشا کو کیسے محفوظ رکھنا تھا۔ مگر میں مجبور تھا۔ اول تو میرے پاس کوئی اختیار نہیں تھا اور نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی اپنی یا اوشا کی حفاظت کے لیے کوئی ہتھیار تھا۔ پھر یہاں پیش آنے والے خطرات فطرت کے تھے اور ان سے مقابلہ مشکل تھا۔ اس معاملے میں میرا ذہن صاف تھا کہ اگر مجھے راستے میں کوئی موقع ملا تو میں اس سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ میں اپنی اور اوشا کی زندگی کے لیے ڈیوڈ شا یا اس کے ساتھیوں پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ دوبارہ سفر کے آغاز میں، میں نے موقع پا کر اوشا کو بھی یہ بات سمجھا دی تھی اور وہ خوش ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''کاش کہ تُو پہلے یہ سوچ لیتا۔ جب وہ دیوگر اتھا تب موقع تھا۔''

''نہیں تب موقع نہیں تھا، تُو نے دیکھا نہیں کسی کو اس کی پروا نہیں تھی۔ جب میں اس کی مدد کو گیا تو کرتل آیا تھا۔''

''تُو ٹھیک کہہ رہا ہے رے۔'' اوشا ہانپتے ہوئے بولی۔ ''یہ بہت کھودگر ز ہیں۔''

تین بجے کے بعد ہم نے بہت دور تک پھیلی ڈھلان پر اترنا شروع کر دیا تھا یہاں ہمیں زیادہ اترنا تھا اور نیچے موجود میدان میرے حساب سے سطح سمندر سے بارہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھا۔ مگر یہاں مستقل برف جمی رہتی تھی کیونکہ یہ جگہ ہمالیہ کے عین وسط میں تھی۔ اس اترائی کے دوران میں ڈیوڈ شا ایک جگہ رک گیا تھا اور وہاں برف سے نکلی کسی چیز کا معائنہ کر رہا تھا۔ مارک اور سین بھی اس کے پاس موجود تھے۔ زینی ذرا فاصلے پر تھی۔ میں اور اوشا ان کے پاس پہنچے تو حسب عادت زینی نے لگاوٹ بھرے انداز میں پوچھا۔ ''کیسے ہو ہینڈسم؟''

''میں ٹھیک ہوں لیکن یہ کیا چکر ہے؟''

اس نے شانے اچکائے اور نارمل لہجے میں بولی۔ ''اسنو مین کی لاش ہے۔''

''اسنو مین؟'' میں حیران ہوا۔ ''تم اتنے نارمل انداز میں بتا رہی ہو۔''

''ہاں مجھے صرف مین سے دلچسپی ہے اسنو مین سے نہیں۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو میں اس کے واہیات جملے پر جز بز ہوتا ہوا ڈیوڈ شا کے پاس آیا تو جو برف سے جھانکتی اسنو مین کی لاش کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ یہ اسنو مین ہی تھا۔ میرے جسم میں سنسنی کی لہری دوڑ گئی۔ زندگی میں پہلی بار میں اس افسانوی مخلوق کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے بارے میں لاتعداد کہانیاں لکھی جا چکی تھیں اور جو بے شمار مووی کا مرکزی کردار تھا۔ چہرہ انسانی ہی تھا مگر رخساروں تک بالوں کی لہر آ رہی تھی۔ کسی قدر پھیلی ناک اور تنگ ماتھا تھا۔ آنکھیں نیم وا تھیں اور ان میں انسانی آنکھوں جیسے ڈیلے تھے۔ کسی قدر کھلے منہ سے انسانوں جیسے ہموار دانت جھلک رہے تھے۔ مگر اس کا چہرہ عام انسانی چہرے سے کم سے کم دوگنا بڑا تھا۔ راجا عمر دراز نے اپنے حوالے سے اس کے بارے میں مجھے بتایا تھا اور مجھے اس کے کہے ایک ایک لفظ پر یقین تھا مگر جو یقین اپنی آنکھ سے دیکھ کر ہوتا ہے وہ مجھے اس وقت ہوا تھا۔ برف سے اسنو مین کا سر اور دائیں شانے کا کچھ حصہ جھانک رہا تھا۔ سب اس کی تصویریں لے رہے تھے۔ بلکہ مارک اور سین منصوبہ بنا رہے تھے کہ واپسی میں اس کا سر کاٹ کر لے جائیں گے تاکہ ہمارے پاس برفانی آدمی کے بارے میں حتمی ثبوت ہو۔ مگر میں کچھ اور..... سوچ رہا تھا۔ میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

''تم نے سوچا کہ یہ یہاں موجود ہیں؟''

ڈیوڈ شا نے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ دوسرے اسنو مین کی موجودگی بھی ممکن ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل جہاں ایک ہوسکتا ہے وہاں دوسرا کیوں نہیں ہوسکتا؟''

ڈیوڈ شا نے سر ہلایا۔''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''دوسرے میں نے اس درندے کے بارے میں راجا عمر دراز سے تفصیل سے سنا ہے۔ ہماری خوش قسمتی کہ ہمارا واسطہ ایک مردہ اسنوبین سے پڑا ہے۔ دوسری صورت میں ہم بہت بڑی مصیبت میں پڑ سکتے تھے۔ بلکہ اب بھی پڑ سکتے ہیں۔''

ڈیوڈ شا نے کرنل کی طرف دیکھا۔ وہ اس کا اشارہ شناس تھا اس نے سر ہلا کر ڈیوڈ شا کو اطمینان دلایا کہ وہ اس معاملے میں بے فکر رہے۔ فوٹو سیشن کے بعد دوبارہ سفر شروع ہوا اور مارک نے ایک سرخ جھنڈی پانچ فٹ لمبی ایک اسٹک پر اسنوبین کے پاس لگا دی تھی تا کہ نشانی رہے۔ اس کا پورا امکان تھا کہ برف باری سے اسنوبین چھپ جائے گا۔ ہم نے ڈھلان پر دوبارہ سفر شروع کیا۔ پانچ بجے کے بعد ڈھلان نسبتاً آسان ہوگئی تھی۔ اس لیے اترنے کی رفتار تیز ہوگئی تھی اس کے باوجود سات بجے جب اندھیرا ہوا تو ہم ابھی ڈھلان پر ہی تھے اور آلٹی میٹر کے مطابق بلندی چودہ ہزار فٹ تھی۔ ڈیوڈ شا نے فیصلہ کیا کہ سفر جاری رہے گا جب تک ہم بارہ ہزار فٹ کی بلندی تک نہیں پہنچ جاتے۔ اس سے اوپر رات گزارنا اس کے لیے مسئلہ بن جاتا۔ پہاڑوں کے دوسری طرف آنے کے بعد کم سے کم مجھے موسم اتنا سخت نہیں لگ رہا تھا۔ بہر حال ابھی تو رات کا آغاز تھا اور شاید رات کو سردی کی شدت بڑھ جاتی۔

اوشا نے اسنوبین دیکھا تھا اور سہم گئی تھی۔ اس نے سفر کے دوران میں مجھ سے کہا۔''ایک بار بابا نے اس کے بارے میں بتایا تھا۔''

میں چونکا۔''اسے کیسے پتا چلا؟''

''بابا جڑی بوٹیوں کے لیے پہاڑوں میں بھی جاتا تھا وہیں اسے ایک بار یہ برف والا آدمی ملا تھا۔ اس نے بابا پر حملہ کیا مگر بابا بچ گیا تھا۔'' اوشا نے انکشاف کیا۔

''میں نے اس کے بارے میں سنا ہے لیکن دیکھا آج پہلی بار ہے۔''

''اچھا ہے رہے مرا ہوا تھا ورنہ سب کو پتا چل جاتا۔'' اوشا نے کہا۔ تاریکی کی وجہ سے ایمرجنسی لائٹس نکال لی گئی تھیں اور ان کی روشنی میں سفر ہو رہا تھا۔ سب کے پاس ایک ایک لائٹ تھی۔ ہم اپنا راستہ خود دیکھ بھال کر اتر رہے تھے۔ پورا دن سفر نے سب کا حشر کر دیا تھا اور دو پہاڑ سر کرنا تو اچھے خاصے کوہ پیماؤں کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ مگر ہم اس کے بعد بھی سفر کے لیے مجبور تھے۔ آٹھ بجے ہم تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے آچکے تھے۔ تقریباً سب کا تھکن سے برا حال تھا مگر اوشا کی حالت بری تھی۔ وہ میرا سہارا لے کر چل رہی تھی اور اس کے قدم بہت مشکل سے اٹھ رہے تھے۔ میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

''اب ہمیں رک جانا چاہیے۔ سب تھک گئے ہیں۔''

خود ڈیوڈ شا کی حالت اچھی نہیں تھی اور وہ بہت مشکل سے سانس لے رہا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے انکار کیا۔''ابھی نہیں..... بارہ ہزار فٹ کے بعد.....''

''اس کے لیے ہمیں ایک گھنٹہ اور سفر کرنا پڑے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بارہ ہزار فٹ سے نیچے۔'' ڈیوڈ شا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔ سب سفر کر رہے تھے مجبوراً مجھے اور اوشا کو بھی آگے بڑھنا پڑا۔ کرنل کے پاس گھڑی میں آلٹی میٹر تھا اور اس سے بلندی کا پتا چل رہا تھا۔ باسو نے اب مستقل ڈیوڈ شا کو اپنے شانے پر اٹھا لیا۔ گویا وہ ٹھاٹ سے سفر کرتا اور ہم اپنے پیروں کو گھسیٹتے۔ اوشا کی حالت ٹھیک نہیں تھی اور وہ لڑکھڑا رہی تھی۔ میں اسے مستقل سہارا دے رہا تھا۔ پھر میں نے اس کا بیگ لے لیا اس نے منع کیا مگر مجھے لگ رہا تھا کہ اب اس میں سکت باقی نہیں رہی ہے۔ بیگ اتارنے کے باوجود مجھے اوشا کو سہارا دینا پڑ رہا تھا۔ چلنے کے دوران میں اوشا ہانپتے ہوئے ڈیوڈ شا کو اپنی زبان کی منتخب گالیوں سے نواز رہی تھی جو خود تو باسو کے شانے پر سوار تھا اور ہمیں پیدل خوار کر رہا تھا۔ میں اوشا سے متفق تھا مگر میں نے کہا۔

''اپنی سانس مت ضائع کرو۔''

آٹھ بجے کے بعد ہم ایک سیدھی جگہ پہنچے جو سوا بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھی۔ ڈیوڈ شا نے یہاں قیام کا فیصلہ کیا اور رکتے ہی جو جہاں تھا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ سین کی حالت بھی اچھی نہیں تھی مگر اس کی مجبوری تھی کہ اسے کک کا کردار بھی ادا کرنا تھا۔ اس نے باورچی خانے والا خیمہ لگایا اور اندر کھانا بنانے کا سامان کرنے لگا۔ سب سے پہلے ہم نے انرجائل کے گلاس پیئے اور ہماری جان میں جان آئی۔ اس کے بعد قواعد کے مطابق پہلے نوڈلز اور پھر چائے آئی۔ سوائے باسو کے سب کچن میں سمٹ آئے تھے۔ گرم ماحول نے بھی ہماری مدد کی۔ گرما گرم ڈنر نے خاصی حد تک آج کی تھکن کا مداوا کر دیا تھا۔ اس لیے جب سب اپنے اپنے خیموں اور سلیپنگ بیگز میں گھسے مطمئن تھے۔ اوشا نے مجھ سے کہا۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے رے، میں تیرے پاس ہی رہوں گی۔''

''تمہارا خیمہ پاس ہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ڈر کس بات کا ہے؟''

''برف والے آدمی کا۔''

میں نے تسلی دی۔ ''وہ تو مرا ہوا تھا۔''

''ہاں پر اس جیسے اور بھی تو ہوں گے۔'' اس نے بھی وہی کہا جو میرے ذہن میں تھا۔ ''ایک یہاں ہے تو اور بھی یہیں ہوں گے۔''

''تم فکر مت کرو ان کے پاس ہتھیار ہیں اگر برفانی آدمی آیا تو یہ اس سے نمٹ سکتے ہیں۔''

''میں کسی کو نہیں جانتی رے بس تجھ پر بھروسا ہے۔''

''تو جانتی ہے میں نے بھی ہمیشہ اپنے زور بازو پر بھروسا کیا ہے لیکن اصل بھروسا مجھے اللہ کی ذات پر ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اپنے لیے بھی اور تیرے لیے بھی اسی پر بھروسا کرتا ہوں۔''

''میں اپنے بھگوان کو جانتی ہی نہیں ہوں رے۔'' اس نے حسرت سے کہا۔ ''تم اپنے بھگوان پر کیسے اتنا اعتماد کرتے ہو۔''

''یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ اس نے اعتماد دیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب سو جا صبح پھر سفر کرنا ہے اور پتا نہیں کتنی دور جانا ہے۔''

اوشا اپنے خیمے میں گھس گئی اس کا خیمہ میرے اور باسو کے خیمے کے درمیان میں تھا۔ سب سو گئے تھے لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باسو جاگ رہا تھا۔ وہ اپنے خیمے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لازمی بات تھی کہ اس کی ڈیوٹی ڈیوڈ شا نے لگائی تھی کہ وہ سونے کی بجائے میری اور اوشا کی نگرانی کرے۔ میں اپنے سلیپنگ بیگ میں گھسا اور ایک منٹ میں سو گیا تھا۔ رات کسی وقت ایک طویل چیخ سے میری آنکھ کھلی تھی۔ چیخ کی گونج اس وقت بھی باقی تھی اور یہ خاصی دور سے آتی ہوئی لگ رہی تھی۔ میں یہ سوچتے ہوئے دوبارہ سو گیا کہ چیخ کسی جاندار کی ہے یا ہوا کی آواز ہے۔ پہاڑوں اور برفانی میدانوں میں ہوا بھی ایسی آوازیں نکالتی ہے جن پر انسانی یا جانوروں کی آوازوں کا گمان ہوتا ہے۔ صبح میری آنکھ خود بخود چھ کے آس پاس میں کھل گئی اور اس کی وجہ مثانے پر آنے والا دباؤ تھا۔ مگر جب میں باہر آیا تو کرنل اور باسو کو ہمارے کیمپ سے ذرا دور ایک جگہ کھڑے دیکھا۔ وہ جھک کر زمین کا معائنہ کر رہے تھے۔ سین جاگ کر کچن کی طرف جا رہا تھا اور میں نے ایک ٹیلے کا رخ کیا۔ وہاں سے واپس آیا تو کرنل اور باسو واپس آتے دکھائی دیئے۔ مجھے لگا کہ کرنل کسی قدر فکرمند تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے موسم سے زیادہ سرد لہجے میں کہا اور ڈیوڈ شا کے خیمے کی طرف چلا گیا۔ وہ اب تک خیمے سے برآمد نہیں ہوا تھا۔ اوشا نکلی اور اسے بھی رفع حاجت کا مسئلہ تھا میں اسے ٹیلے تک لے گیا۔ واپسی میں ہم براہ راست کچن میں آئے کیونکہ اس وقت ایک وہی جگہ تھی جو گرم ہو سکتی تھی۔ اندر آ کر ہمیں سکون ملا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر اس سے کہیں زیادہ سردی تھی جتنی کہ ہمالیہ کی ڈھلانوں پر ہو سکتی تھی۔ وہاں اس وقت بارہ ہزار فٹ بلند کئی جگہوں پر برف پگھل چکی ہوتی ہے اور گھاس پھونس، کائی اور چھوٹے پھولوں والے پودے بھی نکل آتے ہیں۔ یہاں سوائے برف کے کچھ نہیں تھا اور یہ سخت جمی ہوئی برف تھی۔ سین نے پہلے سب کو گرم کافی مہیا کی۔ ڈیوڈ شا کے لیے کافی اس کے خیمے میں بھجوا دی گئی تھی۔ وہ وہاں سے نہیں نکلا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ کل کا سفر اس نے جیسے تیسے کر لیا تھا مگر اس کے بعد اس کی حالت خراب ہوئی تھی۔ شاید اسی لیے وہ اب تک اپنے خیمے سے نہیں نکلا تھا۔ مگر جب ہم ناشتے سے فارغ ہو کر باہر آئے تو ڈیوڈ شا خیمے کے پاس اپنے بیگ پر بیٹھا ہوا شیو بنا رہا تھا۔ شیو وہ روایتی انداز میں استرے سے بنا رہا تھا اور خشک شیو کر رہا تھا کیونکہ پانی یا جھاگ فوراً جم جاتا ہے۔ میں اس کے پاس چلا آیا وہ مجھے دیکھ کر خفیف سا مسکرایا اور خوشگوار لہجے میں بولا۔

''ہیلو شہباز کیسے ہو؟''

''فائن اور مجھے تم نے بھی حیران کیا ہے۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ تم آج صبح خیمے سے برآمد ہو سکو گے۔''

''یہ سفر میری زندگی کا مقصد ہے اور اپنے مقصد کے لیے آدمی اس سے بھی زیادہ مشکلات برداشت کرتا ہے۔'' ڈیوڈ شا نے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے کل بہت بڑا خطرہ مول لیا۔''

''یہ میری عادت ہے۔ صرف باسو نہیں کوئی بھی شخص حد یہ کہ اگر تم بھی کسی مشکل سے دوچار ہو گے تو میں سوچے سمجھے بغیر تمہاری مدد کروں گا۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''برف والے نے تمہیں ایسے ہی طلب نہیں کیا ہے۔ تم صاحب کردار آدمی ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سرد آہ بھری۔ ''کاش کہ میں ذرا بدمعاش ہوتا تو ان چکروں میں نہ پڑتا۔''

''یہ سب نصیب کے کھیل ہیں۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم قسمت اور تقدیر جیسے الفاظ پر یقین رکھتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''کون نہیں رکھتا ہے میں بھی رکھتا ہوں لیکن اپنے انداز میں۔''

میں ہنسا۔ ''تم مغرب والوں کی فطرت میں سمجھنے لگا ہوں تم لوگ تقدیر بھی اپنے مطلب کی چاہتے ہو اور یہ بھول جاتے ہو کہ تقدیر بنانے والا کوئی اور ہے۔''

ڈیوڈ شا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ جب تک ہم نے سامان باندھا ڈیوڈ شا نے ناشتہ کیا۔ اس دوران میں کرنل ایک بار پھر اسی طرف گیا تھا جہاں وہ اور باسوصبح کے وقت دکھائی دیئے تھے۔ جب وہ واپس آیا تو میں ٹہلنے کے انداز میں اس طرف گیا۔ ابھی میں ذرا آگے گیا تھا کہ کرنل نے آواز دی۔ ''تم کہاں جا رہے ہو۔''

''میں بھاگ نہیں رہا۔'' میں نے مڑے بغیر جواب دیا۔ ''ذرا ٹہل رہا ہوں۔''

''ہمیں روانہ ہونا ہے۔''

''جب روانہ ہو گے تو مجھے اپنے ساتھ ہی پاؤ گے۔'' میں نے پیش قدمی جاری رکھی۔ کرنل نے پھر مجھے رکنے کو کہا اور جب میں نہیں رکا تو وہ میرے پیچھے آیا تھا۔ اس جگہ کے عین قریب پہنچ کر اس نے میرا راستہ روک لیا اور درشت لہجے میں بولا۔

''تم سنتے کیوں نہیں ہو؟''

''تم بیکار میں میرا پیچھا کر رہے ہو۔'' میں نے رخ واپس کیمپ کی طرف کر لیا اور چلنے لگا۔ کرنل میرے ساتھ آ گیا۔

''تم ضدی آدمی ہو۔''

''میں نے دیکھ لیا ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے تھے۔''

کرنل بھی سمجھ گیا تھا کہ میں نے دیکھ لیا ہے تب ہی میں پلٹ کر آیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر تم کسی سے کہو گے تو اس سے صرف پینک پھیلے گی۔''

''یہ خطرے کی بات ہے برفانی آدمی ہمارے کیمپ تک چلا آیا ہے اور اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔''

''تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔''

''اس کے برف پر بنے پیروں کا رخ کیمپ کی طرف تھا اور وہ مخالف سمت سے آیا تھا پھر اسی سمت واپس چلا گیا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے اس نے رات کو حملہ کیوں نہیں کیا؟''

''کوئی جاگ رہا ہو گا اور وہ اکیلا بھی تھا اس نے خیموں سے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ ہماری تعداد زیادہ ہے۔ جہاں تک میں نے اس مخلوق کے بارے میں سنا ہے کہ یہ عقل رکھتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے وہ آس پاس ہی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل اور ہماری نگرانی کر رہا ہوگا۔ شاید کہیں گھات لگا کر بیٹھا ہو۔''

میری اس گفتگو کے نتیجے میں روانگی کے وقت کرنل اور باسو کے پاس شاٹ گن نظر آنے لگی تھی۔ اوشا میرے پاس تھی اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تُو اس طرف کیوں گیا تھا رے؟''

''رات کیمپ کے پاس برفانی آدمی آیا تھا۔ وہاں اس کے پیروں کے نشان ہیں۔'' میں نے بتایا تو اوشا کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''میں نے تجھے کہا تھا نا؟''

''ہاں لیکن ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اور کسی سے کہنا بھی مت۔''

اس کا منہ بن گیا۔ ''لے تیرے سوا کس سے بات کرتی ہوں رے۔''

''مطلب یہ کہ میرے ساتھ بھی کسی اور کے سامنے برفانی آدمی کا ذکر مت کرنا۔''

''نہیں کروں گی رے پر مجھے لگتا ہے یہ بات چھپی نہیں رہے گی۔''

وہ درست کہہ رہی تھی اور کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ سب ہی جان گئے تھے کیونکہ زینی ڈیوڈ شا سے بات کر رہی تھی اور مارک وسین آپس میں محوِ گفتگو تھے اور سب کا انداز پُر اسرار سا تھا۔ باسو اور کرنل خاموش تھے کیونکہ وہ پہلے سے جانتے تھے۔ جب ہم نے سفر شروع کیا تھا تو ہمارے پاس کوئی دو سو کلوگرام وزن تھا مگر اب اس میں کوئی پچیس کلوگرام کی کمی آئی تھی۔ استعمال ہونے والی اشیاء خوراک، ایندھن اور آکسیجن کی بوتلیں تھیں۔ کم ہونے والا وزن سب میں برابر کی شرح سے تقسیم کر دیا گیا تھا اور سب ہی کسی قدر ہلکے ہوئے تھے۔ سامان میں اصل وزن خوراک کا ہی تھا جو سو کلوگرام سے اوپر بنتا تھا۔ سو کلوگرام دوسرا سامان تھا۔ اگر واپسی کا سفر ہمارے نصیب میں ہوتا تو ہم بہت ہلکے ہو کر واپس جاتے۔ ذاتی سامان اس دو سو کلوگرام کے علاوہ تھا۔ میں اور اوشا صرف اپنا سامان اٹھائے ہوئے تھے اس لیے میں نے اوشا کا بیگ بھی سنبھال لیا تھا۔

اب ہم ایک ٹیم کی صورت میں سفر کر رہے تھے۔ مگر آپس میں فاصلہ رکھا تھا کیونکہ یہاں کچھ پتا نہیں تھا کہ برف تلے کوئی خلا موجود ہو اور ہمارے وزن سے برف ٹوٹ جائے۔ سب آپس میں رسّی سے منسلک تھے۔ آج صبح سے آسمان پر بادل تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے برف باری ہوگی یا ہلکا طوفان آئے گا۔ ہم سات بجے روانہ ہوئے تھے اور نو بجے جب پہلا وقفہ آیا تھا تو ہوا میں تیزی آگئی۔ آدھے گھنٹے بعد روانہ ہوئے تو آگے بڑھنے کے لیے باقاعدہ زور لگانا پڑ رہا تھا، ہوا ہمیں پیچھے دھکیل رہی تھی۔ بعض اوقات تو جوتے پھسلنے لگتے تھے۔ پہاڑوں سے اترنے کے بعد ہم نے جوتوں سے کیلوں والے تلے نکال دیئے تھے۔ آگے بڑھنے کے لیے ہم نے چھڑیاں نکال لیں اور انہیں برف میں گاڑ کر ان کے سہارے آگے بڑھ رہے تھے۔ دس بجے طوفان میں شدت آگئی اور کرنل نے ڈیوڈ شا سے بات کی۔ وہ دور تھے اس لیے میں ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا حالانکہ ہواؤں کے شور کی وجہ سے وہ چلا کر بات کر رہے تھے مگر ڈیوڈ شا کے نفی میں ہلتے سر سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کرنل کی کسی بات سے انکار کر رہا تھا۔

کرنل نے شاید طوفان کے دوران میں سفر روکنے کو کہا تھا۔ اس نے درست کہا تھا کیونکہ اس طوفان میں سفر کرنا خود کو کسی خطرے سے دوچار کرنے کے مترادف تھا۔ ڈیوڈ شا یہ بات تسلیم نہیں کر رہا تھا وہ شاید بہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صورت آج کے دن ہی وادی کے کنارے تک پہنچنا چاہتا تھا۔ مجبوراً کرنل نے سفر جاری رکھا۔ مگر گیارہ بجے طوفان اتنی شدت اختیار کر گیا تھا کہ اب چند گز سے آگے دیکھنا بھی محال تھا اور برف کے باریک ذرے جسم کے کھلے حصوں پر چھروں کی طرح لگ رہے تھے اور یقیناً درجہ حرارت خاصا گر گیا تھا۔ ہماری عافیت اسی میں تھی کہ ہم برف میں خیمے لگا کر انہیں رسیوں اور کیلوں سے باندھ کر اندر گھس جائیں۔ کرنل نے پھر ڈیوڈ شا سے بات کی اور اس بار وہ ماننے پر مجبور ہو گیا۔ ایک جگہ ہم نے برف میں بڑی والی کیلیں لگا کر ان سے رسیاں باندھ کر خیمے لگائے اور انہیں رسیوں سے جکڑ دیا۔ خیموں کو آپس میں بھی جکڑا تھا اور سامان کے بیگز ان کے درمیان میں رکھ دیئے تھے۔

جس جس کا خیمہ لگ رہا تھا وہ اندر گھستا جا رہا تھا۔ سب سے آخر میں کرنل اپنے خیمے میں گیا تھا۔ نہایت تند ہوا میں خیمے لگانا آسان کام نہیں تھا مگر کسی نہ کسی طرح اسے انجام دے لیا گیا۔ اوشا کا خیمہ میرے ساتھ تھا۔ اس کا تو اصرار تھا کہ وہ میرے خیمے میں ہی آ جاتی ہے۔ مگر کرنل نے کوئی خیمہ خالی چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس سے توازن خراب ہوتا۔ مجبوراً اوشا کو اپنے خیمے میں جانا پڑا تھا۔ ہواؤں کا شور ایسا تھا کہ بالکل پاس سے بھی بات کرنے کے لیے حلق کے بل چلانا پڑ رہا تھا۔ درجہ حرارت بہت تیزی سے گرا تھا اور جب میں خیمے میں آیا تو مجھے صحیح معنوں میں اندازہ ہوا کہ باہر کس قدر سردی ہو چکی تھی۔ خیمے کی زپ بند کرتے ہی جیسے سکون آ گیا تھا۔ یہاں ہواؤں کا شور بھی بہت کم رہ گیا تھا۔ سلیپنگ بیگز نہیں نکالے تھے۔ وہ بدستور بیگز میں تھے۔ اس وجہ سے خیمے میں جگہ تھی اور مجھے خیال آیا کہ اگر اوشا میرے خیمے میں آ جاتی تو یہاں تنگی نہ ہوتی ایک خیمہ بھی کم لگانا پڑتا۔ بہرحال اب تو وہ اپنے خیمے میں جا چکی تھی۔

میں اس سے پہلے بھی ہمالیہ کے خطوں میں اس قسم کے طوفان دیکھ چکا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ دو سے تین گھنٹے میں طوفان اپنی شدت سے گزر جائے گا اور تب ہم آگے سفر کر سکیں گے۔ مگر اس صورت میں آج کے دن وادی کے کنارے تک رسائی ممکن نہیں ہو گی۔ اب تک اس کی جو مسافت سامنے آئی تھی اس میں دو پہاڑوں کو سر کرنے کے بعد کم سے کم ایک دن کا سفر تھا جب وادی کے کنارے تک پہنچا جا سکتا تھا۔ میرے پاس وقت کا اندازہ کرنے کے لیے گھڑی تک نہیں تھی۔ ڈیوڈ شا اور کرنل نے مجھے کوئی غیر ضروری چیز فراہم نہیں کی تھی۔ اس لیے میں وقت کا اندازہ کیے بغیر بور ہوتا رہا۔ شاید ایک گھنٹہ گزر گیا تھا اور باہر ہواؤں کی تندی اور شور میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ہوا کے زور سے خیمہ دب رہا تھا اور کبھی کبھی تھوڑا سا زمین سے اٹھ جاتا۔ اس لیے جب ایک طرف سے خیمہ دبا تو میں اسے ہوا کا دباؤ سمجھا تھا۔ پھر خیمہ ایک طرف سے تھوڑا سا بلند ہوا پھر واپس نیچے آ گیا۔ اسی لمحے اوشا کی چیخ سنائی دی اور پھر ایک خوفناک غراہٹ کی آواز آئی۔ یہ غراہٹ ایسی تھی کہ طوفان کے شور پر بھی حاوی ہو گئی تھی اور اس میں ایسا خونخوار تاثر تھا کہ سننے والے کا خون خشک ہو جائے۔ میرا بھی ہوا تھا مگر دوسرے لمحے میں اپنی ہتھوڑی اٹھا کر زپ اتار رہا تھا ساتھ ہی میں نے چلا کر کرنل کو آواز دی۔

''کرنل اسنو مین۔''

زٹ کھلتے ہی تند ہوا اور برف کے ذرات اندر گھس آئے۔ یخ ایسی آئی کہ میں لرز اٹھا مگر پھر کسی چیز کی پروا کیے بغیر باہر آیا۔ اوشا نے دوسری چیخ ماری اور یہ خیمے کی طرف سے نہیں آئی تھی بلکہ ذرا فاصلے سے آئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ وہ پشت کے بل برف پر گری ہوئی تھی اور ایک سفید برف جیسا ہیولہ اسے ٹانگ سے پکڑ کر کھینچے لیے جا رہا تھا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ چند سیکنڈ میں اوشا سمیت سو فٹ سے زیادہ فاصلے پر جا چکا تھا۔ اوشا کا خیمہ پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ یہ برفانی آدمی کی جناتی قوت کا کمال تھا کہ اس نے مضبوط ترین میٹریل سے بنا خیمہ کاغذ کی طرح پھاڑ دیا تھا۔ میں بھاگا تھا مگر خیمے کی کھل جانے والی رسّی سے الجھ کر گرا اور میرا سر برف میں لگی فولادی کیل کے سرے سے ٹکرایا۔ میرے سر پر موٹی فر والا ہڈ تھا مگر بدقسمتی سے گرتے ہوئے ہوا کے زور سے ہڈ پیچھے ہوا اور میری کنپٹی کیل کے سرے سے ٹکرائی اور ایک جھماکے کے بعد میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ اسی اندھیرے میں مجھے اوشا کی ایک چیخ اور سنائی دی اور اس بار آواز جیسے بہت دور سے آئی تھی۔ ہواؤں کے شور کے پس منظر میں اور لوگوں کے چلانے کی آوازیں بھی آ رہی تھی مگر وہ واضح نہیں تھیں۔

میں ذہن پر چھانے والی تاریکی سے لڑ رہا تھا۔ مجھے اوشا کی فکر تھی کہ اسے برفانی آدمی لے گیا تھا۔ مگر جب تک میں خود پر قابو پاتا بہت دیر ہو چکی تھی۔ مجھے ہوش آیا تو میں برف پر دراز تھا اور سین میری ناک سے امونیا کی بوتل لگائے ہوئے تھا اس کی بُو مجھے ہوش میں لائی تھی۔ سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور جہاں کیل کا چپٹا سرا لگا تھا۔ وہاں سے کھال پھٹ گئی تھی اور نکلنے والا خون فوراً ہی جم گیا تھا۔ میں اٹھنے لگا تو سین نے مجھے روکا مگر میں اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں ڈیوڈ شا، زینی اور مارک بھی تھے۔ البتہ کرنل اور باسو نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔ ''اوشا کہاں ہے؟''

زینی آگے آئی اور نرمی سے بولی ''کرنل اور باسو اس کے پیچھے گئے ہیں وہ اسے لے آئیں گے۔''

ڈیوڈ شا کا چہرہ ساکت تھا میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''ڈیوڈ شا اگر اوشا نہ آئی تو اس کا حساب تمہیں دینا ہوگا۔''

''وہ ابھی نہیں ملے گی۔'' اس نے سکون سے کہا۔ ''لیکن وہ زندہ رہے گی اور تمہیں واپس ملے گی۔''

''اب تم اپنے ستاروں کا علم جھاڑنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' میں نے اپنی کنپٹی دباتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

''میں نے حقیقت بیان کی ہے دوسرے جو ہو چکا ہے میں اور تم اسے لوٹا نہیں سکتے۔''

''میں تقدیر کے لکھے کی بات نہیں کر رہا میں تم سے حساب لینے کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے اس کی طرف انگلی دراز کی۔ ''میری اس مشکل کی براہِ راست ذمے داری تم پر آتی ہے ڈیوڈ شا۔''

''پلیز اس وقت تمہیں ریلیکس اور ٹریٹ منٹ کی ضرورت ہے۔'' زینی نے کہا اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے میرے خیمے میں لے آئی۔ میں نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ اوشا کے یوں جانے سے مجھے دھچکا لگا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میں اس کی حفاظت کروں گا اور وہ مجھ پر اعتماد کرتی تھی مگر میں اسے نہیں بچا سکا۔ زینی مجھ سے کچھ کہہ رہی تھی اور اس نے میرے کنپٹی کے زخم کو صاف کر کے پٹی بھی چپکا دی تھی۔ باہر سے آوازیں تو نہیں آ رہی تھیں مگر مجھے لگا کہ شاید کرنل اور باسو واپس آئے ہیں۔ میں باہر نکلا تو وہ سچ مچ آ گئے تھے اور ڈیوڈ شا کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی کہ اوشا نہیں ملے گی۔ اگرچہ مجھے اس کی باتوں پر اعتبار نہیں تھا کیونکہ اوشا کو ان کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ پا کر میرا دل ڈوبنے سا لگا تھا اور مجھے لگا کہ اب وہ کبھی نہیں ملے گی۔ کرنل آگے آیا اور اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سوری شہباز ہم ان کے پیچھے گئے مگر برفانی آدمی کہیں زیادہ تیز ثابت ہوا، وہ اوشا کو لے کر ایک گھاٹی میں اتر گیا جب کہ ہمیں اس میں اترنے کا راستہ بھی نہیں ملا تھا۔''

''کتنا تیز رفتار ہو سکتا ہے وہ ایک انسان جتنا ہی بھاگ سکتا ہے اور پھر اس نے اوشا کو بھی اٹھا رکھا ہوگا۔'' میں نے برہمی سے کہا۔ ''تم لوگوں نے کوشش ہی نہیں کی اسے بچانے کی۔''

کرنل خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ندامت تھی اور باسو حسب معمول بے تاثر کھڑا تھا۔ طوفان کی شدت میں کمی آئی تھی، یا پھر میرے اندر جاری طوفان کے سامنے اس کی شدت کم لگنے لگی تھی۔ کرنل نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ ایسے موسم میں حملہ کرے گا۔''

''اس کے لیے یہ موسم معمول کی بات ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''اب تم اس غلط فہمی کا شکار مت ہو جانا کہ وہ ایک کو لے گیا ہے تو دوبارہ نہیں آئے گا۔ وہ اپنے علاقے میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔ وہ پھر آئے گا اور بار بار آئے گا جب تک سب کو نہیں لے جائے گا یا مار نہیں ڈالے گا۔''

''تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' کرنل نے بدلے لہجے میں پوچھا۔

''میں نے اس درندے کے بارے میں سنا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''جیسا سنا تھا اس سے زیادہ خطرناک پایا۔ کیسے وہ سب کے درمیان سے اوشا کو لے گیا اور تم لوگ منہ دیکھتے رہ گئے۔''

کرنل جھنجھلا گیا۔ ''میں نے کہا نا وہ بہت تیز رفتار تھا۔ ہم اس کا پیچھا نہیں کر سکے۔''

رفتہ رفتہ میرا ابال کم ہونے لگا اور میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''اگر تم لوگوں کے پاس نگرانی کے آلات ہیں تو نکال لو ورنہ دیر ہو گئی تو وہ پھر کسی اور کو لے جائے گا یا مار ڈالے گا۔''

زینی ویسے تو بہت بے خوف اور تیز عورت تھی۔ ڈیوڈ شا کی بیٹی کو ایسی ہی ہونا چاہیے تھا مگر اس وقت وہ بھی خوفزدہ نظر آئی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''وہ اوشا کو اور دوسروں کو کیوں لے جائے گا؟''

''بھوک!'' میں نے جواب دیا۔ ''انسان کی طرح اسے بھی پیٹ کی اور جنس کی بھوک ہوتی ہے۔ انسان سے وہ دونوں طرح کی بھوک مٹا سکتا ہے۔''

زینی کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ''تت..... تمہارا مطلب ہے کہ وہ انسان سے تعلق بھی قائم کر سکتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''میں ایسے فرد کو جانتا ہوں جو برفانی آدمی کی مادہ کی زیادتی کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کی قسمت تھی کہ وہ مرنے سے بچ گیا ورنہ مادہ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''

میری بات نے زینی کو مزید سہما دیا تھا۔ سچی بات تھی کہ ڈیوڈ شا کی پیش گوئی کے باوجود مجھے اوشا کی زندگی کا یقین نہیں رہا تھا۔ راجا عمر دراز نے رانا ویاس کے حوالے سے جو کہانی سنائی تھی اس کے مطابق اسے لے جانے والی برفانی آدمی کی مادہ تھی اور وہ رانا ویاس سے اظہار عشق کرتی رہی جب تک کہ وہ مرنے والا نہیں ہو گیا۔ پھر برف والے نے اس کی جان اس درندے سے چھڑائی تھی۔ مگر اوشا عورت تھی اور اگر اسے لے جانے والی مادہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی تو اس کے لیے اوشا بیکار تھی وہ اسے مار دیتی۔ ہاں اسے لے جانے والا نر ہوتا تو اوشا کی زندگی کی توقع کی جا سکتی تھی۔ مگر اس کی بچت بہت بڑی قیمت کے بدلے ہوتی اور شاید اسی وجہ سے اس کی جان بچ جاتی کہ اس کے پاس آنے والا برفانی آدمی اس کے زہر کا شکار بن جاتا اور اس کا بھی امکان تھا کہ وہ مرنے سے پہلے اوشا کو مار دیتا۔ اس کی جناتی قوت کے سامنے دھان پان سی اوشا کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ ایک ہاتھ مار کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

سوچیں میرے دماغ میں آوارہ بگولوں کی طرح گھوم رہی تھیں اور ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں دوسری طرف متوجہ ہوا۔ کرنل اور مارک ایک بیگ سے کچھ آلات نکال رہے تھے اور انہیں خیموں کے آس پاس لگا رہے تھے۔ پھر ان آلات کو تاروں سے آپس میں ملانے لگے۔ ان ڈش انٹینا نما آلات کو ایک چھوٹے سے کمپیوٹر سے منسلک کیا جا رہا تھا۔ ڈشوں کا رخ چاروں طرف کر رہے تھے۔ میں ڈیوڈ شا کے پاس آیا اور اس سے مطالبہ کیا۔ ''مجھے کوئی ہتھیار چاہیے۔''

''تمہیں یا پارٹی کے کسی دوسرے فرد کو ہتھیار نہیں مل سکتا۔ یہاں ہتھیار رکھنے کا مجاز صرف میں، کرنل اور باسو ہیں۔''

''تم لوگ کسی کی حفاظت کی ذمے داری نہیں لے سکتے ہو مگر اسے ہتھیاروں سے محروم ضرور رکھ سکتے ہو۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اگر میرے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ درندہ اتنی آسانی سے اوشا کو نہیں لے جا سکتا تھا۔

ڈیوڈ شا کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''شہباز تم زیادہ فکر مند ہو رہے ہو۔ تمہارے جیسے آدمی کے عزائم بلند ہونے چاہئیں ایک معمولی لڑکی کے لیے فکر مند ہونا تمہیں زیب نہیں دیتا ہے۔''

''میں معمولی آدمی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''غالباً تم مجھے اپنے لیول کا آدمی سمجھ رہے ہو۔ اس بحث کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ مجھے ہتھیار دے رہے ہو یا نہیں؟''

''میں نے بتایا نا کہ یہاں ہتھیار صرف تین آدمی رکھ سکتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ حتمی تھا۔ میں اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پانے لگا۔ یہاں برف زار میں اور برفانی آدمی کے خطرے کے ہوتے ہوئے ہمارا آپس میں لڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے اوزاروں میں سے چن کر سب سے بڑی کلہاڑی نما ہتھوڑی نکال لی۔ بہ وقتِ ضرورت یہ بھی اچھا ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا۔ طوفان کی شدت ہلکی سی آئی تھی مگر ہوا میں اڑتے باریک برف کے ذرات میں کوئی کمی نہیں آئی تھی اور ان کی وجہ سے حدِ نگاہ سو فٹ بھی نہیں تھی۔ میں کرنل کے پاس آیا تو لیپ ٹاپ نما آلہ لے کر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی اسکرین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر سرخ دھبے حرکت کر رہے تھے۔ کرنل نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''سرخ دھبے زندہ انسان ہیں۔''

میں نے گنا ان کی تعداد سات تھی۔ کرنل وسط میں تھا اور باقی سب بکھر گئے تھے۔ ڈیوڈ شا اور زینی ایک جگہ تھے۔ مارک سین اور باسو تین الگ الگ سمتوں میں تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''فرض کرو برفانی آدمی دوبارہ آتا ہے تو یہ آلات اسے کتنی دور سے دیکھ لیں گے؟''

''ویسے ان کی رینج ایک کلومیٹر ہے مگر اس موسم میں رینج گھٹ گئی ہوگی۔ ویسے اسنومین کا جسم بڑا ہوتا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لیے وہ الفرایڈ کا بڑا منبع ہوگا اسے خاصی دور سے نظر آجانا چاہیے۔''

ڈیوڈ شا اپنے خیمے میں چلا گیا تھا کیونکہ باہر سردی کی شدت بہت زیادہ تھی۔ مارک نے برانڈی کی بوتل نکال لی تھی۔ وہ، سین، کرنل اور ہاسواس بوتل سے باری باری چسکی لگا کر خود کو گرم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میرے پاس خود کو گرم رکھنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ چائے کافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ زینی بھی آگئی اس نے برانڈی لی اور مجھ سے کہا۔ ''تم نہیں پیتے ہو لیکن اس موسم میں یہ ضروری ہے۔''

''موسم ایسا ہو یا ویسا میں نے کبھی اس حرام شے کے استعمال کے بارے میں نہیں سوچا۔''

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم لوگ عجیب ہو۔ کچھ ایسے پیتے ہیں کہ کیا مغرب والے پیتے ہوں گے اور کچھ ایسے بھاگتے ہیں کہ جیسے یہ موت ہو۔''

''دوسروں کے بارے میں، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''ہاں میں کسی صورت استعمال نہیں کر سکتا۔ تمہیں یاد ہے کہ جب تم نے رنی شاہ کے اکسانے پر مجھے شراب پینے پر مجبور کیا تھا تو کیا ہوا تھا؟''

وہ ہنسی۔ ''ہاں تم نے اس کے لباس اور قالین کا ستیاناس کر دیا تھا۔''

''حالانکہ اس وقت میر تمہارے قابو میں تھا اور اگر پی لیتا تو مجھے اُمید ہے کہ یہ میرا گناہ شمار نہیں ہوتا اس کے باوجود اوپر والے نے مجھے محفوظ رکھا۔''

زینی کا منہ بن گیا۔ ''تم اوپر والے کو کچھ زیادہ ہی یاد نہیں کرتے ہو.....؟''

''اسے یاد کرتے رہنا چاہیے تاکہ جب وہ یاد کرے تو ہمارے پاس پیش کرنے کے لیے کچھ تو ہو۔''

''میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''تب تم اپنے باپ سے بہتر ہو جو یقین رکھتا ہے مگر اس میں اپنا مفاد بھی شامل کر دیتا ہے۔''

ہم دونوں کرنل کے پاس ہی کھڑے تھے اور میں کبھی کبھی اسکرین پر نظر ڈال لیتا تھا۔ ایک بار میں نے اسکرین کی طرف دیکھا تو مجھے شبہ ہوا۔ دھبوں کی تعداد زیادہ لگ رہی تھی اور اسی لمحے کرنل نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اس نے جلدی سے گنا۔ ''ایک دو تین..... چھ سات آٹھ۔''

''برفانی آدمی۔'' میں نے کہا اور زینی تیزی سے ڈیوڈ شا کی طرف لپکی۔ اسے اپنے باپ کی فکر نہیں تھی بلکہ وہ اس کے پاس موجود ہتھیار لینے گئی تھی۔ میں اور کرنل اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ برفانی آدمی کہاں ہو سکتا تھا۔ ایک دھبے کے بارے میں مجھے شبہ ہوا اور میں نے کہا۔ ''یہ ہو سکتا ہے۔''

وہ دھبا ذرا بڑا تھا کرنل نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ باسو ہے۔''

مگر اسی لمحے بڑا دھبا ایک چھوٹے دھبے پر جھپٹا اور طوفان کے شور میں ایک چیخ سنائی دی۔ میں اور کرنل اچھل پڑے تھے۔ کرنل نے اسکرین سے سمت کا اندازہ کیا، مارک۔'' اس نے کہا اور اس طرف دوڑا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ اڑتے ذرات منظر میں حائل تھے اور جب تک ہم اس جگہ پہنچے جہاں مارک تھا تو وہاں برف پر سوائے خون کی سرخی کے اور کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ میں اور کرنل کچھ آگے اور گئے مگر جیسے ہی عقب میں کیمپ نظروں سے اوجھل ہوا میں رک گیا۔ ''بس اس سے آگے جانا مناسب نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ مارک کو لے گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ تم نے برف پر خون کا دھبا دیکھا۔ وہ اتنا بڑا ہے جو کسی جان لیوا زخم سے خون نکلنے کی صورت میں بن سکتا ہے۔ ہمیں واپس جانا ہوگا ایسا نہ ہو برفانی آدمی دوسری سمت سے حملہ کر دے یا اس کے اور ساتھی بھی ہوں۔''

بات کرنل کی سمجھ میں آ گئی اور ہم واپس آئے۔ سب کو پتا چل گیا تھا کہ مارک بھی غائب ہو گیا ہے وہ سب اب کیمپ میں تھے۔ کرنل نے جب خون کے بڑے سے دھبے کے بارے میں بتایا تو سب کے چہرے ست گئے تھے۔ میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔ ''یہ دوسرا خون ہے جو تمہاری اس احمقانہ مہم جوئی کی نذر ہوا ہے۔''

مگر وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوا۔ اس نے پُرسکون انداز میں کہا۔ ''یہ ایسی مہم ہے کہ اس کے لیے میں اپنی اور زینی سمیت سب کی قربانی دینے کو تیار ہوں۔''

''تم شوق سے خود کو قربان کرو۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''لیکن میں قربانی کا بکرا نہیں ہوں۔''

''پلیز۔'' زینی نے ایک بار پھر ثالث کا کردار ادا کیا۔ ''یہ وقت آپس میں لڑنے کا نہیں ہے۔''

''ہاں یہ وقت اس درندے کے ہاتھوں ایک ایک کر کے مارے جانے کا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بات اپنے باپ کو سمجھاؤ جو مجھے اسلحہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ مارک بھی اسی وجہ سے مارا گیا کہ وہ مسلح نہیں تھا۔''

کرنل نے جھک کر ڈیوڈ شا کے کان میں کچھ کہا اور اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ کرنل نے اسلحہ پالیسی کے حوالے سے بات کی تھی مگر ڈیوڈ شا اپنے موقف پر قائم تھا۔ اس دوران میں طوفان کی شدت میں کمی آنے لگی اور دس منٹ میں ہوا کی شدت بہت کم ہو گئی تھی۔ اڑتے ذرات کی مقدار میں کمی آنے سے حدِ نگاہ بڑھنے لگی اور پھر اوپر بادل چھٹے تو سورج نکل آیا اور درجہ حرارت بھی بہتر ہونے لگا۔ باسو اور سین مل کر خیمے پیک کرنے لگے۔ یہ آسانی سے کھل اور بند ہو جانے والے خیمے تھے۔ جب تک خیمے پیک ہوئے موسم تقریباً صاف ہو گیا تھا۔ ہوا نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی اور سردی بھی کم ہوئی تھی۔ برسنے والی برف نے مارک کے خون اور برفانی آدمی کے پیروں کے نشان مٹا دیئے تھے۔ ہم یہ اندازہ کرنے سے بھی قاصر تھے کہ وہ اسے کہاں لے گیا تھا۔ لیکن میرا اندازہ درست ثابت ہو رہا تھا۔ اگر ہمیں مارنا مقصود تھا تو برفانی آدمی کو مارک کی لاش لے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اسے خوراک کے طور پر استعمال کرنے کے لیے لے گیا تھا۔ یہی بات زینی کے ذہن میں تھی اور اس نے مجھ سے کہا۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا وہ آدم خور بھی ہے۔''

''ان معنوں میں نہیں، اصل میں اسے یہاں کھانے کے لیے جو بھی ملے گا وہ کھائے گا۔''

''میرے خدا۔'' اس نے کانپ کر کہا۔ ''یہ اتنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔''

''اس نے ثابت کر دیا ہے۔'' میں نے کہا۔ مارک کی کمی سے سب کے حصے میں آنے والا سامان بڑھ گیا تھا۔ اب مجھے بھی سامان اٹھانا تھا جب کہ میرے پاس اپنے ساتھ اوشا کا سامان بھی تھا۔ کمی صرف ایک خیمے کی ہوئی تھی جسے برفانی آدمی نے پھاڑ کر بیکار کر دیا تھا۔ میں نے اوشا کے بیگ سے اس کا سامان نکال کر اپنے بیگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ٹھونسا کیونکہ اب مجھے پشت پر سامان کا بیگ اٹھانا تھا اور اپنا بیگ میں ہاتھ میں رکھتا۔ تیار ہو کر ہم یوں روانہ ہوئے کہ سب سے آگے کرنل اور ڈیوڈ شا تھے۔ ان کے پیچھے میں اور زینی تھے جب کہ سب سے پیچھے باسو اور سین تھے۔ ہر ٹولی کے درمیان دس گز کا فاصلہ تھا اور ہم رسیوں سے منسلک تھے۔ طوفان کے بعد جگہ جگہ برف کے ڈھیر لگ گئے تھے اور آنے والوں دنوں میں گرمی سردی کے امتزاج سے پگھل اور جم کر یہ ڈھیر ہموار ہو جاتے۔ مگر فی الحال ان کی وجہ سے سفر کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ زینی ذرا دیر میں ہانپنے لگی تھی۔

"نرم برف پر چلنا اتنا دشوار ہوتا ہے مجھے آج پتا چلا۔"

"اگر ہم اسکیز استعمال کریں تو بہت تیزی سے سفر کر سکتے ہیں۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "پاپا اسکیز استعمال نہیں کر سکتے۔"

"پاپا کچھ بھی نہیں کر سکتے مگر یہاں ضرور آ سکتے ہیں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اگر ضدی آدمی طاقتور بھی ہو تو دوسروں کو کس قدر مشکل میں ڈال سکتا ہے۔"

میری بات پر وہ کسی قدر جھنجھلا گئی۔ "اب بس بھی کرو۔ کب تک اسی بات کو لے کر بیٹھے رہو گے۔"

"میرے لیے سب سے اہم بات یہی ہے۔" میں نے کہا۔ "جب بھی میری باری آئی ڈیوڈ شا کو حساب دینا ہوگا۔"

ہر پارٹی میں کم سے کم ایک مسلح فرد موجود تھا۔ زینی کے پاس شاٹ گن تھی۔ پیچھے باسو کے پاس اس کی جسامت کے لحاظ سے بنائی گئی شاٹ گن تھی۔ جب کہ کرنل اور ڈیوڈ شا دونوں ہی مسلح تھے۔ میں نے غور کیا تو برفانی آدمی نے دونوں بار غیر مسلح افراد کو نشانہ بنایا تھا۔ اوشا بے شک خیمے میں تھی مگر مارک کھلی جگہ اس کا نشانہ بنا تھا۔ اگر وہ چن کر غیر مسلح افراد کو نشانہ بنا رہا تھا تو اس سے دو باتیں سامنے آتی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ اسلحے اور اس کی ہلاکت خیزی سے واقف تھا اور دوسرے میں اور سین اب خطرے میں تھے۔ ہم دونوں ہی غیر مسلح تھے۔ سانس لینے کے لیے ہوا اب بھاری تھی اور میرا اندازہ تھا کہ ہم خاصے نیچے آ گئے تھے۔ شاید یہ جگہ سطح سمندر سے دس ہزار کے آس پاس بلند تھی۔ اس وقت دوپہر کے بارہ بج رہے تھے اور طوفان نے کئی گھنٹے ضائع کیے تھے۔ آج کے دن وادی کے کنارے پہنچنا مشکل لگ رہا تھا۔ دو بجے ہم ایک جگہ رکے تھے۔ سین نے ہلکا پھلکا لنچ کرایا۔ اس نے صبح ہی سینڈوچز بنا لیے تھے جو اس وقت ہلکے گرم کر کے سب کو دیے تھے۔ میں کرنل کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے اسے اپنے خدشے سے آگاہ کیا۔

"اسنو مین اب تک غیر مسلح افراد کو لے کر گیا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے اگلی باری میری یا سین کی ہو سکتی ہے۔"

"تم فکر مت کرو اس بار ہم پوری طرح ہوشیار ہیں۔" اس نے کہا۔

"مجھے فکر ہے کیونکہ تم لوگوں کی تمام تر ہوشیاری صرف اپنے لیے ہے۔ جب باسو چٹان سے لٹک رہا تھا تب بھی تم لوگ اطمینان سے تماشا دیکھ رہے تھے۔"

"تم ڈیوڈ شا کے لیے اہم ترین فرد ہو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس لیے تمہاری ہر قیمت پر حفاظت کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گی۔"

"دیکھتے ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ ہم نے ایک کھلی جگہ پڑاؤ ڈالا تھا جہاں سے چاروں طرف دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ غالباً برفانی آدمی کی وجہ سے یہاں رکے تھے مگر وہ بھول رہے تھے کہ اس کے پاس بہت وقت تھا۔ یہاں ہمیں رات بھی گزارنی تھی اور جب ہم وادی کے کنارے پہنچتے تو وہاں برفانی آدمی کے لیے گھات لگانے کی بے شمار جگہیں تھیں۔ وہ احمق نہیں تھا کہ دن دہاڑے اور کھلی جگہ پر ہم پر حملہ آور ہوتا۔ اس نے دونوں بار جتنی ہوشیاری سے وار کیا تھا اس سے اس کی حیوانی ذہانت واضح تھی۔ وہ دور سے ہماری نگرانی کر رہا تھا جہاں اسے ہم نہیں دیکھ سکتے تھے مگر وہ ہمیں دیکھ سکتا تھا اور وہ ہمارا تعاقب کرتا جب تک کہ اسے اگلا وار کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

○.....❖.....○

لنچ اور آرام کے وقفے کے بعد ہم نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔

چھ بجے کے قریب ہم کھلی جگہ سے ہٹ کر ایک کسی قدر تنگ درے میں سفر کرنے لگے اور اب بلندی کی طرف جا رہے تھے۔ مگر یہ درہ کسی پہاڑی چوٹی تک نہیں جاتا تھا بلکہ شاید کسی سطح مرتفع کو درمیان سے کاٹتا تھا۔ اس کے دونوں طرف اونچی ہوتی ڈھلانیں تھیں اور مجھے یاد آیا کہ شاید وہ گڑھے تھے جن میں سے ایک میں راجا عمر دراز وادی سے واپسی کے وقت گر گیا تھا اور برفانی آدمی کی مادہ اسے نکالنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ میں نے کرنل اور دوسروں کو یہاں موجود گڑھوں سے خبردار کیا۔ کرنل نے پوچھا۔ "کیسے گڑھے ہو سکتے ہیں۔"

"کہنا مشکل ہے کہ کس قسم کے گڑھے ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ گلیشیر بھی نہیں ہے جس کے نیچے دراڑیں ہوں۔"

کرنل نے سب کو ہوشیار رہنے کو کہا اور ہم آگے بڑھے۔ اب تاریکی قریب تھی کیونکہ سورج پہاڑوں کے پیچھے جا چکا تھا اور کچھ دیر بعد ہمیں لائٹس آن کرنا پڑتیں۔ گڑھوں سے بچنے کے لیے سب آگے بڑھنے سے پہلے چھڑی سے برف دبا کر دیکھتے تھے اور پھر اس پر قدم رکھتے۔ میں بھی ایسا ہی کر رہا تھا۔ ایک بار میں نے ایک جگہ کو چھڑی سے دبایا تو وہ مجھے ٹھوس لگی تھی مگر جب میں نے قدم رکھا تو ایک لمحے کو ڈگمگایا۔ مجھے لگا کہ نیچے سے برف سرک رہی ہے۔ مگر جب وہ اپنی جگہ قائم رہی تو میں سمجھا کہ میرا پاؤں پھسلا تھا۔ میں آگے بڑھ گیا۔ مگر چند گز آگے گیا ہوں گا کہ عقب سے برف ٹوٹنے کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی زینی کو جھٹکا لگا اور وہ تیزی سے پیچھے گئی۔ اس کے بعد رسّی سے میں بندھا ہوا تھا میں نے زمین میں پاؤں جمانے کی کوشش کی مگر میں بھی زور میں پیچھے گیا اور زمین پر گرا تھا۔

رسّی بہت زور سے کھنچ رہی تھی۔ نیم تاریکی کی وجہ سے میں دیکھنے سے قاصر تھا کہ کیا ہوا تھا۔ پھر جس طرح میں تیزی سے کھنچا تھا اسی طرح اچانک رک گیا۔ رسّی کا زور ختم ہو گیا تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے پیچھے دیکھا تو مجھے اسی جگہ برف میں گڑھا دکھائی دیا جہاں میرا پاؤں ڈگمگایا تھا۔ زینی گڑھے کے بالکل کنارے تھی اور اگر وہ بھی گڑھے میں جاتی تو میں بھی کھنچا چلا جاتا۔ باسو اور سین غائب تھے اور اس کا مطلب تھا کہ وہی گڑھے میں گرے تھے اور رسّی سے منسلک ہونے کی وجہ سے ہم بھی کھنچے چلے گئے تھے۔ مگر گڑھا بڑا نہیں تھا اس لیے ہم رک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ ڈیوڈ شا اور کرنل بھی کھنچے آئے تھے مگر انہیں زیادہ رگڑنا نہیں پڑا تھا۔ ڈیوڈ شا تو گرا بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنے لباس سے ٹارچ نکالی اور رسّی الگ کرتا ہوا گڑھے کی طرف بڑھا۔ زینی نے بھی اٹھ کر خود کو رسّی سے الگ کر لیا تھا۔ یہ ظاہر وہ ٹھیک لگ رہی تھی اس لیے میں نے اس کی خیریت نہیں پوچھی..... میں نے گڑھے میں روشنی ڈالی تو سین باسو کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ تہہ میں دراز تھا۔ میں نے آواز دی۔

"سب ٹھیک ہے؟"

"نہیں۔" سین نے اوپر دیکھا۔ "میرا خیال ہے اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

یہ نہایت تشویشناک خبر تھی۔ باسو ہماری ٹیم کا سب سے مضبوط رکن تھا اور وہی ناکارہ ہو گیا تھا۔ میں نے روشنی میں گڑھے کا جائزہ لیا۔ یہ تقریباً بارہ فٹ گہرا تھا اور اس کا قطر آٹھ نو فٹ تھا۔ تہہ ٹوٹنے سے اندر اچھی خاصی برف گری تھی اور گڑھا خاصی حد تک بھر گیا تھا۔ میں نے کناروں پر کلہاڑی ماری تو برف مزید اندر گئی تھی۔ سین چلایا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟ برف اندر گر رہی ہے۔"

"فکر مت کرو تم برف میں دفن نہیں ہو گے۔" میں نے کہا اور برف گرانے کا عمل جاری رکھا۔ میں اس بات کو یقینی بنا رہا تھا کہ ٹوٹنے والی کوئی تہہ باقی نہ رہے جس پر کسی کا قدم جائے اور وہ بھی اندر گر جائے۔ دوسرے جتنی برف اندر جائے گی گڑھے کی تہہ اتنی ہی اونچی ہو گی۔ زینی میرا ساتھ دینے لگی اور ذرا سی دیر میں کناروں پر جمی ساری برف نیچے گر گئی۔ سین سمجھ گیا اور گرنے والی برف کو ایک طرف جمع کر رہا تھا وہ اس کی مدد سے تہہ کی بلندی بڑھا کر باہر آنے میں آسانی پیدا کر رہا تھا۔ کرنل اور ڈیوڈ شا آ گئے تھے۔ کرنل نیچے جانا چاہتا تھا مگر میں نے اسے روک دیا۔ "تمہارا، زینی اور ڈیوڈ شا کا باہر رہنا ضروری ہے اب تم برفانی آدمی سے سچ مچ ہوشیار ہو جاؤ۔ اگر وہ پاس موجود ہے تو یہ حملہ کرنے کا بہترین وقت ہو گا۔"

یہ سنتے ہی وہ باسو کو بھول گئے اور انہوں نے اپنے ہتھیار اور لائٹس نکال لی تھیں۔ میں نے کنارے پر کیل ٹھونکی اور اس سے رسّی باندھ کر نیچے اترا۔ ڈھائی تین فٹ تک برف جمع ہونے سے تہہ کی اونچائی بڑھ گئی تھی اور مجھے خاص دشواری پیش نہیں آئی۔ نیچے اتر کر میں نے باسو کو دیکھا جو ٹارچ کی روشنی میں اپنی بائیں پنڈلی کا معائنہ کر رہا تھا۔ نیچے گرتے ہوئے اس کا بایاں پاؤں تہہ میں موجود پتھر سے ٹکرایا تھا۔ موٹی اونی پتلون کا وسطی حصہ نوکیلا ہو رہا تھا۔ اس کی ایک ہڈی لازمی ٹوٹ گئی تھی اور کھال پھاڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ مگر آفرین ہے جو اس کے چہرے پر درد کی معمولی سی بھی جھلک ہو۔ وہ یوں اپنی پنڈلی کا معائنہ کر رہا تھا جیسے یہ کسی دوسرے کی پنڈلی ہو۔ میں نے کہا۔ "مجھے اپنا پاؤں دیکھنے دو۔"

اس نے سر ہلایا اور گھٹنے سے پکڑ کر پاؤں میری طرف کیا۔ میری نظر ایک لمحے کے لیے اس کی مہیب ٹانگ کی طرف گئی تھی مگر اس نے اس حالت میں بھی اسے نہیں چھوڑا تھا۔ میں نے اس کا بھاری بھرکم جوتا پکڑا اور زور لگا کر اس کا پاؤں کھینچ لیا۔ اس کے چہرے پر چند لمحے کے لیے کرب کی لہر آئی تھی۔ مگر اس کا پاؤں سیدھا ہو گیا اور پتلون میں جو سرا سا ابھرا ہوا تھا وہ غائب ہو گیا۔ پھر میں نے اس کی پتلون اوپر کی گھٹنے تک بمشکل چڑھائی۔ نیچے اس نے موزہ بھی پہنا ہوا تھا اور وہ خون آلود ہو رہا تھا۔ موزہ نہ صرف بہت موٹا بلکہ تنگ بھی تھا اور اس نے پنڈلی کو جکڑ لیا تھا۔ میں نے ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ مجھے لگا کہ ٹوٹ جانے والی ہڈی اپنی جگہ بیٹھ گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ اب اس میں نوک محسوس نہیں ہو رہی تھی اور میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ موزہ ہٹا کر زخم کا معائنہ کرنے کی کوشش کروں۔ اس کوشش میں ہڈی دوبارہ اپنی جگہ سے ہٹ سکتی تھی۔ یہ سمپل فریکچر تھا۔ اگر وہ کسی آبادی میں ہوتا اور اسے میڈیکل ایڈ مل جاتی تو وہ چند ہفتوں میں ٹھیک ہو جاتا۔ مگر اس برفانی ویرانے میں یہ بہت بڑا حادثہ تھا۔ تقریباً جان لیوا حادثہ تھا۔ میں نے کرنل سے کہا۔

''میڈیکل پیک دو۔''

میڈیکل پیک میں طبی امداد کا سامان تھا۔ کرنل نے اپنے بیگ سے پیک نکال کر نیچے اچھال دیا۔ میں نے اسے کیچ کیا اور کھول کر اندر سے پہلے زخموں کو صاف کرنے والا لوشن نکالا۔ یہ جمتا نہیں ہے اور سخت ترین سردی میں بھی مائع حالت میں رہتا ہے۔ میں نے اسے موزے کے اوپر سے ہی زخم والی جگہ ڈالا۔ باسو کا جسم ایک لمحے کو اینٹھا۔ اسے خاصی تکلیف ہوئی تھی مگر اب انفیکشن کا خطرہ کم ہو گیا تھا۔ پھر میں نے فریکچر کے لیے مخصوص رکھی ہوئی لکڑیاں نکال کر انہیں باسو کے پاؤں پر رکھا اور پھر مضبوط پٹی سے باندھ دیا۔ میں نے پٹی سخت رکھی تھی مگر اتنی نہیں کہ نیچے کا دورانِ خون رک جائے۔ پھر انفیکشن اور درد سے بچانے والے کیپسول اسے انرجی ڈرنک کے ساتھ دیے۔ اس دوران میں سین باہر چلا گیا تھا اور مزید برف آس پاس سے جمع کر کے نیچے گرا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے ایک زینہ سا بنا لیا۔ میں نے رسّی باسو کی بیلٹ سے منسلک کی اور اوپر جا کر اسے سین اور کرنل کی مدد سے باہر کھینچ لیا۔ ڈیوڈ شا ایک طرف خاموش کھڑا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ وہ باسو کے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔ باسو کام کا آدمی تھا مگر اب اس کی حیثیت ایک لنگڑے ہو جانے والے گھوڑے سے زیادہ نہیں رہی تھی۔ ماحول تقریباً تاریک ہو گیا تھا مگر آسمان صاف تھا اور اگر چاند نکل آتا تو کسی قدر روشنی ہو جاتی۔

''باسو کو اب سہارا دینا ہوگا۔'' میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

''کیسے؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''اس کا وزن بہت زیادہ ہے اور پھر ہمارے پاس سامان بھی ہے۔''

''ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

کرنل ہماری طرف آیا اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں اب سلیج بنا لینی چاہیے۔''

میں چونکا۔ ''تمہارے پاس سلیج ہے؟''

''ہاں لیکن اسے تیار کرنا پڑے گا۔''

''سلیج ہے تو پہلے کیوں نہیں استعمال کی؟''

''پہلے ضرورت نہیں تھی اور پہاڑوں پر اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے اسے ایسے ہی علاقوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔'' کرنل نے کہا اور ایک بیگ سے سلیج کا سامان نکالنے لگا۔ یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بنی ہوئی سلیج تھی جس کے بیشتر حصے فائبر گلاس سے بنے ہوئے تھے۔ کرنل تیزی اور مہارت سے کام کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے روشنیاں نکال کر یوں چاروں طرف رخ کر کے لگا دی تھیں کہ سو گز تک کوئی بھی چیز حرکت کرتی تو فوراً نظر میں آ جاتی۔ میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

''ہم یہیں نہ قیام کر لیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آگے ایک جگہ ہے جہاں ہمیں غار ملیں گے وہاں ہم زیادہ محفوظ ہوں گے۔''

مجھے یاد آیا کہ راجا عمر دراز اور پھر ڈیوڈ شا نے بھی کبھی ان غاروں کا ذکر کیا تھا۔ غار ہمیں برفانی آدمی سے محفوظ رکھ سکتے تھے مگر ساتھ ہی کسی حملے کی صورت میں ہم محصور ہو کر رہ جاتے۔ بہر حال باخبری میں محصور ہونا بے خبری میں مارے جانے سے بہتر تھا اس لیے میں نے ڈیوڈ شا سے اتفاق کیا۔ باسو اس حالت میں اپنی شاٹ گن سنبھالے پہرے داری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ میں ڈیوڈ شا کے پاس سے ہٹا تو زینی اس کے پاس پہنچ گئی اور دونوں باپ بیٹی میں سرگوشیوں میں کسی موضوع پر تبادلہ خیال ہونے لگا۔ مجھے لگا کہ زینی کسی بات پر اصرار کر رہی تھی اور ڈیوڈ شا انکار کر رہا تھا۔ اس سفر کے دوران میں بہت کم مواقع ایسے آئے جب ڈیوڈ شا نے کسی معاملے پر کسی دوسرے سے اتفاق کیا ہو ورنہ وہ زیادہ تر اپنی ہی چلاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ یہی کر رہا تھا۔ زینی مایوسی کے عالم میں اس کے پاس سے ہٹ گئی۔ وہ کچھ برہم ہو رہی تھی۔ سلیج تیار ہوئی تو باسو اور اضافی سامان جو باسو نے ہی اٹھایا ہوا تھا اس پر بار کیا گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''اسے کھینچے گا کون؟''

''تم اور سین۔'' کرنل نے کہا۔

''میں کس خوشی میں یہ ذمے داری اٹھاؤں؟'' میں نے کہا۔

''دوسری صورت میں ہم مجبور ہوں گے کہ باسو کو یہیں چھوڑ جائیں۔'' کرنل کی بجائے ڈیوڈ شا نے جواب دیا۔ ''اب اسے لے جانے کی دوسری صورت نہیں ہے۔''

''میں ہتھیار استعمال کرنے کے لیے آزاد رہنا چاہتا ہوں۔'' کرنل نے کہا۔ ''ویسے تم فکر مت کرو زیادہ بوجھ نہیں ہوگا کیونکہ باسو عقب سے اپنی چھڑی برف میں گاڑ کر دھکا دے گا۔''

باسو کو یہاں چھوڑ جانا خلاف انسانیت ہوتا اور ڈیوڈ شا نے چالاکی سے بندوق میرے شانے پر رکھ دی تھی۔ مجبوراً میں نے سین کے ساتھ مل کر سلیج کھینچنا شروع کی۔ اس میں آگے کی طرف دو چوڑی بیلٹس تھیں جنہیں کمر اور شانوں سے باندھ کر سلیج کھینچنا آسان ہو جاتا۔ ہمارے ہاتھ آزاد تھے۔ کرنل نے ٹھیک کہا تھا کہ بوجھ اتنا زیادہ محسوس نہیں ہو رہا تھا اور باسو بھی عقب سے برف میں چھڑی گاڑ کر سلیج کو آگے دھکیلنے میں مدد دے رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ عقب کی نگرانی بھی کر رہا تھا۔ سلیج پر اس طرح لائٹس نصب کی گئی تھیں کہ اس کے پیچھے اور دائیں بائیں دور تک روشنی ہو رہی تھی۔

سامنے کی طرف ہم نے روشنیاں کی ہوئی تھیں۔ سب سے آگے کرنل تھا اور اس کے پیچھے زینی اور ڈیوڈ شا ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اب کرنل کے شانے پر ایک خودکار رائفل بھی نظر آ رہی تھی۔ رات کے آٹھ بج چکے تھے اور کم سے کم میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے آج صبح ناشتا کیا اور دوپہر میں برائے نام ہی کھایا تھا۔ میں نے ڈیوڈ شا سے پوچھا۔

''غار یہاں سے کتنی مسافت پر ہیں؟''

''تقریباً دو میل کی دوری پر ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اس رفتار سے ہم آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○.....❖.....○

آدھے گھنٹے میں تو نہیں لیکن پون گھنٹے میں ہم ان غاروں کے پاس تھے۔ یہ چھوٹی نیلے نما پہاڑیاں تھیں جن کے اندرونی حصے کھوکھلے ہونے سے غار وجود میں آئے تھے۔ ان کے دہانے اوپر سے آتی برف میں چھپ جاتے تھے اور گرمیوں میں جب برف کم ہوتی تو یہ نمایاں ہو جاتے تھے۔ ایک لائن میں تین دہانے تھے۔ ڈیوڈ شا نے وسطی غار کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سب سے بہترین اور بڑا ہے۔''

کرنل نے اندر جانے سے پہلے تینوں کا معائنہ کرنے کا کہا۔ اس نے فاسفورس اسٹک ہلا کر اندر پھینکیں تو ان کی روشنی سے غار اندر سے روشن ہو گئے اور کرنل مختلف زاویوں سے جھانک کر ان کا اندر سے معائنہ کرنے لگا۔ چند منٹ بعد اس نے کلیئر کا سگنل دیا۔ وہ پہلے وسطی غار کے اندر گیا۔ پھر اس نے ڈیوڈ شا کو بلایا۔ زینی، میں، سین اور باسو باہر تھے۔ آسمان پر کہیں آخری تاریخوں کا چاند تھا۔ اس کی روشنی منعکس ہو کر یہاں تک آ رہی تھی اور ماحول کو اس قابل بنا رہی تھی کہ ہم آس پاس دیکھ سکتے تھے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ دہانہ اتنا بڑا نہیں ہے کہ سلیج اس میں باسو سمیت جا سکے۔ باسو کو الگ سے لے جانا پڑتا یا وہ خود جاتا۔ کرنل اور ڈیوڈ شا کو اندر گئے ہوئے تقریباً پانچ منٹ ہو گئے تھے اور اب تک ان کی واپسی نہیں ہوئی۔ جب دس منٹ ہو گئے تو میں نے اندر جھانکا۔

''کیا ہمیں باہر رکھنے کا ارادہ ہے۔''

کرنل اور ڈیوڈ شا کسی چیز پر جھکے ہوئے تھے۔ کرنل نے مڑ کر مجھ سے کہا۔ ''ہوشیار رہو یہ جگہ برفانی آدمی کے استعمال میں ہے۔''

یہ سن کر میرے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ میں نے بدمزگی سے کہا۔ ''تم اب بتا رہے ہو۔'' پھر پلٹ کر زینی اور سین کو ہوشیار کیا۔ ''ہر طرف دیکھو، کرنل کہہ رہا ہے یہ غار برفانی آدمی کا مسکن ہیں۔''

ایک منٹ بعد کرنل باہر آیا۔ اس نے کہا۔ ''اندر ایک گڑھے میں مارک کی لاش ہے۔''

یہ سن کر سب کو دھچکا لگا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ برفانی آدمی بھی آس پاس ہے۔''

''بالکل۔'' کرنل نے کہا۔ ''اس نے لاش گڑھے میں تقریباً چھپا دی تھی مگر مارک کی جیکٹ کا ایک کونا باہر رہ گیا اور وہ مجھے نظر آ گئی میں نے برف ہٹائی تو نیچے مارک کی لاش موجود تھی۔''

''اب ہم کیا کریں گے؟'' زینی نے پوچھا۔

''ہم یہیں قیام کریں گے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔

''اور برفانی آدمی، اس کا کیا ہوگا؟''

''اس کا علاج بھی ہمارے پاس ہے۔'' ڈیوڈ شا نے حکم دیا۔ ''سامان اندر لے چلو۔''

''اندر ایک لاش موجود ہے۔'' میں نے پھر کہا تو ڈیوڈ شا نے سرد نظروں سے مجھے دیکھا۔

''وہ لاش ہمیں کچھ نہیں کہے گی۔''

باہر کھڑے رہنا بھی عقل مندی نہیں تھی مجبوراً ہم اندر آئے۔ غار کے اندر بھی برف تھی اور یہاں جا بہ جا برفانی آدمی کے قدموں کے نشانات تھے۔ برف سخت تھی مگر ان پر وزنی پاؤں آنے سے برف دب گئی تھی اور یوں اس پر نشان آ گئے۔ یہ نشان عام آدمی کے پاؤں جیسے مگر اس سے تقریباً دو گنے بڑے تھے۔ مارک کی لاش گڑھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں موجود تھی۔ کرنل نے اس کے اوپری جسم سے برف ہٹا دی تھی برفانی آدمی نے اس کی گردن ادھیڑ تھی اور اس کی پوری جیکٹ سامنے سے سرخ ہو رہی تھی۔ یہ منظر خاصا خوفناک تھا۔ زینی نے منہ پھیر لیا۔ میں نے کرنل سے کہا۔ ''اسے دفنا دینا ہی بہتر ہوگا۔''

''نہیں پہلے برفانی آدمی کا سدِباب کرو۔'' ڈیوڈ شا نے حکم دیا تو کرنل سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس دوران میں سین ایک کونے میں اپنا کچن لگا رہا تھا۔ مہم کو پیش آنے والے حادثات اور اموات اپنی جگہ اور پیٹ کی بھوک اپنی جگہ تھی۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ اگر برفانی آدمی مارک کی لاش یہاں لایا تھا تو اسے اوشا کو بھی یہیں لانا چاہیے تھا۔ میں باہر جانے لگا تو ڈیوڈ شا نے مجھے روک دیا۔ ''ابھی باہر مت جاؤ۔''

''مجھے اوشا کو دیکھنا ہے ممکن ہے برفانی آدمی اسے بھی یہاں لایا ہو۔''

''اوشا یہاں نہیں ہے اور اس وقت تمہارا باہر جانا تمہارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''مجھے برفانی آدمی کی پروا نہیں ہے۔''

''نہیں خطرہ دوسرا ہے باہر کرنل بارودی سرنگیں لگا رہا ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا تو میں حیران رہ گیا۔

''بارودی سرنگیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہم خاص طور سے اس خطرے سے نمٹنے کے لیے اپنے ساتھ بارودی سرنگیں بھی لائے ہیں اسی لیے میں تمہیں باہر جانے سے روک رہا ہوں۔''

''اوکے میں باہر نہیں جاؤں گا لیکن دہانے تک تو جا سکتا ہوں۔''

''ہاں دہانے تک خطرہ نہیں ہے۔''

میں دہانے تک آیا اور باہر جھانکا تو کرنل ٹیلے کی دیوار کے ساتھ سرنگ نصب کر رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے آواز نکال کر اسے متوجہ کیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور اشارے سے پوچھا کہ کیا ہے؟ میں نے اسے جوابی اشارے سے پاس آنے کو کہا۔ اس نے انگلی سے ایک منٹ رکنے کو کہا اور پھر اپنا کام مکمل کر کے محتاط انداز میں دہانے تک آیا۔ ''کیا ہے تم باہر کیوں آئے ہو؟''

''مجھے اوشا کا خیال آیا ہے شاید برفانی آدمی اسے بھی یہاں لایا ہو۔''

''میں نے پہلے ہی باقی دو غاروں کا جائزہ لے لیا ہے وہ خالی ہیں اور وہاں کوئی نشان بھی نہیں ہے۔''

''ممکن ہے آس پاس کوئی اور بھی جگہ ہو۔''

''اس وقت باہر کا جائزہ لینا بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔'' کرنل نے اندر آتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ اگر برفانی آدمی باہر موجود نہیں بھی ہے تو جلد وہ یہاں آنے والا ہے۔''

میرا بھی یہی خیال تھا کہ جلد یا بدیر برفانی آدمی اس غار کا رخ کرے گا۔ مگر اوشا کا خیال مجھے بے چین کر رہا تھا۔ اگرچہ کرنل کہہ رہا تھا کہ اس نے باقی دو غار دیکھ لیے ہیں مگر میں اس کی بات پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف وہ باہر بارودی سرنگیں لگا چکا تھا اور ان کی پوزیشن سے صرف وہی واقف تھا۔ اگر میں باہر جاتا اور میرا قدم کسی سرنگ پر آ جاتا تو میں مارا جاتا۔ کرنل نے جان بوجھ کر غار کے دہانے پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برف جمع کی تھی جیسے اسے چھپانے کی کوشش کی گئی ہو۔ اس کا مقصد برفانی آدمی کو ہوشیار کرنا تھا۔ تاکہ وہ براہِ راست اندر آنے کی کوشش نہ کرے اور باہر گھومے پھرے۔ اس طرح کسی بارودی سرنگ پر اس کا پاؤں آنے کا امکان زیادہ ہو جاتا۔ میں نے سوچا اور فی الحال خاموش ہو گیا۔ دہانے کی نگرانی باسو کر رہا تھا اور اس کے ساتھ کرنل اور زینی بھی مسلح اور چوکنا تھے۔ سین اپنے کام میں مصروف تھا۔ ڈیوڈ شاآرام کر رہا تھا۔ میں نے کرنال سے پوچھا۔

"ان بارودی سرنگوں کی قوت کیا ہے؟"

"ایک انسان کو بہت زیادہ نقصان ہو سکتا ہے اس کا نصف دھڑ اڑ جائے گا مگر ایک برفانی آدمی بھی بچ نہیں سکے گا۔ اگر وہ نہ مرے تب بھی حرکت کے قابل نہیں رہے گا۔"

سین نے ٹینا مچھلی کے ٹن نکالے اور برنر پر اس کے قتلے فرائی کرنے لگا اس کے ساتھ خشک نان تھے جو راشن میں ساتھ آئے تھے۔ گرم کرنے پر یہ نرم اور تازہ ہو جاتے تھے۔ وہ قتلے فرائی کر کے باری باری سب کو گرم نان کے ساتھ پیش کر رہا تھا۔ کھانے کے بعد گرم کافی تھی۔ آج پہلے نوڈلز اور چائے نہیں بنی تھی کیونکہ وہ ہنگامی حالات میں تھے اس لئے پیٹ بھرنا اولین ترجیح تھی۔ ایک عدد لاش کی موجودگی میں بھی کسی نے کھانے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ غار بند ہونے کی وجہ سے اندر اتنا سرد نہیں تھا اور جب یہاں ہم آئے اور پھر برنر بھی جلا تو اندر کا درجہ حرارت مزید بہتر ہوا تھا۔ یہاں ہمیں خیموں کی ضرورت نہیں تھی اس لئے نیچے ترپال بچھا کر اسی پر سلیپنگ بیگ میں گھس گیا۔ آج سفر نہ صرف طویل بلکہ اعصاب شکن بھی رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے پیش آنے والے حادثات نے طبیعت کو بدمزہ کر دیا تھا۔ میں سو جانا چاہتا تھا تاکہ جب کوئی ہنگامی موقع آئے تو میں تازہ دم ہوں۔

○.....❖.....○

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
سترہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انگ انگ ایٹم تک وزنیر آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مقصود تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

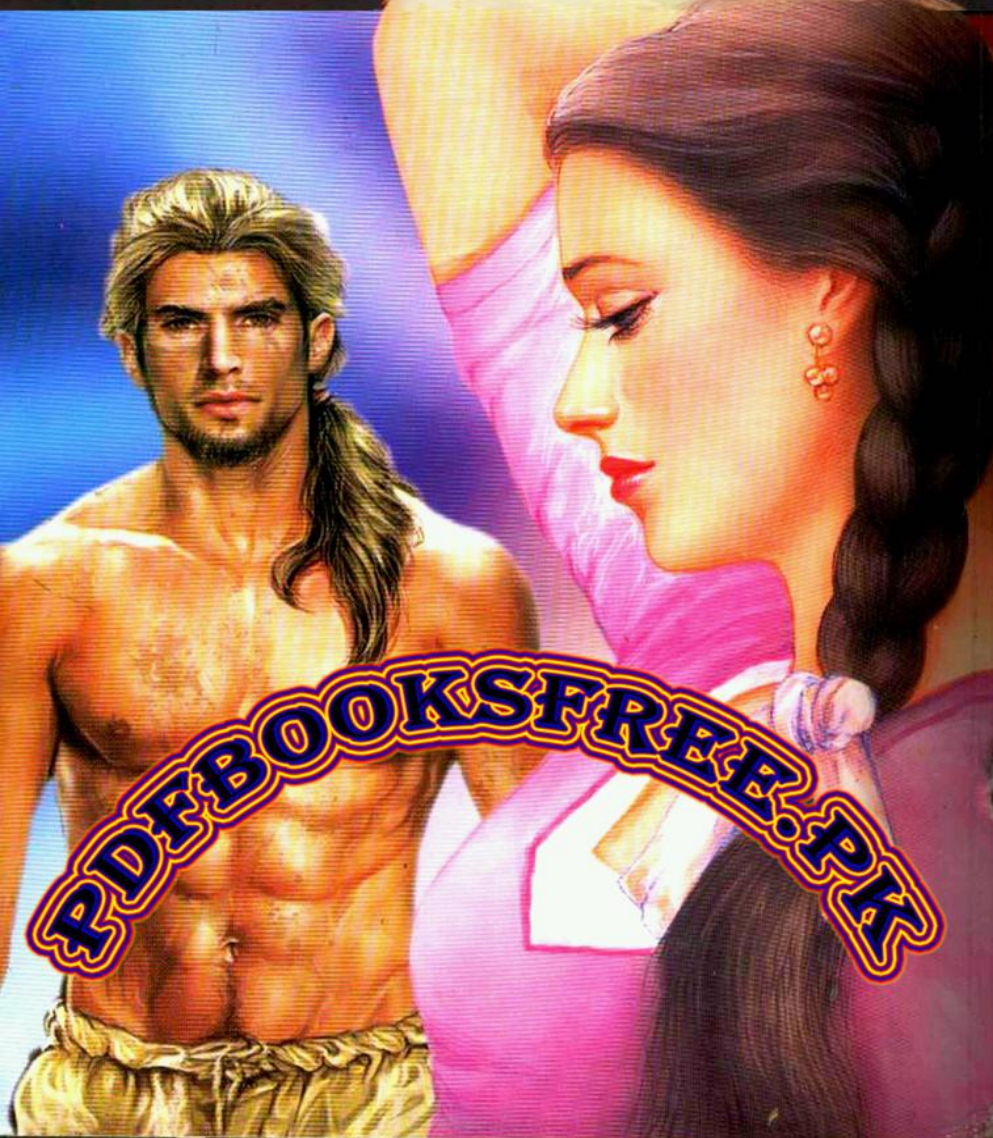
ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک

تحریر: کاشف زبیر

17



PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

ستر ہواں حصہ

کاشف زبیر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

عَلی میاں پبلی کیشنز
۲۰۔عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247414

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— عاطف رحمٰن۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر




PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ISBN 978-969-517-320-6

اسٹاکسٹ
علی بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Stokist:(U.K)
*Azhar Enterprises*
*315, Dickenson Road*
*Longsight, Manchester, M13 ONR*
*Tel: 0044 (0) 161 224 6331*

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے علاوہ ڈیوڈ شا، سین اور زینی بھی سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ کرنل اور باسو پہرہ دے رہے تھے۔ باسو کو تکلیف تھی مگر اسے بروقت طبی مدد اور آرام ملنے سے اس کی حالت خراب نہیں ہوئی تھی خاص طور سے اس کا پاؤں اچھی حالت میں تھا۔ اس کے باوجود آنے والا وقت اس کے لیے آسان نہیں ہوتا کیونکہ جب ہم وادی کے پاس پہنچ جاتے تو اسے اوپر ہی چھوڑنا پڑتا اور اس ویرانے میں اکیلے ہونے کا مطلب ہے کہ جلد یا بدیر فرشتۂ اجل آسکتا ہے۔ اکیلا آدمی یہاں خود کو نہیں بچا سکتا ہے خاص طور سے جب وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو۔ تھکن کے باوجود پریشان کن سوچیں اور اوشا کا خیال نیند کی راہ میں حائل ہو رہا تھا۔ مگر نیند وہ چیز ہے جو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ میں تو پھر بھی گرم اور آرام دہ سلیپنگ بیگ میں لیٹا ہوا تھا اس لیے بالآخر سو ہی گیا۔ نیند کے باوجود میرا ذہن چوکنا تھا۔ اس لیے جب کسی نے مجھے ذرا سا ہلایا تو میں فوراً جاگ گیا۔

''کون ہے؟''

''شش۔'' زینی نے سہمی آواز میں کہا۔ ''وہ باہر آگیا ہے۔''

وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ہوشیار ہوا اور سلیپنگ بیگ سے نکل آیا۔ میں نے اپنا واحد ہتھیار یعنی کلہاڑی نما ہتھوڑی سنبھال لی تھی۔ تقریباً ڈھائی پونے تین کلوگرام وزنی اس کلہاڑی کی ضرب اگر صحیح جگہ لگ جاتی تو ایک ہی ضرب میں برفانی آدمی جیسے درندے کو بھی موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ باسو بانے پر مستعد تھا اور کرنل دہانے کے آخری حصے میں اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے زینی کی طرف دیکھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''باہر سے غراہٹ سنائی دی تھی مگر اس کے بعد سے کچھ نہیں ہوا۔ سامنے کوئی نظر بھی نہیں آرہا ہے۔''

''جب غراہٹ سنائی دی تو تم جاگ رہی تھیں؟''

''ہاں اتفاق سے میری آنکھ کھلی ہوئی تھی۔''

''کتنی دیر پہلے کی بات ہے؟''

''پانچ منٹ ہو گئے ہیں۔''

''وقت کیا ہوا ہے؟''

اس نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی۔ ''سوا پانچ بج رہے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یعنی صبح ہونے والی تھی۔ میں دہانے کی سمت آیا اور دیوار سے لگ کر باہر کی طرف دیکھا۔ باہر تاریکی تھی۔ اگر چاند نکلا ہوا تھا تب بھی آسمان پر بادل ہونے سے روشنی نہیں تھی۔ کرنل بالکل ساکت تھا۔ اس کی ساری توجہ باہر کی طرف تھی اس کے باوجود وہ اس پتھر کو آتے نہیں دیکھ سکا جو باہر سے پھینکا گیا تھا اور وہ دہانے کی دیوار سے ٹکرا کر کرنل پر گرا۔ اس نے بے ساختہ فائر کیا تھا۔ یہ سنگل فائر تھا اس کے باوجود محدود جگہ رائفل کی آواز بم کی طرح گونجی تھی۔ کرنل فائر کرتے ہی تیزی سے پیچھے سرکا اور اسی وجہ سے دوسرے پتھر سے بچ گیا جو نہ ہٹنے کی صورت کرنل کے سر پر لگتا۔ یہ تین چار سیر وزنی پتھر تھا جو اس کا سر توڑنے کے لیے کافی تھا۔ پیچھے ہوتے ہوئے کرنل نے دو فائر اور کیے اور کھڑا ہوا تو اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ اس نے اپنا شانہ تھامتے ہوئے کراہ کر کہا۔

''لعنت ہو۔''

پتھر دیوار سے ٹکرا کر لگا تھا اس لیے چوٹ بہت زیادہ نہیں تھی مگر اتنی ضرور تھی کہ کرنل تکلیف محسوس کر رہا تھا اور اس کا دایاں ہاتھ پوری طرح حرکت نہیں کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بازو ہلا کر چیک کرتا جب اسے محسوس ہوا کہ ہڈی کو نقصان نہیں ہوا تو وہ کچھ مطمئن ہوا۔ میں برفانی آدمی کی ہوشیاری پر حیران تھا۔ ڈیوڈ شا اور کرنل اس کے لیے بارودی سرنگیں لائے تھے مگر وہ ان کے چکر میں نہیں آیا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کے ٹھکانے پر قبضہ ہو گیا ہے تو اس نے پاس آنے کی بجائے دور سے سنگ باری شروع کر دی۔ ایک تو باہر تاریکی تھی اور دوسرا یہ کہ وہ کہیں چھپا ہوا تھا اس لیے کرنل پتھر مارتے اور آتے نہیں دیکھ سکا۔ برفانی آدمی کا نشانہ بھی اچھا تھا کرنل کی خوش قسمتی کہ وہ بال بال بچا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اب کیا خیال ہے؟ کوئی اس سنگ باری میں باہر جا سکتا ہے۔ رات کی تاریکی میں اس کے نشانے کا یہ عالم ہے تو دن میں تو وہ پن پوائنٹ پتھر مارے گا۔''

''دوسروں کو ڈی مورلائز مت کرو۔'' کرنل غرایا۔ ''جلد وہ اس طرف آئے گا۔''

''فرض کرو وہ اس وقت باہر موجود تھا جب تم بارودی سرنگیں لگا رہے تھے تو اس نے دیکھ لیا ہوگا اور اس کی ذہانت تمہارے سامنے ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اس جگہ قدم رکھے گا۔''

''وہ جانور ہے کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

برفانی آدمی نے دو ہی پتھر اچھالے تھے اور اس کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔ ہماری طرف سے ردعمل نے اسے بتا دیا تھا کہ یہاں مسلح افراد موجود ہیں اور اب وہ غار کے پاس بھی نہ پھٹکتا مگر میں یہ بات کہنا نہیں چاہتا تھا۔ کرنل اسے اپنی مزید حوصلہ شکنی سمجھتا اور فی الحال وہی ڈیوڈ شا کا سپہ سالار تھا اور اسے ہی یہ جنگ لڑنا تھی۔ سین بھی جاگ گیا تھا اور ڈیوڈ شا اگر جاگ گیا تھا تب بھی اس نے سلیپنگ بیگ سے باہر آنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ میں نے سین سے کافی تیار کرنے کو کہا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''تمہیں اس وقت بھی کافی کی پڑی ہے۔ جب کہ باہر وہ درندہ گھوم رہا ہے۔''

''اگر میرے کافی نہ پینے سے وہ واپس چلا جاتا ہے تو تم بے شک کافی مت بناؤ۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' ڈیوڈ شا نے سلیپنگ بیگ سے سر نکالا۔ ''کافی تیار کرو ہمیں ٹھنڈے دماغ سے اس درندے کا مقابلہ کرنا ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بارودی سرنگوں کی بجائے تم لوگ کریکر لے آتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ اس قسم کے درندے دھماکوں اور شعلوں سے ڈرتے ہیں۔ فائر کریکر زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔''

''افسوس کہ تم سے مشورہ نہیں کیا۔'' کرنل نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''تم دل برداشتہ نہ ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے بھی یہ باتیں اس وقت سوجھ رہی ہیں ممکن ہے تم اس وقت پوچھ لیتے تو میں بارودی سرنگ جیسے احمقانہ ہتھیار کا مشورہ دیتا۔''

کرنل مجھے گھور کر رہ گیا۔ وہ سمجھ نہیں سکا تھا کہ میں اسے تسلی دے رہا ہوں یا اسے مزید گھس رہا ہوں۔ سین برنر جلا کر کافی تیار کرنے لگا۔ اس کے پاس پھینٹی ہوئی کافی کے ساشے موجود تھے اور وہ چند منٹ میں اس سے بہت اعلیٰ درجے کی کافی تیار کر سکتا تھا۔ اس نے سب کے لیے کافی تیار کی اور مگوں میں دی۔ اس دوران میں باہر روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ ''کوئی ایسی صورت ہے کہ ہم باہر جائے بغیر باہر کا جائزہ لے سکیں۔''

''اگر باسو ٹھیک ہوتا تو یہ جا سکتا تھا۔'' کرنل نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''اس کے علاوہ ایک صورت ہے۔''

کرنل نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹی سے ٹینک نما گاڑی نکالی اور اس میں ڈرائی سیل فٹ کیے۔ اس کے ساتھ ایک سکرین والا ریموٹ کنٹرول بھی تھا جس کے ساتھ لگی جوائے اسٹک سے اسے چلایا جا سکتا تھا۔ کرنل نے گاڑی نیچے چھوڑی اور اسے ریموٹ کی مدد سے چلانے لگا۔ اس کے اوپر ایک چھوٹے سے شیشے کے گنبد میں گھومنے والا کیمرہ لگا ہوا تھا جس کی ویڈیو ریموٹ کی اسکرین پر آ رہی تھی۔ ہم سب ہی کرنل کے پیچھے جمع ہو گئے۔ گاڑی چلتی ہوئی دہانے تک آئی۔ سامنے کا منظر نمایاں تھا اور اس منظر میں دور تک کوئی حرکت کرنے والی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ کرنل گاڑی کو تھوڑا آگے لے گیا اور دہانے سے نکلنے کے بعد گاڑی کا کیمرہ دائیں بائیں گھما کر دیکھا۔ مگر دائیں بائیں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ روشنی خاصی ہو گئی تھی اور کیمرے کا بڑا لینس منظر کو بہت واضح کر کے دکھا رہا تھا۔ یہ یقیناً فوجی استعمال کا زمینی ڈرون تھا۔ زینی نے کہا۔

''باہر کوئی نہیں ہے۔''

''اوپر کی طرف کیمرہ کرو؟'' میں نے مشورہ دیا۔ کرنل نے کیمرہ گھمایا اور اس کا منہ اوپر کی طرف کر دیا۔ اب ٹیلے کے اوپر کا حصہ کسی قدر دکھائی دے رہا تھا۔ مگر یہ بہت واضح نہیں تھا کیونکہ برف کی دیوار آگے نکل ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''گاڑی مزید آگے جا سکتی ہے۔''

''ہاں لیکن سامنے بھی ایک سرنگ موجود ہے گاڑی اس پر چڑھ گئی تو.....'' کرنل نے جملہ ادھورا چھوڑ کر شانے اچکائے۔

''اتنی ہلکی گاڑی بھی اسے ایکٹو کر دے گی۔''

''یہ فوری پھٹ جانے والی سرنگ ہے اس پر صرف ایک کلوگرام کا وزن آنے کی دیر ہو گی۔ گاڑی اس سے زیادہ وزنی ہے۔'' کرنل نے کہا اور پہلے کیمرہ گھما کر گاڑی کے سامنے دیکھا مگر یوں سمجھ میں نہیں آیا تو وہ خود محتاط انداز میں دہانے تک گیا اور پھر گاڑی کو تھوڑا اور آگے بڑھایا۔ اب اسکرین پر اوپر کا منظر دکھائی دے سکتا تھا۔ کرنل واپس آیا اور ایک بار پھر سب اسکرین پر دیکھ رہے تھے۔ کیمرے کا رخ اوپر کیا اور فوراً ہی ایک لمحے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حرکت سی محسوس ہوئی اور یہ سب نے محسوس کی تھی۔ اوپر ٹیلے کے ابھرے اور دبے حصوں کے درمیان کوئی سفید سی چیز ایک لمحے کو نظر آئی اور غائب ہوگئی۔ ڈیوڈ شانے پوچھا۔ ''تم لوگوں نے بھی دیکھا؟''

''ہاں میں نے دیکھا ہے۔'' میں نے کہا تو باقی سب نے تائید کی تھی۔ ڈیوڈ شانے کرنل سے کہا۔

''گاڑی اور باہر لے جاؤ۔''

''اس میں رسک ہے گاڑی اب سرنگ کے بہت پاس ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ اسی لمحے اوپر سے ایک پتھر آکر گاڑی پر گرا۔ کیمرے نے بالکل آخری لمحے میں پتھر دکھایا۔ پتھر گرنے کی آواز اندر تک آئی اور پھر ایک خوفناک دھماکا ہوا اور برف و سنگریزے اڑ کر اندر تک آئے تھے۔ دھماکا ایسا شدید تھا کہ اس کی لہر نے سب کو گرا دیا اور غار کے اندر بھی چھت سے مٹی اور سنگریزوں کی بارش ہوئی تھی۔ ابتدائی ردِعمل میں سب ہی سکڑ سمٹ گئے کہ کہیں غار گرے تو ان کا جسم پتھروں کی زد میں نہ آئے۔ میں لاشعوری طور پر دیوار کے ساتھ لگا اور چہرہ اس میں چھپا لیا۔ چند لمحے بعد مجھے محسوس ہوا کہ غار کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا اس کی دیواریں اور چھت اپنی جگہ برقرار تھیں۔ البتہ دھول مٹی خوب گری تھی۔ میں اٹھا تو اندر گرد کا غبار پھیلا ہوا تھا اور کھانسی کی آوازیں آرہی تھیں میں نے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہیں؟''

''ہاں!'' زینی نے کہا۔ کرنل اٹھ گیا تھا اور وہ دہانے کی طرف گیا۔ معاملہ واضح تھا۔ پتھر پہلے گاڑی پر گرا اور پھر سرنگ پر جا گرا اور اس سے دھماکہ ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے دہانے کے سامنے برف موجود تھی اور دھماکے کے بیشتر اثرات اس نے سہہ لیے تھے ورنہ اندر زیادہ تباہی ہوسکتی تھی۔ اسی وجہ سے اندر برف اڑ کر آئی تھی اور ہر چیز پر برف کا اسپرے جم گیا تھا۔ دھماکے سے دہانے کے عین سامنے زمین میں کوئی فٹ بھر گہرا اور ایک میٹر قطر کا گڑھا پڑ گیا تھا۔ کرنل جو دہانے کے بالکل پاس چلا گیا تھا اس نے باہر جھانک کر جلدی سے اپنا سر اندر کر لیا تھا۔ چند ایک بار اس نے اسی طرح کیا اور جب تیسری بار سر باہر نکال کر اندر کیا تو زن سے ایک پتھر آکر اس جگہ سے گزرا جہاں اس کا سر تھا اور وہ تیزی سے اندر بھاگا کیونکہ پتھر لڑھک رہا تھا اور خطرہ تھا کہ وہ کبھی کسی بارودی سرنگ پر نہ جا گرے۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''وہ.....اوپر موجود ہے۔''

خالی جگہ میں کرنل نے ایک ناقابلِ بیان گالی فٹ کی تھی۔ یہ گالی کوئی شریف آدمی کسی عورت کی موجودگی میں نہیں دے سکتا تھا مگر ایک تو کرنل بدحواس تھا اور یہاں جو عورت تھی وہ بالکل بھی شریف نہیں تھی۔ میں پیچھے ہو کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ''وہ اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گا اور دیکھا جائے تو اس نے ہمیں یہاں محصور کر دیا ہے۔''

''وہ کب تک ہمیں یہاں روک سکتا ہے۔'' کرنل نے تند لہجے میں کہا اور اپنے بیگ سے کچھ نکالنے لگا۔ جب اس نے چیز نکالی تو میں چونک گیا۔ یہ وہی اسکرین نما ڈی ٹیکٹر تھا جو کسی جاندار شے کا سراغ لگا سکتا تھا اس کی اسکرین پر جاندار کی لوکیشن اور فاصلہ سب آجاتا تھا۔ کنور پیلس پر حملے کے وقت ہمیں اس قسم کے آلے فراہم کیے گئے تھے۔ کرنل اسے لے کر دہانے کی طرف گیا باسوکل رات والی جگہ پر موجود تھا اور اس نے دھماکے کے وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی اپنی پوزیشن تبدیل نہیں کی تھی۔ اس کے تاثرات سے تکلیف یا تھکن کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''تمہاری ٹانگ کیسی ہے؟''

''پتا نہیں۔'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

''میں اسے مسلسل اینٹی بائیوٹک دے رہی ہوں۔'' زینی نے مجھے بتایا۔ ''پھر یہ آرام بھی کر رہا ہے اُمید ہے اس کا زخم خراب نہیں ہوگا۔''

''تم لوگوں کے پاس جدید ترین ادویات ہیں کیا کوئی ایسی دوا نہیں ہے جو زخم آسانی سے بھر دے اور ٹوٹی ہڈی جلدی جوڑ دے۔''

''نہیں ایسی کوئی دوا نہیں ہے۔''

ڈیوڈ شا بولا۔ ''ایسی حیرت انگیز دوائیں صرف ایک جگہ ہیں جہاں ہم جا رہے ہیں۔''

میں نے اٹھ کر باسو کا پاؤں اوپر سے ٹٹول کر چیک کیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مجھے ہاتھ بھی نہ لگانے دیتا اور تکلیف سے آسمان سر پر اٹھا لیتا مگر اس نے میرے ٹٹولنے پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ میں نے دونوں پنڈلیوں کا موازنہ کیا تو مجھے خاص فرق محسوس نہیں ہوا۔ یعنی سوجن نہیں آئی تھی اور اس کا امکان تھا کہ زخم ٹھیک حالت میں تھا۔ کرنل دہانے کے پاس جانے کی کوشش کر رہا تھا کہ برفانی آدمی باہر..... کہاں ہے؟ باسو کو دیکھ کر میں اس کے پیچھے آیا لیکن ایک فاصلے پر رہا کہ اگر اسے تیزی سے اندر آنا ہو تو میں رکاوٹ نہ بنوں۔ مجھے اس کے ہاتھ میں موجود آلے کی اسکرین نظر آ رہی تھی اور اس پر کوئی دھبا نہیں تھا۔ یعنی برفانی آدمی آس پاس موجود نہیں تھا اور اگر تھا تب بھی کسی ایسی جگہ تھا جہاں یہ آلہ اسے چیک کرنے سے قاصر تھا۔

کرنل آگے جاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ ایک تو سنگ باری کا خطرہ تھا اور اس سے زیادہ خطرہ بارودی سرنگ کا تھا۔ پتھر اس پر پڑتا تو آس پاس موجود لوگ بھی مارے جاتے۔ دیکھا جائے تو بارودی سرنگوں نے خود ہمارے لیے مشکل کھڑی کر دی تھی۔ میں اندر آیا تو ڈیوڈ شا کو کسی سوچ میں منہمک پایا۔ غالباً اس مسئلے کا حل سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کرنل کو آواز دی۔ کرنل اندر آیا اور ڈیوڈ شا نے اس سے سرگوشی میں کچھ کہا کرنل کا چہرہ تن گیا تھا مگر اس نے انکار نہیں کیا چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے سر ہلایا اور پھر سین کو آواز دی۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

سین آیا تو کرنل اس کے ساتھ مل کر مارک کی قبر سے برف ہٹانے لگا۔ میں مضطرب ہو گیا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''دیکھتے رہو۔'' کرنل نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ اوزاروں سے مدد لے رہے تھے اور کچھ ہی دیر میں برف کھود کر مارک کی لاش تک پہنچ گئے۔ اس بار میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔

''لاش کیوں نکالی جا رہی ہے؟''

''اس کی مدد سے ہم برفانی آدمی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ ''میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ لاش کی بے حرمتی ہے۔''

''تم سے کوئی اجازت طلب بھی نہیں کر رہا ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''یہ تمہارا نہیں میرا ساتھی ہے اس لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم دخل نہیں دے سکتے۔''

میرے اندر اشتعال کی لہر سی آئی تھی۔ یہ لوگ مارک کی لاش استعمال کرنے جا رہے تھے اور اسے چارے کے طور پر برفانی آدمی کے سامنے ڈال رہے تھے۔ مگر جب میں نے غور کیا تو ڈیوڈ شا کی بات دل کو لگی۔ مارک ان کا ساتھی تھا اور مرنے کے بعد وہ ان کی ذمے داری تھا۔ اس لیے میں نے خود کو ٹھنڈا کر لیا۔ کرنل اور سین نے برف کھود کر اکڑی ہوئی لاش نکالی۔ برفانی آدمی نے اسے گڑھے میں ٹھونسنے کے لیے توڑ مروڑ دیا تھا اور وہ بے چارہ اسی حالت میں تھا۔ کرنل اور سین اسے اٹھا کر دہانے تک لے گئے اور پھر کرنل ایک چھڑی کی مدد سے اسے آگے دھکیلنے لگا۔ ذرا سی کوشش کے بعد وہ لاش کو اس گڑھے میں دھکیلنے میں کامیاب رہا جو بارودی سرنگ پھٹنے سے وجود میں آیا تھا۔ میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔

''فرض کرو وہ اس چارے پر نہ آیا۔ اتنی عقل تو اس کے پاس بھی ہے کہ ہم آتشیں ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ وہ لاش لینے آئے گا تو مارا جائے گا۔''

''ہو سکتا ہے لیکن کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔

زینی نے کرنل سے کہا۔ ''کیا ہم باہر نکل کر کوشش نہیں کر سکتے؟''

''اس میں خطرہ زیادہ ہے۔ وہ بہت قوت سے پتھر مار رہا ہے اس کے خلاف تو زرہ بکتر بھی ناکام ہو جائے گی۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے کرنل کی تائید کی۔ ''اس وقت کوئی کوشش خطرناک ہو سکتی ہے۔ ہمیں دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی اپنانا ہوگی۔''

○.....❖.....○

ڈیوڈ شا ذرا مضطرب ہوا اسے خیال آیا ہوگا کہ اس صورت میں وادی تک پہنچنے میں تاخیر ہوگی۔ مگر وہ سمجھتا تھا کہ موجودہ صورتِ حال میں غار سے باہر جانا بہت رسکی ہے۔ اس لیے وہ چپ رہا۔ باسو حسبِ معمول خاموش اور پہرے پر تھا اس لیے سب ریلیکس ہو کر بیٹھ گئے۔ اس سفر میں پہلی بار مجھے سکون سے بیٹھنے اور سوچنے کا موقع ملا۔ میں اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ ایمن سے رابطہ ہوا تھا اور اس کے توسط سے میرا وسیم اینڈ پارٹی سے بھی رابطہ ہوا تھا اور انہیں کم سے کم یہ علم تھا کہ میں ڈیوڈ شا کے قبضے میں جا چکا ہوں اور وہ مجھے لے کر وادی کی طرف جانے کے لیے پر تول رہا ہے۔ پھر ایمن کی مدد سے میرے ساتھیوں کو بھی علم ہوا ہوگا کہ ڈیوڈ شا سفر پر روانہ ہو گیا ہے۔ اب ہم وادی سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھیوں کا کیا ردِعمل ہوا ہوگا مگر وہ سکون سے بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھے میری واپسی کے لیے وہ کچھ نہ کچھ کر رہے ہوں گے۔

راجا عمر دراز اور مرشداب پیچھے رہ گئے تھے۔ ایک مخلص دوست اور دوسرا جانی دشمن تھا مگر فی الحال دونوں لاتعلق ہو گئے تھے۔ جب تک میں واپس نہ جاتا ان سے دوبارہ تعلق قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں سوچوں میں گم تھا کہ زینی سرک کر میرے پاس آ گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تم اوشا کے بارے میں سوچ رہے ہو؟''

''نہیں۔''

''پھر کس کے بارے میں سوچ رہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے گھورا۔ ''ضروری ہے کہ میں کسی کے بارے میں سوچوں؟''

''آدمی سوچتا ہے اور زیادہ تر اپنوں کے بارے میں سوچتا ہے۔'' اس نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''اس لیے اگر تم سوچ رہے ہو تو اپنے کسی دوست یا دشمن کے بارے میں ہی سوچ رہے ہو گے۔''

''ظاہر ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بائی دی وے تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے مجھے کس کیٹگری میں رکھا ہے۔ دوست یا دشمن؟''

میں نے پوچھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے تم کس کیٹگری میں آسکتی ہو؟''

''فی الحال تو دشمن۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''لیکن مجھے امید ہے کہ میں تمہیں دوست بنالوں گی۔''

''یہ توقع کیوں؟''

''سنا ہے تم عورتوں میں مقبول ہو میری کزن تمہارے پیچھے پاگل ہے۔''

''اگر تم ایمن کی بات کر رہی ہو تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم صرف دوست ہیں اس سے زیادہ ہمارے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''یہ تو تم کہہ رہے ہو نا اس کے بارے میں، میں نے جو سنا ہے وہ کچھ اور ہے۔''

''تم نے غلط سنا ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ میں عورتوں میں مقبول ہوں۔''

''تم ہینڈسم ہو۔'' وہ بے تکلفی سے بولی۔ ''یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی عورت تمہارے پاس آئے اور تم سے متاثر نہ ہو۔''

''یہ بھی غلط ہے میرے پاس بہت سی عورتیں آئیں مگر ان میں سے سوائے چند ایک کے کسی اور نے میرے لیے جذبوں کا اظہار نہیں کیا۔ بہت سی میری بہنوں کی طرح ہیں۔''

''یہ لڑکی اوشا بھی ہے۔''

''ہاں یہ لڑکی، ایک اور لڑکی جو مر چکی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔''

''میرے بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ مزید نزدیک سرک آئی اتنے قریب کہ درمیانی فاصلہ ختم ہو گیا اگرچہ ہمارے جسموں کے اتصال میں کئی موٹی رکاوٹیں حائل تھیں اس کے باوجود میں ذرا دور سرک گیا۔

''کس لحاظ سے؟''

''یہی کہ میں دیکھنے میں کیسی لگتی ہوں؟''

''ٹھیک لگتی ہو۔''

''بس ٹھیک۔'' وہ مزید آگے سرکی۔

''ہاں کیا یہ کافی نہیں ہے۔'' میں بھی سرکا۔

''نہیں۔'' اس کا لہجہ بدل گیا۔ ''میں چاہتی ہوں تمہیں بہت اچھی لگوں۔''

''جو لوگ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں وہ کام بھی بہت اچھے کرتے ہیں اور تم نے اب تک ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی بناء پر تم مجھے اچھی لگو۔'' میرا لہجہ سرد ہو گیا۔

''جب تم گرنے والے تھے تو میں نے تمہیں بچایا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر ایسا کوئی موقع تمہارے ساتھ پیش آتا تو میں بھی یہی کرتا میں نے تو باسو کو بھی بچانے کی کوشش کی تھی۔ یہ کون سی ایسی بات ہے جسے جتایا جائے۔''

وہ کھسیا گئی۔ ''میں جتا نہیں رہی، صرف پوچھ رہی ہوں کہ میرے اس فعل کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

''میں جواب دے چکا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مہربانی کر کے اپنی جگہ پر رہو اب یہاں سرکنے کی گنجائش ختم ہوگئی ہے۔''

''تم بہت سنگ دل ہو۔'' اس نے مرجھائے انداز میں کہا۔ ''آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی کی طرف پیش قدمی کی ہو اور اس نے میرے ساتھ ایسا رویہ رکھا ہو۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری توقعات پر پورا نہیں اتر پایا مگر اس میں میرا نہیں میری فطرت کا قصور ہے۔''

''یہ سب بکواس ہے۔ مرد کے لیے عورت بس عورت ہوتی ہے۔'' وہ تنک گئی تھی۔

''تم کہہ سکتی ہو کیونکہ اب تک تمہارا واسطہ ایسے مردوں سے پڑا ہوگا جو عورت کو بس عورت سمجھتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک عورت بہت سے رشتوں کا نام ہے۔ ہر رشتہ محترم ہوتا ہے۔''

ہمارے درمیان گفتگو بہت دھیمی آواز میں ہو رہی تھی اور اس کا امکان کم تھا کہ دوسروں نے کچھ سنا ہو مگر زینی کی پیش قدمی اور میری پسپائی سب نے نوٹ کی ہوگی۔ زینی کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز اب تم میری ضد بن گئے ہو میں تمہیں توڑ کر رہوں گی۔''

میں اس سے کیا کہتا جسے اس عالم میں بھی ہری ہری سوجھ رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی اوپر والا بچاتا آیا تھا اب بھی اُسی سے امید تھی کہ اس فتنے سے محفوظ رکھے گا جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی فتنہ نہیں ہے۔ وقت آہستہ آہستہ سے گزر رہا تھا۔ کرنل اور باسو دونوں مارک کی لاش کی نگرانی کر رہے تھے مگر ابھی تک برفانی آدمی کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ کرنل، باسو اور ڈیوڈ شاید بالکل خاموش تھے مگر زینی اور سین آپس میں بات کر رہے تھے۔ میں جس دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا اپنی کلہاڑی کی نوک اس پر ہلکے ہلکے مار رہا تھا۔ میرا کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ میں ایسے ہی بے خیالی میں یہ حرکت کر رہا تھا۔ ایک بار میں نے نوک ماری تو وہ دیوار میں یوں گھس گئی جیسے دیوار کچی ہو یا پھر اس کے دوسری طرف خلا ہو۔ میں چونکا اور کلہاڑی کھینچ کر اسے دوبارہ مارا اس بار بھی وہ دوسری طرف نکل گئی تھی۔

اگلی بار میں نے کلہاڑی استعمال نہیں کی بلکہ اس کا دستہ سوراخ میں داخل کیا اور اسے آگے دھکیلنے لگا۔ مزاحمت کے باوجود دستہ آگے جا رہا تھا۔ پھر ایسا لگا جیسے دستہ زاد ہو گیا ہو اس کے آگے رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ میں نے اسے کھینچا اور دوبارہ اندر گھسایا اور اس بار یہ آسانی سے چلا گیا۔ یوں لگا جیسے آر پار سوراخ مکمل ہو گیا۔ کوئی میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس لیے میں یوں جھکا جیسے لیٹ رہا ہوں اور پھر سوراخ کے دوسری طرف دیکھا تو مجھے تاریکی سی نظر آئی۔ پھر میں نے کان لگا کر سنا تو یوں لگا جیسے کوئی بہت ہی آہستہ سانس لے رہا ہو لیکن یہ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آواز نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایسا لگا تھا کہ اس غار کے برابر میں ایک غار اور تھا اور درمیان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں موجود دیوار کسی وجہ سے کمزور ہوئی تھی اور جب میں نے اس پر کلہاڑی آزمائی تو اس کا کچھ حصہ ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ پہلے میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو بتاؤں مگر پھر میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ بے شک میں ان کے ساتھ سہی اور ہم برفانی آدمی کے خطرے کا اکٹھے سامنا کر رہے تھے مگر ان کو ہر بات بتانا بھی درست نہیں تھا۔

میں کچھ دیر یونہی لیٹا رہا اور سن گن لیتا رہا مگر دوسری طرف مستقل قسم کی خاموشی طاری رہی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی اس لیے میں نے کچھ دیر سونے کا سوچا اور پھر سو بھی گیا۔ خواب میں، میں نے دیکھا کہ اوشا کو برفانی آدمی نے کسی ایسے ہی غار میں قید کیا ہوا ہے اور اس کے نزدیک آنا چاہتا ہے مگر اس کے بدن میں موجود زہر کو محسوس کر کے وہ بدک کر پیچھے ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اوشا کو مارا نہیں اگرچہ وہ مرنے کی حد تک خوفزدہ تھی پھر برفانی آدمی کو غصہ آ جاتا ہے اور وہ اوشا کو زبردستی کھینچ کر غار سے لے جانے لگتا ہے اور وہ چیخ رہی ہوتی ہے۔ میں برفانی آدمی سے کہہ رہا ہوں کہ اسے چھوڑ دے مگر وہ شاید میری آواز سن نہیں رہا تھا کہ اچانک کسی نے مجھے ہلایا اور میں چونک کر بیدار ہو گیا اس وقت بھی میرے کانوں میں اوشا کی آخری چیخ گونج رہی تھی۔ مجھے جگانے والا سین تھا۔ اس نے پوچھا۔

''کیا ہوا تم خواب میں ڈر گئے ہو کچھ کہہ رہے تھے؟''

میں نے سر جھٹکا اور اٹھ بیٹھا۔ ''شاید..... وقت کیا ہوا ہے؟''

''دوپہر کے بارہ بج رہے ہیں۔'' سین نے جواب دیا اور پیچھے ہو گیا۔ میں نے پانی پیا۔ جب سے ہم غار میں محدود ہوئے تھے کھانے اور خاص طور سے پینے میں احتیاط کر رہے تھے کیونکہ یہاں اخراج کا مسئلہ ہو جاتا تو باہر جانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ مگر کب تک جلد یا بدیر یہ مرحلہ آنا ہی تھا۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ باسو ویسا ہی تھا اور اس وقت دیوار سے ٹیک لگائے سو رہا تھا مگر اس کے ہاتھ میں شاٹ گن بدستور موجود تھی۔ ڈیوڈ شا اور زینی آرام کر رہے تھے اور سین لنچ کی تیاری کر رہا تھا۔ صبح ہم نے ہلکا ناشتا کیا تھا اور اب شاید سب ہی بھوکے تھے۔ لنچ بھی ہلکا پھلکا تھا اور وجہ وہی تھی کہ اخراج کا مسئلہ نہ ہو۔ لنچ کے بعد سب ہی اونگھنے لگے تھے۔ اچانک زینی کی آواز آئی۔

''مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے میں باہر جاؤں گی۔''

''کوئی باہر نہیں جائے گا۔'' ڈیوڈ شا نے سخت لہجے میں کہا۔

''تب کیا یہیں کر دوں۔'' زینی چیخی۔

''کرنل اس کونے میں برف سے دیوار بنا دو۔'' ڈیوڈ شا نے کرنل کو حکم دیا۔ ''سب اس دیوار کے پیچھے جائیں گے۔''

غار میں اچھی خاصی برف جمع تھی۔ کرنل نے چھوٹے سے بیلچے کی مدد سے برف سے اس کونے میں دو فٹ اونچی دیوار سی بنا دی جس کے عقب میں روپوش ہوا جا سکتا تھا۔ اس نے زینی سے کہا۔ ''اب ایک چھوٹا گڑھا کھود لینا اور پھر اسے بند کر دینا۔''

کرنل کا مطلب واضح تھا کہ گڑھا کھود کر جو کرنا ہے اسی میں کرنا اور پھر اسے بند کر دینا تاکہ بدبو نہ پھیلے۔ زینی بیلچہ لیتی ہوئی اس دیوار کے پیچھے چلی گئی۔ اس دن مجھے پتا چلا کہ کسی کی موجودگی میں رفع حاجت کرنا یا کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرا آپ کی موجودگی میں کرے تو کس قدر عجیب محسوس ہوتا ہے۔ وہ نظروں سے اوجھل تھی مگر آوازیں آ رہی تھیں اور پھر بو بھی پھیلنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے نکلی تو جھینپ رہی تھی۔ یقیناً باقی سب بھی جھینپ رہے تھے بہر حال کچھ دیر بعد سب نارمل ہو گئے تھے۔ فطرت انسان کی مجبوری نہیں دیکھتی ہے۔ میں نے کرنل سے پوچھا۔

''کیا ہم رات کا انتظار کر رہے ہیں؟''

''نہیں اسنو مین کا۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''جلد یا بدیر وہ لاش لینے آئے گا اور تب ہم اس پر حملہ کر سکیں گے۔''

''یعنی ہم اس سے اعصاب کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ ہم محصور ہیں اور وہ آزاد ہے۔'' میں نے کہا۔ ''دوسرے لفظوں میں ہماری آزادی و بقا اس کے ہاتھ میں ہے۔''

''تب تم بتاؤ کیا کیا جا سکتا ہے۔'' کرنل نے کہا۔ ''باہر جانا تو دور کی بات ہے ذرا سی جھلک دیکھتے ہی وہ حملہ کرتا ہے۔''

''تاریکی میں ہم روشنی کے محتاج ہو جائیں گے اور وہ شاید تاریکی میں بھی دیکھ سکتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے لیے کچھ کرنے کو دن کی روشنی ہی بہتر ہے۔''

''ابھی ہمارے پاس وقت ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''ہم انتظار کر سکتے ہیں۔''

''دوسرے وہ مارک کی لاش اچک کر لے جائے اور سرنگوں سے بھی بچ جائے تو پوزیشن پھر یہی ہو جائے گی۔'' میں نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ پتھر لے کر بیٹھ جائے گا اور ہم باہر نہیں جا سکیں گے۔''

کرنل زچ نظر آنے لگا۔ ''تم کیا چاہتے ہو باہر جانا؟''

''نہیں میں چاہتا ہوں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کی بجائے کچھ سوچیں اور حرکت میں آ جائیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے ہو کہ یہ مخلوق زیادہ تعداد میں ہو سکتی ہے اور اگر یہ ایک سے زیادہ یہاں آ گئی تو ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں گے۔''

''تم کوئی تجویز دو۔''

''میں کیسے تجویز دے سکتا ہوں جب کہ مجھے یہی نہیں معلوم کہ تمہارے پاس ذرائع کیا ہیں مزید کتنے ہتھیار ہیں جن سے ہم کام لے سکتے ہیں۔''

کرنل مجھے گھورنے لگا۔ ''تم بہت چالاک آدمی ہو۔''

''اس میں چالاکی کہاں سے آ گئی؟''

''تم معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہو کہ ہمارے پاس کتنی طرح کے ہتھیار ہیں۔''

''برفانی آدمی سے لڑنے کے لیے۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میری نیت خراب ہے۔''

کرنل نے کوئی جواب نہیں دیا اور دہانے کی طرف چلا گیا۔ میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا اور بولا۔

''ہماری طرف ایک محاورہ ہے کہ شک کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔''

اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تم بلاوجہ کی باتیں کرنے کی بجائے اپنی تجویز پیش کر سکتے ہو اگر تمہارے ذہن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایسی کوئی چیز ہے۔''

''موجودہ حالات میں تو کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ویسے بھی یہ کرنل کی ذمے داری ہے۔''

زینی ہر چھ گھنٹے بعد باسو کو اینٹی بایوٹک اور پین کلر دے رہی تھی۔ میں نے پھر اس کا پاؤں چیک کیا تھا اور وہ بہتر حالت میں تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس سے ہوا کہ میں نے جو لکڑیاں اور ان پر پٹی باندھی تھی وہ کسی قدر ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ یعنی چوٹ کے آغاز میں جو سوجن آئی تھی وہ کم ہو گئی تھی اور ایسا صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب زخم بہتر حالت میں آیا ہو۔ شاید باسو کا جسمانی نظام کچھ اس طرح کا تھا کہ اس کے زخم تیزی سے بہتر ہوتے ہوں۔ بہرحال وہ دواؤں کی مدد سے بڑھایا ہوا جسم تھا جو عام انسانی جسم سے مختلف ہوتا ہے۔ ہم میں سے کوئی نہ کوئی کچھ دیر بعد دہانے تک جا کر باہر کا معائنہ کرتا تھا۔ اچانک کرنل نے یہ کیا کہ اپنی جیکٹ اتار کر اسے دو چھڑیوں کی مدد سے ہڈ تک سیدھا کیا اور پھر اسے آگے کیے ہوئے دہانے تک آیا اور اسے ذرا باہر نکالا۔ اگر برفانی آدمی اوپر یا کہیں اور موجود تھا تو اسے لگتا کہ کسی آدمی نے سر باہر نکالا ہے ہڈ کی وجہ سے جیکٹ میں آدمی ہی لگ رہا تھا۔ اس نے وقفے وقفے سے کئی بار اسے آگے پیچھے کیا مگر کسی طرف سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ سین نے کہا۔

''وہ اس وقت باہر موجود نہیں ہے ہمارے لیے موقع ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔'' زینی نے کہا میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ کیونکہ کچھ دیر بعد شام ہو جائے گی اور ہم تاریکی میں باہر زیادہ غیر محفوظ ہوں گے۔''

کرنل نے کہا۔ ''میں سوچ رہا ہوں کہ باہر نکلا جائے۔ مگر مجھے ایک آدمی کی اور مدد چاہیے ہو گی۔''

باسو قابل نہیں تھا۔ سین نے فوری ہاتھ اوپر کر دیئے۔ ''میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔''

''اس وقت سب کی جان پر بنی ہے۔'' کرنل غرایا۔ ''اگر برفانی آدمی یہاں گھس آیا تو کیا تم اسے یہی عذر پیش کرو گے۔''

''میں ہتھیار استعمال کرنا جانتا ہوں لیکن مہارت نہیں ہے۔'' سین نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''میں کر سکتا ہوں لیکن تم مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے۔'' میں نے ہنس کر کہا تو کرنل نے مجھے گھورا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ڈیوڈ شا نے کہا۔

''اسے ہتھیار دے دو اگر یہ تمہارے ساتھ باہر جانے پر رضی ہے۔''

کرنل نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا اور فوراً ہی اس کے تاثرات بدل گئے۔ وہ مخالفت کرنے والا تھا مگر ڈیوڈ شا نے شاید اسے کوئی اشارہ کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم تیار ہو؟''

''ہاں کیونکہ یہاں میری بھی جان پر بنی ہے۔ میری ایک ساتھی برفانی آدمی کے قبضے میں ہے۔''

اس نے اپنی شاٹ گن میری طرف بڑھا دی۔ میں نے اسے لے کر چیک کیا اور یہ لوڈ تھی اور اس میں سات گولیاں موجود تھیں۔ کرنل نے اضافی بلٹ بھی دیئے جو میں نے جیکٹ کی جیب میں رکھ لیے۔ ''اب میں تیار ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بہت خطرناک ہے۔'' زینی نے کہا اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ ''اگر اس نے تم لوگوں پر قابو پالیا تو پیچھے اس سے لڑنے والا کون رہ جائے گا؟''

''تم لوگ اپنے طور پر ہوشیار رہو۔'' کرنل نے کہا اور میرے ساتھ دہانے تک آیا۔ اس نے اشارہ کیا۔ ''دہانے کے بعد دو گز دائیں طرف اور دو گز بائیں طرف دو سرنگیں ہیں۔ اسی طرح ایک سرنگ بالکل سیدھ میں تھی جو تباہ ہو چکی ہے اس کے ٹھیک دائیں بائیں ایک ایک گز کے فاصلے سے سرنگیں موجود ہیں۔ سمجھ لو کہ ٹیلے کی دیواروں کے ساتھ ہیں۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''اب ایکشن پلان کیا ہے؟''

''میں پہلے جاؤں گا اور مارک کے اوپر سے پھلانگ کر دوسری طرف جاتے ہی اوپر کی طرف نشانہ لوں گا اگر کوئی نظر آیا تو اس پر فائر کروں گا دوسری صورت میں تمہیں کور دوں گا اور تم باہر آؤ گے۔ وقت کا خیال رکھنا میرے جانے کے پانچ سیکنڈ بعد تم باہر آؤ گے۔''

''اچھا پلان ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔

''او کے میں جا رہا ہوں۔'' کرنل نے کہا اور یکدم باہر نکلا۔ اس نے ایک ہی جست میں مارک کی گڑھے میں موجود لاش پھلانگی اور دوسری طرف جاتے ہوئے ایک گھٹنا برف پر ٹیکتے ہوئے گھوم کر اپنی خودکار رائفل کا رخ اوپر کی طرف کر دیا۔ اس کے نکلتے ہی میں نے دل میں گنتی شروع کر دی اور پانچ کہتے ہی تیزی سے باہر آیا۔ مارک کی لاش پھلانگ کر دوسری طرف آیا اور کرنل کے پاس سے ہوتے ہوئے پیچھے نکل گیا۔ جیسے ہی میں آگے گیا پیچھے سے فائر ہوا۔ کرنل نے کسی پر گولی چلائی تھی۔ خطرے کا احساس کرتے ہی میں نے جست لگا کر گرتے ہوئے پشت برف پر کی اور پلٹ کر شاٹ گن کا رخ اوپر کی طرف کیا تھا۔ میں پھسلتا ہوا دور جا رہا تھا اور دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کرنل نے کس پر گولی چلائی ہے۔ اسی لمحے اوپر سے ایک پتھر آ کر میرے پیروں کے پاس گرا اور میں نے پتھر چلانے والے کو دیکھ لیا۔ میں بال بال بچا تھا۔ برفانی آدمی کا پھینکا پتھر میرے پیروں کو لگتا تو یہ ہڈی توڑ سکتا تھا۔

وہ ٹیلے کے اوپری حصے میں تھا اور کرنل نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ اس کا چلایا ہوا پتھر ہم دونوں کے درمیان میں گرا۔ وہ حرکت میں تھا اور اس کی حرکت اتنی تیز تھی کہ کچھ کہنا مشکل تھا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ میں نے شاٹ گن اس کی طرف کی اور پہلی گولی چلائی۔ خوفناک دھماکہ کے ساتھ ہی اس کے پاس سے برف کا غبار اٹھا۔ گولی اسے نہیں لگی تھی مگر اس نے اسے خوفزدہ ضرور کر دیا تھا۔ میں نے اسے غائب ہوتے دیکھا۔ میں گھسٹتا ہوا کئی گز دور گیا تھا اور رکتے ہوئے میں نے قلابازی کھائی اور اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ کرنل مڑا تو مجھے کھڑے دیکھ کر کسی قدر حیران ہوا تھا۔ پھر وہ بھی تیزی سے پیچھے آیا۔ ہمارے ہتھیاروں کا رخ اوپر کی طرف تھا اور ہم برفانی آدمی کی حرکت دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''دور ہو جاؤ ایک ہی جگہ ہم پتھر کا آسان ہدف ہوں گے۔''

بات کرنل کی سمجھ میں آ گئی اور وہ دائیں طرف حرکت کرنے لگا۔ اس نے برفانی آدمی کی لوکیشن کا اندازہ کرنے کے لیے دو گولیاں اور چلائیں۔ میں نے اسے ٹیلے کے اوپری حصے میں غائب ہوتے دیکھا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشارے سے کرنل کو سمجھایا کہ وہ شاید عقب میں جا چکا ہے۔ کرنل نے جوابی اشارے سے کہا کہ وہ پیچھے جا رہا ہے۔ میں نے سر ہلایا اور بدستور پیچھے ہٹتا رہا۔ سورج ہمارے بائیں طرف کسی قدر عقب میں مغرب کی طرف جھک چکا تھا۔ پیچھے ہٹنے سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو میں پتھر کی ضرب سے دور ہو رہا تھا اور دوسرے مجھے ٹیلے کا اوپری حصہ دکھائی دینے لگا اور اسی وجہ سے میں برفانی آدمی کو دیکھ سکا۔ اس نے دو ٹیلوں کے درمیانی خلا سے چھلانگ لگائی اور ناقابلِ یقین طور پر کوئی آٹھ گز کا خلا عبور کر کے دوسری طرف چلا گیا۔ کوئی انسان اس قسم کی جگہ پر ایسی چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا۔ میں نے گولی چلائی مگر وہ اس بار بھی بچ گیا۔ میں نے چلا کر کرنل سے کہا۔

''وہ شمالی ٹیلے پر چلا گیا ہے۔''

''راجر۔'' کرنل نے جواب دیا۔ اس کا مطلب تھا اس نے میری بات سمجھ لی تھی۔ وہ جنوبی سمت سے جاتے ہوئے میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ یہ ٹیلے برف کی اس ہموار ڈھلان پر الگ سے ابھرے ہوئے تھے۔ ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہموار جگہ تھی۔ گویا برفانی آدمی ان کے علاوہ اور کہیں چھپ نہیں سکتا تھا۔ ہاں غار کے دہانے کے سامنے کچھ دور ہی ڈھلان نیچے اتر رہی تھی اور وہاں سے برفانی آدمی نے حملہ کیا تھا۔ میں شمال کی طرف ہٹ رہا تھا اور میری نظر اس ٹیلے پر مرکوز تھی جس پر برفانی آدمی گیا تھا۔ اچانک میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں تیزی سے جھکا تو اک بھاری بھرکم پتھر زن سے میرے عین اوپر سے گزرا۔ جھکنے کی وجہ سے میں بچا تھا اور میں نے اسی پوز میں گھومتے ہوئے دیکھا تو برفانی آدمی میری طرف جھپٹ رہا تھا۔ وہ مشکل سے دس گز دور رہ گیا تھا اور چند سیکنڈ میں مجھ تک آ جاتا۔ میں نے بے ساختہ فائر کیا اور اس کے سینے میں سوراخ نمودار ہوا۔

اس کے باوجود اس کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی اور وہ غراتا ہوا مجھ تک پہنچ گیا۔ اس نے شاٹ گن تھام لی اور مجھے نیچے گرا لیا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اتنی خوفناک مخلوق کو سامنے سے دیکھا۔ اس کا قد بہت زیادہ نہیں تھا۔ تقریباً ساڑھے چھ فٹ ہو گا مگر وزن مجھ سے دوگنا ضرور تھا مجھے لگا جیسے میرے اوپر کوئی پہلوان آ گرا ہو۔ اس کا جسم ڈھائی تین انچ لمبے اور بے پناہ گھنے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا درندگی سے بھرپور چہرہ مجھ سے کچھ ہی دور تھا۔ سرخ آنکھیں اور پھیلی ہوئی ناک تلے منہ سے نکلے ہوئے دانت خاصے بڑے تھے۔ اس کے چہرے پر پرانے زخموں کے نشانات تھے جیسے ہمارے ہاں غنڈے اور بدمعاش قسم کے لوگوں کے منہ پر پائے جاتے ہیں اور وہ انہیں بطور ٹریڈ مارک استعمال کرتے ہیں۔ وہ غرانے کے انداز میں سانس لے رہا تھا اور مجھ سے شاٹ گن چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں کوشش کر رہا تھا کہ اس کے پیٹ تک پاؤں لے آؤں اور اسے خود پر سے اچھالنے کی کوشش کروں۔ اس کے سینے کے کھلے زخم سے بہنے والا خون مجھ پر آ رہا تھا۔ زخم کی وجہ سے وہ کمزور ہو رہا تھا اور پورا زور نہیں لگا پا رہا تھا۔ جب اس نے یہ بات محسوس کر لی تو اس نے پینترا بدلا اور شاٹ گن میری گردن کی طرف لانے کی کوشش کرنے لگا۔ یقیناً وہ شاٹ گن سے میری گردن دبانا چاہتا تھا۔ اس کی کوشش میں اس کا پیٹ والا حصہ اوپر ہوا اور میں نے اس کی رانوں کے درمیان گھٹنا مارا۔ وہ غرایا اور ذرا اوپر ہوا تھا مجھے موقع ملا کہ میں اس کے پیٹ پر دونوں پاؤں جما سکوں۔ اس کے باوجود اسے اچھالنا آسان کام نہیں تھا اس میں رکاوٹ اس کا بے پناہ وزن تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ شاٹ گن تقریباً میری گردن تک لے آیا تھا۔ میں نے ایک بار پاؤں چلائے مگر وہ واپس مجھ پر آیا اور اب وہ مجھے پیٹ سے بھی دبا رہا تھا۔ مجھے لگا کہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کچھ اور کرنا پڑے گا۔

بے پناہ خون بہنے کے باوجود اس کی قوت اور وحشت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ میں نے اچانک ہاتھ ڈھیلے کیے تو وہ تیزی سے نیچے آیا اور میں نے سر سے اس کی ناک کو نشانہ بنایا۔ وار بالکل ٹھیک بیٹھا اور سر اور ناک کے تصادم میں ہڈی ٹوٹنے کی آواز صاف آئی تھی۔ اس نے بلبلا کر سر اوپر کیا اور اس بار مجھے موقع ملا میں نے دونوں پاؤں اس کے پیٹ پر جماتے ہوئے پوری قوت سے اسے اچھالا اور وہ میرے سر پر سے ہوتا ہوا پیچھے جا گرا۔ اس نے شاٹ گن اب بھی نہیں چھوڑی تھی اسی لیے میرے پاس ہی گرا۔ شاٹ گن پر میرے بھی ہاتھ جمے ہوئے تھے۔ اور میں نے اسے استعمال کرتے ہوئے پیچھے کی طرف قلابازی کھائی اور اس پر گرا۔ میرا گھٹنا اس کے زخم پر لگا تھا اور اس نے کرب ناک آواز نکالی۔ اب اس کی مزاحمت جواب دے گئی تھی۔ میں نے شاٹ گن اس سے چھین لی اور اس کی نال کا رخ اس کی طرف کر رہا تھا کہ میں نے سامنے سے دو ہیولوں کو جھپٹتے دیکھا۔

میں نے شاٹ گن کا رخ ان کی طرف کیا تھا کہ نیچے دبے برفانی آدمی نے حیران کن قوت سے اچانک مجھے پیچھے اچھالا اور میں تقریباً اڑتا ہوا غار کے دہانے پر گرا۔ شاٹ گن میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی مگر وہ پاس ہی گری تھی۔ میں نے فوراً اٹھا لی۔ خوش قسمتی سے میں کسی سرنگ پر نہیں گرا تھا۔ آنے والے دو برفانی آدمی کوئی پچاس گز دور تھے اور غیر معمولی رفتار سے آ رہے تھے۔ میں نے برف پر پاؤں مارے اور دہانے کے اندر چلا گیا۔ اسی لمحے اندر سے خوفناک دھماکہ ہوا اور گولی میرے اوپر سے ہوتی آگے آنے والے برفانی آدمی کے سر پر لگی اور اس کا سر غائب ہو گیا۔ یہ فائر باسو نے اپنی شاٹ گن سے کیا تھا۔ برفانی آدمی اوندھا گرا اور اس کی سربریدہ لاش تیزی سے پھسلتی ہوئی غار کی طرف آنے لگی۔ دھماکے نے میرے کان سن کر دیئے تھے مگر خطرے کا احساس باقی تھا میں اٹھ کر اندر کی طرف بھاگا۔

میں دہانے سے اندر آیا تھا کہ عقب میں دھماکہ ہوا اور میں اچھل کر آگے گرا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر برف اور سنگریزوں کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ گرنے سے پہلے میں نے ایک دھماکہ اور سنا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ برفانی آدمی کی لاش نے دوسرے سرنگوں کو تباہ کر دیا تھا۔ میں اٹھا اور گرد و غبار میں ٹٹولنے لگا۔ زینی چلا چلا کر پوچھ رہی تھی کہ باہر کیا ہوا ہے۔ لیکن میں نے جواب نہیں دیا۔ دھماکے کی بازگشت ختم ہوئی تو باہر سے دردناک انداز میں چلانے کی حیوانی آوازیں آنے لگیں۔ میری توجہ ان آوازوں کی طرف بھی نہیں تھی۔ بمشکل میں نے اپنی کلہاڑی تلاش کی اور اس دیوار تک آیا جس کے دوسری طرف خلا تھا میں نے کلہاڑی گھما کر دیوار پر ماری تھی کہ عقب سے زینی نے میرا بازو دبوچ لیا۔ اس نے تند لہجے میں کہا۔ ''تمہارا دماغ خراب ہے یہ کیا کر رہے ہو۔''

''دہانے پر رہو۔'' میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''باہر اور بھی ہیں وہ اندر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

میرے لہجے کی خونخواری نے اسے جھجکا دیا اور وہ پیچھے ہٹی اور پھر تیزی سے دہانے کی طرف لپکی۔ باسو کی طرف سے دو مزید فائر اس کا ثبوت تھے کہ باہر مزید برفانی آدمی آ گئے تھے اور وہ اندر گھسنے کی فکر میں تھے۔ ژیوڈ شانے زینی کی جگہ لے لی مگر اس نے میرے کام میں مداخلت نہیں کی تھی اس نے دور سے پوچھا۔ ''یہ کیا کر رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو؟''

''یہاں دوسری طرف بھی کوئی غار ہے اور شاید یہاں سے نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی ہے۔'' میں نے کلہاڑی چلاتے ہوئے کہا اور اس بار ضرب نے دیوار کا ایک حصہ گرا دیا۔ میں نے دستہ مار کر ملبہ صاف کیا اور ٹارچ سے اندر روشنی ڈالی تو دوسری طرف سچ مچ ایک بڑا سا غار تھا اور وہاں سے شدید بدبو آ رہی تھی مگر بدبو برفانی آدمیوں سے زیادہ خطرناک نہیں تھی۔ ان میں سے کوئی غار کے دہانے تک چلا آیا تھا۔ اس نے اندر گھسنے کی کوشش کی تو زینی اور باسو نے بیک وقت اس پر فائر کیے اور وہ غراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وقت کم تھا۔ میں نے ایک بار پھر کلہاڑی چلانا شروع کر دی۔ سین بھی ایک کلہاڑی لے کر میری مدد کو آ گیا تھا اور ہم دونوں نے مل کر ایک منٹ میں سوراخ اتنا بڑا کر لیا کہ ایک آدمی آرام سے اس سے گزر سکتا تھا۔ میں نے سین سے کہا۔

''میں اس طرف جا رہا ہوں اگر خطرہ نہیں ہوا تو تم سامان اس طرف پھینکنا شروع کر دینا۔''

میں نے دوسری طرف قدم رکھا اندر آتے ہی بدبو کا احساس شدید ہو گیا اور یہ سڑتے ہوئے فضلے کی بدبو تھی۔ غار کے فرش پر فضلے کی تہہ بچھی ہوئی تھی۔ برفانی آدمی اس جگہ کو رفع حاجت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ میں جہاں جہاں ٹارچ گھما رہا تھا مجھے یہی نظر آ رہا تھا لیکن نہیں وہاں کچھ اور بھی تھا میں نے ٹارچ گھمائی تو کوئی چیز چمکی تھی۔ میں نے دیکھا ایک کسی قدر صاف ستھرے کونے میں کوئی چیز تھی۔ میں فضلے سے بچتا ہوا اس کی طرف بڑھا نزدیک آنے پر میرا دل دھڑکا تھا کیونکہ وہ اوشا کی کلائی کا سنہری کنگن تھا۔ میں نے جھپٹ کر اسے اٹھایا۔ وہ اوشا کا ہی کنگن تھا اور جب برفانی آدمی اسے یہاں لایا تو شاید اس نے خود چھوڑ دیا لیکن نہیں۔ مجھے اپنا خواب یاد آ گیا برفانی آدمی اسے کھینچ کر لے جا رہا تھا اور وہ چیختے ہوئے مزاحمت کر رہی تھی۔ کیا وہ خواب نہیں تھا اور میں نے سچ مچ اوشا کی آواز سنی تھی اور میرے خواب نے اس کی مکسنگ کی تھی۔ جب میں جاگا تو مجھے لگا کہ اوشا کی آخری چیخ سچ میں آئی تھی۔

شاید کچھ ایسا ہی تھا مگر میرے پاس غور و فکر کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اب باقی غار کا معائنہ شروع کیا یہ کھلا ہوا نہیں تھا مگر ایک طرف سرنگ نما راستہ کہیں جا رہا تھا۔ لازمی بات تھی کہ یہاں آمد و رفت کا راستہ تھا تب ہی برفانی آدمی یہاں رفع حاجت کے لیے آتے تھے۔ سین سوراخ سے جھانک رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''ابھی رکو میں دیکھ رہا ہوں یہاں سے باہر جانے کا راستہ کیسا ہے پھر تم لوگ آنا۔''

''میں بھی آ رہا ہوں۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔''

''یہاں گندگی اور بدبو ہے جو تمہاری طبع نازک پر ناگوار گزر سکتی ہے ویسے تمہاری مرضی ہے۔'' میں نے کہا اور سرنگ کی طرف بڑھ گیا۔ ویسے مجھے سچ مچ کسی مددگار کی ضرورت تھی کیونکہ ایک آدمی کے لیے مقابلہ مشکل تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ برفانی آدمی اوشا کو اس لیے یہاں لایا ہوگا تاکہ اسے دوسرے برفانی آدمیوں کی نظروں سے بچا سکے۔

میں نے کلہاڑی چھوڑ کر شاٹ گن اتار لی تھی اس کے خالی ہو جانے والے خانوں میں کارتوس ڈالنے لگا۔ سرنگ کے پاس آ کر اندر ٹارچ کی روشنی ڈالی تو دیکھا سرنگ آگے جا کر گھوم رہی تھی میں روشنی نیچے کر کے آگے بڑھا اگر دوسری طرف کوئی موجود تھا تو روشنی اسے ہوشیار کر سکتی تھی۔ اس لیے میں روشنی محدود کر رہا تھا۔ مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری طرف کوئی نہیں تھا۔ اب مجھے باہر کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ ڈیوڈ شا میرے پیچھے آچکا تھا۔ میں نے پلٹ کر اس سے کہا۔ ''دوسروں کو بلالو۔''

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وہ سب آرہے ہیں۔ باسو دہانہ تباہ کردے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''ہمارے پاس کچھ بم ہیں جو ایک منٹ میں پھٹ جاتے ہیں۔''

مجھے باسو کا خیال آیا۔ ''وہ کیسے آئے گا۔''

''آجائے گا تم اس کی فکر مت کرو۔'' ڈیوڈ شا نے مجھ سے آگے جاتے ہوئے کہا اس نے باہر جھانکا تھا اور پھر بولا۔ ''ادھر راستہ صاف ہے۔''

میرا اندازہ تھا کہ ہم ٹیلوں کے عقبی حصے میں آنکلے تھے۔ ''کرنل نظر آرہا ہے؟''

''نہیں لیکن وہ یہیں ہوگا۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ پیچھے سے زینی نمودار ہوئی اور اس نے سامان والے بیگ اٹھا رکھے تھے۔ بیگ رکھ کر وہ واپس گئی اور مزید دو چکروں میں اس نے سارا سامان اس طرف پہنچا دیا تھا۔ وہ سلیج بھی لے آئی تھی کہ باسو اس کے بغیر سفر نہیں کرسکتا تھا۔ سامنے والے غار سے رہ رہ کر فائرنگ کی آواز آرہی تھی۔ پھر خودکار رائفل کے برسٹ کی آواز آئی۔ خودکار رائفل صرف کرنل کے پاس تھی۔ اس کا مطلب ہے وہ زندہ اور مسلح تھا۔ آخر میں زینی اور سین باسو کو سہارا دیتے ہوئے نمودار ہوئے اور فوراً ہی عقب میں دھماکہ ہوا تھا۔ دھماکا اتنا شدید تھا کہ پورا غار اور شاید ٹیلے بھی ہل کر رہ گئے تھے۔ سرنگ کے اوپر سے مٹی اور برف کی بارش ہوئی تھی۔ ڈیوڈ شا اور میں سامان اٹھا کر باہر لانے لگے۔ دو بیگ نکال کر میں نے شاٹ گن سنبھال لی اور آس پاس دیکھنے لگا۔ ہم ٹیلوں کے عقب میں تھے اور اس طرف کوئی برفانی آدمی نہیں تھا۔ سب باہر آئے باسو کو سلیج پر بٹھا دیا۔ ڈیوڈ شا اور سین کو اس کے پاس چھوڑ کر میں اور زینی ٹیلوں کے سرے کی طرف بڑھے۔ زینی نے مجھ سے کہا۔

''یہ تو بہت سارے ہیں میں نے سامنے سے کم سے کم نصف درجن برفانی آدمی آتے دیکھے تھے۔''

''تین تو میں نے بھی دیکھے ان میں سے دو مارے گئے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''ایسا لگ رہا ہے کہ یہاں ان کا پورا قبیلہ آباد ہے۔''

''ایک سرنگ کا نشانہ بنا۔''

''وہ پہلے ہی مر چکا تھا۔ باسو کی شاٹ گن نے اس کا سر اڑا دیا تھا۔''

''جسے تم نے پہلے مارا تھا اور وہ شدید زخمی تھا دوسری بار وہ سرنگ پر دہ آگیا تھا۔ اس کی ٹانگ بھی اڑ گئی تھی۔''

''میرا خیال ہے جتنے مارے گئے ہیں اتنے ہی یا اس سے زیادہ ابھی زندہ موجود ہیں۔'' میں نے کہا اور ایک کونے سے جھانک کر دیکھا۔ اس طرف کوئی نہیں تھا۔ اب مجھے کرنل کی فکر ہو رہی تھی۔ ایک برسٹ کے بعد وہ خاموش تھا اور نظر بھی نہیں آرہا تھا۔ ہم ٹیلوں کے شمالی سمت آگئے تھے اور مغربی حصے یعنی سامنے کی طرف جارہے تھے۔ اچانک ٹیلے کے اوپری حصے سے آہٹ ہوئی تو میں زینی کو کھینچتے ہوئے ایک کسی قدر نچلے جھجے کی آڑ میں ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ اوپر سے برف گر رہی تھی۔ کوئی نیچے آ رہا تھا۔ زینی مجھ سے چپک گئی تھی۔ پتا نہیں اس میں خوف کا دخل تھا یا پھر وہ موقع سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔ اچانک اوپر سے دھم سے کوئی کودا اور میں بے ساختہ فائر کرتے کرتے رک گیا۔ وہ کرنل تھا۔ میں نے ہلکی سی آواز نکالی۔ ''شش''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کا تنا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تم لوگ باہر کیسے آئے باقی کہاں ہیں؟''

''سب آ چکے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''درمیان سے دیوار توڑ کر ہم ایک غار میں آئے اور اس سے باہر نکل آئے۔ کیا تم اب ہٹو گی۔'' آخری جملہ میں نے زینی سے کہا تو وہ جھینپ کر دور ہو گئی۔ کرنل چونکا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا اس غار کا؟''

''بس پتا چل گیا۔'' میں نے مبہم انداز میں جواب دیا۔ ''میرا خدشہ درست تھا۔ اوشا کو یہیں رکھا ہوا تھا۔'' میں نے اسے اوشا کا کڑا دکھایا۔ ''اس جگہ کو برفانی آدمی رفع حاجت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور وہاں جتنی مقدار میں فضلہ موجود ہے اس سے لگتا ہے یہاں خاصی تعداد میں برفانی آدمی موجود ہیں۔ ویسے ان کے فضلے کی بدبو بھی کم خوفناک نہیں ہے۔ آدمی چند منٹ سے زیادہ وہاں نہیں رہ سکتا۔ دو برفانی آدمی میرے سامنے مارے گئے۔''

کرنل نے سر ہلایا۔ ''کم سے کم تین میں نے مارے ہیں۔''

''ایک میرے ہاتھوں مرا ہے اور ایک باسو کے ہاتھ۔''

''ایک کو میں نے شوٹ کیا تھا۔'' زینی نے لقمہ دیا۔ ''مگر وہ مرا نہیں تھا بھاگ گیا تھا۔''

''آس پاس سکون بتا رہا ہے کہ فی الحال وہ پسپا ہو گئے۔'' کرنل نے کہا۔ ''ہمیں یہاں سے فوری روانہ ہو جانا چاہیے۔''

''لیکن کہاں اور کیا رات کی تاریکی میں سفر محفوظ ہو گا؟'' زینی نے پوچھا۔

''نہیں مگر یہاں ٹھہرنا زیادہ رسکی ہے۔'' کرنل بولا اور پیچھے کی طرف بڑھا جہاں ڈیوڈ شا موجود تھا اس نے اس سے بات کی اور اس نے بھی فوری روانگی کے حق میں فیصلہ دیا۔ باسو نے بتایا کہ جب وہ غار سے نکل رہے تھے تو کم سے کم دو برفانی آدمی اندر آئے تھے اور اس کے بعد دھما کا ہوا تھا۔ اس طرح سے مارے جانے والے برفانی آدمیوں کی تعداد چھ ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود اس سے زیادہ کی موجودگی عین ممکن تھی۔ ہم فوری چل پڑے۔ کچھ سامان چھوڑ دیا تھا جیسے مارک کا ذاتی سامان اور وزن کم کرنے کے لیے ایسی اشیاء جن کی ضرورت کم تھی وہ بھی چھوڑ دی تھیں۔ باقی سب سامان سلیج پر باسو سمیت لاد کر ہم آگے روانہ ہوئے۔ پہلے کی طرح میں اور سین سلیج کو کھینچ رہے تھے۔ ڈیوڈ شا جی پی ایس پر لوکیشن چیک کر رہا تھا اور پھر اس نے نقشہ دیکھا۔ میں نے پوچھا۔

''ہم وادی سے کتنی دور ہیں؟''

''تقریباً بیس میل۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ابھی ہم چڑھ رہے ہیں اس لیے رفتار سست ہو گی لیکن جلد ہمیں وادی کی طرف جانے والی ڈھلان ملے گی اور رفتار بڑھ جائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''رفتار تیز کرو۔'' میں نے سین سے کہا۔ ''ہمیں جلد یہاں سے دور نکل جانا ہے۔''

سین اپنی پوری کوشش کر رہا تھا میری بات سن کر اس نے رفتار تیز کی تھی۔ عقب میں باسو برف میں چھڑی مار کر سلیج کی رفتار کو بڑھا رہا تھا۔ کرنل اور زینی ڈیوڈ شا کے ساتھ تھے۔ تاریکی تقریباً مسلط ہو چکی تھی۔ ہم نے سلیج پر لگی لائٹس آن کیں اور ساتھ ہی ہاتھوں میں موجود نارچیں بھی روشن کر لیں۔ ہم درے کے اوپری حصے کی طرف جا رہے تھے اور ابھی اوپر پہنچنے میں وقت تھا۔ سین نے کہا۔ ''کوئی آس پاس ہے۔''

''توجہ مت دو۔'' میں نے کہا۔ ''جب تک ہم بھاگ رہے ہیں وہ پاس نہیں آئیں گے۔''

''یہ..... تم کیسے..... کہہ سکتے ہو؟''

''جانور ہمیشہ اس وقت حملہ کرتا ہے جب اس کا شکار بے خبری میں ہو جب کہ اس وقت ہم ہوشیار اور حرکت میں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ہماری توجہ ہٹانے کے لیے وہ ڈرائے گا۔''

ابھی میں نے کہا تھا کہ عقب سے حیوانی چیخوں کی آواز آئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے چیخنے والے ہمارے تعاقب میں ہوں۔ ان چیخوں میں ڈرانے والا تاثر تھا۔ سین خوفزدہ ہو گیا۔ ''وہ ہم تک آ رہے ہیں۔''

''وہ ہمارے آس پاس ہیں مگر میں نے کہا نا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ابھی حملہ نہیں کریں گے۔''

کرنل نے چیخوں کے جواب میں پلٹ کر کچھ فائر کیے تھے۔ میں نے چلا کر کہا۔ ''وقت مت ضائع کرو اپنی توجہ چلنے پر لگاؤ۔ وہ ہمیں خوفزدہ کر رہے ہیں۔''

''شہباز ٹھیک کہہ رہا ہے عقب پر توجہ مت دو ابھی وہ حملہ نہیں کریں گے۔'' ڈیوڈ شا نے بھی وہی بات کی۔

''ہمیں بہرصورت آج ہی وادی کے کنارے پہنچنا ہے اسی صورت میں ہم ان سے بچ سکتے ہیں۔''

ڈیوڈ شا اپنی ہمت سے بڑھ کر دوڑ رہا تھا مگر اس کا لہجہ اور سانس حیرت انگیز طور پر ہموار تھی۔ کرنل نے کوئی جواب نہیں دیا غالباً اسے پسند نہیں آیا تھا کہ ڈیوڈ شا میری تائید کرے۔ کرنل کو میں نے عام طور سے معقول آدمی پایا تھا مگر بعض اوقات وہ ایب نارمل حرکتوں پر اتر آتا تھا۔ حالانکہ اس جیسے آدمی کو ہر فیصلہ میرٹ پر کرنا چاہیے تھا۔ بہرحال آدمی ہر لحاظ سے مکمل نہیں ہوتا ہے۔ خوبیاں اور خامیاں سب میں ہوتی ہیں۔ بات کرنے سے بھی سانس ضائع ہو رہا تھا اس لیے میں نے تو خاموشی اختیار کر لی اَن تھک قدم اٹھاتے ہوئے مجھے اوشا کا خیال آیا۔ ان ٹیلوں میں ایک اور غار ملا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہاں مزید غار ہو سکتے تھے اور اوشا ان غاروں میں سے کسی میں ہو سکتی تھی۔ مگر اتنی مار امار اور ہنگامے کے باوجود اس کی ایک آواز بھی نہیں آئی تھی۔

اگر وہ وہیں تھی تو بے بس تھی یا بے ہوش تھی یا پھر کسی ایسی جگہ تھی جہاں سے آواز باہر نہیں آ سکتی تھی۔ مجھے افسوس ہوا کہ کاش میں اسی وقت دیوار میں سوراخ کرنے کی کوشش کرتا جب میں نے دوسری طرف سانسوں کی آواز سنی تھی۔ سانسوں کی آواز یقیناً اوشا کی تھی اور شاید وہ اس وقت ہوش میں نہیں تھی یا پھر سہمی ہوئی تھی جو آواز نہیں نکال رہی تھی۔ مگر ہو سکتا تھا کہ یہ صرف میرا خیال ہو اور اوشا درحقیقت وہاں آئی نہ ہو۔ جہاں تک کڑے کی بات تھی تو وہ برفانی آدمی بھی لا کر وہاں ڈال سکتا تھا۔ اس کے باوجود میرا دل کہہ رہا تھا کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اوشا وہاں لائی گئی تھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ڈیوڈ شا کی بات درست ثابت ہوئی تھی کہ اوشا زندہ ہے البتہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ملی نہیں تھی۔ شاید ڈیوڈ شا کا علم درست ہو کہ اوشا زندہ ہے اور بعد میں مجھے ملے گی لیکن میں اس پر آنکھ بند کر کے یقین کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

○.....❖.....○

مسلسل دوڑنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم بالآخر درّے کے اوپری حصے میں پہنچ گئے۔ حالانکہ ہم سلیج بھی کھینچ رہے تھے۔ اس کے باوجود ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی ہم سے پیچھے رہ گئی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا دور تک پھیلے ہموار برف کے میدان پر صرف ان لوگوں کے ہیولے نظر آ رہے تھے۔ میں اس برف زار کے کناروں کو دیکھنے لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ برفانی آدمی سیدھے راستے سے آنے کی بجائے اس طرف سے ہمارے پیچھے آ سکتے تھے۔ اگر چاند نکل آتا تو اس کی روشنی میں چاروں طرف دیکھنا آسان ہوتا مگر آسمان پر چند ایک تارے ضرور تھے مگر چاندنی الحال نہیں نکلا تھا۔ میں نے وادی والی سمت کی طرف دیکھا تو ڈھلان واضح طور پر نیچے جاتی دکھائی دی تھی۔ اس پر سلیج از خود چلتی اور ہمیں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔ چند منٹ بعد کرنل، ڈیوڈ شا اور زینی آ گئے۔ تینوں ہانپ رہے تھے اور ہمارا سانس اب بہتر تھا۔ ڈیوڈ شا نے آتے ہی مجھ سے کہا۔

''رکو مت تم لوگ آگے جاؤ۔''

''اور تم لوگ؟'' میں نے کہا تو کرنل نے اپنے سامان سے اسکیٹ بورڈ نکالے مگر یہ پہیوں والے نہیں بلکہ برف پر پھسلنے والے اسکیٹ بورڈ تھے وہ تینوں انہیں پیروں میں جوتوں کے ساتھ فکس کرنے لگے۔ میں نے سلیج آگے دھکیلی اور اس کے ساتھ ہی ہم چل پڑے۔ ڈھلان کے دوسرے رخ پر آ کر اندازہ ہوا کہ سلیج کھینچنا کتنا مشکل کام تھا اب اس مشکل سے نجات ملی تو بہت آسانی ہو گئی تھی۔ ہم تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے مگر اصل مزے تو ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی کے ہوئے تھے۔ ہم کوئی سو گز آگے نکلے تھے جب انہوں نے ڈھلان سے سفر شروع کیا اور چند منٹ بعد وہ ہم سے آگے نکل گئے تھے۔ وہ مزے سے بورڈ پر کھڑے تھے اور وہ پھسلتا ہوا آگے جا رہا تھا۔ اگر ہمیں سلیج کے ساتھ رہنے کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہم بھی بورڈ استعمال کر سکتے تھے۔ بہر حال مسئلہ اب زیادہ نہیں تھا کیونکہ پیروں کو زحمت دیئے بغیر بھی ہماری رفتار خاصی تیز تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ ہم چھ سات میل فی گھنٹے کی رفتار سے جا رہے تھے اور اس رفتار سے ہم دو سے ڈھائی گھنٹے میں وادی کے کنارے پہنچ جاتے۔ مگر رفتار تیز ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم خطرے سے دور نکل گئے تھے۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ برفانی آدمی ہمارے پیچھے ہوں گے۔ میں نے اس کے جو قصے سنے تھے اور پھر خود اسے دیکھا تھا تو لگ رہا تھا کہ یہ ضدی اور خونخوار جانور آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ ہمیں سلیج کو کھینچنا نہیں پڑ رہا تھا بلکہ بعض جگہوں پر اس کی رفتار ہماری رفتار سے بڑھ جاتی تھی اور اسے روکنا پڑتا تھا۔ رفتار کی وجہ سے خطرہ تھا کہ سلیج عقب سے ہم پر نہ چڑھ جائے۔ اس لیے اب ہم اس کے آگے کی بجائے دائیں بائیں دوڑ رہے تھے اور باسو کو بھی پیچھے سے ایز نہیں لگانی پڑتی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد ہم سانس درست کرنے کے لیے رکے تھے۔ ڈیوڈ شا، کرنل اور زینی جب دیکھتے کہ وہ آگے نکل گئے ہیں تو وہ رفتار ذرا کم کر لیتے تھے کہ ہم ان کے پاس پہنچ جائیں۔

ساڑھے آٹھ بجے چاند طلوع ہوا یہ درمیانہ چاند تھا مگر اس برف زار میں اس کی روشنی دوسری جگہوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نسبت کہیں زیادہ تھی۔ اس لیے چند منٹ میں ماحول روشن ہو گیا اور کئی سو گز تک بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ ہم نے سکون کا سانس لیا ورنہ تاریکی میں روشنی ہونے کے باوجود فکر تھی کہ برفانی آدمی کسی طرف سے حملہ نہ کر دیں اور ہم بے خبری میں ان کا نشانہ بن جائیں۔ مجھے سب سے زیادہ فکر ان کی سنگ باری کی تھی میں دیکھ چکا تھا کہ وہ کئی کلو گرام وزنی پتھر کتنی قوت سے اور درست نشانے پر مارتے تھے۔ کرنل کا شانہ ابھی تک مضروب تھا مگر وہ ہمت کر کے کام چلا رہا تھا۔ اسے زخموں کا تجربہ تھا۔ ممکن ہے اس کی جگہ سین ہوتا تو کسی کام کا نہ رہتا تھا۔ دس منٹ آرام کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے اور ڈیوڈ شا نے خوشخبری سنائی کہ وادی اب زیادہ دور نہیں رہی تھی۔

مجھے عجیب سا لگا میں کب سے اس وادی کے بارے میں سنتا آ رہا تھا۔ اس کے عجائبات میں نے خود دیکھے تھے۔ راجا عمر دراز کے محل میں وہ تصویر جس میں عجیب و غریب جانداروں کی تصویر کشی کی گئی تھی یہ کردار کبھی کبھی متحرک ہو جاتے تھے۔ وہ پتھر نما چیز جس میں کوئی سیال بھرا ہوا تھا جو روشنی جذب کر کے خود ہی روشن ہو جاتا تھا اور جب اسے تاریکی میں رکھا جاتا تو رفتہ رفتہ دوبارہ سیاہ ہو جاتا تھا۔ سب سے بڑھ کر وہ حیرت انگیز چیز جو حکیم قادس اپنی دواؤں میں استعمال کرتا تھا اور وہ نہ صرف زخم حیرت انگیز تیزی سے بھر دیتی تھیں بلکہ ناکارہ ہو جانے والے اعضاء کو بھی ٹھیک کر دیتی تھی۔ میرا بایاں ہاتھ اب تک میرے جسم سے جڑا ہوا تھا۔ اس میں ان دواؤں کا بنیادی کردار تھا۔ یہ سب چیزیں اس وادی سے تعلق رکھتی تھیں جو بذات خود کسی عجوبے سے کم نہیں تھی۔ ہمالیہ کے عظیم الشان برف زار کے عین وسط میں یہ وادی حیات کے لیے سازگار ماحول رکھتی تھی اور یہاں نہ صرف انسان آباد تھے بلکہ ایسے جاندار بھی تھے جو دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں پائے جاتے تھے وہاں ایک سنہری اہرام تھا جو اصل میں پجاریوں کی طاقت کا مرکز تھا۔ ایک خوب صورت اور آباد شہر تھا۔ یونانیوں جیسے نقوش اور خوب صورت جسموں والے لوگ اس وادی میں رہتے تھے۔ مگر وہ بس اسی لحاظ سے ذرا مختلف تھے ورنہ انسانوں والی تمام خوبیاں اور خامیاں ان میں موجود تھیں۔

بارہا ایسا ہوا کہ راجا عمر دراز نے مجھے یہاں آنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور ڈیوڈ شا نے مجھے اس مقصد کے لیے بلیک میل تک کیا مگر میں کبھی اس پر دل سے آمادہ نہیں ہو سکا تھا۔ شاید اسی وجہ سے حالات میرے مؤافق ہو جاتے تھے اور میں یہاں آنے سے بچتا رہا مگر بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی۔ بالآخر اسے چھری تلے آنا ہی پڑا۔ اب میں وادی کے نزدیک تھا اور اس خطے میں فی الحال یہی ہمارے لیے جائے پناہ رہ گئی تھی۔ موسم، خوراک اور سب سے بڑھ کر پیچھے آتے برفانی آدمی تھے۔ جن سے بچنے کے لیے وادی میں اترنا لازمی تھا۔ مگر اولین مرحلہ اس کے کنارے پہنچنے کا تھا اور ابھی ہم اس سے دور تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد مجھے لگا جیسے دور کہیں زمین پر دھند ہو۔ میں نے سین سے پوچھا تو اس نے بھی دھند دیکھنے کی تصدیق کی۔ ڈیوڈ شا اور دوسرے آگے تھے اور اب وہ تیزی سے سفر کر رہے تھے۔

شاید انہوں نے بھی دھند دیکھ لی تھی اور اب وہ جلد از جلد وادی کے کنارے پہنچ جانا چاہتے تھے۔ میں نے اور سین نے بھی تھکن کے باوجود رفتار تیز کی۔ چاند نکل آنے سے ہمیں آسانی ہوئی تھی اور اب ہمیں روشنیاں سنبھالنے کی زحمت نہیں کرنا پڑ رہی تھی۔ اس لیے ہمارے قدم تیز اٹھ رہے تھے۔ دھند واضح نظر آنے لگی تھی مگر ساتھ ہی وہ غائب بھی ہو رہی تھی اس کے مرغولے اوپر اٹھ اٹھ کر فضا میں تحلیل ہو رہے تھے۔ چاند کی روشنی میں یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منظر بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں نے بے شمار برفانی علاقے دیکھے ہیں اور پاکستان کے سارے شمالی علاقے میں گھوما ہوں لیکن ایسی مرغولے بناتی دھند میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھی تھی۔ جیسے جیسے ہم نزدیک جا رہے تھے ویسے ویسے چٹانیں نمایاں ہو رہی تھیں یہ زمین سے زیادہ بلند نہیں تھیں۔ کسی فصیل کی طرح نیم دائرے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ چٹانیں اصل میں وادی کی دیواریں تھیں۔ ان چٹانوں کے درمیان میں کہیں راستہ تھا جو وادی کے اندر جاتا تھا۔ اس راستے پر وادی کا نگران برف والا بیٹھا ہوا تھا۔

برف والا ایک اور حیرت انگیز کردار تھا جو اس وادی کے دوسرے تمام عجائبات پر حاوی تھا۔ ایک ایسا لاغر اور معمر بوڑھا جو نہایت سرد ماحول میں نہ ہونے کے برابر لباس میں رہتا ہے اور صرف برف کھاتا ہے۔ وہ اتنی طویل عمر رکھتا ہے کہ وادی کے لوگ جو خود بھی طویل عمر رکھتے ہیں وہ بھی اسے کئی نسلوں سے ایسا ہی دیکھ رہے ہیں اور روایت کے مطابق جب ایک برف والا مرنے لگتا ہے تو وہ نیچے وادی میں آ کر اپنا جانشین چن کر اوپر لے جاتا ہے اور اسے اپنے علوم اور دوسری چیزیں سونپ کر مر جاتا ہے۔ جب سے یہ بات کھلی کہ برف والا مجھے طلب کر رہا ہے تو میرے ساتھیوں نے مذاق میں کہنا شروع کر دیا کہ وہ مجھے اپنا جانشین تو نہیں بنانا چاہ رہا ہے اور میں ان کی بات کو ہنس کر ٹالتا رہا۔ اس وقت مجھے یہ سب بہت دور لگ رہا تھا۔ کیونکہ نہ میرا وادی کی طرف جانے کا ارادہ تھا اور نہ ہی میں نے اس بارے میں سوچا تھا۔

مگر اب میں وادی کے سامنے تھا اور برف والا پُراسرار بوڑھا جس نے وادی میں اترنے کے لیے میری آمد کی شرط رکھی تھی۔ یہاں سے کچھ ہی دور تھا۔ جلد کھل کر سامنے آنے والا تھا کہ میری آمد کی شرط اس نے کیوں رکھی تھی۔ اسے مجھ سے ایسا کیا مطلب تھا کہ اس نے راجا عمر دراز اور ڈیوڈ شا کے سامنے شرط ہی یہ رکھ دی کہ جو مجھے لے کر آئے گا اسے ہی وادی میں اترنے کا راستہ ملے گا۔ چاند اوپر آنے سے منظر واضح ہو رہا تھا اور چٹانیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے پیچھے سے اٹھنے والی دھند اب مرغولے دار نہیں رہی تھی بلکہ وہ جیسے کناروں پر ٹھہر رہی تھی اور چٹانوں سے امنڈ کر میدانوں کی طرف آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر باہر آنے والی دھند اتنی کم تھی کہ وہ زیادہ دیر ٹھہر نہیں پاتی تھی اور ہوا میں غائب ہو رہی تھی۔ سردی اسے منجمد کر رہی تھی اور شاید پانی اور برف میں تبدیل کر رہی تھی۔

جب میں غار میں تھا تب ہی مجھے مثانے میں دباؤ محسوس ہونے لگا تھا مگر وہاں مجھے موقع نہیں ملا اور پھر مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ اس کے بعد فرار کا ایسا مرحلہ آیا جس میں رکنے کا مطلب موت کا شکار ہونا بھی ہو سکتا تھا۔ اس لیے راستے میں بھی موقع نہیں ملا مگر اب معاملہ برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ چٹانیں اب نصف کلومیٹر دور تھیں اور ڈھلان ختم ہونے سے اب ہمیں سلیج کو کھینچنا پڑ رہا تھا۔ میں نے سین سے کہا۔ ''تم سلیج لے جاؤ میں آتا ہوں۔''

''نہیں۔'' باسو غرایا۔ ''تم کہیں نہیں جاؤ گے۔''

''میں جا نہیں رہا مجھے حاجت ہو رہی ہے۔''

''تب ہم بھی رکتے ہیں۔'' باسو بولا اور اس نے اپنی چھڑی برف میں گاڑ کر سلیج روک لی۔ دوسرے لفظوں میں وہ مجھے اکیلے رکنے کا یا کہیں جانے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور نزدیکی چھوٹے سے برف کے ڈھیر کی طرف بڑھ گیا۔ پتلوان کی زپ نیچے کرتے ہوئے میں آس پاس سے ہوشیار تھا۔ برفانی آدمیوں کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر وہ فوری تعاقب میں نہ بھی آئے تب بھی ہمارے پیچھے ضرور آئیں گے اور ان کی آمد سے پہلے ہمارا وادی میں اتر جانا لازمی تھا۔ چند منٹ میں، میں فارغ ہو کر آیا تو کرنل بھی ہماری طرف آ رہا تھا اسے بھی ہمارے رکنے سے تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ وہ لوگ چٹانوں کے پاس پہنچ گئے تھے اور سامان اتار دیا تھا۔ میں نے اسے واپس جانے کا اشارہ کیا اور سلیج کی رسّی تھام لی۔ میں نے اور سین نے کھینچنا شروع کیا باسو ہماری مدد کر رہا تھا اور دس منٹ میں ہم چٹانوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔ ڈیوڈ شارو ٹشنی لیے چٹانیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''جہاں تک میری معلومات ہے نیچے اترنے کا راستہ یہاں سے نہیں ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں یہاں رات گزارنے کے لیے جگہ دیکھ رہا ہوں۔ یہاں اسنوبین کا خطرہ کہیں زیادہ ہوگا۔''

میں نے سر ہلایا کہا۔ ''ہمیں ٹھکانہ محفوظ چاہیے مگر ساتھ ہی ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔''

''یہاں ایک تنگ سی جگہ ہے جس میں برفانی آدمی اپنی جسامت کی وجہ سے آسانی سے نہیں گھس سکتے ہیں۔''

''ایسی جگہ باسو کیسے جائے گا؟'' میں نے نکتہ اٹھایا۔

''باسو باہر رہے گا۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

میں حیران نہیں ہوا مگر سوال ضرور کیا تھا۔ ''یعنی تم اسے ان درندوں کے سامنے بے یارو مددگار چھوڑ دو گے؟''

''مجبوری ہے ایک آدمی کی خاطر سب کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔'' ڈیوڈ شا نے کہا اور چٹانوں میں ایک طرف غائب ہو گیا۔ شاید اسے وہ جگہ نظر آ گئی تھی۔ ہم سب ایک ہی جگہ تھے کرنل ایک طرف اپنے بیگ پر بیٹھا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ عادی سگریٹ نوش نہیں تھا میں نے صرف فارغ اوقات میں اسے تمباکو نوشی کرتے دیکھا تھا۔ سین اس کے پاس چلا گیا اور اس سے سگریٹ لے کر پینے لگا۔ زینی باپ کے ساتھ لگی ہوئی تھی مگر وہ چٹانوں کے اندر نہیں گئی تھی۔ ڈیوڈ شا یقیناً پاس تھا۔ وہ اکیلا سب سے دور جانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا جب کہ اسے معلوم تھا کہ خطرہ آس پاس ہی منڈلا رہا تھا۔ میں نے پہلے چٹانوں کو پاس سے دیکھا۔ ان کی ساخت کچھ عجیب سی تھی جیسے گولی لگنے سے کوئی فولادی چادر پھٹ جائے اور دوسری طرف اس کی جو ساخت بنتی تھی ویسی ہی ساخت ان چٹانوں کی تھی۔ جیسے ان کے اندر سے کوئی چیز بہت قوت سے نکلی ہو اور اس نے چٹانوں کو یہ شکل دی ہو۔ نوکیلی کٹی پھٹی اور مہیب سی ساخت تھی۔

نوکوں سے دھند جیسے ٹپک ٹپک کر نیچے گر رہی تھی۔ میں نے پاس جا کر دیکھا تو سچ مچ دھند پانی کے باریک قطروں میں بدل کر نیچے گر رہی تھی اور یہ قطرے پھیل کر برف کی صورت اختیار کر رہے تھے۔ وادی میں برف باری اور بارش سے جو پانی جاتا تھا اس کا انخلاء وادی سے اسی دھند کی صورت میں ہوتا تھا ورنہ پانی کی نکاسی نہ ہوتی تو اس وادی کی جگہ یہاں کوئی بہت بڑی جمی ہوئی جھیل ہوتی۔ پانی کے اسی انخلاء کی وجہ سے یہاں آبادی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ممکن ہوئی تھی۔ ڈیوڈ شا کو چٹانوں میں گئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہو گئے تھے۔ مگر زینی اطمینان سے اپنی جگہ موجود تھی۔ اس لیے باقی بھی مطمئن تھے۔ بالآخر ڈیوڈ شا اندر سے برآمد ہوا اور اس نے اشارہ کیا۔ اس نے جگہ تلاش کر لی تھی۔ سب نے سامان اٹھایا۔ میں اور سین دوبارہ سلیج کھینچنے لگے اور ہم چٹانوں میں داخل ہوئے یہاں بھی شروع میں برف جمی ہوئی تھی لیکن جیسے جیسے ہم آگے بڑھ رہے تھے برف کم ہو رہی تھی۔ ایک جگہ برف بالکل ہی ختم ہو گئی ہے۔ میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

"اب سلیج نہیں کھینچ سکتے۔"

"پہلے سامان اندر پہنچاؤ۔" اس نے کہا۔ کرنل، سین اور زینی سامان اٹھا کر لے جانے لگے۔ میں وہیں ایک جگہ بیٹھ گیا یہاں چاند کی روشنی بہت کم تھی اور لائٹس آن کرنا پڑی تھیں۔ باسو سلیج پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ یوں بے فکر تھا جیسے اپنے آرام دہ اور محفوظ گھر میں بیٹھا ہو میں نے کبھی اسے اپنی ذات کی پروا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے آقا اسے بلا جھجک موت کے منہ میں جھونک دیتے تھے اور وہ بلا جھجک چلا بھی جاتا ہے۔ اس سے جو کہا جاتا وہ وہی کرتا تھا نہ تو اپنا دماغ استعمال کرتا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی فکر کرتا تھا۔ وہ زمانہ قدیم کے غلاموں کی طرح تھا جو اپنے آقا کے حکم پر ہنسی خوشی اپنی جان دے دیتے تھے۔ کرنل آخری بیگ لینے آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔ "باسو کا کیا ہوگا؟"

"یہ اندر نہیں جا سکتا۔" کرنل نے کہا۔ "راہ داری بہت تنگ ہے۔ اگر اس کے پاؤں میں مسئلہ نہ ہوتا تو شاید کسی نہ کسی طرح رگڑ کھا کر چلا جاتا مگر اس کنڈیشن میں بہت مشکل ہے۔"

میں نے کہا۔ "اگر یہ یہاں رہے گا تو برفانی آدمیوں کا آسان شکار بن جائے گا۔"

"تم اس کی فکر مت کرو۔" کرنل نے سرد لہجے میں کہا اور شاٹ گن کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ مجھے دو۔"

"کس خوشی میں؟" میں نے انکار کیا۔ "اگر یہ میرے پاس ہے تو تمہیں کیا مسئلہ ہے؟"

"گن دو۔" باسو غرایا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی مہیب شاٹ گن کا رخ میری طرف تھا۔ اس حال میں بھی اسے اپنی ڈیوٹی یاد تھی جب کہ اس کے آقا کو اس کی زندگی کی خاص پروا نہیں تھی۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ کرنل مسکرایا اور اس نے ہاتھ آگے کیا تو میں نے بادلِ ناخواستہ شاٹ گن شانے سے اتار کر اس کی طرف بڑھا دی اور طنزیہ لہجے میں کہا۔

"دیکھتے ہیں کب دوبارہ مجھے دیتے ہو؟"

کرنل نے تسلیم کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ گن تم کو دینی پڑے مگر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔"

کرنل بیگ اور شاٹ گن لے کر اندر چلا گیا۔ باسو نے اپنی شاٹ گن رکھ لی اور پہلے کی طرح بے نیاز نظر آنے لگا تھا۔ وہ اس روبوٹ کی طرح تھا جس میں مکمل پروگرام فیڈ ہوتا ہے کہ اسے کس صورتِ حال میں کیا کرنا ہے اور وہ اپنا کام کر کے دوبارہ ساکت ہو جاتا ہے۔ میں بھی اندر کی طرف بڑھا۔ چٹانوں کے درمیان ایک پتلا سا راستہ تھا جو اوپر سے مزید تنگ ہو رہا تھا اور اوپر سے کسی کے اندر گھسنے کا امکان کم تھا۔ آگے جا کر دراڑ خاصی تنگ ہو گئی تھی اور میں بھی اس سے پھنس کر جا رہا تھا۔ پتا نہیں یہ لوگ سامان کیسے اندر لے گئے تھے۔ باسو کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسامت کا آدمی کسی صورت اندر نہیں جا سکتا تھا اور اسی طرح برفانی آدمیوں کے اندر گھسنے کا امکان بہت کم تھا۔ شاید وہ اندر گھس آتے لیکن بے خبری میں حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں بہت آسانی سے روکا جا سکتا تھا۔ دراڑ کے آخری حصے میں ایک چھوٹا سا بند کمرہ تھا۔ بندیوں کہ اس کے اوپر چھت تھی۔ سب سامان سمیت وہیں تھے۔ بہ ظاہر یہ جگہ محفوظ تھی لیکن میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

''کہیں یہ جگہ ایک غار نہ ثابت ہو اور ہم پھنس کر رہ جائیں۔''

''کیا مطلب؟''

''ہمیں باہر پہرے کا انتظام کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہاں آمد و رفت کا راستہ ایک ہی ہے اور برفانی آدمیوں نے اسے ہلاک کر دیا تو ہم یہیں پھنس کر رہ جائیں گے۔''

ڈیوڈ شا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''باہر خطرہ ہے۔''

خلاف توقع کرنل نے میری حمایت کی۔ ''میرا خیال ہے شہباز ٹھیک کہہ رہا ہے ہمیں بالکل ہی اندر محصور ہو کر نہیں رہنا چاہیے۔ باہر کسی جگہ پہرہ ہونا کہ ہم برفانی آدمیوں کو باہر ہی روک سکیں۔''

''اور جو باہر ہوگا.....'' ڈیوڈ شا نے کہنا چاہا۔

''باسو باہر ہی ہے اور ہم اس سے بھی کام لے سکتے ہیں مگر ایک آدمی اور ہونا چاہیے۔''

کسی قدر غور و خوض کے بعد ڈیوڈ شا نے سر ہلا دیا۔ ''ٹھیک ہے تم لوگ آپس میں میکنزم طے کر لو کہ کس طرح یہ کام ہونا ہے لیکن اب کوئی جانی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں کل بہر صورت وادی میں اترنا ہے۔''

کرنل نے میری طرف دیکھا۔ ''تمہارے ذہن میں کوئی پلان ہے؟''

''ہاں اگر ہم ان چٹانوں پر کہیں چیک پوسٹ بنا لیں جہاں سے دور تک نظر رکھی جا سکے تو مناسب ہوگا اور آپس میں رابطے کے لیے آلات ضروری ہیں۔''

کرنل نے اپنے مخصوص بیگ سے چھوٹا ریڈیو سیٹ نکالا۔ ان کے بلوٹوتھ ہیڈ سیٹ آرام سے کان میں فٹ ہو جاتے تھے اور ماسک اتنا طاقتور تھا کہ سرگوشی کی آواز بھی کیچ کر لیتا تھا۔ سیٹ جیب میں رکھے جا سکتے تھے مگر ایک کلپ کی مدد سے جیکٹ کے کالر سے لگانے پر ان کی رینج بڑھ جاتی تھی۔ اور یہ بند جگہوں پر بھی دو سو گز کی دوری تک کام کر سکتے تھے۔ میں اور کرنل باہر آئے۔ باسو اپنی جگہ خالی ہو جانے والی سلیج پر بیٹھا ہوا تھا۔ کرنل نے اس سے سلیج خالی کرائی اور اسے چٹان کے ساتھ ٹکا کر اوپر چڑھ گیا۔ اوپر جا کر اس نے آس پاس کا جائزہ لیا اور پھر مجھے اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ میں بھی چڑھ گیا۔ یہاں سے آس پاس کی چٹانیں اور عقب میں دور تک پھیلے برفانی میدان کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ کرنل نے ذرا آگے ایک تاج کی طرح اونچی ہوتی چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ ''نگران پوسٹ کے لیے وہ کیسی رہے گی؟''

''بہترین لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''وہ کیا؟''

''ایک طرف تو تم لوگ مجھ پر اعتماد کر رہے ہو مجھے ہر معاملے میں شامل کر رہے ہو۔ دوسری طرف مجھے اسلحہ دیتے ہوئے ڈر رہے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ مسکرایا۔ ''آسان سی بات ہے۔ تم ہمارے ساتھ تمام خطرات کے سامنے ہو۔ اس لیے لازمی ہمارا ساتھ دے رہے ہو۔ مگر اسلحہ ہاتھ میں آنے کی صورت میں تمہارے خیالات بدل سکتے ہیں اور تم اس کی مدد سے ہمیں مجبور کر سکتے ہو۔''

میں سمجھ رہا تھا مگر میں نے جان بوجھ کر اس سے یہ سوال کیا تھا۔ ''فرض کرو کہ میں اسلحہ چھین لوں۔ مجھے بہت سے مواقع ملے بھی تھے۔''

''تب تم نے اسلحہ کیوں حاصل نہیں کیا؟'' کرنل نے پوچھا اور پھر خود ہی اس سوال کا جواب بھی دیا۔ ''تم جانتے ہو کہ اکیلے تم سب کو کنٹرول نہیں کر سکو گے اس لیے اسلحہ حاصل کرنا بھی بیکار ہوگا۔''

''جب تم یہ جانتے ہو تب مجھے ہتھیار کیوں نہیں دے رہے؟''

''بتایا نا کہ تمہارے ذہن میں اچانک کوئی خیال آئے اور تم ہتھیار کے زور پر اس پر عمل کر گزرو۔ ہو سکتا ہے وہ ہمارے پلان یا پالیسی میں نہ ہو اس صورت میں نقصان ہمارا ہوگا۔'' کرنل کہتے ہوئے اس تاج نما چٹان کی طرف بڑھ گیا اس کی آگے سے اٹھ جانے والی کگر نما دیواروں کے پیچھے ایک پیالہ نما جگہ تھی اور اس میں آرام سے ایک دو آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں اتنی سردی نہیں تھی اور آنے والی دھند کا درجہ حرارت یہاں کے ماحول سے زیادہ تھا اس لیے وہ کسی قدر گرم محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ نیچے سے آنے والی دھند کی مقدار کم ہو رہی تھی۔ اب کنارے کی طرف گرنے والی چٹانیں بھی نظر رہی تھیں۔ کرنل نے تاج نما چٹان کا معائنہ کیا اور واپس آیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''باسو یہاں تک آ سکتا ہے؟''

''ٹوٹی ٹانگ کے ساتھ یہ آسان نہیں ہوگا۔''

مگر جب باسو سے پوچھا تو اس نے کہا۔ ''میں جا سکتا ہوں اوپر رسّی باندھ کر مجھے دو۔''

''تم کیا کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''تم دیکھو۔'' اس نے کہا۔ کرنل نے اوپر رسیاں باندھ کر نیچے پھینکیں اس نے رسیاں اپنی بیلٹ میں کوہ پیمائی والے ہکس سے منسلک کیں اور پھر بہت آرام سے رسّی کی مدد سے اوپر پہنچ گیا۔ ٹانگوں سے زیادہ اس کے بازو طاقتور تھے۔ کرنل نے تاج نما چٹان کے بالکل پاس رسّی باندھی تھی اس لیے باسو کو چٹان تک پہنچنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے اپنی ٹانگ پر زور نہیں دیا اور آرام سے اوپر پہنچ گیا۔ کرنل نے مجھے کہا۔

''تم اس کے ساتھ رکو، میں تم دونوں کے لیے کھانے اور پینے کی چیزیں لاتا ہوں۔''

کرنل چلا گیا مگر کچھ دیر بعد اس کی بجائے زینی آئی وہ میرے اور باسو کے لیے کھانا پانی لے کر آئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''یہاں اتنی سردی نہیں ہے۔''

''شاید نیچے سے گرمائش آ رہی ہے۔'' میں نے کہا اور اس کے لائے سینڈوچ کھانے میں لگ گیا۔ دیر کرتا تو یہ جم جاتے اور پھر منہ میں ڈال کر پہلے انہیں گھلانا پڑتا۔ کھا پی کر میں نے آرام کا ارادہ کیا تھا کہ زینی نے کہا۔ ''کیا خیال ہے وادی کے کنارے تک چلیں؟''

میں نے اس طرف دیکھا۔ ''ہاں اب دھند صاف ہو گئی ہے اور ممکن ہے نیچے کچھ نظر آ رہا ہو۔''

زینی خوش ہو گئی۔ ''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم دونوں باسو کو وہیں چھوڑ کر چٹانوں کے اوپر سے ہوتے ہوئے وادی کے کنارے کی طرف بڑھے۔ کھنڈر نما چٹانیں کئی سو گز تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہمیں مختلف چٹانوں کو پھلانگتے ہوئے جانا پڑ رہا تھا۔ بعض مقامات پر خلا خاصے بڑے تھے اور انہیں احتیاط سے پھلانگنا پڑ رہا تھا۔ ایسی ہی ایک جگہ زینی نے چھلانگ لگائی تو کنارے پر اس کا قدم ٹھیک سے نہیں آیا تھا اور وہ پھسل کر نیچے جانے لگی تھی۔ میں نے بروقت اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر اسے اوپر کھینچ لیا۔ اس کا سانس رک گیا تھا کیونکہ نیچے خاصی گہرائی تھی اور وہ تیس پینتیس فٹ کی بلندی سے گرتی تو یقیناً شدید چوٹ لگتی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ نہیں گر رہی ہے تو اس کی سانس بحال ہوئی۔ اس نے کہا۔

''تھینک یو۔''

''میری کم بختی۔'' میں آہستہ سے ہنسا۔ ''مجھے تمہارا چیلنج یاد ہے۔''

اس نے ترچھی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم اس قسم کے آدمی لگتے نہیں ہو۔''

''آدمی آدمی ہوتا ہے اس کی کوئی قسم نہیں ہوتی ہے۔'' میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وادی کا کنارہ کچھ دور تھا۔ ہم ایک چٹان پر پہنچے تو اس کے نیچے دیوار سیدھی جا رہی تھی۔ دھند اب کم رہ گئی تھی لیکن چند سو فٹ سے زیادہ دور نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ نیچے دھند بدستور موجود تھی۔ مجھے یاد آیا کہ راجا عمر دراز نے بتایا تھا کہ مکمل دھند اسی صورت میں صاف ہوتی تھی جب آسمان پر چاند نہ ہو۔ صرف ستارے ہوں۔ اگر چاند ہو تو دھند پوری طرح صاف نہیں ہوتی تھی اور اس کا کچھ حصہ باقی ہوتا تھا۔ یعنی جب تک روشنی ہوتی تھی نیچے دیکھنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ جب روشنی ہوتی تب وادی اوپر سے دکھائی دیتی تھی۔ بعض اوقات دن میں کچھ دیر کے لیے دھند ہٹ جاتی اور سورج کی روشنی بھی نظر آتی تھی مگر یہ بس چند منٹ کے لیے ہوتا تھا۔ اس کے بعد دھند نما بادل دوبارہ چھا جاتے تھے۔ شاید یہ وادی کا سیلف ڈیفنس سسٹم تھا جس کا مقصد اس وادی کو باقی دنیا کی نظروں سے دور رکھنا تھا۔ زینی میرے ساتھ نیچے دیکھ رہی تھی اور اس نے کہا۔

''یہاں تو کچھ نہیں ہے۔''

''یہاں نہیں ہے لیکن نیچے بہت کچھ ہے۔''

''یہاں بھی بہت کچھ ہے۔'' وہ اچانک بدلے ہوئے لہجے میں بولی۔

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیا ہے۔''

''میں۔'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھا اور مخمور لہجے میں بولی۔ ''میرا حسین وجود۔''

''دونوں باتوں میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن تم مجھے کیوں بتا رہی ہو۔''

''میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔'' اس نے اپنی بھاری جیکٹ اتار دی۔ نیچے اس نے جسم پر چست گرم ہائی نیک پہنی ہوئی تھی مگر یہ اتنی فٹ تھی کہ ایک ایک انگ نمایاں تھا۔

''تم بھول رہی ہو میں سب دیکھ چکا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''جب تم نے مجھے غلام بنایا ہوا تھا۔''

اس نے حسرت سے مجھے دیکھا۔ ''کاش کہ میں تمہیں اسی وقت حاصل کر لیتی۔''

اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔'' میں ہنسا۔ ''مہربانی کر کے جیکٹ پہن لو سردی اتنی بھی کم نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارے ساتھ مجھے گرمی لگنے لگی ہے اور میرا دل کر رہا ہے کہ یہ بھی اتار دوں۔'' اس نے شوخی سے کہا۔

''تم نے پہلے کیا کہا تھا؟''

''شوق سے اتارو۔'' میں نے جواب دیا اور اسے محاورے کا مطلب سمجھایا۔ اس کی اردو اتنی اچھی نہیں تھی۔ پھر جانے کے لیے پلٹا تو وہ سامنے آ گئی۔

''میں تمہیں ایسے جانے نہیں دوں گی۔''

''پھر کیسے جانے دو گی۔''

''مجھے ایک کس دینا ہو گا۔'' وہ میرے پاس آ گئی۔ میں نے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید پیش قدمی سے روکا۔

''بس اس سے آگے مت آنا۔''

اس سے پہلے وہ کچھ کہتی یا کرتی اچانک نیچے وادی سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی جاندار بولا ہو۔ آواز ایسی تھی جیسے لکڑی چٹختی ہے۔ وہ چونک گئی۔ ''یہ کیسی آواز ہے؟''

میں فکر مند ہو گیا۔ ''پتا نہیں جیکٹ پہنو ہمیں یہاں سے جانا ہو گا۔''

اس نے جلدی سے جیکٹ پہنی اس کا سارا رومانی موڈ ہوا ہو گیا تھا۔ اگلی بار آواز نزدیک سے آئی اور یوں لگا جیسے وہ چیز اوپر آ گئی ہو۔ میں نے زینی کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے واپس جانے لگا۔ جب چٹانیں پھلانگنے کا مرحلہ آیا تو مجھے اس کا ہاتھ چھوڑنا پڑا تھا۔ ایک بار میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے لگا جیسے کئی چھوٹے چھوٹے جاندار چٹانوں کے درمیان حرکت کر رہے ہوں اور تیزی سے ہماری طرف آ رہے تھے۔ میں ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا لیکن ان کی تعداد خاصی زیادہ لگ رہی تھی۔ میں اور زینی ایک جگہ تھے۔ اس سے آگے دو چٹانوں کے درمیان خلا تھا۔ ہم اس طرف سے نہیں آئے تھے مگر جلدی میں واپسی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اس سمت آئے تھے۔ خلا زیادہ تھا اور ہمیں اسے دوڑ کر کراس کرنا تھا۔ میں نے زینی سے کہا۔ ''دوڑو اور رکنا مت۔''

''ایک ساتھ جاتے ہیں۔'' اس نے کہا اور ہم دونوں ایک ساتھ بھاگے۔ جیسے ہی چٹان کے کنارے پر پاؤں رکھا اچانک وہ لرزا اور ہمارے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ چٹان کا یہ حصہ نیچے گیا اور ایسا لگا جیسے ہم کسی گہرے کنویں میں گر رہے ہوں مگر یہ تاثر محاتی تھا۔ کچھ نیچے جانے کے بعد چٹان کا یہ ٹکڑا کسی چیز سے ٹکرایا اور ہم اس سے اچھلتے ہوئے نیچے نرم برف پر گرے اور پھر اس میں دھنستے چلے گئے۔ زینی نے چیخ ماری تھی اور میرے منہ سے بھی آواز نکلی تھی۔ عقب میں آنے والے جاندار یقیناً ہماری سمت سے واقف ہو گئے ہوں گے۔ ہماری خوش قسمتی کہ نرم برف کے اس ڈھیر کی وجہ سے ہمیں کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ہم کوئی چالیس فٹ کی بلندی سے گرے تھے۔ یہ جگہ کسی کنویں جیسی تھی اور اس کی دیواروں میں کہیں کوئی رخنہ نظر نہیں آ رہا تھا یعنی یہاں سے باہر جانے کا راستہ صرف چھت تھی۔ نرم برف کا ڈھیر صرف اسی حد تک تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ ہمارے لیے ہی یہاں بچھایا گیا ہو جب کہ کنویں کی باقی جگہیں برف سے خالی تھیں۔ یا وہاں معمولی سی برف تھی۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی کہ آنے والے طوفان نے یہاں تک اثر ڈالا تھا اور ہواؤں نے برف کا یہ ڈھیر یہاں لا پھینکا تھا۔ زینی نے گر کر اٹھنا چاہا مگر میں نے اسے روک لیا اور پھر واپس دھکیل کر اس کے اور اپنے اوپر برف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈالنے لگا وہ مضطرب لہجے میں بولی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''دہشت بولومت۔'' میں نے کہا اور اسے اتنا برف میں دفن کر دیا کہ بس اس کا منہ باہر رہ گیا۔ پھر میں نے اپنے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ چیختی آوازیں اب یہاں تک آ رہی تھیں اور ہمارے پیچھے آنے والے چھوٹے جاندار یہاں تک پہنچ گئے تھے۔ راجا عمر دراز نے اپنی جو کہانی سنائی تھی۔ اس میں کچھ بندر نما جانوروں کا ذکر تھا جو اپنے مخصوص پنجوں اور ہلکی جسمانی ساخت کی وجہ سے وادی کے اوپر تک آ جاتے تھے۔ یہ چھوٹے ہونے کے باوجود خونخوار تھے اور اپنے ناخنوں اور دانتوں سے آدمی کو ادھیڑ سکتے تھے اور اپنی زیادہ تعداد کی وجہ سے بڑے جانوروں پر بھی حاوی ہو جاتے تھے۔ جب راجا عمر دراز ولیم شا کے ساتھ یہاں آیا تو اس کا واسطہ سب سے پہلے ان ہی جانوروں سے پڑا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ وہی جانور تھے اور میں نے جو آخری منظر دیکھا تھا اس میں ایسے درجنوں جانور حرکت کرتے محسوس ہو رہے تھے۔

''آواز مت نکالنا۔'' میں نے سرگوشی میں زینی سے کہا۔

اسی لمحے اوپر آہٹیں ہوئیں اور ٹوٹی چھت سے چھوٹے چھوٹے بے شمار سر نمودار ہوئے۔ وہ اندر جھانک رہے تھے اور ان کی زرد آنکھیں تاریکی میں چمک رہی تھیں۔ پھر ان میں سے کچھ نیچے اترنے کی راہ تلاش کرنے لگے۔ ان کے لیے یہ زیادہ مشکل نہیں تھا وہ کھردری دیواروں پر پنجے گاڑھ کر نیچے آ سکتے تھے اور ایسا ہی ہوا۔ ایک نے نیچے آنے کا راستہ دریافت کیا اور اس کے پیچھے پوری پلاٹون اتر کر نیچے آ گئی اور گھوم کر ہمیں تلاش کرنے لگی وہ لازمی ہمارے پیچھے آئے تھے۔ میں نے اور زینی نے سانس بھی روک لی تھی۔ میری ایک آنکھ برف سے باہر تھی اور ناک کا کچھ حصہ تھا مجھے خطرہ تھا کہ میں سانس لوں گا تو ہوا میں بھاپ بنے گی اور وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔ زیادہ دیر سانس روکنا بھی ممکن نہیں تھا اس لیے میں بہت آہستہ سے سانس لینے لگا۔ ایسا ہی زینی بھی کر رہی تھی میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا۔ کہ یہ دفع ہو جائیں ورنہ ان سے ایک طویل جنگ کرنا پڑتی جس میں ہم بچ کے جاتے تب بھی ہمارا حشر ہو جاتا۔

یہ کچھ عجیب سی مخلوق تھی جو بیک وقت بندر اور چمگادڑ کا کمبینیشن لگ رہی تھی۔ ان کے جسم چمگادڑ کی طرح پتلے جیسے اور ہلکے سے تھے مگر سر اور منہ بندر جیسا تھا۔ ان کی ساخت دیکھ کر مجھے شبہ ہوا کہ شاید یہ ہوا میں گلائیڈ کر ہوئے اڑنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے یعنی ہوا میں تیرتے ہوئے نیچے جا سکتے تھے۔ اوپر آنے کے لیے یہ نوکیلے اور مڑی ہوئی ساخت کے پنجوں کا سہارا لیتے ہوں گے اور ان کی واپسی بائی ایئر ہوتی ہو گی۔ صدیوں یا شاید ہزاروں سال سے یہ مخلوق اس جگہ آ جا رہی تھی اور ارتقا کے قانون کے تحت ان کے جسم از خود ماحول مطابق ڈھل گئے تھے۔ ہو سکتا ہے شروع میں یہ بندروں یا چمگادڑوں کی کوئی قسم رہی ہو۔ چمگادڑ اتنی بلندی پر اڑ سکتی ہے۔ بلکہ کوئی پرندہ بھی اتنی بلندی پر نہیں آتا ہے۔ اندر آنے والے جانوروں کی تعداد تیس چالیس زیادہ تھی اور وہ ہر جگہ گھس رہے تھے اور مکروہ سی چیخنے جیسی آوازیں نکال رہے تھے۔ یہ آوازیں کانوں کو چبھ تھیں۔

برف کا ڈھیر وسط میں تھا اور وہ اب تک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ مگر کب تک بالآخر چند ہماری طرف آئے۔ وہ زمین پر پھدک پھدک کر چل رہے تھے۔ شاید انہیں زمین پر چلنے کی عادت نہیں تھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چٹانی دیواروں میں رہتے ہوں گے۔ میں نے سانس روک لیا اور زینی نے بھی ایسا ہی کیا تھا مگر بدقسمتی سے آنے والوں میں سے ایک نے سیدھا زینی کے منہ پر پاؤں رکھا اور اس نے ایسی دل خراش چیخ ماری کہ اس بندر کا تو ہارٹ فیل ہو گیا ہوگا جس نے اس کے منہ پر پاؤں رکھا تھا۔ وہ اچھل کر دور گیا اور باقی سب بھی چیختے چلاتے تتر بتر ہو گئے۔ اب لیٹے رہنا حماقت تھی۔ میں نے بھی ایک گرجدار آواز نکالی اور یوں اٹھا کہ برف اڑنے لگی تھی۔ کہا میں نے ''اوئے'' تھا اور انداز سلطان راہی مرحوم کا سا تھا۔ میرے اٹھتے ہی وہاں قیامت سی آ گئی تھی۔ کم سے کم ان بندروں نے واویلا ایسا ہی مچایا تھا۔ وہ بھاگ رہے تھے اور اوپر چڑھنے کی کوشش میں دیواروں سے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ کچھ اوپر پہنچنے میں کامیاب رہے۔ زینی نے اٹھتے ہی پستول نکال لیا تھا مگر میں نے اسے بروقت روکا۔

''تم کتنوں کو مارو گی۔''

''انہیں دور تو رکھوں۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولی۔ ''میرے خدا کتنا گھناؤنا لمس تھا اس جانور کا۔ میں تو اسی وقت اسے شوٹ کر دیتی مگر وہ بھاگ گیا۔''

''ہاں مگر فائر کی آواز دور تک جائے گی اور اسے سن کر اب اگر ان کے بھی باپ آ گئے تو.....؟''

زینی سمجھ گئی کہ میں برفانی آدمی کا ذکر رہا ہوں۔ بندروں کے شور میں ہمیں چلا کر بات کرنا پڑ رہی تھی وہ قائل ہو گئی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ان کا شور خود ہمارے لوگوں کی رہنمائی کرے گا۔''

''وہ سب خاصے اندر ہیں اور یہاں سے دور بھی ہیں ان تک یہ شور شاید ہی پہنچے۔'' میں نے کہا تو زینی نے یاد دلایا۔

''باسوا اوپر ہے اور اس کے پاس ریڈیو بھی ہے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی میں پُرامید ہو گیا۔ کئی ناکام کوششوں کے بعد تمام ہی بندر واپس اوپر چلے گئے تھے اور اب وہیں سے شور کر رہے تھے۔ میں نے اور زینی نے اچھل کود کر اور چیخ چلا کر انہیں ڈرانے کی کوشش کی۔ وہ ڈر بھی رہے تھے مگر جلد انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ چھت پر ہماری پہنچ سے دور ہیں۔ اس لیے ان میں سے چند ایک نے نیچے آنے کی کوشش کی تو میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے وہ نیچے آ سکتے تھے۔ میں نے ایک پتھر اٹھا لیا اور ایک بندر کو نشانہ بنایا۔ وہ چیخ مار کر نیچے گرا اور تڑپنے لگا۔ میں نے جوتے تلے اسے دبا کر اوپر سے زور ڈالا تو وہ لمحوں میں فوت ہو گیا۔ وہ مرا تو باقی بندروں نے ایک بار پھر آسمان سر پر اٹھا لیا اور اس کے بعد انہوں نے وہ کیا جو ہم نے سوچا نہیں تھا۔ وہ کہیں سے چن کر چھوٹے پتھر لے آئے اور ہم پر برسانے لگے۔ چند لمحے کو ہم بوکھلا گئے تھے اور اپنے دفاع کی ناکام کوشش میں کئی پتھر کھا لیے۔ یہ چھوٹے پتھر تھے مگر چوٹ تو ان سے بھی لگ رہی تھی۔ زینی نے بوکھلا کر ایک فائر کیا اور ایک بندر اور مارا گیا۔ مگر ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ میں نے پتھروں سے بچتے ہوئے کہا۔ ''فائر مت کرو۔''

''تو کیا پتھر کھائیں؟'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''تم کتنوں کو مارو گی؟'' میں نے اپنی جیکٹ اتارتے ہوئے کہا۔ ''جیکٹ اتارو۔''

''کیوں تمہیں اب کچھ سوجھ رہا ہے؟'' اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ میں نے جیکٹ اتار کر سر اور اوپری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسم کے سامنے کی۔

''اسے ڈھال کی طرح استعمال کرو۔''

بات زینی کی سمجھ میں آگئی اور اس نے بھی اپنی موٹی جیکٹ اتار کر پتھروں کی بارش میں ڈھال کی طرح استعمال کرنا شروع کی۔ کچھ سے ذرا بڑے حجم کے پتھر جیکٹ سے ٹکرا رہے تھے اور اس کے پیچھے ہم بچے ہوئے تھے۔ جہاں سے جیکٹ پکڑی ہوئی تھی وہاں پر پتھر لگتا تب بھی معمولی سی چوٹ آتی تھی جو آدمی برداشت کر ہی سکتا ہے۔ اگر ہمارے پاس جیکٹس نہ ہوتیں تو اب تک یہ پتھر مار مار کر ہمارا حشر کر چکے ہوتے۔ میں سوچ رہا تھا کہ چند منٹ میں اگر مدد نہ آئی تو یہ جانور موقع سے فائدہ اٹھا کر نیچے آسکتے تھے۔ اس کے بعد ہم جیکٹ کی ڈھال تلے بھی محفوظ نہ رہتے۔ زینی بھی شاید یہی سوچ رہی تھی اس نے کہا۔ ''اگر یہ نیچے آئے تو میں آسرا نہیں کروں گی بلکہ فائر کروں گی۔''

''اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ہم دیوار کے ایک ابھرے ہوئے حصے کی آڑ میں آگئے تھے یہاں ہمیں تین طرف سے تحفظ تھا اور صرف سامنے سے بندر پتھر مار سکتے تھے۔ پھر ہمارا خدشہ درست نکلا۔ ہمیں محصور اور محدود کر کے بندر نیچے اترنے لگے۔ میں نے دیکھ لیا اور زینی سے کہا۔ ''وہ نیچے آرہے ہیں۔''

زینی نے ایک فائر کیا۔ ان میں سے ایک گرا اور باقی سب دوبارہ اوپر کی طرف بھاگے۔ یوں ہم کچھ دیر کے لیے محفوظ ہو گئے تھے۔ اپنے چند ساتھیوں کے مرنے پر ان کا غم و غصہ ان کے لہجے اور چیخ و پکار سے جھلک رہا تھا۔ ساتھ ہی اب مجھے تشویش ہو رہی تھی کہ اب تک کرنل اینڈ پارٹی کو ہماری مدد کے لیے آجانا چاہیے تھا مگر ان کی طرف سے خاموشی تھی۔ اگر ان تک آواز نہیں پہنچی تھی تب بھی اوپر موجود باسو نے لازمی یہ شور اور فائرز کی آواز سنی ہوگی اس نے کرنل کو کیوں اطلاع نہیں دی؟ زینی نے یہی کہا۔ ''ان لوگوں کی طرف سے مکمل خاموشی ہے؟''

''مجھے باسو کی فکر ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا ہے تبھی اطلاع اندر نہیں پہنچی۔''

زینی بھی فکر مند ہو گئی۔ ''تب ان سے جان کیسے بچے گی۔''

''انتظار اور مزاحمت۔'' میں نے کہا۔ اسی لمحے مجھے لگا کہ بندروں کے شور اور پتھروں کی برسات میں کچھ کمی آئی ہے۔ میں نے ذرا خطرہ مول لیا اور جیکٹ کی آڑ سے جھانکا تو مجھے چھت پر موجود بندروں کی تعداد میں کچھ کمی نظر آئی اور جو تھے وہ بھی ہمارے بجائے اوپر کہیں متوجہ تھے۔ پتھر برسانے والے چند ایک ہی رہ گئے تھے۔ پھر ان کی تعداد تیزی سے کم ہونے لگی۔ زینی نے بھی یہ بات محسوس کر لی اور اس نے جیکٹ نیچے کی۔

''شاید کرنل اور دوسرے آگئے ہیں۔''

میرا بھی یہی خیال تھا۔ اتنی سی دیر میں تمام ہی بندر مفرور ہو گئے تھے اور ان کی چیختی ہوئی مکروہ آوازیں دور جاتی سنائی دے رہی تھیں۔ میں منتظر تھا کہ کرنل یا کسی اور کی آواز سنائی دے تو میں بھی آگے سے بولوں۔ میں خود آواز دیتا مگر میری چھٹی حس نے شاید روک لیا تھا۔ اوپر سے اب تک کسی کی آواز نہیں آئی بلکہ اس کی بجائے ایک بھاری سی غراتی آواز آئی اور میں نے بے ساختہ زینی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کیونکہ وہ بولنے جا رہی تھی۔ اسے خاموش کرانے کے ساتھ میں دیوار میں مزید دبک گیا۔ اسی لمحے دیوار پر جہاں چاند کی روشنی آرہی تھی ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طویل قامت سایا نمودار ہوا اور پھر اس نے جھکتے ہوئے اندر جھانکا تھا۔ اس کا سر کنارے سے نمودار ہوا۔ چاند خاصا اوپر آ گیا تھا اور کنواں اندر تک روشن ہو رہا تھا۔ برفانی آدمی کی سرخ دہکتی آنکھیں ہم پر آ ٹکی تھیں اور وہ وحشیانہ انداز میں غرایا۔ بندر نما جانور یقیناً اسے ہی دیکھ کر فرار ہوئے تھے۔ زینی کا پستول والا ہاتھ بلند ہوا اور پھر ایک فائر ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی برفانی آدمی قلابازی کھا کر اندر کودا تھا۔

○.....❖.....○

برفانی آدمی اندر کودا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس محدود جگہ اس خونخوار درندے کا مقابلہ مشکل تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سینے میں شاٹ گن کا زخم کھا کر بھی کتنی دیر زندہ اور متحرک رہا تھا۔ فوراً ہی مجھے احساس ہوا کہ گولی زینی نے نہیں چلائی تھی۔ فائر کہیں اور سے ہوا تھا اور بالکل نزدیک سے ہوا تھا۔ برفانی آدمی نیچے گرا اور ساکت ہو گیا۔ میں نے زینی سے پستول لے کر اس کا رخ برفانی آدمی کی طرف کر دیا۔ جب میں نے زینی سے پستول لیا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ کانپ رہی تھی۔ خوف اس پر اتنا غالب آیا کہ وہ فائر ہی نہیں کر سکی تھی۔ اسی لمحے اوپر سے ایک سانپ آ کر اندر گرا اور زینی نے چیخ ماری۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری چیخ مارتی میں نے اس کا منہ دبوچ لیا کیونکہ اندر گرنے والی شے سانپ نہیں بلکہ رسّی تھی اور اوپر سے کسی نے سرگوشی میں کہا۔ ''جلدی اوپر آ جاؤ..... وقت نہیں ہے یہاں اور بھی برفانی آدمی ہیں۔''

میں بولنے والے کی آواز شناخت نہیں کر سکا کیونکہ وہ ڈیوڈ شا کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ برفانی آدمی برف کے ڈھیر پر گرا تھا اور جب وہ سرخ ہونے لگا تب مجھے درست طور پر پتا چلا گولی برفانی آدمی کے سر میں لگی تھی اور وہ نیچے گرنے سے پہلے مر چکا تھا۔ بہ ظاہر ایسا لگا تھا کہ وہ قلابازی کھا کر نیچے کودا ہو۔ اس کے سر سے بہنے والا خون برف پر پھیل رہا تھا۔ شکر ہے گولی چلانے والے نے اس کے سر کا نشانہ لیا ورنہ وہ اتنی جلدی اور آسانی سے مرنے والی مخلوق نہیں تھی۔ میں نے رسّی پکڑی اور ایک لمحے کو سوچا اور اوپر چڑھنے لگا تھا کہ زینی چیخ گئی۔ ''کہاں جا رہے ہو مجھے چھوڑ کر۔''

''تم پیچھے آؤ۔'' میں نے کہا۔ ''بولنے والا ہمارے ساتھیوں میں سے نہیں ہے یہ کوئی اور ہی شخص ہے۔''

زینی نے سر ہلایا اور مجھے چھوڑ دیا۔ میں اوپر چڑھا اور ایک منٹ بعد میں کنویں کے کنارے پر تھا۔ میں نے باہر جھانکا تو ایک شخص مجھے پاس ہی لیٹا ہوا نظر آیا اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اٹھنا مت اور زیادہ حرکت مت کرنا اسی طرح لیٹے لیٹے اوپر آ جاؤ۔''

وہ انگریزی بول رہا تھا مگر اس کا لہجہ مقامی تھا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور سانپ کی طرح رینگ کر چٹان پر آ گیا۔ میں نے بھی سرگوشی میں پوچھا۔ ''تم کون ہو؟''

''جلد تمہیں پتا چل جائے گا لیکن میں دوست ہوں۔''

''تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے؟''

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن وہ یہاں نہیں ہے۔''

میرے بعد زینی اوپر آ رہی تھی اور میں نے اسے بھی وہی کہا جو اس آدمی نے مجھ سے کہا۔ زینی نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نہیں جانتا اور خاموش رہو۔ یہاں مزید برفانی آدمی موجود ہیں۔''

وہ سہم گئی۔ ''باسو کہاں ہے؟''

یہاں سے وہ چٹان نظر نہیں آ رہی تھی جس پر باسو کو چھوڑا تھا۔ میرے پاس لیٹے آدمی کے ہاتھ میں ایک خودکار رائفل تھی اور اس پر ایک چھوٹی دوربین بھی فٹ تھی اس کا زردی مائل شیشہ بتا رہا تھا کہ یہ نائٹ ویژن بھی تھی اور وہ شاید اسی کی مدد سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس کی آنکھ دوربین سے لگی ہوئی تھی۔ پھر اس نے کان پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا۔ ''وہ محفوظ ہے میرے پاس ہے اوکے ہم آتے ہیں۔''

''تم کس سے بات کر رہے ہو؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے میری بات نظر انداز کر کے کہا اور لیٹے لیٹے دوسری طرف مڑ گیا۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا۔

''میں تمہارے ساتھ ایسے ہی نہیں جاؤں گا۔ پہلے مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کون ہو؟''

جواب میں اس نے اپنا دستانہ پوش ہاتھ میرے سامنے کر دیا۔ چاندنی میں دستانے پر ایک نام لکھا ہوا تھا اور میں کچھ لمحے کے لیے دنگ رہ گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر تم نے چلنا ہے تو چلو۔''

''ہم کہیں نہیں جائیں گے۔'' زینی نے تند لہجے میں کہا۔

''آہستہ بولو۔'' اس آدمی نے گھبرا کر کہا۔ ''برفانی آدمی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ انہوں نے سن لیا تو ہم صحیح سلامت یہاں سے نکل نہیں سکیں گے۔''

''زینی ہمیں جانا ہوگا۔'' میں نے اچانک کہا۔ ''میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اور دوسرے یہاں سے جا چکے ہیں۔''

''اتنی جلدی؟'' اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ ''وہ کیسے؟''

''ایسے۔'' میں نے کہا اور کہنی اس کی کنپٹی پر ماری اور وہ بے سدھ ہو گئی۔ میں نے پلٹ کر اسے اپنی پشت پر لاد لیا اور آدمی سے کہا۔ ''چلو یہاں سے۔''

آدمی نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور آگے رینگنے لگا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ شروع میں بڑا مشکل رہا کیونکہ زینی کو پشت پر لاد کر رینگنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر کسی نہ کسی طرح اسے پشت پر رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس دوران میں دوسرا آدمی بھی نظر آ گیا۔ وہ ایک ابھری ہوئی چٹان کے پیچھے مورچہ لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی اور شاید برفانی آدمی پر اسی نے فائر کیا تھا۔ ہمارے نزدیک آتے ہی وہ ہمارے ساتھ ہو گیا۔ وہ عقب سے زینی کو میری پشت پر رہنے میں مدد دے رہا تھا۔ ہمارا رخ شمال کی طرف تھا۔ تقریباً سو گز کے بعد ہم نیچے اتر گئے۔ پہلے وہ دونوں نیچے گئے اور انہوں نے زینی کو سہارا دے کر اتارا۔ میں خود اتر آیا۔ یہ راہداری سی تھی دوسرے آدمی نے زینی کو پشت پر لاد لیا اور پہلے آدمی نے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''ڈیوڈ شا کی بیٹی۔''

وہ چونکا۔ ''ڈیوڈ شا کی بیٹی..... تب اسے کیا ساتھ لے جانا مناسب ہوگا؟''

''مناسب تو شاید نہ ہو لیکن اسے یہاں اس حال میں چھوڑ کر جانا بھی مناسب نہیں ہے۔ اس کی جان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے اسے بھی لے چلتے ہیں۔"

ہم نے چلنا شروع کیا اور میں نے اس سے پوچھا۔ "ہمیں کہاں جانا ہے اور وہ کہاں ہے؟"

"دور جانا ہے ویسے تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"جس کا نام تم نے دستانے پر دکھایا ہے۔"

"وہ بھی وہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

قریب سے انہیں دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ گورکھا یا اس سے ملتی جلتی کسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ جسمانی لحاظ سے وہ تنومند اور مضبوط تھے۔ اس طرح کے نقوش کے حامل افراد اس سارے ریجن میں پائے جاتے ہیں۔ یہ نقوش میرے جانے پہچانے تھے اس لیے بھی میں نے ان پر اعتبار کیا۔ دوسرے میں ویسے ہی دشمن کی قید میں تھا۔ نیچے آنے کے بعد انہوں نے محدود روشنی والی ٹارچیں آن کر لی تھیں اور ہم ان کی روشنی میں سفر کر رہے تھے۔ راہداری بار بار مختلف دوراہوں اور بعض مقامات پر سہ راہوں سے گزر رہی تھی اس کے باوجود بغیر جھجکے جتنی تیزی سے راستے اختیار کر رہے تھے۔ اس سے لگ رہا تھا کہ انہیں راستوں کا اچھی طرح علم تھا۔ اس لیے انہوں نے کہیں بھی رک کر راستہ سوچنے یا کوئی نقشہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ روانی سے چل رہے تھے۔ برفانی آدمیوں کا سن کر مجھے باسو کا خیال آیا تھا کہ وہ اوپر تھا اور پوری طرح فٹ بھی نہیں تھا۔ وہ یقیناً برفانی آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکا ہوگا اور اسے اپنی مہلک گن چلانے کا موقع بھی نہیں ملا ہوگا۔ مجھے افسوس ہوا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "تم ہماری آمد سے کیسے واقف ہوئے؟"

"ایک فرد مستقل یہاں موجود رہتا تھا۔" میرے ساتھ چلنے والے نے جواب دیا۔ "اس سے ہمیں پتا چلا پھر کچھ وقت ہم دونوں کو آنے میں لگا۔"

میں چونکا۔ "نگران وہاں موجود ہے؟"

"نہیں!" اس نے گہری سانس لی۔ "جب ہم وہاں پہنچے تو برفانی آدمی اسے مار چکے تھے۔ ہمیں ذرا تاخیر ہوئی۔ اگر ہم چاہتے تو انہیں مار سکتے تھے مگر تمہاری وجہ سے ہم نے ہنگامہ آرائی مناسب نہیں سمجھی۔ اسی وجہ سے ہم کامیاب بھی ہوئے ورنہ برفانی آدمی خاصے زیادہ تھے۔ شاید درجن سے بھی اوپر۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہم اس کنویں میں گر گئے ہیں۔"

"بندر نما جانوروں نے رہنمائی کی لیکن جب تک ہم تمہاری مدد کو آتے ایک برفانی آدمی وہاں آ نکلا اس نے بھی بندروں کی موجودگی سے اندازہ لگایا کہ کنویں میں کوئی ہے۔ عین اس وقت جب وہ اندر کودنے والا تھا تو ئینے نے اسے شوٹ کر دیا۔"

"سوئینے؟"

"میرا بھائی۔" اس نے زینی کو اٹھانے والے کی طرف اشارہ کیا۔ "میرا نام روئینے ہے۔"

"سوئینے روئینے یہ تو خاصے مشکل نام ہیں۔"

وہ آہستہ سے ہنسا۔ "اسی وجہ سے ہمیں سوئی اور روئی کہا جاتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں؟''

''ایک درجن افراد تھے۔'' اس نے سرسری سے انداز میں کہا۔ ''اب نو باقی رہ گئے ہیں تین مارے جا چکے ہیں۔ ایک کو برفانی آدمی نے مارا باقی دو راستے میں حادثات کا شکار ہوئے تھے۔''

''تم لوگوں کا واسطہ بھی برفانی آدمیوں سے پڑا تھا؟''

''نہیں ہم دوسرے راستے سے آئے ہیں۔ لیکن ہمیں معلوم ہے برفانی آدمی ان چٹانوں تک آتے ہیں کیونکہ جب ان کے پاس خوراک کی قلت ہوتی ہے تو یہاں خوراک لینے آتے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے وہ وادی میں اتر کر خوراک لیتے ہیں۔''

''ہاں شاید وہ وادی سے ہی لیتے ہیں نیچے اترتے ہیں یا درمیان سے کہیں سے لیتے ہیں۔''

''تم کب سے یہاں ہو؟''

''آج ہمیں یہاں آئے ہوئے دوسرا ہفتہ شروع ہو گیا ہے۔'' اس نے بتایا تو میں مزید چونکا تھا۔

''تم جانتے تھے کہ ہم یہاں آ رہے ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''خاص طور سے یہ بھی جانتے تھے کہ آپ بھی آ رہے ہیں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مگر میں نے اس سے کچھ کہا نہیں۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے بیس منٹ ہو چکے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ ہم اس جگہ سے کوئی دو ڈھائی میل دور نکل آئے تھے۔ ہمارا رخ مزید شمال کی طرف تھا۔ ایک جگہ رسّی کی سیڑھی اوپر جا رہی تھی اس سے ہم چٹانوں پر چڑھے اور کوئی سو گز کے بعد دوبارہ نیچے اتر کر اسی طرح کی راہداریوں میں سفر کرنے لگے۔ شاید دوسری طرف جانے کا زمینی راستہ بہت طویل تھا اس لیے شارٹ کٹ بنایا گیا تھا۔ زینی کو اس شارٹ کٹ سے لے جانا کسی قدر مشکل ثابت ہوا تھا۔ اس کا وزن پہلے ہی کوئی پینسٹھ کلوگرام کے آس پاس تھا اور اس نے خاصا وزنی لباس اور دوسری چیزیں زیب تن کر رکھی تھیں۔ مجموعی طور پر وہ کوئی پچھتر کلوگرام کے آس پاس وزنی تھی۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی اور دوسری طرف اتر کر میں نے وقت پوچھا تو روفی نے جواب دیا۔ ''سوا گیارہ بج رہے ہیں۔''

''تم لوگوں کا اپنی پارٹی سے کیسے رابطہ ہوتا ہے؟''

''ہمارے پاس ریڈیو ہیں۔''

''مارے جانے والے کے پاس بھی ریڈیو تھا؟''

''ہاں لیکن شاید اسے استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا۔ برفانی آدمیوں نے اچانک حملہ کیا تھا۔ اس کا ریڈیو بھی تباہ کر دیا تھا۔''

''حملہ کس وقت کیا؟''

''جب تم لوگ پہنچے اس کے کچھ دیر بعد ہی انہوں نے حملہ کیا ہو گا کیونکہ جب ہم وہاں پہنچے تو اسے مرے ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔'' روفی نے جواب دیا۔ ''اسی سے ہمیں برفانی آدمیوں کے بارے میں پتا چلا۔''

''وہ ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں، انہوں نے میری ایک ساتھی عورت کو اغوا کر لیا۔ ایک آدمی کو مار دیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رونی چونکا۔ ''عورت کو اغوا کیا ہے اس کے ساتھ زیادہ برا ہو سکتا ہے۔ یہ ہماری عورتوں کو بھی اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔''

''تمہاری عورتیں..... کیا تمہارا تعلق بھی شمالی علاقے سے ہے؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہم یہاں سے چھ دن کی مسافت پر رہتے ہیں اور پیشہ ور گائیڈ ہیں۔''

''میرا تو خیال ہے کہ تم پیشہ ور گائیڈ سے بڑھ کر کچھ ہو۔'' میں نے اس کی رائفل کی طرف دیکھا۔ ''تمہارے بھائی کا نشانہ لاجواب ہے اس نے ایک ہی گولی میں اس درندے کو مار گرایا۔''

اس نے جواب نہیں دیا اور خاموشی سے چلتا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اس نے پوچھا۔ ''اگر آپ تھک گئے ہیں تو ہم کچھ دیر رک سکتے ہیں۔''

''ہمیں مزید کتنی دور جانا ہے؟''

''تقریباً اتنا ہی اور چلنا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''خاص تھکن نہیں ہے، اگر تم رکنا چاہتے ہو تو رک جاؤ۔''

''ہم وزن اٹھا کر چلنے کے عادی ہیں۔'' رونی نے کہا۔ اس کا بھائی نہایت کم گو تھا اس نے اس دوران میں صرف چند الفاظ کہے تھے اور وہ بھی اپنی زبان میں جس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑا تھا۔ جب میں نے برفانی آدمی کو ایک ہی گولی میں مار گرانے پر اس کی تعریف کی تب بھی اس نے کوئی ردِعمل نہیں دکھایا تھا۔ اس پورے سفر کے دوران میں وہ زینی کو اٹھائے رہا اور اس نے ایک بار بھی تھکن ظاہر نہیں کی تھی۔ میں نے کہا۔

''تب چلتے رہو اور اگر میں محسوس کروں گا تو بتا دوں گا۔''

ہمیں سفر کرتے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے اور اتنا ہی سفر باقی تھا۔ میرا خیال تھا کہ دوسری پارٹی اس جگہ موجود تھی۔ جہاں وادی میں جانے والا راستہ اترتا تھا۔ اس وقت تک ہم خطرے سے دور نکل آئے تھے کیونکہ اب وہ آواز دبا کر بات نہیں کر رہا تھا بلکہ نارمل آواز میں بول رہا تھا اس طرح چلنے کے دوران پیدا ہونے والی آہٹوں کو بھی نہیں دبا رہا تھا۔ مگر ان کے پاس بولنے کو زیادہ نہیں تھا اور اب خاموشی تھی۔ خاموش رہ کر سفر کرنے میں بوریت ہی ہو رہی تھی اور میں فی الحال اس شخص کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا جس کا نام رونی کے دستانے پر لکھا تھا۔ اس لیے میں نے برفانی آدمی کا موضوع چھیڑ دیا۔ ''تم نے بتایا کہ یہ تمہاری عورتوں کو اٹھائے جاتے ہیں وہ کیوں؟''

مجھے صحیح سے تو پتا نہیں ہے کیونکہ کبھی ان کے پاس نہیں گئے مگر میرے بزرگ کہتے ہیں کہ برفانی انسان عورتوں سے نسل کشی کا کام لیتا ہے۔''

میں چونکا۔ ''لیکن ان میں مادائیں بھی ہوتی ہیں۔''

''ہاں بزرگوں کا کہنا ہے کہ ان کی مادائیں اکثر بانجھ ہوتی ہیں اور بچے پیدا نہیں کر سکتیں اس لیے یہ اپنی نسل بڑھانے کے لیے ہماری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ میں نے تو یہ تک سنا ہے کہ ہمالیہ کے مختلف علاقوں میں لوگ ان شادی شدہ عورتوں کو جن کے شوہر مر جائیں یا انہیں چھوڑ دیں بھینٹ کے طور پر برفانی آدمیوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ انہوں نے بھینٹ کے مندر بنا رکھے ہیں جہاں ان عورتوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور برفانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی آ کر انہیں وہاں سے لے جاتے ہیں۔"

"کوئی انسان اس موسم میں زندہ رہ سکتا ہے جس میں یہ زندہ رہتے ہیں۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں ہو سکتا ہے عام انسان بھی ان کے ساتھ رہ کر اس قابل ہو جاتا ہو کہ اس موسم میں زندہ رہ سکے۔" رونی نے کہا۔ وہ لہجے سے پڑھا لکھا لگ رہا تھا اس کی انگریزی بھی بہت صاف تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے ہنس کر کہا۔ "سکول کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے ہاں انگریزی بولنا اور پڑھنا آتی ہے میں نے انگریزی ادب بھی پڑھا ہے۔ یہاں آنے والے اپنے ساتھ جو کتابیں اور رسالے لاتے ہیں میرا شوق دیکھتے ہوئے وہ جاتے ہوئے مجھے دے جاتے ہیں۔"

"گڈ یعنی تم سیلف میڈ آدمی ہو؟" میں نے اس کی تعریف کی تو وہ خوش نظر آنے لگا۔ رونی اور سونی کا قبیلہ مظاہر پرست تھا اور یہ پہاڑوں کو خدا قرار دیتے تھے۔ ان کے باقی رسم و رواج کسی قدر ہندو مت سے ملتے تھے اور کچھ بدھ مت کے قریب تھے۔ ایک عورت کئی آدمیوں کی بیوی ہو سکتی تھی کیونکہ یہاں عورتوں کی قلت تھی اور اس کی وجہ برفانی آدمی نہیں بلکہ ان کا لالچ تھا۔ یہ پیسے کے عوض اپنی عورتیں اور لڑکیاں بیچ دیتے تھے۔ اس معاملے میں ماں اور دوسرے بڑے رشتوں کی تمیز بھی نہیں تھی۔ ماں خالہ اور پھپھی تک فروخت کر دیتے تھے۔ اس سے بڑی عمر کی خواتین کا کوئی خریدار نہیں تھا ورنہ یہ نانی دادی بھی بیچ ڈالتے۔ مجھے سن کر افسوس سے زیادہ کوفت ہوئی تھی۔ پورے ہمالیائی ریجن میں عورت کی تذلیل رائج تھی۔ صرف یہاں نہیں بلکہ پاکستان میں بھی شمالی علاقے میں عورتوں کی خرید و فروخت عام تھی۔ میں چپ ہو گیا تو اس نے آہستہ سے کہا۔

"شاید تمہیں عورتیں بیچنے والی بات اچھی نہیں لگی؟"

"شاید نہیں یقیناً، میرے نزدیک عورت محترم ہستی ہے اور اسے فروخت کرنا اس کی انتہائی تذلیل ہے۔"

"میں تم سے متفق ہوں اور ہمارے ہاں نوجوان نسل میں اس کے خلاف بغاوت رواج پا رہی ہے شاید آنے والے وقت میں ہم اس لعنت سے نجات حاصل کر سکیں۔"

"تم لوگوں کو بغاوت کرنی چاہیے۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "غور کرو اس طرح سے عورت بیچ کر تم لوگ اپنی نسل کی بیخ کنی کر رہے ہو۔ آدمی کی نسل کو عورت ہی پیدا کرتی اور پروان چڑھاتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو اس وقت میرے قبیلے میں یہ حال ہے کہ پانچ ہزار کی آبادی میں صرف بارہ سو عورتیں ہیں۔ کئی نوجوان مرد، عورت کے بغیر ہیں اور ہمیں شاید باہر سے عورت خرید کر لانی پڑے۔"

"خریدو بھی مت ورنہ یہ لعنت کبھی ختم نہیں ہو گی۔ تم خود سوچو تم خریدو گے تو کوئی نہ کوئی بیچے گا۔ پھر وہ تمہارے قبیلے سے عورت خریدنے آئے گا۔ اصل میں اس سسٹم میں فائدہ مالدار لوگ اٹھاتے ہیں وہ پیسے کے بل پر کئی کئی عورتوں پر قابض ہو جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے کئی افراد محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لیے سرے سے خرید و فروخت ہونی ہی نہیں چاہیے۔ اس خطے میں ویسے بھی لڑکیاں کم ہی جوان عمر کو پہنچتی ہیں۔ بچپن میں مرنے والے بچوں میں سے اکثریت لڑکیوں کی ہوتی ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے مگر ہمارے بزرگ اس سسٹم کو تبدیل کرنے پر رضامند نہیں ہیں۔"

"یہ کام تم نوجوانوں کا ہے کہ انہیں مجبور کرو ہر جگہ تبدیلی نوجوان ہی لاتے ہیں۔" میں نے کہا۔ اس گفتگو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں مزید ایک گھنٹہ گزر گیا تھا اور اس دوران میں زینی کسمسانے لگی تھی اس لیے ہم رک گئے اور پھر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی جو تھوڑی دیر میں کامیاب رہی۔ میرے وار نے اس کا دماغ اندر سے ہلا دیا تھا اس لیے ہوش میں آنے کے بعد اسے کچھ دیر شدید درد رہا تھا اور وہ سر پکڑ کر مجھے سناتی رہی تھی۔ خاموش رہا اسے حق تھا۔ البتہ جب میں نے محسوس کیا کہ وہ ٹھیک ہوگئی ہے تو میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''بس تم نے بدلہ لے لیا ہے اب بولو گی تو میں جواب دینے کا حق رکھتا ہوں۔''

''آخر کیوں؟'' اس نے چیخ کر پوچھا۔

''اگر میں تمہیں زبان سے قائل کرنے کی کوشش کرتا یا پستول سے دھمکاتا تو تم مزاحمت کرتیں اور اس وقت برفانی آدمیوں کا شدید خطرہ تھا ہمیں فوری وہاں سے نکلنا تھا۔ اس لیے یہی ایک ترکیب سمجھ میں آئی تمہیں خاموش کرنے کی۔''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتی رہی اور پھر زیر لب بولی۔ ''ظالم، وحشی۔''

''حالانکہ میں ایسا ہوں نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں تمہیں وہیں چھوڑ آتا مگر مجھے خطرہ تھا کہ تم برفانی آدمیوں کے ہاتھ نہ لگ جاؤ۔ ابھی ان کے بارے میں جو معلوم ہوا ہے وہ کہیں زیادہ تشویشناک ہے۔ اگر تم ان کے ہاتھ لگ جاتیں تو تمہارے مردوں کے حوالے سے تمام ارمان پورے ہو سکتے ہیں۔''

اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور بولی۔ ''کیا معلوم ہوا ہے؟''

''یہی کہ یہ انسانی عورت سے نسل کشی کا کام لیتے ہیں۔''

وہ کانپ گئی۔ ''نہیں..... تب اوشا کی خیر نہیں ہے۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم بھول رہی ہو وہ زہریلی ہے برفانی آدمی اس کے پاس آ کر بچ نہیں سکتا اور نہ ہی وہ ماں بن سکتی ہے۔''

''مگر وہ ان کی درندگی کا شکار تو ہو سکتی ہے۔''

''اسے بس اللہ ہی بچائے۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''سچی بات ہے اس کا کڑا ملنے کے باوجود مجھے اس کی زندگی کی امید بہت کم ہے۔''

زینی خوش تھی کہ اوشا کی زندگی کی امید کم ہے اور وہ اس خوشی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اوشا زندہ تھی یا نہیں لیکن زینی کے لیے میرے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اس لیے مجھے اس کی خوشی سے بھی کوئی غرض نہیں تھی۔ زینی اب اپنے بارے میں فکر مند تھی۔ ''تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں جا رہے ہو۔ یہ دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔''

''یہ دشمن نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ تم لوگوں کا بھی تو قیدی تھا۔''

وہ مجھے گھورنے لگی۔ ''تم کچھ جانتے ہو جو مجھ سے چھپا رہے ہو۔''

''تم جو چاہے سمجھو اور اب کھڑی ہو جاؤ۔ ہمیں خاصا سفر کرنا ہے۔''

''میں نہیں جاؤں گی کیا میں تمہاری قیدی ہوں۔'' اس نے ہٹ دھرمی سے کہا اور اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

''مرضی تمہاری، تم نہیں جانتی کہ کہاں ہو اور نہ تمہارے پاس ہتھیار یا کوئی دوسری چیز ہے۔ بیٹھی رہو یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جس طرف دل چاہے نکل جاؤ۔ اچھا ہے میرا ایک دردِ سر کم ہوگا۔"

میں چلنے لگا تو رونی اور سونی بھی میری دیکھا دیکھی چل پڑے۔ زینی کچھ دیر تو وہیں بیٹھی رہی پھر اٹھ کر پیچھے لپکی۔ "تم سچ مچ وحشی ہو۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ "تم میں کوئی حس نہیں ہے۔"

"تمہارے بھلے کو کہہ رہا تھا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "اب بھی وقت ہے واپس چلی جاؤ ان چٹانوں سے ہوتی ہوئی تم ان تک پہنچ جاؤ گی بہ شرط کہ وہ صحیح سلامت ہوں۔ تم نے بھی دیکھ لیا تھا کہ برفانی آدمی وہاں پہنچ گئے تھے۔"

وہ چند لمحے کھڑی ہچکچاتی رہی اور پھر بولی۔ "میں تمہارے ساتھ چلوں گی مگر میں قیدی نہیں ہوں گی۔"

"اپنی حد تک میں یقین دلاتا ہوں لیکن جہاں جا رہا ہوں وہاں تمہارے ساتھ کوئی اور سلوک ہوا تو میں اس کا ذمے دار نہیں ہوں گا۔"

"کیوں میں تو تمہاری ذمے داری ہوں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "میں کسی اور کو نہیں جانتی۔"

"فی الحال میں اپنی ذمے داری نہیں لے سکتا تو کسی اور کی کہاں سے لوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم نے چلنا ہے تو انہی شرائط پر چل سکتی ہو ورنہ تمہاری مرضی ہے۔"

وہ کچھ دیر ہونٹ کاٹتی رہی پھر سر ہلا کر آگے بڑھی۔ رونی اور سونی آگے تھے اور وہ میرے ساتھ چل رہی تھی۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ "تم میں عورت سے متاثر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔"

"پلیز لیو دس ٹاپک۔"

"تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا....."

"کاش کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا۔" میں نے بھنا کر اس کی بات کاٹی۔ "کیا تم خاموش نہیں رہ سکتیں۔ یہ سوچو کہ اب تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟"

"جب میں نے یہ پیشہ اختیار کیا تھا تب ہی سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ آگے کیا ہوگا۔ زندہ رہوں گی یا ماری جاؤں گی" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ تیسری صورت اور کیا ہوگی؟"

"بعض اوقات آدمی زندہ نہیں رہنا چاہتا اور پھر بھی زندہ رہتا ہے اس وقت سے ڈرنا چاہیے۔"

"مجھ پر ایسے وقت بھی آئے ہیں مگر میں زندہ رہی میں نے کبھی خود سے مرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ آدمی خود سے زندہ رہنے کی کوشش کرے۔"

"شش۔" اچانک رونی نے خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی ہم رک بھی گئے۔ وہ کان لگا کر سن رہا تھا جب کہ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ زینی نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اسے بھی کچھ سنائی نہیں دیا تھا۔ مگر رونی اور سونی کچھ سن رہے تھے وہ چوکنا ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ پھر وہ دبے قدموں آگے بڑھے اور ہمیں بھی اشارہ کیا کہ قدموں کی آہٹ نہ ہو۔ میں اور زینی بھی دبے قدموں آگے بڑھے۔ کچھ آگے گئے ہوں گے کہ میرے کانوں نے مخصوص چٹخنے والی آوازیں سن لیں۔ یہ آوازیں وہی بندر نما مخلوق نکال رہی تھی جو کچھ دیر پہلے ہمیں بے گناہ ہی سنگسار کر رہی تھی۔ وہ آگے کہیں موجود تھے۔ چاند اب مغربی افق کی طرف جھک گیا تھا اس لیے بند جگہوں پر اس کی روشنی براہِ راست نہیں آ رہی تھی مگر کسی قدر اجالا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا البتہ جس کھلی جگہ ہم پہنچے وہاں چاند کی روشنی تھی اور اس روشنی میں بے شمار بندر نما مخلوق کسی شے پر جمع تھی اور اس پر ٹوٹی پڑ رہی تھی۔

میں نے غور کیا تو وہ نوچ کھسوٹ کر رہے تھے اور ملنے والی چیز جلدی جلدی کھا رہے تھے کیونکہ ایک کے ہاتھ میں دیکھ کر دوسرے کئی اس پر جھپٹتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی اور ایک طرف سے مزید بندروں کی آمد جاری تھی۔ درمیان میں موجود چیز پر ان کا مزید ہجوم آ رہا تھا۔ اس لیے وہ بالکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ بندر ایک دوسرے پر چڑھے جا رہے تھے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو نوچ کھسوٹ رہے تھے۔ مگر ان کی یہ لڑائی صرف کھانے پر تھی۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں تھی۔ ان کی مکروہ چیختی آواز یہاں بہت زیادہ تھی۔ میں نے رونی کو اشارہ سے پیچھے کیا اور اس کے کان میں بولا۔ ''اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا ملے گا کیا کوئی اور راستہ نہیں ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اسی راستے سے جا سکتے ہیں یا پھر باہر نکل جائیں مگر اس صورت میں دوبارہ اندر آنے کا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔''

''ان کو ڈرا دھمکا کر.....''

''ہرگز نہیں یہ بہت ڈھیٹ مخلوق ہے، تم نے دیکھا نہیں وہ جسے کھا رہے ہیں وہ ایک برفانی آدمی ہے۔ یہ زیادہ ہوں تو اسے بھی مار دیتے ہیں۔''

میرے جسم میں خوف کی لہری دوڑ گئی۔ بہ ظاہر حقیر نظر آنے والی مخلوق اتنی خطرناک ہو سکتی ہے۔ مگر یہ شاید قدرت کا اصول ہے کہ وہ بڑے کو چھوٹے کے ہاتھوں شکست دیتی ہے۔ فطرت میں سب سے طاقتور وہ ننھی مخلوق ہے جو طاقتور ترین خردبین سے بھی بمشکل نظر آتی ہے یعنی وائرس اور وہ اپنے سے کروڑوں اربوں گنا بڑے انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ میں نہیں دیکھ سکا تھا مگر رونی نے دیکھ لیا تھا۔ ''تب کیا ہو سکتا ہے ہم واپس جائیں اور راستہ صاف ہونے کا انتظار کریں۔''

''میرے پاس ایک چیز ہے اگر ہم اسے استعمال کریں تو ان سے کچھ دیر کے لیے نجات مل سکتی ہے۔'' رونی نے کہتے ہوئے اپنے بیگ سے ایک گیس اسپرے برآمد کیا۔ ''یہ اس کی بو سے بھاگتے ہیں۔''

''ایسے کتنے اسپرے ہیں؟''

''ایک اور ہے۔'' اس نے بیگ سے دوسرا نکالا۔

وہ میں نے لے لیا اور اس سے کہا۔ ''میں اور تم ایک ایک سمت ہوں گے۔ سونی اور زینی درمیان میں ہوں گے۔ یہ بتاؤ کہ بوتل میں کتنی دیر کا اسپرے ہے اور ایک اسپرے کتنی دیر تک کرنا ہوگا؟''

''ایک سیکنڈ سے بھی کم۔ اس میں دو منٹ کا اسپرے ہے۔''

''ہمیں برفانی آدمی کی لاش سے دور دور سے گزرنا ہوگا تاکہ وہ اس کی طرف سے بے فکر رہیں اور ہم لاش سے دور رہیں گے تو ہماری طرف آنے والوں کی تعداد بھی کچھ کم ہوگی۔''

''آپ نے ٹھیک سوچا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''شہباز.....'' زینی کی خبردار کرنے والی آواز آئی اور میں نے اس طرف دیکھا تو کئی بندر ہماری طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرہے تھے۔ پتا نہیں انہوں نے ہماری آوازیں سن لی تھیں یا بُو سونگھ لی تھی۔ مگر ابھی انہیں ہماری موجودگی کا یقین نہیں تھا۔ زینی نے آواز دے کر اپنی موجودگی ثابت کر دی اور اس کے ساتھ ان بندروں نے خبردار کرنے والے انداز میں چلانا اور ہماری طرف منہ کر کے چیخنی آواز نکالنا شروع کر دی۔ میں اور رونی تیزی سے آگے آئے اور اس کھلی جگہ میں گھستے ہوئے بندروں کی طرف پہلا اسپرے کیا۔ فوراً ہی تیز چبھتی ہوئی ناگوار بو میری ناک سے ٹکرائی اور بندر اس سے زیادہ الرجک تھے وہ تیزی سے پیچھے ہٹے۔ میں نے زینی سے کہا۔

''میرے اور رونی کے درمیان میں آجاؤ۔''

''مجھے پستول دو۔'' اس نے میرے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

''وہ بیکار ہے تم ان کی تعداد دیکھ رہی ہو۔''

اتنی سی دیر میں لاتعداد بندر ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے اور جو برفانی آدمی کی لاش سے چمٹے نہیں تھے وہ سارے کے سارے ہماری طرف آنے لگے۔ یہ کھلی جگہ تھی جس میں دائرے میں دیواریں پھیلی ہوئی تھیں اور ہم ان دیواروں کے ساتھ لگ کر آگے بڑھنے لگے۔ زینی اور سونی ہماری اوٹ میں تھے۔ رونی نے سونی سے کچھ کہا اور اس نے اپنی رائفل کا رخ اوپر کی طرف کر دیا کیونکہ بے شمار بندر ہمیں دیکھتے ہی چٹانوں پر چڑھ گئے تھے اور اس کا خطرہ تھا کہ وہ اوپر سے حملہ نہ کر دیں۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ ایک بندر نے اوپر سے چھلانگ لگائی مگر سونی نے ایک ہی فائر میں اس کے چیتھڑے اڑا دیئے اور اس کم بخت کا خون اور دوسری باقیات ہم پر گری تھیں۔ جب میری برفانی آدمی سے دست بدست جنگ ہوئی تھی اور اس کے سینے میں موجود سوراخ سے بے تحاشہ خون نکلا تھا تو میری جیکٹ اور پتلون پر اس کا خون لگا تھا پھر بارودی سرنگ کی زد میں آنے والے سر بریدہ برفانی آدمی کی باقیات بھی مجھ پر برسی تھیں اور میں اس وقت حلیے سے پنجابی فلموں کا ہیرو لگ رہا تھا۔ جس نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے ہوں۔ یعنی سر سے پاؤں تک خون میں نہایا ہوا تھا۔

بندر مرا تو اس کا خون بھی گرا اور میری پہلے سے رنگین جیکٹ مزید رنگین ہو گئی۔ یہ سفید رنگ کی تھی اس لیے اس پر سرخ رنگ بہت نمایاں تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ میرے پاس مزید کوئی جیکٹ نہیں تھی اور کسی کی فالتو جیکٹ بھی نہیں تھی اور اس موسم میں اس کے بغیر رہنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے مجھے مجبوراً یہی پہننی پڑی تھی۔ میرے پاس پتلون تھی مگر اسے بدلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے زیر لب بندر کو کوسا جو مرتے مرتے بھی مجھے مزید گندا کر گیا تھا۔ میں نے غصے میں ایک کسی قدر نزدیک آنے والے بندر پر آگے ہو کر اسپرے کیا اور اس نے براہِ راست اسپرے کا مزہ چکھا جو یقیناً مزیدار نہیں تھا کیونکہ اس نے چیخنے کے ساتھ زمین پر لوٹنا شروع کر دیا تھا اور اس کی حالت دیکھ کر باقی بندروں نے عبرت پکڑی اور فوراً اسپرے سے محفوظ فاصلے پر چلے گئے تھے۔ رونی نے کہا۔

''یہ اچھی بات ہے اب نزدیک آنے والے بندر پر براہِ راست اسپرے کرنا ہے۔''

ہم دیوار سے لگ کر اور برفانی آدمی کی لاش سے دور ہو کر گزر رہے تھے مگر جب بندر کو براہِ راست اسپرے لگا اور اس نے شور کیا تو لاش پر موجود بندر بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گئے اور تب ہم نے دیکھا کہ انہوں نے اس دیوہیکل اور طاقتور مخلوق کا کیا حال کیا تھا۔ وہ اس کے سینے اور سر سے تقریباً تمام گوشت نوچ کر کھا چکے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوپری حصہ ڈھانچا کر دیا تھا۔ اب وہ اس کے پیٹ اور پسلیوں کے اندر موجود چیزیں نکال کر کھا رہے تھے۔ پیروں اور کولہوں کا بھی خاصا گوشت غائب تھا۔ شاید مشکل سے آدھے گھنٹے میں وہاں صرف اس کا ڈھانچا رہ جاتا۔ یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر تھا۔ خالی جگہ سے گزر کر دوسری طرف موجود راہداری تک جانے میں ہمیں دو بار اور بندروں پر اسپرے کرنا پڑا اور اس کا مفید نتیجہ نکلا۔ سونی رونی اور زینی ویسے ہی اوپر کی طرف سے ہوشیار تھے۔

راہداری میں آنے کے بعد ہم کچھ دیر تو ہوشیار ہو کر الٹے قدموں چلتے رہے اور جب ذرا دور نکل آئے تو ہم نے سیدھے ہو کر دوڑ لگائی۔ اس وقت بھی بندر شور مچا رہے تھے اور وہ چٹانوں کے اوپر بھی تھے۔ وہ رفتار میں ہمارا پیچھا نہیں کر سکتے تھے مجھے حیرت تھی کہ تیز رفتار برفانی آدمی ان سے کیسے شکست کھا گیا۔ وہ بے شک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا مگر وہاں سے بھاگ تو سکتا تھا۔ شاید اسے کوئی ایسی چوٹ آئی تھی کہ بھاگ نہیں سکا اور بندروں نے اسے گرا لیا۔ کوئی دس منٹ بعد ہم رکے کیونکہ اب بندروں کی آوازیں معدوم ہو گئی تھیں۔ وہ خاصا پیچھے رہ گئے تھے۔ رک کر اپنا سانس درست کرتے ہوئے ہم اب عام رفتار سے چلنے لگے۔ میں نے رونی سے پوچھا۔ ''اب کتنی دور جانا ہے؟''

''زیادہ نہیں بس پندرہ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔''

رونی کا کہنا درست ثابت ہوا اور ہم پندرہ منٹ میں چٹانوں کے اندر اس بڑے سے غار تک پہنچ گئے۔

○.....❖.....○

وہاں نصف درجن افراد کے ساتھ وہ شخص موجود تھا جس کا نام اردو زبان میں رونی کے دستانے پر لکھا ہوا تھا اور میں اس کی تحریر بھی پہچانتا تھا۔ تحریر راجا عمر دراز کی تھی اور وہ بذات خود وہاں موجود تھا۔ اس پورے سفر کے دوران میں مجھے ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ راجا عمر دراز انڈیا یا وادی کی طرف محوِ سفر ہو گا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے محل میں بسترِ علالت پر دراز ہو گا۔ مگر وہ یہاں موجود تھا۔ جب رونی نے دستانے پر مجھے اس کا نام دکھایا اور میں نے اس کی تحریر کو بھی شناخت کر لیا تب بھی مجھے مکمل یقین نہیں آیا تھا کہ وہ یہاں موجود ہو گا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور پُرجوش انداز میں مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ''شہباز..... میرے بیٹے کیسے ہو؟''

چند دن پہلے سیکرٹری بیگ نے مجھے ذلت آمیز اور تقریباً دشنامانہ انداز میں محل سے رخصت کیا تھا تو میرے دل میں راجا عمر دراز کے لیے موجود مقام جیسے ختم سا ہو گیا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ جب اپنے مسائل سے نمٹ لوں گا تب بھی راجا عمر دراز سے تعلق استوار کرنے کی کوشش نہیں کروں گا اور اگر اس کی طرف سے ایسی کوئی کوشش ہوئی تو اسے نظر انداز کر دوں گا۔ وہ میرے لیے بھولی بسری یاد بن جائے گا۔ اس کے بعد مشکلات کا ایسا دور شروع ہوا کہ مجھے راجا تو کیا بلکہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں بھی سوچنے کا وقت کم ہی ملا تھا۔ وادی کے پاس آ کر مجھے کئی مواقعوں پر راجا عمر دراز کا خیال آیا۔ لیکن یہ خیال اس کے ساتھ کیے سفروں کے بارے میں تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے جگہ نہیں آئی تھی۔ مگر وہ غیر متوقع طور پر مجھ سے پہلے یہاں موجود تھا۔ رونی کا کہنا تھا کہ وہ ایک ہفتے سے زیادہ وقت ہوا یہاں آ چکے تھے اور اس وقت میں شاید افغانستان میں تھا اور مجھے انڈیا لانے کی تیاری کی جا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گویا جس وقت سیکرٹری بیگ نے مجھے ذلیل کر کے محل سے نکالا تب تک راجا عمر دراز وادی کی مہم پر روانہ ہو چکا تھا یا اس کے لیے پر تول رہا تھا۔ یعنی بیگ نے مجھ سے راجا کی بیماری کے بارے میں جھوٹ بولا تھا کہ وہ کسی سے مل نہیں سکتا۔ وہ کیسے ملتا جب کہ وہ محل میں تھا ہی نہیں۔ اگر راجا عمر دراز چھپ کر گیا تھا تو دشمنوں سے چھپ کر گیا تھا مجھ سے چھپانا اور پھر ایسا سلوک کرنا سمجھ سے بالاتر تھا۔ اگر بیگ کا مقصد سچ مچ میری تذلیل نہیں تھی تب بھی اس نے مجھے کھلونے کی طرح برتا اور یہ بھی کوئی عزت والی صورت نہیں تھی۔ بے شک راجا عمر دراز میرا محسن اور بڑا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ میرے ساتھ کوئی بھی سلوک کرنے کے لیے آزاد ہو۔ میں اپنی ذلت بھول نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب راجا عمر دراز نے مجھے سینے سے لگایا تو اس کی گرم جوشی میرے اندر موجود سرد مہری کو ذرا بھی نہیں پگھلا سکی تھی اور میں جواب میں بالکل ساکت رہا۔ جلد اس نے یہ بات محسوس کر لی اور کسی قدر جھینپ کر پیچھے ہوا۔ تب میں نے سرد ہی لہجے میں کہا۔

''آپ کے سامنے ہوں اور اس جگہ موجود ہوں جہاں آپ اور ڈیوڈ شا مجھے لانا چاہتے تھے۔''

دوسرے لفظوں میں، میں نے اسے جتا دیا کہ اب میرے لیے اس کی حیثیت تقریباً ڈیوڈ شا جیسی ہے۔

اس بار راجا عمر دراز کا کمزور چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں اب تم یہاں ہو۔'' پھر اس نے زینی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''ڈیوڈ شا کی بیٹی؟''

''آپ سے زیادہ کون جانتا ہوگا۔'' میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔ ''آپ کے سیکرٹری نے مجھے ان لوگوں کے حوالے کیا تھا۔''

''شہباز بیٹے میری بات سنو۔''

''راجا صاحب جب آپ مجھے بیٹا کہتے تھے تو مجھے خوشی ہوتی تھی مگر اس وقت مجھے اس تخاطب سے الجھن ہو رہی ہے برائے مہربانی مجھے نام سے مخاطب کریں۔''

ہاں موجود افراد میں صرف دو افراد تھے جو صورت سے برصغیر کے میدانی علاقوں کے رہنے والے لگ رہے تھے۔ باقی سب کی صورتیں رونی اور سونی سے ملتی تھیں۔ سب ملا کر کل نو افراد تھے۔ ان کے پاس خاصا ساز و سامان نظر آ رہا تھا۔ راجا عمر دراز نے ان دو میں سے ایک، کسی قدر طویل قامت کی طرف دیکھا اور آنکھوں سے کوئی اشارہ کیا تو اس نے فوراً سب کو حکم دیا۔ ''یہاں سے چلو۔''

یہ تخلیہ والی بات تھی۔ مگر جب رونی نے زینی کا بازو پکڑا تو میں نے کہا۔ ''یہ میرے ساتھ ہے۔''

''شہباز میں تم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔

''یہ یہیں رہے گی۔ ورنہ میں بھی چلوں گا۔'' میں نے راجا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ اس نے گہری سانس لی اور بولا۔

''ٹھیک ہے اسے یہیں چھوڑ جاؤ۔''

وہ سب زینی کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ راجا عمر دراز واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا اس نے تنہائی پاتے ہی کہا۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو۔''

میں اس کے سامنے ایک پتھر پر ٹک گیا۔ زینی بھی بیٹھ گئی تھی۔ چل چل کر ہمارا حشر ہو گیا تھا۔ اس بلندی پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو کسی طرح پندرہ ہزار فٹ سے کم نہیں تھی بات کرنے سے بھی سانس پھول جاتا تھا۔ ''جب یہ جانتے ہیں تو وجہ بھی جانتے ہوں گے۔''

''شہباز!'' راجا عمر دراز نے زندگی میں شاید پہلی بار مجھ سے اس طرح بات کی تھی۔ ''پلیز مجھے وضاحت کا موقع دو۔''

سچی بات ہے جب میں نے اس کا کمزور چہرہ اور اس پر بے بسی کی ایک کیفیت دیکھی تو اس کے لیے میرے اندر موجود یخ پگھلنے لگی تھی مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ وہ کینسر کے جان لیوا مرض کے ساتھ اور شاید زندگی کے آخری لمحوں میں اپنے خواب کی تکمیل کے لیے یہاں تک چلا آیا تھا۔ میں نے گہری سانس لی جو ویسے بھی مسلسل لینا پڑ رہی تھی۔ ''پلیز راجا صاحب مجھ سے یوں بات نہ کریں۔''

''تب کیا کروں جب کہ تم میری بات سننے کو تیار نہیں ہو۔''

بادل ناخواستہ میں نے سر ہلایا۔ ''آپ کہیں، میں سن رہا ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے تم اب بھی دل سے نہیں سن رہے ہو۔ مگر میں بات ضرور کروں گا۔ پہلی بات یہ بتا دوں کہ ڈاکٹروں نے مجھے جواب دے دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کینسر میرے اندر ناقابلِ علاج حد تک جڑیں پھیلا چکا ہے۔''

اگرچہ میں بیگ سے یہ بات سن چکا تھا مگر راجا عمر دراز کے منہ سے سن کر مجھے دھچکا لگا تھا۔ ''افسوس ہو رہا ہے راجا صاحب۔''

وہ مسکرایا۔ ''لیکن مجھے افسوس نہیں ہے میں نے بہت لمبی عمر گزاری ہے اور اس وقت بھی بستر پر نہیں ہوں۔ اوپر والے سے امید ہے کہ وہ زندگی کی طرح موت بھی اچھی دے گا۔''

''تب راجا صاحب آپ کو اپنے گھر والوں کے ساتھ.....''

''اب وہ میرے گھر والے نہیں ہیں ان کے بچوں کے بھی گھر ہو چکے ہیں۔'' اس نے بات کاٹی۔ ''میں ایک آزاد فرد ہوں اور اپنی مرضی کر سکتا ہوں۔ اس لیے میں نے آخری وقت کے لیے اس جگہ کا انتخاب کیا۔ ایک دن میں خاموشی سے محل سے نکل گیا اور اب میرے بچوں کو بھی نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں؟ صرف ایک فرد کو معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں؟''

''سیکرٹری بیگ؟''

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ''ہاں، اسی نے تمہیں یہاں بھیجا ہے کیونکہ میں تمہارے بغیر آیا۔ یہ فیصلہ اس نے خود کیا اور سارا انتظام بھی خود کیا۔''

''دوسرے لفظوں میں وہ ڈیوڈ شا سے مل گیا۔'' میرا لہجہ پھر تند ہو گیا۔

''نہیں مگر اس نے سامنے آئے بغیر ڈیوڈ شا کو ہی استعمال کیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ان دنوں انڈیا میں ہے اور وادی کی طرف جانے کی تیاری کر رہا ہے۔''

''صرف وہی نہیں ڈیوڈ شا بھی جانتا تھا کہ آپ یہاں آ چکے ہیں اب سمجھ میں آیا کہ اس کا رویہ بعض اوقات پُراسرار اور ناقابلِ فہم کیوں ہو جاتا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجا عمر دراز چونکا۔ ''وہ جانتا ہے؟''

''بالکل جیسے آپ اس کے بارے میں جانتے ہیں۔''

میں نے یقین سے کہا۔ ''جیسے بیگ نے اس پر نظر رکھی اسی طرح اس نے آپ پر نظر رکھی ہوگی۔ اب مجھے خیال آرہا ہے کہ کچھ عرصے پہلے وہ پاکستان میں تھا اور اس نے مجھے اپنے قبضے میں لیا تھا تب اس نے وادی کی طرف جانے کی بات نہیں کی ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے آپ کی بیماری کا سن کر اسے مستقبل پر چھوڑ دیا ہے۔ پھر اچانک ہی وہ انڈیا پہنچا اور اس نے مجھے بھی بلوانے کا بندوبست کر لیا۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ اسے آپ کے سفر کا علم ہو گیا تھا اور وہ بھی فوری عازم سفر ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا مقابلہ آپ سے ہے۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''مگر بیگ کا رویہ اب بھی میری سمجھ سے بالاتر ہے؟''

''دیکھو جب بیگ کے علم میں ڈیوڈ شا والی بات آئی تو اسے معلوم تھا کہ وہ تمہیں حاصل کرنے اور اپنے ساتھ لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اگر تمہاری بات درست ہے کہ ڈیوڈ شا میرے سفر کی خبر پا کر پیچھے آیا تو اس کے لیے یہ ابھی یا کبھی نہیں والا معاملہ تھا۔ بیگ سمجھ رہا تھا کہ تم نہ سہی تمہارے ساتھی شدید خطرے میں گھر سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ مجھے یہاں تمہاری ضرورت تھی۔ تیسرے وہ جانتا تھا کہ تمہاری زندگی کو خطرہ نہیں ہے اور ساتھ ہی وہ اس سے بھی واقف ہے کہ کوئی تمہیں زیادہ دن قید نہیں رکھ سکے گا۔ اس لیے اس نے کوشش کی کہ تم ڈیوڈ شا کے توسط سے انڈیا پہنچ جاؤ۔ دوسری صورت میں تمہارے لیے خود یہ کام اتنا آسان نہیں ہوگا۔''

''آپ نے بیگ کی حمایت میں جو کہا ہے اس میں اصل بات شاید شامل نہیں ہے کہ اصل میں بیگ نے مجھے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے نوری بھیجنے کا سب سے آسان اور شارٹ کٹ راستہ اور طریقہ یہی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جب میں یہاں پہنچوں گا اور آپ کی موجودگی کا علم ہوگا تو لازمی میں آپ کی طرف آؤں گا۔ اس نے بہت چالاکی سے بندوق ڈیوڈ شا کے شانے پر رکھ کر چلائی ہے۔''

پہلی بار راجا عمر دراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''لیکن کیا آپ ڈیوڈ شا کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور آپ کے خیال میں وہ اتنی آسانی سے مجھے ہاتھ سے نکل جانے دے گا۔''

راجا عمر دراز چونک گیا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ یہاں آرہا ہوگا۔''

''اس صورت میں آپ کے ساتھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے تو بے خبری میں مارے جائیں گے۔''

راجا عمر دراز نے ایک چھوٹا واکی ٹاکی نکالا اور کسی سے کہا۔ ''ہوشیار ہو جاؤ جلد دشمن اس طرف کا رخ کرے گا۔''

''ہم ہوشیار ہیں جناب۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''سب کو پہرے پر لگا دو۔'' راجا عمر دراز نے اسے حکم دیا۔ اس نے واکی ٹاکی رکھا تو میں نے اس کے آدمیوں کے بارے میں پوچھا۔

''رونی کے قبیلے سے ہٹ کر جو دو افراد ہیں کیا وہ پاکستانی ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں انڈین ہیں۔ رانا ویاس نے ساتھ کیے ہیں۔''

میرا یہ اندازہ بھی درست نکلا تھا مجھے رونی اور سونی کے خدوخال میں رانا ویاس کی جھلکیاں نظر آئی تھیں۔

''اس سفر کا بندوبست بھی اسی نے کیا ہے؟''

''بالکل کیونکہ اس کا اثر ورسوخ یہاں مسلم ہے۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔ ''تم نے کچھ کھایا ہے؟''

''رات کا کھانا کھالیا تھا مگر چل چل کر.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ راجا عمر دراز نے وہاں ایک چھوٹا سا برنر جلایا ہوا تھا اس نے اس پر کیتلی رکھ دی۔ ایک تو وہ بڑا اور پھر بیمار آدمی تھا میں نے اس سے چائے سازی کا سامان لے لیا۔ اس نے بسکٹ کا ایک پیکٹ کھولا۔ یہ بہت اعلیٰ درجے کے ذائقے اور خوشبو کے حامل انرجی بسکٹ تھے۔ میں نے چائے بنائی اور مخصوص بندگوں میں نکالی جن میں چائے دیر تک گرم رہتی تھی۔ زینی کو بھی چائے اور بسکٹ دیے۔ وہ خاموشی سے سن رہی تھی اور غالباً اس کے لیے بھی یہ بات حیرت انگیز تھی کہ اسے اور ان کے باپ کو استعمال کیا گیا ہے۔ چائے اور بسکٹ سے فارغ ہو کر ہم لیٹ گئے۔ وہاں بہترین قسم کے گرم سلیپنگ بیگز تھے۔ راجا عمر دراز کے آدمی پہرے پر تھے اس لیے وہ بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اس نے زینی سے کچھ اور نہیں کہا سوائے ایک وارننگ کے۔

''لڑکی کوئی غلط حرکت مت کرنا، تمہارا باپ میرا دشمن ہے لیکن میں اس لیے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ تمہیں صرف اس صورت میں نقصان ہوگا جب تم کوئی غلط حرکت کرو گی۔''

زینی نے اس وارننگ کا جواب نہیں دیا اور سلیپنگ بیگ میں گھس گی۔ یقیناً اس کا تھکن سے برا حال تھا۔ تھکن تو مجھے بھی تھی لیکن واقعات کے اس رخ نے مجھے چونکا دیا تھا اور میں راجا عمر دراز سے کچھ سوالات اور کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور جب زینی کے سلیپنگ بیگ سے نسوانی خراٹوں کی آواز آنے لگی تو میں نے آہستہ سے راجا عمر دراز کو آواز دی۔ ''آپ جاگ رہے ہیں؟''

''ہاں تم بھی جاگ رہے ہو۔'' اس نے زپ نیچے کر کے چہرہ باہر کیا۔ ''بہت راتیں ہو گئی ہیں مجھے نیند نہیں آتی ہے۔''

''آپ ایک ہفتے سے زیادہ وقت سے یہاں رکے ہوئے ہیں کیا نیچے اترنے کی کوشش نہیں کی؟''

''کی تھی۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''لیکن راستہ نہیں ملا۔ میں ان چٹانوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں جہاں سے راستہ نیچے جاتا ہے میں کچھ عرصے پہلے ہی آیا تھا اس لیے بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر جہاں راستہ تھا وہاں سوائے سیدھی ڈھلان کے اور کچھ نہیں ہے۔''

''ممکن ہے چٹانیں نیچے گر گئی ہوں۔''

''اگر کوئی اور جگہ ہوتی تو میں سوچتا لیکن اس جگہ کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا ہوں نیچے جانے کا راستہ اس وقت تک سمجھ نہیں آئے گا جب تک برف والا بوڑھا نہیں چاہے گا اور.....''

''جب تک میں ساتھ نہیں ہوں گا وہ نہیں چاہے گا؟''

''ٹھیک کہا تم نے۔''

''کیا اسے علم ہوگا کہ کچھ لوگ اوپر آ گئے ہیں اور ان میں، میں بھی ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے علم ہوگا۔'' راجا عمر دراز نے یقین سے کہا۔ ''یہ رات خیریت سے گزر جائے تو ہم کل تمہارے ساتھ راستہ تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔''

میں سوچتے ہوئے سو گیا کہ اسے کیسے علم ہو گیا۔ بے شک اس کے بارے میں جو سنا ہے اس سے تو وہ کوئی روحانی شخصیت لگتا ہے اور پُراسرار قوتوں کا مالک ہے لیکن بحیثیت مسلمان میں اللہ پر اعتقاد رکھتا ہوں کہ اسے ہر جگہ ہر شے کا علم ہے اور وہ سب کا احوال جانتا ہے۔ اس کے سوا صرف وہی غیب کا علم جانتا ہے جسے اللہ علم دے۔ تو کیا اسے اللہ نے یہ علم دیا ہے کہ وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے آس پاس کی باتوں سے واقف ہو جاتا ہے اور دور دراز مستقبل میں ہونے والے واقعات کی قبل از وقت پیش گوئی کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے رانا ویاس اور راجا عمر دراز کے معاملے میں پیش گوئی کی تھی اور وہ درست بھی نکلی۔ میری آنکھ صبح سویرے کھلی تھی اس وقت سورج نکل رہا تھا اور چٹانوں میں دھند چھانا شروع ہو گئی تھی۔ میں سلیپنگ بیگ سے نکلا تو زینی بدستور سو رہی تھی البتہ راجا عمر دراز اٹھ گیا اور بالکل ڈیوڈ شا کی طرح آئینے میں دیکھ کر استرا اپنے رخسار پر پھیر رہا تھا۔ فطرت اور کردار میں مشرق و مغرب کا فرق ہونے کے باوجود ان میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔

''اٹھ گئے تم؟''

میں نے انگڑائی لے کر اپنا جسم کھولا۔ ''ہاں آپ شاید پہلے سے اٹھے ہوئے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں ناشتہ بھی کر چکا ہوں۔ تم ناشتہ کر لو لیکن اس سے پہلے اپنا یہ خراب ہو جانے والا لباس بدل لو۔''

''میرے پاس کوئی اضافی لباس نہیں ہے جو تھا وہ ڈیوڈ شا کے کیمپ میں رہ گیا ہے۔''

''میں تمہارے لیے سب لایا ہوں۔'' اس نے کہا اور ایک بڑے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس میں صرف تمہارا سامان ہے۔''

میں نے بیگ کھولا اس میں گرم ترین جیکٹ، پتلون، گرم جرسیاں، اونی پاجامے اور سوتی پاجامے جو سب سے نیچے پہنے جاتے ہیں تاکہ پسینا جذب کر سکیں، جوتے موزے، دستانے اور گرم ٹوپیاں بھی تھیں۔ میں حیران ہوا۔ ''آپ کو یقین تھا کہ میں یہاں آؤں گا اور ان چیزوں کو استعمال کروں گا۔''

''میں اسی توقع پر یہ بیگ لے کر آیا اور صرف اسے اٹھانے کے لیے ایک اضافی پورٹر بھی لیا۔ اس میں تمہارا سلیپنگ بیگ اور خیمہ بھی ہے۔ عجیب بات ہے کہ چوٹیاں عبور کرتے ہوئے وہ پورٹر نیچے گر گیا مگر تمہارا بیگ ایک جگہ اٹک گیا اور گرنے سے بچ گیا۔''

صرف یہی سامان نہیں بلکہ اس علاقے میں سفر کے دوران میں جن چیزوں کی ضرورت پڑ سکتی تھی وہ سب اس بیگ اور اس کے مختلف خانوں میں موجود تھیں۔ میں نے جیکٹ اور پتلون اتار دیئے اور بیگ سے دوسری جیکٹ اور گرم پتلون نکال کر پہن لی اندر کے اونی اور سوتی پاجامے صاف تھے۔ جیکٹ کے نیچے جرسی بھی صاف تھی۔ ان کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے چہرے پر بھی خون اور آلائشیں آئی تھیں جنہیں میں نے ہاتھ سے صاف کر لیا تھا مگر یہاں مجھے چہرہ صاف کرنے کے لیے گرم پانی ملا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر جو سکون ملتا ہے مجھے اس سے زیادہ ہی سکون ملا تھا۔ راجا عمر دراز کے آدمی رات بھر پہرے کے بعد بھی تازہ دم نظر آ رہے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے ناشتہ کرلیا تھا اور سامان بھی پیک کرلیا تھا۔ رونی نے میرے اور زینی کے لیے ناشتہ بنایا۔ جو دودھ ملے دلیہ، مکھن، شہد اور آخر میں کافی پر مشتمل تھا۔ سونی نے میری اتاری جیکٹ اور پتلون لپیٹ کر اپنے سامان میں شامل کرلی اور وہ اس پر بہت خوش نظر آرہا تھا کہ اسے مفت میں اتنا اچھا گرم لباس مل گیا تھا۔

زینی کا موڈ خراب تھا اور منہ پھولا ہوا تھا۔ کیونکہ یہاں آنے کے بعد سے میں نے اس سے بات نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ بھی اب مجھ سے بات نہیں کررہی تھی اور ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ راجا عمر دراز نے آہستہ سے پوچھا۔ ''کیا اسے بھی ساتھ لے جانا ہے؟''

''ظاہر ہے نہ ہم اسے چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی مار سکتے ہیں اس لیے ساتھ رکھنا ہی مناسب ہوگا۔''

''میں نے سنا ہے یہ خطرناک ہے ہتھیار استعمال کرنے اور لڑنے بھڑنے کی ماہر ہے۔''

''ہاتھ پاؤں کی لڑائی تو نہیں دیکھی لیکن ہتھیاروں میں اس کی مہارت کا عینی گواہ ہوں۔ میں نے بہت کم افراد کا اتنا اچھا نشانہ دیکھا ہے۔''

''ذہن کیسا ہے؟''

''اپنے باپ سے کم سازشی ہے لیکن ہوسکتا ہے یہ اس سے بھی آگے نکلے۔ سمجھ لیں فی الحال اپرنٹس ہے۔''

''یہ تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔ ''اس پر ایک آدمی مسلسل لگانا ہوگا۔''

''مگر وہ ہوشیار اور کردار کا پکا ہو یہ عورت پوری فتنہ ہے۔ مرد کو بہکانے کے جتنے حربے ہو سکتے ہیں اسے ان سے زیادہ ہی آتے ہیں۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔ بعض عورتوں کی باڈی لینگویج بتا دیتی ہے کہ وہ کس فطرت کی ہیں اور یہ مجھے مردانہ ذہن والی عورت لگ رہی ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ ''اس میں مردوں کی سی بے باکی اور کھلا پن ہے۔''

''ویرشاہ۔'' راجا عمر دراز نے کسی کو آواز دی تو رانا ویاس کا ایک آدمی اندر آیا۔ وہ صاف رنگت اور چھوٹی آنکھوں والا شخص تھا۔ اس نے ادب سے کہا۔

''حکم راجا صاحب۔''

''یہ شہباز ملک ہے۔'' راجا نے میری طرف اشارہ کیا۔ ''اب تم سب اس کی کمانڈ میں ہو۔''

''جیسا حکم راجا صاحب۔'' اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اب ہم شہباز صاحب کا حکم مانیں گے۔''

''چاہے یہ حکم میرے خلاف کیوں نہ ہو۔'' راجا عمر دراز نے اضافہ کیا تو ویرشاہ نے جھک کر سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلیم کیا۔ راجا عمر دراز نے مجھ سے پوچھا نہیں تھا اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اس لیے میں نے بنا کسی تاثر کے ویرشاہ سے کہا۔

''تمہاری پوزیشن حسب سابق رہے گی۔ اپنے ساتھی کا تعارف کراؤ۔''

''اس کا نام روی شاہ ہے اور وہ میرا بھائی ہے۔''

میں مسکرایا۔ ''یہاں بھائیوں کی جوڑیاں کچھ زیادہ ہی نہیں ہیں۔''

ویرشاہ سنجیدہ رہا۔ ''جی جناب۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تیاری مکمل ہے؟''

''جی جناب۔''

''ٹھیک ہے کچھ دیر میں فیصلہ کرتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔''

وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ میں نے راجا عمر دراز سے کہا۔''میرا اندازہ ہے کہ ڈیوڈ شا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ یہاں پہنچ گیا ہے یا پہنچنے والا ہے۔ ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔''

''تب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے۔''

''اس کے برعکس ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔''

''وہ کیوں؟''

''آپ کے آدمی مسلح ہیں اسی طرح ڈیوڈ شا بھی مسلح ہے۔ اگرچہ اس کے پاس افراد کم ہیں لیکن فرض کریں اگر ہم راستہ تلاش کر لیتے ہیں اور نیچے اترنے لگتے ہیں اور تب وہ حملہ کرتا ہے تو اس صورت میں ہمارے لیے دفاع مشکل نہیں ہو جائے گا۔''

میری بات نے راجا عمر دراز کو متفکر کر دیا۔''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس پتلے سے راستے پر دفاع بہت مشکل ہے۔''

''میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اپنے ساتھ گرینیڈ بھی لایا ہے جو زیادہ خطرناک ہو سکتے ہیں۔''

''تب کیا کرنا چاہیے؟''

''وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے جہاں آپ کے خیال میں نیچے اترنے کا راستہ ہے؟''

''تقریباً نصف کلومیٹر دور ہے۔''

''آپ کے آدمیوں نے وہ جگہ دیکھی ہے؟''

''دیر شاہ اور روی شاہ اس جگہ سے واقف ہیں۔''

''میں ان کے ساتھ جاتا ہوں اور صورتِ حال دیکھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور دیر شاہ کو بلایا۔''تم اور روی میرے ساتھ چلو گے۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ یہاں راجا صاحب کے پاس رکیں اور باقی بلند جگہوں پر چڑھ کر آس پاس نظر رکھیں لیکن خود کو چھپا کر۔''

''میں سمجھا کر آتا ہوں۔'' ویر نے کہا اور چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ دو قبائلیوں کے ساتھ آیا۔ ان سب کے پاس اسلحہ تھا اور یہ جدید ترین اسلحہ تھا۔ راجا عمر دراز اپنے ساتھ خاصا اسلحہ لایا تھا۔ میں نے ایک عدد 47 AK منتخب کی۔ اسالٹ رائفلوں میں یہ میرا پسندیدہ ہتھیار تھا۔ میں نے اسے ایم سولہ اور جی تھری سے بہتر گن پایا ہے۔ دستے کے بغیر یہ خاصی چھوٹی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک بریٹا لیا۔ چھوٹے ہتھیاروں میں اس سے بہتر گن اور کوئی نہیں ہے۔ میں، ویر اور روی کے ساتھ روانہ ہوا۔ ان کا تعلق بنیادی طور پر رانا ویاس کے قبیلے سے تھا مگر کئی نسلوں سے وہ مقامی لوگوں سے رشتہ کر رہے تھے۔ اس لیے ان کے نقوش میں انڈین جھلک بھی آ گئی تھی ان کے قد پستہ مگر جسم گٹھے ہوئے تھے۔ ہم چٹانوں کے درمیان بنی ہوئی راہداری سے گزرتے ہوئے وادی کے اس کنارے تک پہنچے جہاں بقول راجا عمر دراز کے نیچے اترنے کا راستہ تھا۔ اس جگہ کی نشان دہی کے لیے انہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے چھپی جگہوں پر سرخ رنگ سے نشان لگائے تھے۔ ویر شاہ نے مجھے نشان دکھایا۔

''یہ راجا صاحب نے خود لگایا ہے۔''

یہاں ایک پتلی سی دراڑ آگے جا رہی تھی۔ ہمیں اس میں جانا تھا۔ ویر آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا اور روی میرے پیچھے تھا۔ ہم تقریباً پچاس گز طویل دراڑ سے گزر کر وادی کے کنارے پہنچے تو ویر نے اضطراری آواز نکالی۔ ''یہ کیا..... یہ پہلے تو نہیں تھا۔''

میں پیچھے تھا دیکھ نہیں سکا تھا۔ ''کیا ہے؟''

''یہ راستہ۔'' ویر نے ایک طرف سرک کر مجھے دیکھنے کا موقع دیا۔ تب میں نے دیکھا ایک پتلا سا راستہ نیچے دھند میں غائب ہو رہا تھا۔ ہمارے سروں کے اوپر بھی یوں دھند چھائی تھی جیسے گہرے بادل چھاتے ہیں اور نیچے روشنی اتنی تھی کہ بس چیزیں اور راستہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ پہلے یہاں راستہ نہیں تھا؟''

''سو فیصد جناب۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''یہاں ایک اونچی دیوار تھی اور اس پر چڑھ کر دیکھا تو نیچے سپاٹ دیوار تھی۔ یہ راستہ بالکل نہیں تھا۔''

''تم دونوں یہیں رکو اور پوری طرح ہوشیار رہو۔'' میں نے کہا۔ ''سمجھ لو کہ دشمن آس پاس ہے۔''

''سمجھ گئے جناب۔'' ویر بولا تو میں نے اس ترچھے نیچے جاتے راستے پر قدم رکھا۔ عام لوگوں کے نقطہ نظر سے تو یہاں کوئی راستہ ہی نہیں تھا اور وہ اس کے پاس بھی نہ پھٹکیں مگر ہائکرز کے لیے یہ مناسب راستہ تھا۔ میں قدم جما کر نیچے اترنے لگا۔ دھند اتنی تھی کہ چند گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ راستہ دیکھنے کے لیے نظر جمانا پڑتی تھی۔ ورنہ خلا میں جانے والا ایک قدم مجھے تحت الثریٰ میں لے جا سکتا تھا۔ نیچے آتے ہی مجھے کسی قدر گرمی کا احساس ہوا۔ یہ دھند اپنے ساتھ گرمائش بھی لا رہی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اوپر کی کھنڈر نما چٹانیں برف سے پاک رہتی تھیں۔ تقریباً سو گز تک نیچے اترنے کے بعد بھی مجھے نہ تو کوئی نظر آیا اور نہ ہی کوئی اور جگہ یا راستہ نظر آیا۔ چٹانوں سے چپٹی یہ پتلی سی پگ ڈنڈی بس نیچے اترتی جا رہی تھی۔ میں رک گیا۔

اس سے نیچے جانا مناسب نہیں لگ رہا تھا اور وہ بھی اکیلے، اگر میں کسی مشکل میں پڑ جاتا تو اوپر والوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی۔ میں تذبذب میں تھا، میرے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا کہ میں نیچے جاؤں مگر میرا دماغ اسے مناسب نہیں سمجھ رہا تھا اور میں دل کے مقابلے میں دماغ کو فوقیت دیتا ہوں اس لیے کچھ دیر بعد میں پلٹ گیا اور چند قدم اوپر کی طرف بڑھائے تھے کہ مجھے ایسا احساس ہوا اور لگا کہ جیسے میرے عقب میں کوئی ہے۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ میں رک جاؤں واپس نیچے کی طرف جاؤں۔ ساتھ ہی مجھے لگا کہ وہ دشمن نہیں ہے بلکہ خلوص رکھنے والا دوست ہے۔ میں اس کی طرف پلٹنا چاہتا تھا مگر پلٹ نہ سکا ہاں رک ضرور گیا۔ کچھ دیر بعد ایک انوکھی اور جیسے دل میں گونجتی سرگوشی میں اس نے پوچھا۔ ''کیا آؤ گے نہیں میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

''کیوں؟'' میں نے غیر ارادی پوچھا۔

''میں تمہیں بتاؤں گا جب تم میرے ساتھ چلو گے۔''

''میں ابھی نہیں جا سکتا میرے ساتھی اوپر ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ بھی آئیں گے۔''

''تب میں ان کے ساتھ ہی آؤں گا۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔''بہت ضدی ہو ٹھیک ہے جاؤ ان کے ساتھ ہی آنا۔ مگر یاد رکھنا اب مشکل سے آؤ گے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ احساس ختم ہو گیا اور میں نے پلٹ کر دیکھا تو عقب میں کوئی نہیں تھا سوائے اس پتلے سے راستے کے جس سے میں واپس آیا تھا۔ میں دوبارہ اوپر چڑھنے لگا اور جب کنارے پہنچا تو دیر شاہ بھی راستے پر نظر آیا مجھے دیکھتے ہی اس نے سکون کا سانس لیا۔''شکر ہے آپ آ گئے ورنہ میں پریشان ہو گیا تھا۔ اگر آپ کچھ دیر اور نہ آتے تو میں نیچے اتر جاتا۔''

''میں ذرا آگے چلا گیا تھا۔ راستہ ہے مگر میں نے اکیلے جانا مناسب نہیں سمجھا۔'' میں نے اس سے اس کیفیت کا ذکر نہیں کیا جس میں کسی فرد نے مجھ سے یوں بات کی کہ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میرے کانوں نے کچھ نہیں سنا تھا۔ اب یوں لگ رہا تھا جیسے ساری گفتگو دل میں ہوئی ہو۔ میں نے بھی زبان سے کچھ نہ کہا ہو اور دل ہی دل میں جواب دیتا رہا ہوں۔ یہ حقیقت میں تھا یا میرا وہم تھا۔ ہم واپس آئے اور جب میں راجا عمر دراز کے پاس پہنچا تو وہ میری صورت دیکھ کر بھانپ گیا۔

''کچھ ہوا ہے وہاں؟''

میں نے سر ہلایا اور سب سے پہلے پانی پیا۔ میرا گلا خشک ہو رہا تھا۔ پھر راجا عمر دراز سے کہا۔''پہلی بات تو یہ کہ وہاں راستہ ہے۔''

''راستہ ہے۔'' راجا عمر دراز پُر جوش ہو گیا۔''مجھے یقین تھا کہ جیسے ہی تم آؤ گے راستہ مل جائے گا۔''

''میں تقریباً سو گز نیچے گیا ہوں گا۔ پتلی سی چٹانوں سے چپٹی پگ ڈنڈی ہے جو لامتناہی نیچے جا رہی ہے۔''

''اسی راستے پر برف والے کا ڈیرہ بھی ہے لیکن وہ ہر کسی کو نظر نہیں آتا ہے۔''

زینی کو راجا عمر دراز نے یہاں سے باہر بھیج دیا تھا۔ جب میں آیا تو دونوں قبائلی بھی چلے گئے تھے۔ اب وہاں ہم دونوں ہی تھے۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے راجا عمر دراز کو اس گفتگو کے بارے میں بتایا جس کے بارے میں مجھے یقین نہیں تھا کہ میں نے سچ مچ کی تھی یا میرا وہم تھا۔ مگر راجا عمر دراز پوری سنجیدگی سے سنتا رہا اس نے ایک بار بھی مجھے نہیں کہا کہ یہ میرا وہم ہو سکتا ہے۔ میں خاموش ہوا تو اس نے گہری سانس لی۔''وہ برف والا تھا اور اس نے ہمیں آنے والے حالات سے خبردار کر دیا ہے۔''

''کیسے حالات؟''

''اس نے کیا کہا ہے کہ اب ہم بہت مشکل سے نیچے آئیں گے۔''

''یعنی دونوں پارٹیوں میں کشمکش ہو گی۔''

''اس کے علاوہ بھی مسائل ہو سکتے ہیں۔''

''ہاں برفانی آدمی بھی آ سکتے ہیں اور کوئی قدرتی یا غیر قدرتی آفت بھی نازل ہو سکتی ہے اس لیے ہمیں پوری طرح ہوشیار رہنا چاہیے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نیچے جانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''اس کا فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نے تمہیں بس ایسے ہی کمان دی ہے۔ نہیں اب تمام فیصلے تمہیں کرنے ہیں۔''

''چاہے میں کچھ بھی فیصلہ کروں یہاں سے واپس جانے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہوں؟''

''بالکل تم فیصلہ کرو اور ہمیں اس پر عمل کرنے کو کہو۔''

اس بار میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ''راجا صاحب آپ نے بہت بڑی ذمے داری میرے سر ڈال دی ہے۔''

''تم اس کے اہل ہو۔'' اس کے لہجے میں اصرار تھا۔ ''مجھے یقین ہے تم ہمیں نیچے لے جاؤ گے۔''

اچانک کہیں پاس ہی فائر کی آواز آئی۔ یہ سنگل فائر تھا۔ میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ راجا عمر دراز بھی کھڑا ہوا تھا مگر میں نے اس سے کہا۔ ''آپ یہیں رکیں میں دیکھتا ہوں۔''

''یہ رکھ لو مجھ سے رابطہ رہے گا۔'' اس نے ایک چھوٹا وا کی ٹاکی مجھے تھمایا۔ ''جب تم جا رہے تھے تب میں دینا بھول گیا تھا۔ ویسے یہ دو سو گز تک کام کرتا ہے۔''

میں نے وا کی ٹاکی جیکٹ میں رکھا اور باہر آ گیا۔ یہ جگہ کچھ ایسی تھی کہ اس کے چاروں طرف راہداریاں بنی ہوئی تھیں مگر اندر آنے جانے کا راستہ ایک ہی تھا میں اس سے باہر آیا اور سوچ رہا تھا کہاں جاؤں، سامنے سے رونی نمودار ہوا اور اس نے کہا۔ ''وہ بھاگ گئی اس نے میرے ایک آدمی کو شوٹ کر دیا ہے۔''

''زینی۔'' میں نے کہا۔ ''کیسے؟''

''پتا نہیں جناب اسے میں نے ایک جگہ رکھا تھا اور اس پر میرا آدمی تھا۔ اس نے اسی کی رائفل سے اسے شوٹ کیا اور جب ہم فائر کی آواز سن کر وہاں پہنچے تو وہ رائفل سمیت غائب تھی۔ میرے دو آدمی سونی کے ساتھ اس کے پیچھے گئے ہیں۔''

میں فکر مند ہو گیا۔ ''یہ اچھا نہیں ہوا۔ وہ بہت شاطر اور عیار عورت ہے اس نے ہمارا ٹھکانہ بھی دیکھ لیا ہے۔''

ہم اس جگہ پہنچے جہاں زینی کو رکھا گیا تھا یہ تین اطراف سے بند ایک غار تھا اور خاص بات یہ تھی کہ رونی کے آدمی کی لاش غار کے اندر تھی یعنی زینی نے کسی طرح سے اسے اندر بلایا اور پھر اسی کی رائفل سے اسے شوٹ کر دیا۔ میں سوچ کر رہ گیا کہ اس نے یہ کام کیسے کیا ہوگا۔ وہ شرم و حیا سے عاری عورت تھی اور اپنے مفاد کی خاطر اپنا جسم آخری حد تک استعمال کر سکتی تھی۔ اس نے ایسا ہی کوئی حربہ استعمال کیا ہوگا۔ میں نے لاش دیکھی۔ گولی اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر لگی تھی اور وہ فوراً ہی مر گیا تھا۔ اس نے حماقت کی تھی اور اس کی سزا اسے موت کی صورت میں ملی۔ میں نے رونی سے کہا۔ ''تمہارا اپنے آدمیوں سے رابطہ ہے۔''

''کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے کہا اور وا کی ٹاکی نکال کر سونی کو پکارنے لگا۔ چند لمحے بعد سونی نے جواب دیا تو پیچھے بہت شور تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہیں دست بدست لڑائی ہو رہی ہو اور پھر فائرنگ کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ رونی پریشان ہو گیا۔ ''وہاں کچھ ہو رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمیں جانا ہوگا لیکن پہلے باقی سب کو راجا صاحب کے پاس بھیجنا ہے ان کی حفاظت کے لیے آدمی ان کے پاس ہوں۔'' میں نے کہا اور دیرشاہ کو پکارا۔ اس نے فوری جواب دیا اور میں نے کہا۔ ''تم تین آدمی راجا صاحب کے پاس چھوڑ کر میرے ساتھ آؤ۔''

دیرشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ روی کے ساتھ دو قبائلی راجا عمر دراز کے پاس چھوڑ کر ہمارے پاس آیا اور ہم اس طرف روانہ ہو گئے جہاں سونی اور اس کے دو ساتھی زینی کے تعاقب میں گئے تھے۔ ایک ذرا سی غفلت نے اچھا خاصا کام بگاڑ دیا تھا۔ اگر میں اسے وہیں چھوڑ آتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ مگر یہ مقدر میں بھی تھا۔ یہاں کے راستوں سے رونی سب سے زیادہ واقف تھا۔ اس کے بعد سونی جانتا تھا۔ ہم چند سو گز آگے گئے ہوں گے کہ گڑبڑ کے آثار نظر آئے ایک جگہ زمین پر خاصا خون پڑا ہوا تھا۔ کوئی شدید زخمی ہوا تھا اور زخمی بھی کچھ آگے جا کر نظر آ گیا۔ وہ سونی تھا۔ وہ چٹانی دیوار سے ٹیک لگائے اور اپنا سینہ تھامے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اور اس کا ہاتھ خون میں تر بتر تھا۔ رونی اس کی طرف لپکا۔ اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا تھا۔ سونی نے اکھڑتی سانسوں کے درمیان اسے کچھ بتایا۔ میں نے اس کا ہاتھ ہٹا کر زخم دیکھا جس سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا اور بہ ظاہر اس کا بچنا مشکل لگ رہا تھا۔ کیونکہ کسی تیز دھار آلے کا زخم عین دل کے مقام پر تھا۔ رونی نے یہ بات محسوس کر لی وہ رونے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سونی نے دم توڑ دیا اور رونی اب سوگ میں رو رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''مجھے افسوس ہے تمہارا نقصان بڑا ہوا ہے مگر اس کی قاتلہ آزاد ہے یہاں کیا ہوا تھا سونی نے کیا بتایا ہے۔''

''عورت نے ان پر خنجر سے حملہ کیا تھا اس نے سونی کے دونوں ساتھیوں کو اس کے سامنے مار دیا اور پھر اس پر بھی حملہ کیا تھا۔ اس کے وار کے بعد سونی نے اس پر فائر کیا تھا۔ پتا نہیں اسے گولی لگی یا نہیں مگر وہ فرار ہو گئی تھی۔ سونی اس کے پیچھے بھاگا مگر یہاں آ کر اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ گر گیا۔'' رونی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ اس کو سونی کی لاش کے پاس چھوڑ کر ہم باقی دو قبائلیوں کو دیکھنے لگے اور ان کی لاشیں دو الگ راہداریوں میں ملی تھیں۔ زینی میرے اندازے سے زیادہ خطرناک اور سفاک ثابت ہوئی تھی۔ اس کے پاس خنجر تھا اور اس نے اسے چھپا کر رکھا مگر جب رائفل حاصل کر لی تب بھی اس نے خنجر سے کام کیا اس نے ان دونوں قبائلیوں کی گردنیں کاٹ دی تھیں۔ حالانکہ وہ رائفل سے یہ کام زیادہ آسانی سے لے سکتی تھی۔ اب آزاد اور مسلح تھی۔ میں واپس آیا۔ میں نے رونی سے کہا۔

''ہمیں واپس جانا ہوگا۔ اس وقت ہم خطرے میں ہیں وہ مسلح ہے اور کسی جگہ سے چھپ کر کارروائی کی تو ہم مارے جائیں گے۔''

رونی اپنے بھائی کی لاش چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں تھا مگر ہم اسے تقریباً زبردستی لے گئے۔ لاشیں لے جانا بھی آسان نہیں تھا البتہ ان کا اسلحہ سمیٹ لیا تھا۔ ہم واپس آئے۔ راجا اور دوسروں کے علم میں صورتِ حال آئی تو سب ہی متفکر ہو گئے تھے۔ صورتِ حال یوں زیادہ گھمبیر تھی کہ ذرا سی دیر میں ہماری پارٹی آدھی رہ گئی تھی۔ اب ویر اور اس کے بھائی کے علاوہ صرف تین قبائلی تھے۔ چھٹا میں اور ساتواں عمر دراز تھا۔ افرادی قوت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لحاظ سے اب ہم ڈیوڈ شا سے برتر نہیں رہے تھے۔ برف والے کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی ہم آسانی سے نہیں آسکیں گے۔ میں نے کہا۔ ''ہمیں فوری طور پر یہ جگہ چھوڑنی ہوگی۔''

''تب کہاں جائیں؟''

''کسی اور جگہ ٹھکانہ بناتے ہیں۔''

''کیوں نہ نیچے اتریں۔'' راجا عمر دراز نے کہا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ جانا تو ہم نے وہیں تھا۔ اگر فوری روانہ ہو جاتے تو امکان تھا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کی آمد سے پہلے نیچے اتر جاتے۔ میں نے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے ہم نیچے چلتے ہیں، مگر سارا سامان لے کر جانا مشکل ہوگا۔''

''ہم یہاں کچھ سامان چھپا دیتے ہیں۔'' دیر شاہ نے تجویز دی۔

''بس تو فوری ضرورت کا سامان اور اسلحہ ہمارے ساتھ جائے گا۔ ہلکا پھلکا کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ رکھ لو۔''

دیر اور روی سامان چھانٹنے لگے۔ رونی جواب تک بھائی کے دکھ میں تھا اس نے میرے اور قبائلیوں کے ساتھ مل کر ایک جگہ تلاش کی جہاں ہم سامان چھپا سکتے تھے۔ ایک جگہ پتھروں کا ڈھیر تھا ہم نے یہ ڈھیر ہٹایا اور رکھنے والا سامان اس کے پیچھے چھپا کر پتھروں کا ڈھیر پھر ویسے ہی کر دیا۔ ڈھیر چٹان ٹوٹنے سے بنا تھا اور بالکل قدرتی لگ رہا تھا۔ ان چکروں میں ایک گھنٹے سے زیادہ کا وقت گزر گیا تھا۔ اس کے بعد ہم روانہ ہوئے۔ میں نے روانہ ہونے سے پہلے کہا۔ ''ہمیں بالکل خاموشی سے اور بنا آواز کے سفر کرنا ہے کیونکہ یہاں اگر دشمن موجود ہے تو وہ آواز کی مدد سے ہمارا سراغ لگا لے گا۔ آپس میں گفتگو بھی اشاروں سے کی جائے اور صرف انتہائی ضرورت کے وقت آواز نکالی جائے۔''

سب نے اثبات میں سر ہلایا اور ہم روانہ ہو گئے۔ ہم جو سامان لے کر جا رہے تھے اس میں کوہ پیمائی کا سامان بھی تھا۔ نیچے اترتے ہوئے ہمیں اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ ہم دبے قدموں اور خاموشی سے چلتے ہوئے اس جگہ تک آئے جہاں سے نیچے اترنے کا راستہ جاتا تھا رونی سب سے آگے تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس میں خطرات بھانپنے والی حس بھی اس کی باقی حسوں کی طرح تیز تھی۔ اس نے بندروں کی آواز بھی سب سے پہلے سنی تھی اور ہم بروقت خبردار ہوئے تھے۔ اسی لیے اسے آگے رکھا گیا تھا۔ اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے راجا عمر دراز تھا۔ کینسر کے مرض کے آخری اسٹیج میں ہونے کے باوجود اس کے دم خم میں کمی نہیں آئی تھی اور وہ بالکل سیدھا چل رہا تھا۔ گھر میں وہ عام طور سے چھڑی کا سہارا لیتا تھا مگر یہاں اس نے چھڑی کا سہارا ابھی نہیں لیا ہوا تھا۔ البتہ اس کے پاس فولڈ ہو جانے والی چھڑی ضرور تھی۔ اس نے کوئی سامان نہیں اٹھایا تھا اور خالی ہاتھ تھا۔ اس کے پیچھے باقی پارٹی تھی۔ اچانک رونی نے پہلے کی طرح ہاتھ بلند کر کے رکنے کا اشارہ کیا اور پھر پلٹ کر آیا اور سرگوشی میں بولا۔

''آگے کوئی ہے آپ سب ذرا پیچھے ہو جائیں میں دیکھ کر آتا ہوں۔''

وہ آگے گیا اور غائب ہو گیا۔ چٹانوں کے اوپر مکمل دھند تھی البتہ نیچے راستوں پر اس کی شدت کم تھی اس وجہ سے دس بارہ قدم تک دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بعد منظر غائب ہو جاتا تھا۔ رونی چند منٹ بعد نمودار ہوا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ آگے گڑبڑ ہے اس نے آکر پہلے کی طرح سرگوشی میں کہا۔ ''آگے کچھ لوگ ہیں نظر نہیں آرہے ہیں مگر ان کی باتوں کی آواز آرہی ہے۔''

میں نے احتیاطاً سب کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا اور پھر رونی سے پوچھا۔ ''تم نے کچھ سنا وہ کون سی زبان استعمال کر رہے تھے اور لہجے سے کہاں کے لگ رہے تھے؟''

''انگریزی۔'' اس نے یقین سے کہا پھر جذباتی لہجے میں بولا۔ ''وہ یہاں کے نہیں تھے اور اس لڑکی کی آواز بھی آرہی تھی جو میرے بھائی اور قبیلے والوں کی قاتلہ ہے۔ کاش میں آپ کے ساتھ نہ ہوتا تو جان پر کھیل کر اسے ختم کر دیتا۔''

''تم فکر مت کرو ہمیں موقع ملے گا۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ یہ یقینی ثبوت تھا کہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی چٹانوں کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی جہاں سے نیچے اترنے والا راستہ نکلتا تھا۔ وہ اس پتلی سی دراڑ پر قابض ہو گئے تھے جس سے گزرے بغیر ہم کنارے تک نہیں جا سکتے تھے۔ راجا عمر دراز یہ سن کر جھنجھلا گیا تھا اس نے کہا۔

''یہ کہاں سے آگئے؟''

''مجھے پہلے ہی اس کا خدشہ تھا۔'' میں نے کہا۔ ''ہم نے خاصا وقت ضائع کیا ہے اور اب ہمیں متبادل راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔''

''متبادل راستہ کہاں ہے؟''

''چٹانوں کے اوپر سے۔'' میں نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

''یہاں چٹانیں بہت اونچی ہیں جناب۔'' ویر شاہ نے کہا۔

''ہاں مگر ہم اسی راستے سے جائیں گے۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''سب سے پہلے اوپر جانے کا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔''

ہم جس جگہ کھڑے تھے یہاں چٹانوں کی بلندی پچاس فٹ کے لگ بھگ تھی اور اتنی بلند چٹانوں پر چڑھنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر کوئی کام آسان نہیں ہوتا جب تک اسے کرنے کا ارادہ نہ کر لیا جائے۔ جب انسان ارادہ کر لے تو پھر کوئی نہ کوئی راستہ نکل آتا ہے۔ ہم الگ الگ جگہوں پر اوپر جانے کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ چٹانیں اس طرح ٹوٹی ہوئی تھیں کہ اوپر تک ان کی دیواریں اکثر مقامات پر سپاٹ تھیں اور جہاں کہیں سے یہ کھردری تھیں ان میں بھی اوپر جانے کی گنجائش اتنی نظر نہیں آرہی تھی۔ بالآخر رونی کے ایک آدمی جانوس نے ایک جگہ دریافت کی یہاں دیوار پر گھر سے نکلے ہوئے تھے اور اس نے دعویٰ کیا کہ وہ ان گھروں کو پکڑ کر اوپر پہنچ سکتا ہے۔ میں نے پہلے انکار کیا کیونکہ مجھے یہ خطرناک لگ رہا تھا مگر جب اس نے رونی کے توسط سے اصرار کیا اور رونی نے بھی اس کی تائید کی کہ وہ اس قسم کے کاموں کا ماہر ہے۔ تو میں مان گیا۔

اجازت ملنے پر جانوس نے اپنا بھاری لباس اتارا۔ جوتے اتار کر اپنے بیگ سے عجیب ساخت کے پمپی جیسے شوز نکال کر پہنے جن کے تلے بے انتہا کھردرے تھے۔ ہاتھوں میں ایسے دستانے پہنے جو گرپ لینے کے لیے بہترین تھے۔ وہ صرف جرسی اور اونی پاجامے میں تھا۔ اس نے رسّی اور ہتھوڑی نما کلہاڑی لی اور اوپر چڑھنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شروع کے مگر آسان تھے مگر اس کے بعد مگر چھوٹے اور دور ہونے لگے۔ ہم نے احتیاطاً نیچے سلیپنگ بیگز بچھا دیئے تھے کہ اگر وہ گرے بھی تو اسے جان لیوا چوٹ نہ لگے۔ جیسے جیسے وہ اوپر جا رہا تھا۔ اس کے لیے آگے جانا مشکل ہوتا جا رہا تھا اور اسے زیادہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اب اسے کلہاڑی بھی استعمال کرنا پڑ رہی تھی۔ اس کے بغیر اسے سہارا نہیں مل رہا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم دھڑکتے دل سے انتظار کر رہے تھے کہ مہم کے آخری حصے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

چند منٹ انتظار کے بعد اچانک اوپر سے رسّی لہراتی ہوئی آ کر نیچے گری تو ہم سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اس نے رسّی اوپر باندھ دی تھی۔ سب سے پہلے رونی گیا۔ اس نے اوپر مزید رسیاں باندھیں۔ ویر شاہ بھی اوپر چلا گیا۔ پہلے انہوں نے سامان کھینچا پھر راجا عمر دراز کو اوپر کھینچا اور آخر میں، میں اور روی شاہ بھی اوپر پہنچ گئے۔ یہ اچھا ہوا کہ ہمارے پاس صرف ضروری سامان تھا ورنہ اس طرح سے سارا سامان اوپر پہنچانا بہت مشکل کام بن جاتا کیونکہ باقی سامان خاصا بڑا اور بھاری تھا۔ اوپر دھند شدید تھی۔ یہاں چند فٹ سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور یہاں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ پہلا مرحلہ اس پتلی دراڑ کو تلاش کرنا تھا جس سے راستہ گزر کر کنارے تک جاتا تھا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم کنارے تک پہنچ سکتے تھے۔ وہاں سے نیچے اترنے کے لیے کوئی دوسری تدبیر کی جا سکتی تھی۔

سب نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور ہم محتاط انداز میں آگے بڑھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم کنارے سے کوئی دو سو گز دور تھے۔ چٹانیں اوپر سے ہموار نہیں تھیں۔ کہیں یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں اور کہیں ان میں کوہان سے نکلے ہوئے تھے۔ ٹوٹے حصے سے بہت احتیاط سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ ایک چٹان تک پہنچے تو اسے متعدد حصوں میں تقسیم پایا اور ہر حصہ ہل رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بڑے زلزلے یا دھماکے سے چٹان اوپر سے نیچے تک مکمل طور پر بے شمار حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ یہ خاصے بڑے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس پر قدم رکھنا خطرناک ہو سکتا تھا اس لیے ہم اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اور خاصا گھوم کر ہم اس کے دوسری طرف پہنچے تھے۔ میرا اور دوسروں کا بھی یہی خیال تھا کہ اسی سیدھ میں ہمیں اس پتلی دراڑ کا اوپری حصہ ملے گا جو کنارے تک جاتی تھی مگر آگے جانے پر بھی اس دراڑ کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ راجا عمر دراز نے کہا۔

''ہم غلط سمت تو نہیں آ نکلے ہیں؟''

''یقیناً ایسا ہی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''دھند اور ٹوٹی چٹان کی وجہ سے ہم اصل راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں سب سے پہلے کنارے تک جانا ہوگا اس کے بعد ہم اس کے دائیں دراڑ تلاش کریں گے۔ مجھے یاد ہے آخری حصے میں وہ خاصی چوڑی ہو گئی تھی۔''

''ایسا ہی کرتے ہیں۔'' ویر شاہ نے کہا اور ہم آگے بڑھے۔ اب ہمیں چٹانیں پھلانگنا بھی پڑ رہی تھیں۔ اگرچہ خلا گز ڈیڑھ گز سے زیادہ نہیں تھا مگر حدِ نظر محدود ہونے کی وجہ سے ہمیں احتیاط کرنی پڑتی تھی ایک لڑکھڑا جانے والا قدم ہمیں خاصا نیچے لے جا سکتا تھا۔ اسی طرح چٹانیں پھلانگتے ہوئے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جس کے دوسری طرف خلا تھا۔ اور دھند کے پاس اگلی چٹان نظر نہیں آ رہی تھی۔ رونی نے ہتھوڑی رسّی سے باندھ کر آگے پھینکی مگر وہ کسی شے پر گرنے یا اس سے ٹکرانے کے بجائے واپس آئی اور اس چٹان کے ساتھ ٹکرائی جس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کنارے ہم کھڑے ہوئے تھے۔ٹن کی آواز خاصی بلند تھی۔ میں نے روی کو خبردار کیا۔

''احتیاط سے ہم دشمن سے زیادہ دور نہیں ہیں ایک آواز ہماری نشان دہی کر دے گی۔''

''سوری صاحب۔'' اس نے ندامت سے کہا اور رسّی اوپر کھینچ لی۔

''یہ تو طے ہے کہ ہم وادی کے کنارے کھڑے ہیں اب معلوم یہ کرنا ہے کہ دراڑ کس طرف ہے۔'' میں نے کہا۔''دو افراد بائیں طرف جائیں اور دو دائیں طرف۔''

''میں اور روی بائیں طرف جاتے ہیں۔'' روی شاہ نے کہا۔

''میں اور ویر دائیں طرف جاتے ہیں۔'' میں نے سر ہلایا۔''واکی ٹاکی ساتھ رکھنا اور ہر دس گز کے بعد اشارہ دینا۔اس سے پتا چلتا رہے گا کہ کون سی پارٹی کتنی دور ہے۔اگر سو گز بعد بھی دراڑ نہ ملے تو لازمی واپس آنا ہوگا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' روی شاہ نے کہا اور روی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔دونوں پارٹیوں کو راجا عمر دراز کو رپورٹ کرنی تھی۔ میں نے اپنا واکی ٹاکی ہاتھ میں رکھا اور ویر شاہ کے پیچھے چلتے ہوئے دس قدم گن کر واکی ٹاکی میں کہا۔''دس قدم۔''

اسی طرح ہر دس قدم کے بعد میں اعلان کرتا رہا اور راستہ دیکھنے کا کام ویر شاہ کرتا رہا۔سو قدم یعنی سو گز پورے ہو گئے۔مگر اب تک دراڑ نمودار نہیں ہوئی تھی دوسری طرف رروی شاہ بھی اسی طرح اعلان کرتا ہوا سو گز دور نکل گیا تھا اور اسے بھی دراڑ نہیں ملی تھی۔راجا عمر دراز نے مشورہ دیا کہ ہم مزید پچاس گز اور جائیں۔اس پر بھی عمل کر کے دیکھا مگر دراڑ اب بھی نہیں ملی تو راجا عمر دراز نے کہا۔''اس وقت تک چلتے رہو جب تک واکی ٹاکی کی حد ختم نہیں ہو جاتی۔ جب تم لوگوں کو میری طرف سے جواب نہ ملے تو واپس آ جانا۔''

ہم روانہ ہوئے اور تقریباً تین سو گز کے بعد راجا عمر دراز کی آواز آنا بند ہو گئی یعنی واکی ٹاکی کی حد ختم ہو گئی تھی۔ میں نے ویر شاہ کو روکا اور ہم واپس آئے۔بیس گز کے بعد راجا عمر دراز کو میری آواز آئی اور اس نے بھی جواب دیا۔اس نے کہا۔''دوسری پارٹی کی طرف سے جواب نہیں آ رہا ہے حالانکہ اسے رینج سے نکلے ہوئے کئی منٹ ہو چکے ہیں۔''

''ہم واپس آ رہے ہیں ہو سکتا ہے وہ بھی واپس آ رہے ہوں۔'' میں نے کہا اور واپس چلنا شروع کیا۔یہ واکی ٹاکی فکس فریکوینسی پر سیٹ تھے اور ایک بولتا تو رینج میں موجود تمام واکی ٹاکی سیٹ پر آواز آتی تھی۔ کیونکہ ہمارے اور روی شاہ پارٹی کے درمیان خاصا فاصلہ تھا اس لیے مجھے ان کی آواز نہیں سنائی دی۔ میں نے ویر شاہ کو بتایا کہ روی کی طرف سے جواب نہیں مل رہا ہے تو وہ بے چین ہو گیا۔اس نے رفتار تیز کر دی۔ واپسی کا راستہ دیکھا بھالا تھا اس لیے میں نے اس کی تیز رفتاری پر اعتراض نہیں کیا۔راستے میں ہمیں صرف چند گڑھے ملے تھے اور ہم نے آرام سے انہیں پھلانگ لیا تھا۔اسی وجہ سے ویر شاہ بے فکر تھا اور اس نے ایک گڑھا پھلانگنا چاہا تو نہ جانے کیا ہوا کہ وہ اچھلتے ہوئے دوسری طرف جانے کی بجائے نیچے کی طرف گیا۔وہ یوں گڑھے میں چلا گیا جیسے اسے کسی نے کھینچ لیا ہو۔گرتے ہوئے اس نے کناروں پر ہاتھ جما لیے تھے اور خود کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ساتھ ہی اس نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے کسی نے پکڑ لیا ہے۔''

میں نے نیچے گرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اس کے ہاتھ کی سختی سے اندازہ ہوا کہ نیچے کوئی سچ مچ اسے کھینچ رہا تھا میں نے گڑھے میں دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کے عقب میں تاریکی اور دھند تھی اس لیے کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے پورا زور لگایا اور اسے کمر تک واپس بھی کھینچ لیا۔ ویرشاہ کے چہرے پر اذیت کے آثار نظر آرہے تھے۔ اس نے کھینچی آواز میں کہا۔ ''میرا پاؤں الگ ہو جائے گا۔''

''خود کو قائم رکھو۔'' میں نے پستول نکالتے ہوئے کہا اور ذرا گھوم کر سوراخ میں ہاتھ کر کے لگاتار کئی فائر کیے۔ اندر سے غراہٹ کی آواز آئی اور فوراً ہی ویرشاہ جھٹکے سے نیچے گیا۔ اس نے خود کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور جب تک میں اس کے پاس آتا وہ گڑھے میں جا چکا تھا۔ اس کی آخری چیخ بہت کربناک تھی اور دیر تک سنائی دیتی رہی۔ دوسری طرف راجا عمر دراز بار بار پوچھ رہا تھا کہ اس طرف کیا ہوا ہے؟ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے اسے جواب دیا۔ ''برفانی آدمی نے ویرشاہ کو ایک سوراخ سے اندر کھینچ لیا ہے۔''

راجا عمر دراز پریشان ہو گیا۔ ''میرے خدا روی اور رونی کی طرف سے بھی جواب نہیں مل رہا ہے۔''

''میں آرہا ہوں۔'' میں نے کہا اور جیکٹ سے طاقتور ٹارچ نکال کر اس کی روشنی سوراخ میں ڈالی۔ روشنی دس بارہ گز سے نیچے نہیں جا رہی تھی اور یہاں تک خلا میں کچھ نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ یہاں سے زمین پچاس ساٹھ فٹ نیچے تھی اور اتنا نیچے اترنا ممکن نہیں تھا۔ پتا نہیں برفانی آدمی میری فائرنگ کا نشانہ بنا تھا یا وہ بچ گیا تھا دونوں صورتوں میں وہ ویرشاہ کو ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے پیچھے جانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور پستول رکھ کر رائفل سنبھال لی۔ خطرہ ہمارے آس پاس تھا اور یہ برفانی آدمی کا خطرہ تھا جسے ہم اپنے طور پر پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اب مجھے روی شاہ اور رونی کی طرف سے بھی فکر ہو رہی تھی۔ میں تیز قدموں سے چند منٹ میں واپس پہنچ گیا تو راجا عمر دراز اور اس کے ساتھ موجود جانوس چوکنا تھا۔ انہوں نے ہتھیار سنبھال رکھے تھے۔ میں نے جاتے ہی کہا۔ ''یہاں ہم شدید خطرے میں ہیں اور ہمیں نیچے اترنا ہوگا۔''

''وہ کیسے؟'' راجا عمر دراز نے پوچھا۔ ''اگر ہم نیچے بھی اتر گئے تب بھی جانے والے راستے پر ڈیوڈ شا قابض ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہمیں وادی میں اترنا ہے۔''

اسی اثناء میں دوسری طرف سے کوئی نمودار ہوا تو ہم نے بھڑک کر رائفلیں اس کی طرف کیں مگر وہ رونی تھا جو ہراساں اور پریشان دوڑا آرہا تھا۔ اس نے نزدیک آکر ہانپتے ہوئے کہا۔ ''برفانی آدمی..... انہوں نے روی پر حملہ کیا اور اسے مار کر لے گئے۔''

''وہ ویرشاہ کو بھی مار چکے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اب وہ ہمارے لیے آئیں گے اور ہمارے لیے ایک ہی جائے پناہ ہے۔'' میں نے ایک بیگ پشت پر باندھا۔ ''ہمیں نیچے اترنا ہے۔''

راجا عمر دراز فکرمند ہو گیا۔ ''اس طرح اندھا دھند نیچے اترنا خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''اور جو خطرہ پیچھے ہے۔ بلکہ ہمارے آس پاس ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' رونی نے میری تائید کی۔ ''وہ بہت خوفناک ہیں۔ دو برفانی آدمیوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روی شاہ کو پکڑ کر کھینچا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔"

مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ رونی اور جانوس نے بھی اپنے بیگ لاد لیے۔ اس کے باوجود دو بیگ باقی تھے مگر ان کو لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہیں وہیں چھوڑا۔ البتہ رسیاں ساری لے لی تھیں۔ ہماری بیلٹوں سے کلپس پہلے ہی بندھے ہوئے تھے ہم نے کیلیں اور ہتھوڑی بھی ساتھ رکھ لیں۔ پہلے جانوس نیچے گیا اور اس نے جائزہ لے کر اوکے کیا تو پھر میں اور میرے بعد راجا عمر دراز نیچے آئے سب سے آخر میں رونی آیا تھا۔ ہم ایک چھجے پر تھے اور ابھی ہم رسیاں اور کیلیں لگانے جا ہی رہے تھے کہ اوپر سے غرانے اور بھاری سانسوں کی آوازیں آئیں۔ ہم سب چھجے کی دیوار سے چپک گئے تھے۔ اوپر ایک یا زیادہ برفانی آدمی تھے۔ انہوں نے یقیناً بیگ دیکھ لیے تھے اور انہیں الٹ پلٹ رہے تھے۔ میں نے کلہاڑی سنبھال لی۔ بہت زیادہ چانس تھا کہ برفانی آدمی ہمیں دریافت کر لیں گے۔

میں نے سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے اور ساتھ ہی اشارے سے دوسروں کو بھی تیار رہنے کو کہا۔ سانسوں کی آواز نزدیک آنے لگی اور پھر ایک برفانی آدمی نے نیچے جھانکا ہی تھا کہ میں نے ہتھوڑی کا کلہاڑی نما حصہ گھما کر اس کے سر پر مارا۔ وہ دستے تک ماتھے پر اس کے سر میں گھس گیا اور وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ سر کے بل نیچے آیا تھا میں نے کلہاڑی اس کے سر سے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح سر میں دھنسی ہوئی تھی اگر میں اس پر گرفت رکھتا تو اس کے ساتھ میں بھی نیچے جاتا مجبوراً مجھے چھوڑنا پڑا۔ وہ لمحوں میں گہری دھند میں غائب ہو گیا۔ میں نے کلہاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا کیونکہ کسی اور ہتھیار کے استعمال سے خطرہ تھا برفانی آدمی فوری نہیں مرے گا اور نیچے جاتے ہوئے کسی دوسرے کو بھی ساتھ لے جائے گا۔ جہاں تک میں نے اس مخلوق کو دیکھا تھا یہ بے انتہا ضدی اور مرنے مارنے والی تھی۔ وہ نیچے گیا تو میں نے پستول نکال لیا۔ اگر اوپر کوئی اور برفانی آدمی تھا تو وہ یقیناً آنے والا تھا اور میں اسے دیکھتے ہی شوٹ کر دیتا۔ میرے ساتھ راجا عمر دراز بھی تیار تھا۔ مگر اوپر سے مزید کوئی آواز نہیں آئی ایسا لگ رہا تھا کہ اوپر ایک یہی تھا جو یہاں تک آیا تھا۔ میں نے رونی سے کہا۔

"اب رسّی لگاؤ۔"

وہ ہتھوڑی لے کر رسّی کے لیے کیل ٹھونکنے لگا اور میں اوپر تک آیا اور کنارے سے نگرانی کرنے لگا۔ بے شک حدِ نظر چند گز تک تھی مگر برفانی آدمی یہاں تک بھی آ جاتا تو میں اسے دیکھ لیتا اور کنارے پر آنے سے پہلے میں اسے مار گراتا۔ رونی نے دو الگ کیلیں ٹھونکیں اور ان سے رسیاں منسلک کر کے نیچے پھینکیں۔ اس نے کیلوں سے کلپ لگا کر ان سے ایک باریک رسّی یوں لگائی کہ نیچے سے ہم رسّی کھول سکتے تھے اور اسے دوبارہ استعمال کر سکتے تھے۔ یہ ضروری تھا ہمارے پاس رسیاں محدود تھیں اور ہم نے ابھی نامعلوم بلندیوں سے نیچے جانا تھا۔ پہلے راجا عمر دراز نیچے گیا۔ کلپ کی مدد سے اسے نیچے جانے میں آسانی رہی تھی اور اسے اتنا زور نہیں لگانا پڑ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی ایک تو وہ بوڑھا تھا اور دوسرے بیمار تھا۔ مجھے اس کی فکر تھی۔ اب تک میں نے کئی بار اسے اِن ہیلر لیتے دیکھا تھا۔ پتا نہیں یہ سادہ اِن ہیلر تھا یا اس میں کینسر کے لیے کوئی دوا ہوتی تھی۔ میں نے کہا۔

"سب پاس پاس رہیں۔"

راجا عمر دراز کے پیچھے رونی گیا تھا۔ دوسری رسّی سے جانوس گیا اور جب رونی نے نیچے سے آواز دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کلیئر ہے۔'' تو میں بھی نیچے آیا اور رسّی سے کلپ منسلک کر کے نیچے جانے لگا۔ تقریباً بیس گز کے بعد ہمیں ایک اور چھجا ملا یہاں اتنی جگہ تھی کہ ہم چاروں آرام سے کھڑے ہو سکتے تھے۔ رونی نے ایک رسّی سے منسلک باریک ڈوری کھینچی اور اوپر کیل سے بندھی گرہ کھل گئی۔ اس رسّی کو لچھا بنا کر اس نے شانے پر ڈالا اور دوسری رسّی کھولنے لگا۔ میں آس پاس دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر یہاں دھند کہیں زیادہ گہری تھی اور دو گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس طرح اندھا دھند نیچے جانا مناسب ہوگا یا نہیں۔ اگر خاصا نیچے جانے کے بعد ہمیں ڈیڈ اینڈ ملا اور نیچے اترنے کا کوئی اور راستہ نہ ملا تو ہم اوپر بھی نہیں جا سکیں گے۔ دیکھا جائے تو ہم ایک ناقابلِ گزر اترائی کے دہانے پر تھے۔ ہزاروں فٹ تک سیدھی دیوار پر اترنا ناممکن حد تک مشکل کام تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ نیچے جانے والا راستہ ہمارے دائیں طرف ہے۔ اچانک رونی نے پریشانی سے کہا۔

''یہ رسّی نیچے نہیں آ رہی ہے۔''

وہ بار بار بار ڈوری کو جھٹکا دے رہا تھا جو بڑی رسّی کی گرہ کھول دیتی مگر بڑی رسّی نیچے نہیں آ رہی تھی۔ رونی نے میری طرف دیکھا۔ ''کچھ مسئلہ ہے کیا میں اوپر جاؤں؟''

''یہ رسّی ضروری ہے کیا؟''

''بالکل جناب یہ سو میٹرز لمبی ہے۔'' رونی نے کہا۔ ''اتنی لمبی صرف تین رسیاں ہیں آگے ان کی ضرورت ہوگی۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اوپر خطرہ موجود تھا اور برفانی آدمی اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ پتا نہیں وہ کس تعداد میں وادی تک آئے تھے۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ یہاں تک نہیں آئے ہیں مگر وہ یہاں بھی آ چکے تھے۔ ممکن ہے وہ اوپری چھجا دریافت کر چکے ہوں۔ اس صورت میں رونی کے اوپر جانے میں خطرہ تھا۔ دوسری طرف ہمیں اس نامعلوم بلندی والی جگہ پر لازمی رسیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن کسی خطرے کی صورت میں تم فوری نیچے آؤ گے۔''

رونی نے سر ہلایا اور رسّی کی مدد سے اوپر جانے لگا۔ میں نے اپنے پاس موجود بیم ٹارچ نکال کر اس سے آس پاس دیکھا۔ اس کی لیزر کی طرح طاقتور بیم دھند کو چیر کر کچھ دور تک دکھا رہی تھی۔ میں دائیں طرف والی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا اس چھجے سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر ایک چھجا اور تھا اور یہ خاصا طویل تھا جہاں تک ٹارچ کی روشنی کام کر رہی تھی یہ چٹان کے ساتھ لگا ہوا نظر آ رہا تھا۔ راجا عمر دراز بھی دیکھ رہا تھا اور میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے منہ سے کچھ کہے بغیر اثبات میں سر ہلا کر میرے خیال کی تائید کی۔ مجھے خیال آیا کہ اوپر بندھی رسّی کی مدد سے ہم اس چھجے تک جا سکتے تھے۔ دوسری صورت میں یہ کام مشکل ہو جاتا۔ میں نے خیال آتے ہی رونی کو آواز دی اور اپنی آواز بس اتنی رکھی کہ اس تک جائے۔ اس نے پوچھا۔ ''یس سر۔''

''ابھی رسّی مت کھولنا میں اس کی مدد سے دائیں طرف موجود ایک چھجے تک جا رہا ہوں۔ سب اس طرف چلے جائیں تب تم بھی اسی طرف آنا میری بات سمجھ گئے۔''

''سمجھ گیا جناب۔''

میں نے رسّی اپنے کلپ سے منسلک کی اور چھجے سے اترتا کہ چٹان سے جڑ گیا اس میں پتھر ابھرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے تھے۔ اگر میرا ہاتھ یا پاؤں سلپ ہو جاتا تب بھی میں رسّی سے بندھا ہوا تھا۔ اس لیے میں بے فکری سے مشکل جگہوں سے بھی گزرتا ہوا چند منٹ میں دوسرے چھجے تک پہنچ گیا۔ یہاں میں نے رسّی باندھی اور اس کا بقیہ حصہ جانوس کی طرف اچھالا اس نے اسے اپنے چھجے پر باندھا اور اس کی مدد سے راجا عمر دراز میری طرف آ گیا۔ آخری چند گز اس نے میری مدد سے طے کیے۔ اس ذرا سی مشقت نے اسے ہانپنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کا چہرہ نیلگوں ہو رہا تھا۔ چھجے پر آتے ہی اس نے اِن ہیلر نکالا اور منہ سے لگا کر چند لمبے سانس لیے۔ اس کے پیچھے جانوس رسّی کھولتا ہوا آ گیا اور پھر میں نے رونی کو نیچے آنے کو کہا۔ مگر نہ تو وہ نیچے آیا اور نہ اس کی طرف سے جواب آیا۔

میں فکر مند ہو گیا اگلی بار میں نے کسی قدر بلند آواز سے پکارا اور جواب میں کوئی ذرا اور دھند میں ہوتا ہ نیچے گیا تھا۔ کوئی آواز نہیں آئی بس ایک جسم نیچے جاتا دکھائی دیا فاصلہ اور دھند اتنی تھی کہ میں اسے ٹھیک طرح دیکھنے سے بھی قاصر رہا تھا۔ ویسے بھی لمحے میں گزر گیا تھا۔ اتنے میں رسّی اچانک ہلی اور بری طرح تن گئی۔ ی نے چاقو نکال لیا اور رسّی تھام لی۔ میری نظر اوپر لگی ہوئی تھی اور میں نے جانوس کو ہوشیار رہنے کو کہا تھا۔ اس رائفل کا رخ اوپر کر دیا۔ راجا عمر دراز ذرا پیچھے ہٹ گیا تھا۔ چاقو کی نوک رسّی پر لگی ہوئی تھی اور جیسے ہی کوئی ا سے نمودار ہوا میرا ہاتھ تن گیا تھا مگر اس سے پہلے میں چاقو سے رسّی کاٹتا میں نے رونی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ر تھامے پھسلتا ہوا آ رہا تھا۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹا اور جانوس بھی پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس نے نیچے آتے ہی رسّی ساتھ موجود باریک ڈوری کھینچی اور اوپر سے گرہ کھل گئی رسّی لہراتی ہوئی نیچے آ گئی تھی۔

''کیا ہوا تھا؟''

''سوری میں آپ کو جواب نہیں دے رہا تھا وہ وہاں موجود تھے۔'' اس نے ہانپتے اور رسّی سمیٹتے ہو کہا۔ ''ایک کو میں نے گردن میں چاقو مار کر نیچے پھینکا مگر وہ کئی تھے میں آواز نکالتا تو مارا جاتا۔ ایک کو مارتے میں نیچے آ گیا۔''

اسی لمحے غراہٹ کی آواز آئی اور یہ دوسرے چھجے کی طرف سے آئی تھی جس سے ہم آئے تھے۔ وہ یہاں سے نظر نہیں آ رہی تھی میں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھا۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ کوئی نہ نکالیں جس سے ہماری نشان دہی ہو سکے۔ جانوس سب سے آگے تھا اس کے پیچھے راجا عمر دراز، پھر رونی سب سے پیچھے میں تھا۔ جب وہ لوگ آگے نکل گئے تب میں نے چلنا شروع کیا مگر کچھ آگے جاتے ہی مجھے ا پیچھے کچھ سرگرمی ہو رہی ہے۔ میں رکا اور واپس آیا۔ میں نے پستول واپس رکھ کر رائفل شانے سے اتار لی۔ لگا دھند میں ذرا پیچھے کوئی حرکت کر رہا ہے۔ لیکن یہاں خلا تھا یہاں کون اس طرح حرکت کر سکتا تھا۔ مگر جا سانس لینے کی حیوانی آوازوں نے واضح کر دیا کہ یہاں کون تھا۔ وہ ایک برفانی آدمی تھا جو دونوں چھجوں درمیان چٹان میں ابھرے پتھروں کو پکڑتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔

اس کا وجود نمایاں ہوتے ہی میں نے برسٹ مارا اور اس کی ٹانگوں کا نشانہ لیا۔ اس کا فوری ردِعمل اس نے بھیانک سی آواز نکالی اور نیچے گر گیا۔ اس کے پیچھے ایک اور تھا اور وہ خطرہ بھانپ کر واپس جانے اب میں اسے کہاں جانے دیتا میں نے اسے بھی مار گرایا۔ میں نے دیکھا تھا کہ ان کے جسم کو نشانہ بنایا جا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنی جلدی نہیں مرتے تھے۔ ان کے سر کو نشانہ بنانا ضروری تھا اور یہاں میں نے ان کو گرانے کے لیے ان کے پیروں کو نشانہ بنایا۔ دونوں بار یہ تدبیر کارگر رہی۔ دوسرے کو گرانے کے بعد میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ اس کے پیچھے کوئی اور آ رہا ہے تو اسے بھی نشانہ بناؤں۔ مگر اس کے پیچھے اگر کوئی تھا تو وہ واپس جا چکا تھا یا چھجے سے اترا ہی نہیں تھا۔ رونی عقب سے آیا۔ اس نے سہمے لہجے میں پوچھا۔ ''وہ پیچھے آ رہے ہیں؟''

''اب نہیں آ رہے۔'' میں نے رائفل شانے سے لٹکائی۔ اسی لمحے اوپر سے ایک خاصا بڑا پتھر میرے بالکل پاس سے گزرا۔ چھجے کے کنارے سے ٹکرایا اور نیچے چلا گیا۔ میں بال بال بچا تھا۔ میں اور رونی بے ساختہ دیوار سے چپکے اور پھر چپکے چپکے آگے سرکنے لگے۔ یہاں کھڑے ہو کر گفتگو کرنا ہماری غلطی تھی۔ آواز پر اوپر سے پتھر پھینکا گیا۔ میں اور رونی آگے سرک رہے تھے اتنے میں مزید پتھر آئے مگر وہ سب دور رہے تھے۔ کچھ آگے جانے کے بعد ہم نے تیزی سے سفر شروع کیا۔ مگر میرے ذہن میں خدشہ تھا۔ برفانی آدمی جان گئے تھے کہ ہم کہاں تھے؟ اور وہ ایسی مشکل جگہوں کے عادی تھے اور ہماری نسبت یہاں بہت تیزی سے سفر کر سکتے تھے۔ ان سے صرف ایک صورت میں ہماری بچت تھی کہ ہم ان سے دور رہیں۔ جانوس اور راجا عمر دراز ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمارے آتے ہی وہ آگے چل پڑے۔ یہ چھجا خاصا طویل ثابت ہو رہا تھا۔ تقریباً دو سو گز کے بعد اس کا ایک حصہ گرا ہوا تھا مگر اسے پار کرنا مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ سفر شروع ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ چھجا نیچے کی طرف جا رہا ہے اور اب ہم وادی کے کنارے سے خاصا نیچے آ گئے تھے۔ یہاں دھند گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ہمیں آگے بڑھنے کے لیے پہلے نیچے دیکھنا پڑتا تھا۔ سب نے ٹارچ نکال لی تھیں اور اس کی روشنی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ چھجے کا ٹوٹا حصہ عبور کرنے کے بعد میں نے راجا عمر دراز سے مختصر میٹنگ کی تھی اور میں نے اسے اپنا خیال پیش کیا کہ شاید ہم اسی سمت میں سفر کر رہے تھے جس طرف نیچے جانے کا راستہ تھا اور اس نے مجھ سے اتفاق کیا خود اس کا بھی یہی خیال تھا۔ جانوس اور رونی وہی کر رہے تھے جو میں کہہ رہا تھا۔

ایک گھنٹے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک بڑی چٹان راستے میں حائل تھی اور اس کے دوسری طرف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رونی نے دیوار میں کیل گاڑھی اور رسّی سے نیچے لٹک کر جھولتے ہوئے چٹان کے دوسری طرف جانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر چٹان نہ صرف بڑی بلکہ چکنی اور ہموار تھی اس پر ہاتھ پاؤں جمانے کی جگہیں بہت کم تھیں۔ رونی نے مجھ سے کہا۔ ''مجھے مزید نیچے جانا ہوگا۔''

''بات مشکل کی نہیں ہے ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور نیچے جانے لگا۔ اسے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں سے وہ اس چٹان کے دوسری طرف جا سکے۔ راجا عمر دراز جو ذرا پیچھے تھے اس نے مجھے متوجہ کیا۔ ''یہ آواز کیسی ہے؟''

میں اس کے پاس آیا تو ایسا لگا جیسے دیوار کے اندر پانی بہہ رہا ہو۔ شاید یہاں چٹانوں کے اندر کوئی چشمہ تھا۔ میں کان لگا کر سن رہا تھا کہ پانی کے رم ترم میں عجیب سی چٹخنے جیسی آواز بھی شامل ہو گئی۔ جلد مجھے اندازہ ہو گیا کہ چٹخنے کی آواز اوپر سے آ رہی تھی اور ہمارے نزدیک آ رہی تھی۔ میں نے راجا کو پیچھے کھینچا اور ہم راستے پر ابھری چٹان سے لگ گئے۔ چٹخاہٹ کی آوازیں بہت زیادہ اور بلند بھی تھیں ایسا لگ رہا تھا کہ اوپر سے بندر نما جانوروں کا پورا جھنڈ آ رہا ہے اور ایسا ہی تھا۔ چند لمحے بعد اوپر سے چھلانگیں لگاتے اور تقریباً سیدھی دیوار پر چہل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدمی کرتے بندر گزر کر نیچے جانے لگے۔ ان کی تعداد درجنوں میں تھی۔ ان میں سے کچھ چھجے پر بھی رکے مگر پھر تیزی سے نیچے چلے گئے۔ شاید وہی جھنڈ تھا جس نے برفانی آدمی کو مارا گرایا تھا اور اسے کھا پی گئے تھے۔ ان کی آوازوں میں ایک پیٹ بھرا خوش کن تاثر تھا۔

بندر ہم سے کچھ فاصلے سے گزر رہے تھے۔ شاید جہاں ہم کھڑے تھے وہاں گزرنے کا راستہ نہیں تھا مگر میرا خیال اس وقت غلط ثابت ہوا جب ایک بندر سیدھا میرے سر پر نازل ہوا۔ جتنی غیر متوقع اس کی آمد تھی۔ اتنی غیر متوقع اس کے لیے یہاں میری موجودگی ثابت ہوئی تھی۔ وہ میرے سر پر گرا اور میرا سر ہلا تو وہ ہوا میں اچھلا اور سیدھا خلا میں گیا تھا۔ اس نے نیچے گرتے ہوئے عجیب سی آواز نکالی۔ اس سے پہلے کہ اس کی آواز دوسروں کو متوجہ کرتی وہ غائب ہو چکا تھا۔ مگر ایک بندر کو اس کی آواز نے متوجہ کیا تھا اور وہ چھجے پر ہم سے چند گز کے فاصلے پر رکا ہوا تھا اور کان گھما گھما کر گویا سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان بندروں کی آنکھیں زیادہ بڑی نہیں تھیں اس کا مطلب تھا کہ ان کی نظر زیادہ تیز نہیں تھی مگر ان کے کانوں کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ آواز سن لیتے تھے اور شاید معمولی سی آواز بھی سن سکتے تھے۔ میں نے سانس روک لی۔

راجا عمر دراز سانس نہیں روک سکتا تھا۔ بلکہ وہ سانس تیزی سے اور کسی قدر شور والے انداز میں لے رہا تھا۔ اس وقت مجھے رک جانے والے بندر سے زیادہ رونی کی فکر تھی جو نیچے گیا تھا اور بندر بھی نیچے جا رہے تھے اسے دیکھ لیتے تو اس کی عافیت خطرے میں پڑ جاتی۔ پھر بندر نے شاید راجا عمر دراز کی سانس کی آواز سن لی اور وہ تفتیش کے لیے اس طرف آیا میں نے دل ہی دل میں اس کے جذبہ تجسس کو نامناسب الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ نزدیک آ کر اس نے منہ اٹھا کر سونگھا۔ اب غالباً اسے ہماری بو بھی آ رہی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ چلا کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کرتا میں نے اچانک پاؤں اٹھا کر اسے دبا دیا۔ اتفاق سے میرا پاؤں سیدھا اس کی گردن پر آیا تھا اور وہ بھنچی ہوئی چیں چیں کی آواز نکالتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ اس کے لیے ممکن نہیں تھا اس کی چیں چیں سے خوفزدہ ہو کر میں پورا ہی اس پر کھڑا ہو گیا اور منٹ سے بھی پہلے اس کا دم نکل گیا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر دور اچھال دیا تا کہ اس کی لاش بہت نیچے جائے اس کے بھائی بندروں کو نہ مل جائے۔ بندروں کا جھنڈ نیچے جا چکا تھا۔

اس طرف سے اطمینان کے بعد میں نے رسّی کو جھٹکا دے کر رونی سے پوچھا اور اس نے جھٹکا دے کر اوکے کا اشارہ کیا۔ وہ ذرا دیر بعد اوپر آیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے سانس درست کرتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں کیسے بچا وہ میرے پاس سے گزر رہے تھے۔''

''یہاں بھی پاس سے گزرے ہیں بلکہ وہ تو جان بھی گئے تھے۔''

رونی چونکا۔ ''وہ کہاں ہیں۔''

''نیچے گئے۔'' میں نے اشارہ کیا۔ ''یہ بتاؤ کہ راستہ ملا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں لیکن بہت نیچے جا کر ہے اور وہاں سے اوپر جانا بھی ممکن نظر نہیں آ رہا تھا میں، جانوس اور آپ شاید چلے جائیں مگر.....'' اس نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھا۔ ''ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ بہت دشوار چڑھائی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھی سمجھ رہا تھا کہ راجا عمر دراز کے لیے اس قسم کی کوہ پیمائی ممکن نہیں تھی۔ مگر میرے ذہن میں ایک طریقہ آ گیا تھا۔ ''اگر نیچے سے اوپر جا کر رسّی باندھی جائے تب ممکن ہے؟''

''ہاں تب ممکن ہے۔''

''تب تم جاؤ اور رسّی دوسری طرف باندھو۔''

رونی تھکا ہوا تھا مگر وہ سر ہلاتا ہوا نیچے اتر گیا۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ یہ ہمارے لیے موقع تھا کہ ستا لیں۔ ہم نے سامان میں کھانے پینے کی ایسی چیزیں رکھی تھیں جو تیار تھیں اور جنہیں فوری استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ایک چاکلیٹ نکالی۔ جانوس کولڈ ڈرنک پی رہا تھا البتہ راجا عمر دراز اپنی دواؤں والا بیگ کھولے بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس میں سے اپنے لیے ڈوز نکال رہا تھا۔ یہ کوئی نصف درجن مختلف سائز کی گولیاں اور کیپسول تھے جنہیں اس نے انرجی ڈرنک کی مدد سے حلق سے اتار لیا۔ پھر وہ وہیں لیٹ گیا۔ میں فکر مند ہوا کہ شاید اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ ''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔''

''ہاں یہ دوائیں لینے کے بعد دس پندرہ منٹ آرام کرنا ہوتا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ایسے میں تھکا ضرور ہوں لیکن پھر بھی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ بالآخر میں اس جگہ کے پاس ہوں جہاں آنے کے خواب میں برسوں سے دیکھتا رہا ہوں۔''

''آپ کچھ عرصے پہلے وادی تک آئے تھے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ اس نے سر ہلایا۔

''لیکن میں نیچے نہیں جا سکا تھا۔''

''اب آپ جا سکیں گے؟''

''ہاں کیونکہ میں نے برف والے کی شرط پوری کر دی ہے۔'' راجا عمر دراز نے مسرور لہجے میں کہا۔ ''اب میں نیچے جا سکوں گا۔''

''فی الحال تو ہمیں وادی میں اترنے والا راستہ تلاش کرنا ہے اور دیکھا جائے تو ابھی ہم راستہ میں ہیں۔''

''مجھے یقین ہے کہ راستہ مل جائے گا۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''تم ساتھ آئے تو سب راستے کھل جائیں گے اور سب راستے مل جائیں گے۔''

میں مسکرا کر رہ گیا۔ اب میں اس کی باتوں کو بچکانہ نہیں لے رہا تھا مگر اب بھی اس کی بعض باتوں کو مبالغہ آمیز ضرور سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھے ہر تالے کی چابی سمجھ رہا تھا۔ جب کہ میں ایسا نہیں سمجھ رہا تھا۔ رونی کو گئے ہوئے بیس منٹ ہونے کو آئے تھے کچھ دیر بعد رسّی اوپر کی سمت آنے لگی۔ وہ کھنچ کر چٹان کے متوازی ہو رہی تھی یعنی رونی چٹان کے دوسری طرف جانے کے بعد اوپر چڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رسّی کو جھٹکا لگا۔ میں نے جوابی جھٹکا دیا۔ رسّی دوسری طرف باندھی جا چکی تھی۔ میں نے راجا عمر دراز سے کہا۔ ''اب آپ کو ہمت کرنا ہوگی۔ دوسری طرف جانے کے لیے۔''

اس نے سر ہلایا اور اپنا کلپ رسّی سے منسلک کیا۔ رسّی دوسری طرف کسی قدر نیچے تھی اس لیے جب اس نے خلا میں قدم رکھا تو خود بہ خود آگے جانے لگا۔ ساتھ ہی وہ ہاتھوں سے چٹان کے سہارے خود کو آگے بڑھا رہا تھا۔ ایک منٹ میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ راجا عمر دراز دوسری طرف پہنچا تو رسّی خود بہ خود ڈھیلی ہو گئی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رونی نے جھٹکا مارا۔ اب میں نے جانوس کو جانے کا اشارہ کیا اور کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ وہ رسّی پکڑتا اور لٹکتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ اس کے بعد میری باری تھی۔ میں نے رسّی سے کلپ باندھا اور خلا میں جاتے ہی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ چٹان کی رگڑ سے بچنے کے لیے میں ہاتھوں کا سہارا لے رہا تھا اور اس وجہ سے میں ذرا گھوما اور میں نے عقب میں دھند سے چھجے پر ایک ہیولہ برآمد ہوتے دیکھا۔

اس کی قامت بتا رہی تھی کہ وہ برفانی آدمی تھا اور اس نے آتے ہی رسّی پکڑ لی۔ مجھے جھٹکا لگا۔ وہ رسّی کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر میں رکا نہیں کیونکہ میں کلپ کی مدد سے آگے پھسل رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے میں گھوم کر چٹان کے دوسری طرف جا چکا تھا۔ اب برفانی آدمی رسّی توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے رسّی کو لگنے والے جھٹکوں سے ہوا۔ مگر رسّی بہت مضبوط تھی۔ اللہ نے مجھے عقل دی اور میں نے فوراً ہی رسّی کو اپنے پکڑنے والے کلپ سے باندھ لیا۔ مجھے خیال آیا کہ برفانی آدمی رسّی توڑنے میں ناکامی کے بعد کیا کرے گا اور اس نے ایسا ہی کیا اس نے رسّی توڑنے میں ناکامی کے بعد وہ کیل نکال دی جس سے رسّی بندھی تھی اور کیل نکلتے ہی میں تیزی سے نیچے گیا۔

میں اتنی تیزی سے نیچے گیا تھا کہ ایک لمحے کو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے لگا کہ میں نیچے گر رہا ہوں۔ چند گز نیچے جاتے ہی مجھے جھٹکا لگا اور میں چٹان سے ٹکرایا۔ سر بچانے کے چکر میں میرے ہاتھوں کو ضرب سہنا پڑی تھی۔ پھر پھسلتا ہوا نیچے جانے لگا۔ میری جیکٹ چٹان سے رگڑ کھا رہی تھی اور میں اپنا جسم بچا رہا تھا۔ بدقسمتی سے یہاں چٹان نہایت کھردری تھی۔ اس کے حصے سے رگڑ کھا کر میری جیکٹ جواب دے گئی ایک طرف شانے اور بازو کا حصہ پھٹ گیا۔ میں پاؤں اڑا کر خود کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر آخری جھٹکے نے مجھے ہوا میں معلق کر دیا اور میں چٹان سے دور ہو کر جھولنے لگا۔ چند لمحے تو ہوش بحال ہونے میں لگے۔ رونی کی آواز نے مجھے چونکایا اور میں نے اوپر دیکھا وہ پوچھ رہا تھا۔ ''آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں تم نے کیل صحیح سے ٹھونکی تھی۔'' میں نے کہا اور اوپر جانے لگا۔ گرپ کرنے والا کلپ اس قسم کا ہوتا ہے کہ اس میں رسّی ایک طرف آسانی سے حرکت کرتی ہے اور دوسری طرف صرف کلپ کی گرفت کم کرنے پر چھوٹتی ہے۔ میں آرام سے اوپر پہنچ گیا۔ پہلے ایک ڈھلان تھی اور اس کے بعد اوپر چھجا اسی طرح کا تھا جیسا چٹان کے دوسری طرف تھا۔ میں ڈھلان سے اوپر آیا اور رسّی سے کلپ الگ کیا۔ رونی نے پوچھا۔

''رسی کیسے نکل گئی؟''

''نکلی نہیں نکالی گئی ہے۔ وہ بدبخت اس چھجے تک چلے آئے ہیں۔'' میں نے کہا تو ان لوگوں کے چہرے سفید پڑ گئے۔ راجا عمر دراز نے کہا۔

''انہوں نے پیچھا نہیں چھوڑا؟''

''یہ نہایت ضدی اور سفاک مخلوق ہے۔'' میں نے اپنی پھٹ جانے والی جیکٹ کا جائزہ لیا۔ اس کا اوپر کا پیراشوٹ پھٹ گیا تھا اور اندر کا گرم میٹریل جھانک رہا تھا۔ رونی نے اس کا جائزہ لیا اور سامان سے ٹیپ نکال کر پھٹ جانے والے حصوں پر لگا دیا تاکہ اندر کا گرم حصہ محفوظ رہے یہاں چھجا زیادہ تر چھا ہو کر نیچے جا رہا تھا اور خاصا تنگ بھی تھا۔ راجا عمر دراز نے توجہ دلائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہیں ہم نیچے جانے والے راستے پر تو نہیں آ گئے ہیں۔''

''شاید ایسا ہی ہے مگر اس پر کہیں اس قسم کی چٹان نظر نہیں آئی۔''

''ہو سکتا ہے کسی وجہ سے چٹان کے ساتھ والا حصہ نیچے گر گیا ہو۔''

میں نے چٹان دیکھی تھی اور مجھے اس میں ٹوٹ پھوٹ نظر نہیں آئی تھی۔ مگر میں نے راجا عمر دراز کی بات کو رد نہیں کیا۔ ''آگے چل کر پتا چل جائے گا۔''

''برفانی آدمی پیچھے آئے گا۔'' رونی بولا۔

یہ خدشہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ وہ اب تک جس مستقل مزاجی سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے لگ رہا تھا کہ اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ جہاں تک درمیان والی چٹان کا تعلق تھا۔ اسے عبور کرنا برفانی آدمیوں کے لیے زیادہ مشکل نہیں تھا۔ وہ نہایت آسانی سے نیچے جا کر دوبارہ اوپر چڑھ سکتے تھے جیسا کہ رونی نے کیا تھا۔ اس خدشے کے ساتھ ہم آگے روانہ ہوئے۔ نیچے آنے کے بعد ہم نے چھجے پر ہی خاصا سفر کیا تھا اور ہم خاصا نیچے بھی آ گئے تھے۔ یہاں چھجا تنگ اور کھردرا تھا جیسے اس کے حصے موسم کا شکار ہو کر نیچے گرتے رہے ہوں۔ بعض جگہوں پر پاؤں رکھتے تو وہاں سے پتھر اور مٹی گرتی تھی۔ اس لیے ہم کنارے والے حصوں پر قدم رکھنے سے گریز کر رہے تھے۔ میں راجا عمر دراز کے پاس تھا کہ کسی موقع پر اسے ضرورت ہو تو سہارا دے سکوں۔ مگر ابھی تک اسے ضرورت نہیں پڑی تھی وہ نہایت ہمت سے چل رہا تھا۔

دیکھا جائے تو راجا عمر دراز کی مہم تباہی سے دوچار ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ آنے والے تین چوتھائی افراد موت کی نیند سو چکے تھے۔ صرف رونی اور جانوس بچے تھے۔ میں اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ اتنے افراد کے ساتھ واپس جانا آسان نہیں تھا جب کہ راستے میں برفانی آدمی جیسا خطرہ بھی موجود تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ نیچے اترنے والے راستے پر موجود ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی پر کیا گزری ہو گی۔ یہ تو یقینی تھا کہ برفانی آدمی اصل میں ان کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ انہوں نے ان پر حملہ کیا ہو گا۔ ابھی ہم ذرا ہی نیچے گئے ہوں گے کہ اچانک اوپر سے چند بوندیں ٹپکیں۔ اس سے پہلے کہ ہم سنبھلتے اچانک ہی نہایت تیز بارش شروع ہو گئی۔ ہم نے افراتفری میں سامان سے برساتیاں نکال کر پہنیں۔ ویسے ہمارے لباس پیراشوٹ کے تھے جو تقریباً واٹر پروف ہوتے ہیں اس کے باوجود ہم تھوڑے بہت بھیگے تھے۔ بارش کے ساتھ ہی موسم سرد ہو گیا اور ہم عادی ہونے تک لرز اٹھے تھے۔

جب ہم نے برساتی پہن کر آس پاس دیکھا تو حیران رہ گئے۔ بارش کے ساتھ ہی دھند نہایت تیزی سے غائب ہونے لگی تھی۔ پہلے قریب کے مناظر دکھائی دیئے اور اس کے بعد دور دور تک دکھائی دینے لگا۔ منظر ایسا ہی تھا جیسا شدید بارش میں دکھائی دیتا۔ یہ نہایت حیرت انگیز منظر تھا جس میں وادی دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ گہرائی میں رنگ غالب تھے۔ جہاں سبزہ تھا وہاں سبز رنگ غالب تھا اور جہاں آبادی تھی یا خالی زمین تھی تو وہاں بھورا اور سفید رنگ نمایاں تھا۔ وادی کی سنگی دیواریں پہلی بار نمایاں تھیں۔ ان پر کئی ہزار فٹ کے بعد سبز رنگ شروع ہوا تھا۔ ورنہ سرخ، سفید، سرمئی اور بھورے رنگ نمایاں تھے۔ اوپر آسمان پر گہرے بادل تھے۔ ہم جس چھجے پر تھے اس کے نیچے کئی ہزار فٹ تک صرف چٹانیں تھیں اور بارش کی وجہ سے چند سو فٹ بعد جو منظر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس میں تفصیلات واضح نہیں تھیں اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ چھجا کہاں تک جا رہا تھا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا خیال ہے ہمیں بارش ختم ہونے تک رکنا چاہیے۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔''اس وقت سفر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔''

مگر میرا خیال کچھ اور تھا اس وقت ہم آنکھوں سے دیکھ کر کوئی مناسب جگہ یا نیچے جانے والا راستہ تلاش کر سکتے تھے۔ کیونکہ جیسے ہی بارش رکتی دھند دوبارہ مسلط ہو جاتی اور حد نظر محدود ہو جاتی۔ میں نے راجا عمر دراز کے سامنے اپنا نقطہ نظر بیان کیا اور دوبارہ سفر کے لیے اصرار کیا۔ راجا عمر دراز مان گیا۔''یو آر دی باس۔''

''یہ آپ کا بڑا پن ہے ورنہ بہر حال باس آپ ہی ہیں۔''

''نہیں رہنمائی وہی کرتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے اور جو خطرہ مول لینا جانتا ہو۔ جیسا کہ تم کر رہے ہو۔ تمہاری جگہ میں باس ہوتا تو اس وقت سفر نہ کرنے کا فیصلہ کرتا۔''

ہم بارش سے گیلے چھجے پر احتیاط سے سفر کرنے لگے۔ میں نے عقب میں بھی دیکھ لیا تھا کہ اگر کہیں برفانی آدمی موجود ہوں تو ہم انہیں دیکھ سکیں مگر جہاں تک نظر کام کرتی تھی کوئی ایسی چیز حرکت کرتی یا ساکت نظر نہیں آئی جسے برفانی آدمی کہہ سکتے۔ جب آگے بڑھنے لگے تو دھیان ہر طرف سے ہٹ کر راستے پر آ گیا۔ جب تک دھند تھی تو ہمیں علم نہیں تھا کہ ہم کس ہیبت ناک بلندی پر ہیں۔ یہاں سے نیچے دیکھنا ہی دل گردے کا کام تھا۔ سفر کرنا زیادہ دشوار تھا۔ مگر ہمیں سفر کرنا ہی تھا۔ راجا عمر دراز کے پاس اعلیٰ درجے کی طاقتور دوربین تھی وہ وقفے وقفے سے رک کر دوربین آنکھوں سے لگاتا اور آس پاس کا جائزہ لیتا تھا۔ ایک بار اس نے آنکھوں سے دوربین لگائی اور بولا۔

''میرا خیال ہے مجھے نیچے جانے والا راستہ مل گیا ہے۔''

اس نے اشارے سے بتایا اور دوربین میری طرف بڑھائی۔ میں نے آنکھوں سے لگا کر دیکھا۔ واقعی تقریباً نصف کلومیٹر دور ایک راستہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے جاننے کی کوشش کی کہ اس چھجے سے وہاں تک رسائی کا راستہ کہاں سے گزر رہا ہے مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ درمیان میں کچھ ایسی جگہیں دکھائی دیں۔ جہاں سے راستہ غیر واضح تھا۔ ان میں وادی کی دیوار پر بنا ہوا ایک پیالہ نما بھی تھا۔ میں نے اس پیالے نما جگہ کی طرف اشارہ کیا۔''میرا خیال ہے ہمیں وہاں تک جانا ہوگا وہاں سے راستہ واضح ہوگا۔''

یہ پیالہ رکھا ہوا نہیں تھا بلکہ دیوار پر بنا ہوا تھا اور وہاں سے راستہ غیر واضح تھا۔ ہم پھر سفر کرنے لگے۔ اتفاق سے اس وقت بھی میرے پاس گھڑی نہیں تھی اور مجھے رونی سے وقت پوچھنا پڑا اس نے بتایا کہ دوپہر کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ گویا ہمیں سفر کرتے ہوئے تین گھنٹے کا وقت گزر چکا تھا مگر ابھی تک ہم وادی میں اترنے والے راستے پر بھی نہیں آئے تھے۔ راجا عمر دراز کے مطابق وادی کی تہہ سے اوپر چڑھنے یا وادی کے اوپر سے نیچے اترنے میں پورا دن لگتا ہے لیکن اولین مرحلہ برف والے کے ڈیرے تک رسائی کا تھا۔ پیالے نما جگہ تک جانے کا چھجا اب اوپر چڑھ رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ تنگ بھی ہوتا جا رہا تھا۔ کئی جگہوں سے ہمیں دیوار سے چپک کر چلنا پڑا تھا کیونکہ پشت پر بندھے بیگز کی وجہ سے ہم دیوار سے پشت بھی نہیں لگا سکتے تھے۔ صرف راجا عمر دراز پشت لگا سکتا تھا کیونکہ اس نے کچھ بھی نہیں لیا تھا۔

میرا خیال ہے نیچے دھند چھٹنے کی ایک وجہ تو بارش تھی اور دوسرے چونکہ اوپر بادل آ گئے تھے اور بلندی یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خلا سے یہ وادی نظر نہیں آتی اس لیے بھی دھند غائب ہو گئی تھی۔ اگرچہ یہ ایک تخیل تھا کہ صرف وادی کو دنیا کی نظروں سے بچانے کے لیے یہ دھند آتی اور غائب ہوتی تھی۔ یہ خود کار نظام تھا جو زمینی عوامل کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اس میں کسی انسانی یا روحانی طاقت کا دخل نہیں تھا۔ بارش جیسے اچانک شروع ہوئی تھی اسی طرح اچانک رک گئی اور اوپر موجود بادل چھٹنے لگے۔ ایک طرف سے بادل کچھ چھٹے تو عقب سے سورج کی شعاعیں ہم تک آنے لگیں۔ سورج بالکل اوپر تھا اس لیے اس کی روشنی نیچے تک گئی تھی اور نیچے سے کسی چیز کی چمک یہاں تک محسوس ہوئی تھی۔ راجا عمر دراز نے اشارہ کیا۔ ''یہ اہرام نما عمارت کا اوپری حصہ ہے جو سونے جیسے رنگ کی ہے۔''

سورج مشکل سے چند منٹ کے لیے نکلا تھا اور فوراً ہی نیچے سے دھند کا ریلا اوپر چڑھنے لگا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے نیچے وادی والا حصہ مکمل طور پر چھپ گیا اور اب وہاں بادل جیسے چھائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد دھند نے اوپر کا رخ کیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''جلدی چلو اس سے پہلے کہ دھند منظر غائب کر دے۔''

ہم تیزی سے پیالے کی طرف بڑھے لیکن اس کے پاس جانے سے پہلے ہی ہمارے آس پاس کا ماحول دھندلانے لگا تھا۔ صرف وادی کی تہہ سے ہی نہیں بلکہ دیواروں پر موجود نمی بھی تیزی سے دھند میں بدل رہی تھی۔ ورنہ صرف نیچے سے دھند کا اتنی جلد اوپر آنا ممکن نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ منظر مکمل طور پر دھندلا جاتا اچانک آگے جانے والے رونی نے گھگھیائی آواز میں کہا۔ ''برفانی آدمی۔''

''کہاں.....؟''

''کدھر.....؟''

مختلف آوازیں بے ساختہ بلند ہوئیں۔ مگر رونی کے بتانے سے پہلے میں نے دیکھ لیا تھا۔ وہ تین برفانی آدمی تھے جو تقریباً چار سو گز نیچے ڈھلان سے اوپر چڑھ رہے تھے اور ان کا رخ ہماری طرف تھا اس کا مطلب تھا انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور اسی وقت دیکھا تھا جب بارش نے دھند کو تحلیل کر دیا تھا۔ میرا اور سب کا خدشہ درست نکلا تھا انہوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تھا اور مستقل مزاجی سے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے ہمیں دیکھ بھی لیا تھا۔ میں نے رفتار تیز کرنے کو کہا اور خود بھی جلدی قدم اٹھانے لگا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے دھند نے برفانی آدمیوں کو ڈھانپ لیا تھا۔ اور اب وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ پیالہ نما جگہ کوئی دو سو گز دور رہ گئی تھی۔ جب تک برفانی آدمی نظر آتے رہے میں ان کی اوپر چڑھنے کی رفتار دیکھتا رہا اور مجھے لگا کہ وہ اتنی ہی رفتار سے اوپر آ رہے جتنی رفتار سے ہم اس ڈھلوان پر سفر کر رہے تھے۔

ہم پیالہ نما جگہ ان سے پہلے پہنچ سکتے تھے مگر وہاں سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہ ہوتا تو ہم وہیں ٹریپ ہو جاتے اور ہمیں برفانی آدمیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا اور ں میں کہنا مشکل تھا کہ کون بچے گا اور کون نہیں۔ دس منٹ بعد ہم پیالے نما جگہ کے کنارے تھے اور یہاں آتے ہی ایک حیرت انگیز چیز سامنے آئی۔ دیوار کے گھومتے ہوئے پینڈے والے حصے سے ذرا دور پتھر کا ایک معلق پل تھا جو پیالے کے اگلے حصے تک جا رہا تھا اور وہاں سے وادی میں نیچے جانے والے راستہ تک اترنے تک رسائی ممکن تھی۔ ہمیں اس معلق پل کو عبور کرنا تھا مگر وہ دیکھنے میں ہی نہایت مخدوش لگ رہا تھا۔ اوپر سے آنے والی بارش اور شاید سنگ باری نے بھی اس پل کے دونوں طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجود حصوں کو اڑا دیا تھا اور درمیان میں بھی جو پتھر بچا تھا اس میں بھی جا بہ جا دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ مگر یہ پل اسی وجہ سے وجود میں آیا تھا۔ ایک منٹ میں ہم گھوم کر پل کے سامنے جا پہنچے تھے۔ اس کے نیچے لامتناہی خلا تھا۔

○.....❖.....○

''یہ تو دیکھنے میں ہی خطرناک لگ رہا ہے۔'' راجا عمر دراز نے تشویش سے کہا۔

''مگر دوسری طرف جانے کا یہی ایک راستہ ہے۔'' میں نے نیچے دیکھا۔ ''اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔''

''میں پہلے جاتا ہوں۔'' رونی نے ہمت کر کے کہا۔ اس نے پہلے اس طرف ایک رسّی باندھی اور اسے اپنی بیلٹ سے منسلک کر کے پل پر قدم رکھا۔ یہ دو ڈھائی فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ وہ محتاط قدموں سے چلتا ہوا تقریباً پچاس فٹ لمبے پل کو عبور کر کے دوسری طرف چلا گیا اور رسّی اپنی بیلٹ سے کھول دی۔ میں نے نوٹ کیا کہ پل مخدوش تھا اور رونی کے سفر کے دوران میں اس کے کچھ حصے حرکت بھی کر رہے تھے مگر وہ بہر حال قابلِ گزر تھا۔ اس کے بعد راجا عمر دراز گیا اور اس نے بھی خیریت سے اسے کراس کر لیا۔ جانوس مجھے کہہ رہا تھا مگر میں نے اسے جانے کو کہا۔ میری توجہ اب نیچے سے آنے والے راستے پر تھی۔ برفانی آدمی اسی سمت سے آسکتے تھے۔ مگر ابھی تک ان کی آمد کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ جانوس دوسری طرف گیا اور اس نے مجھے آواز دی تو میں چونکا اور میں نے رائفل شانے سے لٹکا کر پل پر قدم رکھا تو ایک لمحے کے لیے مجھے ڈولتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ شاید کئی لوگوں کے چڑھنے سے پتھر اپنی جگہ چھوڑ رہے تھے۔ میں کچھ دیر کے لیے ساکت ہو گیا اور جب پل ہلنا بند ہو گیا تو میں احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔ اچانک رونی چلایا۔

''اپنے پیچھے دیکھیں۔''

اس سے پہلے میں مڑ کر دیکھتا مجھے جھٹکا لگا اور میں پیچھے گرا تھا۔ پشت کے بل گرتے ہوئے میں نے خود کو نہ جانے کیسے نیچے گرنے سے بچایا۔ میرے ہاتھ پتھروں سے چمٹ گئے تھے۔ جس رسّی سے میں منسلک تھا وہ کھنچ رہی تھی۔ میں نے سر گھما کر دیکھا تو ایک برفانی آدمی رسّی پکڑ کر کھینچتا دکھائی دیا۔ میں نے پستول نکالا اور اسی طرح اس کی طرف کر کے گولی چلائی۔ دھماکے کے ساتھ وہ جھٹکے سے پیچھے گیا تھا اور رسّی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ رسّی پر دباؤ ختم ہوا تو موقع غنیمت جان کر میں جلدی سے کھڑا ہوا۔ پل ایک بار پھر واضح طور پر ڈولا تھا۔ میں نے رسّی کلپ سے نکالنے کا سوچا مگر اس طرح مخدوش ہو جانے والے پل پر رسّی نکالنا بھی درست نہیں لگا تھا اگر یہ ٹوٹ جاتا تو رسّی ہی تو تھی جو مجھے نیچے گرنے سے بچاتی۔ برفانی آدمی گولی کھا کر پیچھے گیا تھا مگر وہ پھر آگے آیا اور اس نے ایک بار پھر رسّی تھام لی تو مجبوراً مجھے اسے کلپ سے الگ کرنا پڑا تھا۔

اس کے ساتھ ہی میں پیچھے ہٹنے لگا اس وقت میں کوئی تیس فٹ کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ ابھی بیس بائیس فٹ کا فاصلہ باقی تھا۔ برفانی آدمی نے غرا کر رسّی ایک طرف پھینک دی اور پل کی طرف بڑھا۔ اگر وہ پل پر چڑھ جاتا تو اس کے وزن سے یہ شاید ٹوٹ جاتا۔ میں نے اس کے سر کا نشانہ لیا مگر گولی اس کے شانے پر لگی۔ وہ جھٹکے سے پیچھے گیا تھا۔ میں چند قدم اور پیچھے ہٹا اور رک کر پھر اس کی طرف پستول سیدھا کیا۔ دو گولیاں کھا کر وہ اب تکلیف سے غرا رہا تھا۔ شاید اس کی ہمت جواب دے رہی تھی اور وہ پل پر قدم رکھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چند قدم اور پیچھے ہٹا۔ اب میں دوسرے سرے سے کوئی دس بارہ فٹ دور تھا۔ میں اگر پلٹ کر تیزی دکھاتا تو شاید پل کراس کر جاتا یا شاید وہ گر جاتا۔ اب میں رکا ہوا تھا تب بھی وہ ڈول رہا تھا۔ کسی وقت بھی پتھروں کے بونڈ جواب دے سکتے تھے اور میں ان پتھروں سمیت نیچے جاتا۔ اچانک برفانی آدمی کا موڈ بدل گیا اور وہ دھاڑ کر پل کی طرف لپکا۔

اس کا ارادہ بھانپتے ہی میں پلٹ کر بھاگا اور فوراً ہی پل گرنے لگا۔ اس کے پتھر خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہونے لگے اور یہ نیچے کی طرف جھکنے لگا۔ میں نے گرتے پتھروں پر زور مارا اور خود کو پوری قوت سے دوسری سمت اچھالا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیز برسٹ کی آواز گونجی۔ بعد میں مجھے علم ہوا کہ رونی نے پل پر چڑھتے برفانی آدمی پر برسٹ مارا تھا۔ مگر وہ اسے چڑھنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ اس کے پل پر آتے ہی رہی سہی کسر پوری ہوگئی اور وہ مکمل طور پر ٹوٹ پھوٹ کر نیچے گر گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ عقب میں کیا ہو رہا ہے، میری ساری توجہ کنارے تک پہنچنے پر تھی۔ میں نے جست لگائی اور خلا میں گیا تھا۔ میرا سانس رک گیا اور جب تک میرے پھیلے ہاتھ کنارے پر نہیں جمے سانس رکا ہی رہا۔ جھٹکے سے میرا جسم نیچے گیا۔ مگر میں گرا نہیں تھا بلکہ چٹان سے چمٹا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ چٹان سے یوں چمٹے تھے جیسے شیر خوار بچہ ڈر کر ماں سے چمٹتا ہے۔ بالآخر رونی نے دھول اور دھند سے نمودار ہو کر میرا ہاتھ پکڑا تو میں اوپر چڑھا تھا۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ میں کیسے بچا؟ میں کوئی دس بارہ فٹ پیچھے تھا اور مجھے دو قدم سے زیادہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

کنارے اور میرے درمیان کم سے کم بھی آٹھ فٹ کا فاصلہ تھا اور میری جست بس نمائشی تھی۔ اس کے باوجود میں کنارے تک پہنچ گیا۔ اوپر چڑھ کر میں نے چند گہرے سانس لیے اور پلٹ کر دیکھا۔ پل تقریباً غائب ہو گیا تھا۔ اس کے ٹوٹنے سے اڑنے والا گرد و غبار جیسے اس جگہ جم گیا تھا۔ یہ دھند کی وجہ سے اتنی آسانی سے تحلیل ہونے والا نہیں تھا۔ میں دائیں طرف جانے لگا تاکہ پیالے کے دوسری طرف دیکھ سکوں۔ میرا خیال تھا کہ وہاں موجود صرف ایک برفانی آدمی نیچے گرا ہے جب کہ ہم نے ڈھلان سے تین برفانی آدمی اوپر آتے دیکھے تھے تو باقی دو کہاں تھے؟ مگر پیالے کے دوسری طرف کا حصہ خالی تھا۔ راجا عمر دراز میرے پیچھے تھا اس نے پوچھا۔ ''کیا دیکھ رہے ہو؟''

''باقی برفانی آدمی کہاں ہیں؟''

''میرا خیال ہے وہ اس طرف آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' راجا عمر دراز نے سکون سے کہا اور جہاں ہم کھڑے تھے اس کے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس طرف آنا ذرا مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے آگے روانہ ہو جانا چاہیے۔''

میں نے اس سے اتفاق کیا اور ہم آگے روانہ ہو گئے۔ مجھے خیال آیا کہ راجا عمر دراز نے اتنی مشکل سے بچنے کے بعد میرا احوال نہیں پوچھا۔ وہ یوں مطمئن تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ شاید وہ اسی خیال میں تھا کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں ہر مشکل سے گزر جاؤں گا اور ہم بہر صورت نیچے پہنچیں گے اس لیے وہ برفانی آدمیوں سے بھی خوفزدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب ہم پیالے سے نکل کر دیوار سے چمٹے ہوئے نیچے جانے والے راستے کی طرف جا رہے تھے جو ہم سے ابھی بھی کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ یہاں چٹان بالکل سیدھی تھی اور راستہ بھی نیچے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف جھک رہا تھا اور اس پر پاؤں پھسل رہے تھا۔ یہاں بھی رونی سب سے آگے تھا۔ اس سے پیچھے راجا عمر دراز البتہ اس بار میں تیسرے نمبر پر تھا۔ جانوس سب سے پیچھے تھا۔ ہم نے منہ دیوار کی طرف کیا ہوا تھا اور ہاتھوں سے ابھرے حصے تھام کر آگے بڑھ رہے تھے۔ اس جگہ ہمیں چاروں ہاتھوں پاؤں سے کام لینا پڑ رہا تھا۔

اچانک عقب سے جانوس کی مضطرب آواز آئی اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر دہشت تھی اور وہ دیوار سے چمٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پہلے میں سمجھا کہ اس کا توازن بگڑا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کے بائیں پاؤں پر ایک بالوں بھرا ہاتھ موجود ہے اور وہ اسے نیچے کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ہر ممکن تیزی سے پستول نکالا اور ہاتھ کا نشانہ لے کر فائر کیا اور ہاتھ ایک جھٹکے سے غائب ہوا۔ مگر اتنی دیر میں جانوس کا توازن بگڑ گیا تھا اور اس کے ہاتھ دیوار سے ہٹ کر خلا میں لہرا رہے تھے۔ میں اس کی طرف سرکا۔ میرا ہاتھ اس کی طرف لپکا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اسے پکڑتا وہ طویل ہوتی چیخ کے ساتھ نیچے گرتا چلا گیا۔ اس کی چیخ اس وقت تک سنائی دیتی رہی جب تک نیچے سے دھپ کی ہیبت ناک آواز نہیں آئی۔ شاید کوئی جگہ تھی جہاں جانوس کا سفر جلد ختم ہو گیا اور اسے زندگی کے آخری لمحات کی تکلیف زیادہ دیر نہیں اٹھانی پڑی تھی۔ آواز بتا رہی تھی کہ وہ کم سے کم دو ڈھائی سو فٹ کی گہرائی میں گرا۔ میں اس کی خالی جگہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی یہاں تھا اور اب نہیں رہا تھا۔ میں دکھ سے ساکت رہ گیا۔ پھر راجا عمر دراز کی آواز نے مجھے چونکایا۔

''رکو مت وہ ہمارے پیچھے ہیں۔ چلتے رہو۔'' وہ کہتے ہوئے آگے سرکنے لگا اور چند منٹ بعد ہم نیچے جانے والے راستے پر تھے جو اوپر سے آ رہا تھا میں اس جگہ تک نہیں آیا تھا اور یہ جگہ شاید اوپر سے کوئی آدھا کلو میٹر نیچے تھی۔ یہاں برف تھی مگر اتنی سردی نہیں تھی۔ مسلسل پُر مشقت سفر سے مجھے لباس کے اندر پسینہ آتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے جیکٹ کی زپ کھول لی۔ یہاں پہنچ کر میں نے عقب میں دیکھا مگر جہاں تک دھند اجازت دیتی تھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب ہم آواز نہیں نکال رہے تھے۔ راجا عمر دراز نے رک کر اپنا اِن ہیلر استعمال کیا اور پھر اشارے سے مجھے کہا کہ ہمیں چلنا چاہیے۔ جب کہ میں چاہتا تھا کہ ہم کچھ رک کر سستا لیں۔ خاص طور سے راجا عمر دراز۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ اگر برفانی آدمی پاس آ چکے تھے تو ہمیں بے خبری میں ان کا شکار ہونے کی بجائے ان کو شکار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔

میں نے آس پاس کا جائزہ لیا اور راستے کے ساتھ چٹان میں موجود ایک چھوٹے سے خلا کی طرف اشارہ کیا۔ راجا عمر دراز نے دیکھا اور سمجھ گیا وہ سر ہلاتا ہوا اس کی طرف چلا گیا۔ میں نے رونی کو بھی اسی سمت جانے کا اشارہ کیا۔ میں خود راستے پر ذرا اوپر چڑھا اور ایک ابھرے پتھر کے ساتھ یوں ٹک گیا کہ مجھے نیچے نظر آ رہا تھا۔ اب اس طرف سے چاہے کوئی راستے سے آتا یا ڈھلان سے اوپر چڑھتا میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے رائفل اتار لی تھی۔ نیچے رونی بھی ہوشیار تھا اور وہ مزید نیچے زیادہ بہتر دیکھ سکتا تھا۔ چند منٹ اسی طرح گزرے۔ اچانک مجھے اوپر سے جیسے کنکر گرنے کی آواز آئی۔ میں دیوار کے ساتھ مزید چپک گیا۔ اوپر کوئی تھا جو مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر خطرہ اسی سمت میں تھا۔ میں رائفل کا رخ اوپر کی طرف کر رہا تھا کہ ایک برفانی آدمی اوپر سے میرے عین سامنے کودا اور اس نے میرے شانوں کو دبوچ لیا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ میں رائفل سامنے ہونے کے باوجود اس پر فائر نہیں کر سکا تھا۔ اصل میں رائفل کا رخ اوپر کی طرف تھا اور وہ ایک لمحے میں اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے سے گزر گیا۔

برفانی آدمی نے خوفناک غراہٹ کے ساتھ مجھے اتنی قوت سے دیوار پر مارا کہ مجھے لگا کہ میں چٹان میں گھس گیا ہوں۔ ظاہر ہے میں چٹان میں نہیں گھسا تھا بلکہ چٹان نے میری پشت کو دبا دیا تھا اور میری ہڈیوں کو توڑ ڈالا تھا۔ تکلیف کی ایسی لہر تھی جس نے میرا جسم سن کر دیا اور مجھے لگا کہ میری ریڑھ کی ہڈی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے۔ شدت تکلیف سے میں برفانی آدمی کے ہاتھوں میں جھول کر رہ گیا۔ مجھے بے بس پا کر وہ بھیانک انداز میں غرایا۔ اس کے سیاہی مائل بڑے دانت اس کے کھلے منہ سے جھانک رہے تھے اور منہ سے ایسی بو آ رہی تھی کہ میرا دل مالش کرنے لگا تھا۔ رائفل بدستور میرے ہاتھ میں تھی مگر شانوں پر آنے والے دباؤ کی وجہ سے میرے ہاتھ بیکار ہو گئے تھے۔ پھر بھی میں نے کوشش کی اور رائفل کا ٹریگر دبانا چاہا۔ نال کا رخ اب اوپر کی طرف تھا۔ اسے گولی نہیں لگ سکتی تھی مگر گولی چلتی تو شاید وہ ڈر کر مجھے چھوڑ دیتا۔ یہ اور بات تھی کہ میری انگلیوں میں اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ میں ٹریگر دبا دیتا۔

اس نے مجھے پھر اپنے قریب کیا اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھے دوبارہ چٹان پر مارنا چاہتا ہو۔ اس بار شاید رہی سہی کسر پوری ہو جاتی۔ پہلی بار میں میرا سر بچ گیا تھا اور اس بار وہ میرا سر مارنا چاہتا تھا۔ میں نے جسم و جان کی ساری قوت جمع کی اور حلق کے بل دھاڑا۔ اس دھاڑ نے اثر کیا اور وہ جھجکا۔ اس کی گرفت کمزور ہوئی اور میں نے رائفل کا ٹریگر دبا دیا برسٹ نے اس کے ساتھ میرے کانوں کو بھی جھنجھنا دیا تھا مگر میں عادی تھا اور وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ اس کی گرفت مزید کم ہوئی تھی اور اگلی بار میں نے نال کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر دبایا اور برسٹ نے اس کا چہرہ اڑا دیا۔ نزدیک سے یہ نہایت خوفناک منظر تھا۔ اس نے میرے شانے کھینچے۔ اصل میں وہ گر رہا تھا اور اس کی گرفت بدستور میرے شانوں پر قائم تھی۔ میں اس کے ساتھ کھنچا جا رہا تھا۔ یہاں راستہ بہت تنگ تھا اور اس کے نیچے لامحدود گہرائی تھی۔

میں اس گہرائی کی طرف جھک رہا تھا کہ مجھے جھٹکا لگا اور اس کے ساتھ ہی برفانی آدمی کے ہاتھ میرے شانے سے چھوٹ گئے۔ وہ پھیلے ہاتھوں کے ساتھ دھند میں غائب ہو گیا اور میں واپس آ گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا یہ راجا عمر دراز تھا جس نے مجھے بیگ کی اسٹرپ سے پکڑ کر واپس کھینچ لیا تھا۔ اس نے دوسرا ہاتھ ابھرے پتھر پر جما رکھا تھا تاکہ اپنا توازن برقرار رکھ سکے۔ میں واپس آیا اور سکون کا سانس لیا۔ اللہ نے ایک بار پھر مجھے محفوظ رکھا تھا۔ اس بار اس نے راجا عمر دراز کو وسیلہ بنایا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''احتیاط سے بیٹے تم بہت سے لوگوں کے لیے بہت قیمتی ہو۔''

''شکریہ، آپ نے بروقت تھام لیا۔''

''یہ کیا ہے۔'' راجا عمر دراز نے عقب میں چٹان کی طرف اشارہ کیا جس پر برفانی آدمی نے مجھے دے مارا تھا اور مجھے لگا تھا کہ میری پشت کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئی ہیں۔ میں اب تک اپنی جسمانی کیفیت چیک کر رہا تھا کہ مجھے کیا ہوا ہے اور نقصان کس حد تک ہے۔ میں آرام سے کھڑا ہوا تھا اور پشت میں درد تھا مگر یہ ناقابل برداشت نہیں تھا۔ جب راجا عمر دراز نے توجہ دلائی تب پتا چلا کہ اصل میں میری پشت نہیں بلکہ چٹان میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی اور برفانی آدمی نے مجھے جہاں مارا تھا وہاں چٹان ٹوٹ گئی تھی اور اس میں ایک خلا نمودار ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجا عمر دراز اندر جھانک رہا تھا پھر اس نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی اور بولا۔ ''یہ تو کوئی سرنگ لگ رہی ہے۔''

میں نے بھی اندر دیکھا واقعی یہ سرنگ تھی جو اوپر سے نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ مجھے یاد آیا۔ ''آپ نے بتایا تھا کہ چٹانوں کے اندر بھی کوئی پوشیدہ راستہ ہے جو اوپر سے نیچے تک جاتا ہے اور شاید صرف برف والا اس سے واقف ہے۔''

''ہاں میں نے ایسا ہی ذکر کیا تھا۔''

''کہیں یہ وہی راستہ تو نہیں ہے۔''

رونی آس پاس دیکھ رہا تھا کہ مزید برفانی آدمی تو نہیں ہیں کہ ڈھلان کی طرف سے پتھر گرنے کی آواز آئی اور ہم سب چونک گئے۔ راجا عمر دراز نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ''اس میں چلو، وہ مزید ہیں۔ یہاں آنے والے ہیں۔''

''پہلے آپ جائیں۔'' میں نے بیگ اتارتے ہوئے کہا کیونکہ میں بیگ سمیت نہیں جا سکتا تھا۔ رونی نے راجا عمر دراز کو اندر جانے میں مدد دی۔ وہ اندر گیا تو میں نے اسے اپنا بیگ پکڑا دیا۔ پھر میں گیا۔ راستہ بہت تنگ تھا اور میں بڑی مشکل سے سمٹ سمٹا کر اندر گیا تھا۔ چٹان کمزور نہیں تھی کیونکہ ٹوٹ جانے والے حصے کے علاوہ یہ باقی طرف سے خاصی موٹی تھی۔ صرف یہی حصہ پتلا تھا۔ یوں لگ رہا تھا قدرت نے خاص طور سے ہمارے لیے یہ راستہ بنایا تھا۔ میں اندر گھسا تو رونی نے مجھے اپنا بیگ تھما دیا۔ اب وہ خود اندر آ رہا تھا۔ اس کا سر اور اوپری جسم اندر آیا تو میں نے اسے سہارا دے کر اندر کرنا چاہا۔ اچانک اسے جھٹکا لگا اور وہ تیزی سے واپس گیا تھا۔ مجھے ایک لمحہ لگا صورت حال بھانپنے میں اور میں نے دیوار پر پاؤں جماتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ اب تک باہر جا چکا ہوتا۔

رونی چیخ رہا تھا۔ برفانی آدمی نے اس کے پاؤں پکڑ لیے تھے اور اسے باہر کھینچ رہا تھا۔ راجا عمر دراز اپنا پستول لے کر آگے آیا اور سوراخ میں جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے وہ برفانی آدمی پر گولی چلا سکے مگر بدقسمتی سے رونی کا کولہے والا حصہ خلا میں پھنسا ہوا تھا اور اس میں بالکل بھی گنجائش نہیں تھی۔ باہر سے ایک زوردار جھٹکے سے اسے کھینچا گیا تو وہ پیٹ تک باہر چلا گیا تھا اور صرف اس کا سینہ اور سر اندر رہ گیا تھا۔ اچانک اس کی آنکھیں پتھرانے لگیں اور وہ یوں سانس لینے لگا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو باہر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کوئی درندہ کسی جاندار کو چیر پھاڑ رہا ہو اور حقیقتاً ایسا ہی تھا۔ میں جو پوری قوت صرف کر کے رونی کو اندر کھینچ رہا تھا۔ اچانک کامیاب رہا اور اس سمیت پیچھے جا گرا۔ خلا ہوتے ہی راجا عمر دراز نے باہر کی طرف لگاتار فائر کیے۔ ایک غراہٹ سنائی دی۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ برفانی آدمی نشانہ بنا ہے یا عادتاً غرایا ہے۔

میں جلدی سے اٹھا اور پھر ساکت رہ گیا کیونکہ رونی پورا نہیں آیا تھا اس کا پیٹ کے نیچے کا دھڑ باہر ہی رہ گیا تھا اور صرف سینہ اور سر اندر آیا تھا۔ برفانی آدمی نے اسے زندہ ہی چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ آخری دموں پر تھا۔ میں دم بہ خود اسے دیکھ رہا تھا اور چند سانس لے کر اس نے دم توڑ دیا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور نیچے بیٹھ گیا۔ چھ سات گھنٹے پہلے تک میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آنے والے چند گھنٹے اس قدر خوفناک اور خونریز گزریں گے۔ ہمارے سارے ساتھی مارے جا چکے تھے اور میرے ساتھ صرف راجا عمر دراز باقی بچا تھا۔ وہ بھی تھکے اندا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ شاید اس نے بھی نہیں سوچا ہوگا کہ اس کی خواہش پر اتنے انسان اپنی جان وار دیں گے۔ رونی کے جسم سے نکلنے والا خون سرنگ کے فرش پر پھیل رہا تھا اور اب باہر خاموشی تھی۔ مگر یہ خاموشی زیادہ دیر برقرار نہیں رہتی۔ جب تک ایک بھی برفانی آدمی زندہ تھا وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اچانک ایک بالوں بھرا ہاتھ خلا سے اندر آیا اور اس نے ناقابلِ یقین انداز میں دراز ہو کر رونی کا جسم پکڑا اور اسے کھینچ کر لے گیا۔ جب تک میں اٹھتا وہ اسے کسی نہ کسی طرح کھینچ کر سوراخ سے نکال چکا تھا۔ میں سوراخ کی طرف جھپٹا تھا کہ راجا عمر دراز نے کہا۔

''کوئی فائدہ نہیں۔''

''تب اس کا کیا فائدہ۔'' میں نے سرنگ کی طرف اشارہ کر کے تلخ لہجے میں کہا۔ ''کیا یہاں ہم بچ جائیں گے۔''

''یہ کم سے کم یہاں اندر نہیں آسکتے ہیں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''آپ کو آگے کی فکر بھی نہیں ہے۔'' میں سچ مچ چڑ گیا تھا اور اس وقت راجا عمر دراز مجھے بہت خود غرض شخص لگا تھا جسے صرف اپنے مفاد کی فکر تھی اور ان لوگوں کا کوئی خیال نہیں تھا جو اس کے مفاد کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ یہ بے شمار لوگ تھے۔ اس وقت وہ مجھے بالکل ڈیوڈ شا کی طرح لگا جو انسانوں کو صرف استعمال کی چیز سمجھتا تھا۔

''تم کیا سمجھتے ہو کہ مجھے فکر نہیں ہے۔'' اس نے سکون سے کہا۔

''شاید ایسا ہی ہے کیونکہ آپ کا انداز بتا رہا ہے کہ آپ واپس جانے کے لیے نہیں آئے ہیں اس لیے دوسرے جاتے ہیں یا نہیں اس کی آپ کو پروا نہیں ہے۔''

''تم غلط سمجھ رہے۔'' اس نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔ ''اور کیا تم تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے ہو؟''

''رکھتا ہوں۔'' میں ذرا دھیما پڑ گیا تھا۔

''تب یوں کیوں نہیں سوچتے کہ یہ سب تقدیر میں تھا۔ ان سب کی موت اسی طرح لکھی تھی۔ انہیں یہاں آنا ہی تھا۔''

میں نے چند لمحے بعد گہری سانس لی۔ ''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میں انسان ہوں جذباتی ہو جاتا ہوں۔''

''تم جوان ہو تم نے ابھی لمبی عمر جینا ہے لیکن میں موت کو سامنے دیکھ رہا ہوں اور ایسے شخص کے لیے زندگی کی اہمیت وہ نہیں رہتی ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اس کے باوجود اتنے لوگوں کو یوں مرتے دیکھنا جو آپ کے نزدیک ہوں آسان کام نہیں ہے۔ سچی بات ہے میں اپنے اعصاب پر اس کا بہت دباؤ محسوس کر رہا ہوں۔''

راجا عمر دراز نے رونی کے بیگ سے ایک انرجی ڈرنک نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ''یہ لو تمہیں اس کی ضرورت ہے۔''

میں عام طور سے ایسی مصنوعی ڈرنکس پسند نہیں کرتا ہوں لیکن اس وقت میں نے لے کر ٹن کھولا اور چند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھونٹ میں ٹن خالی کر دیا۔ مجھے پہلی بار علم ہوا کہ میرا گلا کیسے خشک ہو رہا تھا اور ڈرنک نے اسے تر کر دیا تھا۔ اب میں بہتر محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر رونی کے فرش پر رہ جانے والے خون سے نظریں چراتے ہوئے سرنگ کا جائزہ لیا۔ ایک طرف یہ اوپر جا رہی تھی اور دوسری طرف نیچے جا رہی تھی اور اس کی ساخت میں انسانی ہاتھوں کی کاریگری واضح تھی۔ ترچھا فرش جان بوجھ کر کسی قدر کھردرا رکھا گیا تھا تاکہ اس پر قدم اچھی طرح جمیں اور دیواروں وچھت کو تراش کر ایسی صورت دی گئی تھی کہ اس میں چلتے ہوئے آدمی کو کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ چھت کی اونچائی سات فٹ تھی اور سرنگ کی چوڑائی ساڑھے پانچ یا چھ فٹ تھی۔ میں نیچے کی طرف بڑھا اور جہاں سے سرنگ مڑ رہی تھی۔ نیچے جھانک کر دیکھا تو یہ تقریباً چالیس درجے زاویے پر نیچے جاتی دکھائی دی اور کوئی بیس پچیس گز بعد پھر مڑ رہی تھی۔ میں نے مڑ کر راجا عمر دراز سے کہا۔

''اگر آپ کہیں تو آگے بڑھیں۔''

''بالکل۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے دونوں بیگ اٹھا لیے اور ہم نیچے جانے لگے۔ فرش اتنا ترچھا تھا کہ اس پر قدم خود بہ خود تیز اٹھ رہے تھے اور ہم نہ چاہنے کے باوجود تقریباً دوڑتے ہوئے نیچے جا رہے تھے۔ کوئی تین سو گز نیچے جانے کے بعد سرنگ دائیں طرف گھوم گئی اور اب یہ تقریباً سیدھی جا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ہم کسی اندرونی غار میں نکلیں گے۔ مگر غار کی بجائے ہم ایک بہت بڑے ہال میں نکلے جس کا بڑا حصہ ایک جھیل پر مشتمل تھا۔ ایک طرف چھت سے پانی کسی آبشار کی طرح جھیل میں گر رہا تھا اور اس کے وسط میں بننے والا بھنور بتا رہا تھا کہ وہاں کوئی سوراخ تھا جس سے یہ پانی مزید نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ اوپر سے یہ پانی یقیناً برف پگھلنے سے نیچے آ رہا تھا مجھے یاد آیا کہ نیچے آتے ہوئے وادی کی ایک دیوار کے اندر سے پانی بہنے کی آواز آ رہی تھی۔ اوپر سے نہ جانے ایسے کتنے چشمے نیچے آتے ہوں گے اور وادی میں بسنے والے انسانوں، حیوانات اور نباتات کی ضرورت پوری کرتے ہوں گے۔ میں نے یخ بستہ پانی میں ہاتھ ڈالا اور اسے پیا تو اس کی ٹھنڈک اور تازگی نے جیسے مجھے اندر تک بھر دیا تھا۔

راجا عمر دراز نے پانی کے پاس آنے سے گریز کیا۔ شاید سرد پانی اس کے لیے ٹھیک نہیں تھا۔ مگر میں نے دل بھر کر منہ ہاتھ دھویا اور جہاں جہاں خون اور آلائشوں کے دھبے آئے تھے انہیں صاف کیا۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی کہ پانی تقریباً سیال برف کی طرح سرد تھا۔ یہاں سے ایک راستہ دوبارہ سرنگ کی صورت میں نیچے جا رہا تھا۔ مگر یہ راستہ ہال کے دوسرے سرے میں تھے اور وہاں تک جانے کے لیے ہمیں جھیل کے کنارے ہو کر جانا پڑتا۔ میں تازہ دم ہوا تو ہم آگے روانہ ہوئے بعض جگہوں پر پانی دیواروں تک آ گیا تھا اور ہمیں پانی سے گزرنا پڑا۔ شاید یہ جھیل کا پیک تھا کیونکہ جلد ہی اوپر موسم سرما شروع ہو جاتا اور پانی کی آمد کم ہو جاتی اس کے بعد جھیل رقبہ سکڑ جاتا۔ ہم نے ٹارچ نکال لی تھیں اور ان کی روشنی میں سفر کر رہے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد ہم مزید کوئی آدھ کلومیٹر نیچے آ چکے تھے اور اب موسم واضح تبدیل ہو گیا تھا۔

ولیم شانے طیارے کے آلٹی میٹر سے اندازہ لگایا تھا کہ ہم وادی کے کنارے، سطح سمندر سے کوئی سو ہزار فٹ کی بلندی پر تھے جب کہ وادی کی سطح کوئی سات ہزار فٹ کے قریب بلند تھی۔ اس طرح اس کی دیوار کی گہرائی کوئی نو ہزار فٹ یا تین کلومیٹر بنتی تھی۔ میں نے جو پیمائشیں بتائی ہیں پہاڑوں کے لحاظ سے ان کی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاص حیثیت نہیں ہے۔

پاکستان کے شمالی علاقے میں اس سے زیادہ اونچائیاں اور گہرائیاں ہیں۔ صرف نانگا پربت کی چوٹی کے نیچے ایک چٹان ہے جو ساڑھے چار ہزار میٹرز اونچی ہے۔ دنیا میں کہیں بھی اتنی اونچی اور سیدھی چٹان نہیں ہے۔ قراقرم اور ہمالیہ میں ایک ایک گلیشیر اتنا بڑا ہے جو اس وادی کو بھرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان میں سے بعض گلیشیرز کی لمبائی سو کلومیٹرز سے زیادہ ہے اور ان میں جمی برف کی موٹائی کئی کلومیٹرز بنتی ہے۔

میرا اندازہ تھا کہ ہم کوئی ڈیڑھ کلومیٹر تک وادی میں اتر چکے تھے۔ راجا عمر دراز کی بتائی کہانی کے مطابق برف والا بوڑھا تقریباً اتنی ہی بلندی پر قیام کرتا تھا کیونکہ یہاں تک برف کی حد تھی اور اس سے نیچے گرمیوں میں بھی برف نہیں ہوتی تھی۔ میدانوں کے قریب پہاڑوں میں برف گرمیوں میں بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر بھی پگھل جاتی ہے۔ جب کہ جو جگہیں پہاڑوں کے درمیان ہوں وہاں دس ہزار فٹ کی بلندی پر بھی برف موجود رہتی تھی لیکن اس وادی میں گرمائش کا کوئی اپنا سسٹم تھا جس کی وجہ سے یہاں گیارہ ہزار فٹ تک برف صاف ہو جاتی تھی۔ ویسے بھی اوپر سے نیچے تک برف ٹکنے والی جگہیں بہت کم تھیں۔ اس لیے اگر کہیں برف ہوتی بھی تو بہت کم ہوتی تھی۔ میں نے راجا عمر دراز سے کہا۔ ''ہم برف والے بوڑھے کے ڈیرے کے پاس پہنچ گئے ہیں۔''

''اگر ہم باہر ہوتے تو میں بتا سکتا تھا مگر یہاں بتانا مشکل ہے کہ ہم اس کے ڈیرے کے پاس ہیں یا نہیں۔''

اس کے باوجود کہ اب تک کوئی جگہ ایسی نہیں آئی تھی جہاں کسی آدمی کا کوئی نشان بھی نظر آتا۔ میں مطمئن تھا کہ ہم درست سرنگ میں سفر کر رہے تھے۔ ہم ایک موڑ سے مڑے تو ٹھٹک گئے کیونکہ پہلی بار سرنگ میں دو راستے دکھائی دیئے۔ تھے۔ ایک تقریباً سیدھا جا رہا تھا مگر دوسرا اس کے دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ ہم دائیں طرف جانے والے راستے پر آئے اور اندر روشنی ڈالی تو خلاف توقع یہ راستہ کسی قدر اوپر جاتا دکھائی دیا۔ سرنگ بھی الٹی سمت میں مڑ رہی تھی جیسے گھوم کر واپس اسی سمت میں جا رہی ہو جہاں سے ہم آ رہے تھے۔ اس کا زاویہ ہمارے لیے غیر متوقع تھا۔ راجا عمر دراز نے جھانکا اور بولا۔ ''شاید یہ کوئی سابق حصہ ہے جو کسی وجہ سے بند ہو گیا اور اس کی جگہ یہ سرنگ بنائی گئی ہو گی۔''

راجا عمر دراز نے اس سرنگ کی طرف اشارہ کیا جہاں سے ہم آ رہے تھے وہ اسے نیا راستہ قرار دے رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں مڑنے کی بجائے جو راستہ نیچے جا رہا تھا اسی پر سفر جاری رکھنا چاہیے تھا۔ مگر میری عقل کہہ رہی تھی کہ یہ راستہ متروک نہیں ہے۔ اول تو وہ صاف ستھرا تھا جیسے استعمال ہوتا رہا ہے اور دوسرے وہ اس راستے سے الگ محسوس ہو رہا تھا۔ گویا اسے بعد میں بنایا گیا تھا۔ جب کہ دونوں طرف سیدھی سرنگ پہلے سے بنی ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے سیدھی سرنگ تو یہی تھی جس سے ہم سفر کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے اور یہی آگے بھی جا رہی تھی۔ راجا عمر دراز کی بات درست نہیں تھی کہ یہ راستہ الگ سے ہے اور متروک ہو گیا ہو گا۔ میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ''ہمیں اس پر جانا چاہیے۔''

اس نے اصرار کیا۔ ''یہ واپس اوپر جا رہا ہے اور ہمیں اوپر نہیں جانا ہے۔''

''ضروری نہیں ہے کہ یہ اوپر ہی جائے ممکن ہے یہ کسی ایسی جگہ نکل رہا ہو جہاں سے ہمیں برف والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ٹھکانے یا نیچے وادی تک رسائی ہو سکے۔''

''اس کے لیے یہ راستہ ہے۔'' راجا عمر دراز نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے یہ نیچے وادی کی طرف جا رہا ہے۔''

میں چونکا۔ راجا عمر دراز کے لہجے میں جیسی بے تابی نیچے وادی کا ذکر کرتے ہوئے آئی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ اسے برف والے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اصل میں وادی تک رسائی چاہتا تھا۔ وادی جہاں سامیرا تھی۔ اس کا گمان تھا کہ وہ اب تک زندہ ہوگی کیونکہ اس وادی کے لوگ طویل عمر پاتے تھے۔ برف والا اس کے لیے ایک ضمنی کردار تھا۔ اس کے لیے اصل اہمیت حسین سامیرا کی تھی۔ وہ اسی کے لیے اتنے عرصے سے آنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا مگر میں نے راجا سے بحث نہیں کی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''آپ یہیں رکیں میں آگے تک دیکھ کر آتا ہوں اگر یہ کسی جگہ نکلا یا بند ہوا، دونوں صورتوں میں، میں واپس آجاؤں گا۔''

راجا عمر دراز کی جھنجلاہٹ بڑھ گئی تھی۔ ''شہباز تم وقت ضائع کر رہے ہو۔''

''اتفاق سے ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے یہی چیز بچی ہے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور سرنگ کی طرف بڑھ گیا پہلے میں نے سوچا تھا کہ بیگ اتار دوں مگر پھر میں انہیں لیے ہی اندر داخل ہوا سرنگ اسی سائز اور انداز کی تھی اور یہ نیم دائرے میں گھوم کر اوپر جا رہی تھی۔ مگر پہلا موڑ آتے ہی یہ سیدھی ہوگئی یعنی اب یہ اوپر نیچے نہیں جا رہی تھی بلکہ لیول پر تھی مگر دائیں طرف اس کا گھماؤ جاری تھی۔ میں حیران تھا کہ اتنے گھماؤ کے بعد تو اسے منطقی طور پر باہر کھلی جگہ نکل جانا چاہیے تھا مگر فوراً ہی میری سمجھ میں آگیا۔ ''لاشعوری طور پر ہم اب بھی سرنگ کے ایک طرف وادی کی دیوار تصور کر رہے تھے۔ جب کہ عین ممکن تھا کہ یہ سرنگ دیوار سے بہت دور چٹانوں کے کہیں درمیان سے گزر رہی ہو۔ سخت چٹانوں میں اس سرنگ کو کاٹنے اور یوں ہموار کرنے میں اگر سینکڑوں نہیں تو کئی عشروں کا عرصہ ضرور لگا ہوگا۔

میں گھومتا ہوا سرنگ کے آخری حصے میں پہنچا تو اسے یوں بند پایا کہ سامنے ایک ہموار اور تراشیدہ دیوار تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں اوپر سے نیچے جانے والی سرنگ کے پاس ہی کہیں تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ جب اسے بند کرنا تھا تو بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر عقل نے دوبارہ میری رہنمائی کی اور میں دیوار پر ہاتھ پھیر کر اس راستے کا لاک تلاش کرنے لگا جسے دبانے یا کچھ کرنے سے یہ خفیہ راستہ کھل سکتا تھا۔ میں ٹارچ کی روشنی ہر طرف ڈال رہا تھا۔ مگر کوئی ایسی چیز نہ تو مل رہی تھی اور نہ ہی دکھائی دے رہی تھی۔ البتہ جیسے ہی میں ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کھڑا ہوا ہلکی سی گھرگھراہٹ کے ساتھ پتھر کی سل میرے سامنے سے سرک گئی اور دوسری طرف روشنی نظر آنے لگی۔ میں حیران ضرور ہوا مگر فوراً ٹارچ بند کر دی اور محتاط قدموں سے باہر آیا تو خود کو ایک درمیانے سائز کے کمرے میں پایا۔ یہاں فرش اور دیواروں پر بے شمار خوب صورت اشیاء سجی ہوئی تھیں۔

بیشتر اشیاء شیشے کی تھیں۔ یہاں ایسی تصویریں بھی آویزاں تھیں جیسی میں نے راجا عمر دراز کے پاس دیکھی تھی۔ ان تصویروں میں یہاں وادی کے مناظر بیان کیے گئے تھے۔ دیواروں کے ساتھ تراشے ہوئے پتھر کے اسٹولز پر ویسے ہی سیاہ خول رکھے تھے جن میں کوئی سیال بھرا ہوتا ہے جو روشنی جذب اور خارج کرتا ہے۔ اس وقت ان سے روشنی خارج ہو رہی تھی اور اسی سے یہ جگہ روشن تھی۔ یہاں وادی میں استعمال ہونے والے جنگجو ہتھیار سجے ہوئے تھے اور حیرت انگیز طور پر جدید اسلحہ بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ جدید اسلحہ جس میں کئی رائفلیں، شاٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گنز، پستول اور چند ہینڈ گرینیڈز بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف ریک میں سجے ہوئے تھے۔ اس کے پاس لکڑی کی ریلنگ پر ہینگ کیے ہوئے عجیب کپڑے کے بنے لبادے تھے۔ ان کے ساتھ ہی مختلف سائز کے جوتے اور چپلیں رکھی تھیں۔ اس سنہری اہرام کا ایک چھوٹا ماڈل بھی رکھا ہوا تھا اور اس کے اوپر حصے پر ایک شفاف ہیرا ٹنکا ہوا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے اہرام چھو کر دیکھا تو اسے سچ مچ خالص سونے کا پایا۔

دھات بالکل سونے کی طرح ملائم اور دبنے والی تھی میں دنگ رہ گیا۔ اس ایک میٹر اونچے اہرام کا وزن شاید ٹن کے آس پاس ہوگا۔ اس کے پاس ہی لائن سے نصف درجن تاج رکھے تھے جو سونے یا اس سے ملتی جلتی کسی دھات کے تھے لیکن ان کی اصل مالیت ان پر لگے ہوئے جواہرات کی تھی۔ سنہری لکڑی سے بنا ہوا فرنیچر رکھا تھا۔ یہ سارے کا سارا تقریباً فرنیچر تھا۔ کرسیاں، میزیں، صوفے اور اسٹول تھے۔ یہ جگہ قیمتی اشیاء سے مالا مال تھی۔ مگر میں ان چیزوں کی تلاش میں نہیں آیا۔ سچ تو یہ ہے کہ نیچے آنے کے بعد مجھے اس حیرت انگیز آدمی کی تلاش تھی جس نے میری زندگی کا رخ بدل دیا تھا اور مجھے یہاں بلوا لیا تھا جب کہ میں یہاں آنا نہیں چاہتا تھا۔ آغاز میں مجھے اس کمرے سے باہر جانے کا راستہ نظر نہیں آیا لیکن جلد میں نے ایک دیوار سے ملتا جلتا چمڑے کا بنا ہوا پردہ دریافت کر لیا۔ دروازہ اس کے عقب میں تھا۔ میں کمرے میں داخل ہوا اور ششدر رہ گیا۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ کمرہ پورے کا پورا سنگ مرمر جیسے کسی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس کے ایک طرف بہت بڑی کھڑکی تھی۔ اس پر حریری پردے لہرا رہے تھے۔ یہاں بھی دیواروں پر وہی خول لگے تھے جو بلب کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ ششدر رہ جانے کی وجہ کمرے کے وسط میں ایک نہایت عالی شان اور خوب صورت مسہری پر لیٹی اوشا تھی۔ شانوں سے پنڈلیوں تک بے حد سفید لبادے میں ملبوس یوں محوخرام تھی کہ صرف اس کا سینہ حرکت پذیر تھا اور لباس اس کے بدن پر کسی مجسمے ساز کی طرح سنگ تراشی کر رہا تھا۔ اس کی زلفیں تکیے پر بکھری ہوئی تھیں۔ میں بے ساختہ اس کی طرف بڑھا تھا کہ رک گیا مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور میں نے پہلی بار اس بوڑھے کو دیکھا۔ استخوانی جسم پر صرف ایک معمولی سا سفید پاجامہ تھا۔ اس کے براق سفید بال اور داڑھی اس کے شانوں اور سینے کو چھپا رہی تھی اور آنکھوں میں شاید دیواروں پر لگے بلبوں سے زیادہ روشنی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں پہچان گیا کہ وہ کون ہو سکتا تھا۔

''آپ.....'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''ہاں میں۔'' وہ مسکرایا تو جیسے کمرے کی روشنی بڑھ گئی تھی۔ میں حیران ہوا کہ کوئی مرد اور وہ بھی اتنا عمر رسیدہ اتنے دل کش انداز میں مسکرا سکتا ہے۔ ''میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

''کیوں؟'' یہ سوال بھی میں نے غیر ارادی طور پر کیا تھا۔ میں نے غور نہیں کیا کہ وہ کون سی زبان بول رہا ہے۔ لیکن مجھے اس کے الفاظ اردو میں سنائی دے رہے تھے اور میں اسے اردو میں جواب دے رہا تھا۔

''تم جان جاؤ گے۔'' اس نے کہا اور میرے پاس آیا۔ اس نے بڑی محبت سے میرا ہاتھ تھاما تو میرے پورے جسم میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ لیکن یہ ناگوار نہیں تھی بلکہ پُر کیف تھی۔ اس نے پھر دہرایا۔ ''میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھ پر اس بات کی اہمیت واضح کر دینا چاہتا ہو کہ وہ بہت عرصے سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے سر ہلایا اور اوشا کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں حیران ہوں کہ یہ یہاں کیسے آئی؟''

اس بار اس نے اتنی ہی محبت سے اوشا کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''یہ بہت باہمت اور بہادر لڑکی ہے۔ اس سے بچ آئی جس سے کوئی مشکل سے ہی بچتا ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے برفانی آدمی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ''مجھے اس کا بھی انتظار تھا مگر میں جانتا تھا اس کی آمد تم سے مشروط ہے۔''

برف والے کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اسے ایک سے زیادہ لوگوں کا انتظار تھا۔ میں نے کہا۔ ''میرے ساتھ راجا عمر دراز بھی آیا ہے وہ سرنگ کے دہانے پر موجود ہے۔''

اس نے میری بات کو سرسری سا لیا۔ ''ہاں وہ بھی آیا ہے مگر مجھے اس کا انتظار نہیں تھا۔''

''کیا میں اسے لا سکتا ہوں۔ وہ اکیلا اور بیمار ہے۔''

''اب وہ اکیلا نہیں ہے مگر بیمار ضرور ہے۔'' برف والے نے کہا تو میں چونک گیا۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں وہ کہاں ہے؟''

''وہ اس جگہ نہیں ہے۔ وہ دیکھو۔'' اس نے مسہری کے سامنے لگی بہت بڑی سی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کی طرف اشارہ کیا اور اس کا ایک حصہ جیسے ٹی وی بن گیا۔ اس میں سرنگ کا وہ دوراہا دکھائی دے رہا تھا جہاں میں راجا عمر دراز کو چھوڑ کر آیا تھا اور وہ جگہ اب خالی تھی۔ میں اس کرتب پر قطعی حیران نہیں ہوا۔ مجھے لگا کہ اس کے لیے یہ معمولی سی بات تھی۔ اس کی بجائے میں بے چین ہو گیا۔

''وہ کہاں گیا؟''

''وہ کہیں بھی اور کسی کے ساتھ بھی گیا ہو وہ یہیں آئے گا۔''

اتنی دیر میں برف والے نے کسی ایک سوال کا بھی ڈھنگ سے جواب نہیں دیا تھا مگر عجیب بات تھی کہ مجھے ایک بار بھی الجھن نہیں ہوئی۔ میں اس کے جوابوں سے بالکل مطمئن تھا۔ مجھے راجا عمر دراز کی فکر ضرور تھی مگر برف والے کی طرف سے اطمینان دلانے پر میری فکر ختم ہو گئی اور میں نے اوشا کی طرف دیکھا۔ ''کیا یہ سو رہی ہے یا بے ہوش ہے؟''

''آرام میں ہے اس نے کچھ وقت بہت مشکل گزارا ہے۔ یہ اسی کی ہمت ہے جو بچ کر یہاں تک آ گئی ابھی اسے آرام کی ضرورت ہے۔''

راجا عمر دراز نے رانا ویاس کے حوالے سے بتایا کہ جب وہ برفانی آدمی کی مادہ کے جبر کا شکار ہو کر مرنے کے قریب ہو گیا تھا تب برف والے نے اس کی مدد کی تھی اور اس کا علاج کیا تھا۔ تب وہ بہت دنوں تک سوتا رہا تھا صرف کھانے پینے اور رفع حاجت کے لیے اٹھتا تھا۔ برف والا اسے کچھ انوکھی غذائیں کھانے پینے کو دیتا تھا۔ شاید اوشا کو بھی ایسی ہی کوئی چیز دی جا رہی تھی اور وہ سو کر اپنی توانائی بحال کر رہی تھی۔ میں نے جھجک کر پوچھا۔ ''یہ محفوظ ہے نا میرا مطلب ہے اس کی عزت.....''

''تم جانتے ہو کوئی اس کے پاس نہیں آ سکتا ہے۔''

''کیا آپ نے اس کی مدد کی تھی؟''

اس بار بھی اس نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ ''سب کی مدد ایک ہی ہستی کرتی ہے جب تک وہ نہ چاہے کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''آپ نے ٹھیک کہا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے پھر محبت سے میری طرف دیکھا۔ جب وہ یوں دیکھتا تو لگتا جیسے مجسم محبت ہو۔ اس میں اس جذبے کے سوا کسی دوسرے جذبے کی ذرا بھی آمیزش نہ ہو۔ ''تم بھوکے ہو کچھ کھاؤ گے؟''

''ہاں میں بھوکا ہوں۔'' میں نے بلا تکلف کہہ دیا۔ ساتھ ہی میں حیران ہوا کیونکہ میں کتنا ہی بھوکا کیوں نہ ہوں کسی شخص سے پہلی ملاقات میں اس طرح اقرار نہیں کر سکتا مگر اس شخص میں نہ جانے کیا بات تھی مجھے اس سے کوئی پردہ ہی محسوس نہیں ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ میری شخصیت کی کھلی کتاب اس کے سامنے ہو۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے کہا اور ایک طرف دیوار کی طرف بڑھا اور جیسے ہی دیوار کے پاس پہنچا اس میں جیسے خود بہ خود دروازہ نمودار ہوا۔ میں اس کے پیچھے آیا اور دیوار کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بہت مہارت سے پتھر کا دروازہ یوں جوڑا گیا تھا کہ وہ کسی میکنزم کے تحت سرک کر خلا پیدا کرتا تھا جیسے ہی میں گزر کر دوسری طرف آیا دروازہ خود بند ہو گیا۔ ہم ایک چھوٹی سی سرنگ میں کھڑے تھے۔ برف والا آگے بڑھنے لگا۔ اس کا جسم استخوانی مگر بدہیت نہیں تھا۔ اس کا بدن یوں شفاف تھا کہ اس پر کہیں ذرا بھی میل کا شائبہ نہیں تھا۔ اس کے بال بہت صاف اور سلیقے سے پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے پاؤں ننگے تھے۔ چلتے ہوئے وہ اچانک دیوار کی طرف مڑا تو اس میں بھی اسی طرح خلا پیدا ہو گیا اور وہ اس میں داخل ہوا جب میں اندر آیا تو میں نے خود کو سجے ہوئے عالیشان قسم کے ڈائننگ ہال میں پایا۔ وہاں ایک کھانے کی میز تھی۔ یہ اسی سنہری لکڑی کی بنی تھی۔ میز پھلوں، دودھ، جوس اور خشک میووں سے بھری ہوئی تھی۔ برف والے نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مجھے معلوم ہے تم صرف مخصوص گوشت کھاتے ہو اور ابھی میرے پاس تمہارے لیے قابلِ قبول گوشت نہیں ہے۔'' اس نے نام لیے بغیر حلال اور حرام گوشت کی وضاحت کر دی۔

''کوئی بات نہیں میں یہ بھی کھا لیتا ہوں۔'' میں نے کہا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ پھل تقریباً وہی تھے جو ہم کھاتے ہیں بس شکل، ذائقے اور خوشبو میں ذرا مختلف تھے۔ میں نے دل بھر کر پھل اور خشک میوے کھائے۔ دودھ پیا اور آخر میں جوس پیا جو شاید مختلف پھلوں کے رس کی کاک ٹیل تھی۔ تمام چیزیں نہایت لذیذ اور اعلیٰ درجے کی تھیں۔ میں نے آج تک ایسے ذائقے والی چیزیں نہیں کھائی تھیں۔ حد یہ کہ دودھ بھی بنا کسی بُو کے تھا۔ اس دوران میں برف والا میرے سامنے بیٹھا رہا۔ اس نے ان میں سے کوئی چیز نہیں لی تھی۔ میں نے اس کے علاوہ وہاں اب تک کسی مقامی فرد کو نہیں دیکھا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس کے لیے یہ سب کون کرتا ہے۔ اس نے اچانک کہا۔

''انسان کو اپنے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

''تو آپ جو کر رہے ہیں وہ اپنے لیے کر رہے ہیں؟''

''ظاہر ہے۔'' اس نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ ''دنیا میں کون ہے جو اپنے کسی مفاد کے بغیر کچھ کرے۔''

''آپ کا کیا مفاد ہے؟''

''تم جان جاؤ گے۔'' اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے ہاتھ روک لیا۔ ''بس میں نے کھالیا لیکن آپ نے کچھ نہیں کھایا۔''

اس نے بے نیازی سے میز پر سجی غذاؤں کو دیکھا۔ ''میں جو کھاتا ہوں میرے لیے وہی کافی ہے۔''

میں اس کے بارے میں پوچھتے ہوئے ذرا جھجکا تھا۔ ''میں نے سنا ہے کہ آپ صرف برف کھاتے ہیں۔''

''میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے اس بار بھی میرا سوال نظر انداز کیا۔ ''میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔''

وہ مجھے لے کر ایک سرنگ میں آیا اور ہم نے نیچے اترنا شروع کیا۔ ہم اترتے چلے گئے اور بلاشبہ ہم بہت نیچے آ گئے۔ شاید ایک کلومیٹر نیچے اترے تھے۔ مگر عجیب بات ہے مجھے ذرا بھی تھکن کا احساس نہیں ہوا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھایا تھا اور اتنا کھانے کے بعد اتنا چلنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ مگر مجھے ذرا بھی گرانی اور بھاری پن محسوس نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح برف والا بوڑھا بھی اَن تھک چلے جا رہا تھا۔ کئی سرنگوں سے ہوتے ہوئے بالآخر ہم ایک ٹیرس نما جگہ نکلے اور تب میں نے نیچے دور تک پھیلی ہوئی وادی کو دیکھا۔ یہاں وادی سے بلندی شاید تین ہزار فٹ تھی اور ہم سطح سمندر سے کوئی ساڑھے نو دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ یہاں دھند ختم ہو گئی تھی۔ اس سے اوپر یہ بادلوں کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ برف والے نے نیچے دور تک پھیلے شہر اور اس کے آس پاس کھیتوں اور چھوٹے قلعوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ سب دیکھ رہے ہو؟''

''دیکھ رہا ہوں۔''

''ان چھوٹے قلعوں والوں نے مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور وہ ان کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ وہ مزید پجاریوں اور خاص طرز زندگی کے غلام بن کر نہیں رہنا چاہتے۔''

''یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔'' میں نے تبصرہ کیا۔ ''اسے ہزاروں سال بعد بھی نہیں دبایا جا سکتا ہے۔''

''لیکن اس صورت میں یہ وادی تباہ ہو جائے گی۔ اس کا سسٹم ہزاروں سال کا آزمودہ ہے اور اسی وجہ سے وادی میں انسانی نسل موجود ہے۔ اگر یہ سسٹم ختم کیا گیا تو یہاں سب ختم ہو جائے گا۔''

''دوام کسی شے کو نہیں ہے، آپ اس وادی کی بات کر رہے ہیں ہمارے عقیدے کے مطابق نہ صرف یہ دنیا بلکہ آنکھوں سے نظر آنے والی اور آنکھوں سے اوجھل پوری کائنات بھی ایک دن تباہ ہو جائے گی شاید ایسا ہونا اب زیادہ دیر کی بات بھی نہیں ہے۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ایک دن سب ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ وادی میرے بزرگوں کی نشانی ہے میں اسے قبل از وقت تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔''

''کیا آپ اس خانہ جنگی کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟''

''نیچے والے میرا احترام کرتے ہیں۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''لیکن وہ اس احترام کو ایک حد میں رکھتے ہیں کہ میرے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے معاملے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مداخلت نہ کروں۔"

"ایسا ہر جگہ ہوتا ہے۔ مفاد پرست طبقے دوسروں کی مداخلت اسی حد تک برداشت کرتے ہیں جب تک ان کے مفاد پر ضرب نہ آئے۔" میں نے کہا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں کہ یہ کشیدگی ختم ہو جائے اور قلعوں والے مرکزی حکومت کی اطاعت کریں۔ ساتھ ہی میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو زیادہ آزادی دی جائے۔ ان کی نجی زندگی کو پابندیوں سے آزاد کیا جائے۔"

یہ میرس پتھر سے بنا ہوا تھا اور اس کے کنارے پتھر کی چھوٹے چھوٹے ستونوں والی ریلنگ تھی۔ اسے تراش کر بنایا گیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ جگہ خاص وادی کا جائزہ لینے کے لیے بنائی گئی تھی کیونکہ یہاں سے وادی کا مکمل نظارہ کیا جا سکتا تھا شہر تو بالکل سامنے تھا اس کے عقب میں اہرام نما مندر اور اس کے پیچھے گھنا جنگل صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اسی طرح کاشت کاری کے لیے مخصوص رقبہ اور چھوٹے قلعے بھی یہاں سے دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے نیچے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ "اس تحریکِ مزاحمت کے پیچھے کون ہے؟"

"سامیرا..... اورگان کی بیٹی۔"

میں چونکا۔ "سامیرا کیا وہ اس قابل ہے کہ کسی تحریکِ مزاحمت کی قیادت کر سکے۔"

"وہ اورگان کی بیٹی ہے۔"

"میرا مطلب ہے اس کی عمر اچھی خاصی ہوگی کیا وہ اس عمر میں قیادت جیسا سخت کام کر سکے گی۔"

بوڑھا مسکرایا۔ "یہاں وقت سُست ہو جاتا ہے۔"

میں بھول گیا تھا میرے سامنے جیتی جاگتی مثال تھی اس بوڑھے کورا جا عمر دراز نے آج نصف صدی سے زیادہ وقت پہلے اسی طرح دیکھا تھا۔ میں نے کہا۔ "لیکن راجا عمر دراز نے جو کہانی سنائی ہے اس کے مطابق تو اورگان خود مہا پجاری بن کر حکمران طبقے میں شامل ہو گیا تھا۔"

"یہ درست ہے لیکن وہ زیادہ عرصے مہا پجاری نہیں رہا تھا۔ کیونکہ ایک رات اس کی پُراسرار موت واقع ہو گئی۔ سامیرا کا کہنا ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔ مگر یہ الزام ثابت نہیں ہوا تھا۔"

"آپ تو حقیقت جانتے ہوں گے۔"

"جو حقیقت جانتے ہیں وہ اسے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی زبان بند ہوتی ہے۔"

"پھر سامیرا نے کیا کیا؟"

"وہ عورت تھی مہا پجاری نہیں بن سکتی تھی مگر اورگان نے اسے اپنے خاص اور معبد کے مخصوص علوم سکھائے تھے۔ جب تک نیکاٹ حکمران رہا معاملات ٹھیک رہے لیکن ایک حادثے میں اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا حکمران بنا تو یہاں سے خرابی شروع ہو گئی۔ رینات ایک خود غرض اور سفاک شخص ہے۔ اس نے اقتدار کو ذاتی آسائش اور خواہشات پورا کرنے کا ذریعہ بنا لیا اور جب اس کے ظلم و ستم حد سے زیادہ بڑھے تو لوگوں نے سامیرا کی قیادت میں اس کے خلاف بغاوت کر دی وہ اورگان کی موت کے کچھ عرصے بعد ہی شہر چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئی تھی اور وہیں اس نے پہلا قلعہ بنایا۔ رینات کے ظلم و ستم سے بچنے والے اس کے پاس پناہ لینے لگے۔ پھر ان کی تعداد اتنی بڑھی کہ انہوں نے کئی قلعے بنا لیے۔ اب وہ اتنے طاقتور ضرور ہیں کہ حکومت ان پر آسانی سے قابو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں پا سکتی ہے۔"

"آپ کو سامیرا کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔"

"میں ایسا ہی کرتا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن میرا وقت آ گیا ہے اور میرے پاس وقت نہیں ہے کہ وادی کے معاملات میں مداخلت کر سکوں۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

اس نے میری طرف دیکھا اور سرسراتے لہجے میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اس کشمکش میں کسی کی طرف سے شامل ہو جاؤ۔ تم جس کے ساتھ ہو گے اسے فتح نصیب ہو گی اور پھر تم اس وادی کے حکمران بن جاؤ۔"

میں دم بہ خود رہ گیا تھا۔ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ مجھ سے کسی جگہ کا حکمران بننے کی فرمائش کی جائے گی۔ "آپ سچ مچ ایسا چاہتے ہیں۔"

"میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہو گا اصل بات تمہارے اور نیچے والوں کے چاہنے کی ہے۔"

میں چونکا۔ "نیچے والے.....؟ کیا وہ میری آمد سے واقف ہو چکے ہیں؟"

"ہاں وہ واقف ہو گئے ہیں۔"

"مگر کیسے جب کہ میرا سامنا سوائے آپ کے اور کسی فرد سے نہیں ہوا ہے؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "یہ تو میں بھی نہیں جانتا لیکن آج مجھے وادی میں کچھ اجنبی پرندے محسوس ہوئے ہیں۔"

میں نے کسی قدر بے چینی سے کہا۔ "میں یہ سوچ کر نہیں آیا ہوں کہ مجھے وادی میں اترنا پڑے گا۔"

"انسان آتا اپنی مرضی سے ہے لیکن جاتا دوسرے کی مرضی سے ہے۔" اس نے ایک بار پھر استعارے کی زبان میں مجھے جواب دیا۔ اس نے راجا عمر دراز کے بارے میں بھی مجھے کھل کر نہیں بتایا تھا بس اتنا کہا تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے اسے ڈیوڈ شا کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ لیکن شاید وہ اس کی آمد سے بھی واقف تھا۔ میں نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں ڈیوڈ شا بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آیا ہے۔"

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے دوبارہ کہا۔ "اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ مجھے اجنبی پرندے کیوں محسوس ہوئے تھے؟"

میں اس کی استعارے پر مشتمل بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "جب ہم نیچے آئے تو وہ اوپر تھے۔ میری آمد کے بعد نیچے آنے والا راستہ نظر آنے لگا تھا۔ یقیناً ڈیوڈ شا کو بھی ملا ہو گا اور وہ نیچے آیا ہو گا۔"

"بعض لوگوں کو سیدھا راستہ بھی مل رہا ہو تب بھی وہ اسے اختیار نہیں کرتے ہیں۔"

"ویسے اگر ڈیوڈ شا کسی طرح سے نیچے اتر بھی گیا ہے تو وہ کیا کر لے گا ہماری طرح وہ بھی اجنبی ہے۔"

"تم بھول رہے ہو ولیم شا بھی اجنبی تھا مگر اس نے اپنی سازشانہ ذہانت سے اس وادی میں کتنا بڑا فساد کھڑا کیا تھا ہزاروں لوگ مارے گئے تھے۔"

میں اس کی بات کا قائل ہوا کیونکہ ڈیوڈ شا ولیم شا سے زیادہ شاطر آدمی تھا۔ اسے بین الاقوامی سازشوں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عملی تجربہ تھا۔ مگر سوال وہی تھا کہ وہ نیچے کیسے پہنچا جب کہ وہ مخصوص راستے سے بھی نہیں گزرا تھا۔ ان ہزاروں بلکہ میلوں اونچی دیواروں سے رسیوں کی مدد سے نیچے جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ برف والے کی سنجیدگی کا انداز ہ اس سے بھی ہوا کہ وہ سیدھے انداز میں بات کر رہا تھا۔ میں کسی قدر قائل ہوا تھا مگر مکمل طور پر نہیں۔ میں نے ایک سوال اور کیا۔ ''اگر نیچے جانے پر مجھے گرفتار کر لیا گیا تو؟''

''شاید ایسا ہی ہو لیکن وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

''پھر بھی آپ مجھے نیچے بھیجنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں کیونکہ اسی طرح معاملہ آگے بڑھے گا۔ دوسرے اگر تم نیچے نہیں گئے تو نیچے والے یہاں آ جائیں گے۔''

''میں نے سنا ہے کہ آپ کی مرضی کے بغیر کوئی یہاں نہیں آ سکتا ہے؟''

''ہاں لیکن وہ وقت اب گزر گیا ہے جب سب میری مرضی سے ہوتا تھا۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے اور اب میں اپنی مرضی کا مختار نہیں رہا ہوں۔''

''کیا رینات اوشا کے بارے میں جانتا ہے؟''

''نہیں اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہے سوائے میرے اور تمہارے۔''

''نہیں ایک شخص جانتا ہے اور جب برفانی آدمی اوشا کو لے گیا تھا تو اس نے پورے یقین سے اس کے بارے میں پیش گوئی کی تھی کہ وہ زندہ رہے گی اور مجھے واپس ملے گی۔''

برف والے کے فراخ اور شفاف ماتھے پر شکنیں آ گئیں۔ اس نے زیر لب کہا۔ ''ڈیوڈ شا.....''

''جی اسی نے کہا تھا۔''

''شاید میں بھی اس کے بارے میں ٹھیک سے نہیں جان سکا ہوں.....''

میں نے اسے ڈیوڈ شا کے بارے میں بتایا۔ ''وہ کچھ ماورائی علوم میں بھی دسترس رکھتا ہے۔ شاید عمل تنویم کا ماہر ہے۔ ستاروں کا علم جانتا ہے اور مستقبل کی پیش گوئی کر سکتا ہے۔ پھر جدید سائنسی علوم کا بھی ماہر ہے۔''

برف والے نے سائنسی علوم کی وضاحت نہیں چاہی تھی اس کا مطلب ہے کہ وہ مادی علم کی اس تشریح سے واقف تھا۔ اب وہ زیادہ فکر مند لگ رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''میرے بیٹے نیچے جانا ہو گا۔ اب یہ بات بہت سے لوگوں کی ہی نہیں بلکہ اس وادی کی بقا کا مسئلہ بھی ہے۔''

اس کے لہجے میں ایسی التجا تھی کہ میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے گہری سانس لے کر پوچھا۔ ''اگر میں مان جاؤں تب بھی میں ان کی زبان نہیں جانتا۔''

''تم اس کی فکر مت کرو، ہاں کیرٹ کو یاد رکھنا۔'' برف والے نے کہا اور پھر اس نے وہ حرکت کی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ اس نے اچانک ہاتھ بڑھا کر اپنا انگوٹھا میری کنپٹی پر رکھا اور اس کی انگشت شہادت میرے ماتھے پر سامنے آئی اور جب اس نے کنپٹی پر انگوٹھے سے دباؤ ڈالا تو جیسے میرے سر کے اندر ایک دھماکہ ہوا اور میں ایک لمحے میں بے ہوش کر نیچے گر پڑا تھا۔ میں نہ جانے کتنی دیر بے ہوش رہا اور پھر جیسے میں اچانک بے ہوش ہوا تھا اسی طرح ہوش میں بھی آ گیا۔ میرا سر کسی قدر بوجھل تھا مگر جہاں دھماکہ سا ہوا تھا اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہاں درد نہیں تھا۔ پھر میں چونک کر اٹھا کیونکہ میں اس ٹیرس پر نہیں تھا جہاں میں بے ہوش ہونے سے پہلے برف والے کے ساتھ تھا۔ بلکہ یہ نیچے اترنے والے راستے پر ایک کشادہ سی جگہ تھی۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ برف والے نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا اور میں یہاں کیسے آیا؟ کہ کچھ آہٹوں نے مجھے چونکایا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو نصف درجن قدیم طرز کے سپاہی نیزوں اور تیر کمان سے مسلح مجھے گھیرے کھڑے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے ہاتھ اٹھا کر میری طرف اشارہ کیا اور اپنے ساتھیوں سے بولا۔

''پکڑ لو اسے۔''

میرا ہاتھ اپنے شانے کی طرف گیا مگر وہاں رائفل نہیں تھی۔

صرف رائفل ہی نہیں بلکہ میری جیکٹ اور اس میں موجود تمام چیزیں غائب تھیں۔ میں قطعی نہتا ہو گیا تھا۔ مجھے حرکت کرتا دیکھ کر دو سپاہیوں نے بہت تیزی سے تیر کمان نکال کر تیر مجھ پر تان لیے۔ سپاہیوں نے کھالوں اور فر سے بنے ہوئے مخصوص لباس پہن رکھے تھے۔ ان کے سینوں اور بازوؤں پر کسی لکڑی سے بنے ہوئے حفاظتی خول تھے۔ وہ پیروں میں تسموں والے چمڑے کے جوتے اور سروں پر لکڑی سے بنے ہوئے خول پہنے ہوئے تھے۔ ان کے نیزوں کی انی اور ترکش میں نظر آنے والے تیروں کی نوک کسی معمولی درجے کی دھات کی بنی ہوئی تھی۔ راجا عمر دراز نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سوائے سونے اور چاندی کے کسی دھات سے ناواقف تھے۔ میں نے ہاتھ اوپر کیے اور بولا۔

''مجھے کیوں پکڑ رہے ہو۔''

''یہ کیا کہہ رہا ہے۔'' بولنے والے سپاہی نے حیرت سے کہا۔ ''یہ ہماری زبان نہیں ہے۔''

''یہ باہر سے آیا ہے جناب۔'' دوسرے نے ادب سے کہا۔ ''اسی لیے ہمیں حکم ملا ہے کہ اسے گرفتار کر کے لے آئیں۔''

عجیب بات تھی وہ لوگ اردو بول رہے تھے اگرچہ لہجہ مختلف تھا مگر زبان اردو ہی تھی اور میں نے ان سے اردو میں ہی پوچھا تھا مگر وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ میں اس بات پر بھی چونکا تھا کہ انہیں میری گرفتاری کا حکم دیا گیا تھا اور وہ لوگ میری آمد سے واقف تھے۔ یہ تو طے تھا کہ وہ نیچے سے آئے تھے۔ البتہ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ رینالٹ کے آدمی تھے یا سامیرا کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ مزید تعجب اس بات پر تھا کہ وہ اردو بول رہے تھے۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی اردو بولنے والا ملے گا مگر پہلے برف والا اور اب یہ سپاہی بھی اردو بول رہے تھے۔ میں نے پھر کہا۔ ''میں اردو میں بات کر رہا ہوں تم لوگ سمجھ نہیں رہے ہو؟''

مگر اس بار انہوں نے میری بات پر توجہ نہیں دی اور ان میں سے دو نیزہ بردار آگے آئے۔ ان کا انداز جارحانہ نہیں تھا مگر وہ محتاط اور پوری طرح چوکس ضرور تھے۔ میں کنارے کی طرف تھا اور کسی قسم کی مزاحمت کی صورت میں میرے مارے جانے کے امکانات خاصے زیادہ تھے۔ چاہے وہ ان کے ہاتھوں ہوتے یا نیچے گرنے کی صورت میں ہوتے۔ نہ جانے برف والے نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا اور پھر وہ مجھے بے یار و مددگار یہاں چھوڑ گیا تھا۔ اس نے یقیناً کسی مقصد کے تحت ایسا کیا تھا۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا اور مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میں نے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے اور کھڑا ہو گیا۔ یہ ہتھیار ڈالنے اور تابع ہونے کا یونیورسل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشارہ ہے جو یہ بھی سمجھ گئے۔ آگے والے دو حصوں میں بٹ گئے تھے اور انہوں نے مجھے گویا نیچے جانے کا راستہ دیا۔ میں آگے بڑھا تو وہ دونوں میرے پیچھے آ گئے اور دو میرے دائیں بائیں آ گئے۔ دو آگے تھے۔ پہلے بولنے والا جو سربراہ بھی لگ رہا تھا اس نے کہا۔

''ہوشیار رہنا اس کے بارے میں بتایا ہے گیا کہ یہ خطرناک آدمی ہے۔''

جب وہ بول رہا تھا تو میری نظر اس کے ہونٹوں پر مرکوز تھی اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ہونٹ اور منہ مختلف انداز میں ہلا رہا ہے اور مجھے سنائی دوسرے انداز میں دے رہا ہے۔ میں حیران ہوا تھا کہ یہ کیا حیرت انگیز بات ہے۔ کیا وہ اپنی زبان میں بات کر رہا تھا اور مجھے سنائی اردو میں دے رہا تھا اور اسی وجہ سے وہ میری بات نہیں سمجھ پا رہے تھے کیونکہ میں اردو میں بول رہا تھا۔ دوسرے سپاہی نے کہا۔ ''ہمیں جلد نیچے چلنا چاہیے تاکہ ہم رات سے پہلے آرگون پہنچ جائیں۔''

اس بار مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بول کچھ رہا تھا مگر اس کی بات مجھے اردو میں سنائی دے رہی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا؟ سوچتے ہوئے میرا ہاتھ بے ساختہ کن پٹی کی طرف گیا جہاں برف والے نے انگوٹھے سے دبایا تھا اور مجھے لگا کہ میرے سر میں کوئی دھماکہ ہوا ہو۔ کیا اس نے میرے ساتھ کچھ کیا تھا؟ اس نے انگوٹھے سے ضرب لگا کر میرے دماغ کی کسی خفیہ صلاحیت کو بیدار کر دیا تھا جس کی وجہ سے میں ان لوگوں کی زبان سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اب مجھے خیال آ رہا تھا کہ برف والا بھی ہونٹوں کو مختلف انداز میں حرکت دیتا اور مجھے سنائی اردو میں دیتا تھا۔ کیا یہ ٹیلی پیتھی کی کوئی قسم تھی جس میں انسان اپنے خیالات دوسرے تک پہنچاتا ہے۔ جب تک وہ میرے ساتھ تھا اپنی صلاحیت کی وجہ سے میری بات سمجھ رہا تھا اور مجھے اپنی بات سمجھا رہا تھا۔ مگر میں اس سے جدا ہونے والا تھا اور اب مجھے دوسروں کو اپنی بات سمجھانی تھی اور اس سے زیادہ مجھے دوسروں کی بات سمجھنی تھی۔

جب میں نے برف والے سے کہا تھا کہ میں وادی والوں کی زبان نہیں سمجھتا ہوں تو اس نے مجھے فکر نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے فوراً بعد اس نے میرے سر کے ساتھ کچھ کیا تھا جس کے اثر سے میں بے ہوش ہو تھا اور ہوش میں آنے کے بعد یہ حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ میں وادی والوں کی بات سمجھ رہا تھا۔ البتہ وہ میری بات سمجھنے سے قاصر تھے۔ سربراہ نے مجھے اشارے سے نیچے اترنے کو کہا۔ اس کے خیال میں، میں بھی اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھا اس لیے وہ اشاروں کی زبان میں کام چلا رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر میں ان کی زبان سمجھ رہا تھا تو مجھے یہ بات جتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ان کا قیدی بن گیا تھا اور ان کی گفتگو سے آگاہی مجھے فائدہ پہنچا سکتی تھی۔ اس لیے اب میں نے بھی یہی ظاہر کرنے کا فیصلہ کیا کہ میں ان کی بات سمجھ نہیں رہا ہوں۔ ہم نیچے اتر رہے تھے اور شام قریب تھی۔ اوپر دھند کی وجہ سے سورج کی پوزیشن واضح نہیں تھی مگر روشنی میں کمی آ رہی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ ہم کوئی دو یا ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ جیسے جیسے نیچے جا رہے تھے موسم معتدل ہو رہا تھا اور سردی کا احساس تو اس بلندی پر بھی کم تھا جہاں برف والے کا ڈیرہ تھا مگر اب یہ احساس نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ گرم اونی پینٹ اور گرم ہی ہائی نیک جرسی میں مجھے اب الجھن ہو رہی تھی اور عین ممکن تھا کہ نیچے جاتے جاتے مجھے گرمی لگنے لگتی۔ مجھے برف والے کی گفتگو یاد تھی اس نے کہا تھا کہ وہ وادی میں ہونے والے تازے میں میرا کردار چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ میں فریقین میں صلح کرا کے اس وادی کی حکمرانی سنبھال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوں۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ جس وادی کے لوگ اس حد تک نسل پرست تھے کہ باہر سے آنے والے کسی فرد کو وادی میں برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اگر کوئی آ جاتا تو اسے ثابت کرنا پڑتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر نہیں آیا بلکہ غلطی سے آیا ہے ورنہ دوسری صورت میں اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔ وہ لوگ باہر سے آنے والے ایک فرد کو کس طرح اپنا حکمران تسلیم کر سکتے تھے۔

میں گرفتار ہو کر نیچے جا رہا تھا اور یہ یقیناً میری تاج پوشی کے لیے نہیں لے جا رہے تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ برف والے نے مستقبل کی کسی پلاننگ یا اپنے کسی خیال کے تحت مجھے نیچے والوں کے حوالے کیا تھا۔ لیکن لازمی نہیں تھا کہ اس کی پلاننگ درست ثابت ہوتی یا اس نے جو سوچا ہو وہی ہو۔ اگر مجھے دشمن تصور کر لیا جاتا تو میرے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ شاید مجھے فوری جلاد کے حوالے کر دیا جاتا۔ اب تک یہ بھی واضح نہیں تھا کہ مجھے نیچے لے جانے والے کون تھے۔ رینالٹ یا اس کے مخالف جو سامیرا کی قیادت میں اس سے لڑ رہے تھے۔ میں نے پہلے ان سپاہیوں سے عندیہ لینے کا سوچا مگر یہ مجھے مناسب نہیں لگا اور یہ مجھے نیچے لے جا رہے تھے کچھ دیر میں واضح ہو جاتا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

برف والے کے بارے میں جتنا سنا اور جانا اور پھر دیکھا تھا۔ وہ ایک پُراسرار اور ماورائی قوتوں والا شخص نظر آیا تھا۔ اس نے اس برف زار میں ایک ایسا طلسم خانہ بنا رکھا تھا جس کی بیشتر چیزیں عقل کو چکرا دینے والی تھیں۔ اس کے اندر خفیہ صلاحیتیں موجود تھیں اور وہ مستقبل کے بارے میں پیش گوئی بھی کرتا تھا مگر میری عقل کا اصرار تھا کہ میں اس کی بات آنکھ بند کر کے ماننے سے گریز کروں اگرچہ دل کہہ رہا تھا کہ مجھے اس سے الجھنا نہیں چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی مخالفت نہ کرنی پڑے۔ یہاں آتے ہی میں جیسے اچانک سب سے کٹ گیا تھا۔ راجا عمر دراز کے علاوہ میرے تمام ساتھی مارے جا چکے تھے اور اب راجا عمر دراز بھی غائب تھا۔ مگر اوشا مل گئی اور وہ صحیح سلامت بھی تھی۔ البتہ وہ ابھی بحالی کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ برف والے نے کہا تھا کہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو میرا انحصار برف والے پر تھا۔

ہم ایک ٹیڑھی میڑھی اور بہت تنگ پگ ڈنڈی پر سفر کر رہے تھے جو وادی کی دیواروں سے چمٹی ہوئی نیچے تک جا رہی تھی۔ اس پر سنبھل کر قدم رکھنا پڑتے تھے۔ کسی زمانے میں اس پر قدمچے بنائے گئے ہوں گے مگر وقت کے دھارے نے انہیں گھس کر سیدھا کر دیا تھا بہت سی جگہوں پر دیوار اور چٹان گرنے سے راستہ بہت ہی تنگ اور خطرناک بھی ہو گیا تھا۔ شاید اس کی مرمت نہیں کی گئی تھی اور یہ ممکن بھی نہیں تھا۔ اتنے طویل راستے کو بلاوجہ مرمت کرنا بہت ہی مشکل کام تھا بلکہ وادی کے حکمران اور کرتا دھرتا چاہتے ہوں گے کہ یہ راستہ بھی باقی نہ رہے تاکہ نہ کوئی باہر سے یہاں آ سکے اور نہ یہاں سے کوئی باہر جا سکے۔ راستہ جس طرح ختم ہو رہا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ جلد ان کی یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔ مگر وہ باہر والوں کو نہیں جانتے تھے ان کو وادی میں آنے کے لیے ان خطرناک راستوں کی ضرورت نہیں رہی تھی وہ چاہتے تو بہت آرام سے اندر اتر جاتے اور آسانی سے اس وادی پر قابض ہو جاتے۔

جیسے جیسے ہم نیچے جا رہے تھے موسم گرم ہوتا جا رہا تھا۔ اوپر چھائی دھند اب اتنی اوپر رہ گئی تھی کہ نیچے سے گھنے بادل جیسی لگ رہی تھی۔ بلندی سے نیچے آنے کے بعد وادی کی دیواریں اب اوپر دکھائی دے رہی تھیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مختلف جگہوں سے آبشار کسی دھندلے سفوف کی طرح نیچے گر رہی تھیں۔ اتنے فاصلے سے پانی کے بجائے یہ بس سفید دھند جیسی لگ رہی تھیں۔ شاید اسی پانی سے وادی کی پانی کی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ کیونکہ اوپر سے پوری وادی میں نہ تو کوئی دریا دکھائی دیا تھا اور نہ ہی پانی کا کوئی بڑا ذخیرہ تھا۔ چند ایک جگہوں پر نیلا رنگ تھا جو چھوٹے تالابوں یا چشموں کی نشان دہی کر رہا تھا اور یہ پانی ضرورت کے لیے ناکافی ہے۔ بارش اور اوپر سے آنے والی آبشاروں کا پانی ہی وادی کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ سردیوں میں جو برف گرتی ہے اس کا پانی پگھلنے کے بعد زمین میں جذب ہو جاتا ہوگا۔ وہ بھی کام آتا ہوگا۔

راجا عمر دراز بھی میرے لیے ہر چیز لایا تھا سوائے گھڑی کے، اس لیے میں درست اندازہ نہیں لگا سکتا تھا مگر خیال تھا کہ ہمیں نیچے پہنچنے میں کوئی دو گھنٹے لگے تھے۔ اس وقت تک شام ہو چکی تھی اور ماحول نیم تاریک ہو رہا تھا۔ ہم بھول بھلیوں جیسی جگہ نکلے جو چٹانیں ٹوٹنے سے وجود میں آئی تھیں۔ راجا عمر دراز نے اپنے سفرنامے میں ان کا ذکر بھی کیا تھا جب واپسی کے وقت یہاں اسے ایک ہارن نے گھیر لیا تھا۔ ہارن کا خیال آتے ہی میرے اندر پھریری سی آ گئی۔ مجھے خیال آیا کہ اگر یہاں کوئی ہارن آ گیا تو یہ نصف درجن سپاہی ان قدیم ہتھیاروں سے اپنا اور میرا دفاع کیسے کریں گے؟ مگر جب چٹانوں سے نکل کر کھلی جگہ آئے تو وہاں مزید کوئی دو درجن مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ ہمارا منتظر تھا اور وہ بھاری کمانوں اور تیروں سے مسلح تھے۔ ان کے تیر دیکھ کر لگ رہا تھا کہ یہ ہارن جیسے بڑے اور خطرناک جانور کے لیے بنائے گئے ہیں۔ وہ پوری تیاری سے آئے تھے۔ میں ایک بار پھر فکر مند ہو گیا کہ نیچے والوں کو میری آمد کی اطلاع کیسے ہوئی؟

ہارن تو نہیں ایک اور جانور سے سامنا ہوا۔ ہم کچھ ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ جنگل سے ایک عجیب الخلقت جانور نکلا۔ وہ بھالو سے مشابہ تھا اور بہت مشکل سے چل رہا تھا۔ اس کے چلنے سے ہڈیاں چٹخنے جیسی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اپنی سست چال اور ڈھیلے پن سے وہ ایسا جانور لگ رہا تھا جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر جیسے ہی اس کی نظر ہم پر پڑی وہ ناقابلِ یقین تیزی سے ہماری طرف لپکا اور چند سپاہی آگے آئے اور انہوں نے کمانوں پر چڑھے تیر کھینچ لیے۔ وہ منتظر تھے کہ جانور موزوں حد میں آئے تو وہ اس پر اپنے تیر آزمائیں مگر ہوشیار جانور اس سے پہلے رک گیا۔ چند لمحے وہ رک کر کسمسایا اور پھر رخ بدل کر دوبارہ جنگل کی طرف جانے لگا۔ مگر وہ اسی طرح بمشکل اور چٹخنی آوازیں نکالتا ہوا چل رہا تھا۔ مزید عجیب بات یہ تھی کہ جب وہ بہت تیزی سے لپکا تھا تو اس کے جسم سے کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ تیر کھینچے سپاہیوں نے چلے واپس ڈھیلے کر دیے اور ان میں سے ایک نے کہا۔

''کاش گونر ذرا آگے آتا بہت دن ہوئے اس کا گوشت کھائے ہوئے۔''

مجھے یاد آیا کہ راجا صاحب نے اس جانور گونر کے بارے میں بتایا تھا۔ انہوں نے ہارن کے ساتھ ایک اور جانور کا ذکر کیا تھا جو گونر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں آ رہا تھا مگر کچھ دیر بعد نہ صرف اس کی بلکہ ہارن کی زیارت بھی ہو گئی۔ مگر ہارن مردہ حالت میں تھا اور بھیڑیئے سے مشابہ لیکن اس سے خاصے بڑے یہ جانور اس کی لاش پر پلے پڑ رہے تھے۔ وہ اس کا بہت سا حصہ کھا چکے تھے اور ہم ان سے خاصے دور تھے اس لیے میں ہارن کو ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا۔ البتہ بھیڑیئے نما جانوروں کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا کیونکہ ہمیں دیکھتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی وہ دوڑے دوڑے آئے۔ البتہ جب سپاہیوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی اور ان میں سے ایک تیر کھا کر گرا اور باقی معمولی زخمی ہوئے۔ تب وہ پلٹ کر بھاگے اور واپس جاتے ہی ہارن کی لاش پر پل پڑے جو یقیناً ان کے کئی وقت کے کھانے کے لیے کافی تھا۔

کچھ دیر بعد بہ ظاہر مردہ ہو کر گرنے والا جانور بھی اٹھ کر بھاگا تھا اسے دو تیر لگے تھے مگر یہ جان لیوا نہیں تھے، وہ بھی جاتے ہی دعوت میں شامل ہو گیا۔ نہ جانے یہ ہارن انہوں نے مار گرایا تھا یا پھر کسی وجہ سے مر گیا تھا اور ان کی ضیافت ہو گئی تھی۔ ممکن ہے ان کے پاس کھانے کے لیے ہارن نہ ہوتا تو شاید وہ اتنی آسانی سے ہماری جان نہ چھوڑتے۔ گونر کے مقابلے میں اس جانور سے سپاہی خوفزدہ ہو گئے تھے اور انہوں نے تیر اندازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ان کے قریب آنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ جب وہ پسپا ہوئے تو ایک سپاہی نے پسینہ پونچھتے ہوئے گونر کا گوشت کھانے والے شوقین سپاہی سے کہا۔ ''ممکن ہے اسمار نے بھی بہت دنوں سے انسان کا گوشت نہیں کھایا ہو۔''

راجا عمر دراز نے اس جانور کا یہی نام بتایا تھا جب تک میں وادی کو اوپر سے دیکھتا رہا یہ مجھے اتنی بڑی اور وسیع نظر نہیں آئی تھی مگر جب میں اس میں اترا اور سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے اس کی وسعت اور کشادگی کا احساس ہوا۔ نیچے آنے کے بعد اس کا مخالف سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم شہر سے کچھ ہی دور تھے۔ اب اس کی دیواریں اور ان پر بنے ہوئے نگرانی کے مینار دکھائی دے رہے تھے۔ راجا عمر دراز نے مجھے اس کا نام شاید آرگون بتایا تھا مگر مجھے پکا علم نہیں تھا اس لیے میں نے شہر کی طرف اشارہ کیا اور نزدیک چلنے والے سپاہی سے کہا۔ ''آرگون؟''

''آرگون۔'' اس نے جواب دیا۔ وہ میرے سوالیہ انداز سے سمجھ گیا تھا۔ سپاہی مجھے گرفتار کر کے لے جا رہے تھے مگر ان کا رویہ ہتک آمیز اور خراب نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے گھیرا ہوا ضرور تھا مگر نہ تو دھکے دیئے تھے اور نہ ہی گالیوں سے نوازا تھا۔ حد یہ کہ تاریکی ہونے کے باوجود تیز چلنے کو نہیں کہا تھا۔ جنگل سے آگے آنے کے بعد اب ہم کھیتوں اور باغات سے گزر رہے تھے۔ یہاں وادی میں بسنے والے کام کرتے تھے اور ان کی حفاظت کے لیے مسلح دستے تھے۔ یہ جگہ جنگل سے زیادہ دور نہیں تھی اور اس کا خطرہ تھا کہ جنگل سے ہارن، اسمار یا گونر انسانوں پر حملہ کر سکتے تھے۔ ان سے حفاظت کے لیے مسلح سپاہی لازمی تھے۔ بیشتر کام کرنے والے جا چکے تھے اور کچھ جا رہے تھے۔ جیسے ہی ان میں سے کسی کی نظر مجھ پر پڑتی وہ رک جاتا اور جب ہم آگے نکلتے تو وہ پیچھے آتا تھا۔ شاید میرے لباس سے ان لوگوں نے اندازہ لگا لیا کہ میں باہر سے آیا ہوں۔

اب راستے میں جو ملتا وہ ہمارے پیچھے چل پڑتا اور جب تک ہم قلعے کے پاس پہنچے کوئی دو ڈھائی سو افراد ہمارے پیچھے ہجوم کی صورت میں جمع ہو چکے تھے۔ قلعے کی فصیل پر ہر دس فٹ کے بعد ایک مشعل روشن تھی۔ جب کہ گیٹ کے آس پاس اس سے کہیں زیادہ روشنی تھی۔ یہاں فصیل پر بھاری مشینی کمانیں نصب تھیں جن سے تیر بہت قوت کے ساتھ اور دور تک پھینکے جا سکتے تھے ان کے تیر بھی خاصے بھاری تھے۔ کچھ دیر میں ہم قلعے کے بڑے سے گیٹ کے سامنے تھے مضبوط لکڑی کا بنا ہوا یہ بھاری گیٹ پہیوں پر چلتا تھا ورنہ اس کا بوجھ صرف قبضے نہیں اٹھا سکتے تھے۔ پہیے برقرار رکھنے کے لیے زمین پر پتھر کا فرش ڈالا گیا تھا۔ گیٹ کا چھوٹا حصہ کھلا ہوا تھا جس سے لوگ اندر داخل ہو رہے تھے۔ ہم بھی اسی دروازے سے اندر آئے۔ اندر آتے ہی جنگل کے پاس انتظار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے والا حفاظتی دستہ ہم سے الگ ہوگیا اور ایک طرف موجود بیرک نما عمارت کی طرف چلا گیا۔ میں ان کے نصف درجن سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھا۔

فصیل اور شہر کے درمیان ایک بڑا میدان تھا اور اس کے بعد شہر کا آغاز ہوگیا۔ شہر کی سڑکوں سے گزرتے ہوئے میں نے اسے ویسا ہی پایا جیسا راجا عمر دراز نے بیان کیا تھا۔ صاف ستھرا اور منظم انداز میں آباد اس شہر میں مکان چھوٹے بڑے ضرور تھے لیکن سب مضبوط اور صفائی سے بنے ہوئے تھے۔ بیشتر مکان اور عمارتیں پکی اینٹوں سے بنی تھیں۔ البتہ محلات اور سرکاری و شاہی عمارات پتھروں سے بنی تھیں۔ اسی طرح لوگوں کا لباس ایک جیسا تھا سب نے لمبے سے کرتہ نما لباس پہن رکھے تھے جن کی کمروں پر پٹکا باندھ کر ان کا ڈھیلا پن قابو میں کیا تھا۔ لباس بنا بھی ایک جیسے میٹریل سے تھا یعنی اظہار امارت کا ذریعہ لباس نہیں تھا۔ اسی طرح سب پیدل چل رہے تھے اور کسی کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ بیل گاڑیاں تھیں جن میں گائے سے ملتا جلتا جانور استعمال کیا جاتا تھا مگر وہ صرف بار برداری کے لیے مخصوص تھیں۔ شہر میں روشنی کے لیے جگہ جگہ لکڑی کے کھمبوں پر مشعلیں روشن تھیں۔ کسی خاص روغن سے جلنے والی ان مشعلوں کی روشنی خاصی تیز تھی۔

شہر منظم انداز میں بسایا ہوا تھا۔ سڑکیں اور گلیاں صاف ستھری اور پختہ تھیں۔ یہاں سیوریج کا نظام یقیناً زیر زمین تھا کیونکہ مجھے کہیں بھی پانی بہتا نظر نہیں آیا۔ پہلے غریب طبقے کی آبادی تھی۔ اس کے بعد متوسط طبقے کی آبادی آئی اور آخر میں طبقہ امرا کے محلات شروع ہوگئے۔ اگرچہ یہ ہمارے معیار سے خاص بڑے نہیں تھے مگر اس وادی کے لحاظ سے یقیناً خاصے بڑے تھے۔ امرا کے محلات کے بعد شاہی محل اور اس سے ملحق دفاتر کا سلسلہ شروع ہوا۔ شہر کی تمام اہم سرکاری عمارات اور ادارے اسی علاقے میں تھے۔ لوگوں کا جو ہجوم شہر کے باہر ساتھ آیا تھا اب تک ہمارے پیچھے تھا۔ جب ہم سرکاری و شاہی علاقے میں داخل ہوئے تو یہاں کسی قدر مختلف وردیوں میں شاہی محافظ تعینات تھے۔ انہوں نے عام لوگوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ شاید یہاں بلا اجازت کسی کو آنے نہیں دیا جاتا تھا جیسا کہ ساری دنیا میں رواج ہے۔

میرا خیال تھا کہ مجھے رینالٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ شہر میں آمد سے ہی ثابت ہوگیا تھا کہ وہ رینالٹ کا قیدی بن گیا ہوں۔ برف والے کی باتوں سے مجھے لگا تھا کہ اسے رینالٹ اور سامیرا کی لڑائی سے زیادہ دلچسپی اس بات سے تھی کہ وادی کا نظام برقرار رہے۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر لڑائی ہوئی تو وادی تباہ ہو جائے گی۔ رینالٹ تک کسی طرح ہماری آمد کی اطلاع پہنچی تھی اور اس نے اپنے آدمی روانہ کیے تھے۔ وہ اوپر سے آنے والوں کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہوگا اسی لیے میرا خیال تھا کہ مجھے رینالٹ کے حضور پیش کیا جائے گا مگر اس کے بجائے مجھے ایک عمارت میں لایا گیا جو اپنے انداز سے ہی قید خانہ لگ رہی تھی اور یہاں مجھے عمارت کے منتظم کے حوالے کر دیا گیا۔ دستے کے سربراہ نے کہا۔ ''یہ اس وقت تک آپ کے پاس ہے جب تک اسے طلب نہ کر لیا جائے۔''

منتظم ایک جوان آدمی تھا۔ لمبا تڑنگا اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''یہ کون ہے اور اسے کیوں پکڑا ہے؟''

''یہ اوپر سے آیا ہے، آج ہمیں شاہی دفتر سے حکم ملا کہ اوپر جائیں اور وہاں جو ملے اسے گرفتار کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیچے لے آئیں اور قید کر دیں۔ اسے یہاں چھوڑ کر پھر میں شاہی دفتر میں اطلاع کروں گا۔''

''ٹھیک ہے، اس کا کوئی سامان ہے؟''

''اس کے پاس سے کچھ نہیں ملا۔''

منتظم نے میرا جائزہ لیا۔ ''اس نے عجیب طرح کا لباس پہنا ہوا ہے۔''

''اس وادی سے باہر سے آنے والے ایسا ہی لباس پہنتے ہیں جناب۔'' سربراہ نے جواب دیا۔ ''اب مجھے اجازت دیں۔''

منتظم نے سر ہلایا۔ مجھے لانے والے سپاہی چلے گئے اور منتظم نے تالی بجائی۔ فوراً ہی دو سپاہی اندر آئے اور منتظم نے میری طرف اشارہ کر کے انہیں حکم دیا۔ ''اسے بند کر دو۔ خیال رہے یہ شاہی قیدی ہے۔''

○.....❖.....○

سپاہی مجھے عمارت کے ایک حصے میں لائے اور یہاں دو قطاروں میں بنے کمروں میں سے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہوا تو عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔ منتظم نے مجھے شاہی قیدی قرار دیا تھا اس لیے مجھے شاید یہاں کا سب سے اچھا کمرہ دیا گیا تھا۔ اس میں ایک عدد لکڑی کا بستر بھی تھا۔ لکڑی کی بنی ایک چھوٹی سی میز پر مٹی کا بنا ہوا جگ اور مٹی کا ہی گلاس بھی تھا۔ اس میں پانی تھا اور میں نے ایک گلاس پانی پیا۔ اتنے طویل سفر کے بعد بھوک لگنا لازمی تھی مگر یہاں فی الحال کھانے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ نیچے آتے ہی مجھے گرمی لگنے لگی تھی مگر مسئلہ یہ تھا کہ میرے پاس یہی کپڑے تھے اور انہیں اتار نہیں سکتا تھا۔ عقب میں روشن دان تھا اور اس سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا ورنہ شاید مجھے کپڑے اتارنے ہی پڑتے۔ بیڈ پر کسی قدر نرم گدا تھا۔ میں نے جوتے اتارے اور بستر پر لیٹ گیا۔

بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ برف والے نے مجھے دھوکا دیا اور نہتا کر کے رینالٹ کے حوالے کر دیا جسے خود اس نے سفاک حکمران قرار دیا تھا۔ مگر میں اپنے اندر اس کے خلاف کوئی جذبہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بالکل مطمئن تھا بلکہ مجھے رینالٹ کی طرف سے تشویش تھی کہ آخر اسے مجھ سے کیا پرخاش تھی جو اس نے خاص دستہ بھیج کر مجھے گرفتار کرایا تھا۔ برف والا اس دستے کی آمد سے باخبر تھا اور شاید وہ جانتا تھا کہ رینالٹ مجھے کیوں بلا رہا ہے۔ پھر مجھے یاد آیا جب اس نے میری کن پٹی پر اپنا انگوٹھا رکھا تو اس سے پہلے اس نے مجھے کسی کیرٹ کا نام لے کر اسے یاد رکھنے کو کہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیرٹ کون ہو سکتا ہے اور برف والے نے مجھے اس کا نام کیوں یاد رکھنے کو کہا تھا۔ جب ہم شہر کی حد میں داخل ہوئے تو رات ہو چکی تھی اور تاریکی مکمل طور پر چھا گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی سات کے آس پاس کا وقت تھا اور اس کو بھی ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ یعنی آٹھ بج چکے تھے یا بجنے والے تھے۔

جب میں شہر میں آیا تو مجھے سڑکوں اور گلیوں میں نہ تو کوئی بچہ دکھائی دیا اور نہ ہی کوئی عورت نظر آئی۔ مرد نظر آئے تو وہ بھی سر جھکائے تیز قدموں سے اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔ اسی طرح بیل گاڑیاں بھی سڑکوں پر آ جا رہی تھیں مگر صاف لگ رہا تھا کہ شہر سونے والا ہے۔ یہ لوگ جلد سو جانے کے عادی ہوں گے۔ ہمارے گاؤں دیہات میں بھی لوگ جلد سو جانے کے عادی ہیں۔ کیونکہ وہاں دیر تک جگانے والی کوئی چیز نہیں ہوتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ اگرچہ اب ہمارے دیہاتوں میں بھی ٹی وی کیبل، انٹرنیٹ اور موبائل پہنچ گیا اور شاید کچھ عرصے بعد وہاں بھی لوگ دیر سے سونے کے عادی ہو جائیں مگر اس وادی کے لوگ کئی ہزار سال پرانے انداز میں جی رہے تھے۔ اس میں جلد سو جانے کی عادت بھی شامل تھی۔ میں لیٹا ہوا تھا کہ لکڑی کا مضبوط دروازہ کھلا اور ایک شخص لکڑی کی ٹرے اٹھائے اندر آیا۔

ٹرے میں ایک بڑا سا پیالہ اور ایک چھوٹا پیالہ تھا۔ اس نے ٹرے بستر کے کنارے رکھ دی اور مجھے اشارے سے کھانے کو کہا۔ پھر اس نے جگ اٹھا کر دیکھا اور اسے لے کر باہر نکل گیا۔ وہ پانی لینے گیا تھا۔ میں ٹرے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس میں بڑے پیالے میں کھیر نما چیز تھی اور چھوٹے پیالے میں ایک سبز سیال تھا۔ میں نے کھیر کو سونگھا تو اس سے چاولوں جیسی خوشبو آئی پھر چکھ کر دیکھا تو اس کا ذائقہ ہلکا سا نمکین تھا۔ میں نے لکڑی کے چمچ سے ہی اسے کھا کر دیکھا اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ یہ مکمل نباتی شے تھی۔ کھیر اچھی خاصی تھی اور اسے کھا کر میرا پیٹ بھر گیا تھا۔ پھر میں نے سبز سیال سونگھا اور فوراً ہی مجھے مکروہ سی بو محسوس ہوئی۔ یہ یقیناً کوئی نشہ آور مشروب تھا اس لیے میں نے اسے چکھنے سے بھی گریز کیا۔ عام طور سے قیدیوں کو نشہ فراہم نہیں کیا جاتا ہے لیکن شاید مجھے شاہی قیدی ہونے کے ناطے شراب بھی دی گئی تھی۔ ٹرے لانے والا کچھ دیر بعد آیا اور اس نے مشروب کو جوں کا توں پا کر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے نفی میں سر ہلا کر اس پر واضح کیا کہ میں مشروب سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا ہوں۔ اس نے اصرار نہیں کیا اور ٹرے اٹھا کر واپس چلا گیا۔

میں بستر پر دراز ہو گیا۔ مگر کچھ دیر بعد ہی دوسرا مسئلہ شروع ہوا اور مجھے دروازہ بجانا پڑا۔ میں کچھ دیر کے لیے برداشت کر سکتا تھا مگر ساری رات گزارنا مشکل تھا۔ وہی شخص آیا جو ٹرے لایا تھا اور میں نے اسے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اپنی حاجت سے آگاہ کیا اور وہ مجھے کمرے سے نکال کر واش روم کے لیے مخصوص حصے تک لایا۔ مجھے حیرت ہوئی جب میں نے وہاں جدید ڈبلیو سسٹم موجود پایا۔ جس میں پانی بہانے کا بندوبست بھی تھا۔ حد یہ کہ وہاں لوٹا بھی تھا۔ اگرچہ اس کی ٹونٹی اتنی بڑی نہیں تھی جیسی ہمارے لوٹے کی ہوتی ہے، مگر مناسب تھی۔ واش روم میں بدبو کے بجائے ایک الگ مہک تھی شاید یہاں صفائی کے لیے کچھ ڈالا جاتا ہوگا۔ مٹی سے بنے پائپ سے پانی آ رہا تھا اور پانی روکنے کے لیے کارک نما لکڑی سے بنا ہوا اسٹاپر تھا جو رسی سے منسلک تھا اسے نکالنا اور لگانا آسان کام تھا۔ میں نے خاصی دیر لگائی اور کوشش کی کہ مجھے جلد یہاں نہ آنا پڑے۔ واپس کمرے میں آیا طبیعت ہشاش بشاش تھی۔

بہت ساری پریشانیوں اور سوالات کے باوجود میں زیادہ پریشان نہیں تھا اس لیے مجھے جلد نیند آ گئی بہت دنوں کی مسلسل تھکن اور سفر کی وجہ سے بے آرامی کے بعد مجھے اس رات بہت اچھی نیند آئی اور میں تقریباً ساری رات سوتا رہا۔ جب آنکھ کھلی تو باہر ہلکی سی تاریکی تھی یعنی صبح ہونے والی تھی۔ میرا ذہن ہلکا اور جسم جیسے سکون والی کیفیت میں تھا میں اٹھ کر فرش سے تقریباً سات فٹ اونچے روشن دان تک آیا۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کناروں پر جما کر خود کو اوپر اٹھایا اور بہت تازہ ہوا میں گہری سانس لینے لگا۔ ایسی ہوا میں نے کہیں محسوس نہیں تھی۔ شہروں اور آبادیوں سے بہت دور ایسے ویرانوں میں بھی ہوا میں وہ تازگی نہیں ہوتی جو اس ہوا میں تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دنیا ابھی ابھی وجود میں آئی ہو۔ میرے ذہن کی بہت معمولی سی کسل مندی بھی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے چوس لی اور میں چاک و چوبند ہو گیا۔ یہاں سے آسمان کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا اور یہ آسمان نہیں بلکہ اوپر چھائی دھند تھی۔ جب میرے باز و تھک گئے تو میں پلٹ کر واپس بستر کی طرف آیا۔

باہر روشنی تیز ہو رہی تھی۔ مجھے اپنے صیادوں کی طرف سے کسی ردِعمل کا انتظار تھا اور مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ رات کھانا لانے والا صبح بھی ناشتہ لایا اور ناشتے میں وہی کھیر نما دلیہ اور اس کے ساتھ چائے نما مشروب تھا۔ اس کی مہک چائے جیسی تھی لیکن ذائقہ ذرا مختلف تھا۔ ٹرے لانے والے نے مجھے اشاروں سے سمجھایا کہ میں جلد ناشتہ کر لوں کیونکہ قید خانے کا منتظم میرا منتظر تھا۔ اگر منتظم میرا منتظر تھا تو یہ اس کا مسئلہ تھا اس لیے میں نے اطمینان سے ناشتہ کیا اور کھیر نما دلیہ اس وقت ہلکا سا میٹھا تھا۔ گویا یہ لوگ بھی اس بات کے قائل تھے کہ ناشتے میں کچھ میٹھا ہونا چاہیے۔ میں مقامی چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ ٹرے والا آ گیا۔ مگر اس بار وہ اشارے کرنے کے بجائے اس وقت تک کھڑا رہا جب تک میں نے چائے ختم نہیں کر لی۔ اس نے ٹرے اٹھائی اور مجھے لے کر وہاں سے نکلا۔ منتظم کے دفتر میں وہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کسی قدر فاخرانہ لباس میں ایک جوان العمر اور دلکش شخص بھی موجود تھا۔ اس نے وہی مقامی طرز کا لمبا سا کرتہ نما لباس پہنا ہوا تھا مگر یہ سرخی مائل زعفرانی رنگ کا تھا اور اس پر اس نے سرخ رنگ کا پٹکا باندھ رکھا تھا۔ اس کے لمبے گھنگریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور اس کے گلے میں سیاہ موتیوں کی مالا تھی۔ وہ منتظم سے بات کر رہا تھا اس نے ایک اچٹتی نظر مجھ پر ڈالی اور منتظم سے پوچھا۔

''اسے کوئی تکلیف تو نہیں دی؟''

''نہیں جناب۔'' منتظم نے ادب سے کہا۔ ''اسے لانے والے سپاہیوں نے بتا دیا تھا کہ یہ شاہی قیدی ہے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا ہے۔''

''میں اسے لے جا رہا ہوں جلد اسے شاہِ اعظم کے سامنے پیش کرنا ہے۔''

''بالکل جناب، کیا میں اپنے سپاہی آپ کے ساتھ کروں؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ منتظم نے ایک سپاہی بلوایا اور اسے حکم دیا کہ وہ مجھے باہر تک چھوڑ کر آئے۔ سپاہی نے مجھے اشارہ کیا اور میں باہر آیا۔ زعفرانی لباس والا پہلے ہی باہر نکل گیا تھا۔ باہر اس کے ساتھ چار سپاہی موجود تھے انہوں نے مجھے اپنے نرغے میں لے لیا اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ دن میں یہاں خاصی چہل پہل تھی اور ہر طرح کے سرکاری اور شاہی ملازم آ جا رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اعلیٰ عہدیدار اسی طرح کے سرخی مائل زعفرانی لباس میں تھے اور انہوں نے سرخ پٹکے باندھ رکھے تھے گویا یہ افسران کی کوئی خاص قسم کی تھی۔ اس بار بھی میرا خیال نہیں تھا کہ مجھے رینات کے حضور پیش کیا جائے گا اور میرا اندازہ درست ثابت ہوا جب مجھے ایک دفتر نما عمارت میں لایا گیا اور مجھے لانے والے نے ایک دروازے کے باہر چاروں سپاہیوں کو روک دیا اور مجھے لے کر اندر آیا۔ یہ ایک خوبصورت سا کمرہ تھا جس میں دبیز قالین کے ساتھ ایسا فرنیچر تھا جو فرشی نشست میں کام آتا ہے۔ چھوٹی میزیں اور نیچی تپائیاں وغیرہ تھیں۔ اس نے اپنے جوتے اتارے اور قالین پر براجمان ہوتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔

''بیٹھ جاؤ شہباز۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں دنگ رہ گیا۔ اپنا نام تو میں نے برف والے کو بھی نہیں بتایا تھا مجھے خیال تھا کہ وہ جانتا ہے لیکن یہ میں نے نہیں سوچا تھا کہ اس وادی کا ایک فرد میرا نام جانتا ہوگا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا۔ ''تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟''

''مجھے برف والے نے بتایا ہے۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

اب مجھے خیال آیا کہ وہ میری بات سمجھ رہا تھا جب کہ میں بدستور اردو بول رہا تھا۔ ''تم میری بات سمجھ رہے ہو؟''

وہ آہستہ سے ہنسا۔ ''جب میں نے برف والے کا نام لیا تب ہی تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا۔''

مجھے خیال آیا کہ کہیں وہی تو کیرٹ نہیں ہے اور میں نے کہا۔ ''میں آپ کو نہیں جانتا ہوں۔''

''میرا نام رائل ہے۔'' اس نے جواب دیا تو مجھے کسی قدر مایوسی ہوئی تھی وہ کیرٹ نہیں تھا۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیرٹ کون ہے مگر میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ یہ نام زبان پر نہ لاؤں۔ برف والے نے اہم ترین موقع پر خاص طور سے مجھے یہ نام بتا کر یاد رکھنے کو کہا تھا اور مجھے اسے اتنا عام نہیں لینا چاہیے تھا۔

''میں اب تک سمجھ نہیں سکا کہ تم نے برف والے کا حوالہ کیوں دیا ہے؟''

''تم نہیں جانتے برف والے کو؟'' اس کا لہجہ مصنوعی تحیر لیے ہوئے تھا۔ ''کیا تمہیں اس نے نہیں بھیجا ہے۔''

''میں اسی کے پاس سے لایا گیا ہوں لیکن اس نے مجھے نہیں بھیجا ہے۔'' میں نے اس بار بھی غلط بیانی سے کام لیا۔ ''ہاں میں اس کے ساتھ تھا اور پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ میں اپنے حواس برقرار نہ رکھ سکا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں چھ سپاہیوں کے نرغے میں تھا وہ مجھے یہاں لے آئے۔''

''تمہیں برف والے نے بھیجا ہے۔'' رائل اپنے الفاظ پر زور دے کر بولا۔ ''تم ڈرو مت، کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ میں بھی تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔''

سچی بات ہے کہ اس کی بات نے مجھے ایک لمحے کو چکرا دیا تھا۔ اگر میری چھٹی حس خبردار نہ کرتی تو شاید میں اقرار کر لیتا کہ مجھے برف والے نے بھیجا ہے۔ مگر اس کی بے تابی نے مجھے بتا دیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے ایک طرف سے پردہ ہٹا کر ایک پری اندر آئی۔ اسے آپ قدیم انداز کی روایتی پری مت سمجھیے گا۔ آج کل انٹرنیٹ پر پریوں کے گیم (بچوں کے لیے) عام ہیں جنہیں آپ آن لائن بھی کھیل سکتے ہیں۔ ان میں پریوں کو نہایت جنسی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی ان کے جسمانی خدوخال اور ملبوسات (اگر انہیں لباس کہا جا سکے) ناقابل بیان ہوتے ہیں۔ یہ کچھ اسی قسم کی پری تھی اس نے سرخ رنگ کا روایتی کرتہ پہنا ہوا تھا مگر یہ کرتہ نہایت باریک کپڑے کا تھا اور جہاں اس کے بدن سے لگتا تھا نہایت تفصیل سے سب عیاں کر دیتا تھا۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھا اور بے ساختہ لاحول پڑھی۔ وہ خاموشی سے آئی اور دوزانو بیٹھ کر اس نے تپائی سے ام الخبائث کا بلوریں جگ اور گلاس اٹھائے۔ جب وہ دوسرے گلاس میں بھی سبز شراب ڈالنے لگی تو میں نے منع کیا۔ ''میں نہیں پیتا ہوں۔''

''تم نارس نہیں پیتے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔ یہاں شراب کو نارس کہا جاتا تھا اور اسے پینا اتنا عام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ میرے نہ پینے پر اس نے تعجب کا اظہار کیا تھا۔

''نہیں۔'' میں نے مختصر اور قطعی لہجے میں کہا

''اس کے لیے مت نکالو۔'' اس نے لڑکی کو حکم دیا۔ ''پھلوں کا رس لے آؤ۔''

لڑکی نے جام اس کے سامنے سونے کی طشت میں رکھا اور اٹھ کر چلی گئی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ ایک عام سرکاری افسر کے ٹھاٹ تھے۔ اس کی وجہ یہاں وسائل کی فراوانی نہیں بلکہ وسائل کو چند افراد کے لیے مخصوص کر لینا تھا۔ اب وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ''تم اوپر سے کیسے آئے؟''

''برف والے آدمیوں سے بچنے کے لیے نیچے اترے تھے۔''

اس کے چہرے پر بے یقینی نظر آئی۔ ''یہ غلط ہے تم وادی میں اترنے آئے تھے؟''

''سب نہیں صرف چند لوگ اس مقصد کے ساتھ آئے تھے اور وہی مجھے زبردستی لائے تھے مگر برف والے آدمیوں کے حملے کے بعد میں ان کی قید سے فرار ہوا اور وادی میں اتر گیا۔'' میں نے غلط بیانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''پتا نہیں میں کیسے نیچے ایک راستے تک پہنچا اور پھر مجھے برف والا ملا اور اس نے بتایا کہ وہ برف والا ہے۔''

''اس نے تمہیں نیچے وادی میں جانے کو کہا؟''

''اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی بلکہ اس نے مجھے بتایا کہ وادی میں باہر سے کوئی فرد نہیں آ سکتا ہے۔''

''لیکن تم آ گئے ہو۔'' اس نے تیور بدل کر کہا۔

''ہاں لیکن اپنی مرضی سے نہیں آیا۔'' میں نے کہا۔ ''اس کی گواہی برف والا بھی دے گا۔''

لڑکی اب بلوریں جام میں پھلوں کا رس لے آئی اور میرے عین سامنے بیٹھی کہ مجھے ایک بار پھر لاحول پڑھنا پڑی۔ وہ بلاشبہ فتنہ بدن تھی۔ اس وادی میں اب تک میرا سامنا جتنے مردوں سے ہوا میں نے ان کو مروجہ پیمانوں کے لحاظ سے حسین و جمیل پایا تھا۔ ان کے جسم قدرتی طور پر متناسب اور مضبوط تھے۔ رنگت سرخ و سفید تھی اور بالوں میں رنگت میں بھی یورپ کا رنگ نمایاں تھا۔ یعنی سرخ، بھورے اور سنہری رنگ زیادہ نظر آ رہے تھے۔ سیاہ اور سرمئی رنگ کے بال کم لوگوں کے تھے۔ عورت اب تک ایک ہی دیکھی تھی اور وہ ایسی تھی کہ سپر ماڈل بن سکتی تھی۔ وہ گئی تو رائل نے آہستہ سے کہا۔ ''شہباز مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ مگر تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہاں قدم رکھ کر تم کس مشکل میں پڑ گئے ہو اور میں چاہتا ہوں تم اس مشکل سے نکل جاؤ۔''

''میں کس مشکل میں پڑ گیا ہوں اور اس سے کیسے نکل سکتا ہوں۔''

''باہر سے جو فرد یہاں آتا ہے اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔''

''ایسا جان بوجھ کر آنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، میں جان کر نہیں آیا اور اگر میں بے ہوش نہ ہوتا تو شاید واپس جا چکا ہوتا۔''

''یہ قانون پرانا ہے نئے قانون کے تحت اب باہر سے آنے والے ہر فرد کو صرف سزائے موت ملتی ہے۔''

''یعنی میرا مقدر بھی سزائے موت ہے۔''

''تم بچ سکتے ہو۔'' اس نے ذرا آگے جھک کر کہا۔ ''اگر تم میری بات مان لو تو؟''

''کون سی بات؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں برف والے سے زیادہ کوئی شخص معزز نہیں ہے اگر تم کہہ دو کہ تم کو برف والے نے بھیجا ہے تو تم سزائے موت سے بچ جاؤ گے۔''

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔''صرف یہ کہنے سے میں بچ جاؤں گا؟''

''میں ضمانت دیتا ہوں۔''

اس قسم کی ضمانتوں کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہت عرصے سے اسی دشت کی سیاحی کر رہا تھا جہاں ہر دوسرا فرد رائل جیسا ملتا تھا۔''صرف جان بخشی ہوگی؟''

''نہیں تم کو وادی سے باہر بھی بھیج دیا جائے گا۔''

''وہ کیسے؟''

اس نے وضاحت کی۔''کوئی مشکل نہیں ہے اچانک تمہاری موت کا اعلان کر دیا جائے گا اور بہ ظاہر تم دفن ہو جاؤ گے لیکن درحقیقت تم وادی سے باہر جا چکے ہو گے۔''

میرا خیال ہے اس نے میری موت کے بارے میں جو کہا تھا اس کے الفاظ میں صرف وہی سچ تھے باقی اس نے ہول سیل میں جھوٹ بولا تھا۔ میں نے سوچا اور پوچھا۔''اگر میں یہ بات نہ مانوں اور سچ بول دوں تو؟''

''تب تمہیں بچانا ممکن نہیں ہوگا۔ کچھ دیر بعد تمہیں شاہ اعظم کے دربار میں پیش کیا جائے گا اور وہاں سے تمہاری موت کا حکم صادر ہوگا آج شام سے پہلے تم دنیا سے رخصت ہو چکے ہو گے۔''

ایسا بالکل ممکن تھا۔ دیکھا جائے تو میں موت کے گھیرے میں تھا اور کسی وقت بھی میرا فرشتہ اجل سے سامنا ہو سکتا تھا۔ اس لیے رائل کی بات پر یقین نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر برف والے کے حوالے سے اس نے جو بات کی تھی اس سے ہی رائل اور اس کے آقا کی نیت کی خرابی سامنے آ گئی تھی۔ اگرچہ یہ ڈھکی چھپی تھی مگر مجھے امید تھا کہ وہ کھل کر سامنے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ میں سوچ رہا تھا اور رائل مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ مگر اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ رائل کو کس نے میری بات سمجھنے کے قابل بنایا کیا یہاں برف والے جیسی صلاحیت کسی اور شخص میں بھی تھی؟ یہ کوئی ناممکن کام نہیں تھا جو ایک شخص کر سکتا ہے وہ دوسرا بھی کر سکتا۔ رائل میں مجھے یہ صلاحیت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ عام سا دنیا دار شخص تھا جو اپنا حصہ چالاکی و مکاری سے وصول کرنے پر یقین رکھتا تھا۔ اگر یہاں ایسا کوئی فرد تھا تو لازمی طور پر وہ برف والے کے خلاف تھا اور میرا بھی ہمدرد نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے خبردار کرنے والے انداز میں کہا۔

''تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی فیصلہ کر لو۔''

میں نے سرد آہ بھری۔''تم نے کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے۔ اب میں سوائے جھوٹ بولنے کے اور کیا کر سکتا ہوں۔''

وہ خوش ہو گیا۔''تم نے بالکل درست فیصلہ کیا اور جلد اس کا نتیجہ بھی تمہارے سامنے آ جائے گا۔''

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا اور بہ ظاہر میں وہاں اکیلا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ آس پاس نگران ہوں گے۔ مگر مجھے نگرانوں کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی اس فتنہ بدن کی تھی کہ وہ کہیں تنہائی میں یہاں نہ آ جائے۔ پتا نہیں پھلوں کا رس لاجواب تھا یا اس کے ہاتھوں نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ میں نے بارہا مختلف قسم کی کاک ٹیل رس بھی پی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے لیکن جیسی کاک ٹیل یہ تھی ایسی میں نے کبھی نہیں پی۔ اس وادی کی ہر چیز ہماری دنیا سے مشابہہ ہوتے ہوئے بھی الگ ہی تھی۔ جیسے ہی میں نے جام خالی کیا رائل آ گیا اور اس نے کہا۔ ''اب چلو وقت قریب ہے۔''

میں کیونکہ جوتوں سمیت ہی قالین پر فروکش ہو گیا اس لیے صرف اٹھ کر باہر آ گیا۔ ہمارے باہر آتے ہی چار سپاہی ساتھ ہو گئے اور ہم اس عمارت سے بھی باہر آئے۔ اب ہم جس طرف جا رہے تھے وہ شاہی محل کا خاص حصہ لگ رہا تھا یہاں فن تعمیر اور اس میں چیزوں کا استعمال بالکل منفرد اور الگ تھا۔ کچھ دیر بعد ہم ایک عالی شان عمارت کے سامنے رکے۔ اس کی درجن سے اوپر سیڑھیوں کے بعد بہت بڑا سا برآمدہ تھا جس کی بلند چھت کا بوجھ سہارنے کے لیے پتھر کے بنے متعدد ستون موجود تھے۔ یہ تمام عمارت سفید رنگ کے پتھر سے بنی تھی جو سنگِ مرمر سے مل رہا تھا۔ ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے اور ایک بہت بڑے دروازے سے ایک طویل راہداری میں داخل ہوئے۔ اس کے فرش پر سرخ رنگ کے دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر مصوری کے نمونے آویزاں تھے۔ کیونکہ یہ حصہ اندر تھا اس لیے روشنی کی خاطر یہاں ہر کچھ قدم کے فاصلے پر ایسی شمعیں روشن تھیں جن کے دھوئیں سے مہک سے اٹھ رہی تھی۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر چند قدم کے بعد مسلح سپاہی بھی موجود تھے۔ تین جگہوں پر ہمیں روکا گیا تو رائل نے مخصوص اجازت نامہ دکھایا اور اسے آگے جانے کی اجازت مل گئی۔ راہداری کے آخر میں ایک عظیم الشان ہال تھا۔ جس کے وسط میں ستونوں کی تین قطاریں تھیں۔ یہاں چھت کی بلندی کم سے کم تیس فٹ ضرور تھی۔ اس کے ایک سرے پر کوئی دس فٹ اونچا چبوترا تھا جس پر شاید خالص سونے سے بنا ہوا کرسی نما تخت رکھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں بائیں قطاروں میں کرسیاں رکھی تھیں اور یہ رینالٹ کا دربار تھا۔ کرسیوں پر کچھ لوگ بیٹھے تھے مگر میں نے نوٹ کیا کہ چبوترے کے پاس والی ذرا بڑی اور زیادہ خوب صورت کرسیاں خالی تھیں۔ دیواروں پر حریری پردے لہرا رہے تھے اور یہاں روشنی کا ایسا نظام تھا جو بہ ظاہر دکھائی نہیں دیتا تھا مگر یہ ہال کو مخصوص انداز میں روشن کر رہا تھا۔ فرش اور دیواروں کو جس حد تک سجایا جا سکتا تھا یہ ہال اتنا ہی سجا ہوا تھا۔ چھت سے جھنڈے لٹک رہے تھے۔ رائل مجھے لے کر چبوترے سے ذرا فاصلے پر رک گیا۔

میرا خیال تھا کہ ابھی کوئی گجر بجے گا جو شاہِ اعظم کی آمد کا اعلان کرے گا۔ مگر اس کے بجائے ایک سریلی اور کوکتی نسوانی آواز بلند ہوئی۔ اس میں الفاظ کے بجائے سُر تھے۔ یعنی وہ سُر جو کلاسیکل گلوکار اپنے حلق سے برآمد کرتے ہیں۔ عرف عام میں اسے راگ درباری کہا جاتا ہے مگر یہاں یہ سُر دوسرے مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ آواز سنتے ہی کرسیوں پر بیٹھے درباری کھڑے ہو گئے اور تقریباً رکوع والی حالت میں چلے گئے۔ ان کے ساتھ رائل اور اس کے چاروں سپاہی بھی اسی پوزیشن میں چلے گئے۔ مگر میں سیدھا کھڑا رہا۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے بھی جھک جانا چاہیے مگر میرا دل نہیں مانا کہ میں کسی انسان کے سامنے از خود یوں جھکوں۔

آواز جاری تھی کہ ایک ادھیڑ عمر مگر مضبوط جسم کا شخص چند افراد کے ساتھ ایک طرف سے ہال میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی چھڑی تھی جو یقیناً حکمرانی کا نشان تھی۔ سر پر سونے کا دائرے میں بنا ہوا تاج تھا جس پر مختلف جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھی مختلف ملبوسات میں تھے۔ وہ سب اپنی اپنی کرسیوں کے پاس رکتے ہوئے رکوع والی پوزیشن میں جاتے رہے اور جب تاج پوش شاہانہ انداز میں چلتا ہوا ہال کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرے پر واقع چبوترے تک پہنچا اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے تخت طاؤس پر جا بیٹھا تو باقی سب بھی اپنی کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔ اس نے ایک نظر پورے ہال پر ڈالی اور پھر اس کی تمام تر توجہ مجھ پر مبذول ہو گئی۔ اس کی آنکھیں سرد اور بے تاثر تھیں۔ میں نے ایک بار ٹی وی پر شارک سے متعلق پروگرام دیکھا تھا اور اس میں شارک کی آنکھیں کچھ اسی طرح کی تھیں۔ اگرچہ اس کی آنکھیں ابھری ہوئی نہیں تھیں مگر ان میں سرد مہری اور سفاکی شارک جیسی تھی۔ وہ یقیناً نیکاٹ کا بیٹا رینالٹ تھا۔

میں اب تک سمجھنے سے قاصر تھا کہ برف والے نے مجھے یہاں کیوں بھیجا تھا اور اسے یہ توقع کیوں تھی کہ میں اس وادی میں متحارب فریقوں کی جنگ میں کوئی کردار ادا کر سکوں گا۔ اگر میں کوئی کردار ادا بھی کرتا تو وہ کم سے کم اس شخص کے لیے ہرگز نہیں ہوتا جس سے مجھے پہلی نظر میں چڑ ہو گئی تھی۔ مجھے لگا کہ مرشد یا ڈیوڈ شا جیسا ایک اور کردار میرے سامنے آ گیا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کا کوئی ذاتی کردار نہیں تھا اور وہ صرف قوت کے بل بوتے پر خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہو۔ اس نے میری طرف ہاتھ دراز کیا اور حقارت آمیز لہجے میں بولا۔ ''تم نے مجھے تعظیم نہیں دی۔''

''کیونکہ میں شاہ اعظم کی رعایا میں سے نہیں ہوں۔ میں وادی کا فرد بھی نہیں ہوں۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ یہ اطمینان صرف ظاہری نہیں تھا۔ بلکہ میں اندر سے بھی پوری طرح مطمئن تھا۔ نہ جانے کیوں یہ شخص مجھے کسی جابر حکمران سے زیادہ مسخرہ لگا تھا جو شاہ اعظم بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی براہِ راست میری بات سمجھ سکے گا مگر وہ نہیں سمجھا تھا اور رائل نے ذرا آگے آ کر میری بات کا ترجمہ کیا۔ اگرچہ اس کا ترجمہ بھی مجھے اردو میں سنائی دے رہا تھا۔ رینالٹ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

''اس وادی میں رہنے والا ہر فرد میری رعایا میں شامل ہے۔''

میں نے ظاہری ادب سے کہا۔ ''میں بتا چکا ہوں کہ میں وادی سے تعلق نہیں رکھتا۔''

رائل کے ترجمے نے رینالٹ کے غصے میں اضافہ کیا تھا اور میں اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے آواز میں مزید گرج شامل کی۔ ''یہاں باہر سے آنے والے ہر فرد کی سزا موت ہے۔''

''میں واقف ہوں لیکن میں خود نہیں آیا بلکہ شاہ اعظم کے سپاہی مجھے گرفتار کر کے لائے ہیں۔''

''جب تمہیں گرفتار کیا گیا تب تم وادی میں تھے۔'' رینالٹ نے حقارت سے کہا۔

''مجھے تسلیم ہے لیکن وادی میں بھی مجھے برفانی آدمیوں نے آنے پر مجبور کیا ورنہ میرا وادی میں آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔''

''تم سزائے موت کے مستحق ہو چکے ہو۔'' رینالٹ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ تھا وہ ایک مسخرہ شخص تھا جو غصے میں آ کر اپنا اصل منصوبہ بھول گیا تھا اور مجھے سزائے موت سنانے جا رہا تھا۔ رائل نے بروقت کھنکار کر کہا۔

''آپ بجا فرما رہے ہیں شاہ اعظم، لیکن آپ کی انصاف پروری کا تقاضہ ہے کہ اس سے حجت اتمام کر لیں۔ یہ پوری طرح اپنے جرم کا اقبال کرے تب اسے سزائے موت دی جائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رائل نے نہایت ہوشیاری سے اسے یاد دلایا کہ حضور اپنے پلاٹ سے ہٹ رہے ہیں۔ وہ جلدی سے سنبھل گیا اور اس کا اظہار اس کے تاثرات سے بھی ہو رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''اچھا ہوا کہ میں نے تمہیں سزا نہیں سنائی ورنہ موت اسی وقت تمہارا مقدر بن جاتی، تمہارے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ ہے؟''

رائل میری طرف گھوما اور اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اگر تم اپنی صفائی پیش کر سکو تو شاہ اعظم کو رحم دل بھی پاؤ گے۔''

''دوسری صورت میں تمہارے لیے سزائے موت ہی ہو گی۔'' رینالٹ نے اصل بات کہہ دی۔ لفظ دوسری کی جگہ بہر کر لیا جائے تو اس کے حقیقی عزائم کی عکاسی ہو جاتی۔ میں جواب میں خاموش رہا اور جب خاموشی کا یہ وقفہ کچھ زیادہ طول پکڑ گیا تھا تو رائل نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''لگتا ہے تمہارے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ کیا تم مزید اس دنیا میں رہنا نہیں چاہتے؟''

''کون بھری جوانی میں مرنا چاہتا ہے لیکن بدقسمتی سے میرے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو جو کچھ ہے وہ میں بتا چکا ہوں۔''

رائل کا منہ ایک لمحے کو کھلا رہ گیا۔ غالباً اسے مجھ سے اس جواب کی توقع نہیں تھی اور جب وہ مجھے کمرے میں چھوڑ کر کہیں گیا تھا تو اس نے یقیناً رینالٹ کو یہی اطلاع دی ہو گی کہ مرغا پھنس گیا اور وہ اپنے دربار کی پالی سجا لے تاکہ مجھے ٹھیک سے حلال کر سکے۔ مگر مرغے نے عین موقع پر پالی میں اترنے سے انکار کر دیا۔ رائل نے جلدی سے کہا۔ ''تم نے مجھے برف والے کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔''

''میں نے تمہیں برف والے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔'' میں نے اطمینان سے اسے جھٹلا دیا۔ ''تمہیں بھی یہی بتایا تھا جو ابھی کہہ رہا ہوں۔''

درباری غالباً حیران تھے کہ میں ان کی زبان جانتا تھا یعنی سمجھ رہا تھا مگر جواب اپنی زبان میں دے رہا تھا اور زیادہ حیرانی اس پر ہوتی کہ رائل میری زبان سمجھ رہا تھا اور مجھ سے اپنی زبان میں بات کر رہا تھا۔ غالباً انہیں اس چکر کا علم نہیں تھا جو برف والے نے میرے ساتھ اور کسی اور فرد نے رائل کے ساتھ چلایا ہوا تھا۔ رائل کی مجبوری یہ تھی کہ وہ مجھ سے اپنی زبان میں بات نہیں کہلوا سکتا تھا اور وہ یا رینالٹ جو کہہ رہے تھے وہ سب سن رہے تھے۔ ان کا پلان جو یقیناً برف والے کے خلاف تھا میرے انکار سے چوپٹ ہو گیا تھا اور اب وہ یہی کر سکتے تھے کہ اس کا بدلہ مجھ سے لیں اور رینالٹ نے یہی کیا اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ''یعنی تم اقرار کرتے ہو کہ تم اس وادی میں داخل ہوئے جب کہ تمہیں اس کا حق نہیں تھا۔''

''شاہ اعظم جو چاہیں سمجھیں میں اپنی صفائی پیش کر چکا ہوں۔''

میرے جواب سے زیادہ لہجے نے اسے بے قابو کر دیا۔ ''اسے آج ہی پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے۔''

اس کے الفاظ نے ہال میں سنسنی کی لہر دوڑا دی تھی کیونکہ فوراً ہی چبوترے کے سب سے نزدیک رکھی زرنگار کرسی سے ایک معمر شخص نے اٹھ کر کہا۔ ''شاہ اعظم اس کی سزا یقیناً موت ہے لیکن یہ سزا صرف مہا پجاری دے سکتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رینالٹ نے اتنی ہی غضب ناک نظروں سے اس بوڑھے شخص کو دیکھا جو یقیناً کسی اعلیٰ سرکاری منصب پر فائز تھا۔ اس نے کہا۔ ''وزیراعظم سربان کیا تم اس شخص کی حمایت کر رہے ہو۔''

''نہیں شاہ اعظم آپ نے میرے پہلے جملے پر غور نہیں فرمایا۔ میں نے کہا ہے کہ اسے سزائے موت دینے کا حق مہا پجاری کا ہے اور وہ یقیناً اسے سزائے موت ہی سنائے گا۔''

مگر رینالٹ کی آتشِ غضب اس حد تک بھڑک چکی تھی کہ اس نے اپنے وزیراعظم کے توجہ دلاؤ نوٹس کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا اور بولا۔ ''اسے لے جاؤ اور آج کا سورج غروب ہو تو یہ زندہ نہ ہو۔''

وزیراعظم سربان کے چہرے پر تشویش نظر آئی تھی۔ وہ صورت سے ہی دانش مند اور مخلص آدمی لگ رہا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر مہا پجاری کے اختیارات میں مداخلت کی گئی تو نتیجہ زیادہ اچھا نہیں نکلے گا اس لیے جب سپاہی مجھے گھیر کر لے جا رہے تھے تو وہ سیڑھی چڑھ کر اوپر جا رہا تھا اور پھر اس نے رینالٹ کے کان میں کچھ کہنا شروع کیا تھا میں اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکا کیونکہ درمیان میں اب لہراتے پردے حائل ہو گئے تھے۔ جب تک میں دربار میں اور رینالٹ کے سامنے رہا میرے جذبات دوسرے تھے مگر وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو مجھے پہلی بار اپنی فکر پڑی اور میں نے سوچا کہ میں نے کہیں برف والے پر کچھ زیادہ ہی اعتبار تو نہیں کر لیا مگر فوراً میرے اندر سے کسی نے نفی کی۔ میں نے برف والے پر نہیں بلکہ اس کائنات کے خالق اور مالک پر اعتبار کیا تھا جس کے قبضہ قدرت میں میری ایک ایک سانس ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں پھر سے پُرسکون ہو گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ رائل میرے پیچھے آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے باہر لانے والے سپاہی سیڑھیوں کے پاس رک گئے اور کچھ دیر بعد رائل اندر سے برآمد ہوا اس کا غصے سے برا حال تھا اس نے آتے ہی کہا۔

''احمق آدمی کیا تم مرنا چاہتے ہو تمہیں زندگی سے پیار نہیں ہے؟''

''کیوں نہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''مگر میں بے وقوف بن کر نہیں مرنا چاہتا۔''

وہ مجھے گھورنے لگا۔ ''کیا مطلب؟''

''کیا میں ان کے سامنے سب کہہ دوں؟'' میں نے سپاہیوں کی طرف دیکھا۔

''ان کی فکر مت کرو، سمجھ لو یہ گونگے بہرے ہیں۔''

''مطلب صاف ہے اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ میں برف والے کے بارے میں جھوٹ بولتا تب بھی مجھے سزائے موت نہیں ملتی۔ اگر تم یا شاہ رینالٹ اپنی بات سے پھر جائیں تو میں کیا کر لوں گا۔''

رائل کے خوشنما چہرے پر سفاکی اور خشونت نمودار ہونے لگی اور مجھے یوں لگا جیسے اس کے چہرے سے نقاب اتر رہا ہو اور اس کی اصل شخصیت نمایاں ہو رہی ہو۔ ''تم نے اچھا نہیں کیا ہے شاہ اعظم کے سامنے میری ساکھ خراب ہوئی ہے۔''

''اگر تم چاہو تو یہ ساکھ بحال ہو سکتی ہے لیکن مجھے خصوصی ضمانت چاہیے کہ پھر مجھے سزائے موت نہیں دی جائے گی اور مجھے وادی سے باہر جانے کی اجازت بھی ملے گی۔''

''یہ ضمانت کیسے دی جا سکتی ہے؟''

''یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ مجھے کیسے مطمئن کر سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب کچھ کرنا بہت مشکل ہے شاہ اعظم تمہاری موت کا حکم صادر کر چکے ہیں۔'' اس نے مایوسی سے کہا اور سپاہیوں کو حکم دیا۔ ''اسے کڑی نگرانی میں قید خانے تک لے جاؤ۔''

سپاہیوں نے مجھے اپنے نرغے میں لے لیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ چند گھنٹے بعد میں اسی قید خانے میں تھا جہاں میں نے رات گزاری تھی۔ مجھے اسی کمرے بند کر دیا گیا۔ سپاہیوں نے مجھے قید خانے کے منتظم کے حوالے کیا تھا۔ وہ خود مجھے لے کر کمرے تک آیا اور جب بند کرنے لگا تو اس نے اشارے سے پوچھا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے لباس کی ضرورت ہے۔ یہ لباس یہاں کے موسم کے لحاظ سے بہت گرم تھا۔ وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا اور میں بستر پر دراز ہو گیا۔ یہ چند گھنٹے اس لحاظ سے حیرت انگیز تھے کہ یہاں پہلے ہی میری آمد کی توقع تھی اور رینالٹ کو یہ بھی علم تھا کہ میں برف والے کے پاس سے آ رہا ہوں بلکہ یہ بھی علم تھا کہ اس نے مجھے اس قابل بنا دیا ہے کہ میں ان کی زبان سمجھ سکوں۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان تک یہ سب کیسے پہنچا۔ کیا برف والے کے آس پاس ان کا کوئی مخبر تھا۔

دوسرا جھٹکا مجھے یہ جان کر لگا کہ یہاں برف والے کی مخالفت موجود تھی اور میری مدد سے اسے پھنسانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ میری معلومات کے مطابق برف والا نیچے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا تھا اور جب میں اس کے پاس تھا تب بھی میں نے اس کی باتوں سے ایسا کوئی تاثر نہیں لیا کہ وہ نیچے والوں کے درمیان جاری تنازعے میں کوئی ذاتی کردار ادا کرنا چاہتا ہے۔ ہاں اس نے یہ ضرور چاہا تھا کہ میں نیچے جاؤں اور وادی میں جاری تنازعے کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کروں اور شاید اسی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے یوں مجھے نیچے پہنچانے کا بندوبست کیا تھا۔ اس کے باوجود یہاں اس کے خلاف سازش جاری تھی۔ شاید رینالٹ اینڈ کمپنی کو خطرہ تھا کہ کہیں برف والا سامیرا کے گروپ کی حمایت نہ کر دے۔ اس لیے انہوں نے سرے سے اس خطرے کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور پہلے مرحلے میں وہ میری مدد سے برف والے کے خلاف ایک اسٹیج تیار کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے مرحلے میں وہ اسے عدالت یا کسی جرگے کے سامنے کھینچ لیتے اور اسے رینالٹ کی من پسند سزا سنا دی جاتی۔ برف والا روحانی لحاظ سے کتنا ہی طاقتور سہی لیکن بہرحال وہ پوری ریاست کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

○.....❖.....○

اب میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ برف والے نے مجھے رینالٹ کے پاس بھیج کر غلطی کی تھی اس کے بجائے وہ سامیرا کے پاس بھیج دیتا تو میں یقیناً اس کے کام آ سکتا تھا۔ مگر شاید نظام قائم رکھنے کی خواہش نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ مجھے رینالٹ کے پاس بھیجے تاکہ میں اس کی طرف سے دوسرے گروپ کے خلاف کچھ کروں۔ یہاں آنے کے بعد میں نے جو دیکھا تھا میں کسی صورت رینالٹ جیسے آدمی کے لیے کام نہیں کر سکتا تھا۔ اگر یہ بات برف والا سمجھتا تھا تب اس نے مجھے بیکار میں یہاں بھیجا تھا اور دیکھا جائے تو میری جان کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ رینالٹ مجھے سزائے موت سنا چکا تھا۔ دروازہ کھلا تو میں چونکا۔ آنے والا قید خانے کا ملازم تھا جو کھانا بھی لاتا تھا اس وقت وہ میرے لیے لباس لایا تھا۔ اس نے سلیقے سے تہہ کیا ہوا لباس بستر پر رکھ دیا اور اشارے سے بولا کہ میں کپڑے بدل لوں۔

میں نے سوائے سوتی پاجامے اور آدھی آستین کی سوتی بنیان کے سب اتار دیا اور پھر اس پر کرتہ نما پہن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا۔اس کے بازو بغلوں سے کھلے ہوئے تھے اور یہ کہنیوں تک جا رہے تھے۔اوپر سے نیچے تک یہ ایک جیسا سائز رکھتا تھا اور اس کے ڈھیلے پن کو قابو رکھنے کے لیے پٹکا لازمی تھا۔یہ چوڑی سی بیلٹ تھی جسے کمر سے باندھا جا سکتا تھا۔اس کے تسمے دائیں طرف لگے تھے۔اسے پہن کر مجھے عجیب سا لگا تھا مگر یہ لباس آرام دہ اور گرم موسم کی مناسبت سے تھا۔خادم کچھ دیر بعد آیا اور اس بار وہ میرے لیے مقامی طرز کے جوتے بھی لایا تھا مگر میں نے اسے منع کر دیا اور جب وہ میرا اتارا لباس اٹھانے لگا تو میں نے پھر منع کر دیا اور اسے اشارے سے بتایا کہ میں واش روم جانا چاہتا ہوں۔وہ مجھے واش روم تک لے آیا۔میں نے فارغ ہو کر اچھی طرح منہ ہاتھ دھویا۔موقع نہیں تھا مگر جہاں تک ہو سکا بال بھی پانی سے صاف کر لیے۔

خادم مجھے واپس چھوڑ گیا۔میں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ فطرت میں سادہ تھے۔ورنہ ہماری دنیا میں قیدیوں پر اتنا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اور ان کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے جب کہ یہاں مجھے سوائے اس خادم کے اور کوئی نظر نہیں آیا تھا اور وہ بھی مجھے سپاہی نہیں لگا تھا۔کچھ دیر بعد وہ میرے لیے مشروب لے آیا یہ کوئی سوپ نما چیز تھی مگر گرم نہیں تھی اور اس میں ہلکے سے کسی سبزی کے ٹکڑے بھی تیر رہے تھے۔میں نے چکھ کر دیکھا تو اس کا ذائقہ اچھا لگا۔یہ شاید یہاں کا لنچ تھا اس لیے میں نے پورا پیالہ پی لیا۔اب میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں فرار کی کوشش کروں تو شاید مجھے اتنی مشکل پیش نہیں آئے گی۔یہ عمارت ساخت کے لحاظ سے قید خانہ ضرور تھی۔یعنی مضبوط اور آنے جانے کے راستے محدود تھے مگر یہاں پہرے کا خاص انتظام نہیں تھا صرف مرکزی دروازے پر دو مسلح سپاہی تھے اور ایک دو ہی مجھے اندر نظر آئے تھے۔

شاید ان لوگوں کو اطمینان تھا کہ اگر کوئی قید خانے سے فرار ہو بھی گیا تو وہ اس شہر سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔میں نے فصیل پر سخت پہرہ دیکھا تھا اور اس پر ہر چند گز کے بعد ایک سپاہی نظر آ رہا تھا۔شہر سے باہر آنے جانے والوں کی بھی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔میں کوشش کر کے یہاں سے نکل سکتا تھا اور فصیل کے دوسری طرف جانا بھی اتنا مسئلہ نہیں تھا۔برف والے نے مجھے یہاں متحرک کردار ادا کرنے کے لیے بھیجا تھا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے لیے نہیں۔اگر میں ایسا کرتا تو یہ میری بے وقوف بھی ہو سکتی تھی۔میں الجھن میں پڑ گیا۔کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے فرار سے کوئی مشکل کھڑی ہو جائے اور برف والے نے جیسا چاہا ہو ویسا نہ ہو۔مگر کسی قدر غور و فکر کے بعد میں نے حرکت میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔میرا لباس مقامی ہو گیا تھا اور بڑھ جانے والے بال بھی اب الگ سے نہیں لگ رہے تھے۔پیروں میں جدید ترین جوگرز تھے مگر یہ لمبے کرتے میں اتنے نمایاں نہیں ہوتے۔

یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر کے میں نے اٹھ کر دروازہ بجایا اور دیوار سے لگ گیا۔اس نے دروازہ کھولا اور بستر خالی دیکھ کر تیزی سے اندر آیا تھا کہ میں نے اس کی گردن اپنے بازو میں دبوچ لی اور دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا کہ وہ آواز نہ نکال سکے۔وہ متوسط جسامت کا جوان آدمی تھا اور یقیناً طاقتور تھا مگر میری مہارت کا مقابلہ نہیں کر سکا۔گردن کے نازک حصے پر دباؤ نے اسے جلد شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ دو منٹ میں میرے ہاتھوں میں جھول گیا۔میں نے اسے بستر پر لٹا دیا۔میں نے احتیاط کی تھی کہ اس کی گردن ایک حد سے زیادہ نہیں دبائی، کیونکہ خطرہ تھا کہ اس کا سانس رک ہی نہ جائے۔اس کی نبض دیکھی وہ سست تھی مگر باقاعدگی سے چل رہی تھی۔اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں باہر آیا۔یہاں ایک راہداری میں دونوں طرف چار چار کوٹھریاں تھیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے آخری سرے پر واش روم تھا۔

باہر جانے کا راستہ دوسری طرف تھا۔ میں نے اس کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو مجھے ناکامی ہوئی۔ وہ باہر سے بند تھا۔ یہاں تالے نہیں ہوتے تھے میں نے کہیں تالا لگا نہیں دیکھا البتہ کنڈی ہوتی تھی اور دروازہ باہر سے کنڈی کی مدد سے بند تھا۔ میں نے زور لگا کر دیکھا مگر پٹ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ چند ناکام کوششوں کے بعد میں نے ہار مان لی کہ اسے کھولنا میرے بس سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ واش روم اور دوسرے کمرے موجود روشن دان اتنے بڑے نہیں تھے کہ میں ان سے نکلنے کا سوچتا۔ میں واپس کمرے میں آیا اور خادم کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا۔ پانی چھڑکنے اور منہ پر بار بار تھپڑ مارنے کے بعد وہ ہوش میں آ گیا اور اس نے خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے اشاروں سے اسے سمجھایا کہ وہ میری بات کا جواب اپنی زبان میں دے میں اس کی بات سمجھ سکتا ہوں۔

میں نے اس سے پوچھا کہ یہاں سے باہر جانے کا طریقہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ ''میں آواز دیتا ہوں تو باہر موجود آدمی ایک چھوٹی کھڑکی کھول کر دیکھتا ہے اور اسے میں نظر آتا ہوں تو وہ دروازہ کھولتا ہے۔ اگر میں نظر نہ آؤں یا میرے ساتھ کوئی اور بھی ہو تو وہ دروازہ نہیں کھولتا ہے۔''

میں نے اشارے سے پوچھا کہ کوئی چھپ کر جائے تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ پوری طرح دیکھتا ہے اور راہداری میں کوئی جگہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی ہے۔''

میں مایوس ہوا کم بختوں نے بہت سادہ لیکن مؤثر نظام بنایا ہوا تھا۔ میں نے مزید تسلی کی۔ ''اگر تمہیں یرغمال بنا کر لے جاؤں تب وہ دروازہ کھولے گا۔''

اس نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ ''میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر تم مجھے مار بھی دو تب بھی دروازہ نہیں کھلے گا۔''

وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اسے یرغمال بنانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور اسے جانے کی اجازت دی۔ وہ کسی قدر حیران ہوا لیکن پھر تیزی سے باہر نکل گیا اور اس نے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ اب میرے پاس دوسرا موقع یہ ہوتا کہ جب مجھے یہاں سے نکالا جاتا تب میں فرار کی کوشش کرتا۔ مگر میری اولین کوشش نے صیادوں کو ہوشیار کر دیا تھا اور جب مجھے باہر لے جانے کا وقت آیا تو وہ پوری تیاری سے آئے تھے۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور دو تیر انداز سپاہی تیر تانے ہوئے اندر آئے اور کمرے کے دونوں کونوں میں پوزیشن سنبھال لی۔ یہ اتنی تیزی سے ہوا کہ میں بستر سے اٹھ بھی نہیں سکا تھا۔ دروازے پر رائل کھڑا تھا اس نے حکم دیا۔ ''الٹے منہ نیچے لیٹ جاؤ اور دونوں ہاتھ پشت پر کر لو۔''

''وہ کیوں؟''

''تمہیں ایک بار پھر شاہ اعظم کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔''

''اگر میں تمہارا حکم نہ مانوں تو۔''

''تب یہ تیر انداز تمہارے پیروں کو نشانہ بنائیں گے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تمہیں بہر صورت شاہ اعظم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اب تم فیصلہ کر لو کہ کیسے جاؤ گے اپنے پیروں پر چل کر یا کوئی تمہیں اٹھا کر لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے۔''

ظاہر ہے میں نے پہلی صورت کو ترجیح دی اور فرش پر اوندھے منہ لیٹ کر دونوں ہاتھ پشت پر کر لیے۔ رائل کے پیچھے سے ایک سپاہی نکل کر آگے آیا اور اس نے میرے دونوں ہاتھ رسی سے باندھ دیئے اور اس کے بعد میرے دونوں پاؤں اس طرح باندھے گئے کہ درمیان میں کوئی فٹ بھر کی رسی موجود رہی تھی یعنی میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چل سکتا تھا۔ مگر بھاگنا تو درکنار میں بڑے قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جب اس سپاہی نے مجھے باندھ دیا تو ایک سپاہی اور اندر آیا اور اس نے باندھنے والے کے ساتھ مل کر مجھے اٹھا کر کھڑا کیا اور بدستور بازوؤں سے پکڑ کر چلاتے ہوئے کمرے سے باہر لائے۔ دونوں تیر انداز بھی بدستور تیر تانے ہوئے میرے پیچھے آئے تھے اور اس بار میں بالکل مختلف انداز میں رینالٹ کے دربار کی طرف جا رہا تھا۔ اب میں مجرم لگ رہا تھا جب کہ پہلے مجھے ملزم کی طرح لے جایا گیا تھا۔

یقیناً کوئی ایسی تبدیلی آئی تھی کہ رینالٹ دوبارہ مجھے اپنے دربار میں بلوانے پر مجبور ہوا تھا مگر یہ تبدیلی میرے حق میں نہیں تھی۔ شاید کسی کو مطمئن کرنے کے لیے کارروائی پھر سے ہوتی یا میری سزا میں کوئی تبدیلی کی جانی تھی۔ شاید سادہ پھانسی کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کیا جاتا جس میں آدمی عبرتناک انداز موت سے ہمکنار ہوتا ہو۔ بہرحال جو بھی تھا جلد میرے سامنے آجاتا۔ ہم دربار میں پہنچے تو مجھے اندازہ ہوا کہ آج دربار عام نہیں تھا کیونکہ دونوں طرف کرسیوں پر موجود عام درباری اس وقت موجود نہیں تھے۔ وزیراعظم سربان کے علاوہ وہاں صرف دو افراد اور تھے اور ان کے حلیے سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ پجاری تھے۔ ان میں سے ایک کسی قدر پستہ قد اور بھاری چہرے والا شخص تھا۔ اس کی متورم آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ بلانوش ہے۔ دوسرا فرد جو اس کے ذرا پیچھے کھڑا تھا اس کے مقابلے میں طویل قامت اور خوشرو تھا۔ نقوش سے وہ کم عمر لگ رہا تھا مگر اس کی عمر تیس سے زیادہ ہی تھی۔ رائل نے مجھے ان کے سامنے پیش کیا اور بولا۔

''ریاست کا مجرم حاضر ہے۔''

''یہ وادی کا مجرم ہے۔'' بھاری چہرے والے نے سخت لہجے میں کہا۔ ''وادی کا مجرم اصل میں معبد کا مجرم ہوتا ہے اور اس کی قسمت کا فیصلہ صرف مہا پجاری کر سکتا ہے۔''

رینالٹ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غصہ نظر آیا مگر دوسرے لمحے اس نے خود پر قابو پا لیا اور عیاری سے بولا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مہا پجاری، مگر میں نے اسے ذاتی توہین پر وہی سزا دی ہے جو آپ اسے وادی میں آنے کی صورت میں دیتے۔''

''اس کے باوجود یہ معبد کے معاملے میں کھلی مداخلت ہے۔'' بھاری چہرے والا بولا جو یقیناً مہا پجاری یا اس کا نمائندہ تھا۔ ''شاہ اعظم نہ بھولیں کہ اس وقت وہ بہت مشکل میں ہیں اور ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی مشکل میں اضافہ نہیں کریں گے۔''

رینالٹ کا چہرہ مرجھا گیا تھا اس نے کہا۔ ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ مہا پجاری میری عزت رکھ لیں کیونکہ میں اسے دربار عام میں موت کی سزا سنا چکا ہوں۔''

اس سے پہلے مہا پجاری کچھ کہتا اس کے عقب میں موجود خوشرو آدمی نے ذرا جھک کر اس کے کان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ کہا اور اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر شاہ اعظم کسی کارروائی سے پہلے معبد کو اعتماد میں لے لیتے تو شاید کوئی راستہ نکل آتا مگر اب یہ ممکن نہیں ہے۔ وادی کے مجرم کو فوری طور پر ہمارے حوالے کیا جائے تاکہ اس پر مقدمہ چلا کر اسے سزا دی جا سکے۔''

رینالٹ شاید اس کے لیے تیار نہیں تھا مگر وزیر اعظم سربان نے جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا اور یقیناً یہی مشورہ دیا کہ یہ وقت معبد سے الجھنے کا نہیں ہے۔ رینالٹ کو پہلے ان حریفوں پر توجہ دینی چاہیے جو اس کے اقتدار کے لیے براہ راست خطرہ ہیں۔ معبد کے پجاریوں اور برف والے سے بعد میں بھی نمٹا جا سکتا تھا۔ رینالٹ نے بادل ناخواستہ سر ہلایا اور رائل کو حکم دیا۔ ''قیدی کو مہا پجاری کے حوالے کر دیا جائے۔''

مہا پجاری کے چہرے پر جو فاخرانہ تاثرات آئے تھے۔ مجھے لگا کہ وہ نہایت جاہ پسند اور اپنے اختیارات کے معاملے میں ضدی شخص تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے ریاست اور معبد میں اچھے تعلقات مشکل تھے دوسری طرف رینالٹ کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا تھا۔ مگر یہ دونوں اصل میں مفاد پرست تھے اگر ان کا مفاد ہوتا تو یہ جھکنے میں ایک لمحہ نہ لگاتے اور اگر مفاد نہ ہوتا تو آنکھیں پھیرنے میں دیر نہ کرتے۔ مگر فی الحال دونوں کی بن رہی تھی۔ یہ صورت حال میرے لیے غیر متوقع مگر میرے حق میں تھی۔ میری سزا کا فیصلہ کچھ دیر کے لیے ٹل گیا تھا۔ رینالٹ رائل کو حکم دے کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ اس دوران میں، میں بالکل خاموش رہا اور پھر رائل مجھے اسی حالت میں مہا پجاری اور اس کے ساتھی کے ہمراہ باہر لایا جہاں بیل گاڑیوں کے ساتھ مہا پجاری کا حفاظتی دستہ موجود تھا۔ چند ایک پجاری مزید تھے جو باہر ہی رہے تھے۔

ایسا لگ رہا تھا یہاں صرف پجاریوں کو سواری استعمال کرنے کی اجازت تھی ورنہ میں نے اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کو بھی پیدل چلتے دیکھا تھا۔ البتہ رینالٹ کا علم نہیں تھا کہ جب وہ باہر نکلتا ہو گا تو کوئی سواری استعمال کرتا ہے۔ رائل نے مجھے اسی حالت میں پجاریوں کے حوالے کر دیا اور انہوں نے مجھے ایک بیل گاڑی میں سوار کرایا۔ مجھے یاد آیا کہ معبد جو آرگون سے باہر تھا۔ وہاں تک جانے کے لیے ایک طویل سرنگ میں سفر کرنا پڑتا تھا اور اس سرنگ میں سفر بیل گاڑیوں کی مدد سے ہوتا تھا۔ بیل گاڑیاں شمال کی طرف روانہ ہوئیں اور کوئی دس منٹ بعد ہم سرنگ کے دہانے کے سامنے تھے۔ یہ خاصی چوڑی سرنگ تھی اور اس میں آنے جانے کے راستے الگ الگ تھے۔ یہاں رائٹ ہینڈ ڈرائیو تھی۔ مہا پجاری کا قافلہ تین بیل گاڑیوں پر مشتمل تھا اور ان پر سنہری رنگ کے پرچم نصب تھے اس لیے جہاں سے یہ گاڑیاں گزرتیں وہاں سب رک جاتے اور لوگ مہا پجاری کی بیل گاڑی کے آگے جھک جاتے تھے۔

مہا پجاری اور اس کا نائب پہلی بیل گاڑی میں تھے۔ دوسری بیل گاڑی میں عام پجاری تھے اور میں تیسری بیل گاڑی میں معبد کے سپاہیوں کے ساتھ تھا۔ مراتب کے لحاظ سے تینوں گاڑیوں میں فرق تھا۔ باہر ابھی دن تھا مگر سرنگ میں روشنی کے لیے مشعلیں جلانا پڑ رہی تھیں اور ہر چند قدم کے بعد دیوار پر ایک مشعل لگی ہوئی تھی۔ سرنگ کوئی بیس فٹ چوڑی تھی۔ اس کی چھت کو لکڑی کے تختے لگا کر مضبوط کیا گیا تھا اور ان تختوں کو ترچھے ستون سہارا دے رہے تھے جو پتھروں کی مدد سے نصف دیوار تک میں نصب تھے۔ ہر سو گز کے بعد چھت میں سوراخ نظر آتا تھا جو یقیناً تازہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے تھا۔ شہر اور یہ سرنگ دیکھنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ یہ بے شک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جدید ٹیکنالوجی سے ناواقف تھے اور ان کے پاس کوئی کام کی دھات بھی نہیں تھی مگر ان کی ذہانت میں شبہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس محدود جگہ رہتے ہوئے بھی ہر ممکن سہولت حاصل کر لی تھی۔ ورنہ ہماری دنیا میں کتنے ہی قبائل ایسے ہیں جو جدید دنیا سے واقف ہو چکے ہیں اس کے باوجود صدیوں پرانے اور بہت محدود انداز میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہوں نے ذرا بھی ترقی نہیں کی تھی۔

میرے جسم پر جو کپڑا تھا یہ کپاس یا لینن جیسے کسی ریشے کا بنا ہوا تھا اور اس کی نرمی اور صفائی ہماری اعلیٰ درجے کی لان یا کاٹن سے کم نہیں تھی۔ سردیوں میں یہ نہ جانے کون سا لباس پہنتے ہوں گے کیونکہ یہ کپڑا یقیناً سردی کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ شاید یہ جانوروں کے اون اور ان کی کھالوں سے سردیوں کے ملبوسات بناتے ہیں۔ چمڑے سے جوتے اور چپل بھی بہت صفائی سے تیار کرتے تھے اور میں نے یہاں لوگوں کے پیروں میں کئی طرح کے ڈیزائن کی چپلیں اور جوتے دیکھے تھے۔ یہ لکڑی کے کام کے بھی ماہر تھے اور اپنے مکان، پکی اینٹ، پتھر اور لکڑی سے بناتے تھے۔ جب میں یہاں آ رہا تھا تو میں نے کھیتوں میں کئی طرح کی اجناس لگی دیکھی تھیں کیونکہ پودوں میں فرق تھا اسی طرح باغات میں کئی طرح کے درخت لگے ہوئے تھے۔ یہاں کے طویل موسم سرما کے پیش نظر امکان یہی تھا کہ یہاں زمین سے سال میں ایک فصل ہی حاصل کی جا سکتی ہوگی۔ مگر محدود آبادی کے سبب کم خوراک بھی ان لوگوں کو کافی تھی۔

میں نے دیکھا کہ یہاں لوگ صحت مند تھے اگرچہ شاذ ہی کوئی شخص موٹا نظر آیا مگر دبلے افراد کی تعداد بھی کم تھی اور بیشتر متناسب جسموں کے مالک تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ انہیں پوری خوراک مل رہی تھی۔ میں جس بیل گاڑی میں تھا اس میں میرے ساتھ تین سپاہی بیٹھے تھے اور چوتھا فرد جو سپاہی کی وردی میں تھا بیل گاڑی ہانک رہا تھا۔ گاڑی چلانے والے جانور بیل سے ضرور ملتے تھے مگر یہ بیل کی طرح سُست نہیں تھے اور بغیر ہانکے خاصی تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے۔ میرے ساتھ بیٹھے سپاہی کچھ دیر تو خاموش رہے لیکن پھر انہوں نے دھیمی آواز میں آپس میں گفتگو شروع کر دی۔ وہ میری طرف سے مطمئن تھے کہ میں بندھا ہوا ہوں۔ اس لیے ان کا دھیان میری طرف نہیں تھا اور ان کے اسی اطمینان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے خود کو آزاد کرانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں کلائی میں بندھی رسی کو حرکت دے کر ڈھیلا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آج پھر خواری ہوگی۔'' ایک سپاہی نے کہا۔ ''یہ منحوس ساتھ ہے اب اس کی نگرانی کرنی ہوگی۔''

''مجھے تو آج رات نورینو سے ملنا تھا۔'' دوسرے سپاہی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''پتا نہیں یہ کون ہے اور مہا پجاری اسے کیوں لے جا رہے ہیں۔'' تیسرے نے کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھا۔ وہ معبد کے سپاہی تھے اور ظاہر ہے کہ بیشتر وقت آرام کرتے تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ میری آمد سے ان کا آرام مارا نہ جائے۔ جب وہ میری طرف دیکھتے تو میں ساکت ہو جاتا اور جب آپس میں بات کرتے تو ہاتھ کی رسی ڈھیلی کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ایک بار میرا ہاتھ کھل گیا تو پہلے میں ان سپاہیوں سے نمٹوں گا۔ ان کے پاس تیر کمان اور نیزے تھے۔ اس کے علاوہ کسی پتھر سے بنے گول اور نوکدار ہتھیار تھے جن کی لمبائی فٹ بھر تھی اور شاید انہیں خنجر کی طرح استعمال کیا جاتا ہوگا۔ سامنے سے وار کرنے کی صورت میں یہ مہلک ہتھیار ثابت ہو سکتے تھے۔ یہ ہتھیار انہوں نے دو دو کر کے اپنے پٹکوں میں اڑس رکھے تھے۔ مجھے اب تک ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس کوئی دھار والا ہتھیار نظر نہیں آیا تھا۔ کیونکہ دھار والے آلات کے لیے دھات لازمی تھی اور یہ صرف سونے اور چاندی سے واقف تھے جن سے ہتھیار یا اوزار نہیں بن سکتے۔

راجا عمر دراز نے بتایا تھا کہ سرنگ کا سفر آدھے گھنٹے سے زیادہ کا نہیں تھا۔ اہرام نما معبد آرگون سے کوئی تین میل کی مسافت پر تھا یہ معبد بجائے خود ایک چھوٹا سا قلعہ تھا مگر اس کی فصیل معبد کو چاروں طرف پائے جانے والے ہارن، اسمار اور گونر سے محفوظ رکھنے کے لیے تھی۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے کوئی بیس منٹ ہونے کو آئے تھے اور میں نے مسلسل کوشش کر کے رسی کسی قدر ڈھیلی کر لی تھی مگر اب بھی اس میں سے ہاتھ نکالنا مشکل تھا۔ میں کوشش کرتا تو ہاتھ نکل آتا مگر اس میں زور لگانا پڑتا اور میں حرکت کرتا تو یہ چوکنا ہو جاتے۔ میں چاہتا تھا کہ انہیں آخری وقت تک پتا نہ چلے۔ اس لیے رسی کو مزید ڈھیلا کرتا رہا۔ مگر عین اس وقت جب میں نے رسی اتنی ڈھیلی کر لی تھی کہ ہاتھ نکال سکوں۔ اچانک ہی سرنگ ختم ہو گئی اور ہم معبد کے احاطے میں نکل آئے۔ یہاں بے شمار لوگ تھے جو مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے۔

راستے کے دونوں طرف سبزہ زاروں میں پجاری حسین لڑکیوں کے ساتھ چہل قدمی اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ہر پجاری نے ویسا ہی سنہری رنگ کا لبادہ پہنا ہوا تھا جو مہا پجاری اور اس کے نائب نے بھی پہن رکھا تھا۔ فرق صرف ان لبادوں پر پائے جانے والے نشانات تھے۔ جن سے پتا چلتا تھا کہ کون کس رتبے کا پجاری ہے۔ جو پجاری نہیں تھے انہوں نے سفید رنگ کے لباس پہن رکھے تھے اور ان میں لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ یہ خدام اور خادمائیں تھیں۔ یہاں بے شمار سپاہی بھی نظر آ رہے تھے۔ میں رک گیا کیونکہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں فرار کی کوشش احمقانہ حرکت ہی ہوتی میں چند منٹ میں پکڑا یا مارا جاتا۔ میں نے دیکھا معبد کے احاطے میں عام راستے بھی ان پتھروں سے بنے ہوئے تھے جن پتھروں سے آرگون میں امرا کے محلات بنے تھے۔ سبزہ زاروں کا معیار کسی طرح بھی مغرب میں پائے جانے والے سبزہ زاروں سے کم نہیں تھا۔

میں نے کم سے کم وطن عزیز میں اس معیار کے سبزہ زار نہیں دیکھے۔ ان میں پھولدار پودوں کے تختے تھے۔ سلیقے سے تراشے ہوئے آرائشی درخت تھے اور جیسے شیو کی ہوئی گھاس تھی۔ سفید پتھر اور سنہری لکڑی کی بنچیں تھیں۔ کہیں کہیں کرسیاں اور میزیں چھپروں تلے نظر آ رہی تھیں یہ شاید اعلیٰ پجاریوں کے لیے مخصوص تھیں۔ مگر یہ سب سلیقے اور نظم و ضبط سے زیادہ اس جبر کا نتیجہ تھا جو اوپری طبقے نے نچلے طبقے پر نافذ کر رکھا تھا اور اس جبر کی مدد سے وہ ان سے سب کرا رہے تھے۔ میں نے یہاں خادموں کے چہروں پر وہی بے رونقی اور روبوٹ جیسا تاثر دیکھا جو شہر کے لوگوں کے چہروں پر نظر آتے تھے۔ راجا عمر دراز ان لوگوں سے ملا ہوا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ عام لوگ جذبات سے اس حد تک عاری تھے کہ وہ ہنسنا ہی نہیں جانتے تھے۔

بیل گاڑیاں پختہ راستوں سے گزرتی ہوئی اس اہرام نما عمارت کے پاس آ کر رکیں۔ نزدیک سے یہ عمارت بہت ہی بڑی اور ہیبت طاری کر دینے والی تھی۔ میں نے مصر کے اہرام ٹی وی اور تصویروں میں دیکھے ہیں اس لیے زندگی میں پہلی بار کوئی اہرام پاس سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ سب سے بڑا اہرام جسے خوفو کا اہرام بھی کہتے ہیں اس کی بلندی زمین سے کوئی چار سو پچاس فٹ ہے جب کہ یہ اہرام مجھے زیادہ بلند لگ رہا تھا اور اس کی بنیاد بھی زیادہ چوڑی تھی۔ یہی اہرام اصل میں معبد تھا۔ یہاں عبادت کی رسومات ادا کی جاتی تھیں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پجاری اجلاس کر کے اہم فیصلے کرتے ہوں گے۔ مہا پجاری اور اس کے قریبی ساتھی بھی اسی جگہ رہائش رکھتے تھے۔ دوسرے پجاریوں کی رہائش کے لیے یہاں دوسری عمارتیں بھی تھیں۔ یہاں چند ایک سپاہی تھے مگر زیادہ لوگ نظر نہیں آ رہے تھے۔ میرے خیال میں یہ موقع تھا اگر میں آزاد ہو جاتا اور کسی طرح مہا پجاری کو یرغمال بنا لیتا تو میں یہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔ مہا پجاری اور اس کا نائب بیل گاڑی سے اتر آئے تھے۔ میں ہاتھ کھولنے جا رہا تھا کہ مہا پجاری نے اپنے نائب سے کہا۔ ''کیرٹ اسے اندر لے کر آؤ۔''

نیچے آنے کے بعد سے میں نے کئی بار اس شخص کے بارے میں سوچا تھا جس کا نام مجھے برف والے نے دیا تھا اور میں کسی حد تک اس کی کھوج میں بھی تھا مگر اب تک وہ مجھے نہیں ملا تھا۔ رائل کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ شاید وہی کیرٹ ہے اور کیرٹ مہا پجاری کا نائب نکلا تھا۔ اپنا نام لیے جانے پر کیرٹ نے مہا پجاری کے بجائے میری طرف دیکھا اور سر کو بہت خفیف سی جنبش دی۔ کسی دوسرے نے یہ بات نوٹ نہیں کی مگر میں نے دیکھ لیا تھا۔ میں نے اسی طرح جوابی جنبش دی۔ مہا پجاری میری طرف توجہ دیئے بغیر اس چھوٹے سے سرنگ نما راستے سے اندر جا رہا تھا۔ جواہرام کے ایک طرف دیوار میں موجود تھا۔ راستے کے آغاز میں چوکور اور کسی قدر آگے نکلی ہوئی آرچ تھی۔ کیرٹ نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ''اسے اندر لے کر آؤ۔''

وہ خود بھی مہا پجاری کے پیچھے چلا گیا تھا۔ اس نے وضاحت نہیں کی تھی کہ مجھے کہاں لانا تھا اس کا مطلب ہے سپاہی جانتے تھے کہ مجھے کہاں لے جانا ہے اور انہوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر مارچ شروع کر دی۔ سرنگ نما راستے میں داخل ہوئے تو یہ کچھ دور تک تو سیدھا رہا پھر اوپر جانے لگا۔ یعنی بلندی کی طرف جا رہا تھا۔ آگے جا کر یہ دو حصوں میں بٹ گیا اور مجھے بائیں طرف لے جایا گیا۔ اس بار راستہ نیچے جا رہا تھا اور ہم ایک چھوٹے ہال میں آ نکلے۔ یہاں دیوار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ جن کے آگے پتھر کے جالی والے دروازے تھے۔ ایک سپاہی نے دور دیوار پر لگا ہوا ایک لیور نیچے کھینچا تو ایک کمرے کے آگے موجود دروازہ فرش میں دھنس گیا۔ مجھے جکڑے سپاہیوں نے کمرے میں دھکیل دیا اور فوراً ہی سنگی دروازہ اوپر ہو گیا۔ جب عمر دراز یہاں آیا تھا تو اسے ایک الگ عمارت میں قید کیا گیا تھا جو قید خانے کے لیے مخصوص تھی اور اسی عمارت کے نیچے تہہ خانے میں ہارن والا کنواں تھا۔

مگر اب قیدیوں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا جو اصل میں ذرا بڑے سائز کا ڈبا تھا یہ چار فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا تھا جب کہ اس کی چھت چھ فٹ اونچی تھی اگر میں پورے قد سے کھڑا ہوتا تو میرا سر چھت سے ٹکراتا۔ فرش پر گھاس بچھی تھی مگر یہ بو اور سیلن سے پاک تھی اس لیے مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے کراہیت محسوس نہیں ہوئی۔ جب ہم اہرام میں داخل ہوئے تو شام ہو چکی تھی۔ کچھ دیر میں ماحول تاریک ہو جاتا اور اگر میرا فیصلہ اگلی صبح ہوتا تھا تو تب تک مجھے اسی ڈربے میں قید رہنا تھا جس میں انسان نہ ڈھنگ سے لیٹ سکتا تھا اور نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اگر میں دروازے کی مخالف سمت والی دیوار سے ٹیک لگا کر پاؤں سیدھا کرتا تو یہ دروازے کو چھوتے اور دوسری طرف بیٹھنے کی صورت میں میں پاؤں بھی سیدھے نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے لگا کہ یہ جگہ معبد کے معتوبین کے لیے مخصوص تھی جن کے لیے قید بھی مسلسل آزار بنا دی جائے۔ جیسا کہ انسانوں کو پنجروں میں بند کیا جاتا ہے اور وہ مستقل ایک ہی پوزیشن میں رہنے کی وجہ سے اپنی فطری حالت کھو دیتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیرٹ کا نام سن کر میں نے مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور نہ جانے مجھے اس کا کیا صلہ ملتا۔ اب میرے پاس سوائے انتظار کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہاں بھی اندر مشعلیں جل رہی تھیں اور ان مشعلوں میں کوئی ایسا روغن یا کسی جانور کی چربی استعمال کی جاتی تھی کہ اس سے ہلکا سا دھواں اٹھتا تھا اور یہ دھواں شاید مچھر مکھی اور اسی قسم کے کیڑے مکوڑوں کو دور رکھتا تھا۔ کیونکہ میں نے یہاں اس قسم کی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی جب کہ یہاں وادی میں جتنا سبزہ تھا ان کیڑے مکوڑوں کی موجودگی لازمی تھی۔ البتہ یہ دھواں ناگوار نہیں لگ رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر یہاں گھٹن نہیں تھا جب کہ بہ ظاہر یہ جگہ بند تھی اور آمد و رفت کا ہی ایک راستہ نظر آ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وینٹی لیشن کا کوئی چھپا ہوا بندوبست تھا۔ مصری اہرام بنانے والے بتدریج اس مقام تک پہنچے تھے کہ بڑے اہرام بنا سکیں۔ یعنی انہوں نے پہلے چھوٹے اہرام بنائے اور پھر وہ اس قابل ہوئے کہ ان ہی نمونوں پر بڑے اہرام بنا سکیں۔

میں حیران تھا کہ یہاں کے لوگوں نے کس طرح ایک ہی بار میں اتنا بڑا اہرام بنا لیا تھا۔ اس کی تعمیر میں بھی پتھروں کی بڑی بڑی سلیں استعمال ہوئی تھی۔ بلندی پر ان سلوں کو کیسے پہنچایا گیا ہوگا جب کہ ہر ایک کا وزن کئی ٹن ہوگا۔ یہ راز ہے کہ اہرام کیسے تعمیر ہوئے تھے۔ ماہرین آج بھی درست طور پر نہیں بتا سکتے کہ مصریوں نے ناقابلِ یقین وزن کے پتھر اتنی بلندی تک کیسے پہنچائے۔ صرف مصر نہیں بلکہ دنیا میں اور بھی جگہوں پر پتھر کی بلند و بالا تعمیرات ہوئی ہیں اور ان میں بھی بے پناہ وزنی پتھروں کو جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ ماہرین کو آج بھی حیران کر دیتا ہے۔ شاید آغاز میں یہاں آنے والے اسی قدیم نسل سے تعلق رکھتے ہوں جس نے ساری دنیا میں اہرام بنائے تھے اور اس نسل سے اپنا تعلق واضح کرنے کے لیے انہوں نے یہاں بھی اہرام بنایا۔

کئی گھنٹے بعد مجھے باہر سپاہیوں کی نقل و حرکت محسوس ہوئی اور پھر سنگی دروازہ فرش میں دھنس گیا۔ دو سپاہی باہر موجود تھے اور انہوں نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اٹھ کر باہر آیا۔ ہاتھ میں نے پہلے ہی کھول لیے تھے کیونکہ میں مستقل بندھے رہنے کی اذیت برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ سپاہی مجھے آزاد ہاتھ دیکھ کر چونکے مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں اور میرے پاؤں بھی کھول دیئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ حالات میں تبدیلی آئی تھی اور اب میں اتنا معتوب نہیں رہا تھا کہ مجھے مستقل باندھ کر رکھا جاتا۔ آنے والے سپاہی دو تھے اور وہ مجھے لے کر روانہ ہوئے۔ دو راہے سے باہر کا رخ کیا گیا اور ہم باہر آئے تو آسمان تاریک تھا اور ہوا میں رات کی خوشبو آ گئی تھی۔ سپاہی مجھے اپنے جلو میں لیے ایک چھوٹی اور خوب صورت عمارت کی طرف بڑھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اس لیے میں اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے بلانے والا کون تھا۔ میرا ذہن کیرٹ کی طرف گیا تھا اور کچھ دیر بعد اس عمارت کے ایک کمرے میں اسے موجود پایا۔ اس نے سپاہیوں کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور پھر مجھ سے بولا۔

''بیٹھ جاؤ شہباز۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ''تم بھی مجھے جانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''برف والے نے تمہیں میرا نام بتایا ہوگا۔''

میں تذبذب میں تھا ایک بار میں دھوکا کھاتے کھاتے رہ گیا تھا اور اب دوبارہ دھوکا کھا سکتا تھا۔ میرے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ وہی کیرٹ ہے جس کا نام برف والے نے لیا تھا۔ وہ بھانپ گیا کہ میں کس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کشمکش میں ہوں۔ اس نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ''ڈرو مت میں ہی کیرٹ ہوں اور برف والے نے تمہیں میرا ہی نام یاد رکھنے کو کہا تھا۔''

اب مجھے کسی قدر اطمینان ہوا کیونکہ اس نے درست کہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے کھل کر بات کرنے سے گریز کیا اور بولا۔ ''فرض کرو تم ہی وہ کیرٹ ہو جس کے بارے میں برف والے نے کہا تھا۔ تب بھی اس سے کیا ہوگا کیونکہ برف والے نے مجھے کچھ اور نہیں بتایا ہے۔''

''وہ تمہیں میں بتاؤں گا۔ لیکن تم بیٹھ جاؤ۔ اطمینان رکھو یہاں ہونے والی گفتگو راز رہے گی۔''

میں جوتے اتار کے اس کے سامنے قالین پر بیٹھ گیا۔ ''مگر مہا پجاری تک یہ اطلاع پہنچ سکتی ہے کہ تم نے مجھ سے ملاقات ہے۔''

''یہ ملاقات اسی کی ہدایت پر ہو رہی ہے۔''

میں چونکا۔ ''کیا مہا پجاری بھی.....''

اس نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی مت کرو۔ فیرون ایک عیاش اور جاہ پسند شخص ہے۔ رات ہوتے ہی وہ عیش و عشرت میں کھو جاتا ہے اور یہ اس کی ڈھیل ہے جو وادی میں انتشار پھیلا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کل سزا سے پہلے تم سے تفتیش کر لوں۔''

''لیکن وہ مجھے رینات کے پاس لے آیا ہے؟''

''اس کے پیچھے بھی میرا دباؤ تھا ورنہ وہ شاید اس کی پروا نہیں کرتا۔''

''ٹھیک ہے تم نے مجھے رینات سے بچا لیا ہے مگر فیرون تو مجھے سزائے موت ہی دے گا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تمہیں سزائے موت دی جائے گی اور تمہیں بارن کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔''

میرے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی۔ ''اتنی خوفناک سزا۔''

''معبد کے مجرموں کو عام طور سے یہی سزا دی جاتی ہے۔''

''ٹھیک ہے مجھے یہ سزا دے دی جاتی ہے اس کے بعد کیا ہوگا؟''

''تمہیں سزائے موت دے دی جائے گی مگر تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔'' اس نے یوں سرسری سے انداز میں کہا جیسے اس کے لیے یہ معمولی بات ہو۔

''وہ کیسے؟''

''یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''تم یہاں سے نکل کر سامیرا کے پاس جاؤ گے۔ تمہیں اس پلان پر عمل کرنا ہے جو سامیرا کے پاس ہے۔''

''کیسا پلان؟''

''یہی کہ کم سے کم خون بہائے بغیر آرگون کو رینات سے نجات دلائی جائے۔ وقت بہت کم ہے کیونکہ جلد رینات خود اپنی فوج لے کر حریفوں کے خلاف لشکر کشی کرنے والا ہے اور وہ بھی کمزور نہیں ہیں تم سوچ سکتے ہو کہ دونوں طرف سے کتنا نقصان ہوگا۔''

''تب مجھے سامیرا کے پاس بھیج دیا جاتا یہاں کیوں بھیجا گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کی وجہ ہے۔'' کیرٹ کسی قدر بے چینی سے بولا۔ ''میرے پاس وقت کم ہے، تمہیں صرف مجھ سے ملنے کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔ کیونکہ جو میں تمہیں بتا سکتا ہوں وہ کوئی اور نہیں بتا سکتا ہے۔''

''تم کیا بتا سکتے ہو؟''

''ڈیوڈ شا اور اس کے تین ساتھی نیچے آ چکے ہیں اور وہ اس وقت رینات کے خاص مہمان ہیں۔ تمہارے بارے میں ڈیوڈ شا نے ہی رینات کو بتایا اور اسی نے رائل کو اس قابل بنایا کہ وہ تم سے بات کر سکے۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ایک تو اس بات پر کہ ڈیوڈ شا نیچے آ چکا تھا دوسرے وہ برف والے جیسی صلاحیت بھی رکھتا تھا۔ میں نے خاصی دیر بعد پوچھا۔ ''وہ نیچے کیسے آیا؟..... عام راستہ تو برف والے کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔''

''میں نہیں جانتا مگر مجھے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے تین ساتھی اس وقت رینات کے پاس ہیں۔'' کیرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔''

''تمہیں ڈیوڈ شا کے بارے میں کس نے بتایا ہے؟''

''برف والے نے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''میرا مطلب ہے یہاں اس کی موجودگی کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

''رینات کے گرد معبد کے جاسوس ہیں جو درحقیقت میرے جاسوس ہیں۔''

''برف والا ڈیوڈ شا کی نیچے آمد کے بارے میں پُر یقین نہیں تھا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''وہ برف والے کے خلاف سازش کر رہا ہے؟''

''ہاں کیونکہ اسے برف والے اور تم سے ہی خطرہ ہے اس لیے وہ تم دونوں سے نجات چاہتا ہے۔''

یہ تو تاریخ خود کو دھرا رہی تھی۔ پہلے ولیم شا اور اس کے ساتھی اور گان کے بھائی اور مہا پجاری موران کے مہمان بن گئے تھے اور انہوں نے اپنی مکاری سے کام لے کر اسے اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔ اب ڈیوڈ شا نے یہی کام آرگون کے حکمران کے ساتھ کیا تھا۔ ''کیا وادی کے دوسرے لوگ جانتے ہیں کہ باہر سے آئے کچھ لوگ رینات کے مہمان ہیں؟''

''نہیں وہ خاموشی سے نیچے آئے اور ڈیوڈ شا نے رینات سے رابطہ کیا۔ میں نے اسے دیکھا نہیں ہے لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس شخص میں خوفناکی بہت زیادہ ہے۔''

''تم نے درست کہا، یہ اس ولیم شا کا رشتے دار ہے جو برسوں پہلے اس وادی میں آیا تھا مگر یہ اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ مکار ہے اسے سازشوں کا وسیع تجربہ ہے۔ اس کی یہاں آمد بہت بڑے فتنے کا سبب بن سکتی ہے۔''

''برف والے نے مجھے ان سب باتوں سے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔'' کیرٹ نے کہا۔ ''یوں سمجھ لو کہ معبد کے سارے معاملات میں چلا رہا ہوں اور فیرون کا واسطہ بہت کم رہتا ہے۔ اس سے پہلے ہم غیر جانبدار تھے۔ مگر غیر ملکیوں کی آمد کے بعد ہمارا غیر جانبدار رہنا ممکن نہیں ہے۔''

''فرض کرو کہ تمہارے بجائے یہ معاملہ فیرون کے علم میں آتا تو وہ کیا کرتا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے کہا نا اسی کی لاپروائی کی وجہ سے حالات خراب ہوئے۔ رینالٹ معبد کی نگرانی سے بے نیاز ہوا تو اس نے پَر پُرزے نکالے اور لوگوں پر ظلم وستم کرنے لگا۔ اس نے بغاوت کو جنم دیا اور اب وادی میں ہماری بقا خطرے میں پڑ گئی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر رینالٹ سے نجات حاصل کر لی جائے تو وادی کے حالات سدھر جائیں گے؟''

''بہت زیادہ امکان ہے۔''

''کیا سامیرا سربراہ بن سکتی ہے؟''

''نہیں ہمارے قانون کے مطابق کوئی عورت نہ تو وادی کی سربراہ بن سکتی ہے اور نہ ہی وہ مہا پجاری بن سکتی ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''ٹھیک ہے میں تمہارے کام آنے کے لیے تیار ہوں لیکن میں بتا دوں یہاں تبدیلی آ کر رہے گی اور جلد تم لوگوں کو بیرونی دنیا سے رابطہ کرنا پڑے گا۔ ڈیوڈ شا صرف ایک آدمی ہے اس جیسے انسانوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن پہلے ہمیں اس مسئلے سے نمٹنا ہے۔'' وہ بولا اور اپنے پاس رکھے ایک لکڑی کے صندوق سے ایک رول کیا ہوا کاغذ نکالا۔ ان کا کاغذ ہمارے کاغذ کی نسبت موٹا اور خستہ تھا۔ اس نے رول کھولا اور اسے میرے سامنے بچھایا۔ یہ آرگون اور معبد کا بڑا نقشہ تھا۔ اس میں دونوں کو ملانے والی سرنگ بھی واضح تھی۔ کیرٹ نے نقشے پر بنے چھوٹے چھوٹے سرخ نشانات کے بارے میں بتایا۔ ''یہاں ہمارے لوگ موجود ہیں مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے پورے آرگون میں مشکل سے ایک درجن مقامات پر ہمارے خفیہ دستے ہیں اور یہ اسی صورت میں کچھ کر سکتے ہیں جب رینالٹ کی گرفت آرگون پر ڈھیلی ہو جائے۔'' پھر اس نے سرنگ پر ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''یہاں سے اندر آنے کا راستہ ہے۔ میرے کچھ آدمی کوشش کر کے یہاں ایک چھوٹا راستہ بنا چکے ہیں اور اسے اندر آنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔'' پھر اس نے ایک اور جگہ انگلی رکھی۔ ''یہاں آرگون کی فصیل میں ایک خفیہ راستہ ہے۔ مگر یہ صرف اندر سے کھل سکتا ہے اور یہاں رینالٹ کے انتہائی اعتماد کے لوگ موجود ہیں۔ اگر یہ راستہ کسی طرح کھل جائے تو براہِ راست شاہی علاقے تک رسائی ہو سکتی ہے اور حملہ کرنے والی فوج کو شہری علاقوں سے نہیں گزرنا پڑے گا۔''

میں نقشے کو غور سے دیکھتے ہوئے کیرٹ کی گفتگو ذہن نشین کر رہا تھا۔ جب اس نے اپنی بات مکمل کر لی تو میں نے سوالات کا آغاز کیا۔ ''تمہارے پاس یہ معلومات ہیں تو تم نے براہِ راست سامیرا سے رابطہ کیوں نہیں کیا اور اس معاملے میں میرا ہونا کیوں لازمی ہے۔''

''میں نے بتایا نا کہ میرے پاس وقت کم ہے۔''

''کم وقت سے کیا مراد ہے؟''

''جلد میں موت سے ہمکنار ہونے والا ہوں۔'' اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''یہ پیش گوئی برف والے نے کی ہے اور میرا علم بھی یہی کہتا ہے کہ میں اس کام کی تکمیل تک زندہ نہیں رہوں گا اور باہر سے آنے والا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک فرد اسے مکمل کرے گا۔''

''کیا لازمی ہے کہ وہ فرد میں ہی ہوں؟''

اس نے شانے اچکائے۔''کیا کہہ سکتے ہیں، میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ہم انسان کچھ بھی نہیں جانتے۔ بس اوپر والا جو علم اور عقل دیتا ہے اس کی روشنی میں فیصلے کرتے ہیں۔ کبھی یہ فیصلے درست ہوتے ہیں اور کبھی غلط ثابت ہوتے ہیں۔''

''اب مجھے کیا کرنا ہے؟''

''اس کا فیصلہ تم خود کرو گے کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔''اس نے جواب دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کیرٹ نے مجھے جو بتانا تھا وہ بتا دیا تھا اور اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے بارے میں پوچھا۔

''میں یہاں سے کیسے نکلوں گا جب کہ مجھے ہارن کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔''

''سزا سے پہلے تمہیں ایک مشروب دیا جائے گا اسے پینے سے جسم سے ایسی بو آتی جس سے ہارن بھڑکتا ہے اور جس کے پاس سے یہ بو آتی ہے وہ اس کے پاس نہیں آتا۔''

راجا عمر دراز نے بتایا تھا اور وہ ذاتی طور پر بھی یہ مشروب پی چکا تھا۔ اسی وجہ سے ہارن سے اس کی بچت ہوئی تھی۔ کیرٹ اسی مشروب کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ مگر جہاں تک میرے علم میں تھا یہاں ہارن ایک کنویں نما جگہ میں تھا اور اس میں سے نکلنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں نے کیرٹ سے کہا تو اس نے جواب دیا۔''نہیں جگہ ہے ہارن کو اس کنویں میں ایک خاص راستے سے ہی لایا جاتا ہے اور پھر اسے بند کر دیا جاتا ہے تم اسی راستے سے باہر جا سکو گے۔''

''وہ راستہ بند ہو گا؟''

''نہیں وہ ہارن کے لحاظ سے بند ہوتا ہے انسانوں کے لحاظ سے نہیں۔ تم اس سے نکل سکو گے۔''

''یہ راستہ کہاں نکلتا ہے؟''

''یہاں اس جنگل میں۔''اس نے معبد کے نزدیک ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔''یہاں نکلنے کے بعد تم اس قلعے تک جاؤ گے۔''اس نے آرگون سے ذرا فاصلے پر جنوب میں واقع ایک گول دائرے پر انگلی رکھی۔ ''سامیرا یہیں ہے۔''

''کیا وہ مجھے جانتی ہے؟''

''ہاں اور وہ تمہاری منتظر ہے۔''

میں نے چند سوالات اور کیے اور جوابات ذہن نشین کرتا رہا۔ کیرٹ کا انداز بتا رہا تھا اور خود میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ اب شاید اس سے ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا جیسے کوئی بات کہنا چاہ رہا ہو اور ہچکچا رہا ہو۔ مگر پھر اس نے کہہ دیا۔''شہباز میں جو کر رہا ہوں وہ بلا غرض نہیں کر رہا اس میں میری بھی ایک غرض ہے۔''

''کیسی غرض؟''

''میری ایک ہی بیٹی ہے۔ وہ دو سال کی تھی جب میری بیوی مر گئی اور پھر میں نے اسے ماں باپ دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بن کر پالا ہے۔ ایک پجاری کی بیٹی کی حیثیت سے اس کی شادی کسی پجاری سے ہی ہوسکتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ساری عمر جلتی کڑھتی رہے۔ اس وادی کے سب سے خودغرض، سفاک اور عیاش لوگ یہاں موجود پجاری ہیں۔ مجھے اپنی بیٹی سے دنیا میں سب سے زیادہ محبت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ خوش رہے۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔ وہ تم پر بوجھ نہیں ہوگی اس کے پاس بہت قیمتی جواہرات ہیں جو تمہاری دنیا میں بہت زیادہ قیمت رکھتے ہیں۔ شہباز میں تم سے وعدہ نہیں لے رہا لیکن اگر تم کامیاب رہو اور اس وادی کے معاملات تمہارے ہاتھ میں آئیں تو تم جاتے ہوئے ساشا کو یہاں سے لے جانا۔''

میں سوچ میں پڑ گیا پھر میں نے کہا۔ ''کیونکہ تم کوئی وعدہ نہیں لے رہے اس لیے میں بھی دعویٰ نہیں کروں گا، میں جس راستے سے آیا ہوں وہ بہت دشوار ہے اور اس پر اچھے جوان اور مضبوط افراد ہی سفر کر سکتے ہیں۔ پھر ذرائع بھی چاہئیں۔ اس لیے اگر ساشا اس سفر کے قابل ہوئی اور میرے پاس وسائل بھی ہوئے تو میں اسے لے جانے کی پوری کوشش کروں گا۔ جہاں تک بوجھ کی بات ہے تو میں نے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو کبھی بوجھ نہیں سمجھا۔''

اس نے جیسے سکون کا سانس لیا۔ ''میں جانتا ہوں تم جو کہتے ہو وہی کرنے پر یقین رکھتے ہو۔''

''میری قسمت کا فیصلہ کب ہوگا؟''

''کل صبح اور دوپہر تک اس پر عمل درآمد کر دیا جائے گا۔''

''جب میں غائب ہو جاؤں گا تو کیا میری تلاش نہیں کی جائے گی ممکن ہے میں جب اس خفیہ راستے سے نکلوں تو وہاں پہلے ہی رینالٹ یا فیرون کے آدمی میرے منتظر ہوں۔''

''نہیں اسے اتفاق سمجھا جائے گا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو ہارن کے سامنے پھینکا گیا ہو اور وہ بچ گیا ہو کوئی ایک فرد بھی نہیں بچا ہے۔''

''یہ وہی مشروب ہے جو اورگان نے ایجاد کیا تھا؟''

کیرٹ نے سر ہلایا۔ ''ہاں ہم نے اسے مزید بہتر کر لیا ہے اب یہ ہارن کے ساتھ باقی خطرناک جانوروں کو بھی پاس آنے سے روکتا ہے۔ اب تم جاؤ اور خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرو۔ یاد رکھنا جہاں سے تمہیں نیچے پھینکا جائے اس کے بائیں طرف چند قدم کے فاصلے پر وہ دروازہ ہے۔ اس پر لگے تختوں میں اتنی گنجائش ہے کہ تم وہاں سے نکل سکو گے۔''

میں واپس آتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ بہ ظاہر کیرٹ ٹھیک ٹھاک لگ رہا ہے یعنی کسی جان لیوا مرض کا شکار نہیں لگتا ہے تو کیا اس کی ممکنہ موت غیر طبعی ہوگی؟ کیا اس کا راز افشا ہو جائے گا؟ وہی سپاہی مجھے واپس اسی ڈبے میں بند کر گئے تھے۔ کچھ دیر بعد کھانے کے نام پر پتا نہیں کیا دیا گیا اور میں نے اسے کھانا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ سبزیوں کے ساتھ اس سوپ نما چیز میں گوشت کے ریشے بھی تیر رہے تھے اور یہ گوشت کسی حلال جانور کا ہوتا تب بھی اسے حلال تو نہیں کیا گیا ہوگا۔ اس لیے میں صرف پانی پی کر رہ گیا۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا مگر یہاں لیٹنا بھی دشوار تھا آدمی گول مول ہو کر ہی لیٹ سکتا تھا اور مجھے ویسے ہی سیدھے اور چت سونے کی عادت تھی میں بہت کم کروٹ لیتا ہوں اس لیے جلد میرے لیے یوں لیٹنا بھی عذاب بن گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ دنیا بھر میں معتوبین اور جنگی قیدیوں کو اس طرح چھوٹی جگہ میں کیوں قید کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی سزا ہے جو بہ ظاہر سزا نظر نہیں آتی ہے مگر جس پر گزر رہی ہوتی ہے اسے ہی پتا چلتا ہے۔ میں کبھی پاؤں سیدھے کرتا تھا اور کبھی کمر، مگر کسی پوز میں چین و قرار نہیں تھا۔ ہر آدھے گھنٹے بعد ایک نئی پوزیشن اختیار کرنا پڑتی تھی۔ کبھی کھڑا ہو جاتا مگر کتنی دیر کھڑا رہ سکتا تھا۔ بالآخر میں دونوں پاؤں پھیلا کر دیوار سے کمر ٹکا کر بیٹھ گیا اور کچھ دیر اسی پوزیشن میں سویا بھی تھا۔ صبح تک میرا حشر ہو گیا تھا اور مجھے اپنے جسم کو کھولنے کے لیے اس محدود جگہ پر مختلف ورزشیں کرنا پڑی تھیں۔ یہ ورزشیں بھی میں نے اسی وقت ایجاد کی تھیں۔ ورنہ اس سے پہلے کبھی اس قسم کی ورزش نہیں کی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ صبح ہو گئی ہے کیونکہ باہر ابھی تک کوئی سرگرمی نہیں ہوئی تھی اور یہاں کوئی موجود بھی نہیں تھا۔ باقی ڈبے خالی تھے صرف ایک ڈبے میں، مَیں تھا۔ مجھے جس طرح رکھا گیا تھا اب مجھے رینالٹ رحم دل نظر آنے لگا تھا اس کی قید میں، مَیں آرام سے تھا اور سوائے قید کے اور کوئی تکلیف نہیں تھی۔

معبد کی قید اتنی اذیت ناک تھی تو باقی معاملات میں سوچا جا سکتا تھا۔ یہ اپنے معتوبین کو ہارن کے سامنے ڈال دیتے تھے۔ میں سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ وادی والوں کو اصل میں ان سے نجات حاصل کرنی چاہیے تھی۔ مگر رینالٹ اس جابرانہ نظام کے نمائندے کے طور پر ان کے سامنے تھا اس لیے سارا زور اسی پر تھا اور اصل نظام کے بارے میں کوئی سوچنے کو بھی تیار نہیں تھا بلکہ برف والا اور کیرٹ جیسے اچھے لوگ بھی اسے برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور اسے وادی کی بقا کا ضامن قرار دے رہے تھے۔ مگر ساتھ ہی کیرٹ نے اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جانے کی فرمائش بھی کر دی تھی۔ برف والا اکیلا تھا ورنہ شاید وہ بھی اپنی آل اولاد کو یہاں رکھنا پسند نہ کرتا۔ یہ ایسی منافقت تھی جو وہ جان بوجھ کر کر رہے تھے۔ میں تکلیف میں تھا شاید اس لیے ان کے خلاف بھی سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے میں سکون سے ہوتا تو یہ خیال ہی میرے ذہن میں نہ آتا۔ پتا نہیں کتنی دیر بعد مجھے آہٹ محسوس ہوئی اور میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور چلا کر بولا۔

''مجھے یہاں سے نکالو۔''

آنے والا ایک ہی تھا اور اس نے میرے چلانے کا کوئی اثر نہیں لیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک ہی تھا اور معبد سے تعلق رکھنے والا پجاری تھا۔ اس نے نزدیک آ کر پہلے داخلی دروازے کی طرف دیکھا اور پھر منہ پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں چپ ہی تھا پہلا جملہ بھی اضطراری کہہ گیا تھا۔ پھر اس نے اپنے لباس سے ایک چھوٹی سی مٹی کی شیشی نکالی اور آہستہ سے بولا۔ ''مجھے کیرٹ نے بھیجا ہے یہ رکھ لو اور جب دیکھو کہ تمہیں یہاں سے نکالا جا رہا ہے تو اسے پی لینا اور بوتل چھپا لینا۔ سمجھ گئے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا کر اسے بتایا کہ میں سمجھ گیا ہوں۔ اس نے ایک سوراخ سے بوتل اندر کی اور واپس چلا گیا۔ یہ مشکل سے چار انچ لمبی اور دو انچ موٹی مٹی کی بوتل تھی جس کے منہ پر کارک لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاجامے کی جیب میں رکھ لیا یہاں کسی کو اس کا پتا نہیں چلتا۔ اب میں ذہنی طور پر تیار تھا۔ پجاری کی آمد سے لگ رہا تھا کہ میری طلبی اب زیادہ دیر کی بات نہیں تھی۔ رات کا کھانا پیالے میں ایسے ہی پڑا ہوا تھا۔ میں بھوکا تھا مگر یہ بھوک قابلِ برداشت تھی اور شاید میرے لیے بہتر تھی۔ اس نے مجھے ذہنی طور پر چوکس کر دیا تھا۔ مگر میرا انتظار ایک بار پھر طویل ہونے لگا اور جب میں بیٹھے یا لیٹے ہوئے تھک جاتا تو کھڑے ہو کر سر نیچے کر کے پنجوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بل آہستہ آہستہ اچھلتا تھا۔ میں اپنا جسم وارم اپ رکھنا چاہتا تھا۔ شاید ڈیڑھ یا پونے دو گھنٹے بعد سپاہی ہال میں داخل ہوئے اور ان میں سے ایک دیوار پر لگی راڈ کی طرف گیا۔

ادھر اس نے اس پر ہاتھ رکھا اور ادھر میں نے مٹی کی بوتل منہ میں ڈال لی۔ جب تک سنگی دروازہ نیچے ہوتا میں بوتل خالی کر کے واپس پاجامے کی جیب میں رکھ چکا تھا۔ سپاہیوں نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا اور میں باہر آ گیا۔ سپاہیوں کی تعداد چار تھی۔ مجھے بازوؤں سے پکڑ کر لے جایا جانے لگا۔ تاریخ ایک بار پھر خود کو دوہرا رہی تھی۔ جن مراحل سے راجا عمر دراز گزرا تھا میں بھی ان سے گزر رہا تھا۔ کچھ فرق تھا جیسے مجھے برف والا پہلے ملا تھا اور راجا عمر دراز کو وہ بعد میں ملا تھا۔ اسی طرح اسے بھی ہارن کے سامنے پھینکنے کی سزا ملی تھی اور میں بھی اسی مرحلے سے گزرنے والا تھا۔ اسے بھی بچا لیا گیا تھا اور مجھے بھی بچانے کا بندوبست ہوا تھا۔ میں نے جب مٹی کی بوتل کا مشروب حلق سے اتارا تو اس کا ذائقہ اچھا نہیں لگا تھا مگر اب میرے منہ میں خوشگوار سا ذائقہ آ رہا تھا۔ ساتھ ہی مجھے لگ رہا تھا کہ میرا جسم گرم ہو رہا ہے۔ شاید اس کی تاثیر تھی اور اس گرمی سے مجھے پسینہ آتا۔ پسینے میں دوا کی بو آتی اور اس سے ہارن بھاگتا تھا۔

○.....❖.....○

سپاہی مجھے معبد سے باہر لائے جہاں نیا دن طلوع ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی اور مجھے معبد کے پاس ایک عمارت میں لایا گیا۔ اندر گھستے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ قید خانے کی پرانی عمارت تھی مگر اب اسے گودام کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ پرانی کوٹھریاں توڑ کر وسیع ہال بنائے گئے تھے۔ وہاں اجناس اور دوسرا سامان رکھا تھا۔ پہلی منزل کے بعد تہہ خانے میں بھی ہال تھے اور جب ہم اس سے نیچے والے ہال میں آئے تب اندازہ ہوا کہ ہم کسی تعذیب گاہ میں ہیں۔ وہاں شدید قسم کی بدبو تھی۔ اس بدبو میں وحشت تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے حیوانوں اور سڑتے گوشت کی ملی جلی بدبو ہو۔ یہاں اسار بھی ہوتے تھے۔ جن کے سامنے زندہ معتوبین کو پھینکا جاتا تھا۔ یہ طریقہ اورگان کے بھائی موران نے نکالا تھا۔ پھر اسی نے انسانوں کو ہارن کے سامنے پھینکنا شروع کیا۔ اس کے دور تک وادی میں باہر سے آنے والے ریاست کے مجرم شمار ہوتے تھے مگر اس نے انہیں معبد کا مجرم بنا دیا۔ اسی نے راجا عمر دراز کو مجرم قرار دیا تھا اور ولیم شا کو مہمان بنا دیا تھا۔

یہ قانون اب تک برقرار تھا۔ تبھی مجھے ہارن کے سامنے پھینکنے کی سزا ملنے والی تھی۔ تہہ خانے میں فیرون کے ساتھ کیرٹ اور چند اعلیٰ پجاری تھے۔ تہہ خانے کے وسط میں ایک کھلا ہوا کنواں تھا جس کا قطر شاید تیس فٹ تھا اور اس کے اندر سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی گھوڑا چہل قدمی کر رہا ہو۔ کیرٹ نے مجھے بچانے کی تدبیر پہلے ہی کر لی اور مجھے معلوم تھا ہارن میرے پاس نہیں آئے گا اس کے باوجود مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ ایک جلاد تھا جب کہ نصف درجن سپاہی پہلے سے موجود تھے۔ مجھے جلاد نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ وہ تقریباً سات فٹ کا ایسا تنومند شخص تھا کہ اس نے میرا بازو پکڑا تو مجھے لگا کہ میرا بازو کسی شکنجے میں آ گیا ہے۔ میں اسے ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتا تھا۔ فیرون نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''تم اقرار کرتے ہو کہ تم اس وادی میں باہر سے آئے ہو؟''

''ہاں میں باہر سے آیا ہوں اگرچہ میں جان بوجھ کر نہیں آیا ہوں۔'' میں نے جواب دیا جس کا ترجمہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیرٹ نے کر کے فیرون تک پہنچایا۔

''بے شک تم جان بوجھ کر نہیں آئے ہو مگر یہاں آنے والا ہر فرد موت کا مستحق ہوتا ہے۔'' فیرون نے پُرخمار لہجے میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دن میں بھی پیتا تھا۔ ''اس لیے تمہیں سزائے موت دی جاتی ہے۔''

سزائے موت سنانے کے انداز میں بھی لاپروائی تھی جیسے وہ جلد از جلد یہ معاملہ نمٹا کر واپس اپنے عشرت کدے جانا چاہتا ہو۔ فیرون کی طرف سے سزا سنائے جاتے ہی کیرٹ نے جلاد کو اشارہ کیا تھا کہ میں نے کہا۔ ''عام طور سے سزائے موت پانے والے کی آخری خواہش پوری کی جاتی ہے۔''

کیرٹ نے میری بات فیرون تک پہنچائی اور اس نے جواب دیا۔ ''یہاں ایسا کوئی رواج نہیں ہے۔''

''پھر بھی میں چاہوں گا کہ جلاد مجھے نیچے نہ پھینکے میں خود نیچے چھلانگ لگانا چاہتا ہوں۔''

کیرٹ نے میری بات دوسروں تک پہنچائی تو فیرون اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر دلچسپی نظر آنے لگی۔ شاید اس سے پہلے کسی نے ایسی فرمائش نہیں کی تھی۔ فیرون نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سر ہلایا۔ ''ٹھیک تمہیں خود چھلانگ لگانے کی اجازت دی جاتی ہے۔''

ان کے لیے یہ حیرت انگیز تھا کہ کوئی فرد خود سے موت کے منہ میں چھلانگ لگانے جا رہا تھا ورنہ اس سے پہلے جسے ہارن کے سامنے ڈالنے کی سزا دی گئی اسے زبردستی پھینکا جاتا تھا اور یہ تنومند جلاد اسی کام کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اگر میں کہوں کہ میں پُرسکون تھا تو یہ غلط ہوگا۔ میں اندر سے مضطرب تھا اور اوپر سے پُرسکون رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ راجا عمرو راز نے اس جگہ کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ بند ہوتی تھی اور پہلے صرف ایک سوراخ ہوتا تھا جس سے محتوب کو اندر پھینکا جاتا تھا مگر اب پورا کنواں کھلا ہوا تھا اور غالباً ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ تماشائی اندر کا منظر دیکھ سکیں۔ فیرون کے اشارے پر جلاد نے مجھے چھوڑ دیا اور میں نپے تلے قدموں سے کنویں کی طرف بڑھا۔ جیسے جیسے میں آگے جا رہا تھا بدبو شدید ہو رہی تھی اور اب بو ایسی تھی کہ آدمی آسانی سے قے کر سکتا تھا۔ میں نے سانس روکتے ہوئے اندر جھانکا۔

اب تک میں نے صرف اس مخلوق کے بارے میں سنا تھا۔ پہلے دیو مالائی کہانیوں اور فلموں میں پڑھا اور دیکھا تھا اور پھر یہاں ایک مردہ ہارن دیکھا تھا جسے اسار کھا رہے تھے مگر پہلی بار ایک زندہ ہارن دیکھ رہا تھا۔ نیچے نیم تاریکی تھی اور ایک تنومند جانور ہلکے قدموں سے دائرے میں چل رہا تھا۔ دائرے میں چلنا اس کی مجبوری تھی۔ یہاں اس کے لیے زیادہ جگہ نہیں تھی۔ اس کا اوپری دھڑ انسان سے مشابہ تھا۔ مگر یہ بالکل انسان جیسا نہیں تھا۔ اس کی گردن کے پیچھے ریڑھ کی ہڈی ابھری ہوئی تھی اور ہاتھوں میں انگلیوں کی مانند کھر پے سے دکھائی دے رہے تھے۔ کنواں تیس فٹ قطر کا اور اتنا ہی اونچا بھی تھا۔ تقریباً بیس فٹ لمبا اور اتنا ہی اونچا ہارن میرے اندازے کے مطابق کم سے کم دو ٹن وزنی تھا اس کا جسم بہت بڑا اور سر کے نیچے دو بینچ نما ہاتھ دیوار ٹٹول رہے تھے۔ اس کے سر پر لمبے بال تھے جو چلنے کے دوران جھول رہے تھے۔ اس نے شاید انسانوں کی سرگرمی محسوس کر لی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور ایسی خوفناک غراہٹ نکالی کہ میں نے ایسی آواز اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ یہ دل میں خوف بھرنے والی آواز دی تھی۔ میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ میرے جسم سے بو آنا شروع ہو جائے مگر ابھی تک مجھے بو محسوس نہیں کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دیر مت کرو۔'' فیرون نے گونجتی آواز میں کہا۔ وہ اور دوسرے لوگ کنویں کے ایک سرے پر آ گئے تھے اور اب وہ منتظر تھے کہ میں نیچے کودوں تو وہ ہارن کے ہاتھوں میرا انجام دیکھ سکیں۔ وہ زیادہ تھے اس لیے ہارن ان کی طرف متوجہ تھا اور رک کر اوپر دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک مجھے وہ گیٹ نظر نہیں آیا تھا کہ جہاں سے ہارن کو اس کنویں میں پہنچایا گیا تھا۔ میں جھک کر دیکھ رہا تھا کہ عقب سے جلاد نے میری کمر کو تھپکی دی اور میں گرتے گرتے بچا۔ میں نے مڑ کر خفگی سے اسے دیکھا۔ اس بار اس نے جیسے دھکا دینے کے لیے دونوں ہاتھ آگے کیے تھے۔ اس کے بعد جو ہوا وہ بے ساختہ تھا۔ میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے عقب میں اپنے دونوں پاؤں ہوا میں اچھالے اور کنویں کی منڈیر پر ٹکتے ہوئے اسے اپنی طرف کھینچا۔ اس کا جسم غیر متوازن تھا جب وہ اتنا آگے آیا کہ میں نیچے کود سکوں تو میں نے نیچے چھلانگ لگا دی۔

جلاد کھنچا چلا آیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی تھی، یہ اضطراری چیخ تھی۔ اس کا نصف دھڑ کنویں میں لٹک گیا تھا۔ میں اس کے ہاتھوں کو پکڑے جھول رہا تھا۔ میں نے دیوار پر پاؤں مار کر اسے مزید کھینچا اور وہ نیچے گرنے لگا۔ میں نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور نیچے گرتے ہوئے خود کو متوازن کرنے لگا۔ جیسے ہی میرے پاؤں زمین پر لگے میں نے بائیں طرف قلابازی کھائی اور اوپر سے گرتے جلاد کے نیچے آنے سے بال بال بچا تھا۔ اس کے حلق سے دوسری ڈکراتی چیخ نکلی اس بار بھی اسے چوٹ نہیں لگی تھی اور وہ خوف سے چیخا تھا۔ یہ سب دو سیکنڈ میں ہو گیا تھا اور اس دوران ہارن ہماری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ غرایا اور ہماری طرف لپکا۔ اسے آتے دیکھ کر جلاد کے حلق سے طویل چیخ نکلی تھی اور اس چیخ نے اسے مروا دیا کیونکہ ہارن نے پہلے اسے اٹھا لیا۔ جلاد پھر دھاڑا تھا اور اس کی چیخ پر ہارن نے ناپسندیدہ انداز میں غرا کر اچانک اسے دیوار پر دے مارا۔ یہ کام اس نے اتنی قوت اور وحشت سے کیا کہ جلاد شاید ایک لمحے میں مر گیا تھا۔

کنویں کی دیواریں پتھروں سے بنی ہوئی تھیں۔ اس دوران میں، میں بیٹھے بیٹھے زمین پر پیچھے سرک رہا تھا۔ میں نے موٹے لٹھوں سے بنا ہوا یہ گیٹ دیکھ لیا تھا۔ یہ گیٹ بھی نہیں تھا بلکہ ہارن کو یہاں لانے کے بعد ان لٹھوں سے یہ راستہ بند کر دیا گیا تھا اور اس میں کہیں کہیں خلا تھا۔ اوپر چیخ و پکار ہو رہی تھی اور سب ہی کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ ہارن بدستور مردہ جلاد کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا اور جلد اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے اس نے جلاد کی لاش اوپر اچھال دی۔ اس نے ناقابلِ یقین قوت سے اسے پھینکا تھا اور وہ یقیناً کنویں سے خاصا دور جا گرا ہو گا۔ اب ہارن میری طرف متوجہ ہوا۔ اس نے ایک اور بھیانک آواز نکالی اور میری طرف آیا۔ چند لمحے کو میری آنکھوں کے آگے موت ناچ گئی تھی۔ اب تک مجھے اپنے جسم سے بو نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں دوا نے اثر نہیں کیا تھا یا میرے جسم کے سسٹم نے اسے سُست کر دیا تھا۔ اس کا مجھے بارہا تجربہ ہو چکا تھا کہ مجھ پر غیر مانوس اشیا اور کیمیکلز اثر نہیں کرتے تھے۔ خاص طور سے ٹوکسن وغیرہ۔ پتا نہیں یہ دوا کس قسم کی تھی۔

میں گیٹ سے چند قدم کے فاصلے پر تھا اور میں نے حرکت کیے بغیر سر گھما کر گیٹ کی طرف دیکھا تھا اور مجھے اس کے نیچے خلا سا محسوس ہوا لیکن اس سے پہلے میں اس کی طرف سرکتا یا کوئی بھی حرکت کرتا، ہارن کے دونوں کھرپے نما ہاتھ میرے شانوں اور ساتھ بازوؤں پر جمے اور اس نے کسی کھلونے کی طرح مجھے اٹھا لیا تھا۔ میں نے زندگی میں کبھی اتنی بے بسی محسوس نہیں کی جتنی کہ اس وقت محسوس کی تھی اور نہ ہی موت کو خود سے اتنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قریب پایا تھا۔ ہارن اٹھا کر مجھے اپنے چہرے کے سامنے لے آیا۔ جلاد کے برعکس میں نے کوئی آواز نہیں نکالی۔ اس لیے نہیں کہ ہارن کو انسانی آواز بھی ناپسند تھی۔ بلکہ اس لیے کہ میری گھگی بندھ گئی تھی۔ اس سے پہلے شاید کبھی خوف کے جذبے کو میں نے اتنا واضح محسوس نہیں کیا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ ابھی ہارن میرے دونوں شانوں پر زور دے گا اور میرے جسم سے الگ کر دے گا یا پھر جلاد کی طرح دیوار پر دے مارے گا۔

نیم تاریکی اور اس کے منہ سے نکلتی بھاپ نما سانس کی وجہ سے مجھے اس کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر یہ ضرور تھا کہ مجھے اس کے بڑے سے چہرے پر موجود درندگی محسوس ہو رہی تھی۔ خوف نے میرے دل کی دھڑکن کو بے انتہا تیز کیا اور دورانِ خون تیز ہونے کے ساتھ ہی میرے جسم نے جیسے پسینہ اگلنا شروع کر دیا اور تب ہارن ناپسندیدہ انداز میں غرایا۔ اس حالت میں بھی میرا ذہن کام کر رہا تھا اور مجھے لگا کہ میرے جسم سے بو آنے لگی ہے۔ اسی لیے ہارن نے ناپسندیدہ آواز نکالی تھی۔ اب وہ مجھے فوری ہلاک کرنے کی کوشش کرتا یا پھینک دیتا۔ امکان یہی تھا کہ وہ مجھے مارنے کی کوشش کرے گا اور اس کے لیے موزوں ترین طریقہ وہی تھا جو اس نے جلاد کو مارنے کے لیے اپنایا تھا۔ یعنی دیوار پر اتنی قوت سے دے مارے کی ہڈی پسلی سب برابر ہو جائے۔

ہارن نے یہی فیصلہ کیا اور اس نے اچانک میرا ایک شانہ چھوڑ دیا اور دوسرے ہاتھ سے یوں پیچھے کیا جیسے گھما کر دیوار پر دے مارنا چاہتا تھا۔ مگر ہارن دیوار سے دور تھا اور وہ مجھے پکڑے ہوئے نہیں مار سکتا تھا۔ وہ مجھے پھینک کر ہی مار سکتا تھا۔ میں نے بروقت اس کے بہت بڑے کسی موٹی شاخ جیسے ہاتھ پر اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت قائم کی اور شدید جھٹکے کے باوجود اسے نہیں چھوڑا تھا۔ اسے حیرت ہوئی اور جب اس نے مجھے جھلاتے ہوئے ہاتھ دوبارہ پیچھے کیا تاکہ جھٹک سکے تو میں نے اپنی گرفت ختم کر دی۔ میں اڑ کر زمین پر گرا۔ ہارن کے مسلسل دوڑنے اور بول و براز سے مٹی بہت نم و نرم ہو گئی۔ اس لیے زور سے گرنے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ گرتے ہی میں مومنٹم کو استعمال کرتے ہوئے گیٹ کے پاس چلا گیا اور ہارن کو ذرا دیر سے احساس ہوا کہ میں نے اس کے ساتھ کیا چالاکی کی تھی۔ میں خلا کے پاس تھا جو میں نے دوسری طرف جانے کے لیے تاڑا تھا۔

ہارن پھر میری طرف لپکا اور مجھے پکڑنے کے لیے جھکا۔ میں خلا کے پاس تھا مگر اس میں داخل ہونے کا وقت نہیں تھا۔ ہارن کے بیٹھے نما ہاتھ مجھے اٹھانے کے لیے آگے آئے تھے کہ اچانک اس نے بھڑکی ہوئی آواز نکالی اور یوں پیچھے ہٹا جیسے اس نے میری جگہ کوئی زہریلا سانپ دیکھ لیا ہو۔ وہ ذرا دور ہو گیا اور اس بار مجھے اپنے پاس سے آتی بو خود بھی محسوس ہوئی تھی۔ اسی بو نے ہارن کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔ مگر اس محدود جگہ اس سے بچنا مشکل تھا وہ دل کڑا کر کے مجھے ایک ہی ہاتھ مار دیتا تو میرا کچومر نکل جاتا۔ میرا اس جگہ سے نکلنا ضروری تھا۔ میں نے تیزی سے خلا میں گھسنے کی کوشش کی مگر یہ اتنا کشادہ نہیں تھا کہ میں آرام سے نکل جاتا۔ میں پھنس کر مشکل سے جا رہا تھا۔ ہارن نے مجھے پھر اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ مگر اس بار بھی وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے جا رہا ہے۔ مجھے اٹھانے کی کوشش میں اسے وہ بو برداشت کرنی پڑتی تھی جو اسے انتہائی ناپسند تھی۔

حیرت تھی کہ اس جیسے بدبودار اور اس بدبودار ترین جگہ رہنے والے جانور کو بھی کوئی بدبو ناپسند ہو سکتی تھی۔ شاید یہ اس کے اعصاب پر اثر ڈالتی تھی۔ راجا عمر دراز نے بتایا تھا کہ ایک بار کسی کے پاس سے بو آ جائے تو ہارن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے دور بھاگتا تھا۔ مگر یہاں دو قباحتیں تھیں ایک تو ہارن بھاگ نہیں سکتا تھا اور دوسرے وہ انسانوں کے ساتھ رہ کر کسی قدر ہوشیار ہو گیا تھا۔ پتا نہیں یہ وہی ہارن تھا جو راجا عمر دراز کے زمانے میں یہاں لایا گیا یا کوئی دوسرا تھا۔ اس نے ہوشیاری دکھائی اور میری طرف پشت کرنے لگا۔ میری چھٹی حس نے فوری خبردار کیا کہ وہ مجھے دولتی مارنے جا رہا ہے۔ دولتی مارنے کے لیے اپنا منہ میرے پاس نہیں لانا پڑتا، یعنی میرے پاس سے آتی بو نہیں سونگھنا پڑتی اور اس کی ہاتھی جیسی لات میرا خاتمہ کر دیتی۔ میں نے اپنی جدوجہد تیز کر دی۔ اب تک میرا پیٹ تک جسم دوسری طرف جا چکا تھا اور اب میں سینہ لے جا رہا تھا۔ سینہ نکل جاتا تو کام آسان ہو جاتا۔

جب میں ہارن سے بچنے کی جدوجہد کر رہا تھا تو اوپر والے دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جلاد کے مارے جانے پر کچھ دیر ہنگامہ ہوا تھا مگر جلدی پجاریوں کو احساس ہو گیا کہ جلاد کی موت اتنی اہم نہیں تھی۔ اہم وہ تماشہ تھا جو انہیں میری موت کی صورت میں دیکھنے کو مل رہا تھا۔ میری جدوجہد اور مزاحمت نے اس تماشے کو مزید دلچسپ بنا دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ میں ممکنہ حد تک ہارن سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ میں زیادہ دیر بچ نہیں سکوں گا۔ مگر جب میں نے گیٹ کے دوسری طرف جانے کی کوشش شروع کی اور اس میں خاصی حد تک کامیاب بھی رہا تھا تو فیرون اور اس کے ساتھی مضطرب ہو گئے اور پھر فیرون نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ مجھے تیر کا نشانہ بنائیں اور وہ عجلت میں کوشش کرنے لگے۔ جس وقت ہارن مجھے دولتی مارنے کے لیے گھوما اسی وقت اوپر سے تیروں کی پہلی بوچھاڑ آئی اور تقریباً تمام ہی تیر ہارن کو نہایت غیر مناسب جگہ لگے تھے اور اس نے بے ہنگم سی آواز نکالی اور دولتی مارنا بھول گیا۔

صرف ایک تیر میری طرف آیا اور میرے سر کے بالکل پاس لٹھے میں پیوست ہو گیا۔ یہ دو انچ بھی ادھر ہوتا تو میرے سر میں اتر جاتا۔ میرا سینہ اُچھل رہا تھا اور میں سانس بالکل خارج کر کے اس خلا سے گزرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں دونوں ہاتھ اندر کر کے خود کو اندر کھینچ رہا تھا۔ تیر کھا کر ہارن غضب ناک ہو گیا تھا اور وہ پھر میری طرف مڑا اور ایک بار پھر دولتی مارنے کے لیے پاس آنے لگا۔ سپاہیوں نے تیروں کی پہلی بوچھار کے بعد دو کوششیں اور کیں مگر دونوں بار ہارن کی حرکت کی وجہ سے وہ مجھے نشانہ بنانے میں ناکام رہے۔ ہارن کو تیر لگنے پر فیرون ان پر دھاڑ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اتنی تیزی سے نہیں نکل سکوں گا کہ ہارن کی دولتی سے بچ سکوں اور اگر وہ میرے سر کو نشانہ بناتا تو میری وفات یقینی تھی۔

میں نے سانس روک اور سر گھما کر ہارن کے پیروں کو دیکھا اور اپنا سینہ بائیں طرف سرکایا۔ پہلی کوشش کے بعد میں آرام سے بائیں طرف سرک گیا اور اسی لمحے ہارن نے دولتی ماری۔ وہ گھوڑے کی تیزی سے دولتی نہیں مار پایا تھا اور اسی وجہ سے میں بال بال بچا، تیزی سے سرکنے کی وجہ سے میرا سر بچا اور اس کے کھر کا کچھ حصہ میرے شانے پر لگا اور اس کے ساتھ ہی میں جو دوسری طرف جانے کی کوشش کر رہا تھا ایک ہی بار میں دوسری طرف نکل گیا۔ دراصل اس نے دولتی مار کر میرا پھنسا سینہ نکال دیا تھا۔ جیسے ہی میرا سر نکلا اس نے دوبارہ دولتی ماری۔ مگر میں اس کی حدِ ضرب سے دور ہو چکا تھا۔ لٹھے صرف ایک قطار میں نہیں تھے بلکہ یہ قطار در قطار تھے۔ تبھی یہ قائم تھے ورنہ ہارن کی بے پناہ قوت انہیں توڑ دیتی اس نے یقیناً آزاد ہونے کی پوری کوشش کی ہو گی۔ مگر لٹھوں کی مضبوطی زیادہ تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کسی نہ کسی طرح ان سے نکل کر کھلی جگہ آ گیا مگر یہاں مکمل تاریکی تھی اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جدوجہد کے دوران تو احساس نہیں ہوا کہ ہارن کی مددگار لات میں بھی کتنی قوت تھی مگر جب میں کھڑا ہوا تو مجھے شانے میں شدید درد کا احساس ہوا۔ میں نے شانہ دیکھا۔ ہلکا سا ورم تھا مگر کندھا اپنا کام کر رہا تھا۔ تاریکی میں کنویں کے اوپر سے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور میں نے محسوس کیا کہ مجھے وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ فیرون میرے پیچھے معبد کے سپاہی روانہ کر سکتا تھا اور وہ جانتے تھے کہ اس سرنگ کا راستہ کہاں نکلتا ہے۔ میں تیز قدموں سے اندھیری سرنگ کی دیوار ٹٹولتے ہوئے آگے چلنے لگا۔ کیرٹ نے جو نقشہ دکھایا تھا اس میں پیمانے نہیں تھے۔ مگر تناسب تھا اور یہ سرنگ آرگون اور معبد کو ملانے والے راستے کا ایک چوتھائی تھی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ نصف میل لمبی ہو سکتی تھی۔

سرنگ مکمل طور پر کچی تھی اور اس کا زیادہ حصہ پتھریلا تھا کہیں کہیں سخت مٹی آتی تھی۔ مجھے خوف گڑھوں کا تھا اچانک راستے میں کوئی گڑھا آ جاتا تو میں اس میں جا گرتا۔ یا ٹھوکر کھا کر زخمی ہو جاتا۔ لٹھوں کے درمیان سے نکلتے ہوئے میرا کرتہ کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا اور ایک طرف سے تو یہ شانے سے ہی اتر گیا تھا۔ دائیں کولہے سے بھی پھٹا تھا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ نیچے پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ کرتا لمبا ہو کر بار بار پاؤں میں آ رہا تھا اور میری سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سنبھالوں۔ کبھی اس قسم کا لباس پہنا ہی نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں ہر ممکن تیزی دکھا رہا تھا۔ کوئی دس منٹ بعد سرنگ کا فرش اوپر کی طرف جانے لگا یعنی ڈھلان آ گئی اور یہاں کئی جگہوں پر پانی کھڑا تھا جب اوپر بارش ہوتی ہو گی تو کچھ پانی یقیناً یہاں آ جاتا ہو گا۔ کچھ دیر بعد سرنگ کا دہانہ آ گیا اور یہ بھی لٹھوں سے بند تھا۔

یہاں لٹھوں کے درمیان فاصلہ کم تھا کہ اسمار اور گونر جیسے چھوٹے جانور بھی اندر نہ آ سکیں اور ظاہر ہے میں بھی اس میں سے نہیں گزر سکتا تھا مگر بند کرنے والوں نے کہیں نہ کہیں کوئی رخنہ چھوڑا ہو گا اور میں نے جلد اسے تلاش کر لیا یہ ایک چھوٹا تختہ تھا جسے بڑی مہارت سے ایک بڑے خلا میں فٹ کیا گیا تھا۔ میں نے اسے کھینچا اور باآسانی اسے نکال لیا۔ خلا کے دوسری طرف روشنی تھی میں لٹھوں سے نکلنے کے بعد جھاڑیاں اور گھاس پھونس ہٹاتا ہوا کھلے میں آیا۔ یہاں چاروں طرف اونچے گھنے درخت تھے اور ان کے نیچے چھوٹی موٹی بیلیں اور جھاڑی نما پودے اُگے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ دوپہر کا وقت قریب تھا کیونکہ روشنی میں تقریباً دھوپ جیسی کیفیت تھی حالانکہ سورج کی ذرا بھی جھلک نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کس طرف جاؤں کہ ہڈی چٹخنے جیسی آواز آئی اور ایک طرف سے ایک گونر نمودار ہوا۔

اس نے مجھے دیکھا اور سائلنسر آن کر کے میری طرف لپکا تھا کہ میرے سر کے پاس سے ایک تیر گزر کر اس کے پاؤں میں ران پر پیوست ہو گیا۔ اس نے دردناک آواز نکالی اور واپس ہو گیا۔ اس کا سائلنسر جواب دے گیا کیونکہ اس کے پاس سے ہڈیاں ٹوٹنے جیسی آواز پھر آنے لگی تھی۔ تیر کا نشانہ گونر نہیں بلکہ میں تھا۔ تیر گزرتے ہی میں بھڑک کر بھاگا اور ایک درخت کی آڑ میں ہوتے ہوئے اس سمت دیکھا جہاں سے تیر آیا تھا اور مجھے ایک چھوٹے ٹیلے پر سپاہیوں کے لباس کی جھلک دکھائی دی۔ میرا خدشہ درست نکلا۔ فیرون نے فوراً ہی میرے پیچھے آدمی بھیجے تھے۔ میں پھر بھاگا اور میری کوشش تھی کہ جھاڑیوں اور پودوں کی آڑ میں رہوں۔ تیر انداز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یقیناً ٹیلے تک نہ رہتے بلکہ میرا پیچھا کر کے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کرتے۔ ذرا دور نکلنے کے بعد میں اب ایسی جگہوں کو منتخب کر رہا تھا جہاں میں اپنے جوگر زآزما سکوں۔

بھاگنے سے مجھے دو فائدے ہوتے، ایک میں یہاں سے دور نکل جاتا جہاں میرے دشمن تھے اور دوسرے دوڑنے سے مجھے پسینہ آتا اور اس میں شامل دوا کی بو جانوروں کو مجھ سے دور رکھتی۔ ایک جگہ مجھے چھوٹا سا پانی کا چشمہ نظر آیا۔ میں نے اس کا شفاف پانی چکھا اور پینے کے قابل پا کر چند گھونٹ لیے اور پھر سے دوڑنے لگا۔ ایک جگہ میں غیر متوقع طور پر ایک اسمار کے سامنے جا نکلا وہ پیٹ بھر کر قیلولہ کر رہا تھا۔ مگر مجھے دیکھتے ہی اس نے شاید ڈنر کے لیے منتخب کر لیا۔ وہ میری طرف لپکا اور جیسے ہی میرے پاس آیا یوں رخ پھیر کر بھاگا جیسے شیطان لاحول سے بھاگتا ہے۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور آگے بڑھ گیا۔ مجھے جنگل میں اور بھی جانور نظر آئے مگر یہ سب بے ضرر قسم کے چرنے والے تھے جو خود مجھے دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ مگر اب مجھے ہارن، اسمار یا گونر کا خوف نہیں رہا تھا۔

وادی کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ معبد بالکل شمال میں تھا اور شمال مشرق میں اوپر سے نیچے آنے والا راستہ تھا۔ وادی کے مشرق اور جنوب میں باغات اور کھیت تھے۔ اس کے مغرب میں زیادہ تر جنگل تھے۔ ویسے جنگل ہر جگہ تھے مگر اصل جنگل یہی تھا جہاں سے میں گزر رہا تھا۔ کسی قدر شمال میں آرگون آباد تھا اور حریف قلعے اس کے بالکل سامنے جنوب میں تھے۔ گویا مجھے جنوب میں جانا تھا۔ یہ فاصلہ کسی طرح دس میل سے کم نہیں تھا۔ مجھے آرگون سے بھی دور رہنا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس طرف کھیت اور باغات تھے یا نہیں مگر ہونے کی صورت میں آرگون والوں سے سامنا لازمی تھا۔ میں ان سے دور رہنا چاہتا تھا۔ مگر اس سفر کے دوران مجھے کوئی کھیت یا باغ نظر نہیں آیا حد یہ کہ یہاں انسانی آثار بھی نظر نہیں آئے تھے۔ راستے تھے مگر یہ جانوروں نے بنائے تھے۔

سپاہیوں کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ انہوں نے پہلے میل کے بعد ہار مان لی ہوگی۔ معبد کی طرف آتے ہوئے میں نے معبد کے سپاہیوں کی جو گفتگو سنی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں حرام خوری کی نہایت پختہ عادت ہو چکی تھی۔ انہوں نے میرے پیچھے زیادہ زحمت نہیں کی تھی۔ تیر اندازی میں بھی ان کا اناڑی پن نمایاں تھا جب وہ تیس پینتیس فٹ کے فاصلے سے مجھے نشانہ نہیں بنا سکے تھے۔ البتہ دونوں بار ان کی تیر اندازی سے مجھے فائدہ ہوا تھا۔ ہارن کو لگنے والے تیر اس کے لیے کانٹوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے مگر اسے لگے غلط جگہ تھے۔ البتہ گونر اگر زندہ رہا تو ساری عمر اس تیر کو نہیں بھول سکے گا۔ آدھے گھنٹے بعد مجھے دائیں طرف آرگون کے آثار یعنی اس کی فصیل دکھائی دی۔ یہ اس جگہ سے کوئی ایک میل دور تھی اور یہاں بھی فصیل تک کوئی انسانی آثار نہیں تھے۔ مگر اب جنگل چھدرا ہو رہا تھا اور کٹے تنوں سے ظاہر تھا کہ یہاں سے ضرورت کی لکڑی حاصل کی جاتی ہوگی۔

سامنے کھیت اور باغ نظر آ رہے تھے تو میں رکا اور سستانے لگا۔ میں نقشے کو ذہن میں رکھ رہا تھا۔ اس کے مطابق مجھے آرگون کے سامنے وسطی قلعے تک پہنچنا تھا یہ آرگون سے کوئی چھ سات میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں سے مجھے دائیں طرف مڑنا تھا اور ایک دائرے میں سفر کرتے ہوئے قلعے تک پہنچنا تھا۔ گویا مجھے اب بھی کوئی دس گیارہ میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے پاس سے بدستور بو آ رہی تھی اور یہ بو خاصی دیر آنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہیے تھی مگر کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا کہ جلد میرا جسم پسینے میں اسے خارج کر دے۔ اس جنگل میں یہی میرا واحد ڈیفنس تھا۔ اس لیے میں نے کچھ دیر ستانے کے بعد دوبارہ دوڑنا شروع کر دیا۔ اس طرف بلندی سے وادی میں ایک زبردست آبشار گر رہا تھا۔ اصل میں اس میں پانی اتنا نہیں تھا بلندی سے گرنے کی وجہ سے اس میں جھاگ بہت زیادہ ہو گیا تھا اور یہ اپنے اصل حجم سے کئی گنا بڑا ہو کر دکھائی دے رہا تھا۔

کل صبح کے بعد سے مجھے کھانے میں صرف ایک مشروب نما چیز ملی تھی اور پھر گزشتہ ایک گھنٹے سے ہونے والی بھاگ دوڑ نے پیٹ کو بالکل خالی کر دیا تھا اور اب اس میں چوہے تقریباً میری جتنی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ مگر مجھے امید تھی کہ میں سامیرا والے قلعے تک پہنچ گیا تو مجھے وہاں کھانے کو مل جائے گا۔ شرط صحیح سلامت وہاں پہنچنے کی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد میں وادی کے جنوبی حصے میں داخل ہو چکا تھا یہاں چٹانیں تھیں اور چھوٹے چھوٹے جنگل تھے جن میں درخت بہت ہی اونچے اور گھنے تھے۔ وادی کی دیوار تک اونچے ہوتے یہ درخت کسی سبز ڈھلان کی طرح لگ رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے ان پر سبز رنگ کے پردے تنے ہوں۔ بعد میں پتا چلا کہ یہ تہہ در تہہ بیلیں تھیں جو درختوں پر پردوں کی طرح تن گئی تھیں اور راجا عمر دراز اوپر سے گرتے ہوئے ایسی ہی بیلوں کی وجہ سے مرنے سے بچ گیا تھا کیونکہ انہوں نے اس کے گرنے کی رفتار کم کر دی تھی۔

کھیتوں اور باغوں سے دور رہنے کے چکر میں میں بڑے لمبے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پہلے بھاگ بھاگ کر اور اب چل چل کر میرا حشر ہو گیا تھا۔ یہ دوسرا گھنٹہ تھا جو میں مسلسل سفر میں تھا۔ اب بھوک کے ساتھ پیاس بھی لگ رہی تھی مگر یہاں کہیں پانی نظر نہیں آ رہا تھا چند ایک جگہوں پر گڑھوں میں جو پانی دکھائی دیا وہ ناقابلِ استعمال تھا۔ اب مجھے گرمی لگ رہی تھی مگر پانی کی کمی سے مجھے پسینہ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھ میں سے آنے والی مخصوص بو بھی کم ہو گئی تھی۔ میں جہاں سے گزر رہا تھا وہاں چٹانیں تھیں اور ان چٹانوں سے جیسے گرمائش آ رہی تھی۔ دھوپ تو تھی نہیں مگر یہ شاید صرف روشنی جذب کر کے بھی گرم ہو جاتی تھیں۔ چٹانوں اور کھیتوں و باغات کے درمیان جھاڑیوں کا ایک بفر زون تھا اور میں اسی کے پیچھے سے گزر رہا تھا۔ اگرچہ امکان تھا کہ یہاں کام کرنے والے اصل میں سامیرا کی رعایا تھے۔ لیکن اب میں کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا اور براہِ راست قلعے تک پہنچنا چاہتا تھا۔

○.....❖.....○

پیاس سے اب حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور اب اگر مجھے کہیں کوئی جوہڑ نظر آ جاتا تو شاید میں اس میں موجود پانی بھی پینے کو تیار ہو جاتا۔ مگر کوئی جوہڑ بھی نہیں ملا اور بالآخر میں قلعے تک پہنچ گیا اس تک پہنچنے کے لیے مجھے ایک چھوٹے قلعے کے پیچھے سے گزرنا پڑا تھا۔ دن کا وقت تھا اور قلعے کا چھوٹا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ سپاہی موجود تھے مگر وہ زیادہ توجہ نہیں دے رہے تھے اس لیے میں آرام سے گزر کر قلعے کے اندر پہنچ گیا۔ آرگون کی نسبت یہ چھوٹا قلعہ تھا اور یہاں آبادی منظم نہیں تھی۔ گھر چھوٹے اور گلیاں کسی قدر بے ترتیب تھیں۔ کچھ گلیاں پکی اور کچھ کچی تھیں۔ مگر یہاں لوگ خاصے زیادہ تھے۔ بچے کھیل رہے تھے اور عورتیں آ جا رہی تھیں۔ اگرچہ ان کا لباس اور جوتے اتنے اچھے نہیں تھے جتنے مجھے آرگون میں نظر آئے تھے۔ اسی طرح یہاں لوگوں کی صحت بھی اتنی اچھی نہیں تھی اور وہ کم خوراکی کا شکار نظر آ رہے تھے۔ مگر ان کے چہروں پر مجھے انسانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جذبات دکھائی دیئے۔ وہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ ہنس رہے تھے اور کھیل رہے تھے۔ مجھے ایسا کوئی روبوٹ نہیں دکھائی دیا جیسا کہ آرگون کی گلیوں میں چل پھر رہے تھے۔

ان کو دیکھ کر احساس ہو رہا تھا کہ یہ انسان ہیں اور آزاد ہیں۔ یہاں سپاہی بھی تھے مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ درحقیقت یہاں مجھے دفاعی انتظامات بھی بہت کم دکھائی دیئے تھے۔ یہ قلعہ جنگی سے زیادہ پناہ گزینوں کا کیمپ لگ رہا تھا۔ قلعہ زیادہ بڑا نہیں تھا مشکل سے پانچ سو گز لمبا چوڑا ہوگا اور اس میں کوئی بھی عمارت بڑی نہیں تھی۔ چھوٹے چھوٹے مکانات تھے۔ ان میں سے بیشتر لکڑی کے بنے تھے۔ کچھ کچی مٹی اور پتھروں سے بنے تھے۔ اور کچھ پکی اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ تقریباً سارے ہی مکانات ایک منزلہ تھے اور مجھے چند ایک ہی مکانوں پر دوسری منزل نظر آ رہی تھی۔ مشکل سے آدھے گھنٹے میں ہمیں نے پورا قلعہ گھوم کر دیکھ لیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ سامیرا یہاں کہاں ہوگی؟ میں اسے کیسے تلاش کروں جب کہ یہاں کوئی میری زبان بھی نہیں سمجھتا۔

ایک جگہ پانی کا گھڑا نظر آیا جس کے ساتھ مٹی کے پیالے تھے۔ گھڑے سے پانی نکالنے کے لیے ایک مگ الگ سے تھا۔ میں نے جلدی سے اس سے پانی نکال کر پیا مگر احتیاط کی کہ پیٹ خالی تھا زیادہ پانی پی کر میری طبیعت خراب ہو سکتی تھی۔ پانی پی کر مجھے سکون ملا تھا اور حلق میں چبھتے کانٹوں سے سکون ملا تھا۔ ایک گلی میں چند بچے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک دوڑتا ہوا میری طرف آیا اور مجھ سے ٹکرایا اور اچانک رک گیا۔ وہ مجھے گھور رہا تھا۔ چند لمحے گھورنے کے بعد اس نے کہا۔ ''اسی گلی میں آگے چلے جاؤ سامیرا کا مکان بالکل آخر میں ہے۔''

میں دنگ رہ گیا کیونکہ اس پانچ چھ سال کے بچے کے حلق سے برف والے کی آواز برآمد ہوئی تھی۔ بچے نے جملہ ادا کیا اور دوڑتا ہوا واپس اپنے ساتھیوں کی طرف چلا گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیا اسرار تھا؟ برف والے کی پُراسرار قوتیں رہ رہ کر سامنے آ رہی تھیں۔ پھر میں شور پر چونکا۔ دو بچے اسی بچے کو نیچے گرا کر مار رہے تھے وہ چلاتے ہوئے ان سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں تیزی سے آگے آیا اور دونوں بچوں کو اس سے الگ کیا تو وہ سسکیاں بھرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس نے ڈھکی آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں ابھی اپنی ماں کو بتاتا ہوں۔''

اس بار اس کے منہ سے معصوم بچے کی سی آواز نکلی تھی۔ بڑے بچے مجھے اس کا حمایتی پا کر بھاگ گئے تھے۔ بچہ ڈرامہ نہیں کر رہا تھا سچ مچ اس کے توسط سے برف والے نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں گلی کے آخری سرے کی طرف بڑھا جہاں ایک چھوٹا سا احاطہ تھا اور اس احاطے میں وہی چھوٹا سا مکان تھا جس کا نقشہ راجا عمر دراز نے اتنی تفصیل سے بتایا تھا کہ میرے ذہن میں بیٹھ گیا تھا۔ مکان کے برآمدے میں ایک جوان العمر اور نہایت حسین عورت کھڑی تھی۔ اس کے نقوش شاہانہ اور دبدبے والے تھے۔ مجھے اس میں سامیرا کی جھلکی محسوس ہوئی۔ راجا عمر دراز نے سامیرا کا ناک نقشہ بھی وضاحت سے بتایا تھا۔ شاید وہ اس کی بیٹی تھی۔ اگر اس نے خاصی تاخیر سے شادی کی ہوگی تو اس کی بیٹی اب چالیس تک کی ہوگی۔ اگرچہ یہ عورت پینتیس کی بھی مشکل سے لگ رہی تھی۔ مگر اس وادی میں رہنے والوں کی عمریں دراز ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان کی جوانی کا عرصہ بھی طویل ہوتا ہوگا۔ میں احاطے کے کھلے دروازے پر رکا تو عورت نے کہا۔

''اندر آ جاؤ شہباز۔''

میں دنگ رہ گیا اور کچھ دیر بعد بولا۔ ''آپ مجھے جانتی ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں میں راجا عمر دراز کے ساتھ تمہارا بھی انتظار کر رہی ہوں۔''

میں ایک بار پھر دنگ رہ گیا۔ ''آپ..... آپ سامیرا.....؟''

''ہاں میں سامیرا ہوں۔'' وہ آگے آئی اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے اندر لے آئی۔ میں جیسے خواب کی سی کیفیت میں تھا میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک عورت جو کم سے کم اسی برس کی تھی اتنی جوان اور صحت نظر آسکتی ہے۔ برآمدے میں بید جیسی کسی لکڑی سے بنی کرسیاں رکھی تھیں اس نے مجھے بٹھایا اور چھوٹی سی تپائی پر رکھا بڑا سا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ اس میں مشروب تھا اور یہ ایسا تھا جیسے دودھ میں روح افزا ملا دیا جائے مگر اس کا ذائقہ کہیں لاجواب تھا۔ میں نے بڑا سا گلاس چند گھونٹ میں خالی کر دیا کیونکہ میں شدت سے بھوکا تھا اور اس نے خاصی حد تک میری بھوک کا مداوا کر دیا تھا۔ ایسا لگا جیسے وہ واقف ہو کہ میں بھوکا آؤں گا اور مجھے فوری خوراک کی ضرورت ہوگی۔ اس مشروب نے میری ضرورت پوری کر دی تھی۔ گلاس خالی کر کے میرے حواس ٹھکانے آئے۔ اس نے مجھ سے گلاس لے کر رکھ دیا اور بولی۔

''اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

''بہتر، لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آنے والا ہوں۔''

''اسی نے اطلاع دی جس نے بچے کی مدد سے تمہاری رہنمائی کی تھی۔'' وہ سادگی سے بولی۔ میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

''یہ کیا ہے ٹیلی پیتھی ہے یا ساحری جو وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے میری مدد کر رہا ہے؟''

''میں نہیں جانتی مگر برف والے کے لیے یہ کام مشکل نہیں ہیں۔''

''اس نے مجھے یہاں بھیجا مگر پہلے آرگون والوں کے حوالے کر دیا اور سمجھ لیں کہ میں موت کے منہ سے نکل کر یہاں آیا ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن بچنا تمہارا مقدر ہے۔ کامیابی تمہارا مقدر ہے۔ تم یہاں آ گئے ہو اب ہم آرگون اور اس وادی کو ان لوگوں سے آزاد کرا لیں گے۔''

میں سوچ رہا تھا کہ بہ ظاہر تو برف والے نے آرگون والوں کی حمایت کی تھی مگر درحقیقت وہ سامیرا کے ساتھ تھا اور اسے معلوم تھا کہ سامیرا کامیاب رہی تو وادی کا صدیوں پرانا سسٹم ختم ہو جائے گا اور وہ اس سسٹم کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شاید اس کا کہنا بھی درست تھا کہ اسی سسٹم نے وادی میں انسانوں کی بقا کو ممکن بنایا تھا ورنہ ان کے آپس کے جھگڑے یہاں کی تباہی کا سبب بن جاتے۔ سامیرا مجھے دیکھ رہی تھی اس نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک سوچ رہے ہو آزادی یہاں کی تباہی ہوگی۔ لیکن ہر بقا کو فنا ہے اور شاید فنا کا وقت قریب آ گیا ہے۔''

میرے جسم میں اس کے الفاظ نے سنسنی دوڑا دی تھی۔ ''آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔''

''کیونکہ مجھے لگ رہا ہے کہ صرف اس وادی کا ہی نہیں اس دنیا کا انجام بھی قریب ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ بھی یہی کہتا ہے کہ دنیا کا انجام قریب ہے۔''

''اس لیے ہمیں ان لوگوں سے نہیں الجھنا چاہیے کہ اس انجام سے پہلے سب اپنا اپنا راستہ چن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکیں۔''

میں اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''کون سے راستے؟''

''وہ راستے جو ناکامی اور کامیابی کی طرف جاتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''خیر یہ بعد کی باتیں ہیں ابھی میں تم سے وہ بات کرنا چاہتی ہوں جس کے لیے تمہیں یہاں بھیجا گیا ہے۔''

پہلے برف والے، پھر کیرٹ اور اب سامیرا کی باتوں سے مجھے لگ رہا تھا کہ رینالٹ اور سامیرا کے درمیان ہونے والے معرکے میں مجھے کسی ایک طرف کی سپاہ کی کمان کرنی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''مجھے کس لیے بھیجا گیا ہے؟''

''تم جانتے ہو۔'' سامیرا نے اپنی فسوں خیز آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک اور تازگی تھی کہ میں نے بہت کم آنکھیں ایسی دیکھی تھیں۔

''کسی حد تک جانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن بہتر ہوگا کہ تم کھل کر بات کرو۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''شہباز میں چاہتی ہوں کہ تم میری طرف سے اس جنگ میں حصہ لو اور میری فوج کی کمان کرو۔''

میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''مگر مجھے فوجی کمان کا کوئی تجربہ نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہارے طریقہ جنگ سے واقف ہوں۔''

''تم کر لو گے۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''برف والے کا کہنا ہے کہ تم کر سکتے ہو۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ تو کام سر پر پڑ جانے والی بات تھی۔ اگر میں نہ کرتا تب بھی مارا جاتا۔ اگر رینالٹ ان لوگوں پر قابو پا لیتا تو سب سے پہلے میرا خاتمہ کرتا۔ اس لیے مجھے تو لڑنا ہی تھا مگر میں اتنی بڑی ذمے داری لینے سے گھبرا رہا تھا۔ ہزاروں لوگوں کی زندگی و موت میرے شانوں پر آ جاتی اور میں خود کو اتنا بڑا بوجھ اٹھانے سے معذور سمجھ رہا تھا۔ سامیرا نے میرے شانے پر اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھا۔ ''مجھے معلوم ہے عمر دراز تمہیں بیٹے کی طرح سمجھتا ہے اس رشتے سے تم میرے بھی بیٹے ہوئے اور کوئی ماں اگر اپنے بیٹے سے توقع رکھے تو کیا وہ اسے پورا نہیں کرے گا۔''

''بہت بے حمیت بیٹا ہوگا جو ماں کی بات پوری نہیں کرے گا۔''

''تب سمجھ لو کہ ایک ماں تم سے توقع کر رہی ہے کہ اس کا بیٹا اسے اس کے دشمنوں سے بچائے گا اور اس کے دشمنوں کو ختم کر دے گا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''آپ نے بات ایسی کر دی ہے کہ اب میں انکار کا سوچ بھی نہیں سکتا مگر میں کامیابی کا دعویٰ بھی نہیں کروں گا۔ بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ اپنی جان لڑانے تک سب کر گزروں گا۔''

وہ خوش ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''مجھے معلوم تھا کہ تم انکار نہیں کرو گے۔ آؤ تم تھکے ہوئے ہو آرام کرو پھر میں تمہیں سب بتاؤں گی۔'' وہ مجھے مکان کے اندر لے آئی اور وہاں ایک سادہ مگر آرام دہ بستر تھا۔ نہ جانے کیوں یہ جگہ مجھے وہی لگی جہاں راجا عمر دراز رہا تھا۔ اس نے بستر پر بٹھایا اور بولی۔ ''اس بستر کو سوائے عمر دراز کے کسی مرد نے نہیں چھوا ہے۔ مگر تم اس کے بیٹے جیسے ہو اور تم اس پر سونے کے حقدار ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ نے شادی نہیں کی؟'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں، حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ عمر دراز نے شادی کر لی تھی اور اب اس کے بچوں کے بچوں کی بھی شادی ہوگئی ہے۔''

''جب آپ یہ جانتی ہیں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ راجا صاحب کے دل میں جو مقام آپ کا ہے وہ کسی کا بھی نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔''

میں سوچ رہا تھا کہ کیا وہ جانتی ہے کہ راجا عمر دراز بھی اس وادی میں آچکا ہے اور یہ کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں ہے کیونکہ اس کے جسم میں پلنے والا کینسر لاعلاج ہوگیا ہے۔ سامیرا وہاں سے چلی گئی تھی۔ میں جوتے اتار کر بستر پر دراز ہوگیا۔ میرا لباس پھٹ گیا تھا مگر خاص فرق نہیں پڑا تھا کیونکہ اس کے نیچے آدھی آستین کی بنیان موجود تھی۔ میں لیٹا تھا مگر نیند نہیں آئی تھی بس ایک جھپکی سی آئی اور میں پھر ہوشیار ہوگیا۔ شاید اس ذمے داری کے خیال نے مجھے گہری نیند سے باز رکھا جو میرے شانوں پر ڈال دی گئی تھی۔ میں اٹھا تھا کہ سامیرا آگئی اس نے کہا۔ ''تمہارے غسل کے لیے پانی رکھ دیا ہے اور دوسرا لباس بھی ہے۔''

میں خوش ہوگیا کیونکہ شدت سے اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ سفر کے دوران میرا جسم میل جمع کرتا رہا تھا اور رہی سہی کسر آج کی دربدری نے پوری کر دی تھی۔ پردوں سے گھرے اس غسل خانے میں بڑے سے لکڑی کے ٹب میں پانی تھا اور اس سے ایسی خوشبو آرہی تھی جیسے اس میں اعلیٰ درجے کا کلون ملا ہو۔ بلکہ شاید کسی کلون کی بھی ایسی خوشبو نہیں ہوگی۔ ایک صابن نما ٹکیہ سی تھی اور جسم صاف کرنے کے لیے جالی دار کپڑا بھی تھا۔ میں دل سے نہایا اور خود کو بہت تر و تازہ محسوس کیا تھا۔ ایک طرف الگنی پر نیا پاجامہ اور نیا کرتہ لٹک رہا تھا۔ دونوں چیزیں میرے ناپ کے مطابق تھیں۔ صابن نما ٹکیہ نے حیرت انگیز صفائی کی تھی۔ اس نے میرے بال بھی ریشمی کر دیئے تھے۔ میں کپڑے پہن کر باہر آیا تو سامیرا نے برآمدے میں ہی چھوٹی سی میز پر کھانا لگایا ہوا تھا۔ تاریکی چھانے والی تھی اور گھر میں اور باہر شمعیں اور مشعلیں روشن ہوگئی تھیں۔

کھانے میں سبزیوں اور اجناس سے بنی چیزیں تھیں اور سب خوب تھیں۔ میٹھے میں شہد اور گندم سے بنی ہوئی ٹکیاں تھیں جیسی کبھی کبھی ماں جی بھی بناتی تھیں۔ سامیرا اصرار کر کے کھلاتی رہی۔ ساتھ ہی وہ مجھ سے بات بھی کر رہی تھی۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا اور میں اسے بتاتا رہا۔ پھر وہ اپنے بارے میں بتانے لگی کہ اورگان کے بعد اس نے بہت مشکل وقت گزارا۔ نیکاٹ کا رویہ دوستانہ نہیں تھا کیونکہ اورگان نے راجا عمر دراز کے معاملے میں اسے دھوکا دیا تھا۔ صرف مہا پجاری ہونے کی وجہ سے وہ محفوظ رہا تھا۔ اورگان کی وفات کے بعد سامیرا سے اس کا رویہ معاندانہ رہا اور اس نے سامیرا کے آرگون آنے پر پابندی لگا دی تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ سامیرا اس طرز حکمرانی اور اس نظام کے خلاف ہوگئی تھی جس کا مشاہدہ اس نے معبد میں قیام کے دوران کیا تھا۔ اب وہ اس کے خلاف عملی جدوجہد کر رہی تھی۔

عجیب بات تھی اس نے ساری باتیں کر لیں مگر اس نے راجا عمر دراز کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ وہ اس کے ماضی کے بارے میں ضرور بات کرتی رہی مگر اس کے حال کے بارے میں بات کرتے ہوئے گریز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کررہی تھی۔ کھانے کے بعد اس نے خود برتن اٹھائے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس مکان میں اکیلی رہتی تھی اور اس کے پاس ایک ملازم تک نہیں تھا۔ اس کا گھر اور کوئی چیز بھی امتیازی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ جس سے پتا چلتا کہ وہ رینالٹ کی مخالف حکمران ہے اور اس کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔ جب وہ چائے جیسا مشروب لے کر آئی تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''آپ یہاں اکیلی نظر آرہی ہیں، آپ کے پاس جنگی قوت بھی اتنی نہیں لگ رہی ہے۔ یہاں کے برعکس میں نے آرگون میں بہت زیادہ فوجی قوت دیکھی ہے۔''

''یہ حقیقت ہے کہ ہم سپاہیوں کی تعداد اور اسلحے کے لحاظ سے رینالٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر یہ جنگ ہمیں یہ سوچ کر لڑنی ہے کہ یہ ہماری بقا کی جنگ ہے۔ اگر ہم ہار گئے تو اپنی زندگی ہار جائیں گے اور وادی کے لیے ہمیشہ کے لیے غلام بن جائیں گے۔''

''وہ غلام ہیں۔''

''نہیں انہوں نے خود پر ایک خول چڑھا رکھا ہے۔ تم نے یہاں کے لوگوں کو نہیں دیکھا کیا وہ تمہیں عام انسان نہیں لگے۔''

میں نے اعتراف کیا اور بولا۔ ''مگر مجھے آپ کے پاس ذرائع کی بھی کمی نظر آئی ہے۔''

''یہ حقیقت ہے کیونکہ یہاں ہمیں ہر چیز کی کمی ہے۔ خوراک کی ضرورت بھی مشکل سے پوری ہوتی ہے۔ دوسری چیزیں بھی سب کو پوری نہیں ملتی ہیں۔ البتہ ہم نے اسلحہ خاصا بنا لیا ہے اور ہمارے پاس کل وقتی سپاہی کم ہیں مگر رضا کار بہت ہیں۔''

''ان کی جنگی مہارت کیا ہے؟''

''سپاہیوں جیسی تو نہیں ہے لیکن وہ ضرورت پڑنے پر جنگ لڑ سکتے ہیں۔''

''مجھے ان کو دیکھنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''آرگون میں آپ کے جاسوس ہیں؟''

''بالکل ہیں۔''

''ان کو پیغام بھیج دیں کہ رینالٹ کی فوجوں کی تیاری پر مسلسل نظر رکھیں اور ان کے بارے میں ہر ممکن معلومات یہاں بھیجیں۔''

وہ چونکی۔ ''تمہارے خیال میں خطرہ ہے؟''

''بالکل رینالٹ جلد مہم شروع کر دے گا اور اس میں شاید چند دن بھی باقی نہیں رہے ہیں۔''

''میرا خیال تھا مگر تم نے تصدیق کر دی۔''

''کیرٹ بھی اس معاملے میں بے چین تھا۔''

''میں ابھی اپنے اہم لوگوں کو بلاتی ہوں اور جاسوسوں کے لیے پیغام بھیجتی ہوں۔'' سامیرا نے کہا اور اٹھ کر گھر سے نکل گئی۔ ایسا لگ رہا تھا اسے سب خود کرنا پڑتا تھا۔ جب کہ اسے لازمی اپنے ساتھ چند آدمی رکھنے چاہیے تھے جو بہ وقت ضرورت اس کے حکم کی تعمیل کر سکیں۔ ذاتی ملازم نہ سہی اسے اپنے کام کے لیے ملازم رکھنے چاہیے تھے تاکہ اس کا وقت بچتا اور وہ اہم کاموں پر توجہ دے سکتی۔ مگر شاید وہ مساوات کے چکر میں اس سے گریز کر رہی تھی۔ اس کی واپسی کچھ دیر بعد ہوئی اور اس کے ساتھ تین آدمی تھے۔ ان تینوں نے سپاہیانہ لباس پہن رکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ سامیرا نے میرا تعارف کرایا اور برف والے کا حوالہ دیا تو وہ مجھ سے گرم جوشی سے ملے تھے۔ صرف سامیرا میری بات سمجھ سکتی تھی اور وہ ترجمان بنی ہوئی تھی اس نے ان پر واضح کر دیا کہ اب اس جنگ کا کمانڈر میں ہوں گا جو چند دن میں لڑی جانے والی ہے۔ میرے کمانڈر بننے پر انہوں نے کوئی مخالفانہ ردِعمل نہیں دیا مگر وہ یہ سن کر متفکر ہو گئے تھے کہ جنگ چند دن میں ہونے والی تھی۔ سامیرا نے ان کا تعارف کرایا۔

''یہ سومرو ہے۔'' اس نے درمیانی عمر کے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ ''فوج کا سربراہ یہ ہے۔'' پھر دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کیا جو نسبتاً جوان تھا۔ ''یہ کانینور ہے، تیرانداز دستے کا سربراہ اور یہ مینات ہے نیزہ بردار دستے کا سربراہ۔''

مینات عمر رسیدہ اور سمارٹ جسم کا مالک تھا جیسا کہ ایک نیزہ باز کو ہونا چاہیے۔ تعارف کے بعد میں نے سومرو کی طرف دیکھا اور پہلا سوال کیا۔ ''تمہارے پاس تربیت یافتہ سپاہی کتنے ہیں؟''

''ایک ہزار کے قریب ہیں۔'' اس نے سامیرا کے توسط سے جواب دیا۔ ''ان میں چار سو نیزہ باز ہیں، چار سو تیرانداز اور دو سو مختلف طریقوں سے لڑنے والے سپاہی ہیں۔''

''رضا کاروں کی تعداد کیا ہے؟''

''دو ہزار رضا کار ہیں۔'' اس نے بتایا۔ سامیرا نے اس کا جواب مجھ تک پہنچایا اور بولی۔ ''ہمارے ساتھ موجود افراد کی کل تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ پندرہ سے ستر برس کی عمر کا ہر فرد لڑنے والوں میں شامل ہو گا۔''

میں فکر مند ہو گیا کیونکہ آرگون میں، مَیں نے صرف ڈیوٹی پر اس سے زیادہ سپاہیوں کو دیکھا تھا۔ ایک ہزار سے زیادہ سپاہی تو باہر کام کرنے والوں کی حفاظت پر مامور تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ رینات کے پاس تربیت یافتہ فوج ہی اس سے زیادہ ہو گی۔ میں نے آرگون کی فصیلوں پر بھاری تیر پھینکنے والی مشینی کمانیں دیکھی تھیں جب کہ یہاں مجھے ایسی کمانیں دکھائی نہیں دی تھیں۔ سامیرا نے تصدیق کی کہ ان کے پاس ایسی کمانیں نہیں تھیں۔ اس نے کہا۔ ''ان کو بنانے والے کچھ ماہر ہیں اور وہ سب آرگون میں ہیں۔''

اگر ماہر میسر بھی ہوتے تو اب ہتھیار سازی کا وقت نہیں تھا۔ میں نے سومرو سے کہا۔ ''کل صبح میں تمام لڑنے والوں کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں جیسے ہی روشنی ہو ان کو قلعے کے عقب میں واقع میدان میں جمع کر لیا جائے۔''

اس نے یقین دلایا کہ ایسا ہو جائے گا۔ میں نے مزید ہدایت کی تیرانداز الگ ہوں، نیزے باز الگ اور دوسرے ہتھیار استعمال کرنے والے الگ ہوں۔ ساتھ ہی رضا کار اور پیشہ ور سپاہی بھی الگ الگ ہوں۔ اس کے ساتھ میں نے مزید کچھ ہدایات دیں۔ وہ تینوں رخصت ہوئے تو میں نے سامیرا سے کہا۔ ''کیا آپ کو ان تینوں پر مکمل اعتماد ہے؟''

''ہاں کیونکہ یہ میرے شروع کے ساتھیوں میں سے ہیں جب نیکاٹ نے مجھ پر آرگون آنے کی پابندی لگائی یہ تب سے ساتھ ہیں اور انہوں نے ہی اس تحریکِ مزاحمت کو منظم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ کیا تم ان پر شک کر رہے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا تعلق جس دنیا سے ہے وہاں آنکھ بند کر کے کسی پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''خاص طور سے معاملہ بھی جب دنیا کا ہو۔''

وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں نے کبھی ان میں حکومت کا اقتدار کا لالچ محسوس نہیں کیا۔''

''کیا ان کے خاندان بھی یہاں ہیں؟''

''ہاں ان تینوں کے خاندان یہاں ہیں صرف مینات کی پہلی بیوی اور بچے آرگون میں ہوتے ہیں انہوں نے اس کے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے یہاں آ کر دوسری شادی کر لی۔''

مجھے مینات کی دوسری یا تیسری شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے میں نے پوچھا۔ ''آپ یہاں کا نظام کس طرح چلاتی ہیں۔''

''تقریباً سب طے شدہ ہے ہر شعبے کے سربراہ ہیں جو اپنے اپنے شعبوں کے ذمے دار ہیں۔ ہاں کوئی مسئلہ ہو تو پھر میرے پاس آتے ہیں اور میرا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔''

''کسی بھی حکمران سے لوگ سو فیصد مطمئن نہیں ہوتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے یہاں موجود لوگ آپ سے کس حد تک مطمئن ہیں؟''

میرے اس سوال پر اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''ایسا تو کبھی میں نے سوچا نہیں میرا خیال ہے میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ مجھ سے مطمئن نہ ہوں۔''

میں مسکرایا۔ ''آپ بہت ذہین ہیں مگر سیاسیات کا علم کچھ اور ہی کہتا ہے۔ بہترین طرزِ حکمرانی سے بھی سب لوگ مطمئن نہیں ہوتے۔ اگر حکمران رعایا کو اپنا گوشت نکال کر بھی کھلا دے تب بھی وہ سب کو مطمئن نہیں کر سکتا ہے۔''

سامیرا الجھن میں پڑ گئی۔ ''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''کبھی آپ نے جاننے کی کوشش کی کہ رینات کے جاسوس یہاں موجود ہیں یا نہیں۔''

''نہیں کیونکہ یہاں سب لوگ دیکھے بھالے ہیں اور کئی عشروں سے یہاں رہ رہے ہیں۔''

''اس سے یہ نتیجہ بالکل نہیں نکلتا ہے کہ یہاں رینات کے جاسوس موجود نہیں ہیں۔''

سامیرا اس بار پریشان ہو گئی اور اس نے اظہار بھی کر دیا۔ ''شہباز تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

''میں نے آپ کو خوابِ غفلت سے جگا دیا ہے۔ اب آپ اپنے ذہین آدمیوں کو اس پر لگائیں کہ وہ مشکوک سرگرمیاں کرنے والوں پر نظر رکھیں۔ جیسے آپ کے جاسوس آرگون میں ہیں بالکل اسی طرح رینات کے جاسوس یہاں ہو سکتے ہیں۔''

''لوگ رینات سے نفرت کرتے ہیں۔''

''ضروری نہیں ہے لوگ جس سے نفرت کرتے ہوں اس کے لیے کوئی کام کرنے کو آمادہ نہ ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لالچ بہت بڑا عنصر ہے اسی طرح بہت سے لوگ ہوں گے جو پرانے نظام کو ہی وادی کی بقا کا ضامن سمجھتے ہوں گے اور وہ اسے برقرار رکھنا چاہتے ہوں گے چاہے انہیں رینات کی حمایت کیوں نہ کرنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رینالٹ ایک شخص ہے جو بالآخر گزر جائے گا اور اس کے بعد وادی کے حکمران پھر سے معمول پر آ جائیں گے۔ مطلب یہ کہ نظام برقرار رہنا چاہیے۔''

''ایسا نہیں ہے رینالٹ نے نظام کو مکمل طور پر اپنے مقاصد کے لیے تبدیل کر دیا ہے۔''

''صرف اپنے اور اپنے ٹولے کی حد تک عام لوگوں کے لیے پرانا نظام موجود ہے۔''

سامیرا نے سر ہلایا۔ ''میں دیکھتی ہوں لیکن اس کے لیے آج رات مصروف رہنا پڑے گا۔ اب تم آرام کرو۔''

''میں زیادہ دیر آرام نہیں کروں گا کیونکہ وقت کم ہے اور رات کی تاریکی بہت سی سرگرمیوں کے لیے اچھی ہوتی ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے ایک رہنما دے دیں جو یہاں سے اچھی طرح واقف ہو اور لوگ بھی اسے جانتے ہوں۔''

''میں اس کا بندوبست بھی کرتی ہوں۔'' سامیرا نے کہا اور پھر کھڑی ہو گئی۔ میرا اندازہ درست تھا وہ ہر کام خود کرتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں کرسی پر ہی آرام کرنے لگا۔ اگرچہ مجھے دو دن میں آرام کا موقع کم ملا تھا اور ایک رات میں آرام کے بجائے اذیت میں گزاری تھی۔ مگر میں سچ مچ اس وقت خود کو چاک و چوبند رکھنا چاہتا تھا۔ کرسی پر ہی اونگھتے ہوئے مجھے نیند آ گئی۔ پھر کسی وقت سامیرا نے مجھے جگایا۔ وہ آ گئی تھی۔ ''تم یہاں کیوں لیٹے ہو اندر چلے جاتے۔''

''نہیں مجھے یہاں اچھا لگ رہا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کب آئیں؟''

''ابھی آئی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''ابھی نصف رات کا وقت ہے۔ مجھے دونوں قلعوں میں جانا پڑا اور ہاں میں تمہارے لیے ایک رہنما لائی ہوں۔ وہ یہاں ہر جگہ اور ہر چیز سے واقف ہے لوگ بھی اسے جانتے ہیں۔''

''اب میری باری ہے آپ آرام کریں اور میں باہر جاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اسے بلا لیں۔''

سامیرا نے باہر موجود آدمی کو بلایا اور وہ آیا تو میں ذرا حیران ہوا۔ وہ لڑکی تھی۔ یہاں عمروں کا پتا نہیں چلتا ہے مگر وہ نوجوان ہی لگ رہی تھی۔ اس کے حسن میں کمسنی کی تروتازگی شامل تھی۔ اس نے شوخ سرخ رنگ کا کرتہ پہن رکھا تھا۔ سامیرا نے تعارف کرایا۔ ''یہ روبیرہ ہے۔''

''کیا یہ میری بات سمجھ سکے گی؟''

''میں نے اسی لیے اسے منتخب کیا ہے۔'' سامیرا بولی اور لڑکی کو حکم دیا۔ ''اِدھر آؤ۔''

وہ آگے آئی تو سامیرا نے اسے کرسی پر بٹھا کر اس کی کن پٹی پر اپنا انگوٹھا رکھا اور پھر درمیانی انگلی اس کے ماتھے پر رکھ کر کن پٹی پر انگوٹھے کا دباؤ ڈالا۔ روبیرہ اسی طرح بے ہوش ہو گئی جیسے میں بے ہوش ہوا تھا۔ سامیرا نے میری طرف دیکھا۔ ''اسے کچھ وقت لگے گا ہوش آنے میں۔''

میں حیران تھا۔ ''آپ یہ علم جانتی ہیں؟''

''ہاں مہاپجاری بننے کے لیے لازمی علوم میں ایک یہ بھی شامل ہے۔''

''مگر فیرون مہاپجاری ہوتے ہوئے بھی اس سے لاعلم ہے۔''

''وہ نشہ کرتا ہے اور اس کا اپنا دماغ اس قابل نہیں رہا ہے کہ اپنی اس صلاحیت کو استعمال کر سکے ہاں وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہے تو کسی دوسرے ایسے شخص کے دماغ کی صلاحیت بیدار کر سکتا ہے اس میں اولین شرط نشہ نہ کرنا ہے اسی لیے میں نے اس لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔''

اب میں سمجھا تھا شاید ڈیوڈ شاخود بھی یہ صلاحیت استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں نے اسے اکثر نشے کی حالت میں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ لڑکی ہے کیا اس کا میرے ساتھ رات کے وقت گھومنا مناسب ہوگا میرا مطلب ہے.....؟''

''میں سمجھ رہی ہوں لیکن تم فکر مت کرو کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔''

میں نے پوچھا۔ ''آپ کے پاس یہاں کا کوئی نقشہ ہے؟''

''ہاں میں لاتی ہوں۔'' وہ اندر گئی اور ایک چرمی نقشہ لے آئی یہ کسی جانور کی کھال پر بنا ہوا تھا اور اس میں وادی اور یہاں کی زمین کا تفصیلی نقشہ موجود تھا۔ آرگون شہر اور تینوں قلعوں کی بھی مکمل وضاحت تھی۔ اسی طرح آرگون اور معبد کو ملانے والی سرنگ بھی اس میں نمایاں تھیں۔ البتہ وہ راستہ نہیں تھا جو معبد سے باہر آتا تھا اور جس سے میں نکلا تھا۔ میں نے سامیرا کو آرگون اور معبد والی سرنگ کا وہ حصہ دکھایا جہاں سے اندر جایا جا سکتا تھا۔ پھر اس خفیہ راستے کی نشان دہی کی جو فصیل سے اندر جاتا تھا۔ ان جگہوں پر نشانات لگائے جہاں آرگون میں ہمارے حمایتیوں کے ٹھکانے تھے۔ آخر میں میں نے اس راستے کی نشان دہی کی جو جنگل سے معبد کے اندر جاتا تھا۔ میں بالکل ٹھیک تو نہیں لیکن کسی حد تک درست نشان دہی کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ مگر سامیرا نے کوئی ردِعمل نہیں دیا تھا جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔ ''اس کا فائدہ..... اصل میں تو ہم نے اپنا دفاع کرنا ہے۔''

''یہ ایک تجویز ہو سکتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ جارحیت ہی بہترین دفاع ہے۔''

''میرا نہیں خیال کہ ہم حملہ کرنے والی حالت میں ہیں۔''

میں نے فی الحال سامیرا سے بحث سے گریز کیا۔ ابھی میں یہاں کے حالات دیکھ لینا چاہتا تھا اس کے بعد ہی میں حتمی فیصلہ کرتا کہ مجھے کیا کرنا ہے البتہ ایک بات میں نے سوچ لی تھی کہ اگر میرے فیصلے سے انحراف کیا گیا تو میں اس معاملے سے دست کش ہو جاؤں گا۔ روبیر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوش میں آ گئی اور سامیرا نے اسے ایک مشروب دیا۔ اسے پی کر وہ چاک و چوبند نظر آنے لگی۔ میں نے تجربے کے طور پر پوچھا۔ ''اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

وہ ذرا حیران ہوئی اور پھر خوش ہو کر بولی۔ ''مجھے تمہاری زبان سمجھ میں آ رہی ہے۔ میں اب ٹھیک ہوں۔''

''سامیرا نے بتایا ہے کہ تم یہاں سے اچھی طرح واقف ہو؟''

''ہاں کیونکہ میں گھر گھر جا کر سامیرا کی طرف سے لوگوں کے مسائل کا پوچھتی ہوں۔ مجھے یہاں کی جگہوں اور لوگوں کا اچھی طرح علم ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں سامیرا کے لیے کام کرتی ہوں۔''

میں نے دیکھا کہ یہاں براہِ راست نام لینے کا رواج تھا۔ صرف بادشاہ اور مہا پجاری کے لیے مخصوص القاب تھے۔ باقی سب کے نام تھے اور ولدیت شامل کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا جاتا تھا یعنی سب کے اکیلے نام تھے۔ میں نے سامیرا سے کہا۔ ''مجھے ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔''

''روبیر بہترین سپاہی بھی ہے۔'' سامیرا نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے نرمی سے کہا۔ ''ضرور ہوگی لیکن میں اپنی حفاظت کا خود قائل ہوں۔''

سامیرا نے اندر سے مجھے ایک نیزہ لا دیا۔ تیر کمان کے استعمال میں مہارت درکار ہوتی ہے جو ظاہر ہے میرے پاس نہیں تھی۔ البتہ روبیر کے پاس تیر کمان تھے اور یہ سامیرا کے گھر کے دروازے پر رکھے تھے اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی لاٹھی تھی۔ اس کے دونوں سروں پر کڑے جیسے پتھر تراش کر فٹ کیے گئے تھے اور اسے ایک مہلک ہتھیار کی صورت دے دی گئی تھی۔ میں روبیر کے ساتھ باہر آیا۔ یہ قلعہ تو میں نے سامیرا کی تلاش میں پورا دیکھ لیا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''مجھے باقی دو قلعے دیکھنے ہیں۔''

''آؤ لیکن محتاط رہنا رات کے وقت یہاں گونر اور اسمار چلے آتے ہیں۔ ہمیں سپاہی ساتھ لینے ہوں گے۔''

باقی دو قلعوں کا درمیانی قلعے سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا ایک قلعہ دائیں طرف کوئی تین سو گز کے فاصلے پر تھا۔ روبیر نے تیز روشنی والی دو مشعلیں لے لیں ایک میں نے اٹھالی اور دوسری اس کے پاس تھی۔ پہلے ہم دائیں طرف والے قلعے تک آئے۔ روبیر نے احتیاطاً چار سپاہی ساتھ لے لیے جو رات کے پہرے پر تھے۔ سپاہیوں کی موجودگی سے مجھے بھی اطمینان ہوا تھا کیونکہ میں قلعوں کا باہر سے جائزہ لینا چاہتا تھا۔ یہ ہماری دفاعی لائن تھے اور اس میں کوئی رخنہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ قلعوں کی فصیلوں پر تیز روشنی والی مشعلیں لگی ہوئی تھیں اور ان کی روشنی دور تک جا رہی تھی۔ مقصد دشمن کے اچانک حملے سے باخبر رہنا تھا۔ میں اور روبیر دو ڈھائی گھنٹے تک قلعوں کا جائزہ لیتے رہے۔ اس دوران میں مجھے چند کمزور پہلو نظر آئے اور میں نے روبیر کو نشان دہی کرا دی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ ذہین لڑکی تھی اور بات کو جلدی سمجھ جاتی تھی۔ اسی لیے سامیرا نے اسے میرے ہمراہ کیا تھا۔ اس کی دوسری بات مجھے یہ پسند آئی کہ اس نے صنفی جھجک یا بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیا اور میرے ساتھ ایسے رہی جیسے کوئی مرد رہ سکتا تھا۔ جب تک ہم باہر رہے۔ اس دوران میں باہر صرف ایک بار اسمار نے ہماری طرف آنے کی کوشش کی اور تیر اندازوں کی کارروائی شروع ہوتے ہی فرار ہو گیا تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ تیر کس قدر تکلیف دہ چیز ہیں۔ جب ہم واپس آئے تو کسی قدر روشنی نمودار ہو رہی تھی اور یہ تاروں والی رات تھی یعنی آسمان صاف تھا۔ روشنی کے ساتھ ہی دھند اٹھنا شروع ہو گئی۔ تینوں قلعوں میں سپاہ اور رضا کار تیار ہو رہے تھے اور قلعے سے نکل کر وسطی یعنی سامیرا والے قلعے کے عقب میں موجود میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ ان میں سپاہی اپنی وردیوں میں تھے اور رضا کار عام لباس میں تھے۔

میں اور روبیر سامیرا کے گھر پہنچے جہاں وہ اور اس کے تینوں خاص آدمی موجود تھے۔ سامیرا ان سے میٹنگ کر رہی تھی اور شاید انہیں میرے خدشات سے آگاہ کر رہی تھی۔ آرگون میں موجود جاسوس بیناٹ کا شعبہ تھے اور وہی ان سے رابطہ کرتا اور معلومات حاصل کرتا تھا۔ سامیرا نے مجھے بتایا کہ جاسوسوں نے آرگون میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں دیکھی جس سے شبہ ہو کہ ریناٹ فیصلہ کن حملہ کرنے والا ہے۔ مگر کیرٹ کا کہنا تھا کہ فیصلہ ہو چکا ہے اور جلد اس پر عمل درآمد بھی کیا جانے والا تھا۔ مگر یہ وقت اس بحث میں الجھنے کا نہیں تھا ہمیں کسی بھی حملے سے دفاع کے لیے مکمل طور پر تیار رہنا تھا۔ میں نے سامیرا سے کہا۔ ''ہمیں کچھ امور طے کر لینے ہیں کہ کسی بھی حملے کی صورت میں ہمیں کیا کرنا ہوگا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کون سے امور؟''

''اول حملے کے وقت عورتیں، بچے اور بوڑھے کہاں ہوں گے؟''

''اپنے گھروں میں۔''

''میرا خیال ہے انہیں اس قلعے میں بلا لینا چاہیے تاکہ سپاہی ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ انہیں اپنے گھر والوں کی طرف سے فکر ہو گی تو وہ ٹھیک سے نہیں لڑ سکیں گے۔ باقی دو قلعے زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' سامیرا مان گئی۔

''دوسرے کسی بھی صورت حال میں میرا حکم حتمی ہو گا۔''

اس پر وہ تینوں چونکے تھے مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں اور سامیرا بولی۔ ''یہ تو برف والے نے طے کر دیا ہے اس وقت تم یہاں کے حکمران ہو اور مجھ سمیت تمام لوگ تمہارے حکم کے پابند ہیں۔''

''میں چاہوں گا کہ فوج کے معائنے کے دوران اس کا اعلان بھی کر دیا جائے۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔'' سامیرا نے یقین دلایا۔

روشنی خاصی ہو گئی تھی اور وہ تمام لوگ جن کا معائنہ کرنا تھا قلعے کے عقبی میدان میں پہنچ گئے تھے۔ ہم بھی باہر آئے۔ میدان میں ایک بے ہنگم سا ہجوم موجود تھا۔ میں نے سومرو، مینائ اور کانیور کی طرف دیکھا۔ ''ان لوگوں کو منظم کرو جیسا کہ میں نے کہا تھا۔''

وہ اس کام میں لگ گئے اور انہیں یہ کام کرتے ہوئے جس طرح سے دشواری پیش آ رہی تھی اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ نہ تو سپاہ پر مکمل کنٹرول تھا اور نہ ہی سپاہ مکمل تربیت یافتہ تھی۔ یہ سپاہیوں کا حال تھا اور رضا کاروں کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح وہ تمام دستوں کو الگ الگ کرنے میں کامیاب رہے۔ اکثر سپاہی ہتھیاروں کے بغیر تھے۔ رضا کار تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ مجھے کوفت ہوئی۔ میں نے واضح کہا تھا کہ انہیں ہتھیاروں کے ساتھ آنا تھا۔ میں نے سومرو سے پوچھا تو اس نے خفت سے جواب دیا۔ ''میں نے کہا تھا مگر شاید ان لوگوں نے ٹھیک سے سمجھا نہیں۔''

''اگر حملے کے وقت یہ اسی طرح اٹھ کر میدان جنگ میں چلے آئے تو لڑائی کا انجام سوچا جا سکتا ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ان لوگوں سے میری گفتگو اب روبیر کے توسط سے ہو رہی تھی۔ کانیور کا تیر انداز دستہ سب سے منظم تھا اور وہ سب سے پہلے انہیں الگ اور قطاروں میں کھڑا کرنے میں کامیاب رہا۔ بیشتر تیر انداز کمان لے کر آئے تھے مگر ان کے پاس ترکش نہیں تھے۔ البتہ نیزہ بردار سب سے غیر منظم تھے اور ان میں سے چند ایک ہی اپنے نیزے ساتھ لائے تھے۔ ان میں سے کچھ گوپھن یعنی رسی میں پتھر باندھ کر پھینک کر مارنے کے ماہر تھے اور بعض لاٹھیوں سے لڑتے تھے۔ پیشہ ور سپاہیوں کے بعد اب رضا کاروں کو الگ الگ گروپ میں تقسیم کیا جا رہا تھا اور ان کو ایک قطار میں لانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ میں، سامیرا اور روبیر ذرا بلند جگہ کھڑے تھے تاکہ سب کو آسانی سے دیکھ سکیں۔ میں نے سامیرا سے کہا۔

''فوج کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں جانتی ہوں مگر میں ان امور کی ماہر نہیں ہوں، کیا تم ان کو از سرِ نو منظم کر سکتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کر سکتا ہوں لیکن اس میں وقت لگے گا اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ہمارے پاس کتنا وقت ہے۔''

بمشکل دو گھنٹے میں یہ تین ہزار افراد اس طرح کھڑے ہوئے کہ میں ان کا جائزہ لے سکوں۔ پہلے سامیرا نے اعلان کیا کہ اب میں فوج کا کمانڈر ہوں اور میرا ہر حکم ماننا لازمی تھا۔ سب نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اور سینے پر ہاتھ کر مجھ سے تابعداری کا اظہار کیا۔ اس کے بعد میں نے سامیرا کے ساتھ ان کا معائنہ کیا۔ ہم ہر قطار سے گزرتے ہوئے انہیں دیکھنے لگے۔ پیشہ ور سپاہی پھر بھی بہتر حالت میں تھے مگر رضا کاروں میں اکثر کی صحت اچھی نہیں تھی اور ان کے نرم جسم بتا رہے تھے کہ وہ زیادہ محنت مشقت کے عادی نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ اوور ویٹ بھی تھے مگر اکثر انڈر ویٹ تھے اور ان کو مزید مضبوطی اور پٹھوں کی ضرورت تھی۔ اگر وہ فٹ ہوتے تب ہی ہتھیار ٹھیک سے استعمال کر سکتے تھے۔ جیسے جیسے میں ان کا جائزہ لے رہا تھا یہ مجھے سخروں کی فوج لگ رہی تھی۔ جب میں تصور میں آرگون اور رینالٹ کی سپاہ کو لاتا تو مجھے لگتا کہ یہ اس کے ایک دستے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ میں معائنہ کر کے واپس سامیرا کی طرف آیا اور اسے اپنے تاثرات سے آگاہ کیا۔ ''ان میں سے بہت کم کام کے آدمی ہیں اور ان کو بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ لڑائی میں کتنی مہارت رکھتے ہیں؟''

''کیا اس میں بھی وقت لگے گا؟''

''بالکل، ویسے میرا اندازہ ہے کہ یہ لوگ ہی یہاں کے ہر کام کے ذمے دار ہیں جیسے کھیتوں میں کام کرنا وغیرہ۔''

''یہ درست ہے ہمارے پاس کل افرادی قوت یہی ہے۔''

میں نے روبیر کی مدد سے انہیں حکم دیا۔ ''آج سہ پہر تم سب کو پھر یہیں جمع ہونا ہے اور اس بار سب اپنا مکمل اسلحہ لے کر آئیں گے اور اسی طرح منظم ہو کر کھڑے ہوں گے۔''

وہ میری بات سن کر منتشر ہونے لگے۔ میں سامیرا کے ساتھ واپس قلعے کی طرف جانے لگا۔ کھیتوں کو دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ ''یہاں خوراک کا کتنا ذخیرہ ہے؟''

''ابھی فصل درمیانی ہے سردی کے آغاز سے پہلے پکے گی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن ہمارے پاس خوراک کا ذخیرہ ہے۔''

ہم قلعے کے گیٹ کے پاس تھے کہ آرگون کی طرف سے قرنا پھونکے جانے کی آواز بلند ہوئی اور میں نے دیکھا سامیرا کا چہرہ زرد ہو گیا اس نے زیر لب کہا۔ ''اعلانِ جنگ.....''

○.....❖.....○

''اعلانِ جنگ؟'' میں نے سامیرا کے الفاظ دہرائے۔

''ہاں یہ آرگون کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔''

میں نے دیکھا کہ وہاں کھلبلی سی مچ گئی تھی اور جو سپاہی اور رضا کار منہ اٹھائے خالی ہاتھ چلے آئے تھے اب وہ اپنے قلعوں اور گھروں کی طرف ہتھیار لینے جا رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی جانتے تھے کہ اس آواز کا مطلب اعلانِ جنگ ہے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے پہلے ہی گھروں میں تھے۔ ان کی بیرون گھر سرگرمیاں عام طور سے دن چڑھے ہوتی تھیں اس لیے قلعوں اور گھروں سے باہر صرف سپاہی تھے اور سرکاری حکام تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت سے لوگ دیکھنے بھی آئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا اس طرف سپاہ کی نقل وحرکت سے آرگون والے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوئے تھے اور انہوں نے اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ ممکن ہے ایسا نہ ہوتا اور اگر ہم جنگ کے لیے تیار ہو جاتے تو شاید ریناٹ کو بہانہ مل جاتا۔ میں نے سامیرا سے کہا۔ ''مجھے ایک دستہ چاہیے۔''

''تم کیا کرو گے؟''

''میں قلعے کی طرف جاؤں گا۔''

اس نے بے ساختہ کہا۔ ''نہیں اس میں خطرہ ہے ہمیں قلعہ بند ہو کر مدافعت کرنی ہے۔''

''سامیرا۔'' میرا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''یہ میرا حکم ہے، اس پر فوری عمل کیا جائے۔''

اس کا چہرہ ایک لمحے کو متغیر ہوا۔ شاید اسے مجھ سے ایسے لہجے کی توقع نہیں تھی۔ مگر اس نے خود مجھے یہاں کا حکمران اور فوج کا سپاہ سالار بنایا تھا۔ اتفاق سے کاٹینو وہاں موجود تھا اور سامیرا نے اسے حکم دیا۔ اس نے فوری طور پر میرے لیے دو درجن سپاہیوں پر مشتمل ایک دستے کا بندوبست کر دیا۔ ان کے پاس تیر کمان اور ڈھالیں تھیں۔ میں نے سامیرا کے توسط سے فوج کے لیے حکم دیا کہ قلعوں میں حفاظتی پوزیشنیں لے لی جائیں اور تمام افراد کو قلعوں میں بلا لیا جائے۔ حکم دے کر میں دستہ کے ساتھ آرگون کی طرف بڑھا۔ روبیر میرے ساتھ تھی کیونکہ وہی میری ترجمان تھی۔ ان قلعوں اور آرگون کے درمیان کوئی چھ میل کا فاصلہ تھا۔ اتنی دوری سے قلعے تو دکھائی دیتے تھے مگر اس سے زیادہ اور کچھ واضح نہیں تھا۔ دوری کے باوجود میں نے محسوس کیا تھا کہ ریناٹ کی فوج قلعے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ کیونکہ نہ تو کوئی شور سنائی دیا تھا اور نہ ہی گرد مٹی اڑتی دکھائی دی تھی۔ جو بڑے پیمانے پر فوجی نقل وحرکت میں لازمی ہوتی ہے۔

لیکن یہ میرے محسوسات تھے جو غلط بھی ہو سکتے تھے۔ عین ممکن تھا کہ آرگون کی فوج قلعے سے باہر آ کر ہماری طرف پیش قدمی کر رہی ہو اور وہ خاموشی سے آ رہی ہو۔ اگرچہ اس صورت میں اعلانِ جنگ کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ میں کنفیوز ہو رہا تھا اس لیے میں نے نزدیک جا کر دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ قلعوں سے کچھ آگے نکل کر میں نے ایک جگہ رکتے ہوئے روبیر کے توسط سے تیر اندازوں کو ہدایات دیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ممکن حد تک چھپ کر چلیں گے۔ دوسرے آواز نہیں پیدا ہو اور نہ ہی وہ میرے حکم کے بغیر تیر چلائیں گے۔ بے شک ان پر حملہ بھی کیا جائے۔ تب بھی وہ جوابی کارروائی کے لیے میرے حکم کا انتظار کریں گے۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ باغات کے درمیان سے گزروں۔ اول مجھے خدشہ تھا کہ آرگون کے گشت کرنے والے دستے یہاں موجود ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مجھے ہارن، اسمار اور گونز جیسے جانوروں کی طرف سے بھی خدشہ تھا۔ ان سب خطرات سے بچنے کے لیے درختوں کی آڑ اور خاموشی بہترین دفاع ہوتی۔ ہم تیز لیکن چپ چاپ قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ درمیانی رفتار سے بھاگنے جیسی چال تھی۔ مجھے روبیر کا خیال بھی تھا کہ وہ لڑکی تھی اور شاید ہماری جتنی رفتار سے نہیں بھاگ سکتی تھی۔ حفظ ماتقدم تیر اندازوں نے تیر کمانوں سے لگا رکھے تھے اور وہ ایک سیکنڈ میں تیر چلانے کو تیار تھے۔

آدھے گھنٹے بعد ہم قلعے کے سامنے کھلے کھیتوں تک پہنچ گئے تھے اور یہاں سے باغات کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا جو ہمیں آڑ مہیا کر رہا تھا۔ قلعہ اب بھی کوئی دو میل کی مسافت پر تھا۔ مگر اتنے فاصلے سے اس کی فصیل اور گیٹ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ گیٹ بند تھا، نہ صرف بڑا بلکہ چھوٹا گیٹ بھی بند تھا اور فصیلوں پر سپاہ نظر آ رہی تھی۔ گیٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ ہی فصیل پر چوڑی سی جگہ لوگ زیادہ جمع تھے اور ان کے رنگ برنگے ملبوسات مجھے اتنی دور سے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ہم جس جگہ نکلے تھے یہ گیٹ سے خاصی دور تھی۔ یعنی ہم بائیں طرف نکل آئے تھے اور آرگون کے مغرب کی طرف تھے ہمیں گیٹ کے سامنے پہنچنے کے لیے مشرق کی طرف جانا تھا۔ ہم ایک بار پھر باغوں میں گھسے اور اس طرف بڑھنے لگے۔ پہلی بار قرنا کوئی ایک منٹ تک پھونکا گیا تھا مگر اس کے بعد خاموشی تھی۔

سوال یہ تھا کہ اگر قرنا اعلانِ جنگ کے لیے پھونکا گیا تھا تو ایک بار کے بعد دوبارہ کیوں نہیں پھونکا گیا اور یہاں جنگ کے بجائے مجھے دفاعی انتظامات نظر آ رہے تھے یعنی قلعہ بند تھا اور فصیلوں پر سیاہ لگی ہوئی تھی جو دفاع کے لیے لگائی جاتی ہے۔ دس منٹ بعد ہم قلعے کے گیٹ کے عین سامنے تھے اور یہاں سے فصیل کا پُرہجوم حصہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس جگہ سے قلعے کے دروازے تک کوئی فصل لگی ہوئی تھی اور اس کے پودے کوئی چار فٹ اونچے ہو چکے تھے۔ اگر ہم ان میں چھپ کر آگے بڑھتے تو شاید ہم قلعے والوں کی نظروں سے چھپ سکتے تھے۔ مگر زیادہ لوگ اس میں نہیں چھپ سکتے تھے۔ میں نے فصل کا معائنہ کیا اور روبیر سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ ہمیں قلعے تک جانا ہے۔''

وہ خوفزدہ نہیں ہوئی تھی مگر اس نے تجسس سے پوچھا۔ ''میں وجہ جان سکتی ہوں جناب اور ان کو بھی ساتھ رکھنا ہے۔''

''نہیں یہ یہیں رہیں گے۔'' میں نے حکم دیا۔ ''ان سے کہو اگر کوئی ہنگامی حالت دیکھیں تو ہماری مدد کو آئیں ورنہ اسی جگہ موجود رہیں اور چھپ کر رہیں سامنے آنے سے گریز کریں۔''

روبیر نے میرا حکم ان کے گوش گزار کیا اور ہم فصل میں آگے بڑھے۔ ایک چھوٹا سا خالی حصہ تھا جو ہم نے چاروں ہاتھوں پیروں سے طے کیا اور پھر فصل تک آئے۔ جیسے ہمارے ہاں گندم کی فصل میں راستے بنے ہوتے ہیں اسی طرح یہاں فصل میں راستے تھے۔ پودے کسی حد تک گندم سے مشابہ تھے مگر ان پر اب تک بالیاں نہیں آئی تھی میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''یہ کس چیز کی فصل ہے۔''

''اس پر بیج آتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔ ''ہم ان بیجوں کو بالیوں سے نکال کر اور خشک کر کے ذخیرہ کر لیتے ہیں اور پھر انہیں پیس کر اور سالم بھی خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔''

اس نے دانوں کا جو رنگ اور سائز بتایا وہ بھی گندم سے ملتا جلتا تھا۔ شاید یہ گندم کی تبدیل شدہ شکل تھی۔ میں نے بہت بلندی پر اگنے والی گندم بھی دیکھی ہے جسے بگ وائٹ کہتے ہیں۔ اس کا پودا پست قامت اور بالیاں ذرا مختلف انداز کی ہوتی ہیں۔ اس کا رنگ بھی سنہری کے بجائے سفید ہوتا ہے۔ مگر یہ پودا بلندی اور انداز میں ہماری دیسی گندم سے مشابہ تھا۔ روبیر نے کہا۔ ''ہم چھپ کر جا سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''اس نے چند پودے توڑے اور ان کا گٹھا بنا کر اپنے سر کے سامنے کر لیا۔ ''اگر ہم اسے یوں لے کر چلیں تو دور سے دیکھنے والا انہیں پودے ہی سمجھے گا۔''

''تم نے اچھی ترکیب بتائی ہے۔'' میں نے تعریفی انداز میں کہا تو وہ خوش ہو گئی۔ میں نے اپنے لیے بھی چند پودے توڑ کر ان کا گٹھا بنا لیا اور اسے چہرے کے آگے کر لیا۔ اب ہم جھک کر اور پودے آگے کیے ہوئے چل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے۔ جیسے جیسے فصیل نزدیک آرہی تھی ہم مزید جھکتے جارہے تھے۔ اگرچہ یہ کام آسان نہیں تھا رو بیر کا نہیں معلوم مگر میری کمر دکھنے لگی تھی۔ کہیں کہیں فصل پانچ فٹ تک بھی اونچی ہوگئی تھی اور یہاں ہم سیدھے ہو کر چلتے تھے۔ فصیل نزدیک آنے سے دیکھ لیے جانے کا خطرہ بڑھ رہا تھا۔ اوپر سے ہمارے لباس بھی سفید تھے اور پودوں کی سبزی میں یہ رنگ نمایاں نظر آتا۔ خود کو کیموفلاج کرنے کے لیے ہم نے مزید پودے توڑ کر گٹھا بڑا کیا۔ اس کا وزن خاصا ہو گیا تھا اور رو بیر اب تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ نازک لڑکی تھی مگر ہمت کر کے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ اب ہم قلعے سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر تھے اور جلد ہی فصل کی حد ختم ہوگئی اور اس کے بعد ایک تہائی میل تک کھلا میدان تھا اگر ہم اس میں قدم رکھتے تو فوراً ہی نظروں میں آجاتے۔

مگر آگے جانے کی ضرورت نہیں تھی قلعے کی فصیل پر ہونے والی سرگرمیاں یہاں سے بھی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ گیٹ کے پاس چوڑے حصے پر مسلح سپاہ کے بجائے سرکاری حکام اور معبد کے پجاریوں کے لباس میں ملبوس افراد زیادہ دکھائی دے رہے تھے۔ کیونکہ اکثر افراد نے سنہری اور سرخی مائل لباس پہن رکھے تھے۔ ایک کے بارے میں مجھے شبہ ہوا کہ وہ فیرون تھا کیونکہ وہ پستہ قد اور گول بھاری چہرے والا فرد تھا۔ وہ پجاریوں کے مجمع میں تھا۔ پھر اس مجمع میں ہلچل ہوئی اور رینات کی آمد ہوئی میں نے اسے اس کے مخصوص سرخ اور سنہری لباس سے پہچانا۔ ورنہ اتنے فاصلے سے چہروں کے نقوش واضح نہیں تھے۔ اب تک یہ واضح نہیں تھا کہ بیک وقت مہا پجاری اور رینات یہاں کیوں جمع ہوئے تھے۔ کیا وہ جنگ کا آغاز کرنے جارہے تھے مگر کیرٹ نے مجھے جو بتایا تھا اس کے مطابق فیرون کو سوائے عیاشی کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔ تب وہ یہاں رینات کے ساتھ کیوں آیا تھا؟

میں پودوں کے درمیان اس طرح چھپا ہوا تھا کہ صرف میری آنکھیں باہر دیکھ رہی تھیں۔ رو بیر میرے برابر میں بیٹھی تھی اور اس نے بھی خود کو پودوں کے درمیان چھپایا ہوا تھا۔ پودوں میں کیڑے مکوڑے تھے مگر ان کی تعداد کم تھی اور دوسرے انہیں تجسس کا مرض لاحق نہیں تھا جو عام طور سے کیڑوں کو ہوتا ہے اور وہ فوراً لباس میں گھس کر ممنوعہ حصوں کی سیاحت شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں کا لباس بھی ایسا تھا کہ کیڑوں مکوڑوں کو پوری آزادی دیتا تھا کہ وہ گردن سے لے کر پاؤں تک جہاں چاہیں گھستے پھریں۔ اور اگر وہ گھستے تب بھی ہم سوائے صبر کے اور کیا کر سکتے تھے۔ میری توجہ ویسے بھی فصیل پر تھی۔ تب میں نے دیکھا کہ ایک لمبی سی لکڑی کی بلی لا کر اسے فصیل پر نصب کیا جانے لگا اور اس کے سر پر جو فصیل سے باہر نکلا ہوا تھا ایک پھندے والی رسی جھول رہی تھی۔ رو بیر نے اضطرابی انداز میں کہا۔ ''یہ کسی کو پھانسی دینے جارہے ہیں۔''

میں حیران ہوا۔ ''صرف پھانسی دینے کے لیے انہوں نے اعلانِ جنگ والا قرنا پھونکا تھا۔''

''یہ حیران کن بات ہے کیونکہ آج تک ایسا ہوا نہیں ہے۔'' رو بیر نے کہا۔ وہ مقامی رسم و رواج اور سرکاری اور مذہبی طور طریقوں سے واقف لگ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔

''کیا یہ قرنا اعلانِ جنگ کے علاوہ کسی اور موقع پر بھی پھونکا جاتا ہے؟''

رو بیر نے سر ہلایا۔ ''کسی بہت ہی اہم موقع پر جب معاملہ ایسا ہو جس کے بارے میں وادی کے سارے لوگوں کو بتانا ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''عام طور سے سورج نکلنے تک آرگون کے لوگ کام کرنے کے لیے باہر نکل آتے ہیں مگر اس وقت کوئی باہر نہیں آیا ہے بلکہ چھوٹا گیٹ بھی بند ہے۔''

''وہ لوگ اس وقت اندر میدان میں جمع ہوں گے۔ شاید کسی اہم اور بڑے فرد کو سزائے موت دی جا رہی ہے۔ اس لیے سب جمع ہوں گے۔''

روبیر کی بات سن کر میرے اندر سرسراہٹ سی ہوئی تھی۔ مگر میں نے اس وقت توجہ نہیں دی تھی میری توجہ فصیل پر ہونے والی سرگرمیوں پر تھی۔ رینات کی آمد ہو چکی تھی مگر اس کے علاوہ مکمل سکون تھا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا تھا جہاں سے وہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ مہاپجاری دوسری طرف پجاریوں کے جھرمٹ میں براجمان تھا۔ میں نے اس کے آس پاس کیرٹ کو دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ تھا تب بھی نظر نہیں آیا تھا۔ رینات کی آمد کے چند لمحے بعد فصیل پر ایک بڑا سا بگل نما آلہ نمودار ہوا۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ اسے پہیوں والی گاڑی پر رکھا ہوا تھا اور اسے فصیل کے کنارے تک لایا گیا۔ بگل کا منہ باہر کی طرف تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ اعلان کرنے والا قرنا ہے؟''

''ہاں یہی ہے۔ اسے دوبارہ بجایا....''

ابھی روبیر کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ فضا میں اس آلے کی مہیب آواز گونجی۔ کسی انسان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ پھونک مار کر اس سے آواز برآمد کرتا اس کام کے لیے اس کے ساتھ ہی ہوا پھینکنے والا آلہ لگا ہوا تھا ایک آدمی اس کی چرخی گھما رہا تھا اور قرنے سے آواز برآمد ہو رہی تھی۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''اسے پھر کیوں بجایا جا رہا ہے۔''

اس کے چہرے پر تشویش تھی۔ ''میں نہیں جانتی لیکن شاید یہ ہم لوگوں کے لیے کوئی اشارہ ہے۔''

''ہمارے لیے اشارہ؟''

''ہاں کیونکہ آرگون کے سب لوگ قلعے میں جمع ہو گئے ہوں گے تو اب یہ ہمارے لیے اشارہ ہے۔''

''کیا ہمارے لیے اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔''

اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''شاید۔''

میں نے سوچا اور فوری فیصلہ کیا۔ ''ہمیں واپس جانا ہوگا۔''

مجھے خیال آیا تھا کہ کہیں سامیرا کو میری طرف سے حکم کی ضرورت نہ ہو اور وہ اس کے بغیر قدم نہ اٹھائے۔ اس لیے میرا جانا ضروری تھا۔ کیونکہ شاید وقت نہیں تھا اور اب جاتے ہوئے احتیاط بھی ممکن نہیں تھی اس لیے اب میں اور روبیر واپسی کے لیے دوڑنے لگے۔ عقب میں کچھ شور ہوا تھا۔ شاید ہمیں دیکھ لیا گیا تھا۔ مگر غنیمت رہا تھا کہ ہم پر تیر نہیں برسائے گئے۔ ورنہ ہم بہت زیادہ دور بھی نہیں تھے۔ کم سے کم مشینی تیروں کی زد میں تو تھے۔ ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہم نے دس منٹ میں طے کیا اور باغات تک پہنچ گئے تھے وہاں سے تیر انداز دستہ بھی ہمارے ساتھ ہو لیا اور چار میل کا فاصلہ طے کر کے ہم آدھے گھنٹے بعد واپس سامیرا والے قلعے کے سامنے تھے۔ جب میں گیا تو قلعہ بند ہو رہا تھا مگر اس وقت نہ صرف سامیرا بلکہ بہت سے دوسرے لوگ بھی قلعے سے نکل آئے تھے۔ میں نے جاتے ہی سامیرا سے پوچھا۔ ''آپ لوگ باہر کیوں آئے ہو؟''

''آرگون کی طرف سے بلاوا ہے۔'' وہ بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سر ہلایا۔ ''وہاں کسی کو سزائے موت دینے کی تیاری ہو رہی ہے اور قرنا دوسری بار پھونکا گیا ہے۔ روبیر کا کہنا ہے اس کا کوئی خاص مطلب ہو سکتا ہے۔ آپ کیا کہتی ہیں؟''

''بالکل خاص مطلب ہے۔ یہ قرنا دوسری بار پھونکے جانے کا مطلب ہے کہ وادی کے سارے لوگ ابھی اس جگہ نہیں پہنچے جہاں ان کو کچھ دکھانا اور بتانا مطلوب ہے۔ انہیں ایک بار پھر حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ پہنچ جائیں۔''

میں نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔ ''کیا آپ لوگوں پر اس بلاوے کی تعمیل فرض ہے۔''

''ہاں کیونکہ قرنا اصل میں مہاپجاری کی طرف سے پھونکا جاتا ہے۔''

''لیکن اگر قرنا رینات کے حکم سے پھونکا جا رہا ہے تو کیا یہ دھوکا نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ اس بہانے ہمیں بلائے اور اچانک حملہ کر دے۔''

سامیرا کے چہرے پر تشویش تھی۔ ''ایسا ہونے کا امکان ہے لیکن بہت ہی کم کیونکہ قرنا پھونکنے کا اختیار اصل میں معبد کے پاس ہے اور ہماری خانہ جنگی میں معبد اب تک غیر جانبدار ہے۔''

''برف والے کے بارے میں یہی بات کہی جاتی ہے کہ وہ غیر جانبدار ہے لیکن وہ اس جنگ میں واضح طور پر تمہاری حمایت کر رہا ہے کیا اسی طرح رینات کسی طریقے سے معبد کی حمایت حاصل نہیں کر سکتا ہے۔''

سامیرا کے چہرے پر اب بے بسی کے آثار نظر آئے اس نے کہا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں جو پہلے نہیں ہوتا تھا وہ اب ہو رہا ہے۔ تم جانتے ہو کئی صدیوں بعد شاید یہ قرنا اس طرح پھونکا گیا ہے۔ ورنہ جب موران کو سزائے موت دی جا رہی تھی تب بھی قرنا نہیں پھونکا گیا تھا۔ دوبارا سے پھونکنے کا مطلب یہی ہے کہ وادی کا ہر باسی حاضر ہو جائے۔''

''تب آپ نے کیا سوچا ہے؟''

''سچی بات ہے میں الجھ گئی ہوں اس لیے اب فیصلہ تم نے کرنا ہے؟''

''کیا آپ کسی طرح برف والے سے رابطہ کر کے مشورہ کر سکتی ہیں؟''

وہ چونکی اور پھر جوش سے کہا۔ ''یہ تم نے اچھا مشورہ دیا ہے۔ جب تک تم یہاں موجود لوگوں کو منظم کرو میں آتی ہوں۔''

سامیرا قلعے کے اندر چلی گئی۔ میں نے سومرو، مینات اور کاٹینور کی مدد سے پہلے ان کی سپاہ کو منظم کیا۔ اس بار وہ جلدی اور بہتر انداز میں دستوں کی صورت میں آ گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ مکمل جنگ کے لیے تیار ہو کر چلیں گے۔ میرے فیصلے کے بعد وہ خود کو تیار کرنے لگے۔ عام افراد کا جانا بھی لازمی تھا کیونکہ سامیرا بتا چکی تھی کہ سب کا حاضر ہونا ضروری تھا۔ میں نے عام افراد کو بھی مختلف ٹکڑیوں میں بانٹ دیا۔ ایسے معمر خواتین و حضرات جو از خود مشکل سے چلتے پھرتے تھے ان کے ساتھ نوجوان عورتیں لگا دیں کہ وہ انہیں کسی بھی موقع پر بھاگنے میں سہارا دیں۔ اسی طرح جن عورتوں کے زیادہ چھوٹے بچے تھے ان کے ساتھ ہی لڑکیاں اور عورتیں لگا دیں کہ وہ ان کی مدد کریں۔ مقصد کسی دھوکے کی صورت میں منظم انداز میں پسپا ہونا تھا تاکہ جانی نقصان کم سے کم ہو۔

ممکن تھا کہ برف والا ہمیں نہ جانے کا مشورہ دیتا مگر میں نے خود کو دوسری صورتِ حال کے لیے تیار کر لیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ قرنا دو گھنٹے کے وقفے سے پھونکا گیا تھا اور شاید مزید دو گھنٹے بعد پھونکا جاتا۔ ابھی

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PAKISTANIPOINT
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامیرا نہیں آئی تھی مگر میں نے چار چار رضا کار سپاہیوں پر مشتمل کوئی ایک درجن دستے آگے روانہ کر دیئے کہ وہ جا کر آرگون کی فوج کی حرکت پر نظر رکھیں اور اگر ہمارے خلاف کہیں جال بچھایا جا رہا ہو تو پیشگی خبردار کریں۔ سامیرا کو گئے ہوئے ایک گھنٹہ ہونے کو آیا تھا۔ تینوں قلعوں کی ساری ہی آبادی باہر آ چکی تھی۔ سامیرا کی آمد میں دیر ہو رہی تھی اور میں نے تینوں فوجوں کو حکم دیا کہ وہ بتدریج نیم دائرے میں پھیل کر آگے بڑھیں۔ حکم ملنے پر عام افراد فوج کے پیچھے جائیں گے۔ دوسری صورت میں وہ بھی واپس آ کر قلعوں کی حفاظت کے فرائض سنبھال لیں۔ اسی اثنا میں سامیرا باہر آ گئی۔ مجھے اس کا چہرہ ستا ہوا لگا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''رابطہ ہوا؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں اور برف والے نے جانے کا مشورہ دیا ہے اور اس نے ایک بات اور کہی ہے کہ وہاں جو دیکھیں اسے صبر اور حوصلے سے برداشت کریں۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ''شاید ایسا ہی کرنا پڑے۔ آؤ اب چلیں ورنہ وہ پھر قرنا پھونکیں گے۔''

''جب تک سب جمع نہیں ہو جائیں گے، وقفے وقفے سے قرنا پھونکا جاتا رہے گا۔'' سامیرا نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

''بس تو پھر چلنا چاہیے۔'' میں نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ سامیرا میرے ساتھ تھی۔ ہم روانہ ہوئے تو قلعے کے عام لوگ بھی ہمارے ساتھ چل پڑے تھے۔ میں نے رودبیر کی مدد سے پہلے ہی انہیں سمجھا دیا تھا کہ وہ ہجوم کی صورت میں سفر نہ کریں بلکہ ٹکڑیوں کی صورت میں پھیل کر چلیں اور ہر ٹکڑی کے ساتھ حفاظت کے لیے کچھ سپاہی بھی ہوں۔ آرگون کی طرف سے نہ سہی لیکن راستے میں جانوروں کا خطرہ بھی تھا۔ میں نے سامیرا سے پوچھا۔ ''اس وادی میں اتنے خطرناک جانور ہیں تو تم لوگوں نے انہیں ختم کیوں نہیں کر دیا۔''

''کیونکہ برف والے اس سے منع کرتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ان جانوروں کو ختم کرنے کی بات کی گئی اور حکمران اور پجاری اس کے لیے راضی بھی ہو گئے تھے مگر برف والے کا حکم آ گیا اور کوئی اس سے انحراف نہیں کر سکا۔''

''مگر اب برف والے کی بات نہیں مانی جا رہی ہے اس کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔''

''میں نے کہا نا حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔'' سامیرا بولی۔ اس نے ایک لاٹھی تھام رکھی تھی اور اسے زمین پر رکھتی ہوئی چل رہی تھی۔ اگرچہ وہ پوری طرح صحت مند تھی اور اسے سہارے کی ضرورت نہیں تھی مگر شاید یہ اس کا اعصائے حکمرانی تھا۔ لوگ بہت تھے اور ان میں بہت سے ضعیف، بچے اور حاملہ عورتیں بھی تھیں اس لیے قافلے کی رفتار سست تھی۔ جو فاصلہ ہم نے جاتے ہوئے پون گھنٹے اور آتے ہوئے آدھے گھنٹے سے کچھ اوپر وقت میں طے کیا تھا وہی فاصلہ اس بار طے کرنے میں کوئی سوا گھنٹہ لگ گیا اور تب ہم قلعے کے سامنے پہنچے۔ سامیرا کی سپاہ پہلے ہی پہنچ گئی تھی اور قلعے سے کچھ دور پوزیشن لیے ہوئے تھے۔ شاید پہلی بار دونوں فوجیں آمنے سامنے آئی تھیں۔ سامیرا کے پہنچتے ہی اوپر کچھ ہلچل مچی تھی اور ایک فرد آگے آیا۔ اس نے بھونپو نما چیز اٹھا رکھی تھی اور اسے اپنے منہ سے لگا کر اس نے چلا کر کہا۔

''شاہِ اعظم اور مہا پجاری سامیرا اور اس کے ساتھیوں کو قلعے کی فصیل کے پاس آنے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ ٹھیک سے دیکھ سکیں اس منظر کو جس کے لیے انہیں یہاں بلایا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسے بھونپو اور گرجدار آواز والے سامیرا کے پاس بھی تھے اس نے اشارہ کیا تو ایک آدمی آگے آیا اور اس نے بھونپو منہ سے لگا کر سامیرا کا جواب اوپر تک پہنچایا۔ ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم لوگوں کی طرف سے کوئی حملہ یا کارروائی نہیں ہوگی۔''

دوسری طرف سے چند لمحے بعد جواب دیا گیا۔ ''مہا پجاری اور شاہِ اعظم ضمانت دیتے ہیں۔ یہ ضمانت سب سن رہے ہیں۔''

''ہمیں جانا ہوگا۔'' سامیرا بولی۔

''مجھے ان لوگوں پر اعتماد نہیں ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''ہمیں منہ اٹھا کر ہرگز نہیں جانا چاہیے۔''

''تب؟''

''ہمیں پورے حفاظتی انتظامات کے ساتھ جانا چاہیے تاکہ اگر فصیل سے حملہ بھی ہو تو ہم اپنا دفاع کر سکیں۔'' میں نے کہا اور کائینو کو اشارہ کیا وہ آگے آیا۔ ''کائینو ہم اوپر سے آنے والے تیروں اور نیزوں سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں۔''

''میرے پاس سپاہی ہیں جن کے پاس بڑی اور بھاری ڈھالیں ہیں وہ مشینی تیر بھی روک سکتی ہیں۔''

''ان سپاہیوں کو بلا لو اور اپنے بہترین تیر اندازوں کو تیار کر لو اگر آرگون کی طرف سے حملہ ہوا تو وہ فصیل پر موجود رینا ب اور اس کے آدمیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کریں۔''

کائینو ہچکچایا۔ ''وہاں مہا پجاری اور دوسرے پجاری بھی ہیں۔''

میں اس کی ہچکچاہٹ سمجھ رہا تھا۔ ''اپنے آدمیوں سے کہنا کہ انہیں بچاتے ہوئے حملہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی وہ گیٹ کے آس پاس موجود پہریداروں کو نشانہ بنائیں۔''

کائینو نے سر ہلایا اور اپنے آدمیوں کو لے آیا۔ یہ دو درجن افراد تھے جنہوں نے بڑی ڈھالیں اٹھا رکھی تھیں اگرچہ یہ لکڑی کی بنی ہوئی تھیں لیکن ان پر پتھر کے ٹکڑے بھی نصب کیے گئے تھے جن سے ان کی مضبوطی میں اضافہ ہوا تھا۔ انہوں نے میرے، سامیرا اور دوسرے لوگوں کے گرد حصار بنا لیا تھا اور ہم اس حصار میں آگے بڑھے۔ کچھ ہی دیر میں ہم فصیل سے کوئی سو گز دور تھے۔ یہاں اب فصیل کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے زیادہ آگے جانے کی صورت میں فصیل کی بلندی کی وجہ سے اس کے اوپر کا منظر اتنا واضح نظر نہیں آتا۔ سامیرا نے خود اونچی آواز میں پوچھا۔ ''رینا ٹ تم نے مجھے اور سب لوگوں کو کیوں بلوایا ہے اور قرنا پھونکنا صرف معبد والوں کا حق ہے تم نے کب یہ حق حاصل کیا؟''

''قرنا معبد کی طرف سے ہی پھونکا گیا ہے۔'' بھونپو والے نے جواب دیا۔ ''معاملہ بھی معبد کا ہے۔ اسی لیے وادی کے ہر فرد کو یہاں جمع کیا گیا ہے۔''

''ایسا کون سا معاملہ ہے جس کے لیے سب کو یہاں بلایا گیا ہے۔''

اس بار مہا پجاری فیرون اٹھ کر آگے آیا اور اس نے اپنی مخصوص پُرخمار آواز میں کہا۔ ''اب تک تنازعہ وادی کے لوگوں کے درمیان تھا۔ اس لیے معبد اس جھگڑے میں غیر جانبدار تھا۔ مگر اب جھگڑے میں کچھ غیر وادی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے بھی شامل ہو گئے ہیں اور ان میں سے ایک فرد اس وقت بھی سامیرا کے ساتھ ہے۔ یہ اوپر سے وادی میں آیا اور معبد کی طرف سے اسے سزائے موت سنائی گئی مگر یہ ہارن کے سامنے سے فرار میں کامیاب رہا۔ یہ سامیرا کے پاس ہے اور میری اطلاع کے مطابق یہ سامیرا کی فوج کا سربراہ بن گیا ہے۔ گویا معبد کا مجرم سامیرا کے ساتھ ہے اور اسی لیے اب معبد نے اس جنگ میں رینالٹ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''شہباز غیر ہے لیکن یہ از خود نیچے نہیں آیا ہے۔'' سامیرا نے بلند آواز سے کہا۔

''کیا میں بات کر سکتا ہوں؟'' میں نے سامیرا سے پوچھا۔ اگرچہ وہ مختار کل بنا چکی تھی مگر یہ موقع ایسا تھا کہ میں نے اس سے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔ سامیرا نے سر ہلایا اور آہستہ سے بولی۔

''کیا تم ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بات کرنا چاہ رہے ہو؟''

''ہاں میں ان لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ رینالٹ نے بھی غیر لوگوں کو پناہ دی ہے اور وہ اس جنگ میں اس کی مدد کر رہے ہیں۔''

''برف والے نے فی الحال اس سے منع کیا ہے۔''

میں حیران ہوا۔ ''مگر کیوں؟''

''برف والے کی باتیں وہ خود ہی جانے۔''

''مگر اس سے میری پوزیشن کمزور ہو جائے گی اور مجھے تمہارے لوگوں کی طرف سے بغاوت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مہا پجاری میرے خلاف ہو گیا ہے اس سے بہت اثر پڑے گا۔''

''مجھ سے جو برف والے نے کہا وہ میں نے تم کو بتا دیا ہے اب آگے تمہاری مرضی ہے کہ تم اس معاملے میں کیا کرتے ہو۔'' سامیرا بولی تو میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے میں برف والے کی بات مانتا ہوں اب ان لوگوں سے پوچھو کہ انہوں نے کیوں بلایا ہے اور یہ کسے سزا دینے جا رہے ہیں۔''

سامیرا نے بلند آواز سے پوچھا۔ ''مہا پجاری ہمیں کیوں بلایا گیا ہے؟''

فیرون نے سامیرا کی طرف دیکھا۔ ''معبد کے مفرور مجرم کی مدد کرنے والے کو یہاں سب کے سامنے سزا دی جائے گی۔ تاکہ آئندہ کوئی بھی معبد کے مجرم کی مدد کا سوچ بھی نہ سکے۔''

''کیرٹ۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

سامیرا مغموم نظر آنے لگی۔ ''ہاں برف والے نے مجھے بتا دیا تھا کہ آج اس اچھے انسان کا آخری دن ہے۔ اس نے اسی کی موت پر صبر کرنے کو کہا تھا۔''

مہا پجاری بات مکمل کر کے پیچھے اپنی جگہ بیٹھ گیا اور اب ایسا لگ رہا تھا کہ کیرٹ کو وہاں لایا جانے والا تھا۔ ایسا ہی تھا کیونکہ چند لمحے بعد وہ معبد کے سپاہیوں کے نرغے میں فصیل پر نمودار ہوا۔ پتا نہیں یہ راز کیسے کھلا کہ کیرٹ اصل میں ہمارا حامی تھا۔ شاید کسی پجاری نے اسے مجھ سے بات کرتے سن لیا تھا یا جس پجاری سے اس نے کام لیا تھا اس نے غداری کی اور اسے پکڑوا دیا۔ مگر یہاں کے انتظامات دیکھ کر لگ رہا تھا کہ کیرٹ پر مقدمہ چلا کر اسے سزا سنا دی گئی ہے اب صرف عمل ہونا باقی رہ گیا تھا۔ کیرٹ کو باہر نکلی ہوئی بکی کے پاس لایا گیا۔ یہ دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر میرے اندر دکھ ابھرنے لگا کہ کل تک معبد کے مہا پجاری کے نائب کے عہدے پر فائز شخص کے جسم پر پورا لباس بھی نہیں تھا اس نے صرف پاجامہ پہن رکھا تھا اور اس کا جسم زخموں سے داغ داغ تھا۔ یقیناً اس پر بے پناہ تشدد ہوا تھا۔ اس سے نہ تو ٹھیک سے چلا جا رہا تھا اور نہ ہی سیدھا کھڑا ہوا جا رہا تھا۔ مگر کیرٹ کا چہرہ پُرسکون تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی اور چہرے پر استقلال تھا۔ حالانکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ شاید اس لیے بھی کہ اس نے آنے والی موت کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا اور برف والے نے بھی یہی پیش گوئی کی تھی۔ اس کے آتے ہی مہا پجاری فیرون اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس نے تقریر کرنے کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

''یہ شخص جو کل تک میرا نائب اور عظیم معبد کے رازوں کا امین تھا۔ اس نے نہ صرف معبد سے بلکہ مجھ سے اور اس ساری وادی سے غداری کی۔ اس نے معبد کے مجرم کی فرار میں مدد کی۔ اسے ہارن اور دوسرے جانوروں سے بچانے والا شربت دیا جو معبد کے مقدس رازوں میں سے ایک ہے۔ یہی نہیں اس نے مجرم کو فرار کے لیے راستے بھی سمجھائے۔ اس کی وجہ سے معبد کا ایک اہم ترین خادم مارا گیا۔ باہر سے آنے والوں کی مدد کر کے یہ سزا کا مستحق ہو گیا ہے۔ میں اسے سزائے موت دینے کا حکم دیتا ہوں۔ سزا کے بعد اس کی لاش نامعلوم مقام پر دفنا دی جائے۔''

یہ کہہ کر مہا پجاری واپس اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا اور کیرٹ کو پھانسی دینے کی تیاری کی جانے لگی۔ ایک جلاد سامنے آیا۔ سب دم بہ خود سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جلاد نے رسی کا پھندہ کیرٹ کی گردن میں ڈالا۔ میں بے چین ہو گیا تھا میں نے سامیرا سے کہا۔ ''کیا ہم کچھ نہیں کر سکتے کیرٹ کو بچانے کے لیے؟''

''ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' وہ مغموم لہجے میں بولی۔ ''اگر ہم حملہ بھی کر دیں تب بھی کیرٹ نہیں بچے گا۔ یہ اسے لازمی مار دیں گے۔''

''اس جیسے انسان کو اتنی جلدی نہیں مرنا چاہیے۔''

''موت چھوٹا بڑا اور اچھا برا نہیں دیکھتی ہے وہ اپنے وقت پر آتی ہے۔'' سامیرا نے وہی کہا جو ہمارا بھی عقیدہ ہے۔

''سنو میں فیرون سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا بات کرو گے؟''

''آپ دیکھ لیں گی۔'' میں نے کہا اور ڈھالوں کے درمیان سے نکل کر کھلی جگہ آیا۔ مجھے دیکھتے ہی مہا پجاری اور رینات اپنی جگہوں سے کھڑے ہو گئے تھے۔ مہا پجاری نے چلا کر کہا۔

''یہ رہا معبد کا مجرم۔''

''اگر میں معبد کا مجرم ہوں تو میں خود کو تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں اگر تم کیرٹ کی سزا معاف کر دو اور اسے واپس اپنا نائب بنا لو۔''

رائل نے مترجم کے فرائض سنبھال لیے تھے۔ اس نے میری بات کا ترجمہ کر کے مہا پجاری اور دوسروں تک پہنچایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ نہیں ہوسکتا۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔ ''مہا پجاری کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے ہیں۔''

میں نے دیکھا کہ میری پیشکش نے رینالٹ کو مضطرب کر دیا تھا اور اس نے اپنے برابر میں وزیر اعظم سربان سے کچھ کہا۔ وہ اٹھ کر مہا پجاری کی طرف بڑھا تھا۔ میں نے کہا۔ ''رینالٹ تم جانتے ہو جو الزام مجھ پر لگا ہے اس کے مرتکب کچھ لوگ اور بھی ہیں اور کیرٹ کو جس جرم کی سزا دی جا رہی ہے وہ یہاں کے کچھ اعلیٰ ترین لوگ کر چکے ہیں۔ تو کیا اکیلے کیرٹ کو سزا دینا قرین انصاف ہوگا۔''

اس کا جواب رائل نے دیا اور وہ آگے آیا۔ ''تم ایک مجرم ہو اور تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ شاہِ اعظم سے سوال کرو یا ان سے مخاطب ہو۔''

کیرٹ جواب تک خاموش کھڑا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز ان لوگوں سے بات کرنا بیکار ہے تم اپنی ساری توجہ اس کام پر لگاؤ جس کے لیے تم یہاں آئے ہو اور وادی کو ان ظالموں سے نجات دلا دو۔''

''اس کی زبان بند کر دی جائے۔'' رینالٹ نے غضب ناک لہجے میں حکم دیا۔ مگر جلاد ساکت کھڑا رہا۔ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''شاہ اعظم بھول رہے ہیں معبد کے مجرم کو وہ نہ سزا دے سکتے ہیں اور نہ اس پر عمل کروا سکتے ہیں۔''

رینالٹ کھسیا گیا تھا اور فیرون کے چہرے پر فاتحانہ سا تاثر آیا اور اس نے بہت غرور سے جلاد کو حکم دیا۔

''اسے لٹکا دیا جائے۔''

میں بے اختیار چند قدم آگے گیا کیونکہ جلاد نے اچانک ہی کیرٹ کو دھکا دیا۔ وہ فصیل کے بالکل کنارے کھڑا تھا اس کا جسم خلا میں گیا اور اگلے ہی لمحے گردن کے بل پھندے کے سہارے جھولنے لگا۔ پھندہ سخت ہو گیا تھا اور یقیناً اس کی سانس رک گئی تھی۔ جھولنے کے ساتھ اس کا جسم کچھ دیر کے لیے کانپتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ میں نے شدت کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ لوگ بہت مختصر وقت کے لیے آپ کی زندگی میں آتے ہیں اور وہ آپ کی زندگی کا ایک اہم حصہ بن جاتے ہیں۔ کیرٹ بھی ایک ایسا ہی انسان تھا۔ میں نے اس کا نام سنا، اسے دیکھا، اس سے کچھ دیر کو ملا اور اب میرے سامنے اس کی لاش جھول رہی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور دل ہی دل میں کہا۔ ''میرے اللہ اگر میرے نصیب میں کامیابی ہے تو ان لوگوں پر مجھے قابو دینا جو کیرٹ کی موت کے ذمے دار ہیں میں خود ان سے اس موت کا حساب لوں گا۔'' پھر میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''مہا پجاری کیرٹ کی لاش ہمارے حوالے کی جائے۔''

''اس کے بارے میں فیصلہ ہو گیا ہے کہ اسے نامعلوم قبرستان میں دفنا دیا جائے گا۔''

''شہباز واپس آ جاؤ۔'' سامیرا نے مضطرب لہجے میں کہا۔ تب میں چونکا۔ فصیل پر ہلچل ہو رہی تھی میں پیچھے ہٹا تھا کہ ایک تیر اوپر سے آیا اور اس جگہ زمین میں لگا جہاں کچھ دیر پہلے میں تھا۔ تیر کسی نے اوپر سے مارا تھا۔ میں بال بال بچا تھا مگر اس وقت مجھے خوف محسوس نہیں ہوا ایسا ہی کوئی دوسرا تیر میرے جسم میں اتر جائے گا۔ میں نے زمین سے تیر اکھاڑا اور اسے بلند کر کے رینالٹ اور فیرون کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ہے تم لوگوں کی زبان اور ضمانت۔''

چند سپاہی ایک سپاہی کو قابو کر رہے تھے جس نے یہ تیر چلایا تھا۔ سامیرا چلائی۔ ''رینالٹ تم دغا باز انسان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔"

"یہ اس شخص کا ذاتی فعل ہے۔" رائل آگے آکر بولا۔ "اسے سزا دی جائے گی۔"

"تم لوگ اپنی سازشوں پر ایک اور انسان کو قربان کرنے والے ہو۔" میں نے کہا اور پیچھے آگیا۔ سامیرا نے مجھے ڈھالوں کے پیچھے گھسیٹ لیا تھا۔

"یہ کیا حماقت کر رہے تھے وہیں کھڑے رہے اگر کوئی دوسرا تیر چلا دیتا تو؟"

"میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ ایک فرد کی حرکت ہے یا اس میں اور کوئی بھی شامل ہے۔"

"شہباز تمہاری جان بہت قیمتی ہے تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔"

"ابھی آپ کہہ رہی تھیں کہ موت کسی کو نہیں دیکھتی اور وہ اپنے وقت پر آتی ہے۔"

"ہاں مگر کوئی ماں اپنی اولاد کو خطرے میں نہیں دیکھ سکتی۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں تم میرے لیے بیٹے کی طرح ہو۔"

میں نے سر ہلایا۔ "یہ آپ کی مہربانی ہے اب ہمیں واپس چلنا چاہیے مگر آپ کی طرح میرا یقین بھی پختہ ہے کہ موت اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔"

میں نے پہلے عام لوگوں کو واپسی کا حکم دیا اور ان سے کہا کہ وہ جس طرح ٹکڑیوں میں آئے تھے اسی طرح واپس جائیں۔ ان کے بعد فوجی دستوں کو پیچھے ہٹنے کو کہا۔ ان میں سے بہت سے دستے پہلے ہی لوگوں کی حفاظت کے لیے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ منظم انداز میں پسپا ہوتے ہوئے ہم ایک سوا گھنٹے میں واپس قلعے تک پہنچ گئے۔ کیرٹ کی موت نے دل بوجھل کر دیا تھا مگر ساتھ ہی مجھے اطمینان ہوا تھا کہ فی الحال ریناٹ کا فوج کشی کا ارادہ نہیں تھا اور شاید میرے پاس مہلت تھی کہ میں قلعے کی پیشہ ور سپاہ اور رضا کاروں کو منظم اور جنگ کے لیے تیار کر سکوں۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے اس بلاوجہ کے سفر سے تھک گئے تھے واپس آنے پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سپاہی اور رضا کار بھی خوش تھے کہ آج کا دن وہ جنگ سے بچ کر آگئے۔ اب آنے والے دن کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ سامیرا نے مجھ سے کہا۔

"تم رات سے مصروف ہو اب کچھ آرام کر لو۔"

"نہیں آج کے لیے میرے ذہن میں اور بھی کام ہیں آرام میں رات میں ہی کروں گا۔"

یہ باقی دن میں نے بہت مصروف گزارا۔ سب سے پہلے اسلحہ خانے کا معائنہ کیا۔ ان کے پاس ہتھیار تسلی بخش مقدار میں تھے۔ مگر میں نے اسلحہ خانے کے انچارج کو مزید ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دیا۔ پھر میں نے خوراک کے ذخیروں کا جائزہ لیا۔ یہ لوگ کئی طرح کے اجناس کھاتے تھے مگر مرکزی خوراک وہی گندم نما بیج تھے۔ کچھ سبزیاں اور پھل ذخیرہ کیے جا سکتے تھے لیکن تازہ سبزیاں اور پھل روز کے روز اتار کر لائے جاتے تھے۔ ان کی مقدار گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ گوشت، دودھ، مکھن، دہی اور انڈوں کے لیے ان کے پاس جانور اور پرندے تھے۔ مگر ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی کہ اس پوری آبادی کی خوراک کی ضروریات پوری کی جا سکتیں۔ روشنی ختم ہونے سے پہلے میں نے قلعوں کے کمزور پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ جہاں جہاں مجھے کمزوری نظر آئی میں اسے ٹھیک کرنے کا حکم بھی دیتا رہا۔ قلعوں کے آس پاس زمین پر مٹی، کچرہ اور ملبہ جمع ہو گیا تھا جس سے فصیلوں کی اونچائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کم ہوئی تھی۔ میں نے اسے بھی اٹھانے کا حکم دیا۔ میں جو حکم بھی دے رہا تھا اس کی فوری تعمیل کی جا رہی تھی۔ تمام شعبوں کے انچارج میرے ساتھ ہی ساتھ تھے۔

جس شعبے سے متعلق فرد کی ضرورت ہوتی میں روبیر کی مدد سے اس سے بات کر لیتا تھا۔ یوں رفتہ رفتہ میں یہاں کے لوگوں سے بھی واقف ہو رہا تھا۔ ان میں سے کچھ باصلاحیت نوجوان بھی تھے۔ میں نے ان میں سے نصف درجن نوجوان چن لیے اور انہیں اپنے لیے مخصوص کر لیا کہ جب میں کوئی کام کہوں یا کوئی حکم دوں تو ان کے توسط سے اس کی تعمیل ہو سکے۔ ایک طرح سے وہ میرے قاصد ہوتے۔ ان سب سے فارغ ہو کر میں نے سومرو، بیناٹ اور کاٹینور سے ایک میٹنگ کی اور ان سے کہا کہ کل اپنے اپنے دستوں کے بہترین آدمی قلعے کے عقب میں صبح سویرے جمع کریں۔ میں ان کی کارکردگی دیکھوں گا۔ ہر آدمی کم سے کم پچاس آدمی لائے۔ مجھے امید تھی کہ ہزار سپاہیوں کی فوج میں ڈیڑھ سو اعلیٰ درجے کے سپاہی ضرور ہوں گے۔ ساتھ ہی میں نے واضح کر دیا کہ میرے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہو اس میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔ جب میں نے یہ بات کہی تو سومرو کے چہرے پر کسی قدر تکدر نظر آیا تھا۔ شاید اس لیے کہ اب تک وہ اپنے طور پر سپاہ سالار تھا اور اب اسے میری ماتحتی کرنا پڑ رہی تھی اور دوسرے میں یہاں کے مقامی فنون جنگ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ البتہ کاٹینور اور بیناٹ فرماں برداری سے مجھے یقین دلا رہے تھے کہ میرے حکم کی پوری طرح تعمیل کی جائے گی۔

میں جب رات گئے سامیرا کے مکان پر واپس آیا تو روبیر میرے ساتھ تھی اور سامیرا میرے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ ہم تینوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ میں نے اس دوران میں سپاہ کو منظم کرنے اور جنگ کی تیاری کے لیے اپنا بنایا ہوا خاکہ سامیرا کے سامنے پیش کیا۔ سامیرا نے اس کی تائید کی۔ ''تم نے بہت اچھا پلان بنایا مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ تم میں قیادت کی صلاحیت ہے اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے۔''

میں نے اس سے کہا۔ ''لیکن مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت رہے گی۔''

''میرا پورا تعاون تمہارے ساتھ ہے۔''

کیونکہ روبیر کی خدمت میں نے چوبیس گھنٹے کے لیے حاصل کر لی تھی۔ اس لیے سامیرا نے فیصلہ کیا کہ اب وہ یہیں سامیرا کے مکان میں رہتی کہ میں جب چاہوں اسے طلب کر سکوں۔ سامیرا کے مکان میں کئی کمرے تھے۔ ان میں سے ایک روبیر کے سپرد کر دیا گیا۔ میں گزشتہ رات بلکہ اس سے بھی پہلے سے مصروف تھا اور سونے کا وقت بہت کم ملا تھا۔ اس لیے جب کھانے کے کچھ دیر بعد بستر پر لیٹا تو مجھے خبر بھی نہیں ہوئی اور میں سو گیا۔ اب تک مجھے کچھ سوچنے اور اپنے پیاروں کو یاد کرنے کا موقع بہت کم ملا تھا۔ مگر رات خواب میں، مَیں نے سویرا کو دیکھا۔ وہ میرے پاس آئی تھی اور میرے بستر کے کنارے بیٹھی تھی۔ اس نے جھک کر اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے بالوں میں پھیرا اور پھر سمٹ کر میرے پاس لیٹ گئی۔ میں نے اس کی طرف کروٹ لی اور سرگوشی میں پوچھا۔

''سویرا میں کب سے منتظر ہوں کہ تم اس طرح میرے پاس آؤ۔ مگر تم نہیں آئیں۔''

''میں تو ہوں ہی آپ کی۔'' اس نے تیز سانسوں کے درمیان کہا۔ ''اب آپ کے پاس ہوں۔''

اس کے قرب کی گرمی مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ ''سویرا تم کبھی میرے اتنے پاس نہیں آئیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب آؤں گی۔'' اس نے کہا اور میری طرف جھکی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ سویرا میری طرف ہی جھکی ہوئی تھی اور اس کے نرم و نازک لبوں کا لمس میرے چہرے پر تھا۔ اچانک مجھے جھٹکا لگا۔ سویرا بھلا یہاں کہاں؟ میں اٹھا تھا کہ وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہٹی۔ اس سے پہلے کہ وہ دور ہوتی میرا بازو اس کے گرد حائل ہو گیا تھا۔ کمرے میں تاریکی تھی مگر نرم و گداز جسم کی ساخت اور اس سے اٹھتی خوشبو نے مجھے بتا دیا کہ وہ رو بیر تھی۔ میں ششدر رہ گیا تھا جو لڑکی سارے دن میرے ساتھ رہی اور اس نے ایک بار بھی مجھ پر اپنی نسوانیت نہیں جتائی اور نہ آزمائی تھی وہ رات کی اس تاریکی میں یوں چوری چھپے کیوں چلی آئی اور یہ سب کیوں کر رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''رو بیر تم.....''

''مجھے معاف کر دیں۔'' وہ سہمے لہجے میں بولی۔

میں اٹھ بیٹھا اس کے گرد سے اپنا بازو ہٹا لیا تھا مگر اس کی کلائی پکڑ لی۔ ''رو بیر یہ کیا حرکت ہے تم رات کی تاریکی میں میرے پاس آئی ہو اس کا کیا مطلب ہے؟''

وہ کسمسائی۔ ''مجھے جانے دیں۔''

اب مجھے سمجھ میں آیا کہ میں خواب اور حقیقت کو ملا کر دیکھ رہا تھا۔ رو بیر میرے پاس آئی اور جو خواب میں سویرا کر رہی تھی وہی سب حقیقت میں رو بیر کر رہی تھی۔ میری آنکھ بروقت کھل گئی ورنہ شاید میں بہک جاتا اور گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا۔ ابتدائی جذبات تو رو بیر کو محسوس کرتے ہی اُڑ گئے تھے اور اب مجھے غصہ آ رہا تھا۔ مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ بات اس سے آگے جائے اور سامیرا کو علم ہو۔ اگر میں غصہ کرتا یا اس سے بات کرتا تو لازمی سامیرا کے علم میں بات آ جاتی۔ اگرچہ وہ میرے بارے میں اچھا گمان رکھتی تھی مگر آدمی کی فطرت ہے کہ اسے بدگمان ہونے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی ہے۔ رو بیر سے میں بعد میں بھی بات کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور آہستہ سے کہا۔ ''ٹھیک ہے جاؤ لیکن کسی کو علم نہ ہو کہ تم رات کو یوں میرے پاس آئی تھیں۔''

وہ خاموشی سے لباس سمیٹ کر اٹھی تب مجھے پتا چلا کہ اس نے اپنے کرتے کا پٹکا بھی کھول دیا تھا۔ یہاں مرد اور عورت دونوں میں انڈر گارمنٹس پہننے کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ اس سے نابلد تھے۔ میں نے اب تک یہاں صرف یہی مخنوں تک آتے کھلے کرتے اور پاجامے دیکھے تھے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی لباس تھا تو ابھی تک میرے مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی اپنا پٹکا بند کرتی رہی پھر کمرے سے نکل گئی۔ ایک لمحے کو پردہ ہٹا تو باہر کہیں روشن مشعل کی روشنی اندر تک آئی تھی۔ یہاں گرمی تھی اور میں نے سوتے وقت کرتہ اتار دیا تھا صرف پاجامے میں تھا۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ جذبات کی گرمی اور پھر غصے نے میرا گلا خشک کر دیا تھا۔ میں نے اٹھ کر پاس رکھے جگ سے پانی پیا اور دوبارہ لیٹ گیا۔ شیطان نے اس حوالے سے دماغ خراب کرنے کی کوشش کی تو لاحول پڑھی اور کچھ دیر بعد میں دوبارہ سو گیا تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ خود بہ خود ہی صبح کے قریب کھل گئی۔ ابھی باہر تاریکی تھی اور میرے پاس وقت جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا مگر میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ صبح قریب تھی۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اٹھ کر باہر آیا تو سامیرا اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا وہاں تارے چمک رہے تھے۔ اگر چاند نکلا ہوتا تو پھر دھند چھا جاتی۔ میں نے نہانے دھونے کے لیے مخصوص ٹب کے پانی سے ہلکا پھلکا غسل کیا۔ یہاں گرد نہیں تھی اور نہ ہی گرمی ایسی تھی کہ پسینہ آئے لیکن کل میں نے خاصا سفر کیا تھا اور مجھے دونوں چیزوں سے واسطہ پڑا تھا اس لیے میں نے غسل کر لینا مناسب سمجھا۔ کپڑے صاف تھے میں نے نہا کر وہی پہن لیے۔ اس دوران میں آسمان پر روشنی نمودار ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی زمین سے بخارات اٹھنے لگے تھے۔ یعنی صبح ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی پرندوں کی چہچاہٹ شروع ہو گئی۔ وادی میں پائے جانے والے پرندے وہی تھے جو باقی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں میں نے چڑیا، مینا، کوے اور دوسرے پرندے دیکھے جو آبادیوں میں بھی نظر آتے ہیں۔

جنگل میں نظر آنے والے پرندے الگ قسم کے تھے۔ میں باہر نکل آیا۔ البتہ یہ لوگ مرغی سے ملتے جلتے پرندے پالتے تھے اور ان کے انڈے اور گوشت ان کی خوراک کا ایک حصہ تھا۔ مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ شاید یہ ہماری مرغیوں کی طرح زود نسل نہیں تھیں۔ جیسے ایک زمانے میں ہماری دیسی مرغی کم انڈے دیتی تھی اور کڑک زیادہ رہتی تھی۔ انڈوں اور مرغی کے گوشت کی بہتات فارمی مرغی آنے کے بعد ہوئی تھی۔ میں نے روبیر کو نہیں جگایا تھا۔ اسے آواز دیتے اور جگاتے ہوئے مجھے جھجک سی ہو رہی تھی۔ مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا یہاں سامیرا کے بعد میری زبان صرف وہی سمجھتی تھی اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ میری زبان تھی۔ ابھی میں واپس جا کر اسے بلانے کا سوچ رہا تھا کہ وہ خود باہر نکل آئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ اٹھ گئے؟..... مجھے کیوں نہیں آواز دی۔''

''میں اٹھانے والا تھا۔'' میں نے کہا۔

''میں آپ کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔'' اس نے اپنے سنہری مائل بے پناہ گھنے بال سمیٹ کر ان کا جوڑا بناتے ہوئے کہا۔ اس کے بال لمبے زیادہ نہیں تھے مگر گھنے بہت تھے۔ اس وقت وہ سادگی و پُرکاری کی مثال نظر آئی اور میں کچھ دیر کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کا گلابی رنگ سرخ ہو گیا اور وہ جلدی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لاحول پڑھی۔ اب تک میں نے اسے اس نظر سے دیکھا نہیں تھا وہ میرے لیے بس ایک ساتھی تھی مگر گزشتہ رات کے واقعہ کے بعد میرے اندر تبدیلی آنا فطری بات تھی۔ اس کا مطلب یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہے کہ وہ میرے لیے بس عورت بن کر رہ گئی تھی۔ مگر اب وہ پہلے جیسی ساتھی بھی نہیں رہی تھی۔ مجھے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ اس نے رات میرے کمرے میں اور میرے پاس آنے کی کوشش کیوں کی؟

اگر اسے مجھ سے دلچسپی تھی تو یہ دلچسپی دن میں کیوں نظر نہیں آئی جب وہ سارا دن میرے ساتھ ہوتی تھی اور بہت سارے مواقعوں پر ہم بالکل اکیلے ہوتے تھے۔ تب بھی وہ کوشش کر سکتی تھی۔ مجھ پر اپنی پسند واضح کر سکتی تھی۔ مگر شاید یہاں اس کا رواج نہیں تھا۔ جیسا کہ ساری دنیا کا چلن ہو گیا ہے کہ اب محبت کا مطلب جسمانی تعلق ہوتا ہے تو شاید وہ بھی یہی سوچ کر رات کی تاریکی میں میرے پاس آئی تھی۔ لیکن اگر یہ یہاں کی عام سوچ ہوتی تو سامیرا نے بھی راجا عمر دراز سے محبت کی تھی مگر اس نے اس کے پاس آنے کی کوشش نہیں کی جب کہ راجا عمر دراز بہت دنوں تک اس کے ساتھ اسی گھر میں رہا اور بہت وقت اکیلا بھی رہا جب سامیرا کا باپ اور گان کسی کام سے باہر گیا ہوتا تھا۔ مگر اس کی محبت ایک روایتی مشرقی لڑکی کی محبت تھی جس میں جسمانی تعلق کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ صرف سامیرا ہی نہیں راجا عمر دراز بھی کردار کا پکا تھا۔ میں برآمدے میں ناشتے کا انتظار کر رہا تھا۔ بھوک تو نہیں تھی مگر میں نے سوچا کہ ایک بار نکلنے کے بعد نہ جانے کب فرصت نصیب ہو اس لیے ناشتہ کر لینا ہی مناسب تھا۔ کچھ دیر بعد روبیر نے ناشتہ تیار ہونے کی اطلاع دی۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے لے آؤ لیکن جلدی، آج کام بہت زیادہ ہیں۔''

ناشتے میں وہی دلیہ نما چیز تھی جو میٹھی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ میٹھی ٹکیاں اور ساتھ میں چائے تھی۔ رات کے برعکس روبیر نے میرے ساتھ ناشتہ نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا لیکن وہ بولی کہ اسے بھوک نہیں ہے۔ رات اس نے کچھ زیادہ کھا لیا تھا۔ میں ناشتہ کر رہا تھا کہ سامیرا بھی اٹھ کر آ گئی۔ اس نے پوچھا۔ ''شہباز کیسے ہو رات ٹھیک سے نیند آئی تھی؟''

میں نے بے ساختہ روبیر کی طرف دیکھا تو اس نے نظریں چرا لی تھیں۔ میں نے جواب دیا۔ ''ہاں ٹھیک سے نیند آئی، لیکن آج آپ دیر سے اٹھی ہیں۔''

''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''لیکن اب ٹھیک ہے۔''

شاید اس نے کل بہت سفر کیا تھا اور پھر کیرٹ کا صدمہ بھی تھا۔ میں نے اسے مختصراً بتایا کہ آج میں کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور استدعا کی۔ ''میں نے کل قلعوں کی مرمت کے کام شروع کرائے تھے۔ آپ ان کا معائنہ کر لیں کہ وہ کام ٹھیک سے ہوئے ہیں یا مزید کام کرانے کی ضرورت ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ کسی جگہ دیوار کی اونچائی دس ہاتھ سے کم نہ ہو اور ہر پانچ ہاتھ کے بعد فصیل پر برج بنائے جائیں جہاں سے حملہ آوروں پر تیر برسائے جا سکیں۔''

''میں دیکھ لوں گی۔'' سامیرا نے کہا۔ ''تم بہت تیزی سے سب کر رہے ہو۔ یہاں کے لوگوں کو اتنی عجلت میں کام کی عادت نہیں ہے۔''

''کیونکہ وقت نہیں ہے۔'' میں نے چائے کا آخری سپ لیا اور کھڑا ہو گیا۔ ''ان لوگوں کو تیزی سے کام کرنے کی عادت ڈالنی ہو گی۔ مجھے بہرصورت جنگ سے پہلے فوج کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ کم سے کم آرگون کی فوج کا مقابلہ کر سکے۔ اب مجھے اجازت دیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے یقین ہے تم ایسا کرلو گے۔'' سامیرا ہمیں دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ ''یہاں کے لوگوں میں یہ چیز نہیں ہے شاید تبھی برف والے نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔''

''آپ شاید مجھ سے بہت زیادہ توقع لگا رہی ہیں لیکن سچی بات ہے کہ میں صرف ایک انسان ہوں اور پہلی بار ایسا کوئی کام کرنے جا رہا ہوں۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ آپ کو مایوس نہ کروں۔ مگر کامیابی یا ناکامی اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔''

''مجھے تمہاری صلاحیت اور قسمت پر پورا یقین ہے کیونکہ تم اچھی نیت والے انسان ہو۔ اوپر والا ہمیشہ انسان کی نیت دیکھتا ہے۔'' سامیرا نے کہا اور مجھے رخصت کر کے اندر پلٹ گئی۔ روبیر میرے ساتھ تھی۔ اب مجھے موقع ملا تھا۔ قلعے سے باہر جاتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا۔

''رات تم کیوں میرے کمرے میں میرے پاس آئی تھیں؟''

اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ اس نے کسمسا کر کہا۔ ''میں نہیں بتا سکتی۔''

''کیوں؟''

''بس نہیں بتا سکتی۔'' اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''آپ چاہیں تو مجھے سزا بھی دے سکتے ہیں۔ مجھ کو خود سے الگ کر سکتے ہیں۔''

''سامیرا نے مجھے تمام اختیارات دے دیئے ہیں مگر میں کسی کو سزا نہیں دے سکتا اور تم کو بھی نہیں دے سکتا۔ ٹھیک ہے اگر تم بتانا نہیں چاہتیں تو تم اس کی مجاز ہو۔ مگر میں بتا دوں مجھے یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی ہے اور اگر تمہارے ذہن میں اس حرکت کا پھر سے ارادہ ہے تو اسے فوراً ذہن سے نکال دو۔''

اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ ''مجھے خود بھی یہ بات اچھی نہیں لگی اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔''

مجھے حیرت ہوئی کہ اس حرکت کے پیچھے کیا اسرار تھا جب کہ خود اسے بھی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ ہم قلعے کے سامنے والے حصے میں پہنچ گئے تھے جہاں رات کو نگرانی اور حفاظت کرنے والے دستے موجود تھے۔ میں نے قلعوں کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں کی تعداد بڑھا دی تھی تاکہ کسی غیر متوقع حملے کی صورت میں باقی فوج کے آنے تک وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکیں۔ پہلے رات کے وقت کسی بھی قلعے پر ایک درجن سے زیادہ سپاہی نہیں ہوتے تھے۔ اب ان کی تعداد ہر قلعے میں کم سے کم سو تھی۔ قلعوں کے چاروں طرف فصیلوں پر تیز روشنی والی مشعلیں لگائی گئی تھیں تاکہ کوئی تاریکی میں چھپ کر ان کے نزدیک نہ آسکے۔ جب ہم قلعے سے باہر آئے تو اسی وقت تینوں قلعوں سے سپاہیوں نے باہر نکلنا شروع کر دیا تھا۔ آج سب پوری طرح مسلح اور تیار ہو کر آرہے تھے۔

سب کو بڑے قلعے کے عقب میں واقع میدان تک جانا تھا اور میں ایسی جگہ کھڑا ہوگیا جہاں سے تینوں قلعوں سے نکلنے والوں کو دیکھ سکوں۔ وہ سب قطار بنائے بڑے قلعے کے عقب میں جا رہے تھے۔ جب سب نکل گئے تو میں اور روبیر ان کے پیچھے قلعے کے عقبی حصے میں پہنچے جہاں تینوں فوجوں کے دستے الگ الگ کھڑے تھے۔ انہوں نے مکمل جنگی لباس، لکڑی سے بنی زرہ بکتر اور خود پہنے ہوئے تھے۔ کلائیوں اور پنڈلیوں پر لکڑی کے ہی ٹکڑے بندھے تھے جو ہاتھوں اور پیروں کو لاٹھی کی ضرب سے بچاتے۔ تقریباً سب ہی بہترین صحت کے مالک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ اور اپنے انداز سے ہی پیشہ ور سپاہی نظر آتے تھے۔ ان کے ہتھیار تیار اور بہترین حالت میں تھے۔ اپنے اپنے آدمیوں کے سامنے سومرو، مینائٹ اور کانٹینور کھڑے تھے۔

میں نے گھوم پھر کر ان کا معائنہ کیا۔ ہر دستے میں کم و بیش پچاس افراد تھے۔ یہ سب جسمانی طور پر مضبوط، چاک و چوبند اور اپنے انداز سے ہی تربیت یافتہ نظر آتے تھے۔ میں نے ان میں سے بھی انتخاب کیا اور ہر دستے سے دس بارہ افراد الگ کیے۔ میں جس کی طرف اشارہ کرتا وہ الگ ہو جاتا۔ وہ ایک طرف جا کر کھڑا ہو جاتا۔ اب سب ہی جان گئے تھے کہ اس جگہ کا حکمران یا منتظم میں تھا اور میرے ہر حکم کی تعمیل ان لوگوں پر لازمی تھی۔ کچھ دیر میں، مَیں نے کوئی تینتیس افراد الگ کر لیے تھے اور رد ہیر کی مدد سے اُن سے کہا۔ ''میرا خیال ہے تم سب اچھے لڑاکے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دوسروں کو تربیت دو لیکن اس سے پہلے تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم لوگ اس قابل ہو۔''

''ہم ہر امتحان سے گزرنے کو تیار ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

انہیں ان کی کیٹگری کے لحاظ سے الگ کیا گیا اور ان کا امتحان لیا جانے لگا۔ تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہنے والے اس امتحان میں انہوں نے ثابت کیا کہ وہ سب نہایت اہل اور ماہر لڑاکا تھے۔ مصنوعی لڑائی سے لے کر دست بدست لڑائی میں انہوں نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے ان پر جو اعتماد کیا تھا وہ اس پر پورا اترنے کے اہل تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ''اب تم لوگ براہِ راست میری نگرانی میں اور میرے ماتحت ہو۔ تم میں سے ہر فرد رضا کاروں میں سے بیس افراد چنے اور آج ہی سے ان کی تربیت شروع کر دے جو تم کو آتا ہے وہ انہیں اپنے طور پر سکھاؤ اور اس کام میں جس سامان اور مدد کی ضرورت ہو تم مجھ سے کہو گے۔ یاد رہے سیکھنے اور سکھانے کا یہ کام کل وقتی ہوگا اور تم لوگ بس یہی کرو گے۔ تمہیں اپنے بیس ماتحتوں پر مکمل اختیار ہوگا۔ ان کی کارکردگی یا نااہلی کی ذمے داری تم لوگوں پر ہوگی۔''

وہ پُر جوش نظر آنے لگے۔ اب تک وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے یا بس آپس میں ہی کچھ مشقیں کر لیتے تھے اب ان کو باقاعدہ ایک پروگرام ملا تھا اور ان سے کچھ کر گزرنے کو کہا گیا تھا۔ میں نے واضح کیا کہ وقت کم ہے اور انہیں آج کے دن ہی نہ صرف اپنے لیے افراد چن لینے ہیں بلکہ ان کی تربیت بھی شروع کر دینی ہے۔ چنے ہوئے افراد کو انکار کا حق نہیں ہوگا۔ اگر ایک فرد کو دو استاد منتخب کر لیں تو اسے حق ہوگا کہ وہ کس کے پاس تربیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بہترین کارکردگی دکھانے والوں کو آگے فوج میں عہدے دیئے جائیں گے۔ میں نے کہا۔ ''شام کی تاریکی سے پہلے میں تم سب کو یہاں دیکھوں گا۔''

یہ لوگ چلے گئے تو میں نے سومرو، مینائٹ اور کانٹینور سے کہا۔ ''اب اپنی باقی فوج کو بلاؤ۔ آج میں ان کی مشقیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر ان میں کوئی کمی ہے تو اسے دور کرنا تم تینوں کی ذمے داری ہوگی۔ ہمیں فوج کو جلد از جلد اس قابل بنانا ہے کہ وہ رینالٹ کی فوج کے کسی ممکنہ حملے کا مقابلہ کر سکیں۔''

وہ میرے حکم کی تعمیل میں لگ گئے۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں باقی تمام فوج بھی میدان میں آ چکی تھی اور ان کی ایک ایک سپاہی کی بنیاد پر جانچ ہونے لگی۔ سومرو، مینائٹ اور کانٹینور خود اپنے سپاہیوں کی عملی استعداد کا جائزہ لے رہے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہ شاید انہوں نے پہلی بار یہ کام کیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے فوج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بس لگے بندھے انداز میں مشقیں کرتی تھی اور از خود تربیتی پروگرام پر عمل پیرا تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب انہیں گروپ کی صورت میں مشقیں کرائی جا رہی تھیں۔ فوج میں بنیادی یونٹ نہیں تھے۔ بس سو سوا سو افراد پر مشتمل ایک بڑا گروپ ہوتا تھا جن کے سربراہ براہِ راست سومرو، مینائ اور کانیئور کے ماتحت ہوتے تھے۔ گویا افسران کی تعداد کم تھی۔ میں نے ان تینوں کو ٹاسک دیا کہ بیس سے پچیس افراد پر مشتمل گروپ تیار کریں ان کا سربراہ ایک فرد ہو۔ ہر چار گروپ پر ایک بڑا افسر ہو اور وہ افسران کو جواب دہ ہو۔

میں چاہتا تھا کہ ہمارے پاس کم سے کم سترہ سو افراد پر مشتمل اور مکمل تربیت یافتہ فوج ہو۔ جسے معلوم ہو کہ کن حالات میں اسے کیا کرنا ہے۔ جنگ کے لحاظ سے کوئی پہلو اس کی حکمتِ عملی سے باہر نہ ہو۔ یہ آسان کام نہیں تھا۔ اول تو اتنی بڑی فوج کو تیار کرنا کہ وہ ایک منظم جتھے کی صورت اختیار کرے۔ مہینوں کا کام تھا اور ہمارے پاس بالکل بھی اتنا وقت نہیں تھا۔ رینالٹ لازمی جنگ کا منصوبہ بنائے ہوئے تھا مگر کسی وجہ سے وہ اب تک جنگ ٹالتا آیا تھا۔ مگر جب اسے اطلاع ملتی (جو لازمی ملتی، مجھے یقین تھا کہ یہاں رینالٹ کے جاسوس موجود تھے اور اس تک یہاں کی رپورٹس پہنچائی جا رہی تھیں) کہ سامیرا کی فوج کو تیزی سے بڑھایا اور منظم کیا جا رہا ہے تو وہ یقیناً حرکت میں آتا اور تب ہمیں قبل از وقت جنگ کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

میں نے سب سے زیادہ ترجیح تیر اندازوں کو دی تھی۔ یہ شعبہ جتنا مؤثر ہوتا دشمن کو اتنا ہی نقصان پہنچاتا۔ سترہ سو کی فوج میں سات سو تیر انداز ہوتے، پانچ سو لاٹھی بردار اور پانچ سو دوسرے طریقوں سے جنگ لڑنے والے ہوتے۔ رضا کاروں کے بارے میں، میں نے ابھی نہیں سوچا تھا مگر موقع ملتا تو میں انہیں دوسرے شعبوں میں استعمال کرتا۔ فوج کو لڑنے کے لیے عقب سے مسلسل رسد کی ضرورت ہوتی ہے اور فی الحال اس کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے اس پر کام کرنا تھا مگر پہلے دن میں سب نہیں کر سکتا تھا۔ یہ سارا دن اسی میں گزرا تھا۔ بمشکل مجھے دوپہر کا کھانا کھانے کا موقع ملا۔ عملی طور پر میں ان کے طریقہ جنگ میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھا کیونکہ مجھے نیزہ، تیر کمان اور لاٹھی میں سے کچھ بھی چلانا نہیں آتا تھا۔ مگر میں یہ جان سکتا تھا کہ ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے والوں کی کارکردگی جانچ سکوں۔ میں یہی کام کر رہا تھا۔

باقاعدہ سپاہ میں جن سپاہیوں کی کارکردگی مطلوبہ معیار سے کم تھی۔ ان کے لیے الگ سے تربیتی گروپ بنائے گئے اور انہیں دوسرے تمام کاموں سے ہٹا کر صرف تربیت حاصل کرنے اور اپنی جنگی استعداد بڑھانے پر لگا دیا گیا۔ ان کی بڑی تعداد پہریداروں پر مشتمل تھی۔ میں نے باقاعدہ سپاہ کو فی الحال پہرے سے ہٹا لیا اور یہ کام رضا کاروں کے سپرد کر دیا۔ تین سو رضا کاروں پر مشتمل ایک دستہ تشکیل دیا۔ جو دن رات چوبیس گھنٹے قلعے اور اس کے آس پاس کی نگرانی کرتا۔ تینوں قلعوں میں نگرانی کے لیے ٹاورز تھے مگر ان کی اونچائی چالیس فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے ان کی بلندی ستر فٹ تک کرنے کا حکم دیا۔ لکڑی سے بنے ان ٹاورز کی بلندی بڑھانا اتنا مشکل کام نہیں تھا اور دو دن میں یہ کام ہو سکتا تھا۔ بڑھئی اس کام میں لگ گئے۔

اگلے دن میں نے سامانِ رسد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہاں خوراک کا انچارج سیبوٹ نامی شخص تھا۔ اجناس، پھل، سبزیاں اور کھانے پینے کا دوسرا سامان جیسے گوشت، دودھ، انڈے، مکھن، شہد اور دوسری اشیا اس کے پاس آتی تھیں وہی ان کو ذخیرہ کرنے اور آگے مختلف گروپوں میں تقسیم کرنے کا ذمے دار تھا۔ یہ بہت اہم ذمے داری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اور سیبوٹ بہت طویل عرصے سے اسے خوش اسلوبی سے ادا کر رہا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ سپاہیوں کے لیے خوراک کا الگ کوٹہ ہے۔ اس نے بتایا کہ ایسے کسی کوٹے کا وجود نہیں ہے۔ میں نے اس کے ذمے لگایا کہ سپاہیوں کے لیے الگ سے کوٹہ مخصوص کیا جائے اور ان کے لیے تینوں وقت کا کھانا بنا کر مہیا کیا جائے۔ کھانے کا معیار اور مقدار سپاہیوں کے حساب سے رکھی جائے۔ قوت بخش غذائیں ترجیحی بنیاد پر پہلے سپاہیوں کو دی جائیں اور اس کے بعد دوسرے افراد کو یہ چیزیں دی جائیں۔

اب تک سپاہی ڈیوٹی دیتے اور گھر چلے جاتے تھے میں نے ان پر پابندی لگادی کہ وہ ڈیوٹی کے بعد گھر نہیں جائیں گے بلکہ اپنی یونٹ کے ساتھ رہیں گے۔ ان کو صرف محدود مدت کے لیے گھر جانے کی اجازت ہوگی اور وہ بھی انہیں پیشگی اجازت لینا ہوگی۔ بتائے بغیر یونٹ سے جانے والوں کو تعذیبی کارروائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ بھی میں نے کچھ قوانین واصول بنائے اور ان کی پابندی لازمی قرار دے دی۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ سپاہی کسی عام جھگڑے میں ملوث نہیں ہوں گے اور کسی عام آدمی کے خلاف اپنی جنگی تربیت یا ہتھیار استعمال نہیں کریں گے۔ ایسا کرنے والے کو سخت سزا دی جائے گی۔ کیونکہ فوج کی بنیادی ذمے داری عوام کی ان خطرات سے حفاظت کرنا ہوتا ہے جن سے عوام خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے عوام سے پیسہ لے کر فوج پر خرچ کیا جاتا ہے اور انہیں دنیا جہان کی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ اس لیے عوام کا خیال رکھنا ان کا فرض ہے۔

ان لوگوں کو منظم اور مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ میں کسی ایسے ہتھیار یا جنگی تدبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ان میں رائج نہ ہو اور آرگون والے اس سے سرپرائز ہو جائیں۔ مگر فی الحال میرے ذہن میں ایسا کوئی ہتھیار نہیں آ رہا تھا جو یہاں مہیا کیا جا سکے اور ہم اس سے کام لے سکیں۔ یہاں دھاتیں نہیں تھیں اور تقریباً ہر چیز لکڑی یا پتھر سے بنائی جاتی تھی۔ یہاں گوپھن کے ماہر بھی تھے۔ یعنی رسی کے سرے پر پتھر باندھ کر اور اسے گھما کر مارنے کے ماہر تھے۔ محدود فاصلے کی جنگ میں یہ مہلک ہتھیار تھا اور اس کی درست ضرب آدمی کا کام تمام کر سکتی تھی۔ اس طرح سخت لکڑی کے دو طویل ٹکڑے رسی کی مدد سے آپس میں جوڑ کر اس سے لڑنے کے ماہر بھی تھے۔ یہ ہمارے ہاں چینی مارشل آرٹ کے ہتھیار نن چکو سے ملتا جلتا ہتھیار تھا۔ مگر اسے اس طرح استعمال نہیں کیا جاتا تھا جیسے نن چکو استعمال کیا جاتا ہے۔

میں اس قسم کی جنگوں کے بارے میں اپنی محدود معلومات سے کام لے رہا تھا جو میں نے مطالعے سے حاصل کی تھیں یا فلموں میں دیکھا تھا۔ میرے بنائے تربیتی دستے نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اپنے زیر تربیت افراد انہوں نے پہلے دن ہی چن لیے تھے۔ تینتیس افراد نے کوئی سات سو افراد کو تربیت کے لیے چنا تھا۔ یہ سب تقریباً نوجوان یا جوان تھے۔ ان کی عمریں سولہ سے چالیس کے درمیان تھیں۔ تقریباً سب کی صحت بہت اچھی تھی۔ مگر میں نے پھر بھی ان کا معائنہ کیا اور جو مجھے ٹھیک نہیں لگا اسے خارج کر دیا اور اس دستے کے سربراہ کو دوسرا فرد چننے کو کہا۔ ساتھ ہی انہیں گائیڈ لائن دے دی۔ ''تم جسے چنو اس کی صحت اچھی ہونی چاہیے تاکہ وہ مسلسل تربیت کے عمل سے گزر سکے۔ یوں سمجھ لو کہ اب صبح سے شام تک تم لوگوں کا کام یہی ہوگا۔''

میں صبح کا جاتا اور رات گئے واپس آتا تھا۔ کھانا کھا کر میں کچھ دیر سامیرا سے تبادلہ خیال کرتا۔ اسے رپورٹ دیتا اور اس کے ذمے کوئی کام لگایا ہوتا تو اس کی رپورٹ لیتا تھا۔ سامیرا نے اپنے چند ماتحت رکھ لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے ان سے معمولی کام لیتی تھی جن کے لیے پہلے اسے خود جانا پڑتا تھا۔ میں نے جن چھ افراد کو منتخب کیا تھا وہ یا تو میرے ساتھ ہوتے تھے یا میں جس کام میں لگاتا وہ کام کرتے تھے۔ ابتدائی چند دن میں، مَیں نے کم سے کم اپنے بنائے خاکے کے مطابق پروگرام پر عمل شروع کر دیا تھا۔ میری سب سے زیادہ توجہ فوج پر مرکوز تھی کہ اسے جلد از جلد بہترین حالت میں لے آؤں۔ اس کے ساتھ میں اپنے لیے کچھ لوگ منتخب کر رہا تھا اس وقت میں نے سوچا نہیں تھا کہ میں ان سے کیا کام لوں گا۔ مگر میں پھر بھی چن رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ کون با صلاحیت اور مخلص ہے۔ میں ایسے ہی لوگوں کو ترجیح دے رہا تھا اور یہ تقریباً سارے ہی بیس بائیس برس کے نوجوان تھے۔ میں نے خاص خیال رکھا تھا کہ وہ سب لڑنے کے ماہر ہوں۔

روبیر دیسے تو ترجمان کے طور پر میرے ساتھ تھی مگر میں نے اسے کہا کہ وہ فارغ وقت میں تربیتی مشقوں میں حصہ لیا کرے۔ خود میں بھی مشقوں میں حصہ لے رہا تھا۔ لاٹھی چلانا مجھے آتا تھا اس لیے میں تیر اندازی کی مشقیں کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جسمانی مقابلوں میں حصہ لیتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں مقامی لوگوں کو ٹرینڈ کرتا تھا جب میں کسی سے نمائشی مقابلہ کرتا تو دیکھنے والے خاصے جمع ہو جاتے تھے۔ بہت سے داؤ پیچ ان کے لیے نئے اور انوکھے ہوتے تھے۔ میں ان سے کہتا کہ وہ دیکھیں سیکھیں اور اپنی جسمانی مشقوں میں یہ داؤ پیچ شامل کریں۔ ایک ہفتے سے بھی کم وقت میں وہاں کا ماحول بدل کر رہ گیا تھا۔ سپاہیوں اور سیکھنے والوں میں ایک جوش و خروش آ گیا تھا۔ وہ دل و جان سے سب کر رہے تھے۔ ان کی وجہ سے قلعوں کا ماحول بھی بدل گیا تھا۔ بچے اور عورتیں تک ان تربیتی سیشن میں دلچسپی لینے لگے تھے۔

میں اس رات میں واپس آیا تو گزشتہ روز سے زیادہ تھکن تھی کیونکہ آج میں نے جسمانی مقابلوں میں بیک وقت تین افراد سے لڑ کر انہیں زیر کرنے کا مظاہرہ کیا تھا۔ مجھے خاصی چوٹیں بھی لگی تھیں اور تھکن بھی ہو رہی تھی۔ مگر مجھے سامیرا سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔ ایک تو میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کے جاسوسوں نے آرگون سے کیا رپورٹ بھیجی ہے اور اس نے جو بتایا۔ وہ مایوس کن تھا۔ اس سے کہیں زیادہ تو میں دیکھ کر آیا تھا۔ بقول جاسوسوں کے آرگون میں امن و سکون تھا۔ میں نے کہا۔ ''مجھے لگ رہا ہے وہاں آپ کے جاسوس شاید گوشہ نشین قسم کے لوگ ہیں جن کو علم ہی نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟''

سامیرا نے میری تائید کی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو جاسوس بالکل بھی ٹھیک اطلاع نہیں بھیج رہے ہیں۔''

سامیرا نے بتایا تھا کہ شہر میں موجود جاسوس اصل میں مینالٹ کا شعبہ تھے اور وہی ان سے رابطہ کرتا تھا۔ مجھے خیال آیا۔ ''کیرٹ نے مجھ سے کہا تھا کہ شہر میں ایک درجن گروہ ہیں جو بیرونی حملے کی صورت میں اندر سے ہماری مدد کریں گے۔ اس نے مجھے نقشے پر ان کی نشان دہی بھی کی تھی کہ یہ کہاں کہاں ہیں۔''

سامیرا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم ان کے بارے میں مکمل نہیں جانتے ہیں۔ مینالٹ نے کبھی مجھ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔''

مینالٹ ذرا سُست الوجود اور دماغی لحاظ سے بھی سُست آدمی لگتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے اتنی اہم ذمے داریاں کیوں لی ہوئی تھیں۔ جب کہ وہ ٹھیک سے انہیں پورا بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے خود بات کروں گا اور موضوع بدل دیا۔ ''میں نے فوج کی تنظیم نو شروع کر دی ہے۔ مستقل سپاہیوں کی تعداد بڑھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا ہوں اور رضا کاروں کی تعداد کم کر دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ فارغ رہنے والے لوگ میرے سپرد کیے جائیں میں ان سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں۔''

''تم جیسے چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔'' سامیرا نے جواب دیا۔

''دوسرے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے لوگوں کو حریت کے لحاظ سے متحرک کریں۔ ان سے بات کریں بلکہ ہر دوسرے تیسرے دن سب کو جمع کر کے انہیں بتائیں کہ آرگون میں ان کو پھر سے غلام بنانے کی سازشیں ہو رہی ہیں اور اگر انہوں نے ان سازشوں کو ناکام نہ بنایا تو ان کی آنے والی نسلیں ان کی بدترین غلامی کریں گی۔''

''میں کروں گی۔''

○.....❖.....○

میں رات سونے کے لیے لیٹا تو مجھے کئی دن کے بعد روبیر کی حرکت کا خیال آیا تھا۔ بہت زیادہ مصروفیت میں اس کے بارے میں سوچنے کا موقع کم ملتا تھا۔ سچ تو یہ ہے میں نے روبیر میں کردار کی کوئی خامی نوٹ نہیں کی تھی۔ وہ اس رات کے بعد بالکل ویسی رہی جیسے اس رات سے پہلے تھی۔ پھر اس نے یہ حرکت کیوں کی؟ جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بہت بے بسی سے جواب دینے سے انکار کیا تھا اور اس انکار کے بدلے ہر سزا بھگتنے کو بھی تیار ہوگئی تھی۔ کیا اسے کسی نے بھیجا تھا؟ کوئی چاہتا تھا کہ میں اس سے غلط تعلق قائم کروں؟ مگر یہاں ایسا کون ہو سکتا تھا؟ ان ہی سوچوں کے درمیان مجھے نیند آ گئی اور تھکن زیادہ تھی اس لیے بے خبر سویا کہ صبح کا پتا نہیں چلا۔ مجھے سامیرا نے اٹھایا تو باہر روشنی نمودار ہو رہی تھی اور سامیرا میرے لیے دوسرا صاف ستھرا لباس لائی تھی۔ یہاں کپڑے گندے نہیں ہوتے تھے مگر وہ ہر دوسرے دن مجھے صاف لباس مہیا کرتی تھی۔ اس نے کہا۔

''تم نہا لو تب تک میں ناشتہ بناتی ہوں۔''

''مجھے شرمندگی ہوتی ہے آپ اس طرح میرے لیے سب کرتی ہیں۔ آپ کا رتبہ اس سے کہیں بلند ہے۔''

وہ مسکرائی۔ ''ایک ماں کے لیے سب سے بلند رتبہ اپنی اولاد کے لیے کچھ کرنا ہے اس لیے میں جو کر رہی ہوں وہی میرا مقام ہے۔''

''آپ یہاں کی حکمران بھی ہیں۔''

''ہاں مگر یہ عارضی ہے کیونکہ وادی کے قانون کے مطابق کوئی عورت نہ تو حکمران بن سکتی ہے اور نہ مہاپجاری اس لیے میں نے یہاں بھی حکمران بننے کی کوشش نہیں کی۔ میں صرف ایک منتظم ہوں۔ میں نے بارہا یہاں کے لوگوں سے کہا کہ وہ کسی شخص کو حکمران چن لیں مگر وہ اس کے لیے راضی نہیں ہیں۔''

''مجھے آپ کے علاوہ کوئی ایسا فرد نظر بھی نہیں آیا جو یہاں کے معاملات دیکھ سکے۔''

''تب تک مجبوری تھی مگر اب تم آ گئے ہو۔''

میں ناشتہ کر کے روبیر کے ساتھ باہر آیا۔ ہوا میں نمی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ بارش ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ میرے یہاں آنے کے بعد جو ایک دو بار بارش ہوئی وہ بھی رات میں ہوئی اور ہلکی سی تھی۔ یہ خاصی تیز اور دیر تک برسنے والی بارش تھی۔ جب میں مشقیں دیکھ رہا تھا تو بارش شروع ہوگئی۔ سیاہی اور سیکھنے والے رضا کار اس بارش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہی مشقیں کرتے رہے۔ روبیر نے مجھ سے کہا۔ ''بارش ہو رہی ہے آپ اندر چلے جائیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے بارش میرا کچھ بگاڑ لے گی۔'' میں نے کہا۔ ''میں یہیں رہوں گا۔''

خود روبیر بھی بھیگ رہی تھی اور اس کا کرتہ اس کے جسم سے چپک گیا تھا اور وہ کچھ محجوب ہو رہی تھی کیونکہ اس کا بدن نمایاں ہو رہا تھا۔ اگرچہ یہاں کوئی اس کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں بارش سے محفوظ رہ سکے مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ مشقوں کے دوران میں سپاہیوں اور رضا کاروں کو گھوم پھر کر دیکھتا رہا تھا۔ سومرو، مینائٹ اور کانیئور بھی وہیں موجود تھے اور اپنے اپنے دستوں کی مشقوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ آج فل اسکیل مشقیں تھیں جن میں قلعے کی ساری پیشہ ور سپاہ اور نئے تربیت پانے والے رضا کار شامل تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ رضا کاروں کی کارکردگی اور صحت پہلے سے بہت بہتر ہوئی تھی۔ ان کے نرم جسموں پر سخت پٹھے نمودار ہو رہے تھے۔ جو اوور ویٹ تھے ان کا اضافی وزن چھٹ گیا تھا اور جو انڈر ویٹ تھے ان کا وزن بڑھا تھا۔

میں روزانہ کی بنیادوں پر گزشتہ روز دیئے جانے والے احکامات کی رپورٹ لیتا تھا اور اگر مجھے تسلی بخش جواب نہیں ملتا تو آگے کے لیے مزید احکامات دیتا۔ سپاہیوں کے لیے الگ سے میس قائم کر دیا گیا تھا جہاں انہیں تین وقت کا کھانا مہیا کیا جاتا۔ فوجی یونٹوں کے لیے الگ سے رہائش گاہیں فراہم کی گئی تھیں جہاں سپاہی چوبیس گھنٹے یونٹ کے ساتھ رہتے تھے۔ چند گھنٹے بعد بارش رک گئی۔ اس دوران میں تربیت گاہ کیچڑ آلود ہو گئی تھی مگر سپاہی اسی میں مصروف تھے۔ یہاں کپڑے کی رسد محدود تھی اس لیے سپاہی اب صرف لنگوٹ میں مشقیں کر رہے تھے تاکہ لباس ضائع نہ ہوں۔ وہ لنگوٹ سے ناواقف تھے۔ میں نے ان کو بتایا کہ لنگوٹ کیا ہوتا ہے اور کیسے باندھا جاتا ہے۔ اس سے انہیں بہت آسانی ہو گئی تھی۔ وہ خوش تھے کہ پہلے انہیں لڑائی اور مشقوں کے دوران لباس کا خیال رکھنا پڑتا تھا اور اب وہ بے فکری سے سب کرتے تھے۔

بارش کئی گھنٹے جاری رہی تھی اور ہر طرف پانی نظر آ رہا تھا مگر بارش رکنے کے چند گھنٹے کے اندر ہی زمین نے سارا پانی چوس لیا اور اب زمین تقریباً خشک تھی یہ بھی اس وادی کا کوئی نظام تھا ورنہ دھوپ کے بغیر پانی کا اتنی جلدی خشک ہونا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ بارش سے پہلے موسم خاصا گرم ہو چلا تھا مگر بارش کے بعد موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔ گھریلو استعمال کے لیے پانی کنوؤں سے لیا جاتا تھا اور یہ بہت اچھی قسم کا ہلکا پانی تھا جو نہ صرف پینے بلکہ نہانے دھونے، صفائی اور کھانا بنانے کے لیے بھی بہترین تھا۔ شاید اس وادی میں کوئی مصنوعی چیز یا کیمیکل استعمال نہیں ہوتا تھا اس لیے یہاں ہوا، پانی اور ماحول میں آلودگی بھی نہیں آئی تھی۔ یہ لوگ جہاں زمین کھودتے پندرہ بیس فٹ بعد پانی نکل آتا تھا۔ مگر یہ ہر جگہ کنواں نہیں کھودتے تھے اور جہاں کنواں کھودتے اس جگہ کو مکمل طور پر ڈھک کر رکھتے تھے کہ اوپر سے پانی میں کوئی آلائش یا چیز نہ جائے۔

پانی نکالنے کے لیے رہٹ کا نظام تھا۔ جسے مقامی نسل کے بیل چلاتے تھے۔ پانی مسلسل نکلتا رہتا تھا اور اضافی پانی نالیوں کی مدد سے باہر باغوں تک پہنچایا جاتا تھا۔ سامیرا نے مجھے بتایا کہ آرگون کا سسٹم اس سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ وہاں نہ صرف پانی مٹی کے بنے پائپوں کی مدد سے گھروں میں پہنچایا جاتا تھا بلکہ گندے پانی کے نکاس کے لیے زیر زمین سیوریج لائنیں تھیں۔ پختہ سڑکوں پر جمع ہونے والا بارش اور دوسرے پانی کے نکاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا بھی خاص انتظام تھا۔ وسائل کی کمی اور ہنگامی حالات کی وجہ سے وہ ان قلعوں میں یہ انتظام نہیں کر سکی تھی۔ مگر لوگوں کو گندگی اور بیماریوں سے بچانے کے لیے یہاں بھی سیوریج کا زیر زمین نظام موجود تھا۔ جو گندے پانی کو عقب میں واقع جنگل تک پہنچاتا تھا اور کیونکہ اس میں کوئی کیمیائی چیز شامل نہیں ہوتی تھی اس لیے جنگل کے درختوں کے لیے یہ پانی بھی بہترین تھا کہ اس میں کھاد پہلے سے شامل ہوتی۔

اب تک کوئی تین ہزار کے قریب افراد جنگ کے لیے تیار کیے جا رہے تھے۔ میں نے ان میں سے ہزار مکمل فارغ کر دیئے اور سترہ سو کی فوج کے ساتھ باقی بچنے والے تین سو افراد کو فوج کے لیے ہی ضروری دوسرے کاموں کے لیے رکھ لیا تھا۔ جیسے میس چلانا یا سپاہیوں کے کام کرنا۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ فوج کا حصہ تھے اور سروس کرتے تھے۔ اگلے مرحلے میں ان کو بھی جنگی تربیت دینے کا اہتمام کیا جاتا۔ اگر یہ تربیت نہ بھی پاتے تب بھی سپاہ کے ساتھ رہ کر یہ بہت کچھ سیکھتے اور مسلسل اسی ماحول میں وقت گزار کر ان کا مزاج بھی جنگجوانہ ہو جاتا اس کے بعد انہیں تربیت دینا زیادہ مشکل نہ ہوتا۔ اس ایک ہفتے میں، میں یہ کامیابی حاصل کر سکا تھا کہ ایک سسٹم بنا دیا تھا جس میں ہر فرد کو علم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس پر چیک رکھی تھی اور اس کی کارکردگی جانچی جا رہی تھی۔

اب مجھے دوسرے لوگوں کا خیال آیا جو دیگر کام کرتے تھے۔ جو لوگ اب تک رضا کاروں میں شامل تھے اور دوسرے کام بھی کرتے تھے میں نے ان کو فارغ کر دیا۔ اب وہ کھیتوں اور باغات میں کام کر رہے تھے۔ ہزار افراد پر مشتمل لیبر فورس تھی جو میلوں پر پھیلے باغات اور کھیتوں کی مکمل دیکھ بھال کرتی تھی۔ فصل درمیانی مرحلے میں تھی اور اسی طرح باغوں میں پھل پک رہے تھے۔ اس لیے ان میں سے بھی بہت سے اصل میں بیکار تھے۔ میں نے فارغ لوگوں سے کام لینے کا سوچا تھا۔ مگر ان سے کیا کام لینا تھا یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پیداواری اشیا کے ماہرین تھے اور وہ اپنا کام کر رہے تھے ان کا کام ہر کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اب تک قلعوں میں صفائی کا خاص نظام نہیں تھا میں نے سامیرا کی مدد سے عورتوں اور لڑکیوں کو جو کوئی کام نہیں کرتی تھیں یا ان پر متعمر افراد اور بچوں کی ذمے داری نہیں تھی۔ انہیں گلیوں اور قلعوں کی صفائی پر مامور کرا دیا۔

میں غور کر رہا تھا کہ آرگون کی طرف سے حملے کی صورت میں کون سی آسان حفاظتی تدبیر ہو سکتی ہے جس سے یہاں کے لوگ ناواقف ہوں اور اگر اسے بروئے کار لایا جائے تو یہ حملہ آوروں کے لیے سرپرائز ہو۔ مجھے خیال آیا کہ پرانے زمانے میں قلعوں کو حملہ آور فوج سے بچانے کے لیے خندقوں اور آگ کا سہارا لیا جاتا تھا۔ یعنی خندق کھود کر اسے پانی سے بھر دیتے تھے یا پھر قلعے کے چاروں طرف آگ لگا دیتے جسے حملہ آور فوج پار نہیں کر پاتی۔ یہاں خندق کھودنا ممکن نہیں تھا کیونکہ تینوں قلعے بڑے رقبے پر تھے اور یہاں اتنی افرادی قوت نہیں تھی مگر آگ لگائی جا سکتی تھی۔ میں نے اس تدبیر پر جتنا سوچا مجھے یہ اتنی آسان لگی تھی۔ یہاں لکڑی، جھاڑیوں اور موٹی گھاس کی کمی نہیں تھی۔ میں نے اسے آزمانے کا فیصلہ کیا مگر ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کیا کہ یہ تدبیر کسی کو بتانی نہیں ہے۔

بارش کے دوران میں نے روبیر سے کہا کہ وہ فارغ رضا کاروں میں سے سو افراد کو لے آئے اور ان کے پاس گھاس اور چھوٹی لکڑی کاٹنے کے اوزار ہوں۔ بارش رکنے کے بعد روبیر ان لوگوں کو جمع کر کے لے آئی اور میں انہیں لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ ان سو افراد کی حفاظت کے لیے ایک درجن سپاہیوں کا ایک دستہ بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ لیا تھا۔ وادی کے بڑے جنگل آرگون شہر اور معبد کے آس پاس اور عقب میں تھے۔ وادی کے اس حصے میں گھنے جنگلوں کی کمی تھی۔ کیونکہ یہاں جا بہ جا چٹانیں تھیں۔ ان میں کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔ بیشتر جگہوں پر چھوٹے جھاڑیاں یا درخت تھے اور موٹی گھاس تو تقریباً ہر جگہ اگی ہوئی تھی۔ میں نے رضا کاروں سے کہا کہ وہ جنگل سے خشک لکڑیاں اور گھاس کے بنڈل جمع کریں۔ لکڑیوں اور گھاس کو ایک خاص انداز میں بنڈل بنائیں۔ میں نے عملی طور پر چند بنڈل بنا کر بھی دکھائے۔ ان میں گھاس زیادہ تھی اور بنڈل کی ساخت برقرار رکھنے کے لیے اندر لکڑیاں بھی شامل کیں مگر اس طرح کہ بنڈل کا وزن ایک خاص حد سے زیادہ نہ ہو۔ رضا کاروں نے سمجھ لیا اور اس کے بعد انہوں نے کام شروع کر دیا۔ روبیر متجسس تھی۔

''یہ آپ کیوں بنوا رہے ہیں۔''

''قلعوں کا دفاع کرنے کے لیے۔'' میں نے کہا۔

روبیر حیران ہوئی۔ ''قلعوں کا دفاع اور گھاس سے؟''

میں مسکرایا۔ ''تم کیا سمجھتی ہو حملہ آور فوج کو روکنے کے لیے یہ بڑا موثر ہتھیار ہے۔''

میں نے ہر بندے کو ایک دن میں دس گٹھے تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ انہیں صبح سے شام تک یہی کام کرنا تھا۔ سو بندے ایک دن میں ہزار گٹھے تیار کر سکتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جنگل میں خام مال کی کوئی کمی نہیں تھی۔ سوکھی جھاڑیاں اور اونچی موٹی گھاس بہت زیادہ مقدار میں تھی۔ یہاں مویشی اور چرنے والے جانور کم تھے اس لیے سبزہ زیادہ تھا۔ سردیوں میں جلانے کے لیے یہ لوگ لکڑی درختوں سے لیتے تھے اور اس کی بھی کمی نہیں تھی۔ شاید یہاں درخت اور پودے تیزی سے بڑھتے ہوں گے اس لیے وادی کی ضرورت آسانی سے پوری ہو جاتی ہو گی۔ تیار ہونے والے ایک گٹھے کا سائز چار بائی دو بائی دو تھا اور ہر گٹھے کا وزن تقریباً ایک من بن رہا تھا۔ ان لوگوں کو اس کام پر لگا کر میں قلعوں کے گرد گھومنے لگا اور زمین پر پتھروں سے نشان لگانے لگا۔

''یہ پتھر کیوں رکھ رہے ہیں؟'' روبیر نے سوال کیا۔

''نشانی کے لیے، بنائے جانے والے گٹھے یہیں رکھے جائیں گے۔''

روبیر اب بھی نہیں سمجھی تھی کہ میں گٹھے کیوں رکھواتا اور وہ متجسس تھی۔ میں نے جن سو افراد کو اس کام پر لگایا تھا ان کو دس دس کے گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر گروپ کا ایک ذمے دار بنا دیا تھا۔ ان میں سے ایک جو کام میں سب سے مستعد اور آگے آگے تھا اسے میں نے اس کام کا سربراہ بنا دیا۔ رامیس نامی یہ شخص تیس کے آس پاس تھا۔ مضبوط جسم کے ساتھ اس میں ایک خاص نوع کی چستی اور تیزی بھی تھی۔ تینوں قلعوں کے گرد پتھروں سے نشان بنانے کے بعد میں نے ان دس ذمے داروں کو تیار ہونے والے گٹھوں سمیت بلوایا اور انہیں سمجھایا کہ گٹھے کس طرح رکھنے ہیں۔ یہ کام زیادہ مشکل نہیں تھا وہ آسانی سے سمجھ گئے اور اس شام تک انہوں نے گٹھے پتھروں کے نشانات پر مخصوص ترتیب سے لگانے شروع کر دیئے تھے۔

سومرو، کانیئور اور مینائٹ سے لے کر سب متجسس تھے کہ میں یہ کیا کر رہا تھا۔ چند ایک نے براہ راست پوچھ لیا مگر میں نے واضح جواب نہیں دیا صرف یہ بتایا کہ یہ قلعوں کے دفاع کے لیے ہے۔ جب رضا کار گٹھے لا کر میرے لگائے نشانات پر رکھ رہے تھے تو بہت سے لوگ صرف دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ کئی ایک نے پیشکش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ بھی یہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں اس رامیس کے سپرد کر دیا کہ وہ ان سے کام لے۔ جتنی جلدی یہ کام ہوتا ہمارے لیے اتنا ہی بہتر ہوتا۔ جب تک روشنی رہی یہ کام جاری رہا اور شام تک گٹھے بنانے والوں نے قلعوں کے سامنے والے حصے میں ایک لائن تیار کر دی تھی۔ مگر ابھی ہزار بارہ سو گٹھوں سے قلعوں کے گرد ایک لائن بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ یقیناً یہ خاصا طویل کام تھا مگر یہ سوچے بغیر کرنا تھا کہ آرگون والے کب یہاں حملہ کریں گے۔

جب تاریکی چھا گئی تو کام ختم کر دیا گیا۔ سب قلعوں میں چلے گئے۔ مشعلیں روشن ہو گئی تھیں اور رات کے پہریدار اپنی ڈیوٹی پر آ گئے تھے۔ مجھے اسی سے متعلق ایک کام تھا مگر وہ میں سب کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں دوسرے کام نمٹاتا رہا۔ ذمے داروں سے رپورٹ لیتا اور اگلے دن کے لیے احکامات دیتا رہا۔ جب رات کو سامیرا کے مکان پر آیا تو میں نے روبیر کو بھیج کر سیبوٹ کو طلب کیا۔ وہ رات گئے طلبی پر حیران ہوا تھا۔ وہ روبیر کے ساتھ آیا۔ ''حکم فرمائیں جناب۔''

مجھے معلوم تھا کہ یہ لوگ دیئے اور مشعلیں جلانے کے لیے جانوروں کے دودھ سے نکلنے والے روغن کے ساتھ کچھ اور بھی استعمال کرتے ہیں۔ گھروں میں عام طور سے حیوانی چربی اور مکھن سے روشنی کی جاتی تھی۔ باہر جلنے والی تیز روشنی کی مشعلوں پر کوئی خاص روغن ڈالا جاتا تھا۔ جو لکڑی میں جذب ہو جاتا اور نہ صرف اسے بہت دیر تک جلاتا تھا بلکہ اس کی روشنی بھی خاصی تیز ہوتی تھی۔ میں اسی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ میں نے پوچھا۔

''تم لوگ تیزی سے آگ لگانے کے لیے کیا چیز استعمال کرتے ہو؟''

اس نے جواب دیا۔ ''ہمارے پاس آگ لگانے کے لیے دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک چربی اور مکھن اور دوسرا ایک قسم کی رال۔''

''یہ رال کہاں سے ملتی ہے؟''

سیبوٹ نے سوچا اور بولا۔ ''جناب آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو سب چیزیں دکھاتا ہوں۔''

میں، روبیر اور سیبوٹ سرکاری گودام تک آئے۔ سیبوٹ نے مجھے ایک رال نما چیز لا کر دکھائی اور بتایا۔

''یہ درختوں سے نکلتی ہے۔''

یہ بالکل ویسی ہی رال تھی جیسی درختوں سے نکلتی ہے اور عام طور سے جم کر شفاف اور کسی قدر گدلے ٹکڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہاں اس کے مٹی سے بنے مٹکے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا یہ اسی صورت میں آگ پکڑتی ہے؟''

''نہیں جناب، اس میں ایک اور چیز ملائیں تو یہ اس شکل میں آ جاتی ہے۔'' اس نے کہا اور دوسرے مرتبان میں موجود سیاہی مائل سیال دکھایا۔ ''یہ بھی ایک پودے سے حاصل ہوتا ہے۔ ان کو دو اور ایک کے تناسب سے ملائیں تو یہ بہت تیزی سے آگ پکڑنے والا روغن بن جاتا ہے۔''

''آگ کتنی تیزی سے پکڑتی ہے؟''

اس نے مجھے مظاہرہ کر کے دکھایا۔ اس نے ایک ہری شاخ تیار روغن میں ڈبوئی اور اسے آگ دکھائی اور بالکل ہری شاخ نے خشک لکڑی کی طرح آگ پکڑ لی اور دھڑا دھڑ جلنے لگی۔ اس روغن کی آگ پکڑنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صلاحیت تقریباً مٹی کے تیل جیسی تھی۔ میں مطمئن ہو گیا کہ جو چیز مجھے درکار تھی وہ یہاں موجود تھی۔ ''اس کی کتنی مقدار ہے تمہارے پاس؟''

اس نے مجھے پورا گودام گھما پھرا کر دکھایا۔ مٹی کے بڑے بڑے اونچے مٹکے اس سے بھرے رکھے تھے اور بہ ظاہر یہ مقدار کافی تھی مگر ہمیں آنے والی جنگ کا سامنا تھا جس کے لیے اس قسم کی چیزیں بہت زیادہ مقدار میں درکار تھیں۔ میں نے کہا۔ ''اگر مزید جمع کرنا چاہو تو کیا اسے ذخیرہ کرنے کا بندوبست ہے؟''

''ہاں مگر بہت زیادہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے پاس مٹکوں کی کمی ہے۔''

''گنجائش بڑھاؤ آنے والے دنوں میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہو گی۔ ان مٹکوں کو تیار کراؤ اور جہاں سے یہ روغن ملتا ہے وہاں سے حاصل کر لو۔ یہ کام ہنگامی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ صبح سے لے کر شام تک کام ہو۔ کل کا وقت بھی نہیں ہے ابھی سب متعلقہ افراد کو خبردار کر دو تا کہ کل صبح سے اس پر کام شروع ہو جائے اور ہاں ایک بات یاد رکھنا یہ نہایت خفیہ معاملہ ہے کسی تیسرے فرد کو بالکل بھی علم نہ ہو کہ ہم آگ لگانے والے روغن کی مقدار بڑھا رہے ہیں۔ یوں سمجھ لو یہ ہماری سلامتی کا معاملہ ہے۔''

سبھوٹ حیران ہوا تھا مگر اس نے یقین دلایا کہ اس کی زبان بند رہے گی اور حکم کی فوری تعمیل کی جائے گی۔ روغن حاصل کرنے والے مخصوص افراد تھے اسی طرح جو ان کو ذخیرہ کرنے والے مٹکے تیار کرتے تھے وہ بھی ماہر لوگ تھے۔ دوسرے ساز و سامان کے ساتھ اسلحہ سازی میں بھی تیزی لائی گئی تھی۔ تیر کمان اور لاٹھیاں بن رہی تھیں۔ اگلے روز میں نے ان کی ورکشاپوں کا دورہ کیا اور وہاں کام کرنے والے کاریگروں سے بات کی۔ میں نے ان کو کچھ بڑی کمانیں اور بھاری تیر بنانے کا کام بھی دیا۔ یہاں قلعے میں کچھ شاندار صحت اور قوت والے تیر انداز بھی تھے اور وہ اس قابل تھے کہ بھاری کمان اور تیر استعمال کر سکیں۔ یہ تیر کمان میں ان کے لیے تیار کروا رہا تھا۔ ان کی مدد سے دور فاصلے پر موجود دشمن کو بھی نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔

یہاں پتھر تراشنے والے کاریگر بھی تھے۔ یہ پتھر سے اوزار بناتے تھے۔ میں نے انہیں کچھ چیزوں کے ڈیزائن دیئے کہ اس کے مطابق پتھر تراش کر دیں۔ ان کے لیے یہ مشکل کام نہیں تھا۔ ان کے تراشے پتھروں کو لکڑی کے دستوں پر نصب کیا گیا تو پتھر کے بنے ہتھوڑے اور کلہاڑیاں وجود میں آ گئیں۔ قریبی جنگ کے لیے یہ بہترین ہتھیار تھے اگرچہ تلوار کا خنجر کا متبادل نہیں تھے مگر یہ لاٹھی اور گوپھن کے مقابلے میں کہیں مؤثر ثابت ہو سکتے تھے۔ میں نے یہ ہتھیار سپاہیوں کو دلوائے اور استعمال کے حوالے سے ان کی رائے طلب کی۔ نئے تربیت پانے والے تقریباً دو سو سپاہیوں نے ان ہتھیاروں کو پسند کیا اور میں نے ان کا ایک الگ دستہ بنا کر انہیں ان ہتھیاروں کے لڑنے کے لیے مخصوص کر دیا۔ کاریگران کے لیے ہتھیار سازی کرنے لگے۔

اس دوران میں قلعوں کی دیواروں کی مرمت کا کام بھی آخری مراحل میں تھا۔ بہت سی جگہوں پر دیوار خستہ حال ہو گئی تھی اور کچھ جگہوں پر اس کی اونچائی کم تھی۔ مرمت کا کام تسلی بخش ہوا تھا اور سامیرا خود اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ فصیلوں کے آس پاس کچرے اور ملبے کی صفائی کی جا رہی تھی اور اسے اٹھا کر دور پھینکا جا رہا تھا۔ آس پاس کی جھاڑیاں اور چھوٹے درخت بھی کاٹے جا رہے تھے تا کہ قلعوں سے دور تک صاف نظر آئے۔ میں نے کہا تھا کہ قلعوں کے ہر طرف دو سو گز تک زمین بالکل صاف ہو کاٹے جانے والے درختوں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھاڑیوں کی لکڑی بھی گٹھے بنانے میں استعمال کی جا رہی تھی میں نے کہا تھا کہ تازہ اور ہری لکڑی بھی استعمال کی جا سکتی تھی اگر یہ خشک نہ بھی ہوتی تو آگ پکڑنے کی صورت میں بہت زیادہ دھواں دیتی اور یہ بھی حملہ آوروں کو دور رکھنے میں معاون ثابت ہوتا۔

سامیرا نے میرے کہنے پر اپنے لوگوں کے حوصلے بلند کرنے کے لیے ان سے ملنا اور ان کو ابھارنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہر دوسرے دن شام کے وقت مرکزی قلعے کے سامنے میدان میں لوگوں سے خطاب کرتی اور اسے تقریر کا فن آتا تھا۔ اسے نکات میں دیتا اور کچھ وہ اپنی طرف سے شامل کرتی۔ اس کا مثبت اثر ہوا جو لوگ پہلے کسی قدر خوفزدہ اور آنے والے وقت سے پریشان تھے۔ اب ان میں جوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ پُرعزم تھے کہ آرگون کی طرف سے کی جانے والی کسی بھی جارحیت کا بھرپور مقابلہ کریں گے۔ سامیرا نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ آرگون پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وادی میں صدیوں سے رائج اس نظام کے استحصالی حصوں کو ختم کر دیا جائے گا۔ سب کی ایک سی حیثیت ہو گی اور مادی لحاظ سے کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہو گا۔ فرد کو اپنی زندگی کے تمام فیصلے خود کرنے کی آزادی حاصل ہو گی۔

اگرچہ عملی طور پر یہ سب وعدے پورے کرنا بہت دشوار کام تھا مگر ساری دنیا کے لیڈر اپنی قوم سے کوئی کام کرانے کے لیے اس سے ایسے ہی وعدے وعید کرتے ہیں اور جب لوگ قربانیاں دے کر وہ مقصد حاصل کر لیتے ہیں تب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ عملی طور پر ان وعدوں کا حصول ممکن نہیں ہے۔ مگر وہ مستقبل کے بڑے نقصانات سے بچ جاتے ہیں۔ یہی صورتِ حال یہاں بھی تھی۔ وادی کے لوگوں کو شاید وہ سب نہ ملتا جو سامیرا ان سے کہتی تھی مگر ان کی نسلیں آنے والی غلامی سے بچ جاتیں اور ممکن ہے کہ وادی کے دروازے باہر کی دنیا کے لیے کھل جاتے اور یہاں کے لوگ بھی اس جدید دنیا اور اس کی ایجادات سے مستفید ہو سکتے جن سے وہ اب تک ناآشنا تھے۔ ان کے پاس تعلیم نہیں تھی کیونکہ تعلیم صرف اعلیٰ طبقے اور خاص طور سے پجاریوں کے لیے مخصوص تھی۔ ان پر تعلیم کے دروازے کھل جاتے تو انہیں باقی دنیا کے برابر آنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اگرچہ اس میں خطرات بھی بہت تھے۔ ایک بار دنیا ان کے وجود سے واقف ہو جاتی تو آس پاس کے طاقتور ممالک اس وادی پر قبضے کی کوشش کر سکتے تھے۔ کئی ایک بار میری سامیرا سے اس بارے میں بات ہوئی مگر وہ شاید اس حق میں نہیں تھی کہ اس وادی کا راز دنیا پر کھلے۔

مجھے یہاں آئے ہوئے نو دس دن ہو چکے تھے اور عجیب بات تھی کہ ہر طرف خاموشی اور ٹھنڈ تھی۔ پہلے مجھے لگا تھا کہ آرگون اور رینات کی طرف سے شاید ایک دو دن میں ہی حملہ کر دیا جائے۔ مگر اب لگ رہا تھا کہ ان کا حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ صرف کیرٹ کو سزا دی گئی تھی اور اس کے بعد سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے تھے۔ مگر جب مجھے ڈیوڈ شا کا خیال آتا تو میں جیسے خواب غفلت سے چونک جاتا۔ ڈیوڈ شا کے ہوتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی فتنے فساد والا کام نہ ہو۔ وہ یقیناً رینات کو پٹیاں پڑھا رہا تھا اور اس کی پوری کوشش ہو گی کہ کسی طرح وادی کے دونوں گروہوں کے درمیان بھرپور جنگ ہو جائے۔ یہ لوگ آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں تو اس کے بعد وہ یہاں اپنا سکہ چلا سکے۔ ڈیوڈ شا مخصوص برٹش ذہنیت کا مظاہرہ کر رہا تھا یعنی لڑاؤ اور حکومت کرو۔ وادی میں تیس ہزار سے زیادہ لوگ نہیں تھے اگر خانہ جنگی میں ان کی بڑی تعداد ماری جاتی تو پیچھے بچ جانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والوں میں اکثریت بوڑھے، بچوں اور عورتوں کی رہ جاتی جن پر قابو پانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔

ڈیوڈ شا کی موجودگی کے باوجود آرگون کی طرف سے جنگ کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ دوسری طرف برف والا بھی مجھے یہاں بھیج کر بالکل ہی خاموش تھا۔ اس نے ایک بار مجھ سے رابطہ کیا تھا اور ایک بار سامیرا نے اس سے رابطہ کیا تھا۔ جب ہم نے قرنے کی آواز پر آرگون کی طرف جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کرنا تھا۔ اس کے بعد برف والے نے ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ فی الحال اسے رابطہ کرنے یا ہمیں ہدایت دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی یا پھر اس نے سب ہم پر چھوڑ دیا تھا اور اب اوپر بیٹھ کر دیکھ رہا تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے؟ اس شام میں مرکزی قلعے میں گھوم پھر کر دیکھ رہا تھا۔ جب سے اندر کی صفائی کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔ راستے اور گلیاں صاف رہنے لگے تھے اور جو گلیاں کچی تھیں انہیں بھی پختہ کیا جا رہا تھا۔ بچے کھیل رہے تھے اور لوگ آ جا رہے تھے۔ میں بچوں کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ایک بچے نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ اس نے کہا۔

''شہباز، شام کے بعد قلعے سے باہر جانے سے گریز کرنا۔''

آواز برف والے کی تھی اس بار میں اتنا حیران نہیں ہوا۔ میں نے سوال کیا۔ ''کیوں؟''

بچے یا برف والے نے میرا سوال نظر انداز کیا اور پھر کہا۔ ''اگر چلے جاؤ اور نہ آ سکو تب بھی کوشش کرنا اگلی صبح روشنی ہونے سے پہلے واپس آ جاؤ۔''

''میری بات سنیں۔'' میں نے کہنا چاہا لیکن بچہ میرا ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ میں اس کی طرف لپکا اور اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''میری بات سنیں۔''

بچہ سہم گیا اور اس نے معصومانہ لہجے میں کہا۔ ''میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اپنی بات کر کے برف والا جا چکا تھا۔ اس کی ہدایت یقیناً میرے لیے خاص اشارہ تھی اور مجھے اس کا خاص خیال رکھنا تھا۔ جیسے اس نے وادی میں بھیجنے سے پہلے مجھے کیرٹ کا نام یاد رکھنے کو کہا تھا۔ یہ اس واقعے کے اگلے دن کی بات تھی۔ جاری کاموں کے ساتھ میں گھومنے پھرنے کے دوران دیکھتا رہتا تھا کہ کہیں کوئی کام کی چیز ہو جس سے یہ ناواقف ہوں مگر میں اسے کام میں لا سکوں۔ میں نے بتایا کہ وادی میں ذرائع کی کمی تھی اور یہ تقریباً تمام ہی اشیا بہت سادہ بناتے تھے۔ پتھر، مٹی، لکڑی، کھالیں اور جانوروں کی ہڈیاں ان کے لیے خام مال تھا۔ یہاں مجھے سوائے سونے و چاندی کے کوئی دھات نظر نہیں آئی تھی۔ سونا اور چاندی عام طور سے دوسری دھاتوں کے ساتھ ملتے تھے مگر یہاں شاید ایسا نہیں تھا اس لیے ان کے پاس صرف یہی دو دھاتیں تھیں۔ ان سے بھی کام نہیں لیا جا سکتا تھا اور یہ صرف اظہارِ تعیش کے لیے استعمال کی جا سکتی تھیں۔ کبھی کبھی شام کے وقت عقبی جنگل تک بھی چلا جاتا تھا اور وہاں چیزیں کھوجتا تھا۔ اس شام بھی میں نکلا اور میرا ارادہ زیادہ دور جانے کا نہیں تھا اس لیے میں نے صرف رو بیر کو ساتھ لیا۔

''میرے ساتھ چلو۔''

اس نے حکم کی تعمیل کی اور میرے ساتھ ہو لی۔ قلعے کے عقب میں جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا اور یہاں چند ایک مقامات پر درختوں کے جھنڈ تھے ورنہ بیشتر جگہوں پر جھاڑیاں، گھاس پھونس اور چھوٹے پودے تھے جہاں یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب نہیں تھا وہاں چٹانیں تھیں۔ ٹوٹ پھوٹ کا شکار یہ چٹانیں بہت سخت پتھر کی تھیں اور مقامی کاریگر ان سے ہی اوزار بنانے کے لیے پتھر لے جاتے تھے۔ مٹیالے رنگ کی یہ چٹانیں کہیں کہیں سے نیلے سرمئی رنگ کی تھیں۔ میں ان چٹانوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ ان سے ٹوٹ کر الگ ہونے والے پتھر جا بہ جا بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض تلوار کی طرح لمبے سے تھے ان کو کاٹ کر گھس کر چاقو کی شکل دی جا سکتی تھی یہاں چاقو اور تیز دھار والے اوزار اسی طرح کے پتھر سے بنتے تھے۔ کہیں گول اور آلو سے لے کر تربوز کے سائز تک کے پتھر پڑے تھے۔ ان سے چکی کے پاٹ اور دوسرے اوزار تیار کیے جاتے تھے۔

ایک جگہ چھوٹے سنگریزوں کے سائز کے پتھروں کا بہت بڑا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہ کئی طرف سے نوکوں والے پتھر تھے اور ان کی نوکیں کانٹوں کی طرح تیز تھیں۔ میں نے اٹھا کر دیکھا یہ گوکھرو جیسے پتھر تھے۔ گوکھرو ایک گول نباتی چیز ہوتی ہے جس پر چاروں طرف کانٹے نکلے ہوتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جنگوں کے دوران دفاع کرنے والے حملہ آور فوج کو مشکل میں ڈالنے کے لیے ان کے راستے میں گوکھرو بچھا دیتے تھے۔ جب دھات کا زمانہ آیا تو دھات سے گوکھرو تیار کیے جانے لگے جو کہیں زیادہ مؤثر ہوتے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر انہیں قلعوں کے آس پاس میدانوں میں بچھا دیا جائے تو شاید یہ بھی اسی کام آسکیں۔ ان سے حملہ آوروں کی پیش قدمی سست کی جا سکتی تھی۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''آس پاس یہ سنگریزے بڑی مقدار میں دستیاب ہیں؟''

وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے چٹانوں کے ذرا دور ایک سلسلے کی طرف اشارہ کیا۔ ''شاید اس طرف ہیں۔''

چٹانیں دور تھیں مگر ابھی روشنی باقی تھی اور آس پاس کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے میں نے کوئی حرج نہیں سمجھا۔ یہ چٹانیں قلعوں سے کوئی پون میل کے فاصلے پر تھیں۔ میرے پاس لاٹھی تھی اور روبیر کے پاس لاٹھی کے ساتھ تیر کمان بھی تھے۔ یعنی ہم مناسب حد تک مسلح تھے۔ وادی کی دیوار نزدیک ہونے کی وجہ سے یہاں چٹانیں بلند اور زیادہ ناہموار تھیں۔ ان میں ٹوٹ پھوٹ کہیں زیادہ تھی۔ شاید اسی لیے روبیر نے سنگریزوں کے لیے یہاں آنے کو کہا تھا۔ جیسے جیسے ہم چٹانوں میں آگے جا رہے تھے کئی مقامات پر سنگریزوں کا ڈھیر نظر آیا تھا۔ یہ خاصی مقدار میں تھے۔ عام طور سے چٹانوں کو توڑنے اور تراشنے کا کام درجہ حرارت کے ساتھ تیز ہوا کرتی ہے لیکن یہاں ہوا بہت معمولی سی چلتی تھی اور بارش زیادہ ہوتی تھی اس لیے چٹانوں کی توڑ پھوڑ میں مرکزی کردار حرارت کے ساتھ پانی کا تھا۔

یہاں چھوٹے جنگل تھے مگر ان میں درخت بہت بلند تھے۔ جہاں پتھریلی زمین نہیں تھی وہاں جھاڑیاں، پودے اور گھاس پھونس اُگ آئی تھی۔ آبادی سے دور ہونے کے بعد چھوٹے موٹے جانور اور حشرات الارض نظر آنے لگے تھے۔ یہاں سانپ نہیں تھے۔ کم سے کم میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی جسے سانپ قرار دیا جا سکتا۔ البتہ چھپکلی اور گرگٹ جیسے رینگنے والے جانور بہت سارے تھے۔ اس طرف شہد کی مکھیاں تھیں کیونکہ بلند درختوں پر جا بہ جا ان کے چھتے نظر آ رہے تھے۔ یہ لوگ شہد حاصل کرنے کے لیے چھتوں کے نیچے کٹ لگا کر مٹکی نما برتن رکھ یا لٹکا دیتے تھے اور شہد رس کر اس میں گرتا رہتا تھا۔ جو چھتے مکھیاں ترک کر دیتی تھیں انہیں اتار کر یہ ان سے موم حاصل کرتے تھے۔ ہم قلعوں سے دور نکل آئے تھے اس لیے اب روبیر چوکنا تھی اور اس نے کمان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ میں پکڑ کر اس میں تیر لگا لیا تھا میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا یہاں کوئی خطرہ ہے؟''

''آبادی سے باہر یہاں کہیں بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔'' اس نے آس پاس دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''اگرچہ اس طرف ہارن، اسمار یا گونز نہیں آتے ہیں مگر وہ آ بھی سکتے ہیں۔''

مگر فی الحال ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آیا تھا۔ ہم چٹانوں کے ایک سلسلے کے پاس پہنچے۔ یہ کئی پھٹی چٹانیں تھیں جن میں بھول بھلیوں جیسے راستے تھے۔ ظاہر ہے میرا ان میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اب تک مجھے سنگریزے جیسے پتھر اتنی مقدار میں ضرور نظر آ گئے تھے کہ ہم انہیں قلعوں کے چاروں طرف زمین پر بچھا سکیں۔ یہ حملہ آور فوج کو مشکل میں ڈال سکتے تھے جب کہ وہ ان سے نمٹنے کے لیے تیار بھی نہیں ہوگی۔ روبیر کے پاس ایک تھیلا تھا میں اس میں ہر جگہ سے کچھ نمونے لے کر ڈالتا جا رہا تھا۔ تھیلا خاصا بھر گیا تھا اور وزنی ہو گیا تھا اس لیے میں نے اسے شانے پر لا دلیا۔ روبیر تیار نہیں تھی اس کا اصرار تھا کہ میں تھیلا اسے تھما دوں۔ مگر میں نے اس سے کہا۔ ''تم صرف اپنے کام پر توجہ دو اور آس پاس نظر رکھو۔ ویسے بھی یہ خاصا وزنی ہو گیا ہے۔''

وہ مجبوراً راضی ہوئی۔ ''میں اٹھا سکتی ہوں لیکن جیسے آپ کہیں۔''

اس سے بے نیاز ہو کر کہ میں کیا کر رہا ہوں وہ چوکس ہو کر ہر طرف دیکھتی رہی اور اس کا نظر رکھنا ہی کام آ گیا کیونکہ اچانک اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور مجھے آہستہ سے خبردار کیا۔ ''اسمار... ...دو ہیں۔''

میں نے آہستہ سے سر گھما کر دیکھا۔ وہ کوئی سو گز کے فاصلے پر تھے اور شانہ بشانہ سُست قدموں سے ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ روبیر نے تیر کا رخ ان کی طرف کر دیا اور میں نے لاٹھی سونت لی تھی۔ میں نے بتایا ہے کہ یہ بھیڑیے کی شکل و صورت کے، جسامت میں اس سے خاصے بڑے اور ہیبت ناک قسم کے درندے تھے۔ اسے آپ اس وادی کا شیر سمجھ لیں۔ ان ہتھیاروں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل تھا اور فرار ہماری واحد بچت تھی۔ ان سے بچنے کے لیے ہمیں کسی ایسی جگہ پناہ لینی تھی جہاں یہ نہ پہنچ سکیں۔ بدقسمتی سے آس پاس کوئی بلند درخت نہیں تھا جس پر ہم چڑھ کر ان کی پہنچ سے دور چلے جاتے۔ ذرا دور چٹانیں تھیں میں نے ان چٹانوں کا جائزہ لیا اور روبیر سے کہا۔ ''پیچھے ہٹنا ہے مگر آہستہ آہستہ انہیں تاثر نہ ملے کہ ہم فرار ہو رہے ہیں۔''

وہ فکر مند ہو گئی۔ ''چٹانوں میں ہم گھر نہ جائیں؟''

''دیکھتے ہیں کھلی جگہ ہم ان کے لیے آسان شکار ہوں گے۔ محدود جگہ اپنا دفاع کرنا آسان ہوگا۔''

ہم ایسی چٹان کی طرف سرکنے لگے جس میں اندر جانے کا راستہ نظر آ رہا تھا۔ اسمار شاید کچھ دیر سے ہمارے پیچھے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ بے خبری میں ہمیں آ لیں مگر روبیر نے بروقت انہیں دیکھ لیا۔ اگرچہ یہ بروقت دیکھنا بھی زیادہ کارآمد نہیں تھا کیونکہ ہم خطرے میں تو تھے۔ اسمار کے شیر جیسے پھیلے ہوئے پنجے جن میں تیز ناخن تھے اور بھیڑیوں جیسے لیکن ان سے بڑے پورے جبڑے میں پھیلے ہوئے دانت دور سے نمایاں تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ ہم ان کی موجودگی سے باخبر ہو گئے ہیں اس لیے انہوں نے اب ہلکے ہلکے غرانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ شاید پہلے بھی غرا رہے تھے مگر ان کی آوازیں اتنی بلند نہیں تھیں کہ ہم تک آ جاتیں۔ جیسے جیسے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نزدیک آرہے تھے ان کی غراہٹوں میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے روبیر نے لرزتی آواز میں کہا۔
''جناب ان سے بچیں، ہمارے ہتھیار ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''
میرا بھی یہی خیال تھا۔ تیر کمان اور لاٹھی ان تین ساڑھے تین سو پونڈز وزنی درندوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ ہم چٹان کے سوراخ کے پاس آگئے تھے اور میں نے پہلے روبیر کو اندر جانے کو کہا۔ وہ میرے عقب میں آگئی اور ہم الٹے قدموں چلتے ہوئے چٹانوں کے درمیان آئے۔ یہ صحن جیسی کھلی جگہ تھی اور بہ ظاہر یہاں بچنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔ ابھی اسمار ہماری نظروں میں تھے اور جیسے جیسے وہ نزدیک آرہے تھے میرے دل کی دھڑکن بڑھ رہی تھی۔ میری نظر ان پر تھی مگر روبیر نے دیکھ لیا کہ چٹانوں میں اندر کی طرف جاتا ایک تنگ سا راستہ تھا۔ اس نے اشارہ کیا۔ ''یہ اس میں ہم ان سے بچ سکتے ہیں۔''
میں نے ایک نظر خلا کو دیکھا اور مجھے روبیر کی بات درست لگی میں نے پہلے اسے اندر جانے کو کہا۔ وہ چھریرے جسم کی تھی آسانی سے اس خلا میں چلی گئی۔ جب وہ کئی گز اندر چلی گئی تو میں بھی اندر داخل ہوا اور مجھے جانے میں مشکل پیش آئی تھی۔ ذرا سا آگے جانے کے بعد خلا اتنا چوڑا بھی نہیں تھا کہ میں اس میں سیدھا جا سکتا۔ اس لیے ترچھا ہوا اور کسی نہ کسی طرح اس خلا میں گھس کر آگے پہنچ گیا۔ ایک جگہ پہنچ کر روبیر رک گئی کیونکہ اس سے آگے وہ بھی نہیں جا سکتی تھی اور اس کے بعد میں رک گیا۔ مجھے ذرا اطمینان ہوا کہ جب ہم اتنی مشکل سے اندر آئے ہیں تو اسمار اس دراڑ میں گھس نہیں سکتے تھے۔ جب تک ہم اندر گھسنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ اسمار وہاں آن پہنچے۔ ان کی ہلکی غراہٹیں بتا رہی تھیں کہ وہ چٹانوں کے اندر گھس آئے ہیں اور اب ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔ ان کو تلاش کرنے میں دیر بھی نہیں لگتی کیونکہ اس کھلی جگہ صرف ایک راستہ تھا جو چٹانوں کے باہر جاتا تھا۔ دوسری یہ دراڑ تھی۔ اندر گھسنے کی کوشش میں ہمارے لباس اور جسم رگڑ کھا گئے تھے۔ لباس پھٹ گئے تھے اور جسموں پر خراشیں آئی تھیں۔
''یہاں سے نکلنے کی جگہ نہیں ہے۔'' روبیر نے کسمسا کر کہا۔ ''ہم پھنس گئے ہیں۔''
''ہاں لیکن اسمار یہاں نہیں آسکتے ہیں۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''مدد آنے یا ان کے یہاں سے جانے تک ہم زندہ رہ سکیں گے۔ فکر مت کرو ہم یہاں محفوظ ہیں۔''
''یہ اندر نہ آجائیں۔'' روبیر اب بھی خوفزدہ تھی۔
''میرا نہیں خیال کہ یہ اندر آسکیں گے۔'' میں نے جواب دیا اور اسی لمحے ایک اسمار دراڑ کے دوسری طرف نمودار ہوا۔ اس نے غرا کر دیکھا اور اندر آنے کی کوشش کی مگر کچھ آگے آکر اس کا چوڑا سینہ دراڑ میں پھنس گیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کا سینہ چوڑا ہے اور میں ترچھا ہونے کے باوجود پھنس کر آیا تھا اس لیے مجھے امید تھی کہ وہ نہیں آسکیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ اسمار نے خوفناک سی آواز نکالی اور زور لگایا۔ وہ آگے آیا تھا۔ مگر اس بار وہ زیادہ پھنس گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ آگے جانا مشکل ہے اور اسے واپس جانا چاہیے۔ اس نے اب واپس جانے کی کوشش شروع کی۔ میں نے سوچا کہ ایک درندہ نشانے پر آگیا ہے اس لیے اسے واپس جانے نہ دیا جائے اور روبیر سے پوچھا۔ ''کیا تم اسے تیر کا نشانہ بنا سکتی ہو؟''
''کوشش کرتی ہوں۔'' روبیر نے میرے پیچھے سے بلند ہو کر تیر کا رخ اسمار کی طرف کیا اور میں ممکن حد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک نیچے ہوگیا۔ اسمار نے تیر دیکھ لیا اور اب وہ تیزی سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا عین اس وقت جب وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا روبیر نے تیر سامنے سے اس کے سینے میں اتار دیا۔ روبیر نے پوری قوت سے تیر مارا تھا اور فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ تیر گردن کے عین نیچے خاصی گہرائی تک گیا تھا۔ اسمار نے بھیانک سی آواز نکالی اور دراڑ سے باہر نکل کر زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ شاید اس طرح وہ جسم میں اترا ہوا تیر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بدقسمتی سے اس کوشش میں اس نے تیر جسم میں مزید اتار لیا اور پھر چیختا ہوا وہاں سے بھاگ نکلا۔ روبیر خوش ہوئی۔ ''یہ گیا۔''

میرا نہیں خیال کہ اسمار کو جان لیوا زخم لگا تھا مگر یہ زخم بہت دردناک ضرور تھا اور وہ اب ہمارے بجائے اپنی تکلیف کی فکر میں تھا۔ شاید اس نے بہتر سمجھا ہوگا کہ بھاگ جائے کہیں ایسا نہ ہو اسے کمزور سمجھ کر اس کا ساتھی ہی اس پر حملہ نہ کر دے جیسا کہ بھیڑیوں کا وطیرہ ہوتا ہے۔ یہ اپنے کمزور، معذور اور بوڑھے ہو جانے والے ساتھیوں کو مار کر کھا جاتے ہیں۔ اب وہاں ایک رہ گیا تھا۔ اس کی جھلک بھی فوری نظر آ گئی۔ وہ دراڑ کے پاس تھا مگر اس نے پہلے والے کے انجام سے عبرت پکڑی تھی اور سامنے آنے سے گریز کیا تھا۔ اسمار کم سے کم تیر سے واقف تھے۔ میں نے روبیر کو شاباش دی۔ ''تم نے شاندار نشانہ لگایا ہے۔ میرا خیال ہے وہ تو یہاں سے بھاگ گیا ہوگا۔ اب ایک ہی رہ گیا ہے۔''

روبیر نے کہا۔ ''مجھے آگے آنے دیں میں اسے بھی نشانہ بنانے کی کوشش کرتی ہوں۔''

میرا بھی یہی خیال تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ میرے پاس سے گزر کر وہ کسی صورت نہیں جا سکتی تھی۔ یہاں قطعی جگہ نہیں تھی اور اگر ہم آگے پیچھے ہونے کے لیے دراڑ کے شروع کے حصے میں جاتے تو وہاں اسمار کا خطرہ تھا۔ اگر ہم احتیاط کرتے اور تیزی سے آگے جا کر پوزیشن بدل کر واپس آتے۔ یہ کام اتنی تیزی سے کرتے کہ اسمار کو حملہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ مگر میں نے غور کیا تو یہ صورت مجھے عملی طور پر ممکن نظر نہیں آئی۔ روبیر نے بھی اسے مسترد کر دیا۔ اس نے کہا۔ ''اس میں بہت خطرہ ہے۔ اسمار بہت خوفناک جانور ہے یہ لمحوں میں انسان کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے پنجوں اور دانتوں کے زخم بہت گہرے ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک اس کا نشانہ بننے والے کسی فرد کو زندہ بچتے نہیں دیکھا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''تب ایک ہی طریقہ تھا کہ تم میرے اوپر چڑھ کر دوسری طرف اتر جاؤ۔''

کام تو یہ بھی آسان نہیں تھا مگر کیا جا سکتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں کوشش کرتی ہوں۔''

میں نے سمجھایا۔ ''تم میرے ہاتھ پر پاؤں رکھو اور میرا شانہ پکڑ کر اوپر ہو اور پھر میرے کندھے پر ایک پاؤں رکھتے ہوئے دوسرے شانے پر دوسرا پاؤں رکھو اور پھر میرے ہاتھ پر پاؤں رکھتے ہوئے دوسری طرف اتر جاؤ۔''

وہ ہچکچائی۔ شاید اسے یہ سُوئے ادب لگ رہا تھا مگر میرے زور دینے پر وہ مان گئی۔ اس نے اپنا ترکش الگ کر کے نیچے رکھا اور پھر جوتے اتارتے ہوئے خالی پاؤں میرے ہاتھ پر رکھا میں نے اس کا پاؤں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے شانے کو تھام کر خود کو اوپر اٹھایا اور پھر دیواروں کا سہارا لیتے ہوئے میرے شانے پر ایک پاؤں رکھا اور دوسرے پر دوسرا پاؤں رکھا اور اس پر سے ہوتی ہوئی با آسانی دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف اتر گئی۔ اس نے جتنی آسانی سے یہ کام کیا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جسمانی طور پر سپرفٹ تھی۔ وہ چھریری سی تھی مگر اس کے جسم میں مضبوطی اور طاقت موجود تھی۔ تبھی اس نے اتنی تنگ جگہ یہ مشکل کام اتنی آسانی سے کر لیا۔ میں نے اس کا سامان اٹھا کر اسے دینا چاہا مگر اس نے صرف تیر کمان لیا اور باقی چیزیں میرے سپرد کر دیں۔

''جب میں مانگوں تو مجھے تیر دیجئے گا۔''

میں نے ترکش سے تیر نکال کر پکڑ لیے۔ وہ آگے سرکنے لگی۔ ترچھا ہونے کی وجہ سے وہ قدرتی طور پر تیر چلانے والی پوزیشن میں تھی۔ میں پیچھے ہی رہا تھا کہ اگر اسے تیزی سے پیچھے آنا پڑے تو میری وجہ سے دشواری نہ ہو۔ وہ مجھ سے کوئی دو گز آگے اس جگہ تک چلی گئی جہاں تک پہلا اسمار آ کر پھنس گیا تھا۔ یہ خطرناک جگہ تھی۔ اگر ایک اسمار یہاں تک آ سکتا تھا تو پھر دوسرا بھی آ سکتا تھا۔ اب تک ہماری توجہ اسمار کی طرف نہیں گئی کیونکہ اس کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ روبیر مزید آگے جا رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ''احتیاط سے آگے مت جاؤ۔''

''وہ یہاں سے نظر نہیں آ رہا ہے۔'' اس نے کہا۔ روبیر درست کہہ رہی تھی۔ اسمار کی اب جھلک بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاید اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اب نظر آنا اس کے لیے خطرناک ہوگا اس لیے وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''وہ چالاکی سے کام لے رہا ہے تم اس حد تک آگے جاؤ گی تو وہ اچانک حملہ کر دے گا اور ایک تیر اسے روک نہیں سکے گا۔ صبر سے کام لو اور اس کے سامنے آنے کا انتظار کرو۔''

مضروب اسمار کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ وہ مر گیا تھا یا پھر یہاں سے چلا گیا تھا۔ مجھے دوسری صورت قرین قیاس لگ رہی تھی۔ تیر کے زخم نے اسے ہلاک نہیں کیا تھا بلکہ فرار پر مجبور کر دیا تھا۔ البتہ دوسرا موجود تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہم مل کر حملہ کریں تو اس دوسرے اسمار کو بھی فرار پر مجبور کر سکتے تھے لیکن اگر وہ فرار نہ ہوتا تو ہماری جان خطرے میں پڑ جاتی۔ شیر کی طرح اکیلا اسمار بھی اتنا ہی خطرناک تھا جتنا کہ دو ہو سکتے تھے۔ اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا جو میں بغیر سپاہیوں کے یہاں تک چلا آیا تھا۔ اگر میں نصف درجن سپاہی بھی ساتھ لے لیتا تو ہم آرام سے اسماروں سے نمٹ سکتے تھے۔

میرے منع کرنے پر روبیر اپنی جگہ رک گئی تھی اور تیر چلانے کے لیے تیار تھی مگر دوسری طرف اسمار بھی کم مکار نہیں تھا۔ وہ غرا کر اور جھلک دکھا کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا مگر سامنے آنے سے گریز کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہم تیر سے مسلح تھے اور وہ اس کی ہلاکت خیزی دیکھ چکا تھا۔ اس دوران میں اندھیرا تیزی سے چھا رہا تھا۔ کچھ دیر میں مکمل تاریکی چھا جاتی۔ تاریکی سے ہمیں یا اسمار کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسمار کے ہوتے ہوئے ہم یہاں سے باہر جا نہیں سکتے تھے اور وہ اندر نہیں آ سکتا تھا۔ اس لحاظ سے ہماری پوزیشن بہتر تھی کہ ہم یہاں انتظار کر سکتے تھے۔ جب کہ اسمار زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جلد یا بدیر یہاں سے جانے پر مجبور ہو جاتا۔ لیکن اگر ہمیں ایک دو دن بھی اس تنگ دراڑ میں رہنا پڑ جاتا تو بھوک پیاس کے ساتھ کچھ اور مسائل بھی سامنے آتے۔ جن سے ہم شاید بمشکل ہی گزر پاتے۔ بہرحال ہمیں جان کا فوری خطرہ نہیں تھا۔

میں نے سوچا کہ اگر ہم چلائیں تو اس کا کیا اثر ہوگا؟ ہم جس جگہ تھے یہ قلعوں سے کوئی پون میل کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فاصلے پر تھی اور ہم ایک بند جگہ تھے۔ لیکن اگر ہم کھلی جگہ ہوتے جہاں سے قلعوں تک درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی تب بھی ہماری آواز وہاں تک نہ جاتی۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''تم کتنی بلند آواز میں چلا سکتی ہو؟''

وہ مسکرائی۔ ''بہت اونچی آواز میں، جب میں بچپن میں کسی بات پر چلاتی تھی تو میرے آس پاس موجود لوگ کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔''

''میں بھی اچھی خاصی آواز نکال سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر رات تک ہم یہاں سے نہ نکل سکے اور کوئی تلاش کرنے نہ آیا تو کل صبح ہم چیخ کر مدد طلب کریں گے۔''

وہ متفکر ہوگئی۔ ''صبح تک؟..... یعنی رات یہاں بھی گزر سکتی ہے؟''

''بالکل تم دیکھ رہی ہو یہ کتنی ثابت قدمی سے باہر موجود ہے۔'' میں نے اسمار کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے امید ہے کہ ہم جلد یا بدیر باہر آئیں گے۔''

''جب تک یہ باہر ہے میں کسی صورت باہر نہیں جاؤں گی بے شک یہاں بھوک پیاس سے مر جاؤں۔''

''اللہ نے چاہا تو ایسا نہیں ہوگا۔ رات نہ سہی صبح لوگ ہماری تلاش میں ضرور نکلیں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

میں سوچ رہا تھا کہ کیا سامیرا یا دوسروں نے ہماری گمشدگی محسوس نہیں کی ہوگی اور اگر کی ہوگی تو ہمیں تلاش کیا جا رہا ہوگا۔ مگر اس کا امکان بہت زیادہ نہیں تھا کہ تلاش کرنے والے اس سمت آئیں۔ ہم نہ تو کسی کو بتا کر آئے تھے اور نہ ہی کسی نے ہمیں اس طرف آتے دیکھا تھا۔ فی الحال ہمیں قلعوں کے آس پاس اور خاص طور سے سامنے والی سمت تلاش کیا جا رہا ہوگا۔ سامیرا کے ذہن میں میری گمشدگی کے حوالے سے پہلا شک رینالٹ پر جائے گا کہ اس نے کوئی سازش کی ہے اور وہ اسی حوالے سے مجھے تلاش کرائے گی۔ اپنے آدمی آس پاس بھیجے گی اور آرگون میں اپنے جاسوسوں کو استعمال کرے گی۔ اس سے بے خبر کہ میں اور روبیر قلعوں کے پیچھے چٹانوں میں محصور ہیں۔

ہم جس دراڑ میں تھے اس کے اوپر چھت تھی اور صرف سامنے کا حصہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ اسمار اوپر چڑھ کر ہم پر حملہ کر سکے۔ اول تو دراڑ اوپر سے بھی اتنی ہی تنگ تھی۔ اگر چھت کھلی ہوتی تب بھی اسمار اوپر سے حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں جس جگہ تھا یہاں تاریکی چھا گئی تھی۔ البتہ جہاں روبیر تھی وہاں کسی قدر روشنی تھی۔ اس سے آگے زیادہ روشنی تھی۔ شاید اسمار تاریکی کا انتظار کر رہا تھا کہ پھر حملہ کرے۔ پھر ایک اور خیال مجھے مضطرب کرنے لگا۔ ٹھیک ہے دراڑ بہت تنگ تھی لیکن اور اسمار آ جاتے جن میں کوئی چھریرے جسم والا ہوتا تو وہ اس جگہ گھس سکتا تھا۔ تاریکی میں ہم اس کے خلاف ٹھیک سے مزاحمت نہیں کر سکتے تھے اور اس کا امکان تھا کہ وہ ہمیں زخمی ضرور کر دیتا۔ ایک بار زخمی ہونے کے بعد ہم نہ تو مدافعت کے قابل رہتے اور نہ ہی پھر زیادہ دیر اس جگہ رہ سکتے تھے۔ یہی خیال روبیر کے ذہن میں بھی آیا تھا۔ اس نے کہا۔

''اگر بھاگنے والا اسمار دوسروں کو لے آیا تو.....؟''

''مجھے بھی یہی خیال آیا ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''ہم تاریکی میں ان جانوروں کی طرح نہیں دیکھ سکتے۔ مگر ہم کیا کر سکتے ہیں یہاں بے بس ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ اچانک باہر موجود اسار نے عجیب سی آواز نکالی۔ اس سے پہلے وہ صرف غرا رہا تھا اور جیسے ہمیں چیلنج کر رہا تھا کہ ہم باہر آئیں۔ مگر یہ آواز سہمی ہوئی تھی۔ پھر اچانک وہ بھاگا۔ اس کا رخ چٹانوں سے باہر والے حصے کی طرف تھا۔ دراڑ کے سامنے سے وہ لمحے میں گزر گیا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ہم بس ایک جھلک دیکھ سکے اور پوری طرح تیار ہونے کے باوجود روبیر اسے تیر سے نشانہ نہیں بنا سکی تھی۔ اسار کے اس طرح فرار پر ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ شاید ہمیں تلاش کرنے والے یہاں تک آ گئے تھے۔ مگر اگلے ہی لمحے اسار کی وحشت زدہ اور خوف میں ڈوبی چیخ نے میرے خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ وہ انسانوں سے اس طرح ڈر کر نہ تو بھاگ سکتا تھا اور نہ ہی ڈر سکتا تھا۔ یہ کوئی اور ہی معاملہ تھا۔ اسار کسی اور چیز سے ڈر کر بھاگا تھا۔

اس چیخ نے بتایا تھا کہ اسار کے ساتھ کچھ برا ہوا ہے وہ شاید مارا گیا تھا یا بری طرح زخمی ہوا تھا۔ سچی بات ہے کہ اسار کی چیخ نے مجھے فکر مند کر دیا تھا اور مجھے خوف سا محسوس ہوا تھا۔ روبیر بھی ڈر گئی تھی اور بے ساختہ پیچھے آنے لگی۔ اسار کی طرف سے پہلی چیخ کے بعد خاموشی چھا گئی تھی پھر اس خاموشی میں ایسی آواز آئی جیسے کوئی زمین کو تھپتھپا رہا ہو اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں پہلے بھی یہ آواز سن چکا تھا اور یہ ہارن کے قدموں کی آواز تھی۔ اس کے چوڑے کھر نما پاؤں زمین پر لگتے تو ایسی ہی آواز آتی تھی۔ اسار کے فرار سے پہلے اس کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دی تھی۔ شاید وہ یہاں تک بہت خاموشی سے آیا تھا۔ اسار جیسے زود حس درندے کو بھی اس کی آمد کا پتا نہیں چلا اور جب پتا چلا تو بہت دیر ہو گئی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں انا للہ پڑھی۔ یہاں ایک نہ شد دو شد مصیبتیں آ گئی تھیں۔ پہلے اسار آئے اور اب ہارن آ گیا تھا۔ جب کہ یہ جگہ ان دونوں کے مسکن سے خاصے فاصلے پر تھی۔ روبیر اندر گھس رہی تھی اور میں بھی پیچھے ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دراڑ کے سر پر ہارن کا دیو قامت جسم نمودار ہوا۔ اس کا سر اس کی بلندی سے باہر تھا اس لیے اسے ذرا پیچھے ہو کر اور سر جھکا کر اندر جھانکنا پڑا تھا۔ اندر روشنی بہت کم ہو گئی تھی مگر ہارن کے لیے کافی تھی کہ وہ ہمیں دیکھ سکے۔

اس نے ہمیں دیکھ کر آواز نکالی اور پھر گھوم کر اپنا اگلا حصہ دراڑ میں داخل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اس کی جسامت کے لحاظ سے دراڑ آغاز میں ہی بہت تنگ تھی۔ اس کے بیلچے نما ہاتھ ہی کچھ آگے تک آئے تھے۔ مگر یہ ہاتھ بھی ہم سے کوئی چار گز کی دوری پر تھے۔ وہ یوں زور لگا رہا تھا جیسے اپنی بے پناہ قوت کے بل بوتے پر دراڑ کو کشادہ کر دے گا اور ہم تک پہنچ جائے گا۔ روبیر نے اسے تیر مار دیا مگر وہ اس کے جسم میں پیوست ہونے کے بجائے پہلو سے ٹکرایا اور وہیں گر گیا۔ ہارن کو شاید اس کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ مجھے بھی علم نہیں ہوا تھا ورنہ میں اسے روک دیتا۔ روبیر مجھ سے پلٹ کر دوسرا تیر لینے لگی تھی کہ میں نے اسے روک دیا۔ ''نہیں اگر اسے زخم لگا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا کچھ نہیں بگڑے گا مگر اس کے بعد یہ پکا دشمن بن جائے گا۔ ہمیں مارے بغیر یہاں سے نہیں جائے گا۔''

بات روبیر کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے تیر لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ مجھ میں گھسی جا رہی تھی اور اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ تیر بھی اس نے اضطراری طور پر چلایا تھا۔ ورنہ اسے بھی معلوم تھا کہ یہ معمولی تیر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ ہارن ایسی ہی بلا تھی کہ اچھے اچھے بہادر مرد اس سے ڈرتے تھے روبیر تو پھر بھی نازک سی لڑکی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو یہ اندر نہیں آ سکتا ہے۔''

مگر روبیر کا لرزہ کم نہیں ہوا تھا۔ ''یہ چٹانیں توڑ دے گا۔''

''بے شک یہ بہت قوت رکھتا ہے مگر ان چٹانوں کو توڑنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔''

اس نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ ''یہ چٹانیں اندر سے کھوکھلی ہیں اور ان میں سوراخ ہیں اگر ان کو زور سے مارا جائے تو یہ ٹوٹ جاتی ہیں۔ ہم اوزار بنانے کے لیے پتھر ان ہی چٹانوں سے نکالتے۔''

میں متفکر ہو گیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی ہزاروں سال سے ہونے والی بارشوں اور سردی گرمی کے تغیر نے ان چٹانوں کو اندر سے پرتوں میں بدل دیا تھا اور بہت سخت ہونے کی وجہ سے یہ کھیل کھیل ہو رہی تھیں کیونکہ ان میں لچک ہوتی تو یہ اتنی آسانی سے نہ ٹوٹ جاتیں۔ ہارن نے ابھی تک ہم تک آنے کی معمول کی سی کوشش کی تھی۔ اگر وہ پوری طرح جارحیت پر اتر آتا تو بقول روبیر کے یہ چٹانیں توڑ سکتا تھا۔ جو کام انسان کر سکتا تھا وہ یہی کام زیادہ آسانی سے کر سکتا تھا۔ مگر شاید ہارن اس بات سے بے خبر تھا کہ چٹانیں اندر سے کھوکھلی ہیں اور وہ کوشش کرے تو انہیں توڑ سکتا ہے۔ ہماری عافیت اسی میں تھی کہ وہ بے خبر رہے۔ ابتدائی ناکامی کے بعد وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اور اب کھلی جگہ ٹہل رہا تھا۔ اس کا پتا اس کے قدموں کی چاپ سے ہو رہا تھا۔ وہ جس جگہ تھا وہ اس کے لحاظ سے بہت چھوٹی تھی۔ اس لیے کبھی کبھی ٹہلتے ہوئے وہ چٹانوں سے باہر بھی چلا جاتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں باہر اندھیرا چھا گیا۔ میں نے روبیر سے کہا۔

''تم پیچھے آ جاؤ۔''

''نہیں میں تیر اندازی کر سکتی ہوں۔''

''اتنے فاصلے سے یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ کچھ پھینک کر نہ مارے۔''

''ہارن چیزیں نہیں مارتا ہے۔'' روبیر نے کہا مگر اس نے میری بات مان لی اور اسی طرح سے مجھ پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئی۔ اب اس نے تیر کمان مجھے تھما دیا۔ یہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی اور ہمیں جب تک یہاں رہنا تھا کھڑے رہنا تھا۔ ہم سرگوشی میں بات کر رہے تھے اور کم سے کم بول رہے تھے۔ میری خواہش تھی کہ ہارن جلد از جلد یہاں سے دفع ہو جائے۔ آخر اسے بھوک لگ سکتی تھی اور کوئی دوسری حاجت بھی پیش آ سکتی تھی۔ وہ گوشت نہیں کھاتا تھا اس لیے صرف ہمیں کھانے کے چکر میں یہاں رک بھی نہیں سکتا تھا۔ جب اسے بھوک لگتی تو اسے یہاں سے جانا ہی تھا۔ کیونکہ اس کی خوراک والی جھاڑیاں اور پودے شاید یہاں نہیں تھے۔ میں نے روبیر سے پوچھا تو اس نے تصدیق کی۔ ''یہ صرف مخصوص درختوں کے پتے اور بعض پودوں کی جڑیں کھاتا ہے۔ یہ کبھی ہماری فصلوں اور باغات میں کھانے پینے نہیں آتا ہے۔ میں نے یہاں وہ درخت اور پودے نہیں دیکھے جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی خوراک ہیں۔''

روبیر نے اپنے خوف پر قابو پالیا تھا اور اب کسی قدر نارمل تھی۔ میں نے کہا۔ ''یعنی ہم امید کر سکتے ہیں کہ جلد یا بدیر یہ یہاں سے چلا جائے گا۔''

مگر روبیر کے ذہن میں کوئی اور خیال بھی تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ یہاں ہے اور اگر اس دوران میں ہمیں تلاش کرنے والے یہاں آ گئے تو یہ ان پر حملہ کر دے گا۔''

میں بھی فکر مند ہو گیا۔ اگر ہارن تلاش کرنے والوں پر بے خبری میں حملہ کرتا تو اس کا امکان تھا کہ کئی افراد مارے جائیں گے۔ یہ بہت تیزی سے بنا مہلت کے انسانوں اور دوسرے جانوروں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ میں اس کا عینی گواہ تھا اس نے معبد کے جلاد کو کیسے لمحے میں مار دیا تھا اور اسمار کا حشر بھی سامنے تھا۔ انسان سے زیادہ طاقتور اس درندے کو ہارن نے ایک چیخ مارنے جتنی مہلت دی تھی۔ رات کی تاریکی میں ہمیں تلاش کرنے والے دور سے اسے نہ دیکھ پاتے اور بے خبری میں اس کے پاس آ جاتے تو پھر ان کا بچنا محال ہو جاتا۔ اس لیے ان کا رات کے وقت اس طرف نہ آنا ہی بہتر تھا۔ مگر یہ تو ہماری سوچ تھی۔ تقدیر کو کیا منظور تھا ہم اس سے بے خبر تھے۔

اس روز موسم بہتر تھا اور جب ہم روانہ ہو رہے تھے تو پانی بھی پیا تھا مگر اس بات کو اب کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ خوف، پریشانی اور اندیشوں نے ہمارا گلا خشک کر دیا تھا اور ہمارے پاس اسے تر کرنے کے لیے پانی نہیں تھا۔ مگر پیاس قابو میں تھی۔ البتہ جیسے جیسے وقت گزرتا تو پھر پیاس بڑھتی۔ بہر حال صبح تک کا وقت گزارنا کوئی بہت مشکل کام نہیں تھا۔ البتہ اس حال میں وقت گزارنا بہت مشکل کام تھا اور صبح تک پتا نہیں ہمارا کیا حال ہوتا۔ اندر گھستے ہوئے جہاں جہاں خراشیں اور کھرونچے آئے تھے اب وہ جگہیں دکھ رہی تھیں۔ میں دیوار سے ٹک کر آرام کرنے لگا۔ روبیر نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔ ''میں تھک گئی ہوں۔''

''جسم ڈھیلا چھوڑ دو۔'' میں نے مشورہ دیا۔ ''دیواروں پر چھوڑ دو۔ اس طرح تھکن کم ہو گی۔''

اس نے ایسا ہی کیا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یوں آرام مل رہا ہے۔''

''کم سے کم بولو۔ جب ہم بات کرتے ہیں اور ہارن سنتا ہے تو ہماری طرف متوجہ رہتا ہے اگر ہم چپ رہے تو شاید اس کا دھیان کسی اور طرف چلا جائے اور وہ خود بھی یہاں سے چلا جائے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے کہا اور خاموش ہو گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیسی لڑکی ہے؟ اتنے دنوں سے میرے ساتھ ہے۔ اکیلی ہر جگہ میرے ساتھ گھومتی ہے مگر کبھی اس نے مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اس وقت بھی اتنے پاس تھی کہ ہمارے جسم دو جان ایک قالب ہو رہے تھے مگر اس وقت بھی اس کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں آئی جسے میں محسوس کر سکتا۔ اس کا انداز قطعی نارمل تھا۔ وہ ڈر رہی تھی اور مجھ سے لپٹی جا رہی تھی۔ یہی روبیر چند دن پہلے رات کی تاریکی میں میرے پاس آئی تھی اور اپنے جذبات کا اظہار کر رہی تھی۔ میں اسے سویرا سمجھ کر اس کا اظہار محبت قبول کر رہا تھا۔ پھر جب میں چونکا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے مجھ سے معذرت کی حالانکہ وہ جس حد تک آگے آ چکی تھی یہاں کوئی عورت معذرت نہیں کرتی ہے۔ وہ آگے بڑھتی ہے اور مرد کو بھی مجبور کر دیتی ہے۔ خاموش ہو گئی تو میں نے اس سے پوچھا تو اس نے

courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دینے سے انکار کیا تھا۔ میں نے اس سے دوبارہ پوچھنے کا سوچا مگر پھر خیال آیا کہ میں خود اسے بولنے سے منع کر چکا ہوں۔

کچھ دیر آرام کے بعد جسم کے وہ حصے دکھنے لگے جو پتھروں سے ٹکے ہوئے تھے اور مجھے دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا پڑا۔ باہر سے وقفے وقفے سے ہارن کے قدموں کی چاپ اور کبھی کبھی اس کے غرانے کے انداز میں سانس لینے کی آواز آ رہی تھی۔ مگر کچھ دیر سے اس کی طرف سے خاموشی تھی۔ میں نے آہستہ سے روبیر سے کہا کہ میں ذرا باہر کا جائزہ لینے جا رہا ہوں۔ وہ مضطرب ہو گئی اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''نہیں باہر خطرہ ہے۔ مجھے یقین ہے وہ موجود ہے اور خاموش رہ کر ایسا تاثر دے رہا ہے جیسے یہاں سے چلا گیا ہو۔''

''میں بالکل باہر نہیں جاؤں گا بلکہ دراڑ کے سرے تک جاؤں گا۔''

روبیر میرے لہجے سے سمجھ گئی کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ''ٹھیک ہے مگر خیال سے جائیے گا۔''

میں نے تیر کمان سے لگا کر آگے کیا اور آہستہ سے بنا آواز کیے سرکنے لگا۔ بالکل خاموشی تو ناممکن تھی کیونکہ پتھروں سے رگڑ کی آواز تو پیدا ہو رہی تھی۔ جب ایسا موقع آتا تو میری کوشش ہوتی کہ میں اپنے جسم پر برداشت کر لوں مگر آواز نہ پیدا ہونے دوں۔ اس کے باوجود کچھ نہ کچھ آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ہارن کے کان کتنے تیز ہوتے ہیں۔ عام طور سے گھوڑے کے کان بہت تیز ہوتے ہیں اور وہ ایسی آوازیں بھی سن لیتا ہے جو انسان نہیں سن پاتا۔ ہارن گھوڑے جیسا ہی تھا۔ مگر اس کے کان گھوڑے کے کانوں سے مختلف اور چھوٹے تھے اس لیے یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ تیز سنتا ہے یا نارمل سماعت رکھتا ہے۔ جیسے جیسے دراڑ کے آغاز کی طرف بڑھ رہا تھا میری کوشش تھی کہ آواز کم سے کم ہو۔ چند منٹ بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں تک ہارن کے ہاتھ آئے تھے۔ یہ دراڑ کا تقریباً آخری حصہ تھا اور ایک گز بعد کھلی جگہ آ جاتی۔

میں نے رک کر سن گن لینا شروع کی۔ ہارن اگر پاس موجود تھا تو اس کی بھاری سانسوں کی آواز آنی چاہیے تھی۔ مگر وہاں اس لحاظ سے خاموشی تھی۔ اگر ہارن چٹانوں کے درمیان اس صحن میں ہوتا تو لازمی اس کی سانس کی آواز آتی۔ کیونکہ اس وقت مکمل خاموشی تھی اور اس میں سوئی گرنے کی آواز بھی سنائی دیتی۔ ابتدائی مکمل تاریکی کے بعد اب کسی قدر روشنی تھی۔ میں نے احتیاط سے سر آگے کر کے اوپر کی طرف دیکھا تو مجھے ستارے دکھائی دیئے۔ یہ ستاروں کی روشنی تھی۔ اس میں کم سے کم چٹانوں اور چیزوں کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ میرے پیروں سے چند فٹ دور اسمار کی لاش پڑی تھی اور وہ بالوں کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا۔ چٹان سے ٹکرا کر اس کی لاش کا مزید حشر ہوا تھا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ ہارن کم سے کم صحن میں نہیں ہے میں دبے قدموں آگے آیا اور اب پورا صحن واضح تھا۔ ہارن وہاں کہیں بھی نہیں تھا۔

میں نے پلٹ کر اشارے سے روبیر کو آگے آنے کو کہا۔ وہ میری نسبت آسانی سے باہر آ گئی۔ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ یہاں ہارن نہیں ہے ورنہ میں اتنا آگے نہ جاتا اور نہ ہی اسے یوں آگے آنے کا اشارہ کرتا۔ وہ نزدیک آئی تو میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''میں باہر تک جا رہا ہوں تم اندر ہی رہو گی مگر بالکل اندر مت جانا۔ ہاں اگر کوئی ہنگامی صورتِ حال ہو تو بالکل اندر چلی جانا اور جب تک میری یا کسی اور طرف سے مدد نہ آئے باہر مت آنا۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں دیکھ رہا ہوں کہ آس پاس ہارن ہے یا چلا گیا ہے اگر وہ چلا گیا ہے تو ہمارے پاس موقع ہے کہ یہاں سے نکل جائیں۔''

''ہاں اگر وہ چلا گیا ہو تو۔'' روبیر خوش ہو کر بولی اور دراڑ میں ذرا پیچھے چلی گئی۔ میں دبے قدموں چٹانوں سے باہر کی طرف بڑھا۔ تیر کمان سامنے کیا ہوا تھا اور ایک سیکنڈ کے نوٹس پر تیر چلانے کے لیے تیار تھا۔ کھلی جگہ کے پاس آ کر میں نے ایک طرف چٹان سے لگ گیا اور اس کے ساتھ سرکتے ہوئے باہر جا رہا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میرا جسم چٹان کا ایک حصہ نظر آئے۔ مجھے کھلے میں ایک طرف کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا اور اس جگہ ہارن موجود نہیں تھا۔ دوسری طرف اگر وہ موجود تھا تو مجھے نظر نہیں آیا تھا مگر میں بھی اسے نظر نہیں آتا۔ بالآخر میں اس پوزیشن میں آیا کہ اب دوسری طرف بھی دیکھ سکتا تھا اور ہارن مجھے فوراً ہی نظر آ گیا۔ وہ کوئی بیس بائیس گز کی دوری پر ایک درخت کے ساتھ کھڑا ہوا اس سے پتے توڑ کر کھا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے اندر اب تک جو امید جاگی تھی وہ مرجھا گئی۔ ہارن نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی پیٹ پوجا بتا رہی تھی کہ وہ یہاں مزید قیام کا ارادہ رکھتا ہے۔ تاوقت کہ ہم پر قابو پا لے یا کسی وجہ سے یہاں سے جانے پر تیار ہو جائے۔

ہارن بہت دیو قامت تھا۔ اس کا سر زمین سے کم سے کم بھی دس فٹ اونچا تھا۔ جسم کسی تنومند گھوڑے کے مقابلے میں بھی دوگنا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کا وزن ایک ٹن سے خاصا اوپر تھا اور یہ معبد کے کنویں میں قید ہارن سے زیادہ وزنی تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ کھلی فضا میں اور کھلی خوراک کے ساتھ رہ رہا تھا۔ جب کہ معبد والے ہارن کو بند جگہ اور نپی تلی خوراک ملتی ہوگی۔ اسے دیکھ لینے کے بعد بھی میں نے واپس جانے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہارن اتنا پھرتیلا نہیں ہے اگر وہ مجھے دیکھ لے اور میرے پیچھے آئے تب بھی میں باآسانی دراڑ میں گھس کر محفوظ دوری تک پہنچ سکتا تھا۔ عقب سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا جس خطرے نے بھی آنا تھا اسی راستے سے گزر کر آنا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کچھ دیر رکتا ہوں اگر ہارن یہاں سے کہیں اور جاتا ہے تو میں اور روبیر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری صورت میں واپس اسی دراڑ میں گھس جائیں گے۔ وہ جگہ ہمیں ہارن اور دوسرے جانوروں سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔ مجھے روبیر کا خیال بھی آ رہا تھا کہ میری مسلسل غیر حاضری سے پریشان ہو کر وہ باہر نہ آ جائے۔ اس صورت میں ہم مشکل میں پڑ سکتے تھے۔ یہاں ہوا ساکت تھی۔ اس وادی میں مَیں نے ہوا ساکت ہی دیکھی اور بہت کم ایسا ہوا کہ ہوا کا کوئی جھونکا آیا ہو۔ مگر مجھے ایسا لگا جیسے ہوا سرسرا رہی ہو۔ حالانکہ ہوا ساکن تھی۔ مگر یہ آواز ایسی تھی جیسے دور کہیں ہوا کے چلنے سے پتے اڑ رہے ہوں۔ میں نے غور سے سنا تو مجھے یہ سماعت کا وہم محسوس ہوا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد آواز بڑھ گئی اور اس بار مجھے یہ مانوس بھی لگی تھی۔ جیسے میں نے پہلے بھی یہ آواز سنی ہو۔ آواز واضح تھی اور اس بار میں اسے اپنا وہم قرار نہیں دے سکتا تھا۔ آواز بڑھتے ہوئے ایک واضح شور بن گئی تھی اور یہ مسلسل آ رہی تھی۔ مگر میں یہ نہیں جان سکا تھا کہ آواز کس طرف سے آ رہی ہے۔

غالباً ہارن نے بھی آواز سن لی تھی کیونکہ اس نے پتے کھانا ترک کر کے اپنا سر گھما کر آواز کی سمت کا اندازہ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ وہ کبھی سر ایک طرف کرتا اور کبھی دوسری طرف۔ میری طرح وہ بھی اس کی سمت کا اندازہ کرنے سے قاصر تھا۔ معاً میں چونکا کیونکہ مسلسل شور میں اب ایک آواز الگ سے نمایاں تھی اور یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیخنے کی مکروہ آواز تھی جس سے میں اچھی طرح آشنا تھا۔ یہ ان ہی بندر نما جانوروں کی آواز تھی جو وادی کی دیواروں میں بسیرا کرتے ہیں۔ جب یہ بولتے ہیں تو ایسی آواز آتی ہے جیسے خشک ٹہنیاں چیخ رہی ہوں۔ میں واپس سرکنے لگا۔ میں ایسی پوزیشن میں تھا کہ اگر میں چٹان سے الگ ہو کر حرکت کرتا تو ہارن کی نظروں میں آجاتا۔ وہ اب اسی سمت میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے آوازوں کا ماخذ تلاش کرلیا تھا۔ یہ آوازیں اوپر سے آرہی تھیں۔

تقریباً رینگنے کی رفتار سے سرکتے ہوئے میری نظر ہارن پر بھی تھی اگر وہ تاریکی اور چٹان سے چمٹے ہونے کے باوجود مجھے دیکھ لیتا تو بہت تیزی سے حرکت میں آتا اور اس کے ساتھ ہی مجھے بھی حرکت میں آنا پڑتا۔ میں اب بھی پُراعتماد تھا کہ میں ہارن کی آمد سے پہلے دراڑ میں پہنچ سکتا تھا۔ اس کے باوجود میری کوشش تھی کہ ہارن یہاں میری موجودگی سے واقف نہ ہو۔ بندر نما جانوروں کا شور بتا رہا تھا کہ وہ ان چٹانوں کے آس پاس پہنچ گئے تھے اور جب میں سرکتا ہوا اس حد تک اندر گیا کہ صحن میں دیکھ سکوں تو یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ بندر نما جانوروں نے اسمار کی لاش کو گھیر لیا تھا اور وہ اس پر پلے پڑ رہے تھے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ درجنوں نہیں سو سے اوپر تھے۔ انہوں نے دراڑ میں جانے والا راستہ روک لیا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں اور اسی لمحے مجھے ہارن کے قدموں کی ٹاپ سنائی دی۔ وہ اس طرف آرہا تھا۔ میں جس دیوار کے ساتھ لگا کھڑا ہوا تھا یہ اوپر سے ذرا آگے نکلی ہوئی تھی اور اس کے نیچے کچھ خلا تھا۔ میں نے پاؤں اندر کر کے دیکھا تو یہ ڈیڑھ فٹ تک کا خلا تھا۔ میں نے سوچا اور بنا آہٹ کے زمین پر لیٹ کر اس قدرتی چھجے تلے سرک گیا۔ میرا جسم چٹان کی جڑ سے لگا اور میں اس سے چمٹ گیا۔ تیر کمان میں نے سینے سے لگا لیے تھے۔ خوش قسمتی سے بندر نما جانوروں نے اب تک مجھے نہیں دیکھا تھا ورنہ ان کی آنکھیں بہت تیز تھیں اور یہ یقیناً تاریکی میں بھی دیکھ سکتے تھے۔ مگر وہ پوری طرح اسمار کی لاش کی طرف متوجہ تھے اور یقیناً وہ اسی لاش کے لیے آئے تھے۔ ان کی کسی حس نے ان کو اطلاع دی تھی کہ یہاں ان کے کھانے پینے کے لیے کچھ موجود ہے۔ میں نے ان کو ایک برفانی آدمی کی لاش صفا چٹ کرتے دیکھا تھا۔ یہ یقیناً ہڈیوں کا گودا تک نکال کر کھا جاتے ہوں گے۔

مجھے روبیر کی فکر تھی۔ وہ ان بندر نما جانوروں سے زیادہ دور نہیں تھی اور اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو لازمی حملہ کرتے۔ بدقسمتی سے اس کا ہتھیار یعنی تیر کمان میرے پاس تھے اس کے پاس ترکش اور میری لاٹھی تھی۔ لاٹھی وہ صرف نزدیک آنے والے جانوروں پر ہی استعمال کر سکتی تھی۔ مگر بندر نما جانور ابھی تک اس کی موجودگی کا احساس نہیں کر پائے تھے۔ یقیناً میری طرح روبیر بھی دم سادھے بیٹھی تھی۔ ذرا سی آواز یا آہٹ ان جانوروں کو متوجہ کر سکتی تھی۔ میں ان سے زیادہ فاصلے پر تھا۔ مجھے ان کے بجائے ہارن کی فکر تھی۔ ان کا کسی نہ کسی طرح مقابلہ کیا جا سکتا تھا مگر ہارن کا مقابلہ تقریباً ناممکن تھا۔ میرے کان اور آنکھیں چٹانوں سے باہر کی طرف لگے تھے جس طرف سے ہارن کو آنا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ آن پہنچا۔

بندر نما جانوروں کے شور کے باوجود ہارن کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ نزدیک آگیا تھا۔ پھر میں نے اس کے پاؤں چٹان کے بیرونی طرف نمودار ہوتے دیکھے۔ اس کے کھر بہت بڑے اور زمین پر پنجوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا بے پناہ وزن اٹھانے کے لیے ایسے ہی کھر ہونے چاہیے تھے۔ وہ ایک لمحے کو رکا اور ہلکے سے غرایا۔ بندر نما جانوروں نے اپنے شور اور پھر اسار کھانے کے چکر میں اس کی آواز شاید سنی ہی نہیں تھی۔ اس لیے اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے بھیانک آواز میں غرانا پڑا تھا۔ اس کی غراہٹ ایسی تھی کہ نیچے لیٹے ہوئے میں کانپ گیا تھا۔ بندروں کا جھنڈ اس آواز پر یوں تتر بتر ہوا جیسے چڑیاں آواز پر اُڑ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے وہ پرندے نہیں تھے اس لیے اڑنے کے بجائے بکھر گئے اور ان میں سے کچھ دراز میں بھی گھسے تھے۔ مگر بیشتر چٹانوں پر چڑھ گئے اور کچھ چٹانوں کی جڑوں کے ساتھ چپک گئے۔

ہارن کچھ دیر کھڑا ہوا غرانے کے انداز میں سانس لیتا رہا۔ پھر وہ آگے آیا۔ کچھ بندر نما جانور جو ابھی نیچے ہی تھے۔ اپنی مخصوص چیخنی آواز میں چلاتے ہوئے چٹانوں پر چڑھنے لگے۔ ہارن نے ان میں سے ایک پر ہاتھ مارا اور وہ چٹان اور ہارن کے جناتی ہاتھ کے درمیان پس کر رہ گیا۔ اسے آخری آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ اس خون ناحق پر بندر نما جانوروں نے حسبِ معمول بے پناہ شور شروع کر دیا۔ ایسا لگا جیسے آسمان سر پر اٹھا رہے ہوں۔ ہارن اس وقت مجھ سے چند گز دور کھڑا ہوا تھا اور اس کا جسم دھڑ تک دکھائی دے رہا تھا اور باقی جسم میری نظروں سے اوجھل تھا۔ وہ جیسے گہرے سانس کھینچ رہا تھا ایسا لگا جیسے وہ کچھ سونگھ رہا ہو۔ میرا دل دھڑک اٹھا کیا اسے میری بو آ رہی تھی۔ مگر بندر نما جانوروں کی موجودگی میں وہ کچھ کنفیوز تھا کہ بو کہاں سے آ رہی ہے؟

اچانک مجھے لگا کہ میرے سر کے پاس کوئی چیز ہے۔ دوسری چیز نے بھی مجھے محسوس کر لیا۔ اس نے بھڑک کر چیخنی آواز نکالی اور پیچھے ہٹا۔ اسی لمحے ہارن غرایا اور وہ نیچے جھکا۔ اس کا سر اس حد تک نیچے نہیں آ سکتا تھا مگر اس کے ہاتھ خلا کے سامنے نمودار ہوئے۔ میں ان بیلچے نما ہاتھوں سے کچھ ہی دور تھا اور وہ ہاتھ ذرا آگے کرتا تو مجھے پکڑ لیتا۔ بھڑکنے والا بندر نما جانور اب ہارن کو بالکل نزدیک پا کر دم سادھے بیٹھا تھا۔ حالانکہ اسی نے آواز نکال کر اس مصیبت کو متوجہ کیا تھا۔ بیلچے نما ہاتھ میری طرف بڑھے تو اس وقت مجھے بچنے کی ایک ہی ترکیب سوجھی تھی اور میں نے اس پر فوری عمل کیا۔ میں نے سر کے اوپر ہاتھ مارا اور بندر نما جانور کو پکڑ لیا۔ اس نے آواز نکالی اور اپنے پنجوں سے میرے ہاتھ کو نوچنے کھسوٹنے لگا۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر اسے کھینچا اور ہارن کے ہاتھ سے لگا دیا۔

ہارن نے فوراً ہی بندر نما جانور کو دبوچا اور اسے لے کر اس کے ہاتھ باہر چلے گئے۔ بندر نما جانور کی آخری چیخ بہت کرب ناک تھی۔ چند لمحے بعد اس کی کچلی مسلی ہوئی لاش میرے سامنے ہی گری تھی اور میں نے دل ہی دل میں اس سے معذرت کی کہ اس کی قربانی دے کر میں نے اپنی جان بچالی تھی۔ مگر دیکھا جائے تو غلطی بھی اس کی تھی۔ اس نے آواز نکال کر ہارن کو چھچھے کے نیچے کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس دوسرے خون پر بھی بندر نما جانوروں نے بہت واویلا مچایا تھا۔ ہارن جس طرح صحن میں گھوم رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ انہیں پکڑنے یا مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر اب وہ سب اس کی پہنچ سے دور تھے۔ البتہ انہوں نے یہاں سے جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چٹانوں پر چڑھے ہوئے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ ہارن یہاں سے جائے تو وہ باقی ماندہ اسار اور اپنے مارے جانے والے ساتھیوں کو کھا پی کر اوپر کا رخ کریں۔

بندر نما جانوروں کے برعکس میری جان بری ہوئی تھی کیونکہ ہارن بالکل پاس موجود تھا اور اگر وہ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں جان جاتا تو مجھے بھاگنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ ہارن کے قدموں سے اڑتی دھول مجھ تک آ رہی تھی اور اس کے کچھ ذرات نے میری ناک تک رسائی حاصل کی تھی۔ اس کے ردِعمل میں ناک میں سرسراہٹ ہونے لگی۔ اس وقت اگر میں چھینک مار دیتا تو میری وجہ وفات یقیناً چھینک قرار دی جاتی۔ جو نہایت غلط موقع پر ماری گئی تھی۔ اس لیے میں چھینک روکنے کی از حد کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ عشق، مشک اور چھینک چھپائے نہیں چھپتی ہے تو ایسا ہی ہوا تھا۔ پورا زور لگانے پر چھینک کے سسٹم نے اندر سے جوابی زور لگایا اور جو آواز برآمد ہوئی اس نے صرف بندر نما جانوروں کو ہی نہیں بلکہ ہارن کو بھی اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بندر نما جانوروں کا شور تھم رہا تھا مگر اس نئی آواز پر انہوں نے آسمان ایک بار پھر سر پر اٹھا لیا۔

ہارن شاید پھر کنفیوز تھا کہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ مگر وہ زیادہ دیر کنفیوز نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے پاؤں پیچھے کی طرف آئے اور پھر اس کے مہیب ہاتھ نمودار ہوئے۔ اس بار میں نے سچ مچ خود کو فوت شدہ محسوس کیا اور دل ہی دل میں کلمہ شریف پڑھ لیا۔ کوئی لمحہ جاتا تھا ہارن مجھے تلاش کر کے باہر کھینچ لیتا اور اس کے فوراً بعد میرا کام تمام ہو جاتا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھے پکڑتا اچانک دراڑ کی طرف سے روبیر نمودار ہوئی اور اس نے چلا کر کہا۔ ''اے..... ادھر آؤ۔''

ہارن کے ہاتھ رک گئے اور پھر غائب ہو گئے۔ اس کا رخ روبیر کی طرف ہوا تھا کہ وہ پلٹ کر بھاگی اور ہارن اس کے پیچھے لپکا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ روبیر نے حماقت کی تھی وہ دراڑ سے باہر آ گئی تھی۔ وہ پلٹ کر بھاگی مگر اس کا پاؤں زمین پر پھیلے اسمار کے خون سے پھسلا اور وہ نیچے گری تھی۔ اسی وجہ سے وہ ہارن کی پہلی جھپٹ سے محفوظ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ گھمایا تھا جو اگر روبیر کو لگ جاتا تو وہیں اس کا کام ہو جاتا۔ جس دوران میں ہارن اس کی طرف لپک رہا تھا میں مشینی انداز میں حرکت میں آیا اور جس وقت روبیر پھسل کر گری میں تیر کمان پر چڑھا کر اس کا رخ ہارن کی طرف کر چکا تھا۔ نیچے گری ہوئی روبیر کو اٹھانے کے لیے اسے بہت جھکنا پڑتا اور شاید اس کے لیے اتنا جھکنا ممکن نہیں تھا۔ وہ خاصا اونچا ہارن تھا۔ اس نے بھی یہ بات محسوس کر لی کہ وہ نیچے گری اور پیچھے سرکتی روبیر کو اٹھا نہیں سکتا ہے۔

اس لیے اس نے اس پر اپنے اگلے پاؤں آزمانے کا فیصلہ کیا اور اپنے دونوں اگلے پاؤں گھوڑے کی طرح بلند کیے۔ اسی لمحے میں نے تیر چھوڑا جو عقب میں اسے ایک نہایت نامعقول لیکن بالکل درست جگہ لگا۔ ہارن نے تکلیف کی شدت سے بھیانک سی آواز نکالی اور اس کی ٹانگیں آگے گرنے کے بجائے نیچے گر گئیں۔ روبیر بال بال بچی تھی اور پھر وہ دراڑ میں داخل ہو گئی۔ اب بھی وہ لیٹ کر کھسک رہی تھی کیونکہ اسے خوف تھا کہ اگر وہ ذرا بھی اوپر ہوئی تو ہارن اسے اچک لے گا۔ مگر ہارن کو اب اس کے بجائے میری فکر تھی جس نے اس کی تشریف میں تیر مارا تھا۔ حالانکہ منطقی لحاظ سے یہ ہارن کی تشریف نہیں تھی کیونکہ وہ اس کے بل نہیں بیٹھتا ہو گا۔ وہ میری طرف گھوم رہا تھا۔ اب پیچھے تلے رہنا حماقت ہوتی۔ میرے ذہن میں چٹانوں کے باہر ایک حصہ تھا۔

میں اٹھ کر تیزی سے اس طرف دوڑا۔ ہارن نے مجھے دیکھ لیا تھا اس نے غضب ناک آواز نکالی اور میرے پیچھے لپکا۔ مگر جب تک وہ چٹانوں سے باہر آنے والے راستے پر آتا میں باہر نکل چکا تھا۔ میں چٹان ٹٹولتا ہوا اس جگہ آیا جہاں اس میں چند رخنے تھے اور تیزی سے ان میں پاؤں رکھ کر اوپر چڑھنے لگا۔ چٹان پندرہ فٹ

courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے زیادہ بلند تھی اور اگر میں اس پر چڑھ جاتا تو امید تھی کہ ہارن سے بچ سکوں گا۔ جب تک ہارن باہر آیا میں دس فٹ اوپر جا چکا تھا اور ابھی اس کی پہنچ میں تھا۔ اگر وہ باہر آتے ہی مجھے دیکھ لیتا تو میں پکڑا جاتا مگر اس نے کچھ وقت ضائع کیا۔ وہ مجھے زمین پر تلاش کر رہا تھا اور میں اوپر چڑھ چکا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو میں چٹان کے آخری حصے میں تھا۔ اس نے جھپٹتے ہوئے ہاتھ مارا اور اس کا ہاتھ میرے جوتے کو چھو گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے خود کو اوپر کھینچ لیا۔

غضب ناک ہو کر ہارن نے ایسی آواز نکالی جو شاید میل دور تک گئی ہو اور اتنے قریب سے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں مزید پیچھے ہٹا کیونکہ ہارن چٹان پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا جسم اس کام کے لیے نہیں تھا۔ اپنے بھاری وجود اور کھروں والے پیروں کی وجہ سے معمولی سی چٹان پر بھی بمشکل چڑھ سکتا ہوگا بشرطیکہ اوپر اس کے ٹھہرنے کے لیے مناسب جگہ ہو یہاں چٹانوں پر کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ اوپر چڑھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا اور اس کی کوشش کے نتیجے میں چٹان لرز رہی تھی۔ اس کا جنون برحق تھا کیونکہ میں نے اسے تیر مار کر زخمی کیا تھا۔ وہ ویسے ہی انسانوں سے نالاں رہتا تھا۔ میں محفوظ جگہ ہونے کے باوجود اس سے ممکن حد تک دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسی کوشش میں چٹان کے دوسری طرف گرتے گرتے بچا۔

یہ چٹانیں تہہ در تہہ تھیں۔ شاید کبھی یہ ایک بڑی چٹان کا حصہ رہا ہو مگر موسمی حالات اور وقت نے اسے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ چٹان میں خلا تھا اور میں اسی میں گرتے گرتے بچا تھا۔ میں جس طرح روانی سے یہ سب بیان کر رہا ہوں درحقیقت اس وقت میری ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں اور مجھے آس پاس کا نہ تو کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ سنائی دے رہا تھا۔ میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور غالباً میرے ماتھے تک سے پسینہ جاری تھا۔ خلا آیا تو میں نے سنبھل کر اس کے دوسری طرف دیکھا اور پھر چھلانگ لگا کر اس طرف آ گیا۔ تب مجھے ذرا اطمینان ہوا کہ میں ہارن کی پہنچ سے دور ہوں۔ مگر یہاں آتے ہی دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ یہ بندر نما جانور تھے جنہوں نے میری آمد کو بالکل پسند نہیں کیا اور چیخنے کی مکروہ آوازیں نکالتے ہوئے مجھے دہکانے لگے۔

میرے پاس سوائے کمان کے اور کچھ نہیں تھا میں اسی کی مدد سے انہیں ہنکانے لگا۔ وہ میرے پاس آنے کی کوشش بھی کر رہے تھے اور مجھے ان کے ناخنوں کی تیزی کا اندازہ ہو گیا تھا میرے ایک ہاتھ پر خاصی گہری خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا مگر مجھے اس وقت اس کا احساس نہیں تھا۔ بندر نما جانوروں نے محسوس کر لیا کہ میں جسامت اور طاقت میں ان سے زیادہ ہوں اور زندہ بھی ہوں اس لیے وہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ وہ پسپا ہونے لگے۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ واپس جانے لگے۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ اسار کی لاش کھانے دوڑے گئے تھے کیونکہ ہارن میرے چکر میں وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ اب ان کے لیے موقع تھا کہ وہ اپنی ضیافت وہیں سے شروع کر سکیں جہاں سے چھوڑی تھی۔ اسی وجہ سے میری جان بھی چھوٹی تھی۔

اب میرا سانس اور دماغ قابو میں آ رہا تھا اور ہارن کا جوش و خروش بھی یہی محسوس کر کے دھیما ہو گیا تھا کہ وہ اس چٹان پر کسی صورت نہیں چڑھ سکتا تھا۔ مگر وہ اب بھی آس پاس ہی منڈلا رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ روبیر کہاں تھی۔ میں نے چٹانوں کے اوپر سے دیکھا کہ وہ جگہ کہاں ہو سکتی تھی جس کے نیچے دراڑ تھی اور دراڑ میں روبیر تھی۔ یہ اصل میں ایک ہی چٹان کے مختلف حصے تھے۔ میں محتاط قدموں سے آگے بڑھا۔ دو جگہ چٹانوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھلانگ کر میں آگے بڑھا اور ایک جگہ تو گرتے گرتے بچا۔ بالآخر میں اس چٹان کے اوپر پہنچ گیا جس کے نیچے دراڑ تھی اور بندر نما جانور اسی کے نیچے مصروف عمل تھے۔ مگر یہاں کوئی جانور نہیں تھا سب نیچے جا چکے تھے۔ میں نے جھک کر روبیر کو پکارا۔ بندر نما جانور آوازیں نہیں نکال رہے تھے اس لیے روبیر نے میری آواز سن لی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں اور تم؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں بس ان جانوروں نے کچھ نیچے مارے تھے۔''

میں فکر مند ہو گیا۔ ''کیا وہ اندر گھسے تھے؟''

''ہاں مگر میں نے لاٹھی سے چند ایک کو ٹھکانے لگایا تو باقی بھاگ گئے۔''

''کیا تم باہر آسکتی ہو؟''

''نہیں کیونکہ انہوں نے پورا راستہ بند کیا ہوا ہے۔ میں ان کے درمیان سے نہیں گزر سکتی۔''

''سنو اچھا موقع ہے۔ اگر تم باہر آسکو تو چٹان کے اوپر چڑھ سکتی ہو۔ ابھی ہارن باہر ہے۔''

''کہاں سے چڑھ سکتی ہوں مجھے تو کوئی جگہ نظر نہیں آئی ہے۔''

''میں دیکھتا ہوں۔ یہ جانور زیادہ دیر یہاں نہیں رہیں گے۔'' میں نے کہا اور چٹانوں کے درمیان صحن میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جس سے اوپر چڑھا جا سکے۔ یہاں چڑھنے کے لیے کئی جگہیں تھیں مگر ان پر آسانی اور تیزی سے نہیں چڑھا جا سکتا تھا۔ جب کہ یہاں معاملہ ہی تیزی کا تھا اگر رفتار تیز نہ ہوتی تو ہارن آلیتا اور اس کے بعد حضرت عزرائیل آکر اس کے پنجے سے چھڑاتے۔ مگر ساتھ ہی وہ اپنے ساتھ بھی لے جاتے۔ پھر تاریکی بھی تھی اور اندھیرے میں ذرا سی غلطی ناکامی اور موت کا سبب بن سکتی تھی۔ میں نے دراڑ پر آکر روبیر سے کہا۔ ''مجھے ابھی ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی ہے جہاں سے تم آسانی سے اوپر آسکو۔ اس لیے ابھی تمہارا یہیں رہنا ٹھیک ہوگا۔''

''میں بھی یہاں ٹھیک ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اب یہ بھی تنگ نہیں کر رہے ہیں۔''

بندر نما جانور بہت تیزی سے لاشوں کا صفایا کر رہے تھے۔ اسمار کے ساتھ وہ اپنے مارے جانے والے ساتھیوں کو بھی کھا رہے تھے۔ ایک بار ان کا پیٹ بھر جاتا تو وہ لازمی اپنے ٹھکانے کا رخ کرتے۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ نہ صرف وادی کے اوپر تک چلے جاتے تھے۔ بلکہ یہاں نیچے وادی تک بھی آجاتے تھے۔ وادی کی تہہ سے اوپر تک کا فاصلہ کوئی نو ہزار فٹ کے لگ بھگ بنتا تھا۔ اسے آپ تین کلومیٹر یا پونے دو میل سمجھ لیں اور یہ اتنا فاصلہ عمودی طے کر کے اوپر نیچے آتے جاتے تھے۔ جب کہ دیواروں پر چڑھنا بھی آسان نہیں تھا۔ مگر صدیوں سے یہ مشق کر کے اب ان کے لیے چڑھنا اور اترنا اتنا ہی آسان ہو گیا ہوگا جتنا کہ ہمارے لیے کسی ہموار اور صاف ستھری سڑک پر سفر کرنا۔

○.....❖.....○

نہ جانے کیا وقت ہوا تھا۔ شاید نصف رات ہو گئی تھی کیونکہ گرما کے دن تھے اور سورج ڈوبتے ڈوبتے بھی ساڑھے سات کا وقت ہو جاتا تھا۔ فرض کریں کہ یہاں ساڑھے سات تک روشنی ختم ہو جاتی تھی تب بھی اس کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاصی دیر گزر چکی تھی۔ تھکن کے ساتھ اب پیاس کا احساس بہت واضح تھا۔ البتہ بھوک اتنی نہیں تھی۔ بس یہ دل کر رہا تھا کہ کہیں سے ڈھیر سارا ٹھنڈا پانی مل جائے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ حال میں بارش ہوئی تھی اور ممکن ہے چٹان کی کسی دراڑ میں پانی جمع ہو۔ میں ایسی دراڑوں کو ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ مگر یا تو ان میں پانی نہیں تھا یا پھر ایسا تھا کہ میں بس انگلیاں گیلی کر سکتا تھا اس پانی کو پی نہیں سکتا تھا۔ میں نے انگلیاں ہی گیلی کر کے اپنے خشک لبوں پر پھیر لیں۔ اس سے کسی قدر تسکین ہوئی تھی۔ نارمل حالات میں اگر اتنی دیر پانی نہ ملتا تو شاید مجھے محسوس بھی نہ ہوتا مگر ہنگامی حالات اور بھاگ دوڑ نے پیاس کی کیفیت کو بہت بڑھا دیا تھا۔

میں چٹانوں کو ٹٹولتے ہوئے آگے جا رہا تھا عقب میں یہ چٹانیں بہت دور تک بلکہ شاید وادی کی دیوار تک پھیلی ہوئی تھیں۔ کچھ جگہوں پر خلا تھے مگر بیشتر جگہوں پر اوپر سے ہموار چٹانیں تھیں۔ ایک جگہ مجھے پیالہ نما جگہ محسوس ہوئی۔ شاید اس جگہ پانی تھا کیونکہ گڑھے والی جگہ کچھ چمک سی محسوس ہوئی تھی۔ میں اس تک پہنچا اور ٹٹول کر دیکھا تو واقعی گڑھے میں کچھ پانی تھا۔ میں نے ہتھیلی میں لے کر پہلے اسے سونگھا مگر اس سے سوائے مٹی اور پانی کی مہک کے کوئی تیسری بو نہیں آئی۔ میں نے احتیاط سے تھوڑا سا منہ میں لے کر چکھا اور حلق سے اتارنے کے بجائے کچھ دیر پانی کو منہ میں ہی رکھا۔ پھر اللہ کا نام لے کر اسے حلق سے اتار لیا پانی بہت زیادہ نہیں تھا مگر میری پیاس بجھا سکتا تھا۔ اس کے باوجود میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا اگر پانی میں کوئی مُضر چیز شامل تھی تو ابھی اس کا اثر ہوگا۔ مگر جب خاصی دیر گزرنے کے بعد بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

میں نے رک رک کر کئی بار میں پانی پیا اور ہر بار پانی پینے کے بعد تھوڑی دیر انتظار کرتا تھا۔ یہ اس لحاظ سے بھی بہتر تھا کہ میں خالی پیٹ تھا۔ آج اتفاق سے ناشتے کے بعد دوپہر میں کچھ کھانے کو موقع نہیں ملا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ رات واپس جا کر ہی کھاؤں گا۔ مگر یہاں سے جانے کا موقع نہیں ملا اور بھاگ دوڑ میں پیٹ بالکل ہی خالی ہو گیا۔ پیاس بجھانے کے بعد مجھے دوسرا مسئلہ درپیش ہوا یہ بھی پانی سے ہی متعلق تھا اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں اس وقت اس دراڑ میں قید نہیں تھا۔ اکیلا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی مگر روبیر کے ساتھ یہ مسئلہ بہت زیادہ ہو جاتا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو میں ہارن کا شکر گزار تھا کہ اس کی آمد سے مجھے دراڑ سے نکلنے کا موقع ملا۔ ورنہ اسمار کے ہوتے ہوئے باہر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مسئلہ تو خاصا پہلے سے تھا مگر حالات کے تحت میں اسے دبائے ہوئے تھا۔ اب حالات بہتر ہوئے تو میں نے اسے بھی حل کر لینا مناسب سمجھا اور یہاں مناسب جگہوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

میں واپس دراڑ کے اوپر آیا تو نیچے بندر نما جانور بہت کم رہ گئے تھے۔ بیشتر کھا پی کر اوپر کا رخ کر چکے تھے۔ باقی رہ جانے والے بچا کھچا کھانے میں مصروف تھے۔ یقیناً اسمار اور مارے جانے والے بندر نما جانوروں کی ہڈیاں باقی رہ گئی ہوں گی۔ ہارن باہر اسی چٹان کے آس پاس ٹہل رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسی جگہ سے واپس اتروں گا۔ میں نے روبیر کو آہستہ سے پکارا۔ ''تم کہاں ہو؟''

''یہیں ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ کہاں چلے گئے تھے۔''

''میں اوپر ہی گھوم پھر رہا ہوں۔ یہاں کچھ پانی ملا ہے۔ اگر تم اوپر آ سکو تو تم بھی پی سکو گی۔''

''پانی۔'' وہ بے تاب ہو گئی۔ ''لیکن اوپر کیسے آؤں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دراڑ کی چھت زمین سے کوئی بیس فٹ اوپر تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسے کیسے اوپر لاؤں۔ معاً مجھے خیال آیا۔ میں نے کہا۔ ''روبیر کیا تم دراڑ کی دیواروں کا سہارا لے کر اوپر آسکتی ہو؟''

اسے بھی یہ آئیڈیا اچھا لگا۔ ''میں کوشش کرسکتی ہوں۔''

''کرو، چھت کے پاس آجاؤ تو میں تمہیں اوپر کھینچ لوں گا۔''

''لیکن یہ ترکش اور لاٹھی۔''

''انہیں اوپر اچھال دو۔'' میں نے کہا مگر پھر مجھے خیال آیا۔ ''نہیں اگر یہ واپس نیچے گرے تو آواز ہوگی اور ہارن سن کر آجائے گا۔ تم لاٹھی چھوڑ دو اور اگر ترکش کے ساتھ خود اوپر آسکتی ہو تو آجاؤ ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔''

''میں کوشش کرتی ہوں۔'' اس نے ترکش شانے پر لادا اور اس کی رسی اس کے سینے سے گزرتی کمر کے پیچھے چلی گئی تھی۔ اس نے رسی کو بل دے کر ترکش کو سختی سے باندھ لیا اور پھر دونوں ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت میں دیواروں سے لگاتے ہوئے اوپر چڑھنے لگی۔ وہ سپر فٹ تھی اور یہ کام اس کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔ وہ اس جگہ سے چڑھی جہاں چھت اس کے اوپر تھی مگر اوپر جاتے ہوئے وہ باہر کی سمت نکلی اور جب چٹان کے اوپری حصے تک تو بالکل درست جگہ تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے آرام سے اوپر کھینچ لیا۔ اس نے اوپر آتے ہی بے تابی سے پوچھا۔ ''پانی کہاں ہے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' میں اسے چٹانوں پر سے لیتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں پیالے نما جگہ پانی تھا۔ میں نے ہاتھ روک کر پیا تھا اس لیے کچھ پانی تھا جو روبیر نے بے تابی سے پیا۔ اس نے چند گھونٹ لیے تھے کہ میں نے اسے روک دیا۔ ''اب رک جاؤ، کچھ دیر بعد دوبارہ پینا۔''

وہ سمجھتی تھی اس لیے رک گئی اور وہیں بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔ ''یہ تم نے کیا حماقت کی تھی۔''

''جب آپ کو ہارن نے گھیرا تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا اور میں باہر نکل آئی۔''

''تم بال بال بچی ہو۔''

''ہاں مگر آپ بچ گئے میرے لیے یہ زیادہ خوشی کی بات ہے۔''

''میں پتا نہیں کیسے بچا، تقریباً تاریکی میں، میں اس چٹان پر چڑھا اور آخری وقت میں میرا پاؤں ہارن کے ہاتھ میں آتے آتے رہ گیا۔ وہ اب بھی اس چٹان کے نیچے ہے۔''

''شکر ہے وہ یہاں نہیں آسکتا۔'' روبیر نے گہرا سانس لے کر کہا۔

میرا بھی یہی خیال تھا مگر ہارن نے کچھ دیر بعد یہ خیال غلط ثابت کردیا۔ وقفہ دے کر روبیر نے باقی ماندہ پانی پیا اور جب پانی اتنا نہیں رہا کہ ہاتھ سے پیا جاسکے تو اس نے جھک کر ہونٹ چٹان سے لگا کر بچ جانے والا پانی چوس لیا۔ یقیناً اس کی تشنگی بھی مٹ گئی تھی۔ ہم جس جگہ تھے یہاں سے ایک قلعہ اور اس کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ درمیان میں درختوں کے کئی جھنڈ تھے اس لیے باقی دو قلعے نظر نہیں آرہے تھے۔ یہ مشرقی قلعہ تھا جو باقی دو کی نسبت سب سے چھوٹا تھا۔ روبیر نے کہا۔ ''لگتا ہے ہماری تلاش شروع نہیں ہوئی ہے۔''

''ممکن ہے اسے روشنی ہونے تک کے لیے ملتوی کردیا گیا ہو۔''

''اگر کوئی عام فرد ہوتا تو یہی کیا جاتا مگر آپ عام آدمی نہیں ہیں آپ کو ہر قیمت پر تلاش کیا جانا چاہیے تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مگر یہاں تو ایسا لگ رہا ہے حالات معمول کے مطابق ہیں اور شاید کسی نے ہماری گمشدگی کو محسوس ہی نہیں کیا ہے۔'' میں نے قلعے کی طرف دیکھا۔ وہاں سوائے روشنیوں کے اور کوئی سرگرمی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''ممکن ہے بات ابھی سامیرا اور کچھ خاص لوگوں کے علم میں ہو اور ہمیں خاموشی سے تلاش کیا جا رہا ہو۔''

''خاموشی سے کیوں؟''

''کیونکہ شاید یہ بات پھیل جائے تو دشمنوں کے حوصلے بلند ہوں اور وہ ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔''

''انہوں نے بہر صورت حملہ کرنا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا اور میرے ذہن میں خیال آیا کہ وہ کس بات کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک رویر نے میرا شانہ دبوچ لیا اور پھر دھکا دے کر نیچے گرا دیا۔ وہ خود بھی یوں لیٹ گئی تھی جیسے کسی کی نظروں سے بچنا چاہ رہی ہو ساتھ ہی اس نے میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ میں نے ناک سے ہلکی سی آواز نکال کر استفسار کیا تو اس نے ایک سمت اشارہ کیا اور جب میں نے اس سمت دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ چٹانوں کے اوپر ہارن کا انسان نما سر دکھائی دے رہا تھا اور وہ سر گھما کر ہمیں تلاش کر رہا تھا۔ نہ جانے وہ کیسے اوپر آیا اس راستے سے آنا تو ناممکن تھا جس راستے سے ہم آئے تھے۔ شاید اس نے کوئی اور راستہ تلاش کر لیا تھا جس سے وہ اوپر آ سکتا تھا۔ وہ ہم سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر تھا اور درمیان میں کوئی ایسی رکاوٹ نہیں تھی جو اسے ہم تک آنے سے روک سکتی۔ ہم اس چٹان کی طرف بھی نہیں جا سکتے تھے جس میں دراڑ تھی۔ اترنے کا ایک وہی راستہ علم میں تھا۔ ورنہ اب تک میں نے چٹانوں کا جو سروے کیا تھا اس میں نیچے اترنے کا کوئی اور راستہ دکھائی نہیں دیا تھا۔

میں نے آس پاس دیکھا، پیالہ نما چٹان کے پیچھے والی چٹان ذرا نیچی تھی۔ میں نے اشارے سے رویر کو سمجھایا کہ وہ اس طرف جائے اور نیچے اترے۔ وہ سمجھ گئی اور لیٹے لیٹے سرکنے لگی۔ میں ساکت لیٹا ہوا تھا کہ وہ میری آڑ میں تھی اور ہارن اس کی حرکت نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اس نے قدم بڑھایا اور اس کا مہیب وجود پوری طرح سامنے آ گیا۔ وہ اتنا چالاک ضرور تھا کہ ہمیں بے خبر رکھنے کے لیے دبے قدموں چل رہا تھا۔ رویر سرکتی ہوئی اس چٹان سے نیچے اتر گئی۔ اب میری باری تھی مگر میں زیادہ خطرے میں تھا۔ ہارن اب چالیس گز کے فاصلے پر تھا اور مزید نزدیک آ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب اس طرح پڑے رہنا بے وقوفی ہوتی اور میں اپنے ساتھ رویر کو بھی خطرے میں ڈال دیتا۔ میرے ذہن میں دراڑ تک پہنچنے کا خیال تھا۔

میں اچانک اٹھا اور دراڑ کی طرف بھاگا۔ اس کے لیے مجھے ہارن کے کسی قدر نزدیک سے گزرنا پڑتا اور اس میں ایک یہ خطرہ تھا کہ راستہ نہ روک لے۔ دوسرا خطرہ تھا کہ تاریکی میں میرا پاؤں کسی غلط جگہ جائے اور میں گروں تو اس کے بعد اٹھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ مگر مجھے پہلا فائدہ یہ ہوا کہ ہارن اس وقت مخالف سمت میں دیکھ رہا تھا اور جب میرے قدموں کی چاپ سے وہ چونکا تو میں تقریباً اس کے نزدیک ترین جگہ پہنچ گیا تھا۔ جب تک وہ رخ بدل کر میری طرف مڑتا تب تک میں اس جگہ سے گزر کر دراڑ کی طرف جا چکا تھا۔ ہارن غراتا ہوا میرے پیچھے لپکا اور میں نے دوڑتے ہوئے کہا۔ ''رویر اپنی جگہ رہنا وہاں سے نکلنا مت۔''

مجھے خدشہ تھا کہ ہارن کو میرا پیچھا کرتے دیکھ کر کہیں وہ اپنی کمیں گاہ سے نکل آئے۔ اس لیے میں نے اسے خبردار کر دیا تھا۔ میرے مقابلے میں ہارن کی رفتار تیز تھی۔ میں دراڑ کے قریب پہنچا تھا کہ وہ میرے سر پر پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ میرے پاس موقع نہیں تھا کہ میں رکتا اور دراڑ میں اترتا۔ اس لیے میں نے بے دھڑک دراڑ میں چھلانگ لگا دی۔ میں سیدھا گیا تھا اور میرا جسم دونوں طرف چٹانوں سے ٹکرایا مگر میں نے خود کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اب بھی میں ہارن کی حد میں تھا اور وہ جھک کر مجھے پکڑ سکتا تھا۔ چٹانوں سے ٹکرانے اور رگڑ کھانے سے میری رفتار از خود کم ہوئی تھی پھر میں نے محسوس کیا کہ میں خطرے کی حد سے نیچے آ گیا ہوں تو میں نے پاؤں مار کر اپنی رفتار گھٹانے کی کوشش کی اور فرش تک پہنچتے پہنچتے رفتار اتنی کم ہوئی تھی کہ میں آرام سے گرا تھا۔ البتہ ہاتھوں اور پیروں کا کیا حال ہوا تھا اس کا بعد میں پتا چلا۔

مجھے ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر ہارن اتنا دیوانہ ہوا کہ بے دھڑک صحن میں کود گیا۔ وہ تقریباً بائیس فٹ کی بلندی سے کودا تھا اور یہ بلندی خاص نہیں تھی مگر اس کے بے پناہ وزن نے اسے مروا دیا۔ وہ اگلے پیروں کے بل نیچے گرا اور بہت سخت لکڑی چٹخنے جیسی آواز آئی تھی۔ ہارن کے حلق سے کربناک غراہٹ نکلی اور اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو پچھلے پیروں پر کھڑا ہوا مگر جیسے ہی اس نے اگلے پیروں پر زور دینا چاہا وہ پھر نیچے گرا تھا اور اس بار اس کی غراہٹیں بہت بلند تھیں۔ اس کے گرتے ہی میں تیزی سے دراڑ میں ہوا تھا۔ تاکہ اس کی دست برد سے نکل جاؤں مگر جب اس کا حال دیکھا اور محسوس کیا تو میں آگے آیا۔ ہارن بار بار اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور ہر بار گر رہا تھا۔ اس کے دونوں اگلے پاؤں ٹوٹ گئے تھے۔ وہ ناکارہ ہو گیا تھا اور اب خطرناک نہیں رہا تھا۔

مگر اس حد تک کہ اب وہ میرا پیچھا نہیں کر سکتا تھا اگر میں یہاں سے نکل جاتا۔ مسئلہ یہاں سے نکلنے کا تھا۔ دراڑ کے عین سامنے وہ موجود تھا اور ہرگز مجھے یہاں سے زندہ سلامت جانے کی اجازت نہ دیتا۔ نیچے گرتے ہوئے مجھے خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ رگڑنے اور ٹکرانے سے جسم کوئی نصف درجن مقامات سے بری طرح دکھ رہا تھا۔ کنپٹی پر گرم گرم احساس ہوا تو میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ کنپٹی سے خون بہہ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے گرتے ہوئے میرا سر بھی کہیں ٹکرایا تھا اگرچہ اس وقت مجھے احساس نہیں ہوا۔ روبیر میرے منع کرنے کے باوجود اپنی پناہ گاہ سے جھانک کر دیکھ رہی تھی اور جب اس نے ہارن کو بھی نیچے کودتے دیکھا تو بھاگی آئی تھی اس نے دراڑ کے اوپر سے نیچے جھانکا۔ ''شہباز آپ کہاں ہیں؟..... آپ ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں کچھ چوٹیں آئی ہیں مگر کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا ہے۔''

روبیر نے ہارن کو دیکھ لیا تھا جو بار بار اٹھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ''اسے کیا ہوا ہے؟''

''میرا خیال ہے اس کے اگلے دونوں پاؤں ٹوٹ گئے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ ناکارہ ہو گیا ہے۔''

''مگر آپ اس کے پاس نہیں جائیں گے۔'' روبیر جلدی سے بولی۔ ''یہ اس حالت میں بھی بہت خطرناک ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے چوٹیں آئی ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ اوپر آ سکتا ہوں یا نہیں۔''

روبیر سے بات کرنے کے دوران میں اپنی جسمانی حالت کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے دائیں گھٹنے پر آنے والی چوٹیں شدید تھیں اور میں اس پر زور دیتا تو درد کی لہر سی اٹھتی تھی۔ ہارن اب بیٹھ گیا تھا۔ شاید اس نے جان لیا تھا کہ اس حالت میں وہ کھڑا نہیں ہو سکے گا اور اگر بچ مچ اس کے پاؤں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں تو وہ پھر کبھی کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش میں جو دھما چوکڑی مچائی تھی اس میں اسمار کی باقی رہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانے والی ہڈیاں چکنا چور ہو گئی تھیں۔ مجھے لگ رہا تھا کہ صبح قریب ہے کیونکہ آسمان پر نظر آنے والے ستارے غائب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ماحول ایک بار پھر مکمل تاریک ہو رہا تھا۔ اچانک چٹانوں کے باہر سے غرانے کی آواز آئی اور ہارن جواب خاموش تھا یک دم چوکنا ہو گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور ناکامی پر پھر غرایا تھا۔ پہلی غراہٹ واضح نہیں تھی مگر جب دوبارہ غراہٹ اور نسبتاً قریب سے آئی تو میں مضطرب ہو گیا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''اسمار آ گئے ہیں۔ تم چوکنا رہو وہ بھی اوپر چڑھ سکتے ہیں۔''

''اسمار۔'' روبیر نے سہم کر کہا۔

''پیچھے ہو جاؤ اور کوئی آواز مت نکالنا۔'' میں نے کہا۔ میں بھی خطرے کی حد سے پیچھے آ گیا تھا۔ اسمار اندر آ رہے تھے اور ان کی غرانے کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ کئی تھے۔ شاید ان کی حیوانی حس نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہاں ایک لاچار ہو جانے والا ہارن موجود ہے اور وہ ان کے لیے بڑی خوراک بن سکتا ہے۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر ہارن اور اسمار یقیناً ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور آنے والے آدھے گھنٹے میں وہاں شدید قسم کی جنگ ہوئی۔ جس میں شور تھا، غراہٹیں تھیں اور موت کا کرب بھی تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اسمار بار بار ہارن پر حملے کر رہے ہوں اور وہ اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ اس حالت میں بھی وہ کم خطرناک نہیں تھا۔ کچھ دیر میں روشنی نمودار ہونے لگی اور منظر سامنے آیا۔ سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبے ہارن کے آس پاس کم سے کم تین مردہ اسمار پڑے تھے۔

مگر ان کی تعداد یقیناً اس سے زیادہ تھی۔ نئے اور پرانے زخموں سے نڈھال ہارن اپنی مزاحمت جاری رکھے ہوئے تھا۔ مگر اسماروں نے تین قربانیاں دے کر اسے مرنے کی حد تک زخمی کر دیا تھا۔ خاص طور سے اس کے سینے پر گہرے زخم نظر آ رہے تھے جن سے بہت تیزی سے خون بہہ رہا تھا اور یہ خون زمین پر پھیلتا جا رہا تھا۔ اسمار پیچھے ہٹ گئے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ وہ مرے یا پھر اتنا بے دم ہو جائے کہ مزاحمت نہ کر سکے تو وہ پھر حملہ کریں۔ میں نے محسوس کیا کہ یہی وقت تھا کہ میں دوبارہ چٹان پر جانے کی کوشش کروں۔

اسمار ابھی کسی قدر باہر تھے اور میں ان کی نظروں میں نہیں آیا تھا۔ جسمانی تکالیف بھی بہتر تھیں۔ میں خاموشی سے اوپر چڑھنے لگا۔ احتیاطاً میں نے روبیر کو بھی آواز نہیں دی تھی کہ اسمار ہماری موجودگی سے واقف ہو جاتے۔ انسانوں سے ان کو بھی کم دشمنی نہیں تھی۔ جب میں وادی میں آیا اور پہلی بار اسمار دیکھے تو وہ ایک مردہ ہارن کھا رہے تھے اور کھانے کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ ہم پر حملہ کرنے کے لیے دوڑے آئے تھے۔ اپنے خیال کے برعکس میں آسانی سے واپس اوپر پہنچ گیا۔ جہاں روبیر ہوشیار بیٹھی تھی مجھے دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکلنے والی تھی مگر اس نے بروقت اپنی چیخ پر قابو پا لیا اور لپک کر میرے پاس آئی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اوپر کھینچا اور سرگوشی میں بولی۔ ''آپ ٹھیک وقت پر اوپر آ گئے۔ روشنی ہو گئی ہے اور اسمار بھی اندر آنے والے ہیں۔''

وہ اوپر سے سب دیکھ رہی تھی۔ نیچے سے غراہٹیں بلند ہونے لگی تھیں۔ اسمار فیصلہ کن حملے کے لیے اندر آ رہے تھے۔ میں نے احتیاط سے جھانک کر دیکھا تو چار عدد اسمار صحن میں موجود تھے اور وہ ہارن کو گھیر رہے تھے۔ ان میں جو سب سے تنومند تھا وہ ہارن کے سامنے آیا۔ ہارن مدافعت کے لیے تیار تھا مگر اسمار کا حملہ اتنا تیز تھا کہ وہ اسے روک نہیں سکا اور اسمار نے ہوا میں اڑتے ہوئے چہرے سے نیچے اس کا گلا! اپنے بھیانک جبڑے میں دبوچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا اور اس کے گلے سے ہی لٹک گیا تھا۔ ہارن نے ہاتھوں سے زور لگا کر اسے الگ کرنا چاہا تو وہ اس کا نرخرہ ادھیڑتا ہوا الگ ہوا تھا۔ ہارن نے اسمار کو چھوڑ کر اپنا گلا تھام لیا جس سے خون فواروں کی صورت میں نکل رہا تھا۔ اس کا آخری وقت آ گیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھماکے سے زمین پر گرا اور نزع کے عالم میں لرزنے لگا۔ اسمار نے اس کے مرنے کا انتظار نہیں کیا تھا وہ اس پر ایسے ہی ٹوٹ پڑے تھے۔ ان کی غراہٹیں کانوں کا امتحان لے رہی تھیں۔ روبیر نے میرے کان میں کہا۔

''بس اب چلیں، یہی موقع ہے یہاں سے نکلنے کا۔''

ہم پیچھے ہٹے اور پھر اس جگہ تک آئے جہاں سے میں ہارن سے بچنے کے لیے اوپر چڑھا تھا۔ روشنی خاصی ہو چکی تھی اور آس پاس کے مناظر صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ان مناظر میں کہیں بھی کوئی اسمار نہیں تھا۔ وہ سب چٹانوں میں ضیافت اڑانے میں مصروف تھے۔ ہم اترے اور پودوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے اس جگہ سے دور جانے لگے۔ ہمیں خوف تھا کہ اگر اسمار ہماری موجودگی سے واقف ہو گئے تو وہ ہارن کو چھوڑ کر ہمارے پیچھے لگ جائیں گے۔ شکر ہے ایسا ہوا نہیں اور ہم کسی قدر گھوم کر قلعوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔ محفوظ مقام تک پہنچ کر روبیر نے کہا۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہم بچ کر آ گئے ہیں۔''

اس وقت قلعوں کی آبادی گھروں میں تھی یا محوِ خواب تھی۔ صرف پہریدار تھے۔ جو فصیلوں پر موجود تھے۔ ہم مشرقی قلعے کے پاس سے ہوتے ہوئے مرکزی قلعے تک آئے۔ ہمیں دیکھتے ہی پہریداروں نے دروازے کھول دیئے تھے۔ ہم نے سامیرا کے مکان کا رخ کیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہمیں دیکھ کر سپاہیوں میں کچھ کھلبلی سی مچی تھی مگر کسی نے سوال نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں روکا تھا۔ سامیرا اپنے مکان کے صحن میں تھی اور پریشانی سے ٹہل رہی تھی ہمیں دیکھتے ہی وہ ہماری طرف لپکی۔ اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ ''شہباز کہاں تھے تم؟''

''میں اور روبیر عقب میں موجود چٹانوں میں پھنس گئے تھے وہاں ہمیں پہلے اسمار اور پھر ہارن نے گھیر لیا تھا۔ بہت مشکل سے بچ کر واپس آئے ہیں۔''

''بہت برا ہوا..... بہت برا ہوا۔'' وہ اضطرابی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''کاش تم دونوں صبح ہونے سے پہلے آ جاتے..... اب نہ جانے کیا ہو گا؟''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''کیا برا ہوا ہے..... آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟''

اسی لمحے دروازہ کھلا اور سومرو چند سپاہیوں کے ہمراہ اندر آیا۔ اس کا انداز جارحانہ تھا اس سے پہلے میں کچھ کہتا آنے والے سپاہیوں نے مجھے جکڑ لیا تھا اور سومرو نے سرد لہجے میں ان سے کہا۔ ''اسے لے جا کر قید کر دو۔ اس کا فیصلہ بعد میں کریں گے۔''

○.....❖.....○

مجھے جکڑنے والے تین سپاہی تھے اور میں چاہتا تو خود کو چھڑا سکتا تھا مگر میں نے ایسی کسی کوشش سے گریز کیا اور سومرو کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''اسے چھوڑ دو۔'' سامیرا نے کہا مگر اس کا انداز تحکمانہ نہیں بلکہ التجا آمیز تھا۔ سومرو نے سامیرا کی طرف دیکھا۔ میری اس سے گفتگو روبیر کے توسط سے ہو رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ جانتی ہیں یہ دونوں قانون شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان کا فیصلہ اب عدالت کرے گی۔''

''کیسی قانون شکنی؟'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم مصیبت سے بچ کر آ رہے ہیں۔ تم نے کل سے ہمیں تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی اور جب ہم آئے تو قانون شکن کہہ رہے ہو۔''

''تم دونوں پوری رات غائب رہے۔'' سومرو نے میری اور رو بیر کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہمارے قانون میں یہ جرم ہے کہ ایسے مرد و عورت جن کا آپس میں کوئی رشتہ نہ ہو رات بھر غائب رہیں۔ ان کو سزا دی جاتی ہے۔''

میرے علم میں پہلی بار یہ قانون آیا تھا اور بہ ظاہر ٹھیک ہی تھا مگر ہم اس کے غلط شکار تھے۔ میں نے جلدی سے وضاحت کی۔ ''ہم جنوبی سمت پائی جانے والی چٹانوں میں پھنس گئے تھے۔ وہاں اسمار نے ہمیں گھیر لیا تھا اور پھر ہارن بھی آ گیا۔ ان کی آپس کی لڑائی سے فائدہ اٹھا کر ہم وہاں سے نکل بھاگے۔''

''یہ اگر سچی کہانی ہے تب بھی تم عدالت میں سنانا۔'' سومرو نے کہا اور سپاہیوں کو بولا۔ ''انہیں لے جاؤ۔''

''میری بات سنو۔'' میں نے پھر کر خود کو جھٹکے سے ان تینوں سے چھڑا لیا۔ ''تم یوں مجھ پر اپنا قانون نہیں ٹھونس سکتے۔ میں یہاں کا باشندہ نہیں ہوں۔''

پیچھے ہٹتے ہی سپاہیوں نے اپنے نیزے مجھ پر تان لیے تھے۔ سومرو نے کہا۔ ''تم نے یہاں کے حکمران کا عہدہ قبول کیا اس لیے اب تم پر یہاں کا قانون لاگو ہوتا ہے۔''

میرا دماغ ایسا گھوما کہ میں سپاہیوں کی پروا کیے بغیر سومرو کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ سامیرا نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ آنکھوں میں مجھے منع کر رہی تھی کہ میں کوئی جذباتی قدم نہ اٹھاؤں۔ میں نے سومرو کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کی کیا حیثیت ہے جو یہ مجھے قید کرنے کا حکم دے رہا ہے۔''

''تم قانون شکن ہونے کی وجہ اب یہاں کے حکمران نہیں رہے ہو۔'' سومرو نے واضح کیا۔ ''تمہارے نائب کی حیثیت سے میں یہاں کا سربراہ ہوں۔ اب جب تک تم اپنی بے گناہی ثابت نہیں کر دیتے یا یہاں کے لوگ کسی دوسرے فرد کو حکمران نہیں چن لیتے میں ہی یہاں کا سربراہ سمجھا جاؤں گا۔ البتہ تم بے گناہ ثابت ہوئے تو اپنے عہدے پر بحال ہو جاؤ گے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہاں بھی عدالت اور قانون میرے ہی پیچھے تھے اور جو صحیح معنوں میں قانون شکنی کر رہے تھے ان کو پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے اگر یہ قانون ہے تو میں اس کی پاسداری کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔''

''یہاں کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوتی ہے۔'' سامیرا نے یوں کہا جیسے مجھے اطمینان دلا رہی ہو کہ میرے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔ کچھ دیر بعد میں اور رو بیر سپاہیوں کے نرغے میں قلعے کے قید خانے کی طرف جا رہے تھے۔ حالات یوں پلٹا کھائیں گے میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ قید خانہ زیادہ بڑا نہیں تھا اور فی الحال یہاں کوئی اور قیدی بھی نہیں تھا۔ مجھے اور رو بیر کو الگ الگ کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا اور یہ آمنے سامنے تھیں۔ اب بھی مجھے لگ رہا تھا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ سپاہیوں کے جانے کے بعد میں نے رو بیر سے کہا۔

''تم نے مجھے خبردار نہیں کیا کہ یہاں ایسا بھی کوئی قانون ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم تو مشکل میں پھنسے ہوئے تھے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ ''مجھے خیال نہیں آیا کہ یہ ہم پر اس کا الزام لگا سکتے ہیں۔''

''یہ ساری رات غائب رہنے سے کیا مراد ہے؟''

''اگر مرد عورت رات سے پہلے غائب ہو جائیں اور صبح روشنی ہونے تک نہ ملیں تو ان کو گرفتار کر لیا جاتا ہے اور پھر انہیں اپنی بے گناہی ثابت کرنی پڑتی ہے۔''

میں چونکا۔ مجھے برف والے کا پیغام یاد آیا جو اس نے بچے کے توسط سے دیا تھا۔ اس نے مجھے شام کے بعد قلعے سے باہر نہ جانے کا مشورہ دیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں کسی وجہ سے نہ آسکوں تب بھی صبح روشنی ہونے سے پہلے لازمی واپس آجاؤں۔ اس نے مجھے ایسی ہی کسی صورت حال سے بچنے کے لیے یہ پیغام دیا تھا؟ یقیناً یہی بات تھی۔ برف والا مستقبل میں جھانک لیتا تھا اور شاید اسے علم تھا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ مگر یہاں کیا ہوا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایسا ہوگا۔ سومرو نے قانون کو بے لچک انداز میں استعمال کیا تھا اس نے مجھے اپنے یا سامیرا کے سامنے صفائی کا موقع دیئے بغیر مجھے عدالت کے سامنے کر دیا تھا۔ اب مجھے وہاں اپنی صفائی پیش کرنی تھی۔ مجھے خیال آیا اور میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''اس طرح سے غائب ہونے والے مرد اور عورت اگر اپنی صفائی نہ پیش کر سکیں تو انہیں کیا سزا دی جاتی ہے؟''

''اگر ان میں سے کوئی شادی شدہ ہے تو اسے سزائے موت دی جاتی ہے اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اسے آبادی سے نکال دیا جاتا ہے۔''

میں حیران ہوا۔ ''تمہارا مطلب ہے قلعوں سے نکال دیا جاتا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''وہ باہر رہتا ہے۔ اسے نہ کھانا دیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی اور چیز، اگر کوئی اس سے تعلق رکھے تو اسے بھی یہی سزا دی جاتی ہے۔ نکالتے ہوئے اس سے ہر چیز لے لی جاتی ہے۔''

حرام کاری کی یہ درست سزا تھی مگر ہمارے لیے غلط تھی کیونکہ ہم نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ ''یہ کیسے طے کیا جاتا ہے کہ رات بھر باہر رہنے والے مرد و عورت نے آپس میں گناہ کا ارتکاب کیا ہے؟''

''انہیں ثابت کرنا پڑتا ہے۔'' وہ بولی۔ ''مجھے اس بارے میں صحیح سے علم نہیں ہے۔''

ہم نے رات بہت سخت وقت گزارا تھا۔ ہمارے جسم تھکن سے ہی نہیں زخموں سے بھی چُور تھے۔ روبیر مرجھائی ہوئی تھی میں نے اسے آرام کرنے کا کہا اور خود بھی قید خانے میں موجود بستر پر لیٹ گیا۔ بستر مٹی کے بنے جبوترے پر بچھا ہوا تھا۔ یہاں ایک مٹی کی مٹکی اور ایک کٹورا تھا۔ مٹکی میں پانی تھا۔ اب تک میں ششدر تھا۔ مگر جیسے جیسے مجھے یقین آرہا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ معاملہ صرف قانون کے نفاذ کا نہیں ہے اس کے پیچھے کچھ اور بھی تھا۔ سومرو کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کے اندر میرے لیے ہمدردی نہیں ہے۔ وہ شروع سے مجھ سے کھنچا ہوا تھا۔ کیونکہ فوج کی سربراہی اس سے لے کر میرے سپرد کی گئی تھی۔ وہ میرے خلاف کینہ دل میں دبائے بیٹھا ہوا تھا اور شاید اب اسے موقع ملا تھا کہ وہ کینہ نکال سکے۔ اس نے سارا کام قانون کے دائرے میں رہ کر کیا تھا اس لیے سامیرا بھی میری ایک حد سے زیادہ حمایت نہیں کر سکتی تھی۔ سوال یہ تھا کہ اگر سومرو میں بدنیتی تھی تو وہ مجھے سزا دلوانے کی پوری کوشش کرے گا اور اس نے اس کے لیے یقیناً پہلے سے پلان سوچ رکھا ہوگا۔ وہ صرف قانون پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ معاملہ نہیں چھوڑے گا کہ وہ مجھے سزا دے۔

رات جب ہم اسمارا اور پھر ہارن کے نرغے میں تھے اور موت کا سامنا کر رہے تھے تب بھی مجھے اتنی ٹینشن نہیں ہوئی تھی جتنی کہ اس وقت ہو رہی تھی۔ میں تھکن اور تکلیفوں سے چُور تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں سامیرا کے گھر پہنچ کر بس ناشتہ کروں گا اور اس کے بعد سو جاؤں گا مگر میں یہاں قید خانے میں پڑا ہوا تھا۔ ناشتہ بھی نہیں ملا تھا اور آرام دہ بستر پر بھی آرام نہیں تھا۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا جب مجھے غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو لیکن اس موقع پر میں نے اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ کچھ زیادہ ہی غیر متوقع ہو گیا تھا میرے ساتھ۔ قید خانے کا دروازہ کھلا تو میں چونکا۔ ایک نوجوان لڑکا ناشتے کی ٹرے اٹھائے اندر آیا اور اس نے ادب سے ٹرے بستر کے کنارے رکھی۔ ناشتے میں حسبِ معمول میٹھی کھیر نما چیز اور چائے تھی۔ لڑکے نے مگ اور پیالہ اٹھایا اور باہر چلا گیا۔ میں نے سوچا کہ اس سے سامیرا کو پیغام بھجواؤں کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

کچھ دیر بعد وہ آیا تو دونوں چیزیں دھو کر ان میں تازہ پانی بھر لایا تھا۔ میں نے سامیرا کا نام لے کر اسے اشاروں میں سمجھایا کہ میں سامیرا سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے سر ہلایا کر اشارہ دیا کہ وہ اسے بتا دے گا۔ جب تک لڑکا یہاں رہا دو مسلح سپاہی باہر مستعد رہے تھے۔ اس کے جاتے ہی دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر ناشتہ کرنے لگا کہ بھوکے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کھیر خاصی مقدار میں تھی میرا پیٹ تقریباً بھر گیا۔ رفع حاجت والے کام میں باہر ہی نمٹا چکا تھا اس لیے ناشتہ کر کے لیٹ گیا۔ تھکن حاوی آئی تو سو گیا۔ لیکن زیادہ دیر نہیں سو سکا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز نے مجھے چونکایا۔ اندر آنے والی سامیرا تھی۔ میں نے اٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''یہ سب کیا ہے؟ کیا سومرو دشمنوں سے مل گیا ہے؟''

اس نے گہری سانس لی۔ ''سچی بات ہے کہ میرا دل نہیں مان رہا۔ اسے تم سے بغض ہو سکتا ہے کہ تم نے اس کی پوزیشن حاصل کر لی.....''

''میں نے اپنی مرضی سے حاصل نہیں کی۔'' میں نے سامیرا کی بات کاٹ کر کہا۔ ''یہ پوزیشن آپ نے مجھے دی تھی۔''

''ہاں لیکن سومرو سے لے کر تم کو دی۔ وہ میرے بہت پرانے ساتھیوں میں سے ہے۔''

''ممکن ہے اس پرانے ساتھی کا دماغ اس ''قدر دانی'' پر پھر گیا ہو جو میرے آنے کے بعد آپ نے اس کے ساتھ کی۔''

''ہو سکتا ہے۔'' سامیرا بولی۔ ''مگر تم اطمینان رکھو۔ تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہو گی اور جلد تم اپنے عہدے پر بحال ہو جاؤ گے۔''

''ہمارے غائب ہونے کے بعد کیا ہوا تھا؟''

''جب کل شام تک تم نظر نہیں آئے تو سیبوٹ نے مجھ سے رابطہ کیا۔ تم نے اس کے ذمے کوئی کام لگایا تھا وہ تمہیں اس کی رپورٹ دینا چاہتا تھا۔ مجھے فکر ہوئی اور میں نے تینوں قلعوں میں دکھوایا مگر تم اور روبیر کہیں نہیں تھے۔ پھر میں نے سپاہیوں کو آس پاس دیکھنے کو کہا۔ وہ زیادہ تر سامنے کھیتوں اور باغات میں دیکھتے رہے۔ اس وقت مجھے لگا کہ ریناٹ کی طرف کچھ سپاہی [illegible] ہوئے ہو۔ سپاہی رات تک تلاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے رہے اور تم دونوں کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ رات کو جب سومرو کو پتا چلا تو اس نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ تم دونوں قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔''

''چٹانوں کی طرف کوئی نہیں گیا تھا؟''

''اتنی دور کا کسی کے ذہن میں نہیں آیا۔ سب کو معلوم ہے کہ اتنی دور جانا خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''میری عقل پر پتھر پڑے تھے جو پتھروں کے چکر میں اتنی دور چلا گیا۔''

وہ چونکی۔ ''کیا مطلب؟''

میں نے اسے بتایا کہ میں کس چکر میں چٹانوں تک چلا گیا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اور اگر ایسا نہ ہو سکا۔'' میں نے غور سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''میں نے سنا ہے یہاں آدمی کو اپنی بے گناہی خود ثابت کرنی پڑتی ہے اور میری بے گناہی کا ثبوت چٹانوں میں پائی جانے والی ہارن اور اسمار کی لاشیں ہوں گی۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے ایک دستہ وہاں روانہ کیا تھا انہوں نے بھی یہی بتایا کہ وہاں ایک ادھ کھایا ہوا ہارن اور کچھ اسماروں کی لاشیں موجود ہیں۔''

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میری کہانی سچی ہے۔ میں اور روبیر بدقسمتی سے وہاں پھنس گئے تھے اور ہم نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔''

''مجھے یقین ہے میرے بیٹے۔'' سامیرا نے محبت سے کہا۔ ''میں تمہیں جانتی ہوں۔''

''اگر میرے خلاف سازش ہوئی ہے تو دشمنوں نے مجھے سزا دلانے کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیا ہوگا۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' اس نے مجھے اطمینان دلایا اور پھر ایک چھوٹی سی ٹوکری سے بنی ٹوکری میری طرف بڑھائی۔ ''اس میں تمہارے لیے کچھ چیزیں لائی ہوں۔''

ٹوکری میں میٹھی ٹکیاں اور کچھ پھل تھے۔ چند دنوں سے پھل بھی اترنا شروع ہو گئے تھے اور وہ انصاف سے تمام لوگوں میں بانٹ دیئے جاتے تھے۔ میں نے سامیرا کا شکریہ ادا کیا۔ ''مجھے برف والے نے خبردار کیا تھا کہ شام کے بعد قلعے سے باہر نہ جاؤں اور اگر کسی وجہ سے چلا جاؤں تو اگلی صبح روشنی ہونے سے پہلے واپس آ جاؤں۔''

سامیرا تشویش زدہ ہو گئی۔ ''برف والے نے خبردار کیا تھا۔''

''اس سے آپ اندازہ کر لیں کہ معاملہ گھمبیر ہے۔ یہ صرف قانون شکنی کا الزام نہیں ہے۔ اس کے پیچھے میرے دشمن ہیں اور آپ جانتی ہیں میرے دشمن کون ہیں۔ اس سازش کے سرے یہاں سے آرگون تک پھیلے ہوئے ہیں۔''

سامیرا سوچتی رہی پھر اس نے سر ہلایا۔ ''میں دیکھوں گی۔ اگر کوئی سازش بھی ہوئی تو میں اس کا مقابلہ کروں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمیں عدالت میں کب پیش کیا جائے گا؟''

''کل تک۔'' اس نے جواب دیا۔

سامیرا کے جانے کے بعد میں دوبارہ لیٹ گیا۔ کچھ دیر پہلوں سے دل بہلاتا رہا پھر سونے کی کوشش کی اور مجھے اونگھ بھی آ گئی۔ اسی دوران میں روبیر کی کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ میں نے توجہ نہیں دی ممکن ہے اسے کوئی ضرورت ہو جس کی وجہ سے اسے کوٹھری سے نکالا گیا ہو۔ میں سو گیا تھا۔ دوسری بار میری آنکھ کھلی تو شام قریب تھی کیونکہ باہر روشنی کم ہو گئی تھی۔ کوٹھری میں ایک طرف روشن دان تھا جس سے باہر کا پتا چلتا رہتا تھا۔ کسی قدر آسمان (دھند) بھی نظر آتی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو روبیر اپنی کوٹھری میں تھی اور مجھے واش روم جانے کی حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر کوٹھری کا دروازہ بجایا۔ وہی لڑکا آیا جو صبح ناشتہ لے کر آیا تھا۔ میں نے روبیر کے توسط سے اسے بتایا کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ وہ گیا اور دو سپاہیوں کو لے آیا۔ ان کی معیت میں، میں قید خانے کے گزارے لائق واش روم گیا۔

فارغ ہو کر میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ جہاں جہاں چوٹوں پر خون جم گیا تھا وہ جگہیں صاف کیں۔ زخم بھرنے والی پوزیشن میں آ گئے تھے اس لیے میں نے ان کو دھونے میں حرج نہیں سمجھا۔ جہاں صبح بڑے نیل تھے اب وہاں معمولی نشانات رہ گئے تھے۔ مہینوں گزر گئے مگر حکیم قادس کی دی ہوئی دواؤں کا اثر اب بھی برقرار تھا اور میرے زخم اور چوٹیں بہت جلد ٹھیک ہو جاتے تھے، اس کی بنیادی وجہ وہ پتھر نما سیاہ چیز تھی جس کا سفوف دواؤں میں استعمال ہوتا تھا۔ اورگان نے راجا عمر دراز کو بتایا تھا کہ یہ سیاہ پتھر نما چیز وادی کی بعض ندیوں میں ملتی تھی اور کمیاب تھی۔ ڈیوڈ شا اس سیاہ پتھر نما چیز کے چکر میں بھی آیا تھا۔ بیرونی دنیا میں اس کی کیا قیمت ہوتی اس کا اندازہ لگانا بھی محال تھا۔ میں واپس آیا تو روبیر کوٹھری کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔ میں اس کے پاس رکا۔

''تم کہیں گئی تھیں؟''

اس نے انکار کیا۔ ''نہیں۔''

''لیکن تمہاری کوٹھری کا دروازہ کھلا تھا۔''

اس نے نظریں چرائیں۔ ''آپ کو لگا ہوگا ورنہ میری کوٹھری کا دروازہ بھی نہیں کھلا۔''

میں نے دیکھا نہیں تھا صرف سنا تھا۔ یہ کوئی خاص بات نہیں تھی مجھے غلط فہمی ہو سکتی تھی۔ مگر روبیر نے جس طرح سے نظریں چرائی تھیں اس سے میں کھٹکا تھا۔ کیا اس نے جھوٹ بولا تھا کہ اسے کہیں لے جایا نہیں گیا تھا؟ میں سوچتے ہوئے واپس اپنی کوٹھری میں آ گیا۔ دروازہ ٹھوس لکڑی کا بنا ہوا تھا صرف اس کے اوپری حصے میں ایک پانچ انچ چوڑا اور کوئی دس انچ لمبا سوراخ تھا۔ اس سے جھانک کر باہر دیکھا جا سکتا تھا۔ میں نے پانی پیا اور ہلکی پھلکی ایکسر سائز کرنے لگا۔ چوٹوں کا درد کم تھا اور مجھے حرکت کرنے میں خاص دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ ایک اجنبی جو باہر سے آیا تھا جس طرح اس جگہ کا حکمران بنا تھا اسی طرح اچانک وہ مجرم اور قیدی بن گیا تھا۔ مگر میں اس کا یا پلٹ کا عادی ہو گیا تھا اور کسی بھی نئی صورتِ حال کا مجھ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کل ہونے والے مقدمے کی فکر تھی۔ جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ میرے دشمنوں نے میرے لیے کوئی سرپرائز تیار رکھا ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات کا کھانا تاریکی چھاتے ہی پیش کر دیا گیا تھا۔ گویا یہاں قیدیوں کو دو وقت ہی کھانا ملتا تھا۔ سامیرا میرے لیے جو ٹوکری لائی تھی اس سے میرا گزارا ہو گیا۔ پھلوں میں ایک سیب سے ملتا جلتا تھا اور ایک انگور نما تھا مگر یہ شکل میں آم جیسے تھے یوں لگ رہا تھا کہ آم کو منی ایچر کر دیا گیا ہو۔ سیب نما پھل کا ذائقہ بھی سیب جیسا تھا۔ تیسرا پھل نامانوس تھا۔ اس کے اوپر ٹماٹر کی طرح کا چھلکا تھا اور اندر شہد جیسا میٹھا گودا بھرا ہوا تھا۔ مجھے سب سے اچھا یہی لگا تھا۔ کچھ پھل بچ گئے جو میں نے رات کے کھانے کے بعد بطور سویٹ ڈش استعمال کیے۔ صبح میری اور روبیر کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ ہماری دنیا میں اب اس کا فیصلہ بہت آسانی سے ہو جاتا ہے کہ مرد و عورت غلط کاری کے مرتکب ہوئے ہیں یا نہیں۔ ان کا میڈیکل چیک اَپ ہو جاتا ہے مگر یہاں اس قسم کا کوئی تصور نہیں تھا۔

صبح میری آنکھ جلد کھل گئی تھی۔ باہر ابھی تاریکی تھی۔ یہاں آنے کے بعد سے بہت کم ایسا ہوا تھا کہ میں روشنی ہونے تک سوتا رہا ہوں عام طور سے اس سے پہلے اٹھ جاتا تھا۔ روز صبح اٹھتا تھا مگر اللہ یاد نہیں آتا تھا۔ اب مشکل پڑی تو اللہ یاد آیا اور میں نے مٹکی کے پانی سے وضو کر کے اندازے سے قبلہ رُو ہو کر فجر کی نماز ادا کی اور دعا کی کہ بہت مہربان پروردگار مجھے اس آزمائش سے بھی محفوظ رکھے اور مجھے دشمنوں کے سامنے سرخرو کرے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ میں نے خاص طور سے دعا کی اور میرے اندر کا بوجھل پن ہلکا نہ ہوا ہو۔ اس بار بھی میں نے خود کو ہلکا محسوس کیا اور اٹھ کر ہلکی ورزش کی۔ روشنی ہوتے ہی ناشتے اور دوسرے لوازمات کا مرحلہ آ گیا۔ اس سے فارغ ہوا تو سپاہی آ گئے۔ انہوں نے مجھے اور روبیر کو کوٹھریوں سے نکالا اور ہمیں لے کر روانہ ہوئے۔ روبیر نے مجھ سے بات نہیں کی اور نہ ہی وہ مجھ سے نظریں ملا رہی تھی۔ اس کا انداز مجھے کھٹکا ضرور تھا مگر اس وقت میں نے اتنی توجہ نہیں دی تھی۔ قید خانے سے باہر آئے تو لوگوں کا ایک جم غفیر منتظر تھا اور وہ ہمارے ساتھ ہی روانہ ہوا۔

○ ..... ❖ ..... ○

ہمارے ساتھ چلنے والے لوگوں کے انداز میں کوئی مخالفت یا موافقت نہیں تھی ان کا انداز بے نیازانہ تھا۔ بہت کم لوگ تھے جن میں مجھے جذبات کی آمیزش نظر آئی۔ اس جلوس کے ساتھ ہم قلعے کے دروازے کے قریب ایک کھلی جگہ پہنچے جو شاید اسی کام کے لیے مخصوص تھی۔ وہاں عدالت سجی ہوئی تھی۔ سومرو، مینات اور کاٹینور کے ساتھ قلعے کے تمام اہم عہدیداران اور سامیرا بھی وہاں موجود تھے۔ سماعت دیکھنے کے لیے تینوں قلعوں کی تقریباً ساری آبادی بھی یہاں موجود تھی۔ مجھے اور روبیر کو الگ الگ جگہ کھڑا کر دیا گیا اور سومرو نے سرکاری وکیل کا کردار ادا کرتے ہوئے ہم پر فردِ جرم عائد کی کہ ہم نے غیر قانونی جسمانی تعلق قائم کر کے اس وادی کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے ہمیں سزا دی جائے۔ اس نے لمبی تقریر کرنے کے بجائے مختصر بات کی۔

اس کے بعد جج رائنون جسے میں جانتا تھا اور وہ اس جگہ کے معزز لوگوں میں شمار ہوتا تھا اس نے مجھ سے اپنی صفائی دینے کو کہا۔ میرے ترجمان کے طور پر سامیرا کھڑی ہو گئی کیونکہ روبیر تو خود ملزم تھی۔ وہ میری ترجمان نہیں بن سکتی تھی۔ میں نے گزشتہ شام سے پیش آنے والے واقعات اپنی صفائی میں پیش کرنا شروع کیے اور تفصیل سے بیان کیا کہ میں اور روبیر کن کن مراحل سے گزرے۔ ہمیں چوٹیں لگیں اور درندوں سے موت کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم محصور ہو گئے اور اس وجہ سے ہم قلعے کی طرف واپس نہیں آ سکے۔ سامیرا میرے بیان کو منظم انداز میں ترجمہ کر رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ رائنون اور عدالت میں موجود دوسرے لوگ میری صفائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے متاثر ہوئے تھے۔ سومرو سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ مگر باقیوں کے چہروں پر میرے لیے ہمدردی واضح تھی۔ مجھے امید ہوئی کہ عدالت مزید تفتیش کا حکم دے گی کہ میرے بیان کی تصدیق کی جا سکے۔ اس صورت میں ہمارے بری ہونے کا امکان بڑھ جاتا۔ میرا بیان مکمل ہوا اور جج رائنون نے روبیر سے پوچھا۔

''کیا تم شہباز کے بیان کی تائید کرتی ہو؟''

روبیر جو اس دوران میں سر جھکائے خاموش کھڑی رہی تھی اس نے چند لمحے بعد کہا۔ ''نہیں، میں ان کے بیان کی تائید نہیں کرتی۔''

عدالت میں ہلکا سا شور بلند ہوا تھا۔ مگر رائنون نے ہاتھ بلند کیا تو خاموشی چھا گئی۔ اس نے پوچھا۔ ''تب تم اپنا بیان دے سکتی ہو۔''

''ہم کل قلعے کے پیچھے والی چٹانوں کی طرف گئے اور ہم رات وہیں رہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ.....'' کہتے ہوئے روبیر کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ ''ہم جسمانی طور پر ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔''

میں دنگ رہ گیا تھا۔ اگرچہ روبیر کا انداز پہلے ہی بتا رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے مگر وہ اتنا بڑا جھوٹ بولے گی اس کا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں ہی نہیں عدالت میں موجود تمام ہی افراد روبیر کی بات پر دم بہ خود رہ گئے تھے۔ مجھے سومرو کے چہرے پر بھی حیرت نظر آئی جیسے اسے توقع نہیں تھی کہ روبیر یہ بات کہہ دے گی۔ میں نے تڑپ کر کہا۔ ''یہ غلط ہے..... روبیر جھوٹ کہہ رہی ہے۔''

سامیرا نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میری بات کا ترجمہ کر دیا۔ رائنون نے جواب دیا۔

''شہباز اپنی بات کر چکا ہے اس لیے روبیر کو اپنی بات کرنے دی جائے۔''

یہاں وکیل کا کوئی رواج نہیں تھا۔ آدمی براہِ راست اپنا مقدمہ خود لڑتا تھا۔ روبیر نے کہا۔ ''ہم چٹانوں کے اندر تھے۔ اس لیے ہمیں علم نہیں تھا کہ باہر اسمار آ گئے اور پھر ہارن بھی آ گیا۔ ان سے بچنے کے لیے ہم بھاگتے رہے اور صبح ہو گئی۔''

''روبیر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔'' اس بار میں نے براہِ راست اسے مخاطب کیا۔ ''جو بات ہوئی ہی نہیں تم اس کا اقرار کیسے کر رہی ہو۔''

سومرو آگے آیا۔ ''جناب ملزمہ نے اقرار کر لیا ہے جو دونوں کے اقرار کے برابر ہے اس لیے انہیں سزا سنائی جائے۔''

سامیرا جو عدالت میں آتے ہوئے پُر اعتماد تھی۔ اس وقت وہ شاک کی کیفیت میں دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''آپ مجھے جانتی ہیں کہ میں کیسا آدمی ہوں۔ یہ سازش ہے جو آرگون والوں کی طرف سے کی جا رہی ہے۔ یہ سب سازش کے مہرے بنے ہوئے ہیں ان میں روبیر بھی شامل ہے۔''

''میں تمہیں جانتی ہوں۔'' سامیرا نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''لیکن میں روبیر کو بھی جانتی ہوں یہ جھوٹ نہیں بولتی۔''

''ابھی اس نے جھوٹ ہی بولا ہے۔''

اپنا بیان دے کر روبیر سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کے بیان نے لوگوں کے تاثرات ہی بدل دیے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور جواب تک اس معاملے میں غیر جانب دار تھے ان کی نظروں میں اب میرے لیے حقارت اور نفرت تھی۔ وہ آپس میں میرے خلاف بول رہے تھے۔ شاید برا بھلا کہہ رہے تھے۔ رائنون نے اپنا ہاتھ بلند کیا تو پھر خاموشی چھا گئی۔ رائنون نے کہا۔ ''ایک ملزمہ کے اعترافی بیان کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں نے رات کی تاریکی میں غلط کاری کا ارتکاب کیا ہے۔ دونوں مجرم ثابت ہوتے ہیں۔ اگر یہ شادی شدہ ہوتے تو ان کو موت کی سزا دی جاتی لیکن یہ غیر شادی شدہ ہیں اس لیے ان کو قلعے سے نکالنے کی سزا دی جاتی ہے۔ اس سزا پر فوری عمل کیا جائے۔''

روبیر کے بیان کے بعد میری کسی قسم کی صفائی بیکار تھی۔ معاملہ ایسا تھا کہ ایک فریق بھی اقرار جرم کر لے تو دوسرا خود بہ خود ملوث ہو جاتا تھا۔ اگر یہ سازش تھی تو روبیر اس میں برابر کی شامل تھی۔ سزا اسے بھی ملتی مگر اسے سزا نہیں ملتی کیونکہ وہ آرگون جا سکتی تھی جہاں اس کا شاندار استقبال ہوتا۔ میں مارا جاتا کیونکہ آرگون میں پہلے ہی میرے دشمن تھے وہ پہلی فرصت میں مجھے ہارن کے سامنے پھینک دیتے۔ اب یہاں بھی میرے دوست نہیں رہے تھے۔ اس واقعے نے جیسے مجھے سن کر دیا تھا۔ ایسی ذلت اور خود کو حقیر میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ سزا سنتے ہی سامیرا عدالت سے نکل گئی تھی۔ وہ شاید مجھے سزا پاتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کیونکہ سزا پر فوری عمل درآمد کا حکم دیا گیا تھا۔ سپاہی مجھے جلوس کے ساتھ قلعے کے دروازے تک لائے اور اس سے باہر دھکیل دیا۔ میرے جسم پر سوائے لباس اور پیروں میں جوتوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ مجھے کوئی ہتھیار نہیں دیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی دوسرا سامان تھا۔ سومرو بھی آیا تھا اور اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم ہماری زبان سمجھتے ہو لیکن بول نہیں سکتے۔ تمہیں صرف قلعے سے ہی نہیں نکالا گیا ہے۔ بلکہ وہ تمام جگہیں جو ہمارے استعمال میں ہیں وہاں تمہارا داخلہ منع ہے۔ نظر آنے کی صورت میں سپاہی تمہیں گرفتار کر لیں گے اور دوسری بار تمہیں سزائے موت ملے گی۔''

''خواہش تو تمہاری یہی ہو گی مجھے سزائے موت ملے۔'' میں نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میری بات نہیں سمجھ رہا ہے مگر میں دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ ''زندگی میں پہلی بار مجھے پچھتاوا ہو رہا ہے کہ میں کن لوگوں کے کام آ رہا تھا۔''

سومرو اور سپاہیوں کے ساتھ وہاں عام پبلک کا ایک چھوٹا سا ہجوم بھی تھا۔ مجھے اس میں مختصر بالوں والے ایک نوجوان کی جھلک نظر آئی۔ میں نے اکثر اسے سامیرا کے پاس دیکھا تھا۔ میری نظر اس پر گئی تو اس نے سر سے قلعے کے پیچھے والی سمت اشارہ کیا۔ کیا وہ مجھے اس طرف جانے کا کہہ رہا تھا؟ سومرو نے کہا۔ ''تم نہ جانے کیا کہہ رہے ہو لیکن اب یہاں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے اور تم جا سکتے ہو اپنے انجام کی طرف۔''

○.....❖.....○

زبان سے کہتا تو سمجھ میں نہ آتا میں نے اس سے اشارے سے تیر کمان یا لاٹھی دینے کو کہا۔ میں بالکل نہتا تھا اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہارے ساتھ رعایت ہو رہی ہے ورنہ اس سزا میں باہر نکالے جانے والوں کا لباس تک اتار لیا جاتا ہے۔ اب جاؤ تمہاری مہلت ختم ہو رہی ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے قلعوں اور ہماری زمین سے دور نکل جاؤ۔ اس کے بعد یہاں نظر آئے تو گرفتار کر لیے جاؤ گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبیرا بھی تک نہیں لائی گئی تھی۔ شاید اسے بعد میں نکالا جاتا۔ میں مغرب کی طرف چل پڑا۔ بے اختیار غالب کا شعر ذہن میں گونجا تھا۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

یہ شعر اس وقت میری حالت پر بالکل صادق آ رہا تھا۔ کل تک میں جن لوگوں کے لیے دن رات ایک کر رہا تھا انہوں نے مجھے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکنے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔ میں سوچتا رہا اور خون جلاتا ہوا چلتا رہا۔ دوسرے قلعے کو پار کر کے میں جھاڑیوں والی جگہ پہنچا اور وہاں سے جنوب کی طرف مڑ گیا۔ کوئی ایک کلومیٹر چلنے کے بعد میں دوبارہ مشرق کی طرف مڑا اور مرکزی قلعے کے عقبی سمت جانے لگا۔ مجھے اس نوجوان کا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ شاید ریبک یا اسی قسم کا کوئی نام تھا۔ میں قلعے کے عقب میں ایک ایسی جگہ پہنچا کہ قلعے سے تو مجھے نہیں دیکھا جا سکتا تھا مگر کوئی اس طرف آتا تو میں اسے فوراً نظر آ جاتا۔ میری نگاہیں قلعے کی طرف تھیں۔ مگر ریبک عقب سے نکلا تھا۔ اس نے شش کر کے مجھے پکارا تو میں اچھل پڑا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ پہلے ہی یہاں پہنچا ہوا ہوگا۔

وہ ایک درخت کے پیچھے تھا۔ میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے ایک بڑا سا تھیلا، مضبوط قسم کا نیزہ، کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش اٹھا رکھا تھا۔ اس نے یہ سب میرے حوالے کر دیا۔ میں نے تھیلا کھول کر دیکھا اس میں کھانے پینے کا خاصا سامان اور ایک نیا لباس بھی تھا۔ مگر سب سے اہم چیز مٹی کی ایک بوتل میں وہ محلول تھا جسے پینے کے بعد ہارن، اسمار اور گونر جیسے درندے آپ کے پاس پھٹکنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب مجھے سامیرا نے بھیجا تھا۔ ریبک نے سامیرا کا پیغام دیا۔ اس نے کہا۔ ''میرے بیٹے، مجھے معلوم ہے تم بے گناہ ہو لیکن میں کھل کر تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ آرگون والے یہاں جو فتنہ پھیلا رہے ہیں اس سے نمٹنے کے لیے ضروری ہے کہ میں اپنی جگہ موجود رہوں۔ تم سمجھ لو کہ اوپر والے کی طرف سے یہ تمہاری آزمائش ہے۔ جلد تم اس میں سرخرو ہو گے اور تمہارے دشمن ناکام ہوں گے۔ ریبک میرا بااعتماد ہے۔ یہ ہر تیسرے دن تمہارے پاس آئے گا تم چاہو تو اس سے مجھے کوئی پیغام بھیج سکتے ہو۔ یہ تمہارے لیے کھانے پینے کا سامان لے کر آئے گا۔ ابھی یہ تم کو ایک خفیہ جگہ دکھائے گا جہاں تم رہ سکتے ہو اور تمہیں وہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوگا۔''

میں نے سر ہلایا تو اس نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے جنوب کی طرف لے جائے گا مگر اس نے مغرب کا رخ کیا۔ ہم قلعوں کے عقب سے ہوتے ہوئے مغرب میں واقع گھنے جنگلوں کی طرف جانے لگے۔ اس طرف بھی چٹانیں تھیں مگر جنگل زیادہ تھے۔ ریبک مجھے زیادہ اندر نہیں لے گیا۔ ہم کچھ دور گئے ہوں گے کہ ایک ٹیلا نما چٹان آ گئی۔ ریبک مجھے لے کر اس کے عقب میں آیا۔ یہاں چٹان کے ساتھ گھنی جھاڑیاں تھیں اور ان کے ساتھ بیلیں بھی چڑھ رہی تھیں۔ ان ہی بیلوں کے درمیان لکڑی کی سیڑھی چھپی ہوئی تھی۔ یہ سیڑھی کوئی پچیس فٹ کی بلندی تک سیدھی گئی۔ ریبک پہلے چڑھا اور میں اس کے پیچھے تھا۔ ٹیلا اوپر سے بھی سرسبز تھا۔ اس پر مٹی جمع ہوئی تھی اور بارش کے پانی نے اس میں سبزہ اگا دیا تھا۔ ٹیلے کے عقبی حصے میں لکڑی سے ہی ایک چھوٹا سا ہٹ بنا ہوا تھا۔ اس کا سائز آٹھ ضرب آٹھ فٹ تھا اور چھت کی اونچائی سات فٹ سے زیادہ نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ یہاں فرش پر نرم بستر بچھا ہوا تھا۔ پانی کے لیے یہاں ایک چھوٹا مٹکا، ایک ڈول جس میں پانی بھر کر لایا جا سکتا۔ ایک عدد پیالہ اور کچھ برتن تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں کبھی کوئی رہتا تھا۔ سامنے کی طرف دروازہ تھا اور عقب میں کھڑکی تھی جسے کھول کر ٹیلے کے نیچے بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ ربیک نے کہا۔

''یہ آپ کی رہائش ہے یہاں ہارن، اسمار یا گونز نہیں آسکتے۔ نیچے اترتے ہوئے آپ کو محتاط رہنا ہوگا۔ پانی یہاں سے کچھ دور ہے۔'' اس نے ہاتھ سے ٹیلے کے مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ ''صبح اور شام کے اوقات میں وہاں جانے سے گریز کریں کیونکہ جانور پانی پینے آتے ہیں۔ میں تین دن بعد پھر آؤں گا۔''

اگرچہ اس وقت میرے ذہن میں خیال آیا کہ مجھے کب تک یہاں رہنا ہوگا؟ مگر سوال قبل از وقت تھا۔ ظاہر ہے مجھے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا تھا۔ جیسے ہی حالات میرے لیے موافق ہوتے اور مجھے موقع ملتا میں یہاں سے نکل جاتا۔ میں نے سر ہلایا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور سیڑھی سے نیچے اتر گیا۔ وہ ٹیلے سے گھوم کر قلعوں کی طرف روانہ ہوا تھا۔ سیڑھی مضبوط لکڑی کی تھی اور خاصی پرانی تھی۔ مگر وقت نے اس کی مضبوطی پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ میں نے تھیلا اور دوسری چیزیں کیبن میں رکھیں اور باہر آیا۔ سامنے چھوٹا سا قدرتی باغ تھا جس میں گھاس کے ساتھ رنگا رنگ اور خوشبو دار پھولوں والے پودے اگ آئے تھے۔ یہاں کچھ گول اور چپٹی تراش والے پتھر نشست کے طور پر رکھے ہوئے تھے۔ آدمی ان پر آرام سے بیٹھ سکتا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ اس جگہ کا سامیرا سے کوئی تعلق رہا ہے۔

○.....❖.....○

ابھی دن اپنے عروج پر تھا اور دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔ مسلسل چلنے سے صبح کا ناشتہ ہضم ہو گیا تھا میں نے تھیلے کا جائزہ لیا اور اس میں موجود تازہ پھل پہلے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ اتنی مقدار میں تھے کہ دو دن آرام سے گزارا ہو جاتا۔ مجھے سامیرا کی اس مدد سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ وہ میری بے گناہی کی قائل تھی۔ وہ جس طرح سے میرا ساتھ دے رہی تھی اس سے ظاہر تھا کہ وہ ناامید نہیں ہے۔ مجھے روبیر کا خیال آیا اور میں نے بیزاری سے اسے ذہن سے جھٹک دیا۔ بہ ظاہر معصوم نظر آنے والی اس لڑکی نے وہی کیا تھا جو کوئی خوب صورت ناگن کر سکتی تھی۔ اس نے مجھے اس وقت ڈسا جب میں اس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ پھر مجھے برف والے کا خیال آیا کیا اسے میری حالت اور مجھ پر گزرنے والے واقعات کی خبر تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اسے خبر ہو اور ہوسکتا تھا کہ اسے خبر نہ ہو۔ وہ بہر حال ایک انسان تھا جو اپنی حدوں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

برف والے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اب میں کیا کروں تو مجھے پانی کا منبع دیکھنے کا خیال آیا۔ ربیک نے صبح اور شام کے اوقات وہاں جانے سے منع کیا تھا اور ابھی دن تھا۔ میں نے مٹکا چیک کیا۔ اس میں پرانا پانی تھا۔ اسے پھینک کر میں نے مٹکا اور ڈول لیا اور ٹیلے سے نیچے اترا۔ ڈول میں نے بے دھڑک پھینک دیا کہ وہ مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا البتہ مٹکا احتیاط سے پکڑ کر نیچے اترا تھا۔ کیونکہ وہ مٹی کو پکا کر بنایا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ یہاں پکانے والی مٹی بہت اعلیٰ درجے کی تھی اور یہ لوگ اس سے بہت نفیس برتن اور دوسری چیزیں بناتے تھے۔ شفاف پانی کی ندی چند گز دور ہی پودوں کے عقب میں بہہ رہی تھی اور اس کی چوڑائی دس فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ پتھروں اور جمی ہوئی کائی پر اس کا شفاف پانی روانی سے پھسلتا ہوا آگے جا رہا تھا۔ کچھ نیچے جا کر ندی ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تالاب میں گر رہی تھی اور یہاں اتنی جگہ تھی کہ ایک آدمی آرام سے نہا سکتا تھا۔ میں نے ممکنہ خطرات کو بالائے طاق رکھا اور لباس اتار کر پانی میں گھس گیا۔

یہاں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا اس لیے مجھے جھجک نہیں ہوئی۔ کئی دن سے نہانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ پھر بہتی ندی میں نہانے کا اپنا ہی الگ مزہ ہے جو انسان کو کم ہی ملتا ہے۔ دل بھر کر نہانے کے بعد میں نے مٹکا اور ڈول دھوئے اور ان میں تازہ پانی بھر کر ٹیلے کے اوپر لے گیا۔ پہلے مٹکا لے کر گیا۔ یہ کام خاصا مشکل ثابت ہوا البتہ ڈول سے پانی لے جانا اتنا مشکل نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اب ڈول سے ہی پانی لے جاؤں گا۔ میں نے اتارا ہوا لباس بھی دھو لیا تھا۔ یہ کچھ جگہوں سے پھٹ گیا تھا اور کہیں کہیں خون کے داغ بھی آئے تھے مگر پہننے کے قابل تھا۔ اسے دھو کر سوکھنے کے لیے پھیلا دیا اور سامیرا کا دیا ہوا لباس پہن لیا۔ کیبن میں جلانے کے لیے مشعلیں اور آگ لگانے والی تیلیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ ہماری طرح ماچس سازی کا فن جانتے تھے۔ مسالہ بنا کر تیلیوں پر لگایا جاتا جو معمولی سی رگڑ سے جل اٹھتا تھا۔ کئی انچ لمبی یہ تیلیاں خاصی مقدار میں پہلے سے یہاں موجود تھیں۔

ابھی روشنی تھی اس لیے مشعل جلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیبن کی دیوار میں مشعل لگانے کی جگہ بھی تھی۔ اب تک میں خود کو بہلا رہا تھا مگر میرے اندر انتشار برپا تھا۔ میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں آیا تھا۔ زبردستی لایا گیا تھا اور پھر وادی میں بھی اپنی مرضی سے نہیں اترا تھا۔ دیکھا جائے تو برف والے نے یہاں ڈیوڈ شا کا کردار ادا کیا تھا جیسے وہ مجھے زبردستی وادی تک لے آیا تھا اسی طرح برف والے نے زبردستی مجھے وادی میں اتار دیا۔ پہلے رینات کے حوالے کیا اور وہاں سے ایک جان لیوا مرحلے سے گزر کر میں سامیرا کے پاس پہنچا۔ وہاں پہلے تو یہ عزت ملی کہ مجھے مختار کل بنا دیا اور پھر بے عزت کر کے ایک گھٹیا سے الزام کے تحت گھٹیا مجرم کی طرح سزا دے کر شہر بدر کر دیا۔ میں اس ویرانے میں بیٹھا ہوا تھا اور فی الحال یہ فیصلہ کرنے سے بھی قاصر تھا کہ کہاں کا رخ کروں؟

ندی میں نہاتے ہوئے مجھے خیال آیا تھا کہ میں وادی سے نکلنے کی کوشش کروں۔ میں نے وہ راستہ دیکھا تھا جہاں سے آرگون کے سپاہی مجھے نیچے لائے تھے۔ میں چاہتا تو اسی راستے سے واپس اوپر جا سکتا تھا۔ مگر مجھے یہ خیال اچھا نہیں لگا۔ ٹھیک ہے میرے ساتھ اچھا نہیں ہوا تھا مگر میں برف والے اور سامیرا جیسے لوگوں کو ان سازشیوں پر چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ جو وادی کا امن و سکون تباہ کرنے کے درپے تھے۔ ان میں سے کچھ سازشی اندر کے تھے اور کچھ سازشی باہر سے آئے تھے۔ ڈیوڈ شا وہ شخص تھا جو مجھے یہاں لایا تھا اور اس کا ایک مقصد تھا۔ میں اس کے مقصد کو ناکام بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کو تیار تھا۔ اس کے لیے یہاں رکنا ضروری تھا۔ نہانے سے میرے اندر ابلتا ہوا احساس ٹھنڈا ہوا تھا اور اب میں بہتر طور پر سوچ سکتا تھا۔ یہاں مجھے پہلا خیال اس معلومات کا آیا جو کیرٹ نے مجھے دی تھیں اور میں نے ان کو اپنی حد تک محدود رکھا تھا۔

یہ بھی خدا کی قدرت تھی کہ شاید وہ ان معلومات کو بچانا چاہتا تھا۔ ورنہ میں سومرد اور دوسرے لوگوں سے اس کا ذکر کر چکا ہوتا۔ میں نے صرف سامیرا سے بات کی تھی اور اس نے ان معلومات میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی اس کے خیال میں ہماری طرف سے آرگون پر حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ہمیں تو رینات کے حملے سے خود کو بچانا تھا۔ ٹیلے کی بلندی سے آس پاس کے مناظر تو دکھائی دے رہے تھے مگر میں یہ دیکھنے سے قاصر تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرگون کس سمت ہے اور سامیرا کے قلعے کس طرف واقع ہیں۔ آرگون کے عقب میں وہ سرنگ تھی جو معبد کو آرگون سے ملاتی تھی اور اسی سرنگ کے ہوا کے لیے کیے ہوئے سوراخوں میں سے ایک سوراخ سے اندر جانے کا راستہ تیار کیا گیا تھا۔ یہ کام کیرٹ نے اپنے آدمیوں سے لیا تھا۔ نہ جانے اس کی موت کے بعد یہ خانہ کھلا ہوا تھا یا ریناٹ نے واقف ہونے کے بعد اسے بند کرا دیا تھا۔ دوسرا فصیل میں موجود خفیہ خانہ تھا۔ مگر یہ اندر سے ہی کھولا جا سکتا۔

آرگون کی سمت دیکھنے کا ایک طریقہ تھا لیکن یہ نہایت مشکل تھا۔ بہر حال مجھے مشکل کام کرنے کی عادت تھی۔ میں ٹیلے سے اترا اور اندازے سے سب سے بلند درخت کو جانچا۔ میں جوتے کیبن میں چھوڑ آیا تھا اور اپنے ساتھ صرف نیزہ اور تیر کمان لایا تھا۔ میں جوتے گنوانے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ درخت بہت موٹے تنے کا تھا مگر اس میں ہر کچھ فاصلے کے بعد شاخیں نکل رہی تھیں۔ نیچے کی چند شاخیں جانوروں کی دست برد کا شکار ہو گئی تھیں مگر ان کے کچھ حصے باقی تھے۔ ان کی مدد سے میں شاخوں تک پہنچا۔ یہاں اپنا تیر کمان اور نیزہ حفاظت سے رکھا کہ وہ نیچے نہ گرنے پائے اور مزید اوپر چڑھنے لگا۔ جیسے جیسے اوپر جا رہا تھا۔ تنے سے نکلنے والی شاخیں نزدیک ہوتی جا رہی تھیں اور میرے لیے آسانی ہو رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ یہ کوئی دو سو فٹ بلند درخت ہے مگر جب اس کے وسطی حصے تک پہنچا تو مجھے اپنا خیال غلط لگا تھا۔ میں دو سو فٹ اوپر آ چکا تھا اور درخت کا آخری سرا بدستور خاصا دور تھا۔

اس کی بلندی تین سو فٹ کے آس پاس تھی اور جب میں خاصی دیر بعد اس کے اوپری حصے کے نزدیک پہنچا تو اندازہ ایک بار پھر بدلا۔ اس کی بلندی لازمی تین سو فٹ سے زیادہ تھی۔ میں حیران ہوا تھا کیونکہ دنیا میں بہت کم درخت اتنی بلندی رکھتے ہوں گے۔ جب کہ یہاں اتنی بلندی کے اور اس سے بھی زیادہ بلند درختوں کی بھرمار تھی۔ اس کا اندازہ مجھے اس بلندی پر آ کر ہوا جب میں نے دور نزدیک بہت سے درختوں کے سرے اس سے زیادہ بلند دیکھے۔ خوش قسمتی سے میں جس سمت دیکھنا چاہتا تھا اس سمت اس سے زیادہ بلند درخت اور کوئی نہیں تھا اور کھلی جگہ نکلتے ہی مجھے آرگون کی فصیل اور اس کی عمارتیں دکھائی دینے لگیں۔ اس بلندی سے معبد کا اوپری سنہری حصہ بھی نظر آ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ آرگون کوئی چھ سات میل کے فاصلے پر تھا اور معبد اس سے زیادہ دوری پر تھا۔

سامیرا کے تینوں قلعے اس جگہ سے نزدیک تھے اور ترتیب سے دکھائی دے رہے تھے۔ آرگون اور قلعوں کے درمیان پھیلے ہوئے باغات اور کھیت بھی یہاں سے دکھائی دے رہے تھے۔ اوپر آتے آتے میرا سانس چڑھ گیا تھا اور میں نظاروں کے ساتھ ساتھ سانس بھی درست کرتا رہا۔ جب سانس ٹھیک ہوا تو میں نے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ کسی سیانے نے ٹھیک کہا ہے کہ چڑھائی سے زیادہ اترائی مشکل کام ہے۔ نیچے دیکھنا دشوار تھا اور بہت سنبھل کر پاؤں جمانے پڑ رہے تھے۔ ایک غلطی مجھے کئی سو فٹ نیچے پہنچا دیتی۔ اس لیے احتیاط لازمی تھی۔ بہر حال میں صحیح سلامت نیچے پہنچنے میں کامیاب رہا۔ میرا اندازہ تھا مجھے چڑھنے میں آدھا گھنٹہ لگا تھا اور اترنے میں بھی تقریباً اتنا ہی وقت لگا تھا۔ آدھا یا پون گھنٹہ میں اوپر رکا تھا۔ جب نیچے پہنچا تو دن ڈھل چکا تھا اور روشنی مدھم ہونے لگی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد رات کی تاریکی چھا جاتی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں واپس ٹیلے پر آیا۔ تاریکی چھانے تک آرام کرتا رہا پھر اٹھ کر مشعل جلائی اور تھیلے سے کچھ پھل نکال کر کھائے۔ میرے ساتھ جو ہوا۔ اس کے بارے میں مجھے سو فیصد یقین تھا کہ یہ سازش کا حصہ ہے تو کیا سازش مجھے قلعے سے نکلوا کر سکون سے بیٹھ گئے ہوں گے؟ یہ سوال بہت اہم تھا۔ اگر وہ نہیں جانتے تھے کہ میں کہاں تھا ان کی حکمتِ عملی کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ ان کا اصل مقصد مجھے مروانا یا پھر اپنے قبضے میں کرنا تھا اور قبضے میں لینے مقصد بھی میرا وجود نابود کرنا ہوتا۔ تب انہوں نے ایسی حماقت کیوں کی کہ صرف مجھے شہر بدر کرا کے بیٹھ گئے۔ کیا سچ مچ ایسا ہی تھا یا میں اب بھی ان کی نظروں میں تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا تھا۔ ربیک سچ مچ سامیرا نے بھیجا تھا۔ تھیلے میں پھلوں کے ساتھ مخصوص ٹکیاں تھیں جو سامیرا خود بناتی تھی۔ مگر ایسی ٹکیاں کو دوسرا بھی تو بنا سکتا تھا۔ اسی طرح ہارن اور دوسرے درندوں سے بچانے والا محلول بھی ریناٹ مہیا کر سکتا تھا لباس اور ہتھیاروں سے کچھ ثابت نہیں ہوتا تھا۔

ٹھیک ہے ربیک کو میں نے کئی بار سامیرا کے پاس دیکھا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اسی کا وفادار تھا۔ اس خیال نے مجھے اتنا بے چین کیا کہ میں کیبن سے باہر نکل آیا اور کھلی جگہ ٹہلنے لگا۔ آئے دن دشمنوں سے پالا پڑنے کے بعد میرے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا اور اب میں ہر بات کو جانچتا تھا اور دشمن کے ذہن سے سوچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اندر جلنے والی مشعل کی روشنی یہاں تک آ رہی تھی مگر ٹیلے سے نیچے اس کے دیکھے جانے امکان بہت کم تھا۔ کسی قدر سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اگر دشمن میری یہاں موجودگی سے واقف تھے مجھے احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ میں نے کیبن سے نکال کر مشعل ایسی جگہ لگائی کہ ٹیلے کا اوپری حصہ روشن رہے مگر دور سے اس کی روشنی نظر نہ آئے اور پھر نیچے اتر کر ایک نزدیکی درخت پر چڑھ گیا۔ میرے پاس تیر کمان اور نیزہ تھا۔ درخت کی شاخوں سے ہوتا میں اتنی بلندی تک آیا کہ مجھے ٹیلہ اور کیبن نظر آنے لگا۔ ایک موٹی شاخ میں ٹھیک سے بیٹھ کر آرام کرنے لگا۔ میری نظر ٹیلے پر مرکوز تھیں۔

انتظار اور نگرانی کرنا بہت مشکل کام ہے کیونکہ آدمی کو کچھ نہ کرتے ہوئے بھی کرنا پڑتا ہے۔ تبھی شاعر کہا ہے کہ وہ بھی خوب کرتے ہیں جو صرف انتظار کرتے ہیں۔ ان کی اذیت صرف وہی جانتے ہیں اور کچھ دیر میں اسی اذیت سے گزر رہا تھا۔ درخت کی کھردری شاخ پر بیٹھنا آسان کام نہیں تھا۔ جسم دُکھنے لگا تھا اور سخت ہو رہے تھے۔ یہاں پہلو بدلنے کی بھی گنجائش نہیں تھی کہ ایک پہلو سلگ اٹھے تو دوسرا بدل لیں۔ کچھ دیر کیڑے مکوڑوں نے یلغار کی اور میرا خیال غلط ثابت کیا کہ اس وادی کے کیڑوں مکوڑوں میں شرافت پائی جاتی ہے۔ وہ ہر جگہ گھس رہے تھے اور کاٹ بھی رہے تھے۔ اس وقت واحد مصروفیت یہی تھی کہ انہیں چن چن کر ممنوعہ علاقوں سے بے دخل کرتا رہوں اور مارتا رہوں۔ دو گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ میں اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو گیا۔

درخت سے اتر کر واپس ٹیلے پر آیا اور یہاں آ کر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ ظالم کیڑوں نے ایسا کاٹا تھا کہ بعض جگہوں پر دو دو ڑے سے بن گئے تھے جو اب رفتہ رفتہ تحلیل ہو رہے تھے۔ ٹیلہ ایسی جگہ تھی جہاں میں صرف عقبی حصے کی نگرانی کر سکتا تھا اور اگر کوئی عقبی حصے تک آ جاتا تو میرے فرار کی راہ مسدود ہو جاتی۔ کے علاوہ کسی اور جگہ سے نگرانی کرنا بہت خطرناک تھا کیونکہ یہاں ندی پاس تھی اور ہارن سے لے کر اسمار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک سب کی آمد کا پورا امکان تھا۔ درخت پر جانے کا ایک ہی تجربہ کافی ثابت ہوا تھا۔ اس لیے اب میرے پاس ٹیلے پر رکنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجھے جن کیڑوں نے کاٹا تھا ان میں سے کچھ زہریلے تھے اور میں اپنے اندر ایک قسم کی تھکاوٹ اور سستی سی محسوس کر رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اندر جا کر لیٹوں اور سو جاؤں۔ مگر میں سونا نہیں چاہتا تھا اس لیے باہر ایک پتھر کی نشست پر بیٹھا رہا۔

مگر کچھ دیر بعد مجھے جھونکے آنے لگے۔ دو تین بار ایسا ہوا کہ میں اونگھنے کے دوران گرنے لگا تو چونکا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نیند کی شدت بڑھ رہی تھی۔ ساتھ ہی اندر جا کر لیٹنے کی خواہش بھی بڑھ رہی تھی مگر یہ خدشہ مجھے روک رہا تھا کہ یہ نیند ہمیشہ کی نہ ہو جائے۔ نیند بھگانے کے لیے میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اچانک مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے سسکی لی ہو۔ میں رک گیا اور کان غور سے لگائے۔ مختلف حشرات اپنے اپنے راگ الاپ رہے تھے مگر شکر ہے ان میں کوئی جھینگر نہیں تھا ورنہ اس کی آواز میں کوئی اور آواز کہاں سے سنائی دیتی۔ قدرت نے اس اونچ سے چھوٹے کیڑے کو کتنی بلند آواز دی ہے جو نصف میل سے زیادہ دوری تک صاف سنائی دیتی ہے۔ یہاں جو بولنے والے حشرات تھے وہ معمولی آوازیں نکال رہے تھے اور اسی وجہ سے وہ سسکی میری سماعت تک پہنچ گئی تھی۔

پہلے میں اسے وہم یا کسی کیڑے کی آواز سمجھا۔ ہوا یہاں چلتی نہیں تھی ورنہ اس کی آواز سمجھتا۔ پہلی بار سنتے ہوئے مجھے لگا کہ سسکی نسوانی ہے۔ میں رک کر کچھ دیر کان لگائے سنتا رہا مگر جب آواز دوبارہ نہیں آئی تو میں پھر ٹہلنے لگا تھا۔ ٹہلنے کے لیے یہاں مشکل سے بارہ تیرہ فٹ لمبا ایک فٹ پاتھ تھا میں اس پر چکر لگا رہا تھا۔ تیسرے چکر میں واپس آتے ہوئے میں نے اس بار واضح کراہ سنی اور یہ کراہ نسوانی تھی۔ آواز ٹیلے کے نیچے سے اور سامنے سے آئی تھی۔ میں اس جگہ سے نیچے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ میں نے جھانکنے کی کوشش کی مگر ٹیلے کی ساخت یہاں گولائی لیے ہوئے تھی اور اس کی جڑ تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

تیسری بار سسکی کی آواز آئی تو میں سیڑھی سے نیچے اترا۔ احتیاطاً میں نے نیزہ لے لیا تھا۔ دبے قدموں نیچے آیا اور پھر دبے ہی قدموں ٹیلے کے سامنے والے حصے کی طرف بڑھا۔ میں ٹیلے کی دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہا تھا اور میری کوشش تھی کہ میرے سرکنے کی آواز نہ ہو۔ اوپر ستارے نکل آئے تھے اور کسی قدر روشنی تھی۔ نزدیک آنے پر مجھے سسکیوں کی آواز مسلسل آنے لگی۔ وہ جو بھی تھی رو رہی تھی اور کبھی کبھی اس کی بلند آواز نکلتی تھی جو مجھ تک آتی تھی۔ بالآخر میں اس تک پہنچ گیا۔ وہ ٹیلے کی جڑ کے ساتھ لگی بیٹھی تھی اور اس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے۔ وہ ٹیلے کی جڑ میں اس طرح گھسی ہوئی تھی اگر اس کی آواز نہ آ رہی ہو تو میں اسے گول مول سا پتھر ہی سمجھتا جو ٹیلے کے ساتھ موجود تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور آہستہ سے اسے آواز دی۔

"روبیر....."

اس نے چیخ ماری اور اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں نے اسے پکڑ لیا اور تب انکشاف ہوا کہ اس کے بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ مچل رہی تھی اور خود کو چھڑانے کی دیوانہ وار کوشش کر رہی تھی۔ میں اسے آواز دے رہا تھا اپنی شناخت کرا رہا تھا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس وقت ہسٹریا کی کیفیت میں تھی۔ جب اس کی آوازیں ہسٹریائی انداز میں بلند ہونے لگی تھیں اور مجھے خطرہ ہوا کہ دشمن نہ سہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہیں اس کی آوازیں کسی خطرناک درندے کو متوجہ نہ کر لیں۔ تو مجبوراً میں نے اسے ایک ہاتھ سے قابو کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ دوسرے تھپڑ میں وہ میرے ہاتھوں میں جھول گئی۔ وہ نیم بے ہوش ہو گئی تھی۔

میں نے اسے اٹھا کر شانے پر ڈالا اور کسی نہ کسی طرح اوپر ٹیلے پر لے آیا۔ کیبن میں بستر پر لٹا کر میں نے پہلے مشعل کی روشنی میں دل کڑا کر کے اس کا جائزہ لیا۔ اس کا بدن خراشوں اور معمولی زخموں سے بھرا ہوا تھا مگر یہ کسی انسان کی کارستانی نہیں تھی۔ وہ یقیناً اس حالت میں جھاڑیوں سے گزرتی رہی تھی اور اس کی یہ حالت ہوئی تھی۔ پورا جسم مٹی مٹی ہو رہا تھا۔ مگر اس کی حالت کی وجہ جسمانی زخم نہیں بلکہ ذہنی صدمہ تھا اور میں کسی حد تک اس کا سبب بھی سمجھ رہا تھا۔ دو تھپڑ کھا کر وہ نیم بے ہوش ہوئی تھی مگر اوپر لاتے لاتے وہ گہری غنودگی میں چلی گئی۔ شاید اس کے لاشعور نے سمجھ لیا کہ اب وہ محفوظ ہے اور بے ہوش ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے اسے پلٹ کر بھی دیکھا۔ اس کے جسم پر کہیں کوئی بڑا زخم نہیں تھا اور نہ ہی کہیں سے خون رس رہا تھا۔

میں نے تھیلے میں موجود ایک چھوٹا سا کپڑا نکالا اور ایک برتن میں پانی نکال کر اس سے کپڑا بھگو کر روبیر کا پورا جسم صاف کیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں بہت مٹی زدہ ہو رہے تھے۔ میں بس کسی حد تک صاف کر سکا تھا۔ مجھے اپنی نظر بچا کر یہ کام کرنا پڑ رہا تھا۔ روبیر صرف صورت کی ہی نہیں بدن سے بھی دلکش تھی۔ گرد مٹی اور زخموں اور خراشوں میں بھی اس کا حسن جگمگا رہا تھا۔ اس لیے بھی مجھے دشواری پیش آئی۔ میں عورت کا احترام کرنے والا شخص ہوں مگر خدا نے اس مخلوق کو ایسا بنایا ہے کہ آدمی کی توجہ خود اس کی طرف جاتی ہے۔ آخر میں، میں نے اسے اپنا اتارا اور دھویا ہوا کرتہ لا کر پہنایا اور اطمینان کا سانس لیا۔ کرتہ کسی قدر نم تھا مگر مجھے امید تھی کہ روبیر کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ موسم نہ ہونے کے برابر سرد تھا ہلکہ اسے خوشگوار بھی مشکل سے کہا جا سکتا تھا۔ روبیر کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے مگر میں نے اسے پانی دینے سے گریز کیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ کچھ دیر آرام کرے جلدی ہوش میں آنے سے اس کی حالت پھر خراب ہو سکتی تھی۔ وہ جتنی دیر آرام کرتی اس کے دماغ اور اعصاب کے لیے اتنا ہی اچھا ہوتا۔

ویسے بھی میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ یقیناً اسے پوری طرح سزا دی گئی تھی جیسا کہ سومرو نے بتایا تھا کہ شہر بدر ہونے والوں کے کپڑے بھی اتار لیے جاتے ہیں۔ روبیر کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ شہر بدر کرنے سے پہلے اس کا لباس اتار لیا گیا تھا۔ وہ آبادی سے نکلنے کے بعد جنگل اور ویرانے میں بھٹکتی رہی ہوگی۔ اس دوران اسے مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا ہوگا۔ جھاڑیوں اور چٹانوں سے اس کے نازک وجود نے زخم کھائے تھے اور شاید تاریکی چھانے پر اس کے حواس جواب دے گئے تھے۔ مگر اس کی ہسٹریا کی اصل وجہ اس کے ساتھ کیا جانے والا سلوک تھا۔ اسے بے لباس کر دیا گیا تھا اور اس کی نسوانیت یہ توہین برداشت نہیں کر سکی تھی۔ اس کی خوش قسمتی کہ وہ کسی درندے کے ہاتھ نہیں آئی۔ نہ دو پیروں والے اور نہ چار پیروں والے۔ ورنہ شاید اس وقت زندہ نہ ہوتی۔ دوسری خوش قسمتی یہ رہی کہ وہ یہاں تک چلی آئی جہاں میرے پاس ایک محفوظ ٹھکانہ تھا۔ اب وہ یہاں محفوظ تھی۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب اس نے میرے خلاف سازشیوں کا ساتھ دیا تھا تب اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں ہوا؟ بے ہوشی کی نیند سوتے ہوئے وہ اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ میرے لیے یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا یہ وہی لڑکی ہے جس نے مجھ پر بدترین الزام لگایا اور اپنے حوالے سے اس کی تصدیق بھی کی تھی۔ وہ میرے خلاف استعمال ہوئی تھی۔ اس کی وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ جلد وجہ بھی میرے سامنے آجاتی۔ رویر کے یوں آنے سے ایک فائدہ ہوا کہ میں جو نیند سے بے حال ہو رہا تھا میری نیند اڑ گئی تھی اور اب میں ذہنی طور پر خود کو چاک و چوبند محسوس کر رہا تھا۔ رویر کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں دوبارہ باہر نکل آیا۔ میں نے ایک مشعل اور جلالی اور اسے باہر لگا دیا۔ آج بھی آسمان پر چاند نہیں تھا۔ ابتدائی دنوں کا چاند تھا جو نکل کر جلد غروب ہو جاتا ہوگا اس لیے وادی کے باسی ان دنوں آسمان کی جھلک سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

جب رویر نے عدالت کے رُوبرو اعتراف کیا تو میرا اس پر غصہ لازمی تھا اور اگر اس وقت مجھے موقع ملتا تو شاید میں اس کی گردن مروڑ دیتا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا غصہ سرد ہونے لگا تھا۔ پھر مجھے لگا کہ میرے حق میں یہی بہتر تھا۔ جہاں تک وادی کے لوگوں کا تعلق تھا مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور میرا ضمیر مطمئن تھا۔ اس لیے کوئی مجھ پر الزام لگاتا تھا یا اسے ثابت کرتا تب بھی مجھے پروا نہیں تھی۔ میرے جذبات پر اب تجسس غالب تھا کہ رویر نے ایسا کیوں کیا؟ اسے یوں جھوٹا الزام اپنے اور میرے سر لینے پر کس نے مجبور کیا اور ایسی کیا مجبوری تھی جو وہ اتنا بڑا جھوٹ بولنے پر مجبور ہوئی؟ یہ سب رویر خود بتا سکتی تھی اور اب وہ میرے قبضے میں تھی اسے زبان کھولنا ہی پڑتی۔ اس لحاظ سے میں خوش قسمت تھا کہ وہ بھٹکتے ہوئے میرے پاس چلی آئی۔ یقیناً اسے علم ہوتا کہ یہاں میں ہوں تو وہ کبھی اس جگہ کا رخ نہ کرتی۔ میں نصف رات تک باہر رہا پھر اندر آیا تو رویر نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ہوش میں آگئی تھی مگر مجھے دیکھ کر سوتی بن گئی۔ شاید وہ ڈر رہی تھی۔ میں نے مشکے سے پانی نکالا اور اس سے کہا۔

''اٹھ جاؤ اور پانی پی لو۔ تمہیں ضرورت ہے۔''

اس نے آنکھیں کھولیں اور اٹھ بیٹھی۔ میں نے اس کی طرف پیالہ بڑھایا تو اس نے میری طرف دیکھے بغیر پیالہ لیا اور ایک ہی بار منہ سے لگا کر خالی کر دیا۔ اس سے پتا چلا کہ وہ کس قدر پیاسی تھی اسے یقیناً اور پانی کی ضرورت تھی مگر میں نے مزید پانی نہیں دیا اور اس سے پیالہ لے کر رکھ دیا۔ وہ خاموش اور سہمی ہوئی تھی۔ شاید اس کی خواہش تھی کہ میں اس سے بات کروں۔ مگر میں نے بات نہیں کی اور باہر جانے لگا تو اس نے کہا۔ ''آپ نے مجھے کیوں بچایا؟''

''تاکہ تم آئندہ بھی مجھے دھوکا دے سکو۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا اور باہر نکل آیا۔ اس وقت مجھے پھر غصہ آگیا تھا اور میرا سر گرم ہو رہا تھا۔ میں فی الحال اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ خوف تو نہیں تھا کہ میں اسے کوئی جسمانی گزند پہنچا سکتا ہوں۔ کسی عورت پر غصے میں بھی ہاتھ اٹھانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ لیکن میرے منہ سے اس کے لیے کچھ غلط سلط نکل جاتا تو مجھے اس کا افسوس رہتا۔ میں ہر حال میں عورت کی عزت کا قائل ہوں۔ کھلی فضا میں آکر اور چند گہرے سانس لے کر میں نے خود کو بہتر محسوس کیا۔ یہ بات رویر نے بھی محسوس کر لی اور اس نے فوری میرے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی۔ خاصی دیر بعد وہ اندر سے برآمد ہوئی۔ میرا کرتہ اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیروں سے بھی نیچے تھا۔ اس نے اسے سمیٹ کر اوپر کیا ہوا تھا۔ میں نے کمر بند بھی نہیں پہنایا تھا اس لیے کرتہ پھیل رہا تھا اور اسے سنبھالنا پڑ رہا تھا۔ میں ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر دوسرے پتھر پر بیٹھ گئی۔

''میں معافی نہیں مانگوں گی۔''

میں نے طنزاً پوچھا۔ ''کیونکہ تم اس کی قائل نہیں ہو؟''

''نہیں بلکہ اس لیے کہ میں نے جو کیا اس کے لیے معافی بہت چھوٹا سا لفظ ہے۔ میں تو سزا کی مستحق ہوں۔''

اس بار میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تو تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے؟''

''ہاں، اگر آپ مجھے جانتے ہیں تو یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ میں نے کس قدر مجبور ہو کر آپ کے اور اپنے خلاف بیان دیا۔ دیکھا جائے تو میں نے خود کو سزا دلوائی ہے اور خود کو سزا کون دلواتا ہے؟''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی اگر اس کے بیان سے مجھے سزا ہوئی تھی تو اسے یہی سزا زیادہ اذیت ناک انداز میں بھگتنا پڑی تھی۔ میں نے پھر کسی قدر طنز سے کہا۔ ''ان لوگوں نے تمہیں نہیں بچایا جنہوں نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے مجبور کیا گیا تھا مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا گیا تھا کہ مجھے بچا لیا جائے گا۔''

''آخر ایسی کیا بات تھی جو تم نے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا دی۔ تم جانتی ہو آبادی سے نکل کر کوئی شخص زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔''

اس کا سر جھک گیا۔ ''میں نہیں بتا سکتی۔''

''کیوں؟''

اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ''بس نہیں بتا سکتی۔''

''تمہارے کسی پیارے کی جان خطرے میں ہے؟'' میں نے اچانک کہا تو اس کے چہرے پر حیرت آئی۔ شاید اسے تعجب ہوا تھا کہ میں یہ کیسے جان گیا۔ اس نے سنبھل کر انکار میں سر ہلانا چاہا مگر میں نے موقع نہیں دیا۔ ''یہی بات ہے، کون ہے وہ؟ تمہارے ماں باپ، بہن بھائی یا کوئی ایسا فرد جو تمہیں محبوب ہو۔''

''آپ..... آپ کو کیسے پتا چلا؟'' وہ بمشکل بولی۔

''بس پتا چل گیا۔ مگر وہ فرد کہاں ہے۔ اس نے اس مشکل میں تمہارا ساتھ نہیں دیا؟''

روبیر جلدی سے بولی۔ ''اسے علم نہیں ہے۔''

''اس کا تعلق آرگون سے ہے؟'' میں نے ایک بار پھر تکا مارا۔

روبیر نے گہری سانس لی۔ ''ہاں، اس کا تعلق آرگون سے ہے۔''

''تمہاری اس سے ملاقات کیسے ہوئی؟''

''اتفاق سے۔'' وہ بولی۔ ''میں ایک دن باغات سے ہوتی ہوئی غلطی سے آرگون کے باغوں کی طرف نکل گئی۔ وہاں شامین موجود تھا۔''

میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ''شامین؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ آرگون کی فوج میں شامل ہے۔ اس نے مجھے تنہا پایا تھا مگر اس نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی اور بہت شرافت سے پیش آیا۔''

روبیر کو اس کی شرافت اور شخصیت نے متاثر کیا ہوگا۔ ''پھر اس سے دوسری ملاقات کب ہوئی؟''

''چند دن بعد۔'' وہ جھجک کر بولی۔ ''میں اسی جگہ گئی۔''

''اور وہ وہاں موجود تھا۔'' میں نے کہا۔ ''یقیناً اسے بھی تمہارا انتظار ہوگا؟''

روبیر کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں وہ بھی میرا انتظار کررہا تھا۔''

''اس کے بعد بھی تمہاری ملاقاتیں ہوتی رہیں؟''

''کئی بار۔'' روبیر نے گہری سانس لی۔ ''اس نے مجھ سے کئی بار کہا کہ میں اس کے ساتھ آرگون چلوں مگر میں نہیں گئی۔ میں اپنے گھر والوں اور یہاں کے لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔''

''تم نے اس سے کہا کہ وہ تمہارے ساتھ آجائے؟''

''ہاں مگر اس کی بھی مجبوریاں ہیں۔ اس کے دو بھائی آرگون کی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر ہیں۔ اس کے ماں باپ اور بہن بھائی ہیں۔ وہ سب کو چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ ورنہ ان پر ریناٹ کا عتاب نازل ہوتا۔''

''اگر کوئی فرد آرگون چھوڑ کر سامیرا کے پاس آجائے تو اس کے پیچھے رہ جانے والے متعلقین کو سزا ملتی ہے؟''

بالکل۔'' اس نے کہا۔ ''کئی لوگوں کو سزائیں بھی ہوئی ہیں۔ کچھ کو قید خانوں میں ڈال دیا گیا اور جو لوگ زیادہ ملوث تھے ان کو سزائے موت بھی دی گئی۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ روبیر کی باتوں سے ظاہر تھا کہ آرگون والے میری نقل وحرکت سے مکمل واقفیت رکھتے تھے اور یہی نہیں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ روبیر جو میرے ساتھ ہے وہ آرگون کے ایک نوجوان سپاہی سے محبت کرتی ہے اور یہ محبت اس حد تک ہے کہ روبیر کو شاہین کے حوالے سے دھمکی دے کر کچھ بھی منوایا جاسکتا ہے۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''تمہیں کس طرح سے دھمکی دی گئی؟''

''میں اس فرد کو نہیں جانتی کیونکہ وہ مجھ سے رات کی تاریکی میں اور منہ چھپا کر ملا تھا۔''

''تم نے اس کی بات پر کیسے یقین کیا۔''

''اس نے مجھے شاہین کے گلے میں موجود لاکٹ دکھایا تھا۔ یہ لاکٹ میں نے اس کے گلے میں دیکھا تھا۔ اس آدمی نے مجھے بتایا کہ شاہین اس وقت حراست میں ہے اور اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو اسے اذیتیں دے کر مار دیا جائے گا۔''

''یہ کب کی بات ہے؟''

''سات دن پہلے کی۔''

یعنی جب روبیر کو میرے ساتھ چار یا پانچ دن ہوئے تھے۔ میں نے سوچا اور پوچھا۔ ''وہ شخص کہاں ملا تھا؟''

''قلعے میں جب میں اپنے گھر جارہی تھی۔ اس رات میں اپنے گھر چلی گئی تھی۔'' روبیر نے بتایا۔ ''وہ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک تاریک گلی میں ملا تھا۔''

''اسی نے تم سے کہا تھا کہ رات میرے کمرے میں آؤ؟''

اس سوال پر روبیر کا سر پھر جھک گیا تھا پھر اس نے سر ہلایا۔''ہاں اس کے حکم پر میں آپ کے پاس آئی تھی۔''

''اس نے کیا کہا تھا مجھے واضح بتاؤ وہ کیا چاہتا تھا؟''

اس سوال کا جواب دینا روبیر کے لیے مشکل کام ثابت ہوا تھا اس نے جو اٹک اٹک کر بتایا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس شخص نے روبیر کو حکم دیا کہ وہ میرے کمرے میں جائے اور مجھے مجبور کرے کہ میں اس سے جسمانی تعلق قائم کروں اور جب یہ کام ہو جائے تو وہ شور مچا دے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اللہ نے بہکنے سے پہلے مجھے ہوشیار کر دیا تھا۔ خود روبیر بھی دل سے راضی نہیں تھی۔ وہ اپنے محبوب کی خاطر دل پر جبر کر کے یہ کام کرنے پر آمادہ ہوئی تھی۔ اس لیے جیسے ہی میری آنکھ کھلی اور میں نے اسے روکا تو وہ رک گئی اور جب میں نے جانے کا حکم دیا تو وہ چلی گئی۔ اس کے بعد دشمنوں کو دوسرا موقع اتفاق سے مل گیا اور میں روبیر کے ساتھ ساری رات باہر رہا اور روشنی ہونے سے پہلے واپس نہیں آ سکا۔ اس لیے میرے اور روبیر کے خلاف مقدمہ بن گیا۔ میں نے کہا۔''جب ہمیر گرفتار کیا گیا تو کیا اس کے بعد پھر اسی شخص نے تم سے رابطہ کیا تھا؟''

اس نے سر ہلایا۔''آپ کو یاد ہوگا آپ نے پوچھا تھا کہ میں کہاں گئی تھی تو ایک سپاہی مجھے نکال کر اسی عمارت کے ایک کمرے میں لے گیا تھا اور وہاں وہی چادر پوش شخص موجود تھا۔ اس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں عدالت میں اقرار کروں کہ میں.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ قید خانے کے سپاہی کے ملوث ہونے سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ قلعوں کا کوئی اعلیٰ عہدیدار تھا جس کے حکم کی سپاہی نے تعمیل کی تھی۔ میرا دھیان ایک بار پھر سومرو کی طرف گیا۔''تم نے اس کا چہرہ دیکھا۔''

''نہیں دونوں بار وہ چادر میں چھپ کر ملا اور مجھے لگا کہ وہ آواز بدل کر بول رہا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے وہ قلعے کا ایسا فرد ہے جس کی آواز سب کے لیے مانوس ہو سکتی تھی۔''

''شاید.....'' وہ بے دھیانی میں بولی۔

''تم نے وہی کیا جو اس نے کہا تھا۔'' میں نے کہا۔''لیکن تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے شامین کو چھوڑ ہوگا؟''

''میں نہیں جانتی لیکن میں نے اسے بچانے کے لیے یہ سب کیا۔'' وہ کہتے ہوئے روہانسی ہو گئی۔''میں آپ سے معافی بھی نہیں مانگ سکتی میں کیا کروں مجھے محبت نے اتنا مجبور کر دیا۔ مجھے معلوم تھا مجھے بھی ذلت آمیز سزا ملے گی مگر مجھے کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ میں پاگل ہو گئی ہوں۔ اگر مجھے شامین کے لیے مرنا پڑے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔''

وہ رونے لگی۔ میں اس کی حالت سمجھ رہا تھا۔ محبت انسان کو کیسے بے بس اور پاگل کرتی ہے یہ میں جانتا تھا۔ یہ کیفیت مجھ پر بھی گزر چکی ہے۔ میں نے اسے رونے دیا کہ اس کے دل کی بھڑاس نکل جائے۔ کچھ دیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی سسکیاں تھمنے لگیں تو میں نے پوچھا۔ ''تم یہاں کیسے آئیں؟''

''آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ مجھے کس طرح باہر نکالا گیا۔ میری کھال اتار لی جاتی تب بھی مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی لباس اتارنے پر ہوئی تھی۔ میرے حواس گم تھے اور مجھے نہیں پتا کہ میں کس طرف جا رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں انسانوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں بے شک مجھے اسمار یا گونر کھا لیں یا کوئی ہارن مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ جب قلعوں سے دور نکل گئی تب بھی مجھے بہت شرم آ رہی تھی اس لیے میں جھاڑیوں میں گھس کر چلتی رہی اور جب چلتے چلتے تھک گئی تو یہاں بیٹھ گئی مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں آپ ہوں گے۔ اگر معلوم ہوتا تو کبھی اس طرف نہ آتی۔ میں تو موت کی تلاش میں تھی۔''

''مگر اوپر والے کو تمہاری زندگی مقصود تھی اس لیے تم یہاں آ گئیں۔''

''لیکن آپ یہاں کیسے آئے کیا یہ جگہ آپ کی ہے؟'' اس نے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسا ہی سمجھ لو۔'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔ اگرچہ اس کا انداز کہہ رہا تھا کہ اس نے جو کہانی سنائی ہے وہ سچ ہے مگر اب میں اندازے لگانے کا قائل نہیں رہا تھا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ روبیر کی یہاں یوں آمد میرے دشمنوں کی ہی ایک چال ہوتی۔ وہ اعتراف کر چکی تھی کہ میرے دشمنوں کے ہاتھ میں کھیل رہی ہے۔ پوری وادی چھوڑ کر اس کا یہاں آنا بھی نظر انداز کیے جانے والی بات نہیں تھی۔ ممکن ہے وہ اسے شاہین کے حوالے سے دھمکی دے کر مجھے قتل کرنے کا کہتے تو روبیر یہ کام بھی کر گزرتی۔ میرے لہجے پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر پھیکے انداز میں مسکرائی۔

''آپ محتاط ہیں۔ اچھی بات ہے مجھ سے آپ کو محتاط ہی رہنا چاہیے میں بالکل بھی بھروسے کے قابل نہیں ہوں۔''

''میرا خیال ہے تم آرام کرو۔'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''تمہیں اس وقت آرام کی ضرورت ہے اور اگر بھوک لگی ہو تو اندر رکھے تھیلے میں کھانے کو بہت کچھ ہے۔''

''میں یہاں سے جانا چاہوں گی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ نے مجھے لباس دے دیا میرے لیے یہی بہت ہے۔ اب میرے لیے مرنا آسان ہو جائے گا۔''

''تم جذباتی ہو رہی ہو۔'' میں نے بدستور نرمی سے کہا۔ ''میں نے کہا نا تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور جہاں تک یہاں سے جانے کی بات ہے تو اسے بھول جاؤ، میں تمہیں کوئی حماقت کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر سر ہلاتی ہوئی کیبن کی طرف چلی گئی۔ میں اس کی طرف سے ہوشیار تھا۔ اگر وہ دشمن کی طرف سے بھیجی گئی تھی یا پھر خود آئی تھی دونوں صورتوں میں مجھے اس پر نظر رکھنی تھی۔ میں وہیں ایک جگہ گھاس پر لیٹ گیا۔ یہ تختہ زیادہ بڑا تو نہیں تھا مگر میرے لیے کافی تھا اور سب سے بڑی بات تھی کہ اس میں بستر کی سی نرمی تھی۔ مگر میں سونا نہیں صرف آرام کرنا چاہتا تھا اس لیے جب کچھ دیر بعد نیند کے جھونکے آنے لگے تو میں اٹھ بیٹھا۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو دوبارہ لیٹ گیا اور جب تیسری بار لیٹا تو مجھے نیند آ گئی۔ مگر میں زیادہ دیر نہیں سویا تھا۔ اچانک ہی میری آنکھ کھلی اور میں کچھ دیر سوچتا رہا کہ میری آنکھ کیوں کھلی ہے۔ تب اچانک مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محسوس ہوا کہ کیبن میں جلنے والی مشعل روشن نہیں تھی۔ میں تیزی سے اٹھا اور کیبن میں جھانکا۔

حسبِ توقع روبیر وہاں نہیں تھی۔ وہ شاید ابھی نکلی تھی اور کسی آہٹ نے مجھے چونکایا تھا۔ میں سیڑھی تک آیا اور اترنے سے پہلے میں نے نیچے کا جائزہ لیا اور اس کا فائدہ ہوا تھا۔ کچھ ہی دور مجھے روشنی نظر آئی اور وہ یقیناً اس مشعل کی روشنی تھی جو روبیر لے کر نکلی تھی۔ میں اتر کر نیچے آیا اور تیز قدموں سے اس طرف روانہ ہو گیا۔ میرے پاس نیزہ تھا۔ میں نے جان بوجھ کر مشعل نہیں لی ورنہ روبیر اس کی روشنی سے ہوشیار ہو سکتی تھی۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے جا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیوں نکلی تھی؟ جب میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے روشنی دیکھی تھی تو وہاں اب کوئی نہیں تھا اور تاریکی تھی۔ میں سکون سے کھڑا ہو کر نظریں دوڑانے لگا اور اس بار بھی چند لمحے بعد مجھے روشنی نظر آ گئی۔ وہ کئی سو گز آگے جنگل میں جا رہی تھی۔ میں روشنی کو مدِنظر رکھتے ہوئے تیزی سے چلنے لگا۔

ابھی تک تارے نکلے ہوئے تھے اس کا مطلب تھا کہ صبح میں کچھ وقت تھا۔ نیچے تاریکی تھی اور مجھے محتاط بھی ہونا پڑ رہا تھا ایک ذرا غلط قدم مجھے مشکل میں ڈال سکتا تھا یا کوئی آواز روبیر کو میرے تعاقب سے خبردار کر دیتی۔ اس لیے مجھے ہر قدم دیکھ کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ روبیر کو روشنی کی سہولت تھی اس لیے وہ تیز چل رہی تھی اور مجھے اس کے پاس جانے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ ایک بار وہ میری نظروں سے اوجھل ہوئی اور مجھے روشنی دیکھنے کے لیے رکنا پڑا تھا۔ اس بار روبیر ایک کھلی جگہ سے گزر رہی تھی اور مجھے اس کے پاس پہنچنے کا موقع مل گیا۔ اس کا رخ ایک چٹان کی طرف تھا۔ میں اس سے دس بارہ قدم پیچھے تھا اور وہ پیچھے دیکھے بغیر چل رہی تھی۔ شاید اتنی دور نکل آنے کے بعد اسے اطمینان تھا کہ میں اس کے پیچھے نہیں آ سکوں گا۔ وہ چٹان کے پاس پہنچی اور اس پر چڑھنے کا راستہ تلاش کرنے لگی۔ مگر چٹان اس قسم کی تھی کہ اس پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔

اس کے دوسری طرف کیا تھا یہ مجھے علم نہیں تھا۔ وادی کی دیوار یہاں سے کچھ فاصلے پر تھی۔ روبیر چڑھنے میں ناکامی کے بعد چٹان سے گھوم کر جانے لگی۔ میں نے تیزی دکھائی اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہ تیزی ہی کام آئی کیونکہ جب میں اس کے پیچھے گھومتا ہوا چٹان کے دوسری طرف پہنچا تو وہ ایک مہیب کھائی کے کنارے کھڑی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس میں کودنے والی ہو۔ وہ کود بھی جاتی مگر شاید اس کے لیے ہمت کر رہی تھی۔ میں تیزی سے لپکا اور بروقت اس کا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ اس کوشش میں، میں خود اس کے ساتھ جاتے جاتے بچا تھا کیونکہ وہ تقریباً کود گئی تھی اور مجھے اس کو پورے وزن کے ساتھ کھینچنا پڑا تھا۔ وہ جھٹکے سے آئی اور مجھ سے ٹکرائی۔ میرا توازن بگڑا تو وہ مجھ پر ہی گری تھی۔ مشعل ہمارے پاس گری اور اس سے پہلے وہ بجھتی میں نے دوسرے ہاتھ سے اسے اٹھا لیا اس وقت روشنی کے لیے بس یہی ایک چیز تھی۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے روبیر کو مضبوطی سے پکڑا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ پھر کودنے کی کوشش کرے گی۔ مگر اس نے مزاحمت نہیں کی اور وہ رو رہی تھی۔ میں نے اس کے بازو پر گرفت مضبوط کی اور کھڑا ہو گیا۔

''تم خودکشی کرنے یہاں آئی تھیں۔''

''ہاں میں نہیں چاہتی تھی کہ میری لاش کسی کو ملے یا میرے انجام کا کسی کو علم ہو۔''

میں نے مشعل آگے کی اور کھائی میں جھانکا۔ جہاں تک روشنی جاتی تھی اس کی تہہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اصل میں کھائی نہیں بلکہ بہت بڑا کنواں تھا۔ اس کا قطر کم سے کم بھی سو فٹ تھا۔ گہرائی اس سے کہیں زیادہ تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے روبیر کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں اس کنویں کا علم ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''تبھی یہاں آئی تھی۔''

''واپس چلو۔''

''مجھے مر جانے دیں۔'' اس نے التجا کی۔

''احمقانہ بات مت کرو۔ تمہارے اس طرح مر جانے سے کسی پر کیا اثر ہوگا۔ ہاں وہ لوگ خوش ہوں گے جنہوں نے تمہیں استعمال کیا۔ تمہیں شاہین کا خیال بھی نہیں آیا۔''

''شاہین۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''کیا میں اس کے قابل ہوں؟''

''ایک اور احمقانہ بات، تم نے اس پر احسان کیا ہے اس کی خاطر وہ کرنے کو تیار ہو گئیں جو کوئی لڑکی یا عورت نہیں کر سکتی ہے۔ تم اسے قبول کرو گی تو تمہارا یہ احسان اور ہوگا۔''

''میں ایسا نہیں سمجھتی ہوں۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''اگر تم ایسا سمجھتی ہو تب بھی تمہیں یوں جان نہیں دینا چاہیے۔ زندگی اوپر والے کی امانت ہوتی ہے اور اسے ہمیشہ کسی اچھے کام میں استعمال کرنا چاہیے۔''

''اچھا کام؟''

''ہاں آرگون کو ان لوگوں سے نجات دلانا کیا اچھا کام نہیں ہے جو تم جیسی لڑکیوں کو اپنے مفاد میں اتنے گھٹیا انداز میں استعمال کرتے ہیں۔''

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ ''میں ان کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔''

''یہ میں تمہیں بتاؤں گا۔ اگر تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو۔ دوسری صورت میں یہ کھائی تمہارے سامنے ہے اور میں تمہیں ہمیشہ نہیں روک سکوں گا۔'' میں نے کہتے ہوئے رسک لیا اور اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اگر وہ کنویں میں کودنے کی کوشش کرتی تو اسے بچانا مشکل ہوتا۔ اس بار اس نے سوچنے میں زیادہ وقت لیا تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور کھائی کی طرف دیکھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ موقع تو میرے پاس ہمیشہ رہے گا۔''

''یعنی تم نے میرے ساتھ چلنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''ہاں آپ نے کہا نا کہ میں کسی اچھے مقصد کے لیے جان دوں تو میں پہلے اس کی کوشش کروں گی اور اگر میں اچھے مقصد میں کامیاب نہ ہوئی تو پھر.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور میرے ساتھ قدم بڑھائے۔ ہم واپس آنے لگے۔ میرے ساتھ چلتے ہوئے اس نے جھرجھری لی۔ ''پتا نہیں میں کیسے رات میں یہاں تک چلی آئی۔''

''بنیادی طور پر تم ایک بہادر لڑکی ہو اور خطرات کو خاطر میں نہیں لاتی ہو۔'' میں نے اس کی ہمت افزائی کی۔ ''ہماری خوش قسمتی کہ اس دوران میں ہمیں کسی جانور سے واسطہ نہیں پڑا۔ دعا کرو کہ جاتے ہوئے بھی کسی سے واسطہ نہ پڑے۔ ورنہ ہمارے پاس بس یہی ایک نیزہ ہے۔''

مگر دعا قبول نہیں ہوئی اور جب ہم ٹیلے کے نزدیک تھے تو ایک گونر سے واسطہ پڑ گیا۔ وہ اچانک ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمارے سامنے آیا اور یہ اس کے لیے بھی سرپرائز تھا۔ بدقسمتی وہ رکا ہوا تھا۔ ورنہ وہ حرکت کر رہا ہوتا تو اس کے جسم سے آنے والی ہڈیاں چٹخنے جیسی آواز ہمیں پہلے ہی خبردار کر دیتی۔ وہ شاید اس درخت کے تنے سے ٹکا ہوا آرام کر رہا تھا اور اسی وقت حرکت میں آیا جب ہم اس جگہ سے گزر رہے تھے۔ ایک لمحے کو وہ ششدر ہوا اور مجھے روبیر کو پیچھے کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے نیزہ اور دوسرے سے مشعل سنبھالی۔ گونر ہماری طرف لپکا تھا۔ میں نے اس کے نزدیک آنے کا انتظار کیا اور جیسے ہی وہ پاس آیا میں نے مشعل لہرائی اور اس کے منہ پر ماری۔ لہرانے سے مشعل بھڑکی تھی اور اس کا شعلہ بڑھ گیا تھا۔ گونر نے شاید زندگی میں پہلی بار آگ کا شعلہ براہِ راست اپنے منہ پر محسوس کیا تھا۔ اس نے منمناتی ہوئی آواز نکالی اور پیچھے ہٹ گیا۔

تقریباً چھ فٹ قامت اور ریچھ جیسی جسامت والے اس جانور کے پنجے ریچھ سے زیادہ چوڑے تھے اور یہی پنجے اس کا ہتھیار تھا۔ میں نے نیزے سے اس کی توجہ بھٹکائی اور اچانک ہی مشعل اس کے سینے پر موجود گھنے بالوں سے لگا دی۔ اس نے منمنا کر ہاتھ مارا مگر میں مشعل پیچھے کر چکا تھا۔ جب اس کا ہاتھ اپنے سینے سے لگا تو میں نے مشعل اس کے ہاتھ سے لگا دی۔ یہاں بال زیادہ لمبے تھے اور انہوں نے آگ پکڑ لی۔ گونر نے بوکھلا کر ہاتھ ہلایا اور آگ بجھانے کی کوشش کی مگر وہ ہوا سے اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ ابھی وہ اس آگ سے الجھا ہوا تھا کہ میں نے اس کی کمر سے مشعل لگا دی۔ اسے اس وقت پتا چلا جب اس کی کمر کے بالوں نے بھی آگ پکڑ لی۔ اب وہ دو طرف سے گھر گیا تھا اور اس موقع پر اس نے درست کام کیا کہ زمین پر گر کر لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ موقع تھا ہمارے پاس اور ہم بھاگے۔ روبیر پہلے ہی بھاگ کر ٹیلے تک پہنچ چکی تھی۔ میں بھی بھاگا اور جب تک گونر کھڑا ہوتا میں ٹیلے کے پیچھے آ گیا تھا میں نے مشعل اوپر پھینکی اور خود بھی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ روبیر کنارے لیٹی ہوئی نیچے دیکھ رہی تھی۔ میری پھینکی مشعل اس نے اٹھائی تھی۔

''وہ کہاں ہے؟''

''شش۔'' میں نے کہا اور اس سے لے کر مشعل بجھا دی کیونکہ کیبن کے آگے ایک مشعل اور جل رہی تھی اور دو مشعلوں کی روشنی یقیناً زیادہ ہو جاتی۔ گونر چند لمحے بعد نمودار ہوا۔ وہ تیزی سے آیا تھا اس لیے بے آواز تھا۔ یہاں آ کر اس نے چاروں طرف دیکھا مگر ہم کہیں نظر نہیں آئے۔ کیونکہ وہ خود ٹیلے پر نہیں چڑھ سکتا تھا اس لیے اسے یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ہم اوپر ہو سکتے ہیں۔ اس کے بالوں سے لگی آگ بجھ گئی تھی مگر ہلکا سا دھواں اٹھ رہا تھا اور جلنے کی بدبو یہاں تک آ رہی تھی۔ وہ غراتا نہیں تھا بلکہ منمناتا تھا۔ اس وقت بھی کچھ دیر منمناتا رہا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ ہم نے سکون کا سانس لیا تھا۔ یہ سب سے کم خطرناک جانور تھا اور اس سے بھی ہم بمشکل بچے تھے اس کی جگہ اسمار ہوتا تو اور مشکل میں پڑ جاتے اور ہارن سے تو بس اللہ ہی بچائے۔ مگر اسمار اور ہارن کے برعکس اس کی جسمانی ساخت ایسی تھی کہ یہ سیڑھیاں چڑھ سکتا تھا اگر وہ اسے نظر آ جاتیں۔ میں نے مشعل بجھا دی کہ اسے سیڑھیاں نظر نہ آئیں۔ اس وقت تک روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ میں نے روبیر سے کہا۔

''تم نے کچھ آرام کر لیا ہے اب میری باری ہے تم یہاں پہرہ دو اگر کوئی بات ہو تو مجھے جگا دینا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں جگا دوں گی۔''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کیسن میں آیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ روبیر کی خودکشی کی کوشش نے اس کی طرف سے میرے شکوک رفع کر دیئے تھے اور اب میں اس پر پورا نہیں لیکن خاصی حد تک اعتماد کر رہا تھا۔ اگر وہ دشمنوں کی طرف سے آئی ہوتی تو یوں اپنی جان دینے کی کوشش نہ کرتی۔ پھر بھی اس کی سب سے بڑی کمزوری شامین میرے دشمنوں کے قبضے میں تھا اور وہ اسے استعمال کر کے روبیر سے کچھ بھی کروا سکتے تھے۔ میں سو گیا اور جب خود آنکھ کھلی تو دن خاصا روشن ہو گیا تھا۔ روبیر نے مجھے نہیں اٹھایا تھا بلکہ وہ خود باغ میں گھاس کے تختے پر سو رہی تھی اس نے بھی نگرانی کے لیے اسی جگہ کا انتخاب کیا تھا اور گھاس کی نرمی نے اسے سلا دیا تھا۔ میرا بڑا کرتہ پٹکا نہ ہونے کی وجہ سے اس کے جسم پر بے ترتیب ہو رہا تھا۔ یہ پیروں پر گھٹنوں سے اوپر ہو گیا تھا۔ اس کی شفاف پنڈلیوں اور رانوں پر جہاں جہاں زخم تھے وہ اب سرخی مائل ہو رہے تھے اور ان میں سے کچھ یقیناً پک رہے ہوں گے۔ میں نے کھنکھار کر اسے خبردار کیا۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی اور پھر جلدی سے کرتہ اپنے پیروں پر کیا۔ اس نے خفت سے کہا۔ ''وہ مجھے پتا نہیں چلا کہ کب سو گئی؟''

''اچھا ہوا تم نے بھی آرام کر لیا۔''

اس نے ہچکچا کر کہا۔ ''وہ مجھے منہ ہاتھ دھونا ہے۔''

میں سمجھ گیا۔ میں اسے لے کر ندی تک آیا اور میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''تم نہا لو، میں یہاں پودوں کے پیچھے موجود ہوں۔ مگر جلدی کرنا یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔''

''ہاں میں مٹی مٹی ہو رہی ہوں۔'' اس نے اطمینان کا سانس لیا اور میں واپس ٹیلے کی طرف آ گیا۔ وہ کچھ دیر بعد گیلے بالوں سے پانی نچوڑتی نمودار ہوئی۔ ''اب آپ چلے جائیں۔''

میں منہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ کوئی چیز تیزی سے پانی سے اچھل کر کنارے پر گری۔ میں نے چونک کر دیکھا یہ خاصی بڑی سی مچھلی تھی۔ شاید وہ میری پانی میں موجودگی سے ڈر گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ واپس جاتی میں نے اسے دبوچ لیا۔ مچھلی نے تڑپ کر خود کو چھڑانا چاہا اور وہ شاید کامیاب بھی ہو جاتی کیونکہ اس کا جسم چکنا تھا۔ میرے لیے گرفت برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لیے میں نے اسے ندی سے دور پودوں میں اچھال دیا اور پھر نیزہ اٹھاتے ہوئے اس طرف لپکا۔ میں نے پودوں میں تڑپتی مچھلی کو نیزے میں پرو دیا۔ وہ کچھ دیر پلٹتی رہی پھر ساکت ہو گئی۔ یہ اچھی خاصی بڑی اور کوئی ڈھائی کلو گرام وزنی مچھلی تھی۔ اس کے جسم پر چھلکے کے بجائے کھال تھی اور منہ کھگا مچھلی جیسا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس وادی میں آنے کے بعد پہلی بار مجھے گوشت نصیب ہونے والا تھا۔ ورنہ اب تک سبزیوں اور دودھ دہی، مکھن پر گزارا چل رہا تھا۔ میں مچھلی لے کر اوپر پہنچا تو روبیر حیران ہوئی۔

''یہ کیسے پکڑی یہ بہت مشکل سے ہاتھ آتی ہے۔''

''بس خود ہی آ گئی۔'' میں نے اسے نیزے سے الگ کیا۔ پھر نیزے کی انی سے ہی اس کا پیٹ صاف کیا۔ سر اور کھال اتاری اور اس کے ٹکڑے کیے۔ یہ کام آسان نہیں تھا مگر میں نے کسی نہ کسی طرح کر لیا۔ پھر لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی اور اس پر مچھلی کے قتلے بھون کر ناشتہ کیا۔ روبیر اب نارمل تھی۔ مچھلی بھوننے کا کام اس نے کیا۔ اس کے اندر کا حال تو اسے ہی معلوم تھا مگر اوپر سے وہ کبھی کبھی بولتی اور مسکراتی بھی تھی۔ اس پر جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزری تھی وہ اس کے لحاظ سے بہت بڑی قیامت تھی۔ جو اس نے جانتے بوجھتے صرف اپنے محبوب کی خاطر قبول کی تھی۔ اسے کچھ وقت چاہئے تھا اس ذلت کو بھولنے کے لیے۔ وہ اس کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ اس نے اچانک پوچھا۔ ''اب آپ کیا کریں گے؟''

''ہونے والی جنگ میں اپنا کردار ادا کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''اس کے باوجود جو آپ کے ساتھ ہوا ہے؟''

''ہاں کیونکہ اصل میں تو یہ آرگون والوں کی سازش ہے۔ وہاں بیٹھے میرے دشمنوں کا کام ہے اور مجھے ان کی سازش کو ناکام بنانا ہے۔''

''آپ اس جنگ میں سامیرا کی وجہ سے شامل ہو رہے ہیں؟''

''ایک وجہ تو یہ بھی ہے لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا میں میرے کچھ دشمن ہیں جو مجھے یہاں لائے ہیں اور وہ اس وقت رینالٹ کے مہمان ہیں۔''

روبیرا اچھل پڑی۔ ''باہر سے آنے والے کچھ لوگ رینالٹ کے مہمان ہیں۔''

''ہاں۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''جس بات پر کیرٹ جیسے اچھے انسان کو سزائے موت دی گئی وہی جرم اس سے کہیں بڑھ کر آرگون کے حکمران نے کیا ہے۔''

''تب آپ نے یہ بات سامیرا اور دوسروں کو کیوں نہیں بتائی۔ جب کیرٹ کو سزائے موت دی جا رہی تھی تب کیوں نہیں بتائی۔''

''سامیرا کو علم ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''برف والے نے ہمیں منع کیا تھا کہ ہم رینالٹ کے پاس موجود باہر سے آنے والوں کا ذکر نہ کریں۔''

روبیر نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''اب آپ کو مجھ پر اعتبار ہو گیا ہے تو مجھے بتا دیں کہ یہاں آپ کو کس نے پہنچایا ہے؟''

''ربیک نامی نوجوان نے جو سامیرا کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے سامیرا نے میری مدد پر مامور کیا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ مجھے اس پر پورا یقین نہیں ہے۔''

روبیر نے سر ہلایا۔ ''میں اسے جانتی ہوں اور بہ ظاہر وہ اچھا انسان ہے۔''

''اسی نے اس جگہ پہنچایا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ ہر تیسرے دن میرے پاس آئے گا۔''

''اگر وہ دشمن کا آدمی ہوتا تو اب تک دشمن یہاں آ چکے ہوتے۔'' روبیر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے وہ آپ سے بہت خوف زدہ ہیں اور ہر صورت آپ سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔''

''یہ حقیقت ہے۔ انہوں نے پہلے مجھے خود سزائے موت دینا چاہی مگر کیرٹ عین موقع پر نجات دہندہ بن کر آ گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں سامیرا کی مدد کر رہا ہوں تو انہوں نے یہ چال چلی۔''

روبیر بولی۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ رینالٹ ہم سے کہیں زیادہ طاقتور ہے تو اس نے اب تک ہم پر حملہ کیوں نہیں کیا ہے۔''

روبیر کے اس سوال نے میرے دماغ میں جیسے ایک کھڑکی سی کھول دی تھی۔ میں نے بے ساختہ کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سامیرا اور برف والے کو یقین ہے کہ میں جس کے ساتھ ہوں گا اسے فتح ملے گی اور ممکن ہے یہی سوچ ریناٹ کی بھی ہو اس لیے وہ پہلے مجھے سامیرا سے الگ کرنا چاہتا تھا اور اس میں کامیاب رہا، اب مجھے یقین ہے وہ جلد حملہ کرے گا۔''

روبیر بے چین ہوگئی۔ ''اور آپ سامیرا سے دور ہیں۔ اس کی فوج کو شکست ہوگی۔''

''اللہ نے چاہا تو ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''سنو تم میں ہمت ہے۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

''ہمیں دور جانا ہے اور شاید مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑے۔''

اس نے جھرجھری لی۔ ''ہارن اور اسمار.....؟''

''نہیں ان کی فکر مت کرو میرے پاس ان کا توڑ ہے۔ مگر ہمیں دور جانا ہوگا اور شام سے پہلے واپس بھی آنا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں تیار ہوں۔''

میں نے تیاری شروع کر دی۔ سب سے پہلے روبیر کے لباس کا مسئلہ حل کیا۔ میرا کرتہ بڑا تھا اور کچھ زیادہ ہی کھلا ہوا تھا۔ میں نے اس کا نچلا ایک بالشت کا حصہ پھاڑا اور اسی کی مدد سے پٹکا بنا کر روبیر نے اپنی کمر سے باندھ لیا۔ پاجامے کی مجبوری تھی مگر کرتہ دینے ہی پیروں تک آ رہا تھا اس لیے ستر پوشی ہو رہی تھی۔ پٹکا باندھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ ''اب بہتر ہے ورنہ تو یہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔''

وہ ماہر تیر انداز تھی اس لیے کمان اور ترکش اس کے حوالے کر دیا۔ خود میں نے نیزہ لیا تھا۔ پھر میں نے محلول نکالا اور اس کی مخصوص مقدار نکال کر پہلے روبیر کو دی۔ مجھے یاد تھا کہ کیرٹ نے مجھے کتنی مقدار میں محلول بھیجا تھا۔ اس بوتل میں اس جیسی کوئی ایک درجن خوراکیں تھیں۔ اس نے تجسس سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''یہ شربت پی لو، اسے پینے کے بعد تمہیں پسینہ آئے گا جس میں مخصوص مہک شامل ہوگی اور اس مہک کی وجہ سے ہارن، اسمار اور گونز جیسے خطرناک جانور پاس نہیں آئیں گے۔''

اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''سچ میں، میں نے آج تک کسی ایسے شربت کے بارے میں نہیں سنا۔''

''اسے سامیرا کے باپ اورگان نے ایجاد کیا تھا اور جب وہ مہا پجاری بنا تو یہ محلول معبد کے رازوں میں شامل ہوگیا اس لیے عام افراد اس کے بارے میں نہیں جانتے ہیں۔''

''آپ جانتے ہیں؟''

''ہاں یہاں آنے سے پہلے ہی اس سے واقف تھا اور یہاں آنے کے بعد اس کا عملی تجربہ بھی کیا۔ سچ مچ درندے میرے پاس آنے سے گریز کرتے تھے اور میں آرام سے جنگل سے ہوتا ہوا تم لوگوں تک آ گیا۔''

''اس کا اثر کتنی دیر رہتا ہے۔''

''کم سے کم دس بارہ گھنٹے رہتا ہے۔''

روبیر نے محلول پی لیا اور پھر منہ بنایا۔ ''عجیب سا ذائقہ ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کچھ دیر بعد بہتر محسوس ہوگا۔'' میں نے کہا اور پیالے میں نکال کر خود بھی محلول پیا۔ سامیرا نے جو تھیلا بھیجا تھا اس میں چمڑے کی ایک چھاگل بھی تھی۔ اس میں آرام سے ڈیڑھ دو لیٹر پانی آسکتا تھا اور اس میں لگے تسمے سے اسے شانے پر لادا جا سکتا تھا۔ میں نے اس میں پانی بھرا۔ روبیر نے کچھ میٹھی ٹکیاں ساتھ لے لیں۔ دو عدد تازہ مشعلیں اور ان کو جلانے کے لیے تیلیاں بھی ساتھ لیں اور ہم روانہ ہوئے۔ گزشتہ روز درخت پیمائی کر کے میں نے جو سمت تعین کی تھی۔ اسے ذہن میں رکھتے ہوئے سفر شروع کیا۔ روبیر نے پوچھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''آرگون اور معبد کے درمیان ایک جگہ۔''

''وہاں کیا ہے؟''

''آرگون اور معبد کو ملانے والی سرنگ اسی جگہ سے گزرتی ہے۔'' میں نے جواب دیا تو روبیر خاموش ہو گئی۔ ابھی دن نصف نہیں ہوا تھا۔ مگر روشنی بہت تیز تھی اور ہلکی سی گرمی کا احساس بھی ہو رہا تھا اور یہ اچھا ہوا کیونکہ ذرا سا چلنے سے ہمیں پسینہ آنے لگا اور روبیر نے کہا۔ ''میرے پاس سے عجیب سی بو آ رہی ہے۔''

''یہی بو ہمیں جانوروں سے محفوظ رکھے گی۔''

اس نے ذرا نزدیک ہو کر مجھے سونگھا۔ ''آپ کے پاس سے بھی آ رہی ہے۔''

''یہ اچھا ہوا کیونکہ یہاں کچھ پتا نہیں کب کس جانور سے سامنا ہو جائے۔'' میں نے سر ہلایا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہمیں کوئی دس میل دور جانا تھا اور اس نارمل رفتار سے اتنا فاصلہ طے کرنے میں تین سے چار گھنٹے لگ سکتے تھے مگر میں نے رفتار کسی قدر تیز رکھی تھی۔ روبیر کا خیال کرتے ہوئے رفتار کو اتنا تیز بھی نہیں کیا تھا کہ اسے بھاگنا پڑتا اور نہ ہی اتنی کم تھی کہ تین چار گھنٹے تک سفر کرتے رہتے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں آنے جانے میں پانچ سے ساڑھے پانچ گھنٹے لگتے تو ہم تین چار گھنٹے وہاں سرنگ میں اترنے والا راستہ تلاش کر سکتے تھے۔ ہمیں لازمی آج ہی واپس آنا تھا چاہے اس میں نصف رات ہی کیوں نہ ہو جائے۔ دوسری صورت میں محلول کا اثر ختم ہو جاتا اور ہم درندوں کے خلاف اپنی ڈھال سے محروم ہو جاتے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم گیارہ بجے روانہ ہوئے تھے تو ابھی دن کی روشنی کے ہی آٹھ گھنٹے باقی تھے۔

○.....❖.....○

جنگل سے گزرتے ہوئے ہم کسی قدر کھلی جگہ آئے اور یہاں ہمیں پہلے خطرے سے واسطہ پڑا۔ یہ ایک اسمار تھا جو دیکھنے میں بہت کمزور اور بیمار لگ رہا تھا۔ شاید وہ کسی قابل نہیں رہا تھا اور اسے جھنڈ سے نکال دیا گیا تھا۔ مگر ہمارے لیے وہ بھی کافی تھا۔ وہ غراتا ہوا ہماری طرف لپکا اور روبیر چیخ مار کر میرے پیچھے ہو گئی۔ اسمار دوڑتا ہوا آیا اور پھر ہمارے پاس پہنچ کر یوں رکا جیسے درمیان میں کوئی دیوار آ گئی ہو۔ اس نے منہ اٹھا کر سونگھا اور ناپسندیدہ انداز میں غراتا ہوا پیچھے ہٹا۔ کئی بار اس نے آگے آنے کی کوشش کی اور میں نیزہ لے کر بالکل تیار تھا۔ جانور کا کیا بھروسہ اگر وہ پاگل ہو جائے تو شاید اس بو کی پروا بھی نہ کرے۔ مجھے اعتماد تھا کہ میں نیزے سے اس اسمار کو قابو کر سکتا تھا۔ دوسری طرف روبیر نے بھی تیر کمان نکال لیا اور اسمار کی طرف تیر کا رخ کیا تھا کہ وہ غراتا ہو فرار ہو گیا۔ اس گرگ باراں دیدہ کو تیر کی خطرناکی کا خوب علم تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شکر ہے بھاگ گیا۔'' رویر نے تیر واپس ترکش میں رکھا اور کمان کمر سے لٹکا لی۔ ''یہ چیز حیرت انگیز ہے۔''

''میں خود اس کی وجہ سے حیران سے بچا ہوں۔ اس کے پاس موقع تھا کہ وہ مجھے پکڑ لے مگر وہ میرے پاس بھی نہیں پھٹکا۔''

رویر غور کر رہی تھی اس نے مجھ سے کہا۔ ''اب بو تیز ہو گئی ہے۔''

کھلی جگہ آنے اور کسی قدر آگے نکلنے کے بعد کئی میل دور شمال مشرق میں آرگون کی فصیل نظر آنے لگی تھی مگر ہمیں اس سے کترا کر شمال کی طرف سفر جاری رکھنا تھا۔ اس طرف آرگون کے کھیت اور باغات تھے اور ہمیں ان سے بھی دور رہنا تھا۔ ان کھیتوں میں کام کرنے والوں کے علاوہ مسلح سپاہی بھی ہوتے تھے جو اصل میں کارکنوں کی حفاظت کے لیے مامور تھے۔ اگر وہ ہمیں دیکھ لیتے تو ہم مشکل میں پڑ سکتے تھے۔ جب ہم کھیتوں اور باغات کے پاس آئے تو سپاہیوں کی نظر سے محفوظ رہنے کے لیے ہم نے نومینز لینڈ کے پاس جنگل کا رخ کیا۔ وہاں ہم کسی کی نظر میں آئے بغیر سفر کر سکتے تھے۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا اور اب آرگون شہر ہمارے دائیں طرف مشرق میں تھا۔ گویا زیادہ فاصلہ نہیں رہا تھا۔ میں خاص تھکن محسوس نہیں کر رہا تھا مگر رویر کا سانس پھول گیا تھا اس لیے ہم کچھ دیر کو ستانے کے لیے رکے۔ میں نے چھاگل سے پانی پیا اور پھر رویر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اگر تم تھکن محسوس کر رہی ہو تو ہم کچھ دیر کو رک جاتے ہیں۔''

اس نے انکار کیا۔ ''نہیں آپ زیادہ مت رکیں، مجھے اتنی تھکن نہیں ہو رہی ہے۔''

اس نے گزشتہ دن جسمانی اور ذہنی لحاظ سے بدترین گزارا تھا۔ اتنی جلد اس کا ری کور کرنا مشکل تھا۔ اسے جہاں جہاں زخم آئے تھے وہ اب پک گئے تھے اور انہیں ٹھیک ہونے میں دو تین دن کا وقت لگتا۔ اعصاب نے جو دباؤ سہا تھا وہ الگ تکلیف تھی۔ وہ یقیناً ہمت کر کے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ ویسے یہ اس لحاظ سے اس کے لیے بہتر تھا کہ وہ فارغ بیٹھ کر سوچنے کے بجائے میدانِ عمل میں تھی۔ وہ جتنا کم سوچتی اس کے لیے اتنا ہی اچھا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم چلنے کو تیار ہوئے۔ اتنا آرام کافی تھا۔ مگر کچھ ہی آگے گئے ہوں گے کہ ایک چیخ سنائی دی۔ چیخ نسوانی تھی۔ میں نے رویر کی طرف دیکھا۔ اس نے بھی چیخ سنی تھی اور آہستہ سے بولی۔ ''کوئی عورت چیخی ہے۔''

''یہاں کوئی جانور یا پرندہ اس قسم کی آواز نہیں نکال سکتا ہے؟''

''میں ایسے کسی جانور یا پرندے سے واقف نہیں ہوں۔''

آواز سامنے سے آئی تھی اور ہمیں اسی طرف جانا تھا۔ دس بارہ قدم آگے گئے تو چیخ پھر سنائی دی اور اس بار زیادہ بلند اور زیادہ نزدیک سے آئی تھی۔ رویر نے تیر نکال کر کمان پر لگا لیا اور میں نے نیزہ آگے کر لیا ہم درختوں کے اس گھنے جھنڈ کی طرف بڑھے جہاں سے چیخ سنائی دی۔ نزدیک جانے پر چند مردانہ آوازیں بھی سنائی دیں۔ جو کچھ اس قسم کی تھیں۔

''مضبوطی سے پکڑو..... اس کا منہ بند کرو..... اس کی چیخ سن کر کوئی آ گیا تو..... تو کیا اسے بھی حصہ دیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔''

واضح رہے یہ ساری آوازیں مختلف مردوں کی تھیں اور ان سے صورتِ حال کسی قدر واضح تھی۔ باقی آنکھوں سے دیکھ کر پتا چل گیا۔ تین سپاہیوں نے ایک جوان عورت کو قابو کیا ہوا تھا۔ ایک نے اس کا منہ دبایا ہوا تھا اور باقی دو اسے بے لباس کر رہے تھے۔ میں نے بتایا کہ یہ آسانی سے پہنا اور اتارا جانے والا لباس ہے مگر اپنی کسی حیوانیت کی تسکین کے لیے وہ لباس پھاڑ کر اتار رہے تھے اور عورت کے مچلنے سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میرا خون کھولا تھا کیونکہ مجھے دنیا میں کسی فعل سے اتنی نفرت نہیں ہے جتنی کہ اس فعل سے ہے۔ میں نے نیزہ سیدھا کیا تھا مگر روبیر بازی لے گئی۔ اس نے سب سے نزدیک موجود سپاہی کو تیر مارا جو اس کی گردن میں اتر کر دوسری طرف نکل گیا اور وہ خرخراتا ہوا زمین پر گر گیا۔ باقی دو چلائے اور اپنے ہتھیاروں کی طرف بھاگے تھے۔ روبیر پھر تیر کمان پر چڑھا رہی تھی کہ میں نے اس سے کہا۔

''رک جاؤ..... تیر مت چلانا۔'' میں نے کہتے ہوئے اپنا سامان اور پٹکا کھولتے ہوئے کرتا بھی اتار دیا۔ تب تک سپاہی اپنے نیزے اٹھا چکے تھے۔ روبیر بے چین ہو گئی۔

''آپ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بہت ماہر ہوتے ہیں۔''

''یہی میں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر ان میں سے کوئی تمہاری طرف آئے یا عورت کو نقصان پہنچانا چاہے تو اسے پہلی فرصت میں مار دینا۔ مگر جب تک میں کمزور نہ پڑوں درمیان میں مت آنا۔''

سپاہیوں کے پاس اگر تیر کمان تھے تب بھی وہ کہیں چھوڑ آئے تھے اور یہاں ان کے پاس صرف نیزے اور سامنے پٹکوں میں سنگی چاقو تھے۔ ایک نے براہِ راست نیزہ میرے سینے میں اتارنے کی کوشش کی۔ میں نے ترچھا ہوتے ہوئے اس کا وار خالی جانے دیا اور پھر نیزہ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ یہ داؤ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ وہ کھنچا چلا آیا اور نزدیک آنے پر میں نے اس کے سینے پر لات ماری۔ وہ پیچھے جا گرا۔ میں نے اس کا نیزہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ اسی اثنا میں دوسرا مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس نے نیزہ میرے پیٹ میں مارنا چاہا مگر میں نے اپنے نیزے سے اس کے وار کو روکتے ہوئے اس کا نیزہ گھمایا اور وہ میرے شانے کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ جس وقت میں اس کا نیزہ اپنے نیزے سے گھما رہا تھا اور میرا جسم ترچھی پوزیشن میں آیا ہوا تھا۔ اس کا بایاں پاؤں وار کرنے کی پوزیشن میں آگے تھا اور میرا بایاں پاؤں بچنے والی پوزیشن میں تھا۔

میں نے اسی پوزیشن میں پاؤں اٹھا کر اس کے بائیں گھٹنے پر مارا۔ وار شدید تھا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی کراہ سے ظاہر تھا کہ چوٹ شدید آئی ہے۔ وہ اپنا گھٹنا پکڑ کر لڑکھڑانے لگا اس دوران میں پہلا والا اٹھ کر آیا اور اس نے دوبارہ میرے سینے میں نیزہ اتارنے کی کوشش کی میں پیچھے کی طرف جھکا اور نیزے کی انی میرے چہرے کے سامنے سے نکلتی چلی گئی۔ میں اتنا پیچھے جا چکا تھا کہ توازن برقرار رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ پیچھے گرا اور فوراً ہی کروٹ لی ورنہ اس بار نیزہ جسم میں اترا جاتا۔ نیزہ زمین میں اتر گیا تھا اور وہیں پھنس چکا تھا۔ میں نے واپس کروٹ لیتے ہوئے نیزہ پکڑ لیا دوسرے ہاتھ سے اپنا نیزہ اس کی ران پر مارا۔ پوزیشن درست نہ ہونے سے وار ہلکا پڑا تھا اس کے باوجود اس کی ران پر زخم آیا اور وہ کراہ کر پیچھے ہوا۔ روبیر چلائی۔ ''شہباز بچیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرا اپنے گھٹنے سے فارغ ہو کر مجھ پر چھلانگ لگا رہا تھا اور اس نے نیزہ سیدھا کر لیا تھا۔ میں نے اس سے بچنے کے لیے پھر کروٹ لی اور وہ میری خالی کی ہوئی جگہ آ کر گرا۔ اس نے ہوا میں نیزے کا رخ بدلنا چاہا مگر نیزہ مجھ سے دور ہی رہا اور زمین پر لگا۔ اس بار بھی میں بال بال بچا۔ روبیر بولی۔ ''میں تیر مار رہی ہوں۔''

میں نے واپس پلٹتے ہوئے ساتھ گرنے والی کی کن پٹی پر کہنی آزمائی اور روبیر کو منع کیا۔ ''تیر مت چلانا۔''

اس دوران میں پہلا زمین سے نیزہ نکال چکا تھا۔ اس نے دانت کچکچا کر مجھ پر وار کیا۔ میں اسی کی طرف پلٹ گیا اور نیزہ دوسرے کے دائیں پہلو میں اتر گیا۔ کن پٹی پر آنے والے چوٹ نے اس کے حواس گم کر دیے تھے مگر نیزہ نے اس کے سارے حواس بالکل بجھا کر رکھ دیے اور وہ گلا پھاڑ کر چلایا تھا۔ اس کا ساتھی نیزہ چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔ اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنے ہی ساتھی کو نشانہ بنا لیا تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے نیزہ اس کے سینے پر رکھ دیا اور اس نے دونوں ہاتھ بلند کر لیے تھے۔ جسے روبیر نے تیر مارا تھا وہ دم توڑ چکا تھا اور نیزے کا زخمی بھی آخری دموں پر لگ رہا تھا۔ تیسرا ہاتھ اوپر کیے موت کے خوف سے لرزہ براندام تھا۔ چند منٹ پہلے یہ تینوں ایک مجبور اور بے بس عورت کے سامنے فرعون بنے ہوئے تھے۔ بے بس ہو جانے والی عورت ایک طرف کھڑی اپنے پھٹ جانے والے لباس کو پکڑ کر ستر پوشی کر رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی اور اسے صرف اپنی ستر پوشی کا خیال تھا۔ میں نے روبیر کی طرف دیکھا۔

''اس سے پوچھو۔ اس کا تعلق فوج کے کس حصے سے ہے؟''

روبیر کے سوال پر اس نے گڑگڑا کر جواب دیا۔ ''میرا تعلق کسانوں کی حفاظت کرنے والے دستے سے ہے۔ سینتور کے لیے مجھے مت مارنا۔''

''اگر تم نے میرے سوالوں کے جواب دیے تو تم زندہ رہو گے لیکن جیسے ہی تم نے غلط بیانی کی تم مارے جاؤ گے۔''

ان لوگوں سے مقابلہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک تو اپنی جسمانی کنڈیشن جانچنا تھا اور دوسرے اگر ان میں سے ایک بھی قابو میں آ جاتا تو میں اس سے آرگون کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ روبیر کے توسط سے میں اس سے سوال کرنے لگا۔ روبیر میرا بتایا ہوا سوال کرتی تھی کیونکہ وہ جو کہہ رہا تھا وہ میں خود بھی سمجھ رہا تھا۔ اس لیے وہ سوال کرنے کے بعد عورت سے بات کرنے میں لگ جاتی۔ یہ اچھا تھا کہ کم سے کم وقت میں ہمیں زیادہ معلومات مل رہی تھیں۔ اس لیے میں نے روبیر کو بات کرنے پر نہیں ٹوکا۔ میں نے پوچھا۔

''آرگون میں جنگ کی تیاری کس مرحلے میں ہیں؟''

اس نے جواب دیا۔ ''کل تک تو خاص نہیں تھیں مگر اب جنگ کی تیاری تیزی سے جاری ہے۔''

''ریناٹ کے پاس فوج کی تعداد کتنی ہے۔''

ان کے ہاں حساب کتاب کا خاصا پیچیدہ سا سسٹم تھا اور اس نے جو جواب دیا اس کے مطابق ریناٹ کی کل فوج تین ہزار سے کچھ اوپر تھی۔ لیکن یہ سب اعلیٰ تربیت یافتہ اور بہترین ہتھیاروں سے لیس تھی۔ سامیرا کے پاس اس سے نصف فوج تھی اور اس کے پاس بعض اہم ہتھیاروں کی کمی تھی۔ میں نے اس کے لیے کچھ دفاعی حکمتِ عملی ترتیب دی تھی لیکن میرے بعد نہ جانے اس پر ٹھیک سے عمل ہوتا ہے یا نہیں۔ میں نے جو گھاس اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لکڑی کے گٹھوں کی لائن بنائی تھی۔ اس کے لیے آگ لگانے والی رال خاصی مقدار میں جمع کر لی گئی تھی اور تقریباً تیس افراد رضا کاروں میں سے صرف اسی مقصد کے لیے تھے کہ جب انہیں اشارہ کیا جائے تو وہ ان گٹھوں پر رال ڈال دیں۔ پھر جب ضرورت پڑتی آتشیں تیر برسا کر ان کو آگ لگا دی جاتی۔ یہ کام مکمل ہو گیا تھا۔ مگر سومرو کے توسط سے آرگون والوں تک اس دفاعی حکمت عملی کی اطلاع پہنچ چکی ہو گی۔

گٹھوں کے اوپر بڑی لکڑیاں جمع کی گئی تھیں اور دور سے دیکھنے پر یہ حفاظتی دیوار جیسی کوئی چیز نظر آتی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے آتشیں تیر بھی تیار کرائے تھے۔ سو تیر اندازوں کا ایک دستہ آتشیں تیروں سے حملہ کرتا۔ یوں حملے اور دفاع دونوں میں آگ کا استعمال آرگون کی فوج کے لیے سرپرائز ہوتا۔ اگرچہ وہ اس سے واقف بھی ہوتے تب بھی انہیں عملی سامنا کرنا پڑتا جو الگ چیز تھی۔ زبانی کلامی علم الگ ہوتا ہے اور عملی سامنا الگ ہوتا ہے۔ میں سپاہی سے جو سوال کر رہا تھا۔ اس کا مقصد آرگون کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا تھا۔ مگر چند سوالوں کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اتنا زیادہ نہیں جانتا ہے۔ اس کی وجہ بھی جلد سامنے آ گئی۔

بدقسمتی سے یہ سپاہی کسانوں کی حفاظت پر مامور تھا اور اسے آرگون کے معاملات کا اتنا علم نہیں تھا۔ خاص طور سے جنگ کی تیاریوں اور آرگون کے حفاظتی انتظامات کا۔ اس کے باوجود اس نے میری معلومات میں خاصا اضافہ کیا تھا۔ اس کے مطابق اب قلعے کے عام لوگوں پر رات ہونے کے بعد گھر سے نکلنے کی پابندی تھی۔ گویا کرفیو لگا دیا گیا تھا۔ سوائے فوج اور انتظامیہ کے کوئی فرد باہر نہیں آ سکتا تھا اور جو اس کی خلاف ورزی کرتا اسے کڑی سزا دی جاتی۔ آرگون اور معبد کو ملانے والی سرنگ میں بھی تاریکی چھانے کے بعد آمد و رفت بند کر دی جاتی تھی۔ یعنی عام آمد و رفت بند ہو جاتی تھی۔ البتہ سپاہی رات میں بھی اسے استعمال کر سکتے تھے۔ پابندیوں کی خلاف ورزی کرنے والے سخت سزا کے مستحق سمجھے جاتے۔ جب میں نے اس سے کیرٹ کی موت پر لوگوں کا ردِعمل پوچھا تو اس نے ہچکچا کر جواب دیا۔ ''لوگوں نے اسے اچھا نہیں سمجھا۔ کیونکہ کیرٹ پجاریوں میں ایک ایسی شخصیت تھا۔ جو عام لوگوں سے ہمدردی رکھتا تھا اور ان کے کام آتا تھا۔''

اس سے ممکنہ حد تک معلومات حاصل کر کے آخر میں عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم لوگ اس کے ساتھ زبردستی کر رہے تھے کیا تمہیں خوف نہیں تھا کہ تمہیں سزا ملے گی۔''

اس نے ہچکچاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''ان دنوں فوج کے خلاف کوئی شکایت نہیں سنی جا رہی ہے۔''

بات واضح تھی رینالٹ سامیرا اور حریت پسندوں کے خلاف جنگ لڑنے جا رہا تھا اور یہ جنگ اس کے سپاہیوں نے لڑنی تھی اس لیے اس نے انہیں کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ وہ کچھ بھی کریں ان کو کوئی سزا نہیں دے گا۔ اسی کا فائدہ اٹھا کر یہ لوگ باغ میں کام کرنے والی اس عورت کو زبردستی یہاں لا کر اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ میرے خیال میں اب اس سے مزید سوالات کی ضرورت نہیں رہی تھی اس لیے پُرامید لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہارے ہر سوال کا ٹھیک جواب دیا ہے اب مجھے جانے دو۔''

میں نے سوچ لیا تھا کہ اس کا معاملہ اس عورت اور رویر پر چھوڑ دوں گا۔ مجھے معلوم تھا رویر اسے نہیں چھوڑے گی۔ اس نے جس طرح پہلے سپاہی کو مارا تھا اس سے مجھے اس کے دل میں ان لوگوں کے خلاف نفرت کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندازہ تھا۔ میں اسے کہنے جا رہا تھا کہ اسی لمحے روبیر نے مجھے آواز دی اور میں نے مڑ کر دیکھا۔ روبیر اشارہ کر رہی تھی اور وہ جس طرف اشارہ کر رہی تھی وہاں وہی بوڑھا اور کمزور ہو جانے والا اسمار موجود تھا۔ وہ شاید چھپ کر ہمارا پیچھا کرتا رہا تھا۔ وہ ہمارے قریب نہیں آیا تھا۔ تیسرا سپاہی سمجھا کہ ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں اور وہ اٹھ کر اچانک بھاگا۔ مگر اسے زیادہ دور جانا نصیب نہیں ہوا۔ بوڑھے اسمار نے اسے چند جستوں میں آ لیا تھا۔ اسمار نے اسے منہ کے بل زمین پر گرایا اور اس پر اپنے دانت اور پنجے آزمانے لگا۔

اسمار اگرچہ بوڑھا ہو گیا تھا مگر پھر بھی درندہ تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے سپاہی کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اس دوران میں وہ بری طرح چیخ چلا رہا تھا اور اس پر مشتعل ہو کر اسمار نے ایک بار جو اس کی گردن دبوچی تو اس وقت چھوڑی جب اس کا دم نکل گیا تھا۔ اس کے بعد وہ اسے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اس کی بے تابی بتا رہی تھی وہ بہت بھوکا تھا اور شاید ہفتے بھر سے اسے کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا۔ تیسرے سپاہی کا یہ بہت مناسب انجام ہوا تھا اور مجھے یا روبیر کو اس کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنے پڑے تھے۔ روبیر دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور عورت دم بہ خود کھڑی تھی۔ یہ منظر ایسا تھا کہ اس کے ہاتھ سے اپنا لباس بھی چھوٹ گیا تھا اور پھٹے حصوں سے اس کا جسم جھلکنے لگا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''اس کا خیال رکھنا۔''

روبیر نے سر ہلایا اور میں مرنے والے سپاہیوں کا لباس اتارنے لگا۔ دونوں کا ہی لباس خون آلود ہو گیا تھا مگر اسے صاف کیا جا سکتا تھا۔ ویسے بھی یہ سرخ رنگ کا تھا اگر دھبے پوری طرح صاف نہ بھی ہوتے تب بھی کام چل سکتا تھا۔ اس طرح ان کی زرہ بکتر بھی اتاریں اور آخر میں ان کے ہتھیار سمیٹے۔ عورت نے بتایا کہ تیر کمان انہوں نے جھنڈ کے باہر رکھے تھے۔ میں بلاخطر سپاہی کو کھاتے اسمار کے پاس سے گزرا تو وہ میرے پاس سے آتی بو پر ایک طرف ہو گیا۔ میں تیروں سے بھرے ترکش اور کمانیں اٹھا لایا۔ یہ سامیرا کی فوج کے پاس موجود کمانوں سے بہتر اور زیادہ مضبوط تھیں۔ اسی طرح تیروں کی کوالٹی بھی بہت عمدہ تھی۔ میں نے مرنے والے سپاہی کی گردن سے تیر اور دوسرے کے جسم سے نیزہ الگ کر لیا۔ روبیر نے پوچھا۔ ''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

''انہیں بھی یہ اسمار یا دوسرے اسمار کھا لیں گے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی موت کسی انسان کی کارستانی سمجھی جائے۔''

''اس صورت میں ان کے ہتھیار اور لباس لے جانا مناسب ہو گا؟ اسمار لباس پھاڑ سکتے ہیں اور ہتھیاروں کا انہوں نے کیا کرنا ہے۔''

اس کی بات مناسب تھی۔ میں نے یہ کیا کہ ایک ترکش اور کمان اور ایک اضافی نیزہ لے لیا۔ باقی چیزیں اس طرح پھیلا دیں جیسے اسماروں کے حملے میں وہ اِدھر اُدھر ہو گئی ہوں اب ان میں سے کچھ غائب ہوں گی تب بھی کسی کو شک نہیں ہو گا۔ لباس کے بارے میں اگر کوئی سوچتا ہے سوچتا رہے۔ لیکن ایک مسئلہ بدستور باقی تھا جس کی طرف میں نے ابھی تک توجہ نہیں دی تھی۔ روبیر نے اب عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے یہ سب بتا دے گی۔''

میں عورت کے پاس آیا تو وہ جلدی سے اپنے لباس کے پھٹوں حصوں کو درست کرنے لگی۔ وہ تقریباً پینتیس برس کی مگر جسمانی لحاظ سے جوان اور خوب صورت عورت تھی۔ اس کے سرخی مائل بھورے بال بکھرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے تھے اور چہرے پر خراشوں اور مار کے نشانات تھے۔ مگر یہ بہت نمایاں بھی نہیں تھے۔ ہم بروقت پہنچ گئے تھے۔ ورنہ یہ درندے اس عورت کا اس سے کہیں زیادہ برا حشر کر دیتے اور اگر وہ زندہ بچتی تب بھی کسی کو صورت دکھانے کے لائق نہیں رہتی۔ میں نے روبیر کے توسط سے کہا۔ ''تم اپنی زبان بند رکھو گی۔ دوسری صورت میں تمہیں بھی ان تین سپاہیوں کی ہلاکت میں شامل سمجھا جائے گا۔ ہم تو ملیں گے نہیں تمہیں ضرور سزائے موت ہو جائے گی۔''

وہ کانپ اٹھی۔ ''میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی، اپنی زبان بند رکھوں گی، میرے تین چھوٹے بچے ہیں۔ میں مر گئی تو ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔''

''تم کام کیوں کرتی ہو؟''

''میرا شوہر مر چکا ہے وہ باغ میں کام کرتا تھا اب اس کی جگہ میں کرتی ہوں۔'' عورت نے سادہ سی وجہ بتائی۔

''مگر بے سہارا عورتوں کی تو حکومت کفالت کرتی ہے۔'' روبیر نے حیرت سے کہا۔

''پہلے کرتی تھی اب نہیں کرتی ہے۔'' عورت تلخی سے بولی۔ ''اب ہر فرد کو کام کرنا پڑتا ہے۔ جن عورتوں کے مرد نہیں ہوتے ان کو کام کرنا پڑتا اور جن بچوں کے ماں باپ مر جائیں انہیں سرکاری افسران اور حکومتی اعمال اپنے غلاموں میں شامل کر لیتے ہیں۔''

عورت کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ آرگون میں جبر و استبداد کا نظام پوری طرح نافذ ہو چکا تھا۔ ایک با مزاحمتی تحریک کا خاتمہ ہو جاتا تو وادی کے لوگ بدترین قسم کی غلامی کی لپیٹ میں آ جاتے۔ میں نے کہا۔ ''اب تم جاؤ اور اپنی زبان بند رکھنا۔''

''میرا پھٹا ہوا لباس سب کی نظروں میں آئے گا۔'' اس نے پریشانی سے کہا۔ میں نے سوچا اور اپنا کر اس کی طرف بڑھا۔

''تم یہ پہن لو۔''

یہاں زیادہ تر عوام سفید لباس ہی پہنتے تھے۔ میرا کرتہ بھی سفید تھا۔ عورت ہچکچائی لیکن پھر اس نے کر لے لیا اور درخت کی آڑ میں جا کر بدل لیا۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''تم نے اسے ہمارے بارے میں بتایا نہیں؟''

''اس نے پوچھا تو تھا لیکن میں نے جواب نہیں دیا۔''

''تم نے اچھا کیا۔''

عورت لباس پہن کر آ گئی اور میں نے اس کا پھٹا ہوا کرتہ لے لیا یہ کہیں نہ کہیں کام آ جاتا۔ روبیر نے اسے جانے کو کہا تو وہ سہمے انداز میں اسمار سے دور ہو کر جانے لگی۔ مگر ہم سے جدا ہوتے ہی اسمار نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر غراتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا کہ عورت چیخ مار کر واپس بھاگی اور ہمارے درمیان میں آ گئی۔ جیسے وہ ہمارے پاس آئی اسمار اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ روبیر نے کہا۔ ''اس کے پاس سے بو نہیں آ رہی ہے اسمار اسے بھی مار دے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے باغ تک چھوڑ کر آنا ہوگا۔'' میں نے کسی قدر فکر مندی سے کہا۔ روبیر سمجھ گئی تھی۔

''آپ یہیں رکیں میں اسے چھوڑ کر آتی ہوں۔'' روبیر نے عورت کو ساتھ لیا اور وہ درختوں سے نکل کر کھلے میدان سے ہوتے ہوئے باغات کی طرف بڑھے اور جب پاس پہنچے تو روبیر رک گئی اور عورت تیزی سے باغوں کی طرف بھاگی۔ روبیر نے انتظار نہیں کیا کہ عورت باغ میں داخل ہو وہ فوراً واپس آ گئی۔ یہاں خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی سپاہی آ سکتے تھے۔ اسی خطرے کو مدِنظر رکھتے ہوئے روبیر فوراً واپس آئی تھی اور جیسے ہی وہ درختوں میں داخل ہوئی ہم آگے بڑھ گئے۔ اسمار جس کے لیے ایک سپاہی کی لاش بھی کافی تھی وہ اسے چھوڑ کر اب دوسری لاش پر پلا پڑ رہا تھا۔ اگرچہ یہ انسان کی توہین تھی کہ اسے درندوں کی غذا بننے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ مگر یہ انسان کہاں تھے یہ تو دو پیروں پر چلنے والے درندے تھے۔ وہ اسی سلوک کے مستحق تھے۔ پھر میں چاہتا تھا کہ ہمارے بارے میں کوئی نہ سوچے۔ ان سپاہیوں کی ہلاکت کا الزام اسمار کے سر جائے۔ مجھے امید تھی کہ جلد وہاں اور اسمار بھی آئیں گے اور ان کی ہڈیاں بھی باقی نہیں رہیں گی۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔

''کیا خیال ہے یہ عورت زبان بند رکھے گی۔''

''ہاں میں نے ربان کو سمجھا دیا ہے۔ راستے میں بھی اسے پکا کرتی رہی تھی کہ وہ چپ رہے ورنہ رینٹ جیسے ظالم سے کچھ بعید نہیں ہے وہ اس کے ساتھ اس کے بچوں کو بھی مروا دے گا۔''

''یہ تم نے اچھا نکتہ دیا ورنہ عورت کی زبان بند رکھنا بہت مشکل کام ہے۔''

اس نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''عورتیں کہاں زیادہ بولتی ہیں۔''

میں بے ساختہ ہنسا۔ ''ہمارے ہاں بھی عورتیں یہی کہتی ہیں۔''

میری بات پر وہ کسی قدر خفا نظر آنے لگی۔ اس نے رخ دوسری طرف کر لیا تھا اور اس کے بعد بات نہیں کی۔ مجھے ہی پہل کرنا پڑی تھی۔ ''یہ اچھا ہوا کہ ہمیں آرگون کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں۔''

وہ خفگی بھول گئی۔ ''اگر سرنگ میں اترنے کا راستہ مل گیا تو.....؟''

''آج ہم راستہ تلاش کریں گے اور ممکن ہوا تو کل رات اس میں اتریں گے۔''

''پھر.....؟''

''ہمیں شہر میں رینٹ کی فوج کی تیاریاں دیکھنی ہوں گی۔''

''اگر ہم یہ کام کر بھی لیں تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''فائدہ ہوگا۔'' میں نے یقین سے کہا۔ وہ ایک محدود دنیا کی باسی تھی اگرچہ وہ ذہین تھی مگر جنگی حکمتِ عملی اور اس میں جاسوسی کی اہمیت سے نا آشنا تھی۔ اس وقت ہم آرگون کی فصیل کے ساتھ ویران حصے میں آ گئے تھے۔ باغات اور کھیت ختم ہو گئے تھے اور یہاں اب گھنے جنگل تھے یا جھاڑیوں اور گھاس سے بھرے ہوئے میدان تھے۔ اب ہم وادی کے خطرناک ترین حصے میں داخل ہو رہے تھے کیونکہ یہی ہارن کا اصل مسکن تھا۔ روبیر جانتی تھی اور وہ محلول کی کارکردگی دیکھنے کے باوجود سہمی ہوئی نظر آنے لگی۔ چلنے کے دوران اس کی نظر مستقل آس پاس بھٹک رہی تھی۔ اسے فری ہینڈ دینے کے لیے میں نے سارا سامان خود اٹھا رکھا تھا۔ اس میں اسمار کا لباس اور ہتھیار بھی تھے۔ یہ سب میں نے عورت کے پھٹے لباس میں لپیٹ کر گٹھری سی بنا لی تھی اور اسے شانے پر لادا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ دوسرے شانے پر چھاگل اور ترکش و کمان تھی۔ ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے میں مشعلوں والی لکڑیاں تھیں۔ روبیر نے صرف تیر کمان اٹھایا ہوا تھا۔

○.....❖.....○

اس چکر میں کچھ وقت ضائع ہوا تھا۔ مگر مجھے امید تھی کہ ہماری واپسی تک محلول کا اثر رہے گا۔ جب کیرٹ نے مجھے معبد سے فرار کرایا تھا تو اس نے محلول دیا تھا مگر بدقسمتی سے دوران سفر پانی نہ ملنے کی وجہ سے مجھے پسینہ آنا بند ہو گیا تھا اور بو مدہم پڑی تھی مگر اب ہماری پاس پانی تھا اور راستے میں آنے والے ایک چشمے سے میں نے دوبارہ چھاگل بھر لی تھی۔ اس لیے پانی کی کمی نہیں تھی۔ امید تھی ہمیں شام تک پسینہ آتا رہتا اور اس میں محلول کی بو شامل ہو کر جانوروں کو ہم سے دور رکھتی۔ دن ڈھلنے کا آغاز تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ دو بج رہے تھے اور ہم سفر کے آخری مرحلے میں تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ سرنگ تازہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے بنائے ہوئے سوراخ یہاں جنگل میں کس صورت میں موجود تھے۔ لازمی بات تھی کہ انہیں کھلا تو نہیں چھوڑا گیا ہو گا ورنہ جنگل کے جانور ان سے سرنگ میں گھس سکتے تھے۔ ان کے تحفظ کا کوئی نہ کوئی بندوبست ہو گا۔ اس وقت ہم آرگون کے عقبی حصے میں تھے۔

یہاں سے معبد ذرا فاصلے پر تھا۔ ہمیں آرگون اور معبد کے درمیان میں اس سرنگ کے ہوادان تلاش کرنے تھے۔ ہم جھاڑیوں سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک خاصا بڑا اور خوش رنگ پرندہ سامنے آیا۔ اس نے ہمیں دیکھا لیکن کسی خوف کا اظہار نہیں کیا۔ وہ شاید انسانوں سے مانوس تھا یا اس نے پہلی بار کسی انسان کو دیکھا تھا۔ اس کے رنگ بڑے دلکش اور پر ذرا پھولے پھولے سے تھے۔ میں نے دلچسپی سے دیکھا مگر روبیر خوفزدہ نظر آنے لگی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اس سے دور ہوں۔ یہ پرجھاڑتا ہے تو بہت باریک زہریلے کانٹے نزدیک موجود جاندار کو لگتے ہیں اور اس کا زہر بہت مہلک ہے۔''

اس وقت ہم پرندے سے کوئی بیس پچیس گز کے فاصلے پر تھے۔ روبیر کی بات نے پرندے کی خوشنما کے بارے میں میرے خیالات کو اُڑا کر رکھ دیا تھا۔ میں محتاط ہو گیا اور ہم سُست روی سے پیچھے ہٹنے لگے روبیر نے بہت آہستہ سے کمان اس کی طرف کی۔ تیر پہلے ہی چڑھا ہوا تھا۔ مگر جیسے ہی تیر اس کی طرف ہوا نے مکروہ سی آواز نکالی اور جن جھاڑیوں سے نکلا تھا مڑ کر انہی میں گھس گیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور حیر سے کہا۔ ''اتنا خطرناک ہوتا ہے یہ پرندہ؟ دیکھنے میں تو یہ بہت بے ضرر اور خوب صورت لگ رہا تھا۔''

''یہ صرف اسی علاقے میں ہوتا ہے اور اس سے سارے جانور ڈرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ہا جیسا درندہ بھی اس کے سامنے نہیں رکتا بھاگ جاتا ہے۔''

ظاہر ہے موت کے سامنے کون رکے گا۔ ہم ان جھاڑیوں سے دور ہو کر گزرے اور کچھ دیر بعد ہم آرگ اور معبد کے درمیان میں تھے۔ یہاں چٹانیں تھیں۔ جنگل تھا اور کہیں کہیں خشک جھاڑیوں اور گھاس کے تھے۔ مگر یہاں کوئی چیز زیادہ وسیع نہیں تھی۔ میں نے آس پاس دیکھا مگر مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جسے سرنگ کا ہوادان کہہ سکتا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ کسی بلند جگہ سے آس پاس کا جائزہ لوں اور سب سے مناسب ایک بلند ٹیلہ لگا جو تقریباً ستر اسی فٹ بلند تھا اور اس پر چڑھنے کے امکانات بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی طرف اشارہ کیا۔ میں اور روبیر ٹیلے تک آئے۔ سامان نیچے چھوڑنے میں خطرہ تھا اس لیے ہم اس سمیت اوپر چڑھے اور ایک مناسب جگہ ہم نے سامان اور ہتھیار رکھ دیئے۔ ان کے ساتھ اوپر جانا بہت مشکل تھا کیونکہ اب ہمیں باقاعدہ کوہ پیمائی کرنا تھی۔ میں نے روبیر سے کہا۔

''تم یہیں رکو۔ میں اوپر سے آتا ہوں۔''

''نہیں جہاں تک میں چڑھ سکوں گی میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔''

میں نے سر ہلایا اور اوپر چڑھنے لگا۔ ٹیلہ پتھر اور مٹی پر مشتمل تھا اس لیے جہاں مٹی تھی وہاں پودے اور سبزہ بھی اگا ہوا تھا۔ جہاں جگہ تھی وہاں کچھ درخت نما جھاڑیاں اگ آئی تھیں۔ ہم مضبوط پودوں، پتھروں اور مٹی سے نکلی جڑوں کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگے۔ خلاف توقع اوپر جانا اتنا مشکل ثابت نہیں ہوا اور ہم با آسانی ٹیلے کی چوٹی تک پہنچ گئے۔ ہموار سطح چوٹی پر چڑھ کر میں نے روبیر کو ہاتھ سے پکڑ کر اوپر کھینچا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور میری سانس کسی قدر تیز تھی۔ یہاں کسی قدر ہوا تھی اور روبیر کا کرتہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ میں نے صرف پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے چاروں طرف دیکھا اور بولی۔ ''یہاں سے تو سب صاف دکھائی دے رہا ہے۔ آرگون اور معبد بھی۔''

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی کہ یہاں سے آرگون کی بلند عمارتیں اور معبد کی اہرام نما عمارت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ مگر ہم انہیں دیکھنے کے لیے اوپر نہیں آئے تھے۔ ہمیں سرنگ کے ہوادانوں کی تلاش تھی اور وہ فوراً ہی نظر آ گئے۔ میں نے نیشنل جیوگرافک پر افریقہ میں پائی جانے والی ایک قسم کی دیمک کا گھر دیکھا تھا۔ یہ مٹی کو کھا کر اور پھر اس میں اپنا لعاب شامل کر کے اس سے اونچے مخروطی گھر بناتی ہے۔ نیچے سے چوڑے یہ گھر جیسے جیسے اوپر جاتے ہیں پتلے ہوتے جاتے ہیں یوں سمجھ لیں کہ کون کو الٹا کر کے رکھ دیا جائے تو ان کے گھر بالکل اس شکل کے ہوتے ہیں۔ یہاں جنگل میں اسی طرح کی مخروطی کون کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا آپس میں فاصلہ اور سائز بالکل ایک جیسا تھا۔ سرخ پکی اینٹوں سے بنی ان کون کے اوپر سرے میں سوراخ تھا اور اسی سوراخ سے ہوا نیچے سرنگ تک جاتی ہوگی اور وہاں موجود گندی ہوا باہر آتی ہوگی۔ ان کی اونچائی یہاں سے واضح نہیں تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ وہ پندرہ بیس فٹ اونچے ضرور تھے۔

''یہ ہیں ہوادان۔'' میں نے اشارہ کیا۔

''لیکن ہم ان میں کیسے جا سکتے ہیں۔'' روبیر نے پوچھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی کیونکہ ان کی زمین سے بلندی خاصی تھی اور بہ ظاہر چڑھنے کے لیے کوئی سہارا نظر نہیں آ رہا تھا۔ نیچے سے ان کا قطر کوئی دس فٹ اور اوپر جاتے ہوئے ان کا دہانہ مشکل سے تین فٹ کا رہ جاتا تھا۔ اوپر جاتی ڈھلان اتنی ترچھی اور ہموار تھی کہ اس پر چڑھنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ صرف بہت ہلکے جسم اور تیز پنجوں والے جانور ہی ان پر چڑھ سکتے تھے۔ مگر وہ اندر نہیں اتر سکتے ہوں گے۔ سرنگ سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا تھا کہ ہوادان خاصے بلند تھے اور اگر کوئی ان سے اترنا چاہتا تو وہ سیدھا نیچے آ کر گرتا کیونکہ ہوادان میں کہیں پکڑنے والی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کی دیواریں اندر سے بھی بالکل سپاٹ تھیں۔ اس لیے کوئی جانور اندر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور کرتا تو صحیح سلامت ہرگز نیچے نہیں آ سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کون کے اوپری سرے سے سرنگ کے پختہ فرش تک گہرائی پچاس فٹ کے قریب تھی اور اتنی بلندی سے گرنے والا کوئی فرد یا جانور سلامت نہیں رہ سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے نیچے اترنا ہوا تو میں کیا کروں گا۔ اس کے لیے رسی کی ضرورت ہوگی۔ مجھے کیرٹ کی بات یاد تھی کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے ایک ہوادان کو اس قابل بنا دیا تھا کہ آدمی اس سے آسانی سے نیچے اتر سکے۔ اس نے نقشے پر اس ہوادان کی نشان دہی بھی کی تھی۔ مجھے اس کی لوکیشن یاد تھی۔ وہ آرگون شہر سے چوتھا ہوادان تھا۔ میں نے آرگون کی طرف سے دیکھنا شروع کیا اور چوتھے ہوادان کو ذہن نشین کر لیا۔ یہ اس ٹیلے سے دائیں طرف کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھا اور ٹیلے سے سب سے نزدیک ہوادان یہی تھا۔ میں نے روبیر کو اشارے سے بتایا۔ ''ہمیں اس ہوادان تک جانا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''کیا اس سے ہم نیچے اتر سکتے ہیں۔''

''ہاں کیرٹ نے اسی ہوادان کا بتایا تھا۔ مگر ہمیں آج نہیں اترنا ہے۔''

ہم نیچے اترنے لگے۔ اترنا کسی قدر دشوار ہوا تھا اور مجھے روبیر کو سہارا دینا پڑا تھا۔ وہ تھک گئی تھی اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ شاید مسلسل حرکت میں رہنے کی وجہ سے ایسا ہے۔ اس کی حرکت میں بھی سُستی آئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح چاک و چوبند نہیں رہی تھی۔ مگر یہ فطری امر تھا۔ ہم نے جتنا فاصلہ طے کیا تھا وہ ایک عام آدمی کو تھکانے کے لیے کافی تھا۔ ہم نیچے آئے اور ہوادان کی طرف روانہ ہوئے۔ میں محتاط تھا کیونکہ اس کا امکان تھا کہ کیرٹ سے اگلوا لیا گیا ہو کہ اس نے ہماری کیا کیا مدد کی تھی؟ پھانسی دیتے وقت میں نے اس کے جسم پر تشدد کے نشانات دیکھے تھے۔ اس صورت میں یا تو یہ ہوادان بند کیا جا چکا ہوگا یا پھر وہاں رینالٹ کے آدمیوں کا پہرہ ہوگا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ رینالٹ کے آدمی وہاں چھپ کر آنے والوں کے منتظر ہوں۔ میں نے ہوادان سے کوئی سو گز دور روبیر سے کہا۔ ''تم اسی جگہ رکو اور چھپ کر دیکھو اگر کوئی مجھ پر حملہ کرے تو تم مجھے بچاؤ گی۔''

اس نے سر ہلایا اور ایک چٹان کی آڑ میں ہو گئی۔ میں آگے بڑھا۔ سُست قدموں سے ہوادان تک پہنچا۔ اس کے آس پاس نہ تو کوئی تھا اور نہ ہی ایسے آثار نظر آ رہے تھے کہ وہاں انسانوں کی آمد و رفت تھی۔ یعنی زمین بالکل فطری حالت میں تھی۔ مگر یہ بھی دھوکا ہو سکتا تھا۔ نگران دور سے دیکھ سکتے تھے ان کو پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں محتاط انداز میں کون تک آیا جو چاروں طرف سے جھاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔ اس پر چڑھنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر میں اس پر چڑھنے نہیں آیا تھا بلکہ وہ آسانی تلاش کرنے آیا جو کیرٹ نے یہاں بنوائی تھی اور جس کی مدد سے نیچے اترا جا سکتا تھا۔ میں نے جھاڑیاں ہٹا کر دیکھا اور پھر دیکھتا ہوا پیچھے کی طرف جانے لگا۔ یہ عام نرم اور بنا کانٹوں والی جھاڑی تھی۔ نیزے کی مدد سے میں آرام سے ہٹا رہا تھا اور بالآخر مجھے وہ دروازہ نظر آ گیا جو کون کی جز میں بنا ہوا تھا۔ یہ لکڑی کا بنا ہوا دروازہ تھا جس کے باہر باقاعدہ کنڈی لگی ہوئی تھی۔

میں نے یہاں سے جھاڑیاں یوں ہٹائیں کہ پھر وہ آسانی سے واپس اپنی جگہ بھی آ جائیں۔ جھاڑیاں زیادہ ہلانے سے دروازے کا راز غیروں پر بھی کھل سکتا تھا۔ میں اس جگہ کو کھلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ دروازہ مشکل سے تین بائی دو کا تھا۔ اسے آپ کھڑکی سمجھ لیں۔ میں نے کنڈی ہٹائی اور پٹ کو باہر کی طرف کھینچا۔ زیادہ پرانا نہیں تھا مگر موسمی حالات نے اسے جام کر دیا تھا اور یہ کھلنے میں دشوار ہو رہا تھا۔ میں زور لگا کر کھول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا مگر مجھے خوف تھا کہ اس صورت میں آواز ہوگی اور اگر کوئی اس وقت نیچے سے گزر رہا ہوا تو وہ یہ آواز سن سکتا تھا۔ اس لیے میں دروازہ کھولنے میں احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ بالآخر وہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلنے لگا۔ ایک بار چوکھٹ سے نکلنے کے بعد کام آسان تھا اور دروازہ کھل گیا۔

میں حیران اس کے اندر کا ڈیزائن بالکل سرخ مٹی کی اینٹوں کی طرح تھا اور نیچے سے اگر کوئی دیکھتا تو اسے دیوار میں الگ سے دروازہ ہرگز نظر نہیں آتا۔ اسے بنانے اور یہاں لگانے والے یقیناً ماہر کاریگر تھے۔ میں نے نیچے جھانکا۔ عین اسی وقت نیچے سے ایک بیل گاڑی گزری جس کا رخ معبد کی طرف تھا اور اس پر مٹکے لدے ہوئے تھے۔ جن میں نہ جانے کیا سامان تھا جو معبد کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ بیل گاڑی چلانے والے معبد کے خدام کے لباس میں تھے۔ یہاں انسان کے مرتبے اور کام کی شناخت اس کے لباس سے ہوتی تھی۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا یہاں سے سرنگ کے پختہ فرش تک کوئی پچاس پچپن فٹ کا فاصلہ تھا اور کوئی انسان اتنی بلندی سے اندر نہیں کود سکتا تھا۔

مگر کیرٹ نے مکمل انتظام کیا تھا۔ دروازے کے پاس ہی ایک چرمی تھیلا رکھا تھا اور میں نے اسے کھولا تو اس میں رسی کا ایک بڑا سا بنڈل تھا۔ رسی کی لمبائی یقیناً کئی سو فٹ تھی اور اس سے بیک وقت چار یا پانچ رسیاں لٹکا کر اتنے ہی لوگ اندر اتر سکتے تھے۔ کیرٹ نے درست کہا تھا اس نے مکمل انتظام کر دیا تھا۔ رسی سوت جیسے کسی ریشے سے بنی گئی تھی۔ میں نے چیک کر کے دیکھا یہ بہت مضبوط تھی اور مجھ جیسے کئی آدمیوں کا بوجھ بیک وقت سنبھال سکتی تھی۔ میں نے رسی کو واپس چرمی بیگ میں رکھا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔ ابھی تک کسی طرف سے مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ رینالٹ اینڈ کمپنی اس جگہ سے واقف نہیں تھے۔ جھاڑیوں کو اسی شکل میں کر کے میں واپس روبیر کے پاس آیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو میں نے کہا۔

''کون میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے اور وہاں رسیاں بھی ہیں ان کی مدد سے کئی افراد نیچے اتر سکتے ہیں۔''

''کیا ہم آج اندر نہیں جا سکتے؟'' روبیر نے کسی قدر بے تابی سے کہا۔

''نہیں، صرف دو افراد اور دن میں کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں زیادہ افراد کی ضرورت ہے۔ پھر ہم رات کی تاریکی میں اندر اتر سکتے ہیں۔''

میرے جواب سے روبیر مایوس ہوئی تھی اور میں کسی حد تک اس کی مایوسی کی وجہ بھی سمجھ رہا تھا۔ اس کا محبوب شامین آرگون میں کہیں قید تھا اور روبیر کا خیال تھا کہ ایک بار ہم آرگون میں داخل ہو جاتے تو اسے چھڑانے کے لیے کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن اس کا یہ ممکنہ خیال بچکانہ تھا۔ میں نے آرگون دیکھا تھا یہ بہت بڑا شہر تھا اور یہاں گھس کر کسی قسم کی کوئی کارروائی کرنا ایک دو آدمیوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ ہمیں زیادہ آدمیوں اور ایک منصوبے کی ضرورت تھی۔ ساتھ ہی ضروری تھا کہ ہم اس وقت اندر گھسیں جب رینالٹ کی فوج فیصلہ کن حملے کے لیے شہر سے نکل چکی ہو اور شہر میں بہت کم فوجی دستے ہوں۔ روشنی کم ہونے لگی تھی اس کا مطلب تھا کہ شام ہو چکی تھی۔ اب ہمیں واپس جانا تھا اور واپسی کے سفر سے پہلے ہم نے پیٹ پوجا کی۔ میٹھی ٹکیاں کھا کر پانی پیا اور چل پڑے۔ روبیر سُست تھی اور وہ بار بار پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کے دل کی بات کہتے ہوئے اسے تسلی دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم آئیں گے اور اندر بھی اتریں گے۔ تم یقین رکھو ہم جب بھی شہر میں داخل ہوئے تو شامین کو زندہ سلامت بازیاب کرانا میری مہم کا ایک حصہ ہوگا۔''

وہ خوش ہوگئی۔ ''سچ کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں تم میری ساتھی ہو اور میں تمہارے لیے یہ کام کروں گا۔''

''میں ساتھی کہاں آپ پر بوجھ ہوں۔ اگر آپ بروقت نہ آتے تو آج میں زندہ بھی نہ ہوتی۔''

''تم ساتھی ہو تبھی اس دشوار ترین مرحلے میں میرے ساتھ ہو۔'' میں نے یقین دلایا۔ ''خودکشی بزدل لوگ کرتے ہیں جو بہادر ہوتے ہیں وہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے جان دیتے ہیں۔''

واپسی کے سفر میں، مَیں نے محسوس کیا کہ اب میرے اور روبیر کے پاس سے بوزیادہ نہیں آرہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ محلول کا اثر اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا کہ میں نے سوچا تھا۔ یہ شاید وقت سے پہلے ختم ہو رہا تھا۔ اورگان جس نے یہ محلول ایجاد کیا تھا وہ اس کا اثر بارہ گھنٹے تک رکھتا تھا مگر بعد میں پجاریوں نے اسے بنایا تو شاید وہ اتنا پُراثر نہیں رہا یا اس میں کسی خاص چیز کی کمی تھی۔ اس لیے اس کا اثر جلدی ختم ہو جاتا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''ہمیں تیز چلنا ہوگا مجھے لگ رہا ہے کہ محلول کا اثر ختم ہو رہا ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے اپنے پاس سے آتی بو اب کم لگ رہی ہے۔''

''اس سے پہلے کہ یہ بہت کم ہو جائے اور ہمارا واسطہ کسی درندے سے پڑ جائے ہمیں واپس پہنچ جانا چاہیے۔''

○.....❖.....○

ہم نے رفتار تیز کی اور کسی قدر بھاگنے کے انداز میں چلنے لگے۔ دن ڈھلنے کے ساتھ گرمی کم ہوگئی تھی مگر روبیر کا چہرہ ویسا ہی سرخ ہو رہا تھا۔ میں فکرمند ہوگیا کہ اس کی طبیعت خراب تو نہیں تھی۔ اس نے گزشتہ دن جیسا گزارا تھا وہ مکمل ٹھیک نہیں تھی اور ہمت کر کے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ مجھے اصل فکر یہ تھی کہ راستے میں یہ خرابی بڑھ گئی تو میں اسے سنبھال کر اتنی آسانی سے سفر کیسے کروں گا۔ تیز رفتاری کی وجہ سے ہم جلد اس جگہ پہنچ گئے جہاں سپاہیوں سے واسطہ پڑا تھا اور ان کا موت سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ وہاں اب اسار نہیں تھے۔ سپاہیوں کی لاشیں بھی نہیں رہی تھیں۔ مگر لومڑی کے سائز کے چھوٹے جانور بچ جانے والی ہڈیوں کو بھنبھوڑ رہے تھے اور کتے کی سی آواز میں بھونک رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ان میں کھلبلی مچی تھی۔ مگر ان کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔ وہ آس پاس درختوں اور جھاڑیوں میں چھپنے لگے۔ مگر جب ہم ذرا آگے نکلے تو وہ دوبارہ پلٹ آئے۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''اب تک ان سپاہیوں کی تلاش میں کوئی نہیں آیا اس کا مطلب ہے ربان نے اپنی زبان بند رکھی ہے۔''

''مجھے بھی یقین تھا کہ وہ خاموش رہے گی۔ صرف اس کی نہیں اس کے بچوں کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔''

اس جگہ سے ہمیں مشعلیں روشن کرنا پڑی تھیں کیونکہ اب ہم جنگل میں سفر کر رہے تھے اور یہاں روشنی بہت کم رہ گئی تھی۔ کچھ آگے جا کر ہم ستانے کے لیے رکے اور جیسے ہی سانس درست ہوا دوبارہ چل پڑے۔ مگر اب میں نے محسوس کیا کہ روبیر کی چال سُست تھی اور وہ جیسے مجبوراً میری رفتار کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ قدم اٹھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں رہی تھی بلکہ گھسیٹ رہی تھی۔ کچھ آگے نکل کر میں نے جان بوجھ کر رفتار کم کر لی۔ مگر اس سے پوچھا نہیں۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک ہمت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے تھے اور وہ پھر بھی ہمت کر کے چلتی رہی۔ اب ایک گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ اب میں نے بنا کہے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے کھینچنے لگا۔ اس کی ہمت کو مزید آزمانے کا وقت نہیں تھا۔ یوں اسے کسی قدر سہارا ملا تو اس کے قدم بہتر ہو گئے تھے۔

ہم آرگون سے آگے نکل آئے تھے اور اب ہمارے بائیں طرف ذرا فاصلے پر سامیرا کے لوگوں کے کھیت اور باغات تھے۔ ہمیں ان سے بھی دور رہنا تھا۔ درختوں سے گزرتے ہوئے وہاں کام کرنے والے اور ان کی حفاظت کرنے والے سپاہی نظر نہیں آ رہے تھے مگر وہ لوگ موجود تھے۔ یہاں تاریکی چھانے تک کام ہوتا تھا اس کے بعد مزدور اور دوسرے واپس آرگون کے قلعے میں چلے جاتے تھے اور اس کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔ اگر ربان نے زبان بند رکھی ہو گی تو وہ بھی زندہ سلامت شہر جانے والوں میں شامل ہو گی۔ روبیر کی رفتار بہتر ہوئی تھی کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''بس اب میں خود چل سکتی ہوں۔ آپ میرا ہاتھ چھوڑ دیں۔''

جب میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ سخت گرم ہو رہا تھا۔ اسے بخار تھا اور یقیناً اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ مجھے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ خود سے چل سکے گی مگر اس نے کہا تو میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ پھر سے لڑکھڑانے لگی تھی اور پھر اچانک ہی لہرا کر نیچے گری۔ میں کچھ دور تھا اس لیے اسے پکڑ نہیں سکا اور پھر سامان بھی لدا ہوا تھا۔ وہ پہلو کے بل گری اور ساکت ہو گئی۔ میں نے سامان پھینکا اور اسے جلدی سے سیدھا کیا تو وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کی نبض کی رفتار سُست اور کسی قدر بے ترتیب تھی۔ یہ یقیناً زخموں، تھکن اور گزشتہ روز کے شاک کا مجموعہ تھا جو اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ ابھی ہم ٹیلے سے کچھ فاصلے پر تھے۔

روبیر کا ہوش میں آنا ضروری تھا۔ میں نے اس کے منہ میں پانی ٹپکایا اور کچھ اس کے منہ پر بھی چھڑکا۔ وہ کسمسائی مگر اس کی بے ہوشی نہیں ٹوٹی تھی۔ ابھی آدھے گھنٹے کا سفر باقی تھا اور ہمارے پاس خاصا سامان تھا۔ بیک وقت سامان اور روبیر کے ساتھ سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسے زبردستی ہوش میں لانا بھی مناسب نہیں ہوتا وہ پھر سے بے ہوش ہو جاتی۔ اس لیے میں نے سوچا اور سامان یہیں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا۔ سارا سامان کپڑوں والے تھیلے کے ساتھ ایک درخت کی بلند شاخ پر باندھ دیا۔ اب میرے پاس صرف ایک نیزہ اور مشعل تھی۔ تاریکی تقریباً مکمل ہو گئی تھی اور اب ہمیں مشعل کے سہارے سفر کرنا تھا۔ نیزہ بھی لازمی تھا کہ کسی خطرے کا سامنا ہونے کی صورت میں بالکل ہی نہتا بھی نہ ہوتا۔ روبیر کو اٹھا کر یوں شانے پر ڈالا کہ اس کا اگلا دھڑ میری پشت پر جھول رہا تھا اور میں نے اس کی ٹانگوں سے اسے پکڑا ہوا تھا۔ اسی ہاتھ میں نیزہ تھا اور دوسرے میں مشعل تھامے میں آگے بڑھنے لگا۔

اب تک کسی جانور سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور میں دعا کر رہا تھا کہ واسطہ پڑے بھی نہ، ورنہ میں کسی صورت اپنا اور روبیر کا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ میرے پاس ایک نیزے کے سوا کچھ نہیں تھا اور ہمارے جسموں سے آتی بو بھی بہت کم رہ گئی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ بو اب درندوں کو روکنے کے لیے کافی نہیں رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک بھیڑیوں جیسی آواز بلند ہوئی اور میرا دل ایک لمحے کو رک گیا۔ کیا اسماروں نے ہماری بو پالی تھی یا کسی نے دیکھ لیا تھا اور اب دوسروں کو مطلع کر رہا تھا۔ بھیڑیئے جیسی شکل وصورت کے اس جانور کی یہ عادت بھی بھیڑیوں سے ملتی تھی کہ کسی صورت میں یہ بلند آواز نکال کر اپنے دوسرے ساتھیوں کو مطلع کرتے تھے۔ وہ مختلف آوازوں سے نہ صرف لوکیشن بلکہ شکار کے بارے میں بھی بتاتے تھے۔ میں اس پر انحصار نہیں کر سکتا تھا کہ یہ آوازیں اسماروں کے معمول کا حصہ تھیں۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے اور اب وہ کہیں آس پاس موجود تھے۔

میں نے رفتار تیز کی، ٹیلہ اب کچھ ہی دور رہ گیا تھا اور بھیڑیوں جیسی آوازیں نزدیک آ رہی تھیں۔ میرا شبہ بڑھ رہا تھا کہ اسماروں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ میری کوشش تھی کہ ان کی آمد سے پہلے ٹیلے تک پہنچ جاؤں۔ آخر میں، مَیں نے تقریباً بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ روبیر کا وزن ساٹھ کلوگرام سے کم نہیں تھا۔ بہ ظاہر وہ چھریری دکھائی دیتی تھی مگر اس کا جسم مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ اُس لیے وزن بھی زیادہ تھا۔ مسلسل بھاگنے سے میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور جسم پر پسینہ ایک بار پھر بہنے لگا تھا۔ مگر اس وقت مجھے پتا ہی نہیں تھا۔ اب مجھے روبیر سمیت اوپر جانا تھا۔ بالآخر میں کامیاب رہا مگر جس وقت روبیر کو لے کر اوپر چڑھ رہا تھا تین چار اسمار وہاں آن موجود ہوئے۔ خوش قسمتی سے تقریباً اوپر چڑھ گیا تھا ورنہ نصف راستے میں ہوتا تب بھی اسمار چھلانگ لگا کر مجھے پکڑ سکتے تھے۔

انہوں نے ایسا کرنے کی کوشش کی اور ان میں سے ایک تو اتنے نزدیک تک آیا کہ اس کا منہ میرے جوتوں سے کچھ ہی دور رہ گیا تھا۔ بیک وقت دو نے چھلانگ لگائی تھی۔ اوپر آنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور میں سر سے پاؤں تک پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ آخری پندرہ بیس منٹ کا سفر میں نے بھاگتے ہوئے طے کیا تھا اور اسی وجہ سے ہم اسمار کا نشانہ بننے سے بال بال بچے تھے۔ یقیناً محلول کی تاثیر ختم ہو چکی تھی اور میرے پاس سے بو آنا تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ تبھی اسمار نے بے دریغ حملہ کیا۔ روبیر کو گھاس پر لٹا کر میں کنارے تک آیا۔ اوپر چڑھنے سے پہلے میں نے مشعل ایک جگہ لگا دی تھی کہ روبیر کو اوپر چھوڑ کر مشعل واپس لے جاؤں گا مگر اب نیچے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر نیچے جانا بھی لازمی تھا۔ میں اپنا اہم ترین سامان پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اسی میں ہمارے سارے ہتھیار تھے۔ جو سامیرانے دیئے تھے وہ بھی وہیں رہ گئے تھے اور اب میرے پاس سوائے ایک نیزے کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے ایک مشعل جلا کر باہر لگائی۔

بہر حال سامان بعد کا مسئلہ تھا اس وقت مجھے روبیر کی فکر تھی۔ خوش قسمتی سے صبح میں نے مٹکا اور ڈول بھر کر رکھ لیا تھا اس لیے ہمارے پاس پانی تھا۔ میں نے پہلے خود پانی پیا اور پھر روبیر کو پلایا۔ اس کا بدن جیسے آگ بنا ہوا تھا۔ میرے پاس کوئی دوا یا چیز نہیں تھی جسے اس کے علاج کے لیے استعمال کرتا۔ بخار کم کرنے کی ایک ہی ترکیب تھی۔ میں نے پٹیاں پانی میں بھگو کر اس کے سر، ہاتھوں اور پیروں پر رکھنا شروع کر دیں۔ کپڑے کے لیے اس کی کمر سے بندھا ہوا پٹکا اتارا تھا۔ مسلسل پٹیاں رکھنے سے اس کا درجہ حرارت کم ہوا تھا اور چہرے کی سرخی بھی کم ہوئی تھی۔ وقفے وقفے سے میں اس کے منہ میں پانی بھی ٹپکاتا رہا تھا۔ بالآخر اسے ہوش آ گیا۔ اس نے بہت سرخ آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھا۔ پھر اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ لٹا دیا۔

''ابھی مت اٹھو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پانی مجھے پیاس لگی ہے۔''

میں اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اچھا خاصا پانی پلا چکا تھا مگر اس کے ہونٹ یوں خشک تھے جیسے اس نے نہ جانے کب سے پانی نہ پیا ہو۔ بخار اسے خشک کر رہا تھا۔ میں نے اسے کٹورے میں ڈال کر اور سہارا دے کر پانی پلایا۔ ''تھوڑا تھوڑا کر کے اور چوس کر پیو، ایک ساتھ زیادہ پانی پیا تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔ تم خالی پیٹ بھی ہو۔''

اس نے سر ہلایا اور میری ہدایت کے مطابق پانی پینے لگی۔ کچھ دیر میں اس نے پورا کٹورا خالی کر دیا اور نڈھال سی ہو کر گھاس پر لیٹ گئی۔ پھر اس نے شکایت کی۔ ''پورا جسم دکھ رہا ہے۔ گرمی لگ رہی ہے۔''

اس کا بخار کم ہوا تھا مگر اب بھی یہ اچھا خاصا تھا۔ میں پھر اس کے ہاتھ پیروں پر پانی سے پٹیاں بھگو کر رکھنے لگا۔ اس دوران میں اسمار نیچے موجود تھے۔ کبھی کبھی وہ آواز نکالتے تھے۔ رویر کے ہوش میں آنے کے بعد وہ بولے تو وہ سہم گئی۔ ''اسمار ہیں یہاں؟''

''ہاں وہ راستے میں ہمارے پیچھے لگ گئے تھے۔ میں بہت تیزی سے آیا اور جب اوپر چڑھ رہا تھا تو انہوں نے حملہ بھی کیا تھا مگر خوش قسمتی سے میں ان کی پہنچ سے نکل گیا تھا۔''

وہ حیران ہوئی تھی۔ ''آپ مجھے اٹھا کر لائے، اتنی دور سے۔''

''ہاں تمہیں بالکل ہوش نہیں تھا۔ تم جو ایک بار گریں تو پھر اٹھیں نہیں، سامان بھی وہیں چھوڑنا پڑا تھا۔ مجھے لگ رہا ہے کہ محلول کا اثر بھی ختم ہو گیا تھا اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہم خوش قسمتی سے بچے ہیں۔ اگر ذرا دیر ہو جاتی تو اسمار ہمیں آ لیتے۔''

''نہیں میں آپ کی وجہ سے بچی ہوں۔'' اس نے جذباتی انداز میں اپنے گرم ہاتھوں سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''آپ کیوں میرے لیے اتنا کر رہے ہیں۔ میں آپ کی کچھ نہیں لگتی ہوں۔ میں نے تو آپ کے ساتھ برا کیا۔ آپ کو دھوکا دیا۔''

''میں نے کہا نا تم میری ساتھی ہو اور میرے مشکل وقت میں میرا ساتھ دے رہی ہو۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ''اتنا میرے لیے کسی نے نہیں کیا۔''

''یہ سب اوپر والے کی مہربانی ہے اور تم خود بہت اچھی لڑکی ہو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''تم اس وقت رو گی اور جذباتی ہو گی تو تمہاری طبیعت اور خراب ہو جائے گی۔ میرے پاس تمہارے علاج کے لیے کچھ نہیں ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم خود پر قابو رکھو اور جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔''

اس نے خود پر قابو پایا اور آنسو صاف کرنے لگی۔ میں نے اسے مجبور کر کے کچھ پھل کھلائے۔ وہ پھر آنکھ بند کر کے لیٹ گئی تھی۔ رات گہری ہونے لگی تھی۔ میں رویر کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور کبھی کبھی جا کر جھانک کر اسماروں کو دیکھتا تھا۔ ان کی تعداد بڑھ گئی تھی اور اب وہاں نصف درجن خونخوار اسمار موجود تھے۔ مگر اب وہ آوازیں نہیں نکال رہے تھے۔ شاید ان کا سارا جھنڈ یہاں جمع ہو گیا تھا اور اب انہیں مزید آوازیں نکالنے کی ضرورت نہیں تھی۔ غالباً انہوں نے تاڑ لیا تھا کہ ہم اس ٹیلے پر محصور ہیں اور یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے۔ اس لیے وہ اطمینان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نیچے گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے تھے کہ کبھی نہ کبھی ہم نیچے اتریں گے۔ انہیں کوئی جلدی نہیں تھی۔ رات بھیگنے لگی تو میں نے روبیر کو اٹھایا۔ ''اندر چلو، اب ٹھنڈ ہو رہی ہے اور اوس گر رہی ہے۔''

اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور پھر بے بسی سے بولی۔ ''مجھ سے نہیں اٹھا جا رہا۔''

میں نے اسے اٹھایا اور لے جا کر اندر بستر پر لٹا دیا۔ اس کا جسم اب بھی گرم تھا لیکن یہ پہلے کے مقابلے میں خاصا کم ہو گیا تھا۔ اگر رات میں اس کا بخار اتر جاتا تو صبح تک اس کی طبیعت ٹھیک ہو سکتی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائے تاکہ میں دوسرے کاموں پر توجہ دے سکوں اور خاص طور سے وہ سامان لاؤں جو میں چھوڑ آیا تھا۔ اس میں ہتھیاروں کے ساتھ اہم ترین چیز آرگون کے سیاہیوں کی وردیاں تھیں۔ روبیر کو کیبن میں لٹا کر میں خود گھاس کے تختے پر لیٹ گیا اور اس سے اٹھتی ہوئی سوندھی سی خوشبو محسوس کرتا ہوا سو گیا۔ رات میں آنکھ کھلی تو میں نے روبیر کو چیک کیا۔ اس کا چہرہ اور سانس نارمل تھا اور بخار تقریباً اتر گیا تھا۔ اسے دیکھ کر سویا۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو صبح قریب تھی۔ بھرپور نیند کے بعد اب میں خود کو تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ سب سے پہلے میں نے اسماروں کی خبر لی جو بدستور نیچے موجود تھے۔ مشعل بجھ گئی تھی اور نیچے تاریکی تھی مگر ان کے غرانے کی ہلکی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ وہیں موجود ہیں۔ میں کیبن میں آیا تو روبیر جاگ رہی تھی۔ وہ کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔

''اب کیسی ہو؟''

وہ مسکرائی۔ ''ٹھیک ہوں، درد اور بخار نہیں ہے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے، بھوک لگی ہے کچھ کھاؤ گی؟''

اس نے سر ہلایا اور اٹھ بیٹھی۔ اس نے اپنے کھلے بال ایک چھوٹی سی اسٹک کی مدد سے جوڑے میں باندھے پھر جھینپے انداز میں کہا۔ ''وہ مجھے نیچے جانا ہے۔''

''اس وقت تو نیچے جانا ممکن نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہاں اسی ٹیلے پر پیچھے کی طرف جا سکتی ہو۔''

میں نے پہلے ہی مناسب جگہ دیکھ لی تھی کہ رفع حاجت کے لیے نیچے جانا ممکن نہیں تھا۔ کیبن میں جانے سے پہلے میں خود وہاں سے ہو آیا تھا۔ روبیر وہاں سے آئی تو اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ پانی کفایت شعاری سے خرچ کیا جا رہا تھا۔ جب تک اسمار موجود تھے نیچے جا کر پانی لانا بھی آسان کام نہیں تھا۔ اس نے بھی نیچے موجود اسماروں کو دیکھ لیا تھا۔ ''ان کے ہوتے ہوئے ہم نیچے نہیں اتر سکتے ہیں۔''

''محلول پی کر میں جا سکتا ہوں۔''

وہ بے چین ہو گئی۔ ''آپ اکیلے؟''

''ہاں مجھے سامان لانا ہے اور پھر پانی بھی لانا ہے۔''

''محلول کا اثر جلدی ختم ہو رہا ہے۔''

''ہاں لیکن اتنی جلدی بھی نہیں۔'' میں نے کہا اور تھیلا کھولا۔ اس میں اب کھانے کا سامان کم رہ گیا تھا چند ایک پھل تھے جو میں نے روبیر کو دے دیئے اور خود میٹھی ٹکیوں سے گزارا کیا تھا۔ اس دوران میں روشنی ہونے لگی تھی۔ اچانک مجھے ربیک کا خیال آ رہا تھا اس نے یہاں آنا تھا اور وہ بے خبر تھا کہ یہاں اسمار کا پورا جھنڈ موجود ہے۔ وہ بے خبری میں چلا آتا تو ان کے ہاتھ لگ جاتا۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ اسمار جلد از جلد یہاں سے چلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ میں ہتھیار لے کر آؤں اور تیروں سے اسماروں کو مار بھگائیں۔ ناشتے کے فوراً بعد میں نے محلول کی ایک خوراک پی لی۔ روبیر بولی۔

''مجھے پورے جسم میں بے چینی ہو رہی ہے یہ یہاں سے دفع ہوں تو میں چشمے پر جا کر نہاؤں گی۔''

''بخار کے بعد ایسی ہی بے چینی ہوتی ہے۔'' میں نے تائید کی اور اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ میری کوشش تھی کہ مجھے جلد از جلد پسینہ آئے اور مجھ سے بو آنا شروع ہو۔ دس پندرہ منٹ بعد مجھ سے بو آنے لگی اور روبیر نے تائید کی۔

''بو آ رہی ہے مگر آپ کچھ دیر بعد جایئے گا۔''

میں نے بھی یہی مناسب سمجھا۔ محلول پینے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں ٹیلے سے نیچے اترنے کے لیے سیڑھی تک آیا۔ روشنی ہو گئی تھی اور اسمار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی جسامت دیکھ کر روبیر سہم گئی۔ اس نے مجھ سے احتیاط کرنے کو کہا۔ مگر میں جو احتیاط کر سکتا تھا وہ کر لی تھی اس سے زیادہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ میرے پاس سے آتی بو محسوس کر کے اسمار ناپسندیدہ انداز میں غرانے لگے اور جب میں نیچے اتر رہا تھا وہ آگے آنے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگے۔ نیچے اتر کر میں آگے بڑھا تو وہ دائیں بائیں ہو کر دور ہونے لگے۔ سچی بات ہے کہ اس خوفناک درندے کے جھنڈ کے بیچوں بیچ سے گزر کر جاتے ہوئے میرا خوف سے رواں رواں کھڑا ہو گیا تھا۔ اگر وہ بو کی پروا کیے بغیر حملہ آور ہو جاتے تو لمحوں میں میرا خاتمہ کر سکتے تھے۔ مگر اس بو نے انہیں پاس آنے سے روکا تھا۔ البتہ انہوں نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا اور دائیں بائیں اور پیچھے فاصلہ رکھ کر میرے ساتھ چلنے لگے۔ وہ اس امید میں تھے کہ شاید مجھ سے آنے والی بو ختم ہو جائے اور وہ مجھ پر حملہ کر سکیں۔

میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ وہ سب میرے پیچھے تھے اور میرے پاس بھی نہیں آ رہے تھے۔ میں نے راستے کی کچھ نشانیاں ذہن میں رکھی تھیں تاکہ میں ٹھیک اسی درخت تک پہنچ سکوں جہاں میں نے سامان رکھا تھا۔ اس کے باوجود مجھے کچھ دیر بھٹکنا پڑا تھا اور تب میں درخت تک پہنچا تھا وہاں شاخ پر سامان دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا ورنہ یہ خدشہ بھی تھا کہ سامان ہی غائب نہ ہو جائے۔ میں نے تھیلا اتار کر سب سے پہلے کمان اور ترکش نکالے اور سب سے نزدیک موجود اسمار پر تیر اندازی کی مشق کی۔ غیر متوقع طور پر تیر اس کی گردن میں اتر گیا۔ اس نے بھیانک آواز نکالی اور زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس کا حشر دیکھ کر دوسرے اسمار تیزی سے بھاگے اور مجھ سے کچھ فاصلے پر جا کر رکے تھے۔ میں نے لوٹتے اسمار کو چند تیر اور مارے جو تقریباً سارے نشانے پر لگے۔

وہ بے دم سا ہو گیا تھا اور مجھے نیزے کی مدد سے اس کا خاتمہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ نیزہ میں نے اس کی گردن میں اتار دیا تھا۔ اس نے چند لمحے تڑپنے کے بعد جان دے دی۔ میں نے اس کے جسم میں اتر جانے والے تیر نکال کر صاف کیے اور واپس ترکش میں رکھ لیے۔ یہ سارا کام میں نے اطمینان سے کیا تھا۔ اپنے ایک ساتھی کا انجام دیکھ کر دیگر اسماروں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ میرا پیچھا چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ جب تک میں نے تیر نکالے وہ غائب ہو گئے تھے۔ میں مطمئن ہو کر آگے بڑھا۔ سامان خاصا تھا مگر وزنی نہیں تھا۔ ربان کے پھٹے کرتے نے بڑا کام دیا اور اسی میں سب ڈال کر میں نے گٹھری بنا لی تھی ورنہ الگ الگ ان کو لے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانا آسان نہیں تھا۔ البتہ نیزے اور کمانیں ساتھ رکھی تھیں۔ نصف گھنٹے بعد میں دوبارہ ٹیلے کے پاس تھا۔ میں نے نیچے سے روبیر کو آواز دی۔ وہ نزدیک ہی تھی۔ فوراً دوڑی آئی اور چہک کر بولی۔

''آپ آ گئے۔''

''ہاں ڈول دو۔''

اس نے اوپر سے ڈول پھینکا۔ میں نے نیچے سے سامان اچھالا اور پھر ڈول اور وردیاں لے کر ندی پر آیا۔ پہلے میں نے وردیاں دھوئیں اور پھر ڈول بھر کر واپس ٹیلے پر آیا۔ مزید چند چکر لگا کر میں نے اتنا پانی کر دیا کہ روبیر اوپر ہی نہا لی تھی۔ اسمار ٹیلہ اور اس پر ہماری موجودگی سے واقف ہو چکے تھے۔ مجھے شک تھا کہ وہ اب آس پاس رہیں گے۔ اس صورت میں روبیر کا ندی پر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ آرام سے نہائے میں نیچے ہی موجود ہوں۔ اس نے نہا لیا تو میں نے دوبارہ ندی سے جا کر پانی بھرا۔ روبیر نے کچھ خشک بیلیں آپس میں ملا کر رسی بنالی تھی۔ وہ اس کی مدد سے بھرا ہوا ڈول اس سے اوپر کھینچ لیتی اور مجھے اوپر نہیں جانا پڑتا تھا۔ یوں کام آسانی سے اور تیزی سے ہو گیا۔ مجھے بھی بار بار اوپر نہیں جانا پڑا تھا۔

ہمارے پاس خوراک تقریباً ختم تھی۔ جو مچھلی پہلے پکڑی تھی اس کا تھوڑا سا بچ جانے والا حصہ اب خراب ہو گیا تھا اور اس سے بو اٹھ رہی تھی۔ ریچ کی آمد کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے اور ہمیں خوراک کی ضرورت تھی۔ یہاں صرف مچھلیاں تھیں۔ پانی بھرنے کے دوران میں نے ندی میں ایک جگہ دیکھ لی تھی جہاں مچھلیاں تھیں۔ مگر وہاں پانی گہرا تھا اور انہیں پکڑنا آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں نے رہان کا کرتا لے کر اسے یوں کھولا کہ وہ چادر سی بن گئی۔ جہاں سے وہ پھٹا ہوا تھا وہاں گرہ لگا دی۔ پھر یہ جال لے کر ندی تک آیا اور اس کے کنارے روبیر کی بنائی بیلوں کی رسی سے باندھ دیئے۔ جال کو تہہ میں بچھا دیا۔ یہ آسان کام نہیں تھا کیونکہ پانی بہہ رہا تھا جو کپڑا ابھی بہا لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کسی نہ کسی طرح میں نے کپڑا تہہ میں بچھا دیا اور پھر دوریاں تھام کر انتظار کرنے لگا کہ کب کچھ مچھلیاں کپڑے کے اوپر آتی ہیں اور میں جال کھینچ کر انہیں پکڑتا ہوں۔ شروع میں مچھلیاں کچھ بدکی تھیں مگر پھر کپڑے کو بے ضرر جان کر اس پر آ گئیں۔ جیسے ہی تین بڑی مچھلیاں جال کے اوپر آئیں۔ میں نے پوری قوت اور تیزی سے جال کھینچ لیا۔ ایک مچھلی بھاگنے میں کامیاب ہوئی مگر دو جال کے ساتھ ندی سے باہر آ گئی تھیں۔ احتیاطاً میں نے کپڑا ندی سے دور پھینک دیا کہ مچھلیاں اس سے نکلیں بھی تو پانی میں واپس نہ جا سکیں۔ وہ جس طرح تڑپ رہی تھیں انہیں کپڑے میں رکھنا دشوار لگ رہا تھا اور لگ رہا تھا کہ واپس ندی میں چلی جائیں گی۔ دور گرنے پر بھی وہ باہر نکل آئیں اور ندی کی طرف آنے کی کوشش کی مگر میں نے انہیں دوبارہ کپڑا ڈال کر لپیٹ لیا۔

آج اور شاید کل کے لیے بھی یہ مچھلیاں کافی تھیں۔ ان کا گوشت ذائقے دار تھا۔ جب میں نے مچھلیاں لا کر روبیر کو دیں تو اس کی خوشی دیکھ کر مجھے بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں گھر گرہستی میں گرفتار شخص ہوں جس کی صبح شام اس فکر میں ہوتی ہے کہ اپنے خاندان کا پیٹ کیسے بھروں۔ روبیر کی خوشی اصل میں مچھلی کی نہیں خوراک کی تھی کیونکہ اب ہمارے پاس کھانے کو کچھ خاص نہیں تھا۔ اس لیے میرے ہنسنے پر اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''کیوں ہنس رہے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے آج تک ایسے کام نہیں کیے۔اس لیے جب کر رہا ہوں تو ہنسی آ رہی ہے۔''

''آپ کی بیوی بچے ہیں؟''

''نہیں۔''

''تبھی عجیب لگ رہا ہے۔'' اس نے سادگی سے کہا اور پتھر کے چاقو سے مچھلیوں کو ہلاک کرنے لگی جواب تک تڑپ رہی تھیں۔ یہ چاقو سپاہیوں کے پاس سے نکلے تھے اور کام میں دھات کے چاقو سے کم نہیں تھے۔ مجھے خیال آیا کہ جب یہ چاقو بنا سکتے ہیں تو پتھر کے اور تیز دھار ہتھیار کیوں نہیں بناتے۔شاید اس لیے کہ بڑے ہتھیار کی صورت میں پتھر آسانی سے ٹوٹ جاتا اسی لیے یہ پتھر سے چھوٹے ہتھیار اور اوزار بناتے ہیں۔روبیر جنگجو لڑکی ہونے کے باوجود کھانے پکانے کے کام جانتی تھی۔اس نے مہارت سے مچھلیوں کو صاف کیا اور ان کے قتلے کیے۔نہا دھو کر روبیر تازہ دم نظر آ رہی تھی۔اس نے خاتون خانہ کا کردار ادا کرتے ہوئے کیبن اور اس کے آس پاس کی صفائی کر دی تھی۔ چیزیں سلیقے سے رکھی تھیں اور اب مچھلی صاف کر رہی تھی۔آلائشیں نکال کر اس نے گوشت ہوا میں رکھ دیا تا کہ دیر تک خراب نہ ہو۔ کچھ قتلے اس نے نکال لیے تھے اور دوپہر کے لیے ان کو بھوننے لگی۔ تیلے پر خشک جھاڑیوں کی بھی کمی نہیں تھی جن سے جلانے کے لیے لکڑی مل رہی تھی۔

بغیر نمک اور کسی مسالے کے مچھلی کا سادہ گوشت بھی بہت مزے کا تھا اور میں نے پیٹ بھر کر کھایا۔روبیر سے بھی کہا کہ وہ ٹھیک سے کھائے ورنہ کل تک یہ گوشت خراب ہو جائے گا۔اس سے بہتر تھا کہ ہم زیادہ کھا لیں۔ اس کے بعد کچھ وقت ہلکا کھائیں گے تو برابر ہو جائے۔ میری ہدایت پر روبیر نے مزید قتلے بھون لیے تھے۔کھا پی کر میں آرام کرنے لگا اور کچھ دیر بعد اٹھ کر نیچے جھانکا۔ ریبک اب تک نہیں آیا تھا اور میں نے کچھ ہی دیر میں کئی بار ٹیلے کے نیچے کا جائزہ لے لیا اور فی الحال مجھے اسمار کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔روبیر نے غالباً میری بے چینی بھانپ لی۔''آپ نیچے کیوں دیکھ رہے ہیں۔''

میں نے اسے ریبک کے بارے میں بتایا تھا۔''وہ آئے گا اور مجھے خطرہ ہے کہ اسمار ہمارے چکر میں آس پاس موجود ہیں کہیں وہ اسے نہ گھیر لیں۔''

''ہاں اس کا خطرہ ہے۔'' روبیر بولی۔''سامیرا سے رابطے کا وہی ایک ذریعہ ہے۔''

''ہاں اگر وہ نہ رہا تو ہم سامیرا سے رابطے سے محروم ہو جائیں۔'' میں نے سر ہلایا۔''کیا میرے پاس سے آنے والی بو اب بھی واضح ہے؟''

روبیر نے سونگھا اور بولی۔''ہاں اب بھی آ رہی ہے۔''

''تب میں نیچے کا ایک چکر لگاتا ہوں۔ریبک یا اسمار آس پاس ہوئے تو پتا چل جائے گا۔''

میرا کرتہ ربان پہن گئی تھی اور اس کا کرتہ کسی قابل نہیں رہا تھا۔ سپاہیوں کی دھوئی جانے والی وردیاں تقریباً خشک ہو گئی تھیں میں نے ان میں سے ایک کا انتخاب کیا۔ پھر میں نے نیزہ اور تیر کمان لیے اور نیچے اتر آیا۔ مارے جانے والے سپاہیوں کے پاس ڈھالیں بھی تھیں مگر وہ بڑی اور بھاری تھیں ہم لا نہیں سکتے تھے۔ وہ ویسے بھی ہمارے لیے بیکار تھیں کہ صرف کھلی جنگ میں کارآمد ہو سکتی تھیں۔ میں نے پہلے آس پاس کا جائزہ لیا اور میری چھٹی حس نے بتایا کہ اسمار یہاں نہیں ہیں۔ مطمئن ہو کر میں قلعوں والی سمت روانہ ہوا۔ ریبک اسی سمت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آتا۔ جنگل سے نکل کر کھلی جگہ آیا جہاں دور تک نظر رکھی جا سکتی تھی۔ باغات اور کھیت یہاں سے خاصے فاصلے پر تھے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ کسی درخت پر چڑھ جاؤں اور یوں میں دور تک دیکھ سکوں گا۔ ایک درخت جو زیادہ اونچا تھا میں اس کی ایک درمیانی شاخ پر چڑھ گیا۔ کیونکہ درخت کے آگے کھلا میدان تھا اس لیے یہاں سے وادی کا جنوبی حصہ اور کسی حد تک قلعے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

اب مجھے انتظار کرنا تھا۔ شاخ خاصی موٹی تھی اور میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ دن کا وقت تھا اس لیے کیڑے مکوڑے بھی آرام کر رہے تھے۔ ورنہ رات میں انہوں نے میرا جو حال کیا تھا اس کا سوچ کر میری روح کانپ اٹھتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ یہاں پرندے درختوں پر گھونسلے نہیں بناتے تھے۔ وہ شاید چٹانوں اور وادی کی دیواروں میں گھونسلے بناتے تھے۔ جو پرندے اڑتے نہیں تھے وہ جھاڑیوں میں رہتے تھے۔ جیسا کہ وہ زہریلے کانٹے برسانے والا خوش رنگ پرندہ تھا۔ سائز میں وہ مور سے کچھ ہی چھوٹا تھا مگر اس کے پَر مور سے کہیں زیادہ حسین اور دلکش تھے۔ وقت گزرتا گیا اور مجھے ریبک کی آمد کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ میرے پاس سے آتی بو بھی کم ہو رہی تھی اس سے پہلے کہ بو اتنی کم ہو جاتی کہ اسماروں کے لیے قابلِ برداشت ہو جاتی میں نے مناسب سمجھا کہ واپس جاؤں۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں درخت سے اترتا مجھے مشرقی سمت سے کچھ افراد حرکت کرتے دکھائی دیئے۔ وہ خاصے فاصلے پر تھے اس لیے ان کی تعداد اور صورتیں واضح نہیں تھیں لیکن ان کے لباس کا سرخ رنگ اتنی دور سے بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ درحقیقت سرخ رنگ نے مجھے ان کی طرف متوجہ کیا تھا۔ یہ سرخ رنگ سفیدی مائل سبزے میں نمایاں ہو رہا تھا۔ سرخ رنگ کا لباس یہاں صرف آرگون کے سپاہی پہنتے تھے۔ تو کیا آرگون کے سپاہی اس طرف آ رہے تھے۔ چند منٹ بعد وہ واضح دکھائی دینے لگے اور وہ آرگون کے مسلح سپاہی ہی تھے۔ ان کی تعداد سات آٹھ تھی اور وہ پوری طرح مسلح تھے۔ ان کے پاس ڈھالیں تک موجود تھیں۔ وہ پھیل کر چل رہے تھے اور ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی کو تلاش کر رہے ہیں۔

میری چھٹی حس نے اشارہ دیا کہ وہ کل غائب ہونے والے تین سپاہیوں کو تلاش کر رہے تھے۔ مجھے ذرا تعجب ہوا کہ ان کی لاشیں باغات اور کھیتوں سے زیادہ دور نہیں تھیں۔ بے شک لاشیں جانور کھا چکے تھے مگر ان کی ہڈیاں تو ملنی چاہیے تھیں۔ شاید وہ اس طرف کے سپاہی نہیں تھے یا پھر کسی وجہ سے ان کی ہڈیاں بھی نظر میں نہیں آئی تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جانوروں نے ان کی ہڈیاں تک کھا لی ہوں۔ اس کے باوجود جو ہتھیار ہم چھوڑ کر آئے تھے وہ تو ملنے چاہیے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس جگہ آرگون کے سپاہی گئے ہی نہیں تھے۔ ان کا رخ اسی طرف تھا اور کیونکہ میں ابتدائی درخت پر تھا اس لیے اگر ان کے قریب آنے پر اترتا تو وہ مجھے دیکھ سکتے تھے۔ میں نے سوچا اور فوری نیچے اتر آیا۔

مجھے فکر تھی کہ اگر یہ ٹیلے کے پاس آ گئے تو وہاں سیڑھی اور دوسرے نشانات دیکھ سکتے تھے جن سے ان کو پتا چل جاتا کہ یہاں کوئی رہتا ہے۔ میں ٹیلے کی طرف روانہ ہوا تھا کہ ان کی آمد سے پہلے ٹیلے تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مگر جب ٹیلے سے ذرا دور تھا کہ کچھ آوازیں سن کر رکا۔ پھر درختوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا ٹیلے کے عقبی حصے پہنچا تو وہاں اسمار موجود تھے۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا یہ مکار جانور گھوم پھر کر دوبارہ آ گیا تھا۔ ان کی تعداد چار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ میرے پاس سے آتی بو کم ہوگئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا مجھے ان کے درمیان سے گزر کر ٹیلے تک جانے کا خطرہ مول لینا مناسب ہوگا؟ مجھے یہ مناسب نہیں لگا اس لیے میں نے ایک درخت منتخب کیا اور اس پر چڑھ گیا۔ درخت ٹیلے سے کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ یہاں سے مجھے ٹیلہ اور اسمار دونوں دکھائی دے رہے تھے۔

بلندی پر آیا تو روبیر بھی دکھائی دی جو بے چین سی پھر رہی تھی اور بار بار آ کر ٹیلے سے نیچے جھانکتی تھی۔ اگر صرف اسمار ہوتے تو میں اسے آواز دے کر خبردار کر دیتا مگر آرگون کے سپاہی جنگل میں داخل ہو چکے تھے اگر روبیر میری آواز سنتی تو لازمی وہ بھی سن لیتے۔ اسے علم نہیں تھا کہ اسمار سے بڑا خطرہ آرگون کے سپاہیوں کی صورت میں اس طرف آ رہا ہے۔ میں نے درخت کے عقب میں دیکھنا چاہا مگر میں خاصا اندر آ گیا تھا اور یہاں سے عقب میں دور تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اب آرگون کے سپاہی نزدیک آتے تب ہی مجھے پتا چلتا۔ میں بالکل خاموشی سے آیا تھا ان چند دنوں میں مجھے جنگل میں بھی دبے قدموں چلنے کی عادت پڑ گئی تھی اس لیے اسمار میری آمد سے بے خبر رہے۔ پھر میرے پاس سے ناگوار بو آ رہی تھی جو میری اصل بو کو دبا رہی تھی۔

اس لیے بھی اسمار بے خبر رہے مگر آرگون کے سپاہی نہ تو بے آواز آ رہے تھے اور نہ ہی ان کی اصل بُو دبی ہوئی تھی۔ میں نے ایک اسمار کو چونک کر درخت سے ذرا فاصلے سے پیچھے کی طرف جاتے دیکھا اور پھر وہ جس طرح دبے قدموں گیا تھا اسی طرح دبے قدموں واپس بھی آ گیا۔ اس نے یقیناً سپاہیوں کو دیکھ لیا تھا۔ اسمار نے آواز نہیں نکالی تھی اور جب واپس آیا تو اپنے ساتھیوں کو نہ جانے کیسے اشارہ کیا وہ سب پوزیشن میں آ گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ آنے والوں کے لیے پھندہ بنا رہے تھے۔ وہ خود چھپ کر پھیل رہے تھے۔ چند منٹ بعد مجھے سپاہیوں کے بولنے کی آواز آنے لگی۔ وہ خاصے نزدیک آ گئے تھے اور آپس میں زیادہ زور سے بات نہیں کر رہے تھے اس کے باوجود مجھے ان کی آواز آ رہی تھی۔ اسمار کے کان یقیناً مجھ سے کہیں زیادہ تیز تھے۔ انہوں نے اس وقت سپاہیوں کی آواز سن لی تھی جب مجھے قطعی کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

دوسری طرف روبیر بار بار نیچے دیکھ رہی تھی اور اس نے اسمار کو غائب دیکھا تو سمجھی کہ وہ جا چکے ہیں۔ وہ سیڑھیوں کے پاس تھی اور مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں وہ نیچے نہ اتر جائے یقیناً وہ میرے نہ آنے سے فکرمند تھی۔ میں چاہتا تو اسے آواز دے کر متوجہ کر سکتا تھا مگر ایسا کرنے سے سپاہی اور اسمار بھی میری پوزیشن سے آگاہ ہو جاتے اس لیے میں صبر سے کام لے رہا تھا۔ پھر وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا۔ روبیر ٹیلے سے اترنے کی تیاری کرنے لگی۔ وہ ترکش پہن رہی تھی۔ اس نے اپنا پٹکا دوبارہ کمر سے باندھ لیا تھا۔ میں نے تیر کمان نکالا۔ مگر مجھے اس کی کوئی مشق نہیں تھی۔ دس بارہ فٹ کے بعد میرا نشانہ اندھے کا تیر بن جاتا۔ مجھے تیر مار کر متوجہ کرنے کا خیال آیا مگر پھر رک گیا کہ اناڑی پن میں اسے ہی تیر نہ مار دوں۔

سپاہیوں کی آوازوں سے لگ رہا تھا کہ وہ خاصے نزدیک آ گئے تھے۔ وہ لاپروائی سے کام لے رہے تھے یا سپاہی ہونے کے زعم میں تھے کہ ہر مشکل سے نمٹ سکتے تھے اس لیے بلند آواز میں بات کر رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر روبیر ان کی آواز سن لے تو شاید نیچے اترنے کا ارادہ ترک کر دے۔ مگر وہ ٹیلے سے دور تھے۔ ٹیلہ میرے بائیں طرف تھا اور وہ دائیں طرف آ رہے تھے۔ اسمار جنہوں نے پہلے درخت اور ٹیلے کے درمیان مورچہ لگایا تھا۔ اب وہ آنے والوں کے لحاظ سے اپنی پوزیشن چینج کر رہے تھے۔ یہ اس لحاظ سے اطمینان بخش تھا کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹیلے سے دور جا رہے تھے۔ میں نے روبیر کو سیڑھی سے نیچے جاتے دیکھا اور اسے روک نہیں سکا تھا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے روکوں۔ نیچے اترنے کے بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا اس لیے اسے اللہ کے سپرد کیا اور آنے والے حالات کے لیے تیار ہو گیا۔

سپاہی اب نزدیک تھے اور میں ان کو دیکھ سکتا تھا۔ میں نے خود کو شاخوں اور پتوں میں چھپا لیا تھا کیونکہ میرا سرخ کرتا اگرچہ نمایاں نہیں ہوتا مگر میں محتاط تھا۔ اسماروں سے اب صبر نہیں ہو رہا تھا اور ان کی باڈی لینگویج ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کسی لمحے بھی سپاہیوں پر حملہ کر سکتے تھے۔ سپاہی ان کے گھیرے میں تقریباً آ چکے تھے اور پھر ایک سپاہی نے جھاڑی کے پیچھے چھپے اسمار کو دیکھ لیا۔ اس نے چیخ کر دوسروں کو خبردار کیا اور اسمار غراتا ہوا اس پر جھپٹا۔ وہ سپاہی کو گراتا ہوا اس کی گردن دبوچنے کی کوشش کرنے لگا۔ سپاہی ڈھال کی مدد سے خود کو بچا رہا تھا۔ دوسرے سپاہی جو اب تک بے فکری سے چل رہے تھے انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ دو سپاہیوں نے بیک وقت اسمار پر نیزے سے حملہ کیا۔ وہ زخمی ہوا اور سپاہی کو چھوڑ غراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اسی اثنا میں باقی اسمار بھی سپاہیوں پر جھپٹ پڑے تھے اور وہاں انسانوں اور درندوں کے درمیان ایک کشمکش شروع ہو گئی تھی۔

میں اس کشمکش سے بے نیاز روبیر کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہاں اب بے پناہ چیخ و پکار تھی اور روبیر کو لازمی یہ آوازیں سن لینی چاہیے تھیں۔ اس صورت میں اسے واپس ٹیلے پر جانا تھا مگر وہ مجھے ٹیلے پر جاتی نظر نہیں آئی تھی۔ مجھے اس کی حماقت پر غصہ آنے لگا اسے اتنی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے نیچے اتر جانا چاہیے کیونکہ اسمار اور سپاہی لڑتے ہوئے اس جگہ سے دور جا رہے تھے۔ اصل میں سپاہی فرار کی کوشش کر رہے تھے اور اسمار ان کی یہ کوشش ناکام بنا رہے تھے۔ میں نیچے اترنے لگا اور میری کوشش تھی کہ کوئی سپاہی یا اسمار میری طرف متوجہ نہ ہو اس لیے میں احتیاط سے اور تنے کے پیچھے رہتے ہوئے اتر رہا تھا۔ اس دوران میں اسمار تین سپاہیوں کو مار چکے تھے یا ان کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ ان کی پھرتی، طاقت اور مہارت کے آگے سپاہی مسلح ہونے کے باوجود بے بس تھے۔

سپاہیوں نے اسماروں کو زخمی ضرور کیا تھا مگر وہ انہیں روکنے میں ناکام رہے تھے۔ بہرحال ان کی جنگ سے فائدہ اٹھا کر میں درخت سے نیچے اتر آیا اور دبے قدموں اور جھک کر چلتا ہوا ٹیلے کی طرف جانے لگا۔ ساتھ ہی میں عقب میں بھی دیکھ رہا تھا کہ کوئی اسمار پیچھے تو نہیں آ رہا ہے۔ بیس پچیس گز دور نکلنے کے بعد میں نے اطمینان محسوس کیا اور تیز قدموں سے ٹیلے کی طرف آیا۔ اس دوران میں سپاہیوں کی طرف سے مدافعتی جنگ ناکام ہو گئی تھی اور اسمار ان پر غالب آ گئے تھے۔ یہ حقیقت ان کی چیخ و پکار سے بھی واضح تھی۔ وہ جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے اور اسمار ان پر ذرا بھی رحم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ میں بے خبر تھا کہ ایک اسمار نے مجھے دیکھ لیا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کو سپاہیوں کو چیرتے پھاڑتے چھوڑ کر میرے پیچھے آیا تھا۔ میں تیز قدموں سے ٹیلے کے عقبی حصے میں آیا اور روبیر کو تلاش کیا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنے ہنگامے کے باوجود اس نے ٹیلے سے دور جانے کی حماقت کیوں کی؟ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی۔

''روبیر کہاں ہو تم؟''

مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے بجائے مجھے عقب سے غراہٹ سنائی دی۔ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ میں تیزی سے پلٹا تو ایک تنومند اسمار مجھ سے کوئی دس بارہ قدم کے فاصلے پر موجود تھا اور وہ ایک ہی جست میں مجھ تک آ سکتا تھا۔ اس کا سر چھ فٹ سے بھی زیادہ اونچا تھا۔ اس کے کھلے خون آلود جبڑے سے رال بہہ رہی تھی۔ میں نے تیر کمان ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کا نشانہ لیا مگر تیر نہیں چھوڑا۔ تیر اس کے جسم میں اتر جاتا مگر اسے مار نہیں سکتا تھا۔ ایک تیر کھانے کے بعد وہ لازمی زیادہ غضب ناک ہو کر حملہ کرتا اور مجھے دوسرا تیر چلانے کا موقع نہیں ملتا۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے گہری سانس لی اور کمان و ترکش اتار دیا۔ اب میرے پاس صرف ایک نیزہ تھا اور مجھے اسی کی مدد سے اس بلا سے نمٹنا تھا۔ مجھے تیار دیکھ کر وہ خوفناک آواز میں غرایا، ذرا جھکا اور پھر اس نے ایک قدم اٹھا کر مجھ پر جست لگائی۔ اس دوران میں، میں نیزے کا پچھلا حصہ زمین پر ٹکا چکا تھا۔ اسمار کے کھلے جبڑے کا ہدف میرا سر تھا۔ میں نیزے کو تھامے اور اس کی انی کو حرکت دیتے ہوئے گھوما۔ یہ سیکنڈ کا بھی نہیں اس سے بھی مختصر کھیل تھا۔ مگر زندگی و موت کا کھیل تھا۔

جب اسمار نے جست لگائی اور میری طرف آیا تو میں اپنا سر بچا رہا تھا اور ساتھ ہی نیزے کی انی کو اسمار کے سینے کی طرف رکھ رہا تھا۔ وہ ہوا میں تھا اور میری طرح حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور نیزے کی انی ٹھیک اس کے سینے میں اتار دی۔ نیزہ اس کے جسم سے گزر گیا اور وہ مجھ پر آ کر گرا۔ میری نظر آخری لمحے تک اس کے جبڑے پر تھی۔ اگر اس کے شکنجے میں میرا سر یا گردن آ جاتی تو وہ ایک لمحے میں مجھے مار دیتا۔ گرتے ہوئے اس نے یہی کوشش کی تھی۔ مگر میں نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے دبوچتے ہوئے اس کا سر خود سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ نیزہ اس کے جسم سے گزرا اس نے تکلیف دہ انداز میں چیخ ماری تھی اور اب مجھے اپنے جبڑوں میں دبوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے جسم سے پھوٹنے والا خون مجھے بھگو رہا تھا۔ اس کے پنجے میرے جسم کے اطراف میں تھے اور میں ایک طرح سے اس کے سینے تلے دبا ہوا تھا۔

مجھے پنجوں سے بھی خطرہ تھا کہ وہ مجھے ادھیڑ کر رکھ دیتے مگر اصل خطرہ جبڑے سے ہی تھا۔ اچانک اس کی مدافعت کمزور ہوئی تو میں نے اسے ایک طرف دھکیل دیا اور مجھے پوری قوت صرف کرنا پڑی تھی۔ اس کی گردن چھوڑ کر میں نے اس کے سینے میں پرویا ہوا نیزہ تھام لیا۔ یہ دوسری چیز تھی جس سے میں اسے خود سے دور رکھ سکتا تھا۔ اس نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی مگر میں نے نیزہ کی مدد سے اسے پھر گرا دیا۔ میں زیادہ زور نہیں لگا رہا تھا کہ نیزے کی لکڑی ہی نہ ٹوٹ جائے۔ ساتھ ہی اس کے پنجوں سے بھی دور رہا تھا۔ میں نیزہ چھوڑ نہیں سکتا تھا کہ وہ کھڑا ہو جاتا۔ میں اس کے زخمی سینے پر لاتیں مارنے لگا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس نے مزاحمت ترک کر دی۔ اب وہ زمین پر لیٹ گیا تھا اور دم توڑنے کے انداز میں گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ مگر میں اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا ہو سکتا تھا کہ یہ اس کی مکاری ہوتی میں اسے چھوڑتا اور وہ پھر کھڑا ہو جاتا۔

ابھی میں اس سے نمٹ رہا تھا کہ پھر غراہٹ سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو تین عدد اسمار مزید آن موجود ہوئے تھے۔ یہ وہی تھے جو اب تک سپاہیوں سے نمٹ رہے تھے اور شاید ان کا خاتمہ کر چکے تھے اور اب اپنے ساتھی کی مدد کے لیے آئے تھے۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ زیادہ دور نہیں تھے اور میں بھاگ کر سیڑھیوں تک نہیں جا سکتا تھا وہ اس سے پہلے ہی مجھے آ لیتے۔ میں نے تقریباً نیم مردہ اسمار کے سینے سے نیزہ نکالنے کی کوشش کی اور ظاہر ہے ناکام رہا۔ نیزہ بری طرح اس کے سینے میں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے نیزہ چھوڑ دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ میری پشت پر ٹیلے کی دیوار تھی۔ جیسے جیسے میں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اسمار آگے آ رہے تھے۔ وہ زخمی تھے مگر ان زخموں کی پروا کیے بغیر میرے خاتمے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے انہوں نے درمیانی فاصلہ کم نہیں ہونے دیا تھا۔ جب وہ دم توڑتے اسمار کے پاس پہنچتے تو اس نے آخری بار سر اوپر کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا دم نکل گیا۔ بالآخر میری پشت پر دیوار آ گئی۔ اسمار غرانے لگے تھے۔ اپنے ساتھی کی موت نے انہیں مشتعل کر دیا تھا۔ ایک اسمار آگے آیا اور اس نے مجھ پر فیصلہ کن چھلانگ لگائی تھی۔

○.....❖.....○

جب سے عام زندگی چھوڑ کر جدوجہد کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ میں نے کبھی موت کے آگے ہتھیار ڈالنے کا نہیں سوچا تھا۔ کبھی موت کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند نہیں کیں۔ چاہے وہ کتنی ہی یقینی کیوں نہ نظر آ رہی ہو۔ اس وقت بھی اسماروں کی صورت میں سامنے یقینی موت تھی اور ان میں سے ایک اڑتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ مگر میں نے آنکھیں بند نہیں کی تھیں اور میری نظر اس پر مرکوز تھی۔ آخری دم تک کوشش کرتے رہنا اور پُرامید رہنا میرا شیوہ رہا ہے اور شاید اس وجہ سے بھی بہت سے مواقع پر اوپر والے نے مجھے محفوظ رکھا۔ ابھی اسمار راستے میں تھا کہ میں نے بائیں طرف چھلانگ لگائی۔ میں زمین پر گرا اور فوراً ہی اچھل کر کھڑا ہوا تھا کیونکہ اسمار پہلی ناکامی کے بعد دوسرا حملہ کرنے میں تاخیر نہیں کرتا۔ گرنے کے دوران میں وہ سنسناتی آوازیں نہیں سن سکا تھا مگر اسمار کی خوفناک غراہٹ سن لی تھی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ جہاں چٹان سے ٹکرایا تھا وہیں گر گیا تھا اور اس کی وجہ چٹان سے ٹکر نہیں تھی۔ اسمار کے جسم میں کم سے کم نصف درجن تیر اترے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک اس کی کھوپڑی کے آر پار ہو گیا تھا۔ یہی اس کی فوری موت کی وجہ بنا تھا۔ ابھی میں حیران ہو رہا تھا کہ اتنے تیر کس نے چلائے ہیں کہ تیروں کی دوسری بوچھاڑ آئی اور اس بار نشانہ بچ جانے والے دو اسمار تھے۔ تیر کھا کر وہ غرائے اور افراتفری میں فرار کے لیے پیچھے ہٹے مگر ان میں سے ایک کی قضا آ گئی تھی۔ چند سیکنڈ کے وقفے سے تیر دوبارہ آئے اور سب کے سب اس کے جسم میں اتر گئے۔ اتنے تیز کھا کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ ایک تیر نے اس کے گلے کی مرکزی شریان کاٹ دی تھی اور یہی اس کے لیے باعثِ مرگ ثابت ہوئی تھی۔ چوتھا اسمار فرار میں کامیاب رہا تھا مگر وہ بھی اتنا زخمی تھا کہ اس کا پلٹ کر آنا محال لگ رہا تھا۔ مشکل سے ایک منٹ پہلے اسمار حاوی تھے اور میں زندگی و موت کی سرحد پر تھا اور اچانک ہی بازی پلٹی۔ موت اسماروں کے حصے میں آئی اور زندگی نے مجھے چن لیا۔ میدان صاف ہوتے ہی درختوں کے پیچھے سے ربیک اور روبیر پانچ دوسرے افراد کے ساتھ نکلے تھے۔ ربیک آگے آیا اور گرم جوشی سے میرے سینے سے لگا۔

''آپ نے کمال کر دیا۔ میں نے آج تک کسی کو اس طرح سے اسمار کا مقابلہ کر کے اسے ختم کرتے نہیں دیکھا۔''

''کمال تو تم نے کیا ہے۔ بالکل موقع پر آئے۔'' میں نے کہا تو روبیر نے ترجمہ کیا۔ میں نے روبیر کی طرف دیکھا اور خفگی سے پوچھا۔

''تم ٹیلے سے کیوں اتری تھیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ خفیف ہوگئی۔ ''میں نے ان لوگوں کو آتے دیکھ لیا تھا اور جب اسار ہٹے تو میں انہیں خبردار کرنے گئی تھی۔''

''تب تو تم نے ٹھیک کیا۔ میں حیران تھا کہ سپاہیوں اور اساروں کی آوازیں سننے کے بعد بھی تم نے نیچے اترنے کی حماقت کیوں کی؟''

''اس نے بہترین کام کیا ورنہ ہم بے خبری میں اساروں کے سامنے آجاتے اور ہمارا بھی وہی انجام ہوتا جو آرگون کے سپاہیوں کا ہوا ہوگا۔''

میں چونکا۔ ''تم ان کے بارے میں جانتے ہو؟''

ربیک نے سر ہلایا۔ ''ہم نے انہیں پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور ان کا تعاقب کر رہے تھے۔''

''یہ کون ہیں؟'' میں نے ربیک کے پانچ ساتھیوں کی طرف دیکھا جو مکمل فوجی لباس میں تھے۔

''یہ میرے ساتھی ہیں۔'' اس نے کہا اور تعارف کرایا۔ ''یہ شاٹ ہے، یہ راسٹون، یہ ایمار، یہ مارٹ اور یہ ایرٹ ہے۔''

یہ سارے نوجوان تھے۔ میں نے دیکھا تھا کہ یہاں مردوں کے نام میں ٹ بہت زیادہ آتا ہے اور بہت کم ایسے تھے جن کے نام میں ٹ نہیں آتا تھا۔ اس وجہ سے مردوں کے نام خود بہ خود کرخت ہوجاتے تھے جب کہ یہاں عورتوں کے ناموں میں نرمی اور نغمگی تھی۔ ان میں ر، ب اور س جیسے نرم حروف زیادہ آتے تھے۔ ربیک نے بتایا کہ یہ وہ نوجوان ہیں جنہیں میں نے خاص چنا تھا اور یہ سب مجھ سے متاثر تھے۔ ان کو بھی یقین تھا کہ میرے خلاف سازش ہوئی ہے۔ انہیں روبیر کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر بھی افسوس تھا۔ وہ اسے زندہ اور میرے ساتھ دیکھ کر حیران مگر خوش بھی ہوئے تھے۔ مجھے ان سے بہت کچھ پوچھنا تھا مگر ابھی اس کا وقت نہیں تھا۔ ہمیں فوری طور پر سپاہیوں اور اساروں کی لاشوں کو ٹھکانے لگانا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ ''ابھی ہمیں کام کرنا ہے۔''

تاریکی قریب تھی اس لیے مشعلیں جلائی گئیں اور ان کی روشنی میں آرگون کے مارے جانے والی سپاہ کی وردیاں اور ہتھیار حاصل کیے گئے۔ کچھ کے لباس اساروں کی دست درازی کی وجہ سے پھٹ گئے تھے مگر انہیں کام میں لایا جاسکتا تھا۔ ہم سپاہیوں کے لباس اتار رہے تھے اور یہاں کرتے پاجامے کے نیچے کچھ پہننے کا رواج نہیں تھا۔ اس لیے روبیر ٹیلے پر چلی گئی۔ مارے جانے والوں کی لاشیں ٹھکانے لگانا اصل مسئلہ ثابت ہوا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ ٹیلے کے آس پاس رہیں۔ ایک تو آرگون کی طرف سے پھر کسی اور پارٹی کی آمد متوقع تھی اور دوسرے جانوروں کو بھی پتا چل جاتا کہ یہاں اور انسان ہیں اور ہمارے لیے سکون سے رہنا مشکل ہوجاتا۔ اس لیے ہم نے لاشیں اٹھا کر کوئی نصف کلومیٹر دور ایک چھوٹے سے گڑھے تک پہنچائیں۔ اس کام میں ایک گھنٹہ لگا تھا۔ تین افراد لاشیں ڈھو رہے تھے اور چار حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ وزنی اساروں کی لاشیں اتنی دور لے جانا ممکن نہیں تھا اس لیے انہیں کھینچ کر ٹیلے سے دور کردیا گیا اور ان کے جسموں میں اترے تیر نکال لیے تھے۔ اس کے بعد سپاہیوں کا اسلحہ اور وردیاں دھو کر اوپر ٹیلے پر پہنچائیں۔ سب سے آخر میں ہم ندی میں نہائے دھوئے کیونکہ لاشیں اٹھانے سے سب ہی خون خون ہو رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ربیک نے حیرت سے کہا۔ ''تین سپاہیوں کو نیزے کی مدد سے۔''

''نہیں اس میں سے ایک کو رویر نے تیر سے نشانہ بنایا تھا۔'' میں نے سچ بیانی سے کام لیا۔ ''باقی دو سے مقابلہ کیا تھا۔''

''آرگون کے سپاہی بہت تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔''

''وہ تربیت یافتہ ہوں گے۔'' میں نے تردید کی۔ ''مگر اب وہ ایک ظالم شخص کی سپاہ کا حصہ ہیں اور ان کی توجہ جنگ اور تربیت سے زیادہ ذاتی مفادات پر ہے۔''

میں نے ربیک کو بتایا کہ سپاہیوں سے اصل میں کیسے سامنا ہوا تھا جب وہ ایک مجبور عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لیے جنگل میں لائے تھے۔ رویر بولی۔ ''آرگون کی عوام ان لوگوں کے مظالم سہہ رہی ہے اور اگر ہم نے رینالٹ کی فوجوں کا حملہ روک کر انہیں یہاں الجھا دیا تو عقب میں بغاوت ہو جائے گی۔''

''ایسا ہی ہوگا مگر یہ اتنا آسان نہیں ہے اور اس کے لیے ہمیں منظم ہو کر کام کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا اور ربیک کی طرف دیکھا۔ ''تم اتنے ہی آدمی اور لانے کی کوشش کرو مگر وہ مکمل اعتماد کے ہوں۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں پوری کوشش کروں گا۔''

''سامیرا کو میرا پیغام دینا کہ وہ اپنے آدمیوں کو پوری طرح متحرک کرے اور ان کا حوصلہ بڑھائے۔ رینالٹ کی فوج جلد حرکت میں آنے والی ہے۔''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریبک ناشتہ کر کے روانہ ہوا تو میں اور اس کے ساتھی جو اب میرے ساتھی تھے اسے چھوڑنے جنگل کی حد تک گئے تھے۔ اس سے آگے جانوروں کا خطرہ نہیں تھا۔ اسے چھوڑ کر واپس آئے تو باقیوں نے ناشتہ کیا اور اس کے بعد ہم نیچے آئے۔ وہ اپنے ساتھ بڑے سائز کے مشکیزے لائے تھے جن کو پشت پر لادا جا سکتا تھا اور ایک مشکیزے میں آرام سے بیس بائیس لیٹرز پانی آتا تھا اس سے پانی اوپر پہنچانے اور ذخیرہ کرنے میں بہت آسانی ہوئی تھی۔ ہم نے گزشتہ روز حاصل کی ہوئی وردیاں اور ہتھیار صاف اور مرمت کیے۔ ان پر لگا خون کل ہی صاف کر لیا تھا۔ وہ سامان میں سلائی کے لیے سوئی اور دھاگا بھی لائے تھے۔ یہ سوئی باریک ہڈیوں سے بناتے تھے اور دھاگہ اسی ریشے سے جس سے یہ لباس بناتے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر ہم نے تیروں کی مدد سے مچھلیاں شکار کیں اور اس طرح خاصی مچھلیاں مختصر وقت میں ہاتھ لگی تھیں۔ آگے ندی میں دو افراد موجود تھے اور جو مچھلی تیر کھا کر تیرتی ہوئی ان تک جاتی وہ اسے پکڑ لیتے تھے۔ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر ہم نہائے اور پھر واپس ٹیلے پر آ گئے۔

دوپہر کے وقت ہم نیچے اترے اور لڑائی کی مشق کی۔ وہ سب ماہر تیر انداز تھے۔ نیزے اور دوسری طرح کی لڑائیوں کے بھی ماہر تھے۔ میں انہیں کچھ داؤ پیچ سکھانے لگا جس سے کسی بھی سخت جان حریف کو تیزی سے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا یا اسے قابو کیا جا سکتا تھا۔ جسمانی طور پر وہ سب بہت چوکس اور مضبوط تھے صرف مہارت کی کمی تھی اور وہ میں نے پوری کرنے کی کوشش کی۔ میں انہیں ایسے چاک و چوبند دستے میں بدل دینا چاہتا تھا جو مل کر کسی مشن کی تکمیل کرے۔ میں ان کو ایسی لڑائی کی مشین میں ڈھالنا چاہتا جس میں ہر فرد اپنے حصے کا کام کسی مشین کے پرزے کی سی تیزی اور مہارت سے کرے۔ آرگون میں گھس کر کارروائی کرنا چند لوگوں کے بس کی بات نہیں تھی سوائے اس کے کہ ہم بہت زیادہ تیاری اور طے شدہ منصوبے کے ساتھ اندر داخل ہوں۔ دوپہر سے شام تک ہم اسی کام میں لگے رہے۔ روبیر اوپر ٹیلے پر پاؤں لٹکائے بیٹھی ہماری مشقیں دیکھ رہی تھی۔ کبھی کسی کی کارکردگی سے خوش ہوتی تو تالیاں بجاتی تھی اور شاباشی کا مستحق خوش ہو جاتا۔

وہ پیشہ ور سپاہی تھے مگر روبیر کے سامنے مشق میں بھی بہت جان مار رہے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ روبیر سے متاثر تھے یا اس کے چکر میں پڑ گئے تھے۔ مگر آس پاس کوئی عورت ہو تو مرد اس کی توجہ سے خوش ہوتا ہی ہے۔ عورت کے ہونے سے ماحول ہی بدل جاتا ہے۔ چاہے وہ کسی بھی روپ اور رشتے میں ہو۔ شام کے قریب روبیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ہم سے اوپر آنے کو کہا تو ہم نے حکم کی تعمیل کی اور اس سے پہلے ندی پر جا کر خود کو مٹی اور پسینے سے آزاد کیا تھا۔ روپیر نے تواضع کے لیے مقامی چائے اور میٹھی ٹکیاں سرو کیں۔ اس دوران میں اس نے مچھلیوں کی صفائی کر کے ان کے قتلے بنا لیے تھے۔ صبح اس نے دلیہ نما کھیر بنائی تھی۔ دوپہر میں کسی نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس لیے اب سب ہی بھوک سے بے تاب تھے۔ سورج ڈوبتے ہی چولہا جلا لیا گیا اور ڈنر تیار ہونے لگا تھا۔ دلیہ خاصی مقدار میں تھا اور مچھلی کے قتلے بھونے جاتے۔ ان لوگوں کے پاس معدنی نمک نہیں تھا مگر یہ کچھ پودوں سے نمک حاصل کرتے تھے اور یہ قلیل مقدار میں ہوتا تھا اس لیے بہت کم ہی کسی کو ملتا تھا۔ شاٹ کے پاس اس نمک کی کچھ مقدار تھی جب اسے مچھلی کے قتلوں پر چھڑکا تو ان کا ذائقہ ہی کچھ اور ہو گیا تھا۔ مجھے یہاں آنے کے بعد پہلی بار نمک کا ذائقہ ملا تھا۔ ورنہ ان کے کھانے پھیکے یا میٹھے ہوتے ہیں۔ نمکین کھانوں کا یہاں رواج نہیں تھا۔

سپاہی ہونے کے ناطے وہ پانچوں وقت کے پابند تھے اور ڈنر کے کچھ دیر بعد ہی وہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ قلعے میں وہ صبح بلکہ رات کے آخری پہر اٹھ جاتے تھے۔ یہاں انہیں آرام کرنے کو زیادہ مل رہا تھا۔ وہ اسے بھی انجوائے کر رہے تھے۔ مگر اگلی صبح میں نے انہیں جلدی اٹھا دیا۔ میرے ذہن میں کچھ تجاویز تھیں اور میں چاہتا تھا کہ وہ ان پر عمل کریں اس طرح وہ مصروف بھی رہتے۔ وہ کھلی جگہ سوتے تھے۔ میں نے پتوں، شاخوں اور بیلوں سے چھپر بنانے کا کہا۔ یہاں جگہ جگہ ایسی گھاس تھی جو خشک ہونے کے بعد کسی بچھونے کی طرح نرم پڑ جاتی تھی یہاں گدے اسی گھاس کو کپڑے میں بھر کر بنائے جاتے ہیں۔ وہ اس سارے دن اسی کام میں لگے رہے۔ اب ان کے لیے مناسب جگہ بن گئی تھی اگر رات کو بارش ہو جاتی تب بھی وہ آرام سے سوتے۔

مجھے ٹیلے کا دفاعی نظام بہتر بنانا تھا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ بڑی تعداد میں رسیاں اور کچھ اوزار لائے تھے۔ میں نے رسیوں کی مدد سے ٹیلے سے آس پاس چند منتخب بلند درختوں تک آمد و رفت کا راستہ بنایا۔ بوقتِ ضرورت ہم ان رسیوں کی مدد سے بھی ٹیلے سے نکل سکتے تھے اور ہمیں نیچے اترنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ رسیوں کو یوں لگایا گیا تھا کہ یہ ایک لیول پر تھیں اور نیچے سے آسانی سے نظر نہیں آتیں۔ زمین سے رسیوں کی اونچائی کوئی پچاس فٹ تھی اس لیے دن میں بھی کوئی غور سے دیکھتا تب ہی یہ نظر آتیں۔ ٹیلے پر آنے جانے کے لیے لکڑی کی نصب سیڑھی تو تھی مگر میں نے دو عدد لکڑی اور رسی سے بنی سیڑھیاں اور بنوائیں اور انہیں اوپر اس طرح لگوا دیا کہ بہ وقت ضرورت ان کو صرف نیچے پھینکنا ہوتا۔ وہ دن ان ہی کاموں میں گزر گئے تھے۔ مگر اب ہم کہیں بہتر دفاعی پوزیشن میں تھے۔

کام کے ساتھ ساتھ میں ان لوگوں کو مشقیں بھی کرا رہا تھا اور درحقیقت میں خود کو تیار کر رہا تھا کیونکہ کچھ عرصے سے صرف بھاگ دوڑ ہو رہی تھی اور میری جسمانی حالت مثالی نہیں رہی تھی۔ میں اسے بہتر کرنا چاہ رہا تھا تاکہ آخری معرکے کے وقت میں پوری طرح فٹ ہوں۔ اس لیے جان بوجھ کر سب سے مشکل کام اپنے سر لیتا تھا۔ اس طرح دورانِ مشق میں بیک وقت کئی افراد سے لڑنے کی مشق کرتا تھا۔ میں گوشت خور قوم کا فرد ہوں اور گوشت کی کمی ہمیں جسمانی طور پر تو کمزور کرتی ہے ساتھ ہی ذہنی صحت پر بھی اثر ڈالتی ہے۔ اس اثر سے ہماری گھریلو خواتین اچھی طرح واقف ہیں کہ اگر وہ شوہر کو دو تین دن دال سبزی کھلا دیں تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے؟ یہاں آنے کے بعد میرا گزارا بھی ایسی ہی چیزوں پر تھا۔ مگر اب مچھلی کی صورت میں مجھے گوشت مل رہا تھا اور یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت اعلیٰ درجے کا پروٹین تھا۔ اس نے چند ہی دنوں میں میری صحت کو خاصا بہتر کر دیا تھا اور رہی سہی کسر ورزش اور مشقوں سے پوری ہو رہی تھی۔

روبیر مشقوں میں کسی حد تک شامل ہوتی تھی جیسے تیر اندازی یا نیزے سے لڑائی کی مشق میں۔ لیکن اس کا زیادہ وقت ہمارے لیے کھانے اور دوسرے انتظامات میں گزرتا تھا۔ جب کرنے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ سوئی دھاگہ لے کر آرگون کے سپاہیوں کی پھٹ جانے والی وردیاں درست کرتی۔ رفتہ رفتہ اس نے ساری وردیاں بالکل درست حالت میں کر دیں۔ اب ہمارے پاس وردیوں کے آٹھ سیٹ تھے اور سپاہیوں کے زرہ بکتر سمیت کل چھ سیٹ تھے۔ ہتھیار اس سے زیادہ تعداد میں تھے۔ مگر میرے خیال میں ہمیں مزید وردیوں اور آرگون کے ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب میرے پاس افرادی قوت تھی۔ کیا میں ان کی مدد سے آرگون کی فوج پر چھاپہ مار کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ ہم اچانک حملہ کر کے آرگون کے سپاہیوں کو ٹھکانے لگا کر ان کی وردیاں اور ہتھیار حاصل کر سکتے تھے۔ مگر فی الحال یہ خیال میں نے خود تک محدود رکھا تھا اور روبیر سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھے ربیک کا بھی انتظار تھا۔ وہ تیسرے دن آیا۔ وہ میرے لیے سامیرا کا پیغام اور کچھ سامان لایا تھا۔ سامان اس نے سب کے سامنے دیا مگر پیغام اکیلے میں دیا تھا۔

''سامیرا نے برف والے کا پیغام بھیجا ہے۔''

''کیسا پیغام؟''

''برف والے نے کہا کہ شہباز عجلت سے کام نہ لے اور اس کے ذہن میں جو خیال آیا ہے اس پر عمل کرے۔''

میں چونکا۔ برف والے نے ایک بار پھر میرا ذہن قبل از وقت پڑھا تھا۔ یقیناً اس کا اشارہ چھاپہ مار کارروائیوں کی طرف تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے اور میں نے تم سے جو کہا تھا کہ مجھے مزید آدمیوں کی ضرورت ہے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''میں کوشش کر رہا ہوں۔ تین لڑکے اور ملے ہیں اور میری کوشش ہے کہ ایک دو دن میں اتنے ہی اور مل جائیں تو ان کو لے کر ایک ساتھ آؤں۔''

''قلعے میں تیاریوں کا کیا احوال ہے؟''

''بدستور جاری ہے۔ سامیرا نے تربیتی پروگرام کی خود نگرانی شروع کر دی اور مزید دو سو افراد کو تربیت میں شامل کیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ نے چنا تھا۔''

مجھے اطمینان ہوا کہ کم سے کم دفاع کے معاملے میں وہ لوگ کوئی کوتاہی نہیں کر رہے تھے۔ جو کام میں نے شروع کیے تھے میں سامیرا کو باقاعدگی سے ان کی رپورٹ کرتا رہا تھا اور اسے ایک ایک چیز بتاتا تھا۔ اس لیے اب وہ میرے بنائے پروگرام کو اسی طرح کامیابی سے چلا رہی تھی جیسے میں چلا رہا تھا۔ دیکھا جائے تو دشمنوں کی سازش اس لحاظ سے ناکام رہی تھی کہ وہ مجھے سامیرا سے جدا کرنے میں ناکام رہے تھے اور قلعوں کا دفاع مضبوط ہو رہا تھا۔ دوسری طرف مجھے عمومی ذمے داریوں سے نجات مل گئی تھی اور میں اب وہ کر رہا تھا۔ جس کے لیے برف والے نے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ ربیک زیادہ دیر نہیں رکا تھا۔ وہ چند گھنٹوں بعد چلا گیا تھا۔ دوپہر کا وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اور ابھی شام ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ وہ روشنی میں ہی واپس قلعوں تک پہنچ جاتا۔

○.....❖.....○

جس وقت میں ٹیلے اور اس پر رہنے والے انسانوں کے دفاع کو مضبوط بنانے کا سوچ رہا تھا تو جانوروں سے نمٹنے کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی۔ اس ترکیب کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں نے اپنے آدمیوں کے ہمراہ جنگل سے بڑی مقدار میں دو شاخہ ہونے والی بڑی لکڑیاں تلاش کی تھیں اور پھر انہیں خشک ہونے کے لیے ٹیلے پر پھیلا دیا تھا ان میں سے بہت سی پہلے ہی خشک تھیں۔ ان کے دو اور سہ شاخوں پر خشک گھاس کے پولے باندھے گئے تھے۔ ربیک کے جانے کے بعد میں نے سب کو تیاری کا حکم دیا۔ روبیر کو بھی۔ وہ سب تیار ہونے لگے اور کچھ ہی دیر میں تقریباً سب آرگون کی سپاہ کے حلیے میں آ چکے تھے۔ حد یہ کہ روبیر نے سرخ لباس پہنا ہوا تھا حالانکہ آرگون کی فوج میں عورتیں نہیں ہوتی ہیں۔ سب نے ہتھیار لیے اور پھر سب نے دو عدد دو شاخہ لکڑیاں اٹھائیں۔ روانگی سے پہلے میں نے انہیں بریف کیا۔

''ساتھیو آج ہمارا پہلا امتحان ہے۔ ہمیں آرگون کے سپاہیوں کے کسی گشتی دستے پر یوں چھپ کر حملہ کرنا ہے کہ انہیں بھاگنے یا جوابی حملہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ کم سے کم فرار سے لازمی روکنا ہے۔ تاکہ آرگون والے ہماری موجودگی سے واقف نہ ہو سکیں۔ ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ جب تک میں حکم نہ دوں حملہ نہیں کرنا ہوگا اور نہ ہی دشمن کو متوجہ کرنے والا اور کوئی کام کرنا ہوگا۔ اپنی حفاظت اور رازداری سب سے اہم ہوگی۔ میری بات سمجھ آ گئی ہے ورنہ تم لوگ سوال کر سکتے ہو۔''

روبیر میری تقریر کا ترجمہ کر رہی تھی اور اسی کے توسط سے ان سب نے سوالات کیے۔ میں جواب دیتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا کہ وہ ہر بات پوچھیں تاکہ صاف ذہن کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوں۔ آگے چل کر ان سے کوئی غلطی نہ ہو۔ جب وہ مطمئن ہو گئے تو ہم ٹیلے سے نیچے آئے۔ لکڑی کی سیڑھی کو ممکنہ حد تک بیلوں سے چھپا دیا تھا روانگی سے پہلے میں نے کچھ ایسی نشانیاں لگائیں اگر کوئی یہاں آتا اور ٹیلے پر جاتا تو مجھے علم ہو جاتا۔ ہمارا رخ میدان کے ساتھ ساتھ پھیلے جنگل میں آرگون کی طرف تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم آرگون کے کھیتوں اور باغات تک پہنچ گئے تھے۔ درمیان میں صرف گھاس کا کوئی تین چار سو گز چوڑا میدان تھا۔ اس میدان کو باقاعدہ جھاڑیوں اور درختوں سے صاف رکھا جاتا تھا تاکہ جنگل اور کھیتوں کے درمیان حد فاصل رہے اور اگر کوئی جانور جنگل سے نکل کر آئے تو دور سے نظر آ جائے۔ ان جانوروں سے نمٹنے کے لیے یہاں آرگون کی سپاہ کے دستوں کی موجودگی لازمی تھی۔

ہم ایک جگہ رکے۔ روبیر نے پوچھا۔ ''اب کیا کرنا ہے؟''

''انتظار۔'' میں نے کہا۔ ''ہم کھیتوں و باغات کی طرف جائیں گے تو بہت سی نظروں میں آ سکتے ہیں۔ یہاں یقیناً نگرانی کی جا رہی ہوگی۔ خاص طور سے گیارہ سپاہیوں کی گمشدگی کے بعد سے وہ لوگ بہت چوکنا ہوں گے۔ ایسے میں ہمارا اس طرف جانا مناسب نہیں ہوگا۔ ہمیں کسی دستے کے باہر آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔''

''اگر اس طرف سے کوئی نکلا تو؟''

''تب ہم انہیں متوجہ کر کے اس طرف بلائیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبیر مسکرانے لگی۔ ''اور جب وہ یہاں آئیں گے تو ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔''

میں نے حکمتِ عملی مزید واضح کی۔ ''بالکل مگر کوشش کرنی چاہیے کہ ان میں سے کوئی زندہ بھی ہاتھ آئے۔ اس سے ہمیں آرگون کے اندر کی صورتِ حال کا علم ہو سکتا ہے۔''

روبیر سوچ رہی تھی۔ ''اگر سپاہی آئے تو انہیں کیسے یہاں متوجہ کیا جائے گا۔''

''ہم نے آرگون کے سپاہیوں کی وردی پہنی ہوئی ہے۔ وہ ہمیں اپنا آدمی سمجھیں گے۔''

ابھی ہم گفتگو کر رہے تھے کہ آٹھ یا نو سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ باغ سے برآمد ہوا۔ وہ آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے اور ان کا انداز انجوائے منٹ والا تھا۔ شاید ان کی ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی اور وہ اس وقت تھکن اتار رہے تھے۔ وہ باہر نکل کر گھاس پر دراز ہو گئے۔ ان کے پاس ہتھیار تھے جو انہوں نے جسموں سے اتار کر پاس رکھ لیے۔ ان میں سے اکثر لیٹ گئے تھے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ پینے کا سامان ساتھ لائے تھے مگر یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ جو پی رہے تھے وہ سادہ پانی تھا کوئی قوت بخش مشروب یا مقامی شراب تھی۔ ہم انہیں دیکھ رہے تھے۔ ایمار اور ایرٹ میرے پاس تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ دونوں نوجوان ذہن کا استعمال کرتے تھے اس لیے میں ان سے بات کرتا تھا اور ان سے مشورہ لیتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے پوچھا۔ ''کیا خیال ہے انہیں کیسے قابو کیا جا سکتا ہے؟''

''انہیں متوجہ کر کے یہاں بلا کر۔'' ایمار نے کہا۔

''میرا خیال ہے ہم سب درختوں پر چڑھ جاتے ہیں۔'' ایرٹ نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''جب وہ یہاں آئیں تو انہیں تیروں سے نشانہ بنائیں۔''

''نہیں اس میں خطرہ ہے۔'' روبیر نے کہا۔ حسبِ معمول گفتگو اسی کے توسط سے ہو رہی تھی۔ ''ہو سکتا ہے وہ سب نہ آئیں اور ہو سکتا ہے کہ جس وقت ہم انہیں نشانہ بنا رہے ہوں۔ اندر سے مزید سپاہی نکل آئیں۔ اس صورت میں ہم خطرے میں پڑ جائیں۔''

میں نے روبیر کی تائید کی۔ ''خطرے کا سامنا نہیں کرنا ہے کیونکہ یہ کام ہم مشق کے طور پر کر رہے ہیں۔''

''تب تم کیا کہتی ہو؟'' ایرٹ نے کسی قدر طنزیہ انداز میں پوچھا۔

روبیر نے میری طرف دیکھا۔ ''ربان والے واقعے سے اندازہ ہو گیا ہے کہ آرگون کے سپاہی آج کل بے قابو ہو رہے ہیں۔ اگر انہیں کوئی عورت نظر آئے تو کیا یہ اس کی طرف نہیں آئیں گے۔''

روبیر کی تجویز نے مجھے متاثر کیا۔ ''وہ بالکل آ سکتے ہیں۔''

''اب ہم درختوں کے ذرا اندر ان کے لیے جال بچھاتے ہیں۔ ایرٹ کی تجویز کے مطابق یہ سب درختوں پر ہوں گے۔ میں اور آپ نیچے ہوں گے۔ ہم ہی انہیں متوجہ کریں گے۔''

''وہ کیسے؟'' ایمار نے پوچھا۔

روبیر کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ ''میں مظلوم لڑکی بنوں گی۔ میں درختوں سے یوں نکلوں گی جیسے آپ سے بچ کر بھاگ رہی ہوں اور آپ پیچھے سے آ کر مجھے پکڑ لیں گے۔ اس دوران میں میں چیخ چلا کر ان کو متوجہ کر لوں گی اور پھر آپ مجھے زبردستی درختوں میں لے جائیں گے۔ وہ دیکھ لیں گے کہ ان کا ہی ایک ساتھی ہے تو وہ لازمی یہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئیں گے۔''

روبیر کا پلان اچھا تھا۔ سادہ اور مؤثر۔ اگر اس پر اچھے طریقے سے عمل کیا جاتا تو یقیناً یہ کامیاب ہو سکتا تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے لیکن پہلے ہمیں جنگل کے اندر کوئی ایسی جگہ دیکھنی ہوگی جہاں ان کو اس طرح گھیرا جائے کہ کوئی بچ کر نہ نکلنے پائے۔''

ہم پیچھے درختوں میں آئے۔ تقریباً پچاس گز اندر ہمیں ایک کسی قدر کھلی جگہ ملی جس کے چاروں طرف گھنی شاخوں اور پتوں والے درخت تھے اور گھات لگانے کے لیے یہ جگہ نہایت موزوں تھی۔ وہ پانچوں درخت پر چڑھنا چاہ رہے تھے مگر میں نے ایرٹ کو روک لیا۔ ''تم میرے ساتھ رہو گے۔ یہ بتاؤ کہ اگر ان لوگوں کو بتانا ہو کہ آرگون والے اس طرف آ رہے ہیں تو کیسے اشارہ دیا جا سکتا ہے؟''

''میں ایک پرندے کی آواز نکال سکتا ہوں جو یہاں پایا جاتا ہے۔'' ایرٹ نے کہا اور آواز نکال کر دکھائی۔ آواز میں مصنوعی پن نہیں تھا۔ میں نے اسے اوکے کر دیا۔

''ٹھیک جب تم ایک بار آواز نکالو گے تو مطلب ہوگا کہ دشمن ہماری چال میں آ گیا ہے۔ دو بار یہ آواز نکالو گے تو اس کا مطلب ہوگا دشمن اس طرف آ رہا ہے اور تین بار آواز نکالنے کا مطلب ہوگا دشمن بالکل نزدیک آ گیا ہے سب تیار رہیں۔''

روبیر نے سب کو بتایا تو وہ سمجھ گئے۔ مزید تسلی کے لیے کچھ سوال جواب کے بعد میں نے کہا۔ ''حملے کا اشارہ میں کروں گا اور جب میں چلا کر کہوں ٹوٹ پڑو تو حملہ کرنا ہے۔''

روبیر نے ان کو بتاتا تو سب نے جلدی سے ''ٹوٹ پڑو'' کی گردان کی اور اسے ذہن نشین کر لیا۔ شاٹ، ایمار، رائٹون اور مارٹ میرے منتخب کیے درختوں پر چڑھ گئے۔ اس کے بعد ہم واپس آئے اور میں نے دو درخت اور منتخب کیے۔ یہ کھلے میدان سے ذرا ہی اندر تھے۔ ایرٹ اور روبیر نے ان پر اپنا سامان چڑھا دیا۔ اب بہ وقت ضرورت صرف ان کو اوپر چڑھنا پڑتا۔ جب سب ہو گیا تو میرا دھیان اصل مسئلے کی طرف گیا۔ روبیر نے بھی جنگی وردی پہن رکھی تھی۔ وردی میں موجود کرتا نہ تو زیادہ کھلا تھا اور نہ ہی یہ طویل تھا۔ بمشکل گھٹنوں تک آتا تھا۔ اگر روبیر اسی وردی میں آرگون کے سپاہیوں کے سامنے جاتی تو انہیں شک ہو جاتا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ہم اور کوئی لباس ساتھ نہیں لائے تھے۔ اس وقت اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی مگر اب میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں ایک سادہ لباس لانا چاہیے تھا تاکہ روبیر عام عورت ہونے کا تاثر دے سکتی۔ وہ وردی میں ہوتی تو آرگون والے ویسے ہی چوکنا ہو جاتے اور پھر مشکل سے ہی ہمارے جال میں آتے۔ میں نے روبیر سے کہا۔

''یہ تو مسئلہ ہو گیا تمہارے لباس سے سارا تاثر ہی بدل جائے گا۔''

وہ بھی پریشان ہو گئی۔ ''یہ تو ہے۔''

''تب ہمیں پلان بدلنا ہوگا یا ترک کرنا ہوگا۔''

روبیر سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے کہا۔ ''نہیں پلان تبدیل نہیں ہوگا۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے پوچھا تو اس نے ایرٹ کی طرف دیکھا۔

''تم درخت پر جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایرٹ جانتا تھا کہ روبیر کا درجہ میرے بعد آتا تھا اور اس کا حکم ماننا بھی لازمی تھا اس لیے وہ خاموشی سے درخت پر چڑھ گیا۔ روبیر میرے ساتھ آگے آئی اور اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ ''میں لباس اتار دوں گی۔''

میں دنگ رہ گیا پھر میں نے ہڑبڑا کر کہا۔ ''کیا مطلب لباس اتار دو گی؟''

''میں یہ وردی اتار دوں گی۔'' اس نے وضاحت کی۔ ''پھر ان لوگوں کو شک نہیں ہوگا اور وہ اسے بالکل سچ سمجھیں گے۔''

میں اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''تب تم کیا پہنو گی یہاں کوئی اور لباس نہیں ہے۔''

اس کا سرخ چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔ ''کچھ..... بھی نہیں۔''

میرا چہرہ بھی سرخ ہوا تھا مگر غصے سے۔ ''میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے آج تک اپنے مقصد کے لیے کسی عورت کو یوں استعمال نہیں کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ اس کی توہین ہے۔''

''مجھے..... بس آپ ہی دیکھیں گے۔'' اس نے اٹک کر کہا۔ ''آرگون والے بہت دور ہیں۔''

''میرے سامنے بھی تم ایسا نہیں کرو گی میں کوئی الگ سے نہیں ہوں۔''

''میں آپ کو جانتی ہوں۔ میں خود یہ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آدمی کو بزدلوں کی طرح خودکشی کرنے کے بجائے بہادروں کی طرح لڑ کر جان دینی چاہیے۔ تو اب میں ان لوگوں سے لڑنے کو تیار ہوں جنہوں نے شاہین کو قید کیا ہوا ہے اور جو پوری وادی کو قید خانہ بنانا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے مگر میں تمہیں یوں استعمال نہیں کر سکتا۔''

اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ ''شہباز یہ میری التجا ہے۔ انسان جان اور مال کے ساتھ عزت بھی تو قربان کرتا ہے اگر مقصد بڑا ہو تو جو ہم کر رہے ہیں اس سے بڑا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔ میرے لیے یہ معمولی سی قربانی ہے۔ بے لباسی کی ذلت میں نے سہی تھی۔ بے شک وہاں چند ہی افراد تھے مجھے قلعے سے دور لا کر لباس اتارنے کو کہا تھا۔ اس وقت میں مجبور تھی اور اب میں اپنی مرضی سے یہ کام کرنے کو تیار ہوں۔''

وہ رفتہ رفتہ مجھے قائل کر رہی تھی۔ میں نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''روبیر یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔''

''اگر آپ دیکھیں تو میں اصل میں آپ کے سامنے ہی بے لباس ہوں گی اور آپ کی نظروں کا مجھے علم ہے میں چاہے لباس میں ہوں یا بے لباس آپ مجھے ایک ہی انداز میں دیکھیں گے۔ اب یہ مت کہیے گا کہ آپ الگ سے نہیں ہیں۔ آپ میرے لیے سب سے الگ ہیں۔ رہے آرگون والے تو وہ اتنی دور ہیں کہ انہیں میری جھلک ہی نظر آئے گی اس سے پہلے وہ نزدیک آئیں میں پھر سے لباس پہن لوں گی۔''

اس کی دلیلوں میں وزن تھا مگر میرا دل کسی صورت ماننے کو تیار نہیں تھا۔ یہ زندگی و موت کا مسئلہ تھا جس کے لیے میں روبیر سے اتنی بڑی قربانی لیتا اور شاید اس نے بھی میرے تاثرات سے بھانپ لیا تھا کہ میں اسے کسی صورت اجازت نہیں دوں گا۔ اس لیے اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ ہم درختوں کے آخری سرے تک تھے اور یہاں سے آرگون کے سپاہی صاف نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے شاید واپسی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھاس سے اٹھ گئے تھے اور اپنا اسلحہ سمیٹ رہے تھے۔ ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا کہ اب روبیر کی تجویز پر عمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے سوچا اور پلٹا تھا کہ بھونچکا رہ گیا کیونکہ روبیر وردی اتار چکی تھی اور پھر وہ تیزی سے کھلے میدان کی طرف بھاگی۔ اس نے بہت زور سے چیخ ماری تھی۔ اس نے اپنی من مانی کر لی تھی اور اب اس کے پیچھے جانا اور منصوبے کے باقی حصے پر عمل کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ میں چند لمحے کے وقفے سے اس کے پیچھے لپکا تو مجھے آتے دیکھ کر وہ جان بوجھ کر گری اور اس نے چلا کر کہا۔

''میرے پاس مت آنا۔''

چاہتا تو میں بھی یہی تھا کہ اس کے پاس نہ جاؤں مگر اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ میں اس کے پاس آیا اور اس سے نظریں چراتے ہوئے اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ آرگون کے سپاہی ہمارے طرف متوجہ ہو گئے اور ان کو دکھانے کے لیے میں نے روبیر کو ہلکا سا تھپڑ مارا مگر ان کو لگا جیسے میں نے بہت زور سے مارا ہے اور پھر میں اسے زبردستی گھسیٹ کر درختوں میں لے جانے لگا اور روبیر نام نہاد مزاحمت کرنے لگی اور اس دوران میں اس نے کئی بلند چیخیں ماری تھیں۔ اب اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ پوری طرح بھر گیا تھا۔ میرا رخ دوسری طرف تھا کہ میں اسے نہیں دیکھنا چاہتا تھا اس لیے میں سپاہیوں کو آتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکا۔ مگر روبیر پیچھے دیکھ رہی تھی۔ درختوں میں آتے ہی اس نے کہا۔ ''وہ آ رہے ہیں۔''

''لباس پہنو'' میں نے غرا کر کہا اور تیزی سے ایرٹ والے درخت کے پاس آیا۔ ''ایرٹ۔''

اس نے اوپر سے جھانکا تو میں نے اسے اشارے سے سمجھایا آرگون کے سپاہی آنے والے ہیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس دوران میں روبیر بہت تیزی سے لباس پہن چکی تھی اور وہ اس درخت پر چڑھنے لگی جس پر اس کے ہتھیار تھے۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو مجھے اطمینان ہوا کہ پورا دستہ درختوں کی طرف دوڑا آ رہا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''ایک دو چیخیں اور مارو جیسے تمہارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔''

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا اور ان چیخوں کے نتیجے میں آنے والے سپاہیوں کی رفتار میں خاطر خواہ تیزی آئی تھی۔ روبیر نے صرف منصوبہ نہیں بنایا تھا مجھے اس پر عمل کرنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ مجھے غصہ تو آ رہا تھا مگر یہ وقت غصہ دکھانے کا نہیں عمل کا تھا۔ اب میں تیزی سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ سپاہیوں کے اندر آنے سے پہلے میں ان کے لیے بنائے ہوئے جال والے مقام تک پہنچ گیا تھا۔ اس دوران میں ایرٹ نے ایک بار پرندے کی آواز نکال کر باقیوں کو ہوشیار کر دیا تھا۔ جب سپاہی اس کے پاس سے گزرے تو اس نے دوسری بار آواز نکالی۔ میں اس جگہ سے بھی پیچھے ہٹ گیا اور درختوں کے درمیان جا کر میں نے مردانہ غراہٹ کی آواز نکالی اور پھر تالی بجائی جس سے تاثر ہوا کہ کسی کو تھپڑ مارا گیا ہے۔ آنے والے سپاہی مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ مگر جب ایرٹ نے تیسری بار پرندے کی آواز نکالی تو میں نے جھانک کر دیکھا۔

سپاہی بے وقوف نہیں تھے کہ وہ ایک جگہ ہوتے وہ پھیلے ہوئے تھے اور ان میں سے گھات والی جگہ پانچ سپاہی تھے باقی ذرا فاصلے پر تھے۔ میں نے تیر کمان نکالا اور اپنے سب سے موجود نزدیک سپاہی کا نشانہ لینے لگا۔ وہ مجھ سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر تھا اور اتنے فاصلے سے نشانہ لینا آسان نہیں تھا مگر میں نے اللہ کا نام لے کر تیر چھوڑ دیا۔ میں نے سینے کا نشانہ لیا تھا مگر تیر اس کی گردن میں اتر گیا۔ یہ بہتر ہوا تھا۔ اس کی آواز نہیں نکلی اور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گھات والی جگہ موجود پانچ ساتھی بے خبر رہے تھے۔ وہ ڈگماتے ہوئے اپنی گردن سے تیر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر تیر اس طرح گھسا تھا کہ نکل نہیں رہا تھا۔ اسے نشانہ بناتے ہی میں نے دھاڑ کر کہا۔ ''ٹوٹ پڑو۔''

فوراً ہی سنسناتی آوازیں آئیں اور سپاہیوں کی چیخیں بلند ہوئیں جن میں موت کا کرب رچا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ان چاروں نے اپنے شکاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ میں نے جسے نشانہ بنایا تھا اس کے نزدیک ایک سپاہی اور تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا اور نیزہ لے کر میری طرف لپکا۔ تیر استعمال کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس لیے میں نے کمان پھینک کر نیزہ سنبھال لیا۔ سپاہی وحشیانہ انداز میں دھاڑتا ہوا آیا تھا۔ وہ خاصا تنومند تھا اور اس کا انداز خوف زدہ کرنے والا تھا مگر میں پہلے بھی بارہا ایسے لوگوں کا سامنا کر چکا تھا۔ اس لیے جب اس نے ہوا میں اچھل کر نیزہ میرے جسم میں اتارنے کی کوشش کی تو میں آسانی سے درخت کی اوٹ لے کر بچ گیا۔ نیزہ درخت پر لگا اور ٹوٹ گیا۔ میں گھوم کر دوسری طرف سے نمودار ہوا تو سپاہی نے نیزے کی ڈنڈی مجھ پر کھینچ ماری اور اپنے پٹکے سے لگے ہوئے دو عدد کٹاری چاقو نکال لیے۔

یہ کوئی چھ انچ لمبے پھل والے چاقو تھے جن کا دستہ بھی سنگی تھا اور انہیں ایک ہی پتھر سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ میرے پاس نیزہ تھا اور میں دور سے اس پر وار کر سکتا تھا مگر مجھے اچھا نہیں لگا کہ اب نیزے سے مقابلہ کروں اس لیے میں نے بھی نیزہ پھینک کر چاقو نکال لیے۔ مجھے چاقو نکالتے دیکھ کر وہ سفاک انداز میں مسکرایا اور اس نے بیک وقت دونوں چاقو لہراتے ہوئے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ وہ چاقو کے استعمال کا ماہر تھا۔ اس نے پیٹ کا دھوکا دے کر الٹے ہاتھ والا چاقو میری گردن میں اتارنے کی کوشش کی تھی اور اگر میں پوری طرح چوکس نہ ہوتا تو وہ کامیاب بھی ہو جاتا۔ میں نے بروقت کلائی اس کے ہاتھ پر ماری اور اسے روک لیا۔ یہ اس کا فطری ہاتھ تھا کم سے کم طاقت اور نپے تلے وار سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ میرے پیٹ اور سینے سے کچھ ہٹا ہوا تھا۔ اس نے اب پیٹ پر وار کیا۔ جو میں نے بائیں ہاتھ سے روکا۔

اگر اس کا دایاں ہاتھ فطری ہوتا تو وہ شاید کامیاب ہو جاتا۔ میں نے دونوں ہاتھ روک کر اس کے پاؤں پر ٹھوکر ماری۔ چوٹ کھا کر وہ پیچھے گیا اور دوبارہ آگے آیا۔ اس بار اس نے دونوں چاقو سامنے رکھے اور میرے جسم کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ یہ مہلک وار نہیں تھے اس کی کوشش تھی کہ مجھے زخم لگا کر کمزور کر دے اور وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔ ایک چاقو میری بائیں کلائی پر خراش ڈالتا ہوا نکل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ صرف چاقو بازی سے اسے روکنا محال تھا وہ مجھ سے زیادہ ماہر تھا۔ میں نے پھر پاؤں استعمال کیا اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ اس کے بعد میں نے ایک چاقو بھی پھینک دیا اب میرے پاس صرف ایک چاقو تھا۔ میں چاقو زنی کے بجائے کرانے والا انداز اپنایا اور جیسے ہی وہ آگے آیا میں نے نیچے بیٹھتے ہوئے سوئپ کک ماری۔ اس کے لیے یہ وار غیر متوقع تھا اور وہ دھڑام سے نیچے گرا تھا۔

مگر وہ عام آدمی نہیں پیشہ ور سپاہی تھا۔ اس نے گرتے ہی میری طرف والا ہاتھ چلایا اور چاقو کی نوک اس بار میری پنڈلی کو چھو گئی۔ میں نے تڑپ کر پاؤں پیچھے کیا اور اس کا گھومتا ہوا ہاتھ قابو میں کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ میں نے دوسرا ہاتھ اس کی کہنی کے نیچے رکھا تھا اور وہ کہنی ٹوٹنے سے بچانے کے لیے از خود کھڑا ہونے لگا مگر میری اٹھنے کی رفتار کہیں تیز تھی۔ دباؤ زیادہ آیا تو اس کی کہنی جوڑ سے نکل گئی۔ خشک ٹہنی ٹوٹنے جیسی آواز کے ساتھ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے حلق سے دھاڑ نکلی تھی۔ میں نے اس کا بازو چھوڑ کر عقب سے اس کی گردن جکڑی اور اس کا دوسرا ہاتھ قابو کر لیا۔ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی تو میں نے اس کے بائیں گھٹنے پر پیچھے سے پاؤں مار کر اسے نیچے گرایا اور گردن پر دباؤ بڑھانے لگا۔

اس دوران میں درختوں پر موجود میرے ساتھی اتر آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے آ کر اس کا دوسرا چاقو چھین لیا۔ وہ ویسے ہی بے دم ہو رہا تھا۔ میں اسے مارنا نہیں بے ہوش کرنا چاہتا تھا۔ مگر مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی اور میں نے بہت سختی سے اس کی گردن دبائی تھی۔ چاقو سے محروم ہونے کے بعد اس کا رہا سہا دم بھی جلد نکل گیا۔ اس کے ساکت ہونے پر میں نے اسے چھوڑ کر اس کی نبض چیک کی تو مجھے افسوس ہوا۔ نبض ساکت تھی اور وہ مر چکا تھا۔ میں نے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ ان سے پوچھنا بیکار تھا میری بات ان کی سمجھ میں کہاں آتی۔ میں گھات والی جگہ آیا تو وہاں چھ لاشیں پڑی تھی۔ دو میں نے مارے تھے۔ مگر میرا خیال تھا کہ وہ نو تھے تو ایک کہاں تھا۔ میں نے چلا کر روبیر کو آواز دی۔ ''ایک بھاگ گیا ہے اسے روکو۔''

باقی میرے انداز سے سمجھ گئے کہ کوئی مسئلہ ہے۔ میں میدان کی طرف بھاگا تو وہ بھی میرے پیچھے آئے۔ ایرٹ اور روبیر درختوں سے اتر آئے تھے۔ میں نے ان کو اسی وجہ سے یہاں لگایا تھا کہ اگر کوئی بچ کر واپس بھاگے تو وہ اسے جانے نہ دیں۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''ان سے کہو ایک بچ گیا ہے اسے تلاش کریں۔''

روبیر نے میری بات کا ترجمہ کیا اور وہ فوری آس پاس پھیل گئے۔ روبیر نے کہا۔ ''یہاں سے کوئی نہیں گزرا ہے۔''

''وہ چالاک ہے شاید اس نے محسوس کر لیا کہ یہاں بھی گھات ہے تو وہ کہیں اور سے نکلے گا۔'' میں کہتے ہوئے روبیر کے ساتھ کھلے میدان میں نکل آیا۔ مگر دائیں بائیں کوئی نظر نہیں آیا۔ فرار ہونے والا اتنی جلدی یہ میدان عبور نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے تو پورے میدان میں گھاس تھی مگر کہیں کہیں زیادہ گھاس ہو گئی تھی اور اس میں کوئی آدمی لیٹ جاتا تو دور سے نظر نہیں آتا۔ درختوں میں ایرٹ اور اس کے ساتھی بھاگنے والے کو تلاش کر رہے تھے۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''بڑھی ہوئی گھاس میں دیکھنا ہو گا ممکن ہے وہ اس میں چھپ گیا ہو۔''

''میں الگ دیکھتی ہوں آپ.....''

''نہیں تم میرے ساتھ رہو گی اکیلا پا کر وہ الٹا تم پر یا مجھ پر حملہ کر سکتا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اب خاموش رہنا اور دبے قدموں چلنا، کوئی بات کہنی ہو تو اشارے سے کہنا۔''

روبیر نے سر ہلایا اور ہم نے اپنے تیر کمانوں پر چڑھا لیے اور اونچی گھاس والی جگہوں کو کھنگالنے لگے۔ میدان میں ایسی جگہیں بہت ساری تھیں مگر اس جگہ سے نزدیک چند ایک ہی تھیں اور وہ ان میں سے ہی کسی میں چھپ سکتا تھا۔ ہم نے جہاں دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میدان کے تقریباً وسط میں اونچی گھاس تھی۔ میں اور روبیر دبے قدموں خاموشی سے اس کے نزدیک پہنچے تھے کہ ایک سرخ لباس والا سپاہی تڑپ کر اس میں سے نکلا اور باغوں کی طرف دوڑا۔ میں نے بے ساختہ تیر چلایا جو اس سے خاصے فاصلے سے گزر گیا۔ مگر روبیر نے فوری تیر نہیں چلایا۔ اس نے تیر کا رخ اس کی طرف کیا اور پھر بتدریج اسے اوپر کرنے لگی۔ البتہ سمت اس نے وہی رکھی تھی۔ سپاہی دوڑنے کے ساتھ اب چلا بھی رہا تھا۔ ''مدد..... مدد..... حملہ ہوا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اضطراب سے کہا۔ ''روبیر اسے روکو۔''

وہ پورے انہماک سے نشانہ لے رہی تھی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ سپاہی نشانے پر آ گیا ہے تو اس نے پوری طرح کھنچی کمان کی تانت چھوڑ دی۔ کمان کھینچنے کے دوران اس کا جسم خود کڑی کمان بن گیا تھا۔ تیر ہوا میں بلند ہوا تو دونوں کمانیں نرم پڑ گئیں۔ میری نظر تیر اور دوڑتے سپاہی پر بیک وقت لگی ہوئی تھی۔ وہ باغوں کے خاصا پاس پہنچ گیا تھا۔ مگر جب دو چار ہاتھ لب بام رہ گئے تو اس کی امید کی کمند ٹوٹ گئی۔ تیر عقب سے اس کی گدی میں داخل ہوا اور دوسری طرف نکل گیا۔ وہ نیچے گرا اور ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے دم توڑنے لگا۔ ایک بار وہ کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتا ہوا چند قدم درختوں کی طرف چلا مگر پھر گر پڑا اور دوبارہ نہیں اٹھا۔ میں اور روبیر بیک وقت اس کی طرف بھاگے۔ اس دوران میں ایرٹ اور اس کے ساتھی بھی میدان میں نکل آئے تھے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں درختوں میں جانے کو کہا اور انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ہم سپاہی کی لاش کے پاس رکے اور روبیر نے پوچھا۔

''اس کا کیا کرنا ہے؟''

''اسے بھی واپس لے جانا ہے۔'' میں نے کہا اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں۔ روبیر نے تیر کھینچ لیا اور اسے زمین پر صاف کر کے ترکش میں لگا لیا۔ مگر اس سے پہلے میں اسے واپسی کے لیے کھینچتا۔ تقریباً دو سو گز دائیں طرف باغات کی طرف سے تیز بولنے کی آواز آئی اور میں نے پھرتی سے سپاہی کی لاش کھینچی اور درختوں میں داخل ہو گیا۔ روبیر میرے ساتھ تھی۔ شام دھندلا گئی تھی اور کچھ ہی دیر میں تاریکی ہونے والی تھی۔ یہاں کیتو جیسے درخت لگے تھے جو نیچے سے بھی گھنی شاخوں والے ہوتے ہیں۔ میں نے لاش ایک درخت کے اندر کی اور روبیر کو دوسرے میں جانے کا اشارہ کر کے واپس آیا۔ زمین پر سپاہی کا لہو پھیلا ہوا تھا اور یہ اچھا خاصا تالاب جیسا بن گیا تھا۔ خون والی جگہ مجھ سے صرف دو گز دور کھلے میں تھی مگر میں اس حد تک آتا تو ان لوگوں کی نظروں میں آ جاتا تو اب باہر نکل کر غالباً مدد کے لیے پکارنے والے کو تلاش کر رہے تھے۔ یقیناً مرنے والے سپاہی کی چیخ و پکار اندر سن لی گئی تھی اور یہ لوگ اسی پر آئے تھے۔

ان کی تعداد ایک درجن کے لگ بھگ تھی اور ان میں نو یا دس سپاہی تھے باقی عام لباس میں تھے۔ وہ پھیل کر دائیں بائیں دیکھ رہے تھے اور ان میں سے کچھ ہماری طرف آ رہے تھے۔ میں نے سوچا اور اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مٹی اٹھا کر خون پر پھینکنے لگا۔ میں زیادہ مقدار میں نہیں پھینک رہا تھا جو آنے والوں کو متوجہ کر لیتی۔ مٹی گرنے سے رفتہ رفتہ لہو کی سرخی غائب ہونے لگی۔ ایک منٹ میں خون بالکل غائب ہو گیا تھا اور اب کوئی آ کر یہاں مٹی کریدتا تب ہی اسے خون دکھائی دیتا۔ سپاہی کو کھینچنے سے جو گھاس دبی تھی وہ دوبارہ سیدھی ہو رہی تھی۔ باقی ایسا کوئی نشان نہیں تھا جو آنے والوں کی توجہ کھینچتا۔ میں واپس آیا تو روبیر خود کو ایک درخت میں اچھی طرح چھپا چکی تھی۔ میں نے اس سے مخالف سمت میں دوسرے درخت کا انتخاب کیا اور اندر گھس کر خود کو پوشیدہ کر لیا۔ پانچ منٹ بعد تلاش کرنے والے وہاں آ گئے تھے اور انہوں نے باغ کے اندر بھی جھانکا تھا۔ مگر کسی کو درختوں میں دیکھنے کا خیال نہیں آیا۔ کوئی بولا۔

''کسی نے مذاق کیا ہو گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر یہ مذاق ہے تو بہت ہی بھونڈا مذاق ہے۔'' دوسرے نے کہا وہ لاش والے درخت کے پاس کھڑا ہوا تھا اور ذرا سا شاخیں ہٹا کر دیکھتا تو اسے بھونڈا مذاق کرنے والا فوراً نظر آ جاتا۔

''سوال ہے کہ مذاق کرنے والا بھی تو کوئی ہوگا۔ وہ مذاق کر کے کہاں غائب ہو گیا۔'' پہلے والے نے کہا۔

''یہاں موجود دستہ کہاں گیا؟''

''میرا تو خیال ہے وہ حرام خور پہلے ہی شہر کی طرف جا چکے ہیں جب کہ انہیں یہاں کام کرنے والوں کے ساتھ جانا تھا۔''

وہ دونوں عام لباس میں تھے اور ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ سپاہیوں سے خوش نہیں ہیں۔ وہ باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ان کے دور جانے کے بعد میں درخت سے باہر آیا اور رویر کو اپنی جگہ رہنے کا کہہ کر میں باغ کے کنارے تک آیا۔ باہر جھانکنے پر مجھے میدان میں پھیلے سپاہی نظر آئے مگر وہ جنگل کی طرف جانے سے گریز کر رہے تھے۔ البتہ چلا چلا کر ان لوگوں کو آوازیں دے رہے تھے جواب ان کی کسی آواز کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ تاریکی بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی اور کچھ ہی دیر جاتی تھی کہ تاریکی مکمل ہو جاتی۔ مجھے اور رویر کو اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے نکلنا تھا۔ البتہ میں لاش کے بارے میں متذبذب تھا کہ اسے یہاں چھوڑ کر جاؤں یا لے جاؤں۔ ایک بار لاش مل جاتی تو وہ لوگ ہوشیار ہو جاتے اور اس کے بعد ہمارے لیے کوئی کارروائی کرنا مشکل ہوتی۔

لاش یا لاشیں نہ ملنے کی صورت میں وہ بہت کچھ سوچ سکتے تھے۔ جیسے انہیں جانور کھا گئے یا پھر وہ فرار ہو کر سامیرا سے جا ملے۔ ایک شک کی کیفیت رہتی اور وہ اس کیفیت میں دس مفروضے قائم کرتے مگر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے اور ہم ان کی اسی کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بعد میں بھی اپنی چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھتے۔ کچھ قدر سوچ بچار کے بعد میں نے لاش لے جانے کا فیصلہ کیا اور رویر سے کہا۔ ''سنو تم تاریکی چھاتے ہی یہاں سے نکل جاؤ گی۔''

''اور آپ؟''

''میں لاش لے کر آؤں گا۔ تم اس کے ہتھیار لے جاؤ گی۔''

رویر تیار نہیں تھی مگر میرے حکم کے آگے مجبور ہو گئی۔ اس نے سپاہی کے ہتھیار جو اسی کے پاس تھے سنبھال لیے اور جیسے ہی تاریکی مکمل ہوئی اور تلاش کرنے والے سمٹ کر باغوں کی طرف آئے وہ تیزی سے نکلی اور جنگل کی طرف روانہ ہو گئی۔ آسمان پر ابھی تک دھند تھی اور اگر تارے نکل آئے تھے تو ان کی روشنی نیچے نہیں آ سکتی تھی۔ دھند کچھ دیر بعد ختم ہوتی۔ میں نظر جما کر دیکھ رہا تھا۔ رویر کوئی پچاس گز تک نظر آتی رہی اور اس کے بعد نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ گویا حد نظر پچاس گز تھی اگر میں اس حد سے نکل جاتا تو ان لوگوں کی نظروں سے نکلتا۔ میں نے لاش درخت سے نکالی اور اسے اٹھا کر شانے پر لاد لیا۔ وہ متوسط جسامت کا ہلکے وزن والا آدمی تھا۔ پھر خون نکل جانے سے بھی اس کا وزن کم ہوا تھا۔ میں نے با آسانی اسے اٹھا لیا اور اللہ کا نام لے کر باغ سے نکل آیا۔ میں نے تیز رفتاری دکھائی مگر اتنی نہیں کہ ٹھوکر کھاؤں تو سنبھل نہ سکوں اور اسی وجہ سے شاید میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی نظر میں آیا۔ کوئی دائیں طرف سے چلایا۔

''وہ کون ہے؟''

''کہاں؟..... کس طرف؟'' مختلف آوازیں آئیں۔ میں ذرا جھکا اور لاش سمیت نیچے گر گیا۔ پھر لیٹے لیٹے آگے سرکنے لگا۔ لاش میری پشت پر تھی اور بار بار پھسل رہی تھی اور اسے قائم رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ مگر میں نے کسی نہ کسی طرح اسے برقرار رکھا۔ اس دوران میں عقب سے آوازوں کا سلسلہ جاری تھا۔ ابھی کسی دوسرے فرد نے مجھے دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا تھا کیونکہ میں بروقت زمین پر لیٹ گیا تھا۔ اگر ایک دو افراد اور مجھے دیکھ لیتے تو لازمی میری تلاش شروع ہو جاتی۔ مگر اس وقت اس شخص کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اور اسے وہم کا مریض کہا جا رہا تھا۔ بلکہ کسی نے موقع کی مناسبت چٹکلے سنانے شروع کر دیئے تھے۔ اس طنز و مزاح کا فائدہ مجھے ہوا اور میں کوئی پچاس گز دور نکل آیا۔ زمین پر رینگنے سے میرا لباس خراب ہوا تھا اور ہاتھ پیروں پر خراشیں آئی تھیں مگر دشمنوں کی نظروں سے بچ گیا تھا۔ پچاس گز سے زیادہ دور آ کر میں نے ایک بار پھر لاش شانے پر لادی اور آگے بڑھنے لگا۔

جنگل کے درختوں کا دیوار نما ہیولہ میری رہنمائی کر رہا تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ میں اسی طرف جا رہا تھا جہاں میرے ساتھی تھے یا میں بھٹک کر کسی اور طرف نکل رہا تھا۔ شاید میں نکل بھی جاتا تھا مگر اس وقت روبیر کی ذہانت کام آئی۔ درختوں میں داخل ہوتے ہی مجھے پرندے کی آواز سنائی دی جو یقیناً ایرٹ نکال رہا تھا۔ اس طرح وہ مجھے اپنے جائے وقوع سے آگاہ کر رہا تھا میں سنبھل کر اس طرف بڑھنے لگا اور کوئی دس منٹ بعد میں ان کے پاس تھا۔ انہوں نے عقل مندی کرتے ہوئے اب تک روشنی نہیں کی تھی۔ کیونکہ اگر وہ روشنی کرتے تو امکان تھا کہ باغوں کے باہر موجود دشمن دیکھ لیتے۔ وہ چاہتے تھے کہ پہلے میں آ جاؤں۔ اس دوران میں انہوں نے باقی تمام لاشوں کی وردیاں اور سامان اتار لیا تھا۔ روبیر کے توسط سے ایرٹ نے پوچھا۔ ''ان لاشوں کا کیا کرنا ہے؟''

لاشوں کی خاطر دور جانا خطرہ مول لینے کے مترادف تھا اور یہ کام بہت دشوار ثابت ہوتا۔ ہم اس امید میں بھی لاشیں یہاں چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے کہ انہیں اسمار یا دوسرے جانور تناول فرما لیں گے۔ اس لیے ایک ترکیب پہلے ہی میرے ذہن میں موجود تھی۔ میں نے کہا۔ ''انہیں درختوں پر چڑھا کر شاخوں سے باندھ دو۔''

یہ کام نسبتاً آسان تھا۔ ہم نے چند درخت منتخب کیے اور دو دو آدمی ایک درخت پر چڑھ گئے۔ لاشوں کو رسیوں کی مدد سے اوپر کھینچا جانے لگا اور پھر انہیں رسیوں کی مدد سے ہی یوں باندھ دیا گیا کہ وہ نیچے نہ گریں۔ روشنی کے لیے ہم نے دو مشعلیں جلائی تھیں اور کام کر رہے تھے۔ لاشیں اوپر لے جانے اور باندھنے کا کام ان پانچوں نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ میں اور روبیر انہیں نیچے سے لاشیں دے رہے تھے۔ آدھے گھنٹے میں یہ کام نمٹ گیا۔ اس کے بعد زیادہ مشعلیں جلا کر باقی رہ جانے والے آثار مٹائے گئے اور جو رہ گیا اسے تقدیر پر چھوڑ کر ہم واپس نیلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب ہر فرد کے پاس ایک مشعل تھی اور ہم اس طرح چل رہے تھے کہ آس پاس بھی نظر رکھی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی ہم ان جگہوں سے دوری سے گزر رہے تھے جہاں کوئی جانور گھات لگا کر بے خبری میں ہم پر حملہ کر سکتا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ جانوروں سے واسطہ پڑے گا اور ایسا ہی ہوا۔ یہ تین عدد گونز تھے جو اچانک سامنے آئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی میں نے حکم دیا۔

''دو شاخے جلا لو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب نے اپنے اپنے پاس موجود دو شاخے جلا لیے اور چند لمحے میں روشنی بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ گونز جو پہلے ہی ہماری اتنی بڑی تعداد کی وجہ سے حملہ کرنے سے گریزاں تھے۔ روشنی ہوئی تو وہ گھبرا کر پسپا ہونے لگے۔ مگر ہم سے دور نہیں گئے تھے۔ اب رودبیر اور دوسروں کو پتا چلا کہ میں نے یہ دو شاخے کیوں تیار کرائے تھے۔ دو شاخوں کی وجہ سے شعلہ بہت بڑا اور مہیب لگ رہا تھا اور جانور ویسے ہی آگ سے گھبراتے ہیں۔ ہم جارحانہ انداز میں گونز کی طرف بڑھے تو وہ اس بار بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ چند دو شاخے چھوڑ کر باقی بجھا دیئے کہ آگے کام آئیں گے۔ مگر اس بار ضرورت نہیں پڑی اور ہم بخیریت ٹیلے تک پہنچ گئے۔ سب کا تھکن اور بھوک سے برا حال تھا۔ ہم چنے جیسی خشک چیز ساتھ لے گئے تھے اور راستے میں اسے کھا کر بھوک کا مداوا کیا تھا۔ رودبیر بھی تھکی ہوئی تھی اس لیے میں نے اسے چولہا جلانے سے روک دیا۔ ''آج سب اسی سے گزارا کریں گے۔''

چنے برے نہیں تھے بس ذرا ہرے سے تھے ہمارے چنوں کی طرح بالکل پیلے اور ذائقے والے نہیں تھے۔ کھا پی کر سب اپنی اپنی جگہوں پر لیٹ گئے تھے۔ مگر میں نے آج احتیاطاً پہرے کا بندوبست کیا تھا اور سب سے پہلے میں جاگتا رہا۔ دو گھنٹے بعد میں نے ایرٹ اور شاٹ کو اٹھا دیا۔ اب وہ پہرہ دیتے اور میں سو گیا۔ ان کے بعد دوسرے پہرہ دیتے رہے حتیٰ کہ صبح کی روشنی نمودار ہوگئی۔ میں اٹھا تو رودبیر ناشتہ بنا رہی تھی۔ آج ناشتے میں دلیہ نما کھیر کے ساتھ شہد اور پنیر بھی تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نیچے آئے اور ندی پر گزشتہ روز کی حاصل کی ہوئی وردیاں اور دوسرا سامان دھویا جو خراب اور خون آلود ہو رہا تھا۔ خود بھی نہائے دھوئے اور آخر میں مچھلیاں پکڑیں۔ آج صرف تین مچھلیاں ہاتھ لگی تھیں شاید ندی میں ان کی تعداد کم ہوگئی تھی یا پھر وہ بھانپ گئی تھیں کہ ندی میں اس جگہ ان کے لیے خطرہ ہے۔ بہر حال یہ تین بھی ہمارے لیے کافی تھیں۔

صبح بیدار ہونے کے بعد سے میری رودبیر سے بات نہیں ہوئی تھی۔ میرے اندر اس کے خلاف ابھی بھی غصہ تھا۔ مجھے اس کا خود کو بے لباس کرنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے بے شک خلوصِ نیت سے یہ کام کیا تھا اور اسی کی وجہ سے ہمیں یہ کامیابی ملی تھی۔ اس کے باوجود مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ شاید اس نے بھی محسوس کیا کہ میں اس سے خفا ہوں۔ اس لیے جب باقی سب ایک ایک کر کے ٹیلے پر جانے لگے تو وہ نیچے اتر آئی اس وقت وہاں صرف ایمار تھا۔ میری خصوصی توجہ اور ان پانچوں کی طرف سے حکم بجالانے پر اب رودبیر ان پر پوری طرح حاوی ہوگئی تھی اور بہت تحکمانہ انداز میں بات کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے ایمار سے کہا۔ ''یہاں سے جاؤ۔''

اس بے چارے نے بنا چوں چرا کیے تعمیل کی اور میں بھی یہ سمجھ کر جانے لگا کہ شاید اسے ندی پر کوئی کام ہے۔ اس نے سامنے آ کر مجھے روک لیا۔ ''میں نے آپ سے نہیں کہا ہے۔''

''میں جھاڑیوں کے اس طرف ہوں۔'' میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''تم ندی میں نہا لو۔''

''میں نہا لوں گی مگر اس وقت میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔''

''کہو میں سن رہا ہوں۔''

''آپ مجھ سے ناراض ہیں۔''

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں ہیں۔'' وہ اصرار کر کے بولی۔ ''میں نے آپ کی بات نہیں مانی تھی اور اپنی من مانی کی تھی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جب تم جانتی ہو تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو۔''

میرا لہجہ سخت تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''میں نے صرف اپنے لوگوں اور آپ کی خاطر یہ کیا ہے۔ مجھے کسی نے نہیں دیکھا سوائے آپ کے۔''

''تمہیں یوں دیکھنے کا حق مجھے بھی نہیں ہے۔''

''سمجھ لیں مجبوری تھی جیسی اس وقت تھی جب میں بھٹکتی ہوئی آپ کے پاس آئی تھی تب بھی تو لباس نہیں تھا میرے جسم پر۔''

مرد کا ذہن اللہ نے کچھ اس طرح کا بنایا ہے کہ وہ از خود عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی جھلک، اس کی آواز، لمس اور خوشبو از خود اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ اور کسی سچویشن میں فوراً سامنے پیش بھی کر دیتا ہے۔ میں نے اسے جس طرح دیکھا اور محسوس کیا وہ سب میرے ذہن میں موجود تھا مگر میں اسے یاد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب روبیر نے مجھ سے بات کی تو میرا ذہن مجھے جھلکیاں دکھانے لگا۔ اس لیے مجھے اس موضوع سے الجھن ہو رہی تھی اور اسے ختم کرنے کا واحد طریقہ مجھے یہی سمجھ میں آیا کہ بات ختم کر دوں۔ ''ٹھیک ہے، مگر اب تم میری مرضی کے خلاف ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔''

''آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔

''تھینک یو۔'' اس نے کہا اور اچک کر میرا رخسار چوم لیا۔ وہ بالکل سامنے اور پاس تھی مجھے موقع ہی نہیں ملا کہ اس سے بچتا۔ میں جھینپ گیا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟''

''شکریے کا اظہار۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

میں نے اسے نرمی سے سمجھایا۔ ''روبیر ہمارے ہاں عورتیں یا لڑکیاں اس طرح شکریہ ادا نہیں کرتی ہیں۔''

''اچھا آئندہ خیال رکھوں گی۔'' اس نے جلدی سے وعدہ کر لیا۔

میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ ایک آدھ سپاہی کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرنی تھی مگر انہوں نے سب کو ہی مار دیا تھا۔ جس کو میں زندہ پکڑ سکتا تھا وہ میری غفلت سے مر گیا۔ روبیر اور دوسروں کا کہنا تھا کہ وہ سب خطرناک سپاہی تھے اور انہیں موقع مل جاتا تو الٹا لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔ اس لیے مجبوراً انہیں کاری وار کرنے پڑے جو سب کے سب درست بیٹھے اور وہ سارے ہی مارے گئے۔ اس طرح فرار ہونے والے کو ہم نے خود ہلاک کر دیا تھا ورنہ بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ میں نے حساب لگایا کہ اب تک آرگون کے انیس سپاہی ہمارے ہاتھوں یا ہماری وجہ سے مارے جا چکے تھے۔ اگرچہ رینات کے پاس ہزاروں کی تعداد میں فوجی تھے لیکن یہ نقصان کم نہیں تھا جب کہ اسے جنگ کے لیے مزید سپاہیوں کی ضرورت تھی۔ اگر ہم جنگ سے پہلے اس طرح کی چند اور چھاپہ مار کارروائیاں کر گزرتے تو رینات کی فوج میں خوف پھیل جاتا۔ وہ جنگ میں اس کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر پاتے جو ایک بے خوف اور پُر یقین فوج کر سکتی ہے۔

جدید دنیا میں اسی لیے اصل جنگ سے پہلے حریف ملکوں میں افراتفری کا ماحول پیدا کر کے اس کی فوج اور عوام کو ذہنی مورلرائز کیا جاتا ہے جیسا کہ آج کل وطنِ عزیز میں ہو رہا ہے۔ عالمی طاقتیں جس میں ہمارا پڑوسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی شامل ہے پاکستان کو ایک منظم منصوبے کے تحت انتشار کی نذر کر رہے ہیں۔ ان کے اہداف میں ایک ڈاکٹر، پروفیسر اور پروفیشنل سے لے کر بڑے فوجی اڈے اور اسٹریٹجک نوعیت کی جگہیں شامل ہیں۔ مسلسل ٹارگٹ کلنگ سے عوام میں خوف بھرا جاتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہم افسران کی ٹارگٹ کلنگ سے ان اداروں کو ڈی موریلائز کیا جاتا ہے اور فوجی تنصیبات پر حملے کر کے فوج کو بیک فٹ پر جانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے والے چاہے کسی بھی نام اور گیٹ اَپ کے ساتھ آتے ہوں وہ اصل میں پاکستان اور اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔ ان کو اسلحہ اور پیسے کے ساتھ ساتھ تربیت اور گائیڈ لائن بھی ہمارے عالمی دشمنوں کی طرف سے فراہم کی جارہی ہے۔

دنیا کے بہت سے ملکوں نے اس سے زیادہ خوفناک حالات دیکھے جب ان کی بقا کو شدید خطرات لاحق ہو گئے تھے۔ امریکہ کو سول وار کی صورت میں ٹوٹ جانے کے خطرے کا سامنا ہوا۔ دوسری جنگ عظیم میں سوویت یونین کو جرمنی سے خطرہ ہوا تھا۔ مگر دونوں ملکوں کے حکمرانوں نے عوام کی طاقت سے ان خطرات کو ٹال دیا۔ انسانوں اور قوموں کی زندگی میں مشکلات انہیں مضبوط بنانے کے لیے آتی ہیں۔ اگر وہ ان مشکلات کا ہمت اور حوصلے سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اپنی سمجھ بوجھ اور ذرائع استعمال کرتے ہیں تو وہ پہلے سے زیادہ طاقتور ہو کر ابھرتے ہیں۔ اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے چند سال بعد ہمارا ملک بھی ان مشکلات کے بھنور سے نکل آئے۔ شرط یہ ہے کہ حکمران اور عوام ملک سے اخلاص اور محبت کا ثبوت دیں۔ مشکلات پر رونے دھونے کے بجائے استقامت، حوصلے اور عقل سے ان کا مقابلہ کریں۔

یہاں مزاحمت کاروں کو سامیرا کی صورت میں ایک بہترین اور مخلص رہنما میسر تھی جو بے لوث ہو کر ان کی آزادی کے لیے لڑ رہی تھی۔ اس نے اپنے لوگوں کو حوصلہ دیا تھا اور خود ان کے معیار کے برابر آ کر مساوات کی عملی وضاحت کر دی تھی۔ مزاحمت کار جانتے تھے کہ کامیابی میں ان کی بقا تھی اگر رینالٹ کامیاب ہوا تو ہمیشہ کی نہ سہی ایک طویل مدت کی غلامی ان کے مقدر میں لکھ دی جائے گی۔ ان کے پاس ذرائع کی کمی تھی مگر وہ حوصلہ مند ضرور تھے۔ انہیں اپنے گھروں اور اپنے خاندانوں کا دفاع کرنا تھا۔ اس کے لیے وہ جان بھی دینے کو تیار تھے۔ برف والے کی حمایت نے بھی ان کا حوصلہ بلند کیا تھا۔ وہ یہاں ایک اعلیٰ ترین، معزز ترین اور مادرانہ حیثیت رکھنے والا شخص تھا جس سے برتر کوئی بھی نہیں تھا۔ مزاحمت کاروں کے لیے اس کا ساتھ بہت زیادہ تقویت کا باعث تھا۔ اب قلعے والے پہلے سے کہیں زیادہ پُرعزم اور پُریقین تھے کہ کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ یہ تصویر ایرٹ اور اس کے ساتھیوں سے گفتگو کے نتیجے میں میرے سامنے آئی تھی۔

قلعے میں قیام کے دوران میرا عوام سے بس اتنا رابطہ تھا کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ وہ کیا سوچتے تھے اور ان کے مزاحمت کے حوالے سے کیا جذبات و احساسات تھے۔ اس کا اندازہ مجھے ان لوگوں سے گفتگو کر کے ہوا۔ سامیرا ان کے لیے ایسی ہستی تھی جس کے ایک اشارے پر وہ اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ وہ اور ان کے اہلِ خانہ یہاں تنگی ترشی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اگرچہ ان کو فقر و فاقے کا سامنا بھی نہیں تھا مگر ان کے پاس کھلا سامان بھی نہیں تھا۔ وہ تنگ اور کم جگہ والے گھروں میں رہتے تھے۔ بہت سی نعمتیں جن سے آرگون والے لطف اندوز ہوتے تھے وہ ان کے پاس نہیں تھیں۔ مگر انہیں آزادی کی نعمت میسر تھی جس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آرگون کے شہری قطعی ناواقف تھے اور وہ ریناٹ کی آمریت کے ساتھ نظام کا جبر بھی برداشت کر رہے تھے۔ مزاحمت کار اب اس آزادی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے جس سے سامیرا نے انہیں رُوشناس کرایا تھا۔ وہ اپنی آزادی کے دفاع کے لیے کسی بھی حد کو جانے کے لیے تیار تھے۔ وہ دشمن کی جان لے سکتے تھے اور اپنی جان دے سکتے تھے۔

○.....❖.....○

ایرٹ اور اس کے ساتھی گزشتہ روز کے مشن سے بہت خوش تھے اور ان کی خواہش تھی کہ میں مزید مشن ترتیب دوں۔ مگر فی الحال میں نے اس بارے میں بات نہیں کی اور انہیں آج کے دن چھٹی دی کہ وہ آرام یا تفریح کریں۔ اس لیے وہ دوپہر کے کھانے کے بعد ٹیلے سے نیچے اتر گئے اور کوئی کھیل کھیلنے لگے۔ ان کا کھیل کچھ انوکھا تھا۔ اس میں ہر فرد کے پاس ایک گول لکڑی ہوتی تھی اور ایک اضافی لکڑی ہوا میں اچھالی جاتی اور پھر سب اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے جو حاصل کر لیتا وہ تین بار ''میں نے پالیا'' کی گردان کرتا تو وہ فاتح ہوتا اگر تین بار کہنے سے پہلے لکڑی اس سے چھن جاتی تو کھیل جاری رہتا۔ کامیاب ہو جانے والا ایک طرف ہو جاتا اور باقیوں کے درمیان مقابلہ جاری رہتا۔ اس طرح دوسری، تیسری پوزیشن کا فیصلہ ہو جاتا اور باقی لوگ شکست خوردہ تصور کیے جاتے تھے۔ دیکھا جائے تو یہ زور آزمائی کا کھیل تھا۔ جیسے ہمارے ہاں کبڈی ہوتی ہے۔ سب سے پہلے شاٹ جیتا اور نعرہ مار کر ایک طرف ہو گیا۔ میں اور روبیر اوپر سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے تالی بجائی تو شاٹ جھک کر آداب بجالایا۔ روبیر نے کہا۔

''یہ سب آپ کے شیدائی ہو گئے ہیں آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔''

میں مسکرا دیا اور بولا۔ ''شیدائی ہونا بھی کافی سے زیادہ ہے۔ میں تو اس پر راضی ہوں کہ یہ میرے مخالف اور دشمن نہیں ہیں میری بات مانتے ہیں۔''

''جو شخص بھی کچھ دن آپ کے ساتھ رہے وہ آپ سے محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

میں ہنسا۔ ''میں بہت بہت دنوں تک دشمنوں کی قید میں اور ان کے ساتھ رہا مگر انہیں مجھ سے ذرا بھی محبت نہیں ہوئی۔''

''تب ان لوگوں میں انسانوں والی کوئی بات نہیں ہوگی۔ وہ جانور ہوں گے کیونکہ جانور کبھی نہیں بدلتے اور انسان دوسرے کے سلوک کے مطابق بدل جاتا ہے۔''

''ہاں میرے دشمن کچھ ایسے ہی جانور فطرت لوگ ہیں۔'' میں نے تسلیم کیا۔

''آپ سے محبت کرنے والے زیادہ ہوں گے۔''

''ہاں یہ اوپر والے کا احسان ہے۔''

''بہت سی لڑکیاں بھی آپ سے محبت کرتی ہوں گی۔'' اس نے کہا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا اس نے آج تک اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ میرا ذاتی تجربہ ہے جب کوئی لڑکی کسی آدمی سے یہ سوال کرتی ہے تو درحقیقت وہ جاننا چاہتی ہے کہ وہ آدمی کسی اور لڑکی سے تو محبت نہیں کرتا یا کوئی لڑکی اسے تو نہیں چاہتی۔ پوچھنے والی کے دل میں لازمی اس آدمی کے لیے پسند کا جذبہ ہوتا ہے۔ مگر میں روبیر کو ایسا سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ خود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شامین سے محبت کرتی تھی اور محبت بھی کیسی کہ وہ اس کے لیے میری جان لینے سے لے کر اپنی آبرو تک سب قربان کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔ میں نے جواب دیا۔

''ہاں کئی ہیں۔''

''آپ بھی ان کو پسند کرتے ہیں؟''

''سب کو نہیں۔''

''کسی ایک کو کرتے ہوں گے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''ہاں ایک ہے۔'' میں نے تسلیم کیا تو بہت دنوں کے بعد سویرا میرے ذہن کے پردے پر آئی تھی۔ یاد تو اس کی کبھی نہیں جاتی تھی مگر میں نے اسے فرصت سے نہیں سوچا تھا۔ روبیر نے شاید دوسری بار پوچھا تو میں چونکا۔

''کیا پوچھا تم نے؟''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''میں پوچھ رہی ہوں کہ وہ کون ہے؟''

''وہ کون ہے؟'' میں نے روبیر کا سوال دہرایا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔ ''وہ میرا سب کچھ ہے۔ میرے لیے دنیا کی پہلی اور آخری عورت ہے۔''

میرا جواب بہت واضح تھا۔ روبیر کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی اور پھر گہری سانس لے کر بولی۔ ''آپ جیسا آدمی ایسا ہی سوچ سکتا ہے۔''

''میں نہیں ہر محبت کرنے والا ایسا ہی سوچتا ہے۔''

''شاید۔'' اس نے کہا۔ وہ اداس نظر آنے لگی تھی۔

''شامین کے لیے تم ایسی ہی ہو گی۔ وہ تم سے سچی محبت کرتا ہے تو کسی اور کے بارے میں سوچے گا نہیں۔''

اس نے پھر میری طرف دیکھا۔ ''وہ شامین ہے اور ہر شخص شہباز نہیں ہوتا۔''

روبیر نے اگرچہ تجسس یا کسی اور مقصد کے تحت پوچھا تھا مگر اس کی باتوں سے مجھے اپنے یاد آنے لگے۔ میری گمشدگی کو مہینہ ہونے والا تھا یا ہو چکا تھا۔ وسیم، سفیر اور عبداللہ آرام سے نہیں بیٹھے ہوں گے۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ میری تلاش میں چل پڑے ہوں گے اور وادی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ راجا عمر دراز پتا نہیں کہاں تھا۔ زندہ بھی تھا یا نہیں اور اوشا کے بارے میں مجھے اطمینان تھا کہ وہ برف والے کی حفاظتی تحویل میں تھی۔ اسے وہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میرے دشمن ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی نیچے پہنچ گئے تھے اور وہ اس وقت ریناٹ کے مہمان تھے۔ ڈیوڈ شا نے یقیناً کوئی چکر چلایا تھا۔ دوسری قوموں میں مفاد پرست غدار تلاش کرنے میں انگریز اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ یہ جہاں گئے انہوں نے اسی طرح سے غلبہ حاصل کیا اور پورے پورے ملکوں اور قوموں کو غلام بنا لیا۔ خاص طور سے برصغیر پر ان کا قبضہ ان کی مکارانہ سیاست کی مثال ہے۔

ڈیوڈ شا کا خیال آتے ہی میں بے چین ہو گیا تھا۔ وہ ریناٹ کے ساتھ تھا اور اس کی مدد سے ریناٹ کی طاقت دوگنی ہو گئی تھی۔ ڈیوڈ شا آتشیں اسلحہ ساتھ لایا تھا اور اس کا مقابلہ سامیرا کی سپاہ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے ان ہتھیاروں کا خیال آیا جو راجا عمر دراز لایا تھا اور وہ اس وقت برف والے کے پاس تھے پھر میں نے برف والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس دوسرے آتشیں ہتھیار بھی دیکھے تھے۔ اگر وہ مجھے مل جاتے تو میں کہیں بہتر انداز میں ڈیوڈ شا اور ریناٹ کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اب تک مجھے ان ہتھیاروں کا خیال نہیں آیا تھا۔ ورنہ میں کسی طرح سے برف والے تک اپنی بات پہنچا سکتا تھا۔ اب خیال آیا تو مجھے ربیک کا خیال بھی آیا۔ اسی کے توسط سے سامیرا تک اور سامیرا سے برف والے تک اپنی بات پہنچا سکتا تھا۔ جنگ سے پہلے مجھے یہ ہتھیار مل جاتے تو میری طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ وادی کے روایتی ہتھیاروں کے ساتھ میری طاقت بہت کم تھی۔

ربیک ایک دن پہلے ہی گیا تھا اور اب وہ پرسوں آتا۔ میں نے سوچا کہ درمیان میں ایک دن جو تھا اس میں ہم مزید کوئی مہم سر کر سکتے تھے۔ شام ہوتے ہی وہ سب اوپر آ گئے تھے۔ کھیل کے بعد وہ ندی کی طرف چلے گئے اور وہاں نہاتے دھوتے رہے تھے جب وہ نیچے ہوتے تو اپنے ہتھیار پاس رکھتے تھے اور پوری طرح چوکنا رہتے تھے اگرچہ اس دن مار کھا کر اسماروں نے دوبارہ یہاں کا رخ نہیں کیا تھا مگر ان کا یا دوسرے خطرناک جانوروں کا خطرہ بہرحال موجود رہتا تھا۔ رات کھانے کے بعد میں نے میٹنگ کی اور اگلے روز کی مہم کے بارے میں بات کی تو وہ سب پُرجوش ہو گئے تھے۔ یہ لوگ چھاپہ مار جنگ سے لاعلم تھے اور سیدھی جنگ سے واقف تھے جس میں دونوں طرف سے پوری قوت سامنے لائی جاتی تھی اور پھر لڑ کر فیصلہ کر لیا جاتا تھا۔ ایک نسل پہلے وہ سرے سے جنگ سے ہی نا آشنا تھے اور ان کی ساری جدوجہد فطرت اور وحشی جانوروں کے خلاف ہوتی تھی کیونکہ وہی ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھے۔ اب وادی کے انسان ایک دوسرے کے مدِمقابل آ گئے تھے۔ پہلی بار انہیں آپس میں لڑنا پڑ رہا تھا۔

مقابلہ آرائی انسان کی فطرت ہے۔ چیزوں اور زمین کے پیچھے انسان ابتدائی دور سے لڑتا آ رہا ہے۔ زَن سے شروع ہونے والی لڑائی پھر زمین اور اب زَر تک پھیل گئی تھی۔ ان سب کے پس پشت جذبہ حکمرانی کارفرما تھا۔ ان نوجوانوں کے لیے یہ بہت تھرل والا کام تھا۔ جنگ کا خطرہ تھا مگر انہیں اب تک اس کا براہِ راست تجربہ نہیں ہوا تھا یہ پہلا موقع تھا جب انہوں نے آرگون کی سپاہ سے پنجہ آزمائی کی تھی اور اس میں کامیابی بھی حاصل کی تھی۔ اس کامیابی نے ان کا حوصلہ اتنا بڑھا دیا تھا کہ وہ براہِ راست دھاوے کا بھی سوچ رہے تھے۔ ایرٹ نے ان کی طرف سے تجویز پیش کی کہ ہمیں اب باغوں میں گھس کر وہاں موجود سپاہیوں پر حملہ کرنا چاہیے۔ انہیں یقین تھا کہ آرگون والے ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ باغ کے سپاہیوں پر حملہ کرتا رہوں۔''

ایرٹ حیران ہوا۔ ''تب آپ کا کیا مقصد ہے اور کل والا حملہ کیوں کیا تھا؟''

''کل والا حملہ اور جو حملہ ہم کل کرنے کی کوشش کریں گے یہ سب آنے والے بڑے مقصد کی تیاری ہے۔''

''بڑا مقصد؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''ہم براہِ راست جنگ میں شامل نہیں ہوں گے بلکہ جس وقت آرگون والے قلعے سے نکل کر ہمارے قلعوں پر حملہ آور ہوں گے ہمیں آرگون میں گھس کر وہاں قبضہ کرنا ہوگا۔''

یہ بات ان کے لیے ناقابلِ یقین تھی۔ ''آرگون پر قبضہ اور ہم سات آٹھ افراد کریں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''قبضے سے مراد شہر پر قبضہ نہیں ہے بلکہ ہمیں ان تمام لوگوں کا خاتمہ کرنا ہے جو اس فتنے کے پیچھے ہیں۔ ان میں رینالٹ اور اس کے ساتھی سرفہرست ہیں۔''

ایمار ہچکچایا۔''اب معبد والے بھی اس کے ساتھ ہیں۔''

''شاید تم کہنا چاہ رہے ہو کہ ہمیں مہا پجاری اور دوسرے پجاریوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔''میں نے نرمی سے کہا۔''اس کے لیے انہوں نے ہی ہمیں مجبور کیا ہے۔ وہ غیر جانبدار رہتے تو ہم بھی غیر جانبدار رہتے مگر اب یہ ممکن نہیں ہے۔ بہر حال ہمارا اصل نشانہ رینالٹ اور اس کے ساتھی ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو باہر سے آئے ہیں اور میرے اصل دشمن وہی لوگ ہیں۔''

بات رفتہ رفتہ ان کی سمجھ میں آنے لگی اور جب میں نے اصل مہم ان کے سامنے رکھی تو ان کا جوش و جذبہ ذرا ماند پڑا تھا اور وہ سنجیدہ ہونے کے ساتھ کسی قدر خوفزدہ بھی نظر آنے لگے اور یہ اچھی بات تھی۔ وہ معاملے کی سنگینی کو محسوس کر رہے تھے۔ اگر وہ اسے لاپروائی سے لیتے تو لازمی بات تھی وہ اس کے لیے ویسی تیاری نہ کرتے۔ ایرٹ نے بھی وہی بات کی۔''اس کا مطلب ہے ہمیں پہلے سے زیادہ تیاری کرنی ہے۔ اتنی تیاری جو ہمیں کامیابی دلا سکے؟''

''بالکل، تیاری کے دوران ہم جتنے مشکل مراحل سے گزریں گے آگے ہمیں اتنی مشکل نہیں ہوگی۔''

''ہمارے پاس افراد کم ہیں۔''ایمار بولا۔''یہ اتنے یا اور اتنے ہی لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔''تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہمیں مزید افرادی قوت کی ضرورت ہے مگر مجھے ایک ایک بندہ تم لوگوں کی طرح چنا ہوا چاہیے۔ کوئی کمزور یا غدار ہمارے درمیان آ گیا تو وہ پوری مہم کی ناکامی کا باعث بن سکتا ہے۔''

''ربیک اس معاملے میں بہت محنت کر رہا ہے۔''ایرٹ نے کہا۔''اسی نے ہمیں چنا اور ہم سے بات کی۔ پھر سامیرا سے ملاقات کرائی اور تب ہمیں آپ کے پاس آنے کا موقع ملا۔ وہ اس کام کے لیے اور نوجوان بھی چن رہا ہے۔''

''درحقیقت ہمارے پاس وقت نہیں ہے کیونکہ آرگون والے کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔''

''اگر انہوں نے کل حملہ کر دیا تو؟''ایمار نے پوچھا۔

''تب ہمیں فوری آرگون کا رخ کرنا ہوگا۔''میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔''ہم مزید لوگوں کے آنے کا انتظار نہیں کر سکتے ہیں۔''

''مگر ہم آرگون میں داخل کیسے ہوں گے؟''

ایرٹ کے اس سوال کا جواب میں نے ٹالنے والا دیا۔''یہ میں تمہیں عملی طور پر دکھاؤں گا۔''

جب وہ سب سونے کے لیے لیٹے تو متفکر تھے۔ ان کا کھلنڈرا پن مفقود ہو گیا تھا۔ یہ ضروری تھا کیونکہ جوانی کے جوش کے ساتھ اگر ہوش شامل ہو جائے تو مقصد میں کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ روبیر زیادہ تر ترجمہ کرتی رہی تھی اور اس نے گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا مگر مجھے لگ رہا تھا کہ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے بیتاب تھی۔ ایسا ہی ہوا جب سونے کے لیے لیٹ گئے تو وہ کیبن سے باہر آئی اور مجھ سے کہا۔''آپ سے بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنی ہے۔''

میں سمجھ گیا تھا۔ وہ مجھے کیبن میں لے جانا چاہتی تھی مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ یوں سب کے ہوتے صرف اس کے ساتھ کیبن میں چلا جاؤں۔ پہلے ہی اس کے حوالے سے مجھ پر سنگین الزام لگ چکا تھا۔ اگرچہ یہ نوجوان مجھ پر یقین کررہے تھے مگر انسان کا ذہن ذرا سی بات سے بھٹک جاتا ہے اور میں انہیں اس ذرا سی بات کا موقع ہی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لیے روبیر کے ساتھ ٹیلے کے سیڑھی والے حصے تک آیا۔ نوجوان اس جگہ سے کسی قدر فاصلے پر تھے اور وہ ہماری گفتگو نہیں سن سکتے تھے، مگر وہ ہمیں دیکھ رہے تھے اور ہم ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ روبیر نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ ''آپ آرگون میں داخل ہوں گے؟''

''یہ بات تو تمہیں معلوم ہے میرا اصل مقصد ہی شہر کے اندر خاص حصے تک رسائی حاصل کرنا ہے۔''

''تو کیا میں ساتھ چلوں گی۔''

ہم ٹیلے کے کنارے پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے اور یہاں مشعل کی ہلکی سی روشنی آرہی تھی۔ روبیر کے اس سوال سے واضح ہوگیا کہ وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا۔ ''مجھے شامین کا خیال ہے لیکن پہلے ہمیں ان لوگوں سے نمٹنا ہے جنہوں نے شامین اور اس جیسے بہت سے بے گناہوں کو قید کیا ہوا ہے۔ وہ ہمارے قابو میں آگئے تو شامین اور دوسرے خود آزاد ہو جائیں گے لیکن اگر ہم نے پہلے قیدیوں کو آزاد کرانے کی کوشش کی اور دشمن ہوشیار ہوگیا تو ہمارا پورا منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔''

روبیر نے میرا جواب سمجھ لیا تھا اس کی آنکھیں چمکنے لگیں مگر اس نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ رہی ہوں اور میں آپ سے متفق ہوں۔''

''میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ شامین کو آزاد کرانے کی پوری کوشش کروں گا یہ میرے مقاصد میں شامل ہے۔''

''مجھے یقین ہے آپ ایسا ہی کریں گے۔''

واپس آنے کے بعد اس نے جنگی وردی اتار کر اپنا سفید لباس پہن لیا تھا۔ مگر اس کے نیچے اس نے پاجامہ وردی والا ہی پہنا ہوا تھا۔ اس پر جنگی لباس بھی سج گیا تھا مگر وہ سفید کرتے میں ہی زیادہ اچھی لگتی تھی۔ اس نے اچانک نزدیک ہو کر مجھ سے لگتے ہوئے میرے شانے پر سر رکھ دیا اور آہستہ سے بولی۔ ''مجھے آپ کا ہی سہارا ہے۔''

میں خفیف ہوا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے اگر کہ ہماری طرف متوجہ تھے۔ ردِعمل میں، میں نے اس کا سر تھپتھپایا۔ ''تم بھی سو جاؤ کل شاید ایک اور سخت دن ہمارا منتظر ہے۔''

وہ چند لمحے اسی طرح لگی رہی پھر الگ ہو کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں ٹیلے کے کنارے بیٹھا رہا اور روبیر کے گزشتہ چوبیس گھنٹے کے طرزِ عمل پر غور کرتا رہا۔ اس کے انداز میں تبدیلی آئی تھی مگر یہ اتنی خفیف تھی کہ اگر میں غیر معمولی حساس نہ ہوتا تو شاید مجھے پتا بھی نہ چلتا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ میرے لیے روبیر کے اندر جذبات میں تبدیلی آئی تھی اور اس کی جسمانی حرکات اسی تبدیلی کے زیرِ اثر تھیں۔ وہ جس طرح بار بار میرے نزدیک آرہی تھی اپنے وجود کے حوالے سے میرے سامنے لاپروا ہو رہی تھی۔ لفظوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھ سے قربت جتا رہی تھی یہ سب اشارہ کر رہے تھے اور مجھے سمجھا رہے تھے۔ بہر حال میرے لیے یہ نئی بات نہیں تھی اس سے پہلے بھی میرے نزدیک آنے والی کئی لڑکیاں میرے طرزِ عمل سے غلط فہمی کا شکار ہوئیں یا پھر انہوں نے اسے اپنا استحقاق سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ میں ان کی پیش قدمی کے آگے ہتھیار ڈال دوں گا۔ جیسا کہ مرد حضرات کا شیوہ ہے۔

مجھے دعویٰ پارسائی کبھی نہیں رہا۔ مگر میں صنفِ نازک میں ایک خاص حد سے زیادہ دلچسپی کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے بھی وجود زن کا آس پاس ہونا اچھا لگتا ہے مگر ساتھ ہی میں ان سے ایسے محتاط رہتا ہوں جیسے گلاب کی خوشبو اور تازگی سے لطف اندوز ہونے والا اس کے کانٹوں سے ہوشیار رہتا ہے۔ جو گلاب توڑتے ہیں انہیں کانٹے بھی برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ اس لیے جن جن خواتین نے پیش قدمی کی بالآخر انہوں نے جان لیا کہ میں اس فطرت کا آدمی نہیں ہوں۔ آدمی ایک عورت سے ہی محبت کرتا ہے۔ ممکن ہے بعض دو تین بار بھی محبت کر لیتے ہوں۔ مشتاق احمد یوسفی نے شادی کے حوالے سے کیا خوب کہا ہے کہ ایک شادی ضرورت، دوسری عیاشی اور اس کے بعد نری بدمعاشی ہوتی ہے۔ محبت کے بارے میں میرا تقریباً یہی خیال ہے۔

ضروری نہیں تھا کہ روبیر کے بارے میں میرا خیال درست ہوتا۔ وہ مجھ سے کسی اور انداز میں متاثر ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود میں نے محتاط رہنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے ٹیلے پر گھاس والا حصہ اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا اور بستر آ گئے تھے تو میں اس پر بستر بچھا کر لیٹ جاتا تھا۔ آج بھی پہرے کے لیے میں ہی جاگ رہا تھا۔ اندازے سے نصف رات کے قریب میں نے ایرٹ اور شاٹ کو اٹھا دیا۔ ان سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی انہوں نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور مستعد ہو گئے۔ میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔ صبح میری آنکھ روبیر کے ہلانے سے کھلی۔ وہ میرے شانے کو سہلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ''اٹھ جائیں ناشتہ تیار ہے۔''

میں نے اس کا ہاتھ نہیں ہٹایا مگر یوں اٹھا کہ اس کا ہاتھ خود ہٹ گیا تھا۔ وہ صرف سہلا نہیں رہی تھی اپنی ہتھیلی کی نرمی اور گرمی میرے شانے میں جذب کر رہی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل اتنے نزدیک ہی بیٹھی تھی کہ میں اس کے وجود سے اٹھتی مہک محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے دیکھا ان پانچوں میں سے وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ سب نیچے جا چکے تھے۔ میں نے ان کا پوچھا۔ ''انہوں نے ناشتہ کر لیا ہے۔''

''ہاں انہوں نے کر لیا ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''آپ بھی کر لیں۔''

پہلے میں نیچے آیا ضروریات سے فارغ ہو کر ندی کے سرد پانی سے خود کو تر و تازہ کیا اور پھر ناشتے کے لیے اوپر آیا۔ ایرٹ اور اس کے ساتھی نیچے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ویسے وہ پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔ جب میں ناشتہ کر رہا تھا تو انہوں نے ٹیلے کے اوپر پانی پہنچایا۔ مچھلیوں کا شکار بھی انہوں نے کر لیا تھا بیل کی خشک ڈوریوں میں پروئی ہوئی کئی مچھلیاں ٹیلے پر کیکٹس سے لٹکی ہوئی تھیں۔ روبیر نے انہیں صاف کرنا شروع کیا اور پھر مجھ سے کہا۔ ''مجھے نہانا ہے۔''

''ٹیلے پر نہا لو خاصا پانی ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے مچل کر کہا۔ ''مجھے ندی میں نہانا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔''

''وہ لوگ بھی نیچے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے صرف آپ پر اعتبار ہے۔ آپ وہاں موجود ہوں گے تو میں نہاؤں گی ورنہ نہیں نہاؤں گی۔'' اس نے منہ پھلا کر کہا اور میری تشویش بڑھ گئی کیونکہ یہ اندازِ محبوبی تھا۔

''تب ایسا کرتا ہوں ان لوگوں کو ٹیلے پر بلا لیتا ہوں۔''

''اور اگر وہاں کوئی جانور آ گیا تو.....؟''

مجبوراً مجھے بھی نیچے آنا پڑا۔ اس نے ندی کی طرف جانے سے پہلے کہا۔ ''آپ جھاڑیوں کے اس طرف رہیے گا کوئی ندی کی طرف نہ آئے۔''

''کوئی نہیں آئے گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

روبیر ندی کی طرف چلی گئی۔ ایرٹ اور اس کے ساتھی رسی اور لکڑی کی سیڑھی کی مدد سے ٹیلے پر تیزی سے چڑھنے اور اترنے کا مقابلہ کر رہے تھے۔ میں انہیں دیکھنے لگا۔ اچانک روبیر کی چیخ سنائی دی۔ چیخ میں خوف تھا مگر میں نے جھاڑیوں کے دوسری طرف جانے سے گریز کیا اور یہیں سے پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''شہباز آپ ادھر آئیں کوئی اور نہ آئے، جلدی۔''

روبیر کی چیخ ان لوگوں نے بھی سن لی تھی اور پھر اس نے دوسروں کو آنے سے منع کرتے ہوئے صرف مجھے بلایا تھا تو یہ بھی انہوں نے سنا اور جو آگے بڑھ رہے تھے وہیں رک گئے۔ میں جھاڑیوں کے دوسری طرف آتا تو روبیر سامنے والے حصے کو کرتے سے ڈھانپے ہوئے ندی کے کنارے پنجوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی مگر اس نے کرتہ پہنا ہوا نہیں تھا صرف سامنے کیا ہوا تھا۔ اس کے بال اور جسم گیلا تھا۔ بہ ظاہر وہ ٹھیک لگ رہی تھی۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''شہباز دیکھیں میری پشت پر کیا چپک گیا ہے مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔''

اس کی پشت لباس سے خالی تھی۔ جیسے ہی میں اس کی پشت پر آیا اس کی شفاف کمر پر چپکی ہوئی سیاہی مائل سبز چیز نظر آ گئی۔ وہ جس طرح چپکی ہوئی تھی۔ مجھے لگا کہ یہ جونک کی کوئی قسم ہے مگر جونک لگے تو تکلیف نہیں ہوتی ہے اور اکثر اوقات آدمی کو پتا بھی نہیں چلتا ہے، کیونکہ جونک چپکتے ہی جلد اور گوشت کو سن کرنے والا زہر انجکٹ کرتی ہے تاکہ جاندار کو پتا نہ چلے اور وہ تادیر اس کا خون پی سکے۔ میں نے ناخن سے اسے جلد سے الگ کرنے کی کوشش کی مگر وہ اتنی مضبوطی سے چپکی ہوئی تھی کہ شاید روبیر کی کھال کے ساتھ ہی الگ ہوتی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''کہیں اور تکلیف تو نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔ ''بس یہیں ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟''

''کوئی کیڑا ہے جو سختی سے تمہاری کھال سے چپک گیا ہے۔ تم ندی سے ذرا آگے آ جاؤ ویسے یہ پانی میں ہی لگا تھا؟''

''ہاں میں نہا رہی تھی کہ کمر میں تکلیف ہوئی میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا اور پھر اسے الگ کرنے کی کوشش کی مگر یہ الگ نہیں ہوئی۔ تب میں ندی سے باہر آئی اور آپ کو پکارا۔''

میں نے دیکھا جونک نما کیڑے کا سائز بڑھ رہا تھا یعنی وہ خون پی کر بڑھ رہی تھی۔ میں نے سوچا اور روبیر کے توسط سے ایرٹ سے کہا۔ ''اوپر چولہے کے انگاروں سے ایک چاقو تیز گرم کر کے لے کر آؤ۔ جلدی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہیے۔''

روبیر کی بات سن کر ایرٹ مستعدی سے اوپر چڑھ گیا۔ روبیر اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور کرتے سے اپنا جسم ڈھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اسے سے کہا۔''میں دوسری طرف جا رہا ہوں تم پاجامہ اور کرتا پہن لو۔''

''اور یہ.....'' اس نے ہراساں انداز میں اپنی کمر سے چپکی جونک کی طرف اشارہ کیا۔

''اسے بھی نکالتا ہوں۔'' میں نے کہا اور دوسری طرف آ گیا۔ دو منٹ بعد ایرٹ اوپر سے چاقو لیے نمودار ہوا اور میں نے اس سے چاقو لیتے ہوئے روبیر سے پوچھا۔''آ جاؤں۔''

''جی۔'' اس نے کہا تو میں ندی کی طرف آیا۔ روبیر نے پاجامہ اور کرتا پہن لیا تھا مگر عقب سے کرتا اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کرتا پکڑنے کو کہا اور دہکتا ہوا سنگی چاقو کیڑے کو لگا دیا۔ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ہی اس نے بل کھا کر روبیر کی کمر کو چھوڑنا شروع کر دیا۔ میں چاقو اس کے جسم میں اتار رہا تھا اور ساتھ ہی کوشش کر رہا تھا کہ روبیر کو چاقو نہ لگے۔ مگر جب جونک اس کا جسم چھوڑ رہی تھی تب بھی اسے تکلیف ہوئی۔ وہ کراہنے لگی۔ ایک منٹ میں کیڑا اس حد تک الگ ہوا کہ میں نے کسی قدر ٹھنڈے ہو جانے والے چاقو سے کام لیتے ہوئے اسے اکھاڑ دیا۔ جہاں سے اسے زبردستی الگ کیا تھا وہاں روبیر کو زخم آیا اور اس نے چیخ ماری تھی۔ زخم سے خون چھلک آیا تھا۔ میں نے پہلے کیڑے کو نیچے گرا کر اسے جوتے سے مسل دیا۔ اس میں بھرا ہوا روبیر کا خون مٹی پر بکھر گیا تھا۔

''ہٹ گیا؟'' روبیر نے پوچھا۔

''ہاں لیکن زخم ہے۔'' میں نے بتایا۔''اوپر چلو اس پر دوا لگاتے ہیں۔''

ربیکا اس بار دواؤں کا ایک تھیلا بھی لایا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ کس قسم کی تکلیف یا بیماری میں کون سی دوا دینی ہوگی۔ یہ دوائیں سامیرا نے بھجوائی تھیں۔ میرے زخم ویسے تو تیزی سے بھر جاتے ہیں مگر پرسوں ہونے والے مقابلے میں لگنے والے زخموں پر میں نے یہ مرہم لگایا تھا اور اس وقت میرے ہاتھ اور پاؤں سے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہاں کوئی زخم بھی لگا ہے۔ اوپر لا کر میں نے روبیر کے زخم پر وہی مرہم لگایا تو اسے تکلیف میں فوراً آرام آ گیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں نے ایرٹ اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اب ندی کی طرف جاتے اور وہاں نہاتے ہوئے محتاط رہیں۔ انہوں نے بھی مرا ہوا کیڑا دیکھا تھا۔ ایرٹ نے مجھ سے کہا۔''یہ بہت خطرناک ہوتا ہے آدمی کو ایک بار چپک جائے تو بہت مشکل سے چھوڑتا ہے۔''

''اسے چھڑانے کی واحد ترکیب یہی ہے کہ اسے گرم چیز لگاؤ۔ اسے تکلیف ہوگی تو یہ آدمی کو چھوڑ دے گا۔''

''اس کے چپکنے سے تکلیف بھی بہت ہوتی ہے کیونکہ یہ کانٹے نما نچے کھال میں اتار دیتا ہے۔''

''بس تو اب محتاط رہنا۔''

''روبیر کو کچھ دوائیاں بھی لینا ہوں گی کیونکہ اس کا زہر طبیعت خراب کرتا ہے۔''

ایرٹ کا کہنا درست ثابت ہوا۔ ہم اوپر آئے تو روبیر بخار جیسی کیفیت میں تھی۔ اسے سانس لینے میں بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دشواری ہو رہی تھی۔ ایرٹ نے دواؤں کے تھیلے میں سے دیکھ کر بتایا کہ اسے کون سی دوائیاں دینی ہیں اور میں نے رویر کو وہ دوائیاں دے دیں۔ وہ نڈھال سی ہو کر لیٹ گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج کی مہم ملتوی کر دوں کیونکہ رویر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور میں اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر ایرٹ اور اس کے ساتھی بیتاب تھے۔ ایرٹ نے کہا۔ ''جناب ہم شام کے قریب چلیں گے اور زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔''

میں نے انکار کیا۔ ''آرگون کی طرف جانے اور آنے میں بہت وقت لگ جاتا ہے اور میں رویر کو اتنی دیر کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''اگر ہم قلعوں کی طرف جائیں اور وہاں آرگون کے باغات کا حصہ لگتا ہے۔ ہم وہاں کارروائی کر سکتے ہیں۔'' ایرٹ کا اصرار جاری رہا۔ ''اس میں آدھا وقت لگے گا۔''

خلاف توقع رویر نے اس کی تائید کی۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اس طرف آنے جانے میں اتنا وقت نہیں لگتا ہے۔ آپ چلے جائیں، مجھے کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ میں آرام کرتی رہوں گی۔''

سامیرا کے قلعوں کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پہلے آرگون کے باغ اور کھیت آتے تھے۔ یہ جگہ یہاں سے مشکل سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھی۔ ان سے بچ کر قلعوں کی طرف جاتے ہوئے ہمیں جنوب کی طرف سے گھوم کر جانا ہوتا تھا۔ میں نے غور کیا اور راضی ہو گیا۔ رویر سے کہا۔ ''تم آرام کرو، ہم جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔''

''میں رہ لوں گی۔'' اس نے یقین سے کہا تو میں نے ایرٹ کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ وہ خوش ہو گیا۔ اس دن دوپہر کا کھانا ہم مردوں نے تیار کیا۔ رویر نے کھانے سے انکار کیا تھا۔ کھا پی کر کچھ آرام کیا اور شام ہوتے میں تیاری کرنے لگا۔ رویر آرام کرتی رہی تھی اور پھر اسے دوا بھی مل گئی تھی اس لیے اس کی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ کچھ دیر میں ہم چھ افراد پوری طرح مسلح اور تیار ہو کر ٹیلے سے نیچے اترے۔ ایرٹ اور اس کے ساتھی جان گئے تھے کہ ان کی کہی بات میں براہِ راست سمجھ لیتا تھا مگر اپنی بات ان تک پہنچانے کے لیے مجھے رویر کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ رویر ساتھ نہیں تھی اس لیے اب مجھے اپنی بات اشاروں سے سمجھانی تھی۔ رویر کی مدد سے میں نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ میں کون سا اشاروں کروں تو اس کا کیا مطلب ہوگا۔ دس بارہ اشارے مخصوص کر لیے تھے اور ان کی مدد سے میں ان سے اپنی بات کہہ سکتا تھا۔ اس کے باوجود مجھے ان سے بات کرنے میں کچھ نہ کچھ دشواری پیش آتی۔ ہم جنگل سے باہر آئے اور جھاڑیوں سے بھرے میدان سے ہوتے ہوئے آرگون کی زمینوں کی طرف جانے لگے۔

○.....❖.....○

اس طرف جاتے ہوئے ہمیں محتاط رہنا تھا کیونکہ یہاں آرگون اور سامیرا کے قلعوں دونوں طرف کی زمینیں آپس میں مل رہی تھیں۔ آرگون والے میرے دشمن تھے مگر سامیرا کے سپاہی بھی اب میرے دشمن تھے۔ سومرو نے مجھے قلعے سے نکالتے ہوئے بتایا تھا کہ اگر میں قلعے کے سپاہیوں کو نظر آیا تو وہ مجھے گرفتار کر لیں گے اور اس بار عدالت سے مجھے سزائے موت سنائی جائے گی۔ ایرٹ اور اس کے ساتھی بھی جانتے تھے اس لیے وہ آگے تھے اور مجھے پیچھے رکھا تھا۔ حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا اگر ان کا سامنا سامیرا کے سپاہیوں سے ہوتا تو ہماری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وردیوں کی وجہ سے وہ ہمیں دشمن ہی سمجھتے اور اگر ہم وضاحت کی کوشش کرتے تو یہ وضاحت الٹا ہمارے گلے پڑ جاتی۔ آدھے گھنٹے بعد ہم باغات کے نزدیک تھے۔ یہاں باغ کم تھے اور کھیت زیادہ تھے جن میں اب گندم نما پودے کی نصل پانچ فٹ سے اوپر جا چکی تھی۔ اب اس میں روپوش ہونا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

مگر ہمارا مقصد آرگون کے سپاہیوں کے خلاف چھاپہ مار کارروائی کرنا تھا۔ سپاہی باغوں میں ہی موجود ہو سکتے تھے۔ کھیتوں میں گھسنے کا کوئی تک نہیں تھا۔ ہمیں باغوں میں آرگون کے سپاہیوں کو تلاش کرنا تھا۔ یہاں گھاس کے میدان نہیں تھے کیونکہ یہاں خطرناک جانوروں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ اس لیے میدان صاف کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی تھی اور یہاں جا بہ جا جھاڑیاں تھیں۔ ان کی آڑ لیتے ہوئے ہم ایک باغ کے نزدیک جانے لگے۔ فی الحال یہاں نہ تو کوئی سپاہی نظر آ رہا تھا اور نہ ہی باغ میں کام کرنے والے۔ یہ چیز مجھے کھٹکی تھی کیونکہ کچھ نہ کچھ لوگ تو ہونے چاہیے تھے۔ جب ہم باغ کے بالکل نزدیک آ گئے تب بھی وہاں زندگی کا احساس مفقود تھا۔ ان لوگوں نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا۔ ایمار نے مجھ سے کہا۔ ''ایسا لگ رہا ہے جیسے یہاں کوئی نہیں ہے۔''

میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کی اور پھر انہیں وہیں رکے رہنے کا اشارہ کر کے میں خود آگے بڑھا۔ درختوں کے درمیان آیا۔ یہاں تمام درخت منظم انداز میں لگائے گئے تھے۔ یعنی قطاروں میں اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قطاریں بالکل سیدھ میں تھیں اس لیے یہ جاننا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ وہاں کوئی ہے یا نہیں۔ اب تک کوئی نظر نہیں آیا تھا اس لیے میں پوری بے فکری سے باغ میں گھوم رہا تھا۔ میرے جسم پر آرگون کی جنگی وردی تھی اگر کوئی مجھے دیکھ لیتا تو اپنا ہی آدمی سمجھتا۔ مگر وہاں دیکھنے کے لیے کوئی نہیں تھا۔ میں نے چند منٹ میں پورا باغ دیکھ لیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس باغ اور اس طرف کھیتوں میں کام کرنے والے افراد آج آئے ہی نہیں تھے اور جب وہ نہیں آئے تھے تو ان کی حفاظت کرنے والے بھی نہیں آئے تھے۔ میں نے پورا باغ گھوم کر دیکھ لیا۔

آرگون سے دور باغات کی پوزیشن کچھ یوں تھی کہ باغ تھا پھر کچھ حصہ کھیت پر مشتمل تھا اور پھر باغ تھا۔ یہ اصل میں چوکور ساخت کے قطعے تھے جو شطرنج کی بساط کے خانوں کی طرح بنے ہوئے تھے۔ اوپر سے دیکھا جاتا تو شاید یہ بساط ہی نظر آتی۔ میں نے پہلے آکر ایرٹ کو خبردار کیا کہ میں آگے جا رہا ہوں۔ وہ اس باغ میں آ گئے جس میں کوئی نہیں تھا۔ پھر میں اگلے باغ کی طرف بڑھا۔ کھیت جس سے میں گزر رہا تھا وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگلا باغ بھی ویران ثابت ہوا۔ میں یہاں سے آگے جانا چاہتا تھا اس لیے میں نے واپس آ کر پھر ان لوگوں کو بتایا اور وہ اس باغ تک آئے۔ میں چاہتا تھا کہ ہم میں اتنا فاصلہ نہ رہے کہ ایک پر کچھ گزر جائے اور دوسرے کو علم نہ ہو۔ وہ دوسرے باغ میں رکے تو میں آگے گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ ہر باغ اور کھیت کا سائز ایک ہیکٹر تھا۔ یعنی سو میٹر زلمبا اور اتنا ہی چوڑا۔ چوتھے باغ میں بھی جب کسی کو نہیں پایا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آج کوئی آرگون سے نہیں نکلا ہے۔ یہ امر ہر طرح سے تشویشناک تھا۔ اول یہ کہ رینات کی فوج عنقریب حرکت میں آنے والی تھی اور اس لیے اب غیر عسکری افراد کو قلعے سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ دوسرے مسلسل تین فوجی دستوں کی گمشدگی نے انہیں چوکنا کر دیا تھا اور وہ اپنی سپاہ کی مزید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گمشدگی نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے لوگوں کو قلعے سے باہر آنے سے روک دیا تھا۔ غور کرنے پر بھی ان میں سے کوئی وجہ حتمی طور پر میرے دل کو نہیں لگی تھی۔ میں واپس آیا اور اشاروں میں اپنے ساتھیوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ ایرٹ نے کہا۔ ''ہم اگر باغوں کے ساتھ ساتھ آرگون کے سامنے والے حصے تک سفر کر کے دیکھیں تو صورتِ حال کا بہتر اندازہ ہو جائے گا۔''

''لیکن سامیرا کے آدمیوں سے سامنا ہو گیا تو؟'' میں نے اشاروں میں پوچھا۔

''ہم ان کی حد سے دور رہیں گے۔''

میں نے سوچا اور ایرٹ کی تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم آگے روانہ ہوئے۔ ابھی ہمیں ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ ہم دو سے ڈھائی گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔ اس وقت تک تاریکی بھی چھانے لگے گی یا چھا چکی ہو گی۔ بہرحال ہمیں بہت زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ہم آرگون کی زمین کے ساتھ ساتھ جھاڑیوں میں چل رہے تھے۔ تقریباً پون گھنٹے بعد ہم سامیرا کے قلعوں کی حدود کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں ان کے کھیت اور باغات تھے اور ان میں کام کرتے افراد دور سے نظر آ رہے تھے۔ دوسری طرف آرگون کے کھیتوں اور باغات میں اب تک ایک متنفس بھی نظر نہیں آیا تھا۔ صورتِ حال بہت واضح اور سنگین تھی۔ رینالٹ نے سب کو قلعہ بند کر لیا تھا اور اس کی طرف سے بہت جلد جنگی کارروائی ہوتی نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف مجھے سامیرا کے لوگ معمول کے مطابق کام کرتے نظر آئے تھے حالانکہ انہیں صورتِ حال کا اندازہ کر کے اس کے مطابق ردِعمل دینا چاہیے تھا۔

ربیک کے آنے کا پتا نہیں تھا مگر میں نے فیصلہ کیا کہ ایرٹ کو فوری قلعے کی طرف روانہ کروں گا مگر اس سے پہلے اسے بریف کرنا لازمی تھا اور بریفنگ کے لیے روبیر کا ہونا لازمی تھا۔ اگر وہ ساتھ ہوتی تو میں یہیں سے ایرٹ کو سامیرا کے لیے پیغام دے کر روانہ کر دیتا۔ مگر اتفاق اور قسمت کی خرابی کہ اسے بھی آج ہی جونک لگنا تھی۔ اتنے دن سے اتنے لوگ ندی میں نہا رہے تھے اور کسی کو جونک نہیں لگی۔ وہ بھی روبیر کو لگی تھی۔ میں نے واپسی کا اشارہ کیا اور ہم واپس چل پڑے۔ آرگون کے قلعے کے سامنے تک آنے کے چکر میں ہم خاصے آگے نکل آئے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ واپسی میں ہمیں رات ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔ ابھی ہم جنگل سے دور تھے کہ تاریکی چھانے لگی۔ ہم نے مشعلیں جلا لیں اور جانوروں سے بچاؤ کے لیے دو شاخے ہمارے پاس تھے مگر ابھی انہیں آگ دکھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ جب ضرورت پڑتی تو ایک لمحے میں انہیں جلا سکتے تھے۔

جنگل میں داخل ہونے سے پہلے تاریکی مکمل ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے ٹیلے کے اوپر کی غیر معمولی روشنی ہمیں دور سے نظر آ گئی۔ میں چونکا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ٹیلے کے اوپر کسی نے بڑا سا الاؤ جلایا ہوا ہے اور یہ معمول کی بات نہیں تھی۔ کیا کوئی خطرہ تھا اور روبیر اس طرح سے آگ جلا کر ہمیں اس سے خبردار کر رہی تھی۔ یا وہاں کوئی حادثہ پیش آ چکا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنی مشعل بجھا دی اور دوسروں نے بھی یہی کیا۔ میں نے اشاروں سے انہیں پھیل کر اور چھپ کر آگے بڑھنے کو کہا اور ہم ایک دوسرے سے فاصلہ رکھتے ہوئے ٹیلے کی طرف بڑھنے لگے۔ آگے آتے ہوئے میرا دل اس خدشے سے دھڑک رہا تھا کہ کوئی حادثہ پیش آ چکا تھا۔ دراصل میری چھٹی حس اشارہ کر رہی تھی۔ ٹیلے کے نزدیک آتے ہی صورتِ حال واضح ہو گئی۔ آگ اوپر کیبن میں لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

○.....❖.....○

میرے ساتھ ایرٹ تھا میں نے اسے اشارے سے نیچے رکنے کو کہا اور خود لکڑی کی سیڑھی سے اوپر چڑھا۔ میں محتاط تھا اس کے باوجود سیڑھی کے چرچرانے سے آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ ایرٹ اور اس کے ساتھیوں نے تیر کمان سنبھال لیے تھے اور پوری طرح تیار تھے۔ میں اوپر آیا۔ آگ کیبن میں ہی لگی تھی۔ کسی کو نہ پا کر تیزی سے آگے بڑھا۔ روبیر کو آواز دی اور اس کی طرف سے جواب نہیں آیا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے میں نے پورا ٹیلہ دیکھ لیا تھا۔ وہاں تباہی اور بربادی پھیلی ہوئی تھی جو صرف انسانی ہاتھوں کی مرہونِ منت تھی۔ تمام چیزیں توڑ پھوڑ کر برباد کر دی گئی تھیں۔ کیبن کو آگ لگا دی تھی اور روبیر غائب تھا۔ اس ٹیلے پر وہ صرف ایک جگہ ہو سکتی تھی یعنی جلتے کیبن کے اندر۔ مگر اس صورت میں وہاں گوشت جلنے کی بدبو ہوتی جب کہ وہاں ایسی کوئی بو نہیں تھی۔

جلتے کیبن کی روشنی اتنی تیز تھی کہ مشعل کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں وہاں کا جائزہ لیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر یہ آرگون والوں کی کارروائی تھی تو ان کے دستے کی آس پاس موجودگی عین ممکن تھی۔ اس بات کا ننانوے فیصد امکان تھا کہ ٹیلے پر حملہ آرگون کی سپاہ نے کیا تھا۔ انہوں نے کسی طرح اس جگہ کا پتا چلا لیا اور جب ہم یہاں نہیں تھے تب وہ یہاں آئے اور ہماری پناہ گاہ کو تہس نہس کر دیا۔ مگر خطرہ اب بھی موجود تھا۔ میں تیزی سے کنارے تک آیا اور اشارے سے ایرٹ اور دوسروں کو اوپر بلا لیا۔ وہ ایک ایک کر کے اوپر آئے اور جلتے کیبن اور برباد سامان کو دیکھنے لگے۔ پہلے ان کے چہرے اتر گئے اور پھر وہ غضب ناک نظر آنے لگے۔ میں نے اشارے سے کہا۔ ''یہ آرگون والوں کی کارروائی ہے اور ہم خطرے میں ہیں۔''

ایرٹ نے پوچھا۔ ''روبیر کہاں ہے؟''

میں نے گہری سانس لی اور پھر ہاتھوں کی زبان استعمال کی۔ ''میرا خیال ہے وہ اسے لے گئے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہے تب بھی اس کی زندگی کی زیادہ امید نہیں کی جا سکتی ہے۔ میں دیکھ چکا ہوں آرگون والے عورت کے معاملے میں اور زیادہ سفاک ہیں۔''

ایرٹ کیبن کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اسے آگ لگے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔''

میں نے بھی کیبن کو دیکھا اور تسلیم کیا۔ شاید آدھا گھنٹہ پہلے اسے آگ لگائی گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ روبیر کو لے جانے والے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ میں نے اشارے سے یہ بات واضح کی تو ایرٹ پُرجوش لہجے میں بولا۔ ''ہم ان کے پیچھے جا سکتے ہیں۔ روبیر قیدی ہے اس کی وجہ سے وہ زیادہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکیں گے اور اگر ہم تیزی سے چلیں تو انہیں راستے میں روک سکتے ہیں۔''

مجھے افسوس ہوا کہ یہ خیال میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا۔ مگر میں نے افسوس میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا اور ہم فوری روانہ ہو گئے۔ میں نے ذہن میں وہ مختصر ترین راستہ سوچا جو یہاں سے آرگون کی طرف جاتا تھا اور ہم اسی پر دوڑنے لگے۔ روشنی کے لیے ایک مشعل جلا لی تھی تاکہ ہمیں راستہ دکھائی دیتا رہے اور آگے روبیر کو لے جانے والا دشمن زیادہ روشنی دیکھ کر ہوشیار نہ ہو۔ ہم درمیانی سے ذرا زیادہ رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارا انداز طویل میراتھن میں حصہ لینے والے ایتھلیٹ کا سا تھا۔ جو کسی قدر کم رفتار مگر مستقل مزاجی سے بھاگتا ہے۔ ایرٹ کی بات درست تھی روبیر کو قیدی بنا کر لے جانے کی صورت میں وہ زیادہ تیزی سے سفر نہیں کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے تھے۔ چاہے وہ اسے پیدل لے جا رہے ہوں یا کسی نے اسے اٹھا رکھا ہو۔ دونوں صورتوں میں ان کی رفتار پیدل چلنے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

جب میں نے تباہ شدہ ٹیلہ دیکھا تو مجھے شاک لگا تھا اور مجھے روبیر کی زندگی سے مایوسی ہوئی تھی۔ عورتوں کے ساتھ آرگون کے سپاہیوں کا رویہ میں دیکھ چکا تھا اور روبیر بہت حسین اور نوجوان لڑکی تھی۔ اس کی زندگی کے ساتھ آبرو بھی خطرے میں تھی۔ اگر وہ فی الحال بچی ہوئی تھی تو یہ بچت زیادہ دیر کے لیے نہیں تھی۔ جنگل میں سپاہی رکنے کا خطرہ مول لے نہیں سکتے تھے اور شاید وہ واپس اپنے باغات تک پہنچنا چاہ رہے ہوں جہاں وہ کسی قدر محفوظ تھے اور پھر وہ روبیر کے ساتھ اپنی من مانی کر سکتے تھے۔ مگر انہیں اپنے باغات تک پہنچنے میں کم سے کم ایک گھنٹہ لگتا۔ وہ یقیناً اس طرف نہیں گئے تھے جس طرف سے ہم آئے تھے۔ بلکہ انہوں نے اس طرف کا رخ کیا ہوگا جہاں ہم نے جال بچھا کر آرگون کے نو سپاہیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ ایک گھنٹے کا یہ فاصلہ ہم نے تیز رفتاری سے آدھے گھنٹے میں طے کر لیا مگر جب گھاس والے میدان میں نکلے تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ ایمار نے یہی بات مایوسی سے کی۔

''یہاں تو کوئی نہیں ہے۔''

''وہ باغ میں ہوں گے۔'' میں نے اشارے سے کہا اور مشعل بجھا دی۔ ہم اب تاروں کی چھاؤں میں آگے بڑھنے لگے۔ روشنی کم ہونے کی وجہ سے رفتار بھی کم تھی۔ سچی بات ہے کہ میں باغات کے نزدیک آنے تک پُرامید رہا تھا کہ ہم روبیر کو لے جانے والوں کو جا لیں گے مگر جب مجھے یہاں تک ان کا نشان نہیں ملا تو میں اندر سے مایوس ہونے لگا کہ شاید ہم غلط سمت میں سفر کرتے رہے تھے اور روبیر کو لے جانے والے اسے کسی اور راستے سے لے گئے تھے۔ سمت میں ذرا سی تبدیلی سے بہت زیادہ فرق پڑ سکتا تھا۔ کیونکہ باغات اور کھیتوں کا یہ سلسلہ مشرق سے مغرب کی طرف آتے ہوئے شمال کی طرف گھوم رہا تھا اور اس کی لمبائی دس میل سے بھی زیادہ تھی۔ وہ کسی بھی جگہ سے اندر جا سکتے تھے اور ایک بار وہ باغات کے اندر چلے جاتے تو ان سب جگہوں کو دیکھنے کے لیے ہم چھ افراد کیا ہزاروں کی فوج بھی ناکافی ثابت ہوتی۔

باغ کے پاس پہنچ کر میں نے سب کو دس دس گز کے فاصلے سے پھیل کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اس طرح ہم تقریباً پورا باغ کور کر سکتے تھے۔ میں درمیان میں تھا اور ہم آگے بڑھنے لگے۔ خلاف توقع یہ باغ چوکور کے بجائے مستطیل ثابت ہوا اور اس کی لمبائی خاصی زیادہ تھی۔ ہم وسط تک پہنچے ہوں گے کہ کسی کا بدمست قہقہہ سنائی دیا۔ اس قہقہے نے میرے اندر دم توڑتی امید کو پھر سے زندہ کر دیا تھا۔ قہقہہ کچھ دور درختوں کی طرف سے آیا تھا۔ اب میں نے غور کیا تو درختوں کے اوپری سروں پر روشنی بھی جھلک رہی تھی۔ وہاں آگ روشن تھی۔ کیونکہ درخت نیچے سے اتنے پھیلے ہوئے تھے کہ ان کی شاخیں زمین سے جا لگی تھیں۔ اس لیے ان کے نیچے سے روشنی نہیں جھلک رہی تھی۔ امیرٹ اور دوسروں نے بھی قہقہہ سن لیا تھا اور اب وہ بھی سمٹ کر اسی طرف آ رہے تھے۔ ہم سب ہی ہوشیار اور دبے قدموں آگے جا رہے تھے تاکہ ان لوگوں کو خبر نہ ہو۔ کسی بھی ناگہانی صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہم نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔

اب اس طرف سے کئی افراد کے بولنے کی آواز آ رہی تھی اور وہ جو باتیں کر رہے تھے انہیں ایک انسان کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذہنی گندہی قرار دیا جا سکتا تھا جو وہ منہ کے راستے خارج کر رہے تھے۔ وہ کسی عورت کے بارے میں آپس میں محو گفتگو تھے۔ آگے بڑھتے ہوئے ہم سب اتنے نزدیک تھے کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور سب نے تیر کمان سنبھال لیے تھے۔ دبے قدموں ہم ان کے بالکل نزدیک جا پہنچے اور شاخوں کی اوٹ سے دیکھا کہ ایک کھلی جگہ گھاس پر سات سپاہی موجود تھے۔ ان کے درمیان میں الاؤ جل رہا تھا اور وہ جو چیز پکا رہے تھے اسے ام الخبائث کہتے ہیں کیونکہ اس کا فتور ان کے لہجوں سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ ان سے کچھ فاصلے پر روبیر بندھی حالت میں زمین پر کروٹ کے بل پڑی ہوئی تھی۔ اس کا لباس دست درازی کی وجہ سے بے ترتیب ہوا تھا مگر اس کے جسم پر سلامت تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیا کہ اس کی جان اور آبرو محفوظ تھی۔ میں نے پلٹ کر ایرٹ کو اشارے سے بلایا اور ایک سپاہی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سمجھ گیا اور اپنی پوزیشن پر چلا گیا۔ اسی طرح میں نے ہر ساتھی کو بلا کر اس کا شکار واضح کیا تاکہ ہم سب الگ الگ کو نشانہ بنائیں۔ میں نے ان میں سے سب سے گرانڈیل شخص کو منتخب کیا تھا جو حلیے اور انداز سے ان سب کا سردار لگ رہا تھا۔ میں نے اس کی گردن کا نشانہ لیا اور تیر چلا دیا۔ مگر نشانہ کسی قدر خطا گیا اور تیر اس کی گردن کے وسط میں اترنے کے بجائے سائیڈ پر آر پار ہو گیا اور وہ خرخراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ باقی پانچ افراد کے چونکنے سے پہلے ہی تیر ان کے جسموں میں اتر گئے تھے اور وہاں صرف ایک شخص بچا تھا جو صحیح سلامت تھا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور کسی چھلاوے کی طرح الاؤ کو پھلانگتے ہوئے روبیر کے دوسری طرف جا گرا۔ اسی وجہ سے وہ بچ بھی گیا کیونکہ روبیر کی وجہ سے سب نے ہی ہاتھ روک لیے تھے۔ پھر سب ہی ان کو مزید نشانہ بنا رہے تھے جن کو پہلے تیر مار چکے تھے تاکہ وہ مزاحمت کے قابل نہیں رہیں۔ وہ زخم کھا کر چیخم دھاڑ مچا رہے تھے اور آنے والے تیروں سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہاں کہیں جائے پناہ نہیں تھی۔

میں نے بھی گرانڈیل کو دوسری بار نشانہ بنایا اور اس بار تیر اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر اتر گیا اور وہ کھڑا ہوا ڈگمگا رہا تھا تیر کھاتے ہی اوندھے منہ الاؤ پر گرا اور اس نے نصف سے زیادہ الاؤ بجھا دیا۔ روشنی یک دم ہی بہت کم ہوئی تھی اور روبیر کو پھلانگنے والا اس کا بھی فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے غائب ہو گیا۔ میں نے اشارے سے ایرٹ اور دوسروں کو اس کے پیچھے جانے کو کہا مگر وہ پہلے ہی حرکت میں آ گئے تھے۔ ایرٹ، شاٹ اور رائٹون اس کے پیچھے گئے۔ ایمار اور مارٹ میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے گرانڈیل کی لاش الاؤ سے دور کی جو کسی قدر جل چکی تھی اور اس سے بدبو اور دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں باقیوں کو دیکھ رہا تھا ان میں سے تین مر چکے تھے اور دو قریب المرگ تھے۔ مارٹ نے انہیں سنگی چاقو سے مارنا چاہا مگر میں نے روک دیا اور روبیر کی طرف بڑھا۔ اس سارے ہنگامے میں وہ پہلے کی طرح ساکت پڑی رہی تھی۔ وہ یقیناً بے ہوش تھی۔ میں نے اسے سیدھا کیا اور چونک گیا۔ وہ روبیر نہیں تھی۔

''یہ روبیر نہیں ہے۔'' ایمار نے مضطرب لہجے میں کہا۔

یہ بھی جوان لڑکی تھی اور خاصی دلکش تھی جسامت تقریباً روبیر جیسی تھی اس لیے ہم اسے روبیر ہی سمجھے تھے اس نے لباس بھی ویسا ہی سفید پہن رکھا تھا اور اس سے پہلے کسی نے توجہ نہیں دی کہ اس کا پاجامہ بھی سفید تھا جب کہ روبیر نے سرخ پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ چند لمحے پہلے روبیر کو پا لینے اور ٹیلے کی تباہی کے ذمے داروں کو سزا دینے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی جو خوشی تھی وہ روبیر کو نہ پا کر ماند پڑ گئی۔ شاید یہ وہ لوگ نہیں تھے جنہوں نے ٹیلے پر حملہ کیا تھا۔ لڑکی بے ہوش تھی اور اس کی سانس بھی مدہم تھی۔ میں کچھ دیر کے لیے ساکت رہ گیا۔ روبیر کہاں تھی؟ میں ایک نئے خیال کے ساتھ واپس دم توڑتے سپاہیوں کے پاس آیا اور اشارے سے ایمار سے کہا۔ ''ان سے روبیر کا پوچھو۔''

ایمار نے ان سے روبیر کا پوچھا مگر وہ سسکتے رہے اور کوئی جواب دینے سے گریز کیا۔ اس پر ایمار نے ایک کے پیٹ میں اترا ہوا تیر پکڑ کر ہلایا تو وہ چلا اٹھا تھا۔ ایمار نے اپنا سوال دھرایا تو وہ ٹوٹے الفاظ میں بولا۔ ''میں..... روبیر..... کو نہیں..... جانتا۔''

''وہ جسے جنگل والے ٹیلے سے لایا گیا ہے ایسی ہی لڑکی ہے۔'' ایمار نے بے ہوش لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ اسے..... آرگون..... لے..... گئے۔'' اس نے بمشکل کہا۔

''کون؟'' ایمار نے اسے جھنجھوڑا مگر وہ جواب دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے جھرجھری لی اور دم توڑ دیا۔ دوسرا ویسے ہی ہوش سے بیگانہ تھا۔ ایک منٹ سے پہلے اس نے بھی دم توڑ دیا۔ بہرحال سپاہی کے جواب نے واضح کر دیا تھا کہ یہی دستہ ٹیلے پر حملے اور روبیر کے اغوا میں ملوث تھا۔ یقیناً وہ زیادہ تھے۔ کچھ یہاں اس لڑکی کے ساتھ رک گئے اور باقی روبیر کو لے کر آرگون چلے گئے تھے۔ یہ تو واضح تھا کہ لڑکی آرگون کی تھی اور شاید اسے پہلے ہی سپاہی عیاشی کے لیے اغوا کر کے لے آئے تھے۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ جب ایک مہم پر جا رہے ہیں تو واپسی میں موج میلہ کر لیں گے۔ ویسے تو ان کو باہر نکلنے سے منع کر دیا گیا ہوگا اور شہر میں اس قسم کے کام ذرا دشوار ہو جاتے۔ اگرچہ وہاں بھی انہیں روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ رینالٹ نے اپنی فوج کو کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ اسی اثنا میں ایرٹ اور دوسرے آ گئے۔ ایرٹ نے معذرت بھرے انداز میں کہا۔

''وہ نکل گیا۔ ہم اس کا پیچھا نہیں کر سکے۔''

میں سمجھ رہا تھا اس میں ان لوگوں کا قصور نہیں تھا۔ ان باغات میں کسی کا پیچھا کرنا یا اسے تلاش کرنا وہ بھی تاریکی میں بہت مشکل کام تھا۔ میں نے سپاہیوں کے ہتھیاروں اور دوسرے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ ''انہیں سمیٹو۔''

ایرٹ کو چھوڑ کر باقی سب اس کام میں لگ گئے تھے۔ ایرٹ نے لڑکی کا پوچھا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے؟''

''ساتھ لے جانا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ لڑکی کو اٹھانے کی ذمے داری ایرٹ کو سونپ دی اور اس نے خوشی خوشی یہ خوشگوار بوجھ اٹھا لیا۔ مرتے سپاہی کے آخری جواب سے واضح تھا کہ دوسرے سپاہی جو شاید ٹیلے پر ہونے والے حملے میں شامل تھے وہی روبیر کو آرگون لے گئے تھے۔ مگر یہ لڑکی کہاں سے آئی اس کا جواب یہ خود دے سکتی تھی۔ بہ ظاہر اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کا لباس سلامت اور جسم صاف ستھرا تھا۔ نہ جانے وہ کسی ضرب کی وجہ سے بے ہوش تھی۔ اسے کوئی دوا دی گئی تھی یا وہ ایسے ہی ہوش کھو بیٹھی تھی۔ کچھ دیر بعد ہم باغ سے نکل آئے وہیں سے مشعلیں جلالی تھیں۔ بچنے والا آرگون یا کسی اور نزدیکی دستے کی طرف گیا ہوگا اور اسے مدد لے کر آنے میں یقیناً کچھ دیر لگتی۔ اتنی دیر میں ہم یہاں سے خاصی دور نکل سکتے تھے۔

مگر واپسی میں ہماری رفتار پیدل سے زیادہ نہیں تھی اور اگر ہمارے تعاقب کرنے والے اس رفتار سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتے جس رفتار سے ہم ان باغات تک آئے تھے تو وہ بھی ہمیں راستے میں پکڑ سکتے تھے۔ جنگل میں داخل ہونے کے بعد ہم کچھ دیر رکے اور عقب کا جائزہ لیا۔ اگر کوئی تعاقب میں آ رہا تھا تو وہ ہمیں نظر آتا مگر کوئی نظر میں نہیں آیا تو ہم آگے روانہ ہو گئے۔ خوش قسمتی سے آتے ہوئے ہمیں کسی جانور سے واسطہ نہیں پڑا تھا اسی طرح واپس جاتے ہوئے بھی کوئی خطرناک جانور نہیں ٹکرایا۔ چند ایک چھوٹے موٹے جانور ملے جنہوں نے خود ہمیں دیکھتے ہی فرار کی راہ اختیار کی۔ ایک گھنٹے بعد ہم ٹیلے کے پاس تھے۔ اس پوری وادی میں آرگون اور سامیرا کے قلعوں کے بعد ایک یہی جگہ تھی جہاں ہم جانوروں کے خطرے سے بے فکر ہو کر رہ سکتے تھے۔

اگرچہ یہ جگہ آرگون کی فوج کی نظر میں آ چکی تھی اور وہ اسے تباہ بھی کر چکے تھے۔ مگر فی الوقت یہاں قیام ہماری مجبوری تھی۔ صبح ہم کہیں اور جا سکتے تھے۔ جب ہم ٹیلے کے اوپر آئے تو کیبن خاکستر ہو گیا تھا اور اب اس کے ملبے میں انگارے سلگ رہے تھے۔ صبح تک یہ بھی بجھ جاتے۔ انسان کچھ دن جس گھر اور جگہ قیام کرتا ہے اسے خود بہ خود اس گھر اور جگہ سے انسیت ہو جاتی ہے اور وہ تباہ ہو جائے تو انسان دکھ محسوس کرتا ہے جیسا کہ میں کر رہا تھا۔ آگ نے کیبن کے آس پاس موجود جھاڑیوں اور پودوں کو بھی جلا ڈالا تھا۔ مگر جو پودے دور تھے وہ محفوظ رہے تھے۔ لان کی گھاس بھی بچ گئی تھی۔ البتہ گرمی نے اسے مرجھا دیا تھا۔ تباہ ہونے والی چیزوں میں ہمارا پانی اور اسے ذخیرہ کرنے والی چیزیں بھی شامل تھیں۔ مگر ہمیں آرگون کے سپاہیوں کے پاس سے بہترین قسم کی چھاگلیں اور مشکیں ملی تھیں۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کا سامان بھی وافر مقدار میں تھا۔

اس لیے اس حد تک نقصان کا ازالہ ہو گیا تھا مگر روبیر ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور یہ جگہ دشمن کی نظروں میں آ گئی تھی۔ یہ نقصان ناقابلِ تلافی تھے۔ کیبن کی آگ نے پورے ٹیلے کو گرما دیا تھا اور اس گرمائش سے سب پسینے پسینے ہو رہے تھے۔ مگر مجبوری تھی کوئی اس وقت نیچے نہیں جا سکتا تھا۔ گرمی کی وجہ سے سب بار بار پانی پی رہے تھے اور آتے ہی وہ لوگ کھانے کی چیزوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ سامان میں خشک کیا ہوا گوشت بھی تھا اور وہ اسے کیبن کے انگاروں پر بھون کر کھانے لگے۔ ایرٹ نے مجھے بھی پیشکش کی تھی مگر میں نے انکار کرتے ہوئے پھل اور پھلوں کو ترجیح دی تھی۔ ظاہر ہے یہ گوشت میرے لیے حلال نہیں تھا۔ کھا پی کر سب کی جان میں جان آئی کیونکہ اس طویل مراقبہ نے سب کے پیٹ اور حوصلے کے ٹینک خالی کر دیئے تھے۔ اس لیے کھا پی کر وہ سستانے لگے تھے۔

○.....❖.....○

لڑکی بدستور بے ہوش تھی۔ میں نے اس کی نبض دیکھی تھی جو سست تھی۔ مگر اس کی جان کو بہ ظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے اسے گھاس پر ڈلوایا تھا جو ٹیلے پر واحد ٹھنڈی جگہ تھی۔ کھا پی کر میں اس کے پاس آیا۔ ایرٹ نے ایک مشعل جلائی تھی جس کی روشنی کافی تھی۔ پہلے میں نے غور نہیں کیا تھا مگر اب دیکھا تو مجھے دل میں تسلیم کرنا پڑا کہ وہ روبیر سے زیادہ نہیں تو کم حسین بھی نہیں تھی۔ درحقیقت اس وادی میں حسن کا معیار عام تھا اور بیشتر خواتین و حضرات اس معیار پر پورا اترتے تھے۔ یہ لڑکی بھی بے پناہ حسن کی مالک تھی اور اس کی عمر بہ ظاہر انیس بیس سے زیادہ نہیں تھی۔ ڈھیلے لباس میں بھی اس کا جسمانی حسن نمایاں تھا۔ میں نے اس کے منہ میں تھوڑا پانی ڈالا جو اس نے پی لیا۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے اسی طرح خاصا پانی اس کے منہ میں ڈال دیا۔ آخر میں اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منہ پر چھینٹے مارے تو وہ ہوش میں آنے لگی اور فوراً ہی اس نے رونے کے انداز میں کراہنا اور کہنا شروع کر دیا۔

''مجھے چھوڑ دو..... میرے بابا کو مت مارو..... میرے بابا کو مت مارو۔''

ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خواب میں دیکھ اور رو رہی ہے۔ میں نے نرمی سے اسے ہلایا اور پھر مستقل ہلاتا رہا حتیٰ کہ وہ چونک کر بیدار ہو گئی۔ مگر اس کے منہ سے سسکیاں بدستور نکل رہی تھیں۔ جب اس کے حواس بحال ہوئے تو مجھے آرگون کی فوجی وردی میں پاس پا کر اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگی تھیں۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ میں نے کچھ کہنے کے بجائے پیچھے ہٹنا زیادہ مناسب سمجھا اور اشارے سے ایرٹ سے کہا۔ ''اسے سمجھاؤ..... ہمارا تعلق آرگون سے نہیں ہے۔''

ایرٹ اور اس کے ساتھی ذرا فاصلے پر تھے۔ ایرٹ نے نرمی سے کہا۔ ''ڈرو مت ہمارا تعلق آرگون سے نہیں ہے۔ ہم سامیرا کے لوگ ہیں۔''

مگر لڑکی کی آنکھوں میں شک تھا کیونکہ ہم آرگون کی فوجی وردی میں تھے۔ اس نے یقین سے کہا۔ ''تم جھوٹ کہہ رہے ہو تم لوگ آرگون کے درندہ صفت سپاہی ہو۔ تم لوگوں نے میرے بابا کو مارا ہے اور اب مجھے بھی مار دو گے۔''

''غور سے دیکھو ہم وہ لوگ نہیں ہیں۔'' ایرٹ نے اپنے اور ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ لوگ اور تھے جنہوں نے تمہیں باندھ کر رکھا ہوا تھا۔ ہم نے انہیں مار دیا ہے اور تمہیں ان کی قید سے آزاد کرا لائے ہیں۔ تم اس وقت بے ہوش تھیں۔''

''تم لوگ دوسرے ہو مجھے تمہارے حوالے کر دیا ہے۔'' لڑکی ماننے کو تیار نہیں تھی اور پوری جرأت سے بات کر رہی تھی۔ مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ وہ حوصلے والی تھی۔ اس کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو اتنے مردوں کے درمیان ڈر کے مارے اس کی آواز ہی نہ نکلتی۔ میں نے ایرٹ کو اشارے سے اس سے روبیر کے بارے میں پوچھنے کو کہا۔ ایرٹ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں کسی روبیر نامی لڑکی کو نہیں جانتی اور نہ ہی میں نے اسے دیکھا ہے۔''

''تب تم کہاں سے ان کے ہاتھ لگیں۔''

وہ ایرٹ کو گھور رہی تھی۔ ''تم لوگ مجھے شہر کے قید خانے سے لائے ہو اور مجھ سے ہی پوچھ رہے ہو۔''

ایرٹ نے عقل مندی سے کہا۔ ''تم ہمارے قبضے میں ہو اور ہمیں تم سے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم چاہیں تو تمہیں قتل کر دیں یا تمہارے ساتھ جو چاہیں کریں کیا تم ہمیں روک سکتی ہو؟''

وہ سہم گئی۔ ''نہیں۔''

''تب ہماری بات تسلیم کرو۔'' ایرٹ نے کہا۔ ''اپنے آس پاس دیکھو ہم آرگون سے بہت دور جنگل میں ہیں۔''

لڑکی کے حواس بجا ہوئے تھے تو خود اس نے بھی محسوس کیا تھا کہ ہماری نظروں اور انداز میں اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ کسی قدر مطمئن ہو گئی اور اٹھ بیٹھی۔ اس نے کہا۔ ''مجھے پیاس لگی ہے۔''

میں نے چھاگل اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے ایک لمبا گھونٹ لیا اور چھاگل مجھے واپس کر دی۔ ایرٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اسے گوشت کا ایک ٹکڑا دیا جو اس نے بے صبری سے کھایا۔ البتہ دوسرا ٹکڑا اس نے رک کر اور آرام سے چبا کر کھایا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کئی وقت کی بھوکی تھی۔ ایرٹ نے سوالات جاری رکھے۔ ''کیا ان لوگوں نے تمہیں اغوا کیا ہے۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں پہلے سے ان کی قید میں تھی۔ مجھے یہ قید خانے سے نکال کر لائے تھے۔''

''تمہیں کیوں قید کیا گیا اور تم اپنے بابا کے بارے میں کہہ رہی تھیں کہ اسے مت مارو، کیا تمہارے بابا کو مار دیا گیا ہے؟''

اس کا ہاتھ رک گیا اور آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ان لوگوں نے بابا کو مار دیا۔''

''کیوں؟''

''ان پر الزام تھا کہ انہوں نے سامیرا کی مدد کی ہے اور ایک آدمی کو قید سے فرار کرا دیا جسے سزائے موت ہو چکی تھی۔''

میں مضطرب ہو گیا اور اشارے سے ایرٹ سے کہا۔ ''اس کے باپ کا نام پوچھو۔''

ایرٹ نے پوچھا تو اس نے کہا۔ ''میرے بابا کا نام کیرٹ ہے وہ مہا پجاری کے نائب تھے۔''

باقی سب حیران تھے لیکن میں ششدر رہ گیا۔ وہ کیرٹ کی بیٹی ساشا تھی۔ جب کیرٹ نے اس کا ذکر کیا تو میں سمجھا کہ وہ کوئی نوعمر زیادہ سے زیادہ گیارہ بارہ سال کی لڑکی ہو گی۔ مگر یہ میں نے نہیں سوچا تھا کہ خود جوان نظر آنے والے کیرٹ کی مکمل نوجوان لڑکی ہو گی۔ میں نے بے ساختہ کہا۔ ''ساشا۔''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''تم میرا نام جانتے ہو؟''

میں نے سر ہلایا اور ایرٹ کے توسط سے اسے جواب دیا۔ ''میں ہی وہ شخص ہوں جسے فرار کرانے کی پاداش میں تمہارے باپ کو سزائے موت ہوئی تھی۔''

یہ سنتے ہی اس کی آنکھیں سپاٹ ہو گئیں اور اس نے کہا۔ ''تو میرے باپ کے اصل قاتل تم ہی ہو؟''

ایرٹ کی مدد سے اس سے گفتگو کرنا اور خاص طور سے بحث کرنا آسان نہیں تھا اس لیے میں نے یہ کام ایرٹ پر چھوڑ دیا اور خود اٹھ کر ٹیلے کے کنارے تک آیا۔ کیبن کے بجھتے انگاروں سے اب تک تپش اٹھ رہی تھی۔ ایرٹ اس سے کہہ رہا تھا۔ ''تم غلط مت سمجھو، تمہارے باپ نے ایک اچھے مقصد کے لیے جان دی۔ کیا تم اپنے باپ کو غلط سمجھ رہی ہو۔''

ساشا کا چہرہ متغیر ہوا۔ ''نہیں لیکن میرے باپ کو اس شخص کی وجہ سے موت کا سامنا کرنا پڑا۔''

''اب تم احمقانہ بات کر رہی ہو۔'' ایرٹ کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''کیا اس نے تمہارے باپ سے درخواست کی تھی کہ اس کی مدد کرے۔ تمہارے باپ نے اس کی مدد کی اور وہ اپنے مقصد کے لیے کی، اس وادی میں بسنے والے لوگوں کے لیے کی، جن سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ باہر سے آیا ہے۔''

ساشا نے سر جھکا لیا تھا۔ میں ان کی گفتگو سن رہا تھا اور مجھے لگا کہ یہ لڑکی اپنے خیالات میں پختہ تھی اور اتنی آسانی سے خیال بدلنے والوں میں سے نہیں تھی۔ مجھے اس کے خیالات کی تبدیلی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں تو چاہتا تھا کہ وہ آرگون کے بارے میں معلومات فراہم کرے اور ہو سکے تو ہماری رہنمائی کرے۔ میں واپس آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ایرٹ سے اشاروں میں تبادلہ خیال کیا کہ وہ اس سے اس سلسلے میں بات کرے۔ ایرٹ کسی حد تک میری بات سمجھ گیا اور اس نے ساشا سے آرگون کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ مگر اس انداز میں کہ ساشا کو محسوس نہ ہو کہ وہ اس سے پوچھ گچھ کر رہا ہے۔ ساشا کے پاس واقعی اہم معلومات تھیں۔ اس نے بتایا کہ شہر کے حفاظتی دستے اور فوج کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔

ایک حصہ جو جنگ لڑنے والے سپاہیوں پر مشتمل تھا وہ اس وقت فصیل کے آس پاس مشقوں میں مصروف تھا۔ باغ اور کھیت میں کام کرنے والے افراد کی حفاظت پر مامور افراد میں سے بہت بڑی تعداد باقاعدہ فوج میں شامل کر لی گئی تھی اور وہ بھی جنگی مشقیں کر رہے تھے۔ دوسرا حصہ جو زیادہ تر بیت یافتہ اور اہل افراد پر مشتمل تھا وہ شاہی محلات اور سرکاری دفاتر کی حفاظت کے لیے تعینات تھا۔ اس وقت آرگون میں کرفیو کی سی کیفیت تھی اور عوام کو بہت کم نقل و حرکت کرنے کی اجازت دی جا رہی تھی۔ ان کا راشن اور دوسرا سامان جو پہلے انہیں ملتا تھا اب اچانک نصف کر دیا گیا تھا۔ شہر کی بعض اہم سڑکیں عوام کے لیے بند کر دی گئی تھیں اور لوگ ان شاہراہوں پر قدم بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ ساشا صرف سوال کرنے پر جواب دیتی تھی۔ جب ایرٹ نے اسے شہر کے اندر باغی گروپوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ان کے بارے میں نہیں جانتی۔''

ایرٹ نے میرا سوال آگے کیا۔ ''کیا کیرٹ نے تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا؟''

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں تو، بابا مجھ سے ایسی باتیں نہیں کرتے تھے۔''

''تب تمہیں فوج کے بارے میں معلومات کہاں سے ملیں؟''

''یہ تو میں نے خود دیکھا اور قید خانے کے سپاہی اس بارے میں بات کرتے تھے تو میں سن لیتی تھی۔''

''تمہیں کیوں قید کیا گیا؟''

''کیونکہ میں نے مہا پجاری سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔''

میں دنگ رہ گیا۔ اس بڈھے شرابی فیرون کی نظر اپنے ہی ساتھی کی بیٹی پر تھی۔ مگر ان لوگوں کے نزدیک اخلاقیات فضول اور بیکار چیز تھی۔ وہ صرف اپنے مفاد پر نظر رکھتے تھے۔ ساشا جیسی حسین لڑکی سے وہ کیسے دست بردار ہوتا۔ بلکہ مجھے حیرت تھی کہ اس نے اسے قید کیوں کیا۔ وہ چاہتا تو زبردستی بھی اس سے شادی کر سکتا تھا۔ اتفاق سے ایرٹ نے اس سے یہی سوال کیا۔ ساشا نے اس سوال کا جواب دیا کہ اس کی شادی اس کے باپ کی مرضی سے ہو سکتی تھی اگرچہ ہونی کسی پجاری سے ہی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد پجاری کی بیٹی کی حیثیت سے یہ اختیار اب اس کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے فیرون سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور قانون کے تحت اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ فیرون سے شادی کرے۔

اس کے انکار پر رینالٹ نے اسے کیرٹ کی سازش میں شامل ہونے کا الزام لگا کر جیل میں ڈال دیا اور اس پر واضح کیا کہ اسے اسی وقت معافی ملے گی جب وہ فیرون سے شادی پر آمادہ ہو جائے گی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ اگر اسے اس وجہ سے قید کیا گیا تھا تو اس کی حیثیت ایک معزز قیدی کی سی تھی اور اسے یوں اوباش سپاہیوں کے حوالے کر دینا سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ خاص طور سے اس صورت میں جب کہ مہا پجاری فیرون کی اس پر نظر تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے کسی صورت یہ سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس نے انکار کیا تھا مگر اسے قید ہوئے اتنا وقت بھی نہیں ہوا تھا کہ فیرون یا رینالٹ مایوس ہو کر اس قسم کا کوئی قدم اٹھاتے۔ میں نے ایرٹ کے توسط سے یہ سوال کیا تو ساشا نے بھی لاعلمی ظاہر کی کہ اسے نہیں معلوم کہ اسے کیوں ان سپاہیوں کے حوالے کیا گیا تھا جو اسے آرگون سے نکال کر باغات میں لے آئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''تمہیں کس وقت وہاں سے نکالا گیا؟''

''دن کی آخری روشنی میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم بے ہوش کیسے ہوئیں؟'' میں نے سوال کیا تو اس پر وہ الجھن میں نظر آئی۔ پھر اس نے جواب دیا۔

''مجھے نہیں یاد ہے۔ بس اتنا یاد ہے کہ قید خانے سے نکال کر مجھے ایک عمارت میں لے جایا گیا تھا اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔''

''جب تمہیں ہوش آیا تو تم بہت ڈری سہمی ہوئی تھیں جیسے تمہیں خطرہ ہو کہ تمہارے ساتھ برا سلوک ہو گا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''مجھے لگا کہ جیسے میں وحشیوں کے نرغے میں ہوں اور وہ میرے ساتھ برا سلوک کرنے والے ہیں۔''

اس کی کہانی کا یہ والا حصہ مجھے الجھن میں ڈال رہا تھا۔ جب وہ قید خانے سے نکل کر کسی عمارت تک گئی اور اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں تو اسے ہوش میں آنے پر یوں کیوں لگا جیسے اس کے ساتھ برا سلوک ہونے والا ہے۔ جب کہ اسے عمارت میں جانے کے بعد اس پر کیا گزری اسے بالکل یاد نہیں تھا۔ گفتگو کے دوران وہ گوشت کے کئی ٹکڑے اور پھر تازہ پھل کھا گئی تھی۔ پیٹ بھرنے کا خمار اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگا تھا۔ ایرٹ نے اس سے کہا۔ ''اب تم سو جاؤ یہاں تم بالکل محفوظ ہو۔ کل تمہیں سامیرا کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔''

یہ بات ایرٹ نے اپنی طرف سے کہی تھی اس لیے جب ساشا سونے کے لیے لیٹ گئی تو میں نے ایرٹ کو ایک طرف بلایا اور اسے کہا۔ ''یہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔''

اس نے ساشا کی طرف دیکھا۔ ''یہ کمزور لڑکی ہماری کیا مدد کرے گی؟ اسے روبیر کی طرح ہتھیار استعمال کرنا بھی نہیں آتے۔''

''یہ آرگون سے اچھی طرح واقف ہے اور ہمیں آرگون میں اس کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''جیسے آپ کہیں۔''

''صبح ہم یہاں سے نکلیں گے اور قلعوں کی طرف جائیں گے پھر تم میں سے ایک دو اندر جا کر ربیک کو لے کر آئیں گے۔ تم ساشا کو بھی لے جاؤ گے اور سامیرا تک میرا ایک پیغام پہنچاؤ گے۔''

ایرٹ جو بات سمجھ جاتا تھا اسے الفاظ میں دوہرا کر مجھ سے پوچھتا تھا اگر بات درست ہوتی تو میں سر ہلاتا ورنہ اشاروں کی مزید مشق کرتا تھا مگر رفتہ رفتہ وہ تقریباً پوری بات سمجھ جاتا تھا۔ کیمپن کے انگارے بھی اب بجھنے والے تھے اور رات کی خنکی نے ٹیلے کی تپش بھی زائل کرنا شروع کر دی تھی اور اب ہم بہتر محسوس کر رہے تھے۔ سب کا سونا مناسب نہیں تھا اس لیے دو دو جاگ کر باری باری پہرہ دیتے رہے۔ میں نے حسب معمول پہلی باری میں پہرہ دیا اور پھر سو گیا تھا۔ صبح آنکھ کھلی تو روشنی ہونے والی تھی کیونکہ اوپر آسمان غائب ہو گیا تھا اور دھند اتر رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ مال غنیمت سے ناشتہ کیا گیا اور اس کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ ٹیلے سے اتر کر ہم نے پہلے جنوب کا رخ کیا اور پھر مشرق کی طرف مڑ گئے۔ اس طرح ہم آرگون اور سامیرا کے لوگوں کی زمین سے دور تھے۔ ساشا نے خود کو ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ جو ہم کہتے تھے وہ وہی کرتی تھی۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے ایرٹ کے توسط سے ساشا سے پوچھا۔

''تم شراب یا کوئی نشے والی چیز استعمال کرتی ہو؟''

''میں نے کبھی ایسی کوئی چیز استعمال نہیں کی۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے راستے میں ایرٹ کو سمجھایا کہ اسے جا کر سامیرا سے کیا کہنا تھا اور ساتھ ہی وہ ریک اور دوسرے تیار ہونے والے نوجوانوں کو لیتا آئے۔ سامیرا کو ہوشیار کرنا تھا کہ قلعوں میں معمولات پر عمل ترک کر دیا جائے اور کسی بھی لمحے آرگون کی طرف سے حملے کے لیے تیار رہا جائے۔ ایرٹ، ساشا، شاٹ اور رائنوں ہم سے ایک جگہ الگ ہو گئے۔ یہاں سے تینوں قلعوں کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سامیرا والے قلعے کی طرف روانہ ہوئے اور ہم ایک بلند چٹان پر چڑھ گئے جس پر کسی جانور کے چڑھنے کا امکان کم تھا۔ میں نے ایرٹ کے ہاتھ سامیرا کو اس محلول کا پیغام بھی بھیجا تھا جسے پینے سے خطرناک جانور پاس نہیں آتے تھے۔ کیبن میں آتش زدگی کے بعد وہ بھی تباہ ہو گیا تھا یا آرگون کے سپاہی اس کی بوتل لے گئے تھے۔ چٹان خالص پتھر کی تھی اور اس پر ذرا بھی مٹی یا نباتات نہیں تھے۔ کیونکہ صاف کرنے کے لیے اور کچھ نہیں تھا اس لیے ہم تینوں ایک مناسب جگہ دیکھ کر آرام کرنے لگے۔

مجھے غور و فکر کا موقع ملا تو گزشتہ روز ہونے والے واقعات مجھے کچھ عجیب سے اور معمول سے ہٹ کر لگے تھے۔ اول آرگون کی طرف سے تمام ہی افراد کو قلعے میں روک لینا۔ مگر دوسری طرف ان کا کوئی دستہ تلاش کرتا ہوا بالآخر ہماری پناہ گاہ تک پہنچ گیا اور اس نے نہ صرف اسے تباہ کر دیا بلکہ روبیر کو بھی ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد ہم نے ان کا تعاقب شروع کیا اور باغات میں انہیں جا لیا مگر جب ہم نے ان پر حملہ کیا اور سب کو ختم کر دیا تو پتا چلا کہ جسے ہم روبیر سمجھ رہے تھے وہ دوسری لڑکی نکلی اور روبیر کو سپاہی آرگون لے جا چکے تھے۔ پھر دوسری لڑکی نائب مہا پجاری کیرٹ کی بیٹی ساشا نکلی اور اس کا رویہ بھی عجیب تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی مجھے اپنے باپ کا قاتل قرار دے دیا اور اب بھی اس کے رویے سے لگ رہا تھا کہ اس نے اپنے خیال میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔

سوال یہ تھا کہ سپاہی اسے کس کی اجازت سے قید خانے سے نکال کر آرگون سے باہر لائے تھے؟ اور قلعے سے باہر لانے سے پہلے اسے کسی اور جگہ لے گئے تھے وہاں ساشا پر کیا گزری تھی؟ اس سارے قصے میں یہی بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ لڑکی نے خود کو ساشا قرار دیا تھا۔ کیا واقعی وہ ساشا تھی یا کوئی اور لڑکی جو خود کو ساشا کے روپ میں پیش کر رہی تھی۔ آرگون میں بیٹھے مکاروں سے کچھ بعید نہیں تھا جن میں مہا مکار ڈیوڈ شا بھی موجود تھا۔ وہ اس قسم کے منصوبے بنانے کا ماہر تھا۔ بہر حال اس لڑکی کی حقیقت زیادہ دیر چھپی نہیں رہتی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر یہ کوئی سازش بھی ثابت ہوئی تو میں اس لڑکی کو استعمال کروں گا۔ اس دشت کی سیاحی میں مجھے بھی اس قسم کی سازشوں کا جواب دینا آ گیا تھا۔ اب مجھے سامیرا کے جواب کا انتظار تھا۔ میں نے ایرٹ سے کہا تھا کہ کوئی جلدی نہیں ہے وہ اپنا کام نمٹا کر ہی واپس آئے یعنی جو جو کام میں نے اس کے ذمے لگائے تھے انہیں بہر صورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انجام دے۔ اب میرے پاس سوائے آرام اور انتظار کرنے کے کوئی کام نہیں تھا۔

دوپہر کو چنوں سے پیٹ پوجا کی تھی اور اب شام کے لیے ہمارے پاس زیادہ چیزیں نہیں رہی تھیں لیکن اگر ایرٹ یا ریبک نہ آتے تب بھی گزارا ہو جاتا۔ ہم پانی کے کئی مشکیزے لے آئے تھے اس لیے پانی کی کوئی کمی نہیں تھی۔ یہ کئی دن کے لیے بھی کافی ہو سکتا تھا۔ ایمار اور مارٹ آپس میں گپ شپ کر رہے تھے اور میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ مارٹ کہہ رہا تھا کہ اگر وہ اس جنگ میں زندہ رہا تو پھر اس کی شادی ہو جائے گی۔ اس نے لڑکی پسند کر لی تھی۔ ایمار کو شادی کا خاص شوق نہیں تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ فوج میں اوپر جائے اور اعلیٰ عہدہ حاصل کرے۔ شادی اور گھر بسانے جیسے معاملے بعد میں بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ مزے کی بات تھی کہ مارٹ جس لڑکی کو پسند کرتا تھا وہ ایمار کی بہن تھی۔

مگر ان کے ہاں اس معاملے میں جذباتی ہونے کا رواج نہیں تھا۔ وہ اسے ایک فطری چیز سمجھتے تھے کہ کوئی ان کی بہن یا بیٹی کو پسند کرے یا وہ کسی کو پسند کرے۔ اسے یہاں غیرت کا مسئلہ نہیں بنایا جاتا تھا مگر ساتھ ہی وہ مرد اور عورت کے غیر قانونی تعلق کے بارے میں بہت حساس تھے۔ اس کا اندازہ میرے کیس سے لگایا جا سکتا تھا کہ میں ان کے لیے کتنا ضروری تھا مگر انہوں نے مجھے سزا سنا کر بلا تکلف اس پر عمل درآمد بھی کر دیا۔ اعلیٰ طبقہ جس میں حکمران اور پجاری شامل تھے۔ وہ بھی صرف اپنے حرم اور مخصوص کی ہوئی عورتوں سے جسمانی تعلق قائم کر سکتے تھے۔ یہاں ایک مرد کو ایک شادی کی اجازت تھی۔ جب تک اس کی پہلی بیوی زندہ رہتی یا ان کے درمیان علیحدگی نہیں ہو جاتی مرد دوسری شادی نہیں کر سکتا تھا۔ حرم کے لیے عورتیں حاصل کرنے کا ایک طریقہ کار تھا اور کسی سے زبردستی نہیں کی جاتی تھی مگر کچھ عرصے سے اس قانون پر عمل نہیں ہو رہا تھا۔ ہمارے سامنے مثالیں تھیں کہ آرگون میں سپاہ اور اوپری طبقے کو کھلی چھوٹ دے دی گئی تھی۔

سامیرا کے قلعوں میں ان قوانین پر جو مرد و عورت کے تعلق کو واضح کرتے تھے بہت سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ دیکھا جائے تو یہ اچھی بات تھی۔ ورنہ یہ مختصر سا معاشرہ بے راہ روی کے ہاتھوں سب سے زیادہ آسانی سے تباہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہماری دنیا میں بعض افریقی ملک ہو رہے ہیں۔ جہاں بیس فیصد سے بھی زیادہ آبادی ایڈز جیسے مہلک اور جان لیوا مرض کا شکار ہو چکی ہے اور اس کی وجہ بے راہ روی ہی ہے۔ آرام اور سوچ بچار میں شام ہوئی اور پھر رات آ گئی۔ ہم نے ایک مشعل جلائی تھی مگر اس کی روشنی کو اس طرح محدود کیا کہ وہ دور سے نظر نہ آئے اور ہم تاریکی میں نہ رہیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ایرٹ کو دیر ہو رہی تھی اور شاید وہ اب صبح ہی آتا۔ ہم تینوں نے بچی کھچی اشیا سے ڈنر کیا۔ پیٹ تو نہیں بھرا مگر گزارا ہو گیا تھا۔ میں نے ایمار سے کہا۔ ''رات کو پہرہ دینا ہے کوئی ایک فرد جاگتا رہے۔''

''پہلے میں جاگتا ہوں۔'' ایمار نے پیش کش کی تو میں اور مارٹ لیٹ گئے۔ سخت چٹان کے باوجود مجھے نیند آ گئی تھی۔ کچھ عرصے سے سخت جگہوں پر سونے کی عادت پڑ گئی تھی۔ ایمار کے بعد مارٹ نے پہرہ دیا اور صبح کے قریب اس نے مجھے جگا دیا۔ ابھی آسمان پر ستارے تھے اور دور کہیں چاند بھی تھا مگر اس کی روشنی وادی تک رسائی سے قاصر تھی۔ مجھے حاجت ہو رہی تھی میں چٹان سے نیچے آیا اور فارغ ہو کر دوبارہ اوپر کا رخ کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں چھ گھنٹے سویا تھا اور اتنی نیند کافی تھی میں خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ کسی قدر ٹھنڈے پانی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے منہ دھویا اور پھر ہلکی ایکسر سائز کرنے لگا۔ اسی دوران میں اوپر روشنی نمودار ہونے لگی تھی مگر یہ روشنی ابھی وادی سے دور تھی۔ مزید ایک گھنٹے بعد ستارے غائب ہونا شروع ہوئے یعنی اوپری حصے میں دھند چھا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں صبح کے نزدیک تاریکی زیادہ ہو جاتی تھی اور جب اوپر سورج نکل آتا تب نیچے روشنی ہوتی تھی۔

میرے جاگنے کے تقریباً دو گھنٹے بعد جب کہ ماحول ابھی تاریک تھا قلعوں کی طرف سے مجھے کچھ ہلکی روشنیاں حرکت کرتی دکھائی دیں۔ تقریباً ڈیڑھ میل دور قلعوں کی روشنیاں تو صاف دکھائی دے رہی تھیں مگر ان کے آس پاس ابھی تاریکی تھی۔ وہ روشنیاں اسی تاریکی میں حرکت کر رہی تھیں۔ میں چوکس ہو گیا مگر ان دونوں کو نہیں اٹھایا۔ پندرہ بیس منٹ بعد روشنیاں پاس آ گئیں۔ یہ کوئی دس گیارہ افراد تھے۔ ان میں سے چار نے مشعلیں اٹھا رکھی تھیں اور باقیوں کے پاس دوسرا سامان تھا جو انہوں نے بڑے تھیلوں کی صورت میں اپنے شانے پر لاد رکھا تھا۔ جب ایرٹ اور دوسرے قلعوں کی طرف روانہ ہوئے تھے تو انہوں نے آرگون کے فوجی لباس اتار کر اپنے لباس پہن لیے تھے۔ آنے والوں میں ان چاروں کے علاوہ ریک اور چھ دیگر نوجوان تھے۔ ان کے نزدیک آنے پر میں نیچے اتر آیا۔ ریک گرم جوشی سے میرے سینے سے لگا اور بولا۔

''اب میں آپ کی بات سمجھ سکتا ہوں۔''

''سامیرا نے تمہارے ساتھ بھی وہی عمل کیا؟'' میں نے حیرت اور خوشی سے پوچھا۔

''صرف میرے ساتھ ہی نہیں ایرٹ اور ساشا کے ساتھ بھی کیا۔ اب ہم تینوں آپ کی زبان سمجھ سکتے ہیں۔''

ساشا ان کے ساتھ تھی اور ایک طرف خاموش کھڑی تھی۔ میں ریک اور ایرٹ کو ایک طرف لے گیا اور دھیمے لہجے میں پوچھا۔ ''سامیرا اس کے بارے میں کیا کہتی ہے؟''

''یہی ساشا ہے۔'' ایرٹ نے جواب دیا۔

''لیکن سامیرا نے پیغام دیا ہے کہ آپ اس سے محتاط رہیں۔'' ریک نے کہا۔

''آپ کے پیغامات سامیرا تک پہنچا دیئے ہیں اور انہوں نے کہا کہ آپ کی ہدایت پر پورا عمل ہو گا۔'' ایرٹ نے بتایا۔ ہم چٹان کے اوپر آئے۔ میں نے ایرٹ کے توسط سے جو پیغامات بھجوائے تھے۔ ان میں اس شخص کی تلاش بھی شامل تھی جو روبیر سے قید خانے میں ملا تھا اور اس نے اسے شامین کی دھمکی دے کر اقبالِ جرم کرنے اور اس میں مجھے ملوث کرنے کو کہا تھا۔ پہلے مجھے اس کا خیال نہیں آیا تھا کہ اس شخص کو تلاش کرانا چاہیے اگرچہ ریک کی مدد سے سامیرا کو ساری کہانی بتا دی تھی کہ روبیر کو کس طرح مجبور کیا گیا۔ مگر روبیر کے غائب بلکہ اغوا ہونے کے بعد اس شخص کی تلاش لازم ہو گئی تھی۔ وہ ہماری رہنمائی کر سکتا تھا کہ روبیر کو کیوں اغوا کیا گیا ہے اور ساشا کو ہم تک پہنچانے کے پیچھے کیا کہانی ہو سکتی ہے؟ سب سے بڑھ کر اس سے ہمیں آرگون کے اندر کے راز معلوم ہو سکتے تھے۔

ریک اور ایرٹ کے ہم زبان ہونے سے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ ابلاغ کا بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ ورنہ انہیں اپنی سمجھانے کے لیے مجھے اچھی خاصی ورزش کرنا پڑتی تھی۔ وہ دونوں ہی ذہین نوجوان تھے۔ میں ان سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی بات کر سکتا تھا۔ میں نے صرف ساشا کے لیے کہا تھا کہ سامیرا اسے میری بات سمجھنے کے قابل بنا دے مگر اس نے ایرٹ اور ربیک کو اس قابل بنا کر میرا کام بہت آسان کر دیا تھا۔ میں نے روبیر کے اغوا اور ساشا کے ملنے کے بارے میں انہیں اپنے تاثرات سے آگاہ کیا۔ وہ حیران ہوئے تھے۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ایرٹ نے کہا۔ ''یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی۔''

''یہ آرگون کی اہم ترین قیدی تھی۔'' میں نے ذرا دور بیٹھی ساشا کی طرف دیکھا۔ ''لیکن سپاہی اسے کسی عام لڑکی کی طرح قید خانے سے نکال کر اپنے ساتھ شہر سے باہر لے آئے۔ کیا یہ بات مشکوک نہیں ہے؟''

''بالکل مشکوک ہے۔'' ربیک نے کہا۔ ''مگر سامیرا نے تصدیق کی ہے یہی ساشا ہے کیرٹ کی بیٹی۔''

''اس میں مجھے بھی شبہ نہیں ہے مگر اس نے آتے ہی مجھے اپنے باپ کا قاتل قرار دیا۔ اس سے لگتا ہے کہ اس کے دل میں میرے خلاف کچھ نہ کچھ ہے۔''

''شہباز ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ایرٹ بولا۔ ''میں نے اس سے جو گفتگو کی ہے مجھے بھی لگ رہا ہے یہ شہباز کے خلاف اپنے دل میں عناد چھپائے ہوئے ہے۔''

ربیک فکر مند ہو گیا۔ ''اس صورت میں اسے اپنے ساتھ رکھنا خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''ہم اسے قلعے میں چھوڑ سکتے ہیں۔'' ایرٹ نے تجویز پیش کی۔

''نہیں ہم اسے اپنے ساتھ رکھیں گے۔'' میں نے انکار کیا۔ ''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے دشمن اسے کس طرح میرے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں ان کی چال ان ہی پر الٹ دوں۔''

''وہ کیسے جناب؟'' ربیک نے پوچھا۔

''یہ آنے والا وقت بتائے گا۔'' میں نے روشنی تیز ہوتے دیکھی تو کھڑا ہو گیا۔ ''ہمیں یہاں سے جانا ہو گا۔ باقی باتیں راستے میں ہوں گی۔''

ہم ٹیلے سے اترے اور وادی کے مغربی حصے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ٹیلے کی طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر ساشا نہ ملتی تو میں روبیر کی گمشدگی اور ہمارے ٹھکانے کی تباہی کو اتفاق سمجھتا مگر اب وہاں کا رخ کرنا دشمن کے کسی جال میں پھنسنے کے مترادف بھی ہو سکتا تھا۔ ہمیں اس سے ہٹ کر کوئی اور ٹھکانہ تلاش کرنا تھا۔ میرے ذہن میں ایک جگہ تھی۔ روشنی تیز ہوئی تو ہم نے ایک جگہ رک کر ناشتہ کیا۔ ربیک اپنے ساتھ وافر مقدار میں کھانے پینے کا سامان لایا تھا۔ سامیرا نے اس کے ہاتھ اس محلول کی خاصی مقدار بھیجی تھی جس کی بو جانوروں کو ہم سے دور رکھتی تھی۔ دو گھنٹے بعد ہم ٹیلے کے عقب سے ہوتے ہوئے اندر جنگل میں جانے لگے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ ٹیلے سے دور سے گزروں مگر ساتھ ہی وہ نظر میں بھی رہے کیونکہ اسی کی مدد سے میں اس جگہ پہنچتا۔ جنگل میں آتے ہی سب نے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔

ربیک جن سپاہیوں کو ساتھ لایا۔ وہ سب مضبوط صحت مند اور تنومند نوجوان تھے۔ ان کے سخت ابھرے ہوئے مسلز ان کی سخت جانی کی گواہی دے رہے تھے۔ ان میں سے دو پتھر کے بھاری ہتھوڑے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا جانتے تھے۔ ایک رسی کے سرے پر بندھا بھاری پتھر گھما کر مارنے کا ماہر تھا اور باقی تین عام لڑاکے تھے مگر وہ بھی تیر اندازی اور نیزے بازی کے ماہر تھے۔ اب ہم سب ملا کر تیرہ جنگجو تھے اور ساشا آخری فرد تھی مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ لڑنا نہیں جانتی تھی۔ ٹیلے کے پیچھے سے ہو کر ہم گھنے جنگل میں داخل ہوئے تو میں شمال کی طرف مڑ گیا۔ یہاں درخت اتنے اونچے اور گھنے تھے کہ روشنی بمشکل ہی نیچے تک آ رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ یہاں سبزے میں ہونے والا فوٹوسین تھیس کا عمل بہت اعلیٰ درجے کا ہوگا ورنہ بغیر دھوپ کے اتنا زیادہ سبزہ ہونا ممکن نہیں تھا۔

یورپ اور کینیڈا کے وہ خطے جہاں سال کے بیشتر وقت آسمان پر بادل رہتے ہیں۔ ان خطوں میں پائی جانی والی نباتات کو بھی اعلیٰ درجے کے فوٹوسین تھیس کے عمل سے کام لینا پڑتا ہے۔ مگر باقی دنیا میں پائے جانے والے پودوں اور درختوں کو پھر بھی سورج کی روشنی ملتی ہے مگر ان پودوں اور درختوں کو یہ روشنی بالکل نہیں ملتی تھی۔ اس کے باوجود یہاں سبزے کی بہتات تھی۔ سبز رنگ کا ہر شیڈ یہاں موجود تھا۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ جنگل میں سفر بالکل خاموشی سے ہونا ہے۔ اس لیے سب خاموشی سے سفر کر رہے تھے اور کوئی آپس میں بات نہیں کر رہا تھا۔ سائسا درمیان میں تھی اور وہ صبح سے اب تک یوں لاتعلق بنی ہوئی تھی جیسے ہماری قیدی ہو اور مجبوراً ہمارے ساتھ آئی ہو۔ اس نے مجھ سے یا کسی بھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہم میں سے بھی کسی نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا اور جب سے میں نے محتاط رہنے کو کہا تھا تو ربیک اور ایرٹ بھی اس سے دور تھے۔ مجھے یہ بات درست نہیں لگی۔

یہاں چپ رہنے کی مجبوری تھی مگر میں نے سوچ لیا کہ جب ہم محفوظ جگہ پہنچ جائیں گے تو میں ایرٹ اور ربیک کی ڈیوٹی لگا دوں گا کہ وہ اس سے بات کریں اور اسے بات کرنے پر مجبور کریں۔ آدمی کے اندر کیا ہوتا اس کا پتا اس کے عمل یا زبان سے چلتا ہے۔ عمل سے پتا چلنے کی صورت میں دیر ہو چکی ہے۔ زبان سے آدمی قبل از وقت بھی ہوشیار ہو سکتا ہے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم اس چٹان تک پہنچ گئے جو بہ ظاہر چڑھائی کے قابل نہیں تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ بڑا سا کھائی نما کنواں تھا جس کی گہرائی نامعلوم تھی۔ میں نے یہ سفر رات میں کیا تھا اور چٹان بھی رات میں دیکھی تھی۔ پھر اس پر چڑھنے کی کوشش روبیر نے کی تھی اور ناکام رہی تھی میرا خیال تھا کہ میری کوشش ناکام نہیں رہے گی۔ ایک بار کوئی ایک فرد بھی اوپر پہنچ جاتا تو باقیوں کے لیے کام آسان ہو جاتا کیونکہ ہم کام آسان کرنے والی چیز یعنی رسی اور لکڑی سے بنی ہوئی سیڑھیاں ساتھ لائے تھے۔ چٹان کوئی ستر فٹ بلند اور اس کا گھیرا کوئی سو سے ڈیڑھ سو گز بیضوی قطر کا تھا۔ میں نے ربیک سے کہا۔

''ہمیں اس پر چڑھنا ہے۔''

ایرٹ نے کہا۔ ''میں یہ کام کر لوں گا۔''

اس نے اپنا سامان اتارا اور رسی کا ایک لچھا لے کر چٹان پر چڑھنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ چٹان تقریباً سیدھی اور اس کی دیواریں مسطح تھیں۔ ان میں رخنے بہت کم تھے مگر ربیک نے ایک جگہ تلاش کر لی جہاں سے وہ اوپر چڑھ سکتا تھا اور اس نے چڑھنا شروع کر دیا۔ وہ خالی ہاتھ اور پاؤں استعمال کر رہا تھا اس نے اپنا چرمی جوتا بھی اتار دیا تھا۔ تقریباً پچاس فٹ کے بعد ایک جگہ ہاتھ یا پاؤں جمانے کے لیے کوئی جگہ نظر نہیں آئی۔ سوائے بالکل ٹاپ کے ایک ابھرے ہوئے پتھر کے اور ربیک اپنا جسم ٹٹولنے لگا۔ میں، ایرٹ اور دوسرے نیچے موجود اسے دیکھ رہے تھے ہم تیار تھے کہ وہ گرے تو زمین کے بجائے وہ ہمارے ہاتھوں میں آئے اور شدید چوٹ سے محفوظ رہے۔ مجھے یہ خطرناک لگا تھا اور میں نے نیچے سے کہا۔ ''ربیک احتیاط سے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر اس نے کوشش کی جہاں اس کے پاؤں جمے ہوئے تھے اس نے وہاں سے خود کو پوری قوت سے اوپر اچھالا اور اس کا ہاتھ پتھر تک پہنچا مگر اس پر جم نہ سکا۔ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ نیچے آیا اور ہم سب تیار تھے ہمارے ہاتھ ایک دائرے کے صورت میں پھیلے تھے اور وہ اس دائرے پر گرا۔ جھٹکے سے سب کے ہاتھ نیچے گئے اور ربیک پھر زمین پر گرا۔ مگر ہاتھوں نے اس کے گرنے کی رفتار کو اتنا کم کر دیا تھا کہ وہ زمین پر گرا تو کوئی خاص چوٹ نہیں آئی اور وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اسے معمولی سی چوٹیں آئی تھیں۔ البتہ ہم سب اپنے ہاتھ سہلا رہے تھے جن کو جھٹکا آیا تھا۔ ربیک نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں ناکام رہا۔''

''کوئی بات نہیں تم نے کوشش پوری کی اور اوپر تک پہنچ بھی گئے تھے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ اسی لمحے ایرٹ نے حیرت سے کہا۔

''ارے اسے دیکھنا۔''

تب ہم نے دیکھا کہ ساشا چٹان پر چڑھ رہی تھی۔ اس نے ایک اور راستہ اختیار کیا تھا۔ یہ زیادہ مشکل تھا کیونکہ اس میں ہاتھ پاؤں جمانے کی جگہیں نہیں تھی مگر اس کی دیوار کسی قدر کھردری اور زیادہ ترچھی تھی۔ ساشا کسی چھپکلی کی طرح اس پر چاروں ہاتھوں پاؤں جماتی اوپر جا رہی تھی۔ اسے چھریرے جسم اور ہلکے وزن کا فائدہ بھی تھا۔ اس جگہ کا پہلا چالیس فٹ کا مرحلہ دشوار تھا اس کے بعد یہ اوپری حصے میں زیادہ ڈھلان ہو جاتی اور اس ترکیب سے اس پر چڑھنا آسان ہو جاتا۔ اب ہم سب اس جگہ کے نیچے جمع تھے کہ ساشا کے گرنے کی صورت میں اسے بچا سکیں۔ مگر وہ نہایت مہارت سے منٹوں میں چٹان کے آخری حصے میں پہنچ گئی اور اب وہاں چٹان سے بالکل چپک کر سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہماری نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ ڈھیلے اور مشکل لباس میں اس نے یہ کام اس طرح کیا تھا جیسے وہ اس کی عادی ہو۔

پھر اس نے یہ آخری مرحلہ بھی عبور کر لیا اور چٹان کے اوپر چڑھ گئی۔ چند لمحے بعد اس نے رسی نیچے پھینکی۔ ربیک رسی کے سہارے اوپر گیا اور اس نے رسی اور لکڑی سے بنی ہوئی رسی نیچے پھینکی۔ ہم ایک ایک کر کے سامان سمیت اوپر جانے لگے اور پندرہ منٹ بعد سب ہی چٹان کے اوپر تھے۔ چٹان اوپر سے نہ صرف ہموار تھی بلکہ بعض جگہوں سے کناروں ابھرے ہوئے تھے۔ اس کے وسط میں پیالہ نما نشیب تھا جس میں گزشتہ بارش کا کافی زدہ پانی جما ہوا تھا۔ مگر چٹان پر کہیں بھی سبزہ نہیں تھا یہ مکمل سنگی چٹان تھی اور اوپر سے ہموار ہونے کے باوجود اس پر نہ تو مٹی جمی اور نہ ہی سبزے نے جڑ پکڑی تھی۔ اصل میں یہ چٹان چٹانوں کے سلسلے کا آغاز تھی اور یہاں نباتات اور مٹی نہ ہونے کے برابر تھی اسی وجہ سے چٹان مٹی اور پودوں سے محروم تھی۔ اس کا ایک حصہ گہرے کنویں کے بالکل ساتھ لگتا تھا اور ساشا اس وقت اسی کنویں میں جھانک رہی تھی۔ میں اس کے پاس چلا آیا۔

''تم نے کمال کر دیا۔''

اس نے سرسری سے انداز میں میری طرف دیکھا۔ ''مجھے بچپن سے شوق تھا میں بابا کے ساتھ آرگون سے باہر جاتی تھی اور چٹانوں پر چڑھتی تھی۔''

میں نے بھی سرسری سے انداز میں پوچھا۔ ''تمہیں ہتھیار چلانا آتے ہیں۔''

اس نے عجیب لہجے میں جواب دیا۔ ''اگر انسان کسی کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لے تو ضروری نہیں ہے اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہتھیار چلانے آتے ہوں۔''

میں نے اپنا لہجہ بدستور سرسری رکھا۔''ایک ایسا شخص جسے ہتھیار چلانے نہیں آتے اگر وہ کسی کے قتل کا فیصلہ کرتا ہے تو لازمی اس کے پیچھے کوئی بہت بڑی وجہ ہونی چاہیے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے آدمی کس وجہ سے کسی کو قتل کر سکتا ہے؟''

''اگر دوسرے نے آپ کے کسی عزیز کو قتل کیا ہو یا خود آپ کی جان کے لیے خطرہ بن گیا ہو۔''

وہ جب مجھے دیکھتی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا سپاٹ پن آجاتا تھا۔ اس وقت بھی اس کی آنکھیں سپاٹ تھیں۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر جھٹکے سے مڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہ لڑکی وہ نہیں تھی جو بہ ظاہر نظر آتی تھی۔ سوچتے ہوئے میں نے کنویں میں جھانکا۔ اس وقت دوپہر تھی اور سورج کو وادی کے عین اوپر ہونا چاہیے تھا۔ وادی میں سب سے زیادہ روشنی اسی وقت ہوتی ہے مگر یہ روشنی بھی کنویں کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر تھی۔ چٹان پر کچھ پتھر پڑے تھے میں نے ایک پتھر اٹھا کر کنویں میں اچھالا اور میں حیران رہ گیا جب مجھے اس کے گرنے کی آواز بھی نہیں آئی۔ کنواں اتنا گہرا تھا کہ اس میں اتنی بلندی سے گرنے والے پتھر کی آواز تک باہر نہیں آسکتی۔ حالانکہ کئی کلوگرام پتھر خاصے دھماکے سے تہہ سے ٹکرایا ہوگا۔ مگر فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ آواز اسے طے کر کے یہاں ہماری سماعتوں تک نہیں آسکی تھی۔

ربیک میرے پاس آیا۔''یہ جگہ محفوظ ہے لیکن یہ آرگون اور ہمارے قلعوں سے بہت فاصلے پر ہے۔''

''مگر ہمیں جس جگہ جانا ہے اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔''

''ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''جلد میں بتاؤں گا مگر فی الحال اس کے بارے میں مت پوچھو۔''

''مجھے روبیر کا خیال آرہا ہے اسے لے جانے والے درندے لوگ ہیں اور وہ اس کے ساتھ بدترین سلوک کر سکتے ہیں۔''

''ہمیں ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔''صرف روبیر نہیں اس وقت آرگون کے بے شمار لوگ اور خاص طور سے عورتیں ان کے ظلم کا شکار ہیں۔ ہم روبیر کے لیے کچھ نہیں کر سکتے مگر ان تمام مظلوم لوگوں کے لیے یقیناً کر سکتے ہیں جو رینالٹ اور اس کے گرگوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

ربیک نے سر ہلایا۔''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمیں صرف ایک روبیر کے بجائے ان تمام لوگوں کا سوچنا چاہیے۔''

''ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ کیا تمہیں ان پر مکمل اعتماد ہے؟'' میں نے نئے آنے والوں کی طرف اشارہ کیا۔

''انہیں سامیرا نے چنا ہے اور انہوں نے ان کے ساتھ کچھ کیا بھی تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے کہا کہ اب میں ان پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتا ہوں۔''

ربیک نے بتایا کہ سامیرا ہر نوجوان کو کچھ دیر سامنے بٹھا کر اس کی دونوں کنپٹیوں پر اپنے ہاتھ جما کر اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنکھیں بند کر کے بیٹھی رہی تھی۔ شاید وہ ان کے ذہنوں کو جانچ رہی تھی۔ میں نے اسے یاد دلایا۔ ''لیکن ساشا سے محتاط رہنے کو کہا ہے۔''

''اب مجھے لگ رہا ہے سامیرا نے ٹھیک کہا ہے۔ ہم اسے عام سی لڑکی سمجھ رہے تھے اور یہ کتنی آسانی سے چٹان پر چڑھ گئی۔''

''ممکن ہے یہ ہتھیار استعمال کرنا جانتی ہو اس لیے سب اپنے ہتھیاروں کے معاملے میں محتاط رہیں۔''

''میں سب سے کہہ دوں گا۔'' ربیک بولا۔

لکڑی کی سیڑھی سے چٹان پر چڑھنا اور اترنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ یہ خاص طور سے اور بہت صفائی سے تیار کی ہوئی سیڑھیاں تھیں۔ ہمارے پاس ان کی تعداد تین تھی اور ہر سیڑھی کی لمبائی سوفٹ کے لگ بھگ تھی۔ مگر فی الحال ربیک نے ایک ہی سیڑھی لگائی تھی۔ بہ وقت ضرورت ہم مزید لگا سکتے تھے۔ کھانا کھا کر میں نیچے آیا۔ یہاں پانی کا منبع نظر نہیں آ رہا تھا اور ہمیں جلد یا بدیر پانی کی ضرورت پڑ جاتی۔ اس وقت تو ہمارے پاس خاصی مقدار میں موجود تھا۔ میں چٹان کے دوسری طرف بڑھا۔ مجھے یاد تھا کہ یہاں اوپر وادی کی دیوار سے آبشار گر رہی تھی اور اس کا پانی یقیناً یہاں کسی جھیل یا ندی کی صورت میں رواں ہوتا۔ مگر سامنے بلند چٹانیں ہونے کی وجہ سے اب وہ آبشار نظر نہیں آ رہی تھی جو فاصلے سے بالکل صاف دکھائی دیتی تھی۔ میں چٹان سے دور ہوا تو مجھے بلند چٹانوں کے عقب میں اڑتا ہوا پانی کا بھاپ نما بادل دکھائی دیا تھا۔

یہ جگہ ہماری چٹان سے کوئی نصف کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور میں اتنی دور اکیلے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے ایرٹ اور ایمار کو نیچے بلایا اور ہم اس طرف روانہ ہوئے۔ سبزے نے پانی کی موجودگی کا اشارہ کیا اور بالآخر ہم اس چھوٹے سے دریا نما ندی تک پہنچنے میں کامیاب رہے۔ اس میں پانی بہت شوریدہ اور جھاگ والا تھا۔ اس کی قوت اتنی تھی کہ اس میں تیراکی یا نہانے کا سوچا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے ہم نے اپنے کرتے اتار کر کنارے سے پانی لے کر خود کو دھویا اور صاف کیا۔ ایک دوسرے کی موجودگی میں ہم پاجامے نہیں اتار سکتے تھے ورنہ غسل مکمل کر لیتے۔ بہر حال اب بھی طبیعت بہت تازہ ہوئی تھی۔ پانی بہت سرد تھا مگر اس میں زندگی تھی۔ یہ جگہ دور تھی مگر بہت دور بھی نہیں تھی۔ نہا دھو کر ہم خوش خوش واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔

میں نے خالی ہونے والے مشکیزے منگوا لیے تھے ہم نے وہ بھی بھر لیے اور چٹان کے پاس پہنچے تھے کہ اوپر سے ربیک نمودار ہوا اور اشارے سے ہمیں تیزی سے اوپر آنے کو کہا۔ ساتھ ہی اس نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ میں نے ایرٹ اور ایمار کو اوپر جانے کو کہا اور جب تک وہ چڑھتے رہے میں آس پاس کا جائزہ لیتا رہا مگر مجھے کوئی خطرہ محسوس نظر نہیں آیا تھا۔ مگر ربیک اور دوسرے لوگ اوپر تھے اور وہ دور تک دیکھ سکتے تھے انہوں نے یقیناً کسی خطرے کو اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ جیسے ہی سب سے آگے جانے والے ایرٹ نے چٹان پر قدم رکھا میں بھی چڑھنے لگا۔ سیڑھی دو افراد کا بوجھ آسانی سے برداشت کر سکتی تھی مگر تین افراد کا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں تھا۔ میں درمیان میں تھا کہ ایمار بھی اوپر پہنچ گیا اور ایک منٹ بعد میں بھی اوپر تھا۔ میرے پوچھنے سے پہلے ربیک نے دور شمال مشرقی جنگل کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ دیکھیں کچھ ہارن اسی طرف آ رہے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے دیکھا تو آنے والے ہارن ابھی دور تھے اور ان کی تعداد بھی واضح نہیں تھی مگر وہ کم سے کم نصف درجن ضرور تھے۔ وہ تقریباً چلنے کی رفتار سے اسی طرف آ رہے تھے۔ لیکن ان کی چہل قدمی کی رفتار بھی خاصی تیز ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ کر میرے جسم میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔ کیا ہارن نے ہماری پناہ گاہ جان لی تھی؟ اگر چہ یہاں ہم محفوظ تھے۔ کیونکہ وہ اس پر کسی صورت نہیں چڑھ سکتے تھے۔ مگر اس چٹان پر محصور ہونے کی صورت میں جلد یا بدیر ہمیں خوراک اور پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ ایرٹ نے میرے اوپر آنے کے بعد سیڑھی بھی کھینچ لی تھی اور میری ہدایت پر سب سے کہہ دیا تھا کہ وہ چٹان کے کنارے جانے سے گریز اور کوئی آواز نہ نکالیں جس سے ہارن کو یہاں ہماری موجودگی کا پتا چلے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ''آپ بروقت آئے اگر کچھ دیر اور ہو جاتی تو آپ اوپر نہیں آ سکتے تھے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کیونکہ ہارن بے شک معمولی رفتار سے آ رہے تھے مگر یہ رفتار پھر بھی خاصی تھی اور اب وہ چٹان سے کوئی نصف کلومیٹر دور تھے۔ اتنے فاصلے سے ان کے لیے ہمیں دیکھ لینا مسئلہ نہیں تھا۔ میں چٹان کے کنارے لیٹا ہوا تھا اور ایرٹ میرے برابر میں تھا۔ ربیک ذرا فاصلے پر تھا۔ ہم تینوں ہی آنے والے ہارن کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی تعداد چھ تھی۔ اس سے پہلے میں نے صرف دو ہارن دیکھے تھے۔ ایک جو معبد کے کنویں میں قید تھا اور جس کے آگے مجھے پھینکا گیا تھا۔ مگر ابھی اوپر والے کو میری زندگی منظور تھی اس لیے میں بچ گیا تھا۔ پھر دوسری بار ہارن سے سامیرا کے قلعے کے عقب میں واسطہ پڑا اور اس بار بھی میں بچ نکلا۔ مگر دونوں مواقعوں پر میں نے ایک ہی ہارن دیکھا تھا۔ پہلا موقع تھا جو میں اس مخلوق کا پورا ریوڑ دیکھ رہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ چٹان کے پاس تھے۔ مگر انہوں نے چٹان کے اوپری حصے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اس کے بجائے وہ غراہٹ بھرے انداز میں شاید آپس میں محو گفتگو تھے۔ میری توجہ ایک بہت کمزور اور لاغر سے ہارن کی طرف گئی تھی۔ اس کی کھال ہڈیوں پر جھول رہی تھی اور اس کے سر اور ایال کے بال سفید ہو رہے تھے۔ ایک موقع پر اس نے منہ اوپر کیا تو اس کے چہرے پر بہت بوڑھے ہو جانے والے انسانوں کی طرح جھریاں بھی نظر آئی تھیں۔ اس کی گدلی آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ ہارن کے آپس کے تبادلہ خیال میں وہ شامل نہیں تھا اور ایک طرف خاموشی سے کھڑا تھا۔ یہ ہارن یا تو بیمار تھا یا پھر بہت زیادہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ باقی تمام ہارن تنومند اور پوری طرح صحت مند نظر آ رہے تھے۔ وہی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایرٹ نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''یہ کس لیے یہاں آئے ہیں۔''

''پتا نہیں مگر مجھے نہیں لگ رہا کہ یہ ہمارے چکر میں یہاں آئے ہیں۔ اگر انہیں ہماری موجودگی کا پتا ہوتا تو یہ ایک بار سر اٹھا کر اوپر تو دیکھتے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ایرٹ نے گویا سکون کا سانس لیا۔ ''یہ یہاں ہماری موجودگی سے واقف نہیں ہیں۔ اب یہ جتنی جلد یہاں سے چلے جائیں اتنا اچھا ہے۔''

''مگر یہ کسی نہ کسی کام سے یہاں آئے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''اگر چہ یہ جانور ہے لیکن بعض اوقات یہ مجھے انسانوں سے ملتے جلتے بھی لگتے ہیں تم دیکھ رہے ہو یہ آپس میں جیسے بات کر رہے ہیں۔''

ایرٹ نے غور کیا اور سر ہلایا۔ ''ہاں واقعی یہ تو جیسے آپس میں بات کر رہے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاغر ہارن کو چھوڑ کر باقی پانچ ہارن ایک دوسرے کی طرف منہ کیے تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ اور سروں کی جنبش سے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ آپس میں بات کر رہے ہیں مگر ہمیں جو سنائی دے رہا تھا وہ صرف غراہٹیں تھیں۔ کس غراہٹ میں کیا مفہوم پوشیدہ ہے یہ صرف ہارن جان سکتے تھے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ انسانوں کے علاوہ جانور بھی آپس میں بات کرتے ہیں مگر ان کی زبان میں الفاظ بہت کم اور صوتی تاثر سے عاری ہوتے ہیں۔ سمندری مخلوق ڈولفن اور بڑی وہیل مچھلیاں بھی آپس میں گفتگو کرتی ہیں اور ان کی زبان میں خاصے الفاظ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مچھلی شکار دیکھ لے یا کسی مشکل میں گرفتار ہو تو وہ مخصوص الفاظ کے ذریعے اپنی ساتھیوں آگاہ کرتی ہے۔ تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ دوسری مچھلی اس پر فوراً

ردِعمل ظاہر کرتی ہے۔ وہیل کا شکار کرنے والے بعض بڑے فشنگ ٹرالرز پانی میں ان ہی ریکارڈ شدہ آوازوں کا ٹیپ چلا کر وہیل مچھلیوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں اور پھر ان کا شکار کرتے ہیں۔

یہاں ہارن بھی جس طرح آوازوں کے ساتھ جسمانی ردِعمل دے رہے تھے اس سے لگ رہا تھا کہ وہ باقاعدہ گفتگو یا بحث کر رہے ہیں اور میری چھٹی حس نے اطلاع دی کہ یہ گفتگو یا بحث کا موضوع وہی کمزور اور بوڑھا ہو جانے والا ہارن تھا۔ جواب رحم طلب نظروں سے اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ مگر یہ مخلوق جس طرح انسانوں کے لیے رحم سے عاری تھی اسی طرح اپنے ہم جنسوں کے لیے بھی بے رحم تھی۔ ان کی بے رحمی کچھ ہی دیر میں کھل کر سامنے آ گئی۔ جب انہوں نے متفقہ فیصلے پر پہنچنے کے بعد لاغر اور بوڑھے ہارن سے کچھ کہا اور وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر نحیف آواز میں غرانے لگا۔ وہ شاید ان سے التجا کر رہا تھا مگر وہ اس کی التجا سننے کے نہیں بلکہ اپنے فیصلے پر عمل کرانے کے موڈ میں تھے۔ انہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا اور ایک طرف دھکیلنے لگے۔ پہلے تو ہم سمجھے نہیں کہ وہ اسے کس طرح لے جا رہے ہیں مگر کچھ دیر میں واضح ہو گیا۔ ربیک نے بے ساختہ کہا۔

''یہ اسے کنویں کی طرف لے جا رہے ہیں۔''

واقعی وہ اسے دھکیل کر کنویں کی طرف لے جا رہے تھے اور لاغر ہارن مزاحمت کی کوشش کر رہا تھا مگر ان پانچ تنومند اور طاقتور ہارن کے سامنے اس کی کوشش سیلاب پر بہنے والے تنکے کی مدافعت سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ اب رونے والے انداز میں غرا رہا تھا اور خود کو روک رہا تھا مگر ہر دھکے پر جو اسے کسی ہارن کی طرف سے دیا جاتا تھا وہ کنویں کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ انہوں نے اسے یوں گھیر رکھا تھا کہ اس کے فرار کی راہ بھی مسدود کر دی تھی۔ اگر وہ کسی سے بچ کر واپس آنے کی کوشش کرتا تو دوسرے کو اپنی راہ میں حائل پاتا۔ یونہی دھکیلتے ہوئے وہ اسے کنویں کے کنارے لے آئے۔ اس منظر کو واضح دیکھنے کے لیے ہم بھی چٹان پر ان کے ساتھ ساتھ گھوم رہے تھے۔ اب لاغر ہارن کنویں کے بالکل کنارے کھڑا تھا اور باقی ہارن نے اسے دھکیلنا بند کر دیا تھا مگر ساتھ ہی وہ اس کے سامنے کسی سنگی دیوار کی طرح جمے ہوئے تھے۔ میں نے ایرٹ، ایمار اور ربیک سے کہا۔

''یہ اسے کنویں میں کودنے کا کہہ رہے ہیں۔''

''مگر کیوں؟'' ایرٹ بولا۔

''شاید یہ بہت بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے یا پھر اس سے کوئی ایسی حرکت ہوئی ہے جس کی سزا میں یہ اسے نیچے پھینکنا چاہتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ان کا انداز بتا رہا ہے کہ یہ اس سے خود کود جانے کی توقع کر رہے ہیں۔'' ایرٹ بولا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے کہا۔ ہارن ہمارے بالکل نیچے کوئی سو فٹ کے فاصلے پر تھے۔ ان کے خیال سے ہم بہت ہی دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ اگر وہ آپس میں محو نہ ہوتے تو شاید ہماری آواز سن لیتے۔ مگر اس وقت انہیں اس کام کی پڑی تھی جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے اور اب اس کی تکمیل چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لاغر ہارن کودنے پر آمادہ نہیں ہے تو ایک دیوار کی طرح دباؤ ڈالنے کے لیے اس کی طرف بڑھے۔ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے اور وہ کنارے پر جمے رہنے کی اپنی کوشش میں ناکام ہو رہا تھا۔ اچانک ایک ہارن نے اس کی گردن پر زور سے ہاتھ مارا۔ اس وار میں اتنی قوت تھی کہ لاغر ہارن کوشش کے باوجود خود کو نیچے جانے سے نہ روک سکا۔ اس کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکلی اور اس کا جسم کنویں میں گرنے لگا۔

چند ہی لمحوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں منتظر تھا کہ اتنے وزنی جانور کے گرنے کی آواز تو آئے گی مگر اس کی آواز بھی نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں یہ کنواں بہت زیادہ گہرا تھا یا اس کی تہہ میں پانی تھا جس میں گرنے کی وجہ سے آواز اوپر تک نہیں آتی تھی۔ باقی ہارن ذرا جھک کر دیکھ رہے تھے۔ شاید ان کی نظر اتنی تیز ہو کہ تاریکی میں بھی نیچے دور تک دیکھ سکتی ہو۔ وہ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ رہے ہوں۔ چند لمحے بعد وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ یہاں سے جا رہے تھے اور کچھ دیر بعد ہم ان کے خوف سے آزاد ہو جاتے۔ مگر ابھی وہ چٹان کے ساتھ ہی پیچھے ہٹ رہے تھے کہ ہمارے عقب سے چھینک کی آواز آئی۔ یہ آواز اتنی نمایاں تھی کہ تمام ہی ہارن چونک گئے اور انہوں نے اوپر دیکھا۔ ہم چاروں تیزی سے پیچھے ہٹے تھے مگر اتنی تیزی سے نہیں ہٹ سکے کہ ان کی نظروں سے بچ پاتے۔ فوراً ہی ان کی دھاڑ نما غراہٹ بلند ہوئی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو ساشا اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی اور اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔ چھینک اسی نے ماری تھی۔ اگرچہ چھینک مارنے میں اس کا قصور نہیں تھا۔ مگر اس وجہ سے ہارن اس چٹان پر انسانوں کی موجودگی سے واقف ہو گئے تھے۔ وہ گھوڑوں کی طرح دوڑتے ہوئے چٹان کے ہر طرف گھوم رہے تھے اور شاید کوئی راستہ تلاش کر رہے تھے جس سے وہ اوپر آ سکیں۔ مگر یہاں ایسا کوئی راستہ نہیں تھا اور ہارن سے ہمیں فوری کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے باقیوں کو پیچھے رہنے کو کہا اور خود چٹان کے سامنے والے حصے کی طرف آیا۔ جہاں ہارن موجود تھے اور اوپر ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ غرا رہے تھے اور ہنکار رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ان کا جوش و خروش بڑھ گیا تھا۔ ایک تو باقاعدہ للکارنے لگا تھا کہ نیچے آ تجھے دیکھتے ہیں۔ مگر میرا اس کی للکار قبول کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ انہوں نے بھی چند منٹ کی بھاگ دوڑ کے بعد جان لیا کہ اس بلند چٹان پر چڑھنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مگر انہیں معلوم تھا کہ ہم کبھی نہ کبھی چٹان سے ضرور اتریں گے اور وہ اسی خیال سے چٹان کے آس پاس کھڑے ہو گئے۔ ربیک اور ایرٹ میرے پاس چلے آئے تھے۔ ربیک نے تشویش سے کہا۔

''یہ جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

''اس کینہ پرور جانور کو میں نے جتنا دیکھا ہے یہ انسان کو دیکھ لینے کے بعد اسے مارنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ اتنی آسانی سے جان نہیں چھوڑیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی الفاظ میرے منہ میں تھے کہ کہیں دور سے ایک آواز بلند ہوئی اور مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے یہ آرگون کے مخصوص قرنے کی آواز تھی جو جنگ یا کسی ہنگامی موقع پر بجایا جاتا تھا۔

○……❖……○

''اعلانِ جنگ۔'' ربیک نے سرسراتی آواز میں کہا۔

میرے ذہن میں فوری آرگون کا خیال آیا مگر اس خیال کے راستے میں یہ ہارن موجود تھے۔ قرنا پھونکے جانے کا مطلب تھا کہ آرگون کی فوج حرکت میں آنے والی تھی اور اس فوج کو سامیرا کے قلعوں تک پہنچنے میں نصف دن بھی نہیں لگتا۔ مگر باقاعدہ ساز وسامان اور حملے کی مکمل تیاری میں شاید انہیں قلعوں کے سامنے کچھ وقت لگتا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اگر رینالٹ کا رات کے وقت جنگ کا ارادہ نہیں تھا تو حملہ اگلی صبح ہی ہوتا۔ اس سے سامیرا کی فوج کو اپنی تیاری مکمل کرنے کا موقع مل جاتا۔ دفاعی انتظامات ایسے تھے کہ سامیرا کی فوج اگر ذرا بھی استقامت سے کام لیتی تو رینالٹ کی فوج کو کئی دن روک سکتی تھی اور اتنا وقت میرے لیے کافی ہوتا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ آرگون میں داخل ہوتا اور رینالٹ اور اس کے ساتھیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔

ساشا نے بتایا تھا کہ فوج کا زیادہ تر بہبود یافتہ حصہ رینالٹ نے اپنی اور سرکاری علاقے کی حفاظت کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ اس صورت میں ہمیں اندر کہیں زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا مگر یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ سامیرا کی فوج کو رینالٹ کی کم تر بہبود یافتہ فوج کا مقابلہ کرنا پڑتا۔ قرنے کی آواز نے سب کو ہی بے چین کر دیا تھا۔ ان نوجوانوں کے گھر بار اور رشتے دار قلعوں میں تھے اور فطری طور پر انہیں سب سے زیادہ فکر اپنے گھر والوں کی تھی۔ ایک نوجوان نے آگے آ کر کہا۔ ''ہمیں فوراً قلعوں کی طرف جانا چاہیے۔''

ایرٹ نے اس سے کہا۔ ''قلعوں میں لڑنے کے لیے بہت ساری فوج موجود ہے اور وہاں ہماری موجودگی اتنی ضروری نہیں ہے جتنا ضروری شہباز کا ساتھ دینا ہے۔''

''بالکل۔'' ربیک نے اس کی تائید کی۔ ''ہم اسی لیے یہاں ہیں کہ شہباز کا ساتھ دیں اور جو یہ کہے اس پر عمل کریں۔ ہمیں بھول جانا چاہیے کہ پیچھے ہمارے گھر بار اور رشتے دار ہیں۔''

''ہم ان ہی کے لیے تو نکلے ہیں۔'' ایمار نے کہا اور میری طرف اشارہ کیا۔ ''یہ شخص ہمارا کچھ نہیں لگتا اس کے باوجود ہمارے لیے لڑنے کو تیار ہے۔ کیا ہم اسے اس وقت اکیلا چھوڑ دیں۔''

''نہیں…… ہرگز نہیں…… بالکل نہیں۔'' کچھ آوازیں ابھریں۔

''تب ہمیں اس کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔'' ایرٹ بلند آواز سے بولا۔

''دینا چاہیے…… دینا چاہیے۔'' اس بار سب ہی چلائے تھے۔ ''ہم سب شہباز کے ساتھ ہیں۔''

ساشا عجیب سی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی اس نے اس دوران میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم کیا کہتی ہو کیا تم میرا ساتھ دو گی؟''

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں میں تمہارا ساتھ دوں گی۔''

مجھے اس کا انداز ذرا مختلف لگا۔ مگر موقع نہیں تھا کہ میں اس پر غور کرتا۔ میں نے حکم دیا۔ ''تب ہمیں یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے ہمیں آرگون جانا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم آرگون کیسے جا سکتے ہیں؟'' ربیک نے بے یقینی سے کہا۔''اس کے چاروں طرف فصیل اور اس پر پہرہ ہوگا۔''

''ایک راستہ ہے جس سے ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر آرگون میں داخل ہو سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''مگر پہلا مرحلہ یہاں سے نکلنا ہے اور اس کے لیے ہارن کو یہاں سے ہٹانا ہوگا۔''

ہارن بذات خود ایک بڑا مسئلہ تھے اور ہماری ساری قوت بھی ان کے خلاف بیکار تھی۔ انہیں یہاں سے ہٹا کر ہی ہم نکل سکتے تھے اور یہ بھی ضروری تھا کہ وہ ہمارے پیچھے نہ آنے پائیں۔ ایرٹ نے تجویز پیش کی۔''ہم اوپر سے تیر مارتے ہیں۔''

''غیر منظم تیر اندازی کا ان پر اثر نہیں ہوگا۔ چند ایک تیر لگے بھی تو اس کے بعد یہ دور ہٹ جائیں گے جہاں تک تیر نہ جا سکیں۔''

میرے انکار پر ربیک نے پوچھا۔''پھر ہم کیا کریں سامنے سے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ہمیں پیچھے کی طرف کوئی راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔'' میں نے چٹان کے عقب میں دیکھا۔ ویسے تو چٹان چاروں طرف سے الگ تھی مگر اس کے عقب میں ایک چھوٹا سا حصہ زمین سے خاصی بلندی پر دوسری چٹانوں تک جا رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔''اگر ہم اس کی مدد سے پیچھے چٹانوں تک جا سکیں تو ہارن کی نظروں میں آئے بغیر یہاں سے نکل سکیں گے۔''

''اس پر اترنا آسان نہیں ہوگا۔'' ربیک نے کہا۔

''ہم کوشش کر سکتے ہیں۔'' ایرٹ نے اپنا ترکش اور کمان رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک رسّی باندھی اور اس کے سہارے نیچے اترنے لگا۔ اس دوران میں چند نوجوان ہارن پر نظر رکھے ہوئے تھے کہ ان میں سے کوئی اس طرف نہ آ جائے۔ اگرچہ یہ مختصر سی جگہ زمین سے خاصی بلند لگ رہی تھی مگر کیا کہا جا سکتا تھا کہ ہارن اس تک رسائی حاصل کر لیں۔ ایرٹ خاموشی سے جا رہا تھا چند منٹ میں وہ اس چھوٹے سے حصے پر تھا اس نے رسّی ڈھیلی کی اور آگے جانے لگا۔ اوپر جاتے ہوئے پتھر کا یہ ٹکڑا مختصر اور سیدھا ہوتا جا رہا تھا۔ آگے چڑھنا دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں ایرٹ کی مہارت کام آئی اور وہ کسی نہ کسی طرح دوسری طرف موجود چٹان پر چڑھ گیا۔ سب سے پہلے اس نے چٹان کا جائزہ لیا کہ وہ محفوظ ہے یا نہیں اور اس کے بعد اشارے سے ہمیں اس پر آنے کو کہا۔ وہ جو رسّی ساتھ لے کر گیا تھا، اس نے اسے ہی کہیں باندھ دیا اور اب دوسرا کوئی اس رسّی کے سہارے با آسانی اس چٹان تک جا سکتا تھا۔

ہم باری باری چٹان پر جانے لگے اور اس دوران میں ہارن کی نگرانی جاری رہی تھی۔ وہ ہماری سرگرمی سے بے خبر تھے، مگر وہ زیادہ دیر بے خبر بھی نہ رہتے۔ آخر میں صرف میں، ساشا اور ربیک رہ گئے۔ میں نے ان دونوں کو پہلے جانے کو کہا مگر ربیک نے اصرار کیا کہ پہلے میں جاؤں۔ میں مان گیا۔ پہلے ساشا گئی۔ اس کے پیچھے میں تھا۔ اس دوران میں ربیک نگرانی کر رہا تھا۔ میں چٹان سے نیچے اترا تو ساشا دوسری چٹان پر جانے والے راستے پر تھی۔ اسے چٹانوں پر چڑھنے میں کمال مہارت تھی۔ مگر وہ کہتے ہیں نا کہ تیراک ہی ڈوبتا ہے اور شہ سوار گرتے ہیں۔ تو یہاں بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اوپر جاتے ہوئے لاپروائی سے کام لے رہی تھی کہیں کہیں وہ رسّی چھوڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی دیتی تھی ایسے ہی ایک موقع پر اس کے پاؤں تلے موجود چٹان کا ایک حصہ جو یقیناً پہلے سے ہلا ہوا تھا یک دم ہی ٹوٹا۔ وہ لڑکھڑائی اور دونوں اطراف میں سے کسی طرف گرنے سے بچنے کی کوشش میں راستے پر گری اور لڑھکتی ہوئی میری طرف آنے لگی۔

ڈھلان پر اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ گرتے ہوئے اس نے چیخ بھی ماری تھی اور پھر اس کے منہ سے مسلسل آواز نکل رہی تھی۔ وہ مجھ سے کوئی بیس بائیس گز آگے گری تھی اور جب وہ نیچے آ رہی تھی تو مجھے لگا کہ وہ راستے پر نہیں رہ سکے گی اور چٹان سے نیچے گر جائے گی۔ اس کے باوجود میں اسے روکنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے رسّی دائیں ہاتھ پر لپیٹ لی اور قدم مضبوطی سے راستے پر جمائے۔ میری نظر نزدیک آتی ساشا پر جمی ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے چار گز دور تھی جب راستے پر بھی اس کا توازن بگڑا اور وہ بائیں طرف گرنے لگی۔ میں نے آگے کی طرف جست لگائی اور رسّی سے تقریباً جھولتے ہوئے نارزن کی طرح ساشا کو پکڑ لیا۔ میرے ہاتھ میں اس کا بایاں ہاتھ آیا تھا اور اب وہ اس کے سہارے خلا میں جھول رہی تھی۔ زمین اس کے پیروں تلے کوئی بیس فٹ نیچے تھی۔ اتنی بلندی سے گر کر مرنے کا امکان کم تھا مگر اس کی کوئی ہڈی ٹوٹ سکتی تھی اور سب سے بڑا خطرہ ہارن کا تھا۔ یہاں چٹانوں کے درمیان اتنی جگہ تھی کہ ہارن کوشش کرتے تو اس طرف آ سکتے تھے۔ ساشا اب بھی چیخیں مار رہی تھی۔ میں نے کہا۔

''چیخو مت ہارن یہاں آ سکتے ہیں۔''

یک دم وہ ساکت اور خاموش ہوئی تو میں سمجھا میری بات کا اثر ہو گیا ہے۔ رسّی میری کلائی پر لپٹی ہوئی تھی اور میں ٹارزن کی ہی طرح ہی جھولتے ہوئے واپس آیا تھا۔ مگر ساشا کے پاؤں ابھی راستے پر نہیں آئے تھے وہ بدستور راستے کے بائیں طرف جھول رہی تھی۔ یہ اوپر بندھی رسّی کی پوزیشن کا کمال تھا کہ جب اس پر پورا زور آیا تو یہ اس طرف ہو گئی جس طرف بندھی ہوئی تھی اور اب ہم دونوں ہی راستے سے دور ہو گئے تھے۔ البتہ میں چٹانی دیوار سے آ کر لگا تھا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ میں راستے سے کوئی دو گز کی دوری پر اور کوئی دو گز ہی نیچے خلا میں تھا اور ساشا میرے ہاتھ کے سہارے بالکل ہی خلا میں تھی۔ میری پشت دیوار سے رگڑ کھا رہی تھی مگر اس کے پاس جسم ٹکانے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں اسے جھلا کر اوپر لے جانے کی کوشش کرنے کا سوچ رہا تھا کہ ٹاپوں کی مخصوص آواز آئی اور میں ساکت ہو گیا۔

تب میں نے اس ہارن کو دیکھا جسے ساشا نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور ساکت و خاموش ہو گئی تھی۔ وہ چٹانوں سے گھومتا ہوا ہم سے کوئی پچاس گز کی دوری پر نمودار ہوا تھا۔ یقیناً ساشا کی چیخوں نے اس کی رہنمائی کی تھی۔ مگر ابھی اس کی نظر ہم پر نہیں گئی تھی کیونکہ وہ سر جھکا کر زمین کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت ساشا کے پاؤں زمین سے کوئی پندرہ سولہ فٹ کی بلندی پر تھے اور یہ بلندی خطرے کی حد میں تھی۔ میں نے رسّی پر زور دیتے ہوئے اپنا جسم جھلایا تاکہ ساشا کو راستے تک پہنچا سکوں۔ اس نے بھی سمجھ لیا کہ میں کیا کوشش کر رہا ہوں اور وہ جھولنے میں میرا ساتھ دینے لگی۔ پہلی کوشش ناکام رہی کیونکہ یہ عجلت میں کی گئی تھی۔ میرا جسم راستے کے نزدیک ہو گیا تھا مگر ساشا پیچھے تھی اور اس کا دایاں ہاتھ راستے سے دور رہا۔ اسی دوران میں ہارن نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ بھڑک کر غرایا اور ہماری طرف لپکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پاؤں اوپر کرلو۔'' میں نے ساشا سے کہا۔ ''میرے اوپر چڑھنے کی کوشش کرو۔''

ساشا نے سہمی اور گھگیائی ہوئی آواز نکالی اور اپنے پاؤں ممکن حد تک اوپر کر لیے تھے۔ اب وہ دائیں ہاتھ سے میرا کرتہ تھام کر اوپر ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہارن عین ہمارے نیچے آیا اور اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے ساشا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ ایک لمحے کو مجھے لگا کہ وہ اسے پکڑ لے گا مگر اس کے ہاتھ ساشا سے ذرا ہی دور رہ گئے تھے۔ اگر اس نے پاؤں اوپر نہ کیے ہوتے تو شاید ہارن کامیاب ہو جاتا۔ پہلی ناکامی کے بعد وہ ذرا پیچھے ہوا اور پھر گھوڑے کی طرح پچھلے پیروں پر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے دوبارہ ساشا پر ہاتھ مارا۔ اس بار وہ اس لیے بچ گئی کہ میں اسے دوسرے جھولے میں اوپر لے گیا تھا۔ ہارن کے ہاتھ ایک بار پھر خلا میں لہراتے رہ گئے تھے۔ ہارن کی وجہ سے ساشا کو راستے کا ہوش نہیں تھا ورنہ وہ کوشش کرتی تو کنارہ تھام لیتی۔ میں کنارہ پکڑنے کو کہتا رہ گیا اور اس نے یہ موقع ضائع کر دیا۔

میں بڑی مشکل پوزیشن میں تھا۔ رسّی میری کلائی کے گرد لپٹی ہوئی تھی مگر یہ دونوں چٹانوں پر بندھی تھی اس لیے اس کے بلوں کا زور میری کلائی پر آ رہا تھا۔ اگر یہ ایک طرف بندھی ہوتی تو زیادہ بوجھ میری ہتھیلی کی پکڑ اٹھا لیتی مگر یہاں رسّی دو طرف بندھی تھی اور میں ہتھیلی سے اسے پوری طرح گرفت نہیں لے سکتا تھا۔ میرے وزن کے ساتھ ساشا کا وزن بھی تھا۔ رسّی کے دوہرے بندھن کی وجہ سے ہم ٹھیک سے جھول بھی نہیں پا رہے تھے۔ ہم واپس آئے اور نیچے ہوتے ہارن کے عین اوپر سے گزرے جو دوسری بار اچھلنے کی تیاری کر رہا تھا اور اس بار اس نے اندازہ کر لیا تھا ہم کب اس کے اوپر سے گزریں گے وہ اسی لحاظ سے اوپر ہوتا۔ وہ بالکل درست وقت پر اچھلا تھا اپنے دونوں پیروں پر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے اپنے خوفناک ہاتھ ساشا کی طرف بڑھائے اور اس بار بظاہر اس سے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مگر جب ہم اس کے اوپر سے گزر گئے اور اس کے ہاتھ ہم سے دور رہے تو میں اس کرشمے پر حیران رہ گیا تھا۔ میرے حساب سے بچنے کا امکان نہیں تھا اس کے باوجود ہم بچ گئے تھے اور جب ہم جھولتے ہوئے کنارے تک آئے تو مجھے دوسری خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا کہ اب ہم راستے سے اوپر تھے۔ ساشا نے دوسرا موقع ضائع نہیں کیا اور پہلے پاؤں ٹکائے اور پھر خود بھی بل کھا کر راستے پر چلی گئی۔ میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور اس کے ساتھ ہی یک دم مجھے بہت سکون ملا تھا۔ میری کلائی پر آنے والا دباؤ بہت کم رہ گیا تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے بھی رسّی تھام لی۔ اب اس کا زاویہ بدل رہا اور میں بغیر جھولے ہی راستے پر جا رہا تھا۔ ساشا کے اترنے کے چند لمحے بعد میں بھی راستے پر آ گیا تھا مگر میں نے رسّی نہیں چھوڑی تھی۔ کیونکہ میرے قدم ڈگمگا رہے تھے۔

یہ سارا کمال ایرٹ، ایمار اور دوسرے نوجوانوں کا تھا۔ انہوں نے اپنی طرف والی رسّی پکڑ کر کھینچی تو پہلے ساشا ہارن کی دوسری کوشش سے بھی بچ گئی۔ پھر انہوں نے رسّی کا زاویہ بدلتے ہوئے مجھے بھی راستے پر ڈال دیا تھا۔ مشکل سے ایک منٹ کے واقعے نے مجھے اور ساشا دونوں کو پسینے پسینے کر دیا تھا اور ہماری سانس یوں پھول رہی تھیں جیسے ہم نے میراتھن میں حصہ لیا ہو۔ ساشا راستے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ گرنے سے اس کا کرتہ رگڑ کے باعث کچھ جگہوں سے پھٹ گیا تھا اور اس کا گلابی جسم جھلک رہا تھا۔ مگر جان بچ گئی تھی۔ اس کے مقابلے میں کرتہ پھٹ جانے یا معمولی چوٹوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم ٹھیک ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں۔'' اس نے مرتعش لہجے میں کہا۔ ''تم بھی ٹھیک ہو؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''اب تم پوری احتیاط سے اوپر جاؤ۔ رسّی مت چھوڑنا۔''

اس نے سر ہلایا اور اوپر جانے لگی۔ ربیک پچھلی چٹان کے اوپر سے جھانک رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تم بھی آجاؤ اس سے پہلے کہ مزید ہارن یہاں آئیں۔''

ناکام ہارن غضب ناک نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا کیونکہ ہم اس کی پہنچ سے باہر تھے۔ دو تین بار اس نے راستے پر چڑھنے کی کوشش کی مگر جلد اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ راستہ کم سے کم بھی زمین سے پچیس فٹ اوپر تھا۔ مگر ہارن کے یہاں آنے سے ہمیں یہ نقصان ہوا کہ وہ واقف ہو گئے کہ ہم یہاں سے فرار ہو رہے ہیں اور اب وہ آگے کہیں ہمارا راستہ روک سکتے۔ ساشا کے بعد میں بھی دوسری طرف پہنچا تو ربیک بدستور اسی چٹان پر تھا اور نیچے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی تو اس نے پلٹ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اشارے سے ہمیں رکنے اور صبر کرنے کو کہا۔ وہ یقیناً ہارن کا جائزہ لے رہا تھا۔ راستے کی طرف آنے والا ہارن بھی باہر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ربیک ہماری طرف آیا مگر اس نے رسّی نہیں کھولی تھی۔ چٹان پر چڑھتے ہی اس نے بتایا۔

''وہ کنویں کے گرد گھوم کر آگے جا رہے ہیں۔''

کنواں اس چٹان سے نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ وہ پہلی چٹان کے ساتھ تھا۔ میں نے سوال کیا۔ ''سب گئے ہیں؟''

''سب چلے گئے ہیں۔'' ربیک نے یقین سے کہا۔ ''ہمارے پاس موقع ہے۔''

''کیسا موقع؟'' ایرٹ نے پوچھا۔

''ہم واپس چٹان پر جا کر اتریں اور یہاں سے نکل جائیں۔''

''لیکن اگر یہ دھوکا ہوا یا ہارن اس دوران میں آگئے تو؟'' ایمار نے اعتراض کیا۔

''اس کا خطرہ تو آگے بھی ہے ہم جہاں اتریں گے وہاں ہارن موجود ہو سکتے ہیں۔ وہ یہاں آتے ہیں اور اس جگہ کے چپے چپے سے واقف ہیں۔''

''ربیک ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے تائید کی۔ ''ہارن کا خطرہ ہر جگہ ہے اور ہمیں یہاں سے نکلنے کے لیے مختصر ترین راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ویسے ہارن سے بچنے کے لیے ہمارے پاس محلول ہے۔ جس کی بو سے یہ بھاگتے ہیں۔''

ربیک چونکا۔ ''اسے تو ہم بھول گئے تھے۔''

''لیکن مجھے یاد ہے۔'' میں نے کہا۔ ''البتہ اگر ہم صرف اس محلول کے بل بوتے پر ہارن سے بچنے کی کوشش کرتے تو اس کا امکان تھا کہ وہ ہماری کوشش کسی طرح ناکام بنا دیں۔ ایک آدھ ہارن پر یہ کارآمد ہوتا ہے لیکن زیادہ تعداد کی صورت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا حکمت عملی اختیار کرتے جب کہ ہمیں بہت طویل سفر کرنا ہے۔ یعنی ان کے پاس لامحدود وقت اور مواقع ہوں گے کہ وہ ہمیں مار سکیں۔''

ان کا ہارن سے واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے وہ چپ رہے۔ مجھے یاد تھا کہ جس ہارن کے سامنے مجھے پھینکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا تھا اس نے میرے جسم سے آتی بُو کی وجہ سے مجھے ہاتھوں سے پکڑنے کی کوشش نہیں کی مگر اس نے گھوم کر مجھے دولتی سے مارنے کی کوشش ضرور کی تھی اگر ایسی ہی کوشش یہ ہارن کرتے تو ہماری بقا خطرے میں پڑ جاتی۔ ربیک کی تجویز مان لینے کے بعد میں اور ربیک واپس چٹان پر آئے اور ہم نے احتیاط سے سامنے آئے بغیر چٹان کے نیچے کا اور خاص طور سے کنویں کے آس پاس کا جائزہ لیا۔ مگر ہمیں دور تک کوئی ہارن نظر نہیں آیا۔ وہ سچ مچ یہاں سے جا چکے تھے۔ لیکن اگر وہ کہیں دور جا بھی چکے تھے تب بھی ان کو واپس آنے میں دیر نہ لگتی اگر انہیں کسی طرح پتا چل جاتا کہ ہم اس چٹان سے اتر آئے ہیں۔ ان کے دوڑنے کی رفتار ہمارے گھوڑے سے زیادہ ہی تھی۔ ان کا بے خبر رہنا ہی ہماری بقا کی ضمانت تھی۔ میں نے دور جنگل کی طرف اشارہ کیا۔

''ہمیں وہاں تک پہنچنا ہے اس کے بعد ہی ہم محفوظ ہو سکتے ہیں۔''

ربیک نے سر ہلایا۔ ''تب ہمیں فوری روانہ ہو جانا چاہیے ہم جتنی دیر کریں گے ہارن کی واپسی کا خطرہ اتنا ہی بڑھ جائے گا۔''

''ہم باری باری نیچے اتریں گے اور جب ایک جنگل تک پہنچ جائے گا تو دوسرا اترے گا۔''

''اس میں بہت وقت لگ سکتا ہے۔'' ربیک نے نقطہ اٹھایا۔

''اس صورت میں دو دو کر کے روانہ ہوں گے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اس سے زیادہ نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''جو پہلے جائیں گے ان کے پاس محلول ہوگا۔ کسی خطرے کی صورت میں وہ فوری محلول پی لیں اور جب تک جسم سے بُو نہ آنے لگے خود کو ہارن سے دور رکھیں۔''

ربیک نے تائید کی تو میں نے باقی سب کو بھی واپس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک ایک کر کے اسی راستے سے واپس آئے اور آخر میں ایریٹ رسّی کھولتا ہوا آیا تھا۔ ان میں سے کچھ اس فیصلے سے مطمئن نہیں تھے مگر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ ربیک نے سب کو سمجھایا کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ سب سے پہلے ربیک اور ایک نوجوان جاتے۔ سامیرا نے اس بار محلول کی کئی بوتلیں بھجوائی تھیں۔ ایک بوتل اور کچھ سامان ربیک اور اس کے ساتھی نے لیا۔ وہ رسّی اور لکڑی کی سیڑھی کی مدد سے نیچے اترے اور پوری رفتار سے جنگل کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ دوسری ٹیم میں ایمار اور ایک نوجوان تھا۔ وہ بالکل تیار تھے جیسے ہی پہلی ٹیم جنگل میں داخل ہوئی وہ بھی نیچے اترے اور دوڑ پڑے۔ اس دوران میں کچھ آس پاس کی نگرانی کر رہے تھے کہ کسی طرف سے بھی ہارن نمودار ہوں تو دوسروں کو خبردار کر دیا جائے۔

حکمتِ عملی میں یہ بھی شامل تھا کہ کسی ناگہانی کی صورت میں اگر کوئی دوسروں سے بچھڑ جائے تو وہ تباہ ہونے والے ٹیلے تک پہنچے۔ کیونکہ اس صورت میں باقی سب بھی وہیں جائیں گے۔ دوسری ٹیم کے پہنچتے ہی تیسری ٹیم روانہ ہوگئی۔ ہر ٹیم تقریباً چار منٹ میں جنگل پہنچ رہی تھی یوں آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں سب جنگل میں پہنچ جاتے اور اس کے بعد ہم آگے سفر کرتے۔ سب سے آخر میں، میں اور ساشا تھے۔ اس نے کسی اور کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور میرے ساتھ جانے کو کہا تھا۔ جب چھٹی ٹیم بھی چلی گئی تو میں نے سیڑھی اوپر کھینچی۔ اسے لپیٹ کر سامان میں رکھا اور رسّی نکال کر اسے ایک ابھرے پتھر کے گرد گھما کر دونوں رسیوں کو ملا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چند ثانیے اور ساشا سے کہا۔ ''اسے پکڑ کر نیچے اترو مگر دونوں رسیاں مضبوطی سے پکڑنا ایک بھی ہاتھ سے نکل گئی تو تم گر جاؤ گی۔''

اس نے سر ہلایا اور نہایت آرام سے نیچے پہنچ گئی۔ پھر میں نے رسّی پکڑی اور اسی طرح نیچے آیا۔ رسّی کے بل کھولے اور اسے کھینچ لیا۔ اس کا بنڈل بنا کر شانے پر ڈالا اور ہم بھی جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساشا آگے دوڑ رہی تھی اور میں اس سے ذرا فاصلے پر تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ حالانکہ اس نے بھی کچھ سامان اٹھا رکھا تھا۔ دیکھنے میں وہ خاص نہیں لگتی تھی مگر اب تک میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ جسمانی طور پر بہت فٹ اور اچھے اسٹیمنا کی مالک تھی۔ چٹانوں پر چڑھنے کی مہارت میں دیکھ چکا تھا۔ پھر مشکل وقت میں جب ہارن اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا تب بھی اس نے اپنے حواس بحال رکھے تھے۔ جب کیرٹ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ساشا کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا تب میں یہ سوچ کر بھی ہچکچایا تھا کہ وہ کمزور لڑکی یہ مشکل ترین سفر کیسے کرے گی۔ مگر اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ کمزور نہیں تھی۔ ہم بھی چند منٹ میں درختوں تک پہنچ گئے جہاں باقی سب بے تابی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ربیکہ نے کہا۔

''آپ برقت آئے وہ دیکھیں۔''

میں نے پلٹ کر دیکھا تو کنویں والی سمت سے ہارن نمودار ہو رہے تھے۔ شاید انہیں چٹانوں میں ہمارا سراغ نہیں ملا اور شاید ان کے ذہن میں یہی خیال آیا ہوگا کہ کہیں واپس اسی چٹان سے اتر کر فرار نہ ہو جائیں اور ہم نے ایسا ہی کیا تھا۔ ہارن چٹان کے اوپر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ ان کی نظر کی رسائی سے بہت بلند تھی۔ اچانک ایک ہارن جو زمین پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ زور سے غرایا۔ اس کی آواز یہاں تک آئی تھی اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کو اشاروں آمیز زبان میں کچھ بتانے لگا۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر جنگل کی طرف اشارہ کیا تو میری چھٹی حس نے مجھے اشارہ دیا اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''دوڑو..... پوری رفتار سے۔''

خطرہ سب نے محسوس کر لیا تھا اور میرے کہتے ہی سب حرکت میں آ گئے۔ ہم ایک قطار میں دوڑ رہے تھے اور جنگل کے آڑے ترچھے راستوں میں ہماری رفتار خاصی تیز تھی۔ اس بار سب سے آگے میں تھا اور ساشا میرے پیچھے تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہارن کو زمین پر کوئی ایسا نشان نظر آ گیا تھا جو اس سے پہلے وہاں نہیں تھا اور اسی وجہ سے اس نے سمجھ لیا کہ ہم چٹان سے اتر کر جنگل کی طرف فرار ہو گئے ہیں۔ میں نہیں دیکھ سکا تھا کہ اس کے باقی ساتھی قائل ہوئے یا نہیں اور وہ ہمارے پیچھے آ رہے تھے؟ یہ وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوتا ہم اس یقین کے ساتھ دوڑ رہے تھے کہ پیچھے ہارن ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ٹیلے تک کا سفر مشکل سے پندرہ منٹ میں طے ہو گیا اور جب ہم ندی کے پاس رکے تو سب ہانپ رہے تھے۔ سب نے اپنے خشک ہو جانے والے گلے تر کیے اور دوڑنے سے گرم ہو جانے والے جسموں کو ندی کے سرد پانی سے ٹھنڈا کرنے لگے۔ میں خود ندی کے ساتھ گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔

ساشا جونز دیک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی لباس سمیت ندی میں چلی گئی۔ بھیگنے سے کھلا کرتہ اس کے جسم سے چپک رہا تھا۔ روبیرا تنے دن میرے ساتھ رہی مگر اس نے کبھی میرے یا کسی کے سامنے ندی میں غسل نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ اکیلے میں غسل کرتی تھی۔ مگر ساشا کو اتنے مردوں کی موجودگی میں ندی میں نہانے میں کوئی شرم محسوس نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئی۔ بلکہ اس کی وجہ سے ربیک اور اس کے ساتھی جھینپ کر ندی سے نکل آئے۔ ہم نے پانچ منٹ سے زیادہ آرام کر لیا تھا جو میرے حساب سے کافی تھا۔ اگرچہ ابھی تک ہارن ہمارے پیچھے نہیں آئے تھے مگر ان کا خطرہ ٹلا نہیں تھا۔ میں اٹھا اور منہ ہاتھ دھو کر خود کو تازہ دم کیا اور دوسروں سے مخاطب ہوا۔ ''اب ہمیں قلعوں کی طرف جانا ہے۔''

ربیک چونکا۔ ''مگر آپ نے تو کہا تھا کہ ہمیں آرگون جانا ہے۔''

''ہمیں آرگون ہی جانا ہے لیکن اس سے پہلے رینالٹ کی فوجوں کی پیش قدمی اور جنگ کی صورتِ حال دیکھنی ہے۔ ہم مداخلت نہیں کریں گے۔''

اس بار بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا وہ سب پوری طرح فرمانبرداری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ دوپہر ہو چکی تھی اور اب سورج شاید مغرب کی طرف جھک چکا تھا۔ ہمیں تاریکی چھانے سے پہلے قلعوں کے پاس پہنچنا تھا تاکہ صورتِ حال کا واضح جائزہ لے سکیں۔ کھانا بنانے کا موقع نہیں تھا اس لیے سب نے خشک لنچ کیا جو چنوں، پنیر اور میٹھی روٹی پر مشتمل تھا اس بار سامیرا نے پکوا کر بڑی مقدار میں یہ میٹھی روٹی بھیجی تھی۔ یہ خاصے دن تک محفوظ رہ سکتی تھی اور اس کا ذائقہ خراب نہیں ہوتا تھا۔ اس نے پنیر اور مکھن میرے لیے بھیجا تھا۔ ربیک اور اس کے ساتھی اپنے لیے خشک گوشت لائے تھے۔ اناج تھا اور کچھ خشک کیے ہوئے پھل تھے۔ یہ سب اتنا تھا کہ ہم آرام سے ہفتے بھر گزارا کر سکتے تھے۔

قرنے کی آواز نے سب کو فکر مند کر دیا تھا۔ اگرچہ ان میں سے کسی کو جنگ کی ہولناکی کا پتا نہیں تھا مگر ان کی چھٹی حس آنے والے مشکل حالات کا پتا دے رہی تھی۔ آج ندی میں خاصی مچھلیاں نظر آئیں مگر کسی کا موڈ نہیں تھا کہ پکڑتا اور نہ ہی وقت تھا۔ ہم مشکل سے دس بارہ منٹ وہاں رکے اور کھاتے ہی روانہ ہو گئے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ہم باغات کی آڑ لیں گے کیونکہ امکان تھا کہ اب دونوں طرف باغات میں کوئی نہیں ہوگا۔ آرگون کی طرف سے خطرہ تھا کہ کوئی صرف ہماری نگرانی کے لیے نہ موجود ہو اس لیے ہم پہلے جنوب کی طرف گئے اور جب قلعوں کی زمین کے پاس پہنچے تو یہاں سے مشرق کی طرف مڑ گئے۔ اس جگہ سے قلعوں کے کھیت اور باغات زیادہ فاصلے پر نہیں تھے جب کہ آرگون کے کھیت ہمارے بائیں طرف شمال میں شروع ہو گئے تھے۔

اسی جگہ سے ہم نے ساشا کو حاصل کیا تھا۔ وہ عجیب لڑکی تھی۔ ہمارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ساتھ نہیں تھی۔ میں نے اس کی جان بچائی تو اس نے جواب میں کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا، شکریہ ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ مجھے اس کے شکریے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس کا یہ رویہ معمولی نہیں تھا۔ شروع میں اس نے میرے بارے میں جس طرح کا ردِعمل دیا تھا اور بے ساختہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا تھا اس کے بعد میرا اس کی طرف سے چوکنا رہنا فطری بات تھی۔ میری چھٹی حس رہ رہ کر اشارہ دے رہی تھی کہ وہ جسمانی طور پر ضرور ہمارے ساتھ ہے لیکن اس کا دل و دماغ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ ابتدائی مخالفانہ ردِعمل کے بعد اس نے پھر کوئی ردِعمل نہیں دیا تھا اور اس کا انداز سپاٹ سا تھا مگر میرے نزدیک یہ اس کے کھلے ردِعمل سے زیادہ تشویش ناک تھا۔

ہم قلعوں کی زمین میں داخل ہوئے۔ یہاں کاشت کی جانے والی جنس کاٹ لی گئی تھی۔ مگر دوسری فصلیں ابھی پک رہی تھیں۔ آج یہاں بھی کوئی فرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم باغوں میں داخل ہوئے تو انہیں بھی خالی پایا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے باوجود ہم محتاط تھے کیونکہ اگر سامیرا کی فوج سے سامنا ہوتا تو آرگون کے جنگی لباس کی وجہ سے وہ ہمیں دشمن ہی سمجھتی۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ ایسے مقامات سے گزریں کہ دور سے نظر نہ آئیں۔ ابھی ہم قلعوں سے کوئی تین میل دور تھے کہ ہمیں آرگون کی طرف سے آگے بڑھتی سیاہ نظر آ گئی۔ یہ انسانوں کو بہت بڑا ریلہ تھا جو سامیرا کے قلعوں کی طرف بڑھ رہا تھا اور ان کی تعداد ہزاروں میں لگ رہی تھی۔ بہت منظم اور پوری طرح مسلح سپاہیوں کے اس ریلے کو دیکھ کر میرے تمام ہی ساتھی سہم گئے تھے۔ ربیک نے کہا۔ ''ایسا لگ رہا ہے رینالٹ نے اپنی پوری قوت سے حملہ کیا ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' میں نے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''میں سمجھا نہیں جناب۔''

''رینالٹ نے ساری سپاہ باہر بھیج دی ہے اس کا مطلب ہے کہ آرگون اس وقت خالی ہوگا۔'' میں نے وضاحت کی تو ربیک سمجھ گیا مگر اس کی فکر کم نہ ہوئی۔ بہت بڑی تعداد میں جارح فوج کی پیش قدمی کا منظر دیکھنا اور اسے برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا ہے، خاص طور سے جب آپ اس حملہ آور فوج کا نشانہ ہوں۔ میں ربیک اور اس کے ساتھیوں کی فکرمندی سمجھ رہا تھا۔ ان کا گھر اور گھر والے داؤ پر لگے ہوئے تھے۔ اگر خدانا خواستہ رینالٹ کی فوج کامیاب ہو جاتی تو سامیرا کے لوگ مارے جاتے اور اگر بچ جاتے تو موت سے بدتر غلامی میں مبتلا ہو جاتے۔ وہ آزادی کا مزہ چکھ چکے تھے اور اس صورت میں یہ غلامی ان کے لیے اور بھی اذیت ناک ہوتی۔ انسانوں اور قوموں کو ایسی صورتِ حال کا سامنا رہتا ہے اور وہ صرف حوصلے اور کوشش سے ہی اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

یہاں باغات کے درمیان ایک بڑی سی چٹان تھی۔ کسی وجہ سے اسے یونہی چھوڑ دیا گیا تھا ورنہ اس سارے علاقے کو بہت اچھی طرح ہموار اور پتھروں سے صاف کر دیا گیا تھا۔ چٹان کوئی دس بارہ گز لمبی چوڑی اور کوئی سات گز اونچی تھی۔ میں نے باقی سب کو وہیں رکنے کو کہا۔ صرف ربیک اور ایرٹ کو ساتھ لے کر اس کی طرف بڑھا۔ ہم کوشش کر کے اس پر چڑھ گئے اور اوندھے منہ لیٹ کر رینالٹ کی فوج کا جائزہ لینے لگے۔ اتنی بلندی سے یہ منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ سب سے آگے حسبِ معمول نیزہ بردار تھے۔ ان کی کئی قطاروں کے پیچھے تیر اندازوں کی قطاریں تھیں۔ پھر لشکر کے دوسرے حصے تھے۔ وہ اس وقت آرگون کے کھیتوں اور باغات سے گزر رہے تھے اور انہوں نے فصلوں اور درختوں کو نقصان سے بچانے کے لیے اپنی فوجی ترتیب توڑ دی تھی۔ وہ ان سے بچتے ہوئے چل رہے تھے۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان کی تعداد کتنی ہے اور مجھے لگا کہ وہ کم سے کم چار ہزار افراد تھے۔

یہاں سے سامیرا کے قلعے اتنے واضح نہیں تھے مگر ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں سارے دفاعی اقدامات کر لیے گئے تھے۔ قلعوں کے دروازے بند تھے اور فصیلوں پر تیر انداز موجود تھے۔ آرگون کے سپاہی جس رفتار سے چل رہے تھے ان کو قلعوں کے نزدیک پہنچنے میں مزید ایک گھنٹا لگ سکتا تھا۔ اس وقت تک شام ہو جاتی اور کچھ دیر بعد رات کی تاریکی چھا جاتی۔ تو کیا آرگون کی سپاہ اندھیرے میں حملہ آور ہوتی؟ لیکن اس طرح دن میں سامنے آ کر اندھیرے میں حملہ آور ہونے کی تک سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ امکان یہی تھا کہ حملہ اگلی صبح کیا جائے گا۔ مگر سامیرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس کی فوج کو کسی بھی وقت حملے کے لیے تیار رہنا چاہیے تھے۔ فوج کے عقب میں کسی قدر کھلی جگہ کچھ بڑی چیزیں حرکت کر رہی تھیں۔ مگر وہ اتنی دور تھیں کہ واضح نہیں تھیں۔ ربیک نے مجھے متوجہ کیا۔ ''وہ کیا ہو سکتا ہے؟''

میں نے غور کیا اور مجھے یہ کسی قسم کی مشینری لگی۔ ''میرا خیال ہے یہ تیر برسانے والی یا اسی قسم کا کوئی کام کرنے والی مشین ہے۔''

یہ مشینری خاصی بھاری تھی اور بہت سُست رفتاری سے حرکت کر رہی تھی۔ ابھی یہ آرگون کے پاس ہی تھی اور اس رفتار سے اسے سامیرا کے قلعوں تک پہنچنے میں چھ سات گھنٹے درکار تھے۔ میں نے گنا۔ مشینوں کی تعداد ایک درجن سے زیادہ تھی اور یہ زمین سے کوئی چار گز اونچی تھیں اسی وجہ سے اتنی دوری سے الگ نظر آ رہی تھیں۔ یہ یقیناً لکڑی سے بنی تھیں اور مجھے فوری آتشیں تیروں کا خیال آیا یہ ان کا آسان شکار بن سکتی تھیں۔ رینالٹ کی فوج کا اکثر ساز و سامان لکڑی کا تھا حد یہ کہ سپاہ کی زرہ بکتر بھی لکڑی کی تھی۔ ایسے میں آگ انہیں بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتی تھی۔ میرے ساتھی بھی یہی سوچ رہے تھے۔ ایرٹ نے بھی یہی کہا۔

''آپ نے آتشیں تیروں والا جو حربہ ہمیں سکھایا ہے وہ یہاں بہت کام آئے گا۔ ان کا تو سارا ہی سامان لکڑی کا ہے۔''

''یہ درست ہے اس کے باوجود ہمیں صرف آتشی تیروں پر انحصار نہیں کرنا چاہیے یہ صرف پیش قدمی سُست کرنے اور جنگ سے پہلے دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی تدبیر ہے۔ اصل جنگ انسانوں کے درمیان ہی ہوگی اور اس میں وہی کامیاب ہوگا جو ثابت قدم رہے گا۔''

انہوں نے ابتدائی خوف کے بعد خود پر قابو پا لیا تھا۔ ربیک پُرعزم لہجے میں بولا۔ ''ہم ثابت قدم رہیں گے۔ معاملہ ہماری آزادی اور عزت کا ہے۔ ہم آخر تک لڑیں گے۔''

''اب ہمیں کیا کرنا ہے جناب؟'' ایرٹ بولا۔

میں بھی یہی سوچ رہا تھا اور میں نے کہا۔ ''ہمیں دو آدمی آرگون کی فصیل کی طرف روانہ کرنے ہیں جو جائیں اور وہاں کے حفاظتی انتظامات دیکھ کر آئیں۔''

ان کا خیال تھا کہ میں فوری آرگون کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کروں گا۔ ان کے لیے میرا یہ فیصلہ غیر متوقع تھا۔ مگر ایرٹ نیچے اترا اور اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اس نے ان میں سے دو افراد چنے اور انہیں آرگون کی طرف روانہ کیا کہ وہ وہاں کا جائزہ لے کر آئیں۔ وہ آرگون کی مکمل فوجی وردی میں تھے اس لیے اگر کوئی نہیں دیکھ لیتا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے باوجود ایرٹ نے انہیں چھپ کر جانے کو کہا۔ باقی آدمیوں کو اس نے آس پاس پھیلا کر چھپنے کو کہا تھا کہ اگر کوئی اچانک خطرہ آ جائے تو ہم بے خبری میں شکار نہ ہوں۔ پھر وہ واپس چٹان پر آیا۔ روشنی مدھم ہو رہی تھی اور کچھ دیر میں رات آ جاتی۔ آرگون کی سپاہ ابھی بھی قلعوں سے دور تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان کا پلان سکون اور اطمینان سے قلعوں کا محاصرہ کرنے اور اس کے بعد کارروائی کا تھا۔ رینالٹ کی سپاہ کو قطعی جلدی نہیں لگ رہی تھی۔

''مجھے فوری جنگ کے آثار نظر نہیں آ رہے۔'' میں نے کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ ''ربیک کیا تم سامیرا کے قلعے تک جا سکتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل جا سکتا ہوں۔'' اس نے مستعدی سے کہا۔ ''میں قلعے کے عقب میں جا کر رسّی کی مدد سے اندر جا سکتا ہوں آرگون والوں کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

''وہ چاروں طرف سے محاصرہ کریں گے۔'' میں نے اسے خبردار کیا۔ ''لیکن ابھی وہ دور ہیں۔ تم جاؤ اور سامیرا تک میرا پیغام پہنچاؤ کہ جنگ میں کسی صورت پہل نہ کی جائے اور دشمن کو نزدیک آنے دیا جائے لیکن ایک بار جنگ شروع ہو تو دفاعی پلان پر پوری طرح سے عمل کیا جائے۔ دوسرے رینات کی فوج میں لکڑی کا سامان بہت زیادہ ہے تیر انداز دستے آتشیں تیروں سے انہیں نشانہ بنائیں۔ یہ پیغام دے کر جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کرو۔''

ربیک نے سر ہلایا۔ وہ چٹان سے اترا اس نے جنگی وردی اتار کر سفید کرتا پہنا اور دوڑتا ہوا باغات میں غائب ہو گیا۔ ابھی اس کے پاس دو گھنٹے کا وقت تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ رینات کی سیاہ تاریکی چھانے تک قلعوں کے پاس پہنچے گی اور محاصرے کا عمل شاید نصف رات یا صبح کے قریب مکمل ہو گا۔ مگر انہیں تینوں قلعوں کو محاصرے میں لینا ہو گا۔ تینوں قلعوں کے درمیان فاصلہ اتنا کم تھا کہ وہ ان کے درمیان میں نہیں آ سکتے تھے انہیں ایک بڑا بیضوی دائرہ بناتے ہوئے تینوں قلعوں کو گھیرنا تھا۔ مجھے امید تھی کہ ربیک یہ کام کر کے دو گھنٹے میں واپس آ جائے گا۔ کچھ دیر میں تاریکی کے آثار نظر آنے لگے اور اس کے ساتھ ہی قلعوں کی طرف مشعلیں روشن کی جانے لگیں۔ ربیک کو بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ کہیں سامیرا کے کمانڈرز اعصاب زدہ ہو کر قبل از وقت جنگ نہ چھیڑ دیں انہیں دشمن کے پوری طرح نزدیک آنے کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔

رینات کی سیاہ تاریکی مکمل ہونے تک قلعوں سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر پہنچ گئی اور وہیں رک گئی۔ اس کے بعد اس نے پڑاؤ ڈالنے کا عمل شروع کر دیا۔ وہاں خیمے نصب کیے جا رہے تھے اور قلعوں کی طرف سے کسی حملے کے تدارک کے لیے لکڑی کی بنی نوکدار دیواریں نصب کر رہے تھے۔ یہ تیار دیواریں وہ ساتھ لائے تھے اور اب انہیں صرف ترتیب سے رکھنا تھا۔ مشعلیں نصب کی جا رہی تھیں اور یہ تیز روشنی والی مشعلیں تھیں جن کی روشنی سو گز تک کے علاقے کو منور کر رہی تھی۔ ایسی ہی مشعلیں قلعوں کی طرف بھی روشن کی جا چکی تھیں۔ اب یہاں خاصی تیز روشنی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر برف والا اوپر سے دیکھ رہا ہوا تو اسے میدانِ جنگ سجتا ہوا دکھائی دے رہا ہو گا۔ اس وادی کے باشندے اپنی تاریخ کے خوفناک ترین معرکے سے دوچار ہونے والے تھے جس میں بہنے والے خون کا ہر قطرہ انہیں ہی کمزور کرتا۔

○.....❖.....○

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے مذہب، قوم اور رنگ و نسل سے قطع نظر انسانوں کے خون کا بہنے والا ہر قطرہ انسانیت کو کمزور کرتا ہے۔ مگر نفس اور شیطان کے پیروکار کب بہنے والے خون کی پروا کرتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی موت ان کے نزدیک مہنگا سودا نہیں ہوتا اگر ان کا مفاد حاصل ہو جائے۔ ایسا ازل سے ہوتا آیا تھا اور ابد تک ہوتا رہے گا کہ لاکھوں انسان چند افراد کے مفاد یا ہوسِ اقتدار کی بھینٹ چڑھتے رہیں۔ یہاں پر بھی رینات اور اس کا مفاد پرست ٹولہ ایسا ہی ایک کھیل کھیلنے جا رہا تھا۔ تاریکی پھیلنے کے خاصی دیر بعد ربیک نمودار ہوا۔ اس نے چٹان کے پاس آتے ہی تاریکی میں نمایاں ہونے والا اپنا کرتا اتار دیا اور آرگون کی سرخ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وردی پہن کر اوپر آیا۔ وہ خاصا پُر جوش لگ رہا تھا اور اس نے کہا۔ ''میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور سامیرا نے کہا ہے کہ وہ ایسا ہی کریں گی۔ انہوں نے جوابی پیغام دیا ہے کہ جب تک جنگ کا آغاز نہیں ہوتا آپ یہیں ٹھہریں گے۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''کیا یہ سامیرا کی ذاتی رائے ہے؟''

''نہیں انہوں نے کہا ہے کہ ان سے کہا گیا ہے کہ آپ کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے۔''

میں سمجھ گیا کہ سامیرا کو برف والے کا پیغام آیا ہوگا۔ مگر میں آرگون کی فوج کے اتنے نزدیک خود کو آرام دہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ لازمی بات تھی پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان کے گشتی دستے آس پاس کا معائنہ کرنے کے لیے نکلتے اور وہ اس چٹان تک بھی آتے۔ ہمیں اس سے پہلے پیچھے ہٹ جانا چاہیے تھا۔ مگر یہاں آس پاس ایسی کوئی جگہ بھی نہیں تھی جہاں سے ہم اتنی آسانی سے آرگون کی فوج پر نظر رکھتے۔ اس لیے میں نے پیچھے ہٹنے کے بجائے طے کیا کہ میرے ساتھی آس پاس چھپے رہیں گے اور میں، ربیک اور ایرٹ کے ساتھ چٹان پر رہوں گا۔ اگر آرگون کی سپاہ میں سے کوئی اس طرف آیا تو ہم خود کو چھپائیں گے اور اگر ظاہر ہونے لگے تو حملہ کریں گے۔ حملے کا سن کر میرے ساتھی پُر جوش ہو گئے اور اسی وجہ سے چھپ کر پہرہ دینے جیسی مشکل ڈیوٹی پر آمادہ ہو گئے۔

ساشا نیچے تھی اور اسے میں نے باغوں کے درمیان دو ساتھیوں کے ساتھ رکھا تھا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ وہ آرگون کی فوج کی نقل و حرکت سے بے خبر رہے لیکن میرے ساتھی آپس میں اس بارے میں بات کر رہے تھے اور وہ سن رہی تھی تو اسے یقیناً علم ہو گیا تھا کہ ہم رینات کی سپاہ کے بالکل نزدیک ہی کہیں موجود ہیں۔ میں نے اس سے ہوشیار رہنے کو کہہ دیا تھا مگر یہ نوجوان اتنے بھی ہوشیار نہیں تھے جتنا کہ ہونا چاہیے تھا۔ وہ اسے ایک عام اور معصوم سی لڑکی سمجھ رہے تھے۔ ان کے خیال میں اس سے ہوشیار رہنے کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ بظاہر وہ ایسی ہی تھی۔ مگر اس میں کوئی ایسی بات تھی جو میں اب تک سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس لیے میں اس سے ہوشیار رہنا چاہتا تھا۔ نیچے کہیں سونے کی گنجائش نہیں تھی اس لیے سب کے ساتھ وہ بھی جاگ رہی تھی۔ ہم اوپر چٹان پر لیٹے تھے یہ سخت مگر ہموار تھی اور ایسی کھردری جگہیں کم تھیں جو جسم میں چبھے۔

اس لیے موقع غنیمت جان کر ہم اسی پر باری باری آرام کرنے لگے۔ ہر گھنٹے بعد آرام کرنے والوں کی باری بدل جاتی تھی۔ یہ ضروری تھا ورنہ صبح تک ہم سب نیند اور آرام کی کمی سے سُست ہو جاتے۔ جو آرام کر لیتے وہ پہرہ دینے نیچے چلے جاتے تھے۔ ساشا کو بھی آرام کا موقع ملا۔ اس وقت میں اس کے ساتھ تھا۔ وہ ذرا فاصلے پر کسی مجسمے کی طرح ساکت لیٹی ہوئی آسمان کو تک رہی تھی۔ ستارے نکل آئے تھے اور ان کی ہلکی سی روشنی میں آس پاس کسی حد تک نظر آ رہا تھا۔ اس نے اچانک میری طرف کروٹ لی اور بولی۔ ''شہباز ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں پوچھو۔''

''تم جس دنیا سے آئے وہاں لوگ اپنے رشتے داروں سے محبت کرتے ہیں۔''

''بالکل اسی طرح جیسے تم لوگ اپنے پیاروں سے کرتے ہو۔''

اس نے کچھ دیر بعد پھر کہا۔ ''اگر وہ ان سے بچھڑ جائیں تو ان کا دکھ ہمیشہ تازہ رہتا ہے؟''

''کیا تمہارے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے؟'' میں نے جوابی سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''نہیں ہمارے ہاں لوگ کچھ عرصے بعد بھول جاتے ہیں مگر بابا کا غم میرے دل سے نہیں جا رہا ہے، مجھے لگ رہا ہے یہ غم وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا ہے۔''

اس نے پہلی بار اپنے بارے میں بات کی تھی۔ میں نے ہچکچا کر وضاحت کی۔ ''شاید اس لیے کہ کیرٹ ہی تمہارا سب کچھ تھا اور اس نے تمہیں پالا۔ اس لیے جب وہ اچانک جدا ہوا تو تم نے بہت زیادہ محسوس کیا۔''

''نہیں میں نے اس لیے زیادہ محسوس کیا کہ بابا اس انجام کے مستحق نہیں تھے۔'' اس نے بھیگے لہجے میں کہا۔ ''وہ اچھے انسان اور بہت اچھے باپ تھے۔''

''بہت سے اچھے انسان اس انجام کے مستحق نہیں ہوتے مگر انہیں اس سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ ان کی تقدیر میں ہوتا ہے۔''

''میں تقدیر کو نہیں مانتی۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''اور مذہب کو؟''

''مجھے یہ سب دھوکا لگتا ہے۔''

''حالانکہ تم ایک پجاری کی بیٹی ہو۔''

''اسی لیے تو مجھے سب دھوکا لگتا ہے، میں نے سب بہت قریب سے دیکھا ہے۔ مجھے لگتا ہے بابا بھی اسے دھوکا ہی سمجھتے تھے مگر ان کی مجبوری تھی وہ یہ بات کہہ نہیں سکتے تھے۔''

''کیرٹ نے یہ بات دوسری طرح کہہ دی۔ اپنے ساتھیوں اور نظام کے خلاف ہمارا ساتھ دے کر۔''

''نتیجہ کیا ہوا انہیں ذلت سے سزائے موت دے دی گئی۔'' اس کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

''ساشا تم کیا سمجھتی ہو کیرٹ کی موت کا ذمے دار میں ہوں؟'' میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔ ''حالانکہ میں خود کیرٹ اور برف والے کے ہاتھ میں ایک مہرہ ہوں۔ برف والے نے مجھے کیرٹ کے پاس بھیجا اور اس نے مجھے آرگون کی آزادی کے لیے ایک پلان دے کر سامیرا کی طرف روانہ کیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے کس آدمی نے غداری کی اور اس کا راز فاش کر دیا۔''

ساشا خاموش رہی اور پھر چت ہو کر لیٹ گئی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اب مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔ کچھ دیر بعد دوسرے کی باری آ گئی اور میں نیچے اتر گیا۔ ایک گھنٹے بعد ساشا بھی نیچے آ گئی تھی۔ اب تک آرگون کی سپاہ کا کوئی دستہ اس طرف نہیں آیا تھا۔ مگر وہ پڑاؤ کے آس پاس منڈلا رہے تھے، اس کا اندازہ مشعلوں کی روشنی سے ہو رہا تھا۔ رات کے آخری پہر سب ہی چوکنا ہو گئے تھے کیونکہ کچھ دیر میں صبح ہونے والی تھی۔ رات میں آرگون کی فوج نے قلعوں کا محاصرہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ کام شاید انہوں نے اگلی صبح پر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ قلعوں کی طرف آتے ہوئے جب وہ ہماری طرف کے باغات سے گزر رہے تھے تو انہوں نے فصلوں اور باغوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ اب انہیں مال غنیمت سمجھ رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ سامیرا کی شکست کے بعد یہ کھیت اور باغات بھی ان کے ہوں گے اور یہاں موجود فصلیں اور سبزی و پھل بھی ان کے ہوں گے۔ اس لیے انہیں اجاڑنے اور برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جیسے ہی صبح کی روشنی نمودار ہوئی ریناٹ کی فوج میں حرکت کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ رات بھر آرام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے تازہ دم ہو گئے تھے اور یہ رینالٹ کی حکمتِ عملی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی تھکی ہاری فوج حملے کا آغاز کرے۔ اسی لیے وہ اس وقت یہاں پہنچی جب رات ہو چکی تھی اور اس نے پڑاؤ ڈال کر اپنے مورچے بنائے اور اب آرام کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ دوسری طرف سامیرا کی فوج حملے کے خوف سے رات بھر جاگتی رہی ہو گی اور اب وہ اتنے تازہ دم نہیں ہوں گے۔ مگر یہ میرا قیاس تھا ممکن ہے سامیرا کے کمانڈرز نے رینالٹ کی حکمتِ عملی بھانپ لی اور اپنی سپاہ کو بھی رات میں آرام دیا ہو۔ روشنی تیز ہوتے ہی ان کی حرکت میں بھی تیزی آئی تھی اور فوج کے دستے منظم انداز میں نکل کر قلعوں کے دونوں طرف پھیلنے لگے۔ وہ محاصرے کا عمل مکمل کرتے جا رہے تھے۔

جو بھاری مشینیں کل آرگون سے روانہ ہوئی تھیں وہ اب قلعوں کے پاس پہنچ گئی تھیں اور ہمارے اندازے کے عین مطابق یہ تیر پھینکنے والی مشینیں ہی نکلی تھیں۔ انہیں اس ترتیب سے لایا گیا تھا کہ یہ نیم دائرے میں پھیلی ہوئی تھیں اور ان سے تینوں قلعوں کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ قلعوں کے دروازے توڑنے کے لیے پہیوں والے درخت کے بھاری تنے تھے جنہیں دروازوں تک لے جا کر اتنی زور سے مارا جاتا کہ ان کے قبضے جواب دے جاتے اور وہ کھل جاتے۔ آرگون کی سپاہ تیروں سے بچنے کے لیے بڑی ڈھالوں سے لیس تھی۔ یہ ڈھالیں بھی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ رینالٹ کی فوج کے سامان میں لکڑی کی بہتات تھی۔ شاید انہوں نے جنگ میں آگ کو بہ طور ہتھیار استعمال کرنے کا سوچا بھی نہیں ہو گا۔ اگر سامیرا کے تیر انداز آتشیں تیروں کا درست استعمال کریں تو دو بدو جنگ سے پہلے انہیں بہت بھاری نقصان پہنچا سکتے تھے۔

سامیرا اور اس کے لوگ جنگ نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ اور آرگون والے ایک ہی نسل سے تھے۔ ان کا آپس میں لڑنا ذاتی نقصان ہوتا۔ شاید یہ بات سامیرا کی فوج کو کھل کر لڑنے سے روکے مگر مجھے معلوم تھا ایک بار جنگ شروع ہو گئی تو اس کے بعد دونوں طرف سے پوری شدت سے لڑائی ہو گی اور نہ جانے کتنا نقصان ہو گا۔ اس نقصان کو روکنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ جلد از جلد رینالٹ اور اس کے ٹولے کا خاتمہ کر کے آرگون پر قبضہ کر لیا جائے۔ ایک بار آرگون ہمارے قبضے میں آ جاتا تو رینالٹ کی سپاہ اپنی پشت خالی پا کر خود ہتھیار ڈال دیتی۔ میں نے سوچا تھا کہ صبح ہوتے ہی آرگون کی طرف روانہ ہو جاؤں گا مگر برف والے نے جنگ کے آغاز تک یہیں رکنے کو کہا تھا اور میں اس کی بات ماننے پر مجبور تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے ہر حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور یہ وجہ آگے چل کر سامنے آتی ہے اس لیے میں اس کی ہدایت سے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی یہ میری ذاتی جنگ نہیں تھی اس لیے مجھے اپنی عقل لڑانے کی بجائے برف والے کے حکم کے مطابق ہی عمل کرنا چاہیے تھا۔

سورج بلند ہونے سے پہلے رینالٹ کی فوج نے سامیرا کے تینوں قلعوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اگرچہ تینوں قلعوں کی حفاظت کے لیے سامیرا کے دستے موجود تھے مگر ربیک کے مطابق دونوں چھوٹے قلعوں کی مکمل آبادی کو مرکزی قلعے میں منتقل کر لیا گیا تھا جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ اب چھوٹے قلعوں میں کوئی عام فرد نہیں تھا۔ اسی طرح سوائے سپاہیوں کی ضرورت کی رسد چھوڑ کر خوراک کا بڑا حصہ بھی مرکزی قلعے میں منتقل کر لیا گیا تھا۔ قلعوں کی مرمت اور فصیل اونچی کرنے سے ان کی حفاظت میں اضافہ ہوا تھا۔ اب تک دونوں طرف سے خاموشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ محاصرے کے دوران کئی بار رینٹ کی فوج قلعوں کے نزدیک بھی آئی مگر قلعوں کی طرف سے کوئی تیر نہیں چلا تھا۔ سامیرا میری ہدایت کے مطابق صبر سے کام لے رہی تھی۔ رینٹ کی سپاہ لکڑیوں اور گھاس کے گٹھوں سے بنائی ہوئی آتشیں دیوار سے فاصلے پر تھی۔

کہیں کہیں وہ اس کے نزدیک بھی آئی مگر انہوں نے اس دیوار کو چھیڑا نہیں تھا۔ غالباً وہ اس کا مقصد نہیں سمجھے ہوں گے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ لکڑیوں کے ڈھیر کے نیچے خشک گھاس تھی جو آگ پکڑنے والے روغن سے تر تھی۔ صرف چند آتشیں تیر مارنے کی دیر تھی اور یہ پوری دیوار آگ پکڑ لیتی جسے پار کرنا آگ کا دریا پار کرنے کے مترادف ہوتا۔ اسے آگ لگانے کا سب سے مناسب وقت وہ ہوتا جب حملہ آور فوج کا کچھ حصہ اس کے پار آجاتا اور باقی اس کے عقب میں ہوتا۔ اس طرح رینٹ کی فوج دو حصوں میں بٹ کر رہ جاتی۔ میں رینٹ کی فوج اور اس کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ربیک اور ایرٹ پُرجوش ہو رہے تھے انہوں نے کہا۔ ''کیا ہم کچھ نہیں کر سکتے؟''

ان کا اشارہ یقیناً چھاپہ مار کارروائی کی طرف تھا۔ میں نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''فی الحال نہیں، ہمیں دیکھنا اور انتظار کرنا ہے۔''

''ایک تجویز ہے۔'' ایرٹ بولا۔

''کیسی تجویز؟''

''کیوں نہ ہم رینٹ کے فوج کے عقب میں موجود ان کی فصلوں کو آگ لگا دیں۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' میں نے اس کی تجویز پر غور کرتے ہوئے کہا۔

''ایک تو ان میں افراتفری پھیلے گی کہ شاید ہماری فوج کہیں عقب میں بھی موجود ہیں۔ دوسرے ان کا آرگون سے رابطہ بھی ختم ہو جائے گا۔''

''ختم تو نہیں ہوگا لیکن کچھ دیر کے لیے مشکل ضرور ہو جائے گا۔'' میں نے اس کی بات پر غور کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ کام ہوگا کیسے؟ فصلیں تو میلوں کے رقبے پر پھیلی ہیں۔''

''ہم کریں گے۔'' ایرٹ میری رضامندی محسوس کر کے پُرجوش ہو گیا تھا۔ ''ہم دو شاخے جلا کر ان کی مدد سے فصلوں کو آگ لگا دیں گے۔''

''نہیں۔'' میں نے انکار کیا تو اس کا چہرہ اتر گیا۔ ''اس میں بہت زیادہ خطرہ ہے اور یہ کام کرنے والوں کی بہ حفاظت واپسی کی کوئی ضمانت نہیں ہے لیکن.....''

ایرٹ کا چہرہ پھر پُرامید ہو گیا۔ ''لیکن کیا؟''

''تمہاری تجویز اچھی ہے، ہم اس پر بعد میں اور دوسرے طریقے سے عمل کریں گے۔''

''کس طرح؟''

اگرچہ مجھے قبل از وقت اپنے پلان بتانے کی عادت نہیں ہے مگر ربیک اور ایرٹ کی تسلی کے لیے میں نے انہیں بتا دیا کہ ہم کس طرح اس پلان پر عمل کریں گے کہ کامیاب بھی رہیں اور ہمیں خطرہ بھی نہ ہو۔ سب سے بڑھ کر وہ اس منصوبے پر عمل کے لیے بہترین وقت ہوگا۔ میں سوچنے کے معاملے میں نارمل انسان ہی ہوں لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالات نے میرے ذہن کی تربیت ایسی کی ہے کہ کسی بھی سچویشن میں کوئی تدبیر بہت سُرعت سے میرے ذہن میں آتی ہے۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا اور چند لمحوں میں ایک مکمل منصوبہ میرے ذہن میں آ گیا تھا کہ ہمیں یہ کام کس طرح کرنا ہے کہ ہمیں خود بھی کوئی خطرہ نہ ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ اس کے لیے تیاری شروع کر دیں کیونکہ جنگ کا آغاز ہوتے ہی ہمیں بھی حرکت میں آجانا ہوگا اور تب تیاری کا وقت نہیں ہوگا۔ ربیک کے نوجوانوں کو لے کر روانہ ہو گیا۔ ساشا بدستور چٹان سے دور درختوں میں تھی۔ ایرٹ کو چٹان پر چھوڑ کر میں نیچے اور ساشا سے کہا۔

''میرے ساتھ چلو۔''

وہ ہلا جھجک کھڑی ہو گئی۔ ہم ٹہلتے ہوئے دوسروں سے ذرا فاصلے پر آئے اور میں نے ایک لکڑی لے کر زمین پر آرگون کا نقشہ بنایا۔ یعنی اس کی فصیل جس نے پورے شہر کو گھیرا ہوا تھا اور جو مجھے کیرٹ نے نقشے میں دکھائی تھی اسے زمین پر لکیر سے واضح کیا۔ ساشا غور سے دیکھ رہی تھی اور یقیناً سمجھ بھی رہی تھی۔ نقشہ مکمل کر کے میں نے لکڑی سے اشارہ کیا اور وضاحت سے کہا۔ ''یہ آرگون کی فصیل ہے۔ یہاں اس کا مرکزی دروازہ ہے۔ تم سمجھ رہی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں میں نے سارا آرگون دیکھا ہوا ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے اب تمہیں سمجھنے میں آسانی رہے گی۔ میں شہر کا نقشہ بنا رہا ہوں اگر میں غلطی کروں تو تم دینا۔'' میں نے کہا اور فصیل کے دائرے میں آبادی اور دوسری جگہوں کو واضح کرنے لگا۔ عام آبادی کو الگ اور خاص یعنی امرا کی آبادی کو الگ کیا اس کے ساتھ ہی سرکاری اور پھر شاہی علاقہ تھا۔ سرکاری اور شاہی علاقے کے نزدیک سے معبد تک جانے والی سرنگ شروع ہوتی تھی۔ ساشا غور سے میرا بنایا ہوا نقشہ دیکھ رہی تھی اور میں جو بتا رہا تھا سر ہلا کر اس کی تصدیق کر رہی تھی۔ میں نے اسے تقریباً درست نقشہ بنا کر دکھا دیا۔ چند ایک جگہوں میں ناواقفیت کی وجہ سے غلطی کر گیا جو ساشا نے درست کر دی اور جب اس نے تصدیق کر دی کہ یہ درست ہے میں نے اس سے پوچھا۔ ''تمہیں کہاں قید رکھا گیا تھا؟''

''اس جگہ۔'' اس نے سرکاری علاقے میں موجود قید خانے والی جگہ اشارہ کیا جہاں میں بھی قید رہا تھا۔

''تم قید خانے کے نگران کا نام اور حلیہ بتا سکتی ہو۔''

اس نے کہا۔ ''میں نام نہیں جانتی مگر وہ بہت لمبا اور مضبوط جسم والا آدمی تھا۔''

اس نے درست بتایا تھا۔ ''تمہاری رہائش شہر میں تھی یا معبد میں؟''

''میں معبد میں پیدا ہوئی اور وہیں پلی بڑھی ہوں۔'' ساشا نے جواب دیا۔ ''لیکن میں آرگون آتی جاتی رہتی تھی۔ بابا جب آرگون آتے تو مجھے ضرور ساتھ لاتے تھے۔''

''تم کبھی شاہی محل یا اس کے آس پاس گئی ہو۔''

اس نے زمین پر بنے نقشے میں انگلی سے ایک جگہ دائرہ کھینچا۔ ''یہ شاہی محل کا حصہ ہے۔ اس کے چاروں طرف اونچی دیوار ہے جسے کوئی پار نہیں کر سکتا۔ دیوار پر ہر تھوڑے فاصلے پر برج ہیں جن میں ماہر تیر انداز موجود ہوتے ہیں۔ چار دیواری کے اندر بھی سخت پہرہ ہوتا ہے اور کوئی نظروں میں آئے بغیر دو قدم بھی نہیں جا سکتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم یہاں جا چکی ہو تم نے یہاں کتنے سپاہیوں کو دیکھا ہے؟''

''بے شمار۔'' اس نے کہا۔ ''آخری بار میں دو مہینے پہلے گئی تھی اور تب وہاں بہت زیادہ پہرہ ہو گیا تھا، قدم قدم پر سپاہی موجود تھے۔''

میں غور کر رہا تھا۔ شاہی محل کا دائرہ سرنگ کے دہانے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا مگر یہ تھوڑا سا فاصلہ یقیناً دنیا کے دشوار ترین فاصلوں میں سے ایک تھا۔ میں نے اس سے شاہی محافظوں کا حلیہ پوچھا۔ اس نے بتایا۔ ''خاص فوج کے سپاہی سرمئی رنگ کے چھوٹے کُرتے اور اسی رنگ کا پاجامہ پہنتے ہیں یہ سب سے الگ لباس ہے اور کسی کو یہ رنگ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''تم شاہی احاطے میں موجود عمارتوں کی وضاحت کر سکتی ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''یہاں نصف درجن عمارتیں ہیں۔'' اس نے دائرے میں ان کی پوزیشن واضح کرنا شروع کر دی۔ ''وسط میں شاہی محل ہے۔ اس کے عقب میں بڑا سا تالاب ہے۔ تالاب کے پار ملازموں اور ضروری سرکاری حکام کے لیے رہائش ہے۔ یہاں ان کے لیے دو عمارتیں ہیں ایک عام ملازموں کے لیے اور دوسرے حکام کے لیے۔'' اس نے اب سامنے کی طرف کھلے میدان کے دائیں طرف ایک عمارت کی نشاندہی کی۔ ''یہاں شاہی محافظ ٹھہرتے ہیں۔ مگر کسی کو خاندان ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے سامنے میدان کے پار شاہی تقریب گاہ ہے اور اس کے برابر میں دربار ہے۔''

مجھے یاد تھا کہ مجھے اسی عمارت میں رینالٹ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ مگر میں نے یہ علاقہ اس طرح سے نہیں دیکھا تھا کہ پورا میرے ذہن میں محفوظ ہو جاتا۔ ساشا نے بہت اچھی طرح سے وضاحت کر دی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ''کیا تم یہاں حملہ کرنا چاہتے ہو؟''

''اگر ممکن ہوا تو۔'' میں نے کہا۔

''یہ ناممکن ہے یہاں کوئی نہیں گھس سکتا ہے۔''

''انسان جب تک کوئی کام کر نہ لے اسے ممکن یا ناممکن نہ کہے۔ بعض اوقات بہت آسان نظر آنے والا کام بھی ممکن نہیں ہوتا اور بعض اوقات ناممکن نظر آنے والا بھی ممکن ہو جاتا ہے۔'' میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ صبح سے اب تک کسی نے کچھ نہیں کھایا تھا اور سب کو بھوک لگ رہی تھی اس لیے سب پیٹ پوجا میں لگ گئے۔ ربیک اور اس کے ساتھ گئے نوجوان جب اپنا کام کر کے لوٹے تو انہوں نے بھی ناشتہ کیا۔ ہمارے پاس خاصا پانی تھا۔ اس سے ہم آرام سے دو تین دن گزارا کر سکتے تھے، بہ شرط کہ اسے منہ ہاتھ دھونے میں ضائع نہ کرتے۔ اس عیاشی سے سب گریزاں تھے ورنہ انہیں جا کر بہت دور سے پانی لانا پڑتا۔ ایرٹ جو چٹان پر اب تک نگرانی کر رہا تھا میں اس کے پاس آیا تو اس نے رپورٹ دی۔

''دونوں طرف سے جنگ کے آثار نہیں آ رہے۔ خاص طور سے رینالٹ کے کیمپ میں بہت ٹھنڈ ہے۔''

اب تک رینالٹ کی فوج کا جتنا جائزہ لیا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ساری قوت میدان میں لے آیا تھا۔ مگر دشمن کے بارے میں ہمیشہ یہ سوچنا چاہیے کہ اس کے پاس کوئی حیران کر دینے والا حربہ ہو گا۔ رینالٹ کے پاس ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کی صورت میں ایک حربہ تھا تو۔ خاص طور سے باسو اس جنگ میں اکیلا ہی بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اگر وہ مرشد کی درگاہ پر ہونے والے حملے کی طرح سر سے پاؤں تک بلٹ پروف اور اپنے خاص ہتھیاروں کے ساتھ میدان میں آجاتا۔ اگر وہ یہ سب نہیں لایا تھا تب بھی عام ہتھیاروں کے ساتھ وہ، کرنل اور زینی بہت بڑی قوت تھے۔ ایک بار پھر مجھے اپنے ہتھیاروں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ اگر برف والا کسی طرح سے یہ ہتھیار مجھ تک پہنچا دیتا تو میں نسبتاً آسانی سے رینالٹ تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔ مگر اس نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر یہ ہتھیار اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اسے ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کتنے خطرناک ہوسکتے تھے۔ بہرحال میں سوائے صبر کے اور کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

رینالٹ کی فوج اپنی جگہ جم کر بیٹھ گئی تھی اور ایسا لگ رہا تھا اس کا فی الحال جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس کے سپاہی عمومی قسم کے کاموں میں مصروف تھے اور کہیں کہیں وہ آپس میں لڑنے کی مشق بھی کررہے تھے مگر مجموعی طور پر ماحول بہت ٹھنڈا تھا۔ حد یہ کہ انہوں نے آس پاس کسی ممکنہ دشمن کی تلاش میں دستے بھی نہیں بھیجے تھے۔ وہ اپنے پڑاؤ کی حد سے بہت کم باہر نکلتے تھے جیسے رفع حاجت یا دوسرے کاموں کے لیے اور پھر جلد واپس چلے جاتے۔ شام تک ان کا رویہ یہی رہا تو مجھے ایک خیال ستانے لگا اور میں نے ربیک و ایرٹ کے ساتھ ایک میٹنگ بلائی۔ ''مجھے لگ رہا ہے انہوں نے قلعوں کا محاصرہ ضرور کیا ہے لیکن یہ جنگ لڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

ربیک حیرت سے بولا۔ ''تب یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''قلعے والوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لیے۔''

''وہ کیسے؟'' ایرٹ نے پوچھا۔

''وہ محاصرہ کرکے بیٹھ گئے ہیں۔ رینالٹ کی تیاری مکمل تھی اور وہ چاہتا تو ایک مہینہ یا کئی مہینے پہلے بھی جنگ چھیڑ سکتا تھا مگر اس کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے۔''

''پھر کیا مقصد ہوسکتا ہے؟'' ربیک بے صبری سے بولا۔ ''معاف کیجئے گا آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔''

''دیکھو یہ فصل پکنے کا وقت ہے۔ کیا فصلیں کچھ دنوں میں تیار نہیں ہوجائیں گی؟''

''ایسا ہی ہے۔'' ربیک نے تسلیم کیا۔

''قلعوں میں گزشتہ فصل کا باقی رہ جانے والا حصہ ہے یعنی خوراک محدود ہے۔ دوسری طرف فصل پکتے ہی آرگون والے اسے کاٹنا شروع کردیں گے اور سارا اناج آرگون چلا جائے گا۔''

ایرٹ اور ربیک کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ایرٹ بولا۔ ''آپ کا مطلب ہے رینالٹ اناج اپنے قبضے میں لینا چاہ رہا ہے تاکہ ہمیں بھوکا مار سکیں؟''

''بالکل، تم سوچو ایک بار اناج آرگون چلا گیا تو ایک یا ڈیڑھ مہینے بعد قلعوں میں خوراک کی کیا حالت ہوگی۔ دس ہزار افراد کی خوراک کہاں سے پوری ہوگی۔ جب خوراک نہیں ہوگی تو بھوکے سپاہی کیسے لڑیں گے؟''

صورتِ حال ان کی سمجھ میں آرہی تھی۔ ربیک نے رینالٹ کی سپاہ کے پڑاؤ کی طرف دیکھا۔ ''یہ اسی لیے آرام سے بیٹھے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا اندازہ یہی ہے کہ یہ ہمیں محاصرے سے اور فاقوں سے مجبور کر کے ہتھیار ڈلوانے آئے ہیں۔ اگر محصور لوگ قلعے سے نکل کر ان پر حملہ کریں گے تو یہ آسانی سے اس حملے کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ ہماری نسبت ان کے پاس فوج بہت زیادہ ہے۔''

ایرٹ پریشان ہو گیا۔ یہ تصور ہی خوفناک تھا کہ کچھ عرصے بعد مرکزی قلعے میں موجود اس کے گھر والے دوسرے لوگوں کی طرح فاقہ کشی پر مجبور ہوں گے اور اگر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو ریناٹ کی طرف سے کسی اچھے رویے کی امید نہیں تھی۔ یہ سب خیالات مجھے بھی آ رہے تھے جیسے جیسے میں غور کر رہا تھا میرا یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ ریناٹ کی اصل حکمتِ عملی یہی ہے۔ مگر مجھے اس چیز سے دھچکا نہیں لگا تھا۔ بلکہ اس لحاظ سے یہ اچھا ہوا تھا کہ ہم بہت جلد دشمن کی حکمتِ عملی بھانپ گئے تھے۔ اب ہمیں اس کا تدارک کرنا تھا۔ ہر آزمائش اپنے ساتھ امکانات بھی لاتی ہے مگر مصیبت زدگان کا دھیان اس طرف نہیں جاتا ہے۔ یہ انسانوں کا عمومی رویہ ہے۔ جو لوگ مشکلات سے آگے نکلنے کے راستے تلاش کرتے ہیں بالآخر وہی کامیاب رہتے ہیں۔ کامیابی ان کے لیے ہے جو ''کیوں؟'' کے بجائے ''کیوں نہیں'' پر یقین رکھتے ہیں۔ میں نے ان دونوں کو دیکھا۔

''تم فکر مت کرو ہم ریناٹ کی اسی حکمتِ عملی سے اس کی شکست کا طریقہ تلاش کر لیں گے۔''

''وہ کیسے جناب؟''

''اس کا تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ پہلے تم لوگ یہ بتاؤ کہ میں نے جو کام دیا تھا اس کا کیا کیا؟''

''بہت حد تک مکمل ہو گیا ہے۔'' ربیک نے کہا۔ ''میرے ساتھ آیئے۔''

ہم چٹان سے اتر کر باغ میں آئے جہاں ایک طرف قطار سے تیر رکھے تھے اور ان کی نوک سے ذرا اوپر گھاس اور باریک سوکھی بیلوں کی مدد سے ایک پولا سا بنایا ہوا تھا۔ اس کی موٹائی تین چار انچ تھی۔ میں نے تجربے کے طور پر اسے جلا کر دیکھا اور خشک گھاس اور جھاڑیوں نے فوری آگ پکڑ لی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ کتنی دیر جلتی ہیں۔ میں نے تیر کو زمین میں گاڑ دیا تھا۔ پولا تقریباً دو منٹ جلتا رہا اور پھر راکھ ہونے لگا اس دوران میں تیر کی لکڑی نے آگ پکڑ لی تھی۔ پولے سے نکلنے والے شعلے بڑے حجم کے تھے اور یہ آس پاس آگ لگا سکتے تھے۔ اس کی کارکردگی سے مطمئن ہو کر میں نے ربیک سے کہا۔ ''ان کی تعداد کم ہے ہمیں کم سے کم تین گنا زیادہ تعداد میں آتشیں تیر درکار ہیں۔''

ربیک اور اس کے ساتھ نے دو درجن تیر بنائے تھے۔ ہم سب کے پاس کمانیں اور ترکش میں تین تین درجن تیر تھے۔ اس لحاظ سے ہمارے پاس تیروں کی تعداد تسلی بخش تھی۔ ربیک نے سر ہلایا۔ ''میں ابھی شروع کر دیتا ہوں۔''

''دوسرے ہمیں آگ لگانے والے روغن کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ کہاں سے ملے گا؟''

''میں جانتا ہوں یہ کہاں سے ملے گا۔'' ایرٹ نے آگے آ کر کہا۔ ''میں لے کر آتا ہوں لیکن مجھے چھ ساتھیوں کی ضرورت ہو گی اور روغن جمع کرنے کے لیے مشکیزے بھی چاہئیں۔''

ہمارے پاس پانی کے دو درجن مشکیزے تھے جن میں سے چھ خالی ہو گئے تھے بلکہ پانچ خالی تھے اور چھٹے میں کچھ پانی تھا جو ان کے حوالے کر دیا کہ جب پیاس لگے تو پی کر ختم کر دینا۔ ایرٹ نے کہا۔ ''اس کام میں دیر ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتی کیونکہ روغن والے پودے جنوب مغرب میں وادی کی دیوار کے ساتھ لگے ہیں۔ ویسے تو یہ پوری وادی میں ملتے ہیں لیکن سب سے زیادہ وہیں پائے جاتے ہیں۔''

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آج واپس نہیں آسکیں گے۔ اس لیے میں نے انہیں جانوروں سے بچانے والا محلول بھی ساتھ لے جانے کو کہا اور انہوں نے خوراک بھی ساتھ لے لی تھی۔ اُس طرف پانی تھا اس لیے انہیں مزید پانی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ روانہ ہوئے تو تاریکی چھانے والی تھی۔ ایرٹ چھ نوجوان ساتھ لے گیا تھا اس لیے اب یہاں ربیک اور مجھ سمیت کل چھ افراد تھے اور ساتویں ساشا تھی۔ وہ ربیک سے محوِ گفتگو تھی۔ میں نے ربیک اور دوسروں سے کہا تھا کہ وہ اس سے بات کرتے رہا کریں تاکہ وہ خود کو الگ سے محسوس نہ کرے مگر ساتھ ہی اس کی طرف سے چوکنا بھی رہیں۔ تاریکی ہوتے ہی قلعوں اور پڑاؤ میں وہی تیز روشنی والی مشعلیں جلا لی گئی تھیں۔ ان کی وجہ سے آس پاس کا علاقہ بھی منور ہو رہا تھا۔ اگر ہم ایک آدھ مشعل جلا لیتے تو شاید کسی کو پتا بھی نہیں چلتا مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ دور سے آنے والا روشنی کا انعکاس ہمارے لیے کافی تھا۔

رات کے لیے وہی سسٹم تھا کہ سب ایک ایک گھنٹے آرام کریں۔ سب کو دو تین بار سونے کو مل جاتا تھا۔ ایک گھنٹے کا وقت اس لیے تھا کہ آدمی آرام بھی کر لے اور ہوشیار بھی رہے۔ طویل نیند اسے سُست کر دیتی اور یہاں سُستی کی گنجائش نہیں تھی۔ کل چھ افراد تھے اس لیے دو آرام کرتے اور باقی چار پہرہ دیتے۔ نصف رات کو ساشا اور میری باری آئی۔ ہم چٹان پر آ کر لیٹے، وہ مجھ سے ذرا فاصلے پر تھی۔ ساشا کچھ دیر تو ساکت لیٹی رہی پھر اس نے گزشتہ رات کی طرح میری طرف کروٹ لی بات شروع کی۔ ''تم سوچتے ہو گے کہ میں کیسی لڑکی ہوں؟''

''کس حوالے سے؟''

''تم نے میری جان بچائی مگر میں نے تمہارا شکریہ ادا تک نہیں کیا۔''

''اس کی ضرورت بھی نہیں تھی میں اگر اپنے کسی ساتھی کے لیے کچھ کرتا ہوں تو شکریے کے لیے نہیں کرتا۔ اس یقین کے ساتھ کرتا ہوں کہ ضرورت پڑنے پر وہ بھی میرے لیے ایسا ہی کرے گا۔''

ساشا خاموش ہو گئی۔ شاید اسے میری بات ہضم نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ مزید گفتگو کے بجائے سونے کی کوشش کرنے لگی اور کچھ دیر بعد اس کی سانسوں سے خرخرانے جیسی آوازیں آئیں تو میں بھی سونے کی کوشش کرنے گا۔ اسی کوشش میں کسی وقت آنکھ لگ گئی۔ مگر میں زیادہ دیر نہیں سویا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو ساشا چٹان پر نہیں تھی۔ وہ نیچے اتری تھی۔ جب ساشا خاموش ہو کر سونے لگی تو میں نے محسوس نہیں کیا تھا کہ اس کا ارادہ کچھ اور ہے۔ اس نے بہت ہوشیاری سے مجھے دھوکا دیا تھا۔ میں نے چٹان سے جھانک کر ربیک کو پکارا۔ ''ساشا نیچے آئی ہے۔''

ربیک پاس ہی تھا۔ ''نہیں جناب۔''

اس جواب نے میری رہی سہی نیند بھی اڑا دی تھی۔ میں تیزی سے نیچے آیا اور دوسروں سے پوچھا مگر کسی نے ساشا کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ غائب تھی اور اپنی مرضی سے غائب ہوئی تھی۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ''اسے تلاش کرو۔ دوڑ دوڑ کے نکلنا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریک اور دوسرے اس کو تلاش کرنے میں لگ گئے اور میں دوبارہ چٹان پر چڑھا۔ چٹان کا اگلا حصہ بہت مشکل تھا اور اس سے چڑھنا یا اترنا دشوار تھا مگر ساشا چٹانوں پر چڑھنے کی ماہر تھی۔ میرے ذہن میں نہیں آیا کہ وہ اس طرف سے بھی آرام سے اتر سکتی ہے۔ میں آس پاس دیکھ رہا تھا۔ پڑاؤ کی طرف سے روشنی آس پاس کے باغوں اور کھیتوں کو بھی منور کر رہی تھی۔ میں وہیں دیکھ رہا تھا کہ ایک جگہ مجھے تیار فصل ہلتی نظر آئی جیسے اس میں کوئی ہو اور وہ پڑاؤ کے متوازی چل رہا تھا۔ میں چند لمحے دیکھتا رہا۔ یہ جگہ چٹان سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھی اور پڑاؤ سے اس کا فاصلہ زیادہ تھا۔ میں نیچے اترا اور اپنے ہتھیار سنبھالتا ہوا تیزی سے اُس طرف روانہ ہو گیا۔ میں اس طرف جا رہا تھا جس طرف فصل میں چلنے والا جا رہا تھا۔ اگر وہی ساشا تھی تو چند منٹ بعد وہ اس کھیت سے آگے ایک باغ میں نکلتی اور میں اس کے نکلنے سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

میں کھلی جگہ سے گیا تھا اور مجھے چھپنے کا مسئلہ نہیں تھا اس لیے میری رفتار بہت تیز تھی اور میں چند منٹ میں اس باغ کے پاس پہنچ گیا۔ میں باغ میں داخل ہوا تھا کہ فصل سے ایک سفید ہیولہ نکل کر بہت تیزی سے درختوں کے درمیان گیا۔ یہاں بھی درخت قطاروں کی صورت میں تھے اگر میں اس کی طرف جاتا تو وہ لازمی دیکھ لیتی۔ سفید لباس دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ساشا تھی۔ میں نے جھانک کر اگلی قطار میں دیکھا تو وہ اگلی قطار میں جا رہی تھی میں نے تیزی دکھائی اور اس سے پہلے کہ وہ دوسری قطار سے نکلتی میں تیسری قطار کے سرے پر پہنچ گیا تھا۔ پھر اسے آگے بڑھتے دیکھ کر میں اس بار چوتھی اور پانچویں قطار عبور کر کے چھٹی تک آیا اور یہاں سے باغ میں داخل ہو گیا۔ مگر وہ اب بھی دور تھی وہ پہلے مجھے دیکھ لیتی اور میں یہی نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں اس سے اگلی قطار کے ایک درخت کے پاس کھڑا ہوا اور جیسے ہی وہ نمودار ہوئی میں نے اسی طرح لپک کر بہت تیزی مگر خاموشی سے کئی قطاریں پار کیں اور پھر آگے بڑھا۔ میں نے تعین کر لیا تھا کہ وہ کس درخت سے نکلے گی میں اسی کے پاس کھڑا ہوا اور جیسے ہی وہ نکلی میں نے نیزہ اس کی گردن پر رکھ دیا تھا۔ وہ ساکت ہو گئی۔

''بس حرکت مت کرنا۔''

''ورنہ تم مجھے مار دو گے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''مار دو۔''

''میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔'' میں نے کہا۔ ''میں اور میرے ساتھی تمہارے دشمن نہیں ہیں۔''

''لیکن میں تم لوگوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔''

''آخر کیوں؟''

''اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن تم جا کہاں رہی تھیں؟''

''آرگون۔''

''تمہیں پتا ہے وہاں تمہارے دشمن بیٹھے ہیں۔''

''میرے ہمدرد بھی ہیں۔''

''مگر ان ہمدردوں تک پہنچنے کے لیے تمہیں رینالٹ کے پہریداروں کے سامنے سے گزرنا پڑے گا اور کیا وہ تمہیں جانے دیں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سوال کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے ضدی لہجے میں کہا۔ ''میں جاؤں گی مجھے جانے دو۔''

''میں نے تمہارے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارا تحفظ کروں گا اور جب یہاں سے جاؤں گا تو تمہیں بھی لے جاؤں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں یہاں سے جا سکوں گا یا نہیں مگر میں تمہارے باپ سے کیا ہوا یہ وعدہ پورا کر سکتا ہے۔ میں تمہیں کوئی ایسا کام کرنے کی اجازت نہیں دوں گا جس سے تمہیں نقصان پہنچے۔''

وہ آگے بڑھی تو میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے گھمایا اور اس کے پشت سینے سے لگاتے ہوئے ایک بازو سے اس کی گردن دبوچ لی۔ یہ ضروری تھا کیونکہ اگر بے بس کرنے کے دوران وہ ایک چیخ مار دیتی تو رینالٹ کی سیاہ کا پڑاؤ یہاں سے بہت فاصلے پر نہیں تھی۔ مگر اس نے چیخ مارنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ وہ مچلنے لگی اور گھٹی آواز میں بولی۔ ''مجھے جانے دو..... اس میں تمہاری بہتری بھی ہے۔''

لیکن میں نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور اپنے بازو کا دباؤ اس حد تک بڑھایا کہ اس کا مچلتا ہوا بدن ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں نے بازو ہٹا کر اسے سنبھالا اور اٹھا کر شانے پر ڈال لیا۔ چٹان تک واپس آیا تو ربیک اور اس کا ساتھی آ گئے تھے باقی تین ابھی تک نہیں آئے تھے۔ ربیک نے ساشا کو دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔ ''یہ آپ کو کہاں ملی؟''

''یہ آرگون کی طرف جا رہی تھی۔'' میں نے ساشا کو زمین پر لٹا دیا۔ ''اس کے ہاتھ پیچھے کر کے باندھ دو اور منہ پر بھی کپڑا باندھ دو۔ اب اس پر ذرا بھی بھروسہ نہیں کرنا ہے۔''

ربیک نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے ساشا کو باندھ دیا۔ میں نے اس کی نبض دیکھ لی تھی وہ سست تھی مگر اسے کوئی خطرہ نہیں تھا میں نے بس اتنی گردن دبائی تھی کہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ کچھ دیر میں باقی تین بھی دھکے کھا کر آ گئے کیونکہ ساشا تو اب یہاں تھی۔ ایرٹ اور دوسرے اب اگلے دن ہی آتے۔ صبح دور تھی اس لیے میں ایک بار پھر سو گیا۔ ایک گھنٹے بعد اٹھ گیا۔ یہاں گھڑی نہیں تھی مگر اس کے بغیر وقت کا حساب کرنا رفتہ رفتہ آ گیا تھا۔ مسلسل بیکاری سے جسم جیسے بندھ سا گیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کوئی سرگرمی ہونی چاہیے۔ صبح کے قریب میں نے ربیک سے کہا۔ ''آؤ ذرا قلعوں کے پیچھے دشمن کی موجودگی کا جائزہ لے کر آتے ہیں۔''

قلعوں کے سامنے موجود اصل پڑاؤ کے علاوہ رینالٹ کی فوج نے عقب میں بھی پڑاؤ بنایا تھا اور یہاں سے نکل کر ان کے گشتی دستے ایک مخصوص دائرے میں پہرہ دیتے تھے کہ کوئی قلعوں سے نکل نہ سکے اور نہ باہر سے قلعوں میں جا سکے۔ ہم اس دائرے سے خاصے فاصلے سے گزرتے ہوئے قلعوں کے پیچھے آئے اور یہاں کا پڑاؤ پہلی بار دیکھا۔ یہاں بھی حفاظتی انتظامات مکمل تھے۔ مگر یہاں فوج کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ یہاں ان کو خطرہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ کیونکہ سامیرا کی فوج اگر قلعے سے نکل کر ان تک آنے کی کوشش کرتی تو سامنے والوں کو پہلے ہی علم ہو جاتا۔ محاصرہ مکمل تھا اور اس میں رخنے کی گنجائش نہیں تھی۔ ربیک نے کہا۔ ''اب اگر ہم قلعے تک جانا چاہیں تو نہیں جا سکتے۔''

میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں سامیرا تک کوئی پیغام پہنچانا چاہوں تو اس کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی کیونکہ جو میں کرنے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ قلعے کی طرف سے ردعمل ضروری تھا۔ ورنہ صرف میرا عمل کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں آتا۔مگر یہاں قلعوں کے اندر تک رسائی کے آثار نہیں تھے۔ میں نے ربیک سے اتفاق کیا کہ محاصرہ نہایت مکمل تھا اور قلعے تک جانے یا وہاں سے کسی کے باہر آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ رات میں بھی دونوں طرف سے بہت زیادہ روشنی کی جاتی تھی اور کوئی بلی کا بچہ بھی چھپ کر آ جا نہیں سکتا تھا۔ محاصرے کا معائنہ کر کے ہم واپس آئے تو ساشا ہوش میں آ گئی تھی اور خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے لیکن اس رویے پر تم نے مجھے مجبور کیا اگر تم وعدہ کرو کہ چیخو چلاؤ گی نہیں تو میں تمہارا منہ کھول دیتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتی رہی پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور میں نے اس کے منہ پر بندھا ہوا کپڑا ہٹا دیا۔ اس نے گہری سانس لی اور بولی۔ ''مجھے پیاس لگی ہے۔''

میں نے سہارا دے کر اسے بیٹھنے میں مدد دی اور پھر ایک چھاگل کھول کر اس کے منہ سے لگائی اور اس نے چند گھونٹ لے کر منہ ہٹا دیا۔ میں نے چھاگل واپس رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اب تم بتاؤ گی کہ تمہارے ذہن میں فرار کا اور آرگون جانے کا خیال کیوں آیا؟''

''تم نے مجھے روک کر اچھا نہیں کیا۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ ''تم پچھتاؤ گے۔''

''مجھے پچھتانے کی عادت ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم بھول جاؤ کہ اب تم کو آزادی دی جائے گی یا تم پر اعتبار کیا جائے گا۔''

''میں نے تم لوگوں سے نہیں کہا کہ مجھ پر اعتبار کرو تم لوگوں نے زبردستی مجھے اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''ہم نے تمہیں ان سپاہیوں کے چنگل سے نکالا جو تمہاری عزت کے درپے تھے۔''

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مجھے اپنے قبضے میں کر لو۔'' اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔ ''کیا میں تمہاری قیدی ہوں جو تمہاری مرضی کے بغیر کہیں جا نہیں سکتی۔''

''تم ایک نادان لڑکی ہو جسے اپنے نفع نقصان کا خیال بھی نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم کیرٹ جیسے ذہین آدمی کی اولاد ہو۔''

بابا کے نام پر اس کے چہرے پر غم آلود غبار پھیل گیا۔ اس نے بھرائے لہجے میں کہا۔ ''بابا کا نام مت لو..... مجھے صرف ان ہی کا خیال ہے ورنہ.....'' وہ بولتے ہوئے رکی اور پھر کہا۔ ''شہباز مجھے جانے دو یقین کرو اسی میں تمہارا بھلا ہے۔''

وہ سمجھنے والی چیز نہیں تھی۔ میں نے دوبارہ اس کا منہ کپڑے سے بند کیا اور اس کے پاس سے اٹھ آیا۔ ربیک کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا ہماری باتیں سن رہا تھا میں اس کے پاس آیا تو اس نے کہا۔ ''جناب آپ بلاوجہ اس سے سر کھپا رہے ہیں یہ سمجھنے والی چیز نہیں ہے۔ ہم بیکار میں اسے ساتھ لائے اور اب اٹھائے اٹھائے گھوم رہے ہیں۔''

''تم فکر مت کرو بیکار چیزوں کا مصرف نکال لینا مجھے آتا ہے۔'' میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اس سے پہلے وہ ساشا پر بحث کر کے میرے دماغ کی دہی کرتا میں نے موضوع بدل دیا۔ ''ایرٹ ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''روغن جمع کرنا آسان کام نہیں ہے اس میں بہت محنت اور وقت لگتا ہے۔''

''تبھی اسے دیر ہو رہی ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا اچھا ہے۔''

اس سفر کے دوران ہم لوگوں نے کھانے کا معمول ترک کر دیا تھا اور اس وقت کھاتے تھے جب بھوک لگتی جسے بھوک لگتی وہ کھا لیتا تھا۔ پکانے کا موقع نہیں تھا اس لیے سارا ہی کام خشک اور کچی چیزوں سے چل رہا تھا۔ دو دن سے ہم بے سروسامان اور ویرانے میں بنا کسی آرام کے زندگی گزار رہے تھے۔ ہماری آنے والی آزمائش کے لیے یہ اچھی تیاری تھی۔ ایرٹ اور اس کی پارٹی شام کے قریب آئی تھی۔ مگر وہ کامیاب لوٹے تھے ان کے پاس سات عدد مشکیزوں میں آتش گیر روغن بھرا ہوا تھا۔ ایک مشکیزے میں بیس لیٹر روغن موجود تھا اس لحاظ سے یہ کوئی ایک سو چالیس لیٹرز بن رہا تھا جو بظاہر کافی تھا۔ مگر ہم نے جس رقبے کو نذر آتش کرنا تھا وہ بھی خاصا بڑا تھا۔ ہمیں فصلوں کو آگ لگانی تھی اور یہ فصلیں کم سے کم چار مربع میل کے رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ تقریباً اس سے نصف رقبہ باغات کا تھا اور اتنے ہی رقبے پر سبزیاں لگی ہوئی تھیں۔

مگر باغات ہمارا نشانہ نہیں تھے، ہمیں صرف فصلوں کو آگ لگانی تھی۔ ایک تو ان میں آسانی سے آگ لگ جاتی دوسرے اسے پھیلنے سے روکنا ممکن نہیں تھا۔ جہاں جہاں آرگون اور سامیرا کے قلعوں کی زمینیں آپس میں مل رہی تھیں ان میں درمیان میں نو میز لینڈ تھے۔ اس لیے اس کا امکان نہیں تھا کہ آگ سامیرا کی فصلوں تک آجائے گی۔ ہاں اگر رینالٹ کی سپاہ جوابی کارروائی کے طور پر اس طرف کی فصلوں کو آگ لگانے کی کوشش کرتی تو ہم اسے روک نہیں سکتے تھے۔ آگ لگانے کے لیے ہمیں آرگون کے پاس جانا تھا کیونکہ فصلوں کا بڑا رقبہ وہیں تھا۔ اس طرف باغات کے ساتھ چھوٹے کھیت تھے۔ ان میں کھیت اور باغات آپس میں ملے ہوئے تھے۔ ربیک آرگون کے کھیتوں کے نقشے سے اچھی طرح واقف تھا اس نے زمین پر نقشہ بنا کر بتایا کہ کہاں سب سے زیادہ کھیت تھے۔ یہ آرگون سے زیادہ دور نہیں تھے۔

''ہمیں اسی جگہ آگ لگانی ہے۔'' میں نے فوری فیصلہ کر لیا۔ یہ جگہ آرگون کے کھیتوں کا ساٹھ فیصد بنتی تھی اور اگر یہ ساری جگہ نذر آتش ہو جاتی تو ان کے لیے یہ بہت بڑا نقصان ہوتا۔ میں نے کہا۔ ''ہم آج رات ہی یہ کام کر گزریں گے۔''

ربیک اور دوسرے پُرجوش ہو گئے۔ انہوں نے تیاری شروع کر دی۔ دن میں ربیک اور اس کے ساتھیوں نے مزید آتشیں تیر بنا لیے تھے۔ مگر میں اب کچھ اور سوچ رہا تھا۔ جیسے ہی ایرٹ آتشیں روغن لے کر آیا تھا میں نے اس کی تھوڑی سی مقدار لے کر ایک جگہ ہری گھاس پر ڈال دی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اسے آگ دکھائی تو ہری گھاس نے یوں آگ پکڑ لی جیسے اس پر پیٹرول چھڑک کر آگ لگائی گئی ہو۔ میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ ڈالے جانے کے بعد بھی روغن کتنی دیر کارآمد رہتا ہے۔ یہ آتش گیر ضرور تھا مگر معدنی تیل کی طرح اڑنے والا نہیں تھا بلکہ نباتی روغن کی طرح چکنا اور دیر تک رہنے والا تھا۔ اب مجھے لگا کہ ہم پوری فصل کو با آسانی آگ لگا سکتے ہیں۔ اس کے لیے یہ روغن کافی ہو گا۔ آگ لگانے کے میں نے دوسرا طریقہ سوچا تھا۔ اس میں تیروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن بہرحال میں نے تیروں کی تیاری سے منع نہیں کیا۔ ہو سکتا تھا کہ میرا خیال غلط ثابت ہو اور ہمیں تیروں کی ضرورت ہی پڑ جائے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگ لگانے کے مشن پر ہم بارہ افراد جاتے اور ایک یہاں ساشا کے ساتھ رکتا۔ یہاں رکنے کے لیے ایرٹ نے ایک نوجوان کو منتخب کیا اور اسے سمجھا دیا کہ ساشا پر ذرا بھی اعتبار نہیں کرنا اور نہ ہی اسے کوئی چھوٹ دینی ہے۔ نوجوان نے یقین دلایا تھا کہ وہ اس کا پورا دھیان رکھے گا۔ شاگ نامی اس نوجوان کو ریک بعد میں لایا تھا۔ تاریکی مکمل ہوتے ہی ہم روانہ ہوئے تھے۔ مگر ہمارا رخ سیدھا آرگون کی طرف نہیں تھا بلکہ ہم اس کے متوازی مغرب کی سمت جا رہے تھے جہاں باغات کا طویل سلسلہ تھا اور ہمیں اسی سے ہوتے ہوئے فصلوں والے حصے تک پہنچنا تھا۔ سیدھے جانے کی صورت میں خطرہ تھا کہ اس جگہ ریناٹ کی فوج کے کسی گشتی دستے سے سامنا نہ ہو جائے۔ پھر یہاں اس کا بھی امکان تھا کہ فوج کے لیے رسد اور سامان کی آمد و رفت جاری ہو۔ بلکہ ایسا ہی تھا۔ اس لیے ہمارا اس جگہ سے دور رہنا مناسب تھا۔

نصف گھنٹے میں کوئی دو میل مغرب کی طرف جا کر ہم باغات کی طرف گھومے اور ان میں داخل ہو کر دوبارہ مشرق کا رخ کیا تھا۔ ایک میل ہم شمال کی طرف گئے تھے اور اس کے بعد ہمیں باغات ملے تھے یہاں سے آرگون کی فصیل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ باغات میں مکمل سناٹا اور ویرانی تھی مگر ہم خاموشی سے چھپتے کر اور بنا آہٹ سفر کر رہے تھے۔ ہر نئے باغ میں داخل ہونے سے پہلے ہم سن گن لیتے تھے۔ جب اطمینان ہو جاتا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تب آگے بڑھتے تھے۔ دشمن کے بارے میں سوچنا کہ وہ بے خبر ہو گا ہماری حماقت ہوتی۔ اس لیے ہم پوری طرح ہوشیار تھے۔ بالآخر ہم فصلوں تک پہنچ گئے۔ کوئی نصف میل لمبے اور کوئی پانچ میل طویل کھیتوں کا یہ سلسلہ آرگون کی فصیل کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا اس سے آگے وادی کی اس طرف والی چٹانوں تک چلا گیا تھا۔ جب مجھے سپاہی اوپر سے گرفتار کر کے لائے تھے وہ مجھے اسی جگہ سے گزار کر آرگون کے دروازے تک لائے تھے۔

یہ پانچ میل کا سفر کر کے ہمیں فصلوں کے آخری حصے تک پہنچنے میں مزید دو گھنٹے کا وقت لگا تھا کیونکہ ہم بہت احتیاط سے سفر کر رہے تھے۔ کھیتوں کے درمیان میں کسی قدر چوڑی سڑک تھی جس پر رات کے وقت بھی آمد و رفت جاری تھی۔ میرا اندازہ درست تھا کہ فوج تک مسلسل رسد پہنچائی جا رہی تھی۔ کھیتوں کے آخری حصے سے ذرا پہلے ہم رک گئے اور میں نے انہیں اپنا پلان بتایا۔ ''ہمیں تیروں سے آگ نہیں لگانی ہے۔''

وہ سن کر چونکے۔ ایرٹ نے کہا۔ ''پھر کیسے آگ لگانی ہے؟''

میں نے اپنا نیا پلان وضاحت سے بتایا۔ ''ہم میں سے تین افراد دو دو سو قدم کے فاصلے سے فصلوں میں مشرق سے مغرب کی طرف چلنا شروع ہوں گے اور اپنی مشکیزوں میں اس طرح سوراخ کریں گے کہ روغن تھوڑا تھوڑا کر کے فصلوں پر گرتا رہے اور جہاں ان کے مشکیزے خالی ہوں گے وہ وہیں فصل کو آگے دکھا دیں گے۔ پھر ہم درمیانی سڑک کراس کر کے فصل کے دوسری طرف جائیں گے اور باقی روغن سے وہاں آگ لگاتے ہوئے باغوں کی طرف نکل جائیں گے۔ میرا منصوبہ سمجھ میں نہیں آیا تو میں پھر سمجھاتا ہوں۔''

انہوں نے سر ہلایا تو میں نے پھر سمجھایا۔ ایرٹ ترجمان بنا ہوا تھا اور دوسروں کو سمجھا رہا تھا۔ دوسری بار بتانے پر سب جان گئے کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ ایرٹ اور دو جوانوں نے مشکیزے لے لیے اور وہ اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے اور جیسے ہی میں نے اشارہ کیا انہوں نے ایک ساتھ دوڑنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشکیزوں میں سوراخ کر لیے تھے اور ان سے روغن نکل کر فصل پر گر رہا تھا۔ فصل تیاری کے آخری مراحل میں تھی اور گندم نما خوشے پک رہے تھے دوسری اجناس کی فصلیں بھی خاصی بلند ہو چکی تھیں۔ مجھ سمیت باقی ان سے آگے تھے۔ ہمارے دوڑنے سے فصل ہل رہی تھی مگر یہ اتنی اونچی تھی کہ ہم کسی کی نظر میں نہیں آتے اور یہاں دیکھنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ ابھی آرگون کی طرف سے آنے والی درمیانی سڑک ذرا دور تھی کہ مشکیزے خالی ہو گئے۔ ایرٹ نے پرندے کی مخصوص آواز نکالی جو اس بات کا اشارہ تھی کہ وہ آگ لگانے والا تھا۔

ہم رکے نہیں تھے بلکہ دوڑتے رہے تھے۔ میں نے اچانک ہی عقب میں نمودار ہونے والی روشنی پر سر گھما کر دیکھا تو فصل سے شعلے بلند ہو رہے تھے اور یہ صرف بلند نہیں ہو رہے تھے بلکہ بہت تیزی سے عقب کی طرف بھی جا رہے تھے۔ روغن آگ پکڑ رہا تھا۔ مجھے یہاں سے ایک ہی شعلوں کی لکیر دکھائی دے رہی تھی مگر کوئی بلندی سے دیکھتا تو اسے تین الگ الگ لکیریں مشرق کی طرف جاتی نظر آتیں۔ شعلے اتنے تیز اور بلند تھے کہ آرگون والے زیادہ دیر ان سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے۔ ہم دوڑتے ہوئے درمیانی سڑک تک پہنچے اور اسے پار کر کے فصل میں ایرٹ اور باقی دونوں کا انتظار کرنے لگے۔ وہ مزید ایک منٹ بعد آئے اور دوسری فصل میں گھس کر دوڑتے چلے گئے۔ میں نے ان کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہمیں کہاں جمع ہونا ہے اور اگر کوئی زیادہ ہی راستہ بھٹک جائے تو وہ اپنے طور پر چٹان تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں نے ایک بار مڑ کر دیکھا تو آگ میرے اندازے سے زیادہ تیزی سے پھیل رہی تھی اور شعلوں کی تین لکیریں اب آپس میں ایک دوسرے کی طرف بھی بڑھ رہی تھیں یعنی ان کی جسامت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ آگ کی اس تیز رفتار ترقی سے مجھے امید ہوئی کہ اب اس آگ کو بجھانا ممکن نہیں ہوگا۔ کچھ آگے نکلنے کے بعد چار مشکیزوں میں سوراخ کر دیا گیا۔ یہاں فصل کا رقبہ زیادہ تھا اور اسی لیے میں نے چار مشکیزے یہاں کے لیے رکھے تھے۔ جاتے ہوئے ہم نے جو فاصلہ تقریباً دو گھنٹے میں طے کیا تھا واپسی میں وہی فاصلہ اس سے تہائی سے بھی کم وقت میں طے ہو گیا اور ابھی ہم باغوں سے کچھ دور تھے کہ باقی مشکیزے بھی خالی ہو گئے اور جس کا جہاں مشکیزہ خالی ہوا اس نے وہیں تیلی جلا کر آگ دکھا دی تھی۔ تقریباً تین میل پیچھے لگنے والی آگ تو یہاں سے بھی واضح دکھائی دے رہی تھی اور اب یہاں بھی آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تھے۔

اپنا کام کرتے ہی ہم بھاگے تھے۔ آرگون اور پڑاؤ کی طرف سے فوج کا آنا لازمی تھا اور وہ ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے مگر وہ فصل میں نہیں گھس سکتے تھے یہاں نہایت سُرعت سے آگ پھیل رہی تھی اور لگ رہا تھا کہ چند گھنٹے میں ان کھیتوں میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ جب ہم ہانپتے ہوئے باغوں میں داخل ہوئے تو دوسری طرف بھی شعلے بلند اور زیادہ رقبے پر پھیل چکے تھے۔ یہاں چند منٹ رک کر ہم نے اپنا سانس درست کیا اور پانی سے اپنے خشک ہوتے حلق تر کیے۔ جیسے ہی ہمارے سانس درست ہوئے ہم اسی راستے سے چٹان کی طرف روانہ ہو گئے جس راستے سے آئے تھے۔ میں نے واضح کر دیا تھا کہ راستے میں وقت بالکل ضائع نہیں کرنا ہے اور ہر ممکن تیزی سے یوں واپس آنا ہے جیسے دشمن ہمارے تعاقب میں ہو۔ چھاپہ مار کارروائی میں تیزی ہی دشمن سے بچاتی ہے۔ ذرا سی سستی آپ کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ آرام کے وقفے کے دوران ایرٹ نے جوش سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم کامیاب رہے۔''

ربیک نے سر ہلایا۔''رینات ہمیں بھوکا مارنا چاہ رہا تھا ہم نے اس کی چال اسی پر الٹ دی ہے۔''

مگر میں ان سے متفق نہیں تھا۔ میں نے کہا۔''یہ بھول جاؤ کہ فصل کو آگ لگنے سے رینات کو کوئی نقصان ہوا ہے۔ اس کے پاس یقیناً خوراک کا ذخیرہ ہوگا اور اسے اپنے لوگوں کی پروا نہیں ہے اس نے پہلے عام لوگوں کا راشن نصف کر دیا ہے۔''

''اس کے سپاہی ان ہی عام لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جب وہ بھوکے ہوں گے تو سپاہی کہاں دل سے لڑیں گے۔''

''اس کا بھی امکان ہے مگر فی الحال ہمیں اس حربے کو بہت زبردست نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہاں اگر اس کی گھبراہٹ میں رینات کی فوج نے جنگ شروع کر دی تو یہ ہماری کامیابی ہوگی۔'' میں کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''اب چلو ہمیں جلد از جلد اپنے ٹھکانے پہنچنا ہے۔''

ہم سب پھر بھاگنے لگے تھے۔ خالی ہونے والی مشکیزے بیکار تھے ان کو وہیں پھینک دیا تھا۔ اب ہمارے پاس صرف ہتھیار اور پانی کی چھاگلیں تھیں۔ اس لیے ہم ہلکے ہو کر زیادہ تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے۔ جب ہم واپس چٹان کے پاس پہنچے تو نصف رات کا وقت تھا مگر آرگون کے سامنے ایسا لگ رہا تھا جیسے دن نکل آیا ہو۔ فصلوں سے اٹھنے والے شعلے بہت بلند تھے اور انہوں نے تقریباً پوری فصل کا احاطہ کر لیا تھا۔ ساشا اور اس کے نگران چٹان سے نیچے موجود تھے۔ ساشا نے مجھے دیکھتے ہی تڑپ کر کچھ کہنا چاہا مگر اس کا منہ بندھا تھا۔ اس کے جسمانی ردِعمل سے میں نے بھانپ لیا۔ میں نے ربیک کو اشارہ کیا کہ اس کی بات سنے اور خود چٹان پر چڑھ گیا۔ روشنی یہاں تک آ رہی تھی اس لیے میں احتیاطاً لیٹ گیا۔ اگرچہ منظر تباہی کا تھا اور میں کبھی تباہی پسند نہیں رہا۔ مگر اس وقت اس منظر نے مجھے خوش کر دیا تھا۔ آگ آرگون کے بعض باغات تک بھی پہنچ گئی تھی۔

رینات کی سپاہ کے پڑاؤ میں شدید ہیجان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ سپاہی اور ان کے کمانڈر بھاگ دوڑ کر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ عارضی طور پر آرگون سے ان کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ مجھے مرکزی قلعے کی فصیل پر بھی ہل چل نظر آ رہی تھی۔ یقیناً وہاں سے بھی آگ دیکھ لی گئی تھی۔ میں دل میں دعا کر رہا تھا کہ سامیرا اس وقت اپنی فوج کو حرکت میں لائے اور رینات کی فوج پر ایک مختصر لیکن بہت تیز حملہ کرے۔ ان کو جنگ پر اکسانے کے لیے یہ حملہ ضروری تھا۔ مگر میں صرف امید کر سکتا تھا کہ سامیرا ایسا کرے گی۔ کاش کہ میرے پاس اس سے رابطے کا کوئی ذریعہ ہوتا۔ ربیک بھی میرے ساتھ اوپر آ گیا تھا اور وہ اوندھا لیٹا ہوا دیکھ رہا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے وہ آگ دیکھی اور مضطرب ہو کر مجھ سے کہا۔''وہ دیکھیں۔''

میں نے دیکھا کہ آگ زیادہ جنوب کی طرف آ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی طرح اس نے نومینز لینڈ پار کر کے قلعوں کی فصل تک رسائی حاصل کر لی تھی مگر یہ بات واضح نہیں تھی کیونکہ وہ جگہ یہاں سے خاصے فاصلے پر تھی۔ میں بھی فکر مند ہو گیا۔''یہ کیسے ممکن ہے آگ از خود یہاں تک نہیں آ سکتی۔''

''یہ لوگ پہنچا سکتے ہیں۔'' ربیک بولا۔''مگر دیکھا جائے تو ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا ہے اب آگ ان کے پڑاؤ کی طرف بھی آ سکتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں خطرہ مول لیتے ہوئے کھڑا ہوا اور اس بار مجھے زیادہ بہتر نظر آیا۔ ہمارا خدشہ درست تھا آگ قلعوں کی زمین تک آ چکی تھی اور اب اس کی کھڑی فصل کو چاٹ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا۔ اگر آگ پڑاؤ تک آ جاتی تو وہ منطقی طور پر مغرب کی طرف پسپا ہوتے اور یہاں ہم موجود تھے۔ اس صورت میں ہمیں فوری یہاں سے نکلنا ہوتا۔ میں نے سب کو ہوشیار کر دیا۔ اب ہم ایک سیکنڈ کے نوٹس پر یہاں سے پسپا ہونے کے لیے تیار تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر ہمیں پسپا ہونا پڑا تو ہم باغات میں ہی رہیں گے۔ کیونکہ باغات سے نکلنے کی صورت میں ہمیں قلعوں سے دور جانا پڑتا اور فی الحال میں اس جگہ سے زیادہ دور نہیں جانا چاہتا تھا۔ میرا اس وقت تک یہاں رہنا لازمی تھا جب تک کہ جنگ کا آغاز نہ ہو جاتا۔ مگر ابھی تک سامیرا کی طرف سے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں ہوا تھا اور رینالٹ کی فوج کو اپنی پڑی تھی۔

پھر وہ ہوا جس کی میں خواہش رکھتا تھا۔ اچانک ہی مرکزی قلعے کا دروازہ کھلا اور اس سے سامیرا کی فوج نکلنا شروع ہوئی۔ آگے بڑی ڈھالوں والے نیزہ بردار سپاہی تھے جو آنے والے تیروں سے بھی بچاؤ کرتے۔ ان کے پیچھے یقیناً تیر انداز تھے۔ وہ ایک نیم دائرے میں دروازے کے آگے پھیل گئے۔ نیزے برداروں نے ڈھالیں یوں آگے کر رکھی تھیں کہ ان کے پیچھے چھپے تیر انداز رینالٹ کی فوج کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ مگر وہ مجھے یہاں سے دکھائی دے رہے تھے۔ تیر اندازوں نے اپنے تیر کمانوں میں لگائے اور ایک آدمی مشعل سے تیزی سے ان کو آگ دکھاتا ہوا ایک سرے سے دوسرے سرے تک گیا اور جیسے ہی تمام تیروں کو آگ لگی۔ انہیں ایک ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ بیک وقت درجنوں تیر ہوا میں بلند ہوئے اور پڑاؤ کی طرف لپکے۔ ابھی وہ تیر اپنی منزل تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ تیر اندازوں نے دوسرے تیر کمانوں پر چڑھا لیے۔ آگ دکھانے والے نے انہیں آگ دکھائی اور وہ بھی ہوا میں بلند ہوئے۔ اس دوران میں آتشیں تیروں کی پہلی برسات پڑاؤ پر برس چکی تھی۔ مجھے وہاں کئی جگہوں پر آگ لگتی دکھائی دی۔ دوسری برسات نے ایک تیر برسانے والی مشین کو نشانہ بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ آگ کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ یہ سب دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
اٹھارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاشف زبیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایکشن سے بھرپور ناول




PDFBOOKSFREE.PK

ایک انک انک ایموشنل رازخیز آہنگ سلسلہ

- کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- انسانی عقل و فہم محدود ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص زاویہ نظر رکھتی ہے۔
- خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی منتظر تھی۔
- اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا منظور تھا۔
- چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک چیلنج ثابت ہوا۔

علی میاں پبلیکیشنز ۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37247414

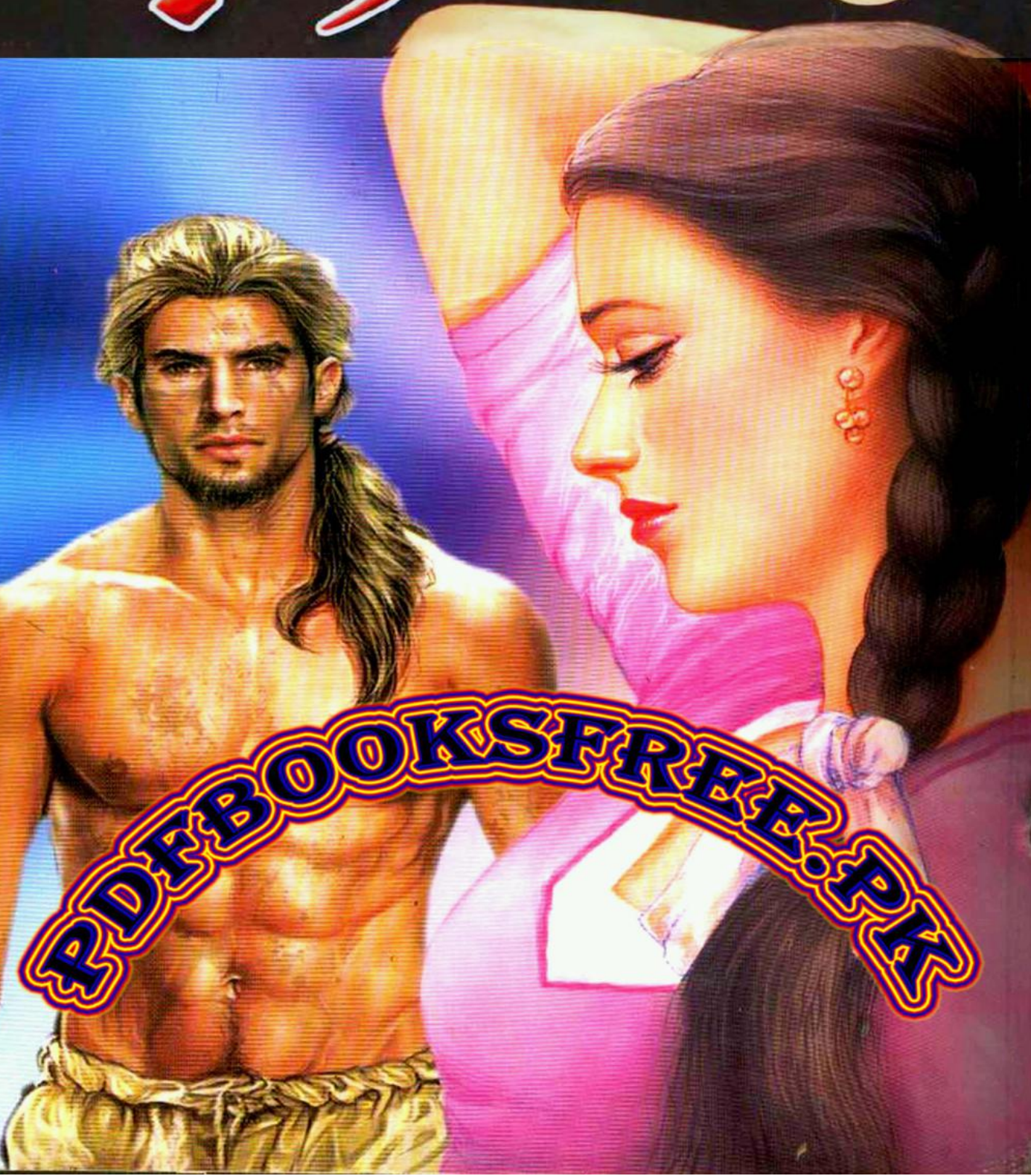
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

18



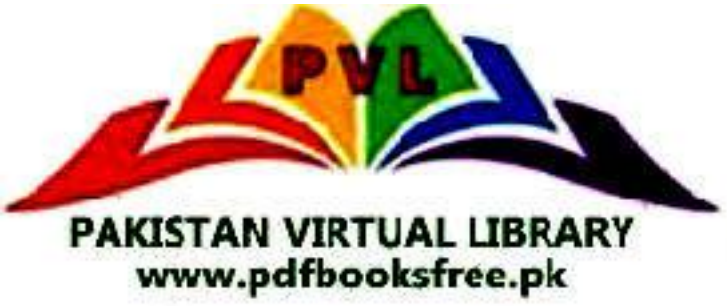
PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

اٹھارہواں حصہ

راوی: شہباز ملک




احباب ادب پبلشرز
اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے اللہ ہمارے علم میں اضافہ فرما آمین!

خوبصورت اور معیاری کتابیں.....

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈمی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— میزان کمپوزنگ۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر

## ملنے کے پتے

خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
دعا پبلشرز الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
رشید نیوز ایجنسی فریئر مارکیٹ، فریئر روڈ۔ کراچی
ویلکم بک پورٹ مین اردو بازار، کراچی
فرید پبلشرز مین اردو بازار، کراچی
اشرف بک ایجنسی اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
سعید بک بنک جناح سپر مارکیٹ، اسلام آباد
مختار برادرز امین پور بازار، فیصل آباد
کلاسک بکس اندرون بوہر گیٹ، ملتان
علی بک سٹال نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آغاز میں بدحواس ہو جانے والے رینالٹ کے سپاہی اب سنبھل رہے تھے ان میں سے کچھ آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے اور باقی جوابی کارروائی کی تیاری کر رہے تھے۔ مگر ان کی طرف سے کی جانے والی تیروں کی بوچھاڑ غیر منظم تھی اور نشانہ کے بغیر تھی۔ اس دوران میں جلتے تیروں کی تیسری برسات بھی ہو چکی تھی اور کئی سپاہی جو تیروں کا نشانہ بنے تھے ان کی لکڑی کی ذرہیں آگ پکڑ رہی تھیں۔ یہ دوہری مصیبت تھی۔ باہر آنے والے سامیرا کے سپاہیوں کی تعداد پچاس ساٹھ سے زیادہ نہیں تھی ان میں تیر انداز اور نیزہ بردار مساوی تعداد میں تھے۔ نیزہ بردار صرف تیر اندازوں کا تحفظ کر رہے تھے۔ جو ان کی آڑ سے آتشیں تیر برسا رہے تھے۔ ہر تیر باری کے بعد پڑاؤ میں لگنے والی آگ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آگ پکڑنے کے لیے وہاں خیمے تھے۔ لکڑی کا بے شمار ساز و سامان تھا۔ جلتے تیروں کے لیے ہداف کی کمی نہیں تھی وہ جہاں گرتے ان کو آگ لگانے کو کچھ نہ کچھ مل جاتا تھا۔ یہ سب کچھ میری سوچ اور منصوبے کے عین مطابق ہو رہا تھا۔

مگر اب رینالٹ کے سپاہی آگے بڑھنے کے لیے بھی پَر تول رہے تھے اور ان کی طرف سے تیر باری میں شدت آ گئی تھی اس لیے سامیرا کی سپاہ جیسے اچانک اندر سے نمودار ہوئی تھی اسی طرح وہ ترتیب سے سمٹی اور تیزی سے واپس دروازے میں چلی گئی۔ آخری سپاہی کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ اب رینالٹ کی سپاہ پڑاؤ میں لگنے والی آگ بجھانے کی کوشش کر رہی تھی اور دوسری طرف فصل میں لگنے والی آگ بھی پڑاؤ کے نزدیک آ رہی تھی۔ فصل کے پودے اگرچہ خشک ہو چکے تھے مگر میں نے سوچا نہیں تھا کہ وہ اتنی تیزی سے آگ پکڑ لیں گے اور اب یہ آگ ہر طرف سے فصلوں کو چاٹ رہی تھی۔ دیکھا جائے تو بہت ہی اندوہناک صورتِ حال بن رہی تھی آنے والے سرما میں وادی کے لوگوں کی خوراک تباہ ہو رہی تھی اور یقیناً اب انہیں بہت سخت حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر ان لوگوں کو جو اس خانہ جنگی سے بچ جاتے۔

رینالٹ کی سپاہ اپنے ساتھ تیر برسانے والی جو بھاری مشینیں لائی تھی اس میں تین آگ کی لپیٹ میں آ چکی تھیں اور شعلے انہیں پوری طرح اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔ ان کی آگ بجھانے کی کوششیں ناکام ثابت ہو رہی تھیں۔ اسی طرح خیموں میں لگنے والی آگ بھی پھیل رہی تھی۔ پڑاؤ میں افراتفری اب چیخ و پکار میں بدل گئی تھی۔ جب سامیرا نے مجھے برف والے کا پیغام بھیجا کہ میں جنگ ہونے تک یہیں رکوں۔ تب مجھے اس حکم کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ مگر اب میں سمجھ گیا تھا کہ یہ حکم کیوں دیا گیا تھا۔ جنگ کا آغاز مجھے ہی کرنا تھا۔ ورنہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رینالٹ کی سپاہ تو محاصرہ کر کے آرام سے بیٹھنے کے لیے آئی تھی۔ یہ حقیقت بھانپ لینے کے بعد میں نے یہ تدبیر کی اور رینالٹ کی چال الٹ دی۔ وہ جس فصل پر قبضے کا منصوبہ بنا کر سامیرا کو شکست تسلیم کرنے پر مجبور کرنا چاہ رہا تھا وہ فصل اب تقریباً تباہ ہو چکی تھی۔ آرگون کے کھیت تو مکمل نذرِ آتش ہو چکے تھے اب سامیرا کی طرف کے کھیت بھی آگ میں یوں گھر چکے تھے کہ چند گھنٹوں بعد یہاں سوائے راکھ کے اور کچھ باقی نہ رہتا۔ میں نے ایرٹ اور ربیک سے کہا۔ ''میرا خیال ہے وقت آ گیا ہے ہمیں آرگون کی طرف جانا ہے۔''

وہ پُرجوش ہو گئے۔ ''ہم تیار ہیں جناب۔''

فصل میں لگی آگ سے بچنے کے لیے رینالٹ کی سپاہ عارضی طور پر محاصرہ بھول کر باغات کی طرف پسپا ہو رہی تھی۔ اس لیے بھی ہمارا اس جگہ سے نکل جانا لازمی تھا۔ کچھ دیر بعد ہم اپنا سامان اور ہتھیار اٹھائے باغات سے گزر رہے تھے۔ اس وقت آرگون کے باغات سے گزرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ آرگون کی طرف سے کوئی امدادی فوج آ رہی ہو اور ہمارا اس سے سامنا ہو جائے۔ فصل میں آگ لگنے کے بعد وہ باغات کا طویل راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ مگر آرگون کی فصیل کے آخری حصے میں ہمیں اس کے باغات کے ساتھ سے گزرنا ہی پڑا تھا۔ یہاں تک پہنچنے میں ہمیں ایک گھنٹہ لگا تھا اور شعلے اتنے بلند تھے کہ ان کی روشنی یہاں سے بھی نظر آ رہی تھی۔ ربیک نے مجھ سے کہا۔ ''ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آگ اتنی تیزی سے پھیل جائے۔''

''ایسا لگ رہا ہے کہ دونوں طرف کی ساری فصلیں تباہ ہو جائیں گی۔'' ایرٹ نے کہا۔

''مجھے اب اس کی فکر ہو رہی ہے۔ آنے والے سرما میں وادی کے لوگوں کو فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

وہ دونوں بھی فکرمند ہو گئے اب تک جوش میں انہیں احساس نہیں تھا۔ ایرٹ نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مگر جنگ میں ایسا ہوتا ہے۔''

میں نے سرد آہ بھری۔ ''ہمارے ہاں بھی کہا جاتا ہے کہ جنگ اور محبت میں سب جائز ہے۔''

کچھ دیر بعد ہم باغات کی بھی آخری حد تک پہنچ گئے تھے۔ ہمارے دائیں طرف آرگون کی فصیل تھی اور اس کے ساتھ جنگل اور ویرانہ تھا۔ اس ویرانے میں ہارن تھے۔ اسار تھے اور گونر تھے۔ یہ تمام جانور ہمارے لیے خطرناک تھے اور ان سے بچاؤ کے لیے ہمارے پاس مشروب تھا۔ سب نے یہ مشروب پیا کچھ دیر آرام کے لیے رک گئے۔ آرام کے ساتھ ساتھ اتنی دیر میں ہمارے جسموں سے بُو آنے لگتی اور پھر آگے روانہ ہو جاتے۔ آرام کے اس وقفے میں، میں نے ایرٹ سے پوچھا۔ ''روغن جمع کرنے کے دوران جانور ملے تھے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''دو بار جناب۔ مگر ہمارے پاس سے آتی بُو کی وجہ سے وہ نزدیک نہیں آئے تھے۔''

''مگر ہمیں پھر بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔ ہارن خطرناک ہے۔ وہ گوشت خور نہیں ہے اس کے باوجود انسانوں سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا ہے۔'' میں نے انہیں خبردار کیا۔

''شاید اس لیے کہ وہ اس وادی میں انسانوں کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔'' ایرٹ نے کہا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ دیکھا جائے تو انسان کے بعد وہی اس وادی کا سب سے طاقتور اور خطرناک جانور تھا۔ جسمانی قوت میں انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا مگر جہاں تک عقل کا تعلق ہے وہ انسان کے سامنے بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وادی کی حکمرانی اس سے چھن گئی تھی اور ردِعمل میں وہ انسانوں سے صرف نفرت کر سکتا تھا یا جہاں موقع ملتا وہ انسانوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر اپنی تسکین کرتا تھا۔ مگر وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اب ہم جنگل میں داخل ہو گئے تھے اور یہاں سے اس کے عقبی حصے تک پہنچنے میں ہمیں دو گھنٹے لگ سکتے تھے۔ ہم نے روشنی کے لیے ایک چھوٹی مشعل جلا لی تھی اور اس کی روشنی نمایاں کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ روشنی دیکھ کر جانور ہماری طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ رات کے دو بجے یا اس سے ذرا اوپر کا وقت تھا۔ روشنی ہونے میں ابھی چار گھنٹے کا وقت تھا۔ اگر ہم چار بجے تک سرنگ کے خفیہ راستے تک پہنچ جاتے تو ہمارے پاس آگے کارروائی کے لیے دو گھنٹے بچتے۔ اس قسم کی کارروائی تاریکی میں ہی کامیاب ہو سکتی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ دو گھنٹے ناکافی تھے۔ ہمیں صرف اندر ہی نہیں گھسنا تھا بلکہ رینات تک پہنچنا تھا۔ ساشا نے جو بتایا تھا وہ ایک بظاہر ناقابلِ تسخیر قسم کے حصار میں محفوظ تھا۔ اس تک رسائی یقیناً آسان نہیں تھی۔ ایک بار شہر میں ہماری موجودگی کا راز قبل از وقت فاش ہو جاتا تو ہمارے لیے جان بچانا بھی مشکل ہو جاتا۔ وہاں باقاعدہ فوج نہیں تھی۔ لیکن باقاعدہ فوج سے زیادہ تربیت یافتہ رینات کے خاص محافظ تھے اور ان کی تعداد بھی سینکڑوں میں تھی۔

○.....❖.....○

میں نے ایک گھنٹے بعد آرام کے وقفے میں ربیک اور ایرٹ سے مشورہ کیا۔ ایرٹ نے کہا۔

''جناب سچی بات ہے ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے مگر مجھے بھی لگ رہا ہے کہ صبح ہونے کا وقت قریب ہے اور اتنی سی دیر میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں طویل وقت درکار ہے۔''

''مگر اس صورت میں ہم باہر کہاں رکیں گے؟'' ربیک نے نقطہ اٹھایا۔ ''اس علاقے میں خطرات بہت زیادہ ہیں۔ دوسرے کل تک یقیناً آگ بجھ جائے گی۔ اس کا بھی امکان ہے کہ رینات کی فوج خوفزدہ ہو کر شہر میں واپس آ جائے۔''

''فوج کی واپسی کا امکان کم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کا آرگون کی عوام اور خود فوج پر بہت برا اثر پڑے گا۔ میرا نہیں خیال کہ رینات فوج واپس بلائے گا۔''

ایرٹ نے تائید کی۔ ''دیکھا جائے تو اس کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوا ہے۔ چند سپاہی مرے ہیں اور آگ سے سامان کو نقصان ہوا ہے۔ کل تک وہ سب ٹھیک کر لیں گے۔''

''اس لیے فوج کی واپسی کا امکان بہت کم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بلکہ ممکن ہے کہ شہر میں اگر کچھ اضافی دستے ہوں تو اس پہلی شکست کے بعد رینات انہیں بھی فوج کے پاس بھیج دے۔''

''ایسا ہو جائے تو اور اچھا ہوگا۔''

آرام کے مختصر وقفے کے بعد ہم آگے بڑھے۔ اب عقب میں نظر آتی آگ کی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی مگر دور وادی کی دیواروں پر اس کا ہلکا سا انعکاس محسوس ہو رہا تھا۔ فصلوں میں لکڑی نہیں ہوتی ہے اور آگ بہت تیزی سے انہیں جلا کر راکھ کر دی۔ دوسرے ان میں سبزہ تھا اس لیے دھواں بہت اٹھتا۔ مگر یہ بات یقینی تھی کہ آگ صبح تک بجھ جائے گی۔ البتہ اس کے اثرات باقی رہیں گے جیسے زمین سے تپش اٹھتی رہے گی اور دھواں دیر تک برقرار رہے گا۔ یہاں ہوا نہیں چلتی ہے جو دھواں اڑا کر لے جائے۔ سامیرا کی طرف آگ کا باغات پہنچنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امکان نہیں تھا اس سے پہلے ہی رینالٹ کے سپاہ اس کا تدارک کر لیتے کیونکہ ان کے پڑاؤ کے بعد تو باغات تھے۔ بلکہ کھیت اس کے بعد بھی تھے مگر ان کی تعداد کم ہوگئی تھی۔ دوسری طرف آرگون کے باغات کو بھی بچانے کی کوشش کی جارہی ہوگی۔ کیونکہ ایک فصل کے مقابلے میں یہ باغات کہیں زیادہ قیمتی تھے اور ان کے درخت برسوں میں جا کر پھل دینے کے قابل ہوتے۔ جب کہ نئی فصل چند دن بعد بھی کاشت کی جاسکتی تھی اور سردیاں آنے سے پہلے وہ تیار ہو جاتی۔

یقیناً رینالٹ کے آدمیوں کی توجہ اس وقت کہیں زیادہ منقسم ہوگی۔ سب سے کم توجہ شہر پر ہوگی، اس کے باوجود ہمارے لیے آرگون کی مہم آسان نہیں تھی۔ اب ہم آرگون کی فصیل کے تقریباً آخری حصے تک پہنچ گئے تھے اور ہمیں گھوم کر اس کے عقب میں جانا تھا جہاں سے معبد کو جانے والی سرنگ گزرتی تھی۔ ہم ایسے جنگل سے گزر رہے تھے جس میں کہیں کہیں چٹانیں اور جھاڑیاں بھی تھیں۔ میں پہلی بار اس طرف آیا تھا اور میرے لیے نشانی وہ ٹیلہ نما پہاڑی تھی جس پر چڑھ کر میں نے اور روبیر نے پہلی بار سرنگ کے ہوائی دخول کے راستے دیکھے تھے۔ وہ پہاڑی ابھی دور تھی اور اس جگہ سے نظر نہیں آرہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ اس ہی قسم کی جھاڑیوں میں وہ خوش رنگ پرندہ تھا جو پروں سے زہریلے کانٹے برساتا تھا اور روبیر نے مجھے بتایا تھا کہ اس سے ہارن جیسا خوفناک جانور بھی بھاگتا ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا۔ ربیک نے کہا۔

''وہ دس قدم کے فاصلے سے خطرناک ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو کانٹے اثر نہیں کرتے ہیں۔''

''پھر بھی محتاط رہو اور تیر کمان سنبھال لو نظر آتے ہی اسے نشانہ بنانے کی کوشش کرنا۔'' میں نے حکم دیا تو انہوں نے تیر کمان سنبھال لیے تھے اور ہم احتیاطاً جھاڑیوں سے دور ہو کر گزر رہے تھے۔ یہاں زمین سخت اور پتھریلی تھی۔ صرف وہیں سبزہ تھا جہاں مٹی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اس جگہ سبزہ زیادہ نہیں تھا اور جو تھا وہ بھی خشک سا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ موسم گرم اور حبس والا ہو رہا تھا۔ شاید وسیع رقبے پر لگنے والی آگ کا اثر تھا جو یہاں رات سرد اور خشک نہیں ہوئی تھی جیسا کہ ہو جاتی تھی۔ اوپر آسمان صاف تھا اور ستارے نظر آرہے تھے۔ میری کوشش تھی کہ صبح سے پہلے پہلے ہم اس ٹیلے تک پہنچ جائیں اور پھر سارا دن وہیں رہیں۔ شام کے بعد ہی ہم سرنگ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے۔ ٹیلے تک پہنچنا یوں بھی ضروری تھا کہ اس کے بعد ہم یہاں پائے جانے والے خطرناک جانوروں کی نظروں سے محفوظ ہو جاتے۔

اگر کوئی ہارن ہمیں دیکھ لیتا اور نزدیک نہ بھی آپاتا تب بھی وہ ہمارے آس پاس ہی رہتا اور اگر زیادہ ہوتے تو ہمارے گرد گھیرا ڈال لیتے جیسا کہ انہوں نے کنویں والی چٹان کے پاس کیا تھا۔ میں اس کینہ پرور مخلوق سے ممکنہ حد تک دور رہنا چاہتا تھا کہ اسی میں ہماری بچت تھی۔ بالآخر مجھے پہاڑی کا ہیولہ نظر آیا اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمیں اس کی طرف جانا ہے۔ اجنبی علاقہ ہونے کی وجہ سے راستہ تلاش کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی اور ہمیں جھاڑیوں کے درمیان بھٹکنا پڑ رہا تھا۔ میں اور ربیک سب سے آگے تھے۔ ایک جگہ راستہ دو جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا اور ہم سب قطار بنا کر اس کے درمیان سے گزرنے لگے تھے۔ دائیں طرف کی جھاڑی میں ہلکی سی حرکت ہوئی اور میں چوکنا ہوگیا۔ میں نے ہاتھ بلند کر کے سب کو رکنے اور ساکت ہونے کا اشارہ کیا تو وہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر گئے۔ ربیک کے پیچھے موجود ایرٹ نے تیر کمان کا رخ جھاڑی کی طرف کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا تھا۔ اچانک جھاڑی سے وہی خوش رنگ مگر زہریلے کانٹوں والا پرندہ نکلا اور نکلتے ہی اس نے رقص کے انداز میں اپنے پر پھڑ پھڑانا شروع کر دیے۔ میں چلایا۔

''پیچھے ہٹو۔''

سب سے آگے ملیں اور ربیک تھے۔ اتفاق سے ہم دونوں کے ذہن میں ایک ہی ترکیب آئی تھی۔ ہم اپنے کرتے لہراتے ہوئے دوسری طرف مڑ گئے تھے اور اسی لمحے ایرٹ نے تیر مارا۔ پرندے نے کریہہ سی آواز نکالی اور تیر کھا کر واپس اسی جھاڑی میں گھس گیا۔ باقی سب عجلت میں پیچھے بھاگے تھے۔ پرندے کے غائب ہوتے ہی میں اور ربیک بھی بھاگے۔ ربیک پیچھے تھا مگر وہ آگے نکل گیا کیونکہ چند قدم اٹھاتے ہی مجھے چکر سا آیا اور ایسا لگا جیسے تاریک رات اور تاریک ہوگئی ہو۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آیا تھا۔ میں نے اندھوں کی طرف چند قدم اٹھائے اور سر جھٹکا تو اندھیرا چھٹا تھا مگر چکر اب بھی آ رہے تھے اور منظر نظروں کے سامنے لہرا رہا تھا۔ تب مجھے اپنے بائیں بازو میں چبھی کسی چیز کا احساس ہوا۔ میں نے ہاتھ پھیرا اور اس گلاب کے کانٹے جیسی چیز کو نکال دیا جو کھال میں پیوست تھی۔ یہ اسی پرندے کا زہریلا کانٹا تھا جو میرے بازو میں پیوست ہوا تھا۔ میرے ساتھیوں کو ذرا دیر سے احساس ہوا۔ اس دوران میں وہ جھاڑیوں سے نکل گئے تھے اور میں ابھی جھاڑیوں کے درمیان تھا۔ ایرٹ کو پہلے احساس ہوا اور وہ پلٹ کر آیا۔

''کیا ہوا جناب آپ ٹھیک ہیں؟''

''مجھے زہریلا کانٹا لگا ہے۔'' میں نے ڈوبتی آواز میں کہا۔ اب میرے لیے کھڑے رہنا بھی مشکل ہو رہا تھا میں وہیں بیٹھ گیا۔ وہ سب میرے گرد جمع ہو گئے تھے۔ مگر یہاں خطرہ تھا۔ وہ پرندہ زیادہ دور سے نہیں نکلا تھا اور یہاں شاید اس کا گھر تھا۔ اس نے ہمیں مداخلت کار سمجھ کر حملہ کیا تھا۔ ہمارا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ ممکن ہے وہاں اور پرندے ہوتے اور وہ حملہ کرتے تو ان سے بچنا محال ہو جاتا۔ اس وقت بھی سب اس لیے بچ گئے تھے کہ ہم ایک قطار میں تھے۔ ربیک کی خوش قسمتی نے اسے محفوظ رکھا تھا مگر میں اتنا خوش قسمت ثابت نہیں ہوا۔ میں خود پر جبر کر کے اٹھا اور ان سے کہا۔ ''یہاں سے ہٹو..... یہاں خطرہ ہے۔''

ان کو بھی ہوش آیا۔ ایرٹ اور ربیک نے مجھے دائیں بائیں سے سہارا دے کر اٹھایا اور جھاڑیوں سے ہٹ گئے۔ یہ سلانے اور غنودگی لانے والا زہر تھا۔ کیونکہ میں نہ تو درد اور نہ ہی کسی قسم کی بے چینی محسوس کر رہا تھا بس دل چاہ رہا تھا کہ یہیں لیٹ کر سو جاؤں۔ بعض اقسام کے سانپوں کا زہر بھی یہی خاصیت رکھتا ہے۔ وہ جسے ڈس لیں وہ سو جاتا ہے اور اسی نیند میں موت خاموشی سے انسان کو ساتھ لے جاتی ہے۔ میں غنودگی سے لڑنے لگا۔ وہ لوگ مجھے جھاڑیوں سے دور لے آئے۔ ربیک پوچھ رہا تھا کہ میں کیسا محسوس کر رہا ہوں اور مجھے اس کا سوال کئی بار پوچھنے پر سمجھ میں آیا۔ میں اپنے اندر ایک جنگ لڑ رہا تھا اور میری توجہ باہر کی طرف کم ہو گئی تھی۔ میں نے اسے بہ مشکل بتایا کہ میں کیا محسوس کر رہا ہوں۔ اس نے دواؤں والے تھیلے سے ایک سفوف نکالا اور پانی میں ڈال کر مجھے پلایا۔ اس نے کہا۔

''یہ زہر کا توڑ ہے۔''

اس توڑ کا اثر ہوا تھا اور میں چند منٹ بعد غنودگی کی کیفیت میں کمی محسوس کرنے لگا۔ اب چکر آنا بند ہو گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور لیٹ کر سو جانے کی خواہش بھی پہلے جیسی بے قابو نہیں رہی تھی۔ اگر مجھے خود پر قابو پانے کی مشق نہ ہوتی تو شاید میں سو ہی جاتا۔ کیفیت بہتر ہوتے ہی میں کھڑا ہو گیا۔ میں جتنا متحرک رہتا زہر کا اثر اتنا ہی کم ہوتا جاتا۔ میں نے حکم دیا۔ ''ٹیلے کی طرف چلو اس سے پہلے کہ کوئی اور مصیبت نازل ہو جائے۔''

وہ سمجھتے تھے اس لیے کسی نے اعتراض نہیں کیا اور مجھے سہارے کی ضرورت نہیں تھی مگر ربیک میرے ساتھ رہا اور ہم کچھ دیر میں ٹیلے تک پہنچ گئے۔ مجھے یاد تھا کہ اوپر جانے کا راستہ کہاں ہے۔ میں نے ان کو بتایا اور وہ باری باری اوپر جانے لگے۔ پھر مجھے سہارا دے کر چڑھایا۔ سفوف کا اثر ہر گزرتے منٹ مجھے بہتر کر رہا تھا۔ یہ تیر بہ ہدف قسم کا تریاق تھا اور میرا خیال تھا کہ اسے بھی اورگان نے بنایا ہوگا۔ جس نے جانوروں سے بچانے والا محلول تیار کیا تھا۔ جب ہم ٹیلے پر چڑھے اور محفوظ بلندی تک پہنچ گئے تو انہوں نے میرے لیے ایک جگہ بنائی جہاں میں آرام سے بیٹھ سکوں۔ باقی جس کو جہاں جگہ ملی وہیں بیٹھ گیا۔ میں نے پہلی بار مشعل کی روشنی میں اپنے بازو کا جائزہ لیا جہاں کانٹا گھسا تھا۔ وہاں پانچ روپے کے سکے جتنا نیلگوں دائرہ بن گیا تھا مگر اس میں تکلیف نہیں تھی۔ میں نے تیر لے کر اس کی نوک اس جگہ چبھوئی اور وہاں سے سیاہی مائل گاڑھا سا خون بہنے لگا تھا۔

یقیناً یہ زہریلا خون تھا۔ میں نے اسے بہنے دیا۔ کچھ دیر بعد خون سرخ ہونے لگا۔ تب میں نے انگوٹھے سے دبا کر خون روک دیا۔ خون نکلنے سے سیاہ دائرہ مدھم پڑ گیا تھا۔ اب میں زیادہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے انگوٹھا ہٹایا تو خون رک گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ربیک اور دوسرے کچھ حیرت زدہ تھے۔ ربیک نے کہا۔ ''آپ خوش قسمت ہیں کہ اس کے زہر نے اثر نہیں کیا ورنہ اس کے کانٹے کا شکار ہونے والا مشکل سے ہی بچتا ہے۔''

''ہاں میں خوش قسمت ہوں۔'' میں نے اقرار کیا۔ ماضی میں بھی میں زہر کا شکار ہو کر بچ گیا تھا اور اس کی وجہ اللہ کی مہربانی کے بعد وہی دوائیاں تھیں جو حکیم قادس نے مجھے دی تھیں اور جن کا جزو اعظم اس وادی سے آنے والا ایک پتھر کا سفوف تھا۔ زہریلے ترین کوبرا کے کاٹنے کے باوجود میں بچ گیا تھا۔ بلکہ میرے خون میں کچھ ایسی خصوصیت پیدا ہو گئی تھی کہ اس سے بڑے کنور کے ناقابلِ علاج مرض کا علاج بھی ممکن ہو گیا تھا۔ مگر یہ علاج اس کی قسمت میں نہیں تھا۔ اگر وہ انسانیت کے نام پر یا سادھنا کے واسطے مجھ سے خون چاہتا تو شاید میں مان بھی جاتا مگر اس نے جبراً میرے جسم سے خون کشید کرنا چاہا تھا اور اسی کشمکش میں وہ ناکام رہا۔ بہرحال میرے خون میں یہ اثر اب بھی موجود تھا کہ پرندے کا مہلک زہر مجھے ہلاک کرنے میں ناکام رہا تھا۔

مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ خوش رنگ پرندے کا زہر بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔ ہماری دنیا میں خطرناک ترین حیاتیاتی زہر ان جانوروں کے جسم میں ہوتے جو بظاہر بہت بے ضرر دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے مچھلی، جیلی فش، پلاٹی پس اور رے شارک وغیرہ۔ سانپ بچھو تو بس بدنام ہیں۔ ورنہ زہریلے ترین سانپ کا زہر بھی آدمی کو آدھے گھنٹے سے پہلے ہلاک نہیں کر سکتا ہے۔ ہاں خوف سے وہ مر جائے تو الگ بات ہے لیکن ایک قسم کی مچھلی کا زہر اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ اگر وہ کاٹ لے تو انسان چار سیکنڈ میں مر جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قدرت نے اس مچھلی کو کاٹنے کی جبلت ہی نہیں دی ہے۔ اسی طرح جیلی فش کا زہر اگر زیادہ مقدار میں جسم میں آئے تو سانس رکنے سے چند منٹ میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ پتنگ نما رے شارک کا زہر بھی بہت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ پرندہ بھی ایسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی بے ضرر دکھائی دینے والے زہریلے جانوروں میں شامل تھا۔

روشنی ہونے سے پہلے ربیک نے وہی سفوف دوبارہ پانی میں گھول کر دیا۔ میں تقریباً نوے فیصد ٹھیک ہو گیا تھا۔ بازو کا سیاہ دائرہ خاصا مدہم پڑ گیا تھا مگر ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا تھا۔ میں نے بازو استعمال کر کے دیکھا اور مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ غنودگی والی کیفیت مکمل ختم ہو چکی تھی اور خاصی دیر سے جاگنے کے باوجود میں چاق و چوبند تھا۔ باقی سب آرام کر رہے تھے اور اونگھ رہے تھے۔ ان لوگوں کو خاصی دیر کے بعد اطمینان کا موقع ملا تھا اور یہ مہلت عارضی تھی۔ وہ اس وقفے میں جتنا آرام کر لیتے اتنا ہی اچھا تھا۔ میں نے کہا۔

''دن میں سب آرام کریں گے اور رات میں ہم آرگون میں داخل ہوں گے۔''

''کس راستے سے جناب؟'' ربیک نے پوچھا۔

''وہ دیکھ رہے ہو چھوٹی سی کون جو ہر تھوڑی دیر بعد زمین سے اٹھی ہوئی ہیں۔'' میں نے ہوائی دخول کے راستوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ معبد اور آرگون کو ملانے والی سرنگ کے ہوائی دخول کے دہانے ہیں۔ ان میں سے ایک میں اندر جانے کا راستہ ہے لیکن ہم اسے اسی وقت استعمال کر سکتے ہیں جب اندر کوئی نہ ہو۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ رات کے وقت؟''

''بالکل میری معلومات کے مطابق اس سرنگ کو رات میں صرف ہنگامی حالات میں استعمال کیا جاتا ہے۔''

ربیک کون گن رہا تھا۔ ''یہ تو بہت ہیں۔''

''وہ جو شہر کی طرف سے چوتھی کون ہے۔'' میں نے بتایا۔ ''یہاں سے سب سے نزدیک وہی ہے۔''

''تبھی آپ اس جگہ تک آئے ہیں؟''

''نہیں یہ اتفاق ہے کہ وہ یہاں سے نزدیک ہے۔ یہاں آنے کی وجہ ہارن ہیں۔ ان کا مسکن یہاں سے نزدیک ہی ہے۔ ان سے بچنے کے لیے یہاں اور کوئی جگہ نہیں ہے سوائے اس ٹیلے کے۔''

''اس کے باوجود اگر ہم ان کی نظروں میں آ گئے تو وہ یہاں بھی گھیر لیں گے۔''

''اس لیے اب خود کو چھپاؤ۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں نمایاں اور اکھٹے نہیں ہونا چاہیے۔''

ہم سب ٹیلے پر اوپر نیچے اس طرح بکھر گئے کہ مختلف پناہ گاہوں میں روپوش ہو گئے اور الگ بھی ہو گئے۔ اس طرح نمایاں نہیں رہے تھے۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے میں نے اپنے تھیلے سے میٹھی ٹکیاں نکالی اور انہیں کھا کر چند گھونٹ پانی پیا تھا۔ یہاں پانی کا منبع نامعلوم تھا اس لیے سب کو احتیاط سے پانی استعمال کرنے کو کہا تھا۔ میں ایک اندر کی دھنسی ہوئی چٹان کے خلا میں گھس کر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی ساخت ایسی تھی کہ یہ جسم کو سہارا دے رہی تھی مگر احتیاطاً میں سونے سے گریز کر رہا تھا۔ ربیک کچھ دیر ایک جھاڑی کی جڑ سے ٹکا ہوا تھا اور ایرٹ ذرا اوپر تھا۔ میں زمین سے کوئی تیس فٹ کی بلندی پر تھا۔ یہاں سے سامنے جنگل کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک ہی جھاڑیوں میں ہل چل سی ہوئی اور اس میں سے دو عدد ہارن نکلے۔ انہیں دیکھتے ہی سب ایک دوسرے کو خبردار کرنے لگے اور جو جہاں تھا وہاں زیادہ دبک گیا۔ مگر ہارن ہماری طرف نہیں آئے بلکہ وہ دائیں طرف ذرا گھنی جھاڑیوں میں چلے گئے اور کچھ دیر بعد ہمیں اندازہ ہوا کہ وہ محبت کے مراحل طے کر رہے تھے۔ کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدردوری سے ان کی حرکات اور مسرت بھری غراہٹوں سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ ربیک مسکرانے لگا۔

''ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''جب تک ہم نظر نہیں آتے۔'' میں نے کہا۔ ہارن کا یہ جوڑا تقریباً پندرہ بیس منٹ وہاں رہا اور پھر دوڑتا ہوا اندر گھنے جنگل کی طرف چلا گیا۔ وہ یہاں اسی کام کے لیے آیا تھا۔ اب تک میں نے ہارن کو خوفناک روپ میں ہی دیکھا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ میں اسے ذرا مختلف روپ میں دیکھ رہا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مغرب کی دیومالائی کہانیوں میں ہارن جیسے ایک کردار کا ذکر ملتا ہے۔ جس کا دھڑ گھوڑے جیسا اور اوپری جسم انسانوں جیسا ہوتا ہے۔ وہ تیر کمان لے کر گھنے جنگلوں میں سفر کرنے والے عام انسانوں کی بلاؤں اور خطرناک مخلوقات سے حفاظت کرتا ہے۔ وہ انسانوں جیسی عقل رکھتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ مگر یہاں جو مخلوق پائی جاتی تھی وہ قطعی حیوان تھی اور انسانوں کی شدید دشمن تھی۔ اس کی دشمنی کا روپ میں دیکھ چکا تھا کہ وہ انسان کو مارنے کے لیے خود بھی مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

ہارن کے جانے کے بعد سب پھر سے ریلیکس ہو گئے تھے۔ مجھے نیند آ رہی تھی اور میں نے سوچا کہ کچھ دیر آرام کر لیا جائے۔ میں اسی کھوہ میں گھسا ہوا اونگھنے لگا اور کچھ دیر بعد سو گیا۔ آرام سے پہلے میں نے ربیک کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ جاگتا رہے۔ اگر خود آرام کرے تو کسی اور کی ڈیوٹی لگا دے۔ ایک ہی پوزیشن میں زیادہ دیر سونا ممکن نہیں تھا اس لیے جب جسم بے آرام ہوا تو خود بخود میری آنکھ کھل گئی اور میں کھوہ سے نکل آیا۔ موسم آج بھی گرم اور پُرحبس تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آگ کا اثر ابھی وادی کی فضا میں باقی تھا۔ ویسے بھی یہ محدود جگہ تھی اور یہاں کوئی بھی موسمی تبدیلی بہت زیادہ محسوس کی جا سکتی تھی۔ گرمی اور حبس کی وجہ سے بار بار پیاس لگ رہی تھی اور اس لیے سب ہی معمول سے زیادہ پانی پی رہے تھے مگر ہمارے پاس خاصی مقدار میں پانی تھا اور اس کا خطرہ نہیں تھا کہ پانی بالکل ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ چوبیس گھنٹے آرام سے چل سکتا تھا۔ اس کے باوجود ہم احتیاط کر رہے تھے اور جب پیاس بڑھ جاتی تب ہی پانی پیتے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ آرگون کا جائزہ لینا چاہیے اور میں نے ایرٹ سے کہا۔

''اوپر چلتے ہیں وہاں سے آرگون شہر نظر آتا ہے۔''

ربیک اب آرام کر رہا تھا۔ ایرٹ اور میں اوپر کی طرف روانہ ہوئے۔ ٹیلے کی بلندی سوفٹ کے لگ بھگ تھی اور یہاں سے کئی میل کی دوری تک دیکھا جا سکتا تھا۔ آرگون کی عقبی فصیل یہاں سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر تھی۔ جو حصہ نظر آ رہا تھا وہ شہر کا اہم ترین حصہ تھا یعنی شاہی علاقہ پھر سرکاری علاقہ اور اس کے آس پاس امرا کی رہائش گاہیں تھیں۔ اگرچہ اتنی دور سے وہاں ہونے والی سرگرمیاں دیکھنا ممکن نہیں تھا مگر مجھے اور ایرٹ کو لگا کہ وہاں بہت زیادہ چہل پہل ہے۔ شاید حفاظتی انتظامات کو از سرِ نو منظم کیا جا رہا تھا۔ بہت دور جنوب میں ماحول دھندلا سا تھا جیسے وہاں اب بھی دھویں کا اثر ہو۔ لازمی بات ہے اگر آگ باغات تک نہیں پہنچی تھی تو وہ فصل چاٹ کر بجھ چکی تھی۔ ایرٹ نے کہا۔ ''ایسا لگ رہا ہے یہاں کوئی جلسہ ہو رہا ہے۔''

میں نے اتفاق نہیں کیا۔ ''اس موقع پر جلسے کی تک سمجھ میں نہیں آ رہی، میرا خیال ہے یہاں حفاظتی انتظامات پھر سے ترتیب دیے جا رہے ہیں ہمیں نظر آنے والی سرگرمی اسی سے متعلق ہے۔ یا پھر شہر میں کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہنگامی صورتِ حال درپیش ہے۔''

ایرٹ نے میری طرف دیکھا۔''اس صورت میں ہمارا اندر گھسنا مناسب ہوگا؟''

''یہ تو اسی وقت پتا چلے گا جب ہم اندر پہنچ جائیں گے۔'' میں نے کہا۔''ہمیں آج رات اندر گھسنا ہے البتہ کارروائی کرنی ہے یا نہیں اس کا فیصلہ ہم اندر جانے کے بعد ہی کریں گے۔ ممکن ہے حالات سازگار نہ ہوں تو ہم جیسے اندر گئے ہوں گے اسی طرح واپس بھی آجائیں گے۔ ایک بات ذہن نشین کرلو ہم خودکشی کرنے نہیں جا رہے ہیں ہر قدم سوچ سمجھ کر اور دیکھا بھالا کر اٹھانا ہے۔''

ایرٹ نے سر ہلایا۔ ہم خاصی دیر اوپر رہے اور رفتہ رفتہ آرگون میں نظر آنے والی سرگرمی مدہم پڑ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جس مقصد کے تحت یہ سرگرمی جاری تھی وہ پورا ہو گیا تھا۔ ہم نیچے اترے تو شام قریب تھی۔ ساشا ایک طرف بیٹھی اپنے طویل سنہری مائل بھورے بال سنوار رہی تھی۔ میں نے یہاں عورتوں کے بال عام طور سے سنہری، سرخ یا مکس براؤن رنگ کے دیکھے تھے۔ بہت کم ایسی تھیں جن کے بال سیاہ یا گہرے رنگ کے ہوں۔ ہمارے درمیان وہ واحد فرد تھی جس نے سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ میں اس کے پاس آیا۔''تمہیں لباس بدلنا ہوگا۔''

''میرے پاس اور لباس نہیں ہے۔''

''ہمارے پاس ہے۔'' میں نے کہا اور آرگون کی فوجی وردیاں نکال کر اس کے سامنے ڈھیر کر دیں۔''اس میں سے دیکھ لو جو تمہیں پورا آئے وہ پہن لو۔''

اس نے میری طرف دیکھا۔''کیا تم لوگ آرگون میں داخل ہو گے؟''

''بالکل ہم اسی لیے یہاں آئے ہیں۔''

''اور مجھے بھی ساتھ لے جاؤ گے؟''

''ظاہر ہے ورنہ تمہیں یہاں کیوں لاتے؟''

''میں جو جانتی ہوں تمہیں بتا چکی ہوں پھر مجھے ساتھ رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔''

''جواز ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔''میرا خیال ہے تم جتنا جانتی ہو تم نے اتنا بتایا نہیں ہے۔''

وہ کچھ دیر مجھے گھورتی رہی پھر اس نے وردیوں میں سے اپنے سائز کی وردی تلاش کی اور اسے لے کر ٹیلے کے ایک ایسے حصے میں چلی گئی جہاں وہ لباس بدل سکتی تھی۔ میں جب اسے دیکھتا مجھے روبیر کا خیال آتا اور میرا دل یہ سوچ کر بوجھل ہو جاتا کہ رینالٹ اور اس کے ظالم آدمیوں کی قید میں نہ جانے اس پر کیا گزر رہی ہو گی؟ مگر فی الحال اس کے لیے میں یا کوئی بھی دوسرا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تقدیر کے حوالے تھی۔ اگر اس کے نصیب میں زندگی اور رہائی تھی تو یہ اسے ضرور ملے گی۔ صرف وہی نہیں بلکہ آرگون کے ہزاروں شہری زندگی اور رہائی کی امید میں بیٹھے تھے۔ ساشا لباس بدل کر آئی تو اب وہ ہمارے جیسی لگ رہی تھی۔ سفید رنگ کے لباس میں وہ الگ اور نمایاں تھی۔ اگرچہ رینالٹ اور سرکاری حکام کے لیے مخصوص حصے میں جو پہریدار تھے ان کی وردی سرمئی رنگ کی تھی اور ہم عام سرخ فوجی وردی میں تھے مگر پھر بھی ہمیں اجنبی سمجھنا دشوار تھا۔ جب تک ہم پر شک نہ ہوتا کوئی ہمیں نہ روکتا۔

اگر ہمارے لیے رینالٹ اور سرکاری حکام کے لیے علاقے میں گھسنا دشوار ہوتا تو ہم شہر کی طرف جا سکتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے اور وہاں کہیں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ مہم اتنی آسان نہیں ہوگی اور ایسی عجلت جس میں ہمارا راز فاش ہو جائے ناکامی کا سبب بن جائے گی۔ صرف ایک درجن افراد کے ہمراہ سینکڑوں اور ہزاروں مسلح افراد کا مقابلہ دیوانے کا خواب تھا۔ ایک ایسی مہم جس کی ناکامی کا امکان دیکھا جائے تو ننانوے فیصد سے بھی زیادہ تھا اور کامیابی کا امکان ہزار میں ایک بھی نہیں تھا۔ اس لیے اسے دیوانے کا خواب کہا جا سکتا تھا۔ مگر میں اوپر والے کے بھروسے پر جا رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ جیسے اس نے پہلے بے شمار مواقعوں پر ناقابلِ یقین کامیابی دی تھی اسی طرح اس مہم میں بھی کامیاب کرے گا۔ اوپر سورج ڈھلتے ہی نیچے تاریکی چھانے لگی تھی۔ ہم نے کچھ مشعلیں جلا لیں مگر اس طرح کہ ان کی روشنی براہِ راست دور سے نہ دیکھی جا سکے اور آس پاس اجالا رہے۔ دن ڈھلا اور گرمی میں کمی آئی تو سب اٹھ گئے تھے۔ خوش گپیوں کے ساتھ کھانے پینے کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ سب نوجوان تھے اور ان کی گفتگو کا مرکز لڑکیاں تھیں۔ تقریباً سب کی کوئی نہ کوئی پسند تھی۔ ربیک میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں۔''

''ان سب کو تو کوئی نہ کوئی پسند ہے۔''

''مجھے بھی شاید کوئی پسند آ جائے۔'' اس نے کہتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے ساشا کی طرف دیکھا۔ یہ ایک لمحاتی نظر تھی مگر مجھے اس میں پسند کا رنگ دکھائی دیا۔ وہ ایک پتھر سے یوں ٹیک لگا کر بیٹھی تھی کہ اس کی کمر کمان ہوگئی تھی اور کسی قدر فٹنگ کے کرتے میں اس کا یہ پوز بہت نظر نواز تھا۔ ربیک اب الاؤ جلا رہا تھا تاکہ کھانا تیار کیا جائے۔ کئی وقت سے خشک اور تیار اشیا پر گزارا ہو رہا تھا۔ انہوں نے ایک تو دلیہ نما چیز کی تیاری شروع کی اور اس کے ڈول ڈالا۔ یہاں ڈول نما برتن تھے جن میں کچھ پکایا جا سکتا تھا۔ پھر انہوں نے خشک کی ہوئی سبزیوں اور خشک گوشت کی ایک ڈش کے لیے سامان نکالا۔ الاؤ بھی اس طرح جلایا تھا کہ اس کی روشنی دور سے نظر نہ آئے۔ ایک گھنٹے میں کھانا تیار ہوگیا اور سب نے کھا بھی لیا۔ میں نے دلیہ لیا تھا کیونکہ دوسری ڈش میں گوشت تھا۔

میری ہدایت پر سب نے سیر ہو کر کھایا کیونکہ آگے کچھ پتا نہیں تھا کہ کیا ملے اور کیا نہ ملے۔ کھانے کے بعد باقی سب آرام کرنے لگے اور میں ربیک اور ایرٹ کے ساتھ میٹنگ میں لگ گیا۔ ایمار اور مارٹ کچھ فاصلے پر موجود تھے۔ مگر وہ صرف سن رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''ایک بات ذہن میں رکھو کہ ہم ایک بہت ہی مشکل مہم پر جا رہے ہیں جہاں سے زندہ واپسی یا کامیابی کا امکان بہت کم ہے۔''

''ہم سمجھتے ہیں جناب۔'' ایرٹ نے کہا۔

''دوسرے ہم صرف ہتھیار اور پانی ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ باقی سارا سامان یہیں چھوڑ کر جانا ہوگا جس میں خوراک بھی شامل ہے۔''

''اسی لیے تو سب نے آپ کے حکم پر ڈٹ کر کھا لیا ہے۔'' ربیک ہنسا۔ ''آگے کا کچھ پتا نہیں ہے اور یہ بات سب سمجھتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہمیں ایک دستے کی صورت میں اندر گھسنا ہوگا۔ کیونکہ ہمیں شہر کی طرف جانا ہے اس لیے اگر وہاں کسی نے روکا تو ہمارا بہانہ ہوگا کہ دوپہر میں ہم کچھ خاص سامان لے کر معبد گئے تھے اور اب واپس آئے ہیں۔''

''اگر کسی نے پوچھ لیا کہ ہم تو جاتے نظر نہیں آئے؟'' ربیک نے سوال کیا۔

''فرض کرو تم سے یہ سوال کیا جائے تو تمہارے پاس کیا جواب ہوگا؟''

''یہی کہ ہم تقریباً صبح کے وقت گئے تھے۔ لازمی بات ہے اس دوران میں پہرہ دینے والوں کی تبدیلی ہوئی ہوگی۔''

''بہترین جواب ہے اور اسی لیے تم ہمارے سربراہ ہوگے۔'' میں نے کہا۔ ''میں بول نہیں سکوں گا اس لیے اگر کسی نے مجبور کیا تو میں گونگا بن جاؤں گا۔''

ربیک ہچکچایا مگر پھر مان گیا۔ ''ٹھیک ہے جیسا آپ کہیں۔''

''ہمارا تعلق شہر کے اندر پہرہ دینے والی فوج سے ہوگا۔ ہم اندر ہی تعینات ہیں۔''

''یعنی باہر ہونے والی جنگ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' ایرٹ نے سر ہلایا۔ ''یہ مناسب حکمتِ عملی ہے ورنہ باہر موجود سپاہ کی شہر میں موجودگی کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔''

''سب چیزیں طے کر لی جائیں تاکہ ہر شخص ایک ہی بات کرے۔'' میں نے کہا۔ ''ہماری تعیناتی مشرقی سمت میں ہوگی۔''

''ایک سوال ہے۔'' ایرٹ نے ہاتھ اوپر کیا۔ ''اگر ہم کسی وجہ سے بچھڑ جائیں تو.....''

''اس صورت میں سب شہر کے وسط میں جمع ہونے کی کوشش کریں گے۔ جہاں عام لوگوں کی رہائش ہو۔ امرا، سرکاری اور شاہی علاقے سے دور نکلنے کی کوشش کریں گے کیونکہ وہاں سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ کسی بھی مشکل صورتِ حال میں سب اپنی جان بچانے کی کوشش کریں گے۔''

رفتہ رفتہ ہم نے بہت سے چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی طے کر لیں کہ کس صورت میں ہمیں کیا کرنا تھا۔ اس میں خاصا وقت لگا تھا مگر اب ایک مکمل پلان ہمارے سامنے موجود تھا۔ ہم تینوں دن میں آرام کر چکے تھے اور اب ہمیں آرام کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ پیٹ بھرنے سے خمار کا جو وقت ہوتا ہے وہ ہم نے گفتگو کر کے گزار دیا تھا اور چاک و چوبند ہو گئے تھے۔ نصف رات سے پہلے سب تیار تھے۔ روانگی سے پہلے ربیک نے سب کو تفصیل سے اپنا پلان بریف کیا۔ اس مہم کا کمانڈر میں تھا لیکن اگر ہمارا سامنا اندرونی پہرے داروں سے ہوتا تو ربیک کمانڈر بن جاتا۔ بریفنگ کے بعد سب ٹیلے سے اترے۔ اپنا سارا ہی سامان ہم نے ٹیلے پر ایک جگہ محفوظ کر دیا تھا۔ اب سب کے پاس ہتھیار تھے اور پانی کی چھاگلیں تھیں۔ ہاں سب نے سفید کرتے اور پاجامے پر مشتمل اپنا عام لباس بھی ساتھ رکھ لیا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر ہم عام آدمی کا روپ دھار سکیں۔ ربیک نے دواؤں والا تھیلا بھی ساتھ لے لیا تھا کہ اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ ہم نے تین عدد مشعلیں جلا لی تھیں۔

''جھاڑیوں سے دور رہنا ہے۔'' میں نے خبردار کیا۔ ''اگر پرندہ نظر آئے تو سب اپنی ڈھالوں کے پیچھے پناہ لیں گے۔''

ہمارے پاس چھ عدد ڈھالیں بھی تھیں۔ مگر شہر میں داخل ہونے کے بعد ہم ان ڈھالوں کو چھوڑ دیتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ ان کا کام تو صرف میدانِ جنگ میں یا شہر سے باہر ہوتا تھا۔شہر میں سپاہی ڈھال لے کر نہیں گھومتے ہوں گے۔مگر اس کا فیصلہ ہم اندر جانے کے بعد ہی کر سکتے تھے۔ ٹیلے سے اتر کر ہم چوتھی کون تک آئے۔ جب اس کے نزدیک پہنچے تو اس کی اصل جسامت واضح ہوئی اور میرے ساتھی حیران ہوئے تھے کہ اس ویرانے میں یہ بیس بائیس فٹ اونچی تعمیر کیسے کی گئی ہوگی۔ یہ پکی ہوئی اینٹوں سے بنی ہوئی اتنی مضبوط تعمیر تھی کہ بے شمار سال گزر جانے کے بعد یہ ذرا بھی شکست وریخ سے محفوظ تھیں۔ بلکہ اس کے اوپر گرد جم گئی تھی اور پلاسٹر کا کام دے رہی تھی جو اصل تعمیر کو موسم کی شکست وریخ سے محفوظ رکھتی۔ ربیک نے اوپر کی طرف دیکھا اور بولا۔''ہم اوپر تک نہیں جا سکتے ہیں۔''

ایرٹ نے اس کی تائید کی۔''ہاں یہ تو بالکل سیدھی ہے کہیں ذرا سا بھی خلا نہیں ہے۔''

''اسے اسی لیے ایسا بنایا گیا ہے کہ کوئی جانور اوپر نہ چڑھ سکے اور سوراخ سے اندر نہ جا سکے۔اگر وہ اندر جائے گا تو بلندی اتنی ہے کہ نیچے گرنے والا جانور مر جائے گا یا شدید زخمی ہوگا۔مگر ہم نے اس پر چڑھنا نہیں ہے۔''

''تب نیچے کیسے اتریں گے؟''

میں نے ایک مشعل لے کر جھاڑیاں ہٹائیں اور کون میں بنا ہوا خفیہ دروازہ سامنے آ گیا۔''دروازہ.....''

ربیک نے مضطرب لہجے میں کہا۔''یہ کس نے بنایا ہے؟''

''کیرٹ نے۔''میں نے جواب دیا۔''اسی نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا۔''

''آپ نے پہلے بھی اسے دیکھا ہے؟''ربیک نے پوچھا۔

''ظاہر ہے ورنہ میں تم لوگوں کو سیدھا یہاں کیسے لاتا۔ میں روبیر کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ کیرٹ نے نہ جانے کیسے اسے بنوایا اور یہاں سے نیچے اترنے کا مکمل انتظام بھی کیا۔''میں نے انہیں رسیوں کے بنڈل دکھائے جو یہاں موجود تھے۔اگرچہ ہمیں ان کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ہمارے پاس بھی خاصی رسّی تھی۔اپنے باپ کا نام سن کر ساشا آگے آئی۔اس نے خفیہ دروازہ دیکھا۔

''یہ بابا نے بنوایا ہے؟''

''ہاں یہ کیرٹ نے بنوایا ہے۔صرف یہی نہیں اس نے اپنے لوگوں کی آزادی کے لیے اور بھی بہت کچھ کیا ہے۔''

''اپنی جان تک دے دی۔''ساشا بولی۔

''ہاں انسانوں میں سب سے عظیم وہی مانا جاتا ہے جو دوسروں کے لیے اپنی جان دیتا ہے اور کیرٹ نے یہ عظمت حاصل کر لی ہے اب ہمیں اس کے نقشِ قدم پر چلنا ہے۔اس وادی کی آنے والی نسلوں اور ان کی آزادی کے لیے ضرورت پڑنے پر اپنی جان بھی قربان کرنی ہے۔''

میری اس بات پر ساشا مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔''تمہارا تعلق یہاں سے نہیں ہے۔''

''میرے نزدیک سب انسان ایک سے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ربیک نے اندر گھس کر احتیاط سے دروازہ کھولا۔ پچھلی بار یہ بہت مشکل سے کھلا تھا مگر اس بار آسانی سے کھل گیا۔ اس نے اندر جھانکا اور پھر پلٹ کر بولا۔ ''سرنگ میں روشنی ہے۔''

''سرنگ میں ہمہ وقت روشنی ہوتی ہے کیونکہ یہاں دن میں بھی تاریکی ہوتی ہے۔'' میں نے بتایا اور آگے آیا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا مگر اندر کوئی حرکت نظر نہیں آئی۔ اگر یہاں پہرہ تھا تو کوئی پہرے دار اس حد تک نہیں آ رہا تھا۔ میں نے پہلے خود جانے کا فیصلہ کیا۔ رسّی کو ذرا فاصلے پر موجود ایک مضبوط درخت کے تنے سے باندھ دیا تھا۔ میں نے اپنے تمام ہتھیار اتار دیئے۔ رسّی کو مخصوص انداز میں اپنے بازو کے گرد لپیٹا اور پھر اس کا ایک حصہ پاؤں میں لپیٹا۔ وہ غور سے مجھے دیکھ رہا تھے کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں؟ میں نے رسّی نیچے پھینکی اور پھر خود بھی اچانک ہی سر کے بل نیچے گیا۔ مجھے یوں گرنے کے انداز جاتے دیکھ کر ان لوگوں کے منہ سے اضطراری آوازیں نکلی تھیں اور بیک وقت کئی سر کون کے خفیہ دروازے پر نمودار ہوئے تھے۔ مگر جب انہوں نے مجھے الٹا لٹکے پایا تو اطمینان کا سانس لیا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کوئی اور اس طرح نہ آئے اور اگر میں ہاتھ دائرے میں لہراؤں تو رسّی اوپر کھینچنا۔''

میں کہتے ہوئے نیچے سرکنے لگا۔ ایک پاؤں پر رسّی لپٹی تھی اور دوسرے جوتے کی نوک سے اسے کھلنے سے روک رہا تھا۔ جب میں بیک وقت نوک اور ہاتھوں کی گرفت نرم کرتا تو نیچے پھسلنے لگتا تھا۔ بظاہر یہ بڑا خطرناک تھا مگر رسّی سے نیچے جانے کا سب سے آسان طریقہ تھا کیونکہ آپ کا سر نیچے ہوتا ہے اور آپ سب دیکھ رہے ہوتے ہیں اگر میں سیدھا جاتا تو پہلے میرے پاؤں ظاہر ہوتے اور میں نہیں دیکھ سکتا تھا کہ سرنگ میں کوئی ہے جو مجھ دیکھ سکتا ہے۔ اب پہلے میں دیکھتا اور پھر کسی کو نظر آتا۔ رفتہ رفتہ رسّی چھوڑتے ہوئے میں نیچے تک آیا۔ میں نے نیچے اتنی ہی رسّی پھینکی تھی جو سرنگ کے فرش سے ذرا اوپر ختم ہو جائے بالکل نیچے تک نہ جائے۔ یہ فرش سے کوئی پانچ فٹ اوپر تھی۔ ایک منٹ بعد میرا سر سرنگ کی چھت تک پہنچ گیا۔ میں نے گردن گھما کر دونوں طرف دیکھا۔

اگرچہ درخت کے بڑے تنوں سے بنی تکونی شکل کی آرچ جس نے چھت کو سہارا دیا ہوا تھا وہ نظروں میں حائل تھیں مگر دس گز تک زمین صاف نظر آ رہی تھی اور یہاں کوئی فرد نہیں تھا۔ احتیاطاً میں مزید نیچے ہوا۔ دونوں طرف سرنگ دور تک صاف اور خالی تھی۔ ہر دس قدم کے بعد دونوں طرف دیوار میں مشعلیں روشن تھیں۔ میں نے رسّی سے پاؤں نکالا اور اب میں سیدھا جھول رہا تھا۔ فرش میرے پیروں سے کوئی چار فٹ نیچے تھے مگر میں سیدھا نہیں اترا بلکہ ذرا سا جھولا لیا اور آرچ کے ستون کی آڑ میں کودا تھا۔ ستون کوئی دو فٹ موٹا اور مضبوط ترین لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے اوپر تختے لگے تھے جو اصل میں مٹی کو نیچے آنے سے روکنے کے لیے تھے۔ سرنگ کا فرش اور دیواریں پکی ہوئی اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں۔ رسّی چھت سے نیچے آ رہی تھی میں نے اسے بھی سمیٹ کر کنارے کر لیا۔ اگرچہ یہاں کوئی نہیں تھا مگر آنے کا احتمال بھی تھا اور ہم جتنا نظروں سے بچتے اتنا محفوظ رہتے تھے۔

میں نے جھانک کر اوپر اشارہ کیا تو پہلے ایرٹ آیا۔ وہ بھی نیچے اترتے ہی ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ اس کے بعد ایمار آیا تھا۔ باری باری سب نیچے آتے رہے اور ستونوں کی آڑ میں ہوتے رہے۔ دس منٹ میں سب نیچے آ گئے تھے۔ پھر ایرٹ اور ایمار نے ایک کام کیا۔ ایمار ہلکے جسم کا تھا۔ وہ ایرٹ کے شانوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا اور اس نے رسّی کو لپیٹ کر ستون کے اوپری حصے میں یوں چھپا دیا کہ نیچے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ رسّی اوپر سے کون کی اندرونی دیوار کے ساتھ چپکی ہوئی تھی اس لیے نیچے سے نظر نہیں آ رہی تھی آخر میں ریک آیا تھا جو دروازہ بند کرتا آیا تھا۔ اب ہم اس راستے کو واپسی کے لیے استعمال کر سکتے تھے لیکن میری خواہش تھی کہ ہماری واپسی نہ ہو اور ہم یہیں کامیاب ہو کر رہیں۔ ساشا درمیان میں آئی تھی اور میں اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا کیونکہ اس نے سر پر ایک اسکارف نما کپڑا باندھ لیا تھا تاکہ اس کے بال چھپ جائیں اور چہرے پر ہلکی سی مٹی مل لی تھی جس سے اس کی جلد کی ملائم پن اور نرمی چھپ رہی تھی۔ یہ احتیاط ریک نے بھی کی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''کسی سے سامنا ہونے کی صورت میں سامنے مت آنا۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھتی ہوں۔''

ہم دیواروں سے لگے لگے اور ستونوں کی آڑ لیتے ہوئے سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھے۔ یہاں سے آرگون میں نکلنے والا دہانہ زیادہ دور نہیں تھا۔ کیونکہ سرنگ آخری حصے میں اوپر اٹھ رہی تھی اور یہ والا حصہ نیچا تھا اس لیے سرنگ کا دہانہ بالکل نزدیک جانے پر نظر آیا۔ اس سے ہمیں بھی آسانی رہی کہ کوئی ہمیں وہاں سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ہم دس منٹ میں دہانے تک پہنچ گئے اور پہلے میں نے دیوار سے لگ کر باہر دیکھا۔ اس وقت باقی سب نیچے تھے۔ سامنے وسیع میدان تھا۔ میں اس جگہ سے گزر چکا تھا۔ اس لیے یہاں کا نقشہ میرے ذہن میں تھا۔ یہ میدان بیک وقت شاہی محل، سرکاری دفاتر اور کسی قدر امرا کے محلات کے ساتھ لگتا تھا۔ مگر یہاں آمد و رفت کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ جو براہِ راست شاہی محل سے آتا تھا۔ دوسرا سرکاری عمارتوں کی طرف سے آتا تھا۔ ہمیں اسی طرف سے جانا تھا۔ کیونکہ یہیں سے گزر کر ہم شہر تک رسائی حاصل کر سکتے تھے۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ شاہی محل پر براہِ راست دھاوا بولا جائے مگر جب ساشا نے اس کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں بتایا تو میں نے ارادہ ترک کر دیا۔ اب ہمیں شہر میں پہلے ان مددگار گروہوں تک رسائی حاصل کرنی تھی جو پورے شہر میں پھیلے ہوئے تھے اور کیرٹ نے نقشے پر ان کی نشاندہی کی تھی۔ مگر اس نے مزید یہ نہیں بتایا تھا کہ میں ان تک رسائی کیسے حاصل کروں گا۔ آرگون بہت بڑا شہر نہیں ہے۔ ہمارے حساب سے یہ ایک معمولی سا قصبہ کہلا سکتا ہے۔ اس کی آبادی تیس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر کسی کو تلاش کرنے کے لحاظ سے یقیناً یہ خاصا بڑا شہر تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ رینالٹ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا کوئی اتا پتا نہیں تھا اور ہم دروازے بجا کر لوگوں سے ان کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے تھے۔ معلوم نہیں کیوں کیرٹ نے اتنا اہم نقطہ نظر انداز کر دیا تھا۔ اس وقت میں نے بھی اس پر توجہ نہیں دی تھی۔

مگر اب ہم شہر میں تھے اور باغیوں سے رابطہ کرنا از حد ضروری ہو گیا تھا کہ وہی میری اصل مدد کر سکتے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں سرکاری علاقے کے بجائے کسی اور راستے سے آگے جانا چاہیے مگر میں کسی ایسے راستے سے لاعلم تھا اور میرے ساتھی تو پہلی بار اس شہر میں آئے تھے۔ صرف ایک ساشا تھی جو اس شہر سے اچھی طرح واقف تھی۔ میں نے اشارے سے ساشا کو آگے بلایا اور اس سے کہا۔ ''وہ دیکھو عام شہر کی طرف جانے کے لیے وہ ایک راستہ ہے کیا تمہارے علم میں کوئی دوسرا راستہ ہے؟''

''ہے۔'' اس نے خلافِ توقع کہا۔ ''وہ امرا کے محلات کے درمیان سے گزرتا ہے مگر وہاں بھی سخت پہرہ ہوتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور عام لوگ یا فوج اس راستے سے نہیں گزرتی ہے صرف امرا اور ان کے ملازمین یہ راستہ استعمال کرتے ہیں۔''

''کیا یہ فصیل تک جانے کے لیے مختصر پڑتا ہے؟''

''ہاں اس راستے سے کم ہے۔'' ساشا نے سر ہلایا اور سرکاری دفاتر کے درمیان سے گزرنے والے راستے کی طرف اشارہ کیا۔ میں ساشا کے ہمراہ واپس آیا۔ ایرٹ اور ربیک کے سامنے صورتِ حال رکھی۔

''سرکاری دفاتر والے راستے پر فوجی دستے ملنے کا پورا امکان ہے۔ اگر انہوں نے روک لیا اور ہم کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہ دے سکے تو راز فاش ہو جائے گا۔ دوسری طرف امرا کے علاقے سے عام لوگوں اور فوج کو گزرنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''یہ جنگ کا وقت ہے۔'' ایرٹ نے کہا۔ ''ایسے میں فوج کو سب کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔''

''ہم دیکھ چکے ہیں کہ رینات نے سپاہیوں کو کس حد تک آزادی دی ہوئی ہے۔'' ربیک بولا۔ ''اس لیے اگر ہم امرا کے علاقے سے جائیں تو کوئی نہیں روکے گا۔''

مختصر بحث کے بعد امرا کے محلات کے درمیان سے گزرنے والا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا اور ہم روانہ ہوئے۔ سرنگ سے نکلتے ہی ہم نے دستے کا روپ دھار لیا اور اپنی چال ڈھال بھی سپاہیوں جیسی کر لی۔ ہم دھیمی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ ساشا کو درمیان میں اس طرح رکھا تھا کہ وہ کسی کو نظر نہ آئے۔ میدان میں شاہی محل کی فصیل کے ساتھ ساتھ ہر چند قدم کے فاصلے پر سپاہی موجود تھے اور انہوں نے سرمئی رنگ کی وردی پہن رکھی تھی۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا، مگر انہوں نے نہ تو ہماری طرف توجہ دی اور نہ ہی کسی نے ہمیں روکا۔ ہم آرام سے امرا کے محلات کے درمیان سے گزرنے والی شاہراہ پر آ گئے۔ یہ صاف ستھری شاہراہ پتھروں سے بنی تھی اور اس کے دونوں کناروں پر باقاعدہ فٹ پاتھ بنے ہوئے تھے۔ جن کے ساتھ بارش کے پانی کی نکاسی کے لیے نالیاں تھیں۔ یہاں عالی شان عمارتوں پر پہریدار دکھائی دے رہے تھے۔ پوری سڑک پر کنارے لگے کھمبوں پر روشن لیمپ لگے ہوئے تھے۔ یہ تیل سے جلنے والے دیے تھے۔ ہر چیز سے یہ پوش ترین علاقہ لگ رہا تھا۔

پورا آرگون شہر تقریباً چار کلومیٹرز طویل تھا جو طوالت جنوب سے شمال کی طرف تھی اور اس کی چوڑائی مشرق سے مغرب کی طرف تین کلومیٹرز تھی۔ رقبے کے لحاظ سے یہ خاصا بڑا شہر تھا۔ یہاں جگہ جگہ میدان تھے۔ شاہراہیں بہت چوڑی اور صاف ستھری تھیں۔ اسی طرح مکانات کا سائز بھی بڑا تھا۔ عام افراد کے لیے بھی مکان خاصے بڑے اور پختہ تعمیر کیے گئے تھے۔ شمال کا پورا حصہ خاص تھا۔ یہاں شاہی محل جو اصل میں پورا ایک کمپلکس تھا۔ پھر سرکاری دفاتر اور گودام تھے۔ یہیں وہ کارخانے تھے جو ضروریاتِ زندگی کی اشیا تیار کرتے تھے۔ شاہی محل شمال مشرقی سمت تھا جب کہ دفاتر اور گودام وغیرہ شمال کی طرف کسی قدر وسط اور جنوب میں تھے۔ امرا کے محلات شمال مغرب میں تھے اور ان کا ایک چھوٹا سا حصہ سرنگ والے میدان کے ساتھ لگتا تھا۔ اس سرنگ کے ساتھ لگنے والا سرکاری علاقہ اصل میں گوداموں اور اشیا بنانے والے کارخانوں پر مشتمل تھا۔ ابھی تک ہمیں کسی نے نہیں روکا تھا اور عمارتوں کے پہریدار ان کے دروازوں تک محدود تھے۔ مجھے کوئی فوجی دستہ بھی نظر نہیں آیا تھا۔

''دن میں یہاں بہت سرگرمی تھی لیکن اس وقت یہاں سناٹا ہے فوجی دستے تک نہیں ہیں۔'' ایرٹ نے میرے ساتھ دوڑتے ہوئے کہا۔ ربیک سب سے آگے تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے دیکھا کہ شاہی محل کی فصیل کے ساتھ بھی سپاہی موجود ہیں پہلے یہ یہاں نہیں تھے۔ جب میں یہاں لایا گیا تو سپاہی صرف فصیل پر تھے۔ احاطے کے اندر بھی سپاہی صرف عمارتوں پر تھے۔ مگر اب ایسا لگ رہا ہے جیسے رینالٹ اور شاہی محل کی حفاظت بہت زیادہ بڑھا دی گئی ہے۔''

ہم جس رفتار سے چل رہے تھے دس منٹ بعد ہم امرا کے علاقے سے نکل آئے اور عام شہری علاقے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک چوڑی دیوار تھی جو دونوں علاقوں کو جدا کر رہی تھی۔ مگر دیوار کے راستے پر کوئی پہرہ نہیں تھا یہاں کوئی گیٹ بھی نہیں تھا صرف راستہ بنا ہوا تھا۔ اب تک ہمیں کوئی فوجی دستہ نہیں ملا تھا۔ عام آبادی والے علاقے میں بھی ویرانی اور سناٹا تھا۔ لوگ اپنے گھروں میں دبکے ہوئے تھے۔ بہت کم گھروں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ یہاں گلیوں میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ میں نے دیکھا وہاں اب گندگی اور کچرے کا راج تھا ایسا لگ رہا تھا کہ اس علاقے کی صفائی ستھرائی چھوڑ دی گئی تھی۔ جب کہ پہلے عام افراد کی آبادی بھی صاف ستھری اور تمام بنیادی سہولتوں سے آراستہ تھی۔ رینالٹ کی طرز حکمرانی کی ایک جھلک اس علاقے کی حالتِ زار پیش کر رہی تھی۔

جب اوپری اور حکمران طبقے میں بدعنوانی آجائے تو عام آدمی کی حالت میں ایسا ہی تغیر آتا ہے۔ جیسا کہ آرگون کے اس عام آبادی والے علاقے میں دکھائی دے رہا تھا۔ وجہ سادہ تھی کہ وسائل کا بیشتر حصہ حکمران طبقے پر خرچ کیا جا رہا تھا اور عام افراد کے لیے بہت کم حصہ رہ جاتا تھا۔ ایک جگہ چھوٹا سا پارک تھا جس کی دیکھ بھال نہ ہونے سے اس کی گھاس بڑھ گئی تھی اور دوسرے غیر ضروری پودے اگ آئے تھے۔ چھٹائی نہ ہونے سے درخت بے ہنگم ہو رہے تھے۔ مجھے یہ جگہ عارضی پناہ کے لیے مناسب لگی اور ہم پارک میں آ گئے۔ اس کے گرد چار فٹ اونچی چار دیواری تھی اور دو طرف سے راستے تھے۔ پارک کی حالت سے لگ رہا تھا کہ کسی نے مہینوں سے یہاں کا رخ نہیں کیا ہے۔ اس لیے اب بھی کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''سب یہیں رکیں میں اور ربیک باہر کا جائزہ لے کر آتے ہیں۔''

''میں بھی چلوں؟'' ایرٹ نے التجا کی۔

''نہیں تم یہاں دیکھو گے اب یہ سب تمہارے سپرد ہیں اگر کوئی ہنگامی صورتِ حال پیش آئے یا ہم واپس نہ آئیں تو تم اپنے طور پر فیصلہ کرو گے۔ اولین ترجیح یہاں سے بہ حفاظت واپسی کی ہوگی۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر آپ نہ آئے تو میں آپ کی تلاش میں نکلوں گا۔''

''نہیں۔'' اس بار میرا لہجہ سخت تھا۔ ''جیسا میں نے کہا ہے ویسا کرنا ہے۔ اب سب کی ذمے داری تم پر ہو گی یہ سوچ کر ہر فیصلہ کرنا۔''

ایرٹ نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔''

میں اور ربیک پارک سے باہر آئے اور اب ہمارا رخ آرگون کے وسطی حصے کی طرف تھا۔ ہم ابھی تک عام آبادی سے گزر رہے تھے۔ یہاں بھی ویرانی تھی۔ بہت کم گھروں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ درحقیقت بلیک آؤٹ کا ماحول تھا حالانکہ یہاں کی جنگ میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم مرکزی شاہراہ تک پہنچے جو سرکاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دفاتر اور گوداموں والے علاقے سے آ رہی تھی۔ یہ شاہراہ سیدھی آرگون کی فصیل کے مرکزی دروازے تک جاتی تھی۔ یہاں سے وہ میدان دکھائی دے رہا تھا جو فصیل کے ساتھ تھا اور اس کے دائیں طرف یعنی جنوب مشرق سمت فوجی دستوں کی رہائش گاہیں اور فوجی دفاتر تھے۔ وہاں مشق کے لیے میدان بھی تھے جہاں سپاہی تیراندازی اور دوسرے طریقوں سے لڑائی کی مشق کرتے تھے۔ وہاں روشنی تھی اور سب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ حیرت انگیز بات تھی کہ یہاں بھی اِکا دُکا لوگ نظر آ رہے تھے اور وہ سپاہی تھے۔ اب تک ہمیں ایک بھی عام فرد نظر نہیں آیا تھا۔ ان کو شاید سختی سے گھروں تک محدود کر دیا گیا تھا۔ ساشا نے بتایا تھا کہ کرفیو کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزا دی جا رہی تھی۔ اس شاہراہ کے پار مشرقی سمت میں بھی کچھ عام آبادی تھی۔ اچانک وہاں ایک گلی سے شور سنائی دیا اور روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔ ربیک نے اشارہ کیا۔

''وہاں کچھ ہو رہا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''آؤ دیکھتے ہیں لیکن جب تک میری طرف سے اشارہ نہ ہو معاملے میں دخل مت دینا اور کمانڈر اب تم ہو گے۔''

ہم گلی کی طرف بڑھے۔ اس میں داخل ہوتے ہی معاملہ سمجھ میں آ گیا۔ چار سپاہیوں نے ایک آدمی کو نیچے گرایا ہوا تھا اور اسے بے دریغ ٹھوکروں سے مار رہے تھے۔ اس کے ساتھ ایک عورت کھڑی تھی جس نے چھوٹا سا بچہ گود میں اٹھا ہوا تھا اور دوسرا اس کا کرتا تھامے کھڑا تھا۔ وہی شور کر رہی تھی اور دہائیاں دے رہی تھی کہ اس کے شوہر کو نہ مارا جائے۔ مگر سپاہی اس کی چیخ و پکار سے بے نیاز اس کے شوہر کو مار رہے تھے۔ میں نے آہستہ سے ربیک سے کہا۔ ''ان سے ذرا بے نیازی سے پوچھو کہ آدمی کا قصور کیا ہے؟''

ربیک آگے بڑھا اور اس نے یوں کہا جیسے اسے اس معاملے سے خاص دلچسپی نہ ہو۔ ''اسے کیوں مار رہے ہو؟''

''یہ رات کے وقت باہر نکلا ہے۔'' ایک سپاہی نے جواب دیا۔ وردی کی وجہ سے وہ ہمیں بھی سپاہی سمجھ رہا تھا۔

''میرے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ہمیں حکیم کے پاس جانا ہے۔'' عورت بولی۔ ''ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''قصور کیوں نہیں ہے۔'' سپاہی دستے کا سربراہ ایک پستہ قد مگر گٹھے جسم والا آدمی تھا۔ وہ عورت کو حریص نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے بتایا کہ یہاں تقریباً تمام ہی عورتیں اور لڑکیاں حسن کے مروجہ پیمانوں پر پوری اترتی تھیں اور وہ بہت طویل عرصے تک جوان رہتی تھیں۔ سامیرا کی مثال میرے سامنے تھی جو ستر برس سے اوپر کی ہو کر بھی جوان لگتی تھی۔ یہ عورت بھی خوب صورت تھی اگرچہ دو بچوں کی ماں تھی مگر چہرے اور جسامت سے لڑکی جیسی لگ رہی تھی۔ مار کھانے والا اس کا شوہر بھی لڑکا سا تھا۔ ربیک نے سپاہیوں سے کہا۔

''اسے کھڑا کرو۔''

سپاہیوں نے مارنا چھوڑ کر اسے بازوؤں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا۔ وہ جھول رہا تھا۔ ربیک نے اس سے پوچھا۔ ''یہ عورت ٹھیک کہہ رہی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ میری بیوی..... ہے۔'' اس نے بہ مشکل کہا۔ ''ہمارا چھوٹا بیٹا..... بیمار ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ رات کے وقت باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے تمہیں صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔''

''اب اسے سزا ملے گی۔'' دستے کے سردار نے کہا۔ ''گرفتار کرلو انہیں۔''

''نہیں بس کافی سزا مل گئی ہے۔'' ربیک نے کہا۔ ''انہیں جانے دو۔''

''تمہارا اس معاملے سے تعلق نہیں ہے۔'' سردار رعونت سے بولا۔

''میرا تعلق ہے کیونکہ میرا تعلق شہر کی فوج سے ہے اور میں تم سے کہیں بڑا افسر ہوں۔''

پستہ قد نے غور سے ربیک کو دیکھا۔ ''اگر ایسا ہے تو تمہارے نشانات کہاں ہیں اور پٹکا کہاں ہے؟''

''میرا لباس خراب ہوگیا تھا اور میں اس وقت عام لباس میں ہوں اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں تمہاری تسلی کرا سکتا ہوں۔'' ربیک نے بلف کیا اور پھر خاندان کی طرف اشارہ کیا۔ ''ان کو بھی لے چلو۔ وہاں میں انہیں بھی اپنے افسر کے سامنے پیش کردوں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' سردار نے فوری فیصلہ کرلیا۔ ''ویسے بھی اس وقت جیل پوری طرح بھر گئی ہے۔ کل رات بھی ہم نے بہت سے لوگوں کو پکڑا تھا۔''

ربیک اور میں چونکے مگر اس سے سوال نہیں کر سکتے تھے ورنہ وہ مشکوک ہو جاتا۔ کل رات بہت سے لوگوں کو کیوں پکڑا گیا تھا؟ ربیک نے حاضر دماغی سے کام لیا۔ ''اسی لیے تمہیں گرفتار کرنے سے منع کر رہا ہوں۔ جیل میں بالکل بھی جگہ نہیں ہے۔''

''انہیں تو میں.....'' سردار بولتے بولتے رک گیا مگر میں سمجھ گیا تھا کہ وہ انہیں اپنی تحویل میں رکھتا اور اس کی نیت عورت پر خراب تھی۔ مگر ہمارے آنے سے اس کے متوقع رنگ میں بھنگ پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ چاروں وہاں سے جانے لگے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے آدمی سے کہا۔

''تم کہاں رہتے ہو؟''

''یہ سامنے میرا مکان ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ اب وہ بہتر نظر آ رہا تھا۔ جان بچنے اور گرفتار نہ ہونے پر وہ خوش تھا۔ ''میں آپ کا شکر گزار ہوں کیا آپ کچھ دیر کے لیے میرے مہمان بنیں گے۔''

''کیوں نہیں۔'' ربیک نے میرا اشارہ سمجھ کر سر ہلا دیا۔ کچھ دیر میں ہم اس چھوٹے لیکن صاف ستھرے اور سجے ہوئے مکان میں تھے۔ یہاں فرش پر اون سے بنے ہوئے نمدے نما قالین تھے مگر یہ آرام دہ تھے۔ ہم اپنا اسلحہ اتار کر بیٹھ گئے۔ آدمی اندر گیا اور پہلے پانی لے آیا۔ اس کا لباس نیچے گرنے سے خراب اور زخموں کی وجہ سے خون آلود ہو رہا تھا۔ ربیک نے اس سے کہا۔ ''تم جا کر لباس بدل لو اور اپنے زخم بھی دیکھ لو۔''

وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد عورت پیالیوں میں مقامی چائے اور بسکٹ نما میٹھی ٹکیاں لے آئی۔ وہ سچ مچ بہت کمسن اور معصوم سی تھی۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کتنے بڑے خطرے سے بچی تھی اگر سپاہی اسے اور اس کے شوہر کو گرفتار کر کے لے جاتے تو اس کے ساتھ بہت برا ہوتا۔ اس وقت بھی وہ ہمارے سامنے اپنی پوری معصومیت کے ساتھ موجود تھی یہ سوچے بغیر کہ ہم بظاہر اسی فوج سے تعلق رکھتے تھے جو کچھ دیر پہلے اس کے شوہر پر تشدد کر رہی تھی۔ درحقیقت یہ لوگ جانوروں کی طرح سادہ ذہن رکھتے تھے اور ان میں خطرہ بھانپنے کی وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صلاحیت نہیں تھی جو اس وادی سے باہر انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ ربیک نے اس سے پوچھا۔ ''تمہارے بچے کو کیا ہوا ہے؟''

''اسے بخار ہے اور بہت کھانس رہا ہے۔''

''اسے لے کر آؤ۔'' ربیک نے کہا اور دواؤں کا تھیلا نکالا۔ عورت بیٹے کو لے آئی۔ یہ سنہری بالوں اور نیلگوں آنکھوں والا بہت پیارا سا بچہ تھا اس کی عمر چھ سات مہینے سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر صحت اچھی تھی۔ ربیک نے اسے دیکھا اور پھر ایک لکڑی کی ڈبیا نکال کر اس میں موجود بام بچے کے سینے پر ملا اور دوسری ڈبیا سے خمیرہ نما چیز نکال کر اسے انگلی سے چٹائی۔ بچہ مزے سے اس کی انگلی چوسنے لگا۔ ربیک نے عورت سے کہا۔ ''ابھی اسے دودھ مت دینا اور اسے کپڑے میں لپیٹ دو مگر زیادہ گرم کپڑا نہ ہو بس اسے ہوا نہ لگے۔''

عورت بچے کو اندر لے گئی۔ اس دوران میں اس کا شوہر آ گیا۔ اس نے اپنے زخم صاف کر کے کپڑے بدل لیے تھے۔ ہمیں تنہائی کے جو چند لمحے ملے اس میں، مَیں نے ربیک سے کہا کہ وہ کل ہونے والے ہنگامے کی ان سے پوری رپورٹ لے مگر اس طرح کہ انہیں محسوس نہ ہو۔ مرد کے آنے پر میں خاموش ہو گیا۔ وہ بہت احسان مند تھا اور بار بار اس کا ذکر کر رہا تھا۔ مرد کا نام راٹر تھا جب کہ اس کی بیوی کا نام رینور تھا۔ ربیک نے اس کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ لکڑی کا کام کرتا تھا اور آرگون کے سب سے بڑے کارخانے میں سپر وائزر تھا۔ رینور گھریلو عورت تھی۔ وہ بچوں کی دیکھ بھال کرتی تھی مگر چند دن پہلے تک وہ باغات میں کام کرنے جاتی تھی کیونکہ آرگون کی تمام ہی نوجوان آبادی کو جبری فوجی قانون کے تحت بھرتی کر لیا گیا تھا اور انہیں ان کے گھر والوں سے دور فوجی بیرکوں میں رکھا جا رہا ہے۔ راٹر صرف اس لیے بچ گیا تھا کہ وہ ہتھیار سازی کے شعبے میں کام کرتا تھا ورنہ اسے بھی جبری بھرتی کر لیا جاتا۔ یہ اس نے بعد میں بتایا۔ ربیک نے ہوشیاری سے اس سے سوالات شروع کیے اور پھر اسے کل والے واقعے پر لے آیا۔ اس نے کہا۔

''ہم پرسوں سے شہر سے باہر تھے۔ کل یہاں کیا ہوا تھا؟''

راٹر نے چونک کر ہمیں دیکھا اور پھر ہچکچا کر بولا۔ ''آپ کو پتا ہو گا جناب آپ کا تعلق فوج سے ہے۔''

''میں نے بتایا نا کہ ہم پرسوں سے گئے ہوئے تھے اور ابھی واپس آئے ہیں۔ تم بے فکر ہو کر بتاؤ۔''

اس نے کہنا شروع کیا۔ ''کل اچانک ہی فوج نے شہر کے سات آٹھ مقامات پر صبح سے چھاپے مارنا شروع کیے اور بہت سے لوگوں کو پکڑ کر لے گئے۔''

''کیوں؟'' ربیک نے پوچھا۔

''پتا نہیں جناب۔'' وہ جلدی سے بولا۔

ربیک نے اس کے چہرے پر نظر جما کر کہا۔ ''تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو ہمیں معلوم ہو جائے گا اس لیے تمہارے نہ بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

راٹر مشکل میں دکھائی دے رہا تھا ہم اس کے محسن تھے اور وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ہم نے کس موقع پر اس کی مدد کی تھی۔ اگر ہم مداخلت نہ کرتے تو سپاہی اسے اور اس کی بیوی کو لے جاتے۔ اس کے بیوی کے ساتھ جو ہوتا وہ یہاں متعدد عورتوں کے ساتھ ہو چکا تھا اور راٹر بھی اس سے بے خبر نہیں ہو گا۔ اس نے چند لمحے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچنے کے بعد کہا۔ ''مجھے ٹھیک سے نہیں معلوم مگر سنا ہے کہ چھاپوں میں باغی پکڑے گئے ہیں جو شاہ معظم کے خلاف دشمنوں کا ساتھ دے رہے تھے۔''

اب سمجھ میں آ گیا کہ صبح ہمیں ٹیلے سے آرگون میں زبردست سرگرمی کیوں دکھائی دی تھی یقیناً باغیوں کو گرفتار کر کے وہاں لایا جا رہا تھا اور جیسا کہ راٹر پر تشدد کرنے والے دستے کے سردار نے کہا تھا کہ جیل میں گنجائش ختم ہو گئی ہے۔ کیرٹ نے جن مددگار گروپوں کا ذکر کیا تھا وہ سب پکڑے جا چکے تھے یا ان میں اکثریت اب جیل میں تھی۔ گویا شہر میں اس وقت کوئی ہماری مدد کرنے والا باقی نہیں رہا تھا یا اگر تھا تو وہ خود چھپتا پھر رہا ہو گا اور اسے خود مدد کی ضرورت ہو گی۔ ربیک نے پوچھا۔ ''کتنے لوگ پکڑے گئے ہیں۔''

راٹر حساب کتاب سے نا آشنا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا کر کہا۔ ''یہ جتنی انگلیاں ہیں اتنی ہی بار اور پھر پانچ بار اور۔''

ربیک نہیں سمجھا تھا مگر میں سمجھ گیا۔ اس کا مطلب تھا دس ضرب دس ضرب پانچ برابر پانچ سو۔ یعنی پانچ سو کے قریب افراد گرفتار ہوئے تھے۔ کیرٹ نے بتایا تھا کہ باغی تعداد میں زیادہ نہیں تھے اور اگر پانچ سو بندے پکڑے گئے تھے تو تقریباً سارے باغی اس وقت جیل میں تھے۔ وہ صرف قید نہیں تھے ان کی جان کو بھی خطرہ تھا۔ رینالٹ انہیں بخشتا نہیں۔ اس دوران میں رینور بھی آ کر وہاں بیٹھ گئی تھی اس نے ربیک کو بتایا کہ اب بچہ سکون میں تھا اور اس کا بخار بھی کم ہو گیا تھا۔ کھانسی بند ہونے سے اسے نیند آ گئی تھی۔ راٹر نے سنا ہم نے اس کے بچے کا علاج بھی کر دیا ہے تو وہ مزید شکر گزار ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ فوج میں ایسے آدمی بھی ہوں گے.....'' بولتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے تو اس نے بوکھلا کر کہا۔ ''میرا مطلب ہے.....''

''میں سمجھتا ہوں تمہارے احساسات۔'' ربیک نے ہاتھ اٹھا کر کہا وہ بہت عقل مندی سے بات کر رہا تھا۔ ''مت بھولو کہ میرا تعلق بھی تم لوگوں سے ہے میں اسی طبقے کا ایک فرد ہوں اور یہاں ہونے والا بہت کچھ مجھے پسند نہیں ہے۔''

راٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''شکریہ جناب ورنہ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں پھر مشکل میں پڑ جاتا۔''

''جن جگہوں پر چھاپہ پڑا ان میں سے یہاں کی کوئی جگہ بھی ہے؟'' ربیک نے ایک پھر وہی سوال کیا جو میرے دل میں تھا۔

اس کا جواب رینور نے دیا۔ ''ہماری پچھلی گلی میں چار گھروں سے لوگ پکڑے گئے۔ میں نے شور ہونے پر پچھلی دیوار سے جھانک کر دیکھا تھا۔ سپاہی اتنے لوگ پکڑ کر لے گئے۔''

رینو نے انگلیاں پھیلا کر انہیں تین بار کھولا اور بند کیا۔ یعنی سپاہی تیس کے قریب افراد لے گئے تھے۔ اب ربیک نے رینور سے سوالات شروع کیے اور اس سے جو تصویر سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ صبح کے وقت جب مرد کاموں پر جا چکے تھے۔ سپاہیوں نے اس گلی کو اور اس سے آگے پیچھے والی گلی کو گھیر لیا اور پھر مخصوص گھروں میں گھسے تھے۔ چار گھروں میں موجود ہر فرد کو انہوں نے گرفتار کر لیا۔ ان میں چھ سات عورتیں بھی تھیں۔ صبح کا وقت اس لیے منتخب کیا گیا کہ اس وقت لازمی سب مردوں عورتوں کو کام پر ہونا چاہیے تھا مگر وہ گھروں میں پائے گئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اتنی عیاری صرف ڈیوڈ شاد کھا سکتا ہے یقیناً رینالٹ کے پیچھے اس کا دماغ کام کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی نے شہری آبادی کے خلاف یہ پلان تیار کیا تھا کہ جبری بھرتی اور عورتوں کو مشقت پر لگا کر کسی بھی ممکنہ بغاوت کا سدِباب کیا جائے۔ اس طرح باغیوں کو میل ملاقات اور میٹنگوں سے بھی روکا جا سکتا تھا۔

ربیک سوال کر رہا تھا۔ راٹر اور رینور جواب دے رہے تھے اور میں ان کا تجزیہ کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ شہر کی ایک مجموعی تصویر سامنے آ رہی تھی کہ بہت سے گھروں میں کیوں تاریکی تھی اور یہاں اتنا زیادہ سناٹا اور ویرانی کیوں تھی؟ ریناٹ اور اس کے ٹولے کا جبر و تشدد صاف دکھائی دے رہا تھا۔ حوصلہ افزا بات یہ تھی کہ شہر میں اب روایتی فوج کم رہ گئی تھی مگر شاہی اور سرکاری علاقے کی حفاظت کے لیے نہایت تربیت یافتہ گارڈز ضرور موجود تھے۔ میں ایک سوال کرنا چاہ رہا تھا مگر ان لوگوں کے سامنے نہیں کر سکتا تھا ورنہ وہ میری زبان سن کر چونک جاتے۔ میں نے اشارے سے ربیک کو باہر چلنے کو کہا۔ ربیک سمجھ گیا اس نے ان دونوں سے وہیں ٹھہرنے کو کہا اور میرے ساتھ باہر آیا میں نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔ ''رینور سے پوچھو کہ چھاپہ مارنے والی فوج نے کیسی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ راٹر کو بھی کریدو کہ شہر میں فوج کی کیا پوزیشن ہے اور باہر فوجی کتنی تعداد میں دکھائی دیتے ہیں؟''

ربیک نے سر ہلایا اور ہم واپس اندر آئے۔ ربیک نے فوری سوال نہیں کیا اور گپ شپ کے انداز میں بات کرتا رہا۔ اس نے شرارت بھرے انداز میں رینور کی تعریف کی اور راٹر سے کہا۔ ''تم خوش قسمت ہو جو اتنی حسین بیوی کے شوہر ہو۔''

رینور شرما گئی اور راٹر مسکرانے لگا اس نے برا نہیں منایا تھا۔ ''آپ نے ٹھیک کہا میں سینتور کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔''

''میں تم لوگوں کے لیے کھانے کو کچھ لاؤں؟'' رینور نے پوچھا۔

''نہیں مجھے معلوم ہے تم لوگوں کے پاس خود اپنے لیے کم ہے اس لیے زحمت مت کرو۔'' ربیک نے منع کر دیا اس نے چائے اور میٹھی ٹکیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بھی بہت ہے۔''

وہ دونوں شرمندہ نظر آنے لگے۔ رینور نے کہا۔ ''جو آپ نے ہمارے لیے کیا ہے اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔''

''مگر اس شہر میں جو عام لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے اس پر مجھے بہت شرمندگی ہے۔'' ربیک نے بات آگے بڑھائی۔ ''یہاں چھاپہ مارنے والے کیا فوجی وردی میں تھے؟''

رینور نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ سرمئی وردی میں تھے۔''

''خاص سپاہی۔'' راٹر نے آہستہ سے کہا۔ ''عام فوج شہر میں بہت کم رہ گئی ہے اور تمام ذمے داریاں خاص فوج نے سنبھال لی ہیں۔''

''مگر تم پر تشدد کرنے والے تو عام فوج کے لوگ تھے۔''

''ہاں مگر انہیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ ورنہ ان گلیوں میں اب عام فوج کا کوئی سپاہی مشکل سے ہی نظر آتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ کسی خاص.....'' راٹر ایک بار پھر بولتے بولتے رک گیا۔

''تم کھل کر بات کرو۔'' ربیک نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ عام فوج کو آج کل کھلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹ دی ہوئی ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے۔''

راٹر نے گہری سانس لی۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ اپنے مقصد کے تحت یہاں آتے ہیں۔ عام سے اکیلی رہ جانے والی عورتیں ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ یہ اسی لیے یہاں آئے تھے اور بدقسمتی سے ہم اپنے بچے وجہ سے باہر نکلے اور ان کے ہاتھ آ گئے۔''

''ہمیں فصیلوں تک محدود رہنے کا حکم ہے۔'' ربیک نے کہا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو آبادی میں آ والے بدنیتی کی وجہ سے آتے ہیں۔''

رینور نے پہلی بار میری طرف اشارہ کیا۔ ''آپ ہی بول رہے ہیں یہ تو کچھ بول ہی نہیں رہے؟''

''یہ میرا ماتحت ہے اور میرے سامنے بات نہیں کرتا۔'' ربیک نے جواب دیا۔ ''میرا ایک مشورہ۔ دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔''

''کہاں؟'' راٹر پریشان ہو گیا۔

''کیوں؟'' رینور نے پوچھا۔

''تم لوگ سپاہیوں کی نظر میں آ چکے ہو۔ وہ ابھی میری وجہ سے چلے گئے مگر وہ پھر آ سکتے ہیں اور اس وق بھی آ سکتے ہیں جب راٹر کام پر ہو۔''

''ہم کہاں جائیں؟'' وہ پریشان ہو گئے تھے۔ ربیک کا خدشہ انہوں نے فوراً تسلیم کر لیا تھا۔

''کسی رشتے دار کے ہاں۔'' ربیک نے کہا۔ ''جب تک جنگ کے حالات ہیں تم لوگ احتیاط کرو۔ لوگ کے اندر موجود شیطان حالات کی وجہ سے باہر آ گئے ہیں۔''

اس دوران میں، میں سوچ رہا تھا کہ کیا ہم راٹر پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ وہ خود بھی رینالٹ کی فوج کا ستایا تھا اگر ہم نہ آتے تو اس کے خاندان پر بہت بڑا سانحہ بھی گزر سکتا تھا۔ میں نے ربیک کو پھر اشارہ کیا اور ہم آئے۔ میں نے اسے اپنے خیال کے بارے میں بتایا۔ ''میرا خیال ہے ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ ہم ان کی مدد سے بچ جانے والے باغیوں تک پہنچیں؟''

''بالکل میرا یہی خیال ہے ہمیں اس وقت آرگون میں ٹھکانے اور مدد کی ضرورت ہے۔''

ربیک ہچکچایا۔ ''جناب ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ پکڑے گئے تو ہمارے بارے میں اُگلنے زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔''

میں نے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ہم خطرہ مول لے سکتے ہیں۔ اس شہر میں ایسا فرد تلاش جس پر ہم بھروسہ کر سکیں اس وقت بہت مشکل ہے۔''

ربیک اب بھی ہچکچا رہا تھا۔ ''خطرہ بہت زیادہ ہے جناب۔''

''اب خطرہ مول لیے بغیر چارہ نہیں ہے۔''

ربیک نے سر ہلایا۔ ''جیسے آپ کہیں.....''

ہم اندر کی طرف بڑھے تھے کہ کسی نے بیرونی دروازہ بجایا اور بجانے کا انداز خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھ انداز بہت جارحانہ تھا۔ پھر کوئی چلایا۔ ''شاہ معظم کے نام پر دروازہ کھولنے کا حکم دیا جاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راٹر اور رینور بیک وقت باہر آئے۔ یہ دو کمرے کا مختصر سا مکان تھا جس میں سامنے اور عقبی سمت صحن تھا۔ راٹر کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر کہا۔ ''یہ وہی لوگ ہیں پھر آئے ہیں۔''

مگر میں جان گیا تھا اس بار وہ راٹر اور رینور کے لیے نہیں بلکہ ہمارے لیے آئے تھے۔ ربیک بھی سمجھ گیا تھا اس نے کہا۔ ''یہ تمہارے لیے نہیں ہمارے لیے آئے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' راٹر چونکا۔

ربیک نے جواب دیا۔ ''ہم رینالٹ کی فوج سے نہیں ہیں۔ ہمارا تعلق سامیرا سے ہے۔''

راٹر دم بخود رہ گیا تھا۔ مگر رینور نے حاضر دماغی کا ثبوت دیا۔ اس نے سرگوشی میں راٹر سے کہا۔ ''تم ان لوگوں کو روکو۔''

پھر اس نے مجھے اور ربیک کو ساتھ آنے کو کہا اور ہمیں لے کر عقبی صحن میں آئی۔ اس دوران میں دروازہ بجانے کا عمل شدت اختیار کر گیا تھا۔ رینور نے ہمیں اشارے سے دیوار پھلانگ کر عقبی گلی میں جانے کو کہا۔ میں نے اچھل کر سات فٹ اونچی دیوار پر ہاتھ جمائے اور جسم اوپر اٹھایا تھا۔ ربیک نے نیچے سے مجھے ہتھیار پکڑائے اور خود بھی اچھل کر دیوار پر چڑھا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہم نیچے کودتے مکان کے اگلے صحن سے راٹر کی دردناک چیخ سنائی دی۔ رینور تڑپ کر بھاگی تھی اور پھر اس کی چیخ سنائی دی تو میں نے گلی میں کودنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ربیک نے میری طرف دیکھا وہ بھانپ گیا تھا کہ میں باہر کودنے پر آمادہ نہیں ہوں۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''ہمیں نکل جانا چاہیے۔''

''نہیں ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔'' میں نے جواب دیا اور واپس صحن میں کود گیا۔ مجبوراً ربیک بھی واپس کودا۔ اس نے تیر کمان اور میں نے نیزہ سنبھال لیا۔ آگے جانے کی ضرورت نہیں تھی ہماری تلاش میں آنے والے جلد یا بدیر اسی طرف آنے والے تھے اور ان کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ اسی سمت آ رہے تھے۔ راٹر اور رینور کی اولین چیخوں کے بعد ان کی آوازیں دوبارہ نہیں آئی تھیں۔ ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ موت کے ہرکارے نمودار ہوئے تھے۔

آنے والے دو مسلح سپاہی تھے جنہوں نے سرمئی رنگ کی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ ان کے ہتھیار اور دوسرا ساز و سامان بہت اعلیٰ درجے کا تھا اور وہ خود بھی یقیناً اعلیٰ تربیت یافتہ تھے۔ ان میں سے آگے والے نے آتے ہی مجھ پر نیزے سے وار کیا۔ مگر میں ہوشیار تھا۔ میں ایک طرف ہوا اور نیزہ میری گردن کے پاس سے گزرا تھا۔ اس سے پہلے وہ نیزہ واپس کھینچتا۔ ربیک کا چلایا ہوا تیر اس کی آنکھ میں اتر گیا تھا۔ اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ بے جان ہو کر نیچے گرنے لگا۔ میں نے اس کا نیزہ پکڑا اور اسے الٹی سمت سے دوسرے کے سر پر مارا۔ وہ ربیک کو نشانہ بنانے جا رہا تھا۔ میری ضرب نے اسے گڑبڑا دیا اور ایک لمحے کے لیے اس کی توجہ ربیک سے ہٹی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ربیک نے دوسرا تیر اس کی گردن میں اتار دیا۔ انہوں نے زرہ اور خود پہن رکھا تھا اس لیے ربیک کھلی اور نازک جگہوں کو نشانہ بنا رہا تھا۔ تیر کھا کر اس نے بھیانک آواز نکالی اور نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ اسے اذیت سے نجات دلانے کے لیے میں نے نیزے سے اس کے چہرے پر وار کیا اور وہ ایک لمحے میں آخری بار تڑپ کر ساکت ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مکان کی ساخت ایسی تھی کہ دونوں کمرے آگے پیچھے تھے اور ایک پتلی سی گلی آگے پیچھے کے صحنوں کو ملا رہی تھی۔ آنے والے اسی گلی سے نمودار ہوئے تھے۔ میں نے ربیک کو اشارہ کیا اور وہ سر ہلاتے ہوئے پھرتی سے کمرے کی چھت پر چڑھ گیا۔ چھت آٹھ فٹ اونچی تھی۔ اوپر چڑھنے سے پہلے اس نے کمان شانے پر لگائی اور نیزہ میرے حوالے کر دیا تھا اس لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ میں نے گلی میں جھانک کر دیکھا اور بال بال بچا تھا۔ تیر میرے پاس سے گزرا تھا۔ دوسری طرف دشمن گھات لگائے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ہاتھ سے نیزہ سنبھالا اور دوسرے سے دشمن سپاہی کی لاش اٹھائی اور اسے سامنے کر کے آگے بڑھا۔ اسی لمحے ربیک نے اوپر سے کارروائی کی کیونکہ آگے کسی کی لرزہ خیز چیخ سنائی دی۔ مجھ پر چلایا جانے والا دوسرا تیر لاش کے سینے میں اتر گیا۔ اس سے آگے میں نے تیر انداز کو مہلت نہیں دی اور لاش اس پر پھینک کر پہلو سے نیزہ اس کے پیٹ میں اتار دیا۔ اس نے ڈکرانے کی آواز نکالی اور آگے جھکا۔ لاش بدستور ہمارے درمیان تھی۔ اس کا وزن نیزہ پر آیا تو اس کی انی زخم کو پھاڑتی ہوئی آزاد ہوئی۔ سپاہی اس بار حلق پھاڑ کر چلایا تھا۔

اگلے صحن کا منظر تشویش ناک تھا۔ راٹر ایک طرف دیوار سے ٹکا ہوا تھا اور اس کا ہاتھ پیٹ پر تھا جہاں سے اس کا کرتہ خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ رینور اس کے نزدیک زمین پر ڈھیر تھی اور کسی قدر حرکت کر رہی تھی۔ مارے جانے والے دو سپاہیوں کے علاوہ بھی وہاں دو سپاہی تھے۔ ان میں سے ایک راٹر کی طرف لپک رہا تھا۔ شاید وہ اسے ختم کرنا چاہتا تھا یا ڈھال بنانا چاہتا تھا۔ میں نے رسک نہیں لیا اور عقب سے نیزہ اس کی کمر میں اتار دیا۔ اسی لمحے ربیک کا چلایا ہوا تیر بھی اس کی گدی میں اتر کر دوسری طرف نکل گیا اور وہ اوندھے منہ گر کر ساکت ہو گیا۔ چھٹا جو صحیح سلامت تھا اس نے موقع کی نزاکت بھانپ کر فرار کی کوشش کی مگر میرا نیزہ راستے میں آیا اور وہ رک گیا۔ اس نے اپنا نیزہ پھینک دیا اور تقریباً رونے والے انداز میں بولا۔ ''مجھے مت مارو..... سینتور کے لیے۔''

ربیک اوپر سے گلی میں دیکھ رہا تھا کہ وہاں کوئی اور تو نہیں ہے مگر گلی میں اور کوئی نہیں تھا۔ شاید یہی ایک دستہ آیا تھا۔ اطمینان کرنے کے بعد ربیک اوپر سے کودا۔ ''بس یہی چھ تھے۔''

''یہ ایک زندہ ہاتھ آیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ذرا اس سے پوچھ گچھ کرو۔ جب تک میں ان کو دیکھتا ہوں۔''

میرا اشارہ راٹر اور رینور کی طرف تھا۔ ربیک نے دھکا دے کر سپاہی کو اوندھے منہ گرایا اور اس کا نیزہ اسی کی گدی پر رکھ کر اس سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ میں راٹر کے پاس بیٹھا اور اس کا کرتا اوپر کر کے دیکھا۔ اس کے پیٹ پر نیزے کا زخم تھا جس سے رہ رہ کر خون ابل رہا تھا۔ میں نے اسی کا کرتہ پھاڑا اور اس کے ایک حصے کی گدی سی بنا کر دوسرے حصے کو پٹی بنا کر اس کے گرد کس کر لپیٹ دیا۔ بظاہر اس کے کسی اہم عضو کو نقصان نہیں ہوا تھا۔ مگر خون روکنا ضروری تھا۔ اگر خون زیادہ بہہ جاتا تو اس کی جان کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ راٹر نے رینور کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے دیکھو، اس کے سر پر چوٹ آئی ہے۔''

رینور کے سر پر کسی چیز کی ضرب لگی تھی۔ اس کی کنپٹی ہلکی سی متورم تھی مگر وہ ہل رہی تھی یعنی اسے ہوش آنے والا تھا۔ میں اندر آیا کہ پانی لاؤں تو ان دونوں کا بڑا بیٹا کمرے میں کھڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے پانی لیا اور باہر آیا۔ رینور کے منہ اور حلق میں پانی ڈالا تو اسے تیزی سے ہوش آ گیا۔ وہ اٹھ بیٹھی اور پھر راٹر کو زخمی پا کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ میری بات نہیں سمجھتے مگر میں ان کی بات سمجھ سکتا تھا۔ رینور روتے ہوئے راٹر سے اس کی طبیعت کا پوچھ رہی تھی وہ اس کا زخم بھی دیکھنا چاہتی تھی مگر راٹر نے اسے روک دیا۔ ''میں ٹھیک ہوں، ان لوگوں نے ایک بار پھر ہمیں بچا لیا ہے۔''

ان کی طرف سے اطمینان کے بعد میں باہر گلی میں آیا۔ مکان میں خاصا شور شرابا ہوا تھا مگر آس پاس ایسے کوئی آثار نہیں تھے کہ کسی کے کان پر جوں بھی رینگی ہو۔ لوگوں نے یقیناً سنا ہوگا مگر کسی نے باہر نکل صورتِ حال جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی معقول وجہ تھی سرکاری کام میں مداخلت کرنے والے خود مشکل میں پڑ جاتے۔ اس لیے کسی نے مداخلت کرنا تو ایک طرف رہا گھر سے جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ میں گلی کے سرے تک آیا اور بڑی سڑک پر جھانک کر دیکھا تو مجھے دور سے سرخ وردی میں ملبوس ایک چھوٹا دستہ اسی طرف آتا دکھائی دیا۔ میں تیزی سے واپس آیا اور ربیک سے کہا۔ ''کچھ اور عام سپاہی اس طرف آ رہے ہیں۔''

وہ فکر مند ہو گیا۔ ''ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔''

''اس نے کیا بتایا ہے؟''

''اس کا کہنا ہے کہ اس کے دستے کو یہاں چھاپہ مار کر دو عام سپاہیوں کو گرفتار کرنے کا حکم ملا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مکان میں موجود افراد کو گرفتار کرنے کا حکم تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اگر مزاحمت کی جائے تو سب کو ختم کر دیا جائے۔''

ربیک کی بات سن کر میں نے اطمینان محسوس کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم پر عمومی شک تھا اور ہمارا شمار بھی باغیوں میں کیا جا رہا تھا ورنہ خصوصی دستے کو ہمیں ختم کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ ان کی آمد پر مجھے خدشہ ہوا تھا کہ شاید ہماری باہر سے آمد کا راز کھل گیا ہے اور چھاپہ اسی وجہ سے مارا گیا تھا۔ میرا دھیان ڈیوڈ شا کی طرف گیا تھا۔ مگر اطمینان کے باوجود خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا۔ ہمیں یہاں سے فوری نکلنا تھا۔ راٹر اور رینور مجھے ایک اجنبی زبان بولتے پا کر حیران ہوئے تھے۔ مگر فی الحال وہ ایسی مصیبت میں تھے کہ اپنی حیرت کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بھی خطرے میں ہیں، انہیں یہاں سے جانا ہوگا۔''

''سنو تم دونوں کو خطرہ ہے۔'' ربیک نے ان سے کہا۔ ''جلد مزید سپاہی آنے والے ہیں ان کی آمد سے پہلے تمہیں نکلنا ہوگا۔ ورنہ وہ تمہیں گرفتار کر لیں گے یا مار دیں گے۔''

راٹر نے سر ہلایا۔ ''تم فکر مت کرو ہمارے پاس جگہ ہے۔ تم دونوں اب کہاں جاؤ گے؟''

''ہمارے اور ساتھی ہیں۔ ہم ان کے پاس واپس جائیں گے۔''

راٹر اس دوران میں سنبھل گیا تھا۔ اس کا خون بہنا رک گیا تھا۔ مگر ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ دبا ہوا اور سہما ہوا لڑکا تھا مگر اب زخمی ہونے کے باوجود اس کے انداز میں ایک طرح کا اعتماد اور حوصلہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''نہیں آپ ہمارے ساتھ جائیں گے۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' رینور نے جیسے خبردار کرنے والے انداز میں کہا مگر راٹر نے اسے تسلی دی۔

''یہ ہمارے ہی لوگ ہیں۔ کیا یہ لاشیں ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ تم بچوں کو لو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چونکا اور ربیک سے کہا۔ ''ان سے کھل کر بات کریں کیا یہ رینالٹ کے مخالفوں میں سے ہیں؟''

ربیک نے پوچھا تو راٹر نے سر ہلایا۔ ''ہاں اور میرے بیشتر ساتھی پکڑے جا چکے ہیں۔ خوش قسمتی سے میں محفوظ رہا۔''

رینور اندر چلی گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی راٹر نے اٹھ کر ایک نیزہ اٹھایا اور اچانک ہی عقب سے زمین پر لیٹے سپاہی کی پشت میں عین دل کے مقام پر اتار دیا۔ وہ چند لمحے کو تڑپا اور ساکت ہو گیا۔ میں نے یا ربیک نے مداخلت نہیں کی۔ اس کا انجام بالآخر یہی ہونا تھا اور راٹر کے ہاتھ ہوا تھا اس لیے ہمیں زحمت نہیں کرنا پڑی تھی۔ رینور دونوں بچوں کو لے آئی، اس نے ایک نظر مارے جانے والے سپاہی کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ شاید اسے بھی علم تھا کہ اس سپاہی کا کیا انجام ہو سکتا ہے۔ ربیک مجھے ایک طرف لے گیا۔ ''کیا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں؟''

''کرنا پڑے گا اس کے سوا ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہمیں جلد از جلد اپنے لوگوں سے رابطہ کرنا ہے۔''

''یہ بتا رہا ہے ان میں سے بیشتر پکڑے جا چکے ہیں۔''

''اس کے باوجود کچھ نہ کچھ بچے ہیں۔ جیسے یہ لوگ اور ہمیں ان کی مدد سے باقیوں کو بھی چھڑانا ہوگا۔''

ربیک چونکا اور پھر اس نے کچھ نہیں کہا۔ ہم باہر آئے اور مرکزی شاہراہ سے مخالف سمت میں روانہ ہو گئے۔ ایک گلی عبور کرتے ہیں راٹر مڑ گیا تھا۔ وہ زخمی ہونے کے باوجود تیز چل رہا تھا اور ہم سے آگے تھا۔ ہر گلی میں داخل ہونے سے پہلے وہ جھانک کر دیکھ لیتا تھا۔ چھوٹے بچے کو رینور نے اٹھا رکھا تھا اور بڑا لڑکا ربیک نے اپنے شانے پر بٹھا لیا تھا۔ میں سب سے پیچھے تھا اور پیچھے کا خیال رکھتے ہوئے چل رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ راٹر ہمیں عام آبادی کے کسی مکان یا ٹھکانے تک لے جائے گا مگر جب وہ پوش علاقے کے پاس پہنچا اور اسے عام آبادی سے جدا کرنے والی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تو میں چونکا اور ربیک کے توسط سے پوچھا۔ ''تم کہاں لے جا رہے ہو؟''

راٹر نے جواب دیا۔ ''ہمیں امراء والے حصے میں جانا ہے۔''

''وہاں سارے حکومت کے حامی ہیں۔'' ربیک بولا۔

راٹر رک گیا اور اس نے ربیک کی طرف دیکھا۔ ''سب نہیں ہیں بہت سے رینالٹ کے مخالف بھی ہیں۔ آخر کیرٹ بھی تو اس کا مخالف تھا۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' میں نے ربیک سے کہا۔ ''ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔''

ربیک نے سر ہلایا اور ہم دوبارہ آگے روانہ ہوئے۔ خوش قسمتی سے سپاہی ہمارے پیچھے نہیں آئے تھے یا پھر میں نے جو دستہ دیکھا تھا وہ کہیں اور جا رہا تھا۔ راٹر دیوار کے ساتھ چلتے چلتے اچانک رکا اور دیوار کے ساتھ لگی پھولدار جھاڑی میں گھس گیا۔ جھاڑی نے دیوار کو اچھی طرح کور کیا ہوا تھا۔ چند لمحے بعد اس نے اندر سے سر نکالا اور ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ہم جھاڑی میں گھسے تو نیم تاریکی میں دیوار کی جڑ میں ایک چھوٹا سا خلا نظر آیا راٹر اس سے رینگ کر دوسری طرف جا رہا تھا۔ بظاہر یہ پانی کی نکاسی کا سوراخ تھا جسے ذرا بڑا کر لیا گیا تھا۔ یہ دو فٹ چوڑا اور زمین سے کوئی ایک فٹ اونچا تھا۔ راٹر کے بعد ربیک گیا۔ رینور نے چھوٹا بچہ اسے پکڑایا اور خود گئی اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پہلے اس کا بڑا بیٹا دوسری طرف گیا تھا۔ سب سے آخر میں، مَیں دوسری طرف نکلا۔ مٹی سے رگڑ کھا کر ہمارے لباس خراب ہوئے تھے مگر اس وقت کسی کو لباس کا ہوش نہیں تھا۔ میں نے ربیک کے توسط سے پوچھا۔

''اب کتنی دور جانا ہے؟''

''زیادہ دور نہیں ہے۔'' راٹر نے جواب دیا۔ میں نے اشارے سے اسے روک لیا۔

''تمہیں بتایا تھا کہ ہمارے ساتھی بھی ہیں۔''

''اگر وہ کسی محفوظ جگہ ہیں تو ان کی فکر مت کرو ورنہ ان کو بھی اسی جگہ بلوالیں گے۔'' راٹر نے کہا اور چلنے لگا۔ چند منٹ بعد ہم ایک خاصے بڑے اور سرخ رنگ میں رنگے مکان کے سامنے تھے۔ یہاں آس پاس کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ راٹر نے آگے بڑھ کر لکڑی کے گیٹ پر دستک دی۔ فوراً گیٹ میں ایک چھوٹی کھڑکی کھلی اور وہ سرگوشیوں میں کسی سے بات کرنے لگا۔ اس گفت وشنید کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک منٹ بعد گیٹ میں چھوٹا دروازہ کھلا اور راٹر نے پلٹ کر ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اندر جاتے ہوئے میرے ذہن میں چند لمحے کے لیے خدشہ آیا تھا۔ بظاہر تو دونوں راٹر رینات مخالف گروہ سے تعلق رکھتا تھا اس نے کیرٹ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ مگر انسان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے بعض اوقات انسان خود کو بھی دھوکے میں رکھتا ہے۔ دوسروں کو دھوکا دینا تو بہت عام سی بات ہے۔ ہم اندر آئے یہ خاصا بڑا احاطہ تھا جس کے وسط میں بڑا سا کوٹھی نما مکان تھا۔ ہم راٹر کی رہنمائی میں اندر آئے۔ وہ ہمیں ایک کمرے میں لے آیا۔

''آپ سب بیٹھیں۔'' اس نے فرش پر بچھے عمدہ قالین کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں ابھی آتا ہوں۔''

رینور بھی بچوں کے ساتھ ہمارے ساتھ ہی تھی۔ میں اور ربیک قالین پر بیٹھ گئے مگر ہم نے اپنے ہتھیار ساتھ ہی رکھے تھے۔ رینور اپنے بچوں کو سمیٹ کر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس نے جس طرح راٹر کو ٹوکا تھا اس سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ پوری طرح شامل تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ دونوں کم عمر میاں بیوی اپنے گھر اور بچوں کے ساتھ یہ بھاری ذمے داری بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ وہاں ایک طرف مٹی کے صراحی نما جگ میں پانی اور مٹی کے ہی پیالے رکھے تھے۔ مجھے پیاس لگی تھی مگر میں نے احتیاطاً پانی سے گریز کیا۔ کچھ دیر بعد رینور کے بیٹے نے پانی مانگا تو اس نے اسے جگ سے پانی نکال کر دیا اور جب اس نے پی لیا تو میں نے اور ربیک نے بھی طلب کیا۔ میں نے پیالہ ختم کیا تھا کہ راٹر ایک شخص کے ہمراہ اندر آیا اور میں اسے دیکھ کر چونکا جیسے وہ مجھے دیکھ کر چونکا تھا۔ یہ شاہی قید خانے کا نگران لمبا تڑنگا اور خوش رو جوان تھا۔ اس نے دورانِ قید میرے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا۔ ''تم.....؟''

راٹر چونکا۔ ''آپ انہیں جانتے ہیں۔''

نگران نے سر ہلایا۔ ''بہت اچھی طرح اور تم بالکل صحیح آدمی کو لے کر آئے ہو۔''

وہ اور راٹر میرے سامنے قالین پر بیٹھ گئے۔ میں نے ربیک کے توسط سے کہا۔ ''میرا خیال نہیں تھا کہ تم بھی رینات کے مخالفوں میں سے ہو گے؟''

''تقریباً پورا آرگون سوائے ایک مخصوص ٹولے کو چھوڑ کر رینات کا مخالف ہے مگر اس کی قوت اور جبر کے آگے مجبور ہیں۔'' نگران نے جواب دیا۔ ''میرا نام انسار ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے بارے میں تو تم جانتے ہو گے۔ یہ ربیک ہے اور میرے ساتھ ایک درجن افراد اور بھی ہیں۔''

''وہ کہاں ہیں؟''

''فی الحال وہ ایک محفوظ جگہ ہیں۔'' میں نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ ربیک نے ترجمان کی ذمے داری سنبھال لی تھی اور اپنے طور پر کچھ کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ انسار سمجھ گیا اس نے دوبارہ پوچھنے سے گریز کیا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ ایک اہم سرکاری عہدہ رکھنے والا بھی کیرٹ کے ساتھیوں میں سے تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ اس قید خانے کا نگران تھا جہاں ہمارے ساتھی قید کیے گئے تھے۔ اگر کوئی فرد اس شہر میں مجھے سب سے زیادہ بہتر انداز میں صورتِ حال سے آگاہ کر سکتا تھا تو وہ انسار ہی تھا۔ مگر اس سے پہلے میں اس سے کچھ پوچھتا راٹر اسے اپنی رُوداد سنانے لگا کہ اس پر کیا گزری اور وہ کیسے ہمیں لے کر یہاں پہنچا۔ انسار یہ سن کر فکر مند ہو گیا کہ راٹر کے مکان پر چھ خاص سپاہ کے آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اس نے کہا۔

''اب، وسیع پیمانے پر تم سب کی تلاش شروع ہو جائے گی۔''

میں جانتا تھا کہ ایسا ہی ہو گا اور اب مجھے باغ میں رکے اپنے ساتھیوں کی فکر ہوئی۔ اسی وقت انسار نے مجھ سے کہا۔ ''تمہارے ساتھیوں کا یہاں آنا ضروری ہو گیا ہے فی الحال اس شہر میں میرے گھر سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں ہے۔''

میں نے اسے نظر جما کر دیکھا۔ ''تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''کیونکہ یہاں ہمارے تین ٹھکانے ہیں مگر ان میں سے کسی پر چھاپہ نہیں مارا گیا لیکن عام آبادی کا ہر ٹھکانہ حکومت کا نشانہ بنا ہے۔''

یہ سنتے ہی میرے اندر جیسے گھنٹی سی بجنے لگی۔ ''تمہارا مطلب ہے ہر ٹھکانہ جہاں رینات کے مخالف موجود تھے؟''

انسار نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہر ٹھکانہ، کوئی جگہ نہیں بچی، صرف وہی بچ سکے جو اس وقت وہاں نہیں تھے۔''

''اور وہ تمام افراد اس وقت یہاں پوش علاقے میں ان تین ٹھکانوں پر ہیں؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''بالکل ان تین ٹھکانوں پر سو کے قریب لوگ ہیں اور یہاں حکومت نے چھاپہ نہیں مارا۔''

''وہ اب چھاپہ ماریں گے۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں فوری یہاں سے نکلنا ہو گا۔''

ربیک نے میری بات کا ترجمہ کیا تو انسار پریشان ہو گیا۔ ''کیا کہہ رہے ہو، یہاں کیوں چھاپہ پڑے گا۔''

''تم کیا سمجھتے ہو؟ جو لوگ عام آبادی میں مخالفوں کے ایک ایک ٹھکانے سے واقف ہوں وہ پوش آبادی میں ان کے ٹھکانوں سے بے خبر ہو سکتے ہیں۔''

''وہ یقیناً واقف نہیں ہیں۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ وہ صرف انتظار کر رہے ہیں کہ سب یہاں جمع ہو جائیں تو وہ ایک ساتھ سب کو لے جائیں۔'' میں نے ربیک اور راٹر کی طرف دیکھا۔ ''ہمیں فوری یہاں سے نکلنا ہو گا۔''

''انسار اب کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ ''تم کہاں جاؤ گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے پاس ایک ٹھکانا ہے۔ ہم صبح ہونے سے پہلے وہاں پہنچ سکتے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''انسار تمہارے ساتھ جو آدمی ہیں وہ میرے حوالے کر دو، ورنہ وہ سب پکڑے جائیں گے اور تمہارے خلاف ثبوت بن جائیں گے جب حکومت کو تمہارے پاس سے کوئی غیر متعلق آدمی نہیں ملے گا تو تم خود بخود بے گناہ بن جاؤ گے۔''

انسار نے اپنی پیشانی رگڑی۔ ''تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔''

''میں نے بروقت خبردار کر دیا ہے۔ تم حکومت میں ہو لیکن اس سے بے خبر ہو کہ اس وقت رینالٹ کا دماغ ایک ایسا شخص بنا ہوا ہے جس کی سازشوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ وہ اس سارے کھیل کے پیچھے ہے۔''

انسار نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سر ہلایا۔ ''میں تیار ہوں لیکن تم ان آدمیوں سے کیا کام لو گے؟''

''میں سب سے پہلے قید خانے سے باقی افراد کو آزاد کراؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

اتنی دیر میں انسار موقع کی نزاکت کو پوری طرح محسوس کرنے لگا تھا اور وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ربیک نے راٹر کا زخم دیکھا۔ اس سے خون بہنا بند ہو گیا تھا مگر وہ فی الحال حرکت کے قابل نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تمہیں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ یہیں رہنا ہوگا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''سپاہی میری تلاش میں بھی ہوں گے۔''

''تم اس قابل نہیں ہو کہ کسی سرگرمی میں حصہ لے سکو اور رینور عورت ہے بچے بھی ساتھ ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ہم سمجھ لو جنگ پر نکل رہے ہیں اور آنے والے وقت کا کچھ پتا نہیں ہے۔''

راٹر فکرمند ہو گیا۔ ''اس کے علاوہ تو ہمارے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔''

''انسار سے بات کرو شاید اس کے پاس ایسی کوئی جگہ ہو جہاں وہ تم سب کو چھپا سکے۔''

انسار کچھ دیر بعد اندر آیا اور اس نے کہا۔ ''میں نے تینوں ٹھکانوں سے آدمی بلوا لیے ہیں۔''

''ہم ہجوم لے کر نہیں جا سکتے ہیں۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''دوسرے سب کو پوری طرح مسلح اور لڑائی کے لیے تیار ہونا چاہیے۔''

انسار نے سر ہلایا۔ ''میں نے کہہ دیا ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے راٹر کی طرف دیکھا۔ ''اب مجھے اسے اور اس کے بیوی بچوں کو چھپانے کا انتظام کرنا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ نہیں جا سکتے۔''

میں نے اطمینان محسوس کیا۔ ''یہی میں کہہ رہا ہوں کہ یہ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔''

''تم بتاؤ کہ ان لوگوں کو کہاں بھیجنا ہے میں انہیں ٹولیوں کی صورت میں روانہ کر دوں۔''

میں نے ربیک کی مدد سے انسار کو بتایا میرے ساتھی کہاں مقیم ہیں لیکن پہلے میرا جانا لازمی تھا ورنہ غلط فہمی ہونے کی صورت میں ہم آپس میں ہی لڑ پڑتے۔ انسار کو سمجھا کر میں نے کہا۔ ''ہمیں سب سے پہلے قید خانے پر حملہ کرنا ہے اور وہاں قید اپنے ساتھیوں کو چھڑانا ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہاں حفاظتی انتظامات کی کیا پوزیشن ہے؟''

''بہت سخت۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وہاں رینالٹ کا خاص دستہ لگا ہوا ہے اور مجھے میرے عملے سمیت وہاں سے ہٹا دیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے حفاظتی انتظامات کا جو احوال لیا اس کے مطابق قید خانے پر تقریباً سو افراد پر مشتمل ایک دستہ تعینات تھا۔ یہ رینات کے خاص دستے کے سپاہی تھے۔ انسار کا کہنا تھا کہ اس دستے میں سپاہیوں کی تعداد ایک ہزار سے اوپر تھی اور عملاً آرگون ان کے سپرد تھا۔ عام سپاہ میدانِ جنگ میں جا چکی تھی یا پھر فصیلوں تک محدود تھی مگر اس کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ وقت کم تھا اس لیے میں انسار سے زیادہ سوالات نہیں کر سکا۔ اس سے پہلے میرا خدشہ درست نکلتا ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ اگر میرا خدشہ غلط بھی تھا اور رینات کے آدمی انسار اور باقی دو پوش علاقے کے ٹھکانوں سے بے خبر تھے تب بھی ہمارا حرکت میں آجانا ضروری تھا۔ ہمارے پاس انتظار کرنے کے لیے نہ تو وقت تھا اور نہ ہی وسائل تھے۔ ہمیں میدانِ جنگ سے دور آئے ہوئے ایک دن سے زیادہ وقت گزر گیا تھا اور ہم وہاں کے حال سے بے خبر تھے۔ انسار صرف اتنا جانتا تھا کہ ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی ہے۔ یہ سن کر میں نے اچھا محسوس کیا تھا۔ جنگ میں جتنی تاخیر ہوتی ہمارے لیے اتنا ہی اچھا تھا۔ البتہ سامیرا کی فوج کو چھوٹی موٹی چھاپہ مار کارروائیاں کرتے رہنی چاہیے تھی۔

○.....❖.....○

انسار کے گھر سے روانہ ہوتے ہوئے میرا ذہن کئی سمتوں میں الجھا ہوا تھا۔ شہر میں گزشتہ روز ہونے والی چھاپہ مار کارروائی سے ظاہر تھا کہ ان کی پوری مخبری کی گئی تھی۔ سوال یہ تھا کہ مخبری آرگون کے اندر سے کسی نے کی تھی یا پھر سامیرا کے نزدیک موجود کسی غدار کا کام تھا۔ مگر آرگون میں موجود ان دستوں کے بارے میں زیادہ لوگ نہیں جانتے تھے۔ ان کا اصل انچارج مینات ہے۔ کچھ غور کرنے کے بعد مجھے لگا کہ غدار آرگون کا کوئی فرد تھا جو باغیوں کے ساتھ تھا اور موقع پا کر اس نے انہیں پکڑوا دیا۔ میں اور ربیک انسار کے گھر سے نکل کر اسی راستے سے عام آبادی میں داخل ہوئے جہاں سے راٹر ہمیں لے کر آیا تھا اور پھر ہم اس باغ کی طرف بڑھے جہاں میں باقی سب کو ٹھہرا کر آیا تھا۔ ہم جان بوجھ کر تاریک گلیوں سے گزر رہے تھے۔ ربیک نے کہا۔ ''راٹر کا ملنا اچھا ثابت ہوا۔''

''ہاں ہم جس مقصد کے ساتھ یہاں آئے تھے وہ حاصل ہو گیا ہے اور اب ہمیں اپنے اصل منصوبے پر عمل کرنا ہے۔''

''ہم کل ایک درجن ہیں اور انسار کے پاس اب سو آدمی رہ گئے ہیں کیا اتنے لوگ قید خانے پر حملے کے لیے کافی ہوں گے؟''

''اگر کوشش کی جائے تو کافی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنا منصوبہ اچھی طرح تیار کرنا ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اگر ہم کامیاب ہو جاتے ہیں اور قید خانے سے اپنے لوگوں کو چھڑا لیتے ہیں تب بھی ہماری تعداد پانچ سو سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس صورت میں رینات کا خاص دستہ بھی ہم سے دوگنا بڑا ہوگا۔''

ربیک کا انداز بحث کرنے والا نہیں تھا اور نہ ہی وہ خوفزدہ تھا۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اس لیے نرمی سے جواب دیا۔ ''تعداد کبھی میدانِ جنگ کا فیصلہ نہیں کرتی ہے۔ تم لوگ جنگ سے ناآشنا ہو لیکن یہاں سے باہر کی دنیا کے لیے جنگ انوکھی شے نہیں ہے۔ وہاں لاتعداد بار ایسا ہوا ہے کہ دس گنا کم فوج نے فتح حاصل کی اور جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دس گنا زیادہ تھے وہ شکست خوردہ ٹھہرے۔ اصل اہمیت حوصلے، دلیری اور حکمتِ عملی کی ہے۔ وہی فوج کامیاب ہوتی ہے جو ان تین شعبوں میں بہتر ہو۔''

''آپ جانتے ہیں ہمارا حوصلہ بلند ہے اور ہم لڑنے مرنے کے لیے تیار ہیں۔''

''باقی رہی حکمتِ عملی تو یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اللہ نے چاہا تو ہم انہیں شکست دیں گے۔''

اس گفتگو کے دوران ہم باغ کے نزدیک پہنچ گئے اور محتاط ہو گئے۔ میرے ذہن میں تھا کہ ممکن ہے میرے ساتھی پکڑے گئے ہوں اور باغ میں اس وقت رینالٹ کے آدمی ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ اس لیے ہم خاموشی سے اور تاریکی کا سہارا لیتے ہوئے اس کی چار دیواری تک پہنچے۔ ربیک نے اندر جھانکا اور ہلکی سی پرندے والی آواز نکالی۔ اس کا فوری ردِعمل ہوا اور اندر سے بھی ایسی ہی آواز آئی۔ چند لمحے بعد ایرٹ نمودار ہوا اور ہمیں دیکھتے ہی اس نے شکوہ کیا۔ ''آپ لوگ تو ایسے گئے کہ بس، یہاں ہم سب کا دم خشک ہو رہا تھا۔''

''ہمیں دیر ہوئی ہے۔'' ربیک نے کہا۔ ''لیکن ہم کامیاب لوٹے ہیں۔''

''کیا ہوا ہے؟'' ایرٹ بے تاب ہو گیا۔

''آرام سے۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟''

''ایک بار ہوا تھا۔'' ایرٹ نے کہا۔ ''چند عام سپاہی یہاں آ گئے تھے اور ساشا نے آواز نکال کر انہیں متوجہ کر لیا مجبوراً ہمیں ان سب کا خاتمہ کرنا پڑا۔''

''ان کی لاشیں؟''

''وہ ہم نے ایک نزدیکی خالی گھر میں ڈال دیں۔ کسی نے نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کی تلاش میں مزید کوئی آیا۔''

ہم اندر آئے تو ساشا اس حالت میں پڑی تھی کہ ہاتھ پاؤں کے ساتھ ساتھ اس کا منہ بھی بند تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ ہماری اتنی مخالف کیوں ہو رہی تھی۔ اس کے باپ کا قاتل تو رینالٹ تھا۔ اسی نے کیرٹ کو سولی پر لٹکایا تھا مگر وہ اس کی طرفداری کر رہی تھی۔ میں اس کے پاس بیٹھا اور اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔

''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟''

''یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا اور جب آئے گا تو اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہو گی۔''

''تم کیا سمجھتی ہو کہ اگر ہمارے پاس سے چلی جاؤ گی تو رینالٹ یا اس کے آدمی تمہیں بخش دیں گے؟''

''میں نہیں جانتی میں بس یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔''

وقت نہیں تھا اس لیے میں نے مزید بحث سے گریز کرتے ہوئے ساشا کا منہ بند کر دیا اور ربیک کی مدد سے سب کو آنے والی صورتِ حال پر بریف کیا۔ وہ یہ سن کر پُرجوش ہو گئے کہ سو کے قریب افراد مزید ہمارے ساتھ شامل ہونے والے تھے۔ پھر میں نے بتایا کہ ہمیں قید خانے پر حملہ کر کے باقی ساتھیوں کو چھڑانا ہے کیونکہ ان کے بغیر ہم آرگون میں مزید جدوجہد نہیں کر سکتے تھے۔ خلافِ توقع یہ سن کر وہ زیادہ پُرجوش ہو گئے تھے۔ دوسروں کی آمد کسی وقت بھی متوقع تھی اس لیے ہم سب ہوشیار ہو گئے۔ اس کا امکان تھا کہ ان کے پیچھے رینالٹ کے آدمی بھی چلے آئیں۔ آرگون جیسے چھوٹے شہر میں سو افراد کا چھپ کر حرکت کرنا آسان نہیں تھا۔ خاص طور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جب شہر میں ہنگامی حالات نافذ ہوں اور جگہ جگہ فوج موجود ہو۔

میں اور دو افراد باغ میں رہے اور باقی آس پاس پھیل گئے تاکہ نگرانی کر سکیں۔ پہلی ٹولی ہماری آمد کے مشکل سے پندرہ منٹ بعد نمودار ہوئی اور باغ کی طرف آئی۔ وہ عام لباس میں لیکن پوری طرح مسلح تھے۔ ربیک نے ان سے سوال کیا کہ انہیں کس نے بھیجا ہے۔ انہوں نے انسار کا نام لیا تو انہیں باغ میں آنے کی اجازت دے دی مگر ان سے کہا کہ وہ اپنا اسلحہ ایک طرف ڈالتے جائیں۔ انہوں نے بلا چوں چرا حکم کی تعمیل کی۔ اپنا اسلحہ ایک طرف ڈال کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ٹولیوں کی مسلسل آمد شروع ہوگئی۔ سب اپنا اسلحہ جمع کراتے رہے اور ایک طرف بیٹھتے رہے۔ میں نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ سوچ کے اعتبار سے یہ لوگ بہت سادہ ہیں۔ یہ جلدی اعتبار کر لیتے ہیں اور بلاوجہ شک نہیں کرتے ہیں۔ ممکن ہے ہماری دنیا میں یہ سب اتنی آسانی سے نہ ہوتا۔ نہ انسار مجھ پر اعتماد کرتا اور نہ اس کے آدمی اتنی آسانی سے ہم پر اعتبار کر کے اپنا اسلحہ ہمارے حوالے کرتے۔

میں آنے والوں کو گن رہا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بانوے تک پہنچ گئی تھی اور اس کے بعد ان کی آمد رک گئی۔ ربیک کی مدد سے میں نے ان سے معلوم کرایا کہ ان میں کوئی اجنبی تو نہیں ہے وہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟ سب کی ہی کسی نے کسی نے تصدیق کی کہ وہ ان میں سے ہے۔ پھر میں نے مزید آنے والوں کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے مزید پندرہ کے قریب ساتھی تھے جنہیں آنا تھا۔ مگر پندرہ کے بجائے مزید دس افراد ہی آئے تھے اور پانچ افراد نہیں آئے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ یہ سارا عمل تقریباً دو سے ڈھائی گھنٹے میں مکمل ہوا تھا۔ ایک سو دو افراد آئے تھے اور اب ہماری تعداد ایک سو پندرہ ہوگئی تھی۔ آخری فرد سا شا تھی مگر عملاً وہ دشمن بنی ہوئی تھی۔ آنے والے افراد میں آریگو نامی شخص تھا۔ وہ یہاں باغیوں کا سربراہ تھا۔ وہ اپنے پانچ نہ آنے والے ساتھیوں کے بارے میں فکرمند تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ رینات کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ وہ ان کے بارے میں سب سے پوچھتا رہا تھا۔

''وہ الگ نکلے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں وہ ب مختلف ٹولیوں کے ساتھ تھے اور راستے میں کہیں رہ گئے۔''

''میرا خیال ہے وہ کسی غلطی سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر رہ گئے۔'' میں نے کہا۔ ''ورنہ ٹولی سے بچھڑنا کس طرح ممکن ہے۔''

آریگو چونکا۔ ''تمہارا مطلب ہے وہ غدار ہیں۔''

''اگر غدار نہیں ہیں تب بھی بزدل ضرور ہیں وہ جنگ سے جان بچا رہے ہیں۔''

میرا آریگو سے تعارف ہوا تھا اور وہ کسی حد تک مجھ سے واقف تھا۔ روشنی ہونے کے بعد ہم باغ کے اندرونی حصے میں آ گئے تھے تاکہ باہر سے ہماری جھلک بھی نظر نہ آئے۔ نگرانی کے لیے تیس پینتیس افراد کو لگا دیا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ بلند درختوں پر چڑھ کر آس پاس نظر رکھے ہوئے تھے اگر کوئی اس طرف آتا تو ان کی نظروں سے بچ نہیں سکتا تھا۔ میں آریگو سے آرگون کی صورتِ حال جاننے لگا۔ اس نے بتایا کہ چھاپے ایک ہی وقت میں اور اتنے اچانک مارے گئے تھے کہ اس وقت اپنے ٹھکانوں پر موجود سارے ہی حریت پسند پکڑے گئے تھے۔ صرف وہی بچے تھے جو باہر تھے۔ چند ایک فرار ہونے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے ہی آریگو اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باقیوں کو خبردار کیا تھا۔ چھاپوں میں مزاحمت کرنے پر سو سے زیادہ حریت پسند مارے گئے تھے۔ پکڑے جانے والوں میں سے کئی شدید زخمی تھے۔ میں نے آریگو سے پوچھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے اگر انہیں چھڑانے کی کوشش کی جائے تو کامیابی کا کیا امکان ہے؟''

آریگو تقریباً پینتیس سے چالیس برس کا مضبوط جسم والا آدمی تھا اس کے لمبے سنہری بال شانوں سے بھی نیچے تک آ رہے تھے۔ اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ ''بہت کم امکانات ہیں سمجھ لو خودکشی کے مترادف ہوگا۔''

''ہمیں یہ کام کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ان پانچ سو افراد کے بغیر ہم رینالٹ اور اس کے آدمیوں پر قابو نہیں پا سکتے ہیں۔''

آریگو کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''تم اتنی دور کا سوچ رہے ہو؟''

''میں اسی لیے یہاں آیا ہوں۔ تم فکر مت کرو میں جانتا ہوں کہ ایسے مشکل کام آسانی سے کس طرح ہوتے ہیں۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے میں جیسا کہوں تم ویسا ہی کرو گے۔''

آریگو کا چہرہ سپاٹ ہوگیا۔ ''ہمیں سامیرا کی طرف سے ایسی کوئی ہدایت نہیں ملی ہے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم میری حیثیت سے بے خبر ہو۔ میں سامیرا سمیت قلعوں میں موجود ہر فرد کا سربراہ ہوں۔ اس کی تصدیق یہ لوگ کر سکتے ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں۔''

ایرٹ اور ربیک نے میری تائید کی۔ ''شہباز ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ سب کے سربراہ ہیں۔''

آریگو کی آنکھوں میں شک نظر آنے لگا۔ ''ایسا کیسے ممکن ہے کہ باہر سے آنے والا ایک فرد ہمارا سربراہ بن جائے۔''

''یہ برف والے کے حکم سے ممکن ہوا ہے۔'' ربیک بولا۔ ''کیا تم برف والے کا حکم ماننے سے انکار کر سکتے ہو؟''

آریگو نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''کیا تمہیں کیرٹ یا یہاں موجود کسی اور اہم فرد نے نہیں بتایا ہے؟''

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''اگر ایسا ہوتا تو میں حکم کی تعمیل کرتا، تم سے بحث کیوں کرتا؟''

یہ ایک نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا۔ میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے تم مجھے سربراہ نہیں سمجھ رہے ہو لیکن میری تجویز پر تو غور کر سکتے ہو۔ تم سوچو کہ ان سو سوا سو افراد کے ساتھ ہم کیا کر لیں گے۔ بلکہ کچھ وقت گزرے گا تو ہمیں اپنے کھانے کی فکر پڑ جائے گی کیونکہ ہمارے پاس خوراک نہیں ہے اور تم لوگ بھی خالی ہاتھ آئے ہو۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ہم ان سوا سو افراد کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے۔''

''اس لیے پہلے ہمیں قید خانے میں موجود اپنے ساتھیوں کو چھڑانا ہوگا۔''

''یہ ممکن نہیں ہے، وہاں سخت پہرہ ہے۔ رینالٹ کے خاص دستے وہاں لگے ہیں اور ان سے لڑنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''ہم کل سے اب تک اسی خاص دستے کے دس افراد کو ٹھکانے لگا چکے ہیں۔'' ربیک نے کہا۔ ''ہمارا ایک آدمی بھی زخمی نہیں ہوا۔ اس سے پہلے ہم شہر سے باہر درجنوں سپاہیوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور ہمارا کوئی نقصان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہوا۔''

''یہ اتنے تربیت یافتہ بھی نہیں ہیں جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو۔'' ایرٹ بولا۔ ''لگتا ہے تم ان سے مرعوب ہو؟''

آریگو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''یہ جھوٹ ہے میں ان سے ڈرتا نہیں ہوں۔''

''تم ڈرتے نہیں ہو لیکن کچھ کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہو۔''

''ہم سامیرا کی فوج کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب وہ باہر سے حملہ آور ہو گی تب ہم اندر سے ریناٹ کے آدمیوں پر حملہ کریں گے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم سے کس نے کہا کہ سامیرا کی فوج یہاں حملہ کرے گی؟ وہ تو خود ریناٹ کی فوج کے محاصرے میں ہے اور مدافعتی جنگ لڑ رہی ہے۔''

آریگو کے چہرے پر ایک بار پھر شک کے آثار نظر آئے اس نے کہا۔ ''لیکن وہاں سے جو اطلاعات آئی ہیں ان کے مطابق سامیرا کی فوج کھل کر ریناٹ کی فوج پر حملے کر رہی ہے اور جلد اسے پسپا کرتی ہوئی آرگون تک پہنچ جائے گی۔''

آریگو کی بات چونکانے والی تھی۔ ''تم تک یہ اطلاع کیسے پہنچی، انسار نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔''

''انسار صرف ہمارا مددگار ہے اسے ہر بات کا علم نہیں ہوتا ہے۔''

''تم تک یہ اطلاع کب آئی؟''

''کل شام۔'' اس نے جواب دیا۔ اس وقت ہم ٹیلے پر وقت گزاری کر رہے تھے اور ہمیں قلعوں سے دور نکلے تقریباً سترہ اٹھارہ گھنٹے ہو چکے تھے۔ اتنی جلدی وہاں صورتِ حال میں تبدیلی آئی تھی کہ سامیرا کی فوج ریناٹ کی فوج پر جارحانہ حملے کر رہی تھی اور جلد وہ آرگون تک پہنچنے والی تھی۔ یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ ٹھیک ہے سامیرا کی فوج پہلے سے زیادہ بہتر حالت میں تھی اور اس میں لڑنے والوں کی تعداد اور استعداد میں بھی اضافہ ہوا تھا مگر ریناٹ کی فوج تعداد میں اس سے زیادہ اور یقیناً بہتر تربیت یافتہ تھی۔ اس کے پاس اسلحہ بھی بہتر اور کہیں زیادہ تھا۔ اگرچہ فصل کے جلنے سے ریناٹ کا ابتدائی پروگرام کسی حد تک متاثر ہوا ہو گا مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس کے پاس خوراک نہیں رہی تھی۔ آرگون میں موجود خوراک کے ذخیرے یقیناً کہیں زیادہ تھے بہ نسبت سامیرا کے قلعوں میں موجود خوراک کے ذخائر کے۔

ریناٹ اب بھی مدافعتی جنگ کو ترجیح دیتا اور اگر اسے سارے سرما بھی محاصرہ کرنا پڑتا تو وہ اسے جاری رکھتا۔ عقب سے اس کی فوج کو رسد ملتی رہتی اور ہر گزرتے دن قلعوں میں خوراک کے ذخائر کم ہوتے جاتے۔ سامیرا کو اپنے لوگوں کی پروا تھی اس کے برعکس ریناٹ کو آرگون کی عام آبادی کی قطعی پروا نہیں تھی اگر اسے ان کی خوراک بند کرنا پڑتی تو وہ یہ کام بھی کر گزرتا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو انسانوں پر اپنا مکمل اقتدار چاہتے ہیں۔ انہیں اس کی پروا نہیں ہوتی ہے کہ یہ اقتدار کتنے انسانوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر وادی کی اکثر آبادی جنگ یا بھوک سے فنا کے گھاٹ اتر بھی جاتی تو ریناٹ کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ بلکہ شاید فائدہ تھا کہ بچ جانے والے باقی عام لوگ اس کے اور اس کے خاص ٹولے کے غلام بن جاتے۔ اس لیے اگر وادی اور اس کے لوگوں کو بچانا تھا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رینالٹ اور اس کے ٹولے کا خاتمہ ضروری تھا۔

اس کے لیے ہمیں آرگون میں خود کو مضبوط کر کے حرکت میں آنا تھا اور مضبوط کرنے کے لیے قید خانوں میں موجود حریت پسندوں کی رہائی لازمی تھی۔ مگر یہاں رکاوٹ آریگو کی صورت میں سامنے آئی تھی۔ وہ حریت پسندوں کا سربراہ تھا اور جنگ کے موڈ میں نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ جلد جنگ آرگون تک آئے گی اور تب وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رینالٹ کی فوج پر اندر سے حملے کرے گا۔ اس کے خیال میں جنگ کا وہی وقت تھا۔ وہ اس سے پہلے حرکت میں آنے کو تیار نہیں تھا۔ دوسری طرف مجھے یقین تھا کہ جنگ کے آرگون کی فصیل تک آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ یہ ہمارے پلان میں شامل ہی نہیں تھی۔ سامیرا اور اس کے ساتھی سمجھتے تھے کہ وہ کھل کر جنگ لڑنے کے بجائے مدافعتی جنگ سے اپنے مقاصد بہتر حاصل کر سکتے ہیں۔ میں نے ربیک اور ایرٹ کی مدد سے یہ بات آریگو کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ جیسے سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ ربیک اور ایرٹ غصے میں آ گئے۔ وہ مجھے ایک طرف لے گئے۔ ایرٹ نے کہا۔

''اگر یہ سمجھ نہیں رہا تو ہمیں معاملات اپنے ہاتھ میں لے لینے چاہئیں۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ ہم آریگو سے اختیار چھین لیں تو یہ آسان نہیں ہوگا اور شاید ہم آپس میں لڑ پڑیں۔''

''تب ہم کیا کریں؟'' ربیک نے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ بہت کم سمجھ آدمی ہے میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس نے بہکایا ہے کہ جنگ جلد آرگون تک آنے والی ہے۔''

میں چونکا۔ ''یہ تم نے کام کا سوال کیا ہے، اب اس سے پوچھو کہ اس کی اطلاع کا ذریعہ کیا ہے؟''

ربیک آریگو کے پاس گیا اور کچھ دیر اس سے محو گفتگو رہا پھر اس نے واپس آ کر کہا۔ ''آریگو کا کہنا ہے کہ اسے منیاٹ سے اطلاع ملی ہے۔''

میں نے انکار کیا۔ ''منیاٹ ایسی بات کر ہی نہیں سکتا، اول تو اسے ہمارے پلان کا اچھی طرح علم ہے دوسرے اس وقت قلعے محاصرے میں ہیں اور وہاں سے آرگون تک کوئی پیغام نہیں بھیجا جا سکتا ہے۔''

''اس کا کہنا ہے کہ پیغام تیر سے باندھ کر باہر پھینکا گیا تھا۔ آرگون کی فوج میں بھی ان کے ساتھی شامل ہیں ان کے توسط سے یہ پیغام آیا ہے۔''

میں قدرتی طور پر فکرمند ہو گیا کیونکہ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ آرگون کی فوج میں سامیرا کے حامی ہیں اور وہ آرگون کے حریت پسندوں تک پیغام رسانی کر رہے تھے۔ دوسری طرف آریگو کا کہنا تھا کہ اسے پیغام مل رہے تھے۔ اگر یہ پیغام سچ مچ سامیرا کی طرف سے نہیں تھے تو اس کا مطلب تھا کہ آریگو اور دوسرے حریت پسند ٹریپ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کی بڑی تعداد پکڑی گئی اور عین اس وقت جب ہم آرگون میں داخل ہونے والے تھے۔ کیا یہ بھی اتفاق تھا؟ میں جیسے جیسے سوچ رہا تھا۔ میرا شبہ بڑھ رہا تھا کہ اس سارے معاملے کے پس پشت کوئی سازش ہے۔ سازش کی یہ زنجیر سامیرا کے قلعوں سے یہاں تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں غداروں کی موجودگی تو مجھے دی جانے والی سزا سے ہی واضح ہو گئی تھی۔ یقیناً وہی لوگ وہاں کی درست اطلاعات یہاں رینالٹ تک اور غلط اطلاعات حریت پسندوں تک پہنچا رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں واقعات کی کڑیاں ملا رہا تھا۔ ہماری آمد سے پہلے حریت پسندوں کو اچانک چھاپوں میں گرفتار کرلیا گیا۔ گویا یہاں میری مدد کرنے والے خود بے یارو مددگار ہو گئے۔ جو تھوڑے بہت باقی بچے ان کو مس گائیڈ کیا جا رہا تھا۔ ایک سوال یہ تھا کہ جب رینالٹ اور اس کے آدمی ان بچے حریت پسندوں تک رسائی رکھتے تھے تو انہیں کیوں نہیں پکڑ لیا؟ اس کا ممکنہ جواب یہ تھا کہ وہ ان کی مدد سے مجھ تک رسائی چاہتے تھے۔ میں ان سے رابطہ کرتا اور وہ پھر چھاپہ مار کر مجھ سمیت سب کو ایک ساتھ ہی لے جاتے۔ ایک بار وہ آرگون کی طرف سے بے فکر ہو جاتے تو اس کے بعد وہ آرام سے سامیرا اور اس کے لوگوں کے قلعوں میں بھوکے مرنے کا نظارا کر سکتے تھے۔ انہیں جنگ کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی اور اگر سامیرا کی سپاہ حملہ کرتی تو وہ اسے با آسانی ناکام بنا سکتے تھے۔ ان کی قوت کہیں زیادہ تھی اور انہیں عقب سے مسلسل رسد مل رہی تھی۔

میں سوچ رہا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ موجودہ صورتِ حال میں کیا حکمتِ عملی اپنائی جائے۔ آریگو مجھے سخت اور بے لچک شخص لگا تھا۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اپنی سوچ سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اگر ہم اسے قابو کرنے کی کوشش کرتے تو اس کے ساتھی آڑے آتے اور ہمارے درمیان جنگ چھڑ جاتی۔ میں سوچتا رہا اور ٹہلتا رہا۔ رفتہ رفتہ ایک حکمتِ عملی سمجھ میں آنے لگی۔ میں نے اس پر مزید سوچا اور پھر ربیک کو بلایا۔ ''میں آریگو اور اس کے ساتھیوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری بات کا مؤثر ترجمہ کرو گے۔''

''میں پوری کوشش کروں گا۔''

ہم آریگو کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ ہم اس سے اور اس کے آدمیوں سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے اعتراض کیا۔ ''جو بات کرنی ہے مجھ سے کرو میرے آدمیوں سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''تم صرف سن لو۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں صورتِ حال تم سب کے سامنے رکھنا چاہ رہا ہوں۔''

کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ آریگو مان گیا۔ اس نے اپنے سارے آدمیوں کو بلا لیا۔ ہم باغ کے وسط میں تھے اور سوائے پہرہ دینے والوں کے باقی سب ہی وہاں موجود تھے۔ میں وسط میں کھڑا ہوا اور کہنا شروع کیا۔ ''دوستوں میرا تعلق اس وادی سے نہیں ہے۔ میں باہر سے آیا ہوں۔ بلکہ آیا نہیں ہوں بلایا گیا ہوں۔ مجھے برف والے نے بلایا ہے تاکہ میں وادی کے لوگوں کے درمیان جاری اس جنگ کا خاتمہ کر سکوں اور ان لوگوں کا ساتھ دوں جو آزادی سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ برف والے کے حکم پر مجھے سامیرا اور اس کے ساتھیوں کا سربراہ بنایا گیا اور میں نے وہاں فوج کی تربیت کی اور انہیں ازسرِنو منظم کر کے اس قابل بنایا کہ وہ رینالٹ کی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ مگر تعداد اور اسلحے کے لحاظ سے وہ اب بھی اس قابل نہیں ہیں کہ کھلی جنگ میں رینالٹ کی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔''

ربیک میری بات کا ترجمہ کر رہا تھا۔ میں ایک جملہ کہہ کر خاموش ہو جاتا اور ربیک اس کا ترجمہ کر دیتا تو میں دوسرا جملہ کہتا۔ میں ان کو قلعوں کے حالات بتانے لگا اور یہ بھی کہ وہاں رینالٹ کے آدمی موجود ہیں بالکل اسی طرح جیسے آرگون میں حریت پسند موجود ہیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ کس طرح مجھے سازش میں پھنسا کر قلعوں سے نکلوایا گیا۔ اس ذلت آمیز سزا کے باوجود میں ان کے ساتھ رہا۔ میں نے فصلوں کو آگ لگا کر رینالٹ کی ابتدائی حکمتِ عملی کو ناکام بنا دیا، پھر میں آرگون میں آیا مگر رینالٹ کے جاسوس کام کر رہے ہیں اور انہوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری آمد کی اطلاع دی اس کی بنیاد پر حریت پسندوں کی بڑی تعداد کو گرفتار کرلیا گیا اور جو باقی رہ گئے وہ اس قابل نہیں رہے کہ آرگون میں کوئی بڑی کارروائی کرسکیں۔ میں دلائل سے بات کررہا تھا کہ حریت پسندوں کی گرفتاری اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ رینالٹ کے جاسوس دونوں طرف پوری طرح سرگرم ہیں۔ پھر میں نے ان کو ڈیوڈ شا اور اس کے عزائم کے بارے میں بتایا جو اس وقت رینالٹ کے ساتھ تھا اور وہی اسے چلا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان میں سے اکثر میری تقریر سے نہ صرف حیران تھے بلکہ اس کے قائل بھی نظر آرہے تھے۔ آخر میں، میں نے کہا۔

''اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ قید خانوں میں قید نہ صرف اپنے ساتھیوں بلکہ ان عام لوگوں کو بھی چھڑایا جائے جنہیں بے گناہ یا معمولی جرموں میں قید کیا ہوا ہے۔ اس سے ہمیں دو فائدے حاصل ہوں گے اول ہماری تعداد بڑھ جائے گی اور ہم اندر موجود رینالٹ کی سپاہ سے نمٹ سکیں گے۔ دوسرے ہمیں آرگون کے عام لوگوں کی حمایت اور مدد حاصل ہو جائے گی۔ کوئی فوج اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کرسکتی جب تک اس کے پس پشت عوام نہ ہوں۔''

میری تقریر کے دوران آرگو بے چین تھا اور جب میں نے صورتِ حال کے حوالے سے اپنی رائے دی تو اس سے برداشت نہیں ہوسکا اس نے اچانک کہا۔ ''بس بہت ہوگیا، تم میرے آدمیوں کو بہکانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''اس کے برعکس میں انہیں حالات سے آگاہ کررہا ہوں۔ یہ وقت آرام سے بیٹھنے کا نہیں بلکہ حرکت میں آنے کا ہے تم سامیرا کی جس فوج کا انتظار کررہے ہو وہ صرف اسی صورت میں یہاں آسکتی ہے جب ہم رینالٹ اور اس کے ٹولے پر قابو پا کر آرگون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔''

''مجھے یقین ہے وہ فوج جلد آنے والی ہے۔''

''اگر وہ فوج آنے والی ہوتی تو مجھے اتنی مشکل سے آرگون میں داخل نہ ہونا پڑتا۔ ہم اپنی جان پر کھیل کر یہاں تک آئے ہیں۔ تم خود سوچو کہ اگر سامیرا کی فوج اس قابل ہوتی تو میں اس کے ساتھ فاتحانہ کیوں نہ آتا۔''

''کیونکہ تم سزا یافتہ مجرم ہو۔''

''یہ الزام اور سازش تھی۔ جس لڑکی کے توسط سے یہ سازش کی گئی وہ آرگون میں قید ہے۔ اگر ہم نے قید خانے سے اسے چھڑالیا تو وہ خود بتائے گی۔''

''ہم کچھ نہیں جانتے۔'' آرگو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو ہم سے الگ ہو جاؤ۔ مجھے تو حیرت ہے انسار نے تم جیسے مجرم پر اعتماد کیسے کرلیا۔''

''تم بار بار مجھے بے عزت کررہے ہو۔'' اس بار میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اب میں برداشت نہیں کروں گا۔''

آرگو کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ ''کیا کرلو گے؟''

''میں تم سے لڑوں گا۔''

''ان چند لوگوں کے ساتھ؟'' اس نے حقارت سے میرے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں ہمارے درمیان دو بدو مقابلہ ہوگا جو جیتے گا وہی سب کا سربراہ ہوگا۔ بولو منظور ہے؟''

وہ بدکا۔ ''یہ سربراہی کہاں سے درمیان میں آ گئی؟''

''کوئی شکست خوردہ شخص لڑنے والوں کی سربراہی کے قابل ہوتا ہے؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' اس نے انکار کیا۔

میں نے آریگو کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ''تم نے دیکھا یہ شخص اصل میں لڑنے کے لیے ہی تیار نہیں ہے جو ایک شخص سے مقابلہ نہ کرے وہ بھلا ایک فوج سے لڑنے کے لیے کیوں تیار ہوگا؟''

میری اس بات نے آریگو کو جامے سے باہر کر دیا۔ وہ غراتا ہوا اٹھا۔ ''تمہیں بہت شوق ہے لڑنے کا، میں تمہیں سبق سکھاتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر میرے مقابل آیا تو میں نے کہا۔ ''میں تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا اور میری کوشش ہوگی کہ تمہیں کوئی خطرناک زخم یا چوٹ نہ لگے۔''

اس نے بھیڑیئے کی طرح دانت نکالے۔ ''میں تمہیں ایسی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔''

''میں تم سے ضمانت مانگ بھی نہیں رہا تمہاری جو مرضی میرے خلاف کرو۔''

میں نے اپنا نیزہ سنبھال لیا۔ آریگو کے ہاتھ میں بھی نیزہ تھا۔ ہم نے باقی ہتھیار الگ کر کے رکھ دیئے تھے۔ میرے ساتھی کسی قدر مضطرب ضرور ہوئے مگر وہ جانتے تھے کہ مجھے کوئی آسانی سے قابو نہیں کر سکتا ہے۔ آریگو نے پہلا وار ہی مہلک کیا اور جھکائی دے کر میرے پیٹ کو نشانہ بنایا میں پوری طرح ہوشیار تھا اس لیے باآسانی اس کا وار ناکام بنا دیا۔ میں نے دائیں پاؤں پر زور ڈالا اور رقص کے انداز میں یوں گھوما کہ نیزہ میرے برابر سے گزرا اور میں نے مڑتے ہوئے اپنے نیزے سے آریگو کے پہلو پر ضرب لگائی۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ میں نے نیزے کو ڈنڈے کی طرح استعمال کیا تھا اس لیے اسے چوٹ آئی مگر زخم نہیں آیا۔ چند لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی، اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس کا وار یوں ناکام بنا دوں گا اور اسے ضرب بھی لگاؤں گا۔

اس صدمے سے سنبھل کر اس نے اگلا نشانہ میرے اوپری جسم کا لیا۔ اس بار میں نے نیزے سے اس کا وار روکا اور اس کا نیزہ گھماتے ہوئے دبا کر زمین پر ٹکایا اور اس کے اوپر سے اپنی لات گھمائی جو اس کے منہ پر لگی اور وہ اپنا نیزہ چھوڑ کر پیچھے جا گرا۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے آدمی دم بخود تھے اور میرے ساتھی اب اس مقابلے سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انہیں اطمینان ہو گیا تھا کہ مجھ پر قابو پانا آریگو کے بس کی بات نہیں تھی۔ حسبِ توقع وہ مشتعل ہو کر آیا اور اس نے نیزہ اٹھا کر مجھ پر پے در پے وار کیے۔ میں اس کے وار ناکام بناتا رہا اور جیسے ہی وہ میرے نزدیک آیا میں نے اچانک بیٹھتے ہوئے سوئپ کک ماری اور وہ دھڑام سے پورے وزن کے ساتھ زمین پر گرا۔ دھمک بتا رہی تھی اسے خاصی چوٹ آئی تھی۔ اس کے سنہری بال کھل گئے تھے اور چہرہ وحشیانہ ہو گیا تھا۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ بنا نیزے کے میری طرف جھپٹا اور میں نے نیزہ اس کے پیروں میں پھنسایا۔ وہ منہ کے بل میرے سامنے گرا اور میں نے اس کی پشت پر گھٹنا ٹیکتے ہوئے اس کے بال پکڑ کر اسے قابو کر لیا۔ اس نے تڑپ کر زور لگایا مگر جب یہ زور اس کی گردن پر آیا تو وہ ساکت ہو گیا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں چاہتا ہوں تم زندہ رہو اور ہمیں کامیابی حاصل کرتے دیکھو۔''

ربیک نے میری بات کا ترجمہ کیا اس نے بھنچی آواز میں کہا۔''چھوڑو مجھے۔''

میں نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑ دیئے اور پشت سے گھٹنا ہٹا لیا۔ دباؤ ہٹتے ہی وہ حرکت میں آیا اور اس نے وہ کام کیا جو میرے گمان میں نہیں تھا۔ اس نے نیچے گرے ہوئے مٹھی میں ریت بھر لی تھی اور وہی ریت اس نے اٹھتے ہوئے اچانک میری آنکھوں میں جھونک دی۔ میں نے آخری لمحے میں رخ پھیرا مگر کچھ ذرات آنکھوں میں گئے اور میں بے ساختہ آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہوا۔ ریت نے لمحوں میں جیسے میری آنکھوں میں مرچ سی لگا دی تھی اور میں لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آریگو اپنے نیزے کی طرف لپکا اور اسے اٹھاتے ہی مجھ پر وار کیا۔ اس وقت تک میں آنکھیں مل کر کسی حد تک ریت نکال چکا تھا اور دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وار کا احساس ہوتے ہی میں نیچے گرا اور نیزہ میرے اوپر سے گزرا۔ میں یقیناً بال بال بچا تھا۔

آریگو نے ناکامی کے بعد اسے واپس کھینچا اور دوبارہ میرے جسم میں اتارنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کو میں نے کروٹ لے کر ناکام بنایا۔ نیزہ زمین میں دھنس گیا اور اس سے پہلے وہ اسے واپس کھینچتا میں نے واپس گھوم کر اسے پکڑ لیا اور سامنے کی طرف لات چلائی۔ یہ ایک اندھا وار تھا کیونکہ مجھے ابھی بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا مگر میرے جوتے کی ایڑی بالکل درست جگہ لگی اور یہ جگہ آریگو کا گھٹنا تھا۔ ہلکی سی چٹخنے کی آواز آئی جو فوراً ہی آنے والی دھاڑ میں دب کر رہ گئی۔ آریگو لڑکھڑا کر پیچھے گیا اور نیچے گر گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور دوسری دھاڑ کے ساتھ دوبارہ نیچے گرا اور شدت کرب سے پاؤں پکڑ کر ڈکرانے لگا۔ وہ لڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں کھڑا ہوا اور ربیک نے مجھے پانی کی چھاگل دی۔ میں نے آنکھوں میں پانی مارا جس سے ریت نکلی اور تکلیف کی شدت اتنی کم ہوئی کہ میں آنکھیں درست طریقے سے کھول سکوں۔

آریگو کے آدمی اسے دیکھ رہے تھے مگر کسی نے مداخلت کرنے یا اس کی حمایت میں کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ آنکھیں صاف کر کے اور دیکھنے کے قابل ہونے کے بعد میں آریگو کی طرف آیا۔''مجھے افسوس ہے کہ تمہارا گھٹنا ٹوٹ گیا ہے مگر اس کے لیے تم نے مجھے مجبور کیا۔''

جواب میں اس نے نیچے تھوکا اور بولا۔''تم کیا سمجھتے ہو اس طرح میرے آدمیوں کو اپنے قابو میں کر لو گے۔''

''مجھے کسی کو قابو کرنے کا شوق نہیں ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔''میں ایک بڑے مقصد کے لیے کام کر رہا ہوں اور اس قسم کی چیزوں کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم اپنے لوگوں کے لیے کچھ کرنے کے بجائے صرف سرداری کے چکر میں پڑے ہو۔ تم میں اور رینالٹ میں کیا فرق ہے۔''

''تم باہر سے آئے ہو اور تمہیں ہمارے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' اس نے بدستور ہٹ دھرمی سے کہا۔

میں نے اس کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔''تم نے دیکھ اور سن لیا ہے، اب تم کیا کہتے ہو کیا تم میرا ساتھ دو گے کہ تمہارے ساتھیوں کو قید خانے سے چھڑایا جائے یا پھر تم آریگو کا ساتھ دو گے جو کچھ کرنے کے لیے تیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ہے اور صرف وقت ضائع کر رہا ہے۔''

آریگو اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر دھاڑا۔''اس کی باتوں میں مت آؤ۔''

''ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں۔'' میں نے خبردار کیا۔''شاید رینات کی فوج اس طرف آ رہی ہے اور اب تم لوگ فیصلہ کر لو کہ کس کے ساتھ ہو۔ اگر تم آریگو کے ساتھ ہو تو میں جیسے آیا تھا ویسے ہی واپس چلا جاؤں گا کیونکہ میں پھر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ لیکن اگر تم میرا ساتھ دیتے ہو تو میں یہیں رہوں گا اور آخری دم تک جدوجہد کروں گا چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔''

آریگو کے آدمی خاموش کھڑے رہے وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں۔ مجھے مایوسی ہوئی ایسا لگ رہا تھا کہ آریگو کے آدمی بھی اس کی طرح کم فہم اور کم ہمت تھے۔ چند منٹ بعد میں نے گہری سانس لی اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔''دوستوں اب ہمیں اپنے طور پر جدوجہد کرنا ہوگی۔ چلنے کی تیاری کرو۔''

آریگو تکلیف کے باوجود فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ اس نے کہا۔''میں جانتا تھا کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔ یہ سب میرے آدمی ہیں۔''

''میں نہیں ہوں۔'' خلاف توقع ایک آواز آئی اور ایک ادھیڑ عمر مگر مضبوط جسم والا شخص آگے آیا اور اس نے میری طرف دیکھا۔''میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔'' اس کے فوراً بعد دوسرا آگے آیا۔

''میں بھی.....''

''میں بھی.....''

اس کے بعد تو لائن لگ گئی ایک ایک کر کے وہ سب میری طرف آنے لگے۔ چند ہی منٹوں میں سوائے چار افراد کے باقی سب میرے پاس آ چکے تھے۔ آریگو دم بخود رہ گیا اور جب اس کے ساتھ صرف چار آدمی رہ گئے تو وہ چلایا۔''تم ایسا نہیں کر سکتے میں تمہارا آقا ہوں۔''

''تم صرف ہمارے سردار تھے۔'' سب سے پہلے آنے والے ادھیڑ عمر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔''مگر تم نے اپنی بزدلی اور کم ہمتی سے ثابت کر دیا کہ تم اس قابل نہیں ہو۔''

آریگو بہ مشکل ایک درخت کے تنے کا سہارا لے کھڑا ہوا۔ اس دوران میں دوسرے جا کر نگرانی کرنے والوں کو بھی بلا لائے تھے اور سوائے ایک کے باقی بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ آریگو اور اس کے پانچ ساتھی نکالنے کے بعد میرے ساتھ ایک سو نو افراد تھے۔ میں نے ان سے کہا۔''دوستو میں اس اعتماد کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں لیکن مجھے صرف تمہارا ساتھ نہیں چاہیے۔ یہ زندگی اور موت کی جنگ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہم زندہ رہیں گے یا نہیں مگر ہم آخری دم تک لڑیں گے۔ کیا تم لوگ اس کے لیے تیار ہو؟''

''ہم تیار ہیں۔'' ادھیڑ عمر آدمی نے پُرعزم لہجے میں کہا۔''اگر سب ساتھ چھوڑ جائیں تب بھی میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟'' ربیک نے اس سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایزارٹ۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں آریگو کا نائب تھا لیکن میں اس کی حکمتِ عملی سے متفق نہیں تھا۔ بہت سے مواقعوں پر میں نے اس سے اختلاف کیا۔ مگر یہ خود پسند آدمی ہے جو صرف اپنی بات کو درست سمجھتا ہے۔'' اس نے آریگو کی طرف دیکھا تو وہ زہریلے انداز میں بولا۔

''اب تم یہی کہو گے کل تک میری ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔''

میں نے آریگو سے کہا۔ ''یہ وقت آپس میں اختلاف کا نہیں ہے۔ جلد رینالٹ کی فوج حرکت میں آئے گی اور ہمیں اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا اس سے پہلے ہمیں قید خانے سے اپنے ساتھیوں کو چھڑا لینا چاہیے۔ کیا تم ساتھ دو گے؟''

آریگو نے نفرت سے کہا۔ ''مجھے مرنے کا شوق نہیں ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے سر ہلایا اور حکم دیا۔ ''ان پانچوں کو گرفتار کر لو۔''

میرے ساتھی تیزی سے حرکت میں آئے اور انہیں بے بس کر کے رسّی سے جکڑ دیا۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ وہ مدافعت نہ کر سکے۔ آریگو حلق پھاڑ کر چلانے لگا تھا کہ میں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ ''فکر مت کرو تم مرو گے نہیں کیونکہ تمہیں مرنے کا شوق نہیں ہے لیکن میں تمہیں اس کی اجازت بھی نہیں دوں گا کہ تم رینالٹ سے ساز باز کر کے ہمیں مروا دو۔ اب جب تک ہم کامیاب نہیں ہو جاتے تم سب اسی جگہ قید رہو گے۔''

ان سب کو الگ الگ درختوں سے باندھ دیا گیا۔ ہاتھ پیروں کے ساتھ ان کے منہ بھی بند کر دیئے تھے تاکہ وہ آواز نکال کر کسی کو متوجہ نہ کر سکیں۔ آریگو کے سابق آدمیوں میں سے کسی نے ان کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر احتجاج یا ردِعمل نہیں دیا تھا بلکہ وہ ان کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر مطمئن نظر آ رہے تھے۔

ایزارٹ نے مجھ سے کہا۔ ''تم نے بالکل ٹھیک کیا، یہ شخص قطعی قابلِ بھروسا نہیں ہے۔''

''پھر بھی تم لوگوں کا سربراہ ہے؟''

''یہ سربراہ نہیں ہے ہمارا سربراہ جوروٹ ہے۔ وہ بھی گرفتار ہو گیا ہے اس کے بعد یہ ازخود سربراہ بن بیٹھا اور ہم نے جھگڑا نہ ہونے کی وجہ سے اسے سربراہ تسلیم کر لیا مگر اس نے اپنی حرکتوں سے ثابت کر دیا کہ یہ اس قابل نہیں ہے۔''

میں نے کہا۔ ''ہمیں قید خانے تک جانا ہے اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانا ہے لیکن اس سے پہلے یہاں سے نکلنا ہو گا امکان ہے رینالٹ کے جاسوس اس جگہ سے واقف ہو چکے ہیں اور جلد یہاں بھی چھاپہ پڑے گا۔''

''میرے علم میں ایک جگہ ہے، وہاں ہم سب آرام سے چھپ سکتے ہیں وہ سوائے میرے اور کسی کے علم میں نہیں ہے۔''

''یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''زیادہ دور نہیں ہے، میرے ساتھ چلو۔''

ہم باغ سے نکلے اور ایزارٹ کی رہنمائی میں روانہ ہو گئے۔ ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا تھا۔ مشکل سے نصف کلومیٹر کے بعد ایک اور باغ میں داخل ہوئے۔ بلکہ اسے جنگل کہنا مناسب ہو گا۔ باغ یہ کسی زمانے میں رہا ہو گا اب یہاں اتنے گھنے اور اونچے درخت تھے کہ ان کے تلے اندھیرا سا تھا۔ اس کے گرد کسی زمانے میں پتھروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بنی چار دیواری تھی جو اب جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ ایزارٹ نے بتایا۔ ''کسی زمانے میں یہ خوب صورت باغ تھا لیکن پھر یہاں ساؤں رہنے لگیں۔''

''ساؤں کیا؟''

میرے سوال پر ربیک نے جو مجھے سمجھایا اس کا مطلب آسیب، بدارواح یا بھوت وغیرہ نکلتا تھا۔ ساؤں سے مراد یہاں یہی لی جاتی تھی۔ باغ میں آنے والوں کو عجیب وغریب چیزیں دکھائی دیتی تھیں اور وہ چیزیں کبھی نظر آتیں اور کبھی غائب ہو جاتیں۔ لوگ بہت ڈر گئے اور اس کے بعد یہاں آنا چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے اس کے بعد باغ کی دیکھ بھال بھی چھوڑ دی گئی اور جلد یہ جنگل میں بدل گیا۔ ایزارٹ کا کہنا تھا کہ یہ بلند قامت اور گھنے درخت یہاں از خود اگ آئے تھے اس وجہ سے لوگ اور بھی ڈر گئے اور اس کے پاس سے بھی گزرنا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ ''اور تم ہمیں یہاں لے آئے ہو۔''

''ہاں کیونکہ میں ایسی چیزوں پر یقین نہیں رکھتا ہوں۔'' ایزارٹ نے جواب دیا۔ وہ یقین نہیں رکھتا تھا مگر اس کے اکثر ساتھی تو یقین رکھتے تھے اور وہ ڈرے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اگر رینالٹ کی فوج کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ شاید یہاں آنے سے انکار کر دیتے۔ اب بھی وہ باغ کے زیادہ اندر نہیں گئے تھے۔ سب ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ تھے اور آس پاس بھی نظر رکھے ہوئے تھے۔ ایزارٹ سے کچھ دیر گفتگو کر کے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ آریگو کی نسبت کہیں ذہین اور حوصلہ مند آدمی تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''یہ تمہارے ساتھی ہیں اور تم ان کو زیادہ بہتر سمجھتے ہو اس لیے میں تمہیں ان کا سربراہ بنا رہا ہوں۔ اب میں ان سے جو کام لینا چاہوں گا وہ تمہاری مدد سے لوں گا تم مجھے جواب دہ ہو گے۔''

''میں اس اعتماد پر شکر گزار ہوں۔'' وہ خوش ہو گیا۔ ''میں تمہاری توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔''

اس فیصلے کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ ان میں سے کچھ کے دلوں میں شاید خیال ہو کہ ایک باہر سے آنے والا ان کا آقا بن گیا تھا اور آریگو کو ہٹا دیا تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ ان میں سے ہی سربراہ چن لوں۔ دوسرے میں نے محسوس کیا کہ ربیک اور ایرٹ کے ساتھ ایزارٹ بھی میرا معتمد بن سکتا تھا اور ہم چاروں ایک طرف آکر اپنی حکمتِ عملی واضح کرنے لگے۔ میں نے کہا۔ ''یہ تو طے ہے کہ ہمیں آج رات ہی قید خانے پر حملہ کرنا ہے۔''

''بالکل۔'' ایزارٹ نے تائید کی۔ ''جتنی دیر ہوتی جائے گی کامیابی کا امکان اتنا ہی کم ہوتا جائے گا۔''

''اس کے بعد دوسرا مرحلہ شہر کی فصیلوں اور پھاٹک پر قبضہ کرنا ہے تاکہ کوئی ہماری مرضی کے بغیر اندر آ سکے اور نہ باہر جا سکے۔''

وہ تینوں اس پر بھی متفق تھے۔ میں نے آخری مرحلہ ان کے سامنے رکھا۔ ''رینالٹ اور اس کے ٹولے کا خاتمہ۔''

ایزارٹ جوش سے بولا۔ ''یہی میری زندگی کا مقصد ہے۔''

''اب ہمیں پہلے مرحلے کے لیے ایسا منصوبہ بنانا ہے جس میں ناکامی کا امکان بہت کم ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایزارٹ اور اس کے ساتھی رنگ برنگے حلیوں میں تھے۔ اکثر نے سفید عام لباس پہنا ہوا تھا کچھ کے لباس رنگین تھے مگر فوجی لباس بہت کم کے پاس تھا۔ ہمارے پاس بھی دو درجن سے زیادہ وردیاں نہیں تھیں اور ان لوگوں کے پاس ایک درجن وردیاں تھیں۔ اب مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ کاش ہم راٹر کے مکان میں مارے جانے والے چھ خاص سپاہیوں کی وردیاں بھی اتار لاتے۔ مگر اس وقت ہمیں فرار کی جلدی تھی۔ قید خانے کے نزدیک جانے کے لیے ہمیں ان وردیوں کی ضرورت تھی۔ ایزارٹ نے تصدیق کی کہ اس طرف کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ عام سپاہ کا داخلہ بھی اس طرف بند تھا۔ وہ بہت کچھ جانتا تھا اس نے بتایا کہ فصیل اور گیٹ کی حفاظت کے لیے سو کے قریب عام سپاہی تھے جن میں سے نصف ڈیوٹی پر ہوتے تھے اور نصف آرام کرتے تھے۔ ربیک نے تجویز پیش کی۔

''کیوں نہ پہلے ان سے نمٹ لیا جائے۔ پھر ہم اندر کی طرف بڑھیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''قیدیوں اور شہریوں کو رہا کرانا اشد ضروری ہے اس کے بغیر آرگون پر قبضہ ممکن نہیں ہے۔''

آرگون کا نقشہ دیکھنے کے بعد میں نے عملی طور پر بھی سارا شہر دیکھ لیا تھا اور اس کا نقشہ اب میرے ذہن میں نقش تھا۔ شاہی علاقے تک جانے کے تین راستے تھے۔ اول مرکزی شاہراہ جو عام شہریوں کے لیے بند تھی۔ دوسری فوجی بیرکس سے جانے والا راستہ جو آگے جا کر اسی شاہراہ پر نکلتا تھا اور تیسری امرا کے علاقہ سے گزرنے والی شاہراہ تھی۔ سب سے آسان راستہ مرکزی شاہراہ کا تھا مگر ایزارٹ کا کہنا تھا کہ اس پر آگے خاص سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ قید خانے سے خاصا پہلے ان کی چیک پوسٹ آجاتی تھی اور اس سے گزرے بغیر کوئی قید خانے کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ بلکہ شہریوں کے ساتھ عام سپاہ کو بھی اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم بھی اس طرف سے اس وجہ سے نکل آئے کہ ہم آرہے تھے۔ جانہیں رہے تھے ورنہ ہمیں بھی روک لیا جاتا۔ اچانک مجھے خیال آیا میں نے ایزارٹ سے کہا۔ ''خاص سپاہیوں کی وردیاں کہیں تو بنتی ہوں گی اور یہ کام عام لوگ ہی کرتے ہوں گے۔''

''ایسا ہی ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ کہاں بنتی ہیں اور کون بناتا ہے؟''

''اپنے آدمیوں سے پوچھو، خاص طور سے یہ کہ خاص فوجی وردیاں کہاں سے مل سکتی ہیں۔''

ایزارٹ اپنے آدمیوں سے پوچھنے لگا اور اس پوچھ گچھ کا مفید نتیجہ نکلا۔ وہ دو آدمیوں کو ساتھ لے کر آیا اور مجھ سے کہا۔ ''یہ دونوں اسی کارخانے میں کام کرتے ہیں جہاں فوجی وردیاں سلی جاتی ہیں۔''

میں نے ان سے سوال کیے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وردیوں کے حصول کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وردیاں سلنے کا کارخانہ خاص علاقے میں تھا اور وہاں تک فوجی بیرکس سے جانے والے راستے سے رسائی حاصل کی جا سکتی تھی۔ البتہ اس علاقے کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ ان سے بات کر کے میں نے فوری فیصلہ کیا اور ان دونوں کو بھی آرگون کی عام سپاہ کا لباس مہیا کیا گیا۔ ہم ایک درجن افراد آرگون کی فوج کے روپ میں روانہ ہوئے مگر ہم عام گلیوں سے گزر رہے تھے۔ فوجی بیرکس سے خاصے فاصلے پر آکر ہم نے مرکزی شاہراہ عبور کی اور ایک بڑے اور سرسبز پارک سے ہوتے ہوئے آرگون کے مشرقی حصے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف بڑھے تیسری شاہراہ اسی علاقے میں تھی۔ یہاں سرمئی وردی والے نظر نہیں آئے مگر بیرکوں کے سامنے میدان میں کچھ سرخ وردی پوش دکھائی دے رہے تھے۔

انہوں نے ہماری طرف توجہ دی اور نہ ہی ہماری طرف آنے کی کوشش کی۔ ہم فوجی دستے کی طرح ہی حرکت کر رہے تھے اور چھ چھ کی قطار میں ایک مخصوص انداز اور رفتار سے چل رہے تھے۔ شاہراہ پر آ کر ہم شمال کی طرف مڑ گئے بلکہ شمال مغرب کی طرف مڑ گئے۔ یوں سمجھیں کہ ہم نے تکون جیسا ٹرن لیا تھا۔ ایزارٹ کے آدمی نے بتایا کہ اس شاہراہ پر ہی گوداموں اور کارخانوں والا علاقہ لگتا تھا۔ چند منٹ بعد ہم اس کے نزدیک تھے۔ ابھی تک اس شاہراہ پر کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا اور نہ ہی کوئی چیک پوسٹ یا پہرہ تھا۔ غالباً اسے محفوظ سمجھتے ہوئے خالی چھوڑ دیا تھا۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی۔ اس شاہراہ کے آخری حصے میں لازمی پہرہ ہوتا۔ مگر ہم اس سے پہلے ایک گلی میں گھوم گئے۔ اب ایزارٹ کے آدمی ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ یہاں گلیوں میں ویرانی تھی اور کارخانے و گودام بند پڑے تھے کیونکہ ان میں کام کرنے والے جبری بھرتی کر لیے گئے تھے یا اپنے ہی گھروں میں بند تھے۔

''یہ کارخانہ ہے۔'' ایزارٹ کے ایک آدمی نے ایک احاطے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے ربیک کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے ہتھیار رکھے اور اچھل کر دیوار پر دونوں ہاتھ جما کر اندر دیکھا اور بولا۔

''اندر کوئی نہیں ہے۔''

''دو آدمی اور لے کر جاؤ اور تصدیق کرو۔''

ربیک کے ساتھ دو نوجوان اور اندر گئے اور چند منٹ بعد انہوں نے تصدیق کر دی کہ اندر کوئی نہیں ہے۔ ایک ایک کر کے ہم سب اپنے اسلحے سمیت اندر پہنچ گئے۔ احاطے کے اندر دو بڑی عمارتیں تھیں۔ جن پر لکڑی کی ترچھی چھتیں تھیں۔ ایزارٹ کے آدمیوں نے اس عمارت کی نشاندہی کی جس میں تیار وردیاں رکھی جاتی تھیں۔ اس کا دروازہ بند تھا اور اس پر پتھر اور رسّی کی مدد سے لاک لگایا گیا تھا۔ یہاں تالے نہیں پائے جاتے تھے کیونکہ یہ دھات سے ناآشنا تھے پھر یہاں چوری کا رواج نہیں تھا اس لیے بھی تالوں کی ضرورت نہیں تھی ورنہ شاید یہ کوئی طریقہ نکال ہی لیتے۔ رسّی کھول کر پتھر ہٹانے میں ذرا دقت لگا مگر ہم باآسانی اندر داخل ہو گئے۔ یہاں کپڑوں کے بڑے بڑے بنڈل رکھے تھے۔ ہم سب ہی بیک وقت بنڈل کھول کر دیکھنے لگے اور سرمئی وردیاں تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

مگر یہ بالکل سادہ وردیاں تھیں۔ ایزارٹ کے آدمیوں نے بتایا کہ ان پر عہدے کے نشانات کہیں اور لگائے جاتے تھے یہاں صرف سادہ وردیاں بنتی تھیں۔ لیکن اتنا بھی بہت تھا کہ ہمیں وردیاں مل گئی تھیں۔ ان کی تعداد خاصی تھی اور ہماری ضرورت سے کہیں زیادہ تھی۔ میں نے حکم دیا کہ دس دس وردیوں کے بنڈل بنا لیے جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد ہم نے اپنی وردیوں تلے سرمئی وردیاں پہنیں۔ سب نے ایک ایک بنڈل اپنی پشت پر رسّی کی مدد سے یوں کس کر باندھا کہ دور سے نمایاں نہ ہو۔ یہ کام نمٹا کر ہم باہر آئے اور گودام کا دروازہ جیسے بند تھا ویسے ہی دوبارہ رسّی اور پتھر کی مدد سے بند کر دیا۔ جس جگہ سے ہم نے دیوار پھلانگی تھی اسی جگہ سے باہر آئے اور شاہراہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہراہ کے پاس آ کر میں نے احتیاطاً جھانک کر دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور یہی احتیاط کام آ گئی۔ شاہی علاقے کی سمت سے ایک بڑا فوجی دستہ اسی طرف آ رہا تھا۔

''پیچھے ہٹو۔'' میں نے عجلت میں حکم دیا۔ ''رینالٹ کا خاص دستہ سڑک پر آ رہا ہے۔''

یہ گلی سیدھی تھی اور سڑک سے گزرتے ہوئے بھی ہمیں دیکھا جا سکتا تھا مگر اس وقت میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ وہ ہمارے لیے آ رہے تھے۔ میں نے ایک جھلک دیکھی تھی اور میرا اندازہ تھا کہ آنے والوں کی تعداد پچاس سے زیادہ ہی تھی یعنی وہ ہم سے چار گنا زیادہ تھے۔ سب تیزی سے واپس بھاگے تھے اور اس جگہ پہنچ کر رکے جہاں سڑک سے براہِ راست دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میں سب سے آخر میں پہنچا اور دیوار سے ذرا سا سر نکال کر دیکھنے لگا۔ دستہ مارچ کے انداز میں آ رہا تھا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ بعد گلی کے کنارے پہنچا اور اس کے سامنے سے گزرتا ہوا چلا گیا۔ اس کا رخ عام فوج کی بیرکوں کی طرف تھا۔ جب سے میں آرگون میں آیا تھا میں نے صرف ایک موقع پر سرمئی وردی والوں کو شہر کے خاص علاقے سے باہر دیکھا تھا جب وہ راٹر کے مکان پر آئے تھے اور ہمارے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے ان خاص سپاہیوں کو شہر میں نہیں دیکھا تھا۔

خاص سپاہی کسی خاص وجہ سے آرگون کے دوسرے حصوں میں جاتے تھے اور اب بھی وہ یقیناً کسی خاص وجہ سے آ رہے تھے اور میری چھٹی حس نے اشارہ کیا کہ وہ ہمارے لیے ہی آئے تھے۔ اگرچہ وہ تاخیر سے حرکت میں آئے تھے کہ ہمیں محفوظ مقام پر پہنچنے کا موقع مل گیا تھا اور اگر یہ باغ تک جاتے تو انہیں صرف آریگو اور اس کے ساتھی بندھے ہوئے ملتے۔ ہم ان کے پیچھے نہیں جا سکتے تھے۔ اتنے سارے لوگوں کا چھپنا ممکن نہیں تھا اگرچہ ہم سرمئی وردی میں تھے مگر یہ وردیاں بنا کسی نشان کے تھیں اور ہم فوراً نظر میں آ جاتے۔ ساتھ ہی ہمیں جلد از جلد اپنے ٹھکانے پہنچ جانا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہاں کوئی گڑبڑ ہوتی۔ اگرچہ وہاں ایرٹ تھا اور وہ ذہین تھا اس کے باوجود میں چاہتا تھا کہ کسی مشکل موقع پر میں خود وہاں موجود ہوں۔ میں نے ایزارٹ کے ساتھیوں سے پوچھا۔

''یہاں سے جانے کا کوئی اور راستہ ہے؟''

''ہے لیکن وہ مرکزی شاہراہ پر نکلتا ہے اور پوش علاقے کے سامنے ہے۔''

''اس کے علاوہ کوئی راستہ؟''

ان میں سے ایک نے سوچ کر کہا۔ ''ہمیں اسی علاقے میں اندر گلیوں سے جانا ہوگا اور ہم کسی گودام کی دیوار پھلانگ کر نکل سکتے ہیں۔''

''تب ایسا ہی کرو۔'' میں نے سر ہلایا اور ہم روانہ ہوئے۔ گودام اور کارخانوں پر مشتمل یہ علاقہ فی الحال بالکل ویران تھا اور یہاں ایک فرد بھی موجود نہیں تھا۔ اس وجہ سے ہمیں کسی سے نمٹنے کی زحمت نہیں کرنا پڑی تھی۔ رینالٹ نے ساری سکیورٹی اپنے لیے مخصوص کر لی تھی اور باقی شہر ایسے ہی چھوڑ دیا تھا دیکھا جائے تو یہ ہمارے لیے ہی فائدے مند ثابت ہوا تھا۔ اگر وہ ذرا بھی ہوشیاری سے کام لیتا اور کچھ خاص دستے اس علاقے میں اور پورے شہر میں نہ سہی آنے جانے کے راستوں پر لگا دیتا تو ہم آرگون میں اتنی آسانی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ دس منٹ بعد ہم ایک بڑے گودام کے سامنے تھے۔ ایزارٹ کے ساتھی نے کہا۔ ''ہم اس کے اوپر سے چڑھ کر دوسری طرف اتر سکتے ہیں۔''

''دوسری طرف کیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مرکزی شاہراہ۔''

گودام کی عمارت خاصی اونچی تھی اور اوپر سے اس کی چھت ترچھی تھی۔ ربیک نے اپنا سامان اتارا اور دو افراد کا سہارا لے کر تقریباً گیارہ فٹ اوپر چھت تک پہنچ گیا۔ ہاتھ جما کر اس نے خود کو اوپر کیا اور احتیاط سے ترچھی چھت پر چڑھ گیا جو لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اوپر جا کر وہ کچھ دیر کے لیے غائب ہوا اور چند منٹ بعد واپس آ کر اس نے رسّی طلب کی۔ رسّی لے کر وہ پھر غائب ہو گیا۔ اس عمارت پر بغیر رسّی کے چڑھنا اترنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی اسی لیے ربیک نے رسّی مانگی تھی۔ وہ کہیں باندھنے گیا تھا۔ ایک منٹ بعد رسّی نیچے گری اور ربیک نے جھانک کر کہا۔ ''اس رسّی کی مدد سے اوپر آئیں اور پہلے میرا سامان دے دیں۔''

اس کا سامان دے کر ہم باری باری رسّی کی مدد سے اوپر چڑھے اور ترچھی چھت کے کنارے چلتے ہوئے گھوم کر دوسری سمت آئے۔ ہم مرکزی شاہراہ کے عین اوپر تھے اور یہاں سے عام آبادی زیادہ دور نہیں تھی مگر میں نے فوری اترنے سے گریز کیا۔ میرا خیال تھا کہ خاص دستہ ابھی مرکزی شاہراہ تک نہیں پہنچا تھا۔ جب وہ گلی کے سامنے سے گزرا تو میں نے اپنے ابتدائی تخمینے پر نظر ثانی کی تھی۔ دستے میں سپاہیوں کی تعداد کم سے کم اسی تھی۔ مگر جب چند منٹ بعد وہ شاہراہ پر نمودار ہوا اور اسے عبور کر کے عام آبادی میں داخل ہونے لگا تو میں نے بلندی سے انہیں واضح دیکھا اور گنا۔ ان کی تعداد سو سے اوپر ہی تھی اور وہ زرہ بکتر سمیت تمام ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سڑک عبور کر کے آبادی میں داخل ہو گئے۔

لوگوں نے فوج کی آمد محسوس کر لی تھی اور یہاں بلندی سے میں گھروں اور گلیوں میں ہونے والی ہل چل دیکھ سکتا تھا۔ سب جلدی جلدی اپنے گھروں میں جا کر دروازے بند کر رہے تھے۔ دستے کے آخری سپاہی کے آبادی میں داخل ہوتے ہی ہم حرکت میں آئے اور چھت سے نیچے اترنے لگے۔ سب سے آخر میں ربیک رسّی کھولتا ہوا آیا اور ہم فوجی دستے کے انداز میں سڑک پر چلنے لگے۔ یہاں آنے کے بعد اگرچہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو بعض مشکل مراحل سے گزرنا پڑا تھا لیکن مجموعی طور پر ہمیں کسی بہت بڑی مشکل یا لڑائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اندرونی حریت پسند مل جانے سے ہماری تعداد بھی تسلی بخش ہو گئی تھی۔ پھر ہم جس طرح شہر میں آزادی سے حرکت کر رہے تھے اس سے لگ رہا تھا کہ رینالٹ کی شہر پر گرفت اتنی مضبوط نہیں تھی جتنی کہ ہم سمجھ رہے تھے۔

اس کی وجہ بھی تھی اس کی ساری توجہ اپنے خاص حصے کے دفاع پر تھی اور باقی شہر پر اس کی توجہ کم تھی۔ یہاں جاسوسی کا نظام بھی ناقص تھا۔ اطلاع دیر سے جا رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ رینالٹ کے فوجی بہت تاخیر سے یہاں آئے تھے اور ہمیں محفوظ مقام پر پہنچنے کا موقع مل گیا تھا۔ ہم ایک اور جگہ سے عام آبادی میں داخل ہوئے اور ہماری آمد پر بھی ہلچل مچی تھی لوگ جو گھروں سے باہر تھے وہ اندر بھاگے اور جن کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور انہوں نے دروازے بند کر لیے۔ کسی نے ہماری راہ میں آنے یا روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے باوجود ہم ہوشیار تھے کہ کہیں ہمیں رینالٹ کے سپاہی سمجھ کر حملہ نہ کر دیا جائے۔ آرگون میں آبادی بہت سادہ اور سیدھے طریقے سے بسائی گئی تھیں۔ تمام گلیاں اور سڑکیں سیدھی یا ایک دوسرے کے متوازی تھیں۔ کسی جگہ پہنچنے کے لیے بھٹکنا نہیں پڑتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے خاص دستے کی لوکیشن ذہن میں رکھی تھی اور ہم اس طرح آگے جا رہے تھے کہ اس سے سامنا نہ ہونے پائے۔ ہم متوازی سفر کر رہے تھے اور ہر گلی کراس کرنے سے پہلے اس کا جائزہ لیتے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم اس پارک کے نزدیک نکلے جہاں آریگو اور اس کے ساتھیوں کو قید کیا تھا اور حسبِ توقع خاص دستہ وہاں موجود تھا۔ انہوں نے باغ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور ان میں سے کچھ باغ میں داخل ہوئے کچھ ہی دیر بعد باقی بھی اندر داخل ہو گئے انہوں نے یقیناً آریگو اور اس کے ساتھیوں کو دریافت کر لیا تھا۔ مگر جب وہ واپس آئے تو ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ ہم دور سے ان کی گفتگو تو نہیں سن سکتے تھے مگر ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ انہیں باغ میں کوئی نہیں ملا تھا۔ آریگو اور اس کے ساتھی شاید کسی طرح آزاد ہو گئے تھے اور ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ رینالٹ کے آدمیوں کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ اب فوجی آس پاس پھیل رہے تھے اور گھروں میں گھس رہے تھے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے ساتھیوں سمیت آگے روانہ ہو جاؤں۔ ربیک نے مجھ سے کہا۔

''ایسا لگ رہا ہے آریگو اور اس کے آدمی فرار ہو گئے ہیں۔''

''یہی مناسب تھا ورنہ وہ راز کھول دیتے کہ ہم قید خانے پر حملے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور وہ ہوشیار ہو جاتے۔''

ربیک نے سر ہلایا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اس لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا۔''

ہمیں متروک باغ تک جانے کے لیے خاصا گھومنا پڑا تھا اور ہم دوسرے راستے سے اس میں داخل ہوئے۔ اس کے وسط سے گزرتے ہوئے ایزارٹ کے دونوں آدمی کسی قدر خوفزدہ نظر آئے۔ وہ جان بوجھ کر ہمارے درمیان میں آ گئے تھے میں نے ربیک سے پوچھا۔ ''تم ساؤں پر یقین رکھتے ہو؟''

''ہاں لیکن میں نے آج تک کوئی ساؤں دیکھی نہیں ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ''دوسرے میں یقین رکھتا ہوں مگر ان سے ڈرتا نہیں ہوں۔''

''ہم بھی یقین رکھتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

ہم کیونکہ گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے اور یہ آوازیں جب باغ کے اگلے حصے موجود ہمارے ساتھیوں تک پہنچیں تو ان میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ انہوں نے ہتھیار سنبھال لیے اور جو ذرا ڈرے ہوئے تھے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے نزدیک پہنچ کر ان کی تسلی کے لیے بلند آواز سے کہا۔ ''یہ ہم ہیں۔''

''سامنے آیئے۔'' ایرٹ نے کہا تو ہم سامنے آئے اور ان لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔ ''آپ اس طرف سے آئے ہیں؟''

''ہاں کیونکہ پرانے باغ کے آس پاس رینالٹ کے خاص فوجی موجود ہیں اور وہ آریگو اور اس کے ساتھیوں کو پانے میں ناکام رہے۔''

ایرٹ مسکرانے لگا۔ ''کیونکہ انہیں ہم لے آئے ہیں۔''

میں حیران ہوا۔ ''تمہارے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا؟''

''جب آپ گئے اور میں نے سوچا کہ اگر سچ مچ رینالٹ کی فوج وہاں آ گئی اور ان لوگوں کو پکڑ لیا تو وہ فوراً ہمارے اور ہمارے ارادوں کے بارے میں بتا دیں گے۔'' ایرٹ نے کہا۔ ''میں نے کچھ آدمیوں کو روانہ کیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کو یہاں بلوالیا۔ اب وہ یہاں قید ہیں۔''

آریگو اور اس کے ساتھی اب یہاں درختوں سے بندھے ہوئے تھے۔ میں نے اس کے پاس جا کر کہا۔ ''تمہاری خوش قسمتی اور خوش فہمی سامنے آ گئی ہے۔ خوش قسمتی یوں اگر میرا ساتھی تمہیں نہ بلاتا تو اس وقت تم رینالٹ کی فوج کے ہتھے چڑھ چکے ہوتے اور خوش فہمی یہ کہ رینالٹ کو تمہارے بارے میں علم نہیں ہے۔ ابھی ہم دیکھتے ہوئے آئے ہیں کہ اس باغ کو فوج نے گھیر لیا ہے جہاں کچھ دیر پہلے ہم تھے۔''

ایرٹ اور دوسرے لوگ یہ جان کر بے تاب ہو گئے کہ ایک فوجی دستہ یہاں موجود ہے۔ ایزارٹ نے جوش سے کہا۔ ''یہ ہمارے لیے موقع ہے۔''

''موقع تو ہے لیکن اس صورت میں یہاں ہماری موجودگی کا راز کھل جائے گا۔''

''وہ ہماری موجودگی سے پہلے ہی واقف ہیں۔'' ایرٹ نے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر رینالٹ سمجھ رہا ہے ہم چھپتے پھر رہے ہیں اگر ہم نے اس دستے پر حملہ کیا تو ہمارے جارحانہ عزائم قبل از وقت کھل جائیں گے اور اس کے بعد ممکن ہے ہم قید خانے پر اتنی آسانی سے حملہ نہ کر سکیں۔ ہمارا پہلا اہم ترین مقصد اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم اس قابل ہوں گے کہ آرگون میں کھل کر کوئی کارروائی کر سکیں۔''

ایرٹ اور ایزارٹ کسی قدر مایوس ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے پھر اصرار نہیں کیا اور جب انہیں پتا چلا کہ ہم اپنے مشن میں کامیاب واپس آئے ہیں تو ان کی مایوسی کم ہوئی تھی اور وہ خوش ہو گئے تھے۔ رہی سہی مایوسی یہ سن کر دور ہو گئی کہ ممکنہ طور پر آج ہی رات ہم قید خانے پر دھاوا بولنے کی کوشش کریں گے۔ وردیوں کے بنڈل کھولے گئے اور سب اس میں سے اپنے اپنے سائز کی وردی تلاش کرنے لگے۔ دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔ میں گزشتہ ایک دن سے جاگ رہا تھا۔ تھکن کی وجہ سے میں ایک طرف لیٹ کر آرام کرنے لگا۔ تھکن کے باوجود نیند آنکھوں سے غائب تھی۔ ایزارٹ، ربیک کے ساتھ میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اس وقت کوئی ایسی حرکت رینالٹ کو چوکنا کر دے گی اور ہمارے لیے سب سے اہم اپنے قیدی ساتھیوں اور شہریوں کو چھڑانا ہے۔''

''بالکل اس کے بعد ہی ہم اس قابل ہوں گے کہ کھل کر رینالٹ کو للکار سکیں۔''

ان خاص وردیوں کی وجہ سے ہم باآسانی قید خانے تک جا سکیں گے۔''

''یہ کام اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ان وردیوں پر نشانات نہیں ہیں۔ دور سے تو دھوکا دیا جا سکتا ہے لیکن قریب آنے پر ہماری اصلیت کھل جائے گی۔ اس لیے ہمیں بہت ہوشیاری سے اور ایسے حملہ کرنا ہے کہ وہ مقابلہ نہ کر سکیں۔''

ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھتا ہوں۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ ہے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''ایک منصوبہ ہے جس سے ہم ان کو دھوکا دے سکتے ہیں لیکن ابھی میں اس پر غور کر رہا ہوں اور اگر مجھے مناسب لگا تو میں پھر تم سب کے سامنے رکھوں گا۔ ہم آپس میں مشورہ کر کے اسے حتمی صورت دیں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جیسا تم مناسب سمجھو۔'' ایزارٹ نے تابعدارانہ لہجے میں کہا۔ اگرچہ میرا اس سے زیادہ واسطہ نہیں رہا تھا لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ باصلاحیت اور باکردار ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی عزت کرنا بھی جانتا تھا۔ میں آرام کرنے کے ساتھ اونگھنے لگا۔ درمیان میں کسی وقت نیند نے غلبہ پالیا اور جب میری آنکھ کھلی تو شام ہو چکی تھی اور آسمان پر تیزی سے سیاہی چھا رہی تھی۔ آج موسم کسی قدر سرد تھا۔ یہاں آنے کے بعد میں نے اب تک موسم خوشگوار ہی پایا تھا۔ رات میں ہلکی سی ٹھنڈ ہو جاتی تھی مگر یہ چبھتی نہیں تھی اور دن میں موسم ہلکا سا گرم ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گرمی بڑھ جاتی مگر یہ بھی ناگوار نہیں ہوتی تھی۔ اس لحاظ سے میں نے پہلی بار موسم میں تبدیلی محسوس کی۔ مجھے یہاں آئے ہوئے مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا اور ہم جون کے آخر میں یہاں پہنچے تھے اس لحاظ سے یہ اگست کا پہلا یا دوسرا ہفتہ ہو سکتا تھا۔

عام طور سے سطح سمندر سے سات یا آٹھ ہزار فٹ بلند جگہوں پر موسم اگست کے آخر تک سرد ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ دس ہزار فٹ سے زیادہ بلند علاقوں میں باقاعدہ سردی پڑنے لگتی ہے اور کے ٹو کے بیس کیمپ کنکورڈیا میں برف باری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگست کا آخر یہاں سیزن کا بھی آخر ہوتا ہے اور ستمبر آنے سے پہلے بیس کیمپ اجڑ چکا ہوتا ہے اور کوہ پیما ٹیمیں واپس جا چکی ہوتی ہیں۔ یہ وادی اگرچہ چھ سات ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی لیکن اس کے چاروں طرف چودہ پندرہ ہزار فٹ بلند ہمالیائی سلسلہ تھا۔ یہاں موسم نہایت سرد ہو چکا ہوگا۔ اس کا اثر شاید پہلی بار نیچے آیا تھا۔ میں کسی قدر فکرمند ہو گیا اگر یہاں میں مسائل حل کر لیتا اور مجھے واپس جانے کا موقع ملتا تو اوپر موسم واپسی کے لیے اتنا سازگار نہ ملتا۔ راستے میں شدید برف باری، طوفان اور کم درجہ حرارت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتے اور میں آسانی سے واپس نہیں جا سکتا تھا۔

ایرٹ نے تیار دلیہ نما کھانا میرا سامنے رکھا تو میں ذہن میں آنے والے خدشات جھٹک کر کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ ان لوگوں کے پاس راشن کم تھا مگر ایک دو وقت کے گزارے لائق تھا۔ پہریداروں نے بتایا کہ آس پاس کوئی فوجی سرگرمی نہیں تھی۔ یہاں بھی ایرٹ اور ربیک نے نگرانوں کو بلند درختوں پر چڑھا دیا تھا جہاں سے وہ دور تک کی نگرانی کر سکتے تھے۔ جو شروع میں ڈرے ہوئے تھے اب ان کا خوف کسی حد تک کم ہو گیا تھا۔ وردیوں کا مسئلہ حل ہو گیا تھا اور تقریباً سب نے اپنے اپنے سائز کی وردیاں تلاش کر لی تھیں۔ ایرٹ نے مجھ سے کہا۔ ''ایزارٹ بتا رہا ہے کہ آپ کے ذہن میں قید خانے پر حملے کے حوالے سے کوئی منصوبہ ہے؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''ہاں مگر ابھی میں کچھ اور سوچنا چاہتا ہوں۔''

ایرٹ سمجھ گیا اور میرے پاس سے اٹھ گیا۔ منصوبہ خاصی حد تک میرے ذہن میں تھا مگر میں اس کے بعض ایسے گوشوں پر سوچ رہا تھا جو مجھے کمزور لگ رہے تھے۔ کھانے کے دوران میں نے خاصا غور کیا اور کچھ حل ذہن میں آئے۔ اب مناسب تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے اسے رکھوں اور پھر ان کی رائے لوں۔ ممکن ہے ان کے ذہن میں ایسا حل آ جائے جو میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میں نے ربیک اور ایرٹ کے ساتھ ایزارٹ کو طلب کر لیا اور ان کے سامنے اپنا منصوبہ رکھا۔ وہ غور سے سن رہے تھے۔ میں داستان گوئی کے دوران بعض اوقات ذکر کرنا بھول جاتا ہوں کہ ربیک اور ایرٹ کے علاوہ ہر فرد سے میں ان دونوں میں سے کسی ایک کی مدد سے ہی بات کرتا ہوں۔ اس لیے اگر کسی سے گفتگو براہِ راست محسوس ہو تو قارئین ان دونوں میں سے کسی ایک کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حاضر سمجھا کریں۔

عام طور سے ربیک ترجمان کے فرائض انجام دیتا تھا۔ ایزارٹ کسی قدر حیران تھا کہ میری بات تو اسے ترجمہ کر کے بتائی جاتی تھی مگر اس کی کہی بات میں از خود سمجھ لیتا تھا۔ مگر اس نے اس بارے میں کچھ پوچھا یا تعجب کا زبانی اظہار نہیں کیا۔ جب میں نے بات ختم کی تو انہوں نے سوالات اور اعتراضات شروع کیے۔ میں نے منصوبہ بیان کرنے سے پہلے ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ سننے کے دوران اس کا تنقیدی جائزہ لیتے رہیں اور جو بات قابلِ اعتراض محسوس ہو اسے ضرور میرے سامنے رکھیں۔ صرف اس لیے خاموش نہ رہیں کہ منصوبہ میرا ہے۔ اسی لیے انہوں نے اعتراضات سوالوں کے ہمراہ میرے سامنے رکھے اور میں ممکن حد تک ان کا جواب دینے لگا۔ جہاں میں خود کو لاجواب محسوس کرتا وہاں بنا کسی جھجک کے اس کا اعتراف کر لیتا اور ان سے کہتا کہ وہ اس پر سوچیں۔ ایزارٹ نے کئی اچھے اعتراضات کیے اور پھر اس نے اپنی طرف سے تجاویز بھی رکھی تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''اس کام کے لیے ہم آریگو اور اس کے ساتھیوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔''

''کیا وہ راضی ہو جائیں گے؟''

''نہیں انہیں اسی طرح باندھ کر اور ان کے منہ بند کر کے استعمال کیا جائے گا۔'' ایزارٹ نے کہا تو میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ مجھے اس کی تجویز اچھی لگی کیونکہ ہمارے پاس افرادی قوت کی کمی تھی۔ یہ پانچ افراد اگر ہم آریگو اور اس کے آدمیوں کی جگہ استعمال کرتے تو ہمیں کمی کا سامنا کرنا پڑتا۔ جب کہ ہمیں پانچ سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے انہیں بھی استعمال کریں گے مگر ہمیں ان سے زیادہ لوگوں کی ضرورت ہے۔''

''کتنے افراد کی؟''

''کم سے کم دو درجن لوگوں کی۔''

ربیک نے ہاتھ اوپر کیا اور بولا۔ ''میری تجویز ہے کہ ان لوگوں کو بھی چھوٹے ہتھیاروں سے مسلح رکھا جائے۔''

''یہ بھی مناسب ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وقت پڑنے پر وہ فوری ہماری مدد کریں گے۔''

منصوبے کی نوک پلک سنوارتے ہوئے رات کا اندھیرا چھا گیا تھا۔ ربیک نے تمام افراد کو بریفنگ دی۔ اس دوران میں ایزارٹ اور ایریٹ نے مخصوص افراد چن لیے اور ان کو الگ سے بریف کرنے لگے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر میں نے ایریٹ، ربیک اور ایزارٹ سے کہا۔ ''ایک بار ہم جا کر دیکھتے ہیں کہ موقع پر کیا صورتِ حال ہے آگے ہم اسی کے مطابق عمل کریں گے۔''

''میں بھی یہی کہنے والا تھا۔'' ایزارٹ نے تائید کی۔ ''ہماری پاس قید خانے کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں معلومات پرانی ہیں۔''

ہم چاروں روانہ ہوئے۔ پہلی بار مجھے سرمئی وردی کی افادیت کا احساس ہوا کہ رات کی تاریکی میں اس کا رنگ غیر نمایاں تھا۔ اگرچہ شاہراہوں پر مشعلیں جلا دی گئی تھیں مگر عام آبادی اور اس کے بعد گوداموں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کارخانوں والے علاقے میں تاریکی تھی۔ میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ ہمیں اسی علاقے سے گزرنا ہے۔ وردیاں ملنے کے ساتھ ساتھ اس علاقے کا ہمیں یہ فائدہ تھا کہ یہ شاہی اور سرکاری علاقے سے ملا ہوا تھا اور یہاں کہیں کوئی پہریدار موجود نہیں تھا۔ ہم ایک نیچی چھت والی عمارت پر چڑھے اور اندر داخل ہوئے۔ گلیوں میں اتر کر آگے بڑھنے لگے۔ ایزارٹ اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ کئی جگہوں پر ہمیں آگے جانے کے لیے دیواریں پھلانگنا پڑیں مگر یہ شارٹ کٹس تھے دوسری صورت میں گلیوں میں بہت گھوم پھر کر جانا پڑتا۔ بالآخر ہم ایک چھوٹی عمارت تک پہنچے جس کی چھت نیچی اور ہموار تھی۔ ایزارٹ نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کے دوسری طرف سامنے ایک چھوٹے میدان کے بعد قید خانے کی عمارت ہے۔ یہاں سے اس کا پہلو والا حصہ نظر آتا ہے۔ شاہراہ پر اس کا سامنے والا حصہ ہے۔''

''میں جانتا ہوں کیونکہ میں یہاں قید رہ چکا ہوں۔'' میں نے ایزارٹ کو بتایا تو وہ حیران ہوا۔

''تم پہلے بھی یہاں آ چکے ہو؟''

''ہاں سامیرا کے پاس جانے سے پہلے میں یہیں آیا تھا۔ برف والے نے مجھے رینالٹ کے سپاہیوں کے حوالے کیا تھا کیونکہ یہاں مجھے کیرٹ سے ملنا تھا اور پھر کیرٹ نے مجھے رہائی دلوائی اور میں سامیرا کے پاس پہنچا۔''

ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ''اسی لیے مجھے لگتا تھا کہ آپ آرگون سے اچھی طرح واقف ہیں۔''

''اتنی اچھی طرح بھی واقف نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''جیسے مجھے اس علاقے کی افادیت کا علم نہیں تھا۔ وردیوں کے چکر میں مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے ہم براہِ راست خاص علاقوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔''

ایزارٹ اور باقی چونکے۔ پھر ربیک نے جوش سے کہا۔ ''واقعی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''اور شاید ہم حملہ بھی اسی جگہ سے کریں۔ ہمارے تمام ساتھی با آسانی اس جگہ آ سکتے ہیں۔''

''مگر ہمارا منصوبہ؟'' ایرٹ نے گویا مجھے یاد دلانا چاہا۔

''وہ اسی طرح ہوگا صرف ہمارے باقی ساتھی یہاں سے خاص علاقے میں داخل ہوں گے۔'' میں نے کہا۔ ''اب اوپر چلو مگر بہت احتیاط سے، دوسری طرف تیز روشنی ہے اور قید خانے پر یقیناً اوپر سے نگرانی کرنے کا بندوبست بھی ہوگا۔''

پہلی ربیک اوپر چڑھا اور فوراً لیٹ گیا۔ پھر اس نے پلٹ کر نیچے جھانکا اور بولا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں عمارت کے اوپر مینار میں ایک نگران ہے۔ مگر وہ اس وقت یہاں نہیں دیکھ رہا ہے۔''

میں اوپر چڑھا اور مجھے تقریباً دو منزل اوپر موجود چھوٹے سے مینار میں بیٹھے نگران کا سر نظر آیا۔ سر ساکت تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی چیز پر بیٹھا ہوا سو رہا ہو۔ رینالٹ جیسے خود غرض اور عیاش حکمران کے آدمی ایسے ہی ہو سکتے ہیں۔ قید خانے اور اس آخری گودام کے درمیان ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ پختہ پتھروں سے بنا ہوا یہ میدان ہموار اور صاف تھا۔ شاید اسے قید خانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ قید خانے کی عمارت کی دیوار پر ہر دس فٹ بعد تیز روشنی والی مشعل روشن تھا۔ یہ لوگ مشعلوں کو مخصوص روغن سے تر کر کے جلاتے تھے جس سے ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی روشنی نہ صرف تیز ہو جاتی تھی بلکہ یہ بہت دیر تک جلتی تھیں اور ان کے جلنے سے ایک بُو سی اٹھتی تھی جس سے کیڑے مکوڑے پاس نہیں آتے تھے۔ عمارت کے اس طرف چھ سپاہی تھے اور یہ رینالٹ کے خاص دستے والے سپاہی تھے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔

''یہ صرف چھ ہیں انسار نے بتایا ہے کہ قید خانے کی حفاظت پر بہت زیادہ سپاہی لگائے گئے ہیں۔''

''یہ تو صرف اس طرف ہیں۔ عمارت کے چاروں طرف اگر اس سے پانچ گنا زیادہ لگالیں تو اندر موجود سپاہیوں کی تعداد باہر موجود سپاہیوں سے کم سے کم دوگنی ہوگی۔''

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ''یعنی کم سے کم سو افراد؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''اندر قیدیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کو قابو میں رکھنے کے لیے کم سے کم اتنے سپاہی لازمی ہوں گے۔ ہوسکتا ہے اضافی کمک کے طور پر مزید سپاہی آس پاس کہیں موجود ہوں اور وہ ہنگامہ ہوتے ہی یہاں پہنچ جائیں۔''

ایزارٹ کی گفتگو میرے اندر مزید کھڑکیاں کھول رہی تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ ہمیں یہاں موجود نگرانوں پر قابو پانے اور قیدیوں کو آزاد کرانے میں کچھ وقت لگتا اور اس دوران میں رینالٹ کی طرف سے مزید فوج کا بھیجا جانا لازمی تھا۔ اگر وہ ہمارا راستہ روک لیتی تو عملاً ہم بھی قیدی بن کر رہ جاتے۔ اگر فوج دیر سے آتی تب بھی ہمیں اتنے سارے افراد کے ساتھ نکلنا ہوتا اور پھر ان کو مسلح کرنا ہوتا تب کہیں جا کر ہم اس قابل ہوتے کہ فصیل اور گیٹ پر قبضہ کرتے۔ مگر ظاہر ہے اس دوران میں رینالٹ اور اس کے آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھے ہوتے اور سب سے بڑا خطرہ مجھے ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی سے تھا جس کے پاس لازمی آتشیں اسلحہ تھا۔ یہ لوگ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں خود کو یکجا اور منظم کرنے کے لیے وقت درکار تھا۔ لیکن یہ وقت ہمیں کیسے ملتا اس کے بارے میں غور کرنا تھا۔ اب سب سے پہلے ہمیں قید خانے کے حفاظتی انتظامات کا مکمل جائزہ لینا تھا اور اس کے لیے ضروری تھا کہ ہم خود آگے جاتے۔

قید خانے کی عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس کا رقبہ مشکل سے ایک کنال تھا۔ اگر اس میں پانچ حریت پسندوں اور دوسرے شہریوں کو رکھا گیا تھا تو ان کی حالت کا سوچا جا سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں ان کو بہت مشکل سے رکھا گیا ہوگا۔ یہ عقب سے ایک دوسری عمارت سے ملی ہوئی تھی اسی طرح شاہراہ پر اس کے آگے ایک عمارت اور تھی گویا۔ اس کا شاہراہ والا اور اس میدان کا حصہ خالی تھا۔ لیکن اس طرف سے اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ نچلی منزل پر سپاٹ دیوار تھی۔ البتہ اوپری منزل پر ایک قطار میں چار کھڑکیاں تھیں۔ کھڑکیوں کے دروازے مضبوط لکڑی سے بنے ہوئے تھے اور یہ بند تھیں۔ ربیک نے کہا۔ ''اگر ہم ان چھ سپاہیوں پر قابو پا لیں۔''

''وہ کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم ان کو تیروں سے نشانہ بنا سکتے ہیں۔''

''درمیانی فاصلہ زیادہ ہے۔'' میں نے انکار کیا۔ ''اگر ایک بھی بچ گیا اور اس نے چیخ ماری تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس دوران میں، میں دیکھ رہا تھا کہ یہی عمارت شاہراہ تک بھی جا رہی تھی۔ میں نے ان سب سے وہیں رکنے کو کہا اور خود چھت پر لیٹا ہوا رینگ کر شاہراہ والے حصے کی طرف جانے لگا۔ مگر عمارت کی چھت شاہراہ سے پہلے ختم ہوگئی اس سے آگے ذرا سا احاطہ تھا۔ یہاں سے مجھے قید خانے کے سامنے والا حصہ کسی قدر نظر آ رہا تھا۔ قید خانے کے آگے سڑک کے ساتھ کم سے کم ایک درجن سرمئی وردی والے سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ یعنی یہاں زیادہ پہرہ تھا۔ میں چھت سے نیچے اترا اور احاطے کی دیوار سے سر نکال کر باہر دیکھا تو اس بار مجھے واضح دکھائی دیا۔ قید خانے کے سامنے دو درجن کے قریب سپاہی تھے۔ مگر اس کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آگے غیر اہم سرکاری عمارتیں تھیں۔ شاہی علاقہ یہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ یہ بات حوصلہ افزا تھی۔ یعنی مدد آنے میں وقت لگتا۔ اس کے باوجود ہمارے پاس وقت کم ہوتا۔

میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں اپنے ساتھیوں کو بھی یہیں بلانا ہوگا۔ ہمیں مزید اشیا کی ضرورت تھی۔ خاص طور سے اسلحہ اور خوراک کی۔ اتفاق سے ہمارے ساتھ ایزارٹ کا ایک آدمی تھا جس نے گودام تک ہماری رہنمائی کی تھی۔ میں نے واپس آ کر اس سے پوچھا۔ ''تم جانتے ہو کہ یہاں اسلحہ اور خوراک کے گودام کہاں ہیں؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''جانتا ہوں لیکن وہاں شاید کچھ نہ ملے کیونکہ ایک مہینہ پہلے شاہی حکم سے سب کچھ شاہی محل کے گوداموں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔''

''پھر بھی میں دیکھنا چاہوں گا۔'' میں نے ایزارٹ کی طرف دیکھا۔ ''تم اور ربیک واپس جا کر باقی ساتھیوں کو بھی یہیں لے آؤ۔''

وہ فوری روانہ ہوگئے۔ میں اور دوسرے اس آدمی کی رہنمائی میں اسلحے اور خوراک کے گوداموں کی طرف روانہ ہوگئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاہی علاقہ اتنا بڑا نہیں تھا جو سارے شہر کی خوراک اور پوری فوج کے لیے بنایا جانے والا اسلحہ سمیٹ لیتا۔ یہ ممکن تھا بڑی مقدار میں خوراک اور اسلحہ لے جایا گیا مگر کچھ نہ کچھ مقدار ان گوداموں میں ہوگی۔ چند منٹ میں ہم ایک گودام کے سامنے تھے۔ ایزارٹ کے آدمی نے بتایا۔ ''یہ خوراک کا گودام ہے۔''

مترجم کے طور پر ایرٹ میرے ساتھ تھا۔ ہم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو کئی بڑے ہالوں پر مشتمل اس گودام کا بڑا حصہ خالی تھا مگر میرا اندازہ درست نکلا جب ہمیں ایک کونے میں بڑے سائز کے مٹکوں میں اجناس کا کچھ حصہ ملا۔ یہ ہماری خوراک کی کئی دن کی ضرورت پوری کر سکتی تھی۔ اس بڑے گودام میں بس یہی تھا۔ ایزارٹ کے آدمی نے بتایا کہ اس کے علاوہ بھی کئی گودام تھے جہاں خوراک رکھی جاتی تھی مگر میں نے اب خوراک کے بجائے اسلحے کے گودام تک چلنے کو کہا۔ اسلحے کا گودام یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ دو گلیوں بعد ایک مضبوط عمارت اسلحے کا گودام ثابت ہوئی۔ مگر یہاں ہمیں کچھ نہیں ملا تھا سوائے چند بیکار نیزوں اور چھوڑی ہوئی کمانوں کے۔ البتہ درجن بھر بڑی ڈھالیں تھیں جو تیروں سے بچاتی تھیں ان کے سوا سارا ہی اسلحہ سمیٹ لیا گیا تھا۔ ایزارٹ کا آدمی مزید کسی ایسے گودام سے ناواقف تھا جہاں اسلحہ رکھا جاتا ہو۔

ہم اس جگہ پہنچے جہاں سے ہم گوداموں اور کارخانوں والے علاقے میں داخل ہوئے تھے باقی افراد کو بھی اسی جگہ سے آنا تھا۔ جب تک ہم اس جگہ پہنچے ایزارٹ اور ربیک باقی سب کو لے آئے تھے اور وہ موقع دیکھ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاہراہ عبور کرنے لگے۔ چھ چھ افراد کے گروپ کی صورت میں وہ س طرف آنے لگے۔ دس منٹ میں سب احاطے کے اندر آ چکے تھے۔ ان میں آریگو اور اس کے ساتھی نہیں تھے۔ ان کو اسی باغ میں بندھا چھوڑ آئے تھے۔ البتہ ساشا کو ساتھ لائے تھے۔ مگر اسے یہاں ایک ایسی جگہ قید کر دیا جہاں سے وہ از خود آزاد نہ ہو سکے اور نہ ہی کسی کو مدد کے لیے پکار سکے۔ ہم خوراک والے گودام تک آئے۔ خوراک دیکھ کر سب خوش ہوئے تھے کیونکہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ رہا نہیں تھا۔ طے ہوا کہ فی الحال اسی گودام کو ٹھکانہ بنایا جائے۔ اس دوران میں، میں اپنے ذہن میں منصوبے کو حتمی صورت دے چکا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔

''سب سے پہلے ہمیں باہر موجود سپاہیوں سے نمٹنا ہے۔ ان کی تعداد تیس کے آس پاس ہے۔ کوشش کرنی ہے کہ دو بدو مقابلے کی نوبت کم آئے اور ان کو تیروں کا نشانہ بنایا جائے۔ اگلا مرحلہ اندر گھس کر رینات کے آدمیوں کو ختم کرنا اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کرانا ہے۔''

''ہم سامنے سے داخل ہوں گے؟'' ایزارٹ نے پوچھا۔

''صرف سامنے سے نہیں بلکہ اس طرف سے بھی۔'' میں نے قید خانے کے برابر والے میدان کی طرف اشارہ کیا۔

''اوپر نگران ہے۔''

''سب سے پہلے اسے تیر کا نشانہ بنانا ہے۔ پھر کمند ڈال کر اوپر جانا ہوگا۔''

ان کے پاس مڑی ہوئی لکڑی سے بنی مضبوط کمندیں تھیں۔ ان کی مدد سے وہ دو تین منزلہ بلند عمارت پر بھی چڑھ سکتے تھے۔ ایرٹ نے سر ہلایا۔ ''یعنی ہمیں دو طرف سے حملہ کرنا ہے۔''

''بالکل۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ ممکن ہے قید خانے کا دروازہ حملہ ہوتے ہی اندر سے بند کر لیا جائے اور اسے توڑنا بہت مشکل کام ہے اس صورت میں اوپر سے کیا جانے والا حملہ کارگر ہو گا۔''

''اس طرف سے کتنے آدمی حملہ کریں گے؟''

''کم سے کم تیس آدمی ادھر سے حملہ کریں گے۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک گروہ پیچھے رہے گا۔ وہ نہ صرف عمارت میں نظر آنے والے دشمنوں کو نشانہ بنائے گا بلکہ اگر آس پاس کہیں سے رینات کے آدمی آتے دکھائی دیں تو انہیں بھی روکے گا۔ سامنے سے جانے والے بھی اتنے ہی ہوں گے۔ باقی افراد کمک کے طور پر ہوں گے۔ جہاں ان کی ضرورت ہو ان کو طلب کر لیا جائے۔ ایک بات اور ہے کہ ہمیں اسلحے کی اشد ضرورت ہے اس لیے دشمن کا اسلحہ ہرگز نہ چھوڑا جائے۔ ایک تیر اور سنگی چاقو بھی نہ چھوڑا جائے۔''

''اگر ہم کامیاب ہوتے ہیں تو آزاد کرانے والوں کو کہاں لے کر جائیں گے۔''

''اسی جگہ لانا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے لیے ہمیں سیڑھیوں کی ضرورت ہوگی کہ آزاد ہونے والے ان کی مدد سے با آسانی اس طرف آسکیں۔ رسیوں سے یہ کام دیر میں اور دشواری سے ہوگا۔''

''سیڑھیاں کہاں سے ملیں گی؟'' ربیک نے پوچھا۔

''اسی علاقے سے۔'' میں نے یقین سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیڑھی بنانے والا کارخانہ یہیں تھا اور ایزارٹ کا آدمی اس سے واقف تھا۔ میں نے ایک درجن افراد کے ساتھ اسے روانہ کیا کہ وہ جا کر سیڑھیاں لے آئے۔ سیڑھیوں کے علاوہ ہمیں آگ لگانے والے روغن کی ضرورت تھی۔ مگر اس کے بارے میں سب لاعلم تھے کہ وہ کہاں سے ملے گا۔ اس کے لیے ایک ٹیم روانہ کی جو گوداموں میں آتشیں روغن یا اس کے علاوہ جو کام کی چیز ملے وہ لے آئے۔ اب اگلا مرحلہ تھا۔ ڈرامے کی تیاری کا جس کی مدد سے ہمیں قید خانے کے نزدیک پہنچنا تھا۔ اس کے لیے پندرہ افراد کا انتخاب کیا۔ وہ سب کمزور صحتوں والے اور دیکھنے میں عام شہری لگتے تھے۔ پہلے آریگو اور اس کے ساتھیوں کو استعمال کرنے کا سوچا تھا مگر اس میں قباحت تھی کہ اگر وہ غیر متوقع طور پر آزاد ہو جاتے یا بول پڑتے تو ہمارا راز قبل از وقت کھل جاتا۔ اس لیے انہیں وہیں باغ میں چھوڑ دیا گیا تھا اور ساتھ لے جانے کے لیے تمام اپنے ساتھی منتخب کیے تھے۔ ایزارٹ کی مدد سے ماہر تیرانداز پہلے ہی الگ کر لیے تھے۔ انہیں قید خانے کے ساتھ گوداموں کے چھتوں پر لگا دیا تھا۔ یعنی ہر ایک کو اس کی جگہ بتا دی تھی مگر فی الحال وہ چھت پر نہیں تھے۔ خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی انہیں قید خانے کے نگران مینار سے دیکھا جا سکتا تھا اس لیے وہ اسی وقت اپنی جگہوں پر جاتے جب حملے کا وقت آ جاتا۔

سیڑھیاں لینے کے لیے جانے والے آ گئے۔ اس دوران میں ہم اپنی ڈرامہ ٹیم تیار کر چکے تھے اور انہیں سمجھا چکے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ کسی قدر ریہرسل بھی کر لی تھی۔ کچھ دیر بعد دوسری ٹیم بھی آ گئی اور اس نے رپورٹ دی کہ آتشیں روغن کہیں نہیں تھا۔ البتہ ایک گودام سے انہیں کچھ اسلحہ ملا تھا وہ سمیٹ لائے تھے۔ اس میں پچاس کے قریب نیزے، اتنے ہی تیروں کے ترکش اور کمانیں تھیں۔ یہ بھی غنیمت تھا۔ اس حملے میں سب سے اہم کردار تیراندازوں کا تھا وہ جتنے تاک کر نشانے لگاتے اتنی ہی جلدی ہم اندر گھسنے میں کامیاب رہتے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمیں اسلحے کی اشد ضرورت تھی اور جتنا بھی اضافی اسلحہ ملتا ہماری کامیابی کے امکانات اتنے ہی بڑھ جاتے۔

میرا اندازہ تھا کہ نصف رات کا وقت گزر چکا ہے اور یہ شاید صبح سے پہلے کا پہر تھا۔ مگر ابھی صبح کی روشنی ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ میرے حساب سے حملے کا بہترین وقت رات کا آخری پہر تھا۔ اس میں ابھی وقت تھا۔ میں نے ایرٹ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ گوداموں اور کارخانوں میں کوئی ایسی عمارت تلاش کرے جہاں قید خانے سے چھڑائے جانے والے افراد کو رکھا جائے۔ ان میں سے اکثر کی حالت خراب ہی ہوتی اور وہ فوری طور پر کسی سرگرمی میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہوتے۔ انہیں خوراک اور آرام کی ضرورت ہوتی۔ خوراک کے خالی گودام بھی خاصے بڑے تھے لیکن وہ اس جگہ سے بہت نزدیک تھے اور اگر ریناٹ کے آدمی یہاں آتے تو سب سے پہلے ان ہی گوداموں کو چیک کیا جاتا۔ اس لیے یہاں سے دور نکل جانا ضروری تھا۔ ایک عمارت کا انتخاب کر کے خوراک کا ذخیرہ بھی وہیں پہنچا دیا گیا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا مگر ضروری کام بھی نمٹ گئے تھے اور بالآخر آرگون میں وہ وقت آ گیا جب میں پوری طرح حرکت میں آتا۔ شاید یہی اصل جنگ کا نقطہ آغاز تھا۔ تقریباً پچاس افراد پر مشتمل منتخب دستہ لے کر ہم گوداموں اور کارخانوں سے نکل کر مرکزی شاہراہ پر آئے۔

ہم میں سے پندرہ افراد عام لباس میں تھے۔ ان کے لباس پھٹ گئے تھے اور ان کے جسموں اور لباس پر جگہ جگہ سرخی نمایاں تھی۔ وہ ہمارے گھیرے میں لڑکھڑا کر چل رہے تھے اور ہم خاص سپاہ کی سرمئی وردیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجود سپاہیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کمندوں والا دستہ اپنا کام کرنے کو تیار تھا۔ شاہراہ کے اس طرف آنے کے بعد ہم پوش علاقے کے ساتھ لگے بڑے تنوں والے درختوں کی آڑ لے رہے تھے اور یہاں سے قید خانے کے سپاہیوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔

سامنے موجود سپاہیوں میں سے ڈیڑھ درجن گر چکے تھے اور ہمارے بھی تین آدمی نشانہ بنے تھے۔ سپاہی اپنی ڈھالوں کی پناہ لے رہے تھے مگر ان کے لیے مصیبت یہ تھی کہ اگر وہ ہماری سمت ڈھال کرتے تو گودام کی عمارت پر موجود تیر انداز انہیں نشانہ بنا سکتے تھے اور اگر وہ ان کی طرف ڈھال کرتے تو ہمارا نشانہ بنتے۔ پھر ہم ان کے پیروں کو نشانہ بنانے لگے جو ڈھال سے باہر تھے۔ آنے والے چند منٹوں میں مزید کوئی دس سپاہی ہمارا نشانہ بنے اور اتنے ہی زخمی ہوئے تھے تو ان کا حوصلہ جواب دے گیا اور انہوں نے پلٹ کر عمارت میں گھسنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے وہ اندر جاتے دھماکے سے مرکزی دروازہ بند ہوا اور جو باہر تھے وہ باہر ہی رہ گئے۔ باہر آنے والوں کی تعداد ڈھائی درجن تک پہنچ گئی تھی۔ اتنے ہی باہر بھی تھے۔ یعنی ساٹھ کے قریب سپاہی تھے۔ ان میں سے پچیس مارے جا چکے تھے اور پندرہ زخمی تھے۔ گویا لڑنے کے قابل صرف بیس تھے اور انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی کہ وہ ہم سے لڑ نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے ہتھیار پھینکنا شروع کر دیئے اور ہاتھ اٹھا کر جان بخشی کی درخواست کرنے لگے۔ مگر ہمارے ساتھ موجود حریت پسند غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایزارٹ کے روکتے روکتے مزید چند سپاہیوں کو مار دیا تھا۔

مجھے ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ اندر گھسنے والے ہمارے آدمیوں نے دروازہ بند کیا تھا اور اب وہ اندر موجود سپاہیوں سے نمٹ رہے تھے۔ چیخ و پکار کی باہر تک آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اندر جنگ ابھی جاری تھی۔ ایزارٹ کے آدمی گرفتار سپاہیوں کی مشکیں کسنے لگے۔ میں اور ایزارٹ دروازے تک پہنچ گئے اور دستک دے کر اسے کھولنے کو کہنے لگے۔ اندر سے آتی آوازوں کے پس منظر میں ہمیں چلانا پڑ رہا تھا۔ اندر گھسنے والے دستے کا سربراہ ربیک تھا۔ دروازہ اسی نے کھولا اور اس کا سرمئی لباس خون میں رنگا ہوا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''ہم نے اندر قابو پا لیا ہے۔ کچھ بچے ہیں ان سے نمٹ رہے ہیں۔''

ہم اندر آئے اور نگران افسر کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ اندر شدید بدبو تھی اور قیدیوں کو جانوروں کی طرح کوٹھریوں میں ٹھونسا ہوا تھا۔ ان کو رفع حاجت کے لیے بھی باہر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم سب ہی کوٹھریوں کے دروازے کھولنے لگے۔ کم خوراکی، کم آرام اور غیر انسانی ماحول میں رہنے کی وجہ سب ہی کی حالت بری تھی۔ وہ یوں باہر نکلے جیسے جانور آزاد ہوتے ہیں۔ افسوس ناک بات یہ تھی کہ ان میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ مرد غضب ناک تھے اور انہوں نے باہر آتے ہی سب سے پہلے پکڑے جانے والے سپاہیوں پر حملہ کیا اور انہیں بے دریغ مارنے لگے۔ باہر موجود گرفتار سپاہی بھی اندر لائے گئے تھے۔ وہ ان پر بھی ٹوٹ پڑے اور وہ کسی کی سننے کو تیار نہیں تھے۔ ہمارے آدمیوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو وہ ان سے لڑنے کو بھی تیار ہو گئے تھے۔ ان کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''یہاں اسلحہ اور خوراک تلاش کرو۔''

وہ سب پھیل کر یہ دونوں چیزیں تلاش کرنے لگے۔ اس دوران میں، مَیں نے اور ایزارٹ نے بہ مشکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان لوگوں کو سمجھایا کہ وہ انتقام کے چکر میں نہ پڑیں۔ اس سے پہلے کہ رینالٹ کی مزید فوج یہاں آئے اور ہم محصور ہو کر رہ جائیں ہمارا یہاں سے نکلنا لازمی ہے۔ بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ ویسے بھی وہ سب ہی سپاہیوں کو ہلاک کر چکے تھے جو چند ایک بچے تھے ان کی حالت سے بھی لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہیں گے۔ ذرا سی دیر میں رینالٹ کی خاص فوج کا دسواں حصہ ختم ہو گیا تھا۔ ایزارٹ اپنے ساتھی الگ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ یہاں کم سے کم ایک ہزار افراد قید تھے جن میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ مال غنیمت اور ان لوگوں کو لے کر ہم باہر نکلے اور ان لوگوں کو فوری طور پر سیڑھیوں کے سہارے گوداموں والے احاطے میں منتقل کیا جانے لگا۔ کمزور، زخمیوں، عورتوں اور بچوں کے لیے سیڑھیاں استعمال کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ دوسرے انہیں سہارا دینے لگے اور منظم طریقے سے یہ مشکل مرحلہ نمٹا لیا گیا۔

○.....❖.....○

نصف گھنٹا گزر چکا تھا اور ابھی تک شاہی علاقے کی طرف سے کسی کی آمد کے آثار نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ شاید ان تک خبر پہنچی ہی نہیں تھی اور اگر ایسا ہی تھا تو یہ ہمارے لیے زیادہ اطمینان بخش بات تھی۔ اس سے پہلے کہ رینالٹ اور اس کے آدمی ہوشیار ہوتے ہمیں منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل کرتے ہوئے آرگون کی فصیل اور گیٹ پر قبضہ کر لینا تھا۔ آخری آدمی کے اندر جاتے ہی سیڑھیاں کھینچ لی گئیں اور وہ سب دوسری طرف اتر چکے تھے۔ ہم ان کو اسی عمارت میں لائے جہاں انہیں ٹھہرانا تھا۔ یہ سفر خاموشی سے نہیں ہوا تھا۔ زخمی کراہ رہے تھے۔ بچے اور بعض عورتیں رو رہی تھیں۔ انہیں نرمی سے چپ کرانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کا رونا حق بجانب تھا۔ انہوں نے چند دن میں بہت زیادہ مشکلات دیکھی تھیں۔ اتفاق کی بات ہے ان کی رہائش کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا اس کے احاطے میں پانی کا کنواں تھا۔ پانی دیکھ کر لوگ اس کی طرف لپکے اور ہم ایک بار پھر انہیں روکنے میں ناکام رہے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔

''انہیں چھوڑو، یہ دیکھو کہ ان میں سے کتنے ہیں جو فوری طور پر ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہیں۔''

''تقریباً سب تیار ہیں مگر جسمانی حالت سب کی خراب ہے۔''

بچوں اور عورتوں کو اندر لے جایا گیا۔ ان کی حالت دیکھتے ہوئے کچھ رضا کار فوری طور پر انہیں کھانا پانی دینے لگے تھے۔ میں ایزارٹ کے ساتھ دیکھ رہا تھا کہ کون جسمانی لحاظ سے ہمارا ساتھ دینے کا اہل ہے۔ ہم ان افراد کو الگ کر رہے تھے۔ تقریباً سو افراد ایسے تھے جو فوری کھاپی کر ہمارا ساتھ دے سکتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے ہمارے پاس اتنے ہی افراد کے لیے اضافی ہتھیار تھے۔ میرے ساتھی آتے ہوئے ممکنہ حد تک سارے ہی ہتھیار حد یہ کہ زرہ بکتر تک اتار لائے تھے۔ نئے لڑنے والوں میں ہتھیار تقسیم کیے جا رہے تھے اور انہیں عام سپاہ والے لباس جو پہلے سے ہمارے پاس تھے مہیا کیے گئے۔ کچھ سرمئی وردیاں قید خانے سے ہمارے ہاتھ لگی تھیں۔ اگرچہ گودام میں مزید سرمئی وردیاں تھیں۔ مگر فی الحال ہمیں ان کی ضرورت نہیں تھی۔ مجموعی طور پر ڈیڑھ سو افراد تیار ہو گئے اور انہیں نہ صرف اندر موجود عام سپاہ کو بے بس کرنا تھا بلکہ قلعے کی فصیل اور گیٹ پر بھی قبضہ کرنا تھا۔

باقی مسلح افراد کو وہیں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا حالانکہ وہ بھی ساتھ جانے پر مُصر تھے مگر ان کے لیے ہمارے پاس پورا اسلحہ نہیں تھا۔ پھر یہاں حفاظت کے لیے کچھ لڑنے والوں کا ہونا لازمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے فکر ہوئی کہ کہیں انہیں گوداموں والے حصے کا خیال نہ آجائے۔ وہاں لڑنے والوں کی تعداد مشکل سے ساٹھ ستر افراد پر مشتمل تھی اور ان کے پاس بھی ناکافی اسلحہ تھا۔ باقی افراد کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ وہ مسلح سپاہیوں سے لڑتے۔ اس صورت میں ان لوگوں کا خاتمہ یقینی ہوتا اور ہم ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جب قید خانے سے قیدی آزاد کرائے جا رہے تھے تو میں خاص طور سے عورتوں میں روبیر کو دیکھ رہا تھا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ اسے یقیناً کہیں اور رکھا گیا تھا اگر وہ زندہ تھی تو۔ جب ہم گودام پہنچے تو میں نے چھڑائے جانے والے مردوں میں شاہین نامی مرد کے بارے میں پوچھا۔ مگر ان میں شاہین بھی نہیں تھا۔ اگر شاہین قید تھا تو وہ بھی یہاں نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ شاہین روبیر سے مخلص نہیں تھا وہ صرف اسے استعمال کر رہا تھا۔ مگر ضروری نہیں تھا کہ میرا خیال درست نکلتا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ وہ دونوں اب زندہ نہ ہوں۔ رینالٹ نے انہیں سزائے موت دے دی ہو۔ ایزارٹ آنے والوں کو دیکھ رہا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔

''ان کا کیا کرنا ہے؟''

''خاتمہ لیکن اس طرح کہ ان میں سے ایک بھی فرار نہ ہو سکے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے سر ہلایا اور غیر محسوس انداز میں اپنے آدمیوں کو یوں پھیلانے لگا کہ جب رینالٹ کے آدمی نزدیک آتے تو عملاً وہ ان کے نرغے میں آجاتے۔ اس طرح حملے کی صورت میں ان میں سے کسی کے بچ کر نکلنے کا امکان کم ہوتا۔ ایزارٹ اور وہ سپاہی آگے تھے جن کی وردیوں پر نشانات تھے اور باقی پس منظر میں یا اتنی دور تھے کہ نشانات کی غیر موجودگی واضح نہ ہو۔ دستہ مارچ کرتا ہوا ہمارے نزدیک پہنچا اور تقریباً بیس گز کے فاصلے پر رک گیا۔ اس کا افسر آگے آیا اور اس نے ایزارٹ سے کہا۔ ''قید خانے پر حملہ ہوا ہے اور وہاں موجود سپاہیوں کو قتل کر کے تمام قیدیوں کو آزاد کرا لیا گیا ہے۔ ہمارا ایک سپاہی بھی یہ بتانے کے لیے زندہ نہیں رہا کہ وہاں کیا ہوا تھا؟''

''یہ تو بری خبر ہے۔''

''ہمارے آدمی شہر بھر میں ان کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہاں فصیل کے سپاہی اور کمانڈرز کہاں ہیں۔''

ایزارٹ نے انہیں بھی وہی بات کہی۔ ''انہیں شاہ معظم کے حکم سے کمک کے طور پر میدانِ جنگ میں بھیج دیا گیا ہے اور اب یہاں کی حفاظت میری ذمے داری ہے۔''

''آپ کے لیے حکم ہے اب کسی کو آرگون سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔''

''حکم کی تعمیل ہوگی۔'' ایزراٹ نے کہا اور پھر سرسری سے انداز میں بولا۔ ''تمہارے سپاہی تھکے ہوئے ہیں کیا خیال ہے تم لوگوں کے لیے کچھ پینے کا بندوبست نہ کیا جائے۔''

یہ لوگ شراب پیتے تھے اور ایزارٹ کے معنی خیز انداز سے وہ یہی سمجھے تھے۔ افسر نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''ایسا ہی ہے جناب ہم دن کے چار حصوں میں سے تین حصے پہرہ دیتے ہیں اور صرف ایک حصہ آرام کے لیے ملتا ہے۔''

''ایسا کرو اپنے خاص آدمیوں کو بلا لو میں تمہیں اپنے کمرے میں لے جاتا ہوں باقیوں کو یہیں مشروب دے دیا جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افسر مڑا اور اس نے اپنے منظورِ نظر افراد کو آگے بلایا۔ ان کی تعداد دس کے قریب تھی اور باقی وہیں رہے۔ ایرٹ نے آگے بڑھ کر رہ جانے والے سپاہیوں سے کہا۔ ''تم لوگ بیٹھو، اپنا اسلحہ اتار دو۔''

وہ اپنے افسر کا رویہ دیکھ چکے تھے اس لیے انہوں نے بلا حیل و حجت ڈھالیں اور اسلحہ نیچے رکھ دیا اور خود بھی نیچے ہی بیٹھ گئے۔ الگ ہونے والے دس افراد کو ہم نے اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ وہ بے خبر تھے کہ انہیں شراب کا نہیں موت کا جام پینا ہے۔ میں نے ہاتھ اوپر کیا اور پانچوں انگلیاں پھیلا کر بند کیں تو اس کے ساتھ ہی میرے ساتھی حرکت میں آ گئے۔ فصیل سے اچانک تیر انداز نمودار ہوا اور انہوں نے زمین پر بیٹھے سپاہیوں کو نشانہ بنایا۔ وہ سب ہی پاس پاس بیٹھے تھے اس لیے تیر اندازوں کا کوئی تیر خالی نہیں گیا اور فضا ان کی چیخوں سے گونج اٹھی جن کے جسموں میں تیر اترے تھے۔ نصف تو اسی وقت نشانہ بن گئے تھے۔ فوراً ہی تیر اندازوں کی دوسری [illegible] ہوئی اور انہوں نے ان سپاہیوں کو نشانہ بنایا جو ہتھیار سنبھال کر اٹھ رہے تھے۔ ان میں سے بیشتر گر [illegible] اس سے زیادہ دیکھنے کی مہلت نہیں ملی کیونکہ ہمیں ان دس افراد پر قابو پانا تھا جو ہمارے نرغے میں تھے۔ صورتِ حال بھانپتے ہی انہوں نے ہتھیار سنبھالے تھے مگر ہماری طرف سے تیز کارروائی کے نتیجے میں چار اسی وقت لقمۂ اجل بن گئے۔ ایزارٹ نے اپنا نیزہ افسر کی گردن پر رکھ دیا۔

''اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک دو۔''

''غدار۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔

''میں سرے سے رینالٹ کا آدمی ہی نہیں ہوں۔'' ایزارٹ نے کہا۔ ''ہم اس وادی کو اس سے نجات دلانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔''

افسر نوجوان اور غصہ ور شخص تھا مگر بالآخر اس نے اور اس کے بچ جانے والے ساتھیوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ ہتھیار پھینک دیں۔ دوسری طرف پچاس سپاہیوں میں سے بچ جانے والے بیس افراد نے ہاتھ اوپر کر لیے تھے اور ان کی جان بخشی کر دی گئی تھی۔ ان چھبیس افراد کی مشکیں کس کر ان کو فصیل کے قید خانے میں ڈال دیا گیا اور مارے جانے والے چوبیس افراد کی لاشیں وہاں سے اٹھا لی گئیں۔ کچھ افراد بالٹیوں میں پانی بھر کر لائے اور پتھریلے فرش پر پھیلا ہوا خون صاف کرنے لگے۔ مارے جانے والوں کی وردیاں اور ہتھیار بھی لے لیے گئے تھے اور اب ہمارے پاس مزید ساٹھ افراد کے لیے وردیاں اور ہتھیار تھے۔ ان وردیوں کو دھونے کی ضرورت تھی تاکہ ان سے خون صاف ہو جائے۔ یہ سب کچھ مشکل سے ایک گھنٹے میں ہو گیا تھا۔ اب وہاں آنے والا کوئی فرد نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کچھ دیر پہلے دو درجن افراد مارے گئے تھے۔

رفتہ رفتہ حالات اس طرف جا رہے تھے جب ہم فیصلہ کن حملہ کریں۔ شہر میں رینالٹ کے مزید دستے پھیلے ہوئے تھے لیکن فی الحال ان سے الجھنا درست نہیں تھا۔ اگرچہ میرا مشن کامیابی سے جا رہی تھا مگر ابھی اصل منزل بہت دور تھی۔ ہمیں رینالٹ تک پہنچنا اور اس کا خاتمہ کرنا تھا اور فی الحال اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی معلومات نہیں تھیں کہ وہ کہاں تھا اور اس تک رسائی کا ذریعہ کیا ہو سکتا تھا۔ قید خانے پر حملے کے وقت میں نے سوچا تھا کہ کچھ سپاہی یا افسران زندہ ہاتھ لگیں تو ہم ان سے معلومات حاصل کر سکتے تھے مگر آزاد ہونے والوں نے کسی کو زندہ ہی نہیں چھوڑا۔ اب کچھ زندہ دشمن ہاتھ آئے تھے اور ان سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایرٹ کے ساتھ قیدیوں کے پاس آیا۔ ایرٹ نے ان سے کہا۔ ''تم لوگوں نے رینالٹ جیسے سفاک شخص کا ساتھ دیا جس نے اپنے ہی لوگوں کا خون بہایا تاکہ اس کا اقتدار قائم رہ سکے۔ اس نے لوگوں کے حقوق سلب کیے اور عام لوگوں کو بے دست و پا کر دیا۔ تم سب کو ان جرائم پر روشنی ہوتے ہی سزائے موت دے دی جائے گی۔''

اس نے میری کہی تقریر دہرائی تھی۔ بات معمولی لفظوں پر مشتمل تھی مگر اس کا اثر ہوا اور وہ رونے گڑگڑانے لگے کہ ان کا قصور نہیں تھا اور وہ وہی کرتے تھے جس کا حکم دیا جاتا تھا۔ ایرٹ انہیں دھمکیاں دیتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''صرف ان لوگوں کو رعایت مل سکتی ہے جو ہمارے ساتھ تعاون کریں۔''

اس پر سب ہی تعاون کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ میرے اشارے پر ایک زرد چہرے والے نوجوان کو باہر نکالا گیا اور ہم اسے باہر لائے۔ سب کے سامنے پوچھ گچھ مناسب نہیں تھی۔ ایرٹ جانتا تھا کہ اسے کیا پوچھنا ہے اور وہ نوجوان سے سوال کرتا رہا۔ خوش قسمتی سے نوجوان نہ صرف شاہی علاقے میں ڈیوٹی دیتا رہا تھا بلکہ اس کی معلومات بھی خاصی تھیں۔ اس نے بتایا کہ شاہی علاقے اور سرکاری علاقے کی حفاظت سرمئی وردی والوں کے سپرد تھی اور ان کی تعداد ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان میں سے نصف صرف شاہی کمپلکس کی حفاظت پر مامور تھے۔ میں نے حساب لگایا تو اب تک صرف ڈیڑھ سو سے اوپر خاص سپاہی مارے گئے تھے یا ہمارے ہاتھ آئے تھے گویا ان کی بڑی تعداد ابھی باقی تھی۔ نوجوان نے یہ بھی بتایا کہ پوش علاقے، عام علاقے اور گوداموں والے علاقے میں ایسے ہی چار دستے حملہ آوروں اور قید خانے سے فرار ہونے والوں کو تلاش کر رہے تھے۔ گودام والے علاقے کا سن کر میں تشویش زدہ ہو گیا اور میں نے فوری اس طرف جانے کا فیصلہ کیا۔

ایزارٹ سے بات کی تو اس نے مجھ سے اتفاق کیا اور میں ستر کے قریب ساتھی لے کر روانہ ہوا۔ میں نے بیرکس سے جانے والا راستہ اختیار کیا۔ ہماری رفتار تیز تھی اس لیے ہم بیس منٹ میں اس گودام کے پاس پہنچ گئے جہاں ہمارے ساتھی تھے اور اس کے نزدیک جاتے ہی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔ وہاں سے آوازیں آ رہی تھیں اور انداز فوجی کمانڈرز کا تھا۔ مزید نزدیک آنے پر صورتِ حال واضح ہو گئی کہ رینالٹ کی فوج کے دستے نے اس گودام کو گھیر لیا تھا اور اب اندر گھسنے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے ابھی تک حملہ نہیں کیا تھا۔ میرے ساتھ ربیک اور اس کا تیر انداز دستہ تھا۔ میں نے ان کو آس پاس نزدیکی عمارتوں پر چڑھنے کا حکم دیا مگر ساتھ واضح کر دیا کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہ کیا جائے۔ رینالٹ کے سپاہیوں کا دستہ وہی ساٹھ افراد پر مشتمل تھا اور وہ پوری طرح مسلح تھے۔ میں نے ایرٹ سے کہا۔

''انہیں الجھانا ہوگا۔''

ایرٹ کے پاس افسر کے نشانات تھے جو اس نے وردی پر لگا لیے تھے۔ میرے نشانات سپاہی والے تھے۔ ہم پندرہ نشانات والے سپاہی ان کے سامنے آئے تو وہ چونکے تھے مگر پھر ہماری وردیوں سے مطمئن ہو گئے۔ ربیک نے افسرانہ انداز میں پوچھا۔ ''کیا ہوا کوئی سراغ ملا ہے؟''

''ہمیں شبہ ہے کہ اس گودام میں کچھ لوگ موجود ہیں۔ یہ دیکھیں نالی میں کتنا پانی بہا ہے اور اندر سے کچھ آوازیں بھی آ رہی تھیں مگر اب خاموشی ہے۔''

میرا خدشہ درست ثابت ہوا۔ رینالٹ کے آدمی عقل سے عاری نہیں تھے انہوں نے بجا طور پر درست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندازہ لگایا کہ اگر پانی بہہ رہا ہے تو یقیناً کوئی بہانے والا بھی ہوگا۔ بارش تو ہوئی نہیں تھی۔ ربیک نے کہا۔ ''ممکن ہے یہاں نگران ہوں۔''

''نہیں جناب اس وقت اس سارے علاقے میں کوئی سرکاری نگران نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا اور پھر ربیک سے پوچھا۔ ''آپ کس دستے سے ہیں؟''

''میں کسی دستے سے نہیں ہوں مجھے تم لوگوں کی کارکردگی دیکھنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔'' ربیک نے اپنا انداز یوں رکھا تھا جیسے وہ ان سب سے برتر ہو۔ اس دوران میں رینات کے اکثر آدمی گودام کے ان تین اطراف میں پھیل گئے تھے جہاں گلیاں تھیں اور چوتھی سمت گودام کی پشت کسی دوسرے گودام یا کارخانے کی پشت سے ملی ہوئی تھی۔ تین درجن سپاہی دوسری اطراف میں چلے گئے تھے اور یہاں دو درجن سپاہی رہ گئے تھے۔ میرے بیس ساتھی چھتوں پر تھے اور پینتیس کمک کے طور پر پیچھے اشارے کے منتظر تھے۔ رینات کے آدمی اب گودام کا دروازہ توڑنے پر آمادہ تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ زور آزمائی شروع کر دی تھی۔ ایرٹ نے مداخلت کی اور بولا۔ ''بیکار میں قوت ضائع کر رہے ہو۔ چھ آدمی بیک وقت اندر کود جائیں اور دروازہ کھول دیں۔''

''اگر اندر موجود افراد مسلح ہوئے تو میرے آدمیوں کو نقصان ہوگا۔'' دستے کا سربراہ دبے لفظوں میں بولا۔ اس پر ایرٹ غرایا۔

''تو کیا تمہارے پاس ہتھیار نہیں ہیں یا لڑنا نہیں آتا ہے۔ اپنے آدمیوں کو اندر بھیجو۔''

میں اس کی حکمتِ عملی کو سراہ رہا تھا۔ وہ مزید افراد کم کر رہا تھا تاکہ ہمیں کم سے کم افراد سے نمٹنا پڑے۔ مجبوراً افسر نے حکم دیا اور اس کے چھ آدمی بیک وقت دیواروں پر چڑھے اور اندر کود گئے۔ فوراً ہی اندر سے ایسی آوازیں آئیں جیسے دو بدو لڑائی ہو رہی ہو۔ میں نے ہاتھ پہلے ہی بلند کر لیا تھا مٹھی بند کر کے کھولی تو سنسناتے تیر آ کر رینات کے آدمیوں کے جسموں میں اترنا شروع ہو گئے۔ میں اور میرے ساتھی پہلے ہی مناسب حد تک پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اس لیے تیر اندازوں کو انہیں نشانہ بنانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ یہاں تاریکی تھی اس لیے وہ مشعلیں ساتھ لائے تھے مگر اب آسمان پر ہلکی سی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ کم سے کم چھ افراد پہلی باڑ میں نشانہ بنے اور دوسری باڑ نے چار کو نشانہ بنایا۔ اس کے بعد وہ ہوشیار ہو گئے تو ہم اپنے ہتھیار سنبھال کر ان کی طرف بڑھے۔

لڑائی کا آغاز ہوتے ہی ہمارے بقیہ پینتیس ساتھی دوڑتے ہوئے آئے اور مساوی طور پر گودام کے دائیں بائیں کی گلیوں میں چلے گئے۔ تیر اندازوں نے وہاں بھی رینات کی سپاہ کو نشانہ بنایا تھا اس کے بعد زمین والوں کے لیے ان سے نمٹنا زیادہ مشکل نہیں رہا تھا۔ اس دوران میں اندر والے چھ سپاہیوں سے نمٹ کر باہر نکل آئے اور عقب سے بچ جانے والے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ان کا حملہ اتنا تیز اور وحشیانہ تھا کہ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے سب کو ختم کر دیا۔ انسانی جان میرے نزدیک ہمیشہ محترم رہی ہے مگر کچھ عرصے سے میں ایسی جنگوں میں شامل ہوتا رہا جن میں بے دریغ انسانی لہو بہایا جاتا رہا ہے۔ خود میرے ہاتھ سے بے شمار انسان مارے گئے تھے مگر میں اب بھی انسانوں کو یوں مرتے دیکھ کر اپنے اندر ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہوں۔

میرے چاروں طرف لاشیں تھیں۔ گلیوں میں مرنے والوں کی چیخیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایزارٹ کے آدمی ان پر رحم کرنے کو تیار نہیں تھے کیونکہ جب وہ بے بس تھے تو ان پر ذرا رحم نہیں کیا گیا تھا۔ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے اہلِ خانہ کو نا قابلِ بیان اذیتوں اور تکلیفوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان کا جرم صرف آزادی کا مطالبہ تھا۔ اس لیے اب وہ جوشِ انتقام سے بھرے ہوئے تھے۔ مشکل سے نصف گھنٹے میں اس دستے کے تمام افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ ایرٹ ان کی لاشیں گن رہا تھا اور اس نے مجھے آگاہ کیا کہ کوئی جان بچا کر فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ میں نے بے دھیانی سے کہا۔ ''یہ تو اچھی بات ہے۔ اب سب کو جمع کرو یہاں سے جانا ہے۔''

ایرٹ فکرمند ہو گیا۔ ''اتنے لوگوں کو لے کر کہاں جائیں گے؟''

''انہیں عام سپاہیوں کے لیے مخصوص بیرکس میں ٹھہرایا جائے گا اس طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا۔''

ایرٹ خوش ہو گیا۔ ''آپ ہر مسئلے کا بہترین حل سوچتے ہیں۔''

''انہیں کہنا کہ خوراک کا سارا ذخیرہ ساتھ لیں کچھ چھوڑ کر نہ جائیں آگے خوراک کا کچھ پتا نہیں ہے۔''

''میں دیکھتا ہوں جناب۔'' ایرٹ اندر چلا گیا۔ ربیک اور اس کے ساتھ مارے جانے والوں کا لباس اتار رہے تھے اور ان کا اسلحہ سمیٹ رہے تھے۔ اس کام میں یہاں موجود حریت پسند بھی شامل ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اسلحے اور وردیوں کے لحاظ سے ہماری ضرورت پوری ہوتی جا رہی تھی۔ روانگی سے پہلے وردیوں والے گودام میں موجود باقی وردیاں بھی اٹھا لی گئی تھیں۔ آسمان پر سفیدی نمایاں ہونے سے پہلے ہزار کے قریب افراد پر مشتمل قافلہ روانہ ہوا۔ رفتار تیز رکھنے کے لیے بچوں کو گود میں اٹھا لیا گیا تھا اور زخمیوں و عورتوں کو سہارا دے رہے تھے۔ اب ان لوگوں کی حالت خاصی بہتر ہوئی تھی۔ انہوں نے خود کو صاف کر لیا تھا اور کھا پی کر ان کی توانائی بحال ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ چل پھر رہے تھے ورنہ جب ہم نے انہیں قید خانے سے رہا کرایا تھا تو ان کے لیے چلنا پھرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ خوراک اور دوسرا سامان خاصا تھا اس لیے سب نے کچھ نہ کچھ اٹھا رکھا تھا۔

میں اور کچھ مسلح افراد پیچھے تھے اور میں چاہتا تھا کہ کسی کی مداخلت سے پہلے ہم فوجی بیرکوں تک پہنچ جائیں۔ مگر انسان جو سوچتا ہے اکثر ویسا ہوتا نہیں ہے۔ ادھر ہم بیرکس والے میدان میں نمودار ہوئے اور ادھر مرکزی شاہراہ سے رینالٹ کی خاص فوج کا ایک دستہ برآمد ہوا۔ تعداد سے لگ رہا تھا کہ یہ وہی دستہ ہے جو مفروروں کی تلاش کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ مسلح افراد پیچھے تھے اور سامنے عورتیں، بچے اور عام سے نظر آنے والے افراد تھے۔ انہیں دیکھ کر رینالٹ کے آدمی غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ بس یہ نہتے اور بے بس لوگ ہیں اور وہ ہماری طرف آنے لگے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو قافلے والوں کی آڑ میں کر لیا۔ قافلہ رک گیا تھا اور درمیان میں موجود میرے ساتھی اپنے ہتھیار سنبھال کر تیار ہو گئے۔ خاص طور سے تیر انداز دستہ تیر کمان سنبھال چکا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ ''تم لوگوں نے ہوا میں تیر چھوڑنے ہیں۔ جب میں اشارہ کروں تو تیر چھوڑنا۔''

وہ سب تیار ہو گئے۔ میں فوجی دستے کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ نزدیک آنے پر انہیں کوئی بھی مسلح فرد نظر نہیں آیا تو وہ مزید بے فکر ہو گئے تھے۔ جب وہ سو گز دور رہ گئے تو میں نے اشارہ کیا اور تقریباً ساٹھ تیر اندازوں نے تیر ہوا میں چھوڑے وہ بلند ہوئے اور دستے پر برسے تھے۔ مگر انہیں صرف چند افراد کا نقصان ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اصل میں یہ لوگ اس طرح سے تیر اندازی میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ اب میں نے انہیں براہِ راست نشانہ لینے کو کہا مگر اس دوران میں رینالٹ کے آدمی ہوشیار ہو گئے تھے اور انہوں نے ڈھالوں کی پناہ لے لی۔ کچھ پیروں پر تیر لگنے سے گرے مگر اب وہ اتنے نزدیک آ گئے تھے کہ ان سے دو بدو مقابلہ ناگزیر ہو گیا تھا ورنہ وہ عورتوں اور بچوں پر چڑھ دوڑتے۔ میں اپنے دستے کو لے کر آگے آیا۔ میرے ساتھ تیس کے قریب افراد تھے۔ ہماری ان سے مڈبھیڑ ہوئی اور پہلی بار میں نے مکمل جنگ کا ماحول دیکھا۔ میرے آس پاس رینالٹ کے آدمی تھے اور وہ مہارت سے حملے کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے میرے کئی آدمی گرا دیئے۔

ایسے میں تیر انداز کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ تیر ہمیں بھی لگ سکتے تھے البتہ وہ نزدیک آ گئے اور بالکل پاس سے یقینی نشانہ بنانے لگے۔ ایسے میں حریت پسند جواب تک جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے انہوں نے اپنے طور پر ہتھیار منتخب کیے اور گھوم کر رینالٹ کے دستے کے عقب میں آ گئے۔ اس طرح سے انہوں نے کسی کے فرار کا راستہ بھی مسدود کر دیا تھا۔ پھر وہ پیچھے سے حملہ آور ہوئے اور انہوں نے ہمیں ایک نئی زندگی بخشی کیونکہ ہم دب رہے تھے۔ دو طرف سے گھرنے کے بعد رینالٹ کے آدمی گھبرا گئے اور ہم ان کا آسان شکار کرنے لگے۔ ایک بڑے دائرے میں انہیں گھیر کر چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ہم جان بوجھ کر ان کے جسموں کو نیچے سے یا درمیان سے نشانہ بنا رہے تھے کہ تیر خطا ہونے کی صورت میں دوسری طرف موجود ہمارے کسی ساتھی کو نہ جا لگے۔

حریت پسندوں کی ہمت نے بازی پلٹ دی اور جلد اس دستے نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کا نقصان زیادہ نہیں ہوا تھا۔ پندرہ مارے گئے تھے اور دس زخمی تھے۔ باقیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس دوران میں ایزارٹ کے آدمیوں کی طرف سے بھی مدد آ گئی تھی۔ مارے جانے والوں کو اٹھا لیا گیا اور زخمیوں و قیدیوں کو وہ ساتھ لے گئے۔ اس دوران میں قافلے میں موجود عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بیرکوں کے عقبی حصے میں واقع ایک عمارت میں منتقل کیا گیا۔ سامان بھی وہیں پہنچا دیا گیا تھا۔ رینالٹ کا نقصان بڑھ رہا تھا اور ہمیں ہتھیار اور وردیاں مل رہی تھیں۔ مگر اس بار ہمیں بیس افراد کا نقصان اٹھانا پڑا تھا اور یہ بہت بڑا نقصان تھا۔ کل ملا کر ہمارے اب تک چالیس کے قریب ساتھی مارے جا چکے تھے یا شدید زخمی ہوئے تھے۔ ان میں تمام ہی صحت مند اور اچھے لڑنے والے افراد تھے۔ رینالٹ کی فوج بھی تقریباً پونے تین سو خاص سپاہیوں سے محروم ہو چکی تھی مگر اب بھی وہ تعداد میں ہم سے کئی گنا زیادہ تھے۔

عورتوں اور بچوں کو محفوظ جگہ پہنچانے کے بعد میں نے حریت پسندوں کو ان سے الگ کر کے ان کی گنتی کی۔ ان کی کل تعداد پانچ سو ساٹھ تھی۔ ان میں سے ڈیڑھ سو کے قریب لڑنے کی پوزیشن میں تھے اور باقی ابھی بحالی سے گزر رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کل تک اتنے ہی لوگ اور لڑنے کے قابل ہو جائیں گے اور ہمارے پاس فی الحال تین سو افراد کا ہی اسلحہ تھا۔ کچھ اسلحہ ہمیں فصیل سے بھی ملا تھا مگر یہ سب بھاری جنگی اسلحہ تھا جو گوریلا جنگ میں زیادہ کارآمد نہیں تھا۔ میں نے ان ڈیڑھ سو افراد کو الگ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ کھائیں اور آرام کریں تاکہ کل تک لڑنے کے قابل ہوں۔ وہ خوش ہو گئے کہ انہیں منتخب کر لیا گیا ہے۔ میں نے خوراک کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ یہ زیادہ دیر چلنے والا نہیں تھا اتنے افراد زیادہ سے زیادہ دو دن میں سب ختم کر دیتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہمیں مزید خوراک کی ضرورت تھی۔ ایرٹ کی مدد سے میں نے باقی رہ جانے والے حریت پسندوں کو مختلف ذمے داریاں سونپیں اور انہیں ہدایت کی کہ مزید خوراک حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ان میں سے کچھ جانتے تھے کہ مزید خوراک کہاں سے مل سکتی تھی۔ مگر دن میں اس طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ وہ رات میں کوشش کرتے۔

روشنی ہوگئی تھی اور اب ہمارے لیے چھپ کر کارروائی کرنا آسان نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی مسلسل حرکت میں رہنے اور کئی معرکے سر کرنے کے بعد میں اور میرے ساتھی تھک گئے تھے اور ہمیں آرام کی ضرورت تھی۔ ہم واپس فصیل کی طرف آئے یہاں نیچے بے شمار کمرے تھے جہاں سونے کا انتظام بھی تھا۔ ایزارٹ نے خوشخبری سنائی کہ فصیل کے نیچے تہہ خانے سے کچھ خوراک ملی ہے جو ہم لوگوں کے لیے کافی تھی۔ ربیک اور ایرٹ اسے معرکوں کی رُوداد سنانے لگے جس میں ہمیں نقصان ہوا تھا مگر سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہم نے اب تک کسی دشمن فوجی کو بچ کر جانے کا موقع نہیں دیا تھا سب مارے گئے یا پکڑے گئے۔ ہمارا نقصان کم تھا مگر اس لحاظ سے زیادہ تھا کہ ہماری افرادی قوت کل چھ سو سے بھی کم لوگوں پر مشتمل تھی۔ ان میں سے بھی اکثر لڑنے کے قابل نہیں تھے اور یہ باقاعدہ تربیت یافتہ فوجی بھی نہیں تھے۔ بہرحال جنگ اپنا خراج لیتی ہے۔ میں ناشتہ کر کے لیٹا تو لمحوں میں بے خبر ہو گیا اور میری آنکھ کھلی تو دوپہر ڈھل رہی تھی۔ ایرٹ جاگ رہا تھا۔ وہ میرے لیے مقامی چائے لے آیا جس کی یہاں خاصی مقدار موجود تھی۔ اس نے بتایا۔

''باہر امن وسکون ہے رینالٹ کی طرف سے مزید کوئی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ اس نے جو دستے بھیجے تھے وہ بھی واپس چلے گئے۔''

میں چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا؟''

''یہاں فصیل کے اوپر مینار ہے وہاں سے پورا شہر صاف دکھائی دیتا ہے خاص طور سے شاہراہیں تو تینوں ہی نظر آتی ہیں۔ اس وقت سرکاری علاقے سے آگے رینالٹ کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم اتنی آسانی سے یہاں غلبہ پالیں گے۔''

''مگر اس سے یہ مت سمجھنا کہ ہمیں فتح ہوگئی ہے ابھی ہمیں ایک ایسی آفت سے نمٹنا ہے جو اکیلا ہی ہم سب پر بھاری ہوسکتا ہے۔''

ایرٹ نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''ایسا کون ہوسکتا ہے جناب؟''

''تم اسے نہیں جانتے لیکن وہ میرے دشمنوں کے ساتھ اوپر سے آیا ہے۔'' میں نے باسو کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔ ''اگر سب رینالٹ کا ساتھ چھوڑ دیں اور صرف یہی لوگ اس کے ساتھ رہ جائیں تب بھی ان پر قابو پانا رینالٹ کی تمام فوج پر قابو کے مترادف ہوگا۔''

ایرٹ کو حیرت ہوئی تھی۔ ''تب آپ نے ان کے بارے میں سب کو کیوں نہیں بتایا ہے؟''

''وہ بددل اور خوف زدہ ہوسکتے ہیں۔ تم اور ربیک میرے اعتماد کے آدمی ہو اور میں تمہارے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لیے تم لوگوں کو خبردار کر رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے میں اس جنگ میں کسی مرحلے پر مارا جاؤں تب بھی میری یہ بات یاد رکھنا۔''

''آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے یقین سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو؟'' میں ہنسا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا۔ ''آپ کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ زندہ رہیں گے اور فتح حاصل کریں گے۔''

''اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو، اسی میں اس وادی کے لوگوں کی بھلائی ہے۔ مگر میری خواہش ہے کہ یہ جنگ جلد از جلد اور مزید کسی نقصان کے ختم ہو جائے۔''

''اس کے لیے آپ ہی ہماری رہنمائی کریں۔''

''یہ شخص ایزارٹ کیسا آدمی لگا ہے؟''

''بہت زبردست۔'' ایریٹ نے بے ساختہ کہا۔ ''اس نے سب کو متاثر کیا ہے۔ یہ کسی حد تک آپ سے ملتا ہے۔ ہر کام سوچ سمجھ کر کرتا ہے اور مسئلے کا جلد حل نکال لیتا ہے۔ سب کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ قید خانے سے چھڑائے گئے عورتوں اور بچوں کا خاص خیال رکھا جائے کیونکہ یہی ہمارا مستقبل ہیں۔''

''اس نے ٹھیک کہا۔'' میں نے خالی ہو جانے والا پیالہ رکھا اور کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بھی مینار دکھاؤ جہاں سے شہر کا نظارا کیا جا سکتا ہے۔''

ایریٹ مجھے فصیل کے اس خاص حصے سے ذرا پیچھے بنے تقریباً ستر یا اسی فٹ اونچے مینار تک لایا جہاں کیرٹ کو سزائے موت دی گئی تھی۔ یہ حصہ خاصا بڑا تھا اور یہاں پورا دربار سجایا جا سکتا تھا جیسا کہ رینالٹ نے سجایا تھا۔ مینار فصیل سے بھی کوئی پچیس فٹ اوپر تھا اور ہم سیڑھیاں چڑھ کر اس کے آخری حصے میں آئے یہاں مشکل سے چار فٹ کی جگہ تھی جس میں ایک وقت میں تین سے زیادہ آدمی کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ یہاں ایک پہریدار پہلے سے موجود تھا مجھے دیکھ کر وہ مؤدب ہو گیا۔ ایریٹ نے اسے سیڑھیوں پر جانے کو کہا تاکہ میں آرام سے شہر کا نظارا کر سکوں۔ وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ایریٹ نے شہر کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ دیکھیں جناب یہاں سے سب صاف نظر آ رہا ہے۔''

مگر میری توجہ شہر کے بجائے مخالف سمت میں سامیرا کے قلعوں کی طرف تھی جو یہاں سے دکھائی دے رہے تھے مگر دوری کی وجہ سے منظر صاف نہیں تھا۔ بہرحال ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں امن تھا اور اگر جنگ ہوئی بھی تھی تو وہ محدود پیمانے پر تھی۔ درمیان میں فصلوں کی جگہ اب سیاہ جلے ہوئے وسیع میدان تھے۔ بعض جگہوں سے باغات کو بھی نقصان ہوا تھا مگر یہ معمولی نوعیت کا تھا۔ وہ محفوظ رہے تھے۔ فصلوں کے درمیان ایک لکیر تھی جو شاہراہ کی نشاندہی کر رہی تھی۔ میں نے رینالٹ کی فوج کی طرف اشارہ کیا۔ ''ان کی طرف سے یہاں کوئی نہیں آیا؟''

''صبح سے دو بار ان کی طرف سے دستے آئے ہیں وہ مزید رسد چاہتے ہیں مگر ایزارٹ نے شاہ معظم کے نام پر انہیں واپس کر دیا اور ان سے کہا کہ ان کے پاس جو ہے اسی میں گزارا کریں۔''

''بہترین جواب دیا ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''ان میں مایوسی پھیلے گی۔ کسی فوج کے لیے اس سے زیادہ خوفناک صورتِ حال اور کوئی نہیں ہوتی ہے کہ عقب سے اسے رسد ملنا بند ہو جائے۔''

''دو تین بار انہیں یہی جواب ملے گا تو وہ سوچیں گے کہ کس کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔''

میں قلعے کے سامنے اور اس کے آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ دائیں طرف قلعے کے ساتھ ساتھ فصیل والا حصہ تھا جو اب جل کر خالی ہو چکا تھا اور کوئی ایک میل کے بعد باغات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ اسی جگہ کہیں وہ خفیہ راستہ نکلتا تھا جو براہِ راست شاہی محل تک جاتا تھا اور کیرٹ نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا۔ مگر اس نے راستے کی بالکل بھی نشاندہی نہیں کی تھی صرف اتنا کہا تھا کہ اسے اندر سے ہی کھولا جا سکتا تھا۔ اب اندر سے کھولنے کے لیے لازم تھا کہ پہلے شاہی محل جایا جاتا اور پھر وہاں سے اس راستے کے آخر میں آ کر خفیہ دروازہ کھولا جاتا تب ہم شاہی محل میں داخل ہو سکتے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا ایسا ہی کرنا پڑے گا؟ مگر اس سے پہلے ضروری تھا کہ فصیل کا باہر سے معائنہ کیا جائے۔ میں نے ایرٹ کی طرف دیکھا۔ ''ابھی اندھیرا ہونے کے بعد ہم باہر جائیں گے۔ تم ربیک اور اپنے خاص ساتھیوں کو تیار کر لو۔ ہم سرمئی وردی میں ہوں گے۔''

ایرٹ فوری نیچے اتر گیا۔ مجھے اس کی یہ بات پسند تھی کہ وہ سوالات میں وقت ضائع نہیں کرتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر صورتِ حال سامنے آ جائے گی۔ پہلے میں سوچ رہا تھا کہ ہم دروازے سے نکل کر جائیں گے مگر جب میں نے فصیل کا معائنہ کیا تو مجھے بہتر یہی لگا کہ ہم فصیل سے ہوتے ہوئے باغات تک پہنچیں اور وہاں رسّی کی سیڑھی سے نیچے اتریں اس طرح ہمارا کسی کی نظروں میں آنے کا امکان کم رہے گا۔ ایرٹ واپس آیا تو میں نے اسے رسّی کی سیڑھیوں کا بندوبست کرنے کو بھی کہا۔ وہ دوبارہ چلا گیا۔ اوپر سورج رفتہ رفتہ ڈھل رہا تھا۔ اسی لحاظ سے یہاں روشنی کم ہو رہی تھی۔ آج کا دن گرم رہا تھا اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اچانک ہی بارش شروع ہو گئی۔ پہلے ہلکی بوندیں گریں اور پھر تیزی کے ساتھ بڑی بوندیں گرنا شروع ہو گئیں۔ میں مینار سے اتر آیا ہمارے ساتھی بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بارش تاریکی چھانے تک جاری رہی۔ اس دوران میں، میں ایزارٹ کے پاس بیٹھا اس سے آنے والے ممکنہ حالات اور ان سے نمٹنے کی تدابیر پر غور کرتے رہے۔ میں نے ایزارٹ کو بھی ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بتایا۔ وہ فکرمند ہو گیا خاص طور سے باسو کے بارے میں سن کر۔

''یہ عفریت ہے اس سے کیسے نمٹیں گے؟''

''یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ''دیکھا جائے تو وہ خود مظلوم ہے کیونکہ اسے زبردستی ایسا بنایا گیا ہے اور وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہے گا۔''

''مگر ہمارے لیے تو وہ موت بن جائے گا۔'' ایزارٹ سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے کہا۔ ''تم آرگون سے باہر جا رہے ہو؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''کیرٹ نے مجھے بتایا تھا کہ فصیل کے مشرقی حصے میں ایک خفیہ راستہ ہے جو براہِ راست شاہی محل تک جاتا ہے مگر اسے اندر سے ہی کھولا جا سکتا ہے۔''

''اگر اسے اندر سے ہی کھولا جا سکتا ہے تو پھر باہر سے دیکھنے کا فائدہ؟''

''ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ راستہ کہاں کھلے گا۔''

''ہاں یہ معلوم ہونا ضروری ہے۔'' ایزارٹ قائل ہوا۔

''میں اسی لیے جا رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا میں ساتھ چلوں؟''

''نہیں تمہارا یہاں ہونا ضروری ہے جس طرح تم سب سنبھال رہے ہو اور اپنے آدمیوں کی رہنمائی کر رہے ہو اس طرح کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ہے۔ کاش کہ تم ہی آریگو کی جگہ پہلے سربراہ ہو جاتے۔''

میں باہر آیا تو بارش رک گئی تھی اور فضا میں نباتات کی مخصوص مہک پھیلی ہوئی تھی۔ جو بارش کے بعد آتی ہے لیکن یہ خوشبو یہاں بہت واضح تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ شہروں میں اب بارش کے بعد یہ خوشبو نہیں آتی ہے۔ اسلام آباد جیسے ہرے بھرے شہر میں بھی اب خوشبو نہیں آتی۔ یہ گاؤں دیہات میں رہ گئی۔ جب میں حویلی جاتا اور بارش ہوتی تب یہ خوشبو آتی تھی۔ آلودگی نے فطری چیزوں کو ختم کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہاں آنے والی خوشبو اس سے کہیں تیز تھی۔ شاید اس لیے کہ یہ خطہ دنیا کی آلودگیوں سے محفوظ تھا۔ ایرٹ، ربیک اور قلعوں سے آنے والے دوسرے نوجوان تیار تھے۔ ان میں شاٹ، ایمار اور مارٹ بھی تھے۔ رائٹون اب ایزارٹ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ہتھیار باندھ لیے تھے اور ایرٹ نے تین عدد رسّی اور لکڑی سے بنی سیڑھیاں بھی لے لی تھیں۔ رات کی مناسبت سے مشعلیں بھی تھیں مگر فی الحال انہیں جلایا نہیں تھا۔

جیسے ہی تاریکی مکمل ہوئی ہم روانہ ہو گئے۔ عام طور سے فصیل پر تیز روشنی والی مشعلیں جلتی تھیں۔ جب تک رینالٹ کے سپاہی یہاں تھے مگر آج وہ نہیں تھے اور اب یہاں مشعلیں روشن نہیں تھیں۔ البتہ ایزارٹ کے آدمیوں نے اندر مشعلیں جلا لی تھیں۔ مرکزی شاہراہ کے ساتھ دوسری شاہراہوں کی مشعلیں بھی نہیں جلی تھیں کیونکہ آج کوئی جلانے نہیں آیا تھا۔ میں نے فصیل سے آرگون شہر دیکھا جہاں اب تاریکی چھا چکی تھی اور یہ کسمپرسی میں لپٹا ہوا بے بس سا شہر نظر آیا۔ حادثات اور جنگیں کیسے آبادیوں کو بے رونق بنا دیتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جہاں رینالٹ جیسے خود غرض حکمران ہوں وہاں ایسی ہی بے رونقی ہوتی ہے۔ چاہے جنگ یا حادثہ بھی پیش نہ آئے۔ اچھے حکمران ویرانوں کو بھی گلزار بنا دیتے ہیں اور برے حکمران ہنستی بستی آبادیوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ شروع میں ہم محتاط رہے۔ ذرا جھک کر دیوار کی آڑ میں چلتے رہے۔ مگر تاریکی میں آتے ہی ہم تیز رفتاری سے سفر کرنے لگے تھے۔

ہلکی رفتار سے دوڑتے ہوئے ہم تقریباً پندرہ منٹ میں باغات تک پہنچ گئے۔ یہاں فصیل تنگ تھی اور اب اس پر ایک وقت میں ایک ہی آدمی چل سکتا تھا۔ ابھی ہم نیچے اترنے کا سوچ رہے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ ہم نے مشعلیں نہیں جلائی تھیں کہ ان کی روشنی دور سے نظر آتی۔ ہم نے سیڑھیاں لٹکائیں اور نیچے اترنے لگے۔ باغات کے نزدیک تاریکی زیادہ اور مکمل تھی۔ یہاں روشنی کی ضرورت تھی مگر جب تک بارش برستی ہم مشعلیں نہیں جلا سکتے تھے اور روشنی کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے اس لیے درختوں کے نیچے آ گئے۔ قطرے یہاں بھی گر رہے تھے مگر بارش کے مقابلے میں کم تھے۔ میں نے سب کو خبردار کر دیا تھا کہ غیر ضروری آواز نہیں نکالنی ہے اور نہ ہی کوئی حرکت کرنی ہے۔ بعض اوقات یہی معمولی سی بے احتیاطی آدمی کو مروا دیتی ہیں۔ میرے ساتھی اس ہدایت پر مکمل عمل کر رہے تھے اور اس وقت ہم فصیل سے کوئی تیس گز دور تھے یہاں سے فصیل کسی قدر خم کھا کر شمال کی طرف مڑ رہی تھی یعنی ہم آرگون کے ایک کونے پر تھے۔

بارش ہلکی ہوئی تھی مگر ایک مسلسل رفتار سے جاری تھی۔ میں نے سوچا کہ وقت ضائع کرنے کے بجائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر میں فصیل کے نزدیک جا کر دیکھوں تو شاید کوئی سرا ہاتھ آئے۔ اب تاریکی مکمل بھی نہیں تھی نزدیک سے تھوڑا بہت نظر آ ہی رہا تھا۔ میں نے ربیک سے کہا کہ وہ میرے ساتھ آئے اور ہم فصیل کی طرف بڑھے تھے۔ ہم اس جگہ تک آئے جہاں سے فصیل مڑ رہی تھی۔ یہاں فصیل کی اونچائی کوئی تیس فٹ تھی۔ نیچے کسی قدر خم تھا لیکن چھ سات فٹ کے بعد یہ بالکل سیدھی ہو گئی تھی۔ اوپر کہیں ایسے گگرے یا کوئی چیز نہیں تھی جس میں کمند پھنسائی جا سکتی۔ اس کے باوجود وہاں سپاہی لازمی موجود ہوتے اگر آرگون کو حملے کا سامنا کرنا ہوتا۔ مگر آرگون کی سپاہ خود حملہ آور تھی۔ اوپر سیدھی دیوار تھی جو پہرے پر مامور سپاہیوں کی حفاظت کے لیے تھی۔ ہم نے بڑی مشکل سے سیڑھیاں لٹکائی تھیں۔

''کیا خیال ہے جناب آگے چل کر دیکھیں؟'' ربیک نے کہا۔

میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ میں اور ربیک دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ جیسے ہی ہم دیوار سے گھومے مجھے لگا جیسے نزدیک کہیں ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی ہو اور زمین میں اس کا ارتعاش محسوس ہوا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے لگا جیسے زلزلہ آ رہا ہو مگر فوراً ہی ذرا آگے روشنی کی جھلک آئی اور میں تیزی سے واپس آیا تھا۔ روشنی فصیل میں ایک دراڑ سے جھلک رہی تھی۔ ربیک نے بھی دیکھ لیا تھا اور اس کے ذہن میں بھی وہی خیال آیا جو میرے ذہن میں آیا تھا اس نے میرے کان میں کہا۔ ''خفیہ راستہ۔''

''پیچھے ہٹو۔'' میں نے سرگوشی میں کہا اور ہم دیوار سے لگے لگے پیچھے ہٹنے لگے۔ فصیل کے خم سے اس طرف آتے ہی ہم تیزی سے درختوں کی طرف آئے اور اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کر کے میں ربیک کے ساتھ درختوں میں ہوتا ہوا فصیل کے اس حصے کی طرف جانے لگا جہاں سوراخ موجود تھا۔ درخت یہاں فصیل سے فاصلے پر تھے۔ ہم اس جگہ کے سامنے پہنچے تو وہاں اب نصف درجن مسلح سپاہی نظر آ رہے تھے اور انہوں نے سرمئی وردی پہن رکھی تھی۔ فصیل میں تقریباً ڈھائی فٹ چوڑا اور پانچ فٹ اونچا خلا تھا۔ اندر سے مسلح سپاہی مسلسل برآمد ہو رہے تھے اور جب تقریباً ایک درجن افراد باہر آئے تو آخری فرد نے خلا میں جھک کر کچھ کہا اور فوراً ہی خلا بند ہونے لگا۔ دروازہ بند ہونے سے گڑگڑاہٹ کی ہلکی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ شاید پتھر کا یہ بھاری دروازہ کسی میکنزم پر تھا۔ چند لمحے کے اندر وہاں سوائے دیوار کے اور کچھ نہیں تھا۔ ابھی تو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ دن میں نزدیک سے دیکھنے پر بھی کسی کو شبہ نہیں ہوگا کہ یہاں کوئی دروازہ ہے۔ یہ تھا وہ خفیہ دروازہ جس کے بارے میں کیرٹ نے مجھے بتایا تھا مگر اس کا جائے وقوع نہیں بتایا تھا۔ میں نے سرگوشی میں ربیک سے کہا۔

''ایسا لگ رہا ہے کہ رینالٹ کو فصیل اور دروازے پر ہمارے قبضے کا پتا چل گیا ہے اور اس نے شاید فوج کو پیغام دینے کے لیے ان لوگوں کو اس خفیہ راستے سے بھیجا ہے۔''

ربیک مضطرب ہو گیا۔ ''اس صورت میں ہمیں ان لوگوں کو جانے نہیں دینا چاہیے۔''

یہی خیال میرا بھی تھا۔ ''میں متفق ہوں لیکن ان سب کو مارنا مناسب نہیں ہوگا۔ کچھ افراد کا زندہ پکڑنا لازمی ہے۔''

آنے والے اب چلنا شروع ہو گئے تھے اور وقت بالکل نہیں تھا۔ میں اور ربیک ہر ممکن تیزی سے واپس آئے۔ بارش کا ہلکا سا شور ایسا تھا کہ اس میں چھوٹی موٹی آہٹیں پاس سے بھی نہ سنائی دیتیں۔ ربیک نے آتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی سب کو ہوشیار کر دیا۔ میں نے تین تین افراد پر مشتمل دستے بنائے۔ ان کے لیے سمتوں کا تعین کیا اور ان سے کہا۔ ''تم ان کو چاروں طرف سے گھیرو گے۔ جیسے ہی اشارہ ملے تم حملہ کرو گے مگر جسم کے نچلے حصوں کو نشانہ بنانا۔ ہمیں کچھ افراد کو زندہ پکڑنا ہے۔ مگر یاد رکھنا کوئی فرار نہ ہونے پائے اس صورت میں تم مارنے کے لیے وار کرو گے۔''

سب نے سر ہلایا اور طے شدہ سمتوں میں غائب ہونے لگے۔ فصیل سے باہر آنے والوں کو اس طرف سے ہو کر جانا تھا۔ وہ کچھ ہی دیر بعد نمودار ہوئے۔ رازداری کے لیے انہوں نے بھی مشعلیں نہیں جلائی تھیں اور تاریکی میں سفر کر رہے تھے اس لیے ان کی رفتار کم تھی۔ میرے ساتھ رائٹون اور ایرٹ تھے۔ ہم رینات کے آدمیوں کے دائیں طرف تھے۔ حملے کا آغاز ایرٹ کی طرف سے پرندے کی آواز نکالنے پر کیا جاتا۔ یہاں باغ ذرا گھنا تھا اور درختوں کے درمیان جگہیں کم تھیں۔ میں کسی ایسی جگہ ان پر حملہ چاہتا تھا جہاں جگہ زیادہ ہو اور وہاں ان کے فرار کا امکان کم رہے۔ میرے ساتھی پوزیشن لے چکے تھے اور ہم نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ مگر وہ بے خبر تھے۔ وہ اپنی بھاری ڈھالیں سامنے کیے چل رہے تھے مگر ان کی پشت اور پہلو غیر محفوظ تھے۔ انہوں نے لکڑی کی جو زرہ پہنی ہوئی تھی وہ تیر روکنے میں ناکام رہتی تھی اس کا میں نے مشاہدہ کر لیا تھا۔

بالآخر وہ ایسی جگہ پہنچے جہاں تقریباً بیس گز کے دائرے میں کوئی درخت نہیں تھا اور میرے اشارے پر ایرٹ نے پرندے کی آواز نکالی۔ تیر کمانوں پر ہم پہلے ہی چڑھا چکے تھے۔ بیک وقت درجن تیز سنسناتے ہوئے چار سمتوں سے آئے اور کم سے کم نصف دستہ نشانہ بنا۔ نچلے جسم کا نشانہ لینے میں یہ احتیاط بھی تھی کہ کوئی تیر خطا ہو کر دوسری طرف موجود اپنے ہی کسی ساتھی کو نہ جا لگے اور نیچے تیر لگنے کی صورت میں زندہ بچنے کا امکان زیادہ ہو جاتا۔ زخمیوں کی چیخیں بہت بلند تھیں مگر وہ رینات کی فوج کے پڑاؤ تک بہرحال نہیں جا سکتی تھیں۔ وہ یہاں سے بہت فاصلے پر تھا۔ تربیت یافتہ سپاہیوں نے پہلے حملے کے بعد ڈھالیں آگے کر کے دائرہ بنا لیا اور اس میں ان کے زخمی ساتھی بھی آ گئے تھے۔ انہوں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی اور یہ اچھی بات تھی۔ ایرٹ نے میرے اشارے پر بلند آواز سے کہا۔

''تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔ بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہتھیار پھینک دو۔ ہم تمہیں مارنا نہیں چاہتے ورنہ پیروں کا نشانہ نہ لیتے۔''

''ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔'' ان میں سے کوئی چلایا۔ اس دوران میں ہم دوبارہ کمانوں پر تیر چڑھا چکے تھے۔ انکار سنتے ہی سب نے پھر تیر چلائے اور اس بار بھی نیچے کا نشانہ لیا۔ دو چیخیں اور گونجیں۔ مسلسل مشق سے میرا نشانہ بھی خاصا بہتر ہو گیا تھا اور مجھے لگا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔ ایرٹ نے پھر کہا۔

''آخری بار کہا جا رہا ہے ہتھیار ڈال دو ورنہ سب مارے جاؤ گے۔ کیوں رینات جیسے خودغرض آدمی کے لیے جان دیتے ہو۔''

دوسرے حملے اور مزید دو افراد کے زخمی ہونے سے ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دینا ہی مناسب سمجھا۔ پہلے انہوں نے اپنے ہتھیار پھینکے۔ ایرٹ نے للکار کر کہا کہ وہ ڈھالیں بھی پھینک دیں۔ وہ ڈھالیں پھینکتے ہوئے ڈر رہے تھے کہ ہم تیروں سے نشانہ بنائیں گے۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اس لیے انہوں نے بادل نا خواستہ ڈھالیں بھی پھینک دیں۔ سات زخمی پہلے ہی لیٹے ہوئے تھے باقی پانچ جو ٹھیک تھے وہ بھی اوندھے منہ زمین پر لیٹ گئے۔ زخمیوں کو ٹانگوں میں تیر لگے تھے۔ البتہ ایک کو کولہے میں لگا تھا۔ میرے ساتھی ان کی تلاشی لینے لگے اور ان کے تمام ہتھیار قبضے میں کر لیے۔ ربیک نے پوچھا۔ ''تمہارا سربراہ کون ہے؟''

''میں ہوں۔'' ایک صحیح سلامت نوجوان بولا۔

''کھڑے ہو جاؤ۔'' ربیک نے حکم دیا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ تلاشی کے بعد اس کے پاس سے ایک چھڑی نکلی تھی۔ یہ یقیناً رینالٹ کے حکم کے ساتھ تھی اسے دیکھ کر فوج یقین کر لیتی کہ حکم رینالٹ کی طرف سے آیا ہے۔ چھڑی میں نے اپنے قبضے میں کر لی اور ربیک کے توسط سے پوچھا۔ ''تم کیا حکم لے کر جا رہے تھے؟''

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''شاہ معظم نے فوج کے لیے واپسی کا حکم روانہ کیا ہے۔ لیکن تم نے ہمیں روک لیا اور روک کر اچھا نہیں کیا۔''

میں چونکا۔ ''کیوں؟''

''کیونکہ فوج کسی وقت بھی سامیرا کے قلعوں پر حملہ کرنے والی ہے۔'' اس نے جواب دیا تو میرے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔

حملے کا سن کر میرے جسم میں لمحاتی سنسنی پھیلی تھی مگر یہ ایسی خبر نہیں تھی جو غیر متوقع ہو۔ رینالٹ کی فوج اگرچہ محاصرے کے لیے گئی تھی مگر بالآخر وہ وہاں حملہ ہی کرتی۔ اصل بات یہ تھی کہ رینالٹ نے فوج کو واپسی کا حکم دیا تھا اور ظاہر ہے یہ حکم ہماری وجہ سے دیا گیا تھا۔ رینالٹ اور اس کے ساتھی جان گئے تھے کہ باغی نہ صرف آزاد ہو گئے تھے بلکہ انہوں نے قلعے کی فصیل اور دروازے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ باغی کم تعداد میں تھے اور اب بھی رینالٹ کے خصوصی سپاہیوں کی تعداد ان سے زیادہ تھی مگر مسلسل ناکامیوں اور خاص سپاہ کے مارے جانے والے سپاہیوں کی بڑھتی تعداد نے اس کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور اس نے اسی میں عافیت سمجھی تھی کہ اپنی فوج کو واپس بلا کر پہلے شہر میں موجود باغیوں کا خاتمہ کرے اور آرگون پر اپنی گرفت مضبوط کرے اس کے بعد سامیرا کے خلاف کارروائی کرے۔ کسی وقت بھی شروع ہونے والے حملے کی تشویش ناک خبر کے باوجود مجھے خوشی ہوئی تھی کہ رینالٹ دفاع پر اتر آیا تھا۔ جب حملہ آور دفاع پر آ جائے تو سمجھ لیں کہ اس کا حوصلہ جواب دے گیا ہے۔ میں نے کمانڈر سے پوچھا۔

''تمہیں کیسے علم ہوا کہ سپاہ عنقریب سامیرا کے قلعوں پر حملہ کرنے والی ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نہیں جانتا، لیکن مجھے بتایا یہی گیا ہے کہ فوج جلد حملہ کرنے والی ہے اور اس سے پہلے اسے روک کر واپسی کا حکم دینا ہے۔''

''فرض کرو کہ تم فوج تک پہنچ جاتے اور پیغام پہنچا دیتے اس کے بعد تم کیا کرتے؟''

''میں واپس آتا۔''

''اسی جگہ؟''

''ہاں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور اسی خفیہ راستے سے قلعے میں جاتے؟''

اس نے سر ہلایا۔''ظاہر ہے۔''

''لیکن خفیہ راستہ تو اندر سے بند ہے تم اسے کیسے کھولتے؟''

میرے ابتدائی سوالات کا مقصد یہی تھا اگر میں براہِ راست پوچھ لیتا تو شاید وہ اس طرف آنے کا اقرار ہی نہ کرتا۔ مگر اب وہ اقرار کر چکا تھا اور ظاہر ہے جب اسے اسی راستے سے واپس جانا تھا تو کوئی نہ کوئی طریقہ تو ہوتا خفیہ دروازہ کھولنے کا۔ وہ چپ رہا تھا تو ربیک نے سنگی خنجر کی نوک اس کی گردن سے لگا۔''جواب دو۔''

وہ کانپ اٹھا تھا۔''یہ شاہی راز ہے اگر میں نے فاش کیا تو.....''

''فی الحال ریناٹ کو بھول جاؤ۔'' ربیک نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔''تمہاری زندگی و موت کا انحصار ہم پر ہے۔ اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہو تو جواب دو۔''

وہ زندہ رہنا چاہتا تھا اس لیے بادل نا خواستہ اس نے کہا۔''خفیہ دروازہ صرف اندر سے کھل سکتا ہے۔ باہر سے اسے کھلوانے کے لیے قلعے کی دیوار کے رکھے ایک پتھر کو ہٹا کر آواز دی جاتی ہے جسے سن کر اندر موجود محافظ دروازہ کھول دیتے ہیں۔''

کیونکہ مجھے ایسا کوئی پتھر دکھائی نہیں دیا تھا اس لیے میں اور ربیک اسے قلعے کی فصیل تک لائے اور اس نے وہاں جڑ میں لگے ایک پتھر کی نشاندہی کی۔''یہ نکل جاتا ہے۔''

میں نے ٹٹول کر پتھر کا جائزہ لیا اور پھر اس کے تین طرف موجود خلا میں انگلیاں پھنسا کر اسے کھینچا تو وہ فصیل سے نکل آیا۔ بظاہر وہ فصیل کا ہی حصہ تھا۔ پتھر کے عقب میں خلا تھا اور میں نے اس میں تیر ڈال کر دیکھا۔ یہ تقریباً ایک فٹ قطر کی سرنگ تھی جو آگے جا کر مڑ رہی تھی۔ احتیاطاً میں نے کوئی آواز نہیں نکالی اور پتھر کو بھی بنا آواز کے واپس اسی جگہ لگا دیا۔ کمانڈر کی یہ بات درست ثابت ہوئی تھی اس لیے اس کے جواب پر بھروسا کیا جا سکتا تھا۔ مجھے شاہی علاقے تک جانے والا قلعے کا خفیہ راستہ مل گیا تھا اور اسے کھلوانے کی سبیل بھی نظر آ گئی تھی۔ مگر یہ بعد کا مرحلہ تھا ابھی تو ہمیں قلعوں پر ہونے والا حملہ رکوانا تھا۔ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا تھا مگر میں پہلے ایزارٹ سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ اس آدمی نے اپنی ذہانت سے مختصر وقت میں مجھے متاثر کیا تھا اور مجھے حیرت تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے آریگو جیسا گدھا سربراہ کیسے بن گیا تھا۔ واپس آ کر میں نے سپاہیوں کو قلعے کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ ایرٹ نے زخمی سپاہیوں کے بارے میں پوچھا۔

''ان کا کیا ہوگا جناب؟''

''ان کے جو ساتھی ٹھیک ہیں وہ دوسروں کو سہارا دیں۔''

زخمی ہونے والے سپاہیوں نے اپنی زخموں سے تیر خود ہی نکال لیے تھے اور اپنے کرتوں سے کپڑا پھاڑ کر پٹی بھی کر لی تھی۔ البتہ جس کے کولہے میں تیر لگا تھا اس کی مدد دوسروں نے کی تھی۔ آٹھ زخمیوں میں سے دو اس قابل تھے کہ از خود چل سکتے تھے باقیوں کو ان کے ساتھی سہارا دیئے ہوئے تھے۔ ہم نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور میرے ساتھیوں کے تیر کمانوں پر تھے۔ انہیں خبردار کر دیا کہ ان کی طرف سے ذرا سی غلط حرکت ان کی فوری موت کا سبب بن جائے گی۔ کیونکہ اس لاؤ لشکر کے ساتھ فصیل سے واپسی ممکن نہیں تھی اس لیے ہم دیوار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ ساتھ دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ البتہ روانگی سے پہلے میں نے ایک ساتھی کو اوپر بھیج دیا کہ وہ سیڑھیاں سمیٹ لے اور تیزی سے واپس پہنچ کر ہمارے لیے پہلے سے چھوٹا دروازہ کھلوا دے۔ اس دوران میں بارش رک گئی تھی۔ زخمی قیدیوں کی وجہ سے ہماری رفتار خاصی سُست تھی اور بعض اوقات ان لوگوں کو مہمیز دینا پڑتی تھی کہ وہ تیز چلیں۔ آگے جانے والا سپاہی نہ صرف ہم سے پہلے پہنچ گیا بلکہ اس نے ایزارٹ کو سب بتا بھی دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نہ صرف چھوٹا دروازہ کھلا ہوا تھا بلکہ ایزارٹ باہر ہی موجود تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے آگے آیا۔

''کیا واقعی قلعوں پر حملہ ہونے والا ہے؟''

''اطلاع تو یہی ہے۔'' میں نے کہا اور اسے رینالٹ کی خاص چھڑی دکھائی۔ ''کسی عام سے کام کے لیے اس شاہی نشانی کو استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے؟''

''تم نے درست کہا۔'' وہ مضطرب لہجے میں بولا۔ ''ہمیں اس حملے کو روکنا ہوگا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پہلے ان لوگوں کو بھی قید خانے میں ڈلوا دو۔''

ایزارٹ نے آواز دے کر اپنے ایک نائب کو طلب کیا اور اسے آنے والے قیدیوں کے بارے میں ہدایت دینے لگا۔ ہم اندر آئے زخمی اور ٹھیک سپاہیوں کو قید خانے میں ڈلوا دیا۔ ہمارے پاس قیدیوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ اگرچہ ان کی وجہ سے ہماری کچھ افرادی قوت پہرے پر لگ گئی تھی اور ہمیں ایک ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ مگر مجبوری تھی ان کو بلا وجہ قتل بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں، ایزارٹ، ایرٹ اور ربیک میٹنگ روم میں آئے۔ یہ کمرا اب اسی کام کے لیے مخصوص تھا۔ میں نے ایزارٹ کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کیا تو وہ کچھ مضطرب ہو گیا۔ ''آپ..... نہیں یہ بہت بڑا خطرہ ہوگا۔''

''تب کون جائے گا۔ یہ کام بہت ہوشیاری سے کرنا ہے۔''

ایزارٹ نے سوچا اور پھر بولا۔ ''میں خود جاؤں گا۔''

''خطرہ تو تمہارے لیے بھی ہے۔''

''نہیں تمہارے لیے بہت زیادہ ہے۔'' ایزارٹ نے کہا۔ ''تم ہماری زبان نہیں بول سکتے اور تمہارے ساتھی اس طرح نہیں بول سکتے جیسا کی آرگون والے بولتے ہیں اس لیے تم لوگ فوراً پہچان لیے جاؤ گے۔ میں یہیں کا آدمی ہوں اور یہاں کی زبان یہیں کے لہجے میں بول سکتا ہوں۔ دوسرے مجھے یہاں سے جانے والے عام سپاہی دیکھ چکے ہیں کہ میں رینالٹ کا کمانڈر ہوں اس لیے میں جاؤں گا اور اگر کسی کو شک ہوا تو وہ میرے حق میں گواہی دیں گے۔''

ایزارٹ نے بہت مدلل انداز میں وضاحت کی۔ میں نے سوچ کر کہا۔ ''مگر سامیرا کے قلعوں میں موجود غداروں نے یہاں موجود حریت پسندوں کے بارے میں بتایا ہوگا اور ان میں تمہارا نام بھی شامل ہوگا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اب سے پہلے میں ایک عام سا فرد تھا یہ تو تم ہو جس نے مجھے اتنی حیثیت دی اور مجھے حریت پسندوں کا سربراہ بنا دیا ورنہ میرے بارے میں تو بڑوں میں سے کوئی نہیں جانتا۔''

میں اجازت دیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا کیونکہ میرے نزدیک ایزارٹ اب ایک قیمتی فرد بن گیا تھا اور ایسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی کو خطرات میں جھونکنا مناسب نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت تھی کہ لیڈر ہمیشہ فرنٹ پر ہوتے ہیں اور تب ہی وہ لیڈر بنتے ہیں۔ اللہ جس سے کام لینا چاہتا ہے اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے تم جاؤ مگر کوشش کرنا کہ یہ کام کر کے جلد از جلد واپس آ جاؤ۔ ہمارے پاس وقت کم رہ گیا ہے اور ہمیں اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔''

میرا اشارہ خفیہ راستے کی طرف تھا۔ ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں۔''

''میں بھی ایزراٹ کے ساتھ جاؤں گا۔'' ایرٹ نے کہا۔

''نہیں تم یہیں رکو گے۔'' میں نے انکار کیا۔ ''اس کے ساتھ میں جاؤں گا۔''

''آپ۔'' ربیک مضطرب ہو گیا۔ ''آپ کو دشمن پہچان سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''آپ بھول رہے ہیں آپ یہاں ریناٹ کی قید میں رہ چکے ہیں اور فوج میں کوئی ایسا سپاہی نکل آیا جو آپ کا صورت آشنا ہوتا تو آپ بہت بڑے خطرے میں پڑ جائیں گے۔''

ایرٹ ٹھیک کہہ رہا تھا میں نے اس پر غور کیا نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں چاہتا تھا کہ پڑاؤ تک جاؤں اور وہاں کا احوال دیکھوں۔ ضروری نہیں تھا کہ میں فوج میں جاتا میں دور سے بھی دیکھ سکتا تھا۔ میں نے یہ بات کہی تو ایزارٹ راضی نظر آنے لگا۔ ''ہاں یہ ہو سکتا ہے تم پاس رہو گے تو مجھے بھی حوصلہ رہے گا۔''

بس تو روانگی کی تیاری کرو۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ایزارٹ نے دو درجن سپاہیوں کا ایک دستہ تیار کیا۔ اس نے تمام افراد کی وردیوں پر ضروری نشانات لگوائے۔ میں اور ایرٹ پیچھے ہوتے۔ طے پایا کہ ہم راستے میں الگ ہو کر باغات میں چلے جائیں گے اور وہاں سے فوج کا جائزہ لیں گے۔ جب سب تیار ہوئے تو قلعے کا چھوٹا دروازہ کھول دیا گیا اور ہم باہر آئے۔ دو قطاروں میں آگے بڑھنے لگے۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارش کی وجہ سے راستہ کیچڑ زدہ اور خراب ہو رہا تھا اس لیے ترتیب رکھنا ممکن نہیں تھا تمام سب پانی اور کیچڑ سے بچ بچا کر چل رہے تھے۔ کھیت جل کر راکھ ہو چکے تھے اور ظاہر ہے ان میں لگی فصل جو تقریباً پک چکی تھی وہ بھی جل گئی اور آنے والے سرما میں اس بحران سے بچنے والے افراد کو خوراک کے بحران کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر یہ بعد کی بات تھی ابھی تو اس بحران سے نمٹنا تھا جو جاری تھا۔ جب ہم باغات کے نزدیک پہنچے تو میں اور ایرٹ باقیوں سے الگ ہو گئے اور درختوں میں داخل ہو کر آگے بڑھنے لگے۔ ایرٹ نے کہا۔

''کیا خیال ہے اس چٹان تک نہ چلیں جہاں سے سارا منظر صاف نظر آتا ہے؟''

میں نے انکار کیا۔ ''نہیں وہ بہت دور ہے اور ہمیں جلد از جلد واپس جانا ہے۔''

ایک گھنٹے میں ایزارٹ اور اس کا دستہ فوج کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا تھا اور اس وقت ہم اس سے کوئی پون میل کے فاصلے پر تھے۔ یہاں سے فوج اور اس سے ذرا دور قلعوں کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ساری دنیا میں رواج ہے کہ پھلدار درختوں کا قد کم رکھا جاتا ہے تاکہ پھل اتارنے میں دشواری نہ ہو۔ اس کے لیے درختوں کی اوپر سے چھٹائی کی جاتی ہے اور نیچے سے ان کو پھیلنے دیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ یہاں بھی رائج تھا۔ اس لیے درختوں کی شاخیں زمین تک پھیلی تھیں مگر ان کی بلندی نو دس فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ اگر یہ ذرا بلند درخت ہوتے تو ان پر چڑھ کر فوج اور قلعوں کو بہتر طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ ایزارٹ کو گئے ہوئے نصف گھنٹا ہونے کو آیا تھا اور ابھی تک اس کی واپسی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے اور ایرٹ نے عام سپاہ والی سرخ وردی پہن لی تھی تاکہ ہم تاریکی میں نمایاں نہ ہوں۔ سفید مائل سرمئی وردی میں دور سے نظر آتے۔ کچھ دیر اور گزری تو میں فکرمند ہو گیا۔

''ایزارٹ کو اب تک آ جانا چاہیے۔''

ایرٹ بھی پریشان تھا اس نے کہا۔ ''اس کے پاس شاہی مہر ہے اور فوج کے سالار کی جرأت بھی نہیں ہو گی کہ اسے اس کی مرضی کے خلاف روک سکے۔''

''تب کوئی گڑبڑ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کچھ اور انتظار کرتے ہیں اس کے بعد ہم پڑاؤ کی طرف چلیں گے۔''

''ہم وہاں جا کر کیا کر لیں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو وہاں پہنچ کر ہی علم ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''ہم حالات دیکھیں گے۔ اگر ایزارٹ اور اس کے ساتھی کسی مشکل میں ہوئے تو ہم دیکھ بھال کر ان کی مدد کریں گے۔''

ایرٹ نے سر ہلایا۔ ''اگر وہ پکڑا جا چکا ہے تو ہم شاید ہی اس کی کوئی مدد کر سکیں۔''

میں اندازہ کر رہا تھا اور جب میرے حساب سے ایزارٹ اور اس کے ساتھیوں کو گئے ہوئے پون گھنٹہ ہونے کو آیا تو میں نے ایرٹ سے کہا۔ ''چلو مگر ہم پڑاؤ میں ایسے جائیں گے جیسے اسی کا ایک حصہ ہوں۔ کوشش کرنا کہ نمایاں نہ ہو۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔''

''کسی ایک کے پھنسنے کی صورت میں دوسرا الگ رہے اور پڑاؤ سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔'' میں نے آگے کی حکمتِ عملی واضح کی اور پڑاؤ کی طرف بڑھا۔ ''بہتر ہوگا کہ پڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں مگر نظروں میں رہیں۔ آگے بھی ہمیں ایک دوسرے کو نظروں میں رکھنا ہوگا۔''

ہم باری باری ایک دوسرے سے ذرا فاصلہ رکھ کر پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ یہاں تیز روشنی تھی اور خیموں کے درمیان جگہ جگہ لکڑی کے کھمبے نصب کر کے ان پر مشعلیں لگائی گئی تھیں۔ پڑاؤ میں ضرورت سے زیادہ روشنی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ آرگون کی فوج خوفزدہ تھی اور چھاپہ مار کارروائی کے خوف سے اس نے اتنی زیادہ روشنی کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ زیادہ تر سپاہی خیموں میں آرام کر رہے تھے اور اس وقت وہی باہر تھے جن کی ڈیوٹی تھی اور ان کی بھی ڈیوٹی پڑاؤ کے بیرونی حصوں پر تھی۔ اندر بہت کم سپاہی نظر آ رہے تھے۔ میں اور ایرٹ ایک دوسرے پر نظر رکھتے ہوئے پڑاؤ میں گھوم رہے تھے اور ہمیں ایزارٹ اور اس کے ساتھیوں کی تلاش تھی۔ ان کی تعداد دو درجن سے زیادہ تھی اور وردیاں سرمئی تھیں اس لیے ہمیں تلاش میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔

ایک چھوٹے سے میدان میں ایزارٹ کے آدمی دائرے میں زمین پر بیٹھے تھے اور ان کے چاروں طرف مسلح تیرانداز یوں کھڑے تھے کہ ان کے کمانوں پر چڑھے تیروں کا رخ ہمارے ساتھیوں کی طرف تھا۔ یہ زیادہ ہی تشویش ناک منظر تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ ایزارٹ کا راز فاش ہو گیا تھا اور وہ سب پکڑے گئے تھے۔ میں نے نزدیک جاتے ہوئے جائزہ لیا مگر مجھے ان میں ایزارٹ نظر نہیں آیا۔ ایرٹ نے بھی یہ منظر دیکھ لیا تھا اور اس نے غیر محسوس انداز میں مجھے اشارہ کیا۔ میں نے جوابی اشارے سے بتایا کہ میں بھی دیکھ چکا ہوں اور اسے ذرا پیچھے آنے کو کہا۔ ایرٹ واپس ہوا اور ہم ایک ایسے خیمے کی آڑ میں آ گئے جس میں اندر کوئی نہیں تھا۔ ایرٹ نے آتے ہی کہا۔ ''وہ پکڑے گئے ہیں اب ہم کیا کریں؟''

''سرخ سپاہیوں نے جس طرح انہیں گھیر رکھا ہے ان کو چھڑانا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں ایزارٹ کو تلاش کرنا ہوگا اگر اسے کسی الگ جگہ رکھا گیا ہے تو ہم شاید اسے چھڑا سکیں۔''

جہاں ہمارے ساتھی قیدی بن کر بیٹھے تھے اس سے ذرا آگے فوج کے افسران اور کمانڈرز کے خیمے تھے۔ اس کا اندازہ خیموں کی وسعت اور آرائش سے ہو رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر ایزارٹ کو الگ رکھا گیا تھا تو امکان یہی تھا کہ وہ ان خیموں کے آس پاس کہیں ہوگا۔ میں اور ایرٹ چکر لگا کر میدان سے بچتے ہوئے ان خیموں تک پہنچے یہاں خیموں کے باہر پہرہ بھی تھا۔ ایرٹ سامنے کی طرف سے خیموں کی قطار میں داخل ہوا اور میں عقبی سمت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آیا۔ جیسے ہی میں ایک بڑے خیمے کے پاس پہنچا مجھے اندر سے ایزارٹ کی بلند آواز سنائی دے۔ ''تم لوگ شاہ معظم کے غضب کو آواز دے رہے ہو۔ شاہی نشانی کے باوجود میرے ساتھ یہ سلوک شاہ معظم کے توہین کے مترادف ہے۔''

''ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔'' دوسری آواز آئی۔ میں اس وقت خیمے کے عقبی حصے میں تھا اور یہ کوئی پہریدار نہیں تھا مگر عقب میں جلتی مشعلوں کی وجہ سے میرا سایہ خیمے پر آرہا تھا اس لیے میں رکنے کے بجائے آگے بڑھا اور آس پاس دیکھا۔ اتفاق سے یہ جگہ تمام ہی خیموں کا عقبی حصہ تھی اس لیے یہاں پہریدار نہیں تھے۔ مگر میں مطمئن نہیں تھا۔ میں نے ایرٹ کو بھی اسی جگہ بلایا اور اسے پہریداری پر لگا کر خود زمین پر لیٹ کر اس خیمے تک آیا اور بس اتنا نزدیک ہوا کہ اس کی چادر پر میرا سایا نہ آئے۔ میرا کام اس سے بھی چل رہا تھا کیونکہ اندر کی آوازیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ایزارٹ کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ اس پر شک ہوا ہے اور اسے روک لیا گیا ہے۔ مگر شک کی وجہ سامنے نہیں آئی تھی۔ جب میں دوبارہ آیا تو کوئی تیسرا فرد کہہ رہا تھا۔

''میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ باغیوں میں شامل تھا۔''

''یہ غلط ہے اور اگر تمہیں شک ہے تو بے شک میرے ساتھ چلو۔ شاہ معظم کے سامنے اپنا شک رکھنا۔ وہ خود تمہیں بتائیں گے کہ میں ان کا کتنا بڑا وفادار ہوں۔ قلعے کی فصیل اور دروازے کا انتظام مجھے ایسے نہیں سونپا گیا ہے۔'' ایزارٹ نے جواب دیا مگر میرا ذہن اس تیسرے فرد کی آواز میں الجھا ہوا تھا۔ جب وہ بولا تو ایسا لگا کہ وہ آواز بدل کر بول رہا ہے۔ اس کی باوجود مجھے اس کی آواز جانی پہچانی لگی تھی۔ ایزارٹ نے اب پہلے شخص سے کہا۔ ''تم اس شخص کے کہنے پر مجھے روک رہے ہو جس میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ اپنا چہرہ دکھا سکے۔''

''مجبوری ہے باغیوں کے خلاف یہ ہمارا سب سے اہم مہرہ ہے اور درحقیقت ہم بھی اسے صورت سے نہیں پہچانتے۔'' دوسرا فرد بولا وہ شاید آرگون کی فوج کا سالار یا اس کا کوئی نائب تھا۔ اس سے نیچے لیول کا آدمی ایزارٹ کو گرفتار کر کے تفتیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ''شاہ معظم کی طرف سے اس کے بارے میں خصوصی ہدایات ہیں۔''

''تمہارے اپنے آدمی میرے بارے میں بتا چکے ہیں جن سے میں نے فصیل اور دروازے کی ذمے داری لی تھی۔'' ایزارٹ نے کہا اور تیسرے شخص سے بولا۔ ''سنو اگر میں باغیوں میں ہوتا تو لازمی کسی بڑی حیثیت کا مالک ہوتا مگر تم میرا نام تک نہیں جانتے ہو۔ شاید تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ میری صورت کسی باغی سے ملتی ہو گی۔''

''شاید یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' سالار یا نائب سالار نے ایزارٹ کی تائید کی۔ اب بات سمجھ میں آنے لگی تھی ایزارٹ کو کسی ایسے شخص نے شناخت کیا تھا جو سامیرا کے قلعوں میں آرگون کا جاسوس تھا اور وہ حریت پسندوں سے بھی واقف تھا۔ وہ یقیناً قلعے سے یہاں آیا تھا تبھی صورت چھپا رہا تھا۔ ایزارٹ نے زور دے کر کہا۔

''میں سو فیصد ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اب بھی وقت ہے مجھے واپس جانے دو میں اس بات کو بھول جاؤں گا۔ وہ بھی صرف آرگون اور شاہ معظم کی خاطر۔ اس وقت ہم بہت مشکل میں ہیں اور آپس کا اختلاف سامیرا اور اس کے ساتھیوں کے لیے ہی سودمند ہوگا اور ہم جنگ ہار بھی سکتے ہیں۔ اگر عام حالات میں کسی نے میری ایسی توہین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ہوتی تو میں عزت کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم باغیوں میں شامل تھے۔'' تیسرے شخص نے کہا اور میں نے بہت غور سے اس کی آواز سنی تھی مگر اس بار بھی میں صرف جانی پہچانی محسوس کر سکا۔ وہ کامیابی سے اپنی اصل آواز چھپا رہا تھا۔ ایزارٹ نے کہا۔

''تب ایک ہی صورت ہے ہم سب شاہ معظم کے سامنے پیش ہوں اور وہ فیصلہ کریں۔ تمہیں بھی ساتھ چلنا ہوگا۔''

''میں ساتھ نہیں جا سکتا۔'' تیسرے شخص نے فوراً انکار کر دیا۔ ''مجھے فوری واپس جانا ہے۔ میں صرف اسی لیے آیا تھا کہ جلدی حملے کا کہہ سکوں۔ جتنی تاخیر ہوگی آرگون کی فوج کی ناکامی کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ جو شخص یہاں سے آرگون کی طرف گیا ہے تم لوگ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو۔ وہ بہت ہی خطرناک آدمی ہے۔ مجھے یقین ہے آرگون میں کوئی بڑی تبدیلی آ گئی ہے۔''

''پچھلے چند دنوں میں ہم نے آرگون میں ہزار سے زیادہ آدمیوں کو گرفتار کیا ہے ان میں باہر سے آنے والے کچھ لوگ بھی شامل ہیں۔ کئی سو افراد مزاحمت کرنے پر مارے جا چکے ہیں۔''

''ان میں شہباز بھی ہے۔'' تیسرے شخص نے پوچھا۔

''میں قیدیوں کے معاملات سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ مگر سنا ہے کہ عنقریب گرفتار کیے جانے والے تمام افراد کو سزائے موت دے دی جائے گی۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے گا۔ اس کے بعد شاہ معظم سامیرا اور اس کے ساتھیوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کریں گے۔ حملہ روکنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ابھی آرگون میں کچھ باغی چھپے ہوئے ہیں اور ان کی تلاش جاری ہے۔ ایک بار باغیوں کا خاتمہ ہو جائے تو پھر پوری یکسوئی سے یہاں قلعوں پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔''

''مگر یہاں رسد کم رہ گئی ہے۔'' سالار یا نائب سالار نے کہا۔ ''ہمیں فوری رسد کی ضرورت ہے۔''

''میں واپس جا کر شاہ معظم سے سفارش کروں گا کہ فوج کو فوری رسد مہیا کی جائے ورنہ ان میں بددلی پھیلے گی۔''

''بددلی پھیل رہی ہے۔'' سالار یا نائب سالار نے زور دے کر کہا۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ایزارٹ سے متفق ہو چکا ہے اور اس پر اب شک نہیں رہا ہے۔ مگر مسئلہ تیسرے فرد کا تھا۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' ایزارٹ نے تشویش سے کہا۔ ''مگر میں واپس جاؤں گا تو کچھ کروں گا اور اگر میں نے دیر کی تو مجھ سے جواب طلبی ہوگی کیونکہ میرے پاس شاہی نشانی ہے اور یہ میرے پاس امانت ہے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' سالار یا نائب سالار نے جواب دیا۔

''تب کیا فیصلہ کیا ہے؟''

ایزارٹ کے ساتھ ساتھ میری سانس بھی رک گئی تھی اور میں جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ سالار یا نائب سالار نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔ امید ہے تم بات آگے نہیں بڑھاؤ گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن.....'' تیسرے فرد نے کہنا چاہا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' سالار یا نائب سالار نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''جہاں تک حملے کی بات ہے شاہ معظم کا حکم ہمارے لیے سب سے اہم ہے۔''

''جلد ہم آرگون کے باغیوں سے مکمل طور پر نمٹ لیں گے اور تب ہم بھی یہاں حملے میں شامل ہونے آئیں گے۔'' ایزارٹ نے کہا۔ ''وادی کی یہ تقسیم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔''

''ایسا ہی ہوگا۔'' سالار یا نائب سالار نے کہا۔

''اب میں چلوں گا۔ مجھے بہت پہلے واپس پہنچ جانا چاہیے تھا۔'' ایزارٹ نے کہا تو میں پیچھے سرکا اور پھر زمین سے اٹھ گیا۔ ایرٹ کچھ فاصلے پر پہرہ دے رہا تھا میں نے اس کے پاس جا کر آہستہ سے کہا۔

''مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ ایزارٹ کو قلعے کی طرف سے آنے والے ایک شخص کی شناخت کے بعد روک لیا گیا تھا مگر اس نے اتنے اعتماد سے بات کی کہ اس فوج کا سالار یا نائب سالار متاثر ہو گیا اور اس نے ایزارٹ کو جانے کی اجازت دے دی ہے۔''

ایرٹ فکرمند ہو گیا۔ ''قلعے سے آنے والا فرد، مگر وہ آیا کیسے؟''

''یہ سوال اہم ہے وہ نقاب پوش ہے اور یہاں کے فوجی افسران بھی اس کی شناخت سے بے خبر ہیں۔ میرا خیال ہے وہ بھی واپس جائے گا اور ہم اسے شناخت کرنے کی کوشش کریں گے۔''

میں اور ایرٹ پڑاؤ کے اس طرف آئے جو قلعوں سے زیادہ نزدیک تھا اور ایک مناسب جگہ چھپ گئے۔ چند منٹ بعد تین افراد اس طرف آئے۔ ان میں سے ایک نے منہ چھپایا ہوا تھا اور باقی دو لباس سے عام سپاہی لگ رہے تھے۔ کیونکہ اس کا منہ چھپا ہوا تھا اس لیے میں اس کے جسم پر غور کر رہا تھا۔ وہ چھریرے جسم کا مگر مضبوط آدمی تھا اور اس کا تعلق شاید فوج سے تھا کیونکہ اس کی چال مخصوص انداز لیے ہوئے تھی۔ ایرٹ بھی اسے غور سے دیکھ رہا تھا اور وہ ہم سے کوئی دس گز کی دوری سے گزرا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ایرٹ نے کہا۔ ''یہ مجھے بھی جانا پہچانا لگ رہا ہے مگر یاد نہیں آ رہا کہ ایسا کون سا فرد میں نے دیکھا ہے۔''

میں نے تائید کی۔ ''یہ قلعوں میں یقیناً کسی اہم پوزیشن پر ہوگا اور یقیناً اس کے ساتھی بھی ہوں گے ورنہ یہ چھپ کر کسی طرح قلعے سے باہر نہیں آ سکتا تھا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ایرٹ نے سر ہلایا۔ ''ہمیں واپس جانا چاہیے۔''

جب ہم اس میدان تک پہنچے جہاں ایزارٹ کے دستے کو قیدی بنایا ہوا تھا تو وہ جگہ اب خالی تھی۔ ایزارٹ اپنے آدمیوں کو لے کر جا چکا تھا۔ میں اور ایرٹ بھی ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر پڑاؤ سے باہر آئے اور عین اس وقت جب میں پڑاؤ کے آخری حصے میں تھا کسی نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔ ''اے کون ہو تم اور کہاں جا رہے ہو؟''

میں زبان سے جواب نہیں دے سکتا اس لیے مڑا اور کچھ دور موجود پہریدار کی طرف دیکھ کر دانت نکالتے ہوئے پیٹ پر ہاتھ مارا۔ ساتھ ہی میں یوں جھکا ہوا تھا جیسے پیٹ میں سخت مروڑ اٹھ رہے ہیں۔ پہریدار نے سر ہلایا۔ ''اچھا اچھا پیٹ خراب ہے۔ یہاں کھانے کو راشن کم ہو رہا ہے اور لوگ زیادہ کھانے لگے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے درست کہا جب انسان کو قلت خوراک کا خطرہ ہوتا ہے اور یہ خطرہ اجتماعی ہو تو انسان ہوس میں زیادہ کھانے لگتا ہے۔ ہاں خوراک اس کے اپنے قبضے میں ہو تو وہ اسے سوچ سمجھ کر احتیاط سے استعمال کرتا ہے۔ اس کی طرف سے اعتراض ختم ہوتے ہی میں یوں تیزی سے بھاگا جیسے میرا ضبط جواب دے رہا ہو اور درختوں میں گھستے ہی میں رک گیا۔ مجھے ایرٹ کا انتظار تھا۔ وہ کچھ دیر بعد نمودار ہوا کیونکہ وہ چکر کاٹ کر آیا تھا اور ہم تیزی سے آرگون کی طرف روانہ ہو گئے۔ نصف رات کا وقت تھا۔ شاید بارہ بج رہے تھے یا بجنے والے تھے۔ میرے ذہن میں تھا کہ شاید ہمارے پاس آج کا وقت تھا اور ہمیں صبح سے پہلے شاہی محل میں گھسنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اگر یہ موقع نکل جاتا تو پھر شاید دوبارہ موقع نہیں ملتا۔ ایک گھنٹے بعد ہم آرگون میں تھے۔ ایزارٹ اور اس کا دستہ آ گیا اور وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ایزارٹ نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''تم کہاں رہ گئے تھے میں پریشان ہو گیا تھا اور خود ہم بھی پھنس گئے تھے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں اس وقت وہیں تھا جب تم بہت ذہانت سے اس معاملے کو نمٹا رہے تھے۔ جب تم دیر تک واپس نہیں آئے تو ہم پڑاؤ میں داخل ہوئے اور تمہارے دستے کو گرفتار دیکھ کر میں پریشان ہوا تھا۔''

''پریشان تو میں بھی تھا۔ مگر مایوس نہیں تھا۔ میرے پاس اہم ترین چیز رینالٹ کی دی ہوئی چھڑی تھی۔ اس نے اصل میں کام دکھایا۔''

''وہ شخص کون تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''میں بالکل اندازہ نہیں لگا سکا۔'' ایزارٹ نے تشویش سے کہا۔ ''یہ تو ہمارے آدمیوں کی گرفتاری سے ظاہر ہے کہ سامیرا کے قلعوں میں آرگون کے جاسوس ہیں مگر وہ اتنے بڑے پیمانے پر کام کر رہے ہیں یہ میرا خیال نہیں تھا۔''

''مجھے بھی شبہ ہے کہ وہ شخص قلعوں میں اہم پوزیشن کا مالک ہے ورنہ اس طرح وہاں سے نکل کر باہر نہیں آ سکتا تھا اور وہ صرف باہر نہیں آیا بلکہ واپس بھی گیا۔ اس کا مطلب ہے اس کا گروہ وہاں مضبوط اور بڑا ہے جو اس کے یوں آنے جانے کا انتظام کر سکتا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ''بہر حال ایک بحران تو ٹل گیا اور اب فوری جنگ کا خطرہ نہیں ہے۔''

''ہمیں آج رات ہی شاہی محل پر حملہ کرنا چاہیے۔''

''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔'' ایزارٹ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ابھی ہماری پاس تیار افرادی قوت نہیں ہے۔ ہمارے دو سو کے قریب ساتھیوں کو سنبھلنے میں دو دن کا وقت درکار ہے اور تب ہی ہم کسی بڑی کارروائی کے قابل ہوں گے۔''

اس وقت ہمارے پاس لڑنے کے قابل صحت مند افراد کی تعداد ساڑھے تین سو کے لگ بھگ تھی اور اتنے ہی افراد کا اسلحہ بھی تھا۔ باقی تین سو افراد کی صحت درست نہیں تھی اور نہ ہی ہمارے پاس ان کے لیے اسلحہ تھا۔ وہ خالی ہاتھ سے نہیں لڑ سکتے تھے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔ ''اگر وہ صحت مند ہو جاتے ہیں تب بھی ان کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہتھیار نہیں ہوں گے۔''

''ہم اس دوران میں ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

''خفیہ راستہ اتفاق سے ملا ہے اور اگر جلد کارروائی نہ کی گئی تو اندر والے مشکوک ہو جائیں گے کیونکہ جانے والا دستہ ابھی تک واپس نہیں گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسرا دستہ روانہ کر دیا جائے۔''

''یہ بات میرے ذہن میں تھی اس لیے میں نے آتے ہی دو درجن سپاہیوں پر مشتمل دستہ اس طرف روانہ کر دیا ہے۔ وہ اس کی نگرانی کریں گے اور اگر وہاں سے مزید کوئی دستہ نکلا تو اسے فوج کی طرف جانے سے روکیں گے۔''

''یہ تم نے اچھا کام کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اندر والے مشکوک تو ہوں گے اور پھر ممکن ہے کہ راستہ نہ کھلے۔ راستہ صرف اندر سے کھل سکتا۔''

''اور باہر سے؟''

''میرا خیال ہے کہ کوشش کی جائے تو اسے توڑا جا سکتا ہے مگر یہ کام بھی آسان نہیں ہوگا۔ اول تو پتھر کا دروازہ کوئی ایک ہاتھ موٹا ہے اور یہاں ایسا کوئی اوزار نہیں ہے جو اسے توڑ سکے اور کوشش کی جائے تو اس میں اتنا وقت لگے گا کہ شاہی محل کا بچہ بچہ ہوشیار ہو جائے گا۔ اس کے حملے سے حیرانگی کا عنصر ختم ہو جائے گا۔''

ایزارٹ میری بات غور سے سن رہا تھا اور یقیناً اپنے ذہن میں اس کا تجزیہ کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''رینالٹ کی خاص فوج میں اب بھی آٹھ سو کے قریب افراد موجود ہیں۔ ہمارے پاس کل ساڑھے تین سو افراد ہیں ان میں سے کم سے کم سو افراد کو یہاں چھوڑنا ہوگا۔ صرف ڈھائی سو افراد کے ساتھ یہ حملہ بہت زیادہ خطرہ مول لینے والا نہیں ہوگا؟''

''ہاں مگر ہم اچانک ہی ان کے سر پر پہنچیں گے۔ ہمارا ہدف شاہی محل اور وہاں موجود رینالٹ اور اس کا ٹولہ ہوگا۔ ساری فوج یقیناً شاہی محل میں نہیں لگی ہوگی۔ اس کا احاطہ بہت بڑا ہے اور زیادہ تر فوج شاہی محل سے باہر ہوگی۔ ہم خاص سپاہ کی وردیوں میں جائیں گے اس لیے وہاں موجود پہریدار بدحواس ہوں گے۔ ان کے لیے دوست دشمن میں تمیز کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسرے ہم صبح کے قریب حملہ کریں گے جب ابھی تاریکی ہوگی اور اس کا فائدہ اٹھا کر ہم ان پر قابو پا لیں گے تب تک روشنی ہو جائے گی۔''

''شناخت کا مسئلہ تو ہمارے آدمیوں کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔''

''نہیں ہم اس کے لیے مخصوص نشانی رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے آدمی ایک دوسرے کو شکلوں سے بھی پہنچانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں تھوڑی بہت غلط فہمی ہو جائے مگر وہ رینالٹ کے آدمیوں کی طرح بدحواس نہیں ہوں گے۔ ان کے لیے سب سے خوفناک بات اندر سے حملہ ہوگا۔''

''شہباز ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ربیک نے کہا۔ ''اگر ہم نے دیر کی تو رینالٹ ہوشیار ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ سرے سے یہ راستہ ہی بند کر دے۔''

ایزارٹ کی صورت بتا رہی تھی کہ وہ متفق نہیں ہے۔ وہ فوری حملے کے حق میں نہیں تھا اور یہ تقریباً وہی صورتِ حال تھی جو آرمیگو نے پیدا کی تھی۔ اب ایزارٹ بھی وہی کام کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اختیار آیا تو وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی سوچ کے مطابق فیصلے کرنے لگا تھا۔ مگر بہر حال وہ آرگو سے مختلف آدمی تھا اور میں پُر امید تھا کہ اس سے اپنی بات منوالوں گا۔ اس لیے میں نے کچھ دیر بعد اس سے کہا۔ ایزارٹ میرے ساتھ آؤ، ہم باہر چل کر تنہائی میں بات کرتے ہیں۔''

اس بار اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور میرے ساتھ فصیل کے ساتھ والے میدان میں آیا۔ یہاں چند ایک سپاہی کھلی جگہوں پر پہرہ دے رہے تھے مگر زیادہ تر سپاہ چھپی ہوئی تھی اور ایسی جگہوں پر تھی جہاں سے وہ آس پاس نظر رکھ سکتی تھی مگر کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ہم ایک ایسی جگہ آئے جہاں کوئی نہیں تھا۔ البتہ ترجمان کے طور پر ربیک ساتھ تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے قائل کرنے کے لیے باہر لایا ہوں۔ میں نے کہنا شروع کیا۔

''تم جانتے ہو میرا اس وادی سے تعلق نہیں ہے اور نہ ہی مجھے ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔ جب میرا کام مکمل ہو جائے گا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میرے کہنے کا مقصد ہے کہ یہاں سے میرا کوئی مفاد نہیں ہے اور نہ ہی مجھے یہاں کا حکمران بننا ہے۔ اس لیے میں جو کر رہا ہوں پورے خلوص سے اور بنا کسی غرض کے کر رہا ہوں۔''

''اس کا تو ہم سب اعتراف کرتے ہیں کہ تم جو کر رہے ہو بنا کسی لالچ کے کر رہے ہو۔''

''اب آتے ہیں اس طرف کہ سامیرا اور برف والے نے مجھے اس ساری جدوجہد کا سربراہ مقرر کیا۔ کیا تمہیں اس پر شک ہے؟''

''بالکل نہیں۔''

''تیسری بات یہ ہے کہ میں جو حکمتِ عملی بناتا ہوں وہ ٹھیک یا غلط ہو سکتی ہے لیکن اب تک کی ساری حکمتِ عملی میری ترتیب دی ہوئی ہے۔ اس پر شروع سے عمل ہو رہا ہے۔ گویا تحریکِ مزاحمت کے تمام گوشوں سے اگر کوئی شخص سب سے زیادہ آگاہ ہو سکتا ہے تو وہ میں ہوں کیونکہ میری ہر چیز پر نظر ہے۔ کیا تم اس سے اختلاف کرو گے؟''

''نہیں۔''

''اگر میں چاہوں تو تحریک مزاحمت کے سربراہ کی حیثیت سے تمہیں حکم دے سکتا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں تم دل و جان سے میری بات مانو اور اس پر عمل کرو۔ اب میں تمہارے سامنے ایک مجموعی صورتِ حال رکھ رہا ہوں۔ اسے ذہن میں رکھو اور پھر فیصلہ کرو۔ ایک طرف سامیرا کے قلعوں کو آرگون کی فوج نے محاصرے میں لے رکھا ہے۔ سامیرا کے آدمیوں کی تربیت میں نے کی ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ کھلی جنگ میں آرگون کی سپاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ ہاں وہ دفاع کر سکتے ہیں۔ اس جنگ میں سامیرا کا دوسرا بازو تم آرگون کے حریت پسند ہو۔ مگر تم میں سے بھی اکثر افراد تربیت یافتہ سپاہی نہیں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کھلی جنگ میں آرگون کی سپاہ یا رینات کی خاص فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔''

''لیکن ان ہی لوگوں نے خاص فوج کے کئی دستوں کو شکست دی ہے اور انہی کو ختم کیا ہے یا ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا ہے۔''

''بالکل مگر وہ کھلی جنگ نہیں تھی انہیں خاص انداز میں شکست دی گئی جب وہ جنگ کے لیے تیار نہیں تھے۔ اب میں جو کہوں گا وہ شاید تمہیں برا لگے۔ اگر یہی لوگ رینات کی سپاہ کو شکست دے سکتے تھے تو یہ کام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے پہلے کیوں نہیں کیا۔ جب رینالٹ کی سپاہ پوری تیاری سے اچانک آئی تو سارے حریت پسند گرفتار ہو گئے کچھ مقابلے میں مارے۔ دوسرے لفظوں میں تم لوگوں نے شکست کھائی۔ پہلے اور اب میں کیا فرق ہے جو پہلے شکست اور اب تمہیں فتح ہو رہی ہے؟''

ایزارٹ کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئی تھیں اور یہ شکنیں ناگواری کی نہیں تھیں۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ میری بات کا تجزیہ کر رہا ہے۔ میں نے کچھ وقفے کے ساتھ بات جاری رکھی۔ ''اب صورتِ حال کو یوں دیکھو کہ ایک طرف رینالٹ شاہی محل میں محصور ہو گیا ہے اور عملاً شہر ہمارے قبضے میں ہے۔ مگر وہ کمزور نہیں ہے اس کے پاس لڑنے کے قابل آٹھ سو سے اوپر افرادی قوت اب بھی موجود ہے۔ پھر میں تمہیں ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ جو اکیلے ہی ساری فوج پر بھاری ہیں۔ ان لوگوں سے کھلی جنگ ممکن ہی نہیں ہے۔ دوسری طرف آرگون کی فوج کو ہم نے واپس آنے سے روک دیا ہے۔ یعنی رینالٹ کی ایک چال ناکام بنا دی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم رینالٹ اور فوج کا رابطہ کاٹنے میں کامیاب رہے ہیں۔ صرف خفیہ راستہ ہی نہیں ہے وہ اپنے آدمیوں کو فصیل کے عقبی حصے سے اتار کر فوج کے پاس بھیج سکتا ہے اور ایک بار آرگون کی فوج واپس آ گئی۔ تو کیا ہم اس قابل ہیں کہ اس سے لڑ سکیں یا اسے شہر میں داخلے سے روک سکیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو اس کا جواب نفی میں ہے۔''

''اب میں کسی حد تک سمجھ رہا ہوں۔'' ایزارٹ نے پہلی بار مثبت اشارہ کیا۔

''رینالٹ اس خیال میں ہے کہ اس کا روانہ کیا ہوا دستہ فوج تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن جب صبح تک وہ دستہ واپس نہیں جائے گا اور نہ ہی فوج کی واپسی کے آثار نظر آئیں گے تو کیا رینالٹ اس کے بعد خاموش بیٹھے گا۔ اگر تم اس کی جگہ ہوتے تو اس صورت میں کیا کرتے۔''

''فوری دوسرا دستہ روانہ کرتا اور اس بات کو یقینی بناتا کہ فوج تک میرا پیغام پہنچ جائے۔''

''تب یقین رکھو اگر ہم نے آج ہی رات شاہی محل پر حملہ نہیں کیا تو کل صبح کا دن ہمارے لیے ناکامی لے کر طلوع ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ شام تک آرگون کی فوج واپس آنا شروع ہو جائے گی اور اندر سے رینالٹ کی خاص سپاہ حملہ آور ہو گی۔ ہم دو طرف سے پس کر رہ جائیں گے۔ اس وقت اگر ہمارے سارے ساتھی بھی لڑنے کے قابل ہو گئے تب بھی وہ اتنی بڑی فوج کا کسی صورت مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔''

ایزارٹ نے فوری جواب نہیں دیا اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں شاید غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا کہ میں ساری صورتِ حال کو سمجھ رہا ہوں، تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ واقعی ہمارے پاس وقت نہیں رہا ہے۔''

''تم ایک بہترین کمانڈر ہو۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''اچھا کمانڈر وہی ہوتا ہے جو تیزی سے اپنی غلطی پکڑ لے اور پھر اس کا مداوا کرے۔''

''ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' ایزارٹ اب بے تاب تھا۔ ''ہمیں جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہیے۔''

''ابھی ہمارے پاس صبح تک کا وقت ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ جب ہم شاہی محل میں گھسیں تو صبح کا پہلا پہر ہو اور ہم پہریداروں کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر ان پر قابو پا لیں اور جب حالات ہمارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قابو میں ہوں تو دن کی روشنی نمودار ہو چکی ہوتا کہ رینالٹ اور اس کے ساتھی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر فرار کے قابل نہ ہوں۔''

''اس کے باوجود ہمیں اپنے آدمیوں کو ذہنی طور پر اس بڑی جنگ کے لیے تیار کرنا ہوگا۔'' ایزارٹ نے کہا۔

''سب سے پہلے تم دیکھو کہ کتنے آدمی ساتھ چلنے کے قابل ہیں۔''

ایزارٹ نے اسی وقت اپنے آدمیوں کو بلایا اور انہیں مامور کر دیا کہ وہ جنگ کے قابل تمام افراد کو لے کر میدان میں آجائیں۔

○.....❖.....○

ایزارٹ کو اس کام پر چھوڑ کر میں ربیک اور ایرٹ کے اس فوجی بیرک میں آیا جس میں عورتیں اور بچے تھے۔ ہمارے جانے کے بعد رینالٹ کی طرف سے فوجی کارروائی کی صورت میں وہ قطعی غیر محفوظ تھے۔ میں نے ایرٹ سے کہا۔ ''ان عورتوں اور بچوں کو عام آبادی میں منتقل کرنا ہوگا اور یہ کام ابھی کرنا ہے۔''

ایرٹ اور ربیک نے ان حریت پسندوں سے بات کی جو فی الحال جنگ کے قابل نہیں تھے۔ ان کی تعداد دو سو کے لگ بھگ تھی۔ ان میں سے بعض تو ایسے زخمی تھے کہ خود دوسروں کے محتاج تھے۔ کیونکہ عورتوں اور بچوں میں سے تقریباً سارے ہی حریت پسندوں سے تعلق رکھتے تھے اور صرف وہی مرد نہیں تھے جو مارے جا چکے تھے۔ سب سے کہا گیا کہ وہ اپنے رشتے داروں کو الگ کر لیں۔ ایسا کرنے کے بعد بھی بچ جانے والی عورتوں اور بچوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ تھی۔ ایرٹ نے انہیں بھی دوسرے خاندانوں میں بانٹ دیا اور ان سے کہا کہ وہ خاموشی سے اپنے گھروں کو یا جہاں وہ پناہ لے سکتے ہیں وہاں چلے جائیں۔ یہاں جنگ ہونے والی تھی جس کی وجہ سے یہ جگہ محفوظ نہیں تھی۔ وہ بے سروسامانی میں تھے اس لیے روانگی کے لیے چند منٹ میں تیار ہو گئے۔ چھ سے دس افراد کی ٹولیوں میں یہ افراد بیرک سے نکل کر میدان کے تاریک حصوں سے گزرتے ہوئے عام آبادی کی طرف جانے لگے۔ وہ آبادی میں پھیل جاتے اور اگر رینالٹ کی سپاہ اس بات سے واقف بھی ہو جاتی۔ تب بھی وہ اتنا بڑا آپریشن کرنے کے قابل نہیں تھی۔ بیرک کے مقابلے میں وہ عام آبادی میں زیادہ محفوظ ہوتے۔

حریت پسندوں میں سو افراد ایسے تھے جن کی حالت بہتر ہوئی تھی مگر ان کی صحت بہتر نہیں تھی۔ وہ باقاعدہ جنگ نہیں لڑ سکتے تھے۔ ان کے لیے میرے ذہن میں ایک پلان تھا۔ میں نے انہیں روک کر ان سے تیراندازی کے بارے میں سوال کیا تو تقریباً سب ہی تیر چلانا جانتے تھے۔ ہم نے انہیں باقاعدہ معائنہ اور کسی قدر جسمانی فٹنس کے ٹیسٹ کے ساتھ منتخب کیا تھا کیونکہ لڑنے کے نام پر وہ بھی تیار ہو گئے تھے جو اپنے پیروں پر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے ان میں سے قابل افراد کو چننا پڑا تھا اور باقیوں کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا۔ جب وہ سب عام آبادی کی طرف چلے گئے تو میں واپس آیا اور ایزارٹ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ وہ خوش ہو گیا۔ ''یہ تم نے بالکل ٹھیک کیا، میرے ذہن میں بھی ان کا خیال تھا کہ ہمارے جانے کے بعد یہ بالکل غیر محفوظ ہو جائیں گے۔''

''میں نے سب کو نہیں بھیجا ہے۔'' میں روک لیے جانے والوں کے بارے میں اپنا پلان بتایا۔ ''انہیں تیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمان دے کر فصیل پر تعینات کر دیا جائے تا کہ یہ اندر اور باہر سے کسی کو گیٹ کے پاس نہ آنے دیں۔ یہ وہ کام ہے جو یہ کر سکتے ہیں، ہمارے لیے سب سے اہم فصیل اور گیٹ پر قبضہ ہے۔ یہ ہر صورت برقرار رہنا چاہیے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' ایزارٹ نے کہا اور اس کے حکم پر ان افراد کو فصیل پر منتقل کیا جانے لگا۔ وہ وہاں لگی بھاری تیر پھینکنے والی مشینیں بھی استعمال کر سکتے تھے۔ قلعے میں آگ لگانے والے روغن کا ذخیرہ تھا۔ ایرٹ اور ربیک انہیں آتشیں تیروں کا استعمال سکھانے لگے۔ اس دوران میں میدان میں لڑنے کے قابل تمام سپاہی جمع ہو چکے تھے۔ وہ باقاعدہ قطار بنا کر کھڑے تھے اور ان کے کمانڈروں نے انہیں پچیس پچیس افراد کے دستوں میں بانٹ دیا تھا۔ ہر دستے میں دس تیر انداز، دس نیزہ بردار اور پانچ لاٹھی بردار تھے جو بھاری ڈھالوں سے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا دفاع کرتے کیونکہ تیر انداز اور نیزہ بردار یہ بھاری ڈھالیں استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس ہلکی ڈھالیں تھیں۔ میں نے گنا تو دستوں کی کل تعداد تیرہ نکلی تھی۔ یعنی تین سو پچیس افراد تھے۔

میں اور میرے ساتھی الگ تھے جب کہ ایزارٹ اور اس کے قریبی ساتھی الگ تھے اور ہماری کل تعداد بھی پچیس کے لگ بھگ تھی یعنی ساڑھے تین سو افراد تھے جو اس حملے میں شامل ہوتے۔ اس کے علاوہ دو درجن افراد وہ تھے جو ایزارٹ نے خفیہ راستے کی نگرانی کے لیے بھیجے تھے۔ مگر ان کا اس حملے میں حصہ لینا شاید ممکن نہیں ہوتا۔ میں نے سب کا معائنہ کیا اور مجھے دستوں کی یہ تقسیم پسند آئی۔ ایزارٹ ایک کسی قدر بلند جگہ کھڑا ہوا ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ اتفاق سے ہمارے پاس ایک بھی فرد ایسا نہیں تھا جو شاہی محل کی اندرونی ساخت سے واقف ہو۔ اس لیے طے ہوا تھا کہ اندر گھسنے کے بعد غیر مسلح خدام اور خاص طور سے عورتوں کو قابو کیا جائے گا کیونکہ وہ محل کے تمام حصوں سے اچھی طرح واقف ہوں گی اور ان کی مدد سے ہم رینالٹ کے خاص حصے تک پہنچیں گے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔ ''تم تقریر کا فن جانتے ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

''لیکن آج تمہیں تقریر کرنی ہے، اپنے آدمیوں کو اس حملے کے مقاصد اور کامیابی اور ناکامی کی صورت میں اس کے نتائج سے آگاہ کرنا ہے اور ان کو اکسانا ہے کہ وہ ہر صورت آج کی مہم کو کامیاب بنائیں، چاہے اس کے لیے سب کو اپنی جان دینی پڑے۔''

ایزارٹ ہچکچایا۔ ''کیا میں ایسا کر سکوں گا؟''

میں مسکرایا۔ ''تم نے جب دشمنوں کو اتنے اچھے انداز میں قائل کیا ہے۔ یہ تو پھر بھی تمہارے ساتھی اور جاں نثار ہیں۔ یہ کیوں نہیں قائل ہوں گے؟''

ایزارٹ نے سر ہلایا اور دوبارہ بلند جگہ چڑھا۔ اس نے ہاتھ بلند کیا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''میرے ساتھیو اور میرے دوستو میں جانے سے پہلے تم لوگوں سے آخری بات کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے آج کے بعد مجھے یہ موقع نہ ملے۔ میرے ساتھیو آج ہم اس وادی کی قسمت کا فیصلہ کرنے جا رہے ہیں۔ کل کا دن یا تو ہمیں آزاد دیکھے گا یا ہماری قوم ہمیشہ کے لیے غلامی کی بندشوں میں جکڑ دی جائے گی اور ہم یہ دیکھنے کے لیے زندہ نہیں ہوں گے۔ ہماری عورتیں اور ہمارے بچے رینالٹ اور اس کے ٹولے کے غلام بن جائیں گے۔ وہ ان کی زندگی اور موت کے فیصلے کیا کریں گے۔ وہ ان سے ایسے کھیلیں گے جیسے بچے مٹی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھلونوں سے کھیلتے ہیں اور جب کھیلتے کھیلتے دل بھر جاتا ہے تو انہیں توڑ دیتے ہیں۔ یا پھر کل کا دن رینالٹ اور اس کے ٹولے کا آخری دن ہوگا۔ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے اور وادی کے لوگ ہمیشہ کے لیے غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔''

مشعلوں کی تیز روشنی میں حریت پسندوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ مجھے کسی آنکھ میں خوف نظر نہیں آیا۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر اس تحریک میں شامل ہوئے تھے اور اپنی آنے والی نسلوں کی آزادی کے لیے اپنا حال قربان کرنے کو تیار تھے۔ ایزارٹ خاموش ہو کر ان کا جائزہ لے رہا تھا اس نے اچانک گرج کر کہا۔ ''یاد رکھو ہمیں ناکام واپس نہیں آنا ہے۔ رینالٹ کو کامیابی اسی وقت ملے۔ جب ہم میں سے ہر فرد اپنے لہو میں سرخ ہو چکا ہو۔''

''ایسا ہی ہوگا۔'' سب نے ہاتھ بلند کر کے ایک آواز ہو کر کہا تو ان کے لہجوں کی گرج سے میدان دہل گیا تھا اور میرے دل نے کہا کہ وہ ناکام واپس نہیں آئیں گے۔ جب کوئی قوم اپنے مقصد کے لیے جان دینا سیکھ لیتی ہے تو کامیابی خود اس کے آگے ڈھیر ہو جاتی ہے۔ ایزارٹ نے میری طرف دیکھا۔

''میں شہباز کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے تم جیسے جیالوں کی سربراہی کے قابل سمجھا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہیں بھی تم لوگوں سے پیچھے نہیں رہوں گا تم ہر جگہ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔''

سپاہی اپنے ہتھیار ہلا کر جوش و جذبے کا اظہار کرنے لگے۔ ایزارٹ نیچے آیا تو میں نے کہا۔ ''ہمیں اب روانہ ہونا ہے۔''

''فصیل سے؟'' اس نے سوال کیا۔

''نہیں ہم باہر نکل کر فصیل کے ساتھ ہوتے ہوئے جائیں گے کیونکہ شاہی محل کی طرف نگرانی کے میناروں سے ہماری حرکت دیکھی جا سکتی ہے اس لیے فصیل سے جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

''اگر باہر آرگون کی فوج کا کوئی دستہ مل گیا تو؟''

''اس سے نمٹا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے اس طرف تاریکی ہے اور امید ہے کہ کوئی ہمیں دیکھ نہیں پائے گا۔''

بڑا گیٹ کھولنے کے بجائے چھوٹا گیٹ کھولا گیا اور باہر کی سمت لگی ہوئی تیز روشنی والی مشعلیں وہاں سے ہٹا لی گئیں اور ہلکی روشنی والی مشعلوں کو رہنے دیا۔ اب ماحول نیم تاریک تھا اور اسی نیم تاریکی میں سپاہی ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے اور فصیل کے ساتھ چلنے لگے۔ پہلے دستے کے ساتھ ایرٹ تھا جو اس جگہ سے واقف تھا اگرچہ وہاں پہلے ہی ایک دستہ نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے ایرٹ کو آگے رکھا۔ سپاہیوں کو بھی وقت کی کمی اور موقع کی نزاکت کا احساس تھا اس لیے وہ جلدی کر رہے تھے۔ مشکل سے بیس منٹ میں تمام سپاہی باہر نکل گئے۔ آخری دستے کے ساتھ میں اور ایزارٹ بھی تھے۔ میں نے ایزارٹ کے سامنے تجویز رکھی تھی کہ وہ پیچھے رہ جائے تاکہ فصیل اور گیٹ کا بہترین دفاع کیا جا سکے مگر اس نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ اس کا کہنا تھا کہ سردار ہی پیچھے رہ جائے تو فوج کا حوصلہ پست ہو جائے گا۔ اس لیے وہ بہر صورت ساتھ جائے گا۔

ہم پھیلنے کے بجائے فصیل سے لگ کر چل رہے تھے تاکہ دور سے نمایاں نہ ہوں۔ ہمارے باہر آتے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازہ اندر سے بند ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی رگوں میں سنسنی کا احساس ہوا۔ بالآخر وہ وقت آ گیا جس کے لیے میں نیچے وادی میں بھیجا گیا تھا یعنی رینالٹ اور اس کے ٹولے کا خاتمہ کرنا۔ ہم ہلکے دوڑنے کے انداز میں چل رہے تھے اور کیونکہ قطار میں تھے اس لیے خود بخود رفتار بن گئی تھی۔ کوئی تیز ہوتا تو آگے والے کے قریب ہو جاتا اور وہ رفتار سُست کر لیتا اور کوئی سُست ہوتا تو پیچھے والا اس کے نزدیک آ جاتا اس لیے اسے رفتار تیز کرنا پڑتی تھی۔ جب ہم پہلے گئے تھے تو یہ فاصلہ ایک گھنٹے میں طے ہوا تھا مگر اس بار ہم پون گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے تھے۔ جو دستہ پہنچ رہا تھا وہ باغات میں جمع ہوتا جا رہا تھا۔ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا اور دوسرا حکم یہ تھا کہ بالکل خاموش رہیں چلنے پھرنے میں بھی آہٹ کا خیال رکھیں۔ ممکن ہے خفیہ راستے کے اندر آس پاس کی جاسوسی کا کوئی نظام ہو۔

جب ہم روانہ ہوئے تو ہمارے ساتھ ایک فرد ایسا بھی تھا جو ہمارا ساتھی نہیں بلکہ قیدی تھا اور یہ فصیل سے باہر آنے والے دستے کا سربراہ تھا۔ اس کا نام ریٹرو تھا اور میں اسے اس مقصد سے ساتھ لے کر آیا تھا کہ وہی فصیل میں موجود خفیہ دروازہ کھلواتا۔ میں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اس کی زندگی کا انحصار ہم سے تعاون کرنے پر ہے۔ اگرچہ ریٹرو نے یقین دلایا تھا کہ اب وہ ہمارے ساتھ ہے مگر میں نے اس پر اعتبار نہیں کیا تھا اس کے دونوں ہاتھ آگے کی طرف رسّی سے بندھے تھے اور یہ رسّی ایک سپاہی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ بندوبست اسے فرار سے روکنے کے لیے کیا گیا تھا۔ ہم وہاں پہنچے تو میں، ایزارٹ، ایرٹ اور ربیک ایک جگہ جمع ہوئے۔ ہمیں اندر گھسنے کے لیے حکمتِ عملی تیار کرنی تھی۔ اگرچہ منصوبہ پہلے سے تیار تھا مگر اس کی نوک پلک درست کرنی تھی۔

ریٹرو کے ساتھ میں اور دس دوسرے افراد اندر جاتے۔ آگے ریٹرو ہوتا اس لیے اندر موجود پہریدار فوری شک نہیں کرتے اور جب تک وہ شک کرتے ہم ان پر قابو پا چکے ہوتے۔ میں نے ریٹرو سے جو معلومات حاصل کی تھیں ان کے مطابق اندر موجود پہریداروں کی تعداد ایک وقت میں چھ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ سرنگ تین میل طویل تھی اور اس میں ہر دس قدم کے بعد ایک مشعل جلتی تھی جو سرنگ کو مکمل روشن رکھتی تھی۔ یہاں ہوا کی آمد ورفت کا ایسا نظام تھا کہ سرنگ میں دم گھٹنے کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔ سرنگ میں تین جگہوں پر چیک پوائنٹ تھے جہاں دو دو سپاہی تعینات ہوتے تھے اور جہاں سرنگ نکلتی تھی وہاں ایک درجن مسلح سپاہی ہمہ وقت پہرے پر رہتے تھے۔ میں حیران ہوا تھا کہ اگر یہ سرنگ خفیہ تھی تو اس پر اتنے آدمی لگانے کی کیا تک تھی؟ اس صورت میں راز افشا ہونے کا احتمال بہت زیادہ تھا۔ مگر ریٹرو وجہ سے بے خبر تھا۔ میں نے کہا۔

''سب سے پہلے ہمیں ان چھ پہریداروں پر قابو پانا ہے اور کوشش کرنی ہے کہ وہ زیادہ شور نہ کر سکیں ورنہ آگے پہرے پر موجود سپاہی ہوشیار ہو سکتے ہیں۔''

''اس صورت میں حملہ قتل کرنے کے لیے ہوگا۔'' ربیک بولا۔

''بالکل، یہ رازداری کی قیمت ہے جو دشمن کے سپاہی ادا کریں گے۔'' میں نے کہا۔ ''ہمیں بہرصورت آخر تک رازداری سے جانا ہے اور ہماری آمد کا اس وقت پتا چلے جب ہم شاہی محل میں داخل ہوں۔''

''ایسا ہی ہوگا۔'' ربیک نے عزم سے کہا۔

میرا اندازہ تھا کہ صبح کے پانچ بج رہے تھے اور یہاں دو گھنٹے بعد روشنی ہو جاتی۔ ہم سب خاص سپاہ کی سرمئی وردی میں تھے۔ ریٹرو کو طلب کیا گیا اور میں نے اس سے کہا۔ ''تمہیں خفیہ راستہ کھلوانا ہے اور آگے بھی تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو گے۔ مگر یاد رکھنا کسی قسم کی بے وقوفی کی صورت میں سب سے پہلے مارے جانے والے بھی تم ہی ہو گے۔''

''میں پورا تعاون کروں گا۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''اسی میں تمہاری عافیت ہے۔'' میں اسے اس پتھر تک لایا جسے ہٹا کر اندر موجود پہریداروں تک خفیہ راستہ کھولنے کا پیغام بھیجا جا سکتا تھا۔ ریٹرو کے ہاتھ کھول دیئے تھے مگر ربیک نے تیر کمان پر چڑھا کر اس کا رخ ریٹرو کی طرف کر دیا تھا۔ اگر وہ ایک غلط جملہ ادا کرتا تو اسے دوسرا جملہ ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ریٹرو نے جھک کر خلا میں منہ کر کے کہا۔ ''دروازہ کھولو میں کمانڈر ریٹرو ہوں۔''

وہ پیچھے ہٹا تو ہم نے پتھر واپس اپنی جگہ رکھ دیا اور سب مستعد ہو گئے۔ چند لمحے بعد گڑگڑاہٹ کی آواز آئی اور فصیل میں نصب پتھر کا دروازہ کھلنے لگا۔ ابھی تک سب سے آگے ریٹرو تھا اور ہم نے اسے نیزہ دے دیا تھا۔ باقی سب اس کے پیچھے تھے۔ مگر پتھر بس اتنا سرکا کہ اس میں سے ایک سپاہی اندر جا سکتا تھا اور میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے میں جاؤں۔ میں نے ریٹرو کو پیچھے کیا اور سر جھکا کر اندر داخل ہوا۔ ریٹرو اور اس کے دستے کو یہاں سے نکلے چھ سات گھنٹے ہوئے تھے اور امکان یہی تھا کہ دروازے پر یہی سپاہی تعینات ہوں گے جو ان کے نکلتے وقت تھے۔ اس صورت میں امکان تھا کہ وہ اجنبی چہرہ دیکھ کر چونک جائیں۔ میرے پیچھے ربیک تھا اور اس کے پیچھے ایرٹ، ریٹرو یوں کھڑا ہوا تھا جیسے وہ اپنے سب آدمیوں کے بعد سب سے آخر میں اندر آئے گا۔

میں نے چہرہ نیچے رکھا۔ اندر مختصر سی جگہ تھی جس میں دو سپاہی کھڑے تھے اور انہوں نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ باقی چار سپاہی اندر کسی قدر کشادہ جگہ تھے۔ میں نے ایک ہاتھ میں نیزہ رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ کمر کے پٹکے میں اڑسے سنگی چاقو کے پاس تھا۔ میں سُست روی سے کشادہ جگہ کی طرف بڑھا اور جب تک میں ان چار سپاہیوں تک پہنچا۔ ہمارے چھ ساتھی اندر آ چکے تھے۔ اب تک کسی نے شک نہیں کیا تھا مگر جیسے ہی میں کشادہ جگہ داخل ہوا۔ وہاں موجود ایک سپاہی چونکا اور مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کون ہو تم..... تم جانے والوں میں شامل نہیں تھے۔''

''ٹھیک کہا تم۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا جو اس کے سر سے گزر گیا مگر اس کے بعد میں نے لفظ ''حملہ'' کہا جو ربیک اور ایرٹ سمجھ گئے تھے۔ حملے کا آغاز بھی میں نے کیا اور سوال کرنے والے سپاہی کے حلق میں نیزہ اتار دیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا بایاں ہاتھ سنگی چاقو نکالتے ہوئے حرکت میں آیا اور برابر میں موجود سپاہی کے پیٹ میں اتر گیا۔ یہ دار نرم جگہ تھا مگر بایاں ہاتھ ہونے کی وجہ سے پُرقوت نہیں تھا۔ چاقو دو انچ اس کے پیٹ میں اترا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا تھا۔ باقی دو کی مجھے فکر نہیں تھی کہ انہیں ربیک اور ایرٹ نے سنبھال لیا تھا۔ دوسرے سپاہی کے لیے بھی میں نے نیزہ استعمال کیا اور اس بار دل کو نشانہ بنایا۔ وہ فوری موت سے ہمکنار ہوا تھا۔ البتہ پہلا والا فرش پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے دم توڑ رہا تھا۔

میں واپس سرنگ کے دہانے کی طرف لپکا جہاں باقی دو سپاہی آنے والوں سے نبرد آزما تھے۔ یہاں جگہ تنگ تھی اور دونوں فریقوں کے لیے مشکل ہو رہی تھی ان کی یہ مشکل میں نے آسان کی اور ایک کی کمر میں نیزہ گھونپا۔ وہ کراہ کر گرا تھا کہ آخری بچ جانے والے سپاہی نے لڑنا چھوڑ کر اپنے لباس سے ایک چھوٹی سی چیز نکالی اور اسے منہ کی طرف لے گیا۔ میری چھٹی حس نے بروقت خبردار کیا اور میں نے زمین پر بیٹھتے ہوئے لات گھمائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا نشانہ عقب سے اس کے گھٹنے تھے۔ضرب سے اس کے دونوں پاؤں مڑے اور توازن بگڑا تو وہ دھڑام سے نیچے گرا۔ جو چیز وہ منہ میں لے رہا تھا وہ اس کے منہ سے نکل گئی۔اس سے پہلے وہ اٹھتا میں نے چیز اٹھالی اور دو عدد نیزے آ کر اس کے سینے پر ٹکے تو وہ ساکت ہو گیا۔میں نے اس چیز کا معائنہ کیا جس کے صورت سیٹی جیسی تھی اور یہ سیٹی ہی تھی جو خطرے کے موقع پر بجائی جاتی ہے۔ایک منٹ کی مختصر جنگ میں تین سپاہی جان کی بازی ہار گئے تھے۔دو شدید زخمی اور کچھ دیر کے مہمان تھے اور ایک زندہ ہاتھ آیا تھا۔ربیک کو اس سے پوچھ گچھ پر لگا کر میں باہر آیا اور درختوں میں موجود ایزارٹ کو کامیابی کا اشارہ کیا۔اس کے ساتھ ہی وہ حرکت میں آ گیا اور لپک کر میرے پاس آیا۔''کیا رہا؟''

''کامیابی۔'' میں نے مختصراً کہا اور ایزارٹ کے ساتھ اندر آیا تو ربیک زندہ سپاہی سے پوچھ گچھ کر رہا تھا اور وہ فر فر تمام سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔میں نے ربیک سے کہا۔''اس سے پوچھو آگے کوئی خفیہ پھندا تو نہیں ہے جو ناواقف لوگوں کے لیے لگایا گیا ہو۔''

ربیک نے اس سے سوال کیا تو اس نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ بتایا کہ آگے دو پھندے تھے اور فرش کے ایک مخصوص حصے پر پاؤں رکھتے ہی آگے پیچھے کا خاصا بڑا فرش نیچے موجود خلا میں گر جائے گا۔اس حصے میں جو بھی ہوتا وہ بھی نیچے گر جاتا۔یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ایک زندہ فرد ہاتھ آیا اور اس نے خطرے سے پیشگی باخبر کر دیا۔عام طور سے اس قسم کے خفیہ راستوں میں ٹریپ لگائے جاتے ہیں تاکہ ناپسندیدہ لوگ جو کسی طرح اندر گھس آئیں وہ ان کا شکار ہو جائیں۔ربیک نے اس سے خفیہ راستہ کھولنے اور بند کرنے کا طریقہ بھی جان لیا تھا ویسے یہ زیادہ مشکل نہیں تھا۔فرش پر آٹا پیسنے والے چکی کی طرح پاٹ لگا ہوا تھا اور اس کی مٹھ پکڑ کر اسے چکی کی طرح گھمایا جاتا تو خفیہ دروازہ کھل جاتا تھا۔اینٹی کلاک وائز گھمانے پر دروازہ کھلتا تھا اور کلاک وائز گھمانے پر بند ہو جاتا تھا۔اندر زیادہ جگہ نہیں تھی اس لیے فی الحال دو دستے ہی اندر آئے تھے۔ان کے آنے سے یہ جگہ بھر گئی تھی۔ باہر پہلے سے موجود دستے کے بارے میں فیصلہ کیا تھا کہ اسے خفیہ راستے کے پاس ہی رکھا جائے گا۔ایک درجن سپاہی باہر ہوں اور ایک درجن اندر ہوں گے۔

اندر موجود سپاہیوں کی وردی کسی قدر مختلف تھی اس لیے ہم اسے اپنے دستے کا سپاہی ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور پھر یہاں پہرہ دینے والے سپاہی ایک دوسرے کے صورت آشنا ہوتے تھے۔اس لیے اسے کسی ترکیب سے ہی اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے۔جب ایزارٹ کو پھندوں کے بارے میں پتا چلا تو اس نے کہا۔''اتنے لوگوں کو بتانا مشکل ہے اور اگر ایک آدمی کا پاؤں بھی غلط جگہ پڑ گیا تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

''اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے؟'' میں نے پوچھا تو ایزارٹ نے سر ہلایا۔

''تمام سپاہی اسی طرح قطار میں چلیں گے جیسے ہم فصیل کے ساتھ آئے تھے۔ہر سپاہی اپنے پیچھے آنے والے کو خبردار کرے گا۔''

''مگر ہمیں راستے میں دو جگہ اور سپاہیوں سے واسطہ پڑے گا اور ان کے پاس یہ چیز ہے۔'' میں نے اسے سیٹی دکھائی۔''میرا خیال ہے یہ بہت تیز آواز والی سیٹی ہے۔اسے خطرے کا سگنل دینے کے لیے استعمال کیا جاتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔''

''قیدی نے یہی بتایا ہے۔'' ربیک بولا۔''اگر یہ سیٹی یہاں بجائی جائے تو سرنگ کے آخری سرے تک اس کی آواز جائے گی۔''

''اس لیے ہمیں راستے میں آنے والے تمام نگرانوں پر اسی طرح قابو پانا ہوگا۔ ہمارا خاموشی سے سرنگ کے آخری حصے تک پہنچنا لازمی ہے۔''

ایزارٹ غور کر رہا تھا۔اس نے سر ہلایا۔''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔تب پھندوں سے کیسے بچا جائے۔''

''یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ہم آگے ہوں گے اور پھندوں والے جگہ یا تو نشان لگا دیں گے یا پھر ایک آدمی چھوڑ دیں گے وہ آنے والوں کو خبردار کرتا رہے گا۔''

''یہ مناسب ہے۔''ایزارٹ بولا۔''اب یہ بتاؤ کہ دستے کس حساب سے آگے بڑھیں؟''

''اسی طرح جیسے تم نے کہا ہے مگر سب سے آگے میں اور میرے ساتھی ہوں گے جب ہم راستہ صاف کر لیں تب تم لوگ آگے آؤ گے۔''

ایزارٹ نے سر ہلایا۔''میں سمجھ گیا۔میں اپنے آدمیوں کو سمجھا کر آتا ہوں۔''

ایزارٹ باہر چلا گیا۔اس دوران میں ہم آگے روانگی کی تیاری کر رہے تھے۔ایزارٹ اور اس کے ساتھی آتے رہتے۔وقت کم تھا اور ہمیں فوری روانہ ہونا تھا۔ہم سب کے اندر آنے کا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ریٹرو ہمارے ساتھ تھا کیونکہ وہ شاہی محل کے بیرونی حصوں سے واقف تھا۔ربیک اس سے بات کرتا رہتا تھا اور جو معلومات ملتیں فوراً مجھے آگاہ کرتا تھا۔اب ہمارے ساتھ بچ جانے والا سپاہی بھی ہوتا۔میں نے اس سے کہا۔''تم ہمارے ساتھ ہو گے اور اگر کوئی راستے میں پوچھے تو تم کہو گے کہ تمہاری طبیعت خراب ہے اس لیے تم واپس جا رہے ہو اور واپس جا کر اپنی جگہ کسی دوسرے سپاہی کو بھیجو گے۔''

''میں ایسا ہی کہوں گا۔''

''صرف کہو گے نہیں بیمار بھی بنو گے اگر تم نے ہٹا کٹا نظر آنے کی کوشش کی تو ہمیشہ کے لیے لٹا دیا جائے گا۔'' ربیک نے اس بار خود سے اسے دھمکایا۔''تم دیکھ چکے ہو کہ ہم کتنے سفاک ہیں آدمی مارنے میں زیادہ دیر نہیں لگاتے ہیں۔''

کچھ دیر میں ایزارٹ واپس آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا۔''تم نے پھندوں کے لیے کوئی نشانی سوچی۔''

''کوئی ایسی چیز ہے جس سے پتھر پر نشان لگایا جا سکے۔''

''بالکل ہے یہاں ایسا سفید پتھر ملتا ہے جسے دوسرے پتھر پر رگڑو تو اس پر سفیدی چھوڑ دیتا ہے۔''

''اگر نزدیک دستیاب ہے تو فوراً منگواؤ۔''

''میں اپنے آدمیوں سے کہتا ہوں۔''

ہمیں سرنگ میں داخل ہوئے آدھا گھنٹا ہونے کو آ رہا تھا۔جیسے ہی ایزارٹ کے آدمی سفید پتھر لائے۔ہم ان کے ساتھ آگے روانہ ہو گئے۔سب سے آگے قیدی تھا اس کے پیچھے ریٹرو تھا اور اس کے پیچھے باقی ہم سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ ابتدائی کشادہ حصے کے بعد سرنگ پھر تنگ ہوگئی تھی۔ یہ تین فٹ چوڑی اور کوئی سات فٹ اونچی تھی۔ اسے مکمل طور پر پتھروں سے بنایا گیا تھا اور اس میں کہیں مٹی یا خلا نہیں تھا۔ حد یہ کہ اوپر سے گول ہوتی چھت بھی پتھروں کی تھی۔ فرش یوں صاف تھا جیسے اس کی باقاعدگی سے صفائی ہوتی ہو۔ صفائی تو شاید ہی ہوتی ہوگی اصل بات یہ تھی کہ یہاں دھول مٹی نہیں آتی تھی اور سپاہی بھی شاہی محل سے آتے جاتے تھے جہاں ویسے ہی صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہوگا۔ ریٹرو اور قیدی نے جو بتایا تھا اس کے مطابق پہلی چیک پوسٹ کوئی ایک میل کے بعد تھی۔ دوسری چیک پوسٹ دوسرے میل پر تھی اور اس کے بعد اتنا اور فاصلہ طے کرنے پر سرنگ کا دوسرا دہانہ آجاتا جو شاہی محل میں کھلتا تھا۔

ریٹرو کے مطابق جہاں دہانہ کھلتا تھا وہ جگہ ایک درمیانے درجے کے ہال پر مشتمل تھی اور وہاں درجن بھر سپاہیوں کا پہرہ ہوتا تھا۔ اس ہال سے آگے ایک بڑا دالان تھا اور اس کے پار خاص شاہی علاقہ تھا جہاں رینات اپنے اہلِ خانہ سمیت رہتا تھا۔ یہیں اس کا دفتر یعنی دربار خاص تھا اور اس کے نزدیکی ساتھی اسی دفتر میں موجود ہوتے تھے۔ میں نے ریٹرو سے ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا مگر اس نے انکار کیا کہ اس نے وہاں ایسے حلیے والے غیر ملکیوں کو دیکھا ہے۔ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی یقیناً بہت رازداری کے ساتھ رکھے گئے تھے۔ رینات اور اس کے خاص آدمی ہی ان سے واقف ہوں گے۔ اب تک رینات نے ان کو استعمال نہیں کیا تھا تو اس کی ایک ہی وجہ میری سمجھ میں آتی تھی کہ ڈیوڈ شا نے خود سامنے آنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ اسے رینات کی کامیابی سے دلچسپی تھی لیکن اسے اصل خطرہ مجھ سے تھا اور وہ میرے سامنے آنے کا انتظار کر رہا تھا تب ہی وہ حرکت میں آتا۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اب رینات مکمل طور پر ڈیوڈ شا کے قبضے یا اثر میں تھا۔ اب تک وہ اس سے جو چاہے منوا رہا تھا۔ رینات مسلسل نقصان اٹھا رہا تھا اور ڈیوڈ شا کو اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ یہاں استعماری سوچ کے تحت آیا تھا اس لیے وادی میں بسنے والے ہر فرد کا نقصان اس کا فائدہ تھا کہ آخر میں اسے کم سے کم لوگوں سے نمٹنا پڑے گا۔ رینات کو جنگ پر اکسانے والا بھی وہی تھا اور مگر عین موقع پر جب آرگون کی فوج قلعوں پر حملے کے لیے تیار تھی رینات نے فوج کو واپس آرگون آنے کا حکم بھیجا اور اس کی بدقسمتی کہ وہ لوگ ہمارے ہاتھ آگئے اس لیے فوج تک صرف جنگ سے باز رہنے کا پیغام پہنچا اور واپسی کا حکم گول کر دیا گیا۔ اس سے مجھے خیال آیا کہ رینات کی سوچ میں کوئی تبدیلی آئی ہوگی۔ کیونکہ ڈیوڈ شا کا مقصد تو کھلی اور بھرپور جنگ سے ہی حاصل ہوسکتا تھا۔ اگر واقعی دونوں میں اختلاف پیدا ہوا تھا تو یہ میرے لیے اچھی خبر ہوسکتی تھی۔ قیدی آگے تھا۔ ابھی ہم نصف میل گئے ہوں کہ اچانک وہ ایک جگہ رکا اور اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ رہا پھندا۔''

یہاں فرش تقریباً ایک فٹ قطر کے گول پتھروں کا بنا ہوا تھا اور کسی قسم کے مسالے کی مدد سے پتھروں کو آپس میں جوڑا گیا تھا اور پھر ان کی گھسائی کی گئی تھی جس سے فرش ہموار ہوگیا تھا۔ قیدی نے جس پتھر کی نشاندہی کی تھی وہ دوسرے پتھروں سے قطعی مختلف نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''تمہیں کیسے پتا کہ یہی وہ پتھر ہے۔''

''اس نشانی سے۔'' اس نے دیوار کے طرف اشارہ کیا جس پر ایک غیر محسوس سی سیدھی لکیر تھی۔ میں پتھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بچ کر آگے آیا اور لیکر کو چیک کیا یہ رگڑ کر پتھر پر بنائی گئی تھی اور اس کے مٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا جب تک یہ پتھر ہی دیوار سے نہ نکال دیا جاتا۔ ربیک نے تیر کمان پر چڑھایا اور قیدی سے کہا۔

''دس قدم آگے جاؤ اور واپس آؤ بھاگنے کی کوشش مت کرنا تم تیر سے تیز نہیں بھاگ سکو گے۔''

ربیک کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی تیر کمان پر چڑھا لیے تھے اور اتنے تیروں سے بچنا ممکن نہیں تھا۔ مجبوراً قیدی آگے گیا اور پورے دس قدم گن کر وہ واپس آ گیا۔ دونوں بار اس نے صرف اس پتھر کے معاملے میں احتیاط کی تھی۔ واپسی پر میں نے اسے سفید پتھر تھما کر حکم دیا۔ ''اس پتھر کے گرد نمایاں نشان لگاؤ۔ مگر احتیاط سے اس پتھر کو چھونا بھی مت۔''

وہ خود بہت ڈرا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے بہت احتیاط سے حکم کی تعمیل کی اور اس پتھر کو چھوڑتے ہوئے اس کے گرد باقی پتھروں پر دائرہ بنا دیا۔ درمیان میں وہی پتھر تھا۔ اب آنے والوں کو اس سے بچ کر گزرنا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے تو اب ریٹرو آگے تھا اس نے چیک پوسٹ آنے سے پہلے ہمیں خبردار کر دیا۔ یہ چیک پوسٹ ایک کسی قدر کشادہ کمرے میں تھی یہاں خوراک اور پانی کے ساتھ اضافی ہتھیار بھی تھے۔ یہاں دو سپاہی موجود تھے اور انہیں قابو کرنا زیادہ مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔ انہیں مارنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی ان کے سروں پر ضرب لگا کر بے ہوش کیا گیا اور پھر انہیں باندھ دیا گیا۔ ایزارٹ اور اس کے آدمی اس طرف چل پڑے تھے کیونکہ جب تک ہم ان سے نمٹ کر فارغ ہوئے ایزارٹ اپنے دستے کے ساتھ آ گیا اور اس نے اطلاع دی کہ اس کے تمام ساتھی سرنگ میں آ چکے تھے۔ ساتھ ہی اس نے اطلاع دی۔

''خفیہ راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس کے اندر اور باہر دونوں طرف ہمارے آدمی ہیں۔''

''باہر سے کسی خطرے کی صورت میں وہ کیا کریں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس صورت میں وہ بھی اندر آ جائیں گے اور راستہ بند کر دیا جائے گا۔'' ایزارٹ نے بتایا۔ میرا بھی یہی خیال تھا اگر آرگون کی فوج کسی طرح یہاں آ بھی جائے تو اسے سرنگ میں داخل ہونے سے روکنا تھا۔ ہم آگے روانہ ہوئے اور اس بار بھی قیدی آگے تھا اسے دوسرے پھندے کی نشاندہی کرنی تھی۔ اب تک سب کچھ پلان کے مطابق ہو رہا تھا۔ رینالٹ اور اس کے آدمی بے خبر تھے کہ ہم ان کی طرف آ رہے ہیں۔ ان کا آخر تک بے خبر رہنا ضروری تھا۔ قیدی نے دوسرے پھندے کی نشاندہی کی اور اس کے گرد بھی سفید پتھر سے دائرہ بنا دیا گیا۔ اب آنے والوں کو اس پتھر سے بچ کر گزرنا تھا۔ ویسے یہ حیرت انگیز پھندہ تھا کہ ایک پتھر پر دباؤ آنے سے نہ صرف وہ پتھر بلکہ اس کے آگے پیچھے سرنگ کے دوسرے پتھر بھی گر جاتے اور ان کے نیچے خلا تھا مگر جب تک اس پتھر پر دباؤ نہ آتا باقی پتھر مضبوطی سے اپنی جگہ جمع رہتے۔

میں نے اہرام مصر کے معماروں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ایسے کمالات دکھاتے تھے۔ اہرام کیونکہ کسی بادشاہ کا مدفن یا معبد ہوتے تھے اس لیے ان میں خفیہ چیمبر اور راستے ہوتے تھے اور دراندازوں کو روکنے کے لیے ان میں ایسے ٹریپ لگائے جاتے تھے کہ ناواقف افراد ان میں پھنس کر جان سے ہاتھ دھو لیتے تھے۔ مگر اہرام مصر کے برعکس اس وادی میں شاہوں کو کسی دشمن سے اتنا خطرہ نہیں تھا اس کے باوجود انہوں نے یہ خفیہ سرنگ اور اس میں ٹریپ بھی لگائے تھے۔ دوسرے ٹریپ سے گزر کر ہم کچھ دیر بعد دوسری چیک پوسٹ پہنچے اور وہاں موجود دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں پر آسانی سے قابو پالیا۔ آسانی ہمیں یوں ہوئی کہ ہم مکمل تیاری سے آئے تھے اور انہیں آخر وقت تک دھوکے میں رکھا۔

اگر ہم طاقت کے بل پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو اس کا امکان تھا کہ ہمارا راز فاش ہو جاتا۔ کوئی ایک سپاہی بھی سیٹی بجا دیتا تو سرنگ کے آخری حصے پر موجود پہریدار سرنگ کا دروازہ نہ کھولتے یا کھولتے تو دوسری طرف بہت زیادہ تعداد میں سپاہ ہماری آمد کی منتظر ہوتی۔ ہماری جنگ شروع ہونے سے پہلے ختم ہو جاتی۔ ہماری کامیابی آخر تک دشمن کو دھوکے میں رکھنے سے ہی ممکن ہو سکتی تھی۔ اس دوسری پوسٹ کے سپاہیوں کو قابو کر کے ہم نے قیدی کو بھی بے ہوش کر کے ان کے ساتھ ہی لٹا دیا تھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیئے تھے اور اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ خود کو آزاد کرا سکتے۔ جب میں نے قیدی کے سر پر ضرب لگائی تو ریٹرو کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اسے خیال آیا کہ شاید اس کے ساتھ بھی اب یہی سلوک ہو۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''فکر مت کرو ہمیں تمہاری ضرورت ہے اس لیے تم ساتھ رہو گے۔''

''مگر کوئی حماقت کی تو ہمیشہ کے لیے بے ہوش ہو جاؤ گے۔'' ایرٹ نے اسے خبردار کیا۔ جب ہم روانہ ہونے والے تھے تو ایزارٹ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں بھی پہنچ گیا۔ اب آخری میل کا سفر رہ گیا تھا۔ سرنگ ایک سیدھ میں نہیں تھی بلکہ یہ کئی جگہوں سے گھوم رہی تھی اور بل کھا رہی تھی۔ کچھ مقامات پر میں نے محسوس کیا کہ یہ اوپر اور نیچے بھی آ جا رہی تھی۔ یہ ناگزیر تھا کیونکہ سرنگ بنانے والوں کو زیر زمین ہر جگہ ایک جیسی نہیں ملی ہو گی کہیں بڑی چٹانیں ہوں گی جن کو توڑنا ناممکن ہو گا اور کہیں پانی کی رگیں ہو گی۔ ان سے بچنے کے لیے سرنگ کو موڑا اور اوپر نیچے کیا گیا تھا۔ پھر سرنگ کو ایسی جگہوں سے گزارا گیا ہو گا جہاں اس کا راز افشا نہ ہو۔ بہر حال یہ شہر کے نیچے سے گزر رہی تھی۔ ریٹرو آگے تھا۔ ایک موڑ پر رک کر وہ مڑا اور آہستہ سے کہا۔ ''اس کے بعد سرنگ کا دہانہ ہے۔ مگر اسے دوسری طرف سے ہی کھولا جا سکتا ہے۔''

''اور کھلوایا کیسے جاتا ہے؟''

''بالکل اسی طرح ایک پتھر ہٹا کر آواز دینے پر دوسری طرف سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔''

''لازمی بات ہے تمہاری آواز پر دروازہ کھولا جائے گا؟''

اس نے سر ہلایا اور ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ''آپ بہت بڑا خطرہ مول رہے ہیں اس طرف رینالٹ کی پوری قوت موجود ہے۔ اس کی سپاہ کی تعداد آپ کے کل آدمیوں سے تین گنا زیادہ ہے۔''

میں نے اس کی وارننگ نظر انداز کر کے سوال کیا۔ ''خاص شاہی محل میں کتنے محافظ ہوں گے؟''

اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی مدد سے بتایا کہ خاص محل میں محافظوں کی تعداد دو سو ہوتی تھی۔ ان میں خاص شاہی محافظوں کی تعداد پچاس تھی جو رینالٹ کے رہائشی حصے اور دربار خاص کی حفاظت کرتے تھے۔ کیونکہ موڑ کی صورت میں ہمیں قدرتی آڑ مل گئی تھی اس لیے میں یہاں رک کر ایزارٹ اور اس کے آدمیوں کا انتظار کرنے لگا۔ انہوں نے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ سب سے آگے ایزارٹ اپنے دستے کے ساتھ نمودار ہوا۔ شروع میں وہ پیچھے تھا مگر اب آگے آ گیا تھا۔ اس کے پیچھے باقی افراد بھی تھے۔ ایزارٹ آیا تو میں نے ریٹرو کو سفید پتھر تھمایا اور اس سے کہا۔ ''تم شاہی محل کی ساخت جس حد تک جانتے ہو اس کا نقشہ یہاں زمین پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بناؤ۔ ہاں اگر اوپر نیچے کئی منزلیں ہوں تو وہ بھی واضح کرو اور یہاں تہہ خانے بھی ہوں گے ان کی وضاحت بھی کرو۔''

''میں تہہ خانوں سے واقف نہیں ہوں۔'' اس نے کہا اور فرش پر لکیریں کھینچنے لگا۔ ''میں جتنا جانتا ہوں وہ بتا سکتا ہوں۔''

اس نے سرنگ والے ہال سے شروع کیا۔ ''سرنگ یہاں نکلتی ہے۔'' اس سے آگے اس نے دلان اور پھر شاہی علاقے کا نقشہ بنایا۔ ''میں اندر نہیں گیا ہوں لیکن اس کے چاروں اطراف گھوما ہوں۔ یہ اتنا بڑا علاقہ ہے۔'' وہ مزید لکیریں کھینچنے لگا۔ ''اس کے تین طرف باغات ہیں اور پانی کے تالاب ہیں۔ چوتھی طرف ایک بڑا ہال ہے جو شاہی تقریبات کے لیے مخصوص ہے۔''

میں نے دالان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے دوسری طرف کیا ہے؟''

''اس طرف دلان کے پاس ستونوں پر رکھی چھت ہے جو چاروں طرف سے کھلی ہے اور اس میں پردوں کی مدد سے خانے بنے ہیں۔ یہ جگہ بھی شاہی خاندان کے لیے مخصوص ہے۔''

میں تصور کر سکتا تھا کہ یہاں عیش و عشرت کی کیسی محفلیں سجتی ہوں گی۔ اگر یہاں حمام ہوتا تو ایک ہی حمام والی بات درست ثابت ہوتی۔ اس جگہ کو چاروں طرف سے شاہی دستہ اپنی حفاظت میں رکھتا ہے اور عملاً یہاں چڑیا بھی پَر نہیں مار سکتی ہے۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا باغ تھا اور اس کے بعد شاہی محل کا عام حصہ شروع ہو جاتا تھا۔ میں نے نقشے کو ذہن میں رکھا اور ایزارٹ سے کہا۔ ''ہمیں دلان کے بعد والی عمارت پر قبضہ کرنا ہے اور اس دوران میں ہمارے آدمی اندر موجود سپاہیوں سے نمٹ کر اس ستونوں والی جگہ پر قبضہ کریں گے۔ تاکہ باہر سے مدد اندر آنے سے روکی جا سکی۔'' میں کہتے ہوئے ریٹرو کی طرف متوجہ ہوا۔ ''کیا دلان تک آنے کا کوئی اور راستہ بھی ہے؟''

''نہیں اسی ستونوں والی جگہ کے وسط میں ایک کھلی جگہ ہے اور یہی آمد و رفت کے لیے استعمال ہوتی ہے۔'' ریٹرو نے جواب دیا اور دلان کے عمارت والے حصے کی طرف انگلی رکھی۔ ''یہاں.....'' پھر اس نے ستونوں والی عمارت پر انگلی رکھی۔ ''اور یہاں دونوں طرف اوپر تیر انداز ہوتے ہیں جو دلان میں گھسنے والوں کو نشانہ بنانے کے لیے تعینات کیے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد دونوں جگہوں پر بیس بیس ہوتی ہے۔''

میں نے ایزارٹ کی طرف دیکھا۔ ''ہماری آدمیوں کو کم سے کم کھلی جگہ پر ہونا چاہیے تاکہ ان کو اوپر سے تیروں سے نشانہ نہ بنایا جا سکے۔ وہ دیواروں کے ساتھ رہیں اور کھلی جگہوں پر ڈھالوں سے اپنی حفاظت کریں۔ چھوٹے ہال سے نکلتے ہوئے بڑی ڈھالوں والے آگے ہوں گے۔''

ایزارٹ نے سر ہلایا اور اپنے نائبین کو ہدایت دینے لگا۔ اس نے سپاہ کی یہ ترتیب رکھی تھی کہ اپنے پانچ نائب چن لیے تھے اور ہر نائب دو یا تین دستوں کا سربراہ تھا۔ دستے اس کے احکامات پر عمل کرتے تھے اور وہ پانچوں ایزارٹ سے حکم لیتے۔ اس طرح ایزارٹ تمام فوج کو اپنے قابو میں رکھتا اور مختصر وقت میں اس کا حکم سب تک پہنچ جاتا تھا۔ میرا دستہ سب سے الگ تھا۔ اس میں میرے قلعوں کے ساتھی اور کچھ نئے افراد تھے۔ اس کی تعداد مجھ سمیت چھبیس بنتی تھی۔ حکمتِ عملی یہ طے ہوئی کہ جیسے ہی راستہ کھلے ہم ہال میں موجود سپاہیوں کو تہہ تیغ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیں اور اس کے بعد ہماری فوج اس محدود جگہ سے جلد از جلد باہر نکلنا شروع ہو جائے۔

سب سے آگے میں اپنے دستے سمیت ہوں گا اور اس وقت ہال سے باہر نکلوں گا جب میرے بیک اَپ میں کم سے کم دو دستے آ جائیں۔ میرے نکلنے کے بعد وہ باہر آ کر دلان میں موجود سپاہیوں کو الجھائیں گے اور مجھے شاہی حصے کی طرف جانے کا موقع دیں گے۔ شروع میں وہ مدافعتی جنگ لڑیں گے مگر جیسے جیسے عقب سے مزید دستے آئیں گے وہ جارحانہ جنگ شروع کریں گے۔ جیسے ہی دلان پر قبضہ ہو گا۔ بھاری ڈھالوں والے آ جائیں گے اور وہ تیر اندازوں کو تحفظ دیں گے جو ستونوں والی عمارت سے انہیں نشانہ بنانے کی کوشش کریں گے۔ یہ موٹی موٹی تفصیلات تھیں اور جیسے جیسے جنگ آگے بڑھتی اس کا نقشہ از خود ترتیب پاتا۔ دیکھا جائے تو یہ چھاپہ مار جنگ بھی تھی اور کھلی جنگ بھی۔ یہ سرنگ سے نکلنے تک چھاپہ مار تھی اور اس کے بعد یہ کھلی جنگ بن جاتی۔ ہمیں سرنگ میں داخل ہوئے دوسرا گھنٹا شروع ہو گیا تھا۔ میں نے ریٹرو کی طرف دیکھا۔

''دروازہ کھلواؤ۔''

ہم تیرہ افراد پر مشتمل دستہ موڑ سے گھوم کر کوئی سو گز کے فاصلے پر موجود دیوار کی طرف بڑھا، یہاں بھی دروازہ پتھر کا تھا اور یہ بہت بڑا پتھر تھا جسے توڑنا ممکن نہیں تھا۔ پتا نہیں انہوں نے بغیر دھات کے اسے کیسے تراشا تھا اور پھر لا کر یہاں نصب کیا تھا۔ کیونکہ یہاں چھپانے کا تکلف نہیں تھا اس لیے سوراخ کھلا ہوا تھا۔ ریٹرو نے اس پر منہ رکھ کر اپنا تعارف کراتے ہوئے دروازہ کھولنے کو کہا اور اس کے ساتھ ہی ہم سب نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ چند لمحے بعد دھیمی سی گڑگڑاہٹ گونجی اور دیوار کا ایک حصہ الگ ہونے لگا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس میں اتنا خلا بن گیا کہ ایک آدمی گزر سکے۔ میں آگے بڑھا اور خلا سے گزر کر ہال میں آیا۔ یہاں ایک درجن سپاہی موجود تھے اور ان میں سے دو اس چکی کو گھما رہے تھے جس سے سرنگ کا دروازہ کھلتا تھا۔ میرے عین سامنے ایک سپاہی کمانڈر کے نشانات والی وردی میں تھا۔ فوری حملہ مناسب نہیں تھا اور میں اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ کمانڈر نے مجھ سے پوچھا۔

''ریٹرو کہاں ہے؟''

میں نے خلا کی طرف اشارہ کیا مگر منہ سے کچھ کہنے سے گریز کیا۔ کمانڈر غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اب اس نے کہا۔ ''میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں اپنا تعارف کراؤ۔''

میں کیا جواب دیتا مگر بالکل چپ رہنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ میں کھانسا اور ذہن میں آنے والا پہلا مقامی طرف کا نام ادا کر دیا۔ ''آرٹر۔''

یہ لفظ میں نے کھانسی کے دوران ادا کیا تھا تاکہ لہجہ پہنچانا نہ جائے مگر یہاں میری شناخت سامنے آ گئی کمانڈر اچانک پیچھے ہٹا۔ ''جھوٹ بولتے ہو تم وہی مجرم ہو جو معبد سے فرار ہوا تھا۔ میں تمہیں پہچان گیا ہوں، پکڑ لو اسے۔''

یہ کمانڈر کے آخری الفاظ تھے کیونکہ نہایت سُرعت سے میں نے نیزہ اس کے گلے میں اتار دیا تھا۔ وہ اس وقت اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر حکم دے رہا تھا۔ میرے تین ساتھی باہر آ چکے تھے اور باقی آ رہے تھے۔ کمانڈر کے الفاظ سے زیادہ اس کی وفات نے اس کے ساتھیوں کو حرکت میں آنے پر مجبور کیا اور وہ اپنے ہتھیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنبھالنے لگے۔ ربیک اور ایرٹ نے آتے ہی تیر کمان سنبھال لیے تھے انہوں نے سب سے پہلے ان دو افراد کو نشانہ بنایا جو اپنے نیزوں سمیت میری طرف جھپٹ رہے تھے۔ میں نے کمانڈر کے گلے میں اتر جانے والا اپنا نیزہ کھینچا اور اسے تیر کھا کر ڈگمگاتے سپاہی کے پیٹ میں اتار دیا۔ پھر اسے لات رسید کی تو وہ پیچھے آنے والے ساتھی پر جا گرا اور اس کا نیزہ عقب سے مضروب کے جسم میں اتر گیا۔ اس دوران میں میرے تمام ساتھی باہر آ چکے تھے۔ وہ سب تیر کمان استعمال کر رہے تھے۔ اس لیے دشمن کو نزدیک آنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

کمانڈر کے مارے جانے کے ایک منٹ کے اندر ان میں سے چھ زمین بوس ہو چکے تھے اور باقی بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ہال کے واحد دروازے کی طرف پسپا ہو رہے تھے۔ لڑائی کا آغاز ہی چیخ و پکار سے ہوا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر مدد کے لیے پکار رہے تھے اور حملے کی اطلاع باہر والوں کو دے رہے تھے۔ باہر سے بھی آوازیں آنے لگیں۔ مگر وہ ابھی دور تھیں۔ اس دوران میں ایزارٹ کا دستہ بھی ہال میں آنے لگا تو بچے ہوئے سپاہی بھڑک کر دروازے کی طرف جانے لگے۔ میرے ساتھی انہیں تیروں سے نشانہ بنا رہے تھے اور روکنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ ڈھالوں کی آڑ میں بچ رہے تھے۔ میں زمین پر بکھری لاشوں و خون اور اپنے ساتھیوں کی تیر اندازی کی لائن سے بچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا اور نیزے کو لاٹھی کی طرح گھما کر ایک سپاہی کی ٹانگوں پر مارا۔ وہ ڈھال سے اپنا سر اور اوپری دھڑ بچا رہا تھا۔ ضرب کھا کر وہ نیچے گرا تو ایک تیر اس کی پسلی میں اتر گیا۔ اس کی بدقسمتی کی تیر عین دل کے مقام پر اترا تھا۔ اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔

اب دو باقی بچے تھے اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ یہاں سے زندہ نہیں نکل سکیں گے تو انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور جان کی امان چاہنے لگے۔ میرا خیال تھا کہ ایزارٹ انہیں مروا دے گا مگر خلافِ توقع اس نے تیر اندازی روکنے کا حکم دیا۔ ذرا سی دیر میں انہیں نہتا کر کے ان کے دونوں ہاتھ پشت پر جکڑ دیئے گئے تھے۔ ہال کے دروازے پر باہر سے دستک ہو رہی تھی اور چیخ چیخ کر پوچھا جا رہا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ گرفتار شدگان کو آگے کیا گیا اور ہم نے ان کے پیچھے رہتے ہوئے دروازہ کھول دیا فوراً ہی باہر سے تیر آئے اور ان دونوں کے جسم چھلنی ہو گئے۔ میں نے ایک کو گرنے سے پہلے پکڑ لیا اور اپنی ڈھال بنائے باہر آیا۔ یہی سلوک ایزارٹ نے دوسرے کے ساتھ کیا تھا۔ دلان میں آتے ہی میں ایک لمحے کو ٹھٹکا کیونکہ وہاں سو کے قریب مسلح سپاہی موجود تھے اور وہ ہال کو ہر طرف سے گھیر چکے تھے۔ ان میں تیر اندازوں کی تعداد تیس سے زیادہ تھی اور انہوں نے تیر کمانوں پر چڑھا رکھے تھے۔

لیکن اس سے پہلے کہ ان کے تیر ہم تک آتے۔ ہمارے ڈھال بردار سپاہی باہر آنے لگے اور وہ منظم انداز میں نیم دائرے میں پھیل کر بتدریج آگے بڑھنے لگے اور عقب میں نئے آنے والوں کے لیے جگہ بن رہی تھی اور وہ ان ڈھال برداروں کے پیچھے محفوظ تھے۔ دشمنوں کی طرف سے آنے والے تیر ڈھالوں میں گھپ رہے تھے۔ دلان کے وسط میں ایک طویل قامت شخص کھڑا ہوا تھا جس نے سنہری زرہ پہنی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں خاصا موٹا اور وزنی نیزہ تھا۔ وہ یہاں موجود رینات کے دستوں کا کمانڈر لگ رہا تھا۔ اس نے گونجتی آواز میں کہا۔

''کون ہو تم اور اندر آنے کی ہمت کیسے کی؟''

''تم صرف زبان سے لڑو گے یا اپنے ہتھیار بھی استعمال کرو گے۔'' ایزارٹ نے سکون سے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب تک تمہارے ساتھیوں میں سے کسی نے ایسی جرأت نہیں کی ہے یہی وجہ ہے میرے کسی ساتھی کو خراش بھی نہیں آئی ہے۔''

یہ جواب طیش دلانے والا تھا اور سنہری زرہ والے نے گرج کر کہا۔ ''انہیں فنا کر دو۔''

اس وقت ہمارے تین دستے باہر آ چکے تھے اور مزید آ رہے تھے۔ رینالٹ کے سپاہی شور مچاتے ہماری طرف لپکے۔ اس دوران میں، مَیں اپنے ساتھیوں کو لے کر دائیں طرف سرک چکا تھا۔ شاہی حصہ اسی طرف تھا۔ عمارت میں کئی دروازے اور کھڑکیاں تھیں اور یہ سب بند ہو چکی تھیں۔ اچانک ہی ستونوں والی چھت پر تیر انداز نمودار ہوئے اور انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ کی۔ مگر ہم پہلے ہی ہوشیار تھے۔ ڈھالوں کے پیچھے پناہ لے رکھی اور دشمنوں کے نزدیک آنے کا انتظار کرتے رہے۔ جیسے وہ نزدیک آئے۔ ڈھال برداروں نے ڈھالوں میں ذرا خلا کیا اور پیچھے موجود ہمارے تیر اندازوں نے پہلی باڑ ماری۔ درجن سے زیادہ سپاہی نشانہ بنے۔ وہ گرے تو آنے والوں کی رفتار اور جوش میں فرق آیا تھا اس سے تیر اندازوں کو دوسری باڑ مارنے کا موقع ملا۔ ایک تیر سنہری زرہ پوش کی زرہ میں لگا مگر وہ محفوظ رہا تھا۔

وہ سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹا اور اس نے ایک سپاہی سے بڑی ڈھال چھین کر اپنے آگے کر لی۔ وہ خود آگے نہیں آ رہا تھا مگر اپنے آدمیوں کو چیخ چیخ کر آگے آنے کا حکم دے رہا تھا۔ دوسری باڑ مارتے ہی ڈھال برداروں نے خلا ختم کر دیا کہ چھت پر موجود تیر انداز اس کا فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ دشمن کے بیس کے قریب سپاہی دلان میں گر چکے تھے۔ کچھ مر گئے تھے اور باقی شدید زخمی تھے۔ پچاس کے قریب سپاہی دوڑتے ہوئے اب اتنے نزدیک آ گئے تھے کہ چھت پر موجود تیر انداز ہمیں نشانہ نہیں بنا سکتے تھے ورنہ خود ان کے ساتھی نشانہ بنتے۔ وہ آ کر ڈھالوں سے ٹکرائے اور ہمیں پیچھے کی طرف دھکیلنے لگے۔ اس دوران میں پانچواں دستہ بھی باہر آ گیا تھا اور ہم بہت چھوٹی سے جگہ میں پیک ہو گئے تھے۔ اس لیے دھکیلنے والے زیادہ نہیں دھکیل سکے اور جب ہم نے جوابی زور لگایا تو انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ خلا بنتے ہی ڈھال بردار پیچھے ہٹنے لگے اور پیچھے موجود سپاہی آگے نکل کر دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔

کیونکہ ہم چھوٹی سی جگہ میں تھے اس لیے دشمن کا خیال تھا کہ ہماری تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ہم پر چڑھ آنے والوں کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ انہیں اپنے سے زیادہ آدمیوں سے واسطہ پڑے گا اور وہ افراتفری میں پیچھے ہٹنے لگے۔ ڈھال بردار دوبارہ سامنے آ گئے اور انہوں نے تیر اندازوں کو اپنی حفاظت میں لے لیا جو اب چھت پر موجود دشمن تیر اندازوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب اوپر موجود دشمن کو جواب ملا اور ان میں سے دو نے تیر کھائے تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور اب وہ کھل کر تیر اندازی سے گریز کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اب پورے دلان میں دست بدست جنگ جاری تھی۔ سنہری زرہ والا غائب تھا مگر ستونوں والی عمارت کی طرف سے تقریباً پچاس مزید سپاہی دوڑے آ رہے تھے۔ ہمارے تیر انداز انہیں نشانہ بنانے لگے۔ درحقیقت اس جنگ میں فیصلہ کن کردار تیر اندازوں کا ہی تھا۔ میرے دستے کے پاس تین بڑی ڈھالیں تھیں اور ہم ان کی آڑ میں شاہی حصے کی طرف بڑھنے لگے۔

سپاہی جو ہمارے راستے میں آ رہے تھے ہم ان سے نمٹ رہے تھے۔ اب تک کی جنگ میں، مَیں نے محسوس کیا کہ رینالٹ کے آدمیوں میں جذبہ بالکل نہیں تھا اور وہ جان دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے کمانڈر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے رہ کر جنگ کر رہے تھے اور سپاہی بادل ناخواستہ لڑ رہے تھے۔ جیسے ہی ان پر دباؤ آتا وہ پسپا ہوتے تھے یا ہتھیار ڈال دیتے تھے۔ ان کے دو درجن سپاہی لڑائی کے آغاز سے پہلے مارے گئے۔ اسی طرح آرگون میں ہمیں جتنے بھی سپاہیوں سے واسطہ پڑا ان میں لڑنے کا جذبہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ آسانی سے مارے گئے یا گرفتار ہو گئے۔ حالانکہ وہ تربیت یافتہ اور کہیں بہتر ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ دلان میں سپاہی آ گئے تھے ہماری تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا تھا۔ میں نے عمارت میں اندر جانے کے لیے دروازوں کے بجائے کھڑکی کا راستہ اختیار کرنے کا سوچا اور ایک کھڑکی کے بند پٹ پر زور لگا کر میں نے اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر پیچھے ہٹ کر پوری قوت سے پاؤں اس پر مارا۔

پٹ لرزا تھا مگر کھلا نہیں۔ ایرٹ بھی میرے ساتھ آ گیا اور جب ہم دونوں نے ایک ساتھ پاؤں مارے تو پٹ ایک دھماکے سے کھلا تھا اور فوراً اندر سے دو تیر آئے۔ میں اور ایرٹ اس دوران میں جھک گئے تھے مگر پیچھے موجود ہمارا ایک ساتھی نشانہ بنا۔ وہ کراہ کر گرا تھا تو باقی بھی نیچے ہو گئے۔ پھر دو تیر اندازوں نے بیک وقت اٹھ کر جوابی کارروائی کی۔ مگر اندر والے بھی ہوشیار تھے وہ کسی آڑ میں تھے۔ میں نے ایک بڑی ڈھال لی اور اسے سامنے کرتے ہوئے اندر جھانکا۔ یہ بڑا سا ہال نما کمرا تھا اور وہاں فرنیچر بتا رہا تھا کہ یہ نشست گاہ تھی۔ تیر انداز فرنیچر کے پیچھے ہی چھپے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھی سرنگ سے آتے ہوئے مشعلیں بھی لائے تھے کیونکہ آگ لگانے کی ضرورت پڑ سکتی تھی اور یہ اچھا حربہ بھی تھا۔ میں جائزہ لے رہا تھا کہ دو تیر آ کر ڈھال میں پیوست ہو گئے۔ میں نے مشعل کے لیے آس پاس دیکھا تو وہ ذرا دور ایک سپاہی کے پاس تھی۔ ربیک نے اس سے مشعل مانگی جو اس نے دور سے ہماری طرف اچھال دی ربیک نے مہارت سے اسے کیچ کر کے مجھ دی۔

''آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟''

''آگ لگانے۔'' میں نے کہا اور مشعل ہال کے وسط میں پھینک دی جہاں کپڑے والے فرنیچر کی بہتات تھی۔ نتیجہ حسبِ مرضی نکلا اور مشعل نے گرتے ہی آگ لگا دی۔ آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ اندر موجود سپاہیوں میں بدحواسی ان کی آوازوں سے ظاہر تھی میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اندر کودا اور اس بار آنے والے تیروں کی تعداد زیادہ تھی۔ دو اس زاویے سے آئے تھے کہ ڈھال مجھے بچا نہیں سکتی تھی مگر بچانے والا اصل میں خدا ہے۔ ایک تیر میرے سر کے پاس سے گزر کر کھڑکی کی چوکھٹ میں پیوست ہوا اور دوسرا میری ٹانگوں کے درمیان سے نکل گیا۔ جس کا تیر سر کے پاس سے گزرا تھا اسے ایرٹ نے نشانہ بنایا اور وہ تیر کھا کر گرتا پڑتا ایک طرف بھاگا۔ میرے ساتھی اب مجھے بچانے کے لیے دھڑا دھڑ تیر برسا رہے تھے۔ میں نیزہ سنبھالتے ہوئے نزدیکی سپاہی کی طرف لپکا تو اس نے مجھے آتے دیکھا کر تیر کمان پھینک دیا اور اپنا نیزہ سنبھالا۔

میں نے نزدیک جاتے ہوئے اس پر ڈھال ماری مگر وہ مہارت سے خود کو بچا گیا۔ اس نے تیزی سے جوابی وار کیا جو میں نے زاویہ بدل کر خالی جانے دیا۔ مگر اس نے نہایت پھرتی سے دوسرا وار کیا اور اس بار نیزے کی اَنی میری ران کو چھوتی گزر گئی۔ اگر میں پھرتی نہ دکھاتا تو نیزہ میری ران میں اتر جاتا اس کے باوجود مجھے زخم لگا تھا اور میں لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ مجھے زخمی ہوتے دیکھ کر وہ سفاک سے انداز میں مسکرایا۔ اتنا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ماہر لڑاکا تھا اور اس پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔ مجھے ڈھال لے کر لڑنے کی عادت نہیں تھی اور مجھے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ دشواری پیش آ رہی تھی اس لیے میں نے ڈھال ایک طرف پھینک دی۔ اب ہم دونوں ہی پاس پاس تھے اس لیے میرے ساتھی تیر سے نشانہ نہیں لے سکتے تھے۔ البتہ وہ اندر آ گئے تھے۔ اسی طرح دشمن بھی اپنے ساتھی کی وجہ سے مجھے نشانہ نہیں بنا سکتے تھے۔ کمرے کے وسط میں آگ بھڑک رہی تھی اور باقی دشمن سپاہی فرار ہو چکے تھے۔ میں نے حریف پر نظریں جماتے ہوئے ربیک کو حکم دیا۔

''اپنا دستہ لے کر اندر جاؤ اور راستہ صاف کرو۔''

''مگر.....'' ربیک ہچکچایا۔ ''یہ.....''

''اسے میرے لیے چھوڑ دو اور جو کہا ہے وہ کرو۔'' میں نے اس بار سخت لہجے میں حکم دیا۔ ''اس راستے مزید کمک منگواؤ۔''

مجھے ربیک کے ساتھ محو گفتگو پا کر اسے غلط فہمی ہوئی اور اس نے اچانک نیزے سے وار کیا۔ میں نے اپنا نیزہ اس کے نیزے پر مارا اور اسے گھماتے ہوئے دور کر دیا۔ اب ہم دونوں ہی محتاط انداز میں نیم دائرے میں گھومتے ہوئے وار کرنے کا موقع تلاش کر رہے تھے۔ اس نے پہل کی اور اس بار میرے نیزے والے بازو کو نشانہ بنانا چاہا۔ یہ وار خطرناک نہیں تھا مگر مجھے ناکارہ کر سکتا تھا۔ اس بار مجھے پورا گھومنا پڑا اور اس کا نیزہ میرے بازو کو تقریباً چھوتا ہوا گزرا تھا۔ ربیک مجھے میرے حال پر چھوڑ کر میرے حکم کی تعمیل میں لگ گیا تھا اور میں یہی چاہتا تھا۔ ہم مہم کے مشکل ترین مرحلے میں تھے اور اس میں ذرا سی کوتاہی یا تاخیر ہماری ساری مہم کو ناکام بنا سکتی تھی۔ رینالٹ اور اس کے خاص ساتھی بچ کر نکل جاتے تو ہم ناکام ہی ہوتے۔

اس لیے میں نے ربیک اور دوسروں کو اپنا کام کرنے کا حکم دیا اور اس سپاہی سے خود نمٹ رہا تھا۔ ایک ناکام وار کے بعد وہ سنبھل گیا تھا اور شاید اب یقینی وار کرنے کا سوچ رہا تھا۔ غالباً اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ میں ترنوالہ نہیں ہوں اور اگر مجھے موقع ملا تو میں اسے مار دوں گا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی نمودار ہوئی تھی اور چہرے کے تاثرات وحشیانہ ہو گئے تھے۔ اچانک اس نے میرے سینے کو نشانہ بنانا چاہا اور میں اسی کی توقع کر رہا تھا۔ اوپری دھڑ کو نیم دائرے میں گھماتے ہوئے میں نے وار ناکام کیا اور اس کے ساتھ ہی میرا نیزے والا ہاتھ نیچے سے حرکت میں آیا۔ نیزہ نیچے سے معدے کے مقام سے اس کے سینے میں گھسا اور شاید جگر کو بھی چاک کر گیا۔ اس کا منہ کھلا رہ گیا اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ میں نے نیزہ جھٹکے سے واپس کھینچا تو وہ نیچے گر گیا۔

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ بہت نوجوان آدمی تھا اور اقتدار کی جنگ نے اس کی جان لے لی تھی۔ میرا نیزہ اب خون سے اتنا بھیگ چکا تھا کہ خون اس کے پکڑنے والے حصے تک آ رہا تھا۔ یہ میرے ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔ میں نے اپنے کرتے کے دامن سے اسے صاف کیا اور ہال کے اندر کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھا جہاں سے آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ میرے ساتھی دست بدست جنگ میں مصروف تھے۔ میں ان سے پیچھے کیسے رہ سکتا تھا؟ میں نے جلتی مشعل اٹھائی اور اس ہال میں داخل ہوا۔ یہاں دیواروں پر پردے لہرا رہے تھے میں نے ان کو آگ دکھائی اور پھر ایک طرف روشن لیمپ اٹھا کر سامنے میز نما فرنیچر پر دے مارا۔ یہاں میرے ساتھی ایک درجن افراد سے نبرد آزما تھے۔ آگ لگی تو دشمنوں میں سراسیمگی پھیلی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر میرے ساتھی ان پر چڑھ دوڑے۔ اس دوران میں دوسرا دستہ بھی وہاں آ گیا۔ مگر دشمن سپاہیوں کی آمد بھی مسلسل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاری تھی۔ میں نے سامنے آنے والے ایک سپاہی کو سنگی چاقو سے ٹھکانے لگایا اور ایرٹ سے کہا۔

''اپنے تیر انداز لے کر میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے کہتے ہوئے چاقو پٹکے میں اڑس کر ڈھال سنبھالی اور دوسرے ہاتھ سے مشعل اٹھالی تھی۔ یہاں آگ لگانے کے قابل سامان بہت تھا اور میں جہاں سے گزر رہا تھا اسے آگ دکھا رہا تھا۔ اب تک ہم جہاں گئے تھے ہمیں سپاہی ہی ملے تھے۔ کوئی عام فرد یا رینالٹ سے متعلق آدمی یا عورت نظر نہیں آئے تھے۔ وہ شاید مزید اندر تھے اور اگر ان تک ہنگامے کی اطلاع پہنچ گئی تھی جس کا بہت زیادہ امکان تھا تو وہ اپنی جان بچانے کے لیے فرار یا کسی خفیہ جگہ چھپنے کی سعی کر سکتے تھے۔ شاید وہ رینالٹ اور اس کے خاص ساتھیوں کے ہمراہ تھے اور وہ انہیں انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کرتے۔ انہیں زیادہ مہلت نہیں دی جا سکتی تھی اس لیے اب میں تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔ میں نے ایرٹ سے کہا۔ ''ہر فرد کو جو راستے میں نظر آئے تیر سے نشانہ بناؤ ہمارے پاس دو بدو لڑائی کا وقت نہیں ہے۔''

ایرٹ سمجھ گیا تھا وہ اور اس کے دس کے قریب تیر انداز ساتھی اب تیر کمان پر چڑھائے میرے پیچھے آ رہے تھے۔ میں نے نیزہ چھوڑ دیا تھا۔ اب دفاع کے لیے میرے پاس ڈھال تھی۔ حملے کا منصوبہ بناتے وقت ہم نے آگ کے حربے کو نظر انداز کیا تھا مگر اب یہ نہایت مؤثر ثابت ہو رہا تھا۔ آگ لگانے سے نہ صرف دشمن کا حوصلہ پست ہو رہا تھا بلکہ اس کی وجہ سے یہاں تباہی کا ماحول بن رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ماضی میں جب فوجیں کسی شہر یا آبادی پر حملہ کرتی تھیں تو آگ لگانے کا حربہ استعمال کرتی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ ایزارٹ بھی اس حربے کو استعمال کر رہا ہوگا۔ دلان کے حصے میں شدت کی جنگ جاری تھی اور ایزارٹ وہاں براہِ راست کمان کر رہا تھا۔ اس خاص حصے میں میرے ساتھ پچاس کے قریب افراد آئے تھے اور ہم یہاں دشمن سپاہ کا صفایا کر رہے تھے۔ یہ حصہ ہال در ہال پر مشتمل تھا یہ بڑے ہال آر پار ایک طرف دلان کی طرف کھل رہے تھے اور دوسری طرف عقبی باغ میں کھل رہے تھے۔ میں نے باہر باغ میں جھانک کر دیکھا تو وہاں سپاہی جمع ہو رہے تھے۔ میں نے ربیک کو اشارہ کیا اور اس نے اپنے آدمیوں کے ہمراہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ان میں سے کچھ تیر کھا کر گرے اور باقی منتشر ہو کر بھاگ نکلے تھے۔

ہمارے اچانک حملے نے رینالٹ کی فوج میں بدحواسی اور بددلی پیدا کی تھی اور یہی میرا مقصد تھا کہ انہیں منظم اور جمع نہ ہونے دیا جائے۔ دوسرے ہال کے بعد تیسرے ہال میں جانے والا دروازہ اندر سے بند ہو گیا تھا اور میرے ساتھی اسے توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے دونوں ہالوں میں موجود دشمنوں کا خاتمہ کر دیا اور میں کسی ایسے دشمن کی تلاش میں تھا جو زندہ ہو اور معلومات دے سکے۔ ایک سپاہی پر مجھے شک ہوا کہ وہ مرا نہیں تھا کیونکہ تیر اس کی کمر میں ایسی جگہ لگا تھا جہاں اسے زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا اس کے باوجود وہ ساکت پڑا تھا۔ میں نے اس کا تیر پکڑ کر ہلایا تو اس نے بے ساختہ چیخ ماری تھی۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ میں نے ربیک کو اشارہ کیا اور وہ بھاگا آیا۔ میں نے سپاہی کی کمر میں پیوست تیر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس سے پوچھو کہ محل کے لوگ کہاں ہیں۔ رینالٹ اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟''

ربیک نے میرا سوال دہرایا تو سپاہی خاموش رہا مگر جب میں نے دوبارہ تیر ہلایا تو وہ بول پڑا۔ ''وہ لوگ حملہ ہوتے ہی اندر چلے گئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اندر کہاں؟''

وہ جلدی جلدی کہنے لگا۔''تیسرے ہال کے بعد شاہی خواب گاہیں ہیں اور ان کے عقب میں ایک خاص حصہ ہے وہاں سوائے چند خاص لوگوں کے اور کوئی نہیں جا سکتا ہے۔''

''تم نے اندر جانے کو کہا ہے۔'' ربیک نے غرا کر پوچھا۔

''وہاں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے۔'' سپاہی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔''میں اتفاق سے واقف ہو گیا ہوں ورنہ جو اس جگہ کے بارے میں جان جائے اسے مار دیا جاتا ہے۔''

مجھے یاد آیا ریٹرو نے ایک خاص ہال کا ذکر کیا تھا جہاں شاہی تقریبات ہوتی تھیں۔ میں نے ربیک سے کہا۔''ہمیں وہیں جانا ہے۔''

ربیک نے اس سے چند سوال اور کیے اور جب محسوس کیا کہ وہ اب مزید کچھ نہیں بتا سکتا تو اس نے اچانک اس کے سر پر وار کیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ دونوں ہالوں کے دلان کی طرف کھلنے والے دروازے کھلوا دیئے گئے تھے اور اب ہم باہر ہونے والی جنگ کا مشاہدہ بھی کر سکتے تھے۔ جنگ آخری مرحلے میں تھی کیونکہ ریناٹ کی فوج نے یہاں شکست تسلیم کر لی تھی اور ایزارٹ کی فوج ستونوں والی جگہ داخل ہو چکی تھی۔ پورے دلان میں جا بجا دشمن سپاہیوں کی اور کچھ حریت پسندوں کی لاشیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ مگر تناسب ایک اور دس کا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کھلی جنگ میں ریناٹ اپنے ڈیڑھ سو سے زائد آدمیوں سے محروم ہو چکا تھا۔ ہمارا نقصان بیس سے زیادہ نہیں تھا مگر جذباتی لحاظ سے یہ بہت بڑا نقصان تھا۔ ہمارے لیے ہر فرد قیمتی تھا۔ میں نے دلان میں دیکھا مگر مجھے ایزارٹ نظر نہیں آیا۔ وہ آگے جا چکا تھا۔

اس دوران میں میرے ساتھیوں نے تیسرے ہال کا دروازہ توڑ دیا اور اندر سے آنے والی تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹ گئے۔ ڈھال بردار یہاں بھی موجود تھے۔ اب ہم ڈھالیں اور تیر استعمال کر رہے تھے۔ تیر انداز ڈھالوں کے پیچھے رہ کر دشمن سپاہیوں کو نشانہ بنا رہے تھے اور ہم دباؤ بڑھاتے ہوئے بتدریج تیسرے ہال میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی ڈھال برداروں نے نیم دائرے میں آ کر تیر اندازوں کو تحفظ دیا۔ یہ ہال بڑا تھا اور یہاں ستون بھی تھے۔ دشمن سپاہی ان ستونوں کے پیچھے سے حملے کر رہے تھے۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ یہ شاید ان کا آخری مورچہ تھا اور اس لیے مزاحمت شدید تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میرے تین ساتھی ان کا نشانہ بن گئے۔ میں نے ڈھال برداروں کو آگے آنے کا حکم دیا اور ربیک سے کہا۔''یہاں بھی آگ لگواؤ۔ آدمیوں سے کہو کہ وہ جلتی چیزیں لا کر یہاں پھینکیں۔''

ربیک نے فوری حکم جاری کیا۔ وہ پچھلے ہالوں میں بھڑکنے والی آگ سے جلتی چیزیں لا کر اس ہال میں فرنیچر اور پردوں پر پھینکنے لگے۔ تیر انداز اپنے تیروں کو آگ دکھا کر پردوں پر مار رہے تھے۔ چھت کے ساتھ ساتھ پرچم لٹکے ہوئے تھے ان کو بھی نشانہ بنایا تھا۔ چند ہی منٹ میں اس ہال میں بھی آگ بھڑک اٹھی تھی اور حسبِ توقع دشمن یہاں بھی حوصلہ ہارنے لگا۔ وہ ایک راہداری کی طرف پسپا ہو رہے تھے۔ ایک بار وہ ستونوں کی آڑ سے نکلے تو میں نے تیر اندازوں کو پوری قوت سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ حرکت میں آئے اور اچانک ڈھالوں کے پیچھے سے نکل کر تیر برساتے اور دوسرا تیر کمان پر کھینچنے کے لیے واپس ڈھال کے عقب میں چلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتے۔ دشمن کے نصف درجن سپاہی اور گرے تو ان کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ سب راہداری کی طرف عجلت میں پسپا ہوئے اسی عجلت میں کئی اور مارے گئے۔

میرے دستے کے سات افراد مارے جا چکے تھے ان میں رائٹون بھی شامل تھا۔ وہ ایک بار تیر چلانے کے لیے سامنے آیا تو دشمن کا تیر اس کے سینے میں اتر گیا۔ میں نے ربیک اور ایرٹ کو اس کی لاش کے پاس افسردہ دیکھا۔ میرا بھی دل دکھا تھا مگر یہ سوگ منانے کا وقت نہیں تھا۔ یہی بات میں نے ربیک اور ایرٹ سے کہی تو وہ حرکت میں آ گئے تھے۔ تیسرا ہال بھی ہمارے قبضے میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد شاہی خواب گاہیں شروع ہو جاتی تھیں۔ راہداری اسی طرف جا رہی تھی اور دشمن کا اس طرف پسپا ہونا بتاتا تھا کہ اگلا مورچہ وہ اسی راہداری میں لگائیں گے۔ یہ جگہ خاصی چوڑی تھی اور اس میں جا بجا لکڑی سے بنے ہوئے بڑے سائز کے گلدان اور دوسری آرائشی اشیا رکھی ہوئی تھیں اور زیادہ تر چیزیں لکڑی سے ہی بنی تھیں۔ فرش پر دبیز قالین تھا۔ آگ لگانے کے لیے یہاں بھی بہت کچھ تھا۔

میں نے ربیک کو اس بارے میں ہدایات دیں اور اس نے آگ سے بچ جانے والے پردے کھینچ کر ان کے گولے سے بنائے اور ان کو آگ دکھا کر راہداری میں پھینکنا شروع کر دیا۔ بیک وقت درجن افراد یہ کام کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے راہداری کا ابتدائی حصہ آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ یہاں موجود سپاہی بھی افراتفری میں پسپا ہوئے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ آگ سے بہت ڈرتے تھے اور جب ہم نے آگ کا حربہ استعمال کیا وہ گھبراہٹ میں پسپا ہوئے تھے۔ اس راہداری کے دونوں طرف کمرے تھے اور یہی شاہی خواب گاہیں تھیں۔ آخر میں جا کر راہداری دائیں بائیں طرف مڑ رہی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ خاص ہال اسی راہداری میں دائیں طرف تھا اور وہیں رینالٹ کے ساتھ ڈیوڈ شا اینڈ کو کی موجودگی کا پورا امکان تھا۔ اسی طرف وہ تہہ خانہ تھا جس میں رینالٹ اور اس کے خاص ساتھیوں کے جانے کی اطلاع تھی۔ پسپا ہونے والے اب وہاں دائیں طرف جمع ہو رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی بائیں طرف نہیں جا رہا تھا۔ میں نے ربیک کو مزید آتش زنی سے روک دیا۔ کیونکہ آگ اگر بڑھ جاتی تو ہمارے ہی راستے کی رکاوٹ بن جاتی۔ ذرا مہلت ملی تو میں اپنے نقصان کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے پچاس ساتھی مارے گئے تھے اور میرے پاس ابھی پینتالیس کے قریب آدمی تھے ان میں سے پانچ خاصے زخمی تھے مگر وہ لڑنے پر مُصر تھے۔ مگر میں نے انہیں مرہم پٹی کرنے کا حکم دیا۔ چالیس میں سے تیس اچھے تیر انداز تھے۔

ہمارے پاس اب اسلحے کی کمی نہیں تھی مارے جانے والے دشمن کا زیادہ بہتر اسلحہ بھی ہمارے ہاتھ آ گیا تھا۔ اب تک ہمارا سامنا یہاں خدام اور کنیزوں سے نہیں ہوا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ یا تو بھاگ گئے تھے یا پھر رینالٹ کے ساتھ ہی اس خاص حصے میں تھے۔ ہمارا سامنا اب تک سپاہیوں سے ہی ہوا تھا۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ایسا آدمی ہاتھ آئے جو مجھے اس حصے کے بارے میں بتائے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ یہاں سے فرار کا اور کوئی راستہ تو نہیں تھا جہاں سے رینالٹ اور اس کے ساتھی نکل جاتے اور ہم لکیر پیٹتے رہ جاتے۔ میں نے ایرٹ اور چند سپاہیوں کو ساتھ لیا اور ہال کے دوسری سمت باغ میں نکلا۔ یہ بہت بڑا اور حسین باغ تھا۔ دائیں بائیں دونوں طرف سے یہ اس عمارت کے گرد گھوم رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بائیں طرف آیا جہاں خاص حصہ تھا۔ میں یہاں عمارت میں کوئی داخلی حصہ تلاش کر رہا تھا مگر وہاں عمارت کی دیواریں بالکل سپاٹ تھیں اور ان میں روشن دانوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ عقب سے بھی راستہ نہیں تھا اور اس سے آگے پانی کے تالاب تھے۔ شاہی حصے سے تالابوں کی طرف جانے کا راستہ اندر سے ہی جاتا تھا اور باہر سے تالابوں تک رسائی کا کوئی راستہ نہیں تھا سوائے چھت کے، کیونکہ اوپر سے یہ تالاب کھلے ہوئے تھے۔ اصل میں یہ شاہی خاندان کے لیے مخصوص تیراکی کے تالاب تھے۔ اس معائنے کے دوران بظاہر مجھے اس خاص حصے سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کوئی خفیہ راستہ تھا تو میں کہہ نہیں سکتا تھا۔ میں واپس آیا تو ربیک اور اس کے آدمی شاہی خواب گاہوں تک رسائی حاصل کر کے وہاں مورچے بنا چکے تھے۔ انہوں نے بھی تصدیق کی کہ آگے جانے کا واحد راستہ صرف راہداری ہے۔ میں نے ربیک سے کہا۔

''اب تم لوگوں کو بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔ یہاں بہت خطرناک لوگ ہیں۔ وہ میری طرح باہر سے آئے ہیں اور ان کے پاس ایسے ہتھیار ہیں جن کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ میں ابھی آتا ہوں تب تک تم لوگ یہاں صرف پہرہ دو گے اور اپنے طور پر کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ دوسرے اگر تم پر انوکھے ہتھیاروں سے حملہ کیا جائے تو تم اپنا بچاؤ کرو گے۔ چاہے اس کے لیے تمہیں اس جگہ سے پیچھے ہٹنا پڑے۔ یہ میرا حکم ہے اور اس کی اسی طرح تعمیل ہونی چاہیے۔''

''ربیک مستعد ہو گیا۔'' آپ بے فکر رہیں میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

میں واپس دلان کی طرف آیا۔ ابھی شاہی عمارت کی اوپری منزل کلیئر کرنا تھی مگر مجھے امید تھی کہ وہاں سوائے عام سپاہیوں کے اور کوئی نہیں ہوگا۔ دلان میں لڑائی ختم ہو گئی تھی البتہ ستونوں والی عمارت سے شاہی حصے کی اوپری منزل پر تیر اندازی کی جا رہی تھی اور ظاہر ہے دوسری طرف سے بھی اس کا جواب دیا جا رہا تھا۔ میں نے ایک بھاری ڈھال اٹھائی اور اس کی آڑ لیتا ہوا ستونوں والی عمارت تک آیا۔ ایزارٹ کے سپاہی یہاں قابض ہو چکے تھے۔ اس لیے مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مگر اندر اتنے سپاہی نہیں تھے۔ ان میں سے بیشتر شاید آگے جا چکے تھے۔ میں نے ایک سپاہی کو روک کر پوچھا۔ ''ایزارٹ۔''

اس نے جواب دیا۔ ''وہ آگے ہے۔''

میں ستونوں والی عمارت کے دوسرے حصے کی طرف بڑھا اور یہاں مجھے شور سنائی دیا۔ آس پاس کہیں بھرپور جنگ جاری تھی۔ ہتھیار کے شور، تیروں کی سنسناہٹ اور نیزوں و لاٹھیوں کے آپس میں ٹکرانے کی آوازوں کے ساتھ مرنے اور زخمی ہونے والوں کی چیخ و پکار ایک بھرپور تاثر دے رہی تھی۔ میں سامنے والے حصے میں سیڑھیوں پر آیا تو جنگ کا منظر اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ سامنے آ گیا تھا۔ ایزارٹ اور اس کے ساتھی سیڑھیوں پر تھے اور رینالٹ کی سپاہ نیچے میدان میں جمع تھی۔ وہ سیڑھیوں پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی اور ایزارٹ اپنے ساتھیوں کے ساتھ انہیں روک رہا تھا۔ یہاں ایزارٹ کے ساتھ ڈھائی سو کے قریب افراد تھے۔ جب کہ رینالٹ کی سپاہ کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔ تعداد کے لحاظ سے ان کا پلہ بھاری تھا مگر جذبے اور جگہ کے لحاظ سے ایزارٹ اور اس کے آدمی حاوی تھے۔ وہ بلندی سے زیادہ بہتر نشانہ بنا رہے تھے۔

میں دیکھ رہا تھا کہ ایزارٹ کے تیر اندازوں کا کوئی تیر خالی نہیں جا رہا تھا۔ رینالٹ کے آدمی اس وقت



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھاری ڈھالوں سے محروم تھے اور اپنی چھوٹی ڈھالوں سے دفاع کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے کیونکہ انہیں آگے بڑھ کر حملہ بھی کرنا تھا اور ڈھال سامنے رکھ کر یہ مشکل کام تھا۔ لڑنے کے لیے انہیں سامنے آنا پڑتا تو ایزارٹ کے تیرانداز انہیں نشانہ بناتے تھے۔ ایک منٹ میں درجن سے زیادہ دشمن مارے جا چکے تھے۔ دست بہ دست جنگ میں ایزارٹ کا انداز مدافعانہ تھا اور وہ صرف دشمن کو آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔ اصل کام اس کے تیرانداز کر رہے تھے۔ اچانک ہی ہماری طرف سے تیراندازی میں کمی آئی اور میں نے پلٹ کر دیکھا تو خاصے تیرانداز اپنی جگہوں پر نہیں تھے۔ میں حیران تھا کہ وہ کہاں چلے گئے۔ حملے میں کمی آئی تو دشمن کا حوصلہ بڑھا تھا اور وہ دباؤ بڑھانے لگا۔ میں بھیڑ میں ہوتا ہوا ایزارٹ تک پہنچا جو سر سے پاؤں تک خون میں نہایا ہوا تھا۔ میں نے اشارے سے پوچھا۔

''تیرانداز کہاں جا رہے ہیں؟''

''چھت پر۔'' اس نے جواب دیا اور آگے بڑھنے والے ایک دشمن سپاہی کو پہلے نیزہ مارا اور پھر ڈھال مار کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ ایزارٹ کی توجہ پوری طرح دشمنوں پر تھی اور میں نے اسے مزید چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں آنے والے تیروں سے بچتا ہوا ستونوں والی عمارت میں آیا اور تیراندازوں کے پیچھے روانہ ہوا۔ انہوں نے کسی طرح اس کے ایک ستون سے رسّی اور لکڑی سے بنی سیڑھی باندھ لی تھی اور اس سے اوپر جا رہے تھے۔ ستون ایسی جگہ تھا کہ عمارت کے آگے یا پیچھے سے نظر نہیں آتا تھا۔ تیرانداز تھوڑے وقفے سے آ رہے تھے اور ایک بار مجھے موقع ملا تو میں بھی اوپر چڑھ گیا۔ چھت پر آ کر میں نے دیکھا کہ پینتیس چالیس تیرانداز اوپر آ چکے تھے۔ ان میں سے کچھ شاہی حصے کی دوسری منزل پر موجود تیراندازوں کے خلاف کارروائی کر رہے تھے اور باقی سامنے والے حصے میں ایک قطار میں جمع ہو رہے تھے۔ انہوں نے اپنے تیر کمانوں پر چڑھا لیے تھے۔ مگر ابھی حملے کا آغاز نہیں کیا تھا۔

میں عقبی حصے میں آیا اور شاہی حصے کا جائزہ لیا۔ مجھے تالاب والے حصے کی خالی جگہ یہاں سے نظر آ رہی تھی اور اس کے چاروں طرف موجود عمارت کی چھت اس جگہ سے کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھی۔ میں اس جگہ کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک تیر سنسناتا ہوا میرے پاس سے گزرا۔ تیر شاہی حصے سے آیا تھا۔ جس نے مارا تھا وہ ہمارے تیراندازوں کی جوابی کارروائی کا نشانہ بن گیا۔ اس کے بعد دشمن کی طرف سے خاموشی چھا گئی۔ تیر اندازوں کے کمانڈر نے اس طرف موجود تیراندازوں کو بھی اپنی طرف بلا لیا اور پھر پچاس کے قریب تیراندازوں نے اچانک ہی چھت کے کنارے سے نیچے موجود دشمن کو تیروں کی باڑ پر رکھ لیا۔ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ دشمن بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس کے درجنوں سپاہی فرش پر پڑے اپنے ہی خون میں تڑپ رہے تھے۔ دوسری باڑ نے مزید درجنوں کو زخمی کر دیا۔ دوسری طرف ایزارٹ کے آدمی جواب تک مدافعانہ جنگ لڑ رہے تھے۔ انہوں نے اچانک ہی جارحانہ انداز اختیار کیا اور دشمن پر چڑھ دوڑے تھے۔

جب ہم سرنگ سے نکل کر شاہی محل میں داخل ہو رہے تھے تو صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی اور اب پوری طرح اجالا ہو چکا تھا۔ اس لیے آس پاس کا ہر منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ تیراندازوں نے تیسری باڑ بھی اندھا دھند ماری اور اس کے بعد وہ سنبھل کر انفرادی نشانے لینے لگے۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں رینالٹ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوج کے سو سپاہی مارے گئے تھے یا شدید زخمی تھے۔ یعنی جنگ کے قابل نہیں رہے تھے۔ دوسری طرف ایزارٹ اور اس کے ساتھی بھی اب حملہ آور تھے۔ اس دو طرفہ مار نے اچانک ہی جنگ کا نقشہ بدل دیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پیچھے والے فرار ہونے لگے تھے اور جو ہمارے آدمیوں کے سامنے تھے وہ ہتھیار پھینک کر زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے۔ کہیں انہیں معاف کیا جا رہا تھا اور کہیں ہتھیار ڈالنے پر بھی موت مل رہی تھی۔ اب معاملہ مقابلہ کرنے والی سپاہ کے ہاتھ میں تھا۔ شاید ایزارٹ نے اس بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی تھی کہ ہتھیار ڈالنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ ایک سپاہی دشمن کو ہتھیار پھینکنے پر بھی قتل کرنے جا رہا تھا کہ میں نے اوپر سے چلا کر کہا۔ ''نہیں۔''

سپاہی نے چونک کر مجھے دیکھا اور میں نے ہاتھ کے اشارے سے بھی منع کیا تو وہ رک گیا اور اس کے ہاتھ پشت پر باندھنے لگا۔ ایزارٹ نے دیکھ لیا تھا اس نے چلا کر حکم دیا۔ ''ہتھیار ڈالنے والوں کو قتل نہ کیا جائے۔''

یہ سننا تھا کہ باقی لڑنے والوں نے بھی اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور ان کی تعداد بھی دو سو کے قریب تھی۔ ایزارٹ کے آدمی انہیں گھیر رہے تھے اور جو پیچھے تھے ان کو فرار سے روک رہے تھے۔ ایزارٹ نے دوسرا حکم دیا۔ ''جو فرار کی کوشش کرے اسے پیچھا کر کے قتل کر دو۔''

یہ سن کر جو فرار ہونا چاہتے تھے وہ رک گئے۔ اس جنگ میں رینالٹ کے سو سے زیادہ آدمی مارے گئے تھے اور اتنے ہی زخمی تھے جب کہ باقی ہتھیار ڈال کر قیدی بن گئے تھے۔ میں نیچے آیا اور اب مجھے ایزارٹ سے گفتگو کے لیے ترجمان کی ضرورت تھی۔ میں واپس شاہی حصے میں آیا اور وہاں حالات جوں کے توں تھے۔ میں نے پہلے وہاں موجود افراد کو خوشخبری سنائی کہ ہم تقریباً یہاں قابض ہو چکے ہیں اور رینالٹ کی سپاہ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ پھر میں ربیک کو لے واپس آیا۔ ایزارٹ ستونوں والی عمارت میں موجود تھا۔ اس کے آدمی قیدی بننے والوں کو باندھ رہے تھے اور انہی سیڑھیوں کے آگے کھلی جگہ قطار میں بٹھا رہے تھے۔ اس کے کچھ آدمی اپنے زخمیوں کی دیکھ رہے تھے اور ان کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ کچھ لاشیں ایک طرف کر رہے تھے۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔

''اگرچہ ہم یہاں قابو پا چکے ہیں لیکن یہ مت سمجھنا کہ ہم نے جنگ جیت لی ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں ابھی تمہارے دشمن باقی ہیں جو بہت خطرناک ہیں۔'' ایزارٹ نے کہا۔ ''لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر وہ اتنے ہی خطرناک ہیں تو انہوں نے اس جنگ میں حصہ کیوں نہیں لیا۔ رینالٹ نے انہیں استعمال کیوں نہیں کیا؟''

''یہ تو میں بھی سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مگر میرا اندازہ ہے کہ ڈیوڈ شا نے فی الحال جنگ میں مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ یہاں رینالٹ کی مدد کرنے نہیں بلکہ اپنے مقاصد لے کر آیا ہے اور اس کی پوری کوشش ہو گی کہ وادی کے باشندوں کا زیادہ سے زیادہ خون بہے اور وہ آپس میں لڑ کر اتنے کمزور ہو جائیں کہ اس کے اصل عزائم کے سامنے مدافعت نہ کر سکیں۔ قلعوں پر حملہ بھی اسی کی سازش ہو گی مگر جب کسی وجہ سے رینالٹ نے حملہ ملتوی کرایا تو ڈیوڈ شا اس کی مدد سے پیچھے ہٹ گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایزارٹ نے سر ہلایا۔ ''ہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن وہ ہیں کہاں؟''

''میرا خیال ہے وہ بھی رینالٹ کے ساتھ اسی حصے میں محدود ہیں۔ ہم نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔''

''تب اچانک حملہ کر کے ان کا خاتمہ کیوں نہ کر دیا جائے؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہتھیاروں کے فرق کی وجہ سے انہیں حملہ کر کے ختم کرنا بہت مشکل ہے۔''

''اس صورت میں ان پر کیسے قابو پایا جائے؟''

میرے ذہن میں ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں سے نمٹنے کے لیے ایک خیال آ رہا تھا۔ میں نے ایزارٹ سے کہا۔ ''جب تمہارے آدمی اس کام سے نمٹ جائیں تو انہیں یہاں آتش گیر روغن کی تلاش پر لگا دو۔ یہاں بھی گودام ہیں اور ان میں لازمی یہ روغن ہوگا۔''

''میں ابھی کچھ آدمیوں کو لگاتا ہوں۔'' ایزارٹ نے جوش سے کہا شاید وہ میرا خیال بھانپ گیا تھا۔ ''اس جنگ میں، مَیں نے دیکھا کہ آگ بہت مؤثر حربہ رہی ہے۔''

''تم لوگ تو جنگوں سے ہی ناواقف ہو۔ آج پہلی بار یوں جنگ لڑی ہے لیکن باہر کی دنیا میں جنگیں عام اور ان میں بھی آتش اور آتشیں ہتھیار ہی اصل کردار ادا کرتے ہیں۔''

ایزارٹ کے آدمی مرنے والوں کی لاشیں الگ الگ کر کے ان کو قطاروں میں رکھ رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں کی قطار انہوں نے الگ رکھی تھی اور رینالٹ کے مرنے والے سپاہیوں کی لاشیں الگ قطار میں رکھی تھیں اور یہ قطار خاصی طویل تھی۔ میں گنتی کرنے لگا۔ ہمارے مارے جانے والے ساتھیوں کی تعداد ستر کے لگ بھگ تھی۔ شدید زخمی پچاس تھے اور باقی معمولی زخمی تھے جن کے زخم لڑنے یا حرکت کرنے میں رکاوٹ نہیں تھے۔ اب رینالٹ کے آدمیوں کی لاشیں لائی جا رہی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ مرنے والے دو سو سے اوپر ہوں گے۔ مگر جلد تعداد دو سو سے تجاوز کر گئی اور لاشیں مسلسل آ رہی تھی۔ یہاں بھاری سامان لانے لے جانے کے لیے ہاتھ گاڑیاں تھیں ایزارٹ کے آدمی ان پر ہی لاشیں لاد کر لا رہے تھے۔ تعداد ڈھائی سو تک پہنچی اور جب آخری لاش لا کر ڈالی گئی تو یہ تعداد دو سو ستتر ہو گئی تھی۔

ڈیڑھ سو کے قریب شدید زخمی تھے اور ان میں سے کچھ کا بچنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ معمولی زخمی اور جنہوں نے ہتھیار ڈالے تھے۔ ان کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ اگر یہاں آٹھ سو سپاہی تھے تو اس کا مطلب تھا کہ رینالٹ کے پاس پچاس سے بھی کم سپاہی رہ گئے تھے۔ کچھ سپاہیوں کو میں نے فرار ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ مگر مسئلہ ان سپاہیوں کا نہیں تھا بلکہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی کا تھا۔ مارے جانے اور زخمیوں کو نکال کر ہمارے پاس اب بھی دو سو سے اوپر لڑاکا تھے مگر یہ سب بھی ان چار افراد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جو جدید ترین آتشیں ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ ان کے پاس بم بھی ہوتے اور شاید وائس بم بھی تھے۔ ایزارٹ نے اپنے جن آدمیوں کو آتشیں روغن کی تلاش پر لگایا تھا انہوں نے زیادہ دیر نہیں لگائی اور نزدیک ہی واقع ایک بڑے گودام میں نہ صرف آتشیں روغن بلکہ بہت بڑی مقدار میں غلہ اور کھانے پینے کا دوسرا سامان بھی دریافت کیا تھا۔

آتشیں روغن لکڑی کے بڑے پیپوں میں تھا اور یہ دس گیلن کے لگ بھگ روغن سے بھرے ہوئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسے پیپوں کی تعداد سینکڑوں میں تھی مگر ہمارے لیے چند درجن ہی کافی تھے۔ میں نے تین درجن پیپے منگوائے۔ جب پیپے آ گئے تو میں نے سب سے پہلے انہیں تالاب کے گرد موجود عمارت کی چھت پر چڑھانے کا حکم دیا۔ سپاہی چھت پر چڑھے اور پھر انہوں نے پیپے اوپر پہنچائے۔ ایک درجن پیپے اوپر پہنچانے کے بعد انہیں اس حصے پر لایا گیا جہاں میرے خیال میں نیچے وہ خاص جگہ تھی جہاں رینالٹ کی سپاہ موجود تھی۔ وہ اپنے خاص ساتھیوں سمیت تہہ خانے میں جا چکا تھا۔ میں نے یہاں روغن یوں چھت پر پھیلانے کا حکم دیا کہ یہ کہیں سے نیچے نہ جائے۔ سپاہیوں نے چھت کے پرنالے بند کر دیئے اور اس کے بعد پیپے الٹانے لگے۔ ذرا سی دیر میں پوری چھت روغن سے تر ہو گئی تھی۔

نیچے آ کر میں نے باقی پیپے شاہی حصے میں پہنچانے کا حکم دیا۔ انہیں خاموشی اور راز داری کے ساتھ راہداری کے آخری حصے میں پہنچایا گیا جہاں اب رینالٹ کے سپاہی موجود نہیں تھے۔ وہ بالکل ہی اندرونی حصے میں جا پہنچے تھے۔ میں نے ایک پیپا فرش پر ڈلوا کر اس کی ڈھلان کا اندازہ کیا اور خوش قسمتی سے یہ اندرونی حصے کی طرف تھی۔ مگر زیادہ روغن انڈیلنے کی صورت میں واپس ہماری طرف بھی آ سکتا تھا اس لیے پہلے پیپے کا روغن آگے جانے کا انتظار کیا اور جب یہ راہداری کے سرے پر واقع دروازے تک پہنچ گیا۔ تو میں نے بیک وقت دو پیپے کھلوا کر انہیں راہداری میں ذرا آگے دھکیل دیا تھا۔ جب یہ سوراخ کی حد تک خالی ہو گئے تو انہیں اوندھا کر دیا تاکہ باقی ماندہ روغن بھی نکل جائے۔ یکے بعد دیگرے اسی طرح درجن پیپے خالی کیے تو روغن راہداری کے آخری حصے میں موجود دروازے کے نیچے سے گزر کر اندر جانے لگا اور اندر ہل چل مچ گئی تھی۔ سپاہی شور مچا رہے تھے اور آگ نہ لگانے کی اپیل کر رہے تھے۔ ربیک نے چلا کر کہا۔

''اگر تم لوگ جل کر مرنا نہیں چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال کر باہر آ جاؤ۔''

اس پر اندر کچھ دیر کے خاموشی چھائی تھی پھر دروازہ کھلا اور ایک سپاہی سامنے آیا اسے دھکا دے کر بھیجا گیا تھا۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا۔ ''اگر ہم ہتھیار ڈال دیں تو کیا ضمانت ہے کہ تم ہمیں مارو گے نہیں؟''

''احمقانہ سوال مت کرو، اگر مارنا ہوتا تو تمہیں مہلت کیوں دیتے اب تک آگ نہ لگا چکے ہوتے۔'' ربیک نے درشت لہجے میں کہا۔ ''اب تمہارے پاس وقت نہیں ہے اگر فوراً ہی سب نہتے ہو کر باہر نہ آئے تو روغن کو آگ لگا دی جائے۔ بھاگنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے اور تم سب اذیت ناک موت مرو گے۔''

ربیک کی اس دھمکی نے اثر کیا اور اندر شور اٹھا تھا۔ یقیناً کچھ سپاہی ہتھیار نہ ڈالنے کے حق میں ہوں گے مگر بیشتر اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔ شور ان کی آپس کی لڑائی اور بحث مباحثے کا تھا۔ یہ شور زیادہ دیر جاری نہیں رہا، اچانک ہی درجن سے زیادہ سپاہی دونوں ہاتھ بلند کر کے باہر آئے۔ وہ چیخ چیخ کر ہتھیار ڈالنے کا کہہ رہے تھے۔ ربیک نے اشارہ کیا۔ ''اس طرف آ جاؤ۔''

وہ سب دوڑتے ہوئے اس طرف آنے لگے۔ معاً اندر سے تیر چلے اور دو سپاہی نشانہ بن کر گرے۔ مگر باقی بھاگتے ہوئے راہداری کے سرے پر آ گئے اور انہیں سپاہی باہر لے جانے لگے۔ وہ سب نہتے تھے اور ان کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ جنہیں تیر لگے تھے وہ بھی اٹھ کر گرتے پڑتے آ گئے تھے۔ دروازے کے پار ہنگامہ جاری تھا اور پھر ایسا لگا کہ وہ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ کم سے کم چیخ و پکار سے تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔ شور شرابے کے بعد ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار پھر دروازہ کھلا۔ پہلی بار تیر اندازی کے بعد دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اس بار آنے والوں کی تعداد پندرہ تھی۔ ان میں سے کچھ زخمی تھے جنہیں دوسرے سہارا دیئے ہوئے تھے۔ ربیک نے ایک نوجوان کو روک لیا۔ ''اندر اور کتنے سپاہی ہیں؟''

''صرف چھ اور وہ مر گئے ہیں یا مرنے والے ہیں۔'' سپاہی نے جواب دیا۔ ''وہ ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ ہمیں بھی نہیں آنے دے رہے تھے مجبوراً ہمیں ان سے لڑنا پڑا۔''

''ریناٹ اور اس کے آدمی کہاں ہیں؟''

''وہ نیچے تہہ خانے میں جا چکے ہیں۔''

اس بار میں نے سوال کیا۔ ''تم اسی حصے کے سپاہی ہو اور تم نے یقیناً ان لوگوں کو دیکھا ہو گا جو باہر سے یہاں آئے ہیں۔'' میں نے سوال کے ساتھ ڈیوڈ شا، زینی، کرنل اور باسو کا حلیہ بھی بتایا۔ سپاہی نے سر ہلایا۔

''تم آسمان والوں کی بات کر رہے ہو؟ وہ بھی شاہ معظم کے ساتھ ہیں۔''

میں چونکا۔ ''آسمان والے؟''

سپاہی نے سر ہلایا۔ ''شاہ معظم نے اب مہا پجاری کا منصب بھی سنبھال لیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ان چاروں کو سینتور نے ان کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔''

میں ریناٹ کی مکاری پر دنگ رہ گیا۔ اس نے انہیں آسمانی مددگار قرار دے کر اپنے آدمیوں کو مطمئن کر دیا تھا۔ مہا پجاری فیرون کے بعد اس نے خود یہ منصب سنبھال لیا تھا۔ مگر میں سپاہی کے جواب سے مطمئن نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا تم نے ان چاروں کو ریناٹ کے ساتھ تہہ خانے میں جاتے دیکھا ہے۔''

سپاہی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے صرف شاہ معظم کو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ اس وقت ہم اس حصے سے دور تھے اور وہ چاروں اسی جگہ رہتے تھے۔ حملے سے بچنے کے لیے جب ہم اندر گھسے تو وہاں کوئی نہیں تھا۔''

میرے اندر گھنٹی بجنے لگی۔ ڈیوڈ شا نہ تو احمق تھا اور نہ ہی بزدل کہ چوہوں کی طرح تہہ خانے میں جا گھستا۔ اسے معلوم تھا کہ اس طرح وہ محصور ہو جائے گا۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ''یہاں سے نکلنے والے ہر سپاہی سے معلوم کرو کہ ان چاروں کو کس نے آخری بار کہاں دیکھا تھا؟''

ربیک میرے لہجے سے سمجھ گیا کہ معاملہ سنگین ہے۔ میں نے ربیک کے ساتھ جانے سے پہلے ایرٹ کو بلایا اور اسے ذمے داری سونپی۔ ''تم یہاں رہو گے اور اگر کوئی خطرہ محسوس کرو تو فوراً روغن کو آگ دکھا دو گے اور یہی کام چھت پر موجود روغن کے ساتھ کیا جائے۔ اس کے بعد تم سب کو لے کر یہاں سے نکل آؤ گے۔ لیکن بہت محتاط رہنا ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا روغن کو آگ دکھا دے۔ یہ کام بہر صورت ہماری مرضی سے ہونا ہے۔''

''میں ایسا ہی کروں گا جناب۔'' ایرٹ نے یقین دلایا۔ میں اور ربیک باہر آئے۔ شاہی حصے سے پکڑے جانے والوں کو بھی ستونوں والی عمارت کے سامنے میدان میں بٹھایا ہوا تھا۔ ربیک نے وہاں جا کر انہیں الگ کرنا شروع کیا۔ ان تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ ان کے بارے میں عام سپاہیوں سے بھی تصدیق کی گئی اور انہوں نے بتایا کہ یہ خاص حصے کے محافظ تھے، ربیک نے ان سے ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھا۔ان میں سے بیشتر لاعلم تھے۔چند ایک نے انہیں دیکھا تھا مگر وہ یہ بتانے سے قاصر تھے کہ ڈیوڈ شا اس وقت کہاں ہوسکتا تھا؟ان میں ایک نوعمر سا لڑکا تھا میں نے کئی بار محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر بول نہیں پا رہا۔میں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور نرم لہجے میں بولا۔

''تم کچھ کہنا ہو؟''

وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے کرتے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔''جناب میں بتانا چاہتا ہوں لیکن آپ مجھے جھوٹا مت سمجھئے گا۔''

میں نے اسے نزدیک بلوایا اور ربیک کے توسط سے کہا۔''تم بولو کوئی تمہیں جھوٹا نہیں سمجھے گا۔''

کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔''رات میں تالاب والے حصے میں پہرے پر تھا تب میں نے ان چاروں کو چھت پر جاتے دیکھا۔ان کے پاس بڑے سے تھیلے تھے۔''

میں چونکا۔''صرف تم نے دیکھا؟''

''جی وہاں صرف میں تھا۔''اس نے سر ہلایا۔''چھت پر جا کر انہوں نے اپنے تھیلے کھولے اور ان سے سامان نکال کر پرندے جیسی بنانے لگے۔''

''پرندے جیسی چیز؟''میں پھر چونکا۔''تم کیا بتا رہے ہو؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں وہ پرندے جیسی چیز تھی۔''نوجوان بولا اور پھر اس نے فرش پر انگلی سے خاکہ سا بنایا اور میں اچھل پڑا تھا۔میرے ذہن میں برف والے کی آواز گونجی۔

''آج میں نے وادی کی فضاؤں میں اجنبی پرندے محسوس کیے ہیں۔''

میں حیران تھا حالانکہ یہ بالکل بھی حیرت کی بات نہیں تھی۔دنیا میں گلائیڈر کا استعمال عام ہے اور اب تو چھوٹے انجن والے گلائیڈر بھی آ گئے ہیں جو اسے بالکل جہاز کی طرح استعمال کے قابل بنا دیتے ہیں۔سب سے اہم بات کہ المونیم کی بنی راڈز جو ہلکی اور ٹکڑوں کی صورت میں ہوتی ہیں انہیں جوڑ کر اور مضبوط ترین پیراشوٹ چڑھا کر اسے آسانی سے گلائیڈر کی صورت دی جا سکتی ہے۔ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی اسی طرح نیچے آئے تھے اور اسی طرح یہاں سے کہیں چلے گئے تھے۔میرے ذہن میں خیال آیا کہ شاید وہ واپس چلے گئے تھے مگر یہ ممکن نہیں تھا گلائیڈر اتنی بلندی پر نہیں اڑتے ہیں۔چھ سات ہزار فٹ کی بلندی پر تو اڑ سکتے ہیں مگر سولہ سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر جانا ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی پیراشوٹ سے نیچے آئی ہو۔مگر ان کے پاس گلائیڈر موجود تھے۔میں نے نوجوان سے پوچھا۔

''جب انہوں نے پرندے نما چیز بنا لی تو اس کے بعد کیا کیا؟''

''وہ اس سے لٹک کر دوڑتے ہوئے چھت سے اڑ گئے اور پھر معبد کی طرف چلے گئے۔''نوجوان نے بتایا۔

''تم نے خود جاتے دیکھا تھا۔''

''میں نے خود جاتے دیکھا تھا۔''نوجوان نے یقین سے کہا۔

ایزارٹ بھی آ گیا تھا اور وہ نوجوان کے جوابات سن رہا تھا۔اس نے میری طرف دیکھا۔''وہ معبد کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف کیوں گئے ہیں؟''

''میں نہیں جانتا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن وہ کسی اچھے ارادے سے نہیں گئے ہیں۔''

''رینالٹ اور اس کے آدمی کہاں ہیں؟''

''وہ تہہ خانے میں محصور ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''انہیں زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرنی ہے لیکن اگر وہ گرفتاری نہ دیں تو ان کا انجام تم پر ہے۔''

ایزارٹ چونکا۔ ''کیا مطلب..... تم کہیں جا رہے ہو؟''

میں نے سر ہلایا۔ ''معبد..... میرے ساتھ صرف ربیک، ایرٹ اور چند ساتھی ہوں گے۔''

''نہیں تم اس خطرے کا مقابلہ اکیلے نہیں کرو گے؟'' ایزارٹ نے مضطرب لہجے میں کہا۔

''اس کے برعکس میں اس خطرے کا مقابلہ اکیلے بہتر کر سکتا ہوں۔ دوسروں کی موجودگی میرے لیے مسائل پیدا کرے گی۔'' میں نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ایزارٹ میرے پیچھے آیا۔ وہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھے زیادہ افراد لے کر جانا چاہیے۔ مگر میں نے انکار جاری رکھا۔ ''تم یہاں اپنا قبضہ مستحکم کرو۔ رینالٹ کے کچھ آدمی ہیں جو چھپ گئے ہوں گے انہیں تلاش کرو اور شہر میں موجود اپنے ہمدردوں کو رینالٹ کے اقتدار کے خاتمے کی اطلاع دو۔ یہاں خوراک کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو پورے شہر کو خاصے عرصے کے لیے کافی ہو گا۔ اس سے پہلے کہ یہاں لوٹ مار اور بدامنی شروع ہو چیزوں پر اپنی گرفت مضبوط کرو۔ یہ مت بھولو کہ آرگون کی فوج موجود ہے اور وہ رینالٹ کی وفادار رہے گی جب تک وہ ہمارے ہاتھ نہیں آ جاتا یا مارا نہیں جاتا۔''

ایزارٹ غور سے سن رہا تھا اور مجھ سے اتفاق کر رہا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ''مگر تمہارا یہاں ہونا بھی ضروری ہے۔''

''نہیں میرا اس فتنے کو ختم کرنا ضروری ہے جو تم لوگوں کی آزادی کے لیے رینالٹ سے کہیں بڑا خطرہ ہے۔ رینالٹ سمجھ لو اس کے مقابلے میں بچہ ہے۔''

ایزارٹ کو تعجب ہوا تھا۔ ''وہ اتنا خطرناک آدمی ہے۔''

''تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔'' میں نے کہا اور ربیک سے کہا۔ ''ایمار، مارٹ، ایرٹ اور تم میرے ساتھ چلو گے۔''

''میں ابھی ان کو بلاتا ہوں۔'' ربیک چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ان تینوں کو لے آیا تو میں نے ایزارٹ سے کہا۔

''یہاں ایک لڑکی روبیر ہو سکتی ہے۔ وہ میرے ساتھ تھی پھر اسے آرگون کے سپاہی اغوا کر کے لے گئے۔ اسے تلاش کرو اور اس کا ایک محبوب بھی ہے جو آرگون کی فوج میں سپاہی تھا۔ اس کا نام شامین ہے۔ مگر یہ سب فرصت سے کرنے والے کام ہیں اصل کام وہی ہیں جو میں نے تم سے کرنے کو کہا ہے۔ سمجھ لو کہ آرگون اور اس کے باسیوں کا مستقبل اب تمہارے شانوں پر ہے۔''

''میں دیکھوں گا۔'' ایزارٹ نے کہا۔ ''یہاں افرادی قوت کم ہے میں سوچ رہا ہوں کہ شہر میں جانے والے اپنے آدمیوں کو بلوا لوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل اور جو زخمی ہیں ان کو علاج کے لیے یہاں سے منتقل کرو۔ علاج کی سہولتیں بھی شہر میں ہوں گی۔''

''قیدیوں کا کیا کرنا ہے؟''

''انہیں قید خانے میں ڈال دو اور جو زخمی ہیں ان کا علاج کراؤ۔ یہ بہرحال تمہارے ہی بھائی بندے ہیں۔'' میں نے کہتے ہوئے ربیک، ایرٹ، ایمار اور مارٹ کا معائنہ کیا۔ وہ ٹھیک ٹھاک تھے اگر زخم بھی آئے تھے تو معمولی درجے کے تھے اور ان کا لباس بھی صاف ہی تھا کیونکہ وہ دست بہ دست لڑنے کے بجائے تیراندازی کر رہے تھے۔ البتہ میرا لباس خراب ہو رہا تھا۔ ربیک نے میرے لیے ایک نئی اور صاف وردی کا بندوبست کیا۔ میں نے شاہی تالاب میں چند ڈبکیاں لگا کر خود کو صاف کیا اور نیا لباس پہن کر خاصا بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔ ہم نے رات سے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب بھوک لگ رہی تھی۔ شاہی باورچی خانے میں کھانے کو اتنا تھا کہ پوری فوج کا پیٹ بھرا جا سکتا تھا مگر یہ اعلیٰ درجے کی خوراک صرف چند لوگوں کے لیے تھی اور یقیناً اس کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہوگا۔

ایزارٹ میری ہدایات کی روشنی میں احکامات دے رہا تھا اور خود نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے اب تک خون میں بھیگا ہوا لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا اور ایسے چلتے پھرتے کھا لیا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں لیڈر ثابت ہو رہا تھا۔ اسے یوں دیوانوں کی طرح مصروف اور پُرعزم دیکھ کر اس کے آدمیوں کا جوش و جذبہ کم نہیں ہوا تھا بلکہ بڑھتا جا رہا تھا۔ دن اب پوری طرح نکل آیا تھا اور دوپہر کا آغاز ہو گیا تھا۔ آرام کے وقفے اور خوراک نے ہمیں تازہ دم کر دیا تھا۔ شاہی محل کی ملازموں والی عمارت سے تقریباً دو سو ملازمین تھے۔ ان میں کنیزیں اور غلام دونوں شامل تھے۔ انہیں فی الحال اسی جگہ نظر بند کر دیا تھا اور انہوں نے بتایا تھا کہ رات کے وقت شاہی محل میں دو درجن کے قریب خادم اور کنیزیں ہوتی ہیں۔ وہ یقیناً رینالٹ، اس کے خاندان اور ساتھیوں کے ہمراہ تہہ خانے میں چلے گئے تھے۔ اسی وجہ سے ہمیں اوپر کوئی خادم مرد یا عورت نہیں نظر آیا تھا۔

ربیک، ایرٹ، ایمار اور مارٹ تیار ہو کر آ گئے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ''ہم ایک بہت خطرناک مہم پر جا رہے ہیں جو اس ساری قتل و غارت گری سے کئی گنا زیادہ خطرناک ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم چاروں اپنی مرضی سے میرے ساتھ چلو۔ اگر تم انکار کرتے ہو تو میں بخوشی تمہیں چھوڑ جاؤں گا۔''

''ایسا مت کہیں۔'' ربیک نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ ''ہمارا جینا مرنا اب آپ کے ساتھ ہے۔''

''جہاں آپ وہاں ہم۔'' ایرٹ بولا۔

''میں آپ کے ساتھ میدانِ جنگ میں رہنا پسند کروں گا بہ نسبت آپ کے بغیر اپنے گھر میں رہوں۔''

ایمار بولا اور مارٹ نے بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔ ربیک نے کہا۔

''اگر رائٹون زندہ ہوتا تو وہ بھی آپ کو چھوڑ کر نہ جاتا۔''

میں ان کے جذبات سمجھ رہا تھا۔ وہ چاروں اتنی شدت سے میری ذات سے وابستہ ہو گئے تھے کہ اب چھوڑنا بھی چاہتے تو چھوڑ نہیں سکتے تھے اور خاص طور سے اس موقع پر تو قطعی نہیں جب میں موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ''میں تمہارے جذبات اور خلوص کو سمجھ رہا ہوں لیکن میری درخواست ہے کہ ایک بار پھر سوچ لو۔ اب تک ہم وادی کے لوگوں کے لیے لڑ رہے تھے مگر یہ میرے ذاتی دشمن ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جو آپ کا دشمن ہے وہ میرے لیے ذاتی دشمن سے بڑھ کر دشمن ہے۔'' ربیک نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''یہ طے ہے کہ ہم آپ کے ساتھ جا رہے ہیں۔''

○.....❖.....○

وہ چاروں تیار تھے۔ تیروں سے بھرے ترکش، نئی اور بہتر کمان جو رینالٹ کے سپاہی استعمال کرتے تھے۔ نیزے اور لاٹھیاں لے کر ہم روانگی کے لیے تیار تھے۔ ایزارٹ ہمارے ساتھ سرنگ کے دہانے تک آیا۔ میں نے کچھ سامان اور بھی لیا تھا اس میں خوراک بھی شامل تھی۔ ایزارٹ اب بھی چاہ رہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلے مگر میں نے اسے واپس جانے پر مجبور کیا اس کی ضرورت شہر میں کہیں زیادہ تھی۔ ہم سرنگ میں داخل ہوئے تو وہاں تاریکی تھی کیونکہ اندر جلنے والی مشعلیں کب کی بجھ چکی تھیں اور کوئی نئی مشعلیں لگانے والا نہیں تھا۔ ہم نے اپنے ساتھ لائی مشعلیں روشن کر لیں اور آگے بڑھنے لگے۔ کچھ آگے گئے ہوں کہ بیل گاڑیاں اور ان سے بندھے جانور ملے۔ مگر گاڑیاں سامان یا انسانوں سے خالی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی وجہ سے یہ جانور آزاد ہو گئے تھے اور گاڑیوں سمیت سرنگ میں چلے آئے تھے۔ میری چھٹی حس کہنے لگی کہ معبد کے لوگ کسی حادثے سے دوچار ہو چکے تھے۔ ورنہ یہ جانور یوں لاوارث نہ پھر رہے ہوتے۔ کچھ آگے جانے کے بعد میں نے مشعلیں بجھانے کو کہا۔

''ہم ہوادانوں سے آنے والی معمولی روشنی کے سہارے آگے جائیں گے۔ اگر دشمن دہانے کے آس پاس ہوا تو مشعلوں کی روشنی سے ہوشیار ہو سکتا ہے۔''

روشنی بجھی تو چند لمحے تک کچھ نظر نہیں آیا کیونکہ ہم اتنا دور نکل آئے تھے کہ عقب میں سرنگ کا داخلی دہانہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی دوسری طرف کا دہانہ دکھائی دے رہا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ ہوادانوں سے آنے والی معمولی روشنی میں ہماری آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں اور ہم آگے روانہ ہوئے۔ ہم ہر ممکن خاموشی اور احتیاط سے سفر کر رہے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ عجیب سی آواز میں نے پہلے سن لی۔ آواز مدھم تھی مگر رہ رہ کر ابھر رہی تھی۔ میں رک گیا اور اشارے سے اپنے ساتھیوں کو بھی رکنے کو کہا۔ ساتھ ہی میں سماعت پر پورا زور دے رہا تھا۔ اس بار مجھے آواز نزدیک سے آئی اور پھر مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے کیونکہ یہ ہارن کے بھاری قدموں کی چاپ تھی۔

پھر کوئی تین سو گز دور ایک ہیولہ سا نمودار ہوا۔ وہ ہماری طرف ہی آ رہا تھا میرے ساتھیوں نے بھی چاپ کی آواز سن لی تھی اور وہ ہارن سے واقف تھے اس لیے ہم افراتفری میں پیچھے ہٹنے لگے۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ ہمارے قدموں کی آہٹ نہ ابھرے۔ ہارن کے کان تیز ہوتے ہیں اور یہ معمولی سی آواز بھی سن لیتا تھا۔ چاپ سے لگ رہا تھا کہ ہارن بھی سُست روی سے آ رہا ہے شاید اسے بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر عجلت میں پیچھے ہٹتے ہوئے کسی کا پاؤں زمین پر پڑی کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ چیز دیوار سے ٹکرائی تو خاصی آواز بلند ہوئی تھی۔ یہ آواز ہارن کے کانوں تک گئی اور وہ خوفناک انداز میں غرایا۔ فوراً ہی چاپوں کی آواز تیز ہوئی اور میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''بھاگو۔''

ہم پلٹ کر بھاگے اور عقب سے ہارن کے بھی دوڑنے کی آواز آئی۔ اس نے ہماری موجودگی بھانپ لی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اور اب تیز رفتاری سے آ رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سرنگ میں ہارن جیسی بلا سے سامنا ہوگا جہاں بھاگنے کا راستہ بھی ایک ہی تھا۔ ہم گاڑیوں کے پاس پہنچے تو ہماری آمد سے پہلے بیل نما جانور ہارن کی آمد سے باخبر ہو گئے تھے اور وہ عجلت میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اسی عجلت میں انہوں نے گاڑیاں آپس میں بھڑا کر وہی کام کیا تھا جو مصروف سڑکوں پر عجلت پسند ڈرائیور کر کے ٹریفک جام کر دیتے ہیں۔ ہم نے گاڑیاں پھلانگیں اور دوسری طرف اترتے ہوئے مجھے خیال آیا۔ ''گاڑیوں کو آگ لگا دو۔''

ایک مشعل جلائی اور اس سے دوسری مشعلیں جلا کر ہم گاڑیوں پر پھینکنے لگے۔ اس وقت ہارن کوئی دو سو گز دور تھا۔ روشنی میں اسے بہتر نظر آیا تو اس کی رفتار بھی بڑھ گئی۔ جانور اب نکلنے کے لیے زور لگا رہے تھے اور مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں وہ گاڑیوں کو نہ نکال لے جائیں اس لیے ہم ان جانوروں کو کھولنے لگے اس دوران میں گاڑیوں کی خشک لکڑی نے آگ پکڑ لی تھی اور ان سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ جانوروں کو آزاد کراتے ہی ہم ان کے ساتھ بھاگے۔ عقب میں ہارن کے غرانے کی آواز بڑھ گئی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ رک گیا تھا مگر گاڑیوں کے اس پار آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے رفتار تیز کی۔ معاملہ صرف ہماری زندگی کا نہیں تھا اگر یہ عفریت سرنگ سے نکل آتا تو وہاں نہ جانے کیا تباہی پھیلاتا۔ دوسری طرف موجود افراد کو اس سے خبردار کرنا لازمی تھا۔ ہم سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اس لیے تین منٹ میں سرنگ کے دہانے تک پہنچ گئے۔

ربیک اور ایرٹ نے باہر نکلتے ہی لوگوں کو چلا چلا کر ہارن کے خطرے سے خبردار کرنا شروع کر دیا ساتھ ہی وہ تیر اندازوں کو بھی پکار رہے تھے۔ شاہی محل کے احاطے کی دیوار میں موجود ایک چھوٹا دروازہ تھا ہم اسی سے باہر آئے تھے۔ وہ دروازہ کھلا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ تیر انداز دیوار پر چڑھ رہے تھے جہاں سے وہ ہارن کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ میں فکر مند تھا کہ وہ سرنگ سے نکل کر کہیں آبادی والے حصے کی طرف نہ چلا جائے۔ وہاں سارے عام لوگ تھے اور وہ اس بلا کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ فصیل سرنگ کے دہانے سے دور تھی اور اتنی دوری سے تیر اس پر زیادہ کارآمد ثابت نہ ہوتے۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ''کم سے کم ایک درجن تیر انداز بلاؤ۔ ہمیں باہر جا کر اسے روکنا ہوگا۔ ورنہ وہ آبادی کی طرف چلا جائے گا۔ جلدی کرو۔''

ربیک اندر کی طرف لپکا تھا وہ چیخ چیخ کر تیر اندازوں کو بلا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ ہارن معبد میں قید ہارن تو نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ ایک سرنگ کی مدد سے تہہ خانے میں موجود کنویں تک لایا گیا تھا اور کنویں سے اسے نکالنا بھی ممکن نہیں تھا۔ یہ جنگل سے سرنگ میں آیا تھا مگر یہ جنگل سے سرنگ میں کیسے آ سکتا تھا۔ اس کی صرف ایک صورت تھی کہ معبد کے گرد موجود فصیل کسی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی اور اس سے ہارن اندر آیا اور پھر سرنگ میں آ گیا۔ شاید اسی ہارن نے معبد میں تباہی مچائی تھی اور اس کے نتیجے میں بیل نما جانور گاڑیوں سمیت بھاگ کر سرنگ میں آ گئے تھے۔ کچھ دیر میں ربیک ایک درجن تیر اندازوں کے ساتھ آیا مگر جب انہیں پتا چلا کہ انہیں ایک ہارن کے سامنے جا کر اس کا شکار کرنا ہے تو ان کے چہرے سفید پڑ گئے تھے حالانکہ وہ رینات کی خاص سپاہ سے لڑتے وقت خوفزدہ نہیں ہوئے تھے۔ میں نے ربیک کے توسط سے انہیں حوصلہ دیا۔

''یہ صرف ایک جانور ہے اور اگر سب مل کر اس پر تیر برسائیں تو یہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔''

فصیل پر موجود سپاہیوں میں ہل چل مچی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہارن سرنگ کے دہانے سے نکل آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے انہیں تیراندازی سے منع کیا ورنہ ہارن بدک کر بھاگ جاتا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ احاطے کی طرف آئے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ہارن کو اپنی جھلک دکھائی جاتی۔ میں نے دروازہ کھلوایا اور باہر آیا تو ہارن کوئی تین سو گز کی دوری پر موجود تھا۔ ربیک اور دوسرے تیرانداز بھی باہر آ گئے تھے۔ میں نے انہیں حکم دیا۔ ''جب یہ نزدیک آئے اور میں تیر چلاؤں تو سب اس پر تیر چلائیں۔ اس کے چہرے اور سینے کا نشانہ لیں۔''

ہارن پہلے ہی ہمیں دیکھ چکا تھا۔ میری آواز پر وہ بھیانک سی غراہٹ کے ساتھ ہماری طرف لپکا۔ سب نے تیر کمانوں پر کھینچ لیے۔ انسانوں پر ہمارے تیر سو گز کی دوری تک کارآمد ہوتے تھے مگر ہارن کہیں زیادہ مضبوط اور جاندار تھا۔ اس لیے میں اس کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ گھوڑے کے مقابلے میں ہارن پاؤں سمیٹ کر نہیں بلکہ باہر کی طرف اچھالتے ہوئے دوڑتا تھا۔ اس کے دوڑنے کا یہ انداز اتنا بھیانک تھا کہ میرے ساتھی غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹنے لگے اور جو فصیلوں پر تھے وہ بھی ڈر گئے تھے۔ ہارن سو گز کی دوری پر تھا کہ میں نے اللہ کا نام لے کر تیر چھوڑا۔ میرا نشانہ اتنا اچھا نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے چوڑے سینے کو نشانہ بنایا اور تیر ٹھیک سینے میں لگا۔ اسے جھٹکا لگا تو اس کی رفتار میں کمی آئی۔ فوراً ہی اس پر تیروں کی بوچھاڑ ہو گئی تھی۔ وہ ہاتھوں کی مدد سے اپنا چہرہ تیروں سے بچا رہا تھا۔ مگر تیر دو الگ الگ سمتوں سے آ رہے تھے۔ ابھی وہ ستر پچھتر گز کے فاصلے پر تھا اور درجنوں تیر اس کے جسم میں اتر چکے تھے۔ ایک اس کی گردن میں اتر کر پار ہو گیا تھا۔

ہارن کی رفتار کم ہوئی تھی اور ہر تیر کے بعد یہ مزید کم ہو رہی تھی مگر وہ رکا نہیں تھا۔ میں خود اس دوران میں اس پر مزید دو عدد تیر چلا چکا تھا اور باقیوں کی رفتار مجھ سے زیادہ ہی تھی۔ ہر سیکنڈ میں تین چار تیر اس کے جسم میں اتر رہے تھے اور اب وہ پچاس گز کی دوری پر تھا۔ میرے ساتھی اس پر تیر مارتے ہوئے دروازے کی سمت سمٹ رہے تھے۔ میں نے کمان پر چوتھا تیر چڑھایا اور اسے کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف جانے کی بجائے مخالف سمت میں سرکنے لگا۔ ہارن زیادہ آدمیوں کی طرف جا رہا تھا اور اس نے میری طرف توجہ نہیں دی۔ میرا نشانہ اس کا چہرہ تھا اور میں نے کمان کی تانت پوری قوت سے کھینچ رکھی تھی اور اس کے مزید نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ شدید زخمی ہو چکا تھا اور اس کے جسم سے دھاروں کی صورت میں خون بہہ کر پتھر سے بنے فرش پر پھیل رہا تھا۔

آگے بڑھتے ہوئے اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی مگر انسان دشمنی میں وہ بالکل اندھا ہو کر خودکشی والے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اب اس کا چہرہ میرے سامنے تھا۔ میں نے بیس گز کے فاصلے سے اس پر تیر چھوڑا جو اس کی آنکھ کے نیچے رخسار میں گھس گیا اور سر کے عقبی حصے سے اس کا سرا نکلا تھا۔ وہ جھٹکے سے رکا آگے کی طرف جھکا اور پھر پُرشور انداز میں منہ کے بل گرا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جان کی بازی لگا کر آخری حملہ کر رہا ہو۔ میرے ساتھی بھڑک کر دروازے میں گھسے تھے۔ مگر ہارن جان سے گزر چکا تھا۔ میرا تیر اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہوا تھا۔ دراصل یہ براہِ راست اس کے دماغ میں لگا تھا اور فوری موت کا سبب بن گیا تھا۔ میں نے ذرا فاصلے سے اس کا معائنہ کیا اور بلند آواز میں اس کی موت کا اعلان کیا تو سب نے شور مچا کر ہارن کی موت کا جشن منایا تھا۔ ربیک اور ایرٹ آ کر مجھ سے لپٹ گئے۔

''آپ نے پھر کمال کر دیا۔'' ربیک پُرجوش لہجے میں بولا۔

''کمال تو سب نے مل کر کیا میں نے بس آخری تیر مارا تھا۔'' میں مسکرایا اور پھر مجھے خیال آیا۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جلدی سے کہا۔ ''یہ شاید پہلا ہارن ہے اور اس کے پیچھے مزید ہارن یا دوسرے خطرناک درندے اس طرف آسکتے ہیں۔''

یہ خدشہ ایسا نہیں تھا جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ اس وقت آبادی سے دوسرے لوگ آنا شروع ہو گئے تھے جنہیں ایزارٹ ذمے داریاں دے رہا تھا۔ ہارن کے مارے جانے کے وقت وہ بھی آ گیا تھا اور جب میں نے اسے اپنے خدشے سے آگاہ کیا تو وہ بھی متفکر ہو گیا۔ ''اس کا مطلب ہے ہمیں سرنگ بند کرنا پڑے گی۔''

''بالکل اور یہ کام بہت جلد کرنا ہوگا۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''اس کا مطلب ہے تم لوگ بھی اب معبد نہیں جا سکو گے؟''

''یہ تم سے کس نے کہا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم لازمی جائیں گے مگر اب ان جانوروں سے نمٹنے کی تیاری کر کے جائیں گے۔''

ایزارٹ چونکا۔ ''وہ کیسے؟''

''ہمارے پاس ایسا محلول ہے جس پینے سے پسینے میں ایسی بُو آتی ہے جس سے ہارن سمیت تمام خوفناک جانور بدکتے ہیں اور نزدیک نہیں آتے۔ ہمارے پاس وہ محلول ہے۔''

''تب تم لوگوں نے سرنگ میں کیوں نہیں پیا؟''

''کیونکہ وقت نہیں تھا۔ اس محلول کو پینے کے کچھ دیر بعد جسم سے بُو آتی ہے۔ اب ہم پہلے پی کر روانہ ہوں گے۔ تم فوری طور پر سرنگ بند کرنے کا بندوبست شروع کرو۔''

ایزارٹ پریشان ہو گیا۔ ''میرے پاس اتنے آدمی نہیں ہیں۔''

''رینات کے جو آدمی قیدی بنے ہیں ان سے کام لو۔ مٹی پتھر لکڑی جو بھی چیز ملے اسے دہانے میں بھرنا شروع کر دو۔''

''ٹھیک ہے ہم دہانہ بند کر دیں تو تم لوگ کیسے واپس آؤ گے۔''

''ہم معبد سے نکل کر جنگل سے ہوتے ہوئے آئیں گے۔ یعنی اب آرُون کے پھاٹک سے اندر داخل ہوں گے۔''

ایزارٹ نے فوری طور پر سرنگ کا دہانہ بند کرنے کا حکم دیا اور اس مقصد کے لیے قیدیوں کو بلا لیا۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے اپنے پاس موجود بوتلوں سے محلول پیا۔ میں نے ربیک سے بڑی مشعلوں کا انتظام کرنے کو کہا تاکہ جانوروں کو بھگانے کے لیے ہمارے پاس آگ کا حربہ بھی ہو۔ دو شاخ والی لکڑیاں اور ان پر کپڑا لپیٹ کر اسے روغن سے تر کر لیا تھا۔ کچھ روغن ہم لوگوں نے ساتھ لیا۔ اس دوران میں قیدی آ گئے تھے اور ان کے ساتھ دوسرے بھی تھے۔ سرنگ بند کرنے کے لیے گاڑیوں میں مٹی پتھر بھر کر لانا شروع کر دیا تھا اور اسے ڈھلان سے اندر پھینکا جا رہا تھا۔ کچھ افراد اسے مزید آگے پہنچانے میں لگ گئے تاکہ سرنگ اچھی طرح بند ہو اتنی ہی بند نہ ہو کہ جانور اسے کھود کر باہر آ جائیں۔ وہ لوگ پوری منصوبہ بندی سے کام کر رہے تھے۔ ایزارٹ ایک بار پھر ہمیں چھوڑنے آیا اور اس بار وہ سرنگ کے اندر بھی آیا۔ اس نے کہا۔

''میں نے شہر سے اپنے آدمی بلوا لیے ہیں اور شدید زخمیوں کو علاج کے لیے شہر منتقل کرنا شروع کر د

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔''

''رینالٹ اور اس کے ساتھیوں کو باہر نکالنے کے لیے کیا کیا ہے؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ شہر پر اپنی گرفت مضبوط کرلوں اس کے بعد اس کی طرف توجہ دوں۔''

''اگر وہ کسی طرح سے نکل گیا تو؟''

''اگر کوئی اور راستہ ہے تو وہ اب تک نکل چکا ہوگا اور کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ وہیں ملے گا۔''

میں سر ہلایا اور مشورہ دیا۔ ''اپنے آدمیوں کو فصیل کی طرف بھیج دو اور وہاں تعینات آدمیوں کو بلوالو۔ اس وقت فصیل اور دروازے پر تربیت یافتہ اور تجربے کار لوگ ہونے چاہیں۔ ممکن ہے رینالٹ کسی ذریعے سے فوج تک پیغام بھیجنے میں کامیاب ہو جائے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ سرنگ کے کام سے فارغ ہوتے ہی سب سے پہلے یہی کرتا ہوں۔'' ایزارٹ نے کہا اور چلا گیا۔ ہم سرنگ میں آگے بڑھنے لگے۔ محلول پیئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہو چکے تھے اور ہمارے جسموں سے بُو آنے لگی تھی۔ مگر یہ زیادہ تیز نہیں تھی۔ اسے تیز کرنے کے لیے ہم نے تیز قدموں سے چلنا شروع کر دیا۔ اس سے پسینہ آتا اور بُو تیز ہو جاتی۔ دوسرے فاصلہ بھی جلد کٹتا۔ ہم نے چھوٹی مشعلیں جلالی تھیں۔ ان کی روشنی میں تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ درمیان میں جلائی جانے والی گاڑیاں راکھ ہو چکی تھیں اور اس راکھ سے اب حدت اٹھ رہی تھی۔ ہم اس سے بچتے ہوئے آگے آئے۔ ہارن بھی آگ سے ڈرتا ہے مگر وہ انسان دشمنی میں آگ پھلانگ کر دوسری طرف آ گیا تھا۔ اگر ہم جرأت سے کام لے کر اسے ہلاک نہ کرتے اور وہ آبادی کی طرف نکل جاتا تو نہ جانے کتنی تباہی پھیلاتا۔

میں نے خاصا سوچا تھا مگر اب تک سمجھنے سے قاصر تھا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی معبد کی طرف کیوں گئے تھے۔ ان کا مقصد کیا تھا اور اب وہ وہاں کیا کر رہے تھے۔ بھرپور قوت رکھنے کے باوجود انہوں نے رینالٹ کی کوئی مدد نہیں کی اور ہمارے حملے سے پہلے اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ ہم اب اتنا آگے آ گئے تھے کہ سرنگ کا دوسرا دہانہ نظر آنے لگا تھا۔ روشنی دیکھتے ہی ہم نے مشعلیں بجھا دی تھیں۔ اب احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ مگر جیسے جیسے ہم روشنی کے پاس ہو رہے تھے مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا اور جب ہم اتنے نزدیک آئے کہ صاف نظر آنے لگا تو پتا چل گیا کہ کیوں اور کیا عجیب لگ رہا تھا۔ سرنگ معبد میں نہیں نکل رہی تھی بلکہ یہاں اس کی چھت گر گئی تھی اور معبد کی طرف جانے والا راستہ بند ہو گیا تھا۔ البتہ چھت گرنے سے جنگل کی طرف سے ایک راستہ سرنگ میں کھل گیا تھا۔ اوپر سے گرنے والی مٹی، پتھر اور دوسری چیزیں اتنی زیادہ تھیں کہ انہوں نے سرنگ بھر دی تھی اور ان کے گرنے سے اوپر سے نیچے تک ایک ڈھلانی راستہ بن گیا تھا۔ یہ راستہ باہر جنگل میں نکل رہا تھا اور ہارن اسی طرف سے سرنگ میں داخل ہوا تھا۔ تب معبد میں کیا ہوا تھا اور وہاں کس نے تباہی پھیلائی تھی۔ اس سوال کا جواب واضح تھا۔ یہ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کی کارروائی تھی۔

''یہ تو سرنگ کی چھت گر گئی ہے۔'' ربیک نے کہا۔

''میرا نہیں خیال کہ چھت گری ہے۔'' میں نے ملبے کے نزدیک جاتے ہوئے کہا۔ ''یہ اصل میں گرائی گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔''

''اسے کون گرا سکتا ہے اور کیوں گرانے لگا؟'' ایرٹ تعجب سے بولا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''ڈیوڈ شا کے پاس ایسی چیزیں ہیں جو اس سے بڑی تعمیر کو تباہ کر سکتی ہیں۔ سرنگ گرانے کا مقصد ایک تو معبد کی طرف جانے والا راستہ بند کرنا اور دوسرے جنگل کے خطرناک جانوروں کو شہر کی طرف جانے کا راستہ دینا تھا۔ ہارن اسی راستے سے سرنگ میں آیا ہوگا۔''

○.....❖.....○

اس گفتگو کے دوران ہم باہر دیکھ رہے تھے۔ ڈھلان آڑی ترچھی تھی مگر چڑھنے اور اترنے کے قابل تھی تب ہی تو ہارن جیسا بھاری بھرکم جانور نیچے اتر آیا۔ میں پہلے اوپر چڑھا اور پتھروں اور گرنے والی جھاڑیوں کی شاخوں کا سہارا لے کر تقریباً پچاس فٹ اوپر آیا۔ جنگل میرے سامنے تھا میں نے اشارے سے ان سب کو بھی اوپر بلایا اور خود اب زیادہ احتیاط سے اور بنا آہٹ کے باہر جانے لگا۔ آس پاس جانوروں کی موجودگی عین ممکن تھی۔ جنگل میں یہ خاصا بڑا حادثہ تھا کہ زمین کا ایک بڑا حصہ اندر دھنس گیا تھا اور جانور جو آس پاس موجود ہوں گے وہ تجسس میں ضرور اس طرف آئے ہوں گے۔ جیسے ہارن آیا تھا۔ جب میرے ساتھی اوپر آئے تو میں نے انہیں بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ یہاں جھاڑیاں تھیں اور ان جھاڑیوں سے مجھے وہ خوش رنگ پرندہ نظر آیا جو زہریلے تیر برساتا تھا۔ وہ ایسی ہی جھاڑیوں میں رہتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ واپس جھاڑیوں میں گھس۔ میں نے ڈھال سنبھال لی۔

''ہوشیار یہاں زہریلے کانٹوں والا پرندہ ہے۔''

میرا اندازہ تھا کہ سرنگ جہاں سے تباہ کی گئی وہ جگہ معبد سے زیادہ دور نہیں تھی۔ یعنی معبد کے گرد موجود فصیل آس پاس سے نظر آنی چاہیے تھی۔ مگر جہاں میں تھا یہاں سے فصیل نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے آس پاس دیکھا اور ایک کسی قدر بلند نظر آنے والے درخت کی طرف بڑھا۔ یہاں درخت اونچے کم تھے اور پھیلے ہوئے زیادہ تھے۔ نزدیک آ کر میں نے ربیک کو دیکھا اور وہ میرا مطلب سمجھ کر اوپر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا اسے یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ ہمیں کیا تلاش کرنا ہے۔ اس نے اپنا سامان اتار کر رکھا اور شاخوں کو پکڑتے اور پاؤں جماتے ہوئے اوپر چڑھنے لگا۔ تقریباً تیس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر اس نے شمال کی طرف دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے معبد کی سمت بتائی۔ پھر وہ نیچے اترنے لگا اور نیچے آ کر آہستہ سے بولا۔ ''معبد یہاں سے دو سو قدم دور ہے مگر درمیان میں جھاڑیاں ہیں اور ان جھاڑیوں میں زہریلے کانٹے برسانے والا پرندہ رہتا ہے۔''

''کوئی ایسی جگہ جہاں یہ جھاڑیاں نہ ہوں؟''

''اس جگہ سے تو نظر نہیں آئی۔'' ربیک نے جواب دیا اور شمال مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہمیں اس سمت جا کر دیکھنا ہوگا۔''

ایرٹ، ایمار اور مارٹ تیر کمان لیے محتاط تھے اور ہر طرف نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے اس طرف چلتے ہیں۔''

جھاڑیاں وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا کہ معبد کی فصیل کے گرد یہ جھاڑیاں جان بوجھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر لگائی اور بڑھائی گئی تھیں تا کہ خوش نما لیکن قاتل پرندہ آ کر یہاں رہے اور اس کی وجہ سے دوسرے جانور معبد کی فصیل کے پاس آنے سے گریز کریں۔ مجھے یاد ہے معبد سے فرار کے بعد میں جس راستے سے باہر آیا تھا اس پر بھی یہ جھاڑیاں موجود تھیں اور جنگل مغرب کی طرف ملا تھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت میرا واسطہ اس پرندے سے نہیں پڑا تھا۔ ہم جھاڑیوں میں ایسی جگہوں سے گزر رہے تھے جہاں خلا زیادہ تھا اور تنگ راستوں سے گزرنے سے گریز کر رہے تھے۔ چلتے ہوئے ہماری کوشش تھی کہ آہٹ نہ پیدا ہو۔ چند سو گز سفر کے بعد جھاڑیاں ختم ہونے لگیں اور یہاں سے اونچے درختوں والے جنگل کا آغاز ہوا تھا۔ کہیں کہیں خالی جگہیں تھیں جہاں گھاس پھونس اور چھوٹے پودے اُگے ہوئے تھے۔ ایسی ہی ایک جگہ ہمیں ایک چھوٹا ہارن دکھائی دیا۔ چھوٹا ان معنوں میں کہ وہ بلوغت کے آس پاس تھا اور اس کا سائز ابھی خاصا کم تھا یوں سمجھ لیں کسی صحت مند خچر کے برابر ہوگا۔ وہ زمین سے چھوٹے پودے اکھاڑ کر کھا رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی ہم نے راستہ بدل لیا اور دور جانے لگے۔ ایک ہارن یہاں تھا تو دوسروں کی موجودگی بھی ممکن تھی۔ ویسے بھی ہارن کا گڑھ یہی علاقہ تھا۔ ہم مغرب کی طرف جا رہے تھے مگر ساتھ ہی شمال کی طرف بھی گھوم رہے تھے۔ تا کہ معبد سے زیادہ دور نہ ہوں۔ کوئی نصف میل دور آنے کے بعد ربیک دوبارہ ایک بلند درخت پر چڑھا۔ یہ سیدھے تنے والا کوئی سوفٹ اونچا درخت تھا جس کے تنے سے ہر طرف بے شمار شاخیں نکل رہی تھیں اور اس پر چڑھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ کوئی ساٹھ ستر فٹ کی بلندی پر جانے کے بعد ربیک رکا اور اس نے شمال مشرق کی طرف دیکھا۔ چند منٹ بعد وہ نیچے اترنے لگا۔ اس بار چڑھائی اور اترائی زیادہ تھی۔ اس لیے اس کا سانس پھول گیا تھا اور اس نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''معبد اب یہاں سے چار سو قدم دور ہوگا مگر یہاں بھی فصیل کے ساتھ جھاڑیاں نظر آ رہی ہیں۔''

میں ان جھاڑیوں میں جانے کے لیے تیار نہیں تھا اس لیے میں نے فیصلہ کیا۔ ''ہمیں آگے جانا ہوگا۔ فصیل کے پاس رہنے کے لیے کون سی سمت اختیار کرنا ہوگی؟''

''یہ سمت۔'' ربیک نے شمال مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ ہم آگے بڑھے۔ سہ پہر کا وقت تھا اور دن ڈھلنے لگا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں رات ہونے سے پہلے معبد کے اندر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ورنہ اس خطرناک جنگل میں رات گزارنا ہرگز مناسب نہیں تھا۔ محلول کی بُو زیادہ سے زیادہ چھ سات گھنٹے تک رہتی تھی۔ بہرحال ابھی ہمارے پاس خاصا وقت تھا اور ہم پورے معبد کے گرد بھی گھوم سکتے تھے۔ ہم کچھ آگے گئے ہوں گے کہ ایک گونر ملا اور وہ چند تیر کھا کر بھاگ نکلا۔ مزید کوئی نصف میل بعد ربیک نے کہا۔ ''اب ہم معبد کے عقب میں آ گئے ہیں۔''

اس بار ایرٹ درخت پر چڑھا اور اسے بھی اس کام میں خاصی مہارت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہم نے فصیل تک جانے کا کوئی راستہ نکال بھی لیا تو فصیل کے پار کیسے جائیں گے۔ یہ کوئی تیس فٹ اونچی دیوار تھی جس پر چڑھنا یقیناً آسان کام نہیں تھا۔ میں نے ربیک سے کہا تو اس نے جواب دیا۔ ''میں کمند تیار کرتا ہوں۔''

اس نے آس پاس تلاش میں نظر دوڑائی کی اور اسے مخصوص ساخت کی ایک مضبوط سوکھی لکڑی مل گئی۔ یہ خاصی موٹی اور بھاری تھی۔ ربیک اسے توڑ کر اپنے مطلب کی بنانے لگا۔ جب لکڑی اس کے مطلب کی ہوگئی تو اس نے اس کے ایک سرے پر رسّی باندھی۔ یہ وی شکل میں تھی اگر اسے مہارت سے پھینکا جاتا تو اس کا وی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صورت والا حصہ دیوار کے اوپر پھنس جاتا اور دیوار پر چڑھا جا سکتا تھا۔ ایرٹ نے پہلے معبد کی سمت دیکھا تھا پھ
اس نے آس پاس کا جائزہ بھی لیا اور یہ جائزہ لینا کام آ گیا۔ اچانک اس نے بے تابی سے ہمیں اشارے شرو
کر دیئے۔ وہ ہمیں درخت کے اوپر آنے کو کہہ رہا تھا۔ اس نے یقیناً آس پاس کوئی خطرہ دیکھ لیا تھا۔ وہ احتیاط
وجہ سے آواز نہیں نکال رہا تھا یعنی خطرہ اتنا پاس آ گیا تھا کہ ہماری آواز اس تک جا سکتی تھی۔ میں نے اشارہ کیا ا
ربیک اوپر چڑھا۔

چند شاخیں اوپر جانے کے بعد اس نے تیر کمان سنبھال لیا اور ہمیں اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بع
میں گیا اور میرے پیچھے ایمار اور مارٹ تھے۔ ایرٹ کا سامان اور ہتھیار ان دونوں کے پاس تھے۔ ایرٹ ۔
ہمیں مزید اوپر آنے کا اشارہ کیا تو ہم اور اوپر جانے لگے۔ کوئی چالیس فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد میں ۔
ہارن کے اس چھوٹے ریوڑ کو دیکھا جس میں چار ہارن تھے اور وہ یہاں پیٹ پوجا کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ا
درخت سے کوئی سو گز کے فاصلے پر وہ زمین سے پودے اکھاڑ کر کھا رہے تھے۔ یہ چاروں دیو ہیکل اور دیکھنے میں
ہی جوان نظر آتے تھے۔ ان کی جلد چمک رہی تھی۔ سر کے بال ریشم کی طرح سرسرا رہے تھے۔ کھاتے پیتے ہو۔
وہ غراہٹ بھری آواز میں گفتگو بھی کر رہے تھے۔ کبھی کبھی ان میں سے کوئی منہ اٹھا کر جیسے ہوا سونگھتا تھا۔ ایک
ایک ہارن نے اسی طرح سونگھا اور جیسے چونک گیا۔

اس نے اس سمت دیکھا جہاں ہم درخت پر تھے۔ خطرے کا احساس ہوتے ہی میں نے اپنے ساتھیوں
مزید اوپر چڑھنے اور خود کو چھپانے کا اشارہ کیا۔ ہم تیزی سے اوپر جانے لگے۔ ہتھیاروں اور سامان کے ساتھ
خاصا مشکل کام تھا مگر ہمیں کرنا ہی تھا۔ ایک بار ہارن کو یہاں ہماری موجودگی کا پتا چل جاتا تو وہ یہاں ڈیرہ جما
بیٹھ جاتے اور ہم ساری عمر تو درخت پر رہ نہیں سکتے تھے۔ زیادہ خطرہ یہ تھا کہ وہ درخت ہی نہ گرا دیں۔ اگرچہ
تین فٹ سے زیادہ موٹے تنے والا درخت تھا مگر اس کی بہت زیادہ اونچائی اور وزن نے اسے غیر مستحکم کر دیا
یہاں شاید آندھی طوفان نہیں آتے تھے اس لیے درختوں کے تنے ایک حد سے زیادہ موٹے اور مضبوط نہیں
اور ان کی اونچائی بہت زیادہ تھی۔ اگر چار ہارن جیسے طاقتور جانور مل کر زور لگاتے تو اسے گرا سکتے تھے۔

ہماری خیریت اسی میں تھی کہ انہیں یہاں ہماری موجودگی کا ثبوت نہ ملے۔ بُو کی وجہ سے انہیں جو شبہ
سکتا تھا وہ شبہ ہی رہے۔ ایرٹ مسلسل ان کی نگرانی کر رہا تھا اور پھر اس نے اشارے سے خبردار کیا کہ وہ اسی سمت
آ رہے تھے۔ سب سے نیچے اب مارٹ تھا اور وہ بھی کوئی ساٹھ فٹ کی بلندی پر آ گیا تھا یہاں شاخیں گھنی
پاس پاس تھیں۔ ہم ان میں روپوش ہو سکتے تھے۔ اس لیے اب جو جہاں تھا وہ وہیں ساکت ہو گیا اور خود کو ممکنہ
تک شاخوں میں چھپا لیا۔ میں ربیک کے بعد تھا اور کوئی ستر فٹ کی بلندی پر تھا۔ یہاں سے معبد دکھائی دے
تھا خاص طور سے اس کا سنہری اہرام بالکل واضح تھا۔ مگر احاطہ، اس میں سامنے والی عمارات، باغات اور خاص ط
سے سرنگ کے دہانے والا حصہ ہماری نظروں سے اوجھل تھا کہ ہم معبد کے بالکل عقبی حصے میں تھے۔ یہاں
صرف اہرام اور اس کے مشرق میں واقع پجاریوں کی رہائش کے لیے مخصوص عمارت کا ایک حصہ دکھائی دے
تھا۔ اہرام کے عقب میں بڑا سا ہموار میدان تھا۔ یہ احاطے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا
اور میرا اندازہ تھا کہ اس کی لمبائی کوئی پانچ سو گز تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میدان بالکل خالی تھا اور یہاں نہ تو کوئی گھاس یا پودے لگے تھے۔ نہ درخت تھے اور نہ ہی کسی قسم کی تعمیر کی گئی تھی حد یہ کہ زمین بھی کچی لیکن ہموار تھی۔ شاید یہ میدان کھیلوں کے لیے مخصوص تھا۔ پجاری اور اوپری طبقے نے عام شہریوں پر کھیلنے کی بھی پابندی لگا رکھی تھی اور خود وہ ہر تفریح کرتے تھے اور شاید آپس میں کھیلتے بھی تھے۔ بہرحال میدان دیکھ کر یہ سب چند لمحے کے لیے میرے ذہن میں آیا اور میں آنے والے خطرے کی طرف متوجہ ہوا۔ ہارن اب درخت کے اتنے نزدیک تھے کہ ہمارے نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ اب وہ جب بالکل نیچے آجاتے تب ہمیں نظر آتے اور یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ ہم بھی ان کی نظروں سے اوجھل تھے۔ اتنی بلندی سے درخت کے بالکل نیچے کا بھی معمولی سا دکھائی دے رہا تھا۔ ہم جہاں تھے یہاں گھنی شاخوں کی وجہ سے نیم تاریکی تھی اور مجھے امید تھی کہ ہارن یہاں ہمیں نہیں سکھ سکیں گے۔

چند لمحے بعد نیچے سے ٹاپوں کی آواز آئی۔ ہارن نیچے آچکے تھے اور وہ غرا رہے تھے اور شاید ہماری موجودگی جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر انہیں صرف بُو آرہی تھی۔ بو سونگھنے کے لیے وہ زور سے سانس کھینچ رہے تھے جس کی آواز اوپر آرہی تھی۔ پھر ان میں آپس میں غراہٹوں کا تبادلہ خیال شروع ہو گیا۔ شاید وہ آپس میں بحث کر رہے تھے کہ درخت کے اوپر انسان ہیں یا انہیں وہم ہو رہا ہے۔ بو ایسی چیز ہے کہ آدمی کو اس پر سب سے کم یقین ہوتا ہے۔ ہارن کے بارے میں میں کہہ نہیں سکتا تھا انہوں نے سوگز کی دوری سے ہماری بُو محسوس کر لی تھی بلکہ یہ وہ ناگوار بُو تھی جس سے ہارن بھاگتے تھے۔ اس لیے بھی وہ کنفیوز ہو رہے تھے کہ آنے والی بُو انسانوں سے آرہی ہے یا یہ کوئی اور بُو ہے۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ مشکوک ہی رہیں۔ ان کا شک یقین میں نہ بدلے۔ اس کے بعد وہ جلد از جلد یہاں سے دفع ہو جائیں۔

ہم ساکت بیٹھے تھے اور اپنا سارا سامان بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ کوئی چیز اتفاق سے بھی نیچے نہ جا گرے۔ ہم سانس بھی آہستہ لے رہے تھے کہ ہارن کے تیز کان اس کی آواز بھی نہ سن لیں۔ ہارن آپس میں بات کرتے ہوئے کبھی درخت سے دور چلے جاتے اور کبھی پاس آجاتے تھے مگر وہ یہاں سے دفع ہونے کے موڈ میں نہیں تھے۔ وقت گزر رہا تھا اور کچھ دیر میں شام ہو گئی۔ کیونکہ ہارن کی طرف سے صرف محتاط رہنا تھا اس لیے میری نظر وقفے وقفے سے معبد کی طرف جاتی تھی۔ اب تک مجھے وہاں نہ تو کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا اور ہی کسی قسم کی نقل و حرکت محسوس ہوئی تھی وہاں قطعی سناٹا تھا۔ یہ سناٹا فطری نہیں تھا۔ معبد میں موجود درجنوں پجاری اور ان کے سینکڑوں خادم تھے۔ اگر وہ زندہ تھے تب بھی حرکت کرنے کے لیے آزاد نہیں تھے۔

معبد میں سو کے قریب مسلح سپاہی بھی ہوتے تھے مگر ان کی نااہلی میں خود ملاحظہ کر چکا تھا اور اکیلا باسو ہی ان کے لیے کافی تھا۔ صرف چار ہونے کے باوجود وہ آتشیں ہتھیاروں سے مسلح تھے اور ان کے پاس دھماکہ خیز ہتھیار بھی تھے۔ سرنگ کی تباہی اس کا ایک ثبوت تھی۔ اس لیے سینکڑوں غیر مسلح اور پرانے طرز کے ہتھیاروں سے مسلح افراد بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ ڈیوڈ شانا اینڈ پارٹی کو رینات کے محل سے روانہ ہوئے بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا اور اتنا وقت معبد پر مکمل قبضے کے لیے کافی تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ یہاں آئے کیوں تھے؟ شام کی روشنی رفتہ رفتہ رات کے سرمئی غبار میں بدلنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں یہاں تاریکی چھا جاتی۔ ہارن موجود تھے اور ان کی غراہٹیں تھم گئی تھیں مگر چاپوں کی آواز اور کبھی کبھی زور سے سانس لینے کی آواز آتی تھی۔ کیونکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کے پاس کوئی مصروفیت نہیں تھی اور نہ ہی انہیں شام کو گھر جا کر بیوی بچوں کو منہ کرانا تھا اس لیے وہ بے فکری سے یہیں براجمان ہو گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنا شک رفع کیے بغیر یہاں سے جانے کو تیار نہیں تھے۔

دیکھا جائے تو ہم اچھی خاصی مشکل میں پڑ گئے تھے اور ساری عمر کیا چند گھنٹے سے زیادہ یہاں نہیں رہ سکتے تھے۔ اتنی دیر ہم نے ساکت رہ کر اور پہلو بدلے بغیر درخت کی سخت اور کھردی شاخوں پر وقت گزارا تھا تو یہ بھی کمال تھا کہ یہ کھردرا پن نہایت غیر موزوں مقامات پر چبھ رہا تھا۔ پہلو بدلتے ہوئے بھی بہت احتیاط کرنا پڑتی تھی کہ کوئی چیز ہاتھ سے نہ نکل جائے یا خود ہم ہی نہ پھسل جائیں۔ مجھے تجربہ تھا کہ تاریکی ہوتے ہی کیڑے مکوڑے نکل آتے تھے اور وہ یہاں بھی نکلتے۔ اس کے بعد ہم ایک نئی مشکل میں گرفتار ہو جاتے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاش میرے پاس ایک ہی رائفل ہوتی تو میں ہارن کو آسانی سے ختم کر سکتا تھا۔ مگر برف والے نے مجھے بالکل نہتا کر کے رینالٹ کے آدمیوں کے حوالے کیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو کسی طریقے سے میرے ہتھیار مجھ تک پہنچا سکتا تھا مگر اس نے نہ جانے کیوں ایسا نہیں کیا۔ کچھ ہی دیر میں تاریکی مکمل ہو گئی اور اب کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ معبد کی طرف سے کچھ روشنی جھلک رہی تھی جیسے اس کے اگلے حصے میں شاید مشعلیں وغیرہ جل رہی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر سمت تاریکی تھی اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ربیک کوشش کر کے کسی طرح میرے نزدیک آیا اور اس نے بہت ہلکی سی سرگوشی میں کہا۔

''جناب ہم اس طرح کب تک بیٹھے رہیں گے؟''

''جب تک بیٹھ سکتے ہیں۔''

''ہمت جواب دے رہی ہے۔''

''کوئی بھی مشکل موت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتی ہے۔'' نیچے موت ہے اس لیے صبر کرو۔''

''اگر سامان نہ ہوتا آدمی بیٹھ سکتا ہے سامان کے ساتھ یہ کام بہت مشکل ہے۔''

''ٹھیک ہے سامان شاخوں سے یوں باندھ دو کہ آواز نہ ہو۔'' میں نے اجازت دی۔ میں خود بھی اسی مشکل میں تھا۔ طے ہوا کہ باری باری سب اپنا سامان باندھیں گے اگر ایک ساتھ سب نے حرکت کی تو شور زیادہ ہو گا۔ پہلے ایرٹ نے اپنا سامان باندھا اس نے سب کچھ ترکش میں کر کے اسے شاخ سے باندھ دیا۔ پھر ربیک اور پھر میری باری آئی تھی۔ میں نے چیزیں باندھنے کے لیے اسی شاخ کا اگلا حصہ استعمال کیا جس پر میں براجمان تھا۔ رسّی سب کے پاس تھی اور سنگی چاقو سے اس کے ٹکڑے کرنے میں آسانی رہی تھی۔ میرے بعد مارٹ اور ایمار کی باری تھی میں رسّی کو آخری گرہ لگا رہا تھا کہ میری نظر معبد کی طرف گئی اور میں چونک گیا۔ وہاں اہرام کے عقبی میدان میں روشنی تھی اور یہ مشعلوں کی روشنی نہیں تھی بلکہ تیز برقی لالٹین کی روشنی تھی۔

لالٹین باسو کے ہاتھ میں تھی جس نے اسے بلند کر رکھا تھا اور اتنی دوری سے وہ اپنی جسامت کی وجہ سے پہنچانا گیا۔ ورنہ ان کے چہرے صاف نہیں تھے۔ اس کے ساتھ دوسرا طویل قامت فرد یقیناً کرنل تھا۔ ڈیوڈ شا متوسط قامت کا تھا اور زینی کا قد اس سے بھی کم تھا۔ باسو اسے روشنی دکھا رہا تھا اور کرنل جھک کر زمین پر کچھ رکھ رہا تھا۔ وہ اسی طرح جھکے جھکے آگے بڑھ رہا تھا اور ہر چند گز کے بعد زمین پر کچھ رکھ رہا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ میدان کے درمیان تک آ گیا تھا اور اس کے دوسرے سرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ کرنل کیا کر رہا ہے۔ وہ اسی طرح زمین پر کچھ رکھتا ہوا احاطے کے آخری حصے تک پہنچا پھر وہاں سے نوے درجے کے زاویے پر مڑا اور اسی چند بار زمین پر چیز رکھنے کے بعد وہ پھر نوے درجے کے زاویے پر مڑا اور اب وہ واپس اسی سمت جا رہا تھا۔ مشکل سے دس منٹ میں وہ احاطے کے دوسرے سرے تک پہنچ گیا تھا۔ ایرٹ اور ربیک نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ ربیک نے مجھ سے پوچھا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

''میں بھی ناواقف ہوں۔''

کرنل واپس میدان کے وسط میں آیا اور اس نے اس نے ہاتھ میں موجود بیگ شانے سے لٹکا لیا تھا۔ وہ اسی بیگ سے کوئی چیز نکال کر زمین پر رکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ اوپر کر کے کچھ کیا تو یک دم ہی میدان میں ایک سر سے دوسرے سرے تک زمین پر رکھی گول ڈسک لائٹس سرخ رنگ میں روشن ہو گئیں اور احاطے میں ان سے دو رویہ روشن لائنیں بن گئی تھیں۔ دونوں لائنوں کے درمیان کوئی دس گز کا فاصلہ تھا اور دونوں لائنیں کوئی چار سو گز طویل تھیں۔ چند لمحے تک میں الجھن میں رہا کہ یہ کیا ہے اور پھر اچانک مجھے خیال آیا اور میں اچھل پڑا تھا۔ شکر ہے کہ میرے ہاتھ شاخ پر جمے تھے ورنہ میں گر بھی سکتا تھا۔ کرنل اور باسو معبد کے احاطے میں رن وے بنا چکے تھے۔ اب کوئی بھی چھوٹا طیارہ رات میں بھی آرام سے یہاں لینڈ کر سکتا تھا۔ ربیک حیران تھا اس نے کہا۔

''یہ کیسی روشنی ہے؟''

''میرے خدا۔'' میں نے خود سے کہا تھا۔ اسی لمحے نیچے ایمار سے کوئی چیز چھوٹ گئی اور وہ شاخوں سے الجھتی اور آواز پیدا کرتی نیچے جانے لگی تھی۔ شور اتنا ضرور تھا کہ ہارن چونک جاتے۔ ان کے غرانے کی آواز آئی اور پھر درخت یوں ہلا جیسے کوئی چیز بہت قوت سے اس سے ٹکرائی ہو۔ ایمار کی چیخ سنائی دی وہ نیچے گر گیا تھا۔

میں نے بہ مشکل خود کو روکا ورنہ میں ایمار کو آواز دینے جا رہا تھا۔ وہ گرا تھا۔ مگر ایسا لگ رہا تھا کہ شاخوں میں سنبھل گیا ہے۔ اس نے بھی سوائے پہلی چیخ کے اور کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔ میں احتیاط سے چند شاخیں نیچے آیا اور میں نے ایمار کے حرکت کرتے ہیولے کو دیکھ لیا وہ خاموشی سے واپس اوپر آ رہا تھا اور شاخوں کو مضبوطی سے پکڑ رہا تھا۔ اس کا پورا امکان تھا کہ ہارن پھر درخت کو ٹکر مارے گا اور ایسا ہی ہوا۔ درخت پھر ہلا تھا مگر ہم سب ہوشیار تھے۔ اپنی جگہ قائم رہے اور کوئی آواز بھی نہیں نکالی تھی۔ ہارن اب بھاگ دوڑ کر رہے تھے کیونکہ ان کی ٹاپوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انہیں چیخ سے یقین آ گیا تھا کہ اوپر انسان تھے۔ مگر جب چند اور ٹکریں مارنے کے بعد اوپر سے کوئی ردِعمل نہیں ہوا تو ان کی وحشت کم ہوئی تھی اور اسی لحاظ سے ان کی بھاگ دوڑ بھی کم ہوئی تھی۔

اس دوران میں تاریکی مکمل ہو گئی تھی اور اب اوپر نیچے ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ شام کے چھ یا ساڑھے چھ بج گئے تھے۔ ایمار اوپر آیا اور میں اس کے ساتھ واپس اوپر کی طرف آیا۔ کوئی اسی یا نوے فٹ کی بلندی پر ہم سب آ گئے تھے۔ میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''وہ ہماری موجودگی سے تقریباً واقف ہو چکے ہیں اور اب یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔''

''کیا؟'' ربیک نے سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم تیروں کی مدد سے اتنے ہارنوں سے نہیں نمٹ سکتے اس لیے ایک ہی طریقہ سمجھ میں آرہا ہے۔ ہم تیروں کو آگ لگا کر ان کے جسم کے ایسے حصوں پر ماریں جہاں سے یہ الگ نہ کر سکیں اور جب جلتے تیر ان کا جسم جلائیں گے تو اس کے بعد یہ یہاں سے بھاگیں گے۔''

''ترکیب اچھی ہے۔'' ایرٹ نے کہا۔ ''لیکن تیر مارنے کے لیے نیچے جانا ہوگا اور یہ آگ اور ہمیں دیکھتے ہی درخت گرانے کی کوشش کریں گے۔''

''اس کام کے لیے ہم میں سے دو سے تین افراد نیچے جائیں گے۔ خود کو رسّی سے درخت کے ساتھ یوں باندھ لیں گے کہ جھٹکے سے نیچے نہ گریں۔ ایک آدمی آگ سے تیر جلائے گا اور ایک یا دو افراد ان تیروں کو ہارنوں پر آزمائیں گے۔ جیسے یہ ہی بھاگیں گے ہم بھی یہاں سے نکل جائیں گے۔''

میں نے اپنا منصوبہ بیان کیا تو ربیک نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے سر ہلایا۔ ''بہ شرط کہ مزید ہارن نہ آجائیں۔ موجودہ صورت میں اس سے بہتر منصوبہ اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔''

میں، مارٹ اور ربیک نیچے آئے۔ طے پایا تھا کہ میں آگ تیروں کو دکھا کر انہیں تھماؤں گا اور وہ ہارنوں کو تیر ماریں گے۔ ہم نے خود کو مختلف شاخوں پر رسّی سے باندھ لیا میں ذرا اوپر تھا اور وہ دونوں ذرا نیچے تھے اس دوران میں ہارنوں کو یہاں ہماری موجودگی کا علم ہو گیا تھا اور وہ مسلسل درخت کے تنے پر زور آزمائی کر رہے تھے۔ میں نے ایک مشعل جلائی اور روشنی ہوتے ہی نیچے جیسے قیامت برپا ہو گئی تھی۔ غراہٹوں اور حیوانی چیخوں کا ایسا طوفان آیا تھا کہ درخت بغیر کسی ضرب کے ہی کانپنے لگا تھا۔ لیکن یہ غیر متوقع نہیں تھا۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہارن انسانوں کی موجودگی دیکھ کر یوں ہی بھڑکیں گے۔ میں نے دو تیروں کے سرے سے ذرا اوپر والا حصہ مشعل پر رکھا اور چند لمحوں میں لکڑی نے آگ پکڑ لی۔ میں نے تیر مارٹ اور ربیک کو پکڑائے جب تک انہوں نے انہیں کمان پر چڑھایا ان کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی تھی اور جب انہوں نے تیر مارے تو ہوا کے زور سے آگ بجھی نہیں تھی۔

میں کیونکہ مزید دو تیر اسی طرح آتش گیر کر رہا تھا اس لیے دیکھ نہیں سکا کہ کس کا چلایا ہوا تیر ایک ہارن کی پشت میں یوں اتر گیا کہ وہ ہاتھ پیچھے لے جا کر اسے نکال بھی نہیں سکتا تھا تیر کی آگ اس کے سر اور پشت کے طویل بال جلانے لگی تھی۔ ہارن اب اذیت ناک انداز میں چلا رہا تھا۔ ایک ہارن اس کے گرد ناچ رہا تھا مگر وہ جلتا تیر نکالنے کے لیے کچھ نہیں کر رہا تھا۔ دوسرا تیر دوسرے ہارن کے شانے پر لگا۔ اسے زخم آیا تھا مگر اس نے ہاتھ مار کر نکال دیا۔ مارٹ نے میرا دیا ہوا دوسرا تیر اس کے سر پر مارا اور تقریباً تیس فٹ کے فاصلے سے تیر اس کی ایک آنکھ سے ہوتا ہوا کھوپڑی کی پشت سے نکل گیا۔ ظاہر ہے تیر میں لگی آگ بجھ گئی تھی مگر تیر نے ہارن کا کام تمام کر دیا تھا۔ وہ ایک دھماکے سے نیچے گرا اور موت کے کرب میں اس کا دیو ہیکل جسم تھرتھرانے لگا تھا۔ ربیک کا چلایا ہوا تیر اس ہارن کی گردن میں اتر گیا جو جلتے تیر کا شکار ہارن کے گرد ناچ رہا تھا۔

میں تیروں کا تیسرا سیٹ مشعل پر رکھے ہوئے تھا کہ چوتھا ہارن موقع کی نزاکت دیکھ کر فرار ہوا اور باقی دو اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ ان کی غراہٹیں اور دور جاتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ صرف درخت سے دور نہیں گئے تھے بلکہ یہاں سے دوڑتے ہی چلے گئے تھے۔ ہمیں توقع نہیں تھی کہ اتنی بڑی بلا سے اتنی جلدی اور آسانی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نجات مل جائے گی اور اب ہمارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ میں پہلے نیچے اترا اور مردہ ہارن کا معائنہ کیا۔ اس کے جسم کی تھرتھراہٹ اب رک گئی تھی۔ میں نے پہلے بڑی مشعل جلانے کا ارادہ کیا مگر پھر ملتوی کر دیا۔ بڑی مشعل کا مطلب ہوتا زیادہ روشنی اور یہ زیادہ دور سے جانوروں کو متوجہ کر سکتی تھی۔ میرے بعد مارٹ اور ربیک نیچے آئے۔ ایرٹ اور ایمار سامان نیچے لا رہے تھے۔ انہوں نے رسیاں کھولنے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے انہیں کاٹ دیا اور سامان نیچے پھینکنے لگے۔ آخر میں وہ خود بھی نیچے آئے تھے۔ مردہ ہارن کو دیکھ کر سب نے مارٹ کی پیٹھ تھپکی۔ اس کے بعد سب نے اپنا اپنا سامان اٹھایا اور ہم آگے روانہ ہو گئے۔ جھاڑیوں کے نزدیک آ کر میں نے ان سے کہا۔

''دوستو! ہماری خوش قسمتی کہ ہم ایک بہت مشکل صورتِ حال سے نکل آئے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ہارن جلد اور زیادہ تعداد میں یہاں کا رخ کریں گے اور ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ان سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم فصیل پار کر کے معبد میں داخل ہو جائیں۔''

''اس کے لیے ہمیں جھاڑیوں سے گزرنا ہوگا اور یہاں زہریلے کانٹوں والا پرندہ ہوگا۔'' ربیک نے تشویش سے کہا۔

''ہم ڈھالوں سے اپنا دفاع کریں گے اور چاروں طرف ڈھال کر کے ان کے درمیان میں رہ کر فصیل تک جائیں گے۔'' میں نے تجویز پیش کی۔ ''ہم بڑی مشعلیں روشن کر لیں گے۔ یقیناً یہ پرندہ بھی آگ سے گھبراتا ہوگا۔ شاید آگ دیکھ کر وہ نزدیک آنے سے گریز کرے۔''

ہمارے پاس موجود ڈھالیں چار فٹ اونچی اور دو فٹ چوڑی تھیں۔ ہم نے جھاڑیوں میں داخل ہونے سے پہلے بڑی مشعلیں جلا لیں اور ان کی تیز روشنی میں آس پاس کا منظر واضح نظر آنے لگا۔ اس کے بعد ہم یوں پاس آ گئے کہ ہم میں سے دو کا رخ سامنے کی طرف تھا اور دو الٹے قدموں چلتے اور ایک درمیان میں رہ کر صرف مشعلیں اٹھاتا۔ اس کی ڈھال دوسرا اٹھاتا اور یوں ہم چاروں طرف سے ڈھالوں کی پناہ میں آ جاتے۔ زہریلا پرندہ دیکھتے ہی ہم گھٹنوں کے بل جھک کر پوری طرح ڈھالوں کی آڑ میں آ جاتے۔ بڑی مشعلیں جلانا اب مجبوری تھی۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم آسانی سے فصیل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہم ہر ممکن تیزی سے جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ میرا رخ سامنے کی طرف تھا اور میں راستے کا تعین کر رہا تھا۔ شروع میں جھاڑیاں اتنی گھنی نہیں مگر ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے یہ گھنی اور زیادہ نزدیک ہوتی جا رہی تھیں اور ان کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ اچانک عقب سے ایک بلند چیخ سنائی دی اور یہ کسی حد تک انسانی چیخ سے مشابہ تھی۔

''ہارن۔'' ربیک نے کہا۔ ''وہ آ گئے ہیں۔''

''مشعلیں نیچے اور ڈھالوں سے باہر کر لو۔'' میں نے حکم دیا۔ مشعلیں مارٹ نے تھام رکھی تھیں اور اس نے آگے پیچھے کر کے دونوں مشعلیں ڈھالوں سے باہر نکال لیں۔ اس سے راستہ زیادہ واضح ہو گیا اور اب مشعلوں کو دور سے دیکھ لینا آسان نہیں تھا۔ ہم اب گھنی اور اونچی جھاڑیوں کے درمیان تھے۔ یہاں سے فصیل نظر نہیں آ رہی تھی اور ہم اندازے سے فصیل کی طرف جا رہے تھے۔ پہلی چیخ کے بعد بین الچیخیں رہ رہ کر بلند ہو رہی تھیں اور یہ رونا پیٹنا یقیناً مارے جانے والے ہارن کے لیے تھا۔ شاید اس کے لواحقین آن پہنچے تھے اور جلد وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوشِ انتقام میں بھرے ہوئے ہماری تلاش شروع کر دیتے۔ اچانک ہی جھاڑیوں میں ہل چل سی مچی اور میں نے رکنے کا حکم دیا۔ فوراً ہی جھاڑیوں سے دو عدد خوش رنگ پرندے نکلے اور ان کے آنے سے پہلے ہی ہم گھٹنوں کے بل جھک کر ڈھالیں سامنے کر چکے تھے اس لیے جب انہوں نے رقص کے انداز میں کانٹے برسانے شروع کیے تو سارے کانٹے آ کر ڈھالوں پر لگے۔

میں اس پرندے کا یہ رقصِ مرگ پہلے بھی دیکھ چکا تھا بلکہ اس کا زہریلا کانٹا بھی بھگت چکا تھا۔ وہ مشکل سے چند سیکنڈ رقصاں رہے اور دوبارہ جھاڑیوں میں گھس گئے۔ ان کے جاتے ہی میں نے سب کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور ہم سرعت سے پیچھے گئے تھے۔ یہ تو واضح تھا کہ ان جھاڑیوں میں شاید ان پرندوں کا گھونسلہ اور انڈے بچے تھے تب ہی انہوں نے آگ اور زیادہ لوگوں کی پروا کیے بغیر حملہ کیا تھا۔ اس تنگ جگہ سے باہر آ کر ہم دوسرے راستے سے آگے بڑھے۔ اس دوران میں سب نے تصدیق کر دی تھی کہ وہ ٹھیک ہیں اور کسی کو زہریلا کانٹا نہیں لگا تھا۔ ایک کسی قدر کھلی جگہ میں نے ڈھالوں کا معائنہ کیا تو ان پر کئی زہریلے کانٹے پیوست پائے۔ مجھے حیرت ہوئے کہ یہ پرندے کس قوت سے کانٹے برساتے تھے کہ وہ سخت لکڑی والی ڈھال میں بھی پیوست ہو گئے۔

شاید ان کے پروں میں کوئی ایسا میکنزم تھا جو کانٹوں کو اتنی قوت سے پھینک سکتا تھا کہ وہ بیس فٹ کے فاصلے پر سخت لکڑی میں پیوست ہو سکیں۔ شاید یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ یہاں پائے جانے والے بیشتر جانوروں کی کھال بہت سخت تھی اور زور سے پھینکا گیا زہریلا کانٹا ہی اس میں اندر تک پیوست ہو سکتا تھا۔ قدرت نے بعض ایسے ہی نرم و نازک جانداروں کو جو دوسروں کا آسانی سے نشانہ بن سکتے ہیں زہر کی مدافعت سے مسلح کیا ہے جیسے جیلی فش کے لمبے دھاگے نما حصوں میں زہریلے ڈنک اس طرح موجود ہوتے ہیں کہ وہ جیسے کمان پر چڑھے ہوں اور جیسے ہی کوئی جیلی فش کے ان دھاگوں کو چھوتا ہے ڈنک اتنی قوت سے چھوٹتے ہیں کہ جسم میں انچ بھر تک اتر جاتے ہیں۔ اس کے لیے جیلی فش کو خود کچھ نہیں کرنا پڑتا بلکہ اس کا خود کار نظام یہ ڈنک پھینکتا ہے۔

بدقسمتی سے ہم جس راستے پر گئے تھے وہ آگے سے بند ثابت ہوا۔ ہمیں واپس آنا پڑا تھا۔ ہم پہلے ہی ایک طویل راستے سے یہاں تک آئے تھے اور یہ راستہ آگے دوراہے میں بدل گیا تھا پہلے ہم پرندوں کے سامنے جا نکلے اور جب واپس آئے تو دوسرا راستہ آگے سے بند نکلا تھا۔ ہمارے پاس واپس جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا مگر واپسی کی راہ پر ہارن سے ملاقات کا بہت زیادہ امکان تھا کیونکہ ہمیں اسی سمت جانا تھا۔ ان کی رہ رہ کر ابھرنے والی چیخیں اب زیادہ نزدیک سے سنائی دے رہی تھی۔ ہم دوہری مشکل میں پڑ گئے تھے۔ شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا جاتا ہے کہ آگے کنواں تو پیچھے کھائی۔ زہریلا پرندہ اور ہارن دونوں ہی خطرناک تھے اور ان سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ ہم فصیل پار کر جائیں۔ اگرچہ وہاں بھی ہمارے لیے کم خطرہ نہیں تھا بلکہ شاید زیادہ ہی تھا مگر ہم اسی خطرے سے نمٹنے کے لیے نکلے تھے۔

''اب ہم کہاں جائیں؟'' یہ سوال ایرٹ نے کیا اور میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ہم اسی راستے پر خاصا پیچھے ہٹ آئے تھے اور میں جھاڑیوں سے باہر نکلنے کی بجائے کوئی متبادل راستہ دیکھ رہا تھا۔ مگر یہاں چاروں طرف دس بارہ فٹ اونچی جھاڑیاں تھیں اور ان کے پار کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ راستہ تلاش کرنا ضروری تھا۔ ایک چھوٹا درخت آیا تو ریبک اس پر چڑھا۔ چھوٹے سے مراد یہاں کے درختوں کے مقابلے میں چھوٹا تھا ورنہ یہ بھی کوئی پچاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فٹ اونچا تھا۔ وہ فیصل کی سمت کا تعین کرنے گیا تھا مگر اسے راستہ بھی نظر آ گیا۔ جیسے آگ لینے جائیں اور پیغمبری مل جائے۔ اس نے نیچے اتر کر جوش سے کہا۔

''جناب ادھر راستہ ہے اور وہ فصیل تک جا رہا ہے۔''

ایرٹ نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ ''تمہیں کیسے نظر آیا۔ یہاں تو اندھیرا ہے۔''

''اب مکمل اندھیرا نہیں ہے اور تم جانتے ہو میری نگاہ سب سے تیز ہے۔'' ربیک نے جواب دیا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

''لیکن اسی ترتیب سے۔'' میں نے کہا۔ ''پرندوں کو مت بھولو۔ یہ ہارن سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اگر ہم ذرا بھی بے احتیاطی کرتے تو ان کا نشانہ بن جاتے۔''

انہوں نے اتفاق کیا اور ہم نے پھر اسی ترتیب و تنظیم کے ساتھ سفر شروع کیا۔ ربیک نے جو راستہ دیکھا تھا اس تک جانے کے لیے ہمیں ایک دس فٹ طویل مگر بہت تنگ راستے سے گزرنا پڑا تھا اور ہم جھاڑیوں سے رگڑ کھاتے اور انہیں کچلتے ہوئے گزرے تھے۔ اگر ان جھاڑیوں میں پرندہ نکل آتا تو ہم اس کا بہت آسان شکار ثابت ہوتے۔ کیونکہ یہاں سے گزرتے ہوئے ڈھالیں ہٹ گئی تھیں اور ہماری ترتیب ٹوٹ گئی تھی۔ مگر ہم بخیریت دوسری طرف پہنچ گئے اور یہاں آتے ہی ہم نے پھر سے ڈھالیں اپنے سامنے کر لی تھیں۔ ربیک نے درست کہا تھا کہ راستہ نہ صرف کشادہ تھا بلکہ فصیل تک جا رہا تھا۔ تقریباً بیس سے پچیس فٹ چوڑے اس راستے پر بڑی جھاڑیاں نایاب تھیں اور چھوٹے پودے اور گھاس وغیرہ اگی ہوئی تھی۔ جب میں نے اس پر قدم رکھا تو مجھے لگا کہ میں ڈھلان کی طرف گیا ہوں۔ شاید یہ کوئی نالا یا نشیبی جگہ تھی۔

یہ نشیبی جگہ فصیل کی طرف سے آ رہی تھی اور یہاں پانی بہنے کی وجہ سے جھاڑیاں پنپ نہیں سکی تھیں مگر وہ پودے تھے جو زیادہ پانی برداشت کر لیتے تھے۔ فی الحال نالے یا نشیبی جگہ میں پانی نہیں تھا کیونکہ بارش نہیں ہوئی تھی اس میں یقیناً بارش کا پانی آتا ہوگا۔ ہماری خوش قسمتی کہ ربیک نے یہ راستہ دیکھ لیا ورنہ ہم اب تک جھاڑیوں میں بھٹک رہے ہوتے۔ فصیل کے پاس کچھ جھاڑیاں تھیں مگر وہ زیادہ گھنی اور اونچی نہیں تھیں اور ان میں زہریلے پرندے کے پائے جانے کا امکان کم ہی تھا۔ اس کے باوجود ہم ڈھالوں سے اپنا ہی محاصرہ کیے ہوئے چل رہے تھے۔ جھاڑیوں سے باہر آتے ہی بڑی مشعلیں بجھا کر ایک چھوٹی مشعل جلا لی تھی جو اس جگہ کے لیے کافی تھی۔ اس سے زیادہ روشنی کرنا مناسب نہیں تھا۔ باہر آنے پر ہمیں ہارن نظر نہیں آئے تھے اور اب ان کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ یہاں سے دور ہیں۔

ہم کچھ دیر میں فصیل کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کی روشنی محدود کر لی کیونکہ اس کا امکان تھا کہ معبد کے اندر احاطے میں کوئی موجود ہو اور وہ اس روشنی کو محسوس کر لے۔ ہم راستہ تلاش کرنے کے چکر میں گھومتے ہوئے معبد کی مشرقی سمت نکل آئے تھے۔ یہاں سے وادی کی اونچی ہوتی دیوار زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اسی میں کہیں وہ راستہ تھا جو اوپر جاتا تھا۔ ربیک کے پاس مضبوط وی نما لکڑی کی وہ کمند تھی جسے فصیل پر پھنسا کر ہم اس پر چڑھ سکتے تھے۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ''اگر اوپر دیوار چوڑی ہوئی تو یہ کام نہیں کرے گی یہ صرف پتلی دیوار میں پھنسے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے امید ہے دیوار اوپر سے پتلی ہوگی۔'' ربیک نے کہا اور رسّی گھما کر کمند اوپر پھینکی وہ دیوار کے دوسری طرف چلی گئی اور جب ربیک نے اسے واپس کھینچا تو وہ آرام سے واپس آ گئی۔ اس نے پھر کوشش کی اور میں نے اسے کوشش کرتا چھوڑ کر آس پاس کا جائزہ لیا۔ یہاں جھاڑیاں دائیں بائیں قریب تھیں اور ان کے درمیان صرف پندرہ فٹ کا فاصلہ تھا۔ اس کے بعد پھر گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جو فصیل کو مکمل طور پر گھیرے ہوئے تھا۔ جائزے کے دوران مجھے دائیں طرف کی جھاڑی جو دیوار سے ذرا سی ہٹی تھی وہاں دیوار کے ساتھ کوئی چیز اوپر جاتی دکھائی دی۔ مشعل ایمار کے پاس تھی جب کہ مارٹ اور ایرٹ تیر کمان سنبھالے مستعد کھڑے تھے۔ یہ ضروری تھا زہریلے پرندے کے جھاڑی سے نکلتے ہی اسے نشانہ بنانا ضروری تھا اس سے پہلے کہ وہ زہریلے کانٹے برسائے۔ میں نے ایک مشعل لے کر ایمار کی مشعل سے اسے جلایا اور جھاڑی کی طرف بڑھا۔ ربیک نے مضطرب ہو کر کہا،

''یہ کیا کر رہے ہیں ان میں پرندہ ہو سکتا ہے۔''

''میں محتاط ہوں۔'' میں نے ڈھال آگے کرتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک چیز دیکھنا چاہ رہا ہوں۔''

''کیا چیز؟'' ایرٹ نے آگے آنا چاہا لیکن میں نے اسے روک دیا۔

''اپنی جگہ رہو میں ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھایا اور روشنی میں اس چیز کو دیکھا۔ یہ ایک بڑی اور مضبوط ڈنٹھل والی بیل تھی جو فصیل کے اوپر تک گئی تھی۔ میں نے اسے پکڑ کر جھٹکا دیا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے پلٹ کر ان سب کو پاس بلایا۔ ''یہ چیز دیکھنا چاہ رہا تھا۔''

ربیک نے بیل کا معائنہ کیا اور وہ فوری سمجھ گیا کہ میں کیا چاہ رہا تھا اس نے سر ہلایا۔ ''یہ تو قدرتی کمند مل گئی ہے۔''

''ہمیں اسے استعمال کرنا ہوگا۔'' میں نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ربیک پہلے تم جاؤ گے اور اگر یہ گر جائے یا بوجھ سہارنے کے قابل نہ رہے تو تم ہمیں اوپر کھینچو گے۔''

ربیک نے سر ہلایا اور اپنا سامان اتار کر نیچے رکھ دیا۔ وہ سب سے ہلکا تھا۔ اوپر چڑھنے سے پہلے اس نے بیل کی مضبوطی جانچی اور پھر اس کی موٹی رسّی نما ڈنٹھل پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا۔ نیچے یہ کام آسان تھا کیونکہ یہاں صرف خشک ڈنٹھل تھے لیکن جب وہ اوپر پہنچا تو بیل پھیل گئی تھی اور اس کے ڈنٹھل نازک اور ہرے ہو گئے تھے جن پر زور آتا تو وہ آسانی سے ٹوٹ سکتے تھے۔ اس دوران میں ربیک کو دیکھ رہا تھا اور اس کے نیچے گرنے کی صورت میں اسے سنبھالنے کے لیے بھی تیار تھا باقی تین اپنی ڈیوٹی پر تھے۔ وہ تیر کمان سنبھالے ہوئے آس پاس سے چوکنا تھے۔ ربیک ہوشیاری اور عقل مندی سے اوپر جا رہا تھا وہ اوپر جانے سے پہلے بیل کے ہاتھ میں آنے والے حصے کی جانچ کرتا اور جب مطمئن ہو جاتا تب اوپر جاتا تھا۔ اب وہ فصیل سے مشکل سے پانچ فٹ نیچے رہ گیا تھا اور یہی سب سے مشکل حصہ تھا۔ یہاں بیل پھیل کر دیوار سے ہٹ رہی تھی۔

میری نظر اس پر مرکوز تھی اور میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ وہ اس آخری مرحلے کو کسی نہ کسی طرح عبور کر لے۔ اس نے اوپر ہاتھ مار کر بیل کے کچھ حصے پکڑے اور ان کی مدد سے خود کو اوپر کر رہا تھا کہ وہ ٹوٹ گئے اور وہ جھٹکے سے نیچے آیا تھا خوش قسمتی سے اس کا پاؤں ایک جگہ پھنسا ہوا تھا اور اس نے فوری ہاتھ مار کر خود کو سہارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے لیا۔ چند لمحے وہ اسی جگہ چپکا رہا اور پھر اس نے بتدریج خود کو پاؤں کے بل اوپر اٹھانا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس کے ہاتھ فصیل کے پاس ہوتے جا رہے تھے مگر اب مزید اوپر ہونے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ فصیل ڈیڑھ فٹ اوپر تھی اور اس موقع پر ربیک نے وہ کیا جو خطرات سے بے پروا لوگ ہی کرتے ہیں اس نے پاؤں کو پوری قوت سے بیل پر مارا اور دوسری طرف اس کے ہاتھ مسلسل چل رہے تھے وہ جو ہاتھ میں آ رہا تھا اس کی مدد سے خود کو اوپر کھینچ رہا تھا۔

یہ ایک مشکل ترین اسٹنٹ تھا جو شاید ربیک ہی دکھا سکتا تھا۔ آخری موقع پر ایسا لگا کہ وہ پلٹ کر نیچے آنے والا ہے کیونکہ اس کا جسم پیچھے کی طرف مڑا تھا۔ میں اسے پکڑنے کے لیے تیار تھا کیونکہ تیس فٹ سے گر کر اسے شدید چوٹ لگ سکتی تھی اور ہم اس وقت کسی کے ایسے زخمی ہونے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ ناکارہ ہو جائے۔ مگر پیچھے آتے آتے اس کا جسم رکا اور پھر اس نے خود کو آگے کھینچ لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ فصیل پر تھا۔ مگر وہ کھڑا نہیں ہوا بلکہ فصیل پر لیٹ گیا اور اس کے لیٹنے کا انداز بتا رہا تھا کہ فصیل اتنی چوڑی ہے کہ ایک آدمی آرام سے اس پر لیٹ سکتا ہے۔ میں نے درخت کی بلندی سے فصیل کو بہت دور سے دیکھا تھا اور مجھے اس کی چوڑائی کا درست طور پر علم نہیں تھا۔ مگر اب لگ رہا تھا کہ اس کی چوڑائی اندازے سے زیادہ تھی اور اسی وجہ سے اس پر ربیک کی تیار کردہ کمند نہیں پھنس رہی تھی۔ میں نے اسے پوچھا۔ ''اندر کوئی ہے؟''

ربیک اندر کا معائنہ ہی کر رہا تھا اور اس نے منہ اس طرف کر کے آہستہ سے کہا۔ ''نہیں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے مگر یہاں مشعلیں روشن ہیں۔''

''رہائشی عمارت روشن ہے؟''

''ہاں اس میں بھی روشنی نظر آ رہی ہے۔'' ربیک نے جواب دیا۔ اس دوران میں، میں نے اندر جانے کا طریقہ سوچ لیا تھا جو آسان تھا اور سادہ بھی۔ میں نے رسّی اس کی طرف اچھالی۔

''میں پکڑتا ہوں تم اندر اتر کر پکڑ لینا پھر یہاں سے ہم ایک ایک کر کے اندر آئیں گے۔''

ربیک نے سر ہلایا۔ ''اور سامان؟''

میں نے سوچا اور اس سے کہا۔ ''پہلے سامان اندر اتارو پھر خود اترنا۔''

اسے رسّی میں باندھ کر سامان دینے لگے اور وہ اسے فصیل کے اندر یوں پھینکنے لگا کہ آواز پیدا نہ ہو۔ ہم رسک لے رہے تھے عین ممکن تھا کہ ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی نے اندر برقی نگرانی کا کوئی سسٹم لگا رکھا ہو اور ہماری کارروائی کا مشاہدہ کر رہے ہو اور جیسے ہی ہم اندر پہنچیں وہ ہمیں ہینڈز اَپ کرا لیں۔ تقریباً سارے ہتھیار اور دوسرا سامان اندر اتار دینے کے بعد ربیک خود بھی اندر اتر گیا۔ ادھر سے میں نے رسّی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ ڈھیلی ہوئی تو میں سمجھ گیا کہ وہ اتر گیا ہے۔ پھر ربیک نے اندر سے رسّی پکڑ لی اور پہلے ایرٹ گیا۔ جب وہ فصیل کے اوپر پہنچا تو رسّی میں نے تھام لی اور وہ دوسری طرف اتر گیا۔ اس کے بعد ایمار گیا اور آخر میں مارٹ تھا اس نے کہا۔

''آپ جائیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا اور اسی لمحے ہمیں عقب سے ہارن کی خوفناک غراہٹ سنائی دی اور پھر ٹاپوں کی آواز ابھری۔ ہارن نے روشنی دیکھ لی تھی اور وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ اس دوران میں ہم ہارن کے خطرے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تقریباً بے نیاز ہو گئے تھے۔ شاید اسی غفلت کی وجہ سے اس ہارن نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ میں نے مارٹ کو اوپر دھکیلا اور وہ تیزی سے چڑھنے لگا میں نے چلا کر کہا۔ ''ادھر سے دوسری رسّی پھینکو۔''

ان تینوں نے بھی ہارن کی غراہٹ کے ساتھ اس کی ٹاپیں سن لی تھیں۔ کسی نے رسّی پھینکی اور میں نے اسے تھامتے ہوئے دیوار پر پاؤں ٹکائے اور تیزی سے اوپر جانے لگا۔ میں نے ہارن کو دیکھنے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا اس لیے مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ مجھ سے کتنا دور ہے مگر اس کی ٹاپیں اور غراتی سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ زیادہ دور نہیں ہے اور بہت تیزی سے آ رہا ہے۔ مارٹ ہلکے جسم کا تھا اور مجھ سے پہلے چڑھنا شروع کیا تھا اس لیے وہ آگے تھا اور تقریباً فصیل تک پہنچ گیا تھا جب کہ میں ابھی درمیان میں تھا۔ مارٹ کی پھینکی مشعل زمین پر پڑی جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں یقیناً ہم ہارن کو صاف دکھائی دے رہے تھے اور اس نے بجا طور پر ہاتھ سے نکل جانے والے شکار کے بجائے اسے منتخب کیا جو اس کی دسترس میں تھا یعنی کہ میں۔ مجھے لگا جیسے عقب سے تند ہوا کا کوئی جھونکا آیا ہو اور پوری قوت سے مجھ سے ٹکرایا ہو اور اس نے مجھے اڑا کر جھاڑیوں پر پھینک دیا ہو۔

یہ ہارن کا بیلچہ نما ہاتھ تھا جو عقب سے میری کمر پر لگا۔ اس میں اتنی قوت تھی کہ رسّی میرے ہاتھ سے نکل اور میں ہوا میں اڑ کر اس جھاڑی پر گرا جس کے ساتھ بیل تھی۔ ہارن کا ہاتھ انسان جیسا ہوتے ہوئے بھی اس سے مختلف ہوتا ہے کہ وہ کسی چیز کو اچھی طرح گرفت میں نہیں لے سکتا۔ شاید اسی وجہ سے ہارن نے مجھے پکڑنے کے بجائے ہاتھ مار کر گرانا مناسب سمجھا کہ ایک بار میں نیچے گر جاتا تو پھر اس سے بچ کر کہاں جاتا۔ درد کی ایک لہر اٹھی تھی مگر مجھے اس وقت فکر اس کی تھی کہ میں کہاں گرنے جا رہا تھا اور کسی چیز سے تصادم کی صورت میں مجھے کیا نقصان ہوتا۔ فطری طور پر میں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور میرا جسم سکڑنے لگا۔ مگر میں سیدھا نرم اور بنا کانٹوں یا سخت شاخوں والی جھاڑی پر جا گرا اور اس سے غالباً مجھے خراش بھی نہیں آئی تھی۔

مگر میری جان شدید خطرے میں تھی۔ ہارن جیسا خطرناک درندہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں جھاڑی پر گرا اور ہارن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ بہت تیزی سے آیا تھا اور مجھ پکڑنے کے لیے اس نے دیوار کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ نتیجے میں مجھے گراتے ہی وہ دیوار سے ٹکرایا تھا۔ یہ تصادم خاصی قوت سے ہوا تھا اور چند لمحے کے لیے وہ خود کو سنبھالتا رہ گیا۔ اسی بنا پر وہ دیکھ نہیں سکا کہ میں کہاں گرا تھا۔ وہ اب پاگلوں کی طرح جھاڑیوں کو جھنجھوڑ رہا تھا اور ان میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا مگر نیچے یہ کہیں گھنی اور زیادہ سخت شاخوں والی تھیں۔ میں اس کے درمیان میں پھنسا ہوا تھا اور جھاڑی ہلنے کے ساتھ رفتہ رفتہ نیچے جا رہا تھا۔

میں از خود حرکت نہیں کر رہا تھا کہ اس سے ہارن کو پتا چل جاتا کہ میں کہاں ہوں اور پھر وہ اسی حصے پر ہاتھ مارتا۔ وہ جھاڑی کو ہلا رہا تھا اور میں اسی وجہ سے نیچے جا رہا تھا۔ دیکھا جائے تو وہ میری مدد کر رہا تھا۔ کیونکہ یہاں جھاڑیاں اتنی گھنی تھی کہ میں ان کے جال میں پھنس کر رہ گیا تھا اور اگر ہارن نہ بھی ہوتا تو ان سے نکلنا ہی کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا۔ نیچے آتے ہوئے میری کوشش تھی کہ جھاڑی کے اندر والے حصے کی طرف جاؤں اور ہارن سے دور رہوں۔ ایک طرح میں اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا دوسری طرف میرے ساتھی بھی مجھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مارٹ اوپر پہنچ گیا تھا اور وہ اندر والوں سے تیر کمان مانگ رہا تھا۔

بالآخر میں ہارن کے تعاون سے زمین تک پہنچا۔ اس نے اس دوران میں جھاڑیوں کا حشر کر دیا تھا۔ ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا بیشتر حصہ اپنی جناتی قوت سے اکھاڑ پھینکا تھا اور باقی ماندہ کا حشر کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں مارٹ کی طرف سے چلایا ہوا پہلا تیر اس کے جسم میں اتر گیا اور وہ غرا کر ذرا پیچھے ہوا۔ میں رینگ کر دوسری جھاڑی تلے جانے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہے۔ اس لیے جب میرے ہاتھ پہلے سوکھی گھاس اور پھر اس کے اندر موجود انڈوں سے ٹکرائے تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ یہ یقیناً اسی زہریلے کانٹوں والے پرندے کا گھونسلہ تھا اور وہ بھی آس پاس کہیں موجود تھا۔ میں نے معبود حقیقی سے فریاد کی کہ یہ میں کہاں پھنس گیا ہوں جہاں آگے پیچھے ہر طرف موت ہے۔ کچھ دیر ساکت رہنے کے بعد میں سُست روی سے پیچھے ہٹنے لگا۔ اس دوران میں مارٹ ہارن کو کئی تیر مار چکا تھا۔

میں اب فصیل کی طرف سرک رہا تھا۔ ہارن اکیلا تھا مگر اس کا پورا امکان تھا کہ اس کی چیخم دھاڑ سن کر دوسرے ہارن بھی دوڑے چلے آئیں۔ میں نے اندھیرے میں دیوار ٹٹولی اور کھڑا ہوا میں اندازہ لگا رہا تھا کہ ہارن کی ضرب نے مجھے کس حد تک نقصان پہنچایا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ تکلیف تھی مگر میں حرکت کرنے سے معذور نہیں ہوا تھا۔ ہارن مجھے جھاڑی میں نہ پا کر پہلے حیران تھا جب مارٹ نے اس پر تیر اندازی شروع کی تو اس کا اشتعال بڑھ گیا تھا مگر وہ مارٹ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ ہاں میں خطرے میں تھا اگر وہ جھاڑی میں مزید گھستا تو مجھے تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا یا وہ اپنے بھاری وجود سے جھاڑی کچلتا تو گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح میں بھی پس جاتا۔ مارٹ تیر اندازی کے ساتھ ساتھ مجھے آوازیں دے رہا تھا اور میں خاموش تھا اس موقع پر بول کر میں فوت ہونا نہیں چاہتا تھا۔

مگر صرف خاموش رہنا مسئلے کا حل نہیں تھا جب کہ دیگر نئے مسائل بھی جنم لے رہے تھے۔ جھاڑیاں ٹوٹنے اور ان کے ذرات کے اڑنے سے وہاں ایک غبار سا چھا گیا تھا جو ناک کے راستے دماغ میں جا کر ان حصوں میں تحریک پیدا کر رہا تھا جو چھینک لانے کے ذمے دار تھے۔ اگر میں اس وقت چھینک مار دیتا تو میری فوتگی کی وجہ یقیناً چھینک قرار دی جاتی۔ اس لیے میں نے ناک بند کر لی تھی اور منہ سے سانس لے رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مشکل سے کیسے نکلوں۔ رسیاں جہاں تھیں وہاں ہارن موجود تھا اور تیر کھانے کے باوجود وہاں سے جانے کو تیار نہیں تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے فصیل پر چڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اچانک کوئی نرم سی چیز مجھے چھوتی ہوئی گزری تھی۔ میں بدکا تھا مگر اپنی جگہ سے ہلا نہیں اور یہ اچھا ہوا۔

کیونکہ چھونے والی چیز وہی خوش نما پرندہ تھا اور غالباً اندر کی جھاڑی میں اسی کا گھونسلہ و انڈے تھے جنہیں بچانے کے لیے وہ جان پر کھیل کر ہارن کا سامنا کرنے نکلا تھا۔ میری موجودگی کا اسے علم نہیں تھا اور وہ ہارن کو ہی دراندار سمجھ رہا تھا۔ اس کی جھلک مجھے اس وقت دکھائی دی جب وہ گری مشعل کے پاس سے گزرا۔ مشعل بدستور روشن تھی۔ ہارن نے بھی اسے دیکھ لیا اور وہ عجیب سے آواز نکالتا ہوا پیچھے ہٹا تھا۔ اسے بھڑکنا بھی کہا جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے وہ بھی جانتا تھا کہ یہ پرندہ کتنا ہلاکت خیز ہے اور اس کے کانٹے ہارن جیسے دیوہیکل جانور کو بھی فنا کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔ ہارن بدحواسی میں پیچھے ہو رہا تھا اور پرندہ کریہہ سی آوازیں نکال کر اسے ڈرا رہا تھا مگر اس نے ابھی رقصِ مرگ شروع نہیں کیا تھا۔ شاید وہ بھی اس سے ڈر رہا تھا کہ کہیں کانٹے بازی کے جواب میں ہارن حملہ کرے تو اس کے بچنے کا امکان نہیں تھا اس لیے وہ ڈرا دھمکا کر کام نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ جنگل کے دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانوروں کی باہمی آویزش تھی جو جانتے تھے کہ انہیں اسی جنگل میں ساتھ رہنا ہے اس لیے وہ لڑائی سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہو رہا تھا۔

پھر کسی طرف سے ایک پرندہ اور آیا اور آ کر پہلے والے کے ہمراہ اسی کی طرح دھمکی آمیز آوازیں نکالنے لگا یہ یقیناً جوڑا تھا۔ ہارن پیچھے ہٹ رہا تھا اور وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں ہارن فصیل سے خاصا پیچھے ہٹ گیا تھا اور اسی مناسبت سے پرندے بھی دور ہوئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے لیے موقع تھا۔ اگرچہ پرندوں کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی کانٹے نہ برسانا شروع کر دیں۔ ہارن پر تیر برسانے والے مارٹ نے بھی دم سادھ لیا تھا اور یہ اچھا ہی کیا تھا ورنہ پرندے اس کی اور فصیل کی طرف متوجہ ہوتے تو شاید میں ان کی نظروں میں آ جاتا۔ ہارن اب فصیل سے کوئی تیس پینتیس گز دور چلا گیا تھا اور پرندے دس بارہ گز دور تھے۔ میں نے چند گہری سانسیں لیں اور اچانک بھاگا۔ رسیوں کے پاس آتے ہوئے میں نے چلا کر کہا۔ ''رسی پکڑ لو میں آ رہا ہوں۔''

مجھے خطرہ تھا کہ ان لوگوں نے رسیاں چھوڑ نہ دی ہوں اور میں رسّی پکڑ کر فصیل پر چڑھنے کی کوشش میں منہ کی کھاؤں۔ پرندے جو پوری طرح ہارن کی طرف متوجہ تھے اور اسے ڈرا رہے تھے میری آواز سن کر خود بھڑ کے اور ہارن کی طرف ہی بھاگے۔ میں ان کے عقب میں تھا۔ میں نے وہ رسّی پکڑی جس سے مارٹ چڑھا تھا۔ وہ میری مدد کے لیے دوبارہ سے حرکت میں آ گیا تھا۔ اس نے تیر کمان سنبھال لیے۔ میں نے رسّی پکڑی اور دونوں پاؤں دیوار سے ٹکاتے ہوئے اوپر چڑھنے لگا۔ اس وقت میں اپنی پوری قوت، صلاحیت اور مہارت استعمال کر رہا تھا۔ غلطی کی گنجائش نہیں تھی اور اگر میں غلطی کرتا تو وہ میری زندگی کی آخری غلطی ہوتی۔ پرندوں کی طرف توجہ دینے یا ان کی طرف سے ہوشیار رہنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ ناقابلِ بیان تیزی سے میں نصف سے زیادہ دیوار چڑھ گیا اور تب مارٹ نے تیر اندازی شروع کر دی۔ مجھے عقب سے پرندے کی زخمی آواز سنائی دی۔ اسے تیر لگا تھا۔

شاید انہوں نے مجھ پر کانٹے برسانے کی کوشش کی تھی اور مارٹ نے تیر مار کر انہیں روکا۔ فصیل کے نزدیک آنے سے میرا جسم اب بینڈ ہو رہا تھا اور مجبوراً مجھے اب ٹانگوں کے بجائے ہاتھوں کا سہارا لینا پڑا تھا۔ میں لٹک گیا تھا۔ عقب سے ہارن کی ٹاپوں کی آواز نزدیک آ رہی تھی اور اوپر سے مارٹ دبی آواز میں مجھے جلدی آنے کو کہہ رہا تھا پھر اس نے تیر مارا اور ہارن غرایا۔ غراہٹ زیادہ دور سے نہیں آئی تھی۔ میں فصیل سے دو فٹ نیچے تھا اور میں نے پاؤں سمیٹتے ہوئے تیزی سے یہ دو فٹ کا فاصلہ طے کیا اور فصیل پکڑنے والا تھا کہ رسّی کو شدید جھٹکا لگا۔ میں نیچے گیا تھا۔ ایک لمحے کو میرا دل رک گیا کہ رسّی ٹوٹ گئی تھی مگر وہ اپنی جگہ قائم تھی۔ دوسرا جھٹکا لگا اور میں مزید نیچے گیا تو انکشاف ہوا کہ رسّی ہارن نے پکڑ لی تھی اور وہ اسے کھینچ رہا تھا۔ میں فصیل سے ڈھائی تین فٹ نیچے آ گیا تھا۔ ہارن کی جناتی قوت کے سامنے اندر موجود تینوں افراد بھی کچھ نہیں تھے اور وہ اسے رسّی کھینچنے سے نہیں روک سکتے تھے۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو ہارن کے ہاتھ میرے پیروں سے زیادہ دور نہیں تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے رسّی پکڑ لی تھی۔ ایک جھٹکے کی اور دیر تھی کہ میں اس کی حد میں پہنچ جاتا اور وہ جھٹکا دینے جا رہا تھا کہ میری نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوار پر گئی اور ہمیشہ کی طرح مشکل ترین لمحات میں اوپر والے نے میرے ذہن میں جان بچانے کی ترکیب نازل کی، شاید اس لیے کہ میں کبھی اس کی ذات سے مایوس نہیں ہوا۔ میں نے جھٹکے کا انتظار کیا اور جیسے ہی نیچے گیا۔ میں نے اپنے پاؤں ہارن کے سر پر ٹکائے اور رسّی چھوڑتے ہوئے خود کو پوری قوت سے بائیں طرف اچھالا۔ ہارن اس ضرب سے بوکھلایا تھا۔ اسے توقع تھی کہ میں نیچے گروں گا مگر میں اس کے سر پر گرا۔ شاید اسے ضرب سے چکر بھی آیا ہو اس لیے جب تک وہ سنبھلتا میں نے دوسری رسّی پکڑ لی تھی۔ یہ اصل میں میری رسّی تھی جس پر چڑھتے ہوئے ہارن نے ہاتھ مار کر مجھے جھاڑی میں پھینک دیا تھا۔

میں نے اندھی چال چلی تھی یہاں روشنی کم تھی اور رسّی برائے نام ہی نظر آ رہی تھی اگر میرا ہاتھ ذرا بھی غلط پڑتا تو میں نیچے گرتا جس کے بعد شاید اٹھنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ ہارن اتنا پاس تھا کہ وہ پاؤں رکھ کر مجھے وہیں دبا دیتا۔ مگر رسّی میرے ہاتھ میں آئی اور میں ذرا بلندی تک بھی پہنچا تھا۔ رسّی پر گرفت مضبوط کرتے ہی میں نے پاؤں اوپر کرتے ہوئے خود کو ہارن کی پہنچ سے دور کیا اور اس کے بعد پھرتی سے نیچے رہ جانے والی رسّی بھی سمیٹ لی۔ جب تک ہارن سنبھل کر میری طرف آتا میں یہ دونوں کام کر چکا تھا۔ اس نے ہاتھ چلائے اور اوپر کی طرف بھی اچھلا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ مجھ سے چند انچ ہی دور رہ گئے تھے۔ میں نے مارٹ سے کہا۔ ''اس مصیبت کو دور کرو، میں اوپر نہیں چڑھ سکتا جب تک یہ نیچے ہے۔''

مارٹ نے تیر کمان پر کھینچا ہوا تھا۔ میری بات سن کر اس نے تاک کر ہارن کی گردن کا نشانہ لیا اور تیر اس کی گردن سے ذرا نیچے اترا تھا۔ ہارن نے ڈکرانے کی بھیانک آواز نکالی اور ذرا پیچھے ہوا تھا۔ مجھے موقع ملا تو میں اوپر گیا اور اب میں ہارن کی پہنچ سے باہر تھا مگر مزید اوپر چڑھنے کے لیے مجھے سیدھا ہونا تھا اور اس صورت میں وہ میری ٹانگ پکڑ کر کھینچ سکتا تھا۔ مارٹ نے کہا۔ ''آپ حرکت مت کریں..... تم تینوں مل کر رسّی کھینچو۔'' دوسرا جملہ اس نے فصیل کے اندر والی پارٹی سے کہا تھا۔ وہ رسّی کھینچنے لگے اور میں آسانی سے اوپر جانے لگا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے میرے ہاتھ فصیل تک پہنچ گئے تھے۔ میں ہارن سے محفوظ ہو گیا تھا مگر اس دوران میں اس نے ایک اور زاویے سے حملہ کیا تھا۔ مارٹ نے بروقت مجھے ہوشیار کیا۔ ''بچیں وہ پتھر مار رہا ہے۔''

میں نے ہاتھوں کے بل خود کو پوری قوت سے اوپر اچھالا اور پتھر نیچے فصیل سے ٹکرایا۔ دھماکے کی آواز نے بتایا کہ پتھر خاصا بڑا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھنے میں وقت ضائع نہیں کیا اور پاؤں دوسری طرف کرتے ہوئے میں لٹک گیا تھا۔ مارٹ بھی پھرتی سے نیچے لٹک گیا تھا۔ اس کا خطرہ تھا کہ ہارن مزید پتھر پھینک سکتا تھا اس لیے میں نے اندر والوں سے کہا۔ ''دیوار کی آڑ میں آ جاؤ۔''

وہ سب دیوار کی آڑ میں ہو گئے تھے۔ میں نے نیچے دیکھا یہاں ہلکی سی روشنی تھی اور ہم ایک چھوٹے سے باغ میں تھے۔ یہ باغ چھوٹے درجے کے پجاریوں اور ملازمین کی رہائش گاہ والی عمارت کے پیچھے تھا۔ یہاں پھلدار درخت اور پھولدار پودے لگے ہوئے تھے۔ زمین پر نفیس گھاس تھی۔ میں ایک پودے کے عین اوپر لٹک رہا تھا اس لیے میں نے فصیل چھوڑ دی اور پودے پر آرام سے اترا گیا۔ خوش قسمتی سے اس میں کانٹے نہیں تھے۔ مارٹ بھی نیچے آ گیا تھا۔ فصیل کے باہر سے ہارن کے غرانے اور ڈکرانے کی آواز آ رہی تھی مگر فصیل کی بلندی کی وجہ سے یہ آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ میں نے سرگوشی میں سب کی خیریت دریافت کی۔ ربیک میرے پاس آیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے ٹٹولتے ہوئے بولا۔ ''خیریت تو آپ کی پوچھنی چاہیے۔ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟''

جہاں ہارن نے ہاتھ مارا تھا وہ جگہ دکھ رہی تھی مگر یہ دکھن اتنی نہیں تھی کہ میں بے قرار ہو جاتا۔ میں اسے نظر انداز کر رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کم ہو جائے گی۔ جھاڑی پر گرنے اور پھر اس کے بعد کی کشمکش میں کچھ چوٹیں اور خراش آئی تھیں مگر یہ قابلِ ذکر نہیں تھیں۔ البتہ حلیہ خراب ہو گیا تھا۔ مارٹ بھی بہ خیریت نیچے اتر آیا تھا۔ انہوں نے رسیاں اور اپنا سامان سمیٹ لیا تھا۔ ذرا سی دیر کی اس کشمکش نے میرا گلا خشک کر دیا تھا۔ میں نے چھاگل سے چند گھونٹ لیے اور عمارت کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ تین منزلہ عمارت تھی جو تقریباً سو فٹ چوڑی تھی اور اس کا عرض شاید چالیس فٹ تھا۔ کھڑکیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہر فلور پر پیچھے کی طرف دس کمرے تھے اگر سامنے بھی اتنے ہی کمرے تھے تو یہاں کُل ساٹھ کمرے ہو سکتے تھے۔ اگر ایک کمرے میں دو افراد رہائش رکھتے تھے تو کل تعداد ایک سو بیس یا سو تو بنتی تھی۔ مگر مسئلہ یہاں موجود افراد نہیں تھے بلکہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی تھی۔ ان کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ اہرام نما معبد میں ہوں گے۔ میں نے کہا۔

''ہمیں معبد تک جانا ہے لیکن اس سے پہلے اس عمارت کا جائزہ لینا ہے اور ممکن ہو تو اس پر قبضہ کرنا ہے۔''

''اس میں موجود افراد کا کیا کرنا ہے؟'' ربیک نے سوال کیا۔

''ہمیں فی الحال ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں سے غرض ہے۔'' میں نے پالیسی واضح کی۔ ''ان کے علاوہ صرف اس سے نمٹنا ہے جو ہمارے راستے میں آئے۔ مگر نہ تو کسی کو چھیڑنا ہے اور نہ ہی کسی کی مدد کرنی ہے۔ اصل افراد پہنچنے تک خاموش رہنا لازمی ہے۔ اسے ہر قیمت پر برقرار رکھنا ہے۔''

''ہم سمجھ گئے جناب۔'' ایرٹ نے میری بات کا ترجمہ کر کے کہا۔ ''ہمیں ڈیوڈ شا اور اس کے آدمیوں کا حلیہ بتائیں تاکہ سامنا ہونے پر انہیں پہچان سکیں۔''

ایرٹ نے اچھا نکتہ اٹھایا تھا۔ میں نے انہیں تفصیل سے ڈیوڈ شا، کرنل جونز، زینی اور باسو کا حلیہ بتایا۔ پھر ان کے پاس موجود ممکنہ ہتھیاروں کی ساخت اور ان کی تباہ کاری کے بارے میں بتایا۔ وہ حیرت سے ان ہتھیاروں کے بارے میں سن رہے تھے جو ان کے نقطہ نظر سے جادوئی تھے۔ بم کے بارے میں وہ سن کر خوف زدہ ہوئے تھے۔ مگر یہ عمومی خوف تھا۔ میں نے احتیاطی تدابیر بھی بتائیں۔ وہ سن رہے تھے اور ذہن نشین کر رہے تھے۔ میرا کرتہ اس کشمکش کے دوران جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ خاص طور سے ایک آستین یوں بیکار ہوئی تھی کہ بس لٹک رہی تھی میں نے اسے کھینچ کر نکال دیا۔ ایک آستین کے ساتھ میں عجیب لگ رہا تھا۔ کرتے کا دامن بھی سامنے سے یوں چاک تھا کہ اس کے دو حصے ہو گئے تھے۔ مگر میں کسی تقریب میں نہیں آیا تھا جو لباس کی پروا کرتا۔

باہر سے ہارن کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ مارٹ نے مجھے بتایا کہ جب میں پرندوں کے پیچھے سے دیوار پر چڑھ رہا تھا تو انہوں نے مجھ پر کانٹے برسانے کی کوشش کی تھی اور مارٹ نے ان میں سے ایک کو تیر سے نشانہ بنایا تو وہ دونوں ہی ڈر کر جھاڑیوں میں گھس گئے تھے۔ لیکن وہ ٹلے تو ہارن کو حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اسے بھی مارٹ نے عین موقع پر نشانہ بنایا۔ درحقیقت اس نے دو بار میری جان بچائی تھی۔ دونوں مواقع پر میں مارا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا اگر وہ بروقت تیر نہ چلاتا۔ مگر یہ شکریے کا موقع نہیں تھا ہم سب ایک دوسرے کے لیے یہی کرتے جو مارث نے کیا تھا۔ ہم دبے قدموں اور پودوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے عمارت کی طرف بڑھے۔ ساری کھڑکیاں بند تھیں مگر چند ایک کی جھریوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ اگر اندر روشنی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ کچھ لوگ بھی تھے ورنہ روشنی کون کرتا۔

سوال یہ تھا کہ یہ لوگ وہاں کس صورت میں تھے؟ یعنی آزاد تھے یا پھر یہاں قید کیے گئے تھے؟ یہاں عمارت کے پہلوؤں والے حصے میں مشعلیں روشن تھیں اور ان کی روشنی کسی قدر پیچھے بھی آ رہی تھی۔ مجھے ڈیوڈ شا سے اس رحم کی توقع نہیں تھی کہ اس نے کسی کو زندہ چھوڑا ہوگا اور اگر اس نے زندہ چھوڑا ہوگا تو اس کے پیچھے یقیناً کوئی مقصد ہوگا۔ معبد کے احاطے میں رن وے بنانے سے یہ تو واضح تھا کہ جلد یا بدیر باہر سے ڈیوڈ شا کے مزید ہرکارے یہاں آنے والے تھے۔ اگرچہ وہ چار ہی کم نہیں تھے لیکن مزید کمک آنے کے بعد اس کا مقابلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں رہ جائے گی۔ اس عمارت کے سامنے ایک چھوٹے باغ اور روش کے بعد اہرام نما معبد تھا۔ اس کے عقب میں وہ طویل اور مستطیل میدان تھا جو ہمارے دائیں طرف تک آ رہا تھا۔ سامنے معبد کا خوب صورت اور وسیع باغ تھا جس کے پاس گودام اور قید خانے والی عمارت تھی جس میں ہارن بھی موجود تھا۔ باغ کے سامنے آرگون سے آنے والی سرنگ کا دہانہ تھا۔

اب میں کسی قدر سمجھ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا نے ریناٹ اور اس کے آدمیوں کو کیوں ہمارے رحم و کرم پر چھوڑا اور وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس نے معبد کا انتخاب اسی لیے کیا تھا کہ یہاں وہ خاموشی سے رن وے تیار کرا سکتا تھا جب کہ آرگون میں یہ کام ممکن نہیں تھا وہاں اسے بہت سے افراد کا سامنا کرنا پڑتا جب کہ معبد میں بہت کم لوگ تھے اور وہ زیادہ تر زندگی سے پیار کرنے والے، ان میں مرنے مارنے والے کم تھے اور ایسے لوگوں سے نمٹنا مشکل کام نہیں تھا۔ یہاں کے حالات سے لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کو سچ مچ کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی اور اس کا بھی امکان تھا کہ پجاری اور دوسرے لوگ لائن بدل کر ڈیوڈ شا کی طرف ہو گئے ہوں۔ اسی وجہ سے مجھے یہاں مار ماری کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ جس حد تک بھی میں نے درخت کے اوپر سے اور پھر اندر آنے کے بعد دیکھا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ یہاں شرافت سے ہتھیار ڈالے گئے تھے اور اگر یہاں موجود افراد مارے بھی گئے تھے تو ڈیوڈ شا نے نہایت سکون سے ان کا خاتمہ کیا ہوگا۔

میں اور میرے ساتھی عمارت کی پہلی منزل کی عقبی کھڑکیوں کو دیکھ رہے تھے اگر ان میں سے کوئی کھلی ہوتی تو ہمارا کام آسان ہو جاتا۔ بظاہر ساری ہی کھڑکیاں بند تھیں۔ مگر مجھے امید تھی کہ کوئی نہ کوئی کھڑکی کھلی مل جائے گی اس کے لیے ہم زور آزمائی بھی کر رہے تھے مگر اس طرح کہ آواز پیدا نہ ہو۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا جب ایک کھڑکی بغیر زور آزمائی کے با آسانی کھل گئی۔ کیونکہ اس کی چٹخنی اندر سے ٹوٹ گئی تھی اور اس کے کواڑ پھنستے تھے اس لیے بظاہر وہ مضبوطی سے بند تھی۔ کسی نے چٹخنی ٹھیک کرنے پر توجہ بھی نہیں دی تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور سرگوشی میں کہا۔ ''کام بن گیا ہے پہلے میں جاتا ہوں جب تک میری طرف سے اجازت نہ ملے کوئی اندر نہ آئے اور پوری طرح ہوشیار رہنا۔''

ربیک نے سر ہلایا۔ میں اچک کر کھڑکی پر چڑھا اور اندر کود گیا۔ اندر تاریکی تھی مگر فوراً ہی مجھے محسوس ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہاں کوئی تھا۔ سانس کی آواز آ رہی تھی اور پھر ایک سہمی نسوانی آواز نے کہا۔ ''کون ہے۔''

''روبیر۔'' میں نے بے ساختہ کہا تو کمرے کے تاریک گوشے سے ایک بگولہ سا اٹھا اور مجھ سے آ کر لپٹ گیا۔ وہ روبیر ہی تھی جو رو رہی تھی اور مجھے ٹٹول رہی تھی۔

''شہباز..... شہباز..... یہ آپ ہیں؟''

میں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''ہاں لیکن آہستہ بولو۔ کسی تک آواز نہ جائے۔''

ہیجان سے اس کا نازک جسم کانپ رہا تھا اور وہ مجھ سے لپٹی جا رہی تھی۔ اس وقت میں اس کا فطری ردِعمل سمجھا تھا کہ اتنے دن بعد دشمن کی قید میں اسے کوئی اپنا ملا تھا۔ میں نے تسلی دینے کے لیے اس کی پشت کو تھپکا اور سرگوشی میں کہا۔ ''خود پر قابو پاؤ۔''

مگر اس نے قابو پانے کے بجائے یہ کیا کہ بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور میرے کان کے قریب ہونٹ لا کر بولی۔ ''نہیں پا سکتی، میری خواہش تھی کہ ایک بار آپ کو دیکھ لوں اس کے بعد بے شک مجھے موت آ جائے۔''

حالات کی سنگینی اور موقع کی نزاکت نہ ہوتے ہوئے بھی میں روبیر کے الفاظ، اس کے لہجے اور خود میں پیوست لرزتے بدن میں چھپے پیغام کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے دل ہی دل میں بے ساختہ لاحول پڑھی۔ زمانے کے سرد و گرم نے مجھے بہت سے دوسرے معاملات کی طرح عورت کے معاملے میں بھی تجربہ کار کر دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جب عورت کسی مرد کو یوں اپنے وجود سے رُوشناس کراتی ہے تو اس کے پس پشت کیا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا انداز بہت بے ساختہ تھا، مگر ساتھ خود سپردگی کا بہت طاقتور جذبہ بھی کارفرما تھا۔ میں نے اسے خود سے جدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال مرنے کی بات مت کرو۔ ہم نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے اور امید ہے کہ جلد وادی کے حالات ہمارے قابو میں ہوں گے۔''

میری کوشش سے زیادہ الفاظ نے اسے مجبور کیا اور وہ بادل ناخواستہ مجھ سے الگ ہوئی تھی۔ ''آپ یہاں کیسے آئے؟''

''یہ لمبی کہانی ہے مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آئیں اور کیا تم یہاں قید ہو؟''

''ہاں۔'' وہ مغموم ہو گئی اور پھر سسکی سی لی۔ ''میں نے دھوکا کھایا۔ جسے محبوب سمجھا تھا وہ مکار نکلا اس نے مجھے استعمال کیا۔''

''شاہین۔'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''اس نے تم جیسی معصوم لڑکی کو دھوکا دیا۔''

''ہاں وہی ان سپاہیوں کو لایا تھا جنہوں نے حملہ کر کے ہمارا ٹھکانہ تباہ کیا اور مجھے زبردستی ساتھ لے گئے۔ تب مجھے پتا چلا کہ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اپنی اس خدمت گزاری کے صلے میں وہ رینالٹ کی خاص فوج میں اعلیٰ افسر بن گیا ہے۔''

اگرچہ مجھے پہلے بھی اس فلمی قسم کی محبت پر یقین نہیں آیا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے اندر کھٹک سی تھی کہ شاہین شاید روبیر سے مخلص نہ ہو جو اس کے وہ کچھ کر گزری تھی جو کوئی لڑکی شاید ہی کر سکے۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''تم پر جو گزری میں بعد میں سنوں گا پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کے حالات سے واقف ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کسی حد تک۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کل یہاں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ باہر شور ہوا تھا اور بہت ہنگامہ ہوا پھر خاموشی چھا گئی۔ ایسا لگا جیسے بہت سے لوگوں کو لا کر اس جگہ بند کیا گیا ہو۔''

''آرگون پر ہمارا یعنی میرا اور شہر کے اندر موجود حریت پسندوں کا قبضہ ہو گیا ہے لیکن معبد پر ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کا قبضہ ہے۔ وہ کل یہاں آئے تھے۔''

''آپ کے دشمن؟'' روبیر حیران ہوئی تھی۔

''ہاں اور اب وہ یہاں باہر سے مزید آدمی اور اسلحہ منگوائیں گے جن سے مقابلہ کرنا یہاں کے لوگوں کے بس کی بات نہیں ہو گی۔''

''وہ لوگ کہاں ہیں؟''

''میرا خیال ہے کہ معبد میں ہیں۔''

''مگر وہ باہر سے لوگ اور اسلحہ کیسے منگوائیں گے؟''

''یہ بات تم نہیں سمجھو گی۔ مگر وہ منگوا سکتے ہیں اور انہوں نے اسی لیے معبد پر قبضہ کیا ہے۔'' میں نے کہتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے بند تھا۔ لازمی بات ہے اسے بند ہی ہونا چاہیے تھا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ کھڑکی کھلی تھی میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''تمہیں پتا نہیں تھا کہ کھڑکی کھل سکتی ہے؟''

''مجھے معلوم ہے لیکن میں یہاں سے کہاں جا سکتی تھی۔ کوئی یہاں سے فرار ہو کر کہاں جا سکتا ہے۔ میں نے دو بار کوشش کی مگر پکڑی گئی اور مجھے سزا ملی تھی۔ انہوں نے میری پشت ادھیڑ دی تھی، یہ دیکھیں.....'' اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی پشت پر رکھا جہاں مندمل ہوتے زخموں کا کھردرا پن موجود تھا۔ میں نے ہاتھ واپس کھینچا اور نرم لہجے میں کہا۔

''تم فکر مت کرو جب ہم ان پر حاوی ہوں گے تو سب سے حساب لیا جائے گا۔'' میں نے کہا اور اس کا بازو پکڑ کر کھڑکی تک آیا۔ ربیک پہلے ہی اندر جھانک رہا تھا اور اس نے روبیر کو دیکھ لیا۔ اسی نے سہارا دے کر اسے نیچے اتارا۔ جب میں کود کر باہر آیا تو وہ سب گرم جوشی سے اس سے مل رہے تھے اور اس کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔ روبیر خوش تھی پھر اس نے رائنوں کا پوچھا اور اس کی موت کا سن کر وہ دکھی ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر انہیں یاد دلایا۔ ''ہمیں عمارت کے اندر جانا ہے۔''

''حکم کریں جناب۔'' ایرٹ نے مستعد ہو کر کہا۔ وہ روبیر کو زندہ دیکھ کر زیادہ ہی خوش ہو رہا تھا۔ خاصی کم روشنی میں بھی اس کی خوشی بہت واضح تھی۔ میں نے باقی رہ جانے والی دو کھڑکیاں چیک کیں اور وہ اندر سے بند ملی تھیں۔ ربیک نے تجویز پیش کیا۔

''ہم آگے سے جا سکتے ہیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس طرف سے جانا مناسب نہیں ہو گا۔ وہاں نگرانی کا خطرہ ہے۔''

''ہم دیکھ کر جائیں گے اور نگرانی کرنے والوں کو قابو کیا جا سکتا ہے۔''

''تم نہیں جانتے ہو یہ اس قسم کی نگرانی ہو گی جو بغیر آدمی کے ہی کی جا سکتی ہے۔ ہمیں دیکھ لیا جائے گا اور ہمیں پتا بھی نہیں چلے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں میری بات پر تعجب ہوا تھا مگر انہوں نے اسے تسلیم کر لیا کہ میں کہہ رہا تھا۔ میں نے دیوار کے کنارے سے جھانک کر دیکھا۔ اس عمارت کے پہلو میں ایک چھوٹی سی خالی جگہ تھی اور پھر سپاہیوں کے لیے بیرک نما رہائش تھی۔ اس کے سامنے وسیع احاطہ تھا جس کے بیچ میں گول یا بیضوی باغ تھا اور اس باغ کے ایک طرف سرنگ سے آنے والا راستہ نکل رہا تھا اور دوسری طرف اہرام نما معبد تھا۔ اسی اہرام نما معبد تلے نہ صرف بڑے قید خانے تھے بلکہ یہیں اعلیٰ پجاریوں کی رہائش کا انتظام بھی تھا۔ سب سے خوفناک عمارت وہ تھی جو اصل میں گودام بھی تھی اور اس کے نیچے تہہ خانے کے اندر ایک کنواں جس میں ہارن قید تھا جس کے سامنے پجاریوں کے معتوبوں کو پھینکا جاتا تھا اور وہ انہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیتا تھا۔ یہ سب یہاں سے نظر آ رہا تھا۔

مگر جہاں تک نظر جاتی تھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہاں لکڑی کے کھمبے نصب تھے جن پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان مشعلوں کی روشنی سے ظاہر تھا کہ وہاں نگرانی کا کوئی بندوبست کیا گیا ہے۔ ورنہ جیسے یہاں روشنی نہیں کی گئی تھی وہاں بھی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ روشنی کرنے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ کوئی ان کی نظروں میں آئے بغیر معبد کی عمارت میں داخل نہ ہو سکے۔ اس لیے میں پہلے اس عمارت کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔ مگر یہاں ایک ہی کھڑکی کھلی تھی اور اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے روبیر سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں مستقل بند رکھا جاتا ہے؟''

''نہیں دروازہ صرف رات میں باہر سے بند ہوتا ہے۔ صبح اسے کھول دیا جاتا ہے۔''

''تم دن میں باہر آ جا سکتی ہو؟''

''نہیں یہاں ہر راہداری میں ایک نگران ہوتا ہے اگر مجھے کہیں جانا ہوتا ہے تو اس کی نگرانی میں جاتی ہوں۔ مگر عمارت سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''فرض کرو تمہیں رات کو جانا ہو کسی ضروری وجہ سے تب تم کیا کرو گی؟''

روبیر میری بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی اس نے جھینپ کر کہا۔ ''میں دروازہ بجا کر رات کے نگران کو بلاتی ہوں اور وہ مجھے اپنی نگرانی میں لے جاتا ہے۔''

میں نے فوری فیصلہ کیا۔ ''تب تم یہی کرو گی۔ اندر چلو۔''

میں اور روبیر دوبارہ کمرے میں آئے۔ یہ رہائشی عمارت تھی قید کے لیے مخصوص نہیں تھی اس لیے یہاں خاص انتظامات بھی نہیں تھے۔ قید خانے والی عمارت میں اتنے لوگ نہیں آ سکتے تھے اور پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی کے خیال میں یہ خطرناک لوگ نہیں تھے۔ دوسرے وہ اس جگہ سے نکل کر کہاں جاتے۔ پھر سب کو دو یا تین عمارتوں میں رکھنے کے بجائے انہوں نے بہتر سمجھا کہ انہیں ایک ہی عمارت میں رکھا جائے۔ میں نے کھڑکی بند کر کے سرگوشی میں پوچھا۔ ''رات کو یہاں روشنی نہیں کی جاتی ہے؟''

''کی جاتی ہے دیوار میں ایک لیمپ لگا ہوا ہے مگر آج اسے جلانے کے لیے کوئی نہیں آیا۔''

''یہ اچھی بات ہے۔ اندھیرا مناسب ہے۔ جب تم اس کے ساتھ باہر جاتی ہو تو کیا وہ دروازہ پھر بھی باہر سے بند کرتا ہے؟''

''نہیں میرے باہر ہونے کی وجہ سے اسے ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔'' روبیر نے جواب دیا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچ رہا تھا اور ایک لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم دروازہ بجاؤ۔''

میں کھڑکی پہلے ہی بند کر چکا تھا۔ جب میں دروازے کے عقب میں دیوار سے لگ گیا تو روبیر نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد اس نے دوسری دستک دی تو باہر سے کرخت آواز آئی۔ ''کیا بات ہے؟''

''مجھے حاجت ہو رہی ہے۔'' روبیر نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ پٹ میری طرف آیا تھا اس سے پہلے کہ نگران اندر آتا یا جھانکتا روبیر خود باہر نکل گئی۔ اس نے دروازہ کھینچ کر بھیڑ لیا اور نگران سے بولی۔ ''جلدی کرو۔''

روبیر نے ظاہر کیا تھا کہ اسے عجلت ہے۔ نگران اسے لے گیا۔ ان کے قدموں کی چاپ مدہم ہوئی تو میں نے دروازہ ذرا سا کھول کر باہر جھانکا۔ وہ بائیں طرف ایک راہداری میں مڑ رہے تھے۔ جیسے ہی وہ میری نظروں سے اوجھل ہوئے۔ میں باہر آ گیا۔ یہاں راہداری میں آمنے سامنے کمرے تھے۔ دونوں طرف سروں پر مشعلیں روشن تھیں۔ میں نے ایک دروازے پر طبع آزمائی کی مگر وہ اندر سے بند تھا۔ چند دروازے دیکھنے کے بعد میں نے بہتر سمجھا کہ اس پلان پر عمل کروں جو میں نے سوچا ہوا تھا۔ میں راہداری کے سرے تک آیا اور اس سمت میں جھانکا جہاں روبیر اور نگران گئے تھے۔ یہ راہداری عمارت کے باہر کی طرف ایک دروازے پر کھل رہی تھی۔ مگر نگران اس سے پہلے ہی ایک جگہ کھڑا ہوا تھا اور یہ غالباً اس عمارت کا واش رومز والا حصہ تھا۔ میں نے آرگون کے قید خانے کا واش روم دیکھا تھا اور وہ خاصا صاف ستھرا اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق تھا۔ یہ رہائشی عمارت تھی اس لیے یہاں کا بھی کم سے کم اس معیار کا ہونا چاہیے تھا۔

خوش قسمتی سے نگران باہر کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا اس لیے مجھے جھانکتے نہیں دیکھ سکا۔ نگران کی یہاں موجودگی ثابت کر رہی تھی کہ ڈیوڈ شا نے مقامی نظام کو اپنا تابعدار بنا لیا تھا اور اب معبد کے لوگ اس کے لیے کام کر رہے تھے۔ اگر سب نہیں تھے تب بھی کچھ لوگ اب ڈیوڈ شا کے ساتھ تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے گنے چنے افراد کو ساتھ ملایا ہوگا اور باقی افراد فی الحال قید میں تھے۔ اگر زیادہ لوگ اس کے ساتھ ہوتے تو احاطے میں ویرانی نہ ہوتی۔ اس نے یقیناً اکثر افراد کو قید کر دیا تھا یا پھر ان سے مستقل چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ وہ اس فطرت کا آدمی تھا جسے انسان صرف اپنی غلامی کے لیے ہی زندہ درکار ہوتے تھے ورنہ ان کا وجود بیکار تھا۔ روبیر کچھ دیر بعد واش روم سے نکلی اور اس کے ساتھ اس طرف آنے لگی۔ میں تیار تھا۔ روبیر آگے تھی۔

جیسے ہی وہ ذرا آگے نکلی میرا گھومتا ہوا ہاتھ اس کے پاس سے گزرا اور نگران کے حلق سے ٹکرایا۔ فطری طور پر اس کی سانس اور آواز دونوں بند ہو گئی تھی۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ گلے پر رکھا اور میں نے اطمینان سے اس کی کنپٹی پر گھونسہ مار کر اسے لٹا دیا۔ اس کے پاس ایک عدد نیزہ تھا جو میں نے گرنے سے پہلے پکڑ لیا۔ اس کی بے ہوشی کا اطمینان کر کے میں نے اسے ٹانگوں سے پکڑا اور کھینچ کر روبیر والے کمرے میں لے آیا۔ روبیر ذرا پریشان ہوئی تھی مگر اب مطمئن تھی۔ میں نے اسے روشنی میں دیکھا۔ پشت کے زخموں سے قطع نظر وہ ٹھیک ٹھاک دکھائی دے رہی تھی اور اس کا لباس بھی مناسب تھا اگرچہ اس کا کرتہ طویل نہیں تھا بلکہ بہ مشکل اس کے کولہوں تک آ رہا تھا۔ آستین بھی کہنیوں سے اوپر تھی۔ اسے کرتے کے بجائے قمیص کہنا زیادہ مناسب تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر بھی یہ روبیر کی ستر پوشی کے لیے کافی تھا۔ شاید یہاں قیدیوں کو اتنا ہی لباس دیا جاتا تھا۔ اس کے پیروں میں چمڑے سے بنی ہوئی فیتوں والی چپل تھی جو اس کے گلابی پیروں میں اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے اپنے ریشمی بال ایک ریشمی سے کپڑے سے پونی ٹیل کی صورت میں باندھ رکھے تھے۔ خود پر پڑنے والی صعوبتوں سے قطع نظر اس کی صحت اچھی تھی۔ میں نے کمرے میں آنے سے پہلے اس کا معائنہ کرلیا اگرچہ یہ سرسری تھا مگر اس نے محسوس کرلیا اور اندر آنے کے بعد سرگوشی میں بولی۔ ''مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔''

''دیکھ رہا ہوں کہ تم ٹھیک ہو یا نہیں۔''

''تو پھر کیسی لگی؟'' اس کے لہجے میں ہلکی سی شوخی آ گئی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' میں نے نگران کو فرش پر لٹایا اور پھر ربیک سے رسّی لے کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے بنڈل کی صورت میں کھڑکی سے باہر پارسل کیا۔ روبیر میرے عام سے لہجے پر خاموش ہوگئی تھی شاید اسے اتنے سپاٹ سے جواب کی توقع نہیں تھی۔ مگر میں یہاں اس کی توقعات پوری کرنے نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے کمرے میں رکنے اور یہاں کی نگرانی کرنے کو کہا۔ اگر عمارت میں کوئی ہنگامہ ہو تو وہ فوری ہمیں مطلع کر سکے۔ اس نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''اس سے پوچھ گچھ کرنے اور یہ کام یہاں نہیں ہوسکتا ہے۔'' میں نے نگران کی طرف اشارہ کیا جواب خود ہمارا قیدی بن گیا تھا۔ میں کھڑکی سے باہر نکلا تو روبیر نے کھڑکی بند کر لی۔

○.....❖.....○

ہم نگران کو لے کر باغ کے بعید ترین حصے میں آئے اور پہلے اس کے منہ میں بھی ایک کپڑا ٹھونس دیا۔ وہ تقریباً تیس بتیس برس کا جوان آدمی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میرے وار کا اس پر زیادہ اثر نہیں ہوا تھا اور میں نے قوت بھی کم رکھی تھی اس لیے اب وہ کسمسانے لگا تھا۔ میں نے ایک چھوٹی مشعل جلا لی اور ان چاروں سے کہا کہ وہ ہمیں گھیر لیں تاکہ مشعل کی روشنی دور سے نظر نہ آئے۔ انہوں نے یوں ہمارا احاطہ کرلیا کہ اب آسمان بھی مشکل سے نظر آ رہا تھا۔ میں نے مشعل کے شعلے پر نگران کے ایک ہاتھ کی انگلی رکھی تو وہ بلبلا کر ہوش میں آ گیا۔ اس نے رسّی سے بندھے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر میری گرفت کمزور نہیں تھی۔ چند سیکنڈ اور اس کی انگلیوں نے براہِ راست حرارت محسوس کی تو وہ تڑپنے لگا تھا۔ میں نے بُو آنے پر اس کا ہاتھ چھوڑا اور ربیک کے توسط سے کہا۔

''تم سمجھ گئے ہو کہ تم مکمل طور پر ہمارے قبضے میں ہو اور ہم چاہیں تو اسی طرح تمہیں تھوڑا تھوڑا جلا کر مار سکتے ہیں۔''

اس خوفناک دھمکی پر اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں کیونکہ وہ اس سزا کو تھوڑا سا بھگت چکا تھا۔ وہ زور و شور سے سر اثبات میں ہلانے لگا اور اس کا انداز التجا آمیز تھا۔ ربیک نے اس کا منہ کھولنے سے پہلے اپنا سنگی خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا اور بولا۔ ''اگر تمہاری آواز ذرا بھی بلند ہوئی تو دوسرے لمحے تمہاری گردن کٹ جائے گی۔''

اس بار اس نے احتیاط سے نفی میں سر ہلایا یعنی وہ آواز نہیں نکالے گا اس کے باوجود ہم پوری طرح محتاط تھے آدمی کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ کب وہ احمقانہ انداز میں خودکشی پر تل جائے۔ میں نے اس کے منہ میں ٹھنسا کپڑا نکالا۔ اس نے چند گہرے سانس لیے اور بولا۔ ''میں بتاؤں گا مجھے مت مارنا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم عقل مند آدمی ہو۔'' میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ ''پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم کو اس عمارت کا نگران کس نے مقرر کیا۔''

''مہا پجاری آئی زور نے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ کب سے مہا پجاری بنا ہے؟''

''مہا پجاری فیرون کے مرنے کے بعد۔'' اس نے جواب دیا۔

میرے پاس جاننے کا ذریعہ نہیں تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے یا نہیں اس لیے میں نے سوالات جاری رکھے۔

''کل یہاں کچھ اجنبی لوگ آئے اور اس کے بعد یہاں گڑبڑ ہوئی تھی۔''

اس نے سر ہلایا۔ ''میں نے ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے ان کے پاس آگ اگلنے والے ہتھیار تھے اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے معبد کے تمام سپاہیوں کو ختم کر دیا۔''

یعنی یہاں ہنگامہ ہوا تھا۔ مگر وہ بہت مختصر وقت کے لیے ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''پھر مہا پجاری آئی زور کے حکم پر سب نے ہتھیار ڈال دیئے اور ان لوگوں کی اطاعت قبول کر لی۔ مرنے والوں کو دفنا دیا گیا اور اس کے بعد تمام لوگوں کو اس عمارت تک محدود کر دیا گیا۔ کوئی باہر نہیں جا سکتا ہے۔ میں بھی اس عمارت سے باہر نہیں جا سکتا۔''

''یہاں اکثر کمروں کے دروازے باہر سے بند ہیں کیا ان میں موجود لوگ قید ہیں۔''

''قید نہیں ہیں مگر انہیں باہر جانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ رات کے وقت ان کے کمرے باہر سے بند کر دیئے جاتے ہیں۔''

میرا اندازہ درست نکلا تھا کہ پجاری ٹولہ ڈیوڈ شا کے ساتھ مل گیا تھا اور اسے ایسا ہی کرنا تھا وہ ہر کمزور کے لیے فرعون مگر ہر طاقتور کے آگے جھک جانے والے تھے۔ معبد کے ناکارہ سپاہی مارے گئے تھے۔ ڈیوڈ شا نے شاید انہیں زندہ چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ مگر باقی افراد زندہ اور قید میں تھے۔ قید میں رکھنے کی وجہ بھی تھی۔ ڈیوڈ شا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کے اصل عزائم سے واقف ہوں کہ وہ باہر سے کمک منگوانے جا رہا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کمک کب یہاں آئے گی؟ کیا آج ہی رات طیارے اس وادی میں داخل ہوں گے اور یہاں اتریں گے؟ جب ہم فصیل کے پار آئے تو ساڑھے سات کا وقت تھا اور اب آٹھ بجے ہوں گے گویا پوری رات پڑی تھی میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں علم ہے کہ معبد کو آرگون سے ملانے والی سرنگ تباہ کر دی گئی ہے۔''

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''وہ کیسے؟''

ایسا لگ رہا تھا کہ یہاں کے لوگ اس سے ناواقف تھے۔ ''یہاں کل کسی وقت بہت بڑا دھماکہ سنائی دیا تھا؟''

''بہت بڑا تو نہیں مگر دھماکہ ہوا تھا۔''

''اسی دھماکے نے سرنگ تباہ کر دیا اب سرنگ سے کوئی آ سکتا ہے اور نہ جا سکتا ہے۔''

نگران کا نام نائرس تھا۔ اس سے سوالات سے جو صورتِ حال سامنے آئی وہ کچھ یوں تھی کہ کل صبح اچانک ہی آسمان سے وہ چار افراد نازل ہوئے اور انہوں نے اترتے ہی یہاں موجود سپاہیوں کا قتل عام شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر دیا۔ انہوں نے ستر کے قریب سپاہی اور کچھ دوسرے افراد کو ہلاک کیا اور یہ سلسلہ اس وقت رکا جب آئی زور نے آ کر ان کی اطاعت قبول کر لی۔ ان چاروں نے پجاریوں کو اپنے قبضے کر لیا اور باقی افراد کے لیے حکم دیا کہ وہ اس عمارت تک محدود رہیں جو شخص باہر نکلا اسے ان دیکھی موت ملے گی۔ روشنی ہونے کے بعد انہوں نے اپنی نگرانی میں لاشیں اٹھوا کر ٹھکانے لگوائیں اور اس کے بعد تمام عمارتوں کا جائزہ لیا۔ انہوں نے سپاہیوں کی بیرک اور گودام کو بند کرا دیا۔ نائرس جس عمارت میں نگران تھا وہاں سو کے قریب افراد رہتے تھے اور یہ سب ہی خادم اور خادمائیں تھیں۔ مارے جانے والوں میں کچھ خادم بھی شامل تھے اور کچھ بچنے والے سپاہی یہاں آئے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ پجاری بھی تھے جنہیں یہاں رکھا گیا تھا۔ اس لیے اب بھی یہاں موجود افراد کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔

گویا معبد میں موجود تمام افراد جو ڈیوڈ شا کے لیے فی الحال بیکار تھے مگر خطرہ بھی نہیں تھے ان کو یہاں محدود کر دیا گیا تھا۔ جب کہ تمام اعلیٰ پجاری، درمیانے درجے کے پجاری اور خادمائیں اور باہر سے آنے والے سب معبد میں تھے۔ اس طرف جانے کی بھی سختی سے پابندی تھی اور ایسا کرنے والے کو سزائے موت کی دھمکی دی گئی تھی لیکن یہ دھمکی نہ بھی دی جاتی تو ان میں سے کوئی اس طرف جانے کی ہمت نہ کرتا۔ اول وہ لوگ آنے والوں کی سفاکی دیکھ چکے تھے اور دوسرے اب مہا پجاری بھی ان کے ساتھ تھا اور مہا پجاری جس کے ساتھ ہوتا وہ اس کے خلاف کچھ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حالات ڈیوڈ شا کے لیے نہایت سازگار تھے۔ مگر اسے علم نہیں تھا کہ میں یہاں آ گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''روبیر یہاں کیوں قید ہے؟''

''یہ بات صرف شامین جانتا ہے۔ وہ اب مہا پجاری کا قریبی آدمی ہے۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ شامین یہاں موجود تھا اور وہ مہا پجاری یا دوسرے لفظوں میں ڈیوڈ شا کے ساتھ تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو ڈیوڈ شا کے ساتھ ساتھ اس سے حساب برابر کرنے کا موقع مل سکتا تھا مگر سب سے پہلے ہمیں ڈیوڈ شا کی سازش ناکام بنانا تھی۔ وہ اپنے آدمیوں کو بلوا رہا تھا اور اسے ہر صورت روکنا تھا۔ آرگون میں اگرچہ ہمارا قبضہ ہو گیا تھا مگر آرگون کی اصل فوج باہر تھی اور اگر وہ واپس آ جاتی تو ایزارٹ کے لیے چند سو سپاہیوں کے ساتھ ان ہزاروں سپاہیوں کو روکنا مشکل ہو جاتا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ جلد از جلد رینالٹ تک رسائی حاصل کر کے اس کا خاتمہ کر دے۔ ایک کانٹا نکلے گا تب ہی وہ دوسرا قدم اٹھا سکے گا۔ ایزارٹ کی طرف سے مجھے مدد کی امید نہیں تھی۔ اسی طرح سامیرا کی طرف سے مدد کا آنا محال تھا۔ برف والے کے توسط سے اسے شاید میرے حالات کا علم ہو سکتا تھا مگر وہ خود اس وقت محاصرے کی کیفیت میں تھی۔

گویا یہاں جو کرنا تھا وہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو کرنا تھا۔ میں نے سوچ کے اس وقفے کے بعد سوالات کا نیا سلسلہ شروع کیا اب میں اس سے اس عمارت میں موجود ان افراد کے بارے میں پوچھ رہا تھا جن پر اعتبار نہیں تھا اور انہیں خاص طور سے یہاں قید کیا گیا تھا۔ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اس نے دس ایسے افراد کی نشاندہی کی جن کے بارے میں حکم تھا کہ انہیں کڑی قید میں رکھا جائے اور انہیں نقل و حرکت کی آزادی نہ دی جائے چاہے دن ہو یا رات۔ وہ عمارت کی سب سے اوپر کی منزل میں قید تھے۔ پوری عمارت کے ایک درجن نگران تھے جو چوبیس گھنٹے کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ڈیوٹی دیتے تھے۔ ہر منزل کا ایک نگران تھا اور ان تینوں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نگرانِ اعلیٰ ہوتا تھا۔ گویا وہ ان کا افسر ہوتا تھا۔ سوافراد میں صرف تین عورتیں تھیں اور یہ سب قیدی تھیں۔ تمام خادمائیں اس وقت معبد میں تھیں۔ جب کہ مرد خادموں کے وہاں داخلے پر پابندی تھی اور وہ اسی عمارت میں تھے۔ یہ ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی کی چالاکی تھی کہ انہوں نے مردوں کی صورت میں خطرے کو دور کر دیا تھا اور اپنے گرد عورتوں کو رکھا تھا جن سے نمٹنا نسبتاً آسان تھا۔ نائرس کے منہ میں دوبارہ کپڑا ٹھونس کر میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک طرف آیا۔ میں نے کہا۔

''اب سب سے پہلے ہمیں اس عمارت پر قبضہ کرنا ہے مگر اس طرح سے کہ عمارت سے باہر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔''

ربیک نے سر ہلایا۔ ''اس کے لیے ہمیں ایک ایک کر کے تمام منزلوں پر خاموشی سے قبضہ کرنا ہوگا۔''

''اس کے لیے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ایک درجن نگران کہاں مقیم ہیں؟''

یہ سوال نائرس سے کیا تو اس نے بتایا کہ تمام نگران جن کی ڈیوٹی نہیں ہوتی تھی وہ نچلی منزل کے مختلف کمروں میں آرام کرتے ہیں۔ میں نے مٹی پر عمارت کا لے آؤٹ اور کمرے بنا کر اس سے پوچھا کہ نگران کن کمروں میں ہیں؟ اس نے نشاندہی کی۔ پھر اس نے اسی پیٹرن پر اوپری منزلوں کا لے آؤٹ اور کمرے بنا کر نشاندہی کہ کڑی نگرانی والے قیدی کن کمروں میں تھے۔ ہم دیکھ رہے تھے اور ذہن نشین کر رہے تھے۔ آخر میں نائرس کو خبردار کیا گیا کہ اس کی ایک بات بھی غلط نکلی تو اسے اذیت ناک موت کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے ابھی وقت ہے اگر اس نے کوئی غلط بیانی کی ہے تو بتا دے۔ بعد میں معافی نہیں ملے گی۔ اس نے یقین دلایا کہ اس نے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا ہے۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے وہیں ایک درخت سے اس طرح باندھ دیا گیا کہ وہ از خود حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی کو مدد کے لیے پکار سکتا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم عمارت کے اندر آئے جہاں روبیر بے تابی سے ہمارا بلکہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے اندر آتے ہی میرا بازو پکڑ لیا۔

''اب میں آپ کے ساتھ رہوں گی مجھے اکیلے میں ڈر لگتا ہے۔''

''تم ایک بہادر لڑکی ہو اور یہ وقت حرکت کا ہے اس لیے اگر کبھی الگ ہو جاؤ تو حوصلہ مت ہارنا۔ جیسے اب ملے ہیں ایسے ہی آیندہ بھی ملیں گے۔''

''وعدہ کرتے ہیں۔'' اس نے یوں کہا کہ میرے اندر پھر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''زندگی و موت کی اس جنگ میں، مَیں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ دوسرے ہمیں اس عمارت پر قبضہ کرنا ہے اس لیے تم میرے ساتھ ہی رہو گی۔''

وہ فکرمند ہو گئی۔ ''یہاں بہت سے لوگ ہیں صرف چار افراد کے ساتھ آپ کیسے یہاں قبضہ کریں گے؟''

''تم دیکھتی جاؤ۔'' میں نے کہا۔ وہ چاروں بھی اندر آ گئے تھے۔ مارٹ اور ایمار نے تیر کمان سنبھال لیے تھے جب کہ میں، ایرٹ اور ربیک نے نیزے ہاتھ میں رکھے تھے۔ روبیر کو کمرے میں رکنے کا کہہ کر ہم باہر آئے۔ پلان سادہ تھا کہ ایک ایک کر کے ان لوگوں کو قابو کیا جائے اور باندھ دیا جائے۔ پہلا کمرا روبیر والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کمرے کی قطار میں ایک کمرے کے بعد تھا اور نارس کے مطابق اس میں دو افراد تھے۔ میں نے دروازہ چیک کیا تو وہ اندر سے کھلا ہوا تھا۔ دونوں نگران بے خبری کی نیند سو رہے تھے اور سر پڑنے والی ضربوں نے ان کی نیند کو بے ہوشی میں بدل دیا تھا۔ صرف ایک کراہا تھا مگر اس کی آواز بھی زیادہ بلند نہیں تھی۔ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔ اگلے کمرے میں موجود نگران اعلیٰ بھی آسانی سے ہمارے قابو میں آ گئے۔ انہیں باندھنے کے بعد ہمارے پاس رسّی اب ختم ہونے والی تھی اور ہمیں مزید رسّی کی ضرورت تھی۔

اس سے اگلے کمرے میں آخری دو عام نگران تھے جب کہ رات کا نگران اعلیٰ عمارت کے سامنے والے حصے میں دفتر میں موجود تھا۔ نارس نے بتایا کہ ان تین نگران اعلیٰ کو ہنگامی صورت میں معبد جانے اور مہا پجاری سے رابطہ کرنے کی اجازت تھی۔ ان کے علاوہ کسی کو عمارت سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے عام نگرانوں سے نمٹنے کی ذمے داری ایمار، مارٹ اور ربیک پر چھوڑی اور خود ایرٹ کو لے کر نگران اعلیٰ کے دفتر تک آیا۔ اندر روشنی تھی اور دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے اسے دھکیل کر اندر جھانکا اور پھر لاحول پڑھی کیونکہ نگران اعلیٰ ایک عورت کے ساتھ بستر پر مدہوش پڑا ہوا تھا۔ عورت کا اوپری جسم چادر سے باہر تھا اور نگران اعلیٰ کی ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں اس نے غالباً سردی لگنے پر چادر اوپری جسم پر کھینچ لی تھی۔

ہم قریب آ گئے تو عورت کی چھٹی حس نے اسے چونکایا۔ وہ اٹھی تھی کہ میں نے نیزہ اس کی شفاف گلابی گردن پر رکھ دیا اور وہ ساکت ہو گئی۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر بستر سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کی عمر زیادہ تھی شاید چالیس کے آس پاس تھی مگر صورت و شکل اور جسمانی لحاظ سے وہ دلکش تھی۔ وہ چادر تلے سے نکلی تو میں نے ایک بار پھر لاحول پڑھی اور اسے ایک طرف پڑا ہوا لباس پہننے کا اشارہ کیا۔ اس دوران میں ایرٹ نے نگران اعلیٰ کے سر سے چادر ہٹائی اور پھر ہم دونوں ہی چونک گئے تھے۔ اس کی دائیں آنکھ میں ایک چھوٹی پنسل نما لکڑی گھسی ہوئی تھی اور اس کی بائیں کھلی آنکھ میں مرنے کے بعد تعجب تھا۔ عورت سمجھی کہ ہم لاش کی طرف متوجہ ہیں اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے بروقت اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور گھماتے ہوئے اس کی گردن اپنے بازو میں یوں دبائی کہ اس کی آواز بند ہو گئی۔ اس نے ابھی تک لباس نہیں پہنا تھا۔ میں نے ایرٹ کے توسط سے پوچھا۔

''اسے تم نے قتل کیا ہے؟''

میں نے گرفت بس اتنی نرم کی کہ وہ جواب دے سکے اور اس نے کہا۔ ''ہاں اسے میں نے مارا ہے۔''

''اور تم اس کے ساتھ اس حالت میں سو رہی تھیں۔''

''یہ کون سی نئی بات ہے۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔ میری گرفت میں آنے کے بعد اس نے مزاحمت ترک کر دی تھی۔ ''میں اس گھٹیا شخص کے ساتھ لاتعداد راتیں سو چکی ہوں۔''

''قتل کی وجہ۔''

''بتایا تو ہے کہ گھٹیا ترین شخص تھا۔ جان بوجھ کر مجھے اذیتیں دیتا تھا۔ اس لیے آج میں نے غصے میں آ کر اسے قتل کر دیا۔ میں نے پہلے سے نہیں سوچا تھا بس آج خیال آیا تو یہ لکڑی اس کی میز سے اٹھا کر اس کی آنکھ میں گھونپ دی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے اچھا کام کیا ہے اب غور سے سنو۔ ہم باہر سے آئے ہیں ہمارے آدمیوں نے آرگون پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ جلد یہاں بھی آ ئیں گے۔''

''تم سامیرا کے آدمی ہو.....لیکن یہاں کیسے آئے؟.....سرنگ والا راستہ تو بند ہو گیا ہے۔'' وہ چالاک عورت تھی اور خاصی باخبر تھی۔ مجھے اس کے اعصاب کی مضبوطی پر رشک آیا کہ اس نے جسے قتل کیا تھا اسی کی لاش کے ساتھ سو رہی تھی۔

''ہم جنگل کی طرف سے آئے ہیں۔ سرنگ کا راستہ کھولنے میں کچھ وقت لگے گا۔ بہر حال جلد یہاں بھی ہمارا قبضہ ہو گا۔''

''تب میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''میں بھی یہی سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کی کنپٹی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''معاف کرنا میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہوں گا۔''

ایرٹ کو میری بات کا ترجمہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور وہ بے ہوش ہو گئی تو میں نے اسے نگرانِ اعلیٰ کی لاش کے برابر میں لٹا دیا۔ اسے باندھنے کی ضرورت نہیں تھی اس لیے صرف چادر سے ڈھک کر ہم باہر نکل آئے۔ نیچے کے تمام خاص لوگ ہمارے قابو میں آ چکے تھے اب اوپر کے نگرانوں کو قابو کرنا تھا۔ نگرانوں کو قابو کرنے کے بعد ہمیں ان لوگوں کو آزاد کرنا تھا جو شاید یہاں ہونے والی تبدیلیوں کے مخالف تھے۔ مگر ہم فوری ان پر بھی بھروسا نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا فیصلہ بعد میں کرنا تھا۔ باقی افراد کے لیے طے ہوا کہ انہیں آخری منزل کے عقبی کمروں میں بند کیا جائے گا تا کہ وہ نہ وہاں سے فرار ہو سکیں اور نہ ہی کسی کو متوجہ کر سکیں۔ میں اور ربیک دوسری منزل پر آئے۔ سیڑھیاں نگران اعلیٰ کے دفتر کے پاس سے شروع ہو رہی تھیں۔

ہم دبے قدموں اوپر آئے تھے اور یہاں کے نگران نے ہماری مشکل خود آسان کر دی تھی۔ وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوا سو رہا تھا۔ میں نے ربیک کو اس سے نمٹنے کا اشارہ کیا اور خود آخری منزل کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے ہی سیڑھیاں ختم ہوئی میرا سامنا غیر متوقع طور پر نگران سے ہو گیا۔ میں تو محتاط تھا ہی وہ بھی دبے قدموں چل رہا تھا اور مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنے پاس موجود لاٹھی استعمال کرنے کی کوشش کی۔ سنگی رنگز لیے اس لاٹھی کی ضرب خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے بروقت جھکائی دی اور اسے طرح جھکے جھکے سر اس کے پیٹ میں مارا۔ لاٹھی کا وار خالی جانے سے اس کا جسم غیر متوازن ہو رہا تھا۔ میں با آسانی اسے دھکیلتا ہوا راہداری تک لایا اور دیوار سے ٹکرا دیا۔

اس نے سنبھل کر اوپر سے میری پشت پر کہنیاں ماریں اور میں نیچے گرا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوسرا وار کرتا میں نے اس کی ٹانگیں کھینچ لیں۔ یہاں جگہ نہیں تھی اور وہ دیوار سے ٹکا ہوا تھا اس لیے گرا نہیں مگر توازن کھو دیا۔ اس کی مزاحمت توڑنے کے لیے میں نے نیچے سے اس کی ٹانگوں کے درمیان مکا مارا اور اس ضرب نے اسے پہلی بار منہ کھولنے پر مجبور کیا۔ اس نے چیخ ماری تھی میں نے اس کی پروا کیے بغیر دوسرا اور پھر تیسرا وار زیادہ قوت سے کیا۔ وہ کراہتا ہوا نیچے ڈھیر ہو گیا۔ اس کی تکلیف ختم کرنے کے لیے میں نے دو بار اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ ابھی تک اس کی چیخ کا کہیں سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا تھا۔ میں اٹھا اور اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتہ اتار کر اس کی پٹیاں کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگا۔ کچھ دیر بعد ربیک نے سیڑھیوں کی طرف سے جھانک کر کہا۔ ''سب ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں، اب باقی کمروں کو دیکھنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں اسلحہ خانہ بھی ہوگا وہ ہمارے قبضے میں ہونا چاہیے۔''

ہم نیچے آئے تو ایمار اور روبیر پہلے ہی یہ کام کر چکے تھے۔ اسلحہ نگران اعلیٰ کے کمرے میں ایک الماری میں تھا۔ جب میں دفتر میں داخل ہوا تو روبیر اپنے لیے اسلحہ نکال رہی تھی۔ اس نے تیر کمان اور ایک چھوٹے سائز کی لاٹھی منتخب کی تھی۔ اسے نیزہ استعمال کرنا نہیں آتا تھا مگر وہ اچھی تیر انداز تھی۔ اس نے چادر تلے موجود عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے؟''

''میرا خیال ہے اسے بھی قید کر دیا جائے۔''

روبیر کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ ''یہ بہت خراب عورت ہے مردوں سے بہت کھلے انداز میں ملتی ہے۔''

''تبھی یہاں موجود ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ایسا کرو تم اسے لباس پہناؤ پھر اسے یہاں سے منتقل کرتے ہیں۔''

روبیر نے سر ہلایا تو میں کمرے سے نکل گیا۔ ایمار، مارٹ اور ایرٹ نے نگرانوں اور اعلیٰ نگرانوں کو دو کمروں میں منتقل کر دیا تھا جہاں سے وہ نکل نہیں سکتے تھے۔ مزید احتیاط کے طور پر ابھی ان کے ہاتھ پاؤں بندھے رہنے دیئے گئے تھے۔ نائرس کو بھی باہر سے لے آئے تھے اور اسے بھی اس کے ساتھیوں کے ساتھ بند کر دیا۔ اس کے بعد اوپری منزل پر موجود ان دس افراد کو کمروں سے نکالا گیا جن کے بارے میں نگرانوں کو ہدایت تھی کہ ان کی سختی سے نگرانی کی جائے اور ان کے کمرے دن رات بند رہتے تھے۔ وہ ہمیں دیکھ کر کچھ حیران تھے۔ میں نے ربیک کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ ان سے بات کرے گا اس موقع پر میں ایک اجنبی زبان بول کر اور سربراہ بن کر ان کو بدکانا نہیں چاہتا تھا۔ ربیک نے ان سے کہا۔ ''ہم سامیرا کے لوگ ہیں اور جنگل کی طرف سے یہاں آئے ہیں۔ یہاں باہر سے آنے والے لوگ معبد پر قابض ہو گئے ہیں۔''

ان میں سے ایک جوان آدمی نے سر ہلایا۔ ''ہاں اور یہ بات ہمیں پسند نہیں آئی۔ مہاپجاری آئی زوران کے ساتھ مل گیا ہے اور جب ہم نے احتجاج کیا تو اس نے ہم سب کو قید کرا دیا۔''

ربیک نے کہا۔ ''تم سب اپنا تعارف کراؤ اور یہاں اپنی حیثیت بھی بتاؤ۔''

وہ تعارف کرانے لگے۔ ان میں سے چھ کا تعلق پجاریوں سے تھا اور جوان آدمی جس کا نام کورن تھا وہ مہاپجاری کے نائبین میں سے ایک تھا۔ باقی چار افراد یہاں موجود سپاہ کے افسران تھے اور وہ اس بات پر کبیدہ خاطر تھے کہ ان کے آدمیوں کا بے دریغ قتلِ عام ہوا اور مہاپجاری نے قاتلوں سے دوستی کر لی۔ وہ بھی احتجاج کی وجہ سے معتوب قرار دے کر یہاں قید کیے گئے تھے۔ ربیک نے تعارف کے بعد کہا۔ ''اب تم لوگ فیصلہ کر لو کہ ہمارا ساتھ دینا ہے یا پھر غیر جانبدار رہنا ہے کیونکہ ہم ان غیر لوگوں کا خاتمہ کرنے آئے ہیں جو ہمارے راستے میں آئے گا وہ بھی ہمارا دشمن ہوگا۔ چاہے وہ مہاپجاری کیوں نہ ہو۔''

ربیک کی بات پر کورن کسی قدر مضطرب ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اسے ربیک کی بات بری لگی تھی مگر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔ ''آپ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ بہت خوفناک ہتھیاروں سے مسلح ہیں جو آگ اگلتے ہیں اور آدمی کے جسم میں سوراخ ہو جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔''

''ہم جانتے ہیں وہ کیسے ہتھیار رکھتے ہیں لیکن تم فکر مت کرو ان سے نمٹنا ہمارا کام ہے۔''

ایک فوجی افسر بولا۔ ''انہوں نے ہمارے درجنوں سپاہی لمحوں میں مار دیئے تھے۔ تم چند افراد کیا کر لو گے۔''

ربیک نے لاپروائی سے کہا۔ ''تمہیں کیا معلوم کہ ہم کتنے ہیں اور ہمارے پاس کیا ہے۔ ہم جنگل سے گزر کر آئے ہیں جو ہارن اور اسمار سے بھرا ہوا ہے۔ کیا کوئی عام دستہ وہاں سے گزر سکتا ہے؟''

فوجی افسر اپنے طنز پر شرمندہ ہو گیا تھا۔ کورن نے کہا۔ ''میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور کرو۔''

کورن اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ ایک کونے میں چلا گیا اور وہ آپس میں سر جوڑ کر سرگوشیوں میں بات کرنے لگے۔ فوجی افسران کسی قدر بے چین تھے۔ ایک فوجی نے کہا۔ ''کیا ہم بھی مشورہ کر سکتے ہیں؟''

ربیک نے میری طرف دیکھا تو میں نے خفیف سا اثبات کا اشارہ کیا اور اس نے انہیں بھی مشورے کی اجازت دے دی۔ جب میرے ساتھی ان لوگوں کو نکال رہے تھے اور نگرانوں کو قید کیا جا رہا تھا تو باقی افراد جو غیر متعلقہ تھے ان کے کمرے باہر سے بند کر دیئے گئے تھے تاکہ کوئی نکل کر غیر ضروری مداخلت نہ کرے۔ بے ہوش عورت کو روبیر نے لباس پہنا دیا تھا مگر فی الحال وہ وہیں تھی۔ پجاری اور فوجی افسران روبیر کو ہمارے ساتھ دیکھ کر کسی قدر حیران ہوئے تھے۔ چند منٹ میں پجاری ہماری طرف آئے اور کورن نے کہا۔ ''ہم تمہارے ساتھ ہیں مگر ہم لڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔''

''اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو تمہیں لڑنا تو پڑے گا۔'' ربیک نے کہا۔ ''صرف جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانے پڑیں گے۔''

''وہ ہم کریں گے میں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ ہم تربیت یافتہ نہیں ہیں۔''

ربیک مجھے لے کر کمرے سے باہر آیا ہم اس وقت اوپری منزل پر تھے۔ ''اب کیا کرنا ہے جناب؟''

''سب سے پہلے یہاں کے لوگوں کو چھانٹا اور انہیں عقبی سمت والے کمروں میں بند کرنا ہے۔ خطرناک افراد کو اسی منزل پر اور کم خطرناک افراد کو نچلی منزل پر۔'' میں نے منصوبہ سمجھایا اور ربیک فوری حرکت میں آ گیا۔ اس نے کمرے میں آ کر بتایا کہ کس کس نے کیا کرنا ہے۔ کورن اور فوجی افسران اس لحاظ سے ہمارے لیے کارآمد تھے کہ وہ قیدیوں کے بارے میں بتا سکتے تھے کہ کون ہمارے لیے مسئلہ بن سکتا ہے۔ ویسے میرا ارادہ مزید افراد لینے کا نہیں تھا، یہ دس افراد بھی کافی تھے۔ اوپری منزل پر کُل بتیس افراد تھے جن میں سے دس تو یہی تھے۔ باقی بائیس عام خادم تھے۔ ان کو دس دس کر کے دو کمروں میں بند کر دیا۔ اس کے بعد پہلی منزل پر آئے یہاں تیس افراد تھے ان میں سے اٹھارہ افراد کو اوپر پہنچایا گیا اور باقی کو اسی فلور پر عقبی کمروں میں بند کر دیا گیا۔

نیچے کُل چوبیس افراد تھے۔ ان میں تین عورتیں بھی تھیں۔ ایک وہی تھی جو نگران اعلیٰ کے ساتھ سو رہی تھی۔ باقی اکیس افراد خدام میں سے تھے انہیں اور باقی عورتوں کو بھی اوپری منزل پر بند کرنے کا حکم دے کر میں دفتر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے کمرے میں آیا تو چونک گیا کیونکہ بے ہوش عورت غائب تھی۔ کمرے کی کھڑکی کھلی تھی اور یہ سامنے والے حصے میں کھلتی تھی۔ میں نے احتیاط سے ادھ کھلی کھڑکی سے باہر جھانکا تو عورت اپنے سفید لباس کی وجہ سے فوراً ہی نظر میں آ گئی۔ وہ جھکی ہوئی پودوں اور درختوں کی آڑ لیتی ہوئی سرنگ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ بے خبر تھی کہ سرنگ بند ہے اور شاید وہ فرار ہو کر آرگون جانا چاہتی تھی۔ وہ زیادہ مضبوط نکلی تھی اور اسی وجہ سے اسے جلد ہوش آ گیا تھا۔ اس کے پیچھے جانا حماقت ہوتی اس لیے میں خاموشی سے دیکھتا رہا۔ ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ وہ باہر نکلی تھی اور اب مجھے اندازہ ہوتا کہ ڈیوڈ شا نے نگرانی یا حفاظت کے لیے کیا انتظامات کر رکھے ہیں۔ عورت نے باغ کراس کیا اور بھاگتی ہوئی سرنگ کی طرف چلی گئی۔ شاید وہ تصدیق کرنے گئی تھی کہ سرنگ سچ مچ تباہ ہو گئی ہے یا کوئی راستہ ہے۔ جلد وہ ناکام واپس آتی۔ اسی اثنا میں روبیر کمرے میں آئی اور عورت کو غائب اور مجھے کھڑکی کے ساتھ لگے دیکھ کر وہ تیزی سے آگے آئی۔

''کیا ہوا یہ کہاں گئی؟'' اس نے کہتے ہوئے باہر جھانکا۔

''وہ دیکھو۔'' میں نے تاریکی میں غائب ہوتی عورت کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ نے اسے جانے دیا۔''

''فکر مت کرو۔ وہ سرنگ میں نہیں جا سکتی ہے سرنگ آگے سے بند ہے۔ اسے واپس آنا پڑے گا۔''

روبیر نے سرنگ کی بندش پر کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا اس کا مطلب تھا کہ کوئی اسے بتا چکا تھا۔ یہ جگہ چھوٹی سی تھی اس لیے وہ مجھ سے لگ کر کھڑی تھی۔ اس نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔ ''مجھے شامین کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔ وہ یہیں ہے۔''

''آئی زور کے خاص آدمیوں میں شامل ہو گیا ہے۔''

''اگر وہ ہاتھ آیا تو کیا آپ اسے میرے حوالے کریں گے۔''

''یقیناً وہ تمہارا مجرم ہے اور تم اس کے بارے میں فیصلہ کرو گی۔''

روبیر نے گہری سانس لی۔ ''اس شخص کی محبت نے مجھے بہت دکھ دیئے۔ میں نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔''

اس کی بات سن کر مجھے خیال آیا اور میں نے جھجک کر پوچھا۔ ''تمہیں لانے والوں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی میرا مطلب ہے.....''

اس کا رنگ گلابی ہوا تھا اس نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔ ''نہیں اس حوالے سے میں محفوظ ہوں۔ میں اپنی جذباتی کیفیت کی بات کر رہی ہوں۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔''

وہ میری طرف پلٹ گئی مگر دور نہیں ہوئی تھی بلکہ کچھ اور پاس آ گئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''صرف ہمدردی؟''

''تم میری ساتھی ہو اور تم سے مجھے انسیت ہے۔ انسان اسی سے ہمدردی یا اپنائیت کا اظہار کرتا ہے جسے اپنا سمجھتا ہے۔''

یہاں ایک عدد لاش تھی اور اس کے ساتھ سونے والی عورت یہاں سے فرار ہو گئی تھی۔ اگرچہ ہم نے تسلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بخش انداز میں عمارت پر قبضہ کر لیا تھا مگر عورت کے فرار نے کسی قدر مشکل کو بھی جنم دیا تھا۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر روبیر مجھ سے کسی اور موضوع پر بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں اس سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر یہ آفاقی حقیقت ہے کہ زبان اور رو۔ ر سے عورت پہل کرتی ہے اور مرد کو متوجہ کرتی ہے پھر عملی پہل مرد کرتا ہے اور اپنے سر پیش قدمی کی تہمت لیتا ہے۔ اس وقت وہ زبان اور رویے سے پہل کر رہی تھی۔ اس نے میرے بازوؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ ''شہباز میں اندر سے خالی ہو گئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں بالکل اکیلی ہوں اور جب سوچتی ہوں کہ میرا کون ہے تو میرے ذہن میں ایک ہی نام آتا ہے۔''

''کس کا نام؟'' میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

''آپ کا نام۔'' اس نے کہا اور اس دوران میں اس کی بانہیں میرے گلے تک پہنچ گئی تھیں۔ اس کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔ ''شہباز میں نے آپ کے ساتھ خود کو ہمیشہ محفوظ سمجھا ہے جب آپ سے دور ہوئی مجھ پر کوئی نہ کوئی آفت آئی۔ مجھے خود سے دور مت کیجئے گا۔''

اسی لمحے دروازے پر آہٹ ہوئی اور ایرٹ اندر آیا تھا۔ میں نے روبیر سے دور ہونا چاہا مگر اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی اور اسی انداز میں مجھ سے لگی رہی۔ حالانکہ اسے پتا چل گیا تھا کہ کوئی اندر آیا ہے۔ ایرٹ چونکا تھا اور اس کا چہرہ متغیر ہوا تھا۔ چند لمحے ساکت رہنے کے بعد وہ تیزی سے واپس چلا گیا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اگرچہ یہ روبیر کا اپنا فعل تھا مگر ایرٹ مجھے برابر کا شریک سمجھتا اور وہ حق بجانب ہوتا۔ میں نے روبیر کو چھوٹ دی تھی۔ میں نے آہستہ سے اس کی بانہیں گلے سے الگ کیں اور باہر جھانک کر دیکھا۔ میں نے بروقت دیکھا تھا کیونکہ عورت واپس آ رہی تھی۔ اس نے سرنگ بند پائی ہو گی اور اب وہ باغ کے دوسری طرف سے پودوں اور درختوں کی آڑ لیتی ہوئی معبد کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اگر میں ذرا تاخیر سے دیکھتا تو پھر اسے پانا مشکل کام ہوتا۔ وہ نظروں میں آ گئی تھی اس لیے اس کی معمولی لحاتی جھلکیاں بتا رہی تھیں کہ وہ کہاں تھی اور کس طرف بڑھ رہی تھی۔

''یہ کہاں جا رہی ہے؟''

''معبد کی طرف اور اب ہمیں معلوم ہو گا کہ وہاں حفاظت کے لیے کیا کیا گیا ہے۔''

عورت باغ کے ساتھ گھومتی ہوئی معبد کی طرف بڑھ رہی تھی جس کا داخلی راستہ اس قطعے کے عین وسط میں تھا۔ ایک ڈھلان سی اوپر جا رہی تھی اور یہی کوئی دس بارہ فٹ اوپر پہنچ کر اہرام نما معبد میں داخل ہو رہی تھی۔ وہاں تیز روشنی والی مشعلیں لگی تھیں اور سب سے زیادہ روشنی وہیں تھی۔ عورت معبد کے ساتھ آئی تو روش چھوڑ کر دوبارہ باغ میں داخل ہو گئی اور پودوں و درختوں کی آڑ لے کر آگے بڑھنے لگی۔ اپنی ابتدائی جذباتیت کے بعد روبیر اب شاید شرمندہ ہو رہی تھی اور اس نے کہنا چاہا۔ ''شہباز مجھے معاف کر دیں میں.....''

''شش۔'' میں نے کہا میری توجہ پوری عورت کی طرف تھی۔ وہ اب معبد کے داخلی راستے سے کوئی پچاس گز دور تھی۔ وہ یہاں قیدی تھی اس لیے اس کا اہرام میں جانے کا کوئی تک نہیں بنتا تھا۔ صرف ایک صورت تھی کہ وہ ہمارے بارے میں ان لوگوں کو اطلاع دے کر فائدہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اب وہ راستے کے سامنے تھی۔ روش بیس گز سے زیادہ چوڑی تھی۔ یہاں باغ سے باقاعدہ ایک راستہ نکل رہا تھا۔ مگر عورت چھوٹے درخت کی آڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکل کر روش پر آئی اور مجھے لگا کہ اہرام کے راستے کے عین اوپر سے کوئی شعلہ سا نکلا تھا جو مشعلوں کی تیز روشنی میں غائب ہو گیا۔ دھماکے کی دبی ہوئی آواز ذرا دیر سے آئی اور عورت لہرا کر گری تھی۔ گرتے ہوئے اس کا کرتہ سینے سے رنگین ہو رہا تھا۔ روبیر کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔ اس نے میرا بازو دبوچ لیا۔

''یہ کیا ہوا ہے؟''

''پھندہ جو وہاں لگا ہوا ہے اور عورت اسی کا شکار ہوئی ہے۔'' میری نظر اس جگہ مرکوز تھی جہاں سے شعلہ نکلا تھا۔ وہ داخلی راستے کے اوپر نکلے چھجے کے پیچھے تھی۔ وہاں تک مشعلوں کی روشنی براہِ راست نہیں جا رہی تھی صرف انعکاس وہاں تک پہنچ رہا تھا۔ میں بصارت پر زور دے کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر مجھے واضح نظر نہیں آ رہا تھا اس لیے میں نے ربیک کی مدد حاصل کی۔ اسے بلایا اور اسے جگہ کی نشاندہی کر کے کہا۔

''وہاں دیکھو کچھ نظر آ رہا ہے؟''

اس نے کمرے میں جلنے والا لیمپ بجھا دیا اور نظر جما کر دیکھنے لگا کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''وہاں ایک عجیب سی چیز ہے۔ اس میں لمبی سی ڈنڈی نکلی ہے۔ پیچھے والا حصہ چوکور سا ہے اور وہ تین ٹانگوں پر رکھی ہے۔''

میں سمجھ گیا تھا یہ خودکار اسنائپر رائفل تھی جو اپنی حد میں آنے والی ہر حرکت کرتی شے پر فائر کرتی تھی اسے ریموٹ کی مدد سے بھی آپریٹ کیا جا سکتا تھا۔ اس مہم پر آنے سے پہلے ڈیوڈ شا نے مجھے جہاں قید رکھا تھا وہاں نگرانی کے لیے یہی ہتھیار لگایا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے مجھے عقل دی اور میں خود یا اپنے ساتھیوں کو لے کر اس طرف نہیں گیا۔ درحقیقت میں ڈیوڈ شا کی ذہنیت سمجھتا تھا اور سوچ سکتا تھا کہ کس صورتِ حال میں وہ کیا کر سکتا ہے؟ معبد کے احاطے کو خالی پا کر مجھے خدشہ ہوا تھا کہ اس نے کوئی نہ کوئی ٹریپ یا نگرانی کا سسٹم لگایا ہے تب ہی اس جگہ کو خالی چھوڑا ہوا ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ اس نے صرف داخلی راستے پر ہی یہ ٹریپ لگایا تھا یا اہرام نما معبد کی مزید سمتوں میں بھی یہ ٹریپ تھا۔

میں نے یہ گن دیکھی تھی اور یہ خاصی بھاری ہوتی ہے۔ ڈیوڈ شا کے سامان میں ایک سے زیادہ ایسی رائفلوں کی گنجائش ممکن نہیں تھی۔ لیکن کوئی بھروسا نہیں تھا کہ نیچے اترنے سے پہلے اس نے کمک حاصل کر لی۔ طیارے اس جگہ تک رسائی حاصل کر سکتے تھے اور وہ پیراشوٹ سے کچھ بھی نیچے پہنچا سکتے تھے۔ اس صورت میں وہ زیادہ سامان کے ساتھ بھی نیچے پہنچ سکتا تھا۔ بہرحال عورت کی موت سے ثابت ہو گیا تھا کہ معبد میں داخلے کا مطلب خودکشی بھی ہو سکتا تھا۔ عورت ساکت تھی اور اس کا کرتہ تقریباً پورا ہی سرخ ہو گیا تھا۔ اتنا خون نکلنے کے بعد اس کا زندہ رہنا محال تھا۔ اگر اس میں جان تھی تو بس چند لمحے کی تھی۔ ربیک نے یہ جان کر اطمینان کا سانس لیا کہ ماری جانی والی عورت وہی تھی جو یہاں سے فرار ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''اس کا مر جانا ہی بہتر ہے اگر یہ دشمن کے ہاتھ لگتی تو فوراً ہمارے بارے میں بک دیتی۔''

''میرا خیال ہے یہ بکنے کی نیت سے وہاں جا رہی تھی۔''

ربیک نے تجسس سے پوچھا۔ ''یہ کیا چیز ہے جناب، یہ عورت اسی سے مری ہے؟''

''ہاں یہ خود بخود حملہ کرنے والا ہتھیار ہے۔ جیسے ہی اس کی حد میں کوئی حرکت کرتی چیز آتی ہے یہ اس پر فائر کر دیتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ربیک کے لیے حد، حرکت کرتی چیز کی شناخت اور فائر نامانوس چیزیں تھیں اس نے سوالات کرنے چاہے لیکن میں نے کہا۔ ''جب ہم کامیاب ہوں گے اور یہ ساری چیزیں ہمارے ہاتھ لگیں گی تو میں تمہیں ٹھیک سے سمجھا سکوں گا کہ یہ کیا چیز ہے؟''

روبیر اس دوران میں باہر جا چکی تھی۔ ربیک نے سر ہلایا اور پھر پوچھا۔ ''یہ ایرٹ کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا اور واپس نکلا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔''

میں نے گہری سانس لی۔ ''اس کی وجہ ہے۔''

مجھے ربیک پر پورا اعتماد تھا اور وہ مجھے سمجھتا تھا اس لیے میں نے اسے کسی قدر تفصیل سے روبیر کی کیفیت اور اپنی طرف اس کا جھکاؤ واضح کیا۔ ''وہ اس کیفیت میں ہے کہ میں اسے سختی سے پیچھے نہیں دھکیل سکتا۔ میں اسے سمجھا رہا ہوں۔ وہ خود سے میرے پاس آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایسے وقت ایرٹ نے اتفاق سے دیکھ لیا۔ میں کسی حد تک سمجھ رہا ہوں کہ ایرٹ اسے پسند کرتا ہے شاید اسی وجہ سے اسے دھچکا لگا۔''

ربیک نے سر ہلایا۔ ''میں سمجھ گیا ہوں جناب۔ ایرٹ کو بھی سمجھا سکتا ہوں لیکن روبیر کو سمجھانا مشکل ہے۔''

''مجھے لگ رہا ہے یہ مشکل کام مجھے ہی کرنا پڑے گا۔''

ربیک آہستہ سے ہنسا۔ ''میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ عورتوں سے دور بھاگتے ہیں۔''

''اس کے باوجود یہ صنف آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتی ہے۔'' مجھے کہتے ہوئے زریں کا خیال آیا اس نے بھی زندگی میں میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا شاید زندہ ہوتی تو مجھے بہت مشکل پیش آتی۔ مگر قدرت نے اس کی اور میری مشکل آسان کر دی تھی۔ میں سوچ میں گم تھا کہ ربیک کی آواز پر چونکا۔

''کیا کہہ رہے ہو؟''

''یہی کہ اب کیا کرنا ہے؟''

''اس پر غور کرنا ہوگا۔ اس ہتھیار کے ہوتے ہوئے ہم معبد تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔''

''میں روبیر کی بات کر رہا ہوں۔''

''فی الحال ہمیں دشمن پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔'' میں نے ملائمت سے کہا اور لاش کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے ٹھکانے لگاؤ۔ ہمیں شاید کچھ وقت یہاں رہنا پڑے اور یہ کل تک بُو دینے لگے گی۔''

ربیک باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دو فوجی افسران کے ساتھ آیا۔ انہوں نے اسے اسی چادر میں لپیٹا اور اٹھا کر لے گئے۔ کیونکہ زخم اس کی آنکھ میں آیا تھا اس لیے خون بہت کم نکلا تھا اور بستر پر چند ایک دھبے آئے تھے جو روبیر نے کپڑا گیلا کر کے صاف کر دیئے۔ اس نے ایک صاف چادر لا کر بستر پر بچھا دی۔ میرا اندازہ تھا کہ رات کے نو بج چکے ہیں۔ اس لحاظ سے خاصا وقت تھا۔ اگر طیارے آج رات آنے تھے تو وہ صبح چھ بجے سے پہلے کسی وقت بھی آ سکتے تھے۔ شاید اسی لیے کرنل جونز نے آج ہی رن وے لائٹس لگائی تھیں۔ اگر طیارے کل رات آنے ہوتے تو یہ لائٹس کل شام میں بھی لگائی جا سکتی تھیں۔ مگر اس عمارت اور معبد کے باہر کسی قسم کی سرگرمی نہیں تھی۔ اس لیے ہمارے لیے ایک موقع تھا کہ کچھ آرام کر لیں اور کھا پی لیں۔ روبیر وہیں موجود تھی اس نے کہا۔ ''آپ آرام کر لیں، بہت دیر سے جاگ رہے ہیں اور مسلسل حرکت میں ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' میں نے زرہ بکتر الگ کرتے ہوئے کہا۔ ہتھیار رکھ کر میں بستر پر بیٹھا تو مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں کتنا تھکا ہوا ہوں۔ میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت سے جاگ رہا تھا اور اس دوران میں بس چلتے پھرتے کھالیا تھا۔ مسلسل جدوجہد اور قتل و غارت گری نے جسم سے زیادہ ذہن کو تھکا دیا تھا اور چوٹوں نے میرے پورے وجود کو درد کے ہلکے سے سمندر میں بدل دیا تھا۔ مجھے چند گھنٹے کی بے ہوشی کی نیند کی ضرورت تھی۔ روبیر کھانے کے لیے کچھ لینے کو گئی تھی۔ مگر میں لیٹا تو مجھے بے خبر ہونے میں چند منٹ بھی نہیں لگے تھے۔ روبیر آئی تو میں سو چکا تھا۔ اس نے جگانے کے بجائے مجھے سونے دیا اور ایک چادر اوڑھا دی۔ میری آنکھ کھلی تو رات کا دوسرا پہر تھا میرا اندازہ تھا کہ دو یا تین بجے تھے۔ میں شاید پانچ یا چھ گھنٹے سویا تھا اور تھکن اتر چکی تھی مگر پیٹ میں جیسے بل پڑ رہے تھے۔ روبیر کھانے کو جو لائی تھی وہ وہیں میز پر رکھا تھا۔

ٹرے میں وہی کھیر نما میٹھا دلیہ جو یہاں کی عام خوراک تھی ایک بڑے سائز کے پیالے میں خاصی مقدار میں تھا۔ پھل اور پینے کے لیے پھلوں کے رس کی کاک ٹیل تھی۔ میں نے تاخیر کیے بغیر ان سب نعمتوں سے استفادہ شروع کر دیا اور میرا ہاتھ اس وقت رکا جب ٹرے خالی ہو چکی تھی۔ سیری نہیں ہوئی تھی مگر تشنگی مٹ گئی تھی۔ میں نے شربت کا گلاس خالی کیا تھا کہ روبیر اندر آئی۔ اس نے شاید غسل کیا تھا کیونکہ اس کے بال نم ہو رہے تھے اور چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا۔ پانی یقیناً خاصا سرد تھا کیونکہ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اس نے خالی ٹرے دیکھ کر پوچھا۔ ''اور لاؤں..... اتنے میں آپ کا پیٹ نہیں بھرا ہوگا؟''

''نہیں اتنا کافی ہے۔'' میں نے کہا اور اس کی طرف دیکھا۔ ''صاف ستھری ہو رہی ہو۔''

''ہاں جب سے یہاں آئی ہوں مجھے ایک بار بھی نہانے کا موقع نہیں ملا اس لیے ٹھنڈے پانی کے باوجود خود کو روک نہ سکی۔'' اس نے بال گھما کر آگے کرتے ہوئے کہا اور انہیں جھٹک کر خشک کرنے لگی۔ اس کا بدن شاخِ گل کی طرح لچک گیا اور ایسے زاویے میں آ گیا کہ میں نے بے اختیار نظریں چرا لیں۔ پتا نہیں یہ قدرت کی عطا تھی یا آزمائش کہ میری طرف آنے والی تمام ہی عورتیں حسن و جمال کا شاہ کار ہوتی تھیں اور آدمی کے لیے ان کی پیش قدمی سے بچنا اتنا ہی مشکل ہوتا جتنا کہ بارش کے بعد کیچڑ زدہ راستے پر پھسلنے سے بچنا۔ آزمائش میں نے اس لحاظ سے کہا کہ یہ عورتیں محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر میری طرف آتی تھیں اور آدمی محبت سے لڑ نہیں سکتا ہے۔ ورنہ زینی جیسی ہوس کی ماری عورتوں سے نمٹنا میرے لیے نہایت آسان تھا۔ جنگل میں ہونے والی گھمسان کی جدوجہد نے میرا حلیہ بھی خراب کر دیا تھا۔ اس لیے میں بھی نہانا چاہتا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا تو اس نے سر ہلایا۔

''میں سمجھ گئی تھی۔ آپ کے لیے دوسرا لباس بھی نکال دیا ہے۔''

''جب تک میں سوتا رہا حالات میں کوئی تبدیلی تو نہیں آئی؟''

''نہیں ہم پوری طرح چوکنا تھے اور میں خود نگرانی کرتی رہی جب نہانے گئی تو ایمار کو نگرانی پر لگا دیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس دوران میں کوئی معبد سے باہر نہیں آیا نہ ہی اندر گیا۔''

میں نے سکون کا سانس لیا۔ ورنہ اس طرح سے غفلت کی نیند سو جانا اور وہ بھی ایسے حالات میں مناسب نہیں تھا۔ واش روم میں نے دیکھ لیا تھا جہاں نہانے کا مکمل بندوبست تھا۔ اس میں مقامی طرز کا صابن بھی تھا جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بال اور جسم یکساں صاف کرتا تھا۔ مٹی کے پائپوں میں پانی نہ جانے کہاں سے آ رہا تھا۔ واش روم کی سہولت صرف گراؤنڈ فلور پر تھی۔ شاید یہیں تک پانی پائپوں سے پہنچایا جا سکتا تھا۔ غسل اور دوسری ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد میں باہر آیا تو صاف ستھرا لباس پہن کر میں نے خود کو خاصا بہتر محسوس کیا تھا۔ نہا دھو کر مجھے پھر بھوک لگنے لگی تھی۔ مگر میں پہلے اپنے ساتھیوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ لڑائی کے فیصلہ کن مرحلے سے پہلے یہ ایک وقفہ تھا جس سے میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میرے تھکے ساتھی بھی یقیناً آرام کر رہے تھے اور کھا پی رہے تھے۔ میں نے واش روم سے نکل کر پہلے تینوں منزلوں کا ایک چکر لگایا تھا۔ ربیک نے فوجی افسروں کو ایک ایک کر کے ہر منزل پر گارڈ لگا دیا تھا۔ وہ مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے۔ کورن سمیت تمام پجاری نچلی منزل کے ایک کمرے میں تھے۔

ربیک اور اس کے ساتھی دو دو کر کے آرام کر رہے تھے۔ پہلے ایمار اور مارٹ نے آرام کیا، اب ربیک اور ایرٹ کر رہے تھے کیونکہ میں نے کوئی حکم نہیں دیا تھا اس لیے انہوں نے آرام کر لیا تھا۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر میں دفتر والے کمرے میں آیا جو فی الحال میرا کمرا بھی تھا۔ وہاں روبیر کھڑکی سے لگی ہوئی جھری سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹرے میں دوبارہ پھل اور رس لے آئی تھی۔ میں خوش ہو گیا شاید اسے بھی اندازہ تھا کہ کھانا میرے لیے کافی نہیں ہوگا اس لیے وہ مزید لے آئی تھی۔ میں نے ایک پھل اٹھا کر کھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''وہ اسے لے گئے ہیں اور اب وہاں کی صفائی کر رہے ہیں۔'' روبیر نے اشارہ کیا مگر جب میں دیکھنے کے لیے کھڑکی کے پاس آیا تو اس نے جگہ نہیں دی تھی۔ غالباً وہ چاہتی تھی کہ اس کے پاس آ کر باہر دیکھوں۔ مجبوراً مجھے یہی کرنا پڑا تھا۔ میرے لیے یہ حربے نئے نہیں تھے میں پہلے بھی بارہا ان کا سامنا کر چکا تھا۔ لڑکی کہیں کی بھی ہو اگر وہ کسی سے محبت کرنے لگے اور اسے ہی اپنا سب کچھ سمجھنا شروع کر دے تو اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسے ہی حربے استعمال کرتی ہے۔ روبیر میں یہ تبدیلی مجھ سے بچھڑنے اور یقیناً شامین کا اصل روپ دیکھنے کے بعد آئی تھی۔ مگر مجھ میں اس کے حوالے سے کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ میرے لیے پہلے کی طرح ایک ساتھی تھی۔ بات کہیں اور نکل گئی۔ میں کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا جہاں نچلے درجے کے پجاریوں کے لباس میں دو افراد اس جگہ پھیلے خون کی صفائی کر رہے تھے جہاں کچھ دیر پہلے عورت کی لاش پڑی تھی۔ لاش غائب تھی۔ میں پُرتشویش ہو گیا۔ اگر یہ باہر آئے تھے تو یقیناً احوال جاننے کے لیے وہ یہاں بھی آتے کہ عورت باہر کیسے نکلی۔ میں نے روبیر سے کہا۔

''ایمار کو بلاؤ۔''

وہ گئی اور اسے بلا لائی۔ میں نے روبیر کی مدد سے اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے سر ہلایا اور روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک نگران اعلیٰ کو قید سے نکال لایا۔ ایمار نے اسے سمجھایا کہ اسے کیا کرنا ہے اگر وہ زندہ اور سلامت رہنا چاہتا ہے تو۔

اس نے یقین دلایا کہ وہ بالکل زندہ رہنا چاہتا ہے۔ کھڑکی سے نگرانی کرتے ہوئے میں ٹرے کے پھلوں اور رس سے بھی انصاف کرتا رہا تھا اور جب ایک پجاری نے اس طرف کا رخ کیا تو میں اور روبیر واش روم کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف آئے۔ نگران اعلیٰ اور ایمار جس نے اب نگران کی وردی پہن لی تھی داخلی دروازے کے پاس تھے۔ مارٹ دفتر میں تھا اور پوری طرح چوکس تھا۔ میں اور روبیر بھی کسی ہنگامی صورتِ حال میں حرکت میں آنے کو تیار تھے۔ آنے والا ایک عام سا اور کسی قدر موٹی توند والا پجاری تھا۔ میں نے یہاں سب سے بے ہنگم جسم والے افراد پجاریوں میں دیکھے تھے۔ کیونکہ وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے اور شاید چلتے پھرتے بھی بادلِ ناخواستہ تھے۔ شاہی خاندان کے بعد وہ واحد طبقہ تھا جو بیل گاڑیوں پر سفر کرتا تھا ورنہ یہاں پیدل چلنے کا رواج تھا۔ اس نے اندر آتے ہی ایمار سے کرخت لہجے میں رات کے نگران اعلیٰ کے بارے میں پوچھا۔ ''وہ اندر ہیں جناب۔''

ایمار نے کہا تو پجاری اس کی طرف توجہ دیئے بغیر کمرے میں پہنچا اور نگران اعلیٰ پر گرجنا برسنا شروع کر دیا کہ وہ کیسے نگرانی کر رہا ہے۔ ایک قیدی عورت یہاں سے نکل کر باہر گئی اور معبد کے باہر ماری گئی۔ نگران اعلیٰ نے فوری ایمار کو طلب کیا اور اس کمرے کا رخ کیا جہاں روبیر قید تھی۔ اس کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ نگران اعلیٰ نے صفائی پیش کی کہ وہ سخت نگرانی والی قیدی نہیں تھی اس لیے اسے نیچے رکھا گیا اور وہ کھڑکی سے نکل گئی۔ پجاری نے آئی زور کا حکم گوش گزار کیا کہ اب نچلی منزل میں کوئی قیدی نہیں رکھا جائے گا سب کو اوپر منتقل کر دیا جائے۔ شکر ہے اس نے شک نہیں کیا اور نگران اعلیٰ کی سنائی اسٹوری آسانی سے تسلیم کر لی حالانکہ اس نے بہت بھونڈی اداکاری کی تھی۔ مگر لگ رہا تھا کہ پجاری کے سر پر نیند یا کچھ اور سوار تھا اور وہ بہت عجلت میں دورہ کر کے واپس روانہ ہو گیا۔ واش روم کے پاس سے جاتے ہوئے وہ میرے اتنے پاس سے گزرا کہ میں ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتا تھا۔ اس کے پاس سے وہ مخصوص بُو آ رہی تھی جو یہاں شراب سے آتی تھی۔ وہ یقیناً پیئے ہوئے تھا۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے سکون کا سانس لیا اور روبیر بولی۔

''شکر ہے یہ دفع ہوا۔''

میں نے روبیر سے کہا۔ ''کیا خیال ہے باہر کا ایک چکر نہ لگایا جائے۔''

وہ خوش ہو گئی۔ ''میں بھی باہر جانا چاہتی ہوں قید میں رہ کر میں گھٹ گئی ہوں۔''

ہم اسی کمرے کی کھڑکی سے باہر آئے جہاں روبیر قید تھی۔ اس نے ایک چادر لے لی تھی جو گہرے سرمئی رنگ کی تھی اور اس میں اس کا سفید لباس چھپ گیا تھا۔ ورنہ ہلکی تاریکی میں یہ بہت نمایاں ہوتا۔ مگر گہرے رنگ کی چادر میں اس کا رخ روشن بھی بہت نمایاں ہو رہا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ چادر کا کچھ حصہ چہرے پر بھی کر لے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ میں معبد کے عقبی حصے کا معائنہ کرنا چاہتا تھا۔ میرے جسم پر بدستور خاص سپاہیوں والی سرمئی وردی تھی جو نیم تاریکی میں گھل مل جاتی تھی۔ ہم عقبی باغ سے ہوتے ہوئے دیوار تک آئے۔ میں نے روبیر کو وہ جگہ دکھائی جہاں سے ہم آئے تھے اور اس سے پہلے ہارن نے مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی پھر زہریلے کانٹوں والے پرندے بھی نکل آئے تھے اور بس زندگی تھی جو بچ کر میں فصیل کے اس طرف آیا۔ روبیر اگرچہ میرے ساتھ بہت سے مشکل مواقعوں سے گزر چکی تھی مگر یہ سب اس کے لیے بھی حیران کن تھا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ اتنی مشکلوں سے گزرے اور میں سمجھ رہی تھی کہ میں ہی مشکل میں ہوں۔''

''ہم سب مشکل میں ہیں جب تک ان لوگوں پر قابو نہیں پا لیتے۔'' میں نے معبد کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچ بھی نہیں سکتی ہو کہ وادی کے لوگ اس وقت کتنے سنگین خطرے سے دوچار ہیں۔''

''ڈیوڈ شا یہاں کیوں آیا ہے؟''

''میں نے بتایا نا کہ وہ باہر سے اپنے ساتھیوں کو بلوانا چاہتا ہے۔ وہ اُڑنے والی مشین میں بیٹھ کر براہِ راست یہاں پہنچ جائیں گے۔ معبد کا پچھلا حصہ اتنا بڑا ہے کہ وہ مشین آرام سے یہاں اتر سکتی ہے۔ اس میں بیک وقت کئی افراد آسکتے ہیں۔''

''ویسی ہی اُڑنے والی مشین جو میرے باپ نے بچپن میں دیکھی تھی جب وادی والے ایک تھے؟'' روبیر نے کہا اس کا اشارہ یقیناً ولیم شا اور راجا عمر دراز کے طیارے کی طرف تھا جو انجن بند ہونے سے اتفاقیہ اس وادی میں آیا تھا اور انہوں نے اس وادی کو دیکھ لیا تھا اسی طرح وادی کے لوگوں نے بھی اس پُراسرار ہوائی چیز کو دیکھا ہو گا۔ میں نے سر ہلایا۔

''بالکل وہی مشین، پھر اس مشین میں آنے والے چار افراد دوسرے طریقے سے وادی میں اترے تھے اور ان میں سے ایک میرا دوست راجا عمر دراز بھی ہے وہ اس بار بھی آیا ہے۔''

''یہ ڈیوڈ شا پہلے بھی آیا تھا؟''

''نہیں پہلے آنے والا اس کا باپ ولیم شا تھا۔ وہ مر چکا ہے۔ اس کی جگہ ڈیوڈ شا نے لی ہے۔''

گفتگو کے دوران ہم چلتے ہوئے معبد کے عقبی سمت آنکلے تھے مگر اب بھی ہم دیوار کے ساتھ تھے۔ یہاں تاریکی تھی اور کوئی مشعل بھی روشن نہیں تھی۔ مگر سامنے باغ میں جلنے والی مشعلوں کی روشنی کسی قدر یہاں بھی پہنچ رہی تھی۔ میں نے میدان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اڑنے والی مشینیں یہاں اتریں گی اور رات میں اترنے کے لیے یہاں روشنیاں لگائی گئی ہیں۔''

''کیسی روشنیاں؟'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''وہ آگ والی روشنی نہیں ہیں بلکہ دوسری طرح کی روشنیاں ہیں۔ انہیں یہاں قطار میں لگا دیا گیا ہے اور جب یہ جلیں گی تو گھپ اندھیرے میں بھی اڑنے والی مشین آرام سے یہاں اتر جائے گی۔''

روبیر متجسس ہو گئی تھی اس نے کہا۔ ''کیا ہم پاس جا کر دیکھیں؟''

میں بھی سوچ رہا تھا اور کسی قدر ہچکچا رہا تھا۔ اس کا امکان تھا کہ یہاں نگرانی کا نظام نہ ہو لیکن وہ ہو بھی سکتا تھا۔ کسی قدر سوچ بچار کے بعد میں نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔ میدانِ جنگ میں ضرورت سے زیادہ احتیاط بھی بعض اوقات شکست کا سبب بن جاتی ہے۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''تم یہیں رکو۔''

''میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ بہرصورت میرے ساتھ چلے گی۔ اگر اس کی جگہ ربیک یا کوئی اور مرد ہوتا تو میرا ایک بار کہنا کافی ہوتا مگر وہ اپنے عورت ہونے اور حسین عورت ہونے کا فائدہ اٹھا رہی تھی جسے یقین تھا کہ اس کے ناز و نخرے اٹھائیں جائیں گے۔ اس کی ضد مانی جائے گی۔ میں نے گہری سانس لی۔

''چلو لیکن میرے ساتھ رہو گی اور میری مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گی۔''

''یہی تو میں چاہتی ہوں۔'' اس نے شوخی سے کہا۔ ''ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنا اور آپ کی مرضی سے سب کرنا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کا جملہ نظر انداز کر کے آگے قدم بڑھایا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا تھا۔ دور سے دیکھنے پر میرا اندازہ تھا کہ احاطہ پانچ سو گز طویل ہے مگر عملی طور پر اس کے اندر آنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ یہ چھ یا ساڑھے چھ سو گز طویل ہے اور اس پر کوئی چھوٹا طیارہ جو چھ یا آٹھ نشستوں والا ہو با آسانی اتر سکتا ہے اور پرواز بھی کر سکتا ہے۔ یہاں اتنی جگہ تھی کہ درجن بھر طیارے اتر کر آرام سے پارک ہو سکتے تھے۔ میرے حساب سے ڈیوڈ شا کم سے کم اتنے طیارے تو منگواتا۔ اتنے بڑے طیارے مکمل ایندھن کے ساتھ تین سو میل کے دائرے میں کہیں سے بھی نہ صرف یہاں آ سکتے تھے بلکہ واپس بھی جا سکتے تھے۔ پریشرائزڈ کیبن والے طیارے بیس ہزار فٹ کی بلندی پر بھی پرواز کر سکتے تھے۔ اس وادی تک آنے کے لیے طیاروں کو اتنی بلندی پر اڑنا پڑتا۔ جن طیاروں کے کیبن پریشرائزڈ نہیں ہوتے وہ عام طور سے دس ہزار فٹ کی بلندی سے اوپر نہیں جاتے ہیں۔ ان کا فلائٹ لیول تین چار ہزار فٹ ہوتا ہے۔

کرنل جونز کی پارٹی انڈیا میں موجود تھی اور اگر نہیں بھی تھی تو چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر وہ دنیا کے کسی بھی حصے سے وہاں پہنچ سکتی تھی اس کے بعد یہاں آنا ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ یونیورسل سولجر قسم کے اعلیٰ تربیت یافتہ کرائے کے سپاہی تھے جن کا کام ہی قتل و غارت گری تھا۔ وہ ڈیوڈ شا کے مقاصد کے لیے نہایت موزوں تھے۔ ان سب امکانات کے بارے میں سوچتے ہوئے میری فکر بڑھ گئی تھی اور میں نے محسوس کیا کہ میں نے ڈیوڈ شا کے عزائم کا درست اندازہ نہیں لگایا تھا میں نے اسے بہت سطحی لیا تھا اور وہ اصل میں کہیں زیادہ بڑے تھے اور وہ اس وادی کے لوگوں کے لیے بھیانک عزائم رکھتا تھا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ وہ وادی تک رسائی حاصل کر کے یہاں کے عجائبات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے جیسے وہ معجزہ اثر پتھر جو گہرے سے گہرے زخم بھر کر انسان کو حیرت انگیز قوت مدافعت دیتا ہے۔ اس طرح یہاں اور بھی چیزیں تھیں۔

ڈیوڈ شا صرف انہیں حاصل کرنا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ ان پر مکمل قبضہ چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ وادی پر اپنا جنگی و سیاسی تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے مشکل نہیں تھا کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر یہاں کے لوگوں کو اپنا مطیع بنا کر ان پر کوئی پٹھو حکمران مسلط کر دے اور اس کی مدد سے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کرے۔ اس کے آباو اجداد نے ایسی ہی پالیسیوں سے دنیا کے بہت بڑے حصے کو اپنا غلام بنا لیا تھا اور ایک وقت تھا کہ سلطنتِ برطانیہ پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اگر وہ ان میں کامیاب ہو جاتا تو یہ نہ صرف بدنصیبی ہوتی بلکہ میں اور میرے ساتھی شدید خطرے سے دوچار ہو جاتے تھے۔ ڈیوڈ شا ہم میں سے کسی کو نہیں بخشتا۔ راجا عمر دراز اور اوشا جو فی الحال برف والے کے پاس تھی وہ دونوں بھی محفوظ نہ رہتے۔ ان سب کو بچانے کے لیے ڈیوڈ شا کے عزائم کو ناکام بنانا ضروری تھا۔ اسے قابو کرنا ابھی محال تھا کیونکہ وہ معبد کے محفوظ قلعے میں گھس کر بیٹھا ہوا تھا اور اس نے وہاں کی حفاظت کا یقینی بندوبست کر رکھا تھا۔

مفروضہ ایک درجن طیاروں میں ستر اسّی تربیت یافتہ جنگجو اور جدید ترین بھاری اسلحہ آ سکتا تھا۔ ڈیوڈ شا معبد میں بیٹھ کر اسی کمک کا انتظار کر رہا تھا۔ کمک آنے کے بعد وہ حرکت میں آتا اور پہلے معبد پر اپنا قبضہ مستحکم کرتا اور اس کے بعد وہ آرگون کی طرف جاتا۔ جدید ترین آتشیں اسلحے اور اس سے زیادہ سفاکی اور بے رحمی سے لیس ڈیوڈ شا کے آدمیوں کے لیے ہزاروں مقامی جنگجوؤں سے نمٹنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ قتلِ عام کر سکتے تھے۔ بلکہ ایسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی کرتے۔ وہ اپنی طاقت اور دہشت بٹھانے کے لیے ایک بڑا قتلِ عام ضرور کرتے۔ وہ لڑنے والوں کو مار دیتے تو عام افراد از خود ان کی اطاعت قبول کر لیتے۔ چھوٹے پیمانے پر اس کا تجربہ وہ معبد میں کر چکا تھا جب اس نے سپاہیوں کا قتل عام کرایا اور پجاریوں سمیت باقی افراد اب اس کے اطاعت قبول کر چکے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہیں۔'' روبیر نے مجھے ہلایا۔ میں چونکا۔ خاصی دیر سے میں ایک ہی جگہ ساکت کھڑا ہوا تھا اور خیالات ذہن میں منڈلا رہے تھے۔ ابھی ہم معبد سے کچھ دور تھے۔ میں نے سر جھٹکا۔ ''کچھ نہیں۔''

''تو رک کیوں گئے؟'' اس نے پیچھے سے مجھ سے لگتے ہوئے کہا تو مجھے آگے بڑھنا ہی پڑا تھا۔

''میں سوچ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کو کیسے ناکام بناؤں؟''

''آپ سوچ لیں گے۔'' اس نے یقین سے کہا۔ ''میں نے دیکھا ہے آپ جس کام کے پیچھے پڑ جائیں اسے کر کے رہتے ہیں۔ آپ کے دشمن ناکام رہیں گے۔''

''ان شاء اللہ۔'' میں نے کہا۔ اب ہم معبد کے عقبی حصے کے کنارے تک آ گئے تھے لیکن وسط سے خاصا دور تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ دیو ہیکل عمارت کیسے بنائی گئی ہوگی اور اس کی تعمیر میں کتنے سال لگے ہوں گے۔ مصر کے لوگ فولاد سے ناواقف تھے اور ان کے پاس کانسی جیسی ہلکی اور کمزور دھات تھی جس کی مدد سے انہوں نے اہرامِ مصر کے لیے پتھر تراشے۔ مگر ان لوگوں کے پاس تو کانسی بھی نہیں تھی پھر انہوں نے اس معبد کے لیے پتھر کیسے تراشے تھے۔ اگر صرف گھسائی سے یہ کام کیا تھا تو یہ اتنا ہی مشکل کام تھا۔ جتنا ایک بچے کا پتھر جمع کر کے کوئی عظیم الشان ڈیم تیار کر لینا۔ اب ہم معبد کے وسطی حصے کے بالکل سامنے تھے۔ یہاں کوئی دو سو گز چوڑا میدان تھا اور اسی میدان میں کرنل جونز نے رن وے والی لائٹس لگائی تھیں۔ میں ان لائٹس کو دیکھنا چاہتا تھا اور اس میں خطرہ تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''تم یہیں رکو میں ابھی آتا ہوں۔''

اس نے سہمے انداز میں پوچھا۔ ''کہاں جا رہے ہیں؟''

''سامنے تک، تم دیوار کے ساتھ لگ کر رہو اور جب تک میں نہ کہوں یہاں سے حرکت مت کرنا۔''

روبیر بادلِ ناخواستہ وہیں رکی رہی اور میں جھک کر میدان کی طرف بڑھا۔ یہاں روشنی بہت کم تھی اور زمین پر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اس لیے مجھے جھک کر اور غور سے دیکھتے ہوئے چلنا پڑ رہا تھا کہ بے خیالی میں میرا پاؤں کسی لائٹ پر نہ آ جائے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی لائٹ اپنی جگہ سے ہلی ہوئی پائی جائے اور یہ لوگ چوکنا ہو جائیں۔ جب میں اس جگہ کے نزدیک آیا جہاں میرے خیال میں لائٹس ہونی چاہیے تھیں تو میں پنجوں کے بل بیٹھ گیا اور اسی طرح زمین ٹٹول کر آگے جانے لگا مگر لائٹ مجھے ویسے ہی نظر آ گئی۔ اس کا شیشہ چمکا تو میں نے اسے پہلے ٹٹولا کہ یہ زمین میں نصب تو نہیں ہے مگر وہ صرف رکھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی تار یا کوئی اور چیز بھی منسلک نہیں تھی۔ ورنہ مجھے خوف تھا کہ کوئی ایسی چیز نہ ہو کہ میں اسے اٹھاؤں اور الارم بج جائے۔ اگرچہ جب کرنل جونز اسے لگا رہا تھا تو وہ صرف انہیں زمین پر رکھ رہا تھا اس نے کوئی تار یا کوئی اور چیز منسلک نہیں کی تھی۔

میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ یہ تقریباً تین انچ قطر کی اور ایک ایک انچ موٹی سیاہ رنگ کی گول ڈسک تھی جو نیچے سے پلاسٹک اور اوپر سے شفاف شیشے جیسی پلاسٹک کی تھی اور اس کے اندر ایل ای ڈیز تھیں جو سرخ رنگ میں جلتی تھیں۔ اس کا وزن پچاس گرام سے زیادہ نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے کرنل تقریباً ہر دس گز کے بعد انہیں زمین پر رکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا۔ چار سو گز کی لمبائی میں اس نے چالیس چالیس ڈسک رکھی ہوں گی۔ پھر چوڑائی میں دونوں طرف دس دس ڈسک رکھی تھیں۔ گویا اس نے ایسی سو سے زیادہ ڈسک یہاں رکھی تھیں۔ ان کی روشنی سے چھوٹے طیاروں کے لیے بہترین قسم کا نائٹ رن وے بن گیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ موقع ہے میں انہیں لے جا کر ضائع کر دوں۔

مگر پھر یہ خیال مسترد کر دیا کیونکہ اس کا بھی امکان تھا کہ ان کے پاس ایسی مزید لائٹ ڈسک ہوں اور وہ دوسری بار مکمل حفاظتی انتظامات کے ساتھ انہیں یہاں لگائیں۔ کرنل نے انہیں سورج غروب ہوتے ہی لگا دیا تھا اس لیے پہلے میرا خیال تھا کہ طیارے آج رات ہی آئیں گے۔ مگر طیارے اب تک نہیں آئے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ صبح ہونے میں کچھ ہی وقت باقی رہ گیا تھا۔ شاید پانچ بجے تھے اور یہاں روشنی سات بجے کے آس پاس ہو رہی تھی۔ اب زیادہ وقت نہیں رہا تھا۔ اصولاً تو طیاروں کو پہلے پہر یا زیادہ سے زیادہ دوسرے پہر آ جانا چاہیے تھا۔ اگرچہ صبح نزدیک تھی اور وقت اب بھی تھا لیکن اطمینان سے لینڈنگ کا وقت نہیں تھا۔ پہاڑوں کے اوپر پو پھٹنے کا عمل شروع ہو گیا ہوگا وادی کے کناروں سے دھند اترنا شروع ہو گئی ہوگی۔

رات کے وقت طیاروں کی آمد میں یہی رمز ہو سکتا تھا کہ رات کے وقت آسمان صاف ہوتا ہے اور نیچے دھند نہیں ہوتی ہے۔ طیاروں کو تقریباً چودہ ہزار فٹ کی گہرائی میں اندھے کنویں میں اترنا پڑتا اور یہ بہت بڑا رسک ہوتا۔ باوجود اس کے کہ وادی کا قطر تقریباً تیس میل تھا۔ اگر چھوٹے طیارے جو سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے نیچے اتر رہے ہوں تو ان کے لیے معمولی سی غلطی بھی حادثے کا سبب بن جاتی اور پھر کئی طیارے ہوتے تو ان کا آپس میں ٹکرانے کا امکان بھی ہوتا۔ اس لیے رات کے وقت اترنا ہی مناسب تھا۔ جب طیارے اپنی لائٹس کی روشنی میں وادی کی دیواروں کو اور ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔

اگر طیارے آج نہ آتے تو مجھے ایک دن کی مہلت اور مل سکتی تھی۔ میں نے ڈسک واپس رکھتے ہوئے دعا کی کہ ایسا ہی ہو مگر ساتھ ہی میں عمل کے لیے بھی تیار تھا۔ میں واپس آیا اور روبیر کے ساتھ واپس عمارت کا رخ کیا۔ میں نے احتیاطاً کھڑکی بھیڑ دی تھی مگر جب ہم واپس آئے تو وہ کھلی ہوئی تھی۔ میں ٹھٹکا اور آس پاس دیکھا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کوئی قیدی یہاں سے نکل تو نہیں گیا ہے۔ میں اندر آیا تو ربیک اور ایرٹ بھی جاگ گئے تھے۔ مگر ایرٹ وہاں نہیں تھا۔ میں نے ربیک سے کھڑکی کا پوچھا اور اس نے لاعلمی ظاہر کی تو اسے تمام قیدیوں کو چیک کرنے کو کہا۔ اس کے ساتھ ہی حکم دیا۔ ''سب تیار ہو جائیں۔''

ربیک چونکا۔ ''کوئی خطرہ ہے؟''

''نہیں لیکن ہو سکتا ہے۔'' میں نے باہر کا رخ کرتے ہوئے کہا۔ راہداری میں آتے ہی مجھے اسی کمرے سے ایرٹ نکلتا دکھائی دیا۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹکا اور پھر جیسے جھینپ گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''تم کہاں تھے؟''

''میں کمرے میں دیکھنے گیا تھا کہ آپ لوگ آئے یا نہیں۔'' اس نے جھوٹ کہا۔ اسے جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا اس لیے لہجہ صاف چغلی کھا رہا تھا۔ وہ کمرے میں نہیں بلکہ میرے اور روبیر کے پیچھے گیا تھا اور چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ ہماری واپسی اتنی تیزی سے ہوئی کہ اسے اندر آنے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ ہمارے پیچھے آتے ہوئے بے خیالی میں کھڑکی کھلی چھوڑ آیا تھا۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ روبیر کے پیچھے تھا اور روبیر میرے پیچھے تھی۔ میں کسی کے پیچھے نہیں تھا مگر ایک بلاوجہ کی تکون میں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے اس کی بات تسلیم کی اور اسے بھی تیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونے کو کہا۔ میرا ارادہ تھا کہ ربیک اور ایرٹ کو ساتھ لے کے جاؤں گا۔ ایمار اور مارٹ یہیں رہیں گے۔ میں فی الحال پجاریوں اور فوجی افسران پر پورا اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ ربیک چیک کر کے آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ قیدی پورے ہیں۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ کھڑکی کس طرح کھلی رہ گئی تھی۔ اس لیے میں نے لاپروائی سے کہا۔

''شاید میں ہی کھلی چھوڑ گیا ہوں گا۔''

ایمار اور مارٹ کو پتا چلا تو انہوں نے بھی ساتھ چلنے کو کہا میں نے انکار کیا۔ ''یہاں کسی کا رہنا ضروری ہے۔''

''مارٹ اور روبیر رہ سکتے ہیں۔'' ایمار نے جلدی سے کہا۔

''میں کیوں تم بھی رہ سکتے ہو۔'' مارٹ نے کہا لیکن مجھے ایمار کی تجویز اچھی لگی تھی۔ روبیر کا لباس سفید تھا۔ وہ کسی عملی صورتِ حال میں چادر اوڑھ کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے ایمار کو لے جانا مناسب سمجھا۔ لہجہ میں نے ایسا رکھا کہ اس کے بعد کسی نے اعتراض کی جرأت نہیں کی۔ ہم پوری طرح تیار ہو کر کھڑکی سے باہر نکلے۔ قتل ہونے والے نگران کی لاش کچھ ہی دور زمین میں گڑھا کھود کی دفنا دی گئی تھی۔ زمین کھدی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی پہلے اس جگہ گھاس تھی۔ یہ ان فوجی افسران کی غلطی تھی انہیں لاش ایسی جگہ دفنانی چاہیے تھی جہاں پہلے سے زمین خالی ہو۔ یہاں تو صاف پتا چل رہا تھا۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ''واپس آنے کے بعد اس پر کچھ گھاس وغیرہ لگا دینا تاکہ تازہ کھدی ہوئی نہ لگے۔''

ربیک نے سر ہلایا اور پوچھا۔ ''خطرہ کیا ہے جناب؟''

''میں نے بتایا تھا کہ ڈیوڈ شا باہر سے کمک منگوا رہا ہے۔ شاید وہ کمک ابھی آ جائے اور ہمیں اس سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

اگرچہ یہ تو میرے ذہن میں بھی واضح نہیں تھا کہ ابھی طیارے آ گئے تو میں ان کو روکنے کے لیے کیا کر سکوں گا۔ مجھے سوچنے کے لیے مہلت درکار تھی اس لیے میں چاہ رہا تھا کہ طیارے آج نہ آئیں۔ لیکن میرے چاہنے سے سب کچھ نہیں ہوتا اگر طیارے آ جاتے تو انہیں لینڈنگ سے روکنے کے لیے مجھ سے جو ہوتا میں کر گزرتا۔ اسی سوچ کے ساتھ میں باغ کے عقبی حصے تک آیا اور ہم نے یہاں درختوں کے پیچھے مورچے لگا لیے تھے۔ یہ تو لازمی تھا کہ طیاروں کی آمد سے پہلے ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی باہر آتی۔ طیارے ان کی مدد کے بغیر لینڈ نہیں کر سکتے تھے۔ اس صورت میں ہمارا نشانہ وہ ہوتے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کے حوصلے اور بہادری پر ذرا بھی شک نہیں تھا۔ گزشتہ چوبیس گھنٹے میں انہوں نے جس طرح سے دشمن کو زیر کیا تھا اور میرا ساتھ دیا تھا وہ صرف بے خوف لوگوں کا کام ہی ہو سکتا تھا مگر دوسری طرح ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی جدید ترین اسلحے سے لیس تھے۔

منطقی لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمارا ان سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ بھی آفاقی حقیقت ہے کہ اگر صرف منطق کو مدِنظر رکھا جاتا تو نوے فیصد جنگیں سرے سے نہ ہوتیں۔ کیونکہ متحارب فوجوں میں توازن نہیں تھا۔ میں نے مارٹ سے کہا تھا کہ کسی غیر معمولی صورتِ حال میں ہمیں متوجہ کرنے کے لیے کھڑکی سے مشعل کی مدد سے اشارہ کرے۔ ربیک کی ڈیوٹی تھی کہ وہ عمارت کے عقبی حصے پر بھی نظر رکھے اور اگر کوئی اشارہ نظر آئے تو مجھے خبردار کرے۔ ہمیں باغ میں آئے ہوئے نصف گھنٹا میں ہوا تھا اور اوپر آسمان پر ستارے غائب ہو گئے تھے۔ وادی کے اوپری حصے میں دھند چھانا شروع ہو گئی تھی اور مشکل سے نصف گھنٹے میں یہ دھند نیچے تک پہنچ جاتی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچانک ربیک نے کہا۔ ''جناب عمارت کی طرف سے اشارہ مل رہا ہے۔''

میں نے دیکھا کہ کھڑکی سے مشعل نکلی ہوئی تھی اور وہ لہرا رہی تھی۔ میں نے ان سب کو اسی جگہ رکنے کو کہا اور خود تیزی سے عمارت تک آیا۔ اشارہ کرنے والی روبیر تھی اور خاصی بے تاب تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''سامنے والے حصے میں کچھ لوگ باہر آئے ہیں۔''

میں کھڑکی سے اندر گھسا اور روبیر کے ساتھ اوپری منزل کے ایک کمرے میں آیا جس کی کھڑکی عین وسطی باغ اور معبد کے سامنے کھل رہی تھی۔ دفتر کی کھڑکی کے بجائے اب اسے آبزرویشن پوسٹ بنا لیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ پجاریوں کے لباس میں کوئی ایک درجن افراد باہر آئے تھے ان کے ساتھ ایک درجن ہی عورتیں یا لڑکیاں تھیں۔ پجاری ترتیب سے اپنا منہ اہرام کی طرف کر کے کھڑے ہو گئے اور خادمائیں ان کے پیچھے تھیں۔ میں نے مارٹ اور روبیر سے پوچھا۔ ''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

مگر وہ دونوں ہی ناواقف تھے۔ بہرحال پجاریوں کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی مذہبی رسم ادا کر رہے ہیں جو شاید اسی وقت ادا کی جاتی ہوگی۔ کیونکہ وہ اس وقت تک ساکت کھڑے رہے جب تک دن کی روشنی نمودار نہیں ہونے لگی تھی۔ صبح کے تقریباً چھ بجے تھے۔ وادی کے اوپر ہمالیہ پر سورج نکل آیا ہوگا مگر یہاں صرف ہلکی سی روشنی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی باغ میں موجود مشعلیں بجھائی جانے لگیں۔ یہ کام خادمائیں کر رہی تھیں۔ وہ قافلے کی صورت میں چلتی ہوئی ایک مشعل تک جاتیں اور اسے بجھا کر دوسری مشعل کی طرف جاتی تھیں۔ وہاں جلنے والی مشعلوں کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی اور ان سب کو بجھانے میں شاید آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت لگتا۔ پجاری اندر جا چکے تھے۔ ان میں سب سے آگے ایک عمر رسیدہ اور کسی قدر دبلا سا آدمی تھا۔ شاید وہی آئی زور تھا۔ روبیر نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا البتہ اس نے تصدیق کی کہ ان میں شامین نہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ خادماؤں نے بالکل سفید رنگ کا حریری سا لبادہ پہنا ہوا تھا۔ جو ان کے جسم کے تناسب پر یوں ڈھلک رہا تھا کہ اگر جسم چھپا رہا تھا تو ساتھ ہی جسمانی ساخت نمایاں بھی کر رہا تھا۔ کمر سے یہ کسی قدر تنگ تھا اور پیروں کے پاس آ کر فراک کی طرح پھیل رہا تھا۔ میں غور کر رہا تھا کہ روبیر نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ ان خادماؤں نے جیسا لباس پہنا ہوا ہے کیا ایسا یہاں سے مل سکتا ہے۔''

مارٹ چونکا۔ ''بالکل مل سکتا ہے، لیکن اس کا کیا کریں گے؟''

میں نے روبیر کی طرف دیکھا۔ ''اگر تمہیں ایسا لبادہ پہنا دیا جائے تو تم ان خادماؤں جیسی ہو جاؤ گی۔''

''ہاں۔'' اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔ ''کیا میں اس لباس میں زیادہ اچھی لگوں گی؟''

میں نے اصل افادیت واضح کی۔ ''اس طرح تم آزادی سے باہر گھوم سکو گی اور معبد میں بھی جا سکو گی۔''

اب روبیر سمجھ گئی۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں ایسا کروں؟''

''میں نہیں چاہتا کہ تمہیں خطرے میں بھیجوں لیکن ہمیں معبد کے اندر کے حالات کا علم ہونا چاہیے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''ہم سب ایک مقصد کے تحت یہاں ہیں اور اپنی مرضی سے ہیں۔''

روبیر نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ ''میری وہی مرضی ہوگی جو آپ کی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر تم میری مرضی پوچھو گی تو میں کہوں گا کہ مت جاؤ۔ میں کسی ایسے فرد کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا جسے میں اپنا سمجھتا ہوں۔''

''میں جاؤں گی۔'' روبیر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور مارٹ کی طرف دیکھا۔ ''ایسا لباس کہاں ہے؟''

''یہاں ایک کمرے میں کپڑے ہیں۔'' مارٹ بولا۔

''مجھے دکھاؤ۔'' روبیر نے کہا تو میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''اتنی عجلت مت کرو اچھی طرح سوچ لو۔''

''میں نے سوچ لیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''وقت نہیں ہے کیونکہ خادمائیں کچھ دیر میں اندر چلی جائیں گی۔ یہی وقت ہے کہ میں ان میں شامل ہو جاؤں۔''

میں ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ روبیر مارٹ کے ساتھ چلی گئی۔ باہر تقریباً نصف مشعلیں بجھا دی گئی تھیں اور باقی بجھانے کا عمل جاری تھا۔ نہ جانے کیوں خادمائیں یہ کام الگ الگ ہو کر نہیں کر رہی تھیں۔ ان کی تعداد دو درجن کے لگ بھگ تھی اور الگ الگ وہ یہ کام مشکل سے تین منٹ میں کر سکتی تھیں مگر اس طرح باجماعت کام کرنے سے دیر لگ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس طرح جب تک وہ ساری مشعلیں بجھاتیں تو دن کی روشنی اتنی ضرور ہو جاتی کہ آس پاس صاف نظر آنے لگتا۔ اب اس کا امکان باقی نہیں رہا تھا کہ طیارے یہاں آئیں کیونکہ دھند تیز سے نیچے آ رہی تھی۔ کسی حد تک اوپر کا منظر دھندلا گیا تھا۔ میں نے سوچا اور واپس آ کر کھڑکی سے ربیک کو واپسی کا اشارہ کیا۔ وہ سب چند منٹ میں اندر آ چکے تھے۔ میں نے انہیں روبیر کے جانے کے بارے میں بتایا تو ایرٹ فکرمند ہو گیا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہو گا جناب اسے وہاں بہت سے لوگ جانتے ہیں۔ شامین بھی وہیں ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ہمیں خطرہ تو مول لینا ہے۔''

''روبیر کو خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ایرٹ کا لہجہ کسی قدر تیز ہو گیا۔ ''اس کے لیے ہم ہیں نا۔''

ربیک نے اس کی طرف دیکھا۔ ''مگر جو کام روبیر کر سکتی ہے وہ میں یا تم نہیں کر سکتے۔''

''ہمیں معبد کے اندرونی حالات کا علم ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے میں نے روبیر کو خود فیصلہ کرنے کو کہا ہے اور وہ رضا کارانہ طور پر جا رہی ہے۔''

''آپ کے چاہنے پر وہ آنکھ بند کر کے آگ میں بھی چھلانگ لگا دے گی۔'' ایرٹ نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''آپ اسے روک سکتے ہیں۔''

''وہ فیصلہ کر چکی ہے اور میرا نہیں خیال کہ میں اسے حکم دوں تو وہ رک جائے گی۔''

''شہباز ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' روبیر کمرے میں آتے ہوئے بولی۔ اس نے خادماؤں جیسا حریری لبادہ پہن لیا تھا۔ یہ ریشم جیسا نرم اور ڈھلک جانے والا کپڑا تھا۔ اس لیے ڈھیلا ہونے کے باوجود اس میں روبیر کا جسم نمایاں ہو رہا تھا۔ ''یہ ہماری جنگ ہے۔''

''لیکن.....'' ایرٹ نے کہنا چاہا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔'' روبیر بولی۔ ''میں فیصلہ کر چکی ہوں اور میں ضرور جاؤں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہاں تمہارے لیے خطرہ ہے۔'' ایرٹ تیز لہجے میں بولا۔ ''اگر تمہیں پہچان لیا گیا تو.....''

''تو کچھ بھی نہیں۔'' روبیر نے لاپروائی سے کہا۔ ''وہ مجھے سزائے موت نہیں دیں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ میں فرار ہو کر وہاں آئی ہوں۔ وہ مجھے دوبارہ یہاں پہنچا دیا جائے گا اور نگرانوں کو جھاڑ پڑے گی۔''

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔''

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے ہمارا جاسوس سمجھ کر اس پر تشدد کریں۔'' ایرٹ کی مزاحمت جاری تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میں نے فیصلہ نہیں کیا تو میری حیثیت اور ساکھ متاثر ہوگی۔ میں نے کہا۔

''ایرٹ تم جذباتی ہو رہے ہو، اس وقت صرف روبیر نہیں ہم سب اور پوری وادی خطرے میں ہے۔ بچیں گے تو سب بچیں گے ورنہ سب مارے جائیں گے۔ ایسے موقع پر ہر فرد کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ نہ کہ کسی دوسرے کو فرض ادا کرنے سے روکا جائے۔''

ایرٹ پھر ہونٹ کاٹنے لگا اور پھر سر جھکا کر کمرے سے چلا گیا۔ سب خاموش تھے اور یہ خاموشی بوجھل لگ رہی تھی۔ میں نے اسے توڑتے ہوئے روبیر سے کہا۔ ''سامنے سے جانا مناسب نہیں ہوگا۔''

''میں پیچھے کھڑکی سے نکلوں گی۔'' اس نے کہا۔ مارٹ جو کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا اس نے کہا۔

''اب وہ اسی طرف آ رہی ہیں۔''

خادماؤں نے باغ کی بیشتر مشعلیں بجھا دی تھیں اور اب اس عمارت کے سامنے اور کسی قدر دائیں طرف موجود مشعلیں باقی رہ گئی تھیں۔ میں روبیر کے ساتھ تھا۔ ہم کھڑکی سے باہر آئے اور گھوم کر عمارت کے دائیں پہلو پہنچ گئے۔ یہاں فی الحال تاریکی تھی۔ ذرا آگے پھولدار پودوں کا ایک تختہ تھا۔ ہم جھکے ہوئے اس تک آئے اور اس کی آڑ میں بیٹھ گئے۔ یہاں سے روش کوئی دس قدم کے فاصلے پر تھی اور پندرہ یا بیس فٹ چوڑی روش کے پار باغ شروع ہو رہا تھا۔ روبیر کو یہ بیس پچیس مشکل قدم طے کرنا تھے ایک بار وہ باغ میں داخل ہو جاتی تو پھر آسانی سے خادماؤں میں شامل ہو جاتی۔ وہ اس وقت عمارت کے سامنے سے مشعلیں بجھاتی اس طرف آ رہی تھیں۔ مشکل سے دس بارہ مشعلیں رہ گئی تھیں۔ روبیر جو میرے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ اچانک اس نے گھوم کر اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔ میں شاید اسے دھکیل دیتا مگر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں نے مجھے روک دیا۔ وہ رو رہی تھی۔ پھر بھرائے لہجے میں بولی۔

''مجھے معلوم ہے مجھے کبھی آپ کی محبت نہیں ملے گی۔ آپ کبھی مجھے محبوبہ کا درجہ نہیں دیں گے۔ مگر مجھے آپ سے محبت ہے۔''

''روبیر.....'' میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میرے ہونٹوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ دیا۔

''کچھ مت کہیں کوئی وضاحت نہ دیں۔ میں سمجھتی ہوں۔ قصوروار آپ نہیں میں ہوں۔'' اس نے کہا اور حسرت سے مجھے دیکھا۔ ''شہباز آپ مجھے یاد رکھیں گے نا؟''

''میں کبھی تمہیں بھول نہیں سکوں گا۔'' میں نے کہا۔

''بس میں یہی چاہتی ہوں آپ سے۔'' اس نے کہا اور اس سے پہلے میں اسے روکتا یا کچھ کہتا وہ اچانک اٹھ کر سبک قدموں سے باغ کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے ہوا کے جھونکے کی طرح روش پار کی اور میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف دعا کر کے رہ گیا کہ اگر ڈیوڈ شا کا نگرانی کا نظام یہاں تک رسائی رکھتا بھی تھا تو اس وقت وہ اسے نہ دیکھ سکے۔ خادمائیں مشعلیں بجھاتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھیں۔ انہوں نے روبیر کو باغ میں داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ روبیر نے عجلت کی تھی شاید وہ جذباتی ہو رہی تھی اور مزید میرے پاس نہیں رکنا چاہتی تھی۔ چند منٹ بعد خادماؤں نے آخری مشعل بھی بجھائی تو اس کے بعد وہ بکھر گئیں۔ یہ وقت روبیر کے لیے زیادہ موزوں تھا کہ وہ ان میں شامل ہو جاتی۔ بہرحال وہ جا چکی تھی۔ خادمائیں کچھ دیر باغ میں چہل قدمی اور آپس میں چہلیں کرتی رہیں روبیر کے اضافے کا انہیں پتا نہیں چلا تھا۔ ان میں کچھ ٹولیوں کی صورت میں تھیں اور کچھ الگ تھیں۔

ٹولیوں والی آپس ہنس بول رہی تھیں اور ان پر بظاہر حالات کا کوئی اثر نظر نہیں آ رہا تھا شاید اس لیے کہ ان کے آقا پجاری ہوں یا کوئی اور، انہیں بہرصورت ان کی خدمت کرنا تھی۔ پھر وہ اندر جانے لگیں اور ان کے درمیان روبیر کو دیکھ لینا مشکل تھا کیونکہ وہ سب ایک جیسے لباس میں ایک جیسی لگ رہی تھیں۔ پھر وہ سب سمٹ کر معبد کے داخلی دروازے کے اندر چلی گئیں۔ روبیر کے لیے یہ مناسب تھا کہ وہ ہجوم کے درمیان میں رہے۔ روشنی تیز ہو رہی تھی اور مناسب یہی تھا کہ میں اب اندر چلا جاؤں۔ ممکن ہے خادماؤں کے بعد یہاں کوئی اور نکل آئے۔ میں لیٹے لیٹے پیچھے سرکا اور عمارت کی آڑ میں آ کر اٹھا۔ کھڑکی سے اندر آیا۔ وہ سب اوپری کمرے میں تھے اور ان کے چہرے اداس تھے۔ خاص طور سے ایرٹ زیادہ اداس تھا۔ میں نے انہیں تسلی دی۔ ''روبیر محفوظ رہے گی۔''

ربیک نے کہا۔ ''میں نے نائرس سے معلوم کیا ہے۔ شام کے وقت یہی خادمائیں مشعلیں جلائیں گی۔''

''تب تک روبیر اندر کے حالات جان لے گی اور اسی طرح واپس آ جائے گی۔''

یہ سن کر ایرٹ کے چہرے پر ذرا رونق آئی تھی۔ ایمار اور مارٹ آرام کرنے لگے گئے۔ فوجی افسران بھی اب آرام کر رہے تھے اور ان کی جگہ پجاری نگرانی کا فرض انجام دے رہے تھے۔ میں نے ایرٹ اور ربیک کو روک لیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''آنے والی رات فیصلہ کن ہے اور ہمیں رات سے پہلے پہلے ایک قابل عمل منصوبہ تیار کر لینا ہے۔''

''آپ جو حکم دیں۔'' ربیک نے مستعدی سے کہا۔

''ہم چار افراد کیا کر سکیں گے؟'' ایرٹ نے بجھے انداز میں پوچھا۔

''تم بھول رہے ہو ہم چار افراد اب تک بہت کچھ کرتے آئے ہیں۔'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ''دوسری طرف بھی اصل میں چار ہی لوگ ہیں اور ہمیں ان ہی سے نمٹنا ہے۔''

ربیک نے ایرٹ کو گھورا تو اس نے جھرجھری سی لی۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ وہ بھی چار ہیں۔''

میں سوچ رہا تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہوگا۔ کل رات کے تجربے سے یہ تو میرے علم میں آ گیا تھا کہ معبد کے عقبی حصے میں نگرانی نہیں کی جا رہی تھی۔ ہمیں اسی سے فائدہ اٹھانا تھا۔ لیکن کیسے؟ یہ طے ہونا باقی تھا۔ ایک چیز میں نے سوچ لی تھی کہ طیارے یا طیاروں کو کسی صورت یہاں اترنے نہیں دینا ہے کیونکہ ایک طیارے کی آمد کا مطلب بھی ہوگا ڈیوڈ شا کی طاقت کئی گنا بڑھ جائے گی۔ میں نے انہیں اپنے اول فیصلے سے آگاہ کیا تو ربیک نے سوال کیا۔ ''یہ چیز کس طرح کی ہوتی ہے اور ہم اسے کس طرح روک سکتے ہیں۔''

میں نے پہلے زبانی اور پھر ایک خالی کمرے کی دیوار پر سفید چاک نما پتھر سے طیارے کی تصویر بنا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھائی۔ پھر اس کے مختلف حصوں کے بارے میں وضاحت کرنے لگا کہ وہ کیا کام کرتے تھے۔ ان کے لیے یہ دیو مالائی شے تھی۔ مگر میں نے واضح کیا کہ اس میں کچھ بھی دیو مالائی نہیں ہے یہ وادی میں بننے والے مختلف استعمال کی چیزوں کی طرح ایک مکمل انسانی تخلیق ہے اور اس کے پیچھے منطق کام کرتی ہے۔ وہ اس کی رفتار کا اندازہ نہیں کر پا رہے تھے کیونکہ یہاں پرندے کم تھے اور جو تھے وہ اتنی تیزی سے نہیں اڑتے تھے۔ کچھ تو سرے سے نہیں اڑتے تھے جیسے زہریلے کانٹوں والا پرندہ۔

''یہ جتنی مضبوط ہوتی ہے اتنی ہی آسانی سے تباہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی پرواز اور زمین پر اترنا سب توازن کا کام ہے۔ جیسے تم لوگ کسی پتلی سی لکڑی پر چلنے کی کوشش کرو تو توازن رکھنا پڑتا ہے۔ اس کی رفتار کی وجہ سے حادثہ پیش آنے کی صورت میں تباہی اور اس میں سوار افراد کی ہلاکت تقریباً یقینی ہوتی ہے۔''

ایرٹ نے کہا۔ ''اگر ہم کوئی ایسا بندوبست کریں کہ یہ زمین پر اتر نہ پائیں تو.....''

''بالکل ہمیں یہی کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے خاتمے سے زیادہ ضروری یہ کام ہے ایک بار وہ ناکام ہو جائے تو اس کے حوصلے خود پست ہو جائیں گے اور تب ہم اس پر قابو پانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

ربیک نے کہا۔ ''میں سمجھ گیا، اصل کام باہر سے مدد آنے سے روکنا ہے۔''

میرے ساتھی رفتہ رفتہ معاملے کی نزاکت سے باخبر ہو رہے تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے انہیں آتشیں ہتھیاروں اور بم کی ساخت کے بارے میں بتایا کہ یہ کس طرح کام کرتے اور نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ حیران رہ گئے کیونکہ دونوں چیزوں کی منطق بہت آسان اور سمجھ میں آنے والی تھی۔ البتہ وہ بارودی مواد کی نوعیت نہیں سمجھ سکے تھے۔ مگر وہ یہ سمجھ گئے تھے کہ ہمارے ہتھیار اور حفاظتی انتظامات ان کے خلاف بیکار تھے۔ میں اب سوچ میں مصروف تھا۔ ان لوگوں سے بات کرتے اور طیارے کے بارے میں بتاتے ہوئے ایک خیال میرے ذہن میں آیا تھا۔ رن وے ناکارہ کرنے کا آسان طریقہ تو یہ تھا کہ کسی طرح لائٹس آن نہ ہونے دی جائیں مگر مسئلہ وہی تھا کہ یہ ریموٹ سے آن ہونے والی لائٹس تھیں اور اگر میں موجودہ لائٹس اٹھا لیتا یا تباہ کر دیتا تب بھی اس کا امکان تھا کہ ان کے پاس اضافی لائٹس ہوں۔

اس میں زیادہ خطرہ یہ تھا کہ یہاں ہماری موجودگی کا راز فاش ہو جاتا اور فی الحال میری کامیابی تھی کہ ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی میری آمد سے بے خبر تھی۔ غور کرتے ہوئے اچانک ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور میں نے ربیک سے کہا۔ ''یہاں بڑی رسیاں ہیں؟''

''بالکل ہیں جناب۔'' ربیک نے کہا۔ ''کیا لے کر آؤں؟''

''ہاں لے آؤ جتنی بھی ہیں سب لے آؤ۔''

ربیک ایمار کے ساتھ گیا اور کچھ دیر بعد رسیوں کے کئی بنڈل لے آیا۔ میں نے ایک بنڈل لے کر دیکھا۔ اس میں شاید دو سو فٹ رسی تھی۔ باقی بنڈل اس سے چھوٹے تھے۔ رسی پون انچ موٹی اور متعدد چھوٹی ڈوریوں کو بانٹ کر بنائی گئی تھی۔ یہ اتنی مضبوط تھی کہ ہارن جیسا طاقتور جانور بھی اسے نہیں توڑ سکتا تھا۔ رسی سفیدی مائل سرمئی رنگ کی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''یہاں سیاہ رنگ ہوگا۔ یہ لازمی چاہیے۔ کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے رسی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگ سیاہ ہو جائے۔''

''میں معلوم کرتا ہوں۔'' ربیک نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ ایرٹ متجسس تھا۔ اس نے پوچھا۔

''آپ کیا کرنا چاہتے ہیں جناب؟''

''تم نے کہا تھا کہ کچھ ایسا ہو کرنا چاہیے کہ طیارے زمین پر نہ اترنے پائیں تو میں اسی کی کوشش کرنے جا رہا ہوں۔''

ربیک کچھ دیر بعد آیا۔ اس نے بتایا۔ ''یہاں ان لوگوں کے پاس وہ سفوف ہے جسے پانی میں گھول کر بالوں میں لگاتے ہیں تو سفید بالوں کا رنگ سیاہ ہو جاتا۔''

''وہی لے آؤ۔ بلکہ یہ رسیاں لے جاؤ اور سفوف کا محلول بنا کر اس میں ڈبو دو جب رنگ اچھی طرح چڑھ جائے تو رسیاں نکال کر کہیں لٹکا دینا کہ پانی نکل جائے۔ یہ کام جتنی جلدی ہو اتنا اچھا ہے۔''

ربیک اور ایمار رسّی کے بنڈل لے کر چلے گئے۔ ایرٹ اور مارٹ عمارت کا چکر لگانے چلے گئے۔ میں نے کھڑکی کی جھری سے باہر جھانکا جہاں روشنی تقریباً مکمل ہو گئی تھی اور معبد کے سامنے والا باغ اور احاطہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ جیسا کہ نائرس نے بتایا تھا کہ دن میں عمارت کے لوگ باہر جا سکتے تھے۔ یعنی دن میں خود کار گن بند کر دی جاتی تھی۔ نائرس نے کوئی حد نہیں بتائی تھی اس کا مطلب تھا کہ دن میں جانے والے ہر جگہ جا سکتے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اتنے بڑے کنبے کو خوراک کیسے دی جائے۔ ویسے یہاں خوراک کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا اور پکانے کی جگہ بھی تھی۔ مگر پکاتا کون؟ میں نے کچھ بعد ایرٹ کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ وہ قیدیوں میں سے معلوم کرے کہ کھانا کون بنا سکتا ہے۔ دو تین آدمی باہر نکالو جو سب کے لیے کچھ بنائیں۔ ایرٹ چلا گیا۔

میں روبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس لڑکی نے پہلے شامین کی محبت میں اتنا بڑا قدم اٹھایا، اپنی عزت اور زندگی دونوں داؤ پر لگا دی۔ شامین نے اسے دھوکا دیا تو وہ میری طرف آئی اور اب میری محبت میں اس نے ایک بار پھر خود کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ خطرے کے منہ میں براہِ راست چلی گئی تھی۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ اس بار بھی اسے کچھ نہیں ملنے والا تھا چاہے وہ کامیاب واپس آتی۔ روبیر کی محبت کا جواب محبت سے دینا میرے بس میں نہیں تھا۔ مگر فی الحال میں اسے درپیش خطرات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سب سے بڑا خطرہ تو اس کا سابق محبوب شامین تھا۔ وہ معبد میں موجود تھا اور آئی زور کے خاص آدمیوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ روبیر خاصے دن سے یہاں تھی اور اسے پہچاننے والے افراد کی کمی نہیں تھی۔ وہ پکڑی جاتی تو ممکن ہے اس سے یوں معبد آنے کی وجہ پوچھی جاتی۔

پجاریوں سے مجھے زیادہ چالاکی کی امید نہیں تھی مگر وہاں ڈیوڈ شا جیسا شاطر اور مکار موجود تھا جو اپنے سائے سے بھڑکنے والا آدمی تھا۔ جب اسے پتا چلتا کہ روبیر اصل میں مجھ سے متعلق ہے تو وہ اصل بات اگلوانے کے لیے اس پر کسی قسم کا تشدد کر سکتا تھا۔ روبیر بہرحال ایک نازک لڑکی تھی وہ تکلیف ایک حد تک ہی برداشت کر سکتی تھی۔ اس کے بعد اس کے لیے زبان بند رکھنا مشکل ہو جاتا۔ جیسے جیسے میں اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرے اندر اضطراب کی لہریں سی اٹھنے لگی تھیں اور مجھے لگ رہا تھا کہ میں نے اسے معبد میں جانے کا کہہ کر غلط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فیصلہ کیا تھا۔ دیکھا جائے تو معبد میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کے بارے میں میرا جاننا ضروری ہوتا۔ میں جانتا تھا کہ وہاں ڈیوڈ شا ہے، اس کے ساتھی ہیں اور وہ کن ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ ان کے عزائم کیا ہیں میں سب کچھ جان چکا تھا۔

مگر میں نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ جاسوسی کا مسلمہ اصول ہے کہ دشمن کے بارے میں وہ جاننے کی کوشش کرو جو آپ نہیں جانتے اور یقیناً میں ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی کے بارے میں سب نہیں جانتا تھا۔ ان کی بہت سی باتیں مجھ سے چھپی ہوئی تھیں اور ممکن ہے روبیر وہاں کوئی ایسی بات جان لیتی جو ہمارے کام آتی اور ڈیوڈ شا کو شکست ہو جاتی۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ ایسا ہی ہو۔ روبیر کامیاب واپس آئے تاکہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے بھی سرخرو ہوں جو سوچ سکتے تھے کہ میں نے روبیر کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس دوران میں جب کہ ربیک اور ایمار رسّی سیاہ کر رہے تھے۔ ایرٹ نے چند خادم تلاش کر لیے تھے جو کھانا بنانے کے ماہر تھے اور اب وہ باورچی خانے میں سب کے لیے ناشتہ تیار کر رہے تھے۔ ناشتے اور کھانے کے بارے میں یہی فیصلہ ہوا تھا کہ وہ قیدیوں کو ان کے کمروں میں دیا جائے گا۔

یہ سب عام افراد تھے اس کے باوجود ہم محتاط رہنا چاہتے تھے اگر ان میں سے کوئی یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو ہمارا منصوبہ تو چوپٹ ہوتا ہی ہماری سلامتی بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ میں صبح ہونے سے پہلے ہی کھا پی چکا تھا مگر جب ناشتہ تیار ہوا تو میں نے ناشتہ کر لینے میں بھی حرج نہیں سمجھا۔ آرام اور کھانے کا ہر موقع غنیمت تھا کہ اس کے بعد حالات نہ جانے کیا رخ اختیار کریں۔ میں مسلسل کھڑکی سے معبد کی نگرانی کر رہا تھا اور اس کے لیے بالکل تیار تھا کہ اگر اس طرف سے کوئی آیا تو ہم نائرس کو آگے کر دیں گے۔ مگر فی الحال اس طرف سے کوئی آتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ نہ ہی آتا تو ہمارے لیے اچھا تھا۔

دو گھنٹے بعد میں نے نگرانی کے لیے ایرٹ کو لگایا۔ میں نے عمارت کا چکر لگایا اور ربیک کی کارگزاری دیکھی۔ جس نے واش روم میں ایک بڑے سے مٹی کے ٹب میں وہ محلول بنایا ہوا تھا جو بالوں کو سیاہ کرتا ہے مگر اس وقت یہ رسّی سیاہ کر رہا تھا۔ ابھی تک رسّی محلول میں بھیگ رہی تھی میں نے اس کا معائنہ کیا تو مجھے لگا کہ رسّی بالکل سیاہ ہو گئی تھی۔ کچھ دیر میں اسے خشک کرنے کے لیے عقبی سمت گچھا بنا کر کسی درخت سے لٹکا دیا جاتا تو چند گھنٹوں میں اس کا سارا پانی نکل جاتا۔

''انہیں جوڑنا ہوگا۔'' رسّی خشک ہوئی تو میں نے ربیک سے کہا اور کھلی رسّی کا بنڈل بنانے لگا۔ جب میں نے بنڈل بنا لیا تو ربیک نے دوسری رسّی کا سرا اس سے گرہ لگا کر جوڑ دیا اور میں نے اسے بھی بنڈل میں شامل کیا۔ تیسری رسّی جوڑنے کے بعد بنڈل خاصا بڑا اور وزنی ہو گیا تھا۔ میں نے اسے شانے پر لاد لیا اور ربیک کے ساتھ اس درخت کی طرف بڑھا جس سے رسّی باندھنی تھی۔ لیکن عمارت کے کنارے تک آ کر میں نے پہلے ربیک کو آگے روانہ کیا کہ وہ دیکھے اگر کوئی معبد کے پہلو کی طرف آئے تو مجھے خبردار کرے۔ ربیک نے ایسی جگہ پوزیشن سنبھال لی جہاں وہ خود کو چھپا کر آنے والوں کو دیکھ سکتا تھا پھر اس نے مجھے اشارہ کیا تو میں درخت کی طرف بڑھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شام کے پانچ بج رہے تھے کیونکہ شام کا سا وقت ہو رہا تھا اور روشنی میں تیزی ختم ہو گئی تھی۔ جو جگہیں اندر یا سائے میں تھیں وہاں ہلکا سا اندھیرا چھا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں جھکا ہوا دوڑ کر درخت کے پاس پہنچا اور اس کے قریب ہی ایک جھاڑی نما پودے کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ یہاں سے معبد کی طرف سے آنے والا راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ اہرام کی عظیم الشان عمارت یہاں سے بہت واضح تھی۔ بلکہ عین سر پر محسوس ہو رہی تھی حالانکہ اس درخت سے اس کا فاصلہ کم سے کم سو گز تھا۔ آڑ میں ہو کر میں نے اشارے سے ربیک کو بلایا تو وہ واپس عمارت کی آڑ میں ہوا اور پھر دوڑتا ہوا میری طرف آیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''رسّی کو درخت کی بلند ترین شاخ پر باندھنا جو مضبوط بھی ہو۔ کیونکہ رسّی کو لگنے والا جھٹکا بہت شدید ہوگا۔ اگر رسّی شاخ سے نکل گئی یا شاخ ہی ٹوٹ گئی تو شاید اترنے والے طیارے کو نقصان نہ ہو۔''

ربیک نے سر ہلایا اور درخت پر چڑھ گیا۔ یہ درخت کم سے کم چالیس پینتالیس فٹ اونچا تھا۔ ہم رسّی کو جتنا بلند باندھتے طیارے کا اس سے ٹکرانے کا اتنا ہی زیادہ امکان ہوتا۔ اگرچہ دوسری طرف اگر ہم رسّی کو فصیل کے سرے بھی باندھتے تب بھی یہ بلندی تیس فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ دیوار اتنی ہی بلند تھی۔ ربیک نے رسّی کا سرا مجھ سے لے لیا تھا اور اسے کھینچتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا۔ کوئی تیس فٹ پر جا کر اس نے درخت کی شاخوں کا جائزہ لیا اور مزید اوپر جانے لگا۔ مزید پانچ یا چھ فٹ اوپر جا کر اس نے رسّی ایک مضبوط شاخ پر باندھی۔ یہ تنے کا تقسیم ہو جانے والا حصہ تھا جو بدستور خاصا موٹا اور مضبوط تھا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا تو میں نے اشارے سے کہا کہ اس نے ٹھیک کام کیا ہے۔ اس دوران میں تاریکی میرے اندازے سے زیادہ تیزی سے چھانے لگی تھی۔ شاید اوپر موسم اچھا نہیں تھا اور بادل تھے جنہوں نے سورج کی روشنی پہلے ہی روک دی تھی اور اس وجہ سے نیچے وادی میں بھی وقت سے پہلے روشنی کم ہونے لگی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ اگر اوپر موسم خراب ہے تو شاید آج طیاروں کی آمد ممکن نہ ہو سکے۔ پروپلر انجن والے طیارے جیٹ انجن والے طیاروں کے مقابلے موسم سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں کیونکہ ان کی پرواز زیادہ تر توازن کے اصول پر ہوتی ہے۔ تیز ہوائیں اور کم یا زیادہ ہوتا ہوائی دباؤ ایسے طیاروں کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔ خاص طور سے پہاڑی علاقے میں جہاں اونچی چوٹیاں خاص طور سے خطرناک ہوتی ہیں۔ اگر طیارے آج رات نہ آتے تو ہمیں صبح کی روشنی ہونے سے پہلے رسّی دوبارہ اتارنی پڑتی ورنہ دن کی روشنی میں یہ سیاہ رسّی صاف دکھائی دیتی۔ بہرحال یہ بعد کی بات تھی۔ پہلا مرحلہ تو رسّی لگانے کا تھا۔ ربیک نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے نیچے آتے ہی ایک چھوٹے درخت کی طرف اشارہ کیا جو اس درخت سے دائیں طرف فصیل کی مخالف سمت کی دیوار سے ذرا دور کھڑا تھا۔ ''میں اس درخت سے چڑھ کر فصیل تک جا سکتا ہوں۔''

''اور اس کے بعد؟''

''دوسری طرف اتر کر رسّی کو کہیں باندھنا ہوگا کیونکہ یہاں تو کوئی جگہ نظر نہیں آ رہی جہاں رسّی باندھی جا سکے۔''

''دوسری طرف۔'' میں فکرمند ہو گیا۔ ''یہ خطرناک ہوگا۔''

''ہاں مگر اس کے سوا اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے رسّی باندھنے کا۔'' ربیک نے سوال کیا تو میں اس جگہ کا معائنہ کرنے لگا۔ فصیل کے ساتھ ساتھ باغ میں کچھ پودے تھے اور واحد درخت یہی تھا۔ اس کے بعد فصیل کے ساتھ گھاس کا تنکا بھی نہیں تھا اور دوسرے سرے تک مٹی کا میدان تھا۔ مجھے بھی سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ فصیل اوپر سے سپاٹ تھی اور اس میں کہیں رسّی باندھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ نہ ہی اس کے آس پاس ایسی جگہ تھی۔ دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف یقیناً جھاڑیاں تھیں اور ان میں رسّی باندھی جا سکتی تھی۔ اسی لیے ربیک دیوار کے پاس جانے کی بات کر رہا تھا۔ مگر دوسری طرف ہارن اور زہریلے پرندے جیسے دشمن موجود تھے۔ اگر جھاڑیاں تھیں تو ہارن کا خطرہ اتنا نہیں تھا مگر زہریلے پرندے کا خطرہ پوری طرح تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ''ہاں یہاں گنجائش نظر نہیں آ رہی ہے اور فصیل کے پار ہی جا کر باندھنا ہوگا۔''

''آپ مجھ سے متفق ہیں؟''

''ہاں لیکن دیوار کے پار تم نہیں میں جاؤں گا۔'' میں نے کہا تو اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ کا جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ آپ کا جسم ذرا وزنی ہے اور میں آپ کی نسبت تیزی سے رسّی چڑھ سکتا ہوں اور خطرہ ہوا تو میں تیزی سے ہی واپس بھی آ سکوں گا۔ اس لیے میں ہی جاؤں گا۔''

''میں بھی تیزی سے چڑھ سکتا ہوں۔''

''مجھ سے زیادہ تیز نہیں چڑھ سکتے۔'' ربیک نے اصرار کیا۔ ''آپ جانتے ہیں میں ان کاموں کا ماہر ہوں۔''

''ربیک اس میں خطرہ ہے۔''

''میں اس خطرے کا زیادہ بہتر سامنا کر سکتا ہوں۔'' ربیک نے کہا تو میں نے خود کو لاجواب محسوس کیا۔ اس دوران میں اندھیرا تیزی سے چھا رہا تھا اور ایسا سماں ہو رہا تھا جیسے سورج غروب ہونے کے دس منٹ بعد ہوتا ہے۔ میرے خیال میں یہ حرکت میں آنے کا وقت تھا۔ میں نے ربیک کے پاؤں میں رسی باندھی۔

''تم زمین پر رینگتے ہوئے جاؤ گے میں رسّی کھولتا رہوں گا۔ جب تک دیوار کے پاس پہنچ جاؤ تو رسّی کھینچنا جب تک یہ زمین سے اٹھنے نہ لگ جائے۔''

ربیک نے سر ہلایا اور چھپکلی کی طرح رینگتا ہوا فصیل کی طرف جانے لگا۔ اس طرف گھاس تھی اور پودے تھے اسے ان کی آڑ مل رہی تھی۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا میں رسّی کے بل کھولتا جا رہا تھا ایسا کرنا ضروری تھا ورنہ یہ آپس میں الجھ کر مشکل پیدا کر سکتی تھی۔ ابھی بنڈل کا کچھ حصہ باقی تھا کہ وہ دیوار تک پہنچ گیا اور اس نے درخت کی آڑ میں بیٹھتے ہوئے رسّی کھینچنا شروع کر دی۔ ذرا سی دیر میں اس نے رسّی اتنی کھینچ لی کہ اب وہ زمین پر تھی اور مزید کھینچنے پر ہوا میں معلق ہو جاتی۔ اب میں اسی طرح رینگتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ تاریکی اتنی ہو چکی تھی کہ دور کی چیز صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ ربیک نے کہا۔ ''اس سے پہلے کہ اندھیرا مکمل ہو ہمیں یہ کام کر لینا چاہیے۔''

رسّی اچھی خاصی تھی۔ میں نے اس کا چھوٹا ٹکڑا نکال دیا تب بھی اتنی تھی کہ کئی گز اضافی ہو رہی تھی۔ ربیک درخت پر تھا وہاں سے دیوار پر چڑھا مگر اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ لیٹا رہا تھا میں نے اس کی طرف رسّی اچھالی اور اسے مضبوطی سے پکڑ لیا ربیک آرام سے دوسری طرف اتر گیا۔ چند لمحے بعد رسّی کھنچنے لگی۔ ربیک نے کوئی ایسی جگہ تلاش کر لی تھی کہ جہاں رسّی کو مضبوطی سے باندھا جا سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے یا کسی کو فصیل پر ہونا چاہیے تھا کہ ربیک پر کوئی مشکل آئے تو ہم اس کی مدد کر سکیں۔ مگر اب تو وہ اتر چکا تھا۔ ایک منٹ سے پہلے اس نے رسّی کو پوری طرف کھینچ لیا تھا اور وہ درخت سے فصیل تک اس طرح تن گئی تھی کہ اس میں بہت معمولی سا لٹکاؤ نظر آ رہا تھا۔ ربیک نے رسّی باندھی اور پھر وہ اسی کے سہارے چڑھ کر اوپر آیا اور درخت کے سہارے نیچے اتر گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں نے اتنی مضبوطی سے باندھی ہے کہ یہ ٹوٹ سکتی ہے لیکن کھل نہیں سکتی تھی اور نہ ہی جھاڑی کا تنا ٹوٹ سکتا ہے۔''

تاریکی خاصی بڑھ چکی تھی اور سیاہ رسّی اسی وقت نظر آتی جب وہ بالکل پاس آ کر دیکھتا یا پھر تیز روشنی والی مشعل میں خاص طور سے اوپر دیکھتا تو اسے رسّی نظر آتی۔ میں اور ربیک واپس عمارت کی طرف آئے تو یہاں مشعلیں روشن ہو چکی تھیں۔ مگر معبد کے سامنے والے باغ میں تاریکی تھی اور ابھی تک اندر سے خادمائیں برآمد نہیں ہوئی تھیں جو مشعلیں جلاتیں۔ مارٹ اور ایرٹ دفتر والے کمرے میں تھے اور کھڑکی سے باہر جھانک رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مارٹ نے اطلاع دی۔ ''وہ باہر آ گئی ہیں۔''

یہ سنتے ہی میں بھی تیزی سے کھڑکی کے پاس آیا۔ خادماؤں کا ایک مشعل بردار ہجوم تھا جو باہر باغ اور روش پر کھمبوں سے لگی مشعلیں روشن کر رہا تھا۔ جس طرح وہ اجتماعی طور پر مشعلیں بجھا رہی تھیں اسی طرح انہوں نے ایک ساتھ مل کر مشعلوں کو جلانا شروع کر دیا۔ ان کی تعداد حسبِ معمول دو درجن کے لگ بھگ تھی اور اتنی عورتوں میں روبیر کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ہم سب دھڑکتے دل سے دیکھ رہے تھے۔ خادمائیں رفتہ رفتہ مشعلیں جلاتی ہوئی ہماری طرف والی عمارت کی طرف آنے لگیں اور میرا خیال تھا کہ روبیر ان سے اسی وقت الگ ہو کر ہماری طرف آئے گی مگر خادمائیں آئیں اور انہوں نے اس طرف کی ساری مشعلیں بھی جلا دیں مگر ان میں کوئی الگ نہیں ہوئی تھی اور پھر وہ مڑ کر معبد کی طرف جانے لگیں۔

''یہ کیا روبیر باہر نہیں آئی۔'' مارٹ نے کہا۔ اسی لمحے اندر سے ایک لکڑی سے بنی ہاتھ گاڑی نکلی جسے ایک پجاری چلا رہا تھا اور گاڑی پر سفید لبادہ اور اس پر جا بجا سرخ رنگ نمایاں تھا۔ لبادے میں نسوانی وجود بھی اتنی دور سے صاف نظر آ رہا تھا اور وہ وجود بالکل ساکت تھا۔ میں، مارٹ، ربیک اور ایرٹ دم بخود سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پجاری ہاتھ گاڑی چلاتا ہوا مخالف سمت میں قید خانے والی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ ربیک نے ڈوبتے لہجے میں ہمارے سوچوں کو زبان دی۔

''کیا یہ روبیر.....؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا اور مڑ کر ایرٹ کو دیکھنا چاہا مگر وہ کمرے میں نہیں تھا۔ ربیک جواب کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اس کے منہ سے نکلا۔ ''ایرٹ۔''

میں جھپٹ کر آیا تو ایرٹ مجھے باغ میں دکھائی دیا وہ معبد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اتنا آگے جا چکا تھا کہ ہم اسے آواز بھی نہیں دے سکتے۔ ابھی وہ باغ کے وسط میں تھا۔ اسی لمحے معبد سے چند افراد برآمد ہوئے اور ہماری طرف آنے لگے۔ ان میں کرنل اور باسونمایاں تھے۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حالات یک دم ہی سنگین ہو گئے تھے۔ روبیر معبد سے باہر نہیں آئی تھی۔ اس کی جگہ ہاتھ گاڑی پر ایک نسوانی لاش باہر آئی تھی۔ پھر ایرٹ حواس کھو کر باہر نکل گیا تھا۔ اب کرنل اور باسو کی صورت میں نئی آفت یہاں آ رہی تھی۔ مگر ہمارے پاس پریشان ہونے کا وقت بھی نہیں تھا۔ اس سے پہلے کرنل اور باسو یہاں آتے ہمیں حرکت میں آ جانا تھا۔ وہ روش سے ہوتے ہوئے عمارت کی طرف ہی آ رہے تھے۔ ہم نے نگران افسر نائرس کو ایسے موقع پر آگے کرنے کے تیار رکھا ہوا تھا۔ میں نے مارٹ سے کہا۔ ''اسے لاؤ اور سب تیار ہو جائیں۔ یہ طویل قامت آدمی کرنل جیمز اور اس کے ساتھ بڑی جسامت والا شخص باسو ہے۔ دونوں نہایت ہی خطرناک ہیں۔''

''میں لاتا ہوں جناب۔'' مارٹ روانہ ہو گیا۔

''وہ رک گیا ہے۔'' ربیک نے ایرٹ کے بارے میں اطلاع دی۔ ''ایک پودے کے پیچھے چھپ گیا ہے۔''

''میرے خدا۔'' میں نے سر پر ہاتھ مارا۔ ''یہ لڑکا اپنے حواس کھو بیٹھا ہے۔''

ربیک اور مارٹ نے نگرانوں والی وردیاں پہنی ہوئی تھیں۔ فوری طور پر نائرس کو قید خانے سے نکال کر دفتر میں لایا گیا۔ اس دوران میں، مَیں دیکھ رہا تھا کہ کرنل اور باسو کے ساتھ وہی چھوٹے قد کا گول مٹول پجاری تھا اور ایک نوجوان اور چھریرے جسم کا پجاری ان کے ساتھ تھا۔ ان کی آمد سے پہلے ہمیں یہاں سیٹ اَپ کر لینا تھا۔ نائرس کو لایا گیا اور ربیک اسے سمجھانے لگا کہ اسے اصل میں اپنی زندگی بچانی ہے اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ آنے والوں کو کسی قسم کا شک نہ ہو۔ نائرس اسے یقین دلا رہا تھا کہ وہ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا۔ اس پر ربیک نے اس سے کہا۔ ''غلط حرکت سے گریز ضروری ہے ساتھ ہی تمہیں کوشش کرنا ہوگی کہ وہ یہاں سے مطمئن ہو کر واپس جائیں۔''

میں حسبِ روایت واش روم میں چلا آیا۔ میرے ساتھ ایمار تھا اور ہم پوری طرح مسلح تھے۔ میں نے مارٹ اور ربیک کو مختصراً حکمتِ عملی بتائی کہ اگر بات کھل جائے تو کوشش کرنی ہے کہ ان میں سے کوئی زندہ واپس نہ جائے۔ اگر ہم انہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو ہمیں کچھ آتشیں ہتھیار مل جاتے اور اس کے بعد ہم معبد میں جانے اور ڈیوڈ شا کو ختم کرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ مگر یہ ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ صرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجبوری کے عالم میں ہی ہم ایسا کر سکتے تھے۔ کیونکہ اس میں رسک بہت زیادہ تھا۔ کرنل اور باسو دونوں بے حد خطرناک تھے اور اس کا امکان بہت کم تھا کہ ہم ان پر کامیابی سے قابو پا سکیں۔ ربیک نائرس کے کمرے میں اس کے سر پر سوار تھا اور مارٹ راہداری میں پہرہ دے رہا تھا۔

کیونکہ گول مٹول پجاری نے پہلے بھی انہیں شناخت نہیں کیا تھا اس لیے اب بھی امکان یہی تھا کہ وہ انہیں نگرانوں میں سے سمجھے گا۔ جب کہ اصل نگران اعلیٰ یعنی نائرس اس کے سامنے ہوگا۔ اس صورت میں شک کرنے کا جواز بہت کم رہ جاتا تھا۔ جب تک وہ لوگ آتے یہاں سیٹ اَپ تیار ہو چکا تھا۔ عمارت کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ باہر سے اسے بجایا گیا تو مارٹ نے دروازہ کھولا اور مؤدب ہو کر آنے والوں کو راستہ دیا۔ گول مٹول پجاری نے اندر آتے ہی پوچھا۔ ''نگران اعلیٰ کہاں ہے؟''

''دفتر میں۔'' مارٹ نے کم سے کم الفاظ میں جواب دیا۔ اس کا تلفظ اور لہجہ آرگون والوں سے کسی قدر مختلف تھا اس لیے اس کا کم بولنا ضروری تھا۔ ایمار اندر ایک لیٹرین میں تھا اور میں دوسرے لیٹرین کے دروازے کے پاس تھا۔ ایک لمحے کے نوٹس پر میں اندر جانے کے لیے تیار تھا۔ میں جہاں تھا وہاں سے راہداری کا تھوڑا سا منظر نظر آ رہا تھا۔ سب سے آگے گول مٹول پجاری تھا اس کے بعد کرنل جیمز، پھر باسو اور آخر میں نوجوان پجاری تھا۔ باسو ذرا آگے گیا اور اچانک رک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو میں یوں پلٹ کر اپنا پاجامہ درست کرنے لگا تھا جیسے ابھی لیٹرین سے نکلا ہوں۔ ہتھیار میں نے پہلے ہی اندر رکھ دیئے تھے اس لیے اب خالی ہاتھ تھا۔ واحد خطرہ یہ تھا کہ باسو ریناٹ کی مخصوص سیاہ کی وردی دیکھ کر چونک نہ جائے۔ میں اور ایمار بدستور اسی وردی میں تھے اور یہ ہمیں پکڑوا سکتی تھی۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ہمیں خادموں والے لباس میں آ جانا چاہیے تھا تاکہ کوئی ہماری طرف توجہ نہ دے۔ مجھے باسو کی نظریں اپنی پشت پر چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں پاجامہ درست کرتے ہوئے اس سمت بڑھ گیا جہاں منہ ہاتھ دھونے کا انتظام تھا۔ وہ جگہ باہر سے نظر نہیں آ رہی تھی کیونکہ یہاں سے راہداری نظر نہیں آ رہی تھی۔ میرے کان باہر آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر رکے رہنے کے بعد باسو کے بھاری قدموں کی چاپ آگے بڑھتی سنائی دی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ مگر میں اور ایمار یہاں سے نکل نہیں سکتے تھے جب تک یہ لوگ واپس نہیں چلے جاتے۔ ایمار نے جھانک کر کہا۔ ''اگر کوئی یہاں آ گیا تو ہم پکڑے جائیں گے۔''

میں نے اسے اشارے سے تسلی دی کہ ہم خود آنے والے کو پکڑ لیں گے۔ اس جگہ سے دفتر میں ہونے والی گفتگو سننا ممکن نہیں تھا اور راہداری میں جانے میں خطرہ تھا۔ ممکن ہے باسو باہر ہی ہو۔ ہم سیڑھیوں سے اوپری منزل تک بھی نہیں جا سکتے تھے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی راہداری سے گزرنا پڑتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے ایمار کی طرح لیٹرین میں روپوش ہو جانا چاہیے تھا۔ باسو میری جھلک دیکھ چکا تھا۔ اب اگر میں لیٹرین سے نہ نکلتا تو وہ سوچ سکتا تھا کہ میں اب تک یہاں کیا کر رہا ہوں۔ باسو میں شاید عام انسانی عقل کم تھی مگر اس میں جانوروں جیسی چھٹی حس ضرور تھی جو خطرہ بھانپ لیتی ہے۔ میں نے لیٹرین میں آنے کے بعد اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ اب جو ہونا تھا ہمیں اس کا مقابلہ کرنا تھا۔ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنا بیکار تھا۔

کرنل اور دوسروں کو آئے ہوئے دس منٹ ہو چکے تھے اور اب تک ان کی واپسی کا ارادہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر چہ ان لوگوں کی آمد پریشان کن تھی مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ کسی خاص وجہ سے نہیں آئے تھے شاید یہاں کا معائنہ کرنے آئے تھے کہ سب معمول کے مطابق ہی ہے۔ اچانک ہی واش روم کے پاس قدموں کی ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ انداز ایسا تھا جیسے کوئی قدم دبا کر چل رہا تھا۔ مگر بھاری جسامت کی بنا پر اپنی آہٹ دبانے میں ناکام رہا ہو۔ پھر بھاری سانسوں کی آواز آئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ باسو یہاں آیا ہے۔ سانسوں کی آواز ذرا دور سے آرہی تھی۔ پھر وہ بتدریج نزدیک آنے لگی۔ یہاں لائن سے پانچ لیٹرین تھے میں دوسرے لیٹرین میں تھا اور ایمار آخری لیٹرین میں۔ پہلا خالی تھا مگر باسو آکر دوسرے لیٹرین کے سامنے رکا۔

میں نے تیر کمان اٹھا رکھا تھا مگر پھر اسے رکھ کر میں نے سنگی چاقو نکال لیے۔ ان کے استعمال کے لیے مجھے باسو کے نزدیک جانا پڑتا مگر یہ تیر کے مقابلے میں زیادہ مہلک تھے بہ شرط کہ صحیح جگہ اور پوری قوت سے وار کیا جاتا۔ میں نے دایاں ہاتھ پشت پر کر لیا اور بایاں ہاتھ سامنے رکھا۔ میں گھٹنے موڑ کر جھکا جیسے ریس لگانے والے دوڑنے سے پہلے جھکتے ہیں۔ باسو جیسے ہی دروازہ کھولنے کا آغاز کرتا میں حملے کے لیے تیار تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر اسے مہلت مل گئی تو خود میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لیے یہ ابھی یا کبھی نہیں والا معاملہ تھا۔ میں نے سانس بھی روک لی تھی۔ میری نظر دروازے پر مرکوز تھی۔ یہ زمین سے اوپر کوئی سات فٹ تک کا پٹ تھا جو ڈھائی فٹ چوڑا تھا۔ یعنی اس کے اوپر اور نیچے سے اندر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ باسو دروازے کے سامنے آکر رک گیا۔

میں سوچ رہا تھا کہ وہ اندر کیوں نہیں آرہا ہے۔ اچانک ہی قدموں کی چاپ دروازے سے ہٹی اور باسو برابر والے لیٹرین میں داخل ہوا۔ وہاں سے آنے والی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اندر کوئی موجود ہے۔ میرا تنا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا مگر میں ہوشیار ہی رہا تھا۔ یہ کسی قسم کا دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا نا کہ باسو جانوروں جیسی حس رکھتا تھا اور اس نے بھانپ لیا کہ اس وقت اندر آنا اس کے لیے ٹھیک نہیں تھا اس لیے وہ برابر والے لیٹرین میں داخل ہو گیا اور اب اس وقت مجھے دبوچتا جب میں اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتا۔ مگر ایسا ہوا نہیں، کچھ دیر بعد برابر سے آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ پھر وہ باہر نکلا اور واش بیسن والے حصے میں ہاتھ دھونے لگا۔ میں ایک بار پھر چوکنا ہوا تھا۔

اس بار بھی کچھ نہیں ہوا اور وہ ہاتھ دھو کر لیٹرین سے رخصت ہو گیا اور اس کے بھاری قدموں کی چاپ اب نمایاں تھی یعنی وہ قدم دبا کر نہیں چل رہا تھا۔ اس کا یہ طرز عمل میرے لیے غیر متوقع تھا۔ پہلے وہ یوں آیا جیسے اسے شک ہو اور بنا کسی وجہ کے اچانک اس کا شک رفع ہو گیا اور وہ خود یہاں سے دفع ہو گیا تھا۔ سچی بات ہے اس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ باسو پلانر نہیں تھا اسے شک تھا تو وہ اسی وقت اسے دور کرتا۔ اسی لمحے کرنل اور دوسرے لوگ بھی اندر سے برآمد ہوئے۔ ان کے ساتھ شاید نائرس بھی تھا کیونکہ پجاری اسے کہہ رہا تھا کہ اسے دی گئی ہدایات پر پوری طرح عمل کرنا تھا۔ کسی قسم کی خلاف ورزی کی صورت میں سزا اسے ملے گی۔ پھر یہ ٹولہ عمارت سے باہر نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی ہم راہداری میں نکل آئے۔ مارٹ دروازہ بند کر رہا تھا اور نائرس سفید چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ ربیک بھی آگیا۔ اس نے کہا۔ ''ایرٹ اسی جگہ چھپا ہوا ہے۔''

''میں اسے لینے جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ لوگ کیوں آئے تھے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بتانے کہ اب کوئی عمارت سے باہر نہ نکلے جو نکلے گا وہ اپنی موت کا خود ذمے دار ہوگا۔'' ربیک نے کہا۔ ''کرنل پجاری کی مدد سے یہاں کے بارے میں سوالات کر رہا تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ یہاں سے کوئی فرار تو نہیں ہوا ہے۔ نارس نے اسے یقین دلایا کہ تمام قیدی موجود ہیں۔ آخر لمحے تک اس کے چہرے پر شک رہا تھا۔''

روبیر کا خیال مجھے رہ رہ کر آ رہا تھا۔ مگر ربیک نے میرے اندر موجود خدشات کو مزید بڑھا دیا تھا اور مجھے لگا کہ ان لوگوں کی آمد یقیناً روبیر کی وجہ سے تھی۔ وہ پکڑی گئی اور اس پر تشدد کیا گیا تو وہ مر گئی مگر شاید اس نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔ وہ یہیں قید تھی اس لیے کرنل خود یہاں تفتیش کے لیے آیا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے قیدیوں کو دیکھنے پر اصرار نہیں کیا۔ وہ آسانی سے مطمئن ہونے والا آدمی نہیں ہے۔ میں نے ربیک سے کہا۔ ''وہ ایسا ہی شخص ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک بڑی جسامت والا ہے۔ وہ لیٹرین میں اندر بھی آیا تھا۔ میں سمجھا کہ ہمارے چکر میں آیا۔ کیونکہ اس نے راہداری سے گزرتے ہوئے میری جھلک دیکھ لی تھی۔ مگر وہ صرف پانی بہا کر چلا گیا۔ ہم سے غلطی ہوئی ہمیں رینالٹ کی خاص سپاہ کی وردی اتار دینی چاہیے تھی کیونکہ یہاں ایسی وردی کوئی نہیں پہنتا ہے۔''

ایمار اور میں نے اس کمرے کا رخ کرتے ہوئے کہا جہاں لباس رکھے تھے اور وہاں سے خادموں والا ایک لباس نکال کر وردی کے اوپر ہی پہن لیے۔ میں باہر آیا تو ربیک مضطرب تھا۔ ''آپ کا اس وقت باہر جانا مناسب نہیں ہے جب کہ وہ حکم دے کر گیا ہے۔''

''فکر مت کرو تم جانتے ہو میں اندھا قدم اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔ مجھ پر صرف ایک فرد نہیں بلکہ ایک بہت بڑے نظام کی ذمے داری ہے۔ اس وقت بھی میں صرف ایرٹ کے لیے اسی ذمے داری کی وجہ سے باہر جا رہا ہوں۔''

مارٹ نے دفتر میں کھڑکی پر پوزیشن سنبھال لی تھی اور جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ کرنل اینڈ پارٹی واپس معبد میں جا چکی تھی اور ایرٹ جہاں تھا وہیں دبکا ہوا تھا۔ میں کھڑکی سے باہر آیا اور عمارت کے سامنے کے باغ والے پہلو میں آیا۔ یہاں سے مجھے ایرٹ نظر آ رہا تھا۔ وہ جھکا ہوا ایک پودے کے عقب میں تھا اور اس نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا کہ وہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید جذبات کی جس رو میں آ کر وہ باہر نکل گیا تھا وہ یہاں تک آتے آتے ختم ہو گئی تھی اور اب وہ سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے عمارت کی آڑ سے بازو لہرانے شروع کیے۔ ایرٹ میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ مگر میں رکا نہیں اور اس وقت تک لہراتا رہا جب تک اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھ نہیں لیا۔ اس نے جوابی ہاتھ لہرا کر مجھے اشارہ کیا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے۔

میں نے اپنا اوپری لباس اتار کر اسے سمجھایا کہ وہ بھی سفید کرتہ اتار دے۔ چند اشاروں کے بعد وہ سمجھ گیا اور اس نے لباس اتارنا شروع کر دیا۔ سفید کرتے تلے اس نے سرمئی پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ کرتے کا اس نے گولا بنا کر اپنے پاجامہ میں اڑس لیا۔ اب میں نے اسے سمجھایا کہ وہ گھاس پر رینگتا ہوا پودوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے قید خانے کی عمارت کی طرف جائے۔ وہ باغ میں خاصا آگے جا چکا تھا اور اس کا مقصد شاید قید خانے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عمارت کی طرف جانا تھا جہاں ہاتھ گاڑی پر لاش لے جائی گئی تھی۔ میں نے بتایا کہ میں معبد کے پیچھے سے گھوم کر اس کی طرف آ رہا ہوں۔ ایرٹ نے میری بات سمجھ لی اور آگے کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ جب وہ کسی قدر آگے نکل گیا تو میں نے عمارت کے دوسرے پہلو کا رخ کیا اور کھڑکی کے پاس سے گزرتے ہوئے ربیک سے کہا۔

''میں اور ایرٹ قید خانے کی عمارت کی طرف جا رہے ہیں۔''

ربیک نے سوال نہیں کیا مگر وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس طرف کیوں جا رہا ہوں۔ رسّی بندھے درخت کے پاس آ کر میں نے تیزی سے روش عبور کی اور اہرام نما معبد کے عقب میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا اور میں اہرام کی کوئی سات فٹ اونچی دیوار کے ساتھ تیزی سے دوڑتا ہوا دوسرے کنارے پہنچا اور جھانک کر دیکھا۔ اس طرف روشنی تھی مگر ایرٹ نظر نہیں آیا تھا۔ میں پھر آگے بڑھا اور اس بار رفتار ذرا سُست رکھی۔ ایک منٹ بعد میں نے احتیاط سے جھانک کر معبد کے اگلے حصے میں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ باغ میں ایرٹ نظر نہیں آ رہا تھا اور اس کا نہ نظر آنا ہی بہتر تھا۔ قید خانے کی عمارت باغ سے ذرا فاصلے پر معبد کے اس کونے سے کوئی سو فٹ کے فاصلے پر تھی۔ یہ ایک منزلہ عمارت اصل میں تین منزلہ تھی اور اس کی دو منزلیں زمین کے نیچے تھیں۔ جس کے بعد بڑا کنواں تھا اور اس میں ہارن تھا۔ مجھے وہ پجاری نظر نہیں آیا تھا جو ہاتھ گاڑی چلا رہا تھا۔ کیا وہ قید خانے کی عمارت کے اندر ہی تھا۔

مجھے یاد آیا کہ اس جگہ صرف ہارن ہی نہیں بلکہ اسمار بھی موجود تھے جن کے آگے معبد کے مجرموں کو ڈالا جاتا تھا۔ پتا نہیں وہ اسمار تھے یا نہیں؟ لیکن وہ تھے تو امکان تھا کہ لاش کو ان کے آگے ڈال دیا جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی میں مضطرب ہو گیا۔ پہلے میں سوچ رہا تھا کہ وہ باہر آئے تو میں اندر جاؤں مگر اس خیال نے مجھے حرکت میں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر معبد کے سامنے والے حصے کی طرف دیکھا اور جھک کر تیزی سے روش کراس کی۔ دوسری طرف آتے ہی میں نے اب باغ کے ساتھ چلتی روش کے کنارے اُگی باڑھ کے پیچھے پناہ لی۔ قید خانے کی عمارت کے سامنے بڑے درخت اور باڑ اس طرح لگائی گئی تھی کہ باغ میں چہلیں کرنے والے پجاریوں کو یہ بدصورت عمارت نظر نہ آئے۔ اس وجہ سے امکان تھا کہ یہ معبد سے بھی نظر نہیں آتی ہو گی۔ کم سے کم اس کا داخلی دروازہ یقیناً نظروں سے اوجھل تھا۔

باڑ میں کہیں کہیں خلا تھا۔ میں باڑ کی آڑ میں جھک کر قید خانے کی عمارت کے دروازے تک پہنچا۔ اس کا بڑا سا دو پٹ والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا کہ یہ جگہ معبد سے نظر نہیں آ رہی تھی اور کوئی فرد اسی وقت قید خانے کا دروازہ دیکھ سکتا تھا جب وہ معبد کی چوٹی پر چڑھ جائے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو باڑ کے خلا سے ایرٹ مجھے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے ساتھ رینگتا ہوا نظر آیا۔ اب وہ پوری احتیاط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میں نے اشارے سے اس شاباشی دی اور اندر گھس گیا۔ عمارت میں اندر تاریکی تھی اور میری آنکھوں کو مانوس ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔ پھر میں آگے بڑھا۔ یہ گزرگاہ تھی جس کے دونوں طرف بڑے بڑے کمرے تھے اور ان میں مختلف قسم کا سامان بھرا ہوا تھا۔ ذرا آگے گیا تو ایک سلوپ مجھے نیچے جاتا نظر آیا۔ نیچے مشعلوں کی روشنی تھی اور بدبو بتا رہی تھی کہ یہاں سے قید خانے کا آغاز ہو رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں دبے قدموں نیچے کی طرف بڑھا۔ پجاری اور ہاتھ گاڑی اوپر نظر نہیں آئی تھی۔ نیچے آتے ہی مجھے پجاری نظر آ گیا۔ وہ ہاتھ گاڑی کے دوسری طرف زمین پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی توجہ میری طرف نہیں تھی۔ میں اس سے فائدہ اٹھا کر برق رفتاری سے اس کے سر پر پہنچا اور جب میں ہاتھ گاڑی کے دوسری طرف پہنچا تو یہ دیکھ کر میرا خون کھول گیا تھا کہ وہ لاش کو بے لباس کر کے شاید اسے بے آبرو کرنے کی فکر میں تھا۔ میرے ہاتھ نے اس کا گلا بند کر دیا۔ وہ کمزور آدمی نہیں تھا۔ مگر تن آسانی اور عیاشی نے اسے ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ مزاحمت نہ کر سکا۔ بس پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

میں نے گلا تو مارنے کی نیت سے دبوچا تھا مگر پھر ایک خیال نے مجھے روک لیا اور میں نے صرف بے ہوش کرنے پر اکتفا کیا۔ جب وہ ڈھیلا ہوا تو اسے نیچے ڈال کر میں نے لاش کا جائزہ لیا۔ اس پر پڑنے والی پہلی نظر میں مجھے پتا چل گیا تھا کہ وہ روبیر نہیں ہے۔ یہ شاید سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی تھی اور حسبِ روایت نہایت حسین تھی۔ اگرچہ اس کے رخسار پر نیل اور جسم پر زخموں کے نشانات تھے اس کے باوجود اس کی خوب صورتی عیاں تھی۔ اس کے پیٹ پر گھاؤ کا نشان تھا جس سے ابھی بھی ہلکا سا خون رِس رہا تھا اور شاید یہی اس کی موت کی وجہ بنا تھا۔ میں نے اس کا اترا ہوا لبادہ اس کے جسم پر ڈالتے ہوئے سوچا کہ اسے نہ جانے کس بات کی سزا ملی تھی۔ اسی لمحے اوپر سے آہٹ سنائی دی اور پھر ایرٹ کی آواز آئی۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

''نیچے چلے آؤ۔'' میں نے کہا۔ ''ایک اچھی خبر ہے۔''

اچھی خبر کا سن کر ایرٹ جیسے اڑتا ہوا آیا تھا۔ اس نے آتے ہی بے ہوش پجاری اور خالی ہاتھ گاڑی کو دیکھا اور بولا۔ ''روبیر کہاں ہے؟''

''لاش روبیر کی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بے چاری خادماؤں میں سے ایک ہے۔''

اسی لمحے نسوانی کراہ نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ میں مڑا تو خلافِ توقع لڑکی کو ہلتے پایا۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ میں نے اس کی نبض اور دل کی دھڑکن چیک کیے بغیر اسے مُردہ سمجھ لیا تھا۔ وہ زندہ تھی مگر بظاہر مُردہ نظر آ رہی تھی۔ میں اس کی طرف جھکا اور پلٹ کر ایرٹ سے کہا۔ ''یہ زندہ ہے..... یہاں پانی تلاش کرو۔''

قید خانے میں کوئی قیدی نہیں تھا مگر ان کے لیے یہاں پانی کا ایک بڑا سا ٹب رکھا ہوا تھا جس میں نہ جانے کب سے پانی پڑا ہوا تھا۔ مگر دیکھنے میں صاف ہی لگ رہا تھا۔ ایرٹ ایک مٹی کے کٹورے میں پانی لے آیا اور میں نے اس سے لے کر لڑکی کے ہونٹوں پر ذرا ذرا ٹپکانا شروع کیا۔ اس کا فوری ردِعمل ہوا اور اس نے بے تابی سے منہ کھول دیا۔ پانی منہ میں اور حلق میں گیا تو اسے جلد ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھ کر وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگی تھی۔ ایرٹ نے اسے تسلی دی۔ ''ڈرو نہیں ہم سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے ہم پجاری یا معبد سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔''

جلد لڑکی کے خوف پر اس کی تکلیف غالب آ گئی اور وہ کراہنے لگی تھی۔ میں نے ایرٹ کی مدد سے کہا۔ ''ہم تمہیں لباس پہنا رہے ہیں۔ تمہیں کچھ تکلیف برداشت کرنے ہوگی۔''

لباس اور بے لباسی اس کے لیے خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی کیونکہ وہ معبد کی داسی تھی اور نہ جانے کتنی بے لباس راتیں گزار چکی تھی مگر تکلیف کا سن کر اس کا سفید چہرہ مزید سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے سر ہلایا تو میں نے اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایرٹ کی مدد سے اس کا کرتہ لڑکی کو پہنایا۔ یہ مجبوری تھی کیونکہ یہاں اور کوئی لباس نہیں تھا۔ اسے تکلیف ہوئی تھی کیونکہ وہ رونے کے انداز میں کراہنے لگی تھی۔ میں نے لڑکی کے خون آلود لبادے کی پٹیاں پھاڑ کر پہلے اس کے پیٹ کے زخم پر گدی رکھ کر اوپر سے پٹی کی۔ دوسرا بڑا زخم اس کی ران پر تھا اور اس سے خون بہنا بند ہو گیا تھا۔ مرہم پٹی سے فارغ ہو کر اسے مزید پانی دیا تو وہ اس قابل ہو گئی کہ سہارا لے کر چل سکتی تھی۔ ایرٹ نے پوچھا تو میں نے کہا۔ ''یہ ہمارے ساتھ جائے گی اور اس سے ہمیں معبد کے اندر کی معلومات حاصل ہوں گی۔''

''لیکن روبیر.....''

''اس کے بارے میں بھی اسی سے معلوم ہو گا۔'' میں نے کہتے ہوئے پجاری کی طرف دیکھا۔ ''اس کا کچھ کرنا ہو گا۔''

ایرٹ نے کہا۔ ''اگر یہ واپس نہ گیا تو جلد کوئی نہ کوئی اس کی تلاش میں آئے گا اور یہ زندہ ملا تو ہمارا راز فاش ہو جائے گا۔''

''اس لیے ضروری ہے کہ یہ زندہ نہ رہے۔ یہ اس قابل بھی نہیں ہے جب میں یہاں آیا تو یہ اس لڑکی کو بے آبرو کرنے جا رہا تھا۔''

''لیکن اس کی موت ایسی ہو کہ ہماری طرف نشاندہی نہ ہو اور لڑکی کی گم شدگی کی طرف دھیان بھی نہ جائے۔''

''اس کے لیے پہلے اس سے پوچھ گچھ کرنا ہو گی۔'' میں نے کہا اور پیالے میں پانی بھر کر بے ہوش پجاری کے منہ پر ڈال دیا۔ ٹھنڈے پانی نے اسے جھنجھوڑ دیا اور وہ کسمسانے لگا۔ میں نے اس کے گھٹنے پر چند ٹھوکریں ماریں تو وہ تکلیف سے بلبلا کر ہوش میں آ گیا۔ اس نے اس بار واضح الفاظ میں فریاد کی۔

''مجھے نہ مارو۔''

''زندہ رہنا چاہتے ہو تو کھڑے ہو جاؤ اور جو پوچھا جائے اس کا جواب دو۔'' ایرٹ نے غرا کر کہا۔ ''دوسری صورت میں تمہیں ہارن والے کنویں میں پھینک دیا جائے گا جہاں معبد کے مجرموں کو پھینکا جاتا ہے۔''

یہ سن کر اس کے ہوش اڑ گئے تھے اور اس نے گڑگڑا کر یقین دلایا کہ وہ سب بتائے گا۔ ایرٹ نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اسے یہاں کیوں لائے تھے؟''

''اسے قید خانے میں ڈالنا تھا۔'' پجاری نے کہا تو لڑکی بے ساختہ بولی۔

''جھوٹ کہتا ہے اسے حکم تھا کہ مجھے اسمار کے سامنے ڈال دیا جائے۔''

''کیوں؟'' اس بار ایرٹ نے لڑکی سے ہی پوچھا۔

''میں نے ایک لڑکی کی مدد کی تھی۔ اس نے خادماؤں والا لباس پہنا تھا مگر وہ معبد کی خادماؤں میں سے نہیں تھی۔ کسی کو اس پر شک ہوا تھا اور وہ چھپتی پھر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ اسے پکڑا جاتا وہ غائب ہو گئی۔ وہ میرے پاس آئی تھی اور میں نے اسے فرار ہونے میں مدد دی۔ پتا نہیں کیسے پجاریوں کو مجھ پر شک ہو گیا اور انہوں نے مجھے مارا۔ ایک نے میرے پیٹ میں نیزہ مارا تھا۔ جب میں درد سے تڑپ رہی تھی تو آئی کون نے مجھے اسمار کے آگے ڈالنے کا حکم دیا پھر میں بے ہوش ہو گئی۔'' لڑکی نے تفصیل سے بتایا تھا۔ ایرٹ نے تڑپ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھا۔

''اس کا نام روبیر ہے؟''

لڑکی کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی تھی۔ ''تم کیسے جانتے ہو؟''

''تم نے اسے کہاں نکالا؟''

''میں نہیں جانتی میں اسے معبد کی نچلی منزل تک لائی تھی اس کے بعد وہ خود کہیں گئی تھی۔''

گویا کرنل کی آمد اس وجہ سے تھی اور کیونکہ اسے علم نہیں تھا کہ کوئی لڑکی یا عورت یہاں سے فرار ہوئی ہے اس لیے اس نے قیدیوں کو دیکھنے پر اصرار نہیں کیا۔ وہ نارس کی وضاحت سے مطمئن ہو کر چلا گیا تھا۔ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ پجاری آسانی سے منہ کھولنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی گدی پکڑی اور اسے کھینچتا ہوا تہہ خانے کے دوسرے لیول تک لایا جہاں ہارن کا کنواں تھا اور اس میں ہارن موجود تھا۔ انسانوں کی موجودگی محسوس کرتے ہی اس نے بھیانک سی آواز نکالی تھی میں نے پجاری کو کنویں میں لٹکایا تو اس نے چیخ ماری تھی یہ سمجھ کر کہ میں اسے نیچے پھینک رہا ہوں۔ مگر میں نے اسے الٹا لٹکا دیا تھا اور اس کی ٹانگ پکڑ لی تھی۔ ایرٹ میرے ساتھ آیا کیونکہ وہی پجاری سے سوال جواب کر سکتا تھا۔ اس نے پہلا سوال روبیر کے بارے میں کیا۔ ''وہ کون ہے جسے بھگانے کی پاداش میں اس خادمہ کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔''

''میں نہیں..... جانتا۔'' اس نے ناک کے بل روتے ہوئے کہا۔ ''اس لڑکی کی ایک جھلک شاہین نے دیکھی تھی۔''

''شاہین کون ہے؟'' ایرٹ نے انجان بن کر پوچھا۔

''وہ سپاہی ہے لیکن اس وقت مہا پجاری کے سب سے نزدیک وہی ہے۔ اسی نے زونیرا کو نیزہ مار زخمی کیا تھا۔''

خادمہ کا نام زونیرا تھا۔ میں نے کہا۔ ''اس سے پوچھو۔ اندر کتنے لوگ ہیں اور ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی کہاں مقیم ہیں؟''

ایرٹ نے میرا سوال آگے کیا تو اس نے جلدی سے کہا۔ ''اندر اب دو درجن خادماؤں اور ایک درجن پجاریوں کے علاوہ وہی چار مقدس ہیں۔''

''وہ کیسے مقدس ہو گئے؟''

''پتا نہیں مہا پجاری نے انہیں مقدس قرار دیا ہے۔'' پجاری نے کہا۔ اب وہ فر فر بول رہا تھا۔ ''وہ معبد کی آخری منزل پر ہیں جہاں سینتور کا معبد بھی ہے۔''

''معبد کی کتنی منزلیں ہیں؟''

''معبد کی تین بڑی منزلیں ہیں اور نیچے کی طرف بھی دو منزلیں ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا۔

''معبد کا خفیہ راستہ جو وادی کے اوپر جانے والے راستے کے پاس کھلتا ہے وہ معبد میں کہاں ہے؟''

''میں چھوٹے درجے کا پجاری ہوں۔ اس کے بارے میں صرف مہا پجاری اور اس کے چند ساتھی جانتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سامنے والے دروازے کے علاوہ معبد کے اندر جانے کا کوئی راستہ ہے؟''

اس بار وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچایا پھر اس نے کہا۔''ایک راستہ اور ہے جو معبد کے اوپری حصے میں باہر نکلتا ہے لیکن یقین کرو میں نہیں جانتا کہ وہ راستہ کہاں ہے؟''

یہ انکشاف تھا کہ معبد کا ایک خفیہ راستہ اور بھی ہے جو اس کے اوپری حصے میں باہر کی طرف نکلتا ہے۔ ڈیوڈ شا کے بارے میں اس نے مزید بتایا کہ وہ سینتور والے حصے میں ہے اور وہاں سوائے آئی کون، شامین اور چند مقرب پجاریوں کے کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ معبد کی معمول کی سرگرمیاں بھی بند تھیں اور تمام فیصلے ڈیوڈ شا کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں طاقت تھی اور آئی کون سمیت تمام ہی لوگ جو معبد میں تھے۔ اس وقت اس کے غلام تھے۔ جب میں نے محسوس کیا کہ اب اس سے کوئی بات معلوم نہیں کی جا سکتی ہے تو میں نے ایرٹ سے کہا۔ ''اس کا انجام سوچ لیا ہے۔ ہم کسی طرح یہاں موجود اساروں کو آزاد کرا کے باہر نکل جائیں گے۔ اسار اس کا کام تمام کر دیں گے اور اگر کوئی دیکھنے آیا تو یہی معلوم ہوگا کہ کسی وجہ سے اسار آزاد ہو گئے اور پجاری کو مار کر کھا گئے۔''

''زونیرا؟''

میں نے غور کیا اور کہا۔''اس کا خون آلود لبادہ پھاڑ کر یہیں پھینک جائیں گے اور ایسا لگے گا کہ اساروں نے اسے بھی کھا لیا ہے۔'' میں نے جواب دیا تو ایرٹ مطمئن نظر آنے لگا۔ ہم پجاری کو لے کر اوپر آئے۔ اسے علم نہیں تھا کہ میں نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ مگر شاید اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا کہ اس کی موت کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ وہ رونے گڑگڑانے لگا کہ اسے بخش دیا جائے۔ اوپر آتے ہی میں نے اس کی کنپٹی پر گھونسہ مارا اور یہ ایک ضرب ہی اس کے لیے کافی ثابت ہوئی۔ وہ بے ہوش کر گرا اور ہاتھ گاڑی پر بیٹھی ہوئی زونیرا سہم گئی تھی۔ میں نے ایرٹ کو اس کے پاس چھوڑا اور خود اساروں کی تلاش کی۔ جلد میں نے ایک تاریک کوٹھری میں انہیں پالیا۔ اس کے اوپری حصے میں گول کنوؤں نما سوراخ تھا جس سے معتوب کو اندر پھینکا جاتا تھا۔

اساروں کو اندر پہنچانے کے لیے اس کی جڑ کے ساتھ ایک چھوٹا سا لیکن نہایت مضبوط لکڑی کا دروازہ تھا۔ میری موجودگی محسوس کر کے وہ غرانے لگے تھے۔ میں نے مشعل کی روشنی میں دروازے کا جائزہ لیا۔ یہ دو بائی ڈھائی فٹ کا تھا۔ اسے دو عدد مضبوط ترین بلیوں کی مدد سے بند کیا گیا۔ اساروں کی کوٹھری تہہ خانے میں تھی اور یہاں سے باہر کے دروازے تک طویل فاصلہ تھا۔ اگر دروازہ کھول دیا جاتا اور اسار فوراً باہر آ جاتے تو کھولنے والے کے لیے عمارت سے نکلنا آسان نہ ہوتا۔ امکان یہی تھا کہ اسار راستے میں آ لیتے۔ میں نے کوٹھری اور آس پاس کا جائزہ لیا اور ایک ترکیب میری سمجھ میں آ گئی۔ کوٹھری کے اوپری حصے میں لکڑی کی کھونٹی لگی تھی۔ میں واپس آیا اور گودام سے رسّی تلاش کی جو آسانی سے مل گئی۔ پھر میں نے ایرٹ سے کہا۔''زونیرا کو لے کر باہر نکل جاؤ اور میرے آنے کا انتظار کرو جیسے ہی میں نکلوں دروازہ بند کر دینا کیونکہ اندر اسار آزاد ہو چکے ہوں گے۔''

ایرٹ فکرمند ہو گیا۔''اس میں خطرہ ہے، ہم پجاری کو ایسے ہی چھوڑ دیتے۔''

''نہیں منصوبے پر عمل کرنا لازمی ہے ورنہ ڈیوڈ شا ہوشیار ہو سکتا ہے۔ وہ پہلے ہی روبیر کے بارے میں جان کر چوکنا ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اندر آیا اسماروں کی کوٹھری کے دروازے کی ایک بلی نکال دی۔ پھر بہت احتیاط سے دوسری بلی بھی نکالی۔ اب دروازہ کھل گیا تھا اور صرف دھکا دینے کی دیر تھی۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی کوئی اسمار دھکا نہ دے ورنہ وہ فوری آزاد ہو جائیں گے۔ رسّی کو دروازے کے ہینڈل کے گرد گھمایا مگر گرہ لگانے سے گریز کی۔ پجاری کو پہلے ہی گھسیٹ کر نیچے لے آیا تھا۔ اسے کوٹھری سے ذرا فاصلے پر ڈال دیا۔ باہر نکلتے ہی اسماروں کو وہ مل جاتا تو امکان تھا کہ وہ باہر کی طرف ذرا دیر سے متوجہ ہوں گے اور مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے گا۔ زونیرا کا لبادہ پھاڑ کر وہیں پھینک دیا۔ میں سیڑھیوں سے اوپر والی منزل تک آیا اور یہاں آ کر رسّی کو پوری قوت سے کھینچا۔ دروازہ کھلنے اور دیوار سے ٹکرانے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا تھا۔ بھاگنے کے ساتھ میں رسّی بھی کھینچے لیے جا رہا تھا۔

پہلی منزل پر آتے ہی میں نے چلا کر ایرٹ کو خبردار کیا۔ مجھے نچلی منزل سے بھیانک غراہٹ سنائی دی تھی۔ اسمار نکل آئے تھے اور شاید اوپر بھی آ رہے تھے۔ ایرٹ تیار تھا میرے باہر آتے ہی اس نے پھرتی سے دروازہ بند کیا اور باہر سے اس کی کنڈیاں لگانے لگا۔ اس کی کئی کنڈیاں تھیں جو لگ جانے کے بعد اندر سے اسے کھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جیسے ہی آخری کنڈی لگی اندر سے کوئی دروازے سے ٹکرایا اور غراہٹ کی آواز آئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ کوٹھری میں کم سے کم تین سے چار اسمار تھے اور اب وہ آزاد ہو چکے تھے۔ ان کی موجودگی میں اندر جانا بھی آسان نہیں تھا اور کوئی بے خیالی میں آ کر دروازہ کھول دیتا تو یہ باہر بھی آ سکتے تھے۔ پجاری کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ اب تک لقمہ اجل بن گیا ہوگا۔ رسّی میں نے ایک جگہ چھوڑ دی تھی اور اب اس کی طرف کسی کا بھاگنا مشکل سے جاتا کہ رسّی وہاں کیوں پڑی تھی۔ ہاں میں اسے نیچے چھوڑ دیتا تو شک کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ایرٹ سے کہا۔ ''تم اسے سہارا دو میں آس پاس نظر رکھوں گا۔''

ایرٹ نے زونیرا کو سہارا دیا۔ اس کے پیٹ کے زخم کی وجہ سے اسے اٹھانا مشکل تھا گود میں لیا جا سکتا تھا مگر اس سے ایرٹ کو مشکل ہو سکتی تھی۔ بہرحال چند قدم چل کر اس کے قدم لڑکھڑانے لگے اور سارا بوجھ ایرٹ پر آیا تو اس نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ میں آگے تھا۔ پہلے میں نے جھانک کر معبد کے سامنے والے حصے کا معائنہ کیا اور پھر ایرٹ کو اشارہ کیا۔ اس نے تیز قدموں سے روش پار کی اور معبد کی آڑ میں آ گیا۔ اس کے بعد میں آیا اور ہم روانہ ہو گئے۔ میرے خیال کے برعکس زونیرا کو اٹھانا ایرٹ کے لیے مسئلہ ثابت نہیں ہوا۔ ایک تو وہ چھریرے جسم کی مالک تھی اور دوسرے سنا ہے کہ حسین خواتین کا وزن نہیں ہوتا ہے یا ہوتا ہے تو محسوس نہیں ہوتا۔ شاید اسی لیے ایرٹ اسے اٹھائے بے تکان عمارت تک پہنچ گیا۔ ربیک وہیں موجود تھا اور ایک عدد لڑکی کو پا کر اس نے جلدی سے کہا۔ ''روبیر؟''

''نہیں یہ معبد کی خادمہ ہے۔'' میں نے کہا اور اندر کود کر ایرٹ سے زونیرا کو احتیاط سے وصول کیا۔ ''یہ زخمی ہے اور اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔''

''اسے لٹائیں میں آتا ہوں۔'' ربیک نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ایرٹ نے اندر آ کر کھڑکی بند کر دی تھی۔ میں نے زونیرا کو وہیں پڑے کھال کے نمدے پر لٹا دیا۔ ربیک چند منٹ بعد اپنا دواؤں والا تھیلا لے آیا جو اسے سامیرا نے دیا تھا اور اس نے یہاں بھی ساتھ رکھا تھا۔ زونیرا کا زخم دیکھنے کے لیے کرتہ اوپر کرنا ضروری تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور نیچے اس نے کچھ نہیں پہنا ہوا تھا۔ مگر مجبوری تھی۔ ایک زخم اس کی ران پر بھی تھا۔ وہ بہتر تھا کہ خون بہنا رک گیا تھا۔ ربیک نے اس کا پیٹ کا زخم دیکھا جس سے خون رسنا شروع ہو گیا تھا اور میں نے جو گدی بنائی تھی وہ خون سے بھیگ گئی تھی۔ ربیک نے ایک کالا سا محلول پانی میں ڈال کر پہلے اس سے اس کے زخم صاف کیے۔ یہ شاید ٹنکچر جیسی کوئی چیز تھی کیونکہ زونیرا کے زخم پر لگا تو اسے تکلیف ہوئی تھی۔ ربیک کو اپنا کام کرتا چھوڑ کر میں اور ایرٹ باہر آ گئے۔ ایرٹ نے آتے ہی معذرت کرنا چاہی مگر میں نے اسے روک دیا۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں تم نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔''

ایمار اور مارٹ آگے موجود تھے اور مارٹ پہرہ دے رہا تھا۔ میں دفتر میں داخل ہوا تو اس نے مڑ کر مجھے بے تابی سے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ میں کھڑکی تک آیا اور باہر دیکھا تو مجھے ڈیوڈ شا چند دوسرے افراد کے ہمراہ دکھائی دیا۔ ان میں ایک وہی کمزور پجاری تھا۔ ان کے علاوہ تین افراد اور تھے اور یہ سب بھی پجاریوں کے لباس میں تھے۔ پجاریوں کا انداز نہایت مؤدبانہ تھا اور ڈیوڈ شا ان کے درمیان یوں تنا کھڑا تھا جیسے وہی یہاں کا حکمران ہو۔ حکمرانی کی سند اس نے خود کار رائفل کی صورت میں شانے سے لٹکا رکھی تھی۔ ایمار اور ایرٹ بھی آ گئے تھے۔ میں نے انہیں اشارے سے دکھایا اور کہا۔ ''یہ ڈیوڈ شا ہے میرا اصل دشمن۔''

ایمار نے تیر کمان سنبھال لیا۔ ''ہم اسے یہاں سے نشانہ بنا سکتے ہیں۔''

''اگر آپ اجازت دیں۔'' مارٹ بھی پُر جوش ہو گیا۔

مجھے خیال آیا کہ موقع اچھا ہے۔ مگر ڈیوڈ شا معبد کے دروازے پر تھا اور یہ جگہ یہاں سے کوئی تین سو فٹ کے فاصلے پر تھی۔ اتنے فاصلے سے نشانہ لینا آسان نہیں تھا۔ اگرچہ وہ سب ہی اچھے تیر انداز تھے لیکن اس کے باوجود اس کا امکان کم تھا کہ ڈیوڈ شا نشانہ بن سکے۔ ایک تو فاصلہ تھا اور دوسرے وہ پجاریوں کے درمیان میں تھا۔ پھر وہ ایسی جگہ تھا کہ بچ جاتا تو فوراً ہوشیار ہو جاتا اور اس کے بعد اسے نشانہ بنانا ممکن نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ معبد میں گھس جاتا۔ اس لیے میں نے انہیں روک دیا۔ ''ابھی نہیں کیونکہ وہ دور ہے اور تمہیں نشانہ بنانے کا دوسرا موقع نہیں ملے گا۔ اگر وہ ایسی جگہ ہو جو یہاں سے قریب ہو اور تمہیں دوسرا موقع ملے تب اسے نشانہ بنانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔''

ایرٹ، مارٹ اور ایمار نے تیر کمان سنبھال لیے تھے۔ میری نظر ڈیوڈ شا پر مرکوز تھی۔ وہ اس وقت باہر کیوں آیا تھا۔ کیا وہ پجاری کے واپس نہ آنے پر اسے دیکھنے کے لیے نکلے تھے۔ مگر اس صورت میں ڈیوڈ شا کو خود باہر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کسی کو بھیج کر معلوم کر سکتا تھا۔ وہ پجاریوں سے بات کر رہا تھا۔ پھر وہ لوگ پلٹے اور مخالف سمت میں جانے لگے۔ مجھے اپنا خدشہ درست لگنے لگا۔ وہ قید خانے کی عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ ڈیوڈ شا کو پجاریوں سے بات کرتے دیکھ کر مجھے ذرا بھی تعجب نہیں ہوا کیونکہ برف والے کی طرح اس کے پاس بھی یہ صلاحیت تھی کہ وہ کسی کو اپنی زبان سمجھنے کے قابل بنا سکتا تھا۔ وہ خود بھی قابل تھا۔ اگرچہ شراب پیتا تھا مگر شاید اس کے باوجود وہ اس صلاحیت کا حامل تھا کہ خود بھی اجنبی زبان سمجھ سکے اور دوسرے کو اپنی بات سمجھا سکے۔

ایرٹ نے کہا۔

''یہ کہاں جا رہے ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''قید خانے کی طرف، شاید پجاری کے واپس نہ آنے سے یہ لوگ اسے دیکھنے جا رہے ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ڈیوڈ شا جیسے مکار کا اس طرف جانا خطرناک ہوسکتا تھا۔ رائفل کی موجودگی میں امکان تھا کہ اسمار اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں۔ وہ اندر جاتا تو تاڑ سکتا تھا کہ زونیرا بچ گئی ہے۔ ڈیوڈ شا اور پجاری جو مشعلیں تھامے ہوئے تھے معبد کے کنارے پہنچے اور خلافِ توقع قید خانے کی طرف جانے کے بجائے مخالف سمت میں مڑ گئے۔ میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''یہ قید خانے نہیں بلکہ رن وے کی طرف جا رہے ہیں جہاں طیارے اتریں گے۔''

''ہم کیا کریں؟'' مارٹ نے پوچھا۔ ''کیا ہم اسے وہاں نشانہ نہیں بنا سکتے ہیں؟''

یہ خیال میرے ذہن میں بھی تھا۔ اس سارے فساد کی جڑ ڈیوڈ شا تھا اور اگر وہ مارا جاتا تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہوتی۔ میں نے مارٹ، ایمار اور ایرٹ سے کہا۔ ''میرے ساتھ چلو ہمیں بھی عقبی حصے میں جانا ہوگا۔''

ربیک نے زونیرا کے زخم کی صفائی کر کے اس پر مرہم لگا کر اس پر پٹی باندھ دی تھی۔ اسی نے اسے پاجامہ بھی لا کر پہنا دیا تھا اور اسے بالوں سے بنا ہوا کمبل اوڑھا رہا تھا۔ اب اسے لڑکی کو خوراک دینے کی فکر تھی۔ ربیک کو وہیں چھوڑ کر ہم باہر آئے۔ عقبی باغ سے ہوتے ہم میدان کے کنارے تک آئے۔ یہاں روشنی نہیں تھی کیونکہ یہاں مشعلیں روشن نہیں تھی۔ ڈیوڈ شا کے ساتھ موجود پجاریوں کے پاس تیز روشنی والی مشعلیں تھیں اور اتنی دیر میں وہ دوسری طرف سے گھوم کر نمودار ہو چکے تھے۔ وہ معبد کے وسطی حصے کی طرف آ رہے تھے۔ میں اور ایرٹ اسی درخت کی آڑ میں لیٹے ہوئے تھے جس کے اوپر رسّی باندھی تھی۔ درخت سے آگے روش کے ساتھ چھوٹے پودے تھے مگر ان تک جانا مناسب نہیں تھا اگر کوئی اس طرف آ جاتا تو ہمیں چھپنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ ایمار اور مارٹ ہمارے عقبی طرف پودوں کے عقب میں دبکے ہوئے تھے۔ ایرٹ نے سرگوشی کی۔ ''اوپر نہ چلیں؟''

''پہلے تم۔'' میں نے کہا تو ایرٹ پھرتی سے اوپر چڑھ گیا۔ اس کے بعد میں گیا اور مجھے احتیاط کرنا پڑی تھی۔ میرے وزن سے درخت کسی قدر ہل رہا تھا اور اس کا کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ وہاں ہوا نہیں چلتی تھی جو درخت حرکت کریں۔ یہ صرف اسی صورت میں حرکت کرتے جب کوئی انہیں حرکت دیتا۔ ڈیوڈ شا اور پجاری متوجہ ہو سکتے تھے۔ اس لیے میں بہت آہستہ سے اوپر پہنچا۔ اس وقت تک ڈیوڈ شا پجاریوں کے ہمراہ رن وے کے وسط میں پہنچ چلا تھا۔ غالباً وہ رن وے کا معائنہ کرنے آیا تھا۔ اس وقت بھی ہم سے کوئی پونے تین سو فٹ کے فاصلے پر تھا۔ میں ایک مناسب جگہ ٹک گیا۔ ایرٹ بھی پاس ہی ذرا اوپر تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''روبیر نہیں ملی لیکن مجھے لگ رہا ہے وہ خیریت سے ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ آزاد ہے ورنہ اس کے پکڑے جانے کی صورت اب تک ہم کسی مصیبت میں پڑ چکے ہوتے۔ معبد کی طرف سے آنے والے یہی پوچھنے آئے تھے کہ یہاں سے کوئی فرار تو نہیں ہوا ہے۔ شاہین میری توقع سے زیادہ خبیث آدمی ثابت ہو رہا ہے۔ روبیر نے عقل مندی کی جو اس کی نظر پڑتے ہی غائب ہوگئی۔''

''مگر وہ ہے کہاں؟'' ایرٹ نے پوچھا۔ ''اگر وہ معبد سے نکل گئی ہوتی تو لازمی ہمارے پاس آتی۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ وہ معبد میں ہی کہیں چھپی ہے۔ معبد کی عمارت بہت بڑی ہے اس میں یقیناً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھپنے کی بہت سی جگہیں ہوں گی۔''

ڈیوڈ شا پجاریوں سے بات کر رہا تھا پھر اس نے ہاتھ بلند کیا مگر اس کا ہاتھ خالی تھا اور اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''آن۔''

اس کے ساتھ ہی رن وے کی لائٹس آن ہو گئیں۔ پجاریوں میں کھلبلی سی مچی تھی۔ وہ یوں ڈر کر پیچھے ہوئے جیسے یہ کوئی جادو ہو۔ شاید ڈیوڈ شا نے ایسا ہی کوئی تاثر دیا تھا۔ وہ شاطر آدمی تھا۔ ان لوگوں کو اپنی روحانی قوت کا قائل کر کے مزید مرعوب کر رہا تھا۔ ریموٹ شاید اس کی جیب میں تھا اور اس نے ہاتھ ڈال کر اس کا بٹن دبایا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ پتلون کی جیب میں اور دایاں ہاتھ جو ہوا میں تھا وہ خالی تھا۔ اس نے لفظ آن کہا تھا۔ یہ انگریزی کا لفظ ہے اس لیے پجاریوں کے پلے نہیں پڑا۔ پجاری متجسس بھی تھے مگر روشن ہونے والی ڈسکوں کے پاس جانے سے بھی گریز کر رہے تھے۔ غالباً ڈیوڈ شا نے اس حوالے سے انہیں روکا تھا۔ ورنہ پاس جانے پر وہ ڈسک دیکھ سکتے تھے۔ اگرچہ وہ ان کی اصلیت نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ایک منٹ بعد ڈیوڈ شا نے اسی طرح ہاتھ بلند کیا اور بولا۔ ''آف۔''

ڈسک آف ہو گئیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈیوڈ شا اور پجاری واپس جانے لگے تھے۔ میری چھٹی حس نے کہا کہ طیاروں کے آج ہی رات کسی وقت آنے کا امکان تھا۔ ڈیوڈ شا رن وے کا معائنہ کرنے آیا تھا اور ساتھ ہی اس نے پجاریوں کو مرعوب بھی کر لیا یعنی ایک تیر سے دو شکار کیے۔ وہ اسی سمت سے جا رہا تھا جہاں سے آیا تھا یعنی مخالف سمت۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ڈیوڈ شا بہت محتاط تھا۔ وہ اس عمارت کے پاس آنے سے گریز کر رہا تھا کیونکہ یہاں تیر کمان سے مسلح افراد بہر حال موجود تھے اور وہ ان پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے وہ عمارت سے دور رہا اور عقبی میدان میں جانے کے لیے بھی مخالف سمت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس نے آتے وقت بھی اور جاتے وقت بھی عمارت سے اپنا فاصلہ برقرار رکھا تھا۔ ایک منٹ میں وہ معبد کے کونے تک پہنچے اور دوسری طرف مڑ گئے۔

ان کے غائب ہوتے ہی ہم نیچے اترے اور واپس عمارت کی طرف روانہ ہوئے۔ کھڑکی سے اندر آنے پر میں نے دیکھا کہ ربیک زونیرا کوچمچ سے سوپ پلا رہا تھا۔ میرے پاس اس کی خیریت دریافت کرنے کا وقت نہیں تھا اور جب تک ہم بھاگتے ہوئے آبزرویشن پوسٹ تک پہنچے تو ڈیوڈ شا اور پجاری معبد کے داخلی دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ ہم کھڑکی کے عقب سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ڈیوڈ شا معبد کے سامنے کھڑا ہوا چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے اطمینان کر رہا ہو کہ سب ٹھیک ہے۔ اس کی نظریں چند لمحے کے لیے عمارت اور دفتر کی کھڑکی پر آ ٹکی تھیں۔ پھر وہ اور پجاری واپس اندر چلے گئے تو میں نے اپنے خیال کا اعلان کیا۔ ''طیارے آج رات آنے کا امکان ہے۔''

''یعنی ہمیں تیار رہنا چاہیے۔'' ایرٹ نے کہا۔

''یقیناً۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''ڈیوڈ شا روشنیوں کو جلا کر اور دیکھ کر گیا ہے۔ ساتھ ہی اس نے پجاریوں کو بھی دکھا کر مرعوب کیا ہے۔ مگر اس کا اصل مقصد ان کی کارکردگی دیکھنا تھا۔''

''تب ہمیں تیار ہو جانا چاہیے۔'' ایمار نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل۔'' میں نے سر ہلایا۔ ''ہم پانچوں اور چار فوجی افسران اس مہم میں شامل ہوں گے۔''

ربیک نے فوجی افسران کے بارے میں سوال کیا۔ ''کیا ہم ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔''

''مجبوری ہے۔'' میں نے شانے اچکائے۔ ''اس مہم میں ہمیں زیادہ افراد کی ضرورت ہے۔''

ربیک بھی آ گیا تھا اس نے تجویز دی۔ ''ہم ان کے ذمے اس طرح کے کام لگا سکتے ہیں کہ یہ ہمارے خلاف کچھ نہ کر سکیں۔''

''وہ کیسے؟'' مارٹ نے پوچھا۔

''انہیں خود سے دور نگرانی جیسے کاموں پر لگایا جا سکتا ہے۔''

میں نے ربیک کا شانہ تھپکا۔ ''یہ اچھی تجویز دی ہے تم نے۔ ڈیوڈ شا نے پجاریوں کو مرعوب کر کے اپنے ساتھ ملا لیا ہے مگر وہ لڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔ لڑنے کا سارا بوجھ ڈیوڈ شا اور اس کے تین ساتھیوں کو اٹھانا پڑے گا۔ ہماری توجہ بھی ان پر ہی ہونی چاہیے۔ ان سے ہم پانچ ہی نمٹیں گے۔ میرا خیال ہے طیاروں کے استقبال کے لیے وہی چاروں آئیں گے۔ اب ہمیں ایسا منصوبہ بنانا ہے کہ ہم ان پر حملہ کریں اور ان کے جوابی حملے سے محفوظ بھی رہیں۔''

ایرٹ غور سے سن رہا تھا اس نے کہا۔ ''وہاں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جس سے ہم ان پر حملہ کر سکیں۔ میدان میں چھپنے کی جگہ نہیں ہے۔ باغ سے یہ جگہ دور ہوگی۔''

''ایک جگہ ہے، مگر وہاں ہم بس حملہ کرنے تک ہی محفوظ رہ سکیں گے۔ کامیاب ہو گئے تو ٹھیک ہے ورنہ ناکامی کی صورت میں ہمارے لیے بچنا مشکل ہوگا۔''

''کون سی جگہ؟''

''معبد کی عمارت۔'' میں نے کہا۔ ''ہم اس پر چڑھ سکتے ہیں اور اس کی بلندی سے حملہ کر سکتے ہیں مگر وہاں ایسی کوئی آڑ نہیں ہے جو ہمیں جوابی حملے سے زیادہ تحفظ دے سکے۔ سیڑھی نما دیواریں زیادہ تحفظ نہیں دے سکتی ہیں۔''

ربیک نے سوچا۔ ''ہاں وہاں سے ہم حملہ کر سکتے ہیں۔ اس پر سیڑھی نما جگہ ہے۔ ہم لیٹ سکتے ہیں اور چھپ سکتے ہیں مگر کھل کر حملہ نہیں کر سکتے۔''

''یہ خطرہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مگر اس کے سوا اور کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔ ہم اس وقت حملہ کریں گے جب طیارہ اتر رہا ہوگا اور جب یہ تباہ ہوگا تو وہ لوگ لازمی بدحواس ہوں گے۔ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔''

ربیک نے کہا۔ ''اس صورت میں ان کے جتنے قریب ہوں اتنا اچھا ہے تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فیصلہ کن وار کر سکیں۔''

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہم ایک حد سے زیادہ نزدیک نہیں جا سکتے ورنہ ہم خود خطرے میں پڑ جائیں گے۔''

میرے ساتھیوں میں ایمار سب سے کم بولتا تھا اور وہ لیس باس قسم کا لڑکا تھا۔ وہ غور سے سن رہا تھا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے پہلی بار کہا۔ ''ایسا نہ کریں کہ فاصلے کا فیصلہ ہم عین موقع پر کریں۔''

میں نے سوچا اور مجھے اس کی بات پسند آئی۔ ''ٹھیک ہے ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ کچھ فیصلے ہمیں عین موقع پر کرنے ہوں گے۔''

''یہ بتائیں کہ ان چاروں کو کیا ذمے داری دینی ہے؟'' ربیک نے فوجی افسران کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ اچھے لڑاکے ہیں اور تیر اندازی میں ان کا نشانہ بھی اچھا ہے۔''

''کیوں نہ ان کو معبد کے پہلوؤں پر لگا دیا جائے۔ وہاں سے یہ حملہ کر سکتے ہیں۔'' یہ تجویز مارٹ کی تھی۔ ''ان کو خود سے کم بلندی پر لگائیں گے تاکہ ان کے دل میں کوئی شرارت آئے بھی تو ہمیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔''

مجھے یہ تجویز بھی اچھی لگی تھی۔ اگر ان چاروں کو دو دو کر کے معبد کے پہلوؤں پر اس طرح لگا دیتے کہ وہ سگنل ملنے پر ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرتے تو ہماری حملہ کرنے کی طاقت بڑھ جاتی۔ کئی سمتوں سے بیک وقت آنے والے تیروں سے بچنا آسان نہیں ہوگا۔ جیسے جیسے ہم منصوبے پر بات کر رہے تھے۔ نئے پہلو اور نئی تجویزیں سامنے آ رہی تھیں۔ کسی قدر بحث کے بعد ہم تقریباً متفق ہو گئے۔ شروع میں ربیک اور اس کے ساتھی مجھ سے مرعوب اور دب کر رہتے تھے۔ مگر اب وہ اپنی آراء کا کھل کر اظہار کرتے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ میں معقول بات ماننے میں زیادہ دیر نہیں لگاتا ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد ہم حرکت میں آ جائیں اور ان لوگوں کے باہر آنے سے پہلے پوزیشن سنبھال لیں۔ مجھے درست وقت کا اندازہ نہیں تھا کہ طیارے کب یہاں آتے لیکن ہمیں یہ سوچ کر حرکت میں آ جانا تھا کہ وہ کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔ یعنی ہمیں جلد از جلد معبد کے اوپر پہنچ کر مورچے بنا لینے تھے۔

ایسا لگ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کے پاس رابطے کے لیے کوئی سیٹلائٹ فون تھا۔ صرف سیٹلائٹ فون ہی اس جگہ رابطے میں کام آ سکتا تھا ورنہ کسی قسم کا ریڈیو کمیونیکیشن یہاں سے باہر کی دنیا سے رابطے میں کام نہیں آ سکتا تھا۔ دوسرا طریقہ سیٹلائٹ انٹرنیٹ تھا مگر اس میں نہ صرف انٹرنیٹ ڈیوائس بلکہ کوئی لیپ ٹاپ یا اسمارٹ فون بھی درکار ہوتا۔ ان آلات کے مقابلے میں سیٹلائٹ موبائل زیادہ کارآمد تھا۔ اس سے وہ کسی بھی موبائل یا فون پر آسانی سے رابطہ کر سکتا تھا۔ اس کی بیٹری بھی بہت دنوں تک چل سکتی تھی۔ اضافی بیٹریاں رکھنا بھی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ تو سو فیصدی طے تھا کہ ڈیوڈ شا تمام انتظامات کر کے یہاں آیا تھا اور اس کا منصوبہ طے شدہ تھا۔ اب اس پر عمل درآمد کا وقت آ گیا تھا۔ ربیک نے پوچھا۔ ''یہاں موجود لوگوں کا کیا کرنا ہے؟''

''پجاریوں سمیت سب کو بند کر دینا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہم کسی کو آزاد چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ان میں سے کوئی جا کر ہمارا راز فاش کر سکتا ہے۔''

دوپہر میں جو پکایا گیا تھا وہ رات کے لیے بھی کافی تھا۔ اگرچہ ابھی کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی سب کو کھانا دے دیا گیا۔ اس کام سے نمٹ کر ان کو خبردار کیا گیا کہ ابھی جس نے واش روم جانا ہے وہ چلا جائے ورنہ صبح سے پہلے پھر موقع نہیں ملے گا۔ یہ ساری تدابیر ان سب کو رات بھر اندر رکھنے کے لیے کی جا رہی تھیں۔ تاکہ کوئی شور شرابا بھی نہ کرے۔ آنے والے دو گھنٹے میں اس مشکل مرحلے سے گزر کر ہم باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ طے ہوا تھا کہ ہم اتنی خاموشی سے نکلیں گے کہ قید افراد کو اس کا علم نہ ہو۔ روانہ ہونے سے پہلے سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کچھ نہ کچھ کھا پی لیا تھا۔ میں آبزرویشن پوسٹ کے سامنے موجود تھا۔ معبد کا داخلی دروازہ اور اس کے سامنے باغ ویران تھا اور یقیناً اس وقت خود کار گن متحرک تھی۔

ڈیوڈ شا نے یہ اچھا حربہ رکھا تھا۔ اب اس کی مرضی کے بغیر نہ تو کوئی معبد سے باہر جا سکتا تھا اور نہ ہی معبد کے اندر آ سکتا تھا۔ اب وہ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ بھی باہر آ سکتا تھا اور اسے عقب میں پجاریوں کی بغاوت کا خطرہ نہیں رہتا۔ اگر وہ بغاوت بھی کرتے تو باہر نہیں آ سکتے تھے۔ جو باہر آتا اسے موت ملتی۔ مجھے روبیر کا خیال آیا کہ وہ آزاد تھی۔ کہیں وہ باہر نہ نکل آئے، لیکن وہ یہاں سے فرار ہونے والی قیدی عورت کا انجام دیکھ چکی تھی اور اسے اس خطرے کا بہ خوبی علم تھا اس لیے وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتی تھی۔ زونیرا دوا اور خوراک کے مرحلے سے گزرنے کے بعد سکون کی نیند سو رہی تھی اور اسے علم نہیں تھا کہ اس کی بے خبری میں یہاں کیا ہنگامہ ہونے والا ہے۔ اسی کمرے کی کھڑکی سے ہم سب باری باری عقبی باغ میں نکلے۔ چاروں فوجی افسران پوری طرح مسلح تھے اور میں انہیں بتا چکا تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ مگر فی الحال انہیں اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ ہم خاموشی سے عقبی حصے میں آئے۔

روش کے پار معبد کی اہرام نما بلند ہوتی عمارت تھی۔ اسے بالکل اہرام کے انداز میں تعمیر کیا تھا۔ پتھر کی بہت بڑی سلیں ایک دوسرے پر جما کر اس طرح رکھی گئی تھیں کہ وہ خاص ترتیب سے بلند ہوتی ہوئی اہرام جیسی ساخت اختیار کر گئی تھیں۔ یہ سیڑھی دار اہرام تھا۔ یعنی پتھروں کی ایک قطار تھی اس کے اوپر کچھ فاصلہ چھوڑ کر دوسری قطار تھی اور پھر قطاریں مسلسل اوپر جاتی رہی تھیں۔ یوں سیڑھی سی بن گئی تھی لیکن یہ چھوٹی سیڑھی نہیں تھی کیونکہ ہر قطار کوئی سات یا آٹھ فٹ اونچی اور اس کے قدمچے کی چوڑائی بھی اتنی ضرور تھی۔ ان پر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ اس پر چڑھنا آسان نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں ترتیب سے چڑھنا ہوگا۔ دو افراد پہلے اوپر جائیں گے ان میں سے ایک سامان اوپر کرے گا اور دوسرا چڑھنے میں مدد دے گا۔ نیچے سے دو افراد اس کو چڑھنے میں مدد دیں گے اور یہی ترتیب آخر تک برقرار رکھی جائے گی۔ یعنی دو دو کی جوڑی میں ہم اوپر جائیں گے اور آخری فرد آخر میں آئے گا، سمجھ گئے؟''

کچھ سمجھ گئے تھے اور کچھ نہیں سمجھے تھے اس لیے میں نے دوبارہ سمجھایا۔ تیسری بار سمجھانے پر سب سمجھ گئے تھے۔ سامان بھی اسی ترتیب سے اوپر پہنچایا جاتا۔ اس کے بعد میں نے حفاظتی اصول بیان کیے۔ ''ہر ممکن خاموشی برقرار رکھنی ہے۔ ذاتی طور پر بھی اور سامان سے بھی شور نہ ہو۔ کسی کو چوٹ لگے تو وہ اسے خاموشی سے برداشت کرے۔ اگر اچانک کوئی اس طرف آ نکلے تو جو جہاں ہو وہیں دبک جائے اور خود کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اگر ایک دشمن کی نظر میں آ جائے تو وہ یوں ظاہر کرے کہ بس وہی ہے اور دشمن کو دوسروں سے بے خبر رکھے۔ ہو سکے تو دشمن کو بھٹکا کر دور لے جائے۔ اگر دشمن ایک ہو تو اسے دھوکے میں رکھ کر مار دے مگر اس طرح کہ آواز نہ ہو۔''

وہ سب غور سے سن رہے تھے۔ میں نے بات مکمل کر کے سوالات کر کے دیکھا کہ انہوں نے کس حد یاد کیا ہے۔ مگر یہ موقع ایسا تھا کہ وہ کوئی بات بھول نہیں سکتے تھے۔ دوہرانے سے یہ فائدہ ہوا کہ سب کے ذہن نشین ہو گیا تھا۔ سب نے سرمئی جنگی وردیاں پہن لی تھیں جو تاریکی میں چھپنے میں مدد دیتیں۔ ہتھیاروں کا جائزہ روانگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پہلے لے لیا تھا۔ ہمارے پاس تیر کمان، نیزے اور آتشیں روغن تھا۔ مشعلیں تھیں اور انہیں جلانے کے لیے دیا سلائیاں بھی تھیں۔ پانی کی چھاگلیں تھیں اور میرے پاس کچھ ڈرائی فروٹ بھی تھے۔ باقیوں کے پاس کیا تھا میں اس سے لاعلم تھا۔ یہ سارے انتظامات دافع الوقتی کے لیے تھے۔ کیونکہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہمارا انتظار کتنا طویل ہوتا۔ رات گہری ہو چلی تھی۔ آسمان صاف نہیں تھا کیونکہ ستارے نظر نہیں آ رہے تھے۔ اگر موسم خراب ہوتا تو طیاروں کی آمد کا امکان کم تھا۔ مگر ڈیوڈ شا کی آمد ظاہر کر رہی تھی کہ امکان ہے۔ شاید اوپر موسم اتنا خراب نہ ہو اور صرف بادل ہوں۔ جب وہ باہر سے مدد منگوا سکتا تھا تو اسے علم ہوگا کہ موسم کیسا ہے؟

''اوپر کیسے جائیں گے؟'' ایرٹ نے پوچھا۔

''پیچھے سے، پہلو سے خطرہ ہے کوئی اچانک آ جائے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے۔''

''یہ خطرہ تو پیچھے بھی ہوگا۔'' ربیک نے کہا۔ ''بلکہ دو طرف سے ہوگا۔''

''تب ایک ایک آدمی دونوں سمتوں میں لگا دیا جائے گا۔'' میں نے حل پیش کیا۔ ''اس دوران میں باقی اوپر چڑھیں گے۔ چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دیکھ لیے جانے کا خطرہ اتنا نہیں رہے گا۔''

میرا اندازہ تھا کہ رات کے ساڑھے نو یا دس بج رہے تھے اور موسم خاصا سرد ہو چلا تھا۔ جسم کے کھلے حصوں پر یہ خنکی زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ مگر موسم ناقابلِ برداشت بھی نہیں تھا۔ شاید آنے والے وقت میں ہوتا مگر فی الحال رات کے وقت باہر گزارا ہو سکتا تھا۔ میں نے سب کو ایک ایک کر کے معبد کے عقبی حصے میں بھیجنا شروع کر دیا۔ ہمیں وسط سے چڑھنا تھا۔ پہلا جانے والا مارٹ تھا۔ اس نے اپنا سامان وسط میں چھوڑا اور بھاگتا ہوا معبد کے دوسرے کونے تک چلا گیا اس کے بعد ایک فوجی افسر گیا اور اپنا سامان وسط میں رکھ کر بھاگتا ہوا واپس ہماری طرف والے کنارے پر آیا۔ اب دونوں طرف سے نگرانی ہو رہی تھی کسی کے اچانک آ جانے کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد باقی بھی ایک ایک کر کے جانے لگے۔ سب سے پہلے میں گیا اور جا کر سامان والی جگہ اپنے بھی ہتھیار اور چیزیں رکھیں جن کے ساتھ اوپر جانے میں رکاوٹ نہ بنے۔ میں نے ایمار کی طرف دیکھا۔

''مجھے سہارا دو۔''

ایمار نے عقب سے سہارا دیا اور میں تقریباً سات فٹ اونچی دیوار پر آسانی سے چڑھ گیا۔ ایرٹ نے ربیک کو چڑھایا۔ اوپر آ کر میں نے ایمار کو اوپر کھینچا اور ایک فوجی افسر نے اسے عقب سے سہارا دیا۔ ربیک سامان اوپر لے رہا تھا اور ایرٹ اسے سامان پکڑا رہا تھا۔ ایمار نے ایک بار پھر مجھے سہارا دیا اور میں اگلے اسٹیپ پر پہنچ گیا۔ پھر ایمار نے نیچے سے فوجی افسر کو اوپر کیا۔ یوں ایک چین سسٹم بن گیا۔ میں ایمار اور ایک فوجی افسر اوپر چڑھ رہے تھے۔ ربیک اور ایرٹ باقی دو فوجی افسروں کے ساتھ سامان اوپر منتقل کر رہے تھے۔ پہلے سے ہدایات کے مطابق سارا کام خاموشی سے ہو رہا تھا۔ جب ہم تیسرے اسٹیپ تک پہنچ گئے تو مارٹ اور فوجی افسر جو کناروں سے نگرانی کر رہے تھے وہ دوڑے آئے۔ پہلے وہ ایک دوسرے کی مدد سے اوپر آئے اور پھر سب کے ساتھ مل کر چڑھنے لگے۔ سامان کیونکہ سُست روی سے اوپر جا رہا تھا۔ اس لیے میں، ایمار اور ہمارے ساتھ کا فوجی افسر پہلے اوپر پہنچ گئے۔

جیسے جیسے ہم اوپر جا رہے تھے دیواروں کی اونچائی اور قد مچے کم ہو رہے تھے۔ میرا خیال ہے کوئی دو سو فٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بلندی پر آنے کے بعد ان کی اونچائی ساڑھے چار فٹ کے لگ بھگ رہ گئی تھی اور چوڑائی بھی اتنی ہی تھی۔ مجھے یہ جگہ مناسب لگی تھی اس لیے مزید اوپر جانے کے بجائے اسی جگہ رک کر دوسروں کا انتظار کرنے لگے۔ اہرام کی ساخت کی وجہ سے عقبی میدان اس جگہ سے کوئی ساڑھے تین سو فٹ دور ہو گیا تھا اور یہ فاصلہ تیروں سے حملہ کرنے کے لیے خاصا تھا۔ اگرچہ آتشیں ہتھیاروں کے لحاظ سے یہ کم تھا۔ اس کوہ پیمائی نے سب کی سانس پھلا دی تھی۔ ہم رکے تو موقع غنیمت جان کر سب ہی سانس درست کرنے لگے۔ کچھ دیر میں باقی سب بھی آ گئے۔ ہمیں یہاں تک آنے میں کوئی بیس منٹ لگے تھے۔ آنے والے ستانے لگے اور ہم اپنے ہتھیار لینے لگے۔ کچھ دیر بعد ربیک اور ایرٹ میرے پاس چلے آئے۔ جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے ہم پھیل کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ربیک نے کہا۔

''ہم یہاں مورچہ لگائیں گے؟''

''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے خیال میں یہاں سے فاصلہ زیادہ ہو رہا ہے۔ ہمیں نیچے جانا ہوگا۔ دوسرے سب ایک ہی قد مچے پر نہیں ہوں گے۔ کچھ اوپر ہوں گے اور کچھ نیچے۔ فوجی افسران کو اور نیچے رہنا پڑے گا کیونکہ یہ کناروں پر ہوں گے اور وہاں سے فاصلہ زیادہ ہوگا۔ مناسب فاصلے سے حملہ کرنے کے لیے نیچے رہنا ضروری ہوگا۔''

''کتنا نیچے جانا ہوگا؟'' ایرٹ نے پوچھا۔

میں غور کر رہا تھا۔ ہمیں ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر رہنا تھا یعنی چھ سات اسٹیپ نیچے جانا تھا۔ فوجی افسران کو اس سے بھی نیچے جانا تھا انہیں سو فٹ کی بلندی پر رہنا تھا۔ میں نے پہلے انہیں روانہ کیا اور اس ہدایت کے ساتھ کہ چھپ کر اور خاموش رہیں اور جب تک ہماری طرف سے اشارہ نہ ملے کوئی کارروائی نہ کریں۔ وہ دونوں سمتوں میں دو دو کر کے روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''تم سب فی الحال یہیں ٹھہرو میں اوپر سے ہو کر آتا ہوں۔''

ربیک نے۔ ''میں چلوں آپ کے ساتھ؟''

''نہیں تم چاروں یہیں رہو اور چوکس رہو۔'' میں نے انکار کیا تو ربیک بجھ گیا تھا۔ یہاں تقریباً تاریکی تھی اور ہمیں آنکھوں پر زور دینا پڑ رہا تھا اس لیے میں تاثرات تو نہیں دیکھ سکا مگر ربیک کے انداز نے بتایا تھا کہ اسے میرے انکار سے مایوسی ہوئی ہے۔ میں اوپر جانے لگا تھا کہ اچانک آسمان کی طرف سے روشنی کی ایک لکیر سی نیچے آئی اور وادی کی ایک طرف کی دیوار اس سے روشن ہونے لگی تھی۔ اوپر بادل ہٹ گئے تھے اور چاند کی روشنی نیچے آ رہی تھی۔ ماحول کسی قدر روشن ہو گیا اور میں فکرمند ہو گیا۔ کیونکہ روشنی ہونا ہمارے لیے بہتر نہیں تھا۔ ماحول جتنا تاریک ہوتا ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوتا۔ بہرحال اس وقت تو مجھے فائدہ ہوا اور مجھے آس پاس صاف نظر آنے لگا ورنہ اس سے پہلے میں اور میرے ساتھی اندھوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر چڑھ رہے تھے۔ چند اسٹیپ مزید اوپر جانے کے بعد قد مچے چار فٹ کے رہ گئے اور جیسے جیسے مزید اوپر جا رہا تھا یہ اور چھوٹے ہوتے جا رہے تھے۔

تین سو فٹ پر آنے کے بعد قد مچے ساڑھے تین فٹ کے رہ گئے تھے۔ ان کی اونچائی اور چوڑائی برابر تھی۔ یہ اتنی اونچائی تھی کہ اگر میں معبد کے دوسری سمت میں ہوتا تو شاید مجھے آرگون کی بلند عمارات بھی نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آتیں۔ مگر یہاں سے فصیل کے پار جنگل اور وادی کی دیوار نظر آ رہی تھی۔ چاندنی بڑھ رہی تھی اور اس حساب سے روشنی بھی بڑھ رہی تھی۔ نیچے کا میدان بھی صاف نظر آنے لگا تھا اور اگر کوئی میدان میں ہوتا اور اوپر دیکھتا تو اسے میں اور میرے ساتھی بھی نظر آ سکتے تھے۔ اب میں معبد کی چوٹی سے کوئی ڈیڑھ سو فٹ نیچے تھا۔ معبد کا اہرام پانچ سو فٹ بلند اور زمین پر اس کی لمبائی چوڑائی بھی اتنی ہی تھی۔ یعنی اس کا ہر پہلو پانچ سو فٹ کا تھا۔ سب سے اوپر ایک کلس نما چیز نصب تھی جو سونے جیسے رنگ کی تھی اور جب اس پر روشنی پڑتی تو یہ جگ مگا اٹھتی تھی۔ میں نے نہیں دیکھا تھا مگر راجا عمر دراز نے دیکھا تھا۔ کبھی کبھی یہاں دن میں دھند ہٹ جاتی تھی اور سورج کی روشنی نیچے تک آتی تھی۔ ایسا سرما میں ہوتا تھا۔

اب میں چاہتا تو بغیر ہاتھوں کا سہارا لیے اوپر چڑھ سکتا تھا۔ مگر احتیاطاً میں سہارا لے کر چڑھ رہا تھا۔ ایک غلط قدم مجھے واپس نیچے پہنچا دیتا اور یہ واپسی صحیح سلامت نہ ہوتی۔ چار سو فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد قد مچے ڈھائی فٹ سے چھوٹے ہو گئے تھے۔ میں اب بھی چاروں ہاتھوں پیروں کا استعمال کر رہا تھا۔ میں نے یہاں سے اوپر جانے کے لیے ایک پتھر پر ہاتھ رکھا تو وہ مجھے ہلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ جیسے وہ باقی پتھروں سے جڑا ہوا نہ ہو۔ پہلے میں اسے اپنا وہم سمجھا تھا مگر جب میں نے اسے دوبارہ چھیڑا تو وہ باقاعدہ ہلا تھا۔ میں بغیر زور لگائے اسے ٹٹولنے لگا۔ اس کا امکان تھا کہ وقت نے اہرام کو نقصان پہنچایا ہو۔ یہ ہزاروں سال پرانا تھا اور پتھروں کو جوڑنے والا مسالہ کمزور پڑ سکتا تھا۔ ایسے میں پتھر آپس میں جڑے نہیں رہتے اور یہ پتھر بھی شاید اسی وجہ سے الگ ہو گیا تھا۔ اہرام مصر بھی اس طرح شکست وریخ کا شکار ہو رہے ہیں۔ میں نے اسے مزید چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا کہ کہیں یہ الگ ہو کر نیچے جا پڑے اور یقیناً اس دوران میں خاصا شور اور ہنگامہ ہوتا۔ پتھر میرے کسی ساتھی کو بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس لیے اس سے ہٹ کر میں اوپر کی طرف بڑھا۔

جب کلس پچاس فٹ کی بلندی پر رہ گیا تو قد مچے ایک یا سوا فٹ کے رہ گئے تھے۔ آخری سیڑھیاں میں نے پیروں سے ہی طے کیں اور کلس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ کوئی چار فٹ اونچا اور چار ہی فٹ لمبا چوڑا ٹکڑا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ لگایا تو سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ چھونے سے ہی یہ سونے کا لگ رہا تھا۔ اس کے آخری حصے پر کوئی شفاف چیز جڑی ہوئی تھی اور اس کا سائز انسانی مٹھی سی زیادہ تھا۔ اس تک رسائی ممکن نہیں تھی کیونکہ اگر میں سونے کے اہرام پر چڑھنے کی کوشش کرتا تو امکان تھا کہ میں پھسل کر واپس آؤں گا۔ دور سے دیکھنے پر یہ بہت بڑے سائز کا ہیرا لگ رہا تھا۔ چار فٹ لمبے چوڑے اور اتنے ہی اونچے اس سونے کے اہرام کا وزن یقیناً ٹن سے اوپر تھا۔ اس وقت سونا شاید پچیس ہزار روپے تولہ تھا۔ اس لحاظ سے یہ سونا تقریباً ڈھائی ارب روپے کا تھا۔ ایسا ہی سونے کا ایک اہرام برف والے کے پُراسرار ٹھکانے پر بھی موجود تھا۔ اس کے اوپر جڑا ہیرا اگر اصلی تھا تو اس کی مالیت ٹنوں سونے سے بھی زیادہ تھی۔

مجھے اعتراف ہے کہ معبد کی چوٹی پر سونے کے اہرام اور اس پر ہیرے کی موجودگی نے مجھے مبہوت کر دیا تھا اور میں کچھ دیر کے لیے گرد و پیش سے بے خبر ہو گیا تھا۔ اچانک مجھے ہوش آیا اور میں نے اردگرد دیکھا کہ میں کہاں کھڑا تھا اور کس صورتِ حال سے دوچار تھا۔ چونکنے کی ایک وجہ چاند کی کم ہوتی روشنی بھی تھی۔ جس طرح چاند کی روشنی نمودار ہوئی تھی اسی طرح اب وہ سمٹ رہی تھی اور وادی کی ایک دیوار پر تیزی سے اوپر جا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے نیچے کی طرف دیکھا جہاں بدستور تاریکی تھی اور میرے ساتھی اہرام کی سیڑھیوں پر کہیں تھے۔ میں نے ذرا ایک طرف سرک کر آرگون کی طرف دیکھا۔ مگر اتنے فاصلے سے شہر کی جھلک بھی نظر نہیں آئی تھی۔ فی الحال وہاں جنگ و جدل کا سماں تھا اس لیے باقاعدگی سے روشنی کرنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ ورنہ عام حالات میں وہاں رات کے وقت اتنی روشنی ہوتی تھی جو خاصی دور سے بھی صاف نظر آتی۔

مجھے پجاریوں کا خیال آیا اگر وہ زندہ سلامت تھے تو انہیں اب تک آرگون پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اگر ایزارٹ نے اس دوران میں شہر پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی تو وہ ہماری مدد کے لیے آدمی بھیج سکتا تھا۔ سامیرا کے قلعوں اور اس کے آس پاس کیا صورتِ حال تھی اس سے میں قطعی بے خبر تھا۔ میں صرف امید کر سکتا تھا کہ جنگ کی نوبت نہیں آئی ہوگی۔ ویسے اب تک قلعوں کا محاصرہ کرنے والی فوج کو علم ہو چکا ہوگا کہ قلعے پر رینالٹ کی حکومت باقی نہیں رہی ہے اور وہاں حریت پسندوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ اس اطلاع نے لازمی بددلی پھیلائی ہو گی اور بہت امکان ہے کہ فوج کے کچھ آدمی فرار یا بغاوت پر آمادہ ہو کر سامیرا سے جا ملے ہوں۔ رینالٹ اگر زندہ تھا تب بھی وہ محل کے تہہ خانے میں محصور تھا۔ اس کی فوج قلعے سے باہر تھی۔ دیکھا جائے تو صورتِ حال ہمارے حق میں تھی۔ لیکن مکمل فتح حاصل کیے بغیر ہم سکون سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ رینالٹ کی فوج کو چھیڑنے سے قبل لازمی تھا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے ٹولے کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ ٹولہ فوج سے زیادہ خطرناک تھا۔

مجھے خیال آیا کہ معبد کے اگلے حصے میں دیکھوں۔ اگرچہ اس میں گن اور اس سے زیادہ نگرانی کرنے والے آلات کا خطرہ تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ گن کی مار محدود ہے۔ یعنی اسے اس طرح سیٹ کیا گیا تھا کہ جب کوئی بیس گز کی دوری تک آئے تو اس پر فائر کرے۔ مگر یہ زیادہ دور تک بھی مار کر سکتی تھی۔ ڈیوڈ شا نے اپنے ٹھکانے پر مجھے قید رکھنے کے لیے جب یہ گن لگوائی تھی تو اس کی حد اس سے زیادہ تھی۔ اصل خطرہ گن کے ساتھ نگرانی کرنے والے نظام کا تھا۔ اس میں ویڈیو کے علاوہ مختلف سینسرز بھی لگے تھے۔ ان میں خاص طور سے انفرارِیڈ سینسرز زیادہ خطرناک تھا۔ یہ گھپ اندھیرے میں بھی کسی گرم جسم کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی رینج نامعلوم تھی۔ ممکن ہے میں چوٹی سے جھانکتا اور دیکھ لیا جاتا۔ کچھ سوچنے کے بعد میں چوٹی سے ایک اسٹیپ نیچے آیا اور کھسکتا ہوا معبد کے سامنے والی ڈھلان کے سرے تک پہنچا اور بہت احتیاط سے نیچے جھانکا۔ میں نے فوراً ہی سر پیچھے کر لیا تھا۔ اگر گن اوپر کی طرف فائر کر سکتی تھی تو دو سیکنڈ کے لیے سر نکالنا بھی بہت رسکی تھا۔

چند لمحے بعد میں نے پھر اسی طرح جھانکا اور تین چار بار یہ حرکت دہرانے کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ کم سے کم گن اوپر فائر نہیں کر رہی تھی یا وہی رینج والی بات تھی۔ سینسرز کا خیال کرتے ہوئے میں نے نیچے دیکھا یہاں سے باغ کی مشعلیں دکھائی دے رہی تھیں لیکن معبد کے سامنے والی مشعل کی روشنی یہاں سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ گن داخلی دروازے کے شیڈ کے عین اوپر لگی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ بھی یہاں سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے عمارت والی سمت معبد کی ڈھلان پر دیکھا تو وہاں موجود ایک فوجی افسر دکھائی دیا۔ وہ مستعد کھڑا تھا۔ حالانکہ اسے بیٹھنا اور چھپنا چاہیے تھا۔ شاید اس وجہ سے بھی کھڑا ہوا تھا کہ ابھی اس طرف کسی کے آنے کے آثار نظر نہیں آئے تھے اور اگر کوئی آتا تو خاصی بلندی پر موجود فوجی افسر کو اتنی آسانی سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کے باوجود اسے محتاط اور غیر نمایاں ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ اس کا دوسرا ساتھی تھا وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی طرح اہرام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مغربی سمت تعینات دو فوجی افسر نظر نہیں آ رہے تھے۔

ربیک اور باقی سب ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں سے نیچے موجود کسی شخص کا نشانہ لینا آسان تھا۔ مگر ہمارے لیے اپنا دفاع کرنا آسان نہیں تھا۔ میں نے ربیک اور مارٹ کو ایک اسٹیپ نیچے بھیج دیا۔ خود میں اور ایرٹ اسی اسٹیپ پر رہے جب کہ ایمار کو ایک اسٹیپ اوپر بھیج دیا۔ ربیک سے فوجی افسروں کو پیغام بھجوایا کہ وہ نمایاں نہ ہوں۔ ہم خود بھی اس طرح بیٹھے تھے کہ نمایاں نہیں ہو رہے تھے۔ اب ہمارے پاس انتظار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ رات بڑھنے کے ساتھ ساتھ سردی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لیے سکڑ سمٹ کر بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ اس لیے پہلو بدلتے اور کبھی کبھی اٹھ کر چہل قدمی کرتے رہتے تھے۔ ساتھ ہی ہم دائیں بائیں موجود فوجی افسران پر نظر رکھے ہوئے تھے کیونکہ کسی کی آمد کی صورت میں وہی پہلے آگاہ ہوتے اور ہمیں اشارہ کرتے۔ ایرٹ میرے ساتھ تھا اور جب سے روبیر گئی تھی وہ مجھ سے بہت کم بات کر رہا تھا۔ اس نے خاصی دیر بعد زبان کھولی۔ ''اگر آج رات طیارے نہ آئے تو.....؟''

''تب ہم صبح ہونے سے پہلے واپس جائیں گے اور سب سے اہم کام رسّی کھولنا ہوگا۔''

''یہ کام میں اور مارٹ کریں گے۔'' نیچے سے ربیک نے کہا۔ ''مگر جناب آج سردی کچھ زیادہ نہیں ہے۔''

''ہاں ایسا لگ رہا ہے جیسے اوپر برفانی طوفان آیا ہوا ہے اس کا اثر یہاں نیچے بھی آ رہا ہے۔'' میں نے تائید کی۔ اوپر ستارے بدستور غائب تھے اور اس سے لگ رہا تھا کہ وہاں بادل ہیں اور اس موسم میں ہمالیہ میں بادل صرف اپنی جھلک دکھانے نہیں آتے ہیں بلکہ یہ برستے ہیں اور طوفان لاتے ہیں۔ بارش کے ساتھ ساتھ برفباری بھی ہوتی ہے۔ اس بلندی پر برف باری ہی ہو رہی ہوگی۔ لیکن یہاں نیچے برف کے آثار نہیں تھے اور نہ ہی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن کچھ وقت گزرا تو میں نے محسوس کیا کہ اوس بڑھ رہی ہے اور جسم کے کھلے حصوں پر یہ واضح لگ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہمارے لباس بھیگنے لگے اور معبد کی سیڑھیاں نم ہونے لگیں۔ یہ بارش نہیں تھی۔ شاید اوپر جاری طوفان کی جو برف وادی میں آ رہی تھی وہ ایک خاص بلندی پر آنے کے بعد اوس میں بدل رہی تھی اسی وجہ سے اوس گرنے کی رفتار میں تیزی آئی تھی۔

اسے آپ ہلکی بوندا باندی سمجھ لیں مگر اس میں قطرے بہت چھوٹے تھے۔ سردی کے ساتھ یہ دوسری آفت تھی اس نے سردی کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔ مگر ہمیں برداشت کرنا ہی تھا۔ ہم اسٹپس کی دیوار سے لگ کر اوس سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہر حال اس کا یہ فائدہ ہوا کہ ہمارے ذہن چوکنا ہو گئے اور بیٹھے رہنے سے ذہن پر جو ایک کہولت سی آ رہی تھی وہ غائب ہو گئی۔ وقفے وقفے سے ہم میں سے کوئی ایک اٹھ کر اسٹیپ پر ہی ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کا چکر لگاتا تھا۔ اس سے جسم ذرا گرم ہو جاتا تھا اور کناروں پر نگرانی کرنے والے بھی مستعد ہو جاتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ فوجی افسران سپاہی تو اچھے تھے مگر یہ مستعد نہیں تھے۔ برسوں سے انہیں آرام سے رہنے کی عادت پڑی ہوئی تھی جس نے ان کی مستعدی اور چستی چھین لی تھی۔ اسی وجہ سے ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی با آسانی معبد کے سو کے قریب سپاہیوں پر آسانی سے غالب آ گئی۔ جدید اسلحہ بھی وجہ تھی لیکن ساتھ ہی ان لوگوں کی سُستی بھی ایک اہم وجہ تھی ورنہ یہ مزاحمت کرتے تو ڈیوڈ شا کو لمف ٹائم دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتے تھے۔ جنگ میں انسان لڑتا ہے ہتھیار نہیں۔

وقت بہت سُست روی سے گزر رہا تھا۔ اگرچہ میں اور میرے ساتھی صبر سے آشنا تھے اس کے باوجود اس حالت میں انتظار آسان نہیں تھا۔ کپڑے زیادہ نم ہوئے تو سب ہی نے اٹھ کر چہل قدمی شروع کر دی کہ جسم گرم ہو۔ ایک بار میں ٹہلتا ہوا مغرب کی طرف جا رہا تھا کہ اس طرف موجود فوجی افسر نے سفید کپڑا لہرانا شروع کر دیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ کوئی اس طرف آ رہا تھا۔ میں نے سب کو ہوشیار رہنے کو کہا اور جھک کر اس سمت میں بڑھا۔ فوجی افسر بدستور کپڑا لہرا رہا تھا۔ میں نے نزدیک جاتے ہی اس سے کپڑا چھین لیا اور نیچے جھکنے کا اشارہ کیا۔ میں خود بھی جھک گیا تھا اور پھر کنارے سے جھانک کر دیکھا تو نیچے معبد کے ساتھ ساتھ چند مشعل بردار آتے دکھائی دیئے۔ میں نے غور کیا تو مشعلوں کی تعداد چار تھی مگر لوگ زیادہ تھے۔ میری نظریں ڈیوڈ شا کو تلاش کر رہی تھیں۔

مگر جلد مجھے احساس ہو گیا کہ وہ ان میں نہیں تھا۔ نزدیک آنے پر اضافی لوگ کرنل اور زینی ثابت ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ چار عدد لڑکیاں جو یقیناً خادمائیں تھیں، مشعل تھامے چل رہی تھیں۔ پجاری بھی نہیں تھے۔ معبد کے کونے تک آتے آتے وہ نمایاں ہو گئے تھے۔ کرنل اور زینی مسلح تھے مگر ان کی رائفلیں ان کے شانوں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ کرنل جونز نے ہاتھ میں موجود تیز روشنی والی برقی لالٹین آن کر لی اور ان کے آس پاس تیز روشنی پھیل گئی تھی۔ وہ اب گھوم کر معبد کے عقبی حصے میں آ گئے تھے اور میدان کے وسط کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میرے ساتھی جہاں تھے وہیں دبک گئے تھے میں نے فوجی افسروں کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود جھک کر کرنل اینڈ پارٹی کے ہمراہ آگے بڑھنے لگا۔ کرنل کے ایک ہاتھ میں برقی لالٹین تھی اور دوسرے میں اس نے ایک خاصا بڑا سا بیگ اٹھا رکھا تھا۔ لیکن یہ بیگ نہیں چوکور سا بکس تھا جس پر ہینڈل لگا ہوا تھا۔ یہ دھات کا بنا ہوا تھا کم سے کم فنشنگ سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔

کرنل نے میدان کے درمیان میں آنے کے بعد وہ بکس زمین پر رکھا اور لالٹین نزدیک رکھ کر اسے کھولنے لگا۔ کھلنے پر یہ مشین جیسی نکلی تھی۔ کرنل نے اس کے ساتھ چھیڑ کی تو اس پر ایل ای ڈی لائٹس جل اٹھی تھیں۔ اس نے ایک طویل انٹینا نما چیز کھینچی اور پھر تار سے منسلک مائک اٹھا کر اس پر بولنے لگا۔ اس کی آواز بہت ہلکی تھی اس لیے الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے لیکن یہ تو واضح تھا کہ مشین اصل میں طاقتور ریڈیو تھا اور کرنل اس پر کسی سے رابطہ کر رہا تھا۔ میں نچلے اسٹیپ پر ایرٹ کے پاس آ گیا تھا اور ہم دونوں کنارے سے جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ ایرٹ نے سرگوشی میں پوچھا۔ ''یہ کیا کر رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے وادی سے باہر کسی سے رابطہ کر رہا ہے۔ یہ جو ڈبا ہے اس کی مدد سے دور موجود شخص سے بھی رابطہ کیا جا سکتا ہے اگر اس کے پاس بھی ایسی ہی مشین ہو۔''

ایرٹ کے لیے یہ تعجب انگیز بات تھی کہ اس چیز کی مدد سے دور بیٹھے آدمی سے بات کی جا سکتی تھی۔ کرنل یقیناً اوپر آنے والے طیاروں یا طیارے سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوری کی وجہ سے یہ بھی واضح نہیں تھا کہ اس کا رابطہ ہو گیا ہے یا نہیں۔ لیکن تقریباً دس منٹ بعد کرنل کھڑا ہو گیا۔ البتہ اس نے ریڈیو بند نہیں کیا تھا یہ کھلا ہوا اور آن تھا کیونکہ اس کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ کرنل اب آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور شاید آنے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طیارے یا طیاروں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ ہم بھی اوپر کی طرف تھے اس لیے اس کی نظر ہماری طرف آسکتی تھی اس لیے ہم مزید محتاط ہو گئے۔ بالآخر وہ وقت آ گیا تھا جس کا انتظار تھا لیکن ڈیوڈ شا کا یہاں نہ آنا مجھے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ یہ اہم ترین موقع تھا اور اس کی موجودگی یہاں ضروری تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ یہ تو میں اپنے نقطۂ نظر سے سوچ رہا تھا۔ ڈیوڈ شا کے خیال میں حالات معمول کے مطابق تھے اور اس نے ضروری نہیں سمجھا کہ آنے والوں کے استقبال کے لیے بہ نفس نفیس خود موجود ہو۔ یہ کام اس نے کرنل اورزینی پر چھوڑ دیا تھا۔

اب میں اور میرے ساتھی بھی اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایرٹ کی مدد سے سب کو پیغام بھیج دیا کہ کرنل جونز ہی اصل نشانہ تھا اور اس کے بعد زینی کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جائے۔ مشعل بردار لڑکیوں سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہنگامہ ہونے پر وہ لازمی معبد کے اندر جانے کی کوشش کرتیں اور اندر والوں کے خبردار کرتیں۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ایک بار معرکہ شروع ہوتا تو اندر والوں کو خود ہی پتا چل جاتا۔ کرنل کو بات کیے ہوئے مشکل سے دس منٹ ہوئے تھے کہ مجھے اوپر سرخ روشنیاں سی محسوس ہوئیں۔ یہ جل بجھ رہی تھیں جیسا کہ طیاروں میں وارننگ لائٹس ہوتی ہیں۔ ان کی تعداد دو یا تین تھی۔ یہ وقفے وقفے سے جل بجھ رہی تھیں اس لیے درست تعداد کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ روشنیاں واضح ہو رہی تھیں اور پھر اچانک ہی طیاروں کی تیز سرچ لائٹس آن ہو گئیں اور وادی کی فضا میں روشنی کی تین لکیریں چکرانے لگی تھیں۔ میرے لیے یہ نئی چیز نہیں تھی لیکن میرے ساتھیوں کے لیے ضرور تھی۔ وہ دم بخود تھے اور ایرٹ نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اس نے پوچھا۔ ''یہی طیارے ہیں؟''

''ہاں یہی طیارے ہیں۔''

''یہ تو جادو ہے۔''

''جادو نہیں یہ اڑنے والی مشینیں ہیں۔''

طیارے نیم دائرے میں چکر لگاتے ہوئے نیچے آ رہے تھے۔ اپنی سرچ لائٹوں کی مدد سے وہ وادی کی دیواروں اور ایک دوسرے سے ہوشیار تھے۔ چند منٹ میں وہ اتنا نیچے آ چکے تھے کہ جب ایک طیارے پر دوسرے کی سرچ لائٹ پڑتی تو اس کی ساخت واضح ہو جاتی تھی۔ یہ دو انجن والے چھوٹے طیارے تھے جن میں سات آٹھ آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ ابھی ان کی آواز نمایاں نہیں تھیں مگر مکھی بھنبھنانے جیسی آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے یعنی جہاں ہم تھے وہاں سے کوئی تین ہزار فٹ کی اونچائی تھی۔ اسی لمحے نیچے تیز روشنی ہوئی۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو کرنل نے رن وے لائٹس آن کر دی تھیں۔ طیاروں کے پائلٹ نے بھی یہ لائٹس دیکھ لی تھیں اور وہ اب گھومتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔ ہزار فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد وہ رن وے کی سیدھ میں آنے کے لیے سیٹ ہونے لگے۔ اب ان کے انجنوں کی آواز بھی نمایاں ہو گئی تھی۔

میں نے رسّی لگانے کے لیے جو سمت چنی تھی وہ رن وے لائٹس کو مدنظر رکھتے ہوئے چنی تھی۔ کرنل نے لائٹس اس طرح لگائی تھیں کہ وہ اس سمت میں دیوار سے کسی قدر فاصلے پر تھیں اور مخالف سمت میں یہ دیوار کے خاصے پاس تک تھیں۔ گویا طیارے اسی سمت سے اتر سکتے تھے۔ اگرچہ یہاں وادی کی دیوار قریب تھی لیکن پھر بھی یہ ایک میل کے فاصلے پر تھی اور اتنی دوری محفوظ لینڈنگ میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی۔ اس طرف سے لینڈ اس وجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بھی چنی گئی تھی۔ لیکن اصل بات یہ تھی کہ اس طرف پودے اور کچھ چھوٹے درخت تھے جب کہ دوسری طرف دیوار تک ہموار میدان تھا اور وہاں طیاروں کو اترنے میں آسانی ہوتی۔ پھر سائیڈ پر اتنی جگہ تھی کہ ایک طیارہ اتر کر اس طرف گھوم جاتا تو دوسرے کے لیے رن وے فوری خالی ہو جاتا۔ میں نے دیکھا کہ پہلا طیارہ جو سب سے نیچے بھی تھا وہ گھوم کر اس سیدھ میں آ رہا تھا۔ اس دوران کرنل خاموش کھڑا تھا۔ وہ شاید پہلے ہی پائلٹس کو بتا چکا تھا کہ انہیں کس سمت سے اترنا ہے۔

اب طیاروں کی آواز وادی میں گونج رہی تھی اور میں نے اپنے ساتھیوں کو ہوشیار رہنے کو کہا۔ ہم نے تیر کمان سنبھال لیے تھے۔ مگر فی الحال اسٹیپ کی دیوار کے ساتھ دبکے ہوئے تھے۔ مجھے پہلے خیال نہیں آیا مگر اب میں سوچ رہا تھا کہ اگر طیاروں کی روشنی میں پائلٹس نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ کرنل کو خبردار کر سکتے تھے۔ ایسا ممکن تھا کیونکہ اس عجوبہ وادی میں آنے کے بعد ان کا واسطہ سب سے پہلے جس عجوبے سے واسطہ پڑتا وہ یہی اہرام نما معبد تھا۔ اگر وہ اس کی طرف توجہ دیتے تو ہم بھی نظر آ سکتے تھے۔ مگر اب خیال آنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں صرف امید کر سکتا تھا کہ پائلٹس کی توجہ لینڈنگ کی طرف ہو گی۔ کم سے کم اس کی جو سب سے نیچے تھا۔ کرنل ساکت کھڑا ہوا لینڈنگ کے لیے آنے والے اولین طیارے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ لینڈنگ زون کی سیدھ میں آ گیا تھا۔

باقی دو طیارے عین ہمارے اوپر تھے۔ پھر ان میں سے ایک الگ ہو کر لینڈنگ کی پوزیشن لینے لگا تھا۔ اسی لمحے کرنل کے ساتھ رکھے ریڈیو پر لائٹس تیزی سے آن آف ہونے لگیں۔ کرنل چونکا اور نیچے جھکا تھا کہ میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ کسی پائلٹ نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور اب وہ کرنل کو خبردار کر رہا ہے۔ اس وقت تک پہلا طیارہ لینڈنگ زون کے پاس پہنچ گیا تھا۔ کرنل نے ریڈیو پر بات کر رہا تھا اور طیارے کے انجن کے شور میں اسے ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر پھر اس نے سن لیا اور اہرام کے اوپر دیکھا۔ میں نے چلا کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''ہوشیار وہ ہمارے بارے میں جان گئے ہیں۔''

کرنل کھڑا ہوا اور اس نے رائفل ہاتھ میں لے لی تھی۔ میں نے پھر چلا کر خبردار کیا۔ ''کوئی نمایاں نہ ہو۔''

چلانا یوں پڑ رہا تھا کہ طیارے کے انجن کا شور اب سماعت میں گھس رہا تھا۔ میں نیچے دیکھ رہا تھا۔ کرنل کے ساتھ زینی بھی ہوشیار ہو گئی تھی اور اس نے رائفل سنبھال لی تھی۔ میرا دل ایک لمحے کو ڈوبا تھا۔ ہمارے سر پرائز ایلیمنٹ کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ کرنل اور زینی ہماری موجودگی سے واقف ہو گئے تھے۔ مگر دوسرے لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا۔ میری نظر اب طیارے پر مرکوز تھی جو تیزی سے نیچے آ رہا تھا۔ اس نے پلک جھپکنے میں فصیل کراس کی اور اگلے ہی لمحے ہوا میں قلابازی کھائی تھی۔ اس کے اگلے دونوں ٹائر زرتی سے الجھے تھے اور جب وہ زمین سے ٹکرایا تو تقریباً الٹا ہو چکا تھا۔ طیارے کی رفتار کم سے کم بھی سو میل فی گھنٹا تھی۔ ایک دھماکا ہوا اور طیارہ زمین سے ٹکرا کر اچھلا اور جب دوسری بار گرا تو اس میں آگ لگ چکی تھی۔ تیسری بار اس نے قلابازی کھائی اور اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ یہ ٹکڑے رن وے اور احاطے میں جا بجا پھیل رہے تھے۔ ہر ٹکڑے میں آگ لگی ہوئی تھی اور طیارے کی مرکزی باڈی سے شعلے ابل رہے تھے۔ پھر اس کے بھی ٹکڑے ہونے لگے۔ یہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاندار منظر تھا۔ اب یہاں فوری طور پر دوسرے طیارے کی لینڈنگ کا امکان باقی نہیں رہا تھا جب تک رن وے کو ملبے سے صاف نہ کر دیا جاتا۔ ملبہ جل رہا تھا اور اس کے پاس جانے اور اسے رن وے سے ہٹانے کا فوری طور پر کوئی امکان نہیں تھا۔

پھر میں نے طیارے کی تباہی کا سب سے بہترین منظر دیکھا۔ طیارے کا ایک ٹکڑا جلتا اور اڑتا ہوا ان لوگوں کی طرف آیا۔ کرنل رائفل اوپر کیے کسی نشانے کا منتظر تھا اور یہ ٹکڑا آ کر اس کے جسم سے ٹکرایا۔ ایک دھاڑ کے ساتھ کرنل گرا تھا۔ مشعل بردار خامائیں پہلے ہی طیارے کی تباہی کے بعد مخالف سمت میں بھاگ رہی تھیں۔ زینی نے برقی لالٹین بند کر دی تھی اور اب وہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر رن وے لائٹس بھی بند ہو گئیں۔ وہاں صرف طیارے کے جلتے ملبے کی روشنی تھی۔ اس میں موجود کسی فرد کا بچنا محال لگ رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا کہ کوئی نمایاں نہ ہو اگرچہ کرنل مارا گیا تھا یا شدید زخمی تھا لیکن زینی غائب تھی۔ وہ کہیں چھپ کر وار کر سکتی تھی۔ زینی کے بعد دوسرا بڑا خطرہ اوپر موجود دو طیارے تھے۔ ان میں مشین گنوں کی موجودگی عین ممکن تھی اور پھر فوراً ہی یہ خطرہ سامنے بھی آ گیا۔ جیسے ہی خادمائیں دوسری طرف گئیں ایک طیارے نے غوطہ لگایا اور ہماری طرف آنے لگا۔ میں نے چلا کر کہا۔

''ہوشیار کسی جگہ چھپ جاؤ۔ یہ حملہ کرنے آ رہا ہے۔''

''ہم کہاں جائیں؟'' ایرٹ نے پوچھا۔

میں نے سوچ کر جواب دیا۔ ''اہرام کے کونوں کی طرف جاؤ تاکہ ایک طرف سے حملہ ہو تو تمہارے پاس دوسری آڑ ہونے چاہیے۔ آدھے آدھے دونوں سمتوں میں ہو جائیں۔ سب ایک دوسرے سے دور رہو یہ ایک وقت میں ایک ہی ہدف پر حملہ کر سکتا ہے۔ پاس رہو گے تو خطرہ بڑھ جائے گا۔''

ربیک اوپر آ گیا تھا۔ ''اور آپ؟''

میں نے اہرام کی چوٹی کی طرف دیکھا۔ ''مجھے دوسری طرف جانا ہے۔''

''لیکن.....'' ربیک نے کہنا چاہا مگر میں نے غرا کر کہا۔

''جو کہا ہے ویسا ہی کرو۔ یہ زیادہ دیر حملے نہیں کر سکتے ہیں مگر ان کے حملے بہت خوفناک ہوں گے۔ اگر بچنے کے لیے عمارت میں جانا پڑے تو وہاں چلے جانا۔''

یہ کہتے ہی میں بھاگا اور اسی لمحے غوطہ مارنے والے طیارے نے اپنی مشین گن کا دہانہ کھول دیا۔ گولیاں برس رہی تھیں لیکن نشانے سے دور تھیں۔ میرے ساتھی جہاں تھے وہیں دبک گئے۔ صرف میں حرکت میں تھا۔ میں گھوم کر معبد کے عمارت والے پہلو میں آیا۔ یہاں موجود فوجی افسر نیچے اتر رہا تھا اور اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کی نیت فرار کی ہے۔ میں اس کی طرف توجہ دیے بغیر معبد کے سامنے والی سمت جانے لگا۔ اس وقت میرے پیروں کو پر لگے ہوئے تھے۔ دوسرا طیارہ بھی اس حملے میں شامل ہو گیا تھا۔ اس نے میرا رخ کیا تھا جب کہ پہلا طیارہ گولیاں برساتا آگے نکل گیا تھا۔ میں اپنے ساتھیوں کی عافیت کے لیے صرف دعا ہی کر سکتا تھا۔ پہلا گزرا تو دوسرے طیارے نے مشین گن سے گولیاں برسانا شروع کیں۔ پہلے اس کا نشانہ معبد کا نچلا حصہ تھا اور میں نے فرار ہونے والے فوجی افسر کو چھلنی ہو کر گرتے دیکھا۔ میں نے ایک بار پھر اس آفاقی حقیقت کو جانا کہ موت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بچ کر آدمی کہیں نہیں جا سکتا ہے۔

اس کے بعد طیارے کا رخ میری طرف ہو گیا تھا۔ سیڑھیوں پر برستی گولیاں بتدریج میرے پاس آتی جا رہی تھیں۔ طیارہ بھی نزدیک آ گیا تھا۔ جب گولیاں مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر لگیں تو میں نے آگے کی سمت چھلانگ لگائی تھی اور اسی لمحے طیارہ اوپر سے گزر گیا۔ میں پھسلتا ہوا آگے گیا تھا اور اس جست نے مجھے گولیوں سے بچا لیا۔ جب طیارہ گزر گیا تو میں اٹھ کر بھاگا تو معبد کے سامنے نکلا تھا۔ اب میں دیوار سے لگ کر اور جھک کر آگے بڑھنے لگا۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ مشعل بردار خادمائیں کہیں دبک گئی تھیں اور زینی بھی نظر نہیں آئی تھی۔ اگر وہ میری طرح معبد کی دیوار سے لگ کر چل رہی تھی تو مجھے نظر نہیں آ سکتی تھی۔ جھک کر ہر ممکن تیزی سے میں معبد کے داخلی دروازے کے اوپر پہنچ گیا تھا۔ اس وقت تک مجھ پر حملہ کرنے والا طیارہ دوبارہ پلٹ آیا تھا اور معبد کے عقبی حصے سے بھی گنگ کا شور جاری تھا۔ وہاں میرے ساتھیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ایک طیارے کی تباہی نے انہیں دیوانہ بنا دیا تھا۔

میں نے نیچے دیکھا اور کود کر اسٹیپس سے نیچے اترنے لگا۔ میں آرام سے اترنے میں وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ طیارہ آرگون کی طرف سے پلٹ کر آ رہا تھا۔ اوس کی وجہ سے اسٹیپ پھسلواں ہو رہے تھے اور کودنے کے دوران اپنے توازن کا خیال بھی رکھنا تھا ورنہ لڑھک جاتا تو پھر نیچے پہنچ کر ہی مجھے بریک لگتے۔ اسی وجہ سے میری رفتار ذرا سست ہوئی تھی۔ طیارے نے کوئی چھ سو فٹ کی بلندی سے مجھ پر گولیاں برسانا شروع کیں اور رفتہ رفتہ گولیوں کی لائن نزدیک آنے لگی۔ یہ بھاری مشین گن تھی جس کی تین انچ لمبی گولی ایک فٹ موٹے ٹھوس کنکریٹ سے گزرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس وقت میں معبد کے داخلی دروازے کے اوپری شیڈ سے کچھ ہی نیچے تھا۔ مجھے لگا کہ میں اس رفتار سے شیڈ تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ اس لیے آخری دو اسٹیپ میں نے چھلانگیں لگاتے ہوئے طے کیے اور شیڈ کے اوپر گرا۔ پیروں کے بل گرتے ہوئے میں نے دونوں ہاتھ ٹیکے اور قلابازی کھاتے ہوئے شیڈ کی کسی قدر اٹھی چھت پر گرا تھا۔

آخری گولیاں معبد کے سامنے روش پر لگیں اور اس کے بعد طیارہ اوپر اٹھا تو مشین گن کا رخ بھی بدل گیا اور پائلٹ نے گولیاں برسانا بھی بند کر دی تھیں۔ ایک بار پھر میں عین آخری موقع پر بچا تھا۔ میں چھت پر نصب خودکار گن کے بالکل سامنے گرا تھا جو ٹرائی پوڈ پر اپنے تمام لوازمات کے ساتھ سیٹ تھی۔ فی الحال یہ آف تھی ورنہ میں بالکل سامنے تھا اور مجھے شوٹ کرنا ایک سیکنڈ کی بات تھی۔ ظاہر ہے معبد سے باہر آنے سے پہلے اسے آف کر دیا گیا تھا۔ میں اٹھ رہا تھا کہ گن کے اوپر لگی ہوا ایک ایل ای ڈی روشن ہوئی اور میں نے جیسے خودکار انداز میں قلابازی لگائی اور اس کے پیچھے گرا تھا۔ ہونے والا فائر نہ جانے کہاں گیا تھا۔ فائر بے آواز تھا صرف ہلکی سی ٹھس کی آواز آئی تھی۔ گن میری طرف گھوم رہی تھی لیکن یہ ایک حد تک ہی پیچھے گھوم سکتی تھی۔ پیچھے میں محفوظ تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے اس کا معائنہ کیا۔ لیکن نزدیک نہیں گیا تھا اور نہ ہی سیدھا کھڑا ہوا تھا۔

ٹرائی پوڈ کے ساتھ اسے کنٹرول کرنے والا باکس لگا ہوا تھا جس میں کیمرے اور سینسرز تھے۔ اس کا بھی امکان تھا کہ دیگر کیمروں کی مدد سے اسے کنٹرول کیا جاتا ہو۔ میں باکس کو ٹٹولنے لگا۔ یہ مکمل طور پر بند تھا اور بظاہر مجھے ایسا کوئی بٹن نہیں ملا جو اسے آف کر دیتا۔ اب میں نے گن چیک کی۔ یہ اس باکس میں نصب تھی۔ لیکن اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الگ کیا جا سکتا تھا اور میں نے اسے الگ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہاں نیم تاریکی تھی اور نیچے جلنے والی مشعلوں کی روشنی یہاں آ رہی تھی۔ مجھے اپنا بچاؤ بھی کرنا تھا۔ اس لیے میں ایک حد سے زیادہ آگے بھی نہیں آ سکتا تھا۔ طیارے کی آمد سے پہلے مجھے گن کو الگ کر لینا تھا۔ طیارہ گھوم کر پھر حملہ کرنے کے لیے آرگون کی طرف چلا گیا تھا۔ گن کسی لاک کی مدد سے اس بکس میں پھنسی ہوئی تھی اور میں وہ لاک تلاش کر رہا تھا۔ مگر اندھیرے میں وہ لاک نہیں مل رہا تھا۔

اچانک ہی گن سے فائر ہوا اور میں اچھل پڑا تھا۔ یقیناً ڈیوڈ شا نے محسوس کر لیا تھا کہ گن کے ساتھ چھیڑ ہو رہی تھی۔ یہ سنگل فائر تھا اور گولی کہیں سامنے گئی تھی۔ بکس میں لگی مشین گن خاصی بھاری تھی اور اس کی مار اچھی خاصی تھی۔ پھر فائر ہوا تو میں نے اپنی کوشش تیز کر دی۔ میرا ہاتھ گن کے ساتھ ایک ابھار پر گیا۔ پہلے میں اسے بکس کا فکس حصہ سمجھا تھا لیکن جب دوبارہ ہاتھ اس پر آیا تو میں نے اسے دبایا اور زور سے دبانے پر یہ اندر گیا اس کے ساتھ ہی گن بکس سے الگ ہو گئی۔ صرف گن نہیں بلکہ اس کے نیچے کوئی آٹھ انچ لمبا، چار انچ چوڑا اور تین انچ موٹا ایمونیشن بکس بھی الگ ہو گیا۔ اس سمیت گن کا وزن کوئی دس کلوگرام ہو گا اور اسے اٹھانا ہی خاصا مشقت آمیز کام تھا۔ میں نے چیک کیا تو گن بکس کے کھانچے میں اس طرح پھنسی تھی کہ اس کا ٹریگر اندر ایک لیور کی گرفت میں آ جاتا تھا اور وہ لیور حرکت کرتا تھا تو فائر ہوتا۔

دوسرا لیور گن کے سائیڈ پر لگے مینول کو تبدیل کر کے اسے خودکار اور سنگل شاٹ پر کرتا تھا۔ یہ تمام تفصیلات میں ابھی بتا رہا ہوں ورنہ اس وقت مجھے گن چیک کرنے کا ہوش نہیں تھا۔ ٹرائی پوڈ بکس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اگر یہ گن کے ساتھ ہوتا تو مجھے اضافی وزن اٹھانا پڑتا۔ اب میں زیادہ آسانی سے گن استعمال کر سکتا تھا۔ طیارہ پلٹ کر آ رہا تھا اور اس نے حملے والی پوزیشن لے لی تھی۔ کوئی چھ سو گز کی دوری سے اس کی مشین گن گولیاں اگلنے لگی۔ میں اس کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ گولیاں مجھ سے بہت دور باغ کو ادھیڑ رہی تھیں۔ مگر ان کا رخ میری طرف ہی تھا۔ جب طیارہ چار سو گز دور رہ گیا تو میں نے اس کے ایک انجن کا نشانہ لے کر گولیاں چلانا شروع کیں۔ گن کا دھکا خاصا زیادہ تھا اور ہر فائر پر میں ہل جاتا تھا۔ اگر میں نے پشت دیوار سے نہ لگائی ہوتی تو میں پیچھے جا گرتا۔ اگر نہ بھی گرتا تو نشانہ غلط ہو جاتا۔ مگر دیوار نے مجھے سپورٹ کیا تھا۔

طیارہ نزدیک آ رہا تھا اور اس سے برستی گولیاں بھی نزدیک آ رہی تھیں۔ جب وہ دو سو گز دور رہ گیا تو میں نے گن کو خودکار موڈ پر کیا اور اس بار کسی تکلف کے بغیر گولیوں کی جوابی بارش شروع کر دی۔ طیارے کے پائلٹ کو شاید اس کی توقع نہیں تھی کہ اسے زمین سے برابر کا جواب ملے گا۔ یہ گن اس کے طیارے میں لگی مشین گن سے کسی طرح کم خطرناک نہیں تھی۔ اس کی مار بھی خاصی تھی۔ توقع نہ ہونے کی وجہ سے پائلٹ بے فکری سے بہت کم بلندی پر چلا آ رہا تھا۔ طیارہ سو گز دور تھا اور گولیاں شیڈ تک آ کر اسے ادھیڑ رہی تھیں کہ اچانک طیارے کے دائیں انجن میں دھماکا ہوا۔ شعلے نکلے اور پھر انجن دھماکے سے پھٹ گیا۔ طیارہ ایک طرف جھکا اور اس کے ساتھ ہی اس کی مشین گن سے گولیاں نکلنا بند ہو گئیں۔ ظاہر ہے اب پائلٹ کو اپنی بقا کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

کیونکہ طیارے کا صرف بایاں انجن کام کر رہا تھا اس لیے وہ میرے دائیں طرف گیا تھا۔ پائلٹ نے اسے اوپر اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا تھا۔ نہ صرف دایاں انجن بلکہ پر کا بڑا حصہ بھی ٹوٹ گیا تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طیارے کی ایروڈائنامک بگڑ چکی تھی۔ عام طور سے دو انجنوں والے طیارے ایک انجن بند ہونے پر دوسرے انجن کی مدد سے بھی پرواز جاری رکھ سکتے ہیں لیکن ایک بار ایروڈائنامک بگڑ جائے تو طیارہ درست انجنوں کے ساتھ بھی پرواز نہیں کر سکتا ہے۔ طیارہ معبد کے مغربی کنارے سے ٹکرایا۔ تصادم کے دھماکے کے ساتھ ہی اس کے ٹکڑے ہوا میں بلند ہوئے تھے۔ یہ ہر طرف برس رہے تھے اور یہ سب مشکل سے پانچ سیکنڈ میں ہو گیا۔

ان ٹکڑوں سے بچنے کے لیے میں دیوار کی جڑ میں گھس گیا اور گول مول ہو کر اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے جو چند ایک ٹکڑے اس طرف آئے دیوار نے ان سے محفوظ رکھا تھا۔ جب ٹکڑوں کی بارش تھم گئی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا، تصادم نے اہرام کا ایک حصہ تباہ کر دیا تھا اور طیارے کا جلتا ہوا ملبا اس کی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا نیچے تک پہنچا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور رب کا شکریہ ادا کیا جس نے ایک بار پھر اپنے بندے کو یقینی نظر آنے والی موت سے بچایا تھا۔ تیسرے طیارے کی آواز آئی تو میں چونکا۔ وہ معبد کے اوپر سے ہوتا ہوا آرگون کی طرف جا رہا تھا۔ دوسرے طیارے کے حشر نے آخری طیارے کے پائلٹ کا حوصلہ پست کر دیا اور اس نے پسپا ہونے میں عافیت سمجھی تھی۔ پتا نہیں وہ آرگون کی طرف گیا تھا یا وادی سے واپس جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کی سرچ لائٹ بند ہو گئی تھی اس لیے وہ کچھ ہی دیر بعد نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اسے پسپا ہوتے دیکھ کر مجھے اب اپنے ساتھیوں کی فکر ہونی چاہیے تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان میں سے کتنے طیارے کی مشین گن کا شکار ہوئے تھے۔ اگر ان میں سے کچھ بچے تھے تو وہ یقیناً اپنے زخمی ہونے والے ساتھیوں کی دیکھ بھال کر رہے ہوں اور جو مر چکے ہوں گے وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو گئے ہوں۔ اس لیے ان کی مدد کے لیے جانے سے زیادہ ضروری ڈیوڈ شا کی طرف جانا تھا۔ اس لیے اپنے ساتھیوں کی زندگی و موت اوپر والے پر چھوڑ کر میں نے وہ کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ میں گن سمیت تیزی سے دو اسٹیپ نیچے کودا۔ بھاگ دوڑ اور گرنے پڑنے سے جسم پر خاصی چوٹیں آئی تھیں مگر یہ چوٹیں ایسی نہیں تھیں جو مجھے حرکت کرنے سے روک سکتیں۔ آخری اسٹیپ سے روش پر کودتے ہی میں دیوار کے ساتھ چپک گیا۔ عین ممکن تھا کہ زینی اور بچ جانے کی صورت میں کرنل بھی اسی طرف موجود ہوتے۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

کچھ دیر پہلے تک ماحول طیاروں کے انجنوں اور مشین گن کی گھن گرج سے گونج رہا تھا۔ مگر اب وہاں خاموشی تھی۔ میں سرکتا ہوا داخلی دروازے کے سلوپ تک آیا۔ ایک لمحے کو سر نکال کر دیکھا اور فوراً ہی سر واپس کر لیا۔ ایک لمحے کی جھلک میں اندر مشعلوں کی روشنی دکھائی دی اور اس روشنی میں نہ تو کوئی انسان نظر آیا اور نہ ہی کوئی ہتھیار جیسی چیز جیسے کہ یہ خود کار گن تھی۔ ورنہ خطرہ تھا کہ اندر بھی اس قسم کا کوئی ہتھیار نہ ہو۔ اللہ کا نام لے کر میں گھوما اور سلوپ پر آ گیا۔ لیکن سیدھا جانے کے بجائے میں نے ترچھا ہو کر دیوار سے لگتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھی۔ میری تمام حسیات بہت چوکنا تھیں۔ خاص طور سے میں سماعت پر زور دے رہا تھا کیونکہ آنکھ صرف رکاوٹ تک دکھاتی ہے۔ جب کہ کان رکاوٹ کے پیچھے کی آہٹ بھی سنا تا ہے۔ گن کو میں نے دوبارہ سنگل موڈ پر کر لیا تھا۔ میں ایک لمحے کے دسویں حصے میں گولی چلانے کے لیے تیار تھا۔

سلوپ کے اوپری حصے میں دائیں بائیں دو عدد مشعلیں روشن تھیں اور ان کی تیز روشنی میں سب واضح نظر آ رہا تھا۔ اندر آنے سے پہلے میں نے اطمینان کر لیا تھا کہ تیسرا طیارہ اب یہاں واپس نہیں آئے گا۔ آرگون کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف جانے کے بعد وہ پلٹا نہیں تھا اور اب اس کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ اس طرف طیارے کے اترنے کے لیے بہت سی جگہیں تھیں۔ آرگون کے اندر اور باہر ہموار میدان تھے۔ مگر کسی بھی جگہ اسے خوش آمدید نہیں کہا جاتا۔ آرگون میں ایزارٹ اور اس کے ساتھی مزاحمت کرتے اور اس سے باہر رینالٹ کی فوج مزاحمت کرتی۔ لیکن دونوں ہی طرف آنے والے مسلح افراد کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ طیارے میں اگر آٹھ افراد تھے اور وہ اسلحہ بھی لائے تھے تو وہ ہزاروں کی فوج پر بھاری تھے جو تیر کمان اور نیزوں سے مسلح تھی۔

اصولاً دو طیاروں کی تباہی کے بعد اس تیسرے طیارے کو واپس چلے جانا چاہیے تھا۔ مگر اس کی واپسی میں واحد رکاوٹ ڈیوڈ شا ہو سکتا تھا۔ اس کا اگر طیارے سے رابطہ تھا تو وہ پوری کوشش کرتا کہ وہ کہیں لینڈ کرے اور پھر اس کی مدد کے لیے آئے۔ کرنل زندہ تھا یا نہیں لیکن ابھی اس کے ساتھ زینی اور سب سے بڑھ کر باسوتھے۔ ایک طیارے کے سات آٹھ افراد بھی اسے مل جاتے تو اس کی طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ دو طیاروں اور پندرہ سولہ افراد کی ہلاکت اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اسے موقع مل جاتا تو وہ پھر باہر سے اس سے زیادہ کمک منگوا سکتا تھا۔ میں اسے یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہی سوچ کر میں نے معبد میں گھسنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ سلوپ کے سب سے اوپری حصے میں آتے ہی مجھے سامنے دو عدد نوجوان پجاری دکھائی دیئے اور مجھے دیکھ کر انہوں نے خوفزدہ انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ ان میں سے ایک نے گڑگڑا کر کہا۔

''ہمیں مت مارنا ہم ان کے ساتھ نہیں ہیں۔''

میں ان کی زبان سمجھ رہا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ میری زبان نہیں سمجھتے۔ بہرحال اشاروں کی زبان سے بھی کام چلایا جا سکتا تھا۔ اس لیے میں نے آگے آنے کا اشارہ کیا اور انہوں نے بلا چوں چرا حکم کی تعمیل کی تھی۔ وہ میرے ہاتھ میں گن جیسے ہتھیاروں کی ہلاکت خیزی سے اچھی طرح واقف تھے۔ میں نے سوچا اور اشارے سے پوچھا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھی کہاں ہیں۔ کئی بار کی ایکسرسائز کے بعد میں انہیں سمجھانے میں کامیاب ہوا تو ان میں سے ایک نے اندر اشارہ کیا۔ غالباً وہ سمجھ رہا تھا جیسے میں ان کی زبان بول نہیں پا رہا ہوں اسی طرح سمجھوں گا بھی نہیں۔ میں نے منہ سے بولنے کو کہا تو اس نے کہا۔ ''وہ اندر خاص حصے میں ہیں جہاں سینتور کا معبد ہے۔''

سینتور ان کا خدا تھا۔ اس کے معبد سے مراد یہی ہو سکتی تھی کہ وہاں اس کا مجسمہ یا ایسی کوئی چیز تھی جسے یہ سینتور سے منسوب کر سکتے تھے۔ میں نے اشارہ کیا کہ وہ بولتا رہے۔ اس نے کہا۔ ''یہ راہداری اوپر جاتی ہے۔ تیسری منزل کے بعد صرف خاص پجاری ہی آگے جا سکتے ہیں۔''

یقیناً یہاں ایسا نظام تھا جس میں اونچ نیچ اور تفریق تھی۔ تیسرے فلور سے آگے جاتے ہوئے عام پجاریوں کے پر جلتے ہوں گے۔ کیونکہ میری دلچسپی کے لوگ وہاں تھے اس لیے میں نے اسی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے ان دونوں کو سمجھایا کہ وہ میرے آگے چلیں اور فرار ہونے کی کوشش انہیں فوری موت سے ہمکنار کر دے گی۔ ہاں میرا کہنا مانتے رہے تو ان کی زندگی کا امکان ہے۔ وہ زندہ رہنا چاہتے تھے اس لیے شرافت سے میرے آگے چلنے لگے۔ اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے انہیں رکنے کو کہا اور پھر ان سے اشاروں میں روبیر کا پوچھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا اس لیے میں نے آسان کام کیا اور خادماؤں کا پوچھا۔ بولنے والے پجاری نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''خادمائیں دوسری منزل پر رہتی ہیں۔''

اہرام نما عمارتوں میں وزن سہارنے کے لیے اندر بھی زیادہ تر ٹھوس حصہ ہوتا ہے اور خلا جہاں راستے اور کمرے ہوتے ہیں وہ کم ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی تھا۔ طویل راہداریاں تھیں اور پھر چھوٹے ہال یا کمرے آتے تھے۔ راہداریوں سے چھوٹی گلیاں نکل رہی تھیں اور ان کے دونوں طرف کمرے یا حجرے تھے۔ حجرے میں نے سائز کے لحاظ سے کہا ہے۔ ورنہ یہ بھی ٹھوس اور بہت صفائی سے ہموار کیے ہوئے پتھروں سے بنے تھے۔ یہاں فرش سفید ٹائل نما پتھر سے بنا ہوا تھا اور اسے بھی پالش کیا گیا تھا۔ اوپر جانے والی راہداری مسلسل سلوپ کی صورت میں تھی۔ یہ گھوم بھی رہی تھی اور کہیں کہیں ہموار بھی ہو جاتی تھی۔ سلوپ اتنا تھا کہ چڑھنے اور اترنے والے کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہم دوسرے فلور پر آئے تو یہاں مجھے خادمائیں دکھائی دیں۔ یہاں ہال نسبتاً بڑے تھے۔ وہاں فرنیچر اور دوسرے لوازمات بھی دکھائی دے رہے تھے۔ عورتیں مجھے دیکھ کر خوف زدہ ہو گئیں اور جب میں اشارے سے ایک کو بلایا تو وہ رونے لگی تھی مگر گھسٹتی ہوئی مجھ تک آ گئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''روبیر؟''

یہ بڑی پیاری سے لڑکی تھی اس کی عمر بیس سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن عملی طور پر وہ عورت تھی۔ یہاں کسی کنواری لڑکی کی موجودگی کا امکان نہیں تھا۔ وہ منہ اٹھا کر مجھے دیکھی رہی۔ روبیر کا نام اس کے سر پر سے گزر گیا تھا۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا کیونکہ روبیر تو مفرور تھی۔ اس کا نام صرف زونیرا جانتی تھی اور وہ اب ہمارے پاس تھی۔ یہ عورتیں روبیر کے نام سے بھی ناواقف تھیں۔ پجاری پہلے ہی روبیر کی موجودگی سے انکار کر چکے تھے۔ میں عورتوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں ساری خادمائیں نہیں ہیں۔ ان کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے اشارے سے پوچھا کہ باقی عورتیں کہاں ہیں؟ ایک عورت نے سمجھ کر کہا۔ ''وہ اوپر ہیں سنتور والے حصے میں۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اگر روبیر پکڑی گئی تھی تو اسے بھی دوسری خادماؤں کے ساتھ پجاریوں کے خاص حصے میں رکھا گیا تھا اور ظاہر ہے آرام سے نہیں رکھا گیا اس پر سختی کی جا رہی ہوگی۔ وہاں شامین تھا جو اسے پہچانتا تھا۔ میں نے ساتھ آنے والے پجاریوں سے شامین کے بارے میں پوچھا تو اس کے بارے میں بھی یہی اطلاع ملی کہ وہ اوپر خاص حصے میں ہے۔ میں نے پجاریوں کی مدد سے خادماؤں سے کہا کہ وہ یہاں سے چلی جائیں اور اپنی جان بچانے کے لیے کہیں چھپ جائیں لیکن معبد سے نکل جائیں۔ پجاریوں نے کہا تو یہ پندرہ سولہ عورتیں افراتفری میں بھاگی تھیں۔ اب ہمیں دوسرے فلور پر جانا تھا۔ یہاں سے آگے جاتے ہوئے بھی میں نے پجاریوں کو سامنے رکھا تھا۔ دوسرا فلور تقریباً خالی تھا وہاں ہمیں نصف درجن چھوٹے درجے کے پجاری ملے اور میں نے انہیں بھی یہاں سے جانے کا مشورہ دیا۔ میرے مشوروں نے میرے ساتھ موجود پجاریوں کو فکرمند کر دیا تھا۔ بولنے والے نے کہا۔

''یہاں کچھ ہونے والا ہے تو ہمیں بھی جانے دو۔''

میں نے انکار کیا اور گن سے انہیں آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ بادل ناخواستہ انہوں نے قدم آگے بڑھائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ اب میں زیادہ محتاط تھا کیونکہ دو فلورز پر مجھے مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ بالکل ہی بے فکر ہو کر بیٹھے ہوں گے۔ یقیناً کچھ نہ کچھ مزاحمت تیسرے فلور پر ہو سکتی تھی۔ شاید ڈیوڈ شا نے یہاں باسو کو لگایا ہو۔ حیرت انگیز طور پر اس قدر خراب حالات کے باوجود اس نے باسو کو باہر نہیں نکالا تھا ورنہ وہ پہلے طیارے کی تباہی کے ساتھ ہی اسے باہر آ سکتا تھا اور اگر وہ آ جاتا تو ہمارے لیے اوپر منڈلاتے طیاروں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ مگر ڈیوڈ شا نے شاید اسے اپنی حفاظت کے لیے اپنے پاس رکھنا مناسب سمجھا تھا۔ یہ خودغرضی کی انتہا تھی کہ اسے اپنی بیٹی کی فکر بھی نہیں تھی جو باہر تھی اور اب نہ جانے کہاں تھی؟

تیسرے فلور پر راہداری ایک مستطیل نما ہال میں کھل رہی تھی۔ مخالف میں ایسی ہی راہداری اوپر جا رہی تھی اور دائیں بائیں ہال کے سروں پر چھوٹی گلیاں نکل رہی تھیں۔ یہاں سیڑھیاں بنائی جا سکتی تھیں لیکن شاید اس لیے سلوپ بنایا گیا کہ بھاری سامان بھی ٹرالیوں پر با آسانی معبد کے اوپری حصے تک پہنچایا جا سکے۔ اس ہال میں مجھے لکڑی کی بنی ہوئی ٹرالیاں دکھائی دی تھیں۔ میں کھٹکا تھا کہ یہ جگہ ایسی نہیں تھی جہاں سامان ڈھونے والے ہاتھ گاڑیاں رکھی جاتیں۔ جلد میرا کھٹکا درست ثابت ہوا۔ جیسے ہی دونوں پجاری ہال کے دروازے تک پہنچے۔ کہیں سے دو عدد تیر آ کر ان کے جسموں میں پیوست ہوئے۔ ایک گر گیا اور دوسرا پلٹ کر میری طرف آیا تھا۔ تیر نے اس کا دل چھید دیا تھا اور میں نے اسے سنبھالا تو اس کا چہرہ میری طرف مڑ گیا اور مجھے مرنے کے بعد بھی اس کی آنکھوں میں حیرت کی جھلک نظر آئی تھی۔ تیروں کی دوسری بوچھاڑ آئی اور اس کے مردہ جسم میں اتر گئی۔ اس دوران میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تیر انداز ہاتھ گاڑیوں کے عقب میں تھے۔ میں نے مرنے والے پجاری کو یوں سینے سے لگا لیا کہ دونوں ہاتھ اس کی بغل سے نکالے اور ان سے گن پکڑ کر ہاتھ گاڑی پر فائر کیا۔ پہلی بار مجھے اس گن کی تباہ کاری دیکھنے کا موقع ملا۔

اگرچہ طیارے کی تباہی نے ثابت کر دیا تھا کہ یہ کس قدر مؤثر اور خطرناک ہتھیار ہے۔ مگر وہ منظر ایک لمحے کا تھا اور دوسرے لمحے طیارہ معبد سے آ ٹکرایا تھا۔ یہاں سب میری نظروں سے سامنے تھا۔ گولی نے ہاتھ گاڑی کا ایک حصہ تباہ کر دیا اور اس کے ٹکڑے فضا میں اڑ رہے تھے۔ دوسری گولی نے ایک تیر انداز کو مار گرایا اور اس کے ساتھ موجود فرد اٹھ کر بھاگا تھا۔ میں نے عقب سے اس پر گولی چلائی اور وہ گر گیا۔ وہ سلوپ پر ذرا اوپر چلا گیا تھا پھر اپنے ہی خون پر پھسلتا ہوا واپس آ گیا۔ مجھے کسی کی پشت میں گولی اتارنا پسند نہیں تھا۔ لیکن وہ میری آمد کا الارم بجا دیتا۔ گن بے آواز تھی اس لیے اندر والوں کو پتا نہیں چلتا۔ مگر بھاگنے والا ضرور میرا راز فاش کر دیتا۔ مارے جانے والے دونوں افراد نے معبد کے سپاہیوں والی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ دو مارے گئے تھے لیکن وہاں مزید سپاہیوں کی موجودگی عین ممکن تھی۔ میں نے ڈھال بنے پجاری کو چھوڑا نہیں اسے اسی طرح پکڑے ہوئے ہال میں داخل ہوا اور اس کا جائزہ لیا۔

جہاں تک نظر جا رہی تھی مجھے وہاں کوئی اور فرد نظر نہیں آیا۔ یہ جگہ خالی لگ رہی تھی لیکن اوپر جانے سے پہلے میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا میں نے پجاری کی لاش چھوڑ دی اور دل ہی دل میں اس سے معذرت کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں ایسی جگہوں پر دیکھ رہا تھا جہاں کسی کے چھپنے کی گنجائش تھی۔ لیکن جلد واضح ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ چھوٹی گلیوں میں جانا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوتا میرا جلد از جلد ڈیوڈ شا تک پہنچ جانا ضروری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔اس کے بعد وہ ہوتا جو ہماری تقدیر میں اوپر والے نے لکھ دیا تھا۔اگر ڈیوڈ شا کا انجام میرے ہاتھ سے تھا تو میں اسے عجلت میں انجام دینا چاہتا تھا۔مگر یہ عجلت وقت کے ضیاع کی حد تک تھی ورنہ میں آگے بڑھنے میں پوری طرح محتاط تھا اور اگر شبہ ہو جاتا تو اسے رفع کیے بغیر آگے نہیں جاتا تھا۔

ہال کا معائنہ کر کے مجھے اطمینان ہوا تو میں نے راہداری کے اگلے سرے کا جائزہ لیا۔یہ کوئی دس فٹ تک سیدھی گئی تھی اور پھر ایل کی صورت میں دائیں طرف مڑ گئی تھی۔میرا اندازہ تھا کہ میں زمین سے کوئی دو ڈھائی سو فٹ اوپر آ گیا تھا گویا سینتورکا معبد یہاں آخر میں تھا۔اس کے بعد اہرام کی چوٹی اتنی بڑی نہ رہ جاتی کہ اس میں مزید کوئی خلا رکھا جاتا۔یا اگر خلا تھا تو بھی اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔گویا اب دو چار ہاتھ لبِ بام رہ گئے تھے۔دیکھا جائے تو میں اکیلا تھا لیکن میں اس سے خوش تھا۔اگر میرے ساتھی ساتھ ہوتے تو وہ اس صورتِ حال میں میری خاص مدد نہیں کر سکتے تھے اور میں انہیں خطرے میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔اب مجھے جو کرنا تھا وہ اپنی ذات پر رسک لے کر کرنا تھا۔میں سوچ رہا تھا کہ آگے بڑھوں کہ اچانک ہی اوپر سے ایک گول سیاہ چیز لڑھکتی ہوئی نمودار ہوئی اور تیزی سے نیچے آنے لگی۔میں سیکنڈ کے دسویں حصے میں حرکت میں آیا میں نے چھلانگ لگائی اور ہتھ گاڑی کو لیتا ہوا دوسری طرف گرا تھا۔اس کا نچلا حصہ خلا تھا جو گرینیڈ سے مجھے تحفظ نہیں دے سکتا تھا مگر اس کا تختہ جس پر سامان رکھا جاتا تھا وہ موٹی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔اب میں اس کی آڑ میں تھا۔

خوش قسمتی سے گرینیڈ راہداری سے باہر آنے سے پہلے پھٹ گیا تھا۔میں نے گرتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے تھے۔اس کے باوجود دھماکا سماعت شکن تھا۔مجھے لگا جیسے اس محدود سے ہال میں طوفان آ گیا ہے۔وہاں چیزیں اڑ رہی تھیں اور درجہ حرارت یک دم ہی بڑھ گیا تھا۔میں سجدے والی پوزیشن میں پڑا ہوا تھا۔دھماکے کی بازگشت تھم جانے کے بعد میں اندازہ لگا رہا تھا کہ مجھے کتنا نقصان ہوا ہے اور جسم کے کون سے حصے مجروح ہیں کیونکہ گرینیڈ مجھ سے مشکل سے چھ فٹ کے فاصلے پر پھٹا تھا۔جب مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا تو میں گن اٹھاتا ہوا اٹھا۔ہاتھ گاڑی کا پچھلا حصہ دھماکے سے اڑ گیا تھا۔دھماکے نے راہداری کے آغاز کی دیوار کو بھی نقصان کیا تھا۔تب مجھے اندازہ ہوا کہ گرینیڈ راہداری میں ہی پھٹ گیا تھا ورنہ یہ ہال تک آ جاتا تو میں اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔اس صورت میں شاید ہاتھ گاڑی بھی مجھے تحفظ نہیں دے سکتی تھی۔

ہاتھ گاڑی مضبوط لکڑی کی تھی مگر گرینیڈ نے اس کے ایک حصے کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔اگر گرینیڈ اس کے سامنے پھٹتا تو باقی حصوں کا بھی یہی حال متوقع تھا۔اس کے پیچھے میں کہاں محفوظ رہتا؟ اگر شدید زخموں سے بچ جاتا تب بھی کچھ نہ کچھ زخم تو آتے۔سلوپ پر گڑھا پڑا تھا مگر اس کا پتھر اتنا موٹا تھا کہ نیچے کوئی خلا نظر نہیں آ رہا تھا۔گرینیڈ نے سات آٹھ انچ تک پتھر ادھیڑ دیا تھا۔یہی حال دیواروں کا ہوا تھا۔اس کے باوجود اس طاقتور گرینیڈ نے بھی یہاں کے اسٹرکچر کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا تھا۔باہر طیارے کے ٹکرانے سے خاصی تباہی ہوئی تھی۔مگر یہ عمارت اتنی بڑی تھی کہ اس کے ایک حصے پر طیارہ ٹکرانے سے اندر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔شاید اندر معمولی سی دھمک کے سوا اور کوئی آواز بھی نہیں آئی ہوگی۔میں نے فوری اوپر جانا مناسب نہیں سمجھا اور ذرا پیچھے ہٹ کر ایک ستون کی آڑ میں پوزیشن سنبھال لی۔

یہ پوزیشن خاصی آکورڈ تھی۔کیونکہ میرے عقب میں بھی ایک گلی تھی اور وہاں سے بھی کسی کی آمد ممکن تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس صورت میں، مَیں عقب سے اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں دونوں طرف نظر رکھے ہوئے تھا اور یہی مشکل تھی۔ مجھے سامنے سے کسی کے آنے کا اتنا خطرہ نہیں تھا اصل خطرہ عقب سے تھا۔ بہر حال جس نے گرینیڈ پھینکا تھا وہ دوبارہ یہی کام کرتا ورنہ پہلے گرینیڈ کا نتیجہ دیکھنے آتا۔ میں نے گن کا رخ راہداری کی طرف کیے رکھا۔ مگر دوسری طرف سے کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا نہ تو مزید گرینیڈ پھینکا گیا اور نہ ہی کسی نے آکر جھانکنے کی زحمت کی کہ جس کے لیے یہ زحمت کی تھی وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا۔ چند منٹ بعد میں نے ہی حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس بار میں نے راہداری کی طرف جانے کے بجائے عقب میں موجود گلی کا رخ کیا۔

اگر چہ یہ تو واضح تھا کہ اوپر جانے کا راستہ راہداری سے ہی ہو کر جاتا ہے لیکن اگر میں دیکھ لیتا تو کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ یہاں تاریکی تھی میں نے ہال میں لگی ایک مشعل اتار لی۔ گلی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ کچھ آگے جا کر اس میں دائیں بائیں دروازے نمایاں تھے۔ میں نے ایک دروازے میں جھانکا۔ کمرا خالی تھا۔ دوسرے کمرے میں بھی کوئی نہیں تھا۔ مگر تیسرے کمرے تک جانے سے پہلے مجھے ہلکی سی آہٹ سنائی دی تھی۔ میں ٹھٹک گیا آواز اگلے دروازے سے آئی تھی۔ یہاں کمروں کے دروازے نہیں تھے صرف چوکھٹ تھیں اور ان پر پردے تھے۔ میں نے گن کی نال سے پردہ ہٹایا اور مشعل آگے کی تو مجھے ایک نسوانی وجود اس حال میں نظر آیا کہ وہ دیوار سے یوں جڑا ہوا تھا جیسے اس کا ایک جز بن جانا چاہتا ہوں۔ اس کے سرخی مائل براؤن بال دیکھ کر میں نے بے ساختہ کہا۔

''روبیر۔''

وہ میری آواز سن کر تڑپ کر اٹھی اور آندھی طوفان کی طرح میری طرف آئی۔ اسے مشعل کی آگ سے بچانے کے لیے مجھے خاصی کوشش کرنا پڑی تھی۔ وہ کسی ہشت پا کی طرح مجھ سے لپٹ گئی۔ ''شہباز..... شہباز..... مجھے معلوم تھا..... آپ آئیں گے..... میں آپ کا..... انتظار کر رہی تھی۔'' اس نے پھولی سانسوں کے دوران کہا۔ اس کا نازک بدن اب پہلے سے زیادہ شدت سے کانپ رہا تھا۔ اس نے وہی حرکت کرنا چاہی جو معبد کی طرف جانے سے پہلے باغ میں کی تھی مگر میں نے ہاتھ درمیان میں لا کر اسے روک دیا۔ وہ خفیف ہو کر رک گئی تھی۔ میں نے گن نیچے رکھی اور مشعل دیوار کے کھانچے میں لگا دی۔ پھر اسے خود سے جدا کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''میں کامیابی سے اندر آ گئی تھی اور پھر عورتوں میں چھپی رہی۔ کسی نے مجھ پر شک نہیں کیا۔ رات ہوتے ہی مجھے اور چند دوسری خادماؤں کو اوپر بلایا گیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو شامین نے مجھے پہچان لیا۔ میں وہاں سے بھاگ نکلی۔ تب سے مجھے تلاش کیا جا رہا ہے اور میں چھپتی پھر رہی ہوں۔ ایک بار تو پکڑی جاتی لیکن یہاں کی ایک لڑکی نے میری مدد کی۔''

''اس پاداش میں اسے تشدد کر کے زخمی کر دیا گیا تھا اور پھر اساروں کے سامنے پھینکنے کا حکم دیا لیکن ہم نے اسے بچا لیا ہے۔''

''سچ۔'' روبیر خوش ہو گئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے شاید وہ بہت دیر سے پیاسی تھی۔ میں نے پانی کی چھاگل اسے دی تو اس نے بے تابی سے پانی پیا تھا۔ پھر میں نے اسے ڈرائی فروٹ دیئے۔ اس نے کھاتے ہوئے گن کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہی ہتھیار جس نے عمارت سے بھاگنے والی عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اس سے معبد کے دو سپاہیوں کو مارا ہے۔ یہاں کل کتنے لوگ ہیں۔''

روبیر نے سر ہلایا۔ ''یہاں شامین کے ساتھ چار سپاہی ہیں۔ دس پجاری ہیں جن میں چار چھوٹے درجے کے پجاری اور باقی اوپری درجے کے پجاری ہیں۔''

میں حساب لگا رہا تھا۔ تین چھوٹے درجے کے پجاری اور دو سپاہی مارے گئے تھے۔ شامین اور اس کے بچ جانے والے دو سپاہی، سات پجاری، اتنی ہی خادمائیں اور ڈیوڈ شا و باسو۔ یہ کل انیس افراد ہوئے اور زینی بھی واپس آ گئی تھی تو یہ بیس بنتے تھے۔ اگر پجاریوں و خادماؤں کو نکال دیا جاتا تب بھی مجھے پانچ سے چھ افراد سے نمٹنا تھا اور یہ سب ہی خطرناک لوگ تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ سب اوپر ہیں؟''

روبیر نے سر ہلایا۔ ''سینتور کے معبد میں۔ وہاں بڑے پجاریوں کے لیے خاص کمرے ہیں۔''

''باہر ابھی بہت ہنگامہ اور دھما کے ہوئے ہیں کیا تم نے اندر کچھ سنا؟''

''نہیں۔'' روبیر نے ذرا تعجب سے کہا۔ ''بس ایک بار دھمک سے ہوئی تھی جیسے معبد کی عمارت لرزی ہو۔ باہر کیا ہوا ہے؟''

میں نے اسے مختصراً باہر کے حالات سے آگاہ کیا۔ وہ خوش ہوئی کہ ہم نے ڈیوڈ شا کا منصوبہ تقریباً ناکام بنا دیا تھا اور نہ صرف دو طیارے تباہ کر دیئے تھے بلکہ ان میں موجود ڈیوڈ شا کے آدمی اور اسلحہ بھی تباہ ہو گیا۔ ایک طیارہ واپس یا آرگون کی طرف چلا گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا کا اس سے رابطہ ہے تو وہ اسے جانے نہیں دے گا اور اگر وہ کہیں اتر گیا تو یہاں کے لوگوں پر بہت زیادہ تباہی نازل کر سکتا ہے۔ ایزارٹ اور اس کی ساری فوج مل کر بھی ان لوگوں کو نہیں روک سکتی ہے۔ اس سے پہلے وہ یہاں آئیں ہمیں ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دینا ہے۔''

روبیر فکرمند ہو گئی۔ ''آپ اکیلے ہیں۔''

''میں کبھی اکیلا نہیں ہوتا۔'' میں نے دوسرے معنوں میں کہا۔ مگر وہ خوش ہو گئی۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

''یہ بتاؤ کہ اوپری چیمبر تک جانے کا کوئی اور راستہ ہے؟''

روبیر سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''راستہ ہے لیکن مجھے اس کے بارے میں علم نہیں ہے۔''

''تب تمہیں اس کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

''میں ایک جگہ چھپی ہوئی تھی تو مجھے تلاش کرنے والے دو پجاری وہاں آ گئے اور وہ آپس میں بات کر رہے تھے۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ کہیں میں خفیہ راستے سے تو فرار نہیں ہو گئی۔ دوسرے نے اس کی تردید کی اس نے کہا۔ یہ خفیہ راستہ سینتور کے معبد میں نکلتا ہے اور میں تو فرار ہو کر نیچے آئی تھی اس راستے سے باہر جانے کے لیے ضروری تھا کہ میں سینتور کے حصے میں رہتی۔''

روبیر کی بات نے مجھے چونکایا تھا۔ اس نے ایک معمولی سی نظر انداز کی جانے والی بات کو خاص بنا دیا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''میرے ساتھ چلو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ بلا تامل تیار ہوگئی اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میں اسے کہاں لے جا رہا تھا اور وہاں کیا خطرہ ہوسکتا تھا۔ میں نے مشعل چھوڑ دی تھی اور ہم گلی سے مستطیل ہال میں آئے۔ یہاں چند لمحے سن گن لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں روبیر کو لے کر تیزی سے راہداری میں آیا اور ہم معبد سے باہر جانے لگے۔ راستہ کلیئر ہی تھا اس کے باوجود میں دیکھ بھال کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ جب تک میں روبیر کے ساتھ تھا یہاں کوئی ٹریپ یا آدمی لگا دیئے گئے ہوں۔ میں بے خبری میں شکار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ روبیر کو میں نے پیچھے کی نگرانی پر لگایا تھا کہ کوئی عقب سے آکر ہم پر وار نہ کرسکی۔ وہ مڑ کر پیچھے بھی دیکھ رہی تھی۔ معبد کی بیرونی راستے پر آکر میں نے اسے پیچھے روکا اور خود آگے بڑھا۔ پہلے میں نے دائیں بائیں اور کسی قدر اوپر دیکھ کر اطمینان کیا کہ باہر کوئی نہیں تھا۔ پھر روبیر اور ایک مشعل لے کر باہر آیا۔

پہلے میں نے روبیر کو سہارا دے کر معبد کی دیوار کے اوپر چڑھایا۔ یہ کام خاصا مشکل ثابت ہوا کیونکہ اس کا ریشمی لبادہ بہت پھسلواں تھا۔ اسے اوپر چڑھا کر میں نے گن اور مشعل تھمائی اور خود بھی چڑھ گیا۔ جب روبیر کو مزید چڑھنے کو کہا تو اس نے اپنے لبادے کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''اس کی وجہ سے بہت مشکل ہو رہی ہے۔''

''مجبوری ہے یہاں کوئی اور لباس بھی نہیں ہے۔''

''میں اس کا علاج کرتی ہوں۔'' اس نے کہا اور گھٹنوں سے ذرا اوپر لبادے کو ذرا سا چیرا اور پھر اسے گولائی میں پھاڑتی چلی گئی۔ ذرا سی دیر میں یہ لبادے کے بجائے فراک رہ گیا تھا۔ اس نے اتاری پٹی کو کئی بل دے کر اپنی کمر پر باندھ لیا اور یوں لباس بالکل سمٹ گیا۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' میں نے کہا۔

اگرچہ میں نے عام سے انداز میں کہا تھا مگر وہ کھل اٹھی۔ ''میں آپ کو اچھی لگ رہی ہوں۔''

''اب اوپر چلو۔'' میں نے اسے کمر سے پکڑ کر اوپر کیا اور پھر اس کے پیروں کو سہارا دے کر اسے اگلے اسٹیپ تک پہنچا دیا۔

ایک ایک اسٹیپ کر کے ہم اوپر جاتے رہے۔ اس دوران میں میں آس پاس بھی نظر رکھے ہوئے تھا۔ معبد کی مغربی سمت طیارے کا ملبہ بکھرا ہوا تھا اور اس میں ابھی تک آگ جل رہی تھی۔ ہم کوئی سو فٹ کی بلند پر آئے ہوں گے کہ اچانک فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ اس وقت میں اسٹیپ پر چڑھ رہا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''نیچے ہو جاؤ۔''

''نہیں آپ اوپر آئیں۔'' اس نے پریشان ہو کر کہا اور میرا ہاتھ کھینچنے لگی۔ اوپر آکر میں نے اسے دیوار کی جڑ کی طرف دھکیلا اور خود اس کے ساتھ دیوار سے لگ کر جھک گیا۔ فائرنگ چند لمحے جاری رہی اور پھر رک گئی۔ بلاشبہ گولیاں چلی تھیں لیکن یہ کسی ہتھیار سے نہیں چلی تھیں بلکہ طیارے میں تباہ ہونے والے ایمونیشن کو حرارت پہنچی تو اس میں موجود گولیاں چلی تھیں اور ان کی آواز پٹاخوں جیسی تھی بہرحال یہ بھی خطرناک ہوتی ہیں اس لیے میں نے احتیاط مناسب سمجھی۔ روبیر کو علم نہیں تھا اور میرے پاس سمجھانے کا وقت نہیں تھا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔ اس لیے جیسے ہی فائرنگ رکی۔ میں نے اوپر کی طرف سفر شروع کر دیا۔ معبد کے سامنے باغ اور عمارت کی طرف سے کسی قسم کی کوئی نقل و حرکت میری نظر میں نہیں آئی تھی۔ اب مجھے ربیک اور دوسرے ساتھیوں کا خیال آرہا تھا مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں خاص طور سے انہیں چیک نہیں کر سکتا تھا۔ دو سو فٹ کی بلندی پر آنے کے بعد میں اور روبیر معبد کے پچھلے حصے میں پہنچے وہاں رن وے پر پڑا ہوا طیارے کا ملبہ جل رہا تھا۔

میں نے سیڑھیوں کا جائزہ لیا مگر مجھے وہاں کوئی نظر نہیں آیا نہ زندہ، نہ مردہ اور نہ زخمی حالت میں۔ مجھے ذرا سکون ملا کہ میرے ساتھی بچ نکلنے میں کامیاب رہے تھے۔ میں نے انہیں جان بچا کر عمارت کی طرف جانے کو کہا تھا۔ وہ شاید وہیں تھے۔ یہاں سے اگلے اسٹیپ آسان تھے اور مجھے صرف روبیر کو سہارا دینا پڑ رہا تھا۔ اس نے مشعل سنبھال لی تھی اور میرے پاس گن تھی۔ اس کا ایمونیشن بکس پیک تھا اس لیے میں اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ اس میں کتنی گولیاں ہیں۔ اسے الگ کر کے دیکھا تو خاصا وزنی پایا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس میں ابھی اچھی خاصی گولیاں موجود تھیں۔ مجھے نیچے میدان میں پڑے ہتھیاروں کا خیال آیا۔ شاید اس میں کچھ قابل استعمال ہوں۔ اسی طرح اگر کرنل مارا گیا تھا یا شدید زخمی تھا تو اس کے بھی ہتھیار وہاں موجود ہونے چاہیے تھے۔ مسئلہ وہی تھا کہ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں جلد از جلد ڈیوڈ شا تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ روبیر اس کوہ پیمائی سے تھک گئی تھی۔ اس نے کہا۔

''اگر ہم نے پیچھے آنا تھا تو اتنا اوپر چڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت ہے اور ہمیں ابھی مزید اوپر جانا ہے۔'' میں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ میں ٹھیک اس جگہ چڑھنا چاہ رہا تھا جہاں پہلے سے چڑھا تھا۔ جب میں نے مزید اوپر جانے کو کہا تو روبیر چونکی۔ وہ سمجھ گئی تھی اس نے کہا۔

''آپ اس خفیہ راستے تک پہنچنا چاہتے ہیں جو سینتور کے معبد تک جاتا ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے اگلا اسٹیپ چڑھ کر کہا۔

''مگر باہر سے آپ کیسے تلاش کریں گے؟''

''یہ میں ابھی بتاتا ہوں۔'' میں نے اسے اوپر کھینچا۔

''باقی سب کہاں ہیں؟'' روبیر نے یہ سوال خاصی دیر سے کیا۔

''وہ نیچے تھے جب طیاروں نے حملہ کیا میں نے انہیں بچ کر عمارت میں جانے کو کہا تھا۔ وہ وہیں ہو سکتے ہیں۔''

اب ہم کوئی تین سو فٹ کی بلند پر تھے۔ مجھے یاد تھا کہ ہلنے والا پتھر مجھے چار سو فٹ کے بعد ملا تھا۔ اسٹیپ چھوٹے ہونے اور بلندی پر آنے کے بعد روبیر ڈر رہی تھی۔ میں نے اس کا ڈر محسوس کرتے ہوئے اسے یہیں رکنے کو کہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ ''میں آپ کے ساتھ رہوں گی چاہے مجھے کتنا ہی ڈر کیوں نہ لگے۔''

''تب بھی تم یہیں رکو جب میں راستہ تلاش کر لوں گا تو تمہیں اوپر بلا لوں گا۔'' میں نے اس سے مشعل لیتے ہوئے کہا۔ ''تم نیچے اور آس پاس نظر رکھو کوئی خطرہ محسوس ہو تو مجھے خبردار کرنا۔''

روبیر مان گئی مگر خبردار کرنے والے انداز میں بولی۔ ''اگر آپ نے راستہ تلاش کر لیا اور مجھے لیے بغیر گئے تو میں معبد کے سامنے والے راستے سے اندر آ جاؤں گی۔''

سچی بات ہے کہ میرا یہی ارادہ تھا کہ میں اسے لیے بغیر ہی اندر چلا جاؤں گا۔ مگر اس کی دھمکی اور اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ پختہ لہجے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں اسے معبد سے نکال لایا تھا کیونکہ وہاں اس کے لیے خطرہ تھا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا کہ میں اسے عمارت تک پہنچاتا اس لیے ساتھ رکھا تھا۔ یہاں وہ محفوظ تھی اور جب تک کوئی اوپر نہ آتا اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ مگر اب وہ پیرتسمہ پا ہو گئی تھی اور بہر صورت میرے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ''نہیں جاؤں گا تمہیں لیے بغیر، مگر اب تم یہاں چھپ جاؤ تمہارا سفید لباس نمایاں ہو رہا ہے۔''

وہ سیڑھی کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔ ''ایسے ٹھیک ہے؟''

اگرچہ وہ پوری طرح نہیں چھپ رہی تھی کیونکہ سیڑھی چھوٹی تھی مگر کھڑے ہونے کے مقابلے میں بیٹھ جانا بہتر تھا۔ ''ہاں یہ ٹھیک ہے۔''

میں اوپر کی طرف بڑھا۔ جب معبد کی چوٹی سوفٹ دور رہ گئی تو میں نے اس پتھر کو تلاش کرنا شروع کر دیا جو ہل رہا تھا۔ میں دائیں سے بائیں پتھروں کو ٹٹولتا ہوا گیا۔ جب اس اسٹیپ پر پتھر نہیں ملا تو میں اوپر والے اسٹیپ پر گیا۔ یہاں بھی تمام پتھروں کو چیک کیا اور وہ ان میں بھی نہیں تھا۔ تیسرے اسٹیپ کے بعد سیڑھیوں کا سائز مختصر ہو گیا تھا اور مجھے یاد تھا کہ وہ پتھر خاصا بڑا تھا۔ میں نے تیسرا پتھر ہلایا تو وہ ہل گیا۔ میں نے جلدی سے مشعل پاس رکھی اور پتھر کو ہلایا۔ یہ آگے پیچھے حرکت کر رہا تھا۔ میں نے ایک اسٹیپ نیچے ہو کر اس کے اوپری حصے پر دونوں ہاتھ جمائے اور اسے آگے کی طرف کھینچنے کی کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کی حرکت بتا رہی تھی کہ وہ آس پاس کے پتھروں سے آزاد ہے۔ میں نے دوسرے زاویے سے کوشش کی اور اب کی اسے پیچھے دھکیلا اور منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔

پتھر یوں آسانی سے اندر چلا گیا جیسے کئی سو کلوگرام کے بجائے اس کا وزن صرف چند کلوگرام ہو۔ یہ دو فٹ لمبا، چوڑا اور اونچا پتھر تھا۔ اس کا وزن کم سے کم بھی دو سو کلوگرام ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس کے وزن کے حساب سے زور لگایا تھا۔ پتھر جتنی آسانی سے اندر گیا تھا اتنا ہی بے آواز بھی تھا۔ اس کے سرکنے سے بہت معمولی سی آواز پیدا ہوئی تھی۔ پتھر سرکتا ہوا اوپر والے اسٹیپ کے نیچے بالکل ہی غائب ہو گیا تھا اور جس جگہ سے سرکا تھا۔ وہاں دو ضرب دو فٹ کا خلا نمودار ہوا تھا۔ میں نے مشعل اٹھا کر اندر روشنی ڈالی۔ چار فٹ کی گہرائی تھی اور اس کے آگے تین فٹ کا دو فٹ چوڑا خلا دکھائی دے رہا تھا۔ یہ متوازی تھا یعنی اس میں انسان گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چل سکتا تھا۔ مجھے شاید اکڑوں بیٹھنا پڑتا۔ میں نے پلٹ کر روبیر کو دیکھا اور اسے بالکل اپنے پاس پا کر مجھے غصہ آیا تھا۔ وہ خاموشی سے اوپر چلی آئی تھی۔ شاید اس نے میرا غصہ بھانپ لیا تھا۔ جلدی سے بولی۔ ''میں نے آپ کو پتھر سرکاتے دیکھ لیا تھا اس لیے اوپر آئی ہوں۔''

''میں اندر جا رہا ہوں۔'' میں نے سرد لہجے میں کہتے ہوئے مشعل اسے پکڑائی۔ ''جب میں مانگوں تو مجھے دینا۔ مگر اب آواز مت نکالنا۔''

اس نے مشعل پکڑی تو مجھے اس کی آنکھوں میں ستارے سے جھلملاتے نظر آئے۔ یہ آنسو تھے جو میرے لہجے پر آئے تھے۔ یہ اشک شوئی کا وقت نہیں تھا۔ میں خلا میں اترا اور گھٹنے موڑتا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ہاتھ اوپر کر کے مشعل لی اور خلا میں دیکھا۔ سامنے چند فٹ تک تین فٹ اونچا خلا تھا اس کے بعد یہ بڑا ہو گیا تھا۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے آیا اور بڑے خلا میں جھانکا۔ یہ دو فٹ چوڑا اور کوئی پانچ فٹ اونچا تھا۔ پورا سر اٹھانا تو ممکن نہیں تھا لیکن آدمی کھڑا ہو کر رکوع کی حالت میں چل سکتا تھا۔ میں نے واپس ہو کر روبیر سے گن لی اور پھر اسے بھی اندر آنے کو کہا۔ ساتھ ہی ایک بار پھر ہدایت کی کہ کوئی آواز نہ نکالے اور اگر بولنا ہو تو سرگوشی میں میرے کان میں بولے۔ اس نے سر ہلایا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ پتھر کس طرح بند ہوتا تھا اور میں اسے بند کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ ممکن ہے پھر کھلے ہی نہیں اور ہم چوہے دان میں پھنس کر رہ جائیں۔ میں نے مشعل سامنے کی اور بڑھنے لگا۔ گن میں نے دوسرے ہاتھ سے سنبھال رکھی تھی اور یہ خاصا مشکل کام تھا کیونکہ جھک کر اٹھائی تھی۔ مگر یہ مشکل کام کرنا ہی تھا۔

سرنگ کچھ دیر سیدھی چلتی رہی کوئی دس گز کے بعد یہ دائیں طرف گھومی اور کسی قدر سلوپ کے انداز میں نیچے جانے لگی۔ یہاں سے یہ پھر دائیں طرف گھومی اور سلوپ برقرار رہا۔ میرا انداز تھا کہ ہم کوئی بیس فٹ نیچے آچکے تھے۔ یہاں گھٹن نہیں تھی۔ شاید خفیہ راستہ کھل جانے سے تازہ ہوا اندر آرہی تھی۔ سرنگ ایک بار پھر دائیں طرف گھومی اور اس بار سلوپ کے بجائے سیڑھیوں سے واسطہ پڑا۔ ان کی تعداد بیس تھی اور ہم بیس فٹ کے فاصلے میں بیس ہی فٹ نیچے اتر گئے۔ پینتالیس درجے کی وجہ سے بہت سنبھل کر اترنا پڑا تھا۔ البتہ یہاں چھت اونچی ہوگئی تھی اور ہم سیدھے ہو کر اتر سکتے تھے۔ ورنہ جھکی حالت میں بہت دشواری پیش آتی۔ جہاں سیڑھیوں کا اختتام تھا وہیں سرنگ بھی ختم ہوگئی تھی۔ تین بائی تین مربع فٹ کی ہموار جگہ کے بعد ایک دیوار تھی۔ یقیناً ہم سینتور کے معبد کے پاس تھے اور اس دیوار کے پار کوئی کمرا یا جگہ تھی۔

اصل سوال یہ تھا کہ اسے کھولا کیسے جاتا؟ میں نے گن روبیر کو پکڑائی تو وہ اس کے وزن سے گرتے گرتے بچی پھر سنبھل کر پکڑ لیا۔ میں مشعل کو دیواروں کے پاس کر کے بہ غور معائنہ کر رہا تھا۔ یہاں ایسی کوئی چیز ہونی چاہیے تھی جس سے آگے راستے کھلتا۔ مگر خاصی تلاش کے بعد بھی ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ یہاں سامنے والی دیوار سمیت تینوں دیواریں قطعی ہموار تھیں۔ ان پر معمولی سا ابھار بھی نہیں تھا۔ دیواروں کے بعد میں نے فرش کا معائنہ شروع کیا اور اس بار بھی مجھے ناکامی ہوئی۔ سب سے آخر میں چھت رہ گئی تھی جو کوئی ساڑھے چار فٹ اونچی تھی۔ یہ بھی ٹھوس پتھر کی اور ہموار ثابت ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سرنگ کے اس طرف سے اسے کھولنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ تھک کر میں پہلی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ روبیر مجھ سے ایک سیڑھی اوپر تھی اور اس دوران میں قطعی خاموش رہی تھی۔ میں بیٹھا تو اس نے جھک کر سرگوشی میں کہا۔

''راستہ نہیں ملا؟''

''راستہ ہے مگر اسے کھولنے کا طریقہ نہیں مل رہا۔'' میں نے جوابی سرگوشی کی۔

''اب موقع ہے۔''

میں نے پلٹ کر اسے دیکھا اور اپنے برابر کی طرف اشارہ کیا۔ ''روبیر یہاں آؤ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

اس نے گن اوپری سیڑھی پر رکھی اور ذرا سرک کر میرے برابر میں آئی تھی کہ اس کا وزن پڑتے ہی سیڑھی ذرا سی اندر دھنسی اور سامنے موجود دیوار اپنی جگہ سے بے آواز سرکنے لگی۔ میں نے بہت تیزی دکھائی اور اٹھا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ کئی انچ کھل جانے والی دیوار دوبارہ بے آواز اپنی جگہ آ گئی۔ روبیر بھی حیران رہ گئی تھی۔ شکر ہے اس نے آواز نہیں نکالی۔ چند انچ کے خلا سے مجھے دوسری طرف ایک روشن کمرا دکھائی دیا تھا۔ فرش پر عمدہ قسم کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور ایک طرف فرشی میز رکھی تھی۔ تو خفیہ دروازے کو کھولنے کا طریقہ یہ تھا۔ شاید سیڑھی پر سو کلوگرام یا اس سے زیادہ وزن آتا تو دروازہ کھل جاتا تھا اور جیسے ہی یہ وزن کم ہوتا وہ بند ہو جاتا۔ میرا اور روبیر کا مشترکہ وزن اتنا ہو گیا تھا کہ سیڑھی کا یہ اسٹیپ دب کر خفیہ دروازہ کھول دیتا۔ روبیر نے سرگوشی کی۔ ''یہ ہے خفیہ راستہ؟''

میں نے سر ہلاتے ہوئے عقب میں موجود گن اٹھالی۔ ممکن ہے دوسری طرف کوئی ہو اور اس نے دروازہ کھلتے اور پھر بند ہوتے دیکھ لیا ہو۔ اس صورت میں دروازہ اب دوسری طرف سے کھلتا۔ میں اس کے لیے تیار تھا اور روبیر کو اشارے سے پیچھے ہٹنے کا کہا۔ وہ مشعل لے کر سیڑھیوں کے اوپری حصے میں چلی گئی۔ مگر کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی کوئی ردِعمل نہیں ہوا تو میں بھی پیچھے ہٹ آیا اور سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ روبیر میرے ساتھ آ گئی۔''

میں نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''سنو میں اندر جاؤں گا اور تم یہیں.....''

''میں آپ کے ساتھ.....''

''میری بات سنو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''تم رکو گی نہیں بلکہ واپس جاؤ گی۔ عمارت میں جا کر دوسروں کو بھی اسی راستے سے اندر لاؤ گی۔ اگر میں ناکام رہا اور پکڑا گیا تو تم لوگ ہی میری واحد امید ہو گے۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟''

اس نے آنسو ضبط کرتے ہوئے سر ہلایا۔ ''جی۔''

''تب جیسے ہی میں اندر جاؤں گا تم یہاں سے نکلو گی اور باقی سب کو لے کر آؤ گی۔''

''آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔''

میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''روبیر تم بہت اچھی لڑکی ہو اور مجھے یقین ہے قدرت نے تمہارے لیے آگے بہت اچھا رکھا ہے۔''

''آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ جب شامین ملے گا تو آپ اسے اپنے ہاتھ سے ماریں گے۔''

''وعدے کی ضرورت نہیں ہے میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا ہے۔''

اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور اس سے پہلے میں اسے روکتا اس نے کہا۔ ''بس آخری بار۔''

یہاں میں بے بس ہو گیا۔ اس نے اپنے نازک لب میرے ہونٹوں سے لگا دیئے۔ میں نے دل ہی دل اللہ سے معافی چاہی کہ یہ بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ چند لمحے بعد اس نے ہونٹ الگ کیے اور کھڑی ہو گئی۔ میں نے مشعل اسی کے پاس رہنے دی کہ باہر جانے تک اسے اس کی ضرورت تھی۔ ہم دونوں آخری سیڑھی تک آئے۔ میں نے خود کو تیار کیا اور پہلے میں سیڑھی پر آیا پھر روبیر آئی اور دروازہ کھلنے لگا۔ اس کا میکنزم اتنا اعلیٰ درجے کا تھا کہ پتھر کا وزنی دروازہ سرکنے کی آواز معمولی سی تھی۔ جیسے ہی یہ اتنا کھلا کہ میں اندر داخل ہو سکتا میں نے جست لگائی اور کمرے میں پہنچ گیا۔ وزن ہٹتے ہی دروازہ بند ہونے لگا تھا۔ سیکنڈ سے بھی پہلے میں نے کمرے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

معائنہ کرلیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا اور جب تک میں عقب میں دیکھتا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

میرے چھلانگ لگانے سے ہلکی سے آواز پیدا ہوئی تھی اور اگر کوئی کمرے کے پاس تھا تو اس تک یہ آواز جا سکتی تھی۔ میں گن لے کر ایک ترچھے ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ مگر جب کوئی ردِعمل نہیں ہوا تو میں دبے قدموں کمرے کے دروازے تک آیا۔ یہاں چوکھٹ میں اعلیٰ درجے کی لکڑی سے بنا ہوا دروازہ نصب تھا۔ میں نے پہلے کان لگا کر سن گن لی۔ باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ مطمئن ہونے کے بعد میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر جھانکا تو مجھے ایک خاصا بڑا ہال دکھائی دیا۔ جس کے وسط میں ایک دائرے میں سونے کا اہرام بنا ہوا تھا۔ یہ اوپر چوٹی پر لگے اہرام سے خاصا بڑا تھا۔ اس کا سائز دس بائی دس اور اونچائی بھی دس فٹ تھی۔ دائرہ سیاہ پتھر کا تھا اور فرش سے فٹ بھر اونچا تھا اس دائرے میں ارغوانی سیال بھرا ہوا تھا اور بظاہر یہ شراب لگ رہی تھی۔ جہاں تک میری نظر جا رہی تھی وہاں کوئی نہیں تھا۔ مگر فوراً ہی ایک آواز آئی۔

''تم سب معبد کی طرف آؤ۔''

یہ آواز ڈیوڈ شا کی تھی۔ مگر وہ کس سے مخاطب تھا میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا۔ چند لمحے بعد اس کی آواز دوبارہ آئی۔ ''جو راستے میں آئے اسے اڑا دو۔ چاہے جنگل سے آنا پڑے تم لوگ جلد از جلد یہاں پہنچو اٹ از آرڈر۔''

آواز سنتے ہی میں نے دروازہ ذرا بند کر دیا تھا۔ ڈیوڈ شا اہرام کے دوسری طرف سے بات کرتا ہوا نمودار ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ریڈیو کا ریسیور اور مائیک تھا۔ ریڈیو ایک پجاری نے اٹھا رکھا تھا اس سے منسلک تار کہیں جا رہی تھی۔ یہ ویسا ہی ریڈیو تھا جیسا کہ کرنل نے باکس میں رکھا ہوا تھا اور اس سے طیاروں سے رابطہ کیا تھا۔ اس کی گفتگو سن کر میرا دل دھڑک اٹھا کہ تیسرا طیارہ شاید آرگون یا اس کے آس پاس کہیں لینڈ کر گیا تھا اور اب اس میں موجود مسلح افراد یہاں آنے کے لیے تیار تھے۔ اگر یہ لینڈنگ شہر کے اندر تھی تو ایزارٹ اور حریت پسند سخت خطرے میں تھے۔ طیارے میں آنے والے سات آٹھ افراد خود کار آتشیں ہتھیاروں سے ان کا قتلِ عام کر سکتے تھے۔ ڈیوڈ شا نے دائرے کے پاس رکھی تپائی سے طلائی جام اٹھایا اور تالاب سے ارغوانی شراب بھر کر اس کی چسکی لی۔ وہ دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔

میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے گن سیدھی کی اور ٹریگر پر دباؤ ڈالا تھا۔ مگر جیسے ہی فائر ہوا کوئی جھری کے سامنے آیا۔ یہ اتنا اچانک ہوا کہ میں خود کو روک ہی سکا تھا۔ گولی آنے والے کے سینے میں اترتی ہوئی دوسری طرف نکلی اور اس نے ریڈیو بردار پجاری کو بھی نشانہ بنایا۔ وہ کرب ناک آواز نکالتا ہوا پیچھے گرا اور جھٹکے کی وجہ سے ریسیور کا تار ٹوٹ گیا۔ ڈیوڈ شا کے منہ سے گالی نکلی مگر دوسرے ہی لمحے اس نے حیرت انگیز پھرتی سے جست لگائی اور اہرام کے دوسری طرف جا گرا تھا۔ میری چلائی دوسری گولی اہرام کو لگی تھی۔ ڈیوڈ شا نے گرتے ہی چلا کر باسو کو آواز دی۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ دشمن اندر گھس آیا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر آیا۔ مارا جانے والا ایک سپاہی تھا۔ ایسا ہی ایک سپاہی سامنے سے آ رہا تھا اور اس نے نیزہ اٹھا رکھا تھا۔ میں نے اس کے پاؤں کا نشانہ لیا اور گولی نے گھٹنے سے اس کا پاؤں الگ کر دیا تھا۔

مضروب سپاہی نیچے گر کر دھاڑیں مارنے لگا۔ باسو ایک کمرے سے نمودار ہوا اور اس کے ہاتھ میں اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑے سائز کا ریوالور تھا۔ میں اس کی تباہ کاری سے بہ خوبی واقف تھا۔ اس لیے گن کا رخ باسو کی طرف کرتے ہوئے فائر کیا اور تیزی سے کمرے میں واپس آ گیا۔ باسو کی چلائی گولی چوکھٹ سے لگی تھی۔ اگلی گولی نے دروازے میں سوراخ کر دیا اور میں بال بال بچا تھا۔ میں دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ دوسری سمت سے فائر ہوا تو دروازے میں ایک سوراخ اور ہو گیا۔ گولی باسو سے مخالف سمت سے آئی تھی۔ پھر زینی کی آواز آئی۔ ''پاپا یہ شہباز ہے میں نے آپ سے کہا تھا۔''

''یہ وہی ہے۔'' ڈیوڈ شا کی ٹھہری ہوئی آواز آئی۔ ''شہباز کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟''

میں نے پہلے سوچا کہ اسے جواب نہ دوں مگر پھر میں نے بولنے کا فیصلہ کیا۔ ''ہاں سن رہا ہوں۔''

''مجھے حیرت ہے تم یہاں تک چلے آئے۔''

''تمہیں صرف اسی بات پر حیرت ہے؟'' میں نے چبھتے لہجے میں کہا۔ ''تمہارے دو طیارے اور کوئی پندرہ سولہ آدمی مٹی میں مل گئے ہیں کیا تمہیں اس پر تعجب نہیں ہوا۔''

''ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''ایک طیارہ اتر گیا ہے اور اس کے آدمی جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔''

''میرا خیال ہے وہ جلد اوپر پہنچ جائیں گے کیونکہ وہ یہاں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔'' میں نے جواب دیتے ہوئے دروازہ کی چٹخنی چڑھا دی۔ مجھے خطرہ تھا کہ کوئی گرینیڈ اندر ارسال نہ کر دیا جائے۔ اس صورت میں میرے پاس سوائے وفات پانے کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ یہاں آڑ کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس بار ڈیوڈ شا کے لہجے میں غصہ تھا۔ ''شہباز میں نے ہمیشہ تمہیں رعایت دی مگر تم نے اس کا غلط فائدہ اٹھایا۔''

''تم نے رعایت اپنے مطلب کے لیے دی اور میں اس کا فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔''

''اب تمہیں کوئی رعایت نہیں ملے گی یہی جگہ تمہارا مدفن بن جائے گی۔''

''دیکھتے ہیں کہ کس کا مدفن کہاں ہوتا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''کرنل کہاں ہے؟''

''وہ شدید زخمی ہے۔'' زینی نے جواب دیا۔ ''شہباز تمہیں اس کا حساب بھی دینا ہوگا۔''

''دو طیاروں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کل اس سے زیادہ تعداد میں طیارے آ جائیں گے۔'' ڈیوڈ شا بولا۔ ''ایک بار میرے آدمیوں کو یہاں آنے دو۔''

ڈیوڈ شا بڑ نہیں ہانک رہا تھا وہ ایسا کر سکتا تھا۔ مگر میں نے اسے الٹا ہی تاثر دیا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے تمہیں کل تک مہلت مل جائے گی۔ یہ مت سمجھنا کہ صرف میں خطرہ میں ہوں۔ جلد یہاں موجود اور بھی لوگ معبد میں آئیں گے اور تمہارے لیے کہیں جائے پناہ نہیں ہوگی۔''

''مجھے کسی کی فکر نہیں ہے۔'' ڈیوڈ شا نے کہا۔ ''شہباز میں اب بھی تمہیں ایک موقع دینے کے لیے تیار ہوں۔ ہتھیار ڈال دو اور خود کو میرے حوالے کر دو۔ میں تمہیں ماروں گا نہیں، صرف قید رکھوں گا۔ جب میں یہاں کا حکمران بن جاؤں گا تو تمہیں واپس پاکستان بھجوا دوں گا۔''

''تم صرف رینالٹ جیسے لوگوں کو احمق بنا سکتے ہو۔'' میں ہنسا۔ ''کیا ہوا اس کا انجام، اگر میں نے تمہارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو مجھے اپنے انجام پر کوئی شبہ نہیں رہے گا۔''

میری بات مکمل ہوتے ہی باہر سے دروازے پر خودکار رائفل سے برسٹ مارا گیا۔ گولیاں سوراخ کرتی پار ہوگئیں اور میں دیوار سے لگے ہونے کی وجہ سے محفوظ رہا۔ مگر میں نے ایک کربناک چیخ مارنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ یہ فائرنگ زینی نے کی تھی کیونکہ اسی کے پاس خودکار رائفل تھی۔ ڈیوڈ شا سے مجھے اس جرأت کی امید نہیں تھی۔ میں بے آواز لیکن تیزی سے دروازے کے دوسری طرف آیا۔ باہر اس برسٹ اور میری چیخ کے بعد خاموشی تھی۔ میں نے کوشش کی تھی کہ تاثر اصل رہے۔ ڈیوڈ شا جیسا عیار جانتا تھا کہ میں گولی لگنے پر بھی ایک حد سے زیادہ واویلا نہیں کرسکتا ہوں۔ میں خفیہ راستے کے پاس آیا اور اب مجھے اس کو کھولنے والے طریقے کی تلاش تھی۔ یہ کمرا میرے لیے چوہے دان بن گیا تھا اس سے باہر بیک وقت کئی ہتھیار منتظر تھے کہ میری جھلک نظر آئے اور وہ موت کا دہانہ کھول دیں۔ میرے لیے دوسری راہ لازمی تھی۔ یہاں دیوار سپاٹ تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ باہر سے زینی کی آواز آئی۔ ''وہ مارا گیا ہے؟''

ڈیوڈ شا نے کچھ کہا مگر اس کی آواز مدھم تھی میں سن نہیں سکا تھا۔ مگر اس نے یہی کہا ہوگا کہ جب تک وہ میری لاش آنکھوں سے نہ دیکھ لے وہ اس بات پر یقین نہیں کرے گا۔ مجھے اس طرف سے بھی خفیہ راستے کا کوئی بٹن نہیں ملا۔ بنانے والوں نے یقیناً ایسا بنایا تھا جس کی طرف کسی کا دھیان نہ جائے۔ باہر اب خاموشی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ ان کے لیے اندر آنا ضروری نہیں تھا وہ باہر رہتے ہوئے بھی میرا خاتمہ کر سکتے تھے یا مجھے قابو کر سکتے تھے۔ قابو کرنے والی بات پر میں نے سوچا ہی تھا کہ باہر سے باسو نے فائر کیا اور دروازہ جو پہلے ہی خاصا سوراخ دار ہوگیا تھا اس میں ایک بڑا سوراخ نمودار ہوا اور فوراً ایک چھوٹا گیس بم اندر آکر گرا۔ اس سے پہلے ہی گیس خارج ہو رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں نے چند گہرے سانس لیے اور سانس روک لی۔ دس سیکنڈ سے بھی پہلے پورا کمرا گیس سے بھر گیا تھا۔

اچانک میرا سر چکرایا اور کمرے میں جلنے والی مشعل کا شعلہ جیسے بھڑکنے لگا۔ مجھے تعجب ہوا کہ میں نے تو سانس نہیں لی پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ میں دروازے کی طرف بڑھا تو مجھے اپنے قدم من من بھر کے محسوس ہوئے تھے۔ کسی نہ کسی طرح میں دروازے تک پہنچا اور اسے کھولا۔ اب میں دروازے پر کھڑا جھول رہا تھا۔ گن پہلے ہی مجھ سے گر گئی تھی۔ زینی ایک طرف کھڑی تھی اس نے مجھے دیکھ کر رائفل سیدھی کی تھی کہ ڈیوڈ شا نے اسے منع کیا۔ زینی نے حیرت سے باپ کی طرف دیکھا۔ ''پاپا یہ اس وقت قابو میں ہے۔ اگر اسے موقع مل گیا تو یہ بچ جائے گا۔ اس نے چالاکی سے کام لیا تھا اگر ہم اس کے دھوکے میں آجاتے تو؟''

''میں جانتا ہوں لیکن شہباز جیسے لوگ ایسی موت کے مستحق نہیں ہوتے ہیں۔ باسو اسے آگے لاؤ۔''

باسو آگے آیا۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑا اور کسی بچے کی طرح کھینچ کر آگے لے آیا۔ اس کے بعد اس نے ایک نیلے رنگ کے سیال سے بھری شیشی نکال کر اس کمرے کی طرف اچھالنا چاہی جہاں سے میں آیا مگر ڈیوڈ شا نے اسے روک دیا۔ ''رہنے دو یہ اسی طرف سے آیا ممکن ہے اس کا کوئی اور ساتھی بھی ہو۔ اس گیس کے ہوتے ہوئے کوئی اس طرف سے نہیں آسکتا ہے۔''

شاید نیلا سیال اس گیس کا توڑ تھا۔ زینی نے کہا۔ ''گیس باہر آسکتی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں پندرہ فٹ کے بعد یہ بے اثر ہو جاتی ہے۔اس لیے کمرے سے باہر یہ اثر نہیں کرے گی۔''

میں اہرام کے دائرے کے پاس زمین پر پڑا ہوا تھا اور رفتہ رفتہ میرے ذہن پر تاریکی چھا رہی تھی۔

ڈیوڈ شا میرے پاس بیٹھا اور اس نے ایک چھوٹا سا اسپرے نکال کر میری ناک پر اسپرے کیا۔جیسے ہی یہ سانس کے راستے میرے جسم میں داخل ہوا۔میرے ذہن پر چھاتی تاریکی چھٹنے لگی تھی۔چند لمحے میں ذہن صاف ہو گیا مگر جسم پر چھائی سستی برقرار تھی۔ڈیوڈ شا نے کھڑے ہوتے ہوئے اشارہ کیا تو باسو نے ایک کرسی لا کر رکھ دی اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔زینی نزدیک کھڑی تھی اور کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔اس کا بس چلتا تو مجھے فوراً شوٹ کر دیتی۔مگر اپنے باپ کے حکم سے مجبور تھی۔باسو حسبِ معمول سپاٹ چہرہ لیے کھڑا تھا۔ڈیوڈ شا نے کچھ دیر بعد کہا۔''اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟''

میں کوشش کر کے دائرے کی منڈیر سے ٹک کر بیٹھ گیا۔''بہتر ہوں لیکن جسم قابو میں نہیں ہے۔''

''تم حرکت کر رہے ہو یہ بھی بڑی بات ہے ورنہ اس گیس کا شکار ہونے والے مفلوج ہو جاتے ہیں اور کئی گھنٹے بعد ہی حرکت کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔''

میں کوشش کر کے مسکرایا۔''تم جانتے ہو میں کتنا ڈھیٹ ہوں۔''

ڈیوڈ شا کہہ رہا تھا۔''تم نے مجھے بہت تنگ کیا۔اس وقت وادی پر میرا قبضہ مکمل ہو چکا ہوتا مگر تم نے میرے پروگرام میں رکاوٹ ڈال دی۔''

''افسوس کہ میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوا۔''

''تم ہو بھی نہیں سکتے۔'' ڈیوڈ شا نے باسو کی طرف دیکھا اور اشارے سے شراب طلب کی۔اس نے ایک سونے کا جام اٹھایا اور تالاب سے بھر کر اسے شراب دی۔

''ڈیوڈ شا، بہت سی باتوں کا فیصلہ آنے والا وقت کرتا ہے ہم پہلے سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔''

''میں کہہ سکتا ہوں۔'' اس نے پُرتکبر لہجے میں کہا۔''میرا علم کہتا ہے کہ میں اسی وادی میں رہوں گا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔تالاب سے کراہت آمیز بُو اٹھ رہی تھی مگر میں اس کی منڈیر سے دور ہٹ کر بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا اور اگر مجھے ٹیک نہ ملتی تو شاید میں گر جاتا۔ڈیوڈ شا جیسے دشمن کے سامنے مجھے زمین پر پڑے رہنا گوارہ نہیں تھا۔اس لیے کراہت کے باوجود تالاب کی منڈیر سے ٹکا رہا۔''اب تم میرے ساتھ کیا کرو گے؟''

''میں تم کو دکھاؤں گا کہ میں جلد اس وادی کا حکمران بن جاؤں گا اور جب میں حکمران بن جاؤں گا تو پہلا حکم تمہاری سزا کا جاری کروں گا۔تمہیں آرگون کے شاہی کمپلکس کے سامنے میدان میں وادی کے تمام لوگوں کو جمع کر کے پھانسی دی جائے گی۔'' اس نے اطمینان سے اپنا ارادہ بتایا جیسے معمول کی کوئی بات کر رہا ہو اور میں نے بھی یوں سنا جیسے یہ میری موت کی نہیں کسی تقریب کی بات کی جا رہی ہے۔میں نے سر ہلایا۔

''تمہارا ارادہ تو سمجھ میں آ رہا ہے لیکن یہ کچھ زیادہ طویل نہیں ہو جائے گا۔''

''تم فکر مت کرو سب کچھ تمہاری توقع سے بھی پہلے نمٹ جائے گا۔ایک بار مطلوبہ تعداد میں میرے آدمی یہاں آ جائیں تو اس کے بعد مشکل سے چوبیس گھنٹے میں صرف وہی لوگ زندہ ہوں گے جو میرے قدموں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھک کر زندہ رہنا چاہتے ہوں۔''

میں ایک ٹک ڈیوڈ شا کو دیکھ رہا تھا۔''اس وقت مجھے تمہارے آباواجداد جنہوں نے ایک دنیا کو اپنی کالونی بنالیا تھا۔ بہت رحم دل اور انسانیت پر یقین رکھنے والے لوگ لگ رہے ہیں۔''

ڈیوڈ شا ڈھٹائی سے مسکرانے لگا۔''ایسا نہیں ہے، اقتدار کے لیے انسان ہمیشہ سے انسانوں کا خون بہاتا رہا ہے۔ یہاں بھی سات آٹھ ہزار لوگ مارے جائیں تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔''

''بہت فرق پڑے گا۔ وادی میں بسنے والوں کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہیں ہے اور تم جنہیں موت کے گھاٹ اتارنے کی بات کر رہے ہو وہی یہاں کا نظام چلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ عورتیں، بچے اور بوڑھے بچیں گے۔''

ڈیوڈ شا نے جام خالی کر کے باسو کو تھمایا کہ وہ دوبارہ بھرے اور بولا۔''دوسری جنگ عظیم میں، جرمنی، جاپان اور روس کا نوجوان طبقہ موت کے گھاٹ اتر چکا تھا اور پھر بچ جانے والوں نے اپنے ملک کو سنبھالا تھا۔ جرمنی میں مَیں نے ستر پچھتر سال کے بوڑھے مردوں اور عورتوں کو سخت مشقت والے کام کرتے دیکھا۔ تم دیکھو گے وادی میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ ایک بار صفائی کے بعد میں یہاں جدید ٹیکنالوجی لاؤں گا اور چند سال بعد یہ دنیا کا ایک جدید ترین ملک ہوگا اور یہاں کا حکمران میں ہوں گا۔''

''تم بھول رہے ہو یہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کسی ملک کا دعویٰ نہ ہو۔''

''اس جگہ نہیں ہے۔'' وہ مسکرایا۔''اگر تمہارا اشارہ چین کی طرف ہے تو جب تک اسے پتا چلے گا یہاں مغربی طاقتوں کا مشترکہ قبضہ ہو چکا ہوگا۔ یہاں کے باشندے اس قبضے کی توثیق کریں گے اور میں یہاں کا حکمران قرار پاؤں گا۔''

میں ایک بار پھر حیران ہوا تھا۔ میں رفتہ رفتہ ڈیوڈ شا کے مقاصد کے بارے میں جانتا جا رہا تھا اور جب مجھے لگتا کہ میں سب جان گیا ہوں تو اچانک ہی کوئی نئی چیز سامنے آجاتی تھی۔ اس بار بھی نیا سامنے آیا تھا۔ اب تک میں اسے ڈیوڈ شا کا اپنا منصوبہ سمجھ رہا تھا مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اصل میں جدید استعمار کے ہی ایک منصوبے پر عمل درآمد کر رہا ہے اور اس کا بنیادی مقصد چین کے ابھرتے خطرے کا مقابلہ کرنا تھا۔ مغرب عرصے سے چین کی سرحدوں کے آس پاس اڈے حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ جاپان، کوریا اور تائیوان میں اس کے اڈے موجود ہیں۔ یہی ممالک چین کے خلاف مغربی حصار کا اہم ترین حصہ ہیں۔ مگر چین کی مغربی، جنوبی اور شمالی سرحدوں پر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ وسطی ایشیائی ممالک جن پر ایک عرصے سے نظر تھی ان کے چین اور روس دونوں سے تعلقات بہت اچھے ہیں۔

ایک زمانے میں کشمیر اور لداخ پر بھی نظر تھی مگر وہاں جاری آزادی کی تحریک نے انڈیا اور مغرب دونوں کے لیے مشکل کر دیا ہے کہ وہاں چین کے خلاف کوئی فوجی اڈہ بنا سکیں۔ انڈیا اگرچہ مغرب سے بھرپور فائدے اٹھا رہا ہے لیکن وہ چین کے خلاف حقیقی آلہ کار بننے پر راضی نہیں ہے۔ پاکستان چین کا سب سے نزدیکی اتحادی اور بااعتماد دوست ہے۔ دونوں ملک ایک دوسرے پر اپنی مرضی مسلط کیے بغیر ایک دوسرے کے بے لوث کام آتے ہیں۔ مغرب تمام تر کوشش کے باوجود پاکستان کو چین سے دور کرنے میں ناکام رہا۔ آنے والے دنوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ دوستی اور اتحاد مزید مضبوط ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اس وقت اقتصادی راہداری کا کوئی ذکر نہیں تھا مگر جلد یہ حقیقت بننے جا رہی ہے۔ ایسے میں مغرب چین کے اطراف میں زیادہ سے زیادہ اڈے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس وادی پر تسلط کی کوشش ایک مثال ہے۔ مشرق میں فلپائن، سنگاپور اور کسی وقت میں ہانگ کانگ بھی مغرب کے اڈے تھے۔ لیکن اب چین کی ترقی کا مرکز اس کے مغربی صوبے ہیں۔ جو مغرب کی پہنچ سے دور ہیں اور وہ یہاں تک پہنچنے کے لیے بے چین ہے۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' ڈیوڈ شا نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے دماغ صرف مغرب والوں کے پاس ہے اور وہی سوچ سکتے ہیں؟'' میں نے کسی قدر استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''اگر تم لوگ سازشوں میں دماغ لڑا سکتے ہو تو کیا ہم ان کے توڑ کے لیے نہیں سوچ سکتے؟''

''سوچو ضرور سوچو مگر تم لوگ صرف سوچ سکتے ہو۔ عمل نہیں کر سکتے۔''

''وہ وقت دور نہیں جب عمل بھی ہو گا۔'' میں نے یقین سے کہا۔ ''تم لوگ اپنے عمل سے ہمیں سبق دے رہے ہو۔ حالانکہ تمہیں آنکھیں کھول کر اپنے آس پاس دیکھنا چاہیے کہ جو آگ تم دوسرے ملکوں میں لگاتے رہے ہو وہ بالآخر تمہارے گھر تک پہنچ گئی ہے۔''

''یہ سب عارضی معاملات ہیں۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔ ''جب ہم گڑبڑ کرنے والے مراکز پر حاوی ہو جائیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں ہنسا۔ ''آدمی جتنا دور کا سوچتا اور منصوبے بناتا ہے ان میں گڑبڑ کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔''

''ہاں ایسا ہوتا ہے لیکن ابھی تک تو سب کچھ ہماری مرضی سے ہو رہا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ میں ڈیوڈ شا سے بین الاقوامی سیاست یا مغرب کے عزائم پر بات کرتا۔ میں اس سے زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گفتگو کے دوران میں روبیر اور دوسروں کے بارے میں سوچ رہا تھا اگر وہ اس طرف سے آتے تو وہ بھی گیس کا شکار ہو جاتے اور ضروری نہیں تھا کہ ڈیوڈ شا انہیں میری طرح زندہ چھوڑ دیتا۔ وادی کے لوگوں کے لیے وہ جیسے عزائم رکھتا تھا۔ اس کا بہت زیادہ امکان تھا کہ وہ انہیں مروا دے گا۔ اسی اثنا میں ایک طرف سے ایک طویل قامت اور وجیہہ شخص نمودار ہوا جس نے رینالٹ کی خاص سیاہ والی وردی پہن رکھی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے اندر سے کسی نے کہا کہ وہ شاہین ہے۔ وہ آگے آیا اور مؤدبانہ انداز میں ڈیوڈ شا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ڈیوڈ شا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے کہا۔ ''اب میرے پاس صرف ایک آدمی رہ گیا ہے۔''

''فکر مت کرو جس آدمی سے ہمیں خطرہ تھا وہ یہ ہے۔'' ڈیوڈ شا نے میری طرف اشارہ کیا تو اس کے چہرے پر نفرت آ گئی۔

''شہباز، کاش اسے میں اپنے ہاتھ سے مار سکوں۔''

''تم نے اپنی وفاداری سے خود کو انعام کا مستحق ثابت کر دیا ہے۔'' ڈیوڈ شا مسکرانے لگا۔ ''میں نے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے وعدہ کیا ہے جب میں یہاں کا حکمران بنوں گا تو پہلا حکم اس کی سزا کا جاری کروں گا۔تم اسے اپنے ہاتھ سے پھانسی دو گے۔''

میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی زبان بول رہا تھا اور ڈیوڈ شا انگریزی میں جواب دے رہا تھا مگر دونوں ایک دوسرے کی بات بہ خوبی سمجھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا۔''یہ شامین ہے؟''

''ہاں یہ شامین ہے۔''

''یہ مجھے اپنے ہاتھ سے مارنے کی خواہش کر رہا ہے۔ اتفاق سے اس کے بارے میں ایسا ہی وعدہ میں نے بھی کسی سے کر رکھا ہے۔''

''روبیر۔'' شامین حقارت سے بولا۔''وہ کیا ہے جو شامین کی موت چاہے۔''

''وہ بہت کچھ ہے جلد تم جان جاؤ گے۔'' میں نے کہا۔''مجھے انسان کو مار کر کبھی خوشی نہیں ہوتی چاہے وہ میرا دشمن ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر میں نے تمہیں مارا تو یقین کرو مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

''دیکھتے ہیں کہ کون کسے مار کر خوش ہوتا ہے۔''

''اب تم جاؤ اور نیچے مستعدی سے پہرہ دو۔'' ڈیوڈ شا نے اسے حکم دیا تو وہ سر جھکا کر چلا گیا۔اس کے جانے کے بعد ڈیوڈ شا نے کہا۔''یہ اس وادی میں میرا نائب ہوگا کیونکہ یہ شیطان جیسا خودغرض اور مفاد پرست ہے۔اپنے مفاد کی خاطر یہ اپنے باپ کو بھی قتل کر سکتا ہے۔''

''یقیناً، تمہارے مطلب کا آدمی ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔''ویسے یہاں موجود پجاریوں کے لیے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''انہیں میں سب سے پہلے قتل کروں گا اور لوگوں کے سامنے ختم کروں گا تاکہ ان کے دلوں سے پجاریوں اور ان کے دیوتا کا سحر نکل جائے۔''

میرا اندازہ درست نکلا تھا ڈیوڈ شا کا کام نکلتے ہی پجاریوں کا کام بھی تمام کر دیتا۔ دیوتا کے ذکر پر مجھے خیال آیا اور میں نے سونے کے اہرام کی طرف اشارہ کیا۔''یہی سینتور کی علامت ہے؟''

ڈیوڈ شا نے سر ہلایا۔''بنیادی طور پر یہ قوت یا دولت کے پجاری ہیں۔اگرچہ یہاں سونا وہ حیثیت نہیں رکھتا جو ہماری دنیا میں ہے مگر اس کے سحر سے یہ لوگ بھی نہیں بچ سکے۔انہوں نے وادی میں موجود سارا سونا اپنے قبضے کر لیا اور سینتور کی علامت یہ اہرام ہے۔''

''یہ تعجب نہیں ہے کہ ایک ہی ساخت کی عمارات ساری دنیا میں پائی جاتی ہیں۔''

ڈیوڈ شا مسکرایا۔''تم کیا سمجھتے ہو یہ دنیا کا قدیم ترین اور خفیہ ترین مذہب ہے اور اہرام اس کی علامت ہیں۔اسے صرف قدیم مصر میں سرکاری مذہب کا درجہ حاصل رہا ہے۔مگر الہامی مذاہب کی آمد کے بعد یہ بظاہر ختم ہو گیا۔''

''لیکن یہ آج بھی موجود ہے۔'' میں نے سر ہلایا۔''میں نے اس بارے میں پڑھا ہے۔''

''پڑھا ہے۔'' وہ کسی قدر حقارت سے بولا۔''تم لوگ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔وہ وقت دور نہیں ہے جب یہ دوبارہ آئے گا اور ساری دنیا پر اس کی حکمرانی ہوگی۔اسی کے ماننے والے اس وقت دنیا کا نظام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلا رہے ہیں۔''

''اتفاق سے میں نے بھی ایسا ہی کچھ پڑھا ہے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ اگر چہ مجھے ڈیوڈ شا کا اعتراف سن کر تعجب ہوا تھا اس نے کتنی آسانی سے مان لیا تھا کہ یہ اسی خفیہ مذہب اور دنیا پر حکومت کرنے والے نظام کا حصہ ہے۔ مگر میں نے یہ بات ظاہر نہیں کی۔ ''جہاں تک آنے والے وقت کا تعلق ہے تو مجھے اور مجھ جیسے بہت سے لوگوں کو یقین ہے کہ اس نظام کو جلد موت آجائے گی اور یہ سامنے ہی اس لیے آئے گا کہ فنا کے گھاٹ اتر سکے۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' ڈیوڈ شا نے یقین سے کہا۔

''یقین سے مت کہو۔'' میں نے ہنس کر کہا اور اسی لمحے شامین دوڑتا ہوا اندر آیا تھا اور اس کی صورت بتا رہی تھی کہ کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہے۔ اس نے آتے ہی چلا کر کہا۔

''باہر سے کچھ لوگ اندر آئے ہیں وہ آپ جیسے ہتھیاروں سے مسلح ہیں اور انہوں نے میرے واحد آدمی کو بھی مار دیا ہے۔''

ڈیوڈ شا اور زینی بے ساختہ کھڑے ہو گئے۔ ان کا اضطراب نمایاں تھا۔ صرف باسو سکون سے کھڑا ہوا تھا۔ ڈیوڈ شا نے جیسے خود سے کہا۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے کیا وہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''ڈیوڈ شا تمہارا خیال غلط ہے یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔''

ڈیوڈ شا تیزی سے میرے پاس آیا اور ذرا جھک کر بولا۔ ''تم کیسے کہہ سکتے ہو تم جانتے ہو کیا؟''

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ آرگون کی طرف سے کوئی اتنی جلدی یہاں نہیں آسکتا ہے۔''

''جھوٹ مت بولو، تم جانتے ہو کہ یہ کون ہیں؟''

''تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بولتا۔ بہر حال وہ جو بھی ہیں اس وقت تمہارے دشمن ہیں ممکن ہے مقامی آدمیوں کو آتشیں ہتھیار مل گئے ہوں۔''

''وہ مقامی نہیں ہیں۔'' شامین نے کہا۔ ''وہ آپ کی طرح باہر سے آئے ہوئے لگ رہے ہیں۔''

''باسو اور زینی تم انہیں دیکھو۔'' ڈیوڈ شا نے انہیں حکم دیا اور خود تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔ باسو اور زینی نے اسلحہ سنبھالتے ہوئے باہر کا رخ کیا تھا۔ اس سفر کے دوران زینی بہت بھاری گرم کپڑوں میں ملفوف رہی تھی اور اسے اپنی جسمانی نمائش کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وادی میں آنے کے بعد اس نے اب اپنی پسند کا لباس پہن لیا تھا۔ اس وقت وہ بہت ٹائٹ جینز اور اسکن فٹ سلیولیس بنیان میں تھی جس میں اس کے فگر زیادہ ہی نمایاں تھے۔ شامین نے اسے للچائی نظروں سے دیکھا تھا اور جب اسے احساس ہوا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں تو وہ کھسیا گیا۔ اب وہاں وہی تھا۔ وہ چلتا ہوا میرے پاس آیا اور اچانک اس نے میرے بائیں پہلو پر ٹھوکر ماری۔ تکلیف تو زیادہ نہیں ہوئی لیکن میں لڑھک گیا تھا۔ میں پھر سیدھا ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی دوسری ٹھوکر نے پھر مجھے لڑھکا دیا۔ اس نے جھک کر زہریلے لہجے میں کہا۔

''تم کیا سمجھتے ہو خود کو؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' میں نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن اس کی وجہ سے میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جسمانی بے حسی بھی کم ہو رہی تھی۔ ''میری نظر میں تمہاری اہمیت کچھ بھی نہیں ہے۔''

''جلد ہو جائے گی۔'' اس نے کہتے ہوئے مجھے لگاتار کئی ٹھوکریں ماریں اور میں بے سدھ ہی رہا لیکن اس کی ایک ٹھوکر جو پسلی پر لگی تھی اس نے مجھے تڑپا دیا تھا۔ میں کراہا تو اس نے قہقہہ لگایا تھا۔ ''جس طرح تم میرے سامنے بے بس ہو جلد اسی طرح روبیر بھی میرے سامنے بے بس ہو گی اور میں اس سے کسی کھلونے کی طرح کھیل کر اسے ایک طرف پھینک دوں گا۔''

''یہ موقع تم کو پہلے بھی ملا ہو گا؟''

''ہاں لیکن اس وقت مجھے ایک شریف محبوب کا کردار ادا کرنا تھا۔ یقین کرو میں نے خود پر بہت مشکل سے قابو پایا۔ تم جانتے ہو کہ وہ کتنی حسین لڑکی ہے۔'' شامین کا لہجہ کہتے ہوئے شیطانی ہو گیا تھا۔

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

شامین نے پھر قہقہہ لگایا۔ ''لگتا ہے تم بھی اس کے چکر میں ہو۔''

''ہر ایک کو اپنی طرح مت سمجھا کرو۔'' میں نے اپنی جسمانی حالت کا اندازہ کرنے کی کوشش کی۔ باہر کہیں فائرنگ ہو رہی تھی تو اس کی آواز یہاں تک نہیں آ رہی تھی۔ شامین چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر وہ ہال کی طرف آنے والی راہداری میں چلا گیا۔ شاید وہ صورتِ حال دیکھنے گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں نے کوشش کی تو مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میرے ہاتھ قابو میں تھے۔ اگرچہ انہیں اٹھانے میں دشواری کا سامنا تھا۔ میں مسلسل انہیں ہلاتا رہا۔ پاؤں سمٹ رہے تھے لیکن ان میں اس سے زیادہ زور نہیں آ رہا تھا۔ شامین شاید پانچ منٹ بعد واپس آیا تو اس کا چہرہ زیادہ متفکر تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''مجھے لگ رہا ہے کہ آنے والوں کو روکنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے تمہارا فیصلہ اب مجھے ہی کرنا ہو گا۔''

میں چونکا اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس نے میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے۔ میں اگرچہ حرکت کر رہا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں اس سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ شامین مسلح تھا اور اس کے پہلو سے دو عدد سنگی چاقو لگے تھے۔ اس نے ایک چاقو نکالا اور میری طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا آخری وقت آ گیا ہے۔''

میں یوں سکڑا جیسے بے بسی کی وجہ سے اپنا دفاع نہیں کر سکوں گا۔ میرے انداز پر وہ بھیانک انداز میں مسکرایا۔ اس نے جھک کر میرا بایاں شانہ پکڑا اور چاقو میرے سینے کی طرف لا رہا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے۔ ایک ہاتھ سے میں نے اس کا چاقو والا ہاتھ تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے پٹکے میں اڑسا ہوا دوسرا سنگی چاقو نکال لیا۔ فطری طور پر اس کی ساری توجہ اور زور اپنے دائیں ہاتھ میں موجود چاقو پر تھا۔ میں نے اس کا چاقو والا ہاتھ کمزور سے انداز میں تھاما تھا اور اس نے زور لگایا تو وہ خود بھی نیچے آیا تھا۔ جب تک وہ میرے اصل عزائم سے واقف ہوتا۔ میں نے دائیں ہاتھ کی پوری قوت استعمال کرتے ہوئے نیچے سے چاقو اس کے جسم کے نازک ترین مقام یعنی حلق میں اتار دیا۔ میرا ہاتھ کمزور تھا اور میں اپنی پوری قوت استعمال نہیں کر سکتا تھا اس لیے حلق ہی مناسب مقام تھا۔

شامین کو توقع نہیں تھی کہ میں ایسا کوئی وار کروں گا۔ اسے غالباً چاقو نکالے جانے کا علم بھی نہیں ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاقو کئی انچ تک اس کے گلے میں نرخرے کے مقام پر اندر گھس گیا اور شامین کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ اس دوران میں اس کا دایاں ہاتھ میرے سینے تک آ گیا تھا اور اس کے چاقو کی نوک میری سینے کی کھال میں اتر گئی تھی۔ مگر فوراً ہی اس کی گرفت کمزور پڑ گئی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ اس نے حلق میں گھسا چاقو نکالنے کی کوشش کی اور چاقو کے نکلتے ہی خون کا فوارہ بلند ہوا تھا۔ بیشتر خون مجھ پر گرا اور کچھ خود اسی کے لباس پر آیا۔ وہ لڑکھڑایا، پہلے گھٹنوں کے بل بیٹھا اور پھر نیچے ڈھیر ہو گیا۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا مگر مرتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت تھی۔ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''تم نے دیکھ لیا کہ کون کس کے ہاتھ سے مرا۔ میں نے روبیر سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔''

اسی لمحے ڈیوڈ شا نیچے سے اندر آیا اس کے ساتھ کمزور سا مہاپجاری آئی کون تھا۔ ڈیوڈ شا نے اپنے ہی خون میں غلطاں اور ایڑیاں رگڑ کر دم توڑتے شامین اور مجھے دیکھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ اس نے چیخ کر باسو کو آواز دی۔ دوسرے لمحے باسو اور زینی وہاں آئے تھے۔ وہ الٹے قدموں آئے تھے جیسے پیچھا کرنے والوں کا مقابلہ کر رہے ہوں۔ ڈیوڈ شا کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ نیچے آنے والے نہ صرف اس کی توقع کے خلاف تھے بلکہ شاید وہ اب اوپر آنے والے تھے۔

○.....❖.....○

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سب کچھ دیکھ رہا تھا، محسوس کر رہا تھا لیکن مجھ میں اتنی قوت نہیں تھی کہ اٹھ سکتا۔ ہاتھ اور پیر سلامت تھے لیکن ذہن منجمد تھا۔ اس لیے صرف آنکھیں داہنے بائیں گھما سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا کہ کون کیا کر رہا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی قوت موجود تھی۔ اس لیے سوچ بھی رہا تھا۔ غور بھی کر رہا تھا۔ گیس کا اثر تو کب کا ختم ہو چکا تھا تبھی تو میں نے شاہین کو واصل جہنم کیا تھا مگر اب اس نئی افتاد نے مجھے چکرا دیا تھا۔ یعنی ہر بات کا ادراک تو ہو رہا تھا لیکن کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کیونکہ ملک الموت کی صورت میں باسو سر پر کھڑا تھا۔

''اس کا کیا کریں۔'' باسو کی دہاڑتی آواز سنائی دی تو میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایسی ہی نظروں سے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اس کے حکم کے بغیر اسی طرح بت بنا کھڑا رہے گا اور میرا خون خشک ہوتا رہے گا۔ تبھی ہپ کی آواز ابھری۔ یہ آواز میری داہنی جانب سے آئی تھی۔ میں اگر چاہتا تو گردن موڑ کر ادھر دیکھ سکتا تھا لیکن اسی طرح پڑا رہا۔ ویسے اندازہ ہو چکا تھا کہ کسی طاقتور وائرلیس سیٹ پر کسی نے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کون ہو سکتا ہے میں نے اپنے ذہن سے پوچھا جو جواب دینے سے قاصر تھا۔ عین اسی وقت باہر سے پھر فائرنگ کی آوازیں آئیں۔ میری نظر ڈیوڈ شا کی طرف گھوم گئی تھیں۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز اور سخت لہجے میں کہا۔ ''اسے شوٹ کر کے جلدی آؤ، ہمیں نکلنا ہے۔'' پھر وہ زینی اور آئی زور کے ساتھ سامنے والے کمرے کے کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔

میں نے نظریں موڑ کر باسو کی طرف دیکھا۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ میں پستول تھا اور اس نے میرے سینے کا نشانہ لے رکھا تھا مگر اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ تھی۔ جیسے وہ یہ کام نہیں کرنا چاہتا۔ یہ سچ تھا کہ اس نے کئی موقعوں پر میری جان بچائی تھی۔ میری بھرپور مدد کی تھی۔ میری نظروں میں وہ منظر آ گیا جب موت نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ میں مرشد کی خانقاہ میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ اور تب باسو ہی تھا جس نے مجھے موت کے جبڑے سے کھینچ لیا تھا۔ ایک دو اور موقعوں پر بھی اس نے میری جان بچائی تھی اور آج وہ جان لینے کے درپے تھا۔ یقیناً اسے بھی یاد ہو گا کہ یہاں آتے ہوئے وہ ایک کھائی میں گر رہا تھا۔ اگر میں مدد نہ کرتا تو وہ گہری کھائی میں گر کر مر چکا ہوتا۔ شاید انہی باتوں نے اسے مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ پہلے اس نے میری جان بچائی پھر میں نے اس کی جان بچائی اور اب وہ میری جان لینا چاہتا تھا۔ گویا حساب بے باق ہونے کے بعد نیا کھاتا کھول رہا تھا۔ ایک لمحے میں میں نے کیا کیا سوچ لیا۔ اب تمام سوچ ہمیشہ کے لیے خاموش ہونے والی تھیں۔ اس کی ہچکچاہٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دم توڑنے والی تھی۔ اس لیے کہ وہ تو مشینی انداز میں کام کرنے کا عادی تھا۔ ڈیوڈ شا نے جو حکم دیا تھا وہ اسے پورا کرنا ہی تھا۔ میں مایوسی کی اتھاہ گہرائی میں ڈوبا ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری نظریں اس کی انگلیوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ٹریگر پر انگلیوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ مگر بہت آہستہ آہستہ جو اس کی اندرونی کیفیت کا غماز تھا۔ یعنی وہ ہاں اور نہیں کے درمیان جھول رہا تھا۔ تبھی داہنی جانب جو سلوپ تھا اس پر آہٹ ہوئی جیسے کوئی تیزی سے اوپر آرہا ہو۔ آہٹ پاتے ہی باسو بھڑک اٹھا۔ اس نے پھرتی سے پستول کی نال کا رخ موڑا اور اوپر آرہے بندے پر فائر جھونک مارا۔ سماعت شکن دھماکے نے کانوں کے پردے کو جھنجھنا دیا۔ اوپر آنے والا ہوشیار تھا۔ جس تیزی سے اوپر آرہا تھا اسی تیزی سے نیچے کی طرف پلٹ گیا تھا۔ باسو بلی کی طرح پیر دبا کر ادھر بڑھا تھا کہ سلوپ سے رائفل کی نال ابھری اور پھر برسٹ چلا۔ آٹو میٹک رائفل کی نال سے نکلنے والی گولیوں نے میری پشت کی دیوار کو ادھیڑ دیا۔ باسو اگر ہوشیار نہ ہوتا تو گولیاں اس کو چھلنی کر دیتیں۔ اس نے بھاری بدن کو کمال پھرتی سے موڑا تھا اور دوسرا فائر اسی جانب کیا تھا۔ گولیاں چلاتے ہی اس نے اس کمرے کی جانب دوڑ لگا دی تھی جس میں ڈیوڈ شا اور زینی، آئی زور کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔ ابھی وہ دروازے پر بھی پہنچا نہ تھا کہ سلوپ سے پھر نال ابھری اور دوسرا برسٹ چلا۔ باسو ہوشیار تھا۔ اس نے چھلانگ لگا دی۔ دروازے کو پار کرتا ہوا اندر غائب ہو گیا تھا۔ اسے راہ فرار اختیار کرتے دیکھ میں نے چیخ کر کہا۔ ''فائر مت کرو۔''

سلوپ پر دبکا شخص تھم گیا۔ اس نے میرے حکم کی بجا آوری کی تھی۔ دوسرا فائر نہیں کیا تھا۔ مگر میں ابھی بھی مخمصے میں تھا۔ آنے والا کون ہے؟ کس پارٹی کا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ دوست ہے یا دشمن ہے۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس پارٹی کا ہو جسے ڈیوڈ شا نے بلوایا ہے اور وہ باسو کو پہچانتا نہ ہو۔ میری آواز میں کنفیڈنس تھا جس کو محسوس کر کے اس نے فائرنگ روک دی تھی۔ وہ جو بھی تھا اپنی جگہ دبکا ہوا تھا۔ باہر نہیں آیا تھا۔ ادھر سے میں نے توجہ ہٹائی تو باہر کی آوازوں نے متوجہ کر لیا۔ باہر سے متواتر فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ گھمسان کا رن پڑا ہے۔ طرح طرح کے اسلحے کی آوازیں آرہی تھیں۔

میرے وہ ساتھی جو اب تک میرے شانہ بہ شانہ لڑ رہے تھے۔ جن میں ایرٹ، ربیک، ایزارٹ، شاٹ، ایمار، مارٹ، رائٹون شامل تھے، ان سے مطلق امید نہ تھی کہ وہ ان میں سے کوئی ایک ہتھیار بھی چلا سکتے کیونکہ زیادہ تر آواز آٹو میٹک ہتھیاروں کی تھی۔ ان سب کے لیے یہ ہتھیار عجوبہ سے کم نہ تھے۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ جب میں سرنگ میں تھا اور خفیہ راستہ تلاش کر رہا تھا تو سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے میں نے اپنی رائفل روبیر کو تھمانی چاہی تھی۔ وہ رائفل کو دیکھ کر ایسے ڈر گئی تھی جیسے وہ گن نہ ہو پھنکارتا سانپ ہو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہلکے ہاتھوں سے اٹھانا چاہا تھا کہ وزنی گن کی وجہ سے لڑکھڑا گئی تھی۔ اس نے رائفل کو بھی تیر جیسا ہلکا سمجھا ہو۔ جنہوں نے خواب و خیال میں بھی ایسا اسلحہ نہ دیکھا ہو ان کے لیے تو عجوبہ ہوا ناں۔ وہ ایسے ہتھیار کیسے چلا سکتے تھے۔

فائرنگ کی آوازیں بتا رہی تھیں اسے چلانے والے ماہر گنر ہیں۔ اس کا استعمال جانتے ہیں۔ لیکن یہ ہیں کون اس کا اندازہ میں لگا نہیں پا رہا تھا۔ سلوپ پر دبکا شخص بھی ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا۔ اسے مخاطب کروں یا نہیں۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ عقب میں دھمک سنائی دی۔ جیسے کوئی اونچی جگہ سے کودا ہو۔ میں نے گردن کو موڑا۔ اتنی دیر میں دوا کا اثر شاید کم ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ گردن کو کچھ حد تک میں نے موڑ لیا تھا۔ گردن مڑتے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے کودنے والے کو دیکھ لیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ اس کی دو وجہ تھی۔ ایک تو کودنے والا وجود اور دوسرے یہ کہ یہ معبد ہے یا عجائب خانہ۔ عقبی دیوار کے اوپری حصے میں ایک بڑا سا روشندان کھل گیا تھا۔ کودنے والا اسی کے ذریعہ اندر آیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں تیر اور کمان تھا۔ ان حالات میں تیر کمان بچوں کے کھلونے جیسی اہمیت رکھتا تھا۔ مگر مقامی لوگوں کے لیے یہی سب سے خطرناک ہتھیار تھا اسی لیے وہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ترکش کو پیٹھ پر باندھ رکھا تھا جب کے کمان ہاتھ میں تھی۔ اس نے کودنے کے ساتھ عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جہاں کودا تھا وہیں دبک گیا تھا۔ سر بالکل زمین سے متصل کر لیا تھا۔ گو کہ آتشی اسلحے مقامیوں کے لیے بالکل نئی چیز تھی مگر اس کی ہلاکت خیزی دیکھ کر انہوں نے بچنے کا طریقہ وضع کر لیا تھا۔ نیچے جھک جاتے تھے تاکہ گولیاں اوپر سے گزر جائیں۔ اسی لیے وہ سر زمین پر رکھے ہوئے تھا۔ ادھر سلوپ پر بھی اب تک خاموشی تھی۔ جس نے فائر کیا تھا وہ بھی خاموش تھا۔ شاید اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کودنے والے کا اگلا قدم کیا ہوگا۔

وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ جب کافی دیر تک ادھر سے کسی قسم کی آہٹ سنائی نہ دی تو میں نے آواز دی۔

''ادھر کون ہے؟ باہر آئے۔ ہم دوست ہیں۔''

میں سلوپ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ادھر ہنوز خاموشی تھی۔ تبھی کودنے والے نے سوال کیا۔ ''آپ ٹھیک تو ہیں نا؟''

میں نے گردن کو مزید موڑ لیا۔ اب وہ میری نگاہوں کے دائرے میں تھا۔ اس کے لباس سے میں دھوکا کھا گیا تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ وہ ایرٹ ہے مگر وہ روبیر تھی۔ مردانہ لباس میں ملبوس۔ میں نے سلوپ کی طرف دیکھتے ہوئے روبیر کو جواب دیا۔ ''ہاں میں ٹھیک ہوں۔ زمین پر لیٹے لیٹے میری طرف بڑھو۔''

میں نے جواب دیتے ہوئے گردن موڑ لی تھی۔ اب میری نظریں سلوپ پر ٹھہری گئی تھیں۔ ایسا اس لیے کیا تھا کہ اگر سلوپ پر دبکا بندہ حرکت کرے تو میں فوراً دیکھ لوں مگر اُدھر خاموشی تھی جیسے کوئی ہے ہی نہیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بندہ بہت چالاک ہے۔ ادھر سے نظریں ہٹا کر میں نے روبیر کا جائزہ لیا۔ وہ کھسکتی ہوئی میرے بالکل قریب آ گئی تھی۔

''تمہیں یہ راستہ کیسے ملا؟'' میں نے روبیر سے پوچھا۔

''آپ نے جو راستہ استعمال کیا تھا وہ آپ کے جاتے ہی بند ہو گیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی تھی مگر کھلا نہیں تھا۔ تب میں نئے راستے کی تلاش میں لگ گئی۔ یہاں خفیہ راستوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ بس انہیں تلاش کرنے والا کوئی ہو۔''

''پھر تمہیں یہ راستہ کیسے ملا؟'' میں نے اکتا کر پوچھا۔

''میں وہاں سے نکل گئی تھی۔ باہر آنے کے بعد ایک دوسری خفیہ سیڑھیوں کا رخ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ ان خفیہ سیڑھیوں کے بعد کوئی نہ کوئی دروازہ ضرور ہوگا۔ اسی کی تلاش میں اِدھر اُدھر ہاتھ پھیر رہی تھی کہ ایک چوکور ٹکڑا نظر آیا اور میں نے اسے دبایا تو یہ روشندان کھل گیا اور میں اندر کود گئی۔''

''اور اگر اس وقت دشمن وہاں موجود ہوتے تو کیا ہوتا۔ ایسی اندھی چھلانگ کبھی نہیں لگانا چاہیے۔'' میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سرزنشی انداز میں جواب کہا۔

''میں نے آپ کو دیکھ لیا تھا اسی لیے خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ مجھے معلوم تھا کہ جب آپ ہیں تو کوئی خطرہ مجھے چھو نہیں سکتا۔'' اس نے جذبات سے بھرپور انداز میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے دل کی آواز کو زبان دے رہی ہے۔

میں نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اس لیے کہ اس جیسی کئی پاگل لڑکیوں سے میں پہلے بھی مل چکا ہوں۔ اپنی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کی جانب سے توجہ ہٹا کر سلوپ کی جانب بڑھا۔ کرولنگ کرتے ہوئے میں سلوپ کے منڈیر کی طرف طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اب تک سمجھ نہیں پایا تھا کہ فرشتہ رحمت بن کر آنے والا کون ہے۔ اس نے مجھے باسو سے کیوں بچایا۔ یہ کام انجانے میں اس سے سرزد ہوا یا وہ مجھے جانتا ہے۔ دوست ہے یا دشمن۔ مگر یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ مقامی نہیں ہے اس لیے کہ مقامی ہوتا تو میرے الفاظ اس کے لیے بے معنی ہوتے۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ زبان کا مسئلہ آڑے آجاتا۔ یہ تو برف والے کا کرشمہ تھا کہ میں مقامی زبان سمجھ لیتا تھا مگر بول نہیں سکتا تھا۔ کسی درمیانی بندے کے بغیر اپنی بات کسی کو سمجھا ہی نہیں سکتا تھا، پھر اس بندے نے میری بات کیسے سمجھ لی۔ یقیناً وہ مقامی نہیں ہے۔ اگر مقامی نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ اگر باہر سے کوئی پارٹی آئی ہے تو وہ کس ملک کی ہے؟ ہماری دنیا میں دو طاقتیں مسلسل ٹکرا رہی ہیں۔ یہ دو عالمی طاقتیں ایک دوسرے کی جاسوسی بھی کرتی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈیوڈ شا نے کسی بڑے ملک سے معاہدہ کر لیا ہو کہ وہ آکر اس سے یہ علاقہ خرید لے۔ یہ خبر کسی دوسری پارٹی تک پہنچ گئی اور اس نے اپنے فوجی وادی میں اتار دیئے۔ اگر ایسا ہو گیا ہے تو یہ بہت برا ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک پُرامن علاقہ ہے۔ باہر کے لوگوں کی وجہ سے یہ وادی سازشوں کا گڑھ بن جائے گی۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں سلوپ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا..... اب میں سلوپ کی منڈیر تک آگیا تھا۔ اس لیے کرولنگ روک لی اور مڑ کر روبیر کی طرف دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے ترکش سے ایک تیر نکالا پھر وہیں پڑا ایک کٹورا اٹھایا جو اہرام کے تالاب میں بھرے ارغوانی شراب کو پینے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ اسے تیر کے سرے پر رکھ کر نہایت احتیاط سے سلوپ کی جانب بڑھاتے ہوئے ایک ہاتھ اونچا کیا۔ دور سے اسے انسانی سر سمجھا جا سکتا تھا اور دیکھتے ہی نیچے دبکا شخص فائر کر سکتا تھا مگر ادھر خاموشی ہی رہی جیسے نیچے کوئی نہیں ہے۔ تب سلوپ کے نزدیک پہنچ کر میں نے نیچے جھانکا۔ نیچے جب کوئی نظر نہیں آیا تو میں کھڑا ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون تھا جو کسی فرشتہ کی طرح نمودار ہوا اور مجھے موت کے منہ میں جانے سے بچا کر اپنی راہ لگ گیا۔ لیکن سوچنے اور غور کرنے کا وقت بالکل نہیں تھا اس لیے کہ باہر سے لگاتار فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ باہر میدانِ جنگ ہے اور دو پارٹیوں نے قسم کھالی ہے کہ فتح صرف انہیں حاصل کرنا ہے۔ وہ دونوں ہیں کون یہ جاننا بھی ضروری تھا اور یہاں چھپ کر بیٹھے رہنے سے مجھے الہام نہیں ہوتا۔ اس کے لیے باہر نکلنا ضروری تھا۔ اور برستی ہوئی گولیوں میں ایک دم سے باہر نکلنا بھی عقلمندی نہ تھی۔ کہاں اور کس طرف سے نکلا جائے یہ جانچنے کے لیے میں نے اس کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے جس کمرے میں ڈیوڈ شا، زینی، آئی زور اور باسو داخل ہوئے تھے۔ اس کمرے میں داخل ہونے کے لیے میں نے پھر وہی طریقہ آزمایا۔ تیر پر کٹورا رکھ کر پہلے اسے اندر کیا اور جب کوئی ردِعمل سامنے نہ آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو کٹورے کو فرش پر گرا دیا۔ کٹورا گرنے سے زوردار آواز پیدا ہوئی مگر کسی قسم کا ردِعمل سامنے نہیں آیا تو میں نے اندر قدم رکھا مگر اس احتیاط کے ساتھ کے اندر جاتے ہی اپنی جگہ بدل لی۔ لیکن وہ کمرا خالی تھا۔ دوسری جانب کا دروازہ پاٹو پاٹ کھلا ہوا تھا۔ میرے پیچھے روبیر بھی اندر آ گئی تھی۔ اسے میں نے پیچھے رہنے کا اشارہ کیا اور اس دروازے سے باہر جھانکا۔ جس عمارت میں ہم تھے۔ اس کے برابر برابر میں دو اور عمارتیں بھی تھیں۔ گو کہ یہ معبد کی مرکزی عمارت تھی لیکن وہ دونوں بھی اہم ہوں گی تبھی تو اتنی نزدیک بنائی گئی ہیں۔ میں اسی بات پر غور کرتا ہوا اِدھر اُدھر نظر دوڑا رہا تھا۔ ان دونوں عمارتوں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان میں سے ایک پر ڈیوڈ شا کا قبضہ ہے اور دوسری پر اس کی مخالف پارٹی کا مگر مخالف پارٹی ہے کون یہ ابھی تک راز تھا لیکن یہ ثابت ہو چکا تھا کہ ڈیوڈ شاہ کی مخالف پارٹی میری حلیف ہے اسی لیے تو ان میں سے کسی ایک نے مجھے باسو کے ہاتھ سے بچایا تھا۔ وہ پارٹی کس عمارت میں ہے یہ بھی معلوم نہ تھا۔ جس طرح دونوں پارٹیاں ایک دوسرے پر فائرنگ کر رہی تھیں ایسے میں اس عمارت سے باہر جانا بھی خطرناک تھا مگر میں ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والا بھی نہیں تھا۔ باہر جانے کے راستے کو دیکھا۔ عمارت زمین سے تقریباً چھ فٹ کی بلندی پر بنائی گئی تھی۔ اندر آنے کے لیے سیڑھیوں کا استعمال کرنا پڑتا تھا۔ اگر میں سیڑھیوں پر جاتا تو اللہ کو پیارا ہو جانا یقینی تھا۔ کیونکہ سیڑھیاں گولیوں کی زد پر تھیں۔ دونوں جانب کی گولیاں پندرسولہ فٹ چوڑی سیڑھیوں پر سے گزر رہی تھیں۔ میں واپس کمرے میں آ گیا اور پھر سلوپ کی طرف دیکھا جو بالکل ویران پڑا تھا۔ اب میں نے سلوپ پر اترنا شروع کر دیا۔ سنبھل سنبھل کر نیچے اترتا چلا گیا۔ نیچے پہنچ کر دیکھا ایک کھڑکی ہے جو کھلی ہوئی ہے۔ اس کھڑکی میں کسی دھات کی بنی سلاخیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ جنہیں توڑے بغیر باہر نکلا نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ یہ کھڑکی عین سیڑھیوں کے نیچے کھل رہی تھی جن سیڑھیوں کے ذریعہ اس عمارت میں داخل ہوا جاتا تھا۔ یہ کھڑکی داہنی جانب کی عمارت سے نزدیک تھی لیکن مسئلہ وہی تھا کہ باہر گولیاں بارش کے قطروں کی طرح برس رہی تھیں۔ دونوں طرف سے آٹومیٹک گنز کا استعمال ہو رہا تھا اگر کھڑکی توڑ کر باہر جاتے بھی تو زندگی کی ضمانت نہ تھی۔

''کیا تم اس عمارت میں جانا چاہتے ہو۔'' روبیر نے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''باہر تو آگ والے تیر چل رہے ہیں۔ کیسے جاؤ گے؟'' روبیر نے گولیوں کو آگ والے تیر کا نام دیا تھا۔

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔'' میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ابھی تک میں نے یہی دیکھا ہے کہ معبد میں جگہ جگہ خفیہ راستے بنے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں بنانے والوں کا مقصد کیا تھا۔ شاید ان راستوں کو اس لیے بنایا گیا ہوگا کہ باہر والوں کی نظروں میں آئے بنا پجاری آمد و رفت رکھ سکیں۔''

''ہاں یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔''

''ایک وقت میں یہاں کئی کئی بڑے پجاری، پروہیت رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ انتظام اس لیے بھی کیا گیا ہو کہ کسی پروہت کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔'' روبیر نے اپنا خیال پیش کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوسکتا ہے تمہارا قیاس صحیح ہو۔ ویسے تمہاری یہ بات پسند آئی کہ ہر دو عمارت میں جانے کے لیے خفیہ راستہ بھی ہوگا۔ ایسا کرتے ہیں کہ اس راستے کو تلاش کرتے ہیں۔'' کہہ کر میں نے نیچے کی دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کر دیا۔ ہر ایک ہاتھ کے بعد میں دیوار پر کٹورا مارتا پھر کان لگا کر آواز سنتا اگر دیوار میں کہیں خلا ہوتا تو گونج کی بازگشت سنائی دے جاتی۔ تمام کی تمام دیواریں ٹھوس محسوس ہوئیں تو واپس اوپر آ گیا۔ سلوپ سے اوپر جاتے ہوئے میں نے پوچھا۔ ''تم نے وہ والا راستہ کیسے تلاش کیا جس سے کود کر نیچے آئی تھیں۔''

''اتفاقاً دیوار پر ایک ابھرا ہوا پتھر نظر آ گیا تھا۔ میں نے اسے دبایا تو سامنے تین فٹ چوڑا خلا نظر آیا۔ اس خلا میں اتنی جگہ تھی کہ کوئی بھی شخص لیٹ کر کھسکتا ہوا آگے جا سکتا تھا۔ بس میں اس خلا میں داخل ہوگئی۔ باہر نکلنے سے پہلے اندر جھانکا تو آپ نظر آ گئے اور میں نے اندر چھلانگ لگا دی۔''

''اب تم بھی دیوار پر نظریں دوڑاتی رہو۔ کہیں بھی ویسا ابھار نظر آئے تو بتا دینا۔''

''جی اچھا۔'' کہہ کر وہ مجھے کراس کرتی ہوئی اوپر چلی گئی۔ میں جب اس ہال نما کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ اہرام کے سامنے والی دیوار پر ہاتھ پھیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ میں بھی جا کر اس کے برابر میں کھڑا ہوگیا۔ خود میں بھی دیوار کا باریک بینی سے جائزہ لے رہا تھا۔ تبھی میری نظر ایک ابھار پر پڑی۔ وہ ابھار ایسا نہیں تھا کہ دیکھتے ہی نظروں میں آ جاتا۔ دیوار کے ہم رنگ تھا مگر چوکور سا ابھار تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''غور سے دیکھو کیا ایسا ہی ابھار تھا؟''

''ادھر جو ابھار نظر آیا تھا وہ ایسا نہیں تھا۔ مگر اسی طرح ابھرا ہوا تھا جو آسانی سے نظروں میں نہ آئے۔'' روبیر کے لہجے میں دبا دبا جوش تھا۔

''ٹھہرو میں اسے دبا کر دیکھتا ہوں۔'' کہہ کر میں آگے بڑھا اور بہ غور جائزہ لیا پھر اس پر دباؤ ڈالا۔ دباؤ ڈالتے ہی اس جگہ کی دیوار میں ایک خلا سا بن گیا۔ جہاں روبیر کھڑی تھی وہاں کی دیوار سلائیڈنگ ڈور کی طرح ایک طرف سرک گئی تھی۔ میں نے خلا میں جھانک کر کہا۔ ''میں اندر جا رہا ہوں۔ تم یہیں ٹھہر کر میرا انتظار کرو۔ جب تک میں باہر سے اندر آنے کا اشارہ نہ دوں اندر داخل نہ ہونا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے مستعدی سے جواب دیا۔

میں نے ہٹ گئی سلائیڈنگ دیوار کو ہٹانے کے لیے سرکانے کی کوشش کی تو وہ بڑی آسانی سے مزید سرک گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس میں مخصوص قسم کے بیرنگ لگے ہوں۔ اب اتنا راستہ بن گیا تھا کہ ایک فربہ آدمی بھی بہ آسانی گزر سکے۔ میں نے جھانک کر دیکھا۔ ایک زینہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ مگر زینے کے نچلے حصہ میں تاریکی تھی۔ جب کہ سیڑھیوں کی دیوار میں عجیب قسم کے دو پتھر لگے ہوئے تھے جن سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ یہ جواہرات میں سے کوئی خاص قسم کا پتھر تھا۔ میں بہت احتیاط سے نیچے اتر گیا۔ ابھی ایک دو سیڑھیاں ہی طے کی تھی کہ عقب میں آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ روبیر میرے پیچھے آ گئی تھی۔ مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں نے کچھ کہا نہیں اور نیچے کی طرف بڑھنے لگا، مزید نیچے جانے کے بعد جائزہ لیا۔ مگر کہیں کوئی سن گن نہ تھی۔ باہر سے آتی ہوئی فائرنگ کی آواز بھی بہت ہلکی ہلکی سنائی دے رہی تھی۔ پھونک پھونک کر مزید نیچے اترا۔ کئی سیڑھیاں طے کیں تو یکا یک نیچے کا حصہ بھی روشن ہوگیا۔ شاید سیڑھیوں میں ایسا کوئی میکنیزم تھا کہ پیر پڑتے ہی وہاں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوار میں نصب پتھر روشن ہو جاتا تھا۔

اس وقت ہم دونوں ہی موت اور حیات کے دوراہے پر کھڑے تھے۔ کسی بھی وقت نیچے نظر آنے والا بند دروازہ کھل سکتا تھا اور کوئی بھی اوپر آ سکتا تھا، میرے پاس ایسا کوئی اسلحہ بھی نہیں تھا کہ میں اسے روک سکوں۔ ہمیں پشت کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ سلوپ پر اترتے ہوئے میں باہر والا دروازہ بند کر آیا تھا۔ اب اگر کوئی خطرہ تھا تو نیچے والے دروازے سے ہی تھا۔ اس لیے میری پوری توجہ اسی بند دروازے کی طرف تھی ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہوئے ہم بالآخر نیچے پہنچ ہی گئے۔ ہمیں اس زینے پر آئے ہوئے صرف ڈھائی سے تین منٹ ہوئے تھے مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے ڈھائی گھنٹے گزر گئے ہیں۔ دروازے کے نزدیک پہنچ کر میں نے روبیر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے دروازے میں کوئی درز یا سوراخ تلاش کرنے کی کوشش کی تا کہ دوسری جانب کا منظر دیکھ سکوں مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ وہ دروازہ مضبوط لکڑی کا تھا۔ جس طرح کی لکڑی ہمارے یہاں بلوط کی لکڑی کہلاتی ہے اسی قسم کی لکڑی سے بنا دروازہ تھا۔

میں نے آہستگی سے دروازے کے مختلف حصوں پر دباؤ ڈال کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ کہاں سے بولٹ ہو سکتا ہے جسے کھول کر باہر نکلا جائے مگر وہ اس مضبوطی سے بند تھا کہ کچھ اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ایک پٹ کا دروازہ صرف اس معنوں میں تھا کہ وہ لکڑی سے بنا ہوا تھا مگر اس طرح دیوار میں فٹ تھا کہ وہ دیوار کا حصہ لگ رہا تھا۔ زینے پر اتنی جگہ بھی نہیں تھی کہ پیچھے ہٹ کر اس پر چوٹ ماری جا سکتی۔ بھرپور ضرب کے لیے جگہ بنانا ضروری تھا۔ اس لیے میں واپس سیڑھیوں پر آ گیا۔ اور چند لمحوں تک غور کیا کہ کس رخ سے دروازے پر لات ماری جائے۔

میں نے چند لمحوں تک سوچا اور پھر تیار ہو گیا کہ یہاں سے اچھل کر دروازے پر لات ماروں گا تبھی میری نظر سیڑھیوں کی چھت پر پڑی اور میں رک گیا۔ چھت میں ایک چھوٹا سا کنڈا نظر آ گیا تھا۔ یہ کنڈا اسی قسم کا تھا جیسے ہمارے یہاں چھت میں سیلنگ فین کے لیے لگاتے ہیں۔ مگر وہ کنڈا اتنا چھوٹا تھا کہ صرف ایک انگلی اس میں داخل ہو سکتی تھی۔ مجھے اس کنڈے کی وہاں موجودگی پر حیرت ہو رہی تھی۔ بھلا اس تنگ زینے پر کنڈے کا کیا کام؟ یہاں روشنی کے لیے چراغ یا مشعل لٹکانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ دیوار پر روشنی دینے والے جواہر لگے ہوئے تھے۔ ان پتھروں سے اتنی تیز روشنی پھوٹ رہی تھی کہ کسی چراغ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ سیڑھیاں اترنے والا شخص با آسانی سیڑھیاں اتر سکتا تھا۔ پھر یہ کس لیے ہے۔ غور کرنے کے بعد بھی سمجھ نہیں آیا۔ تب میں نے اس کنڈے میں انگلی پھنسا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کرنا چاہا تھا کہ ایک ہلکی سی آواز سنائی دی جیسے کوئی چیز اپنی جگہ سے کھسکی ہو۔

''کھل گیا۔'' روبیر کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ روبیر کے چہرے پر خوشی کی جھلک تھی۔ اس کی نگاہوں کے زاویئے پر نظریں موڑیں اور ایک انجانی سی خوشی کا احساس ہوا۔ جہاں میں کھڑا تھا اس کے دو اسٹیپ نیچے داہنی جانب کی دیوار میں ایک درز سا کھل گیا تھا۔ کسی سلائیڈنگ ڈور کی طرح دیوار کا قدِ آدم حصہ سرک گیا تھا۔ شاید دیوار میں جگہ بنی ہوئی تھی۔ جس میں ایک مخصوص حصہ سرک کر چلا گیا تھا۔ میں نے اس ادھ کھلے در پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ مزید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرک گیا۔ اب اتنی جگہ بن چکی تھی کہ ایک آدمی بہ آسانی اس سے گزر سکتا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی فائرنگ کا شور اندر تک آنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ دو پارٹیاں ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش میں کوشاں ہیں۔

''چلو دروازے کی دوسری طرف چل کر دیکھتے ہیں۔'' روبیر نے میرے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔

اس کی تیز سانسوں کا لمس میری گردن پر محسوس ہوا۔ میں غیر محسوس انداز میں اس سے کچھ دور ہو گیا اور بولا۔ ''مگر ہمیں احتیاط کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کوئی اس طرف گھات لگائے بیٹھا ہو۔ ہمیں ہوشیاری کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔'' یہ کہہ کر میں محتاط انداز میں تیزی سے دوسری جانب آ گیا۔

دروازے کی دوسری جانب ایک بڑا سا ہال نما کمرا تھا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے خود کو زمین پر گرا لیا تھا تاکہ اگر کسی کی نال میری طرف اٹھی ہوئی ہو تو گولی مزاج نہ پوچھ لے۔ پھر لیٹے لیٹے میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس کمرے میں کوئی سامان نہیں تھا۔ شاید وہاں عبادت کے لیے لوگ فرش پر بیٹھتے ہوں گے یا پھر یوں ہی خالی پڑا رہتا ہوگا۔ کمرے کا فرش صاف ستھرا تھا۔ گرد کی ہلکی سی تہ بھی نہیں تھی۔ شاید ہر روز صفائی ہوتی ہوگی۔ مجھے آگے بڑھنا ضروری تھا۔ میں نے سینے کے بل سرکنا شروع کر دیا۔ سرکتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔ روبیر بھی میری تقلید میں کرولنگ کرتی ہوئی بڑھی چلی آ رہی تھی۔ میرا رخ باہر والے دروازے کی جانب تھا۔ یہ اقدام حفظِ ماتقدم کے طور پر تھا کہ کوئی دور سے ہمیں دیکھ نہ لے۔ پھر ایک بات اور بھی تھی۔ مقابلہ ڈیوڈ شا جیسے عیار سے تھا جو الیکٹرونک آلات سے کام لینا بخوبی جانتا تھا اور پتا نہیں کیسے کیسے آلات ساتھ لے کر آیا ہو۔ اس کا ہلکا سا مظاہرہ میں دیکھ چکا تھا۔ اس نے کس چالاکی سے خودکار گن عمارت کے باہر لگائی تھی جس کا خودکار نظام اپنے سینسر کی مدد سے سامنے آ جانے والے جاندار کی موجودگی کا پتا فوراً لگا لیتا تھا اور فائرنگ شروع کر دیتا تھا۔ ایسا ہی کوئی نظام اس نے یہاں بھی لگا رکھا ہو۔ اگر میں کھڑا ہوتا تو اس کا سینسر پتا لگا لیتا۔ ان نادیدہ آلات سے نکلنے والی شعاعوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی ایک کوشش تھی اور اب تک ایسا کچھ ہوا نہیں تھا جس سے اندازہ ہوتا کہ ہمیں کہیں سے دیکھا جا رہا ہے۔ ہم بڑے آرام سے سرکتے ہوئے۔ کرولنگ کرتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھتے جا رہے تھے۔ دروازے کے نزدیک پہنچتے ہی میں تھم گیا۔ میرے پیچھے روبیر تھی۔ وہ بھی ٹھٹک گئی۔ اس نے میرے بازو کو سختی سے پکڑ لیا تھا۔ اس کی پکڑ اتنی مضبوط تھی کہ انگلیاں گوشت میں دھنستی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اگر اور تھوڑا سا ہم آگے بڑھتے تو ان کی نظروں میں آ جاتے۔ اس کمرے کا دروازہ باہر کھل رہا تھا۔ یہ عمارت بھی زمین سے کچھ اونچائی پر بنی ہوئی تھی اور اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ ان سیڑھیوں کے اختتام پر دو آدمی کھڑے تھے۔ ان کی پیٹھ ہماری جانب تھی۔ دونوں کے ہاتھوں میں آتشی اسلحے تھے مگر وہ فائر نہیں کر رہے تھے۔ بس خاموش کھڑے تھے۔ شاید ان کی کوئی پلاننگ ہو۔ ان کے لباس کی تراش خراش بتا رہی تھی کہ وہ مقامی نہیں ہیں۔ یقیناً ان کا تعلق ہماری دنیا سے تھا۔ وہ کس پارٹی کے ہیں۔ ڈیوڈ شا کے لوگ ہیں یا اس کے مخالف اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ پہلا شخص تو قریب تھا مگر یہ شخص ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا تھا اگر اس کے کندھے آڑ سے باہر نہ ہوتے تو پتا ہی نہ چلتا کہ کوئی دوسرا بھی وہاں موجود ہے۔

''اب کیا کیا جائے؟'' روبیر نے سرگوشی میں پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کوئی جواب دیتا کہ عقب سے ہلکی سی آواز آئی۔ میں کسی چوٹ کھائے سانپ کی طرح پلٹا تھا اور عقبی دروازے کی طرف دیکھا۔ ادھر کوئی نظر نہیں آیا لیکن میری چھٹی حس نے اشارہ دیا کہ ادھر کوئی ہے۔

''آڑ میں ہو جاؤ۔'' کہتے ہوئے میں نے الٹی طرف کرولنگ شروع کر دی۔ اب جدھر سے میں آیا تھا ادھر ہی واپس جا رہا تھا۔ نہایت تیزی سے کرولنگ کرتا ہوا واپس دروازے میں داخل ہوا اور سلوپ سے اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔ بالکل اوپر پہنچ کر نہایت احتیاط سے تھوڑا سا سر اٹھا کر دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔ اطمینان بھری سانس خارج کر کے میں کھڑا ہو گیا، وہ ایرٹ تھا۔ پتا نہیں اس نے کیسے یہاں، اس عمارت میں آنے کا سوچا ورنہ تو میں اسے اپنی جگہ چھوڑنے سے منع کر آیا تھا۔

''تم کیسے آ گئے؟'' میں نے پوچھا۔

''جب آپ واپس نہیں آئے اور نہ آپ کی کوئی خبر ملی تو مجھے تشویش ہوئی اور میں آپ کی تلاش میں نکل پڑا۔ یہ عمارت سامنے تھی۔ پھر آپ نے کہا بھی تھا کہ آپ مرکزی عمارت میں داخل ہوں گے اس لیے میں سیدھا اسی میں آیا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''دوسروں کا کیا حال ہے؟''

''سب پریشان سے بیٹھے ہیں۔ ایسی گڑگڑاہٹ ایسی آوازیں انہوں نے پہلی بار سنی ہیں۔'' وہ ہاتھ پیر جھاڑ کر بدن میں چستی لانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ شاید سرنگ میں جسم سکیڑ کر آگے کھسکنا پڑا ہو گا اس کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر جام محسوس ہو رہے ہوں گے اسی لیے وہ بار بار ہاتھ پیر جھٹک رہا تھا۔

''یہ گڑگڑاہٹ نہیں اسلحہ چلنے کی آواز ہے۔ اسے فائرنگ کہتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو جو کام تم لوگ تیر سے لیتے ہو وہی کام یہ لوگ اس ڈنڈے سے لیتے ہیں۔ کہ دور کا دشمن بھی زخمی ہو جاتا ہے۔ مر جاتا ہے۔'' میں نے سمجھانے کے لیے کہا۔

''اس کا اندازہ تو ہو چکا ہے۔ میں نے دیکھا تو تھا کہ آواز ہوتے ہی ایک آدمی کے جسم میں سوراخ ہوتا چلا گیا تھا۔'' اس نے جواب میں کہا۔

''بالکل۔۔ یوں سمجھ لو کہ انتہائی چھوٹا سا تیر ہوتا ہے جو اس ڈنڈے میں جسے گن کہتے ہیں لگا ہوا ہوتا ہے۔ جیسے ہی اس تیر کو پھینکنے کے لیے نیچے لگا ایک بٹن دبایا جاتا ہے۔ زور سے آواز نکلتی ہے اور وہ تیر جا کر شکار کے جسم میں بہت اندر تک زخم ڈال دیتا ہے۔''

''ان تیروں سے میں نے دیواروں کو بھی چھلنی ہوتے دیکھا ہے۔''

''ہاں..... وہ مضبوط سے مضبوط چیز میں سوراخ کر دیتا ہے۔ ایسا ہی تیر ہوتا ہے۔''

''بہت خطرناک ہتھیار ہے۔ اگر میں زندہ بچ گیا تو ایسے کئی ہتھیار اپنے پاس رکھا کروں گا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

میں بھی ہنس دیا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''کچھ اندازہ ہے۔ یہ ٹکرانے والے کون ہیں؟''

''ایک تو وہ لوگ ہیں جو آپ کے دشمن کے ساتھ اوپر سے آئے۔ پھر ان کا ایک آدمی اس طرف والے میدان میں جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہاں وہی والا ایک پرندہ جسے آپ نے مار گرایا تھا آسمان سے اترا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سمجھ گیا کہ اس نے سگنل دے کر کسی جہاز کو اتارا ہوگا۔

''وہ بڑا سا بغیر پر ہلائے اڑنے والا دھاتی پرندہ اترا تھا۔ اس سے چھ سات آدمی باہر آئے تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں وہی ہتھیار تھے جن سے چھوٹے چھوٹے تیر نکلتے ہیں۔ ان کے پیٹھ پر بڑے بڑے تھیلے بندھے ہوئے تھے۔ وہ سب اس اڑنے والے پرندے سے نکل کر ادھر آ رہے تھے کہ ایک اور پرندہ آ گیا۔ وہ سب اسے دیکھ کر رک گئے اور حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر وہ بھی اسی میدان میں اتر گیا۔ اس کے اندر سے بھی چھ ساتھ آدمی باہر نکلے جو ان لوگوں جیسے کپڑوں میں نہیں تھے۔ ان کو دیکھتے ہی پہلے والوں نے چیخ کر کچھ کہا۔ جواب میں نئے آنے والوں نے کندھوں سے لٹکے ہوئے ڈنڈے اتار کر ہاتھ میں لے لیے اور پھر گڑگڑاہٹ گونجنے لگی۔ وہ سب زمین پر لیٹ گئے تھے اور ایک دوسرے کی طرف ڈنڈے سیدھے کر کے دھماکا کرنے لگے تھے۔ پہلے آنے والے اس والی عمارت میں داخل ہو گئے اور بعد میں آنے والے ادھر ہی دوڑے تھے۔ درمیان میں برابر والی عمارت آ گئی تھی اس لیے میں دیکھ نہ سکا کہ کون کدھر گیا۔''

اس نے جو کچھ بتایا اس سے سمجھ تو یہی آ رہا تھا کہ ڈیوڈ شا کے تعاقب میں کوئی دوسری پارٹی بھی وادی میں داخل ہو گئی ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ دوسری پارٹی کون ہے؟ کس مقصد سے آئی ہے۔ اس کا پتا لگانا ضروری تھا۔ لیکن کیسے لگایا جائے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ تبھی میرے ذہن میں ایک خیال کوندا۔ سامنے کی بات تھی اور اسے اب تک آزمایا نہیں تھا۔ جب میں باہر گیا تھا دو تین لوگ نظر آئے تھے جن کا رخ ایک خاص سمت میں تھا اور وہ ہتھیار تھامے مستعد کھڑے تھے۔ مجھے باسو کے ہاتھ سے بچانے والا بھی ادھر ہی گیا تھا۔ ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی ایک ہو جس نے باسو پر فائر کیا تھا۔ ایرٹ نے بتایا تھا کہ جہاز سے پہلے اترنے والے چست کپڑوں والے تھے یعنی وردی پوش تھے۔ ان کی پیٹھ پر وار بیگ بھی تھا۔ جب کے بعد میں اترنے والے عام لباس میں تھے۔ میں نے جن دونوں کو دیکھا تھا وہ بھی عام لباس میں ملبوس تھے۔ یقیناً وہ دشمن نہیں ہیں ورنہ مجھے بچاتے نہیں۔ اور مجھے پہچانتے بھی ہیں اسی لیے تو باسو کے جاتے ہی وہ میدانِ جنگ کی طرف لوٹ گئے۔ اس وقت باہر کی جو حالت تھی اسے دیکھ کر تو یہی لگتا تھا کہ میدانِ جنگ کا سماں ہے اسی لیے میں نے یہ لفظ استعمال کیا۔

اس خیال کے آتے ہی میں پھر سے سلوپ کی طرف چل پڑا۔ اب میرے ساتھ دو لوگ تھے۔ ان دونوں کے ساتھ میں نیچے پہنچا مگر باہر والے دروازے پر جانے سے پہلے ان کو ہدایت دی۔ ''تم دونوں یہیں چھپے کھڑے رہنا۔ پتا نہیں وہ دوست ہیں یا دشمن۔ پہلے میں ان سے معلوم تو کر لوں۔''

''جی اچھا۔'' ایرٹ نے جواب دیا مگر مجھے شک ہوا کہ وہ اس طرح خاموش کھڑا نہیں رہے گا۔ اگر میرے پیچھے آ گیا تو کھیل بگڑ بھی سکتا ہے۔ گولی بندوق اس کے لیے نئی چیز ہے۔ کہیں وہ جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ اس خیال کے آتے ہیں میں نے پلان بدل دیا اور ان سے کہا:

''نہیں تم دونوں اوپر جا کر میرا انتظار کرو۔ جب میں آواز دوں تبھی نیچے آنا۔''

میرا حکم پاتے ہی وہ دونوں سر جھکائے سلوپ سے اوپر چڑھتے چلے گئے۔ ان دونوں کے اوپر جاتے ہی مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس لیے کہ اب وہ جگہ خالی تھی۔ دور دور تک کسی بندے کا نام و نشان نہ تھا۔ کہیں میں نے جاگتے میں خواب تو نہیں دیکھا۔ کیونکہ گولیاں ہنوز چل رہی تھیں۔ یہ چند منٹ میں کہاں چلے گئے۔ ابھی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچ ہی رہا تھا کہ میری نظر برابر والی عمارت پر پڑی۔ اس عمارت سے دوسری عمارت پر فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا اس عمارت تک اگر میں چاہوں تو جا سکتا ہوں کیونکہ گولیاں جس زاویہ سے آ جا رہی تھیں وہ کافی دور تھا۔ اگر میں کرولنگ کرتا ہوا چلوں تو اس عمارت تک بہ آسانی جا سکتا ہوں۔ یہی بات دوسری عمارت پر بھی صادق آ رہی تھی۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور داہنی جانب والی عمارت کی سمت میں زمین پر لیٹ کر رینگنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ کچھوئے کی رفتار سے بڑھتا ہوا میں اس عمارت تک پہنچ ہی گیا۔ اب جو مسئلہ تھا۔ وہی سب سے اہم اور خطرناک تھا۔ اس عمارت کے سامنے بھی چوڑی سیڑھیاں تھیں اور ان سیڑھیوں پر قدم رکھنے کا مطلب تھا نشانہ بن جانا۔ سیڑھیاں دونوں طرف کی فائرنگ کی زد میں تھیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ ایک اور مسئلہ بھی تھا کہ کہیں روبیر یا ایرٹ میرے حکم کو ٹھکرا کر میری محبت میں باہر نہ آ جائیں۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آج میری موت لکھی ہوئی ہے تو کوئی بھی مجھے بچا نہیں سکے گا اور اگر میری موت کا وقت یہ نہیں ہے تو کوئی میرا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکے گا۔ اب جو بھی قسمت میں ہو۔ موت یا زخمی ہونا جو ہوگا دیکھا جائے گا یہ سوچ کر میں نے سیڑھیوں کی جانب رخ کر لیا۔

بالآخر سیڑھیاں بھی آ گئیں۔ اب ان پر چڑھنا تھا۔ کچھ دیر تک میں اسی حالت میں ساکت لیٹا رہا پھر میں آگے کی جانب سرکا پہلی سیڑھی عبور کیا ہی تھا کہ اندر سے کسی نے فائر کیا گولی میرے اس ہاتھ سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر سیڑھی کے کنارے کو چھیلتی ہوئی نکل گئی۔ میں پہلی سیڑھی پر دبک گیا۔ سمجھ گیا تھا کہ اندر والوں نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ تبھی کسی کی چیختی ہوئی آواز آئی۔ ''خبردار فائر نہ کرنا۔ یہ شہباز صاحب ہیں۔''

آواز جانی پہچانی لگی لیکن صاف سنائی نہیں دی تھی اس لیے میں پہچان نہیں سکا تھا کہ کس کی آواز ہے۔ اندر سے کسی نے پکار کر کہا۔ ''شہباز صاحب ہوشیاری سے اوپر آ جائیں۔ کیونکہ سامنے سے آنے والی گولیاں آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔''

میں نے اونچی آواز میں جواب دیا۔ ''میں احتیاط کے ساتھ اوپر چڑھتا جا رہا ہوں صرف تم مجھے کور دو۔ فائرنگ کا رخ کچھ دیر کے لیے موڑ لو تاکہ سامنے والے مغالطے میں آ جائیں۔''

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ یکا یک فائرنگ کرنے والے نے میرے داہنے ہاتھ پر برسٹ چلایا جس کا اثر فوراً ہوا۔ اب سامنے سے آنے والی گولیوں کا رخ اسی جانب ہو گیا تھا۔ شاید دوسری عمارت والوں نے یہی سوچا ہوگا کہ ادھر بھی کوئی ہے۔ اس وقفے کا فائدہ اٹھا کر میں نے سیڑھیوں پر رینگنا شروع کر دیا۔ نہایت تیزی سے اوپر چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ سات یا آٹھ سیڑھیاں تھیں مگر اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے کئی منزل اوپر جانا ہے۔ اوپر چڑھتے ہوئے موت کا تصور آنکھوں میں سمایا رہا۔ کسی بھی وقت دوسری عمارت سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ مگر یہ پل صراط بھی عبور ہو گیا۔ میں بہ آسانی آخری سیڑھی عبور کر کے برآمدے پر پہنچ گیا مگر اب تک لیٹا ہوا تھا۔ اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور جب میں برآمدہ پار کر کے اندر والے ہال میں پہنچا تو میرے دیوتا کوچ کر گئے۔ پوری بازی الٹ چکی تھی۔ میرے سامنے پستول تھامے باسوکھڑا تھا۔ یہ وہی تھا جس نے پہلے بھی مجھے زچ کیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا رہا تھا۔ ''ہیلو ینگ مین۔ مجھے دیکھ کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''

اس وقت مجھے سفیر بری طرح یاد آیا ایسے موقع کے لیے اس نے ایک نہایت شستہ گالی ایجاد کر رکھی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر یہ موقع اسے دوہرانے کا نہیں تھا اس لیے میں خاموش رہ گیا۔ ''شا اس وقت یہاں نہیں ہے ورنہ وہ بہت خوش ہوتا۔ وہ اس حرام کی پلی کو لے کر سامیرا کے قلعے کی طرف گیا ہے۔ وہاں دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہیں۔ ان کے درمیان آخری بازی کھیلنے گیا ہے تاکہ فیصلہ جلد ہو جائے۔''

''اس عمارت میں تو تم لوگ ہو۔ اس عمارت میں کون ہے؟'' میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

''یہ تو تم بتاؤ گے۔ تم نے اپنی مدد کے لیے کسے بلایا ہے۔ یاد رکھو ڈیوڈ شا نے اس پروجیکٹ پر لاکھوں ڈالر لگا دیے ہیں۔ کئی ممالک سے بات چل رہی ہے۔ اربوں ڈالر کا گیم ہے اور شا کبھی نہیں چاہے گا کہ یہ بازی اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس کے لیے چاہے کتنی ہی گردن کیوں نہ کٹ جائے۔''

''اوہ..... یہ بات ہے۔'' میں نے ہونٹ کو گول بنا کر جواب دیا۔ ''گویا امریکا سمیت کئی ممالک سے اس وادی کا سودا کر لیا ہے۔''

''ابھی سودا ہوا نہیں ہے اسی لیے تو میں نظر آ رہا ہوں۔ سودا ہوتے ہی میں اپنا حصہ لے کر چلا جاؤں گا۔ ایک ارب ڈالر کا کھیل کھیلا ہے اس بار میں نے۔''

''ڈیوڈ شا کو چھوڑ جاؤ گے یہ ناممکن ہے۔ پھر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کسی ایسے ملک نے جو سودا کرنے کی بجائے قبضہ کرنے کے موڈ میں ہو اس نے اپنے کمانڈوشا کے آدمیوں کے تعاقب میں بھیج دیئے ہوں۔''

''یہ ناممکن بات نہیں ہے اسی لیے تو شا کا حکم ہے کہ جو بھی راستے میں آئے اسے اڑا دو۔''

''تو ٹھیک ہے مجھے بھی اڑا دو۔''

''مجھے اگر اڑا دینے کا اختیار ہوتا تو کب کا اڑا دیتا لیکن کچھ ہی دیر قبل ڈیوڈ شا نے خود ہی کہا ہے کہ شہباز پر نظر رکھو وہ جیسے ہی کہیں نظر آئے اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔''

''اچھا تو گویا وہ مجھے چارا بنا کر حملہ آوروں سے نمٹے گا؟ ٹھیک ہے میں بھی دیکھتا ہوں۔ اگر مجھے زندہ اس تک پہنچا سکتے ہو تو کوشش کر لو۔'' کہتے ہوئے میں نے اپنی داہنی آنکھ دبا دی۔ وہ تو تھا ہی موٹے دماغ کا اس لیے میں اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ ان حالات میں بھی میں اس سے کمزور نہیں ہوں۔ حالانکہ میں اس کی فطرت سے واقف تھا۔ جانتا تھا کہ وہ کسی کوڑیالے سانپ سے کم نہیں۔ انتہا درجے کا کینہ پرور ہے اور اپنی شکست کو بھولتا نہیں ہے۔ پچھلی شکست کو بھی نہیں بھولا ہوگا۔ اس سے نمٹنا اتنا بھی آسان نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے کوشش کرنے کی ٹھان لی تھی۔

''شہباز یاد رکھو میں اس وقت ڈیوڈ شا کی وجہ سے نرمی برت رہا ہوں اس لیے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔'' اس نے میری حرکت کو نظر انداز کر کے جواباً کہا۔ ''تم اس قسم کی اوچھی حرکت تبھی کرتے ہو جب سامنے والے کو الجھانا چاہتے ہو۔ میں تمہارے جھانسے میں آنے والا نہیں ہوں۔ اپنے ہاتھ آگے کر دو تاکہ میرا آدمی تمہارے ہاتھ باندھ سکے۔''

''یہ لو، میں نے منع کب کیا ہے۔ میں تو خود ڈیوڈ شا سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ وہ ہے کہاں؟''

''اس وقت وہ یہاں نہیں ہے۔ اپنے ان بندوں سے ملنے گیا ہوا ہے جو اترے تو یہاں تھے لیکن بھٹک کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامیرا کے ایریا میں چلے گئے ہیں۔ وہاں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہیں۔ کہیں غلطی سے وہ لوگ ان سے نہ الجھ جائیں اسی لیے ڈیوڈ شا وہاں گیا ہے اور اب آتا ہی ہوگا۔''

''تو چلو مجھے باندھو.....'' کہتے ہوئے میں نے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھا، باسو اور میرے درمیان آیا میں نے بجلی کی سی پھرتی سے اس کے پستول پر ہاتھ مارا اور قلابازی کھا کر پلک جھپکتے میں باسو کی پیٹھ پر پہنچ گیا۔ وہ سنبھلتا کہ میں نے پستول اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔ یقیناً میری برق رفتاری پر وہ بھی اش اش کر اٹھا ہوگا۔ میں نے اپنے بائیں بازو کا حلقہ اس کی گردن میں ڈالا اور اسے لے کر ایسے رخ پر گھوم گیا جہاں سے کوئی میری پشت سے حملہ نہیں کر سکتا تھا۔

''تم میں سے کوئی ہلنے کی کوشش نہ کرے ورنہ تمہارے اس سورما کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔'' میں نے کرخت لہجے میں دھمکی دی۔

میری گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔ چہرہ لال ہو گیا تھا۔ اس کے سرخ چہرے پر نظر ڈال کر میں نے کہا۔

''تم سب اپنی اپنی گنیں پھینک دو اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔'' اس نے پھنسی پھنسی آواز میں حکم دیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اچھا نہیں کیا ہے۔ اگر دوستی چاہتے ہو تو میرا گلا چھوڑ دو۔''

''اور اگر نہ چھوڑا تو؟''

''تم اکیلے ہو اور میرے جسم میں تم سے زیادہ قوت ہے۔ تم کتنی دیر تک مجھے یرغمال بنا کر کھڑے رہو گے۔ یہاں سے باہر نکلتے ہی سامنے والوں کی فائرنگ کی زد میں آ جاؤ گے۔ اس لیے عقل سے کام لو۔''

''اب تم نے عقل کی بات کی ہے۔ میں گردن تو چھوڑ دوں گا مگر تمہیں بھی ضمانت دینی ہوگی کہ مجھے جانے دو گے۔''

''اس وقت وادی پر ہمارا قبضہ ہونے والا ہے اور تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ اگر میں نے تمہیں ڈیوڈ شا کے سامنے پیش کر دیا تو میرا بھلا ہوگا اور تمہاری زندگی بھی بچ سکتی ہے۔ اس لیے کہ ڈیوڈ شا تمہیں مارے گا نہیں۔ اگر اسے مارنا ہوتا تو بہت پہلے مار چکا ہوتا۔ وہ تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ گویا تمہاری زندگی کی ضمانت ہے۔''

''ڈیوڈ شا مجھے مارے گا یا زندہ رکھے گا یہ بعد کی بات ہے۔ اس وقت تو میری بات پر عمل کرو اور اندر بڑھنا شروع کر دو تا کہ اکیلے میں تم سے مذاکرات کر سکوں۔''

''اچھا۔'' کہہ کر وہ مڑا۔ مڑنے کی وجہ سے میرے بازو کا حلقہ کچھ کمزور ہوا اور اسی موقعے کا اس نے فائدہ اٹھا لیا۔ وہ اندر کی طرف بھاگا۔ اس کے پیچھے میں بھاگا اور میرے پیچھے اس کا ساتھی دوڑا۔ دوڑتے ہوئے میں نے گولی چلا دی۔ اس کی قسمت اچھی تھی۔ میں نے یوں ہی فائر کیا تھا اس لیے نشانہ چوک گیا۔ اس نے پھرتی سے ایک آرائشی کھمبے کے پیچھے خود کو محفوظ کر لیا تھا۔ میں اس تک پہنچتا کہ پیچھے سے فائر ہوا۔ یہ فائر بھی پستول کا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس عمارت سے بھی میں نے آٹو میٹک گنز کی فائرنگ سنی تھی مگر اس وقت مجھ پر جس اسلحہ کا استعمال ہوا تھا وہ پستول جیسا معمولی ہتھیار تھا۔ شاید گھبراہٹ میں ان دونوں نے اسے آزمایا نہیں تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باسو خالی ہاتھ تھا۔ عقب سے ہونے والے فائر سے میں اتفاقیہ بچا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی یا اس شخص کا نشانہ کچا تھا کہ گولی میرے بازو کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ شرٹ کی آستین پر جلنے کا دھبا ثبت ہو گیا تھا۔ بازو سے رسنے والا خون میری پسلیوں پر پھیلتا محسوس ہوا تھا لیکن اس وقت اس پر توجہ دینے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے خود کو موڑا پھر پستول کی نال سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا۔ سنسناتی ہوئی گولی نکلی اور سیدھے جا کر عقب والے کے پستول پر پڑی۔ پستول چھٹک کر دور جا گرا۔ وہ اسے اٹھانے کے لیے لپکا تھا کہ میں نے دوسرا فائر کیا۔ یہ فائر بھی نشانے پر لگا۔ پستول مزید آگے پھسل گیا۔ مرشد سے ٹکرانے کی وجہ سے میرے لیے پستول کھلونا بن گیا تھا۔ ہر روز اس سے کھیلنا پڑ رہا تھا۔ گولی اور بارود کے اس کھیل میں ایک فائدہ ضرور ہوا تھا کہ میرا نشانہ پختہ ہو گیا تھا۔ جس کا ایک ثبوت سامنے تھا۔ مگر اب میں نے اپنا رخ پھر سے باسو کی طرف کر لیا تھا کیونکہ اسے موقع ملتا تو وہ بھرپور وار کر دیتا۔ اس کی طرف مڑنے کے بعد میں نے پستول کو انگلیوں پر نچاتے ہوئے کہا۔ ''اگر میں چاہتا تو یہ گولیاں تمہارے سینے میں بھی اتر سکتی تھیں مگر میں خون خرابہ پسند نہیں کرتا جب تک جان پر نہ بن آئے۔''

''مگر میں پسند کرتا ہوں۔'' کہنے کے ساتھ باسو نے گولی چلا دی۔ شاید اس نے ایک اور پستول جسم پر کہیں باندھ رکھا تھا۔ اگر میں اتفاقی طور پر ایک سیکنڈ پہلے اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو وہ گولی میرے سر میں دھنس جاتی۔ اب میں دو طرفہ حملے کی زد میں تھا۔ گو کہ عقب والے کے پاس اب پستول نہیں تھا۔ مگر کسی اور ہتھیار سے بھی حملہ کر سکتا تھا۔ میں پوری طرح ہوشیار تھا کہ باسو نے پھر فائر کیا۔ اور میں بندر کی طرح اچھل کر داہنی جانب ہٹ گیا۔ باسو اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اور اس کی جانب سے فائر بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی میں ہوشیار تھا۔ فائر نہ ہونے کی وجہ پستول کا خالی ہو جانا بھی ہو سکتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے دل ہی دل میں اس کے فائر گنے۔ اس نے کل پانچ فائر کیے تھے۔ آخری گولی اب بھی اس کے پستول میں ہو گی۔ میں اس آخری گولی کے انتظار میں تھا کہ دھم کی آواز آئی۔ عقب والا جمپ لگا کر کھمبے کے قریب آ گیا تھا۔ سوچ بچار کا وقت نہیں تھا۔ میں نے نال کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا مگر ہلکی سی کلک کی آواز نکل کر رہ گئی۔ گولیاں ختم ہو گئی تھیں۔ یہ ہلکی سی آواز اس نے بھی سن لی تھی۔ بصارت و سماعت ذہن و دل پر اثر انداز ہوتی ہے، دل میں خوف اور دماغ میں فکر پیدا کرتی ہے۔ کلک کی آواز نے اس شخص کے چہرے سے خوف کے آثار مٹا دئے تھے۔ جب خوف مٹ جائے تو بھیگی بلی بھی شیر بن جاتی ہے۔ وہ دونوں بھی شیر بن گئے تھے اور بے خوفی سے میری طرف بڑھ رہے تھے۔ گیلری والے شخص نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ شاید میرا اندازہ غلط تھا اور اس کے پستول میں گولیاں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں یا پھر اسے آخر میں آزمانے کے لیے محفوظ رکھ لیا تھا۔ وہ دونوں دو اطراف سے میری جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے چہروں سے ہویدا تھا کہ وہ مجھے پیس کر رکھ دیں گے۔

''آ تو گئے ہو اب تمہیں یہاں سے کوئی دوسرا گھسیٹ کر لے جائے گا کیونکہ تم زندہ تو بچو گے نہیں جو اپنے پیروں پر چل کر جا سکو۔'' یہ کہہ کر وہ میری طرف بڑھا۔ میری نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ ایک دو قدم چلا ہو گا کہ اس نے ہوا میں اپنے جسم کو اچھالا اور اڑتا ہوا میری جانب آیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جمناسٹک کا ماہر ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ عام طور پر کرایہ کے فوجی جمناسٹک کے ماہر ہوتے ہی ہیں۔ ڈیوڈ شا ایسے ہی لوگوں کو اپنے ساتھ رکھتا تھا جو ہر فن مولا ہوں۔ اسے اپنی طرف اڑ کر آتے دیکھ میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ خود کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روک نہ سکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اڑتا ہوا باسو سے جا ٹکرایا اور اسے لیتا ہوا نیچے گر پڑا۔

''ارے واہ کیا اڑان بھری ہے۔ ذرا پھر ایک بار کوشش تو کرنا۔'' میں نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

وہ جھلا کر کھڑا ہوا اور پھر ہوا میں قلابازیاں کھاتا ہوا میری طرف بڑھا۔ یہ انداز خاصا خطرناک تھا۔ وہ جسم کو نیچے تلے انداز میں گھماتا ہوا تیر کی طرح آ رہا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے ہٹ جانے میں ہی عافیت سمجھی اور وہ اپنے ہی زور میں دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کا یہ داؤ بھی خالی گیا تھا۔ فن حرب کے ماہروں کا کہنا ہے کہ لڑائی کے وقت دماغ کو پُرسکون رکھو ورنہ اپنا سکون ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ میں نے اسی بات پر عمل کرتے ہوئے اسے اشتعال دلانے کی کوشش کی۔ ''بیٹے کسی اچھے استاد سے ٹریننگ لے لیتے۔ ابھی بھی موقع ہے۔ میرے شاگرد بن جاؤ۔''

تبھی میری کمر پر لات پڑی اور عقب سے باسو کی آواز سنائی دی۔ ''اور یہ لات کیسی ہے استاد محترم۔''

لات پڑتے ہی میں کافی دور تک پھسلتا چلا گیا تھا کیونکہ لات کسی ایرے غیرے کی نہیں تھی باسو کے جسم میں کسی عفریت جیسی قوت تھی۔ ڈاکٹر کے تجربے کا وہ شہکار تھا۔ اس کے جسم میں کئی گھوڑوں کی قوت تھی۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ لات کی ضرب کھا کر کھلے دروازے کے باہر جا گرتا اور کئی حصوں میں تقسیم ہو چکا ہوتا۔ مگر میں نے فوراً ہی مدافعتی قوت کو آزماتے ہوئے خود کو پھسلنے سے روکنے کی پوری کوشش کی تھی پھر بھی کئی فٹ تک پھسلتا چلا گیا تھا۔ پھر میں پھرتی سے اٹھا تھا اور میں کسی زخمی ناگ کی طرح پلٹا داہنے ہاتھ کا مکا ٹھگنے کے سینے پر اور گھٹنا اس کی داہنی ران پر مارا۔ وہ کراہتا ہوا الٹ گیا تھا۔ میں نے اس پر سے توجہ ہٹا کر باسو کی طرف رخ کر لیا مگر عقب میں آہٹ محسوس ہوئی تو دوبارہ ٹھگنے کی طرف گھوم گیا تھا اگر ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو میں چاروں خانے چت گر جاتا۔ ٹھگنا ہوا میں اپنے جسم کو گردش دیتے ہوئے میری طرف آیا تھا۔ میں برقی سرعت سے داہنی جانب ہٹ گیا تھا۔ پھر وہ اپنے ہی ساتھی پر جا پڑا تھا۔ اب انہیں موقع دینا خطرے کو بلانا تھا۔ میں نے ان پر چھلانگ لگائی۔ وہ دونوں بھی کم پھرتیلے نہیں تھے دونوں ہی بیک وقت مخالف سمت میں سرک گئے تھے۔ میں فرش پر اوندھے منہ گرا لیکن ابھی میں اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ٹھگنے قد والے نے میری کمر پر لات جما دی۔ کمبخت کی لات اتنی زبردست تھی کہ میں کراہ کر رہ گیا۔ اس نے پھر وار کرنا چاہا تھا کہ میں نے خود کو بچانے کے لیے داہنی طرف سرکنے کی کوشش کی مگر میری کوشش ناکام ہوئی۔ باسو نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کک ماری تھی۔ میں پھر ٹھگنے کے قدموں میں آ گیا تھا۔ اس نے لات مارنے کے لیے پیر اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اس کا پیر پکڑ لیا اور زور دار جھٹکا دیا تو وہ اوندھے منہ گرا۔ میں پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اب بازی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے مشینی انداز میں باری باری دونوں کی دھنائی شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں لہولہان ہو گئے۔ میں آخری راؤنڈ کرنے والا تھا۔ میرا آخری راؤنڈ کھڑی ہتھیلی کا گدی پر وار تھا۔ اس کے بعد دونوں ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ میں نے ٹھگنے کو کالر سے پکڑ کر اٹھایا ہی تھا کہ ایک دھماکا سا ہوا اور سنسناتی ہوئی گولی میرے سر کے قریب سے گزر گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میرے پیچھے ایک نیا بندہ ہاتھ میں ریوالور پکڑے کھڑا تھا۔ ''بہت ہو گیا۔ اب ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔'' اس نے حکم دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیتی ہوئی بازی پلٹ گئی تھی۔ میں نے پوری قوت سے ٹھگنے کو فرش پر پٹخا۔ اس کا چہرہ زمین سے ٹکرایا۔ وہ چیخ اٹھا تھا۔ اس کی ناک کا بھرتا بن گیا تھا۔ چہرہ خون سے بھر گیا تھا۔ منہ سے بھی خون بہنے لگا تھا۔

''خبردار اب حرکت کی تو گولی سینے کے پار ہوگی۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو جاؤں۔ میں نے وہی کیا۔ مجھے ہاتھ کھڑا کرتے دیکھ باسو آگے بڑھا۔ اور پوری قوت سے میرے سینے پر اپنے سر سے ٹکر ماری۔ میں نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی مگر پیروں نے ساتھ نہ دیا اور میں الٹ گیا۔ میرا سر فرش سے ٹکرایا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پل بھر کے لیے اندھیرے کی چادر تن گئی تھی۔ میں دونوں ہاتھوں کو ٹیک کر پھر کھڑا ہونے لگا۔ تبھی باسو نے لات چلا دی۔ میں دوبارہ گر پڑا۔ میرے نچلے ہونٹ میں جلن ہو رہی تھی۔ شاید وہ پھٹ گیا تھا۔ میں نے الٹے ہاتھ کی پشت سے ہونٹ پونچھا تھا اور جھٹکے سے کھڑا ہو گیا تھا۔ ٹھگنا دوڑتا ہوا میری جانب لپکا۔ ایک بار میں نے موقع گنوا دیا تھا۔ اس بار میں نے سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی۔ جیسے ہی باسو میرے اور ٹھگنے کے درمیان آیا، میں باسو سے لپٹ پڑا۔ اس کی آڑ لے کر کہا۔ ''اپنا پستول پھینک دو۔ ورنہ اس کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔''

''باسو نہ میرا بھائی ہے نہ پھوپا۔ اس پر بھی گولی چلا سکتا ہوں۔'' ننھے بندہ نے چیخ کر کہا۔

اور واقعی اس نے گولی چلا دی۔ ابھی باسو کی موت کا وقت نہیں تھا۔ نشانہ چُوک گیا۔ اتنی دیر میں باسو کو دھکیلتے ہوئے میں اس کے قریب لے آیا تھا۔ اب ہمارے اور اس کے درمیان صرف چھ فٹ کی دوری رہ گئی تھی۔ اس بار اگر وہ گولی چلاتا تو باسو کا جسم سوراخ دار ہو جاتا۔ اگر پستول کی مار صحیح تھی تو گولی باسو کے پہاڑ جیسے جسم کو چھیدتی ہوئی مجھ تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ باسو میری جکڑ سے نکلنے کی لیے متواتر کوشش کیے جا رہا تھا۔ اس کے جسم میں شیطانی قوت تھی۔ اگر میں گردن کے مخصوص حصے کو دبائے ہوئے نہ ہوتا تو اب تک وہ مجھے اچھال چکا ہوتا لیکن اس کے ہر جھٹکے پر گردن کا منکا دب جاتا جس کی تکلیف اسے زیادہ زور لگانے نہیں دے رہی تھی پھر وہ فائر کے بعد تو بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ ادھر نیا بندہ بھی سخت ہیجان میں لگ رہا تھا۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ اور میری نظریں اس کی انگلیوں پر۔ تبھی باہر سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور عقب سے اس کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گر کر تڑپنے لگا۔ اسے گرتے دیکھ میں سمجھ گیا تھا کہ روبیر یا کوئی اور یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ میں نے اسے گرتے دیکھ باسو سے کہا۔ ''میرے آدمیوں نے اس پوری عمارت کو گھیر لیا ہے۔ اس لیے میں جو کہہ رہا ہوں۔ اس پر عمل کرو۔''

وہ کوئی جواب دیتا کہ روبیر تیر کمان سنبھالے اندر آ گئی۔ اسے دیکھ کر میں نے کہا۔ ''گرے ہوئے بندے کی تلاشی لو۔ پستول نکال لو۔''

روبیر تو جیسے موقع کی منتظر تھی۔ اس نے کمال پھرتی سے اس کی تلاشی لی پھر وہ باسو کی طرف بڑھی تھی کہ میں نے اسے منع کیا۔ ''خبردار۔ اس کے قریب بھی نہ آنا۔''

وہ تھم کر وہیں کھڑی ہو گئی۔ میں نے باسو سے کہا۔ ''اب تم اندر والے کمرے کی طرف بڑھنا شروع کر دو۔''

باسو مڑا، جیسے وہ میرے حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔ مڑنے سے میرے بازو کا حلقہ کچھ ڈھیلا پڑا اور اسی موقع کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اتنی دیر سے وہ خاموش کھڑا تھا اس لیے میں کچھ حد تک بے پروا ہو گیا تھا۔ یہ انسان کی نفسیات ہے اور اس نے اسی بات کا فائدہ اٹھایا تھا۔ پہلے اس نے جھٹکا مارا اور ساتھ ہی ساتھ باہر کی سمت اچھال بھری تھی۔ وہ جمپ لگا کر برآمدے میں پہنچا اور زندگی کی پروا کیے بغیر اس نے میدان میں دوڑ لگا دی تھی۔ اسے دوڑتے دیکھ کر دوسری عمارت سے پھر فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ باسو پاگل ہو گیا ہے۔ وہ اپنی جسامت، تن و توش کو بھلا کر دوڑتے ہوئے ایک دیوار کی آڑ میں چلا گیا۔ اسے فرار ہوتے دیکھ کر مُھگنا بھی میدان میں دوڑ گیا تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ باسو کے بچ نکلنے کی وجہ سے فائر کرنے والے ہوشیار ہو گئے تھے پھر ایسی فائرنگ میں مُھگنے کو اپنے آپ کو زمین پر گرا لینا چاہیے تھا مگر وہ دوڑا تھا اور یہی اس کے حق میں برا ہوا تھا۔ تیسرا برسٹ اس کے جسم کو چھلنی کر گیا تھا۔ وہ اوندھے منہ زمین پر گرا تھا۔ اس کے جسم سے نکلنے والا خون مٹی کو رنگین کر رہا تھا۔ جس کی عیاری مکاری اور بہیمانہ کارروائی سے ایک عالم دہشت زدہ تھا وہ عالم بقا کو کوچ کر گیا۔ انسان تمام عمر جلاد بنا رہتا ہے مگر جب قضا آتی ہے تو کہیں کا نہیں رہتا، قبر میں جا سوتا ہے۔

اس کی موت پر مجھے خوش ہونا چاہیے تھا مگر میں رنجیدہ تھا۔ اس نے دانستہ موت کو گلے لگایا تھا۔ شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ اب وہ کسی طور بھی زندہ بچ نہیں پائے گا اس لیے کہ اس نے رودبیر کو دیکھ کر یہی سمجھا ہوگا کہ مقامی لوگوں نے اسے گھیر لیا ہے۔ مقامیوں کی مدد میرے آدمی کر رہے ہیں جو دوسری عمارت میں ہیں۔ مگر اس دوسری عمارت میں کون لوگ ہیں اس کی خبر خود مجھے بھی نہیں تھی۔ میں گرے ہوئے بندے کی لاش کو پھلانگتا ہوا باہر کی سمت بڑھا۔ گولی باری تقریباً رک چکی تھی اس لیے خطرہ بھی کم ہو گیا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے باہر جھانکا۔ تبھی رودبیر بولی۔ ''شہباز تمہیں کچھ ہوا تو نہیں؟''

''نہیں..... ایرٹ کہاں ہے؟''

''وہ ابھی اسی عمارت میں خفیہ دروازے ڈھونڈ رہا ہے۔ میں نے جب باہر چلنے کو کہا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ جب ہمیں اندر رہنے کے لیے کہا گیا ہے تو میں باہر نہیں جاؤں گا۔ اس بات پر میں غصے میں اکیلی ہی باہر آ گئی۔''

''یہ بات ہے تو غلط کہ میرے منع کرنے کے باوجود تم باہر آ گئیں۔''، میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تمہارے آنے سے مجھے مدد مل گئی اور میں نے اپنے ایک بڑے دشمن کو مرتے ہوئے دیکھ لیا۔''

''اچھا یہ وہی ڈیوڈ شا تھا..... مبارک ہو۔''

''نہیں۔''

''اوہ..... وہ ابھی تک بچا ہوا ہے۔''

''فکر کی بات یہ ہے کہ وہ سامیرا کے قلعوں کی طرف گیا ہوا ہے۔ مجھے یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ کہیں وہ کوئی بدمعاشی نہ کرے۔''

''وہاں سامیرا کی پوری فوج ہے۔''

''اس کے پاس جو ہتھیار ہیں ان کی تباہ کاریاں تو تم نے بھی دیکھی ہوں گی..... اب بتاؤ کیا سامیرا کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوج ان کا مقابلہ کر پائے گی؟''

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' اس نے پُرسوچ انداز میں جواب دیا۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ''اس والی عمارت میں تو یہ لوگ تھے۔ اس والی میں کون ہیں؟ ان کی خبر لی؟''

اس کے یاد دلانے پر مجھے خیال آیا کہ اس عمارت کی بھی خبر لینا ضروری ہے۔ اس عمارت میں ہے کون؟ انہوں نے میری مدد کیوں کی؟

''تم ایرٹ کے پاس جاؤ میں اس عمارت کو چیک کرتا ہوں لیکن خدا کے لیے میرے پیچھے مت چلی آنا۔ پتا نہیں اس عمارت میں کون لوگ ہیں۔'' کہہ کر میں سیڑھیوں سے نیچے کی جانب چلا۔ اب فائرنگ رک چکی تھی۔ پھر بھی میں احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ ابھی بہ مشکل دس قدم چلا ہوں گا کہ ادھر سے فائر ہوا۔ یہ تو میری قسمت اچھی تھی یا میری موت ابھی نہیں تھی۔ میری نظریں اس عمارت پر تھیں اور میں آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ زمین میں گڑے ایک اونچے پتھر سے پیر الجھ گیا اور میں گرتے گرتے بچا اور یہی ٹھوکر کام آ گئی۔ گولی سر کے اوپر سے گزر گئی۔ میں نے اسی وقت خود کو زمین پر گرا دیا اور چیخ کر بولا۔ ''میں دوست ہوں۔''

''کوڈ نیم؟'' ادھر سے سوال ہوا۔

اب میں کوڈ نیم کیا بتاتا کیوں کہ خود مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ ہیں کون۔ اس لیے میں نے چیخ کر کہا۔ ''پہلے تم بتاؤ کون ہو؟''

''ہم تمہاری موت ہیں۔'' کہتے ہوئے اس نے پھر گولی چلا دی۔ میں پہلے ہی ہوشیار تھا۔ جیسے ہی رائفل کی نال بلند ہوتے دیکھی فوراً ہی خود کو زمین پر آگے کی سمت گھسیٹ لیا اور یہی حکمتِ عملی کام کر گئی۔ گولی کافی اوپر سے گزر گئی۔ اب یہ اور بات تھی کہ دوسری بار گولی چلانے والا اس رخ پر فائر نہیں کرتا اور نال کا رخ زمین کی طرف رکھتا تاکہ میں بہ آسانی ملک عدم کوچ کر جاؤں۔ مگر مجھے مرنا نہیں تھا اس لیے تیزی سے کرولنگ کرتا ہوا اسی جانب بڑھا۔ وہ عمارت قریب آ گئی تھی۔ میں اس میں داخل ہوتا کہ ادھر سے ایک بار پھر گولیوں کا مینہ برسا۔ ایک ساتھ دو گن کا استعمال ہوا تھا۔ دونوں نے برسٹ چلایا تھا۔ اگر میں سیڑھیوں کے عین نیچے نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی گولی میرے جسم میں روشندان کھول چکی ہوتی۔ فائر کرنے والے عمارت کے اندر تھے اور عمارت کی کھڑکیاں اونچائی پر بنی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہاں سے نال کا رخ اس رخ پر مڑ نہیں سکتا تھا جہاں میں کسی بھیگے چوہے کی طرح دبکا ہوا تھا۔ گولیوں کی باڑ میرے عقب میں صرف دو ہاتھ کی دوری پر برسی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ اب اگر میں نے سیڑھیوں پر قدم رکھا تو گولیاں ضرور میرے جسم کے مختلف حصوں کو چومیں گی اس لیے میں جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔ اگلے قدم کے بارے میں غور کرتا رہا۔ یہاں آ کر میں کسی چوہے دان میں پھنس گیا تھا۔ اب نہ آگے جا سکتا تھا اور نہ پیچھے مڑ سکتا تھا۔ اب کروں تو کیا کروں یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے دائیں بائیں نظریں گھما کر فرار کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ جہاں چاہ وہاں راہ۔ مجھے سیڑھیوں کے پیچھے والی جگہ زیادہ محفوظ نظر آئی اور میں نے ادھر کھسکتے جانے کی سوچ لی۔

سوچنا بہت آسان ہے مگر اس سوچ کو حقیقت کا روپ دینا اتنا ہی مشکل تھا۔ میں اگر مڑتا تو مجھے پیر سیدھا کرنا پڑتا اور اس طرح میں نچلی سیڑھی کے نیچے والی جگہ سے باہر آ جاتا۔ جب باہر آتا تو اوپر سے گولیوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صورت میں شاباشی ملتی جو موت کا پیغام دیتی۔ مگر رسک تو لینا ہی تھا۔ اس لیے میں نے کوشش کی کہ میرے جسم کا کوئی بھی حصہ زیادہ نہ پھیلے۔ اس کوشش میں کافی وقت نکل گیا۔ چیونٹی کی رفتار سے میں نے جسم کو موڑا اور پھر اسی سمت میں رینگنے کی کوشش کی۔ ایک ایک انچ کر کے میں نے تقریباً دو ہاتھ کا فاصلہ طے کیا۔

اوپر بالکل خاموشی تھی۔ یا تو میں انہیں نظر نہیں آ رہا تھا یا پھر وہ میری تگ و دو سے محظوظ ہو رہے تھے۔ بات جو بھی ہو لیکن فائر نہیں ہو رہا تھا۔ اسی وقفہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں دس ہاتھ چوڑی سیڑھیوں کے آخری سرے تک پہنچ گیا۔ یہ وقت اتنا بھاری تھا کہ ہر انچ کے بعد مجھے لگتا جیسے ابھی گولی چلی کہ چلی۔ سیڑھیوں کے آخری سرے پر پہنچ کر میں نے خود کو موڑا اور پھر سرعت سے اس کونے کی طرف بڑھا جو عمارت کے عقب کی طرف جانے کا راستہ تھا۔

میں تیزی سے اس طرف بڑھ رہا تھا جو مجھے اس عمارت کے عقب میں لے جاتا۔ مجھے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ اندر والے اتنے بے پروا کیوں ہیں کہ عقب کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ادھر بھی کسی نہ کسی کو ہونا چاہیے تھا۔ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ ادھر نظر رکھنے والا خاموشی سے میری کارگزاری دیکھ رہا ہو کہ میں اب کیا کرتا ہوں پھر جب میں اندر داخل ہونے کی کوشش کروں گا تبھی وہ فائر کرے گا۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں عمارت کے عقب میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر ہنسی آ گئی۔ جد و جہد بیکار گئی تھی۔ ادھر ایک اونچی دیوار کھڑی تھی۔ یہ دیوار اس عمارت سے متصل تھی جس میں ڈیوڈ شا سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ دیوار اس انداز میں تعمیر ہوئی تھی کہ دونوں عمارتوں کے درمیان کی جگہ بند گلی بن گئی تھی۔ میں نے متلاشی نظروں سے عمارت کا جائزہ لیا۔ صرف ایک کھڑکی نظر آ رہی تھی جو کافی بلندی پر تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کھڑکی کمرے میں عام اونچائی پر بنی ہوئی ہو لیکن عمارت اونچائی پر تعمیر ہوئی تھی اس لیے کھڑکی بھی زمین سے کافی اونچائی پر تھی۔ وہاں تک پہنچنا ناممکن سی بات تھی۔ میں نے واپسی کا سوچا تھا کہ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ دوسری عمارت کی دیواروں میں آرائشی پتھر لگے ہوئے تھے مگر اس ترتیب سے کہ ان کا سہارا لے کر کوئی بھی اوپر جا سکتا تھا، میں نے سہارا لیا اور اس پر چڑھتا چلا گیا۔ میرے لیے یہ کام بہت آسان ثابت ہوا تھا۔ شاید بنانے والے نے اسی مقصد سے اسے بنایا ہو کیونکہ بالکل سیڑھیوں کی طرح پتھر ابھرے ہوئے تھے اور ان پر بہ آسانی چڑھا جا سکتا تھا۔ سہارے کے لیے اس سے اوپر کے پتھر کو پکڑا جا سکتا تھا۔ تھوڑی سی کوشش سے میں دیوار تک پہنچ گیا اور پھر دیوار سے ہوتا ہوا اس کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ اب صرف اس دیوار سے کھڑکی کے اوپر بنے چھجے پر کودنا تھا۔ اندر مسلح افراد تھے۔ وہ دھمک سن کر ادھر متوجہ ہو سکتے تھے۔ لیکن رسک تو لینا ہی تھا۔ وہ میں نے لے لیا۔ ایک ہی چھلانگ میں چھجے پر اتر گیا۔ اندر اب تک خاموشی تھی۔ فائرنگ کرنے والے پتا نہیں کیوں خاموش تھے۔ شاید وہ دروازے کی پہرے داری میں مشغول تھے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گا کہ کوئی کھڑکی سے بھی آ سکتا ہے۔ کچھ دیر تک میں دم سادھے چھجے پر بیٹھا رہا۔ جب کسی قسم کی کوئی آہٹ محسوس نہ ہوئی تو میں نے سر جھکا کر کھڑکی میں جھانکا۔ کمرا بالکل خالی تھا۔ اطمینان ہوتے ہی میں نے دونوں ہاتھ سے چھجے کو تھاما اور ہاتھوں کے سہارے لٹک گیا پھر جسم کو موڑ کر پیر کو کھڑکی کے کگار پر جمایا اور اندر کود گیا۔ اس موقع پر جمناسٹک کا تجربہ کام آ گیا تھا۔

اندر پہنچنے کے بعد میں نے سن گن لینے کی کوشش کی مگر ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر کوئی ذی روح موجود نہیں۔ میں نے اندر کا مکمل جائزہ لینے کی ٹھانی کہ فائر کرنے والے کس کمرے میں ہیں۔ انہیں ڈھونڈنے کے لیے میں دبے پاؤں اندر کی طرف بڑھا۔

کمرے میں ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اس دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ کمرا بھی خالی تھا مگر اس میں پہلے کمرے کی نسبت زیادہ اندھیرا تھا۔ اگر کوئی کھڑکی ہوتی تو شاید روشنی اندر تک آتی۔ اس کمرے کو پار کرنے کے لیے آگے بڑھا تھا کہ ایک مدھم سی آواز سنائی دی۔ کسی کے حرکت کرنے کی آواز۔ اس آواز نے میرے قدم جکڑ لیے تھے۔ میں نے کان آہٹ پر لگا دیئے تھے۔ اس وقت میرے اعصاب کشیدہ ہو رہے تھے۔ اتنے میں وہی آواز پھر سنائی دی۔ میں نے خود کو ایک ستون کی آڑ میں کر لیا۔ اور پھر وہ پستول نکال لیا جو باسو سے چھینا تھا۔ آواز وقفے وقفے سے آ رہی تھی۔ میں اضطراری کیفیت میں کھڑا سنتا رہا۔ چند ثانئے بعد ہی وہ آواز اس کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزر گئی۔ دروازہ نیم وا تھا لیکن گزرنے والا اتنی تیزی سے گزرا تھا کہ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کون ہے۔ عورت ہے کہ مرد ہے۔

میں نے کچھ توقف کیا پھر دروازے کو تھوڑا سا کھولا اور گردن نکال کر نیم اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ باہر گلیارا تھا جو خالی پڑا تھا۔ میں خالی گلیارا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اگر کوئی شخص تھا تو کہاں گیا۔ اتنی جلدی غائب ہو جانا خلافِ عقل بات تھی۔ اتنی جلدی اتنے بڑے گلیارے کو پار کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے معنی یہی تھے کہ وہ جو کوئی بھی تھا۔ سامنے کے دونوں کمروں میں سے کسی ایک میں داخل ہو کر چھپ گیا تھا۔ شاید وہ میرے لیے پھندا بن جانا چاہتا تھا۔ میں نے باہر قدم نکالا۔ اس نیم تاریک گلیارے میں آگے بڑھا تھا کہ اچانک کسی نے جست بھری اور مجھ پر آ پڑا۔ اس نے میری گردن کے گرد شکنجہ سا کس لیا تھا۔

وہ اچانک ہی حملہ آور ہوا تھا اس لیے مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں جھونک میں نیچے گر گیا تھا لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ میری گردن آزاد ہو گئی تھی۔ میں نے جھٹکا دے کر خود کو آزاد کر لیا تھا۔ مگر ابھی اٹھ بھی نہ پایا تھا کہ وہ پھر مجھ پر آ پڑا تھا۔ لیکن اس بار میں غافل نہیں تھا۔ وہ جیسے ہی میری گردن کو پکڑنے کے لیے جھکا میں نے ٹانگوں کا زور لگا کر اسے اچھال دیا۔ وہ بھدے سے فرش پر گرا تھا مگر اتنی ہی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہم پھر سے گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ اندھیرے میں ہماری یہ کشتی خاصی عجیب تھی۔ اس لیے کہ وہ بہت پھرتیلا ثابت ہو رہا تھا۔ بار بار میری پکڑ میں آ کر نکل جا رہا تھا۔ ابھی میں خود کو آزاد کرانے کے بعد سانس بھی نہ لے پایا تھا کہ یہ افتاد آ پڑی تھی۔ اس نے الٹ کر اپنی پیٹھ پر مجھے لاد لیا تھا۔ اور ہاتھ الٹا کر کے میری گردن پھنسالی تھی۔ مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ یہ داؤ خاص میری ایجاد تھی۔ اس سے نمٹنے ہی والا تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی۔ ''اف کیسا سخت جان ہے تُو۔''

یہ ایک ایسی آواز تھی جسے سننے کے لیے میرے کان ترس رہے تھے۔ میں نے الٹے ہاتھ کی انگلی اس کی پسلیوں پر مار کر کہا۔ ''تیرا بیڑا غرق..... چھوڑ مجھے یہ میں ہوں۔''

میری آواز سنتے ہی اس نے مجھے چھوڑ دیا لیکن چند سیکنڈ کے لیے۔ اس نے فوراً ہی سیدھے ہو کر مجھے جکڑ لیا اور چلایا۔ ''بیڑا تو میں تیرا غرق کروں گا۔ صبح سے تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہوں۔''

''تجھے آنے کا کہا کس نے تھا۔ کیا میں نے دعوت نامہ بھیجا تھا۔'' میں نے مصنوعی غصے سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تجھ پر رحم کھانا حرام ہے مجھے تو سویرا بھابی پر رحم آ گیا تھا اسی لیے چلا آیا۔''

''اب اگر آ ہی گیا ہے تو یہ بتا تیرے ساتھ اور کون کون ہے اور مجھ پر فائر کس نے کیا تھا؟''

''کب..... تم پر کب فائر ہوا تھا؟''

''کچھ دیر پہلے، جب میں دروازے سے آنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''مگر ادھر تو تیرے پرانے یار ڈیوڈ شا کے لوگ تھے۔''

''وہ تھے..... اب سب جہنم میں ڈنر کی تیاری کر رہے ہوں گے۔''

''گویا حضرتِ مغالطہ نے کام دکھا دیا۔ دو گھنٹے سے میں اور احمد شاہ ادھر بیٹھے گندی نالی کے کیڑوں سے نمٹ رہے تھے۔ پندرہ منٹ پہلے میں اسے مورچے پر بٹھا کر خود باتھ روم آیا تھا، شاید اسی درمیان تم نے اندر آنے کی کوشش کی ہوگی۔ احمد شاہ تمہیں پہچانتا نہیں ہے۔ وہ سمجھا ہوگا کہ تم بھی ڈیوڈ شا کے آدمی ہو..... آؤ میں اس سے ملواتا ہوں۔'' کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور میں کھنچتا چلا گیا۔

دوسرے کمرے میں ایک اونچی ٹیبل پر رائفل لیے ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں کھڑکی سے باہر میدان میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ سفیر نے اسے آواز دی۔ ''اوشا کے بچے یہ تُو کیا کرنے جا رہا تھا۔''

''کیا ہوا جی؟'' اس نے سر موڑ کر سوال کیا اور مجھے دیکھتے ہی گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

''جانتا ہے یہ کون ہے؟ ابھی کچھ دیر پہلے تُو اسے اوپر پہنچانے کے لیے گولیاں برسا رہا تھا..... ابے تجھے خبر نہیں یہ موت کا جگری دوست ہے۔ یہ شہباز ہے۔''

''شہباز.....'' اس نے ایسے کہا جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ پھر وہ دوڑتا ہوا میرے قریب آیا اور بولا۔ ''آپ کو دیکھنے کی بڑی تمنا تھی جی..... میں صرف آپ کو قریب سے دیکھنے کے لیے عبداللہ صاحب کی منتیں کر کے یہاں آیا ہوں..... یقین کریں جی میں آپ کا بہت بڑا فین ہوں..... اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو معاف کر دیں جی۔''

میں نے اسے سینے سے لگا لیا اور اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا۔ ''خوش رہو یار..... عبداللہ کہاں ہے؟'' میں نے آخری جملہ سفیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ.....؟'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اس وقت خدمت کے لیے محبوب محبوبہ کے حسین دوست بستہ کھڑا ہوگا۔''

''کیا؟ راجا صاحب بھی آئے ہوئے ہیں؟'' میرے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

''جی ہاں اور اس وقت راجا صاحب گانا گا رہے ہوں گے، بچپن کی محبت کو دل سے نہ بھلا دینا..... اب یاد میری آئے تو مجھ کو سلا دینا..... سر میرا دبا دینا..... تھپکی دے کے سلا دینا۔'' اس نے واقعی گانے کی تان لگائی تھی۔

اس کے اس انداز پر میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''اس کا مطلب ہے، راجا صاحب بھی وادی میں آ چکے ہیں۔''

''آ چکے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی..... وہ بنفسِ نفیس موجود ہیں بلکہ عشق کے امتحان کا پرچہ حل کر رہے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامیرا کی مہمان نوازی کا مزہ لے رہے ہیں۔''

''لیکن ان کی تو طبیعت خراب تھی۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ بات غلط نہیں ہے۔ واقعی ان کو کینسر ہے اور شاید آخری اسٹیج پر ہے۔ گھر والے نکلنے نہیں دے رہے تھے لیکن یہ فرار ہو کر پہلے اسلام آباد گئے اور پھر وہاں عبداللہ کو بلا کر سب کو جمع کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ بستر پر مرنے سے بہتر ہے کہ میدان عمل میں مرا جائے۔''

''یعنی وہ خودکشی کے لیے نکلے ہیں۔ اس حالت میں انہیں باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔''

''یہ بات سب نے سمجھائی مگر راجا صاحب اڑ گئے کہ شہباز وہاں اکیلا ہے۔ اسے مدد کی ضرورت ہے۔ انہیں یہ حکم برف والے نے دیا ہے۔ پتا نہیں یہ برف والا، قلفی والا کہاں سے پیدا ہو گیا۔'' سفیر اپنی رَو میں بولتا چلا گیا۔

''برف والا نے اگر انہیں بھیجا ہے تو یقیناً وہ کسی مقصد سے ہی آئے ہیں۔''

''اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟''

''جب آئے تھے تو بہت خراب تھی لیکن اب محبوبہ دلنواز کی صورت دیکھ کر۔ نظروں سے نظریں ملا کر خاصے بہتر ہو چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے ایک دن میں ہی صحت یاب ہو گئے ہیں..... یقین کرو رات میں ملاقات ہوئی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہیں۔''

''اب شاید یہاں ڈیوڈ شاہ کا کوئی بندہ رہا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی سب سامیرا کی طرف چلے گئے۔ اب ہمیں بھی ادھر جانا ہوگا۔''

''اگر ایسا ضروری ہے تو چلو۔ ویسے بھی یہاں صرف ہم دو ہیں۔ آرگون شہر کی فصیل پر وسیم اور عبداللہ کا ایک بندہ ہے۔ اسے بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔''

''عبداللہ کتنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے؟''

''اس کے ساتھ صرف دو بندے ہیں۔ ایک یہ احمد اور ایک فتح دین باقی ہم سب ہیں۔''

میں نے قلعے کی طرف جانے کا فیصلہ تو کر لیا تھا مگر یہاں آرگون میں جو لوگ میرے ساتھ آئے تھے ان کی خبر گیری بھی ضروری تھی۔ ایرٹ۔ ربیک۔ ایزارٹ۔ ایمار۔ مارٹ۔ رائٹون اور روبیر کو بتانا بھی تھا کہ میں قلعے کی طرف جا رہا ہوں۔ پھر یہاں کے انتظامات بھی سنبھالنا تھے۔ مجھے یقین تھا کہ بڑا پجاری تو بھاگ گیا ہے لیکن چھوٹے پجاریوں کی ایک بڑی تعداد ابھی بھی معبد میں ہے۔ ان کے بارے میں بھی فیصلہ کرنا تھا۔

یہ کچھ سوچ کر میں نے سفیر سے کہا۔ ''ایسا کرو تم یہیں ٹھہرو اتنی دیر میں مَیں ایک دو لوگوں سے ملاقات کر لوں۔ شہر میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو یہاں کے بادشاہ رینالٹ اور مہا پجاری سے نفرت کرتے ہیں۔ ان معصوم لوگوں کا بھی کچھ انتظام کرنا ہوگا۔ جہاں اچھے لوگ ہوتے ہیں وہاں بدفطرت بھی ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ کہ عام لوگ رینالٹ کی شکست کا سن کر لوٹ مار کرنے لگیں۔''

''جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو اس لیے کہ اب وسیم اور دیگر ساتھیوں سے دور رہا نہیں جا رہا ہے۔''

سفیر کو احمد شاہ کے پاس چھوڑ کر میں اس عمارت سے باہر نکلا اور اس والی عمارت میں داخل ہو گیا جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں روبیر کو چھوڑا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ روبیر سامنے والے کمرے میں نہیں تھی۔ اس کی تلاش ضروری تھی۔ وہ عجیب فطرت کی تھی۔ کہیں اس نے پھر کوئی فیصلہ نہ کرلیا ہو۔ مجھے تلاش کرنے نہ نکل پڑی ہو۔

یہ سوچتا ہوا میں دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں بھی وہ نہیں تھی۔ اب مجھے تشویش ہونے لگی تھی۔ اس لیے کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پڑ گئی ہو۔ باہر گولیاں چل رہی تھیں۔ ایسے وقت میں اسے نکلنا نہیں چاہیے تھا مگر جس پاگل پن کا اس نے تھوڑی دیر قبل مظاہرہ کیا تھا اور باسو سے مقابلے کے وقت منظر نامے میں گھس آئی تھی۔ ایسا وہ دوبارہ بھی کرسکتی تھی۔ اسے ڈھونڈنا ضروری تھا اور میں اس کمرے اس کمرے میں بھاگتا رہا مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ وہ کہاں جاسکتی ہے۔ یہی سوچتے ہوئے میں آخری کمرے میں چلا آیا اور وہاں پہنچ کر میرے ہونٹوں پر ہنسی آگئی۔ سامنے کی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ وہ کھڑکی تینوں عمارات کے عقب میں کھل رہی تھی۔ اگر ایک کھڑکی سے باہر نکلا جاتا تو دوسری عمارت تک بہ آسانی پہنچا جاسکتا تھا۔ اور اہم بات یہ تھی کہ درمیانی عمارت کے عقبی طرف اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ اس عمارت کی کھڑکی کمرے کے حساب سے زیادہ اوپر نہیں تھی لیکن دوسری طرف کی زمین کافی نیچے تھی کیونکہ عمارت زمین سے کچھ کم بلندی پر تعمیر کی گئی تھی۔ اگر روبیر یہاں سے کسی طرح نیچے اتری ہوگی تو بہ آسانی دوسری عمارت میں داخل ہوگئی ہوگی۔ ایرٹ بھی اس عمارت میں ہے۔ کہیں دونوں مل کر مجھے تلاش کرتے ہوئے باہر نہ آجائیں اور سفیر کو دشمن سمجھ کر الجھ نہ پڑیں اس خیال کے ساتھ ہی میں نے ادھر سے ہی اترنے کی ٹھان لی مگر کھڑکی کافی بلندی پر تھی۔ کود کر نیچے اترا نہیں جاسکتا تھا۔ کس چیز کا سہارا لینا ضروری تھی۔ ایسی کسی چیز کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ مگر وہاں ایسی کوئی شے نہیں تھی جس کا سہارا لیا جاسکتا تھا۔ تنگ آکر میں نے اللہ کا نام لیا اور کھڑکی سے لٹک گیا پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔

چوٹ آئی ضرور لیکن اتنی شدید نہیں کہ میں چل نہ سکوں۔ لنگڑاتے ہوئے میں اس عمارت کی طرف چل پڑا۔ چکرار گول سیڑھیاں طے کر کے میں اوپر پہنچا۔ اوپر جاتے ہی دل خوش ہوگیا۔ وہ دونوں بیٹھے کسی قسم کا مشروب پی رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ایرٹ نے کہا۔ ''آپ کو کامیابی مبارک ہو۔''

اس کے مسکراتے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے میں نے جواب دیا۔ ''تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟''

''روبیر نے بتایا کہ آپ کا ایک بڑا دشمن مارا گیا۔ پھر باہر سے دھماکے بھی سنائی نہیں دے رہے ہیں۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ آپ نے دوسری عمارت کے لوگوں کو بھی قابو کرلیا ہے۔ آپ جادوگر ہیں جادوگر۔''

اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے میں نے ہنس کر کہا۔ ''تمہارا اندازہ صحیح ہے کہ حالات اب ہمارے قابو میں ہیں۔ دوسری عمارت میں موجود افراد ہمارے اپنے لوگ تھے۔ چلو ہم ان کی طرف چلتے ہیں۔''

''پہلے آپ یہ تو پی لیں۔ یہ نہایت مقوی مشروب ہے اور اسے صرف امیر کبیر لوگ ہی پی سکتے ہیں۔ بہت قیمتی ہوتا ہے لیکن یہاں اس کے بے شمار مرتبان رکھے ہیں۔'' کہتے ہوئے روبیر نے پیالہ میری طرف بڑھایا۔

''یہ ہے کیا؟'' میں نے پیالہ لے کر مشروب کو سونگھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ایک خاص پھل کا رس ہوتا ہے جسے دودھ میں ابالا جاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے مشروب کا پیالہ منہ سے لگالیا۔ نہایت ذائقہ دار اور دل خوش کن مشروب تھا۔ دو پیالے پینے کے بعد میں نے کہا۔ ''اب چلو۔''

وہ دونوں میری تقلید میں باہر والے دروازے کی طرف بڑھے۔ مجھے اب ڈر نہیں تھا کہ باہر کوئی خطرہ ہے اس لیے بلا جھجک میں باہر نکل آیا۔ اور پھر دوسری عمارت میں داخل ہوا۔ سفیر اور احمد شاہ میرے انتظار میں بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سفیر نے کہا۔ ''بڑی دیر لگادی۔ اب جلدی کریں۔ وسیم کو بھی ساتھ لینا ہے۔''

''یہاں سے ہم وسیم کی طرف جائیں گے پھر تم سامیرا کے قلعہ کی طرف چلے جانا۔ مجھے اب ان ساتھیوں کو جمع کرنا ہے جو آرگون میں اِدھر اُدھر چھپے ہوئے ہیں۔ ان بہادروں نے میرا بھرپور ساتھ دیا ہے پھر ان سے مزید کام بھی لینا ہے اس لیے انہیں جمع کرنا ضروری ہے۔'' میں نے کہتے ہوئے باہر کی سمت قدم بڑھا دیئے۔

آگے آگے میں تھا اور میرے پیچھے سفیر، احمد شاہ، ایرٹ اور روبیر۔ ہم سب اب کارخانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہاں جن لوگوں کو چھوڑا تھا انہیں ساتھ لینا ضروری تھا۔ ابھی میں راستے ہی میں تھا کہ کارخانے کی عمارت سے نکل کر کوئی دوڑتا ہوا آتا نظر آیا۔ تھوڑا قریب آیا تو میں نے پہچان لیا کہ وہ مارٹ ہے۔ شاید اس نے مجھے آتے دیکھ لیا تھا اسی لیے تیزی سے دوڑتا ہوا قریب آرہا تھا۔

''یہ اتنی تیزی سے کیوں دوڑ رہا ہے۔ کہیں کچھ غلط تو نہیں ہوگیا؟'' ایرٹ نے خیال ظاہر کیا۔ اس کی بات غلط بھی نہیں تھی۔ یہاں پل پل حالات بدل رہے تھے۔ ڈیوڈ شاجہاں ہو وہاں ہر پل ایک نئی کہانی ہی جنم لیتی ہے۔ اب میں بھی شکوک میں گھر گیا تھا۔

''ایرٹ کی بات غلط نہیں ہے۔ ابھی بھی شہر میں رینالٹ کے جاں نثار بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ وہ بھی میدان میں آسکتے ہیں۔''

روبیر کی بات نے میرے اندر ہیجان سا پیدا کردیا۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ اب میں اپنی جگہ تھم گیا تھا اور اس کے نزدیک آنے کا انتظار کررہا تھا۔ مارٹ اب میدان کو پار کررہا تھا۔ کچھ اور قریب آیا تو دل کو تھوڑی سی تقویت ملی کہ اس کے چہرے پر پریشانی نہیں تھی۔ وہ مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے قریب آتے ہی کہا۔ ''شہباز آپ کہاں تھے۔''

''کیوں..... کوئی خاص بات ہوگئی ہے کیا؟''

''بہت خاص..... ہم نے جن لوگوں کو معصوم سمجھ رکھا تھا وہ سب خطرہ ثابت ہوئے ہیں۔'' مارٹ نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ کہا۔

''ہوا کیا جلدی بولو؟'' روبیر نے ٹوکا۔ اس وقت سفیر بالکل خاموش تھا۔ اس لیے کہ اسے مقامی زبان کی سمجھ نہیں تھی۔ یہ تو برف والے کی مہربانی تھی کہ اس نے مجھے کچھ ایسی قوت دے دی تھی کہ میں مقامی زبان کا مفہوم سمجھ لیتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی بات مقامیوں تک پہنچانے کے لیے مجھے کسی اور کا سہارا لینا پڑتا تھا کیونکہ مقامی زبان بول نہیں پارہا تھا۔

''ہونا کیا ہے..... اندر والے کمرے کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔ اس میں معبد کے کچھ اہم لوگ چھپے ہوئے تھے۔ ہم سب کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ دروازہ بھی ہے اس لیے مطمئن تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہیں ایک کمرے میں ہمیں خوراک کی بڑی مقدار مل گئی تھی۔ ایزارٹ کے کہنے پر ہم سب ایک جگہ جمع ہو کر کھانا کھا رہے تھے کہ اندر والا دروازہ کھلا اور بھرا مار کر بہت سارے مسلح بندے باہر نکلے اور انہوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ وہ سب تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ موت اور زندگی کا سوال تھا اس لیے ہم سب مقابلہ کرنے لگے۔ کافی دیر تک یہ جنگ چلی اور ہم کامیاب ٹھہرے۔ وہ لوگ شکست کھا کر دوبارہ اسی راستے سے اندر چلے گئے۔ لیکن ہمارا بہت بڑا نقصان کر گئے۔''

''پہیلیاں نہ بجھاؤ۔ سیدھے سیدھے بتاؤ نقصان کیا ہوا۔ ہم ایام جنگ میں ہیں۔ نقصان پر حیرت کیسی۔'' روبیر نے کہا۔

''ایمار اور شارٹ اب ہم میں نہیں رہے۔'' اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

یہ ایک بڑا نقصان تھا۔ وہ دونوں بہادری کی مثال تھے۔ اپنے وطن سے محبت کرنے والے۔ اپنی آزادی کی خاطر انہوں نے خود کو قربان کر دیا۔ ان کے بچھڑ جانے کا مجھے افسوس تھا لیکن جنگ میں تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اب وہاں کون کون ہے؟''

''رائٹون اور ربیک نے اس کمرے میں مورچہ بندی کر رکھی ہے۔ ایزارٹ دروازے پر ہے۔ ہم سب آپ کے آنے کی دعا کر رہے تھے۔ آپ ہوتے ہیں تو ہمارے حوصلے سوا رہتے ہیں۔ جلدی سے اندر چل کر ان لوگوں کو تسلی دیں اور تہہ خانے کا دروازہ کھول کر ان غداروں کو باہر نکالیں۔''

''چلو۔'' کہہ کر میں نے قدم بڑھا دیئے۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر میں انہیں باہر نکالنے میں لگ جاتا ہوں تو ادھر ڈیوڈ شا اور اس کے گرگے جو پتا نہیں کون سا کھیل کھیلنے کے لیے سامیرا کی سرحد پر جمع ہیں۔ کہیں وہ کوئی ایسا تماشا نہ لگا دیں اور سامیرا کے نہتے لوگ موت کا شکار ہو جائیں۔ گو کہ وہاں عبداللہ بھی ہے اور راجا صاحب بھی لیکن راجا صاحب یقیناً بستر پر ہوں گے۔ عبداللہ سامیرا کے لوگوں کی زبان سمجھ نہیں پائے گا اور نہ انہیں کنٹرول کر سکے گا۔ سامیرا کے فوجی ڈیوڈ شا کے آتشی اسلحوں کا مقابلہ بھی نہیں کر پائیں گے۔ اگر میں تہہ خانے میں چھپے لوگوں کو نظر انداز کر دیتا ہوں تو یہ پیچھے سے حملہ کر کے ڈیوڈ شا کو مضبوط بنا دیں گے۔ یعنی کہ دونوں محاذ میرے لیے اہم تھے۔ ان دونوں میں سے کس پر توجہ پہلے دوں یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں اس عمارت کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ اب کارخانہ بہت نزدیک آ چکا تھا۔ اس کے سامنے ہی معبد کا وہ حصہ تھا جہاں میں نے ایک خونی جنگ لڑی تھی۔ کارخانے میں داخل ہوتے ہوئے میرے ذہن میں ایک گونج سی ہوئی اور میں نے پلٹ کر سفیر کو دیکھا۔ وہ چاروں جانب دیکھتا ہوا۔ احتیاط بھری نظروں سے جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا اور پھر بولا۔ ''تم نے یہ عمارت دیکھ لی..... یہ ہمارا ہائیڈ پلیس ہے یا یہ سمجھ لو کہ اس وقت ہیڈ کوارٹر ہے۔ اور وہ والی عمارت بہت اہم ہے۔ اس عمارت کے نیچے جو تہہ خانہ ہے اس میں پتا نہیں کتنے لوگ چھپے ہوئے ہیں۔ ان میں یہاں کے تقریباً تمام اہم شخصیات شامل ہیں۔ ان کو باہر لانا بھی ضروری ہے۔''

''جو لوگ اندر بند ہیں انہیں آپ کیسے باہر لائیں گے۔''

''ابھی سوچا نہیں ہے۔ ایسا کرو کہ تم وسیم کے پاس چلے جاؤ۔ اس کو بتا دو کہ میں خیریت سے ہوں اور یہ خبر سامیرا کے یہاں بھی پہنچا دو۔ ان سے نمٹ کر میں ادھر ہی آؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفیر نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔ پھر وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے۔ میں جناب محترم کو یہاں اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اماں میاں میں تو تمہیں قبر میں بھی اکیلا اترنے نہیں دوں گا۔ گورکن سے ریکوئسٹ کروں گا کہ مجھے بھی پائینتی میں سلا دے۔''

''یار سمجھنے کی کوشش کرو۔ دونوں محاذ اہم ہیں۔ اگر میں ان لوگوں کو چھوڑ دیتا ہوں تو یہ بعد میں کوئی نہ کوئی پھڈا کھڑا کریں گے۔ کیونکہ ان میں رینالٹ اور اس کی کابینہ کے لوگ بھی ہیں جنہوں نے ڈیوڈ شا کو پناہ دے رکھی ہے۔ اور ادھر خود ڈیوڈ شا ہے۔ خطرہ دونوں جانب یکساں ہے اس لیے عقلمندی کا تقاضہ ہے کہ ہمیں دونوں جانب یکساں توجہ دینا چاہیے۔ بس تم دیگر ساتھیوں کو میرے مل جانے کی خبر کر دو۔ اور ہاں..... وسیم سے کہنا وہ اپنا مورچہ کسی حال میں نہ چھوڑے۔ ڈیوڈ شا کو وہیں الجھائے رکھے۔''

میری بات معقول تھی۔ سفیر کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں ایسا کرتا ہوں کہ ان کو خبر کر کے یہیں لوٹ آؤں گا۔''

''یہ بعد کی بات ہے۔ فی الحال میری جان چھوڑو اور جا کر ان لوگوں کو خبر کرو تا کہ وہ سب مطمئن ہو جائیں۔'' میں نے لہجے کو کرخت بنا کر حکمیہ انداز میں اسے مشورہ دیا۔

''ٹھیک میں جا رہا ہوں مگر یاد رکھنا ابھی تمہارے ساتھ یہ جو محترمہ ہیں ان کی تصویر میں نے اتار لی ہے۔ راجا صاحب کے پاس جو فون ہے وہ سیٹ لائٹ قبیل کا ہے۔ اس کا ایک بوسٹر وہ اوپر لگا کر آئے ہیں اس لیے اس سے باہر کی دنیا سے ہمارا رابطہ قائم ہے۔ اس فون کے ذریعہ یہ تصویر سویرا کو واٹس اَپ کر دوں گا۔''

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ سویرا کے پاس دو ہزار روپے والا فون ہے جس پر واٹس اَپ تو دور رہا کیمرے کی سہولت بھی نہیں ہے۔''

''حضور کے لیے اطلاعاً عرض ہے کہ سویرا کے پاس کوئی اور بھی ہے جس کو ہر روز میں واٹس اَپ کرتا رہتا ہوں۔''

''سویرا تمہاری باتوں کو تو ہوا میں اڑا دے گی لیکن میں نے صرف زبانی بھی اطلاع دے دی تو کون سا طوفان آئے گا اس کا اندازہ تمہیں بخوبی ہو گا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' اس نے سر ہلا کر معصوم سے انداز میں کہا۔ ''پتا نہیں دوسروں کی بیگمات تمہاری باتوں پر اندھا اعتماد کیوں کر لیتی ہیں۔ واپس جا کر میں اس پر ریسرچ ضرور کروں گا۔ اچھا خدا حافظ میں وسیم کی طرف جا رہا ہوں۔''

''یہاں کے راستے، گلیاں تمہارے علم میں نہیں۔ بھٹک سکتے ہو اور یہاں قدم قدم پر خطرہ ہے۔ کوئی ہمارا حامی بھی زبان کی وجہ سے دشمن سمجھ کر الجھ نہ پڑے اس لیے اپنے ساتھ ایرٹ کو لے جاؤ۔ یہ مترجم کا کام بھی کرے گا۔'' پھر میں نے ایرٹ سے کہا کہ وہ سفیر کے ساتھ چلا جائے۔ اس کا ایک ساتھی کسی جگہ مورچہ بنائے بیٹھا ہے۔ اس کے پاس اسے جانا ہے۔

''چلیں۔'' ایرٹ فوراً راضی ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سفیر کی گن لینا چاہی تھی کہ سفیر اچھل کر دور ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی اس حرکت پر میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ارے میاں بھائی یہ تمہارا وزن ڈھونے کی خواہش میں آگے بڑھا ہے۔ اسے یہ ہتھیار بہت پسند آیا ہے۔ یہ اس کے کندھے پر ٹانگ دو۔ اس سے یہ ہوگا کہ اس کا حوصلہ بھی بڑھے گا اور یہ خود کو دوسروں سے برتر بھی سمجھے گا۔ تم اپنی حفاظت کے لیے ریوالور ہاتھ میں پکڑ لو۔''

''اوا چھا۔'' کہہ کر سفیر نے اپنی آٹو میٹک گن ایرٹ کے کندھے پر ٹانگ دی۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

اس کی خوشی دیکھ کر میں نے کہا۔ ''ایرٹ یہ ہتھیار اب تمہارا ہوا لیکن اسے ابھی چلانا نہیں۔ میں سکھاؤں گا تب چلانا۔ ابھی اگر ضرورت پڑی تو ان صاحب کو ہی چلانے دینا۔''

''جی اچھا۔'' ایرٹ نے جواب دیا اور وہ دونوں فصیل کی جانب بڑھتے چلے گئے۔

میں نے بلند آواز میں ایرٹ سے کہا کہ وہ شہر سے کچھ لوگوں کو تیار کر کے وسیم کے پاس پہنچا دے تا کہ پہرے داری میں اسے مدد ملے۔

''جی بہتر۔'' ایرٹ نے جواب دیا اور اپنی رفتار بڑھا دی۔

میں نے روبیر اور مارٹ کی طرف دیکھا اور دوبارہ سے کارخانے کی جانب قدم بڑھا دئے۔ میں وہاں موجود لوگوں سے ایک بار اور مشورہ کرنا چاہتا تھا تا کہ معبد کے تہہ خانے میں چھپے ہوئے لوگوں کو باہر نکالا جائے ورنہ یہ لوگ بڑی مصیبت کھڑی کر سکتے تھے۔ کارخانے میں موجود باغی اور ہمارے ساتھی میری رائے کے خلاف نہیں جاتے پھر بھی میں اپنے طور پر کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ ان کے مشورے پر ہی ان غداروں کو سزا دینا بہتر تھا تا کہ کوئی الزام مجھ پر نہ آئے۔ راجا صاحب کے آجانے کی وجہ سے مجھے تقویت ملی تھی۔ مجھے یقین سا آ گیا تھا کہ میں اس دنیا سے بہ آسانی نکل جاؤں گا اور اپنی دنیا میں پہنچ کر مرشد سے نمٹوں گا اور پھر سے نارمل زندگی گزاروں گا۔ اس لیے بھی میں جلد سے جلد اس قضیے کا اختتام کر دینا چاہتا تھا۔ انہی سوچوں میں گم میں کارخانے تک آ گیا۔

اندر پہنچا تو وہ لوگ جو ابھی تک یہیں تھے اور شہر نہیں گئے تھے انہوں نے مجھے گھیر لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سوچ لیا تھا کہ آنے والی نسلوں کے لیے رینالٹ جیسے ظالم شخص سے نجات حاصل کرنا ہے۔ یہاں وہ لوگ بھی تھے جو حریت پسند تھے اور آزادی حاصل کرنے کی خاطر جان بھی دینے پر تیار تھے۔ ان سب سے مل کر اپنے خاص دوستوں کی طرف بڑھا۔ رائٹون نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''شہباز باہر کے حالات کیا ہیں؟ سامیرا کی فوج کب تک آ جائے گی؟''

''بہت جلد میرے دوست بہت جلد۔ ظلم کا سورج غروب ہونے کو ہے۔ رینالٹ اپنے خاص لوگوں کے ساتھ محل کے تہہ خانے میں چھپ گیا ہے۔ اب ہمیں ان سب کو نکالنا ہے۔ عوام کی عدالت میں انہیں پیش کرنا ہے۔''

''تو پھر دیر کس بات کی۔ چلو ہم سب اسے باہر نکالیں۔ انہوں نے بڑا نقصان پہنچایا ہے ہمارے دو اہم ساتھیوں کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ اب اور زیادہ صبر نہیں ہوتا ہے۔ سامیرا کو ہم تخت پر بیٹھا دیکھنا چاہتے ہیں تا کہ غریبوں کو ان کا حق مل جائے۔''

اس وقت کمرے میں بہت سے افراد تھے۔ یہ سب کے سب رینالٹ سے نجات چاہنے والے تھے۔ ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب کی خواہش تھی کہ سامیرا کو اس کا حق مل جائے۔ رینالٹ جیسا حکمران تخت و تاج چھوڑ کر جان بچانے کے لیے تہہ خانے میں جا چھپا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی مگر میں سمجھ رہا تھا کہ اصل خطرہ تو باقی ہے۔ ایسا خطرہ جو رینالٹ سے کئی سو گنا بڑا ہے۔ بلکہ رینالٹ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ خطرہ ڈیوڈ شا کی صورت میں وادی میں اتر چکا ہے۔ ابھی اس سے نمٹنا باقی ہے۔ وہ کوئی بکری کا بچہ بھی نہیں ہے کہ دوڑے اور اسے پکڑ لیا۔ ڈیوڈ شا سے نمٹنے میں دانتوں پسینا آنے والی بات تھی۔ اس سے کیسے نمٹا جائے میں اسی پر غور کر رہا تھا کہ رائٹون نے ٹوکا۔ ''کس خیال میں ڈوب گئے۔ بولو اب کیا کرنا ہے۔ رینالٹ کو تہہ خانے سے کیسے باہر لایا جائے؟''

''یہ بتاؤ آگ لگانے والے روغن کے کتنے پیپے موجود ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''تقریباً دس تو ہوں گے ہی۔''

''بس کافی ہے۔ کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر محل میں چلو۔ رینالٹ کو اس کے بل سے نکالنا ہی ہوگا۔''

''تو کیا آپ محل میں آگ لگائیں گے؟''

''بس دیکھتے جاؤ میں کیا کرتا ہوں۔''

میں نے اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک نیا طریقہ سوچا تھا۔ گو کہ یہ مشکل تھا لیکن کامیابی کے چانس زیادہ تھے۔ کیونکہ چوہے کو اس کے بل سے نکالے بغیر مارا نہیں جا سکتا۔ رینالٹ کو بھی اس تہہ خانے سے نکالنا ضروری تھا اس لیے کہ وہ یہاں کا راجا تھا۔ اب بھی اس کے حکم پر بہت سے لوگ سر کٹانے پر تیار ہو سکتے تھے۔ وہ کوئی بڑی مصیبت بھی کھڑی کر سکتا تھا پھر وہ ڈیوڈ شا کا ساتھ دے رہا تھا اور ڈیوڈ شا مجسم مصیبت تھا۔ اس کی جب تک گوشمالی نہ ہوتی کچھ بھی بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل کی طرف بڑھنے لگا۔

میرے ساتھ روبیر اور مارٹ تھے۔ ان کے پیچھے تقریباً دس افراد روغن کا پیپا پکڑے چل رہے تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ آج ہر حال میں محل کے تہہ خانے سے رینالٹ اور اس کے لوگوں کو باہر نکالنا ہے۔ انہیں پابندِ سلاسل کرنا ہے، اسے کھینچتے ہوئے سامیرا کے پاس لے جانا ہے تاکہ وہ اسے عوام کے سامنے پیش کرے۔ دبے کچلے لوگ پہلے ہی سامیرا کے ساتھ تھے۔ مرعات یافتہ طبقہ جو اپنے مفاد کی خاطر رینالٹ کا ساتھ دے رہے ہیں وہ بھی اس کا انجام دیکھ کر دم سادھ لیں لیکن سوال یہی تھا کہ اسے باہر کیسے لایا جائے؟

محل پر قبضہ کے بعد میں نے ایک ایک کمرے کی تلاشی لی تھی۔ اس جگہ کو بھی دیکھا تھا جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہیں تہہ خانہ ہے۔ اس کمرے کا بڑی باریک بینی سے معائنہ کیا تھا لیکن اس کا فرش اس قسم کا تھا کہ اس پر گمان ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کمرے میں کوئی چور دروازہ بھی ہے۔ روغن اسی لیے لایا تھا کہ اس کے ذریعہ اگر فرش میں کہیں رخنا ہوگا تو پتا چل جائے گا۔ رخنا ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہاں دروازہ ہے۔ دروازے کے مقام کا تعین ہو جانے پر اسے کھولنے کا طریقہ کار ڈھونڈا جا سکتا تھا۔ پھر روغن کی مدد سے انہیں ڈرا دوں گا کہ تہہ خانے میں آگ لگا رہا ہوں۔ وہ اس دھمکی پر خوفزدہ ہو کر باہر آ جائیں گے۔

جس وقت ہم محل میں داخل ہوئے وہاں موجود باغی سپاہی مستعد کھڑے تھے۔ جہاں میں نے ان کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیوٹی لگائی تھی وہ وہاں موجود تھے۔ ان میں وہ شخص جس کو میں نے وہاں کا سربراہ مقرر کیا تھا وہ ہمیں دیکھتے ہی نزدیک آ گیا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یہ روغن کے پیپے باہر ہی رکھو۔'' پھر میں اندر داخل ہو گیا۔

اندر بھی جس کی ڈیوٹی جہاں لگائی تھی وہ وہیں کھڑا تھا۔ سربراہ نے پیپے باہر رکھوا دیئے تھے اور اب دروازے سے داخل ہو رہا تھا۔ نزدیک پہنچ کر اس نے مارٹ سے پوچھا۔ ''اب تک نہ تو تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہے اور نہ ہی کسی اور طرف سے مزاحمت ہوئی ہے۔ قیدی سپاہی تعاون کی بار بار پیشکش کر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ سوچا ہے۔''

''ان کے بارے میں بھی فیصلہ جلد ہو جائے گا۔ سامیرا اپنے عظیم لشکر کے ساتھ آرگون آ رہی ہیں۔ وہی ان کا فیصلہ کرے گی۔''

اس شخص نے سر تائید میں جھکایا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ یہ یہاں کا فوجی آداب تھا۔ اپنی جگہ کھڑے ہو کر بولا۔ ''ایک بات پوچھنی تھی۔''

''بولو۔'' مارٹ نے رعب دار آواز میں کہا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے باہر سے عجیب قسم کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کیسی آوازیں تھیں؟''

''ہماری آزادی کے دشمن۔ ظالم و جابر رینات کے ایسے ساتھی جو باہر سے آئے ہیں۔ ان کے پاس آگ اگلنے والے ہتھیار ہیں۔ وہ اس سے ہمارے مظلوم عوام کو قتل کر رہے تھے کہ برف والے کے بھیجے ہوئے اس شریف انسان نے ان کا ہتھیار چھین کر ان پر حملہ کر دیا۔ یہ آواز اسی لڑائی کی تھی۔ دونوں اسی چنگھاڑنے والے ہتھیار سے ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے۔''

''اچھا اسے برف والے نے بھیجا ہے۔ یہ تو ہمارے لیے مقدس ہوا۔ اب سمجھا، اسی لیے اس نے اکیلے ہی رینات کو اتنی آسانی سے اس کی اوقات بتا دی۔'' اس شخص کے چہرے پر خوشی چھا گئی تھی۔ یہاں والوں کے لیے برف والے کا نام ہی کافی تھا جسے سن کر ان کے سر جھک جاتے تھے۔

''ہمیں تہہ خانے کا دروازہ ہر حال میں کھلوانا ہے۔ آپ میں سے جس نے بھی اس دروازے کو دیکھا ہے وہ نشاندہی کر دے۔'' میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

میری بات سنتے ہی دو بندے بھیڑ سے نکل کر سامنے آ گئے۔ ان میں ایک تو وہ سپاہی تھا جس نے رینات کے فوجیوں کو سب سے زیادہ پریشان کیا تھا۔ وہ پتھر کو رسی میں باندھ کر لڑنے کا ماہر تھا۔ اس کا یہ فن میں نے جنگ کے وقت دیکھا تھا۔ جس پر حملہ کرتا تھا وہ اپنا دفاع کرنا بھول جاتا تھا۔ بڑی بے جگری سے لڑنے والا تھا اور دوسرا اس مقام کا محافظ تھا۔ پہلے وہ رینات کی فوج کا سپاہی تھا پھر ہمارے ساتھ آ ملا۔ ایرٹ نے اس کی سفارش کی تھی۔ اس لیے اس پر سب نے اعتماد کر لیا تھا۔ اب تک اس کی کارگزاری بہتر تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ''بتاؤ کس جگہ وہ دروازہ کھلا تھا۔''

''اس جگہ۔'' اس نے کمرے کے درمیان ایک جگہ کی نشاندہی کی۔ میں نے اس جگہ کا معائنہ کیا۔ فرش پر کہیں کوئی نشان نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک بڑے سے پتھر کو کمرے کے فرش کے سائز پر کاٹ کر فٹ کیا گیا ہے۔ کہیں کوئی جوڑ یا رخنے کا نشان نہیں تھا۔ میں نے اس بندے کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔''ایک پیپا اٹھالاؤ۔''

دوڑتا ہوا گیا اور اسی تیزی سے پیپا اٹھالایا۔ پھر میرے اشارے پر اس نے پیپا اتار کر وہاں رکھا۔ میں نے پیپے کا ڈھکن کھول کر ایک چلو روغن نکالا۔ اسے زمین پر پھینک کر بغور فرش کو دیکھا۔ سفید فرش پر سیاہ روغن پھیلتا جا رہا تھا۔ میری طرح دوسرے بھی اس روغن پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔ تبھی میں نے وہ دیکھ لیا جو دیکھنا چاہتا تھا۔ روغن فرش پر بہتے ہوئے دور تک جا رہا تھا مگر ایک جگہ لکیر کی صورت میں جمع ہو گیا تھا۔ یعنی وہاں رخنہ تھا۔ فرش کو اس صفائی سے گھسا گیا تھا کہ وہ جوڑ کھلی آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا تھا مگر جب سیاہ تیل فرش پر گرا تو اس جوڑ پر جمع ہو گیا۔ اس نشان کو باری باری سے سب دیکھ رہے تھے اور میری عقلمندی کی تعریف کر رہے تھے۔

اب سوال یہ تھا کہ تہہ خانے کے خفیہ دروازے کو کھولا کیسے جائے۔ مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ مارٹ نے مجھے مخاطب کیا۔''کیا سوچ رہے ہیں؟''

''اسے کھولا کیسے جائے؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ اتنے سارے روغن کے پیپے کس دن کام آئیں گے؟ آپ انہیں فرش پر گرا دیں۔ رخنے سے یہ اندر بھی گرے گا۔''

''اس کمرے کے فرش کو ڈبونے کے لیے کم سے کم دس پیپے کا روغن گرانا پڑے گا۔''

''جی ہاں..... اتنا تو گرانا ہی پڑے گا پھر اس میں آگ لگا دیں۔''

''اور یہ سوچا ہے کہ اس روغن میں جب آگ بھڑکے گی تو کیا ہوگا؟ پوری عمارت جل اٹھے گی۔ کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ پھر وہ ہمارے دوست تو ہیں نہیں کہ ہمیں ان کی فکر ہو۔''

ہم ابھی بحث کر ہی رہے تھے کہ اوپر چوبارے سے آواز آئی۔ ''مس شہباز ہم یہی چاہتے تھے۔ اسی لیے یہاں سے باہر نکل کر دور چلے گئے تھے کہ تم مطمئن ہو کر اپنے تمام آدمیوں کو ایک جگہ جمع کر لو۔''

میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ اوپر چوبارے میں آڑ لے کر زینی کھڑی تھی۔

''ڈیڈ کا حکم ہے کہ تمہیں فوراً ختم کر دیا جائے۔'' زینی نے ہنستے ہوئے ایسے کہا جیسے میرے مرنے کا مژدہ نہیں خوش خبری سنا رہی ہے۔

''مجھے مار دو گی، تم مارو گی، مگر کیسے؟'' میں نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

''میں اور میرے آدمی تمہیں ختم کریں گے بلکہ کہانی ختم ہونے ہی والی ہے۔ ادھر دیکھو..... دروازے سے روغن اندر بہتا ہوا آ رہا ہے۔ بس اس میں جلتی ہوئی مشعل پھینکوں گی اور کہانی ختم۔ اس لیے کے چاروں دروازوں پر میرے آدمی مشین گن لے کر کھڑے ہیں۔ جو جلنے سے بچ کر باہر نکلے گا اسے تحفہ میں گولیاں ملیں گی۔''

میں نے مڑ کر دیکھا۔ باہر کے دروازے سے روغن بہتا ہوا اندر آ رہا تھا۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر سے بہہ کر آتے روغن کو دیکھ کر میرے ہوش اُڑ گئے۔ میں نے روغن کے پیپے کس کام کے لیے منگوائے تھے اور یہ کس کام میں آنے والا ہے۔ بہتے ہوئے روغن کی مقدار بتا رہی تھی کہ کئی ایک ڈرم الٹائے گئے ہیں۔ ہر ڈرم میں تقریباً پچاس کلو روغن ہوگا جب کہ بہتے ہوئے روغن کی مقدار دو ڈھائی سو کلو ہوگی جو میں نے شاہی ارکان کو دھمکانے، موت کا خوف دلانے کے لیے منگوایا تھا۔ گویا دوسروں کو موت دینے کا جو سامان اکٹھا کیا تھا وہ ہماری موت کا سبب بننے والا تھا۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا تھا لیکن میں مجبور ہو گیا تھا۔ اگر ذرا سی بھی حرکت کرتا تو میرے ساتھ دوسرے بھی لپیٹ میں آ جاتے۔ مجھے اپنی موت کا خوف کبھی نہیں رہا ہے۔ موت تو ایک دن آنی ہی ہے لیکن دوسروں کو، خاص کر اپنے ساتھیوں کو میں مرتا ہوا کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے میں مسلسل غور کر رہا تھا کہ کس طرح اور کون سی چال چلوں کہ اس پر قابو پا سکوں۔ اس لیے کہ زینی کے بارے میں علم تھا، وہ اذیت کوش بندی ہے۔ اذیت دے کر لطف اٹھاتی ہے۔ ایسے ذہنی بیماروں کی دنیا میں کمی نہیں۔ ان لوگوں کو یہ بیماری کچھ زیادہ ہی لگتی ہے جو دبے کچلے ذہن کے ہوتے ہیں۔ زینی زندگی بھر ٹھوکروں میں رہی۔ ڈیوڈ شا کی ناجائز اولاد ہونے کی سزا پاتی رہی، یہی وجہ تھی کہ وہ اذیت پسند بن گئی۔

میں نے اسے کئی بار ٹھکرایا تھا اس کی پیش رفت کو تحقیر کے ساتھ رد کیا تھا۔ اس کا بھی غبار اس کے دل میں ہوگا اسی لیے مجھے بھی زندہ جلانے پر تلی ہوئی تھی۔

اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھی۔ باہر سے بہہ کر آنے والا روغن آہستہ آہستہ کمرے میں پھیل رہا تھا۔ جیسے ہی وہ مشعل گراتی پورا کمرا جہنم بن جاتا۔ آتش فشاں کا دہانہ بن جاتا، بس کچھ ہی دیر کی بات تھی۔ میری طرح دوسرے لوگ بھی دم بخود تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے روکا جائے۔ نیچے سے دوڑ کر اوپر چوبارے میں جانا ممکن نہیں تھا۔ مجھ سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی تھی کہ اندر آنے کے بعد میں نے پستول جو باسو سے چھینا تھا وہ ہولسٹر نہ ہونے کی وجہ سے پہلے کمر میں ٹھونسا تھا پھر روغن کا چوبی ڈرم اٹھانے کے لیے اسے کمر سے نکال کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ وہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی لیکن مجبوری یہ تھی کہ اگر میں اس کی طرف بڑھتا تو اسے اٹھا بھی نہ پاتا کہ زینی اوپر سے مشعل روغن پر پھینک دیتی۔ اسے کیسے روکوں میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ زینی کی آواز گونجی.....

''شہباز، اپنے ہاتھ اٹھا کر باہر کی طرف بڑھو..... میں نہیں چاہتی کہ اس عمارت میں تمہارا تکہ بنے۔ اتنے بہادر آدمی کے جلتے ہوئے جسم کو میں دیکھ نہیں سکتی۔'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک معجزہ سا ہوا۔

اس چوبارے کے بالکل سامنے دوسری طرف کی دیوار میں بھی ایک چوبارا بنا ہوا تھا۔ عام طور پر مغل طرز تعمیر میں ابھی ایسا ہی دیکھا ہے کہ آمنے سامنے کی دیواروں میں ایک جیسی نقاشی ہوتی ہے جسے ''جواب'' کہا جاتا ہے۔ جیسا میں نے لکھنو کی عمارتوں میں دیکھا تھا۔ لکھنو کا رومی دروازہ اور اس کے سامنے بالکل ویسا ہی ایک نمائشی دروازہ بنا ہوا تھا۔ لاہور و ملتان کے کئی نمائشی دروازے یہاں، اس وادی میں بھی ویسا ہی تعمیراتی انداز تھا کہ چوبارے کے سامنے چوبارہ اور مصر کے پیرامڈ جیسا معبد۔ پتا نہیں یہ مماثلت کیسے بنی یا اتفاق ہے کہ اس چوبارے کے سامنے چوبارہ تھا۔ اس چوبارے کا دروازہ کھلا اور کوئی چوبارے میں آیا۔ ابھی ادھر کسی کی نظر نہیں گئی تھی۔ خود میری نظر بھی نہیں پڑی تھی۔ میری نظر تب ادھر گئی جب اس چوبارے سے ایک تیر سنسناتا ہوا چلا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زینی کے گلے میں ترازو ہو گیا۔ اس کی کربناک چیخ پوری عمارت میں گونج کر رہ گئی تھی۔ اس کا جسم لہراتا ہوا اونچائی سے فرش پر گرا تھا۔ مشعل اس کے ہاتھوں میں تھی جو اس کے جسم تلے آ کر بجھ گئی تھی ورنہ آگ کا پھیلنا ضروری تھا۔

زینی کو تیر لگتے ہی باہر سے کسی نے فائر کیا مگر گولی اندر نہیں آئی تھی۔ شاید باہر کسی اور طرف چلائی گئی تھی پھر برسٹ چلا تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے دو قسم کے ہتھیار چنگھاڑے تھے۔ برسٹ کی بھیانک آواز کے ساتھ ہال میں جمع افراد بھی چیخے تھے، کئی ایک کی چیخ گونجی تھی، یہ خوف کی چیخ تھی۔ شاید اندر جمع افراد ڈر گئے تھے۔ میں نے بلند آواز میں کہا۔ ''سب فرش پر لیٹ جائیں۔ فوراً۔''

میری آواز کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ سب کے سب زمین پر اوندھے لیٹ گئے۔ باہر سے گولیاں برسنے کی آواز آ رہی تھی، پھر کسی سب مشین گن کی آواز گونجی۔ گونج ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ کسی کی چیخ ابھری اور پھر خاموشی چھا گئی۔

جب کافی دیر تک فائرنگ بند رہی تو میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ باہر کا جائزہ لینے پر غور ہی کر رہا تھا کہ سب مشین گن کے ساتھ سفیر داخل ہوا۔ اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھا۔ ''شہباز صاحب! سب خیریت ہے نا؟''

''ہاں سب خیریت ہے۔ باہر کتنے آدمی ہیں۔ ان کا کیا بنا؟''

''باہر ایک ہی آدمی تھا جو دروازے سے لگا کھڑا تھا۔''

''لیکن زینی نے تو کہا تھا کہ اس کے آدمیوں نے عمارت کو گھیر رکھا ہے۔''

''ہاہاہا۔'' سفیر نے قہقہہ لگایا۔ ''اس کے اندر خون کس کا ہے۔ تم نے ہی بتایا نا کہ وہ ڈیوڈ شا کی بیٹی ہے تو اس میں اس کی خصلت ہونا ضروری ہے۔ جھوٹ مکر فریب اس کی سرشت میں شامل ہے۔ اس کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا۔ اسے اس نے باہر کھڑا کر دیا تھا۔ ویسے بات غلط بھی نہیں تھی۔ اس کے پاس آٹومیٹک گن تھی۔ وہ اکیلے ہی پورے مجمع کو روک سکتا تھا۔ میں اسے نشانے پر لے ہی رہا تھا کہ یہ تمہارا عاشق۔'' اس نے چوبارے پر کھڑے ایرٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ کسی چھپکلی کی طرح بغیر ایک لمحہ ضائع کیے دیوار پر چڑھتا چلا گیا۔'' اس نے زینی پر تیر چلایا اور میں نے باہر کھڑے شخص کو نشانہ بنایا۔

میں نے ہاتھ ہلا کر ایرٹ کو شاباشی دی۔ پھر سفیر سے پوچھا۔ ''تم تو قلعہ کی طرف جا رہے تھے لوٹ کیوں آئے؟''

''ابھی میں آدھے ہی راستے میں تھا کہ ایک واقعہ ہو گیا۔''

''کون سا؟''

''ہم شہر سے باہر آ چکے تھے۔ باغوں کے اس سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے جو دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ابھی پہلا باغ ہی پار کیا تھا کہ ایک سیٹی سی بجی۔ میں رک گیا۔ ایسی تیز سیٹی تھی کہ کافی دور تک سنائی دی ہو گی۔''

''یہاں میں نے دیکھا ہے کہ ڈاکیہ یا ہرکارے جب پیغام لے کر جاتے ہیں تو دوڑتے ہوئے تیز سیٹی بجاتے ہیں تاکہ جنگلی جانور دور بھاگ جائیں۔ یہ ان کی پہچان ہوتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہی بات ایرٹ نے بھی کہی تھی۔ اس نے حیرت کا اظہار کیا تھا کہ اس وقت جنگ کا ماحول ہے اور باغوں کی دوسری طرف سامیرا کی فوج ہے۔ ادھر سے کوئی خبر رساں ادھر آنے سے رہا۔ ضرور یہ شہنشاہ معظم کا پیامبر ہے۔''

یہ سن کر میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ ہرکارا سیٹی بجاتا ہوا نزدیک آ گیا۔ جیسے ہی وہ ہمارے قریب سے گزرا میں نے اچھل کر اس کی گردن پکڑ لی اور اسے زمین پر پٹک دیا۔ اس نے گرتے ہی آواز لگائی کہ میں آپ ہی کے پاس جا رہا تھا۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں لیکن میں آپ کو پہچانتا ہوں۔'' سفیر بولتے بولتے رکا پھر سانس لے کر بولا۔ ''اس نے کیا کہا تھا میری سمجھ میں نہیں آیا تھا اس لیے میں نے ایرٹ سے ترجمہ کے لیے کہا تو اس نے جملہ بتایا۔ میں نے کہا، تم نے مجھے کیسے پہچانا تو وہ بولا کہ آپ جب فوج کا معائنہ کرنے آئے تھے تو میں پہلی قطار میں تھا۔ اسی لیے مجھے راجا صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔''

''بات کو مختصر کرو۔'' میں نے سفیر سے کہا۔

''وہی تو بتا رہا ہوں۔ تم ہی بار بار ٹوک دیتے ہو۔''

''تو پھر جلدی بولو نا۔''

''اس نے مجھے ایک خط دیا کہ یہ آپ کے لیے ہے۔ کئی دوسروں کے بھی خطوط ہیں، میں اپنی جان ہتھیلی پر لے کر انہیں دینے جا رہا ہوں کیونکہ میرا اصل کام ہی یہی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے قلعہ اور آرگان کے درمیان قاصد کو بھی آنے جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اگر میں پکڑا گیا تو گلا کاٹ دیا جائے گا۔''

میں نے خط کھول کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ بہت جلد سامیرا اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گی۔ رینالٹ کے پاس بہت تھوڑے سے فوجی ہیں، وہ انہیں روندتی ہوئی شہر میں داخل ہو جائے گی۔ تمہیں رینالٹ کی فوج پر عقب سے حملہ کرنا ہے لیکن ہوشیاری سے اس لیے کہ ڈیوڈ شا بھی ہے جو وہیں کہیں چھپا ہوا ہے۔''

''تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟'' میں نے سفیر سے پوچھا۔

''میں یہی خبر تمہیں دینے آیا تھا کہ یہاں یہ نئی کہانی دیکھی اور میدان میں کود پڑا۔''

''چلو یہ بھی بہتر ہوا۔ اگر تم نہ آتے تو شاید میں اتنی جلدی زینی سے نمٹ نہ پاتا۔''

''اب تم ان لوگوں کو سنبھالو میں اپنے کام کو نمٹانے چلا۔'' کہہ کر وہ مڑ گیا۔

سفیر نے جو اطلاع دی تھی وہ بہت اہم تھی۔ یعنی کہ اصل کھیل شروع ہوا چاہتا ہے۔ رینالٹ کو اس تہہ خانے سے نکالنا اب ضروری ہو گیا ہے۔ اسے نکالے بغیر کوئی چارہ نہیں، اس لیے کہ سامیرا آگے بڑھ رہی ہے تو رینالٹ کی فوج اسے روکے گی اور خون خرابہ ہو گا۔ اس خون خرابے سے لوگوں کو بچانا ضروری ہے۔ اور اس کے لیے رینالٹ کو سامنے لانا ہی ہو گا۔ پھر سب سے بڑا خطرہ ڈیوڈ شا تھا، اسے بھی قابو کرنا ہے۔ اتنے سارے کام کیسے نمٹاؤں میں یہی کچھ سوچتا ہوا اس محافظ کی طرف بڑھا جس نے تہہ خانے کا مقام بتایا تھا۔

''رونا ٹا تم ادھر آؤ۔'' میں نے رونا ٹا کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھ آیا تب میں نے اس سے کہا۔ ''تم اسی جگہ کھڑے رہنا میں دروازہ کھولنے کی ترکیب ڈھونڈتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ اس دروازے کو کھولنے کا کوئی نہ کوئی کل یا آلہ باہر بھی ہو گا۔'' رونا ٹا بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو ڈھونڈو نا۔''

''میری ڈیوٹی دروازے تک محدود تھی۔ اندر آنے کا حکم نہ تھا ورنہ میں ضرور ڈھونڈ لیتا۔''

''کوئی بات نہیں۔ اب میں تلاش کرتا ہوں۔ شاید کوئی ایسا بٹن یا زنجیر یا دستہ مل جائے جس کے ذریعہ دروازہ کھولا جا سکتا ہو۔'' کہہ کر میں دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ عام طور پر خفیہ راستے کی زنجیر یا بٹن دیوار میں ہی لگایا جاتا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے دیوار پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ میری تقلید میں کئی اور لوگ بھی دیوار پر ہاتھ پھیر کر ایسا کچھ تلاش کرنے لگے جسے دبا کر یا کھینچ کر دروازہ کھولا جا سکتا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے گزر گئے مگر ایسا کچھ نہیں ملا۔ میں ناامید ہو گیا تھا کہ ایک جگہ دیوار کچھ ابھری ہوئی محسوس ہوئی۔ اس پر رنگ و روغن اس طرح کیا گیا تھا کہ وہ ایک نظر میں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اس ابھرے ہوئے حصے کو دبایا تو یکا یک ایک سرسراہٹ سی ہوئی۔۔ ساتھ ہی ساتھ بہت ساری آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔ ''کھل گیا۔''

میں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ فرش میں چار بائی چار فٹ کا ایک دروازہ سا کھل گیا تھا اور سب اس میں جھانک رہے تھے۔ میں تیزی سے ادھر بڑھا اور اونچی آواز میں تاکید کی، ''سامنے سے ہٹ جاؤ..... اندر سے کوئی بھی تیر اندازی کر سکتا ہے۔''

تمام لوگ دور ہٹ گئے۔ وہاں موجود ایسے لوگ جن کے پاس اسلحہ تھا وہ سب اسلحہ سونت کر مستعد ہو گئے۔ میں نے نہایت احتیاط سے اندر جھانکا۔ اندر بالکل سناٹا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے نیچے کوئی ہے ہی نہیں۔ میں نے زینی والی گن کو اٹھا لیا اور رونا ٹا سے کہا۔ ''میں نیچے اتر رہا ہوں، تم گنتی گنتے رہو۔ جب پانچ سو تک گن لو تو احتیاط سے نیچے اتر جانا۔ تمہارے بعد کوئی دوسرا پانچ سو تک گنے اور پھر وہ اترے اسی طرح وقفہ دے دے کر نیچے اترتا جائے۔''

''اس کا فائدہ، ایک ساتھ اترتے تو دشمن کو قابو کرنے میں آسانی ہوتی۔'' روبیر بولی۔

''میں اکیلا سو پر بھاری ہوں، پیچھے آنے والا مجھے مدد دے گا اگر ضرورت پڑی تو.....'' اتنا کہہ کر میں نے اللہ کا نام لیا اور نیچے اتر گیا۔

میں نے رونا ٹا کو تو منع کر دیا تھا مگر اس کو منع نہیں کر سکا تھا جو میرے لیے پیر تسمہ پا سے کم نہیں۔ چند سیڑھیاں ہی اترا تھا کہ عقب میں آہٹ محسوس ہوئی، میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ روبیر تھی جو چلی آ رہی تھی۔

اس کی اس حرکت نے مجھے غصہ دلا دیا تھا لیکن یہ وقت چیخنے چلانے، غصے کے اظہار کا نہ تھا۔ میں خاموش رہ گیا۔ اپنی پوری توجہ نیچے کی جانب مبذول رکھی۔ نیچے خاموشی کا راج تھا۔ مگر میں جانتا تھا کہ اس وقت میں بارود کے ڈھیر پر کھڑا ہوں یعنی خطرے کے منہ پر براجمان ہوں۔ اس لیے ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ کسی بھی وقت کسی بھی طرف سے کوئی حملہ آور نمودار ہو سکتا تھا یا ایک ساتھ بہت سارے لوگ مقابلے کے لیے للکار سکتے تھے۔ انہی خیالوں میں ڈوبا ہوا بالآخر بالکل نیچے اتر گیا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ بتانے والوں نے بتایا تھا کہ رینات کے ساتھ بیس بائیس افراد نیچے اترے تھے۔ مگر اس وقت ایک بھی فرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب کدھر گئے؟ میں نے ایک جگہ کھڑے ہو کر جائزہ لیا تبھی میری نظر دور ایک گلیارے پر پڑی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنتے ہیں کہ ہماری دنیا میں، بادشاہ محلوں کے نیچے خفیہ سرنگ بنواتے تھے۔ لگتا ہے کہ یہ تہہ خانہ بھی کسی سرنگ سے منسلک ہے اور وہ تمام لوگ اس سرنگ سے فرار ہو گئے ہیں۔

میں یہی سوچتا ہوا گلیارے کی جانب آگے بڑھ رہا تھا۔ اگر رینالٹ اپنے حواریوں کے ساتھ فرار ہو گیا ہے تو بات مزید الجھ جائے گی اس لیے کہ وہ باہر پہنچ کر شہریوں سے مدد لے گا۔ ابھی تو مٹھی بھر لوگ اس کے ساتھ ہیں پھر تو ایک عالم اس کے ساتھ ہو گا۔

اسی فکر میں ڈوبا میں آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے پیچھے روبیر تھی۔ وہ نہایت احتیاط سے پیر دبا دبا کر آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی جانب میری توجہ بالکل نہیں تھی۔ میری تمام حسیں بیدار تھیں اور میں گویا پھونک پھونک کر قدم بڑھا رہا تھا۔

گلیارا شیطان کی آنت ثابت ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کتنا طویل تھا۔ پھر بھی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تبھی میں نے ایسا محسوس کیا جیسے کسی کے قدموں کی دھمک گونجی ہو۔ بند جگہ پر ہلکی سی آواز بھی گونجدار ہو جاتی ہے نا۔ میں نے ہاتھ پیچھے کر کے روبیر کو رکنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں کچھ اور آگے بڑھا۔ آگے گلیارا مڑ رہا تھا۔ اب میں اور زیادہ ہوشیار ہو گیا تھا۔ موڑ پر پہنچ کر رکا اور جھانک کر دیکھا۔ گلیارا آگے تک جاتا تھا مگر سامنے ہی ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ میں نے روبیر کو دوبارہ رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ تھم گئی۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ آواز پھر سنائی دی جیسے کوئی چل رہا ہو۔ وہ آواز اسی دروازے کی طرف سے آ رہی تھی۔ میں اور آگے بڑھا۔ اس دروازے پر پہنچا۔ اندر دیکھنے کے لیے دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ دروازہ بہت تھوڑا سا کھل گیا۔ میں نے اندر دیکھنے کی کوشش کی اور چونک گیا۔ اس لیے کہ اندر ایک جم غفیر نظر آیا تھا۔ فرش پر بہت سے لوگ بیٹھے تھے اور ایک شخص ٹہل رہا تھا۔ وہ شناسا چہرہ تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے مجھے موت دینے کے فیصلے کی تائید کی تھی اور اسی نے مشورہ دیا تھا کہ مجھے ہارن کے آگے ڈال دیا جائے۔ اسے دیکھتے ہی میری رگوں میں خون کی روانی بڑھ گئی تھی۔ مگر میری نظریں ہنوز متلاشی تھیں۔ میں رینالٹ کو تلاش کر رہا تھا مگر وہ اس بھیڑ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سانپ کو چھوڑ کر لکیر پیٹنا لاحاصل بات تھی اس لیے میں نے آگے بڑھ جانا مناسب سمجھا۔ اگلے کمرے میں جھانکا۔ وہاں بھی اسی طرح لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ان میں بھی رینالٹ نظر نہیں آیا تو میں نے اس کے بعد والے کمرے میں دیکھا۔ اس کمرے میں لوگ کم تھے۔ مجھے شبہ ہوا کہ اسی کمرے میں رینالٹ بھی ہو گا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ایک ساتھ اتنے لوگوں سے نمٹا کیسے جائے۔ کھلی جگہ میں جنگ کرنا آسان ہے لیکن ایک بند کمرے میں اتنے سارے لوگوں سے نمٹنا آسان نہیں۔ پھر کمرے بھی تین تھے اور تینوں میں کل کتنے لوگ ہیں اس کا بھی اندازہ نہیں تھا۔ میں نے مزید کمروں کی تلاشی کے لیے سوچا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے بعد بھی کئی کمرے تھے لیکن وہ سب خالی تھے۔ میں آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ کافی آگے جانے کے بعد ایک دروازہ نظر آیا۔ میں اس کی طرف تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔ اس لیے کہ مجھے دیکھنا تھا کہ وہ دروازہ کھلتا کہاں ہے۔ اس دروازے کے پاس پہنچ کر میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی مگر وہ مقفل نظر آیا۔ اسے کھولوں کیسے۔ اس لیے کہ کسی بھی وقت کوئی بھی کمرے کا دروازہ کھل سکتا تھا۔ اگر ایک بھی شخص باہر آتا تو مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ وہ آواز دے کر دوسروں کو ہوشیار کر دیتا اور مجبوری میں مجھے گولیوں کا استعمال کرنا پڑتا جو میں نہیں چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری نظریں دروازے کے آس پاس کی دیواروں کو ٹٹول رہی تھیں۔ اس لیے کہ مجھے اندازہ تھا کہ اس بند دروازے کو کھولنے کے لیے بھی کسی خفیہ کنڈے یا بٹن کا استعمال ہوتا ہوگا۔ میں دیوار پر ہاتھ پھیر رہا تھا کہ اگر کوئی ابھرا ہوا پتھر ہوگا جسے دبا کر دروازہ کھولا جاتا ہوگا تو وہ محسوس ہو جائے۔ کافی دیر تک میں وقت برباد کرتا رہا۔ لیکن مایوسی تھی کہ جکڑے جا رہی تھی۔ میں ناامید ہو چکا تھا کہ مجھے ایک پتلی سی ڈنڈی نظر آئی۔ وہ ڈنڈی ٹھیک اس جگہ لگی ہوئی تھی جہاں دیوار مل رہی تھی۔ یعنی داہنے کونے میں۔ اس کا رنر پر وہ اس طرح چپکی ہوئی تھی جیسے وہ شوپیس ہو۔ خوبصورتی کے لیے لگائی گئی ہو۔ ایک نظر پہلی وہ معیوب نظر نہیں آئی لیکن پتا نہیں کیوں مجھے وہاں اس کی موجودگی کچھ عجیب سی لگی۔ صرف اس لیے کہ سجاوٹ کا سامان ایسی جگہ رکھا جاتا ہے جہاں لوگوں کی نظر پڑے مگر وہ کونے میں رکھی تھی۔ میں نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ ہاتھ میں بہ آسانی نکل آئی جیسے وہاں سے اسے نکالا جاتا ہے اور پھر وہیں رکھ دیا جاتا ہے۔ میں نے اسے بغور دیکھا۔ وہ چار فٹ کی ڈنڈی ہوگی جس کا ایک سرا دوشاخہ تھا۔ اس دوشاخہ کو ٹٹول کر دیکھا مگر اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جس پر شبہ ہوتا۔ میں اسے اس کی جگہ پر رکھنے جا رہا تھا کہ مجھے اس کونے کی چھت میں ایک کنڈا سا نظر آیا بالکل ویسا ہی جیسا ایک کنڈا مجھے کچھ دیر قبل معبد کی سیڑھیوں پر نظر آیا تھا۔ مگر یہ کنڈا چھت پر تھا اور وہاں تک ہاتھ پہنچ نہیں پاتا۔ تبھی ایک خیال کے تحت میں نے اس ڈنڈی کو اونچا کر کے اس کنڈے میں اٹکانے کی کوشش کی۔ وہ ڈنڈی اس کنڈی تک پہنچ رہی تھی۔ میں نے ایک کوشش کی۔ تجربہ کامیاب رہا اور ڈنڈی کے دوشاخہ سے کنڈی پر دباؤ ڈالتے ہی دروازہ پاٹوں پاٹ کھل گیا۔ میں نے چھڑی کے ساتھ ادھر دوڑ لگا دی۔ دروازے سے باہر جھانکا۔ ایک ہی نظر میں وہ مقام پہچان میں آ گیا۔ وہ دروازہ محل کے عقب میں کھل رہا تھا جدھر جھاڑیاں سی اگی ہوئی تھیں۔ میں نے واپس آ کر اسی کنڈے پر ڈنڈی سے دوبارہ دباؤ ڈالا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ یہ دیکھ کر میرے خوشی کی انتہا نہ تھی۔ ایک معرکہ سر ہو گیا تھا۔ میں نے روبیر کو واپسی کا اشارہ دیا اور خود بھی تیز قدموں سے واپس چل پڑا۔

اتنی تیزی سے واپس ہو رہا تھا کہ روبیر بھی خوفزدہ ہو گئی تھی۔ شاید اس نے سمجھا تھا کہ دشمن نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ ہم دونوں آگے پیچھے سیڑھیوں تک آئے اور پھر اسی تیزی سے باہر نکلے۔

رونالڈ بس اترنے ہی والا تھا۔ اس نے سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا تھا۔ ہمیں باہر آتا دیکھ وہ جلدی سے مڑ گیا تھا۔ اوپر پہنچتے ہی میں نے کہا۔ ''دوستو ہم نے ایک بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ بس کچھ دیر کی بات ہے۔ رینالٹ ہمارے قبضہ میں ہوگا۔''

رونالڈ نے میری کہے ہوئے الفاظ کا ترجمہ کیا

''ہمیں یقین تھا۔ ہمیں یقین تھا تم کامیاب لوٹو گے۔'' کئی آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

''مجھے ابھی مکمل کامیابی نہیں ملی ہے۔ جلد پوری کامیابی ملے گی۔'' میں نے کہا۔ ''تم سب فتح حاصل کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہ آخری معرکہ ہوگا۔ ظلم کی شمع ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گی۔ اب یہاں امن کا راج ہوگا۔''

رونالڈ نے ترجمہ کیا تھا کہ ''ہم تیار ہیں..... ہم تیار ہیں۔'' کا ایک شور سا اٹھا۔ اتنی دیر میں رینالٹ سے نمٹنے کا پلان میرے دماغ میں بن گیا تھا۔ میں نے اپنے پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان سے کہا کہ کچھ لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں ٹھہریں باقی میرے ساتھ عقبی میدان میں آئیں۔ وہ سب تو گویا حکم کے منتظر تھے۔ سب کے سب میرے پیچھے پیچھے چلے آئے۔ میں نے عقبی میدان کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ''تمام تیرانداز دائرہ بنا کر محل کے عقبی حصے کو گھیر لیں۔ اس دیوار میں ایک در ہے۔ جب وہ کھلے اور اندر سے کوئی نکلے اور آپ کو حکم ملے تو آپ بلا تکلف ان پر تیروں کی بارش کر دیں۔''

ان سب نے ترکش سے ایک ایک تیر نکال کر کمان پر چڑھا لیے اور میرے حکم کے مطابق میدان میں پھیل گئے۔ ایک دو نے وہاں موجود پیڑوں پر مورچہ بنا لیا۔ اب وہاں وہ لوگ رہ گئے جو تیرانداز نہیں تھے۔ گرز بردار تھے۔ وہ سب میری طرف دیکھ رہے تھے کہ میں ان کے لیے کون سا حکم جاری کرتا ہوں۔ میں نے رونالٹا سے کہا۔ ''اور تم ان کی سربراہی کرو گے۔ یہ سب تمہاری نگرانی میں حملہ کریں گے۔ تم ان کے سربراہ ہو۔ کمانڈر ہو۔'' پھر میں نے ان میں سے دس بارہ افراد کو اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا اور واپس پہلی والی سمت میں چل پڑا۔ محل کے مرکزی دروازے پر پہنچ کر میں نے کہا۔ ''آپ سب یہاں سے تہہ خانے کے دروازے تک مورچہ بنا لیں۔ اندر سے جو بھی نکلے اس پر حملہ کر دیں۔ لیکن حکم کے بغیر نہیں۔'' پھر میں نے روبیر سے کہا۔ ''تم میرے ساتھ آؤ۔''

روبیر میرے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی تہہ خانے کے دروازے تک آئی۔ میرے ساتھ مجبوری یہ تھی کہ میں ان کی زبان سمجھ تو لیتا تھا مگر بولنے پر قادر نہیں تھا اس لیے ایک ترجمان کو ساتھ رکھتا تھا۔ روبیر کو بھی یہاں تک ترجمانی کے لیے لایا تھا۔ تہہ خانے کے دروازے پر پہنچ کر کہا۔ ''ہم اب دوبارہ اندر نہیں اتریں گے۔ صرف تیسری سیڑھی تک رہیں گے۔ یہاں سے تمہیں چیخ کر کہنا ہے کہ ہم محل کو آگ لگا رہے ہیں۔ اگر کسی کو نکلنا ہے تو وہ اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر باہر آ جائے۔''

''جی اچھا۔'' روبیر بولی۔

''یہ جو روغن کے پیپے ہم اٹھا لائے تھے یہ اب کام آئیں گے۔ انہی میں آگ لگا کر ہم نیچے پھینکیں گے۔'' میں نے روغن سے لبالب بھرے لکڑی کے ڈرموں کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

''لیکن جب آگ بھڑکے گی تو پورا محل لپیٹ میں آ جائے گا۔ پھر ہم باہر کیسے نکلیں گے؟'' روبیر نے سوال کیا۔

''بے فکر رہو۔ ایسا موقع نہیں آئے گا۔'' کہہ کر باہر کھڑے دو آدمیوں کو قریب آنے کا اشارہ دیا۔ جب وہ قریب آ گئے تو میں نے روبیر سے کہا کہ وہ اسے کہے کہ پیپے اٹھا کر یہاں لے آئے۔ روبیر نے میرے الفاظ کا ترجمہ کیا۔ حکم سنتے ہی وہ دونوں پیپے کی طرف دوڑ گئے اور ایک کے بعد ایک پیپے لا کر تہہ خانے کے دروازے پر رکھنے لگے۔ تقریباً چھ پیپے لائے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رُونما ہوا۔

قدرت کا نظام کچھ ایسا حیرت انگیز اور عظیم حکمتوں پر مبنی ہے کہ آدمی کا ذہن اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہاں ایک اتفاق دوسرے اتفاق کا اور ایک واقعہ دوسرے واقعے کا سبب بنتا ہے اس طرح واقعات و اتفاقات کا ایک تسلسل زندگی کا تانا بانا بنتا اور آدمی حالات کے تارِ عنکبوت میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی کچھ ہوا۔

میں ان پیپوں کو اندر دھکیل کر آگ لگانے ہی والا تھا کہ تہہ خانے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص باہر نکلا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یکا یک دروازہ کھلا تھا اس لیے میں آڑ نہ لے سکا۔ وہ بھی تیزی سے باہر آیا تھا اس لیے واپس نہ مڑ سکا اور ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پتھر کے بت بن گئے تھے۔ بس ایک ٹک ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھے جا رہے تھے۔ کمرے میں خاموشی طاری تھی۔ اس خاموشی کو میں نے ہی توڑا۔ ''تم سب اس چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔ یہ روغن کے پیپے دیکھ رہے ہو، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ آگ لگانے کے کام آتا ہے۔'' میں خاموش ہوا تھا کہ روبیر نے ترجمہ کر دیا۔

''تو کیا تم آگ لگاؤ گے؟'' اس نے غرا کر پوچھا۔ ''آگ لگا کر زندہ بھاگ سکو گے؟ پورے آرگون میں ہمارے لوگ ہیں، وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے؟''

''اتنی خوش فہمی ٹھیک نہیں۔ آرگون پر ہمارا قبضہ ہے..... سامیرا اپنی فوج کے ساتھ بڑھتی آ رہی ہے۔ شاید شام تک وہ تخت پر بیٹھی نظر آئے گی۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا ایسی بات ہے۔ اگر تم سچے ہو تو ثبوت بھی دو۔''

''اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا کہ ہم یہاں نظر آ رہے ہیں۔''

''ہمارے وہ دوست جو اوپر سے آئے ہیں۔ ان کے پاس دہاڑنے والے ہتھیار ہیں۔ وہ ایک لمحے میں تم سب کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔''

''اچھی خبر سنائی ہے۔ تمہارے وہ دوست یعنی ڈیوڈ شا کے ساتھی..... ان کے لیے میں کافی ہوں۔ ڈیوڈ کے دو اہم ساتھیوں کو میں نے موت کی نیند سلا دیا ہے۔ یقین کرو اگر ڈیوڈ بھاگ نہ جاتا تو اب تک مارا جاتا۔ میرے آدمی اسے آرگون کے کونے کونے میں تلاش کر رہے ہیں۔''

''اس کے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی ہے جو دیو جتنی طاقت رکھتا ہے۔ ایک ہاتھ سے چار آدمیوں کا گلا دبا سکتا ہے۔ اس کے رہتے کوئی بھی ڈیوڈ شا پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔''

''اسے بھی میں نے زخمی کر دیا ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ میری مدد کے لیے پوری ٹیم اوپر سے آ گئی ہے۔ اور ہمارے پاس آگ برسانے والے دھماکا پیدا کرنے والے ہتھیار بھی ہیں۔ تم سب اسی صورت بچ سکتے ہو کہ شکست تسلیم کر لو۔'' کہتے ہی میں نے اپنے کندھے سے لٹکتی رائفل اتار کر دکھائی۔ ''یہی نہیں اب میں تہہ خانے میں جلنے والا روغن گرانے والا ہوں۔ آگ پورے تہہ خانے میں پھیل جائے گی اور سب جل کر خاک ہو جائیں گے۔''

اس وقت اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اگر تیر اندازوں کا نرغہ نہ ہوتا تو وہ کوئی نہ کوئی چال ضرور چلتا مگر وہ بے بس تھا اس لیے غصے کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ میں نے ترپ کا پتا پھینکا۔ ''اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو واپس نیچے جاؤ اور اپنے ساتھیوں سے کہو وہ سر پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کھلنے والے دروازے سے ایک ایک کر کے باہر نکلیں۔ میں خون خرابہ نہیں چاہتا۔ وقت کم ہے۔ آگ لگانے سے پہلے وہ باہر نکل جائیں۔''

اجازت ملتے ہی وہ تیزی سے نیچے اتر گیا۔ میں نے روبیر کی طرف مڑ کر کہا۔ ''جلدی..... جتنی جلدی ممکن ہو یہاں رہ گئے تمام تیر اندازوں کو لے کر محل کے عقب میں چلی جاؤ۔ میں بھی آ رہا ہوں۔''

حکم ملتے ہی اس نے تیر اندازوں کو ساتھ لیا اور ادھر دوڑ گئی۔ اس کے جاتے ہی میں نے ایک پیپا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیڑھیوں پر انڈیلا۔ سیڑھیاں لکڑی کی تھیں۔ فوراً آگ پکڑ لیتیں اسی لیے میں نے بہت تھوڑا روغن گرایا اور جلتی ہوئی مشعل اندر پھینک کر دروازہ بند کر دیا۔ اس کے اوپر وہیں ایستادہ سنگی مجسمہ کو کھینچ کر دروازے پر رکھا اور بھاگتا ہوا پیچھے پہنچا۔ باقی رہ گئے لوگ بھی میری تقلید میں دوڑ پڑے۔

محل کے عقبی حصے میں پہنچا تو دروازہ کھل رہا تھا۔ میں نے روبیر کو بولنے کا اشارہ دیا۔ اس نے چیخ کر کہا۔ ''ایک ایک کر کے سر پر ہاتھ رکھے باہر آئیں۔۔ کسی کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اگر کسی نے شرارت کی تو انجام موت ہوگا۔''

یہ تمام لوگ وہ تھے جن کی زندگی عیش و عشرت میں گزر رہی تھی۔ انہیں جنگ و جدل سے کیا لینا دینا۔ انہیں اپنی جان زیادہ عزیز تھی اسی لیے ایک آواز پر سب نے سر پر ہاتھ رکھ لیے تھے اور ایک ایک کر کے باہر آنے لگے تھے۔ اس وقت میں سوچ رہا تھا۔ دنیا میں بہت سی باتیں بار بار دوہرائی جاتی ہیں اور جو ماضی میں تھا وہی آج ہے۔ سورج ہر صبح ایک افق سے نکلتا اور ہر شام دوسرے افق میں ڈوب جاتا ہے۔ چاند کے طلوع و غروب کے اوقات اور ستاروں کی گردشیں مقرر ہیں۔ ہوائیں اپنے طے شدہ راستوں پر دھرتی کے آخری کناروں تک چکر کاٹتی ہیں، زمین کی گردش کے ساتھ ساتھ رُتیں بدلتی ہیں۔ موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ 365 دنوں کے چکر میں کبھی سردی کبھی بہار کبھی خزاں کبھی بادلوں کے جمگھٹے اور کبھی جلتے سورج کے نیچے، دھرتی کا سفر جاری رہتا ہے اور دھرتی کے اس سفر میں ہم کائنات کے طبعی عوامل کو ایک یکسانی کے ساتھ رنگ بدلتے اور ایک پڑاؤ سے بار بار گزرتے دیکھتے ہیں۔ ایک ہی عمل یا ایک ہی واقعہ بار بار دوہرایا جاتا ہے۔ اس وقت بھی ماضی کا واقعہ دوہرایا جا رہا ہے۔ سامیرا نے بتایا تھا کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو زبردستی محل سے نکالا گیا تھا۔ آج اسے نکالنے والے یا ان کے ساتھی مجبور ہو کر باہر نکل رہے تھے۔

میں نے روبیر سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے کہے کہ سب ایک طرف جا کر بیٹھ جائیں۔ اس نے میرے الفاظ کو مقامی زبان میں ادا کیا۔ باہر آنے والے ایک گھنے پیڑ کے نیچے جا کر بیٹھنے لگے۔ تقریباً ایک سو ساٹھ افراد باہر آئے تھے مگر ان میں رینالٹ نہیں تھا۔ جب تمام لوگ باہر آ گئے تو میں نے روبیر سے کہا کہ وہ ان سے پوچھے کہ رینالٹ کہاں ہے۔ اس کے قریبی لوگ کہاں ہیں؟

روبیر کے سوال پر ایک آدمی نے کہا کہ وہ تو کب کا محل سے جا چکا ہے۔

''کہاں؟ کدھر گیا ہے؟'' روبیر نے پوچھا۔

''اپنے آدمیوں کے ساتھ وہ شہر کی طرف گیا ہے۔''

یہ خبر دہلا دینے والی تھی۔ رینالٹ کا یوں فرار ہو جانا اچھا نہیں تھا۔ میں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ان تمام لوگوں کو وہاں لے جائے جہاں پہلے سے کچھ قیدی موجود ہیں۔ انہیں بھی قیدی سمجھا جائے پھر کچھ لوگوں کو اندر بھیجا کہ وہ جا کر سیڑھیوں پر لگی آگ کو بجھانے کی کوشش کریں اگر نہیں بجھے تو یوں ہی چھوڑ دیں۔ محل جلتا ہے تو جلنے دیں۔

حکم دے کر میں شہر کی طرف چل پڑا۔ میرے ساتھ روبیر اور راٹون کے علاوہ کچھ اور جانباز بھی تھے۔ میں نے ٹھان لیا تھا کہ ہر حال میں رینالٹ کو گرفتار کرنا ہے۔ تاکہ اس کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ راٹون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور روبیر ساتھ چل رہے تھے۔ وہ دونوں بحث کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ راٹون کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ سامیرا اتنی جلدی قلعہ سے یہاں پہنچ جائے گی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''اتنی طویل مسافت اس قدر پوشیدہ طور پر طے کرنا آسان نہیں ہے۔ کوئی فوج نہیں کر سکتی۔ سامیرا بھی نہیں۔''

''کیوں نہیں کر سکتی؟'' روبیر کا سوال تھا۔

راٹون نے اپنا خیال پیش کیا۔ ''اتنی رازداری سے قلعہ سے آرگان پہنچنا۔ درمیانی چوکیوں کو اس طرح فتح کرنا کہ کسی ایک نفس کو بھی علم نہ ہو پائے بعید از قیاس ہے۔''

''آپ کے یقین نہ کرنے سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا'' روبیر نے جواب دیا۔ ''ہو سکتا ہے سامیرا نے کوئی ایسا راستہ اختیار کیا ہو جو متروک ہے۔ جنگل سے ہو کر گزرتا ہو۔''

''مگر وہ راستہ کتنا دشوار اور خطرناک ہے۔'' راٹون نے کہا۔ ''اسے عبور کرنے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔''

''اسے عام لوگ دشوار سمجھ کر ترک کر سکتے ہیں۔'' روبیر بولی۔ ''مگر سامیرا ناقابلِ تسخیر ہے۔ کسی سے خوفزدہ ہونے والی نہیں اسی لیے تو وہ اتنے عرصے سے رینات کے مقابل کھڑی ہے۔ اس کے حوصلہ کو دیکھ کر ہی برف والے نے اس کی مدد کے لیے اس بہادر آدمی کو ہمارے پاس بھیجا۔'' روبیر کا اشارہ میری طرف تھا۔ میں خاموش سا ایک جانب بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''سب سے اہم بات یہ کہ.....'' روبیر نے مجھ پر نظر ڈال کر کہا۔ ''جو سر سے کفن باندھ لے اس کے لیے راہ کی دشواری یا خطرہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔ سامیرا نے سر سے کفن باندھ لیا ہے۔''

''مگر وہ اکیلی نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ پورا لشکر ہوگا۔ مال و اسباب ہوگا۔ جنگی سامان ہوگا اور جنگل میں اسمار بھی ہیں ہارن بھی ہیں۔ پھر کاٹنے برسانے والے پرندے بھی۔ ان سے مقابلہ کرتے ہوئے بڑھنا ہے جو شاہی فوج سے زیادہ خطرناک ہیں۔ وہ کیسے نمٹ پائے گی؟''

کہیں ایسا نہ ہو کہ راٹون اپنی تاویلات سے روبیر کو قائل کر لے اور پھر دوسرے بھی بزدلی کی راہ پر چل پڑیں۔ اس وقت ہمیں بہادروں کی ضرورت ہے۔ ایک ایک سپاہی اہم ہے۔ یہ جنگ اس وادی کی قسمت کا فیصلہ کرے گی اس لیے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ میرے دل نے سرگوشی کی۔ ''اسے روکنا ہوگا۔ ان کی باتوں میں دخل دینا ہوگا۔''

''کیا تمہیں یقین آتا ہے کہ دوسری دنیا سے کوئی آرگان آ سکتا ہے؟ لیکن میں آ گیا۔ نہ صرف خود آیا بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا۔ اس وقت قلعہ میں میرے دس سے زیادہ دوست موجود ہیں جو سامیرا کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ان کے پاس دہاڑنے والے ہتھیار بھی ہیں جو آگ والے تیر برساتے ہیں۔''

''آپ کو برف والے نے بھیجا ہے تبھی آپ آئے ہیں۔''

''برف والے کی منشا ہے کہ میں سامیرا کی مدد کروں اسی لیے اس نے میرے ساتھیوں کو بھی بھیج دیا۔ جب برف والا یہی چاہتا ہے تو سامیرا کی فتح یقینی ہے۔ کوئی بھی پریشانی اب اسے روک نہیں پائے گی۔''

''اگر برف والا یہی چاہتا ہے تو ایسا ہی ہوگا۔'' اس نے اپنے گال پر خود ہی تھپڑ مار کر کہا۔ یہ دراصل یہاں کا طریقہ کار ہے کہ جب کوئی گناہ سے تائب ہوتا ہے تو وہ اپنے گالوں پر تھپڑ مارتا ہے۔ برف والے کی منشا کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خلاف اس نے سامیرا کو کچھ کہا تھا یہ اس کے خیال میں گناہ کی بات تھی۔

میں اس کے انداز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا مگر یہ مسکراہٹ فوراً ہی حیرت میں بدل گئی کیوں کہ ایک آواز ابھری اور پورے آرگان پر چھا گئی تھی۔ یہ آواز تھی اس نقارے کی جو میں پہلے بھی سن چکا تھا اور میرے ساتھیوں نے بتایا تھا کہ یہ طبل جنگ ہے۔ لیکن اس بار آواز میں ہلکا سا فرق تھا۔ میں نے روبیر کی طرف دیکھا۔ گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ روبیر میری بات فوراً سمجھ گئی۔ اس نے سرگوشی جیسے انداز میں بتایا۔ ''یہ..... یہ شاہی اعلان ہے۔ لگتا ہے کہ رینالٹ اپنے کسی پڑاؤ میں پہنچ گیا ہے جہاں سے یہ اعلان ہو رہا ہے؟''

''اعلان میں کیا کہا جا رہا ہے۔ اس کا کوئی مطلب تو ہوگا؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''تمام سپاہیوں کو حاضر ہونے کا اعلان ہے۔ جنگ کے لیے پیشقدمی ہوگی۔''

''مگر رینالٹ کے سارے سپاہی تو میدانِ جنگ میں ہیں؟''

''ہوسکتا ہے اس نے کچھ فوج یہاں آرگان میں بھی رکھی ہو، وہ انہیں ہی بلا رہا ہے؟''

''اگر یہ بات ہے تو معاملہ پریشان کن ہے۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی ساری فوج میدانِ جنگ میں جا چکی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ جنگ کسی اور طرح سے لڑنا چاہتا ہے۔''

''مجھے خود حیرت ہے کہ ایسا کیسے ہوا؟ ہمارے یہاں جنگ کا ایک اصول ہے۔ اس اصول کے تحت جنگ کے لیے خصوصی فوج ہوتی ہے اور وہی میدانِ جنگ میں جاتی ہے۔ دوسری فوج صرف شہر کا نظم و نسق سنبھالتی ہے۔ یہاں جو فوج تھی وہ لڑنے والی نہیں صرف امن و امان برقرار رکھنے والی تھی۔ لگتا ہے رینالٹ نے دھوکا کیا ہے اور اپنی پوری فوج سامیرا کے مقابلے میں نہیں بھیجی ہے اور اسے کہیں چھپا کر رکھا ہے۔''

''جس کے ساتھ ڈیوڈ شا جیسے لوگ ہوں وہ عیاری سے کام لینا ضروری سمجھتا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ ڈیوڈ شا نے یہ عقل دی ہوگی اور اب وہ اسی کے پاس بیٹھا ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو یہ بہت برا ہوگا۔ تمہارے دشمن کے پاس دہاڑنے والے ہتھیار ہیں جو آگ والے تیر پھینکتا ہے۔ وہ سامیرا کی فوج کو بہت جلد روک لے گا۔ اسے تباہ کر دے گا۔ لگتا ہے ہم ہمیشہ محکوم ہی رہیں گے۔ ظلم و جور سہنا ہماری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔'' روبیر کے لہجے میں درد اتر آیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ عورت بھی کیا چیز ہے۔ جب محبت پر اتر آئے تو سب کچھ بھول جاتی ہے اور جب دھوکا کھا لے تو عقل کے گھوڑے پر سوار ہو جاتی ہے۔ یہی وہ روبیر تھی جو میری موت کی خواہاں تھی۔ سامیرا سے غداری کر رہی تھی۔ مجھے اسی نے رسوا کیا اور صرف اپنی محبت کو پا لینے کے لیے اس نے سب سے دشمنی مول لی۔ پھر جب شامین نے اسے دھوکا دیا تو اب اسے وطن پرستی یاد آ رہی ہے۔

''کس سوچ میں ڈوب گئے؟'' روبیر نے ٹوکا تو میں خیالوں کے بھنور سے باہر آ گیا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

''میں ڈیوڈ شا کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں کہ اس سے کیسے نمٹا جائے؟''

''تمہارے ساتھ برف والے کی مدد ہے۔ اس نے ہی ڈیوڈ شا سے نمٹنے کے لیے تمہارے ساتھیوں کو بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھیجا ہے تو وہی تمہیں فتح بھی دلائے گا کیونکہ وہ عظیم ہے۔ ہمارا محافظ ہے۔''

ساتھیوں کے لفظ نے مجھے سفیر کی یاد دلا دی۔ نامعلوم اس پر کیا گزری وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو گیا ہو۔ وہ یہاں کی زبان سے بھی ناواقف ہے۔ جنگل میں موجود درندوں سے بھی آگاہ نہیں۔ اگر اسمار یا ہارن سے مڈبھیڑ ہو گئی تو وہ کیسے نمٹے گا۔ اس کے پاس ہتھیار تو ہے لیکن گولیاں صحیح مقدار میں ہیں بھی یا نہیں۔ ابھی میں اسی سوچ میں تھا کہ نقارے کی گونج میں ایک واضح فرق آ گیا۔ ایسا فرق کہ میں چونک گیا اور پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''روبیر، اب کون سا پیغام دیا جا رہا ہے؟''

''نقارے پر جو پیغام دیا جاتا ہے یہ ایک الگ علم ہے۔ اس بارے میں مجھے زیادہ علم نہیں لیکن جہاں تک میں سمجھ رہی ہوں وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ پہنچ گئے ہیں لیکن ابھی اور پہنچنا باقی ہیں۔ جو پہنچے نہیں ہیں اب وہ سیدھے میدانِ جنگ میں پہنچیں۔ جنگ کی ابتدا اب ہوا چاہتی ہے۔''

روبیر کی بات نے مجھے مزید دہلا دیا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ریناٹ اب میدانِ جنگ کا رخ کرنے والا ہے۔ یقیناً اس کے ساتھ ڈیوڈ شا ہے جو اسے اکسا رہا ہے۔ جب کہ سفیر نے یہی بتایا تھا کہ سامیرا ابھی قلعہ سے نکل پڑی ہے اور آرگان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یقیناً اس کے ساتھ راجا صاحب اور میرے تمام دوست بھی ہوں گے۔ ڈیوڈ شا کے پاس اگر آتشی اسلحہ ہے تو ان کے پاس بھی ہو گا۔ یہ اور بات ہے کہ ڈیوڈ شا کے پاس جدید ترین اسلحہ ہے۔ مقابلہ ٹکر کا ہے لیکن میں ان سے دور ہوں۔ ان کی مدد کس طرح کروں؟

''کیوں نہ ہم ریناٹ کی جمع ہونے والی فوج پر حملہ کر دیں اس طرح یہ لوگ یہیں الجھ جائیں گے۔''

روبیر نے ایک عقل کی بات سمجھائی تو مجھے ایسا لگا جیسے میرے دماغ کی کھڑکی کھل گئی۔

یہ خیال برا نہیں تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ''تمہیں اندازہ ہے کہ یہ نقارہ کہاں بج رہا ہے۔ ہمیں تیزی سے وہاں پہنچنا ہے۔''

''میں آرگان بہت کم آئی ہوں۔ یہاں کی گلیاں، سڑکیں میرے لیے اجنبی ہیں۔'' روبیر نے جواب دیا۔

''لیکن میں یہاں کی ایک ایک گلیاں ایک ایک علاقہ جانتا پہچانتا ہوں۔'' راٹون نے کہا۔

''تو بتاؤ یہ کہاں سے آواز آ رہی ہے؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''یہ آواز..... سورج والی سمت میں ایک بڑا میدان ہے، مجھے لگ رہا ہے یہ آواز وہیں سے آ رہی ہے۔''

''وہ میدان یہاں سے کتنی دور ہے۔''

''اگر ہم تیز تیز چلیں تو زیادہ دور نہیں ہے۔ آواز بھی صاف ہے۔ یہ نزدیک ہونے کا اشارہ ہے۔''

''چلو دیکھ لیتے ہیں تمہارا اندازہ کتنا صحیح ہے؟'' میں نے مسکرا کر کہا تبھی میرے ذہن میں ایک خیال بجلی سا کوندا اور میں نے پاس کے ایک پیڑ کا جائزہ لیا۔ وہ پیڑ خاصا بلند تھا۔ یوں بھی یہاں کے پیڑ بلندی میں ہمارے یہاں کے پیڑوں سے کافی اونچے ہوتے ہیں۔ وہ پیڑ بھی کافی اونچا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی پھر کہا۔ ''اگر اس پیڑ پر چڑھ کر دیکھا جائے تو اصل مقام کا تعین بہ آسانی ہو جائے گا'' پھر میں نے ان میں سے ایک مضبوط جسامت والے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تم اس پیڑ پر چڑھ سکتے ہو؟''

ابھی میں نے صرف پوچھا تھا لیکن وہ جیسے پہلے سے ہی تیار تھا۔ شاید اس لیے کہ میں نے اسے اہمیت دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ وہ دوڑ کر بندر جیسی پھرتی سے پیڑ پر چڑھتا چلا گیا۔ میں نے اس کی تیزی پر داد دی۔ وہ کافی اوپر پہنچ چکا تھا۔ وہ آواز کی سمت دیکھ ہی رہا تھا کہ عقب سے کچھ لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور ان سب کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ کسی نے گرز اٹھا رکھی تھی۔ کوئی ترکش و تیر کمان کے ساتھ تھا تو کسی کے پاس گوپھند جیسا ہتھیار تھا۔ دیکھنے سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سب سپاہی ہیں۔ وہ یکا یک سامنے آئے تھے اس لیے ہم اپنے آپ کو کسی آڑ میں بھی نہیں کر سکے تھے۔ ہم ان کی نظروں میں آ چکے تھے۔ میں نے راٹون سے کہا۔ ''روبیر کو اشارہ دے کر دوسروں کو بھی ہوشیار کر دو۔''

تقریباً سب ہی اس نئی افتاد پر گھبرا اٹھے تھے۔

''میں انہیں روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب تک میں نہ کہوں کوئی دخل نہ دے کیونکہ میں ابھی شور شرابہ نہیں کرنا چاہتا۔''

''ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ڈنکے کی آواز پر اِدھر اُدھر چھپے تمام سپاہی نکلے چلے آ رہے ہوں گے۔ اس طرح ایک ایک دستے کو روکنا وقت برباد کرنا ہے۔''

''ہم لوگ ایک کھیل کھیلتے ہیں۔ جسے شطرنج کہتے ہیں۔ اس کھیل میں ہم کبھی کبھی پیادے کو اہمیت دے کر شاہ گرا لیا کرتے ہیں۔''

''میں سمجھی نہیں تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ ذرا سوچو..... ان لوگوں نے بھی سن لیا ہوگا کہ ریناٹ شکست تسلیم کر کے تہہ خانے میں چھپ گیا تھا پھر بھی یہ اس کی آواز پر دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے ایسا کیا ہوا کہ یہ لوگ پھر سے جاں نثاری پر تیار ہو گئے ہیں۔''

''بات تو صحیح ہے۔'' راٹون نے کہا۔ ''مگر ہمیں جیسا حکم دیا جا رہا ہے ہمیں وہی کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ برف والے کا نمایندہ ہے۔'' اس نے ایک نزدیکی درخت کی جانب دوڑ لگا دی اور کسی بندر کی سی پھرتی سے وہ اس پر چڑھ گیا۔ باقیوں نے بھی اس کی تقلید کی اور اِدھر اُدھر خود کو چھپانے کی سعی کرنے لگے۔ اتنی دیر میں سپاہی قریب آ چکے تھے۔ میری منشا نہ تھی کہ میں ان سے جھگڑتا اس لیے میں نے اپنے کندھے سے لٹکی گن کو گرا دیا جیسے ہی گن گری میں نے اسے پیروں سے جھاڑیوں کے اندر دھکیل دیا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ سکیں۔ شاید انہوں نے غور نہیں کیا تھا کہ میں نے کوئی چیز نیچے گرائی ہے یا پھر انہوں نے دیکھا ہو تو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ اب وہ بہت قریب آ چکے تھے۔ ان کے جسم پر زرہ بکتر بھی تھی۔ اس سے پہلے میں نے جتنے بھی سپاہی دیکھے تھے سب کے سب وردی میں نظر آئے تھے یہ پہلا دستہ نظر آیا تھا جو زرہ بکتر میں ملبوس تھا۔ یقیناً یہ اہم دستہ تھا۔ مجھے بیچ راستے میں کھڑا دیکھ اس نے پوچھا۔ ''تُو کون ہے اور ہمارے راستے میں کیوں کھڑا ہے۔ کیا تجھے اپنی جان کا خوف نہیں ہے۔ کیوں گھر سے باہر نکلا۔''

میں نے اس کی بات سمجھ تو لی تھی مگر بول نہیں سکا تھا۔ جواب میں کیا کہتا یہ الفاظ میرے پاس نہیں تھے اور نہ میں کسی مترجم سے اپنے جواب کا ترجمہ کرا سکتا تھا۔ اس لیے صرف نفی میں سر ہلا دیا۔ میرے جواب نے اسے سیخ پا کر دیا۔ اس نے کمر سے لٹکتے سنگی خنجر کو نکالا اور اسے میری طرف بڑھا کر پوچھا۔ ''جواب دے تُو کون ہے؟ کیا تو ان لوگوں کا ساتھی ہے جو اوپر سے آئے ہیں۔ جو معبد میں مہمان ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے نفی میں دوبارہ سر ہلا دیا۔ اس بار اس نے خنجر اونچا کیا اور مجھے خوفزدہ کرنے کے لیے اسے ہلایا مگر میں نے پیچھے ہٹ کر خود کو بچالیا۔ میری اس جسارت پر وہ تلملا گیا۔ اس نے بغیر کچھ کہے خنجر چلا دیا۔ اگر میں ہوشیار نہ ہوتا تو اپنے سر سے محروم ہو چکا ہوتا۔ وہ جھنجھلا کر آگے بڑھا۔ باقی سب اپنی جگہ کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ چیختا ہوا خنجر سیدھا کر کے چڑھ دوڑا اور یہی اس کی غلطی تھی۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ بلند ہو۔ میں نے اس آزمودہ داؤ کو آزمایا جسے میں نے اس چائینیز سے سیکھا تھا جو دیکھنے میں کمزور سا تھا لیکن ٹرک خوب جانتا تھا۔ وہی چائینیز جس کے لختِ جگر کو بیتو دل دے بیٹھا تھا۔ میں نے سپاہی کے بلند ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کی کہنی سے قریب دو انگلیوں سے چوٹ ماری۔ یہ داؤ جتنا مشکل ہے اتنا ہی کارگر بھی۔ اگر انگلیوں میں جان ہو تو انگلیاں مقابل کے گوشت میں دھنس جاتی ہیں، وہی ہوا۔ وہ ڈکرا اٹھا۔ اس کی چیخ خاصی بلند تھی۔ یقیناً انگلی صحیح نشانے پر لگی تھی۔ کہنی کے قریب والی رگ پر ضرب پڑی تھی۔ اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا ہوگا۔ خنجر بھی چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا۔

اپنے ساتھی کی چیخ سن کر باقیوں کو بھی ہوش آ گیا۔ وہ سب ایک ساتھ حملہ آور ہوئے۔ ایک ایک کر کے آتے تو بات دیگر تھی لیکن اتنے سارے سپاہی ایک ساتھ آگے بڑھے تھے۔ میں کوئی فولاد کا بنا ہوا تو تھا نہیں۔ کسی کا بھی خنجر میرے جسم میں دھنس سکتا تھا۔ میں نے ان کے حلقہ سے نکلنے کے لیے خود کو زمین پر گرایا اور پھسلتا ہوا دور نکل گیا۔ وہ سب ادھر ہی مڑ گئے۔ اگر میں اس جگہ رکتا تو ایک نہ ایک زخم میرے جسم پر ضرور بن جاتا لیکن میں رکا نہیں پھسلتا چلا گیا۔ کہنیوں کو زمین پر اڑا کر جسم کو آگے دھکیلنا اتنا آسان بھی نہیں۔ مگر پہلے کی مشق کام آئی اور میں ان سے کافی دور ہو گیا۔ ساتھ ہی ساتھ پھرتی سے زمین بھی چھوڑ دی تھی۔ اب میں اٹھ گیا تھا کہ ان میں سے ایک نے منہ سے زوردار آواز نکالی اور میری جانب دوڑا۔ اس کا انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسا کراٹے میں رائج ہے کہ دشمن پر دہشت طاری کرنے کے لیے زوردار آواز نکالو۔ اس کے چیخنے پر میں نے اپنے جسم کو پیروں کے دونوں پنجوں پر اونچا کیا اور جیسے ہی وہ قریب آیا میں نے داہنی جانب چھلانگ لگا دی۔ وہ اپنے زور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ ابھی وہ سنبھلا بھی نہیں تھا کہ میں نے کھڑے کھڑے لات گھما دی۔ جوتے کا نوکیلا سرا اس کی ریڑھ کی ہڈی سے ٹکرایا اور وہ بھد سے زمین پر گر گیا۔ مجھے یقین تھا کہ جس جگہ چوٹ لگی ہے وہ اسے اٹھنے نہیں دے گی۔ نچلا حصہ کچھ دیر کے لیے مفلوج ہو چکا ہوگا۔ اس لیے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر باقی سپاہیوں کو دیکھا۔ اگر بروقت میں اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو گرز کا بھرپور وار میرے جسم پر پڑتا۔ جنگ میں اتفاقات ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اپنی جگہ سے ہٹنا میرے کام آ گیا تھا۔ اب میں جس جگہ تھا وہاں سے میں نے ایک لمبی چھلانگ ماری اور ان سب کے عقب میں چلا گیا۔ ان کے سروں پر سے گزرتے ہوئے میں مکا رسید کرنا نہیں بھولا تھا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ میں اس طرح کا وار کروں گا۔ جس کی گردن سے مکا ٹکرایا تھا وہ بھی زمین پر گر گیا۔ ایک قلیل وقت میں مَیں نے دو بندوں کو فارغ کر دیا تھا۔ باقی رہ جانے والے اپنی اپنی جگہ رک کر مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے للکار کر پھر اچھال بھری۔ یہ طریقہ جنگ ان کے لیے بالکل نیا تھا شاید اسی لیے وہ محوِ حیرت تھے مگر یہ کراٹے کا پسندیدہ انداز سمجھا جاتا ہے جس کی پریکٹس مجھے بہت اچھی طرح تھی۔ وہ سب عام انداز سے لڑنے والے میرے سامنے کہاں ٹکتے ایک کے بعد ایک چار افراد گر چکے تھے۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاک تاک کر نازک حصوں کو نشانہ بنایا تھا۔ مجھے حیرت بھی تھی کہ یہ سب کس قسم کے خاص دستے سے تعلق رکھتے تھے جو صحیح انداز سے لڑنا بھی نہیں جانتے۔ اور یہی میری بھول تھی۔ ذرا سی غفلت کا انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ گوپھن جیسا ہتھیار تھامے ہوئے شخص نے رسّی میں بندھے دھات کے وزنی گولے کو گھما کر مجھے مارا۔ وہ گولا پوری قوت سے میری پیٹھ سے ٹکرایا تھا۔ مجھے اپنی ہڈی چٹختی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ میں زمین پر گرا تھا کہ ایک دوسرا سپاہی خنجر لہراتے ہوئے میری طرف لپکا۔ اس نے وار کرنے کے لیے خنجر بلند کیا تھا کہ خود چھٹک کر گر پڑا۔ پیڑ پر چڑھے بندے نے وہیں سے اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ عین اس پر گرا تھا۔ اس لیے اٹھنا تو درکنار وہ چیخ بھی نہ سکا تھا۔ کودنے والے پر بقیہ سپاہی لپکے تھے کہ اِدھر اُدھر چھپے میرے ساتھی میدان میں آ گئے۔ اب واقعی یہ چھوٹا سا میدان، میدان جنگ بن گیا۔ مگر جو میری چوٹ سے گرے تھے وہ ہنوز بے ہوش تھے۔ اپنے ساتھیوں کی مدد کرنا ضروری تھا۔ میں نے اس جانب دوڑ لگا دی جہاں جھاڑیوں میں اپنی وہ والی گن پھینکی تھی جو میں نے زینی سے حاصل کی تھی۔ ہمارے ساتھیوں نے بھی اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ اور زوردار مقابلہ جاری تھا کہ میں نے گن تلاش کر لی اور اسے ہاتھ میں لیتے ہی ٹریگر دبا دیا۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور وہ سب ہی نہیں خود میرے ساتھی بھی چیخ مار کر گر گئے۔ میں نے اونچی آواز میں کہا۔ ''روبیر انہیں بتاؤ کہ اگر انہوں نے ہاتھ نہیں روکے تو اس ہتھیار کے چلتے تیر ان کے جسموں کو چھلنی کر دیں گے۔''

روبیر نے زمین سے اٹھتے ہوئے میرے الفاظ کا ترجمہ کیا۔ ان سپاہیوں نے اشارے سے بتایا کہ وہ میری بات مانیں گے۔ تب میں نے کہا۔ ''سب اپنے ہتھیار پھینک کر اپنے ہاتھوں کو سروں پر رکھ لیں۔''

روبیر نے فوراً ہی میرے جملے کا ترجمہ کیا جسے سنتے ہی انہوں نے عمل کیا۔ میں نے سب کو ایک قطار میں بیٹھ جانے کا حکم دیا اور پھر روبیر کی مدد سے سولات کرنا شروع کر دیے۔ میں نے پہلا سوال کیا کہ وہ کیوں پہلے نہیں گئے اور اب کیوں جا رہے ہیں تو ان میں سے ایک بولا۔ ''اعلان جنگ سے قبل ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم ایک مخصوص بڑے سے گھر میں چھپ کر رہیں گے اور جب نقارے کی مدد سے پیغام دیا جائے گا تبھی باہر نکلیں گے۔ ہمیں سامیرا کی فوج پر عقب سے حملہ کرنا ہوگا۔''

''مجھے اس کی بات میں وزن لگ رہا ہے۔'' پیڑ پر چڑھنے والے ایمارک نے کہا۔ ''پیڑ سے کافی دور تک نظر آتا ہے۔ سورج والی سمت میں کچھ سپاہی ضرور ہیں اور ادھر سے ہی نقارہ بجنے کی آواز آ رہی ہے لیکن اصل فوج اس جگہ سے بہت دور اپنے ہاتھ پر جمع ہے۔ اسی سمت میں کافی دور سامیرا کی فوج صف بستہ ہے۔''

''وہاں پہنچ کر تم لوگ کیا کرتے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم کافی دور سے گھوم کر سامیرا کی فوج کے عقب میں پہنچتے اور حملہ کر کے افراتفری مچا دیتے۔ ہمارا دستہ یہ سوچ کر جنگ میں حصہ لیتا کہ اسے زندہ بچ کر نہیں آنا ہے۔ شہنشاہ پر قربان ہو جانا ہے۔'' اسی قیدی نے جواب دیا۔

جس نے بھی یہ دستہ تشکیل دیا ہے وہ کافی سوجھ بوجھ والا لگا اس لیے کہ اگر یہ حملہ ہو جاتا تو سامیرا کی فوج کو سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔ خدا جو کرتا ہے وہ بہتر ہی کرتا ہے۔ میں نے مارٹ کو ان قیدیوں کو لے جانے کا حکم دیا۔ مارٹ سے کہا تھا کہ انہیں بھی اسی جگہ رکھا جائے جہاں دیگر قیدی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی فرار ہونے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوشش کرے تو اسے فوراً دھماکا کرنے والے اسلحہ سے ختم کر دینا۔'' مارٹ کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے اپنی داہنی آنکھ دبا دی تھی۔ اگر اسے پہلے سے اس اشارے کا پتا نہ ہوتا تو شاید وہ سمجھ نہ پاتا لیکن معبد میں ہنستے ہوئے میں نے اس اشارے کا ذکر کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ فوراً سمجھ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا:

''جی ہاں، آپ نے جس طرح مجھے سکھایا ہے میں اسی طرح اسے استعمال کر کے ان سب کو موت دے دوں گا۔'' پھر ان قیدیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''چلو..... اب وہی تم سب کی منزل ہے۔''

قیدی کینچوئے جیسے بن گئے تھے۔ بغیر چوں چرا کیے آگے بڑھنے لگے۔ انہیں واپس جاتے ہوئے میں دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ سب مستعد تھے۔ میرے اشارے کے منتظر تھے۔ میں نے انہیں نظروں ہی نظروں میں تولا۔ مارٹ دلیر تھا، پھرتیلا تھا اس کے جانے سے ہمارا ایک اہم سورما کم ہو گیا تھا لیکن مجھے باقی کے لوگوں پر بھی بھروسا تھا۔ وہ بھی وقت پڑنے پر بے جگری سے لڑتے۔ مجھے خوشی تھی کہ جب بھی اور جہاں بھی مجھے دوست ملے بہادر ملے۔ ایسے بہادروں کا ساتھ ہو تو دل سے خوف کم ہو جاتا ہے۔ میں نے ان بہادروں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب چل پڑے۔ ایمارک ہمارا رہنما تھا۔ اس کی رہنمائی میں ہم اسی جانب بڑھ رہے تھے جدھر سے نقارے کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ سب سے آگے وہ تھا، اس کے پیچھے روبیر اور پھر میں اور میرے پیچھے باقی سب۔ ہم احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ پگڈنڈی نما سڑک کے دونوں جانب اونچے اونچے پیڑ تھے۔ میری نظریں درختوں کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ اس لیے کہ میں نے بندر نما مخلوق کی تباہی، خوں آشامی دیکھی تھی۔ کہیں کوئی جھنڈ ادھر بھی نہ ٹپک پڑے اسی خیال سے میں ان درختوں کو دیکھتا ہوا چل رہا تھا۔ میرے قدم سے قدم ملا کر روبیر چل رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ بولی۔ ''یہ کیا بات ہوئی..... خواہ مخواہ یہ لوگ کود گئے۔ انہیں اتنی آسانی سے پکڑ میں آنا تھا تو سامنے آئے کیوں؟''

''یہ نہ کہو..... بہت بڑا کام ہو گیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیسا کام؟''

''ان کی وجہ سے ایک اہم بات معلوم ہو گئی۔ رینالٹ کس طرح حملہ کرنے والا ہے یہ قبل از وقت پتا چل گیا۔ سمجھ لو آدھی جنگ ہم نے جیت لی یعنی اب اس کی یہ والی فوج جسے اس نے اس کام کے لیے محفوظ رکھا تھا اسے میں تباہ کروں گا۔''

''واہ..... اس بارے میں تو میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ واقعی یہ ایک اہم کام ہو گیا۔'' روبیر بولی۔

''اب خاموشی سے آگے بڑھنا ہے۔'' کہہ کر میں نے رفتار تیز کر دی۔ میں جلد سے جلد ریزرو سپاہیوں تک پہنچنا چاہتا تھا۔ کیونکہ قرین قیاس تھا کہ رینالٹ بھی وہیں ہو گا۔ وہاں جتنے بھی سپاہی کیوں نہ ہوں سب کو گرفتار کرنا ہے۔ خون خرابے سے اجتناب کرتے ہوئے سامیرا کی راہ صاف رکھنا ہے اور اگر یہ کام جلدی ہو گیا تو سامیرا کی فوج میں شامل ہو جانا ہے تاکہ اسے تقویت ملے۔ ویسے اس کے ساتھ میری پوری ٹیم ہے جو پوری ایک فوج پر بھاری ہے لیکن اُدھر بھی تو ڈیوڈ شا جیسا عیار و مکار ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ اس والے دستے میں ہے یا فوج کے ساتھ ہے یہ خبر بھی نہیں مل رہی تھی۔ ڈیوڈ کے ساتھ باسو بھی ہو گا۔ سب سے زیادہ خطرہ اسی سے تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیونکہ عام لوگ اس کے سامنے کچھ بھی نہ تھے۔ وہ قوت کا پہاڑ ہے۔ اسے زیر کرنا آسان نہیں ہے۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ وہ میرے چنگل میں پھنس گیا تھا اور اس کا ستارہ بلند تھا کہ وہ میری جکڑ سے فرار بھی ہو گیا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گا۔ اب کسی طور وہ مجھ پر رحم نہیں کھائے گا۔ اپنے آپ میں وہ عجوبہ ہے۔ ویسے یہ دنیا ہی عجائبات سے بھری ہے۔ اس عجیب دنیا میں ہر بات ایک نئی بات ہے۔ اس دنیا میں آنے سے پہلے یہاں کے عجائبات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر واپس جا سکا تو جسے بھی یہاں کے بارے میں بتاؤں گا وہ اسے جھوٹ سمجھے گا۔ ہارن جیسا قوی اور اسمار جیسا پھرتیلا خون آشام درندہ۔ دیکھنے میں مور سے بھی زیادہ خوبصورت پرندہ جس کی ہلاکت خیزی ایسی کہ دنیا دنگ رہ جائے جس کے پروں سے زہریلی سوئی جھڑے اور بھی بہت کچھ۔ جو عجائبات میں ہی شمار ہو سکتا ہے۔ میں انہی سب باتوں پر غور کرتا ہوا بڑھ رہا تھا اور سوچتا جا رہا تھا کہ اگر یہاں سے بحفاظت اپنی دنیا میں پہنچ گیا تو پھر سے وہی شب و روز ہوں گے۔ لیکن نہیں، وہاں اب بھی مرشد علی کا قضیہ باقی ہے۔ اسی کی وجہ سے تو در بدری میری زندگی میں در آئی۔ پتا نہیں مرشد کون سی سازش تیار کر رہا ہو گا۔ کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے مجھے چین نہیں مل سکتا۔ اسی کی وجہ سے تو میری زندگی اس ڈھب پر آئی۔

خیالوں میں ڈوبا میں بڑھا جا رہا تھا کہ ایمارک نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر مجھے روک لیا۔ اس کے روکنے سے میں ماضی کے گرداب سے نکل کر حال میں لوٹ آیا۔

''اب ہمیں احتیاط کرنا ضروری ہے کیونکہ نقارے کی آواز بند ہو گئی ہے۔''

میں نے غور کیا تو واقعی نقارہ بج نہیں رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ ایسی خاموشی جو یہاں کے جنگل کا حصہ ہے۔ کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے موت نے پر پھیلا دیئے ہوں۔ سناٹے کی چادر پھیل گئی ہے۔ میں نے ایمارک سے کہا۔ ''پیڑ پر چڑھ کر دیکھو، اب وہ لوگ کتنی دور ہیں۔ وہاں کیا ہو رہا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ لوگ زیادہ دور نہیں ہیں۔ غور سے سنیں، لوگوں کی باتوں کا ہلکا ہلکا شور سنائی دے رہا ہے۔''

میں نے کان لگا کر سنا مگر میں ان کی طرح خوش سماعت تو تھا نہیں کہ ہلکی سی آواز بھی سن لیتا۔ یہاں کے تقریباً تمام لوگوں کی حس سماعت بہت تیز دیکھی ہے۔ وہ ہلکی سی سرسراہٹ بھی سن لیتے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے سوچا کہ وہ لوگ بھی تو ہماری آواز سن سکتے ہیں اس لیے واقعی ہمیں احتیاط کرنا ہو گا۔ میں نے ایمارک کو دوبارہ اشارہ کیا کہ وہ پیڑ پر چڑھے۔ ایمارک پیڑ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ میں نے اسے روک دیا۔ اس لیے کہ اس پیڑ کا جائزہ لینے کے لیے جیسے ہی میں نے اوپر دیکھا تھا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس لیے کہ شاخوں کے درمیان وہی خوش رنگ پرندہ بیٹھا تھا۔ وہ کسی بھی وقت اُڑ سکتا تھا اور وہ اڑتے ہوئے ہی اپنے پروں کو پھیلاتا ہے جس سے زہریلی سوئیوں جیسے کانٹے برستے ہیں۔ یہ ایک ایسا خطرہ تھا جس سے بچنا بہت ضروری تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اس سے پہلے جتنی بار بھی میں نے اسے دیکھا تھا تو وہ جھاڑیوں میں دبکا ہوا تھا۔ پہلی بار اسے کھلے میں بیٹھے دیکھ رہا تھا۔ گویا وہ اس طرح سکڑا سمٹا بیٹھا تھا جیسے خوفزدہ ہو۔ مگر یہ پرندہ خطرہ محسوس کر کے ہی تو پروں سے نکلنے والی سوئیوں کی بارش کرتا ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ میں اسی پر غور کرنے لگا۔ ایمارک نے اشارے سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔ اس پرندے کو دیکھتے ہی اس پر گویا سکتہ سا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طاری ہوگیا۔اس کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت تھی۔اس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھ کر باقی لوگوں نے بھی اوپر کی طرف دیکھا۔جس جس نے اوپر دیکھا تھا وہ سب اسی کیفیت میں آگئے تھے۔اس خوف کے عالم میں آگے بڑھنا خطرناک تھا اس لیے میں نے واپسی کا اشارہ دیا اور خود بھی مڑ گیا۔میری تقلید میں سب مڑ گئے اور آہستہ روی سے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ان سب کے قدم اتنے آہستہ اٹھ رہے تھے کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ چل رہے ہیں۔تقریباً سب کی نظریں اوپر کی طرف تھیں۔ہر ایک کو یہی خطرہ تھا کہ وہ پرندہ اڑنا نہ شروع کر دے۔مگر وہ اپنا سر پنجوں میں ڈالے بیٹھا رہا۔کافی پیچھے ہٹنے کے بعد میرے ذہن میں ایک خیال نے جنم لیا اور میں رک گیا۔مجھے رکتا دیکھ باقی سب بھی رک گئے۔

''مجھے لگتا ہے کہ ہمیں اس پرندے سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''میں نے سب پر ایک نظر ڈال کر کہا۔

''کیوں.....ایسا کیوں لگ رہا ہے؟''روبیر پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''کچھ دیر قبل یہاں نقارہ بج رہا تھا۔نقارے کی تیز آواز سے جنگل کا ہر چرند پرند خوفزدہ ہوا ہوگا۔ہے نا؟''

''بالکل.....''

''اس کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔یہ کہیں سے آرہا ہوگا۔اس نے نقارے کی گونجدار آواز سنی تو خوفزدہ ہو کر بیٹھ گیا۔اس کا ثبوت اس کے بیٹھنے کا انداز بھی ہے۔''

''بات تو سو فیصد صحیح ہے۔''روبیر چہکی۔پرندے کو دیکھ کر اس پر بھی مردنی چھا گئی تھی مگر میرے ایک جملے نے اس میں زندگی کی رمق دوڑا دی تھی۔وہ گویا پھر سے جی اٹھی تھی۔

''تو ساتھیو،آپ سب آرام سے بیٹھیں۔اب کچھ ہی دیر میں یہ اپنے گھر کی جانب کوچ کر جائے گا۔جس طرح ہم نقارے کی آواز نہ آنے پر محتاط ہوگئے تھے اسی طرح یہ بھی اب اڑنے کے لیے پر تول رہا ہوگا۔بس کچھ دیر کی بات ہے۔''ابھی میرا جملہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ اس پرندے نے اُڑان بھری اور نیچی پرواز کرتا ہوا مغربی سمت میں چلا گیا۔

''آپ کا ہر اندازہ صحیح نکلتا ہے؟''روبیر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔''آپ جیسا بہادر،زیرک اور میٹھی باتیں کرنے والا شخص میں نے پہلے نہیں دیکھا۔''

روبیر پر میری تعریف کرنے کا گویا بھوت سوار ہوگیا تھا۔وہ میری جانب ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ کوئی اور ہوتا تو شہید ہو چکا ہوتا۔مگر اس کی قاتل نگاہوں کا اثر مجھ پر ذرا بھی نہیں پڑا۔میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔''

اس حکم پر روبیر کا منہ بن گیا۔یہ عورتیں بھی نا،دنیا کے کسی خطے کی ہوں مزاجا سب ایک ہوتی ہیں۔اپنی تعریف کرانا خصوصی طور پر پسند ہوتا ہے اور جب ان کی کسی بات کو نظر انداز کر دو تو منہ بنا لینا بھی ضروری سمجھتی ہیں۔گو کہ کئی بار میں نے اسے سمجھایا بھی کہ وہ میری طرف توجہ نہ دے کر ایرٹ پر توجہ دے کیونکہ ایرٹ اس کی چاہت میں پاگل ہے لیکن وہ تو گویا اس کے لیے پتھر کی بن جاتی تھی۔

میں کن انکھیوں سے اس کا ہی جائزہ لے رہا تھا کہ ایمارک بولا۔''آپ نے کہا تھا کہ پیڑ پر چڑھ کر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس مقام کا جائزہ لوں جہاں نقارہ بج رہا ہے۔''

''ارے ہاں..... میں تو بھول ہی گیا تھا۔ کسی اونچے پیڑ پر چڑھ کر ایک نظر دیکھ لو۔ وہاں اب کیا ہو رہا ہے اور کتنے لوگ ہیں۔'' یہ کام ضروری بھی تھا کیونکہ اس طرح ان سے نمٹنے کی پلاننگ عمدہ طریقہ سے کی جا سکتی تھی۔ اندھے کنویں میں تو چھلانگ لگانی نہیں تھی۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا ایمارک کی دی گئی معلومات کی روشنی میں ہی کرنا تھا۔ میری نظریں ایمارک کے ساتھ ساتھ پیڑ کی بلندی کی طرف جا رہی تھیں۔ ایمارک نہایت پھرتی سے پیڑ کی بلندی کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ کافی اوپر پہنچ گیا۔ اس کا رخ اسی طرف تھا جدھر سے نقارے کی گونج سنائی دی تھی۔ ابھی وہ ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک زوردار چیخ بلند ہوئی اور وہ پیڑ کی بلندی سے نیچے گرنے لگا۔ ہم سب گھبرا اٹھے۔ شاید اس کا ہاتھ چھوٹ گیا تھا یا پھر پیڑ پر بیٹھے کسی موذی کیڑے نے اسے کاٹا تھا جس کی وجہ سے اس کا توازن بگڑ گیا اور وہ اوپر سے نیچے گر پڑا۔

ہم سے صرف دس ہاتھ کی دوری پر وہ زمیں پر گرا ہوا تھا۔ اس کے گرد خون کا ایک تالاب سا بنتا جا رہا تھا۔ سب کی نظریں اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ہر ایک کی نظروں میں رحم اور خوف کا ملا جلا تاثر تھا مگر میری نظریں اس پر نہیں اس کے گلے میں اٹکے ہوئے تیر پر مرکوز تھیں۔ یقیناً اسے دور سے کسی تیر انداز نے دیکھ لیا تھا اور تیر چلا دیا تھا۔

اس حادثے پر میں بھی رنجیدہ تھا مگر یہ وقت غم منانے کا نہیں تھا۔ دشمن نے جب تیر چلایا تھا تو وہ اپنے شکار کو دیکھنے بھی آتا ہوگا۔ اس خیال کے تحت میں نے حکم دیا۔ ''جلدی..... جتنی جلدی ہو سکے سب اس راستے کو بھول کر جنگل میں داخل ہو جاؤ۔ اندر پہنچ کر باقی باتیں کر لینا۔''

''مگر ایمارک کی لاش؟'' روبیر نے آبدیدہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ وقت لاش پر غور کرنے کا نہیں ہے۔ خود کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اس نے ایک نیک مقصد کے تحت جان دی ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنا اب ہماری ذمے داری ہے۔'' کہتے ہوئے میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ میرے ساتھ سب ہی آ گئے تھے۔ ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس جگہ سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ کافی اندر آنے کے بعد میں نے سب کو بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ وہ سب رنج و غم سے چُور تھے۔ حکم ملتے ہی بیٹھ گئے۔ میں نے مڑ کر اس طرف دیکھا جدھر سے ہم آئے تھے۔ اس طرف خاموشی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اب تک لاش دیکھنے کے لیے کوئی آیا نہیں ہے۔ اگر آتا تو پیروں کی چاپ یا باتیں کرنے کی آواز ضرور سنائی دے جاتی مگر ادھر گہری خاموشی تھی۔ ایسی خاموشی جو اس جنگل کا خاصہ ہے۔

''اب ہمیں مزید ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ دشمن ہوشیار ہو چکا ہے۔ وہ ہمیں ڈھونڈ رہا ہوگا کیونکہ ہمارے قدموں کے نشان وہاں موجود ہوں گے۔ اسے دیکھ کر وہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ ایمارک اکیلا نہیں تھا۔ اس لیے اب وہ ہمیں ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔'' میں نے تنبیہ کی۔ انہوں نے سر ہلا کر تائید کی۔

''مگر ہمیں رکنا نہیں ہے۔ ہم جس مقصد سے اس طرف آئے ہیں اسے پورا کرنا ہی ہوگا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''ہمیں آپ ہر معرکہ میں ساتھ پائیں گے۔'' ایک نوجوان نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا تو میرا حوصلہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوا ہو گیا۔ مجھے ایسے ہی ساتھیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور مجھے ہر مقام پر ایسے ہی دوست ملتے ہیں۔

''آپ لوگ کچھ دیر آرام کر لیں پھر ہم دوبارہ اپنا سفر شروع کریں گے۔ اس بار ہم زیادہ لمبا چکر کاٹ کر ان کے عقب میں جائیں گے اور اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ لیں گے۔ اس لیے کہ ہم اس بے قصور ایمارک کا خون کسی بھی طرح معاف نہیں کر سکتے۔ زندگی اور موت ساتھ چلتی ہے۔ ہر ایک کو مرنا ہے لیکن بے قصور کی موت کا بدلہ لینا بھی فرض ہے۔'' کہہ کر میں نے سب کے چہرے کا معائنہ کیا۔ آہستہ آہستہ سب کے چہروں پر اطمینان چھا رہا تھا۔ میرا وعدہ ان کے لیے اہمیت رکھتا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں ان کے ساتھی کو لوٹا تو نہیں سکتا مگر اس کا انتقام ضرور لوں گا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہر ایک کو موت آنی ہے مگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو مرنے والے کا غم کم محسوس ہوتا ہے اور غصہ زیادہ اثر دکھاتا ہے۔ ان سب پر بھی غصے کا اثر تھا جو میرے وعدہ کی وجہ سے کم ہو گیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں دشمنوں سے انتقام ضرور لوں گا۔ اسی لیے وہ سب آرام سے بیٹھ گئے۔ روبیر نے پیڑ سے ٹیک لگا لی تھی۔ ایک تو جنگل کا گھنا پن اوپر سے شام اترنے لگی تھی۔ اندھیرے کا گہرا پن پوری طرح سے سیاہ چادر پھیلا چکا تھا۔ لیکن ہم مشعل بھی جلا نہیں سکتے تھے اس لیے کہ روشنی دشمنوں کو متوجہ کر سکتی تھی۔ میں نے ان لوگوں سے کہا۔ ''تم سب آرام کرو۔ میں آس پاس کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔''

ان میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ خود روبیر بھی تھکن کی وجہ سے وہیں لیٹ گئی تھی۔ میں نے اپنے قدم اس جانب بڑھا دیئے جدھر سے ہم آئے تھے۔

اس وقت تو وہاں سے چلے آئے تھے مگر اب ضمیر چین لینے نہیں دے رہا تھا۔ میں تو دشمن کی لاش کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتا مگر حالات کی وجہ سے اپنے دوست کی لاش کو بے یار و مددگار چھوڑ آیا تھا اور اب یہ بات برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اسی لیے میں دبے پاؤں ادھر ہی بڑھنے لگا تھا۔ یہ کوئی پگڈنڈی یا راستہ تو تھا نہیں۔ گھنی جھاڑیوں سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ جھاڑیوں میں کسی بھی قسم کا جانور دبکا ہو سکتا تھا جو خوفزدہ ہو کر حملہ کر سکتا تھا پھر بھی میں بلا خطر آگے بڑھتا رہا۔ خاردار جھاڑیوں کی وجہ سے جسم میں جلن محسوس ہونے لگی تھی پھر بھی میں رکا نہیں۔ آہستہ آہستہ اس جگہ پہنچ ہی گیا جہاں ایمارک کی لاش پڑی تھی۔ میں نے احتیاط کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ لاش اسی طرح پیڑ کے نیچے پڑی تھی۔ یہ حیرت کی بات تھی کہ نشانہ بنانے والا دیکھنے کیوں نہیں آیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جس نے اسے نشانہ بنایا ہے وہ خود بھی سمجھ نہ پایا ہو کہ اس کا نشانہ کس پر تھا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دور سے اسے صحیح نظر نہیں آیا کہ پیڑ پر کون ہے۔ اس نے ایمارک کو خون آشام بندر نما مخلوق سمجھ کر نشانہ لگایا ہو؟ بات کچھ بھی ہو مجھے تو لاش چاہیے تھی۔ میں آگے بڑھا مگر فوراً ہی رک گیا۔ ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ دشمن چالاکی سے کام لے رہا ہو اور اس نے پیروں کے نشانوں سے اندازہ لگا لیا ہو کہ پیڑ کے نیچے کئی آدمی تھے۔ باقی کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ دشمن انتظار میں ہو کہ جیسے ہی لاش کے پاس کوئی آئے اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اور وقت بھی کم تھا۔ خطرہ بھی موجود تھا۔ اس لیے میں نے خود کو زمین پر گرا لیا اور کرولنگ کرتے ہوئے ادھر بڑھنے لگا۔ دھیرے دھیرے میں لاش کے قریب پہنچ گیا۔ میں پوری طرح ہوشیار تھا۔ ذرا سی آہٹ پر میں مقابلے پر اتر آتا۔ ابھی تک میں نے گن استعمال نہیں کی تھی۔ صرف اس ڈر سے کہ دھماکے کی آواز دور تک سنائی دے گی اور رینالٹ کے سپاہی ہوشیار ہو جائیں گے۔ گن کے ساتھ کرولنگ کرنا آسان نہیں پھر بھی میں کرولنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا رہا تھا۔ اب میں نے رسک لینے کا سوچا اور گن کو جسے کندھے سے باندھ رکھا تھا اتار کر ہاتھ میں لے لیا۔

اب تک میں لیٹا ہوا تھا۔ میری نگاہیں چاروں جانب کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ مگر اب تک کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ کچھ کچھ مطمئن ہونے لگا تھا۔ اس لیے اٹھ کر بیٹھا پھر کھڑا ہو گیا۔ پھر بھی کہیں سے کوئی کھٹکا کوئی چاپ سنائی نہ دی تو میں نے گن کو دوبارہ کندھے پر لٹکا لیا اور پھر جھک کر لاش کو اٹھا لیا۔

لاش کو کندھے پر لاد کر میں نے دوڑ لگا دی۔ جھاڑیوں کو پھلانگتا۔ روندتا ہوا میں اس جانب دوڑ رہا تھا جدھر باقی ساتھیوں کو چھوڑ آیا تھا۔ کچھ آگے جانے کے بعد میں نے رفتار سُست کر لی اس لیے کہ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ۔ جھاڑیوں کی ہلچل سے میرے ساتھی مجھے دشمن سمجھ کر تیر چلا سکتے تھے۔

کافی دور آنے کے بعد احساس ہوا کہ میں بھٹک گیا ہوں اس لیے کہ اتنی دیر میں مجھے ان لوگوں تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مگر اب تک وہ سب نظر نہیں آئے تھے۔ میں رک گیا۔ کھڑے ہو کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ان سب کو میں نے کہاں چھوڑا تھا۔ اس اندھیرے میں پتا ہی نہیں لگ رہا تھا۔ انہیں آواز بھی نہیں دے سکتا تھا۔ ایک عجیب سی لاچاری نے گھیر لیا تھا۔ کندھے پر گن تھی اور دونوں ہاتھوں میں ایمارک کی لاش۔ اب میں کدھر جاؤں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ پتے کھڑکھڑائے اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مجھے ایسا لگا جیسے دور کہیں کسی نے سیٹی بجائی ہو۔ میں نے یہاں ابھی تک کسی کو منہ سے سیٹی بجاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ پہلی بار سن رہا تھا۔ اس لیے چونکنا ضروری تھا۔ میں پوری طرح ہمہ تن گوش ہو گیا تھا۔ تاکہ اگر پھر وہ آواز گونجے تو بہ آسانی سن سکوں۔ آواز دوبارہ سنائی دی۔ مگر یہ آواز سیٹی کی نہیں تھی، کچھ مختلف تھی اور بہت ہلکی تھی پھر بھی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کوئی دبے پاؤں چل رہا ہے۔ پیروں کے نیچے آنے والے پتے ہلکی آواز میں احتجاج کر رہے تھے۔ میں نے لاش کو زمین پر رکھ دیا اور گن کو کندھے سے اتار لیا۔ میں ادھر ہی دیکھ رہا تھا کہ داہنی جانب کی جھاڑیاں ہلیں اور کوئی بگولے کی طرح اندھیرے سے نکلا اور بھوت کی طرح لپٹ گیا۔ اس کی جکڑ اتنی سخت تھی کہ میں ہل بھی نہیں پا رہا تھا۔ میری گن بھی گر گئی تھی۔ میں اس کی جکڑ سے نکلنے کے لیے زور لگا رہا تھا اور وہ مجھے پچھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دونوں طرف سے زور آزمائی ہو رہی تھی۔ میں نے اب پاؤں کو استعمال کرنے کا سوچا اور اس کے پیروں میں اپنے پیر پھنسانا ہی چاہا تھا کہ اس نے منمناتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''پتا نہیں یہ جنگلی کیا کھاتے ہیں۔''

اس آواز نے میرے اندر ایک نئی توانائی بھر دی اور میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ ''وہی جو سادی کھلائے کھا لیتا ہوں۔''

میری آواز سنتے ہی وہ اور زور سے چمٹ گیا۔ بلکہ مجھے چوم بھی لیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی زبان بھی چل پڑی۔ ''ظالم ایسی بھی کیا بے رخی۔ میری آمد کا سن کر بھی ملنے کی ضرورت نہ سمجھی۔''

''پہلے مجھے چھوڑ تبھی تو جواب دوں گا۔'' میں نے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا۔

اس نے جکڑ ڈھیلی کرتے ہوئے گلا کیا۔ ''تُو نے بہت ستا رکھا ہے۔ واپس جائے گا نا تو دیکھنا سادی کیسا ستاتی ہے۔''

''ابھی تمہاری سن رہا ہوں تب اس کی بھی سن لوں گا۔'' میں نے خود کو آزاد کراتے ہوئے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا یہ بتائیں کہ ہم سے دوری کی وجہ کیا تھی۔ سفیر سے آپ کی خیریت کی اطلاع ملتے ہی میں بے چین ہو اٹھا تھا۔''

''اگر میں تجھ سے ملنے چلا جاتا تو یہاں معاملہ مزید الجھ جاتا۔ یہ سب باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس وقت تو اطلاعاً عرض ہے کہ یہاں ایک لاش بھی ہے جو میری مدد کرتے ہوئے مارا گیا۔''

''اوہ..... کہاں ہے لاش۔''

''لاش حضور کے قدموں میں پڑی کہہ رہی ہے، چلنے والے ذرا دیکھ کے چل ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔'' میں نے ماحول کو ہلکا رکھنے کی کوشش کی۔

''ابھی دیکھتا ہوں۔'' کہہ کر اس نے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی اور اس سے زمین کا جائزہ لینے کے لیے روشنی ڈالی۔ سامنے ہی ایمارک کی لاش رکھی تھی، اسے دیکھ کر اس نے سوال کیا۔ ''لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیں کہ اس کا کرنا کیا ہے؟''

''دنیا میں تین طریقہ سے مُردوں کے آخری رسومات ہوتی ہیں۔ ہندو جلایا کرتے ہیں۔ پارسی چیل کوؤں کو کھلا دیتے ہیں اور مسلمان و عیسائی اور یہودی دفناتے ہیں۔ ان کے مذہب میں پتا نہیں کیا کرتے ہیں..... لیکن اس وقت یہ میرے مددگار کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے میں تو اسے دفناؤں گا۔''

''تو پھر بسم اللہ۔'' کہہ کر اس نے کمر سے ایک خنجر نکالا اور اسے لہرا کر کہا۔ ''اس کی مدد سے ابتدا کرتے ہیں۔''

''ارے ارے..... کیا اسے پارچوں میں تبدیل کرو گے؟'' میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''یہ میرا خنجر ہے..... اس سے میں دنیا کا ہر کام کرتا ہوں..... یہ دیکھیں۔'' کہہ کر اس نے زمین کھودنا شروع کر دی۔ میں نے بھی ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ زمین نرم تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے خاصہ بڑا گڑھا کھود لیا۔

جب گڑھا اتنا بڑا ہو گیا کہ اس میں ایمارک کی لاش کو لٹایا جا سکے تو ہم نے اسے لٹا کر اوپر سے مٹی ڈال دیا۔ اس کام سے فرصت پا کر میں نے پوچھا۔ ''اب بتاؤ تم اکیلے کیا کر رہے ہو۔ باقی سب کہاں ہیں؟''

''میں مقابل فوج کا جائزہ لینے نکلا تھا کہ نقارے کی آواز سنی۔ حیرت ہوئی کہ نقارہ فوجی پڑاؤ سے دور بج رہا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں یہی دیکھنے چلا آیا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔''

''میرے ساتھ بھی کچھ لوگ ہیں۔ میں ان کو ایک جگہ بٹھا آیا ہوں۔ تم اپنے پڑاؤ کی جانب جاؤ اور میں ان کی طرف جا رہا ہوں۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔ صحیح سے باتیں بھی نہیں کر سکا ہوں۔ دل ابھی بھرا بھی نہیں ہے کہ آپ جانے کی ضد کرنے لگے۔''

''عقل جب بٹ رہی تھی تو تم کہاں تھے؟ ہم یہاں پکنک پر نہیں آئے ہیں۔ جتنی جلد ممکن ہو گا ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ اوپر اپنی دنیا میں پہنچ کر جتنا مرضی باتیں کر لینا۔ اب جاؤ اور باقی سب سے کہنا کہ وہ تیاری کر لیں۔ آج ہی ان پر ہم بھرپور حملہ کریں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بڑی جلدی میں ہیں۔ کیا کسی کی یاد ستانے لگی ہے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''تم تو ابھی آئے ہو۔ میں کب سے اس وادی میں پھنسا ہوا ہوں، مجھے کیا اپنوں کی یاد نہیں آئے گی؟ میرا بس چلے تو میں ابھی اور اسی وقت اس وادی سے نکل جاؤں لیکن یہاں سے نکلنے کا نہ تو راستہ معلوم ہے اور نہ کوئی طریقہ۔ یہ برف والا بھی نہ جانے کیا چیز ہے کہ دور بیٹھا ہوا بھی ہمیں پیغام دیتا رہتا ہے۔ ہم اسی کی مدد سے یہاں سے نکل سکتے ہیں اور وہی کوئی راستہ نکالے گا۔''

''برف والے کا کہا تو مجھے یاد آیا..... راجا عمر دراز بھی کسی برف والے کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ بس نام ہی نام سنا ہے۔''

''وہ ایک ایسی پُراسرار ہستی ہے کہ میں اس پر جتنا غور کرتا ہوں اتنا ہی الجھتا جاتا ہوں۔ پتا نہیں کیا چیز ہے۔ خیر یہ بتاؤ تم لوگ آئے کیسے؟''

''مت پوچھیں۔ زندگی کا ہر لمحہ آخری لگ رہا تھا۔ صرف آپ کی محبت تھی کہ ہم برفزاروں میں چلتے رہے..... جب چلے تھے تو ہمارے ساتھ بیس افراد تھے لیکن جب ایک غار میں پہنچے تو صرف وہی لوگ بچے جو اسلام آباد سے چلے تھے۔ باقی سب یعنی تمام پورٹر برف میں دفن ہو گئے۔''

''اس سرد جہنم کو پار کرنا آسان نہیں ہے۔ میں خود بھی کئی بار مرتے مرتے بچا ہوں۔''

''اور ایک راجا عمر دراز ہیں جو بیماری کی حالت میں بھی اس مشقت کو جھیلتے رہے۔''

''راجا صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''مت پوچھیں..... وادی میں آنے کے ساتھ پھر سے جوان ہو گئے ہیں۔ سامیرا نے پتا نہیں کون کون سی جڑی بوٹی استعمال کرائی ہے کہ ان کے چہرے پر چھائی مردنی اب نظر ہی نہیں آتی۔ اس لڑکی میں کمال کا طبیب چھپا ہے۔''

''اوئے احمق..... وہ لڑکی نہیں ہے۔ راجا عمر دراز سے بھی عمر میں بڑی ہو گی۔''

''لیکن وہ تو ایسے اٹھلاتی ہے جیسے الہڑ مٹیار ہے۔''

''عشق نام ہے دماغی خلل کا۔ وہ محترمہ راجا صاحب کے عشق میں پور پور ڈوبی ہوئی ہیں۔ راجا صاحب بھی انہی کی محبت میں کچے دھاگے سے بندھے چلے آئے ہیں۔''

''محبت ان کی، ہم لوگوں کے دماغ میں خلل کیوں پیدا کیا گیا۔'' اس نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

''تمہارے دماغ کے خلل کا سبب میں ہوں۔ تم سب میری محبت میں چلے آئے۔ یہی تو ہوتا ہے۔ انسان کے دل میں محبت کے سوتے نہ پھوٹیں تو زندگی بے رنگ ہو جائے۔ مجھے فخر ہے کہ میرے تمام دوست مخلص ہیں جبھی تو سب اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔''

''بس بس زیادہ مکھن پالش نہیں۔ میں واپس جا رہا ہوں۔ اب یہ بتا دیں کہ رابطے کا ذریعہ کیا ہو گا؟''

''میں نے ڈیوڈ شا کو دیکھا ہے کہ وہ تمام ضروری آلات لے کر آیا ہے۔ کیا تم لوگ بھی ایسا کچھ لے کر آئے ہو جس سے رابطہ کیا جا سکے؟''

''سیٹلائٹ فون سب کے پاس ہے لیکن وہ یہاں آ کر بیکار ہو گیا ہے۔ موبائل کی وجہ سے کسی کو کوئی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ لینے کا خیال ہی نہیں آیا۔ اس کی وجہ سے اب ہم سب پریشان ہیں۔''

''سفیر بتا رہا تھا کہ راجہ صاحب کے پاس سیٹ لائٹ فون ہے جس کا بوسٹر وہ اوپر لگا آئے ہیں۔''

''ہاں ایسا ایک فون ہے تو لیکن وہ بھی بیمار چل رہا ہے۔ کبھی کام کرتا ہے اور کبھی نہیں۔ شاید بوسٹر میں کوئی خرابی آ گئی ہے۔''

''پھر رابطے کا ذریعہ کیا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''ہمارا خیال ہے صدیوں پہلے کے انسان جو طریقہ استعمال کرتے تھے وہی بہتر رہے گا۔ یعنی ایسا کچھ جس سے پیغام رسانی ہو سکے..... ہم ایک دوسرے کے ساتھ اشاروں کے ذریعہ رابطہ کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تم اب جاؤ..... مگر یہ بات یاد رکھنا۔ میں اسی جنگل میں ہوں۔''

''یہ تو سب کو معلوم ہے کہ آپ اسی جنگل میں تشریف رکھتے ہیں۔''

''میرے کہنے کا مطلب ہے کہ اندھا دھند حملہ نہ کرنا ہمارے ساتھی بھی تمہارے مقابلے پر آ سکتے ہیں۔''

''جی، میں سب کو ہوشیار کر دوں گا۔''

''تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ حملے کا طریقہ کیا ہوگا؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہمارے پاس آتشی اسلحہ ہے۔ ہم ایک ہی بار میں پوری فوج کو پیچھے دھکیل دیں گے۔''

''یہ مت بھولو کہ ان کے ساتھ ڈیوڈ شا ہے اور اس کے پاس انتہائی جدید اسلحہ ہے۔''

''میرا نام وسیم ہے..... یہ مت بھولیں میں نے اسلحے کی اسمگلنگ بھی کی ہے۔ دیکھتے رہیں۔ ڈیوڈ شا کے اسلحے میں استعمال کر رہا ہوں گا ہاہاہا۔''

''اچھا اچھا تیس مار خان، اب جاؤ مجھے اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر اس نقارہ والے دستے کو منتشر کرنا ہے۔'' کہہ کر میں مڑ گیا۔ وہ بھی اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے مڑ کر ادھر دیکھا جہاں ایمارک کو دفن کیا تھا۔ موت بھی کتنی ظالم ہے کہ ایک پل میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ زمین انسان کو نگل جاتی ہے مگر خود قائم رہتی ہے۔ کوئی امیر یا غریب، نیک و بد، حاکم ہو یا محکوم پادری پنڈت مولوی، زانی شرابی چور ڈاکو۔ ایک حادثہ سب پر گزرتا ہے۔ موت کا حادثہ، اور یہ حادثہ ایسا ہے جو محبت اور عداوت کے رشتے کاٹ دیتا ہے۔ جب تک آدمی جیتا ہے دھرتی کا پھل اور اناج کھاتا ہے اور جب مرتا ہے، دھرتی اسے کھا جاتی ہے۔ جس طرح زمین اور موسم اپنی طے شدہ منزلوں سے گزرتے ہیں اسی طرح زندگی اور موت کے واقعات بھی ایک ہی مقررہ دائرے میں رُونما ہوتے ہیں۔ ایمارک کچھ دیر پہلے تک ہمارے درمیان قہقہے بکھیر رہا تھا مگر اب موت کی گود میں سو گیا۔ میں اس کے بارے میں سوچتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دور جانے کے بعد احساس ہوا کہ میں واقعی راستہ بھٹک گیا ہوں۔ اس اندھیرے جنگل میں مَیں ان لوگوں کو کیسے تلاش کروں میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر زور سے پکارتا ہوں تو دشمن ہوشیار ہو جائیں گے۔ اب مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ وسیم کو زبردستی کیوں واپس بھیج دیا۔ اسے خدا نے میری مدد کے لیے بھیجا ہوگا اور میں نے اپنی نادانی میں سنہری موقع کو گنوا دیا۔ وہ رہتا تو تلاش میں مدد ہی کرتا، اب کیا کروں یہی سوچ رہا تھا کہ مجھے یاد آیا کہ جس جگہ سے میں جنگل میں داخل ہوا تھا وہاں سرخ پھولوں سے لدے پیڑوں کی بہتات تھی۔ میں نے اندھیرے میں آس پاس کے درختوں کو دیکھنے کی کوشش کی مگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمام پیڑ ہیولوں جیسے لگے۔ جب جنگل میں داخل ہو رہا تھا تب کچھ روشنی تھی اسی لیے پھول نظر آ گئے تھے مگر اب کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ میں نے اندازے سے اس رخ پر چلنا شروع کیا جہاں سے داخل ہوا تھا۔ یہ کوشش بارآور ہوئی اور کچھ ہی دیر میں مَیں جنگل سے باہر نکل آیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ ہم جس جگہ سے جنگل میں داخل ہوئے تھے وہ جگہ دور نہیں تھی۔ اس کی پہچان یہ تھی کہ وہاں خون جمع ہوا تھا۔ جنگل سے باہر بھی اندھیرا تھا لیکن اتنا گہرا نہیں اس لیے خون کا بڑا سا سیاہ دھبہ نظر آ گیا تھا۔ میں اسی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنا رخ ادھر موڑا جدھر سے جنگل میں داخل ہوا تھا پھر میں اندر بڑھتا چلا گیا۔ میں بالکل سیدھ میں چل رہا تھا اس لیے کہ ہم سب سیدھ میں ہی دوڑے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں نے دبی دبی آواز میں پکارا۔

''روبیر.....روبیر۔'' لیکن کوئی جواب نہیں آیا تب میں مزید آگے بڑھا اور پھر آواز لگائی۔ اس بار میری آواز خالی نہیں گئی۔ روبیر نے جواب دیا تھا۔ وہ جواب میں مجھے پکاری تھی۔ میں اس آواز کی سمت بڑھنے لگا۔ اب مجھے وہ بڑی بڑی جھاڑیاں نظر آ گئی تھیں جنہیں پھلانگ کر ہم اس کھلے قطعہ پر پہنچے تھا جہاں وہ سب آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئے تھے۔ میں اس جھاڑی کو ہٹا کر دوسری طرف پہنچا ہی تھا کہ میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ شاید گوپھن سے وار کیا گیا تھا۔ کسی رسّی میں بندھا دھات سے بنا گولا پوری شدت سے میرے کندھے پر لگا تھا۔ مارنے والے نے سر کا نشانہ لیا ہوگا مگر وار اچٹ گیا تھا اور گولا میرے کندھے سے ٹکرایا تھا۔ یہ ایسی چوٹ تھی کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ضرب کھاتے ہی زمین پر گرتا اور بے ہوش ہو جاتا۔ میں گرا ضرور تھا لیکن بے ہوش نہیں ہوا تھا اور گرتے ہی قلابازی کھا کر دور چلا گیا تھا۔ حملہ کرنے والے نے دوبارہ حملہ کیا مگر اس بار میں ہوشیار تھا، اس کا وار بچا گیا۔ اندھیرا پوری طرح پھیلا ہوا تھا۔ حملہ کرنے والا مجھے سایہ جیسا دکھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں، مَیں نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں ایک دو نہیں آٹھ دس مسلح افراد کھڑے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے تمام ساتھیوں کو قیدی بنا رکھا ہے۔

''کون ہو تم لوگ۔'' میں نے پوچھا پھر احساس ہوا کہ وہ میری بات کب سمجھ پایا ہوگا اس لیے میں نے جلدی سے روبیر سے کہا کہ وہ ترجمہ کر دے۔ اس نے ترجمہ کر دیا۔

ان سپاہیوں میں سے ایک نے کہا۔ ''ہم شاہ معظم کے جاں نثار سپاہی ہیں۔ صرف خاص موقع کے لیے ہم باہر آتے ہیں۔''

''تو سن لو سامیرا آندھی طوفان کی طرح بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ اس کے ساتھ دھما کا کرنے والے ہتھیار بھی ہیں اور برف والا بھی۔ ابھی بھی وقت ہے۔ رینات کا ساتھ چھوڑ کر سامیرا کے ساتھ ہو جاؤ ورنہ برف والا بددعا دے گا اور تمہاری آنے والی نسلیں بھی سزا پاتی رہیں گی۔'' میں نے کڑے لہجے میں کہا۔

روبیر نے ترجمہ کیا تھا کہ وہ غرا کر بولا۔ ''ہم شاہ معظم کے وفادار ہیں۔ ان کا ساتھ دینے کی قسم کھائی ہے۔''

میں سمجھ چکا تھا کہ یہ لوگ برطانوی نائٹوں یا لکھنو کے بانکوں جیسی قسم کے لوگ ہیں جو صرف مرنا اور مارنا جانتے ہیں۔ شاید ان کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ جنگ کے وقت جدھر کا دستہ کمزور پڑ رہا ہو یہ لوگ اس طرف پہنچ کر انہیں کور دیں۔ ان کی طرف سے لڑیں، اس وقت تک لڑیں جب تک ان کے جسم میں جان ہے۔ یہ بالکل سوکھی لکڑی جیسے ہیں۔ جو تڑخ تو سکتی ہے لیکن لچک نہیں دکھائے گی۔ اس کا بس ایک ہی علاج تھا کہ اسے سزا دی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے۔ میں نے لیٹے لیٹے اپنے کندھے سے لٹکی گن کو ٹٹولا۔ گن موجود تھی۔ ایک ہاتھ لمبی یہ آٹو میٹک گن ہلکی بھی تھی اور پٹے کی وجہ سے اب تک پیرہن کی طرح سے ساتھ نبھا رہی تھی۔ میں نے لیٹے لیٹے غیر محسوس طریقہ سے اسے آگے کیا اور پھر سیفٹی کیچ ہٹایا۔ کٹ کی آواز ہوئی لیکن اس کے لیے یہ غیر مانوس آواز تھی اس لیے وہ سمجھ نہ پایا اور میں نے ٹریگر دبا دیا۔ اگر چاہتا تو اس کے سر کی طرف نال کا رخ کر سکتا تھا لیکن میں نے ہوا میں فائر کیا تھا۔ فائر کا دھماکا اسے گھبرا دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ اچھل پڑا تھا وہ کھڑے کھڑے گرا تھا۔ میرے لیے اتنا موقع کافی تھا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی طرف گن تان کر بولا۔ ''تمام لوگ ہتھیار پھینک کر کھڑے ہو جائیں ورنہ یہ دھماکا کرنے والا ہتھیار اس پر آگ والے تیر پھینکے گا۔''

وہ شخص جو اتنی دیر سے بڑی بڑی ہانک رہا تھا ایک فائر ہوتے ہی ایسے چپ ہو گیا جیسے اس کی نانی مر گئی ہو۔ زمین پر پڑا پٹر پٹر دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی بولتی بند ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر چھائے خوف کے لرزتے سائے کو دیکھ کر لطف لیتے ہوئے ڈانٹ کر کہا۔ ''چلو سب ہتھیار پھینک کر کھڑے ہو جاؤ۔''

روبیر نے میرے الفاظ کا ترجمہ کیا۔ اپنے افسر کی حالت دیکھ کر باقی ساتھی بھی ڈر گئے تھے۔ اور وہ سب ہتھیار پھینک کر کھڑے ہو گئے۔ اتنا بڑا مسئلہ چٹکی بجاتے حل ہو گیا تھا۔ اگر یہی واقعہ ہماری دنیا کا ہوتا تو شاید اتنی جلدی لوگ ہتھیار نہ ڈالتے لیکن یہ لوگ کہنے کو سپاہ گری بھی کرتے ہیں لیکن جنگ و جدل سے کوسوں دور ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ امن پسندی ان کی سرشت میں داخل ہے۔ ایک دھمکی میں پسپا ہو جاتے ہیں۔ ان کی فطرت ہمارے حق میں تھی اس لیے میں نے ان کو بھی گرفتار کرنے کا حکم دیا اور سب کے ہاتھوں کو پشت پر باندھ کر ایک بندے کی نگرانی میں انہیں وہیں بھیج دیا جہاں اور بھی قیدی رکھے ہوئے تھے۔

ان سب کے جانے کے بعد میں نے بقیہ لوگوں سے کہا۔ ''وقت بہت برباد ہو گیا۔ سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی جنگ شروع ہو جائے گی اس لیے ہمیں رات میں ہی اس دستے کو منتشر کر دینا ہے۔''

''ہم تیار ہیں۔ ہم تیار ہیں۔'' سب نے ایک ساتھ آواز لگائی۔

''او میرے بھائی اتنی زور سے چیخو گے تو وہ لوگ خود وہاں سے دوڑ کر آ جائیں گے۔'' میں نے کہا تو سب کے سر جھک گئے۔

''سنو اب تمہیں کرنا کیا ہے۔'' میں نے کہہ کر روبیر کی طرف دیکھا۔ وہ میرے قریب کھسک آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ سب کو لے کر دائرے میں آگے بڑھے۔ میں پہلے جاتا ہوں۔

روبیر نے بولنے کی بجائے سر ہلا دیا پھر وہ ساتھیوں سے گفتگو کرنے لگی۔ اس کی آواز نیچی تھی۔ میں نے گن کو ہاتھوں میں تھاما اور آگے بڑھنے لگا۔ میں اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جلد سے جلد حملہ کرنے سے ہمیں کامیابی ملے گی۔ اسی خیال کے تحت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ پیچھے آنے والے احتیاط سے کام نہیں لے رہے تھے۔ وہ جھاڑیوں کو روندتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ جھاڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز رات کی خاموشی میں دور تک سنائی دے رہی تھی۔ اس آواز سے دشمن متوجہ ہو سکتے تھے اس لیے میں نے روبیر سے کہا کہ وہ انہیں سمجھائے کہ احتیاط سے آگے بڑھیں۔ پیروں کے نیچے آ کر چرمرانے والے سوکھے پتوں کی بھی آواز سنائی نہ دے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ سب میرے حکم پر آمنا صدقنا سر جھکا دیتے تھے۔ اب وہ ایک ایک قدم نہایت احتیاط سے اٹھا رہے تھے۔ وہ میدان جس میں شاہی فوج کے اس دستے نے پڑاؤ لگا رکھا تھا وہ سامنے ہی لگ رہا مگر اب احساس ہونے لگا تھا کہ وہ کافی دور ہے۔ اس لیے کہ اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی وہ اتنی ہی دور نظر آ رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جنگل گھنا تھا اور ہمیں ٹیڑھے میڑھے راستوں سے ہو کر گزرنا پڑ رہا تھا۔ پھر جگہ جگہ کھائی بھی آ جاتی تھی جو شاید بارش کے پانی کی وجہ سے بن گئی تھی لیکن یہ یہاں کے لیے موسم گرما تھا اس لیے پانی سوکھ چکا تھا اور وہ بڑے بڑے کنواں جیسی کھائی ہماری رفتار کو سُست کر رہی تھی۔ ہمارا حوصلہ ہمارے ساتھ تھا اس لیے ہم بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اب رات بھی آخری سرحد پر تھی۔ ختم ہونے کے لیے تیزی سے صبح کی طرف بڑھ رہی تھی۔

بالآخر ہم نے جنگلی علاقے کو پار کر لیا۔ اب ہم میدانی علاقے میں آ گئے تھے اور وہاں سے پڑاؤ بہت نزدیک نظر آنے لگا تھا۔ اس منظر نے ہمارے اندر ایک نیا جوش اور ولولہ بھر دیا۔ ہم نے رفتار مزید تیز کر دی اور آہستہ آہستہ ہم پڑاؤ سے قریب ہوتے چلے گئے۔

وہ ایک بڑا سا میدان تھا، اس میدان میں دور دور تک بہت سارے خیمے لگے ہوئے تھے۔ پڑاؤ کے درمیان ایک بڑا سا الاؤ روشن تھا۔ وہ الاؤ یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا جس کے نزدیک کئی ایک بندے بیٹھے تھے۔ الاؤ سے لپلپاتی ہوئی آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ جس کی کانپتی ہوئی روشنی میں منظر کچھ عجیب سا ہو گیا تھا۔ اس زرد روشنی میں خیموں کی پہرے داری کے لیے ٹہلتے ہوئے سپاہی خاصے خوفناک لگ رہے تھے۔ اس لیے کہ ان کے ہاتھوں میں ان کے قد سے زیادہ لمبے نیزے تھے۔ الاؤ کی کانپتی ہوئی روشنی میں ان کے سائے دور تک پھیل رہے تھے۔ چار سے پانچ سپاہیوں کا ایک جتھا ٹہلتا ہوا میدان کے آخری حد تک جاتا پھر لوٹ کر الاؤ کے پاس رک جاتا۔ الاؤ کے گرد بیٹھے سپاہی ان کو اپنی جگہ دے دیتے اور ان کے نیزے لے کر ٹہلنے لگتے۔ میں نے غور کیا، سپاہی ایک بار میں تین چکر لگاتے پھر بیٹھ جاتے اور ان کی جگہ نئے سپاہی لے لیتے خیموں میں کون لوگ ہیں اس کا اندازہ لگ نہیں پایا تھا کیونکہ ابھی تک کسی بھی خیمے کا پردہ اٹھا نہیں تھا۔ جو بھی تھے سب خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ میں نے گنا، کل سترہ خیمے تھے۔ یقیناً ایک خیمے میں چار سے چھ سپاہی یا افسران ہوں گے، اس طرح ان میں ساٹھ سپاہیوں کی موجودگی یقینی تھی۔ اتنے سپاہیوں کو تو میں اکیلے سنبھال سکتا تھا۔ پھر بھی میں نے روبیر سے کہا۔ ''سب مستعد رہیں اور پھیل جائیں۔ جیسے ہی میں آواز دوں ہر جانب سے تیر برسنا چاہیے تاکہ وہ سب گھبرا اٹھیں۔''

روبیر نے انہیں سمجھایا تو وہ سب تیر کو کمان پر چڑھا کر مستعد ہو گئے۔ میں نے ان پر نظر ڈالی اور پڑاؤ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ ابھی کچھ ہی قدم آگے بڑھائے تھے کہ میرا پیر ایک گڑھے میں جا پڑا۔ اس گڑھے میں سوکھے پتے بھرے ہوئے تھے جو میرے وزن سے چرمرا اٹھے۔ آواز خاصی بلند تھی، شاید یہ خاموش فضا کی کارستانی تھی کہ ہلکی سی آواز شور جیسی بلند ہوئی تھی۔ یہ آواز پہرے داروں کی سماعت سے ٹکرائی تو کسی ایک نے للکارا۔ ''کون ہے؟''

الاؤ کی زرد روشنی دور تک پھیل رہی تھی اس لیے میرا چھپے رہنا ناممکن ہی بات تھی۔ پھر بھی میں نے خود کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زمین پر گرالیا تا کہ دور سے دیکھنے والا صحیح اندازہ نہ لگا پائے کہ یہ کوئی نسان ہے یا جانور۔ آواز دینے والا پہرے دار بھی مغالطے میں آ گیا اور وہ حقیقت جاننے کے لیے قریب آنے لگا۔ میں نے وہاں رکنا بے وقوفی سمجھی اور سینے کے بل پیچھے کی طرف کھسکنے لگا۔ وہ جتنا آگے بڑھ رہا تھا میں اتنا ہی پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ہمارے درمیان فاصلے کم نہیں ہو پائے تھے کیونکہ وہ بھی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے نیزے کو بلند کر رکھا تھا جیسے وہ وار کرنا چاہتا ہے۔ میں بھی کمال ہوشیاری سے رینگتے ہوئے پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ میری نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایک قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اتنا آگے بڑھ آیا تھا اور اس کے ساتھیوں نے نوٹس تک نہیں لیا اور اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔ انہوں نے اس سپاہی کو کور دینے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید انہوں نے یہی سمجھا ہو کہ ادھر کوئی جانور ہے جسے بھگانے کے لیے ان کا سپاہی آگے بڑھ رہا ہے۔ سامیرا کے فوجی یہاں تک آجائیں گے اس بارے میں تو انہوں نے سوچا بھی نہ ہوگا۔ ان کے وہم وگمان سے پرے کی بات تھی۔ اگر یہی سپاہی ہماری دنیا کے ہوتے تو باقی کے سپاہی بھی آگے آچکے ہوتے۔ مجھے گھیر چکے ہوتے مگر وہ سب اپنی جگہ کھڑے رہے اور میں پیچھے ہٹتا رہا۔

اب میں اتنی دور آچکا تھا کہ اسے قابو کرنے کی سعی کر سکتا تھا۔ جیسے ہی اس نے درمیان کی جھاڑی پھلانگی میں جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے کھڑا ہوتے دیکھ ٹھٹک گیا۔ اس نے نیزہ اونچا کر کے مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس کے وہم وگمان بھی نہ ہوگا کہ میں اس پر اڑتا ہوا جا پڑوں گا۔ وہ چاروں شانے چت گرا تھا کہ میں نے اس کے سینہ پر سواری گانٹھ لی اور گلا دبانے لگا۔ ہلکا سا ہی دباؤ ڈالا تھا کہ سنگی خنجر تانے روبیر آڑ سے نکل آئی۔ اس نے وار کرنا ہی چاہا تھا کہ میں نے منع کیا۔ ''نہیں اسے مارنا نہیں ہے۔ اس سے پوچھو کہ وہاں کتنے آدمی ہیں۔''

روبیر نے سوال کیا تو میں نے گلے پر دباؤ کم کر دیا۔ مگر وہ بولا نہیں۔ تب روبیر نے پھر اپنا سوال دوہرایا۔ دوسری بار پوچھنے پر اس نے خود سوال کر دیا۔ ''تم لوگ کون ہو؟ یہ آدمی تو باہر سے آیا لگتا ہے۔ لعنت ہے ان لوگوں پر جو باہر سے آدمی بلا رہے ہیں۔''

اس کی بات سن کر میں نے سمجھ لیا کہ وہ شاہی دستے کا سپاہی ضرور ہے لیکن وطن پرست ہے اس لیے میں نے کہا۔ ''دوست، تم نے صحیح کہا۔ ایراٹ نے باہر سے گندے لوگوں کو بلا کر بہت بڑا جرم کیا ہے اسی لیے برف والے نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو باہر سے بلا لیا تا کہ میں ان برے لوگوں پر قابو حاصل کر کے اپنی دنیا میں واپس لے جاؤں۔''

''کیا تم واقعی برف والے کے بلاوے پر آئے ہو؟''

''ہاں میں برف والے کے بلانے پر آیا ہوں اور مجھے خون خرابہ پسند نہیں اس لیے تمہیں آزاد کر رہا ہوں لیکن تم شور نہیں مچاؤ گے اور نہ بھاگنے کی کوشش کرو گے ورنہ یہ لڑکی تمہیں ہلاک کر دے گی۔''

روبیر کی زبانی میرا پیغام سنتے ہی اس نے کہا۔ ''نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ تو میں بھاگوں گا اور نہ ہی شور کروں گا۔ تم نے برف والے کا نام لیا ہے تو ثبوت پیش کرو کہ تم اس کے مہمان ہو۔''

میں نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ کھڑا ہو کر اپنے گلے کو سہلا رہا تھا کہ میں نے اس کے نیزہ کو اٹھا کر اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو تمہارا ہتھیار، اس لیے کہ میرے لیے یہ ایک معمولی کھلونا ہے۔ کیونکہ میرے ساتھ یہ ہے۔'' کہہ کر میں نے گن کو اپنے جسم سے بندھے پٹے سے نکال کر اسے دکھایا۔ ''یہ دھماکا بھی کرتا ہے اور آگ والے تیر بھی برساتا ہے۔''

گن دیکھ کر اس پر رعشہ سا چھا گیا۔ اس نے التجایہ انداز میں کہا کہ اسے سامنے سے ہٹالیں۔ مجھے اس ہتھیار سے خوف آتا ہے۔ اس جیسے ہتھیار نے مجھ سے میرے چار بھائیوں کو چھینا ہے۔

مجھے یہ آدمی بہت کام کا لگنے لگا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا انہیں ان لوگوں نے قتل کیا جو رینالٹ کے ساتھ ہیں؟''

''جی ہاں۔'' اس نے روبیر کی زبان سے میرے الفاظ سنتے ہی کہا۔ ''جی ہاں، میرے بھائیوں کا بس اتنا قصور تھا کہ وہ باہر سے آنے والوں کا حکم نہیں مان رہے تھے۔''

''وہ سب برے لوگ ہیں اور انہیں رینالٹ نے بلایا ہے۔ ایک ایسا شخص جو وطن دشمن ہو، اپنے ہی عوام پر ظلم ڈھا رہا ہو، تم ایسے شخص کے لیے لڑنے آئے ہو؟'' میں نے اس کی غیرت کو للکارا۔

''میں پہلے دل سے شہنشاہ معظم کے ساتھ تھا لیکن جب اس نے باہر والوں کو بلا لیا تو میرا دل اس کی طرف سے میلا ہو گیا۔''

''تو پھر ایسا کرو کہ سامیرا کی فوج میں چلے جاؤ۔ وہ لوگ ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔''

''میں خود بھی یہی کرنے والا ہوں۔ جیسے ہی جنگ شروع ہو گی میں بھاگ کر ان کے ساتھ مل جاؤں گا۔''

''تو پھر ویر کیسی تم ابھی ان کے پاس چلے جاؤ۔ میں اپنا ایک آدمی ساتھ کر دوں گا جو تمہیں سامیرا سے ملاقات کرا دے گا۔''

''میں تیار ہوں اس لیے کہ میں نے آتے وقت اپنے گھر والوں کو ارگون کے ایک دور دراز علاقے میں چلے جانے کو کہہ دیا تھا۔ میرے گھر والے اپنے آبائی علاقے میں رہیں گے تو رینالٹ ان سے بدلہ نہیں لے سکے گا۔''

''تو پھر ہاتھ ملاؤ۔ تم ابھی سے سامیرا کی فوج کے سپاہی ہو۔ اب ہم تمہارے پڑاؤ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ تم ساتھ دینے پر تیار ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔''

''بالکل تیار ہوں۔'' اس نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

اتفاقات ہی عروج بخشتے ہیں۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ دشمن کی صف کا ایک سپاہی ہمیں مل گیا۔ اب ہمیں اس پڑاؤ میں موجو افسران کو پہچاننے میں دشواری نہیں ہو گی کیونکہ فتح تو ہمیں ملنے ہی والی ہے۔ ابھی میں اسی سوچ میں تھا کہ روبیر بولی۔ ''کیا میں ساتھیوں کو بلا لوں؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ اب ہم پوری طاقت سے اس دستے پر حملہ کریں گے اور کسی کو فرار بھی نہیں ہونے دیں گے۔ حملے کا طریقہ کار وہی ہو گا جو میں نے پہلے بتایا تھا۔'' میں نے کہا۔

روبیر نے آواز دی تو اِدھر اُدھر دبکے ہوئے تمام ساتھی باہر آ گئے۔ ان سب نے رونکا نامی اس شخص کو گلے سے لگایا پھر ہم سب اسی طرح نصف دائرہ کی صورت میں آگے بڑھنے لگے۔ اب ہم پھر سے اسی مقام پر پہنچ گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے جہاں سے میں نے پسپائی اختیار کی تھی۔ میں نے پڑاؤ پر نظر ڈالی۔ ان کا ایک سپاہی کم ہو گیا تھا۔ وہاں موجود پہرے داروں نے اسے جنگل میں داخل ہوتے ہوئے بھی دیکھا تھا پھر بھی وہاں کوئی ہلچل یا پریشانی نظر نہیں آ رہی تھی۔ تمام پہرے دار اسی طرح اپنی اپنی ڈیوٹی دے رہے تھے، میں نے مڑ کر روبیر سے کہا کہ ''وہ سب کو ہوشیار کر دے جیسے ہی میں کہوں گا وہ سب تیر چلانا شروع کر دیں گے۔''

''جی بہتر ہے۔'' کہہ کر اس نے ساتھیوں تک میرا حکم پہنچایا اور سب آہستہ آہستہ پڑاؤ سے قریب ہونے لگے۔ ہم اتنے قریب پہنچ چکے تھے کہ نیزہ پھینکتے تو کوئی نہ کوئی سپاہی زد میں ضرور آ جاتا۔ میں نے اپنے قریب کھڑے رونکا سے پوچھا۔ ''اس دستے میں کوئی اور بھی ایسا ہے جس کے خیالات تمہارے جیسے ہیں۔''

''ایک دو ہیں لیکن ان کو ابھی میں بلا نہیں سکتا کیوں کہ وہ اس وقت آرام کر رہے ہوں گے۔ ان کی ڈیوٹی صبح کی ہے۔''

''اگر چاہو تو پڑاؤ میں جا کر انہیں بیدار کر کے اپنے ساتھ باہر لے آؤ اس لیے کہ جب ہم حملہ کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ ان سے بات کرنے کا موقع نہ ملے۔''

''نہیں اب میرا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ میں کافی دیر سے باہر رہا ہوں۔ افسران تک یہ بات پہنچا دی گئی ہو گی۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' میں نے کہا اور کچھ مزید آگے بڑھا تبھی ایک پہرے دار نے للکارا۔ ''کون ہے؟ کیا رونکا ہو کیا؟''

میں جواب میں کیا کہتا اس لیے خاموش رہ گیا۔ مجھے دیکھ لیا گیا ہے، اس کا مجھے احساس ہو چکا تھا۔ اسی وقت مجھے للکارنے والے نے مڑ کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور پھر ایک ساتھ کئی آوازیں ابھریں۔ ایسا لگ رہا تھا کئی افراد مل کر سب کو ہوشیار کر رہے ہوں۔ کچھ ہی دیر میں پورے پڑاؤ میں ہلچل سی مچ گئی۔ سپاہی اِدھر سے اُدھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ پھر اُدھر سے کسی نے تیر چلایا تھا جو بالکل میرے قریب سے گزر گیا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ ''تیر چلاؤ۔''

حکم سنتے ہی ہمارے ساتھ آئے لڑاکا دستے نے تیروں کی بارش کر دی۔ اُدھر سے بھی تیر چلنے لگے۔ یہ ایک ایسی جنگ شروع ہو گئی تھی جس کا اختتام سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اُدھر زیادہ لوگ تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ ان پر یکا یک حملہ کروں گا تو وہ سب افراتفری کا شکار ہو جائیں گے مگر ہوا الٹا تھا۔ وہ گویا تیار تھے یا پھر انہیں شبہ تھا کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔ تمام کے تمام سپاہی ڈٹ گئے تھے۔ میں جلد سے جلد اس بے معنی جنگ کا خاتمہ چاہتا تھا۔ اس لیے دوبارہ تیروں کی بارش کا حکم دیا۔ ایک ساتھ تمام تیر اندازوں نے تیر چلائے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اوھر کے سپاہیوں نے تیروں سے بچنے کے لیے بڑے بڑے ڈھال آگے کر لیے ہیں۔ اس طرح مقابلہ کرتے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس لیے مجھے حیرت نہیں ہوئی تھی مگر میری حیرت تب بڑھ گئی جب اُدھر سے تیروں پر کپڑے یا اس قبیل کی کوئی چیز لپیٹ کر اس پر روغن لگا کر آگ والے تیر چلائے جانے لگے۔ یہ طریقہ میں نے سامیرا کی فوج کو سکھایا تھا۔ گویا سامیرا کی فوج میں ان کے جاسوسوں نے وہ طریقہ دیکھا اور اب یہ لوگ اسی طریقہ کو آزما

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے۔ گویا میری بلی ہمیں سے میاؤں کر رہی تھی۔ میں بھی اگر آگ بھڑکانے والے روغن لے کر آتا تو اسی طرح جلتے ہوئے تیران پر پھینک سکتا تھا۔ میں نے ایک اور نئی بات دیکھی۔ اس سے پہلے شاہی فوج جو بڑے بڑے ڈھال استعمال کرتی تھی وہ عام سی لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے تھے مگر اب میں نے مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ ان کے ڈھالوں پر کسی جانور کی موٹی کھال منڈھ دی گئی تھی۔ شاید یہ طریقہ انہوں نے اس لیے اختیار کیا تھا کہ اگر جلتے ہوئے تیر ڈھال سے ٹکرائیں تو ڈھال فوراً آگ نہ پکڑ لے۔ گزشتہ بار جب شاہی فوج سے ٹکراؤ ہوا تھا تو جلتے ہوئے تیروں نے لکڑی کے ڈھالوں کو جلا دیا تھا۔

ابھی تک دونوں طرف سے صرف تیر چل رہے تھے۔ دوبدو جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایسی حالت میں اگر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ یلغار کرتا تو ہمارا ہی نقصان ہوتا کیونکہ وہ سب مورچہ بند ہو گئے تھے۔ میں نے گن کو کندھے سے لٹکے پٹے سے نکالا اور ہاتھ میں لے کر نشانہ سادھنے کی کوشش کی۔ یہ میرا آخری حربہ تھا لیکن میں مخمصے میں تھا کہ گن استعمال کروں یا نہیں۔ اس لیے کہ میرے پاس صرف ایک میگزین تھی۔ اب یہ نہیں پتا کہ اس میگزین میں کتنی گولیاں باقی رہ گئی ہیں۔

میں گن استعمال کرنے پر غور ہی کر رہا تھا کہ عقب سے چیخ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ میرے پیچھے رونکا اور اس کے پیچھے ایک منحنی سا آدمی تھا جو گوپھن میں پتھر رکھ کر پھینکنے کا ماہر تھا۔ بہت بہادر، نہایت جی دار۔ کئی موقعوں پر اس نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ معبد میں بھی اور محل میں بھی۔ ابھی بھی اس کے پھینکے ہوئے پتھر شاہی دستے پر قیامت ڈھا رہے تھے۔ وہ ایسے تاک تاک کر پتھر مار رہا تھا کہ اس کا نشانہ خالی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے کئی دشمنوں کا سر پھاڑ کر اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی تھی لیکن اب وہ خود زمین پر گر کر تڑپ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ دشمنوں کی تیروں کا وہ شکار ہوا ہے۔ اسے سنبھالنے کے لیے دو شخص لپکے۔ یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں بھی اس کی جانب متوجہ ہو جاتا۔ میری ساری توجہ دشمنوں کی طرف تھی۔ ان کے پھینکے ہوئے آگ والے تیر جنگل میں آگ بھڑکانے کا سبب بن رہے تھے۔ میرے ساتھ کل گیارہ لوگ تھے جن میں سے دو پہلے ہی تیر کا شکار ہو چکے تھے اور اب یہ تیسرا بھی کم ہو گیا۔ اتنے کم لوگوں سے میں کیسے فتح پاؤں میں اسی سوچ میں تھا اور ان کے تیر کو آگ بھڑکانے سے پہلے ہی ان کی طرف کمان کے ذریعہ پھینک رہا تھا۔ اس وقت میں خود بھی زمانہ قدیم کا جنگجو بن چکا تھا۔ روغن سے میرے ہاتھ سنے ہوئے تھے۔ شاہی فوج آگ بھڑکانے کے لیے جو تیروں پر روغن لگا کر ہماری طرف پھینک رہی تھی اسے واپس کرتے وقت میں ہاتھ سے ہی اٹھاتا تھا اسی روغن کی وجہ سے میرا ہاتھ چپچپا ہو گیا تھا۔ روبیر بھی مسلسل تیر اندازی کیے جا رہی تھی۔ آسمان پر صبح کاذب کی سفیدی پھیلنے لگی تھی کہ میری نظر رونکا پر پڑی اور میں نے اپنی جگہ سے اچھال بھری۔ اگر ایک سکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو روبیر بھی ہمارا ساتھ چھوڑ چکی ہوتی۔

میں گویا اڑتا ہوا رونکا پر جا گرا تھا۔ یہ تین ہاتھ کی دوری ایک لمحے میں طے کر لی تھی۔ رونکا کے ہاتھ میں سنگی چاقو تھا۔ روبیر ہر جانب سے بے پروا ہو کر کمان کا چلا کھینچ رہی تھی۔ اسی موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رونکا نے اس کی گردن پر وار کرنا چاہا تھا۔ اب میری سمجھ میں آ گیا تھا کہ اب تک جتنے لوگ مرے ہیں وہ اسی کے خنجر کا نشانہ بنے ہیں۔ وہ ہماری ہمدردی حاصل کر کے ہمارے ہی بندوں کو مار رہا تھا۔ اگر آسمان پر سفیدی نہ ہوتی تو یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راز راز ہی رہ جاتا کہ کس کے وار سے بندہ مرا۔ ایسے شخص کو آزاد چھوڑ دینا ظلم ہوتا جس نے میرے تین ساتھیوں کو لقمہ اجل بنایا تھا۔ میں نے بلا جھجک اس کے حلقوم پر اپنا خنجر چلا دیا۔ روبیر پر تو سکتہ چھا گیا تھا کہ وہ ابھی مرنے والی تھی۔

اس کی لاش کو دور پھینک کر میں نے دوبارہ سے پڑاؤ کی طرف دیکھا۔ دونوں طرف کے لوگ اب بہ آسانی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ ادھر سے تیراندازی کرنے والے کھلے میدان میں تھے جب کہ ہمارے تیر انداز جس جگہ تھے وہ جنگل سے قریب جگہ تھی اس لیے وہاں جھاڑیاں اور چھوٹے درخت بے حساب تھے اور انہوں نے خود کو ان میں پوشیدا کر رکھا تھا اس لیے دشمن ان پر صحیح طور سے نشانہ نہیں لگا پا رہا تھا جب کہ ہمارے تیرانداز نشانہ لے کر تیر چھوڑ رہے تھے۔ ادھر جتنے تیرانداز نظر آ رہے تھے اسے دیکھ کر مجھے اطمینان سا ہو گیا تھا۔ میں نے رات میں جو حساب لگایا تھا اس سے بہت کم سپاہی نظر آ رہے تھے مگر جتنے بھی تھے وہ جی دار تھے اور میدان چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ اب میں نے اس جنگ کو اختتام دینے کا سوچا اور اپنی گن کو سنبھال لیا۔ میں نے میگزین چیک کیا۔ اچھی خاصی گولیاں تھیں۔ یوں بھی میں نے بہت کم فائر کیے تھے۔ گن کا کرشمہ دکھانے سے پہلے میں نے روبیر کو آواز دی۔ وہ میرے قریب کی جھاڑی میں دبکی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ وہ کمان سنبھالتی ہوئی باہر آئی، مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ سامنے والوں کا نشانہ نہ بن جائے۔

''جی جناب۔'' اس نے قریب آ کر کہا۔

تھکن اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ اس کا گورا چہرہ مسلسل مشقت کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ خون کی سرخی نے اس کے حسن میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''بولیں..... وقت کم ہے۔ اگر ہم ذرا بھی کمزور پڑے تو وہ لوگ ہمیں موت کی نیند سلا دیں گے۔''

''اب میں بھی تھک گیا ہوں اور اس جنگ کا خاتمہ چاہتا ہوں۔''

''کیسے کریں گے خاتمہ؟ یہ لوگ ''زرگی'' ہیں۔ یہ صرف مرنا مارنا جانتے ہیں۔ ان کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔ مجھے اگر پتا ہوتا کہ یہ زرگی ہیں تو میں آپ کو روک لیتی۔ ان سے ٹکرانے نہیں دیتی۔ ان کے جنگی جنون کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ یہ زرگی ہیں۔''

''زرگی ہیں یا مرغی مجھے کوئی پروا نہیں۔ اندھیرے کی وجہ سے میں مغالطے میں آ گیا تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ ان کی تعداد زیادہ ہے لیکن یہ تو بہت کم ہیں اس لیے میں جو کہہ رہا ہوں اس کا ترجمہ کرو۔ بلند آواز سے ان سے کہو۔''

''جی بولیں۔''

''ان سے کہو کہ اب بھی وقت ہے۔ موت تم سب کے سروں پر رقص کر رہی ہے۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو ظلم اور جبر کے خاتمہ کے لیے ہمارا ساتھ دو۔ سامیرا تمہیں بخش دے گی۔ بس تم لوگ اپنے گناہ دھونے کے لیے اپنے ہتھیار پھینک دو۔ ورنہ اب تم سب پر دہاڑنے والے ہتھیار سے حملہ ہو گا اور تم سب مارے جاؤ گے۔ آگ کے تیر تمہارے جسموں میں سوراخ کریں گے اور تم پر رونے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔''

روبیر نے میرے جملوں کو اپنی زبان سے ادا کیا لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا۔ اس پر ایک ساتھ کئی تیر چلائے گئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔اب میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا تھا۔ میں نے گن سیدھی کی اور بالکل سامنے کھڑے تیرانداز کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ دھماکے سے پورا علاقہ گونج اٹھا۔ وہ گرا تھا کہ میں نے دوسرے پر شست باندھ لی اور اسے بھی گرا دیا۔ پانچ فائر کیے اور پانچ بندے خاک اور خون میں لوٹنے لگے۔ اُدھر سے تیر کا مینہ برسنا بند ہو چکا تھا۔ تیرانداز اب آڑ میں ہو گئے تھے یا دور بھاگ گئے تھے۔ تبھی میں نے روبیر سے کہا۔ ''اب ایک اور کوشش کرو، ان سے کہو کہ اب بھی وقت ہے۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنے ہتھیار پھینک دو ورنہ سب کے سب مارے جاؤ گے اس لیے کہ آگ برسانے والا ہتھیار جاگ چکا ہے۔ اس ہتھیار کا مقابلہ کرنا تم میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔''

روبیر نے چیخ کر جیسے ہی یہ جملہ ادا کیا۔ اُدھر سے خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا۔ ایک ساتھ کئی سپاہی نے چیخ کر کہا۔ ''رحم رحم۔'' پھر کئی کمان اڑ کر میدان میں گرے۔ جسے انہوں نے پھینک کر اشارہ دیا تھا کہ وہ ہتھیار ڈال رہے ہیں۔ میں نے روبیر سے کہا کہ ابھی وہ سامنے نہ آئے۔ اسی طرح جھاڑیوں کے عقب سے کہے کہ تمام لوگ سامنے آ کر بیٹھ جائیں۔ اب ان پر کوئی تیر نہیں چلائے گا۔ دہاڑنے والا ہتھیار بھی نہیں چلے گا۔

روبیر نے جیسے ہی یہ بات کہی ایک ساتھ بہت سے سپاہی خیموں سے نکل نکل کر، جھاڑیوں اور پیڑوں کے پیچھے سے باہر آ گئے۔ اب جو میں نے ان کی تعداد گنی تو حیران رہ گیا۔ سو سے زیادہ ہی لوگ ہوں گے۔ گن کے خوف نے ان سے بہادری چھین لی تھی۔ اگر ہم تیروں سے جنگ کرتے رہتے تو شاید اتنی جلدی کامیابی نہ ملتی۔

اپنے ساتھیوں میں سے تین بہادروں کو ان کی طرف بھیجا کہ وہ جا کر ان سب کے ہاتھ پشت پر باندھ آئیں۔ ہاتھ باندھنے کے لیے ایک پیڑ کی جٹاؤں کو استعمال کیا گیا۔ ان سب کو پیڑ کے لمبے لمبے ریشوں سے جکڑنے کے بعد انہیں قیدی بنانے کے بعد میں نے دو جانبازوں کو حکم دیا کہ وہ انہیں بھی وہیں لے جائیں جہاں ہم قیدیوں کو رکھ رہے ہیں۔

ان سب کو قیدی بنا کر ہم نے بہت بڑی فتح حاصل کر لی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہو گیا تھا۔ اب سامیرا کا لشکر بہت حد تک محفوظ ہو گیا تھا۔ رینالٹ کا پلان فیل ہو چکا تھا کہ سامیرا کا لشکر جب آگے بڑھے گا تو یہ دستہ اس پر عقب سے حملہ کرے گا۔

اگر عقب سے حملہ ہو جاتا تو سامیرا کا بہت نقصان ہوتا۔ فوج افراتفری کا شکار ہو جاتی۔ مجھے تو خوشی تھی ہی مجھ سے زیادہ خوش روبیر تھی۔ اس نے کہا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے۔ سامیرا مجھے معاف کر دے گی نا؟''

''ہاں کیوں نہیں۔'' میں نے اس کا دل بڑھایا۔

''اس کامیابی کے صلہ میں جو کچھ میں مانگوں گی مجھے وہ دے گی نا؟''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''آپ پوچھیں گے نہیں کہ میں کیا مانگوں گی؟'' روبیر نے قاتل نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھوں نے مجھے اس کے دل میں چھپی بات بتا دی تھی لیکن وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں اس کو ٹوکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ بی بی تم سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو۔ جبکہ خود میری زندگی سراب ہے کہ میں دوڑ رہا ہوں، خوشی کی امید پر، جہاں بھی خوشی کی جھلک نظر آتی ہے میں دوڑ پڑتا ہوں اور خوشی ہے کہ وہ روٹھی روٹھی ہی نظر آتی ہے۔ منزل سامنے آتی ہے اور پھر دور ہو جاتی ہے۔ میری زندگی کو سراب بنانے والا مرشد بڑے آرام سے اپنی نئی خانقاہ میں بیٹھا ہو گا اور میں یہاں اپنوں سے دور زندگی کا جوا کھیل رہا ہوں۔ کسی دوسرے کی لڑائی کو اپنا سمجھ کر لڑ رہا ہوں جس کا نتیجہ کسی بھی وقت موت کی شکل میں سامنے آ سکتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں یہاں سے زندہ واپس بھی نہ جا پاؤں۔

مجھے فکر میں غلطاں دیکھ کر اس نے کہا۔ ''کیا سوچنے لگے۔''

وہ خطرناک حد تک میرے قریب آ گئی تھی۔ اسے یہ بھی پروا نہیں تھی کہ کوئی بھی شخص اس جھاڑی کی طرف آ سکتا ہے۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اس پر پھر سے خناس چڑھنے لگا ہے۔ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا اور جھاڑیوں سے نکلتے ہوئے بولا۔ ''ہمیں اب سامیرا کے لشکر کی طرف چلنا چاہیے۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' کہتے ہوئے روبیر نے کمان کو کندھے پر لٹکا کر ترکش کو پیٹھ پر باندھا اور چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ دوسرے لوگ بھی میرے ساتھ چل پڑے۔ ابھی ہم کچھ ہی دور گئے تھے کہ دور سے کسی اُلو کے چیخنے کی آواز آئی اور میں چونک گیا۔ اُلو ایک ایسا پرندہ ہے جو تقریباً ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کہیں اسے خوش قسمتی کا نمایندہ کہا جاتا ہے اور کہیں اسے نحوست کی علامت۔ یہاں اسے کس قسم کا خطاب دیا گیا ہے یہ مجھے معلوم نہ تھا۔ یہاں کے جنگل میں میں نے اُلو نہیں دیکھا تھا۔ مگر اس وقت اس کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ تبھی الو کے چیخنے کی آواز دوبارہ سنائی دی تو میں مسکرا دیا اس لیے کہ میں نے پہچان لیا تھا۔ یہ الو کی آواز نہیں تھی۔ یہ آواز وسیم کی تھی۔ بقول اس کے کہ جب وہ اسلحہ کی اسمگلنگ کرتا تھا تو یہ آواز نکال کر وہ اپنے خریداروں کو بلاتا تھا۔ میں نے منہ میں دو انگلیاں ڈالیں اور ایک تیز سیٹی پورے جنگل میں گونج گئی۔ میں جو چاہتا تھا وہی ہوا۔ ادھر سے بھی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ میری سیٹی اس نے سن لی ہے۔ میں اسی آواز کی سمت بڑھ رہا تھا کہ ایک عجیب بات رُونما ہو گئی۔ میرے بالکل سامنے لمبی لمبی جھاڑیاں تھیں۔ یکا یک ان جھاڑیوں میں ہلچل مچی۔ میں ٹھٹک گیا۔ ابھی ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ جھاڑیوں کے عقب سے ایک ہارن نے چھلانگ لگائی اور بالکل میرے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس عفریت کو دیکھ کر میں سکتے میں آ گیا تھا۔ اس کی خون آشامی، درندگی سے واقف تھا وہ کس قدر انسانوں سے نفرت کرتا ہے۔ اس کا مظاہرہ بھی دیکھ چکا تھا۔ میں نے لاتعداد بار بہادری کے جوہر دکھائے تھے مگر اس وقت خدا گواہ میری ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہری دوڑ گئی تھی۔ کیونکہ ہم دونوں کے درمیان فاصلہ بہت کم تھا۔

○.....❖.....○

وہ گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے اس لیے یہ فاصلہ اس کے لیے کچھ نہ تھا۔ اب میرے پاس اتنا بھی وقت نہیں تھا کہ میں کسی پیڑ پر چڑھ کر خود کو محفوظ کر لیتا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ ہارن کی انسان دشمنی اظہر من الشمس ہے۔ اس سے کس طرح خود کو محفوظ رکھوں اسی پر غور کر رہا تھا لیکن غور کرنے کا بھی وقت کہاں تھا۔ اس لیے کہ اس درندے نے اب غرانا بھی شروع کر دیا تھا۔ شاید وہ پہلے سے ہی غصے میں تھا اس کی وجہ سامنے تھی۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے جسم میں ایک نہیں کئی تیر پیوست تھے جو نشاندہی کر رہے تھے کہ بھٹکتا ہوا اس طرف چلا گیا ہوگا جہاں فوجیں ہیں اور انہوں نے اسے زخمی کر دیا۔

یہ درندہ مقابلے سے فرار نہیں ہوتا۔ آخری وقت تک مقابلہ کرتا ہے جب تک دشمن کو ختم نہ کر دے لیکن اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ خوفزدہ ہے۔ اتنی بڑی فوج دیکھ کر وہ گھبرا اٹھا ہوگا۔ جب تیروں کا مینہ برسا ہوگا تو اس نے فرار ہو جانے میں ہی عافیت سمجھی ہوگی۔ اب مجھے اکیلا دیکھ کر انتقام لینے پر اتر آیا ہے۔ میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ اس نے اپنی فطرت کے مطابق پیروں کو زور زور سے پٹخنا شروع کیا۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے نمٹنے کا بس ایک طریقہ تھا اور میں نے گن سنبھال لی۔ شست باندھی اور ایک کے بعد ایک کئی گولیاں داغ دیں۔ ایک تو دھماکا اور اس کے ساتھ گولیوں کا اس کے جسم میں اترنا۔ وہ چنگھاڑنے کے سے انداز سے چیخا اور گرتا چلا گیا۔

مجھے خطرہ تھا کہ کہیں اس کا کوئی اور ساتھی آس پاس نہ ہو کیونکہ یہ ہمیشہ جوڑے میں نکلتا ہے۔ میں متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ سامنے کی جھاڑیاں ہلیں۔ میں نے گن کا رخ ادھر کر لیا، یہ تو اچھا ہوا کہ ٹریگر دبایا نہیں کیونکہ جھاڑیوں کے پیچھے سے وسیم کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔ وسیم نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اس نے پوچھا۔

''فائر کس پر کیا تھا؟''

''مقتول سامنے پڑا ہے۔'' میں نے اشارے سے دکھایا۔

وسیم نے اس عجیب الخلقت جانور کو دیکھ کر کہا۔ ''یہ ہے کیا؟''

''یہاں کا سب سے خطرناک درندہ۔ انتہائی طاقتور۔ یہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میرے پاس گن موجود تھی ورنہ ابھی تم فاتحہ پڑھ رہے ہوتے۔''

وسیم اس کے پاس بیٹھ کر معائنہ کرنے لگا تھا۔ کبھی اس کے ہاتھ کو دیکھتا کبھی اس کے گھوڑے جیسے جسم کو اور کبھی اس کے سر کو۔

''بھائی میاں اب اٹھ بھی جاؤ۔ اگر اس کا ساتھی کہیں نزدیک ہوا تو وہ بو سونگھتا ہوا آ سکتا ہے۔''

''کاش میرے پاس کیمرا ہوتا تو میں اس کی تصویر کھینچ لیتا۔ اگر ایک آدھ یہاں سے پکڑ کر ساتھ لے چلیں تو کیسا رہے گا۔ دیکھنے والے ٹوٹ پڑیں گے۔''

''بات تو صحیح ہے لیکن اسے قابو میں رکھنا آسان نہیں۔ یہ دس گھوڑوں کی طاقت رکھتا ہے اور انسان سے اسے ازلی بیر ہے۔ یہ انسان کو دیکھتے ہی پل پڑتا ہے اور ایک منٹ میں چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔''

''اس کے بچے تو ہوں گے۔ کسی بچے کو پکڑ لیں گے۔''

''میں نے کہا نا کہ اسے پکڑنا ناممکن سی بات ہے۔''

''میرا دل آ گیا ہے۔ سامیرا کے مسئلے سے نمٹ لیں تو اس پر غور کریں گے۔ جاتے وقت میں ہر حال میں اس قبیل کا جانور لے جاؤں گا۔''

''اچھا اچھا..... یہ بعد کی بات ہے۔ پہلے اُدھر کی خبر سناؤ؟''

''اُدھر کی خبر یہ ہے کہ سامیرا اپنی فوج کو لے کر قلعہ سے نکل پڑی ہے۔ پَو پھٹنے کے ساتھ اس کے سپاہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیار ہو گئے تھے۔ میں اور سفیر دو طرف سے انہیں کور دے رہے ہیں۔''

''راجا صاحب بھی سامیرا کے ساتھ ہیں؟''

''نہیں، انہیں سامیرا نے زبردستی روک دیا ہے۔ وہ قلعہ میں ہی آرام کر رہے ہیں۔ اب یہ بتاؤ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''یوں تو اب دس بھی نہیں ہوں گے لیکن شہر میں اچھی خاصی تعداد میں میرے ہمنوا موجود ہیں۔''

''ایسا کریں کہ کچھ اور لوگوں کو بلا لیں۔ سفیر کے ساتھ آٹھ یا دس بندے ہیں جو تیر کمان سے لیس ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں میں سے کچھ مجھے دینا چاہتا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ آپ کے ساتھ جتنے لوگ ہیں انہیں میرے ساتھ کر دیں اور آپ شہر سے مزید کچھ لوگوں کو بلا لیں۔ ہمارا پلان یہ ہے کہ سامیرا سامنے سے حملہ کرے گی۔ سفیر داہنی جانب میں بائیں جانب سے اور آپ عقب سے۔ گویا ریناٹ کی فوج کو بھاگتے راستہ نہیں ملے گا۔''

''پلان ہی غلط ہے۔ اس طرح ریناٹ کے سپاہی محصور ہو کر رہ جائیں گے اور وہ مجبوری کی حالت میں مقابلہ کو ترجیح دیں گے۔ تم اور سفیر پیچھے چلے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ اپنے تمام ساتھیوں کو کر دیتا ہوں۔ تم سب عقب سے حملہ کرو گے تاکہ جو فرار ہونا چاہے وہ داہنے بائیں سے فرار ہو سکے۔''

''بات تو صحیح ہے۔ میں سفیر کو بلاتا ہوں۔'' کہہ کر اس نے الو کی آواز نکالنا شروع کر دیا۔ ایک بار دو بار کئی بار کے بعد کافی دور سے سیٹی کی آواز آئی۔ میں سمجھ گیا کہ سفیر کافی دور ہے۔ وسیم نے بھی سیٹی کی آواز سن لی تھی۔ اس نے جوابی سیٹی بجائی۔ اُدھر سے بھی سیٹی سنائی دی۔ سفیر کی سیٹی سن کر اس نے کہا۔ ''وہ کافی دور ہے۔ کیسے آئے گا۔ اسے آنے کے لیے واپس سامیرا کے لشکر میں جانا پڑے گا۔''

''میں خود جاتا ہوں۔'' کہہ کر میں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا تاکہ روبیر وغیرہ کو بلا کر وسیم کے ساتھ کر دوں پھر خیال آیا کہ وہ لوگ تو کافی دور ہیں۔ میں وسیم کو ساتھ لے کر اسی طرف چل پڑا۔ کافی دور آنے کے بعد وہ سب نظر آئے۔ سب کے سب آرام سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے، جیسے پکنک پر آئے ہوں۔ میں نے قریب پہنچ کر ان سب سے کہا۔ ''دوستو! بس آخری جنگ کا وقت آ پہنچا ہے۔ سامیرا اپنی فوج کے ساتھ قلعہ سے نکل پڑی ہے۔ اب ہمارا امتحان شروع ہے۔ آپ سب ریناٹ کی فوج کے عقب میں پہنچ جائیں۔ آپ کے ساتھ میرا یہ ساتھی رہے گا۔ ایک اور ساتھی بھی آ رہا ہے۔ یہ دونوں بہادری میں مجھ سے کم نہیں ہیں۔ اب آپ ان کے حکم کے مطابق چلیں گے کیونکہ یہ جنگ کا اصل طریقہ آپ کو بتائیں گے تاکہ آپ کی قسمت میں فتح لکھی جائے۔''

''ہم تیار ہیں۔ ریناٹ کو جہنم پہنچا کر ہم اپنے ملک کو آزاد کرائیں گے۔'' سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔

''آپ میں سے کوئی ایک آدمی آرگون چلا جائے اور وہاں جو دوست موجود ہیں ان میں سے کچھ کو ساتھ لے آئے۔ ان سے کہنا کہ یہ میرا حکم ہے۔''

ان سب کو وسیم کے ساتھ کر دیا۔ روبیر ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی اور میں اس پیر تسمہ پا کو مزید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برداشت کرنے پر تیار نہ تھا۔ بمشکل اسے وسیم کے ساتھ جانے پر تیار کیا۔ وہ سب وسیم کو اپنے ساتھ لے کر اس جانب بڑھنے لگے جہاں سے رینات کی فوج نظر آتی۔ میں نے قلعہ کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے بیک وقت دو قسم کے دشمنوں سے بچنا تھا۔ ایک تو ہارن اور اسمار وغیرہ اور دوسرے رینات کی فوج۔ ان دونوں سے بچتے بچاتے ہوئے میں آگے بڑھنے لگا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ سیٹی سنائی دی۔ آواز قریب کی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ سفیر ہمیں ڈھونڈتا ہوا قریب آ چکا ہے۔ میں نے جوابی سیٹی بجائی۔ میری سیٹی کی آواز کافی بلند تھی۔ ادھر سے جوابی سیٹی سنائی دی اور پھر سفیر نظر آ گیا۔ وہ پورا ربمبو بنا ہوا تھا۔ اس کے کندھے سے دو دو گن لٹک رہی تھیں۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ خوشی سے چیخا۔ ''اوئے یہ تُو ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ وسیم ہے۔''

''میں نے ہی اسے کہا تھا کہ سیٹی بجا کر اطلاع دیتا رہے۔''

''جبکہ مجھے اس طرف کا محاذ سنبھالنا تھا۔'' سفیر نے کہا۔

''وہ پلاننگ ہی غلط تھی۔ چار جانب سے گھر کر تو دشمن لڑ مرنے کو ترجیح دیتا۔ یہ لوگ بس نام کے فوجی ہیں۔ ایک حملے میں بھاگنے کا راستہ تلاش کریں گے اس لیے ان کے دو طرف میں نے جان کر راستہ کھلا رکھا ہے۔ تم ایسا کرو کہ شہر کی طرف نکل جاؤ۔ سیٹی بجاتے ہوئے جانا۔ وسیم جوابی سیٹی بجا کر اپنی پوزیشن بتا دے گا۔ تم اور وسیم مقامی ہمدردوں کے ساتھ مل کر عقب سے حملہ کرنا میں سامیرا کی طرف جا رہا ہوں تاکہ اسے صحیح مشورہ دے سکوں۔''

''جو حکم..... میں تو یہاں تمہاری مدد کے لیے آیا ہوں۔''

''بہت شکریہ جناب کا۔ اب حضور چلتے پھرتے نظر آئیں۔ اور ہاں یہاں کے خطرناک درندوں کو پہچانتے ہو جو انسان کے دشمن ہیں۔ ان سے بچ کر رہنا۔''

''اسمار اور ہارن سے بچ کر رہنے کے لیے سامیرا نے بھی کہا ہے لیکن میں ان درندوں کو پہچانتا ہی نہیں۔''

''درندے صرف درندے ہوتے ہیں۔ ان کی حرکات خود بتا دے گی کہ وہ درندے ہیں۔ اس لیے کسی بھی قسم کے جانور کو دیکھتے ہی گولیاں آزما لینا۔ خاص کر ہارن کو تو سانس لینے کا بھی موقع نہیں دینا۔ وہ انتہا سے زیادہ خطرناک جانور ہے۔''

''جی بہتر ہے۔ اب یہ بھی بتا دیں کہ مجھے کس طرف جانا ہے۔''

''بس سیدھے سیدھے چلتے چلے جاؤ۔ ایک ڈیڑھ فرلانگ کے بعد سیٹی بجا دینا۔ جواب آ ہی جائے گا۔''

سفیر نے شہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ میں نے بھی قلعہ کا رخ کر لیا۔ میں اپنی دھن میں بڑھتا جا رہا تھا۔ میرا ہر موئے تن جاگ رہا تھا۔ ہر طرف سے ہوشیار تھا۔ کیونکہ یہ جنگل خطروں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ بات تو اظہر من الشمس تھی کہ ہارن، اسمار اور دیگر تمام جانور فوج کی پیشقدمی اور نقارے کی آواز سے دور بھاگ چکے ہوں گے پھر بھی کوئی بھولا بھٹکا جانور راہ میں آ سکتا تھا۔ جیسے وہ زخمی ہارن سامنے آ گیا تھا۔

ابھی میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ نقارے کی گونجدار آواز آنا شروع ہو گئی۔ اس آواز میں کیا پیام دیا جا رہا ہے یہ میری سمجھ سے باہر کی بات تھی کہ ایک اور نقارہ بجنے لگا۔ دونوں کا ردھم ایک تھا۔ ایک آواز نزدیک سے سنائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے رہی تھی جب کہ دوسری آواز دور کی تھی۔ دور والی آواز قلعہ کی طرف سے آ رہی تھی اس لیے میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ آواز سامیرا کے سپاہیوں کی جانب سے آ رہی ہے۔ دونوں طرف کے نقاروں کا ردھم ایک تھا یعنی یہ اعلان جنگ ہے۔ اب مجھے اپنی رفتار تیز کرنا تھی۔ میں نے دوڑنے کی حد تک چال تیز کر دی جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا بڑھنے لگا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت طے کر کے میں سامیرا کی فوج میں پہنچ گیا۔ میرے آنے کی خبر تیز رفتاری سے پوری فوج میں پھیل گئی۔ کیونکہ ابھی میں پانی بھی پی نہ پایا تھا کہ ایک سپاہی دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔ ''آپ کو طلب کیا گیا ہے۔'' میں اس کے ساتھ سامیرا کے حضور پہنچ گیا۔ سامیرا نے شفقت بھرے انداز میں مجھے خوش آمدید کہا۔

میں نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا کہ میرا آنا لوگوں کو برا تو نہیں لگے گا کیونکہ میں شہر بدر کیا گیا ملزم ہوں تو سامیرا نے ہنستے ہوئے کہا کہ جنگ میں تمام قانون منسوخ ہو جاتے ہیں۔ پھر میں نے بلایا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ تمہاری سزا منسوخ کر دی گئی ہے۔

میں نے سامیرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''راجا صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟''

''حکیم اپنی دوا آزما رہے ہیں اور پُر امید ہیں۔ تمہاری دنیا کے حکیموں نے انہیں ڈرا دیا ہے لیکن یہاں کے حکیم کا کہنا ہے کہ یہ بیماری زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ حکیم نے خود جنگل سے بوٹیاں ڈھونڈی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کا اثر بھی نظر آ رہا ہے۔''

''خیر یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ جنگ کہاں پر لڑنا ہے۔ پہلے سے کوئی جگہ منتخب کی ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ ریناٹ نے جگہ سوچ رکھی ہو گی۔ تم نے بھی دیکھا ہو گا۔ جہاں پر یہ جنگل ختم ہو رہا ہے اور باغات سے پہلے ایک وسیع و عریض میدان ہے۔''

''ہاں وہ جگہ میں نے دیکھی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے پاس مشرقی سمت میں جو پہاڑ ہے آپ اس پر مورچہ لگائیں۔''

''لیکن ادھر سے تو صرف ایک راستہ اترتا ہے وہ بھی بہت تنگ ہے۔''

''اسی وجہ سے میں نے اس پہاڑی کو منتخب کیا ہے۔ جن دنوں میں اس جنگل میں اکیلا بھٹک رہا تھا اس وقت میں نے اس تنگ درے نما راستے کو دیکھا تھا۔''

''اگر تمہارے خیال میں وہاں مورچہ لگانا بہتر ہے تو یہی صحیح۔'' سامیرا نے میری بات مان لی۔

اس نے پیش قدمی کا بگل بجوا دیا۔ اس کی سپاہ آگے بڑھنے لگی۔ میں نے سپاہ کی تعداد کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ تقریباً دس ہزار کا لشکر ہو گا۔ سب کے سب روائتی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ آگے آگے سامیرا تھی ایک رتھ نما سواری پر سوار۔ اس کے ساتھ سوار سپاہیوں میں سے دو نے ایک قسم کی چھتری سی تان رکھی تھی۔ وہ ایک شان سے آگے بڑھ رہی تھی۔ پہاڑی کی طرف بڑھنے سے اس کی فوج کے افسران حیران تھے کہ بجائے میدان کی طرف جانے کے وہ پہاڑی کی طرف کیوں بڑھ رہی ہے۔ یہ سوال ان سب کی آنکھوں سے عیاں تھا۔ حیرانی ان کے چہروں پر چھائی ہوئی تھی۔ مگر یہ وقت ان سوالات کا نہ تھا اس لیے وہ سب نہ چاہتے ہوئے بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھتے جا رہے تھے۔ کافی اوپر ایک مسطح جگہ پہنچ کر ان سب کو رکنے کا اشارہ دیا گیا۔ وہاں سے میں نے رینالٹ کی فوج پر نظر ڈالی تو حیران رہ گیا کیونکہ سروں کا ایک سمندر تھا جو دور دور تک لہرا رہا تھا۔ میرے اندازے سے بھی بڑی فوج جمع تھی۔ کچھ فوج تو وہ تھی جو بہت پہلے سے آرگون سے باہر نکل کر سامیرا کے لیے چیلنج بنی ہوئی تھی اور کچھ فوجی بعد میں آ کر ملے تھے۔ شہر میں پھیلے دستے بھی شامل ہوتے گئے تھے۔ اس طرح ایک بڑی فوج جمع ہو گئی تھی۔ اس کے مقابلے میں سامیرا کی فوج کچھ بھی نہ تھی۔ دونوں طرف کی فوج پوری تیاری کے ساتھ کھڑی تھی۔ بڑی بڑی ڈھالیں لیکن چوبی۔ لکڑی کی ڈھالیں جن پر تیر روکے جاتے ہیں۔ افسران کے جسم پر لکڑی کے زرہ بکتر۔ ہمارے یہاں کے اسلحوں کے سامنے یہ کاغذ ثابت ہوتے لیکن وہ سب اس میں خود کو محفوظ سمجھتے تھے۔ سامیرا کے افسران بھی اسی قسم کے لباس میں تھے۔ میری داہنی طرف سومرو کھڑا تھا۔ جب میں نے قلعہ کے میدان میں سامیرا کی فوج کی صف بندی کر کے معائنہ کیا تھا اس روز پہلی بار میرا تعارف سومرو سے ہوا تھا۔ سامیرا نے اس درمیانی عمر کے آدمی کا یہ کہہ کر تعارف کرایا تھا کہ یہ فوج کا سربراہ ہے۔ اس وقت بھی وہی فوجیوں کو ہدایت دے رہا تھا۔ میری بائیں طرف کاٹینور تھا۔ اس سے بھی پہلی ملاقات اسی دن اسی میدان میں ہوئی تھی۔ سامیرا نے ہی بتایا تھا کہ وہ تیرانداز دستے کا سربراہ ہے۔ نیزہ بردار دستے کا سربراہ میناٹ بھی قریب تھا اور اس کے ہاتھ میں میرا بنایا ہوا ہتھیار تھا۔ اسے میں نے کلہاڑا بنا کر دیا تھا۔ اس سے کیسے حملہ کیا جاتا ہے یہ بھی بتایا تھا۔ اسے بھی یہ ہتھیار بہت پسند آیا تھا اور اس نے اس کی نقل بنوائی تھی جو اس نے اپنے کئی سپاہیوں میں تقسیم کیے تھے۔ میں نے میناٹ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ اب تک وہ مجھ سے دور دور تھا۔ شاید اسے اپنی غلطی یاد آتی ہوگی کیونکہ جب مجھ پر روبیر نے الزام لگایا تھا تو یہ بھی میرا مخالف ہو گیا تھا۔

میناٹ نے نزدیک آ کر سر کو خم کیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کا سلام لیا پھر سامیرا کے توسط سے پوچھا۔

''تمہارا دستہ پوری طرح تیار ہے نا؟''

''جی ہاں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میرا دستہ آگے بڑھنے کے لیے بے تاب ہے۔''

''اس جنگ میں ہر ایک کا اپنا کردار ہے۔ آپ کا دستہ اشارہ ملتے ہی ٹوٹ پڑے گا۔ کاٹینور کا دستہ پہل کرے گا۔ اس کے تیرانداز آپ کے لیے راستہ صاف کریں گے اور تب آپ آگے بڑھیں گے۔''

''آپ کا حکم حکمِ آخر ہے۔'' اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''آپ کے لیے سنہری موقع ہوگا۔ میں نے اس جگہ کو اس لیے منتخب کیا ہے کہ اوپر آنے کا رستہ بہت زیادہ دشوار ہے۔ اتنے پتلے راستے پر ریلا مار کر سپاہی نہیں آ سکتے۔ ایک ایک دو دو کر کے آئیں گے۔ اس وجہ سے آپ کو بھرپور موقع ملے گا۔''

''میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ میرا دستہ بہت بے جگری سے لڑے گا۔''

''آپ اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھیں لیکن زیادہ آگے نہیں جانا ہے۔ درمیان میں رک جانا ہے تاکہ رینالٹ کے فوجی مقابلہ کرنے آگے آئیں اور آپ کے سپاہی ان کو نشانے پر لے لیں۔''

''اور میرے سپاہی ان کو زندہ واپس نہیں جانے دیں گے۔''

''اب جا کر وہاں صف بندی کر لیں۔'' میرا حکم سنتے ہی وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس گھاٹی کی جانب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھ گیا۔ میں نے مڑ کر کاٹینور سے کہا۔ ''آپ کا دستہ نیم گولائی میں صف بنا لے اور اس صف کے آگے بالکل پہاڑی کے کنارے تقریباً بیس تیرانداز لیٹ جائیں گے۔ جب ان کو اشارہ دیا جائے گا تو وہ بیٹھ کر نشانہ باندھیں گے اور پھر لیٹ جائیں گے۔''

''بالکل صحیح..... ہمارے تیرانداز آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔''

''اپنے تیراندازوں کو آپ جگہ پر متعین کر دیں۔ ادھر سے بگل بجتے ہی حملے میں پہل آپ کا دستہ کرے گا۔''

''جی بہتر۔'' کہہ کر وہ اپنے دستے کی جانب لوٹ گیا۔

سومرو پوری طرح مجھ سے متفق دکھائی دیتا تھا۔ اب تک اس نے ایک بار بھی میری کسی بات کی کاٹ نہیں کی تھی۔ وہ فوج کا سربراہ تھا اس لیے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں خود اس کے قریب پہنچا اور پوچھا۔

''میں نے جو پیش بندی کی ہے اس پر آپ نے اب تک کوئی رائے نہیں دی ہے؟''

''آپ کی پیش بندی سو فیصد درست ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ شاید میں بھی اتنی بہتر پیش بندی نہ کر پاتا۔''

''دو دستے اپنی اپنی جگہ متعین کر دیئے اب ایک اور دستہ چاہیے جو آپ کی نگرانی میں آگے بڑھے گا اور اسی کا کام اہم ہوگا۔ آپ کا دستہ میمنہ پر حملہ کرے گا۔ اور یکا یک سامنے آ کر ٹوٹ پڑے گا تا کہ افراتفری پھیلے۔ ادھر سے میسرہ پر میں خود حملہ کراؤں گا۔ پھر تیرانداز اپنا کام کریں گے گویا ہم رینالٹ کی فوج کو کئی حصوں میں بانٹ دیں گے۔''

''آپ کی پیش بندی یقیناً بہت بہتر ہے۔ ہم سب تعاون کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ رینالٹ کو شکست دینے کے لیے ہم اپنی جانوں کو بھی نچھاور کر دیں گے۔'' سومرو کا لہجہ پُر جوش تھا۔ اس نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے سپاہیوں میں سے کچھ کو منتخب کیا اور پھر انہیں لائحہ عمل بتانے لگا۔ میں واپس سامیرا کے پاس آ گیا۔

''حیرت ہے کہ رینالٹ نے اب تک اعلانِ جنگ کا نقارہ نہیں بجایا۔ کیا دوپہر کے بعد جنگ کرے گا؟'' میں نے سامیرا سے کہا۔

''میں خود بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ وہ اب تک جنگ کا اعلان کیوں نہیں کر رہا ہے۔'' سامیرا نے رینالٹ کی فوج پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اس کی فوج اب تک صف بندی ہی کر رہی ہے۔''

''پھر بھی میں نے اپنے تئیں تیاری کر لی ہے۔ فوج کو تین حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ مینالٹ کا دستہ پہاڑی پر آنے والے راستے کی گھاٹی پر گھات لگائے گا۔ نیزہ بردار دستہ ہے اس لیے اُدھر سے اوپر آنے والے دشمنوں کو وہ اکیلا روکے گا۔ کاٹینور درمیان سے حملہ کرے گا اور تیرانداز دستہ وہ کام کر دکھائے گا جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ سومرو کو میں نے اچانک حملہ کرنے، افراتفری پھیلانے کی ڈیوٹی دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح رینالٹ کی فوج کئی حصوں میں بٹ جائے گی اور تب ہماری فوج پوری قوت سے حملہ کرے گی۔ افراتفری کی وجہ سے رینالٹ کی فوج ہمارے بہادروں کا مقابلہ نہیں کر پائے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہاری عقل تیز ہے تمہارا فیصلہ غلط ہو ہی نہیں سکتا۔'' سامیرا نے ہنس کر کہا پھر کچھ سوچ کر بولی۔''اب مجھے بھی اپنا فرض نبھانا چاہیے۔''

جملہ تمام کر کے وہ ایک اونچی جگہ پر جا کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے ساتھ چل رہے افسران میں سے ایک نے سیٹی جیسی چیز نکالی اور اسے زور سے بجایا۔ تقریباً تمام سپاہیوں کا رخ سامیرا کی طرف ہوگیا۔ اس نے اپنی فوج پر ایک نظر ڈالی پھر پُر جوش انداز میں تقریر کرنے لگی۔''میرے بیٹو! آج تم سب حق کی فتح کے لیے یہاں جمع ہوئے ہو۔ ہم سب ظلم اور جبر، ناانصافی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ تم سب سوچ لو کہ ہماری اولادوں کو ایک ایسا وطن دینا ہے جس میں ظلم و ناانصافی نہ ہو۔ ہمارے ساتھ برف والے کا بھیجا ہوا بہادر ہے۔ اس کی مدد کے لیے برف والے نے اس کے ساتھیوں کو بھی وادی میں بلا لیا ہے۔ اب یہ سب اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے لیکن یہ سب اوپر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ جنگ ہماری ہے۔ ہماری اولادوں کے لیے ہے اس لیے میں چاہوں گی کہ آپ سب بہادری اس طرح دکھائیں کہ یہ باہر والے لوگ بھی مان لیں کہ ہماری مائیں بہادر پیدا کرتی ہیں۔ باہر سے آنے والوں کی وجہ سے۔ برف والے کی دعا سے فتح ہمارا مقدر ٹھہرے گی لیکن شرط یہی ہے کہ تم سب بہادری ثبوت دو ورنہ ہماری آنے والی نسل تک تم پر لعنت کرتی رہے گی کہ ہم بزدلوں کی اولادیں ہیں۔''

سامیرا کی تقریر نے ہر سپاہی میں جوش بھر دیا تھا۔ ہر سپاہی اپنا اسلحہ اونچا کر کے سامیرا کے حق میں نعرے لگانے لگا۔ ان کی آوازوں سے پہاڑوں میں ایسی گونج پیدا ہونے لگی جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ میں نے سامیرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو ایسے جانباز سپاہی ملے ہیں جو آپ کے لیے جانوں کا نذرانہ دینے پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔''

سامیرا نے اپنا نیزہ بلند کیا اور پوری قوت سے ایک نیا نعرہ لگایا جس کا لب لباب یہ تھا کہ فتح ہمارے ہے۔

جواب میں اس کے فوجیوں نے بھی نعرہ لگایا۔ ابھی اس نعرے کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ عین اسی وقت رینالٹ کی فوج میں نقارے پر چوٹ پڑنا شروع ہوگئی۔ یعنی اعلانِ جنگ ہو چکا تھا۔ میں نے ان لوگوں کی جانب دوڑ لگا دی جنہیں اس کام کے لیے چنا تھا کہ میسرا پر حملہ کیا جا سکے۔ میمنہ اور میسرا لشکر کے یہ دو اہم حصے ہوتے ہیں اور میں نے سوچ لیا تھا کہ ان دو کو پہلے نشانہ بنایا جائے تا کہ رینالٹ کی فوج افراتفری کی شکار ہو جائے۔

میں نے گھاٹی کے نزدیک پہنچ کر مینالٹ کے دستے پر نظر ڈالی۔ وہ اس درہ کے درمیان سے گزرتے راستے پر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے آگے چلنے والے نے اپنے ہاتھوں میں ایک پرچم اٹھا رکھا تھا۔ کسی جانور کے چمڑے سے بنا وہ پرچم شاید ان کا نشان تھا یقیناً وہ اونچا ہونے کی وجہ سے رینالٹ کی فوجوں کو بھی نظر آتا ہوگا۔ اسے بڑھتے دیکھ رینالٹ کی فوجوں میں تلاطم پیدا ہوا تھا۔ وہ سب تیزی سے مینالٹ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ان کی تعداد کسی بھی طرح تیس چالیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ بقیہ سپاہی ابھی اپنی جگہ جمے ہوئے الٰہ کارگزاری دیکھ رہے تھے۔ رینالٹ کی آگے بڑھنے والی فوج جس جوش و خروش سے آگے بڑھی تھی یکا یک رکی تھی۔ اس لیے کہ گھاٹی کے نزدیک پہنچ کر انہیں احساس ہوگیا تھا کہ آگے کا راستہ خاصہ دشوار ہے۔ وہ درہ نما

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گہرائی میں تیس سے چالیس گز ہوگی اور چوڑائی میں دس سے بارہ قدم۔اس درہ میں داخل ہونا اتنا آسان نہیں تھا پھر ایک اور دشواری ان کے سامنے تھی کہ جس درے نما راستے کو میں نے منتخب کیا تھا اس کی ایک جانب گہری کھائی تھی اور دوسری جانب دیوار جیسی سپاٹ چٹان جو سیدھی اوپر اٹھتی چلی گئی تھی۔اسی لیے وہ رک گئے تھے۔پھر ان میں سے ایک سپاہی جو افسر لگ رہا تھا اس نے ایک تیغہ جیسا ہتھیار اٹھا رکھا تھا، وہ آگے بڑھا، اس کی تقلید میں کئی اور بھی ساتھ ہو گئے۔وہ اپنے زعم میں تیغہ لہراتا ہوا دوڑا جیسے سامیرا کے اس دستے کو پیس کر رکھ دے گا۔ اس کے ساتھی بھی اسی تیزی سے آگے بڑھے تھے کہ میناٹ کے دستے میں ہلچل ہوئی اور وہ بھی رینات کے دستے کی طرف دوڑے۔دونوں دستے ٹکرائے۔اسلحوں کی جھنکار اور نعروں کی گونج ہوئی اور پھر دونوں دستے ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے۔ایسا لگا جیسے کوئی تشخص نہ رہا ہو۔صرف وردی سے پہچان ہو رہی تھی کہ سپاہی کس طرف کے ہیں۔میناٹ کا دستہ بے جگری سے لڑ رہا تھا۔رینات کے وہ سپاہی جو درے کے باہر تھے وہ بھی پُر جوش ہو کر نعرے لگا رہے تھے۔ہتھیاروں کے ٹکراؤ سے ایک عجب سماں بندھ گیا تھا۔ایسا لگ رہا تھا کہ آج زندگی موت کی بانہوں میں سو کر رہے گی۔ایک بندہ بھی نہ بچے گا۔دونوں طرف ایک جیسا جوش تھا۔لوگ گر رہے تھے۔مر رہے تھے مگر جگہ خالی نہیں ہو رہی تھی۔مرنے والے کی جگہ کوئی دوسرا آ جاتا۔رینات کی فوج اس درے میں سما نہیں پا رہی تھی مگر باہر سے دباؤ برقرار تھا۔پیچھے رہ جانے والے سپاہی درے میں گھسنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ میناٹ کے فوجی بھی بہادری کی تاریخ رقم کر رہے تھے۔ان کا جانی نقصان کم ہو رہا تھا لیکن وہ جواں مردی سے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے۔ان کے ولولے مجھے بھی جوش دلا رہے تھے۔بار بار میرا دل کر رہا تھا کہ میں بھی میدان میں اتر جاؤں۔لیکن یہ بے وقوفی ہوتی اس لیے کہ میرا پلان ہی کچھ اور تھا لیکن کچھ ہی دیر میں مَیں نے محسوس کر لیا کہ رینات کی فوج تجربے کار ہے اور اس کے حملے کی نوعیت الگ ہے اسی لیے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔گو کہ رفتار بہت کم تھی لیکن وہ بڑھ رہے تھے اور میناٹ کے سپاہی پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ اس طرح درے پر ان کا قبضہ ہوتا جا رہا تھا۔گویا وہ کچھ کمزور پڑ رہے تھے۔تب میں نے ان کی مدد کی ٹھانی اور مڑ کر کاٹینور کے دستے کو اشارہ دیا۔اس کا دستہ آگے بڑھا۔وہ سب نیم دائرے میں آگے آئے تھے پھر انہوں نے کمان کھینچ کر نشانہ لیا اور چلے سے تیر اڑا۔ایک ساتھ ان سب نے نشانہ لگایا تھا۔تیروں کا مینہ سا رینات کی فوج پر برسا۔پہلے ہی ہلہ میں تیر اندازوں نے رینات کی فوج کو دہلا دیا۔سو سے اوپر لوگ گر کر تڑپ رہے تھے۔جب کہ ابھی تو کاٹینور کا آدھا دستہ دوسری طرف خاموش کھڑا تھا۔تیر انداز ایک ساتھ سو کی تعداد میں آگے بڑھتے اور تیر چلا کر پیچھے ہٹ جاتے۔ان کی جگہ لینے کے لیے دوسرا دستہ آگے بڑھ جاتا۔اس طرح وہ باری باری سے تیر پھینک رہے تھے۔وہ سب اتنے منظم انداز میں حملہ کر رہے تھے کہ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ وہ پہلی بار جنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ان تیر اندازوں نے جنگ کا نقشہ بدل دیا تھا۔میناٹ کے دستے کے اکھڑتے پیر جم گئے تھے۔رینات کی فوج کو عقب سے جو مدد مل رہی تھی وہ رک گئی تھی۔اندر آ جانے والے دشمن میناٹ کے بہادروں کا شکار بنتے جا رہے تھے۔اس لیے کہ وہ دو تین کی تعداد میں آگے بڑھ کر حملہ کرتے اور اسی تیزی سے واپس پلٹ آتے۔رینات کے فوجی سنبھلنے سے پہلے خاک اور خون میں لوٹنے لگتے۔

سامنے والے میدان میں بھی اب جنگ شروع ہو گئی تھی۔وہاں ایک عجب سا شور اٹھ رہا تھا جو کانوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پردے پھاڑے دے رہا تھا۔ ہتھیاروں کی جھنکار، نعروں کی گونج اور زخمیوں کی چیخ و پکار سے پورا جنگل گونج رہا تھا۔ ہر ایک پر جنگی جنون سوار تھا۔ صفیں درہم برہم ہوگئی تھیں۔ ہر سپاہی مقابل سے الجھا ہوا تھا۔ خون کے فوارے اچھل رہے تھے۔ سر خربوزوں کی طرح کٹ رہے تھے۔ لوگ گر رہے تھے، سنبھل رہے تھے۔ کچھ دیر تک تو سامیرا کا پلہ بھاری رہا پھر رینات کے فوجی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ میں نے محسوس کرلیا تھا کہ سامیرا کے سپاہی حوصلہ ہار رہے ہیں اس لیے کہ موت کا فرشتہ نہایت تیزی سے اپنا کام کیے جا رہا تھا اور قتل ہونے والوں میں زیادہ تعداد سامیرا کے فوجیوں کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے قدم اکھڑ رہے ہیں۔ یہ بات مینات کی عقابی نظروں سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ یکا یک اس نے اپنا وزنی کلہاڑا بلند کیا اور پھر ایک زوردار نعرہ لگایا۔ نعرہ لگاتے ہی وہ پوری قوت سے حملہ آور ہوا۔ ڈھال پر ہتھیار پڑے ایک جھنکار ابھری۔ نیزے بلند ہوئے۔ کلہاڑا چلا۔ کئی سر اڑے اور پھر تو خون کی گویا بارش شروع ہوگئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ میدان اب مکمل طور پر لال رہے گا۔ انسان گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ میں نے مینات پر نظر ڈالی ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم میں کوئی مشین فٹ ہوگئی ہو۔ وہ مسلسل کلہاڑا چلائے جا رہا تھا۔ رینات کے سپاہی اب خوفزدہ ہوکر پیچھے ہٹنے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پہلی صف کا صفایا کر دیا تھا۔ تبھی میں نے تیراندازوں کو دوبارہ حکم دیا اور وہ پھر اسی انداز میں تیروں کا مینہ برسانے لگے۔ تیروں کی تعداد اتنی تھی کہ جب تیرانداز تیر پھینکتے تو آسمان سیاہ ہوجاتا۔ تبھی داہنی طرف سے کمین گاہ سے نکل کر تازہ دم دستے نے بھرپور انداز میں رینات کے لشکر پر چڑھائی کی اور تمام صفیں الٹ پلٹ کر رہ گئیں۔ سومرو نے بروقت فیصلہ کیا تھا اور یہ فیصلہ جنگ کا نقشہ بدلنے میں معاون ثابت ہوا۔ رینات کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور افراتفری سی پھیل گئی۔ میں عقابی نظروں سے رینات کی فوج کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری نظریں ڈیوڈ شا کو تلاش رہی تھیں کہ وہ کہاں گیا۔ اسے سامنے آنا تھا مگر وہ پتا نہیں کہاں چھپا بیٹھا تھا۔ یہ تعجب خیز بات تھی۔ اسی کی وجہ سے میں نے اپنی گن اب تک استعمال نہیں کی تھی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ آتشی اسلحہ کا استعمال ڈیوڈ شا کی طرف سے ہو۔ جواب میں مَیں اسلحہ استعمال کروں۔

ابھی میں فکر کے گرداب سے نکلا بھی نہیں تھا کہ ایک زبردست شور ہوا۔ میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ یکا یک عقب سے زبردست قسم کا حملہ ہوا تھا۔ یہ یقیناً ہمارے بہادروں نے کیا تھا۔ میں نے سفیر وغیرہ کو اسی طرف سے حملہ کرنے کو کہا تھا۔ یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ رینات کی فوج پوری طرح بوکھلا گئی۔ اس لیے کہ ان کے اہم افسران سامنے کی طرف تھے۔ سامیرا کی طرف۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ ادھر سے بھی حملہ ہوسکتا ہے۔ مگر ہوا تھا۔ اسی وقت سومرو نے داہنی جانب سے یلغار کر دی۔ اب میدانِ جنگ عجب انداز کا ہوگیا۔ تین طرف سے حملہ ہو رہا تھا اس لیے رینات کی فوج تین حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ہر طرف شور۔ چیخ پکار اور نعروں کے علاوہ کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں صاف دیکھ رہا تھا کہ رینات کی فوج کے پیر اکھڑ چکے ہیں اور وہ فرار پر آمادہ ہے۔ اس لیے کہ ان کی تعداد مسلسل گھٹ رہی تھی جو اس بات کا اشارہ تھی کہ سپاہی فرار ہو رہے ہیں۔ اور تبھی میں نے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے اپنی گن سیدھی کی اور دنادن کئی فائر کر دیئے۔ دھماکوں نے رینات کی فوج کو مزید بوکھلا دیا۔ ابھی میری گن کے دھماکے کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ عقب سے بھی فائرنگ شروع ہوگئی۔ سفیر وغیرہ نے یہی سمجھا ہوگا کہ میں نے انہیں فائر کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ یہ دو طرفہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائرنگ قیامت ڈھا گئی۔ رینالٹ کے سپاہی کھلے عام اپنے ہتھیار پھینک پھینک کر بھاگنے لگے۔

میں اسی موقع کا منتظر تھا۔ سامیرا کو اشارہ دیا کہ وہ اب خود بھی میدان میں اتر آئے اور دشمن کو للکارے۔ یہ بات میں نے پہلے ہی سامیرا سے کہہ دی تھی اس لیے میرا اشارہ پاتے ہی وہ اپنے جاں نثاروں کے دستے کے ساتھ رینالٹ کی فوج کی جانب جھپٹی۔ پلٹ کر جھپٹنا۔ جھپٹ کر پلٹنا کی وہ مکمل تفسیر بن گئی تھی۔ اس کے دستے میں ڈھائی تین ہزار افراد ہوں گے۔ سب کے سب نے بہادری کے جوہر دکھانا شروع کر دیئے تھے۔ سامیرا کی پیشقدمی نے زبردست کام دکھایا۔ رینالٹ کی فوج لڑنے کی بجائے بھاگنے لگی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان تقریباً خالی ہو گیا تھا۔ ایسا لگنے لگا تھا کہ رینالٹ کو بھی اب اپنی جان بچانے کی فکر پڑ گئی تھی۔ اس کی سواری اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ شاید وہ اپنے ساتھیوں کی بزدلی سے بددل ہو گیا ہے۔ میری نظریں اس کی سواری پر جمی ہوئی تھیں کہ عقب سے فائر کرنے والوں نے اس کی سواری کو نشانے پر رکھ لیا کیونکہ اب سیدھا اسی پر فائر ہو رہا تھا۔

میں نے پلٹ کر سامیرا کی طرف دیکھا۔ اب وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اپنے سپاہیوں کی بہادری دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں رینالٹ کی سواری پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ رینالٹ کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ شاید اسے خیال آ رہا ہو کہ یہ وہی رینالٹ ہے جس نے اس کے خاندان کو شہر بدر کیا۔ جس نے سینکڑوں بے گناہ لوگوں کو ہلاک کرایا۔ جس نے ظلم و ابتلا کا ایک باب رقم کیا تھا، جس کی لغت میں رحم نام کا لفظ نہ تھا، وہ آج کس طرح اپنی جان بچانے کے لیے اِدھر سے اُدھر بھاگ رہا ہے۔ جن پر وہ اکڑتا تھا آج وہی فوج اسے چھوڑ کر بھاگنے لگی ہے۔

ابھی وہ وہ اسی طرف دیکھ رہی تھی کہ میں دہل اٹھا۔ اس کے تمام سپاہی میدانِ جنگ میں جان کی بازی لگا رہے تھے۔ وہ جوش میں ہوش کھو بیٹھے تھے۔ جنگ صرف طاقت سے نہیں جیتی جاتی۔ جنگی چالیں ہی فتح دلاتی ہیں۔ اس کے سپاہیوں کی یہ بھول تھی کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ گئے تھے۔ اسی کا اس دستے نے فائدہ اٹھایا تھا۔ یکا یک ہی رینالٹ کا ایک دستہ ٹیلے کی دوسری طرف سے نمودار ہوا تھا اور اس نے سامیرا پر حملہ کر دیا تھا۔ سامیرا اکیلی تھی اور اس دستے میں چالیس سے زیادہ لوگ تھے۔ ان لوگوں نے سامیرا کو گھیر لیا تھا۔ وہ عورت تھی۔ اکیلی تھی لیکن حوصلے والی تھی۔ وہ نیزہ سے ان کا مقابلہ کر رہی تھی۔ نیزہ اکیلے سپاہی پر چلانا آسان ہے لیکن اس سے پورے دستے کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ وہ سخت خطرے میں گھر گئی تھی۔

اسے خطرے میں دیکھ اس کے جاں باز اس کی طرف لپکتے ہوئے بڑھے تھے۔ وقت کم تھا۔ کسی بھی وقت کسی کا بھی ہتھیار سامیرا کا کام تمام کر سکتا تھا۔ میں نے رسک لے لیا۔ اندھی چال چلی۔ اپنی گن کا رخ رینالٹ کے دستے کی طرف کر کے فائر کرنا شروع کر دیا۔ میں ڈر ڈر کر سنگل فائر کر رہا تھا اس لیے کہ گولی جب چلتی ہے تو دوست دشمن کی پہچان نہیں کرتی۔ کسی کے بھی جسم میں دھنس کر موت کی نیند سلا دیتی ہے۔ کوئی بھی گولی سامیرا کو لگ سکتی تھی۔ اسی وجہ سے میں احتیاط کر رہا تھا۔

فائرنگ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ سپاہی جو سامیرا کو گھیرے ہوئے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو لاشوں میں بدلتے دیکھ پیچھے ہٹنے لگے۔ اسی وقت میدان میں ایک زوردار دھماکا ہوا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرینیڈ آ کر سیدھا رینالٹ پر گرا اور اس کی سواری ٹکڑوں میں بدل گئی۔ سواری کے ساتھ اس کا بھی نام و نشان مٹ گیا۔

رینالٹ کا حشر دیکھ کر باقی فوج نے اپنے ہتھیار پھینکنا شروع کر دیئے۔ اس وقت بھی چھ سے آٹھ ہزار سپاہی اس کی طرف سے میدان میں لڑ رہے تھے مگر رینالٹ کی موت نے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس طرح صبح سے جاری جنگ نے ایک دم ہی دم توڑ دیا۔ سامیرا کی فوج نے فتح کا بگل بجا دیا۔ اس کی فوج جوش و جذبات میں اچھل رہی تھی۔ سامیرا کے نام کا نعرہ لگا رہی تھی۔

میں نے سامیرا سے کہا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو پیغام دے دے کہ کوئی بھی کسی کو ناحق قتل نہ کرے۔ لوٹنے کا بھی سلسلہ موقوف سمجھا جائے۔

سامیرا کے پیامبر میدانِ جنگ میں اِدھر سے اُدھر دوڑنے لگے۔ اس کا پیغام پہنچانے لگے۔ تبھی سومرو نے بھونپو نما چونگا اپنے منہ سے لگا کر اعلان کرنا شروع کر دیا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اب کوئی کسی پر ہتھیار نہ اٹھائے۔ رینالٹ کے سپاہی بھی ہمارے بھائی بند ہیں۔ جنگ کے وقت وہ ہمارے دشمن تھے مگر اب نہیں۔

اس اعلان نے بہت اچھا اثر ڈالا۔ رینالٹ کی فوج کے کئی افسروں نے سامیرا کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ میدانِ جنگ اب خاموشی کی چادر سے ڈھک گیا تھا۔ صرف زخمیوں کی آہ و بکا سنائی دے رہی تھی۔ جراح اور حکیم اپنی دواؤں کا اعجاز دکھا رہے تھے مگر میں اسی اونچی جگہ پر کھڑا ہوا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری نظریں اب بھی ڈیوڈ شا کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

ابھی میں جائزہ لے ہی رہا تھا کہ سامنے سے آتے ہوئے سفیر، وسیم اور عبداللہ نظر آ گئے۔ وہ تینوں مجھے دیکھ چکے تھے اس لیے سیدھے میری طرف بڑھتے آ رہے تھے۔ ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ فتح کی ایک اپنی خوشی ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک معمولی سی قوت کو ایک بڑی قوت پر فتح دلا دی تھی۔ میرا اپنی جگہ کھڑا رہنا مناسب نہیں تھا اس لیے میں بھی ان کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

اِدھر اُدھر لاشیں ہی لاشیں پڑی تھی۔ زخمیوں کو طبی امداد دی جا رہی تھی۔ سامیرا کے سپاہی ابھی اپنے ساتھیوں کی لاشیں ہی اٹھا رہے تھے۔ دشمنوں کا نمبر بعد میں آتا اسی لیے ان کی لاشیں جا بہ جا پڑی ہوئی تھیں۔ سفیر اور وسیم و عبداللہ ان لاشوں کو پھلانگتے ہوئے میری طرف بڑھ رہے تھے کہ ایک عجیب بات ہوئی۔ زخمی سپاہیوں میں سے ایک نے لیٹے لیٹے اپنا نیزہ اٹھا دیا تھا۔ وسیم جو اس پر سے پھلانگ رہا تھا الجھ کر اسی پر گرا۔ اس کے گرتے ہی سفیر نے گن کا رخ اس زخمی کی طرف کر دیا۔ ایک ساتھ کئی گولیاں چلیں اور وہ زخمی ہمیشہ کی نیند سو گیا۔ شاید یہ اس کا اضطراری عمل تھا کہ اس نے نیزہ بلند کر دیا تھا۔ اس نے نیزے پر پکڑ مضبوط کی ہوگی کہ نیزہ کھڑا ہو گیا اور وہ وسیم سے ٹکرایا۔ نیزے کی انی نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ وسیم کی ران پر ایک لمبا زخم آ گیا تھا جس سے خون کی دھار نکل رہی تھی۔ میں نے دوڑ کر اسے سنبھالا اور اس کے پینٹ کے پائنچا کو پھاڑ کر زخم کا معائنہ کیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا پھر بھی میں نے زخم پر کپڑے کی تہہ رکھی اور اسے کس کر باندھ دیا۔ اس وقت اس سے زیادہ کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا، اس کام سے فرصت پا کر میں سامیرا کی طرف بڑھا۔ وہ خوشی سے سرشار ایک بلند مقام پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑی تھی۔ میرے ساتھ میرے ساتھی تھے۔ ہم سب اس کے نزدیک پہنچے تو اس نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔ ''تم نے دیکھا۔ ظلم کا کیسے انجام خراب ہوا۔ اب اس وادی میں امن وسکون ہوگا۔''

''یقیناً ایسا ہی ہوگا لیکن ابھی دو بڑے خطرے باقی ہیں۔ ایک مہا پجاری اور دوسرا ڈیوڈ شا۔ ان دونوں کو ڈھونڈیں۔ اگر انہیں چھوڑ دیا گیا تو یہ الجھنیں پیدا کرتے رہیں گے۔''

''میرے سپاہی انہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جاسوسوں کو بھی ہر طرف پھیلا دیا ہے۔ ان خطروں کے بارے میں سومرو نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔''

''تو اب ارادہ کیا ہے؟''

''میدانِ جنگ کی صفائی میں پورا ایک پہر لگ جائے گا۔ اس لیے آرام کرنے کے لیے خیمہ لگایا جا رہا ہے۔ جہاں ہم اور ہمارے تمام افسران آرام کریں گے۔ کل دن میں جب سورج طلوع ہوگا تو ہم آرگون میں داخل ہوں گے۔''

''آرام کے وقت بھی اپنے سپاہیوں کو کہنا کہ وہ جاگتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مہا پجاری یا ڈیوڈ شا رات کے اندھیرے میں شب خون مار دے۔''

اس وقت سامیرا پر فتح کا نشہ سوار تھا۔ اس نے میری بات پر مسکرا دیا۔ وہ بولی۔ ''رات میں جنگ کرنا بزدلی کی علامت ہے۔ رات میں کوئی بھی حملہ نہیں کرتا۔ جو کرتا ہے اس پر بلائیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ مہا پجاری ایسی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ مذہب کے قوانین کو چلانے والا ہے۔ خود ہی مذہب کو کیسے پامال کر سکتا ہے۔''

معبد میں پجاری کس قسم کی زندگی گزارتے ہیں۔ کیسے مذہب کی خدمت کرتے ہیں اس کا نمونہ میں دیکھ چکا تھا۔ لیکن سامیرا جس انداز میں بات کر رہی تھی میں سمجھ گیا کہ وہ میری باتوں کو اہمیت نہیں دے گی۔ اس لیے میں اس کے پاس سے ہٹ آیا۔ عبداللہ، وسیم اور سفیر ایک جگہ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میں ان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سفیر نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''آیئے جناب۔ اس میدانِ کارزار کے اصل ہیرو۔ ہم آپ ہی کا تذکرہ کر رہے تھے۔''

''اچھا۔'' میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ذکرِ مہوشاں تھا۔ تم نے جو ایک دم چھلہ ساتھ لگایا ہے وہ تو دن رات صرف تمہارے قصیدے پڑھتی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے وہ تمہیں اس وادی سے نکلنے نہیں دے گی۔'' وسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''پتا نہیں تمہارے پاس کون سی گیدڑ سنگھی ہے کہ لڑکیاں تم پر مرنے کے لیے کھنچی چلی آتی ہیں۔''

''اگر وہ گیدڑ سنگھی چاہیے تو میں تمہیں دے سکتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔''

''کون سی شرط؟'' وسیم نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''بہت معمولی سی شرط ہے۔ گیدڑ سنگھی میں تمہیں دے سکتا ہوں لیکن اس بارے میں سفارش کرے گی سادی۔''

''واہ واہ..... گویا میرے قتل کی سازش ہے یہ..... سعدیہ کو گیدڑ سنگھی کی خبر ملی اور اس نے میرا گلا دبایا..... نہ بابا نا..... چوہا لنڈورا ہی صحیح..... مجھے گیدڑ سنگھی نہیں چاہیے۔'' اس کے لہجے پر عبداللہ اور سفیر نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زوردار قہقہہ لگایا۔

''ویسے یہ بات غلط بھی نہیں ہے۔ اب تک میں نے ایسی تین لڑکیوں کو دیکھا ہے جو آپ کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہوگئی تھیں۔ ایک تو وہ برٹ شا کی بیٹی دوسری.....'' وہ میری شان میں قصیدے پڑھتا کہ میں نے اسے روک دیا۔

''بھائی میاں اس وقت ہم میدانِ جنگ میں ہیں۔ یہ مت سمجھنا کہ سامیرا کی فتح نے جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے۔ دو اہم کردار ابھی باقی ہیں۔ بڑا پجاری اور ڈیوڈ شا..... بڑے پجاری کی تو خیر ہے۔ اسے ہم سنبھال لیں گے لیکن ڈیوڈ شا عیاری کی آخری سرحد پر ہے۔ اسے سنبھالنا اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ کب کس طرح حملہ آور ہوگا کہا نہیں جا سکتا۔ اس لیے ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا ہے۔''

''آپ خواہ مخواہ ڈیوڈ شا کو اہمیت دے رہے ہیں۔ جب ہم نے اتنی بڑی فوج کو شکست دے دی تو ڈیوڈ شا کی حقیقت کیا ہے۔''

''رینات کی فوج اور خود رینات ترقی یافتہ لوگوں کی عیاری اور مکاری سے ناواقف تھا اسی لیے اتنی آسانی سے شکست کھا گیا لیکن ڈیوڈ شا نہ صرف عیار و مکار ہے بلکہ اس کے پاس ایسے ایسے اسلحے ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''آپ کا حکم ہے تو اسے بھی دیکھ لیں گے۔ یہ بتائیں ہمیں کرنا کیا ہوگا؟''

''آج رات جاگنا ہے۔ اس لیے کہ یہ رات اہم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دشمن رات کی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر حملہ کر دے۔ جس طرح سامیرا کے سپاہی فتح کی خوشی میں ہر جانب سے بے پروا ہو گئے ہیں یہ ان کے لیے نقصان کا باعث ہے۔''

''جو حکم۔'' وسیم نے سر کو خم کر کے کہا۔ وسیم اور سفیر کو کسی مہم کے بعد کوئی دیکھے تو یہی سمجھے کہ یہ دونوں کھلنڈرے نوجوان ہیں۔ ہنسنا ہنسانا ان کا کام ہے لیکن جب کسی مہم میں اپنا کام دکھاتے ہیں تو سمجھ آتی ہے کہ یہ کیسے جی دار ہیں۔ ان کی بہادری فلک بوس پہاڑ کو بھی لرزا دے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جتنے بھی دوست دیئے سب کے سب بے لوث اور بہادر۔ خاص کر میرے لیے تو سب کے سب جان کی بازی لگانے والے ثابت ہوئے ہیں۔ یہ دوستی ہی کی ڈور ہے جس سے بندھے یہ لوگ اس تاریک وادی تک چلے آئے ہیں جہاں سے اب ہم باہر جا بھی سکیں گے یا نہیں اس بارے میں ابھی کچھ یقین سے کہا نہیں جا سکتا تھا۔ یوں بھی ہم نے ابھی تک وادی سے باہر جانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ کیونکہ جب تک سامیرا کو تاج و تخت نہیں مل جاتا ہم باہر جانے کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ ابھی ڈیواڈ شا زندہ تھا۔ اسے کس طرح تلاش کروں میں یہی سوچ رہا تھا کہ میری نظر سپاہیوں کے اس غول پر پڑی جو میدان میں بکھرے ہتھیاروں کو جمع کر رہا تھا، ان کے ساتھ ایک چھکڑا ٹائپ گاڑی تھی جس پر وہ تیر تلوار نیزے اکٹھے کر کے رکھتے جا رہے تھے۔

میں ابھی ان کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ان سے کچھ فاصلے پر روبیر نظر آ گئی۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ شاید اس کی تلاش کا محور میں تھا۔ یہ لڑکی واقعی پیر تسمہ پا بن گئی تھی۔ میں اس سے جتنا دور بھاگتا ہوں یہ اتنا ہی قریب آنے کی کوشش کرتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ وسیم کی آواز آئی۔ ''سنبھالیے جناب۔ آپ پر جان وجگر نثار کرنے والی دم بہ دم قریب آتی جارہی ہے۔''

میں نے گردن موڑ کر اس کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ ''تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو۔ اسے بلانا نہیں۔ ابھی کچھ دیر بھٹکنے دو۔''

یوں بھی اس وقت میں اس سے مغز پچی کرنے پر تیار نہ تھا۔ رات میں جب میرا ٹکراؤ ایک دستے سے ہوا تھا اور اس دستے کے ایک سپاہی نے اپنے گوپھن سے میری پیٹھ پر وار کیا تھا اس وقت تو جوش کا عالم تھا اس لیے درد محسوس نہیں کیا تھا لیکن اب اس کی دکھن محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ میں کوئی فولاد کا بنا ہوا تو تھا نہیں۔ ایک عام سا انسان تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میری قوت ارادی دوسروں سے زیادہ ہے اس لیے میں اپنے دکھ تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ اس وقت بھی یہی دل چاہ رہا تھا کہ میں کسی آرام دہ بستر پر لیٹ جاؤں اور کوئی اس دکھتی ہوئی جگہ پر گرم کپڑے سے سنکائی کردے۔

انسان سوچنے پر آتا ہے تو بہت کچھ سوچنے لگتا ہے لیکن یہ سوچ زیادہ دیر قائم نہیں رہتی۔ اس وقت بھی یہی ہوا۔ میں ابھی اپنی سوچ میں گم تھا کہ روبیر کسی آندھی طوفان کی طرح وارد ہوئی اور مجھ سے کسی امربیل کی طرح لپٹ گئی۔

اس جارحانہ پیش قدمی نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ اس لیے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ وسیم، سفیر اور عبداللہ نزدیک ہیں جو سر جھکا کر ہنس رہے ہیں۔ ان کے لیے یہ ایک ہاٹ ٹاپک تھا۔ مستقبل میں مجھے چھیڑنے کے لیے وہ اسے آزماتے رہیں گے۔

روبیر بلند آواز میں رو رہی تھی۔ میں نے بہ مشکل تمام اسے الگ کیا۔ وہ الگ ہو کر بھی بَین کیے جارہی تھی۔ اس کے رونے کی آواز سن کر اِدھر اُدھر بکھرے سپاہی مڑ مڑ کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ اس کے رونے سے مجھے الجھن ہو رہی تھی۔ لیکن خدا کا شکر تھا کہ اس نے بے ساختگی میں کوئی اول جلول حرکت نہیں کی تھی۔ اگر وہ اس حرکت کی مرتکب ہو جاتی تو میں اپنی ہی نظروں میں گر جاتا۔ اس لیے کہ دو دن پہلے ہی وہ معبد کے سامنے ایک گری ہوئی حرکت کرنے کی کوشش کر چکی تھی۔ پھر بھی میں پریشان تھا کہ اسے خاموش کیسے کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ سامیرا کا خصوصی ہرکارہ آگیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''آپ کو بلایا جارہا ہے۔''

سامیرا کا یہ ہرکارہ میرے لیے نعمت غیر مترقبہ بن کر حاضر ہوا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا میں ابھی آرہا ہوں۔'' پھر روبیر کی طرف مڑ کر بولا۔ ''تم چلوگی؟''

سامیرا کا سامنا کرنا اس کے لیے آسان نہ تھا اس لیے وہ بولی۔ ''آپ جاؤ لیکن جلدی آجانا۔ اگر دیر کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

اس کے اس حکمیہ انداز پر سفیر نے قہقہہ لگایا اور اردو میں بولا۔ ''چلو چھٹی ہوئی۔ کاش اس وقت موبائل میرے پاس ہوتا تو میں کلپ بنالیتا۔''

''کیوں؟'' میں نے آنکھیں تریری۔

''تاکہ سویرا کی خدمت میں پیش کرسکوں کہ حضور والا کے یہ لچھن ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور میں جواب میں تمہارا سر توڑ دیتا۔'' کہہ کر میں آگے بڑھ گیا کیونکہ میں جتنی دیر وہاں رہتا سفیر چھیڑتا رہتا۔ وسیم تو پھر بھی ایک حد میں رہتا تھا لیکن سفیر مذاق اڑانے پر آتا تو پھر اسے قابو میں کرنا آسان نہ تھا۔

سامیرا نے اپنا خیمہ اسی اونچے ٹیلہ پر لگایا تھا۔ میں اس ٹیلے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا کہ یکا یک داہنی جانب سے ربیک دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے آتے ہی مجھے اس طرح بانہوں میں بھر لیا جیسے ہم برسوں کے بچھڑے آج ملے ہوں۔ اس نے دھڑا دھڑ مجھے چومنا بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ اب بَین بھی کرنے لگا تھا۔ اس کی آواز دور تک جا رہی تھی اور لوگ مڑ مڑ کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک ہی بات کی رٹ لگائے ہوئے تھا کہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اسے بھلا دیا ہے۔ وہ میرے بغیر جی نہیں سکتا۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے الگ کیا اور پوچھا۔ ''باقی لوگوں کا حال کیا ہے؟ وہ سب کہاں ہیں؟''

اس نے جواب دیا۔ ''سب آپ کے حکم سے اپنی اپنی جگہ مستعد تھے۔ ہمیں پورا یقین تھا کہ فتح ہماری ہو گی اور بالآخر ہمیں فتح مل گئی۔ ظالم و جابر، غاصب رینالٹ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔''

''تو پھر خوشیاں مناؤ، رونا دھونا کیوں کر رہے ہو؟''

''ہمیں فتح تو ملی لیکن اتنے سارے لوگوں کا خون بہانے کے بعد۔ آرگون میں جتنے لوگ ہیں سب ایک دوسرے کے رشتے دار ہیں اور ان کی موت کا ہمیں بھی دکھ ہے۔ اتنے لوگوں کی جان گئی ہے۔ اس کا دکھ تو ہونا ہے نا۔''

''ہاں..... میں سمجھتا ہوں..... لیکن اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ رینالٹ یوں تو تخت سے دست بردار ہو نہیں سکتا تھا۔ یہ جنگ خود اس نے چھیڑی تھی۔ سامیرا نے نہیں۔ اب سامیرا کو اس کا حق مل گیا ہے۔ اس لیے خوشیاں مناؤ۔''

''لیکن ایک غم ہم سب کو کھائے جا رہا ہے کہ آپ اب اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔''

''یہ بعد کی بات ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ۔ ایرٹ کہاں ہے؟''

''ایرٹ اپنے ان رشتے داروں کی لاشیں تلاش کر رہا ہے جو رینالٹ کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔''

''اس سے ملاقات ہو تو میرا پیغام دے دینا کہ وہ آ کر مل لے۔''

''وہ آپ سے ناراض ہے۔'' کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا۔ ''اس کا کہنا ہے کہ آپ کی وجہ سے روبیر اس کی جانب مائل نہیں ہو رہی۔''

میں نے بھی جوابی قہقہہ لگایا پھر کہا۔ ''اس کو سمجھاؤ کہ مجھے روبیر سے کیا لینا دینا۔ میں آج ہوں کل نہیں رہوں گا۔ روبیر اس کی ہے اسی کی رہے گی بلکہ میں جانے سے پہلے سامیرا سے کہہ کر ان دونوں کو ایک کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔''

''لیکن روبیر نہیں مانے گی۔ اس کی آنکھیں بتایا کرتی تھیں کہ وہ آپ کو پسند کرنے لگی ہے۔ ہمارے ہاں لڑکیوں کو ہی اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی پسند کا ساتھی منتخب کریں۔ لڑکے کو اختیار نہیں ہوتا۔''

''میں روبیر کو قائل کروں گا۔''

''کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں نے اس سے پوچھا بھی تھا کہ ایرٹ خوبصوت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور اپنے ہاں کا ہے پھر تم اسے نظر انداز کیوں کر رہی ہو تو اس نے جواب دیا تھا کہ شہباز میں بے شمار خوبیاں ہیں ایرٹ میں ایک بھی نہیں۔''

''یہ اس کی بھول ہے..... میں اسے قائل کروں گا۔ اب تم آرام کرو میں ذرا سامیرا سے مل آؤں کیونکہ ابھی ایک خطرہ باقی ہے۔ بڑا پجاری زندہ ہے اور پتا نہیں کہاں چھپ کر بیٹھا ہے۔ کل صبح ہم سب شہر میں داخل ہوں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی شرارت کرے کیونکہ ہمارا ایک اور دشمن ڈیوڈ شا بھی اب تک نظر نہیں آیا ہے۔ وہ انسان کی شکل میں مجسم شیطان ہے۔ اس کے پاس کیسے کیسے ہتھیار ہیں یہ تم بھی دیکھ چکے ہو۔''

''ارے۔ وہ بدمعاش اب تک گرفتار نہیں ہوا ہے۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کا بھی قلع قمع ہو گیا ہے..... یہ تو بہت بری خبر ہے۔'' ربیکہ کے چہرے پر فکر رقصاں ہو گئی پھر وہ بولا۔ ''آپ کا وقت بہت قیمتی ہے۔ سامیرا نے بلایا ہے تو جائیں اور میری بھی سفارش کر دیں گے۔ میں نے آزادی کے لیے بہت قربانیاں دی ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے چچازاد کا خون بہایا ہے۔ اس لیے بھی مجھے وہ نہ بھولے اور کوئی اچھا سا مقام ضرور دے۔''

''تم بے فکر رہو..... میرے ساتھ جتنے بھی لوگ رہے ہیں ان سب کو اعلیٰ مقام دیا جائے گا۔''

''جی بہت بہتر..... میں رات ہی میں آپ کے خیمہ میں آؤں گا۔'' کہہ کر وہ ایک جانب چلا گیا۔ یہاں والوں کی معصومیت۔ سادگی اور اپنا پن نے مجھے گرویدہ کر رکھا تھا۔ یہاں سے جانے کے بعد بھی میں ان لوگوں کو نہیں بھول پاؤں گا۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں سامیرا کے شاہی خیمہ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

○.....❖.....○

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
انیسویں حصے (آخری) میں ملاحظہ فرمائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طاہر جاوید مغل کی وہ تحریر جس کے ہر لفظ میں جذبات کا رنگ اور محسوسات کے سُر تال بہتے ہیں

# للکار

بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں سے گندھی ایک تیز رفتار ایکشن اور تہلکہ خیز کہانی

- ان عاشق پروانوں کا ماجرائے خاص جو للکار سننے کے دھنی تھے۔
- ان عاشق پروانوں کا ماجرائے خاص جو للکار سننے اور للکارنے کے دھنی تھے۔
- ایک بزدل نوجوان کی خوں رنگ داستان، حالات کے جبر نے اسے ہتھیار اُٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔
- محبت کے محاذ پر ٹھکرائے ہوئے شخص کی جدوجہد.....اس کو اپنے تحفظ کی جنگ کا سامنا تھا۔
- اُس شوریدہ سر کا احوال.....دشمن جس کے خون کے پیاسے تھے۔
- اُمنگوں، حوصلوں، آنسوؤں اور آہوں کی داستان۔
- اندھیروں کے پرستاروں کا قصۂ عبرت، اُجالا ان کا رقیب تھا۔
- وحشی بھیڑیوں کے نرغے میں پھنسے ایک نوجوان کا قصہ لہو رنگ۔
- انسانیت کی معراج سے پستی کے اندھیروں میں گرنے والوں کا قصہ۔

اپنے ہاکر یا قریبی بکسٹال سے طلب فرمائیں

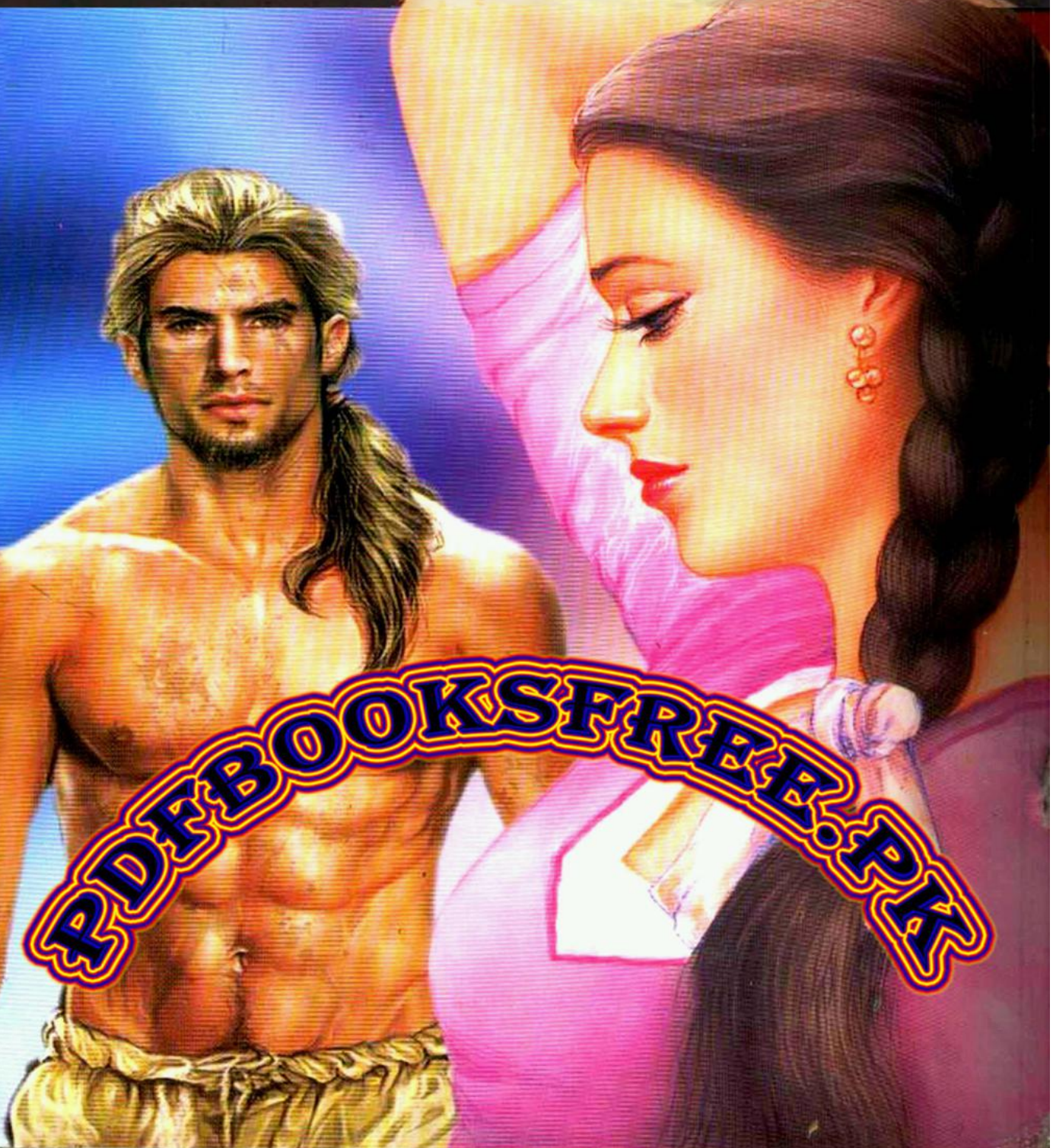
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

# سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

19



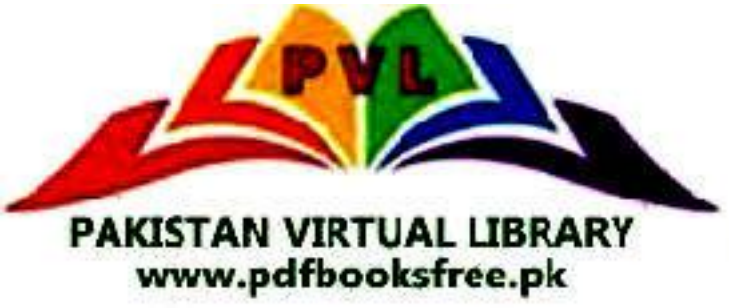
PDFBOOKSFREE.PK

ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تہلکہ خیز کہانی

# سراب

انیسواں حصہ

راوی: شہباز ملک




احباب ادب پبلشرز
اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے اللہ ہمارے علم میں اضافہ فرما آمین!

خوبصورت اور معیاری کتابیں.....

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بار اشاعت ——— اول
مطبع ——— یو اینڈ ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ——— میزان کمپوزنگ۔ لاہور
قیمت ——— 250 روپے
بیرون ملک ——— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر

## ملنے کے پتے

خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
دعا پبلشرز الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
رشید نیوز ایجنسی فریئر مارکیٹ، فریئر روڈ۔ کراچی
ویلکم بک پورٹ مین اردو بازار، کراچی
فرید پبلشرز مین اردو بازار، کراچی
اشرف بک ایجنسی اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
سعید بک بنک جناح سپر مارکیٹ، اسلام آباد
مختار برادرز امین پور بازار، فیصل آباد
کلاسک بکس اندرون بوہر گیٹ، ملتان
علی بک سٹال نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال، لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم اس غار سے نکل کر قلعہ کی جانب چلنے لگے۔ اب سامیرا معمول کے مطابق قدم اٹھا رہی تھی۔ جلد بازی ختم ہوگئی تھی۔ لیکن خاموشی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی چپ چاپ چل رہی تھی۔ ہم دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے قلعہ تک پہنچے۔

اندر داخل ہوئے تو راجا صاحب منتظر تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی پوچھا۔ ''کیا رہا؟ برف والے سے بات ہوئی؟''

''جی ہاں ہوئی۔ ہمیں سورج نکلنے سے پہلے اس علاقے سے نکل جانا ہے۔ اب یہ بتائیں کہ عبداللہ کو چھوڑ جاؤں یا ساتھ لے جاؤں۔''

''ابھی میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ اس سے پوچھ لو اگر وہ رہنا چاہتا ہے تو بتا دینا کہ تمام عمر یہیں گزارنی ہوگی۔ تمہیں برف والے نے خود بلایا تھا۔ تمہارا سہارا لے کر میں بھی آ گیا لیکن اب کوئی اور نہ یہاں آ سکے گا اور نہ باہر جا سکے گا۔''

''جی میں بتا دوں گا۔ ویسے یہ بتا دوں وہاں کوئی اس کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ ایک لڑکی جس سے اس نے خاموش زبان سے شادی کا وعدہ کیا ہے۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ تب تو اسے ہر حال میں چلے جانا چاہیے۔'' راجا صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

''اچھا تو مجھے اجازت دیں۔ میں وسیم وغیرہ کو بھی خوش خبری سنا دوں۔''

''ٹھیک ہے جاؤ لیکن جانے سے قبل مجھ سے مل ضرور لینا۔''

''جی اچھا۔'' کہہ کر میں باہر آ گیا۔ اور سیدھا اس کمرے میں پہنچا جہاں سفیر، وسیم اور عبداللہ سو رہے تھے۔

اس کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے دیکھا کہ میرا اندازہ صحیح تھا۔ تینوں بے خبر سو رہے تھے۔ شاید یہ تھکن کا نتیجہ تھا۔ میں نے سب سے پہلے عبداللہ کو اٹھایا۔

''ہم رات کے آخری پہر میں یہاں سے نکل رہے ہیں۔ راجا صاحب اب یہیں رہیں گے وہ ہمارے ساتھ نہیں جا رہے۔ اب وہ تاعمر یہیں رہیں گے۔ تم اپنا ارادہ بتاؤ کہ تم یہاں رہو گے یا ساتھ چلو گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجا صاحب کو چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں۔''

''ان کا ارادہ میں نے بتا دیا۔ اب اگر یہاں ٹھہرو گے تو پھر کبھی بھی اپنی دنیا میں جا نہیں پاؤ گے۔ اچھی طرح غور کر لو۔''

''راجا صاحب کا کیا کہنا ہے؟''

''انہوں نے فیصلے کا کلی اختیار تمہیں دیا ہے۔ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ زندگی بھر کے لیے یہاں رہو گے یا میرے ساتھ چلو گے۔''

عبداللہ سوچ میں ڈوب گیا۔ شاید وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ وسیم جو نہ جانے کب بیدار ہو گیا تھا۔ اس نے لیٹے لیٹے چٹکی لی۔ ''یہ بھی یاد رکھنا کہ کوئی تمہارے انتظار میں وہاں بیٹھا گھڑیاں گن رہا ہے۔ پھر گانے کے انداز میں بولا۔ ''دنواں دنواں میں گنوں کب آئیں گے سانوریا۔ پھر آنکھ دبا کر کہا یہ گانا بھی کوئی گا رہا ہو گا۔''

''ہاں میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلوں گا لیکن ایک بار راجا صاحب سے میں خود بھی پوچھ لوں۔''

''بالکل جاؤ..... وہ تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔''

عبداللہ کمرے سے نکل گیا۔

میں نے وسیم سے کہا۔ ''اب تم بھی تیاری کر لو۔ آج اگر ہم یہاں سے نہیں نکلے تو پھر یہیں زندگی گزارنی پڑے گی۔''

''بھائی میاں میں اپنی اکلوتی بیوی کا اکلوتا شوہر ہوں۔ تمہاری محبت میں اس پُراسرار وادی میں آیا تھا۔ میرا بس چلے تو ابھی جا کر سادی سے کہوں کہ یہ تمہارے شہباز بھائی نے مجھے تم سے دور کر رکھا تھا۔'' وسیم چہکا۔

''کچھ تیاری کرنا ہے کیا؟''

''تیاری کیا کروں گا؟ یہاں کی ایسی کوئی مٹھائی ہے نہیں جو بطور تحفہ لے جاؤں۔ تم نے ہارن بھی لینے نہیں دیا ورنہ میرا ارادہ تو تھا کہ ایک دو ہارن لے جاؤں گا۔''

''ہارن کی ابھی خون آشامی دیکھی نہیں ہے نا۔ وہ انسان کو درمیان سے چیر دیتا ہے۔ کاغذ کی طرح پھاڑ کر ٹکروں میں بانٹ دیتا ہے۔''

'ڈراؤ نہیں۔ اب تو یوں بھی وہ ملنے سے رہا اس لیے خوشگوار یادیں ہی رہنے دو۔''

''خوشگوار یادوں کا بستہ لپیٹو اور چلنے کی تیاری کرو۔'' کہہ کر میں نے سفیر کی جانب دیکھا۔ وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اپنی طرف دیکھتے پا کر اس نے کہا۔ ''لیکن یہاں سے نکلا کیسے جائے گا؟''

''اس کا انتظام کر لیا ہے۔''

''کیا اسی بے ہنگم جانور کی پیٹھ پر بیٹھ کر چلنا ہے؟'' سفیر نے انگڑائی لے کر کہا۔

''جی نہیں..... اللہ تعالیٰ نے دو پیر دیے ہیں انہی کے سہارے چلتے ہوئے اپنی دنیا میں جائیں گے۔''

''اُف یار آتے وقت جتنی پریشانیاں جھیلی ہیں ان سب کو تم نے یاد کرا دیا۔'' سفیر نے پیشانی پر ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مارتے ہوئے کسی بوڑھی بیوہ کے لہجے میں جواب دیا۔

''تو پھر ایک کام کرو۔ تم یہیں ٹھہر جاؤ میں وہاں پہنچ کر موتا سے کہہ دوں گا کہ وہ حضرت ایک لڑکی کے ساتھ چہل قدمی میں مصروف تھے۔ میں نے انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''پھر کیا ہوگا جانتے ہو۔ وہ کے ٹو پر جا کر کھڑی ہو جائے گی اور اتنی زور سے آواز دے گی کہ تمام گلیشر پھٹ کر وادی کا راستہ دکھا دیں گے۔ اور وہ وادی میں اترنے کے ساتھ سامیرا کے ساتھ تمام خواتین کو گولی مار دے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں کی افزائش نسل رک جائے اس لیے جیسا تم کہو ہمیں تیار پاؤ گے۔''

''تو پھر تیاری شروع کر دو۔'' کہہ کر میں کمرے سے باہر آ گیا۔

باہر نکل کر دیکھا کہ ایرٹ۔ ربیک، ایزارٹ، ایمار اور رائیون اور روبیر جمع ہیں۔ ان سب کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیا بات ہے۔ تم لوگ اس طرح افسردہ کیوں کھڑے ہو؟''

روبیر آگے بڑھی اور پھر وہ کسی امربیل کی طرح مجھ سے چمٹ گئی۔ اس نے زور زور سے رونا بھی شروع کر دیا تھا۔ میں نے گھبرا کر اسے الگ کیا پھر پوچھا۔ ''کیا ہوا؟ اس طرح رو کیوں رہی ہو؟''

''ملکہ عالیہ کا ایک ہرکارہ آیا تھا اس نے ہر ایک کو یہ خبر سنائی ہے۔ ہم سب جو بھی جہاں تھا دوڑتا چلا آیا ہے۔''

''ایسی کون سی خبر سنا دی؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''اس نے بتایا ہے کہ..... کہ آپ جا رہے ہیں۔'' اس نے پھر رونا شروع کر دیا تھا۔

''عقل سے کام لو روبیر..... میری دنیا اور ہے۔ میرا ایک گھر ہے۔ میرے ماں باپ ہیں۔ بھائی بہن ہیں۔ میں ان سب کو چھوڑ کر یہاں کیسے رہ سکتا ہوں۔ اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ میرے ساتھی کیوں آئے۔ دراصل میرے دل میں اپنوں کی یاد جگانے کے لیے ہی برف والے نے ان کو بلایا ہے۔ تبھی تو برف والے نے اتنی جلدی واپس جانے کا انتظام کر دیا۔'' میں نے دانستہ برف والے کا نام لیا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ برف والے کا نام آنے کے بعد کوئی بھی کچھ نہیں بولے گا اس لیے کہ وہ سب جانتے ہیں کہ اگر برف والے کے کسی کام میں مداخلت کی گئی تو گناہِ عظیم ہوگا۔ انہیں غیب سے سزا ملے گی۔ وہ اسی لیے کچھ نہ بولے لیکن ان کی اداسی کم نہ ہوئی۔ میں نے ایک نظر سب پر ڈالی پھر روبیر سے کہا۔ ''تم میری ایک بات مانو گی؟''

''بولیں، ضرور مانوں گی۔''

''ایرٹ بہت اچھا لڑکا ہے۔ اسے اپنا لو۔''

ایرٹ نے اپنی جھکی ہوئی نم آنکھیں اٹھا کر روبیر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں امید کی شمع جل اٹھی تھی۔ اسی وقت روبیر نے اسے دیکھا اور دو قدم آگے بڑھی پھر اس نے ایرٹ کا ہاتھ تھام لیا۔ روبیر کے اس فیصلے نے مجھے خوش کر دیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ہمارے ہاں اسی طرح سے دعا دی جاتی ہے۔ تم تا عمر خوش رہو۔ میں تمہیں کبھی بھی بھول نہ سکوں گا۔''

روبیر اب بھی سسک رہی تھی میں نے اس کے آنسو پونچھ کر کہا۔ ''اب اگر روئی تو مجھے چوٹ پہنچے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک ہوا کا جھونکا تھا جو آیا اور چلا گیا۔ اب یہ تم لوگوں کی زندگی ہے اسے ہنسی خوشی گزارو۔ میں جانتا ہوں تم لوگوں کو بھول نہیں پاؤں گا لیکن مجبوری ہے اس لیے جانا ہی پڑے گا۔''

ان سب کو الوداع کر کے میں راجا صاحب کے پاس آیا۔ انہوں نے ایک چیک بک مجھے دے کر کہا۔ ''یہ میں لے کر آیا تھا لیکن اب میرے لیے بیکار ہے۔ اس اکاؤنٹ میں دو کروڑ سے زیادہ کی رقم ہے۔ مجھے امید ہے اسے تم اچھی جگہ خرچ کرو گے۔ تمام پیج پر دستخط کر دیئے ہیں، تم تھوڑا تھوڑا کر کے نکال لینا لیکن یہ کام جلد کرنا ایسا نہ ہو کہ میرے غائب ہونے کی خبر پھیلے اور بینک اکاؤنٹ سیز کر دے۔''

میں نے چیک لے لیا۔ سامیرا نے دو قیمتی ہیرے دیئے کہ اسے تم میری طرف سے اپنی دلہن کو دینا۔ اس سے کہنا ایک اجنبی دنیا میں تمہیں یاد کرنے والی کوئی ہے۔'' وہ منہ پھیر کر رونے لگی۔ وہ لاکھ بہادر سہی پوری وادی کی ملکہ سہی مگر عورت کی اپنی فطرت ہوتی ہے۔ ذرا سی ٹھیس پر بلک اٹھتی ہے۔ میں اس سے نظر ملائے بغیر باہر نکل آیا۔

سفیر وغیرہ تیار ہو کر کھڑے تھے۔ ہم چاروں اسی غار کی طرف چلنے لگے۔ راستے بھر ہم سب خاموش رہے۔ اگر میں بولنا بھی چاہتا تو بول نہیں پاتا۔ قدم کہیں اٹھ رہے تھے ذہن کہیں تھا۔ ان معصوم لوگوں کی محبت کا سرمایہ میرے ساتھ تھا۔ ان سب کے چہرے نظروں میں تھے۔ ان سب کو یاد کرتا ہوا میں اس غار کے نزدیک پہنچ گیا۔ پھر غار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہی وہ راستہ ہے جس سے گزر کر ہمیں اپنی دنیا میں جانا ہے لیکن کیسے یہ مجھے بھی پتا نہیں۔''

وہ سب بھی میرے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ ابھی رات کا پہلا پہر ختم ہوا تھا۔ برف والے نے کہا تھا کہ پچھلے پہر آنا۔ ہم آ گئے تھے اس لیے ان سب کے ساتھ اس غار کے صاف ستھرے فرش پر بیٹھ گئے۔

''ہم تو آگے جانے کے لیے آئے ہیں اور تم بیٹھ گئے۔ یہ بات سمجھ نہیں آئی؟'' سفیر نے کہا۔

''ہمیں آگے جانا ہے اور راستہ یہیں سے ہے لیکن اس غار میں کہاں ہے یہ مجھے پتا نہیں۔ اس لیے ہمیں یہاں بیٹھ کر انتظار کرنا ہے۔''

''کس کا؟'' سفیر نے دوسرا سوال کیا۔ عبداللہ اپنی عادت کے مطابق خاموش تھا۔

میں نے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب ہمارا مددگار برف والا ہے۔ اس پُراسرار وادی سے نکلنے کا راستہ وہی بتائے گا۔ اس نے کہا تھا کہ رات کے آخری پہر میں آنا اور ہم بہت پہلے آ گئے ہیں۔ اس لیے آرام کر لیتے ہیں۔'' کہہ کر میں دیوار سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔ باقی دوستوں نے بھی فوراً اپنے اپنے تھکے ہوئے جسم کو زمین پر ڈال دیا۔ پتا نہیں کیا بات تھی کہ ابھی میں نیم دراز ہوا ہی تھا کہ آنکھیں بند ہونے لگیں اور میں سو گیا۔

پتا نہیں کتنا وقت گزرا تھا کہ مجھے سردی کا احساس ہوا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے آنکھیں پٹپٹائیں اور پھر پوری طرح کھول دیں۔ سفیر، وسیم اور عبداللہ بے خبر سو رہے تھے لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ وہ غار نہیں تھا جہاں ہم سوئے تھے۔ یہ غار کسی برفیلے علاقے کا تھا اس لیے کہ زبردست سردی محسوس ہو رہی تھی۔ ہوا جسم کو چھید رہی تھی۔ غار صاف ستھرا ضرور تھا لیکن ویسا نہیں جیسا ہم دیکھ آئے تھے۔ حیرت کی ایک بات اور تھی۔ ایک کونے میں کپڑے کا ایک بڑا سا ڈھیر تھا۔ میں اس ڈھیر کی طرف بڑھا۔ نزدیک پہنچتے ہی حیرت دوچند ہو گئی اس لیے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ میرے وہ کپڑے تھے جو میں ڈیوڈ شا کے ساتھ آتے ہوئے کھو بیٹھا تھا۔ کپڑوں کے نیچے میرا موبائل اور اسلحہ بھی تھا۔ کچھ اور کپڑے بھی تھے۔ میں نے ان سب کا جائزہ لے کر گرم جیکٹ اور شوز پہن لیے۔ اسلحہ اور موبائل قبضے میں لیا پھر جا کر سفیر کو اٹھایا۔ اٹھتے ہی اس کی حالت بھی میرے ایسی تھی۔ وسیم کو اٹھایا تو وہ بھی ایسے ہی حیرت کا اظہار کرنے لگا۔ ہوا کا سرد جھونکا آیا تو میں نے ان سے کہا۔ ''اس کونے میں کپڑے ہیں۔ وہ پہن لو ورنہ سردی مزاج پوچھنے لگے گی۔''

''پوچھے گی..... وہ پوچھ رہی ہے کہ یہاں کیوں آ گئے۔ اب آ ہی گئے ہو تو سردی کا مقابلہ کرو۔'' سفیر نے کپڑے پہنتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیا پتھر کا سمجھ لیا ہے۔ میرے کپڑے کہاں ہیں..... یہ والا کوٹ ادھر بڑھاؤ..... یہ تو وہی کوٹ ہے جو ہم جاتے ہوئے پہنے ہوئے تھے۔'' وسیم نے سردی سے کانپتے ہوئے کہا۔

''کپڑے پہن کر باہر کا جائزہ لو۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہم کہاں ہیں۔'' میں نے ان لوگوں سے کہا اور باہر کی سمت بڑھا۔

باہر نکل کر دیکھا۔ دور دور تک برف کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ حدِ نگاہ تک برف پوش پہاڑ تھے۔ پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے یہ علاقہ پہچانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ ایسی کوئی نشانی نظر نہیں آ رہی تھی جس سے پتا چلتا کہ یہ علاقہ کون سا ہے اس لیے کہ برف پوش پہاڑوں پر ہر جگہ ایک سا منظر رہتا ہے۔ اس سے پہلے بھی میں ایسے علاقوں سے گزر چکا ہوں۔ نیپال سے چین میں داخل ہوا تھا۔ وہ ابھی ایسے ہی پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ انڈیا سے جب واپس پاکستان آ رہا تھا اس وقت بھی ایسے ہی پہاڑوں سے ہو کر گزرا تھا۔ ڈیوڈ شا کے ساتھ جب اس سفر پر آ رہا تھا تو بھی ایسے ہی علاقوں سے ہو کر آیا تھا، اس لیے کہا نہیں جا سکتا تھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ ابھی میں باہر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ سفیر بھی اندر سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''واہ کیا کہنے تمہارا برف والا تو کمال کا جادوگر ہے۔ ایک رات میں ہمیں پاکستان پہنچا دیا۔''

''تم نے کیسے پہچانا کہ یہ پاکستانی علاقہ ہے۔ یہاں ایسی کوئی نشانی بھی نہیں ہے کہ اس سے سمجھ لیا جائے کہ یہ پاکستانی علاقہ ہے۔''

''میرا دعویٰ ہے کہ یہ بلتستان کا علاقہ ہے۔ جاتے وقت ہم اسی راستے سے گئے تھے۔ ادھر دیکھو وہ دور تین پہاڑ پاس پاس نظر آ رہے ہیں نا یہ تینوں تبت کے علاقے میں ہیں۔ یہ بات راجا صاحب نے بتائی تھی۔ ان پہاڑوں کی شکل کچھ ایسی ہے کہ یاد رہ گئی۔'' سفیر نے کہا۔

''ہاں مجھے بھی یاد آ رہا ہے کہ یہ تین پہاڑ میں نے بھی دیکھے تھے۔'' عقب سے وسیم کی آواز آئی تو میں نے مڑ کر دیکھا۔ وسیم اور عبداللہ بھی اسکیمو کوٹ میں لپٹے کھڑے تھے۔

''میری سمجھ میں نہیں آیا، کہ یہ برف والا ہے کیا چیز..... اس کا ہر کام منفرد ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی بہت پہنچا ہوا بابا ہے۔ اس کے قبضہ میں کوئی جن بھوت ہے..... کاش میں اس سے کوئی تعویذ لے لیتا۔'' سفیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''واقعی میں خود بھی سمجھ نہیں پایا کہ وہ ہے کیا چیز۔ اللہ کے بھید اللہ ہی جانے۔ کس بھیس میں کون ہے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں جانتا..... ہماری دنیا میں بھی ایسے بہت سے کردار ملیں گے جو اپنے آپ میں الجھا ہوا سوال ہوتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ایسی ایسی کرامت والی ہستیاں ہوتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جائے۔''

''آپ کے خیال میں وہ برف والا کیا چیز ہے؟ کوئی ولی اللہ یا کوئی جادوگر؟''

''اس بارے میں مَیں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ جس کا علم نہ ہو اس پر میں بحث نہیں کرتا۔'' کہہ کر میں نے بات ختم کردی۔

''اگر حضور والا اس لایعنی بحث سے فارغ ہو چکے ہیں تو اب اس بات پر بھی غور کرلیں کہ ہمیں آگے بھی جانا ہے۔ اگر ہم یہاں سے نکلتے ہیں تو کس رخ پر آگے بڑھنا ہے۔ اس لیے کہ یہاں سے وہاں تک صرف میدان ہی میدان نظر آرہا ہے اور کون سی سمت میں ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ یہ میرا ہمزاد نہیں بتانے والا۔'' وسیم نے دخل دیا۔

''وسیم صاحب کی بات میں دم ہے۔'' عبداللہ بولا۔ ''ہمارا خیال ہے کہ ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ یہاں بیٹھے رہنے سے فائدہ کچھ نہیں۔''

''عبداللہ کی بات صحیح ہے۔ سورج نکلنے ہی والا ہے۔ ہمیں آگے چل دینا چاہیے۔'' میں نے عبداللہ کی تائید کردی۔

''تو پھر اپنے سامان اٹھالوں.....؟'' وسیم نے پوچھا۔

''سامان کی تلاشی لے لو۔ ہمارے خیال سے اس مین رسّی آنکھیں، ہتھوڑے وغیرہ بھی ہوں گے۔'' میں نے کہا تو اس نے سامان کی تلاشی لی۔ واقعی وہ تمام چیزیں موجود تھیں جو میں اپنے ساتھ لے کر چلا تھا۔ ڈیوڈ شا نے ہی وہ چیزیں دی تھیں۔ میں نے سیاہ شیشے کی عینک لگا کر دوسری سفیر کی طرف بڑھادی۔

''محترم جناب یہ گوگلز میرے سامان میں بھی ہونی چاہیے۔'' کہہ کر وسیم نے اپنے بیگ کو ٹٹولا۔ اس میں سے عینک نکال کر پہنتے ہوئے عبداللہ سے بولا۔ ''تم بھی اپنے بیگ میں دیکھ لو..... یہ برف والا ایماندار ثابت ہوا ہے۔ ہمارے بیگ کی ایک ایک چیز لوٹا دی۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ بیگ کھو گئے ہیں لیکن وہ کھوئے نہیں تھے، برف والے نے امانتاً رکھ لیے تھے۔''

عبداللہ نے اپنے بیگ سے ضروری چیزیں نکالیں پھر رسّی کا گچھا نکال کر بولا۔ ''ہم آتے وقت اس رسّی سے ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ اب بھی آگے بڑھنے کے لیے ان کا سہارا لینا ضروری ہے۔''

''تمہاری بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں قدم قدم پر کھائیاں اور غار ہیں جو برف تلے دبے ہوئے ہیں۔ وزن سے اس پر جمی برف ٹوٹتی ہے تو موت اپنے پنجے بڑھا دیتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اب کرنا کیا ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''عبداللہ کی بات پر عمل کرنا ہے۔ آگے بڑھتے ہیں، کوئی نہ کوئی بستی تو مل ہی جائے گی۔'' میں نے کہا اور عبداللہ کے ہاتھ سے رسّی کا گچھا لے کر ایک سرا اپنی کمر میں باندھا اسی سے سفیر نے خود کو منسلک کیا، سفیر کے بعد عبداللہ نے اپنے بلٹ کو رسّی سے جوڑ دیا۔ آخر میں وسیم نے خود کو اس رسّی سے جوڑا گویا ہم سب ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے تھے۔ سب نے اپنے اپنے ہاتھوں میں کلہاڑی پکڑ لی تھی۔ ہم نے بیگ سے آہنی میخیں بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکال لی تھیں۔ ہم سب نے اپنے درمیان چار چار فٹ کا فاصلہ رکھا تھا۔ اپنے اپنے بیگ سب نے پیٹھ پر لاد لیے تھے اس طرح ہم سب آگے پیچھے سیدھ میں بڑھنے لگے گویا اس طرح ہمارا نیا سفر شروع ہوا۔

برف نرم اور بھربھری تھی۔ بوٹ بار بار برف کے ذرات والی زمین میں دھنس رہے تھے۔ ہم سب اسی حالت میں آگے بڑھے۔ سب سے آگے میں تھا اس لیے خطرہ بھی مجھے زیادہ تھا کہ جگہ جگہ برف تلے گڑھے ہو سکتے تھے جس پر پیر پڑتے ہی برف کی تہہ ٹوٹتی اور اس میں دفن ہو سکتا تھا۔ اس لیے ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہا تھا۔ ہم نے دور نظر آنے والے تین پہاڑوں کی چوٹیوں کو نظروں میں رکھ کر سفر کا آغاز کیا تھا تاکہ ہم اس کے داہنے جانب بڑھتے رہیں اس طرح ہم پامیر تک پہنچ سکتے تھے۔ لیکن یہ راستہ اس لیے بھی خطرناک تھا کہ آئس سلائیڈنگ کا خطرہ بنا ہوا تھا۔ کسی بھی وقت برف کا طوفان بھی اٹھ سکتا تھا۔ ہم سب آگے پیچھے قطار میں آگے بڑھتے جا رہے تھے کہ ایک جگہ مجھے برف کچھ زیادہ ہی نرم نظر آئی اور میں نے جلدی سے قدم آگے بڑھا دیا۔ ساتھ ہی ساتھ سب کو ہوشیار کیا کہ یہاں کوئی کھائی یا غار کا دہانہ ہے لیکن دیر ہو چکی تھی۔ سفیر تو پار کر گیا لیکن وسیم لڑکھڑایا۔ ہم کچھ سمجھتے کہ کیا ہوا ہے اس سے پہلے ہی اس کے کمرے میں لگی بیلٹ ٹوٹی۔ رسّی ڈھیلی پڑی اور وہ برف میں دھنستا چلا گیا۔

○.....❖.....○

حدِ نظر برف ہی برف تھی۔ اس برف کے میدان میں چلتے ہوئے پیر دھنس رہے تھے۔ ہم سب نے خود کو ایک رسّی سے منسلک کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ رسّی دراز کرتا ہے تو بندہ بہکنے لگتا ہے اور یہاں رسّی دراز نہ کی جاتی تو کوئی آگے بڑھ نہ پاتا اس لیے کہ سب ایک ہی رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ سب سے آگے میں تھا۔ میرے پیچھے عبداللہ۔ اس کے پیچھے سفیر اور آخر میں وسیم۔ اس طریقہ کار کو تمام کوہ پیما پسند کرتے ہیں کہ ایک سے دوسرے کو سہارا ملتا ہے۔ یہاں تو سہارے کی زیادہ ضرورت تھی۔ اس لیے کہ یہ خطہ حد سے زیادہ خطرناک تھا۔ یہاں وہاں ہر طرف کھڈے تھے۔ غار تھے جن کے منہ پر برف جمی ہوئی تھی اور اگر غلطی سے کسی ایسی غار کے دہانے پر پیر پڑ جاتا تو پھر ملک عدم کا ٹکٹ بہ آسانی کٹ جاتا۔ ایسے خطروں کی پہچان میں بہ آسانی کر لیتا تھا اسی لیے میں سب سے آگے تھا۔ بغور زمین کا جائزہ لے کر قدم رکھتا تھا۔ میرا ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے کے مصداق تھا۔ ابھی میں نے قدم آگے بڑھائے تھے کہ مجھے احساس ہو گیا کہ اس جگہ کی برف کچھ زیادہ ہی نرم ہے۔ اور ایسا تبھی محسوس ہوتا ہے جب نیچے کوئی غار ہو یا گہری کھائی کا سرا ہو۔ اسی لیے میں نے اس جگہ کو چھلانگ لگا کر پار کرتے ہوئے دوسروں کو بھی ہوشیار کیا مگر دیر ہو چکی تھی۔ عبداللہ اور سفیر نے تو دیکھا دیکھی چھلانگ لگا کر پار کیا مگر وسیم سنبھل نہ سکا اس کا پیر بھربھری برف پر پڑا، پیر پڑتے ہی پوری پرت پھٹی اور وہ گرتا چلا گیا۔ گرتے ہوئے اس نے چیخ ماری تھی گو کہ اس کی چیخ اتنی تیز نہیں تھی پھر بھی سب دہل گئے تھے۔ اس پر ستم یہ کہ رسّی بھی روک نہ سکی تھی کیوں کہ جھٹکا لگنے سے وہ رسّی تنی تھی اور بیلٹ کا کنڈا نکل گیا تھا۔ شاید اسے صحیح طور پر وسیم نے لگایا نہیں تھا ورنہ بیلٹ کی پکڑ بہت مضبوط ہوتی ہے، اسے اسی لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ گرنے والے کو گرنے نہ دے۔

جھٹکے سے ہم تینوں ہی لڑکھڑا گئے تھے۔ مگر فوراً ہی سنبھل گئے۔ میں نے زوردار آواز میں اسے پکارا۔

''وسیم.....وسیم۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب بھی فوراً آ گیا۔ ''میں یہاں ہوں محفوظ ہوں، کوئی چوٹ ووٹ بھی نہیں لگی ہے..... شاید یہ کوئی غار ہے۔''

اس گڑھے میں جھانکنے کے لیے میں نے اوندھے منہ لیٹ جانا مناسب سمجھا اور سینے کے بل رینگتا ہوا اس گڑھے کے قریب پہنچا پھر نیچے کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔

وہ گڑھا زیادہ گہرا نہیں تھا۔ وسیم اس گڑھے میں کھڑا اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں رسّی پھینک رہا ہوں تم اس کے سہارے اوپر آنے کی کوشش کرنا۔'' کہہ کر میں نے اپنے کمر سے رسّی نکال کر دوسروں کو بھی ہک نکالنے کا اشارہ کیا۔ سفیر اور عبداللہ نے فوراً تعمیل کی۔ میں نے رسّی اندر لٹکائی تھی کہ وسیم نے کہا:

''ایک منٹ مجھے دیکھنے دیں۔ یہ غار سیدھا آگے بڑھ رہا ہے۔ میں ذرا آگے تک کا جائزہ لے لوں۔'' کہہ کر وہ سیدھے ہاتھ بڑھا۔

میں نے سفیر کی طرف رخ کر کے کہا۔ ''غار کتنا لمبا ہے یہ وہ دیکھنے گیا ہے۔''

''اوپر آسمان کی طرف دیکھیں۔'' سفیر نے میری توجہ مبذول کرائی۔

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شمال کی جانب سے سیاہ بادل اٹھ رہے تھے۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ مجھے یاد آیا کہ جب میں چین کی طرف جانے کے لیے نیپال سے چلا تھا تو بیتو کی محبوبہ نے ایسے ہی بادل دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ایک خطرناک بات ہے۔ ایسے سیاہ بادل آئیں تو سمجھ لینا کہ کوئی غلط بات ہونے والی ہے۔ ایسا طوفان آنے والا ہے جو تباہی پھیلاتا ہے۔ برف کے ذرات ہی نہیں اڑاتا، بڑے بڑے تودے بھی اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اسی بات نے مجھے فکر میں ڈال دیا تھا کہ اگر طوفان آ گیا تو کیا ہوگا؟ یہاں ایسی کوئی جگہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی جہاں ہم پناہ کی خاطر بیٹھ سکتے۔ میں فکر کے گرداب میں ڈوب ابھر رہا تھا کہ سفیر کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ ''وسیم کا کوئی جواب آیا۔ بادل گہرے ہو رہے ہیں۔''

''میں خود پریشان ہو گیا ہوں اس لیے کہ جنہیں تُو بادل سمجھ رہا ہے یہ بادل نہیں ہیں۔ یہ برف کے ذرات ہیں اور دور تک اوپر اٹھ رہے ہیں اس لیے پہاڑ کی چوٹیوں پر سایہ سا آ رہا ہے جس کی وجہ سے وہ سیاہ دکھائی دے رہے ہیں۔ ہمیں جلد از جلد کوئی پناہ گاہ ڈھونڈنی پڑے گی۔''

''اتنی جلدی کوئی اور پناہ گاہ ملنے سے رہی۔ کیوں نا ایسا کیا جائے کہ ہم بھی اس غار میں اتر جائیں اور جب طوفان گزر جائے تو باہر نکل آئیں۔'' عبداللہ نے مشورہ دیا۔

اس کی بات غلط نہیں تھی۔ اتنی جلدی اور کوئی پناہ گاہ ملنے سے رہی۔ وسیم کے بقول، یہ غار سرنگ نما ہے اور دور تک جا رہا ہے۔ غار کے دہانے سے زمین تک زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا۔ تھوڑی سی کوشش سے ہم باہر نکل سکتے تھے۔

میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ طوفان جس رفتار سے بڑھ رہا تھا یہ اب تب میں ہم تک پہنچ جاتا اس لیے کہ اب سیاہی معدوم ہو چکی تھی اور ہوا میں اڑتے ذرات صاف نظر آ رہے تھے۔ دیر کرنا مناسب بھی نہیں تھا اس لیے میں نے غار میں چھلانگ لگا دی۔ اندر گرتے ہی میں نے منہ اوپر کر کے کہا۔ ''اب تم دونوں میں سے کوئی ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کودے۔ پہلے عبداللہ کودا پھر سفیر۔ ہم تینوں نے اس جانب بڑھنا شروع کر دیا جس طرف ایک سرنگ نظر آ رہی تھی۔ رہ رہ کر میں وسیم کو آوازیں بھی دیتا جا رہا تھا۔ لیکن ابھی تک جواب سنائی نہیں دیا تھا۔ تین چار بار کے بعد اس کی ہلکی سی آواز آئی جیسے وہ کافی دور ہو۔

''کہاں ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''سیدھے سیدھے بڑھتے چلے آئیں۔ راستے ٹیڑھے میڑھے ہیں۔''

ہم تینوں اسی جانب بڑھتے چلے گئے۔ کافی دور آنے کے بعد احساس ہوا کہ دوسری طرف سے بھی راستہ کھلا ہوا ہے جہاں سے صاف ہوا آ رہی ہے ورنہ گھٹن کا احساس ہوتا۔ میں نے وسیم کو آواز دی کہ اب وہ کہاں ہے۔ ادھر سے جواب آیا کہ میں نے آپ لوگوں کو دیکھ لیا۔ بس آپ آگے بڑھتے چلے آئیں۔

ہم تینوں آواز کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ چلتے چلتے عبداللہ نے پوچھا۔ ''یہ اتنی لمبی سرنگ بنائی کس نے ہوگی؟''

''شاید تم بھول رہے ہو کہ یہ پورا علاقہ لائم اسٹون یعنی چونے کے پتھر سے بنا ہوا ہے۔ وقت کے ساتھ جب یہ سخت ہوا اور کمپریس کے عمل سے گزرا تو ایسے غار وجود میں آ گئے۔ غور سے دیکھو اس میں ذیلی سرنگیں بھی ہیں اور ہوا بھی پاس ہو رہی ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس سرنگ کے کئی چھوٹے بڑے دہانے ہیں۔''

''اوہ.....؟'' عبداللہ کے لہجے میں تعجب کا عنصر زیادہ تھا۔

ہم باتیں کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں وسیم کھڑا غار کی چھت کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے بھی نظر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ یہاں سے وہاں تک چھت پر رنگین پتھروں کے بڑے بڑے ڈھیلے چپکے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔ ''یہ تو قیمتی پتھر ہیں۔ لاکھوں روپے مالیت کے پتھر صرف اس غار میں ہیں۔ یقیناً آس پاس کے غاروں میں بھی ایسے پتھر ہوں گے۔''

''جی ہاں یہ پورا علاقہ قیمتی پتھروں سے بھرا ہوا ہے۔ چین اور انڈیا تو اپنے علاقوں سے پتھر اور دیگر معدنیات نکال کر کام میں لا رہے ہیں۔ ایک ہم ہی ہیں جو اپنی دولت کو نظر انداز کر کے دوسروں سے امداد مانگ رہے ہیں۔ پورا شمالی علاقہ جات، بلوچستان اور پختون خوا قدرتی امداد سے لبالب بھرا ہے لیکن ہمیں فرصت نہیں کہ ہم کھدائی کریں۔ بھلے چوری سے کوئی لے جا رہا ہو تو کوئی بات نہیں۔''

میری بات پر سفیر کھلکھلا اٹھا۔ ''خوب، چور کو روکنے کی اجازت نہیں۔ واہ۔''

''بھائی میاں.....ان پتھروں کی فکر چھوڑو یہ دیکھو کہ باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے۔'' میں نے وسیم کو مشورہ دیا۔

وسیم نے ہنس کر کہا۔ ''یہ ہماری قومی پہچان بن گئی ہے کہ کام کی بات کوئی نہ کرے جو کرے اسے ٹوک دو۔'' پھر وہ آگے بڑھنے لگا۔ اب ہم سب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ دائیں بائیں بھی سرنگ مڑ رہی تھی لیکن ادھر اس لیے نہیں جا رہا تھا کہ ادھر سے تازہ ہوا اندر نہیں آ رہی تھی۔ پھر جب کچھ آگے بڑھے تو سرنگ کا دہانا نظر آیا۔ ہم سب تیزی سے دہانے پر پہنچے۔ باہر جھانکا تو ادھر بھی وہی منظر تھا۔ دور دور تک برف زار۔ کہیں کوئی آبادی نہیں۔ لیکن ایک فرق نظر آیا کافی فاصلے پر پیڑوں کے کچھ جھنڈ نظر آئے۔ درختوں کو دیکھ کر میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوسکتا ہے کہ ادھر آبادی ہو۔''

''لیکن ابھی تک یہ بھی اندازہ نہیں ہے کہ ہم پاکستانی حدود میں ہیں، تبت میں ہیں یا انڈیا میں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آبادی میں پہنچتے ہی کوئی نیا فساد کھڑا ہو جائے۔'' عبداللہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''اب جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ ہمیں آگے تو بڑھنا ہی ہے۔'' ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ جس پہاڑ کے سرنگ نما غار میں ہم کھڑے تھے اس کے پیچھے سے برف کے ذرات سیلاب کی صورت میں امنڈ امنڈ کر گرنے لگے۔ وہ طوفان جس کے آثار ہم نے دیکھے تھے وہ آچکا تھا۔ اب ہم شکر ادا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بروقت محفوظ رکھا اگر ہم اس غار میں نہ آتے تو اس طوفان کا شکار ہو چکے ہوتے۔ یعنی زندہ برف میں دفن ہو چکے ہوتے۔ ایسے طوفان کو کولانچ کہتے ہیں اور کولانچ کا مطلب ہے برف میں دفن ہو جانا۔

کافی دیر تک آئس سلائیڈنگ ہوتی رہی اور ہم سب اس غار میں بیٹھے قدرت کی کارسازی دیکھتے اور اس آفت سے محفوظ رہ جانے پر شکرِ خدا کرتے رہے۔ ہوا کے تھپیڑے چہروں سے ٹکرا رہے تھے۔ کبھی کبھی تو ہوا کے ساتھ برف کا کوئی چھوٹا ٹکڑا بھی اڑ کر اندر آجاتا جو چہرے سے ایسے ٹکراتا جیسے بڑی سی کنکری ٹکرائی ہو۔ جس کے بھی چہرے سے برف کا ٹکڑا ٹکراتا وہ چوٹ والی جگہ کو سہلاتا اور خجل انداز میں مسکرا دیتا۔

طوفان تو آدھے گھنٹے میں گزر گیا لیکن ہم اس ڈر سے باہر نہیں نکلے کہ کہیں آئس سلائیڈنگ نہ شروع ہو جائے۔ اس لیے کہ طوفان سے چھوٹی چھوٹی چٹانیں اپنی جگہ سے کھسک جاتی ہیں اور برف کے ذرات کی وجہ سے ڈھلان پر ہی جم جاتی ہیں۔ اگر تیز ہوا چلی تو وہ چٹان پھسل سکتی ہے۔ اتنا موقع دینا ضروری تھا کہ اگر ایسی کوئی چٹان ہو تو پھسل جائے۔ اس لیے بھی کہ ایک بھی چٹان پھسلتی تو ساتھ میں دھکے سے دوسری چٹانیں بھی گرتی ہیں اور پھر ایک خطرناک صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔

جب کافی دیر انتظار کر لیا اور کسی چٹان کے پھسلنے کی آواز نہیں آئی اور نہ دکھائی دی تو ہم ڈرتے ڈرتے باہر نکلے۔ ہر طرف ایک گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ تا حدِ نظر برف کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ ہم سب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھے۔ بڑھنے سے پہلے ہم دوبارہ ایک دوسرے سے اسی رسّی سے منسلک ہو گئے تھے مگر اس بار سب نے اپنی اپنی بیلٹ کو کھینچ کر چیک کر لیا تھا تاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو دوسرا اس کا سہارا بن جائے۔ پورا میدان بھربھری ریت جیسا ہو رہا تھا۔ برف کے ذرات میں پیر دھنس رہے تھے۔ ہم سب بغیر کسی نشانِ منزل کے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ تین چوٹیاں جنہیں دیکھ کر کہا گیا تھا کہ وہ تبت میں واقع ہیں، اس سے بائیں طرف بڑھ رہے تھے۔ اس طرح ہم پاکستانی علاقے کے قریب ہوتے جاتے۔ کچھ آگے بڑھے تو ہمیں وہی پیڑوں کے جھنڈ نظر آئے جس طرف ہم نے جانے کا سوچا تھا۔ ہم انہی پیڑوں کے جھنڈ کی طرف بڑھنے لگے۔

پہلے ہم نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ جھنڈ دو ڈھائی کیلومیٹر کی دوری پر ہوں گے مگر جلد ہی احساس ہو گیا کہ ہمارا اندازہ غلط ہے۔ اس جھنڈ تک پہنچتے پہنچتے آدھا پہر گزر گیا تھا۔

بالآخر کسی نہ کسی طرح ہم اس جھنڈ تک پہنچ ہی گئے۔ جھنڈ میں داخل ہوتے ہی ایک خوشگوار احساس ہوا۔ اس لیے کہ جھنڈ کے درمیان ایک عارضی جھونپڑی نظر آئی جو شاید شکاریوں کی تیار کردہ تھی۔ لومڑیوں کے شکاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے ٹھہرنے کے لیے ایسی ہی پناہ گاہیں بنا لیتے ہیں۔ وہ جھونپڑی بھی کسی شکاری کی بنائی ہوئی ہوگی جو شکار کے موسم میں ان کے کام آتی ہوگی۔ ہم سب اس جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس جھونپڑی میں کچھ خوراک بھی موجود تھی۔ ہم نے رات کے بعد سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ عبداللہ نے اِدھر اُدھر تلاش کے بعد چقماق پتھر بھی ڈھونڈ لیے تھے۔ اس نے چقماق کو رگڑ کر آگ جلا لی۔ باہر کے سرد ترین موسم کے بعد آگ کی حدت نے بہت مزہ دیا۔ ایک طرف کچھ سوکھے ہوئے پھل تھے اور اناج کی کچھ مقدار۔ گوشت کے دھوپ میں سکھائے ہوئے کچھ پارچے بھی تھے مگر ہم نے گوشت کو ہاتھ نہ لگایا کہ پتا نہیں کس جانور کا گوشت ہو۔ چنے کو آگ پر بھون کر ہم سب نے تھوڑا تھوڑا کھایا اور پھر آگے بڑھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس جھونپڑی نے خاموش زبان سے بتا دیا تھا کہ انسانی آبادی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اس لیے امید بندھ گئی تھی کہ ہم جلد کسی انسانی آبادی میں پہنچ جائیں گے۔

ہم نے کچھ دیر آرام کے بعد پھر سے سفر شروع کر دیا۔ اب ہم ڈھلان پر چل رہے تھے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ سورج اپنا سفر کرتے ہوئے مغرب کی طرف جھکنے لگا تھا کہ ہمیں دور بہت دور سے دھواں اٹھتا ہوا نظر آیا۔ یقیناً کوئی آبادی تھی۔ ہم نے اپنی رفتار بڑھا دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے بعد کوئی حادثہ پیش نہ آیا اور ہم چلتے چلتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے آبادی صاف نظر آ رہی تھی۔ مگر وہ کافی دور تھی۔ درمیان میں شاید کھائی یا کوئی بڑی وادی تھی اس لیے کہ برفیلے میدان کے بعد کچھ نظر نہیں آ رہا تھا پھر وہ آبادی تھی۔ اتنی دور ہوتے ہوئے بھی اس آبادی نے ہمارے اندر ایسی خوشی بھر دی تھی جسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ایسی خوشی محسوس ہو رہی تھی جیسے ہم اسلام آباد پہنچ گئے ہیں۔ میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آبادی میں پہنچ کر ہمیں انتہائی چالاکی سے کام لینا ہوگا۔ باتیں کم سے کرنا ہوں گی۔ اس لیے کہ ابھی یہ پتا ہی نہیں ہے کہ یہ علاقہ ہمارا ہے یا دشمن ملک کا۔ یہاں تین ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں۔ پاکستان، چین اور انڈیا۔ ہوسکتا ہے کہ ہم انڈیا کے حدود میں ہوں اور یہ تمہارے علم میں بھی ہے کہ انڈین ''را'' میرے پیچھے ہے۔ ان کو میں نے کئی بار شکست دی ہے اس لیے وہ مجھے کتوں کی طرح ڈھونڈ رہے ہیں۔ ایسے میں اگر میں ان کے حدود میں پایا گیا تو وہ خوشی سے نہال ہو اٹھیں گے۔''

''لیکن جب تک ہم آبادی میں پہنچیں گے نہیں تو پتا کیسے چلے گا کہ ہم کس ملک میں کھڑے ہیں۔''

''سیدھے آبادی میں گھسنے سے اچھا ہے کہ ہم پہلے کہیں پناہ گاہ ڈھونڈ لیں پھر کوئی ایک جا کر پتا کرے۔ ایک ساتھ جانے کا مطلب ہے کہ سب ایک ساتھ پھنسیں۔''

''شہباز کی بات میں دم ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''اس طرف اونچے ٹیلے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں غار بھی ہوں۔ ہم پہلے ان ٹیلوں کی طرف چلتے ہیں۔''

سفیر کا مشورہ میں نے مان لیا اور اس طرف بڑھنے لگا۔ پہاڑیوں کے نزدیک پہنچ کر میں نے اطراف کا جائزہ لیا۔ دور و نزدیک ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی جسے ہم پناہ گاہ کے طور پر استعمال کر سکتے۔ ہم چاروں نے پھیل کر پہاڑی کا جائزہ لینا شروع کیا۔ وسیم آہستہ آہستہ اس پہاڑی کے اوپر چڑھتا چلا گیا تھا۔ پھر اس نے آواز دی۔

''شہباز اوپر آ جائیں۔''

میں سمجھ گیا کہ اس نے کوئی غار یا چھجہ ڈھونڈ لیا ہے اور اس خوشی میں مجھے بلا رہا ہے۔ میں تیزی سے اوپر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چڑھتا چلا گیا۔

اب تک ہم میدان میں آگے بڑھ رہے تھے لیکن اس پہاڑی پر چڑھتے ہی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ اس لیے کہ اب تک ہم غلط سمت میں بڑھ رہے تھے۔ پہاڑی کی دوسری طرف بھی میدان تھا۔ برف سے بھرا میدان اور اس میدان کے پار ایک ندی بہہ رہی تھی۔ اس ندی کے کنارے بہت سارے مکان نظر آرہے تھے۔ جس آبادی کی طرف ہم بڑھ رہے تھے یہ آبادی اس سے چھوٹی تھی۔ مکانات کچے تھے۔ ان مکانوں کی بناوٹ بالکل ایسی تھی جیسی بلتستان کے علاقوں میں دیکھ چکا تھا۔ میرے اندر خوشی کی ایک تیز لہر سی اٹھی کہ ہم اپنے ہی علاقے میں ہیں لیکن فوراً ہی خیال آ گیا کہ بلتستان ہو یا چین یا انڈیا ان تمام علاقوں کے مکانات کی تعمیر میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

''یہ آبادی نزدیک تو ہے لیکن ہم فوراً ادھر نہیں جائیں گے۔ پہلے یہاں کوئی پناہ گاہ ڈھونڈیں گے۔'' میں نے کہا تھا کہ ہوا کے دوش پر سوار سفیر کی آواز آئی:

''لو بھائی میں نے ایک ائیر کنڈیشنڈ غار ڈھونڈ لیا۔''

سفیر کی آواز پر ہم دوبارہ نیچے آ گئے۔ سفیر نے واقعی ایک غار ڈھونڈ لیا تھا لیکن صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ غار قدرتی ضرور ہے لیکن اس میں انسانی کاریگری بھی شامل ہے۔ پہاڑی کو کھود کر غار کو آگے تک بڑھایا گیا تھا۔ اس کا ایک دہانہ ادھر سے تھا اور دوسرا دہانا دوسری طرف تھا۔ اِدھر سے آنے والی ہوا اُدھر سے نکل رہی ہوگی اسی لیے سفیر نے اسے ائیر کنڈیشنڈ کہا تھا۔ میں بھی اس طنز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ پھر میں نے کہا۔ ''ایسا کرو تم تینوں یہاں بیٹھو میں اس آبادی کا چکر لگا کر آتا ہوں۔ اگر میں ایک گھنٹے میں نہ لوٹوں تب تم میں سے کوئی ایک جا کر وہاں کے حالات کا جائزہ لے گا۔ اندھی چال کوئی نہ چلے۔ خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہے۔''

ان کو ہدایت دے کر میں نکل کھڑا ہوا۔ میں اس آبادی کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر یہ انڈیا کا حصہ ہوا تو میں چین کی طرف رخ کر لوں گا پھر وہاں سے پاکستان پہنچنا کم خطرے کی بات ہے۔

ابھی میں برف کے میدان سے اتر کر پتھریلے راستے پر آیا ہی تھا کہ سامنے سے دو آدمیوں کو آتے دیکھا۔ وہ دونوں کسی بات پر بحث کر رہے تھے اس لیے کہ مسلسل دونوں کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ آواز مجھ تک پہنچ نہیں پا رہی تھی اسی لیے ان کو بغور دیکھتے ہوئے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ دراصل میں ان کے چہرے سے علاقے کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔ اس علاقے کے لوگوں کے چہرے عام طور سے چپٹے ہوتے ہیں۔ تبتی نقش و نگار والے لیکن ان کے چہرے واضح ہوئے تو میں خوش ہو گیا کیونکہ ان کے چہرے کی ساخت پختونوں سے مل رہی تھی۔ لباس بھی پختونوں والا تھا۔ بڑی سے گھیر دار شلوار۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ میں پاکستانی علاقے میں پہنچ چکا ہوں۔ میں خوشی سے سرشار انداز میں ان کی طرف بڑھا۔ اب ان لوگوں نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور حیرت بھری نظروں سے میرا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ دونوں رک گئے تھے مگر میں رکا نہیں تھا اور ان کی طرف بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ نزدیک پہنچنے کے بعد میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے میرے اندازے کی تائید کر دی۔ سلام کا جواب دیتے ہی پشتو لب و لہجے میں پوچھا گیا۔ ''تم کون ہو؟ کہاں سے آ رہے ہو؟''

میں نے جواب دینے کی بجائے پوچھا۔ ''اس علاقے کا کیا نام ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بلتر گلیشر کے نزدیک کا علاقہ ہے؟ کیا تم ہیکنگ کے لیے آئے ہو؟ تمہاری پارٹی کہاں ہے؟''

''تم ہمارے لیے خوراک کا انتظام کر سکتے ہو؟'' اس بار پھر میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔ ہماری گفتگو پشتو میں ہو رہی تھی۔ اس نے کہا:

''آپ ایسا کرو کہ ہمارے ساتھ ہمارے ڈیرا پر چلو۔ وہاں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''کیا تم یہاں کے مقامی نہیں ہو؟''

''نہیں جناب ہم ایک ضروری کام سے یہاں آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ اور بھی لوگ ہیں۔ ہم سب اس طرف ایک بڑے سے مکان میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔'' اس نے ہاتھ سے آبادی کی طرف اشارہ کیا۔

میں اس کے ساتھ چلنے لگا۔ پتا نہیں کیوں میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ کیونکہ بلتستان کے لوگ امن پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے ہوتے ہیں۔ لڑائی بھڑائی سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ جب کہ ان میں سے ایک کی کمر میں اڑسے ہوئے پستول کے ابھار کو میں نے دیکھ لیا تھا۔ پستول ساتھ رکھنا پختون کلچر کا حصہ ہے۔ لیکن اس علاقے کے لوگ معیوب سمجھتے ہیں۔ پھر یہاں غربت بھی کچھ زیادہ ہے۔ یہاں والے جتنے پیسوں میں یہ پستول خریدیں گے اس میں کچھ اور ملا کر یاک خرید لینا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یاک ان کی زندگی کا جزلاینفک ہے۔ اس سے کھیت جوت لیتے ہیں۔ اس پر سواری کرتے ہیں۔ اس کے دودھ سے بھوک مٹاتے ہیں، گویا یاک ہی ان کی پہلی ترجیح ہے۔ ایسے پُرامن علاقے کا کوئی باشندہ پستول رکھ ہی نہیں سکتا۔ یقیناً یہ کوئی اسمگلر یا غیر قانونی کام کرنے والا ہے۔ میں ہوشیار ہو چکا تھا پھر بھی ان پر آشکار نہیں کیا تھا کہ میں ان کی اصلیت سے آگاہ ہو چکا ہوں۔ بس ان کی تقلید میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

وہ دونوں ایک مکان کے سامنے جا کر رک گئے۔ وہ مکان کچا تھا لیکن اچھا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ان میں سے ایک نے بند دروازے پر دستک دی۔ دروازے کی دوسری جانب کسی کی چاپ ابھری۔ شاید اندر سے کسی نے جھانک کر دیکھا تھا پھر دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والے نے حیرت بھری نظروں سے میرا جائزہ لیا پھر پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''سامنے سے ہٹ۔ اندر تو جانے دے۔'' کہہ کر اس نے ہاتھ سے اسے ہٹایا اور مجھے لے کر اندر داخل ہوا۔ اندر دو آدمی بیٹھے تھے۔ ان دونوں نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا پھر استفاریہ انداز میں میرے ساتھ آنے والے سے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

بولنے والے کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ سندھ کے علاقے کا ہے۔ اب مجھے سو فیصد یقین آ چکا تھا کہ میں وطن کی سرزمین پر ہوں اور مجھے ساتھیوں کو بھی بلا لینا چاہیے۔

''اللہ ڈینو، یہ صاحب ٹریک کرنے آیا ہے۔'' مجھے لانے والے نے ہنستے ہوئے عجیب انداز میں کہا۔

''ریاست خان۔ تم اسے ادھر کیوں لے کر آیا؟'' سوال کرنے والا ڈانٹنے کے انداز میں بولا۔

''اس سے پوچھو اس کا پارٹی کہاں ہے؟'' مجھے لانے والے کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں۔ وہ زبردستی کرنا چاہ رہا ہے۔ لیکن اسے میری پارٹی سے کیا لینا دینا، یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب جاننا ضروری تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کی پارٹی سے کیا کرنا ہے۔ ہمارے پاس وقت کم ہے جس کام کے لیے آئے ہیں اسے کرو اور واپس چلو۔ مجھ سے اب اس سرد جہنم میں رہا نہیں جا رہا۔'' پہلے سے موجود شخص نے تیز لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے سے بے زاری عیاں تھی۔ شاید وہ یہاں کی سردی سے گھبرایا ہوا تھا۔

''تم سمجھا نہیں۔ یہ اسی طرف سے آ رہا ہے، جہاں سے وہ آئے گا۔'' ریاست خان نے جواب دیا۔ اس کا انداز مجھے حد درجہ مشکوک لگا۔

ریاست خان کی بات سنتے ہی اللہ ڈینو کے تیور بدل گئے۔ اس نے میرا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے سن لیا خان کیا بولا۔ اب بتاؤ تمہارے ساتھی کہاں ہیں اور تم ادھر کیا کرنے گئے تھے۔ اس لیے کہ اس طرف کوئی ٹریک نہیں ہے۔''

''ہم راستہ بھٹک گئے ہیں۔'' میں نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ اس لیے کہ اب مجھے تجسس ہو گیا تھا کہ یہ کس سمت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں اور ان سے ملنے کون آنے والا ہے۔

''جھوٹ مت بولو..... ہم لوگ جھوٹ برداشت نہیں کرتے۔ اگر تم نے سچ نہیں بولا تو انجام بہت برا ہوگا۔'' اس نے کڑے تیور سے کہا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں۔ میں جس ٹیم کے ساتھ تھا وہ لوگ طوفان میں پھنس کر پتا نہیں کدھر چلے گئے۔ میں طوفان سے بچنے کے لیے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں دوڑا تھا۔ دوڑتے دوڑتے پتا نہیں ان لوگوں کو کہاں چھوڑ آیا۔ طوفان رکا تو میں سامنے والی پہاڑی پر تھا۔ آبادی دیکھ کر ادھر چلا آیا۔''

''بالکل جھوٹ اس لیے کہ ہم یہاں ایک ہفتے سے ہیں اور ہمارے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ ادھر کوئی ٹریکنگ پارٹی آئی ہے۔ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو اور تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ اس طرف کیا کرنے گئے تھے۔''

''میں نے کہا نا کہ میں اکیلا ہوں میرے ساتھی بچھڑ گئے ہیں۔'' میں نے کمال اطمینان سے جواب دیا۔

''تمہارے ساتھی کس ملک کے ہیں اور تم کس شہر کے ہو؟''

''میں پنڈی کا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''پنڈی کے کس علاقے کے ہو..... اس لیے کہ میں بھی راولپنڈی کا ہوں۔'' اللہ ڈینو کے ساتھ بیٹھے شخص نے پوچھا۔

اس کے لہجے نے چغلی کھا دی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس لیے کہ پنڈی والے کبھی راولپنڈی نہیں کہتے ہمیشہ پنڈی کہتے ہیں۔ اس کے بولنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کراچی کا ہے۔ کراچی کے اولڈ ایریا کے لوگ اس انداز میں باتیں کرتے ہیں۔ گویا یہاں پورا پاکستان جمع تھا لیکن یہ سب مسخ ذہن والے تھے۔ اچھے برے ہر ملک میں ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اچھوں کے ساتھ کچھ برے لوگ بھی ہیں۔ اور ان سب کا تعلق برے لوگوں سے تھا۔ اس کا مجھے اندازہ ہی نہیں سو فیصد یقین ہو چکا تھا۔

''میں ڈھوک چراغ دین کا ہوں۔ نالالئی کے قریب میرا گھر ہے۔ آپ کسی کو بھی فون کر کے میرے گھر سے تصدیق کرا سکتے ہیں۔'' میں نے جواب دینے کے ساتھ اس بات کا اندازہ بھی لگانا چاہا تھا کہ ان کے پاس فون ہے۔ اگر فون ہے تو یہاں سگنل آتا ہے یا نہیں۔ اگر سگنل آتا ہوگا تو میرا فون بھی کام کرے گا۔ جو ابھی تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیگ کے اندر پڑا اپنی قسمت پر رو رہا ہے۔

''ریاست خان اپنا فون دینا ابھی پتا چل جاتا ہے۔'' کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ ریاست خان نے قمیص کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ اللہ ڈینو بولا:

''تمہارا نام کیا ہے۔ اپنا اور اپنے باپ کا نام بتاؤ ہم ابھی چیک کرتے ہیں۔''

''میرا نام شاہد بٹ ہے۔ باپ کا نام ارباب بٹ۔'' میں نے جھوٹ کا ریکارڈ قائم کرنا شروع کر دیا۔

''ہاں مجھے یاد آ گیا۔ ارباب بٹ وہی ناجن کی بڑی سی داڑھی ہے۔''

''جی ہاں۔ میرے والد کی داڑھی ہے لیکن بڑی سی نہیں، عام سی۔''

''تب تو تم میرے گرائیں ہوئے۔ اب یہ بھی بتا دو تمہارے ساتھی کہاں ہیں۔'' وہ اپنے آپ کو بہت چالاک سمجھ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے جواب اگلوانے کے لیے نیا طریقہ اپنایا تھا مگر اسے خبر نہ تھی کہ ایسے چوہے جیسے لوگ میرے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اگر میں چاہوں تو ان سب کو دھنک کر رکھ دوں لیکن میں خاموشی سے حقیقت جاننا چاہ رہا تھا کہ یہ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایسی جگہ بھی نہیں ہے کہ لوگ لوٹ مار کے ارادے سے آئے ہوں۔ غربت زدہ علاقے میں کوئی اتنی دور سے واردات کرنے نہیں آ سکتا یقیناً یہ لوگ کسی اہم کام سے آئے ہیں۔ وہ کام کیا ہے یہ جاننا ضروری تھا۔ اور مجھے موقع مل نہیں رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر پرانی کہانی کو آزمانا چاہا:

''بھائی بہت بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کو ہے تو دے دو۔''

''اللہ ڈینو اسے کھانے کو دے۔'' کراچی والے بندے نے کہا۔

''یار صغیر تو بھی نا..... خود ہی اٹھ کر دے دے۔'' اللہ ڈینو نے منہ بنا کر کہا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ ان میں کوئی بھی اہم بندہ نہیں ہے۔ پانچوں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ ڈینو خود اٹھا اور دوسرے کمرے سے بھنا ہوا مرغ اور روٹی لے آیا۔

''لے بھائی صرف دو روٹی بچی ہوئی ہے، اس سے کام چلا۔ دوپہر کا کھانا پک جائے تو پیٹ بھر کر کھا لینا۔'' اللہ ڈینو نے پلیٹ سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

واقعی بھوک تھی پھر ان کو دکھانا بھی تھا کہ میں بھوکا ہوں اس لیے میں نے کئی روز کے فاقہ زدہ انداز میں کھانا شروع کر دیا۔ وہ سب مجھے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ کھانا کھا کر میں نے ڈکار لی اور کہا۔ ''اچھا بھائیو اب مجھے اجازت دو میں اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ پتا نہیں وہ سب طوفان سے بچے بھی یا نہیں۔ اس لیے کہ میں الٹی طرف بھاگا تھا۔ اگر وہ لوگ بھی ادھر گئے ہوں گے تو بچ جائیں گے ورنہ آئس سلائیڈنگ میں دب دبا گئے ہوں گے۔''

''اب تم ادھر سے جا نہیں سکتا۔ جب ہم لوگ چلا جائے گا تو شوق سے باہر نکل جانا۔'' ریاست خان نے اکھڑ لہجے میں کہا۔ ''اب تم ادھر ہی رہے گا۔''

''لیکن میرے ساتھی۔''

''ہم ان کو ڈھونڈے گا اگر وہ لوگ مل گیا تو ان کو بھی یہیں لائے گا۔ ادھر باہر کا کوئی آدمی نہیں آتا تم کیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ گیا۔'' ریاست خان کا لہجہ بالکل بدل گیا تھا۔ اس نے اللہ ڈینو سے کہا۔ ''منہ کیا دیکھتا ہے اس کا ہاتھ پیر باندھ کر ایک طرف ڈال دے۔''

وہ چار تھے اور میں اکیلا پھر میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی کمر میں پستول بھی ہے۔ معاملہ نازک تھا۔ اگر میں اپنی قوت آزماتا تو معاملہ بگڑ بھی سکتا تھا۔ میں نے آرام سے اپنے ہاتھ پیر بندھوا لیے۔ انہوں نے مجھے باندھتے وقت عام انداز سے باندھا تھا جسے کھولنا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ انہوں نے مشکیں کس کے مجھے فرش پر ڈال دیا تھا۔ میں اگر چاہتا تو اپنے ہاتھ دکھا سکتا تھا پھر بھی میں لاچار سا ایک جانب پڑا رہا۔ ریاست خان میری طرف سے مطمئن ہو کر باہر نکل گیا۔ جاتے وقت وہ اپنے ساتھ جیدے کو لے گیا تھا۔ پتا نہیں کس چکر میں وہ برفیلے میدان کی طرف گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی اللہ ڈینو دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس کمرے میں صرف ایک بندہ رہ گیا تھا صغیر جو مجھے ہیروئن چی سا لگا تھا اس لیے کہ وہ جاگتے میں بھی سوتا ہوا لگ رہا تھا۔ اب میں نے اپنی کارسازی دکھانے کی سوچی اور ہاتھ کو اوپر اٹھانے لگا۔ انہوں نے میرے دونوں ہاتھوں کو باندھا ضرور تھا لیکن پشت کی طرف نہ باندھ کر سامنے کی طرف باندھا تھا جسے کھولنا آسان تھا۔ میں نے کروٹ بدل لی اور بیٹھے ہوئے بندے کی طرف پیٹھ کر لی۔ اب ہاتھ کو اٹھا کر منہ تک لانا آسان ہو گیا تھا۔ میں نے دانتوں کی مدد سے رسّی کی گانٹھ کھولنا شروع کر دیا۔ دو منٹ میں مجھے کامیابی مل گئی۔ بندھن کھلتے ہی میں نے آواز دی۔ ''اللہ ڈینو بھائی بات سنیں۔''

''اوئے شور نہ کر اللہ ڈینو آرام کر رہا ہے۔'' ہیروئنچی جیسے شخص صغیر نے جواب دیا۔

''تو بھائی تم ہی ادھر آ جاؤ۔'' میں نے اسے ہی پھانسنے کا سوچا۔

''کیا ہے۔'' وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا اور اٹھ کر میرے قریب آ گیا۔ میں یہی تو چاہتا تھا۔ جیسے ہی وہ قریب آیا میں نے اچھل کر اس کی گردن پکڑ لی اور منہ پر بائیاں ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''اگر آواز نکلی تو گردن ٹوٹ جائے گی۔''

مجھے اس کی گردن پر دباؤ ڈالنے کی بھی ضرورت نہ پڑی، وہ ہلکے سے دباؤ سے ہی اتنا غفیل ہو گیا۔ اسے دھکا دے کر میں نے اس کمرے کا رخ کیا جدھر اللہ ڈینو گیا تھا۔ اس کمرے میں بستر بچھا ہوا تھا اور اللہ ڈینو لیٹا ہوا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ دن کے وقت سونے کی کیا تک ہے لیکن وجہ بھی نظر آ گئی۔ اس کمرے میں عجیب سی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بُو میرے لیے نئی نہیں تھی۔ جسے میں ہیروئنچی سمجھ رہا تھا وہ ہیروئنچی نہیں تھا۔ ہیروئنچی اللہ ڈینو تھا جو ہیروئن کا مزہ لے کر سویا تھا۔ میں نے قریب پہنچتے ہی اس کے گلے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور زور ڈالنے لگا۔ وہ نشے میں چُور تھا لیکن گلے پر دباؤ پڑا تو پھڑ پھڑانے لگا۔ چھٹپٹانے لگا۔ جکڑ سے نکلنے کے لیے زور لگانے لگا۔ اس کی کوشش کہاں کامیاب ہونے والی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ بھی اتنا غفیل ہو گیا۔ اس کا جسم جھول گیا۔

ان دونوں پر میں نے اتنی آسانی سے قابو پا لیا تھا جیسے وہ دونوں ننھے بچے ہوں۔ شاید اس لیے کہ یہ لوگ سڑک چھاپ تھے۔ معمولی درجے کے بدمعاش اگر ٹرینڈ ہوتے تو شاید معرکہ سر کرنے میں دیر لگتی۔

ان سے نمٹ کر میں نے اپنا بیگ اٹھایا۔ اس میں میرا موبائل تھا۔ مجھے یہ علم نہیں تھا لیکن اندازہ تھا کہ وسیم اور سفیر کے پاس بھی موبائل ہے۔ میں نے اپنا موبائل نکالا۔ اسے آن کیا لیکن یہ دیکھ کر آہ بھرنے پر مجبور ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سگنل نہیں تھا۔ اس وقت میں نے سوچا کاش میرے پاس سیٹ لائٹ فون ہوتا۔ موبائل کو واپس بیگ میں رکھ کر میں نے بیگ کو دوبارہ کندھے پر لٹکایا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔ باہر نکل کر اطراف کا جائزہ لیا۔ دور بہت دور۔ اسی برف کے میدان میں دو نقطہ سے نظر آنے والے بندے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ اس مسئلے کو ابھی چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے میں اس غار کی طرف چل پڑا جس میں سفیر وغیرہ ٹھہر گئے تھے۔ چلتے وقت میرے ذہن میں ایک بات بار بار آ رہی تھی۔ میری قسمت بھی عجب ہے۔ زندگی نے مجھے ٹینس کی گیند بنا دیا ہے کہ اچھالتی ہے۔ ٹپا کھاتا ہوں پھر اچھال دیتی ہے۔ کتنی عام سے زندگی تھی۔ ایک سویرا کی خاطر گھر چھوڑا تو زندگی کیسی اچھل کود سے بھر گئی۔ پورے پاکستان کی خاک چھنوا دی۔ نیپال انڈیا اور چین تک پہنچا دیا۔ ابھی ابھی جس سرزمین سے آیا ہوں اس کا ذکر کسی سے کروں تو کون یقین کرے گا؟ لوگ اسے من گھڑت کہانی قرار دیں گے۔ یکا یک میرے ذہن میں ایک بات ابھری، کہیں یہ سب کچھ ایلوایشن تو نہیں تھا۔ میں نفسیاتی بیمار تو نہیں ہو گیا تھا؟ کہ خواب مسلسل دیکھتا رہا۔ تبھی دماغ نے انتباہ دیا۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے ساتھ وسیم، سفیر اور عبداللہ بھی تو اس عجیب و غریب سرزمین سے آ رہے ہیں۔ کیا وہ بھی خواب دیکھتے رہے ہیں؟ میں اپنے ہی خیال پر مسکرا اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس غار کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

میری نظریں بار بار ادھر بھی اٹھ رہی تھیں۔ اس جانب جہاں دور دور تک پھیلا برفیلا میدان تھا اور اس میدان میں کسی نقطے کی طرح نظر آنے والے وہ دونوں بندے۔ انہوں نے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا تھا یا اگر دیکھا تھا تو توجہ نہیں دی تھی بس وہ آگے ہی آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

غار کے نزدیک پہنچ کر دیکھا۔ اندر بالکل خاموشی تھی۔ میرا دل دھڑک اٹھا۔ کہیں کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا۔ ان کے موجود رہتے ایسی خاموشی چہ معنی دارد۔ واقف حال ہونے کے لیے اندر داخل ہوا تو اطمینان کی سانس نصیب ہوئی۔ سامنے پتھریلے فرش پر وہ سب بے خبر سو رہے تھے۔ شاید یہ تھکن کا نتیجہ تھا۔

ایک تھکن ہی تو ایسی چیز ہے جو انسان کو ہر غم سے عاری کر کے نیند کی پُرسکون وادیوں میں دھکیل دیتی ہے۔ وہ سب بھی ہر خطرے کو بھول کر بے خبر سو رہے تھے۔ میں نے اندر داخل ہوتے ہی آواز دی۔ پہلی ہی آواز پر سفیر نے آنکھ کھول دی۔ میں نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ''سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے؟''

''کیا مطلب؟'' وسیم بھی بیدار ہو گیا تھا۔ ''یہ کیسی پہیلیاں بجھوا رہے ہیں؟''

میں نے بغور اس کو دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مطلب یہ کہ یہاں سے نکلتے ہی اجنبی دشمنوں سے سامنا ہو گیا اور وہ میری خاطر داری پر اتر آئے۔ زبردستی ایک گھر میں لے جا کر قید کر دیا۔''

''کیا..... تم قید میں تھے؟'' سفیر کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''ایسا کون سورما تھا؟''

''یہی تو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کون لوگ تھے..... بڑی محبت سے لے گئے اور لے جا کر قید کر دیا۔ میں ابھی قید سے چھوٹ کر آ رہا ہوں۔ پتا نہیں وہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔''

''بغیر کسی وجہ کہ انہوں نے آپ کو قید کر لیا تھا؟'' وسیم نے اٹھ کر انگڑائی لی اور پیر کے انگوٹے کو عبداللہ کی پیٹھ میں چبھاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کہاں کی شرافت ہے۔ اگر میں نے نیند میں ہاتھ چلا دیا ناں۔'' عبداللہ نے کسمسا کر کروٹ بدلتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا۔ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے جملہ پورا کیا:

''یہی تو حیران کن بات ہے۔ پتا نہیں کیا چکر ہے۔ وہ لوگ کسی کے انتظار میں ہیں اور آنے والے کو سب کی نظروں سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں اسی لیے مجھے قید کر لیا تھا کہ میں اسی طرف سے آیا ہوں جدھر سے اسے آنا تھا۔''

''میری آنکھ دیر سے کھلی۔ آپ کیا کہہ رہے تھے۔'' عبداللہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اجی جناب یہ فرما رہے تھے کہ ہمارے لیے کام تلاش کر لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ بیکار بیٹھنے سے ہاتھ پیروں میں زنگ لگ جائے گا۔'' وسیم نے شوخ لہجے میں کہا۔ پھر اس نے مختصر انداز میں میری بتائی ہوئی باتوں کو دوہرایا۔

''وہ کون لوگ ہیں؟'' عبداللہ نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''میں خود بھی سمجھ نہیں پایا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ میں یہاں سے نکلا تو دو آدمی نظر آئے.....'' میں نے اسے بھی پورا احوال سنایا۔ سب کچھ سننے کے بعد عبداللہ بولا:

''یہ علاقہ اسمگلنگ کے لیے بھی استعمال نہیں ہوتا کہ کہا جائے کہ وہ لوگ اسمگلر ہیں۔ ان دشوار گزار پہاڑیوں، برف زاروں میں عام طور پر صرف ٹریکنگ کے شوقین آتے ہیں۔ کلمبر آتے ہیں ورنہ یہ علاقہ تو غربت کی کوکھ میں پلنے والا ہے۔ مجھے لگتا ہے کوئی غیر معمولی بات ہے جس کی پردہ داری ہے۔''

''ایسی کیا بات ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں ایک ہی بات ہو سکتی ہے۔ یہاں سے چین بھی نزدیک ہے اور انڈیا بھی، ادھر اس طرف وہ جو پہاڑ نظر آ رہا ہے۔ پانچویں پہاڑی کے پیچھے ایک ہیولا سا اس طرف سیاچن ہے۔ کہیں کوئی سازش تو نہیں ہو رہی؟ انڈیا والوں کی سازش۔'' سفیر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''وہ لوگ ایسی کیا سازش کر سکتے ہیں؟ ان پہاڑوں پر قبضہ کریں گے؟ اگر ایسا ہوا تو ہمارے فوجی ابھی آ کر ایسا سبق سکھائیں گے کہ وہ انیس سو پینسٹھ کی بھولی ہوئی مار کو یاد کرتے ہوئے بھاگیں گے۔'' عبداللہ بولا۔

''شاید تم بھول رہے ہو۔ سیاچن میں بھی وہ لوگ چوروں کی طرح گھس کر چوکی بنا رہے تھے کہ ایک چرواہے نے دیکھ لیا اور اس نے دوڑ کر دس سے بارہ میل کا فاصلہ طے کیا اور فوج کو خبر دی۔ فوجیوں نے آ کر انہیں پیچھے دھکیلا ورنہ وہ قبضہ کیے بیٹھے رہتے۔ کہیں ویسا ہی کوئی ڈراما یہاں بھی نہ کھیل رہے ہوں۔'' عبداللہ نے سمجھایا۔

''بات سو فیصد سوچنے کی ہے۔ پتا لگانا ضروری ہے کہ وہ لوگ اتنی دور سے کیا کرنے آئے ہیں۔ کسی مقامی آدمی سے پتا نہیں کیا کہ یہ لوگ کب سے یہاں مقیم ہیں؟'' وسیم کی آواز میں فکر کا عنصر در آیا تھا۔

''کوئی مقامی ملا ہی نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ پوری بستی خالی پڑی ہے۔ ورنہ ان میں سے ایک آدمی مار کھا کر پوری قوت سے چیخا تھا۔ اس کی چیخ دور تک سنی گئی ہوگی لیکن جب میں باہر آیا تو کوئی بھی نظر نہیں آیا۔''

''ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے مقامی باشندوں کو بھگا دیا ہو۔''

''ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے۔ اگر انہوں نے ایسا کوئی کھیل کھیلا ہے تو سمجھ لو کوئی بڑی سازش ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے یاد آرہا ہے کہ ان پہاڑوں کے باشندے موسم کے حساب سے اپنا علاقہ بدلتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس موسم میں نیچے کہیں چلے گئے ہوں۔'' سفیر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''ایسا ممکن ہے۔ پھر بھی ہمیں سراغ لگانا چاہیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اگر یہ متروکہ علاقہ ہے تو وہ یہاں کیوں ڈیرا جمائے بیٹھے ہیں۔ مقامی لوگ اس ڈر سے علاقہ تیاگ دیتے ہوں گے کہ یہاں آئس سلائیڈنگ کا خطرہ ہے۔ ایسے خطرناک علاقے میں کوئی یوں ہی نہیں چلا آتا۔ ضرور کوئی بڑی بات ہے، ایسا کرتے ہیں ہم سب اسی گاؤں میں چلتے ہیں۔ تم سب دوسرے جھونپڑوں میں چھپے رہنا۔ مین واپس اسی گھر میں جارہا ہوں تا کہ ان سے اگلوا سکوں کہ وہ کیا کرنے آئے ہیں۔''

''ہاں چلو۔'' کہہ کر سفیر کھڑا ہو گیا۔

''تم سب ایک ایسی جھونپڑی تلاش کرو گے جس میں انہیں لے جا کر ہم تفتیش کر سکیں۔''

''اتنی مشقت ضروری ہے کیا؟ وہیں ڈرائی کلین کر لیتے ہیں۔ کافی دنوں سے کسی کو دھوبی پاٹ دیا نہیں ہے۔ وہاں لڑے بھی تو تیر تلوار سے ذرا بھی مزہ نہیں آیا۔'' وسیم بولا۔

''ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ ہم سب چلتے ہیں۔ پیر توڑ کر ہاتھ میں دیں گے تو ان کی زبان خود ہی چلنے لگے گی۔'' وسیم نے پھر گل افشانی کی۔

''نہیں، ٹھنڈا کر کے کھانا اچھا ہے۔ صرف ایک بندے کو اٹھاتے ہیں۔ اس سے سوالات کرتے ہیں۔ باقی سب کو اندھیرے میں رہنے دو۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''ہاں یہ مشورہ بھی برا نہیں ہے اس طرح یہ بات آسانی سے سامنے آجائے گی کہ وہ لوگ کس لیے یہاں آئے ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ کسی ملک دشمن سرگرمی میں ملوث ہوں۔'' وسیم نے کسی بزرگ خاتون کے انداز میں کہا۔ اس کے لہجے پر مجھے بھی ہنسی آگئی تھی۔

وسیم کی یہی بات مجھے اچھی لگتی تھی کہ وہ ہر حال میں خوش رہنے اور پریشان نہ ہونے والا بندہ تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ہر بات کو مزاح میں اڑا دینے والا تھا۔

''تو پھر دیر کس بات کی۔ چلو ہم سب چلے چلتے ہیں۔'' سفیر نے کہا اور اپنا بیگ اٹھا لیا۔ عبداللہ نے بھی یہی کیا۔ وسیم نے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے پھر سوال داغا۔ ''لڑائی بھڑائی کا موقع ملے گا نا۔ ہاتھ پیر اینٹھنے لگے ہیں۔''

''چلو اسی بہانے تمہارے ہاتھ پیروں کا زنگ دور کر دیتے ہیں۔ سوالات میں کروں گا اور مرمت تم کرنا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا اور باہر نکل آیا۔

باہر نکل کر میں نے برفزار کی جانب نظر ڈالی، ادھر کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ ادھر جانے والے اب تک لوٹے نہیں تھے۔ شاید کہیں دور گئے تھے۔ میں نے اپنے قدم اس گھر کی جانب بڑھا دیئے جہاں ان لوگوں نے مجھے قید کیا تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اسی جانب بڑھ رہا تھا کہ اس گھر کا دروازہ کھلا اور اللہ ڈینو باہر نکلا۔ اسے دیکھ کر میں نے سفیر سے کہا۔ ''یہ ان کا ساتھی ہے۔ اسے چھاپ لو اور سامنے والے گھر میں کھینچ لے جاؤ۔ ہم اس گھر کو ٹارچر روم بنائیں گے۔ تفتیش کے لیے وہ گھر برا نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''باہر ہی سے کافی بڑا نظر آ رہا ہے۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔

اللہ ڈینو نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور واپس اندر جانا چاہتا تھا کہ میں نے دوڑ لگا دی۔ مجھے خطرہ تھا کہ وہ اندر گھس کر کہیں دروازہ نہ لگا دے۔ اگر ایک لمحہ کی دیر ہو جاتی تو مجھے دروازہ توڑنا پڑتا۔ میں نے بند ہوتے دروازے کے درمیان پیر اڑا دیا تھا۔ میری کوشش کامیاب ٹھہری۔ وہ دروازہ بند نہ ہو پایا اور میں نے اسے زور لگا کر پیچھے دھکیل دیا، پھر اسے باہر کی جانب کھینچ لیا۔ اس افتاد پر وہ چیخا تھا۔ شاید وہ مدد کے لیے اپنے ساتھی کو بلانا چاہتا ہو۔ اس کی چیخ سن کر اندر سے دوسرا بندہ بھی باہر آ گیا۔ جیسے ہی اس نے سر باہر نکالا، باہر کا منظر دیکھنے کو لیکن دیکھ نہ پایا۔ اسے عبداللہ نے گریبان سے پکڑ کر کھینچ لیا تھا اور اپنے مضبوط بازو کی جکڑ میں اسے جکڑ لیا تھا۔ اس کی گردن گویا شکنجے میں آ گئی تھی۔ دونوں ہی بے بس ہو چکے تھے اس لیے ہم بہ آسانی ان دونوں کو کھینچتے ہوئے دوسرے والے گھر میں لے آئے۔

اندر لاتے ہی وسیم نے اللہ ڈینو کے پیٹ میں گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ ''یہ ابتدا ہے۔ ابھی میرا ہاتھ کھلنے دو پھر آرام سے خاطر داری کروں گا۔''

وسیم کا کئی پاؤنڈ وزنی گھونسا اس کے پیٹ پر پڑا تو وہ اوغ کی آواز نکال کر دوہرا ہو گیا تھا۔ وسیم نے اسی پر بس نہ کیا۔ اس کے ٹخنے پر بوٹ سے ٹھوکر بھی مار دی۔ ''یہ بھی ابتدا ہے۔ ابھی ہم تم سے کچھ سوالات کریں گے اگر صحیح جواب نہیں ملا تو پھر بہت معمولی سا کام کریں گے۔ جانتے ہو کیا؟'' اس نے جملے کے اختتام پر اپنا رخ دوسرے بندے کی طرف کر لیا تھا۔ دوسرا بندہ خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ بغیر پٹے فر فر بولنے لگے گا۔ اسے دھمکانے کے لیے اللہ ڈینو پر تشدد ضروری تھا۔ میں نے وسیم کو آنکھوں سے اشارہ دیا۔ وہ تو گویا منتظر تھا۔ اس نے الٹا ہاتھ گھما کر اس کے گال پر جڑ دیا۔ چٹاخ کی آواز سے کمرا گونج اٹھا۔ وہ اپنا گال سہلا ہی رہا تھا کہ وسیم نے دوسرے ہاتھ سے مکا رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ اسے عبداللہ نے جکڑ رکھا تھا ورنہ وہ چھٹک کر دور جا گرتا۔ تیسرا گھونسا کھا کر وہ بولا۔ ''آخر تم پوچھنا کیا چاہتے ہو؟''

''یہ ہوئی نا بات..... زبان کو کام میں لاؤ اور بتانا شروع کر دو کہ یہاں تشریف لانے کا مقصد کیا ہے؟'' کہتے ہوئے وسیم نے اس کے پیٹ میں ایک اور گھونسا مارا۔ وہ منہ سے آواز نکالتے ہوئے دوہرا ہو گیا۔

''مج مجھے۔۔ کچھ..... کچھ پتا نہیں ہے۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا۔

''ہاں اور تمہیں۔'' وسیم خونخوار نظروں سے دوسرے بندے کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ وہ وسیم کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر ہی کانپنے لگا تھا۔

''ہاں بھئی شروع ہو جاؤ۔'' وسیم نے اس کی گردن پکڑ کر کہا تھا کہ وہ رو دینے والے انداز میں بولا۔ ''مجھے کچھ بھی پتا نہیں۔ یہ لوگ مجھے کھانا بنانے کے لیے لے کر آئے ہیں۔''

''نام کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''صغیر۔'' وہ سچ مچ کانپ رہا تھا۔

''اور تم کیا کہتے ہو..... تمہیں کس لیے لایا گیا؟'' سفیر نے اللہ ڈینو کے سر پر انگلی ٹیڑھی کر کے الٹی طرف سے مارتے ہوئے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یقین کریں مجھے بھی نہیں پتا کہ ریاست خان کیا کرنے آیا ہے۔ میں کراچی میں انٹراسٹیٹ بس اسٹینڈ پر بکنگ کرتا ہوں۔ اس سے میری گہری دوستی ہے۔ ایک دن اس نے کہا کہ چلو ہم لوگ پاکستان ٹور پر چلتے ہیں۔ میں نے بھی سوچا کہ عرصہ ہو گیا ہے کہیں باہر نہیں نکلا۔ اس بہانے آؤٹنگ ہو جائے گی۔ اس سے پوچھا کہ کہاں کہاں جانا ہے تو وہ بولا کہ گلگت بلتستان کافرستان۔ یہ سن کر میں خوش ہو گیا کہ وہ شمالی علاقہ جات جانے والا ہے۔ برف باری دیکھنے کا اپنا مزہ ہے اسی لیے ہم اس کے ساتھ آ گئے۔'' اللہ ڈینو نے جواب میں پوری کہانی بیان کر دی۔ شاید یہ خوف کا اثر تھا کہ وہ ٹیپ ریکارڈ کی طرح بجنے لگا تھا۔

''یعنی تمہیں بھی پتا نہیں ہے کہ ریاست خان کیا کرنے آیا ہے؟'' میں نے اس کے قریب ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں..... مجھے کچھ بھی پتا نہیں ہے۔ میں تو صرف اس لالچ میں یہاں آیا ہوں کہ برف باری دیکھوں گا۔'' اس نے معصومانہ انداز میں جواب دیا۔ وہ جس انداز میں بتا رہا تھا اس سے صداقت جھلک رہی تھی لیکن مجھے یقین نہیں آیا تھا اس لیے مجھے وسیم کی طرف دیکھنا پڑا۔ اس کی طرف مڑ کر میں نے کہا۔ ''بھائی وسیم ذرا اپنی مہارت دکھانا کہ تم کس طرح پیروں کے جوڑ کھولتے ہو۔ اس کا پیر حاضر ہے۔ کوشش کر کے دکھاؤ نا۔''

وسیم نے جھک کر اس کے ٹخنے کو چھوا اور پھر کہا۔ ''خاصا مضبوط ہے پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں۔'' وسیم نے یہ بات اتنی سنجیدگی سے کہی جیسے واقعی وہ اس کام میں ماہر ہو۔ وہ اس کے پیر کو مختلف انداز سے معائنہ کرتا رہا پھر اس نے اس کے ٹخنے پر الٹے گھونسے کو آزما کر کہا۔ ''ہاں میں نے اس کے تمام جوڑ کو سمجھ لیا ہے، اس لیے اب میں اسے بہ آسانی کھول لوں گا۔'' اس نے ایک گھونسے پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ نہایت تیزی سے مختلف جوڑ پر گھونسا مارتے ہوئے بولا تھا۔

درد کی تیز لہر اللہ ڈینو کے چہرے پر تیرتی نظر آئی۔ اس نے درد سہنے کے لیے نچلے ہونٹ کو دانتوں میں دبا لیا پھر پھنسی پھنسی آواز میں کہا:

''آپ یقین کیوں نہیں کرتے کہ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔''

''بغیر وجہ کے کوئی گھر سے قدم باہر نہیں نکالتا، میں کیسے یقین کر لوں۔ ویسے اب کچھ ہی دیر ہے جب وسیم تمہارے ٹخنے کی ہڈی کو نکال کر فخریہ کہے گا، یہ لیجیے اسے ٹخنے کی ہڈی کہتے ہیں۔ بس تھوڑی دیر کی بات ہے۔''

اللہ ڈینو نے خوفزدہ نگاہوں سے وسیم کو دیکھا پھر منمنایا۔ ''مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ یہاں اس کا کوئی قریبی دوست آئے گا اور وہ اسے کچھ دے گا۔ جسے ہمیں پیٹھ پر لاد کر کہیں لے جانا ہے۔''

''وہ کیا چیز ہو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ کوئی بھاری بھرکم چیز ہے جسے ریاست خان اکیلے اٹھا نہیں سکتا، اسے ہم سب کو مل کر اٹھانا ہے اسی لیے وہ ہمیں ساتھ لے کر آیا ہے تا کہ ہم اس کی مدد کریں۔ بدلے میں وہ ہمیں ٹھیک ٹھاک پیسے دے گا۔ اتنے پیسے جو ہم ایک ماہ میں کما نہیں سکتے۔''

''ہاں یہ ہوئی نا بات۔'' وسیم بولا۔ ''اب باقی باتیں بھی بتاتے جاؤ۔ وہ چیز کیا ہو گی اور کتنی وزن والی ہو گی۔'' اس نے اللہ ڈینو کو چھوڑ کر صغیر کو کندھے سے پکڑ لیا تھا۔ اس نے اتنی مضبوطی سے اس کا کندھا جکڑا تھا کہ صغیر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کا علم ہم میں سے کسی کو نہیں۔ جیدے کو بھی نہیں جو اس کے ساتھ گیا ہے۔'' صغیر نے منمنا کر جواب دیا۔

''تم لوگ کتنے دن سے یہاں ہو؟'' میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت میری آنکھیں اس کی آنکھوں میں سچ تلاش کر رہی تھیں کیونکہ انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دیتیں اور جھوٹ عیاں ہو جاتا ہے۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ اسی لیے مزید کی تمنا میں مسلسل اس پر دباؤ بڑھا رہا تھا۔

''ہم لوگ پرسوں پہنچے ہیں۔ یہ پورا علاقہ ریاست خان کا دیکھا ہوا ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ اکثر یہاں آتا رہا ہے۔''

''اس سے ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی۔ کب سے دوستی ہے؟'' میں نے ایک اور سوال داغا۔

''یقین کریں میں بس اسٹینڈ پر ٹائم کیپر ہوں۔ وہ اکثر اپنی بس لے کر کراچی آتا رہتا ہے۔ وہیں اس سے دوستی ہوئی تھی۔ ایک سال پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بس کے نیچے غیر قانونی اشیا لے کر آتا ہے اس لیے اس کی آمدنی خوب ہوتی ہے اور وہ ہاتھ کا بھی کھلا ہے۔ دوستوں پر دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔''

''یہاں آنے سے پہلے اس نے ایسا کیا کہا تھا کہ تم لوگ آنے پر راضی ہو گئے تھے؟''

''اس نے کہا تھا کہ اس کے ایک دوست نے اسے ایک کام دیا ہے۔ اس کام کے اچھے پیسے دے گا۔ گلگت بلتستان کی سیر مفت میں ہو جائے گی اور لوٹتے وقت جیب میں اچھی خاصی رقم بھی ہو گی۔ کام بہت معمولی ہے۔''

''ایک کی بجائے تین بندوں کو کیوں لے کر آیا یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اس نے کہا تھا کہ میرا دوست جو دے گا اسے وہیں ایک دوسرے بندے تک پہنچا دینا ہے۔ جو کچھ دے گا وہ وزنی ہے اس لیے اسے مدد کے لیے دو تین آدمیوں کی ضرورت پڑے گی۔ میں نے ہی اللہ ڈینو کو ساتھ ملایا اور یہاں آ گیا۔'' اس نے اپنے ساتھ بیٹھے بندے کی طرف اشارہ کیا۔

''ریاست خان کب تک لوٹے گا؟''

''کہہ کر نکلا تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں آ جائے گا۔ درمیان میں آپ آ گئے اس لیے اسے واپس آنا پڑا۔''

''اسے گئے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا ہے۔ اب تو اسے آ جانا چاہیے؟''

''ہو سکتا ہے آ گیا ہو اور ہمیں اس والے گھر میں تلاش کر رہا ہو۔''

اس کی بات میں وزن تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''باہر دیکھنا لیکن احتیاط کے ساتھ۔''

عبداللہ اٹھ کر دروازے تک گیا اور تھوڑا سا اسے کھول کر باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اس کا اندازہ صحیح ہے۔ وہ دونوں آ چکے ہیں اور اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں۔ شاید انہیں ان دونوں کی تلاش ہے۔''

''گویا آپریشن کی شروعات کر دینا چاہیے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ایسا کرتے ہیں ان دونوں کو باندھ کر ڈال دیتے ہیں پھر باہر نکلیں گے۔'' وسیم بولا تھا کہ میں نے آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھ کر اللہ ڈینو کی گدی پر کھڑی ہتھیلی کا وار کیا۔ وہ چکرا کر نیچے گرا تھا کہ سفیر نے برابر میں کھڑے اس کے ساتھی کی گردن ناپی۔

دونوں نیچے گر چکے تھے۔ انہیں بے ہوش دیکھ کر سفیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ عبداللہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے کہ ہم پوری طرح سے مطمئن رہیں گے کہ یہ باہر نکل کر شور نہیں کر پائے گا۔''

ان دونوں کو ہوش سے بیگانا کر کے ہم باہر آئیں لیکن اس احتیاط سے کہ فوراً ہی کسی کی نظر میں نہ آجائیں۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس وقت باہر کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ شاید وہ دونوں اندر تھے۔ ہم چاروں آگے پیچھے دوڑتے ہوئے اس مکان تک پہنچے اور دروازے سے اندر جھانکا۔ ریاست خان اور جیدا دونوں فرش پر بیٹھے تھے۔ ریاست خان فکرمند لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''یہ ایک خطرناک بات ہے کہ وہ قیدی غائب ہے، اللہ ڈینو اور صغیر بھی نظر نہیں آرہے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ قیدی کسی طرح اپنے بندھن کھول کر بھاگا ہوگا۔ اللہ ڈینو اور صغیر اس کے پیچھے گئے ہیں۔ یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔'' جیدے نے اپنا خیال پیش کیا۔

''ہمیں اب دیر نہیں کرنا چاہیے۔'' سفیر نے سرگوشی میں کہا۔

میں نے لات مار کر دروازہ کھولا۔ آواز سے وہ دونوں چونک گئے۔ میں نے اندر جاتے ہی کہا۔ ''ریاست خان تمہارا کھیل ختم ہوگیا۔''

ریاست خان نے کمر میں اڑسا پستول نکالنے کی کوشش کی تھی کہ سفیر نے اچھل کر اس کے سینے پر ٹکر ماری۔ وہ فرش پر چت گرا تھا کہ وسیم نے اپنا پیر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پستول کا رخ دیوار کی طرف تھا۔ اگر وہ ٹریگر دباتا تو گولی دیوار میں لگتی۔ ریاست خان کے دوسرے ساتھی کو عبداللہ نے سنبھال لیا تھا۔ سفیر نے اس کی گردن پر اپنا پیر رکھ کر کہا۔ ''جتنی جلدی بکے گا تیرے حق میں اتنا ہی اچھا ہے۔ توتے کی طرح ٹیں ٹیں شروع کر دے۔''

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' اس نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

''تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

''ٹور پر آیا ہوں..... ہر سال آتا ہوں۔ اس موسم میں یہاں کوئی رہتا نہیں ہے۔ ہم آرام سے ان کی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ موج مستی کرتے ہیں اور دس بارہ دن میں لوٹ جاتے ہیں۔''

''جھوٹ بولنے کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ صاف پتا چل رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' میں نے اس کی پسلی پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

''اگر سچ نہیں بولنا ہے تو پھر موت کے فرشتے کو کہہ دو کہ وہ جلدی آجائے اس لیے کہ اب تم میرے قبضہ میں ہو۔'' وسیم نے پیر سے اس کی کلائی کو مسلتے ہوئے کہا۔ اس کا دباؤ کچھ زیادہ ہی ہوگیا تھا کیونکہ ریاست خان کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

''ریاست خان ایک بات یاد رکھنا۔ میں اگر ضد پر اتر آؤں تو گونگے بھی بولنے لگتے ہیں۔ میں ہاتھ پیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

توڑ کر تمہیں سامنے والے برفیلے میدان میں ڈال آؤں گا۔ باقی کام ہوائیں اور برف کے ذرات خود کر دیں گے کیونکہ یہاں کے مکین ایک ڈیڑھ ماہ سے پہلے واپس آنے سے رہے۔''

''آپ کو کیسے میں یقین دلاؤں کہ مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔''

''وسیم ایسا کرو کہ اس کی ایک ایک انگلی توڑنا شروع کر دو۔ جب یہ لولا ہو جائے گا تو میں اس کے پیروں کی انگلیاں توڑوں گا۔'' میں نے اس کے ہاتھ سے پستول چھینتے ہوئے کہا۔ اس نے پستول چھوڑنے کی بجائے ٹریگر دبا دیا تھا۔ دھماکا ہوتے ہی وسیم جیسے پاگل ہو گیا۔ وہ اس کے ہاتھ پر داہنا پاؤں پہلے ہی رکھے ہوئے تھا۔ اب وہ بائیں پاؤں کو مشینی انداز میں اس ہاتھ پر مارنے لگا بھاری بوٹ کی ضرب نے ہاتھ کو تقریباً ناکارہ کر دیا۔

''جلدی زبان کھول ورنہ اب میں انگلیاں توڑنے ہی والا ہوں۔'' کہہ کر اس نے ایڑی اٹھا کر سارا زور پنجے پر ڈالا۔ بوٹ کی ٹو نے انگلی کا بھرتا بنانے میں کسر نہ چھوڑی تھی۔ ریاست خان کا چہرہ تکلیف کی شدت سے مسخ ہو رہا تھا۔ اس کے ناخنوں سے خون ٹپکنے لگا تھا۔

''ریاست خان اب بھی وقت ہے زبان کھول دو۔ تم کس سے ملاقات کرنے گئے تھے۔ وہ کون ہے جو آ رہا ہے۔ اگر سچ بول دو گے تو میں وعدہ کرتا ہوں جان بخش دوں گا ورنہ ایک ایک کر کے میں تمہاری تمام انگلیاں توڑنے کا حتمی حکم دے دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''یقین کرو کون آ رہا ہے مجھے خود پتا نہیں ہے۔ بس مجھے حکم ملا ہے کہ اس علاقے میں پہنچوں اور ان سے ملوں۔ وہ جیسا کہیں اسی مطابق کام کروں۔'' ریاست خان نے جواب دیا۔

''تمہیں یہ حکم کس نے دیا ہے؟'' وسیم نے ایک بار پھر اپنے پاؤں پر زور ڈالا۔

''میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔''

''اس سے کبھی ملے نہیں؟''

''نہیں۔ اس سے میرا رابطہ فون پر ہوتا ہے۔ اس کا فون نمبر مجھے سرکار کے ایک مرید نے دیا تھا۔''

''یہ سرکار کون ہے؟''

''مرشد سائیں..... حضرت مرشد علی سائیں سرکار۔''

اس کا اتنا کہنا تھا کہ وسیم نے کہا۔ ''شکر الحمدللہ..... ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم..... ہمیں ڈھونڈنے کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ مرشد نے خود ہی رسّی دراز کر دی کہ اسے پکڑ کر چلے آؤ۔''

''بکواس بند کرو۔'' میں نے وسیم کو خاموش کیا پھر ریاست خان سے بولا۔ ''تم مرشد کو کب سے جانتے ہو؟''

''بہت پہلے سے۔ کئی سال قبل میرے جگری یار فتح خان نے سائیں کو کوئی کام لیا تھا۔ اس سلسلہ میں ملنے میں بھی سائیں سرکار کے پاس آیا تھا اور میری دنیا بدل گئی۔''

ریاست خان بڑی عقیدت سے مرشد کا نام لے رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ پوری طرح مرشد کے ٹرانس میں ہے۔

''لگتا ہے دنیا گول ہے، بالکل گول ہے۔ مرحوم فتح خان سے بھی سلسلہ مل گیا۔'' تنویر ہنستے ہوئے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے ریاست خان سے پوچھا۔ ''مرشد کا وہ مرید کب سے اس آدمی کے لیے کام کر رہا ہے؟''

''میں سائیں سرکار کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آفاق نامی وہ مرید مجھے لے کر باہر چلا آیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ''ریاست خانا تم کو ہم ایک کام دینا چاہتا ہے، کرو گے؟'' میں نے پوچھا۔ ''کیسا کام؟'' وہ بولا۔ ''ایک چھوٹا سا کام ہے جو آپ کسی سے بھی کرا سکتے ہو۔ کام کے بارے میں معلومات اس فون نمبر سے ملے گی۔ سائیں سرکار نئی خانقاہ کی تعمیر کے لیے فنڈ جمع کر رہے ہیں اور اگر کوئی ایسا ویسا کام آ جاتا ہے تو یہ سوچ کر لے لیتے ہیں کہ ایک اچھے مقصد کے لیے بظاہر برا نظر آنے والا کام کرنا جائز ہے کیونکہ خانقاہ بن گئی تو لاکھوں افراد کی ہدایت کا سامان ہو جائے گا۔ میں خود بھی خانقاہ کی تعمیر کے لیے کچھ دینا چاہتا تھا اس لیے فوراً راضی ہو گیا۔ میں نے اس کو ہاں کر دیا۔ یہ بات تین مہینے پہلے کی ہے۔ اس نے جو کام دیا تھا وہ ایک آدمی تک ایک سوٹ کیس پہنچانا تھا۔ وہ سوٹ کیس یہاں آ کر لینا تھا۔ میں نے وہ کام کر دیا۔ اس کا معاوضہ اتنا ملا کہ ایک بڑی رقم میں نے خانقاہ کے لیے دے دی جسے لے کر سرکار خوش ہو گئے۔ اس کے بعد اس بندے سے پھر بات نہ ہوئی۔ میں اسے بھلا بیٹھا تھا کہ ایک ہفتہ قبل فون آ گیا۔ اس نے اس بار جو کام بتایا اور ایڈوانس میں پچاس ہزار روپے اسی مرید سے بھجوائے تو میں بھاگتا ہوا کراچی پہنچا اور وہاں سے ان تینوں کو لے کر یہاں آ گیا۔''

میں برسرِ مطلب آ گیا۔ ''جس کی تلاش میں گئے تھے وہ کیوں نہیں آیا؟''

''گزشتہ بار جس دن کا بولا تھا وہ اس کے دو دن بعد آیا۔ ہو سکتا ہے اس بار تین روز بعد آئے۔'' ریاست خان نے اپنے زخمی ہاتھ کو ہلانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ وسیم نے پیر کا دباؤ کم کر دیا تھا۔

''گزشتہ بار وہ کیا دینے آیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''رقم دینے آیا تھا جو میں دو سوٹ کیس میں بھر کر یہاں سے لے گیا تھا۔''

''اچھا یہ بتاؤ وہ دیکھنے میں کیسا ہے۔ چینی، پاکستانی یا انگریز ہے؟''

''شکل تو بالکل پاکستانیوں جیسی ہے لیکن اردو بہت خراب ہے۔ شین نہیں بولتا اور نہ قاف یا خے بول سکتا ہے۔''

اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ انڈین ہے اس لیے کہ انڈین قاف اور خ بول نہیں پاتے۔ خبر کو کھبر کہیں گے۔ لگتا ہے خانقاہ کی بربادی کے بعد مرشد مزید نیچے گر گیا ہے۔ انڈین مذہبی رہنماؤں کی تاک میں رہتے ہیں تاکہ ان کو استعمال کر سکیں۔ اسی لیے ان کے ایجنٹ ایسے لوگوں سے دوستی بڑھا کر اپنا کام نکالتے ہیں گویا وہ انڈین کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا ہے اور یہ بات میرے لیے قابلِ نفرت تھی۔ میں اسے کسی بھی حالت میں معاف نہیں کر سکتا۔ ملک دشمنوں کو معاف کرنا میری سرشت میں شامل ہی نہیں۔ اب میں اسے کتے کی موت ماروں گا۔ میں اپنی سوچ میں غلطاں تھا کہ وسیم کی آواز سماعت سے ٹکرائی:

''یاد رکھنا اگر ایک بات بھی غلط ثابت ہوئی تو اپنی تمام انگلیوں سے ہاتھ دھو لو گے۔'' وسیم کی آواز میں ایسی سفاکیت تھی کہ سننے والے کے جسم میں سرد لہر دوڑ جائے۔

''میں جھوٹ نہیں بولتا ماں کی قسم۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پختون کتنا بھی غلط کام کر لے لیکن ماں کی قسم نہیں کھاتا۔ وہ واقعی سچ بول رہا تھا اس کا مجھے یقین آ گیا تھا اس لیے میں نے کہا۔ ''وسیم اسے چھوڑ دو۔''

وسیم نے اس کے ہاتھ پر سے پیر اٹھا لیا۔ ہاتھ آزاد ہوتے ہی اس کے چہرے سے کرب کے آثار مٹ گئے۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے زخمی ہاتھ کو اٹھایا اور بغور اس کا معائینہ کرنے لگا۔ تب میں نے سفیر سے کہا۔ ''اپنے بیگ کو ٹٹولو اگر فرسٹ ایڈ کا سامان ہے تو اس کی مرہم پٹی کر دو۔''

ریاست خان نے ترحم نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ سفیر نے بیگ سے فرسٹ ایڈ کٹ نکالی اور اس کے ہاتھ پر دوا لگا کر پٹی باندھنے لگا۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تمہاری باتوں پر یقین ہے لیکن سوچ کر دیکھو۔ وطن ہماری ماں ہے۔ اس ماں کی عزت سے کوئی کھیلے تو کیا تم برداشت کر لو گے؟''

اس نے نظر اٹھا کر کہا۔ ''میرا وطن میری جان ہے۔ ہم چور ہے بدمعاش ہے۔ غلط کام بھی کرتا ہے لیکن کبھی وطن دشمنی نہیں کر سکتا۔''

ریاست خان کی بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اسے استعمال کیا گیا ہے ورنہ یہ آدمی غدارِ وطن نہیں ہے۔ میں نے گرم لوہے پر چوٹ ماری۔ ''لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو یہ وطن سے غداری ہے۔ تمہیں نہیں پتا کہ جس سے تم ملنے آئے ہو وہ ہمارے ملک میں انتشار پھیلانے کے لیے سازش رچا رہا ہے اور اس کام میں تم ان کے مدد گار بن گئے ہو۔''

میری بات پر اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''جی نہیں ہم وطن کے خلاف ہونے والا کسی سازش کا شکار بن نہیں سکتا۔''

''مجھے یقین ہے تم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے لیکن انجانے میں کچھ لوگ آلہ کار بن جاتے ہیں۔ جیسے تم بن گئے ہو۔''

''اگر یہ بات ثابت ہو گیا تو ہم اپنے ہاتھ سے اسے قتل کرے گا۔''

''مجھے تم سے یہی امید ہے۔ اس لیے تمہیں ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔ آنے والے کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس کی اصلیت جان چکے ہو۔ اس سے حقیقت اگلوانے کی کوشش کرو کہ وہ چاہتا کیا ہے۔ پھر ہم کوئی لائحہ عمل تیار کریں گے۔'' میں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ کو یقین ہے یہ سچ بول رہا ہے؟'' سفیر نے انگلش میں پوچھا۔ اس کا انداز اسپینش تھا کہ اگر ریاست خان انگلش جانتا بھی ہو تو مفہوم آسانی سے سمجھ نہ آئے۔ میں نے اسے مطمئن کرنے کے لیے اسی لہجے میں کہا:

''انسان کتنا ہی بڑا شاطر کیوں نہ ہو مگر اس کی آنکھیں سچ بولتی ہیں۔ میں پوری گفتگو کے درمیان اس کی آنکھیں اور چہرے کے تاثرات ہی دیکھتا رہا۔ وہ سو فیصد سچ بول رہا ہے۔ باتوں سے تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ یہ مذہب پرست ہے۔ انتہائی معصوم۔ ایسے لوگ مذہب کے نام پر بڑی آسانی سے بے وقوف بنا دیئے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ یہ مرشد کی وجہ سے بے وقوف بن گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا یہ اب ہمارا ساتھ دے گا؟''

''ایسے لوگ وطن کے لیے جذباتی ہوتے ہیں۔ بھول گئے۔ 1947 میں یہ پختون ہی تھے جو ایک آواز پر کشمیر کے برادرانِ ایمانی کو ڈوگرا ظلم سے آزاد کرانے کے لیے خود ہی اپنے علاقوں سے نکل کر کشمیر پہنچ کر سری نگر تک گھس گئے تھے۔ ان غیور بہادروں کے بارے میں میرا خیال غلط نہیں ہوسکتا۔ اب یہ اپنے ہاتھوں سے اس بندے کو شوٹ کرے گا۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

ریاست خان اپنا زخمی ہاتھ سنبھالے ہوئے کسی سوچ میں گم تھا۔ اس کی توجہ ہماری طرف نہیں تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ برفیلے میدان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب اندھیرا پھیل گیا تھا۔ سرد ہوائیں مزاج پوچھنے لگی تھیں۔ میں نے اتاری ہوئی جیکٹ کو دوبارہ سے پہن لیا۔ زِپ لگا رہا تھا کہ ریاست خان نے کہا۔ ''وہ آ گیا؟''

''اس اندھیرے میں برفیلے میدان کو پار کر کے وہ آ رہا ہے۔ تعجب کی بات ہے۔'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

''گزشتہ بار بھی وہ رات کے وقت آیا تھا۔ یہ بات یاد آیا تو میں کھڑکی پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور واقعی وہ آ گیا۔ ٹارچ سے اشارہ کر رہا ہے۔'' ریاست خان کے کہنے پر میں نے اُدھر دیکھا۔ سامنے برفیلے میدان میں بار بار ٹارچ جل بجھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا:

''اس اشارے کا جواب کیسے دو گے؟''

''اسی طرح ٹارچ کے ذریعہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''تو پھر اشارہ دو۔'' میرے کہنے پر اس نے کمرے کے ریک پر رکھے ٹارچ کو بائیں ہاتھ سے اٹھایا اور کھڑکی پر آ کر جلانے بجھانے لگا۔ ادھر سے تین بار ایک ساتھ جلایا بجھایا گیا اور پھر ٹارچ بند ہو گئی۔

''وہ مجھے بلا رہا ہے۔'' ریاست خان نے کہا۔

''چلے جاؤ مگر احتیاط سے۔ ہم تمہارے قریب ہی ہوں گے مگر کچھ دیر سے نکلیں گے اور ضرورت پڑی تو مدد بھی کریں گے۔'' میرا جملہ ختم ہوا ہی تھا کہ وہ بولا:

''ہماری باتیں کیسے سنیں گے؟''

''واقعی یہ بات اہم ہے۔'' میں نے کہا پھر سفیر کی طرف مڑ کر بولا۔ ''راجا صاحب بغیر تیاری کے تم لوگوں کو لے کر نکلے نہیں ہوں گے۔ یقیناً تمہارے پاس وا کی ٹا کی ہوگی؟''

''جی ہاں ہے اور بہت اعلیٰ قسم کی ہے۔'' کہہ کر وہ اپنے بیگ کو کھولنے لگا۔ زپ کھولتے ہوئے بولا۔ ''وسیم اور عبداللہ کے پاس بھی ہے۔ سب دیکھ لیں کہ چارج ختم تو نہیں ہوا۔''

وسیم اور عبداللہ نے بھی وا کی ٹا کی نکال لیا جو بہت ہی چھوٹا تھا۔ اسے بہ آسانی کالر میں لگایا جا سکتا تھا۔

میں نے سفیر والا وا کی ٹا کی لے کر ریاست خان کی طرف بڑھا دیا۔ ''اسے اپنے اوپر والی جیب میں رکھو۔ ہم سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم صرف تمہاری باتیں سنیں گے۔ اس لیے اسے نکالنے کی بھی ضرورت نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ریاست خان نے اسے قمیص کے گریبان میں رکھا اور پھر بولا۔ ''اس طرح کوئی دیکھ بھی نہیں پائے گا اور رابطہ بھی رہے گا۔''

''ویری گڈ۔'' میں نے اس کی تعریف کی۔ وہ ہنستے ہوئے باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھی جیدے نے ٹارچ ساتھ لے لی تھی جسے وہ جلا کر آگے بڑھ رہا تھا۔ شاید یہ بھی اسے انسٹرکشن دیا گیا تھا۔ وہ دونوں آگے بڑھتے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے سفیر سے کہا کہ وہ وسیم اور عبداللہ سے کنکٹ کر دے۔ وسیم پہلے ہی کنکٹ ہو چکا تھا۔ اس نے رسیور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے کان میں لگا لیا۔ سفیر نے بھی عبداللہ والا سیٹ لے لیا۔

''سفیر اور ہم ان کی طرف جا رہے ہیں۔'' کہہ کر میں نے سفیر کو مخاطب کیا۔ ''جھک کر آگے بڑھنا ہے۔ جب فاصلہ بہت کم رہ جائے تو لیٹ کر کرولنگ کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے۔''

''او کے بوس۔'' سفیر نے ہنس کر کہا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ ہم دونوں آگے پیچھے باہر نکلے اور جھک کر چلنے لگے۔ ہم نے کوشش کی تھی کہ دور سے اگر کوئی دیکھے بھی تو جانور سمجھ کر نظر انداز کر دے۔ میرا پورا دھیان کان میں لگے مائیک پر تھا۔ اب تک صرف سائیں سائیں کی آواز آ رہی تھی جو اس بات کی تشریح تھی کہ وہ دونوں ابھی آنے والے سے دور ہیں۔ باتیں ہوتی تو آواز آتی نا۔

ہم آگے بڑھتے ہوئے اب اس مقام تک پہنچ چکے تھے جہاں سے چڑھائی شروع ہوتی تھی اور پھر برفیلا میدان تھا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈی میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ جیکٹ بھی اس سرد لہر کو روکنے میں ناکام تھی، سینے کے سامنے کا حصہ پوری طرح بھیگ چکا تھا اور برف کی ٹھنڈک سینے کو چھید رہی تھی۔ سامنے سے اڑ کر آتے برف کے ذرات سینے پر جمع ہو رہے تھے اور اس کی ٹھنڈک اندر تک پہنچ رہی تھی۔ لیکن ہم نہ سیدھے ہو سکتے تھے اور نہ رک سکتے تھے۔ آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ابھی ہم نے دو تین قدم ہی بڑھائے تھے کہ کانوں میں آواز گونجی:

''آ گئے۔ ہمیں پوری امید تھی کہ تم وقت پر پہنچ جاؤ گے۔'' شاید آنے والے نے ریاست خان کو مخاطب کیا تھا۔

''جی ہم وقت پر آ گئے تھے۔ صبح بھی ادھر آئے تھے لیکن آپ پہنچے نہیں تھے۔'' ریاست خان کی آواز سنائی دی۔

''ہم پہلے دیکھتے ہیں کہ کوئی اور تو ساتھ نہیں ہے۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو جاتا ہے تب آتے ہیں۔''

''اس موسم میں ادھر کون آئے گا۔ مقامی لوگ جب آبادی خالی کر جاتے ہیں تو یہاں کوئی کیا کرنے آئے گا؟'' یہ آواز جیدے کی تھی۔

''کبھی کبھی کوئی مہم جو آ جاتا ہے۔ ٹریکنگ کے لیے۔'' وہی آواز پھر سنائی دی۔ ''ادھر ہم نے کچھ لوگوں کی آمد محسوس کی ہے۔ کوئی نظر تو نہیں آیا لیکن پیروں کے نشان نظر آئے ہیں۔''

''جی ہاں ایک پارٹی اوپر سے آئی ہے لیکن رکی نہیں۔ نیچے کی طرف چلی گئی۔'' ریاست خان نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے انہیں نیچے جاتے دیکھا ہے نا؟''

''جی ہاں۔''

''ان کی نظر تم لوگوں پر پڑی؟''

''جی نہیں۔ وہ ہمیں دور سے آتے ہوئے نظر آئے تھے کہ ہم لوگ ایک خالی گھر میں چھپ گئے۔''

''یہ اچھا کیا۔ اب یہ بتاؤ کہ جو سامان میں تم لوگوں کو دوں گا اسے کیسے لے جاؤ گے؟''

''ہم دو کافی ہیں۔ اسے اٹھالیں گے۔''

''اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے سلیج نما گاڑی تیار کرالی ہے۔ اسے بہ آسانی کھینچ لو گے۔''

''کیا اسے شہر تک لے جانا ہے؟''

''نہیں اسے کہیں۔ لے جانا نہیں ہے۔ اس میں جو سامان ہے اسے غاروں میں رکھنا ہے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر غاروں کے اندر یہ والا پیکٹ رکھنا ہے۔'' شاید اس نے کوئی پیکٹ دکھایا تھا۔ ''یہ والا پیکٹ نکال نکال کر غار میں رکھنا ہے۔'' اس نے کیا دکھایا تھا یہ میں دیکھ تو نہ سکا لیکن اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی دھماکا خیز مواد ہے۔ تبھی دوسری جانب سے پھر وہی منحوس آواز ابھری۔ ''اور پھر پرسوں عین اس وقت جب برف کا طوفان اٹھے تو یہ ریموٹ دبا دینا ہے۔ لیکن خود کسی محفوظ مقام پر رہنا۔''

اب مجھے اچھی طرح یقین ہو چکا تھا کہ وہ کوئی ٹائم بم ٹائپ کی چیز ہے۔ یہ ایک بہت خطرناک بات تھی۔ میں اندر تک کانپ اٹھا تھا۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو بہت بڑی تباہی پھیلتی۔ غصے سے میرے جبڑے بھنچ گئے تھے۔ اب ہم ان کے اتنے قریب آ چکے تھے کہ ان کی نظر پڑ سکتی تھی۔ اس لیے لیٹ گئے۔ مجھے لیٹتے دیکھ سفیر بھی لیٹ گیا۔ یہ کام مزید اذیت رساں تھا کیونکہ کہنا آسان ہے کہ برف پر لیٹ جاؤ لیکن جب کوئی لیٹتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ برفیلے میدان میں لیٹنا کتنا مشکل ہے۔

جیکٹ ایک منٹ میں شرابور ہو گئی اور سرد لہر پورے جسم میں دوڑنے لگی۔ جسم کی گرمی بھلے ہی اس سرد لہر کو روکنے میں ناکام رہی ہو لیکن دماغ میں جو گرم لہر اٹھ رہی تھی اس نے میرے اندر بھٹی سی سلگا دی تھی۔ اگر وہ ریموٹ والا جملہ سنا نہ ہوتا تو شاید اتنی دلچسپی سے اس کے قریب پہنچنے کی کوشش نہ کرتا لیکن یہ میرے وطن کا سوال تھا اور جب وطن کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اور یہ اطلاع مجھ تک پہنچ جائے تو میں آگ کے سمندر میں بھی چھلانگ لگانے کو تیار ہو جاتا ہوں۔ اس وقت تو ثبوت بھی سامنے تھا۔ اس کو سزا دینا ضروری تھا۔ ان آنکھوں کو پھوڑنا تھا جو میرے وطن پر بری نظر ڈال رہی تھیں۔ اس لیے میں پوری دلجمعی سے آگے کی جانب سرک رہا تھا۔

اب وہ مجھ سے بہ مشکل ایک فرلانگ کی دوری پر تھا۔ اگر میں کھڑے ہو کر دوڑ سکتا تو اسے دبوچ چکا ہوتا لیکن مجبوری تھی کہ میں دوڑ نہیں سکتا تھا ورنہ وہ بھی دوڑ لگا دیتا۔

مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہاں سے سرحدی پٹی کتنی دور ہے۔ ''نو مین لینڈ'' ایریا کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ عام طور سے ہر سرحدی پٹی پر ایسے نشانات لگا دیئے جاتے ہیں جو سرحد کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن ان پہاڑوں پر کہیں بھی ایسے نشانات نہیں تھے جو بارڈر کی نشاندہی کرتے۔ اسی لیے میں احتیاط برت رہا تھا کیونکہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوڑ کر اپنی حدود میں چلا جاتا تو میں بھی اس کے تعاقب میں دوڑ پڑتا اور پھر ایک نئی کہانی شروع ہو جاتی۔ ویسے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ تخریبی کارروائی کے لیے آیا ہے۔ ایسے لوگ معصوم لوگوں کو پھانس کر اپنا کام نکالتے ہیں اور اپنے ہی لوگ نادانستگی میں اپنا نقصان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے بقول ریاست خان کہ گزشتہ بار وہ نوٹوں سے بھرا سوٹ کیس پہنچا گیا تھا جسے ریاست خان نے راولپنڈی کے کسی شخص کو پہنچایا تھا۔ مجھے بہ خوبی اندازہ تھا کہ وہ نوٹ جعلی ہوں گے۔ یعنی نادانستگی میں ریاست خان نے ملک کی معیشت کو بری طرح نقصان پہنچا دیا تھا۔ اس بار تو بہت بڑی سازش کرنے آیا تھا جس کے نقصان کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ جو کچھ وہ چاہ رہا تھا ایسا ہو جاتا تو بہت بڑی تباہی پھیلتی۔ ایسی تباہی جس کا زخم برسوں بھلایا نہیں جا سکے گا۔ اس کے پلان کو ناکام بھی کرنا تھا اور اسے انجام تک پہنچانا بھی تھا۔ اس نے میرے وطن کی طرف میلی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لیے اسے سبق دینا ضروری تھا۔

میں نے سرکنے کی رفتار بڑھا دی تھی۔ سانپ کی طرح تیزی سے آگے کی سمت بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ میری تیز رفتاری کا مقابلہ سفیر بھی کر نہ سکا تھا اس لیے ابھی وہ کافی پیچھے تھا۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ واپس مڑا تھا کہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ مجھے کھڑے ہوتے ہوئے وہ دیکھ نہ سکا لیکن جب میں دوڑا تو وہ سرعت سے پلٹا تھا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اسے بھی خطرے کا احساس ہو گیا تھا اسی لیے وہ دوڑا تھا لیکن میرے ساتھ میرا جذبہ بھی تھا اس لیے وہ ناکام رہا۔ میں نے ہوا میں اچھل کر سر سے اس کی پیٹھ پر ٹکر ماری تھی۔ وہ ٹکر لگتے ہی گرا تھا کہ میں اس پر سوار ہو گیا۔ اب وہ نیچے اور میں اوپر تھا۔ میں نے اس کی گردن پکڑنے کی کوشش تھی کہ وہ بام مچھلی کی طرح پھسل گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اٹھ کر کھڑا بھی ہو گیا تھا کہ میں نے اس کی جیکٹ پر ہاتھ ڈال دیا۔ وہ اپنے جیکٹ کو چھڑانے کے لیے جھٹکا مارنا چاہتا تھا کہ میں نے اسے سامنے کی جانب کھینچ لیا۔ اس کا سر آ کر میرے سینے سے ٹکرایا تھا کہ میں نے گھٹنے سے اس کی ٹانگوں کے بیچ ضرب لگائی۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ وہ اوغ کی آواز نکالتا ہوا دوہرا ہو گیا۔

اس کا ساتھی بھاگنے کی کوشش کرتا کہ اس پر سفیر آ پڑا۔ وہ دونوں بھی گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے مدِمقابل کی ناک پر سر سے ٹکر ماری اور ساتھ ہی ساتھ اپنا پسندیدہ داؤ چلا دیا۔ جوڈو کا یہ داؤ خطرناک تو تھا ہی لیکن اگر مدِمقابل بھی اس داؤ کو جانتا ہو اس کے توڑ میں داہنی جانب جھک جائے تو داؤ چلانے والے کے لیے مشکل پڑ جاتی ہے۔ لیکن یہ وقت ان باتوں پر غور کرنے کا نہ تھا۔ میں نے اسے کمر پر لاد کر زمین پر دے پٹخا تھا۔ اس دھوبی پاٹ نے رہی صحیح کسر نکال دی۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر کک ماری۔ وہ سنبھلتا کہ اوپر سے میں نے ایک اور بوٹ کی ٹھوکر ماری اور پھر مارتا چلا گیا۔ پتا نہیں وہ کیسا ایجنٹ تھا جسے اپنے بچاؤ کا بھی علم نہ تھا اور پٹتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس نے سر گرا دیا، اسے بے ہوش دیکھ کر میں نے خود کو روک لیا۔ لیکن سفیر اپنے شکار کی مسلسل پٹائی کیے جا رہا تھا۔ اس نے شکار کی بری حالت کر دی تھی۔ کہیں وہ مر نہ جائے اس ڈر سے میں نے کہا۔ ''سفیر اب بس کر دو۔''

ابھی میرا جملہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ مجھے ایسا لگا جیسے میری پیٹھ پر گرز پڑا ہو۔ میں جھکتا چلا گیا۔ اسی وقت میری کمر پر بوٹ کی ٹھوکر لگی اور میں آگے کی سمت اوندھے منہ گرا تھا لیکن میں گرتے ہی آگے کی سمت پھسلتا چلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا تھا۔ برف کی وجہ سے یہ کام آسان ہوا تھا کیونکہ میں نے خود آگے کی سمت جھکولا لیا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ میرے پے در پے وار نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس نے دھوکا دینے کے لیے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی اور میں اس کے جھانسے میں آ گیا جس کی وجہ سے میرے پٹنے کی باری آ گئی مگر میں حلوا نہیں تھا کہ کوئی بھی کھا لے۔ اسی وقت میں نے آگے پھسل کر خود کو سنبھالا اور جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہوتے ہی ایک اور جست بھری۔ اس جست نے مجھے اس سے دور کر دیا۔ اب میں کھڑا ہو چکا تھا۔ پوری طرح سنبھل چکا تھا کہ اس نے فلائنگ کک چلائی۔ اس کا نشانہ میرا سینا تھا۔ میں بیٹھ گیا۔ اس کی لات میرے اوپر سے گزر گئی۔ میں نے جھکی ہوئی حالت میں ہی فیٹ چلایا تھا جو سیدھا اس کے پیٹ میں لگا۔ اس کی کراہ سنتے ہی میں نے پھرتی سے ٹانگ اوپر کی سمت گھمائی تھی جو نشانے پر لگی۔ شاید اس نے مجھے عام سا فائٹر سمجھا تھا۔ میں جس طرح برف پر قدم جمائے ہوئے اسے ٹھوکروں سے اُڑا رہا تھا یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی اسی لیے وہ بار بار اٹھنے کی کوشش کرتا مگر سنبھلنے سے پہلے ہی اس پر میری ٹھوکر پڑ جاتی۔ اگر وہ اسی طرح بے ہوش بنا پڑا رہتا تو شاید اس کی بچت ہو جاتی مگر اس نے اٹھ کر غلطی کی تھی۔ یہی نہیں اس نے دوسری غلطی یہ کی تھی کہ اس نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا۔ اب یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ مسلسل پٹ رہا تھا۔ اگر وہ ایسی غلطی نہ کرتا تو شاید اس کی حالت یہ نہ ہوتی جو اب ہو رہی تھی اندھیرا تھا پھر بھی مجھے یقین تھا کہ اس کے سامنے کا ایک بھی دانت سلامت نہیں ہو گا کیونکہ میرے پیروں میں برف پر چلنے والے بوٹ تھے جس کے تلے میں اور ٹو میں لوہے کی کیلیں تھیں تا کہ برف پر قدم جم سکے۔ اس بھاری بوٹ کی ٹھوکر نے اس کے منہ کا بھرتا بنا دیا ہو گا۔ آخری بار میں نے داہنی ایڑی پر زور ڈال کر بائیں پیر کو اٹھا کر پوری قوت سے چکر پھیری کھائی تھی۔ میری گھومتی ہوئی لات اس کی داہنی پسلی پر پڑی تھی اور وہ برف کی وجہ سے پھسل کر دور جا گرا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے اچھال بھری تھی اور اس کے جسم پر کودا تھا۔ یہ وار اس کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہوا اور اس کی چیخ دور تک گونجی تھی۔ اندھیرے کی وجہ سے میں پوری طرح دیکھ نہیں پایا کہ اس کی حالت کیا ہے۔ میں نے ریاست خان کو آواز دی۔ ''ٹارچ جلاؤ۔''

اب تک وہ خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔ میری آواز پر وہ ایسے چونکا جیسے خواب سے جاگا ہو۔ اس نے پھرتی سے ٹارچ روشن کر دی۔ ٹارچ کی روشنی اس پر پڑی تو میں چونک اٹھا۔ دشمنِ وطن کا سر ڈھلکا ہوا تھا اور منہ سے خون جاری تھا جو برف پر دور تک پھیل رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے سر کو ہلایا لیکن اس کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی تو میں نے اس کی ناک پر انگلی لگا کر سانس کی آمد و رفت محسوس کرنے کی کوشش کی پھر دل کی دھڑکن محسوس کی لیکن تمام علامات نفی کر رہے تھے۔ میں نے سر اٹھا کر سفیر سے کہا۔ ''یہ تو گیا کام سے۔''

''خس کم جہاں پاک..... اچھا ہوا ایک دشمن تو کم ہوا۔'' پھر اس نے اپنے شکار کو ٹھوکر مار کر کہا۔ ''اس کا انجام دیکھ لیا نا اب تیری باری ہے۔''

''ہم آپ کے پیر پڑتے ہیں ہمیں جانے دیں۔''

''ضرور جانے دیں گے لیکن پہلے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''یہاں نہیں اسے کھینچ کر اپنے جھونپڑی نما ہیڈ کوارٹر لے چلو وہاں عبداللہ زیادہ آسانی سے معلومات اگلوا لے گا۔'' میں نے کہا تو ریاست اور جیدے نے پھرتی دکھائی اور اسے ڈنڈا ڈولی کے انداز میں اٹھا لیا اور پھر ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

اس بار راستہ تیزی سے طے ہوا اور ہم سب جلد اپنے مرکز پر پہنچ گئے۔ عبداللہ نے قیدی کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ ہم اسے کیوں لے کر آئے ہیں۔ اس نے ریاست خان سے کہا۔ ''اسے وہاں لٹا دو اور میرے بیگ سے پلاس نکال کر لاؤ تا کہ میں اس کا ایک ایک دانت نکال کر دیکھوں۔ کہیں کسی طرف جھوٹ تو چھپا نہیں رہ گیا ہے۔'' اس کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ اچھے اچھے کی ہوا سرد ہو جائے۔ وہ جلاد کی نظر سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ سفیر کی مار نے اسے پہلے ہی ادھ موا کر دیا تھا رہی سہی کسر اس کے ساتھی کی موت نے پوری کر دی تھی۔ اب جو اس نے سنا کے عبداللہ اس کے دانت نکالے گا۔ وہ باضابطہ رونے لگا۔ وہ کسی بیوہ عورت کی طرح بَین کر رہا تھا۔

''میرے چھوٹے چھوٹے تین بچے ہیں۔ بوڑھی ماں ہے، مجھے جانے دیں اب ہم کبھی پاکستان نہیں آئے گا۔''

''ابے چپ ورنہ تیری بوڑھی ماں پر بھی ہمیں رحم نہیں آئے گا۔'' وسیم نے جھلا کر کہا۔ ''پہلے یہ بتا کہ تُو یہاں کیا کرنے آیا تھا۔''

''سرکار ہمری ڈیوٹی سنگھ صاحب کے ساتھ لگائی تھی۔ ہم کو ان کی سہایتا کرنا تھا۔''

''اچھا وہ سنگھ تھا۔ اس کا پورا نام کیا تھا؟''

''کھیلیشور سنگھ نام تھا ان کا۔ بہوت بہادر منئی تھے۔ ہمیسہ بجئے ہوتے رہے ہیں۔ پتا نہیں کیسے وہ آپ سے مار کھا گئے۔''

''تمہارے بوس کا نام کیا ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''جی ہم نہیں جانتے سنگھ صاحب ہمیں حکم لا کر دیتے ہیں۔''

''ابے تم سب نام تو خوب رکھتے ہو۔ سنگھ یعنی شیر اور دل چوہے جیسا، ہماری قوم کا معمولی آدمی بھی کبھی ایسے روتا نہیں ہے۔''

''ہم کو پہلے ہی بتا دیا گیا ہے کہ آپ لوگن کا آئی ایس آئی جس کو پکڑ لیتا ہے اس کا بھرتہ بناتا ہے۔''

''فکر نہ کرو ہم تمہارا بھرتا نہیں بنائیں گے اگر تم نے صحیح جواب نہیں دیا تو چٹنی ضرور بنائیں گے۔'' وسیم نے پلاس ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہ سرکار نہ۔ ہم پر دیا کرو ہمرے بچے جندگی بھر تم کو دعا دیں گے۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ تم لوگوں کا پروگرام کیا تھا؟''

''سرکار ہم کو پوری بات معلوم نہیں صرف اتنا جانے ہیں کہ یہاں ٹائم بم فیٹ کرنا ہے تا کہ بسفوٹ ہو اور برف کا سیلاب پورے علاقے کو تباہ کر دے۔'' اس نے روتے ہوئے بتایا۔ ''اور راستہ بن جائے۔''

''یہ علاقہ کون سا ہے؟'' روانی میں مَیں نے ایک احمقانہ سوال کر دیا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ شک میں پڑ گیا ہے کہ میں آئی ایس آئی کا ہو کر بھی علاقہ نہیں پہچانتا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اب اسے سنبھالنا ضروری تھا۔ میں نے جلدی سے کہا:

''میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو تا کہ تمہیں جانچ سکوں۔''

''او اچھا اچھا..... یہ بلتر گلیشئر کا علاقہ ہے..... آگے ہو پر ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا.....تو تم اس پورے علاقے کو جانتے ہو پھر کہتے ہو کہ میں پہلی بار ادھر آیا ہوں۔''

''سر بات یہ ہے کہ میں کسی ایسے کام کے لیے پہلی بار اتنا اندر آیا ہوں ورنہ گلیشئر سے نزدیک بھی ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں گاہک بہت آسانی سے مل جاتا ہے۔ وہاں میں کئی بار آچکا ہوں۔''

''سامان خریدتے خریدتے پورے علاقے کو تباہ کرنے پر اتر آئے۔'' میں نے غصیلے لہجے میں جواب دیا کیونکہ جو کچھ اس نے بتایا تھا وہ کوئی معمولی بات نہ تھی میں ہل کر رہ گیا تھا۔ شاید یہ اس صدی کی سب سے بڑی تخریب کاری ہوتی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے بروقت مجھے بھیج دیا اور میں نے اس سازش کو ناکام بنا دیا۔ گو کہ یہ اندھے کے ہاتھ بٹیر لگنے والی بات تھی لیکن کام تو ہو گیا۔ میں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارتے ہوئے کہا۔

''اس تخریب کاری کا پروگرام کس نے بنایا تھا؟ ایک ایک کا نام بتا؟''

''مجھے آج صبح ہی حکم دیا گیا، شاید اوپر سے آرڈر آیا ہو۔ مجھے زیادہ معلوم نہیں۔ ہم پر کرپا کر دیں جیون بھر دعا دوں گا۔'' اس نے گڑگڑاتے ہوئے میرے پیر پکڑ لیے۔

''تجھے چھوڑ دوں گا یہ میرا وعدہ ہے۔ لیکن تجھے ایک کام کرنا ہوگا؟''

''جی بولیں.....'' وہ اسی طرح روئے جا رہا تھا۔

''جتنے بھی ٹائم بم ہیں ان کو تم واپس لے جاؤ گے اور اپنے علاقہ میں جا کر فٹ کرو گے۔''

''جی کر دوں گا۔'' اس نے نہایت آسانی سے وعدہ کر لیا۔

''اور اگر نہیں کیا تو؟''

''آپ خود سوچیں.....کوئی آئی ایس آئی سے جھوٹ بول سکتا ہے۔ ہمارے ہاں مشہور ہے کہ آئی ایس آئی والوں کی مدد کرنے کے لیے مسلمان پیر فقیر جاپ کرتے رہتے ہیں۔''

اس بے وقوف کی باتیں سن کر مجھے ہنسی آ رہی تھی لیکن میں خاموش رہا۔ یہ تو کمال ہے کہ ہمارے سرفروشوں کے ڈر سے دشمن کا پتا پانی ہے اور وہ اپنے تئیں کہانیاں بنا بنا کر خوفزدہ ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ تم سے کس نے کہا کہ پیر فقیر چلہ کرتے ہیں؟''

''ہمارے ایک جنرل صاحب تھے۔ وہ 1965ء کی جنگ میں شریک تھے۔ وہ اخبار میں لکھتے تھے کہ ہم گولہ باری کرتے اور کچھ لوگ سبز کپڑے والے ہوا میں اڑتے ہوئے آتے اور گولہ لے کر اڑ جاتے۔ سب کا کہنا ہے کہ پاکستانی جاپ بہت کرتے ہیں اس لیے بھگوان کے دوست ان کی مدد کرتے ہیں۔''

''اچھا اچھا..... یہ بات یاد رہے کہ اگر تم نے میرے کہے پر عمل نہیں کیا تو میں تمہارے گھر کے ہر آدمی کے لیے اسپیشل عمل کروں گا اور کوئی بھی نہیں بچے گا۔ اس لیے جو بیگ تم لے کر آئے ہو اسے اٹھا کر لے جاؤ اور اپنے علاقے میں اسے لے جا کر فکس کر دو۔''

''جی میں ایسا ہی کروں گا۔ بس آپ مجھے چھوڑ دیں۔'' اس کے بین سن سن کر مجھے غصہ بھی آ رہا تھا اور حیران بھی تھا کہ انڈین لوگ میں ایسے بزدل ہوتے ہیں۔ میں نے کہا۔

''اب ایسا کرو کہ سو جاؤ صبح بیگ لے کر نکل جانا۔''

''نہیں جناب..... اگر میں صبح گیا تو کام نہیں ہو پائے گا۔ سب جاگ رہے ہوں گے۔ رات کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندھیرے میں کوئی دیکھ نہیں پائے گا کہ میں بیگ لے کر واپس آ گیا ہوں۔''

پتا نہیں وہ رہائی کے لیے جلدی کر رہا تھا کہ وعدہ نبھانے کی جلدی تھی، اس کی بے تابی دیکھ کر میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے تمہیں میں چھوڑ دے رہا ہوں لیکن یاد رکھنا جو وعدہ کر کے جا رہے ہو اسے پورا کرنا ہے۔''

''میں بھگوان کی سوگند کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ ایسا ہی ہوگا۔ اسکے بعد ریٹائرمنٹ لے لوں گا۔''

''کیوں، ریٹائرمنٹ کیوں لو گے؟''

''اس لیے کہ میں ماتری بھومی کو پیار کرتا ہوں۔ اس سے غداری کروں گا تو اس کا پراشچت تو ہونا چاہیے نا۔''

اس کی باتیں بھی عجیب تھیں مجھے کیا لینا دینا تھا میں نے اس سے کہا۔ ''جو کچھ کرنا ہے کرتے رہنا لیکن مجھ سے جو کہا ہے اسے پورا ضرور کرنا ورنہ گھر میں گھس کے ماروں گا۔ یہ فلمی ڈائلوگ نہیں ہے۔ جیسے کھیم کرن میں گھس کر مارا تھا ویسے ہی دہلی میں گھس کر ماروں گا۔''

''مجھے یقین ہے آپ ایسا ہی کریں گے اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ میں وعدہ نبھاؤں گا۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ یہاں سے بارڈر کتنی دور ہے؟''

''بارڈر تو بہت دور ہے اگر پیدل چلا جائے تو ایک دن لگ جاتا ہے لیکن یہاں سے ایک ایسا گاؤں ہے جہاں ہم آتے جاتے رہتے ہیں۔ پہلے ہم راجستھان آتے جاتے تھے اب ہم ادھر سے راستہ بنا رہے ہیں کیونکہ ادھر چائنا بھی نزدیک ہے اور خطرہ بھی کم ہے چائنا کا مال آسانی سے لا کر ہیلی کاپٹر سے لے جا سکیں گے۔ راستہ بن جائے تو اور آسانی ہو جائے گی۔ یہاں سستا مل جاتا ہے اس لیے ہم مہینے میں ایک بار آدھا راستہ ہیلی کاپٹر پر اور باقی راستہ برف گاڑی پر پھر پیدل چل کر آتے ہیں۔ ہم میٹ لینے ہی آئے تھے کہ پیچھے سے اکھلیش رسنگھ آ گیا۔ اس نے کہا کہ اسے کوئی سامان کسی کو دینا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی ہم غریب لوگوں کو کچھ نہ کچھ دے کر چھوٹا موٹا کام کراتے رہے ہیں اس لیے میں راضی ہو گیا۔''

''تم نے ابھی کہا تھا کہ رات میں حکم آیا تھا۔''

''ہم جب ادھر آتے ہیں تو وائرلیس پر بوتھ سے رابطے میں رہتے ہیں۔ اکھلیش رسنگھ کے آتے ہی ہمارے بوس کا بھی حکم آ گیا۔''

میں نے وسیم کی طرف مڑ کر کہا۔ ''اس کی مرہم پٹی کر دینا۔''

''نہیں نہیں..... اگر مرہم پٹی کرا کر گیا تو میرے لوگوں کو شک ہو جائے گا۔ بس مجھے ایسے ہی جانے دیں۔'' وہ گڑگڑایا۔

''ٹھیک ہے جا سکتے ہو۔'' میں نے کہا اور اپنے بیگ کی طرف جھک گیا۔ میں اس میں ڈیکٹافون دیکھ رہا تھا لیکن ملا نہیں اتنے میں اس کی آواز سنائی دی۔ ''میں جاؤں؟''

''ہاں جاؤ۔'' میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ اصل میں اب وہ میرے کسی کام کا نہیں تھا جو پوچھنا تھا پوچھ لیا تھا۔ اب اسے رکھنا بیکار تھا پھر مجھے کوفت بھی ہو رہی تھی کہ ڈیکٹافون آتے وقت رکھا تھا لیکن اس وقت ملا نہیں، اگر مل جاتا تو میں اس کے لباس میں چھپا دیتا۔ وہاں جتنی باتیں ہوتیں وہ میں بہ آسانی سن لیتا مگر اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا اس لیے کہ وہ ننھا سا فون ملا نہیں اور قیدی بھی جا چکا تھا، میں نے زپ بند کی اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ وہ ایک نقطے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ جو وعدہ کر کے گیا ہے وہ پورا کرے گا مگر بارود تو ہمارے یہاں سے چلا گیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ شہر پہنچ کر کسی طرح یہ خبر فوج تک پہنچا دوں گا کہ دشمن اب ایسی سازش کرنے پر اتر آیا ہے جو عام نظر میں قدرتی آفت لگے۔ اب تک وہ دریاؤں میں پانی چھوڑ کر سیلابی ریلے کی صورت میں تباہی پھیلاتا رہا ہے اب اس نے یہ راہ اختیار کی ہے۔ اس پر نظر رکھی جائے۔

''بھائی میاں اب سو بھی جاؤ۔ ہمیں صبح ہی یہاں سے نکلنا ہے۔'' سفیر نے آواز دی تو میں ہوش کی دنیا میں آ گیا۔ اور بستر کی طرف بڑھ گیا۔ تھکن اور پھر اطمینان، اس لیے لیٹتے ہی نیند کی رانی نے بانہوں میں بھر لیا اور میں بے خبر ہو گیا۔

کتنی دیر سویا اس کی خبر نہیں۔ جاگا تو رات نے صبح کا چولہ اوڑھ لیا تھا۔ باہر سورج اپنی تابناکی پھیلا رہا تھا۔ سفیر اور وسیم بھی اٹھ چکے تھے۔ ان کی باتوں نے ہی مجھے بیدار کیا تھا۔ عبداللہ بھی کپڑے تبدیل کر کے کھڑا تھا اور وسیم سے کسی بات پر بحث کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''کیا ارادہ ہے؟''

''ارادہ کیا۔ بس نکل چلتے ہیں۔ پتا نہیں کون کون کس کس کی راہ دیکھ رہا ہوگا۔ اب تو ایک ایک پل گزارنا سفیر کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔'' وسیم نے کہا تو سفیر غرا کر پلٹا:

''یہ کیوں نہیں کہتے کہ سادی کی یاد دہلا رہی ہے کہ جاتے ساتھ وہ مزاج پرسی کرے گی۔''

''خدا کا خوف کھاؤ۔'' وسیم چہکا۔ ''یہ کیوں نہیں کہتے کہ مونا کا خوف سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ جاتے ہی وہ پوچھے گی۔ کر آئے آوارہ گردی۔''

''اور تب میں مونا باجی سے کہوں گا کہ آپ انہیں کچھ نہ کہیں، یہ تو سویرا بھابی کی دعا کو اثر دینے گئے ہوئے تھے۔ تاکہ جلد سے جلد ملاپ کا منظر سب دیکھ سکیں۔ ہجر کی غمزدہ شب کو سحر نصیب ہو اور وصال کا موسم قریب آ جائے۔'' عبداللہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ تو سو فیصد صحیح ہے کہ شہباز کا نام آتے ہی سب عورتوں کا غصہ کافور ہو جائے گا۔ سوائے مونا کے۔'' سفیر نے کہا۔ ''اس لیے کہ مونا بڑی شد و مد سے کہہ رہی ہے کہ کسی بھی طرح شہباز کو دبئی لے کر چلو۔ وہ جب تک پاکستان میں رہیں گے سب پھرکی بنے گھومتے رہیں گے۔'' سفیر نے بیگ کندھے سے لٹکاتے ہوئے جواب دیا۔

''اللہ کے بندوں بھوکے پیٹ کیسے پیدل چلو گے۔ کچھ کھانے پینے کا سامان ہو جاتا تو اچھا تھا۔'' میں نے کہا۔

''حضور کے گوش گزار کر دوں کہ صرف چاول پڑے ہیں۔ ان کو پکاتا تو کھاتا کون اس لیے سوچا ہے کہ اب نکل لیا جائے تاکہ جلد از جلد کسی آبادی تک پہنچا جا سکے۔'' سفیر نے کہا۔

''آبادی ہے کتنی دور اس کا پتا نہ تمہیں ہے اور نہ مجھے۔ اور اس آبادی کا بھی حال یہی نکلا تو؟'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''یہ علاقہ گلیشئر سے متصل ہے اس لیے لوگ گاؤں خالی کر گئے ہیں لیکن نچلے حصے کے لوگ اس خطرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے مبرا ہوں گے اس لیے قوی امید ہے کہ وہاں کھانے پینے کا سامان وافر مل جائے گا۔''

''اور اگر نہیں ملا تو؟''

''ہم پانی پی کر گزارا کر لیں گے۔'' اس نے ہنس کر کہا اور قدم بڑھا دیے۔

ریاست خان، جیدے، اللہ ڈینو اور اس کا چوتھا ساتھی صغیر بھی ساتھ تھا۔ وہ سب ایک رات میں ہمارے معتقد ہو گئے تھے۔ انہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ اب وہ غلط کام کبھی نہیں کریں گے کیونکہ غلط کام کرنے والے ہی ملک دشمن قوتوں کے شکار بنتے ہیں۔ ریاست خان فطرتاً شریف آدمی تھا۔ وہ کسی مجبوری میں ہی غلط لوگوں کے ساتھ شامل ہوا ہوگا اسی لیے اتنی جلدی مان گیا تھا۔ اس کے ساتھی بھی خوف سے یا عقیدت سے ہماری تعظیم کر رہے تھے۔ ہمارے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

ہم نے صبح کے وقت سفر شروع کیا تھا اور اس وقت سورج سر پر پہنچ گیا تھا لیکن کسی آبادی کا نشان نظر نہیں آیا تھا۔ ہر طرف پتھریلی چٹانیں اور بے آب و گیا میدان مل رہے تھے۔ سورج کی گرمی دماغ کو پگھلا رہی تھی۔ پیاس کی شدت اب پریشان کرنے لگی تھی۔ گو کہ صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا لیکن پانی کی طلب زیادہ پریشان کر رہی تھی۔ ہم رک بھی نہیں سکتے تھے کہ کہیں بیٹھ جاتے اور کوئی ایک جا کر پانی کی تلاش کرتا۔ ریاست خان کے لیے یہ علاقہ نیا نہیں تھا۔ وہ برابر آتا جاتا رہا تھا اس لیے وہ جدھر کہتا ہم اُدھر مڑ جاتے تھے۔

''اب اور کتنا چلنا پڑے گا؟'' عبداللہ کی کراہتی آواز ابھری۔

''مر کیوں رہے ہو۔ ان شاء اللہ ہم موت کو پیچھے دھکیلنا جانتے ہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ اگر ہوا تو ہم شادی کس کی کرائیں گے؟'' وسیم نے اس کی پیٹھ پر دھپ جما کر کہا۔

''اگر اب ہاتھ چلایا تو میں جواب میں کراٹے کا ہاتھ چلا دوں گا۔ مجھے کیا کمزور سمجھ رکھا ہے؟'' اس بار عبداللہ کی آواز زندگی سے بھرپور تھی میں سمجھ گیا کہ وہ ڈراما کر رہا تھا۔

''فضول کی بک بک سے انرجی برباد ہوتی ہے۔ انرجی بچاؤ، اپنے لیے قوم کے لیے۔'' سفیر نے اونچی آواز میں کہا۔ اور اپنے قدم مزید تیز کر دیے۔

''واقعی یہ راستہ تو شیطان کی آنت بن گیا ہے۔ ختم ہو کر نہیں دیتا اور نہ کوئی بستی نظر آ رہی ہے۔'' میں نے اونچی آواز میں کہا تا کہ ریاست خان بھی سن لے۔ ہم نے اس پر اعتماد تو کر لیا تھا لیکن وہ قابلِ بھروسا ہے بھی یا نہیں ابھی اس بارے میں میری حتمی رائے قائم نہیں ہوئی تھی۔ اس کے لہجے سے تو سچائی جھلک رہی تھی مگر وہ ڈرامے باز بھی تو ہو سکتا تھا۔ ہماری طاقت سے مرعوب ہو گیا اور اس نے ہمیں شکست دینے کے لیے بھٹکا دیا تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔ کیونکہ ابھی تک اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ نزدیکی آبادی کتنی دور ہے۔ ہر بار یہی کہتا تھا کہ بس اب ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔ لیکن اب تک کوئی آبادی نظر نہیں آئی تھی۔ اور پیاس جان مارے دے رہی تھی۔

''اس علاقے کا یہی ایک خرابی ہے۔ بے آباد زمین زیادہ ہے۔ آبادی دور دور ہے۔'' ریاست خان نے میری بات کا جواب دیا۔

''احمقوں کی جنت میں رہنے والو۔ کبھی سوچ کر دیکھنا۔ آنکھیں بڑی نعمت ہیں۔ تھوڑا سا غور کر لو تو وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے ہریالی نظر آجائے گی۔ کھیت وہیں ہوتا ہے جہاں نزدیک میں آبادی ہوتی ہے۔ ہم بس پہنچنے ہی والے ہیں۔'' وسیم کی چہکار سنائی دی تو میں نے بھی اس طرف دیکھا جدھر اس نے انگلی سے اشارہ کیا تھا۔ واقعی پہاڑیوں سے پرے دور دور تک کھیت نظر آرہے تھے۔ ہرے بھرے لہلہاتے کھیت اور کھیتوں سے کافی دور چھوٹے چھوٹے جھونپڑی نما گھر۔ میں خوش ہوا تھا اس لیے کہ اب سفر تمام ہونے والا تھا۔ سورج بھی تو اپنا سفر تمام کر چکا تھا۔ صبح سے ہم مسلسل چل رہے تھے۔ اب جا کر آبادی نظر آئی تھی۔ ہمارے قدم خود بخود تیز ہو گئے۔

وہ ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ اس آبادی میں پہنچتے ہی ان لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کچھ ہی دیر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ سب مہمان نواز بھی ہیں۔ انہوں نے یہ تک نہیں پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ کون ہو..... اترا ہوا چہرہ دیکھا اور کھانے کا سامان لے آئے۔ بھوک کے عالم میں میٹھی روٹی اور شہد و مکھن نے بہت مزہ دیا۔ ہم سب نے سیر ہو کر کھایا اور دل بھر کر پانی پیا۔ ذرا ہوش آیا تو پوچھا۔ ''یہ کون سا علاقہ ہے۔ یہاں سے نزدیک کوئی شہر ہے؟''

''نگر ہے نا۔ بس کچھ دور ہے۔ ابھی آرام کریں۔ کل صبح آپ کے لیے نگر جانے کا انتظام ہو جائے گا۔'' جس گھر میں مہمانداری ہو رہی تھی اس کے مالک نے کہا۔

نگر پہنچنے کا مطلب تھا کہ ہم گلگت پہنچ گئے اور گلگت سے پنڈی کے لیے سواری کی کمی نہیں تھی۔ میزبان نے آرام کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ ریاست خان کو کئی بار مہمان ٹھہرا چکا ہے۔ بدلے میں ریاست خان اس کو کچھ رقم دے جاتا تھا۔

میزبان ہمیں آرام کرنے کا کہہ کر باہر چلا گیا تھا۔ جب دشمن کا کوئی واقف کار آرام کا کہے تو اسے شک سے دیکھنا ضروری تھا۔ میں بستر پر لیٹ تو گیا تھا لیکن ہوشیار تھا۔ ریاست خان والی پستول اب میرے پاس تھی۔ اگر کوئی اونچ نیچ ہوتی تو میں مقابلہ کر سکتا تھا۔ تھکن کا اثر سب پر تھا۔ خود میری آنکھیں بھی بند ہو رہی تھیں۔ باقی سب کے سب سو چکے تھے۔ لیکن میں چاہ کر بھی سو نہیں پا رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں میری چھٹی حس اشارہ کر رہی تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔ رہ رہ کر میرا دل زور سے دھڑک اٹھتا تھا۔ اب یہاں آکسیجن کی بھی کمی نہیں تھی۔ اوپر یہ مسئلہ ہوتا ہے لیکن اب ہم جس علاقے میں تھے وہاں ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا اس لیے دل کی دھڑکن بے ترتیب کیوں ہو رہی تھیں یہ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ میں اسی پر غور کر رہا تھا کہ میزبان آ گیا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ ''ایک بندے کی ہائی روف ہے۔ وہ اپنے ایک رشتے دار کو لے کر گلگت اسپتال جا رہا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اس سے بات کروں۔ وہ آپ کو نگر پہنچا دے گا۔''

''اس کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''چار مع مریض۔''

''اور ہم سات لوگ ہیں اس ہائی روف میں اتنے لوگ کیسے آئیں گے؟''

''آدھے لوگ آسانی سے جا سکتے ہیں۔ مریض کے علاوہ اس کے تمام لوگ پائیدان پر کھڑے ہو جائیں گے۔ آپ کے آدمی بیٹھ جائیں گے۔''

''آدھے لوگ جا کر کیا کریں گے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نگر سے کسی سواری کا انتظام کرلائیں گے۔''

بات اس کی معقول تھی۔ میں نے سفیر، عبداللہ اور وسیم سے کہا کہ وہ چلے جائیں۔

وہ لوگ اس ہائی روف میں چلے گئے۔ ابھی انہیں گئے ہوئے آدھا گھنٹا بھی نہیں گزرا تھا کہ میزبان پھر آ گیا۔ اس نے بتایا کہ ابھی ابھی ایک سوزوکی گلگت سے آئی ہے۔ وہ واپس جا رہی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس سے بات کرلیں۔ اسے واپس تو جانا ہی ہے۔''

''چلو، بات کر لیتا ہوں۔'' کہہ کر میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ باہر آیا، میرے ساتھ ریاست خان بھی باہر آ گیا۔ ہم تینوں سامنے والے اس گھر کی طرف بڑھنے لگے جہاں ایک سوزوکی کھڑی تھی۔ بالکل نئی، چمچماتی ہوئی۔ ہم جیسے ہی اس گھر کے دروازے پر پہنچے، ایک شخص باہر نکل کر آیا۔ اس نے پہلے مقامی انداز میں جھک کر سلام کیا پھر مجھ سے بولا۔ ''اندر آ جائیں۔ مہمانوں کے لیے عارف شاہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔''

ہم اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ وہ ایک بڑا سا کمرا تھا جس کو فرشی نشست سے سجایا گیا تھا۔ کئی گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ اندر دو آدمی بیٹھے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ مصافحہ کے بعد بولے۔ ''تشریف رکھیں۔''

ہم ان کے نزدیک ہی بیٹھ گئے تب وہ بولا۔ ''آپ لوگ شاید اس علاقے میں پہلی بار آئے ہیں؟''

''جی ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کہاں سے آ رہے ہیں؟'' اس کا لہجہ بھی پختونوں جیسا تھا۔

''پنڈی سے آئے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرا نام امداد شاہ ہے۔ باہر جو سوزوکی کھڑی ہے، وہ میری ہے۔ میں عرصہ دو سال سے گلگت میں ہی رہ رہا ہوں۔'' اس نے اپنا مکمل تعارف کرایا۔ ''پہلے میں کراچی میں ٹیکسی چلاتا تھا پھر یہاں آ گیا اور اب گلگت میں رہ کر کرایہ پر سوزوکی چلاتا ہوں۔''

میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ کن انکھیوں سے ریاست خان کو دیکھ رہا ہے۔ گو کہ ابھی تک اس نے ریاست خان کو مخاطب نہیں کیا تھا لیکن اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسے پہچانتا ہے۔ یہ ایسی کوئی اہم بات نہیں تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ عرصہ دو سال سے گلگت میں ڈرائیوری کر رہا ہے تو یقیناً کبھی نہ کبھی ریاست خان اس کی ویگن یا سوزوکی میں بیٹھا ہوگا۔

''اور ہاں، یہ بھی بتا دوں۔'' امداد شاہ نے ریاست خان پر ایک نظر ڈال کر کہا۔ ''میں اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ اگر آپ مجھ سے رابطے میں رہیں گے تو فائدے میں ہی رہیں گے۔''

''لیکن ہم تو یہاں سے گلگت جائیں گے اور گلگت پہنچتے ہی پنڈی کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔''

''آپ کو ہم جانے دیں گے تب ہی تو آپ جائیں گے۔ گلگت میں ہم ایک دو روز تو مہمان رکھیں گے ہی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس کے انداز پر میں چونک پڑا تھا لیکن فوراً ہی اس نے تشریح کر دی تھی ورنہ میں اس کی بات کا کچھ اور مطلب لیتا۔ ''پنڈی، لاہور یا کراچی سے جب کوئی آتا ہے تو ایسا لگتا ہے کوئی میرے گھر سے آیا ہے میں اسے ایک دو دن مہمان ضرور ٹھہراتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ کب تک واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''جس کام سے آیا تھا وہ تو ہو ہی چکا ہے۔ اب واپسی کا سوچ رہا ہوں۔''

''کتنی دیر میں چلیں گے؟''

''بس یہ سمجھ لیں کہ آپ آئے کہ ہم نکلے۔'' اس کا اندازِ گفتگو پختون تھا لیکن وہ الفاظ کا ذخیرہ رکھتا تھا۔ خوب لچھے دار باتیں کرتا تھا۔ شاید یہ کراچی میں وقت گزارنے کا نتیجہ تھا۔

''ٹھیک ہے میں اپنا بیگ لے آؤں پھر نکل لیتے ہیں۔'' کہہ کر میں کھڑا ہو گیا۔ مجھے کھڑا ہوتے دیکھ میزبان بھی کھڑا ہو گیا۔ ہم باتیں کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے۔ پھر وہاں سے سیدھا اس کے گھر پہنچے۔ جیدے وغیرہ کو ساتھ لیا اور واپس اسی گھر میں آ گیا۔ امداد شاہ جیسے انتظار میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی گھر سے باہر نکل آیا۔ اس نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی اور ہم نئے سفر پر نکل پڑے۔ وہی پتھریلے راستے۔ سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک۔ میرے ساتھ ریاست خان بیٹھا تھا۔ پیچھے والی سیٹ پر جیدے، اللہ ڈینو اور چرسی جیسی شکل والا صغیر تھا۔ اس کے پیچھے خالی جگہ پر امداد شاہ کا بندہ اکڑو بیٹھا تھا جیسے وہ اس قسم کے سفر کا عادی ہو۔ وہ بھی بالکل خاموش تھا۔ جیدے ریاست وغیرہ تو ایسے ہی مجھ سے مرعوب تھے۔

اب مجھے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ ایک ساتھ عبداللہ، وسیم اور سفیر کو بھیجنا نہیں چاہیے تھا۔ وہ لوگ ساتھ رہتے تو سفر مزید خوشگوار ہو جاتا۔ راستے بھر وہ سب پھلجھڑیاں چھوڑتے، ایک دوسرے سے الجھتے رہتے جس کا ایک اپنا مزہ ہے۔ میں ونڈ اسکرین سے باہر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ کافی دیر دیر بعد گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ ادھر کم کم ہی گاڑیاں آتی ہیں۔ میں نے امداد شاہ سے پوچھا۔ ''نگر اب کتنی دور ہے؟''

''بس تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اس گاؤں سے نگر کا اتنا تو فاصلہ نہیں ہوگا۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے ایک گھنٹا گزر چکا ہے۔ اتنی دیر میں تو ہم گلگت پہنچ جاتے۔''

''ہم گلگت ہی تو جا رہے ہیں۔'' امداد شاہ نے جواب دیا۔

''لیکن مجھے تو نگر جانا ہے۔''

''نگر جا کر کیا کریں گے؟'' امداد شاہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''میرے کچھ ساتھی وہاں سواری کا انتظام کرنے گئے ہیں۔''

''اچھا اچھا۔ تب تو ہمیں نگر کی طرف مڑ جانا چاہیے تھا اور ہم کافی آگے آ گئے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں اگلے موڑ سے اس طرف مڑ جاؤں گا۔'' پھر اس نے ریاست خان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''ریاست خان مجھے جانتے ہو؟''

''نہیں۔'' ریاست خان نے جواب دیا۔

''اب جان لو گے۔'' پھر امداد شاہ نے سر گھما کر پیچھے دیکھا اور اپنے ساتھی سے بولا۔ ''صاحب جی کا کچھ خیال ہی کر لو۔''

''میں ابھی دیتا ہوں۔'' کہہ کر اس نے تھرموس اٹھا لیا۔ ''تم گاڑی روک لو تبھی تو میں ادھر آؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امداد شاہ نے گاڑی روک دی۔ وہ تھرموس لے کر پیچھے سے اترا اور میری طرف والی کھڑکی پر آیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں گلاس تھا۔ میں نے یہی سمجھا کہ وہ کوئی مشروب دینا چاہ رہا ہے۔ میں نے اپنی سائیڈ والی کھڑکی سے سر باہر نکالا ہی تھا کہ اس مردود نے اس گلاس میں بھرا مشروب میرے چہرے پر پھینکا۔ پتا نہیں اس میں کیا چیز تھی کہ میرے چہرے پر جلن ہونے لگی۔ آنکھوں میں تیز مرچیں سی لگیں۔ تبھی ریاست خان کی آواز سنائی دی۔ ''اوئے یہ کیا کیا؟''

''ابھی تجھے بھی اس کا مزہ چکھنا ہے۔ امداد شاہ کی آواز سنائی دی۔ یہی وہ آخری آواز تھی جو میں نے سنی کیونکہ میں ہوش سے بیگانا ہوتا چلا گیا تھا۔

پتا نہیں میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا تھا۔ اس لیے کہ جب ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک اندھیرے کمرے کے فرش پر پایا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پہلا خیال جو میرے دل میں آیا وہ یہ تھا کہ میں کہیں اندھا تو نہیں ہو گیا ہوں۔ مگر نہیں، ہلکا ہلکا سا منظر نظر آیا۔ شاید رات ہو چکی تھی اور کمرے میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ میں نے اٹھنا چاہا تب احساس ہوا کہ میں بندھا ہوا ہوں۔ مضبوط رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ میں نے گردن گھمانی چاہی تو برابر میں کوئی اور بھی تھا۔ اب میں نے بغور دیکھا تو سمجھ آئی کہ وہ ریاست خان ہے جو اب تک ہوش سے بے گانا ہے۔ میں نے کسمسا کر رسّی کی مضبوطی کا اندازہ کرنا چاہا تو پتا چلا کہ پلاسٹک کی ڈوری سے باندھا گیا ہے۔ ہاتھ کو دھیرے دھیرے منہ تک لانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں نے سوچا تھا کہ دانتوں کی مدد سے رسّی کھول لوں گا۔ لیکن یہ کوشش رائگاں گئی۔ ابھی ہاتھ سینے تک ہی پہنچا تھا کہ دروازہ کھلا اور باہر کی روشنی اندر آئی۔ باہر لائٹ جل رہی تھی۔ ساتھ ہی چٹ کی آواز ابھری اور کمرا روشنی سے جگمگا اٹھا۔ سامنے امداد شاہ کھڑا تھا اس کے ساتھ دو اور بندے تھے۔ ان میں سے ایک خاصا مضبوط بندہ تھا۔ جسم کسرتی۔ بازوؤں کی مچھلیاں ابھری ہوئی۔ وہ مجھے خونخوار نظروں سے دیکھنے لگا تھا کہ امداد شاہ کی آواز سنائی دی۔

''اچھا تو تم جاگ گئے؟ اب جو پوچھا جائے تو تے کی طرح فرفر شروع کر دینا۔'' اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک نظر ان سب پر دوبارہ ڈالی۔ سب کے چہرے درشت تھے۔ وہ سب ہی چہروں سے جرائم پیشہ لگ رہے تھے، میں نے جواب میں نیا سوال کر دیا۔ ''آپ پہلے یہ بتائیں کہ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں؟''

''اس بات کی سزا کہ تم ریاست خان کے ساتھ پائے گئے ہو۔ اور ریاست خان کا جرم بہت بڑا ہے۔''

''وہ مجرم ہے تو ہمیں کیوں سزا دے رہے ہو۔''

''اس لیے کہ اسے جو کام سونپا گیا تھا اس نے وہ پورا نہیں کیا۔ وہ ایسا آدمی نہیں تھا۔ جو وعدہ کرتا اسے پورا ضرور کرتا۔ ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ اس نے غداری کی اور ایسا اس لیے ہوا کہ تم نے اسے بہکایا۔ ہمیں صغیر نے پوری کہانی سنا دی ہے۔ اس لیے ہمارا فیصلہ ہے کہ اس کی سزا دی جائے۔''

''کسی نے کہا اور تم نے یقین کر لیا۔ صغیر تو خود چرسی ہے۔ اس نے چرس کی طلب میں جھوٹ بک دیا اور تم نے یقین کر لیا۔ میں تو اس علاقے میں بالکل نیا ہوں۔ میں تو سیر کے لیے آیا تھا۔ راستہ بھٹک گیا تھا کہ ریاست نے مدد کا وعدہ کر لیا۔'' اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جھوٹ بولتا ہے۔'' کہہ کر اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ میری گال پر جڑ دیا۔ تھپڑ اتنا سخت تھا کہ منہ کے اندر دانت تک ہل گئے۔ میں پہلے سے تیار نہیں تھا۔ اس نے یکا یک حملہ کیا تھا اسی لیے چوٹ زبردست لگی تھی۔ شاید زبان دانتوں تلے آ گئی تھی۔ منہ میں کڑواہٹ گھل گئی۔ شاید خون رسنے لگا تھا۔ میں نے کڑواہٹ کم کرنے کے لیے فرش پر تھوکا۔ لالی صاف نظر آئی تھی۔

''صاف صاف بتا دے ورنہ یہ چمڑی ایسی ہو جائے گی کہ اس پر پیوند بھی نہیں لگے گی۔'' اس نے جملہ ختم کر کے نہایت پھرتی سے جوتے کی نوک سے میرے سینے پر ٹھوکر ماری۔ ٹھوکر اتنی شدید تھی کہ میں الٹ گیا۔ بستر سے نیچے جا گرا تھا۔ امداد شاہ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''اسے سیدھا کر ورنہ میں اس کے سینے پر کھڑے ہو کر ڈانس شروع کر دوں گا۔ بڑا سور ما بن کر آیا ہے نا۔ ابھی ایک ایک ریشہ الگ کرتا ہوں۔''

امداد شاہ کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ اچھے اچھوں کو پسینا آ جائے۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہ بندہ ہے جو مجھے گاؤں میں ملا تھا۔ اس وقت وہ درندے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

''میں نے سچ بولا ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اوئے اسے اٹھا۔'' امداد شاہ نے اپنے باڈی بلڈر ساتھی سے کہا۔

وہ آگے بڑھا اور اس نے مجھے کپڑوں سے پکڑ کر کھینچا اور اٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے اپنے پاؤں پر زور رڈالا تا کہ آسانی سے اٹھ جاؤں۔ اس نے کھینچ کر مجھے بٹھا دیا۔

''سیدھے سیدھے بول تُو کس ایجنسی کا بندہ ہے ورنہ مار مار کر کھال میں بھس بھر دوں گا۔'' وہ اپنے زعم میں بول رہا تھا۔

''دیکھ بھائی سیدھے سیدھے سب کچھ بول دے۔ استاد کا دماغ پھر گیا نا تو سمجھ لے تُو ہمیشہ کے لیے معذور ہو جائے گا۔'' باڈی بلڈر نے مشورہ دیا۔

''میں اب تک سمجھ ہی نہیں پایا ہوں کہ یہ پوچھنا کیا چاہتے ہیں تو میں کیا بتاؤں؟''

امداد شاہ نے اسے ڈانٹا۔ ''اپنے کام سے کام رکھ۔ ایسا کر ریاست خان نے ابھی تک سبق نہیں لیا۔ اسے اٹھا۔ وہ ایسے آنکھیں بند کیے پڑا ہے جیسے میں اندھا ہوں۔ دیکھ نہیں رہا کہ وہ اٹھ چکا ہے۔''

باڈی بلڈر نے ریاست خان کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور پھر غرایا۔ ''سیدھی طرح سے بیٹھ جا۔ اب تیرا نمبر ہے۔''

''مجھے جو کام دیا گیا تھا وہ میں نے پورا کر دیا ہے۔'' ریاست خان نے جواب دیا۔

''بکواس بند کر۔ رات صاحب جی کا پیغام آیا ہے کہ جس بندے کو بھیجا گیا تھا اسے ایجنسی والوں نے پکڑ لیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے نکل پایا ہے۔ ایجنسی والوں کو کیسے خبر ہوئی یہ تُو بتائے گا۔''

''یہ غلط خبر ہے۔ کوئی بندہ آیا ہی نہیں۔'' ریاست خان نے جواب دیا۔ میں اس کی ہمت کی داد دے رہا تھا۔ وہ حوصلے سے کام لے رہا تھا۔ ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جو اسے بزدل یا ٹوٹ جانے کا ثابت کرتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اگر تُو سچا ہے تو پھر صغیر کی بات کو کس خانے میں فٹ کروں۔'' امداد شاہ نے کہا۔

''صغیر جھوٹ بول رہا ہے۔''

''جھوٹ تُو بول رہا ہے اور یہ شخص جو تیرے ساتھ ہے یہی ایجنسی کا بندہ ہے۔ اس کی تو میں بوٹی بوٹی الگ کروں گا اور ہر بوٹی ایک ایک بات بتائے گی۔ اگر مجھے نہیں جانتا تو جان لے گا۔ میں ایجنسی والوں کا سب سے بڑا دشمن ہوں۔''

''میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ کوئی آیا ہی نہیں تھا۔ ایک بار صاحب جی سے میری بات کراؤ۔ میں خود ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''صاحب جی اب تجھ سے بات نہیں کریں گے۔''

''تو ٹھیک ہے میری بات مرشد جی سے کراؤ۔۔'' ریاست خان نے جھنجلا کر کہا۔

''وہ بھی تم سے بات نہیں کرنا چاہتے۔''

''انہیں خبر تو دو کہ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی میں تمہاری وہ خبر لوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔'' امداد شاہ نے ہنس کر کہا۔

''تمہیں آج تک میں نے حضرت جی کے پاس دیکھا نہیں اور تم ایسے کہہ رہے ہو جیسے تم ان کے خاص مرید ہو۔ لاؤ فون مجھے دو میں خود ان سے بات کر لیتا ہوں۔''

''فون بھی دوں گا۔ رہا سوال تم نے مجھے ان کے پاس دیکھا نہیں تو میں کوئی عام بندہ نہیں ہوں۔ مرشد جیسے کئی بندے میرے آگے پیچھے گھومتے ہیں۔ مرشد جیسے لوگوں سے ہم کام لیتے ہیں۔''

مجھے حیرت ہوئی کہ ایک معمولی بندہ مرشد جیسے شخص کے لیے ایسا کہہ رہا ہے۔ جو خود میں ایک دنیا تھا۔ سیاست کا بازی گر۔ قوت کا خزانہ۔ شیطانیت میں سب سے آگے..... تو کیا مرشد خانقاہ کی تباہی کے بعد بالکل صفر بن گیا ہے۔ یا پھر یہ گیم کھیل رہا ہے۔ بات الجھی ہوئی تھی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ خود ایجنٹ ہے اور مرشد کو فنڈ دے کر کام لے رہا ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو اس کے معنی یہ ہے کہ دشمن نے اندر تک اپنا جال پھیلا رکھا ہے اور اس جال کو توڑنا بہت ضروری ہے۔ کام بہت بڑھ گیا ہے۔

''استاد پہلے اس کو ٹٹولیں..... یہ مجھے زیادہ اہم لگتا ہے۔'' باڈی بلڈر نے امداد شاہ کو مشورہ دیا تو وہ پھر میری جانب متوجہ ہو گیا۔ مڑ کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''مجھے اندازہ ہے تُو بہت اہم بندہ ہے۔ اب جلدی سے شروع ہو جا۔''

''میں کیا بتاؤں..... جو سچ ہے وہ بتا دیا۔'' میں نے جواب دیا تھا کہ اس نے میری ناک پر پنچ مارا۔ گو کہ پنچ ہلکا تھا پھر بھی تکلیف کا شدید احساس میرے اندر درد کی لہر سا اٹھا گیا۔ ابھی میں اس درد کو سہہ بھی نہ پایا تھا کہ اس کی مکروہ آواز سماعت سے ٹکرائی۔ ''ریاست کو لے جا کر الٹا لٹکا دے ایک دو گھنٹے میں اس کا مزاج خود صحیح ہو جائے گا۔''

باڈی بلڈر نے اسے کسی بچے کی طرح گود میں اٹھا لیا پھر وہ باہر نکلتا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد امداد شاہ نے کہا۔ ''ہاں بھئی سورما، اب تم بھی شروع ہو جاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہوں اور کیا بتاؤں۔''

''سمجھ گیا۔ ایسے بتاتے ہوئے تمہیں شرم آ رہی ہے۔ ابھی علاج کرتا ہوں۔'' کہہ کر اس نے اپنے ایک ساتھی کو اشارے سے بلایا۔ ''اسے جہنم کا دروازہ دکھانا پڑے گا..... شابش شروع ہو جاؤ۔''

ان دونوں نے مجھے بستر سے اتارا پھر دیوار تک لے گئے اور اس سے لگا کر کھڑا کر دیا۔ میرے دونوں ہاتھ اسی طرح جکڑے رہے۔ ان میں سے ایک نے میرے ہاتھوں کی بندش کو ڈھیلا کیا۔ میرے لیے یہ ایک نادر موقع تھا، میں نے بندھے ہوئے پیر کی پروا کیے بغیر ہاتھ چلا دیا۔ مجھے امداد شاہ سے اس پھرتی کی امید نہ تھی۔۔ اس نے ہوا میں اچھل کر میرے چہرے پر بوٹ کا بھرپور وار کیا۔ یقیناً میری ناک کا بھرتا بن گیا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے اسی تیزی سے میری دونوں کلائیوں میں بندھی رسّی کو پکڑا اور کھینچ کر چھت سے لٹکتی رسّی سے باندھ دیا جیسے یہ ان کا معمول ہو۔

''ابے رسّی کو کھینچ۔'' امداد شاہ نے جھڑکا۔

ان دونوں نے چھت کی رسّی کو کھینچنا شروع کر دیا۔ اب میرے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے تھے۔

''ابھی اور اوپر کھینچنا ہے۔ اس کا قد بھی تو دیکھ۔'' امداد شاہ چیخا۔

ان دونوں نے رسّی کو مزید اوپر کھینچا۔ اب میرے ہاتھ اتنے بلند ہو چکے تھے کہ بغلوں میں کھنچاؤ محسوس ہونے لگا تھا۔ میں پوری طرح رسّی کے سہارے کھنچا ہوا تھا۔

''پہلے داہنے پیر کو احتیاط سے۔'' امداد شاہ نے ہدایت دی۔ ''یہ پیر چلانے میں ایکسپرٹ لگتا ہے۔''

ایک بندے نے رسّی کا پھندا پھینک کر میرے داہنے پیر کو باندھا پھر پہلے سے بندھی رسّی کو کھول دیا۔ اب میرے دونوں پاؤں الگ الگ ہو گئے تھے۔ اس بندے نے داہنے پیر سے بندھی رسّی کو لے جا کر بیڈ کے پائے سے باندھ دی۔ اتنے میں دوسرا بندہ جو باہر نکل گیا تھا وہ ایک کنستر کے ساتھ واپس آیا۔ اس کنستر میں مٹی بھری ہوئی تھی۔ اس نے کنستر کو میرے بائیں جانب رکھ دیا پھر بائیں پیر کی رسّی کو اس کنستر سے باندھ دیا۔ اور اسے کھینچ کر فاصلے پر رکھ دیا۔ یہ ایک ایسا ظلم تھا کہ جس کی اذیت کا اندازہ مجھے بعد میں ہوا۔ میرے دونوں پیر دو سمت میں کھنچ گئے تھے۔ ٹانگیں ایسی چری ہوئی تھیں کہ پورا وزن کلائیوں پر پڑ رہا تھا۔ پیر پر وزن ہی نہیں تھا۔ میری حالت دیکھ کر امداد شاہ نے کہا۔ ''ابھی نو بج رہے ہیں۔ ہم باہر بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں۔ جب تمہارا دل کرے کہ سچ بتانا ہے تو مجھے آواز دے لینا۔'' وہ گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھ اس کے ساتھی بھی باہر نکل گئے تھے۔

مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ اس دور افتادہ علاقے کا یہ شخص ایذا رسانی کا طریقہ تو خوب جانتا ہے۔ ایسا شخص معمولی نہیں ہو سکتا۔ میرے دونوں پیر سخت تکلیف میں [illegible]۔ ایسا لگ رہا تھا کہ درمیان سے پیر الگ ہو جائیں گے۔ میں نے تکلیف پر قابو پانے کے لیے پیروں کو قریب کرنا چاہا۔ اس کے لیے جھٹکا دینا ضروری تھا مگر پہلی ہی کوشش میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی اور میرا سارا وزن کلائی پر آ گیا۔ رسّی کی جکڑ کلائی پر مزید سخت ہو گئی تھی۔ ایسا لگا تھا جیسے رسّی گوشت میں اترنے لگی ہو۔ تکلیف کی شدت سے میں دوبارہ پہلی پوزیشن میں آنا چاہا لیکن اب یہ ناممکن ہو چکا تھا۔ میں عجیب انداز میں جھول گیا تھا۔ اس تکلیف سے گزرتے ہوئے بھی میں سوچ جا رہا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امدادشاہ معمولی آدمی نہیں ہے۔ ٹرینڈ بندہ لگ رہا ہے۔ کاش میں اپنے ساتھیوں کو ایک ساتھ نہ بھیجتا تو وہ لوگ اپنی کوشش کر لیتے۔ اذیت سے بچنے کے لیے میں مسلسل اِدھر اُدھر کی سوچ رہا تھا لیکن تکلیف کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی۔ اس تکلیف سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔ میں نے آخری کوشش کی ٹھان لی اور پھر میں نے اسے آواز دی۔ ''امدادشاہ!''

آواز کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ سب ایک ساتھ اندر آئے۔

''کیا بات ہے۔ عقل ٹھکانے آ گئی؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

○.....❖.....○

''میں سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے مجھے کھولو۔''

''یہ ہوئی نا بات۔'' امدادشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''احمق خود کو عقلمند سمجھ کر اکڑ دکھاتا ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ نقصان کا باعث بنتا ہے۔ تم نے عقل مند ہونے کا ثبوت دیا ہے ورنہ مار کھاتے رہتے اذیت سہتے رہتے اور پھر ایک وقت وہ آ جاتا کہ تم بولنے پر مجبور ہو جاتے لیکن تب تک تم ٹوٹ پھوٹ کا بری طرح شکار ہو چکے ہوتے۔'' پھر وہ اپنے ایک ساتھی طرف مڑ کر بولا۔ ''اسے ہولی کراس سے اتارو۔''

میری حالت کو ہولی کراس یعنی صلیب سے تشبیہ دینے والا کوئی عام بندہ نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے سو فیصد یقین ہو چکا تھا کہ یہ بندہ وہ نہیں ہے جو نظر آ رہا ہے۔ خاص الخاص بندہ ہے۔ ٹیکسی چلانے والا بندہ ہولی کراس نہیں بول سکتا۔ یہ تشبیہ ایسا ہی بندہ دے سکتا ہے جو پڑھے لکھے لوگوں یا غیر ملکیوں کے ساتھ تعلقات رکھتا ہو۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس نرالے تشدد نے مجھے اذیت میں مبتلا کر دیا تھا لیکن ابھی مجھ میں اتنی جان ضرور تھی کہ میں اکیلے ان سب کا مقابلہ کر سکتا۔ اس نے جو کچھ میرے ساتھ روا رکھا تھا اس کا حساب کرنا بھی ضروری تھا۔

میں سوچ کے سمندر میں غلطاں تھا کہ امدادشاہ کی آواز نے خیالات کو چور چور کر دیا۔ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ ''ابے اتنی دیر جلدی کر۔ اسے کھول ورنہ یہ لولا لنگڑا ہو جائے گا۔''

اس کے ساتھی نے پہلے میرے دونوں پیروں کی رسّی ڈھیلی کی پھر ہاتھوں کو آزاد کیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں بہت ہلکا ہو گیا ہوں لیکن اب تک ہاتھ پیروں پر رسّی کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ پیروں اور ہاتھوں میں اکڑن بھی باقی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں دماغی طور پر ابھی تک بندھن سے آزاد نہیں ہوا تھا۔ جلد پر رسّی کا لمس باقی تھا۔ رگوں میں پوری طرح لہو کی روانی جاری ہو نہیں پائی تھی۔ میں نے اس لیے ہاتھ پیروں کو جھٹک کر خون کی روانی درست کی اور پھر کہا۔ ''ہاں اب پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''تم کون ہو۔ کس ایجنسی سے تعلق ہے؟'' امدادشاہ نے پوچھا۔

''یقین کرو کہ میرا تعلق کسی ایجنسی سے نہیں ہے لیکن اتنا سمجھ چکا ہوں کہ تمہارا تعلق ضرور غیر ملکی ایجنسی سے ہے۔'' یہ کہتے ہی میں نے اس کے ساتھی کو گریبان سے پکڑا اور اس پر اچھال دیا۔ یہ دو ایک ہوا تھا۔ شاید اسے بھی امید نہ ہو کہ میں جو اس کی مار کھا کھا کر ادھ مرا ہو چکا تھا اتنی جلدی پہل کر دوں گا۔ جنگ کی ابتدا ہو چکی ہے یہ سمجھنے سے پہلے ہی وہ الٹ کر گرا تھا کہ میں نے تیسرے ساتھی کو گردن سے پکڑا اور اسے بھی امدادشاہ پر اچھال دیا۔ تینوں ابھی اٹھنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ میں نے ان پر چھلانگ لگا دی اور بوٹ سمیت امدادشاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سینے پر کودا۔ وہ دوبارہ سے چت ہو گیا۔ میں نے اسی پر بس نہیں کیا۔ مشینی انداز میں ان دونوں ساتھیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ جس طرح سے پسٹن آگے پیچھے ہوتا ہے اسی طرح سے میری لات آگے پیچھے ہو رہی تھی۔ ہر چوٹ پر ان کی کراہ گونجتی۔ درمیان درمیان میں، میں امداد شاہ کو بھی ایک دو ٹھوکر لگا دیتا تھا۔ اس وقت اگر کوئی مجھے دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ یہ صحیح بھی تھا۔ اس لیے کہ میں لاکھ برا سہی لیکن جب وطن کی حرمت پر بات آتی ہے تو میں پاگل ہی تو ہو اٹھتا ہوں۔ اگر میری ٹھوکروں سے وہ مر بھی جاتے تو مجھے افسوس نہ ہوتا اس لیے کہ غیر ملکی ایجنٹ سے زیادہ قابل نفرت مقامی ایجنٹ ہوتے ہیں۔ ان کو جینے کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے کہ وہ نمک حرام کہلاتے ہیں۔ غدار کہلاتے ہیں اور غداروں کو زندہ رکھنا وطن دشمنی ہے۔ کیونکہ وطن کا سودا کرنے والے سے زیادہ برا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی بات نے میرے اندر بجلی سی بھر دی تھی اور میں مشینی انداز میں لات اور گھونسے کا استعمال کر رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں امداد شاہ کے تینوں ساتھی اتنا غفیل ہو گئے۔ ان کے ناک منہ سے خون جاری ہو چکا تھا۔ ان میں کون زندہ ہے کون مر گیا یہ دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ لیکن ایک بندہ تھا جو اتنی مار کھانے کے بعد بھی بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ وہ تھا امداد شاہ۔ گو کہ وہ بھی زخمی تھا۔ اس کے منہ کا بھرتا بن چکا تھا لیکن اس میں بڑی جان تھی۔ اس نے کئی بار مدافعت کی تھی۔ کئی بار میری لات کو پکڑنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو شاید اس وقت میں بھی انہی کی طرح پڑا ہوا ہوتا۔ میں نے اب پوری توجہ اس کی جانب مبذول کی۔

وہ دو آدمیوں کے نیچے تھا۔ یہ سب کچھ بس دس بارہ منٹ میں ہوا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ جس کے ہاتھ پیر اتنی دیر تک جکڑے رہے ہوں وہ اس طرح حملہ کرے گا۔ اس نے اب تک صرف عام لوگوں کو دیکھا اور ان کا سامنا کیا ہو گا جو مرنا مارنا جانتے ہوں گے لیکن میری طرح اذیت سہہ کر کندن بن جانے والے سے وہ پہلی بار مل رہا ہو گا۔ اکرم چشتی سے زیادہ اذیت دینے والا کون ہو گا۔ جب اس کی اذیت میرا کچھ بگاڑ نہ سکی تھی تو یہ کس زمرے میں آتا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جانب کھینچ لیا۔ وہ بڑی آسانی سے باہر آ گیا لیکن اگلے ہی پل مجھے احساس ہو گیا کہ میں نے اس کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ اس نے خود کو پھرتی سے سنبھالا تھا اور بام مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسل گیا تھا۔ وہ فرش پر پھسلتا ہوا دیوار تک چلا گیا تھا اور نہایت تیزی سے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی چستی و چالاکی نے مجھے متاثر کیا تھا مگر یہ وقت ان باتوں پر غور کرنے کا نہیں تھا۔ اس نے کھڑے ہوتے ہی ہوا میں اچھال بھری تھی۔ تیر کی طرح ہوا میں تیرتا ہوا میری طرف آیا تھا مگر میں ہوشیار تھا۔ لمحے بھر میں فیصلہ کر لیا اور جیسے ہی اس نے آدھا فاصلہ طے کیا، میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ اڑتا ہوا دوسری جانب کی دیوار سے ٹکرایا اور وہیں پر دھپ سے گرا۔ ابھی میں اس کی طرف بڑھتا کہ اس نے خود کو سنبھال لیا۔ وہ اسپرنگ کی طرح اچھلا تھا اگر میں نے خود کو درمیان میں روک نہ لیا ہوتا تو اس کے شکنجے میں آ جاتا۔ مجھے رکتا دیکھ وہ بھی رک گیا تھا۔ اس مظاہرے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اس نے اپنے جسم پر بہت محنت کی ہے۔ وہ اپنے جسم پر پوری طرح قابو کر سکتا تھا۔ میں جان چکا تھا کہ وہ جمناسٹک میں بھی دخل رکھتا ہے تبھی تو وہ اتنی آسانی سے جسم کو موڑ لیتا ہے۔ یقیناً وہ جوڈو کراٹے بھی جانتا ہو گا لیکن ابھی تک اس نے ایسا کوئی وار نہیں کیا تھا جس سے پتا چلتا کہ وہ کراٹے کا ماہر ہے۔ وہ فلائنگ کک پر کک چلا تو رہا تھا لیکن عام سے انداز میں۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لڑنے کی تکنک کو میں باریکی سے جانچ رہا تھا اسی لیے جیسے ہی اس نے فلائنگ کک چلائی میں نے سر کو ستر کے زاویے سے موڑا اور کچھ آگے سرک کر گھونسا چلا دیا، میرا نشانہ ایسی جگہ تھا کہ وہ پہلے ہی وار پر چوکڑیاں بھول گیا۔ دونوں ہاتھوں کو رانوں کے درمیان، چوٹ کی جگہ پر رکھ کر دوہرا ہو گیا تھا۔ تکلیف اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ اس نے مجھے جس طرح ایذا پہنچائی تھی اس کے مقابلے میں ابھی میں نے کچھ بھی نہیں کیا تھا، صرف پہلا ہاتھ دکھایا تھا۔

عام طور سے یہ وار میں کسی دشمن پر نہیں کرتا کیونکہ اس کی اذیت کئی دن تک بے چین رکھتی ہے لیکن اس نے جس طرح مجھے ستایا تھا وہ اسی کا حقدار تھا۔ پھر اس میں ایک اور خرابی یہ تھی کہ وہ میرے ملک کے خلاف کام کر رہا تھا اور ایسے لوگ میری نظر میں زیادہ سزا کے مستحق ہیں اسی لیے میں متروک قرار دیئے گئے ہتھکنڈے بھی آزما رہا تھا۔

وہ چوٹ پر ہاتھ رکھے کراہ رہا تھا کہ میں نے اس کے سر پر ایک اور ہاتھ مارا۔ یہ کھڑی ہتھیلی کا وار تھا۔ اس سے دماغ تک ہل گیا ہوگا۔ عام طور پر میں یہ وار کرتا نہیں ہوں کیونکہ دماغی چوٹ فالج کا سبب بن جاتی ہے لیکن میں کیا کرتا۔ وہ مجسم میرے سامنے تھا لیکن پوری طرح نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی جگہ مجھے پاگل کتا نظر آ رہا تھا۔ کتے کا کام ہے حفاظت کرنا لیکن جب وہ پاگل ہو جاتا ہے تو وہ مالک کو ہی کاٹنے دوڑتا ہے۔ وہ بھی ایسا ہی کتا بن گیا تھا۔ ملک کی حفاظت کرنے کی جگہ وہ دشمنان وطن کی اعانت کر رہا تھا۔ اس لیے اسے معاف کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ میں نے اسے مسلسل ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ پیروں میں بھاری بوٹ تھے۔ اس بوٹ کی مار بھی زبردست تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم پر زخموں کا گلشن کھل اٹھا۔ ہر زخم سے خون رس رہا تھا۔ زمین پر بھی جا بجا خون کے دھبے نظر آنے لگے تھے۔ وہ بے جان مجسمے کی طرح اِدھر سے اُدھر لڑھک رہا تھا۔ جیسے اس میں مدافعت کی ذرا بھی قوت نہ ہو۔ کہیں مر تو نہیں گیا۔ یہ خیال ذہن میں آیا ہی تھا کہ میں نے خود کو روک لیا اور جھک کر سانس کی آمد و شد کی جانچ کی۔ سانس چل رہی تھی۔ لیکن ہوش اس سے روٹھ چکا تھا۔ ایک گدھے کی طرح پٹا تھا۔ اس حالت میں وہ کیسے ہوش میں رہتا؟

اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اس کے باقی ساتھیوں پر نظر ڈالی۔ وہ سب بھی بے ہوشی کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے۔ میں نے اس رسّی کو کھولا جس سے مجھے باندھا گیا تھا۔ پھر اسی رسّی سے میں نے ان سب کے ہاتھ اور پیر باندھے لیکن اس بات کا خیال رکھا کہ ہاتھ پیچھے کی طرف ہوں اور بندھن زیادہ سخت نہ ہو۔ وہ اسے آسانی سے کھول بھی نہ سکیں اور انہیں زیادہ تکلیف بھی نہ ہو۔ یہ میری عادت بن چکی ہے کہ جب کوئی مقابلے پر آئے تو اسے چھوڑو نہیں اور جب کوئی لاچار پڑا ہو تو اسے چھیڑو نہیں۔ اس کو تکلیف بھی نہ دو۔

اس کام سے فرصت پا کر میں نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ پہلے برابر والے کمرے میں جھانکا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ کمرا کسی عاشق کے دل کی طرح خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ اس خالی کمرے کا دروازہ بند کر کے دوسرے کمرے کے دروازے کو ہاتھ سے دباؤ ڈال کر کھولا۔ اس کمرے کے منظر کو دیکھتے ہی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اس لیے کہ اس کمرے میں ایک لائین سے صغیر، جیدے اور اللہ ڈینو بندھے پڑے تھے۔ وہ سب فرش پر اس طرح لڑھکے ہوئے تھے۔ جیسے چاولوں کی بوریاں پڑی ہوں۔ ان کے ہاتھ پیر باندھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر گول گٹھڑی کی شکل دی گئی تھی۔ منہ میں کپڑے ٹھنسے ہوئے تھے اور آنکھوں پر پٹی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر انہیں بندھن سے آزاد کرایا اور پھر آنکھوں کی پٹی کھولی۔ صغیر آزاد ہوتے ہی باضابطہ رونے لگا۔ اسے خاموش کرنے میں جتنا وقت لگا وہ الگ ہے مگر اسے چپ کرا ہی دیا پھر پوچھا کہ ریاست خان کو کہاں رکھا گیا ہے، کچھ اندازہ ہے؟

''ریاست خان کو بہت مارا۔ اس کی چیخیں سن سن کر میں دہلتا رہا تھا کہ اسی طرح مجھے بھی پیٹا جائے گا۔'' صغیر نے آنسو پونچھتے ہوئے بتایا۔

''فکر نہ کرو اب اس کی پٹائی کا باب کھلنے والا ہے۔ پہلے تو میں اپنی پٹائی کا روزنامچہ کھولوں گا پھر ریاست خان کا۔ ایک ایک تمانچے کا اسے حساب دینا ہوگا۔ تم سب کے جسم پر جتنی چوٹ ہے اسے پانچ سے ضرب دے کر انہیں ماروں گا۔'' میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی۔

''ہاں صاحب جی۔ اسے اتنا مارنا اتنا مارنا کہ وہ پھر کسی پر ظلم نہ کر سکے۔ بہت ظالم ہے وہ۔''

''بالکل ایسا ہی ہوگا۔ اب تم لوگ تیار ہو جاؤ، میں نے ان سب کو ایک کمرے میں بند کر دیا ہے۔ پہلے میں ریاست خان کو ڈھونڈ لوں پھر ان سے حساب لیتا ہوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر اس کمرے کے برابر والے کمرے میں جھانکا۔ وہ بھی خالی تھا۔ اس کے برابر والا کمرا بھی خالی تھا۔ تبھی میری نظر کھلے ہوئے دروازے سے باہر گئی اور میں ادھر بڑھتا چلا گیا۔

دروازے سے نکلتے ہی میں نے خود کو آنگن میں پایا۔ خوب بڑا سا آنگن تھا۔ اس آنگن میں ایک چھدرا سا پیڑ تھا۔ اس پیڑ کی ایک ڈال سے ریاست خان کو الٹا لٹکا دیا گیا تھا۔ میں دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ وہاں ایسا کوئی ہتھیار یا اوزار نہیں تھا جس سے رسّی کاٹ سکتا اس لیے پیڑ پر چڑھنا پڑا۔ رسّی کھول کر میں نے ریاست خان کو نیچے اتارا۔ وہ بے ہوش تھا۔ اسے اٹھا کر میں اندر لے آیا۔ اس کی حالت خود بتا رہی تھی کہ اس پر بے تحاشہ تشدد کیا گیا ہے۔ میں اسے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اندر لے کر آیا۔

ایک بے ہوش شخص کو گود میں اٹھا کر لانا آسان نہیں ہے پھر بھی میں اسے اٹھا لایا تھا۔ اس کو لٹانے کے بعد میں نے صغیر سے کہا۔ ''اس کے زخموں پر مرہم لگاؤ؟''

''مرہم کہاں سے لاؤں؟'' وہ بے چارگی سے بولا۔

میں نے اس کمرے سے نکلتے ہوئے اپنا بیگ اٹھا لیا تھا۔ اس بیگ سے فرسٹ ایڈ کٹ نکالی اور مرہم کی ٹیوب اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے ٹیوب سے مرہم نکالی اور اس کے زخموں پر لگانے لگا۔ میں نے اپنے بیگ کی دوبارہ تلاشی لی کہ کچھ غائب تو نہیں ہے لیکن سب کچھ جوں کا توں موجود تھا۔ اس کی تلاشی تو لی گئی تھی جس کا اندازہ مجھے ہو چکا تھا کیونکہ شیونگ کا سامان میں بیگ کے بیک سائیڈ پاکٹ میں رکھتا ہوں جو اس وقت اپر سائیڈ پاکٹ میں نظر آ رہا تھا یعنی کسی نے نکالا تھا اور تمام چیزوں کو اسی طرح دوبارہ سے رکھ دیا تھا۔ یہ تو اچھا ہوا تھا کہ وا کی ٹا کی نہیں تھا۔ سفیر کے بیگ میں رکھ دیا تھا ورنہ اسے دیکھ کر تو یہ لوگ واقعی مجھے ایجنسی کا بندہ سمجھنے لگتے۔ موبائل بھی موجود تھا جسے میں نے باہر نکالا اور سفیر کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف بیل بجی اور فوراً ہی کال ریسیو ہو گئی۔ سفیر نے ہیلو کے جواب میں کہا۔ ''آپ ہیں کہاں۔ ابھی ابھی وسیم وہاں سے واپس آیا ہے۔ میزبان نے بتایا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ جا چکے ہیں؟ کہاں پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''یقین کرو میں پھر اغوا ہو گیا ہوں؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''یوں کہیں کہ اغوا سیریز چل رہی ہے۔ ہر قدم پر اغوا ہو رہے ہیں۔'' سفیر نے شاید مائیک کھول رکھا تھا اس لیے کہ اس بار آواز وسیم کی آئی تھی۔ ''جلدی بتائیں کہ اس وقت آپ ہیں کہاں؟''

''یہی تو معلوم نہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ یہ بات غلط بھی نہیں تھی میں نے ابھی تک باہر کا منظر دیکھا بھی نہیں تھا۔ آتے وقت باتوں میں اس نے مجھے الجھا لیا تھا اسی لیے میں اِدھر اُدھر دیکھ نہیں سکا۔ عقلمند ہمیشہ ہوشیار رہتے ہیں لیکن پتا نہیں کیا بات تھی کہ میں اس بندے پر اتنا اعتماد کیوں کر بیٹھا تھا۔ دراصل میرے ذہن میں خطرے کی کوئی بات آئی نہیں تھی۔ میں اسے ایک معمولی ڈرائیور سمجھا تھا جس کا خمیازہ بھگت چکا تھا۔

''کیا کسی کمرے میں قید ہیں؟''

''نہیں آزاد ہوں لیکن مقام نامعلوم ہے۔ پتا نہیں کون سی جگہ ہے۔ ابھی پوچھ کر بتاتا ہوں'' کہتے ہوئے میں اندر کی طرف بڑھا۔ ریاست خان کو ہوش نہیں آیا تھا۔ اس کے سر کو اپنی گود میں لیے ہوئے صغیر بیٹھا تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ صغیر واقعی اسے دل کی گہرائی سے دوست سمجھتا تھا۔ جیدے اور اللہ ڈینو کے چہروں پر بھی غم کی پرچھائیں نظر آ رہی تھی لیکن وہ اس قدر ٹوٹے ہوئے نظر نہیں آ رہے تھے جتنا صغیر ٹوٹا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بس سر جھکائے غمگین سے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اس علاقے کا نام کیا ہے؟ کسی کو معلوم ہے؟''

''جی ہاں، یہ گلگت شہر سے تقریباً آٹھ کلومیٹر پہلے آنے والا قصبہ مینوار ہے۔ یہ گھر کسی شاہ کا ہے جسے انہوں نے کرایہ پر حاصل کیا ہوا ہے۔'' جیدے نے سر اٹھا کر جواب دیا۔

میں نے فون پر بتایا۔ ''یہ مینوار ہے، ہم جس گھر میں رہتے ہیں یہ کسی شاہ کا ہے جسے ان لوگوں نے کرایہ پر حاصل کیا ہے۔''

''او کے ہم دس پندرہ منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔ جس کی گاڑی حاصل کی ہے وہ ایک اچھا بندہ ہے اور صبح سے ساتھ ہے، وہ ہر علاقے سے واقف ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''میں نے بھی ایک ایسے ہی بندے پر یقین کر لیا تھا جس کی سزا بھگت لی ہے۔ آنکھیں کھلی رکھنا۔''

''اتفاق ہے کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اسی لیے اس بندے کو پہچان لیا۔ اس کی مدد میں نے ایسے وقت میں کی ہے جب موت اس کے شہ رگ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اگر میں مداخلت نہ کرتا تو وہ لاش میں تبدیل ہو جاتا۔ لمبی کہانی ہے۔ آپ آ جائیں تو سناتا ہوں۔''

''یہ بتاؤ جہاں تم ٹھہرے ہو وہاں تفتیش کے لیے کوئی جگہ ہے؟''

''گویا کچھ قیدی بھی ساتھ ہیں۔ بے فکر ہو کر آ جائیں۔ یہ اپنا مرتجس شاہ ہے نا۔ بہت کام کا بندہ ہے۔ اس نے آپ کی بات سنتے ہی اشارے سے بتا دیا ہے کہ ایسی جگہ ہے۔''

''جلدی پہنچو اس لیے کہ قیدی ابھی بے ہوش ہیں، ان کے ہوش میں آنے سے پہلے میں انہیں یہاں سے منتقل کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے پوری امید تھی کہ وہ میرے لہجے کو پہچانتے ہیں۔ لہجے نے بتا دیا ہوگا کہ میں جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں اور وہ ہوا میں اُڑتے پرندوں کی سی تیزی سے آ رہے ہوں گے۔ میں نے ایک بار پھر ریاست خان کو دیکھا۔ وہ اسی طرح بے ہوش پڑا تھا۔ شاید اس پر بہت زیادہ تشدد ہوا تھا۔ اس کی حالت درست نہیں تھی۔ اسے جلد کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانا ضروری تھا۔ ابھی میں اسی بارے میں سوچ رہا تھا کہ باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ صغیر وغیرہ اس طرح دہل کر چونکے جیسے موت کے فرشتے نے دستک دی ہو۔ میں نے اللہ ڈینو سے کہا۔ ''جا کر دروازہ کھولو۔ باہر میرے آدمی ہیں۔''

وہ کھڑا ہوا لیکن اس کے چہرے پر بے یقینی چھائی ہوئی تھی۔ لیکن میرا حکم تھا اس لیے وہ اٹھ گیا۔ ابھی وہ دروازے پر پہنچا بھی نہیں تھا کہ مجھے بھی دھڑکا ہوا کہ کہیں واقعی مجھے مغالطہ نہ ہوا ہو کہ میرے آدمی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ امداد شاہ کے آدمی ہوں۔ میں نے اللہ ڈینو کو رکنے کے لیے کہا اور خود دروازے کی جانب بڑھا۔ دروازے میں کوئی رخنہ تھا کہ میں اس سے جھانک کر دیکھتا۔ اس لیے بحالت مجبوری دروازہ کھولنا پڑا۔ دروازہ میں نے یکا یک نہیں کھولا تھا بلکہ تھوڑا سا کھولا تھا اور داہنے پیر کو دروازے کے پلڑے سے اٹکا دیا تھا کہ اگر زور زبردستی ہو تو آسانی سے دروازہ نہ کھلے۔ لیکن دروازہ کھلتے ہی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس لیے کہ میرے سامنے سفیر کا چہرہ تھا۔ میں نے دروازہ پورا کھول دیا۔ اس کے پیچھے وسیم تھا اور وسیم کے ساتھ ایک نیا بندہ تھا۔

''وقت کم ہے اور لوگ زیادہ ہیں۔ جلد انہیں یہاں سے منتقل کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''ابھی لیجیے۔'' کہہ کر سفیر اندر داخل ہوا پھر بولا۔ ''لوڈ کرنے والا مال کس طرف ہے؟''

''ادھر والے کمرے میں۔'' میں نے اشارے سے بتایا۔

وہ سب ادھر بڑھ گئے۔ امداد شاہ کو سفیر نے اکیلے اٹھایا۔ دوسرے کو وسیم اور نئے بندے مرتجس نے مل کر اٹھایا۔ وہ شخص باڈی بلڈر تھا اس لیے وزن بھی زیادہ تھا۔ وسیم اور مرتجس شاہ نے بدقت تمام اسے باہر لایا تھا اور اٹھا کر گاڑی میں ڈالا تھا۔

''ایک اور ہوگا۔ اسے بھی گاڑی میں ڈالو۔'' کہہ کر میں جیدے والے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ریاست خان اسی طرح بے ہوش تھا۔ میں نے صغیر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔ ''فکر نہ کرو..... ریاست خان کو کچھ نہیں ہوگا۔ میرے آدمی پہنچ گئے ہیں۔ ہم اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔ اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔ ضرورت پڑی تو اسے سی ایم ایچ تک لے جائیں گے۔''

''صاحب جی کچھ بھی کریں میرے یار کو بچا لیں۔ یہ بہت نائس بندہ ہے۔ نماز بالکل قضا نہیں کرتا۔ آپ اس پر رحم کریں۔ اللہ اجر دے گا۔'' وہ منتیں کرنے لگا۔

''ارے بے وقوف۔ وہ میرا بھی یار ہے۔ میری وجہ سے وہ اس مصیبت میں پھنسا ہے۔ ہم اسے ہر حال میں ٹریٹمنٹ دلائیں گے۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''اب اسے لے جانا ہے۔'' پھر جیدے کی طرف مڑ کر کہا۔ ''اسے اٹھاؤ تاکہ باہر لے جا سکوں۔''

جیدے، صغیر اور اللہ ڈینو نے اسے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور ہم باہر پہنچے۔ اتنی دیر میں قیدیوں کو بھی گاڑی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھرا جا چکا تھا۔ بڑی سیٹ پر ریاست خان کو لٹا دیا گیا۔ صغیر نے اس کے سر کو اپنی گود میں لے رکھا تھا۔ اس وقت ہائی روف کی حالت اگر کمپنی والے دیکھ لیتے تو مارے خوشی کے بے ہوش ہو جاتے۔ انہوں نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ ہائی روف میں اتنے سارے بندے ''ٹھونسے'' جا سکتے ہیں۔ مرتجس گاڑی چلا رہا تھا۔ سڑک بھی ہموار تھی اس لیے سفر کا پتا ہی نہ چلا اور ہم گلگت کے اس مکان میں پہنچ گئے جو سفیر نے عقلمندی دکھاتے ہوئے کرایہ پر حاصل کر لیا تھا۔ اگر کسی ہوٹل میں ٹھہرتا تو وہاں یہ سرگرمی ممکن نہ ہوتی۔

مکان کے احاطے میں ہائی روف کو روک کر مرتجس اترا۔ اس نے پچھلا دروازہ اوپر اٹھا کر کہا۔ ''ان حرام خوروں کو کیسے اتارا جائے۔ سب کے سب بے ہوش ہیں۔''

''میں ہوں نا۔'' وسیم نے آگے بڑھ کر کہا اور امداد شاہ کو کھینچ کر کندھے پر اٹھا لیا پھر اندر کی طرف بڑھا۔ عبداللہ نے جیدے کے ساتھ مل کر باڈی بلڈر کو اٹھایا۔ تمام قیدیوں کو اندر پہنچانے کے بعد وہ ریاست خان کی طرف بڑھے تھے کہ میں نے مرتجس سے کہا۔ ''بھائی میاں، کوئی اچھا ڈاکٹر مل جائے گا؟''

''کیوں نہیں..... یہاں بلانا ہے یا اسے لے جانا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''اگر کوئی قائدے کا اسپتال ہے تو وہیں لے چلو۔''

''میرے خیال میں بندے کی حالت بتا رہی ہے کہ اسے اسپتال لے جانا بہتر ہے۔'' وسیم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''شاہرہ قائداعظم پر فیملی ہاسپٹل ہے۔ وہاں میرے جاننے والے اسٹاف ہیں۔ وہیں چلتے ہیں۔'' مرتجس نے کہا۔

''وہاں فیسلٹی تو ہے نا؟'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں کسی بھی بڑے اسپتال کے مقابلے میں اچھا اسپتال ہے۔'' مرتجس نے کہا۔ ''اہم بات یہ ہے کہ وہاں کے کئی ڈاکٹر میرے جاننے والے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہمیں آسانی ہوگی۔''

''اس کے بارے میں کوئی تفتیش تو نہیں کرے گا کہ یہ زخمی کیسے ہوا۔ پہلے پولیس میں رپورٹ درج کرائیں۔'' میں نے مرتجس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ یہ سوال یوں بھی ضروری تھا کہ اس دور میں کون خواہ مخواہ کی سردردی مول لیتا ہے۔ سب کو اپنی پڑی ہے۔ ایک ذرا سی الجھن بڑی مصیبت کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ پھر پولیس والے بھی تاک میں رہتے ہیں کہ ان کو کوئی ایسا کلیو ملے۔ ایسا سرا نظر آئے جوان کی جیب کا ابھار بڑھا دے۔ وہ ڈاکٹر سے باز پُرس کر سکتے تھے کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ بغیر پولیس میں اندراج کرائے میڈیکل ٹریٹمنٹ دی۔ اگر وہ پولیس کو خبر دے دیتے تو ان کا تو کچھ جاتا نہیں لیکن پولیس والوں کی جیب کا بھلا ہو جاتا خبر نہ دینے کی صورت میں پولیس والوں کے نقصان کی بھرپائی ڈاکٹر کے ذمے ہوتی کہ وہ اس ناشتا پانی کے لیے کچھ دیں۔

اپنی جیب کو ہلکا کرنا کسے پسند ہے اس لیے ڈاکٹر صاحبان کیس درج کروانے کے فرائض خود ہی انجام دیتے ہیں اور میں اس الجھن سے بچنا چاہتا تھا۔ میری الجھن مرتجس نے دور کر دی۔ ''نہیں جناب، میں ہوں نا۔ پولیس تک بات نہیں پہنچے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرتجس پھر سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا اور ہم اسپتال کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر احساس ہوا کہ مرتجس کی واقفیت بہت لوگوں سے ہے۔ اس کے کہنے پر فوراً ٹریٹمنٹ دیا جانے لگا۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ایکسرے میں سب خیریت ہے۔ شاید اندرونی چوٹ آئی ہے جس کی وجہ سے یہ بے ہوش ہوا ہے۔ ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ جلد ہوش آ جائے گا۔ مگر اتنی چوٹیں آئیں کیسے؟

''اسے کچھ غنڈوں نے لوٹنے کے لیے الٹا لٹکا دیا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ''ہم نے یہ بات پہلے ہی جان لی ہے۔ اس لیے کہ اسکیننگ میں غذا کی نالی میں کچھ مواد نظر آیا ہے جسے ہم نے صاف کر دیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس کے گردے پر چوٹ لگی ہے جس کا اثر اچھا نہیں ہے ویسے ہم نے اس کے لیے بھی انجکشن لگا دیا ہے۔ آرام آ چکا ہوگا۔''

''کیا اسے رات بھر یہیں رکنا پڑے گا؟''

''یہ زیادہ بہتر ہے لیکن آپ اگر گھر لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں لیکن دو تین گھنٹے کے بعد۔'' ڈاکٹر کی باتوں سے اندازہ ہو گیا کہ معاملہ زیادہ سیریس نہیں ہے۔ میں بھی مطمئن ہو گیا۔ صغیر کو وہیں چھوڑا اور واپسی کے لیے نکل پڑا لیکن انہیں سمجھا دیا تھا کہ جو کوئی بھی پوچھے تو یہی بتانا ہے کہ کچھ لوگوں نے لوٹنے کے لیے اسے زدوکوب کیا ہے اور وہ سب ٹریکنگ کے لیے آئے ہیں۔

واپس آیا تو وسیم بے چینی سے منتظر تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی بولا۔ ''اندر موجود صاحب بے چینی سے منتظر ہیں کہ آپ آ جائیں تاکہ ان کی خاطر داری ہو سکے۔''

''اسے ہوش آ گیا؟''

''جی ہاں..... وہ چیخنے کی کوشش متواتر کر رہا ہے۔''

''چلو دیکھتے ہیں۔'' کہہ کر میں نے اندر قدم بڑھا دیا۔ وہ کمرا ساؤنڈ پروف نہیں تھا اس لیے اس کی چیخ باہر تک سنی جاتی اس خطرے کے پیش نظر میں نے اندر جاتے ہی دروازہ بند کیا پھر امداد شاہ کی طرف دیکھا۔ وہ کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔ ''امداد شاہ یا جو بھی تمہارا نام ہے۔ غور سے سن لو۔ اگر تم نے میرے سوالوں کا جواب نہیں دیا تو میں الگ ہٹ جاؤں گا اور باقی کے سوالات میرا یہ ساتھی کرے گا۔'' کہہ کر میں نے میرے بعد اندر آنے والے عبداللہ کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بندہ تھرڈ ڈگری کا ماہر ہے۔ اس کی مار کا جواب نہیں۔ جسم سے ایک قطرہ خون نہیں نکلتا اور اندرونی حالات خستہ تر ہو جاتی ہے جسے کوئی ڈاکٹر تشدد ثابت نہیں کر پاتا۔ اب سوچ لو۔ میرے سوالات کا جواب سیدھے سیدھے دو گے یا اس کا سامنا کرو گے۔''

امداد شاہ کا منہ بند تھا۔ وہ بولنا چاہتا بھی تو بول نہ پاتا لیکن اس کی آنکھیں بول رہی تھیں۔ آنکھوں میں نفرت کی لہریں ہلکورے لے رہی تھیں۔ میں نے سفیر کو آواز دی۔ وہ کسی جن کی طرح فوراً حاضر ہو گیا۔ شاید وہ دروازے سے لگا کھڑا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر مدد دے سکے۔ اس نے اندر آتے ہی ایک نظر امداد شاہ پر ڈالی پھر منہ دوسری طرف کر کے تھوکا اور پھر جیب سے قلم تراش نکال کر ''کی رنگ'' سے اسے الگ کیا۔ وہ چھوٹا سا چاقو کتنا دھاردار ہے اس کا مجھے اندازہ تھا۔ اس نے چاقو کی دھار پر انگلی پھیری پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''جی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرمائیں..... پہلے کہاں سے ابتدا کروں..... کس جگہ کی چمڑی پہلے چھیلوں؟''

''کچھ توقف کرو..... ایک دو سوال تو کرلوں۔ اگر جواب نہیں دے گا تو میں تمہاری مدد ضرور لوں گا۔ ابھی تو اس لیے بلایا ہے کہ اس کی ہلکی سی خاطر داری کرنی ہے۔''

''ارے جناب ہلکی خاطر داری کے لیے میں ہوں نا۔'' وسیم نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''چھوٹے کام میں کرتا رہا ہوں پھر انہیں کیوں تکلیف دے رہے ہیں۔'' کہہ کر اس نے وہیں قریب رکھی ایک بالٹی اٹھالی۔ ٹین کی چادر سے بنی یہ بالٹی کسی اور کام کے لیے تھی۔ عام طور سے اب ٹین کی بالٹیاں کم کم ہی استعمال ہوتی ہیں۔ پلاسٹک کی بالٹیاں ہی پسند کی جاتی ہیں۔ اس ٹین کی بالٹی کو وسیم نے الٹی کر کے اس کے سر پر رکھ دی۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے تھے اور سفیر نے اسے اٹھا کر بٹھا دیا تھا۔ اس کی پیٹھ دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ بالٹی سر پر آجانے سے اب وہ کچھ دیکھ بھی نہیں پا رہا ہوگا۔ وسیم نے بالٹی اوڑھانے کے بعد وہیں رکھی ہتھوڑی کو اٹھایا اور اس بالٹی پر چوٹ ماری۔ اس کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو میرا منہ بن گیا۔ عجیب سی کراہیت آمیز آواز تھی۔ ابھی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس نے پھر ہتھوڑی کا وار کیا۔ پھر وہی آواز۔ میں سمجھ رہا تھا کہ جب کھلی سماعت سے ایسی آواز کراہیت شدہ ہے تو بالٹی کے اندر کانوں کے اتنے نزدیک وہ گونجتی آواز کیسی لگ رہی ہوگی۔ اس کے کان جھنجھنا جاتے ہوں گے۔ اسے ہی کہتے ہیں سماعت شکن آواز۔ اس کے کانوں کے پردے پھٹ رہے ہوں گے۔ میں وسیم کا یہ کھیل دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہر منٹ کے بعد ایک چوٹ مارتا۔ پانچویں چھٹی چوٹ پر امداد شاہ نے خود کو زمین پر گرا دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ اذیت برداشت نہیں کر پا رہا ہے۔ اس عجیب و غریب ایذا نے اسے توڑ دیا ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے وسیم کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''بس اب بالٹی کو اتار لو۔''

وسیم نے بالٹی اتاری تو امداد شاہ کا چہرہ نظر آیا۔ چہرے پر اذیت سہنے کا ملمع صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر بندھی پٹی کو ہٹایا ہی تھا کہ وسیم نے اس سے کہا۔ ''کیا حال ہے جناب کا؟ کیا اب جواب دینا پسند کریں گے یا دوبارہ سے بالٹی سر پر رکھوں؟''

بالٹی کا نام سنتے ہی اس کی آنکھوں میں خوف تیر گیا۔ اس نے ڈر کر بالٹی کو دیکھا۔

''یار دلدار اگر جواب دینے پر راضی ہو تو شروع ہو جاؤ ورنہ میرے پاس ابھی اور بھی طریقے ہیں۔ ایسے ایسے طریقے کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی میرا نام سن کر تھر تھر کانپیں گی۔ یہ سمجھ لو کہ جو کچھ میں نے کیا یہ ہلکی خاطر داری تھی۔ ابھی مجھ سے زیادہ آزمودہ طریقہ جاننے والے لائین میں اپنی باری کے منتظر کھڑے ہیں۔'' اس نے عبداللہ اور سفیر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ سفیر الملک ہیں۔ ان کا کام ہے انسانی جسم کی کھال کو اس انداز میں تراشنا کے وہ ملک ملک کا نقشہ نظر آئے۔ یقین کرو اس نقشے کی تصویر اتار کر لوگ گوگل پر سیو کر دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو ابہام نہ لگے۔'' پھر اس نے عبداللہ کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ عبد رب ہے دن بھر اپنے معبود کا شکر ادا کرتا رہتا ہے کہ اس کی ہاتھ میں وہ قوت ہے کہ یہ ایک ہی بار میں انگلی توڑ دیتا ہے۔ راہ چلتے انگلی توڑتا ہے اور انگلی والے کو پتا بھی نہیں چلتا۔ یہ کام اتنی پھرتی سے کرتا ہے کہ دس منٹ میں بیس انگلیاں چور چور ہو جاتی ہیں۔ ابھی اس کا پریکٹیکل مظاہرہ ہوگا۔ عملی مظاہرہ۔ دیکھو گے نا؟''

وسیم کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ امداد شاہ سے دوستانہ نبھا رہا ہو۔ ہنسی مذاق کر رہا ہو۔ اس کی باتوں پر سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے چہرے پر شگفتگی آ گئی تھی صرف امداد شاہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر سفیر آگے بڑھا۔ اس نے امداد شاہ کی تھوڑی کو پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر کہا۔ ''تم نے سپاہی نمبر 335139 کا نام سنا ہے؟ ان کا نام تھا سپاہی مقبول حسین۔ وہ 1965 کی جنگ کے شروع میں زخمی ہو کر انڈین قید میں چلے گئے۔ ان پر انڈین نے کیسے کیسے ظلم نہ کیے ان کی زبان تک کاٹ دی لیکن وہ پاکستان زندہ باد کہتے رہے۔ ان پر جتنے ظلم ہوئے تھے اس کا حساب لینا ابھی باقی ہے۔''

سفیر کی باتوں نے اس کو چہرے پر خوف کے سائے مزید گہرے کر دیئے۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ اتنے میں عبداللہ آگے بڑھا اس کے ہاتھ میں پلاس تھا۔ اس نے پلاس بجاتے ہوئے کہا۔ ''آج کئی دن ہو چکے ہیں مجھے دلی خوشی نہیں ملی۔ جانتے ہو مجھے خوشی کس بات سے ملتی ہے؟ جب میرے پلاس کی جکڑ میں آ کر کسی کی انگلی چرچراتی ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ دل میں ٹھنڈسی پڑ جاتی ہے۔''

وہ سب مل کر اسے نفسیاتی طور پر اتنا زیادہ خوفزدہ کر چکے تھے کہ مجھے اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ''بولو، کیا تم میرے سوالوں کا جواب دینا پسند کرو گے؟''

اس نے خوفزدہ نظروں سے پہلے عبداللہ کے پلاس کو دیکھا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خوف بس سا گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اب یہ اندر سے ٹوٹ چکا ہے، میں نے پوچھا۔ ''تم نے ریاست خان پر تشدد کیوں کیا؟''

اس نے جواب دینے کی بجائے ہونٹوں پر زبان پھیرا۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا لیکن جواب دینے سے بھی انکاری تھا۔ میں نے اس سے پھر پوچھا۔ ''اگر تم جواب نہیں دو گے تو میں ان دونوں سے تمہیں بچا بھی نہیں پاؤں گا۔''

''کیا آپ کا تعلق آئی ایس آئی سے ہے؟'' اس نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

''ہم کون ہیں یہ بھول جاؤ، صرف سوالوں کا جواب دو۔'' میں نے تنبیہ کی۔ ''ریاست خان پر تشدد کس وجہ سے کیا؟''

''اسے ایک کام دیا گیا تھا وہ اس نے نہیں کیا۔'' امداد شاہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''وہ کام کیا تھا؟''

''مجھے خود نہیں پتا؟'' اس نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

میں نے سفیر کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''ایک کام کرو۔''

''کیا کرنا ہے؟ چمڑی چھیلنا شروع کر دوں؟'' سفیر نے جیب سے قلم تراش نکالتے ہوئے جواباً کہا۔

''نہیں، ایسا کرو ایک موم بتی لے آؤ۔''

''جی ابھی لایا۔'' کہتے ہوئے سفیر باہر نکل گیا۔ جتنی تیزی سے وہ گیا تھا اسی تیزی سے وہ لوٹ آیا۔ میں نے وسیم سے کہا:

''اس والی رسّی کو لے کر اسے کھڑکی کے ساتھ باندھ دو، سلاخیں مضبوط ہیں۔ اس لیے بندھن سخت ہونا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضروری ہے تاکہ یہ ہل نہ سکے۔ اس طرح سے باندھنا کہ یہ بیٹھا رہے۔''

وسیم نے رسّی اٹھائی اور اس بندھے ہوئے بندے کو دوبارہ سے باندھ دیا۔

''اب اس کے داہنے پیر کو اٹھا کر اس کرسی سے باندھو تاکہ پیر نیچے نہ گرے۔''

اس نے یہی کیا۔ اس کے داہنے پیر کو کرسی سے باندھ دیا۔ اب وہ عجیب حالت میں بندھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی پنڈلی کے نیچے لے جا کر موم بتی کو جلا کر رکھ دیا۔ موم بتی کی لو اس کی پنڈلی سے ٹکرا رہی تھی۔ جلا رہی تھی۔ گو کہ لو اتنی اونچی نہیں تھی کہ فوراً گوشت کو جلانے لگتی لیکن اس کی تپش پہنچنا شروع ہو چکی تھی۔ اس نے جس طرح مجھے اذیت دی تھی اسی کے مقابلے کی اذیت میں اسے دے رہا تھا۔ میں نے مڑ کر عبداللہ سے کہا۔ ''ایسا کرو کہ چل کر باہر ہوا میں بیٹھتے ہیں۔ جب اس کا دل چاہے گا ہمیں آواز دے لے گا۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ایسا کرتے ہیں کھانا آ گیا ہے ہم سب باہر ہوا میں بیٹھ کر کھا لیتے ہیں۔'' وسیم نے جواب دیا اور ہم سب باہر کی طرف بڑھنے لگے۔ دروازے پر پہنچ کر میں نے امداد شاہ سے کہا۔ ''جب صحیح جواب دینے کا موڈ ہو مجھے آواز دے لینا۔''

یہ وہی جملہ تھا جو اس نے مجھ سے کہا تھا اور وقت نے وہی جملہ میری زبان سے کہلوا دیا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ خود کو کبھی قوی مت سمجھو۔ صرف حق ہی فتح پاتا ہے۔ اس نے غرور میں یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ بہت قوی ہے لیکن وقت نے اس کی اوقات دکھا دی۔ اب میری باری تھی کہ میں اسے اس کی اوقات بتا دوں کہ ابھی وطن کے سپوت زندہ ہیں۔ ابھی بھی دشمنانِ وطن کی آنکھوں میں سلائی پھیرنے کے لیے معمولی لوگ کافی ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ یہ زیادہ دیر موم بتی کے شعلے کو سہہ نہیں پائے گا۔ بس کچھ دیر کی بات ہے کہ اس کا حوصلہ جواب دے جائے گا۔

باہر آتے ہی میں نے کہا۔ ''وسیم تم ایسا کرو کہ ریاست خان کے پاس چلے جاؤ۔ اسپتال میں کسی ایک اہم شخص کا رہنا ضروری ہے۔''

''میں چلا جاتا ہوں۔'' سفیر نے خود کو پیش کیا۔

''اگر تم جانا چاہو تو بہتر ہے۔ حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ بھی کر سکتے ہو۔ اس بندے کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ایک معصوم شخص ہے۔''

''آپ بے فکر رہیں میں سب سمجھ گیا ہوں۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ مجھے امید تھی کہ امداد شاہ سے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا اس لیے کہ وہ یقیناً کوئی اہم بندہ ہے۔ اس علاقے میں ایسا بندہ بلاوجہ نہیں رہ سکتا۔ اس کی باتوں سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی خاص مشن پر اس علاقے میں آیا ہے۔ اس نے اپنا جال کہاں تک پھیلایا ہے۔ یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا۔ میری قوت سماعت مکمل طور پر کمرے پر مرکوز تھی۔ اس کی قوت برداشت جواب دیتی تو وہ خود مجھے آواز دیتا۔ اس لیے کہ جس حالت میں اس کے پیر بندھے تھے اس حالت میں اس کے پیروں کے مسلز اکڑتے اور اس پر موم بتی کا شعلہ اس کے گوشت کو جلاتا اور وہ ہل بھی نہیں پاتا یہ اذیت اس کے لیے عذاب ثابت ہوتی۔ وہ اس عذاب کو زیادہ جھیل نہیں پاتا۔ اسے میرے آگے جھکنا ہی تھا۔ لیکن ابھی تک اس نے آواز نہیں دی تھی۔ اس لیے میں دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کمرے میں اللہ ڈینو اور جیدے بستر پر بیٹھے تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے جیسے سب مل کر کچھ سوچ رہے ہوں۔ میں نے کمرے میں داخل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتے ہی کہا۔ ''اور بھائیو کیا حال ہے؟''

''سر، ریاست خان کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' جیدے نے پوچھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ فکرمند ہے۔ واقعی وہ ریاست خان سے محبت رکھتا تھا۔ ورنہ وہ اتنا پریشان کیوں ہوتا۔ اس کی پریشان صورت دیکھ کر میں نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر کہا:

''سب خیریت ہے۔ شام تک وہ آجائے گا۔''

''اس کو اندر کی مار بہت پڑی ہے۔ اندر کچھ خرابی نہ آگئی ہو۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''صرف سر پر ایک چوٹ ایسی ہے جس نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ بھی معمولی ہے۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' صغیر نے خوش ہو کر کہا۔

ابھی میں اس سے بات ہی کر رہا تھا کہ میری جیب میں موبائل کی بیل بجی اور میں نے جلدی سے نکال کر دیکھا۔ سفیر کی کال تھی۔ میں نے بٹن پش کیا اور کان سے لگا لیا۔

''ڈاکٹر نے اسے وارڈ میں منتقل کر دیا ہے۔''

''یہ تو اچھی خبر ہے۔'' میں نے کہا۔

''ایک بات میں نے محسوس کی ہے۔ ابھی کنفرم نہیں ہوں۔ آپ وسیم کو بھیج دیں۔''

''کیوں، خیریت تو ہے؟''

''مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ ایک آدمی مسلسل ریاست خان پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پوری طرح ہوشیار رہنا۔ میں ابھی عبداللہ اور وسیم کو بھیج رہا ہوں۔''

''دونوں کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ وسیم کافی ہے۔''

''وسیم کو تو بھیجوں گا ہی۔ اس کے پیچھے عبداللہ جائے گا تاکہ کور دے سکے۔ وہ تم دونوں سے دور رہ کر نظر رکھے گا۔''

''جیسا مناسب سمجھیں۔'' اس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔

اب مجھے یقین سا ہو چلا تھا کہ یہ کوئی لمبا چکر ہے اور امداد شاہ کوئی بڑا کھلاڑی ہے۔ اس سے بچ اگلوانا ضروری ہو گیا تھا۔ اس سے نمٹنے کے لیے ضروری تھا کہ میں ان لوگوں کو یعنی ریاست خان اور اس کے ساتھیوں کو یہاں سے چلتا کر دوں۔ یہی کچھ سوچتا ہوا میں امداد شاہ والے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس طرف جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اب پھنسی پھنسی آواز میں مجھے پکار رہا تھا۔ آواز لگا رہا تھا کہ جو بھی ہے جلد آئے۔ میں ٹہلنے کے انداز میں اس کمرے میں داخل ہوا۔ شمع نے اپنا کمال دکھا دیا تھا۔ کمرے میں گوشت جلنے کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر موم بتی کو بجھا دیا۔ اگر اس کا سر بندھا نہ ہوتا تو یہ کام وہ کب کا کر چکا ہوتا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''اب بتاؤ کیسا محسوس کر رہے ہو؟ میرے سوالوں کے جواب دو گے یا مزید موم بتیاں جلا کر باہر چلا جاؤں؟''

''ہم ہر سوال کا جواب دیں گے۔'' اس نے کراہنے کے انداز میں جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم نے ریاست خان کو کون سا کام دیا تھا جو وہ کر نہیں سکا؟''

''ہمارا ایک مہمان آنے والا تھا اسے تم نے پریشان کر کے بھگا دیا۔ تم ہو کون؟''

''میں خدائی فوجدار ہوں۔ یہ بتاؤ کہ وہ مہمان کون تھا؟''

''وہ ہمارے گروپ کو امداد دینے والے کا نمائندہ تھا۔ اس کو یہاں کوئی کام انجام دینا تھا۔''

''کون سا کام؟'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اس بارے میں ہمیں بھی نہیں معلوم۔'' اس نے اپنے پیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو میں ایسا کرتا ہوں کہ اپنے ساتھی کو بلاتا ہوں وہ خود پلاس سے ناخن کھینچ کر پوچھ لے گا کہ تمہیں معلوم ہے یا نہیں۔''

''یقین کرو کہ مجھے اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔'' اس کی آواز میں کرب ہی کرب تھا۔ میں نے محسوس کر لیا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ اس لیے اس سوال کو چھوڑ دیا اور نیا سوال کیا:

''اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا تعلق کس گروپ یا لوگوں سے ہے؟''

''ہمارا کوئی گروپ نہیں۔ میں بھی ریاست خان کی طرح حضرت جی کا مرید تھا۔''

''کون حضرت جی..... اس ملک میں کئی کروڑ حضرت جی ہوں گے۔ ان میں سے کس کی بات کر رہے ہو۔''

''میں حضرت مرشد جی کا مرید تھا۔ ان کا ایک اور مرید ہے، ناصر شاہ۔ وہ مجھ سے کام لیتا رہتا ہے۔ ہر کام کے الگ پیسے ملتے ہیں۔ اس بار اس نے مجھے یہ کام سونپا تھا کہ میں ریاست خان پر نظر رکھوں۔ اس سے کوئی شخص ملنے آئے گا۔ وہ اسے کوئی کام سونپے گا۔ اگر ریاست خان وہ کام نہیں کر سکے تو اس پر میں دباؤ ڈالوں۔''

''دروغ گو را حافظہ نباشد..... تم نے خود کہا تھا کہ مرشد جیسے لوگوں سے تم خود کام لیتے ہو اور اب کہہ رہے ہو کہ تم اس کے مرید تھے..... اس دروغ گوئی کی وجہ بھی بتاتے چلو۔''

''جو ہم نے پہلے کہا تھا وہ بھی صحیح تھا اور جواب کہہ رہا ہوں وہ بھی صحیح ہے۔ پہلے میں نے مرشد کے ہاتھ پر بیعت کی ان کا مرید بنا لیکن بعد میں جب ناصر شاہ کے ساتھ کام کرنے لگا تو سمجھ آئی کہ مرشد تو ایک کھلاڑی ہے۔ اپنے چہرے پر تقدس کا ملمع سجائے ہوئے ہے۔ اس لیے اس کی قدر میری نظروں میں کم ہو گئی اور میں نے اس بیعت کو بھلا دیا اور ناصر شاہ کے ساتھ کام کرنے لگا۔''

''گویا تم سے کام لیتا ہے ناصر شاہ۔ اسی نے حکم دیا تھا کہ ریاست خان پر دباؤ ڈالو؟''

''جی ہاں!''

''دباؤ ڈالنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اسے ختم کر دو۔''

''اس کے بارے میں نئی ہدایت مجھے فون پر ملی کہ ریاست خان نے غداری کی ہے اور ایجنسی والوں سے مل گیا ہے۔ اس نے کس کس ایجنسی کو کیا کیا بتایا ہے۔ یہ مجھے معلوم کرنا تھا اسی وجہ سے میں نے اس پر سختی کی تھی۔ اس کی غداری کی وجہ سے ہم سب خطرے میں آ گئے ہیں اسی کا مجھے غصہ تھا۔''

''تمہارے ساتھ جو لوگ ہیں کیا یہ بھی ناصر کے آدمی ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جی ہاں۔''

''ناصر رہتا کہاں ہے؟''

''پنڈی میں۔''

''ٹھیک ہے اب آرام کرو۔ جلد ہم سفر پر چلیں گے۔ تم بھی میرے ساتھ ہو گے؟''

اسے ہدایت دے کر میں باہر آ گیا۔ اب مجھے سفیر وغیرہ سے مشورہ کرنا تھا۔ حالانکہ سفیر ہو یا وسیم یا عبداللہ میرے فیصلے سے کوئی بھی انحراف نہیں کرتا لیکن پھر بھی میں ان سے مشورہ ضروری سمجھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میرے ساتھی میرے لیے سب کچھ تھے۔ عبداللہ کے کمرے میں آیا تو وہ نیٹ پر چیٹنگ کر رہا تھا۔

''یہ بچوں والا شوق کب سے شروع کر دیا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''مانی کا پیدا کردا شوق مانی کے کام آ رہا ہے۔ اسی سے باتیں ہو رہی ہیں۔''

''اچھا..... وہ اس وقت کہاں ہے؟''

''وہیں..... دبئی میں..... اسے فلیٹ راس آ گیا ہے۔ اس نے اپنا سب کچھ وہیں منتقل کرا لیا ہے۔ شاید آپ کو بتایا بھی تھا کہ وہ جس کے لیے مرا جا رہا تھا، جس سے باتیں بھی سرگوشیوں میں کیا کرتا تھا اب اس سے زور زور سے باتیں کرتا ہے۔ بس شرعی تقاضا پورے کرنے کے لیے ہمارا انتظار کر رہا ہے تاکہ ہم جا کر اسے مزید عذاب میں ڈالنے کے لیے لاہور سے اس کی جان کو دبئی پرواز کرائیں۔'' عبداللہ نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''ارے بات یہاں تک پہنچ گئی..... چلو اچھا ہوا..... بیتو کا زندگی بھر افسوس رہے گا۔ کاش اسے بھی اس کی محبت سے ملا سکتا۔'' میں نے افسوس بھرے انداز میں کہا اور قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آپ کو حیرت نہیں ہے کہ مانی جیسا کم گو اور معصوم بچہ ایک لڑکی کے لیے اس طرح پاگل ہوا تھا ہے۔''

''جی ہاں یہی بات مانی بھی کہتا تھا لیکن ذرا آہستہ سے اس لیے کہ وہ بڑوں کے پیار میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔'' وسیم نے اندر آتے ہوئے کہا۔ اس چوٹ پر عبداللہ تلملا گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ بولتا بھی کیسے اس لیے کہ وسیم نے حقیقت بیان کی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بھی عشق کی اَن دیکھی آگ میں تپ رہا ہے۔ بھلے ہی وہ اسے مظلوم لڑکی سمجھ کر آگے بڑھا ہو لیکن وہی چنگاری آگ بن چکی تھی، اسی طرح جیسے وسیم سعدیہ کے لیے رحم کے جذبے سے بڑھا تھا لیکن بعد میں وہی اس کے لیے سب کچھ ہو گئی۔ اگر میری زندگی بھی معمول پر آ گئی تو میری کوشش ہو گی کہ ہم سب ایک جگہ رہیں۔ پاس پاس گھر ہو۔ ایک میں مونا کے ساتھ، دوسرے میں وسیم اور سعدیہ۔ تیسرے میں عبداللہ اور بانو چوتھے میں مانی اور شازیہ پانچویں میں ایاز اور شاہین خواب دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے اور میں خواب دیکھ رہا تھا کہ وسیم کی آواز نے حال میں کھینچ لیا۔

''اس بدبخت نے کچھ اگلا یا ابھی کچھ اور خاطر داری کرنی ہے؟''

وسیم کے سوال پر میں نے جواب دیا۔ ''اس نے بہت کچھ بتایا ہے۔ اس کی تصدیق کے لیے ہمارا پنڈی جانا ضروری ہے۔ تمام کڑیاں مرشد کی خانقاہ سے مل رہی ہیں۔ جسے ہم نے اجاڑ دیا تھا وہ اب ایک نئے انداز میں سامنے آئی ہے۔''

''چلیں اس بہانے مجھے بھی اپنا کچھ پرانا حساب چکتا کرنا ہے۔'' وسیم نے عادت کے مطابق مزاح کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انداز اختیار کیا۔

یہ میرے دوست، میرے غمخوار، میری جان۔ میں وسیم کو محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگا کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے میری زندگی میں بہار ہے۔ کچھ بھی ہو جائے، حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی شوخی ان کی شگفتہ بیانی میں کمی نہیں آتی۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں کب کا حوصلہ ہار چکا ہوتا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''یہ مرتجس کیسا بندہ ہے؟''

''اسے ہم نے موت کے منہ سے چھینا ہے اس لیے نمک حلالی تو کرے گا ہی..... آگے اللہ جانے۔''

''حالات ایسے الجھ رہے ہیں کہ ہر ایک پر یقین کیا نہیں جا سکتا۔ اب یہی دیکھو جس بندے کو میں نے معمولی ڈرائیور سمجھا تھا وہ ایک بڑا مہرہ نکلا۔''

''یہ ہمیں کن حالات میں ملا پہلے یہ سمجھ لیں۔ پھر آپ کا جو فیصلہ ہوگا اسی کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کریں گے۔'' وسیم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

وہ کمرا اگرچہ چھوٹا تھا لیکن درمیان میں تھا اس لیے ہم نے اس کو اہمیت دی تھی۔ میں اسی کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا تا کہ ضرورت پڑنے پر ایکشن لیا جا سکے۔ ایک کمرا داہنی جانب تھا اور دوسرا بائیں۔ ایک میں باڈی بلڈر اور اس کے ساتھی کو رکھا تھا اور دوسرے میں صغیر اور اس کے ساتھی تھے۔ اس درمیانی کمرے میں ہم آرام سے میٹنگ کر سکتے تھے اسی لیے میں وسیم کو کریدر ہا تھا۔ عبداللہ بھی میری طرف متوجہ تھا۔

''ہم تینوں جہاں اترے تھے وہاں سے بس اسٹاپ کی طرف جا رہے تھے۔ وہ راستہ کچھ سنسان تھا۔ دور دور تک میدان تھے۔ کہیں کہیں گھنی جھاڑیاں بھی تھیں۔ اس ویران راستے میں انسان کی شکل دیکھنے کو ہم ترس گئے۔ یوں بھی یہاں لاہور کراچی کی طرح ہر گلی کوچے میں بھیڑ تو ہوتی نہیں ہے۔ ابھی ہم کچھ ہی آگے گئے تھے کہ مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی کسی کا گلا دبا رہا ہو اور وہ جکڑ سے نکلنے کے لیے کوشش کر رہا ہو۔ یہ آواز سفیر نے بھی سنی تھی وہ بھی چوکنا ہو گیا۔ اس نے اشارے سے مجھے رکنے کو کہا اور ان جھاڑیوں کی طرف بڑھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ نزدیک پہنچتے ہی اس نے للکارا۔ للکار سنتے ہی اندر سے کسی نے آواز دی۔ ''کون ہے۔ اپنا راستہ لے ورنہ بے موت مارا جائے گا۔''

اتنی دیر میں ہم سب نے جھاڑیوں کو گھیر لیا تھا۔ اس دھمکی نے سفیر پر جنون سا طاری کر دیا۔ اس نے بغیر ایک لمحہ ضائع کیے ان میں سے ایک کو لات ماری۔ وہ تین تھے اور ہم بھی تین۔ جسے لات پڑی تھی وہ اچھل کر دور جا گرا تھا۔ اس کے ساتھی کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا۔ اس نے چاقو لہراتے ہوئے سفیر پر حملہ کیا تھا کہ میں نے اس کی کمر پکڑ لی اور عبداللہ نے تابوڑ توڑ دو پنچ مارے۔ اس کی ناک کا بھرتا بنا اور وہ لہراتا ہوا گرا۔ اتنی دیر میں نیچے دبا ہوا بندہ اٹھ گیا تھا۔ اب وہ بھی ان کی پٹائی میں شامل ہو گیا تھا۔ بس دس منٹ کی دیر لگی اور وہ سب لمبے لمبے ہو گئے۔ تب ہم نے اس بندے سے پوچھا کہ بات کیا تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ لوگ اسے قتل کرنے لائے تھے۔ قتل کرنے کی وجہ کیا تھی یہ پوچھنے پر وجہ جو اس نے بتائی اسے سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ وہ تینوں باہر کے تھے۔ افغانستان میں جب افراتفری پھیلی اور وہاں سے آنے والے پناہ گیروں کو حکومت نے اس علاقے میں ایک کیمپ بنا کر رکھا۔ یہ تینوں اسی کیمپ میں رہنے والے تھے اور اس بندے کے ساتھ ڈرائیوری کرتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہوں نے ایک لڑکی کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی تھی۔ وہ لڑکی اس بندے کی محبوبہ ہے۔ اس لیے اس نے احتجاج کرتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ ان سے نمٹ لے گا۔ اسی بات پر وہ تینوں اسے بس اسٹاپ سے اغوا کر کے لائے اور اب قتل کرنے والے تھے۔ اس پورے معاملے کو ہم ختم تو نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے مرتجس کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل پڑے۔ اس نے جب بتایا کہ اس کی اپنی سوزوکی ہے اور وہ ڈرائیوری کرتا ہے تو ہم نے ساتھ رکھ لیا۔ آدمی ایماندار ہے۔ پھر ڈرا ہوا بھی ہے کہ وہ لوگ اسے چھوڑیں گے نہیں اس لیے ہمارے ساتھ ہے۔''

''اس سے پوچھو اگر یہ ہمارے ساتھ پنڈی جانا چاہے تو اس کی سوزوکی پر ہی ہم چل دیتے ہیں۔ راستے میں پریشانی تو ہوگی مگر مجبوری ہے کیونکہ ہمیں بائی روڈ ہی جانا پڑے گا۔ امداد شاہ کو ساتھ لے کر ہم بائی ایئر جانے سے تو رہے۔''

''یہ خود بھی پنڈی یا لاہور جانے کا سوچ رہا ہے۔ تاکہ وہاں سے پیسے کما کر لائے اور نکاح کر سکے۔''

''پھر تو ضرور بات کرو۔''

''جی میں ابھی بات کرتا ہوں کہ وہ ہمارے ساتھ چلے گا یا نہیں۔'' پھر اس نے سوال کیا۔ ''لیکن اس زخمی بندے کا کیا کرنا ہے؟''

''ریاست خان بھی ہمارا سر درد نہیں ہے۔ انسانیت کے ناتے ہم اس کی اتنی مدد کر دیتے ہیں کہ اس کا علاج ہوتا رہے۔ یقیناً تم لوگوں کے پاس بھی اے ٹی ایم کارڈ ہوگا۔ میرے پاس بھی ہے۔ بیگ میں سب کچھ محفوظ ملا ہے۔ اے ٹی ایم کارڈ پورے پاکستان میں کارآمد ہے۔ اچھی خاصی رقم نکال کر اسے دے دیں گے۔ ویسے بھی دو چار دن سے زیادہ وہ اسپتال میں رہے گا نہیں۔ صحت مند ہوتے ہی بائی ایئر کراچی یا جہاں جانا چاہے گا چلا جائے گا۔'' میں نے جواب دیا اور باہر نکلنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے سفیر سے بات کرنی تھی۔ اس لیے کہ زیادہ دیر کرنا مناسب بھی نہیں تھا۔ امداد شاہ کے اور بھی ساتھی ہوں گے۔ وہ ہوشیار ہو گئے ہوں گے۔ پھر مجھے جلد سے جلد مرشد سے بھی دو دو ہاتھ کرنا تھا۔ اس لیے یہاں وقت برباد کرنا ضروری نہیں تھا۔

میں اسپتال کے لیے نکل پڑا۔ اسپتال زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ میں ٹہلتا ہوا ادھر بڑھتا جا رہا تھا۔ شہر چھوٹا سا ہو تو آنے جانے میں آسانی بھی ہوتی ہے اور بھیڑ بھاڑ، ٹریفک کے شور سے بھی نجات ملی ہوتی ہے۔ گو کہ یہ سڑک مرکزی حیثیت کی تھی لیکن گاڑیاں برائے نام چل رہی تھیں۔ میں ٹہلنے کے انداز میں چلتا ہوا اسپتال کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میرے قبضہ میں امداد شاہ جیسا بندہ تھا۔ میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب تک یہ بات سامنے نہیں آئی تھی کہ وہ ہے کیا۔ اس کی اہمیت کیا ہے۔ لیکن یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ وہ غداروں کے گروپ سے تعلق رکھتا تھا۔ اب اس سے مزید راز اگلوانا تھا جو میں یہاں نہیں، پنڈی پہنچ کر اس سے اگلواتا۔ تب تک اسے قبضہ میں رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ ہر طرف سے ہوشیار رہوں۔ سفیر بتا چکا تھا کہ کوئی مشکوک شخص ریاست خان کی نگرانی کر رہا ہے اس سے یہ بات صاف تھی کہ امداد شاہ کا نیٹ ورک بڑا ہے۔ شہر میں اس کے بندے موجود ہیں۔ کہیں اس کا کوئی ساتھی مجھے ہی شکار نہ کر لے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اِدھر اُدھر ناقدانہ انداز میں نظر ڈالی۔ مگر اِدھر اُدھر کوئی بھی مشکوک بندہ نظر نہیں آیا جو مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہو۔ میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی رفتار تیز کر دی اس لیے کہ اب اسپتال بھی نزدیک آ رہا تھا۔

اسپتال گو کہ چھوٹا تھا لیکن صاف ستھرا اور جدید سہولیت سے مزین تھا۔ کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے ہی ایک خوشگوار سا احساس ہوا۔ سبزے کی چادر دور تک بچھی ہوئی تھی۔ میں آہستہ روی سے اندر کی طرف بڑھا۔ تبھی میری نظر مرتجس پر پڑی۔ وہ ٹھنڈی بوتل لیے اس کمرے کی طرف جا رہا تھا جدھر ریاست خان کو رکھا گیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے سلام کیا۔

''اب بیمار کی طبیعت کیسی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اب تو وہ پٹاپٹ بول رہا ہے۔ لگ ہی نہیں رہا کہ اس کی حالت کبھی اتنی خراب تھی۔'' مرتجس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''چلو یہ اچھا ہی ہوا۔'' میں نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔

کمرے میں داخل ہوا تو ریاست خان بیڈ پر نیم دراز تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ بشاشیت لوٹ آئی تھی۔ اس کے سامنے بچھی کرسی پر سفیر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موبائل تھا۔ شاید وہ کسی سے بات کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا۔ ''ابھی میں نے وسیم کو کال کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ریاست خان کو ریلیز کرا لیا جائے۔'' اس نے یہ جملہ ریاست خان کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

''کیوں بھائی، کیا اس کا خیال صحیح ہے؟'' میں نے ریاست خان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''خود میرا بھی یہی خیال ہے۔ مجھے اب ذرا بھی کمزوری محسوس نہیں ہو رہی ہے۔ بس کمر سے ذرا نیچے ہلکی سی چبھن ہے۔ ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ انجکشن دیا جا چکا ہے۔ یہ درد بھی کم ہو جائے گا۔ اب میں خود کو بالکل فٹ محسوس کر رہا ہوں۔''

''یار سفیر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ واپس پنڈی کے لیے نکل لوں۔'' میں نے سفیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو کیا آپ کا خیال ہے کہ میں یہاں ٹریکنگ کے لیے آیا ہوں؟ یا نانگا پربت پر چڑھنے والا ہوں؟ کے ٹو سر کرنے والا ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں تو خود جلد واپسی کی سوچ رہا ہوں۔''

''لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ بائی روڈ جایا جائے؟''

''یہ خیال بھی برا نہیں ہے۔ میں آپ کو پنڈی تک پہنچا سکتا ہوں۔ کئی بار مسافر لے کر جا چکا ہوں۔'' مرتجس بولا۔

''لیکن تمہاری سوزوکی اتنی اعلیٰ تو ہے نہیں کہ اس پر اتنا لمبا سفر کیا جائے۔'' سفیر نے دخل دیا۔

''میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں سوزوکی پر جاؤں گا۔ میرے ایک جاننے والے ٹرانسپورٹر کے پاس ہائی لیکس ہے۔ وہ میں اکثر کرایہ پر لیتا رہتا ہوں۔''

''تمہارے گھر والے؟'' میں نے اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''ایک ماں تھی اس کا بھی پچھلے دنوں انتقال ہو گیا۔ گویا میں اکیلا ہوں۔ شادی کے لیے ابھی ابھی ایک لڑکی دیکھی ہے۔ پیسا جمع ہوتے ہی اسے دلہن بنا کر لے آؤں گا۔''

''تو پھر تم ایسا کرو آج ہی جا کر اپنے دوست سے بات کر لو۔ اگر وہ پیشگی کرایہ مانگے تو دے دینا۔'' کہہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر میں نے ہزار ہزار کے دس نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے۔

''اتنے روپے کی ضرورت نہیں۔ صرف تین ہزار دے دیں۔ وہی بہت ہوگا۔'' اس نے ہاتھ بڑھائے بغیر کہا۔

''زیادہ رقم اس لیے دے رہا ہوں کہ ٹنکی بھی بھروالینا اور دیگر ضروری چیزیں بھی لے لینا۔'' پھر میں نے گردن موڑ کر ریاست خان سے پوچھا۔ ''تمہارا ارادہ کیا ہے؟''

اس نے دکھی لہجے میں جواب دیا۔ ''ابھی آپ لوگوں سے دل بھرا نہیں اور آپ جانے کی کہہ رہے ہیں۔ جانا تو مجھے بھی ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو اپنے ساتھ لے لیں۔''

''تمہارے ساتھی؟''

''وہ بھی ساتھ چلیں گے۔''

''چار ہم ہیں، چار تم اور تین وہ، یعنی ہمارے قیدی۔ ہائی لیکس میں اتنے آدمی اور سفر لمبا؟''

ریاست خان نے کہا۔ ''وہ موٹا باڈی بلڈر اور اس کے ساتھی کو میں جانتا ہوں۔ وہ دونوں مقامی غنڈے ہیں۔ ان کو ساتھ لے جانا ضروری بھی نہیں ہے۔ انہیں امداد شاہ نے پیسوں کے عوض بلایا ہوگا۔''

''جی ہاں۔ ان دونوں کو میں بھی جانتا ہوں۔ وہ دونوں بس اسٹاپ پر غنڈا گردی کر کے پیسے کماتے ہیں۔'' مرتجس نے بھی تائید کر دی۔

''ڈن..... تم لوگ بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔ ہم یہاں سے صبح نماز کے بعد چلیں گے۔'' میں نے ریاست خان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ گویا وہ میری اس فیصلے سے خوش تھا۔ سفیر لاتعلق سا بنا بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ جا کر ڈاکٹر سے بات کرے۔ اگر ڈاکٹر اجازت دے دے تو اسے بھی ساتھ لے لوں گا۔ سفیر اٹھ کر چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اس کے ساتھ ڈاکٹر بھی تھا اس نے کہا:

''اگر آپ لوگ ضد کریں گے تو میں اجازت دے دوں گا لیکن ایسا آپ کو اپنی ضمانت پر کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ یہ اس وقت تو صحیح نظر آ رہے ہیں لیکن ابھی کسی لمبے سفر پر انہیں لے جانا مناسب نہیں ہے۔ اندرونی چوٹ زیادہ ہے جو خطرے کا باعث بن سکتی ہے اس لیے میرا مشورہ ہے ابھی کم از کم ایک ہفتہ انہیں شہر سے باہر نہ لے جائیں۔ انہیں بیڈ رسٹ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔''

ڈاکٹر کی باتوں نے ریاست خان کو اداس کر دیا۔ وہ مرجھا سا گیا تھا۔ میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''یوں سمجھ لو ہم چلتے چلتے تمہیں نظر آ گئے تھے۔ ایسے لاکھوں لوگ راہ میں ملتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں۔ اگر اللہ کو منظور ہوگا تو پھر ملاقات ہو جائے گی۔ جاتے وقت تمہارے اخراجات کے لیے میں صغیر کو پچاس ہزار روپے دے جاؤں گا۔ علاج ہو جائے تو پنڈی آ جانا اگر قسمت میں ہوگی تو ملاقات بھی ہو جائے گی۔''

ریاست خان باضابطہ رونے لگا تھا۔ بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا اور باہر نکل آیا۔ سفیر ساتھ تھا اس کے پیچھے مرتجس تھا۔ ہم تینوں باہر نکلے تو مرتجس نے کہا۔ ''آپ یہیں ٹھہریں۔ میں سوزوکی لے کر آتا ہوں۔''

اس کی سوزوکی پر بیٹھ کر ہم اس مکان میں پہنچے جہاں صغیر وغیرہ منتظر تھے۔ وسیم میرے ہی انتظار میں بیٹھا تھا۔ میرے ساتھ مرتجس کو دیکھ کر اس نے پوچھا۔ ''اس سے بات کر لی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں بات ہوگئی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''اور ہم صبح ہی نکل رہے ہیں۔''

''گڈ..... یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

''پنڈی لیکن اس سے پہلے میں چاہوں گا کہ تم ایاز کو پنڈی بلا لینا۔ گو کہ اس وقت ایاز کا متبادل ہمارے پاس ہے۔ یہ مرتجس کام کا بندہ لگ رہا ہے لیکن ایاز کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یوں بھی مرشد سے مقابلہ ہے تو ہمیں پوری طرح ہوشیار رہنا ہوگا۔'' میں نے سفیر سے کہا۔

''او کے میں اسے کال کرتا ہوں۔ اسی بہانے مونا سے بھی باتیں ہو جائیں گی۔'' سفیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''او بھائی! ایاز اپنے ورک شاپ پر ہوگا اور مونا حویلی میں۔''

''کیوں آپ کو بتایا نہیں تھا کہ ایاز اور شاہین کو انکل نے حویلی بلوا لیا تھا۔ شاید اب بھی وہ وہیں ہو۔'' سفیر نے کہا۔

''یوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ مونا سے بات کرنے کا بہانا چاہیے۔'' وسیم نے چوٹ کی۔

''جل کیوں رہے ہو۔ تمہیں اس لیے نہیں کہا گیا کہ تم سادی سے گھنٹے بھر باتیں شروع کر دو گے۔'' سفیر نے وار کر دیا۔

''سادی سے میں نے ایک دو منٹ سے زیادہ کبھی بات ہی نہیں کی۔ جب کہ تم..... دکھاؤں کال رجسٹر میں ٹائم۔''

''ارے ارے تم دونوں تو لڑنے بیٹھ گئے۔'' میں نے مداخلت کی۔

''کیا کریں، ہم ایک دوسرے پر چوٹ کر کے یاد دلاتے ہیں کہ کوئی آپ کی کال کے انتظار میں بھی بیٹھا ہے۔ کبھی اسے بھی یاد کر لیا کریں۔'' وسیم نے کہا تو مجھے یاد آ گیا کہ ابھی تک میں نے سویرا سے بات نہیں کی ہے۔ مونا اور سعدیہ سے اسے معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں وادی سے لوٹ آیا ہوں۔ یہ میری نااہلی تھی کہ اب تک میں نے اسے کال نہیں کی۔ واقعی وہ کیا سوچتی ہوگی۔ ضرور ناراض ہو رہی ہوگی کہ میں نے اسے کال کیوں نہیں کیا۔ سویرا کا خیال آیا تو میں نے سفیر سے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ تم دونوں لڑتے رہو۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی بات پیدا ہو اس لیے میں خود ہی کال کر لیتا ہوں۔''

''آمین..... پتھر میں جونک لگ ہی گئی۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ سو بار کال کریں۔ ہمارا کیا ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں جب دل کرے گا دس بیس یونٹ خرچ کر دیں گے۔'' وسیم نے مسکرا کر جواباً کہا۔

انہیں ہنستا ہوا چھوڑ کر میں باہر نکل آیا۔ میرے موبائل میں وہ نمبر تھا جو وادی میں جانے سے پہلے سویرا نے دیا تھا کہ یہ نمبر اس کے پاس رہتا ہے۔ میں نے اس نمبر کو پش کیا اور موبائل کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف بیل بج رہی تھی لیکن کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ میں مایوس ہو کر کال ڈسکنکٹ کرنے والا تھا کہ کال ریسیو ہو گئی۔

''السلام علیکم۔'' ادھر سے آواز آئی تھی کہ میں نے کہا۔ ''کیا بات ہے اتنی دیر بعد کال ریسیو کی؟''

''میں کچن میں تھی اور وہاں امی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے سامنے کال کیسے ریسیو کر لیتی۔''

''تو کیا انہوں نے بیل نہیں سنی ہوگی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سوال ہی نہیں ہے۔ میں نے بیل بند کر رکھی ہے۔ وائبریٹ سے پتا چلتا ہے کہ کال آ رہی ہے۔ جس دن سے مونا نے بتایا ہے کہ آپ واپس آ گئے ہیں میں اسی دن سے ہر وقت موبائل اپنے ساتھ رکھتی ہوں۔''

''یہ اچھی بات ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اور یہ کون سی اچھی بات ہے کہ اتنے دن بعد کال کر رہے ہیں۔''

''اتنے دن بعد..... اللہ کا خوف کرو بی بی پرسوں تو وادی سے نکلا ہوں۔ وہاں سگنل نہیں تھا۔ کل کا دن کچھ مصروف گزرا اور آج موقع مل ہی گیا۔''

''سفیر اور وسیم کو کیسے موقع مل گیا کہ انہوں نے پہلی فرصت میں فون کر کے اطلاع دے دی۔''

''وہ لوگ یہاں مجھ سے ایک دن پہلے آ گئے تھے۔ میں صبح پہنچا ہوں۔ دن بھر بھاگ دوڑ رہی۔ اب جا کر موقع ملا ہے۔ وہاں کے حالات کیا ہیں؟''

''یہاں سب صحیح ہے۔ بابا نے حفاظتی انتظام انتہائی سخت کر رکھا ہے اس لیے اب تک کوئی بات ہوئی نہیں ہے..... ویسے آپ آ کب رہے ہیں؟''

''بہت جلد اور ہمیشہ کے لیے؟''

''میں پھر کہوں گی کہ ان تمام جھگڑوں سے خود کو الگ کر لیں۔ یہاں آ کر بیٹھ جائیں۔ یہاں آپ کے دشمن تو کیا ان کے فرشتے بھی پہنچ نہیں پائیں گے۔ اگر آ بھی گئے تو بچ کر جا نہیں جائیں گے۔ الیکٹرونک آلات سے حویلی قلعہ میں تبدیل ہو گئی ہے۔''

''بہت جلد آنے والا ہوں۔ ان شاء اللہ جلد تم مجھے اپنے سامنے پاؤ گی۔''

''آپ کے پاس وعدوں کے علاوہ ہے ہی کیا۔'' سویرا کے لہجے میں ناراضگی کا عنصر در آیا تھا۔

''یقین کرو ان دنوں دل میں رہ رہ کر کسک سی ہو رہی ہے۔ کافی عرصہ سے ماں جی کی ڈانٹ نہیں کھائی اور نہ ان کے ہاتھ کا بنا ساگ ملا ہے۔''

''اور کوئی یاد نہیں آتا۔'' وہ روانی میں بول گئی۔ عورت خواہ کتنا ہی پڑھ لکھ لے۔ کتنا ہی ترقی کر لے لیکن اس کے اندر چاہے جانے کا جو جذبہ ہوتا ہے وہ کبھی مرتا نہیں ہے۔ موقع ملتے ہی باہر آ جاتا ہے۔ اس بات کا اثر میرے دل پر ہوا، میں کچھ بولتا مگر خود اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کچھ غلط بول گئی ہے۔ اس نے فوراً تصحیح کی۔ ''اس گھر میں بابا بھی ہیں جو منہ سے کچھ نہیں کہتے لیکن ان کی نگاہیں کہتی ہیں کہ وہ آپ کے آنے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔''

اس کی بات سے میں نے بات نکالی۔ ''ہاں بابا بھی یاد آتے ہیں ان کے علاوہ ایک اور ہستی بڑی شدت سے یاد آتی ہے۔''

''کون؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''ابھی اگر بتا دیا تو تم جل بھن کر کباب ہو جاؤ گی۔ اس کی یاد ہی تو میرا سرمایہ ہے۔ سوتے جاگتے میں بس اسے ہی یاد کرتا ہوں۔'' میں نے ڈرامائی انداز میں جواب دیا۔

میرا مفہوم وہ سمجھ گئی تھی پھر بھی وہ پوچھنے سے خود کو روک نہ سکی۔ اس نے کہا۔ ''وہ ہے کون جس کے نام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشنی جواب دے جائے۔''

''اچھا تو اس کام کا بھی تجربہ ہے۔ واہ۔ پہلے کیوں نہیں بتایا کہ ایسا کر چکے ہو۔'' وسیم نے چوٹ کی۔

''مجھے کبھی مونا سے اتنی الفت محسوس ہی نہیں ہوئی ورنہ کر بیٹھتا۔''

''اچھا یہ بات ہے۔ میں مونا سے ضرور ذکر کروں گا کہ تم سے اسے الفت ہی نہیں۔''

''اور وہ تمہارے سر پر گومڑا ابھار کر کہے گی کہ مجھے تو ان سے الفت ہے تم چیک کرنے والے کون ہوتے ہو۔''

ان دونوں کی لایعنی بحث مزید طوالت اختیار کرے اس سے پہلے میں نے مداخلت ضروری سمجھی اور کہا۔ ''اگر تم لوگ خاموش ہو جاؤ تو میں ایک بات کہوں۔''

''ارشاد ارشاد۔'' وسیم نے جواباً کہا۔

''ہم انسان ہیں اور ہمارے لیے غذا ضروری ہے تو کیوں نا عبداللہ مرتجس کے ساتھ جا کر کچھ کھانے پینے کا سامان لے آئے۔''

عبداللہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے مرتجس کی طرف دیکھا تھا کہ وسیم بولا۔ ''ایسا کرتا ہوں میں عبداللہ کے ساتھ چلا جاتا ہوں۔''

مرتجس نے بغیر مانگے سوزوکی کی چابی اس کی طرف بڑھا دی۔ وسیم چابی لے کر عبداللہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ان کے باہر نکلتے ہی میں نے کہا۔ ''کل ہم لوگ پنڈی میں ہوں گے۔''

''یہ تو ہمیں معلوم ہے نئی بات کیا ہے؟'' سفیر چہکا۔ ''یہاں سے چلیں گے تو پنڈی پہنچ ہی جائیں گے۔''

''وہاں ٹھہریں گے کہاں، اس بارے میں بھی اپنا خیال پیش کرو۔''

''کہیں اور ٹھہرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ راجا صاحب کا بنگلا ہے نا۔'' سفیر نے کہا۔ ''راجا صاحب کے گھر والوں کو اتنی جلدی اس بنگلے کا خیال نہیں آئے گا۔ تب تک ہم اس بنگلے کو استعمال کر سکتے ہیں۔''

''لیکن وہ بنگلا مرشد کی نظروں میں ہے اور نمٹنا اسی سے ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ تو بعد کی بات ہے ابھی ہم وہاں جا کر ایک دو دن تو آرام کر سکتے ہیں۔ بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔ وسیم کا وہ دوست جو اسٹیٹ ایجنٹ ہے اس کے ذریعہ کسی اچھے علاقے میں فرنشڈ گھر لے لیں گے۔''

''ایک گھر وہ والا ملا تھا نا جہاں کا مالک فرنشڈ گھر دے کر لوٹ لیا کرتا تھا، وسیم ایسا ہی گھر دلائے گا۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔ ''تم تو ایسا ہی گھر ڈھونڈو گے جہاں سے ڈاکوؤں کی دولت ہاتھ آئے۔''

باتیں ابھی جاری تھیں کہ باہر ایک زوردار دھماکا ہوا اور پھر دروازے سے گولیوں کی بوچھار ٹکرائی۔ سفیر زور سے چیخا۔ ''سب زمین پر لیٹ جائیں۔''

صغیر، اللہ ڈینو، جیدے نے زمین پر لیٹنے میں دیر نہیں لگائی۔ سفیر نے لیٹتے ہی دیوار کی طرف لڑھکنا شروع کر دیا تھا۔ تاکہ دروازے سے آنے والی کوئی گولی مزاج نہ پوچھ لے۔

صرف ایک برسٹ چلا تھا پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ کچھ دیر انتظار کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوار سے لگ کر کھڑکی تک پہنچا۔ احتیاطاً میں نے صغیر کی اتری ہوئی شرٹ کو کھڑکی کے سامنے لہرا کر جھٹکے سے ہٹایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو فائر ضرور آتا۔ جب باہر کوئی تغیر نظر نہیں آیا تو میں نے کھڑکی سے جھانکا۔ سڑک پر بہت سارے تماشبین کھڑے تھے۔ سب کی نظریں اسی گھر پر ٹکی تھیں۔ مجھے کھڑکی پر دیکھ کر کئی افراد نے کچھ کہا تھا۔ ایک تو وہ لوگ دور تھے پھر شینے زبان میں بول رہے تھے جو میری سمجھ سے باہر تھی۔ میں نے مڑ کر مرتجس سے کہا۔ ''یار تم اپنی زبان میں ان سے پوچھو کہ ہوا کیا ہے؟''

مرتجس کھڑکی پر آنے کے لیے اٹھا تھا کہ میں نے کہا۔ ''یہاں سے نہیں، باہر جا کر پتا کرو۔ میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔''

پہلے میں باہر نکلا پھر مرتجس۔ مرکزی دروازے سے باہر جو چار دیواری تھی۔ اس کے گیٹ پر تباہی کے آثار نظر آئے۔ لکڑی کا آرائشی ستون بارود سے جلا ہوا تھا۔ دیوار بھی کریک ہو گئی تھی۔ لگتا یوں تھا جیسے دیسی ساختہ کریکر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آ چکی تھی کہ حملہ آور صرف دھمکانا چاہتے تھے۔ یہ کون لوگ ہو سکتے تھے یہ بھی سمجھ سے باہر تھا۔ اس لیے کہ ابھی تک ایسا کوئی دشمن نظروں میں نہیں تھا۔ اس نئے علاقے میں کون ہماری جان کا دشمن بن چکا ہے یہ اس وقت سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اندازہ یہی تھا کہ امداد شاہ کے لوگ جاگ اٹھے ہیں۔ میں سڑک کی جانب بڑھنے لگا۔ وہاں کھڑے تماشبین ہمیں اس طرح سے گھور رہے تھے جیسے ہم عجوبہ ہیں۔ سڑک پر پہنچتے ہی میں نے مرتجس کو آنکھ سے اشارہ دیا۔ وہ آگے بڑھا اور ایک شخص سے شینے زبان میں کچھ بولا۔ جواب میں اس نے جو کچھ کہا اسے سن کر مرتجس میری طرف مڑ کر بولا۔ ''دو بائیک پر چار لوگ تھے۔ وہ اس طرف سے آئے اور فائرنگ کرتے ہوئے نکل گئے۔ پیچھے والی بائیک پر بیٹھے شخص نے کوئی چیز دروازے کی جانب اچھالی تھی جس کے بعد دھماکا ہوا تھا۔''

''ان سے پوچھو کہ وہ لوگ دیکھنے میں کیسے تھے۔ کیا مقامی تھے یا.....؟'' میں نے مرتجس سے کہا۔

اس نے شاید وہی کچھ پوچھا تھا پھر مڑ کر مجھ سے اردو میں بولا۔ ''وہ لوگ ایک سیکنڈ کے لیے بھی رکے نہیں تھے۔ چلتی گاڑی سے یہ کارروائی ہوئی تھی۔''

میں اب سمجھ چکا تھا کہ یہ صرف دہشت پھیلانے کے لیے کیا گیا ہے۔ میں نے مڑ کر کہا۔ ''سفیر کہاں رہ گیا؟ یہ کچھ اور کھیل لگ رہا ہے۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' کہتے ہوئے وہ مڑا اور پھر بولا۔ ''لگتا ہے سفیر اندر ہی ہے۔ میں ابھی بلا کر لاتا ہوں۔''

وہ مڑا تھا کہ میں نے کہا۔ ''اندر جا کر تیاری کرو۔ ہمیں ابھی اور اسی وقت یہ علاقہ چھوڑنا ہوگا۔ یوں بھی دھماکے کی وجہ جاننے کے لیے پولیس والے آتے ہوں گے۔ ہمیں ان بکھیڑوں سے بچنا ہے۔''

ہم واپس کمرے میں پہنچے تو کمرا خالی پڑا تھا۔ نہ صغیر تھا نہ جیدے اور نہ اللہ ڈینو۔ سفیر بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ایک کے بعد ایک تمام کمرے دیکھ ڈالے لیکن کسی کا بھی پتا نہیں تھا۔ تبھی میری نظر عقب میں کھلنے والی کھڑکی پر پڑی۔ اس کھڑکی کی گرل ٹوٹی ہوئی تھی جس سے کوئی بھی شخص اندر بہ آسانی داخل ہو جائے۔ میں نے اس کھڑکی پر پہنچ کر باہر جھانکا۔ عقب میں میدان تھا۔ کچی مٹی کچھ گیلی تھی اس لیے کسی گاڑی کے ٹائر کا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ جب ہم باہر تھے تو کچھ لوگ اس راستے سے اندر داخل ہوئے اور امداد شاہ کو بشمول اللہ ڈینو،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیدے، صغیر کو ساتھ لے گئے۔ انہوں نے بہت عام طریقہ استعمال کیا تھا۔ یہ انسانی نفسیات ہے کہ دھماکا ہوتے ہی لوگ دھماکے کی وجہ جاننے میں لگ جاتے ہیں۔ اسی بات کا ان لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنے آدمیوں کو لے گئے، مگر سفیر کہاں گیا؟ کیا وہ لوگ اسے بھی قیدی بنا کر لے گئے؟ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی سی بج اٹھی۔ اب وہ لوگ اس پر تشدد کریں گے۔ جتنی آسانی سے وہ لوگ سب کو لے گئے یہ حیرت کی بات نہیں تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ سفیر ان کے ساتھ اتنی آسانی سے کیسے چلا گیا۔ وہ اکیلا بھی کئی ایک کو سنبھال سکتا تھا۔ پھر اتنی خاموشی کے ساتھ وہ کیسے چلا گیا۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مرتجس نے سوالیہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ سب کہاں گئے؟''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ ہم بمشکل دس منٹ کے لیے باہر گئے اور ادھر یہ کارروائی ہوگئی۔ امداد شاہ، صغیر، اللہ ڈینو، جیدے سب غائب ہوگئے۔ سفیر بھی غائب ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ سفیر بھائی کو کوئی سراغ ملا اور ان کے پاس وقت نہیں ہوگا ہمیں بلانے کا اسی لیے وہ اکیلے ہی نکل گئے۔ ان کے تعاقب میں گئے ہوں گے۔'' مرتجس نے اپنا خیال پیش کیا۔ اس کی بات میں دم تھا۔ ایسا ہوسکتا تھا۔ سفیر ان کے تعاقب میں لگ گیا ہوگا۔

''سر ایک عجیب سی میٹھی میٹھی بُو ہوا میں کہاں سے آرہی ہے؟'' مرتجس نے گہری گہری سانس لے کر کہا۔

اندر آتے ہی ذہن الجھ گیا تھا اس لیے میں نے اس بُو کو محسوس نہیں کیا اب اس نے توجہ دلائی تو یاد آیا کہ یہ بُو میتھول پروپیرایتھر کی ہے۔ اب ساری بات سمجھ میں آگئی تھی۔ باہر سے گیس کا گولا پھینکا گیا۔ کمرے میں گیس پھیلی، اندر والے بے ہوش ہوگئے اور وہ لوگ انہیں اٹھا کر لے گئے۔ یہ کارروائی عام لوگوں کی ہو ہی نہیں سکتی۔ معمولی غنڈے بدمعاش ایسی چیزیں استعمال کب کرتے ہیں۔ ضرور اس کے پیچھے کوئی منظم گروہ ہے۔ امداد شاہ کسی معمولی گروہ کا کارندہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے ساتھ کوئی بڑا گروہ ہے۔ اس سے نمٹنا آسان نہیں ہوگا پھر ان کی قید میں سفیر ہے۔ سفیر کتنا ہی جی دار کیوں نہ ہو وہ گیس کے اثر سے لڑ نہیں سکتا۔ دشمن اسے بھی اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ سفیر میرے لیے بہت اہم ہے اسے بازیاب کرانا ضروری ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے اس پر میں غور کرنے لگا۔

میرے پاس ہتھیار کے نام پر صرف دو پستول تھے۔ ایک امداد شاہ اور دوسرا ریاست خان سے چھینا ہوا۔ میں نے مرتجس سے پوچھا۔ ''کیا یہاں اسلحہ مل سکتا ہے؟''

''کس قسم کا اسلحہ؟''

''جدید قسم کا اس لیے کہ ہمیں مقابلہ کرنا ہے۔ ہمارے دشمن بہت طاقتور ہیں۔ جب وہ جدید طریقہ کار استعمال کر سکتے ہیں تو ان کے پاس اسلحہ بھی انتہائی جدید ہوگا۔ میرا ساتھی ان کی قید میں ہے اس لیے ہم آرام سے بیٹھ نہیں سکتے۔ دو دو ہاتھ کرنا ہی ہوں گے۔''

''میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اسلحہ کی تجارت کرتا ہے۔ اس سے بات کرتا ہوں۔'' مرتجس نے کہا۔

''تو پھر دیر نہ کرو ابھی جا کر بات کرو بلکہ یہ کچھ پیسے لیتے جاؤ۔ اگر آٹومیٹک گنز مل جائیں تو ہاتھ کے ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیتے آنا۔'' کہہ کر میں نے اسے ہزار کے نوٹوں کی ایک پوری گڈی دے دی۔ اتنی بڑی رقم ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت تھی۔ شاید اس نے زندگی میں پہلی بار اتنی بڑی رقم دیکھی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''پنڈی پہنچ کر ہم تمہیں بطور انعام اس سے بڑی رقم دیں گے۔''

''جی..... میں ابھی ایک گھنٹے میں آجاؤں گا۔ آپ لوگ فکر نہ کرنا۔'' کہہ کر مرتجس نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ باہر سے فائر ہوا۔ یہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ دروازہ کھولتے ہوئے وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک کر میری طرف مڑا تھا۔ شاید کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ گولی نے دروازے میں سوراخ کر دیا تھا۔ فائر ہوتے ہی وہ خوف سے زمین پر گرا تھا اور ہم نے سمجھا کہ اسے گولی لگی ہے۔ میں پھرتی سے اس کی طرف کھسکتے ہوئے پہنچا۔ اس کے جسم کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ وہ چیخا۔ شاید اس پر خوف حاوی ہو گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''زخم تو نہیں لگا ہے نا؟''

''جی..... جی نہیں۔'' اس کی آواز میں خوف تھا۔ اب تک مجھے جتنے ساتھی ملے تھے یہ ان میں سب سے بزدل ثابت ہو رہا تھا۔ میں اسے کھینچتے ہوئے پیچھے لے کر آیا پھر اسے اٹھا کر بٹھا دیا۔

وہ بیٹھ تو گیا تھا لیکن اس کے چہرے پر اب تک خوف کی پرچھائیں لرزاں تھی۔ اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ اس لیے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ ویسے اب ٹھیک ہوں۔''

''میرے یار ایسے ڈرو گے تو یہ دنیا جینے نہیں دے گی۔ جو ڈر گیا سمجھو وہ مر گیا۔ اس دنیا میں جینا ہے تو لڑنا سیکھو، بزدلی انسان کی موت ہے۔'' میں نے ناصح بن کر مشورہ دیا۔

''لگتا ہے آپ لوگوں کے ساتھ رہ کر میں بہادر بن ہی جاؤں گا۔ پہلی بار مجھ پر فائر ہوا اسی لیے ڈر گیا تھا۔ اب میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے پھیکی ہنسی ہنس کر کہا۔ ''مگر یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ کسی کو مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔''

''دشمنی تم سے نہیں ہم سے ہے۔ وہ لوگ ہمیں یہاں قید رکھنا چاہتے ہیں۔ شاید ان کا ارادہ ہو کہ پولیس کے آنے تک ہم اسی گھر میں رہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے بندے کو کھڑا کر دیا ہے۔''

''مگر کچھ ہی دیر پہلے ہم باہر نکلے تھے تب تو کسی نے روکا نہیں تھا۔''

''ہو سکتا ہے فائر کرنے والا بعد میں آیا ہو یا پھر اس نے ہمیں پہچاننے کے لیے اس وقت کچھ نہیں کہا۔''

''اب کیا ہوگا۔ اس نے ہماری شکلیں تو پہچان لی ہوں گی۔''

''یہ بعد کی باتیں ہیں فی الحال تو ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔'' میں نے ہنستے ہوئے عام سے لہجے میں کہا تا کہ ماحول کی کشیدگی کم ہو جائے۔

''لیکن ہم نکلیں گے کیسے اس لیے کہ دروازے کے باہر تو وہ لوگ پہرا دے رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''کوئی اور راستہ نہیں ہے؟''

''ایک راستہ ہے۔'' مرتجس بولا۔

''کون سا؟'' میں نے سوالیہ انداز میں اس سے پوچھا۔

''برابر والا گھر خالی ہے۔ درمیان میں جو دروازہ ہے اسے توڑ کر ہم اس گھر میں داخل ہوتے ہیں اور پھر اس گھر کے عقب میں جو دروازہ ہے اس سے نکل جاتے ہیں۔ وہ دروازہ اس گھر کے باغیچہ میں کھلے گا اور باغیچے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ہم پہاڑی کی طرف اتر جائیں گے۔'' مرتجس نے جواب دیا۔

''کدھر ہے دروازہ۔'' کہہ کر میں نے اندر والے کمرے کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں ادھر ہی دروازہ ہے۔'' وہ بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر پہنچا۔ اس کمرے کو ہال کہا جا سکتا تھا۔ خوب بڑا سا کمرا تھا۔ اس کمرے کا دروازہ عقب میں کھل رہا تھا۔ دروازے میں تالا بھی نہیں تھا۔ کنڈی بھی کھلی ہوئی تھی۔

''اس دروازے پر تو تالا پڑا رہتا ہے پتا نہیں کیسے کھلا رہ گیا۔'' مرتجس بولا اور دھکا دے کر اس دروازے کو اس نے کھول دیا۔ سامنے ایک بڑا سا آنگن تھا۔ اس آنگن کے آخر میں ایک دروازہ تھا جس پر شاید تالا لگا ہوا تھا جسے کسی نے کھولا تھا۔ اس لیے کہ ایک پرانا سا تالا نیچے پڑا تھا۔ دروازے کو دھکا دیا تو سامنے بھی آنگن ہی تھا۔ پہلے میں ادھر پہنچا۔ مرتجس بھی ساتھ تھا۔ ہم نے اس آنگن کو پار کیا اور کمرے میں پہنچے۔ اس کمرے میں دو دروازے تھے۔ مرتجس نے کہا۔ ''ادھر نہیں۔ وہ باہر کا دروازہ ہے۔ اس والے دروازے سے چلیں۔ اس نے جس دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا ہم ادھر بڑھے۔ اس دروازے کو کھولتے ہی سامنے ایک بڑا سا باغیچہ نظر آیا۔

''اگر ہم اس طرف کی دیوار میں بنے دروازے سے گزرتے ہیں تو ادھر پہاڑی ہے۔ ویرانہ ہے۔ ادھر کوئی نہیں جاتا۔ سڑک اور پہاڑی کے درمیان یہ مکان ہے اس لیے ادھر سے ہم انہیں نظر بھی نہیں آئیں گے۔'' مرتجس نے کہا۔

''اور اگر اُدھر کوئی ہوا تو؟'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''امید تو نہیں ہے۔ ان کی نظروں میں صرف وہ گھر ہوگا۔ اگر کوئی ہوا بھی تو اس گھر کے عقب میں ہوگا جب کہ یہ والا دروازہ الگ سمت میں کھلتا ہے۔''

''دیر کرنا مناسب نہیں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' کہہ کر میں نے اس دروازے کو کھول لیا۔ دروازہ کھلتے ہی ویران پہاڑی نظر آئی۔ میں نے پستول نکال لیا تھا اور جھک کر دروازہ پار کیا۔ اگر کوئی دور سے نشانہ لیے بیٹھا ہو تو فائر کارگر نہ ہو۔ اسی لیے میں جھک کر چل رہا تھا۔ مرتجس نے بھی میری تقلید کی تھی۔

ہم جھکے جھکے آگے بڑھتے چلے گئے۔ کافی آگے جانے کے بعد پہاڑی کی چڑھائی آ گئی تو میں نے کہا۔

''پہاڑی پر چڑھنا مناسب نہیں ہے۔ دور سے ہمیں دیکھا جا سکتا ہے۔''

''پہاڑی پر چڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس جانب بڑھتے چلے جائیں۔ کچھ آگے جانے کے بعد ایک سڑک ہے۔ اس پر گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ کسی سے لفٹ لے کر ہم واپس شہر میں آ سکتے ہیں۔ ویسے بھی ادھر سے شہر زیادہ دور نہیں ہے پیدل بھی آیا جا سکتا ہے۔'' مرتجس نے اطلاع دی۔

''تو پھر وقت برباد نہ کرو اور پیدل ہی چل دو، اگر لفٹ مل گئی تو واہ واہ ورنہ پیدل پہنچ ہی جائیں گے۔'' میں نے کہا۔

''میرے خیال میں ہمیں زیادہ دیر کھڑے رہنا نہیں پڑے گا۔ کوئی نہ کوئی گاڑی آ ہی جائے گی۔'' مرتجس نے ڈھارس بندھائی۔ اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک واکس ویگن آتی نظر آئی۔ کبھی ایسی چھوٹی بسیں کراچی میں بھی چلا کرتی تھیں۔ جس میں بندہ ٹھونسا جاتا تھا۔ اندر جانے والے کی یا تو کب نکل آتی تھی یا کب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

درست ہو جاتی تھی۔ انسان کو مرغا بنانے کا اچھا طریقہ تھا۔ اگر ایسی سواری کہیں اور ملتی تو میں اسے نظر انداز کر دیتا لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا اس لیے میں نے بھی اسے رکنے کے لیے ہاتھ اٹھا دیا۔ جیسے ہی وہ ''مرغا'' گاڑی رکی میں نے اندر کی جانب قدم بڑھا دئے۔ کوئی بھی سیٹ خالی نہیں تھی۔ کئی لوگ رکوع کی حالت میں پہلے سے موجود تھے۔ ان کی صف میں ہم بھی شامل ہو گئے۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور آگے کی سمت بڑھنے لگی۔ کچھ دور جانے کے بعد وہ اسی سڑک پر مڑ گئی جو اس طرف سے آ رہی تھی جس طرف وہ مکان ہے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ اگر دائیں جانب نہ مڑ کر بائیں جانب مڑ جاتے تو واپس اسی گھر کے دروازے پر پہنچ جاتے۔

کچھ دور آگے جاتے ہی شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں تھی۔ ابھی ہم شہر میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ ایک کے پیچھے ایک دو پولیس وین سامنے سے آتی ہوئی نظر آئی۔ میں سمجھ گیا کہ پولیس کی نیند ٹوٹ گئی ہے۔ اسے علم ہو گیا ہے کہ کسی گھر پر حملہ ہوا ہے اور وہ اب انہیں بچانے یا ملزم کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں۔ وین کو مرتجس نے بھی دیکھ لیا تھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔ شاید وہ دل ہی دل میں پولیس کی پھرتی پر داد بھی دے رہا ہو۔ وین ہمارے برابر سے گزرتی ہوئی دور نکل گئی اور ہم شہر میں داخل ہو گئے۔

شہر کے بس اسٹاپ پر وہ وین نما ویگن رکی تو ہم باہر آ کر کمر سیدھی کرنے لگے پھر میں نے مرتجس سے پوچھا۔ ''ایسا کوئی ٹھکانا ہے جہاں ہم رک سکیں۔ اس لیے کہ جب تک میں اپنے ساتھی کو ان کے چنگل سے چھڑاؤں گا نہیں اس علاقے سے جا نہیں سکتا۔''

''میرا ایک دوست ہے۔ وہ ان دنوں ہنزہ گیا ہوا ہے، اپنی بیوی بچوں کو لانے۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں جاتے وقت وہ اپنے گھر کی چابی مجھے دے گیا تھا۔ اس لیے کہ اس کا ایک بھائی پنڈی میں رہتا ہے وہ آ کر اس کا چہرہ کھل تھا۔'' مرتجس نے خوشخبری سنائی۔

''وہ چابی تمہارے پاس ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ اس وقت بھی میری جیب میں ہے۔''

''چلو ہم اسی طرف چلتے ہیں۔'' میں نے کہا تو وہ مجھے ساتھ لے کر اسٹاپ کے سامنے وا طرف چل پڑا۔

وہ مکان دو کمروں پر مشتمل تھا اور اس کے ہر کونے سے غربت جھانک رہی تھی۔ میلے ہوئے میں نے پوچھا۔ ''مرتجس، وہ گھر تم نے اپنے نام سے لیا تھا۔ بعد میں پولیس پریشان تو نہیں آواز میں کہا۔ ''بس اسٹاپ

''ان دنوں مکان مالک بھی یہاں نہیں ہے۔ وہ بھی اپنے گھر پر کیستان گیا ہوا ہے آتے بھی ایک ماہ لگیں گے۔ اتنے دنوں میں کیس دب چکا ہوگا۔ اگر کسی نے پوچھا بھی لوگوں کو میں نے سیاح سمجھ کر گھر دلایا تھا۔ انہوں نے مجھے معقول کمیشن دیا تھا۔ یہ بات آتے رہتے ہیں۔ ان سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تم کیا کرنے آئے ہو۔ میں بھی یہی بیان پولیس والے کچھ لے دے کر چھوڑ دیں گے۔''

''تم فکر نہ کرنا میں تمہیں اتنا کچھ دوں گا کہ تمہیں نوکری کی بھی فکر نہیں ہوگی۔ آ بڑا سا گھر بنا کر رہنا اگر کھیتی کرنے سے دلچسپی ہے تو مزید زمین خرید لینا یا کوئی چھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دینا۔'' میں نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر کہا۔

''جی ہاں صاحب جی مجھے بہت ارمان ہے کہ محسنہ کو اپنے گھر کی رانی بنا کر رکھوں۔ اسے ہر آرام دوں۔ اس کے لیے بڑا سا گھر بناؤں اور ہم دونوں ہر فکر سے آزاد ہو کر زندگی گزارتے رہیں۔'' مرتجس آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔

''بے فکر رہو تمہارے سارے خواب پورے ہوں گے۔'' میں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے ڈھارس دی۔ ''نہ صرف میں تمہیں ایک بڑی رقم دوں گا بلکہ حکومت سے بھی انعام دلواؤں گا۔''

''تب تو میرا نام بہت ہو جائے گا۔ لوگ مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے کہ مجھے حکومت نے انعام کا حقدار قرار دیا۔ ویسے سر آپ کا تعلق کس شعبہ سے ہے؟ کیا آپ انٹیلی جنس والے ہیں۔''

''اتنی جلدی نہیں..... آہستہ آہستہ معلوم ہو ہی جائے گا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''بعض باتیں راز میں رہیں تو اچھا ہے۔''

پتا نہیں اس نے میری بات کا کیا مطلب لیا کہ وہ بالکل مطمئن نظر آنے لگا۔ شاید وہ اپنے مفروضے پر یقین کر چکا تھا کہ میرا تعلق محکمہ خفیہ سے ہے۔ وہ کمرے کی صفائی میں لگ گیا تھا۔ اس نے بستر کی چادر کو درست کیا اور پھر بولا۔ ''ایسا کرتا ہوں۔ بازار سے ایک دو چادریں لے آتا ہوں۔''

''اور اگر بازار میں تمہارا کوئی جاننے والا مل گیا تو؟''

''جاننے والا تو پورے شہر میں ہے۔ یہ شہر ہے ہی کتنا بڑا۔ پھر میں بس اسٹینڈ پر رہتا ہوں اس لیے تقریباً سبھی جانتے ہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

جب کہ یہ ''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اگر کوئی دشمن ٹکرا گیا تو؟ فی الحال ان باتوں کو رہنے دو۔ صرف یہ سوچو کہ

''دشمن سے نمٹا کیسے جائے۔'' پھر میں نے جیب سے اپنا موبائل فون نکالا اور وسیم کا نمبر ملانے لگا۔ دوسری بیل پر ہی ویران پہاڑ کال ریسیو کر لی۔ رابطہ ہوتے ہی میں نے پوچھا۔ ''تم لوگ کہاں ہو؟''

ہو تو فائر کا رگرنہ اس وقت تو گھر سے باہر سڑک پر کھڑے ہیں۔ اندر کیا ہو رہا ہے۔ پولیس نے پورے علاقے کو ہم جھکے نہ لے رکھا ہے۔''

''پہاڑی پر چڑھنا اب وہاں نہیں ہیں۔ شہر واپس آجاؤ۔ بس اسٹاپ پر تمہیں مرتجس مل جائے گا۔ وہ نئے گھر تک

''پہاڑی پر ہے گا۔''

سڑک ہے۔ اس پر گاڑیہ ہے ہیں۔'' کہہ کر اس نے کال آف کر دی۔ میں نے موبائل کو جیب میں رکھا ہی تھا کہ مرتجس سے شہر زیادہ دور نہیں ہے۔

''تو پھر وقت برباد ہے کہ ہمیں سراغ لگانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ انہوں نے سفیر بھائی کو رکھا کہاں ہے۔'' میں نے کہا۔

خود کو محفوظ رکھنے کی جتن میں لگے ہوئے تھے اب اسی سمت کام کرنا ہے۔'' میں نے جواب

''میرے خیال میں اسٹینڈ چلے جاؤ وسیم آرہا ہے۔''

نے ڈھارس بندھائی۔ اس کی کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ میں اب حالات کا ذہن میں تجزیہ کرنے لگا۔ ابھی زیادہ وقت کراچی میں بھی چلا کرتی تھیں لطا اور وسیم و عبداللہ، مرتجس کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہوا کیا؟'' وسیم نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اسے تمام باتیں بتائی تو وہ بولا۔ ''سفیر کا یوں گم ہو جانا عجیب ہے۔ میرا خیال ہے وہ تعاقب میں ہوگا۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' عبداللہ بولا۔

''اس کے موبائل پر کال کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے دشمنوں کی نظر موبائل پر نہ پڑی ہو۔'' وسیم نے خیال پیش کیا۔

میں خود بھی یہی کرنے والا تھا لیکن وسیم نے جب کہہ دیا تو اس کی تعریف کرنا پڑی کہ تم نے صحیح کہا۔ وسیم نے فوراً اپنے موبائل سے نمبر پش کیا اور موبائل کو کان سے لگا لیا۔ میری نظریں اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ چہرہ اندرونی جذبات کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ میں سمجھ گیا کہ بیل جا رہی ہے۔ پھر اس کا چہرہ الجھن کی آماجگاہ بن گیا۔ شاید کال ریسیو نہیں ہوئی تھی۔ اس نے دوبارہ نمبر پش کیا۔ اور ادھر کی آواز سنتا رہا لیکن ایسے آثار نظر نہیں آئے کہ ادھر سے کال ریسیو کی گئی ہو۔ میں نے منع کیا۔ ''بار بار کال نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کال ریسیو کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو اور رنگ ٹون سن کر کوئی دوسرا موبائل پر قابض نہ ہو جائے۔''

''سفیر رنگ ٹون بند رکھتا ہے لیکن ویبریٹ سسٹم آن رہتا ہے۔'' وسیم نے فکرمندی بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''اسے پتا لگ چکا ہوگا کہ کال کی جا رہی ہے۔ موقع ملتے ہی وہ خود فون کر لے گا۔ ضرور کرے گا۔'' میں نے حوصلہ دیا۔

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ وسیم کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر نظر ڈالی تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ میں سمجھ گیا کہ دوسری طرف سفیر ہے۔ وسیم نے کال ریسیو کرتے ہی کہا۔ ''کہاں ہے تُو، جلدی بول۔ محلِ وقوع بتا۔ ہم ابھی پہنچ جاتے ہیں۔''

وسیم نے مائیک آن کر دیا تھا۔ ادھر کی آواز مجھے بھی سنائی دی۔ سفیر نے کہا تھا۔ ''میں تم لوگوں کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ سائیکل چلا چلا کر میری ٹانگیں ناکارہ ہوگئی ہیں۔''

''یہ سائیکل کا ذکر کہاں سے آ گیا؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ایک لمبی کہانی ہے۔ جلدی سے بتاؤ کہاں پر ہو؟''

''ایسا کرو بس اسٹاپ پر آ جاؤ۔ ہم اب شہر منتقل ہو گئے ہیں۔'' میں نے اونچی آواز میں کہا۔ ''بس اسٹاپ پر میں مرتجس کو بھیج رہا ہوں۔''

''او کے میں شہر کی طرف آ رہا ہوں۔ سارے مسلز پھول گئے ہوں گے۔ اتنے دنوں بعد سائیکل چلائی ہے اور وہ بھی مسلسل کئی گھنٹے تک۔'' کہہ کر اس نے کال منقطع کر دیا۔

میں نے مرتجس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے بھی سن لیا ہوگا کہ سفیر اسٹاپ پر منتظر ہے۔''

''جی میں جا رہا ہوں۔ اگر آپ کہیں تو میں ایک چکر محسنہ کے گھر کا بھی لگا لوں۔ کئی دن سے اسے دیکھا بھی نہیں ہے؟'' مرتجس کا لہجہ التجایہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اجازت نہیں بھیک مانگ رہا ہو لیکن میں نے اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈانٹ دیا۔

''یہ موقع مناسب نہیں ہے۔ ہمیں بالکل خبر نہیں کہ دشمن کہاں سے وار کرے گا اس لیے ہمہ وقت ہوشیار رہنا ہوگا۔ زندگی رہی تو محسنہ سے زندگی گلزار کر لینا لیکن اس وقت نہیں۔''

میری بات نے اس پر مایوسیوں کے بادل برسا دیئے۔ وہ بالکل بجھ سا گیا اور منہ لٹکائے چلا گیا۔ اس کے جانے کا منظر کچھ ایسا تھا کہ وسیم اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ اس نے کہا۔ ''یہ تو مجنوں کو بھی پیچھے چھوڑ دینے والا بندہ ہے۔ ایسے باہر جا رہا تھا جیسے کمار نے مغل اعظم میں سیڑھیاں اترتے ہوئے تان لگائی تھی۔ ''جس کے دل میں پیار نہ ہو وہ پتھر ہے، انسان کہاں۔''

''بڑی ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ سفیر کی خیریت کی خبر ملی تو گانا سوجھنے لگا۔ بھائی میاں، دشمن تاک میں ہے۔ کچھ اس کا بھی سوچ لو۔''

''اس کام کے لیے آپ ہیں نا۔'' اس نے پٹ سے جواب دیا اور ہنسنے لگا۔

ہم سب کا مزاج بھی عجب ہے۔ پل بھر کی خوشی کو بھی بھرپور انداز میں انجوئے کرتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ ہماری زندگی میں اب تک ٹھہراؤ نہیں آیا ہے۔ موت اور زندگی ایک دوسرے کے ساتھ چل رہی ہے۔ کبھی موت کا پلہ جھکتا ہوا نظر آتا ہے اور کبھی زندگی کا، اور کبھی زندگی بے معنی سی نظر آنے لگتی ہے اسی لیے ہم سب چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ بھرپور لطف اٹھاتے ہیں۔

وسیم کی بکواس جاری تھی کہ دروازہ کھلا۔ ایسا لگا تھا جیسے اس کو کھولنے کے لیے کسی نے لات ماری ہو۔ اس دڑام کی آواز پر ہم دونوں چونک گئے تھے۔ وسیم نے پستول بھی نکالیا تھا، بس فائر کرنے کی دیر تھی کہ سفیر کا قہقہہ گونجا۔ وہ ایک اسپورٹ سائیکل سمیت اندر گھس آیا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی کہا۔ ''یارانِ باوفا، عرض ہے کہ میں پورے ڈھائی تین گھنٹے سے اس سائیکل پر ہوں اس لیے لگتا ہے یہ سائیکل میری ٹانگوں سے چپک گئی ہے اور جدا ہونے پر بالکل تیار نہیں اس لیے اس کے ساتھ اندر تشریف لے آیا اگر آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو مجھے اس سائیکل پر سے اتار بھی دیں۔''

''آ میرے لعل میں تجھے گود میں اٹھا کر چاند دکھالاؤں۔'' کہتے ہوئے وسیم ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور سچ مچ اس نے سفیر کو گود میں اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ خود ہی اچھل کر سائیکل سے نیچے اتر آیا۔ دروازے پر کھڑا مرتجس اپنی ہنسی روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا لیکن اس کی ہنسی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا۔ خوب بڑا سا۔

''اس میں کیا لے آئے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''سفیر بھائی پہنچے نہیں تھے۔ بس اسٹاپ پر میرے جاننے والے کی ایک دکان ہے اس کے ہاں سے دو چادریں لے لیں تاکہ اس گندے شندے ماحول کا کچھ اثر کم ہو سکے۔ واپسی کے وقت مجھے خیال آ گیا کہ کچھ دیر میں بھوک بھی لگ سکتی ہے سو کچھ روٹیاں اور مٹن کڑاہی بھی لے لی۔'' مرتجس بولا۔

''کچھ بھی کہو یہ بندہ ہے بڑے کام کا۔ واقعی مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ گدھے کی طرح محنت کی ہے میں نے۔'' سفیر نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے شاپر لیا اور اس میں سے کھانے کے لوازمات والا شاپر الگ کر لیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاپر واپس کر دیا۔ مرتجس نے ہنستے ہوئے شاپر واپس لیا اور اس میں سے چادر نکال کر بیڈ پر بچھانے لگا۔ اتنی دیر میں وسیم نے پتا نہیں کہاں سے دو پلیٹ ڈھونڈ لی اور اسے دھو کر لے آیا۔ اس میں سالن رکھتے ہوئے بولا۔

''کھانے کے درمیان اپنی روداد سناتے رہنا تا کہ کھانے کا مزہ دوبالا ہو سکے۔''

''واہ اچھا طریقہ سوچا ہے..... نہیں نہیں میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنی روداد سناتا رہوں اور تم بوٹیاں کم کرتے جاؤ۔ پہلے میں ڈٹ کر کھاؤں گا پھر چائے پیوں گا اور پھر سناؤں گا کہ امداد شاہ کو کہاں رکھا گیا ہے۔'' سفیر نے ناراض بچے کے سے انداز میں کہا اور روٹی کا نوالہ توڑنے لگا۔

''اور میں صبر کا دامن چھوڑ کر تمہارا سر توڑنے پر غور کرنے لگا ہوں۔ جلدی بتاؤ امداد شاہ کو کہاں رکھا گیا ہے۔'' وسیم نے مصنوعی غصے سے کہا اور روٹی والی پلیٹ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لی۔

''پہلے چائے کی تیاری پکڑو۔ مرتجس نے شاپر میں چائے لی ہے۔ اسی شاپر میں پڑی ہوگی۔ جب پلیٹ ڈھونڈ نکالی ہے تو کپ بھی ڈھونڈ لو اتنی دیر میں، مَیں پیٹ بھر لیتا ہوں۔'' سفیر اپنی بات پر قائم رہا۔ اس نے پلیٹ واپس چھین لی تھی اور نوالے توڑ کر سالن میں لگا رہا تھا کہ مرتجس بولا۔

''آپ کھانا تو ختم کریں میں نے چائے کے لیے پیالیاں دھو لی ہیں۔''

عبداللہ کسی فلسفی کی طرح سوچ میں گم تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دل ہی دل میں کوئی پلان بنا رہا ہے۔ اس لیے کہ اس نے ابھی تک کسی بات میں دخل نہیں دیا تھا اور نہ کوئی سوال کیا تھا۔ جب کسی کی آواز کچھ اونچی ہوتی تو وہ چونک کر اسے دیکھتا اور پھر خیالوں میں کھو جاتا۔

''تو پھر دیر کس بات کی میں تو چائے سے ہی کھانے پر تہہ لگاؤں گا۔'' کہہ کر سفیر نے پانی کا گلاس اٹھا لیا جو میں نے اس کے سامنے لا کر رکھا تھا۔

''ہاں اب بولو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے سفیر کو مخاطب کیا۔ اس نے گلاس رکھ کر پیٹ پر ہاتھ پھیرا پھر وسیم کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اگر میں نے سعدیہ کو تیرا یہ ظلم نہ بتایا کہ تُو مجھے کھانے بھی نہیں دیتا ہے تو کہنا۔ پھر وہ جو کرے گی سو کرے گی، مجھے مت کہنا کہ ایسا کیوں کیا۔''

''ان باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ تم وہاں سے فرار کیوں ہوئے تھے؟'' میں نے باتوں کا رخ بدلنے کے لیے کہا۔

''ہوا یہ۔'' سفیر نے چائے کا سپ لے کر کہا۔ ''جیسے ہی دھما کا ہوا اور سب اُدھر دوڑے اسی وقت مجھے عقب سے کسی گاڑی کے بریک کی آواز سنائی دی جو بالکل قریب کی لگی۔ میں اُدھر متوجہ ہو گیا۔ کیونکہ ادھر کوئی سڑک نہیں ہے پھر گاڑی کیا کرنے آئی ہے۔ میں حفظِ ماتقدم کے تحت اُدھر گیا تھا۔ اسی وقت مجھے کچھ لوگوں کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ یہ کون لوگ ہیں۔ میں انہیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن کھڑکی کھولتا تو وہ ہوشیار ہو جاتے اس لیے میں نے برابر والے دروازے کو کھولا اور اس گھر کے آنگن میں پہنچ گیا۔ عقب میں جو دروازہ تھا۔ اس کو کھولا اور اُدھر سے جھانکا تو دیکھا کہ ایک بندے نے کوئی چیز اندر پھینکی پھر پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے سمجھا تھا کہ گرینیڈ وغیرہ نائپ کا کوئی گولا ہے۔ میں بھی چونک گیا مگر آواز نہ آئی تو پھر جھانکا تو نظر آیا کہ وہ لوگ کھڑکی کے پاس کھڑے گیس سلنڈر سے گرل کاٹ رہے تھے۔ میں وہیں دبک کر دیکھنے لگا۔ پھر جب وہ لوگ اندر سے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد ایک بندے کو لا لا کر گاڑی میں بھرنے لگے تو میں سمجھ گیا کہ آپ سب باہر نکل چکے ہو۔ گھر خالی ہے ورنہ اتنی آسانی سے یہ لوگ امداد شاہ کو باہر نہیں لا سکتے تھے۔ ان کے بندوں کے ہاتھ میں جدید اسلحے تھے اور ہم خالی ہاتھ۔ ان سے پتھروں سے تو لڑ نہیں سکتا تھا۔'' ابھی اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ وسیم بولا:

''اور تم نے ان کے تعاقب کا فیصلہ کر لیا۔''

''وہ بھی سائیکل پر۔'' عبداللہ نے لقمہ دیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے سوچ کا عکس ہٹ چکا تھا۔

''تو کیا میں تعاقب کرنے کے لیے تمہاری اجازت کا منتظر رہتا۔ کہ تم آؤ اور مجھ سے کہو، ذرا جا کر دیکھو تو یہ لوگ کیا کرنے والے ہیں کہاں رہتے ہیں۔'' سفیر نے چڑ کر کہا۔

''یار وسیم بات پوری ہونے دو۔'' میں نے وسیم کو خاموش کرا دیا ورنہ نوک جھوک چلتی رہتی اور وقت برباد ہوتا رہتا۔

''تو میں بتا رہا تھا کہ وہ لوگ ایک کے بعد ایک بندے کو اس طرح اٹھا کر لا رہے تھے جیسے وہ سب بے ہوش ہوں۔ میں سمجھ گیا تھا کہ جو لوگ گرل کاٹنے کے لیے گیس سیلنڈر کے ساتھ آئے ہیں وہ کیا کلوروفارم کے بغیر آئے ہوں گے۔ اسی قبیل کی کوئی گیس کا استعمال کیا ہوگا۔ اب میں کیا کروں، یہی سوچ رہا تھا کہ میری نظر آنگن میں کھڑی سائیکل پر پڑی اور میں نے اس اسپورٹ سائیکل کو اٹھا لیا۔ جیسے ہی گاڑی سڑک پر چڑھی میں سائیکل پر تعاقب میں لگ گیا۔ حالاں کہ درمیان میں فاصلہ بہت رہا لیکن سڑک بھی ویران اور علاقہ بھی میدانی یعنی دور سے نظر آنے والا۔ گاڑی جہاں رکی اس مقام سے میں تب بھی ایک کیلومیٹر سے زیادہ دور تھا لیکن وہ گھر نظروں میں آ گیا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس گھر تک پہنچا اچھی طرح جائزہ لیا اور پھر واپس آ گیا۔''

''تم پہلے وہاں گئے تھے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے؟'' اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولا:

''جی ہاں۔ اس مکان کے نزدیک پہنچا تو وہاں کا منظر ہی ایسا تھا کہ میں سڑک پر ہی رک گیا۔ دو پولیس موبائل کھڑی تھیں اور بہت سارے تماشبین اندر سے کیسا سانپ نکلے گا یہ دیکھنے کو منتظر تھے۔ اس بھیڑ میں مَیں بھی شامل ہو گیا تھا کہ موبائل بج اٹھا۔ اور میں نے دوبارہ سے پیڈل مارنا شروع کر دیا۔'' سفیر نے بات ختم کی اور بستر پر پسر گیا۔

اسے لیٹتے دیکھ وسیم نے مجھ سے پوچھا۔ ''اب کیا ارادہ ہے؟ اس مکان کا جائزہ نہ لے لیا جائے؟''

''تمہارے خیال میں کیا میں نے جائزہ نہیں لیا ہوگا؟ عقل کے معاملے میں تم سے کچھ.....'' سفیر نے انگلیوں سے پیمانہ بنا کر کہا۔ ''زیادہ ہی ہوں گا۔ میں نے اس مکان کا آگے پیچھے ہر زاویہ سے جائزہ لے لیا ہے۔ عام سا مکان ہے۔ تقریباً آٹھ بندے ہیں۔ سب کے سب مسلح ہیں۔ ان کے پاس جدید اسلحہ ہے۔ اور کچھ پوچھنا ہے؟''

''امداد شاہ کو وہیں رکھا ہے یا وہاں سے کہیں اور لے گئے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے خیال سے وہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جب تک میں تھا تو وہاں سے کوئی گاڑی نکلی نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ زخمی تھا۔ میں نے اس کی ران کو موم بتی سے داغا ہے۔''

''یہ کوئی اتنا بڑا زخم نہیں کہ آپریشن تھیٹر کی ضرورت پڑے۔ مرہم وغیرہ لگا دیا ہوگا۔''

''رات ہونے دو۔ وہاں کا ایک چکر لگاؤں گا۔'' میں نے کہا اور چائے کی پیالی میں بچی ہوئی چائے کا گھونٹ لیا۔ اتنی دیر سے مرتجس چپ تھا۔ سفیر کے چپ ہوتے ہی وہ بولا۔ ''سر میں ایک چکر لگا آؤں محسنہ کے گھر تک؟''

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی وسیم نے کہا۔ ''او مجنوں کے نانا کچھ تو صبر کر لو۔ تمہاری محبوبہ کہیں جا نہیں رہی۔ ابھی ہر طرف دشمن ہیں۔ اگر ان کے ہتھے چڑھ گئے تو جان سے بھی جاؤ گے۔ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ تھوڑا سا صبر کر لو۔ پھر دیکھنا ہم خود تمہیں سہرا پہنا کر محسنہ کے پاس چھوڑ آئیں گے۔''

''جی بہتر۔'' مرتجس مایوسی بھرے لہجے میں بولا۔ اور پھر پلیٹیں اٹھا کر دھونے کے لیے چلا گیا۔

اس کا چہرہ دیکھ کر سفیر مسکرا کر رہ گیا لیکن وسیم نے قہقہہ لگا دیا۔ عبداللہ بھی مسکرانے لگا تھا۔ یہ پیار بھی کیا چیز ہے۔ اگر ہو جائے تو انسان کو سودائی بنا دیتا ہے۔ لوگ اس کا مذاق بنا دیتے ہیں وہ خود ایک تماشا بن کر رہ جاتا ہے۔ میں نے انہیں آنکھیں دکھائی کہ اس طرح اس کا مذاق نہ اڑا۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ اگر میں مداخلت نہ کرتا تو یقیناً ان میں سے کوئی ایک مزید جملے کستا۔ اور وہ بے چارہ کوئی جواب نہ دے کر تلملا کر رہ جاتا۔

میں نے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند ہوں تو ذہن کھل جاتا ہے۔ خیالات کی یلغار ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ گزرے ہوئے لمحے آنکھوں کے پردے پر رقص کرنے لگے تھے۔ زندگی کتنی تیز رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ ہر پل ایک نیا باب کھل جاتا تھا۔ کبھی ایسی سُست رفتار تھی کہ وقت گزرتے نہیں گزرتا تھا اور اب کہاں اتنی تیز ہو گئی ہے کہ پتا ہی نہیں چلتا کہ ہفتہ مہینے میں کیسے بدلا۔ اگر اسی طرح زندگی بھاگتی رہی تو شاید ہی کبھی سکون کا کوئی لمحہ میسر آئے۔ تبھی میرے ذہن میں بیتو کا چہرہ آ گیا۔ مہذب معاشرے نے اسے کیا دیا؟ موت۔ کیسا معصوم بندہ تھا اور میں اس کے لیے کچھ بھی نہ کر سکا۔ اس کی موت کا جتنا دکھ مجھے تھا اتنا دکھ کسی اور کی موت کا نہیں ہوا۔ بیتو کے ساتھ مانی کی یاد آ گئی۔ کمپیوٹر کی دنیا کا بے تاج بادشاہ لیکن کیسا معصوم۔ مانی کی یاد آئی تو میں نے سفیر سے پوچھا۔

''مانی سے رابطہ ہو تو اس سے میری بات کرانا۔''

''مانی سے عبداللہ کو کام رہتا ہے۔ دوسروں کی زندگی میں جھانکنے کا فن سیکھنے کی کوشش میں یہ اس بچے کو دوست بنائے ہوئے ہے۔'' وسیم نے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے چوٹ کی۔

عبداللہ تلملا گیا۔ اتنی دیر سے وہ خاموش تھا لیکن بالآخر اس کی خاموشی ٹوٹ ہی گئی۔ اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ ''آئی ٹی کا علم ایک سمندر ہے۔ اگر میں یہ علم حاصل کر رہا ہوں تو آپ کو کیا تکلیف ہے۔''

''تکلیف یہ ہے کہ اس کام کے لیے دماغ چاہیے جو آپ کا حاضر نہیں ہوتا۔''

''جس دماغ میں گوبر ہو وہی اتراتا ہے۔''

''ذرا شادی تو ہو لے پھر پوچھوں گا بچو!''

''ٹھیک ہے حویلی پہنچتے ہی میں سادی باجی سے یہی کہوں گا کہ یہ صاحب کہتے ہیں بیویاں دماغ کھا جاتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔'' عبداللہ کہاں چوکنے والا تھا۔

''یار بور مت کرو سونے دو۔'' سفیر نے کروٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''خواب میں کھونے دو۔''

''اوئے ہوئے۔'' وسیم نے پھر چوٹ کی۔

کہیں یہ جملوں کی جنگ تیز نہ ہو جائے اس لیے میں نے مداخلت کا ارادہ کیا اور باری باری ان تینوں کو دیکھا۔ سفیر تو آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ ایسے جیسے لاتعلق ہو مگر مجھے پتا تھا کہ وہ اسی حالت میں ان کے جملوں کا جواب دیتا رہے گا۔ وسیم فرش پر بیٹھا تھا لیکن اس کی قوتِ سماعت دوستوں پر مرکوز ہو گی۔ عبداللہ بھی لاتعلق سا ایک جانب بیٹھا تھا لیکن وہ بھی جوابی حملہ کرنے پر پرتول رہا ہو گا۔ ان سب کی نوک جھوک سے ہی زندگی میں رونق ہے۔ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں لیکن ان کی شگفتہ مزاجی نہیں جاتی۔

ان پر نظر ڈالنے کے بعد میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''ہم کچھ ہی دیر میں جب اندھیرا پھیل جائے گا۔ اس مکان کی طرف جائیں گے۔ تم بھی تیار رہنا۔''

''ہاں ہاں اچھا سا سوٹ نکال لینا۔ پرفیوم بھی لگا لینا۔'' وسیم نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''مجھ سے زیادہ پرفیوم کی ضرورت تمہیں ہے۔ میرے لیے تو پستول ہی کافی ہے۔'' عبداللہ نے جوابی چوٹ کی۔

''اور پستول اس وقت نایاب ہے۔'' وسیم نے کسی مولوی کے دعا کرانے کے انداز میں کہا۔

اس کی بات سن کر مجھے یاد آیا کہ مرتجس کو ہتھیار کی فراہمی کے لیے جانا تھا۔ میں نے مرتجس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''او بھائی تم نے کہا تھا کہ کوئی تمہارا جاننے والا ہے جو ہتھیار فراہم کرتا ہے۔''

''جی ہاں۔ میں ابھی اس سے رابطہ کرتا ہوں۔'' کہہ کر وہ میرے قریب آ کر موبائل پر کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پہلی ہی بار کی بیل پر فون ریسیو ہو گیا۔ اُدھر سے کچھ کہا گیا تھا کہ مرتجس نے جواب دیا۔ ''مرتجس بول رہا ہوں..... جی جی ڈرائیور..... ایک کام ہے..... جی..... میرے ایک دوست کو ایک دو اچھا والا بادام چاہیے..... جی جی..... پیسا نقد اور ابھی ملے گا..... جی میں آ رہا ہوں۔'' کہہ کر اس نے موبائل آف کیا پھر بولا۔

''ابھی چلنا ہو گا۔''

''پیسے تمہارے پاس ہیں۔ اسلحے کی پہچان وسیم کو ہے۔ اسے ساتھ لے جاؤ۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''آیئے وسیم بھائی۔'' مرتجس نے باہر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔ اب کمرے میں سفیر اور عبداللہ تھے جو اس وقت خاموش تھے۔ دونوں میری طرف متوجہ تھے۔ ان کی نظروں میں سوال تھے۔ شاید وہ منتظر تھے کہ میں ان سے ڈسکس کروں کہ ہمارا اگا قدم کیا ہو گا۔ کیسے اس مکان میں داخل ہوا جائے گا۔ کیسے ہم امداد شاہ کو ان کے چنگل سے چھینیں گے۔ اس لیے کہ امداد شاہ وہ مہرہ ہے جس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ اسے کیسے حاصل کیا جائے۔ کس قسم کی پیش بندی کی جائے۔ اس پر غور کرنا۔ مشاورت کرنا بہت ضروری تھا۔ بالآخر میں نے سفیر کی طرف دیکھ کر پوچھ لیا۔ ''وہ گھر کتنے رقبے پر ہے؟''

''گھر کی حالت بتا رہی ہے کہ مالک خاصہ امیر آدمی ہے۔ یوں سمجھ لیں ایک حویلی سی حویلی ہے۔ دو منزا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے اور آگے اور پیچھے باغیچہ ہے۔ جس میں پھلدار پیڑ لگائے گئے ہیں۔ احاطہ کی دیوار تقریباً پانچ فٹ اونچی ہو گی۔ دیوار پر شیشے کے ٹکڑے یا آہنی کیلیں نہیں لگی ہیں جس کی وجہ سے بہ آسانی اس پر چڑھا جا سکتا ہے۔'' سفیر نے بتایا۔

''کیا مسلح گارڈ بھی وہاں نظر آئے یا وہی لوگ مسلح تھے جو اس گاڑی میں تھے؟''

''اندر ہوں تو بات دیگر ہے۔ باہر سے نظر نہیں آئے۔''

ابھی ہم باتوں میں مشغول ہی تھے کہ دروازہ کھلا اور مرتجس کا چہرہ نظر آیا۔ اس کے پیچھے وسیم تھا۔ ان دنوں کے ہاتھ میں بیگ تھے۔ مرتجس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ خوش ہے۔ اسے اتنا خوش دیکھ کر عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بڑے خوش دکھائی دے رہے ہو..... کیا محسنہ سے ملاقات ہو گئی؟''

''واقعی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری اتنی عزت ہو گی۔ بابر خان کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ جب میں پہنچا اور وسیم صاحب سے اس نے دو بات کی تو وہ ایسا ہو گیا جیسے وہ مجھے سر پر بٹھا لے گا۔ بار بار کہتا تھا کہ مرتجس تیرا شکریہ میں کیسے ادا کروں۔ تُو نے مجھے اتنے بڑے آدمی سے ملاقات کرا دی۔'' وہ سانس لینے کے لیے رکا پھر بولا۔ ''وسیم بھائی نے کم سے کم پانچ لاکھ روپے کی خریداری کی ہے۔ ایسے ایسے ہتھیار خریدے ہیں کہ میں نے کبھی دیکھے بھی نہیں تھے۔ اگر میں اکیلا جاتا تو دو کلاشنکوف ہی خرید سکتا تھا۔ وسیم صاحب کے پاس تو بہت روپیا ہے۔ انہوں نے اسی وقت کھڑے کھڑے قیمت ادا کی ہے۔ وہ زندگی بھر نہیں بھولے گا کہ میں اس کے لیے اتنا بڑا خریدار لے کر گیا تھا۔''

''ہاں بھئی وسیم۔'' میں نے مسکراتے ہوئے وسیم سے کہا۔ ''اتنے روپے کہاں چھپا رکھے تھے۔''

''بابر خان کے ساتھ شہر کے چار بینکوں کے اے ٹی ایم خالی کیے تب جا کر اس کی پیمنٹ ہوئی۔''

''ہاں ہاں یہ کچھ دیر کے لیے بابر خان کے ساتھ باہر گئے تھے۔ میں نے سمجھا تھا کہ چائے شائے پینے گئے ہیں۔''

''اچھا اچھا اب دکھاؤ کیا کیا لائے ہو۔'' میں نے وسیم سے کہا۔

وسیم کے جھکنے سے پہلے ہی مرتجس نے جھک کر بیگ کھولا۔ اس میں سے ایک ایک کر کے چار آٹومیٹک پسٹل نکالا۔ اس کی گولیوں کے ڈبے دکھائے پھر ہاتھ ڈال کر بیس کے قریب گرینیڈ نکالے۔ ایک اسنائپر رائفل دکھائی۔ دوربین اور پسٹل سائلنسر دکھایا۔ ہلکی مشین گن دکھائی۔ تبھی وسیم بولا۔ ''اتنا ہی مال دوسرے بیگ میں بھی ہے۔ ضرورت کی ہر شے لے لی ہے۔''

''اتنے چھوٹے سے شہر میں اتنا اسلحہ..... کون خریدتا ہے؟ ایسے اسلحے تو معمولی لوگ لیتے نہیں ہیں؟''

''بابر خان افغانستان اور چائنہ سے اسلحہ اندرون ملک بھیجتا ہے۔ اس نے میرا نام سن رکھا تھا۔ میں جن لوگوں سے مال لیا کرتا تھا، وہ انہیں بھی جانتا ہے۔ اس لیے جلدی یقین کر لیا اور بڑے اسلحے بھی دکھانے پر راضی ہو گیا ورنہ تو وہ پہلے کہہ رہا تھا کہ صرف درہ پستول ہوتا ہے۔ وہ لے لو۔'' وسیم نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''ایسا کرو اسلحہ آپس میں تقسیم کر کے ریڈی ہو جاؤ۔ کچھ ہی دیر میں ہم کوچ کرنے والے ہیں۔'' میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔

''ایک بات تو بتائی ہی نہیں۔ میں ایک اور کام کی چیز کرایہ پر لے آیا ہوں۔'' مرتجس بولا۔ ''جس کی ضرورت پڑے گی۔''

''ایسی کیا چیز لائے ہو؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''کالے رنگ کی ہائی لیکس۔ رات میں دور سے نظر بھی نہیں آئے گی۔'' اس نے فخریہ بتایا۔

''واہ، یہ ہوئی نا بات۔'' میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے شاباشی دی۔ یہ کام کی چیز ضرور تھی لیکن اتنی بھی اہم نہ تھی۔ کیونکہ ہمیں گاڑی وہاں سے دور کھڑی کرنی تھی۔ پھر پیدل ہی آگے جانا تھا۔

وسیم نے جیکٹ کے اندر گرینیڈ رکھے اور مشین پسٹل کمر میں کھونسا پھر مشین گن کا پٹا کندھے پر لٹکا کر بولا۔ ''میں تو تیار ہو گیا ہوں۔ دوسروں کی پوزیشن بتائی جائے۔''

''ہم آپ سے کم ہیں کیا؟'' عبداللہ نے جواب دیا۔ اس نے بھی ضروری اسلحے سیٹ کر لیے تھے۔ سفیر نے اٹنشن ہو کر کہا۔ ''بندہ بھی تیار ہے۔''

''سنو مرتجس۔'' میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''اس وقت ہم جس مہم پر جا رہے ہیں۔ یہ تمہارے لیے بالکل نئی چیز ہے اس لیے میرا مشورہ ہے کہ تم گاڑی میں ہی رہو گے۔ تاکہ جب تمہاری ضرورت پڑے تو تم حاضر رہو۔ یہ کام سب سے اہم ہے ورنہ ہم وہاں سے نکل نہیں پائیں گے۔'' میں نے اسے مہم سے دور رکھنے کے لیے اس کے کام کو اہم بنا دیا۔ وہ بھی خوش ہو گیا کہ وہی سب سے اہم بندہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے باہر نکلنے سے پہلے ہی وہ ہائی لیکس کو چیک کرنے چلا گیا۔ ہم سب تیار ہو کر باہر آئے۔ میں نے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''ٹنکی فل کرالی ہے نا؟''

''جی ہاں وسیم بھائی نے پہلا کام یہی کیا ہے۔'' مرتجس نے جواب دیا۔ اور انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ ہائی لیکس کی آواز بالکل نہ ہونے کے برابر تھی۔ انجن ورکنگ کنڈیشن میں تھا۔ اس نے اندر کی لائٹ بند رکھی تھی۔ روڈ بھی تقریباً ویران تھا۔ ہم تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچے۔ کافی دور تک پھیلا میدان تھا میدان کے درمیان وہ مکان تھا اور مکان کے عقب میں پہاڑی سلسلہ تھا۔ دور سے ایک مکان کے ہیولے طرف اشارہ کرتے ہوئے سفیر نے کہا۔ ''وہ والی عمارت ہے۔''

میں نے عمارت پر نظر ڈالی سڑک سے ایک ذیلی سڑک اس عمارت تک جا رہی تھی۔ جس نے بھی عمارت بنوائی تھی، بہت شوقین مزاج لگتا تھا۔ اچھے خاصے پیسے اس کی تعمیر پر خرچ کیے ہوں گے۔

جہاں سے وہ ذیلی سڑک مڑتی اس سے کچھ پہلے میں نے گاڑی روکنے کو کہا۔ اس لیے کہ مجھے جھاڑیوں کا ایک جھنڈ نظر آ گیا تھا۔ ''ان جھاڑیوں میں گاڑی اس طرح کھڑی کرو کہ فوراً کسی کی نظر میں نہ آ سکے۔''

میں نے کہا تو مرتجس نے اسی طرف رخ موڑ دیا۔ جھاڑیوں کی وجہ سے گاڑی بالکل چھپ کر رہ گئی تھی کالی رنگت یوں بھی اندھیرے میں نظر کہاں آتی۔ ہم نے کپڑے بھی کالے پہن لیے تھے۔ یہ کپڑے بھی وسیم کا تھا۔ اس نے پوری تیاری کرائی تھی۔ نیچے اتر کر وسیم نے سائبیریائی ٹوپی نکالی اور پہن لی۔ پھر ایک ٹوپی مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری عبداللہ اور ایک سفیر کو بھی دی۔ میں نے ٹوپی لی تو احساس ہوا کہ اس میں ہیڈ سیٹ بھی ہے۔ وسیم نے کہا۔ ''یہ ہیڈ سیٹ اتنا طاقتور ہے کہ اس پر سرگوشی بھی دو میل کے احاطے میں صاف سنی جا سکتی ہے۔ ہم الگ رہ کر بھی ایک دوسرے سے رابطے میں رہیں گے۔''

پھر اس نے ایک ایک پستول سب کو دیا۔ جب کہ ہمارے پاس مشین پسٹل پہلے سے تھا۔ اس پسٹل کی ساخت عجیب سی تھی۔ اس کے بارے میں کوئی سوال کرتا کہ وسیم نے خود ہی بتا دیا کہ یہ ایک طرح کا بلیو پائپ جیسا ہے۔ اس سے سوئی نکلتی ہے جو مقابل کے جسم میں داخل ہوتے ہی مضروب کو بے ہوش کر دیتی ہے۔ اس طرح شور شرابے سے بھی بچا جا سکتا ہے۔''

میں نے وہ پستول بھی پینٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ وسیم نے کہا۔ ''ہمیں چار جانب سے آگے بڑھنا چاہیئے۔ الگ الگ سمت سے داخل ہونا ہی بہتر ہے۔''

میں نے اعتراض نہیں کیا۔ عبداللہ نے مغربی سمت منتخب کی۔ سفیر مشرقی دیوار اور وسیم نے شمالی اور میں نے جنوبی دیوار سے چڑھنے کا بتایا۔ اس طرح کوئی ایک نظروں میں آ جاتا تو دشمن کی پوری توجہ اس کی طرف ہو جاتی اور باقی لوگ بہ آسانی اندر پہنچ جاتے۔

میں ان لوگوں سے الگ ہو کر جنوبی دیوار کی جانب بڑھنے لگا۔ اس طرف جھاڑیاں بہ کثرت تھیں۔ ان کی آڑ مل رہی تھی۔ چلتے چلتے مجھے خیال آیا کہ دشمن جس قسم سے کارروائی کر چکا ہے اس سے یہی نتیجہ اخذ ہو رہا ہے کہ وہ ٹرینڈ ہے۔ کہیں اس عمارت کی پہرے داری کے لیے ان لوگوں نے کوئی خاص نظام نہ لگا رکھا۔ کیمرے نہ لگا رکھے ہوں۔ حساس مائیک بھی لگا سکتے ہیں جو ہلکی آواز کو بھی کیچ کر لیتے ہیں۔ اب تو بازار میں نگرانی کے ایسے آلات نہایت ارزاں قیمت میں آسانی سے مل جاتے ہیں۔ دو اور چار پیروں والے کتے بھی اِدھر اُدھر بٹھا رکھے ہوں۔ یعنی کتے اور چوکیدار ایسا اگر ہے تو پریشانی پیدا ہو سکتی ہے۔ ابھی میں اسی سوچ میں تھا کہ کان میں سرگوشی سی سنائی دی۔ یہ آواز سفیر کی تھی۔ ''میں دیوار کے نزدیک پہنچ چکا ہوں۔''

''احتیاط رکھنا، کہیں ان لوگوں نے کیمرے نہ لگا رکھے ہوں۔'' میں نے جواب میں کہا۔

''میں نے بڑی باریک بینی سے دیکھا ہے۔ کیمرے اگر لگائے ہوئے ہیں تو خفیہ ہو سکتے ہیں۔ ویسے مجھے تو امید کم ہی ہے۔ اس لیے کہ میں نے جو معلومات حاصل کی ہے اس کے مطابق چھ سات ماہ قبل اس مکان میں عنایت شاہ نامی ایک تاجر رہا کرتا تھا۔ اس کی بیوی روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی تو وہ مکان چھوڑ گیا۔ تاجر نے ہی مکان بنوایا تھا۔ کیمرے کی اسے ضرورت شاید ہی محسوس ہوئی ہو۔''

''احتیاط سے داخل ہونا، میں بھی دیوار کے نزدیک پہنچ چکا ہوں۔'' میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا۔ ہر اس جگہ سے بچنے کی کوشش کرتا جہاں مجھے کیمرے کا شبہ ہوتا۔ گو کہ تاریکی تھی لیکن کیمرے اگر انفرا ریڈ والے ہوں تو اندھیرے میں بھی بہ آسانی انسانی جسم کو محسوس کر لیتے ہیں اور اسکرین پر دیکھا دیتے ہیں۔

میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا دیوار تک پہنچ ہی گیا۔ دیوار اتنی زیادہ اونچی نہ تھی کہ اس پر چڑھنے کے لیے مجھے سوچنا پڑتا۔ پھر دیوار کے قریب ایک گھنا پیڑ بھی تھا جس کی ڈالیاں دیوار کو چھو رہی تھیں۔ اوپر چڑھنے میں مدد ضرور دے سکتی تھیں۔ میں نے اس درخت کا انتخاب کر لیا اور اس کے تنے کے گرد دونوں ہاتھ سے گھیرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنایا اور اس پر چڑھتا چلا گیا۔ درخت اس دیوار سے خاصہ اونچا تھا۔۔ دیوار تک پہنچ کر میں نے اچھال بھری۔ جمناسٹک کی مہارت کام آئی اور میں پہلی کوشش میں ہی درخت سے دیوار پر پہنچ گیا اور پھر نیچے کود گیا۔ ہلکی سی دھپ کی آواز آئی اور میں بھربھری زمین پر تھا۔ کچھ دیر تک وہیں دبکا رہا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت کانوں میں ایک ساتھ دو آوازیں آئیں۔ پہلی آواز سفیر کی تھی اور دوسری آواز وسیم کی وہ دونوں بھی اندر آ چکے تھے۔

میں نے دونوں کو اپنا محل وقوع بتایا اور قریب آ جانے کو کہا۔ ابھی میں کھڑا ہوا ہی تھا کہ مجھے ایک سایہ سا اپنی سمت آتا ہوا نظر آیا۔ اس کے پیچھے ایک اور سایہ تھا۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ میرے اندر سے آواز ابھری، شاید یہ پہرے دار ہیں۔ میں فوراً ہی جھک گیا۔ وہاں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں میں خود کو چھپا سکتا۔ اب صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ زمین پر لیٹ جاؤں۔ میں لیٹنے پر غور ہی کر رہا تھا کہ میرے کانوں میں عبداللہ کی سرگوشی سنائی دی۔ ''میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔ میرے ساتھ وسیم بھی ہے۔ ہم دونوں آپ کی طرف آ رہے ہیں۔''

میں نے اطمینان کی سانس لی اور دوبارہ سے سیدھا ہونے پر غور کر ہی رہا تھا کہ میری طرف آنے والے دونوں افراد قریب آ گئے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی یا ان کی بدقسمتی۔ وہ دونوں باتیں کرنے میں مگن تھے۔ وہ سرگوشیوں میں بول رہے تھے۔ ایک نے کہا تھا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ خان کو خواب آتے ہیں۔ سردی ہڈی میں اتر رہی ہے اور ہمیں باہر بھیج دیا کہ کوئی اندر کودا ہے۔ کہاں ہے کودنے والا۔''

دوسرے نے ایک غیر پارلیمانی لفظ کا استعمال کیا اور انہیں بھیجنے والے کی بہن سے اپنے رشتے کا اعلان کیا پھر بولا۔ ''اپنے آپ کو اہم ثابت کرنے کے لیے وہ ایسا کرتا ہے۔''

''دل تو کرتا ہے کہ اس کے سڑے ہوئے دماغ میں ساری گولیاں اتار دوں لیکن باس کی وجہ سے خاموش ہو جاتا ہوں۔''

اس کا دل جو چاہ رہا تھا وہ تو اس نے کیا نہیں لیکن میں نے اپنے دل کی بات مان لی اور اس کی طرف اس عجیب ساخت کے پستول کی نال کو سیدھا کیا اور اس کے گال کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ ہلکی سی کٹ کی آواز ابھری اور وہ کچھ بولے بغیر گال پر ہاتھ رکھے گرتا چلا گیا۔

اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر دوسرا چونکا مگر دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اس پر بھی وہی پستول آزمایا۔ وہ بھی آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ ان دونوں کے جسم کو چھپانے کی کوئی جگہ بھی نہیں تھی۔ اس لیے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اور آگے بڑھا۔ اب میرا رخ عمارت کی طرف تھا۔ سامنے ایک کھڑکی تھی جو کھلی ہوئی تھی۔ اندر اندھیرا تھا۔ اس سے اندر جھانک کر تو دیکھوں۔ یہ سوچ کر میں آگے بڑھا۔ کھڑکی میں گریل لگی تھی۔ مضبوطی آزمانے کے لیے میں نے اسے جھٹکا دیا۔ کافی مضبوط لگی۔ اب کیا کروں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وسیم کی سرگوشی گونجی۔ ''آپ ہٹ جائیں میں دیکھتا ہوں۔''

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وسیم بالکل میرے عقب میں کھڑا تھا۔ اس نے جیکٹ کے اندر سے کوئی اوزار نکالا تھا کہ میں نے کہا۔ ''شور نہ ہو تو بہتر ہے۔''

''فکر ہی نہ کریں۔'' کہہ کر اس نے ایک چھوٹی سی بوتل نکالی اور اس میں بھرا محلول اس نے گریل کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوائینٹ پر گرایا پھر اوزار کو اس میں پھنسا کر ایک دو بار ہلکے ہلکے جھٹکا دیا۔ تیسری چوتھی بار میں گریل کا جوائینٹ کھلتا چلا گیا۔ شاید اس نے کسی قسم کا تیزاب استعمال کیا تھا۔ اسی طرح اس نے چار جانب کیا تو گریل اکھڑ کر ہاتھ میں آ گئی۔

گریل کو نیچے رکھنے کے بعد اس نے کہا۔ ''پہلے میں جاتا ہوں۔'' کہہ کر وہ اندر کود گیا۔ اس کے بعد میں بھی اندر داخل ہو گیا۔

اندر بالکل گھپ اندھیرا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر کوئی رہتا ہی نہیں۔ دبے قدموں ہم دروازے سے باہر نکلے۔ سامنے ایک اور کمرا تھا۔ اس کمرے میں جھانکا۔ وہ بھی خالی تھا۔ اب دوسرے کمرے کی طرف بڑھے۔ اس کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا اندر کوئی چادر اوڑھے سو رہا تھا۔ اس کی طرف بڑھتا کہ سفیر کی آواز ہیڈ سیٹ پر گونجی۔ ''میں آپ کے عقب میں ہوں۔ کھڑکی سے ابھی اندر آیا ہوں۔''

میں نے رخ تبدیل کیا ہی تھا کہ یکا یک پورا کمرا اور گلیارا بقع نور بن گیا۔ ایک ساتھ بہت ساری سرچ لائٹ جل اٹھی۔ ایسی روشنی پھیل گئی تھی جیسے ہم کرکٹ گراؤنڈ میں کھڑے ہوں اور اب میچ شروع ہونے والا ہے۔

روشنی ہوتے ہی میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ کمرے کے چاروں کونے پر مسلح افراد کھڑے تھے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ سفیر بھی کمرے سے باہر بھونچکا سا کھڑا تھا اور اس کے پیچھے دو مسلح افراد کھڑے تھے۔ ان کے ہتھیاروں کا رخ اس کی طرف تھا اور وہ دونوں شاید پہرے دار تھے اس لیے کہ ان دونوں کے جسم پر نیلی وردی تھی۔ تبھی مائیک کی آواز گونجی۔ ''تم سب اپنے اپنے ہاتھوں کو سر پر رکھ کر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔''

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے کر ذبح کرنے میں خوب مزہ آتا ہے۔''

''اچھا..... یہی شوق میرا بھی ہے لیکن ذرا جدا ہے۔ جس کی گردن پر میں چھری پھیرتا ہوں وہ جہنمی ہوتا ہے اس لیے مجھے بھی بہت لطف آتا ہے۔'' وسیم نے اونچی آواز میں کہا۔

''ایسا کرتا ہوں ابتدا تم سے ہی کردوں تا کہ تم دیکھ سکو کہ مزہ کسے آتا ہے، تمہیں یا ہمیں۔'' وہ وسیم کی طرف دیکھ کر بولا۔

''صحیح کہا، اتنی بار وطن دشمنوں کو ذبح کیا ہے۔ ایک بار وطن کے نام پر ذبح ہو کر بھی دیکھنا چاہیے۔'' وسیم خاموش رہنے پر تیار ہی نہیں تھا۔

ناصر شاہ بھی بڑبولا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی ہانکے جا رہا تھا۔ ''انٹرنیٹ پر میں نے اپنی کئی کارگزاری کی کلپ ڈالی ہے۔ وقت ملے تو دیکھ لینا لیکن تم کیسے دیکھو گے کیونکہ تمہیں اب ذبح ہونا ہے اور اس دوران تمہیں یوٹیوب دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملے گا۔''

وہ مسلسل بھونک رہا تھا۔ میں نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ مجھے خاموش دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''ابے تُو بھی تو کچھ بول؟ کیسی موت تجھے پسند ہے؟''

''دیکھ بھائی اس سے نہیں مجھ سے پوچھ کہ مجھے کیسی موت پسند ہے۔'' وسیم نے چٹکی لی۔ ''مجھے فرائیڈ چکن بہت پسند ہے۔ تیرے پاس کوئی میرے سائز کی کڑھائی اگر ہے تو اسے تیار کر لے۔ مجھے میری پسندیدہ موت چاہیے ہی چاہیے، ویسے ابھی تک یہی ہوا ہے کہ جو ہمیں موت دینے کا سوچتا ہے اسے موت مل جاتی ہے..... تیری قسمت بھی کہیں دھوکا نہ دے جائے۔''

''ہاہاہا..... بڑا سور ما بن رہا ہے۔'' اس نے اپنے ساتھی کی طرف مڑ کر کہا۔ ''اس کی باتیں سن۔ اسے بڑا گھمنڈ ہے۔ اتنا مار، اتنا مار کہ جسم کا ہر ریشہ کہے'' اس نے باضابطہ ایکٹنگ شروع کر دی۔ اپنے دونوں ہاتھ کو جوڑ کر بیٹھ گیا پھر جڑے ہوئے ہاتھ کو اٹھا کر رونے کے انداز میں بولا۔ ''مجھے معاف کر دو۔ اب میں کبھی پولیس میں شامل نہیں ہوں گا۔ ابھی استعفا دے دوں گا۔''

''لگتا ہے پرانے ڈراما باز ہو۔ اچھی ایکٹنگ کرتے ہو۔'' وسیم نے پھر چوٹ کی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وسیم زیادہ بولے۔ ناصر کی باتیں سن کر مجھے لگ رہا تھا کہ وہ بڑبولا اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لیے وقت سے پہلے کچھ کر بیٹھے گا۔ اس لیے کہ ایسے لوگ کسی بھی وقت آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

''ویسے رہائی کی صورت کیا ہوگی۔ اس پر بھی بات کر لو۔'' میں نے پہلی بار زبان کو حرکت دی۔

''کوئی صورت نہیں۔ اب گوٹ ہماری کوٹ میں ہے۔ تم لوگ صرف جواب دو گے۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں ٹہلتے ہوئے کہا۔ مجھے وہ گینگ مین سے زیادہ کوئی مسخرہ لگ رہا تھا۔

''پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی سوال جواب کا وقت نہیں آیا ہے۔'' وہ ٹہلتے ہوئے مجھ سے دور چلا گیا پھر بڑی تیزی سے قریب آیا اور الٹے ہاتھ کا تھپڑ میرے منہ پر مار کر بولا۔ ''تم لوگوں نے میرے بہت سے لوگ مارے ہیں۔ اب میں سب کا بدلہ لوں گا۔ اپنے ایک ایک شہید کا بدلہ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ابے جہنمی شہید کب سے کہلانے لگے۔'' وسیم نے پھر لقمہ دیا۔

''اگر تم خاموش نہ ہوئے تو تمہیں بھی اپنے شہیدوں کی خدمت کرانے کے لیے بھیجنا پڑے گا۔'' اس نے وسیم کے پاس پہنچ کر اس کے بالوں کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور الفاظ چبا چبا کر بولا۔ ''میں نے کہا نا، مجھے پولیس والوں کو اذیت دیتے ہوئے مزہ آتا ہے۔''

''وطن دشمن سب سے زیادہ اگر کسی سے نفرت کرتے ہیں تو وہ فوجی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ پولیس والے وطن کے محافظ ہوتے ہیں اور چور ڈاکوؤں کو خطرہ محافظ سے ہوتا ہے۔ تم چور ہو یا ڈاکو۔'' وسیم نے بالوں پر پڑنے والے جھٹکوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''میں چور یا ڈاکو نہیں مجاہد وطن ہوں۔'' ناصر نے اس بار زیادہ زور سے جھٹکا دیا۔

مجھ پر تشدد ہو تو قبول ہے لیکن میرے سامنے میرے کسی ساتھی پر کوئی تشدد کرے یہ مجھے منظور نہیں۔ میرے اندر غصے کی ایک تیز لہر سی اٹھی اور میں نے بندھے ہاتھوں کو جھٹکا دیا۔ کبھی کبھی قسمت ایسے موقعہ پر ساتھ دے دیتی ہے جب تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ یہ جھٹکے کا اثر تھا یا رسّی کی گانٹھ باندھنے والے کا قصور، کہ گانٹھ ڈھیلی پڑ گئی۔ دوسرا جھٹکا گانٹھ سے برداشت نہیں ہوا اور میرا ہاتھ آزاد ہو گیا۔ میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور سامنے کھڑے بندے پر اچھل کر جا پڑا اور اس کے پستول کو چھینتا ہوا ایک دوسرے بندے پر گرا..... بس یہ ایک منٹ کا کھیل تھا۔ وہ سمجھ بھی نہ پائے اور میں تین بندوں کو دھکیلتا ہوا۔ کمرے سے باہر لے گیا تھا کہ کمرے میں دھماکا ہوا اور ساتھ ہی ناصر کی مکروہ آواز گونجی۔ ''بہت ہو گیا۔ اگر اپنے بندوں کی زندگی عزیز ہے تو پستول پھینک دو ورنہ یہ والی گولی تمہارے اس بڑبولے ساتھی کے سر میں دھنسے گی۔''

میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ وسیم کی طرف ہے۔ اسی وقت وسیم کی آواز سنائی دی۔ ''اگر گولی چلا سکتے ہو تو چلاؤ میں بھی تو دیکھوں تم صرف ڈرامے باز ہو یا گولی بھی چلا سکتے ہو۔'' پھر وسیم نے ہذیانی انداز کا قہقہہ لگایا تھا۔

اس کی ہنسی نے اس بندے کو مزید مشتعل کر دیا۔ وہ چیخ کر بولا۔ ''ابھی تک تیری ملاقات کسی جی دار سے ہوئی نہیں ہے۔ آج میں تجھے دکھاؤں گا کہ تشدد کیسے کیا جاتا ہے؟''

''تشدد کہتے کسے ہیں تجھے اس کا پتا ہے؟'' سفیر نے چیخ کر کہا۔ ''تشدد ایسے کی جاتی ہے۔'' اس آواز کے ساتھ دھپ کی آواز سنائی دی تھی۔ شاید اس نے پیروں کا استعمال کیا تھا اور کوئی سفیر کی لات کھا کر گرا تھا۔

بغیر سوچے سمجھے، لائحہ عمل تیار کیے بنا جب انسان کوئی قدم اٹھا لیتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔ میری جلد بازی نے میرے دوستوں کی زندگی پر خطرے منڈلا دیئے تھے۔ وہ سب بھی جذباتی ہوا ٹھے تھے۔ ایسے نازک وقت میں کیا کرنا چاہیے میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اندر سے فائر کی آواز سنائی دی اور وسیم کی چیخ گونجی۔ گھبرا کر میں نے آواز دی۔ ''امداد شاہ اپنے بندے کو روک لے۔ میں اندر آ رہا ہوں۔''

''نہیں پہلے پستول پھینکو ورنہ دوسرے والے پر فائر کرنے والا ہوں۔'' ناصر نے چیخ کر جواب دیا۔

میں نے پستول اندر پھینکا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر سر پر رکھا پھر اندر داخل ہو گیا۔ جیتی ہوئی بازی ایک بار پھر پلٹ گئی تھی۔ ناصر شاہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ''تُو نے چانکیہ مہاراج کا نام سنا ہے؟ نہیں نا..... آج میں تجھے اس کے سکھائے سبق کا ایک باب سکھاؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چانکیہ کی پوری کتاب میں نے پڑھی ہے۔لیکن وہ تو ہند کا ایک مکار وزیر تھا۔ تجھے کیسے اس کا نام یاد آ گیا۔'' میں نے جواب میں کہا پھر وسیم پر نظر ڈالی۔ وہ بالکل صحیح تھا۔شاید اسے ڈرانے کے لیے اس نے فائر کیا تھا۔گولی یقیناً اس کے بہت قریب سے گزری ہوگئی اور اضطراری طور پر اس کی چیخ نکل گئی ہوگی اور اسی لمحے میں نے پستول پھینک کر خود کو اس کے حوالے کر دیا۔اگر تھوڑا سا صبر کر لیتا تو اس کی چال سمجھ جاتا لیکن اب کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔

میرے اندر آتے ہی اس کے دو آدمیوں نے مجھے جکڑ لیا۔ میں اگر چاہتا تو ایک ساتھ دونوں کو اٹھا کر پھینک دیتا لیکن میں خود ہتھیار ڈال چکا تھا اس لیے ان لوگوں نے آسانی کے ساتھ میرے دونوں ہاتھ دوبارہ باندھ دیئے۔

''اب اگر بدمعاشی کی تو بغیر وارننگ کے تمہارے کسی نہ کسی ایک بندے کو گولی مار دوں گا۔'' اس نے پستول نچا کر کہا۔''تو بات ہو رہی تھی مہاراج چانکیہ کی۔ وہ بدمعاش نہیں سیاست داں تھا۔سیاست کیسے کی جاتی ہے یہ بات وہ اپنے شاستر میں لکھ گیا ہے اور آج میں اس کا سبق دوھراؤں گا کہ کیسے کسی کی زبان کھلوائی جاتی ہے۔'' کہہ کر وہ مڑا اور ایک ڈنڈا اٹھا لایا۔

''ابے کبھی سچ بھی بول لیا کر، یہ ڈنڈا نہیں ڈنڈی ہے۔اس سے میرا کیا بگڑے گا۔'' وسیم نے ڈنڈے کو دیکھ کر کہا۔''ایسے ڈنڈے سے تو میں کان کھجایا کرتا ہوں۔ ذرا اور موٹا ڈنڈا لے کر آ۔''

''ابھی تو اس کو سنبھال۔'' کہہ کر اس نے پاگلوں کی طرح اس پر ڈنڈے برسا دیئے۔اگر اس وقت میں رسیوں میں جکڑا ہوا نہ ہوتا تو وہی ڈنڈا اس کی پیٹھ پر برسانا شروع کر دیتا۔غصے کی وجہ سے میں مسلسل ہاتھوں کی کلائیوں کو موڑ رہا تھا۔ بندھن ڈھیلے کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن رسّی نائیلون کی تھی جتنی کوشش کر رہا تھا۔ رسّی گوشت میں اترتی جا رہی تھی۔ یہی حال سفیر کا تھا۔وہ اب رسّی سے آزاد نہ ہونے کی وجہ سے زبانی جنگ پر تیار ہو گیا تھا۔اس نے بھی چیخ چیخ کر اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔حیرت کی بات یہ تھی کہ صرف وہی ایک بندہ ایکشن میں تھا۔زبانی حملے بھی وہی کر رہا تھا۔ باقی سب خاموش تھے۔ایسے جیسے وہ منظر میں رہتے ہوئے بھی غائب ہوں۔ اس وقت میرا ذہن اتنا بے قابو تھا کہ مجھے اس کا نام بھی یاد نہیں آ رہا تھا جب کہ کچھ ہی دیر پہلے امداد شاہ نے اس کا نام لیا تھا۔ناصر شاہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

''ابے اگر ہمت ہے تو میرے ہاتھ کھول دے۔پھر دیکھ میں تجھے کیسا سبق سکھاتا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔

''اگر اس کی رسّی نہیں کھول سکتا تو میری رسّی کھول دے۔ پھر تجھے مزہ میں چکھاتا ہوں۔'' سفیر چیخا۔

وہ رک گیا۔ میں نے بے چارگی سے وسیم کی طرف دیکھا۔اگر مجھے دوستوں کی زندگی عزیز نہ ہوتی تو میں پیروں سے بھی اس کی مرمت کر سکتا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اگر میں نے اچھال بھری تو ہمیں گھیرے کھڑے کسی نہ کسی شخص کی گن چل جائے گی اور میں کسی دوست کو گولی کھاتا دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ پاگل شخص دو چار منٹ بعد خود ہی رک جائے گا۔شاید وہ نفسیاتی بیمار تھا اسی لیے ایسی حرکتیں کر رہا تھا۔اسے رکتا دیکھ میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تو وہ بولا:

''تیری باری بھی جلد آئے گی۔ابھی اس سے تو نمٹ لوں۔'' اتنا کہہ کر اس نے ایک بار پھر وسیم کی پیٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر ڈنڈا مارا۔

مجھے ایسا لگا کہ وہ ڈنڈا اس کی پیٹھ پر نہیں میرے دل پر لگا ہو۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ ہمارے اردگرد پوری طرح مستعد کئی مسلح افراد گن تانے کھڑے تھے۔ اب وہ پہلے سے زیادہ ہوشیار تھے۔ لیکن میں دوسری بار جذبات میں آنے والا نہیں تھا۔

''ناصر خاناں عقل سے کام لے۔ یہ سب ایک ساتھ رہیں گے تو ایک سے دوسرے کو حوصلہ ملے گا۔ ان کو پہلے الگ الگ کمروں میں بند کر پھر ایک ایک کر کے سوال جواب کر۔'' امداد شاہ نے ٹپس دیا۔

ابھی تک میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ ان دونوں میں بڑا کون ہے۔ ویسے امداد شاہ نے جو بتایا تھا اس کے مطابق تو ناصر شاہ بڑا تھا لیکن امداد شاہ اسے اس طرح مخاطب کر رہا تھا جیسے وہ بڑا ہے۔

''آپ کا حکم ہے تو ایسا ہی کرتا ہوں۔ چل اوئے سورما۔'' اس نے ڈنڈے سے مجھے آگے دھکیلا۔ ''بس ایک گھنٹے میں تُو فر فر بولنے لگے گا۔ پہلے تیرا ہی علاج کرتا ہوں۔''

ہاتھ بندھے ہوئے تھے لیکن میں چاہتا تو پلٹ کر اس کا سر توڑ سکتا تھا۔ اس لیے کہ وہ میرے بہت نزدیک آ چکا تھا۔ ٹرینڈ بندے یہ غلطی کبھی نہیں کرتے۔ دشمن کی پہنچ سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں بازی پلٹ نہ جائے۔ مگر وہ جوش میں ہوش کھو بیٹھا تھا۔ اگر میں چاہتا تو بڑی آسانی سے اپنا سر مار کر اس کا چہرہ پھوڑ سکتا تھا لیکن میں مجبور تھا۔ وسیم اور سفیر کی وجہ سے بے بس ہو گیا تھا۔ اس کے کام میں رخنہ نہیں ڈال رہا تھا۔ اسی لیے وہ مجھے آسانی سے دھکا دیتا ہوا ایک بند کمرے کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ اس کے ساتھ کتنے بندے باہر آئے ہیں اور ان میں سے کتنے مسلح ہیں۔

اس کے ہاتھ میں صرف ڈنڈا تھا لیکن اس کے پیچھے پانچ بندے تھے جن کی گن کا رخ میری طرف تھا۔ میری جسارت نے ان سب کو دہلا دیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں اگر چاہوں تو اکیلا ہی ان سب سے نمٹ سکتا ہوں۔ اس لیے پوری طرح مستعد تھے۔ شکاری کتوں کی طرح چاق و چوبند تھے۔

''او سورما۔ تجھے پتا ہے اب میں تیرے ساتھ کون سا سلوک کرنے والا ہوں؟ اگر نہیں پتا ہے تو سن۔'' کہہ کر اس نے ڈنڈے سے میری پیٹھ بجائی۔ ''یہ والا کمرا ہم کس کام کے لیے استعمال کریں گے ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اسی لیے خالی پڑا ہے۔''

اس نے ڈنڈے سے ہی دروازہ کھولا۔ وہ کمرا بالکل خالی تھا۔ ایک دوسرا دروازہ بھی سامنے تھا جو یقیناً گیلری میں کھل رہا ہوگا۔ اس نے مجھے کمرے میں دھکیلنے کے بعد کہا۔ ''یہاں آس پاس کوئی آبادی نہیں ہے۔ آتے وقت دیکھ ہی لیا ہوگا کہ دور و نزدیک صرف ویران میدان ہے یا پہاڑیاں ہیں۔ یہاں سے کسی کو مدد کے لیے بھی بلانا چاہے گا تو کوئی نہیں آئے گا۔ اسی لیے ہم نے اس گھر کو پسند کیا تھا۔ اب اس گھر میں صرف تم سب کی چیخیں گونجے گی اور میرے قہقہے۔ تیرے ہر ساتھی کے ایک ایک جوڑ کو میں الگ کروں گا اور لطف لوں گا۔''

ابھی اس کا جملہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے عقب میں کسی کے گرنے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ میں نے بھی پلٹ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے آنے والے مسلح بندوں میں سے ایک گرا تھا۔ ناصر نے ایک غیر پارلیمانی الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اسے آواز دی لیکن جواب کی جگہ ایک دوسرا بندہ گرا۔ تبھی تیسرا بندہ بولا۔ ''یہاں کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے جو بے آواز پستول سے فائر کر رہا ہے۔''

''ابے.....'' اس نے بولنے والے کے ساتھ اپنے رشتے کا اعلان کیا اور چیخا۔ ''اگر گولی چلتی تو خون بہتا۔ دیکھ اسے دونوں کو ہوا کیا ہے۔ اس کی آواز پر تیسرا بندہ ادھر بڑھا تھا کہ وہ بھی دھپ سے گر پڑا۔ اس کے ساتھ جو بندہ تھا وہ بھی گرا تھا۔ ایک ایک کر کے پانچوں گرے تھے۔ اب صرف ناصر شاہ رہ گیا تھا کہ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اپنے سر کو اس کی ناک پر مارا تھا۔ ٹکر ایسی تھی کہ اس کی ناک کا بھرتا بن گیا ہوگا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا مگر اس کے منہ سے صرف خون کی دھار نکلی تھی۔ یقیناً اس کے سامنے کے دانت بھی ٹوٹے تھے۔ اتنی دیر سے میں خود پر ضبط کیے ہوئے تھا۔ میرے سامنے میرے جگر پر ڈنڈے برسائے گئے۔ شاید یہ اسی کا شاخسانہ تھا کہ میں خود پر قابو نہ رکھ سکا اور پوری طاقت سے سر دے مارا۔ اب اسے موقع دینا فضول تھا۔ میں نے دوبارہ اس کے چہرے پر سر مارا۔ وہ الٹ کر گرا تھا کہ اندر کمرے سے بھی کسی کے گرنے کی آواز کے ساتھ کسی کی آواز آئی تھی۔ ''ارے اسے ہوا کیا۔''

بولنے والا شاید ادھر بڑھا تھا کہ کوئی اور گرا۔ ساتھ ہی سفیر کی آواز سنائی دی۔ ''جیتے رہو۔ شاباش، پوری بازی پلٹ دی۔''

میں نے اس کمرے کے اندر کی طرف دیکھا۔ دو بندے زمین پر گرے ہوئے تھے۔ امداد شاہ اس میں سے ایک کی رائفل کی طرف جھپٹا تھا کہ وہ بھی زمین پر گر گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ عبداللہ ایکشن میں آچکا ہے اس لیے کہ ایک وہی باہر رہ گیا تھا۔ میری نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ مجھے خیال آیا کہ میری ٹوپی میں ہنڈ سیٹ ہے۔ ابھی تک اسے استعمال کرنے کا خیال تک نہیں آیا ہے۔ میں نے سرگوشی میں اسے پکارا ہی تھا کہ سامنے والے والی گیلری کا ادھ کھلا دروازہ پوری طرح کھل گیا اور میں حیران رہ گیا۔

اب تک میں یہی سوچ رہا تھا کہ دشمنوں کو ایک کے بعد ایک بے ہوشی کی نیند سلانے کا کام عبداللہ انجام دے رہا ہے۔ لیکن دروازے کے درمیان بلیو پائپ جیسا کام انجام دینے والا پلاسٹک سے بنا پستول مرتجس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ گیلری سے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی پوچھا۔ ''کوئی بچا تو نہیں۔''

''نہیں..... باہر کی پوزیشن کیا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''باہر شاید ہی کوئی ہو اس لیے کہ ایک کے بعد ایک عبداللہ صاحب اور میں نے مشترکہ کوشش سے سب کو سلا دیا ہے۔ تبھی تو میں اتنے آرام سے پیڑ پر چڑھا اور پھر وہاں سے کود کر گیلری میں آ گیا۔'' مرتجس نے پُر جوش انداز میں جواب دیا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ راوی امن چین لکھتا ہے ورنہ فائر ہو رہا ہوتا۔'' وسیم نے جواب دیا اور مرتجس سے بولا۔ ''او بھائی میری پیٹھ میں زور کی خارش ہو رہی ہے۔ کھجانا ہے اس لیے جلدی سے ہاتھ کھول دو۔''

مرتجس ہنستا ہوا آگے بڑھا اور اس نے باری باری سے وسیم اور سفیر کے ہاتھ کھول دیئے۔ پہلے وسیم کے ہاتھ آزاد ہوئے تھے۔ وہ میری طرف آ گیا تھا اور اب میرے بندھن کھول رہا تھا۔ میں نے کلائی کو اِدھر اُدھر موڑتے ہوئے کہا۔ ''وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ایسا کرو کہ ان بوریوں کو اٹھاؤ اور گاڑی میں ڈالو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اللہ کا خوف کریں شہباز۔ اتنی ساری بوریوں کو لادنا آسان نہیں ہے۔'' وسیم نے کراہتی آواز میں کہا۔

''سب کو نہیں، صرف ان دونوں کو۔'' میرا اشارہ ناصر شاہ اور امداد شاہ کی طرف تھا۔

اچھا ایسے بولیں نا۔'' کہہ کر اس نے امداد شاہ کے بے ہوش جسم کو کندھے پر لادلیا پھر بولا۔ ''بھائی میں تو اپنے حصے کا بیگار کرنے چلا۔ دوسرا والا ذرا موٹا اور بھاری ہے اسے سفیر اٹھائے گا۔''

''میں ہوں نا۔'' کہہ کر مرتجس نے ناصر کو اپنی پیٹھ پر لادا۔ تبھی میں نے کہا۔ ''وسیم تو جوش میں ہے۔ تم ہوش سے کام لو۔ اسے رہنے دو۔ تم وسیم کے ساتھ ڈنڈا ڈولی کر کے اس بندے کو لے جاؤ۔ اسے میں اور سفیر اٹھا لیں گے۔''

مرتجس نے اسے زمین پر پٹک دیا۔ سفیر نے ہنستے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ کو پکڑ کر کہا۔ ''آپ ٹانگیں پکڑیں۔''

ان دونوں کو ہم گاڑی تک لے کر آئے۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر میں نے دیکھا کہ عبداللہ پچھلی سیٹ پر لیٹا ہوا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں۔ ایک گولی ران کو چھوتی ہوئی نکل گئی ہے۔''

''دکھاؤ..... زخم زیادہ گہرا تو نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔

''نہیں جناب۔ خون بہنے لگا تھا اس لیے رومال سے زخم کو باندھا ہے۔ چلنے پھرنے سے زخم کھل جاتا اس لیے میں نے لیٹ جانا مناسب سمجھا۔ ویسے اب خون بھی بند ہو چکا ہے۔''

ان دونوں قیدیوں کو عقبی حصے میں ڈال کر مرتجس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ہم واپس اپنے نئے ڈیرے کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں مجھے یاد آیا کہ میں نے تو مرتجس سے پوچھا ہی نہیں کہ وہ فرشتہ رحمت بن کر کیسے آ گیا۔ اس لیے کہ اسے تو میں نے گاڑی سے باہر آنے کے لیے بھی منع کر دیا تھا۔ میرے سوال پر اس نے کہا۔ ''جب اندر گولیاں چلیں تو میں دبک گیا۔ ابھی اندر بیٹھا سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ عبداللہ صاحب لنگڑاتے ہوئے پہنچ گئے۔ ان کو زخمی دیکھ کر میں گھبرا اٹھا۔ نزدیک پہنچتے ہی عبداللہ صاحب نے بتایا کہ اندر سب پھنس گئے ہیں۔ تب میں نے دل میں کہا کہ اب مجھے ہی کچھ کرنا ہے ورنہ آپ سب مارے جائیں گے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے عبداللہ صاحب سے کہا کہ مجھے ایک پستول دے دیجئے۔ میں اندر جا رہا ہوں۔ تب انہوں نے دو پستول دیئے۔ ایک سے گولی چلتی تھی اور دوسرے سے بے ہوش کیا جاتا تھا۔ میں پستول لے کر حویلی میں داخل ہوا اور گیٹ پر کھڑے شخص کو پہلے نشانہ بنایا۔ اس کے بے ہوش ہوتے ہی میں شیر ہو گیا اور سیدھے راستے سے اندر جانے کی بجائے۔ پیڑ کے سہارے اوپر چڑھا۔ گیلری میں پہنچ کر جھانکا تو تین چار بندے آپ کو گھیرے کھڑے تھے۔ میں نے ایک ایک کر کے انہیں بے ہوش کیا اور پھر گیلری میں آگے بڑھا۔ وہاں ایک کھڑکی تھی جس سے کمرے کا منظر دیکھائی دے رہا تھا۔ میں نے وہیں سے کمرے کے اندر والوں کو بھی سلا دیا۔''

''واہ جوان واہ..... تم نے کمال کر دیا۔''

''سیدھی سی بات ہے کہ جب زندگی خطرے میں ہو تو چیونٹی بھی شیر بن جاتی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس وقت ہمت نہ دکھاتا تو آپ لوگوں کی مدد کیسے کرتا۔''

میں ہنس دیا اس کے علاوہ میں اور کیا کر سکتا تھا۔ میری زندگی ہی ایسی ہوگئی تھی جیسے پانی پر بہتا ہوا کوئی پتا جو لہروں کی تال پر خود ہی بہتا چلا جاتا ہے۔ جب کسی چیز میں پھنستا ہے تو کوئی قسمت کی بھیجی ہوئی تیز لہر اٹھتی ہے اور وہ پھر بہنے لگتا ہے۔ اس وقت بھی تو یہی ہوا تھا کہ حالات نے مجھے روک دیا تھا۔ ایک الجھاوے میں الجھ گیا تھا کہ مرتجس تیز لہر بن کر آیا اور میں پھر سے پانی پر بہنے لگا۔ زندگی کا ایک عجیب مذاق میرے ساتھ جاری ہے۔

''کن سوچوں میں الجھی ہیں اے چشم گریاں ناک، مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا۔'' وسیم کے شعر نے مجھے پھر سے حال کی دنیا میں لا پھینکا۔

''سوچ رہا ہوں کہ اب کیا کرنا چاہیے۔'' میں نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

''یہ لو..... خود ہی پلان بناتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں۔ جناب من آپ ہی نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم پنڈی جانے والے ہیں۔'' وسیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''بات تو صحیح ہے کہ ہمیں پنڈی جانا چاہیے اور جلد سے جلد نکل لینا چاہیے۔''

''تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج ہی، رات کے اندھیرے میں ہی اس شہر سے دور بہت دور چل دیتے ہیں۔'' سفیر نے کہا تھا کہ وسیم نے تان لگائی:

''چل چل دے دنیا دی اس.....'' وہ سیٹ سے پیٹھ لگانے سے گریز کر رہا تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ پیٹھ پر ڈنڈے کی جلن باقی ہوگی مگر وہ اظہار نہیں کر رہا ہے۔

''ابھی بھی ہم خطرے میں ہیں۔ نیٹ ورک عیاں نہیں ہوا ہے کہ امداد شاہ کے ساتھ کتنے لوگ ہیں۔'' میں نے وسیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا ارادہ تو یہ تھا کہ میں یہیں ان کے چہرے سے نقاب اتاروں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ان کی جڑیں پنڈی میں ہی ہیں۔ مرشد کی خانقاہ میں، اس لیے اسے وہیں لے جا کر پوچھ تاچھ کروں گا۔''

''لیکن انہیں اس گاڑی میں لے جانا آسان نہیں ہے کیونکہ جگہ کم ہے۔'' سفیر نے جواب میں کہا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کی ذمے داری مرتجس کی ہے۔'' میں نے مرتجس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آپ بے فکر رہیں۔ ایک اور گاڑی میری نظروں میں ہے۔ اسے ایک ہفتے کے لیے لے آؤں گا۔'' مرتجس بولا۔

میں نے ستائش بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''گڈ..... کیا ابھی مل جائے گی؟''

''بالکل۔ آپ لوگوں کو گھر چھوڑ کر میں نکل جاؤں گا۔ اس گاڑی کو واپس کروں گا اور دوسری لے آؤں گا۔ کیسی گاڑی مناسب رہے گی۔'' مرتجس نے پوچھا۔

''فور وہیل لینا۔ کنڈیشن اچھی ہو۔ پیسوں کی فکر نہ کرنا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ان شاء اللہ میں اے ون گاڑی لے کر آؤں گا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

وسیم اور سفیر خاموش تھے۔ عبداللہ کے چہرے پر تکلیف کے آثار صاف نظر آ رہے تھے مگر وہ مجھے زخم دیکھنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں دے رہا تھا۔ کہیں گولی اندر ہی نہ ہو۔ میرے ذہن میں فکر در آئی۔ عبداللہ جس قسم کا بندہ تھا، اس سے بعید نہیں کہ وہ اپنی تکلیف کو ظاہر کرے کہ اس کی وجہ سے سب پریشان ہو جائیں۔ یقیناً وہ اپنی تکلیف چھپا رہا ہے۔ میں نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر نظر موڑ لی۔ رات دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ اندھیرا ابھی کم ہونے لگا تھا۔ غیر دانستہ طور پر میری نگاہ ونڈ اسکرین کے پار چلی گئی اور میں چونک پڑا۔ ہم ڈھلان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ رستہ ہی ایسا تھا۔ چکراتی ہوئی سڑک تھی۔ بلندی سے نیچے دیکھا جائے تو پوری سڑک نظر آ جاتی۔ سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک نیچے کی جانب جا رہی تھی۔ ونڈ اسکرین سے نیچے والی سڑک نظر آئی تھی اور وہاں ایک جگہ سرچ لائٹوں کی وجہ سے دن کا سماں تھا۔ پولیس نے ناکا لگا رکھا تھا۔ یہ ایک خطرناک بات تھی اس لیے کہ ناکے تک پہنچنے میں ہمیں دس سے بارہ منٹ لگتے۔ ہماری گاڑی میں پیچھے کی طرف دو دو مسٹنڈے بندھے پڑے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی پولیس والے ہماری خاطر داری شروع کر دیتے۔ اب کیا کیا جائے میری سمجھ میں نہیں آیا تو میں نے سفیر کی توجہ مبذول کرائی۔ وہ بھی پریشان ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ تو ایک خطرناک بات ہے۔''

گاڑی کی اسپیڈ مرتجس نے کم کر دی تھی مگر رکا نہیں تھا۔ میں مسلسل سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ تبھی میری نظر سڑک کنارے اگی جھاڑیوں پر پڑی۔ ہم اب جس جگہ تھے وہاں سے پولیس کا ناکا نظر نہیں آ رہا تھا۔ درمیان میں پہاڑی آ گئی تھی۔ میں نے پہاڑی کو نظر میں تولا اور پھر مرتجس سے کہا۔ ''جھاڑیوں کے نزدیک پہنچ کر گاڑی روک لینا۔''

''جی اچھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیوں کیا ان جھاڑیوں میں گاڑی کو چھپانا ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ ان دونوں کو یہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی ایک اتر جائے گا۔ وہ دور سے جھاڑیوں پر نظر رکھے گا۔ مجھے امید نہیں کہ انہیں چھ گھنٹے سے قبل ہوش آئے پھر بھی کسی کو رہنا ضروری ہے۔ ایک گھنٹے بعد ہم پھر آئیں گے اور اسے لے جائیں گے۔''

''میں اتر جاتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''نہیں تم پہلے ہی زخمی ہو۔ شہر پہنچتے ہی تمہیں میں اسپتال لے جانے کی سوچ رہا ہوں۔ وسیم اتر جائے گا۔'' میں نے عبداللہ سے کہا۔

''وسیم نہیں میں اتروں گا اور آپ سب سے موبائل کے ذریعہ رابطے میں رہوں گا۔'' سفیر بولا۔

''ہاں سفیر اتر سکتا ہے۔'' میں نے کہا تھا کہ مرتجس نے گاڑی روک لی۔

سفیر اور وسیم نیچے اترے۔ میں بھی ان کی مدد کے لیے نیچے اتر چکا تھا۔ ہم سب نے ان دونوں کو نیچے اتارا اور ڈنڈا ڈولی کر کے جھاڑیوں میں پہنچا دیا۔ انہیں کافی اندر لے جا کر لٹایا تھا تاکہ گزرنے والوں میں سے کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔

''کیوں نا بے ہوشی کی ایک ایک سوئی اور ان کے جسم میں چبھو دی جائے؟'' مرتجس نے کہا۔

''نہیں، یہ خطرناک بات ہوگی۔ نروس سسٹم بری طرح متاثر ہو جائے گا۔'' میں نے اس کام سے اسے روکا۔ کیونکہ وہ پستول نکال چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا ہاتھ پکڑ کر میں گاڑی تک لے آیا۔ وسیم وغیرہ واپس آ گئے تو ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اب یہ ڈر نہ تھا کہ پولیس والے گاڑی کی تلاشی لیں گے تو امداد اور ناصر انہیں مل جائیں گے۔

گاڑی پھر سے چل پڑی۔ ہم نے ایک بہت بڑا رسک لیا تھا۔ ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ امداد شاہ کے بندے آ جائیں اور سفیر کو اکیلا پا کر اس پر قابو پالیں لیکن کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا اس لیے کہ پولیس والوں نے بھی ہماری گاڑی دیکھ لی ہوگی اور وہ اب ہمارے نزدیک آنے کے منتظر ہوں گے۔

یہ بات میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ پولیس اس طرح ناکا لگائے گی۔ ورنہ میں کوئی اور راستہ تلاش کرتا۔ جلد بازی میں جو بھی حکمتِ عملی آزمائی تھی اب اس کی کامیابی کی دعا کر رہا تھا اور گاڑی چکردار راستے پر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ بالآخر ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں پولیس کا ناکا لگا تھا لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو پولیس موبائلوں کی سرخ بتی ہمارا منہ چڑھا رہی تھی۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے چند منٹ پہلے انہوں نے تلاشی روک دی تھی اور تمام پولیس والے واپسی کے لیے چل دیئے تھے۔ اسی کو کہتے ہیں، چور کی داڑھی میں تنکا۔ ہم اتنا ڈر رہے تھے لیکن ہوا کچھ بھی نہیں۔ میں نے مرتجس کو کہا کہ وہ گاڑی کی اسپیڈ کم کر لے تاکہ پولیس کی گاڑیاں دور نکل جائیں۔ مرتجس نے رفتار کم کر لی۔ لیکن پوچھے بنا نہ رہ سکا:

''سر آپ لوگ پولیس سے خوفزدہ ہو گئے۔ یہ بات سمجھ نہیں آئی؟''

''بات یہ ہے کہ ہم لوگ اپنا شکار پولیس سے بچا کر رکھتے ہیں تاکہ جو بھی کیس بنے وہ پکا ہو۔ پولیس والے کیس کمزور کر دیتے ہیں۔'' وسیم نے فوراً جواب دیا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔ ہمارے ہاں کی پولیس محنت ہی نہیں کرتی۔'' مرتجس نے جواب دیا۔

''اسی لیے ہم لوگ پولیس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''یہ پولیس والے ہوتے ہی ایسے ہیں۔ آپ کا ادارہ اگر نہ ہو تو پورا ملک جرائم کی آماجگاہ بن جائے۔''

وہ بے چارہ زبردستی ہمیں محکمہ خفیہ سے منسلک کیے جا رہا تھا۔ ابھی اس سے کام لینا تھا اس لیے میں نے بھی اسے مغالطے میں ہی رہنے دیا کہ اگر وہ ایسا کچھ سمجھ رہا ہے تو سمجھنے دو۔ مرتجس کی سُست روی نے کام دکھایا اور پولیس کی موبائلیں دور نکل گئیں۔ اب ان کی ٹیل لائٹ کی سرخی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے مرتجس سے کہا۔ ''ایسا کرو کہ گاڑی موڑ لو۔ ہم اپنا سامان ساتھ لے لیں۔''

''جی بہتر ہے۔'' کہہ کر اس نے گاڑی کو نہایت چابک دستی سے موڑ لیا۔ میں نے سفیر کو کال کر کے بتا دیا تھا کہ ہم واپس آ رہے ہیں۔ ایسا اس لیے کیا تھا کہ کہیں وہ اندھیرے میں ہماری گاڑی کو دشمن کی گاڑی نہ سمجھ لے۔ کچھ ہی دیر میں ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں۔ ابھی گاڑی رکی ہی تھی کہ سفیر جھاڑیوں سے برآمد ہوا۔

''ہاں بھائی ہمارے مال کی پوزیشن کیا ہے؟ لوڈ کیا جا سکتا ہے یا کوئی کلبلا رہا ہے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''دونوں خوابِ خرگوش کا مزہ لے رہے ہیں۔ فی الحال ان کے بیدار ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔'' سفیر نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''اگر آپ صاحبان نیچے آ کر انہیں دوبارہ سے گاڑی میں سوار کرائیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اکڑوں بیٹھے بیٹھے میری کمر میں درد اٹھنے لگا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے اترتے ہی مرتجس اور وسیم بھی نیچے اتر آئے اور ان دونوں کو دوبارہ سے ڈنڈا ڈولی کر کے گاڑی میں لائے۔ ان کے جسموں کو اندر پٹخنے کے بعد پھر سے سفر شروع ہو گیا۔

جس مکان میں ہم ٹھہرے تھے اس تک پہنچتے پہنچتے اذان کی شیریں آواز گونجنے لگی۔ گویا ساری رات بھاگ دوڑ میں کٹ گئی تھی۔ مرتجس نے بریک دبایا تو میں نے اطمینان کی سانس لی کہ کچھ دیر کو آرام مل جائے گا۔

گاڑی سے اتر کر میں نے دروازہ کھولا تا کہ قیدیوں کو فوراً اندر لایا جا سکے اس لیے کہ کسی بھی وقت کسی کے بھی گھر کا دروازہ کھل سکتا تھا۔ کوئی بھی گھر سے نکل سکتا تھا۔ مسجد جاتے ہوئے وہ ہماری کارگزاری دیکھ سکتا تھا کہ ہم کسی بے ہوش آدمی کو اتار رہے ہیں۔

میرے نیچے اترتے ہی وسیم اور سفیر نے پہلے امداد شاہ کو ڈنڈا ڈولی کر کے اندر پہنچایا پھر ناصر کو۔ ان دونوں کو اندر والے کمرے میں پہنچا کر سفیر نے کہا۔ ''آپ ایک بار چیک کر لیں کہ انہیں ہوش میں آنے میں کتنی دیر لگے گی۔''

''ہوش میں آنے کا تعین تو وسیم کر سکتا ہے کہ وہ سوئی والی گن اس کی دریافت ہے۔'' کہتے ہوئے میں نے ان دونوں کے ہاتھ پیروں کی رسّی کو چیک کیا کہ کہیں ڈھیلی تو نہیں ہو گئی ہے لیکن بندھن مضبوط تھے۔ اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے خود کو بستر پر گرا دیا۔ دیکھا دیکھی سب ہی لمبے لمبے لیٹ گئے۔ شاید یہ تھکن اور شب بیداری کا نتیجہ تھا کہ کچھ ہی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

سونا آسان ہے مگر جاگنا کب اپنے اختیار میں ہے۔ میں بھی سویا تو خوب سویا۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب سورج چڑھ آیا تھا۔ ہر طرف دھوپ پھیل چکی تھی۔ میں نے نظریں موڑ کر ادھر دیکھا جدھر دوسرے سو رہے تھے۔ وسیم اور سفیر بھی بے خبری کی نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ لیکن عبداللہ بیدار تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا کھڑکی سے آتی دھوپ سینک رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''اب کیسی طبیعت ہے؟''

''فرسٹ کلاس، میں نے زخم کا معائنہ کر لیا ہے۔ زیادہ گہرا نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''نہیں..... میں خود دیکھوں گا۔'' کہہ کر میں عبداللہ کے قریب بیٹھ گیا۔ ابھی میں اس کا پانچہ اٹھا ہی رہا تھا کہ وسیم کی آواز گونجی:

''او بھائی..... یہ کیا ہو رہا ہے، یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''وہی جو تم دیکھ رہے ہو۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔

''میں تم سے نہیں شہباز سے پوچھ رہا ہوں کہ اسے شرم نہیں آ رہی ہے تو آپ بھی..... ارے بھائی سب کے سامنے تو اسے برہنہ نہ کریں۔ مانا گولی لگی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے بے شرم بنا دیں۔''

''بکواس بند کرو مجھے زخم کا معائنہ کرنا ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''میں نے دیکھ لیا ہے۔ زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔ دوا میں نے ہی لگائی تھی۔ ان صاحب کو بھی خبر نہیں کہ کب زخم کی ڈریسنگ ہوئی۔'' وسیم نے کہا۔

''اچھا، وہ تم تھے۔ شاید اس وقت مجھ پر غشی چھائی تھی۔ مجھے احساس تو ہوا تھا کہ کوئی میرے زخم کو چھیڑ رہا ہے۔'' عبداللہ بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ کی اطلاع کہ لیے عرض ہے کہ زخم کو صاف کرنے بعد میں نے راجا صاحب کا دیا ہوا انجکشن بھی لگا دیا تھا جو انہوں نے وادی میں جاتے ہوئے دیا تھا کہ زخمی کو لگانے سے کمزوری فوراً دور ہو جاتی ہے۔''

''تبھی میں کمزوری محسوس نہیں کر رہا ہوں۔'' عبداللہ نے مسکراتے ہوئے جواب میں کہا۔

زخم کو دیکھا تو واقعی وہ گہرا نہیں تھا لیکن کافی لمبا تھا۔ گولی نے گوشت کو جلا دیا تھا لیکن اس زخم کی حالت بتا رہی تھی کہ کافی سارا خون بہا ہے۔ اس لیے کہ پینٹ کا پورا پائینچہ خون سے لت پت تھا۔ میں نے اس کو مشورہ دیا کہ وہ پینٹ بدل لے۔ عبداللہ لنگڑاتا ہوا دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا جہاں اس کا بیگ رکھا ہوا تھا۔

عبداللہ کے جانے کے بعد میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سفیر بھی اٹھ چکا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ مرتجس نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''مرتجس مجھے بتا کر گیا ہے۔'' عبداللہ نے کمرے کے اندر سے جواب دیا۔ ''وہ گاڑی لینے گیا ہے۔''

''کچھ بھی ہو، یہ بندہ ہے کام کا۔ لگتا ہے کہ ہمارے ساتھیوں میں ایک کا اضافہ ہونے والا ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''رات جس طرح اس نے مدد کی ہے یہ بھلانے کے لائق نہیں۔''

''بس تھوڑی سی پالش کر دی جائے تو بہت کام کا آدمی نکلے گا۔'' سفیر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''موقع ملتے ہی میں اسے نشانہ بازی سکھا دوں گا۔ رات میں اس نے سوئی فائر کرنے میں خاصہ وقت لیا تھا۔ بار بار اس کا نشانہ خطا جا رہا تھا۔'' وسیم بولا۔

''میں اسے کراٹے بھی سکھا دوں گا۔ اس لیے کہ وہ میرا بہت ادب کرتا ہے۔'' سفیر نے لقمہ دیا۔

''ایسا کون بندہ ہے جو تمہارا ادب نہیں کرتا۔ پوری دنیا ادب کرتی ہے صرف ایک مونا ہے جو تمہیں مکھی کی طرح اڑا دیتی ہے۔'' وسیم نے چوٹ کیا۔

''کون ہے جو بیوی سے ڈرتا نہیں..... سب اس شہد کی مکھی کو ہنی کہتے ہیں۔'' سفیر نے جوابی چوٹ کی۔

''ویسے سادی تو تمہارا اتنا ادب کرتی ہے جیسے موٹے موٹے حرفوں میں لکھنا چاہیے۔''

وہ دونوں ایک دوسرے پر جملے کس رہے تھے کہ کمرے کے اندر سے عبداللہ کی آواز آئی۔ ''مانی کا فون آ رہا ہے۔''

''تو رسیو کرو نا۔ اس کے لیے بھی اجازت لینی ہے کیا؟'' وسیم بولا۔

عبداللہ فون کانوں سے لگائے کمرے سے باہر آیا۔ اس نے دوسری طرف کی بات سن کر کہا۔ ''ہاں یہاں ہم سب موجود ہیں۔'' پھر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا۔

''کیا کہہ رہا ہے بتاتے بھی جاؤ۔'' وسیم چپ نہ رہ سکا۔

''مانی کا کہنا ہے کہ اس نے آمنے سامنے کے دو اپارٹمنٹ دیکھ لیے ہیں۔ کم قیمت میں مل رہے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو بات کر لیا جائے۔'' عبداللہ نے وسیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل بات پکی کر لے۔ مرشد سے نمٹتے ہی ہم دبئی آ جائیں گے۔'' میں نے عبداللہ سے کہا۔ عبداللہ نے میری بات مانی تک پہنچا دی۔ پھر ادھر کی بات سن کر بولا۔ ''وہ آج ہی اپارٹمنٹ والوں سے بات کر لے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر اس نے فون بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔

''ایسا کرتے ہیں کہ سادی کو یہ خوش خبری سنا دیتے ہیں۔ وہ خوش ہو جائے گی۔ اسے یہ بھی کہہ دوں گا کہ وہ گھر کے ہر فرد کو یہ بات بتا دے کہ فراق کی گھڑیاں بیتنے والی ہیں، وصال کا موسم قریب ہے۔'' وسیم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ باہر کسی گاڑی کے ہارن کی تیز آواز گونجی۔

''لگتا ہے مرتجس آ گیا۔'' سفیر نے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ دروازہ کھلا اور مرتجس کا چہرہ نظر آیا۔ اس کے چہرے پُر جوش تھا۔ اس نے اندر آتے ہی کہا: ''بالکل نئی پراڈو لایا ہوں اور وہ بھی بہت کم کرایہ پر۔ راستے میں پتا ہی نہیں چلے گا کہ ہم بائی روڈ جا رہے ہیں۔''

''کیا تمہاری پراڈو ہوا میں اڑتی ہے؟'' وسیم نے اسے چھیڑا۔

''ہوا میں اڑتی نہیں ہے لیکن ایسی سبک چال چلتی ہے کہ کیا بتاؤں۔ اسے چلا کر مجھے بھی بہت مزہ آیا۔'' مرتجس نے چہکار بھری آواز میں کہا۔ ''تبھی تو میں اڈوانس میں ایک لاکھ روپے دے آیا ہوں۔''

''چلو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ راستے میں دیکھ لیں گے کہ تمہارے دعوے میں کتنی صداقت ہے۔'' وسیم نے کہا۔

میں نے اٹھ کر ان دونوں کو چیک کیا کہ کہیں وہ ہوش میں تو نہیں آ گئے لیکن وہ دونوں اسی طرح بے ہوش پڑے تھے۔ اب ان کو پنڈی تک لے جانا تھا اور یہ بھی ایک دشوار معرکہ تھا۔ میں نے کافی غور کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ ان دونوں کے جسم میں ایک ایک سوئی اور اتار دی جائے تا کہ راستہ آرام سے کٹ جائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی پریشانی کھڑی کر دیں۔ اس لیے کہ راستہ بھی لمبا ہے اور اس بات کا بھی بھروسا نہیں کہ راستے میں ان کے لوگ ہمیں روکنے کی کوشش کریں۔

''کیا ارادہ ہے سر۔'' مرتجس نے پوچھا تو میرے خیالات بکھر گئے۔ میں نے سفیر کی طرف دیکھا تو اس نے وسیم اور عبداللہ پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں نکل جانا چاہیے تا کہ وقت پر ہم پنڈی پہنچ سکیں۔''

''تو پھر مہمانوں کو نہایت احتیاط سے سوار کرا دو۔ یہ خیال رہے کہ ہم ایک طویل راستے پر جا رہے ہیں اور راستے میں جگہ جگہ چیکنگ بھی ہوتی ہے۔'' میں نے ہدایت دی تو سفیر نے اثبات میں سر ہلایا لیکن وسیم خاموش نہ رہ سکا۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''آپ بے فکر رہیں..... ہم مہمانوں کو احتیاط کے ساتھ ہی نہیں احترام کے ساتھ پچھلی طرف بٹھائیں گے۔''

''سر میں کہوں۔'' مرتجس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ضرور بولو۔''

''سر اگر آپ کہیں تو میں اسپتال سے مریضوں کے پہننے والے کپڑے لے آؤں۔ آپ میں سے ایک ڈاکٹر بن جائے گا۔ راستے میں کہیں پولیس کا ناکا ملا تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم مریض کو لے جا رہے ہیں۔''

''واہ جیتے رہو..... اچھا آئیڈیا دیا ہے۔ دل کر رہا ہے کہ ہاتھ چوم لوں۔'' وسیم نے شرارت بھری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کا یہ آئیڈیا مجھے بھی پسند آیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''لاجواب آئیڈیا ہے۔ فوراً لباس لے آؤ۔''

''میں نے یہ بات راستے میں ہی سوچ لی تھی لیکن ذکر کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ آپ نے بھی میرے خیال کو پسند کیا تو میں کہہ دوں کہ وہ کپڑے میں آتے ہوئے لے آیا ہوں۔ گاڑی میں ہی رکھے ہوئے ہیں۔ نہ صرف کپڑے لائے ہیں بلکہ آکسیجن دینے کا پورا سامان اسپتال سے اٹھا لایا ہوں۔ ایک ہفتے کے وعدہ پر خالی سیلنڈر دیگر سامان لایا ہوں۔''

''واہ..... یہ تو بڑی عقلمندی کا کام کیا ہے۔ جس سے لائے ہو اس سے کیا کہا تھا۔'' میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیے تعریف کی۔

''اس سے کہا کہ ایک ڈراما پارٹی آئی ہوئی ہے۔ ایک ہفتے کے لیے یہ سامان چاہیے۔ کرایہ کے طور پر اسے ہزار روپے دیئے ہیں۔''

''تو پھر دیر کیسی..... مہمانوں کو لے جا کر سیٹ کر دو۔''

اس وقت مرتجس کا چہرہ کھلا پڑ رہا تھا وہ بہت پُر جوش ہوا اٹھا تھا۔ اس نے اندر والے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''آپ میں سے کوئی ایک شخص آجائے۔ ہم دونوں مل کر ایک بندے کو اٹھاتے ہیں۔ پھر دوسرے کو اٹھائیں گے۔ میں نے پچھلی دونوں سیٹوں کو پھیلا دیا ہے۔ دونوں بندوں کو آرام سے لٹایا جا سکتا ہے۔''

وسیم اس کی مدد کے لیے اندر چلا گیا۔ پھر جب باہر آیا تو ان دونوں نے ڈنڈا ڈولی کر کے امداد شاہ کو اٹھا رکھا تھا۔ وہ اسے باہر لے کر نکل گئے۔ سفیر بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ضروری چیزیں سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس نے دو چکر لگا لیا تھا کہ وسیم واپس لوٹا اور اس نے ناصر کو بھی اسی طرح باہر پہنچا دیا۔ میں نے گھر پر ایک نظر ڈالی۔ اچھی طرح سے جائزہ لیا کہ کوئی ضروری چیز رہ تو نہیں گئی ہے لیکن سفیر نے ایسی کوئی چیز چھوڑی نہیں تھی۔ آخر میں عبداللہ کو سہارا دے کر ہم باہر آئے۔

دروازے پر کھڑی پراڈو بالکل نئی تھی۔ رنگت سیاہ تھی۔ گاڑی کی حالت بتا رہی تھی کہ زیادہ استعمال نہیں ہوئی ہے۔ میں نے اندر جھانک کر دیکھا، دونوں کو ایسے سلایا گیا تھا جیسے واقعی وہ مریض ہوں۔ امداد شاہ کی ناک پر گیس ماسک بھی لگا دیا گیا تھا۔

ان کی کارگزاری دیکھ کر میں مطمئن ہو گیا۔ اب اگر کوئی روکتا تو ہم آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ یہ دونوں بے ہوش ہیں اور انہیں طبی امداد کے لیے ہم لے جا رہے ہیں۔ وسیم نے عبداللہ کو ایک سفید کوٹ دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر پڑھ لکھ لیتے تو ڈاکٹر بن جاتے..... پھر بھی افسوس کی بات نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے بن جاؤ۔ اسٹیتھ سکوپ بھی ہے اسے گلے میں لٹکا لینا۔''

تیاری ہو چکی تو میں نے مرتجس کو اشارہ کیا اور وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آگے بڑھنے لگا۔ ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ ایک تو مرتجس مشاق ڈرائیور اور پراڈو کی کنڈیشن بھی اچھی، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ہم سفر میں ہیں۔ ہچکولے تک محسوس نہیں ہو رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ ہی دیر میں ہم شہر سے کافی دور پہنچ گئے۔ چلاس قریب آتا جا رہا تھا۔ وقت بھی تیزی سے گزر رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وسیم اور سفیر بھی خاموشی سے بیٹھے تھے کوئی کسی پر طنز نہیں کر رہا تھا۔ عبداللہ تو یوں بھی چھیڑنے پر ہی بولا کرتا تھا۔ اپنی طرف سے وہ کبھی ابتدا نہیں کرتا تھا۔ میں نے ایک نظر سب پر ڈالی پھر پیچھے والے حصے کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں مردے کی طرح پڑے ہوئے تھے مگر باقی لوگوں سے زیادہ آرام میں تھے اس لیے کہ وسیم عبداللہ اور سفیر بالکل ٹھنس کر بیٹھے تھے۔ خود میں بھی بے آرام تھا لیکن ناصر اور امداد شاہ کافی جگہ گھیرے لیٹے تھے۔ ان کے جسم پر اسپتال کا ڈھیلا ڈھالا لباس تھا۔ میں نے امداد شاہ کی ناک سے ماسک ہٹا دیا تھا۔ وجہ پوچھنے پر سفیر کو بتا چکا تھا کہ جیسے ہی کسی نے رکنے کا اشارہ دیا تو ماسک پھر تی سے لگا دیا جائے گا۔

اندر کا جائزہ لینے کے بعد میں نے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھا۔ وہی چٹیل میدان اور سنگلاخ پہاڑیاں۔ دور دور آبادی۔ آتی جاتی گاڑیاں بھی کم۔ دور بہتی ہوئی ندی جو صرف چمکتی ہوئی لکیر نظر آتی تھی۔ تبھی دور بہت دور ایک بڑی آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔

''کیا ہم چلاس پہنچ رہے ہیں؟'' میں نے مرتجس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں۔ ہم چلاس کے نزدیک پہنچ چکے ہیں۔'' اس نے سامنے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

چلاس کی اپنی خوبصورتی ہے۔ اپنا مقام ہے۔ فطرت کا حسن کچھ زیادہ ہی یہاں نمایاں ہے۔ میں پہاڑوں کی خوبصورتی کو دیکھنے میں محو تھا کہ وسیم بولا۔ ''صبح سے پیٹ میں انتڑیوں نے قل کا ورد تو اتر سے کیا ہے۔ شہر ابھی بھی کافی دور ہے تو کیوں نہ اس ڈھابے پر رک کر کچھ کھا پی لیا جائے۔''

میں نے نظر گھما کر اس طرف دیکھا جدھر وسیم نے اشارہ کیا تھا۔ وہ ہوٹل دور سے ہی صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔ دوسروں کے ساتھ میں نے بھی صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا وسیم نے اشارہ کیا تو یاد آیا کہ مجھے بھی کچھ کھا لینا چاہیے۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وسیم نے مرتجس سے کہا۔ ''بھائی میاں۔ ادھر جانے پر کوئی پابندی تو نہیں ہیں نا تو کیوں نا اس طرف کا ایک چکر لگا لیا جائے۔ اس طرح بھوکوں کو کھانا کھلانے کا ثواب مفت میں حاصل کر لو گے۔''

مرتجس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی لکیر کھنچ گئی اور اس نے گاڑی کا رخ اس ڈھابے کی طرف موڑ دیا۔ جیسے ہی گاڑی رکی ایک بچہ بھاگتا ہوا ہمارے پاس آیا۔ ''صاحب جی کیا لانا ہے؟''

ہمارے اترنے سے پہلے اس نے آرڈر مانگ لیا تھا۔ میں کچھ کہتا کہ وسیم بولا۔ ''جو فوراً مل جائے وہ لے آؤ۔ لیکن روٹی گرم ہونا شرط ہے۔''

''جی بہتر۔'' اس نے ادب سے کہا اور اندر کی طرف بھاگا۔

ہم نیچے اتر آئے۔ سفیر، وسیم اور مرتجس بھی اتر آئے تھے۔ عبداللہ بھی لنگڑاتا ہوا نیچے اتر کر منجھی کی طرف بڑھنے لگا۔ اتنی دیر سے سب ہیک ہو کر بیٹھے تھے۔ یہاں منجھی نظر آئی تو سب کے سب کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ میں نے بھی تکیے سے چہرے پر چھینٹے ماریں اور پھر آ کر ایک منجھی پر لیٹ گئے۔

''یار پتا تو کرلو چکن اصیل مرغ کا ہے یا فارم زدہ۔'' وسیم نے لیٹے لیٹے ہانک لگائی۔

''یہاں صرف دیسی مرغ استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ ان سڑک کے ہوٹلوں میں کون آئے گا۔'' مرتجس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہاں؟'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نیچے..... سڑک جب گھوم کر وہاں پہنچے گی تو نظر آئے گا۔ مجھے بھی ایک ہلکی سی جھلک نظر آئی تھی۔''

''اب کیا کیا جائے۔ میرے پاس تو پسٹل ہے۔''

''پسٹل تو میرے پاس بھی ہے۔ ایک رسک لیتے ہیں۔ پسٹل یہیں جھاڑیوں میں پھینک دو۔'' کہتے ہوئے میں نے اپنی کمر سے پستول نکالا اور اسے جھاڑیوں میں اچھال دیا۔ مرتجس نے بھی میری تقلید کی۔ پھر اس نے وہ والی پستول نکالی جو پلاسٹک کی بنی ہوئی تھی اور اس سے سوئی نکلتی تھی۔ جس نے ہمیں ایک بڑی مصیبت سے نجات دلائی تھی۔ وہ اسے پھینکتا کہ میں نے منع کر دیا کہ نہیں، ابھی نہیں۔ یہ کھلونا پستول جیسا ہے۔ اسے مجھے دے دو۔''

اس نے ہاتھ پیچھے کر دیا۔ میں نے پستول کو بائیک کے ساتھ لٹکتے تھیلے میں ڈال دیا۔ ''اب اگر وہ اسے نکالتے بھی ہیں تو کھلونا پستول سمجھ کر توجہ نہیں دیں گے۔''

''بالکل..... آپ دور کی کوڑی لاتے ہیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ، یہ جگہ جگہ ناکا کیوں لگایا جا رہا ہے۔ پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا؟'' میں نے مرتجس سے پوچھا۔

''دراصل بابوسر میں ایک بڑا حادثہ ہو گیا تھا تب سے پولیس نے چیکنگ بڑھا دی ہے۔ چلاس ہی نہیں گلگت میں بھی چیکنگ عام ہے تاکہ شر پسندوں کو موقع نہ مل سکے۔ اس سے غیر قانونی کام کرنے والوں پر بھی اثر پڑا ہے اور وہ علاقے سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔'' مرتجس نے کہا تو میں ہنس پڑا۔

''ارے ادشاہ اینڈ کمپنی تو کھلے عام قانون شکنی کر رہی ہے۔''

''صاحب جی قانون توڑنے والے کہاں نہیں ہوتے۔ سنتے ہیں امریکا جیسے ملک میں ہر روز اتنا جرم ہوتا ہے جو ہمارے ملک میں ایک ہفتے میں نہیں ہوتا۔'' مرتجس بولا۔

''ہاں یہ تو ہے۔ جرائم پیشہ اپنی راہ خود ہی نکال لیتے ہیں۔ اس لیے کہ شیطان ہر جگہ بہکا سکتا ہے۔ جرم کرنے والے دراصل شیطان کے مرید ہوتے ہیں۔''

باتوں کے درمیان راستہ کٹ گیا اور ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں پولیس رکاوٹ کھڑی کر کے گاڑیوں کی تلاشی لے رہی تھی۔ ہماری پراڈو بھی گاڑیوں کے درمیان کھڑی تھی۔ اس میں ایک ہی بندہ بیٹھا نظر آیا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اس لیے کہ پراڈو کئی گاڑیوں کے درمیان تھی اور ایک پولیس آفیسر اس کے نزدیک کھڑا اس سے کچھ پوچھ تاچھ کر رہا تھا۔ مرتجس بائیک سے اتر کر ادھر بڑھنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا اور بولا۔ ''یہاں پولیس کے سامنے کوئی بات نہ کرو۔ اسے ناکے سے نکلنے دو۔ ہم آگے جا کر اسے گھیریں گے۔ اس لیے کہ ہماری بائیک ہے اس لیے ہمیں آگے جانے کی اجازت جلدی مل جائے گی۔''

مرتجس رک گیا تھا۔ میں نے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ دیا۔ ہم پیدل آگے بڑھے۔ مرتجس بائیک کو دھکیلتا ہوا گاڑیوں کے درمیان سے آگے نکل رہا تھا کہ میں نے سرگوشی میں اس سے کہا کہ وہ سننے کی کوشش کرے کہ پولیس والا کیا کہہ رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بہتر۔'' کہہ کر اس نے اپنی رفتار کم کر دی۔ ہم پراڈو کے بالکل نزدیک پہنچ چکے تھے۔ پولیس والا شیشے زبان میں ڈرائیور سے پوچھ رہا تھا کہ تم نے ناکا دیکھ کر ایک فرلانگ پہلے گاڑی موڑنے کی کوشش کیوں کی تھی؟

مرتجس سرگوشی میں مجھے ترجمہ سنا رہا تھا۔ اس بندے نے کہا۔ ''گاڑی روکی نہیں ایک خرابی آ رہی تھی اسی لیے بریک دبا دیا تھا۔''

''دیکھنے میں تو گاڑی بالکل نئی ہے۔ کہاں جانا ہے؟''

''چلاس۔''

''گاڑی کس کی ہے؟'' اس سوال پر اس نے جس کا نام بتایا وہ ایک مشہور سیاسی شخصیت تھی۔ میں نے بھی نام سن رکھا تھا۔ اس کا نام تعلق بھی اسی پارٹی سے تھا جس سے مرشد نے ٹکٹ لیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مرشد ہی کے اشارے پر مجھے گھیرا جا رہا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی میں چونک گیا۔ گویا ناصر اور امداد شاہ اسی کے کہنے پر چل رہے ہیں۔ یہ ایک خطرناک بات تھی۔ کہ مرشد نے یہاں تک جال پھیلا رکھا ہے۔

ابھی میں اسی سوچ میں تھا کہ افسر نے کہا۔ ''گاڑی کسی کی بھی ہو تلاشی تو دینی ہوگی۔ کاغذات دکھاؤ۔''

''کاغذات تو صاحب جی کے پاس ہیں۔ ایک ضروری کام سے گلگت گیا تھا۔ جلد بازی میں کاغذات لینا بھول گیا۔''

''ٹھیک ہے ابھی تلاشی لے کر فارغ کر دوں گا۔ کچھ لانے گئے تھے؟''

''جی نہیں۔ صاحب نے اپنے دوست کو کچھ چیزیں دی تھیں اسے پہنچا کر آ رہا ہوں۔''

''اچھا اچھا'' کہتے ہوئے افسر نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا۔ جیسے ہی سپاہی نزدیک آیا۔ افسر نے کہا۔ ''ان کی گاڑی کی پہلے تلاشی لو تاکہ یہ جا سکیں۔ جلدی کرو کیونکہ یہ گاڑی.....''

اس کا جملہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ دو سپاہی گاڑی کی طرف بڑھے اور ایک نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ اندر کا منظر دیکھتے ہی وہ چیخا۔ ''صاحب ادھر آئیں۔''

''کیوں اس میں کیا سانپ بیٹھا ہے؟'' افسر نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

''سر، اس میں دو لاشیں ہیں۔ انسان کی لاشیں۔''

افسر اس طرح چونکا جیسے کسی نے اس کے سر پر ہتھوڑا مارا ہو۔ وہ اپنی موٹی توند کے ساتھ پھدکتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے ڈرائیور کا کالر چھوڑا نہیں تھا۔ وہ اسے تقریباً کھینچتا ہوا گاڑی کی سمت بڑھا۔ پراڈو تک پہنچ کر اندر جھانکنے لگا۔ وہاں کھڑے تماشبین بھی لاش کا ذکر سنتے ہی چونک گئے تھے اور اب ان سب کی نظریں پراڈو پر ٹک گئی تھیں۔ ڈرائیو کرنے والے نے بھی اندر جھانکا اور پیچھے کی طرف لیٹے ہوئے امداد شاہ و ناصر شاہ کو دیکھ لیا۔ انہیں دیکھتے ہی اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ رنگت سفید پڑ گئی۔

اس کے خوفزدہ چہرے پر نظر ڈال کر افسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم نے کیا سمجھا تھا۔ میرے ایریا سے نکل کر نکل جاؤ گے۔ میں کوئی ایسا ویسا افسر نہیں ہوں۔ میرے ایریا میں کوئی مجرم چھپ ہی نہیں سکتا۔'' پھر اس نے اپنا موبائل نکالا اور بولا نمبر بولو۔ ''میں ابھی فون کر کے صاحب سے پوچھتا ہوں کہ یہ لاش کس کی ہے۔''

ڈرائیور کے گرد سپاہیوں نے گھیرا ڈال دیا تھا۔ تماشا دیکھنے والے بھی بھیڑ لگا رہے تھے۔ چیکنگ کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے تمام سپاہی اپنا کام چھوڑ کر ڈرائیور کے گرد کھڑے ہو گئے تھے جیسے انہیں شبہ ہو کہ یہ دوڑ لگا دے گا۔

ڈرائیور کی حالت دیکھنے والی تھی۔ یا تو وہ نیا تھا یا پھر اس بات سے ڈر گیا تھا کہ اب اس پر دو قتل کا الزام لگنے والا ہے۔ اس نے گھبرا کر باضابطہ رونا شروع کر دیا تھا۔ اتنا بڑا کام کرنے چلا تھا اور ایسا بزدل تھا، یہ دیکھ کر مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ وہ رونے کے ساتھ بولتا جا رہا تھا۔ ''سر یہ میری گاڑی نہیں ہے۔ اور نہ میں نے قتل کیا ہے۔ میں تو عام سا چور ہوں۔ گاڑیاں چرانا میرا پیشہ ہے۔ آپ گلگت تھانے سے پتا کر لیں ایک سال پہلے بھی میں چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔''

''تو اس بار تم نے گاڑی چرانے کے لیے مالک کو ہی قتل کر دیا۔ ساری کہانی سمجھ میں آ گئی ہے۔ تم نے گاڑی چرائی۔ مالکان نے روکا تو تم نے انہیں قتل کر دیا، اب لاش کو ٹھکانے لگانے کی کوشش میں تھے۔ کسی ویرانے میں لاش کو پھینکنے والے تھے کہ پکڑے گئے۔'' اس وقت آفیسر شرلاک ہومز بنا ہوا تھا۔ اس نے بغیر کچھ کہے ایک سپاہی کو آنکھ سے اشارہ کیا تھا جس نے ڈرائیور کی کلائی میں ہتھکڑی پہنا دی تھی۔

''یقین کریں سر۔ میں نے مرڈر نہیں کیا ہے۔'' وہ گڑگڑا رہا تھا۔

جوش میں اس کی توند کچھ زیادہ ہی پھول پچک رہی تھی۔ بار بار اس کی پینٹ کھسک کر نیچے آ جاتی جسے وہ پھر سے اوپر کر لیتا تھا۔ شاید کسی بڑے مجرم کو پکڑنے کا یہ پہلا موقع تھا اس لیے کہ اس کی سانس بھی پھول رہی تھی۔ وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بول رہا تھا۔ ''ابھی پتا چل جائے گا کہ یہ کس کی لاش ہے اور تو قتل کر کے اسے کہاں لے جا رہا تھا۔''

اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے افسر کو رعب جمانے کا پہلی بار موقع ملا ہے۔ یوں بھی یہ علاقہ دیگر علاقوں سے زیادہ پُرامن ہے۔ جرائم کی شرح بہت کم ہے۔ ایسی حالت میں قتل کے مجرم کا ہاتھ آ جانا بڑی بات ہے۔

''سر یقین کریں میں نے یہ گاڑی پیچھے رہ گئے ہوٹل سے چرائی ہے۔ آپ مجھے ہوٹل تک لے چلیں۔ وہاں اب بھی اس کا مالک بیٹھا ہوگا۔ جلدی سے چل کر اسے گرفتار کر لیں۔ وہی قاتل ہے۔''

''ہمیں کیا احمق سمجھ رکھا ہے جو میں تجھے وہاں لیے جاؤں اور وہاں تیرے ساتھی گھات لگا کر پولیس پارٹی پر حملہ کر دیں۔''

''نہیں سر۔ میں سچ بول رہا ہوں۔ آپ چل کر تو دیکھیں۔ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں گا تو آپ مجھے شوٹ کر دینا۔''

''ساری بات کا پتا چل جائے گا۔ بس تھوڑا اور صبر کر لے۔ تھانے پہنچ کر تُو فرفر بولے گا۔'' افسر نے کہا پھر مڑ کر تماش بینوں سے بولا۔ ''اے تم لوگ کیوں کھڑے ہو، سب جاؤ۔ بھاگو۔ اپنی اپنی گاڑی راستے سے ہٹاؤ۔''

پولیس افسر کی ڈانٹ سنتے ہی وہاں جمع ہو گئے لوگ اپنی اپنی راہ لگ گئے۔ اب صرف ہم رہ گئے تھے میرا ذہن تیز رفتاری سے سوچ رہا تھا۔ معاملہ مزید الجھنے جا رہا تھا۔ اگر ناصر شاہ اور امداد شاہ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتے تو ہماری محنت برباد ہو جاتی۔ اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ ان دونوں کو پولیس سے کیسے چھینا جائے۔ وہ انہیں مردہ سمجھ رہے تھے اس لیے کہ انہوں نے اب تک ان دونوں کو دور دور سے ہی دیکھا تھا۔ بند کھڑکی کے شیشوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے۔ اگر نزدیک سے دیکھتے یا چیک کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ دونوں صرف بے ہوش ہیں۔

''کیا سوچنے لگے۔ پولیس والے کی نظر ہم پر پڑ گئی تو وہ پھر چیخے گا۔'' مرتجس نے نیچی آواز میں کہا۔

تبھی وہ افسر موبائل کی طرف ڈرائیور کو کھینچتے ہوئے بڑھا اور اندر بیٹھتے ہوئے ایک سپاہی سے بولا۔ ''تم پراڈو کو ڈرائیو کرو گے۔ تھانے لے کر آؤ گے۔ میں ملزم کو لے کر جا رہا ہوں۔''

میں نے مرتجس سے سرگوشی میں کہا۔ ''اب ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔''

''کیا؟ کیا کرنا ہوگا؟''

''اگر ہمارے مجرم پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو بات الجھ جائے گی۔ انہیں دوبارہ قبضے میں لینے کے لیے اسلام آباد سے آرڈر نکلوانا پڑے گا۔ اگر آرڈر آنے میں دیر ہوگئی تو یہ پولیس والے رشوت لے کر اسے چھوڑ بھی سکتے ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے۔ ہمارے ہاں کی پولیس رشوت خوری میں نمبر ون ہے۔ واقعی انہیں پولیس کے چنگل سے چھڑانا پڑے گا۔''

موبائل تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔ اب اس جگہ صرف ہم اور پراڈو کو اسٹارٹ کرنے والا سپاہی رہ گیا تھا۔ وہ ابھی پراڈو اسٹارٹ ہی کر رہا تھا۔ کہ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ شیشہ لگا ہوا تھا اس لیے وہ میری بات سن نہیں سکتا تھا اس لیے میں نے کھڑکی کے بند شیشے پر دستک دے کر اسے شیشہ کھولنے کو کہا۔ سپاہی نے حیران نظروں سے مجھے دیکھا پھر اس نے شیشہ نیچے کرنے کے لیے بٹن دبا دیا۔ بٹن دبتے ہی شیشہ نیچے آ گیا۔ سپاہی نے کڑے لہجے میں شینے زبان میں مجھ سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

میں نے اترتے ہوئے بائیک کے تھیلے سے کھلونا پستول نکال لیا تھا۔ جیسے ہی شیشہ نیچے ہوا اور سپاہی نے سر باہر نکال کر سوال کیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کے گال کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک ننھی سی سوئی نکلی اور اس کے گال میں پیوست ہوگئی۔ اس نے اضطراری طور پر اپنے گال پر ہاتھ پھیرا ہی تھا کہ سیٹ پر لڑھک گیا۔ موبائل دور جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس شرلاک ہومز افسر کے سر پیٹنے کا سامان ہو گیا تھا۔ جب وہ تھانے پہنچے گا تو اپنے افسران کے سامنے خوب بولے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اپنی بہادری کے فرضی قصے بھی گھڑ لے لیکن جب بے چارا سپاہی ہوش میں آنے کے بعد رپورٹ کرنے پہنچے گا تو وہ افسر اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس وقت اس کا چہرہ دیکھنے کے لائق ہوگا۔

یہی کچھ سوچ کر میں اس بے ہوش سپاہی کو کھسکا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور مرتجس کو اشارہ کیا کہ وہ پیچھے آئے۔ پھر میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لی۔ آٹومیٹک گاڑیوں کو ڈرائیو کرنے کا ایک اپنا مزہ ہے۔ گاڑی بھاگتی چلی گئی۔

ہمارا نیا سفر شروع ہو چکا تھا گو کہ میرا رخ شہر کی طرف تھا لیکن میں شہر میں داخل ہونے کی بجائے آگے نکل جانے کا سوچ رہا تھا کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ شہر میں داخل ہوتے ہی آفت ٹوٹ پڑے گی۔ اس پورے علاقے میں شاید ہی کسی کے پاس پراڈو ہو اس لیے اسے دیکھتے ہی لوگ پہچان لیں گے۔ پولیس والے پہلے ہی اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ اندر کچھ نہ بھی ملتا پھر بھی وہ ہمیں بری طرح رگڑ دیتے۔ اس لیے میں نے مرکزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا؟''

''نہایت اسپیڈ سے اس علاقے سے نکل جاؤں۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''یہی کرنا ہوگا۔ اسے یہاں سے نکالو۔ ہمیں تیزی سے اس علاقے سے نکل جانا ہے۔'' میں نے کہا تو وہ اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور جھاڑیوں کو روندتے ہوئے پراڈو کو نیچے لے آیا۔

سفیر اور وسیم جھاڑیوں کو پھلانگتے ہوئے نیچے آئے۔ ہم سب کو آتے دیکھ عبداللہ نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے۔ آپ میں سے کوئی بھی سوزوکی میں نہیں بیٹھا؟''

''اس لیے کہ اب تم پراڈو میں بیٹھو گے۔'' وسیم نے کہا۔ ''پلان بدل چکا ہے۔''

''تو کیا باقی سب سوزوکی میں بیٹھیں گے؟''

''نہیں، اب ہم سب پراڈو میں سوار ہو کر پنڈی جائیں گے۔''

''اور یہ سوزوکی؟''

''یہ بھی ساتھ جائے گی اس لیے کہ اس کی قیمت ادا کر کے کاغذات لے لیے ہیں۔ وہاں پہنچ کر اسے سیل کر دیں گے۔ بائیک بھی ساتھ جائے گی لیکن سوزوکی میں لاد کر۔'' میں نے کہا۔

''چلو یہ اچھا ہوا..... ورنہ اس کھٹارا سوزوکی میں تو جوڑ جوڑ ہل جاتا۔'' عبداللہ نے مسکراتے ہوئے جملہ کسا۔ ''تمہاری پسند ہوتی ہی ایسی ہے۔''

''شکر کرو کہ بروقت میرے دماغ میں یہ بات آ گئی کہ سوزوکی خرید لی جائے۔ ورنہ ابھی تک اسی ہوٹل پر بیٹھے تسبیح گن رہے ہوتے۔'' وسیم نے جوابی وار کیا۔

میں نے پراڈو میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''بیکار کی بحث چھوڑو اور جلد از جلد آ کر بیٹھو۔ سوزوکی وسیم ڈرائیو کرے گا۔ اور ہمارے پیچھے پیچھے آئے گا۔''

وسیم سفیر اور مرتجس نے مل کر بائیک کو سوزوکی پر لاد دیا اور پھر ہمارا نیا سفر شروع ہو گیا۔ مرتجس تیز رفتار سے پراڈو بھگا رہا تھا۔ ہمیں جلد سے جلد اس علاقے سے نکل جانا تھا۔ مرتجس کا کہنا تھا کہ وہ شام سے پہلے ناران پہنچا دے گا۔ اسپیڈ بھی تائید کر رہی تھی۔ سوزوکی کافی پیچھے رہ گئی تھی لیکن موبائل پر رابطہ قائم تھا۔ دراصل وسیم ایک ہوٹل پر بھی رکا تھا کیونکہ سوزوکی کا انجن گرم ہو گیا تھا جب کہ پراڈو پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ یوں بھی خطرہ تھا تو پرا پر۔ پولیس آفیسر کو جب احساس ہوگا کہ پراڈو پہنچی نہیں یا سپاہی تھانے پہنچ گیا تو وہ وائرلیس میسج سے تمام تھانو الرٹ کر دے گا۔ پھر اندر لیٹے ناصر اور امداد شاہ بھی مسئلہ کر سکتے تھے۔ میں نے ایک گھنٹا پہلے جائزہ لیا تھا۔ اسی طرح بے ہوش تھے۔ گو کہ بے ہوشی کا دورانیہ کافی طویل کر دیا تھا اس لیے مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ خطرناک ثابت نہ ہو۔ منزل پر پہنچ کر چیک کروں تو پتا چلے کہ دونوں کی روح نکل چکی ہے یا دماغی حالت بگ ہے۔ اس خیال نے مجھے فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں جلد سے جلد انہیں کسی محفوظ مقام پر لے جا کر ہوش میں چاہتا تھا۔ اسی خیال سے میں نے مرتجس سے پوچھا۔ ''اگر شام تک ہم ناران پہنچ گئے تو ٹھہریں گے کہاں؟''

''ٹھہرنے کی ضرورت کیا ہے۔ ہم چلتے رہیں گے۔''

''میں کچھ تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہاں کوئی محفوظ جگہ مل جائے۔ تم تو اس علا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آتے جاتے رہے ہوگے۔ کیا یہاں کوئی گھر حاصل نہیں کر سکتے؟'' مجھے ان دونوں کی بے ہوشی پر فکر ہونے لگی تھی۔ میں نے ایک پروگرام بنا لیا تھا۔ اس پروگرام کو عملی شکل دینے کے لیے کسی جگہ رکنا ضروری تھا۔ مرتجس کو میں ابھی بتانا نہیں چاہتا تھا اس لیے تھکن کا بہانہ بنایا تھا۔

''ہوٹل تو کئی ہیں لیکن گھر حاصل کرنا ذرا مشکل ہے۔ پھر بھی میں بات کرتا ہوں۔'' مرتجس نے کچھ دیر سوچا پھر جیب کو بائیں ہاتھ سے ٹٹولا اور موبائل نکال کر بولا۔ ''سر اگر ہو سکے تو اس میں حسن پینٹر کا نام ڈھونڈ دیجیے۔''

میں نے موبائل کو ہاتھ میں لیا اور نام تلاش کرنے لگا۔ ایچ میں جاتے ہی حسن پینٹر کا نام نظر آ گیا۔ میں نے نمبر پش کر کے موبائل مرتجس کو تھما دیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے موبائل کو کان سے لگایا۔ ادھر سے سوال ہوا تھا کہ مرتجس بولا۔ ''میں مرتجس بول رہا ہوں گلگت والا مرتجس۔ میں چلاس آ رہا ہوں۔''

وہ کچھ دیر تک دوسری طرف کی باتیں سننے لگا پھر بولا۔ ''میرے ساتھ ایک ٹورسٹ پارٹی ہے۔ وہ ہوٹل میں نہیں بلکہ کسی گھر میں ٹھہرنا چاہتی ہے۔ کرایہ مناسب دے گی اگر ممکن ہو تو کوئی گھر ڈھونڈ لو۔'' ادھر سے آئے جواب کو سن کر اس نے کہا۔ ''واہ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تمہارا گھر خالی ہے۔ میں بس پہنچنے ہی والا ہوں۔'' کہہ کر اس نے موبائل بند کیا پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ میرے دوست کا گھر خالی ہے۔ اس کے گھر والے پشاور گئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنا گھر کرایہ پر دینے کے لیے تیار ہے۔''

''آدمی تو اعتبار کا ہے نا؟'' سفیر نے پوچھا۔

''میرا دوست ہے۔ فکر نہ کریں۔''

''دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا..... ہر کسی پر فوراً اعتبار نہ کیا کرو۔ ویسے ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھیں گے۔'' سفیر ہنس کر بولا۔ جواب میں مرتجس بھی ہنسنے لگا۔ سفیر کی بات پر اس کے چہرے پر ناگواری کی جھلک آئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔

''بات یہ ہے کہ ہم نے اتنی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ لوگوں پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ جب کہ تم نے ابھی تک صرف دوست دیکھے ہیں اسی لیے فوراً اعتبار کر لیتے ہو۔ ہمارے ساتھ رہو گے تو انسان کی پہچان سیکھ لو گے۔'' سفیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو مرتجس نے قہقہہ لگایا اور بولا:

''سر آپ لوگوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ہم لوگ سیدھے سادے اتنی چالاکی کہاں سے لائیں۔''

''فکر نہ کرو ہمارے تجربے سے بہت کچھ سیکھ لو گے۔'' سفیر خلاف توقع مزے کے انداز میں باتیں کر رہا تھا جب کہ یہ انداز وسیم کا تھا۔ اسی کے اندر چلبلا پن تھا۔ عبداللہ اس وقت بھی خاموش تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے اگر وسیم ہوتا تو اس کی سنجیدگی پر ایک دو کمنٹ ضرور کرتا۔

میں نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔ چلاس نزدیک آتا جا رہا تھا۔ چھوٹا سا قصبہ۔ پختہ مکانات نظر آنے لگے تھے۔ آبادی نزدیک آتی جا رہی تھی کہ میں نے مرتجس سے کہا۔ ''رفتار کچھ آہستہ کر لو۔ وسیم کافی پیچھے رہ گیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ ان کو موبائل پر خبر کر دیں کہ وہ چلاس ہوٹل کی طرف آ جائیں۔ مشہور ہوٹل ہے وہیں ہم انہیں مل جائیں گے۔ ہوٹل کے قریب ہی میرے دوست کا گیراج ہے۔''

میں نے عبداللہ کو اشارہ کیا کہ وہ فون کر دے اور میں خود باہر کے مناظر کو دیکھنے لگا۔ ایک جانب پہاڑیاں اور دوسری جانب چمکتی ہوئی لکیر جیسی ندی اور درمیان سے گزرتا ہوئی سانپ کی طرح لہراتی سڑک۔ اس سڑک پر بھاگتی پراڈو۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم ایک دوسری دنیا میں سفر کر رہے ہیں۔ وادی کی سرزمین بھی خوبصورت تھی لیکن ایسی خوبصورتی اسے کہاں سے ملتی جو خدا نے میرے وطن کو عطا کر رکھی ہے۔ اس کے بوٹے بوٹے میں حسن ہے۔ اس کے ذرے ذرے میں سحر ہے جو ہر محبِ وطن کو مسحور کر لیتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے ہی کچھ اپنوں نے اس سرزمین سے اپنے اجداد کی دشمنی کا بدلہ لینے کے لیے کچھ سانپ پال لیے ہیں جو ہم پر ہی پھنکارنے لگے ہیں۔ ایسے ہی غدارانِ وطن میں ایک نام ہمارے پرانے دشمن مرشد کا بھی آتا ہے جو پہلے تو اپنی حاکمیت برقرار رکھنے کے لیے غنڈا گردی کیا کرتا تھا۔ سیاست کی سیڑھی لگا کر حکومتی ارکان میں شامل ہونا چاہتا تھا لیکن اب وہ کھل کر دشمنانِ وطن کا ساتھ دینے لگا ہے۔ گو کہ یہ ابھی تک تحقیق کی طالب تھی لیکن مجھے تو اسے ہر حال میں سلاخوں کے پیچھے پہنچانا تھا۔ اپنا بدلہ لینا تھا۔

میرے خیالات کی روتب ٹوٹی جب پراڈو رکی۔ وہ سڑک کنارے بنا ایک گیراج تھا جس میں کئی پرانی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ دو مزدور بچے ایک پرانی کار کو گھس رہے تھے۔ بچے وطن کا مستقبل ہوتے ہیں۔ ان پھولوں کی آبیاری کرنا ضروری ہے لیکن حالات ان ماؤں سے بھی یہ کہلوا دیتا ہے کہ جا بیٹا ان ننھے ننھے ہاتھوں میں اوزار سنبھال کر مزدوری پر جٹ جا جو میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔ تجھے اونچی کرسی پر بیٹھنے کا خواب دیکھا تھا لیکن پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے مجھے تیری قربانی دینی پڑ رہی ہے۔ آہ زندگی بھی کیسا جوا ہے کہ جیت کی امید میں ہر کوئی کھیلنے پر مجبور ہے۔ مجھے بچوں کے ننھے ہاتھوں پر ترس آ رہا تھا لیکن اس وقت میں کچھ بھی کر نہیں سکتا تھا اس لیے اپنی نگاہوں کو ان کی طرف سے موڑ لیا اور اس آدمی کو دیکھنے لگا جو مرتجس سے محوِ گفتگو تھا۔ کچھ دیر ان دونوں میں باتیں ہوئیں اور پھر مرتجس مڑ کر عبداللہ کے پاس آیا اور بولا۔ ''صاحب جی یہ ایک دن کا پانچ سو روپے کہہ رہا ہے۔ آپ زخمی ہیں اس لیے میں نے ہاں کہہ دیا ہے۔''

عبداللہ سمجھ گیا کہ مرتجس دانستہ اسے گروپ لیڈر قرار دے رہا ہے اس لیے وہ بولا۔ ''اسے بلاؤ۔''

مرتجس نے اشارہ کیا اور وہ بندہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''دیکھو بھائی۔ میں کراچی کا بندہ ہوں۔ پیسوں کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ پہاڑی سے پھسل جانے کی وجہ سے پیر میں موچ آ گئی ہے۔ اسی لیے میں ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے گھر کو ترجیح دے رہا ہوں۔ تاکہ آرام سے دو چار دن گھر جیسے ماحول میں وقت گزار سکوں۔''

''جی..... مرتجس نے بتایا ہے کہ آپ پہاڑی سے پھسل گئے تھے۔'' اس نے کہا تو میں نے اطمینان کی سانس لی کہ دونوں کا بیان ایک جیسا ہے۔ اگر پیر میں موچ والی بات میں فرق آ جاتا تو اسے شک ہو جاتا۔ میں نے بات کو مختصر کرنے کے لیے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ وہ فوراً میرے قریب آ گیا۔

''دیکھو بھائی، صاحب جی ذرا غصے والے ہیں۔ وہ جو دے رہے ہیں لے لو..... باقی پیسے میں تمہیں چپکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے دے دوں گا۔'' میری بات پر اس نے سر ہلا دیا اور پھر جیب سے چابی نکال کر مرتجس کو دیتے ہوئے بولا۔

''گھر کی ہر چیز استعمال کر سکتے ہو لیکن احتیاط کرنا کہ جو چیز جہاں سے اٹھائی ہو اسے وہیں رکھنا۔''

''جی بہتر ہے۔'' مرتجس نے چابی لیتے ہوئے کہا اور واپس پراڈو میں آ گیا۔ اس نے بمشکل پانچ منٹ کی ڈرائیو کی اور ایک مکان کے سامنے جا کر رک گیا۔ مرکزی سڑک سے ایک ذیلی سڑک نکلی تھی جو آگے جا کر ایک بڑے سے خالی میدان پر ختم ہو رہی تھی۔ یہ مکان اسی سڑک پر تھا جو نیم پختہ تھا۔

اس نیم پختہ مکان کا دروازہ کھول کر اس نے ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ معمولی فرنیچر سے سجا وہ کمرا ایسا تھا کہ گزارا کیا جا سکتا تھا۔ میں دوبارہ سے باہر آیا اور آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔ دور دور تک کوئی نظر نہیں آیا۔ کافی دوری پر ایک میدان تھا۔ اس میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ادھر سے نظریں ہٹا کر میں نے مرتجس سے کہا۔

''وسیم اور سفیر کے ساتھ مل کر ان دونوں کو اندر لاؤ۔''

یہ ایک ایسا گھر تھا جس کے آس پاس کوئی دوسرا گھر نہیں تھا۔ اس معنوں میں یہ ایک مناسب گھر تھا۔ ایسے گھر میں کسی سے تفتیش کرنا۔ کوئی بات اگلوانی بہت آسان ہوتا ہے۔ میں نے اس بار بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے میری راہ آسان کی ہے۔ مرتجس اور وسیم نے مل کر امداد شاہ کو گاڑی سے باہر نکال لیا تھا اور اسے اٹھا کر اندر لے جا رہے تھے۔ سفیر ان کو دیکھ رہا تھا کہ میں نے کہا۔ ''چلو اب اس ناصر شاہ کو بھی اتار لیتے ہیں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' کہہ کر وہ دروازہ کھول کر گاڑی میں سوار ہو گیا پھر اس نے ناصر شاہ کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے باہر کی جانب دھکیلا۔ نیچے میں تھا میں نے اسے سنبھال لیا اور اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنے میں سفیر باہر آ گیا اور اس نے ہاتھ لگا کر اسے باہر نکالا پھر ہم دونوں ہاتھوں پر اٹھائے اسے لے کر اندر کی طرف بڑھے۔ وسیم اور مرتجس امداد شاہ کو اندر والے کمرے میں لے جا چکے تھے۔ ہم بھی ادھر ہی بڑھے۔ دو سیا کمرے میں صرف ایک ڈبل بیڈ تھا۔ فرش کچا تھا۔ امداد شاہ مٹی پر پڑا تھا۔ اسی کے برابر میں ہم نے ناصر شاہ کو بھی لٹا دیا۔ پھر میں نے سفیر سے کہا۔ ''اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں کو ہوش میں کیسے لایا جائے؟''

''بہت آسانی سے ہوش میں لایا جا سکتا ہے۔ اپنا دیسی نسخہ ہے نا..... منہ پر پانی کے چھینٹے ماریں۔ پانچ دس منٹ میں ہوش میں آ جائے گا۔''

''تو پھر شروع ہو جاؤ۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ صبح ہوتے ہی ہم راولپنڈی کے لیے نکل پڑیں گے۔'' میں نے اپنا پروگرام بتایا۔

''صبح تک اس سے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا لیکن ایک بات کی جانب آپ نے توجہ نہیں دی ہے۔'' سفیر بولا۔

''پراڈو کے مسئلہ کے سلسلے میں تم کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''جی ہاں۔''

''مجھے احساس ہے کہ اب تک ناران تک کی پولیس جاگ چکی ہو گی اور کالے رنگ کی پراڈو کو ڈھونڈ رہی ہو گی۔ اسی لیے میں رکا ہوں کہ کوئی آسان سا طریقہ تلاش کیا جائے۔'' میں نے کہا۔

''میرے ذہن میں ایک بات ہے۔'' وسیم نے باہر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''اتفاق ہے کہ ہم جس کے مکان میں اترے ہیں یہ مکان ایک پینٹر کا ہے تو کیوں نا اس کی مدد لی جائے۔''

''یعنی اس گاڑی کا رنگ بدل دیا جائے؟'' مرتجس نے دخل دیا۔

''ہاں۔''

''کلر کرنے میں پورا ایک ہفتہ لگ جائے گا۔'' مرتجس نے کہا۔

''کوئی اور راستہ؟'' میں نے مرتجس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں ایسا کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں امجد یعنی اس پینٹر سے بات کرتا ہوں۔ شاید اس کے پاس کوئی حل ہو۔'' مرتجس بولا۔

''ایسا کرو کہ اسے یہیں بلا لو۔ یوں بھی اب وہ دکان بند ہی کر رہا ہوگا۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''ٹھیک ہے میں اسے بلا لاتا ہوں۔'' کہہ کر وہ باہر جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

''اس سے کہنا کہ آج کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے، بازار کچھ اچھا لے لینا۔''

''کھانے کے معاملے میں یہاں کے ہوٹل بہت مشہور ہیں۔ آپ فکر ہی نہ کریں۔ ہر قسم کے کھانے یہاں مل جاتے ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

وسیم ان دونوں کے چہروں پر پانی کے چھینٹے مسلسل مار رہا تھا لیکن اب تک انہیں ہوش نہیں آیا تھا۔ تنگ آ کر اس نے آواز لگائی۔ ''پتا نہیں کس قسم کی دوا ان سوئیوں پر لگی ہے کہ یہ لوگ جاگ کر نہیں دیتے۔''

''یہ بھی تو سوچو دو سوئی کا نشہ ہے۔ اترنے میں کچھ دیر تو لگے گا ہی۔'' ابھی میرا جملہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ دروازے سے مرتجس داخل ہوا۔ اس کے ساتھ امجد بھی تھا۔ میں نے سفیر کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر اندر چلا گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وسیم پھر کوئی ہانک نہ لگائے اور امجد ان دونوں قیدیوں کو دیکھ لے۔ سفیر کے اندر جاتے ہی وسیم باہر آ گیا۔ اس کا ہاتھ خشک ہو رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ باہر آنے سے پہلے ہی ہاتھ پونچھ چکا تھا۔ مرتجس نے باہر نکلنے سے پہلے ہی زمین پر چٹائی بچھا دی تھی۔ میں اسی چٹائی پر بیٹھ گیا۔ انہیں بھی بیٹھنے کا کہا۔

کچھ دیر تو اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر میں مطلب کی بات پر آ گیا۔ ''امجد صاحب آپ تو پینٹر ہیں۔ جلد سے جلد کتنی دیر میں ایک گاڑی کو پینٹ کر سکتے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''ایک ہفتہ تو لگے گا ہی۔'' وہ بولا۔

''دراصل ہماری گاڑی ایک چٹان سے رگڑ کھا گئی تھی۔ گو کہ رگڑ بہت ہلکی ہے پھر بھی صاحب کا خیال ہے کہ اس عیب کو چھپا لیا جائے۔ آپ اس کی پینٹنگ کے لیے کتنا ٹائم لیں گے؟''

''اگر صرف کلر ملانا ہے تو ایک دن لیکن فُل باڈی کلر کرائیں گے تو ایک ہفتہ لگے گا اگر آپ کے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے تو میں ایک آسان حل بتا سکتا ہوں۔''

''تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ شروع ہو جائیں۔ اتنی دیر میں مرتجس کھانا لے آتا ہے۔''

''کچھ دنوں پہلے ایک کار ریلی کے شرکا ادھر سے گزرے تھے۔ ان میں سے ایک گاڑی کی سروس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کی تھی۔ اس نے خوش ہو کر انعام کی جگہ مجھے کچھ اسٹیکر دیئے تھے۔ اگر اسے لگا دیا جائے تو وہ عیب چھپ جائے گا۔ ایک ایک اسٹیکر تین سے چار فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا ہے۔ میں اسے آپ کی گاڑی کے اسکریچ کے علاوہ دائیں اور بائیں جانب بھی لگا دوں گا۔ اسٹیکر لگتے ہی گاڑی کا عیب بھی چھپ جائے گا اور گاڑی کی لک بھی بدل جائے گی۔ بالکل حلیہ بدل جائے گا۔ دونوں طرف کار ریلی کی تصاویر ہوں گی۔ ایشیا کا نقشہ ہوگا۔ گویا گاڑی بالکل نئے ماڈل جیسی بن جائے گی۔''

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ اب یہ بھی بتا دو کہ پیسے کتنے دینا ہوں گے؟'' میں زیادہ فیاضی دکھا کر اس پر آشکار کرنا نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے پاس بڑی رقم ہے۔

اس نے کچھ دیر سوچا پھر بولا۔ ''پانچ ہزار تو حق بنتا ہے۔ پینٹ کرائیں گے تو زیادہ ہی لگ سکتا ہے۔ اسٹیکر سے خوبصورتی بھی آجائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ کھانا کھانے کے بعد شروع ہو جانا۔ بلکہ گاڑی کو گیراج میں لے جا کر اسٹیکر لگاؤ۔''

''جیسا آپ کہیں..... ویسے بھی زیادہ دیر تو لگے گی نہیں۔ صرف ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں اسٹیکر لگ جائے گا۔''

''اس سلسلہ میں تم ہی بہتر جانتے ہو کہ یہاں اسٹیکر لگانا مناسب ہے یا اپنے گیراج میں۔''

''میرے خیال سے یہیں بہتر رہے گا۔'' امجد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کام زیادہ الجھن کا ہے نہیں۔ ایک طرف میں رہوں گا دوسری طرف میرا شاگرد، ہم دونوں مل کر بہ آسانی لگا لیں گے۔''

''اگر شاگرد کو نہ بلا کر ہمارے بندے سے وہی کام لے لو؟'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یہ وسیم صاحب بھی ایک بڑے گیراج کے مالک ہیں۔ کراچی میں ان کا گیراج ہے جہاں ڈینٹنگ پینٹنگ کے علاوہ بھی بہت سے کام ہوتے ہیں۔ ان سے کہہ دوں گا۔ یہ ہاتھ بٹا دیں گے۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے..... اس طرح میرے کچھ پیسے بھی بچ جائیں گے۔ شاگرد کو بلاؤں گا تو اس کی دیہاڑی دینی ہوگی نا۔''

میں اس کے خسامت پن پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اگر وہ بچے کو بلاتا بھی تو اسے سو پچاس سے زیادہ نہ دیتا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''چلو اس بہانے تمہارے کچھ پیسے بچ جائیں گے۔''

اتنی دیر میں مرتجس کڑھائی بنوا لایا تھا۔ ساتھ میں نان بھی تھے۔ کھانا دیکھتے ہی اس نے کہا۔ ''بس کھانا کھا لوں تو گیراج سے اسٹیکر لے آتا ہوں۔''

ہم سب کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر امجد اپنے گیراج چلا گیا۔ میں نے کمرے میں آ کر امداد شاہ اور ناصر شاہ پر نظر ڈالی۔ وہ اس وقت بھی بے ہوش پڑے تھے۔ وسیم اپنے ادھورے کام کو پورا کرنے کمرے میں آیا تھا کہ میں نے کہا۔ ''ابھی نہیں۔ امجد شاہ کی واپسی کے بعد ہم اس کی طرف توجہ دیں گے۔ کیونکہ اگر انہیں ہوش آ گیا تو چیخ و پکار کریں گے جو ہمیں پھنسانے کے لیے کافی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' سفیر نے سر ہلا کر کہا۔

''تو پھر ایسا کرو کہ باہر جا کر مرتجس سے گیمیں لڑاؤ تاکہ امجد کو ذرا بھی شک نہ ہو کہ ہم پانچ کے علاوہ چھٹا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی کوئی ہے۔'' میری بات سنے۔ ہی وہ باہر نکل گیا۔ میں نے دروازہ بند کیا اور وسیم کے پاس آ گیا۔

وسیم اور عبداللہ چٹائی پر آڑے ترچھے لیٹے ہوئے تھے۔ عبداللہ خاموش تھا۔ ویسے بھی وہ بہت کم بولتا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر ایک خاص خوشی نظر آ رہی تھی۔ چہرہ کھلا پڑ رہا تھا۔ شاید کسی نے شازیہ کا ذکر چھیڑ دیا ہوگا۔ میں نے چٹائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''لگتا ہے سب گھر جانے، کسی سے ملنے، چاندنی راتوں میں خوش گپیاں کرنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔'' میرا اندازہ وسیم جیسا تھا۔

''بخدا آپ کشف کی منزل سر کرنے والے ہیں۔ آپ تو دلوں کے بھید بھی جان لیتے ہیں۔'' وسیم نے لیٹے لیٹے ہانک لگائی۔ اس کا لہجہ شرارتی تھا۔ اس وقت بھی اس کی نگاہیں عبداللہ پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''میری طرف دیکھ کر یہ کہنے سے شہباز صاحب تمہاری باتوں پر اعتبار نہیں کر لیں گے۔ میں خود بتاتا ہوں کہ تم اپنے کس منصوبے کا ذکر کر رہے تھے۔'' کہہ کر اس نے اپنا چہرہ میری طرف کر لیا اور بولا۔ ''شہباز صاحب، ان کا خیال ہے کہ یہ پرسوں کے بعد والے دن سادی باجی سے پٹیں لڑانے پہنچ جائیں گے اور بندوق میرے کندھے پر رکھ رہے ہیں کہ میں گھر جانے کے لیے بے چین ہوں۔ مجھے چھیڑنے سے پہلے خود کیا کہہ رہے تھے یہ بھول گئے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ جاہل را حافظہ نباشد۔''

وسیم پلٹ کر کچھ کہتا کہ امجد کی گاڑی آ کر رکی اور اس نے آواز دی۔ ''بھائی صاحب۔''

میں نے وسیم کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''میرے کندھے پر وزن ڈال کر باہر چلو۔ تمہیں سب کا ہیڈ بنا کر پیش کیا گیا ہے اس لیے گاڑی کا معائنہ کرنا ضروری ہے۔''

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ کرسی پر وزن ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور ہم باہر کی طرف بڑھے۔

باہر پہنچے تو دیکھا۔ ایک دروازہ مکمل ہو چکا ہے۔ بیک گراؤنڈ کالا تھا اس لیے اسٹیکر پر سفید اور سرخ رنگ سے بنا نقشہ بہت بھلا لگ رہا تھا۔ اس وقت وہ سب سامنے کی طرف کھڑے بونٹ پر اسٹیکر چپکا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وسیم بولا۔ ''دوسری طرف والا نقشہ بھی دیکھیں۔ کیا لاجواب نقشہ تلاش کیا ہے۔ پیچھے کی طرف بھی عمدہ نقشہ لگایا گیا ہے۔'' میں نے دو کی بجائے چار اسٹیکر استعمال کرائے ہیں۔ پیسا ڈبل لگ رہا ہے لیکن خوب صورتی بڑھ جائے گی۔''

میں سہارا دے کر عبداللہ کو پیچھے کی طرف لے گیا۔ شاید وہ کار ریلی کا منظر تھا۔ آگے پیچھے کئی گاڑیاں بھاگتے ہوئے دکھائی گئی تھیں۔ پھر میں دوسری طرف کے دروازے پر پہنچا۔ ادھر بھی کسی کار ریلی کا منظر تھا۔ پھر ہم بونٹ کی طرف پہنچے۔ وہاں لگایا جانے والے اسٹیکر چسپاں ہو چکا تھا۔ بہ مشکل آدھا گھنٹا لگا ہوگا اور کام ختم ہو گیا تھا۔ امجد نے اپنی دانست میں فری کا اسٹیکر دس ہزار میں دے کر ہمیں ٹھگ لیا تھا لیکن ہم جان رہے تھے کہ اس نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اب کوئی بھی پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی گاڑی ہے جو کچھ دیر قبل پولیس کے ہتھے چڑھی تھی۔ اسٹیکر کی وجہ سے گاڑی کا حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ میں نے جیب سے ہزار ہزار کے دس نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''صاحب نے پانچ ہزار دینے کو کہا ہے اسی لیے پانچ ہزار ہی دے رہا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے نوٹ گنتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ اس نے شکریہ کہہ کر نوٹ لے لیے۔ اور واپسی کے لیے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں واپس مڑا اور عبداللہ کو لے کر کمرے میں آ گیا۔ وسیم اور سفیر بھی اندر آ گئے۔ سب سے آخر میں مرتجس اندر آیا۔ اس نے اندر آتے ہی دروازہ بند کیا اور چٹخنی لگا دی۔ اسے دیکھ کر میں نے کہا۔ ''مرتجس ہم اندر والے کمرے میں جا رہے ہیں۔ کسی کی زبان کھلوانے کے لیے کبھی کبھی تشدد بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے تمہارا وہاں رہنا ضروری نہیں۔''

''جی بہتر ہے۔ میں اسی کمرے میں لیٹا ہوں۔ اگر میری ضرورت سمجھیں تو آواز دے لیجیے گا۔'' کہہ کر وہ چٹائی پر لیٹ گیا۔

ہم سب اندر والے کمرے میں گئے اور امداد شاہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ وقت خاصہ گزر چکا تھا۔ بے ہوشی کی دوا کا اثر یقیناً کم ہو گیا ہو گا۔ اس امید پر ہم کوشش کر رہے تھے۔ وسیم ٹھہر ٹھہر کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔ اب ہر بار پانی پڑتے ہی اس کے چہرے کے عضلات تن جاتے تھے جو اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ اسے ہوش آ رہا ہے۔

بالآخر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ میں نے اسے کھینچ کر بٹھا دیا۔ اس کے ہاتھ اب بھی بندھے ہوئے تھے۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے پوچھا۔ ''اب بولو تم کس کے لیے کام کر رہے ہو۔''

''میں تو بتا چکا ہوں کہ مجھے ناصر نے نوکری دی ہے۔ وہ جو کہتا ہے میں وہی کرتا ہوں۔ اسے رقم کون دیتا ہے مجھے پتا نہیں۔'' امداد شاہ نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

''اور اگر یہ بات جھوٹ نکلی؟''

''میں آپ کے سامنے ہوں آپ مجھے گولی مار دینا۔''

''ابھی پتا چل جائے گا۔ اب تک کیا کیا کر چکے ہو؟ کہیں دھماکا شماکا بھی کیا ہے؟''

''جی نہیں۔ یہ کام مجھ سے کسی نے کبھی نہیں لیا؟''

''تمہیں ناصر ہر ماہ کتنا دیا کرتا ہے۔ کتنی رقم دیتا ہے؟''

''بیس ہزار روپے ہر ماہ اور جب کوئی کام کرتا ہوں تو الگ سے بھی کچھ نہ کچھ دیتا ہے۔'' اب تک صرف دو بار مجھ سے کام لیا گیا ہے۔ ایک بار ایک سوٹ کیس یہاں آ کر ایک بندے سے لیا، دوسری بار پنڈی ہی کے ایک بندے کو راہ چلتے اغوا کیا اور اسے ناصر کے ڈیرے پر پہنچایا۔ یہ تیسرا کام تھا جو ادھورا رہ گیا۔''

''ٹھیک ہے۔ اب تم خاموشی سے ایک جانب بیٹھ جاؤ۔'' کہہ کر میں نے سفیر کو اشارہ دیا۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس پہنچا۔ اس نے اس کے ہاتھ کے بندھن کو دیکھا، مضبوطی کو جانچا اور پھر اسے اٹھا کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ کرسی پر بیٹھا تھا لیکن اس کے ہاتھ پیچھے ہی کی طرف تھے۔ اس لیے کہ سفیر نے کلائی کو رسّی کے بندھن سے آزاد نہیں کیا تھا۔ میں نے وسیم کو اشارہ کیا کہ وہ اب ناصر شاہ پر کوشش کرے۔ اس بار جیسے ہی اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹیں پڑیں اس نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں۔ میں نے سہارا دے کر اسے بٹھا دیا پھر بولا۔ ''ناصر شاہ، اپنی حالت سے تمہیں اندازہ ہو چکا ہو گا کہ تم اس وقت کہاں ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے پہلے اپنے بازو کو ہلایا اور جان لیا کہ اس کے دونوں ہاتھ موڑ کر پیٹھ پر باندھ دیئے گئے ہیں۔ اس نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا پھر کہا۔ ''ہاں، سمجھ گیا ہوں کہ میں اس وقت تمہاری قید میں ہوں۔''

''دیکھو ناصر شاہ، ہم عوام کے دشمن نہیں ہیں۔ ہمارا کام وطن کو دشمنوں سے پاک رکھنا ہے۔ ہم چہرہ شناس بھی ہیں۔ تم جب باتیں کرتے تھے تو میں تمہارے چہرے کا مطالعہ کرتا تھا۔ میرا دعوا ہے کہ تم ویسے نہیں ہو جیسا پوز کراتے ہو۔''

اس نے جواب نہیں دیا تب میں نے اسے اپنے شکنجے کے مزید قریب کرنے کے لیے پوچھا۔ ''پختون ہو؟''

اس نے سر ہلا دیا۔ اندازہ تو مجھے بھی تھا۔ اس کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا صرف اسے اعتماد میں لینے کے لیے میں نے پوچھا تھا۔ میرا تجربہ کہہ رہا تھا کہ یہ بندہ بہت ڈھیٹ ہے۔ اسے پیار سے ہی شکار کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے میں نے کہا۔ ''دیکھو بھائی ایک بات میں پہلے ہی بتا دوں کہ میں پختونوں کا بہت احترام کرتا ہوں اس لیے کہ پختون محبِ وطن ہی نہیں ایماندار اور جفاکش بھی ہوتے ہیں۔'' میں نے رک کر اس کی طرف دیکھا پھر سلسلہ کلام کو جوڑا۔ ''برصغیر میں مسلمانوں کی تعداد اسی لیے بڑھی کہ اندرون ہند پختونوں نے اپنی جگہ بنائی۔ روہیل کھنڈ ہو یا بندیل کھنڈ، رام پور ہو یا بلند شہر یا مظفر نگر، دس مسلمان سے پوچھیں تو ان میں آٹھ خود کو پٹھان کہیں گے اس لیے کہ ہر بادشاہ کی فوج میں پٹھانوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی اور ان کی اولادیں علاقے علاقے میں پھیلتی چلی گئیں۔ بہار بنگال اڑیسہ مدراس کہیں بھی چلے جاؤ۔ ہر جگہ پٹھان برادری ضرور ملے گی۔ اب یہ اور بات ہے کہ ان کی زبان وقت کے دھارے میں بہہ کر الگ ہو گئی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پختون ایک بہادر قوم ہے اور بہادر ہمیشہ بہادری سے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ ملک فروش نہیں ہوتے۔ یقیناً تم بھی ملک فروش نہیں محبِ وطن ہو۔ اگر حالات نے کچھ غلط کرا دیا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔''

میں نے اپنی تقریر روک کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس لمبی گفتگو کا کچھ کچھ اثر نظر آنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلتی سوچ کی لکیریں یہ بتا رہی تھیں کہ اثر ہو رہا ہے۔ میں نے سلسلہ کلام کو جوڑا۔ ''تم خود بھی عقلمند ہو۔ سمجھ لو کہ اب تمہاری چمڑی اتاری جائے گی۔ کیسے اتاری جائے گی یہ ہم میں سے ہر ایک کو پتا ہے کیونکہ اس کام میں ہم چاروں مہارت رکھتے ہیں۔ تم نے چکن کی دکان پر دیکھا ہوگا کہ مرغی کو کس طرح لٹکاتے ہیں اور لٹکانے کے پہلے کس طرح اس کی کھال اتارتے ہیں۔ کچھ ہی دیر میں تمہارا یہ ساتھی جس نے اپنا تعارف امداد شاہ کے نام سے کرایا تھا، وہ دیکھے گا۔'' کہہ کر میں نے وسیم کو اشارہ دیا۔ وسیم نے بیگ سے ایک بلیڈ نکالا اور پھر اس کے ریپر کو کھول کر پھینک دیا اور ایک قدم آگے بڑھا۔ میں نے اس پر سے نظریں ہٹا کر ناصر کی طرف دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میرا یہ دوست انسان کی جلد کو اتنی صفائی سے چھیلتا ہے کہ ڈاکٹر بھی انگلی نہیں اٹھا پاتے۔ اس کے ہاتھ میں جادو ہے۔ اب تم بھی اس کی مہارت کا نمونہ دیکھو لیکن سن لو۔ یہ مکان ایک ویرانے میں ہے اور یہاں تمہاری چیخیں سننے والا بھی کوئی نہیں ہے۔''

ناصر شاہ کے چہرے پر الجھن تیر رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ کیا کہے، اسے خاموش دیکھ کر میں نے کہا۔ ''ناصر شاہ، تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ میں کون ہوں اور کس لیے تم پر ہاتھ ڈالا ہے۔ بہت کچھ امداد شاہ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتادیا ہے باقی کی معلومات تم دو گے۔ اگر تمہارے دل میں ذرا سی بھی وطن کی محبت ہے تو جواب ضرور دو گے۔''

ناصر شاہ نے نظریں اٹھا کر امداد شاہ کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ''پوچھیں۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ ٹوٹ چکا ہے۔

امداد شاہ کے پیچھے وسیم کھڑا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ جھول رہا تھا جس میں اس نے بھی بلیڈ پکڑ رکھا تھا۔ امداد شاہ شاید اسی لیے خاموش تھا کہ اگر اس نے ایک لفظ میں زبان سے ادا کیا تو وہ بلیڈ اس کی گردن پر چل پڑے گا۔ ناصر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ خاموش کیوں ہیں پوچھیں جو پوچھنا چاہتے ہیں؟''

''مجھے ان لوگوں کے نام چاہیے جن سے تمہیں رقم ملتی ہے اور یہ بھی اگل دو کہ اب تک کیا کیا کر چکے ہو۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کا محکمہ ہم جیسے لوگوں کی پوری معلومات رکھتا ہوگا۔ ہم نے کیا کیا کیا ہے یہ سن لیں۔ اب تک صرف ایک کام کیا ہے جو قابلِ ذکر ہے۔ ہم یہاں سے صرف بندے کو گزارتے ہیں۔ یہی ہمارا کام ہے۔ ہمیں جس بندے کا نام بتایا جاتا ہے وہ خود ہمارے پاس آتا ہے اور ہم اسے اسکردو کی راہ داری سے کارگل کے راستے لداخ پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن اب تک صرف ایک آدمی کو پار کرایا ہے یا پھر ایک بار ایک بڑا سا سوٹ کیس وصول کر کے پنڈی پہنچایا ہے۔''

''تم کب سے ان لوگوں کے ساتھ ہو اور تمہاری ٹیم کا سربراہ کون ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہم تقریباً چھ ماہ سے ان لوگوں کے لیے کام کر رہے ہیں لیکن وہ کون لوگ ہیں اب تک میں نے انہیں دیکھا نہیں ہے۔''

''پھر تمہیں ہدایت کون دیتا ہے؟''

''ہدایت موبائل فون پر موصول ہوتی ہیں۔''

''تمہاری ان لوگوں سے ملاقات کس نے کرائی تھی؟''

''میں مرشد جی کا مرید تھا۔ وہیں رہتا تھا کہ ایک دن دربار سے نکلتے ہوئے ایک آدمی ملا۔ وہ مجھے جانتا تھا لیکن میں اسے پہچانتا نہیں تھا۔ اس نے دروازے سے نکلتے ہوئے مجھ سے کہا کہ مرشد سائیں کا ایک کام ہے اگر چاہو تو میرے ساتھ آ جاؤ، میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ وہ مجھے لے کر ایک کھلے میدان میں آیا۔ ابھی تک اس نے کچھ کہا نہیں تھا اس لیے میں الجھن میں تھا کہ وہ چاہتا کیا ہے اور مجھے کہاں لے جا رہا ہے لیکن جب وہ خانقاہ سے کافی دور پہنچ کر اس میدان میں رکا تو میں نے پوچھ ہی لیا کہ وہ کس کام سے نکلا ہے؟ اس پر وہ بولا کہ تم نوکری کے لیے پریشان ہو نا؟ میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس پر وہ بولا کہ تمہارا یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ جب سے خانقاہ پر حملہ ہوا ہے اور بہت سے لوگ مارے گئے ہیں تو مرشد سائیں خود پریشان ہیں۔ لیکن وہ اپنے مریدوں کو پریشان دیکھ نہیں سکتے۔ تم ان کے خاص آدمی ہو اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ تمہاری نوکری کا مسئلہ حل ہو جائے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تو مجھے یاد آ گیا ہے کہ میرے ایک جاننے والے نے ایک اعتماد کا آدمی مانگا ہے۔ اگر تم چاہو تو اس نمبر پر بات کر لو۔ یہ کہہ کر اس نے ایک موبائل فون کا نمبر دیا اور بولا کہ مجھے ایک ضروری کام سے رات کو دبئی جانا ہے۔ اس شخص سے جو باتیں ہوں وہ مجھے دبئی سے آنے پر بتا دینا لیکن اس دن کے بعد سے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی پھر مجھے ملا نہیں لیکن موبائل نمبر پر جس شخص سے بات ہوئی اس نے فوراً مجھے رکھ لیا اور ایڈوانس میں کچھ رقم بھی دے دی۔''

''وہ رقم تمہیں کس ذریعہ سے ملی تھی؟''

''فون پر مجھے بتایا گیا کہ پنڈی کے راجا بازار میں چاند اسٹور کے سامنے ایک آدمی کھڑا ہے اس سے مل لو۔ میں راجا بازار پہنچا تو اسٹور کے سامنے ایک آدمی کھڑا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھتا کہ وہ خود ہی آگے چلا آیا۔ نزدیک پہنچ کر بولا۔ ''آپ ناصر ہیں؟'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تو اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ ''اگلے ماہ بھی اسی تاریخ، اسی وقت، اسی جگہ آئیں گے۔ آپ کی تنخواہ مل جائے گی۔'' اتنا کہہ کر وہ بھیڑ میں غائب ہو گیا۔ ہر ماہ ایک نیا بندہ اس جگہ نظر آتا ہے لیکن رقم پوری ہوتی ہے۔ باقی باتیں فون پر ہو جاتی ہیں لیکن جب میں کال کرتا ہوں تو موبائل بند ملتا ہے۔''

'تم نے اس بارے میں کبھی تجسس محسوس نہیں کیا کہ جو فون صرف ہدایت دینے کے لیے کھلتا ہے وہ یقیناً صحیح لوگوں کا نہیں ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں اتنا مجبور ہو گیا ہوں کہ کسی قسم کا سوال کر ہی نہیں سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ میں غلط کر رہا ہوں۔ اسمگلنگ میں مدد دے رہا ہوں لیکن کچھ کر ہی نہیں سکتا ہوں۔''

''کیوں؟'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''اس طرح تو تم وطن کو بیچ رہے ہو۔''

''میں اسمگلنگ ضرور کراتا ہوں لیکن وطن سے غداری نہیں کر رہا۔'' اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

''دیکھو میرے بھائی، میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم وطن دشمنوں کے ہاتھ کا کھلونا بن گئے ہو۔ اسمگلنگ نہیں وطن دشمنی میں تم ملوث ہو چکے ہو۔ وطن دشمن طاقتیں تمہیں گھیر چکی ہیں۔ وطن کے نام پر میں استدعا کروں گا کہ تم ہمارا ساتھ دو اور اصل مجرموں کو پکڑنے میں ہماری مدد کرو۔ اس لیے کہ وطن ہے تو ہم تم سب ہیں۔''

''یہ صحیح ہے کہ میں رہزنی، چوری، اسمگلنگ کرنے میں ہچکچاتا نہیں لیکن وطن سے غداری کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''مگر تم نے غداری کی ہے۔ وطن کا سودا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن لوگوں کے لیے کام کر رہے ہو وہ وطن دشمن ہیں اور تمہارے اس گناہ کی سزا آنے والی نسل بھی معاف نہیں کرے گی۔''

''نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

''ایسا سوچنا معصومیت ہے۔ تم وطن دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہو۔ تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ تم سمجھ نہیں پائے ہو کہ تمہیں کس طرح استعمال کیا جا رہا ہے۔ خیر..... اب اصل بات بتاؤ کہ تم ان کے چنگل میں پھنسے کیسے تاکہ میں تمہارے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کر سکوں۔''

میری بات پر اس نے سر جھکا لیا۔ ویسے مجھے امید تھی کہ وہ میرے ٹرانس میں آ جائے گا۔ وہ حقیقت اگلا ہی دے گا۔ وہی ہوا۔ کافی دیر تک سر جھکائے وہ سوچتا رہا پھر اس نے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''میرا ماضی ایک زخم ہے جس پر میں نے پھاہا رکھا ہوا ہے۔ اگر اس پھاہے کو ہٹایا تو زخم تازہ ہو جائے گا۔ میں نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں، مسخروں جیسی حرکت کرتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ میرے اندر کا ناصر شاہ مردہ رہے، زندہ نہ ہو جائے۔ میں جاہلوں جیسی حرکتیں کرتا ہوں جب کہ میں بی ایس سی ہوں۔'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ ٹوٹ رہا ہے۔

میں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی اور پھر کہا۔ ''میری ایک بات گرہ میں باندھ لو۔ انسان کی فطرت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں، اچھائی یا برائی۔ برائی سے دور رہو۔ اس لیے برائی نہ کرو کہ دل کہتا ہے۔ برائی کا انجام ہر حال میں برا ہوتا ہے۔ اچھائی بھی اتنی نہ کرو کہ زندگی مذاق بن جائے۔ زندگی گزارنا ایک فن ہے اور فن اعتدال میں ہے۔ نادانی میں جو کچھ ہوا اسے بھلا دینا ہی بہتر ہے۔''

''میں ابتدا سے ایک ایک بات تفصیل سے بتاتا ہوں تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ میں کس طرح پھنسا ہوا ہوں۔ مجھے خود بھی احساس ہوتا جا رہا تھا کہ میں کسی غلط راہ پر بڑھ رہا ہوں لیکن حالات ہی ایسے ہو جاتے کہ میں چاہ کر بھی کچھ کر نہیں پاتا۔'' اس نے رک کر مجھے دیکھا تھا کہ میں نے وسیم کو آواز دی۔

''وسیم ان دونوں کے ہاتھ کھول دو۔''

وسیم نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ کھول دیئے۔ وہ کچھ دیر تک کلائی پر اس جگہ کو مسلتا رہا جہاں رسی بندھی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ ''پانی مل جائے گا۔ گلا خشک ہو رہا ہے۔''

سفیر نے پاس رکھے جگ سے پانی نکال کر گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ تبھی میں نے پکار کر مرتجس سے کہا کہ وہ چائے کا انتظام کر دے۔ دروازہ کھلنے کی آواز سے اندازہ ہو گیا کہ مرتجس حکم سنتے ہی باہر نکل گیا ہے۔

ناصر کو خاموش دیکھ کر میں نے کہا۔ ''تم اگر چاہو تو اپنی کہانی جاری رکھ سکتے ہو تا کہ میں کوئی راستہ نکال سکوں۔ ویسے حکومت سے معافی کی قوی امید رکھو۔''

وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میرا تعلق کالا ڈھاکا سے ہے لیکن میرے والد پنڈی میں عرصہ دراز سے مقیم ہیں۔ والدہ کا میرے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ والد نے میری خاطر شادی نہیں کی۔ گھر کے کام نوکروں کے سہارے چل رہے تھے۔ اسکول سے کالج تک کا سفر میں نے نوکروں کے سہارے طے کیے تھے۔ پھر میں پشاور چلا گیا۔ وہاں کی یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ اسی دوران ایک دن پنڈی سے فون آیا کہ آپ ناصر شاہ بول رہے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں تو ادھر سے بتایا گیا کہ میں مقامی تھانے سے بول رہا ہوں۔ آپ کے والد اسپتال میں ہیں۔ فوراً پنڈی آ جائیں۔ میں بھاگم بھاگ پنڈی پہنچا تو پتا چلا کہ والد اسپتال میں داخل نہیں ہیں، ان کا انتقال ہو چکا ہے اور انہوں نے خود کو گولی مار کر خودکشی کی ہے۔ انہوں نے میرے نام ایک رقعہ بھی لکھا تھا کہ وہ بہت شرمندہ ہیں۔ والد نے ایک مکان اور مارکٹ میں ایک بڑی سی دکان لے رکھی تھی۔ یہ سب ان کی محنت کا ثمر تھا۔ والد کا سوئم ہوا تھا کہ مجھ پر افتاد کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حیرت کی انتہا نہ تھی کہ والد نے وہ دکان جو مین مارکٹ میں تھی اور کافی بڑی تھی اسے انہوں نے بیچ دیا تھا۔ دکان جس نے خریدی تھی اس کے پاس صرف ایک کاغذ تھا۔ والد صاحب نے نوٹ لکھا تھا کہ اگر میں نے ایک سال میں پندرہ لاکھ واپس نہ کیے تو وہ دکان اس شخص کی ہو جائے گی۔ بزنس میں ادھار چلتا رہتا ہے۔ بابا بھی لیتے تھے لیکن مال آتے ہی رقم واپس کر دیتے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ انہوں نے دو سال میں رقم کیوں ادا نہیں کی۔ ابھی اسی سوچ میں تھا لوگوں سے بھی پتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہا تھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ کئی لوگوں نے بتایا کہ بابا کا بزنس اچھا چل رہا تھا۔ انہیں بھی حیرت تھی کہ رقم واپس کیوں نہیں کی گئی۔ اسی دوران میری ملاقات چچا قاسم سے ہوئی۔ وہ بابا کے پرانے دوستوں میں سے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ لگتا ہے کہ عاقل نے جعل سازی کی ہے۔ وہ اسی فطرت کا مالک ہے۔ اس سے کبھی تمہارے بابا نے رقم لی ہوگی لیکن وہ ادا کر دی ہوگی۔ کیونکہ میں تمہارے بابا کی فطرت جانتا ہوں۔ وہ کسی کا ادھار نہیں رکھتے تھے۔ عاقل ایک بدفطرت بندہ ہے۔ سیاسی لوگوں سے مل ملا کر وہ اپنا قد بڑھاتا ہے اور جعلسازی غنڈا گردی کر کے پیسے بناتا ہے۔

یہ اطلاع میرے لیے بہت اہم تھی۔ اسے سبق سکھانا ضروری تھا اس لیے میں نے عاقل کا پتا ان سے لیا اور اس کے گھر جا پہنچا۔ اس کا گھر کیا تھا ایک حویلی تھی۔ اتنا بڑا بنگلا کہ دیکھتے رہو۔ میں جب اس کے پاس پہنچا تو وہاں اور بھی کچھ لوگ تھے۔ بابا کا نام سن کر اس نے سب لوگوں کو جانے کے لیے کہا اور پھر مجھ سے پوچھا۔ ہاں بتاؤ کس لیے آئے ہو؟ جواب میں، مَیں نے کہا کہ مجھے حقیقت سننا ہے کہ میرے والد نے خودکشی کیوں کی؟ میری بات پر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ میرا دوست ضرور تھا لیکن اتنا قریبی نہیں کہ اپنی ہر بات مجھے بتاتا، عام طور پر لوگ خودکشی رقابت میں کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کو پسند کرتا ہو اور اسے کوئی دوسرا لے اڑا اسی لیے اس نے خودکشی کر لی۔ اپنے بابا کے بارے میں ایسی واہیات بات سن کر میں خود پر قابو نہ رکھ سکا اور اسے دھنک کر رکھ دیا۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اس کے منہ کو ہتھیلی سے ڈھک دیا تھا۔ گردن میں بازو پھنسا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ بے بس ہوگیا تھا۔ بے بس ہوگئے شخص کو مارنے کا اپنا مزہ ہے۔ بائیں بازو میں اس کی گردن پھنسا کر میں نے دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دی تھی۔

داہنے ہاتھ سے لگاتار مارتا رہا۔ کچھ ہی دیر میں وہ بے ہوش ہوگیا۔ تب میں اسے وہیں پٹخ کر باہر نکل آیا۔ میرے بال الجھے ہوئے تھے اور کپڑے مسلے ہوئے۔ مجھے اس حالت میں نکلتے دیکھ باہر بیٹھے لوگ چونکے لیکن کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی اور میں باہر نکل گیا۔

سڑک پر پہنچنے کے بعد میں نے رکشا لیا اور اپنے گھر آ گیا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا۔ اس لیے میں نے فوراً اپنا اٹیچی کیس لیا اور باہر نکل آیا۔ میں واپس پشاور جانا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی کارروائی کرے گا۔ ابھی میں بس اسٹینڈ پر پہنچا ہی تھا کہ ایک موبائل آ کر رکی۔ اس میں سے ایک بندے نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی اس نے اشارے سے مجھے دکھایا۔ میں بھاگتا کہ پولیس والوں نے گھیر لیا۔ تھانے لا کر میری جو درگت بنی وہ میں ہی جانتا ہوں۔ کئی لوگ مجھ سے ملنے آئے لیکن تھانیدار نے کسی سے ملنے نہیں دیا۔ دو دن تک مار مار کر میرا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ اس درمیان دو بار عاقل آیا تھا اور اس نے سپاہیوں کو شاباشی دی تھی۔ میں نے لاکھ کہا کہ مجھے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرو لیکن کسی نے میری نہ سنی۔ مجھے جیل بھیجنے سے پہلے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے میری حالت دیکھ کر سب کچھ سمجھ لیا تھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ صرف اتنا پوچھا کہ تمہارا کوئی وکیل ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں تو اس نے کہا کہ عدالت تمہیں وکیل کی سہولت دے گی۔ ایک گھنٹے بعد ایک شخص آیا اس نے مجھ سے کاغذات پر دستخط لیے کہ وہ میرا وکیل ہے۔ پھر مجھے جیل میں تین دن گزارنے پڑے۔ مجھ پر ایک شریف شہری پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھر میں گھس کر قاتلانہ حملہ کرنے، بھتے کی رقم کے لیے دھمکی دینے کا الزام تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اس نے مجھے بری طرح پھانسا ہے۔ تیسرے دن وکیل آیا اور مجھ سے وکالت نامے پر دستخط کرا کر چلا گیا۔ چوتھے دن آ کر اس نے ایک عجیب بات کہی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اس کیس کو ختم کر دینا بہتر ہے ورنہ عاقل ایک دوسری چال چلنے والا ہے۔ اس کے ایک نوکر کا کل قتل ہوا ہے۔ وہ اس قتل کا الزام تم پر ڈالنا چاہتا ہے۔ اس الزام سے بچنے کا محفوظ ترین راستہ یہ ہے کہ تم کہہ دو کہ اسے جانتے بھی نہیں ہو، تم اس کے گھر میں ڈاکا ڈالنے کی نیت سے داخل ہوئے تھے۔ اس نے روکا تو تم نے فرار ہونے کے لیے اس پر حملہ کر دیا۔ اس طرح یہ کیس ہلکا ہو جائے گا اور میں ضمانت کرالوں گا۔ کیونکہ قتل کی نیت سے گھر میں داخل ہونے سے کم سزا چوری کی نیت سے کسی گھر میں داخل ہونا ہے۔ میں تین روز میں بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ پولیس کی مار نے دماغ معاؤف کر دیا تھا۔ اس لیے میں نے بغیر کچھ سوچے اس کے کہنے پر دستخط کر دیئے۔'' وہ بولتے بولتے رکا تو میں نے کہا:

''اس کا مطلب ہے کہ وکیل بھی اس سے ملا ہوا تھا۔''

''جی ہاں، اس کے بعد عاقل کا ایک بندہ آیا کہ تم اپنے گھر کے کاغذات عاقل صاحب کے نام کر دو ورنہ کیس واپس نہیں لیا جائے گا۔ تم نے جرم قبول کر ہی لیا ہے اس لیے اب سزا تمہارا مقدر ہے۔ مجھے اس طرح سے گھیر لیا گیا تھا کہ میں چاہ کر بھی پھندے سے نکل نہ پایا اور مزید دلدل میں اتر گیا۔ میں نے کوئی راہ نہ دیکھ گھر کے کاغذات بھی اس کے نام کر دیئے لیکن اس نے پھر بھی کیس واپس نہ لیا اور مجھے سزا ہو گئی۔ میں جیل میں تھا کہ ایک بندے نے مجھ سے کہا، اگر تم یہاں سے نکلنا چاہو تو میں ایک راستہ بتا سکتا ہوں۔ مجھے سزا ہونی تھی اس لیے میں ڈرا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کیسے؟ تو اس نے جیب سے موبائل نکالا اور ایک بندے سے میری بات کرا دی۔ جیل میں موبائل ناممکن سی بات تھی لیکن اس کے پاس موبائل تھا۔ اس لیے میں سمجھ گیا کہ وہ کوئی خاص بندہ ہے۔ اس نے جس بندے سے بات کرائی تھی۔ اس نے کہا کہ کل تمہیں کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ وہاں میرا وکیل ہوگا۔ وہ تمہیں جیسا کہے ویسا بیان دینا۔ میری تاریخ ایک ہفتے بعد کی تھی لیکن دوسرے ہی روز مجھے عدالت میں طلب کر لیا گیا اور صرف ایک پیشی پر عدالت نے ریمارک میں لکھ دیا کہ بندہ بے قصور ہے اس لیے رہا کیا جاتا ہے کیونکہ جو ثبوت پیش کیے گئے ہیں وہ ناکافی ہیں۔ اور میں رہا ہو گیا۔ باہر آیا تو ایک بندہ منتظر تھا وہ مجھے لے کر مرشد کی خانقاہ میں پہنچا۔ اس خانقاہ میں مجھے ایک کمرا رہنے کے لیے دے دیا گیا۔ اب میں وہیں رہتا ہوں۔ جب کوئی کام ہوتا ہے تبھی باہر آتا ہوں۔ مجھے دھمکی دی گئی ہے کہ اگر میں نے ان کی بات نہیں مانی تو وہ عدالت کو ثبوت فراہم کر دیں گے کہ میں نے جعلسازی سے ثبوت بنا کر عدالت کو گمراہ کیا ہے اور مجھے پچھلے کیس کے ساتھ نئے کیس بھی فیس کرنے ہوں گے۔ اسی ڈر سے میں کسی کتے کی طرح اس کے آگے دُم ہلاتا رہتا ہوں۔'' بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے جو اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ اندر سے دکھی ہے۔

''صاف ظاہر ہے کہ تمہیں گھیرا گیا اور جب تم پھنس گئے تو اپنے کام کے لیے تیار کر لیا۔''

''جی ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔''

''ایسا ہی ہوتا ہے۔ وطن دشمن قوتیں اپنی مطلب براری کے لیے مجبور و بے بس انسانوں کو ڈھونڈتی ہیں۔ اب فکر نہ کرو میں تمہیں دوبارہ سے معاشرے میں عزت دلواؤں گا۔ لیکن وعدہ کرنا ہوگا کہ پھر کوئی جرم نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرو گے۔''

''آپ یقین کریں کہ اگر مجھے اطمینان ہو جائے کہ مجھ پر کوئی کیس نہیں رہا تو میں دوبارہ سے چھوڑی ہوئی پڑھائی پوری کرنے میں لگ جاؤں گا۔''

''اطمینان رکھو ایسا ہی ہوگا۔ میں کوشش کروں گا کہ تم پر سے سارے کیس ختم کرا دوں۔''

''میں اور میرا یہ دوست امداد شاہ آپ کے لیے جان بھی قربان کر دیں گے۔''

''تو پھر تیار ہو جاؤ، ہم جلد پنڈی پہنچ کر مرشد کو ایسا سبق دیں گے کہ آئندہ وہ وطن دشمنوں سے کبھی ساز باز نہیں کر سکے گا۔''

''میں لاکھ برا سہی لیکن وطن دشمن نہیں ہوں۔ یقین کریں کہ اب تک جتنے بھی کام کیے وہ میرے خیال میں وطن دشمنی نہیں۔ اگر مجھے پہلے شک ہوتا تو شاید میں اس سے ٹکرا جانے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ میں تو اسمگلنگ سمجھ کر اس کے کام میں معاونت کر رہا تھا۔''

''غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ معاف کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ بے فکر رہو۔ حکومت سے معافی میں میں بھرپور معاونت کروں گا۔ اب تیار ہو جاؤ۔ میرے وطن کی ان دیمک کو تباہ کرنے کے لیے۔ پہلے یہ مرشد صرف غنڈا گردی اور دوسرے جرائم کر رہا تھا۔ سیاست کا سہارا لے کر خود کو بچائے ہوئے تھا لیکن جب اس کا مرکز یعنی اس کی خانقاہ تباہ ہو گئی تو اس نے اپنی تباہی کا نقصان پورا کرنے کے لیے ملک دشمن طاقتوں سے مدد لے لی۔ اب میں اسے کسی حال میں نہیں چھوڑوں گا۔ اپنا پرانا حساب تو لوں گا ہی۔ مادر وطن کی حرمت سے کھیلنے پر سزا بھی دوں گا۔''

''ہمیں آپ اپنے ساتھ پائیں گے۔'' اس نے بلند لہجے میں جواب دیا۔

اتنی دیر سے باقی سب خاموش تھے۔ سب اس کی باتیں سن رہے تھے۔ مرتجس تو بار بار اپنے آنسو پونچھ رہا تھا۔ تبھی سفیر نے فرنچ میں کہا۔ ''آپ کو اس کی کہانی پر یقین ہے؟ یہ ہمیں بے وقوف تو نہیں بنا رہا ہے؟''

میں نے بھی فرنچ میں جواب دیا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کبھی کسی اجنبی پر مکمل بھروسا نہیں کرتا۔ مجھے یوں بھی مرشد سے نمٹنا ہے ہی اور اس کے لیے میں ان دونوں کو چارا بناؤں گا۔''

مرتجس میری طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے میرے خاموش ہوتے ہی پوچھا۔ ''یہ آپ لوگ کس زبان میں باتیں کر رہے تھے۔''

''بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا علم ہر ایک کو ہونا نہیں چاہیے اس لیے ہم ایسی زبان میں باتیں کرتے ہیں جو دوسروں کی سمجھ میں نہ آئے تاکہ راز، راز ہی رہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''ہمارے ساتھ رہو گے تو ایسی کئی زبانیں سیکھ لو گے۔''

''مجھے تو بس ایک ہی زبان سیکھنا ہے، وہ ہے انگلش۔ جب کبھی میری ٹیکسی میں انگریز بیٹھتے ہیں تو مجھے شرم آتی ہے۔''

''ایسا کرنا کہ جب تک وسیم ساتھ ہے روز اس سے دو چار انگریزی کے الفاظ سیکھتے رہو۔ جب ڈھیر سارے الفاظ یاد ہو جائیں تو انہیں جملوں میں استعمال کرنے کا طریقہ سیکھ لینا۔'' کہہ کر میں باہر نکل آیا تاکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاڑی چیک کرلوں اس لیے کہ پنڈی کے لیے نکلا جا سکے۔ میں گاڑی چیک کر رہا تھا کہ سفیر آ گیا اس نے کہا:

''شہباز مجھے ان دونوں پر شک ہے کہ یہ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔''

''پہلے پنڈی پہنچ لوں پھر ان کو آزماؤں گا۔ اگر کام کے بندے نہیں ہوئے تو کوئی علاج سوچ لوں گا لیکن پہلے امتحان تو لینے دو۔''

میں نے سفیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھا لے لیکن اس کے سوچ کی سوئی تو ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ ان دونوں کو دن بھر کے لیے پھر سے بے ہوش کر دیا جائے۔ ایک ایک سوئی کافی ہوگی۔''

''سوچتا ہوں۔'' میں نے اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے کہا۔ ''صبح سویرے نکلنا ہے اس لیے فی الحال تو جا کر سو جاؤ۔'' میں نے سفیر کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اسے اندر بھیج کر میں پھر سے پراڈو میں بیٹھ گیا۔ میں کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ آیندہ کے لائحہ عمل پر غور کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اندر کی لائٹ بند کر دی تھی اسی لیے وہ دونوں سمجھ نہ پائے کہ میں اندر بیٹھا ہوا ہوں۔ ناصر اور امداد شاہ باہر نکل آئے تھے۔ جہاں پر گاڑی کھڑی تھی اس سے کچھ دوری پر ایک سنگی بنچ بنا ہوا تھا۔ ایسے بنچ عام طور پر پارک وغیرہ میں رکھے جاتے ہیں۔ شاید مکان مالک اسے کسی پارک وغیرہ سے اٹھا لایا تھا۔ وہ دونوں جا کر اس پر بیٹھ گئے۔ امداد شاہ پشتو میں پوچھ رہا تھا کہ ایسی کیا بات تھی کہ وہ یکا یک بڑے صاحب اپنے ساتھی سے ایک عجیب زبان میں باتیں کرنے لگے تھے۔

''وہ عجیب زبان نہیں فرنچ زبان تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں فرنچ نہیں جانتا۔ میں فرانس میں دو سال گزار چکا ہوں۔'' ناصر نے ہنس کر کہا تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ یہ بندہ تو پرت در پرت کھل رہا ہے۔ سفیر کا شک مجھے بھی سچ لگنے لگا تھا مگر میں نے کچھ کہا نہیں۔ وہ کچھ اور بولتا کہ مرتجس بھی باہر آ گیا۔ انہیں وہاں بیٹھا دیکھ وہ ان کے قریب آ گیا۔

''آپ لوگ یہاں بیٹھے ہوا کھا رہے ہیں اور میں سوچ رہا تھا کہ آپ لوگ کہیں فرار تو نہیں ہو گئے۔'' مرتجس نے کہا اور قہقہہ لگایا۔

مرتجس کی بات پر وہ دونوں اسے دیکھنے لگے۔ ان کی نظروں میں حیرت تھی، انہیں خاموش دیکھ مرتجس بولا۔ ''کہیں آپ لوگوں نے میرے مذاق کا برا تو نہیں منایا۔''

''نہیں نہیں برا کیوں مناؤں گا۔'' ناصر جلدی سے بولا اور کھڑا ہو گیا۔ ''چلو اندر چلتے ہیں۔'' کہہ کر وہ اندر کی طرف بڑھا تھا کہ مین روڈ پر کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹ چمکی۔ روشنی کی وجہ سے میں بھی چونک گیا کیونکہ وہ گاڑی ہماری طرف ہی آ رہی تھی۔

ناصر، امداد اور مرتجس اندر جا چکے تھے۔ صرف میں گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ گاڑی مرکزی شارع کے موڑ پر آ کر رک گئی اور اس میں سے دو آدمی باہر نکلے۔ ان کا حلیہ کچھ ایسا تھا کہ میری نظریں ان پر جم کر رہ گئی تھیں۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ گاڑی کے قریب سے گزرتے ہوئے گھر کے قریب پہنچے اور پھر وہ اس طرح سے جائزہ لینے لگے جیسے ایک ایک گوشے کو دیکھ لینا چاہتے ہیں۔ پھر نیچی آواز میں چترالی زبان میں باتیں کرنے لگے۔ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چترالی کی بالکل سمجھ نہ تھی اس لیے میں سمجھ نہیں پایا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ لیکن ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ ان کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں۔ میں بغور ان کا جائزہ لے رہا تھا کہ وہ کب کوئی غلط حرکت کرتے ہیں۔ لیکن اب تک انہوں نے ایسی کوئی حرکت کی نہیں تھی کہ میں دخل دیتا۔ وہ دونوں سامنے سے جائزہ لے کر پیچھے کی طرف جانے لگے تھے کہ ان کے قدم رک گئے۔ اس لیے کہ باہر اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے میں کمرے کے کھلے دروازے سے آتی ہوئی روشنی کی لمبی لکیر بڑی واضح تھی۔ اس روشن لکیر میں کسی آدمی کی پرچھائی نظر آئی تھی جیسے کوئی دروازے کی سمت آ رہا ہے۔ اسی وجہ سے وہ دونوں ٹھٹک گئے تھے۔ انہوں نے خود کو اندھیرے میں چھپا لیا تھا۔ جدھر وہ دونوں کھڑے تھے اس کے قریب ایک ٹوٹی ہوئی دیوار تھی جو کسی مقصد سے بنائی گئی ہو گی اور بعد میں اسے ڈھا دیا گیا ہو گا لیکن اب بھی چار فٹ کی دیوار باقی تھی۔ وہ دونوں اس دیوار کی آڑ میں بیٹھ گئے تھے۔ اس بات نے ان کے مشکوک ہونے پر مہر ثبت کر دی تھی۔ وہ دونوں دبکے ہوئے اسی روشنی کو دیکھ رہے تھے۔ تبھی روشنی کو پار کر کے ناصر آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ دیر تک کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور سیٹی پر فلمی دھن بجانے لگا۔ عین اسی وقت دروازے سے سفیر نمودار ہوا۔ اس نے ناصر سے سوال کیا۔ ''آپ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں؟ آپ کو پتا ہے نا کہ ابھی آپ نگرانی میں ہیں۔ اگر بڑے صاحب نے آپ کو باہر دیکھ لیا تو سب کی شامت آ جائے گی۔''

سفیر کی بات سن کر اس نے کہا۔ ''اندر گرمی ہے اسی لیے باہر آ گیا۔''

میں نے غور کر لیا تھا کہ دیوار کے پیچھے بیٹھے وہ دونوں سیٹی سن کر چوکنا ہو گئے تھے۔ میں نے ان کی طرف سے نگاہیں ہٹا کر سفیر کی طرف دیکھا۔ وہ ناصر سے کہہ رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں لیکن اب تو اندر چلیں۔ صاحب واک پر گئے ہوں گے۔ اب وہ آتے ہی ہوں گے۔''

ان دونوں پر میری نگاہیں مرکوز تھیں اور میں سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر پستول تلاش کر رہا تھا کہ وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔

○.....❖.....○

وہ دونوں انہیں اندر جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر دیوار کے پیچھے سے نکلے اور سڑک کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ ان کا انداز مشکوک تھا۔ میں نے سوچا کہ باہر نکل کر انہیں روکوں۔ اسی خیال سے نیچے اترا تھا اور سڑک کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

میں تیز قدموں سے سڑک پر پہنچا تھا لیکن وہ دونوں نظر نہیں آئے۔ میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ دور ہوتی ٹیل لائٹ نظر آئی۔ وہ ریڈ لائٹ کسی بائیک کی تھی۔ انہوں نے جھاڑیوں میں بائیک چھپا رکھی تھی اسی پر سوار ہو کر فرار ہو گئے تھے۔ ان کا ارادہ کیا تھا۔ کس مقصد سے آئے تھے، یہ میں سمجھ نہیں پایا۔ کچھ دیر تک میں وہیں کھڑا ان کے بارے میں سوچتا رہا پھر واپس پلٹ آیا۔

واپسی کے وقت بھی وہی دونوں میرے دماغ پر سوار تھے کہ وہ کیوں آئے تھے۔ جس طرح وہ دونوں مکان کا جائزہ لے رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ وہ ریکی کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس ناصر اور امداد شاہ تھے۔ کہیں وہ دونوں ان کے ساتھی تو نہیں؟ ابھی مکان کا جائزہ لے کر گئے ہیں اور بعد میں وہ ساتھیوں کے ساتھ حملہ کریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔ اس خطرے کا تدارک ضروری تھا۔ میں نے اس سلسلے میں سب کو ہوشیار کرنے کا سوچا اور برآمدے میں پہنچا ہی تھا کہ خیال آیا کہ امداد شاہ اور ناصر بھی ساتھ ہیں۔ ابھی تک وہ دونوں مشکوک ہیں۔ ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر جب میں باہر بیٹھا تھا اور وہ دونوں اجنبی ریکی کر رہے تھے تو ناصر شاہ باہر آ گیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ انہی اجنبیوں کی وجہ سے وہ باہر آیا ہو لیکن مرتجس کی مداخلت پر وہ واپس چلا گیا تھا۔ اگر وہ دونوں اسی کی تلاش میں ہیں تو یہ خطرناک بات تھی۔ مرتجس نے ایک بات اور بتائی تھی کہ ان دنوں علاقے میں جرائم عام ہو رہے ہیں۔ جب پیٹ کی آگ تیز ہوتی ہے اور ذرائع کم ہو جاتے ہیں تو جرائم کا پنپنا حیرت کی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں جرائم پیشہ ہوں اور اپنی جیب بھرنے کے لیے کوئی راستہ تلاش کر رہے ہوں۔ دونوں ہی وجہ ہوش میں رہنے کی تلقین کر رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ ان دونوں کی بابت سب کو نہیں بتاؤں گا۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے خوشگوار انداز میں اندر قدم رکھا۔ مجھے دیکھتے ہی وسیم نے چہکار بھری۔ ''جب اکیلا پن بھانے لگے۔ چاند اور چاندنی رات اچھی لگنے لگے تو ایک ہی بات دل میں سرگوشی کرتی ہے۔'' اس نے کچھ توقف کیا پھر شعر پڑھا۔

''لو چاند چھپا بدلی چھائی..... شاید کہ تمہاری یاد آئی۔''

''یاد تو آ رہی ہے لیکن تمہارا اندازہ غلط ہے۔ مجھے مرشد بڑی شدت سے یاد آ رہا ہے۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔

''اسے تو میں بھی شدت سے یاد کر رہا ہوں۔ پتا کرلیں اسے رہ رہ کر ہچکی اٹھ رہی ہوگی۔ ایک وہی تو ظالم سماج بنا ہوا ہے ورنہ سادی کب سے دبئی جانے کا خواب دیکھ رہی ہے اور میں اس کے خواب میں رنگ بھرنے سے قاصر ہوں۔''

''تم آج ہی دبئی چلے جاؤ، میری طرف سے پوری آزادی ہے۔'' سفیر نے ہانک لگائی۔

''ہاں ہاں میں بھی اجازت دے رہا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''چلا تو جاؤں لیکن کیا کروں کہ وہاں اکیلے میں دل نہیں لگے گا، سفیر تمہارے بغیر جا نہیں سکتا اور میں سفیر اور تمہارے بغیر جا نہیں سکتا اور تم مرشد کا خاتمہ کیے بغیر جا نہیں سکتے۔ یعنی کہ ہم سب ایک الجھی ڈور کا گولا بن چکے ہیں جو سلجھ کر نہیں دیتی اور ہمیں اپنی اپنی بیویوں کی گالیاں کھاتے رہنا پڑے گا۔'' وسیم نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

''اللہ تعالیٰ شکر خورے کو دیتا ہے شکر اور موذی کو دیتا ہے ٹکر۔ اس لیے گالیاں شیریں دہن تمہاری قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مونا گالیاں دینے کے فن سے نابلد ہے۔'' سفیر نے مسکراتے ہوئے چوٹ کی۔

''یا اللہ اس صدی کے سب سے بڑے جھوٹ کی پردہ پوشی کرنا۔'' وسیم نے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی۔ ''ہم تو ازلی بہرے ہیں، ہمیں مونا کی گالیاں سنائی نہیں دیتیں۔''

''جسے تم گالیاں کہہ رہے ہو وہ اظہارِ محبت کا اپنا انداز ہے۔'' سفیر بولا۔

''یقیناً جب اظہارِ محبت میں مونا کو شدت پیدا کرنا ہوتی ہوگی تو وہ بیلن کو تمہاری پیٹھ پر بجا بجا کر یقین دلاتی ہوگی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میری طرف سے اجازت ہے کہ جو جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔'' میں نے خوشگوار انداز میں پرانا جواب دہرایا۔

''اور ہم سے کوئی بھی اپنی سانس یہاں رکھ کر جا نہیں سکتا اور ہماری سانسوں کا نام شہباز ہے یعنی کہ کوئی بھی آپ کے بغیر جائے گا نہیں۔'' وسیم نے کہا۔

''تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''آپ ایک بہت عمدہ کام کر سکتے ہیں۔''

''کیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''بس اتنا سا کام کریں کہ یہاں وقت برباد نہ کر کے سیدھے پنڈی چلیں۔ وہاں پہنچ کر دیکھتے ہیں کہ مرشد کو کیسے دام میں لایا جا سکتا ہے۔''

''لیکن ہم تو جا ہی رہے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''آپ نے کہا تو یہی ہے لیکن ہر روز ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس میں آپ کا کوئی قصور ہے۔ بس آپ ہر کام میں مداخلت کرنے کی روش تیاگ دیں تو شاید ہم وقت پر پہنچ جائیں۔'' وسیم نے دل میں جمع تمام باتیں ایک ہی سانس میں کہہ دیں۔

''اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔'' کہہ کر میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی پوری طرح ہمہ تن گوش تھا۔ میں نے اسے قریب آنے کا کہا۔ جب وہ قریب آ گیا تو میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''ناصر فرنچ سمجھ سکتا ہے۔ اس نے اقرار کیا ہے اس لیے کچھ دیر ہم باہر وقت گزاریں گے۔''

اچھے دوست، اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں اور مجھے سفیر و وسیم کی شکل میں بہت ہی اچھے دوست ملے ہیں۔ میری ابرو کی شکن کا مطلب بھی سمجھ لیتے ہیں۔ میں نے صرف سرگوشی کی تھی اور وسیم بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اس نے اسی وقت اونچی آواز میں کہا۔ ''اتنی لمبی چوڑی پلاننگ کی ضرورت کیا ہے۔ سیدھے سیدھے یہاں سے نکلنا ہے اور پنڈی پہنچنا ہے..... بس۔'' اس نے کچھ توقف کیا اور پھر کہا۔ ''اگر بند کمرے میں یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تو چلیں۔ باہر چاندنی میں بیٹھ کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' سفیر نے کہا اور آگے کی طرف بڑھا۔ اسے بڑھتے دیکھ میں نے بھی چٹائی چھوڑ دی اور باہر کی جانب چل پڑا۔ باہر نکلتے ہوئے میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے دو بندے ریکی کرنے آئے ہوئے تھے۔ میں نے خود دیکھا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آج کی رات اہم ہے۔ ہمیں سوتے ہوئے بھی جاگنا پڑے گا۔'' سفیر نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ اس کی پیشانی پر فکر کی لکیر ابھر آئی تھی۔

''بالکل۔'' میں نے کہا۔

''آپ آرام سے سو جائیں۔ میں ساری رات آنکھیں بند کیے جاگتا رہوں گا۔''

''صرف تم نہیں میں بھی جاگوں گا۔'' میں نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ مجھے جو کہنا تھا میں نے اس کا ردِعمل سفیر اور وسیم کے چہروں پر دیکھ لیا تھا۔ وہ آج کی رات جاگنے پر آمادہ تھے۔ مجھے واپس مڑتے دیکھ وہ دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی مڑ گئے تھے۔

دروازہ پار کر کے اندر داخل ہوتے ہی وسیم نے کہا۔ ''دوستوں صبح سویرے ہم یہاں سے نکل پڑیں گے اس لیے سب فجر کی اذان کے ساتھ اٹھ جائیں گے۔''

''ہم تیار ہیں۔'' مرتجس بولا۔ لیکن ناصر کا چہرہ جذبات سے عاری نظر آیا۔

ناصر اور امداد شاہ کے دل میں کیا ہے یہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی شکوک کے دائرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر ہمہ وقت مرکوز رہی تھیں۔

''تو پھر آؤ۔ اب آرام کرنے لیٹ جاتے ہیں۔ فجر کے وقت نکلنا ہے اس لیے ایک نیند لے لینا ضروری ہے۔'' سفیر نے کہا اور چٹائی پر لیٹ گیا۔

''آپ اور شہباز صاحب اندر سو جائیں اندر بیڈ بھی ہے۔ ہم یہاں چٹائی پر سو جائیں گے۔'' ناصر نے کہا۔

''اصل میں مجھے بیڈ پر سونا اچھا نہیں لگتا۔ بیڈ پر روئی کا گدا ہے جو مجھے پسند نہیں۔ فوم کا گدا ہوتا تو اور بات تھی۔'' میں نے کمبل کو اپنے گرد مزید لپیٹ کر جواب دیا۔

''اس علاقے میں فوم کے گدے پسند نہیں کیے جاتے۔ فوم ٹھنڈی ہوا میں مزید ٹھنڈا اور گرمی میں مزید گرم ہو جاتا ہے لیکن روئی کے گدے صرف گرمی دیتے ہیں۔'' مرتجس بولا۔

''مجھے معلوم ہے اسی لیے تو میں ہوٹل میں نہیں ٹھہرا'' میں نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ پھر ناصر پر نظر ڈالی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ میں نے سفیر کے برابر میں بیٹھے وسیم سے کہا۔ ''تمہیں یاد ہے نا وہ جو چورن کی پڑیا تم اور مرتجس لے کر آئے تھے وہ پراڈو میں کہاں پر رکھی ہے؟''

اتنا اشارہ کافی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ میں ان ہتھیاروں کی بات کر رہا ہوں جو وہ خرید کر لایا تھا اور اسے پراڈو کے مختلف حصوں میں چھپا دیا تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے بیزار لہجے میں کہا۔ ''آپ بھی نا..... ابھی لے کر آتا ہوں۔''

عبداللہ بھی میرا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے سفیر سے کہا۔ ''یار تُو بھی اس کے ساتھ چلا جا ورنہ یہ ایک پڑیا کے لیے پورے ڈیش بورڈ کا خانہ خراب کر دے گا۔''

''یہ بات تو ہے۔'' کہتے ہوئے سفیر اٹھ کر وسیم کے پیچھے چھلا گیا۔ مجھے پتا تھا کہ جب وہ دونوں لوٹیں گے تو ان کے کپڑوں میں اسلحے چھپے ہوں گے۔ اسی لیے تو سفیر کمبل کا بکل مار کر گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں واپس آئے تو وسیم کے ہاتھ میں کاغذ کی ایک پڑیا تھی۔ اس نے اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''خدا کے لیے یہ پڑیا ایک دو گھنٹے بعد ہی کھائیں۔ تب تک ہم سو چکے ہوں گے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے پڑیا لے لی اور اسے جیب میں رکھ لیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس میں کچھ بھی نہیں ہو گا۔ وہ خالی پڑیا ہو گی۔ پڑیا دینے کے بعد وسیم میرے کمبل میں گھس گیا کہ سردی لگ رہی ہے۔ کمبل میں آنے کے بعد اس نے ایک پستول اندر ہی اندر میری طرف بڑھا دیا جسے لے کر میں نے کمر میں اڑس لیا۔ کچھ دیر بعد وسیم کمبل سے نکل کر چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرتجس اندر سے دری لے آیا تھا، اسے چٹائی پر بچھا کر اوپر سے چادر ڈال دی۔ امداد شاہ تکیہ اٹھا لایا۔ لیکن جب وہ لیٹنے لگا تو وسیم نے کہا۔ ''تم اندر جا کر سو جاؤ۔''

''ویری بیڈ..... وہ اگر یہاں سونا چاہتا ہے تو سونے دو۔ تم اور ناصر اندر بیڈ پر سو جاؤ۔''

میری بات اس نے فوراً سمجھ لی کہ میں ان دونوں کو رات بھر خود سے دور رکھنے پر تیار نہیں۔ دونوں کے ساتھ اپنے بندے رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ان پر نظر رہے۔

ناصر شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وسیم بھی اٹھ کر بیڈ پر سونے چلا گیا۔ دروازے کے پاس سفیر لیٹا۔ پھر میں اور میرے برابر میں مرتجس۔ آخر میں امداد شاہ۔

دروازہ بند کر دیا تھا تا کہ باہر کی ٹھنڈی ہوا اندر نہ آئے۔ ارشد حسن پینٹر کے بکس سے کئی کمبل نکل آئے تھے۔ سب کو ایک ایک کمبل مل گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں کمبل کی گرمی نے اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ پہلے مرتجس کے خراٹے گونجے پھر ناصر شاہ کے۔ میں بس آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اندر وسیم اور دروازے پر سفیر بھی سونے کی اداکاری کر رہا ہوگا۔ وہ لوگ بھی ہوشیار ہوں گے۔ ہم وقت گزار رہے تھے۔

ہر شک کو تقویت نہیں ملتی کچھ شک بے فائدہ بھی ہوتے ہیں۔ رات کا ایک پہر بیت چکا تھا اور ہر طرف امن چین تھا۔ مجھے یقین آنے لگا کہ میرا خدشہ غلط ہے۔ اس لیے آنکھوں میں آتی ہوئی نیند کو آنے دوں۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے کروٹ بدلی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مسلسل بھاگ دوڑ کی وجہ سے تھکن تو تھی۔ ذہن کو سونے پر آمادہ کیا ہی تھا کہ آنکھوں میں نیند اتر آئی اور میں بے خبر ہو گیا۔

یہ میری سرشت میں شامل ہے کہ میں کتنی ہی گہری نیند میں کیوں نہ رہوں اگر ہلکا سا کھٹکا بھی محسوس ہو تو آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا اور میری آنکھ کھل گئی تھی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بغیر سر اٹھائے میں نے آنکھیں کھول دیں اور محسوس کرنے کی کوشش کی کہ یہ کیسی آہٹ تھی۔ پوری قوت سماعت سے سننے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھے آواز کے مخرج کا ادراک ہو گیا اور میں نے ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ صاف پتا چل گیا تھا کہ کسی نے دروازے کو ہلکے سے دھکا دیا ہے۔ میں نے آنکھوں کو بند کر کے ہلکی سی جھری پیدا کر لی اور دروازے پر نظریں ٹکا دیں۔ دروازے پر آٹو میٹک لاک لگا تھا۔ اسے چابی کے بغیر کھولنا ممکن نہیں تھا۔ اور میری سماعت اس ہلکی ہلکی آواز کو سن رہی تھی جو چابی آزمانے کی تھی۔ کوئی باہر سے کسی اوزار سے یا تار یا چابی سے تالا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری نظریں دروازے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ تبھی دروازے کا لاک کھلنے کی کلک سنائی دی اور میں پوری طرح ہوشیار ہو گیا۔

دروازہ ہلکے ہلکے کھل رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ دروازہ کھولنے والا احتیاط کے ساتھ دروازہ کھول رہا ہے۔ تھوڑا سا ایک پٹ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔ نیلی روشنی میں بھی وہ مجھے اچھی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس دور میں بھی کوئی چاقو استعمال کرتا ہے۔ وہ دبے قدموں آگے بڑھا۔ اس کے داخل ہونے کے کچھ دیر بعد ایک اور شخص اندر آیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں ایک بڑا سا تھیلا پکڑ رکھا تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک کھڑے کمرے کا جائزہ لیتے رہے پھر وہ دونوں اندر کی طرف بڑھے۔ اس کمرے کی طرف جس میں ناصر سو رہا تھا۔ میں نے اپنی کمر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وسیم کا دیا ہوا وہ پستول جو کمر میں اڑس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا تھا اس کے دستے پر ہاتھ جما دیا تا کہ فوراً پستول باہر لا سکوں۔

ان دونوں نے اندر والے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اندر جھانکا تبھی ہمارے کمرے کی لائٹ جل اٹھی۔ ساتھ ہی سفیر کی آواز گونجی۔ ''اپنے چاقو کو نیچے پھینک دو۔''

اگر ایک لمحے کی بھی دیر ہو جاتی۔ سفیر ہوشیار نہ ہوتا تو چاقو اسے زخمی کر چکا ہوتا۔ اس نے عقل مندی یہ کی تھی کہ کمبل کو آگے کی جانب پھیلا کر پکڑ لیا تھا اور ایسا اس نے اتفاقاً کیا تھا۔ وہ کمبل کو اتارنے کے لیے پھیلا رہا تھا کہ چاقو اڑتا ہوا کمبل سے ٹکرایا تھا اور اسے پھاڑتا ہوا نیچے گر گیا تھا۔ کیونکہ اس کی قوت کمبل نے روک دی تھی۔ میں نے اچھل کر کھڑے ہوتے ہی اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے انداز نے بتا دیا تھا کہ وہ لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں ہے۔ ہاں جسم میں جان ضرور تھی جس کی وجہ سے وہ میری جکڑ سے نکلنے کی کوشش کیے جا رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں چلانے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ لڑائی کے فن میں کورا ہے۔ وسیم بھی پستول تانے کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ پستول دیکھ کر وہ سکتے میں رہ گئے تھے۔ ان کی مزاحمت کی قوت تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ سفیر نے کمبل کے پیچھے سے کلاشنکوف نکال لی تھی۔ اتنے ہتھیاروں کے سامنے وہ دونوں بے بس ہو چکے تھے۔ میں نے جس پر چھلانگ لگائی تھی وہ اب میرے نیچے دبا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سفیر نے دوسرے کو چھاپ لیا تھا۔ وہ دونوں اب اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں سردی کا بخار سرسری چڑھ گیا ہو۔ ان کی حالت دیکھ کر نہیں لگ رہا تھا کہ وہ دونوں ٹرینڈ بندے ہیں۔ وہ تو باضابطہ رونے دھونے لگے تھے۔ مرتجس ہی نہیں ناصر اور امداد شاہ بھی اٹھ گئے تھے۔ مرتجس نے ہی پلاسٹک کی ڈوری کا ایک بنڈل کہیں سے ڈھونڈ نکالا اور اسی رسّی سے ان دونوں کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک کونے میں بٹھا دیا۔

ان دونوں کو قابو میں کرنے کے بعد میں نے پوچھا۔ ''اب بتاؤ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''

''جی ہم خود آئے ہیں۔ ہمیں پولیس کے حوالے نہ کریں۔ اب ہم کبھی ادھر نہیں آئیں گے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''دیکھو اگر تم لوگ صحیح نہیں بتاؤ گے تو خود تمہارے لیے مشکلات کھڑی ہوتی جائیں گی۔'' میں نے نرم لہجے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''ابھی تو ٹریلر بھی شروع نہیں ہوا اور تم لوگ رونے لگے۔'' وسیم نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ ''ابھی تو ہم تمہاری پہلے چمڑی چھیلیں گے پھر ایک ایک عضو کاٹیں گے۔''

''صاحب جی اس بار معاف کر دیں۔ اب ہم ہمیشہ کے لیے چوری سے توبہ کر لیں گے۔'' ان میں سے ایک نے روتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ چوری کے لیے آئے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''جی ہاں۔ ہم لوگ ٹورسٹوں کو اکیلا پا کر ان سے سامان چھین لیتے ہیں۔ ان کے لگیج غائب کر دیتے ہیں، کل جب ہمیں معلوم ہوا کہ ارشد مستری نے ایک ٹورسٹ پارٹی کو اپنا مکان کرایہ پر دیا ہے تو ہم نے آپ لوگوں کے ہاں چوری کرنے کی ٹھان لی۔ ہم عرصہ سے یہی کام کرتے ہیں۔ اس علاقے کے تمام لوگ جانتے ہیں آپ ارشد حسن سے پوچھ لیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پتا کرلیں گے۔ یہ بتاؤ کہ اس تھیلے کو کیوں لے کر آئے تھے؟ کیا اس میں ہمارے سر کاٹ کر لے جانا تھے؟'' وسیم نے اس کے تھیلے کو اٹھا کر دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''سر جی یہ تھیلا اس لیے لائے تھے کہ اس میں سامان بھر کر لے جائیں گے۔'' اس نے جواب دیا۔

ان کے انداز واطوار بتا رہے تھے کہ وہ سچ بول رہے ہیں لیکن کسی کے بارے میں اتنی جلدی فیصلہ دیا بھی نہیں جا سکتا۔ تھیلے کی موجودگی اور ان کا انداز عکاسی کر رہا تھا کہ وہ لوگ واقعی چور ہیں اور چوری کی نیت سے گھر میں داخل ہوئے ہیں۔ دو چار سوالات کے بعد میں نے کہا کہ انہیں اسی طرح بندھے رہنے دو۔ اور میں جا کر لیٹ گیا۔ لیٹنے کے بعد کہا۔ ''تم سب بھی جا کر سو جاؤ۔ صبح سوچیں گے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔''

وہ دونوں سسکتے رہے اور تمام لوگ لائٹ بجھا کر اپنی اپنی جگہ جا کر لیٹ گئے۔ مجھے اس بات کی ذرا بھی فکر نہیں تھی کہ وہ لوگ فرار ہو جائیں گے۔ نیند نے بے حال کر دیا تھا اور مجھے خود پر بھروسا بھی تھا کہ اگر دروازہ کھلا تو آہٹ سے فوراً میری آنکھ کھل جائے گی۔ یہی حال سفیر کا تھا۔ وہ بھی ہلکی سی آہٹ پر اٹھ جایا کرتا تھا پھر دروازے کے درمیان وسیم نے بستر بچھا لیا تھا۔ کمرے سے نکلنے والے کو اس پر سے ہو کر گزرنا تھا۔ انہی سب باتوں کی وجہ سے میں کچھ حد تک مطمئن ہو کر سویا تھا۔ یوں بھی رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اس لیے فکر بھی نہیں تھی کہ کیا ہو گا۔

میں سو رہا تھا کہ مرتجس نے آواز دے کر مجھے اٹھایا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر نظر ڈالی تو وہ مجھے کچھ پریشان سا لگا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے، تم کچھ پریشان سے لگ رہے ہو۔''

اس وقت بھی کمرے میں اندھیرا تھا اور باہر سے اذان کی آواز آ رہی تھی۔ میں جواب کی امید پر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے سرگوشی میں بتایا کہ وہ دونوں فرار ہو گئے ہیں۔

''کیسے؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا اس لیے کہ یہ ناممکن نہیں لیکن حیرت کی بات تھی کہ وہ وسیم کو پھلانگ کر گیا اور اسے خبر نہ ہوئی جب کے ہوا کی سرسراہٹ پر بھی وہ اٹھ جاتا ہے۔ پھر دروازہ کھلا تو مجھے خبر کیوں نہیں ہوئی۔ جب کہ میں ہلکے سے کھٹکے سے اٹھ جاتا ہوں۔

اس خبر کے بعد نیند کہاں آتی۔ میں نے اٹھ کر کمرے میں دیکھا۔ اندر کا منظر دیکھتے ہی ساری بات سمجھ آ گئی تھی۔ کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ کھڑکی میں گرل نہیں تھی اس لیے کوئی بھی اس راستے سے باہر کود سکتا تھا۔ وہ دونوں اسی راستے سے باہر نکلے ہوں گے۔ میں نے بیڈ پر نظر ڈالی ناصر شاہ نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

انہوں نے کھڑکی کھولی اور فرار ہو گئے یہ اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ان کے ہاتھوں کو وسیم نے باندھا تھا اور یہ کام اس سے پہلے بھی وہ کئی بار کر چکا تھا۔ اس نے کمزور بندھن باندھنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ یقیناً اس نے بہت سنبھل کر گانٹھ لگائی ہو گی۔ ایسی گانٹھ جو آسانی سے نہ کھل سکے..... پھر بھی کھل گئی مگر کھلی کیسے؟ اس کی باندھی ہوئے گانٹھ کو جب تک کوئی کھولے نہیں کیسے کھل سکتی ہے؟

مجھے حیرت زدہ اور پریشان دیکھ کر مرتجس بولا کہ آپ فکر نہ کریں۔ وہ لوگ جہاں بھی ہوں گے صبح اس کا پتا لگا لوں گا۔ حسن پینٹر کو پتا ہو گا۔ وہ یہاں کے ہر اینٹ پتھر کو جانتا ہے۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی افسردہ تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''وہ فکر نہ کرے۔ وہ اتنے بھی اہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ تھے۔''

مرتجس نے جواب دیا۔''صاحب جی وہ بھاگے نہیں بھگائے گئے ہیں۔ اس لیے کہ میں جاگ رہا تھا جب اس کمرے سے سرگوشیاں سنائی دیں تھی۔ کسی نے ان کے ہاتھ کھولے تھے مگر وہ کون تھا اس کا ذرا بھی اندازہ نہیں۔ جس نے بھی یہ کام کیا ہے وہ ازلی کمینہ ہے۔''

میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔''فکر نہ کرو اگر ہمیں جلدی نہ ہوتی تو میں اسے چوہے کے بل سے بھی باہر نکال لاتا۔ لیکن ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے۔ پنڈی پہنچنا ضروری ہے۔''

اسے اطمینان دلا کر میں واپس اپنی جگہ آ گیا۔ اب دوبارہ نیند آنے کا سوال نہ تھا پھر بھی میں سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ وسیم قریب ہی تھا اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے ہی ارشد حسن پینٹر کھڑا تھا۔ اس نے وسیم کو دیکھتے ہی کہا۔''آپ کے ہاں سے کوئی چیز چوری تو نہیں ہوئی ہے؟''

''چوری.....نہیں تو لیکن یہ بات تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ اس کے چہرے پر فکر کا پَرتو تھا جو صاف نظر آ رہا تھا۔''اندر آ جائیں۔''

وہ اندر آ کر چٹائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔''یہ گھر ارشد حسن پینٹر کا ہے۔ اس کی ہر اینٹ جواب دہ ہے۔ ایک ایک ذرہ اس کی نگرانی کرتا ہے پھر بھی وہ دونوں ہمارے گھر میں گھسے۔ انہوں نے کیا سمجھا تھا کہ میری آنکھیں بند ہیں۔''

وہ کسی فلمی اداکار کی طرح ڈائلوگ بول رہا تھا۔ گاؤں قصبوں کے لوگ ذرا ذرا سی بات میں خوش ہوا اٹھتے ہیں، اس کا علم بخوبی تھا۔ وہ میں سمجھ رہا تھا کہ اسے پتا لگ گیا ہے کہ کوئی ہمارے گھر میں داخل ہوا تھا اور اسے ہم نے پکڑ لیا تھا اسی لیے اب وہ خود کو ہیرو ثابت کرنے کے لیے آ گیا تھا۔ میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے پوچھا۔

''ہوا کیا ہے؟''

''ارے جناب! آپ لوگ تو سو رہے تھے مگر میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں اپنے مہمانوں کا خاص خیال رکھتا ہوں۔ یہ گھر آپ لوگوں کو دیا تو آپ لوگوں کی حفاظت کی ذمے داری بھی مجھ پر ہے۔'' وہ گردن اکڑا کر بول رہا تھا۔''رات میں میرا چھوٹا گلگت سے واپس آ رہا تھا۔ اذان سے کچھ پہلے اس نے دیکھا کہ یہ والی کھڑکی کھلی۔'' اس نے اشارے سے دوسرے کمرے کی کھڑکی دکھائی۔''اور اس کھڑکی سے کوئی کودا۔ وہ سڑک پر کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے روکتا کہ ایک اور شخص باہر کودا۔ وہ دو تھے اور چھوٹا اکیلا۔ اس لیے اس نے مداخلت نہ کی اور ان دونوں کا تعاقب کرنے لگا کہ وہ دونوں جاتے کہاں ہیں۔ کچھ دیر بعد جب وہ سڑک پر پہنچے اور شاہ جی کے حجرے کے سامنے سے گزرے تو اس نے ان دونوں کا چہرہ دیکھ لیا۔ گھر کے باہر جو لائٹ لگی ہوئی ہے اس کی روشنی میں اس نے انہیں پہچان لیا اور سیدھا گیراج پہنچا اور مجھے اٹھا کر بولا.....''

وہ پوری تقریر کرنے پر آمادہ تھا اور مجھے اس کی تمہید سے الجھن ہو رہی تھی لیکن میں اسے روکنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ معصوم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وسیم چپ نہ رہ سکا اس نے کہا۔''کیا بولا.....اب وہ بھی بتا ہی دیں۔''

''وہی تو بتا رہا ہوں کہ اس نے کہا، استاد آپ کے گھر سے فیکا اور لعل کھڑکی سے باہر کودے ہیں۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں چور ہیں اور ان کا اس طرح آپ کے گھر سے نکلنا بتا رہا ہے کہ کچھ چوری کر کے نکلے ہیں۔ میں نے دو آدمیوں کو ان کے گھر بھیجا ہے وہ انہیں پکڑ کر لاتے ہی ہوں گے۔ آپ کو خبر کرنا ضروری تھا اس لیے میں بھاگتا ہوا آیا ہوں۔''

''نہیں، وہ لوگ کچھ چرا کر نہیں بھاگے ہیں لیکن چوری کرنے آئے ضرور تھے۔ ہم نے پکڑ لیا تھا پھر بھی وہ لوگ فرار ہو گئے۔'' میں نے جواب میں کہا۔

''پھر بھی ان کو سزا دینا ضروری ہے۔ ان کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ میرے گھر میں داخل ہوئے۔'' ارشد حسن پُر جوش انداز میں بولا۔

شاید اسے امید تھی کہ میں اس سے خوش ہو کر اسے کچھ اور انعام دوں گا۔ لیکن جلد ہی اس کی سوچ دم توڑ گئی جب میں نے کہا۔ ''وہ کچھ چرا کر لے جا نہ سکا تو اسے بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ یوں بھی ہم کچھ دیر میں واپسی کے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔''

''نہ جی نہ..... میں اسے چھوڑنے والا نہیں۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ میرے گھر میں چوری کی نیت سے داخل ہو۔''

''یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ اس میں ہمیں نہ گھسیٹو..... ہم اب یہاں سے جانے ہی والے ہیں۔ تمہیں جو رقم ایڈوانس دی ہے۔ وہ تمہاری ہوئی۔ اسے واپس نہیں کرنا۔'' میرا اتنا کہنا جادو جیسا کام کر گیا۔ اسے یاد آ گیا ہو گا کہ اصولی طور پر ایڈوانس کی رقم واپس بھی ہوتی ہے۔ ہم اسے مانگ نہیں رہے اس بات پر وہ خوش ہو گیا۔

''جی جناب آپ لوگ بڑے آدمی ہیں۔ ہم غریبوں پر یہ ایک احسان ہو گا۔ یوں بھی میں اپنے ہاں کام کرنے والے بچوں کو اضافی پیسے دیتا ہوں۔ اس کارِ خیر میں آپ کا بھی حصہ بن جائے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

میں نے اسے جواب دینے کی بجائے وسیم سے کہا۔ ''او بھائی راستہ طویل ہے۔ تیاری کرنا شروع کر دو۔'' دراصل مجھے ارشد حسن کی مکاری پر اب غصہ آنے لگا تھا۔ کچھ دیر کی واقفیت تھی پھر بھی میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ایک مکار اور چاپلوس بندہ ہے اور ایسے لوگ اپنی مطلب براری کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں اور ایسے لوگوں پر کبھی بھی بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔

سفیر نے میرے کہنے سے پہلے ہی سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ مرتجس بھی کام میں لگا ہوا تھا لیکن امداد شاہ اور ناصر بالکل خاموش کھڑے تھے۔ انہیں دیکھتے ہوئے وسیم نے کہا۔ ''او بھائی ناصر، تم بھی تو ہاتھ بٹاؤ۔''

''سامان ہے ہی کتنا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں کروں تو کیا کروں؟''

''سامان سمیٹنا ہی کام نہیں کہلاتا۔ تم ایسا کرو کہ ہم سب کے لیے چائے ہی بنا لو۔'' وسیم نے بیگ کی چین بند کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی لیجیے۔'' کہہ کر وہ کچن کی طرف چلا گیا۔

چائے کا سن کر ارشد حسن کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ چائے لانے تک ہم سب پوری طرح تیار ہو چکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لے کر میں نے ارشد حسن سے کہا۔ ''اچھا جناب، ہمیں اجازت دیں۔ اگر زندگی میں پھر کبھی ادھر آنا ہوا تو آپ سے ملاقات ضرور کروں گا۔''

''جی جی۔'' اس نے چائے کا سپ لے کر کہا۔

چائے پی کر ہم سب پراڈو میں آ کر بیٹھ گئے۔ اسٹیئرنگ پر حسبِ معمول مرتجس تھا۔

راستے میں ہمیں ایک بائیک اور سوزوکی کیری بھی مل گئی تھی۔ اسے بھی ساتھ لینا ضروری تھا۔ میں نے وسیم سے کہا۔ ''تم اور عبداللہ سوزوکی میں بیٹھ جاؤ۔''

''عبداللہ کے زخم بھرے نہیں ہیں اسے پراڈو میں ہی رہنے دیں میں سوزوکی سے آ رہا ہوں۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' کہہ کر میں نے پراڈو کا گیٹ بند کر لیا۔

ہمارا نیا سفر شروع ہو چکا تھا۔ مرتجس ہوا کی رفتار سے گاڑی بھگا رہا تھا۔ ایک تو اترائی کی طرف جاتی سڑک دوسرے ٹریفک بس نام کو، اس لیے رفتار تیز لگ رہی تھی۔

میں کھڑکی سے باہر مظاہر قدرت سے لطف لے رہا تھا۔ ایسے حسین مناظر سے منہ موڑ لینا زیادتی ہوتی۔ ابھی میں پہاڑیوں، جھاڑیوں سے اَٹے میدانوں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ چونک گیا۔ کافی نیچے پولیس کا ناکا نظر آیا جو ابھی کافی دور تھا۔ ویرانی سے گزرنے والی سڑک پر گاڑیاں دور سے ہی نظر آ جاتی ہیں۔ وہ لوگ پراڈو دیکھ کر ہوشیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے سڑک پر پوزیشن لینا شروع کر دیا تھا۔ ہماری گاڑی کچھ دیر تک پولیس کی تحویل میں رہ چکی تھی۔ انہوں نے اس میں دو لاشیں بھی دیکھی تھیں۔ گو کہ وہ لاشیں اب انسانوں کی طرح شرافت سے بیٹھی تھیں لیکن ڈر تو باقی تھا کہ کہیں وہ گاڑی کو پہچان نہ لیں۔ ایک نظر میں بھلے ہی گاڑی پہچانی نہیں جا سکتی تھی پھر بھی دل میں ڈر تو باقی تھا۔ شاید ایسا ہی ڈر مرتجس کے دل میں بھی تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''سر آگے پولیس والوں نے ناکا لگا رکھا ہے۔ کیا ہمیں رکنا ہوگا؟''

''بالکل رکیں گے۔ اس لیے کہ ہم قانون نہیں توڑ سکتے۔ خیال رہے تم انہیں اپنا یا میرا تعارف نہیں کرانا۔ ورنہ وہ لوگ زبردستی چائے کے لیے روک لیں گے۔ اس لیے کہ دور سہی لیکن ایک ہوٹل نظر آ رہا ہے۔ اور وہ اس ہوٹل والے سے مفت کی بیگار لیں گے۔'' میں نے ناصر وغیرہ کو سنانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

''جیسا آپ کہیں۔'' مرتجس نے رفتار گھٹاتے ہوئے کہا اسپیڈ ہلکی کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر پولیس والے اشارہ کریں تو رک سکے۔

قریب پہنچنے پر پولیس والوں نے ہاتھ اٹھا کر رکنے کا اشارہ کیا۔ مرتجس نے بریک پر دباؤ بڑھا دیا۔ پراڈو کے رکتے ہی دو تین پولیس والے آڑ سے نکل کر سامنے آئے۔ نئے آنے والوں میں سے ایک کو دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی لکیر کھنچ گئی۔ اس لیے کہ یہ وہی آفیسر تھا جس نے پراڈو چور کو پکڑا تھا اور اپنے ایک سپاہی کو پراڈو میں بٹھا کر چور کو تھانے لے گیا تھا۔ میں نے اس کا جائزہ لیا۔ اس میں پہلے والی اکڑفوں نہیں تھی۔ شاید وہ افسران سے جھاڑ کھا چکا تھا اور اب محتاط انداز میں تلاشی لے رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے پراڈو کو پہچان لیا تو کیا ہوگا۔ یوں تو سرسری نظر سے جائزہ لے گا مگر شک ہو گیا تو بال کی کھال نکالنے کی کوشش کرے گا اور پراڈو کے نیچے جو اسلحے ہیں وہ بھی برآمد کر لے گا۔ گو کہ جس طرح اسٹیکر سے ارشد حسن نے پراڈو کا حلیہ بدلا تھا، یہ مشکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی تھا کہ وہ پہچان سکے پھر بھی ذرا اپنی جگہ قائم تھا۔ میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا کہ اس نے مرتجس سے پوچھا۔ ''گاڑی کے کاغذات ہیں؟''

مرتجس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے کاغذات نکال کر آگے کر دیئے۔ اس نے کاغذات کا معائنہ کر کے واپس کیا اور پھر کہا۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

''پنڈی۔'' اس نے جواب دیا

''کس لیے؟ کس کام سے؟''

''یہ ٹورسٹ لوگ ہیں۔ ان کو پہنچانا ہے۔'' مرتجس کی بات سن کر اس نے باری باری سے اندر بیٹھے تمام افراد کا جائزہ لیا۔

''آپ لوگ کیا ٹریکنگ پر گئے تھے؟'' اس بار اس نے ڈائریکٹ مجھ سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ باتوں کے دوران پراڈو کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے بدلتے زاویہ کے ساتھ میری نگاہیں بھی زاویے بدل رہی تھیں اس لیے کہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ اسٹیکر پر شک نہ کرنے لگے کہ یہ بعد میں لگی ہے۔ اسٹیکر لگ جانے کی وجہ سے کہیں سے بھی نہیں لگ رہی تھی کہ یہ وہی گاڑی ہے۔ پھر بھی دشمن کو کبھی بے وقوف نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ گاڑی کا معاینہ کرتے ہوئے پچھلی طرف چلا گیا اور ادھر سے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔ ''یہ آکسیجن سلنڈر کیوں ہے؟''

سوال سنتے ہی مرتجس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ شاید اسے اندازہ ہونے لگا تھا کہ کھیل بگڑنے والا ہے تبھی داہنی جانب کی سیٹ پر بیٹھے سفیر نے کہا۔ ''ڈاکٹر غلام حسین نے کہا تھا کہ یہ دونوں سلنڈر اور اسپتال میں استعمال ہونے والا کچھ سامان پنڈی میں ایک آدمی کو دینا ہے۔ وہ اسے بدل کر نیا دے گا جسے واپسی میں ساتھ لانا ہے۔''

''اوہ اچھا تو یہ سامان غلام حسین کا ہے۔ ان سے میرا سلام کہنا۔ میں گلگت آیا تو ان سے ضرور ملوں گا۔ انہوں نے میرے بچے کا علاج کر کے مجھ پر احسان کیا ہے۔'' انسپکٹر نے جواب دیا اور پھر سپاہیوں سے بولا۔ ''انہیں جانے دو۔''

میں نے جلدی سے سر باہر نکال کر کہا۔ ''سر جی، پیچھے والی سوزوکی جس پر بائیک ہے وہ بھی ہماری ہے۔''

اس نے وسیم کو بھی تلاشی لیے بغیر آگے بڑھنے کا اشارہ دے دیا۔

بیریئر ہٹ گیا اور ہم دوبارہ سے آگے بڑھنے لگے۔ پھر سے وہی راستہ تھا اور ہم تھے۔ چہار جانب ویرانہ تھا۔ سنگلاخ پہاڑیاں تھیں اور دوڑتی ہوئی پراڈو تھی۔ اس بے وجہ کی تلاشی نے موڈ بگاڑ دیا تھا۔ سفیر چہرہ شناس تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ میرے دل میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ اس نے عبداللہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یار عبداللہ ذرا حویلی فون لگانا۔''

''کوئی خاص بات ہے کیا؟'' عبداللہ نے اپنا موبائل نکالتے ہوئے پوچھا۔

''خاص نہیں خاص الخاص..... ذرا سویرا بھابی سے بات کرنی ہے۔'' اس کی اس بات نے میرے کان کھڑے کر دیئے۔ میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف کر لیا تاکہ سن سکوں کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

''تم خود کال کر لو نا۔'' عبداللہ نے اس کی طرف موبائل بڑھایا تھا کہ میں نے ہنستے ہوئے کہا:

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سب سمجھتا ہوں۔ میرا موڈ کسی اور وجہ سے بگڑا ہے۔''

میری ہنسی نے یک لخت اندر کا ماحول بدل دیا۔ سفیر بولا۔ ''اسی طرح چہرے پر شگفتگی قائم رہے تو سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہتا ہے پھر فکر کرنے سے کیا فائدہ؟''

''یہی تو میں کہتا ہوں۔ اس طرح سر جھکا کر بیٹھنا دوسروں کے مورال کو بھی ڈاؤن کرنا ہے۔'' عبداللہ بولا۔

اس کی بات پر ناصر نے کہا۔ ''آپ لوگوں کے ساتھ رہ کر ایسا لگتا ہی نہیں ہے کہ ہم سے موت آنکھ مچولی کھیلتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم سب پکنک پر نکلے ہیں۔''

''بھائی میاں ہمارے ساتھ رہو گے تو ایسے ایسے راز آشکار ہوں گے کہ تم دنگ رہ جاؤ گے۔ ابھی تو ساتھ ہوا ہے۔ کچھ وقت گزرنے دو پھر تم بھی ہمارے رنگ میں رنگ جاؤ گے۔'' سفیر بولا۔

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' ناصر نے کہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔

میں نے موبائل نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی۔ کسی کا نام نہیں تھا، نمبر نظر آ رہے تھے۔ میں نے موبائل کو کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو کون؟''

''شہباز، یہ میں ہوں۔'' ادھر سے آواز آئی تو میں بری طرح چونک گیا۔ میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ مجھے کال کرے گا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کو میں نے یہ نمبر نہیں دیا تھا اسے تو کچھ ہی دن پہلے لیا تھا پھر یہ نمبر اس کے پاس کیسے آ گیا۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ادھر سے آواز آئی۔ ''کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔''

''پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ نمبر ملا کیسے؟ کس نے دیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ڈھونڈنے والوں کو خدا بھی مل جاتا ہے یہ تو صرف موبائل نمبر ہے جو بڑی آسانی سے کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے، صرف جیب میں پیسے ہونا چاہیے۔''

ادھر کی آواز نے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

''بکو..... میرے پاس وقت کم ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تو ہمیشہ ہی بکواس کرتا ہوں۔ جاؤ میں وہ بات نہیں بتاتا جس کے لیے فون کیا ہے۔'' کسی روٹھی ہوئی محبوبہ کی طرح اس نے کہا۔

''اب دوبارہ بکواس کی تو یاد رکھو میرے پاس تمہارے گھر کا نمبر بھی ہے۔ میں اگر چاہوں تو ابھی تمہاری بیوی کو فون کر کے بتا سکتا ہوں کہ اس وقت تمہارے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے اور تم دفتر کی بجائے ایک ہوٹل میں بیٹھے ہو۔''

''بسم اللہ بسم اللہ..... ضرور فون کرو لیکن اطلاعاً عرض ہے کہ میں اس وقت گھر پر ہوں۔ آج کورٹ میں ہڑتال ہے اس لیے میں گیا ہی نہیں۔'' دوسری طرف سے قہقہہ کے ساتھ جواب آیا۔

''میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ اگر ہڑتال ہو بھی جائے تو تم گھر میں نہیں رہ سکتے۔ خیر جانے دو۔ یہ بتاؤ کس لیے فون کیا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ بتانے کے لیے کہ ایک اور کیس کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو گیا ہے۔ اب صرف دو کیس رہ گئے ہیں جن کا فیصلہ ہونا ہے۔ لیکن مرشد کا وکیل حاضری لگا ہی نہیں رہا۔ جب کہ اس نے کہا تھا کہ وہ یہ دونوں کیس اٹھا لے گا۔''

''تم نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''بالکل کی تھی لیکن مرشد کے ہاں سے کوئی جواب ہی نہیں آ رہا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہاں بیٹھے لوگوں کو میرا نمبر دے کر کہا گیا ہے کہ اس نمبر کی کال ریسیو ہی نہ کی جائے۔''

''ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ مرشد اپنی سیاسی سرگرمیوں میں الجھا ہوا ہو۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کی خانقاہ پر حملے کے بعد اس کی پارٹی نے ایک طرح سے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ اس لیے کہ کچھ اینکرز نے پارٹی کے بھی لتے لے لیے تھے۔ پارٹی کو بچانے کے لیے اسے کچھ دنوں کے لیے سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ اگر وہ پارٹی کے کسی بھی جلسے میں نظر بھی آ گیا تو صحافی ہی نہیں حزب اختلاف بھی اس کے خلاف بولنا شروع ہو جائیں گے۔''

''پھر ایسی کیا بات ہو گئی کہ وہ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گیا ہے۔''

''ویسے ایک بات بتا دوں کہ ان دنوں اس کی خانقاہ میں عام لوگوں کی آمد و رفت بھلے ہی کم ہو گئی ہو لیکن کچھ خاص لوگ وہاں برابر نظر آ رہے ہیں۔ یہ راز میرے ایک دوست نے اگلا ہے جو محکمہ خفیہ میں ہے اور اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

''کال لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ شام میں تمہارے ساتھ چائے پیوں گا تو باقی باتیں بھی کر لوں گا۔ اب کال کاٹ رہا ہوں۔''

''فکر نہ کرو میں نے پیکج لے رکھا ہے۔ اگر تم اکتا گئے ہو تو اور بات ہے۔'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

''لگتا ہے دوسری طرف وکیل صاحب تھے؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''ہاں وہی تھا ورنہ کسی اور سے میں اس لہجے میں بات کرتا ہوں۔'' میں نے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

باتوں کا سلسلہ دراز ہو رہا تھا کہ میری نظر بے اختیاری میں بیک ویو مرر پر پڑی اور میں چونک گیا۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ کافی دیر دیر بعد کوئی ٹرک یا بس گزرتی تھی۔ زیادہ تر علاقے غیر آباد نظر آتے تھے اس لیے پیدل چلنے والے بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔ سانپ کی طرح لہراتی ہوئی سڑک پر پراڈو بھاگتی جا رہی تھی۔ پیچھے بھی دور دور تک کوئی سواری نظر نہیں آ رہی تھی کہ یکا یک ہی وہ سفید فور ویل ڈرائیو نظر آئی تھی جو بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ میرے چونکنے کا سبب کچھ اور تھا۔ فور وہیل ڈرائیو اب بالکل قریب آ گئی تھی اسی لیے میری نظر اس کے داہنی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی نال نظر آ گئی تھی۔ نال سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی آٹومیٹک رائفل کی تھی۔ میں نے اپنے سر کو نیچے کرتے ہوئے چیخ کر کہا۔ ''سب اپنے اپنے سر کو جھکا لیں۔''

میری آواز کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجی اور پراڈو کی باڈی سے کئی گولیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹکرائیں۔ میری طرف کا شیشہ چُور ہو کر بکھر گیا تھا۔ کرچیاں میرے چہرے سے بھی ٹکرائیں تھیں اگر بر وقت چھٹی حس اشارہ نہ دیتی تو ہم میں سے کوئی نہ کوئی شکار ہو چکا ہوتا۔ یہ تو اللہ کا شکر تھا کہ ہم سب محفوظ رہے تھے۔ کمال تو مرتجس کا تھا کہ اس نے سر نیچے کرنے کے بعد بھی اسٹیئرنگ پر قابو رکھا تھا ورنہ ہم کسی کھڈ میں پڑے ہوتے۔

میں نے بھاگتی ہوئی فوروھیل ڈرائیو کو دیکھا جو کافی دور جا چکی تھی۔ مرتجس نے بریک دبا کر گاڑی روک لی تھی اور پیشانی پر نمودار ہونے والے قطروں کو صاف کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ بہت خوفزدہ ہے۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے سفیر نے کہا۔ ''مرتجس تم ہٹ جاؤ میں ڈرائیو کرلوں گا۔''

مرتجس کی حالت ہی ایسی تھی کہ اس سے ڈرائیو نہیں ہو سکتی تھی۔ موت اتنے قریب سے گزرے تو خوف کا عفریت دہلا ہی دیتا ہے۔ لیکن ناصر کے چہرے پر ایسا کچھ نہ تھا۔ وہ ایسا مطمئن تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ میری نظریں اس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں لیکن میں ڈائریکٹ اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا بلکہ کن انکھیوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ اسی وقت میرے موبائل کی بیل بج اٹھی۔ میں نے موبائل کو جیب سے نکالا اور اسکرین پر نظر ڈالی نمبر دیکھ کر مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ میں نے ٹہلنے کے انداز میں سڑک کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ گاڑی سے کافی فاصلے پر آ کر میں نے کال ریسیو کی۔ موبائل کو کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو!''

''شہباز کیسے ہو..... کافی دن بعد بات کر رہا ہوں اس لیے حال احوال پوچھنا ضروری سمجھا۔'' دوسری طرف سے آتی مکروہ آواز نے میرے اندر نفرت کی تیز لہر اٹھا دی تھی۔

''اصل مدعے کی طرف آؤ..... کس لیے فون کیا۔ اس لیے کہ میری طرف سے بات کرنے کے لیے میں نے اپنے وکیل کو نامزد کر رکھا ہے۔'' میں نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

''میں جب کسی کو تحفہ دیتا ہوں تو اس سے پوچھتا ضرور ہوں کہ میرا تحفہ کیسا لگا؟''

''تحفہ کیسا تحفہ؟'' میں نے لہجے کو حیرت بھرا بنانے کی کوشش کی۔

''تم کیا سمجھتے ہو کہ میں اپنے دشمنوں کو بھول جاتا ہوں..... نہیں، کبھی نہیں..... تم تو میرے سب سے بڑے دشمن ہو۔ تمہیں کیسے بھلا دوں۔ جیسے ہی تمہارے بارے میں میرے ایک دوست نے خبر دی میں نے تم پر نظریں جما دیں۔ تم پر میری نظریں گلگت سے ہیں۔''

''واہ بہت خوب..... خانقاہ کی تباہی کے بعد تم نے ٹیم دوبارہ سے تشکیل دے دی ہے۔ کیا سیاست سے کنارہ کشی کرنے والے ہو۔''

''سو فیصد..... سیاست میں کیا رکھا ہے۔ اب میرے پاس سیاست سے زیادہ پاور ہے۔''

''اچھا..... تب تو تم سے مجھے ڈر جانا چاہیے۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''بالکل ڈرو اس وقت سے جب میرا عتاب تمہیں تباہ کر دے اور وہ وقت جلد آنے والا ہے۔ اس کا ٹریلر تم نے دیکھ ہی لیا۔ اگر رائفل کی نال تھوڑی سی اونچی رکھنے کا حکم دے دیتا تو ابھی تم برف خانے میں پڑے ہوتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا تو یہ فائرنگ تمہارے گرگوں نے کی ہے۔''

''پنڈی آنے کا انعام ہے یہ۔ ہم اسی طرح استقبال کرتے ہیں۔ پنڈی پہنچتے ہی اس سے بھی شاندار طریقے سے میں استقبال کروں گا۔ آؤ تو سہی۔''

''اور اتنے سال سے تم کیا کرتے رہے؟''

''اس وقت تک میرے پاس صحیح قوت نہیں آئی تھی۔ اب میں اتنا قوی ہوں کہ تمہیں چیونٹی کی طرح مسل دوں گا۔''

''ماشا اللہ..... گویا تم فرعون سے بھی زیادہ قوی بن گئے ہو لیکن یہ بھول رہے ہو کہ، ہر فرعون را موسیٰ است۔''

''میری قوت کا اندازہ پنڈی پہنچ کر ہوگا۔ آؤ تو سہی۔''

''بالکل آ رہا ہوں۔ تم استقبال کی تیاری کر لو۔''

''ہاں یہ بتا دوں تمہارے ساتھ میرے دو کتے ہیں جو میری پھینکی ہوئی ہڈی کھاتے رہے ہیں۔ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس بات کا خیال رکھنا۔ کافی طویل گفتگو ہوئی، باقی باتیں اس وقت ہوں گی جب تم میرے قدموں میں بیٹھے ہو گے۔'' اس نے کہہ کر کال آف کر دی۔

میں اسی جگہ کھڑا فکر میں ڈوب گیا تھا۔ مجھے امید نہ تھی کہ مرشد اتنا طاقتور بن جائے گا۔ پہلے تو ڈیوڈ شا کے بل پر کود رہا تھا۔ اب اسے کس کا سہارا مل گیا جو ڈیوڈ شا سے بھی زیادہ قوی ہے۔ اس نے نیٹ ورک اتنا کیسے پھیلا لیا کہ گلگت تک اس کے آدمی پھیل گئے ہیں۔ ناصر اور امداد شاہ کی باتوں سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ صرف وہی دونوں اس کے کسی کام سے گلگت آئے تھے لیکن اب اندازہ ہو رہا ہے کہ اس نے یہاں پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ وہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس بات نے فکر میں ڈال دیا تھا۔ ہماری پوری ٹیم ایک ہی گاڑی میں ہے۔ اگر اس نے بھرپور حملہ کر دیا تو.....؟ اس تو کا جواب سوجھ نہیں رہا تھا۔

''کیا بات ہے۔ کیا سوچ رہے ہیں۔'' سفیر نے آواز دی تو میرے خیالات کا گرداب تھما۔ میں نے اسے اشارے سے قریب بلایا۔ سفیر کی آواز نے مرتجس کو بھی چونکا دیا تھا۔ اتنی دیر میں اس کی حالت سنبھل گئی تھی۔ سفیر کو میری طرف بڑھتے دیکھ وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور میری طرف آنے لگا۔ اسے آتے دیکھ میں مخمصے میں پڑ گیا اس لیے کہ اس کے سامنے میں سفیر سے کوئی بات کر نہیں سکتا تھا۔ موبائل میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے جلدی جلدی ایک چھوٹا سا میسج بنایا کہ وہ مرتجس کو روکے۔ اور اسے میں نے وسیم کے موبائل پر سینڈ کر دیا۔ میری نظریں وسیم پر تھیں۔ وہ پراڈو کے قریب کھڑا گولیوں کے نشان کو چھپانے کے لیے اسٹیکر کی جگہ تبدیل کر رہا تھا۔ موبائل پر بیپ ہوتے ہی اس نے موبائل نکال کر دیکھا پھر وہیں سے آواز دی۔ ''مرتجس..... بات سنو۔''

مرتجس آگے بڑھتے ہوئے رک گیا۔ اس نے سر موڑ کر پیچھے دیکھا اور پھر وسیم کے اشارے پر اس کی جانب مڑ گیا۔ لیکن سفیر آگے بڑھتا رہا۔ جب وہ میرے قریب پہنچ گیا تو میں نے کہا۔ ''ابھی ابھی مرشد کی کال آئی تھی۔ یہ حملہ اس کے گرگوں نے کیا ہے۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ ہمارے کس دشمن نے ایسی حرکت کی۔ صرف گولیاں چلائیں اور بھاگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے۔'' سفیر نے جواب میں کہا۔

''ہمیں دہلانے کے لیے ایسی حرکت کی ہے۔ مرشد کا کہنا تھا کہ شوٹر کو کہہ دیا گیا تھا کہ وہ صرف خوفزدہ کر کے فرار ہو جائے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

''مرشد کا کہنا ہے کہ وہ شروع سے ہم پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

''یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس نے ہوا میں تیر چلایا ہو۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اسے ان لوگوں نے خبر دی ہو جنہیں ہم بے ہوش چھوڑ آئے ہیں۔ امداد شاہ کے غائب ہونے کی خبر دیتے وقت انہوں نے بتا دیا ہو کہ یہ کام شہباز کا ہے۔ وہ سب کے سب گلگت کے نہ ہوں ان میں سے کوئی ایک مرشد کا خاص آدمی ہو جو مجھے پہچانتا ہو لیکن اس وقت منہ سے پھوٹا نہ ہو۔''

''یہ بھی ہوسکتا ہے۔ بات کچھ بھی ہو میں نے سوچا ہے کہ پروگرام میں کچھ تبدیلی کر لوں۔''

''کیسی تبدیلی؟''

''تم پراڈو میں رہو گے اور تمہارے ساتھ امداد شاہ اور ناصر ہوں گے۔ تمہارے کچھ پیچھے وسیم سوزوکی میں عبداللہ اور مرتجس کے ساتھ رہے گا، کچھ فاصلے سے کور دینے کے لیے۔ میں پبلک ٹرانس پورٹ سے آ جاؤں گا۔ اس طرح ہم سب الگ الگ ہوں گے تو اسے گھیرنے میں دشواری ہوگی۔''

''اگر آپ الگ سفر کرنے پر بضد ہیں تو ایسا کریں کہ بائیک اتار لیں۔ بائیک سے سفر اچھا گزرے گا۔'' سفیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس نے یہ مشورہ مذاق میں دیا تھا۔ اس لیے کہ بائیک پر طویل سفر آسان نہیں ہے۔ ایسی بائیک پر تو بالکل ہی نہیں لیکن میں نے کچھ سوچ کر کہا:

''ہاں بائیک بہتر رہے گی اس لیے کہ بائیک کے مسافر کو لوگ نزدیکی علاقے کا سمجھتے ہیں اور پھر جہاں چاہا اسے پارک کر دیا۔''

''شہباز صاحب عقل سے کام لیں۔ یہ کوئی کلو دو کلو میٹر کا سفر نہیں ہے۔ اتنا طویل سفر بائیک پر کوئی صحیح العقل آدمی کر نہیں سکتا۔''

''جو کوئی نہیں کرتا وہ میں کرتا ہوں..... میں کچھ سوچ کر یہ رسک لے رہا ہوں۔ یوں سمجھو کہ میں دونوں گاڑیوں کو کور دوں گا۔ جیسے ہی خطرہ محسوس کروں گا تو میں مس کال دوں گا اور تم لوگ الرٹ ہو جانا۔''

'جب آپ ضد پر اتر آئے ہیں تو بائیک اتروا لیجیے۔''

''جاؤ اتروا لو اور ان سب سے کہنا کہ شہباز کو ایک کام کی وجہ سے رکنا پڑ رہا ہے۔ وسیم کے لیے کہنا کہ اسے راستے میں ایک کام کے لیے رکنا ہے اسی لیے وہ سوزوکی لے جا رہا ہے۔ لیکن سب ایک دوسرے سے رابطے میں رہیں گے۔''

سفیر نے بائیک اتار دی۔ مرتجس نے لاکھ کوشش کی کہ میں اسے بھی اپنے ساتھ لے لوں تا کہ زبان کا مسئلہ آڑے نہ آئے لیکن میں نے اسے منع کر دیا کہ بس ایک دو دن کا معاملہ ہے میں جلد آ ملوں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سفیر نے فوراً ہی اپنی گاڑی بڑھا دی۔ جب وہ لوگ کافی دور نکل گئے تب میں نے اپنا سفر شروع کیا۔ اگر کوئی سن لیتا کہ میں بائیک پر چلاس سے پنڈی جا رہا ہوں تو تعجب کا اظہار ضرور کرتا۔ لیکن میں نے یہ خطرہ مول لیا تھا صرف اس لیے کہ میرے ساتھی محفوظ رہیں۔ وہ جلد سے جلد پنڈی پہنچ جائیں۔ اور اگر راستے میں وہ کسی دشواری کا سامنا کرتے ہیں تو میں ان کو با آسانی کور دے دوں گا۔ اسی خیال سے میں بائیک پر تھا۔

ویران سڑک صرف آتی جاتی گاڑیاں ایسے میں بائیک کا سفر کچھ عجیب سا لگ رہا تھا مگر میں بائیک دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ کافی دور آ چکا تھا۔ پراڈو اور سوزوکی کافی آگے نکل چکی تھیں اور اب نظر بھی نہیں آ رہی تھیں۔ چلاس بھی بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ دھوپ کی تپش میں بائیک کا سفر ایک عذاب بن گیا تھا۔ اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ خواہ مخوا بائیک کی ہامی بھری۔ اگر میں نے اکیلے سفر کا سوچ ہی لیا تھا تو مجھے سوزوکی لینی چاہیے تھی ورنہ پیٹھ ایسی اکڑتی تو نہیں۔ اسی سوچ میں کافی سفر طے کر لیا تھا کہ احساس ہوا جیسے انجن میں کوئی خرابی آ رہی ہے اس لیے کے بائیک کی آواز بدل رہی تھی۔ تبھی مجھے ایک چھپر ہوٹل نظر آیا اور میں نے وہاں رک کر کچھ دیر ستا لینے کی ٹھانی۔ اگر انجن گرم ہو جانے کی وجہ سے ایسی آواز آ رہی ہے تو وہ خود ٹھیک ہو جائے گی۔

ہوٹل میں قطار در قطار بہت سی چارپایاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک پر میں بیٹھ گیا۔ وہ چارپائی نیم کے پیڑ تلے بچھی تھی۔ نیم کا پیڑ یوں بھی ٹھنڈک دیتا ہے اس کا پرانا ہونا سونے پر سہاگہ ہے۔ دھوپ کی شدت کو ایک لمحے میں نیم ٹھنڈک میں بدل دیتا ہے۔ میں نے چارپائی پر لیٹ کر اس بچے کی طرف دیکھا جو مجھے دیکھتے ہی بھاگا ہوا آیا تھا تاکہ آرڈر لے سکے۔

''کھانا کھا کر چلا ہوں اس لیے صرف چائے مل جائے گی۔'' میں نے پوچھا۔

''باؤ اس وقت چائے کہاں سے ملے گی اگر کہو تو تیار کرا دوں۔'' بچے نے کہا اور اس انداز میں میری طرف دیکھنے لگا جیسے اسے امید ہو کہ میں اس کی بات کی تائید میں آرڈر ضرور دوں گا۔ یہ ہوٹلوں گیراج اور دیگر جگہوں پر کام کر کے اپنا بچپنا گنوا دینے والے بچے دراصل اپنے گھر کے لیے بڑے ہوتے ہیں۔ پورے گھر کا بوجھ اٹھانے والوں میں شامل ہوتے ہیں۔ قانونی طور پر چھوٹے بچوں سے کام لینا جرم ہے اور یہ جرم ہمارے ہاں عام ہے۔ میں دل سے اسے پسند نہیں کرتا۔ انسانیت کی اس تذلیل کو کون پسند کر سکتا ہے لیکن میں اسے مجبوری کی دلیل بھی کہتا ہوں اسی لیے ایسے بچوں کو ٹپ دینے میں، مَیں کبھی پیچھے نہیں رہا اسی لیے میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''ہاں بنوا دو لیکن ذرا جلدی کرنا۔''

بچہ آرڈر لے کر چلا گیا تو میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بائیک کا سفر ایسے ہی جوڑ جوڑ کو ہلا دیتا ہے۔ اس پر مرشد کی فکر الگ۔ مرشد کا نام ذہن میں آتے ہی میں نے سفیر سے بات کرنا چاہی اور موبائل نکال لیا۔ اسکرین پر نظر پڑی تو میں حیران رہ گیا۔ سگنل کا کوئی پتا نہیں تھا۔ چلاس میں تو موبائل کام کر رہا تھا لیکن اب یہاں کسی کام کا نہ رہا۔ معمولی سا ڈبہ بن کر رہ گیا تھا جس پر گیم کھیلا جا سکتا تھا یا پھر ٹائم دیکھا جا سکتا تھا اس لیے میں نے موبائل کو دوبارہ سے جیب میں رکھ لیا اور آنکھیں موند کر لیٹ گیا۔ کچھ دیر کے آرام سے راحت ملے گی یہی سوچ کر میں لیٹا تھا کہ بچے نے آ کر اٹھا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''صاحب جی چائے۔'' اس آواز پر میں نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی میں چائے کا سپ لے رہا تھا کہ ایک ہائی روف آ کر رکی اور اس سے تین آدمی اترے۔ ان پر سرسری نظر ڈال کر میں نے چائے کا دوسرا سپ لیا۔ چائے کیا تھی۔ ایسا لگ رہا تھا دودھ کو گاڑھے محلول میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور شکر اتنی تھی کہ اس سے مزید دو کپ چائے بن جاتی۔ حلق تک میٹھا ہوا جا رہا تھا۔ جیسے تیسے میں نے چائے حلق میں انڈیلی اور دوبارہ سے آنکھیں بند کر لی۔ کافی دیر تک اسی پہلو لیٹا رہا تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ تبھی مجھے خیال آیا کہ اگر وقت یہیں گزار دیا تو ناران پہنچتے پہنچتے رات کا پہلا پہر شروع ہو جائے گا اس لیے چل دینا چاہیے۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تبھی میری نظر نئے آنے والوں پر پڑی۔ وہ لوگ کھانا آنے کے انتظار میں بیٹھے تھے لیکن ان کی نظریں ایسے گردش کر رہی تھیں جیسے وہ پورے ہوٹل کا سروے کر رہے ہوں۔ مجھے اٹھتے دیکھ وہ سب میری طرف دیکھنے لگے۔ یہ کوئی عجیب بات تو نہیں تھی۔ ایسا ہر جگہ ہوتا ہے۔ غیر آباد علاقے میں کوئی انسان نظر آ جائے تو وہ اسے بغور دیکھتے ہیں۔ یہاں بھی میرے علاوہ دو تین آدمی ہی تھے اس لیے اگر وہ میری طرف دیکھ رہے تھے تو تعجب کی بات کیا تھی اس لیے میں نے توجہ نہ دی اور بچے کو اشارے سے بلا کر سو کا نوٹ دیا اور بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔

میرا سفر دوبارہ سے شروع ہو گیا تھا۔ قراقرم ہائی وے کی ویرانی ہمرکاب تھی۔ سڑک تقریباً ویران تھی۔ کافی دیر دیر بعد کوئی گاڑی گزرتی تھی۔ ایسے سنسان سڑک پر ڈرائیو کا اپنا مزہ ہے۔ میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہوٹل سے نکلے دو گھنٹے سے زائد ہو چکا تھا۔ اب شام اترنے لگی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ناران سے پہلے رکنا نہیں ہے۔ اسپیڈ بھی بڑھا دی تھی۔ آتی جاتی گاڑیوں سے زیادہ دشواری بھی نہیں ہو رہی تھی۔ گاڑیوں کی ہیڈ لائٹ کچھ پریشان ضرور کرتی لیکن ایسی باتوں پر میں توجہ نہیں دیتا۔ کیونکہ کافی دیر دیر بعد یہ گاڑیاں پریشان کرتی تھیں اس لیے سامنے سے آتی گاڑی کو دیکھ کر میں اسپیڈ سلو کر لیتا تھا۔

اب میں کافی آگے آ چکا تھا۔ ناران زیادہ دور نہیں رہا تھا۔ قریب آتا جا رہا تھا کہ پیچھے سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹ کی روشنی میرے آگے تک پہنچنے لگی۔ میں نے بائیک کو مزید کنارے کر لیا تھا۔ میری پوری توجہ سامنے کی طرف تھی۔ انسان ہوں، قدرت سے ٹکرا نہیں سکتا۔ انسان سانس نہ لے تو مر جائے لیکن جو سانس لیتا ہے اسے اپنے پھیپھڑے میں رکھ نہیں سکتا۔ خارج کرنا ہی پڑتا ہے۔ انسانی ضرورت کے تحت میں نے بائیک روک لی مگر زیادہ دور گیا نہیں۔ وہیں سڑک کنارے بیٹھ گیا تھا کہ جس گاڑی کی ہیڈ لائٹ نظر آئی تھی وہ قریب آ گئی۔ تب میں نے دیکھا اور اسے پہچان لیا۔ یہ وہی ہائی روف تھی جو مجھے ہوٹل پر نظر آئی تھی۔ وہ ہائی روف برابر سے گزرتی ہوئی کچھ آگے گئی اور پھر رک گئی۔

اسے رکتے دیکھ میں کھڑا ہو گیا۔ یوں بھی کھڑا ہونا ہی تھا کہ واپس بائیک تک بھی آنا تھا۔ تبھی ہائی روف کا دروازہ کھلا اور ایک بندہ باہر آیا۔ اس کا رخ میری ہی طرف تھا۔ میں نے توجہ نہیں دی کیونکہ ایسی شارع پر اگر گاڑی خراب ہو جائے تو لوگ رک کر پوچھ لیتے ہیں کہ مدد کی ضرورت تو نہیں ہے۔ میں یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ ایسا ہی کوئی سوال کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ میں اس کی طرف دیکھتا ہوا بائیک کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اسی وقت گاڑی سے ایک اور بندہ اترا اور تیز قدموں سے میری طرف بڑھنے لگا۔ اتنی دیر میں دوسرا بندہ میرے بالکل قریب آ گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔اس نے پوچھا۔''کیا بائیک خراب ہوگئی ہے؟''

''نہیں.....وہ میں ضرورت کے تحت اترا تھا۔''میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا۔'' کہتے ہوئے وہ بندہ جو بعد میں ہائی روف سے اترا تھا میرے بالکل قریب آ گیا۔

''آپ اتنا لمبا سفر بائیک پر کریں گے۔یہ بات ہضم نہیں ہو رہی۔''اس نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''میں نے الجھے انداز میں کہا۔

''باؤ، پنڈی کوئی یہاں تو ہے نہیں۔اتنی دور کا سفر اور معمولی سی کھٹارا بائیک۔مر جاؤ گے صاحب۔اتنا لمبا سفر بائیک پر آسان نہیں۔''

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں پنڈی جا رہا ہوں۔''میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا لیکن ذہن پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

''یہ جیدا تو ایسے ہی بکواس کرتا ہے۔لیکن میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ آپ میری گاڑی میں آ جائیں۔جہاں کہیں گے اتار دوں گا۔بائیک یہ جیدا لے آئے گا۔''نئے آنے والے نے کہا۔

''شکریہ میں بائیک پر ہی ٹھیک ہوں۔'' کہتے ہوئے میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس نے یہ جملہ کیوں کہا کہ آپ اتنا لمبا سفر بائیک پر کریں گے۔اسے کیا پتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔

''آپ شاید یہ سوچ رہے ہیں کہ میں نے یہ کیوں کہا کہ آپ لمبے سفر پر جا رہے ہیں۔بات صاف ہے، آگے ناران ہے۔راستے میں کوئی گاؤں بھی نہیں ہے۔یعنی کہ آپ ناران یا اس سے آگے جائیں گے۔''

میں نے مسکرا کر کہا۔''آپ کا اندازہ درست ہے۔''

''تو پھر دیر کس بات کی۔چلیں ہائی روف میں اتنی جگہ ضرور ہے کہ ایک آدمی اور بیٹھ جائے۔''

''جی ہاں مجھے اندازہ ہے کہ تین آدمیوں کے بیٹھنے کے بعد بھی اتنی جگہ ہوتی ہے کہ چوتھا آدمی بیٹھ سکے لیکن میں اپنی بائیک کو ہی پسند کروں گا۔''میں نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔عین اسی وقت میرے سر کے پچھلے حصے پر قیامت ٹوٹ پڑی۔آخری الفاظ جو میں نے سنے تھے وہ یہ تھے۔''ہمارے رہتے آپ اسکوٹر پر کیوں جائیں گے۔ابھی تو آپ کی خاطر داری بھی کرنی ہے۔''اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں اس لیے کہ ذہن پر اندھیرا سا چھاتا چلا گیا تھا۔

مجھے جب ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک بیڈ پر لیٹے ہوئے پایا۔کمرے میں کوئی نہیں تھا صرف میں تھا۔لیکن میرے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔میں نے لیٹے لیٹے اپنے پیروں کو دیکھا۔وہ آزاد تھے۔اب میں نے سر گھما کر دیکھا تو کمرا کسی عاشق کے دل کی طرح خالی تھا۔کوئی بھی نہیں تھا۔میں نے ہاتھوں کو ہلایا تا کہ رسّی کی مضبوطی کا اندازہ کر سکوں۔جس نے بھی گانٹھ لگائی تھی مضبوطی کا خاص خیال رکھا تھا۔میں نے ہاتھ کو آگے پیچھے کرنا شروع کر دیا تا کہ رسّی کچھ تو ڈھیلی پڑے۔

ابھی میں ہاتھوں کو ہلا ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور مجھے لانے والے وہ تینوں بندے اندر آئے۔اندر آتے ہیں ان میں سے ایک نے کہا۔''کیوں شہزادے کیسا لگ رہا ہے.....ویسے فکر نہ کرو ہم بہت اچھے میزبان ہیں۔اپنے مہمانوں کی خاطر داری خوب کرتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں سمجھا نہیں..... مجھے کیوں لائے ہو۔'' میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں لایا گیا ہے یہ تو مجھے بھی پتا نہیں بس ہمیں حکم دیا گیا اور ہم بھاگتے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا جیسے وہ میرا جگری دوست ہو۔ ''ویسے میں تعارف کرادوں..... یہ جیدا ہے۔'' اس نے مونچھ والے کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ ''یہ ہاتھ پیروں کے جوڑ کھولنے کا ماہر مانا جاتا ہے۔ اور یہ چاقو سے چرکا لگا کر گونگے سے بھی پیٹ کی بات اگلوا لیتا ہے۔'' پھر اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔ ''مجھے لوگ آصف کہتے ہیں اور میں دانت اکھاڑنے کا کام کرتا ہوں۔''

''لیکن یہ سب مجھے کیوں سنا رہے ہو۔ میں تو تم لوگوں کو پہچانتا بھی نہیں ہوں۔'' میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ میرے بہت قریب آ گیا اور پھر میرے بال کو مٹھی میں پکڑ کر بولا:

''ابھی پہچان جاؤ گے۔ بس مجھے فون کا انتظار ہے کہ تمہیں سزا دینے کے لیے کون سی جگہ مقرر کی گئی ہے۔ یہاں تمہاری خاطر داری ہوگی یا پنڈی میں۔''

''مجھے اس طرح بے ہوش کر کے لانے کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ میں وہ وجہ سننا چاہتا ہوں۔'' بال کھنچنے سے جو تکلیف ہو رہی تھی اس تکلیف کو نظر انداز کرتے ہوئے میں نے کہا۔

''فکر کیوں کرتے ہو کچھ ہی دیر میں علم ہو جائے گا کہ تمہیں کیوں سزا دی جائے گی۔ بس فون آنے کی دیر ہے۔'' وہ ایسے بول رہا تھا جیسے ہم کسی ہوٹل یا اپنے ڈرائینگ روم میں بیٹھے فرینڈلی ٹاک میں مصروف ہیں۔

''دیکھو بھائی..... پتا نہیں تم کس کے دھوکے میں مجھے اٹھا لائے ہو۔ بس اتنا کرم کر دو، میرے ہاتھ میں خون کی روانی رک رہی ہے۔ پلیز ہاتھ ہی کھول دو تب تک فون بھی آ جائے گا اور وہ خود کہیں گے کہ میں بے قصور آدمی ہوں۔'' میں نے اپنے لہجے کو التجائیہ بنا لیا تھا۔

''بات تو صحیح ہے کہ ہم سے تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے اور نہ ہم جانتے ہیں کہ تم کون ہو۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم تیزی سے ناران سے نکلیں اور قراقرم روڈ پر جو بندہ ادھر بائیک سے آ رہا ہے اسے اغوا کر کے کسی محفوظ جگہ رکھ دیا جائے۔ فیصلہ پنڈی والے کریں گے۔'' اس نے میرے بالوں کو چھوڑ کر کہا۔ ''فی الحال ایسا کرتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ کو کھول دیتے ہیں۔ اس طرح تمہاری شکایت کا ازالہ ہو جائے گا۔'' پھر اس نے میرے ہاتھوں کو بندھن سے آزاد کر دیا۔

نائیلون کی رسّی کو اتنی سختی سے باندھا گیا تھا کہ واقعی میرے ہاتھوں میں خون کی گردش رکنے لگی تھی۔ ایک تو پہلے ہی وہ ہاتھ کمزور تھا۔ حکیم قابوس کے علاج سے کچھ صحیح تو ہوا تھا لیکن خون کا دوران رکتا تو پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ میں نے ہاتھوں کی دونوں کلائیوں کو گول گول گردش دینا شروع کر دیا تھا۔ تاکہ خون کی روانی بحال ہو جائے۔ ساتھ ہی ساتھ میری نظریں ان تینوں کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ غلط کام میں مشغول ضرور ہیں لیکن فطرتاً غلط نہیں ہیں۔ شاید پڑھے لکھے ہیں یعنی جو بات کر رہا تھا وہ تعلیم یافتہ لگ رہا تھا اسی وجہ سے اتنی شائستگی سے پیش آ رہا ہے۔ ان میں سے ایک جس کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں تھی اس کی کمر میں اڑسا ہوا پستول مجھے نظر آ گیا تھا۔ اب وہ پستول میرے قبضہ میں کیسے آئے میں اسی بابت سوچ رہا تھا۔

ابھی میں پستول حاصل کرنے کا طریقہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے موبائل کی بیل بج اٹھی اور وہ فون سننے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا۔ دوسری طرف کی بات سن کر بولا۔ ''یس سر میں اسے اپنے ساتھ لے کر آ رہا ہوں۔''

فون بند کرنے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب تھا۔ ''واہ بھائی تم تو بڑی چیز ہو۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہیں باندھ کر لایا جائے۔''

''بھائی ایسا ظلم تو نہ کرو۔ باندھ کر لے جانا کیا ضروری ہے؟''

''ہمیں کہا گیا ہے کہ آپ بڑی اونچی چیز ہیں۔ کسی وقت بھی پینترا بدل کر بازی الٹ سکتے ہیں۔''

''بھائی کون ایسی بات کہہ رہا ہے، کون حکم دے رہا ہے اور مجھے کہاں لے جانا ہے، کچھ تو بتاؤ۔'' میں معصوم بنا سوالات پر سوالات کیے جا رہا تھا۔

''تم سائیں بادشاہ کے مہمان ہو۔ صبح کی چائے تم مرشد سائیں کے ساتھ پیو گے۔'' اس نے سانس لے کر کہا۔ ''وقت کم ہے اس لیے ہم ابھی نکل پڑیں گے۔''

''اسی ہائی روف پر چلنا ہے؟'' میں نے ایسے کہا جیسے میں راضی ہو گیا ہوں۔

''نہیں ٹرک پر۔ لیکن تم ٹرک پر نہیں ٹب میں جاؤ گے تاکہ اگر کہیں چیکنگ ہو تو گڑبڑ نہ کر دو۔''

''ٹب میں..... میں سمجھا نہیں؟'' کہتے ہوئے میں نے غیر محسوس انداز میں اپنے پیر کو بھی کھول لیا۔ باتوں کے درمیان میں ایسے بندھن کھول رہا تھا جیسے غیر ارادی طور پر ایسا کر رہا ہوں۔

''ہم جسے یہاں سے لے جاتے ہیں اس کے لیے ایک بڑا سا ٹب استعمال کرتے ہیں۔ اس ٹب میں بندے کو بے ہوش کر کے لٹا دیتے ہیں اور ٹب کو ٹرک کے نیچے باندھ دیتے ہیں۔ جھولتے ہوئے، دنیا و مافیہا سے بے خبر وہ پہنچ جاتا ہے۔ راستے میں چیکنگ ہوتی بھی ہے تو کوئی ٹرک کے نیچے جھانکتا نہیں ہے۔ اگر جھانک بھی لے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ ٹب ٹرک کا حصہ ہے یا الگ سے لگایا گیا ہے اس لیے تمام کام خوش اصلوبی سے طے پا جاتا ہے۔''

''تو پھر میں ایسا کرتا ہوں۔'' کہتے ہوئے میں نے ایک ایسی حرکت کی کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا۔ بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سے اچھلا تھا اور تقریباً اڑتا ہوا مونچھ والے پر جا پڑا تھا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تھی مگر میرے ہاتھ نے کمال دکھا دیا تھا۔ اس کی کمر میں اڑسا ہوا پستول میرے ہاتھ میں آتے ہی میں نے دوبارہ سے اچھال بھری تھی اور دروازے کے نزدیک جا کھڑا ہوا تھا۔

میری اس حرکت نے ان تینوں کو بوکھلا دیا تھا۔ وہ ایک ساتھ میری طرف دوڑے تھے۔ ان کی اس اضطراری حرکت نے بتا دیا تھا کہ وہ ٹرینڈ نہیں ہیں۔ لڑائی بھڑائی کے جو اہم نکات ہوتے ہیں وہ بھی انہیں معلوم نہیں اسی لیے وہ سب ایک ساتھ میری طرف دوڑے تھے۔ اور یہی ان کی غلطی تھی۔ میں نے دوبارہ سے اچھال بھری اور ان پر جا پڑا۔ وہ تینوں اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ایک ساتھ زمیں بوس ہوئے اور ان پر میں سوار تھا۔ لیکن میں نے گرتے ہی دوبارہ اچھال بھری تھی اور اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا تھا ساتھ ہی ساتھ اچھل کر دور چلا گیا تھا۔

جس کی گردن پر میرا ہاتھ لگا تھا وہ اپنی گردن تھامے ہوئے تھا اور جس کو لات لگی تھی وہ الگ پڑا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اتنی دیر سے وہ شریف بنے ہوئے تھے۔ زبان میں شائستگی کی مٹھاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے ہوئے تھے لیکن ایک ہی وار نے ان کی شائستگی کو ہوا میں اڑا دیا تھا۔ وہ تینوں گالیاں بکتے ہوئے میری طرف دوڑے تھے۔ میں نے ان کو موقع دیا اور جیسے ہی وہ نزدیک پہنچے میں نے ہوا میں اچھال بھری اور ان کے پیچھے پہنچ گیا۔ شاید یہ سب ان کے لیے نیا تھا کیونکہ ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا تھا۔ ''ابے کیا پرندے کی اولاد ہے۔''

میں نے دوبارہ کھڑکی طرف اچھال بھرتے ہوئے کہا۔ ''باز ہوں میں..... شہباز ہے میرا نام، صرف میرے جسم میں ہاتھ لگا دو تو میں مان لوں گا۔''

ان سے کھیلتے ہوئے مجھے مزہ آ رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ خود کو کوئی اونچی چیز سمجھ رہے تھے اسی لیے اتنی دیر تک بکواس کرتے رہے تھے۔ اب ان کو اپنے مقام کا تعین ہو گیا ہو گا۔ تبھی ان میں سے ایک نے کہا۔ ''یہ ہاتھوں سے پکڑائے گا نہیں۔ فائر کر۔''

فائر کا نام سنتے ہی میں نے دروازے کی جانب اچھال بھری اور ان کے سر کے اوپر سے ہوتا ہوا عین دروازے کے بیچوں بیچ پہنچا۔ زمین پر قدم ٹکائے اور چیخ کر کہا۔ ''اچھا دوستو ورزش کرانے کا شکریہ۔ میں تو چلا۔''

اتنا کہہ کر میں نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی ساتھ ہی ساتھ ایک فائر بھی کر دیا تھا تا کہ وہ کچھ دیر کے لیے اندر رکے رہیں اور مجھے موقع مل جائے۔ باہر اندھیرا اترنے لگا تھا۔ میں نے باہر آ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دور و نزدیک کوئی عمارت یا مکان نہیں تھا۔ ویرانے میں یہ اکلوتا مکان تھا۔ شاید یہ اوطاق کے قسم کی کوئی چیز تھی۔ رکنا خود کو پریشانی میں ڈالنا تھا۔ اس لیے میں ناک کی سیدھ میں دوڑتا چلا گیا تھا۔ یہ بھی نہیں دیکھ رہا تھا کہ میں جا کہاں رہا ہوں۔

ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ میری نظر ایک گاڑی پر پڑی۔ وہ کچھ دور تھی اور اس کا رخ اسی مکان کی طرف تھا۔ وہ تیزی سے آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر میری چھٹی حس نے خطرے کا سگنل دیا۔ یقیناً وہ گاڑی اسی مکان کی طرف جا رہی ہے تو اس میں دشمن ہی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کسی نے کال کر کے مدد مانگی ہو۔ لیکن اتنی جلدی مدد کیسے آ گئی، یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اس لیے میں دوڑتا ہی رہا۔ میرا رخ اس طرف تھا جہاں بہت سارے پیڑ نظر آ رہے تھے۔ شاید وہاں سے جنگل شروع ہو رہا تھا یا پھر وہ کوئی گھاٹی تھی۔ وادی تھی۔ ابھی اندھیرا گہرا نہیں ہوا تھا اور دور کی چیزیں بھی آسانی سے نظر آ جا رہی تھیں۔

میں پاگلوں کی طرح ادھر بھاگنے لگا۔ بھاگتے بھاگتے میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ گاڑی اسی مکان کے سامنے رک گئی تھی۔ تبھی اندر سے دوڑ کر کوئی نکلا تھا اور گاڑی والے سے کچھ بولا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ گاڑی میں میرا پیچھا کریں گے۔ میں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔

کچھ اور آگے جانے کے بعد مڑ کر دیکھا۔ تو خطرے کو اپنی طرف بڑھتے پایا۔ وہ گاڑی اب تیر کی طرح میری طرف آ رہی تھی۔ گویا اب زندگی اور موت کا کھیل شروع ہو گیا تھا۔ آنے والے مسلح بھی ہوں گے اور کسی بھی وقت وہ مجھ پر فائر کر سکتے تھے اس لیے میں نے اپنی پوری قوت لگا دی تھی۔ اب اندھیرا ابھی بڑھ چکا تھا۔

اس وقت میں ایسے بھاگ رہا تھا جیسے میرے پیچھے جہنم کی بلائیں لگ گئی ہوں۔ اس لیے کے عقب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائر ہوا تھا اور گولی میرے قریب سے سنسناتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اب جھاڑیاں بھی قریب آ گئی تھیں، گو کہ یہ جھاڑیاں کٹیلی تھیں۔ جسم پر خراشیں ڈال سکتی تھیں مگر موت سے خراش بہتر ہے۔ یہ سوچ کر میں ان جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا تھا۔

جسم پر جا بجا سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں لیکن میں رکا نہیں تھا۔ اندر کی طرف دوڑتا چلا گیا تھا۔ اسے دوڑنا بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ میں اچھلتا کودتا ہوا دوڑ رہا تھا۔ جا بجا چھوٹے چھوٹے پتھر بھی تھے جن سے ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ اندھیرا مزید گہرا ہو گیا تھا۔ اندھیرا بڑھانے میں ان اونچے اونچے پیڑوں کا کردار زیادہ تھا جو ہر دو تین قدم کے بعد سر اٹھائے کھڑے تھے۔ اور یہی پیڑ مجھے بچائے ہوئے تھے اس لیے کہ اب عقب سے فائر بھی ہو رہا تھا۔ یہ فائر کسی نشانے پر نہیں تھا۔ وہ لوگ اندھا فائر کر رہے تھے۔ کوئی گولی بھی میرے نزدیک سے نہیں گزر رہی تھی۔ شاید وہ لوگ مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش میں تھے۔ ان کی کوشش کچھ حد تک کامیاب بھی ہوئی تھی۔ میں اب بھی اسی تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ بار بار ٹھوکر لگ رہی تھی۔ لڑکھڑا رہا تھا مگر میں رک نہیں رہا تھا۔ سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ پھیپھڑے جواب دیتے جا رہے تھے۔ الجھ الجھ کر جتنی بار گرا تھا اتنی ہی بار چہرے پر خراشیں آئی تھیں۔ جلن بھی بے چین کیے ہوئے تھی مگر رکنے کا سوال نہیں تھا اس لیے کہ رکتا تو گولیاں مقدر ٹھہرتیں۔

○.....❖.....○

میرے دائیں بائیں ویرانہ تھا اور عقب میں موت کے فرشتے۔ اگر ایک لمحے کو بھی میں رک جاتا تو لاچارگی کی موت ملتی۔ اس لیے ہی دوڑے جا رہا تھا۔ اب تاریکی بھی بڑھ گئی تھی۔ اور راستہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ تبھی مجھے دور بہت دور روشنی سی نظر آئی۔ گو کہ وہ روشنی ایک ڈیڑھ کلومیٹر سے کم دور نہیں تھی پھر بھی مجھے ایسا لگا کہ ایک نئی زندگی کی نوید مل گئی ہے۔ میں نے اب اپنا رخ اسی طرف کر لیا تھا لیکن مجھے حد سے زیادہ کمزوری محسوس ہونے لگی تھی۔ ایسا لگنے لگا تھا کہ جسم میں قوت بالکل نہیں رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آج کئی دن سے مسلسل ایک نہ ایک ہنگامہ منتظر رہ رہا تھا۔ وادی سے نکلنے کے بعد سے کوئی نہ کوئی مسئلہ الجھائے ہوئے تھا۔ پھر اتنی دیر تک بائیک کے جھٹکے بھی یہ جسم سہہ چکا تھا۔ پیروں میں اب قوت ختم ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ پیر لڑکھڑانے لگے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب میں گر جاؤں گا۔ ایسی کمزوری اس سے قبل میں نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ یوں لگا جیسے میں اب گرا کہ اب گرا اور پھر واقعی گر گیا۔ پیر ایک جھاڑی سے الجھا تھا کہ میں خود کو سنبھال نہ سکا اور منہ کے بل گرا اور ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا۔ چھوٹے چھوٹے نوکیلے پتھر جسم میں چبھتے رہے اور میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا لیکن ڈھلان ایسی تھی کہ میں رک ہی نہیں سکا۔ نیچے کی جانب لڑھکتا ہی رہا۔ پھر ایک جھاڑی درمیان میں آئی اور اضطراری طور پر میں نے اسے پکڑ لیا۔ ایک ساتھ کئی جھاڑیاں پکڑ میں آئی تھیں اس لیے سنبھل گیا۔ رک گیا۔

جھاڑیوں نے روک تو لیا تھا لیکن پتھروں پہ لڑھکنے سے جسم میں جا بجا چوٹیں آئی تھیں لیکن یہ چوٹیں گولیاں کھانے سے بہتر تھیں۔ میں نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ اس وقت میں ایک گڑھے میں پڑا تھا جس میں جھاڑیاں کسرت سے اُگی ہوئی تھیں۔ انہی جھاڑیوں نے مجھے چھپا لیا تھا۔ میں جھاڑیوں کو ہٹاتا کہ اوپر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دی پھر پہاڑی کے سرے پر مجھے دو سائے سے نظر آئے اور میں دبک گیا۔ آسمان صاف تھا اور ستارے جھلملا رہے تھے۔ ایسی خاموش فضا میں ستاروں کے نظارے کا لطف لینا ایک اپنا مزہ ہے مگر میں ستاروں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا میری نظریں ان دونوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔

وہ دونوں اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے اور مجھ سے زیادہ دور بھی نہیں تھے۔ تھوڑا سا نیچے اترتے تو مجھے دیکھ لیتے۔ اس خوف نے مجھے لرزا دیا اور میں بالکل ساکت ہو گیا تھا کہ کہیں جھاڑیاں ہلیں تو ان کی نظریں اس پر مرکوز ہو جائیں گی اور وہ نیچے اتر آئیں گے۔ وہ دونوں سرگوشی میں مشورہ کر رہے تھے اس لیے کہ ان کی آواز مجھ تک پہنچ نہیں پا رہی تھی۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھی جب کے دوسرے کے ہاتھ میں پستول تھا۔

ابھی میں ان کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ایک نئی افتاد آ پڑی۔ کلاشنکوف والے نے نال کا رخ نیچے کی طرف کر کے برسٹ چلایا۔ بارش کی بوندوں کی طرح برستی ہوئی گولیاں میرے قریب سے گزر گئیں۔ صرف بالشت بھر کا فاصلہ رہ گیا تھا ورنہ ایک نہ ایک گولی میرے جسم میں چھید کر دیتی۔

''لگتا ہے وہ اس نالے سے ہوتا ہوا بھاگا ہے۔'' ان میں سے ایک کی آواز سنائی دی۔

''اگر ادھر سے بھاگا ہے تو وہ اس فیکٹری کی طرف گیا ہو گا۔ اس لیے کہ ادھر ہی روشنی دکھائی دے رہی ہے۔'' دوسرے نے کہا۔ اب مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کوئی فیکٹری ہے۔

''چلو ہم ادھر ہی چلتے ہیں۔ خالی ہاتھ جانے کا مطلب ہے کہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا۔'' اس آواز کے ساتھ وہ دونوں اس فیکٹری کی سیدھ میں چلنے لگے۔ اب میرا ادھر جانا بے کار تھا۔ کدھر جاؤں۔ کس طرف بڑھوں میں یہی سوچ رہا تھا لیکن میری نظریں ان دونوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں اب نظر نہیں آ رہے تھے۔ شاید اسی فیکٹری کی طرف چلے گئے تھے۔ تقریباً میں پندرہ منٹ تک وہیں دبکا رہا پھر آہستہ سے جھاڑیوں کو ہٹا کر باہر آیا۔ ہر طرف خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ کہیں کوئی آہٹ نہیں تھی۔ البتہ جسم میں سوئیاں سے چبھ رہی تھیں۔ جگہ جگہ خراشیں آ گئی تھیں اور خون رس رہا تھا۔ میں نے دوبارہ سے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ کہیں کوئی نہیں تھا۔ دور روشنی جھلملا رہی تھی جس کے بارے میں ان لوگوں نے کہا تھا کہ وہ کسی فیکٹری کی روشنی ہے۔ کیا واقعی اُدھر کوئی فیکٹری ہے، مجھے خود پتا نہیں تھا لیکن اب میں اُدھر نہیں جا سکتا تھا اس لیے کہ وہ لوگ اُدھر ہی گئے تھے۔ مجھے اب کسی اور طرف جانا تھا۔ کہاں، اس کا خود مجھے پتا نہیں تھا۔ کیونکہ یہ پورا علاقہ میرے لیے نیا تھا۔ میرے پاس اب بائیک بھی نہیں رہی تھی کہ اس پر سوار ہو کر باقی کا راستہ طے کرتا۔ پھر ان نامعلوم دشمنوں کا بھی دھڑکا لگا ہوا تھا۔ کہ وہ پھر سے گھیرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اتنا تو احساس ہو ہی چکا تھا کہ ان کا تعلق مرشد سے ہے اور مرشد پہلے سے زیادہ قوی ہو چکا ہے۔ اس سانپ کا سر کچلنے کے ہی ارادہ سے میں جا رہا تھا کہ اس نے گھیر لیا۔ اور میں ایسی جگہ پہنچ گیا کہ جہاں سے سڑک کدھر ہے اس کا بھی پتا نہیں تھا۔ خدا کا نام لے کر میں نے قدم بڑھا دیئے۔ تکلیف کوئی اتنی زیادہ نہیں تھی پھر بھی ایک بے چینی سی بے چینی تھی۔ کپڑے دھول میں اَٹ گئے تھے اور جگہ جگہ خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف اندھیرا تھا لیکن ستاروں کی مٹمیلی روشنی میں دھبے صاف نظر آ گئے تھے۔ اس حالت میں اگر میں کسی سے لفٹ مانگتا تو دیکھنے والا خوفزدہ ہو جاتا۔ پھر بھی میں بڑھتا رہا۔ کچھ آگے گیا تھا کہ ایک حویلی نما مکان کا ہیولہ سا نظر آنے لگا۔ رات گزارنے کے لیے وہ ایک معقول سہارا بن سکتا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس لیے میں اسی طرف بڑھنے لگا۔ پہاڑی راستوں پر زخمی بدن کے ساتھ آگے بڑھنا آسان نہیں لیکن جب موت اور زندگی کا کھیل شروع ہو جائے تو پھر زندگی بچانے کی جدوجہد تیز ہو جاتی ہے۔ میں نے بھی کوشش جاری رکھی تھی۔ لنگڑاتا ہوا اس عمارت کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔

کافی دیر چلنے کے بعد میں نے جیب سے موبائل نکالا اور اپنی پوزیشن سے سفیر کو آگاہ کرنا چاہا لیکن اسکرین پر نظر پڑتے ہی جوش ٹھنڈا پڑ گیا اس لیے کہ سگنل اب تک غائب تھا۔ اتنی دیر میں، میں نے ٹائم دیکھ لیا تھا۔ گھڑی آٹھ بجا رہی تھی۔ دوستوں سے الگ ہوئے مجھے چھ گھنٹے ہو چکے تھے اور جان بچانے کی کوشش میں ایک گھنٹا غارت ہو گیا تھا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں کسی طرح رات گزاروں اور صبح کا اجالا پھیلے تو سڑک کدھر ہے اس کا اندازہ لگاؤں۔ رات گزارنے کے لیے کسی محفوظ جگہ کا انتخاب ضروری تھا۔ اگر وہ ہیولہ کسی عمارت کا ہے تو یہ متروکہ ہے تو بہت بہتر تھا اسی خیال کے تحت میں آہستہ آہستہ اسی ہیولے کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔ اب مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ وہ متروکہ عمارت ہے کیونکہ اگر آباد مکان ہوتا تو اس میں روشنی ضرور نظر آتی۔

ایک قدم کے بعد دوسرا اٹھے تو منزل قریب آ ہی جاتی ہے۔ بالآخر میں اس حویلی تک پہنچ ہی گیا۔ میرا اندازہ صحیح تھا۔ وہ ایک متروک حویلی تھی۔ جسے برسوں پہلے ترک کیا گیا ہوگا۔ اس لیے کہ اس کی اینٹیں جگہ جگہ سے ادھڑی ہوئی تھیں۔ دیواریں گری ہوئیں تھی لیکن اسٹرکچر اب بھی مضبوط تھا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ یہ جگہ مناسب بھی تھی اور محفوظ بھی۔ لیکن اندر اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے موبائل آن کر کے جائزہ لیا پھر ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ کئی جگہ ٹھوکر بھی لگی۔ مگر میں رکا نہیں آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ بار بار موبائل آن نہیں کر رہا تھا کہ روشنی دور سے نظر آ جاتی۔ پھر ایک جگہ سیڑھیاں سی محسوس ہوئیں تو میں نے پیروں سے ٹٹولا۔ پھر قدم اوپر اٹھایا۔ تبھی ہاتھوں سے ریلنگ ٹکرائی اور میں اس کا سہارا لے کر اوپر چڑھنے لگا۔ اوپر پہنچتے ہی اندھیرا کچھ ہلکا ہو گیا کیونکہ ایک جانب کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی اور اس دیوار سے تاروں کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ میں نے اس ہلکی روشنی میں فرش کا جائزہ لیا۔ فرش پر دھول اور گرد کے علاوہ دیوار کا ملبہ بھی پڑا ہوا تھا۔ ملبے پر ایک تار پڑا نظر آ گیا۔ موٹا الیکٹرک وائر تھا جو کوئی اٹھا لایا ہوگا اور بعد میں بیکار سمجھ کر پھینک گیا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور بے خیالی میں اسے موڑتا ہوا میں کچھ اور آگے بڑھا۔ اس ٹوٹی ہوئی دیوار تک پہنچا جس کے گرنے سے کمرے میں روشنی آ گئی تھی۔

ابھی دیوار تک پہنچا ہی تھا کہ نیچے نظر پڑی اور میں تھم کر رہ گیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی اندر عمارت میں داخل ہوا ہے۔ میں زیادہ آگے بڑھ نہیں سکتا تھا اس لیے کہ وہ حصہ زیادہ مخدوش تھا۔ ایک قدم بھی آگے بڑھتا تو شاید دیوار کے ساتھ میں بھی نیچے چلا جاتا۔ میں نے پوری قوت سماعت ادھر لگا دی۔ سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں ہوشیار ہو گیا۔

یہ آواز نیچے سے آ رہی تھی۔ ایک سے زائد آدمیوں کے چلنے کی آواز تھی۔ میں پوری توجہ سے آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا، تبھی کسی کی آواز آئی کہ وہ اسی عمارت میں چھپا ہوگا۔

''تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ اسی کھنڈر میں آیا ہے؟'' اس آواز نے مجھے ہوشیار کر دیا۔ میں نے آواز پہچان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا کہ یہ وہی دونوں ہیں جو میرے تعاقب میں ڈھلان تک آئے تھے۔

''میں نے اس کھنڈر میں ہلکی نیلی روشنی دیکھی تھی۔ ایسی روشنی جو موبائل کے آن ہونے پر نظر آتی ہے۔''

اس بات نے مجھے سر پیٹ لینے پر مجبور کر دیا کہ میں نے ایسی غلطی کیوں کی تھی۔

''تب پھر اوپر چلو۔ اگر وہ اس طرف آیا ہے تو اندر ہی کہیں دبکا بیٹھا ہوگا۔''

پھر وہ دونوں شاید سیڑھیوں سے مزید اوپر آ گئے تھے۔ تبھی ایک آواز صاف سنائی دی۔ ''وہ دیکھو۔ دھول پر بنے پیروں کے نشان یہ بالکل تازہ ہیں۔ اگر دیر کے ہوتے تو ہوا اُڑا دیتی۔''

''ہوسکتا ہے کہ کوئی گذر یا صبح آیا ہو اور دیواروں کی وجہ سے یوں بھی اندر دھول مٹی کم آتی ہے اس لیے یہ نشان تازہ لگ رہا ہے۔''

''کچھ بھی ہو اب آگے بڑھنا ضروری ہے۔ شاید قسمت یاوری کر جائے اور وہ ہمیں مل جائے ورنہ ہماری خیر نہیں۔''

پھر وہ دونوں اوپر آ گئے تھے کیونکہ اب ان کے قدموں کی دھمک سیڑھیوں سے اوپر سنائی دے رہی تھی۔ تبھی ایک نے دوسرے کو ڈانٹا۔ ''ٹارچ بجھا دو۔ روشنی دور سے نظر آ جاتی ہے۔''

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بالکل سامنے والے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کبھی وہ کمرا رہا ہوگا لیکن اب اس میں دروازہ بھی نہیں تھا۔ شاید کسی کے گھر کا ایندھن بن چکا ہوگا، جلانے کے کام آ گیا ہوگا۔ میں نے کمرے میں داخل ہو کر جائزہ لیا۔ اندھیرے میں کچھ بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ ابھی مجھے اس کمرے میں پہنچے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دھمک گلیارے سے آئی۔ گویا وہ دونوں گلیارے میں پہنچ گئے تھے۔ اب کچھ ہی دیر میں وہ اس کمرے میں آ جائیں گے اور یہاں کوئی ایسی جگہ بھی نہیں تھی جس کی آڑ میں خود کو چھپا سکتا اس لیے میں اس دیوار کے قریب ہو گیا جس سے نزدیک دروازہ تھا۔ میں نے کمر کو ٹٹولا اور دل دھک سے رہ گیا۔ اس بھاگ دوڑ میں نہ جانے کب پستول کہیں گر چکا تھا۔ اسی وقت باہر سے سرگوشی سنائی دی۔ کوئی بہت نیچی آواز میں بولا تھا۔ ''اسی کمرے کی طرف پیروں کے نشان جا رہے ہیں۔ ضرور وہ اسی کمرے میں چھپا بیٹھا ہے۔''

میرے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ میں نے الیکٹرک وائر کو جو بے خیالی میں اٹھا لایا تھا اسے آزمانے کی سوچ لی۔ اس کے دونوں سرے کو میں نے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا اور اندر آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔ باہر کھڑا شخص بھی کم چالاک نہیں تھا۔ اس نے کلاشن کی نال اندر کی۔ گو کہ نال صحیح سے نظر نہیں آ رہی تھی پھر بھی میں تیار ہو گیا۔ اندر آنے والے نے پہلا قدم اندر رکھا تھا کہ میں نے اچھل کر تار کا حلقہ اس کی گردن میں ڈال دیا اور پوری قوت سے کھینچنے لگا۔ عام طور سے میں کسی کی جان لینے کے حق میں نہیں ہوں۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ میں سامنے والے کو صرف بے ہوش کروں لیکن یہاں معاملہ بہت زیادہ بگڑا ہوا تھا، وہ دو تھے اور مسلح تھے۔ اگر میں ذرا سی بھی کمزوری دکھاتا تو وہ مجھے بھون کر رکھ دیتے۔ اس لیے میں پوری قوت سے تار کو دو طرف سے کھینچ رہا تھا۔ اس وقت تک کھینچتا رہا جب تک کہ وہ گر نہ گیا۔ باہر والے کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیوں رکا ہے مگر جب وہ گرنے لگا تو اس نے زور سے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

جواب کون دیتا اس لیے کہ وہ تو کب کا مردے میں بدل چکا تھا۔ اس کے گرتے ہی میں نے اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کلاشنکوف اٹھالی تھی۔ تبھی باہر والے نے ٹارچ جلا کر اندر قدم رکھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں پستول۔ موقع گنوانا اچھا نہیں تھا۔ میں نے کلاشن کی نال اس کے سینے سے لگا دی۔ ''پستول نیچے پھینک کر دونوں ہاتھ سر پر رکھ لو۔'' کہہ کر میں نے اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی اور اسے اس رخ پر زمین پہ رکھا کہ اس کی روشنی نیچے گرے ہوئے شخص کے چہرے پر پڑے۔ نئے آنے والے کی نظر زمین پر پڑے ہوئے شخص پر پڑی تو اس کا رہا سہا حوصلہ بھی ٹوٹ گیا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ مجھے اس سے کوئی ذاتی دشمنی تو تھی نہیں اس لیے میں نے اس سے پستول لینے کے بعد کہا۔ ''تم سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اس لیے اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو گے تو میں تمہارے لیے محفوظ پناہ گاہ بن جاؤں گا اور اگر اُڑنے کی کوشش کرو گے تو بے موت مارے جاؤ گے۔ اب فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''میں..... میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔ میں نے اس کے چہرے کا جائزہ لے کر پستول کو کمر میں اڑسا اور کہا:

''دیکھ رہے ہو، میں نے بغیر کسی ہتھیار کے تمہارے ساتھی کی حالت کیا کر دی ہے اس لیے اُڑنے کی کوشش نہ کرنا۔ جو پوچھوں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔''

''جی جی پوچھیں۔'' اس کی آواز میں اب بھی لرزا تھا۔ اگر روشنی ہوتی تو شاید میں اسے بہتر طریقہ پر دیکھ بھی لیتا کہ وہ واقعی لرز رہا ہے یا ڈراما کر رہا ہے۔

''فی الحال مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں سے سڑک کس طرف ہے؟''

''کون سی سڑک؟''

''ناران جانے والی۔''

''ناران یہاں سے بالکل قریب ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ ہم ناران میں کھڑے ہیں۔ مرکزی سڑک بتاؤں یا ذیلی؟''

''جہاں سے مجھے کوئی لفٹ مل جائے۔''

''مغرب کی طرف جو سڑک ہے وہی مرکزی ہے جو گلگت سے آ رہی ہے۔''

''چلو مجھے وہاں تک لے چلو۔''

''اور یہ..... اس کا کیا ہوگا؟''

''اس کا کیا ہے؟ یہ ابھی بے ہوش ہے۔ اسے کچھ دیر میں ہوش آ جائے گا۔''

''چلیں۔'' وہ بادل ناخواستہ تیار ہو گیا۔ ''لیکن آپ کو پہنچا کر میں واپس آ جاؤں گا۔''

''آ جانا..... مجھے کون سا تمہیں گائڈ بنا کر لے جانا ہے۔'' کہہ کر میں نے قدم بڑھا دیئے۔

وہ بھی میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ہم دونوں آگے پیچھے پتھریلے راستے پر آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ جھاڑیوں کو پھلانگتے ہوئے تقریباً بیس منٹ چلے ہوں گے کہ سڑک نظر آنے لگی۔ وہ بھی اس طرح کہ سڑک پر جو گاڑیاں چل رہی تھیں ان کی روشنی نظر آنے لگی تھی۔ چلتے ہوئے ہی اس نے کہا۔ ''دراصل اس عمارت تک جو سڑک آتی تھی وہ کافی گھوم کر آتی تھی پھر وہ بھی ختم ہو گئی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے بولتے دیکھ میں نے پوچھا۔''تم تو فائرنگ کرنے کے بعد فیکٹری کی طرف گئے تھے پھر ادھر کیسے آ گئے۔یعنی اس کھنڈر میں؟''

''موتی جو میرے ساتھ تھا۔چلتے چلتے وہ رکا تھا اور ایک جھاڑی کی آڑ میں بیٹھنے کی اسے ضرورت پیش آ گئی تھی۔'' کہہ کر وہ ہنسنے لگا۔پھر اس نے سلسلہ کلام جوڑا۔''وہ تو جھاڑیوں کی آڑ میں بیٹھ گیا اور میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔علاقے کا جائزہ لے رہا تھا۔تبھی اس کھنڈر میں موبائل کی روشنی چمکی۔پہلے تو میں نے یہی سمجھا کہ جگنو ہے لیکن دوسری بار وہی روشنی دیکھی تو سمجھ گیا کہ کھنڈر میں کوئی ہے اور میں موتی کو زبردستی وہاں لے آیا۔''

''تم لوگ کب سے یہ کام کر رہے ہو۔''

''پہلے میں قلات خان کے ساتھ تھا۔اس کا ساتھ چھوٹا تو ذاکر کے ساتھ کام کرنے لگا۔اسی دوران موتی سے ملاقات ہوگئی۔وہی جسے آپ بے ہوش کر آئے ہیں۔اس نے زیادہ پیسے دینے کا آفر کیا اور کہا کہ اس کام میں تھانہ پولیس کا بھی خطرہ نہیں ہے۔ہمیں صرف جسے کہا جائے گا اسے اٹھا کر لانا ہے۔میرے لیے یہ کوئی کام ہی نہیں تھا۔اس لیے میں فوراً راضی ہوگیا۔دو مہینے سے اس کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔''

''میں بھی تمہیں ایک پتا دوں گا۔تم کراچی آ کر مجھ سے ملو تمہاری زندگی بن جائے گی۔''

''آپ کراچی میں رہتے ہیں؟''اس نے پوچھا۔

''ہاں۔''میں نے ایک اور جھوٹ گھڑا۔''میں وہاں شرفو بھائی کے ساتھ کام کرتا ہوں۔ہم لوگ سونا لاتے لے جاتے ہیں۔اگر تم ہمارے ساتھ مل گئے تو تمہاری زندگی بن جائے گی۔''

''آپ دبئی سے کام کرتے ہیں۔میں کب سے سوچ رہا ہوں کہ کسی ایسے بندے کے ساتھ کام کروں جو دوسرے ملکوں کی سیر کرائے۔مجھے بہت شوق ہے کہ میں دبئی جاؤں۔آپ مجھے ضرور اپنے ساتھ لے لیں۔اگر کہیں تو میں ابھی آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔موتی خود ہی اٹھ کر گاڑی تک چلا جائے گا۔''

اس نے گاڑی کا نام لیا تو مجھے یاد آیا کہ میرا تعاقب کرنے والے تو جیپ میں سوار تھے۔میں نے پوچھا۔

''جیپ کہاں روکی؟''

''شمال کی جانب سڑک کنارے۔''اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک سمت دکھائی۔

باتیں کرتے ہوئے ہم سڑک تک آ گئے تھے۔میں نے سڑک پر پہنچ کر پوچھا۔''یہ بتاؤ کہ گلگت کس طرف ہے اور ناران کس طرف۔''

اس نے اشارے سے بتایا اور اب میری نظر گلگت سے آنے والی سڑک کی طرف تھی۔میں اسے باتوں میں پھنسائے رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ واپس جانے کی ضد نہ شروع کر دے۔اسے تو میں نے باتوں میں پھنسا رکھا تھا۔اگر یہ واپس چلا جاتا اور موتی کو مردہ دیکھتا تو پھر سے کوئی دوسری پریشانی کھڑی ہو جاتی اسی لیے اسے اپنا دُم چھلا بنائے ہوئے تھا۔اور ہم سڑک پر کھڑے کسی گاڑی کا انتظار کر رہے تھے جس سے لفٹ لی جا سکے۔

کچھ ہی دیر بعد دوسری جانب سے آتی ہوئی روشنی نظر آئی۔آنے والی گاڑی یا تو گلگت سے آ رہی تھی یا پھر چلاس سے۔اگر یہ گاڑی والا لفٹ دے دیتا ہے تو میں بڑی آسانی سے اس علاقے سے نکل جاؤں گا۔پھر بڑی آسانی سے سفیر وغیرہ سے رابطہ بھی ہو جائے گا اس لیے کہ آگے کہیں نہ کہیں سگنل ضرور آتے ہوں گے۔یہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچتے ہوئے میں نے ہاتھ کھڑا کر کے گاڑی روکنے کا اشارہ دینے لگا۔

وہ ایک ٹرک تھا۔ اشارہ دینے پر اس نے روک لیا اور کھڑکی سے سر باہر نکال کر بولا۔ ''کہاں جانا ہے؟''

''ہماری گاڑی خراب ہوگئی ہے جہاں تک پہنچا سکتے ہیں پہنچا دیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ادھر سے آجاؤ۔'' کہہ کر اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔

میں نے ساتھ آنے والے کو خدا حافظ کہا اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے اور ڈرائیور کو سنانے کے لیے اس سے بولا۔ ''جیسے ہی گاڑی صحیح ہو جائے ناران چلے آنا وہاں محمود ہوگا اسے گاڑی دے کر پنڈی آجانا۔''

میرے بیٹھتے ہی اس نے ٹرک اسٹارٹ کر دیا۔ ٹرک والا کوئی باتونی لگتا تھا۔ بیٹھتے ہی بولا۔ ''باؤ جی کہاں سے آرہے ہو اور کہاں تک جانا ہے؟''

''کراچی سے آیا ہوں۔ ٹریکنگ کے لیے شمال گیا تھا واپس آرہا تھا کہ گاڑی خراب ہوگئی۔''

''تو پھر اب رکنا کہاں ہے؟'' اس نے عام سے انداز میں پوچھا تھا

''تم کہاں تک جاؤ گے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''باؤ جی، ہمارا کیا ہے ہم تو رمتا جوگی ہیں۔ جہاں کا راستہ ملے ادھر چل دیتے ہیں۔'' وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔ ''ہم تو دنیا کے آخری کونے تک جاتے ہیں۔ ویسے لگتا ہے آپ پنڈی تک ہی جائیں گے۔''

''نہیں بھائی ہمیں تو کراچی جانا ہے۔ پنڈی پہنچ کر ہم بائی ایئر جائیں گے۔'' پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگا تھا جیسے اس کا لہجہ بناوٹی ہے۔

''باؤ جی پنڈی سے آپ کو آگے جانے کون دے گا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں سمجھا نہیں تم کہنا کیا چاہتے ہو۔'' میرا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

''صاف بات ہے آپ جس کام کے لیے نکلے ہو اسے تو پورا کرو گے نا؟'' اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ میں اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوگیا۔ ''پھر آپ کو ایک کام اور بھی کرنا ہے۔''

''کون سا کام؟''

''باؤ جی میرا گھر بھی پنڈی میں ہے اگر آپ چاہیں تو میرے گھر میں ایک دو دن ٹھہر سکتے ہیں۔ ہم غریب ضرور ہیں لیکن مہمان کا آنا بہت پسند کرتے ہیں۔ میں تو آپ کو ایسے جانے نہیں دوں گا۔'' اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

دل میں اگر شک کا سانپ پھن پھلانے لگے تو رسّی بھی سانپ لگتی ہے۔ وہ مجھے مہمان ٹھہرانے کی بات کر رہا تھا اور میں اس پر شک کر رہا تھا۔ میں نے دوبارہ سے اس کا جائزہ لیا۔ سر پر ملگجی سی پگڑی تھی لیکن جسم بھرا بھرا اور اس نے شلوار سوٹ پہن رکھا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی پینڈو ابھی اٹھ کر آیا ہو۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''فکر نہ کریں۔ کراچی سے لوٹ کر آپ سے رابطہ ضرور کروں گا۔'' کہتے ہوئے میں نے جیب سے موبائل نکالا۔ اسکرین پر نظر پڑتے ہی دل خوش ہوگیا۔ سگنل نظر آرہے تھے میں نے سفیر کا نمبر ملایا۔ کان سے لگاتے ہی دوسری جانب سے رنگ ٹون آتی ہوئی سنائی دی۔ میں نے جیسے ہی ہیلو کہا ادھر سے سفیر کی دہاڑ سنائی دی۔ ''کہاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں آپ۔ کوئی رابطہ نہیں۔''

''بتاؤں گا۔ فی الحال یہ بتاؤ تم سب کہاں ہو؟''

''ہم پنڈی پہنچ گئے۔ راستے میں ہی وسیم نے کمال دکھا دیا۔ اس نے ایک بندے سے بات کر لی اور اب ہم ایک ویل اسٹیبلشڈ مکان میں بیٹھے ہیں۔ بس آپ کا انتظار ہے۔''

''حدود اربعہ بتاؤ۔''

''زیرو میل پر پہنچ کر کال کر لیں۔''

''او کے میں کچھ دیر میں کال کرتا ہوں۔'' کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

''یہ آپ کس زبان میں بات کر رہے تھے۔ میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آ رہی تھی۔''

''جسے میں نے فون کیا تھا وہ غیر ملکی ہے اس لیے اسی کی زبان میں بات کر رہا تھا۔'' کہہ کر میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اندھیرا اب چھٹنے لگا تھا اور مشرقی سمت میں اجالا پھیلنے لگا تھا۔ صبح کے آثار ہویدا تھے۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ''بھائی ہم کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے؟''

''بس تھوڑی دیر اور۔ اذان کے ساتھ ہم شہر کے قریب ہوں گے۔''

اس کے جواب نے مجھے مطمئن کر دیا۔ میں نے سیٹ سے سر ٹکا دیا۔ پتا نہیں ذہنی تھکن تھی یا کوئی اور بات ہلکی سی جھپکی آ گئی اور میں غنودگی میں چلا گیا۔

ٹرک کی آواز لوری دے رہی تھی۔ میں نیم غنودگی میں تھا۔ عام حالات میں مجھ پر ایسی کیفیت طاری نہیں ہوتی تھی لیکن پتا نہیں کیوں اس وقت مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا، شاید یہ تھکن تھی یا پھر ذہنی کشمکش یا بعد کی صورتِ حال کہ میں نیند پر قابو نہ رکھ سکا۔

کتنا ہی اعصاب قوی کیوں نہ ہو ایک نہ ایک وقت کچھ دیر کے لیے ہی صحیح وہ کمزور ضرور ہو جاتا ہے۔ وادی سے نکلنے کے بعد سے میں محسوس کر رہا تھا کہ میں کچھ کمزور ہو چلا ہوں۔ یہ غنودگی بھی شاید اسی کی طرف اشارہ تھا۔

ابھی ٹرک نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرے کان میں کچھ کہا ہو۔ آواز تیز نہیں تھی پھر بھی مجھے چونکا گئی تھی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ شاید اسی کو چھٹی حس کہتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس وقت میں نیند سے بیدار نہ ہوتا تو شاید آج میں اپنی کہانی سنا نہ رہا ہوتا۔ کیونکہ اگلے ہی پل میری نظر بیک ویو مرر پر پڑی تھی اور میں نے اس میں پیچھے سے آتی شیراڈ کو دیکھ لیا تھا۔

یہ عام شارع تھی۔ ہر قسم کی گاڑیوں کو آنے جانے کی آزادی تھی۔ بہت سی گاڑیاں آتی جاتی نظر آئی تھیں اور میں نے ان پر توجہ نہیں دی تھی لیکن اس شیراڈ پر توجہ اس لیے دے دی تھی کہ وہ تیزی سے نزدیک آتی جا رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ٹرک کو کراس کرنا چاہتی ہے۔ یہ بھی کوئی خاص بات نہ تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ شیراڈ سے ایک ہاتھ باہر کی طرف نکلا ہوا تھا اور اس ہاتھ میں پستول تھا۔ صبح کاذب کا وقت تھا اس لیے ہلکی روشنی تھی پھر بھی میں نے پستول دیکھ لیا۔ ڈرائیور کو ہوشیار کرتا کہ پہلے پستول کا دھماکا ہوا اور پھر ٹائر کا۔ اس نے گولی ٹائر پہ ماری تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ٹرک روکنا چاہتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹائر کے بلاسٹ ہوتے ہی۔ ٹرک لہرایا تھا لیکن ڈرائیور مشاق تھا۔ اس نے سنبھال لیا تھا۔ پچھلے دو ٹائیروں میں سے ایک پھٹ چکا تھا اب وہ دوسرا بھی پھاڑنے کے فکر میں ہوگا۔ اس خیال کے تحت میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''لگتا ہے شیراڈ میں ڈاکو ہیں۔ وہ سامنے جو دور تک پھیلی جھاڑیاں ہیں اس میں ٹرک کو گھسا کر روک لو۔ تاکہ ہم اتر کر فرار ہو سکیں۔ بعد میں آ کر ٹرک لے جائیں گے۔ ابھی تو محفوظ رہنے کی سوچو۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' اس نے میرے مشورے کو مان لیا اور اسی طرف ٹرک کو دوڑا دیا جدھر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ قدِ آدم جھاڑیاں۔ عین اسی وقت میرے موبائل کا ویبریٹر آن ہوا۔ کس کی کال ہے یہ دیکھنے کے لیے میں نے موبائل نکالا مگر دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ اس لیے کان میں فوراً ہی لگا لیا اور بولا۔ ''ہیلو۔''

دوسری جانب سے مرشد کی مکروہ آواز آئی۔ ''کیسے ہو شہباز..... میں نے کہا تھا نا کہ تم میری نظروں سے دور نہیں ہو۔ تم نے دوستوں سے الگ ہو کر سمجھا تھا کہ مجھے ورغلا دو گے۔ اور میں تمہاری فکر چھوڑ کر ان کی نگرانی کرتا رہوں گا۔ اسی لیے میں نے اس بار اپنے اصل بندوں کو بھیجا ہے جو تمہیں باندھ کر لائیں گے۔''

جواب دے کر میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے بغیر کوئی جواب دیئے میں نے موبائل آف کر دیا۔ اتنی دیر میں ڈرائیور نے ٹرک کو ان اونچی اونچی جھاڑیوں میں پہنچا دیا تھا۔ جھاڑیاں قدِ آدم تھیں مگر ٹرک کو تو چھپا نہیں سکتی تھیں۔ شیراڈ شاید ابھی سڑک پر تھی۔ وہ لوگ اسے جھاڑیوں میں لانے کا رسک نہیں لینا چاہتے ہوں گے مگر اس سے اتر ضرور گئے ہوں گے اور ہمیں پکڑنے کے لیے ہمارے پیچھے آ رہے ہوں گے۔ اس سوچ نے مجھے پھرتی دکھانے پر زور دیا اور میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگاتے ہوئے ڈرائیور سے کہا کہ وہ بھی اتر کر سیدھ میں دوڑنا شروع کر دے۔

ہم لوگ ایک ساتھ نیچے کودے اور پھر دوڑے تھے اس لیے تقریباً آگے پیچھے تھے۔ دوڑتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ جھاڑیاں تھی ہی اتنی گھنی اور اونچی کے اس میں کسی کا نظر آنا ناممکن تھا۔ میں مسلسل دوڑ رہا تھا کہ آواز آئی۔ ''شہباز تم بھاگ نہیں سکتے۔ اگر رکے نہیں تو میں گولی چلا دوں گا۔''

میں نے مڑ کر دیکھا۔ بولنے والا ٹرک کی چھت پر چڑھا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں سے بھی ہم اسے نظر نہیں آ رہے ہوں گے لیکن ہمارے دوڑنے سے جھاڑیاں ہل رہی ہوں گی اس لیے وہ اندازہ لگا چکا ہوگا کہ ہم کس طرف ہیں اور ہمارا رخ کدھر ہے۔ میں نے رکنا اپنی موت سمجھا اور دوڑتا رہا۔ تبھی ایک زوردار دھماکا گونجا۔ گردن موڑتے وقت میں نے اسے ترچھا ہو کر نشانہ لیتے دیکھ لیا تھا اس لیے ایک لمحے میں فیصلہ کیا تھا اور جھاڑیوں میں خود کو گرا لیا تھا اور یہی بچت ہوئی تھی۔ لیکن ڈرائیور نے توجہ نہیں دی تھی۔ دھماکے کے ساتھ وہ لڑکھڑایا تھا اور زمین پر گر گیا تھا مگر فوراً ہی اٹھ کر رکوع کے انداز میں بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اسے گولی لگی ہے۔ فوراً ہی اس کے پاس پہنچا تھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا دوڑ رہا تھا لیکن اس کے قدم قابو میں نہیں تھے۔ اسے گولی کہاں لگی ہے یہ نہ پوچھنے کا وقت تھا اور نہ دیکھنے کا اس لیے میں نے اس کے قریب پہنچتے ہی اسے سہارا دیا تھا۔ اور ہم پھر سے دوڑنے لگے تھے۔ گولیاں اب بھی چلائی جا رہی تھیں لیکن ہم اس پستول کی رینج سے باہر آ گئے تھے مگر مجھے اندازہ نہ تھا کہ ان کے پاس وائیڈ رینج کا بھی کوئی ہتھیار ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ کلاشن اور رائفل کی رینج میں ہم اب بھی تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم مسلسل دوڑ رہے تھے۔ دوڑتے دوڑتے میرے ہونٹوں پر ہنسی آ گئی اس لیے کہ نہ تو وہ بول رہا تھا اور نہ مجھے اندازہ تھا کہ ہم کسی گاؤں کے نزدیک ہیں۔ مجھے الٹے ہاتھ پر روشنیاں نظر آ گئی تھیں۔ خاصی بڑی بستی یا کوئی قصبہ تھا۔ اس لیے کہ لائٹ پوسٹ بھی نظر آ رہے تھے، اس لیے میں نے اپنا رخ ادھر موڑ دیا تھا۔ اور اب ہم اسی طرف دوڑ رہے تھے۔ ڈرائیور بالکل خاموش تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ روبوٹ ہے جو صرف دوڑنا جانتا ہے اسے اور کسی چیز سے مطلب نہیں تھا۔ بس میرے ساتھ کھینچا چلا جا رہا تھا۔

جھاڑیوں نے کپڑے تار تار کر دیئے تھے۔ جسم پر بھی جا بجا خراشیں آ گئی تھیں۔ پھر بھی میری رفتار سُست نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے کہ میں جانتا تھا کہ اگر رفتار سُست پڑی تو سانس کی رفتار ختم ہو جائے گی۔ یہ درندوں کی فطرت ہے کہ جب وہ خطرہ محسوس کرتے ہیں تو ان کی حسیں پوری طرح بیدار ہو جاتی ہیں۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ اس کے اندر بھی درندوں کی حس ہے اور اس وقت میرے اندر بھی ایک درندہ بیدار ہو چکا تھا۔ اس وقت میرے سامنے جو بھی آتا میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔ اپنی جان بچانا ہر ایک پر فرض ہے اور جان بچانے کے لیے کسی کا بھی خون کیا جا سکتا ہے۔

جھاڑیوں سے باہر آتے ہی میری نظر ایک ایسے مکان پر پڑی جو دوسرے گھروں سے زیادہ فاصلے پر تھا اور اس وقت وہی مجھے جائے پناہ نظر آیا۔ میں ڈرائیور کو کھینچتا ہوا ادھر بڑھا تھا کہ اس نے کہا۔ ''اس گھر میں پناہ ملنی مشکل ہے اس لیے کہ یہ حکمت خان کا بنگلا ہے اور اس وقت بھی اس بنگلے میں آٹھ دس لوگ ہوں گے۔ اس کے عقب میں کئی اور گھر ہیں۔ انہی میں سے کسی کا انتخاب کرو۔''

اس نے اس دوران پہلی بار زبان کھولی تھی، کچھ کہا تھا۔ لیکن جو کہا تھا اس میں وزن تھا اس لیے میں نے ادھر جانے کا خیال موقوف کر دیا۔ اور اس گھر کے عقب کی طرف بڑھنے لگا۔ سامنے ایک گلی سی نظر آئی اس لیے کہ اس میں بہت سارے مکان قطار سے نظر آ رہے تھے۔ میں اس گلی میں داخل ہو گیا۔ ابھی ہم ایک گھر میں داخل ہونے کا سوچ ہی رہے تھے کہ اس گلی میں یکا یک کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹ چمکی۔ گاڑی دوسری طرف سے داخل ہوئی تھی۔ اب سوچنا، غور کرنا عبث تھا۔ میں نے سامنے والے گھر میں قدم رکھ دیا۔ احاطہ کی دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میں نے پہلے ڈرائیور کو سہارا دے کر چڑھایا اور پھر خود بھی چڑھ گیا اور پہلے اسے سہارے سے نیچے اتارا پھر خود بھی اتر گیا۔ یہ کام اتنی پھرتی سے کیا تھا کہ اب سوچتا ہوں تو ناقابلِ یقین لگتا ہے۔ جب زندگی داؤ پر لگی ہو تو پھرتی ٹوٹ کر برستی ہے۔ نیچے اترنے کے بعد بھی میں کسی چیتے کی طرح ہوشیار تھا اور ہر طرف کا جائزہ لے رہا تھا۔ احاطے میں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اگر یہ احاطہ کسی بڑے شہر میں ہوتا تو مالک اسے گارڈن بنانے کی پوری کوشش کرتا لیکن یہاں سوائے گھاس کے کچھ بھی نہیں تھا۔ خالی قطعہ زمین کو پار کر کے میں آگے بڑھا۔ میں نے ڈرائیور کا پورا وزن اپنے کندھے پر اٹھا لیا تھا۔ پھر بھی وہ خود کو گھسیٹنے کے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

خالی زمین کو پار کرنے کے بعد ہم برآمدے میں پہنچے۔ برآمدے کے بعد ایک دروازہ تھا جو بند نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا۔ پورے احاطے کا جائزہ لیا لیکن ہر طرف خاموشی تھی۔ جو لوگ گلی میں داخل ہوئے تھے وہ بھی نظر نہیں آئے یعنی ان کی گاڑی کی ہیڈ لائٹ نہیں چمکی۔ میں نے ادھر سے توجہ ہٹا کر دروازے پر ہتھیلی سے دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ میں نے اندر قدم رکھ دیا۔ وہ ایک بڑا سا کمرا تھا جسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں دوبارہ سے کھڑکی کے پردے کی آڑ سے جھانکنے چلا گیا۔ نیچے نظر ڈالی تو ایک اطمینان کی سانس خارج ہوئی۔ گلی خالی پڑی تھی۔ شاید وہ لوگ مایوس ہو کر جا چکے تھے۔ میں نے واپس آ کر لڑکے سے پوچھا۔ ''کام کیا کرتے ہو؟''

''جی میں اسپتال کا ڈرائیور ہوں۔ اکلوتی ہائی روف جس پر ایمبولنس لکھا ہے اسے چلاتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کو گھر سے لانا لے جانا اور ان کی ضرورت کی چیزیں بازار سے لانا میرے ذمے ہے۔''

اس جواب نے مجھے خوش کر دیا۔ میں نے پوچھا۔ ''ایمبولنس باہر تو نظر نہیں آئی۔ ہے کہاں؟''

''وہ گھر کے پیچھے کھڑی کرتا ہوں۔ وہیں کھڑی ہے۔''

''اسے میں لے جا رہا ہوں۔ کل صبح پنڈی کے راجا بازار کی جامع مسجد کے سامنے کھڑی ملے گی۔ وہاں سے لے لینا۔''

''نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ میری نوکری کا سوال ہے۔''

''دیکھو بھائی۔ میں زور زبردستی بھی کر سکتا ہوں لیکن تمہاری بیوی نے جس طرح ہمارے ساتھ تعاون کیا اس کی وجہ سے میں کہہ رہا ہوں کہ صبح جا کر لے لینا۔ یوں سمجھ لو کہ میں اسے کرایہ پر لے جا رہا ہوں۔ یہ لو پانچ ہزار۔ رات بھر کی بات ہے۔''

لڑکی نے دخل دیا۔ ''یہ جو کہہ رہے ہیں سن لو۔ اس میں ہمارا نقصان کیا ہے۔ تم پہلی بس سے نکل جانا۔ اگر یہ اجازت دیں تو انہی کے ساتھ چلے جاؤ۔ ان کو مطلوبہ جگہ اتار کر واپس آ جانا۔''

''ہاں ایسا بھی کر سکتے ہو۔'' میں نے اجازت دے دی۔

لڑکا ابھی بھی تردد میں تھا کہ لڑکی بولی۔ ''اب سوچ کیا رہے ہو۔ ہمارے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔ اگر یہ چاہیں تو پستول دکھا کر بھی ایمبولنس لے جا سکتے ہیں۔ اس لیے پانچ ہزار مل رہے ہیں تو برا کیا ہے۔''

''چلیے!'' لڑکا تیار ہو گیا۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ''بھائی میاں، اب طبیعت کیسی ہے؟ سفر کر سکو گے نا؟''

''جی ہاں بہتر ہے۔ مجھے اپنے ٹرک کی فکر کھائے جا رہی ہے۔''

''ٹرک انشورڈ ہے نا؟''

''جی ہاں۔''

''تو فکر کیسی..... ایک دو دن بعد آ کر لے جانا۔ انہیں تم سے کوئی دشمنی ہے نہیں۔ وہ میرا شکار کرنا چاہتے تھے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ مجھے اس بندے نے پستول دکھا کر مجبور کر دیا تھا۔''

''وہ مان لیں گے؟'' اس نے معصوم لہجے میں پوچھا۔

''بھائی، وہ لوگ میری تلاش میں آئے تھے، میں ان کے ہاتھ نہیں آیا مجبوراً وہ لوٹ گئے۔ اب تک تو پنڈی پہنچ چکے ہوں گے۔ کوئی مقامی تو تھے نہیں جو تمہارے انتظار میں بیٹھے ہوں گے۔''

''بات تو آپ کی دل کو لگتی ہے۔ میں نے اب تک کسی سے دشمنی مول نہیں لی ہے اس لیے کوئی میرا دشمن کیوں بنے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بالکل.....تم ایک معصوم سے آدمی ہو۔ وہ پاگل تو ہیں نہیں کہ خوامخواہ تمہارے دشمن بن جائیں۔ اس لیے تم بے فکر رہو۔ وہ لوگ تمہیں دیکھ کر بھی اَن دیکھا کر دیں گے۔''

''تو کیا میں گاڑی دیکھنے ابھی نکل جاؤں۔''

''نہیں ابھی نہیں۔'' پھر میں نے لڑکی کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا۔''اگر یہ یہاں، باہر والے کمرے میں صبح تک کے لیے ٹھہر جائے تو کیسا رہے گا۔ تم اپنا کمرا اندر سے لاک کر لینا؟''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر اس بات کے لیے بھی آپ ہماری کوئی مدد کر دیں تو زندگی بھر دعائیں دیں گے۔'' اس نے نہایت خوبصورت انداز میں رشوت مانگ لی اور میں نے مسکراتے ہوئے مزید پانچ ہزار اسے دے دیا۔ کچھ ہی دیر میں اندازہ ہو چکا تھا کہ لڑکی بہت چالاک ہے اور لالچی بھی۔ ایسے لوگوں سے من پسند کام نکلوانا بہت آسان ہوتا ہے، اسی لیے میں نے بغیر حیل حجت کے روپیا دے دیا تھا۔ رقم دیکھ کر لڑکا اور لڑکی دونوں کے چہرے کھل اٹھے تھے۔ ایک ساتھ دس ہزار کی آمدنی ہو گئی تھی۔

میں نے ڈرائیور سے کہا۔''تم باہر والے کمرے میں آرام کرو۔ صبح اٹھ کر ٹرک تلاش کر لینا۔ ان شاء اللہ وہ محفوظ ملے گا۔ اگر کوئی نقصان ہوا بھی تو انشورنس والے پورا کر دیں گے۔''

''ان لوگوں نے نقصان نہ پہنچایا ہو تو یقیناً محفوظ ہو گا۔ ورنہ کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ ٹرک کو چھیڑے۔ آپ کہتے ہیں تو میں رک جاتا ہوں۔ باجی اندر سے اپنا کمرا بند کر لیں۔ یوں بھی میں تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ بستر پر گرتے ہی نیند آ جائے گی۔''

''میں آپ کو بستر دے رہی ہوں۔ آپ اس کمرے میں بچھا کر آرام سے سو جائیں۔ تب تک شہزاد بھی واپس آ جائیں گے، میں ناشتہ کرا کر آپ کو رخصت کر دوں گی۔''

جو کام مشکل لگ رہا تھا وہ بڑی آسانی سے ہو گیا تھا۔ شہزاد ایمبولنس لانے کے لیے باہر جا چکا تھا۔ میں نے ڈرائیور پر نظر ڈالی، اس کے چہرے پر اب بھی پریشانی کے سائے تھے۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ لفافہ نکالا جس میں رقم تھی۔ اس کے اندر دیکھتے ہی مایوسی چھا گئی۔ شاہ خرچی نے۔ دریا دلی نے سارے پیسے ختم کر دیے تھے۔ بمشکل دس ہزار بچے ہوں گے۔ میں نے اس میں سے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ نکالے اور ڈرائیور کی طرف بڑھا کر بولا۔''یہ رکھ لو اگر کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہو گی تو کام آ جائیں گے۔''

اس نے ہاتھ بڑھا تو دیا تھا لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ لینا نہیں چاہتا ہے۔ اس نے کہا۔''سر آپ اپنا موبائل نمبر دے دیں۔ میں شام تک پنڈی پہنچ جاؤں گا۔ آپ کی دعوت مجھ پر قرض ہے۔''

میں نے ہنستے ہوئے کاغذ پر اپنا نمبر لکھ کر دے دیا۔ اتنے میں باہر سے گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی اور میں باہر کی جانب چل پڑا۔ باہر آیا تو ایمبولنس کھڑی تھی۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ شہزاد نے ایمبولنس چلا دی۔ اب میں ایک بار پھر پنڈی کی جانب عازم سفر تھا۔ میں نے راستے میں شہزاد کی خاموشی توڑنے کے لیے پوچھا۔

''بھئی شہزاد، تمہاری شادی کو کتنے دن ہوئے ہیں؟''

''جی، سات مہینے ہوئے ہیں۔'' اس نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے جواب دیا۔

''والدین کہاں ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرا گھر چترال میں ہے۔ یہاں نوکری کے لیے آیا تھا کہ نسیم سے محبت ہوگئی اور پھر ہم نے شادی کر لی۔''

''کیا وہ بھی چترال کی ہے؟''

''جی نہیں، وہ پنجاب کی ہے۔ اس کی یہاں پوسٹنگ ہوئی ہے۔''

باتوں کے درمیان راستہ طے ہوتا جا رہا تھا۔ جس اسپیڈ سے ہم آگے بڑھ رہے تھے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم پو پھٹنے تک پنڈی پہنچ جائیں گے۔ آگے کوئی چھوٹی سی بستی تھی اس لیے کہ وہاں روشنی نظر آ رہی تھی۔ تبھی شہزاد بولا۔ ''سر اگر آپ کہیں تو میں سامنے والے ہوٹل پہ رک جاؤں۔ چائے پی کر آگے بڑھتے ہیں۔، دراصل مجھے نیند ستا رہی ہے۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' میں نے تائید کر دی۔

سوچا اس بہانے میں علاقے کا جائزہ بھی لے لوں گا۔ اگر کوئی پیچھا کر رہا ہوگا تو پتا چل جائے گا۔ کیونکہ اس پہر خال خال ہی گاڑیاں آ کر رکتی ہوں گی۔

اس نے کچھ آگے جانے کے بعد ایک ڈھابے پر گاڑی روک دی۔ اس ہوٹل پر ایک دو گاڑیاں کھڑی تو تھیں لیکن جاگتا ہوا کوئی نہ تھا۔ اس نے گاڑی روکتے ہی ہارن بجایا تھا۔ شاید یہ ہارن کی آواز کا اثر تھا کہ ایک بندہ جن کی طرح نمودار ہوگیا۔ اس نے آتے ہی کچھ پوچھا۔ سوال چترالی زبان میں کیا گیا تھا اس لیے میں سمجھ نہیں پایا۔ لیکن شہزاد نے فوراً ہی جواب دیا۔ وہ آرڈر سنتے ہی واپس چلا گیا۔ مجھے وہاں بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی لیکن میں اطراف کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ اسی لیے وہ شخص میری نظروں میں آ گیا تھا۔ وہاں بہت سی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کچھ خالی تھیں اور کچھ پر لوگ لیٹے ہوئے تھے لیکن وہ شخص خالی چارپائیوں کو نظر انداز کر کے ایک پیڑ کے نیچے اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ چائے بنتی پھر آتی اس لیے میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ مجھے اٹھتے دیکھ شہزاد نے پوچھا۔ ''واش روم جائیں گے؟''

''نہیں۔'' کہہ کر پتا نہیں کس جذبے کے تحت میں اٹھ کر اس پیڑ کے نیچے بیٹھے شخص کے پاس چلا گیا۔ اس لیے کہ وہ مجھے بہت پریشان سا نظر آ رہا تھا شاید کسی بڑی مصیبت میں گرفتار تھا۔

میں نے اس کے نزدیک پہنچ کر پوچھا۔ ''کیوں بھائی کیا بات ہے۔ کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہو؟''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ اس نے کچھ دیر کے لیے سر اٹھایا تھا اور میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔ شاید وہ رو رہا تھا۔ میں نے دوبارہ اس سے پوچھا۔ ''بھائی کوئی حادثہ ہوا ہے کیا؟ مجھے بتاؤ شاید میں کوئی صحیح مشورہ دے سکوں؟''

اس نے دوبارہ سر اٹھایا اور کہا۔ ''بھائی جس کام سے آئے ہو وہ کرو میرے زخم کو نہ چھیڑو۔''

اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ اردو صحیح طور پر بول نہیں سکتا پھر بھی اپنی بات کہہ رہا تھا۔ اور ہم سمجھ بھی رہے تھے۔ اس کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ غمگین ہے۔ اب مجھے اس میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے میں نے کہا۔ ''بھائی مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ تم کسی بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہو۔ دکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتانے سے بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔''

شاید یہ میرے لہجے کا اثر تھا کہ وہ دوبارہ سے سسک پڑا۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''بھائی جب تک کسی کو بتاؤ گے نہیں اس وقت تک اس مسئلہ کا کوئی حل کیسے بتا سکتا ہے۔ اپنا دکھ بتاؤ شاید میں تمہارے کسی کام آسکوں۔''

اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''بھائی میں ایک غریب آدمی ہوں۔ میری ایک ہی بیٹی ہے۔ ہم جس گاؤں میں رہتے ہیں وہیں ایک فیض خان بھی رہتا ہے۔ اس کے پاس بہت پیسا ہے اور اسی وجہ سے وہ ہم جیسے غریبوں کا خون چوستا ہے۔ لوگوں کو ادھار رقم دیتا ہے اور پھر اس کے سود سے قرض لینے والے کی مٹی خراب کر دیتا ہے۔ میری بیٹی کی شادی جس لڑکے کے ساتھ ہونا تھی وہ برات لے کر آ گیا ہے۔ میں نے یہ سوچ کر تاریخ دی تھی کہ فیض خان سے رقم ادھار لے کر باراتیوں کا کھانا وغیرہ کر دوں گا۔ ہمارے علاقے میں جہیز دینا لینا ہوتا نہیں ہے لیکن.....'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''لیکن کیا؟ اس لڑکے نے جہیز مانگ لیا ہے؟''

اس نے دوبارہ سے آنکھوں پر ہتھیلی پھیر کر بہہ آئے آنسوؤں کو پونچھا پھر بولا۔ ''ہوا یہ کہ فیض خان نے قرض دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن عین وقت پر اس نے کچھ نہیں دیا۔ پھر بھی میں نے براتیوں کی دعوت کا انتظام کر لیا تھا۔ لیکن جب نکاح ہو گیا تو لڑکے نے ایک عجیب بات کر دی۔ اس نے جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اسے موٹر سائیکل دوں گا۔ اگر میں نہیں دیتا تو جھوٹا ثابت ہو جاؤں گا اور وہ یہی چاہتا ہے۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ اسے ایسا کرنے کے لیے فیض خان نے ورغلایا ہے۔ کیونکہ وہ خود میری بیٹی پر نظر رکھتا ہے۔ اس نے اشارے اشارے میں ایک بار یہ بات مجھ سے کہی تھی لیکن اب خیال آ رہا ہے کہ یہ پوری سازش اسی کی ہے کہ میری بیٹی کی برات لوٹ جائے۔ اب میں اتنے پیسے کہاں سے لاؤں کہ بیٹی کو رخصت کر سکوں۔'' وہ پھر سے رونے لگا تھا۔

میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر کہا۔ ''رونے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ کتنی دور ہے تمہارا گاؤں؟''

''جی۔ وہ جو روشنی دکھائی دے رہی ہے وہ میرے گاؤں کی ہے۔''

''ایسا کرو تم مجھے اپنے گاؤں لے چلو۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے۔'' میں نے اس سے کہا اور واپس شہزاد کے پاس آ گیا۔

شہزاد چائے کا سپ لے رہا تھا کہ مجھے دیکھتے ہی بولا۔ ''کوئی شناسا مل گیا ہے کیا۔ بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے ہیں۔''

''شناسا تو نہیں لیکن ایک مصیبت کا مارا ہے۔ ہم لوگ زندگی بھر گناہ پر گناہ کرتے رہتے ہیں لیکن جب بھی موقع ملتا ہے ایک دو اچھے کام بھی کر لیتے ہیں تاکہ گناہوں کی طویل فہرست کے ساتھ اچھے کام کی بھی فہرست بن جائے۔ شاید کچھ تلافی ہو جائے۔''

''میں سمجھا نہیں کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیسا گناہ؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ شخص واپس چلا گیا لیکن میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ بڑبڑاتا ہوا گیا تھا۔ میں نے منیر سے کہا۔ ''میں رقم دے رہا ہوں۔ جس نے کھانا پکایا تھا اسے بلوا لیجئے۔''

''اس کا تو انتظام ہے لیکن اصل مسئلہ جو ہے وہ کیسے حل ہوگا؟''

''برات آئی کہاں سے ہے؟''

''جی پنڈی سے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ان صاحب کے علاوہ بزرگ میں کوئی اور بھی ہے؟''

''جی نہیں..... وہی بڑا ہے۔ اسی کے کہنے پر لڑکے نے بائیک کی ڈیمانڈ کی ہے۔''

''ان کو بلا لائیں۔'' میں نے کہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا۔

اشارہ پاتے ہی وہ تیر کی طرح آیا۔ میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''میں ان کا رشتے میں بھائی ہوں۔ اچھا یہ بتائیں کہ اس وقت تو نئی بائیک مل نہیں رہی۔''

''بھائی صاحب نکاح تو تبھی ہوگا جب وعدہ پورا ہوگا۔ یہ کام ان کو پہلے ہی کر لینا چاہیے تھا۔ وعدہ وعدہ ہوتا ہے۔ میرے بھائی کو زیرو میٹر چاہیے۔''

''ایک منٹ..... آپ کی رہائش کہاں ہے؟''

''جی میں ڈھوک علامہ اقبال کالونی میں رہتا ہوں۔''

میں نے موبائل نکالا اور سفیر کا نمبر ملایا۔ کافی دیر تک رنگ جاتی رہی۔ شاید وہ پوری طرح نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں مایوس ہو کر کال آف کرنے جا رہا تھا کہ ادھر سے سفیر کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ ''آپ پہنچ گئے کیا؟''

''نہیں ابھی میں کافی دور ہوں۔ ایک کام کرنا ہے۔ کل صبح دکانیں کھلتے ہی ایک زیرو میٹر بائیک لے کر اس ایڈریس پر پہنچا دینا ہے۔'' پھر میں نے موبائل ان صاحب کی طرف بڑھا کر کہا۔ ''آپ اپنے گھر کا پتا اسے سمجھا دیں۔ اس کے علاوہ میری طرف سے ایک فریج اور ایک ایل ای ڈی بھی پہنچ جائے گی۔''

ان صاحب کے چہرے پر ہزار پاور کی چمک آ گئی۔ وہ خوشی خوشی سفیر کو اپنا پتا سمجھانے لگے۔ پھر میں نے موبائل لے کر سفیر سے کہا۔ ''ایک ایل ای ڈی اور ایک بڑے سائز کا فریج بھی پہنچا دینا ہے۔''

''لیکن آپ پہنچ کب رہے ہیں؟ اور یہ سب کیا ہے؟''

''ایک لڑکی کو جہیز میں دینا ہے۔ برات لوٹ رہی تھی اسی لیے میں نے دخل دیا ہے۔''

''گویا اب یہ ایک نیا اکاؤنٹ کھل گیا۔'' سفیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اور بھی کچھ دینا ہے تو بتا دیں۔ میں اپنی طرف سے بھی کچھ دے دوں گا۔''

''یار بیٹی کی شادی ہے، جو دے سکتا ہے دے دینا۔ اب آرام سے سو جا۔'' موبائل بند کر کے میں نے ان صاحب سے کہا۔ ''اور ہاں آپ جس جس چیز کی فرمائش کریں گے میں پورا کرتا جاؤں گا لیکن یاد رکھیں اگر لڑکی کو کوئی تکلیف ہوئی۔ اس نے کوئی شکایت کی تو میں سود سمیت واپس لوں گا۔ یہ لیجئے کچھ نقد رقم بھی رکھ لیں۔ اگر اور چاہیے تو وہ بھی پنڈی میں مل جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوٹوں کی گڈی دیکھ کر اس کے چہرے پر لرزا سا طاری ہو گیا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہو گا کہ اسے اتنا کچھ ملے گا اور میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا، بیٹے مجھے پنڈی پہنچنے دو۔ ایسا سبق دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔

وہ نوٹ جیب میں رکھ رہا تھا کہ میں نے اس سے کہا کہ لڑکے کو تو بلائیں۔

لڑکا بھی مہمانوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ اندر بھی نہیں گیا تھا۔ بھائی کے بلاتے ہی وہ اٹھ کر آ گیا۔ اس کے چہرے سے شرارت ٹپک رہی تھی، میں نے دل میں کہا، بیٹے ساری اکڑفوں نہ نکالی تو میرا نام نہیں لیکن اس وقت تو مجھے کام نکالنا تھا اس لیے میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ ''بیٹے یہ میرا نمبر ہے۔ پنڈی پہنچ کر مجھ سے رابطہ کرنا۔''

اس نے بھائی کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ''جی ضرور۔''

دراصل اس نے بھائی کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ بات بن گئی ہے۔ ایسے لالچی لوگوں کو سزا دینا ضروری ہے تاکہ یہ سلسلہ دراز نہ ہو۔ قانون نافذ کرنے والے اگر اپنی ڈیوٹی بہتر انداز میں کریں تو قانون شکنی کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ سزا نہ ہونے کی وجہ سے ہی برائی پھیلتی ہے۔

اس کام کو انجام دے کر میں بہت حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ اتنا اہم مسئلہ میں نے چٹکی بجاتے حل کر دیا تھا اس وجہ سے منیر کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ قدم بہ قدم بچھا جا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''بھائی میاں جس کام سے میں آیا تھا وہ کر دیا۔ اب مجھے اجازت دو تاکہ میں باقی کا سفر بھی پورا کر سکوں۔ مجھے ابھی آگے بھی جانا ہے۔''

''صاحب جی ایسے کیسے جانے دوں۔ کھانا گرم ہو رہا ہے۔ دو چار نوالہ ہی سہی کھالیں تو میری عزت افزائی ہو گی۔'' وہ اتنے معصوم انداز میں بولا تھا کہ میں انکار نہ کر سکا اور وہیں مہمانوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ مجھے بیٹھتے دیکھ لڑکے کا بھائی کبیر بھی وہیں آ گیا۔ اس نے پوچھا۔ ''بھائی صاحب آپ کی باتوں سے لگ رہا ہے کہ آپ بہت پیسے والے ہو۔ منیر سے کیا رشتے داری ہے؟''

''انسانیت کا رشتہ ہے۔ بیٹی سب کی سانجھی ہوتی ہے۔ اس کی بیٹی کی ڈولی اٹھ نہیں پا رہی تھی اس لیے میں آ گیا۔'' میں نے پلاؤ کا لقمہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''سر جی اس کے مطلب ہے کہ آپ بڑے دل والے ہیں۔''

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کا حکم دیا ہے لیکن ہم سب حسد و نفاق کے بیج بو کر گناہ کی عمارت کھڑی کر رہے ہیں اور پھر اللہ سے اچھائی کی امید بھی لگائے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی نہیں چاہتا ہے انسانوں کا معاشرہ غلط رخ پر بڑھے۔ اگر کوئی غلطی کر رہا ہے تو اسے احساس دلائیں کہ وہ غلط کر رہا ہے۔ میری کوئی بیٹی نہیں ہے لیکن میں ایک باپ کا درد جانتا ہوں..... اسے جب یہ خبر ملی ہو گی کہ آپ لوگ برات واپس لے جا رہے ہیں تو سوچیں اس کے دل پر کیسی چوٹ لگی ہو گی۔ انسان کی خدمت بھی عبادت ہے اور میں نے وہی کیا۔''

میری تقریر پر اس نے سر جھکا لیا تھا۔ جو کام تیر و نشتر نہیں کر پاتے وہ میٹھے بول کر جاتے ہیں۔ اس کی زندہ مثال ہند میں پھیلا اسلام ہے۔ یہاں نہ تو کسی بادشاہ نے بزور طاقت اسلام پھیلایا نہ سیاست کی بازی گری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھائی، اولیا کرام آئے۔ انہوں نے شفقت و محبت کا مظاہر کیا۔ لوگوں کے دلوں میں اپنا احترام پیدا کیا اور اسلام پھیلتا چلا گیا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ زباں شیریں، ملک گیری۔ میٹھے بول کا اپنا جادو ہے۔ میری اس چھوٹی سی تقریر نے اسے یاد دلا دیا ہوگا کہ اس کے سینے میں بھی دل ہے۔ اور شاید اسے بھی کسی نے کسی پریشانی سے کبھی نہ کبھی نجات دلائی ہوگی ورنہ اس کا سر اس طرح جھکتا نہیں۔

اسے فکر میں غلطاں دیکھ کر اس کے چہرے پر ابھر آئی پشیمانی کے عکس کو محسوس کرتے ہوئے میں نے ایک اور چوٹ کی۔ ''ہر انسان کے شانوں کراماً پر کاتبین بھی ہیں اور وہ اس کے ہر عمل کا حساب لکھتے جا رہے ہیں۔ اس لیے کہ اپنے حصے کی آگ خود بندہ لے کر جہنم جائے گا۔''

''اور جہنم میں جو آگ جل رہی ہے اس کا کیا ہوگا؟'' ایک شخص جو بڑے غور سے پاس کھڑا میری باتیں سن رہا تھا اس نے کہا۔

''جہنم میں شاید آگ نہ ہو۔ کیونکہ اعمال انسان کے ساتھ ہوگا اور برے اعمال کی آگ اس کمی کو پورا کرے گی۔ اب یہی دیکھ لو۔ اگر یہ شادی نہ ہوتی تو کیا تم لوگ آتے؟ نہیں نا..... یہ شادی تمہارے آنے کی وجہ بنی۔ اسی طرح جلانے کی وجہ خود اس کا اعمال بنے گا۔'' کہہ کر میں نے کبیر پر نظر ڈالی پھر کہا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ شرمندہ ہے۔ میں نے سلسلہ کلام جوڑا۔ ''اگر یہ شادی نہیں ہوتی اور برات واپس چلی جاتی تو کیا ہوتا؟ لڑکی کی شادی کرانا۔ شادی میں مدد دینا ثواب کا کام ہے۔ اور برات لوٹ جاتی تو ثواب خود بخود گناہ میں بدل جاتا۔ اس کی سزا بھی ملتی۔ مجھے تو حیرت ہے کہ ایسا کام کبیر صاحب نے کیسے کیا۔''

''یہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے اور اس کی ایک خاص وجہ ہے۔'' کبیر نے کہا۔ ''ایک شخص نے مجھے یہ ڈیوٹی دی تھی کہ میں کسی بھی حالت میں یہ شادی روک دوں۔ میں نے اس شخص سے کہا تھا کہ بات اتنی آسان نہیں ہے۔ اگر شادی سے انکار ہوگا تو لوگ مجھے برا کہیں گے۔ تب اس نے مجھے پانچ ہزار روپے دیئے کہ یہ انعام ہے۔ اگر شادی رک گئی تو اور بھی دوں گا۔''

میں بات کی تہہ تک پہنچ گیا کہ یہ کام کسی ایسے شخص کا ہے جو اس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس رقم بھی وافر ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو خرید رہا ہے۔ یہ گاؤں ایسا نہیں تھا کہ یہاں کے لوگ معمولی معمولی باتوں پر دولت کی نمائش کریں۔ گاؤں کے حالات بتا رہے تھے کہ یہاں والے ترستی ہوئی زندگی گزار رہے ہیں جو ہمارے وطن کے نوے فیصد گاؤں کا مقدر ہے۔ اس گاؤں میں صرف ایک آدمی ایسا ہے جو ایسی حرکتیں کر سکتا ہے۔ اور اس کا نام منیر نے لیا بھی تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ چودھری اس کی بیٹی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ان حرکات کی وجہ سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس نے یہ کھیل بڑی محنت سے تیار کیا تھا۔

ایک باپ کے لیے بیٹی کی رخصتی حد سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بساط سے بڑھ کر انتظامات کرے۔ ایسی رخصتی ہو کہ لوگ یاد رکھیں۔ منیر نے بھی کچھ ایسا ہی سوچا ہوگا۔ اس سلسلے میں اس نے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارے ہوں گے۔ ایسے وقت چودھری خود آگے آیا ہوگا۔

اس نے منیر کو ادھار دینے کے وعدے پر شادی کے انتظامات پر اکسایا ہوگا۔ جب اس بے چارے نے اپنی تمام جمع پونجی شادی کی تیاری پر لگا دی تو اس نے ادھار دینے سے منع کر دیا۔ یعنی بیچ منجدھار میں لا کر چھوڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔ ابھی منیر اس مسئلہ کا حل تلاش کر ہی رہا تھا کہ چودھری نے کبیر کو تلاش کیا اور اسے رقم دے کر پورا منظر نامہ تبدیل کر دینے پر اسے راضی کر لیا۔ عین وقت پر بے چارہ منیر بائیک کہاں سے دلا سکتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ برات واپس چلی جاتی پھر کچھ دن کے بعد لڑکی کو طلاق مل جاتی۔ غریب گھرانوں کی لڑکیوں کی شادی ایسے ہی مشکل امر ہے۔ طلاق یافتہ کے لیے تو بہت ہی مشکل۔ تب وہ چودھری آگے آتا اور لڑکی کو اپنے نکاح میں لے لیتا۔ اب مجھے اس چودھری پر غصہ آنے لگا تھا۔ میری ذہنی رَو بہک اٹھی میں نے منیر سے پوچھا۔ ''یہ بتاؤ کہ اس وقت چودھری کہاں ملے گا؟''

''صاحب جی، ابھی میری لڑکی گھر میں ہے۔ اگر اس نے کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا تو مشکل ہو جائے گی۔'' منیر نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''جی ہاں جناب۔ گواہی کے لیے آپ مجھے بھی طلب کریں گے اور وہ میرا دشمن بن جائے گا۔ جو ہو گیا اسے بھلا دینا ہی مناسب ہے۔ اب فکر کی بات یہ ہے کہ میں اسے رقم کیسے واپس کروں؟'' کبیر افسردہ لہجے میں ولا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ اب چودھری سے نمٹنا میرا کام ہے۔ منیر صاحب کی وجہ سے اس وقت تو میں خاموش رہ جاتا ہوں۔'' میرے اس جملے نے کبیر پر جادو جیسا اثر دکھایا، وہ مطمئن ہو گیا۔

''آپ لوگ رخصتی کی تیاری کریں۔ مجھے بھی واپسی کی جلدی ہے۔'' میں نے کبیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

وہ ڈرائیور کی جانب بھاگا۔ منیر گھر کے اندر چلا گیا۔ تاکہ جلدی جلدی رسم ادا کرا سکے۔ شہزاد جواب تک خاموش تماشائی بنا ہوا تھا اس نے کہا۔ ''صاحب جی میں بھی گاڑی نکالوں؟''

''بالکل۔ اب یہاں رکنے کا فائدہ؟''

عین اسی وقت منیر پریشانی کی حالت میں دوڑتا ہوا گھر کے اندر سے نکلا۔ وہ سیدھا میری طرف آ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ کوئی انہونی ہو گئی ہے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی طرف بڑھا تاکہ اسے لوگوں سے دور ہی روک لوں اور وجہ پوچھ لوں۔

ابھی شامیانے سے وہ دور ہی تھا کہ میں نے اسے روک لیا اور پوچھا۔ ''کیا ہوا۔ اتنے پریشان کیوں ہو؟''

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ ''غضب ہو گیا۔ میں نے اپنی بیٹی کو آٹھ جماعتیں پڑھوا کر بہت بڑی غلطی کر دی ہے۔''

''ہوا کیا، کھل کر بتاؤ۔''

''صاحب جی وہ فلم والیوں کی طرح تن کر کھڑی ہو گئی ہے۔ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ اسے طلاق دلائی جائے۔ وہ اس بندے کے ساتھ جانے پر تیار نہیں ہے۔''

''کیوں کیوں؟'' میں بھی الجھ گیا تھا۔ کہانی نے ایک نیا رخ لے لیا تھا۔ گاؤں کی ایک معمولی پڑھی لکھی لڑکی نے یہ ہمت کیسے کر دی، میں بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کہیں اس کے پیچھے کوئی عشق عاشقی کا چکر تو نہیں ہے میں اس رخ پر سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ فلم ڈرامے، فیس بک انٹرنیٹ نئی پود کو بہکانے میں بہت بڑا کردار ادا کر رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ جب سے موبائل میں نیٹ کا آپشن آیا ہے تو یہ رابطے کی سائنس نے اور زیادہ مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ گاؤں گاؤں کے بچے استعمال کرنے لگے ہیں۔ شاید یہ اسی کا اثر ہے۔

''صاحب جی اب کیا ہوگا؟'' منیر نے رنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

''کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں کیوں نہیں۔ وہ آپ کی بھی بیٹی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''چلو!'' میں نے اشارہ کیا۔

وہ مجھے لے کر اندر کی جانب چلا۔ وہاں بیٹھے تمام لوگ منیر کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے وہ عجوبہ ہو۔ صبح ہو چکی تھی اس لیے گاؤں میں چہل پہل نظر آنے لگی تھی کچھ ایسے لوگ بھی وہاں آ کھڑے ہوئے تھے جو ابھی ابھی اپنے گھروں سے برآمد ہوئے تھے۔ میں ان لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا منیر کے گھر میں داخل ہو گیا۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ دوسرے کمرے میں بچی کو دلہن بنا کر بٹھایا گیا تھا۔ وہ مجھے اس کمرے تک لے گیا۔ لڑکی نے شادی کا جوڑا پہن رکھا تھا۔ اس کے گرد کئی لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ میں نے قریب پہنچ کر کہا۔ ''بیٹی میں تمہارے لیے اجنبی ہوں لیکن اگر تم چاہو تو مجھے چچا کہہ سکتی ہو، اسی رشتے سے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''آپ وہی صاحب ہیں نا جنہوں نے بائیک دینے کا کہا ہے؟'' لڑکی نے جھکے سر کے ساتھ سوال کیا۔

''ہاں بیٹی!'' میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اگر چاہو تو میں اس کمرے کو خالی کرا دوں۔ تاکہ تم بلا جھجک اکیلے میں جواب دے سکو۔''

''جی نہیں۔ میں جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہوں سب کے سامنے کہوں گی۔ اگر ان میں ہمت ہے تو میری باتیں سن سکتی ہیں۔'' اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر کہا۔ ''زمانہ بدل رہا ہے۔ اب وہ حالات نہیں رہے کہ لڑکیاں اللہ میاں کی گائے کہلائیں۔ ہم بھی انسان ہیں۔ ہمارے سینے میں بھی دل ہے۔ دل میں ارمان ہے۔ ہماری بھی پسند ناپسند ہے۔ میں اس لالچی لڑکے کے ساتھ کیسے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا خواب دیکھوں جس کے دل میں ایک اچھی بیوی کی نہیں زیرو میٹر بائیک کی خواہش ہو۔ نہیں میں ایسے شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ یہ کل کو کسی اور بڑی چیز کے لیے مجھے بیچنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔''

''اے لڑکی تُو یہ کیا بول رہی ہے۔'' وہیں کھڑی ایک عورت نے اسے ڈانٹا۔

''خالہ مانے تُو بیچ میں مت بول میں جو کہہ رہی ہوں یہ ان صاحب کو سمجھنے دے۔'' لڑکی نے جھنجلا کر جواب دیا۔

میں خالہ مانے کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ان کے پیچھے کھڑے کبیر پر نظر پڑی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ بھی اندازہ لگا چکا تھا کہ الٹی آنت گلے پڑ گئی ہے۔ لڑکی گاؤں کی ضرور ہے لیکن وہ دسویں صدی کی نہیں ہے۔ میں نے کبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ سن رہے ہیں۔ یہ بہادر بچی کیا کہہ رہی ہے؟''

''جی جی اس کی زبان بہت تیز ہے۔ اس کا گزارہ شاید ہی ہمارے ہاں ہو۔''

''آپ جو کوئی بھی ہوں میں آپ کو نہیں جانتی لیکن اسلام کو جانتی ہوں۔ اگر آپ کو نہیں معلوم تو آپ کسی عالم دین سے معلوم کریں وہ آپ کو بتائے گا۔ اسلام کا پہلا حکم ہے کہ نکاح تبھی ہو سکتا ہے جب لڑکی راضی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تاریخ پڑھیں، صحابہ کرام کے دور میں کئی لڑکیوں کا ذکر مل جائے گا جنہوں نے اپنی رضا دی تب گھر والوں نے پیغام بھیجا یا قبول کیا۔ اسلام نے عورتوں کو شادی کے سلسلہ میں زیادہ اختیار دیا ہے۔ اسی اختیار کے تحت میں نے فیصلہ کیا ہے کہ چند گھنٹے پہلے جو نکاح کے نام سے میرے ساتھ کھیل کھیلا گیا ہے۔ اسے ختم کیا جائے اور مجھے طلاق دی جائے۔ میں کسی بھی حالت میں ایسے لالچی شخص کا گھر بسا نہیں سکتی۔''

میں نے مڑ کر کبیر صاحب سے کہا۔ ''آپ نے سن لیا..... لڑکی آپ کے ہاں جانے پر تیار نہیں۔''

''جی جی۔'' کبیر نے اٹک اٹک کر جواب دیا۔

''اس لیے آپ لڑکے سے کہیں کہ وہ ابھی اور اسی وقت لڑکی کو طلاق دے اور آپ اپنے براتیوں کو لے کر جا سکتے ہیں۔'' میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''اور وہ بائیک؟، وہ روپیا۔''

''روپے آپ لے جا سکتے ہیں۔ میں دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتا۔ میں سمجھوں گا کہ وہ رقم میری اس بیٹی کی جان کا صدقہ ہے۔ اب ایک منٹ کے اندر چل دیں۔''

''لیکن.....'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہاں کھڑے ہوئے ایک شخص نے جواب میں کہا:

''تم جاتے ہو یا اپنی خاطر داری کرا کر جاؤ گے۔ یہ ہمارے گاؤں کی عزت ہے۔ اس نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کو کوئی پسند کرے یا نہ کرے لیکن میں پسند کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہوں۔''

''بالکل یہ سچ کہہ رہی ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ لڑکی کی پہلے مرضی معلوم کرو پھر اس کی شادی کرو۔ اس کی مرضی نہیں ہے۔ اس لیے یہ شادی ہوئی ہی نہیں۔'' ایک باریش شخص نے کہا جواب تک خاموش تھا۔ ''اس لڑکے سے کہو کہ ابھی اور اسی وقت وہ اسے طلاق دے اور میں اپنے بیٹے کی اسے دلہن بناؤں گا۔ میرا اسد لاہور میں ہے۔ وہ وہاں دکان کرتا ہے۔ اپنی دکان ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں تین کپڑوں میں بیٹی کو لے جاؤں گا۔''

''اگر یہ آپ کا فیصلہ ہے تو بھی میں اسے بھرپور جہیز دوں گا۔ آپ میرا نمبر رکھ لیں۔ جس دن نکاح ہوگا مجھے فون کر دیجئے گا۔ سب کچھ آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اب مجھے اجازت دیں۔ مجھے پنڈی پہنچنا ہے۔'' میں نے کہا اور مڑ گیا۔

اسی وقت لڑکی نے کہا۔ ''انکل آپ نے میرے لیے اتنا کچھ کیا۔ آپ ہی کی وجہ سے مجھے حوصلہ ملا ورنہ میں اس بے باکی سے کبھی اتنے بڑے مسئلہ میں بول نہیں سکتی تھی۔ اس لیے میری التجا ہے کہ نکاح کے وقت آپ ضرور آئیے گا۔''

''بالکل آؤں گا۔ نہ صرف میں بلکہ میرے ساتھ اور بھی بہت سارے لوگ ہوں گے۔ میرے تمام ساتھی۔'' کہہ کر میں نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھا اور باہر نکل آیا۔

باہر آ کر دیکھا کہ ایک مولوی صاحب دری پر بیٹھے ہیں۔ تمام براتی جا چکے تھے۔ مولوی صاحب نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''یہ طلاق نامہ وہ لوگ دے گئے ہیں۔ اس پر گواہ میں آپ کے ڈرائیور کا نام بھی لکھ دیا ہے۔''

''تو جناب یہ کاغذ منیر صاحب کو دے دیں۔ میں تو پنڈی جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور ایمبولنس کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدم بڑھا دیا۔

شہزاد اسٹیئرنگ پر سر رکھے سو رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی اور چلنے کو کہا۔ وہ تو گویا منتظر تھا۔ فوراً چل پڑا۔ اب ہم دوبارہ سے پنڈی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ہم انسان بھی کتنے مجبور ہیں۔ کبھی قسمت کو شکست دے ہی نہیں سکتے۔ بڑی بڑی پلاننگ کر لیتے ہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہو۔ اب ہمیں کہاں پتا تھا کہ ہم پنڈی جاتے جاتے ایک اتنا اہم کام سرانجام دے دیں گے۔ ہم تو قتل وخوں ریزی کی نیت سے پنڈی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مرشد سے ٹکرانا، اسے خاک میں ملانے کا منصوبہ تھا ہمارا اور قسمت نے میرے ذریعہ ایک لڑکی کی زندگی سنوار دی۔

کچے راستے پر اچھلتی، جھٹکے کھاتی ایمبولینس میں بیٹھا میں یہی کچھ سوچ رہا تھا۔

کچھ دور جانے کے بعد جب ہم مین روڈ پر آئے تو سامنے وہی ہوٹل تھا جس پر ہم رات میں رکے تھے اور جہاں منیر کو افسردہ سا پایا تھا۔ میں نے ہوٹل دیکھ کر کہا۔ ''کیوں نا ایک ایک کپ چائے پی لی جائے۔'' دراصل مجھے یاد آ گیا تھا کہ شہزاد نے کہا تھا کہ وہ چائے کا دیوانہ ہے۔ اسے چائے نہ ملے تو وہ مردنی میں گرفتار رہتا ہے۔

شہزاد خوش ہو گیا۔ اس نے ہوٹل کے سامنے ایمبولنس روک کر آواز دی۔ اس کی آواز پر ایک چھوٹا سا بچہ بھاگتا ہوا آیا اور چائے کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

چائے پی کر ہم دوبارہ سے سفر پر چل پڑے۔ اب سڑک پر کافی ٹریفک نظر آنے لگی تھی۔ وہ اپنی دھن میں مست چلا جا رہا تھا کہ موبائل کی گھنٹی گونجی۔ اتنی تیز گھنٹی تھی کہ میں بھی چونک گیا۔ شہزاد نے ڈیش بورڈ کے خانے سے موبائل نکالا اور کان سے لگا کر بولا۔ ''ہیلو۔''

دوسری جانب کی بات سن کر وہ بولا۔ ''ارے نہیں ابھی ہم پنڈی سے بہت پیچھے ہیں۔ ایک گھنٹے سے زیادہ لگے گا وہاں تک پہنچنے میں۔ راستے میں ایک مسئلہ ہو گیا تھا ہم لوگ حل کرنے رک گئے تھے۔ یہ صاحب جی تو بڑے رحم دل ہیں۔ انہوں نے ایک لڑکی کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ واپس آ کر پوری کہانی سناؤں گا۔ تم یقین نہیں کرو گی کہ صاحب جی کتنے بڑے دل والے ہیں۔'' دوسری جانب کی بات سن کر اس نے کہا۔ ''اچھا اچھا۔ تم سنبھال لینا۔ ان سے کوئی بہانہ کر دینا۔ میں دوپہر کے بعد ہی پہنچوں گا۔ تمہارے لیے کیا لیتا آؤں؟''

باتیں ختم کر کے اس نے موبائل کو دوبارہ سے ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھا پھر مجھ سے بولا۔ ''صاحب جی، آپ گریٹ ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ آپ کی عزت میرے دل میں کتنی بڑھ گئی ہے۔''

''میں انسان ہوں اس لیے دوسرے انسان کا دکھ درد مجھے اپنا اپنا سا لگتا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں سر آپ انسان سے بڑھ کر ہیں۔ مثل فرشتہ ہیں فرشتہ۔''

اس کی بات پر میں مسکرا کر رہ گیا۔ مگر بولے بغیر نہ رہ سکا۔ ''غالب کا ایک شعر ہے۔ ''آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔'' بھائی میرے آدمی ہی بن جاؤں تو یہ بہت ہے۔''

''یہ آپ کا بڑا پن ہے۔ میں تو آپ کا معتقد بن گیا ہوں۔ میری کوشش رہے گی کہ آپ سے رابطے میں رہوں۔'' اس نے ونڈ اسکرین پر نظریں جما کر کہا۔

پنڈی قریب آتا جا رہا تھا۔ میرا ایک سفر ختم ہونے کے قریب تھا۔ اب ایک اور مرحلہ قریب تھا جس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کامیابی میری زندگی کی راہ کو بدلنے میں اہم کردار ادا کرتی۔ اب تک میں یہی سوچتا رہا تھا کہ کسی بھی طرح مرشد میرے راستے سے ہٹ جائے اور مجھے اپنی زندگی جینے دے لیکن وہ ایک ایسی کتے کی دُم بن چکا تھا کہ جو ہزار سال نلکی میں رکھنے کے بعد بھی سیدھی ہونے کا نام نہ لے، وہ مجھے ہر گام پر ٹھیس پہنچا رہا تھا۔ اب میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ اسے بھرپور سبق سکھاؤں گا۔ یہ جنگ آخری ثابت ہو یہی سوچ کر میں پنڈی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پنڈی جہاں سے میری زندگی نے کئی اہم موڑ لیے۔ جہاں کئی معرکے سر کیے۔ اب سب سے اہم معرکے کا گواہ بننے جا رہا تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ کامیابی کس کے مقدر میں ہے۔ اب یا تو وہ مکمل طور پر تباہ ہو گا یا میں اپنی جان دے دوں گا تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔

لیکن یہ معرکہ کیسے سر ہو۔ میں کیا کروں کس طرح مرشد کو اس کی اوقات دکھاؤں اسی پر غور کر رہا تھا کہ شہزاد نے کہا۔ ''زیرو مائیل قریب آ رہا ہے۔ یہاں سے کس طرف مڑنا ہے۔''

''بس تم مجھے وہیں اتار دینا۔ میرے دوست وہاں موجود ہوں گے یا پھر آتے ہوں گے اس لیے کہ وہیں پر ان سے ملنے کی بات ہوئی ہے۔''

''جی اچھا۔ میں آپ کو اتار کر انتظار کروں گا یا چلا جاؤں۔''

''میرے خیال میں چلے جانا ہی بہتر ہے اس لیے کہ وہاں تمہاری بیگم منتظر ہو گی۔ وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی ہو سر..... میں آپ کو زندگی بھر نہیں بھول سکتا ہے اس لیے کہ جب آپ کو دیکھا تھا تو آپ کا ایک دوسرا روپ تھا لیکن جب آپ کا ساتھ ہوا تو پتا چلا کہ آپ کے سینے میں سونے کا دل ہے۔ کسی اجنبی کے لیے آپ کس طرح قربانی دیتے ہیں اس کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔''

''زندگی رہی تو ہم ملاقات کرتے رہیں گے۔ میرا نمبر تم محفوظ کر لو۔ جب موقع ملے مجھ سے رابطہ کر لینا۔ اگر نمبر بند ملے تو میسج کر دینا۔ جب بھی میں موبائل کھولوں گا۔ ٹیکسٹ میسج آ جائے گا۔'' میں نے کہا۔

دن پوری آب و تاب سے جلوہ گر تھا۔ گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ ٹریفک آہستہ آہستہ پہلے سے بہت زیادہ نظر آ رہی تھی۔ شاید ایسا اس لیے تھا کہ اب ہم پنڈی کے بہت نزدیک پہنچ چکے تھے۔ اور دن بھی نکل آیا تھا۔

''سر جی ایک بات بولوں۔'' شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں بولو۔'' میں نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''سر آپ کا اصل کام کیا ہے؟''

''لوگوں کی مدد کرنا۔ جو تم نے دیکھا۔''

''نہیں سر..... اصل پیشہ بتائیں نا۔''

''فی الحال تو میں بیکار ہوں۔ ویسے دبئی سے مال لا کر بیچتا ہوں، کبھی پارٹی بُری بھی مل جاتی ہے جیسی ایک پارٹی سے سودا ہو کر بھی نہیں ہوا۔ الٹے وہ میری جان کا دشمن بن گیا۔ جس سے بچنے کے لیے میں تمہارے ہاں چھپا تھا۔''

''اس کے معنی یہ ہے کہ آپ کا کام غیر قانونی ہے اسی لیے پارٹی بے ایمانی پر اتر آئی ہو گی۔ کیونکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمانداری پر پارٹی بھڑکتی نہیں ہے۔ کیا لاتے ہیں؟''

میں سمجھ گیا کہ وہ اندازہ لگانا چاہتا ہے۔ جو خود مرغا بن رہا ہو اسے کون روک سکتا ہے۔ اس نے جب مجھے اسمگلر سمجھ ہی لیا تو میں بھی اس کے خیال کو تقویت دینے کے لیے بولا۔ ''سونا لاتا ہوں۔''

''اوہ..... اس کے معنی ہیں کہ آپ نے خاصی رقم انوسٹ کر رکھی ہے اس لیے کہ سونے کی کھیپ لانے کے لیے بڑی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''یہی کوئی ڈھائی کروڑ پھنسے ہوئے ہیں۔''

''اگر برا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں؟''

''بولو۔''

''ایسے کام میں فائدہ تو بہت ہے۔ ایک پھیرے میں لوگ اپنی رقم کئی گنا زیادہ کر لیتے ہیں لیکن اس میں برکت بالکل نہیں ہوتی۔ اتنی ہی رقم اگر آپ کسی اچھے بزنس میں لگا دیں تو وہ آپ کا وقار بلند کر دے گی۔''

''وقت آئے گا تو اس پر بھی سوچوں گا۔'' میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے ایک اور جھوٹ بولا۔

باتوں کا سلسلہ چل پڑے تو وقت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ ہم زیرو مائیل کے قریب پہنچ چکے تھے کہ مجھے احساس ہوا کہ اب اس سے آگے جانا نہیں ہے۔ میں نے شہزاد کو مخاطب کیا۔ ''بس بھائی اس سامنے والی دکان کے سامنے مجھے اتار دو۔ یہیں پر میرا دوست آئے گا۔''

''جی اچھا۔'' کہہ کر اس نے میری بتائی ہوئی جگہ پر گاڑی روک دی۔

میں نے نیچے اتر کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ ''زندگی رہی تو ان شاء اللہ ہم ضرور ملیں گے۔'' کہہ کر میں سامنے نظر آنے والے چائے کے ہوٹل کی جانب بڑھ گیا۔

شہزاد نے گاڑی موڑ لی اور واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ کچھ دیر تک میں اس کی جاتی ہوئی ایمبولنس کو دیکھتا رہا پھر میں نے جیب سے موبائل نکالا اور سفیر کا نمبر ملایا۔ پہلی ہی گھنٹی پر اس نے فون اٹھا لیا۔

''کہاں رک گئے۔ ہم سب انتظار میں بیٹھے ہیں۔'' اس نے چھوٹتے ہی سوال کر دیا۔ میں نے جواب میں کہا:

''بھائی دم تو لینے دو۔ ابھی ابھی میں زیرو مائیل پر اترا ہوں۔''

''آپ جس جگہ اترے ہیں اس کی نشانی بتائیں۔ میں خود آ رہا ہوں۔''

''ایسا کرو کہ مرتجس کو بھیج دو۔ میں خود آ جاؤں گا۔''

''ہم سب آ رہے ہیں۔ استقبال کرنا ہی ہے تو ذرا الگ انداز سے کریں۔'' سفیر کے عقب سے وسیم نے چیخ کر کہا۔ اس کے ساتھ عبداللہ کی بھی آواز سنائی دی کہ میں بھی ساتھ آ رہا ہوں۔

گویا سب کے سب آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دوست ہی ایسے دیئے ہیں کہ میں جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے پھانس بھی چبھے تو یہ سب بے چین ہو جانے والوں میں سے ہیں۔ میں ابھی ان لوگوں کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ موبائل کی گھنٹی پھر سے بج اٹھی۔ نمبر نیا تھا۔ ریسیور کے کان سے لگایا ہی تھا کہ ایک بندہ چائے کے ہوٹل میں داخل ہوا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ پورے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہال پر نظر دوڑانے کے بعد وہ سیدھا میری ٹیبل پر آیا اور بولا۔ ''صاحب جی۔ میڈم آپ کو بلا رہی ہیں۔''

''مجھے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' اس نے سر ہلا کر کہا۔ ''میڈم نے کہا ہے کہ اندر شہباز صاحب ہیں انہیں باہر بلا لاؤ۔''

میں نے کال رسیو نہیں کی اور کال کاٹ دی اس لیے کہ ادھر سے کسی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں اس کے ساتھ باہر کی جانب بڑھا۔ ابھی میں نے ہوٹل سے نکل کر سڑک پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک ساتھ کئی لوگ مجھ سے چمٹ گئے۔ ان کا انداز اناڑیوں جیسا تھا۔ وہ صرف چمٹے تھے کہ میری ناک پر آ کر ایک رومال جم گیا۔ میں نے دھیمی دھیمی میٹھی خوشبو محسوس کرتے ہی سانس روک لی تھی کہ مجھ سے چمٹنے والوں میں سے کسی نے کہا۔ ''اس کے ساتھی آتے ہوں گے۔ جلدی کرو۔''

اس کا کہنا ہی تھا کہ کسی نے ایک عجیب حرکت کی۔ میری بغل میں انگلی ڈال کر گدگدانا شروع کر دیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میں نے جو سانس روکی تھی وہ ممکن نہ رہی اور ایک بڑی سانس اندر چلی گئی۔ سانس کے اندر جاتے ہی وہی ہوا جس کا اندازہ تھا۔ میرا سر چکرایا اور ہاتھ پیروں کی قوت ختم ہو گئی۔ پھر مجھے کچھ یاد نہ رہا۔

○.....❖.....○

نہ جانے کتنا وقت گزر چکا تھا۔ مجھے جب ہوش آیا تو میں ایک ایسے کمرے میں تھا جس کی چھت سلیب سے بنی ہوئی تھی۔ میں نے ادھر سے نظر ہٹا کر داہنی جانب دیکھا۔ ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ معمولی انداز کی کرسی۔ میں نے اٹھنا چاہا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میرے ہاتھ پیر نائلون کی ڈوری سے بندھے ہوئے تھے۔ جس کسی نے بھی باندھا تھا۔ بڑی استادی سے باندھا تھا۔ چارپائی کے ساتھ اس طرح باندھا گیا تھا کہ میں نہ ہاتھ ہلا سکتا تھا اور نہ پیر۔ چارپائی بھی جہازی سائز کی تھی۔ خوب بڑی سی۔ چارپائی پر بستر بھی نہیں تھا۔ اس کھردری چارپائی پر میں بے یار و مددگار پیٹھ کے بل لیٹا سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں کتنا وقت گزرا اور اس وقت کیا بج رہا ہے۔ کمرے میں اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ بہت معمولی انداز کا سامان نظر آیا۔ دیوار پر نظریں دوڑائیں لیکن کوئی گھڑی نظر نہ آئی کہ میں ٹائم دیکھ سکتا۔ تبھی مجھے یاد آیا کہ میں نے سفیر کو کال کی تھی اور وہ سب لوگ وہاں آ گئے ہوں گے۔ مجھے نہ پا کر وہ سب پریشان ہوں گے۔ میرا ہاتھ جیب تک پہنچ نہیں سکتا تھا کہ ٹٹول کر میں دیکھ سکتا کہ جیب میں موبائل ہے بھی یا نہیں۔

ان لوگوں نے مجھے جس طرح باندھا تھا اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ انہوں نے میری مکمل تلاشی لی ہے اور جو کچھ بھی جیب سے نکلا ہوگا اسے مالِ غنیمت سمجھ کر رکھ لیا ہوگا۔ یعنی کہ انہوں نے موبائل بھی نہیں چھوڑا ہوگا۔ اب میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ کوئی آ کر کھولتا نہیں لیکن میں نے اپنی کوشش بھی ترک نہیں کی۔ اسی طرح سے پیروں کو آگے پیچھے کرنے لگا۔ کہ شاید رسّی کچھ ڈھیلی ہو جائے۔ رسّی ڈھیلی کیا ہوتی پیروں کی جلد پر جلن ہونے لگی۔ شاید جلد چھل رہی تھی۔ میں نے پیروں کو کچھ دیر کے لیے آرام دیا اور کلائی کو موڑنے لگا۔ کبھی کلائی سیدھی کرتا اور کبھی کلائی کو ہلکا سا گھماتا۔ اس کام میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی تب میں نے سر ڈال دیا اور کسی کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ یہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ کچھ پل بعد دروازے پر آہٹ ہوئی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں تاکہ آنے والوں کے پلان کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تعداد میں دو تھے۔ انہوں نے اندر آتے ہی کہا۔ ''میں نے منع کیا تھا اسے اسپیشل ڈوز نہ دو پھر بھی انہوں نے اسے کلوفارم کے بعد بھی انجکشن لگا دیا۔ اب یہ کم سے کم دو گھنٹے کیا پانچ گھنٹے تک زندہ لاش بنا رہے گا۔ اسے اٹھا اٹھا کر ڈھوتے رہنا ہمارا سر درد بن گیا ہے۔''

''اوے تُو ایسے بول رہا ہے جیسے یہ کام تُو مفت میں کرتا ہے۔ تجھے پیسے ملتے ہیں پیسے۔ ایسے ہی تو یہاں نہیں آ گیا۔'' بولنے والا میری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ میں کچھ حد تک مطمئن ہو گیا کہ وہ مغالطہ میں ہیں۔ ان کے خیال سے مجھ پر ان کی دوا اثر کر گئی ہے۔ شاید ایسا ہی ہوتا۔ اس لیے کہ میں بھی انسان ہوں لیکن بھلا ہو حکیم قابوس کا کہ اس نے ایسی دوا استعمال کرائی کہ میرے اندر مدافعت کی لامحدود قوت پیدا ہو گئی۔ زخم جلدی بھرنے لگے۔ چوٹ اثر کھونے لگی۔ نشہ آور یا ضرر رساں ادویہ کا اثر جلد ختم ہونے لگا۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا کہ جو دوا دی گئی تھی اس کا اثر وقت سے پہلے ختم ہو گیا، لیکن میں نے انہیں احساس نہ ہونے دیا کہ میں ہوش میں آ چکا ہوں۔ آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ وہ شخص آہستہ آہستہ میرے قریب آ گیا۔ میں نے احساسات کی نگاہوں سے اسے دیکھنا چاہا کہ وہ کر کیا رہا ہے۔ میری پوری قوتِ سماعت اس کے پیروں کی چاپ پر مرکوز تھی۔ وہ میری چارپائی کے بالکل قریب آ چکا تھا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ میرے پیروں کی جکڑ کھل گئی ہے۔ میں نے پپوٹے اٹھا کر پلکوں کی جھری سے دیکھا۔ اس خفیف سے روزن میں اس کا پورا قد آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو تھا اور وہ میرے پیروں میں بندھی رسّی کو کاٹ رہا تھا۔ تبھی اس کے ساتھی نے کہا۔ ''دیکھ کہیں یہ ہوش میں نہ آ جائے۔''

''اتنا آسان نہیں ہے۔ تم لوگوں نے ایکسٹرا ڈوز اسے دے دیا ہے۔ ڈھائی تین گھنٹے سے پہلے کہاں ہوش میں آنے والا ہے۔ ابھی تو صرف گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا ہی ہوا ہو گا۔'' اس نے پیروں کی رسّی کاٹ کر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

''یار کاشف، باس کا کہنا ہے کہ یہ بہت خطرناک آدمی ہے لیکن دیکھنے میں تو کیچوا لگ رہا ہے۔ کتنی آسانی سے ہم نے اس پر قابو پا لیا تھا۔ پھر اتنی دور کا سفر بھی کر لیا اور وہ چوں بھی نہ کر سکا۔''

''اکبر بھائی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماہر تیراک اتھلے پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس وقت اس کا ستارہ گردش میں ہو۔ وہ سمجھ نہ پایا اور ہمارا شکار بن گیا۔'' کاشف نامی شخص نے جواب میں کہا۔

اکبر اب میرے سرہانے کھڑا تھا اور وہ میرے ہاتھوں کی رسّی پر چاقو چلا رہا تھا۔ میرے ہاتھ آزاد ہو گئے لیکن میں نے کسی قسم کا کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا کہ وہ سمجھتا کہ ہوش میں آ چکا ہوں۔ نہ تو میں نے ہاتھ میں جنبش آنے دی اور نہ کوئی گہری سانس لی۔ وہ پوری طرح اطمینان سے میرے سرہانے کھڑا تھا کہ اس کے ساتھی نے پوچھا۔ ''اب اس بیگار کو کیسے اٹھایا جائے۔۔ گاڑی تک پہنچانا ہے۔ پھر ڈرائیو بھی کرنا اگر اسے راستے میں ہوش آ گیا تو اسے دوبارہ سے سلانا بھی ہے۔''

''نہیں بھائی۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے کہ اسے ہوش آ جائے۔ اگر ہوش آ گیا تو میں اس کے سر پر موجود رہوں گا۔ دوبارہ سے رومال نکال کر ناک پر رکھ دوں گا۔''

''تو پھر چلو اس کے جنازہ کو اٹھاؤ۔'' کہہ کر شاید وہ میری طرف بڑھا تھا۔

''نہیں میرے یار۔ تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے آنکھیں کھول کر کہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ دونوں ایسے چونکے تھے کہ جیسے مُردے کو اٹھتے دیکھ لیا ہو۔ ان کی حیرت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں چارپائی سے نیچے اتر گیا تھا۔ سامنے اکبر تھا۔ میں اس پر نظریں رکھے ہوئے تھا۔ اور کاشف کو بھول گیا تھا۔ میری اس غلطی کا اس نے بھرپور فائدہ اٹھا لیا۔ وہ اچانک ہی مجھ پر جھپٹا تھا۔ میں اس افتاد کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔ بے خبری میں مارا گیا۔ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرتا چلا گیا۔ وہ بھی میرے ساتھ ڈھیر ہوا تھا۔ نیچے میں تھا اوپر وہ تھا اور وہ کسی گینڈے کی طرح طاقتور تھا۔ اس نے مضبوطی سے میری دونوں کلائیاں تھام لیں اور گھٹی آواز میں اپنے ساتھی سے بولا۔ ''اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے لیے رسّی لاؤ۔''

یہ کہہ کر وہ میرے سینے پر کچھ اس انداز سے سوار ہوا کہ اس کا ایک مگدر نما گھٹنا میرے گلے پر آ ٹکا تھا۔ میں ذرا بھی حرکت کرنے کی کوشش کرتا تو خود ہی نقصان اٹھاتا۔

''جلدی کر بے وقوف۔'' کاشف نے اکبر کو ڈانٹا۔ ''ہمارے پاس وقت کم ہے۔''

''ابھی سے مایوس ہو گئے مائی ڈیئر۔'' میں نے اس کے وزنی جسم کے نیچے دبا ہونے کے باوجود چہکنے کی کوشش کی۔ ''ابھی تو موت کا فرشتہ بھی آنے والا ہے۔ اس کا انتظار نہیں کرو گے۔''

''فکر نہ کرو۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''سب سے پہلے تمہی کو فرشتہ اجل کے حوالے کیا جائے گا۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔'' میں نے آہستہ سے کہا کیونکہ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کی جکڑ ڈھیلی ہو رہی ہے۔ اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اچانک اپنی دونوں کلائیوں کو زوردار جھٹکا دیا۔ دوسرے ہی لمحے نہ صرف میرے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے بلکہ میں نے اس کی گردن بھی پکڑ لی۔ اسے شاید اندازہ نہ تھا کہ میرا ردِعمل اتنا شدید ہو گا ورنہ وہ پہلی فرصت میں مجھے بے ہوش کرنے کے لیے کلوروفارم کی پکار کرتا۔ پھر ہاتھ پاؤں باندھتا۔

میں نے اس کی گردن پکڑ کر خاصی قوت سے جھٹکا دیا تھا۔ وہ بائیں طرف لڑھک گیا تھا۔ پھر میں اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ آزاد تھے مگر گلا دبنے کی وجہ سے اس میں اتنی سکت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ میرے ہاتھ ہی پکڑ سکتا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ اس کا ساتھی اتنا احمق تھا کہ مجھے جس رسّی سے باندھا گیا تھا اسے کٹا دیکھ کر نئی رسّی لانے کے لیے کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ یا پھر اسے اپنے ساتھی کی قوت پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے ساتھی کی مدد کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔

بہرحال جو کچھ بھی تھا مگر اس وقت پانسا میرے حق میں تھا۔ اگر اس کا ساتھی واپس آ جاتا تو میرے لیے مشکل کھڑی ہو جاتی۔ یہی سوچ کر میں نے اپنے شکار کی گردن چھوڑ دی اور اس کی کنپٹی پر اچانک ہی پوری قوت سے گھونسا مارا۔ بس ایک ہی گھونسا کافی ثابت ہوا اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔

میں نے یہ دیکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ یا صرف بے ہوش ہوا ہے۔ تبھی عقب میں آہٹ ہوئی تو میں چیتے کی سی پھرتی سے مڑا تھا اور دروازے کے بیچ میں کھڑے اکبر کو دیکھا۔

وہ حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے مزید حیران ہونے کا موقع نہیں دیا اور اچھل کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اسے اس طرح دبوچ لیا جیسے باز کبوتر کو دبوچ لیتا ہے۔ اس اچانک افتاد پر وہ ایسے گھبرا گیا جیسے وہ کوئی ننھا سا بچہ ہو۔ اس کے منہ سے لایعنی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ مگر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ میں نے ایک بار پھر اس کے سر پر اپنے سر سے وار کیا پھر غراتے ہوئے کہا۔ ''میں جکڑ ڈھیلی کر رہا ہوں۔ خبردار اگر چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو انجام بہت برا ہوگا۔ سیدھے جا کر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔''

شاید وہ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ جو شخص ایسے تن و توش کے آدمی کو پچھاڑ سکتا ہے وہ تو اس جیسے منحنی بندے کو پیس کر رکھ دے گا اسی لیے وہ بلا چوں چرا کیے دیوار کی طرف مڑ گیا اور ایک شریف بچے کی طرح دیوار سے ناک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے جسم سے اس کے دہشت زدہ ہونے کا اندازہ ہو رہا تھا کیونکہ وہ کانپ رہا تھا۔ مجھے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ ایسے بندے کو مجھے پھانسے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم لوگوں نے مجھے پہچانا کیسے تھا؟''

''ہمیں بتایا گیا تھا کہ شہباز نامی شخص کو اغوا کرنا ہے۔ پہچان کے لیے آپ کا نمبر دیا گیا تھا۔ ہوٹل پہنچ کر ہم نے مس کال دی۔ آپ کے فون اٹھاتے ہی پہچان لیا۔ مزید تحقیق کی ضرورت نہیں تھی اسی لیے باہر بلا لیا۔''

اس کا جملہ ختم ہوا تھا کہ میں نے پہلے اس کی تلاشی لی پھر اسی کی لائی ہوئی رسّی سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے فرش پر گرا دیا۔ اس سے نمٹ کر میں نے کاشف کی تلاشی لی اور اس کے ہاتھ پیر بھی باندھ دیئے۔ ابھی اس کام سے فرصت پا کر میں اٹھ ہی رہا تھا کہ چانک کسی نے عقب سے مجھ پر چھلانگ لگائی اور میری گردن کو دبوچ لیا۔ اس کی جکڑ ایسی تھی کہ میں چاہ کر بھی اپنی گردن موڑ نہیں پا رہا تھا۔ گردن پکڑنے والا نہ صرف بہت طاقتور تھا بلکہ اس کے ہاتھ بھی بہت مضبوط تھے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی گرفت بڑھا رہا تھا، میں سمجھ گیا تھا کہ اگر میں نے گردن چھڑانے کے لیے جھٹکا دیا تو گردن کا منکا ٹوٹ جائے گا۔ میں نے کہنی سے اس کے پیٹ پر وار کرنے کے لیے کہنی موڑنی چاہی لیکن اس میں بھی کامیابی نہیں ملی۔ وہ اس انداز سے کھڑا تھا کہ اس کا جسم میری کہنی سے دور تھا۔

میری سانس اب گھٹنے لگی تھی۔ کانوں میں سائیں سائیں سی ہونے لگی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اگر وہ اسی طرح میری گردن دباتا رہا تو میں بے ہوش ہو کر گر جاؤں گا۔ تبھی میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور لہرا کر گرنے کی اداکاری کی۔ اس میں رسک تھا۔ اگر وہ اداکاری کے باوجود میری گردن نہ چھوڑتا تو میں حقیقتاً بے ہوش ہو جاتا۔

مجھے گرتا دیکھ اس نے میری گردن چھوڑ دی مگر مجھے سنبھالا نہیں۔ میں پہلو کے بل گرا تھا۔ اس کے باوجود میری کمر میں خاصی چوٹ آئی تھی۔ گردن آزاد ہوتے ہی میری توانائی تیزی سے بحال ہونے لگی۔ حملہ آور بھی گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اوئے کاشف تُو زندہ ہے یا مر گیا۔''

میں اب پھر سے فارم میں آ گیا تھا۔ میں نے دوبارہ سے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ ساتھ ہی ساتھ آواز لگائی۔ ''کاشف ابھی مرا نہیں ہے۔ پہلے تم مرو گے۔''

مجھے اٹھتا دیکھ اس نے پھر سے میری گردن پکڑنا چاہی۔ میں نے پھرتی سے قلابازی کھائی اور دور چلا گیا پھر اسپرنگ کی طرح اچھال بھری اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم بار بار میری گردن نہیں پکڑ سکتے۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''تیری تو ایسی گردن مروڑوں گا کہ تُو دوسری سانس نہیں لے سکے گا۔'' اس نے دونوں ہاتھ آگے کر کے چھلانگ لگائی تھی۔

میں نے بچنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی اور آگے بڑھ کر اس کی کلائی کو پکڑنے کی کوشش کی۔ پہلی ہی کوشش کامیاب ٹھہری اور اس کی دونوں کلائیاں میری گرفت میں آ گئی۔ میں نے جکڑ مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ ''خود کو سورما سمجھنا آسان ہے لیکن ثابت کرنا مشکل ہے۔''

''تُو میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور نہ یہاں سے نکل سکتا ہے۔''

اس نے کرب کو چھپاتے ہوئے کہا تھا کہ میں نے جھٹکے سے اسے گرا دیا پھر اس کے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھ کر کہا۔ ''تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟ یعنی کس کے کہنے سے تم نے مجھے اغوا کیا تھا۔'' میں نے یہ سوال اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تھا۔

''کسی نے بھی ہمیں نہیں کہا..... میں نے یہ سب کچھ اپنی مرضی سے کیا ہے۔ یہ میرا شوق ہے یہی دھندا ہے۔ لوگوں کو اغوا کرتا ہوں پھر تاوان طلب کرتا ہوں۔''

میں نے اس کی دیدہ دلیری دیکھ کر کہا۔ ''لگتا ہے ابھی تک تم میں دم خم باقی ہے۔'' میرا انداز طنزیہ تھا۔ میں نے پیروں پر زور ڈال کر کہا۔ ''میں ابھی ساری اکڑفوں نکال دوں گا۔ جلدی حقیقت بک دو کس کے کہنے پر تم نے مجھے اغوا کیا تھا۔''

اس میں کمال کی استقامت تھی۔ چہرے پر تکلیف کے آثار صاف ظاہر تھے لیکن وہ زبان کھولنے پر آمادہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے جواب میں کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں آپ کی بات کا جواب دے چکا ہوں۔''

''دیکھو میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔ ''مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمہیں مار کر یہیں دفن کر دوں۔ تم نے شاید میرے بارے میں سنا نہیں ہے کہ میں کس قماش کا بندہ ہوں۔ جو پوچھ رہا ہوں سچ سچ بتا دو ورنہ میرے پاس بس یہی ایک آپشن رہ جائے گا۔''

''جو سچ ہے وہ میں نے بتا دیا آگے آپ کی جو مرضی۔ خواہ مار دیں یا زندہ رکھیں۔''

میں نے اس کی کلائی سے اپنا پیر ہٹا لیا اور پھر جھک کر اس کے بالوں کو پکڑا پھر کھینچتے ہوئے اس کے سر کو بلند کیا اور اسے دیوار کے سہارے بٹھا دیا۔ وہ بھی کمال کا بندہ تھا۔ اتنے مضبوط اعصاب کا تھا کہ اس پر مجھے ترس آنے لگا تھا۔ وہ ڈھٹائی سے بولا۔ ''مجھے مارنے سے پہلے ایک سگریٹ ضرور پلا دینا۔''

میں نے نظر اٹھا کر ٹیبل کی طرف دیکھا جہاں مجھے سگریٹ کی ڈبی دکھائی دی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر سگریٹ کی ڈبی اٹھائی اور ایک سگریٹ نکال کر اسے سلگا لی۔ پھر اسے اس کے ہونٹوں میں دے دیا۔ اس نے دو تین گہرے کش لیے تو میں نے سگریٹ چھین لی پھر پوچھا۔ ''ہاں اب بتاؤ۔ کس کے کہنے پر تم نے مجھے اغوا کیا تھا۔''

''کہہ تو دیا کہ یہ میرا پیشہ ہے۔ میں یہی کام کر کے اپنا گھر چلاتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اکبر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ سچ بول رہا ہے؟''

اکبر نے سر ہلا کر ہاں کہا تو میں اس کی طرف بڑھتا چلا گیا اور اس کی جیب کی تلاشی لی۔ ایک بار پہلے بھ تلاشی لے چکا تھا دوبارہ لی تو بھی موبائل نہیں ملا تب میں نے اس سے پوچھا۔ ''موبائل کہاں ہے؟''

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میری بنیان میں پھنسی ہوئی ہے۔''

میں نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ موبائل اس کے پیٹ پر تھا۔ اسے باہر نکال کر دیکھا۔ نیہ ورک بھی تھا اور چار جنگ بھی فل تھی۔ میں نے سفیر کا نمبر ڈائل کیا۔ بیل جا رہی تھی لیکن کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ لگ رہا تھا کہ موبائل ایسی جگہ ہے جس سے دور وہ بیٹھا ہے۔ وقت برباد کرنے سے الجھن اور بڑھتی اس لیے میں۔ شاکر کی گدی پر نپا تلا وار کیا اور وہ تیورا کر زمین پر ڈھے گیا۔ میں نے بنا کچھ سوچے سمجھے باہر کی جانب قدم بڑ دیئے اس لیے کہ اب رکنا بیکار تھا۔

باہر آنے کے بعد میں نے اطراف کا جائزہ لیا۔ دور دور تک ویرانہ تھا۔ ایک سڑک نظر تو آ رہی تھی لیکن سڑک کافی فاصلے پر تھی۔ اس سڑک پر کم کم سہی لیکن ٹریفک چل رہی تھی۔ میں نے اسی جانب قدم بڑھا دیئے مجھے اس بات کی بھی فکر نہیں تھی کہ جن بندوں کو باندھ کر آیا ہوں ان کا حشر کیا ہوگا۔ اگر کہیں میرا ہاتھ زیادہ قو سے پڑ گیا ہوگا تو وہ شخص جسے بے ہوش چھوڑ آیا ہوں وہ راہی ملک عدم ہو چکا ہوگا اور اگر ایسا ہو گیا تو ان دونوں کھولے گا کون، وہ تو اسی حالت میں بھوک پیاس سے مر جائیں گے۔

اس خیال نے میرے ذہن میں ہلچل مچا دی تھی کہ میں نے خود پر قابو پایا اور خود سے کہا۔ ''جو ہوگا دیکھ جائے گا۔ میرے خیال میں بے ہوش شخص کو ہوش آ جائے گا اور وہ اٹھ کر ان کو کھول دے گا۔ مجھے اپنی سوچ چاہیے۔ اگر ان کو موقعہ مل جاتا تو وہ مجھے مار دیتے پھر میں ان سے ہمدردی کیوں کروں اس لیے کہ دشمن پھر دشم ہے۔ وہ بھی کمین فطرت کے دشمن ہیں۔

اس نئے خیال نے مجھے نئی سوچ دی اور میں مطمئن ہو گیا۔ میں نے سامنے والی سڑک کی طرف دیکھ ایک دو ٹرک گزر رہے تھے کہ دور سے آتی ہوئی بس نظر آئی۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مجھے ہر حال میں وقت سے پہلے سڑک تک پہنچنا تھا۔ تاکہ میں بس کو پکڑ سکوں۔ مجھے کوئی ڈر تو تھا نہیں کہ ان میں سے کوئی پیچھا کرے گ اس لیے کہ جو ہوش میں تھے وہ بندھے ہوئے تھے اور جو کھلے ہوئے تھے وہ بے ہوش تھے۔ انہیں ہوش میں آ۔ کے لیے گھنٹا بھر چاہیے ہوگا۔ اس لیے میں آرام سے سڑک کی طرف بڑھ رہا تھا کہ دور سے آتی ہوئی بس نظر آ اور میں گویا ہوا میں اڑتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اتنی تیز چل رہا تھا کہ بتا نہیں سکتا۔ یہ میری تیز رفتاری تھی کہ سڑک تک پہنچے تک بس کھڑی ہوئی تھی۔ ایک دو مسافر اترے تھے شاید اسی لیے بس رک گئی تھی۔

میں تقریباً دوڑتا ہوا بس میں سوار ہوا تھا۔ سوار ہونے کے بعد میں نے بس کا جائزہ لیا۔ تقریباً تمام سیٹیں بھری ہوئی تھیں۔ صرف دو سیٹ خالی تھی۔ میں اس سیٹ کی طرف بڑھا۔ کنڈیکٹر نے سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے ہی کرا مانگ لیا۔ تب مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو ان لوگوں نے رقم نامی کوئی چیز چھوڑی نہیں ہوگی۔ پھر بھی جیب میں ہاتھ ڈال دیا جیسے کرایہ نکال رہا ہوں۔ میں اس وقت کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا جس سے میں کنڈیکٹر کو مطمئ کر سکوں۔ کنڈیکٹر سر پر سوار تھا۔ میں نے بیٹھتے ہوئے جیب کو ٹٹولا تو دل خوش ہو گیا اس لیے کہ جیب میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاغذات انگلیوں سے مس ہوئے تھے۔ میں جیب میں کوئی کاغذ تو رکھتا نہیں تھا۔ ہوٹل سے نکلتے وقت بیرے کو سو کا نوٹ دیا تھا۔ اسی کا کھلا ہوگا۔ یہ سوچ کر میں نے ہاتھ باہر نکالا۔ میرا اندازہ صحیح تھا۔ ان لوگوں نے میرا پرس تو نکال لیا تھا لیکن ستر اسی روپے جو بیرے نے واپس دیئے تھے چھوڑ دیا تھا۔ جب موٹی رقم ہاتھ آتی ہے تو چھوٹے نوٹ نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا جس نے مجھے کنڈیکٹر کی گالیاں سننے سے بچا لیا تھا۔ میں نے رقم باہر نکالی اور پوچھا۔ ''بس کہاں تک جائے گی۔''

اپنا سوال میں نے انگریزی میں کیا تھا اس لیے کہ بس میں ایک انگریز جوڑے کو بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ وہ جوڑا عین اس سیٹ کے پیچھے بیٹھا تھا جہاں میں بیٹھا تھا۔ کنڈیکٹر نے صرف اتنا کہا۔ ''پنڈی۔''

شاید اس نے مجھے بھی غیر ملکی سمجھا تھا۔ میں نے پچاس کا نوٹ اس کی طرف بڑھا کر پوچھا۔ ''ہو جائے گا؟''

کنڈیکٹر نے کہا۔ ''ٹونٹی مور۔''

میں نے بیس کا آخری نوٹ بھی نکال کر اسے دے دیا۔ وہ تو آگے بڑھ گیا لیکن انگریز جوڑا میری طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ مرد نے مجھ سے پوچھا۔ ''کہاں سے آ رہے ہو۔''

میں نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے۔ اس شخص نے جواب میں کہا۔ ''مری۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ میں اسی راستے پر ہوں جس پر چلا تھا۔ اب میں کھڑکی سے باہر دیکھ کر یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اب ہم کہاں پر ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون سی سڑک ہے۔ اس لیے کہ جو چھوٹی چھوٹی آبادیاں آئیں اور وہ گزر گئیں ان سے پہچان ہو نہیں پائی تھی۔ تبھی میری نظر سڑک پر دور بہت دور آگے کی طرف گئی اور میں چونک گیا۔ اس لیے کہ سڑک پر پولیس کی کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سڑک کو بیریئر لگا کر بند کر دیا گیا تھا۔ جو اس بات کی نشانی تھی کہ چیکنگ ہو رہی ہے۔ دو تین گاڑیں قطار میں کھڑی بھی تھیں۔

یہ اسنیپ چیکنگ نے زندگی عذاب کر دی ہے۔ جہاں دیکھو چیکنگ لیکن یہ ضروری بھی ہے۔ اس لیے کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ قانون شکنوں کو چیک کریں۔ ان کو سلاخوں کے پیچھے دھکیلیں اور عوام کو راحت دیں۔ اسلام دشمن طاقتیں جن کی نظروں میں پاکستان آنکھ کا شہتیر بنا ہوا ہے۔ وہ اپنے زر خرید لوگوں کے ذریعہ عوام کو پریشان کرنے، ملک میں انتشار پھیلانے کے لیے مسلسل کوشاں ہیں اور نادانستگی میں کچھ کم عقل لوگ زبان، فرقہ یا کسی اور بنیاد پر ان کی ہاں میں ہاں ملا کر انہیں کھلی راہ داری دے دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے حکومت کو حرکت میں آنا پڑتا ہے۔ اور قانون نافذ کرنے والے ادارے مشتبہ افراد کی کھوج میں لگ جاتے ہیں۔ اگر اس وجہ سے عوام کو کچھ دشواری جھیلنی پڑتی ہے تو راحت بھی اسی میں مضمر ہے۔ میں اسی جانب نظریں جمائے ہوئے تھا کہ مجھے احساس ہوا جیسے میری سیٹ کی پچھلی طرف کوئی چیز نیچے کی طرف سرکی ہو۔ میں نے عادت کے مطابق فوراً احساس کی قوت سے پہلے اسے محسوس کرنے کی کوشش کی کہ کیا چیز ہے اور میں نے محسوس کر لیا کہ وہ کوئی پیکٹ ٹائپ کی چیز ہے۔ میں کچھ آگے کی جانب کھسک گیا کیونکہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ چیز میری سیٹ کے کور میں داخل ہوئی ہے۔ کچھ توقف کے بعد میں نے غیر محسوس انداز میں پیچھے کی طرف دیکھا۔ سیٹ کا کور کچھ اٹھا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ کسی نے پیچھے سے کچھ داخل کیا ہے۔ میرے پیچھے وہ غیر ملکی جوڑا تھا۔ ایسا کیا اندر رکھا گیا ہے یہ دیکھنا ضروری تھا لیکن میں کسی کو محسوس کرنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ بس آگے کی طرف بھاگ رہی تھی۔ میں اپنے داہنے ہاتھ کو نیچے سے پیچھے کی جانب لے گیا اور اس پیکٹ کو ٹٹولا۔ وہ اب بالکل نیچے آ چکا تھا۔

ابھی میں اس پیکٹ کو ٹٹول ہی رہا تھا کہ بس رک گئی اور دونوں دروازے سے ایک ایک پولیس والے اوپر آ گئے۔ انہوں نے بس کے اندر آتے ہی مسافروں کا جائزہ لینا شروع کیا پھر وہ تیر کی طرح میری طرف بڑھے۔ میں حیرت میں آ گیا کہ وہ میری طرف کیوں آ رہے ہیں۔ سامنے والے دروازے سے اندر آنے والا میرے پاس سے گزرتا ہوا۔ اس غیر ملکی جوڑے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے انہیں اپنے سامان کی تلاشی دینے کے لیے کہا۔ انہوں نے انگلش میں اسے ڈانٹا تو سپاہی نے بغیر کچھ کہے اس کے ہاتھ کو پکڑا اور نیچے کی جانب کھینچنے لگا۔ مرد کو کھینچتے دیکھ عورت نے شور مچانا شروع کر دیا لیکن سپاہی پر کوئی اثر نہ ہوا وہ اسی طرح کھینچتا ہوا اسے نیچے کی جانب لے چلا۔ بس کے تمام مسافران دونوں کو دیکھ دیکھ کر آپس میں کانا پھوسی کر رہے تھے۔ میں کھڑکی سے باہر ان دونوں پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ سپاہی اسے لے کر موبائل میں بیٹھے اپنے افسر کے پاس لے گیا۔ اس نے انگلش میں سوال جواب کیا اور پھر اس کے سامان کی تلاشی لی۔ لیکن اس میں سے ایسا کچھ نہیں ملا تب اس نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا اور اس کے کپڑوں کی تلاشی لینے لگا۔ جامہ تلاشی کے بعد اس نے نفی میں سر ہلایا۔ میں سمجھ گیا کہ مخبر نے انہیں کوئی ایسی اطلاع دی ہو گی جس کی وجہ سے انہوں نے اس جوڑے پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اگر وہ معمول کے مطابق تلاشی لیتے تو پھر پوری بس کی تلاشی لیتے صرف ان دونوں پر ہاتھ ڈالنا یہ بتا رہا تھا کہ میرا اندازہ درست ہے۔ مرد کے بعد ایک لیڈی کانسٹیبل نے آ کر میں لے جا کر عورت کی تلاشی لی۔ لیڈی کانسٹیبل کی موجودگی نے میرے اندازے پر مہر ثبت کر دیا۔ میں نے اپنی سیٹ چھوڑ دی اور دیگر کئی مسافروں کی طرح نیچے اتر گیا۔

میں پولیس موبائل کی طرف بڑھ رہا تھا کیونکہ مجھے اپنی سیٹ کا کور یاد آ گیا تھا۔ اس سیٹ کور میں کسی نے کچھ داخل کیا تھا اور میرے پیچھے یہی جوڑا تھا۔ مجھے آگے بڑھتے دیکھ ایک سپاہی نے روکا۔ مگر میں رکا نہیں آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت تک افسر نے اس جوڑے کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ دونوں سر جھکائے ہوئے بس کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے چہروں سے نہیں لگ رہا تھا کہ انہیں اس بات کا افسوس ہے کہ پولیس نے انہیں تنگ کیا ہے۔ میں نے انہیں بس میں سوار ہونے دیا پھر افسر کے پاس جا کر کہا۔ ''سر کیا بتا سکتے ہیں کہ آپ نے اس غیر ملکی جوڑے کو کس لیے ہراساں کیا؟''

''تم کیا ہمارے افسر ہو؟'' افسر تپا بیٹھا تھا۔ سوال کرتے ہی بھڑک اٹھا۔ میں نے اس کی حالت سے لطف لیتے ہوئے پوچھا:

''ہو سکتا ہے کہ میں آپ کی مدد کر سکوں۔''

''اوئے تُو کیا خدائی فوجدار ہے۔ چل جا بس میں سوار ہو ایسا نہ ہو کہ میرا متھا گھوم جائے۔''

پتا نہیں اس کی عقل کہاں گھاس چر رہی تھی۔ میرے کھلے انکشاف پر بھی وہ احمق بنا رہا تب میں نے اس سے کہا۔ ''ہاں میں خدائی فوجدار ہوں۔ ابھی ابھی اسلام آباد سے ڈیوٹی پر آیا ہوں۔ ایک منٹ میں وردی اتر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گی۔''

میرے لہجے پر وہ چونک گیا۔اس نے تیز نظروں سے مجھے دیکھا پھر کہا۔''او باؤ تُو ہے کون۔''

''میں کون ہوں یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تُو خود موبائل سے اتر اور جا کر بس کی تلاشی لے۔ سپاہیوں پر کام لاد کر خود عیش کر رہا ہے۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''ادئے تُو ہے کون؟'' وہ غصے میں بھرا موبائل سے کود کر نیچے اترا۔

''میں کون ہوں یہ تجھے بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تُو اوپر جا کر ان دونوں کے آگے والی سیٹ کے کور میں ہاتھ ڈال کر دیکھ۔ پھر آ کر بات کرنا۔ جو پوچھے گا وہ میں بتاؤں گا۔''

اس نے ایک سپاہی سے کہا۔''اوئے میدے اس باؤ پر نظر رکھ میں ابھی آتا ہوں۔''

وہ تو بس کی طرف چلا گیا اور سپاہی مجھ پر اس طرح رائفل تان کر کھڑا ہو گیا جیسے میں خونی مجرم ہوں۔ ابھی ابھی کسی کو قتل کر کے آ رہا ہوں۔

میری نظریں افسر پر ٹکی ہوئے تھی۔ وہ بس پر سوار ہو گیا تھا اور اب اس جوڑے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں اطمینان سے اپنی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ دیگر لوگوں کی طرح وہ اس افسر کی طرف دیکھ نہیں رہے تھے۔ جب کہ افسر ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے شاید کوئی سوال کیا تھا پھر اس نے سامنے والی سیٹ کے کور میں ہاتھ ڈال دیا۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے کے بعد جب اس نے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں پیکٹ تھا۔ اس نے پیکٹ کو وہیں کھڑے کھڑے کھولا اور پھر چونک کر اس نے غیر ملکی مرد پر ہاتھ ڈال دیا۔ مرد اور عورت دونوں نے پھر شور مچانا شروع کر دیا۔ لیکن اس نے کوئی پروا نہیں کی اور اسے کھینچتا ہوا نیچے لے آیا۔ اسی وقت وہ عورت بس سے اتری اور سڑک کراس کر کے کھیتوں کی جانب دوڑ گئی۔ اسے بھاگتے دیکھ میں نے آواز دی۔''اوئے احمقو اسے پکڑو۔''

میری آواز پر دو پولیس والے اس عورت کے پیچھے دوڑے اور کافی دور جا کر انہوں نے اسے بھی پکڑ لیا۔

میں اپنی جگہ کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ افسر انہیں ساتھ لے کر میری طرف آنے لگا۔ میں مطمئن تھا کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ مجھے اسی وقت شک ہو گیا تھا کہ وہ دونوں ڈرگ اسمگلر ہیں اور کسی سے ڈرگ خرید کر آ رہے ہیں۔ ناکا بندی دیکھ انہوں نے پیکٹ میری سیٹ کے کور میں ڈال دیا کہ اگر پکڑے گئے تو بھی الزام ان پر نہیں آئے گا۔ یہ تو ان کے ستارے کی خرابی تھی کہ وہ سیٹ میری تھی اور میں نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا مگر شور شرابہ کرنے کی بجائے خاموشی سے قانون کی مدد کر دی۔

افسر ان دونوں کے ساتھ میرے قریب پہنچ گیا پھر بولا۔''او باؤ تیرا شکریہ کہ تُو نے مدد کر دی لیکن تُو ہے کون۔ اب اپنا تعارف بھی کرا دے۔ ایسا کرتے ہیں کہ یہاں سے سیدھا تھانے چلتے ہیں۔ وہاں ایک ایک کپ چائے بھی پی لیں گے اور ایک دوسرے سے متعارف بھی ہو جائیں گے۔''

''میری ڈیوٹی کہیں اور ہے، میں واپس ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرنے جا رہا ہوں۔''

میرا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ وہ مرعوب ہو گیا۔ اس نے یہی سمجھا کہ میں محکمہ خفیہ کا کوئی اعلیٰ افسر ہوں۔ اس نے جھک کر پوچھا۔''کس محکمہ سے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کچھ محکمے ایسے ہوتے ہیں جس کے بارے میں بتایا نہیں جا سکتا۔ ہمارا کام صرف مدد کرنا ہے۔ میں نے مدد کر دی۔ اب تم جانو اور تمہارا محکمہ جانے۔''

''باؤ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم اس پارٹی کی مخالف پارٹی کے ہو جس سے اس نے مال خریدا اور تم نے اس کی سزا دینے کے لیے اسے پکڑوا دیا۔'' وہ خود کو جیمس بانڈ کا نانا ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ تھانے چلتا ہوں اور اپنا تعارف کرانے کے بعد تمہارے ایس پی کو رپورٹ کر دیتا ہوں کہ تم نے ان دونوں کو چھوڑ دیا تھا یہ میری ذات تھی کہ میں نے تمہیں زبردستی بھیجا کہ جا کر سیٹ کے کور سے پیکٹ نکال لاؤ۔''

میری بات نے اسے گھبرا دیا کہ جیتی ہوئی بازی پلٹ جائے گی۔ اس کامیابی کا سہرا اس کے سر بندھنے کی بجائے میرے سر بندھ جائے گا اور اس سے جواب بھی طلب کیا جائے گا کہ اس نے تلاشی صحیح طور سے کیوں نہیں لی۔ اسی لیے وہ نرم لہجے میں بولا۔ ''نہیں سر آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں تو چائے پلانے کے لیے بلا رہا تھا۔''

''ایک کپ چائے مجھے دیر کرا دے گی اور افسران مجھ پر چڑھ دوڑیں گے۔ جانتے ہی ہو کہ ہمارے ڈپارٹمنٹ میں وقت کو کس قدر اہمیت دی جاتی ہے۔''

''ہاں سر یہ بات تو ہے۔ بس ایک ریکوئسٹ ہے۔ میری فائل اوپر پھنسی ہوئی ہے۔ اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو میں زندگی بھر دعا دوں گا۔ میری ترقی ہو جائے گی سر۔ اوپر تک آپ لوگوں کی بات مانی جاتی ہے۔ بس ایک فون آپ کا، میری راہ کھول دے گا۔''

''اچھا اچھا اپنا نام اور فون نمبر بتاؤ میں آج ہی تمہارے افسران سے بات کر کے تمہیں فون کر دوں گا۔''

''یہ رہا میرا کارڈ سر۔ آپ اپنا نمبر دیں گے؟''

''ابھی نہیں میں شام تک خود فون کروں گا۔ وہ نمبر سیو کر لینا۔ ابھی جو نمبر استعمال میں ہے وہ عارضی ہے۔ رپورٹ کرتے ہی وہ سم جمع ہو جائے گی۔'' میں نے ٹالنے کے لیے ایک اور بہانہ کیا۔ پھر اس سے ہاتھ ملا کر واپس اپنی سیٹ پر آ گیا۔ بس چل پڑی۔

اب بس کا ہر مسافر مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ سب بھی مجھے کوئی اہم افسر سمجھ رہے تھے۔ میں کھڑکی سے ٹیک لگائے باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے جیب سے موبائل نکالا اور نمبر پر نظر ڈالی۔ نمبر نیا تھا۔ میں نے کال ریسیو کیا اور کان سے لگا کر ہیلو کہا۔ دوسری جانب سے آتی آواز کو سن کر میں چونک گیا۔ یہ مکروہ آواز میں لاکھوں آوازوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ یہ آواز مرشد کی تھی۔ وہ دوسری جانب سے بول رہا تھا کہ بالآخر تم میرے آدمیوں کو دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ کوئی بات نہیں میں اب منتظر ہوں کہ تم کب پنڈی پہنچتے ہو۔

میں حیران ہو گیا تھا کہ وہ کس طرح میرا تعاقب کر رہا ہے۔ لگتا ہے اس کے آدمی مسلسل میرے تعاقب میں ہیں جو مرشد کو پل پل کی خبر دے رہے ہیں۔ ''خاموش کیوں ہو گئے۔ کچھ تو بولو۔''

''فکر نہ کرو جلد میں تم سے حساب کرنے آ رہا ہوں۔''

''ہاں مجھے بھی بے چینی سے تمہارا انتظار ہے۔ اب میں بھی یہ قصہ ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میری خانقہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تباہ نہ کرتے تو میں تمہیں معاف کر کے اپنے کامون کی طرف توجہ دیتا لیکن تم نے مجھے تباہ و برباد کر کے سمجھا تھا کہ میں تباہ ہو جاؤں گا لیکن اب میں پہلے سے بھی زیادہ طاقتور ہو چکا ہوں۔ اور اس کی نمائش تمہارے سامنے کر کے مجھے خوشی ہوگی۔ اسی لیے تمہیں اس شدت سے یاد کر رکھا ہے۔ اب کچھ ہی دیر ہے کہ تم میرے سامنے ہو گے۔''

اس کی یہ بات میرے لیے سوچ کے در وا کر گئی۔ میں فکر میں پڑ گیا۔ اس نے کال کاٹ دی تھی مگر میں سنگی مجسمے کی طرح موبائل کو اسی طرح سامنے کیے بیٹھا تھا۔ تبھی بس کی رفتار کم ہونے لگی اور بس رکتی ہوئی محسوس ہوئی میں ہوشیار ہو گیا۔ میں نے دوبارہ سے سفیر کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری گھنٹی کے بعد سفیر نے کال ریسیو کر لی۔ اس نے چیختے ہوئے کہا۔ ''آپ کہاں رہ گئے ہیں۔ لگتا ہے ہم سب کو آپ ذہنی بیمار بنا کر چھوڑیں گے۔ ہم سب کتنا پریشان ہیں بتا نہیں سکتے۔''

''یہ باتیں بعد میں کر لینا۔ ایسا کرو کہ مری کے لیے جہاں سے بسیں چلتی ہیں وہاں پہنچو، میں اس وقت بس میں ہوں۔''

''اچھا اچھا آ رہا ہوں۔'' کہہ کر اس نے لائین کاٹ دی۔ اب میں ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ مرشد کو میری نقل و حرکت کا کیسے پتا چل رہا ہے، کیا اس نے کسی کی ڈیوٹی لگا رکھی ہے جو صرف مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ میں نے آگے پیچھے ہر طرف دیکھ لیا لیکن پوری بس میں ایسا کوئی مشتبہ شخص نظر نہیں آیا پھر میں راستے سے بس میں سوار ہوا تھا اور یہ سب کے سب پہلے سے بس میں سوار تھے۔ کیا کوئی دور رہ کر تعاقب کر رہا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا لیکن باہر بھی ایسی کوئی گاڑی دکھائی نہیں دی جو پیچھے آ رہی ہو۔ میں عجیب شش و پنج میں گھر گیا تھا کہ آخر وہ مجھے کس طرح بار بار ٹریس کر رہا ہے۔

اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور راستہ طے ہو رہا تھا مجھے ہوش تب آیا جب شہر بالکل نزدیک آ گیا۔ جانی پہچانی سڑکیں اور مقامات نظر آنے لگے تھے۔ میں نے ذہن کو جھٹکا کہ اب جو بھی ہو۔ مرشد سے تو ٹکرانا ہی ہے تو پھر فکر کیسی۔ اسی خیال کے تحت میں نے ذہن کو موڑ لیا اور آتی جاتی سواریوں کو دیکھنے لگا۔ میں نے دوبارہ سے موبائل نکالا اور سفیر کا نمبر ڈائل کیا۔ پہلی بیل پر ہی اس نے کال ریسیو کر لی۔ میں نے پوچھا کہ تم ہو کہاں تو اس نے کہا۔ ''بس ہم نکل رہے ہیں پانچ منٹ میں اسٹینڈ پر ہوں گے۔''

''ایسا کرو کہ رفیع یونیورسٹی کیمپس والی روڈ پر آ جاؤ۔ وہیں جہاں سے کیمپس کے لیے مڑتے ہیں۔ میں وہیں کھڑا ہوں۔''

''او کے آپ وہیں انتظار کریں ہم بس اس کے قریب ہی ہیں۔ لیجیے پہنچ گئے۔''

اس نے جیسے ہی کہا بس اس مقام کے قریب سے گزر رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور ڈرائیور سے کہا۔ ''بھائی یہیں روک دو میں اتر جاؤں۔''

ڈرائیور کوئی سخت جملہ کہتا کہ اس نے سر پر لگے آئینہ میں مجھے دیکھ لیا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''باؤ فکر ہی نہ کرو۔ لو یہ روک دیا۔'' اس نے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔

بس رکتے ہی میں نیچے اتر گیا۔ بس آگے بڑھ گئی۔ ابھی میں اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ دور سے آتی ہوئی وہی گاڑی نظر آئی جس کا حلیہ بدلا گیا تھا۔ اس کا اگلا حصہ ہی اتنے شوخ کلر کا تھا کہ دور سے بھی پہچان میں آ رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ میں نے ہاتھ سے اشارہ دینا شروع کر دیا۔ گاڑی بالکل میرے نزدیک آ کر رک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر مرتجس تھا۔ اس کے برابر میں سفیر اور پیچھے والی سیٹوں پر عبداللہ۔ وغیرہ تھے۔ سفیر نے اترنا چاہا تھا کہ میں نے منع کر دیا کہ نہیں میں تو پیچھے ہی بیٹھوں گا۔ اور اس طرف والا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ مرتجس نے گاڑی بڑھا دی۔

''ہاں بھائی اب تو بتا سکتے ہیں کہ آپ جناب کہاں رک گئے تھے۔'' سفیر نے پوچھا۔

''یقین کرو گے ایک نہیں دو بار اغوا ہوا ہوں تب جا کر تم لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان اغوا کاروں سے نمٹنے میں کچھ دیر تو ہونا ہی تھی۔''

''ارے بھائی ایک کال تو کر سکتے۔''

''کال کرنے کی فرصت کسے تھی۔ اتنا الجھا ہوا تھا کہ چاہ کر بھی فون نہ کر سکا۔ پھر جب موقع ملا تو تم نے کال ریسیو نہیں کی۔''

''ہاں اس رات سو گیا تھا۔ صبح مس کال دیکھی لیکن جب ریٹرن کال کی تو آپ کا فون بند جا رہا تھا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے۔ میں نے بھی جب موبائل آن کیا تو مس کال نظر آئی تھی۔''

''ان باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ وہ گھر ہے کیسا جہاں ہم جا رہے ہیں۔ محفوظ تو ہے نا؟''

''بہت عمدہ ایک ایسا گھر مل گیا ہے جس کی تعریف الفاظ میں نہیں کر سکتا آپ خود دیکھ کر یہی کہیں گے کہ یہ بھی وسیم کی مہربانی ہے کہ ایک منٹ میں اس نے گھر کا مسئلہ حل کرا لیا تھا۔''

میں نے وسیم کی طرف دیکھا جو مسکین صورت بنائے لاتعلق بنا بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''میرے شیر یہ تو بتاؤ کہ دیگر انتظامات کا حال کیا ہے؟ اس لیے کہ اس وقت مرشد جلے پاؤں کی بلی بنا ہوا ہے۔ اس سے نمٹنے کے لیے کیا تیاری کی ہے؟''

''ہم تو آپ کے اشارے پر چلنے والے ہیں۔ آپ بتائیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے؟'' وسیم نے کہا اور دوبارہ سے باہر دیکھنے لگا۔ عبداللہ اور مرتجس بالکل خاموش تھے۔ جیسے وہ گاڑی میں رہتے ہوئے بھی نہ ہوں۔ میں وسیم کے سوال کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ مرتجس نے ایک بنگلے کے گیٹ پر گاڑی روک کر ہارن دیا۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ سامنے ایک بڑی بڑی مونچھوں والا کھڑا تھا۔ دیکھنے سے ہی لگتا تھا کہ اس کا تعلق بلوچ قبائل سے ہے۔ میں نے ایک نظر میں اس کا جائزہ لے لیا تھا۔ مرتجس گاڑی اندر لیتا چلا گیا۔ پھر پورچ میں کھڑی کر کے بولا۔ ''گاڑی کی سروس کرانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ایک لمبے سفر پر چلی ہے لیکن آپ کی وجہ سے ہم سب پریشان تھے اس لیے میں بھی گاڑی کو سروس اسٹیشن نہیں لے گیا۔ اب اگر آپ کہیں تو میں اسے دے آؤں۔''

''یہ کام بھی ضروری تھا۔ اسے تو فوراً کرنا چاہیے تھا۔'' میں نے کہا۔

''اصل میں ہم سب اس لیے گاڑی کو کہیں لے کر نہیں جا رہے تھے کہ کب آپ کو ریسیو کرنے جانا پڑ جائے۔ اسی وجہ سے میں نے انتظار کرنا ضروری سمجھا۔''

''اب تم پہلا کام یہی کرو کیونکہ اسلحہ اور گاڑی ان دونوں کو میں ہمہ وقت کنٹرول میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تو پھر آپ آرام کریں میں اسے سروس کے لیے دے کر آتا ہوں۔ یوں بھی آج کہیں نکلنے کا پروگرام تو ہے نہیں اس لیے میرے خیال میں یہی بہتر وقت ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں ہاں ضرور جاؤ۔'' میں نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

میں نے گاڑی سے اتر کر اطراف کا جائزہ لیا۔ بنگلے کے چاروں طرف یارڈ تھا۔ سامنے لان بنا ہوا تھا۔ برآمدہ ایک فٹ اونچا تھا۔ میں نے برآمدے پر قدم رکھا تھا کہ میری نظر اس کتے پر پڑی جو ایک پیڑ سے بندھا ہوا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ ابھی تک اس نے بھونکا بھی نہیں تھا۔ میں نے وہیں سے اس کتے کا جائزہ لیا۔ وہ اعلیٰ نسل کا لگ رہا تھا۔ بھیڑیئے جیسا قد تھا۔ اگر اسے کسی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک منٹ میں تکہ بوٹی کر دے۔ اس کے انداز سے ہی خونخواری جھلک رہی تھی۔ وہ ایک ٹک میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے سفیر سے پوچھا۔

''یہ کتا تم نے لیا ہے؟''

''نہیں جناب یہ کتا بنگلے کے مالک کا ہے۔ وہ ان دنوں کینیڈا میں مقیم ہے۔ اس نے گھر کے ساتھ ایک کتا اور ایک چوکیدار بھی دیا ہے۔ چوکیدار کو دیکھ ہی چکے ہیں اور اب کتے کو بھی دیکھ لیا۔ ویسے یہ کتا ٹرینڈ ہے۔ حس بھی بہت تیز ہے۔ باتوں کو فوراً سمجھ لیتا ہے۔ اگر ہم سب ساتھ نہ ہوتے تو یہ بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھا لیتا۔'' سفیر نے کتے کو دیکھتے ہوئے بتایا۔

میں نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ دروازہ پار کرتے ہی اچھی قسم کے فرنیچر سے سجا ڈرائینگ روم تھا۔ اس روم کو پار کر کے ہم ایک دوسرے کمرے میں پہنچے۔

کمرے کا جائزہ لیا۔ اَپ ٹو ڈیٹ بیڈ روم تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جس نے بھی بیڈ روم سیٹ کیا ہے کافی شوقین مزاج ہے۔ اس لیے کہ بیڈ روم کا فرنیچر ہی نہیں بلکہ دیواروں کے رنگ و روغن بھی خواب ناک تھے۔ بڑا سا جہازی سائز بیڈ۔ ایک طرف قد آدم آئینہ جس میں بیڈ پر بیٹھے بیٹھے خود کو دیکھ کر سنوارا جا سکتا ہے۔ دیوار سے لگا صوفہ سیٹ۔ چھوٹے چھوٹے دو ٹی ٹیبل۔ دیواروں پر چار جانب رنگین لائٹ جو چند سکنڈ میں رنگ بدل دیتی اور ہر کونے میں اوپر کی طرف رنگین زیرو پاور کے چار بلب۔ ایک طرف فولڈنگ آرائشی آڑ۔ میں نے خود کو بیڈ پر گراتے ہوئے کہا۔ ''بھائی وسیم تم نے گھر بھی خوب ڈھونڈا ہے۔ کس کا ہے؟''

''میرے ایک جاننے والے کے کزن کا گھر ہے۔ وہ اسٹیٹ ایجنسی کا کام کرتا ہے۔ جب میں نے اسے گھر کے لیے کہا تو اس نے پیش کش کی کہ اس گھر کو لے لیا جائے..... اور میں نے لے لیا۔''

''ہمارا کمرا بھی تو دیکھیں۔ اس پر سفیر اور وسیم کا قبضہ ہے۔ برابر والا روم ہمیں دیا گیا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

چلو اس کا معائنہ بھی کر لیتے ہیں۔'' کہہ کر میں کھڑا ہو گیا۔

برابر والا کمرا بھی کم نہیں تھا۔ اسے بھی بھرپور انداز میں سجایا گیا تھا۔ امارت کا بھرپور مظاہرہ تھا۔ عبداللہ نے بتایا کہ اس کمرے میں وہ اور مرتجس سوئے تھے۔ اب یہی ان کے تصرف میں رہے گا اسی نے بتایا کہ اس کے برابر والا کمرا میرے لیے مختص کیا گیا ہے۔ میں نے کہا۔ ''لگے ہاتھوں اس کمرے کا درشن بھی کر لیتے ہیں۔''

برابر والے کمرے میں آیا تو آنکھیں پھٹی رہ گئیں اس لیے کہ وہ کمرا کسی عشرت کدہ سے کم نہ تھا۔ دو طرف کی دیوار میں اس طرح آئینہ لگایا گیا تھا کہ پورا کمرا اس میں نظر آ رہا تھا۔ درمیان میں بیڈ تھا اور دو طرف دو صوفہ سیٹ تھے۔ انتہائی قیمتی۔ کھڑکی کے نزدیک قدِ آدم انتہائی مہارت سے بنا وینس کا مجسمہ تھا۔ دیواریں ہلکی گلابی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگ کی تھیں۔ کمرے میں دو طرف دیوار میں عود دان فکس تھا جس میں یقیناً خوشبو رکھی جاتی ہوگی جس کی وجہ سے کمرا معطر رہتا ہوگا۔ بیڈ کے پینتانے کی طرف دیوار میں پچپن انچ کا ایل ای ڈی فکس تھا۔ ایک طرف پورٹبل فریج تھا تو اس کے برابر ایک رولنگ ریک جس میں کئی ڈیزائین کی خوبصورت بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ بھری ہیں یا خالی یہ دیکھنے کی میں نے کوشش نہیں کی۔ اسی ریک میں تمباکو نوشی کے لیے کئی چیزیں رکھی تھیں۔ جن میں سگریٹ اور سگار بھی تھا۔ برابر میں وارڈ روب تھا جس میں کپڑے ہی ہوں گے۔ اس لیے اسے کھول کر دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ بستر پر بیٹھ کر میں نے کہا۔ ''واقعی جس کا بھی کمرا ہے وہ شوقین آدمی لگتا ہے۔''

''اس میں شک نہیں ہے۔'' عبداللہ بولا۔ ''ایسے کمرے تو راجا صاحب کے بھی نہیں ہیں۔''

''میاں، وہ بوڑھے ہیں اور یہ کمرا کسی جوان شخص کی امارت کا اظہار کر رہا ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

پھر باتوں کا رخ یکا یک مڑ گیا اور مرشد زیر بحث آ گیا۔

گفتگو جب کافی لمبی ہوگئی تو وسیم بولا۔ ''تو ایسا کریں کہ آپ یہاں لیٹ کر اپنی امارت کو یاد کریں۔ میں تو کمر سیدھی کرنے اپنے والے کمرے میں چلا۔''

''وسیم کبھی کبھی بات دماغ والوں کی کر جاتا ہے۔ آپ یقیناً تھکے ہوئے ہوں گے اس لیے آپ آرام کریں۔ میں بھی سونے کے لیے چلا۔ رات صحیح سے نیند نہیں آئی تھی۔'' سفیر بولا۔

میں سمجھ چکا تھا کہ وہ لوگ صرف مجھے آرام دینے کے خیال سے کمرے کو خالی کر رہے ہیں تاکہ میں آرام کر لوں۔ کیونکہ میری آنکھوں میں انہوں نے آنسو دیکھ لیے تھے۔

اب خالی کمرے میں مَیں تھا اور میری سوچ تھی۔ میں گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

وقت کا کام ہے گزرنا، گزر جاتا ہے۔ زخم لگا کر، ٹیس دے کر بھی گزر جاتا ہے۔ اور ٹیس برسوں ستاتی ہے۔ مجھے بھی ستا رہی تھی۔ رُلا رہی تھی۔ میں اوپر سے ہنس بھی رہا تھا اور اندر سے رو بھی رہا تھا۔ اس کمال ضبط سے کہ پاسنگ بھی نہ آئے۔ ایسی حالت میں روتا تھا کہ سسکی بھی نہ ابھرے۔ آنکھیں نوحہ کناں تھیں۔ مگر اظہار سے گریزاں تھیں۔ دوسرے کتنا بھی ذلیل کر لیں، سب سے بڑی ذلت تو آدمی کا اپنی نظروں میں گر جانا ہے۔ میں بھی اپنی نظروں میں گر گیا تھا۔ بازو تھے، بازوؤں میں قوت بھی تھی مگر اسے کام میں نہیں لا پا رہا تھا۔ ہر موئے تن پھنک رہا تھا۔ لپٹیں سی اٹھ رہی تھیں۔ روم روم سے پکار اٹھ رہی تھی۔ ایک ہی پکار تھی۔ انتقام انتقام انتقام۔ مرشد سے انتقام۔

میری مٹھیاں بھنچنے لگی تھیں۔ رگوں میں لہو تیز ہو رہا تھا۔ گردش اتنی بڑھ گئی کہ دل بھی بے قابو ہونے لگا تھا اگر اس وقت مرشد سامنے ہوتا تو میں یقیناً اس کا گلا دبا چکا ہوتا۔ مگر وہ سامنے نہیں تھا۔ پتا نہیں کہاں ہوگا۔ مگر میں نے اسے سزا دینے کی ٹھان لی تھی۔ اس کھیل کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا تھا اگر وہ پاتال میں بھی ہوتا تو میں اسے نہ بخشتا۔ کھینچ لاتا۔

مگر اسے ڈھنڈوں تو کیسے؟ تبھی دماغ نے کہا، بالکل ویسے جیسے پہلے ڈھونڈا تھا۔ ابھی میں سوچ و فکر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمندر میں غلطاں تھا کہ ایک خیال نے سر ابھارا۔ میں نے تیز آواز میں کہا۔ ''سفیر کو بلاؤ۔''

کچھ میرا انداز، کچھ میری آواز کی تیزی۔ مرتجس جو کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ رک گیا پھر مڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں پھر سے خیالات کے مدوجذر میں ڈوبنے ابھرنے لگا۔ رہ رہ کر میرے اندر طوفان سا اٹھنے لگا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں کچھ کر بیٹھوں۔ میں صرف ایک ہی نکتے پر سوچے جا رہا تھا۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ میری نظریں خود بخود ادھر اٹھ گئیں۔ دستک دوبارہ ہوئی۔

دستک ہاتھ اور پلڑے کے لمس سے پیدا ہوتی ہے۔ ساعت تک پہنچتی ہے۔ یاد دلاتی ہے، کوئی سائل ہے۔ اس وقت اس ساعت ایسا کون سا سائل ہے جو ملاقات کی بھیک مانگنے بے وقت آ گیا۔

میں خاموش رہ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ خالی الذہنی میں یہ تک بھول گیا تھا کہ میں نے خود ہی کسی کو بلایا ہے۔ میں مکمل طور پر خالی الذہن تھا اور اس عالم میں بس ایک کام یہی تو ہو سکتا ہے۔ میں اسی عالم میں بت بنا بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ جب تیسری بار دستک کی صدا بلند ہوئی تو میں نے بہ جبر پوچھا۔ ''کون؟'' میرا لہجہ غماز تھا کہ میں نے اس کی آمد کو پسند نہیں کیا ہے۔

''میں ہوں۔'' باہر سے جانی پہچانی آواز آئی۔ میرے ہر دکھ میں دکھی ہو جانے والے سفیر کی آواز نے دلاسے کا کام کیا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ میری دلی کیفیت جان کر ہی آیا ہے۔ تپتے صحرا میں پانی کی بوند بن کر۔

''دروازہ کھلا ہے۔'' میں نے بلند آواز میں جواب دیا۔

سفیر اندر آیا۔ شفقت بھرے انداز میں مجھے دیکھا۔ اس کی نظریں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ گلے تھے شکوے تھے۔ حوصلے رکھنے کے دلاسے تھے۔ جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہتا ہو مگر کہنے سے گریزاں تھا۔ اس نے ایک بھرپور نظر مجھ پر ڈالی اور سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک سکوت کی چادر تنی رہی پھر اس خاموشی کو اسی نے چاک کیا۔

سفیر نے میرے چہرے کو اپنے دونوں ہتھیلیوں کے کٹورے میں سنبھال کر کہا۔ ''تُو مرشد کو تلاش کرنا چاہتا ہے نا۔''

میں نے نظریں اٹھا کر سفیر کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس پتھر جیسے چہرے پر اس وقت شفقت کی چادر تنی ہوئی تھی۔ وہ ایک ٹک مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ میں نے دوبارہ سے اپنا چہرا اٹھا کر کسی ننھے بچے کی طرح کہا۔ ''ہاں!''

''بس تو پھر تیاری کر لیں۔'' سفیر نے الگ ہو کر مجھ پر نظر ڈالی۔ پھر مسکرا کر بولا۔ ''یہ کون سا مشکل کام ہے۔''

''ہاں، مگر یہ اتنا آسان نہیں ہے کہ دوڑے اور بلی پکڑ لی، وہ یہاں نہیں ہے۔''

''پاتال میں بھی ہو تو ہم اسے کھینچ لیں گے۔ وہ غچے پر غچہ دے رہا ہے پھر بھی ہم نے اس کا پیچھا چھوڑا؟ آخر دم تک اس کے پیچھے لگے رہیں گے، سمجھے۔''

''ہاں!'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہم نے اسے معاف کیا؟ ارے جب تک ہماری دلی آرزو پوری نہیں ہوتی ہم اس کا پیچھا کرتے رہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کوئی عجیب بات نہیں۔بعض دفع ایسا ہوتا ہے کہ سامنے کی بات سمجھ نہیں آتی اور ہم الجھے رہتے ہیں۔ میں سمجھ چکا ہوں کہ وہ کس طرح لوکیشن بتا دیا کرتا تھا۔''

''ہاں ہاں کہو گے کہ اس کے پاس جام جمشید تھا جس میں وہ بیٹھا ان کو دیکھ رہا ہوتا تھا۔'' وسیم نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

''بالکل اس کے سامنے جام جمشید تھا۔آئینہ سکندری تھا.....ارے بے وقوف یہ انٹرنیٹ کا دور ہے۔ ہر انسان نظروں کے سامنے رہتا ہے۔'' سفیر نے ہنستے ہوئے کہا۔''اس آئینہ سکندری کا نام گوگل ہے.....عقل استعمال کرو۔وہ گوگل ارتھ میں شہباز کے فون کا نمبر ڈالتا اور سرچ کرتا۔گوگل لوکیشن بتا دیتا۔یہ ایسی کون سی حیرت کی بات ہے۔تم خود ابھی کسی کے فون کا نمبر انٹر کرو اس کا لوکیشن آجائے گا۔اب تو ایسے ایسے سوفٹ ویئر آچکے ہیں جو مقام کیا، بہت کچھ بتا دیتا ہے۔''

''ہاں..... یہ سامنے کی بات عقل میں نہیں آرہی تھی۔ یہی ہوا ہوگا۔وہ تو ہمارے اس گھر کا لوکیشن بھی دیکھ چکا ہوگا۔''

''اپنا موبائل ادھر دیں۔یہ قیمتی موبائل ہے اس لیے ایسا ہو جاتا ہے۔'' کہہ کر اس نے میرا موبائل لیا اور اس سے سم نکال لی پھر بولا۔''اب اس کا باپ بھی ڈھونڈ نہیں سکتا۔اب تو آپ کی بھی سمجھ میں یہ بات آچکی ہو گی۔'' سفیر نے کہا۔

''ہاں بہت کچھ سمجھ میں آچکا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو اب اصل مدعے کی طرف آتے ہیں۔وہ یہ کہ اب کیا پروگرام ہے۔مرشد کے ساتھ کیا، کب اور کیسا سلوک کیا جائے؟'' وسیم بولا۔

''ابھی تو میں تھکا ہوا ہوں۔ایسا کرتا ہوں کہ ایک نیند لے لیتا ہوں تا کہ ذہن فریش ہو جائے۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں آپ سو لیں ہم انتظار کر لیتے ہیں۔'' کہتے ہوئے سفیر کھڑا ہو گیا۔وہ سب باہر نکل گئے تو میں لیٹ گیا۔

میں نے اس وقت تو سوچنے کے لیے مہلت مانگ لی لیکن میرا ابھی ارادہ تھا کہ مرشد کو اس کے گھر میں گھس کر مارنا ہی بہادری ہے۔ایک بار تو وہ بچ گیا لیکن اس بار اسے بچنے کا راستہ نہیں دوں گا تا کہ یہ روز روز کا قصہ ختم ہو جائے۔لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں تھا اس لیے میں نے بھرپور انداز میں پلاننگ پر غور کرنا ضروری سمجھا اور ان سب سے بہانہ کیا کہ میں کچھ دیر آرام کر لوں۔

ان سب نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔اب میں تھا اور میری تنہائی تھی۔میں نے آنکھیں بند کر لیں اور تمام باتوں کو ایک سطر میں لا کر اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ حملہ کس طرح اور کس رخ سے کیا جائے۔اندر جانے کے لیے کون سا طریقہ استعمال کیا جائے۔انہی سب باتوں پر غور کر رہا تھا کہ دروازے کو کسی نے تھپتھپایا۔میں نے پوچھا، کون؟

''میں ہوں۔مرتجس۔'' باہر سے آواز آئی۔

''ارے.....تم کو بھی اجازت لینے کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اندر داخل ہوا۔ اس نے وہ جیکٹ اتار دی تھی جو اس کی پہچان بن گئی تھی۔ جب سے وہ ہمارے ساتھ تھا اس کے جسم پر ایک ہی جیکٹ دیکھ رہا تھا۔ کئی بار میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ بھائی اسے اتار دو لیکن وہ بس مسکرا کر رہ جاتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ اس لڑکی نے اسے دیا تھا جسے وہ اپنے گھر کی ملکہ بنانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے دوبارہ ضد نہیں کی تھی لیکن آج اس کو بغیر جیکٹ کے دیکھ کر میں نے پوچھ لیا۔ ''تمہاری جیکٹ کہاں گئی؟''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وہ..... یہاں کچھ گرمی زیادہ ہے اسی لیے اتار دی۔'' پھر میرے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں ایک دوست کے پاس سے آرہا ہوں۔ آج مان لیا ہے کہ دنیا گول ہے۔''

''اچھا..... اس کی کوئی تو وجہ ہو گی۔ وہ وجہ کیا ہے جس نے تمہیں سمجھایا کہ دنیا گول ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں جس دوست کے پاس گیا تھا وہ بھی گلگت میں رہ چکا ہے۔ اس کا نام نادر شاہ ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ ریاست خان کا رشتے دار ہے۔ ریاست خان کو ہم اسپتال میں چھوڑ آئے ہیں لیکن وہ ہمارا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں۔ اس نے فون پر نادر شاہ کو ہدایت دی ہے کہ ہم سے رابطہ کرے۔ ریاست خان بھی پنڈی آنے والا ہے۔'' مرتجس نے بتایا۔

''تمہیں یقین ہے کہ نادر شاہ مخلص ہے۔ کہیں وہ بھی مرشد کا بندہ نہ ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''اپنے تئیں سوالات کر کے میں تو مطمئن ہو گیا ہوں۔ پھر بھی آپ اسے کرید کر تشفی کر لیں۔ آپ تجربہ کار ہیں۔ زیادہ اچھی طرح سے حقیقت اگلوا سکتے ہیں۔ ویسے تو وہ مرشد کا مرید ہے لیکن اب وہ بھی مرشد سے بغاوت کرنا چاہ رہا ہے۔''

''صحیح ہے۔ اسے بلا لو ہم آزما لیتے ہیں۔'' میں نے ٹالنے کے لیے کہا۔

''بلانا کیا ہے۔ ابھی کہیں ابھی بلا لوں، اس کا موبائل نمبر لے آیا ہوں۔ ساتھ اس لیے نہیں لایا کہ آپ سے اجازت نہیں لی تھی۔''

''بلا لو.....''

اجازت ملتے ہی اس نے فون نکالا اور کال کرنے لگا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی جلدی ہم کسی پر بھروسا نہیں کرتے لیکن اس وقت میں نے یہ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ باتیں کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھ میں نے سکھ کی سانس لی اور دوبارہ سے لیٹ گیا۔ مگر لگتا ہے آرام مجھے نوانٹری کا بورڈ دکھانے پر اتر آیا تھا۔ وہ باہر گیا تھا کہ وسیم آ گیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ''مبارک ہو جناب..... آپ اپنے پیچھے ایک بندے کو بھی لے آئے تھے۔ وہ سڑک کے اس پار کھڑا کسی کو خبر دے رہا تھا کہ ہمارے بندوں نے اسے چھاپ لیا۔ اس وقت وہ گیراج میں آرام کر رہا ہے۔ باہر کتے کے ساتھ آدمی کا بھی پہرا ہے۔ ان دونوں کو دھوکا دینا آسان نہیں۔ وہ کتنی ہی کوشش کر لے لیکن بھاگ نہیں سکے گا۔''

''یہ تمہارے آدمی کہاں سے آ گئے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''حضور، میں نے کل ہی پنڈ سے ہجرت کی ہے۔ اور میں اول عمر سے ہی پنڈ میں پودینہ کی کاشت کرتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ ''میں نے اپنے تمام کونٹیکٹ جمع کر لیے ہیں۔ صرف میں نے ہی نہیں۔ عبداللہ نے بھی اپنے آدمیوں کو بلا لیا ہے۔'' اسی وقت سفیر اندر داخل ہوا تھا کہ اسے چھیڑنے کے لیے وہ بولا۔ ''رہا سوال سفیر کا تو اس کی فوج ابھی ریزرو میں ہے۔ وہ آپ کے ہاں سب کو سمیٹ کر بیٹھی ہیں۔ جس دن آ گئیں اس دن ان کی پھرتی دیکھئے گا۔''

سفیر نے سلسلہ کلام کا آخری حصہ سنا تھا اس لیے تلملا اٹھا۔ وسیم نے سیدھی چوٹ کی تھی کہ وہ مونا کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا ہے۔ اسی لیے خاموش نہ رہ سکا۔ اس نے مصنوعی غصے سے کہا۔ ''اور یہ جناب تو سادی کی ہر بات سے اختلاف کرتے ہیں۔ اگر وہ رات کو رات کہتی ہے تو یہ کہتے ہیں نہیں یہ دن ہے۔''

''میں تو جدی پشتی زن مرید ہوں آپ کو اعتراض ہے؟'' وسیم لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولا۔

''جد کی تو خبر نہیں کیونکہ میں ابھی اتنا بڑا گستاخ بنا نہیں ہوں لیکن تمہاری حرکتیں دیکھ کر دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم زن مرید ہو۔'' سفیر نے جواب الٹ دیا۔

''ابھی میں فون کر کے مونا کو کہتا ہوں کہ یہ جناب فرما رہے ہیں کہ میں مونا کی سنتا نہیں ہوں اور نہ اس کی باتوں پر کان دھرتا ہوں۔''

''ضرور ضرور۔ فون حاضر ہے۔'' کہتے ہوئے اس نے اپنا موبائل بڑھا دیا۔

ان دونوں کی بے معنی بحث طویل ہوتی جائے گی اس ڈر سے میں نے جلدی سے کہا۔ ''ہم ایک اہم بات پر گفتگو کر رہے تھے کہ تم آ گئے۔ اور اس نے تمہیں چھیڑنے کے لیے بات بدل دی۔''

''واہ یہ کیا بات ہوئی..... یہ کوئی صنفِ مخالف ہیں جو میں ان کو چھیڑوں گا۔'' وسیم پھر بول اٹھا۔

سفیر کچھ کہتا کہ میں نے دوبارہ دخل دیا۔ ''بات ہو رہی تھی مرشد کی کہ اس سے کس حکمتِ عملی کے تحت پنجہ آزمائی کی جائے۔''

''آپ کہتے ہیں تو میں سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔ ''میں یہ بتا رہا تھا کہ ایک بندہ ہمارے گھر کی ریکی کر رہا تھا کہ ہم نے اسے چھاپ لیا اور اسے گیراج میں لا کر بند کر دیا۔''

''کب؟'' سفیر نے پوچھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ کام ابھی اور اسی وقت ہوا ہے اسی لیے سفیر بھی لاعلم ہے۔ ورنہ یہ بات اس کے علم میں ضرور ہوتی۔

''ابھی پانچ منٹ پہلے اسے نصیر اور اشفاق نے پکڑا ہے۔ اس کی زبان کھلوانے میں کچھ دیر لگی۔ اس سے نمٹ کر میں یہ خبر شہباز کو دینے آیا ہوں۔ تمہیں بتانے کا وقت ہی نہیں ملا۔''

''کیا اگلوایا؟'' سفیر نے پوچھا۔

''دو چار ٹھڈے ہی کافی ثابت ہوئے۔ دس منٹ میں ہی وہ ریڈیو کی طرح بجنے لگا۔ اس نے بتا دیا کہ اسے شہباز کی ریکی کا حکم ملا تھا اور وہ بس اسٹاپ پر پہلے سے موجود تھا مگر جب شہباز وہاں نہیں پہنچا تو اس نے موبائل پر اپنے باس سے بات کی تب اسے اس سڑک پر جانے کو کہا گیا۔ اسے بتایا گیا کہ یہیں کسی عمارت میں شہباز ہے۔''

''یہ سب آئی فون کا کمال ہے کہ وہ تمہاری لوکیشن کو ٹریس کرتے رہے۔ جب سم بند ہو گئی تو اندھیرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آ گئے۔'' سفیر نے کہا تو مجھے اس نکتے پر غور نہ کرنے والی بات یاد آ گئی اور میں شرمندہ سا ہو گیا۔

''چلو چل کر اس سے دو تین سوالات میں بھی کر لوں۔'' سفیر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''چلو میں بھی چلتا ہوں۔'' میں بھی بیڈ سے اتر گیا۔

کہہ کر میں نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ وسیم سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے میں تھا۔ ہم سب گیراج کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔ کتے کے پاس چوکیدار کھڑا تھا۔ اس وجہ سے کتا خاموش تھا۔ ہم اس کے برابر سے گزر گئے لیکن اس نے کوئی آواز نہ نکالی۔

اندر پہنچ کر دیکھا کہ ایک بندہ زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہے، اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔ وہیں قریب دو کرسیوں پر دو بندے پستول بدست بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ میں اس بندے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا پھر وسیم سے کہا۔ ''کیوں نہ اسے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دیا جائے تا کہ سوالات کے جوابات دینے میں اسے آسانی ہو۔''

وسیم نے اشارہ دیا اور ان دونوں میں سے ایک نے اسے سیدھا کیا پھر اسے سہارا دے کر کرسی پر بٹھا دیا۔ میں اس کے مزید قریب ہو گیا اور پھر پوچھا۔ ''ہاں بھائی اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ تم کس کے کہنے پر میرا پیچھا کر رہے تھے۔''

وہ خاموش رہ کر میری طرف دیکھتا رہا تب میں نے سفیر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ جو ہے نا، اپنے کام کا ماہر ہے۔ پورے پاکستان میں اس کے جوڑ کا بندہ نہیں ملے گا۔ یوں سمجھ لو کہ یہ اذیت دینے پر اتھارٹی رکھتا ہے۔ اس کے آگے گونگے بھی بولنے لگتے ہیں۔ اب تمہاری مرضی کہ تم بولو یا خاموش رہو۔''

وہ ایسا کمزور بندہ تھا کہ دوسری دھمکی کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور وہ بول اٹھا۔ ''میں نے تو ان صاحب کو سب کچھ بتا دیا۔''

''ایک بار پھر بتا دو گے تو گناہ نہیں ہو گا۔ شاباش شروع ہو جاؤ۔'' وسیم نے کہا۔

''مجھے فون پر کہا گیا کہ بس اسٹینڈ پہنچو۔ مری والی بس پر ایک آدمی ہو گا جس نے دھاری دار قمیص اور نیلے رنگ کی پینٹ پہن رکھی ہے۔ اسے گھیر کر ہمارے پاس لاؤ۔ لیکن وہ بس تو آ گئی مگر اس میں ایسا کوئی بندہ نہیں تھا جس نے دھاری دار شرٹ اور نیلے رنگ کی پینٹ پہن رکھی ہو۔ میں نے فون پر بتایا تو ادھر سے کہا گیا کہ وہ راستے میں اتر گیا ہے۔ تم فوراً مرکزی سڑک پر پہنچو۔ وہاں داہنی جانب ایک پوش علاقہ ہے اس میں اسے تلاش کرو کہ وہ کس مکان میں ہے۔''

''تمہیں یہ حکم دیتا کون ہے؟''

''احمد سعید۔'' اس نے کہا تو مجھے یاد آ گیا کہ یہ نام میں پہلے بھی سن چکا ہوں کہ وہ خانقاہ کو نئے سرے سے بنوا رہا ہے۔

''اچھا اب آرام کرو میں دیکھتا ہوں کہ احمد سعید ہے کیا چیز۔'' کہہ کر میں واپسی کے لیے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ رک گیا اور بغیر مڑے وسیم سے کہا۔ ''اس کے ہاتھ پیر کھول دو لیکن سمجھا دینا کہ باہر مسلح بندے بھی ہیں اور کتا بھی جو ایک منٹ میں چیر پھاڑ دے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر نکلا ہی تھا کہ مرتجس مجھے ڈھونڈتا ہوا آ گیا۔ اس نے قریب پہنچتے ہی کہا۔ ''وہ بندہ آ گیا ہے۔ آپ اس سے مل لیں۔''

میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ سامنے ہی ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ وہ چہرے سے ہی ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی مدرسہ سے اٹھ کر آیا ہو۔ بہت بھولا بھالا۔ عام سے لباس میں ملبوس۔ سر پر جالی والی ٹوپی اور کندھے پر چار خانوں والا رومال۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بلیغ انداز میں سلام کیا۔ وہ کھڑا ہو گیا تھا اس لیے مجھے اسے بیٹھنے کا کہنا پڑا۔ وہ بیٹھ گیا تو میں نے پوچھا۔ ''ہاں بھائی کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میرا نام نادر شاہ ہے اور مجھے ریاست خان نے فون پر کہا ہے کہ آپ کی مدد کروں۔ وہ بھی شام تک پہنچ جائیں گے۔ آپ کا ساتھ دینے کے لیے ریاست نے اس لیے مشورہ دیا ہے کہ وہ میرے حالات اور خیالات سے آگاہ ہے۔ دراصل میں سمجھ چکا ہوں کہ مرشد اور اس کے لوگ اللہ کا نام لے کر شیطان کا کام کر رہے ہیں۔ مجھے جہنم کی آگ میں جلنا نہیں ہے اس لیے میں چاہ رہا ہوں کہ مرشد کا یہ کاروبار بند ہو جائے۔''

''ہر بات کی ایک وجہ ہوتی ہے۔ اپنے پیر سے تم بغاوت کرنے کی سوچ رہے ہو تو اس کی کوئی نہ کوئی ٹھوس وجہ ہو گی۔ کوئی بات ہے جس کی وجہ سے تم اس کے دشمن ہو گئے؟'' سفیر نے سوال کیا۔

''مجھے اس سے تو شکایت ہے ہی لیکن اصل شکایت یہ ہے کہ وہ دین کا نام لے کر لوگوں کو گناہ کے راستے پر چلا رہا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ ایسے لوگوں کا ساتھ کبھی نہ دو۔''

''تو پھر تم خاموشی سے الگ ہو جاؤ۔'' وسیم بولا۔

''یہی کیا ہے لیکن وہ چین سے بیٹھنے نہیں دے رہا ہے۔ میں سرگودھا چلا گیا تھا۔ اس کے کارندے وہاں بھی پہنچ گئے۔ جب تک اس کی کمر نہیں ٹوٹے گی وہ اسی طرح ستاتا رہے گا۔''

''وہ جہاں بیٹھا ہے سنا ہے وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔''

''اس کو کمزور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ احمد سعید کو دبوچ لیں۔ اگر وہ مرشد سے الگ ہو گیا تو مرشد بالکل ٹوٹ جائے گا خانقاہ کو بھول بھلیاں میں تبدیل کرنے والا وہی شخص ہے۔''

''احمد سعید ملے گا کہاں۔''

''وہ ایک ہفتہ پہلے تک خانقاہ میں ہی رہ رہا تھا لیکن اب وہ ایک بنگلے میں منتقل ہو گیا ہے۔ اس نے ایک سولہ سال کی لڑکی سے شادی کی ہے۔ اپنی بیوی اور بچی کو چھوڑ کر وہ اس لڑکی کے ساتھ رہ رہا ہے۔''

''تم ایسا کرو کہ اپنے ساتھ وسیم کو لے جاؤ۔ اسے بنگلا بھی دکھا دینا تاکہ وہ اس کو دبوچنے کے لیے کوئی راستہ ڈھونڈ سکے۔''

''جی ضرور۔ میں ان کو ساتھ لے جا کر وہ بنگلا دکھا دیتا ہوں۔'' کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

''یاد رکھنا ہمیں مرشد کی سلطنت کا خاتمہ کرنا ہے۔ یہ سوچ کر لڑنا ہے کہ یہ ہماری آخری جنگ ہے۔ اس وقت وہ اپنے قلعہ نما مکان میں بیٹھا خود کو محفوظ سمجھ رہا ہے اور اسی کو ہمیں غلط ثابت کرنا ہے۔'' میں نے وسیم سے کہا اور پیٹھ پر تھپکی دے کر بولا۔ ''اللہ تمہیں کامیابی عطا کرے۔''

وسیم کے جاتے ہی میں نے کہا۔ ''سفیر یہ ایک اہم بات ہے کہ مرشد نے ڈھیروں ڈھیر لوگوں کو اکٹھا کر لیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے لیکن ان پر قابو نہیں کر پا رہا۔ یعنی ان کو صحیح طور پر قابو میں رکھ نہیں سکا ہے۔ تبھی تو لوگ اس سے ٹوٹ رہے ہیں۔''

''مرشد کے لوگ دراصل اس کے مرید ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ان سے کوئی اہم کام نہیں لے رہا ہو گا۔ صرف افرادی قوت دکھانے کے لیے وہ ان کو ساتھ رکھے ہوئے ہے۔''

''تو پھر ایسے لوگوں کو ڈھونڈو۔ یہی لوگ ہمارے کام کے ہیں۔ اس لیے کہ وہ یہ سمجھ کر اس کا ساتھ دے رہے ہیں کہ بابا جی کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ مسلکی بنیاد پر اس کی خانقاہ کو برباد کیا گیا ہے۔ جب انہیں اس کی اصلیت کا پتا چلتا ہے تو وہ دور بھاگنے لگتے ہیں۔ ایسے باغیوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔''

''اتنے بڑے شہر میں اس کے مریدوں کو تلاش کرنا آسان نہیں ہے۔ پھر بھی کوشش کروں گا۔''

''شاباش، یہ ہوئی نا بات۔ اب نکل پڑو تا کہ میں کچھ دیر آرام کر لوں۔'' میں نے کہا اور بستر پر لیٹ گیا۔ سفیر ہنستا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

میں نے آنکھیں بند کی تھیں اور سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ دروازے پر آہٹ ہوئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے عبداللہ کھڑا ہنس رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اب تم بھی بتا دو کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟''

''سنا ہے آپ سو رہے ہیں؟'' عبداللہ نے گھبرا کر کہا۔

''پتا نہیں کس دشمن نے اڑا دی ہے۔ میں تو بستر پر لیٹا گلی ڈنڈا کھیل رہا تھا۔ بچپن کو بلا رہا تھا۔''

''بس..... یوں ہی آ گیا..... اچھا میں جا رہا ہوں۔ آپ سو جائیں۔''

''یار تم بھی نا..... لگتا ہے برا مان گئے..... میں تو مذاق کر رہا تھا..... بولو کیا بات ہے؟'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔ ''کچھ کہنے ہی آئے ہو گے اور وہ بات یقیناً ضروری ہو گی اس لیے کہہ ہی دو۔''

''وہ بات یہ ہے کہ میرے ایک بندے نے ایک ایسے آدمی کو ڈھونڈا ہے جو خانقاہ کی تعمیر کے وقت مزدوری کر چکا ہے۔''

''کہاں ہے اسے بلاؤ۔''

''وہ باہر بیٹھا ہے۔'' وہ مڑ گیا اور باہر نکلنے سے پہلے بولا۔ ''ابھی اسے لے کر آتا ہوں۔ وہ ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہوا ہے۔''

عبداللہ کے جانے کے بعد میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ''آج آرام کرنا کفر بن گیا ہے۔ عبداللہ کے بندے سے سوال جواب کرنا ہی ہو گا۔ ہو سکتا ہے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔''

ابھی میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ عبداللہ ایک بندے کے ساتھ اندر آ گیا۔ وہ جواں سال تھا لیکن چہرے اور کپڑوں سے ہی مفلوک الحال نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سامنے بچھے صوفے پر اسے بیٹھنے کا اشارہ دیا۔

وہ جھجکتے ہوئے بیٹھ گیا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''ان کے لیے چائے کا کہہ دو۔''

عبداللہ نے کمرے میں لگے انٹر کام پر کسی کو چائے لانے کا کہا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندے کی طرف رخ کیا۔ وہ کچھ گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا۔ شاید وہ امارت سے مرعوب ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے اسے ریلیکس دینے کے لیے کہا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''جی میرا نام شیدے ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''بھائی شیدے آپ روز کتنا کما لیتے ہو۔''

''جی اگر دہاڑی لگ گئی تو ہر روز ایک ہزار روپیا لیکن کام ہفتے میں دو تین دن ہی ملتا ہے۔''

''اچھا یہ بتاؤ کیا تم چائے وغیرہ بنا لیتے ہو؟''

''بہت اچھی تو نہیں لیکن جیسی ہم لوگ پیتے ہیں۔ بنا لیتا ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ آتے وقت تم نے باہر لان دیکھا ہے نا..... کیاری میں طرح طرح کے پھول لگے ہیں۔ گھانس بڑے قرینے سے کٹی ہوئی ہے۔ اگر تمہیں مالی کے ساتھ کام کرنا پڑے تو کیا کر لو گے۔''

میری اس بات سے اس کے چہرے پر خوشی کی جھلک آ گئی۔ جو میں چاہ رہا تھا وہ میں نے حاصل کر لیا۔ اس کے اندر جو ہچکچاہٹ تھی، جو مرعوبیت تھی وہ ختم ہو گئی اور اس کے اندر یہ لہر پیدا ہو گئی کہ اسے میں نوکری پر رکھ لوں گا۔ وہ مطمئن دکھائی دینے لگا تھا۔ اتنے میں چائے آ گئی۔ اسے چائے پینے کا اشارہ کرتے ہوئے میں نے کپ اٹھا لیا اور سپ لے کر کہا۔ ''تم کل سے کام پر آ سکتے ہو۔ تمہیں فی الحال دس ہزار دوں گا اور بعد میں اضافہ کر دوں گا۔''

عبداللہ مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے بندے کو کس مقصد سے بلایا تھا اور میں اسے کون سا کام سونپ رہا ہوں۔

میں نے چائے کا کپ برابر میں رکھی تپائی پر رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی چائے ختم نہیں کر پایا تھا۔ میں نے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ''ان کو ایڈوانس میں آدھی تنخواہ دے دو۔''

عبداللہ نے بغیر کچھ پوچھے۔ جیب سے پانچ ہزار روپے نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیئے۔ اس وقت اس کا چہرہ دیکھنے لائق تھا۔ اس کے ہر انگ سے خوشی پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ تب میں نے اس سے پوچھا۔ ''شیدے بھائی آپ مرشد کے ہاں کب سے کام کر رہے تھے۔''

''جی میں نے ان کے ہاں تین مہینے تک کام کیا ہے لیکن دربار میں حاضری دس بارہ سال سے دیتا آ رہا ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ ان کی خانقاہ جب تباہ ہو گئی تو بھی تم لوگ آتے رہے۔ ایسا کیوں؟''

''شاہ جی نے بتایا تھا کہ یہ کام ان لوگوں کا ہے جو نہیں چاہتے کہ ہماری خانقاہ میں کوئی آئے۔ یہاں جو درس دیا جاتا ہے ان لوگوں کی نظر میں یہ غلط ہے اسی لیے انہوں نے دہشت گردوں سے حملہ کرا دیا۔''

شیدے کی بات سن کر میں نے قہقہہ لگایا تو وہ بولا۔ ''جی میں سمجھ گیا کہ آپ کیوں ہنسے ہیں۔ جب میں خانقاہ کی تعمیر میں حصہ لینے کے لیے وہاں رہنے لگا۔ رہتا اس لیے تھا کہ یہاں میرے بیوی بچے تو ہیں نہیں، سب گاؤں میں ہیں۔ اس لیے وہیں ایک شیڈ کے نیچے رات کو سو جاتا تھا۔ وہاں رہتے ہوئے میں نے شاہ جی کا اصل چہرہ دیکھا۔ وہی شخص جو دن میں نیکی کی ہدایت کرتا ہے، رات میں گناہ کا بازار سجا لیتا ہے۔ یہ ڈائلوگ ایک فلم کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے لیکن بات سچی ہے۔ یہی سب دیکھ کر میرا دل ٹوٹ گیا لیکن روزی لگی ہوئی تھی اس لیے میں کچھ کہتا نہیں۔''

''کام کرنے کے درمیان بھی تم اس کی محفلوں میں جاتے تھے؟''

''دن والی محفل میں جاتا تھا۔ رات والی محفل میں صرف گنے چنے لوگ ہوتے تھے۔''

''اندر خانقاہ کیسی بنائی ہے؟''

''اتنی عمدہ ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ دن رات کام ہوتا تھا۔ سب کو ڈبل ڈبل دہاڑی دی جاتی تھی لیکن کام بھی گدھے جتنا کرنا پڑتا تھا۔ اندر ایک تین منزلہ عمارت ہے جو واعظ کے لیے مختص ہے، نیچے بڑی محفل ہوتی ہے اور اوپر پتا نہیں کیا کیا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اوپر کی منزل پر صرف ایک چھوٹا ہال ہے باقی کمرے ہی کمرے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ دوسری اور تیسری منزل کو ملا کر گنیں تو کئی سو کمرے ہیں۔ وہ عمارت صرف دو مہینے میں تیار ہو گئی تھی۔ اس وقت میں نے کہا بھی تھا کہ ابھی پلاستر نہ کریں بنیاد بھی کچی ہے لیکن شاہ جی کا حکم تھا اس لیے ہمیں کچے وقت میں ہی پلاستر کرنا پڑ گیا تھا۔''

'اس عمارت میں پلاستر تم نے کیا تھا؟''

''نہیں جی..... اوپر کسی اور نے پلاستر کیا ہے۔''

''کل کتنے کمرے ہوں گے؟'' میں نے پوچھا۔

''الٰہی توبہ..... قطار در قطار اتنے کمرے ہیں کہ ان کو گنا ہی نہیں جا سکتا۔ تین منزلہ عمارت اور کمرے اتنے کہ یقین نہ آئے۔ آٹھ بائی آٹھ کے کمرے ہیں اور ہر منزل پر پچاس ساٹھ کمرے ہیں۔ جگہ بھی تو دیکھیں کتنی بڑی جگہ پر بلڈنگ کھڑی کی گئی ہے۔''

''تمہاری نوکری پکی اب تم جا کر اپنا سامان لے آؤ۔ تم اب ہمارے ساتھ ہی رہو گے۔'' کہہ کر میں نے اسے جانے کا اشارہ دیا اور خود سونے کے لیے کروٹ بدل لی مگر آرام اپنی قسمت میں کہاں ہے۔ ابھی میں نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ نادر شاہ اور وسیم واپس آ گئے۔ وہ دونوں پُر جوش تھے۔ وسیم نے کہا۔ ''ہم نے آدھی جنگ جیت لی ہے۔''

''ایسا کیا کر دکھایا؟''

''اگر کہیں تو میں پورا واقعہ من وعن بیان کر دوں۔'' اس نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا۔

وسیم کا جوش دیکھ کر میں نے اجازت دے دی۔ مجھے ہمہ تن گوش دیکھ کر اس نے بتانا شروع کیا۔ ''ہم لوگ یہاں سے نکلے اور مین روڈ پر پہنچے۔ مین روڈ پر معمول سے زیادہ رش ہونے کے سبب میں دھیمی رفتار سے چل رہا تھا۔

''لگتا ہے آگے چیک پوائنٹ لگی ہوئی ہے۔'' نادر نے رینگتی ہوئی گاڑیوں کی قطاریں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں اس روڈ پر باقاعدہ کوئی چیک پوائنٹ نہیں ہے مگر آج.....''

''ہاں، شہر کے حالات بھی تو عجیب سے ہو گئے ہیں۔'' نادر نے ایک موٹر سائیکل سوار کو گھورتے ہوئے کہا جو گاڑیوں کے بیچوں بیچ تیزی سے راستہ بناتا ہوا گزر رہا تھا۔ ''مگر کر کچھ نہیں سکتے۔''

''بیچارے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تو نادر مسکرا دیا۔ گاڑی اب چیونٹی کی چال رینگ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دائیں بائیں گاڑیوں کا ہجوم بڑھ گیا تھا۔ رکشوں اور موٹر سائیکلوں کا شور اور سلنسر کے دھواں سے بچنے کے لیے شیشے چڑھا رکھے تھے۔ سنٹر لائن میں سرکتے ہوئے ہم چیک پوائنٹ تک پہنچ گئے۔ تین پولیس مین گاڑیوں کو چیک کر رہے تھے۔ دو تین روڈ کے بیچ لگائی گئی رکاوٹیوں کے پاس کھڑے تھے۔ ایک موٹی توند والا کانسٹیبل ہمارے پاس آیا۔ میں نے شیشہ نیچے کر دیا۔ اس نے جھک کر پہلے ہم دونوں کو دیکھا پھر گاڑی کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ ''ہاں جی صاحب کہاں سے آرہے ہو اور کدھر کو جانا ہے؟''

''یونیورسٹی سے آرہے ہیں اور گھر جانا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہوں۔'' اس نے طویل ہنکارا بھرا۔ ''ذرا ڈگی کھولنا۔''

میں نے بٹن دبا کر ڈگی کھول دی۔

''اوئے اقبال ڈگی چیک کر۔'' اس نے قریب کھڑے ہوئے سپاہی سے کہا۔ وہ سر ہلاتا ہوا ڈگی کی جانب چلا گیا۔

''آپ لوگ باہر آجائیں۔ مجھے اندر سے گاڑی چیک کرنی ہے۔''

ہم دونوں نے حکم کی تعمیل کی۔ گاڑی اچھی طرح چیک ہو چکی تو ہمیں جانے کا گرین سگنل ملا۔ میں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اس روڈ پر تو کوئی چیک پوائنٹ نہیں تھا۔ آج یہ غیر معمولی چیکنگ، خیریت ہے نا؟''

بھاری توند والا کانسٹیبل دوسری گاڑی کی جانب بڑھنے کی بجائے رک کر مجھے گھورنے لگا۔

''نیوز نہیں دیکھتے ہو کیا؟'' اس نے نسبتاً غصے سے پوچھا۔

''پڑھائی دیگر سرگرمیوں کے لیے فرصت کہاں دیتی ہے؟''

کانسٹیبل نے چبھتی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نیوز دیکھا کرو حالاتِ حاضرہ کی جان کاری ہوتی ہے۔''

''جی بہتر۔'' میں اس کی بات سن کر بولا۔ پھر میں نے یوں سر ہلایا جیسے پوری بات سمجھ گیا ہوں اور گیئر لگاتے ہوئے نادر سے بولا۔ ''حکومت کے ساتھ وفاداری نبھا رہا ہے۔''

پھر میں نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

کچھ ہی دیر میں ہم احمد سعید کے بنگلے کے باہر موجود تھے۔ سفید رنگ کی کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ پر میں تھا۔ ناصر میرے ساتھ براجمان تھا۔ شام ڈھلے کا وقت تھا۔ دور افق پر سرمئی بادل زرد روشنی میں ڈھلنے لگے تھے۔ روڈ بالکل سنسان تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں کے مکان مکینوں سے خالی ہیں۔ روڈ کے ایک طرف بڑے بڑے بنگلے اور خوبصورت کوٹھیاں تھیں، جبکہ اس طرف جہاں احمد سعید کا بنگلا تھا کافی پلاٹ خالی پڑے ہوئے تھے۔ پلاٹ پر مکینوں کی گاڑیاں قطار میں کھڑی تھیں۔ میں نے بھی اپنی کرولا اسی قطار میں کھڑی کر دی۔ اب احمد سعید کا بنگلا ہمارے سامنے تھا۔

''تو یہ ہے احمد سعید کا بنگلا؟'' میں نے پوچھا۔ میری نظریں بنگلے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''ہاں یہی ہے، بنگلا نمبر اکیس۔''

''کافی بڑا بنگلا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں..... سنا ہے یہ پہلے اکانومی فلیٹوں کے ایک کمپلیکس میں رہتا تھا۔'' ناصر نے جواب دیا۔ ''اور فلیٹ بھی کمپلیکس کے دیگر فلیٹوں سے نچلے درجے کا تھا۔ مگر اب شہر کی کئی ہاؤسنگ سوسائٹیاں، بڑی بڑی کالونیاں، شاپنگ مال'' کئی بڑے شہروں میں کوٹھیاں اور بنگلے۔ ان سب کا مالک ہے احمد سعید۔'' اسے جو کچھ یاد تھا دہرا دیا۔ ''یہی نہیں سنا ہے موصوف نے اب ایک موبائل کمپنی میں شیئر بھی خرید لیے ہیں۔''

''ابھی تو تم کہہ رہے تھے مراد علی پرلے درجے کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔''

''وہ بھی سچ ہے۔''

''گویا مرشد کے پاس آتے ہی اس کے ہاتھ الہ دین کا چراغ ہاتھ آ گیا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں، سنا گیا ہے کہ مرشد کے پاس آنے کے کچھ دن پہلے ہی وہ یکا یک امیر ہو گیا تھا۔''

''اس کے معنی ہیں کہ دولت کی دیوی کسی اور ذریعہ سے اس تک پہنچی۔''

''جی ہاں، وہ یکا یک ہی امیر بنا ہے۔ امیر بننے کے بعد اس نے مرشد سے دوستی کی۔ اس کی دوستی کے بعد مرشد جو بالکل ٹوٹ چکا تھا، پھر سے عملی میدان میں آ گیا۔''

''گویا جو اسے امیر بنا رہا تھا اسی نے اسے مرشد سے راہ رسم بڑھانے پر اکسایا اور وہ مرشد کے قریب ہو گیا مگر اب بس چند دنوں کی بات ہے۔'' میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''جلد، ہیں سے ''تھے'' ہو جائے گا۔'' میری نظریں متواتر بنگلے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اچانک اندر سے ایک ٹینس بال دیوار کے اوپر سے اچھلتی ہوئی ہمارے سامنے آ گری۔ بال نے دو تین گدے کھائے اور گاڑی کے ساتھ ٹک گئی۔ میں نے گیند کو دیکھا، پھر مرکزی دروازے کو۔ اسی وقت ایک دس سالہ بچہ باہر نکلا، میں نے بھاگتے ہوئے بچے کا جائزہ لیا۔ بچے کے پیچھے دو سکیورٹی گارڈز بھی لپکے تھے۔ بچہ بھاگتا ہوا ہمارے نزدیک آ گیا تھا۔ اس نے ٹھٹک کر ایک نظر ہمیں دیکھا اور گیند اٹھا کر واپس گیٹ کی جانب دوڑ لگا دی۔ اسے واپس آتا دیکھ سکیورٹی گارڈ رک گئے۔ میں بغور سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

نادر مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کس سوچ میں ہیں؟''

''یہ بچہ؟''

''احمد سعید کا نہیں ہے۔''

''پھر.....؟''

''اس بچے کا نام شاویز ہے احمد سعید نے جس لڑکی سے شادی کی ہے یہ اس کا چھوٹا بھائی ہے۔ یہ بچہ احمد سعید کے پوتے سے بھی چھوٹا ہے۔ اس سے سمجھ لیں کہ اس کی نئی بیوی کی عمر کیا ہو گی جو اس لڑکے سے چند سال ہی بڑی ہو گی۔''

''ہوں..... میں نے طویل سانس بھری۔ ''فطرت میں کتنی یکسانیت ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' نادر نے کہا۔

''تمام بچے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اب اسے ہی دیکھ لو۔ اس کے پاس گیندوں کی کمی ہے کیا؟ مگر پھر بھی بچہ وہ گیند جس کے ساتھ کھیل رہا تھا لینے کے لیے باہر بھاگ آیا؟'' میں نے دور خلاؤں میں نظریں گاڑتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا جیسے اپنا ماضی دیکھ رہا ہوں۔

''ہاں بچپن واقعی بہت بھلا ہوتا ہے۔'' نادر نے کہا۔

ہم اس بنگلے کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک گارڈ آ گیا۔ اس گارڈ نے بغیر کچھ پوچھے نادر کی گال پر تمانچہ جڑ دیا۔ وہ ہمیں دھمکا کر وہاں سے بھگانا چاہتا تھا جیسے وہ سڑک اس کو وراثت میں ملی ہے۔ میرا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا لیکن اس وقت میں کوئی ہنگامہ پیدا کرنا نہیں چاہتا اس لیے میں نے گیئر لگایا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

''تم نے بچپن میں ماں یا دادی سے کوئی کہانی سنی ہے؟'' گلی کے موڑ پر پہنچ کر میں نے نادر سے پوچھا۔

''ہاں کئی بار مگر یہاں اس سوال کا کیا مقصد؟''

''پہلے تم بتاؤ۔ تم نے کون سی کہانی سنی ہے؟''

''بہت ساری سنی ہیں یار اب کیا بتاؤں؟''

''اچھا تم نے جن اور طوطے والی کہانی سنی ہے؟''

''ہاں سنی ہے۔'' نادر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کہانی میں جن کی جان طوطے میں قید ہوتی ہے۔''

''بالکل اور اس طوطے کی گردن توڑ کر دیو ہیکل جن کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جاتا ہے۔ مگر میں سمجھ نہیں پا رہا آپ نے یہ بچپن کا قصہ کیوں چھیڑ دیا۔''

''احمد سعید بھی ایک دیو ہیکل جن ہے۔ اور اس جن کی جان اس طوطے میں ہے جسے ہم نے گیند کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ بلی کو تھیلے سے باہر نکالنے کے لیے ہمیں اس بچے کا سہارا لینا پڑے گا۔''

''مطلب بچے کا اغوا..... اگر ایسا سوچ رہے ہیں تو شاید غلط ہو۔''

''اغوا نہیں..... کچھ اور.....''

''مگر اس سے کیا ہوگا؟''

''احمد سعید اس بچے سے کتنا پیار کرتا ہے۔''

''بچے کی بہن بچے سے پیار کرتی ہے اور یہ بیوی سے یعنی دنیا میں شاید واحد بچہ ہے جسے احمد سعید دل و جان سے پیار کرتا ہے بھلے ہی دکھاوے کو پیار کرتا ہو۔''

''احمد سعید خانقاہ سے اسی وقت واپس آتا ہے نا۔''

''وقت لگ بھگ یہی ہے۔''

''ہوں.....'' میں نے پُرسوچ ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ ''تصور کرو احمد سعید کی گاڑی بنگلے میں داخل ہوتی ہے، عین اسی وقت گیٹ کے سامنے اس کے پیارے سالے پر فائرنگ ہوئی تو وہ کیا کرے گا؟'' میں نے چند ساعتیں رک کر سانس لیا پھر بولا۔ ''وہ تمام تر احتیاط بھول کر باہر لپکے گا۔ گارڈز فائرنگ کرنے والوں کا پیچھا کریں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں تک تو بات ٹھیک ہے مگر آپ نے دوسرے پہلوؤں پر غور کیا ہے؟''

''مثلاً؟''

''مثلاً یہ کہ احمد سعید کی موونگ کے وقت ساتھ میں خانقاہ کے مسلح گارڈ بھی ہوتے ہیں۔ ہم عین اس کے گھر کے سامنے پہنچیں گے کیسے؟ پھر بچے پر فائرنگ ہونے کے بعد اس کا ہدف۔ میں سمجھ نہیں پایا۔'' ناصر نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''پہلے مجھے چند سولات کے جواب دو تم خود ہی سمجھ جاؤ گے۔''

''ہاں پوچھیں؟''

''احمد سعید کے بنگلے کے اردگرد اور سامنے کن لوگوں کے مکان ہیں؟''

''اس گھر کے دائیں بائیں دونوں پلاٹ خالی ہیں۔ قیاس یہی کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں پلاٹ بھی اسی کی پراپرٹی ہے۔ ہاں البتہ سامنے کا ایک گھر ریٹائرڈ آئی جی کا ہے اور دوسرا ایک بڑے تاجر خان محمد کا۔''

''اچھا۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''آئی جی صاحب ملک میں نہیں ہیں۔ وہ پچھلے دنوں بیوی کی ہارٹ سرجری کروانے لندن گئے ہیں۔''

''ان کی کوٹھی میں مزید کتنے افراد ہیں؟''

''میرا خیال ہے گھر میں چند ملازموں اور گارڈ کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔''

''اب میرا پورا پلان سنو۔'' کہہ کر مختصر الفاظ میں اپنا پلان بتایا۔

''مجھے اس پلان پر کوئی اعتراض نہیں، ماسوائے ایک بات کے۔''

''کونسی بات؟''

''احمد سعید کو آپ تنہا ٹارگٹ کریں گے؟''

''ہاں اور میرے خیال میں یہ کوئی قابل اعتراض بات بھی نہیں۔''

''وہ.....'' ناصر کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''یہ پہلی بار نہیں ہے۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''ایسے کام کرتا رہا ہوں۔ ابھی اسے چھیڑنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن اس کے گارڈ نے تمہیں تھپڑ مار کر مجھے اکسا دیا ہے کہ میں کچھ کروں۔''

''مگر یہ مشن خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔''

''بھروسا رکھو مجھ پر۔'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ ''جیسا تم مناسب سمجھو۔''

تبھی مرکزی سڑک سے احمد سعید کی گاڑی مڑی۔ اس کے آگے پیچھے کئی گاڑیاں تھیں۔ احمد سعید کی گاڑی بنگلے کے اندر داخل ہوئی تو اس کی پیروی میں دیگر گاڑیاں بھی اندر چلی گئیں اور میں کچھ کر نہ سکا۔ ایک گاڑی سے چار محافظ اتر کر مرکزی دروازے پر ہی جم گئے تھے۔ اب میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اسی لمحے شاہ ویز کی بال پھر باہر آ گری اور اس کے پیچھے شاہ ویز نکلا۔

احمد سعید کی گاڑی پورچ میں رکی ہوئی تھی۔ گاڑی کے لیے گیٹ کھول دیا گیا تھا۔ ادھر بچہ جیسے ہی گیٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس پہنچا میں نے اس کے پیروں کے پاس زمین پر فائرنگ کر دی۔ گیٹ کے محافظ بھی حرکت میں آ گئے انھوں نے بھی فائر کھول دیئے تھے۔ میرے اعصاب تن گئے۔

گیٹ کھلا ہونے کے سبب احمد سعید نے نہ صرف شاہ ویز کی چیخیں سنی بلکہ اسے زمین پر گرتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ بدحواسی میں باہر بھاگا۔ جب تک اندر کے محافظ پوزیشن سمجھتے وہ باہر آ چکا تھا۔ وہ میرے سامنے عین نشانے پر تھا۔ میں نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر فائر کر دیئے۔ احمد سعید جو اپنے عزیز از جان سالے پر جھکنے ہی والا تھا سینے پر ہاتھ رکھ پیچھے کی جانب اچھل کر گر پڑا۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔

''چلو جلدی کرو۔'' میں نے کہا۔ کار اسٹارٹ کر رکھی تھی۔ گیئر لگایا اور ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

''خس کم جہاں پاک، جو ہم نے چاہا وہ پورا ہو گیا اب ہمیں سب سے اہم مسئلے کی طرف آ جانا چاہیے آپ نے کیا سوچا ہے۔ اپنا منصوبہ بتائیں۔'' عبداللہ جو وسیم کے پیچھے پیچھے آ گیا تھا۔ اس نے پوچھا۔

کچھ دیر توقف کے بعد میں نے کہا۔ ''مجھے ایک دن کا وقت چاہیے اس منصوبے پر کام کرنے کے لیے۔ مکمل تیاری کے بعد ہی میں کچھ بتاؤں گا۔ اس لیے کہ جلد بازی میں وسیم سے چُوک ہو گئی۔ اب مرشد ہوشیار ہو گیا ہو گا۔ اس لیے کہ احمد سعید اس کے لیے بہت اہم تھا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے کہ اسے پتا ہے کہ آپ آ چکے ہیں۔ خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ جیسی آپ کی مرضی اب آرام کریں۔'' کہہ کر وہ سب اٹھ گئے ان کے جانے کے بعد میں مرتجس کے ساتھ اس کمرے میں آ گیا جسے ایک بار پہلے بھی استعمال کر چکا تھا۔

○.....❖.....○

وہ دن ایسے گزر گیا جیسے تین گھنٹے۔ میرے ساتھ سفیر اور وسیم بھی مصروف رہے تھے۔ اگلے دن میں نے سب کو بلا لیا ہم سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے میں نے اپنا منصوبہ بتانے سے پہلے وسیم اور سفیر پر نظر ڈالی پھر ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ ''دوستو ہم بہت بڑا جوا کھیلیں گے یہ زندگی کا جوا ہو گا اسے کھیلنے کے بعد یا تو مرشد نہیں یا ہم نہیں۔''

''اس جوئے کی شروعات کہاں سے ہو گی؟'' وسیم نے ہنس کر کہا۔

''مرشد کی نئی خانقاہ سے۔ لیکن اس جوئے میں آپ سب شریک نہیں ہوں گے۔ صرف میں مرتجس اور سفیر اندر جائیں گے باقی سب باہر رہیں گے۔ یہ موت کا کھیل ہے اس کھیل میں وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو بے جگر ہو آپ کے ساتھیوں میں بھی ایسے بے شمار بندے ہوں گے جو موت کو کھیل سمجھتے ہوں گے لیکن یہ لڑائی کچھ ایسی ہے جس میں سب کا شامل ہونا ضروری نہیں ہے۔ آپ نے کبھی شطرنج کھیلی ہے؟ بساط پر سپاہی، فیل، اسپ، وزیر، بادشاہ وغیرہ سجایا جاتا ہے۔ سپاہی، سپاہی کو مارتا ہے وزیر وزیر کو، یہ کھیل بھی مہروں کا نہیں، وزیروں کا ہے۔ مہروں کو تب لڑایا جاتا ہے جب کسی ملک کو فتح کرنا ہو اور وزیر تب میدان میں آتا ہے جب بادشاہ کا تخت چھیننا ہو۔ میری بات سمجھ رہے ہو ناں۔''

''میں میدان میں آنے کو تیار ہوں۔'' مرتجس نے جلدی سے کہا۔

میں نے نادر شاہ کے چہرے کا جائزہ لیا پھر کہا۔ ''آپ مرتجس کو مرشد کی خانقاہ کا حفاظتی نظام بتائیں اسے بھی ایک اہم کام انجام دینا ہے یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔ ہم تینوں ایک ساتھ اندر داخل ہوں گے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور میں؟ مجھے کیوں بھول رہے ہو۔'' عبداللہ نے کہا۔

''جنگ لڑتے وقت فوج کا ایک حصہ ریزرو رکھا جاتا ہے۔ تمہارا کام بعد میں شروع ہوگا۔ پہلے پورا منصوبہ سنو ہاں محترم آپ اسے اندر کا حفاظتی انتظام سمجھائیں۔'' میں نے نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نادر نے حفاظتی انتظامات کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ پوری بات سننے کے بعد وسیم نے کہا۔ ''یہ تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے۔ ہم اندر کیسے داخل ہوں گے؟''

''ہم داخل ہوں گے اور ضرور داخل ہوں گے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اس وثوق سے اندر داخل ہونے کی بات کر رہے ہیں تو یقیناً اندر جانے کا کوئی خفیہ راستہ دریافت کر لیا ہوگا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہم کسی بھی خفیہ راستے سے اندر داخل ہوں چھپ نہیں سکتے، سب کی نظریں ہمیں دیکھ رہی ہوں گی۔ پہریدار بھی ہمیں دیکھیں گے اور کنٹرول روم کے اسکرین پر بھی ہمیں دیکھا جا رہا ہوگا۔ اس لیے کہ اس بار مرشد نے خانقاہ کو کیمروں سے بھر دیا ہے۔ قدم قدم پر کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ بھرپور حفاظت کا انتظام ہے۔''

''ایسا کیوں نہ کریں کہ مانی کو دبئی سے بلا لیں۔ وہ انٹرنیٹ کا چیتا ہے۔ ایک منٹ میں وہ اس کے نیٹ ورک کو فیل کر دے گا۔'' وسیم نے کہا۔

''وہاں صرف کیمرے ہی نہیں اور بھی انتظام ہے۔ کچھ باتیں نادر شاہ نے بتائی باقی میں نے اپنے سورس سے معلوم کی ہے۔ سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔''

''ایسا کیا کر دیا ہے؟ اس نے روبوٹ کی فوج بٹھا دی ہے کیا؟'' وسیم نے ہنس کر کہا۔

''گزشتہ شکست نے، خانقاہ کی تباہی نے، اسے بہت بڑا سبق دیا ہے۔ پھر اسے کوئی ایسا بندہ مل گیا ہے جو دماغ دار ہے۔ خانقاہ میں جو نئی عمارتیں بن رہی ہیں وہ ناقابلِ تسخیر سمجھ کر بنائی جا رہی ہیں۔ اس کا ہر کمرا خود میں جیل ہے۔ ہر کمرے کی دیواروں اور فرش پر باریک تار بچھائے گئے ہیں جن میں کرنٹ دوڑتا ہے۔''

''پھر وہاں کے لوگ کیسے آنا جانا کرتے ہیں؟''

''جب دشمن کا خطرہ ہوتا ہے تبھی کرنٹ دوڑایا جاتا ہے ورنہ بجلی بند رہتی ہے۔''

''اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی ہم اندر داخل ہو جائیں گے؟'' سفیر نے حیرانی سے پوچھا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنے بریف کیس کو اٹھایا۔ اس اٹیچی نما بریف کیس کو کھول کر میں نے ایک نظر سب پر ڈالی پھر اس میں سے لباس کے پیکٹ کو نکالا۔ سرمئی رنگ کے اس لباس کو کھول کر ٹیبل پر پھیلا دیا۔ وہ چغہ نما لباس تھا۔ پھر میں نے تقریر کے انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''آپ سب جانتے ہیں کہ گولیوں سے بچنے کے لیے بلٹ پروف جیکٹ پہنا جاتا۔ اس قسم کے جیکٹ کے سینے اور پیٹ پر اسٹیل کی پلیٹیں استعمال کی جاتی ہیں جو حرکت میں آڑے آتی ہیں۔ یہ بھی بلٹ پروف جیکٹ ہے مگر اسے آسانی سے پہنا جا سکتا ہے۔ اس کپڑے میں ایسے اسٹیل وائر اور کیمیکل استعمال کیے گئے ہیں کہ جو آگ اور بارود کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ چاقو بھی استعمال کیا جائے تو اس کپڑے کے پار نہیں ہو سکتا۔ اس میں لچک بھی ہے اور مضبوطی بھی۔ ہم مسلمان تعداد میں بہت بڑی طاقت ہیں مگر ہمیں مٹھی بھر پڑوس کے غیر مسلم اپنی انگلیوں پر نچا رہے ہیں۔ ہماری دماغی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صلاحیت، پوری طاقت، آپس میں دست و گریباں ہونے کے لیے وقف ہے جبکہ وہ اپنی دماغی صلاحیت کا صحیح استعمال کر رہے ہیں۔ وہ نت نئے تجربے کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایجاد یہودیوں کی ہے جو ہم پر یعنی اس قوم پر آزما رہے ہیں جس نے سائنس کی نئی تشریحات دنیا کو دی تھیں۔ جو کبھی علم و عقل میں سب سے آگے تھی۔ اس جیکٹ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے پہن کر انسان بہت آسانی سے حرکت کر سکتا ہے۔ گولیوں سے بچ سکتا ہے لیکن وہاں تک کا حصہ محفوظ رہتا ہے جہاں تک پیرہن ہے۔ اس لیے اضافی کپڑا بھی لایا ہوں جس کا ڈھاٹا باندھا جائے گا۔ یہ باریک باریک تاروں سے بنا کپڑا چبھن ضرور پیدا کرتا ہے مگر زندگی کو محفوظ رکھتا ہے۔''

''اس کپڑے کے ذریعے ہم گولیوں سے تو محفوظ رہو جائیں گے لیکن الیکٹرک شارٹ سے کیسے بچیں گے؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''الیکٹریکل شارٹ کا پتا لگانا تو معمولی بات ہے۔ ہائی وولٹیج سرکٹ پر کام کرنے والوں کی یہ عینک لے کر آیا ہوں اسے لگا کر دیکھو۔'' کہہ کر میں نے بریف کیس سے گول شیشوں والا کور لگا گوگلس نکال کر اسے دیا پھر الیکٹرک وائر کو سرکٹ میں لگا کر سیٹ آن کیا اور بولا۔ ''خالی آنکھ سے کچھ نظر نہیں آئے گا مگر گوگلس لگا کر دیکھو۔''

سفیر اور وسیم نے گوگلس لگایا اور چیخ کر بولے۔ ''واہ اس چشمے کی وجہ سے ننگا تار سرخ انگارے سے بھرا دکھائی دے رہا ہے۔''

''ذرا میں بھی دیکھوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

سفیر نے عینک بڑھا دی۔ عبداللہ نے عینک سے ننگے تار کو دیکھا پھر اسے اتار کر تعریفی لہجے میں بولا۔ ''اب مجھے یقین آ گیا ہے ہم مرشد کو گردن سے پکڑ کر باہر کھینچ لائیں گے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا ہم کامیاب ہو جائیں گے؟'' میں نے سفیر سے پوچھا۔

''کامیاب، میرا تو خیال ہے کہ ایک پرسنٹ بھی ناکامی کا سوال نہیں ہے۔''

''نہیں کامیابی اور ناکامی کا ففٹی ففٹی چانس ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں دونوں باتوں کا برابر کا چانس ہے۔'' وسیم نے تائید کی۔

''اگر ہم میں سے کوئی مر گیا تو.....؟'' عبداللہ نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں کہنا کیا چاہتے ہو؟'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اس جنگ میں اگر میں مارا گیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' عبداللہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ مر گئے تو ہم پر بہت فرق پڑے گا۔ ہم سب آپ کی طاقت پر کھیل رہے ہیں۔ آپ کے بعد میں اکیلا رہ جاؤں گا اور مرشد پوری قوت سے مجھ پر چڑھ دوڑے گا۔''

کافی دیر تک میں خاموش رہا۔ سر جھکا کر سوچتا رہا پھر گردن نیچی کر کے بولا۔ ''تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔'' پھر میں نے سفیر کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اگر میں مر گیا تو میرے مشن کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں ہوگی اور تم تمام ساتھی اس کے اشارے پر چلو گے جو میری حیثیت ہے میرے بعد وہی حیثیت اس کی ہوگی۔ میرے بعد اگر یہ مشن مکمل کرنے سے گریز کرے پھر بھی اس کا ساتھ دو گے۔''

سب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آج رات ہم پوری تیاری کے ساتھ مرشد کی قلعہ نما خانقاہ میں گھس جائیں گے۔'' میں نے کہا اور ان سب کے چہروں پر نظر ڈالی ہر ایک کے چہرے پُر جوش تھا۔

○.....❖.....○

رات کے دس بج رہے تھے مرشد کی قلعہ نما خانقاہ سے سو گز کی دوری پر میرے ساتھ، سفیر، اور مرتجس کھڑے تھے۔ دیگر ساتھیوں کو ہم نے دوسری طرف بھیج دیا تھا۔ میری آنکھیں لوہے کے بڑے سے گیٹ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اس سلاخوں والے گیٹ کے اندر کا منظر بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ کئی پہریدار اِدھر سے اُدھر گشت کیے جا رہے تھے۔ سب کے سب مسلح تھے۔ شاید اتنی مستعدی خانقاہ کی تباہی کے بعد کا نتیجہ تھی۔ میں نے مڑ کر اپنے ساتھیوں پر نظر ڈالی۔ عبداللہ کے علاوہ سب نے بلٹ پروف لباس پہن رکھے تھے۔ چہرے بھی پوری طرح ڈھکے ہوئے تھے۔ بلٹ پروف کپڑوں سے انہوں نے اس طرح چہرے اور سر کو ڈھانپ رکھا تھا کہ ایک انچ جگہ بھی خالی نہ تھی۔ دیکھنے کے لیے انہوں نے تھوڑی تھوڑی جگہ چھوڑی تھی چہرے کو کور کرنے کے لیے آڑی پٹی کی طرح اوپر سے بھی کپڑے لپیٹے تھے۔ اگر وہ کپڑا اعام قینچی سے کٹ سکتا تو وہ نقاب بنا لیتے مگر باریک تاروں سے بنا کپڑا جس پر کیمکل کی تہیں جمی ہوئی تھیں اتنا مضبوط تھا کہ اس پر قینچی چل ہی نہیں سکتی تھی اور الیکٹرانک کٹر ہمارے پاس تھا نہیں کہ ہم اسے استعمال کر کے نقاب بناتے۔ میں نے باریک بینی سے ان سب کا جائزہ لیا پھر عبداللہ سے کہا۔ ''تم باہر رہ کر ہم پر نظر رکھنا۔''

یوں بھی بلٹ پروف کپڑے صرف تین کے جسم پر تھے۔ سفیر، مرتجس اور میرے۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''سامنے سے اندر داخل ہونا تقریباً ناممکن ہے اس لیے ہمیں عقبی حصے کی طرف سے کوشش کرنا ہوگا۔ ادھر ایک درخت ہے اس کے ذریعے ہم سرونٹ کوارٹر کی چھت پر اتریں گے پھر وہاں سے سیدھے برآمدے کی طرف۔''

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' کہہ کر سفیر اور مرتجس عقبی سمت بڑھتے چلے گئے۔

''اس خیال میں نہ رہنا کہ ادھر سے ہم کسی کو نظر نہیں آئیں گے یقیناً خفیہ کیمرا ہمیں دیکھ لے گا وہ راستہ ہم نے صرف اس لیے منتخب کیا ہے کہ مزاحمت کا سامنا کچھ دیر میں ہوگا۔'' کہہ کر میں نے بھی قدم بڑھا دیا۔

ہم سب اس پیڑ پر چڑھ کر سرونٹ کوارٹر کی چھت پر اترنا ہی چاہتے تھے کہ میری نظر چھت پر پڑی اور میں نے سب کو روک دیا، اگر ہماری آنکھوں پر خاص قسم کے چشمے نہ ہوتے تو حادثہ یقینی تھا۔ چھت پر باریک سے تین تار ایک فٹ کی بلندی سے گزر رہے تھے۔ تاریں اتنی باریک تھیں کہ ایک نظر میں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ چشمے کی وجہ سے ہمیں ان میں دوڑتی بجلی نظر آ گئی تھی۔ اندھیرے میں وہ تاریں انگاروں سی دہکتی نظر آ رہی تھیں۔

''ان سے بچ کر۔'' میں نے دبی دبی آواز میں کہا۔

میرے کہنے پر سب ہوشیار ہو گئے۔ نہایت احتیاط کے ساتھ ان تاروں کو پھلانگ کر ہم چھت کے درمیان میں پہنچے۔ سب کے پیروں میں نفیس قسم کے لونگ بوٹ تھے بالکل ایسے جنہیں ''برساتی جوتے'' بھی کہا جاتا ہے۔ ربر کے جوتے جو الیکٹرک شاک سے تو محفوظ رکھتے ہی ہیں آواز بھی پیدا نہیں کرتے۔ اسی لیے میں نے اس قسم کے جوتوں کو ترجیح دی تھی۔ یکے بعد دیگرے ہم چھت سے لٹک کر نیچے اترے۔

ابھی ہم نے نیچے قدم رکھے ہی تھے کہ ہمارے استقبال میں پہریداروں کی گنز گرج اٹھیں۔ دھائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھائیں کرتی ہوئی گولیاں ہمارے جسم سے ٹکرائیں اور ہمیں اس جدید بلٹ پروف کپڑوں کی اہمیت سے آگاہ کر گئیں۔ گولیوں کے ٹکرانے سے ہمیں خاصی چوٹ لگی تھی۔ ایسا لگا تھا جیسے غلیل سے کسی نے پتھر مارا ہو۔

''رکنا نہیں دوڑتے چلو۔'' میں نے چیخ کر کہا۔

ہم دوڑتے ہوئے برآمدے کی طرف بڑھے۔ اس درمیان میں کئی گارڈز رائفل تانے آگے آئے جنہیں ہمارے پستولوں سے نکلی ہوئی گولیوں نے روک دیا۔ کتنے زخمی ہوئے کتنے مرے یہ دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ ہم دوڑتے ہوئے برآمدے میں پہنچ گئے۔ پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

ہمارا پیچھا کرنے والے بھی برآمدے تک آئے لیکن وہ سب کے سب وہیں رک گئے۔ مجھے یاد آیا کہ مرشد کا حکم تھا کہ کسی بھی حالت میں باہر کے گارڈز اندر نہ آئیں۔ اندر کی حفاظت کے لیے دوسرے گارڈز ہوں گے۔

کئی لمحے اسی طرح گزر گئے۔ ہم سب کھڑے لمبی لمبی سانسیں لیتے رہے۔ سفیر نے اپنے دونوں ریوالوروں کو پھر سے لوڈ کیا۔ مرتجس نے بھی اپنی اسٹین گن کا چیمبر بدلا۔ میں نے سب سے کم گولیاں چلائی تھیں پھر بھی خالی خانوں کو بھر لیا۔ اب ہم آگے بڑھنے کو تیار تھے۔

''مرشد اور اس کے گارڈز ہمیں اسکرین پر دیکھ رہے ہوں گے۔'' سفیر نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''سنبھل کر بولنا ہماری زبان سے نکلا ایک ایک لفظ خفیہ مائکروفون کے ذریعہ کنٹرول روم میں پہنچ رہا ہوگا۔''

بات اس کی صحیح تھی۔ میں نے اثبات میں سر ہلا کر تائید کی اور تیکھی نظروں سے آس پاس کا جائزہ لیا۔ ہم پچاس فٹ لمبی راہداری میں کھڑے تھے۔ راہداری کے آخری سرے پر دائیں اور بائیں جانے کے راستے تھے۔ اس کے علاوہ خاموش دیواریں تھیں۔ کمروں کا دروازہ ابھی نظر نہیں آیا تھا۔ شاید وہ دوسری طرف ہو۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ سفیر نے کہا:

''لگتا ہے وہ لوگ ابھی اسی فکر میں ہوں گے کہ ہمارا اگلا قدم کیا ہے ورنہ اسکرین پر تو ہم انہیں نظر ہی آ رہے ہوں گے۔''

''تم نے ٹھیک کہا۔ میرا خیال بھی یہی ہے کہ ابھی وہ ہمارے اگلے قدم کے منتظر ہیں۔'' میں نے کہا میری نظریں ایک ایک گوشے کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ایسی کون سی جگہ ہے جہاں کیمرا فٹ ہے مگر مجھے ابھی تک ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی۔

''وقت برباد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آگے بڑھیں۔'' سفیر نے کہا۔

تب ہی میری نظر داہنی جانب کی دیوار پر پڑی اور میں نے کہا۔ ''ہوشیار کرنٹ آن ہو چکا ہے۔''

دیوار پر لگے ٹائلز کے جوڑوں میں باریک باریک تاریں گزر رہی تھیں جو عینک کی وجہ سے سرخ نظر آ رہی تھیں۔ ایسا ہی کچھ فرش کے ٹائلز میں بھی نظر آیا۔

''نہایت احتیاط سے پنجوں پر وزن ڈال کر آگے بڑھو۔ ذرا سی بے احتیاطی خاک کر دے گی۔ میرا خیال ہے چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ گزر رہا ہے۔'' میں نے کہا۔

ہم سب نہایت ہوشیاری کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ ایک کے بعد ایک ٹائلز پر پیر رکھتے ہوئے چیونٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی رفتار سے ہم سب آگے بڑھ رہے تھے۔ بالآخر کوریڈور کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔ ہم مڑنے ہی والے تھے کہ نہایت تیز آواز میں دیوار کے اندر فٹ مائیک سے آواز ابھری۔ ''اہلاً وسہلاً مرحبا شہباز تیرے دشمن تیر ایک۔ تم کیا سمجھ رہے ہو میں نے تمہیں پہچانا نہیں ہے؟ یہ سچ ہے کہ اس عمارت میں داخل ہونے سے پہلے میں نے تمہیں دیکھا نہیں تھا اس لیے اس دھوکے میں رہا کہ تم ان کے ساتھ نہیں ہو مگر جیسے ہی تم سرونٹ کوارٹر کی چھت پر چڑھے میں نے تمہیں پہچان لیا۔ ویسے فکر کی بات نہیں میں اپنے دشمنوں کو سسکا سسکا کر مارنے میں ثانی نہیں رکھتا۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے میرے داہنے ہاتھ امداد شاہ کو گلگت میں بہت اذیت دی ہے میں بھی وہ قرض اتارنا چاہتا ہوں۔'' بولتے بولتے وہ رک گیا۔ کوریڈور میں گہری خاموشی چھا گئی۔ ایسی خاموشی جو دل میں خوف پیدا کر دے۔ ہم سب ہمہ تن گوش تھے کہ وہی آواز پھر سنائی دی۔ ''تم نے مجھے بہت نقصان پہنچایا ہے جس مقام تک پہنچنے کے لیے میں نے ایک عرصہ گزارا اسے تم نے کچھ گھنٹوں میں ختم کر دیا تھا۔ میری کمر توڑنے کی پوری کوشش کر لی تھی۔ مجھے معذور بنانے کے لیے میرے اہم بندوں کو تم نے ختم کر دیا۔ تم نے مجھے کروڑوں کا نقصان پہنچایا ہے۔ میں تمہارا ریشہ ریشہ الگ کروں گا۔ تمہارے ساتھیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اذیت دے دے کر ہلاک کروں گا۔ تمہارے ساتھ وہ سلوک کروں گا کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی میرا نام سن کر کانپ اٹھیں گی لیکن ابھی نہیں ابھی تو میں تمہاری مہمانداری کروں گا۔ جس طرح بلی چوہے کو مارنے سے پہلے اسے بھاگنے دوڑنے کا بھرپور موقع فراہم کرتی ہے اسی طرح میں تمہیں خوب موقع دوں گا۔ تم نے دلدل میں پیر رکھ تو دیا ہی ہے اب اپنے ڈوبنے کا بھی مزہ لو۔ اب یہ پہلے والی خانقاہ نہیں ہے۔ ہر راہداری ہر کمرا ایک پھندا ہے۔''

''میں نے پہلے بھی کہا تھا اور پھر کہہ رہا ہوں کہ برائی خواہ کتنی ہی طاقت ور کیوں نہ ہو اچھائی سے شکست کھانا اس کا مقدر ہے۔ تم پوری کوشش کر لو مگر میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''ہاں میں تمہیں تباہ ضرور کر دوں گا..... اور اس بار ادھورا کام نہیں کروں گا۔''

''یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔ ویسے تم لوگوں کا یہاں آنا مجھے راحت بخشنے کا سبب بن رہا ہے۔ ورنہ نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑتی آخر کو بدلہ لینا بھی ضروری ہے ناں۔''

''چلو بھئی آگے بڑھو، اسے ہمارا انتظار ہے۔ کیوں بے چارے کو انتظار کی سولی پر لٹکائے ہوئے ہو۔'' وسیم نے کہا۔

''اسے انتظار ہے مگر ہمیں نہیں۔'' کہہ کر میں نے جیب سے سگریٹ نکالی اور اسے سلگا کر گہرا کش لیا پھر دھیمی آواز میں بولا۔ ''آپ سب نہایت احتیاط سے آگے بڑھیں۔''

مرتجس مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا اس لیے کہ اس نے اس سے پہلے مجھے سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن سفیر سمجھ گیا تھا کہ میں کوئی چال چلنے والا ہوں۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں نے جو عینک لگا رکھی ہے یہ اسی کا کمال ہے کہ تمہیں وہ تمام تاریں نظر آ رہی ہیں جن میں کرنٹ ہے۔ خدا نابود کر دے۔ فیض خان کو جو ان عینکوں کو بیچ رہا ہے۔''

ہم میں سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ ہماری خاموشی پر اس نے پھر کہا۔ ''کیا بات ہے میرے قابل احترام مہمانو ہم سے ناراض ہیں کیا؟ کوئی بھی بولنے پر رضامند نہیں ہے۔ کیا چپ شاہ کا روزہ رکھے ہوئے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرشد کی آواز میں اس کی ہنسی بھی شامل تھی۔

میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مرشد ہمیں بولنے پر اکسا رہا ہے۔ شاید آواز سے ہماری موجودگی کے مقام کا صحیح اندازہ لگانا چاہ رہا ہو۔ اس لیے بھی ہم خاموش تھے کہ عقب سے آواز آئی۔

''دائیں مڑیں یا بائیں؟'' مرتجس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''بائیں۔'' میں نے دونوں اطراف کا جائزہ لے کر سرگوشی میں کہا۔

سفیر اسی طرف مڑ گیا۔ اس کے پیچھے میں تھا اور میرے پیچھے مرتجس۔

''صحیح راستے پر مڑے ہو۔'' مرشد کی کھنکتی ہوئی آواز پھر سنائی دی۔ ''اگر دائیں جانب مڑتے تو میں خود تمہیں آواز دے کر روک لیتا۔ تم لوگ مجھ سے ملنا چاہتے ہو اور داہنی راہداری پھر تمہیں باہر کی کھلی فضا میں پہنچا دیتی۔ میں بائیں جانب ہوں۔ آگے بڑھتے رہو۔''

''کذاب کی اولاد بھونکے ہی جا رہا ہے چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔'' سفیر بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔

ہم سب آگے بڑھتے رہے۔ سب کے قدم نپے تلے اٹھ رہے تھے۔ کچھ دور جاتے ہی ہم ٹھٹک گئے۔ آگے کرنٹ کا جال سا پھیلا ہوا تھا، تقریباً چھ فٹ لمبائی میں۔ پورا کاریڈور گھرا ہوا تھا۔ اس طرح سے تاروں کو بچھایا گیا تھا کہ ان کی درمیانی جگہ میں ایڑی تک نہ رکھی جا سکے۔ آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اب کیا کیا جائے۔ ہم کھڑے ہو کر یہی سوچنے لگے۔ ہر چہرے پر بس یہی ایک سوال تھا۔

''تم جواں مردوں کے لیے لانگ جمپ لگانا کچھ ایسا ناممکن بھی نہیں ہے۔'' مرشد نے زہر خند لہجے میں کہا۔ ''اس کھیل میں اب مجھے بھی مزہ آنے لگا ہے۔''

میری نگاہیں مرتجس کی جانب اٹھ گئیں۔

''چھ فٹ لمبی چھلانگ لگانا ناممکن تو نہیں ہے۔'' مرتجس نے چشمے سے چمکتے ہوئے جال پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''پہلے میں پار کرتا ہوں'' میں نے مرتجس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بعد میں اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم سنبھال لیں گے۔''

میں نے اللہ کا نام لے کر چھلانگ لگائی۔ وہ چھ فٹ کی دوری جیسے سمٹ گئی۔ ایک اسپورٹس مین کے لیے یہ دوری تو بہت عام سی بات ہے۔ میں نے تو دس فٹ کی لانگ جمپ لگائی ہے۔ میں نے دوسری جانب پہنچ کر مرتجس کی طرف دیکھا ذرا سی بے احتیاطی بڑے حادثے کو جنم دے سکتی تھی، اگر اس کا کپڑا بھی ان تاروں سے چھو جاتا تو وہ پل بھر میں خاک ہو جاتا۔ چار سو چالیس وولٹ کا یہی تو کمال ہوتا ہے کہ جاندار کو ایک پل میں کباب بنا دیتا ہے۔ تبھی مرتجس نے چھلانگ لگائی اس نے بھی اس دوری کو پار کر لیا۔ وہ تقریباً سات فٹ کے فاصلے پر گرا تھا۔

''واہ بہت خوب۔ اس گلگتی میں بھی جان ہے۔'' مرشد کی طنزیہ آواز سنائی دی۔ ''لگتا ہے یہ میرے حضور پیش ہو کر رہے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ ناگا پربت کی گود میں پلا بڑھا ہے۔غور سے دیکھو،تم نے وطن دشمنوں سے ساز باز کی تو تم سے نمٹنے کے لیے میں ہر صوبے کے نمایندہ کو لے کر آیا ہوں۔،اس نے تو تمہارے کئی جانبازوں کو جہنم کا راستہ بھی دکھایا ہے۔''

''معلوم ہے کتا جب پاگل ہوجائے تو اپنے آقا کو بھی کاٹ لیتا ہے۔تمہارے ساتھ مجھ سے غداری کرنے والے بھی ہیں جو کبھی ہمارا جھوٹا کھایا کرتے تھے۔''مرشد اس بار کھل کر ہنسا۔

''میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ ریاست خان اور اس کے ساتھیوں کی طرف ہے۔''کتوں سے بچ کر رہنا کہیں تمہیں کاٹ ہی نہ لیں۔لیکن تم بچو گے کیسے؟ کیوں کہ تمہارا نرخرہ تو میں خود ادھیڑوں گا۔''مرتجس نے تلملا کر جواب دیا۔

''خوب،تو زبان میں بھی خارش ہونے لگی۔''مرشد کا لہجہ پھر طنزیہ ہوگیا۔

''بھونک لو،جتنا جی چاہے،بھونک لو پھر موقع نہیں ملے گا۔''مرتجس نے پھر چوٹ کی۔

''بہت موقع ہے۔آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟''

بحث کو فضول سمجھ کر ہم نے قدم آگے بڑھا دیے۔فرش اور دیواریں بالکل صاف تھیں۔لگتا تھا اب آگے کرنٹ کا جال نہیں ہے۔ہم بے فکر ہو کر آگے بڑھنے لگے۔اس کوریڈور کے آخر میں پھر دو راستے آ گئے تھے۔ دونوں میں قطار سے کمرے بنے ہوئے تھے۔اب صحیح معنوں میں اس عمارت پر کسی ہوٹل کا گمان ہو رہا تھا۔تمام کمروں کے دروازے اندر سے بند تھے۔وہ سب رک کر میری طرف دیکھنے لگے۔ان کی نگاہوں میں سوال تھا کہ اب کس طرف مڑنا چاہیے۔ہم ابھی کھڑے ہو کر راستے کا انتخاب کر ہی رہے تھے کہ مرشد کی آواز سنائی دی۔

''واپسی کے بارے میں مت سوچنا۔واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔جن راستوں سے تم لوگ آئے ہو اب وہ اس طرح بند کر دیے گئے ہیں کہ تم خود بھی پہچان نہیں پاؤ گے کہ یہاں سے گزرے تھے۔سامنے ہی قطار میں کمرے ہیں جس میں دل چاہے داخل ہو جاؤ۔ہر کمرے میں بیڈ موجود ہے۔دل بھر کر آرام کرو۔''

''ہم آرام کرنے نہیں تم سے ملاقات کرنے آئے ہیں۔''

''غصہ نہیں،تم لوگ میرے مہمان ہو اور مہمان کا میزبان کی مرضی پر چلنا فرض ہے۔ابھی بہت وقت باقی ہے یوں بھی یہ وقت ملاقات کا نہیں آرام کا ہے،جو کچھ کہنا ہے صبح کے لیے بچا کر رکھو،اب صبح ہی ملاقات ہوگی۔''

''ہم صبح نہیں ابھی ملاقات کریں گے۔''میں نے بلند آواز میں کہا۔

''ایسی بھی کیا جلدی ہے اب صبح ہونے میں دیر ہی کتنی ہے پھر مجھے تم لوگوں کی تلملاہٹ سے بھی تو لطف اندوز ہونا ہے۔''

''ہمیں جلدی ہے ہم فوراً تم تک پہنچنا چاہتے ہیں۔''

''اگر پہنچ سکتے ہو تو پہنچ جاؤ ورنہ آرام کرو۔آخر ان کمروں کا کچھ تو مصرف نکلے۔تمہاری بوٹیاں کرنے سے پہلے میں تمہیں آرام دینا چاہتا ہوں۔آخر کو قربانی کے جانوروں کو کھلا پلا کر موٹا تازہ بھی کرنا چاہیے ناں،اسی لیے کہہ رہا ہوں آرام کر لو،اچھا شب بخیر صبح ملاقات ہوگی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز آنی بند ہوگئی تھی۔ اب اتنی خاموشی تھی کہ اگر سوئی بھی گرتی تو بم کا دھماکا محسوس ہوتی۔ اس خاموش ماحول میں ہم ایک دوسرے کی سانسوں کی آواز بھی صاف سن رہے تھے۔

''اب کیا ارادہ ہے؟'' سفیر نے پوچھا۔

''ایک اینٹ پر دوسری رکھو دیوار کھڑی ہو جائے گی۔ اس معقولے پر عمل کرتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے۔ ایک ایک کمرے کی تلاشی لیں کسی میں تو وہ ملے گا۔'' میں نے کہا۔

میرا حکم پاتے ہی سب اسے ڈھونڈنے کی جستجو میں لگ گئے۔ ایک کے بعد ایک کمروں کو کھول کر دیکھنا شروع کر دیا۔ سفیر کمروں کو گنتا جا رہا تھا۔ دراصل ہم یہی چاہتے تھے کہ ایک کمرا بھی نہ بچے۔

وقت گزرتا جا رہا تھا لیکن کمروں کی تعداد کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ نچلی منزل کے بعد ہم اوپر کی منزل پر آئے پھر تیسری منزل کے کمروں کو بھی دیکھ لیا۔ اب ہم اسی منزل پر کھڑے تھے جو ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی۔ تعمیر جاری تھی۔ پلاستر مکمل نہیں ہوا تھا۔ دروازے کھڑکیاں بھی نہیں لگیں تھی۔ اتنے کم وقت میں ایسی شاندار عمارت بنا لینا بھی کمال تھا۔ لیکن ہم اس نکتے پر غور کرنے تو آئے نہیں تھے۔ اس لیے تلاشی کا کام جاری رکھا۔ اس منزل کے آخری کمرے کی تلاشی لینے کے بعد میں نے پوچھا۔ ''سفیر تم نے اچھی طرح گنا ہے ناں کہ یہ چالیسواں کمرا ہے۔''

سفیر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''گنتی میں مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے یہ واقعی چالیسواں کمرا ہے۔ اس آخری کمرے کے بعد اب ایک بھی کمرا نہیں بچتا۔''

''اگر تمہاری گنتی درست ہے تو میرا خیال ہے کہ مرشد نے کچھ اور نئے کمرے بھی بنوائے ہیں۔''

''تمہارا خیال درست ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس عمارت کے اندر بہت سی تبدیلیاں کروائی ہیں لیکن تبدیلی کی نوعیت کیا ہے یہ کسی کو نہیں پتا۔ کہتے ہیں کہ اس نے جن مزدوروں سے کام کروایا تھا انہیں پھر کسی نے نہیں دیکھا۔ سننے میں آتا ہے کہ انہیں مرشد نے قتل کروا دیا ہے تاکہ اندرونی راز کوئی نہ جان سکے۔'' مرتجس نے کہا۔ ''میرے دوست نے بتایا ہے کہ اندر جن لوگوں کی ڈیوٹی لگی تھی وہ بھی غائب ہو گئے۔''

''مجھے یاد آ گیا اس نے ایک اضافی جنریٹر روم بھی تو بنوایا ہے جو انڈر گراؤنڈ ہے یقیناً اس وقت وہ کسی تہہ خانے میں ہے تبھی تو اب تک نظر نہیں آیا۔ اب ہمیں تہ خانے کا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔'' میری آواز اب بھی سرگوشی سے بلند نہ تھی۔

''تو آؤ ہم سب نیچے چلتے ہیں لیکن لفٹ کا استعمال اب بھی نہیں کریں گے یقیناً وہ ہمیں اسکرین پر دیکھ رہا ہوگا۔ ہماری آواز بھی سن رہا ہوگا۔ ہم لفٹ میں داخل ہو کر گراؤنڈ فلور کا بٹن دبائیں اور وہ بجلی آف کر دے اس طرح تو ہم چوہے دان میں پھنس جائیں گے۔'' سفیر بولا۔

ہم سب سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اترنے لگے اب ہم نچلی منزل کے کمروں کا معائنہ پھر سے کر رہے تھے۔ اس بار ہم اس زاویے سے دیکھ رہے تھے کہ شاید کہیں ایسا نشان مل جائے جس سے ثابت ہو کہ وہاں تہ خانہ بھی ہے۔ کافی دیر کی تلاش نے بھی ہمیں امید کی کرن نہ دکھائی۔ اب مجھے بوریت محسوس ہونے لگی تھی۔ تھکن بھی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ ''میرا خیال ہے کہ اس تلاش کو ادھورا ہی چھوڑ دیا جائے۔'' میں نے مشورہ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیوں؟ واپس چلنے کا ارادہ ہے کیا؟'' سفیر نے پوچھا۔

''شاید تم کو اندازہ نہیں کہ اب واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ مرشد نے گارڈز کو خصوصی ہدایات جاری نہیں کی ہوں گی؟ اب تک گارڈز کی تعداد بھی بڑھا دی گئی ہوگی۔ گارڈز خود بھی پوری ہوشیاری کے ساتھ پہرے پر بیٹھے ہوں گے۔ سب کی گنز کا رخ دروازے کی سمت ہوگا۔ جیسے ہی ہم باہر نکلیں گے وہ سب ٹوٹ پڑیں گے۔ اب بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مرشد پر قابو پالیں۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''پھر کیا کریں؟'' مرتجس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہم اس وقت میدانِ جنگ میں ہیں عقل مند دشمن مقابل کو تھکا دینے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ تھکا ہوا دشمن تر نوالہ ہوتا ہے۔ عقلمندی کا تقاضہ ہے کہ ہم خود کو تازہ دم رکھیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تازہ دم رہنے کے لیے نیند ضروری ہے ایسا کرتے ہیں کہ ہم اوپر کے کمروں میں سے ایک کا انتخاب کر کے کچھ دیر سو لیتے ہیں۔''

''سویا ہوا انسان مردے کے برابر ہوتا ہے۔'' سفیر نے ہنس کر کہا۔

''ہم سب سوئیں گے مگر قسطوں میں۔ دو آدمی سوئیں گے اور ایک آدمی پہرا دے گا۔ دو تین گھنٹے بعد اٹھا دے گا تب جاگنے والا نیند پوری کرے گا۔''

''ٹھیک ہے، چلو اوپر چل کر اسی کمرے میں سو جاتے ہیں جو سجا ہوا ہے۔ وہاں ایک بیڈ ہے اس پر دو آدمی سو سکتے ہیں۔'' سفیر نے کہا۔

ہم تینوں پھر سے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اوپر لائن سے بنے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہم آخر والے کمرے کے سامنے پہنچے۔

''ہاں یہی ایک ایسا کمرا ہے جس میں رات گزاری جا سکتی ہے۔ سیڑھیوں سے دور ہے۔ اس لیے اوپر آنے والے کو ہم پہلے ہی دیکھ لیں گے۔'' سفیر نے کہا۔

ہم سب اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ نیند لینے سے پہلے جاگنا آسان ہے لیکن آدھی نیند کے بعد پہرا دینا بہت مشکل ہے۔ اس لیے میں نے کہا۔ ''پہلے میں اور سفیر سو لیتے ہیں۔ دو گھنٹے بعد مرتجس ہمیں اٹھا دے گا۔''

''ہاں یہ صحیح ہے۔'' کہہ کر سفیر نے کندھے سے لٹکی کلاشنکوف کو بستر پر پھینکا اور لیٹ گیا۔

''آپ کے انداز سے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم یہاں پکنک منانے آئے ہیں۔'' مرتجس نے ہنس کر کہا۔

''ہم سب قسمت کے محتاج ہیں۔ قسمت میں جو لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا تو پھر ہم کیوں پریشان ہو کر انرجی برباد کریں۔ سوچنے، راہ تلاش کرنے کے لیے شہباز ہے اس لیے ہم بے فکر ہو جاتے ہیں۔'' کہہ کر سفیر نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں لاتعلق سا بنا لیٹا تھا۔ کہتے ہیں نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ وہی میرے ساتھ ہوا۔ میں بے خود ہو گیا۔

ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ فائر کی آواز سنائی دی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''مرتجس کہاں گیا؟'' سفیر کے ہونٹوں سے حیرانی بھری آواز نکلی۔

میں پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ گن کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ میری آنکھیں سرچ لائٹ کی طرح گھوم رہی تھیں۔ میری نظروں کے سامنے تین راستے تھے۔ ایک بالکل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے دوسرا دائیں اور تیسرا بائیں طرف جا رہا تھا۔ ہر سیکنڈ میں تینوں راستوں پر میری نظریں جا رہی تھیں۔ کئی منٹ اسی طرح گزر گئے۔

''گولی کس نے چلائی، کسے لگی؟'' سفیر بولا۔

مرتجس یوں اچانک غائب ہو گیا تھا اس وجہ سے سب پریشان ہو اٹھا تھا۔ وہ اتنا تو غیر ذمہ دار نہ تھا کہ ہمیں سوتا چھوڑ کر کہیں چلا جاتا۔ اسے کوئی زبردستی لے گیا ہو یہ اتنا آسان بھی نہ تھا۔

''بولتے کیوں نہیں، گولی کسے لگی؟ کہاں چلی؟'' سفیر نے اپنا سوال دہرایا۔

''گولی یہاں نہیں چلی ہے کہیں دور سے آواز آئی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟'' سفیر کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''گولی کہیں دور چلی ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہاں بارود کی بُو نہیں ہے۔ اگر کہیں قریب میں گولی چلتی تو بارود کی بُو فضا میں تیرتی ضرور محسوس ہوتی۔''

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں ہم تھک کر چُور تھے اسی لیے نیند بھی گہری آئی تھی۔ نیند کی حالت میں آواز سنی تھی اسی لیے صحیح اندازہ نہیں ہو سکا ہے۔''

میں نے گھڑی دیکھی۔ پانچ بجے تھے ہم نے تین گھنٹے لمبی نیند کا مزہ لیا تھا۔

''کچھ تو منہ سے پھوٹو یہ کیا ہوا ہے؟''

''مرتجس پر قابو پانا آسان نہیں ہے یہ جو کچھ ہوا برا ہوا ہے کیونکہ فائر کی آواز کے ساتھ مرتجس یہاں سے غائب ہے۔'' کچھ دیر توقف کے بعد میں نے کہا۔ ''مرتجس کے سلسلے میں ہمیں کچھ نہیں کرنا ہے حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہمیں صرف اپنے لیے کرنا ہے اپنے لیے۔''

''بڑے مطلبی ہو، وہ مصیبت میں ہے اور تم.....'' سفیر نے جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں کہا۔

''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''ہم نہیں جانتے کہ مرتجس کے ساتھ کیا ہوا اس وقت وہ کس حالت میں اور کہاں پر ہے۔ اسے تلاش کرنا مشکل ہے جب کہ ہمیں اپنی جان کو بھی محفوظ رکھنا ہے اسے تلاش کرنے کے چکر میں وقت برباد کرنا بیکار ہے پھر اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈالیں؟''

سفیر کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ میری باتوں سے متفق نہیں ہے۔ لیکن جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے کھڑا رہا جبھی دیواروں میں چھپے ہوئے کئی مائیک ایک ساتھ چیخ پڑے۔ ''صبح بخیر میرے عزیز مہمانو کو میرا اسلام پہنچے امید ہے میرے مہمانوں کو بہت گہری نیند آئی ہوگی۔''

سفیر کے جبڑے بھنچ گئے غصے کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی اس نے نہایت تیز لہجے میں پوچھا۔ ''مرتجس کہاں ہے؟''

''وہ کمروں کے جال میں الجھا ہوا بھٹک رہا ہے بے چارہ۔''

''گولی کس نے چلائی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''مرتجس نے، ہم اپنے مہمانوں کی گولیوں سے میزبانی نہیں کرتے۔'' آواز میں ہنسی کی جھلک تھی ''آپ لوگوں کو بھوک لگی ہوگی۔ واپس پلٹیے اگلے کوریڈور میں ٹرالی آپ کی منتظر ہے جائیے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سفیر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے ادھر سے نظریں ہٹا کر پوچھا۔ ''تم سامنے کیوں نہیں آتے؟''

''ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے میرے بلاوے پر آتے تو بات کچھ اور تھی، باتیں تو ہو ہی جائیں گی ضرورت سمجھوں گا تو بلا لوں گا۔''

''کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس سے پہلے ہی اس تہہ خانے کو ڈھونڈ لیں جہاں تمہارا کنٹرول روم ہے اور تم خود چھپے ہوئے ہو۔''

''کوشش کر کے دیکھ لو، اگر تم نے تہ خانہ ڈھونڈ لیا تو مرشد تمہارا غلام ہو جائے گا۔ جاؤ ناشتا کر لو، کھا پی کر تلاش کرنا بھوکے پیٹ سے اچھا ہے ورنہ تو دل ہی نہیں لگے گا۔''

میں نے کچھ کہنے کے بجائے کوریڈور کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ سفیر بھی میرے ساتھ تھا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ مرتجس کہاں ہے؟'' میں نے قدرے بلند آواز میں پوچھا۔

''میں نے بتایا تو تھا کہ وہ ایک کوریڈور سے دوسرے کوریڈور کی طرف بھاگ رہا ہے۔ وہ بھٹک کر گیا ہے اسے بلانا چاہتے ہو تو آوازیں دو، وہ آواز کے سہارے چلا آئے گا۔'' خفیہ مائیک سے مرشد کی آواز آئی۔

باتوں کے درمیان ہم برابر والے کوریڈور میں پہنچ گئے وہ کوریڈور بھی سیڑھیوں کے سیدھ والے کوریڈور جیسا تھا۔ اس کوریڈور کے بھی دونوں طرف کمرے تھے۔ وہاں ٹرالی موجود تھی ٹرالی پر ناشتے کی پلیٹیں سجی ہوئی تھیں۔ سفیر جلدی سے آگے بڑھا مگر نزدیک پہنچتے ہی ٹھٹک گیا۔

''اس میں زہر بھی ہو سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

''نہیں فکر نہ کرو اس میں زہر نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر مرشد ہمیں ختم کرنا چاہتا تو کب کا ختم کر چکا ہوتا۔ وہ مزہ لے رہا ہے، ہماری بے بسی کا لطف لے رہا ہے۔''

''شہباز صحیح کہہ رہا ہے۔'' خفیہ مائیک سے آواز آئی۔

میں بھی ٹرالی کے نزدیک پہنچ گیا تبھی میری نظر سامنے کی دیوار پر پڑی۔ میں نے کہا۔ ''گولی اسی کمرے میں چلی ہے گولی کا نشان سامنے والی دیوار پر صاف نظر آ رہا ہے۔''

''ہاں، اسی لیے بارود کی بُو اس کوریڈور تک نہیں پہنچی۔'' سفیر نے گولی کے نشان پر انگلی پھیر کر کہا۔

''اب کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ مرشد کا نوکر ٹرالی دھکیلتے ہوئے یہاں پہنچا، اس پر مرتجس کی نظر پڑ گئی۔ مرتجس نے اسے گھیرنے کی کوشش کی وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا مرتجس بھی اس کے پیچھے دوڑا اور کوریڈور کے جال میں پھنس گیا۔''

''اب کیا کریں؟'' وسیم نے پوچھا۔

''اسے تلاش کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے آواز کو قید نہیں کیا جا سکتا اگر مرشد کی بات سچ ہے تو مرتجس یہیں کہیں بھٹک رہا ہے۔ ایسا کرو کہ اسے آواز دو۔''

سفیر نے زور سے پکارا۔ ''مرتجس'' اس کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی بازگشت بھی سنائی دی لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایمان کی دہائی دیتے رہو میں دولت کی چمک دکھا کر سب کو توڑ لوں گا۔ اب اس ملک پر میری حکومت ہو گی میرے دوستوں نے مجھے بھرپور مدد دینے کی یقین دہانی کرادی ہے۔''

''جو صاحبِ ایمان ہوتے ہیں وہ دنیاوی چمک کو ٹھوکر مار دیتے ہیں۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لو تمہیں لاتعداد مثالیں ملیں گی۔ رہ گیا اس ملک پر حکومت کرنا..... تو یہ ملک عوام کا ہے اور اس پر صرف محبِ وطن کا حق ہے۔ کتنے لوگ آئے اور چلے گئے۔ ہزاروں سازشیں ہوئیں لیکن کامیابی کسی کو نہیں ملی۔ تمہیں بھی اقتدار نہیں ملے گا۔''

''وقت پر وہ بھی دیکھ لیں گے، تم نے تو میری خانقاہ کو تباہ کر کے سمجھ لیا تھا کہ میں ٹوٹ گیا ہوں۔ میرے بندوں کو ختم کر کے تم نے سمجھ لیا تھا کہ میرا مورال کم ہو جائے گا۔ بے وقوف آدمی یہ میرے بندے تو میرے تن ڈھانپنے کے کپڑے ہیں۔ پھٹ گئے تو پھینک دیئے۔ دو دن میں سب پہلے جیسا کر لیا۔ تمہاری اوچھی حرکتوں سے مرشد کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اب جا کر ہتھے چڑھے ہو۔ میں ایک ایک بات کا بدلہ لوں گا۔''

''غلط تمہارے ہتھے چڑھا نہیں، خود آیا ہوں۔ تمہارے بل سے تمہیں کھینچ کر باہر نکالنے کے لیے آیا ہوں۔''

''یہ چوہے کا بل نہیں شیر کی کچھار ہے۔'' مرشد کی ہنسی میں موت کی چاپ تھی۔ عجیب سی کھرکھراتی ہا تھی۔ ''اس حد تک بے وقوفی کی بات کرو گے مجھے معلوم نہ تھا۔ شہباز، کسی چھوٹے سے بچے کو شیر کے سامنے بٹھا جائے تو وہ خوش ہو گا۔ قہقہے لگائے گا۔ اس سے کھیلنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اس بچے کو کیا معلوم کہ شیر کی دہشت ہوتی ہے۔ بچے میں سمجھداری نہیں ہوتی اس لیے وہ شیر سے نہیں ڈرتا، سمجھدار انسان کو معلوم ہے کہ شیر شیر ہوتا ہے اس کے قریب نہیں جانا چاہیے، اگر گیا تو وہ اسے چیر پھاڑ کر کھا جائے گا۔ تم بھی اس ناسمجھ بچے کی طرح ہو جسے یہ نہیں کہ شیر کا خوف کیا ہوتا ہے۔ ایسی بے وقوفی کرنے والے کی تعریف نہیں کرنا چاہیے۔ سمجھے۔''

''تم اور شیر'' میں نے قہقہہ لگایا۔ ''شیر کبھی دُم دبا کر گیدڑ کی طرح دبکتا نہیں ہے بلکہ دھاڑتا ہوا باہر آتا ہے۔ تم ایسے گیدڑ ہو جسے غلطی سے شیر کے پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے اور تم خوش ہو رہے ہو، ہمت ہے سامنے آ کر دکھاؤ۔''

''ٹھیک ہے اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں خود کو گیدڑ اور تمہیں شیر مان لیتا ہوں۔''

''مرتجس پر سے یہ پنجرہ کب ہٹے گا۔''

''یہ موت کا پنجرہ ہے اور جان لے کر ہی ہٹے گا۔ یہ مر چکا ہے۔ اس کی قسمت میں موت لکھ دی ہے۔'' مرشد کی آواز میں خونخواری بھری تھی۔ ''موت تو اسی دن تم سب کا مقدر بن گئی تھی جس دن تم لوگوں دوبارہ سے خانقاہ میں آنے کا پلان بنایا تھا۔ اب موت کو اتنے قریب پا کر تمہارے ہوش کیوں اُڑ گئے۔ کیا آ سے پہلے تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔''

''ہمیں معلوم تھا۔'' اس بار میں نے سیاست بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ''اچھی طرح جانتے تھے کہ موت کے منہ میں سر دیئے جا رہے ہیں لیکن ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ ہماری حالت ایسی ہو جائے گی۔ ہم بھ بھلیوں میں الجھ کر رہ جائیں گے۔ ہم تم سے ملنے آئے تھے، تمہیں بہادری کے ساتھ سامنے آنا چاہیے تھا ا بزدلی کا تو ہمارے ذہن میں شائبہ تک نہ تھا کہ تم پھندا لگائے بیٹھے ہو گے اور ہم اس دام میں پھنس جائیں گے

''جو کام بغیر سامنے آئے ہو جائے وہی اچھا ہے، اسے بزدلی نہیں سیاست کہتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم بہادر ہو۔ مجھے تم سے دشمنی مول نہیں لینی چاہیے تھی۔ اگر تم میرے ساتھ ہوتے تو ہم ''اس ملک'' کے مالک ہوتے مگر اب تو یہ پرانی بات ہوگئی ہے دشمنی کا فیتہ جل چکا ہے بغیر دھماکا کیے کیسے خاموش ہوگا؟ مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا کہ تم جیسے بہادر انسان کا مجھے ساتھ نہ مل سکا۔ تمہیں جس مقصد سے ساتھ ملانا چاہتا تھا وہ بھی فوت ہو چکا ہے اب تو موت ہی تمہارا مقدر ہے۔ صبح کا سورج دیکھے گا کہ تمہارے ایسے بہادر آدمی کی لاش چوراہے پر پڑی ہے تاکہ لوگ دیکھ سکیں کہ ہم سے ٹکرانے والوں کا انجام کتنا بھیانک ہوتا ہے۔ آج دن اور آنے والی رات تم سے کھیلنے کے لیے مختص ہے۔ جتنی اچھل کود مچا سکتے ہو مچالو۔''

''تم کل صبح کی بات کر رہے ہو جبکہ ابھی پورا دن اور پوری رات باقی ہے۔''

''کل صبح کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ کل دن بھر میں تمہارا حشر کروں گا۔''

''تمہیں خود پر اتنا غرور ہے یقین ہے تمہیں کہ تم ہمیں قید رکھ سکو گے۔''

''بالکل اس کے علاوہ اور مجھے کیا کرنا ہے؟''

میں نے اس بار کچھ بولنے کے بجائے گن کا رخ پنجرے کی جانب کیا اور ٹریگر پر دباؤ بڑھاتا چلا گیا ٹھک ٹھک دو گولیاں پنجرے کی سلاخوں میں لگیں مگر اسے نقصان پہنچائے بغیر دونوں گولیاں اچٹ کر گر گئیں۔

''بے کار ہے میرے مٹی کے شیر، یہ پنجرہ عام لوہے کا نہیں۔ تم چاہو تو مزید فائر کر کے دیکھ سکتے ہو لیکن سلاخوں پر ہاتھ نہ رکھ دینا سلاخوں میں کرنٹ دوڑنے والا ہے۔''

میں نے بے بس نظروں سے مرتجس کو دیکھا اور سفیر کی طرف بڑھا۔

''ٹھہرو!'' مرشد کی آواز گونجی۔ ''فائر کر کے تم اس لڑکے کو آزاد کرا سکتے ہو مگر گولی سے تیز کرنٹ دوڑ رہا ہے ادھر لبلبی دبی ادھر میں نے بٹن دبایا چند سیکنڈ صرف چند سیکنڈ میں اس کا جسم کوئلہ بن جائے گا۔''

مرشد کی آواز نے میرے دل میں بھی دہشت پیدا کر دی۔ سفیر کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ موت کی آہٹ کتنی وحشت ناک ہوتی ہے اس کا اندازہ ہر کوئی نہیں لگا سکتا۔ جس پر گزرتی ہے صرف وہی جانتا ہے۔

''پلیز شہباز صاحب کچھ کریں، مجھے آزاد کرانے کی کوشش کرو، ہو سکتا یہ کھوکھلی دھمکی ہو۔'' مرتجس کی آواز میں خوف کا عنصر بہت زیادہ تھا۔

ابھی اس کا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک چمک سی پیدا ہوئی مرتجس کی بھیانک چیخ گونجی اور مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ مرتجس میرا یار اس کا ساتھ بہت تھوڑے دنوں کا تھا لیکن اس کی معصومیت۔ اس کا والہانہ پن مجھے گرویدہ کیے رکھتا تھا۔ جو لڑائی بھڑائی کی دنیا کا بندہ نہیں تھا پھر بھی ہمارے ساتھ ہر محاذ پر قدم سے قدم ملا کر چلتا تھا۔ جس نے اکیلے ایک بار پوری بازی الٹ دی تھی وہ اتنی آسانی سے ساتھ چھوڑ جائے گا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ پلک جھپکتے میں اس کا جسم سیاہ پڑ گیا تھا۔ پتا نہیں کتنے وولٹ کا کرنٹ تھا کہ ایک پل میں وہ سوختہ ہو گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر ہم پتھر ایسا بن گئے تھے۔

''میں کھوکھلی دھمکی نہیں دیتا۔'' مرشد کی مکروہ آواز گونجی۔ ''موت کا کھیل شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایک کر کے میں تم سب کو اسی طرح ماروں گا۔ شہباز سب سے بھیانک موت تمہاری ہوگی۔ تمہی نے مجھے تباہ کیا ہے۔ یہ تمہی تھے جس نے مجھے ڈیوڈ سے فتح خان سے دوست بنا کر رکھلائی۔ مجھ سے فاضلی کو چھینا اسے مکاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ڈیوڈ شا کا نشانہ بنوایا۔ یہ تمہارے ہی شیطانی دماغ کی پیداوار تھی جس نے مجھے دھچکا پہنچایا ہے اس کا م تمہیں ضرور چکھنا ہوگا۔ تم ہر ایک کی موت کا منظر دیکھو گے۔ مجھے صرف اس کا رنج ہے کہ تمہاری موت کا منظ صرف میں دیکھوں گا۔ اب تم سفیر کا حشر دیکھو۔''

''ٹھہرو۔'' سفیر نے چیخ کر کہا۔

''موت سے ڈر گئے۔'' مرشد نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''موت برحق ہے ہر ایک انسان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ مسلمان موت سے کبھی نہیں ڈرتا۔ پھر ہم حالتِ جہاد میں ہیں گھر سے یہ سوچ کر نکلے ہیں کہ ہم موت پر جا گریں گے یا موت ہم پر آ گرے گی۔'' پھرا نے مجھ سے کہا۔ ''شہباز ہم خود کو پاکستانی کہتے ہیں اور پاکستان تمام عالم میں واحد ملک ہے جہاں اسلام کے شیدائی گلی کوچوں میں سر بکف ملتے ہیں۔ یاد رکھو پاکستان تحفہ خداوندی ہے۔ نزول قرآن کے روز یہ ملک ہمیں ہے۔ اسی بات سے اس ملک کی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکتے ہو تمہیں اسی ملک کی قسم ہے اپنے مشن سے پیچھے ہٹنا۔ وطن کے لیے ہم جیتے ہیں اسی کے لیے ہم مرتے ہیں۔ فوج اگر سرحد کی حفاظت کرتی ہے تو ہم اندر رہ کر وطن کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ حافظ۔''

میں یہ کہہ کر وہ ایک قدم آگے بڑھا پھر گن کی نال سفیر کے ہاتھ کو جکڑے شکنجے کے بالکل نزدیک لے کر ٹریگر پر دباؤ ڈالتا چلا گیا۔ تڑتڑ کی آواز سے ہال گونج اٹھا۔

''بے کار ہے۔'' مرشد کی آواز سنائی دی۔ ''ان سلاخوں پر گولیاں بے اثر ہیں۔''

''دیکھ او کافر کے بچے سلاخیں مڑ گئی ہیں۔'' سفیر کی آواز میں خوشی کی چہکار تھی۔ ''اب میں اسے توڑ کر دم لوں گا۔'' کہہ کر میں نے گولی چلائی مگر افسوس میگزین خالی ہو چکا تھا۔

''پچ پچ پچ یہ کوشش بھی بیکار گئی اب میرا کمال دیکھو۔'' اس مردود کی آواز کی گونج ختم بھی نہ ہوئی تھی چھنا کا سا ہوا اور اور سفیر پر ایک جال سا آ گرا۔ اس جال کے گرتے ہی سفیر کی دردناک چیخ گونجی۔ میں اسپیشل لینس والے چشمے سے جال میں دوڑتی چنگاریوں کو دیکھ لیا تھا اس جال میں کرنٹ تو دوڑا تھا مگر چند لمحے کے لیے جس نے اسے نیم جان کر دیا۔ ظالم کی طاقت کو سرنگوں کرنے کی قسم کھا کر ایک نئی زندگی کی شروعات کرنے والا شیر مرد بے ہوش ہو گیا۔ اس کی بے بسی پر میری آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ اوپر سے اس پر گرنے والا جا پھر اٹھ گیا تھا۔ اب مجھے یقین آنے لگا تھا کہ مرشد ہم سے چوہے بلی کا کھیل کھیل رہا ہے۔ اس نے سفیر کو دے کر مجھے دھمکایا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سفیر مجھے بہت عزیز ہے۔ اسی لیے اس نے اسے بجلی کا جھٹکا دے کر مجھ پیغام دیا ہے کہ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ مجھے اب خاموش نہیں رہنا تھا۔ اسے بھرپور جواب دینا تھا۔ لیکن جوش نہیں ہوش سے۔ جوش اندھا بنا دیتا ہے اور اندھے پن میں غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ مجھے عقل سے یہ جنگ جیتنا ہے۔ اس خیال سے میں نے کہا:

''مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیسی موت ملے گی جب ملے گی تو تمہارے سارے الفاظ کو تول لوں گا کہ تم نے سچ کہا تھا یا جھوٹ میرے مرنے میں ابھی بہت وقت باقی ہے۔''

''کوئی وقت نہیں ہے۔'' مرشد کا لہجہ پُر یقین تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سفیر پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا، مجھے اب کون سا قدم اٹھانا چاہیے کیونکہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ یہ کمرا موت کا کنواں ہے۔ کنٹرول روم میں بیٹھا مرشد بٹن پر انگلی رکھے موت بانٹ رہا ہے۔ میں نے جھک کر مرتجس کے پستول کو اٹھایا جو اس کی کے ہاتھ سے پھسل کر سلاخوں سے باہر آ گیا تھا پھر میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ تبھی مرشد کی آواز گونجی۔ ''کمرے سے نکلنا چاہتے ہو؟ اپنے دوست کو اس حالت میں چھوڑ کر جاؤ گے؟ لو میں نے اسے آزاد کر دیا۔

کھٹ کھٹ کی آواز کے ساتھ اس کے ہاتھ پیر کو جکڑنے والا شکنجہ کھل گیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ مرشد میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ شکنجہ کھلتے ہی میں نے اسے گود میں اٹھایا اور باہر نکل آیا۔

کمرے سے باہر آ کر میں نے مڑ کر ایک نظر مرتجس کی سوختہ لاش پر ڈالی اور اس کمرے سے دور ہوتا چلا گیا۔

گزشتہ رات کی بھاگ دوڑ نے کمروں کے اس جنگل کا جغرافیہ بتا دیا تھا۔ اب یہاں ٹھہرنا بے وقوفی تھی۔ میں نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر ڈالی تھی۔ مجھے یہاں آنا نہیں چاہیے تھا۔ زندگی کے لالے پڑ چکے تھے زندگی بچانے کے لیے ضروری تھا کہ اس عمارت سے باہر نکلا جائے لیکن باہر کیسے نکلا جائے۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گلیاروں کی اس بھول بھلیوں میں پھنس کر میں اصل راستہ بھول چکا تھا۔ سیڑھیوں کی طرف جانے والا کوریڈور پتا نہیں کس طرف ہے۔ تبھی ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس منزل پر بنے کمروں کی کھڑکیوں میں سلاخیں نہیں تھیں۔ اگر میں کھڑکی سے لان میں کود جاؤں تو بچ سکتا ہوں۔

میں نے سامنے والے دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر جا کر میں نے دروازہ بولٹ کر دیا پھر کھڑکی کھول کر نیچے دیکھا باہر گارڈز کا ہجوم تھا۔ سب کی نگاہیں بلڈنگ پر جمی ہوئی تھیں انہوں نے گولیوں کا انجام دیکھ لیا تھا ان کی گولیاں میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکی تھیں۔ شاید اسی لیے اب ان کے ہاتھوں میں روایتی ہتھیار تھے کسی کے ہاتھ میں کلہاڑا تھا تو کسی نے تلوار اٹھا رکھی تھی کوئی برچھا لیے کھڑا تھا۔ آگے بھی موت تھی اور پیچھے بھی، اب میں کیا کروں؟ کھڑکی پر کھڑا میں یہی سوچ رہا تھا کہ مرشد کی آواز گونجی۔ ''کیا موت سے ڈر گئے؟''

''موت میرے لیے کھیل ہے۔''

''پھر رک کیوں گئے۔ کود جاؤ۔ بے چارے گارڈز کی حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔''

○.....❖.....○

کھڑکی سے ہٹ کر میں دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ ہم تین آدمی یہاں آئے تھے۔ ایک مر چکا تھا دوسرا بے ہوش تھا۔ میرا قیاس تھا کہ مرشد کو سفیر سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اسے اگر سزا دینا ہوتی تو وہ ایک بار میں ہی اسے ختم کر دیتا۔ وہ تو مجھے دھکانے کے لیے اسے شاک دے رہا تھا۔ اسے سزا دینی کی وجہ میں ہوں اسی لیے مرشد طنز کی تیلی سے مجھے سلگا رہا ہے۔ میں نے دانت بھینچ کر کہا۔ ''مرشد میں تجھے تو ایسا سبق دوں گا کہ تو زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

ذہنی دباؤ سے ایک حد تک آزادی ملی تو میں نے کندھے سے لٹکتی ہوئی کلاشن کو داہنے ہاتھ سے اٹھا کر چوما اور کہا۔ ''مرشد تجھے میں راکھ کر دوں گا۔'' میں نے خود کلامی کی پھر میں نے کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ گارڈز کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوری جماعت مستعد تھی۔ ان کے حوصلے پست کرنا ضروری تھا۔ میں نے اسٹین گن کی نال کھڑکی سے باہر نکالی اور بغیر نشانہ لیے برسٹ مارا۔ کئی پہریدار گرے باقی نے اِدھر اُدھر ہو کر آڑ لے لی۔ اب میں ٹھہر ٹھہر کر فائر کر رہا تھا جو بھی نشانے پر آتا خاک اور خون میں لتھڑ جاتا۔ موت کا کھیل عروج پر پہنچ چکا تھا۔ اس کھیل کو مرشد نے شروع کیا تھا انجام پر اسے میں پہنچا رہا تھا۔ میرے دوست کو اس نے زندہ جلایا تھا۔ میں اس کے بدلے دو سو کی زندگیاں چھین لوں گا۔ اب تک پچاس سے زائد گارڈز میرا نشانہ بن چکے تھے۔ پھر بھی اچھی خاصی تعداد اِدھر اُدھر چھپی نظر آ رہی تھی۔ اتنی بڑی تعداد کو دیکھ کر یہی سوچا جا سکتا تھا کہ مرشد نے اپنی حفاظت کے لیے ایک پوری فوج جمع کر رکھی تھی۔ گارڈز جو روایتی ہتھیار تلوار، خنجر، کلہاڑی وغیرہ سے مسلح تھے اب انہوں نے وہ پھینک کر پھر سے آتشیں ہتھیار اٹھا لیے تھے۔ جوابی گولیاں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ میں نے اب تک دو بار میگزین بدلا تھا۔ اسٹین گن کی نال گرم ہو چکی تھی۔ میرے پاس فالتو گولیاں بھی نام کو نہ تھیں۔ مجھے اب فیصلہ کن قدم اٹھا لینا چاہیے۔ میں یہی سوچ رہا تھا۔ مرشد کی آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ شاید اپنے آدمیوں کی موت پر وہ گھبرا اٹھا تھا۔ یقیناً وہ اندر باہر دونوں اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا ہوگا۔ میں نے ایک نظر کمرے پر ڈالی اور دوڑتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔ نل کی ٹونٹی کھول کر پانی کی دھار پر نال کو رکھ دیا تاکہ حدت کم ہو جائے۔ پھر میں باہر نکلا تھا کہ مرشد کی مکروہ آواز سنائی دی۔ ''اب کیا کرو گے میری جان گولیاں تو ختم ہونے والی ہیں۔''

''آخری گولی سب سے اہم ہوتی ہے اور وہ میں نے تمہارے نام لکھ دی ہے۔'' میں نے باتھ روم سے باہر آتے ہوئے کہا۔

''یہ الفاظ میرے لیے نئے نہیں ہیں۔ نہ جانے کتنے لوگوں کے منہ سے سن چکا ہوں۔'' مرشد نے قہقہہ لگایا۔

ابھی اس کے قہقہے کی گونج ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ میں نے کہا۔ ''میرا کہا پتھر کی لکیر ہے اس وقت میرا پلہ ہلکا پڑ رہا ہے مگر یقین کرو میں تمہیں جہنم واصل ضرور کروں گا۔''

''کیسے؟''

''میں جا رہا ہوں۔ اس عہد کے ساتھ کہ میں پھر آؤں گا۔ بہت جلد۔ تم سے ایک ایک زخم کا حساب لینے۔'' ابھی میرا جملہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ایک زوردار دھماکا سنائی دیا۔ دھماکا اتنا شدید تھا کہ پوری عمارت کانپ کر رہ گئی۔ میں خود بھی چونک گیا تھا پھر تو دھماکوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ''یہ دھماکے گرینیڈ کے ہوں گے۔'' میرے دماغ نے کہا کیونکہ دھماکے تیز تھے اور ان کی گونج کافی دیر تک قائم رہتی تھی لہٰذا آواز بھی دور تک پھیل رہی ہوگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہے۔ دروازے کھڑکیاں بجنے لگے تھے۔

○.....❖.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں دوڑتا ہوا کھڑکی پر پہنچا۔ باہر کا منظر دیکھتے ہی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ گیٹ کے باہر چار فور وہیل ڈرائیو وینز کھڑی تھیں۔ ان کی کھڑکیوں سے جھانکتی نالیں گولیاں برسا رہی تھیں۔ گرینیڈ بھی پھینکے جا رہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ یہ میرے ہمدرد ہیں۔ عبداللہ جسے میں باہر چھوڑ آیا تھا اسی نے اپنے ساتھیوں کو خبر دی ہوگی۔ میں گاڑی میں بیٹھے آدمیوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا مگر مجھے ان کے چہرے نظر نہیں آ رہے تھے۔ جوابی گولیاں بھی چل رہی تھیں اسی لیے وہ لوگ باہر نہیں نکل رہے تھے۔ گاڑیوں کی باڈی چھلنی ہوتی جا رہی تھی۔ تبھی میگا فون پر پکارا گیا۔ ''سفیر۔ مرتجس۔ شہباز۔''

میں نے آواز پہچان لی، یہ ریاست خان کی آواز تھی۔

''یہ ریاست خان ہے نا'' مرشد کی آواز سنائی دی۔

''ہاں یہ وہی ہے۔ تمہارا خونی جال ٹوٹ چکا ہے۔ تمہارے احتساب کا وقت قریب ہے۔ یہ تمہارے خون سے ہولی کھیلنے آ پہنچے ہیں۔''

''بچوں کی شرارتوں کا میں برا نہیں مانتا۔ انہیں شوق ہے تو شوق پورے کر لینے دو۔ یہ قیامت تک مجھے نہیں ڈھونڈ سکتے۔''

''میں خود تمہیں گردن سے پکڑ کر باہر نکالوں گا۔''

''اتنی دیر سے تو کوشش کر رہے ہو لیکن پھر بھی دل نہیں بھرا۔''

''سانپ بل میں داخل ہو جائے تو اسے نکالنا آسان نہیں۔ میں پھر بھی کوشش کروں گا۔ مجھے یقین ہے میں تمہیں تمہارے بل سے کھینچ ہی لوں گا۔''

''بچوں کی طرح بڑھک نہ مارو، مجھے ڈھونڈنا آسان نہیں ہے، تم سمجھ رہے ہو کہ میں خانقاہ میں ہوں، غور سے سنو، اس وقت میں خانقاہ سے بہت دور بیٹھا ہوں، پھر بھی تمہاری ایک ایک حرکت دیکھ رہا ہوں۔''

''یہ ایسی عجیب بات نہیں ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا کے کونے میں بیٹھا آدمی بھی سامنے نظر آتا ہے ویسے یہ بات بتا کر تم نے میری مشکل آسان کر دی۔ اب تمہیں میں خانقاہ کے باہر تلاش کروں گا۔''

''یہاں سے نکلو گے کیسے؟ تمہارے راستے بند ہو چکے ہیں اگر یقین نہ ہو تو باہر نکل کر دیکھو گلیارا تمہیں نظر ہی نہیں آئے گا، صرف دیواریں ہی دیواریں ملیں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا تم نے جادو سے گلیارا غائب کیا ہے؟''

''اسے جادو ہی سمجھو..... جس آرکیٹیکچر نے ڈیزائن کیا ہے، وہ اپنے کام کا ماہر ہے۔ دنیا بھر کی عمارتوں میں اس کے ڈیزائن کردہ گھر عجوبہ کہلاتے ہیں۔ تم نے سنا ہوگا۔ پیرس میں ایک بلڈنگ ایسی ہے جو دن میں تین بار تین الگ الگ انداز کی نظر آتی ہے۔ اسی طرح کا یہ ماڈل ہے۔ اُس بلڈنگ میں صرف باہر کے شیشے زاویہ بدلتے ہیں جس سے عمارت کا نقشہ بدل جاتا ہے لیکن اس عمارت کا پورا اسٹرکچر بٹن دباتے ہی بدل جاتا ہے۔''

''مجھے اس کا اسٹرکچر نہیں دیکھنا ہے۔ مجھے تو صرف باہر نکلنا ہے۔''

''تمہارا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔ تم تیسری منزل پر کھڑے تھے اور تمہیں احساس بھی نہیں ہوا اور تم پہلی منزل پر آ گئے۔ کھڑکی سے باہر دیکھو خود سمجھ میں آ جائے گا کہ تم نیچے آ چکے ہو۔''

''واہ..... تم نے خود باہر نکلنے کا راستہ دکھا دیا۔ اب یہ کھڑکی کام آئے گی؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

میں جس مقصد سے آیا تھا وہ پورا نہیں ہوا تھا لیکن مرتجس کی موت اور سفیر کی بے ہوشی نے مجھے اکسا دیا تھا کہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔ سفیر کو کچھ ہو نہ جائے اسی ڈر سے میں نے فرار کی راہ اپنائی تھی۔

''پائپ کے سہارے اتر دگے پائپ میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔'' مرشد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اچھا۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اس چادر کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' کہہ کر میں نے دو چادروں کے کونے آپس میں باندھے پھر اس کا ایک کونا بیڈ میں باندھا اور سفیر کو کندھے پر لادا پھر پھرتی سے چادر کو پکڑ کر باہر کود گیا۔ تقریباً تین حصہ فاصلہ طے ہو گیا تھا۔ اب زمین زیادہ دور نہیں تھی۔ میں نے چادر چھوڑ کر جمناسٹک کا مظاہرہ کیا اور نیچے آ گیا۔

کندھے پر وزن ہو، تو کودنے پر پیر پر یکا یک بہت زیادہ وزن آ جاتا ہے۔ اگر میں ہوا میں خود کو اچھالنے کی کوشش نہ کرتا تو وزن یقیناً پیروں پر ہی پڑتا لیکن یہاں جمناسٹک کام آئی تھی اور اوپر کا فورس اچھال بھرنے کی کوشش کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ اب ایک نیا۔ ''گریوٹی فورس'' پیدا ہوا جس کی وجہ سے گرنے کی رفتار بدلی اور پیروں پر وزن کم پڑا۔

میں نے بہت بڑا رسک لیا تھا۔ پیر کی ہڈی ٹوٹ بھی سکتی تھی۔ اس کے علاوہ گولیوں سے تو محفوظ رہتا مگر گرینیڈ سے کیسے بچتا؟ گرینیڈ اپنے پرائے کی پہچان نہیں رکھتے۔ ریاست خان کا پھینکا ہوا کوئی گرینیڈ میرے چیتھڑے اڑا سکتا تھا۔

ابھی میرے پیر فرش سے ٹکرائے ہی تھے کہ کوئی چیز میرے سینے سے آ کر لگی۔ پتا نہیں کہاں سے ایک گارڈ آ گیا تھا یہ اسی کے پستول کی گولی تھی۔ میں نے بلا توقف کلاشن کا ٹریگر دبا دیا گارڈ کا بھیجا اڑ گیا۔ میں سرعت سے گیٹ کی طرف دوڑا پیچھے سے گولیوں کی باڑھ آئی۔ اگر میرے جسم پر بلٹ پروف نہ ہوتا تو میں چھلنی بن چکا ہوتا۔ گولیاں ٹکرا ٹکرا کر نیچے گر رہی تھیں۔ ریاست خان نے کور فائر شروع کر دیا تھا۔ میں اندھا دھند دوڑ رہا تھا۔ اگر گارڈ تھوڑی سے ہمت دکھاتے تو مجھے پھندا پھینک کر پھنسا لیتے۔ مگر وہ دور دور سے ہی فائر کر رہے تھے۔ میں نے فائرنگ کی پروا کیے بغیر دوڑ لگا دی تھی۔ مجھے فکر تھی تو بس سفیر کی کیونکہ اس کا فائر پروف لباس کہیں سے بھی ہٹ سکتا تھا اور تب اس کے جسم میں گولی کا اترنا ضروری تھا۔ دوڑتے ہوئے میں کسی نہ کسی طرح گیٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک پہنچ ہی گیا اور باہر آتے ہی پہلی وین میں گھس گیا۔

○.....❖.....○

وین آندھی طوفان کی طرح مرکزی دروازے کی طرف دوڑ رہی تھی۔ گیٹ ابھی کافی دور تھا۔ پھر بھی میں نے دیکھ لیا تھا کہ گیٹ کے دونوں پٹ کھلے ہوئے ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ تینوں گیٹ آئی ڈی فیکسر تھے۔ میں جب آرہا تھا تو تینوں گیٹ پر آئی ڈی چیک کرائی تھی۔ آئی ڈی چیک کرانے کا طریقہ عام سا تھا جواب ہر جگہ، ہر اہم دفتر میں رائج ہوتا جارہا ہے۔ سفیر نے خانقاہ میں کام کرنے والے ایک بندے سے اس کا کارڈ حاصل کرلیا تھا۔ اس کارڈ کو گیٹ پر لگے آئی ڈی چیکر سے لگانا پڑتا تھا تبھی گیٹ کا لاک کھلتا تھا۔ لیکن اس وقت گیٹ پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا۔ تینوں گیٹ کا ایک ہی حشر تھا۔ گو یہ خانقاہ شہر سے کافی فاصلے پر تھی۔ مگر اتنی دور بھی نہیں کہ یہاں کی خبر شہر تک نہ پہنچے۔ پہلے بھی ایک بار یہاں خونی مقابلہ ہو چکا تھا۔ اس لیے پولیس دیر میں سہی لیکن آئے گی ضرور۔

ڈرائیونگ سیٹ پر ریاست خان تھا۔ اس کے برابر اس کے دو ساتھی تھے۔ پیچھے والی گاڑیوں میں کتنے بندے تھے اس کا پتا نہ تھا۔ میں نے ریاست خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم کیسے آ گئے؟''

''میرے پاس جو نمبر تھا وہ وسیم صاحب کا تھا۔ پنڈی پہنچتے ہی میں نے کال کی۔ ان سے پتا چلا کہ آپ خانقاہ گئے ہیں۔ میں نے آنے کی اجازت طلب کی تو وہ بولے کہ اگر آنا ہے تو فوراً آجاؤ اس لیے کہ ہمیں ایک ضروری کام سے نکلنا ہے۔ میں آندھی طوفان کی طرح ان کے پاس پہنچا۔ تب پتا چلا کہ عبداللہ صاحب خانقاہ کے احاطے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ اور سفیر صاحب بھی اندر ہیں۔ میں اتنا اندر کبھی نہیں آیا۔ وسیم صاحب کے ہمت دلانے پر میں بھی اسی گاڑی میں بیٹھ گیا جس پر وہ دونوں تھے۔ میری گاڑی کو میرے دوست سنبھال رہے تھے۔ اندر آنے سے پہلے عبداللہ صاحب سے ایک گھنٹے کی میٹنگ کر لی تھی۔ دراصل وہ خانقاہ سے باہر نکل آئے تھے اور انہوں نے وسیم کو بتا دیا تھا کہ آپ اندر پھنس گئے ہیں۔ وسیم اور عبداللہ صاحب نے مانی کی مدد سے یہاں کے کمپیوٹرائز سسٹم کو ہیک کرلیا۔'' ریاست خان نے عادت کے مطابق ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''راستے بھر وہ آئی ایم او پر رابطے میں رہے اور عبداللہ صاحب لیپ ٹاپ پر اس کے ٹپس کو آزماتے رہے۔ سڑک اور اس گیٹ کے تمام چیکنگ پوائنٹس کے کمپیوٹر کو ہیک کرتے رہے۔ آدھے گھنٹے میں انہوں نے معاملہ نمٹا لیا۔''

''چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ مانی سے رابطہ ہو گیا۔ اندر کے حالات دیکھ آیا ہوں۔ اس موقعہ پر مانی کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ گھر پہنچ کر میں بھی اس سے بات کروں گا۔''

باتوں کے درمیان راستہ کٹ گیا اور ہم اس بنگلے تک پہنچ گئے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔

○.....❖.....○

بنگلے میں ہم تین افراد بیٹھے تھے وسیم کا چہرہ غم و درد کی تصویر بنا ہوا تھا۔ میں نے مرشد کی سربیت کا مکمل احوال بتا دیا تھا۔ اپنے دوست پر ہونے والے مظالم کی رُوداد اس نے آنسو پیتے ہوئے سنی تھی۔ میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔ ''میں اپنے دوست کی شہادت پر آنسو نہیں بہاؤں گا۔ شہید مرا نہیں کرتے میرا دوست بھی زندہ ہے۔ اس کے ادھورے خواب کو میں پورا کروں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں بھی یہی چاہتا ہوں غداری کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لیے مرشد جیسے غداروں کو سزا دینی ہوگی۔ ہمارے ملک کو انتشار کے گرداب میں دھکیلنے والے صہیونیت و بھارت کے علمبرداروں کو واصل جہنم کرنا ہی اب میرا مقصدِ حیات ہے۔ اب مجھ پر واجب ہے کہ مرشد جیسے غداروں کا گلا کاٹوں۔'' وسیم نے جذبات سے لبریز لہجے میں کہا۔ ''مجھے ریاست خان کے ساتھی نے جو کچھ بتایا ہے وہ بھی اس کا گلا کاٹنے کے لیے کافی ہے۔ مرشد دولت کی خاطر ماں کا سودا کر رہا ہے۔ وطن ہماری ماں ہے۔ اس کی حرمت پر ہم آنچ نہیں آنے دیں گے۔''

''ارے میں تو بھول ہی گیا۔ ریاست خان کو بلاؤ۔ اس سے کچھ اور باتیں معلوم کرنا ہے۔'' میرا جملہ ختم ہوتے ہی سفیر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ دروازے سے باہر جاتے ہوئے بولا:

''ریاست خان باہر کہیں جانے کی بات کر رہا تھا کہیں وہ چلا نہ گیا ہو۔''

سفیر کے باہر جاتے ہی وسیم نے کہا۔ ''جب آپ خانقاہ جا رہے تھے تو میں نے کچھ کہا نہیں تھا لیکن اب میں کہنے پر مجبور ہوں کہ آپ کا وہ فیصلہ غلط تھا۔ اکیلے کچھار میں کود جانا عقل مندی نہیں ہے۔ اگر ہم سب ساتھ ہوتے تو معاملہ کچھ اور رخ اختیار کیے ہوتا۔''

''سب سے پہلی بات کہ میں وہاں مقابلہ کرنے نہیں گیا تھا۔ ایک بھرپور حملے کی پیش بندی تھی وہ۔ میں وہاں کی سکیورٹی چیک کرنے گیا تھا۔ ورنہ میں تمہیں اور عبداللہ کو چھوڑ جاتا؟ لیکن اب اس نا ہنجار کو اس کے انجام تک پہنچا کر ہی دم لوں گا۔''

''خیر جو ہو گیا سو ہو گیا لیکن اب آپ مجھے چھوڑ کر کوئی مشن انجام نہیں دیں گے۔''

''مرشد کو میں نے چوبیس گھنٹے کا الٹی میٹم دیا ہے۔ میں پھر اس موت کے کنویں میں جاؤں گا۔ اس کی خانقاہ کی اینٹ سے اینٹ بجاؤں گا۔ خواہ اس بار میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

''آپ نے جو کچھ بتایا ہے ان باتوں کو مدِنظر رکھ کر سوچیں تو وہاں اسے تلاش کرنا بھی مشکل ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''اب تک ہم چھاپہ مار انداز میں لڑتے رہے ہیں مگر اب ہم کھل کر سامنے آئیں گے۔ اخبارات کو شہ سرخیاں فراہم کریں گے۔ اس طرح سامنے آئیں گے کہ ہر طرف ہلچل مچ جائے۔ کیونکہ ملک کی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ رُونما ہوگا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ ریاست خان اور سفیر داخل ہوئے۔ میں نے ریاست کو اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا جب کہ سفیر سامنے بچھے صوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے ریاست خان سے کہا۔ ''اب تم بھی ہمارے اہم ساتھیوں میں سے ایک ہو اسی لیے میں نے تمہیں اس میٹنگ میں شریک کر لیا ہے۔''

''اس اعزاز پر میں فخر کرتا رہوں گا۔'' ریاست خان بولا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ اس خانقاہ کی نئی تعمیر شدہ عمارت کو تو ہم نے دیکھ لیا پھر بھی یہی کہوں گا کہ میری معلومات ادھوری ہے۔ تمہارے ساتھ کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اندر کا نقشہ صحیح صحیح بتا سکے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ ایسے کئی بندے ہیں جو میری وجہ سے مرشد کا اصل چہرہ دیکھ چکے ہیں۔ اور اب اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نام پر تھوک رہے ہیں۔ ایسے کئی لوگوں کو میں جانتا ہوں جو ایک دو دن پہلے تک مرشد کے ساتھ تھے۔''

''ایسے کسی آدمی کو بلا لو تا کہ اندر کی تفصیل مکمل مجھ تک پہنچ جائے۔ وہ میرے سامنے اندر کا پورا نقشہ کھینچ دے۔''

''ابھی بلا کر لاتا ہوں۔'' کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

ریاست خان کے باہر جاتے ہی سفیر نے کہا۔ ''میرے علم میں ایک اہم بات آئی ہے۔''

''کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''ایسا کرتا ہوں میں اس بندے کو بلا لاتا ہوں جس نے مجھے یہ بات بتائی ہے لیکن ریاست خان کے سامنے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہ کریں۔''

''اس کمرے کے برابر میں بھی تو ایک کمرا ہے اور اس کا ایک دروازہ باہر بھی کھلتا۔ تم اسے لے کر باہر والے دروازے سے اندر آؤ۔ میں وہیں اس سے سوال جواب کر لوں گا۔''

''ہاں یہ صحیح ہے۔ آپ اس کمرے میں جا کر بیٹھیں۔ وسیم اسی کمرے میں رہے گا۔ ریاست خان آیا تو وہ اسے یہیں بٹھا لے گا۔''

''گڈ اچھا آئیڈیا ہے۔'' کہہ کر میں بیڈ سے اتر گیا اور سفیر باہر نکل گیا۔ دراصل میں ہی نہیں ہمارے تمام دوست آنکھ بند کر کے کسی پر بھروسا نہیں کرتے۔ اسی لیے اس نے ریاست خان کے سامنے کچھ کہنے سے منع کیا تھا۔

میں اس برابر والے کمرے میں آ گیا۔ اس کمرے کی سیٹنگ کچھ اس قسم کی تھی کہ ایک نظر میں ہی وہ ایک چھوٹا سا ڈرائینگ روم نظر آ رہا تھا۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ مجھے اس کمرے میں آئے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پچھلا دروازہ کھلا اور سفیر داخل ہوا اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا۔ اس نے نئے انداز میں بال ترشوائے ہوئے تھا۔ اس نے بلیو جینز پر ریڈ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''کیا نام ہے تمہارا؟''

''اشفاق نام ہے میرا۔'' اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''تم مرشد کے ساتھ کب سے ہو؟''

''یہی کوئی تین مہینا پہلے اس کی نوکری میں آیا ہوں۔''

''تمہارے ذمے کیا کام تھا؟''

''مرشد نے ایک اسپیشل فورس بنا رکھی ہے جو اس کے حکم پر دیا گیا ٹاسک پورا کرتی ہے۔ جسے اس دنیا سے ہٹانا ہے اس کا کام تمام ہم کرتے ہیں۔ اس ٹاسک فورس میں کل گیارہ بندے ہیں۔''

''ان سے تمہارا رابطہ ہے؟''

''صرف ایک بندے سے جو میرا رشتے دار بھی ہے۔ اس کی پوسٹ بھی میرے برابر ہے یعنی ٹارگٹ کرنا۔''

''وہ گیارہ کے گیارہ اسی کام کے لیے ہیں؟''

''جی نہیں۔ ان میں سے دو بندے ثمینہ کے باڈی گارڈ ہیں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ ثمینہ ہے کو؟''

''ثمینہ کون ہے یہ تو معلوم نہیں لیکن اتنی خبر ضرور ہے کہ وہ مرشد کو بھی جوتے کی نوک پر رکھتی ہے۔ وہی مرشد کے لیے ٹاسک تیار کرتی ہے اور پھر اسے منظوری دینا مرشد کا کام ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم مرشد نے دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ کام ثمینہ کا ہوتا ہے۔''

''ثمینہ دیکھنے میں کیسی ہے۔''

''خوبصورتی اس کے انگ انگ سے پھوٹتی ہے لیکن وہ لڑائی کا فن بھی جانتی ہے۔ میں نے خود اسے کراٹے کی پریکٹس کرتے دیکھا ہے۔''

''رہتی کہاں ہے؟''

''مرشد کا متروک بنگلا اس کے استعمال میں ہے۔ باڈی گارڈ میرا کزن ہے۔ اسی نے بتایا کہ وہ کبھی بھی بینک نہیں گئی لیکن جب بھی مرشد کا پیغام آتا ہے ثمینہ کے بندے نوٹوں سے بھرے بریف کیس لے کر پہنچا آتے ہیں۔''

''یعنی وہی اسپانسر کر رہی ہے؟''

''ہم سب کو شک ہے کہ مرشد کو رقم وہی دے رہی ہے ورنہ مرشد تو ایک مرا ہوا گھوڑا ہے۔ اس پر داؤ کون لگائے گا؟ خانقاہ کی جو آمدنی ہے وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ خرچ بھی بہت زیادہ ہے۔ احاطے میں تعمیرات کا ایک جال سا پھیلا لیا ہے اس نے۔ آپ جس بلڈنگ میں گئے تھے وہ خاص طور سے بنائی جا رہی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس حصے کی تعمیر میں مقامی مزدوروں سے بہت کم کام لیا گیا ہے۔ تمام انجینئر گورے ہیں۔ جن مزدوروں سے کام لیا گیا تھا۔ وہ بھی باہر سے لائے گئے تھے۔ اور کام ختم ہوتے ہیں وہ کہاں چلے گئے کسی کو پتا نہیں۔''

''ایسا کرتے ہیں کہ پہلے ثمینہ کو چیک کر لیتے ہیں۔'' سفیر نے فرنچ میں کہا۔

''میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔'' میں نے بھی فرنچ میں جواب دیا۔

''بچپن میں پڑھا تھا کہ آج کا کام کل پر نہ ڈال..... اس لیے دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔'' سفیر نے تجویز دی۔

میں نے اس بندے سے کہا کہ ابھی آپ دو تین دن آرام کریں۔ پھر میں آپ کو بلا لوں گا۔

اسے بھیج کر میں نے سفیر سے کہا۔ ''تم اپنے دو نشانچی لے لو۔ آج ہی ثمینہ کو چیک کرنا ہے۔ شام اب گہری ہو رہی ہے۔ رات میں دبش ڈالیں گے۔'' میں نے کہا۔

''اور کون کون جائے گا؟''

''تین گروپ میں ہم نکلیں گے۔ ایک گروپ میں وسیم اور عبداللہ ہوں گے ان کے ساتھ ان کے آدمی بھی رہیں گے۔ دوسرے کی کمانڈ سفیر کرے گا۔ اس گروپ میں بھی سفیر اور عبداللہ کے آدمی رہیں گے۔ تیسرے میں، میں اور ریاست خان ہوں گے۔ ہماری مدد کے لیے ریاست خان کے دو آدمی اور وسیم کے بندے ہوں گے۔''

''گویا بھرپور حملہ کرنا ہے؟'' وسیم نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ثمینہ کے بارے جتنی باتیں علم میں آئی ہیں وہ اسے نہایت اہم کردار ثابت کر رہی ہیں۔اس لیے اسے گھیرنے کے لیے پوری تیاری کرنی ہوگی۔اسے معمولی لڑکی نہ سمجھا جائے۔مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ وہ را کی تیار کردہ ایجنٹ ہے۔کسی خاص کام سے یہاں آئی ہے،کسی اہم مشن پر۔اس لیے اسے گھیرنے کے لیے ہمیں ہوشیاری کے ساتھ بھرپور طاقت کا استعمال کرنا پڑے گا۔''

میری بات پر سفیر نے کہا۔''ان بنیوں کے پاس عورت نامی ہتھیار بہت ہے۔انہیں شرم بھی نہیں آتی کہ وہ عورت کو ڈھال بنا کر اپنا کام نکالتے ہیں۔''

''جن گاڑیوں پر جانا ہے انہیں چیک کر لو۔ہائی وے پر جا کر آزما لو۔ایسا نہ ہو کہ کوئی گاڑی دھوکا دے جائے۔''میں نے مشورہ دیا۔

''او کے چیک کر لیتے ہیں۔'' کہہ کر عبداللہ اور سفیر باہر نکل گئے۔انہیں خبر نہیں تھی کہ جب میں ان سے باتیں کر رہا تھا۔اسی وقت وسیم نے اپنا کمال دکھا دیا تھا۔جب وہ اسلحہ خریدنے گیا تھا تو ساتھ میں بگس کا سامان بھی لے آیا۔مٹر کے دانے برابر مائکروفون اس نے چاروں گاڑیوں میں لگا بھی دیا تھا۔بگس (Bug) اتنا چھوٹا سا تھا کہ اسے ڈھونڈنا بھی آسان نہ تھا۔وسیم کا کہنا تھا کہ یہ دس میل تک کام کرتا ہے۔میں بھی اسے آزمانا چاہ رہا تھا۔سفیر وغیرہ کو ابھی تک اس کے مطلق کچھ بھی بتایا نہیں تھا۔ان کی لاعلمی میں اسے استعمال کرنا چاہ رہا تھا۔

سفیر کے جاتے ہی میں نے لیپ ٹاپ کھول لیا جو وسیم نے لا کر دیا تھا۔اس میں ایسے سوفٹ ویئر تھے جو ہیوی ٹرانسمیشن میں کام آتے ہیں۔گاڑیوں میں لگائے گئے بگس اتنے حساس تھے کہ وہ سرگوشی کو بھی پکڑ لیتے تھے۔گاڑی میں ہونے والی ایک ایک بات کو وہ کیچ کر کے اس رسیور تک پہنچا دیتے۔اسی بات کو جانچنے کے لیے میں نے انہیں بھیجا تھا۔

میں نے رسیونگ سیٹ کو آن کر دیا تھا۔کبھی سفیر کی گاڑی میں ہو رہی باتوں کو سنتا اور کبھی فریکوینسی تبدیل کر کے عبداللہ کی۔تینوں گاڑیوں کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

یہ قدرت کی دین ہے کہ میرا اندازہ بہت کم غلط ہوتا ہے۔میں نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔جیسے ہی عبداللہ کی گاڑی میں چھپے بگس کی فریکوئنسی سیٹ کی تو میں چونک اٹھا۔اس کے ساتھ بیٹھے کسی بندے نے پوچھا تھا۔''یہ کیسی آواز تھی۔ہمیں کس نے ویل کم کہا؟''

عبداللہ سے پہلے کسی نے کہا تھا۔''ویل کم.....میں شہباز کے ساتھیوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔''

''کون ہو تم۔'' عبداللہ نے پوچھا تھا پھر اس کی سرگوشی سنائی دی۔''اندازہ لگاؤ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟''

وہی آواز پھر سنائی دی۔''پنڈی میں داخل ہوتے ہی تم لوگ میری نظروں میں آ گئے تھے لیکن پھر میں نے تم لوگوں کو کھو دیا۔یہ غلطی جس سے ہوئی تھی اسے سزا دینے کے بعد میں نے تم لوگوں کی تلاش میں ایک پوری ٹیم لگا دی۔میرے آدمی ایک ایک جگہ تم لوگوں کو تلاش کر رہے تھے کہ اتفاقاً نظر آ گئے۔اگر تم لوگ وہاں نہ رہتے تو ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں کھاتے رہتے۔یہ تو میرے فرشتوں کو بھی پتا نہ تھا کہ جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں وہ خود چل کر ہمارے پیٹرول پمپ پر آ جائے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پیٹرول پمپ؟ او اچھا ہم لوگ کچھ دیر کے لیے ایک پیٹرول پمپ پر رکے تو تھے۔'' عبداللہ کی آواز آئی۔

''جیسے ہی آپ لوگ آئے میرے کارندوں نے مجھے خبر دے دی کہ جو تصویریں بھیجی ہیں ان میں سے ایک پٹرول پمپ پر آیا ہوا ہے.....بس میں نے اشارہ دے دیا اور پمپ پر کھڑے میرے آدمیوں نے ہاتھ کی صفائی دکھا دی۔ بیس منٹ کا کام ہے کہہ کر کار کو سروس کے لیے روک لیا اور یہ مائکروفون لگا دیا۔ جس کی وجہ سے اس وقت میں آپ لوگوں سے مخاطب ہوں۔''

''یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ بگس کرنا تو اب بچوں کا کھیل ہے۔''

''گاڑی بگ کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم آپ کو صحیح راستہ بتائیں۔ آپ لوگ جس طرح لانگ ڈرائیو کر رہے ہیں، اس میں کوئی نیا پن نہیں ہے۔ نئی راہ ہم بتاتے ہیں۔'' کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر وہی آواز سنائی دی۔ ''ارے یہ گاڑی کیوں روک لی۔ چلاتے رہیں۔ راستہ میں بتاتا ہوں۔''

''کون ہو تم؟ اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''اشارہ تو دے ہی دیا ہے۔ شہباز کے ساتھی ایسے کند ذہن ہوں گے یہ پتا ہی نہیں تھا۔ اگر دوبارہ سننا چاہتے ہیں تو سن لیں۔ میں مرشد سائیں کا معمولی غلام ہوں۔ اکبر کہتے ہیں مجھے۔ اکبر یعنی بڑا۔ میں اپنے گروپ میں سب سے بڑا ہوں۔ موسٹ پاور فل بندہ۔''

''تم نے ہماری کار میں ٹرانسمیٹر کیوں لگایا ہے؟''

''صرف ٹرانس میٹر ہی نہیں، کیمرا بھی لگایا ہے۔''

اسی وقت عبداللہ کی آواز آئی۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''ٹرانس میٹر اور کیمرا ڈھونڈو۔''

''آپ لوگ فضول میں وقت برباد کریں گے۔ میں خود بتائے دیتا ہوں۔ اپنے سر کے اوپر دیکھیں بیک ویو مرر جہاں لگا ہے اسی کی سیدھ میں اوپر کی طرف نظر اٹھائیں۔ وہاں ایک چھوٹا سا مٹر کے دانے برابر ایک ابھرا ہوا اسپاٹ نظر آ رہا ہوگا۔ وہی کیمرا ہے۔ نہایت طاقتور کیمرا۔ جدید ترین کیمرا۔ ففٹی میگا پکسل کا کیمرا ہے۔ ایک ایک حرکت کو واضح دکھاتا ہے۔ اسی کے ساتھ مائکروفون بھی بلٹن ہے۔''

شاید عبداللہ نے ادھر ہاتھ بڑھایا تھا کہ آواز سنائی دی۔ ''نہ نہ ایسی غلطی بھی نہ کرنا۔ اس وقت وہ صرف کیمرا ہے لیکن اسے چھیڑا گیا تو یہ کسی بم کی طرح پھٹ جائے گا اور تب آپ لوگوں کے لوتھڑے بھی گنے نہ جا سکیں گے۔ دراصل اسے میں ری موٹ کنٹرولر سے کنٹرول کر رہا ہوں۔ جیسے ہی انگوٹھے کا دباؤ بڑھاؤں گا یہ ایٹمک پاور کی طرح تباہی پھیلا دے گا پھر آپ لوگوں کا کیا حشر ہوگا۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ نہ گاڑی رہے گی اور نہ گاڑی میں سوار انسان۔ لیکن میں ایسی حرکت کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں آپ لوگوں کا خیر خواہ ہوں۔ ہوں نا خیر خواہ؟.....؛ ارے آپ لوگوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا۔ بتایئے نا، ہوں نا خیر خواہ؟ اگر نہ ہوتا تو آپ کو روکنے کی کوشش کیوں کرتا۔ اور آپ لوگ نادانستگی میں موت کی گود میں جا سوتے۔ اناللہ ہو چکے ہوتے۔''

''کمینے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' ایک نئی آواز سنائی دی۔ شاید یہ عبداللہ کے ساتھی کی آواز تھی جو غصے میں پھنکارا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ضرور ضرور، اگر ایسا موقع آجائے تو ایسا ہی کرنا کیونکہ چوٹ کھائے سانپ کو کبھی زندہ نہیں چھوڑا جاتا۔'' طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

''تم.....تم ہمارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔'' وہی آواز سنائی دی۔ شاید وہ غصے کو دبا نہیں پا رہا تھا۔

''بالکل صحیح، میں تم لوگوں کا کچھ بگاڑنا بھی نہیں چاہتا۔ ہاں اگر مجبور کیا گیا تو اور بات ہے۔''

گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ میں سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں کیسے انہیں بچاؤں۔ وہ اس وقت ہیں کہاں۔ کس علاقے میں ہیں یہ بھی پتا نہیں تھا۔ کچھ اور وقت گزر گیا لیکن میری قوت سماعت گوش بر آواز تھی۔ تبھی وہ منحوس آواز پھر سنائی دی۔ جیسے وہ ان کی بے بسی کو انجوائے کر رہا ہو۔ ''نہ نہ عبداللہ صاحب، ایسی غلطی بھی نہ کرنا۔ ادھر تم نے دروازہ کھولا ادھر میں نے بٹن پر دباؤ بڑھا دیا۔ پھر کیا ہوگا اس کا اندازہ آپ کو خوب ہوگا۔ یہ گاڑی کسی بھری ہوئی ماچس کی ڈبیا کی طرح بھک سے جل جائے گی۔''

''تم.....تم آخر چاہتے کیا ہو؟'' عبداللہ کی آواز سنائی دی۔ اس کی آواز میں ایسا کوئی عنصر نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ سمجھا جاتا کہ وہ پریشان ہے۔ خوفزدہ ہے۔ اس کا لہجہ اطمینان بھرا تھا۔

''میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ زندگی کو انجوائے کرو۔ یہ زندگی خدا کی دین ہے۔ جتنی زندگی قسمت میں لکھ دی گئی ہے اسے انجوائے کرو۔ ویسے بھی تم لوگوں کی اب بہت تھوڑی زندگی رہ گئی ہے۔''

''سنو مسٹر غائب! اگر تم اس وقت میرے سامنے حاضر ہوتے تو میں بتاتا کہ کس کی زندگی تھوڑی ہے۔'' عبداللہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''مسٹر عبداللہ! آپ کتنے بہادر ہیں یہ ابھی پتا لگ جائے گا فی الحال تو ڈرائیونگ دوبارہ شروع کر دیں۔ میں راستہ بتاتا رہوں گا آپ کو اسی رستے پر بڑھتے رہنا ہے۔ تاکہ بلد سے جلد آپ ہمارے سامنے حاضر ہو سکیں۔''

گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز گونجی پھر وہی آواز سنائی دی۔ ''ہاں بالکل سیدھ میں بڑھتے رہو۔''

کافی دیر تک ٹریفک کا شور سنائی دیتا رہا۔ پھر وہی مکروہ آواز گونجی۔ ''اب داہنی جانب والی سڑک پر مڑ جاؤ۔ بازار میں پہنچ کر اکلوتی مٹھائی کی دکان ہے۔ اس سے تین فرلانگ آگے جانا ہے پھر داہنی جانب والی سڑک پر مڑ جانا۔ جب اس سڑک پر پہنچو گے تو میں آگے کا راستہ بتاؤں گا۔''

مجھے رہ رہ کر عبداللہ پر غصہ آرہا تھا کہ وہ سڑک کا نام یا کوئی نشانی کیوں نہیں بتا رہا۔ اپنی گفتگو میں اگر نام لے لیتا تو میں وہاں پہنچ جاتا۔ اب مجھ سے ضبط نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیپ ٹاپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کام کو انجام دینا بھی ناممکن لگنے لگا تھا اس لیے کہ اس رسیونگ سیٹ کی وجہ سے میں ان لوگوں کی نقل و حرکت سے آگاہ ہو رہا تھا۔ سفیر وغیرہ بھی نہیں تھے کہ ان میں سے کسی کو وہاں بٹھا دیتا۔ تبھی وسیم چائے کا کپ اٹھائے اندر آیا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے کہا۔ ''عبداللہ خطرے میں ہے لیکن ہے کہاں اس کا پتا نہیں لگ پا رہا۔ وہ بے وقوف بھی علاقے کا نام نہیں بتا رہا کہ اس کی مدد کو ہم پہنچ سکیں۔''

''یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ ہم بڑی آسانی سے لوکیشن دیکھ سکتے ہیں۔'' کہہ کر وہ اس لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک وہ اس سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا پھر بولا۔ ''لیجئے پتا لگا لیا کہ وہ ہے کہاں؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیپ ٹاپ کی اسکرین پر گوگل ارتھ کے ذریعہ شہر کے نقشے پر گول سرکل نظر آیا، اس نشان کی طرف اشارہ کر کے اس نے کہا۔ ''یہی وہ جگہ ہے جہاں اس وقت عبداللہ کی گاڑی کھڑی ہے۔''

''تو پھر دیر کرنا مناسب نہیں۔ فوراً نکلو۔ ہمیں عبداللہ کی مدد کرنی ہے۔'' کہتے ہوئے میں کھڑا ہو گیا۔ جلد بازی میں ریوالور لیا اور کچھ اضافی گولیاں لیں۔ ایک پستول بھی لے لیا جس کی نال پر سیلنسر لگا ہوا تھا۔ یہ اسلحہ وسیم نے خریدا تھا۔

باہر بلیک کلر منی بجیرو کھڑی تھی اسی میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ وسیم نے سنبھال لی تھی۔ میں نے لیپ ٹاپ بھی لے لیا تھا کہ راستے میں ان کی باتیں سننا جو تھیں۔

گاڑی چلی تو میں نے لیپ ٹاپ کو دوبارہ سے آن کر لیا۔ مگر دوسری طرف خاموشی تھی۔ صرف ٹریفک کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کچھ دور گئے ہوں گے کہ دوسری جانب کی آواز سنائی دی۔ ''اب تم داہنی جانب مڑ جاؤ۔ چھٹے بنگلے کے بلیک گیٹ پر رک کر ہارن بجاؤ۔ دروازہ کھل جائے گا۔ اس میں داخل ہو جانا۔''

میں نے چھٹا بنگلا اور بلیک گیٹ کو ذہن میں رکھ لیا۔ تبھی وسیم نے کہا۔ ''آپ کو یاد ہے۔ صبح میں نے ایک ایک چپ سفیر اور عبداللہ کو دی تھی کہ اسے پرس میں رکھ لو۔ آپ کو بھی دی تھی۔''

''ہاں وہ چپ میرے پرس میں محفوظ ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ بھی بگ ہے۔ اس کی فریکوینسی سیٹ کریں۔''

میں نے وسیم کے بتائے ہوئے نمبر کو ایڈ کیا تو دل خوش ہوا تھا اس لیے کہ وہ کام کر رہا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''کام کر رہا ہے۔''

''اب اگر عبداللہ گاڑی سے اتر بھی جائے گا تو ہمارے رابطے میں رہے گا۔'' وسیم نے کہا۔ ''یہ چپ ڈیٹیکٹر کا کام کرے گی۔''

عبداللہ کی کار کی باتیں ہم تک پہنچ رہی تھیں۔ میں اسکرین پر اس تھرکتے ہوئے نقطے کو دیکھ رہا تھا۔ جو آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ وسیم کی اس عقلمندی نے کام دکھا دیا تھا۔ اب وہ کہیں بھی چلا جاتا ہم اسے ڈھونڈ لیتے۔ ہم اسی نقطے کے سہارے آگے بڑھ رہے تھے۔ بلیک گیٹ اب تک ذہن میں محفوظ تھا اس لیے زیادہ فکر کی بات نہیں تھی۔ اسی پہچان سے ہم اس بنگلے کو تلاش کر لیتے جس میں اسے لے جایا گیا ہے۔

اس جانب سے بے فکر ہو کر اب میں پوری طرح اسکرین کی طرف متوجہ تھا لیکن ادھر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ عبداللہ بھی خاموش تھا۔ صرف آگے بڑھتا نقطہ نظر آ رہا تھا جس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ ابھی سفر میں ہے۔ تبھی وہی گونجدار آواز سنائی دی:

''بس اسی گیٹ کے سامنے گاڑی روک لو۔''

گاڑی روکنے کا حکم دے کر بولنے والا پھر خاموش ہو گیا۔ عبداللہ کی کار میں خاموشی چھائی رہی۔ گاڑی کے چلنے کی آواز آتی رہی پھر گاڑی رکی تھی شاید۔ اس لیے کہ نقطہ ٹھہر گیا تھا۔ اسی وقت پھر آواز گونجی۔ ''نہیں نہیں، یہاں رکنا نہیں ہے۔ داہنی جانب مڑ جاؤ..... آگے گیراج ہے اس کے اندر گاڑی پارک کر دو۔ ہم اپنے معزز مہمانوں کو شایان شان عزت و توقیر دیتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گاڑی بڑھنے پھر رکنے کی آواز اور پھر شٹر اٹھنے اور گرنے کی آواز آئی۔ میں جان گیا کہ وہ لوگ گیراج کے اندر پہنچ چکے ہیں اور دروازہ بند ہو چکا ہے۔ ہماری گاڑی بھی اسی سمت بڑھ رہی تھی جس سمت کا اشارہ اسکرین پر مل رہا تھا۔ تبھی اس سے وہی مکروہ آواز آئی۔ ''مسٹر عبداللہ یہ جو سامنے کلاشنکوف تھامے کھڑے ہیں یہ پانچوں کے پانچوں گونگے اور بہرے ہیں۔ انتہا درجے کے شقی القلب ہیں۔ ہمارے سب سے بہترین اور قابلِ بھروسا لڑاکا ہیں یہ۔ انہیں ایک ہی شوق ہے، انسانوں کو ایذا دینا۔ اگر تم لوگوں نے چالاکی دکھائی تو ان کے کلاشن سے گولی پہلے نکلے گی اور انتباہ بعد میں سنائی دے گا۔ وہ گولی جسم کے ان حصوں میں دھنسے گی جہاں گولی جا کر موت دینے کی بجائے ایذا پہنچاتی ہے۔ انہیں لوگوں کو تڑپانے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔ یہ آپ لوگوں کو مہمان خانے میں لے جائیں گے۔''

''یہ مہمان خانہ ہے کہاں؟ کیا اسی بلڈنگ میں ہے یا کہیں اور؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''یہ بلڈنگ دیکھنے میں پانچ مرلہ پر ہے لیکن ایسا ہے نہیں، اسے خصوصی طور پر بنایا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ اب دس مرلہ پر ہے۔ ایسا کیسے ہوا یہ بعد میں بتاؤں، فی الحال آپ لوگ ان کے ساتھ گیسٹ روم میں جائیں۔ ایک بات اور بتا دوں، آپ کو ٹھہرانے کے لیے گرین گیسٹ ہاؤس کا انتخاب کیا گیا ہے اس گیسٹ روم کی ہر چیز سبز ہے۔ اسی بنگلے میں ایک پورشن کو بلیک گیسٹ روم کا نام دیا گیا ہے۔ وہاں کی ہر چیز سیاہ ہے۔ سیاہی موت کی علامت ہے۔ اس کمرے میں صرف ان لوگوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ جن کا مقدر موت ہے۔ ویسے اطمینان رکھیں ابھی آپ لوگوں کو وہاں نہیں بھیجا جائے گا۔ کیونکہ ہمیں شہباز کی تلاش ہے۔ جیسے ہی وہ آئے گا آپ لوگوں کو اس گیسٹ روم میں بھیج دیا جائے گا۔''

''لیکن شہباز کو ڈھونڈو گے کیسے۔ وہ شہباز ہے، اونچے آسمانوں پر ہی اس کا بسیرا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''دیکھتے رہو۔ اگر وہ تحت الثریٰ میں بھی چھپ جائے پھر بھی ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔ فی الحال تم آرام کرو، ذہن پر زیادہ زور نہ ڈالو کیونکہ کھیل کا اگلا راؤنڈ بھی جلدی شروع ہوگا۔''

''آرام وہ کرتے ہیں جنہیں امید نہیں ہوتی۔ مجھے تو سو فیصد امید ہے کہ تم جلد واصل جہنم ہو گے اور تمہیں جہنم کا ٹکٹ شہباز دے گا۔ وہ اب تب میں پہنچنے ہی والا ہوگا۔''

''یہ تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ تمہیں یہ سوچ کر لایا گیا ہے کہ انگلی پکڑنے سے ہی پہنچی یعنی کلائی ہاتھ آتی ہے۔ ہمیں خود بھی یقین ہے کہ شہباز تمہیں چھڑانے آئے گا۔ بس وہ لمحہ ہی اس کے لیے آخری ہوگا۔''

''ایسی خواہش بہت لوگوں نے کی تھی۔ اور ایسی خواہش کرنے والے خواہش کے ساتھ قبر میں جا سوئے۔'' کہہ کر عبداللہ نے قہقہہ لگایا۔

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا..... جلد تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ شہباز کا انجام کیسا بھیانک ہوا۔''

''ضرور ضرور..... ہم بھی دیکھیں گے کہ کون سچا اور کون شیخی خور ہے۔''

''اب تک شہباز کا مقابلہ جن لوگوں سے تھا وہ سب سڑک چھاپ تھے لیکن میرا تعلق جس قوت کے ساتھ ہے وہ جس مشن پر کسی کو بھیجتی ہے اسے پہلے ٹرینڈ کرتی ہے۔ مجھے بھی ٹریننگ کے بعد بھیجا گیا ہے..... اب بہت باتیں ہو گئیں۔ وہ لوگ تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے کھڑے ہیں۔ ان سے تعاون کرو، جا کر کمرے میں آرام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرو۔''

شاید عبداللہ اس گیراج سے چلا گیا تھا کیونکہ اب کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ کار میں لگایا گیا بگس کام نہیں کر رہا تھا۔ اگر وہ گاڑی کے نزدیک ہوتے تو شاید ان کی آواز سنائی دیتی رہتی لیکن بریف کیس نما لیپ ٹاپ پر عبداللہ کی جیب والے چپس کا اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ اسکرین پر نظر آنے والا نقطہ آگے بڑھ رہا تھا۔ شاید عبداللہ نزدیک کے کسی کمرے کی جانب جا رہا تھا۔

ہماری کار اسی جانب بڑھتی جا رہی تھی جدھر کا اشارہ مل رہا تھا۔ اب وہ مقام نزدیک آتا جا رہا تھا۔ وسیم نے پوچھا۔ ''ان کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں کافی سارے لوگ ہیں۔ اور ہم دو ہیں۔ کیوں نا دوسروں کو بھی بلا لیا جائے۔''

''یہی بہتر ہے۔ تم کال کر کے سفیر کو بھی بلا لو۔ اس کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ مدد کے لیے کافی ہوں گے۔''

وسیم نے موبائل فون پر سفیر سے رابطہ کیا اور اشارے میں بتا دیا کہ ایک بڑی پریشانی کا سامنا ہے۔ اسے تیار ہو کر آنا ہے۔

اب ہم اس سڑک پر پہنچ چکے تھے جس کے بارے میں عبداللہ کو اس آواز نے بتایا تھا۔ وہ کس کی آواز تھی، کون ہے اس کا پتا نہیں تھا بس اتنا اندازہ تھا کہ وہ جو بھی ہے۔ مرشد کے بہت نزدیک کا آدمی ہے۔ اس مخصوص سڑک پر پہنچ کر وسیم نے گاڑی روک لی تھی جس کا اشارہ ہمیں عبداللہ سے ہونے والی گفتگو سے ملا تھا۔ اب ہمیں انتظار تھا کہ سفیر آ جائے تو ہم اس عمارت میں داخل ہوں۔

انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ کچھ ہی دیر میں سفیر کی کار آتی نظر آ گئی۔ ہماری کار کے برابر میں اس نے اپنی کار روکی اور اتر کر ہماری کار میں آ گیا۔ ساری باتیں سننے کے بعد بولا۔ ''وقت گنوانا بے کار ہے۔''

''میں کچھ اور سوچ رہا ہوں؟'' میں نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ وقت برباد نہ کر کے ہمیں ایکشن میں آ جانا چاہیے؟'' سفیر بولا۔

''میرا خیال ہے کہ رات ہو رہی ہے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھائیں۔'' وسیم نے بھی سفیر کی تائید کر دی۔

''تو پھر ایسا کرو کہ اپنے بندوں کو بلا لو۔'' میں نے رضامندی ظاہر کی۔ اس نے موبائل پر اپنے بندوں کو بلانا شروع کر دیا۔ میں اس عمارت کا جائزہ لے رہا تھا۔ باہر کی دیوار خاصی اونچی تھی پھر اس پر خاردار تار بھی لگے ہوئے تھے۔

ابھی میں اس عمارت کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ مرکزی دروازے سے ایک بندہ باہر نکلا۔ اس نے گیٹ بند نہیں کیا تھا۔ شاید اسے کہیں نزدیک ہی جانا اور پھر لوٹنا تھا۔ یہ موقعہ اچھا تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''تم اس بندے کو قابو کرو۔''

سفیر آہستہ چال چلتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس طرح چل رہا تھا جیسے ہوا خوری کے لیے نکلا ہو۔ نزدیک پہنچتے ہی اس نے کچھ کہا تھا جو دوری کی وجہ سے ہم سن نہ سکے صرف اتنا دیکھا کہ اس بندے نے ہاتھ اٹھا کر اشارے سے کچھ بتایا تھا۔ اس کا ہاتھ اٹھتے ہی سفیر ایکشن میں آیا اور اس نے اس بندے کی گردن میں آرم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاک لگا دیا پھر ایسا دھوبی پچھاڑ لگایا کہ وہ منہ سے آواز بھی نہ نکال سکا۔

اسے بے ہوش کر کے سفیر نے جھاڑی میں ڈالا پھر واپس آنے لگا۔ اسے اپنی طرف آتے دیکھ میں نے رکنے کا اشارہ دیا اور پچھلی سیٹ پر پڑے الیکٹریکل وائر کو اٹھالیا۔ یہ وائر میں نے آج ہی منگوایا تھا تا کہ ایکسٹنشن بنا سکوں۔ ایکسٹینشن تو بن نہ سکا مگر اب کام آ رہا تھا۔ سفیر کے قریب پہنچ کر میں نے کہا۔ ''اگر اسے ایسے ہی چھوڑ دو گے تو یہ ہوش میں آتے ہی اندر کی جانب دوڑ لگا دے گا۔'' پھر میں نے اس کے ہاتھ پیروں کو باندھنا شروع کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں نے سفیر کو مخاطب کیا۔ ''اس کے منہ میں بھی کچھ ٹھونس دو تا کہ یہ مدد کے لیے کسی کو بلا نہ سکے۔''

سفیر کار کی جانب مڑ گیا اور جب لوٹا تو اس کے ہاتھ میں اجرک تھا۔ اجرک کے ایک حصے کو گولا سا بنایا پھر اسے اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ ''اب ہمیں اندر داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ بند ہونے سے پہلے ہمیں اندر داخل ہو جانا چاہیے۔''

''کوشش کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن میں پہلے اپنے آدمیوں کو آنے کا کہہ دوں۔''

وہ موبائل فون نکال ہی رہا تھا کہ سامنے سے آتی گاڑی کی ہیڈ لائٹ کو دیکھ کر رک گیا۔ ''شاید میرے بندے آ گئے۔''

میں بھی اسی طرف دیکھنے لگا۔ وہ گاڑی ہماری کار کے پاس آ کر رک گئی۔ وسیم کار کے پاس کھڑا تھا۔ اس گاڑی سے اترنے والے نے اس سے مصافحہ کیا۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ وسیم کو جانتا ہے۔ سفیر اور ہم واپس اپنی کار کے پاس آ گئے۔ نووارد نے سفیر سے کہا۔ ''ہم تینوں الگ الگ مقام پر تھے اس لیے آنے میں کچھ دیر ہوئی۔''

''کوئی بات نہیں..... اب سنو کرنا کیا ہے۔'' کہہ کر سفیر نے میری طرف دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھ سے پوچھنا چاہتا ہے کہ اب کیا کرنا ہے۔

''ہمیں اس بنگلے کے اندر داخل ہونا ہے۔ اندر سخت پہرہ ہے۔ وہ لوگ مقابلے کے لیے تیار ہوں گے۔ گارڈ سے نمٹ کر ہمیں اندر اپنے ایک ساتھی تک پہنچنا ہے۔ اسے چھڑانا ہے۔''

''گیٹ تو کھلا ہوا ہے۔'' نووارد نے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔ شاید شمشاد ہے نا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''جی سر میرا نام شمشاد ہے اور اس کا اشرف، اس کا ندیم۔''

''ہم دو طرف سے اندر داخل ہوں گے۔ سفیر میرے ساتھ ہوگا۔ ہم دیوار پھاند کر اندر جائیں گے لیکن تم اور وسیم گیٹ سے داخل ہو گے۔ باقی لوگ باہر رہیں گے۔ تمہارے ان دو ساتھیوں سے ہمارا رابطہ موبائل پر رہے گا۔ جب باہر والوں کو بلانا ہوگا تو بلا لیا جائے گا۔''

''جی بہتر ہے۔'' اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یاد رکھنا سی سی ٹی کیمرے بھی لگے ہوئے ہیں۔ اس لیے ہمارے اندر جاتے ہی انہیں خبر ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے ہم دو الگ الگ گروپ میں اندر جا رہے ہیں کہ ایک گروپ نظروں میں آ بھی جائے تو دوسرا مدد کے لیے تیار رہے۔ ہاں، مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس بنگلے کا کوئی اور راستہ بھی ہے کیونکہ ایک شخص نے ہمارے ساتھی سے کہا تھا کہ یہ دس مرلے پر پھیلا ہوا ہے جب کہ اس بنگلے کو دیکھ کر نہیں لگتا کہ یہ دس مرلے کا ہے اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ برابر والے یا پیچھے والے بنگلے سے اسے ملایا گیا ہے جو سامنے سے محسوس نہیں ہو رہا ہے۔''

''ایسا ہو سکتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اب تیار ہو جاؤ۔ میں اس طرف جا رہا ہوں۔ سفیر میرے ساتھ ہو گا۔ وہیں سے ہمیں دیوار پھاندنا ہے۔ جب میں موبائل آن کروں تو اس چمک سے سمجھ جانا کہ تمہیں دروازے کی طرف بڑھنا ہے۔'' میں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا اور اس طرف بڑھنے لگا۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس بنگلے میں کتا نہیں ہے کیونکہ ابھی تک کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ بس مجھے کیمرے سے بچنا تھا۔ ایک کیمرا تو میں نے گیٹ کے اوپر لگا دیکھ لیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کہیں کوئی کیمرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس دیوار کو اس لیے پسند کیا تھا کہ وہاں ایک پیڑ تھا جس کی شاخیں دیوار تک پہنچ رہی تھیں۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے سفیر کو اشارہ کیا اور وہ بندر کی سی پھرتی سے پیڑ پر چڑھتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے میں بھی اوپر چڑھ آیا پھر میں نے سفیر کو اشارہ کیا کہ وہ دیوار پر چڑھے۔ وہ دیوار کی طرف جانے والی شاخ کی طرف بڑھا تھا کہ میں نے موبائل کو آن کر کے بند کیا۔ اندھیرے میں موبائل اسکرین کی روشنی دور تک نظر آئی ہو گی۔ شمشاد نے بھی دیکھ لیا تھا کیونکہ وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ میں جب اس ڈال پر پہنچا تو سفیر دیوار تک پہنچ چکا تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں مجھے وہ جیکٹ بہت یاد آئی تھی جسے پہن کر ہم لوگ کل خانقاہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس جیکٹ کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ گولیاں ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی تھیں۔ لیکن اس وقت وہ ساتھ نہیں تھی تو سوچ کر ہلکان ہونے سے فائدہ نہیں تھا۔ ذہن کو جھٹک کر میں نے اندر نظر ڈالی۔ گیٹ کے پاس کسی بندے کو گرا کر ایک بندہ اس کا گلا دبا رہا تھا۔ احاطے میں روشنی تھی۔ میں نے پہچان لیا کہ گلا دبانے والا شمشاد ہے اور نیچے گرا ہوا بندہ چوکیدار کے قبیل کا کوئی ہے۔ اس طرف سے نظریں ہٹا کر میں نے سفیر کو دیکھا جو دیوار سے نیچے اتر چکا تھا۔ میں بھی دیوار پر ہاتھ جما کر نیچے کی طرف لٹک گیا۔ نیچے اترتے ہی میں نے برآمدے کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ پہرے داری کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ دو گارڈ پر بھروسا کر کے بنگلے والے مطمئن ہو گئے تھے۔ جب کہ عبداللہ کو اغوا کرنے والے نے جس انداز میں عبداللہ کو بریف کیا تھا اس سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا کہ یہاں کوئی خاص انتظام ہے۔

برآمدے میں پہنچا ہی تھا کہ لائٹ بجھ گئی۔ یہ کام سفیر نے کیا تھا اس نے آتے وقت مین سوئچ آف کر دیا تھا تاکہ اس بنگلے کا خودکار نظام بند ہو جائے۔ میں دروازے سے اندر داخل ہوا۔ سامنے کمرا نہیں، کھلا پیسج تھا۔ سامنے ہی اوپر جانے والی سیڑھیاں تھیں۔ تبھی میں نے عقب میں آہٹ محسوس کی، چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ وسیم اور شمشاد آ رہے تھے۔ میں نے وسیم کے نزدیک پہنچتے ہی کہا۔ ''اب ہمیں مزید ہوشیار رہنا ہو گا کیونکہ اندر والے ہوشیار ہو گئے ہوں گے۔ یہ نہ سمجھو کہ ہمارے آنے کی کسی کو خبر نہیں ہوئی ہو گی۔ باہر سی سی ٹی کیمرا لگا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ مانیٹر پر جو بھی ہوگا اس نے ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔''

''ہاں یہ خطرہ موجود ہے۔'' وسیم نے جواب میں کہا۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ سامنے والا دروازہ کھلا اور ایک ساتھ پانچ آدمی باہر نکلے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ ایک کے ہاتھ میں پستول تھا باقی روایتی ہتھیار بدست تھے۔ تبھی عقب میں پھر پیروں کی چاپ گونجی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو دو بندے تھے۔ ایک نے گن تھام رکھی تھی دوسرا خالی ہاتھ تھا۔ وہ باہر سے اندر آ رہے تھے۔ گویا ہم دونوں طرف سے گھر کر اس گلیارے میں محصور ہو چکے تھے۔

''اب کیا کیا جائے؟'' وسیم نے پوچھا۔

''جیسے ہی اشارہ کروں تم دونوں پستول والے کو سنبھال لینا باقی کو دیکھ لیا جائے گا۔'' میں نے کہا۔

نو واردوں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہم بھی اپنے دفاع کے لیے تیار تھے اور پوزیشن لے چکے تھے۔ تبھی میں نے اشارہ دیا اور دونوں پیروں کو جوڑ کر اچھال بھری۔ فلائنگ کک بروقت مگر شدت کے ساتھ پستول والے کے برابر میں کھڑے شخص کے سینے پر پڑی۔ کک ایسی تھی کہ زندہ کو بھی مردے میں بدل دے۔ اتنی زوردار کہ دیوار پر پڑتی تو وہ بھی چیخ جاتی۔ مقابل پیٹھ کے بل زمین پر گرا۔ میں نے گرتے گرتے کمال پھرتی سے اپنا داہنا ہاتھ پستول والے کے ہاتھ پر مارا تھا نتیجتاً اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ چکنے فرش پر پستول گرا تو پھسلتا ہوا کافی دور چلا گیا۔ میرے ساتھ ہی سفیر نے بھی بوٹ کی بھرپور کک اپنے مقابل کے ہاتھ پر ماری تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ اپنے ہولسٹر سے پستول نکال رہا تھا۔ بروقت کک لگی تھی اور اس کے ہاتھ سے بھی پستول نکل کر دور جا گرا تھا تبھی مجھے کھٹ کی آواز سنائی دی یہ آواز سفیر کے سر سے ابھری تھی۔ ڈنڈا اٹھائے شخص نے ڈنڈا چلا دیا تھا۔ سفیر سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا تبھی وسیم نے اس شخص کی کنپٹی پر گھونسا رسید کیا جو اپنے ہاتھ میں کھلا خنجر لیے کھڑا تھا۔ وہ شخص کسی لڑاکا مرغ کی طرح بازو پھیلائے آگے بڑھ رہا تھا مگر گھونسا پڑتے ہی سلوموشن میں زمین پر گرتا چلا گیا تھا۔ وسیم نے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مقابل کے سینے پر فلائنگ کک ماری تھی۔ کک مارنے کے چکر میں وہ پیٹھ کے بل گرا تھا مگر برق رفتاری سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ٹرینڈ لڑاکا تھا اس کے ہاتھ اور پیر دونوں چل رہے تھے۔ اس کا نپا تلا گھونسا کسی کے سینے پر پڑتا تو کسی کے چہرے پر لات پڑتی۔ اس کے اس جارحانہ موڈ کو دیکھ کر پانچوں نے ایک ساتھ حملہ کیا۔ اس کی مدد کے لیے شمشاد اور میں بڑھ آئے پھر ہم سب ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

اب عالم یہ تھا کہ کس کی لات کسے لگی اور کس کا گھونسا کہاں پڑا خود مارنے والے کو بھی پتا نہ تھا۔ بس ہم سب بھڑے ہوئے تھے۔ ہتھیار کب کے کہاں پھینک چکے تھے کسی کو خبر نہ تھی۔ ایسی اندھی لڑائی کا نتیجہ توقع کے برعکس ہی نکلتا ہے اس لیے میں نے آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ ہمارے دونوں مقابل بھی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ یہ بات سفیر سے چھپی نہ رہ سکی اس نے بھی میری تقلید کی اور وہ بھی پیچھے ہٹنے لگا۔ کچھ پیچھے ہٹتے ہی یکا یک اس نے خود کو زمین پر گرایا اور تیزی سے پھسلتا ہوا اپنے مقابل کی ٹانگوں سے جا ٹکرایا وہ دونوں اس اچانک آئی افتاد پر سنبھل نہ سکے اور پیچھے کی طرف گرتے چلے گئے۔ خود بھی گرے اور سنبھلنے کی کوشش میں اپنے دو ساتھیوں کو بھی لے گرے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گرے ہوئے دشمن پر وار کرنا بزدلی ہے مگر جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔ سفیر اور وسیم نے ان تینوں پر ٹھوکریں برسانا شروع کر دیں ساتھ ہی ساتھ وہ دونوں باقی تینوں جو کھڑے تھے ان کے حملوں سے بھی خود کو بچا رہے تھے۔ اس وقت سفیر کا چہرا کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ دیکھنے والا خوفزدہ ہو جاتا۔ ڈنڈے کے ضرب نے سر پر زخم بنا دیا تھا جس سے نکلنے والا خون چہرے پر لکیریں بنا گیا تھا۔ لیکن سفیر کو خون بہنے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ اسی دم خم سے مقابلے میں ڈٹا ہوا تھا۔ ہم بھی پوری طرح مصروف تھے۔

اب مجھے اور وسیم کو سہ طرفہ وار کرنا پڑ رہے تھے۔ کبھی ہم پیروں کا استعمال کرتے تو کبھی گھونسوں کا۔ ہم تھک چکے تھے اور مقابل کے گھونسوں اور لاتوں کی چوٹ کا اثر بھی محسوس کر رہے تھے۔ پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا مگر یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ ذرا سی بھی سستی دکھاتے تو مقابل موت کی نیند سلا دیتے اسی لیے ہم تینوں اپنی پوری قوت کا مظاہرہ کر رہے تھے تبھی میں نے دیکھا کہ ایک شخص نے سفیر کو زمین پر گرا دیا ہے اور اس کا گلا دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ تو پہلے ہی سر پر پڑنے والی ضرب سے زخمی تھا اس لیے کچھ کمزور پڑ رہا تھا۔

یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ میں تماشائی بنا رہتا۔ میں جانتا تھا کہ سفیر ذہنی طور پر بہت قوی ہے، بڑے سے بڑے گنجلک مسئلے کو منٹوں میں حل کر لیتا ہے مگر زخمی حالت میں ہاتھ پیر چلانے میں، قوت کا مظاہرہ کرنے میں اس وقت ذرا پیچھے ہے۔۔ جذبات میں آ کر وہ دشمنوں سے ٹکرا تو گیا ہے مگر اس حالت میں وہ کمزور ہی ثابت ہوگا۔ جس طرح سے دشمن اس کا گلا دبا رہا تھا وہ زندہ نہیں بچے گا۔ اسے بچانے کے لیے میں اپنی جگہ سے اچھلا اور سیدھا اس دشمن پر جا پڑا جو اس کے سینے پر سوار تھا۔

میری کھڑی لات کھا کر وہ دور جا گرا تھا اور اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ میں نے سامنے سے ایک اور لات ماری تھی۔ میری لات اس کی پیٹھ پر پڑی تھی۔ لات ایسی زبردست تھی کہ وہ کھڑا نہ رہ سکا اور چیختے ہوئے بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی چیخ میں کرب تھا اور اب وہ بن پانی کی مچھلی بن چکا تھا۔ میں نے لات ہی پر اکتفا نہیں کیا پے در پے کئی گھونسے بھی مارے تھے۔ اس کا نتیجہ بھی جلد سامنے آ گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر لمبا لمبا لیٹ گیا تھا۔ اب ہم تینوں کے مقابلے میں پانچ آدمی تھے۔

''کھیل لمبا ہو رہا ہے۔'' میں نے مقابل پر گھونسے برساتے ہوئے کہا۔ تبھی میری نظر سفیر پر پڑی۔ وہ پھر دو آدمیوں میں گھر چکا تھا۔ دشمنوں نے تاڑ لیا تھا کہ سفیر زخمی ہے۔ ان کا مقابلہ نہیں کر پا رہا ہے۔ اسی لیے لگاتار پٹ رہا ہے۔

میں نے اپنے مقابل کی ناک پر ایک زوردار گھونسا مارا اور لمبی چھلانگ لگا کر سفیر کے قریب پہنچ گیا پھر داہنے پیر پر وزن ڈال کر بائیں پیر کو سیدھا کر دیا تھا اور پھرکی کی طرح گھوم گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس کے بدن پر لات پڑی تھی وہ اچھل کر وسیم کے مقابل پر جا گرا تھا۔ وسیم نے لگے ہاتھوں اسے بھی سمیٹ لیا تھا ایک ساتھ دو لاتیں رسید کر دی تھیں۔ سفیر جو زمین پر گر چکا تھا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تبھی اس کی نظر وہیں پڑے پستول پر پڑی اور اس نے پھرتی سے اسے اٹھا لیا۔ وہ پستول اٹھا کر کھڑا ہونا چاہتا تھا اور ابھی پچھتر ڈگری کا زاویہ بنا رہا تھا کہ اسی وقت اس کی کمر پر ایک قوی ہیکل شخص کی گرز جیسی لات پڑی اور وہ پھر سے زمین بوس ہو گیا۔ اسے پٹتے دیکھ کر شمشاد کو تاؤ آ گیا اور اس نے دوبارہ اچھال بھری اور اس شخص پر جا پڑا جس نے سفیر پر حملہ کیا تھا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ساتھ ہی ساتھ اس شخص کے جبڑے پر پوری طاقت سے گھونسا مارا تھا۔ گھونسا اتنا شدید تھا کہ وہ لڑکھڑا کر سفیر پر جا گرا تھا۔ سفیر نے سنبھلنے کے نام پر صرف اتنا کیا کہ ہاتھ اٹھا دیا اور گولی داغ دی۔ فائر اتنے نزدیک سے ہوا تھا نتیجہ بھی خاطر خواہ نکلا اس شخص کی کھوپڑی پرخچے میں بدل گئی تھی اور اس کا دماغ دور دور تک بکھر گیا تھا۔

گولی کے ساعت شکن شور نے سب کو چونکا دیا تھا۔ لڑائی رک گئی تھی کہ سفیر نے ایک دوسرے شخص کا نشانہ لیا اس نے پستول کی نال اپنی طرف آتے دیکھ عجیب حرکت کی۔ وہ پھرتی سے زمین پر گرا اور پھر پھسلنے کے انداز میں زمین پر لوٹ لگاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ سفیر اگر چاہتا تو اسے نشانہ بنا سکتا تھا لیکن وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا اور وہ بندہ کمرے سے بہ آسانی باہر نکل گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے باہر بھاگنے کا چانس خود سفیر نے دیا ہے۔ اب وہاں صرف تین آدمی بچے تھے جو سکتے کے عالم میں کھڑے تھے کہ سفیر نے ان کو نشانہ بنانے کے لیے پستول سیدھا کیا۔ پستول کی نال اپنی طرف اٹھتے ہی وہ تیزی سے گلیارے میں دوڑ گئے۔ کمرا بالکل خالی ہو گیا تھا۔

''خس کم جہاں پاک۔'' وسیم نے کہا۔ ''مگر اصل مجرم تو ہاتھ ہی نہیں آیا۔ اب کیا کیا جائے؟''

''کرنا کیا ہے عبداللہ کو تلاش کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن یہ بھی خیال رہے کہ فرار ہونے والے نئی کمک لے کر آ سکتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ بھاگنے والے لوٹ کر نہیں آتے۔ اس لیے کہ ان کے لڑنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ سب سڑک چھاپ ہیں۔ ایسے لوگ خواہ مخواہ اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈالتے۔ جنہوں نے ان کو بلایا ہوگا یہ ان سے کوئی بہانا کر کے اپنی رقم کھری کر لیں گے۔'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

ہم سب سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چلتے چلتے رک کر سفیر نے کہا۔ ''وہ جو بے ہوش پڑے ہیں انہیں کیا یونہی چھوڑ دیا جائے؟''

''پھر کیا ان کا اچار ڈالا جائے گا، بے وقوف آدمی وہ کرائے کے ٹٹو ہیں، ہم عبداللہ کی تلاش میں آئے ہیں اسے تلاش کرو۔ باہر ہمارے آدمی پہلے سے موجود ہیں۔ جو لوگ افراتفری میں نکلے ہوں گے وہ ان کی نظروں سے بچ نہیں پائے ہوں گے۔ انہیں ان لوگوں نے سنبھال لیا ہوگا۔''

''شہباز صحیح کہہ رہے ہیں۔'' وسیم بولا۔ ''ہم عبداللہ کو بازیاب کرانے آئے ہیں۔ اسے ڈھونڈیں گے نا کہ غور و فکر کی کتاب کھول کر بیٹھ جائیں۔ چلو ایک ایک کر کے تمام کمروں کی تلاشی لیتے ہیں۔''

''وسیم نے بالکل صحیح کہا ہے۔ جس شخص نے عبداللہ کو اغوا کیا ہے وہ بھی کوئی اہم بندہ ہے اور اسے تلاش کرنا ضروری ہے۔ اس عورت کو بھی تلاش کرنا ہے جس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ مرشد کو دوبارہ سے مستحکم کرنے میں وہ اہم کردار ادا کر رہی ہے۔'' میں نے رائے دی۔

''وہ عورت یہاں ہوگی؟ اس کے گھر کا پتا تو کچھ اور بتایا گیا ہے۔'' وسیم بولا۔

''اس کے بعد اسے ڈھونڈنا ہے۔ وہ جب تک نہیں ملے گی اصل بات کھل کر سامنے نہیں آئے گی کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کیوں مرشد کا ساتھ دے رہے ہیں؟''

''خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں عبداللہ تک پہنچ کر بھی سوچا جا سکتا ہے۔'' سفیر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''چلو!'' کہہ کر میں نے پھر سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ایک کے بعد ایک کمروں میں جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ اب سوچتا ہوں تو ہنسی آتی ہے کیونکہ اس دن ہم سب بنگلے کی تلاشی اس طرح سے لے رہے تھے جیسے سوئی کھو گئی ہو۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کہیں کوئی بندہ بشر نظر نہیں آ رہا تھا۔ جب کہ دو آدمی میرے سامنے اندر کی طرف بھاگے تھے۔ عبداللہ کو بھی اسی بنگلے میں لایا گیا تھا۔ اتنے سارے لوگ اندر آئے لیکن اب کوئی بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ وہ سب گئے کہاں؟ ایسی کون سی خفیہ جگہ ہے جہاں وہ لوگ چھپ کر بیٹھ گئے ہیں؟ میں اسی نکتے پر غور کر رہا تھا کہ لیپ ٹاپ کا خیال آ گیا۔ میں نے وسیم کو مخاطب کیا۔ ''کسی کو باہر بھیج کر لیپ ٹاپ منگوالو۔''

''یہی مشورہ میں دینے والا تھا۔'' وسیم نے کہا اور پھر ایک بندے کی طرف مڑ کر بولا۔ ''ہری اپ..... سن لیا نا کہ کیا منگوایا گیا ہے۔''

وہ مسکراتے ہوئے باہر والے دروازے کی طرف چل پڑا۔ اب کمرے میں ہم چار ہی آدمی بچ گئے تھے۔ سفیر، وسیم، شمشاد کا ایک ساتھی اور میں۔ تبھی سفیر بولا۔ ''کیا ہم اسی طرح یہاں کھڑے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہیں گے؟''

''نہیں ابھی ٹھمری گائیں گے۔'' وسیم بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''نہیں نہیں راگ ملہار گانا، تاکہ بارش ہو اور اگر نیچے کوئی تہ خانہ ہو تو اس میں پانی بھر جائے اور اندر والے پانی سے خوفزدہ ہو کر باہر نکل آئیں۔'' سفیر نے سنجیدہ لہجے میں چوٹ کی۔

وسیم کچھ کہتا کہ باہر جانے والا لیپ ٹاپ اٹھائے آ گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے لیپ ٹاپ لیا اور اسے آن کر دیا۔ ونڈو کھلی تھی کہ میں نے وسیم کا بتایا ہوا نمبر انٹر کیا۔ اسکرین پر نقشہ ابھر آیا۔ نقشے میں سرخ دائرہ نظر آ گیا۔ عبداللہ والی چپ فائنڈ ہو گئی تھی۔ جہاں ہم کھڑے تھے اس سے چالیس میٹر دور عبداللہ تھا۔ میں نے پُرسوچ انداز میں سفیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بنگلے کی دیوار پندرہ سولہ میٹر کے بعد ختم ہو جاتی ہے لیکن عبداللہ کی دوری چالیس میٹر بتا رہی ہے۔ کیا اس دیوار سے اندر جانے کا کوئی راستہ بھی ہے؟''

''مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' وسیم نے جھک کر اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے یاد آ رہا ہے کہ عبداللہ سے اس آواز نے کہا تھا کہ یہ بنگلا جتنا نظر آ رہا ہے اس سے بڑا ہے۔ گویا عقب والی عمارت بھی اس سے جڑی ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر انتظار کیسا۔ ہم اس خفیہ دروازے کو ڈھونڈتے ہیں۔'' وسیم بولا۔

ہم سب دیواروں پر ہاتھ پھیر پھیر کر ڈھونڈنے لگے کہ شاید کوئی کلیو مل جائے۔ نیچے کے تمام کمروں کو چیک کر لیا۔ ایک ایک دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیا مگر ایسا کچھ نظر نہیں آیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس بنگلے میں کوئی رہتا ہی نہیں۔ تمام کے تمام خالی کمرے ہمارا منہ چڑھا رہے تھے۔

''یہی کمرے آخری سرے پر ہیں اور عبداللہ بھی نزدیک ہے۔ لیکن اس تک پہنچا کیسے جائے۔'' سفیر نے کہا۔

ہم سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے کہ شاید کوئی حل بتا دے لیکن سب خاموش تھے۔ تبھی وسیم بولا۔ ''عام طور پر لوگ جب بلڈنگ بناتے ہیں تو دوسری عمارت کی دیوار سے کچھ ہٹ کر دیوار کھڑی کرتے ہیں۔ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارلان میں نکل کر دیکھنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ اس عمارت کے پیچھے کچھ جگہ چھوڑی ہوئی ہو اور دروازہ باہر کی دیوار میں بنایا گیا ہو۔''

''واقعی اس کی بات کو جانچنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے اس کا اندازہ صحیح ہو۔'' سفیر نے کہا۔

وسیم کی بات مجھے بھی پسند آئی۔ میں نے باہر والے دروازے کی طرف قدم بڑھایا تھا کہ دروازے کے بیچوں بیچ ایک آدمی آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھی۔ اس نے اپنا چہرہ ڈھاٹے سے چھپا رکھا تھا۔ اس نے للکارنے کے انداز میں کہا۔ ''تم سب چاروں طرف سے گھر گئے ہو۔ اپنے اپنے ہاتھ سر پر رکھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ منہ دیوار کی طرف ہونا چاہیے۔''

یہ آواز نہیں بم کا دھماکا تھا۔ کمرے میں موجود تمام افراد چونک گئے تھے۔ اب تک ہم کامیابی کے نشے میں چُور تھے۔ تبھی تو ہم ہر جانب سے غافل ہو چکے تھے، دشمن کے گھر میں کھڑے ہو کر ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ عقلمندی کا تقاضہ تھا کہ ہر طرف نظر رکھتے لیکن سب کے سب بے پروا ہو گئے تھے۔ جس کا نتیجہ بھی سامنے آ گیا تھا۔ اب پچھتانا بیکار تھا۔

اس نے پھر وارننگ دی۔ ''سر اٹھا کر روشندان کی طرف دیکھو۔ ہر طرف سے تم لوگوں کو نشانے پر لے لیا گیا ہے۔''

میں نے اوپر نظر ڈالی تو سکتے میں رہ گیا۔ کمرے میں چار روشندان تھے اور ہر روشندان سے نال باہر جھانک رہی تھی۔ اس سے پہلے درجنوں مہم سر کر چکا ہوں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک ہی دن اتنے لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑا ہو۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ بنگلا صرف لڑائی کے لیے مختص ہو۔ ایک کے بعد ایک پارٹی الجھنے آ جا رہی ہے۔ جب کہ ایک لاش اب بھی ڈرائینگ روم میں پڑی ہے۔ مجھے خاموش دیکھ کر اس نقاب پوش نے کہا:

''اب تو تسلی ہو گئی ہو گی اگر ابھی بھی نہیں ہوئی ہے تو فائر کر کے یقین دلاؤں مگر اس میں تمہارا ایک آدھ آدمی جان سے جائے گا۔''

''اگر ہاتھ سر پر نہ رکھ کر کمر پر رکھوں تو کیا پھر بھی تم گولی مارو گے؟'' اس حالت میں بھی وسیم کی بذلہ سنجی کم نہیں ہوئی تھی۔

''یہ آخری وارننگ ہے۔ کسی نے کوئی غلط حرکت کی اور اوپر سے گولیاں برسیں۔ اس لیے تعاون کرو۔ میں خود اندر آ رہا ہوں تا کہ تلاشی لے سکوں۔ اس سے پہلے جس کے پاس جو اسلحہ ہے وہ نکال کر زمین پر رکھ دے۔''

مجھے یقین تھا کہ جیسے ہی انہیں معلوم ہو گا کہ میں ہی شہباز ہوں یہ سیدھے مجھے گولی مار دیں گے۔ شیر جب شکاری کے جال میں پھنستا ہے تو چوہا بن جاتا ہے۔ میں بھی اس وقت چوہا بنا ہوا تھا۔ تبھی وہ اندر آیا۔ ڈھانے سے صرف دو آنکھیں نظر آ رہی تھیں جن میں نفرت ہی نفرت تھی۔ وہ آگ برساتی نگاہوں سے ہمیں گھور رہا تھا۔ اس نے چہرہ چھپا کر سمجھا تھا کہ میں اسے پہچان نہیں سکوں گا۔ حالانکہ اس کے نزدیک آتے ہی میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی تھی کہ وہ کیسے آ گیا۔ اس نے مجھے سڑک چھاپ غنڈہ سمجھا تھا تبھی تو رعب جمانے آ گیا تھا۔ اسے شاید علم نہیں تھا کہ میں اپنے شکار کو کبھی بھولتا نہیں ہوں۔ میرے ہاتھ جس آدمی کے جسم پر پڑتے ہیں، جہاں پڑتے ہیں وہاں کا گداز پن، نشیب و فراز میرے ذہن پر نقش ہو جاتا ہے۔ شمشاد نے اس گارڈ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو جب بے ہوش کیا تھا تو میں ایک نظر اسے دیکھنے نزدیک گیا اور اس کی تلاشی لی تھی۔ تبھی تو میں نے اس کے جسم کی بناوٹ سے اسے پہچان لیا تھا اور حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ شاید شمشاد کا ہاتھ ہلکا پڑا تھا یا وہ کچھ زیادہ ہی سخت جان تھا۔ اسی لیے دوبارہ آ گیا تھا اور اسلحے کے زور پر اکڑ رہا تھا، تیزی دکھا رہا تھا مگر اس سے بھی تیز میرے ساتھی تھے۔ جیسے ہی وہ سفیر کے نزدیک پہنچا سفیر نے اچھل کر اس کے ہاتھ پر کک ماری۔ کلاشنکوف چھوٹ کر دور جا گرا۔ یہ بہت بڑی بے وقوفی تھی۔ روشن دان سے انگارے برس سکتے تھے مگر اب سوچنے فکر کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وسیم نے بھی سفیر کی تقلید کی اور لڑکھڑاتے اس بھگوڑے کی کمر پر لات ماری۔ اسی کے ساتھ شمشاد نے بھی وزنی گھونسا آزمایا۔

اس کی چیخ گونجی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا شمشاد کے ساتھی کی طرف گیا تھا کہ اس نے بھی کک چلا دی۔ وہ دوبارہ سے میری طرف آ گیا۔ میں نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لیا۔ کھڑی لات اس کے کمر پر ماری۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر سنبھل نہ سکا اور پھر سے سفیر کی طرف چلا گیا۔ سفیر پہلے سے ہی مستعد تھا، اس نے گھٹنے کی قوت آزمائی، سفیر نے اس کے پیٹ پر وار کیا تھا۔ وہ پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ سفیر کے گھٹنے کی ضرب سہہ لینا معمولی بات نہیں تھی۔ اسی وقت شمشاد نے آگے بڑھ کر اسے پروفیشنل ریسلر کی طرح دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور سر سے بلند کر کے کچھ توقف کیا اور پھر پوری قوت سے اسے زمین پر دے مارا۔ وہ مری ہوئی چھپکلی کی طرح زمین پر بکھر گیا تھا۔ اس معرکہ کے دوران میں بھی میری توجہ روشندان کی طرف تھی۔ اس سے جھانکتی ہوئی نالوں کی طرف تھی۔ میں منتظر تھا کہ ادھر سے کب فائر آتا ہے مگر حیرت کی بات تھی کہ بیرل میں ذرا بھی ارتعاش پیدا نہیں ہوا تھا۔ ہلکی سی بھی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے فٹ کر کے چھوڑ دیا گیا ہو۔ ان کا بندہ اس بری طرح پٹ رہا ہے پھر بھی وہ فائر نہیں کر رہے۔ یہ کیسے نشانچی ہیں جو اپنے ساتھی کی بھی مدد نہیں کر رہے ہیں۔ سفیر اور وسیم کی پوری توجہ اس بے ہوش بندے پر تھی اس لیے میں نے سوچا کے باہر جا کر روشندان پر بیٹھے بندوں کو دیکھ آؤں۔

باہر آ کر گربہ پا چلتا ہوا میں بنگلے کے عقب میں پہنچا۔ روشندان اسی طرف کھل رہے تھے۔ عقب میں پہنچتے ہی میری ہنسی چھوٹ گئی۔ اندر بے ہوش پڑے شخص پر مجھے ہنسی آنے لگی۔ اس نے غضب کی چالاکی دکھائی تھی۔ اس نے چاروں روشندان میں رائفلز ٹکا کر یہ پوز دیا تھا کہ باہر بہت سارے لوگ ہیں۔ جب کہ باہر ایک بھی شخص نہیں تھا۔ اندر واپس آ کر میں نے کہا۔ ''اس بے ہوش شخص کو باندھ کر ایک طرف ڈال دو اور چلو عقب میں ایک گلی نظر آئی ہے اس میں دیکھتے ہیں کہ وہ کہاں ختم ہو رہی ہے۔''

وسیم نے فوراً ایک بیڈ کی چادر اتاری اور اسے درمیان سے پھاڑ کر رسے جیسی شکل دی اور اس سے اس بندے کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگا۔ اس کام سے فرصت پا کر ہم سب باہر آ گئے۔

''اتنی سی دیر میں ہم نے خوب مقابلہ کیا ہے۔ شاید یہ زندگی کا ایسا مشن ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اللہ کی پناہ۔ اتنے لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔'' وسیم نے کہا۔

''کیوں، وادی میں جب سامیرا کی مدد کے لیے ہم جنگ میں کودے تھے اس دن ایسا موقع کئی بار نہیں آیا تھا۔'' سفیر نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ جنگ تھی۔ دو بڑی قوتوں کے درمیان ایک جنگی منظر تھا۔ اس کی بات دیگر ہے۔'' وسیم اپنی بات پر اڑا رہا۔

''تم لوگ ایسے مطمئن ہو جیسے گھر میں بیٹھے ہو۔ یہ نہ بھولو کہ یہ دشمنوں کا گھر ہے۔ کئی لوگ میدان چھوڑ کر بھاگے بھی ہیں۔ وہ جتھا بنا کر پھر سے مقابلے پر آسکتے ہیں۔'' میں نے ٹوکا۔

''آپ کہتے ہیں تو میں ان باتوں کو بھلا دیتا ہوں اور سنجیدگی سے عبداللہ کو تلاش کرنے میں عقل صرف کرتا ہوں۔ اب تو خوش؟'' وسیم نے ہنس کر کہا۔

اتنی دیر میں ہم بنگلے کے عقب میں پہنچ چکے تھے۔ دو عمارتوں کے درمیان ایک گلی سی موجود تھی لیکن دیوار میں کوئی در نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر وسیم پھر بولا۔ ''اب ایسا کرتے ہیں کہ دیوار کو گرا کر دیکھتے ہیں کہ اس کے پیچھے تو کوئی دروازہ نہیں ہے۔''

میں نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''ادھر دیکھو، عبداللہ کی جیب میں جو چپ ہے اس کے سگنل دیوار کے پیچھے سے آرہے ہیں۔ یعنی وہ ادھر موجود ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ دیوار کی دوسری جانب جو بنگلا ہے اس کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہے۔''

سفیر نے اسکرین کو دیکھ کر کہا ''بات تو صحیح ہے۔ وہ داخل اس بنگلے میں ہوا اور اب سگنل ادھر سے آرہے ہیں تو اسے کسی خفیہ دروازے سے ادھر پہنچایا گیا ہے۔''

''اس لیے ہمیں نئے سرے سے اس دروازے کو ڈھونڈنا پڑے گا۔''

''ہر کمرے کی دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیا۔ کسی دیوار میں ایسا کچھ نظر نہیں آیا جسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ وہاں کوئی دروازہ ہے۔'' وسیم نے جواب میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم غلط رخ پر سوچ رہے ہیں۔ دیواروں میں تلاش کر رہے ہیں۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ راستہ سرنگ میں ہو؟'' میں نے اپنا خیال پیش کیا۔

''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ چلو اب کمرے کی زمین کو بھی ٹھونک بجا لیں۔ اس لیے کہ عبداللہ کو کمرے میں لایا گیا۔ پھر اسے آگے لے جایا گیا۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ سرنگ اگر ہے تو کسی تہ خانے سے ہے۔'' وسیم نے کہا اور مڑ گیا۔

ہم سب لوٹ کر پھر ڈرائینگ روم میں آگئے اور کارپٹ الٹ کر ڈرائینگ روم کے فرش کا معائنہ کرنے لگے۔ اس فرش میں ایسا کچھ نہیں ملا۔ اس کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے کمرے کے فرش کو دیکھا لیکن ناکامی مقدر رہی۔ پھر ہم سب سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ سیڑھیاں اوپر والی منزل کو جا رہی تھیں۔ سیڑھیوں کے نیچے کے حصے کو دیوار اٹھا کر چھوٹے کمرے کی شکل دے دی گئی تھی۔ عام طور پر ایسی جگہ پانی چڑھانے کی موٹر کے لیے موزوں سمجھی جاتی ہے۔ پہلے میں نے بھی یہی سمجھا تھا اس لیے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ اس بار میں نے سیدھے جا کر اس کے چھوٹے سے دروازے کو کھولنے کے لیے دباؤ ڈالا۔ دروازہ بند نہیں تھا۔ کھلتا چلا گیا۔ اندر جھانکتے ہی وسیم نے نعرہ لگایا۔ ''اسے کہتے ہیں، بغل میں بچہ شہر میں ڈھنڈورا۔''

اس کمرے کے درمیان فرش سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اندر جھانکتے ہی سیڑھیاں نظر آگئیں۔ لگتا ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد میں جو دو آدمی میدان چھوڑ کر بھاگے تھے انہوں نے جلد بازی میں فرش میں بنا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ نیچے سیڑھیاں سی جا رہی تھیں۔

''اب کیا کرنا ہے؟'' شمشاد نے سرگوشی میں پوچھا۔

''نیچے اترنا ہے لیکن احتیاط سے۔ پہلے میں اترتا ہوں۔ نیچے جا کر میں سفیر کے موبائل پر مس کال دوں گا تب ایک دوسرے سے فاصلہ رکھ کر آپ سب نیچے اتریں گے۔'' انہیں ہدایت دے کر میں نے سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا۔ میری نظریں اس دروازے پر لگی ہوئی تھیں جو نیچے، سیڑھیوں کے اختتام پر تھا۔ اس دروازے سے روشنی اندر تک آ رہی تھی۔ یقیناً اس کے بعد دوسری طرف والا بنگلا تھا۔ آدھی سیڑھیاں طے کرنے کے بعد میں نے مس کال دی تا کہ مجھے کور اَپ کرنے والا نیچے اترنا شروع کر دے۔

سامنے والا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس سے باہر آنے والی روشنی اندر تک آ رہی تھی۔ میں اسی روشنی کو دیکھ رہا تھا کیونکہ اگر کوئی آتا تو اس کا سایہ نظر آ جاتا۔ آہستہ آہستہ میں نیچے اتر آیا۔ اس دروازے میں داخل ہونے سے پہلے میں نے اوپر کی طرف دیکھا۔ سفیر اور اس کے پیچھے وسیم نیچے آ رہے تھے۔ میں نے گربہ پا چلتے ہوئے ادھر دیکھا۔ وہ کمرا بالکل خالی تھا۔ پھر بھی میں اندر داخل نہیں ہوا۔ مجھے سفیر کے آنے کا انتظار تھا۔ ابھی میں اندر جھانک ہی رہا تھا کہ آواز آئی۔ ''خبردار ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ گارڈ کی وردی میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹین گن تھی۔

میں نے مڑ کر سفیر کی طرف دیکھا اور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اسی وقت اندر سے پھر آواز آئی۔ ''سنا نہیں ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھانے کا کہا ہے؟''

میں سمجھ گیا کہ وہ اندھیرے میں تیر چلا رہا ہے۔ اسے مطلق دکھائی نہیں دیا ہے کہ میں کس طرف کھڑا ہوں۔ میں دیوار سے چپک کر کھڑا تھا اور اس کے نزدیک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دبے قدموں میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے اسٹین گن کو اس طرح سنبھال رکھا تھا جیسے ابھی فائر کر دے گا۔ اس کے بڑھتے قدم بتا رہے تھے کہ وہ اندازے سے آگے آ رہا ہے۔ یعنی کہ اسے ابھی تک یقین نہیں ہے کہ اس جگہ کوئی چھپا ہوا ہے۔ شاید اسے حکم دیا گیا ہوگا کہ اندر آنے والے کو روکے۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں بھی خفیہ کیمرا لگا ہوا ہے جس نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ اس خیال نے مجھے مزید ہوشیار کر دیا اور میں دیوار سے بالکل چپک کر کھڑا ہو گیا۔ سفیر بھی ہوشیار ہو گیا تھا۔ نووارد آگے بڑھتے بڑھتے بالکل نزدیک آ گیا۔ میں اسی وقت کا منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ نزدیک پہنچا میں نے اس کی اسٹین گن پر ہاتھ ڈال دیا اور ایسا جھٹکا دیا کہ وہ منہ کے بل گرا۔ اسٹین گن اب میرے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ وہ اٹھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ سفیر نے اسے چھاپ لیا۔ وہ اس کی جکڑ سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اتنی دیر میں وسیم بھی نزدیک آ چکا تھا۔ اس نے گارڈ کی گردن پر پیر رکھ کر دبایا۔ گارڈ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ شاید اس کی سانس رکنے لگی تھی۔ سفیر نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پشت پر لگا کر کہا۔ ''اب ہاتھ پیر چلایا تو گردن دب جائے گی۔ اگر مرنا نہیں چاہتے تو خاموش ہو جاؤ۔''

اس نے حالات کی نزاکت سمجھ لی تھی اس لیے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے۔ سفیر نے وہیں پڑے الیکٹرک تار کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا۔ ''وہ تار اٹھانا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے آگے بڑھ کر تار کو اٹھا لیا۔ اس تار سے سفیر نے اس کی مشکیں کسیں پھر سیدھا ہو کر بولا۔ ''اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔''

''چلو۔'' کہہ کر میں نے دوسرے دروازے کی طرف قدم بڑھایا تھا کہ وسیم نے اس کی شرٹ کو جھٹکے سے کھینچا۔ شرٹ پھٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے ایک اور جھٹکا دیا۔ پھٹنے والا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس ٹکڑے کو گول کر کے گارڈ کے منہ میں ٹھونس دیا۔ ''اب یہ یہیں آرام کرے گا۔''

ہم اسے وہیں بندھی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھے۔ دروازے کو پار کیا تو سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آیا۔ میں نے اس دروازے کو پار کیا۔ ادھر بھی گلیارا نظر آیا۔ اس کمرے کا جائزہ لینے کے لیے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ گلیارا بالکل سُونا پڑا تھا۔ سامنے ہی ایک کیمرا نظر آیا۔ میں نے اسٹین گن کو سیدھا کیا اور کیمرے کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ گولی کی آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ کیمرا بند ہونے سے ہم انہیں نظر نہیں آ رہے ہوں گے لیکن وہ اندازہ لگا چکے ہوں کہ ہم گلیارے میں پہنچ چکے ہیں۔ اس لیے میں نے اگلا قدم نہایت احتیاط سے اٹھایا اور بلی کی چال چلتے ہوئے گلیارے میں داخل ہوا۔ گلیارے کے آخری سرے پر ایک اور دروازہ تھا اسے پار کرتے ہی میں نے خود کو ایک بڑے ہال نما کمرے میں پایا۔ اس کمرے میں بھی کوئی نہیں تھا۔ سفیر نے کمر میں اڑسے ہوئے اس ریوالور کو نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔ جس سے اس نے کمرے میں ایک کا بھیجا اڑایا تھا۔ وسیم بھی ہتھیار بدست تھا۔ ہم تینوں آگے بڑھ رہے تھے کہ کمرے میں ایک آواز گونجی۔ ''ویل کم..... مجھے پوری امید تھی کہ شہباز اپنے ساتھی کو چھڑانے ضرور آئے گا۔''

''جب میرے آنے کی امید تھی تو تم چھپ کر کیوں بیٹھے ہو سامنے آؤ تا کہ میں دیکھ سکوں کہ ہو کیسے۔'' میں نے جواب میں کہا۔

''ضرور ضرور میں سامنے آؤں گا۔ لیکن کیا کروں کہ میری ایک عادت ہے کہ میں فوراً کسی سے نہیں ملتا۔ کیوں کہ سانپ کو ہاتھ میں اٹھانے سے پہلے میں اس کے زہریلے دانت کو توڑ ضرور دیتا ہوں۔'' کسی خفیہ جگہ پر لگے اسپیکر سے آواز آئی۔

''تو پھر دیر کیسی، سامنے آ جاؤ تا کہ میں بھی دیکھ لوں کہ تم میں کتنا زہر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''بس ایک قدم آگے بڑھو۔ سامنے والے دروازے سے داخل ہوتے ہی میرے سامنے پہنچ جاؤ گے۔ شاباش آگے بڑھو۔''

میں نے خود آگے بڑھنے سے پہلے سفیر کو آگے بڑھنے کا اشارہ دیا۔ وہ جیسے ہی آگے بڑھا۔ اس پر کسی نے ڈنڈا چلایا۔ سفیر پہلے سے ہوشیار تھا اس لیے ڈنڈا چلانے والے نے منہ کی کھائی۔ سفیر پھرتی سے آگے بڑھ گیا تھا اس لیے ڈنڈا ہوا میں لہرا کر رہ گیا۔ وہ دوسرا وار کرتا کہ میں نے ہاتھ بڑھا کر ڈنڈے والے کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ وسیم نے اسے مزید آگے کھینچ کر زمین پر گرا دیا اور اس کے سر پر بوٹ کی ٹھوکر ماری۔ وہ تلملا گیا۔ وسیم نے اسے موقع نہیں دیا اور تابڑ توڑ ٹھوکریں مارنا شروع کر دیا۔ میں نے اسے وسیم کے پاس چھوڑا اور خود اندر داخل ہو گیا۔ اس کمرے میں صرف ایک آدمی تھا جس نے اپنے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا مائیک سنبھال رکھا تھا۔ اور اس وقت بالکل خاموش تھا۔ شاید اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس کے پیچھے زمین پر عبداللہ بے ہوشی کی حالت میں پڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ میں نے ایک نظر میں کمرے کا جائزہ لے لیا تھا۔

''ہاں بھئی تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے، لو میں آ گیا۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آ تو گئے ہو لیکن جا نہیں پاؤ گے۔'' مائیک والے نے کہا۔

''مجھے روکے گا کون؟ تم؟''

''ہاں میں تمہیں روکوں گا۔ آج مرشد بھی خوشی سے پھولے نہیں سمائے گا۔'' ابھی اس نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اچھل کر آگے آ گرا۔ ایسا ہوا کیسے میں بھی حیران کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ عبداللہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے کھڑا ہوتے دیکھ میں نے سمجھ لیا کہ عبداللہ نے ہاتھ دکھا دیا ہے۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہی پوری قوت سے اسے دھکا دیا تھا۔ گرنے والا ابھی اٹھنے ہی والا تھا کہ اندر داخل ہو رہے سفیر نے اس کے سر پر ٹھوکر ماری۔ وہ اٹھتے اٹھتے پھر گر پڑا۔ گرتے ہوئے اس نے کہا۔ ''اس خوش فہمی نہ رہنا کہ تم مجھ پر قابو پا لو گے۔''

''خوش فہمی میں رہنا تمہاری عادت ہو گی۔ ہم تو خود مواقعے تیار کرتے ہیں۔ اب اپنی خیر مناؤ۔'' کہتے ہوئے میں نے اس کے گلے پر اپنا پیر رکھ دیا۔

ابھی میں نے پورا زور بھی ڈالا نہیں تھا کہ میری پنڈلی میں سوئی سی چبھی۔ یہ وار ایسا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میں اچھل سا گیا اور اسے اٹھنے کا موقع مل گیا۔ وہ جمپ لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سوئے جیسی کوئی چیز تھی جس سے اس نے میری پنڈلی کو زخمی کیا تھا۔ میں اپنی پنڈلی کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کھڑے ہونے مین ایسی تیزی دکھائی تھی جس نے خاموش زبان سے کہہ دیا تھا کہ یہ بندہ ٹرینڈ ہے۔ کھڑے ہوتے ہی اس نے پھر اچھال بھری تھی اور دیوار کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ وسیم جو اس کے سب سے قریب تھا اس نے اسے لپیٹ میں لے کر پھر اچھال بھری تھی۔ اس نے جس انداز میں وسیم کو پکڑا تھا وہ نہایت خطرناک انداز تھا۔ اپنے داہنے بازو کو اس نے وسیم کے گلے میں پھنسا دیا تھا۔ وسیم بالکل بے بس ہو گیا تھا۔ اگر زور لگاتا تو اس کا گلا دبنے لگتا۔ سفیر کے ہاتھ میں پستول تھا لیکن وہ فائر نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ گولی وسیم کو لگ سکتی تھی۔ میں بھی جس پوزیشن میں تھا وہاں سے بھی میں اسے نشانہ نہیں بنا سکتا تھا۔ اس شخص کی ایک ایک حرکت بتا رہی تھی کہ وہ لڑائی بھڑائی کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ اس طرح کی اپنی پوزیشن رکھی تھی کہ سفیر اور میں پستول رکھتے ہوئے بھی لاچار تھے۔ اس نے میری بے چارگی کو محسوس کر لیا تھا اسی لیے وہ اٹھلاتے ہوئے بولا۔ ''چلاؤ گولی..... خاموش کیوں کھڑے ہو۔''

''موقع کی تلاش ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس کی نظریں ہم دونوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ سامنے وسیم تھا اس لیے میں کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے داہنے پیر کو آگے بڑھا کر وسیم کے پستول کو قریب کرنا چاہا تھا۔ اس کوشش میں ایک ذرا سا وہ جھکا تھا کہ میں نے ترچھے ہو کر فائر کرنا چاہا اسی وقت کھٹ کی آواز ابھری اور اس کی چیخ کمرے میں گونج اٹھی۔ یہ کام کر دکھایا تھا شمشاد نے۔ پتا نہیں کب وہ اندر آیا تھا اور ہاتھ میں پکڑے راڈ کو اس کے سر پر بجا دیا تھا۔ اسی پر اس نے بس نہیں کیا تھا۔ دوبارہ ایک اور وار کر بیٹھا تھا۔ وسیم کو موقعہ مل گیا تھا اس نے جھٹکا دے کر خود کو چھڑا لیا تھا اور غصے میں اس پر ٹھڈوں کی بارش کر دی تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہو گیا تھا۔ سر سے بہنے والے خون سے چہرہ تر بتر ہو رہا تھا۔ اس حالت میں بھی وہ بار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وسیم کے ٹھڈے اور شمشاد کے ڈنڈے نے اسے مجبور بنا دیا تھا۔ لگاتار پڑنے والی ضربوں نے اسے زمین پر گرا دیا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

''اِدھر اُدھر تلاش کرو۔ کوئی رسّی کوئی تار ملے تو لے آؤ۔ اسے باندھنا ضروری ہے۔'' میں نے کہا۔

سفیر اور وسیم دونوں سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔ اس لیے کہ عام طور پر کاٹھ کباڑ سیڑھیوں کے نیچے ہی رکھا جاتا ہے۔

عبداللہ جو اب تک زمین پر سر پکڑے بیٹھا تھا کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''پتا نہیں اس کمبخت نے کون سی دوا انجکٹ کی تھی جس نے جسم کی قوت تک سلب کر لی ہے۔''

''فکر نہ کرو، میں ابھی مونا کو فون کرتا ہوں وہ بات کرا دے گی۔ اس کی آواز سنتے ہی تمہارے جسم میں نئی قوت آجائے گی۔'' سفیر نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ میں موٹا الیکٹریکل وائر تھا۔ تار میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ چھوٹا ہے لیکن کام چل جائے گا۔ ہاتھ پشت پہ کر کے باندھ دیں۔''

میں نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر کر کے باندھ دیئے تا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد کوئی پھڈا کھڑا نہ کر دے۔

''یہاں کل کتنے آدمی تھے؟'' میں نے عبداللہ سے پوچھا۔

''اس کے علاوہ صرف دو آدمیوں کو دیکھا۔ جب کہ پہلے والے کمرے میں چار پانچ بندے تھے جو وہیں رک گئے تھے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس سے زیادہ بندے یہاں نہیں تھے۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔

''دو بندوں کو تو ہم نے باہر والے کمرے میں انٹا غفیل کر دیا ہے۔'' وسیم بولا۔

''اندر آتے ہوئے میں نے ایک ہی بندے کو اس کمرے میں بے ہوش پڑے دیکھا ہے۔'' شمشاد نے بتایا۔

''دوسرا اس کمرے میں پڑا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''دیکھو کہیں سے پانی مل سکتا ہے یا نہیں۔ اسے ہوش میں لانا بہت ضروری ہے۔'' میں نے اس بے ہوش پڑے شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔

عبداللہ نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اس طرف کچن ہے۔ میرے پانی مانگنے پر اسی کمرے سے گارڈ نے پانی لا کر دیا تھا۔

وسیم اس کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں جگ تھا۔ میں نے جگ لے کر اس سے چلّو میں پانی اٹھایا اور اسے اس بندے کے چہرے پر چھینٹا۔ کئی بار کی کوشش کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اسے آنکھیں کھولتے دیکھ وسیم نے کہا۔ ''بھائی میاں، کافی دیر ہو چکی ہے ہمیں واپس بھی جانا ہے۔''

جواب میں اس نے غصیلی نظروں سے وسیم کو دیکھا۔

''ایسے تو نہ دیکھو۔ میں مزدور دل ہوں، کہیں بے ہوش ہو کر گر نہ جاؤں۔'' وسیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم کون ہو، مجھے صرف اتنا معلوم کرنا ہے۔'' میں نے پوچھا۔''اس لیے کہ تمہارے بازو پر میں نے سواستک کا نشان گدا ہوا دیکھا ہے۔ ایسے ٹیٹو مسلمان نہیں بنواتے۔''

''تم خود پتا کرلو کہ میں کون ہوں۔'' اس نے اس حالت میں بھی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''عجب ڈھیٹ ہڈی ہے۔'' وسیم بولا۔''ابھی اس کا پیٹ بھرا نہیں ہے۔ میں نے اس کمرے میں ایک پلاس دیکھا تھا۔ وہ لے کر آتا ہوں۔ بغیر سبق پڑھے یہ کچھ بتائے گا نہیں۔''

''اس پوری عمارت میں ایک چمٹا تک نہیں ہے۔ تم نے پلاس کہاں سے دیکھ لیا۔'' وہ اس طرح بولا جیسے ہم دوستانہ ماحول میں بیٹھے گپ لگا رہے ہیں۔

''تم کون ہو۔ تمہاری حقیقت کیا ہے۔ یہ بعد میں بھی معلوم کرلوں گا۔ فی الحال یہ بتاؤ کہ مرشد کہاں ہے؟'' میں نے اس کی ہٹ دھرمی کو نظر انداز کر کے کہا۔ ٹیٹو دیکھنے کے بعد میرے اندر ایک عجیب سا غصہ ابھر آیا تھا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ یہ کوئی بڑا کھیل کھیلنے کے لیے وطنِ عزیز میں داخل ہوا ہے۔ ایسے کسی شخص پر میں رحم کر ہی نہیں سکتا جو میرے وطن کے خلاف سازش کر رہا ہو پھر بھی میں خود کو سنبھالے رہا۔

''اگر میں نہ بتاؤں تو؟'' وہ گویا اپنی بات پر جم گیا تھا۔''تم نے مجھے بچہ سمجھ رکھا ہے کہ اتنی بڑی گوٹ میرے پاس ہے، اس کے بارے میں بتادوں گا تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے نہیں، کبھی نہیں وہ کہاں ہے اس کے بارے میں صرف میں جانتا ہوں مجھے مار دو گے تو اسے کیسے حاصل کرو گے؟ میں تو نہیں بتاؤں گا۔'' اس شخص نے ہٹ دھرمی دکھائی۔

''بتائے گا تو تیرا باپ بھی۔'' وسیم نے اس کی پیٹھ پر دھپ جماتے ہوئے کہا۔ اسی وقت سفیر نے اچھل کر اس کے پیر کی انگلیوں پر جوتے رکھ کر مسل دیا تھا۔

''میں کوئی سڑک چھاپ غنڈا نہیں جو ایک دو طمانچے پڑتے ہی فرفر بولنے لگے۔'' وہ داہنے پیر کو پکڑے ہوئے تھا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس اذیت کو کبھی برداشت نہ کر پاتا۔

''تمہارے بازو پر سواستک کا نشان دیکھنے کے بعد میرے دل میں تمہارے لیے ذرا بھی ہمدردی بچی نہیں ہے۔''

''تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ مجھ سے ہمدردی کرو۔''

''اسے میں اپنے طور پر سمجھا تا ہوں۔'' کہہ کر سفیر نے پستول نکال لیا۔

''لاؤ پستول مجھے دو۔'' میں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

''یہ لو۔'' سفیر نے جلدی سے پستول آگے بڑھا دیا۔ میں نے پستول تھام لیا۔

''ہاں اب بولو۔'' میں نے اس کے پیر پر فائر کر کے کہا۔ اس کے پیر سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا مگر اکڑ کم نہیں ہوئی تھی۔

''نہیں بتاؤں گا۔'' وہ ڈھیٹ بن کر بولا۔

''اس بار میں تمہارے بازو پر فائر کروں گا جلدی بولو۔''

''نہیں بتاؤں گا۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لو اپنے ہاتھ سے بھی محروم ہو جاؤ۔'' کہہ کر میں نے اس کے دائیں بازو پر فائر کیا۔ مجھے اس پر ذرا رحم نہیں آ رہا تھا۔

''بول دے بھئی کیوں اپنی جان کا دشمن بن رہا ہے۔'' سفیر نے کہا۔ ''اسے صرف مرشد سے مطلب ہے۔ اس کی تجھ سے کوئی دشمنی بھی نہیں ہے پھر کیوں اپنی جان کا دشمن بن رہا ہے۔''

''لے تیرا دوسرا ہاتھ بھی گیا۔'' کہہ کر میں نے اس کے بائیں بازو پر گولی چلا دی واقعی وہ فولادی اعصاب کا انسان تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک مر چکا ہوتا۔ اس کے جسم سے جس قدر خون گر چکا تھا وہ کسی بھی انسان کو ڈھیر کرنے کے لیے کافی تھا لیکن وہ اب بھی بیٹھا تھا۔ کرب اس کے چہرے سے عیاں تھا مگر زبان خاموش تھی۔

''بول اب بھی وقت ہے ورنہ اس بار میں تیری پسلی میں گولی ماروں گا۔''

''بتاتا ہوں۔'' اس نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔ ''وہ اب خانقاہ میں نہیں ہے۔''

''کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''شہر والے بنگلے میں۔'' اس نے کہا۔

شہر والا بنگلا کہاں ہے یہ مجھے معلوم تھا۔ اس لیے میں نے کہا۔ ''اگر میں چاہوں تو تجھے ختم کر دوں مگر میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ تو سسک سسک کر مرے گا۔ یہی تیرا انعام ہے۔'' کہہ کر میں نے اس کے پیر کے قریب گولی چلا دی۔ اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

دہشت کی علامت کہلانے والا کیچوے کی طرح تڑپ رہا تھا لیکن اس کی آہ وزاری سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں تھا میں نے سفیر سے کہا۔ ''اب باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرو۔ ہم نے کافی وقت برباد کر لیا ہے۔''

''ہمارے بندے تو اُس گیٹ پر ہوں گے اگر ہم اس بنگلے کے گیٹ سے نکلے تو کافی لمبا چکر لگا کر ادھر جانا ہوگا۔'' وسیم بولا۔

''ادھر والے بنگلے سے باہر نکلے تو کوئی پریشانی گلے پڑ سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہم کافی دیر سے اندر ہیں۔ باہر کی کوئی خبر نہیں۔ اندر اتنی گولیاں چلی ہیں۔ دھماکے کی آواز باہر تک گئی ہوگی۔ اس لیے رسک لینا مناسب نہیں ہے۔ اسی بنگلے کے گیٹ سے باہر نکلو۔'' میں نے کہا۔

''اور اندر جو دو بے ہوش بندے پڑے ہیں، ان کا کیا کرنا ہے؟'' شمشاد نے پوچھا۔

''وہ دونوں کرائے کے ٹٹو ہیں۔ اسی طرح خالی گھر میں پڑے رہیں۔ جب اس بندے کی لاش سڑے گی تو بدبو پھیلے گی۔ کوئی نہ کوئی پولیس کو خبر دے گا۔ پولیس آئے گی تو انہیں بھی رہائی مل جائے گی۔ ان کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ بندھے پڑے رہیں۔ بھوک پیاس کی اذیت برداشت کریں۔'' میں نے کہا اور اس دروازے کی طرف بڑھا جو باہر کھلتا تھا۔

اس دروازے کو کھولتے ہی سامنے بڑا سا لان نظر آیا۔ اسے پار کر کے ہم گیٹ پر پہنچے۔ گیٹ مقفل تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہو کہ یہ بنگلا خالی پڑا ہے۔ پہلے دیوار پھلانگ کر میں باہر نکلا۔ پوری گلی سنسان پڑی تھی۔ میں نے باقی لوگوں کو بھی باہر آ جانے کو کہا۔ ایک کے بعد ایک سب باہر نکل آئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر آ کر ہم سب ٹہلنے کے انداز میں گلی کے موڑ کی طرف چلنے لگے۔ اس گلی میں چھ بنگلے تھے اور کسی بھی بنگلے کا گیٹ کھلا ہوا نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس پورے علاقے میں کوئی رہتا ہی نہیں ہے۔ اگر مکانوں میں روشنی نہ ہو رہی ہوتی تو ہم بھی یہی سمجھتے کہ علاقہ ویران ہے۔

گھوم کر جب ہم اپنی گاڑیوں تک پہنچے تو پہرے پر مستعد افراد اپنی جگہ موجود تھے۔ ان کے قریب پہنچ کر میں نے پوچھا۔ ''کوئی ہلچل، کوئی نئی بات؟''

''جی نہیں۔ اتنی دیر میں صرف ایک بنگلے میں ایک کار آئی ہے۔ کوئی بنگلے سے باہر تک نہیں نکلا ہے۔ عجیب لوگ ہیں یہاں کے۔''

ہم لوگ بھی اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ اس وقت بھی میرے دل میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت امنڈ رہی تھی جسے ہم اذیت دے کر مرتے ہوئے چھوڑ آئے تھے۔ سواستک کا نشان بتا چکا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ نشان کٹر ہندو ہی اپنے جسم پر گدواتے ہیں۔ مسلمان تو اسے ناپاک نشان سمجھتے ہیں۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی برے کام کا انجام اتنا ہی برا ہوتا ہے یہ دیکھنے کے لیے بھی ہم نہ رکے۔ وہاں سے سیدھے اپنے بنگلے پر آ گئے۔

ہمارے اندازے سے پہلے ہی پولیس وہاں پہنچ گئی تھی۔ اگلے دن کے اخبارات نے شہ سرخیاں لگائی تھیں سب کا خیال تھا کہ اتنی بڑی واردات کسی خاص مقصد کے لیے کی گئی ہے۔ قیاس آرائیاں آسمان کو چھو رہی تھیں۔ سفیر نے اخبار پڑھتے پڑھتے رک کر کہا۔ ''شہباز اب تمہارے گرد خطرات کا گھیرا مزید تنگ ہو گیا ہے اب تک تو صرف مرشد سے مقابلہ تھا مگر اب تمہیں دو طرفہ خطرہ ہے۔''

''دو طرفہ خطرہ؟ میں سمجھا نہیں۔'' میں نے کہا۔

''تم کیا سمجھتے ہو کہ خفیہ محکمے کے پاس تمہاری فائل نہیں ہوگی؟ جسے زخمی کر آئے ہو وہ سفارتی اہل کار ہے۔ یعنی یہ بہت بڑی واردات ہے۔ اتنی بڑی واردات کے بعد پورا محکمہ ہل کر رہ جائے گا نتیجتاً محکمے والے تم تک پہنچنے کی سر توڑ کوشش کریں گے۔''

''مجھے کسی کی پروا نہیں ہے بس مجھے مرشد مل جائے میں یہی چاہتا ہوں۔''

ابھی ہم باتوں میں مشغول تھے کہ باہر کسی کے چیخنے کی آواز آئی ہم چونک گئے سفیر اٹھ کر باہر کی طرف دوڑا۔ میں بھی اس کے پیچھے تھا۔ ابھی ہم صدر دروازے تک بھی نہ پہنچے تھے کہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجی اور میں نے خود کو پھرتی سے نیچے گرا لیا تب مجھے احساس ہوا کہ گولیاں اندر نہیں باہر چل رہی ہیں۔ سفیر دروازے تک پہنچ کر ٹھٹک گیا تھا۔ میں نے وہیں سے پوچھا۔ ''کیا ہوا سفیر؟''

''یلغار، لگتا ہے کسی پارٹی نے ہلہ بول دیا ہے۔''

باہر سے کئی قسم کے ہتھیاروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے گھمسان کا رن پڑا ہو۔ میں سفیر کے پاس پہنچ گیا۔ باہر سفیر کے خاص بندے پہرے پر موجود تھے لگتا تھا مقابلہ انہی سے ہو رہا ہے۔ وسیم نہ جانے کب اندر سے آ کر ہمارے پاس کھڑا ہو گیا تھا اس نے لائٹ مشین گن لٹکا رکھی تھی۔

''میں باہر جا رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اتنی جلدی باہر جانا ٹھیک نہیں ہے پہلے معاملے کو سمجھنے دو۔'' میں نے اسے جھڑکا۔ ''یہیں مستعد رہو۔''

''اسے تو رکھ لیں۔'' کہہ کر اس نے ایک ریوالور میری طرف بڑھایا۔

''میرے پاس اسلحہ ہے۔ میں کبھی نہتا نہیں رہتا۔ نہتا شخص خالی بندوق کی طرح ہے جو کسی کام کی نہیں ہوتی۔''

''یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں؟'' وسیم نے سفیر سے پوچھا۔

''میں ابھی پتا کرتا ہوں۔'' کہہ کر سفیر اپنی جگہ سے اٹھا ہی تھا کہ ایک شخص کمرے میں داخل ہوا۔

''ہم نے انہیں مار بھگایا۔'' اس نے کہا۔ ''وہ تعداد میں چار تھے۔ سفید شیراڈ میں آئے تھے۔ دو زخمی ہوئے اور ایک جہنم واصل..... جاتے وقت وہ لاش کو بھی لے گئے ہیں۔''

''آؤ کمرے میں چل کر باتیں کریں۔'' کہہ کر سفیر مڑا، میں بھی پیچھے پیچھے بیڈ روم میں آ گیا۔ ابھی میں نے صوفے سے پیٹھ ٹکائی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سفیر نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری جانب سے کی گئی باتوں کو وہ کچھ دیر تک سنتا رہا پھر ریسیور رکھ کر مڑا اس کے چہرے پر تفکرات کے پرتو تھے۔

''کیا بات ہوئی؟ کوئی خاص خبر تھی کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''فون کرنے والا شاید مرشد تھا۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ وہ اس تباہی کا انتقام ہم سے لے گا۔''

''انسان جب مرنے پر آمادہ ہو تو پھر موت اس سے پہلو بچاتی ہے اور وہ خود موت بانٹتا ہے۔ میں تو خود ان کے لیے تباہی بنا ہوا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''مگر دشمن کو کمزور سمجھنا عقلمندی نہیں ہے۔'' سفیر بولا۔

''ہاں تمہاری سوچ صحیح ہے۔ یہاں فون آنا بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے کہ دشمن کی نظروں میں یہ بنگلا آ چکا ہے۔'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''اس بنگلے میں ہم ہیں، اس کا پتا لگانا کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں ہے۔ یاد نہیں کہ ایک بندہ آپ کی ریکی کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا تھا۔'' وسیم بولا۔

''اس کے لیے ہمیں سوچنا ہوگا۔''

''کیا سوچیں گے؟ اس جگہ کو چھوڑ دیں؟ کہیے تو کوئی اور جگہ دیکھ لیتے ہیں۔''

''ہمیں فوراً بنگلے سے دور ہو جانا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''یوں بھی فائرنگ ہوئی ہے۔ پولیس پہنچتی ہی ہوگی۔''

''پھر کہاں رہیں گے؟'' سفیر نے سوال کیا۔

''ایسا کرتے ہیں کہ پھر سے ہوٹلوں کا رخ کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''یہ مت بھولیں کہ پورے شہر کی پولیس ہماری بو سونگھتی پھر رہی ہوگی۔'' سفیر نے کہا۔

''کوئی نئی بات کرو۔ یہ پولیس والے تو ہمیشہ سے ہمارے پیچھے رہے ہیں۔'' وسیم نے جواب دیا۔

''یہ بھی ٹھیک کہا مگر اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں ہے۔''

''ہم الگ الگ رہیں گے تو دشمن کسی ایک کو پھر اغوا کر لے گا جیسے عبداللہ کو کیا تھا۔'' سفیر نے گفتگو میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حصہ لیا۔

''ایک کام کرتے ہیں میرے اور عبداللہ کے ہاتھ میں جو گھڑی دیکھ رہے ہو یہ معمولی گھڑی نہیں ہے وا
لیس ہے۔ اس سے ہم ایک دوسرے سے رابطہ میں رہیں گے۔'' وسیم نے کہا۔

''ٹھہریں گے کسی ہوٹل میں ہی۔ وہ بھی صرف آج کی رات۔ اس لیے کہ صبح تک مرشد کی خبر مل جائے گ
اور تب تک ہمیں دشمنوں سے بچ کر رہنا ہے۔'' عبداللہ نے اپنا خیال پیش کیا۔

''تو کیا میرے لیے تیسری گھڑی کا انتظام کرو گے؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں، میرا خیال ہے کہ آپ میری گھڑی لے جائیں۔ آگے آگے ہم رہیں گے جس ہوٹل میں ٹھہریں
گے اسی ہوٹل میں آپ بھی آ جانا مگر اجنبیوں کی طرح الگ الگ کمرے میں ٹھہرنا۔ اگر ضرورت پڑی تو گھڑ
کے ذریعہ رابطہ کر لیں گے۔'' وسیم بولا۔

''تو پھر اٹھ جاؤ۔ ہم ابھی یہ جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔'' کہتے ہوئے میں کھڑا ہو گیا۔

ہم سب بڑی آسانی سے اس عمارت سے باہر آ گئے۔ باہر ایسے کوئی آثار نہ تھے کہ جس سے پتا چلتا
اندر گولیاں چلی ہیں۔ سڑک پر پہنچتے ہی ہمیں ٹیکسی مل گئی اور ہم تینوں اس میں سوار ہو کر چل پڑے۔

یہ سفر بالکل خاموشی سے کٹا اور ہم لوگ بازار پہنچ گئے۔ ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے باہر ہم نے ٹیکسی رکوا
اور اتر کر ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے کچھ وقت وہاں گزار کر باہر آئے اور الگ الگ سمت میں چلنے لگے
دور جا کر سفیر نے ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے باتیں کرنے لگا تاکہ باتوں کے دوران وسیم کو موقع مل جائے اور وہ
ٹیکسی لے لے۔ میں خاموش کھڑا سفیر کو باتیں کرتا ہوا دیکھتا رہا۔

وسیم کے ٹیکسی لیتے ہی سفیر نے ٹیکسی والے کو کسی بڑے ہوٹل میں چلنے کے لیے کہا۔ ٹیکسی چل پڑی ڈرائ
نے ٹیکسی ایک معروف ہوٹل کی روش پر روکی۔ سفیر نے نیچے اتر کر بل ادا کیا اور چند لمحوں بعد وہ میرے ساتھ ہو
کے گیٹ سے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔

وہ اسٹار فسیلٹی ہوٹل تھا۔ میں نے سفیر کو باہر رکنے کا اشارہ دیا اور خود کمپاؤنڈ سے گزر کر ہال میں داخ
ہو گیا۔ ہال میں بیشتر میزیں آباد تھیں اور لوگ لوازمات سے دل بہلا رہے تھے۔ بائیں جانب کاؤنٹر تھا۔ کاؤ
پر ایک آدمی کھڑا کلرک سے باتیں کر رہا تھا۔ شام ہونے کے باوجود اس نے آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک
رکھی تھی۔ یہ بات کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔

میں نے ہال کا جائزہ لیا۔ ہلکی سی طائرانہ نظر ڈالی پھر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ قریب پہنچنے سے پہلے
تاریک شیشوں کی عینک والا وہاں سے ہٹا اور ہال کے آخری سرے پر واقع زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

''حکم سر؟'' کلرک رجسٹر بند کر کے میری طرف متوجہ ہوا۔

''مجھے ڈبل بیڈ کا ایک کمرا چاہیے مل جائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''کیوں نہیں۔'' کلرک نے سر گھما کر عقب میں لگے کی بورڈ کی طرف دیکھا پھر بولا۔ ''آپ کس فلو
قیام کرنا پسند کریں گے۔''

''کسی بھی فلور پر۔ فرسٹ فلور پر ہو تو کیا بات ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سیکنڈ فلور روم نمبر ٹو تھرٹی ٹو۔'' کلرک نے رجسٹر کھول کر کہا۔ ''پلیز نام و پتا بتائیں..... شناختی کارڈ دکھائیں۔''

''شناختی کارڈ..... وہ تو میں بریف کیس میں بھول آیا ایک ڈیڑھ گھنٹے میں میرا دوست آجائے گا اسی کی گاڑی میں ہے۔''

''کوئی بات نہیں نام و پتا بتادیں۔ شناختی کارڈ کا نمبر بعد میں لکھوا دیجیے گا۔''

میں نے اپنا فرضی نام بتا کر کراچی کا پتا لکھوادیا۔ آمد کے خانے میں کلرک نے کراچی لکھا اور ایڈوانس کرایہ جمع کر کے چابی دے دی پھر اس نے بٹن دبا کر ویٹر کو بلا کر کہا۔ ''صاحب کو روم نمبر ٹو تھرٹی ٹو میں پہنچا دو۔''

ویٹر نے سر ہلایا اور مجھے ساتھ لے کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ سیکنڈ فلور پر پہنچ کر اس نے ایک کمرے کا تالا کھولا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ وہی چشمے والا شخص ایک کمرے سے نکلا اور نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

اندر پہنچ کر ویٹر نے خواہ مخواہ مسکراتے ہوئے کہا۔ ''سر کچھ چاہیے؟''

''نو..... تھوڑی دیر بعد فون پر آرڈر دوں گا۔''

میں نے پرس سے ٹپ کے پیسے نکال کر دیئے۔ وہ سلام کر کے چلا گیا۔ اب مجھے نیچے جا کر گیٹ کے باہر کھڑے سفیر کو اشارہ کرنا تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے کمرے تک آجائے۔ اسی خیال سے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ خود ہی رک گیا۔ مجھے خیال آ گیا تھا کہ سفیر کو واچ ٹرانسمیٹر پر کال کر کے اپنے کمرے کا نمبر بتا دینا چاہیے۔ اب تک وہ بھی باہر کھڑا انتظار کر رہا ہوگا یا پھر کمرا حاصل کر کے آرام کر رہا ہوگا۔ اس خیال سے میں نے باتھ روم کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ باتھ روم میں جا کر میں نے گھڑی کی چابی کو باہر کھینچا جو ائریل کی طرح لمبا ہو گیا تھا پھر میں نے کال کرنے کی کوشش کی مگر اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے جلدی سے چابی کو پھر سے اندر کیا اور باہر نکل آیا۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

''کون؟'' میں نے پوچھا

''سر ایک منٹ کے لیے دروازہ کھولیں۔'' باہر سے آواز آئی۔

ویٹر ہوگا، سوچ کر میں نے دروازے کی چٹخنی گرادی۔

باہر وہی عینک والا شخص کھڑا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تکلیف کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ آپ کے ساتھی آئے نہیں؟''

''جی نہیں۔''

''بس میں دو منٹ لوں گا۔'' کہہ کر وہ زبردستی اندر آ گیا پھر بولا۔ ''جناب آپ اپنا شناختی کارڈ دکھائیں گے؟''

''شناختی کارڈ گاڑی میں رہ گیا ہے۔ میرا ساتھی آتا ہی ہوگا میرا نام پتا آپ نے رجسٹر میں دیکھ لیا ہوگا۔''

''وہ پتا غلط ہے آپ نے جو بلاک نمبر لکھا ہے۔ وہ اس علاقے میں ہے ہی نہیں۔ کراچی میں ہر جگہ بلاک نمبر نہیں کہیں سیکٹر تو کہیں صرف نمبر چلتا ہے جس علاقے کا نام لکھا ہے وہاں سیکٹر نمبر ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا دل دھک سے رہ گیا پھر بھی خود کو مضبوط قوت ارادی والا ظاہر کرنے کے لیے کہا۔ ''نہیں جناب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مگر آپ ہیں کون؟''

''میرا تعلق محکمہ خفیہ سے ہے۔'' اس نے کہا۔

''مگر آپ مجھ پر کس قسم کا شک کر رہے ہیں۔''

''شک نہیں یقین ہے۔ تم شہباز کے ساتھیوں میں سے ہو جلدی بتا دو وہ کہاں ہے؟''

''کس شہباز کی بات کر رہے ہیں، میں کسی شہباز کو نہیں جانتا؟''

''ابھی جان جاؤ گے سیدھے کھڑے رہو۔'' کہہ کر اس نے جھٹکے سے ریوالور نکال لیا۔ اب میں بے بس ہو چکا تھا۔

''دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔'' اس نے دوسرا حکم دیا۔

میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے تھے مگر نظریں نو وارد پر جمی ہوئی تھیں۔ میں کسی اچھے موقع کی تلاش میں تھا۔ نو وارد نے بائیں ہاتھ سے رسیور اٹھا کر ٹیبل پر رکھا اور اسی ہاتھ سے نمبر ملانے لگا۔ نمبر ملا کر اس نے بائیں ہاتھ سے ہی رسیور اٹھا لیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''سر میں امجد بول رہا ہوں، ہوٹل میں ایک مشکوک آدمی نظر آیا ہے۔ اس کے پاس شناختی کارڈ بھی نہیں ہے۔ جی ہاں مگر وہ اکیلا ہے۔ شاید ساتھی کسی دوسرے ہوٹل میں چلا گیا ہوگا..... نہیں ابھی تک اس نے کچھ نہیں قبولا ہے۔ ٹھیک ہے میں شمیم کا انتظار کر لوں گا۔'' پھر اس نے رابطہ منقطع کر کے مجھ سے کہا۔ ''دیکھو مسٹر شرافت سے سیدھی طرح بتا دو شہباز کہاں ہے؟''

''میں نے کہا ناں کہ میں کسی شہباز کو نہیں جانتا۔''

''میرا ساتھی آ جائے پھر میں ہیڈ کوارٹر لے جا کر پوچھوں گا۔'' اس نے رعونت سے کہا۔

''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس ہوٹل میں اس طرح غنڈہ گردی ہوتی ہے تو میں یہاں کبھی نہ آتا۔''

''تم کسی بھی ہوٹل میں جاتے میرے آدمی تلاش کر لیتے۔ یہاں ہر ہوٹل میں ہمارے آدمی کھڑے ہیں ایک ایک مسافر کو چیک کر رہے ہیں۔''

''تم میری بات پر یقین کیوں نہیں کرتے کہ میں ایک سیدھا سادا بزنس مین ہوں۔''

''اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ تو میں یقین کر لوں گا۔''

''کیا ڈرائیونگ لائسنس سے کام نہیں چلے گا۔''

''ہاں وہی دکھا دو۔''

''میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہے کہو تو دکھا دوں۔''

''خبردار'' وہ غرایا۔ ''کوٹ میں ہاتھ مت ڈالنا۔''

وہ ریوالور اٹھائے آگے بڑھا پھر اس نے میرے کوٹ میں ہاتھ ڈالا تھا کہ میں نے ہاتھ دکھا دیا۔

میرے مقابل کے گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ریوالور کی نال سینے پر لگی رہنے کے باوجود میں رسک لے لوں گا جیسے ہی اس نے میرے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تھا میں نے گھٹنا چلا دیا تھا۔ نپا تلا وار اس کے پیٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نچلے حصے پر پڑا تھا اس نازک حصے پر چوٹ لگتے ہی وہ درد سے کراہتا ہوا بیٹھتا چلا گیا۔ میں نے بجلی کی سی پھرتی سے اس کے ریوالور پر ہاتھ مارا۔ ریولوار ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ میں نے پوری قوت سے اس کے سر پر گھونسا جڑ دیا۔ وہ چیخ کر گر پڑا تھا۔ میں نے موقع ضائع نہیں کیا اور ریوالور پر جھپٹا تھا۔ میں ریوالور اٹھا کر پلٹا ہی تھا کہ اس شخص نے سنبھل کر مجھ پر چھلانگ لگا دی تھی۔ میرے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا تھا۔ اس شخص نے مجھے دبوچنے کی بھرپور کوشش کی مگر میں نے اس کے جبڑے پر مکا رسید کر دیا تھا۔ وہ کراہتا ہوا دو قدم پیچھے ہٹا تو میں نے اچھل کر اس کے پیٹ پر ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ شخص درد سے ڈکراتا ہوا دونوں ہاتھ سے پیٹ دبائے جھکا ہی تھا کہ میں نے اس کے منہ پر ایک اور گھونسا دے مارا۔ وہ سیدھا ہوا اور پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا جا گرا مگر جلد ہی سنبھل گیا۔ اس کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور اس سے خون بہنے لگا تھا۔ اس نے خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

میں نے پھرتی سے دونوں بازو دراز کر کے اسے ہاتھوں پر روکا اور دوسرے ہی لمحے اس کی ناک پر مکا رسید کر دیا وہ شخص درد سے بلبلا اٹھا اور پیچھے ہٹتے ہوئے ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کی ناک سے خون بہنے لگا تھا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اس پر پھر چھلانگ لگا دی۔ ٹھیک اسی لمحے دروازہ کھلا اور دوڑنے کے انداز میں ایک اسکائی بلیو سوٹ والا شخص اندر آیا۔ اس نے اندر کا منظر دیکھتے ہی فوراً اپنی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔

میں نے اپنے مقابل کو دبوچا اور اسے گھما کر اس کی گردن کے گرد اپنا بازو لپیٹ دیا پھر اس کی پشت اپنے سینے سے لگا دی۔

''خبردار اسے چھوڑ دو۔'' اسکائی بلیو سوٹ والا غرایا۔

''میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اس کی زندگی چاہتے ہو تو فوراً ریوالور پھینک دو۔''

ساتھ ہی میں نے اپنے مدِمقابل کی گردن پر بازو کا دباؤ بڑھا دیا۔ اس کی سانسیں رکنے لگی تھیں یہ دیکھ کر اسکائی سوٹ والے نے پستول پھینک دیا۔

''تم بچ کر نہیں جا سکو گے مسٹر!'' وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ٹھیک اسی لمحے عینک والے نے تڑپ کر اپنی کہنی سے میرے پیٹ پر وار کیا میرے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور مقابل کی گردن پر میری گرفت کمزور پڑ گئی۔ اس نے تیزی سے اپنی گردن آزاد کراتے ہوئے میرے جبڑے پر مکا رسید کر دیا۔ میں کراہتا ہوا پیچھے ہٹا ہی تھا کہ اسکائی سوٹ والے نے مجھ پر چھلانگ لگا دی اور ہم دونوں گتھم گتھا ہو کر فرش پر آ رہے۔ اسی لمحے باہر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ مجھ سے پٹنے والے نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا پھر اپنے ریوالور کی طرف لپکا۔ میں نے فرش پر گرتے ہی کروٹ بدل لی تھی اور اسکائی سوٹ والے کو لات ماری نتیجتاً وہ فرش پر لڑھک گیا۔ میں تیزی سے اس پر سوار ہو کر اس کے جبڑے پر مکے رسید کرنے لگا۔ پہلا شخص جو ریوالور اٹھا چکا تھا۔ اس نے ریوالور مجھ پر تان لیا۔

''ہٹ جاؤ ورنہ بھیجا اڑا دوں گا۔''

میں نے دھمکی سنتے ہی اس کی جانب مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ ریوالور والے کے حلق سے سسکاری نکلی اور اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور جا گرا۔ میں نے بے ساختہ دروازے کی طرف دیکھا۔

عبداللہ ہاتھ میں پستول لیے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جو پستول تھا اس کی نال کافی لمبی تھی جسے دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ نال پر سائلنسر لگا ہوا ہے اسی لیے اس کے پستول نے شور نہیں مچایا تھا۔ اسکائی کلر کے سوٹ والا بھی اب اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور حیرت سے عبداللہ کو دیکھ رہا تھا جس کے پستول کا رخ اس زخمی ہاتھوں والے کی طرف تھا۔

زخمی ہاتھوں والا اپنے زخمی ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے پکڑے ہوئے خونخوار نظروں سے عبداللہ کو دیکھ رہا تھا۔

عبداللہ نے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور فوراً ہی دو گولیاں چلائیں۔ پہلی گولی نے زخمی ہاتھ والے کے پیروں میں کھڑکی کھول دی جس کے بعد وہ ہلکی سی چیخ کے ساتھ کراہتے ہوئے زمین پر گرتا چلا گیا تھا۔

اس کی چیخ سن کر اسکائی بلو کلر کے سوٹ والے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا کہ اس کی ٹانگ سے بھی خون کا فوارہ ابل پڑا اور وہ بھی زمین پر گر کر تڑپنے لگا تھا۔

''بروقت آئے ہو!'' میں نے کہا۔

''یہ تعریفیں کرنے کا موقع نہیں جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے باہر نکلیں جس تیزی سے آپ کو گھیرا گیا ہے یہ بتا رہا ہے کہ مرشد نے گھیرا تنگ کر رکھا ہے۔'' کہہ کر وہ مڑ گیا۔

میں نے جلدی جلدی ان دونوں کی تلاشی لی۔ میں ان کا کارڈ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس ایجنسی کے لوگ ہیں۔

''پلیز جلدی کریں۔'' عبداللہ بولا۔

ہم دونوں کمرے سے باہر نکلے اور دروازے کو کھینچ کر بند کرتے گئے۔ دروازہ خود کار نظام کے تحت لاک ہو چکا تھا۔ اب ہم سر جھکائے ٹہلنے کے انداز میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اتر گئے تھے۔

باہر لان میں سفیر ٹہلتا ہوا نظر آ گیا۔ ہم اسے ساتھ لے کر سڑک پر آ گئے۔

''ہم تینوں کا ایک ساتھ رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔'' میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''مگر تم یہاں کیا کرنے آ گئے۔ تمہیں تو وسیم کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔''

''وسیم وہ رہا۔'' کہہ کر اس نے ایک جانب اشارہ کیا۔

ہم اسی طرف بڑھنے لگے۔ چلتے چلتے میں نے سفیر سے پوچھا۔ ''تم کاؤنٹر کی طرف کیوں نہیں گئے۔ باہر ہی کھڑے رہے؟''

''آپ کا کافی دیر تک مجھ سے رابطہ نہ کرنا مجھے شک میں مبتلا کر چکا تھا کہ میں نے عبداللہ کو دیکھا وہ جس عجلت میں اندر داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر میں نے سمجھ لیا تھا کہ آپ خطرے میں ہیں اور اس نے ٹرانسمیٹر پر آپ سے رابطہ کیا ہے۔ یہ مدد کے لیے اندر گیا ہے۔ کچھ دیر اور تم لگا دیتے تو میں اندر جا کر ضرور کچھ کرتا عبداللہ تم بتاؤ اندر کیا ہوا تھا؟''

عبداللہ نے قدم بڑھا کر کہا۔ ''میں کچھ خاص نہیں جانتا بس اتنا علم ہے کہ انہوں نے مجھے اندر بلایا میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر پہنچا تو یہ ایک دشمن سے بھڑے ہوئے تھے میں نے اپنا رول ادا کیا اس شخص کو موت کے گھاٹ اتارا اور انہیں باہر لے آیا۔''

''مگر تم دوسرے ہوٹل نہ جا کر یہاں کیوں آ گئے؟'' میں نے پوچھا۔

عبداللہ نے بتایا کہ میں نے جس ٹیکسی کو پکڑا تھا وہ کچھ دور جا کر ہی بند ہو گئی تھی۔ کچھ دیر میں اس کے ٹھیک ہونے کا انتظار کرتا رہا مگر جب زیادہ دیر ہونے لگی تو میں نے اکتا کر دوسری ٹیکسی لے لی تھی۔ ابھی میں اس ٹیکسی میں بیٹھا ہی تھا کہ واچ ٹرانسمیٹر پر دوبارہ کال آ گئی تھی۔ اس سے پہلے بھی ایک بار جب میں ٹیکسی والے کو کام کرتے دیکھ رہا تھا تو سگنل ملا تھا لیکن فوراً ہی سگنل بند ہو گیا تھا۔ اس بار سگنل ملا تو میں نے ڈرائیور کی نظریں بچا کر ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔

ٹرانسمیٹر آن ہوتے ہی میں گویا اچھل پڑا۔ مجھے کسی سے باتیں کرتے ہوئے آپ کی آواز سنائی دی۔ سوال جواب سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ خطرے میں گھر چکے ہیں۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

''ہری اَپ جلدی چلو مجھے فوراً ہوٹل ایکسی لینسی لے چلو۔''

''اگر آپ پہلے بتا دیتے تو میں دوسری طرف سے آپ کو وہیں پہنچا دیتا۔'' ڈرائیور نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

اگلے سگنل سے ٹیکسی سیدھے ہاتھ پر مڑ گئی۔ دس منٹ بعد ٹیکسی ہوٹل کے گیٹ پر رکی اور میں جھٹکے سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ میں نے ٹیکسی والے کے ہاتھ پر سو کا نوٹ رکھا اور بقایا لیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ ہال میں پہنچا اور نارمل انداز میں چلتا ہوا ہال کے دوسری جانب واقع زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اسی لمحے میرے عقب سے اسکائی کلر کے سوٹ میں ایک آدمی آیا اور برابر سے گزرتا ہوا بہت تیزی کے ساتھ زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ میں اس کی تیزی پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ جب میں زینوں کے پاس پہنچا تو وہ اسکائی بلیو سوٹ والا زینے پر چڑھ چکا تھا۔

میں نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی۔ میں فرسٹ فلور پر پہنچا تو مجھے وہ شخص نظر نہ آیا میں مزید اوپر چڑھتا چلا گیا کیونکہ اوپر سے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی۔

میں نے ریسیونگ واچ پر کمرے کا نمبر سن لیا تھا فلور بھی معلوم ہو چکا تھا اسی لیے میں سیکنڈ فلور پر آیا تھا۔

جب میں سیکنڈ فلور پر پہنچا تو وہ گلیارا خالی پڑا تھا۔ ابھی میں اس گلیارے میں بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے ہلکی دبی دبی سی چیخ سنائی دی۔ اور میں نے اس دروازے کو تھوڑا سا کھول کر اندر دیکھا۔ سامنے ہی آپ نظر آئے اور میں نے کھیل کو ختم کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ یہ تھی میری پوری سرگزشت۔ اب آپ بتائیں کہ آپ ان کے چنگل میں کیسے پھنس گئے؟''

''وہ مجھ سے خفیہ ایجنسی کا بندہ بن کر ملا تھا مگر میں نے جب تلاشی لی تو اس کے پاس سے کوئی کارڈ وغیرہ نہیں ملا۔ مزیدار بات یہ ہے کہ اس کی گردن میں ایک تعویذ تھا میں نے اسے اس لیے کھول لیا تھا کہ اگر وہ کسی ایجنسی کا ہوگا تو اس میں کوئی خاص چیز ہو سکتی ہے مگر وہ تعویذ سنسکرت میں تھا جس کے معنی ہیں کہ وہ ہندو تھا اور اپنے مذہب پر اندھا اعتماد کرنے والا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یعنی دشمن نے ہر طرف جال پھیلا رکھا ہے۔ بار بار ہم سے ہندو ہی ٹکرا رہے ہیں۔ اب اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس عورت تک جلد سے جلد پہنچ کر اپنا ٹاسک پورا کیا جائے۔ وہ کس لالچ میں مرشد کو خرید رہی ہے۔ مرشد سے وہ کیا کام لینا چاہ رہی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے۔''

''مگر وہ عورت ملے گی کہاں؟'' عبداللہ نے تجسس آمیز سوال کیا۔

''بہت آسان سوال ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ہم نے ایک مہرے کو ابھی تک چھیڑا نہیں ہے اسی سے معلوم ہوگا۔''

''کون سا مہرہ؟'' عبداللہ نے سوال کیا۔

''سفارت خانے کا افسر وسیم کے بندے نے جس کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ ثمینہ نامی لڑکی سے ملنے جاتا رہا ہے۔ جس کی ریکی سفیر کر چکا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہ ہر روز صبح صبح جاگنگ کرنے پارک میں آتا ہے۔ وہیں اسے گھیر لیں گے۔''

''صبح تو ہو رہی ہے اور یہی وقت ہوتا ہے جب لوگ جاگنگ کرنے نکلتے ہیں۔''

''تو پھر دیر کیسی، نکل چلتے ہیں۔''

''چلو۔'' کہہ کر میں نے ایک اونگھتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا۔ اس ٹیکسی میں بیٹھ کر ہم لوگ سفارت خانے کے سامنے والے پارک میں پہنچ گئے۔

اتفاق کی بات ہے جس وقت ہم تینوں اس اوپن پارک میں داخل ہوئے وہ افسر ایک بینچ پر بیٹھا نظر آ گیا۔ سفیر نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''وہ بیٹھا ہے۔''

میں نے اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی پھر بولا۔ ''وقت زیادہ نہ ہو جائے اس لیے جلد اپنا کام دکھانا ہے۔ تم ایسا کرو کسی گاڑی کا انتظام کرو ہم اسے کسی ویرانے میں لے چلتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں۔'' کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ اتنی دیر میں افسر اپنی جگہ سے کھڑا ہو چکا تھا۔ اس نے پھر سے دوڑ لگانی شروع کر دی تھی۔ میں اور عبداللہ بھی آہستہ آہستہ جاگنگ کے انداز میں دوڑ رہے تھے۔ تبھی ہمیں سفیر نظر آیا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی جھلک نمایاں تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کامیاب لوٹا ہے۔ اس لیے میں نے سرگوشی میں عبداللہ سے کہا۔ ''قتل موذی قبل ایذا۔''

عبداللہ نے اشارہ سمجھ لیا اور کہا۔ ''اب میرا کمال دیکھیں آپ اپنی رفتار سست رکھنا۔'' پھر اس نے کمال کی اداکاری دکھائی۔ اور جاگنگ کرتے کرتے اس افسر پر گرا تو وہ ''اوہ سوری'' کہہ کر اسے سہارا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ عبداللہ اپنا سینہ مسلتے ہوئے کراہ رہا تھا۔ افسر نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اتنی دیر میں، مَیں ان تک پہنچ گیا تھا۔ میں بھی رک کر دیکھنے لگا۔

''ینگ مین ذرا سا سہارا دو لگتا ہے ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' افسر نے کہا۔

''ادھر میری گاڑی کھڑی ہے۔ آپ آئیں میں انہیں اسپتال لے چلتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں میرے پاس وقت کم ہے، مجھے جانا ضروری ہے تم ہی پہنچا دو۔'' وہ بولا۔

''کوئی بات نہیں گاڑی تک پہنچانے کے لیے تو آپ سہارا دے دیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' کہہ کر اس نے سفیر کے بائیں بازو کو اپنے سر سے گزار کر کندھے پر رکھ لیا۔ دوسری طرف میں نے وزن سنبھالا اور ہم دونوں اسے اٹھائے ہوئے پارک کے گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

سفیر نے دور سے دیکھا۔ افسر کو ساتھ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی وہ سمجھ گیا کہ میں نے بڑی خوبصورتی سے اسے گھیرا ہے۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس گاڑی کی طرف بڑھنے لگا جس کی پچھلی سیٹ پر اس نے اس کار کے مالک کو بے ہوش کر کے اس طرح بٹھا دیا تھا جیسے وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا ہو۔ کار کے پاس پہنچ کر وہ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ افسر اور میں عبداللہ کو سہارا دے کر باہر لائے۔

میں نے سفیر کو دیکھ لیا تھا۔ ہم اسی طرف بڑھنے لگے۔ کار کے نزدیک پہنچنے تک میں نے بائیں ہاتھ سے عبداللہ کو تھام رکھا تھا۔ دائیں ہاتھ سے میں نے دروازہ کھولا۔ افسر اسے لٹانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ سفیر نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر ریوالور کی نال رکھ دی اور غراتی آواز میں بولا۔ ''چپ چاپ اندر بیٹھ جاؤ۔''

افسر نے جھٹکے سے کھڑا ہونا چاہا تھا مگر سفیر نے اتنی مضبوطی سے اس کے گلے کو پکڑا تھا کہ وہ ہل بھی نہ سکا۔ عبداللہ نے بھی دیر نہیں کی اور دوسری طرف سے اس کی کمر میں اپنا پستول لگا دیا تھا۔۔

''پیارے دوست خاموشی سے اندر بیٹھ جاؤ ورنہ انجام موت ہے۔'' سفیر نے دھیمی آواز میں کہا۔

وہ مجبور ہو چکا تھا۔ فرار کا کوئی راستہ نہ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اندر بیٹھ گیا۔ سفیر نے بھی سائلنسر لگا ریوالور نکال لیا تھا۔ افسر ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ پچھلی سیٹ پر ہم تینوں گویا ٹھونس دیئے گئے تھے کیونکہ پہلے سے بھی ایک شخص وہاں بیٹھا ہوا تھا یعنی کار کا مالک۔

ڈرائیونگ سیٹ پر عبداللہ تھا۔ اسے ایک ایک راستہ معلوم تھا اس لیے وہ بغیر کچھ پوچھے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہم لوگ شہر سے باہر آئے۔ اب ویران علاقہ شروع ہو چکا تھا۔ پتھریلے راستے پر اچھلتی کودتی کار آگے بڑھ رہی تھی کہ ایک جگہ اس نے گاڑی روک لی۔ پھر نیچے اتر کر بولا۔ ''مسٹر سیدھے سادے جو کچھ پوچھا جائے بتا دو ورنہ تمہاری لاش کو بھی سفارت خانے والے ترس جائیں گے۔''

''کک، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

''صرف اتنا بتا دو کہ اس مشن کے لیے کتنے افراد یہاں آئے ہیں اور مشن ہے کیا؟''

اس نے چونک کر عبداللہ کو دیکھا پھر لرزتی آواز میں پوچھا۔ ''تم..... تم لوگ کون ہو؟''

''ہم خدائی فوجدار ہیں جو پوچھا جا رہا ہے وہ بتاؤ۔''

''میں..... میں کسی مشن سے واقف نہیں ہوں۔''

''جھوٹ مت بولو ورنہ انجام اتنا برا ہو گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہم دشمن کو مارنے کے قائل نہیں ہیں کیونکہ مرنے والا کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔ ہم اذیت دے دے کر جوابات وصول کرتے ہیں۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم کس طرح جواب دینا پسند کرو گے۔ ابھی نہایت آسانی سے یا ایذا سہہ کر؟'' عبداللہ نے ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر کہا اس کے لہجے سے سفاکی مترشح تھی۔

''میں نے کہا نا میں کسی مشن وشن سے واقف نہیں ہوں۔''

''اچھا تمہاری مرضی مت بتلاؤ..... بھائی سفیر ذرا انہیں اپنی سوئی کا کمال تو دکھاؤ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ کا جملہ ختم ہونے سے پہلے سفیر نے انجکشن جیب سے نکالا اور نیڈل کو پھرتی سے اس کے بازو پر مار کر نکال لیا۔ وہ ''سی'' کر کے رہ گیا۔

''یہ نمونہ ہے..... یہ سوئی چبھونے کا ماسٹر ہے۔ ایک سیکنڈ میں تین بار سوئی چبھوتا ہے۔ یہ پیروں سے شروع کرتا ہے اور پیشانی تک لے جاتا ہے۔ اس راہ میں آنکھیں بھی آتی ہیں۔'' عبداللہ نے نہایت سفاک لہجے میں کہا۔

''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو، تم مجھے مارنا چاہتے ہو مار دو مگر یاد رکھنا میں سفارتی اہلکار ہوں۔ میری حکومت تمہارے وزیراعظم سے جواب طلب کرے گی۔''

''ہم نے پہلے ہی کہا ناں ہم جان سے نہیں مارتے سسکا سسکا کر زندہ رکھتے ہیں انسان خود اپنی موت مانگنے لگتا ہے۔'' عبداللہ نے جواب دیا پھر سفیر کی طرف مڑ کر بولا۔ ''ایسا کرو نیچے سے شروع کرو، آنکھ پر آ کر رک جانا۔ پھر سے شروع ہو جاؤ۔''

سفیر نے نیڈل اٹھایا اور اس کا ہاتھ بلند ہوا اور سلائی مشین کی طرح چلنے لگا ایک منٹ میں تیس سے پینتیس بار اس نے سوئی چبھوئی کہ افسر چیخا۔

''میں..... میں بتاتا ہوں۔''

سفیر کا ہاتھ رک گیا۔

''کل چار افراد آئے تھے تین مرد اور ایک عورت۔ سوائے عورت کے سب مارے گئے۔''

''اس عورت کا نام کیا ہے؟''

''گیتا بھاردواج لیکن وہ کسی مسلمان خاتون کے نام پر زندگی گزار رہی ہے ثمینہ کے نام سے مشہور ہے۔''

''کہاں ملے گی؟''

''وہ اسلام آباد میں ہوگی۔''

''اسلام آباد میں کس طرف؟'' اس نے سوال کیا

''ٹرائینگل پارک کے پاس ایک دو منزلہ بنگلا ہے۔ وہ بنگلا ایک بہت بڑے تاجر کا ہے مگر خود اسے پتا نہیں ہے کہ اس بنگلے میں کیا ہو رہا ہے۔ اسے مرشد نے کرائے پر لے کر ہمیں دے رکھا ہے اور ہم اسے بطور ہیڈ کوارٹر استعمال کرتے ہیں اور اسے ہی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں ایک خفیہ تہہ خانہ بھی ہے اور اس تہہ خانے کو ہم بطور اسپیشل گیسٹ روم استعمال کرتے ہیں ہمارے مرکزی عہدیدار جب بھی آتے ہیں اسی میں ٹھہرتے ہیں گیتا بھی اس میں ٹھہری ہوئی ہے۔''

''لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو کہ وہ کتنے دنوں سے وہاں ٹھہری ہوئی ہے؟''

''تقریباً ایک سال ہو چکا ہے مگر زیادہ تر وہ دورے پر رہتی ہے کیونکہ پورا نیٹ ورک اس کی ذمہ داری ہے وہی اس مشن کی انچارج ہے۔''

''معلومات فراہم کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ اب ایسا کرو کہ تم سو جاؤ موت کی نیند میں کھو جاؤ۔'' کہہ کر عبداللہ نے اس کی کنپٹی پر نال رکھ کر دبا دیا۔ ہلکی سی کلک کی آواز ہوئی اور سائلنسر لگے ریوالور کی گولی اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دماغ میں اترتی چلی گئی۔ خون کا فوارہ سا اچھل کر نکلا اور خود عبداللہ کے چہرے کو بھگو گیا۔

عبداللہ نے اس کی لاش کو کھینچ کر کار سے باہر نکالا اور پہاڑیوں کے درمیان پھینک آیا۔ کیونکہ اگر ہم اسے زندہ چھوڑ دیتے تو اس کی حکومت واویلا مچاتی۔ اب اگر لاش ملی بھی تو ہماری حکومت خود پوچھے گی کہ وہ اس ویرانے میں کیا کرنے گیا تھا۔

''بھائی ان صاحب کو بھی یہیں کہیں آرام کرنے کی اجازت دے دو۔'' میں نے گاڑی کے مالک کی طرف اشارہ کیا جو بے ہوشی کے عالم میں گاڑی میں پڑا ہوا تھا۔

''کیا ہمیشہ کے لیے؟'' عبداللہ نے پستول کو پھر باہر نکال لیا۔

''نہیں صرف کچھ دیر کے لیے۔''

عبداللہ نے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اسے بھی باہر نکال لیا اور وہیں ایک بڑے سے پتھر پر لٹا کر اس کی کنپٹی پر ریوالور کے دستے سے ایک اور وار کر دیا تاکہ وہ مزید کچھ دیر بے ہوش رہ سکے پھر ہم شہر کی طرف لوٹ چلے۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد عبداللہ نے پوچھا۔ ''اب ہمیں کہاں جانا ہے؟''

''ایسا کرتے ہیں سیدھے اسی بنگلے پر چلتے ہیں۔'' میں نے کہا

''لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ وہاں سکیورٹی بہت سخت ہوتی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ کنٹونمنٹ ایریا جیسے انتظامات ہیں کل پچاس ساٹھ بنگلے ہوں گے۔ اس کے گرد چار دیواری ہے۔ گیٹ پر چیک پوسٹ ہے جس میں مسلح پہریدار ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اندر جانے والوں کو چیک پوسٹ پر رک اپنی شناخت کرانی ہوتی ہے۔ گارڈ بتائے گئے بنگلے پر فون سے کنفرم کرتا ہے کنفرم ہو جانے کے بعد وہ وزیٹر کو پاس اشو کرتا ہے جب تک تصدیق نہ ہو اندر جانے نہیں دیا جاتا رات کے وقت چار دیواری کے ساتھ ساتھ جیپ پر راؤنڈ لگایا جاتا ہے تاکہ کوئی چھلانگ لگا کر اندر نہ گھسے اور دیوار پھاندنے کی کوشش نہ کر سکے۔''

''یاد رکھو کتنی بھی ٹائٹ سکیورٹی کیوں نہ ہو اس میں کہیں نہ کہیں کوئی شگاف ضرور ہوتا ہے۔''

''اچھی بات ہے میں شگاف تلاش کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر عبداللہ نے کار کا رخ منزل کی طرف جانے والے راستے پر موڑ دیا۔ مگر تیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد اس نے کار روک دی اور کار سے نیچے اتر گیا پھر آگے بڑھنے لگا۔ بطور دُم چھلا میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ گیٹ پر پہنچا پھر رک کر خود ہی بولا۔ ''کار کو بھی آج ہی خراب ہونا تھا اتنی مشکل سے اسے گیراج پہنچا کر آ رہا ہوں۔'' وہ اس طرح سے بول رہا تھا جیسے گارڈ سے اس کی بڑی اچھی دوستی ہے۔

''ارے تم چپ کیوں ہو، صوفی صاحب دکھائی نہیں دے رہے۔ کہیں گئے ہیں کیا؟'' اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ واچ مینوں میں ایسے بہت سے ہوتے ہیں جن کی داڑھیاں ہوتی ہیں ان میں بھی ایک نہ ایک شخص کی داڑھی ضرور ہوگی۔

''آج ان کا آف ہے۔'' گارڈ نے جواب دیا۔

''اچھا اچھا! ہاں ایک اچھی فلم لایا ہوں۔ دیکھنا ہو تو میرے بنگلے پر آ جانا۔ اچھا چلتا ہوں۔'' کہہ کر وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے کھینچتے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ واچ مین اب بھی ہمیں دیکھ رہا ہے کیونکہ اس کی آنکھوں میں تیرتے استعجاب کو میں نے بھی محسوس کرلیا تھا وہ شاید اس مخمصے میں تھا کہ یہ صاحب کس بنگلے میں رہتے ہیں۔ اگر باہر کا کوئی ہوتا تو پاس مانگتا۔

عبداللہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتا چلا جارہا تھا کہ اسے ایک بنگلا نظر آیا۔ اس بنگلے کا لان خشک پتوں سے اٹا ہوا تھا۔ یقیناً یہ بنگلا خالی ہے۔ میں نے سوچا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہ سوچتا ہوا کہ اگر کہیں اور شیلٹر نہ ملا تو یہ بنگلا چھپنے کے لیے بہت بہتر رہے گا۔

کچھ اور آگے بڑھنے کے بعد مجھے ٹرائینگل پارک نظر آ گیا وہ تین کونے کا پارک تھا شاید اسی لیے ٹرائینگل پارک کہتے تھے۔ اس پارک کے اردگرد کے بنگلوں کا میں نے جائزہ لیا۔ سامنے ہی وہ دومنزلہ بنگلا نظر آ گیا۔ اس بنگلے کی جانب بڑھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اس میں کیسے داخل ہوا جاسکتا ہے کیونکہ باہر بیٹھا چوکیدار نظر آرہا تھا۔ تبھی میری نظر اس کے برابر والے بنگلے پر پڑی اس بنگلے کی حالت زار اچھی نہ تھی۔ عبداللہ اسی بنگلے کی طرف بڑھتا چلا گیا پھر دروازے پر پہنچ کر اس نے بیل بجائی اندر کہیں دور گھنٹی بجی۔ گھنٹی کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ پرانے انداز کی ہے کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک بڑی بی نظر آئیں۔ میں نے گیٹ پر لگی نیم پلیٹ پڑھ لی تھی جس پر میجر اکرام اللہ بنگش لکھا تھا اسی مناسبت سے عبداللہ نے بڑی بی کو سلام کرکے کہا۔ ''کرنل فرخ کا بیٹا ہوں کراچی والے فرخ۔ انہوں نے مجھے میجر اکرام سے ملنے کو کہا تھا۔''

''مگر بیٹا میجر اکرام کا تو چھ ماہ پہلے انتقال ہوگیا میں ان کی بیوہ ہوں۔ آؤ اندر آ جاؤ۔''

ہم اندر آ گئے۔ ڈرائنگ روم کے صوفے بھی انتہائی پرانے ڈیزائن کے تھے ایسے صوفے اب شاید ہی نظر آتے ہوں ہم اس جہازی سائز کے صوفے پر بیٹھ گئے۔ بڑی بی بھی بیٹھ چکی تھیں۔ ہم سبھی خاموش تھے تبھی بڑی بی بولیں۔ ''تمہارا کیا خیال ہے چائے پی جائے۔''

''اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو..... بلکہ رہنے دیں۔ میں ہوٹل سے نکلتے وقت پی کر نکلا تھا۔''

''لیکن بیٹا کرنل فرخ کس رجمنٹ کے تھے مجھے ان کے دوستوں میں ایسا ایک نام بھی نہیں معلوم۔''

عبداللہ اندر ہی اندر گھبرا اٹھا جس کا عکس اس کے چہرے سے جھلک اٹھا تھا کیونکہ اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ خود بنگش کس رجمنٹ کے تھے۔ اس نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ ''میرے ابو جب لاہور چھاؤنی میں تھے تو.....''

''سنو بیٹے۔'' بڑی بی جملہ کاٹ کر بولیں۔ ''ٹھہرو میں چائے بنا لیتی ہوں۔ دراصل نوکرانی بڑی کام چور تھی۔ میں نے اسے نکال باہر کیا ہے۔ نئی ملنے تک مجھے خود ہی اپنے ہاتھوں سے کام کرنا ہے۔'' کہہ کر وہ صوفے کے ہینڈل کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئیں۔

''رہنے دیں آنٹی دراصل میرے انکل بھی میرے ساتھ آئے ہیں کچھ دیر بعد وہ مجھے لینے آ جائیں گے۔''

''کوئی بات نہیں میں دوبارہ بنالوں گی۔'' کہہ کر وہ کچن کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ وہ ادھر گئیں اور عبداللہ اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ اس نے واش بیسن کا نل کھول دیا پھر اس نے واچ ٹرانسمیٹر پر رابطہ کیا۔ دوسری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانب سے فوراً کال ریسیو کر لی گئی۔ ''ہیلو میں برابر والے بنگلے میں ہوں۔ میجر بنگش کے بنگلے میں۔ میں نے بڑی بی کو بتا دیا ہے کہ میرے چچا احمد طاہر آ رہے ہیں۔''

''جی اچھا ہم آ رہے ہیں.....'' کہہ کر اس نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا

باتھ روم سے نکل کر اس نے صوفے پر خود کو گرا لیا تبھی بڑی بی چائے کا کپ لیے ہوئے داخل ہوئیں۔

''لو بیٹا چائے پیو۔''

چائے کا میں نے پہلا سپ لیا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ بڑی بی فون کی طرف بڑھیں تو عبداللہ نے کہا۔ ''شاید میرے انکل ہوں۔'' پھر اس نے ریسیور اٹھا لیا دوسری جانب سکیورٹی گارڈ تھا۔ اس نے کہا۔ ''آپ کے مہمان آئے ہیں۔''

''ہاں ہاں احمد طاہر نام کے ایک صاحب آنے والے ہیں۔'' عبداللہ بولا۔

''لیکن جناب ان کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہیں۔''

''کوئی بات نہیں میں ضمانت لے رہا ہوں۔''

بڑی بی بڑے غور سے اس کی باتیں سن رہی تھیں جلدی سے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں بولیں۔ ''ہاں احمد طاہر کو بھیج دو۔''

کچھ دیر بعد وسیم اور سفیر اندر آ گئے۔ ان دونوں کو بھی بڑی بی نے چائے لا کر دی پھر بولیں۔ ''آپ لوگ کھانا کھا کر جانا، میں بنا رہی ہوں۔''

''جب آپ ضد کر رہی ہیں تو یہی سہی۔''

بڑی بی ہمیں بٹھا کر کچن کی طرف جا رہی تھیں کہ عبداللہ نے کہا۔ ''آنٹی اگر آپ اجازت دیں تو ہم گھوم پھر کر خود ہی عمارت کو دیکھ لیں۔''

''کیوں عمارت میں ایسی کیا خوبی نظر آ گئی؟''

''ایک جگہ بیٹھے بیٹھے بوریت ہو گی یہی سوچ کر میں نے کہا۔''

''ٹھیک ہے جاؤ۔''

اجازت ملتے ہی ہم تینوں چھت پر پہنچے اور ٹہلتے ہوئے کن انکھیوں سے برابر والی بلڈنگ کا جائزہ لینے لگے بلڈنگ کی دیوار خاصی نیچی تھی اسے با آسانی پار کیا جا سکتا تھا۔

''یہاں سے اندر داخل ہوا جا سکتا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہاں یہی مناسب ہے کچھ اور اندھیرا پھیلنے دو۔'' کہہ کر ہم واپسی کے لیے مڑ گئے۔

ہم لوگ نیچے آئے تو بڑی بی کچن کے بجائے بیڈ پر لیٹی تھیں۔

''کیا ہوا آنٹی؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''سر چکرانے لگا تھا۔ بھئی بڑھاپے سے زیادہ بڑی اور بیماری کون سی ہو گی؟'' بڑی بی نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔

''میرے پاس دوا ہے کہیں تو میں دے دوں؟'' سفیر نے کہا۔ ''ابھی آپ توانائی محسوس کریں گی۔ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود بھی استعمال کرتا ہوں۔'' کہہ کر سفیر نے جیب سے پرس نکالا اور پرس میں رکھی دو گولیاں بڑھا دیں۔

بڑی بی نے گولیاں لے لیں۔

''اب آپ کچھ دیر کے لیے لیٹ جائیں۔''

عبداللہ نے کہا اور باہر نکل آیا دوسرے کمرے میں پہنچ کر بولا۔''بڑی بی کو تو میں نیند کی گولیاں دے آیا ہوں۔ان کی طرف سے تو اب کوئی خطرہ نہیں ہے آؤ باہر چلتے ہیں۔''

ہم سب باہر لان میں آئے۔شام رات میں بدل چکی تھی۔اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا۔لان میں ایک ٹمٹماتا سا بلب جل رہا تھا۔ہم نے برابر والی عمارت کی طرف دیکھا۔وہاں بھی سناٹے کا راج تھا۔عبداللہ نے لان میں پڑی ایک ٹوٹی ہوئی کرسی لا کر دیوار کے سہارے کھڑی کی پھر اس پر چڑھ کر اس نے دیوار کی منڈیر پکڑ لی اور دونوں ہاتھوں پر وزن ڈال کر اٹھتا چلا گیا اور پھرتی سے دیوار پر چڑھ کر اندر کود گیا اس کے پیچھے سفیر میں اور وسیم بھی اندر کود گئے۔

ہم چاروں ایک کے بعد ایک کودے تھے۔جہاں پیر زمین سے مس ہوئے تھے بس وہیں کے ہو رہے۔سینوں کو زمین سے چپکائے سینے کے بل لیٹے رہے اور گھڑی کی سوئی کھسکتی رہی پھر ہمیں اندازہ ہو گیا کہ گیٹ پر بیٹھا چوکیدار اپنی جگہ اونگھ رہا ہے یا اٹا غفیل ہو چکا ہے یوں بھی بنگلوں کے گرد جیسا سخت انتظام تھا جتنی کڑی سکیورٹی تھی ایسے میں تو پرندے کو بھی پر مارتے خوف آتا ہوگا۔

اب ہم تینوں نے سانپ کی نقل شروع کر دی سینے کے بل زمین پر رینگنے لگے۔رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔پھولوں کی کیاریوں کے درمیان سے ہو کر اس مقام پر پہنچے جہاں سے برآمدہ شروع ہو جاتا تھا۔برآمدہ کچھ اونچا تھا سب سے پہلے عبداللہ اچھل کر اوپر چڑھا پھر ہم تینوں۔

ہم برآمدے کے پکے فرش پر بھی رینگنے لگے۔رینگتے ہوئے دروازے پر پہنچے پھر اسے کھول کر اندر داخل ہوئے۔

وہ کمرا ہال نما تھا۔اس میں صوفے پڑے ہوئے تھے۔ہم نے اس کمرے کو پار کیا اور ایک دوسرے کمرے میں آ گئے۔اس کمرے میں ایک بیڈ بچھا تھا اس پر کوئی لیٹا ہوا تھا۔لیٹی ہوئی ہستی پر نظر پڑتے ہی ہم تینوں بری طرح چونک گئے۔چونکنے کی بات ہی تھی۔ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس سے یوں دشمنوں کے کچھار میں ملاقات ہوگی۔یہ وہی لڑکی تھی جو ہمیں اس دن بس میں ملی تھی اور اس کے ساتھی کے پاس سے ڈرگ برآمد ہوا تھا اس نے بھی ہم تینوں کو دیکھ لیا تھا اور اس کے چہرے پر حیرت ابھر آئی تھی۔وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔اس نے حیرت بھری آواز میں کہا تھا۔''تم.....تم لوگ یہاں تک کیسے پہنچے؟''

''اپنے پیروں سے چل کر۔'' وسیم نے کہا۔

''آ تو گئے ہو مگر اب زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔'' اس نے ہم تینوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''اب میں سمجھا تم ہی ثمینہ ہو۔'' سفیر بولا۔

''جو بھی سمجھ لو۔'' وہ مسکرا کر بولی ساتھ ہی ساتھ اس نے تکیے کے نیچے سے چھوٹا سا ریوالور نکال لیا۔اب تک وہ صرف انگریزی میں باتیں کر رہی تھی اور کسی اہل زبان کی طرح انگریزی بول رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کھلونے کو نیچے رکھ دو۔'' میں نے سمجھانا چاہا۔

''تاکہ تم لوگ مجھے زیر کرلو۔''

''زیر تو تم ہو چکی ہو۔'' عبداللہ نے کہا۔ ''تمہارا چوکیدار مارا جا چکا ہے اور پوری عمارت ہمارے آدمیوں کے نرغے میں ہے۔''

''بالکل غلط اس عمارت کے تمام دروازے خودکار ہیں ہر دروازے پر کیمرا نصب ہے تم لوگوں کی پوری فلم بن چکی ہے۔''

''اچھی بات ہے پورے پاکستان میں نمائش کے لیے پیش کر دینا۔'' عبداللہ نے کہا اس نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اسے باتوں میں لگا کر اس نے چھلانگ لگائی تھی چھلانگ اس طرح کی تھی کہ وہ سنبھل نہ سکی۔ وہ اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا دوسری جانب کود گیا تھا۔

پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانا بے عقلی ہوتی۔ وسیم نے موقع ضائع نہ کیا اور آگے بڑھ کر اس کے بوائے کٹ بالوں کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ وہ بیڈ پر کافی آگے تک کھسک آئی۔ وسیم نے اس کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا وہ لمحے بھر میں سنبھل گئی تھی۔ اس نے خود کو گیند کی طرح اچھالا تھا اور حیرت انگیز کمال کے ساتھ وہ بیڈ سے نیچے اتر گئی تھی پھر اس نے جسم کو موڑ کر ایک زبردست قسم کی اچھال بھری تھی۔ اس جمپ کے ساتھ وہ وسیم کے پیچھے آ گئی تھی۔ پیچھے آتے ہی اس نے وسیم کے گلے میں ہاتھ ڈال کر نیکلاک لگا دیا تھا یہ سب کچھ لمحے بھر میں ہو گیا تھا پھر وہ غراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''خبردار اب اگر کسی نے مجھ پر حملہ کیا تو میں اس کی گردن توڑ دوں گی۔''

اس کا لاک اتنا سخت تھا کہ وسیم کی آنکھیں حلقوں سے ابھرنے لگی تھیں سانس رکنے لگی تھی اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وسیم نے گلا چھڑانے کے لیے اپنے انداز سے کوشش کی۔ اپنا ہاتھ اوپر لے جا کر اس کے ہاتھ کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ بہک گیا۔

کچھ بھی ہو، وہ عورت تھی نادانستگی میں وسیم نے ہاتھ چلایا تھا کہ اس کا ہاتھ اس کے جسم پر دباؤ کا باعث بن گیا نتیجہ اس کا ذہن منتشر ہو گیا۔ بس یہی ایک لمحہ وسیم کے کام آ گیا اور اس نے دوسرے ہاتھ سے بھی وہی حرکت کی، ساتھ ہی ساتھ جسم کو جھٹکا دیا تو وہ جھٹک کر دور جا گری۔ وہ دوبارہ اس پر جھپٹی مگر راستے ہی میں، میں نے اسے روک لیا۔ روکنے کے لیے میں نے صرف اپنا پیر بڑھایا تھا کہ وہ پیروں سے الجھ کر گر گئی۔ اس کے گرتے ہی عبداللہ نے اسے فٹ بال بنا دیا۔ ایک کے بعد ایک کئی کک جما دیئے۔ ایسی زبردست کک کہ سیمنٹ کی دیوار پر پڑتی تو وہ چیخ جاتی۔ وہ تو پھر ایک عورت تھی اپنی چیخوں کو نہ روک سکی۔ سر پھٹ گیا تھا اور اس سے خون رسنے لگا تھا۔

عبداللہ نے اسی پر بس نہ کیا کسی ریسلر کی طرح پھرتی سے اسے اٹھایا اور ہوا میں اچھال کر گھٹنا کھڑا کر کے خود بیٹھ گیا۔ وہ سیدھی اس کے گھٹنے پر گری، اس کی تیز چیخ گونجی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ عبداللہ نے وقت ضائع کیے بغیر پیڈسٹل فین کے تار کو جھٹکا مار کر توڑا اسی الیکٹرک وائر سے اسے باندھ دیا پھر اسے سفیر کی مدد سے پنکھے سے لٹکا دیا۔ یہ سب کچھ بمشکل دس منٹ میں اس نے کر دکھایا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم اب اسے ہوش میں لانے کی ترکیب کر رہے تھے تاکہ ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں۔

''میں ایک راؤنڈ لگا کر آتا ہوں ویسے مجھے قوی امید ہے کہ یہ بنگلا پوری طرح خالی ہے پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔'' کہہ کر عبداللہ باہر نکل گیا۔

اس کے باہر جاتے ہی میں نے جگ میں بھرے پانی کو اس کے چہرے پر انڈیل دیا پانی کے پڑتے ہی وہ ہوش میں آ گئی اور آنکھیں جھپکا کر بولی۔ ''یہ..... تم لوگ اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''ہم نے برا کب کیا ہے۔ ہم جو کرتے ہیں اچھا ہی کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''ہاں بی بی، اب ذرا ٹیپ ریکارڈ کی طرح بجنا شروع ہو جاؤ۔ تم کون ہو کیا کرنا چاہتی تھیں، مرشد سے کیا کام لے رہی تھیں۔''

''اگر مجھ سے کچھ اگلوا سکتے ہو تو اگلوا لو۔'' اس نے چیلنج کیا۔

''دیکھو بی بی میں عورتوں کا بہت زیادہ احترام کرتا ہوں۔ لیکن میرا یہ دوست.....'' میرا اشارہ وسیم کی طرف تھا۔ ''عورتوں سے نمٹنا خوب جانتا ہے۔ تم نے اسے جتنی سزا دی ہے یہ اس کا بدلہ سود سمیت لے گا۔''

''میں اذیت سہنے میں ثانی نہیں رکھتی۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو مگر میری زبان نہیں کھلوا پاؤ گے۔'' اس نے ہمیں کھلا چیلنج دے دیا تھا۔

عبداللہ کو جو ابھی ابھی لوٹا تھا اسے میں نے اشارہ کیا۔ وہ الیکٹرک وائر کو بل دے کر دوہرا کرتے ہوئے اس کے قریب پہنچا اور نہایت سرعت سے اس نے تار کا ایک سرا اس کے پیروں سے لپیٹا اور پھر دوسرے سرے کو چھت میں لٹکتے پنکھے پر پھینک کر اسے کھینچنے لگا۔ وسیم بھی اس کی مدد کو بڑھ آیا۔ چند منٹ میں وہ پنکھے سے الٹی لٹکی ہوئی تھی۔ الٹا لٹکنا آسان نہیں لیکن اس کے چہرے پر ذرا بھی کرب نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے الٹا لٹکنا اس کے لیے ایک عام سی بات ہے۔

''وسیم تمہارے پاس سرنج ہے نا۔ اسے نکال کر آزماؤ..... تبھی یہ کھلے گی۔'' میں نے وسیم کو اشارہ دیا کہ وہ پرانا حربہ آزمائے۔

وسیم جیب سے سرنج نکال ہی رہا تھا کہ عقب سے آواز آئی۔ ''یہ بے چاری کچھ بھی بتا نہیں پائے گی۔ مجھ سے پوچھ لو جو پوچھنا ہے۔''

میں نے پھرتی سے مڑتے ہوئے کہا۔ ''اچھا تم بھی اس کھیل میں شامل ہو۔''

مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ یہ وہی بڑی بی تھی جو کچھ دیر قبل کس طرح کمر تھامے کراہ رہی تھی اور اب اس طرح سینہ تانے کھڑی تھی کہ جیسے مینا مردانی ہو جو کشتی میں مردوں کو بھی ہرا دیتی تھی۔

''تم نے یہی سمجھا ہوگا کہ ایک بڑھیا عورت کو بے وقوف بنا دو گے۔ میری کامیابی کی وجہ بھی یہی ہے کہ مجھے بڑھیا دیکھ کوئی مجھ پر شک نہیں کرتا۔ اپنے اسی بڑھاپے کا سہارا لے کر میں نے بنگش کو دھوکا دیا اور اس کے گھر پر قبضہ کیے بیٹھی ہوں۔ اگر اپنی اصل صورت اور عمر کے ساتھ سامنے آتی تو وہ اپنے گھر میں گھسنے بھی نہیں دیتا۔ اس لیے اس کے بیچ کے ایک کرنل کی ماں بن کر اس سے ملی کہ اب اس دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ وقت پر پنشن ملتی نہیں ہے۔ فاقے کی نوبت آ گئی ہے، مجھے سہارا دے دو۔ اس سیدھے سادھے شخص نے مجھے گھر میں ٹھہرا لیا۔ آس پاس کے دو ایک گھر میں جا کر میں نے خود کو بنگش کی بہن بتایا اور پھر بنگش کو دنیا سے چلتا کر دیا۔ پاس پڑوس والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی شک نہ کر سکے۔''

''یہ مجھے کیوں بتا رہی ہو؟''

''اس لیے کہ تم سمجھ سکو کہ میں معمولی بڑھیا نہیں ہوں۔ اور یہ بھی سن لو میں ہی گیتا ہوں اور میں نے تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا لیکن مغالطہ میں تھی کہ اس وقت تم بالکل خاموش تھے جب کہ یہ لڑکا بول رہا تھا۔'' اس کا اشارہ عبداللہ کی طرف تھا۔ ''تمہارے رہتے یہ کیوں گائیڈ کر رہا ہے۔ اسی سوال نے مجھے الجھا دیا تھا۔ ورنہ میں اسی وقت تمہیں گھیر لیتی۔''

''اب تو یقین آ گیا نا۔''

''بالکل، اس لیے اب تم تینوں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے پستول کو لہراتے ہوئے کہا۔ اور روبی کی طرف بڑھی، شاید وہ اسے آزاد کرانا چاہتی تھی۔ میرے اور اس کے درمیان خاصہ فاصلہ تھا۔ اگر میں اس پر جمپ لگاتا بھی تو اس تک پہنچ نہیں پاتا۔ وہ فوراً فائر کر دیتی۔ میں کیا کروں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وسیم نے داؤ چلا دیا۔ جیسے ہی اس کی پیٹھ وسیم کی طرف ہوئی اس نے فلائینگ کک چلا دی۔ وہ اڑتی ہوئی روبی پر گری۔ وسیم نے ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں کی۔ اپنی جگہ سے اچھلا اور اس پر جا گرا۔ مگر رکا نہیں۔ اس کے پستول پر ہاتھ مارتا ہوا دور چلا گیا۔ ایسے وقت میں میرے تمام ساتھی الرٹ رہتے ہیں اس کا ثبوت بھی فوراً مل گیا۔ عبداللہ نے ساتھ ہی ساتھ چھلانگ لگائی تھی اور اس پر جا گرا تھا۔ اس نے اس کی گردن میں آرم لاک لگا دیا تھا۔

''وسیم، تارکا دوسرا ٹکڑا بھی اٹھا لاؤ۔'' وہ چیخ کر بولا۔ مگر اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ پتا نہیں اس نے ایسا کون سا داؤ آزمایا تھا کہ عبداللہ اڑتا ہوا اس سے دو تین ہاتھ کی دوری پر جا گرا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی کہ وسیم نے اسے سر سے ٹکر ماری اور وہ عبداللہ کے قریب جا گری۔ عبداللہ شاید اسی انتظار میں تھا کہ اس نے اس کے سر پر پوری طاقت سے بوٹ کی ٹھوکر ماری۔ وہ پھسلتی ہوئی میری طرف آئی۔ میں نے بھی دیر نہیں کی۔ اس کے سر پر ایک اور ٹھوکر لگا دی۔ اگر وہ کھڑی حالت میں ہوتی تو میں کنپٹی پر مارتا لیکن یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ اس کے سر اٹھانے کا انتظار کرتا۔ وہ دوبارہ سے پھسلتی ہوئی وسیم کی طرف گئی۔ وسیم نے بھی دیر نہیں کیا اور اس کے سر پر ایک اور ٹھوکر ماری۔ اس عورت میں پتا نہیں کتنی قوتِ برداشت تھی کہ وہ اتنی زبردست ٹھوکروں کو سر پر جھیل گئی تھی اور ہوش میں بھی تھی۔ اس کی جگہ کوئی عام عورت ہوتی تو ایک ہی ٹھوکر میں بے ہوش ہو چکی ہوتی۔

اس بار جب وہ میرے قریب پھسلتی ہوئی آئی تو میں نے دیر نہیں کی اور اس کے بال پکڑ کر جھٹکا دینے کی کوشش کی مگر یہ کوشش ناکام گئی کیوں کہ اس کا پورا چوٹڈا میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ یعنی کہ اس نے وگ لگا رکھا تھا۔ اسے موقع مل گیا تھا اور وہ جمپ لگا کر کھڑی ہو گئی تھی کہ وسیم نے وہیں سے چھلانگ لگائی اور اسے گرا دیا۔

وہ کچھ اس طرح گری تھی کہ اس کا چہرہ فرش سے ٹکرایا تھا۔ ادھر وہ گری تھی کہ عبداللہ نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ ایک قد آور مرد کسی عورت کی کمر پر گرے یہ اس عورت کے برداشت سے باہر کی بات ہے۔ اس کی چیخ نکل گئی۔

اتنی دیر سے وہ تین تین مردوں سے مقابلہ کر رہی تھی۔ اب تک اس کے منہ سے آہ تک نہیں نکلی تھی لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ کے وزن نے اس کی چیخ نکال دی۔ کچھ بھی ہو وہ عورت تھی۔ اس نے کتنی ہی ٹریننگ لے کر اپنے جسم کو کتنا ہی سخت کیوں نہ بنالیا ہو لیکن عورت پھر عورت ہوتی ہے۔ کتنی ہی قوی کیوں نا بن جائے مگر جسم کی ساخت میں بہت زیادہ تبدیلی نہیں کر سکتی۔ اس کا جسم نازکی لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اس وقت بھی شاید کسی نازک حصے پر چوٹ لگی تھی کہ وہ تڑپ اٹھی تھی۔ لیکن عبداللہ نے اس پر بھی بس نہیں کیا۔ ایک بار اور اچھال بھری اور اس کے جسم پر پھر سے کودا۔ یہ چوٹ بھی وہ برداشت نہ کر سکی اور اس کی چیخ پھر نکل گئی۔ وسیم جو تار کا ٹکڑا اٹھا لایا تھا اسے اس نے پھرتی سے اس کے گلے میں ڈال دیا۔ وہ اسے کھینچتا کہ گیتا نے ایک عجیب حرکت کی۔ اس کے گلے میں ایک لاکٹ لٹک رہا تھا جسے اس نے داہنے ہاتھ سے اوپر اٹھایا اور منہ میں رکھ کر چبا گئی۔

اس نے یہ حرکت اتنی سرعت سے کی تھی کہ میں بھی سمجھ نہ سکا۔ میری آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں اسی لیے میں نے چہرے پر آیا تغیر فوراً دیکھ لیا۔ ایک لمحے میں اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ آنے لگا تھا۔ مجھے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ اس لاکٹ میں سائنائیڈ ہوگا۔ ٹامیل ٹائیگر نامی دہشت گرد تنظیم کے ممبر اپنے گلے میں تعویذ کی طرح سائنائیڈ کیپسول پہنے رہتے ہیں اور جب پکڑے جاتے ہیں تو اسے منہ میں رکھ کر خودکشی کر لیتے ہیں۔

وسیم اور عبداللہ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے کہا۔ ''خس کم جہاں پاک۔ واقعی یہ کوئی بڑی چیز تھی۔ ہم اس سے کچھ اگلوا نہ لیں اس ڈر سے اس نے جان دے دی۔''

''وہ مر گئی تو کیا ہوا، یہ تو ابھی زندہ ہے۔'' کہہ کر وسیم روبی کی طرف بڑھا۔

روبی اسے اپنی طرف آتا دیکھ بولی۔ ''جو پوچھنا ہے پوچھو میں جواب دوں گی۔''

شاید وہ گیتا کی موت سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ یہی ہماری کامیابی تھی۔ کسی عورت پر تشدد کرنا مجھے کبھی اچھا نہیں لگا۔ اگر گیتا خطرناک ثابت نہ ہوتی تو ایک دو تھپڑ مار کر اسے باندھ دیتا لیکن وہ تو ہمارے موت کا سامان کرنے لگی تھی۔ اس کا تیور بتا گیا تھا کہ وہ ہماری جان کے درپے ہے اگر ہم نے اس پر قابو نہ پایا تو وہ ہمیں قتل کر دے گی۔ اسی لیے وسیم اور عبداللہ بھی جذبہ رحم سے عاری بن گئے تھے۔

روبی نے خود ہی تعاون کی پیش کش کی تو میں نے وسیم کو اشارے سے روکا اور روبی سے کہا۔ ''اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کس کے لیے کام کر رہی ہو۔''

''میرا نام روبی نہیں جوزفائین ہے اور میں امریکن ہوں۔ ہمارا تعلق ''شی'' سے ہے۔ یہ مافیا سے بھی بڑی تنظیم ہے۔ مافیا والے غنڈہ گردی اور منشیات فروشی کا کاروبار کرتے ہیں لیکن ہم ان سے بھی اونچا کام کرتے ہیں۔ ہم چھوٹے چھوٹے ملکوں کی حکومت گراتے اور بناتے ہیں۔ انہیں بلیک میل کرتے ہیں۔ لڑاتے ہیں۔ بڑی حکومتیں ہماری خدمات حاصل کرتی ہیں اور ہم ان کے مفاد کی جنگ بھی لڑتے ہیں۔'' وہ بول رہی تھی۔ اور میں حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اس لیے کہ مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ ہمارے ملک میں شی گھس آئی ہے۔ شی کے بارے میں، میں نے کئی آرٹیکل مختلف میگزین میں پڑھ چکا تھا۔ ان کے کام کے بارے میں بھی معلوم تھا۔ واقعی وہ ایک ٹرینڈ ایجنٹ تھی۔ دیکھنے میں دھان پان، مگر اندر سے اتنی مضبوط کہ اتنی دیر پنکھے سے بندھی لٹکی تھی مگر اس کی پیشانی پر شکن نہ تھی۔ وہ رک رک کر بتا رہی تھی۔ ''دراصل اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ملک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں سپر پاورز کا عمل دخل رہتا ہے اس وقت دنیا کے نقشے پر دو ہی ملک ایسے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ واحد سپر پاور بن کر رہیں۔ اس سلسلے میں سازشوں کا جال تیار ہوتا رہتا ہے۔ دونوں ممالک کے سپر برین اس سلسلے میں سازشیں بُنتے رہتے ہیں جن پر عمل کرانے کی ذمہ داری ان کے ایجنٹوں کی ہوتی ہے۔ یہ ایجنٹ ہر ملک کی اہم ہستیوں کے گرد گھیرا ڈالے رہتے ہیں۔ اس ملک میں بھی ہیں، جس طرح یہ دونوں سپر پاورز تمام ترقی پذیر ممالک میں اپنا اثر ورسوخ برقرار رکھنا چاہتی ہیں یہاں بھی یہی چاہ رہی ہیں۔'' وہ نہایت نپے تلے انداز میں بول رہی تھی۔ ''دونوں بڑی طاقتوں کے سیاسی نظریات میں زمین آسمان کا فرق ہے یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ یوں کہ ہر ملک میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو برسر اقتدار ہوں یا اقتدار سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو کسی نہ کسی نظریے سے اثر ضرور قبول کرتے ہیں۔ یہ فطری بات ہے کہ ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسرے کو بھی اپنا ہم خیال بنالے یا بہ الفاظ دیگر اس کی فکر کا رخ اپنے نظریے کی طرف موڑ دے۔ ملک کی خارجہ پالیسی اسی ایک سوال کے گرد گھومتی ہے ہم لوگ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہیں جس قوت نے ہماری خدمات حاصل کرلیں ہم اسی ملک کے لیے کام کرتے ہیں۔''

''شی کو یہاں آنے کا ٹاسک کس ملک نے دیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''ڈیوڈ شا نے ہمیں بلایا تھا لیکن وہ پتا نہیں کہاں غائب ہوگیا۔ ہم واپسی کے لیے تیاری کررہے تھے کہ گیتا سے ہمارا رابطہ ہوگیا۔ ہمارے ممبر ضرورت پڑنے پر اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے اکیلے بھی کوئی کام کوئی مہم سر کرلیتے ہیں۔ لیکن تب جب اوپر والے اجازت دے دیں۔ میں نے اوپر والوں سے اجازت لے لی تھی اس لیے باقی لوگوں کو تو بھیج دیا لیکن خود رک گئی اور گیتا کے ساتھ مل کر اس کے لیے کام کرنے لگی۔'' وہ عام انداز میں بول رہی تھی۔

''وسیم اسے اتار دو۔'' میں نے اس پر ترس کھا کر کہا۔

وسیم اور عبداللہ نے اسے نیچے اتار دیا مگر ہاتھ پیروں کے بندھن نہیں کھولے۔ وہ بندھی ہی رہی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے پوچھا۔ ''ہماری راہ میں کیوں آئی تھیں؟''

''گیتا سے ہمیں یہ ٹاسک ملا تھا کہ آپ کو تلاش کیا جائے۔ اور ہم نے آپ کو ڈھونڈ لیا۔ بس میں بھی گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر آپ گرفتار ہو جاتے تو میں رقم دے کر آپ کو چھڑا لیتی اور اپنے ساتھ لاتی لیکن وہ ڈراما کامیاب نہ ہوسکا۔ گیتا کے مشورے سے ہم نے بیک وقت تین محاذ کھولے تھے۔ اس میں دوسرا محاذ آپ کو یہاں سے آؤٹ کرا کے بھارت بھیجنے کا تھا تاکہ آپ کو وہاں مروا دیا جائے آپ کی لاش ملتی تو پوری دنیا کی میڈیا گڑے مردے اکھاڑنے لگتی۔ ہندوستانی خوب واویلا مچاتے اور پورا الزام پاکستانی حکومت پر ڈال کر بدنام کیا جاتا کہ اس دہشت گرد کو پاکستان نے بھیجا ہے۔ اس طرح پاکستانی حکومت کو بلیک میل کیا جاتا۔''

یہ بھارتیوں کی فطرت کا حصہ ہے۔ سانپ ڈسنا بھول سکتا ہے؟

''بی بی اب یہ بھی بتا دو کہ مرشد اور گیتا کے درمیان کس قسم کا معاہدہ تھا؟''

''پوری بات کا مجھے علم نہیں، میں تو صرف تمہیں پھانسنے کے لیے رکی ہوئی تھی۔ مرشد کو جب بھی رقم کی ضرورت ہوتی میں وہ اسے پہنچاتی اس لیے کہ گیتا الگ رہ کر کام کررہی تھی۔ تمہارے ہاں کی ایجنسیوں کو الجھانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے ہی اس نے مجھے رکھا تھا کہ اس کے ملک پر الزام نہ آئے۔''

''وہ مرشد سے کیا کام لے رہی تھی؟''

''مرشد کو اس ملک کی سب سے بڑی روحانی ہستی بنا کر پیش کرتی پھر اس کے مریدوں کی تعداد اتنی بڑھا دیتی کہ اس کے اشارے پر اس ملک کا نظام چلتا۔''

''وہ خود کہاں چھپا بیٹھا ہے؟''

''مجھ سے آخری ملاقات.....'' ابھی وہ کچھ اور کہتی کہ کمرے میں گولی چلنے کا دھماکا ہوا اور روبی کے سینے میں سوراخ ہو گیا۔ میں باہر کی طرف بھاگا وسیم وسفیر بھی باہر کی طرف لپکے۔

وہ کون ہے، یہ راز ہی رہ گیا۔ ہم نے بنگلے کا کونا کونا چھان لیا مگر فائر کرنے والا نہیں ملا اور ہم سب تھک ہار کر کمرے میں لوٹ آئے۔

اس کی لاش کو دیکھتے ہوئے عبداللہ بولا۔ ''اب کیا پروگرام ہے؟''

''یہاں سے نکل چلو۔ مرشد کو ڈھونڈنے کے لیے پھر سے جال پھیلانا پڑے گا۔ اس لیے کہ یہ مہرہ تو ضائع ہو گیا۔ مجھے اس کی باتوں پر بھی یقین نہیں۔ یہ غیر ملکی ضرور تھی لیکن ہندوستانی عملداری میں گوا، ڈیمن ڈیو وغیرہ بھی ہے۔ وہاں پرتگالی بڑی تعداد میں بسے ہوئے ہیں۔ ان کے چہرے مہرے بھی انگریزوں جیسے ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ہو سکتی ہے۔ ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کے لیے اس نے شی والی کہانی سنا دی کیونکہ ٹرینڈ تھی۔ ایسے لوگ مرتے مرتے بھی کام دکھا جاتے ہیں تاکہ دشمن غلط سمت میں چلنے لگے!''

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ کمرے میں موبائل ٹیون کی آواز گونج اٹھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر آواز کا مخرج سمجھ میں آ گیا۔ وہ آواز بیڈ کے سرہانے سے آ رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر تکیہ ہٹھایا تو نیچے سے موبائل نکل آیا۔ میں نے اسکرین پر نظر ڈالی۔ مرشد کا نام چمک رہا تھا۔ میں نے وسیم کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر کال رسیو کرنے کے لیے انگلی سے دباؤ ڈالا۔ دوسری جانب مرشد ہی تھا۔ وہ اپنی رو میں کہتا چلا گیا۔ ''تم ابھی اور اسی وقت، شہر والے بنگلے پر پہنچو میں وہیں ہوں۔''

قسمت نے ایک بار پھر ساتھ دے دیا تھا۔ گویا مرشد کی بدقسمتی نے اس کی زبانی پتا کہلوا دیا تھا۔

میں نے جواب دیئے بغیر کال کاٹ دی۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اس لیے میں نے بھی اسی وقت چھاپا مارنے کی ٹھان لی۔ شہر والا بنگلا وہی تھا جو کبھی اس کے بھائی کے تصرف میں تھا۔ اس کا اس بنگلے پر ہونا یہی ثابت کر رہا تھا کہ اس نے بھائی کے بچوں کو وہاں سے چلتا کر دیا ہے۔ یوں بھی وہاں ہوگا اس بات پر کسی کو یقین نہ آتا اس لیے کہ اس نے اپنی بیٹی اور بھائی کے بیٹے کے ساتھ جو کچھ کیا تھا یہ ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کے کھلے دشمن بن چکے تھے۔ اس لیے اس کا وہاں جانا ناممکن بات تھی۔ کسی کو شک بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

''فوراً چلو۔ مرشد کا پتا لگ گیا ہے۔'' کہہ کر میں نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

مجھے دروازے کی جانب بڑھتے دیکھ وسیم نے کہا۔ ''او بھائی پہلے منہ ہاتھ دھو لیں۔ بال اس طرح بکھرے ہوئے ہیں جیسے بالوں میں بم پھٹا ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اس کا کہا پورا کیا۔ وسیم اور عبداللہ نے بھی منہ ہاتھ دھو کر کنگھی کر لی تھی۔ اب ہم ہر طرح سے ایک شریف شہری نظر آ رہے تھے۔ ٹہلتے ہوئے اس بنگلے سے نکلے اور مرکزی دروازے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

گیٹ پر وہی چوکیدار مستعد بیٹھا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔ ہم آرام سے باہر آ گئے۔

ہماری گاڑی زیادہ دور نہیں تھی۔ ٹہلتے ہوئے اس میں جا بیٹھے اور واپس بنگلے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں مَیں نے وسیم سے کہا۔ ''تم اپنے بندوں کو بلا لو۔ لوکیشن یاد ہے نا؟ مرشد کے بھائی کا بنگلا۔ وہ وہیں چھپا ہوا ہے؟''

''ہاں مجھے لوکیشن یاد ہے۔'' کہہ کر وہ اپنے بندوں کو بلانے کے لیے کال کرنے لگا۔

''بنگلے میں پہنچ کر سفیر سے مل کر سوچیں گے کہ ہمیں کرنا کیا ہے۔ اس لیے کہ آج نہیں تو کبھی نہیں۔'' میں نے کہا تھا کہ عبداللہ نے بریک دبا دیا۔ یکا یک بریک دبنے سے میں آگے کی جانب جھک گیا۔ اگر ہاتھ آگے نہ بڑھا کر سہارا لیتا تو میرا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرا جاتا۔ ''یہ کیا حرکت ہے؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا کیونکہ عبداللہ کی ہنسی جو سنائی دے گئی تھی۔

''آپ سفیر سے ملنے کی سوچ رہے ہیں اور وہ آپ کے پیچھے بڑے آرام سے چل رہا ہے۔''

عبداللہ کے کہنے پر میں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ واقعی اس کی کار میرے پیچھے ہی تھی۔ پتا نہیں کب سے وہ میرے ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''بڑے بڑے ہوٹلوں میں تو اکثر چائے پیتے ہو ایسا کرو پارک کے پاس جو چائے والے کا ٹھیا ہے اس پر روک لینا۔ آج ہم سڑک چھاپ چائے کا مزہ لیں گے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کچھ آگے جاتے ہی اس نے کار روک دی۔ سامنے ایک چائے کا ٹھیلا لگا ہوا تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر پارک کی منڈیروں پر بیٹھ کر چائے پی رہے تھے۔ میں نے کار سے سر باہر نکال کر کہا۔ ''لالہ چار چائے بناؤ۔ اسپیشل دودھ پتی۔ ایسا کہ دل خوش ہو جائے۔''

اتنی دیر میں سفیر بھی کار سے اتر کر میرے پاس چلا آیا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے کہا۔ ''یہ تعاقب کا بھوت کب سے سوار ہو گیا؟''

''تعاقب..... نہیں تو۔ میں یوں ہی گزر رہا تھا کہ آپ کی کار نظر آ گئی اور میں پیچھے پیچھے چلنے لگا کہ جہاں آپ رکیں گے وہاں میں بھی رک کر اگلے پروگرام کے بارے میں پوچھ لوں گا۔'' سفیر نے کہا۔

''آج ہم یہ سوچ کر نکلے ہیں کہ ہم نہیں یا مرشد نہیں۔ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے یہ میں نے جان لیا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ کہاں ہے؟''

''شہر والے بنگلے میں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ارے واہ..... لگتا ہے دونوں خاندان میں مصالحت ہو گئی ہے۔''

''مصالحت ہونا قرین قیاس بھی نہیں۔ اس لیے کہ مرشد کس قماش کا ہے۔ یہ تم سب جانتے ہو۔ اس نے انہیں بزورِ قوت بھگا دیا ہو گا اور اب اس بنگلے پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے۔'' چائے کا سپ لے کر میں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہاں بیٹھنے کی سمجھ نہیں آئی؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''ہمارے لوگ جمع ہو جائیں تب ہی ہم اس بنگلے کا رخ کریں گے۔''

''کیا سب یہاں آئیں گے؟''

''نہیں سب اسی بنگلے کا رخ کریں گے۔ ان کو وقت دینے کے لیے میں یہاں رکا ہوں۔ ایک اہم بات اور ہے۔ سفیر کا ایک بندہ اپنے بنگلے پر گیا ہوا ہے۔ وہ وہاں سے وہ جیکٹ لا رہا ہے جس پر گولیاں اثر نہیں کرتیں۔ وہ یہیں آئے گا اسی لیے رکا ہوں۔'' میں نے ہنس کر اسے مطمئن کرنا چاہا۔

میری بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ سفیر کے موبائل پر کال آ گئی۔ اس نے اِدھر کی آواز سن کر کہا۔ ''اسی سڑک پر آگے ایک چائے کی دکان ہے۔ وہیں آ جاؤ۔ ہم پارک کے باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

سفیر نے موبائل بند کر کے مجھ سے کہا۔ ''وہ بس پہنچنے ہی والا ہے۔''

''تو پھر چائے ختم کر کے ہم بھی چل دیں گے۔'' میں نے کہا ہی تھا کہ ایک کار آ کر رکی۔ اس میں سے سفیر کے تین بندے باہر آئے۔ تینوں نے اپنے ہاتھوں میں بڑے بڑے پیکٹ اٹھا رکھے تھے۔ میں نے سمجھ لیا کہ ان پیکٹوں میں جیکٹ ہے۔ اسے ہم یہاں کھڑے کھڑے پہن نہیں سکتے تھے اس لیے میں نے کہا۔ ''انہیں واپس کار میں ہی رکھ دو۔''

وہ تینوں کار کی طرف مڑ گئے۔ ہم سب بھی اپنی اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ کار کی طرف چلتے ہوئے میں نے عبداللہ سے کہا۔ ''تم نے غور کیا، مرشد کو ایسے لوگوں کا سہارا مل گیا ہے جو الیکٹرونک آلات کا صحیح استعمال کرنا جانتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اس نے خانقاہ میں جس قسم کا نظام لگا رکھا ہے وہ عقل حیران کرنے والا تھا۔ اب جہاں اس نے شیلٹر لے رکھا ہے۔ وہاں بھی ایسا ہی نظام بنا رکھا ہوگا۔ اس لیے ہمیں ہر طرح سے ہوشیار ہو کر اسے للکارنا ہے۔''

''جی ہاں اس کا اندازہ مجھے ہے۔''

''تم مانی کو کال کرو۔ اس سے کہو کہ وہ آن لائین رہے۔ ہوسکتا ہے کہ انٹرنیٹ کا کوئی مسئلہ ہو تو اس سے حل کرا سکوں۔ خانقاہ کی طرح وہاں بھی کوئی الیکٹرونک گھڑاک پھیلا ہوا ہو۔''

عبداللہ نے موبائل پر کسی کا نمبر ملایا۔ شاید وہ مانی سے بات کر رہا تھا۔ میں نے اس کی جانب سے نظریں ہٹا کر دیگر لوگوں کو دیکھا۔ وہ سب اپنی اپنی کار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم چاروں کے علاوہ سفیر اور وسیم و عبداللہ کے لوگ بھی تھے۔ ایک چھوٹی سی پارٹی بن چکی تھی۔ میں نے کار میں داخل ہوتے ہوئے سیٹ پر رکھے ہتھیاروں پر نظر ڈالی اچھی خاصی تعداد میں اسلحہ رکھا تھا۔ میں نے ہنستے ہنستے ہوئے کہا۔ ''بھائی میاں، یہ اتنا کچھ لے آئے ہو کیا کسی ملک پر چڑھائی کرنا ہے؟''

وسیم نے اپنی کار کی کھڑکی سے سر باہر نکال کر کہا۔ ''اتنا ہی میری گاڑی میں بھی ہے۔''

''اور اگر راستے میں چیک پوائنٹ آ گیا پھر کیا کرو گے؟'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''آج کل پولیس والے اسنیپ چیکنگ پر زور دے رہے ہیں۔''

''تب کی تب دیکھی جائے گی۔ احتیاطاً لے لیا ہے۔ بدشگونی نہ کریں۔ ہم بخیر و عافیت مرشد تک پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیں گے اور اس وقت اس کی ضرورت پڑے گی۔'' وہ بھی ہنستے ہوئے بولا اور کار آگے بڑھا لے گیا۔ ہم سب تین گاڑیوں میں سوار تھے۔ ایک ہماری، ہم سے آگے وسیم کی کار تھی اور میرے پیچھے سفیر اور عبداللہ والی۔ یہ چھوٹا سا قافلہ مرشد کے بنگلے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔

ہم ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ یکا یک میری کار میں ایک آواز گونجی۔ ''خوش آمدید میرے پیارے دشمن خوش آمدید۔''

اس آواز کو سنتے ہی میں ہی نہیں۔ کار میں سوار سب کے سب ہوشیار ہو گئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ہر ایک کی متلاشی نظروں میں ایک ہی سوال تھا کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ تبھی وہ آواز پھر سنائی دی۔ ''شہباز تم غلط سمت میں بڑھ رہے ہو۔ میں بھائی کے بنگلے میں نہیں ہوں۔ وہ فون میں نے خود کیا تھا، صرف مغالطہ پھیلانے کے لیے۔ تم کیا مجھے اتنا بے وقوف سمجھتے ہو کہ میں کال کر کے بغیر جانے کہ کون ہے دوسری طرف، اپنے بارے میں بتانا شروع کر دوں..... نہیں میرے پیارے دشمن، وہ میرا ڈراما تھا۔ میں نے تم پر نظر رکھ رکھی تھی۔ اگر میں چاہتا تو تمہیں گیتا کے گھر میں ہی گھیر لیتا۔ تمہاری کار بھی بگڈ ہے۔ اس شہر میں جہاں بھی جاؤ گے میری نظروں میں رہو گے، سگنل مجھے ملتا رہے گا۔ میں خود گیتا سے تنگ آ گیا تھا سی لیے ڈھیل دی کہ تم اسے ختم کر دو اور وہی ہوا۔ اس گھر میں جو کچھ ہوا وہ میں نے سی سی ٹی کیمرے سے دیکھا۔ اب میں نے تمہاری عقل سے بھی اوپر کی ترقی کر لی ہے۔ اس لیے یہی کہوں گا کہ تم پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔ میں ایک نئی طاقت بن کر سامنے آ رہا ہوں۔ مجھے سہارا دینے والے ایک نہیں کئی بڑی طاقتیں ہیں اگر تم میرے ساتھ شامل ہو گئے تو سمجھ لو دنیا کے طاقتور ترین آدمی کہلاؤ گے۔''

''میں نے یہی دیکھا اور پڑھا ہے کہ اچھائی کے ساتھ ایک اور طاقت ہے جو برائی کی طاقت کہلاتی ہے اور وہ شیطان کی غلام کہلاتی ہے۔ کیا تم شیطان ہو؟''

''شیطان ہاہاہا..... جب میں خانقاہ میں بیٹھتا تھا اور سب کے سامنے اللہ اللہ کرتا تھا اس وقت بھی میں شیطان کی پرستش کرتا تھا لیکن اب میں اس سے بھی آگے بڑھ چکا ہوں۔ بولو میرا ساتھ دو گے یا میں اسی وقت اس کار کو یہیں سے بیٹھے بیٹھے تباہ کر دوں؟''

اس کی یہ دھمکی مجھے الجھا گئی۔ اگر یہ کار بگڈ ہے۔ اس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو وہ دیکھ رہا ہے تو اس کے لیے اس کار کو دھماکے سے اڑا دینا اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔ اس نے کار میں کیمرا وغیرہ لگاتے ہوئے دھماکا خیز مواد بھی رکھ دیا ہو گا، اب میں کیا کروں۔ یہ سوچ رہا تھا کہ اس نے پھر کہا۔ ''مجھے جواب ابھی چاہیے۔ جلد بولو؟''

میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا اور ٹوٹے بکھرے لہجے میں کہا۔ ''پہلے میں بالمشافہ تم سے ملوں گا۔ میری کچھ شرائط ہیں انہیں تم نے مان لیا تو میں تمہارا ساتھ دینے پر غور کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں راستہ بتا رہا ہوں۔ اس پر چلنا شروع کر دو۔ مجھ تک پہنچ جاؤ گے۔''

''نہیں میں اس گاڑی کو استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ تم اپنی گاڑی بھیجو۔ میں اپنے دوستوں کو واپس بھیج رہا ہوں۔''

''ہاں یہ بہتر ہے۔ میں کنونس بھیج رہا ہوں۔ اسی جگہ ٹھہرے رہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آواز آنا بند ہوئی تو میں کار سے اتر گیا۔ جیسے ہی مرشد کی آواز سنائی دی تھی ڈرائیور نے کار سائیڈ پر لگا دی تھی۔ مجھے رکتے دیکھ سب رک گئے تھے۔ میں نے نیچے اترتے ہی اشارے سے سب کو قریب آنے کا کہا اور خود اس کار سے دور ہٹتا چلا گیا۔ سڑک سے نیچے اتر کر میں کھڑا ہو گیا تھا۔ سفیر، وسیم، عبداللہ بھی نزدیک آ گئے تب میں نے انہیں صورتِ حال بتائی اور کہا۔ ''اس وقت تم سب دور ہٹ جاؤ جیسے میں اکیلا ہوں لیکن فاصلہ رکھ کر کوئی ایک تعاقب کرے گا۔ باقی سب رابطے میں رہیں گے مگر پیچھے نہیں آئیں گے۔ ہوسکتا ہے ہماری تمام گاڑیاں بگڈ ہوں۔ اب تم سب بکھر جاؤ۔''

انہیں سمجھا کر میں واپس اپنی کار میں جا بیٹھا۔ وہ سب اپنی اپنی کار میں بیٹھ کر آگے بڑھ گئے۔ میرے ساتھ جو لوگ تھے میں نے انہیں بھی بھیج دیا۔ اب میں اس کار میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ بمشکل دس منٹ گزرے تھے کہ ایک سیاہ رنگ کی وین آ کر رکی اور اس سے دو بندے اترے۔ ان دونوں کے ہاتھ میں ریوالور تھے۔ ان میں سے ایک نے آ کر کہا۔ ''ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔''

میں نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔ ''میں تو کب سے تمہارا منتظر تھا، چلو کہاں چلنا ہے؟''

''اس وین میں بیٹھ جائیں۔'' اس نے جواب میں کہا۔

میں نے ایک نظر اس وین پر ڈالی۔ اس سیاہ وین کے شیشے بھی کالے تھے۔ ابھی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس کا دروازہ کھل گیا اور میں خود ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بعد میں دو لوگ اور آ کر بیٹھ گئے اور وین چل پڑی۔ کس راستے پر ہم بڑھ رہے ہیں اس کا کچھ پتا نہ تھا۔ میں سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی نہ کوئی تعاقب میں ہوگا۔ اس وجہ سے بھی میں مطمئن تھا کہ عقب سے میری گدی پر کسی نے پستول کا دستہ مارا اور میں چکرا کر الٹ گیا پھر مجھے کچھ بھی یاد نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوا؟

جب ہوش آیا تو میرے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ مجھے ایک موٹی زنجیر سے باندھا گیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کے میرے برابر میں عبداللہ، وسیم اور سفیر بھی کھڑے تھے لیکن اس حالت میں کہ تمام کے تمام زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے، بالکل کسی ملبوساتی فلم کا منظر تھا۔ سب کے ہاتھ اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے کیونکہ زنجیر کا سرا چھت میں لگے کنڈے سے منسلک تھا۔ اس ہال نما کمرے کا ماحول بھی عجیب سا تھا۔ اس کمرے کی ہر چیز سیاہ تھی۔ در و دیوار سیاہ، فرنیچر و پردے سیاہ، چھت اور فرش بھی سیاہ۔ بالکل سامنے زمین سے دو ڈھائی فٹ اونچا چبوترا نما اسٹیج تھا جس پر نصف دائرے میں آٹھ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ درمیانی کرسی جو نسبتاً اونچی تھی۔ صرف وہی خالی تھی۔ باقی سب پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب نئے چہرے تھے۔ اس سے پہلے میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ کمرے میں چبھتا ہوا سناٹا تھا۔ ایسا سناٹا کہ سوئی بھی گرے تو آواز گونج جائے۔ میرے تمام ساتھی خاموش تھے مگر چہرے پر خوف کی علامت نہیں تھی۔ وہ سب ہوش میں تھے اور سب کی نگاہیں اسٹیج کی طرف تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں کوئی ڈراما شروع ہونے والا ہو یا کوئی فلم دکھائی جائے گی، جس کے وہ سب منتظر ہیں۔ اور واقعی اسٹیج کے عقبی دیوار پر روشنی پڑی اور وہ دیوار چمکنے لگی۔ اس دیوار پر ایک تصویر بنی ہوئی تھی۔ مرشد کی تصویر۔ چمکتی دیوار پر تصویر اور بھی چمکنے لگی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ساز بجنے کی آواز گونجنے لگی۔ ایسی مدھر آواز تھی کہ آنکھوں میں نیند اتر آئے۔ ایسی میٹھی دھن میں نے پہلی بار سنی تھی۔ پلکیں بوجھل ہونے لگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں کہ ایک چھناکا سا ہوا۔ جاز پر رول کی چوٹ پڑی تھی۔ اسٹیج پر بیٹھے تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ ادب سے سب نے ہاتھ باندھ لیے تھے۔ تبھی دیوار درمیان سے شق ہوئی اور ایک ہیولہ سا باہر آیا۔ اس کے پیچھے تیز روشنی تھی۔ اس لیے چہرہ صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ روشن دیوار اور عقب میں سرچ لائٹ۔ آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ باہر آنے والا نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

عقب کی دیوار برابر ہو گئی تھی۔ سرچ لائٹ کی روشنی آنا بند ہوئی تو اس شخص کا چہرہ نظر آیا۔ اس چہرے پر پھیلی خباثت دکھائی دینے لگی۔ وہ میری طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ تن بدن میں آگ لگا رہی تھی۔

اس نے سفید سوٹ پہن رکھا تھا۔ میچ کرتی ٹائی بھی باندھ رکھی تھی۔ اس سے پہلے میں نے اسے جتنی بار دیکھا تھا تو وہ اسلامی پوشاک میں نظر آیا تھا۔ لمبی عبا۔ سر پر جناح کیپ یا پگڑی۔ مٹھی بھر داڑھی۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی۔ وہ کلین شیو تھا۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا کہ وہ بولا۔ ''کیا آنکھوں سے نگلنے کا ارادہ ہے؟''

''میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ لوگ کس طرح ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں۔''

''یہی تو عقلمندی کی نشانی ہے۔ ہمارے جیسے لوگ دوہری زندگی نہ جئیں تو گولیوں کا نشانہ بن جائیں۔ میرے جو مرید ہیں وہ مجھے کسی بھی لباس میں دیکھیں ان کا اعتقاد برقرار رہے گا۔ وہ مجھے اسی طرح تعظیم دیں گے اس لیے کہ انہیں اور کسی چیز سے مطلب نہیں ہے۔ میں ان کے لیے جو حکم جاری کروں گا وہ اسے پورا ضرور کریں گے۔''

''میں ٹھہرا سیدھا سادہ آدمی، ایسی چالاکی کہاں سے حاصل کروں۔'' میں نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ایسا شخص جو پنج وقتہ نمازیں پڑھتا ہو، شرعی انداز میں زندگی گزارتا ہو، ڈھیروں مریدوں کا پیر ہو وہ ایک لمحے میں اپنی داڑھی تک منڈا دے گا۔ اسی لیے میں حیرت میں ہوں۔''

''ابھی تم نے دیکھا کیا ہے۔ اب میں وہ نہیں رہا جسے یہ فکر ہو کہ کہیں مجھ سے کوئی گدی نہ چھین لے۔ اب مجھے گدی کی بھی پروا نہیں۔ اس لیے کہ اب میں پورے ملک کا مالک بننے والا ہوں۔'' اس نے سانس لی پھر بولا۔ ''میرے ساتھ مل جاؤ گے تو زندگی سنور جائے گی۔'' وہ کچھ اور کہتا کہ رک گیا۔ اس نے کلائی اٹھا کر اپنی گھڑی کو دیکھا۔ گھڑی دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک تناؤ سا آ گیا۔ پھر اس نے اپنی داہنی جانب بیٹھے شخص کی طرف دیکھا۔ اس تیز روشنی میں اس کے چہرے پہ چھائی غصے کی جھلک چھپ نہ سکی اس نے تند لہجے میں ایک شخص سے کہا۔ ''تم نے ان لوگوں کی تلاشی لی؟''

''یس سر۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''پھر سے تلاشی لو۔'' مرشد کا لہجہ تپا ہوا تھا۔ ''ان میں سے کسی کے پاس الیکٹرونک ڈیوائس ہے جو رک رک کر سگنل نشر کر رہا ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ہمارے قریب آ کر بولا۔ ''شہباز کی بھی تلاشی لینی ہے؟''

''نہیں ایسا نہ کرنا کیونکہ.....'' وسیم جو اتنی دیر سے خاموش تھا بول اٹھا لیکن اس کا جملہ مرشد کی ڈانٹ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورا ہونے نہیں دیا۔ وہ چیخ کر بولا تھا۔

''وسیم میں تمہاری فطرت سے واقف ہوں۔ بالکل خاموش رہو۔ تم بول کر ذہن بٹانا چاہتے ہو۔''

''لو جی میں خاموش ہو جاتا ہوں۔'' وسیم نے کہا۔

وہ شخص ہر ایک کی تلاشی لینے لگا۔ نہایت باریک بینی سے وہ تلاشی لے رہا تھا۔ ایک ایک کی تلاشی لینے کے بعد بولا۔ ''ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ہے۔'' وہ پریشان کن نظروں سے مرشد کی طرف دیکھ رہا تھا اور مرشد اپنی گھڑی کی طرف۔

''ابھی بھی سگنل نشر ہو رہے ہیں۔'' مرشد نے کڑے لہجے میں کہا۔

''تم خواہ مخواہ اس بے چارے کو پریشان کر رہے ہو۔ میں خود بتائے دیتا ہوں کہ وہ ڈیوائس کس کے پاس ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن شرط ہے کہ سب کے ہاتھ کھول دو۔ یہ بھی انسان ہیں۔ خون کی روانی رک رہی ہو گی۔''

''ان کے ہاتھ پیر کھول دو لیکن کڑی نظر رکھو۔'' مرشد نے کہا۔ ابھی اس کا جملہ ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ ہم سب کے بندھے ہوئے ہاتھ پیر آزاد ہو گئے۔ شاید ان زنجیروں کو آپریٹ کہیں اور سے کیا جا رہا تھا اور لاک کرنے کا سسٹم بھی کہیں اور سے تھا۔

زنجیر کا لاک کھلتے ہی سب اپنی اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ اور ہاتھ پیر ہلا کر خون کی روانی درست کرنے لگے۔

میں نے مرشد کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ ساری زندگی اس ڈیوائس کو ڈھونڈ نہیں پائے گا۔ مجھ سے سنو۔''

وہاں بیٹھے تمام لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میرے کوٹ کا اوپر والا بٹن 'بٹن' نہیں ٹرانس میٹر ہے۔ اس کمرے میں جتنی باتیں ہوئی ہیں وہ سب میرے دوست دور بیٹھے سن رہے ہیں۔''

میرا جملہ ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ شخص لپکا اور میرے بٹن کو کھینچ کر توڑ لیا۔ پھر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

''ادھر لاؤ۔'' مرشد نے ہتھیلی پھیلا دی۔

اس شخص نے وہ بٹن اس کی طرف بڑھا دیا جسے اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا پھر ہاتھ جیب کی طرف لے گیا۔ جیب کی طرف جاتے اس کے ہاتھ کو سب نے دیکھا لیکن جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک چھوٹا سا پستول تھا۔ اس نے پستول کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا۔ میں مرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ گولی میرے سینے میں اتارے گا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں لیکن جب دھماکا ہوا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچی تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری تلاشی لینے والا شخص سینہ پکڑے ٹوٹی ہوئی عمارت کی طرح سلوموشن میں گر رہا تھا۔ مرشد نے دوبارہ ٹریگر دبایا دوسرا دھماکا ہوا۔ وہ گولی بھی اسی کے سینے میں دھنسی۔ مرشد نے پستول کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں غلطی کو معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ ایک چھوٹی سی غلطی بنیاد ہلا دیتی ہے۔ میرے نزدیک لاپروائی سب سے بڑی غلطی ہے۔ لاپروائی کا نتیجہ ہے کہ تمہارے پاس ٹرانسمیٹر رہ گیا۔ اب کوئی دوسرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسی غلطی نہیں کرے۔ یہی پیغام دینے کے لیے میں نے اسے شوٹ کیا ہے۔''

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ رک کر اس نے ایک نظر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ جس طرح دھیرے دھیرے سرچ لائٹ گھومتی ہے اسی طرح اس کا سر گھوم رہا تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کرسیوں پر بیٹھے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا پھر میری طرف مڑ کر بولا۔ ''جانتے ہو میں نے یہ میٹنگ کال کیوں کی ہے؟''

''جب تم خود بولنے پر آمادہ ہو تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ بولتے رہو۔''

''اس کی واحد وجہ تم خود ہو۔ تمہارے ایسا بہادر بندہ جب شہید ہونے لگے تو آس پاس بڑے آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ تم نے آدھی زندگی مجھ سے لڑتے ہوئے گزار دی اور اب بھی میرے ساتھ شامل ہونے پر تیار نہیں ہو اس لیے تمہاری موت بھی شاندار ہونا چاہیے۔ میں یہاں تمہاری شاندار موت کا نظارہ کرنے آیا ہوں۔''

''موت۔ تم مجھے موت دو گے؟ تم سے بڑا بے وقوف میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگر تمہارے پاس عقل ہے تو سوچو کہ میں اتنی آسانی سے تمہارے پاس کیوں آ گیا جب کہ مجھے یقین تھا کہ تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ کیا مجھ جیسا آدمی اتنی آسانی سے موت کے پھندے میں خود پیر رکھ سکتا ہے۔ تم اپنے جال میں خود پھنس چکے ہو۔'' ابھی میرا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک دھماکا سا ہوا۔ دھماکا ہوتے ہی مرشد نے اسٹیج کے پیچھے کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہ دیوار پھر سے شق ہوئی اور وہ اس میں غائب ہو گیا۔ اور دیوار پھر سے برابر ہو گئی تھی۔

دھائیں؟ دھائیں؟ یکے بعد دیگر کئی دھماکے ہوئے۔ یہ دھماکے اتنے شدید تھے کہ دور و نزدیک کی عمارتیں لرز اٹھیں۔ خود مجھے بھی قدموں تلے لرزہ محسوس ہوا تھا۔ دھماکے باہر ہوئے تھے اور بھگدڑ اندر مچی تھی۔ کرسیوں پر بیٹھے لوگ دروازوں کی طرف دوڑے تھے۔ میرے ساتھی بھی ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے کہ میں نے کہا۔ ''کوئی باہر نکل نہ پائے۔''

میری آواز کی گونج ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ سفیر، وسیم، عبداللہ فرار ہونے کی کوشش کرنے والوں پر پل پڑے تھے۔ ایک ایک نے دو دو تین تین سنبھال لیا تھا لیکن ان میں سے صرف ایک ایسا تھا جو ٹرینڈ لڑاکا نظر آیا، باقی سب ریت کی دیوار ثابت ہوئے ایک کے بعد ایک گرتے چلے گئے۔ ان سے نمٹ کر وسیم نے کہا۔

''لگتا ہے کہ شمشاد نے کام دکھا دیا۔ مجھ پر حملہ ہونے سے چند منٹ پہلے شمشاد قریب تھا۔ اس نے کار سے دور ہوتے ہوئے کہا تھا۔ میں ایک ضروری کام سے الگ ہو رہا ہوں۔''

ہال نما کمرے میں یہاں سے وہاں تک وہ سب پڑے تھے لیکن مرشد ان میں شامل نہیں تھا جب کہ مجھے اسی کی تلاش تھی۔ اب یہاں ٹھہرنا فضول تھا۔ میں نے سفیر سے کہا۔ ''اب ہمیں باہر نکلنا چاہیے۔'' کہیں ایسا نہ ہو کہ باہر ہمیں بھی دشمن سمجھ لیں۔''

''اسٹیج کی عقبی دیوار کو توڑ دو۔''

اتنا کہتے ہی سفیر اور وسیم نے کرسیوں سے اس دیوار پر ہلہ بول دیا۔

''میرے بھائی دیوار نما دروازہ کھولنے کے لیے ادھر بھی کوئی بٹن وغیرہ ہوگا۔''

میری بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور وہ دیوار کا جائزہ لینے لگے۔ بالآخر ایک کڑی انہیں مل گئی جسے کھینچتے ہی دیوار شق ہوئی اور ہم دوسرے طرف پہنچ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم افراتفری میں باہر آئے۔ اور دوسری سڑک کی طرف بڑھے اس لیے کہ سامنے والی سڑک پر دو جیپ کھڑی تھیں۔ اس میں بیٹھے ہوئے افراد دستی بم پھینک رہے تھے۔ وہ عمارت جو چند لمحے پہلے اپنی مثال آپ تھی مٹی کے گھروندے کی طرح بیٹھ گئی تھی۔ ملبے میں دب کر کتنے لوگ مرے کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا۔ فائر بریگیڈ اور پولیس کی گاڑیاں پہنچنا شروع ہوگئی تھیں۔ دونوں جیپ انہیں آتا دیکھ کر وہاں سے چل دیں۔

تماش بینوں نے بھیڑ لگا دی تھی انہی کے درمیان میں ہم بھی کھڑے تھے۔ میرے برابر میں وسیم اور سفیر تھے۔ ہم سب کی نظریں ملبے پر جمی ہوئی تھیں۔

ہم سب ایک ٹک ادھر ہی دیکھ رہے تھے کہ سفیر نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ ''جلدی ہری اَپ وہ بھاگ رہا ہے۔''

''کہاں؟ کس طرف۔'' میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹھیں۔'' اس نے وہاں کھڑی ایک کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر کہا۔ ''یہ کار عبداللہ کی ہے۔''

میں پھرتی سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''وسیم سے کہو کہ وہ عبداللہ کے آدمیوں کو لے کر گھر چلا جائے۔'' کہہ کر اس نے ایک سفید کار کے پیچھے اپنی کار لگا دی۔ اس کار میں کون ہے میں دیکھ نہیں پایا تھا۔ جو بھی تھا وہ اکیلا تھا اسے کار ڈرائیو کرتے میں نے دیکھ لیا تھا۔''

''اس کار میں کون ہے؟''

''آپ نے غور نہیں کیا، وہ مرشد ہے۔'' سفید کار اب نسبتاً ویران علاقے میں پہنچ چکی تھی تبھی میری نظر بیک ویو مرر پر پڑی ہمارے پیچھے ایک پولیس وین تھی۔ ''سفیر ہمارے پیچھے پولیس وین لگی ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اب اگر وزیر اعظم بھی آ جائیں تو بھی میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ سانپ نظر آ جائے تو اسے مار دینا ہی عقلمندی ہے۔ پولیس وین کو میں نے بہت پہلے ہی دیکھ لیا تھا'' سفیر نے جواب دے کر رفتار مزید بڑھا دی۔ کار ہوا میں اڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ سڑکیں ہموار ہی میں بے مثال تھیں اگر ادبڑ کھابڑ سڑکیں ہوتیں تو یقیناً اب تک حادثہ ہو چکا ہوتا۔

''کار کی رفتار تیز ہو رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں میں بھی دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے غور کیا۔ کرسی پر جتنے لوگ بیٹھے تھے ان میں کوئی ایک بھی نہیں بچا۔''

''ہاں، میں نے بھی دیکھا ہے۔ وہ سب گرینیڈ سے نہیں مرے۔ کوئی ان کو چن چن کر گولیاں مار رہا تھا۔ وہاں اتنی بھیڑ تھی کہ پستول بردار نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ صرف ایک بار ایک پولیس انسپکٹر کو گولی چلاتے دیکھا تھا۔'' میں نے کہا اور پیچھے مڑ کر دیکھا پولیس وین کے پائیدان پر انسپکٹر کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نالی سے دھواں نکل رہا تھا۔ اس نے پھر فائر کیا اور سفید کار کا وہیل دھماکے سے پھٹ گیا۔ کار لہرائی اور پھر رک گئی کیونکہ ساتھ ہی ساتھ ایک اور دھماکا ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انسپکٹر نے موبائل وین روک دی تھی اور اتر کر مرشد کی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ ''تمہارا یہ وائٹ سوٹ جتنا سفید ہے کردار اتنا ہی کالا ہے ایسے آدمی کو زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔'' انسپکٹر نے کار میں بیٹھے مرشد سے کہا۔

''بے وقوف انسپکٹر میں تمہیں سسپنڈ کرادوں گا تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہے ہو۔'' اندر بیٹھے مرشد نے کہا۔

''تم مجھے قانون کی دھمکی دے رہے ہو لو میں نے قانون کی وردی اتار دی۔'' کہہ کر اس نے شرٹ اتار پھینکی۔ ''اب میں سول ڈریس میں ہوں۔ میں تجھے اسی لباس میں سزا دوں گا تیرے آدمیوں نے میرا گھر اجاڑا تھا نا۔ تب سے میں تیری تلاش میں تھا۔ آج موقع ملا ہے تو تجھے زندہ کیسے چھوڑ دوں۔'' کہہ کر اس نے سفید سوٹ میں ملبوس مرشد کے داہنے پیر میں گولی ماری۔

مرشد کو اندازہ نہ تھا کہ انسپکٹر فائر کر دے گا۔ مرشد بھی چوکنا تھا۔ اس نے بھی جوابی فائر کیا۔ گولی انسپکٹر کے شانے کو چھوتی ہوئی گزری۔

''اب میں تجھے گرفتار کروں گا اور حوالات اس وقت تک رکھوں گا جب تک تُو مر نہیں جاتا۔ تُو اذیت میں تڑپے گا اور مجھے چین ملے گا۔'' پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ''شہباز پولیس کی نظروں میں تم بھی مجرم ہو اور تم ہمہ وقت میری نظروں میں تھے۔ تمہیں میں نے جان بوجھ کر موقع دیا۔ اب ایک اور موقع دے رہا ہوں تم یہاں سے بھاگ جاؤ، ورنہ.....''

اس نے پھر فائر کیا۔ اس بار اس نے مرشد کے شانے میں گولی ماری تھی۔

بھیڑ جمع ہو رہی تھی۔ جو کام مجھے کرنا تھا وہ اس انسپکٹر نے کر دیا تھا۔ اب میرا وہاں رکنا بے معنی تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''کار ری ورس کرو۔ ہمیں جلد سے جلد یہاں سے دور ہٹ جانا ہے۔''

وہاں سے ہم واپس اسی بنگلے میں آئے جہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ بنگلا اب گیسٹ ہاؤس جیسا بن چکا تھا۔ وسیم، سفیر اور عبداللہ کے آدمی مختلف کمروں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اب ان کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس لیے بنگلے پر پہنچنے کے بعد میں نے سب سے پہلے ریاست خان کو بلایا۔ دو چار اِدھر کی اُدھر باتوں کے بعد میں نے اس سے کہا۔ ''تم نے وطن کی خاطر بہت کچھ کیا۔ وطن کو تمہاری ضرورت ہے۔ میں اب یہ بتا ہی دوں کہ ہمارا تعلق وطن کی کسی ایجنسی سے نہیں ہے۔ ہم نجی جنگ لڑ رہے تھے۔ یہ اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ملک دشمن طاقتیں بھی آتی چلی گئیں اور جنگ کا نقشہ بدل گیا۔''

''اچھا آپ لوگ آئی ایس آئی کے اہلکار نہیں ہیں؟'' ریاست خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں، ہم عام سے شہری ہیں لیکن محبِ وطن ہیں، جب وطن پر بات آئی تو ہم فوج کی طرح سینہ سپر ہو گئے اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ وطن کی سلامتی پر جب بات آتی ہے تو ہر شہری پر فرض ہو جاتا ہے کہ وطن دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائے۔ ہم نے یہی کیا ہے۔ صرف ہم نے نہیں تم نے بھی یہی کیا۔ تم بھی وطن کی ہی محبت میں ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے تھے۔ وطن کو تمہاری ضرورت ہے۔ اپنے ماضی کو بھلا کر تم کوئی نیا کاروبار کرو۔ ہم سب دو ایک دن میں اس ملک کو چھوڑ رہے ہیں۔''

''اگر مناسب سمجھیں تو اپنے ساتھ ہمیں بھی لے لیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم کہاں جائیں گے اس کا خود ہمیں بھی پتا نہیں۔ تمہارا فون نمبر میرے پاس ہے۔ اگر کہیں سکون ملا تو بلا لیں گے۔ فی الحال تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ گلگت چلے جاؤ اور وہیں کوئی مناسب سا کام کرو۔''

ریاست خان آبدیدہ ہوگیا تھا مگر اسے جانا پڑا۔ اسی طرح وسیم سفیر اور عبداللہ نے بھی اپنے اپنے آدمیوں کے واپس بھیج دیا۔ ان الجھنوں سے فرصت پا کر جب ہم چاروں یعنی وسیم، سفیر، عبداللہ اور میں اکٹھے بیٹھے تو مرشد کا ذکر آ گیا۔ میں نے کہا۔ ''اس کہاوت پر آج یقین آیا ہے کہ ماہر تیراک ہمیشہ اتھلے پانی میں ڈوبتا ہے۔ مرشد نے خود کو بہت طاقت ور بنالیا تھا۔ کرنل صاحب جنہوں نے ایک بار پہلے بھی میری مدد کی تھی۔ ان کا کچھ دیر پہلے فون آیا تھا وہ بتا رہے تھے کہ وہ لوگ بھی مرشد کی نگرانی کر رہے تھے۔ خبر تھی کہ مرشد وطن دشمنوں سے مل گیا ہے۔ انہی کی ایماء پر انسپکٹر نے اپنا بدلہ لیا ہے۔ اس دن انسپکٹر ہی نہیں وہاں کئی ایسے افراد تھے جو مرشد سے بدلہ لینا چاہتے تھے اور سب نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔ اس گھر سے چھ ایسی لاشیں نکلی ہیں جو دشمن ملک کے ایجنٹ تھے۔ کہیں یہ مسئلہ عالمی نہ بن جائے اس لیے خبروں میں آنے نہیں دیا ہے۔ انہوں نے بھی مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں وطن چھوڑ دوں اس لیے کہ عدالت میں کیس ہے اور مرشد مارا گیا ہے۔ کہیں کوئی اس کا ہمدرد ہمیں نہ کھینچ لے۔''

''اب کیا کرنا ہے۔'' وسیم نے پوچھا۔

''ٹھہرو بتاتا ہوں۔'' کہہ کر میں نے گھر فون کیا۔ بابا کو ساری بات بتا کر کہا۔ ''ہم نے یہ جنگ جیت تو لی ہے لیکن اب یہاں رہنا ہمارے لیے مناسب نہیں اس لیے فیصلہ کیا ہے کہ ہم وطن سے دور جا کر نئی زندگی شروع کریں گے۔''

''یہ تمہارا فیصلہ ہے۔ ایک فیصلہ ہم نے بھی کیا ہے اس لیے تم جتنی جلد ممکن ہو گھر آ جاؤ تمہاری ماں تمہاری منتظر ہے۔'' بابا نے اتنا کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

ہم لوگ اسی دن گھر کے لیے نکل گئے۔ اس لیے کہ بابا نے گول مول بات کر کے مجھے الجھا دیا تھا وہاں پہنچے تو حویلی میں خوب رونق تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ صوبی بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ پہنچی ہوئی تھی خوب رونق لگی تھی میری نظریں سویرا کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن وہ پتا نہیں کہاں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس ظالمانہ برتاؤ کی وجہ اس وقت سامنے آئی جب رات بابا نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا۔ اماں پہلے سے وہاں موجود تھیں بابا نے اِدھر اُدھر کی دو چار باتوں کے بعد کہا۔ ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ گھر کی عزت گھر میں ہی رہے، سویرا سے بھی پوچھ لیا۔ تم جہاں جانا چاہتے ہو جا سکتے ہو لیکن اب سویرا تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔ صبح نکاح پڑھا دیا جائے گا۔''

بابا کی زبان سے اپنے دل کی بات سن کر میں خوشی سے نہال ہوگیا لیکن زبان سے صرف ایک جملہ کہا۔ ''جیسی آپ کی مرضی!''

''ہاں تمہارے ساتھ ایک نکاح اور بھی ہوگا۔ عبداللہ اور بانو کا نکاح۔ کیوں کہ عبداللہ کو بھی ایک سہارے کی ضرورت ہے۔ وہ اور بانو ایک دوسرے کا سہارا بن جائیں یہی بہتر ہے۔''

بابا کی اجازت پا کر میں خوشی سے باہر والے کمرے میں آیا تو وہاں کا ماحول ہی کچھ اور تھا سب مل کر عبداللہ کو چھیڑ رہے تھے اس لیے کہ مونا کے ذریعہ یہ خبر باہر آ گئی تھی جسے سفیر نے براڈ کاسٹ کر دیا تھا۔ عبداللہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس طرح شرما رہا تھا جیسے وہ خود دلہن ہو۔ مجھے دیکھتے ہی سفیر اور وسیم نے مشترکہ نعرہ لگایا۔ ''ایک اور دولھا بابو آ گئے۔''

وہ رات ایسے گزر گئی جیسے برف تپتی دوپہر میں سورج کی تپش سے پگھل جائے۔

نکاح کے دوسرے ہی دن سفیر نے فون پر دبئی کے لیے سب کے ٹکٹ کنفرم کرا لیے۔ مانی نے پہلے ہی ایک پوری عمارت کرائے پر حاصل کر لی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اب ہم سب ایک جگہ ایک خاندان کی طرح رہیں گے۔

سامیرا کے خیمہ کے پاس پہنچا تو پہلے سے زیادہ پہرے دار موجود تھے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر مجھے پہچانتے تھے اس لیے سب نے مجھے دیکھتے ہی سر جھکا کر تعظیم دی۔ میں نے ایک سپاہی سے کہا کہ وہ سامیرا کو خبر دے کہ میں اس سے ملنے آیا ہوں۔ وہ اندر خبر دیتا کہ سامیرا خود ہی دروازے پر آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''تمہیں اندر آنے کی اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں، اندر آ جاؤ۔''

میں اس کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ خیمے میں زیادہ تر آرائشی سامان ریناٹ کے خیمے کا بچا ہوا تھا۔ اب وہ خیمہ کسی ملکہ کا نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک مسند سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے مجھے سامنے بچھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھنے کا اشارہ دیا۔

میں خیمے کا جائزہ لیتے ہوئے بیٹھ گیا۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھی کہ میں نے کہا۔ ''آپ کو فتح مبارک۔''

''یہ فتح میری نہیں ہمارے عوام کی ہے۔ ان دبے کچلے عوام کی جو عرصہ دراز سے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اور اس فتح کے لیے ہم سب تمہارے ممنون ہیں۔ اگر تم لوگوں کی مدد نہ ہوتی تو شاید یہ فتح اتنی آسانی سے حاصل نہ ہوتی۔'' سامیرا نے سنجیدہ لہجہ میں اقرار کیا۔

''ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ مالک کُل جو چاہتا ہے وہی ہوتا۔ اس دنیا کے مالک نے آپ کو فتح دلانا چاہی اور فتح مل گئی۔ ہم تو صرف ایک ذریعہ بنے۔ آپ کے سپاہیوں نے بھی جس طرح قربانیاں دی ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ بے شک بہادروں کی ملکہ ہیں۔''

''ان باتوں کو چھوڑو میں نے کس لیے بلایا ہے وہ بتا دوں۔'' کہہ کر اس نے ایک کاغذ اٹھایا اور دکھاتے ہوئے کہا۔ ''میرے ایک خاص مخبر نے خبر دی ہے کہ پجاری آئی زور ایک گھر میں چھپا بیٹھا ہے۔ اس کے ساتھ دو باہر کے آدمی بھی ہیں۔''

''ہمیں فوراً اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا لینا چاہیے ورنہ آگے چل کر وہ ہمارے لیے خطرہ ثابت ہوگا۔''

''بہت بہتر لیکن ہم کون سا قدم اٹھائیں؟'' سامیرا نے سوال کیا۔ ''اس لیے کہ ہمارے مخبر نے خبر دی ہے کہ وہ ایک کمرے میں بند ہو گیا ہے۔ باہر سے اس کا کوئی رابطہ بھی نہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے وہ کسی امداد کا منتظر ہو۔ صبح ہونے میں اب دیر بھی نہیں ہے۔ آپ نے آرگون میں داخلے کا کیا سوچا ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پو پھٹنے کے ساتھ ہم کوچ کریں گے۔ سورج کی پہلی کرن ہم آرگون میں دیکھیں گے۔''

''تو پھر آپ سپاہیوں کو تیاری کا حکم دے دیں۔''

''حکم جاری ہو چکا ہے۔ آرگون میں داخلے کے وقت تم میرے ساتھ رہو گے۔''

''جی بہتر۔'' میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا اور کھڑا ہو گیا۔ ''اب ذرا میں اپنے ساتھیوں کو بھی یہ خبر دے دوں کہ وہ چلنے کی تیاری کر لیں۔''

سامیرا کے خیمے سے نکلا تو سپاہیوں میں وہی تازگی، فتح کی سرشاری محسوس کی۔ سب اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ لاشیں اب تک جمع کی جا رہی تھیں۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا اس طرف بڑھتا جا رہا تھا جہاں میں نے وسیم سفیر اور عبداللہ کو چھوڑا تھا۔

وہ سب اب تک اسی طرح زمین پر بیٹھے باتوں میں مشغول تھے۔ مجھے دیکھتے ہی سفیر نے چوٹ کی۔ ''لو جناب لیڈی کلر تشریف لے آئے۔ ذرا اپنی دنیا میں پہنچنے تو دو۔ یہ ساری رپورٹ میں نے سویرا باجی کو نہ دی تو کہنا..... بہت پھنے خاں بنتے ہیں نا۔''

میں نے ان کے نزدیک پہنچ کر کہا۔ ''یہ ساری باتیں بعد میں کر لینا لیکن اب تیاری کر لو۔ ہمیں پو پھٹنے سے پہلے آرگون میں داخل ہونا ہے اور وہاں ہمارا دشمن ہماری تاک میں بیٹھا ہے۔''

''کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہنی ہیں۔''

''کیا ڈیوڈ شا کا سراغ مل گیا؟'' وسیم نے پوچھا۔

''ڈیوڈ شا کا نہیں لیکن بڑے پجاری آئی زور کا سراغ مل گیا ہے۔ وہ ایک گھر میں چھپا بیٹھا ہے۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں جن کے بارے میں اطلاع دینے والے نے کہا ہے کہ وہ باہر کے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ڈیوڈ شا ہو۔ کیونکہ وہی پجاری کے ساتھ معبد سے نکلا تھا۔''

''پھر دیر کس بات کی ہے..... چلو دو دو ہاتھ کر لیتے ہیں۔'' وسیم نے آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا۔

''میرا ارادہ بھی یہی تھا لیکن سامیرا کا کہنا ہے کہ پہلے آرگون پر حکومت حاصل کر لی جائے۔ اگر ابھی چھیڑا تو کوئی پریشانی بھی کھڑی ہو سکتی ہے۔ جب وہ کچھ کرتے ہیں تو سنبھال لیا جائے گا۔ پہلے انہیں چھیڑنا مناسب نہیں۔''

''جو حکم ہم تو تابعدار ہیں۔'' وسیم نے سر خم کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔

آسمان پر صبح کاذب کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ سپاہیوں میں جوش و خروش صاف نظر آ رہا تھا جب کہ ابھی وہ ایک خونی جنگ سے فارغ ہوئے تھے۔ کتنے ہی ان کے ساتھی جان کی بازی ہار چکے تھے۔ کتنے ہی ساتھی زخمی پڑے تھے لیکن آرگون پر اپنا پرچم لہرانے کی چاہ میں وہ سب خوشی سے سرشار تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کہیں اندر داخل ہوتے ہی ایک اور جنگ نہ شروع ہو جائے اس لیے کہ شہر کی گلیوں میں صرف چھاپا مار جنگ ہو سکتی ہے۔ پجاری آئی زور کم سپاہیوں سے بھی چھاپا مار جنگ لڑ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ڈیوڈ شا ہے۔ وہ ایسی ہی شیطانی حرکت بتا سکتا ہے۔ شاید اسی لیے پجاری آرام سے بیٹھا ہے۔ ایسے ہی خیالات میں گھرا میں سامیرا کی فوج کو صف بندی کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا بات ہے۔ اتنے چپ چپ کیوں ہو..... کوئی خاص خطرہ محسوس کر رہے ہو کیا؟'' سفیر کی نظروں سے میری خاموشی چھپ نہ سکی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہیں شہر کے اندر چھاپا مار جنگ نہ شروع ہو جائے۔ اس سے ناحق لوگ مارے جائیں گے۔''

''ایسا ہو سکتا ہے۔ ڈیوڈ شا جیسا شاطر جب شہر میں موجود ہو تو ایسا ہونا بعید نہیں۔ وہ ایسا ہی چاہے گا کہ عوام کو ڈھال بنا کر کامیابی حاصل کر لے۔'' سفیر بھی فکر میں ڈوب گیا۔ ''اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ہم ان کے داخلے سے پہلے شہر میں داخل ہو جائیں۔''

''لیکن سامیرا نے منع کیا ہے۔ اگر ہم اس کے مشورے کو ٹھکرا کر شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہ برا مان سکتی ہے۔''

''اور اگر وہاں کوئی ایسی بات ہو گئی۔ بے قصور شہری لپیٹ میں آتے ہیں تو ان کا خون کس کی گردن پر ہو گا؟'' سفیر نے پتے کی بات کی۔

شہر میں جیسے ہی سامیرا کی فوج داخل ہوتی ہے اور عوام اس کے استقبال کے لیے گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آتے ہیں اور اس وقت ڈیوڈ شا کوئی حرکت کرے گا تو بے حساب لوگ مارے جائیں گے۔ کیونکہ ڈیوڈ شا کے پاس آتشی ہتھیار ہے۔ گولا بارود کا ذخیرہ ہے۔ بھیڑ میں ایک بھی گولا پھٹا یا کسی نے مشین گن چلا دی تو سینکڑوں کی تعداد میں لوگ مارے جائیں گے۔ اب میں کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ سامیرا کی بات مانوں یا سفیر کے کہے پر عمل کروں۔

ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ دور سے بگل پھونکنے کی آواز آئی۔ میں سمجھ گیا کہ سامیرا نے قدم بڑھا دیئے ہیں۔ میں نے سفیر کی طرف دیکھا اور پھر عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر وسیم سے کہا۔ ''انشا جی اٹھو اب کوچ کرو۔''

''بڑے شعر یاد آ رہے ہیں۔ ہاں ہاں کیوں نہ یاد آئیں گے۔ جانے کا وقت جو آ رہا ہے۔ بجنی سے کیا وعدہ جو نبھانا ہے۔'' سفیر نے اپنی گن اٹھاتے ہوئے کہا اور قدم بڑھا دیئے۔

سفیدی سحر نمودار ہو چکی تھی۔ اس ہلکی روشنی میں دور تک پھیلی سامیرا کی فوج نظر آ رہی تھی۔ اب ان لوگوں نے بڑے بڑے پرچم بھی پھیلا لیے تھے۔ آگے آگے سوار دستہ تھا اس کے پیچھے سامیرا کی سواری اور اس کے پیچھے پیدل دستے۔ سب کے سب نہایت نظم و نسق کے ساتھ بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ہم تینوں بھی اس فوج کا حصہ بن کر آگے بڑھنے لگے۔ تبھی میری نظر ایک ایسے دستے پر پڑی جس میں کئی چہرے شناسا نظر آئے۔ سب سے آگے ایزارٹ تھا۔ اس کی داہنی جانب شاٹ اور ایمار تھے۔ پیچھے مارٹ اور رائیٹون، ساتھ میں ایرٹ بھی تھا۔ گویا وہ تمام لوگ جو میرے ساتھ شہر میں خدمت انجام دے رہے تھے لگتا تھا کہ سب کے سب جنگ کے میدان میں آ گئے تھے۔ میں ان کی جانب بڑھا۔ جیسے ہی ان کی نظریں مجھ پر پڑی ان کے قدم ردھم سے الگ ہو گئے۔ میں نے اشارے سے ان کو اپنے قریب آنے کو کہا۔

ایک ایک کر کے وہ سب دستے سے باہر آ گئے۔ میں نے ایرٹ سے پوچھا۔ ''اب تک کہاں تھے؟''

''میرے کچھ اپنے بھی وطن کے نام پر مارے گئے ہیں۔ میں ان کو الگ کر رہا تھا۔ بھلے ہی وہ دشمن بن کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئے تھے مگر میرے اپنے تھے۔ اس لیے ان کی لاشوں کو بے حرمتی سے بچالیا۔'' اس کی آواز میں ایک کسک تھی۔ وہ غمگین تھا۔ لیکن اپنے حصے کی جنگ میں وہ پیچھے نہیں رہا تھا۔

میں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''روبیر سے ملاقات ہوئی؟''

''ہاں اسے دیکھا تھا لیکن بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔''

''میں سامیرا سے بات کروں گا۔ وہ تم دونوں کو اہم منصب دے کر اپنے قریب رکھے گی۔''

''اب ملکہ عالیہ ہمیں اس قابل سمجھیں گی؟ کیا وہ ہماری قربانیوں کو یاد رکھیں گی؟'' ایرٹ کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''کیوں نہیں.....'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''وہ تم دونوں کو عزیز رکھتی ہیں۔''

''آپ کی ان سے اس معاملے میں کوئی بات ہوئی ہے؟''

میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے اور اسے حوصلہ دینے کے لیے کہا۔ ''ہاں ہاں ہوئی ہے۔ میں اپنی دنیا میں جانے سے قبل تم دونوں کو ایک کردوں گا تاکہ تم لوگ ہنسی خوشی زندگی گزارتے رہو۔''

''کیا روبیر راضی ہوگی؟'' ایرٹ کے چہرے پر ایک خوشی کی جھلک آ گئی۔ یہ تو اس کے دل کی بات تھی جو میں نے کہی تھی۔

''سامیرا کا حکم وہ کیسے ٹال سکتی ہے۔ میں نے سامیرا سے کہہ دیا ہے کہ وہ روبیر کو راضی کرے۔''

''اگر ایسا ہوگیا تو میں زندگی بھر آپ کا ممنون رہوں گا۔ روبیر میرے لیے بہت اہم ہے۔ میں اس سے کتنا پیار کرنے لگا ہوں یہ میں آپ کو کیسے بتاؤں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

ہماری باتوں میں اب تک کسی نے دخل نہیں دیا تھا۔ میرے ساتھی تو اس اجنبی زبان کو سمجھ نہیں رہے تھے اس لیے خاموش تھے لیکن باقی سب اس لیے چپ تھے کہ حدِ ادب کا سوال تھا۔ میرے خاموش ہونے کے کافی دیر تک کسی نے کچھ نہیں کہا لیکن جب میں ایک قدم آگے بڑھا تو رائیون نے ایرٹ کو چھیڑا۔ ''ایسی خوشی کی خبر سن کر بھی تم غمگین ہو۔ آرگون پہنچ کر دعوت کرنی ہوگی۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں..... اگر شہباز صاحب نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا تو میں سب کی دعوت ہی نہیں۔ سب کے لباس کا بھی وعدہ ہے۔''

''لباس کی اب کسے فکر۔'' رائیون بولا۔ ''میں تو ملکہ عالیہ سے کہہ کر شعبہ ملبوسات کا افسر بن جاؤں گا۔''

''مجھے بھی یہی امید ہے کہ ملکہ عالیہ ہم سب کو اپنی اپنی پسند کا شعبہ دیں گی۔ میں فوج کی افسری کو ترجیح دوں گا۔'' مارٹ نے گفتگو میں حصہ لیا۔

وہ سب اپنی اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ میں نے دخل دینا مناسب نہیں سمجھا اور سفیر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''تم کیوں اس طرح سے منہ پھاڑے دیکھ رہے ہو۔''

''میں سوچ رہا ہوں تم کتنی زبانیں جانتے ہو۔ انگلش، فرنچ، جرمن۔ عربی تھوڑا بہت نیپالی اور یہ والی گٹ گٹ غٹاک..... ایسا لگتا ہے جیسے کسی ٹین کے ڈبے میں کنکریاں بھر کر بجایا جا رہا ہے۔ یہ کتنے دنوں میں سیکھی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یقین کرو صرف ایک دن میں آ گئی تھی۔''

''واہ.....ایسا کون سا استاد مل گیا تھا جس نے اتنی مشکل زبان ایک دن میں سکھا دی۔''

''اس استاد کا نام برف والا ہے۔ یقین کرو جب میں اس وادی میں آیا تو ایک لفظ بھی نہیں سمجھ رہا تھا کہ برف والے نے اپنی کارسازی سے میرے دماغ میں الفاظ بھر دیئے اور میں ان کی باتیں سمجھنے لگا لیکن بول اب بھی نہیں پاتا جس طرح میں ان کی بات سمجھ لیتا ہوں اسی طرح ان میں سے کچھ کو یہ قوت ملی ہے کہ وہ میری باتیں سمجھ لیتے ہیں اور ایسے گنتی کے لوگ ہیں۔''

ابھی میں نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ایک سپاہی میرے قریب آیا اور بولا۔ ''آرگون میں تمہارے لیے ایک بڑی خوش خبری منتظر ہے۔''

''کون سی خوش خبری؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھ سے کچھ کہا؟ کون سی خوش خبری۔'' اس سپاہی نے تعجب بھرے انداز میں پوچھا۔

اب حیرت کا جھٹکا مجھے لگنا تھا کہ ابھی اس نے خود ہی کہا کہ آرگون میں میرے لیے خوش خبری ہے پھر خود ہی کہہ رہا ہے کہ کون سی خوش خبری؟ میں جھلا کر کوئی جواب دیتا کہ میرے ذہن میں ایک نام گونجا، برف والا۔ اس سے پہلے بھی تو وہ اپنا پیغام کسی نہ کسی ذریعہ سے بھیج دیا کرتا تھا۔ کبھی کسی بچے سے اور کبھی ساتھ کھڑے کسی بندے کی زبان سے کہلوا چکا تھا۔ میں سمجھ گیا اس لیے اسے دستے کے اندر جانے کا اشارہ کر کے سفیر کی طرف مڑ گیا۔

''سپاہی کیا کہہ رہا تھا کہ تمہارے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی؟'' سفیر نے پوچھا۔

''یہ برف والا بھی نا، عجیب ہے۔ اپنا پیغام ایسے بھیجتا ہے کہ عقل حیران رہ جائے۔ اسی کا پیغام تھا کہ آرگون میں ہمارے لیے ایک خوش خبری منتظر ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو ہو سکتا کہ ہے کہ وہ سچ بول رہا ہو۔ کوئی خوش خبری منتظر ہو۔''

''یہ بات تو ہے کہ اب تک اس کی ایک بات بھی غلط نہیں ہوئی ہے۔ اب اس بات کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

باتوں کے درمیان وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا اور ہم آرگان کے مرکزی گیٹ پر پہنچ گئے تھے۔ فصیل میں بنے اس دروازے سے اب تک ہم ایک بار بھی نہیں گزرے تھے۔ اس سے قبل جتنی بار بھی داخل ہوئے تھے تو چور دروازے سے اور باہر بھی آئے تھے تو دوسرے دروازے سے۔ اس دروازے پر پہرا زیادہ ہوتا تھا لیکن آج یہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دروازے کے سامنے اور اندر تک سامیرا کے سپاہی مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ میدان سے فرار ہونے والے بہت سے سپاہی شہر میں پناہ گزیں ہیں۔ میں نے سامیرا کی طرف بڑھنا چاہا تھا کہ اسے ہدایت دے سکوں لیکن اس سے پہلے ہی سامیرا کا نقارچی بڑے سے بھونپو سے اعلان کرتا نظر آیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اب اس شہر کی مالکہ سامیرا ہے۔ آرگون کے تخت کی اصل وارث۔ اس نے ایک طویل جدوجہد کے بعد، بے مثال قربانیوں کے بعد اس سرزمین سے ظلم و جبر کا نام و نشان کلی طور پر مٹا دیا۔ اب ہر ایک کا فرض ہے کہ نئی ملکہ کو خوش آمدید کہے۔ اس کی کوششوں کو سراہے۔ امن و امان قائم کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائے لیکن جو لوگ اس سے جنگ کر چکے ہیں ان کے لیے بھی ایک پیغام ہے۔ وہ خوفزدہ نہ ہوں۔ وہ سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی اسی سرزمین کے بیٹے ہیں۔ ہم سب ایک باپ کی اولاد ہیں۔ اس لیے ان کو عام معافی دی جاتی ہے۔ ان کے لیے اعلان ہے کہ وہ بھی ملک وملت کی ترقی وخوشحالی کے لیے کوشاں ہو جائیں۔ ان سے کوئی باز پُرس نہیں کی جائے گی۔''

اس اعلان کا اثر بہت بہتر ثابت ہوا۔ وہ دروازہ جو ادھ کھلا تھا پوری طرح کھل گیا۔ ہم سب اندر داخل ہوئے۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی ایک عجب منظر نظر آیا۔ سڑک کے دونوں جانب شکست خوردہ سپاہی ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے پیروں کے پاس ان کے ہتھیار پڑے ہوئے تھے۔ سامیرا نے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان پر پھول پھینک کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا جس کا خاطر خواہ فائدہ نظر آیا۔ اب وہ بھی سامیرا کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ ہم ان کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔

اب ہم محل کے سامنے تھے۔ یہ وہی محل تھا جہاں کسی عام آدمی کو آنے نہیں دیا جاتا تھا۔ محل تو محل امرا کے علاقے میں بھی کسی عام آدمی کو آنے کی اجازت نہیں تھی اور آج اسی علاقے میں ہر کوئی آ جا رہا تھا۔ اور ہر کوئی خوش تھا۔ شاد تھا۔ کسی چہرے پر خوف نہ تھا۔

سامیرا کی سواری محل کے دروازے پر رکی تھی کہ وہ اترتے اترتے رک گئی۔ میں اس کے نزدیک ہی تھا۔ میری نظر اس پر پڑی تو میں بھی چونک گیا۔ اس کے چہرے پر غصے کی سرخی تھی اور وہ محل کی سیڑھیوں کے نزدیک سر جھکائے بیٹھے ایک نوجوان کو بغور دیکھ رہی تھی۔

''کون ہے یہ؟'' میں نے نزدیک پہنچ کر پوچھا۔

''یہ رینات کا بیٹا ہے۔ اناس نام ہے۔'' سامیرا نے سانس لے کر کہا۔ ''اس نے مجھے بہت ستایا ہے۔''

''لیکن آپ نے تو عام معافی کا اعلان کر دیا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اسی لیے میں خاموش ہوں ورنہ اسے ابھی قتل کروا دیتی۔''

''اب کیا چاہتی ہیں۔ یہ تو خود سر جھکائے بیٹھا ہے۔''

''لیکن اس کے چہرے پر غصے کی جھلک ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''اس سے پوچھو وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو بلا جھجک کہہ دے۔''

''کچھ کہنا ہے؟'' سامیرا نے اسے مخاطب کیا۔

اب تک میں خود ہی تمام فیصلے کرتا رہا تھا۔ اپنی مرضی سے چل رہا تھا لیکن جب سے سامیرا نے فتح حاصل کی تھی میں نے خود کو اپنے تک محدود کر لیا تھا۔ کوئی بھی فیصلہ نہیں کر رہا تھا۔ میں نہیں چاہ رہا تھا کہ سامیرا کی کسی بات سے اختلاف کروں یا اس پر اپنا فیصلہ تھوپوں۔ اسی لیے میں اسے صرف مشورہ دے رہا تھا۔ اس وقت بھی میں نے اسے بات کرنے کا مشورہ دیا اور لاتعلق ہو گیا۔ میں مڑنے ہی والا تھا کہ رک گیا۔ اس نوجوان کا لہجہ عجیب سا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''سامیرا تم..... تم جو ہمارے ٹکڑوں پر پلتی رہی۔ یہ میرے والد کی غلطی تھی کہ اس نے تمہیں صرف شہر بدر کیا۔ گردن نہیں ماری۔ اسی لیے وہ اپنی جان سے چلا گیا۔ اب بولو مجھ سے کیسا سلوک کرو گی؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اناس، تمہارے لیے بھی معافی کا اعلان ہے۔'' سامیرا نے شاہی تمکنت سے جواب دیا۔''اب رینات کا دور ختم ہو چکا ہے۔ ہر کوئی آزاد ہے۔ تم بھی آزاد ہو۔ دوسروں کی طرح تم بھی اپنے وطن کی خدمت کرو اس کی ترقی اور خوش حالی کے لیے اپنی ذمے داری نبھاؤ۔''

''میں کوئی بھکاری نہیں ہوں جو بھیک میں اپنا سر بچالوں۔ میں ایک بہادر باپ کا بہادر بیٹا ہوں۔ تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ شاہی خاندان کے لوگ زندہ گرفتار نہیں ہوتے۔ میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے جان دے دیتے ہیں۔'' اناس نے غرور بھرے انداز میں جواب دیا۔

''لیکن جنگ تو اب ختم ہو چکی ہے۔ لڑنے کا اتنا ہی شوق تھا تو میدانِ جنگ سے فرار کیوں ہوئے؟''

''مجھے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت ہی نہیں ملی تھی۔ مجھے بابا نے شہر کا نظم و نسق سنبھالنے کو کہا تھا۔ میں اپنا فرض انجام دے رہا تھا۔ لیکن اب جب جنگ ختم ہو گئی اور میرے خاندان کو تخت سے محروم ہونا پڑا تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں موت سے جنگ کروں اور اس کا ایک طریقہ ہے جس کی خبر تمہیں بھی ہو گی۔''

''تو کیا تم مجھ سے لڑنا چاہتے ہو؟ مگر میں بتا دوں کہ میں اب ملکہ ہوں۔ اس ملک کی مالک۔ اور ملکہ یا بادشاہ کبھی بھی کسی ایک آدمی سے نہیں لڑتے۔ وہ صرف جنگ کے میدان میں لڑتے ہیں۔''

''میں ایک بہادر باپ کا بہادر بیٹا ہوں اس کا ثبوت میں خود دوں گا کہ بہادر کس طرح موت کو گلے لگاتے ہیں۔ یہ سورج جو ہمارا تمہارا آقا ہے، جو آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا ہے، یہ بھی آج اپنے اس غلام کی بہادری دیکھے گا۔ میں دکھاؤں گا کہ بہادر کسے کہتے ہیں۔ میں لڑتے ہوئے اپنی جان دوں گا۔ تم ایک کے بعد ایک اپنے بہادر سپاہی کو بھیجو میں اس سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک میں مر نہیں جاتا۔ اگر خود لڑنا نہیں چاہتی تو کسی کو میرے مقابلے میں بھیجو۔'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے قدموں میں ایک نیزہ رکھا ہوا تھا۔ اسے اس نے اٹھا لیا پھر بولا۔''میرا یہ نیزہ بہت سے لوگوں کا خون پی چکا ہے لیکن کئی ماہ سے پیاسا ہے۔ جس کو تم بہادر سمجھتی ہو اسے بھیجو۔ اس میدان میں کسی نہ کسی کا خون بہنا ہے۔ یہ خون تمہاری تاج پوشی پر قربانی ہے۔''

''نہیں تم منتخب کرو کہ کس افسر یا سپاہی سے لڑنا چاہتے ہو۔ تمہاری خواہش پر ہی میں چلوں گی۔ جلدی بولو۔''

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ سامیرا کی سواری کے ساتھ تمام بڑے افسر چل رہے تھے۔ ہر رستے کے سردار تھے۔ وہ ان سرداروں کو نظروں سے تول رہا تھا۔ کئی ایک بار نظریں گھمانے کے بعد اس کی نظر مینائٹ پر ٹھہر گئی۔ اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''یہ..... اس سے میں اپنا پرانا حساب بھی چکانا چاہتا ہوں۔ اسے اپنی نیزہ زنی پر بہت ناز ہے نا۔ آج میرے نیزہ کا بھی یہ کمال دیکھ لے۔ اب کوئی ایک بچے گا۔ میں یا یہ..... اسے میرے مقابلے میں بھیجو۔''

''تم خود ہی مرنا چاہتے ہو تو بات دیگر ہے، میں پھر منع کروں گی کہ اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ نیزہ زنی میں ماہر ہے۔ اگر کوئی پرانی دشمنی ہے تو میں اسے دوستی میں بدلنے کی پیش کش کرتی ہوں۔''

''میں نے کہا نا کہ میں فقیر نہیں ہوں اور نہ مجھے خیرات میں ملی ہوئی زندگی چاہیے۔ اس نے دو سال پہلے آرگون میں چوروں کی طرح داخل ہو کر میری پسندیدہ لڑکی سے شادی کی اور اسے فرار کرا کے لے گیا۔ اب اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لڑکی کو بیوہ کرنے کی ذمے داری میری ہے۔''

سامیرا کچھ کہتی کہ میناٹ نے آگے بڑھ کر سر جھکا کر سامیرا کو تعظیم دی پھر بولا۔ ''ملکہ عالیہ، یہ عیاش و مکار میری حمیت پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا اس لیے میں اسے سبق دینے کی خاطر ایک رات چھپ کر آرگون میں داخل ہوا اور اپنی عزت کو باحفاظت لے کر آ گیا۔ اب یہ پھر میری غیرت کو للکار رہا ہے تو اس کو سبق سکھانے کی اجازت مجھے دی جائے۔ میں ابھی اس بڑبولے کو خاموش کر دیتا ہوں۔''

سامیرا نے اس کی طرف حوصلہ افزا نظروں سے دیکھا۔ میناٹ کے ہاتھ میں اس وقت بھی میرا بنایا ہوا کلہاڑا تھا۔ اس نے کلہاڑے کو گردش دیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا پھر سامیرا سے التجایہ انداز میں کہا۔ ''مجھے اجازت دی جائے۔ میں زندگی بھر ممنون رہوں گا۔''

''اجازت ہے کیونکہ یہ اسی کی خواہش ہے۔ جب یہ مرنے کا خواہشمند ہو چکا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں پھر بھی اس سے یہی کہوں گی کہ ابھی بھی موقع ہے یہ سوچ لے۔''

''میں ایک بہادر باپ کا بہادر بیٹا ہوں اور اس جنگ میں مرنے کے لیے لڑنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اپنے نیزہ کو ہاتھوں میں تول کر کہا۔

ان دونوں کے درمیان مقابلہ ہوگا یہ خبر پوری فوج میں پھیل گئی تھی۔ ہر کوئی اس جنگ کو دیکھنے کے لیے بے تاب نظر آنے لگا تھا۔ وہ سپاہی جو بہت پیچھے تھے وہ آگے آنے کی کوشش میں تھے۔ اگر سامیرا کی سواری وہاں نہ ہوتی تو اب تک دھکم دھکا شروع ہو چکی ہوتی۔ میں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر تمام سپاہیوں کو یہ مقابلہ دیکھنے کا موقع نہیں ملا تو ہڑبونگ مچ سکتی ہے۔ اس لیے میں نے سامیرا کہا۔ ''پہلے تمام سپاہیوں کو میدان میں بیٹھ جانے کے لیے حکم دو تا کہ ہر کوئی بہ آسانی مقابلہ دیکھ سکے۔ درمیان میں کافی سارا حصہ خالی چھوڑ دیا جائے تا کہ یہ دونوں آرام سے مقابلہ کر سکیں۔ دونوں ہی سپاہیانہ رموز سے آگاہ ہیں اس لیے آگے پیچھے ہٹیں گے۔ کوئی اور زد میں نہ آ جائے اس لیے جگہ چھوڑنے کے لیے کہا ہے۔''

سامیرا نے حکم جاری کر دیا۔ تمام سپاہی اس وسیع و عریض میدان میں پھیل کر بیٹھ گئے۔ کئی کئی قطاروں میں سپاہی بیٹھے تھے۔ ایک ڈیڑھ میل قطر کا یہ میدان لوگوں سے بھر گیا تھا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہا تھا۔ عقب میں کئی قطاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ سامیرا نے میناٹ کو اشارہ دیا۔ وہ اپنا کلہاڑا لہراتا ہوا میدان کے درمیان جا کھڑا ہوا۔

''کیا تم اس کھلونے سے میرے نیزہ کا مقابلہ کرو گے۔ نیزہ لے کر آؤ۔'' اناس نے چیخ کر کہا۔ کلہاڑا اس کے لیے نیا ہتھیار تھا اسی لیے وہ اس کی ہلاکت خیزی کے بارے میں زیادہ جانتا نہیں تھا۔

''یہ بھی نیزہ سے کم نہیں۔ یہ میرے اس دوست کا تحفہ ہے جس کو برف والے نے ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ یہ اسی کی بہادری کا نتیجہ ہے کہ تم آج ذلیل و خوار ہو کر میرے سامنے کھڑے ہو اور اب اس کے اسی تحفہ سے میں تمہیں موت کی وادی میں دھکیلوں گا۔'' میناٹ نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

دونوں ایک دوسرے کے رُوبرو کھڑے ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کو اس طرح سے گھور رہے تھے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں سے کھا جائیں گے۔ یہ مقابلہ نہیں پرانی دشمنی کا شاخسانہ تھا۔ دوسروں کی طرح میں بھی پوری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح متوجہ تھا۔ اناس نے اپنا نیزہ بلند کیا اور پھر ایک زوردار نعرہ لگا کر مینات پر حملہ آور ہوا۔ مینات پوری طرح ہوشیار تھا اس نے داہنے جانب ہٹ کر اس کا وار روکا۔ اناس اپنی رفتار کو روک نہ پایا اور دوڑتا ہوا کافی آگے چلا گیا۔ پھر وہ پلٹا اور اس نے دوبارہ وار کیا۔ اس کی پھرتی قابلِ داد تھی۔ وہ جس تیزی سے پینترا بدل رہا تھا یہ اس کی مہارت کا ثبوت تھا۔ مینات نے اب تک ایک بھی وار نہیں کیا تھا۔ وہ صرف خود کو بچا رہا تھا۔ اناس کی پھرتی دیکھ کر میں فکر میں پڑ گیا تھا کہ یہ جس طرح وار پر وار کر رہا ہے اور مینات کو موقع نہیں دے رہا ہے۔ کہیں یہ اپنے کہے کو سچ نہ کر دکھائے اور مینات کی بیوی بیواہ ہو جائے۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کھٹاک کی تیز آواز گونجی اور اناس کا نیزہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ مینات نے پہلی بار کلہاڑا اچایا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نیزہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ اناس نے اپنے ہاتھ میں رہ گئے نیزے کے ڈنڈے کو پھینک کر دو حصوں میں بٹ گئے نیزے کے اس ٹکڑے کو اٹھا لیا جس کے سرے پر تیز انی تھی۔ اب اس نے داہنے ہاتھ میں اس ٹکڑے کو تھام لیا اور بائیں ہاتھ میں کمر سے بندھے سنگی چاقو کو پکڑ لیا۔ مقابلہ کچھ ایسا بن چکا تھا کہ دیکھنے والے سانس لینا بھی بھول گئے تھے۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا اور دیکھنے والے چیخ رہے تھے۔ شور مچا رہے تھے۔ ایسا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اناس پر گویا پاگل پن چھا گیا تھا۔ وہ وار پر وار کر رہا تھا مگر دور رہ کر۔ وہ بار بار مینات کو نشانہ بنانا چاہتا تھا کہ مینات نے پیچھے ہٹ کر کلہاڑا بلند کیا اور پھر اسے گردش دیتا ہوا، پھرکی کی طرح گھومتا ہوا اناس سے دو ہاتھ کے فاصلے پر آیا اور پھر اس نے کلہاڑا چلا دیا۔ پھر جو ایک شور بپا ہوا کہ الآمان الحفیظ۔ میں نے مینات پر نظر ڈالی۔ وہ کلہاڑا دونوں ہاتھوں سے بلند کیے کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے قدموں میں اناس کا بے سر والا جسم پڑا تھا۔ بڑبولا اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا بلکہ خود اس نے اپنی موت کو دعوت دے دی تھی۔ وہ مرنا چاہتا تھا، مر گیا۔ اب میدان میں مینات کی واہ واہ ہو رہی تھی۔ لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر اس کے نام کا نعرہ لگا رہے تھے۔ سامیرا نے مینات کو فتح یاب دیکھ کر اس کی طرف ایک پھول پھینکا جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ انعام کا حقدار ہے۔

سامیرا اب سواری سے نیچے اتر آئی تھی۔ اس نے محل کی سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔ اس کے ساتھ میں بھی اندر کی جانب بڑھا اور پھر ہم سب اس ہال تک جا پہنچے جہاں کبھی رینات کا دربار سجا کرتا تھا۔ سامیرا نے اس تخت کو جس پر رینات بیٹھ کر فیصلے کیا کرتا تھا ایک ٹھوکر ماری پھر اونچی آواز میں بولی۔ ''یہ وہی تخت ہے جس پر بیٹھ کر اس ظالم نے ہمارے بھائی بندوں کو کیسی کیسی سزائیں دی ہیں۔ کتنے بے قصور اس کی ہوس کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ اس لیے آج سے یہ تخت یہاں نہیں رہے گا۔ میں خود آپ لوگوں تک، اپنے عوام تک خود چل کر جاؤں گی اور اگر کوئی فیصلہ کرنا ہوگا تو وہیں اسی مقام پر کر دیا کروں گی۔ اب ہم سب صرف اور صرف تعمیر اور ترقی کا سوچیں گے۔''

اس کی یہ تقریر خواص کے سامنے تھی مگر مجھے معلوم تھا کہ کچھ ہی دیر میں یہ باتیں عوام تک پہنچ جائیں گی اور عوام پوری طرح سامیرا کے حق میں ہو جائیں گے۔

''یہ تو پوری سیاست داں ہے۔'' مجھ سے ترجمہ سن کر عبداللہ نے سرگوشی میں کہا تو میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ سب خاموش تھے اس لیے اس کی سرگوشی دور تک سنائی دے سکتی تھی۔ سامیرا ہماری زبان جانتی تھی اس لیے وہ سن اور سمجھ سکتی تھی۔ میں اسے کچھ کہتا کہ باہر ایک زوردار دھماکا سنائی دیا۔ دھماکا اتنا شدید تھا کہ محل کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیواریں تک لرز گئیں۔ میں باہر کی طرف بھاگا۔ میرے ساتھ سفیر اور وسیم وعبداللہ بھی دوڑے تھے۔ میں نے یہی سمجھا تھا کہ ڈیوڈ شا نے حملہ کر دیا ہے۔ دوڑتے ہوئے میں نے گن کو ہاتھ میں سنبھال لیا تھا۔

محل سے باہر نکل کر دیکھا۔ لوگ افراتفری میں اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے ہیں۔ وہی سپاہی جو کچھ دیر پہلے تک نہایت نظم ونسق سے صف بنائے ہوئے تھے اس وقت پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے راستہ بنا رہے تھے۔ میں نے برآمدے میں کھڑے ہو کر اطراف کا جائزہ لیا مگر میدان میں کہیں سے دھواں اٹھتا ہوا نظر نہیں آیا۔ اب میں اس بھیڑ میں کسی شناسا چہرے کو دیکھ رہا تھا کہ مجھے رائٹون نظر آ گیا۔ میں اس کی طرف دوڑا اور اسے روکتے ہوئے پوچھا کہ یہ دھما کا ہوا کہاں ہے؟

''مجھے خود پتا نہیں ہے۔ ہم سب محل کے باہر جمع تھے اور ملکہ عالیہ کا حکم سننے کے منتظر تھے کہ یہ خوفناک آواز سنائی دی۔ اتنی خوفناک آواز میں نے اپنی زندگی میں نہیں سنی ہے۔'' اس کی آواز تک کانپ رہی تھی۔ دھما کا ان لوگوں کے لیے بالکل نئی چیز تھی اس لیے خوفزدہ ہونا تعجب خیز بات نہ تھی۔

''یہ بتاؤ وہ آواز آئی کس طرف سے تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''اس طرف سے جہاں تاجروں کے گھر ہیں۔'' رائٹون نے اشارے سے بتایا۔

اس کا اشارہ شہر کی جانب تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرے دشمن کی کارستانی ہے۔ اگر چاہو تو میرے ساتھ چلو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ دھما کا کہاں ہوا ہے۔''

رائٹون کو کچھ حوصلہ ملا تو وہ مطمئن ہو گیا اور میرے ساتھ شہر کی جانب دوڑنے لگا۔ میرے تینوں ساتھی اپنی اپنی گن سنبھالے میرے ساتھ تھے۔

ہم سب دوڑتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ شہر میں بھی خوف کا سایہ پھیلا ہوا تھا۔ لوگ گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آ گئے تھے۔ عورتیں اور بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ میں نے رائٹون سے کہا کہ وہ ان سے پوچھے کے آواز کہاں سے آئی تھی۔

رائٹون نے ایک کے بعد ایک کئی آدمیوں سے پوچھا مگر کوئی بھی صحیح جگہ کی نشاندہی نہ کر سکا۔ سب نے صرف آواز سنی تھی۔ اتنے سویرے عام طور سے لوگ گھروں سے باہر نہیں نکلتے پھر رینالٹ کی شکست اور سامیرا کی آمد کی وجہ سے جو پُر جوش تھے وہ محل کے سامنے پہنچ گئے تھے اور جو عام سے لوگ تھے وہ گھروں میں سو رہے تھے اسی وجہ سے کوئی بتا نہیں پا رہا تھا کہ آواز کہاں سے آئی تھی۔

ہم بڑھتے بڑھتے فصیل تک آ پہنچے تھے کہ میری نظر فصیل پر کھڑے سپاہی کی طرف گئی۔ وہ ہتھیلی کا چھجہ بنائے مغرب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے رائٹون سے کہا۔ ''تم اوپر جا کر پوچھو، وہ کیا دیکھ رہا ہے؟''

''یہ تو سانایا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ ابھی پتا کر کے آتا ہوں۔'' رائٹون دوڑتا ہوا سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ وہاں بھی ایک سپاہی کھڑا تھا۔ اس سے وہ کچھ بولا اور پھر سیڑھیوں سے اوپر چلا گیا۔

میں نیچے کھڑا اس سپاہی کو ہی دیکھ رہا تھا کہ اس کے برابر آ کر رائٹون کھڑا ہو گیا۔ اس نے سپاہی سے کچھ پوچھا پھر مغرب کی طرف دیکھنے لگا۔ ادھر اسے کوئی اہم بات نظر آئی تھی کیونکہ اس نے جھک کر مجھے اوپر آنے کا اشارہ کیا اور خود بھی شاید نیچے آنے کے لیے مڑ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دئے۔ وہاں کھڑا سپاہی سامیرا کی فوج کا تھا اس لیے اس نے مجھے دیکھتے ہی سر جھکا کر تعظیم دی۔ میں نے بھی جواباً سر جھکا دیا۔ پھر اوپر کی جانب بڑھنے لگا۔ ابھی آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ رائیٹون اوپر سے اترتا ہوا آ گیا۔ اس نے قریب پہنچتے ہی کہا۔ ''دھماکے کی جگہ نظر آ گئی ہے۔ پہلے باغ میں دھماکا ہوا ہے۔ وہاں سے اب تک دھواں اٹھ رہا ہے۔''

''تو پھر اوپر جانے کا فائدہ۔ ایسا کرو وہیں چلتے ہیں۔'' کہہ کر میں نے سیڑھیاں اترنا شروع کر دیا۔ وہ بھی میرے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگا۔

فصیل سے باہر آ کر ہم تیز تیز قدموں سے باغ کی جانب چلنے لگے۔ وہ باغ شہر سے کافی فاصلے پر تھا۔ ہم اسی جانب چل رہے تھے۔ عام دنوں میں یقیناً اس وقت تک مزدور اپنے کام پر جانے کے لیے نکل جاتے ہوں گے لیکن حالات کی وجہ سے اس وقت ادھر بھر جانے والا راستہ سنسان پڑا تھا۔ راستے کے دونوں جناب جھاڑیاں تھیں۔ ان میں کچھ بھی ہو سکتا تھا لیکن ہم بے خطر آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ جیسے جیسے باغ نزدیک آ رہا تھا ہوا میں پھیلی بارود کی بُو تیز ہوتی جا رہی تھی۔ دھواں اٹھتا نظر آ رہا تھا۔ پیڑوں کی آڑ ہونے کی وجہ سے میں مقام کا صحیح اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا۔ تباہی کس قدر ہوئی ہے یہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ ہم اس باغ کے قریب پہنچ ہی گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ مقام نظر آ گیا جہاں پر دھماکا ہوا تھا۔ وہ ایک جھونپڑی تھی۔ کافی بڑی جھونپڑی جو یقیناً پہرے داروں کے تصرف میں رہتی ہو گی۔ آگ کی لپیٹ میں آ کر راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔ آس پاس کے پیڑ بھی جھلس گئے تھے۔ کافی دور تک تباہی کے آثار پھیلے ہوئے تھے۔ کئی بلند اور تناور درخت بھی جھلسے ہوئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہاں بارود کا ذخیرہ تھا جس میں کسی طرح آگ لگ گئی تھی۔ میں کچھ اور نزدیک پہنچا تھا کہ ٹھٹک گیا۔ اس جلی ہوئی جھونپڑی سے کافی دور ایک بڑے سے پیڑ کے نیچے ایک شخص لیٹا ہوا نظر آیا۔ اس کا لبادہ بتا رہا تھا کہ وہ مقامی ہے۔ میں اس کی طرف بڑھا تھا کہ رک جانا پڑا۔ میں تو اس بندے کی طرف بڑھ رہا تھا اور رائیٹون اس جھونپڑی کو قریب سے دیکھنے کے لیے بڑھ رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی۔ ''رک جاؤ..... ہو سکتا ہے کوئی گولا یا بارود سے بنی کوئی چیز ابھی آگ سے محفوظ ہو اور وہ پھٹ جائے۔ ابھی ادھر نہ جاؤ۔''

میری ہدایت پر وہ رک گیا۔ اس نے الٹے پیر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا تھا۔ میرے قریب آ کر بولا۔ ''آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔''

''حقیقت بتائی ہے۔ پتا نہیں اس جھونپڑی میں کون ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے پاس کتنا آتشی اسلحہ تھا۔ کس کس قسم کے ہتھیار تھے۔ سنا تو یہی ہے کہ ڈیوڈ شا اپنے ساتھ بہت سارا اسلحہ لے کر آیا ہے پھر اس نے ہوائی جہاز کے ذریعہ بھی گولا بارود منگوایا ہے۔ اس نے جن لوگوں کو بلایا ہے ان میں بارود ایکسپرٹ بھی ہوں گے، لگتا ہے انہیں میں سے کوئی یہاں ٹھہرا ہوا تھا اور کچھ تیار کر رہا ہو گا کہ بارود میں آگ لگ گئی۔''

''اس جھونپڑی میں کون رہ رہا تھا اس کا پتا ابھی چل جاتا ہے۔'' اس نے بھی اس زخمی شخص کو دیکھ لیا تھا پیڑ کے نیچے پڑا تھا۔

اس شخص کے نزدیک پہنچ کر میں نے اس کی نبض دیکھی۔ وہ چل رہی تھی۔ لیکن وہ بری طرح زخمی تھا۔ ا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے جسم میں جا بجا زخم تھے۔ وہ چھلنی ہو رہا تھا۔ جہاں پر وہ گرا ہوا تھا وہ جگہ خون سے بھر گئی تھی۔ گویا اس کے جسم سے کافی سارا خون بہہ چکا ہے۔ گو کہ زخم چھوٹے چھوٹے تھے مگر بہت سارے تھے۔ میں نے رائیٹون سے کہا۔

''دیکھو اگر کہیں سے پانی مل سکے تو اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کروں۔''

''وہ رہا اس کا چھاگل۔'' رائیٹون نے قریب کی جھاڑیوں میں گرے ہوئے چھوٹے مشکیزہ کی طرف اشارہ کیا۔ یقیناً یہ چھاگل اسی کا ہوگا جو چھٹک کر دور جا پڑا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا اور اس کے منہ پر بندھا تسمہ کھول کر چلو میں پانی نکالا اور اس کے منہ پر چھینٹے مارے۔ دو تین بار کی کوشش سے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ رائیٹون نے سوال کیا۔ ''کیا تم اس جگہ پر تعینات ہو؟''

''ہاں یہاں کی حفاظت کرنا میرے فرض میں شامل ہے۔ میں مزدوروں کا حساب رکھتا ہوں۔'' اس نے کراہتے ہوئے رک رک کر جواب دیا۔

''اس جھونپڑی میں کون رہ رہا تھا؟''

''اس میں میمار کا ایک دوست اپنے ساتھیوں کے ساتھ کل سے ٹھہرا ہوا تھا۔ میمار نے بتایا تھا کہ یہ رینات کا خاص دوست ہے جو وادی کے باہر سے آیا ہے، اس کے پاس رینات کی خاص مہر بھی تھی جس کی وجہ سے ہم اس کی خاطر داری کرنے پر مجبور تھے تاکہ ہمارا بادشاہ ہم سے خوش رہے۔''

''یہ میمار کون ہے۔ یہ نام تو پہلی بار سن رہا ہوں۔'' میں نے رائیٹون سے پوچھا۔

''میمار وزیر کا بیٹا تھا جو شر پسندی میں کسی سے کم نہ تھا۔'' پھر وہ زخمی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''تمہیں علم ہے رینات کو شکست ہوگئی ہے اور سامیرا کو حکومت مل گئی ہے۔''

''سنا تھا کہ جنگ کے لیے رینات میدان میں جا پہنچا ہے اور جلد ہی سامیرا کو شکست دے کر فتنہ کو ختم کر دے گا۔''

''وہ مارا گیا۔ اس کی فوج پسپا ہوگئی ہے۔ زیادہ تر سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور اب وہ سامیرا کو تخت پر بٹھانے والے ہیں۔''

''اگر ایسا ہوگیا ہے تو بہت اچھا ہے کہ سامیرا اپنے باپ کی طرح لوگوں کی خدمت کرے گی۔ ظلم و ستم کے دن ختم ہو جائیں گے۔''

''اس سے یہ پوچھو کہ یہاں جو رہ رہا تھا وہ کیسا تھا۔'' میں نے رائیٹون سے کہا۔ اس نے میرا سوال دوہرایا تو زخمی نے جواب دیا:

''ایک شخص بہت موٹا اور طاقتور تھا۔ اس کی آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی تھیں۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ باسو کے بارے میں بتا رہا ہے۔ اگر وہ یہاں تھا تو اس کے معنی ہیں کہ ڈیوڈ شا بھی یہیں کہیں روپوش ہوگا۔ ''اور کون کون تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''اس طاقتور کے ساتھ ایک گنجا بھی تھا اور ایک نوجوان۔ لیکن رات میں ایک دوہرے بدن کا خوب گورا سا آدمی آیا جسے دیکھ کر سب کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر مجھے وہاں سے ہٹا دیا کہ تم باہر جا کر بیٹھو۔ میں ساری رات یہیں بیٹھا تھا کہ صبح کے وقت زوردار آواز ہوئی پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔ آپ نے پانی چھینٹا تو آنکھ کھلی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی باتوں سے میں الجھ گیا تھا۔ اگر اس کی بات سچ تھی تو ڈیوڈ شا بھی رات اسی جھونپڑی میں تھا۔ اسے شاید خبر ہوگئی تھی کہ رینالٹ کو شکست ہو چکی ہے اسی لیے وہ بڑے حملے کی تیاری کر رہا ہوگا۔ گولا بارود تیار کر رہا ہوگا یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا ہوگا کہ دھماکا ہوگیا۔ اگر یہ بات صحیح تھی تو دوسروں کے لیے دنیا کو جہنم بنانے والا اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ انسان بھی کتنا بھولا ہے کہ وہ اپنی موت کو ٹال نہیں سکتا اور دنیا سنوارنے میں لگا رہتا ہے۔ جھونپڑی کی آگ بہت حد تک ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ میں نے ان کے باقیات کی تلاش شروع کر دی۔ میں ایک بڑی سی لکڑی سے راکھ کو اِدھر اُدھر کر رہا تھا کہ میری نظر سامنے والی جھاڑیوں پر پڑی۔ وہاں بھی کسی کا جسم نظر آ رہا تھا۔ قریب جا کر دیکھا۔ وہ لاش باسوکی تھی۔ گو کہ اس جسم پر سر نہیں تھا پھر بھی جسم سے اندازہ ہوگیا کہ وہ لاش اسی کی ہے۔ اب مجھے ڈیوڈ شا کی تلاش تھی۔ جب وہ یہاں تھا تو یقینی طور پر ڈیوڈ شا بھی یہیں ہوگا۔ اس کی تلاش میں، مَیں خطرے میں کود گیا۔ اس جھونپڑی کے اندر پہنچ گیا۔ اندر چار لوگوں کی ٹکڑوں میں بٹی سوختہ لاشیں نظر آ گئیں۔ لیکن ان میں ڈیوڈ شا کی لاش نہیں تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دھماکے سے کچھ دیر قبل عقبی طرف سے باہر نکل گیا ہو۔ وہ قسمت کا بہت تیز تھا۔ ہر بار موت کو بہ آسانی شکست دے دیتا تھا۔ شاید اس بار بھی ایسا ہی ہوا ہو۔ یوں بھی شیطان کے پجاریوں کو برائی کے دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کچھ زیادہ ہی چھوٹ دے دیتا ہے۔ اس لیے کہ جہنم میں ہر کوئی اپنے حصے کی آگ لے کر جائے گا۔ جو جتنے برے کاموں میں ڈوبا ہوا ہوگا اس کی آگ بھی تیز ہوگی۔ وہ اچھی طرح جل سکے اسی کا یہ انتظام ہے۔

میں فکر میں ڈوبا ہوا راکھ کے ڈھیر کو پھلانگتا ہوا باہر آیا۔ رائیٹون کھڑا میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''لگتا ہے ڈیوڈ شا فرار ہوگیا۔ اب یہی ڈر ہے کہ کہیں وہ آئی زور سے نہ مل جائے۔''

''سامیرا کی فتح کے بعد آئی زور کی مسند باقی نہیں رہی۔ اگر سامیرا ہی اسے اس کا منصب دے دے تو بات دیگر ہے۔''

''میں نے غور کیا ہے کہ معبد کے بڑے پجاری یعنی آئی زور کے اختیارات رینالٹ سے زیادہ تھے۔''

''یہ بات غلط نہیں ہے لیکن یہاں کے قانون کے مطابق اگر کوئی شہنشاہ کو شکست دے دے تو معبد میں تبدیلی کا اسے اختیار ہوگا۔''

ہم باتیں کرتے ہوئے باغ کے دروازے پر پہنچے تھے کہ قریب کی جھاڑیوں میں مجھے ایک کٹا ہوا سر نظر آیا اور میں تیزی سے اس کے قریب پہنچا۔ وہ سر ڈیوڈ شا کا تھا۔ لگتا ہے کہ وہ دھماکے کے وقت قریب ہی تھا اس لیے اس کا سر اچھل کر دور جا گرا۔ میں نے کبھی کسی کی لاش کی بے حرمتی نہیں کی لیکن اس شخص کو دیکھ کر بھی مجھے رحم نہ آیا۔ اس نے کس طرح سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے۔ یہ میں بھولا نہیں تھا۔ اس شخص کو بہت پہلے مر جانا چاہیے تھا۔ میں بے حس سا بنا وہاں سے نکل پڑا۔ اب مجھے جانے کی جلدی پڑ گئی تھی۔ میرے تقریباً تمام کام انجام پا گئے تھے۔ اب صرف اپنے ساتھیوں کو اور راجا صاحب کو ساتھ لینا تھا اور پھر پاکستان پہنچ کر اپنے اولین دشمن سے دو دو ہاتھ کرنا تھا جس کی وجہ سے میری زندگی سے چین و سکون ختم ہوا تھا۔

وہاں سے ہم فصیل کے پاس آئے تو سفیر اور وسیم کو منتظر پایا۔

''کہاں چلے گئے تھے۔ ہم کب سے آپ لوگوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔'' وسیم نے شکوہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اپنے سب سے بڑے دشمن کا آخری دیدار کرنے گیا تھا۔''

''کیا مرشد یہاں بھی پہنچ گیا۔ کیونکہ ڈیوڈ شا تو پہلے سے ہی موجود ہے۔''

''مرشد نہیں..... ڈیوڈ شا۔ اس نے ہمارا کام آسان کر دیا ہے۔ اس کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں۔''

''ارے واہ..... اس کی لاش کہاں ہے۔ میں اس کے سر سے فٹ بال کھیلوں گا۔''

''دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے، ہوئے، سجناوی مرجانا۔ مرنے کے بعد کسی کو برا نہ کہو۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اگر زندہ ہوتا تو ہزار قسم کی سازشیں رچاتا۔ ان معصوم لوگوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا۔ اس لیے جو ہوا اچھا ہوا۔ اب چلو سامیرا سے مل کر راجا صاحب کے پاس چلتے ہیں۔ اب ہمیں اپنا وطن بہت یاد آ رہا ہے۔''

''وطن یا سویرا کی یاد ستا رہی ہے۔'' سفیر نے چٹکی لی۔

''اچھا سمجھ گیا تم میرے منہ سے کہلوانا چاہو گے کہ میں مونا سے کہوں کہ اس اندھیری وادی میں بھی یہ تمہیں یاد کرتا رہا۔''

''میں سادی سے گواہی دلا دوں گا کہ بات سچ ہے۔'' وسیم نے خود ہی اپنا نام یاد دلا دیا۔

سفیر جواب میں کچھ کہتا کہ میں نے روک دیا۔ ''ابھی ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ مذاق بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی یہاں سے نکلنے کا ذہن بناؤ..... آتے وقت کن دشواریوں سے آئے ہو گے یاد کرو۔ اب پھر وہی سفر درپیش ہے۔''

''آپ ساتھ ہیں تو ہمیں فکر کی ضرورت کیا ہے۔ بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔'' وسیم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

باتوں کے درمیان پتا بھی نہیں چلا اور ہم محل کے سامنے پہنچ گئے۔ اب تک وہاں اسی طرح لوگ جمع تھے۔ ہنسی ٹھٹھول ہو رہا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ میں ان کے درمیان سے ہوتا ہوا اندر کی جانب بڑھا۔ دروازے پر پہرے دار موجود تھے۔ ان سپاہیوں کے ہاتھوں میں نیزے بھی تھے اور ترکش و کمان بھی لیکن انہوں نے مجھے یا میرے ساتھیوں سے کچھ نہ کہا اور نہ روکنے کی کوشش کی بلکہ سر جھکا کر تعظیم دی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ہمیں پہچانتے تھے۔

ہم اندر داخل ہوئے۔ بڑے ہال نما کمرے سے گزر کر دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔ مجھے یہاں کا ایک ایک کمرا یاد تھا اس لیے میں بلا جھجک اندر بڑھتا جا رہا تھا۔ بالآخر میں اس کمرے میں جا پہنچا جہاں سامیرا اپنی فوج کے افسران کے ساتھ بیٹھی مشاورت کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ ''آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟''

''جی ہاں۔ اگر اجازت ہو تو میں قلعہ تک جانا چاہتا ہوں۔ راجا صاحب سے ملنا ضروری ہے۔''

''ڈیوڈ شا کا کیا بنا؟''

''ڈیوڈ شا اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے۔ اس کی لاش ٹکڑوں میں دیکھ آیا ہوں۔ کچھ دیر پہلے جو دھماکا سنا گیا تھا وہ اس جگہ ہوا تھا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔''

''اوہ..... یہ کیسے ہوا؟''

''شاید وہ بارودی ہتھیار اِدھر اُدھر کر رہا ہو گا جو آپس میں ٹکرا گئے یا گرمی سے پھٹ گئے۔ وہ جگہ گڑھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بدل گئی ہے۔ جھونپڑی راکھ کا ڈھیر بن گئی ہے۔ اس کے جتنے بھی ساتھی تھے سب کے چیتھڑے اڑ گئے۔ میں نے چار لاشیں گنی ہیں۔"

"گویا اب ایسا کوئی دشمن بچا نہیں ہے جو خطرہ بنے؟"

"نہیں ابھی معبد کا بڑا پجاری آئی زور..... اس کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ایک گھر میں محصور ہو کر بیٹھا ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"آپ ہی نے بتایا تھا کہ خبر مصدقہ ہے۔"

"یوں بھی اب میں یہاں کی ملکہ ہوں۔ میں نے ملک فتح کر لیا ہے۔ ہمارا قانون ہے کہ فاتح اپنی مرضی کا پجاری رکھ سکتا ہے۔ یعنی میں اسے اس کے عہدے سے ہٹا سکتی ہوں۔"

"یہ بعد کی بات ہے میں قلعہ کی طرف جانا چاہتا ہوں کیونکہ راجا صاحب سے ملاقات کرنا ضروری ہو گیا ہے۔"

"اگر ابھی جانا چاہتے ہو تو میں سواری کا انتظام کر دیتی ہوں لیکن تم تھکے ہوئے ہو اتنا فاصلہ کیسے طے کرو گے۔" پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "شام تک میں بھی قلعہ پہنچ رہی ہوں۔ بس کچھ انتظامات کرنے ہیں۔ اگر رک جاؤ تو ساتھ چلتے ہیں۔"

"نہیں، اب مجھ سے راجا صاحب سے دوری برداشت نہیں ہو رہی۔ پھر ان سے چند اہم امور پر تبادلہ خیال بھی کرنا ہے۔"

"میں ابھی انتظام کرتی ہوں۔" کہہ کر سامیرا نے اپنے قریب بیٹھے ایک آدمی سے کچھ کہا اور وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ تب وہ مجھ سے بولی۔ "وہ سواری کا انتظام کرنے گیا ہے۔ اپنے ساتھیوں کو جمع کر لو۔"

"سب ساتھ ہیں۔" پھر میں نے تعظیمی انداز میں سر جھکا کر کہا۔ "مجھے اجازت دیں۔ میں باہر کھڑا ہوں۔"

"رات میں ملاقات ہو گی۔"

اجازت ملتے ہی میں باہر نکل گیا۔ سفیر، وسیم اور عبداللہ کو ساتھ لے کر میں اس جانب بڑھا جہاں شاہی سواریاں کھڑی کی جاتی تھیں۔

میرا اندازہ صحیح نکلا۔ سامیرا نے جسے بھیجا تھا وہ وہاں کھڑا ایک رتھ نما گاڑی کو تیار کرا رہا تھا۔ میں نے اس کے نزدیک پہنچ کر پوچھا۔ "کیا اسی پر جانا ہے؟"

"جی ہاں بس یہ ابھی تیار ہو جائے گی۔"

اس نے صحیح کہا تھا بمشکل آدھے گھنٹے میں وہ سواری تیار ہو گئی۔ کوچوان نے ہمیں اندر بیٹھنے کا اشارہ د اور ہم سب قلعہ کی جانب چل پڑے۔ یہ وہی شہر تھا جس میں ہم چوروں کی طرح خفیہ دروازے سے داخل ہوئے تھے اور آج عزت کے ساتھ شاہی سواری پر ہم اس شہر سے باہر نکل رہے تھے۔ سواری تیز رفتاری سے قلعہ کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔ باغوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے ہم اس جانب بڑھتے جا رہے تھے جہاں کبھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہرے بھرے کھیت ہوا کرتے تھے اور سامیرا کی حفاظت کے لیے میں نے اس کھڑی فصل کو آگ لگوا دی تھی۔ وہ اب میدان سا نظر آ رہا تھا۔ ہم اس کے درمیان سے گزرتے ہوئے قلعہ کی جانب بڑھتے جا رہے تھے۔ فاصلہ سمٹتا جا رہا تھا۔ پھر وہ میدان آ گیا جہاں گزشتہ دن خون کی ہولی کھیلی گئی تھی۔ اس میدانِ جنگ کو عبور کر کے ہم قلعہ کے بہت نزدیک پہنچ گئے۔

قلعہ کا علاقہ ویران سا نظر آ رہا تھا اس لیے کہ یہاں کے زیادہ تر مکین آرگون گئے ہوئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے، یہاں رہ رہے لوگ اصل میں وہیں کے رہائشی تھے جو رینالٹ کے ظلم و ستم سے گھبرا کر یہاں چلے آئے تھے اور ان کے لیے شہر کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ یہاں کا کوئی فرد اگر وہاں پکڑا جاتا تو اسے سزا دی جاتی تھی اس لیے کوئی ادھر جاتا ہی نہیں تھا۔ جتنے بھی لوگ یہاں تھے ان سب کے رشتے دار وہاں تھے۔ اب موقع ملا تو وہ سب دوڑے چلے گئے تھے۔ ایک وقت تھا کہ مجھے بھی قلعہ سے زبردستی باہر نکال دیا گیا تھا۔ مجھ پر پابندی لگا دی گئی تھی کہ میں یہاں لوٹ کر نہیں آ سکتا ہوں۔ وہ دن وہ مصائب یاد آئے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی کہ دکھاتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔

ابھی میں خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ سواری رک گئی۔ میرے اترنے سے پہلے دوسری جانب سے سفیر اترا پھر وسیم۔ میرے بعد میری طرف سے عبداللہ اترا۔ ہم سب خاموشی سے اندر کی طرف بڑھے۔ اتنے دنوں بعد راجا صاحب سے ملاقات ہونی تھی۔ ان سے کیا کہوں گا؟ ان کے محل سے مجھے جس طرح نکالا گیا اس کا گلہ بھی تو میں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مجھے پتا چل گیا تھا کہ وہ کچھ راجا صاحب کے حکم سے نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی میں انہیں شرمندگی سے بچانا چاہتا تھا کہ یقیناً وہ باتیں ان کے علم میں بھی آ چکی ہوں گی۔

''شہباز تم..... آخر ہماری یاد آ ہی گئی۔'' کمرے میں داخل ہوتے ہی یہ پہلی آواز تھی جو میں نے سنی۔

میں نے جھکی ہوئی نظروں کو اٹھا کر اس بیڈ کی طرف دیکھا جس پر راجا صاحب لیٹے ہوئے تھے۔

''جب سے میں نے سنا ہے کہ آپ آ چکے ہیں میں ملنے کے لیے بے تاب تھا۔ اب جا کر فرصت ملی تو حاضری دے دی۔''

''سامیرا ابھی تک اپنے جھمیلوں میں پھنسی ہوئی ہو گی؟''

''وہ شام تک آ جائیں گی۔'' میں نے ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ سفیر اور وسیم سامنے والی کرسیوں پر قبضہ جما چکے تھے لیکن عبداللہ احتراماً کھڑا تھا۔ راجا صاحب نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

''تم بھی بیٹھ جاؤ۔'' پھر میری طرف مخاطب ہوئے۔ ''اب کیا ارادہ ہے؟''

''اچھا کیا کہ آپ نے یہ بات چھیڑ دی۔ میں یہاں اپنی مرضی سے آیا نہیں، زبردستی بھیجا گیا تھا لیکن یہاں آ کر جو کام نمٹانے تھے وہ نمٹا لیے۔ سب سے اہم بات یہ کہ ڈیوڈ شا کی لاش دیکھ لی۔''

''اسے تم نے مار دیا؟''

''نہیں جناب میں نے نہیں اس کی قسمت نے اسے دھوکا دیا ہے۔ وہ اپنے ہی بارود کا شکار ہو گیا۔''

''تو اب یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟''

''جی ہاں..... پاکستان میں بہت سے کام پینڈنگ پڑے ہیں۔ ان کو نمٹانا چاہتا ہوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''لیکن یہاں سے نکلو گے کیسے۔ باہر جانے کا راستہ یاد ہے؟''

''نہیں، راستہ تو آپ بتائیں گے۔''

''مجھے خود علم نہیں ہے۔ گزشتہ بار تو مجھے یہاں سے زبردستی نکال باہر کیا گیا تھا۔ اس راستے کا علم صرف برف والے کو ہے۔ وہی تمہیں یہاں سے نکال سکتا ہے۔''

''تو کیا آپ کا ارادہ نہیں ہے؟ آپ نہیں جائیں گے؟''

''تم میرے بیٹے جیسے ہو، تم سے کیا چھپانا۔ میں نے ایک لمبی زندگی گزار دی ہے۔ اپنے حصے کے تمام کام نمٹا دیئے ہیں۔ پھر مجھے جس موذی بیماری نے گھیر لیا ہے اس کا صحیح علاج ہمارے ہاں کہاں ہے۔ مجھے تو کہا گیا تھا کہ اب صرف ایک ہفتہ باقی ہے لیکن یہاں آنے کے بعد یہاں کے حکیم نے ایسی جڑی بوٹیاں استعمال کرائیں کہ اب لگتا ہی نہیں ہے کہ میں بیمار ہوں۔ رگ رگ میں اس نے قوت بھر دی ہے۔''

''گویا اب آپ باقی زندگی یہیں گزارنا چاہتے ہیں۔''

''صحیح کہا..... اب میں یہیں رہوں گا۔ وہاں میری اولادیں ہیں۔ ان سے میرا نام چلتا رہے گا۔''

راجا صاحب کی باتوں نے مجھے الجھا دیا تھا۔ برف والے سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اب ہم باہر نکلیں تو کیسے نکلیں؟

''ایسا کرو کہ کچھ دیر آرام کر لو۔ سامیرا آ جائے تو وہی کوئی راستہ نکالے گی۔'' راجا صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اب وہاں رہنا فضول تھا میں اٹھ گیا۔ مجھے کھڑے ہوتے دیکھ راجا صاحب نے عبداللہ سے کہا۔ ''شہباز کا بستر برابر والے کمرے میں لگانے کا کہہ دو۔''

میں عبداللہ کے ساتھ اس کمرے میں آ گیا۔ کافی بڑا کمرا تھا۔ دو بڑے بڑے تخت بچھے ہوئے تھے۔ ایک پر میں دوسرے پر وسیم اور سفیر لیٹ گئے۔

میں لیٹا تھا کہ پُرسکون ہو کر لائحہ عمل بناؤں گا مگر گزشتہ رات جاگتے ہوئے گزری تھی اور گزشتہ دن میدانِ جنگ کی تھکن سے بھرا تھا اس لیے خود بخود آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ میں بے خبری کی نیند میں ڈوب گیا۔

میری آنکھ کھلی تھی عبداللہ کی پکار پر، وہ آوازیں دے رہا تھا۔ آنکھیں جھپکاتا ہوا میں اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں مشعل کی روشنی پھیل رہی تھی گویا رات اتر آئی تھی۔

''آپ کو سامیرا نے یاد کیا ہے۔ راجا صاحب بھی موجود ہیں۔'' عبداللہ کے کہنے پر میں پھرتی سے بستر سے اترا اور چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ پھر باہر کی طرف بڑھتے ہوئے وسیم پر نظر ڈالی، وہ دونوں اب تک سو رہے تھے۔

اس کمرے سے نکل کر میں راجا صاحب والے کمرے میں پہنچا۔ راجا صاحب بستر پر نیم دراز تھے اور سامیرا سامنے والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ ''شہباز یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ تم واپس جانے کی بات کر رہے ہو؟''

''جی ہاں..... میں کافی عرصے سے اپنوں سے دور ہوں۔ اب دل کر رہا ہے کہ ان سے ملوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہم بھی تو اپنے ہیں..... ہمیں چھوڑ کر جانا چاہتے ہو۔ ابھی تو میری تاج پوشی بھی نہیں ہوئی۔'' سامیرا نے مسکرا کر کہا۔

''آپ میرے لیے محترم ہیں، عزیز ہیں لیکن کیا کروں وہاں میرے والدین ہیں اور میں اب ان کی جدائی برداشت نہیں کر پا رہا۔ پھر وہاں ایسے کئی کام ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔''

''میری تو یہی خواہش تھی کہ تم کہیں نہ جاتے۔ میرے ہی پاس رہتے لیکن کیا کروں۔ تم نے والدین کا نام لے کر مجبور کر دیا ہے۔ اس لیے میں روک نہیں سکتی لیکن یہ بتا دوں کہ یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ مجھے بھی پتا نہیں۔ اس سلسلے میں اگر کچھ کر سکتے ہیں تو وہ برف کے ہاتھ والے ہیں۔ ان سے گزارش کرو شاید وہ التجا سن لیں۔''

''جب سے آیا ہوں ان سے ملاقات کہاں ہوئی۔''

''وہ وادی میں اترتے نہیں ہیں۔ وہ پہرے دار ہیں اس لیے وہیں اپنے برف کے گھر میں رہتے ہیں لیکن سنتے سب کی ہیں۔ ان تک ہم جب کوئی بات پہنچانا چاہتے ہیں تو ایک خاص مقام ہے وہاں جا کر التجا کرتے ہیں۔ وہ جگہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہے۔''

''پھر میں کیسے وہاں پہنچوں؟''

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی اس لیے کہ وہ مقام کسی کو دکھا نہیں سکتی اور نہ اس مقام کی اہمیت کے بارے میں کسی کو بتا سکتی ہوں۔ مجھے بابا نے اپنے آخری وقت بتائی تھی۔''

''تو کب لے چل رہی ہیں۔''

''وہ مقام زیادہ دور نہیں ہے۔ کچھ اندھیرا پھیل جائے تو سب کی نظر بچا کر ہم چل دیں گے۔''

''یہ میری بھی خواہش ہے کہ شہباز اپنے ادھورے کام کو جا کر پورا کر لے۔ اس لیے کہ وہ کام بھی بہت اہم ہے۔ وہ کام نمٹا کہ اس کے گھر والے سکون کی سانس لیں گے ورنہ زندگی بھر الجھے رہیں گے۔'' راجا صاحب نے سامیرا سے میری سفارش کی۔

''آپ کہہ رہے ہیں تو میں ابھی لے کر چلتی ہوں۔'' سامیرا اسی وقت راضی ہوگئی۔

میں نے بھی سکون کی سانس لی کہ میں جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ہم دونوں باہر آئے۔ سفیر وغیرہ کو وہیں رکنے کا کہہ کر میں سامیرا کے ساتھ چل پڑا تھا۔

ہم دونوں جب آبادی سے نکلنے لگے تو کچھ سپاہیوں نے ساتھ چلنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن سامیرا نے منع کر دیا اور میرا ہاتھ تھام کر پہاڑ کی جانب بڑھنے لگی۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ دوڑ رہی ہو۔ میں بھی تیز تیز چل رہا تھا۔ ہم دونوں جلد ہی پہاڑ کی ترائی میں پہنچ گئے۔

سامیرا نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر ایک غار کے اندر داخل ہوگئی۔ اس کی تقلید کرتے ہوئے میں بھی اندر داخل ہو گیا۔ وہ غار اندر سے صاف ستھرا تھا ایسا لگتا تھا جیسے اس کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ سامیرا ایک کونے کی طرف بڑھی پھر اس نے مجھے اشارے سے بلایا۔ وہ بالکل خاموش تھی۔ زبان پر گویا مہر لگا لی تھی۔ اس کے اشارے پر میں آگے بڑھا۔ اس نے اشارے سے کونے کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونے کو کہا پھر سرگوشی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے انداز میں بولی۔ ''اب تم برف والے کو پکارو۔ اپنی بات کہو۔ اس کا جواب آ جائے گا۔''

میں نے اس کے کہے پر عمل کیا اور نسبتاً اونچی آواز میں برف والے کو پکارنا شروع کیا۔ ایک بار، دو بار، کئی بار پکارا لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ اب مجھ پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی تھی۔ میں مزید پکارنے پر روک لگانے ہی والا تھا کہ میرے دماغ میں ایک گونج سی ہوئی اور برف والے کی مانوس آواز بازگشت کی طرح سنائی دی۔ اس نے پوچھا تھا۔ ''تم جانا چاہتے ہو؟''

''جی ہاں۔'' بے اختیار میں نے جواب دیا۔

''کب جانا چاہتے ہو؟''

''اب مجھ سے ایک لمحہ بھی یہاں رکا نہیں جا رہا ہے۔'' میرے دل کی بات زبان پر آ گئی۔ ''اپنے حصے کا کام میں نے کر دیا اب مجھے اجازت دی جائے۔''

''صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے یہاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ جانا۔ میں یہاں سے نکلنے کا راستہ بتا دوں گا۔''

''جی بہتر۔ میں صبح آ جاؤں گا۔'' کہہ کر میں نے بند آنکھیں کھول دیں۔ سامیرا غار کے دہانے پر کھڑی تھی۔ اس نے مجھے چہرہ گھماتے دیکھ کر پوچھا.....!

''بات ہو گئی؟''

''جی ہاں۔'' کہہ کر میں نے اپنے قدم بڑھا دیئے۔

○.....ختم شد.....○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk